فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّيْنِ

فتاویٰ قاسمیہ

منتخب فتاویٰ

حضرت مولانا مفتی شبیر احمد القاسمی
خادم الافتاء و الحدیث جامعہ قاسمیہ
مدرسہ شاہی مرادآباد، الہند

(جلد ۱۹)

المجلد الثامن عشر

بقية الوقف باب المدارس، كتاب البيوع، البيع الصحيح الفاسد، المرابحه، الصرف، السلم، الاستصناع، الوفاء، الشفعة، المزارعة

۸۴۰۹ ——— ۸۸۵۶

ناشر
مکتبہ اشرفیہ، دیوبند، الہند
01336-223082

فتاویٰ قاسمیہ

صاحب فتاویٰ

حضرت مولانا مفتی شبیر احمد القاسمی

پہلا ایڈیشن محرم الحرام ۱۴۳۷ھ

ناشر

مکتبہ اشرفیہ، دیوبند، ضلع سہارنپور، الہند

01336-223082

ASHRAFI BOOK DEPOT

DEOBAND, SAHARANPUR, INDIA

Phone: 01336-223082

Mob. : 09358001571،08810383186

مکمل اجمالی فہرست ایک نظر میں

	رقم المسأله		عنوانات
المجلد الأول	١	١٧٢	مقدمة التحقيق، الإيمان والعقائد إلى باب ما يتعلق بالارواح.
المجلد الثاني	١٧٣	٥٥٧	بقية الإيمان والعقائد من باب الحشر إلى باب ما يتعلق بأهل الكتاب، التاريخ والسير، البدعات والرسوم.
المجلد الثالث	٥٥٨	١٠٠٥	بقية البدعات والرسوم من باب رسومات جنائز إلى رسومات نكاح، كتاب العلم إلي باب ما يتعلق بالكتابة.
المجلد الرابع	١٠٠٦	١٤١٥	بقية كتاب العلم من كتابة القرآن إلي باب الوعظ والنصيحة، الدعوة والتبليغ، السلوک والاحسان، الأدعية والأذكار.
المجلد الخامس	١٤١٦	١٩٣٥	الطهارة بتمام أبوابها، الصلوة من أوقات الصلوة إلى صفة الصلوة.
المجلد السادس	١٩٣٦	٢٤٥٧	الجماعة، المساجد، الإمامة.
المجلد السابع	٢٤٥٨	٢٩٦٤	بقية الصلوة من تسوية الصفوف إلي سجود التلاوة.
المجلد الثامن	٢٩٦٥	٣٤٢٣	بقية الصلوة من الذكر والدعاء بعد الصلوة، الوتر، ادراک الفريضة، السنن والنوافل، التراويح، صلوة المسافر.

المجلد التاسع	٣٤٢٤	٣٨٩٣	بقية الصلوة، صلوة المريض، الجمعة، العيدين، الجنائز إلي حمل الجنازة.
المجلد العاشر	٣٨٩٤	٤٤٠٤	بقية الجنائز من صلوة الجنائز إلي باب الشهيد، كتاب الزكوة.
المجلد الحادي عشر	٤٤٠٥	٤٨٧٣	بقية الزكوة، كتاب الصدقات، الصوم، بتمام أبوابها إلي صدقة الفطر.
المجلد الثاني عشر	٤٨٧٤	٥٣٤٨	كتاب الحج بتمام أبوابها، النكاح إلى باب نكاح المكره.
المجلد الثالث عشر	٥٣٤٩	٥٩٤٣	بقية النكاح إلي باب المهر.
المجلد الرابع عشر	٥٩٤٤	٦٤٦٢	الرضاع، الطلاق إلي باب الكناية.
المجلد الخامس عشر	٦٤٦٣	٦٩٠٢	بقية الطلاق، الرجعة، البائن، الطلاق بالكتابة، الطلاق الثلاث، الشهادة في الطلاق، الحلالة.
المجلد السادس عشر	٦٩٠٣	٧٤٠٢	بقية الطلاق، تعليق الطلاق، التفويض، الفسخ والتفريق، الظِهار، الإيلاء، الخلع، الطلاق على المال، العدة، النفقة، ثبوت النسب، الحضانة.
المجلد السابع عشر	٧٤٠٣	٧٨٦٧	الأيمان والنذور، الحدود، الجهاد، اللقطة، الامارة والسياسة، القضاء، الوقف إلي باب المساجد.
المجلد الثامن عشر	٧٨٦٨	٨٤٠٨	بقية الوقف من الفصل الثالث، المسجد القديم إلي مصلى العيد، والمقبرة. (قبرستان)

المجلد التاسع عشر	٨٤٠٩	٨٨٥٦	بقية الوقف، باب المدارس، كتاب البيوع، البيع الصحيح، الفاسد، المرابحة، الصرف، السلم، الوفاء، الشفعة، المزارعة.
المجلد العشرون	٨٨٥٧	٩٣٥٠	الشركة، المضاربة، الربوا بتمام أنواعها.
المجلد الحادي والعشرون	٩٣٥١	٩٧٣٥	الديون، الوديعة، الأمانة، الضمان، الهبة، الإجارة.
المجلد الثاني والعشرون	٩٧٣٦	١٠٢٤٥	الغصب، الرهن، الصيد، الذبائح بتمام أنواعها، الأضحية بتمام أنواعها، العقيقة، الحقوق، بأكثر أبوابها إلي باب حقوق الأقارب.
المجلد الثالث والعشرون	١٠٢٤٦	١٠٧٠٥	بقية الحقوق، الرؤيا، الطب والرقیٰ بتمام أنواعها، كتاب الحظر والإباحة إلي باب السابع، ما يتعلق باللحية.
المجلد الرابع والعشرون	١٠٧٠٦	١١٢٠٥	بقية الحظر والإباحة، باب الأكل والشرب، الانتفاع بالحيوانات، الخمر، الدخان، الهدايا، الموالاة مع الكفار، المال الحرام، الأدب، اللهو، استعمال الذهب والفضة، كسب الحلال، الغناء، التصاوير.
المجلد الخامس والعشرون	١١٢٠٦	١١٦٠٠	الوصية، الفرائض بتمام أبوابها.
المجلد السادس والعشرون	١	١١٦٠٠	فهارس المسائل

❖❖

❍❖❍

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست مضامین

٢٤/ بقیة کتاب الوقف

☐	٩/ باب المدارس	٣٢

مسئلہ نمبر **الفصل الأول: في المدارس** صفحہ نمبر

٨٤٠٩ کیا مدرسوں میں دین پڑھایا جاتا ہے سکھایا نہیں جاتا؟ ٣١
٨٤١٠ دینی مذہبی ادارہ کو رجسٹریشن کرانے کا حکم ٣٢
٨٤١١ مجلسِ عاملہ ومجلسِ شوریٰ................................... ٣٦
٨٤١٢ مجلسِ شوریٰ کے اختیارات ٣٧
٨٤١٣ مدارسِ اسلامیہ میں طلبہ کی دیکھ بھال کے لئے کیمرہ لگانے کا حکم ٤١
٨٤١٤ ایک مدرسہ سے متعلق چند سوالات وجوابات ٤٣
٨٤١٥ مدارسِ اسلامیہ کے اصول کا ماخذ ٤٦
٨٤١٦ مدرسہ کے قوانین کا ماخذ ٤٧
٨٤١٧ مدارس کے اصول وضوابط کی شرعی حیثیت ٤٩
٨٤١٨ ضوابط برائے اساتذہ، تعزیرات وتعطیلات برائے طلبہ ٥٢
٨٤١٩ تعزیرات برائے طلبہ مدرسہ عربیہ امداد الاسلام ہرسولی ضلع مظفرنگر یوپی ٥٤
٨٤٢٠ ضوابط برائے مدرسہ عربیہ امداد الاسلام ہرسولی ضلع مظفرنگر ٥٥
٨٤٢٢ مدرسے کے من جملہ بچوں کی ضروریات مدزکوۃ سے پوری کرنے کا حکم .. ٥٨

۸۴۲۳ مدرسہ میں آمدہ غلہ میں اشیاء کی رسید دینے کا حکم ۶۰
۸۴۲۴ مدارس میں فیس لے کر تعلیم دینے کا حکم ۶۱
۸۴۲۵ طلبہ کا بلا اجازت مدرسہ کی چیزوں کو استعمال کرنے کا حکم ۶۲
۸۴۲۶ تعلیمی اوقات کے دوران طلبہ کو قرآن خوانی کے لئے بھیجنا ۶۳
۸۴۲۷ مدارس کے طلباء سے قرآن خوانی کرانا ۶۴
۸۴۲۸ لڑکیوں کا مدرسہ قائم کرنا ۶۵
۸۴۲۹ مدارسِ اسلامیہ میں غیر مسلم بچوں کو تعلیم دینے کا حکم ۶۵
۸۴۳۰ طلباء کو انعام میں ملنے والے روپیوں کا مالک کون؟ ۶۶
۸۴۳۱ کیا پرانے مکتب میں تعلیمی سلسلہ کو جاری رکھنا ضروری ہے؟ ۶۸

الفصل الثاني: في التولية ۶۹

۸۴۳۲ طلبا کی تعلیمی کوتاہی پر مسئول کون ہے؟ ۶۹
۸۴۳۳ موقوفہ جائیداد کو ذاتی ملکیت سمجھنے کا حکم ۷۰
۸۴۳۴ مہتمم صاحب کا مدرسہ کی زمین اپنے نام رجسٹری کروانے کا حکم ۷۰
۸۴۳۵ مدرسہ کے لئے خریدی گئی زمین کا شخصی بیع نامہ کرانا ۷۱
۸۴۳۶ احکام شریعت کا لحاظ نہ رکھنے والے مہتمم کا حکم ۷۳
۸۴۳۷ مہتمم سے متعلق سوال وجواب ۷۴
۸۴۳۸ مدارس اسلامیہ کے قوانین کی پابندی مہتمم وملازم سب پر لازم ہے... ۷۶
۸۴۳۹ کیا ذمہ دارانِ مدرسہ اصول کے پابند ہیں؟ ۷۹
۸۴۴۰ مدرسہ اور قبرستان کے نام چندہ لے کر اپنی ضروریات میں خرچ کرنے کا حکم ۸۰
۸۴۴۱ بچہ کے قاعدہ پورا ہونے پر مہتمم صاحب کا دعوت کا مطالبہ کرنا ۸۳
۸۴۴۲ مہتمم کے مدرسہ کی رقم اپنے کاروبار میں لگانے یا دوسرے کو قرض دینے کا حکم. ۸۵

❐	**الفصل الثالث: في المدرسين**	۸۶

۸۴۴۳ ذمہ دارانِ مدرسہ ومدرسین کے تعلق سے چند سوالات کے جوابات .. ۸۶
۸۴۴۴ مدرسہ کے مفاد کے پیش نظر کسی ملازم کو برطرف کرنا ۸۸
۸۴۴۵ مدرسہ کے صدر مدرس کے خلاف عوام کے انتشار کا حکم ۸۹
۸۴۴۶ اوقات مدرسہ میں مہتمم کی اجازت سے حوائج ضروریہ کے لئے جانا .. ۹۰
۸۴۴۷ مدرس کو دو وقت پڑھانے پر مجبور کرنا ۹۰
۸۴۴۸ مدرس سے مدرسہ کی رقم گھر سے چوری ہوگئی ۹۲
۸۴۴۹ مدرسین کا چرم قربانی وصول کرنے پر معاوضہ لینے کا حکم ۹۴
۸۴۵۰ مدارس کے ملازم اجیر بالعمل ہیں یا اجیر فی الوقت ۹۵
۸۴۵۱ شخص واحد کے ذمہ درس وتدریس اور امامت وغیرہ سپرد کرنا ۹۷
۸۴۵۲ کیا گاؤں کے مدرس پر مسجد کی امامت بلا اجرت واجب ہے؟ ۹۹
۸۴۵۳ مدرس کو نابالغ طلبا کی امامت کا پابند بنانا ۱۰۰
۸۴۵۴ کیا مدرس کا بیماری میں چھٹی لے کر اپنے نجی کام سے جانا دھوکہ نہیں؟. ۱۰۱
۸۴۵۵ مکتب میں استاذ کا جمعراتی لینا ۱۰۲
۸۴۵۶ مدرس کے جمعراتی وصول کرنے کا حکم ۱۰۳
۸۴۵۷ طلبہ کی طرف سے معلم کو ملنے والے ہدیہ کا حکم.................. ۱۰۴
۸۴۵۸ مدرسے میں بے پردہ معلّمہ کے تقرر کرنے کا حکم ۱۰۵
۸۴۵۹ اساتذہ کے لئے طلبا کو ملنے والے کنسیشن استعمال کرنے کا حکم ۱۰۶
۸۴۶۰ مدرسے کے کمروں میں مدرس کا فیملی کے ساتھ رہنا ۱۰۷
۸۴۶۱ مدرسین کے وسعت ونجی گھر ہونے کے باوجود مدرسہ کا گھر خالی نہ کرنے کا حکم ۱۰۸

۸۴۶۲ غیر صاحب نصاب مدرس کے لئے مدرسہ کا کھانا کھانا ۱۱۳
۸۴۶۳ مدرسین کے لئے ایصال ثواب کا کھانا کھانا ۱۱۴
۸۴۶۴ مدرسے کے ملازم کے علاج کی ذمہ داری کس پر ہے؟............ ۱۱۶

□	الفصل الرابع:	۱۱۷

مدارس میں سرکاری اور غیر مسلم کا مال صرف کرنے کا حکم

۸۴۶۵ مدرسہ کو ایڈ کرانا ۱۱۷
۸۴۶۶ کیا ایڈ کے مدارس میں سرکاری قوانین کی پابندی لازم ہے ۱۱۸
۸۴۶۷ سرکار کی طرف سے آئے ہوئے رسد کو مدرسہ یا مسجد میں لگانے کا حکم ۱۲۰
۸۴۶۸ اسکولوں میں آمدہ سرکاری امداد کی بچی ہوئی رقم کا مصرف ۱۲۰
۸۴۶۹ اسکول کی تعمیر یا طلبہ کی خوراک سے بچی ہوئی رقم کا ہیڈ ماسٹر کا استعمال کرنا ۱۲۲
۸۴۷۰ امام باڑہ کے اوپر مدرسہ بنانے کا حکم ۱۲۳
۸۴۷۱ غیر کی زمین میں اس کی اجازت کے بغیر مدرسہ بنانے کا حکم ۱۲۵
۸۴۷۲ مالک کی اجازت کے بغیر اس کی زمین پر مدرسہ بنانا ۱۲۶
۸۴۷۳ مغصوبہ زمین پر مدرسہ بنانا ۱۲۸
۸۴۷۴ پریس کرنے پر پریس بیچ کر رقم مدرسہ میں لگانا ۱۳۱
۸۴۷۵ لیٹ فیس وصول کرنے کی شرعی حیثیت ۱۳۲
۸۴۷۶ مدرسہ کے لئے غیر مسلموں کا چندہ لینا ۱۳۳
۸۴۷۷ ہندو کی رقم کارِ خیر میں لگانا ۱۳۳
۸۴۷۸ مدرسہ کی تعمیر میں سودی رقم یا کافر کا پیسہ لگانا ۱۳۵
۸۴۷۹ طوائف کی زمین پر مدرسہ تعمیر کرنا ۱۳۷

□	الفصل الخامس : في التصرف	۱۳۸

۸۴۸۰ کیا کسی مدرسے کے دونام رکھنے سے وہ دومدرسے ہو جائیں گے؟ .. ۱۳۸
۸۴۸۱ مسجد مدرسہ بنانے سے متعلق چند سوالات کے جوابات ۱۴۲
۸۴۸۲ کیا مدرسہ کی موقوفہ چیزوں میں غرض واقف لازم ہے؟............ ۱۴۴
۸۴۸۳ مدارس میں قائم کردہ انجمن کی تقسیم کا حکم.......................... ۱۴۵
۸۴۸۴ چندہ کے پیسے سے بنی ہوئی عمارت میں اراکین مدرسہ کا کتبہ لگانا ۱۵۰
۸۴۸۵ جلسہ کی بچی ہوئی رقم کا مصرف ۱۵۲
۸۴۸۶ طلبہ سے لی گئی قیمت طعام کو مدرسہ کی تعمیر میں لگانا ۱۵۳
۸۴۸۷ مدرسہ کی رقم سے امام ومؤذن کو وظیفہ دینے کا حکم.................. ۱۵۳
۸۴۸۸ انجمن کی رقم سے سرپرست انجمن کو ہدیہ دینا......................... ۱۵۴
۸۴۸۹ اسکول کے درجہ پنجم کے امتحان کا خرچ مدرسہ سے لینا................. ۱۵۵
۸۴۹۰ مدرسہ کی رقم سے متعلقین کو ہدیہ دینے کا حکم ۱۵۶
۸۴۹۱ مدرسے کے فنڈ سے مہمان نوازی کرنا ۱۵۷
۸۴۹۲ مدرسہ کی رقم سے چائے، بسکٹ اور مہمانوں کی ضیافت ۱۵۷
۸۴۹۳ مدرسہ کی رقم سے تقریب میں گیٹ وغیرہ کی سجاوٹ ۱۵۸
۸۴۹۴ مدرسے کی زمین میں اساتذہ وطلبہ کے لئے مسجد بنانا ۱۵۹
۸۴۹۵ مدارس کی جمع شدہ رقم اپنی ضروریات میں صرف کرنا..................... ۱۶۰
۸۴۹۶ خزانچی کا مدرسہ کی رقم اپنے استعمال میں لانا ۱۶۱
۸۴۹۷ مدرسہ کا روپیہ ذاتی معاملہ میں خرچ کرنا ۱۶۲
۸۴۹۸ مدرسہ کے فون سے تبلیغی خبر کرنا ۱۶۳

٨٤٩٩　مدرسے کی رقم بطور رشوت دینا............ ١٦٤

٨٥٠٠　مدرسہ کی رقم سرکاری اسکیم شروع کرانے کے لئے بطور رشوت دینا ... ١٦٦

❐	الفصل السادس: اشیائے مدرسہ کی منتقلی کے احکام	١٦٨

٨٥٠١　مدرسہ کی منتقلی سے متعلق چند سوالات کے جوابات ١٦٨

٨٥٠٢　مدرسہ کی آمدنی اسکول میں لگانا......................... ١٧٠

٨٥٠٣　مسجد و مدرسہ کی مشترکہ رقم سے جنریٹر خریدنا ١٧١

٨٥٠٤　مسجد و مدرسہ کی رقم کو ایک دوسرے پر صرف کرنا ١٧٢

٨٥٠٥　مسجد و مدرسہ کا پانی ولائٹ خارج مسجد و مدرسہ کو دینا.................. ١٧٣

٨٥٠٦　ایک مدرسہ کا غلہ دوسرے مدرسہ میں دینے کا حکم.................. ١٧٤

٨٥٠٧　ایک مدرسہ کی رقم دوسرے مدرسہ میں لگانا ١٧٥

٨٥٠٨　مدرسہ بنانے کے نام پر وصول شدہ رقم کو دوسرے مدرسہ میں دینا ١٧٦

٨٥٠٩　ایک مدرسہ کی وقف شدہ اراضی کو دو مدرسوں پر تقسیم کرنا................. ١٧٨

٨٥١٠　مدرسہ کی رقم سے مدرسہ کی زمین میں مسجد تعمیر کرنا.................. ١٨٠

❐	**الفصل السابع: في الإجارة**	١٨١

٨٥١١　مدرسے کی زمین میں ضروریاتِ مدرسہ کے لئے دوکان تعمیر کرنا...... ١٨١

٨٥١٢　مدرسہ کی رقم مسجد یا مسجد کی رقم مدرسہ کو بطور قرض دینا.................. ١٨٣

٨٥١٣　مدرسہ کے تہہ خانہ میں آمدنی کی خاطر ''کار پارکنگ'' بنانا ١٨٤

٨٥١٤　مدرسہ میں ووٹ ڈالنے کی مشین لگانا ١٨٥

٨٥١٥　احاطۂ مدرسہ میں قربانی کرنے سے روکنا........................ ١٨٦

٨٥١٦　مدرسہ کی عمارت اسکول کے لئے کرایہ پر دینا ١٨٧

۸۵۱۷ مدرسہ میں بارات رکانا ۱۸۸

۸۵۱۸ مدارس عربیہ کی بالائی منزل پر جونیر کی تعلیم دینا ۱۹۰

۸۵۱۹ گرام سماج کی زمین پر مدرسہ کی رقم سے دوکان بنانا ۱۹۱

۸۵۲۰ مسجد کے لئے مدرسہ سے قرض لینا ۱۹۲

۸۵۲۱ مدارس کی رقم تجارت کے لئے دینا ۱۹۳

□	**الفصل الثامن: في المشاهرة**	۱۹۵

۸۵۲۲ کیا مہتمم مدرسین کے مقابلہ میں دوگنی تنخواہ لے سکتے ہیں؟ ۱۹۵

۸۵۲۳ موجودہ دور میں تنخواہ میں زیادتی کا مطالبہ کرنا ۱۹۶

۸۵۲۴ شرط فاسد لگاکر تنخواہ بڑھانا ۱۹۸

۸۵۲۵ سائنس سے انٹر پاس اور ہندی کے مدرس کو گورنمنٹ سے تنخواہ دلانا . ۱۹۹

۸۵۲۶ مدرسہ کے ناظم کا مدرس کی تنخواہ نہ دینا ۲۰۰

۸۵۲۷ مقررہ تنخواہ سے کم دینے کا حکم ۲۰۲

۸۵۲۸ چندہ نہ کرنے کی صورت میں مدرس کو سابقہ تنخواہ نہ دینا ۲۰۳

۸۵۲۹ مقررہ وقت میں کام کرنے پر تنخواہ کا استحقاق اور کوتاہی پر برطرف کرنا ۲۰۵

۸۵۳۰ مدارس ومساجد کے ملازمین کا سرکاری تنخواہ لینا ۲۰۶

۸۵۳۱ پرائیویٹ فنڈ کا حکم ۲۰۷

۸۵۳۲ بلا اجازت مدرسے سے جانے والے کی تنخواہ کا حکم ۲۰۸

۸۵۳۳ مدرس کی تقرری کے بعد بلاعوض نگرانی پر مجبور کرنے کا حکم ۲۱۰

۸۵۳۴ حج کو جانے والے مدرس کے لئے رخصت بالوضع کا حکم ۲۱۲

۸۵۳۵ گورنمنٹ سے روپیہ لے کر مدرسین کو تنخواہ دینا ۲۱۳

۸۵۳۶ بمد تعمیر رقم کو تنخواہ میں استعمال کرنا ۲۱۴

۸۵۳۷　غیر حاضری کی تنخواہ کا حکم ۲۱۶
۸۵۳۸　مدرس کے ایام مرض کی تنخواہ ومجلسِ شوریٰ کی شرعی حیثیت ۲۱۷
۸۵۳۹　علالت کے زمانہ کی تنخواہ ۲۱۹
۸۵۴۰　بیماری کے ایام میں گھر پر رہتے ہوئے تنخواہ لینے کا حکم ۲۲۱
۸۵۴۱　اطلاعی نوٹس ۱۵؍ یوم قبل نہ دینے کی صورت میں تنخواہ کاٹ لینے کا حکم . ۲۲۲
۸۵۴۲　نصفِ شعبان میں معزول کی وجہ سے رمضان کی تنخواہ کے استحقاق کا مسئلہ ۲۲۳
۸۵۴۳　پندرہ شعبان کو معزول مدرس رمضان کی تنخواہ کا مستحق کب؟ ۲۲۴
۸۵۴۴　اضافی رقم کے حقدار ملازم ہیں نہ کہ مستعفی؟ ۲۲۵
۸۵۴۵　مستعفی کی ایک ماہ کی تنخواہ ضبط کرنے کا حکم ۲۲۷
۸۵۴۶　جمعہ کے دن کی تعطیل کو رخصت میں شمار کرنا ۲۲۹
۸۵۴۷　غیر حاضری کے ایام کو حاضری کے ایام کا بدل قرار دے کر تنخواہ وصول کرنا. ۲۳۰
۸۵۴۸　غیر عالم کا حکومت سے عالم کی تنخواہ لینا ۲۳۲
۸۵۴۹　غیر حاضری کے دن کی دستخط کر کے تنخواہ وصول کرنا ۲۳۳
۸۵۵۰　مدرس وامام کے لئے ایام تعطیل کی تنخواہ لینے کا حکم ۲۳۴
۸۵۵۱　سرکار سے مدرسین کا غیر حاضری کے ایام کی تنخواہ لینا.................. ۲۳۶
۸۵۵۲　ایامِ رخصت کی تنخواہ کا مسئلہ ۲۳۷
۸۵۵۳　تعطیل کلاں میں تنخواہ کا استحقاق کب؟ ۲۳۸
۸۵۵۴　مدرسہ کے ملازم کا ایام تعطیل کی تنخواہ لینا........................ ۲۴۰
۸۵۵۵　تعطیل کلاں میں تنخواہ کا استحقاق ۲۴۱
۸۵۵۶　مدارسِ اسلامیہ میں ایامِ تعطیل کی تنخواہوں کا حکم ۲۴۳
۸۵۵۷　مدرسے کی چھٹیوں میں پڑھانے کی اجرت اور تعطیل کلاں کی تنخواہ کا حکم .. ۲۴۴
۸۵۵۸　رمضان کی تنخواہ کا حکم ۲۴۶

۲۵/ کتاب البیوع

❐	۱/ باب البیع الصحیح	۲۴۸

۸۵۵۹ مالِ متقوم وغیر متقوم، بیع باطل اور فاسد کی تعریف ۲۴۸
۸۵۶۰ نیلامی کا حکم ۲۵۰
۸۵۶۱ امریکہ سے ٹیلی ویزن پر خرید وفروخت کا حکم ۲۵۰
۸۵۶۲ مسلمانوں کا غیر مسلموں سے خرید وفروخت کرنا ۲۵۲
۸۵۶۳ مشتری کا مبیع کو استعمال کرنے کے بعد فروخت کرنے کا حکم ۲۵۳
۸۵۶۴ کیا حرام مال میں تعدی پائی جاتی ہے؟ ۲۵۵
۸۵۶۵ زمین فروخت کرنے کے بعد رجسٹری نہ کرانا ۲۵۷
۸۵۶۶ خریدار کا بائع کی اولاد کو رجسٹری پر دستخط کرنے کے عوض کچھ دینے کا حکم .. ۲۵۹
۸۵۶۷ خریدار کا ادائے قیمت پر کمیشن کا مطالبہ ۲۶۰
۸۵۶۸ بیع میں کس جگہ کا اعتبار ہے؟ ۲۶۱
۸۵۶۹ مشترکہ طور پر سامان خریدنے کی صورت میں کس پر کتنی قیمت واجب ہے؟ ۲۶۲
۸۵۷۰ خریدار کا زمین خالی کرانے کے لئے چھپ کر فصل کاٹ لینا ۲۶۳
۸۵۷۱ فرضی بل کے ذریعہ سرکاری گرفت سے بچنا ۲۶۵
۸۵۷۲ حکومت کے قانون کے خلاف نیپال میں جا کر غلہ بیچنا ۲۶۶
۸۵۷۳ وکیل کا فعل موکل کے فعل کے حکم میں ہوتا ہے ۲۶۷
۸۵۷۴ فروختگی کا وکیل بنانا ۲۶۸
۸۵۷۵ بائع مبیع کی قیمت وکیل سے کم لے تو کیا حکم ہے؟ ۲۷۰
۸۵۷۶ مستحق نکل آنے والی زمین کا حکم ۲۷۱

۸۵۷۷	پریس والوں کا پوری قیمت وصول کر کے کچھ اشتہار کم دینا	۲۷۲
۸۵۷۸	سپلائر کارخانہ دار سے سامان خرید کر دوکاندار کو کم قیمت میں فروخت کرنا .	۲۷۳
۸۵۷۹	مبیع کو انعام کے ساتھ فروخت کرنا	۲۷۵
۸۵۸۰	اسکیم کے تحت پنکھے کی خرید وفروخت..........................	۲۷۶
۸۵۸۱	عقد کے وقت ثمن میں جہالت نہ ہو تو عقد صحیح ہے؟	۲۷۷
۸۵۸۲	پیکنگ شدہ ڈبوں کو وزن کئے بغیر خرید وفروخت کرنا	۲۷۸
۸۵۸۳	بنجر زمین کو آباد کرنا........................	۲۸۰
۸۵۸۴	سرکاری افتادہ زمین کی خرید وفروخت کی شرعی حیثیت	۲۸۱
۸۵۸۵	کیا جلسہ کے موقع پر بالعوض کھانا کھانا بیع ہے؟	۲۸۸
۸۵۸۶	مکمل قیمت کی وصولیابی سے قبل بیوہ کا اپنی زمین میں نماز سے روکنا .	۲۸۹
۸۵۸۷	مشتری اول کا پوری رقم دینے سے قبل مشتری ثانی کو فروخت کرنا	۲۹۱
۸۵۸۸	جائیداد پر قبضہ کرنے سے پہلے مشتری کا بائع کو وکیل بالبیع بنانا	۲۹۲
۸۵۸۹	قبضہ سے پہلے زمین کی خرید وفروخت کا حکم	۲۹۳
۸۵۹۰	متعینہ بکنگ شدہ زمین کو منافع کے ساتھ فروخت کرنا	۲۹۴
۸۵۹۱	قبضہ سے قبل زمین کو فروخت کرنا	۲۹۶
۸۵۹۳	ادھار خریدی ہوئی زمین میں مالک کی اجازت سے کھیتی کرنے کا حکم .	۲۹۸
۸۵۹۴	خرید وفروخت کی ایک شکل کا حکم	۲۹۹
۸۵۹۵	خریدار پر دین مہر ادا کرنا لازم نہیں اور فروختگی کے بعد ورثاء کو حق اعتراض نہیں .	۳۰۱
۸۵۹۶	مکان کی فروختگی کی قیمت وصول ہونے کے بعد مالک کا کوئی حق باقی نہیں رہتا	۳۰۲
۸۵۹۷	والد کے مکان فروخت کرنے کے بعد اولاد کا دعویٰ معتبر نہیں	۳۰۳
۸۵۹۹	والدہ کا حالت صحت میں اپنی جائیداد بیچنا	۳۰۷
۸۶۰۰	بائع کا زمین پر قبضہ دینے کے بعد اس کے ورثاء کا بیچنے سے انکار کرنا .	۳۰۸

٨٦٠١	کیا پھٹی بوریوں سے گرنے والی کھاد دوکان دار استعمال کرسکتا ہے؟	٣٠٩
٨٦٠٢	دوکان دار کا کم قیمت لینا	٣١٠
٨٦٠٣	قصاب کا چرم قربانی بازاری بھاؤ سے کم قیمت پر خریدنا	٣١١
٨٦٠٤	زائد قیمت کے چاول کے ساتھ کم قیمت والے چاول بیچنا..........	٣١٢
٨٦٠٥	کرایہ دار کے مکان خالی نہ کرنے پر اسی کے ہاتھ کم قیمت پر بیچنا	٣١٣
٨٦٠٦	کتے کے جھوٹے آٹے کی بیع کا حکم.........................	٣١٤
٨٦٠٧	اولاد نے والد کے ساتھ رہ کر جو کمائی کی وہ کس کی ملک ہے؟	٣١٥
٨٦٠٨	دودھ کی بالائی مشین کے ذریعہ نکال کر فروخت کرنا	٣١٦
٨٦٠٩	فوٹو فریم بنا کر فروخت کرنا	٣١٧
٨٦١٠	غیر مسلم کو قرآن شریف فروخت کرنے کا حکم	٣١٨
٨٦١١	آیاتِ قرآنیہ والے کلینڈر غیر مسلم کو فروخت کرنے کا حکم............	٣١٩
٨٦١٢	سرکار کی طرف سے بینڈ شدہ کتاب کی فروختگی کا حکم	٣٢٠
٨٦١٣	مسلم شخص کا غیر مذہبی فوٹو کی کتابیں فروخت کرنا.................	٣٢١
٨٦١٤	لہو ولعب کی چیزیں بنانے اور بیچنے کا حکم	٣٢٢
٨٦١٥	مانجھے کی آمدنی کا حکم	٣٢٣
٨٦١٦	پوجا پاٹ اور نذر و نیاز میں استعمال ہونے والی اشیاء کی خرید وفروخت کا حکم	٣٢٣
٨٦١٧	پوجا میں استعمال ہونے والے پیتل کے چراغ بنانا	٣٢٥
٨٦١٨	گھنٹی، ترشول، اوم، چراغ وغیرہ آرڈر پر بنانا	٣٢٦
٨٦١٩	مانع حمل دواؤں کی خرید وفروخت کا حکم	٣٢٧
٨٦٢٠	زمین کی بقیہ قیمت کی ادائیگی موجودہ وقت کے اعتبار سے ہوگی یا خرید کے؟	٣٢٨
٨٦٢١	پھل آنے سے قبل بور آنے کے بعد باغوں کی خرید وفروخت	٣٢٩
٨٦٢٢	باغات کی فروختگی میں جواز کی متبادل شکل	٣٣٠

٨٦٢٣ زمین مع باغ ٹھیکہ پر دینا ٣٣٢
٨٦٢٤ باغ مع زمین ایک سال یا کئی سال کے لئے فروخت کرنا ٣٣٢
٨٦٢٥ کیروسین کی خرید وفروخت ٣٣٣
٨٦٢٦ راشن دوکان سے غلہ خریدنا ٣٣٥
٨٦٢٧ دوسروں کے کنکشن سے گیس لے کر زیادہ قیمت میں فروخت کرنا ٣٣٦
٨٦٢٨ گیس کی کالا بازاری کی شرعی حیثیت ٣٣٧
٨٦٢٩ 132 نمبر کا پلاٹ بیچ کر 131 نمبر کا پلاٹ دینا ٣٣٨
٨٦٣٠ گلوکوز کی خرید وفروخت کا حکم ٣٤٠
٨٦٣١ چوری کا اڈا بنانے والے کو زمین فروخت کرنے کا حکم ٣٤١
٨٦٣٢ ویزا کی خرید وفروخت ٣٤١
٨٦٣٣ اخبار کی خریداری کی قیمت کو فیس قرار دینے کا حکم ٣٤٢
٨٦٣٤ ہوٹل والوں کا زیادہ قیمت میں کھانا فروخت کرنے کا حکم ٣٤٣
٨٦٣٥ قانوناً پابندی شدہ جنگلات سے لکڑیاں کاٹ کرلانا ٣٤٥
٨٦٣٦ سرکاری جنگلات کی لکڑیوں کی خرید وفروخت کا حکم ٣٤٦
٨٦٣٧ دریائی جانوروں کی بیع اور ان کے کھانے کا حکم ٣٤٧
٨٦٣٨ مردار کی ہڈی، دانت، سینگ، پٹھے کی خرید وفروخت کا حکم ٣٤٨
٨٦٣٩ مردار جانور کے کچے چمڑے اور ہڈی کی خرید وفروخت کا حکم ٣٤٩
٨٦٤٠ حلال جانوروں کے کون کون سے اعضاء کی تجارت جائز ہے؟ ٣٥١
٨٦٤١ مرغ وغیرہ جانوروں کو زندہ فروخت کرنے کا حکم ٣٥١
٨٦٤٢ زندہ جانور تول کر بیچنا ٣٥٢
٨٦٤٣ مذبوحہ جانوروں کے اعضائے تناسل اور خون کی بیع کا حکم ٣٥٣
٨٦٤٤ سمندری کیکڑے کی خرید وفروخت کا حکم ٣٥٤

۸۶۴۵ کتے کی بیع کی شرعی حیثیت ۳۵۶
۸۶۴۶ انسانی وحیوانی فضلات کی خرید وفروخت کا حکم ۳۵۷
۸۶۴۷ بریلوی مسلک کے لوگوں کو زمین فروخت کرنے کا حکم ۳۵۸

۲/ باب الخیار ۳۶۰

۸۶۴۸ بیع کے تام ہونے کے بعد کسی ایک فریق کے بیع کو ختم کرنے کا حکم ... ۳۶۰
۸۶۴۹ عقد صحیح کے بعد واپسی پر مجبور کرنا ۳۶۲
۸۶۵۰ بیعانہ کی ادائے گی نہ کرنے پر کیا بیع کو ختم کیا جا سکتا ہے؟........... ۳۶۳
۸۶۵۱ مدت متعینہ پر ثمن کی ادائے گی نہ ہونے پر بائع کو خیار فسخ حاصل ہے . ۳۶۴
۸۶۵۲ مال میں نقص نکلنے پر کارخانہ دار پر ہرجانہ عائد کرنا ۳۶۶
۸۶۵۳ وقت پر قیمت ادا نہ کرنے کی وجہ سے معاملہ فسخ کرنا ۳۶۷
۸۶۵۴ بیع تام اور لازم ہونے کے بعد معاملہ منسوخ کرنے کا حکم ۳۶۹
۸۶۵۵ وعدہ کی خلاف ورزی پر سابقہ معاملہ ختم کردینے کا حکم ۳۷۰

۳/ باب العربون ۳۷۲

۸۶۵۶ بیعِ عربون ۳۷۲
۸۶۵۷ بیعانہ دے کر خرید وفروخت کرنے کا حکم ۳۷۳
۸۶۵۸ کیا دھوکہ سے اپنے نام بیع نامہ کرانے سے ملکیت ثابت ہوجائے گی ۳۷۴
۸۶۵۹ کیا ''امداد الفتاویٰ'' میں بیعانہ ضبط کرنے کا مسئلہ ہے؟............ ۳۷۵
۸۶۶۰ زرِ بیعانہ کی واپسی کا حکم ۳۷۶
۸۶۶۱ بیعانہ کی واپسی لازم ہے ۳۷۷
۸۶۶۲ بیعانہ کی رقم ضبط کرنے کا حکم ۳۷۸

۸۶۶۳ بیعانہ کی واپسی پر زائد رقم لینا ۳۷۹
۸۶۶۴ بیعانہ کے بعد معاملہ ختم کرنے کا حکم ۳۸۱
۸۶۶۵ جائیداد کا بیعانہ دوسرے کو دے کر سوتیلے بیٹے کو فروخت کرنا ۳۸۲
۸۶۶۶ بائع کا بیعانہ کی رقم جمع کرنا اور مشتری کا ڈبل رقم لینا ۳۸۳
۸۶۶۷ معاملہ ختم ہونے کی صورت میں بیعانہ کی رقم کا حکم ۳۸۵
۸۶۶۸ بیعانہ کی ڈبل رقم واپس کرنا ۳۸۶
۸۶۶۹ خریداری میں دی گئی رقم کی واپسی میں دوگنی رقم لینا ۳۸۷

❐	۴/ باب البیع الفاسد، والباطل، والمکروہ	۳۹۰

۸۶۷۰ شرطِ فاسد کے ساتھ خرید وفروخت کی شرعی حیثیت ۳۹۰
۸۶۷۱ شروط فاسدہ کے ساتھ بیع کا معاملہ ۳۹۰
۸۶۷۲ بیع میں شرطِ فاسد لگانے کا حکم ۳۹۲
۸۶۷۳ بیع واجارہ بیک وقت شئ واحد میں کرنے کا حکم ۳۹۴
۸۶۷۴ معدوم کی بیع کا حکم ۳۹۶
۸۶۷۵ ’’بیع منابذہ‘‘ ۳۹۸
۸۶۷۶ کمیٹی کا خریدار سے متعینہ رقم سے زیادہ کا مطالبہ کرنا ۳۹۹
۸۶۷۷ دوسرے کی زمین فروخت کرنے کا حکم ۴۰۲
۸۶۷۸ دوسرے کی دوکان اپنی بنا کر فروخت کرنے کا حکم ۴۰۳
۸۶۷۹ دوسرے کی چیز بلا اجازت فروخت کرنے کا حکم ۴۰۴
۸۶۸۰ لون کے رکشے فروخت کرنے کا حکم ۴۰۶
۸۶۸۱ سامان نہ ملنے پر ۴۵/سو کی جگہ چھ ہزار لینے کا حکم ۴۰۸
۸۶۸۲ ۵۰۰/روپئے کا بل ۴۰۰/روپئے میں فروخت کرنا ۴۱۰

۸۶۸۳ پیمنٹ کی دوسونوے کی پرچی ۲۸۰ ؍ میں فروخت کرنا ۴۱۱
۸۶۸۴ ڈیڑھ روپئے فی اشتہار معاملہ طے کرنے کے بعد ایک روپئے میں چھپوانا . ۴۱۲
۸۶۸۵ دیوالی پر مسلمان کا آتش بازی کی اشیاء فروخت کرنا ۴۱۳
۸۶۸۶ گرین وے پشو پالن میں حصہ لینا ۴۱۴
۸۶۸۷ سودی رقم سے، جھوٹ بول کر یا کم تول کر تجارت کرنا ۴۱۶
۸۶۸۸ لاٹری کے پتے، تاش، لوڈو، کنچے، آتش بازی بیچنے کا حکم ۴۱۷
۸۶۸۹ غیر شرعی لباس کو سلنا اور فروخت کرنا کیسا ہے؟ ۴۱۸
۸۶۹۰ ہیروئن کی بیع وشراء ۴۱۹
۸۶۹۱ نشہ آور چیزوں کی خرید وفروخت کا حکم ۴۲۱
۸۶۹۲ شراب سے بنے ہوئے سرکہ کا استعمال وتجارت ۴۲۲
۸۶۹۳ اعضائے انسانی کی خرید وفروخت کا حکم ۴۲۴
۸۶۹۴ گوبر اور اس سے نکلے ہوئے دانے کی تجارت ۴۲۵
۸۶۹۵ مردار جانور کی ہڈی، کھال اور چربی فروخت کرنے کا حکم ۴۲۷
۸۶۹۶ میتہ بکریوں کی بیع اور اس کی آمدنی کا حکم ۴۲۸
۸۶۹۷ مردار جانوروں کے گوشت کی خرید وفروخت ۴۳۰
۸۶۹۸ جھٹکے کے بکرے کی آنت کی تجارت کا حکم ۴۳۱
۸۶۹۹ خون کی مصنوعات کی تجارت ۴۳۳
۸۷۰۰ خون کی بیع کا حکم ۴۳۴
۸۷۰۱ خون سے بنے مچھلیوں کے دانہ کی خرید وفروخت کا حکم ۴۳۷
۸۷۰۲ بیع سرطان کا حکم ۴۳۹
۸۷۰۳ خنزیر کے بالوں کے ساتھ دوسرے جانور کے بالوں سے برش بنانا .. ۴۴۰
۸۷۰۴ فحش کتابیں اور خنزیر کی چربی سے بنے چپس فروخت کرنے کا حکم ۴۴۱

۸۷۰۵ ادھیا پر بکری دینا ۴۴۲
۸۷۰۶ چار من غلہ پر زمین کاشتکاری کے لئے دینا ۴۴۳
۸۷۰۷ زمین کی فروختگی کی ایک شکل ۴۴۴
۸۷۰۸ زمین کی فروختگی کی ایک ناجائز شکل ۴۴۶
۸۷۰۹ قسطوار زمین کی خرید وفروخت کرنے والی کمپنی کا ممبر بننا ۴۴۷
۸۷۱۰ زمین کو فروخت کرنے کی ایک ناجائز شکل ۴۵۰
۸۷۱۱ پتنگ بنانا اور فروخت کرنا کیسا ہے؟ ۴۵۲
۸۷۱۲ جانوروں کی تصاویر بنانا اور ان کا کاروبار کرنا ۴۵۳
۸۷۱۳ پیتل کے ہاتھی گھوڑے وغیرہ بنانا ۴۵۴
۸۷۱۴ پیتل وغیرہ کی مورتی بنانا کیسا ہے؟ ۴۵۵
۸۷۱۵ تانبا پیتل سے جانوروں کا مجسمہ بنانا ۴۵۶
۸۷۱۶ چوری کے سامان کی خرید وفروخت کا شرعی حکم ۴۵۸
۸۷۱۷ چوری کا مال خریدنا کیسا ہے؟ ۴۶۰
۸۷۱۸ مال مسروق کی بیع وشراء کا حکم ۴۶۱
۸۷۱۹ چوری کی لکڑی کی خرید وفروخت اور عددوں کو تیار کرنے پر مزدوری لینا ۴۶۳
۸۷۲۰ باغات کی خرید وفروخت ۴۶۵
۸۷۲۱ بدو صلاح سے قبل پھلوں کی خرید وفروخت ۴۶۷
۸۷۲۲ بہار انبہ کی فصل کی خرید وفروخت ۴۶۹
۸۷۲۳ باغ خریدنے کی جائز اور ناجائز شکلیں ۴۷۰
۸۷۲۴ پھل آنے سے قبل باغات کی خرید وفروخت ۴۷۱
۸۷۲۵ پھل آنے سے قبل باغ کے بیع وشراء کی جائز اور ناجائز صورت ۴۷۳
۸۷۲۶ پھل آنے سے پہلے ان کی بیع کا حکم ۴۷۵

۸۷۲۷ پھل آنے سے پہلے فروخت کئے گئے باغوں کے پھلوں کا حکم ۴۷۷
۸۷۲۸ پھلوں کی فروختگی میں پہلا عقد فاسد ہونے کے بعد دیگر عقود کا صحیح ہو جانا.. ۴۷۹
۸۷۲۹ ''بیع عرایا'' کی تفسیر میں ائمہ حدیث اور فقہاء کا اختلاف ۴۸۰
۸۷۳۰ ایسے باغات کی خریداری کا حکم جن کی زمین میں کاشت نہیں ہوتی ... ۴۸۱
۸۷۳۱ کئی سال کے لئے باغات کو ٹھیکہ پر لینا ۴۸۲
۸۷۳۲ باغ کی فصل فروخت کرنے کا حکم ۴۸۳
۸۷۳۳ پانچ کوئنٹل آم کے عوض باغ فروخت کرنے کا حکم ۴۸۴
۸۷۳۴ بیس کوئنٹل آم پر باغ فروخت کرنے کا حکم ۴۸۵
۸۷۳۵ ''احتکار'' کا مطلب ۴۸۶
۸۷۳۶ احتکار کی ممانعت کا مصداق ۴۸۷
۸۷۳۷ بغرضِ تجارت ذخیرہ اندوزی کرنا ۴۸۸
۸۷۳۸ غلہ کی ذخیرہ اندوزی کر کے فروخت کرنے کا حکم ۴۸۹
۸۷۳۹ اناج اسٹاک کر کے رکھنے کا حکم ۴۹۰
۸۷۴۰ زیادتی ثمن کے لئے پہلے خریدار سے معاملہ ختم کرنے کا حکم ۴۹۱
۸۷۴۱ سرکاری باغ سے لکڑی چوری کر کے مکتب میں فروخت کرنا ۴۹۳
۸۷۴۲ جانتے ہوئے چوری کا سامان خریدنا مکروہ ۴۹۴
۸۷۴۳ پتنگ اور پٹاخوں کی تجارت کا حکم ۴۹۵
۸۷۴۴ تصویر والے کپڑوں کی تجارت ۴۹۶
۸۷۴۵ مصور زیورات کی خرید فروخت کی شرعی حیثیت ۴۹۷
۸۷۴۶ خنزیر کے برش میں لگنے والے دیگر آلات کا آرڈر لینا ۴۹۸
۸۷۴۷ نجش فی البیع کا حکم ۴۹۹

	۵/ باب حط الثمن وزيادته نقدا و نسيئة	۵۰۱
۸۷۴۸	ادھار خرید وفروخت	۵۰۱
۸۷۴۹	ادھار خرید وفروخت کا حکم	۵۰۲
۸۷۵۰	فائنس کا حکم	۵۰۳
۸۷۵۱	ادھار پر مونجی کی فصل کسانوں سے خریدنے کا حکم	۵۰۴
۸۷۵۲	قسطوں پر سواری یا سامان کی خریداری	۵۰۵
۸۷۵۳	گڑ کی بھیلی بازار کی قیمت سے کم یا زیادہ قیمت پر بنانا	۵۰۶
۸۷۵۴	سوسائٹی سے کھاد خریدنے کا حکم	۵۰۹
۸۷۵۵	قیمت بڑھا کر ادھار فروخت کرنا	۵۰۹
۸۷۵۶	ادھار کی صورت میں مبیع کی قیمت بڑھانا	۵۱۰
۸۷۵۷	کیش لے کر کم قیمت پر سامان بعد میں دینا	۵۱۱
۸۷۵۸	قیمت بڑھا کر قسطوار ادھار بیچنا	۵۱۲
۸۷۵۹	ادھار ونقد کی صورت میں قیمت میں تفاوت کا حکم	۵۱۳
۸۷۶۰	نقد وادھار کی وجہ سے قیمت میں کمی زیادتی کرنا	۵۱۴
۸۷۶۱	نقد وادھار معاملہ میں قیمت میں کمی بیشی کرنا	۵۱۶
۸۷۶۲	نقد ۸۰/روپئے اور ایک ماہ کی ادھاری پر ۸۵/روپئے میں فروخت کرنا	۵۱۷
۸۷۶۳	نقد اور ادھار کی صورت میں قیمتوں کے فرق کا حکم	۵۱۸
۸۷۶۴	نقد اور ادھار کی قیمت میں فرق کرنا	۵۱۹
۸۷۶۵	ادھار معاملہ میں کمی وبیشی کا حکم	۵۲۰
۸۷۶۶	نقد میں کم اور ادھار میں زائد روپئے لینا	۵۲۱

❑	٦/ باب المرابحة	۵۲۳

٨٧٦٧ شرعاً نفع لینے کی حد کیا ہے؟ ۵۲۳
٨٧٦٨ دوگنے نفع پر فروخت کرنے کا حکم ۵۲۴
٨٧٦٩ سلنڈر بلیک کرنا ۵۲۵
٨٧٧٠ لون پر رکشہ لینے کی جائز شکل ۵۲۷
٨٧٧١ کمیشن پر کتاب لا کر پوری قیمت میں فروخت کرنا ۵۲۸
٨٧٧٢ ایک روپئے کی چیز سو روپئے میں فروخت کرنا ۵۲۹
٨٧٧٣ بیس ہزار کا مال ۲۴/ ہزار میں فروخت کرنے کا حکم ۵۳۰

❑	٧/ بيع التلجئة	۵۳۲

٨٧٧٤ ''بيع تلجئه'' کا مقصد ۵۳۲
٨٧٧٥ بیع تلجئہ ۵۳۳
٨٧٧٦ کسی کے نام سے خریدنے کا حکم ۵۳۵
٨٧٧٧ نام کر دینے سے ملکیت کا حکم ۵۳۹
٨٧٧٨ محض نام کرنے سے ملکیت کا حکم ۵۴۱
٨٧٧٩ جائیداد نام کرنے سے ملکیت کا حکم ۵۴۳
٨٧٨٠ اولاد کے نام جائیداد خریدنے کا حکم ۵۴۵
٨٧٨١ لڑکوں کے نام سے جائیداد خریدی تو وہ کس کی ملک ہوگی؟ ۵۴۹
٨٧٨٢ خوف کے سبب عارضی طور پر کسی کے نام جائیداد ۵۵۰
٨٧٨٣ غلطی سے دوسرے کے نام رجسٹری ہونے سے ملکیت کا حکم ۵۵۲
٨٧٨٤ مصلحتاً بڑے لڑکے کے نام بیع نامہ کرانے سے ملکیت کا حکم ۵۵۴

۸۷۸۵ انکم ٹیکس سے بچنے کی غرض سے کاروبار بیوی بچوں کے نام کرنے کا حکم ۵۵۵
۸۷۸۶ بیوی کے نام زمین کرانے سے ملکیت کا حکم ۵۶۰
۸۷۸۷ بیوی بچوں کے نام بیع نامہ کرانے سے ملکیت ثابت نہیں ہوتی ۵۶۱
۸۷۸۸ بیوی کے نام سے زمین خریدنا ۵۶۳
۸۷۸۹ بیوی کی دل جوئی کے لئے مکان اس کے نام سے خریدنے کا حکم ۵۶۴
۸۷۹۰ انکم ٹیکس سے بچنے کے لئے بیوی کے نام جائیداد کرنے کا حکم ۵۶۶
۸۷۹۱ بیوی کے نام مکان خریدنے سے کیا وہ مالک ہو جائے گی؟ ۵۶۷
۸۷۹۲ بیوی کے نام سے جائیداد خریدنے کا حکم ۵۶۹
۸۷۹۳ قانونی مصلحت کی بناپر بہن کے نام رجسٹری کرانے سے ملکیت کا حکم . ۵۷۰
۸۷۹۴ بڑے بھائی کے نام بیع نامہ ہونے کے باوجود دوسرا بھائی حق دار ۵۷۲

❐	۸/ باب الصرف	۵۷۵

۸۷۹۵ سونے کی ادھار بیع کا حکم ۵۷۵
۸۷۹۶ سونے اور چاندی کے زیورات کی ادھار خرید وفروخت کا حکم ۵۷۶
۸۷۹۷ سونے چاندی کی ادھار بیع وشراء کی شرعی حیثیت ۵۷۷
۸۷۹۸ قسطوں پر سونے چاندی کی خرید وفروخت کا حکم ۵۷۷
۸۷۹۹ سونے کو سونے کے عوض چاندی کو چاندی کے عوض کمی بیشی کے ساتھ فروخت کرنا ۵۷۸
۸۸۰۰ ۲۰/ ہزار کے زیورات ۲۴/ ہزار میں فروخت کرنے کا حکم ۵۸۰
۸۸۰۱ ریال کا تبادلہ اس سے کم مالیت کے سکوں سے کرنے کا حکم ۵۸۱
۸۸۰۲ دو ملکوں کی کرنسیوں کے کمی بیشی کے ساتھ تبادلہ کا حکم ۵۸۲
۸۸۰۳ دوسو روپئے کے نوٹوں کے ہار کو تین سو روپئے میں بیچنا ۵۸۳
۸۸۰۴ بوسیدہ نوٹ کم قیمت میں فروخت کرنے کا حکم ۵۸۴

۸۸۰۵ ۹۵/روپئے ریز گاری کا سو روپئے سے تبادلہ کرنا ۵۸۵

❒	۹/ باب السلم	۵۸۷

۸۸۰۶ بیع سلم کی تعریف اور شرائط ۵۸۷
۸۸۰۷ پیشگی رقم لے کر مبیع بعد میں دینا ۵۸۸
۸۸۰۸ پیشگی رقم لے کر مبیع کو فروخت کرنے کی چار شکلوں کا حکم ۵۸۹
۸۸۰۹ مال کے لئے آرڈر دے کر نہ لینے کا حکم ۵۹۱
۸۸۱۰ تاریخ اور کھیت متعین کئے بغیر فصل سے پہلے گیہوں خریدنا ۵۹۳
۸۸۱۱ فصل کاٹنے سے پہلے کاشتکار کو روپئے دینے کا حکم ۵۹۴
۸۸۱۲ فصل کی کٹائی سے پہلے سو روپئے کوئنٹل گیہوں خریدنا ۵۹۵
۸۸۱۳ بیع سلم میں مسلم فیہ کی مقدار کا متعین نہ ہونے کا حکم ۵۹۶
۸۸۱۴ بیع سلم کی ایک صورت ۵۹۶
۸۸۱۵ بیع سلم کی ایک جائز صورت ۵۹۷
۸۸۱۶ بیع سلم کا مشہور معاملہ ۵۹۸
۸۸۱۷ قیمت کی ادائے گی کے چھ ماہ بعد مال وصول کرنا ۵۹۹
۸۸۱۸ دھان پر پیسہ دینا ۶۰۱
۸۸۱۹ بیع سلم میں روپئے کے عوض دھان لینے کی شرط کا حکم ۶۰۲
۸۸۲۰ قرض کی رقم کے عوض میں دھان لینا ۶۰۳
۸۸۲۱ بیع سلم میں روپئے کے عوض دھان لینے کی شرط ۶۰۵
۸۸۲۲ ادھار معاملہ میں قیمت میں زیادتی اور بیع سلم سے متعلق ایک سوال .. ۶۰۵
۸۸۲۳ باغات کی فصل فروخت کرنے کی ایک شکل ۶۰۷

❐	۱۰/ باب الاستصناع	۶۰۹

۸۸۲۴ بیع استصناع ۶۰۹
۸۸۲۵ عقدِ استصناع کا مدار عرف وتعاملِ ناس پر ہے یا نصوص پر؟ ۶۱۳
۸۸۲۶ عقدِ استصناع اجارہ ہے یا بیع؟ ۶۱۵
۸۸۲۷ کئی واسطوں سے معاملہ استصناع ۶۱۶
۸۸۲۸ باہر کے بایر سے آرڈر لینے والے ایکسپورٹر کو صانع کہا جائے یا مستصنع؟ ۶۱۷
۸۸۲۹ غیر منقول اشیاء میں استصناع کا معاملہ ۶۱۸
۸۸۳۰ گاڑی وغیرہ بڑی چیزوں میں استصناع کا معاملہ ۶۱۹
۸۸۳۱ عقدِ استصناع کی شکل میں مکان، فلیٹ وغیرہ کا معاملہ ۶۲۰
۸۸۳۲ (صانع) کاریگر کو اجیر کب قرار دیا جائے؟ ۶۲۱
۸۸۳۳ ایک ماہ سے زیادہ مدت ہو تو کیا معاملہ استصناع سلم میں تبدیل ہو جاتا ہے؟ ۶۲۲
۸۸۳۴ عقدِ استصناع اجارہ کب ہوگا؟ ۶۲۴
۸۸۳۵ مدت متعینہ میں مال تیار نہ کرنے سے آرڈر کینسل کرنے کا حق ۶۲۵
۸۸۳۶ استصناع میں مال صانع کا ہو تو وہ بائع ہو جائے گا ۶۲۶
۸۸۳۷ مال کے لئے انکار پر پیشگی رقم کا ضبط کرنا ۶۲۷
۸۸۳۸ داخلی لوگوں نے مال کی تیاری میں تاخیر کردی، جس سے باہر کے خریدار
نے آرڈر کینسل کر دیا، تو نقصان کی تلافی کون کرے؟ ۶۲۸
لوکل اور بین الاقوامی مارکیٹ میں عقدِ استصناع کے مسائل ۶۳۰
معاملۂ استصناع کے جواز کا مدار تعاملِ ناس پر ۶۳۰
عقدِ استصناع اور عقد سلم کا فرق ۶۳۲
عقدِ استصناع بیع ہے یا وعدۂ بیع؟ ------------------------- ۶۳۳

پہلے خریدار کا دوسرے خریدار کو دوسرے خریدار کا تیسرے خریدار کو
فروخت کرنے کا معاملہ ۶۳۵
چھوٹی منقول اشیاء کی طرح بڑی چیزوں میں استصناع کا معاملہ ۶۳۷
غیر منقول عقار میں استصناع کا معاملہ ۶۳۸
عقدِ استصناع میں بیعانہ ضبط کرنے کا حکم ۶۳۹
ضروری وضاحت ۶۴۲
معاملۂ استصناع اجارہ کب بن سکتا ہے؟ ۶۴۳
طے شدہ شرائط اور نمونہ کی خلاف ورزی پر نقصان کا بھگتان کس پر؟ .. ۶۴۵
استصناع کی شکل ۶۴۵
اجارہ کی شکل ۶۴۶
معاملۂ استصناع کو منسوخ کرنے کی شکلیں ۶۴۸
امام ابو یوسفؒ کے قول کی ترجیح ۶۵۱
عقدِ استصناع میں مدت کی تعیین کا مسئلہ ۶۵۳
عقدِ استصناع میں طے شدہ مدت سے تاخیر کے نقصان کا عوض ۶۵۵
مقالہ کا خلاصہ اور جوابات کا حاصل ۶۵۶

❑	۱۱ / باب بیع الوفاء	۶۶۱

۸۸۳۹ بیع الوفاء ۶۶۱
۸۸۴۰ بیع الوفاء کا حکم ۶۶۲
۸۸۴۱ ’’بیع الوفاء‘‘ کا جواز ۶۶۵
۸۸۴۲ کیا ہندوستان میں عقودِ فاسدہ جائز ہیں؟ ۶۶۷
۸۸۴۳ قرض کی واپسی تک زمین کو فروخت کرنے کا حکم ۶۶۹

۸۸۴۴ رہن یا کرایہ پر رکھی ہوئی زمین سے فائدہ اٹھانے کی مختلف شکلیں ... ٦٧١
بیع الوفاء کی شرعی حیثیت ٦٧٥
بیع الوفاء کے اسماء ٦٧٥
بیع الوفاء کی حقیقت ٦٧٨
بیع الوفاء کا جواز ٦٧٩
معتدل اور مناسب حکم ٦٨٢
بیع الوفاء کے بارے میں مفصل بحث اور فقہاء کی آراء ٦٨٣
بیع صحیح کے قائلین ٦٨٤
بیع فاسد کے قائلین ٦٨٦
بیع صحیح یا بیع فاسد کے قائلین ٦٨٧
رہن کے حکم کے قائلین ٦٨٩
بیع المکرہ کے حکم کے قائلین ٦٩٣
بیع اور رہن سے مرکب کے قائلین ٦٩٥
بیع صحیح اور بیع فاسد اور رہن تینوں سے مرکب کے قائلین ٦٩٦
مبیع کو کرایہ پر دینے کا حکم ٦٩٨
بیع الوفاء میں مبیع کی آمدنی کا حق دار کون؟ ٧٠١
بیع الوفاء میں مبیع کے نقصان کی تلافی ٧٠١
بیع الوفاء میں ثمن کی زکوٰۃ کون ادا کرے؟ ٧٠٣
بائع اور مشتری کا اختلاف ٧٠٤

□ ۱۲/ باب الشفعة ٧٠٧

۸۸۴۵ اپنے پڑوس کو بتائے بغیر زمین فروخت کرنے کا حکم ٧٠٧

۸۸۴۶ مکان میں شریک شفعہ کا مستحق ہے یا قبرستان؟ ۷۰۸
۸۸۴۷ شریک فی حق المبیع کو شفعہ میں حق تقدم حاصل ہے ۷۰۹
۸۸۴۸ دس ماہ کے بعد حق شفعہ کا دعویٰ کرنا ۷۱۰
۸۸۴۹ ایک سال بعد حق شفعہ کا دعویٰ کرنا ۷۱۱

❐	۱۳ / باب المزارعة	۷۱۳

۸۸۵۰ پندرہ کیلو تیل پر کھیتی کاشت کے لئے دینا ۷۱۳
۸۸۵۱ مزارعت میں مخصوص مقدار کی شرط لگانے کا حکم ۷۱۵
۸۸۵۲ ایک کا کھیت اور دوسرے کی محنت و بیج ہونے کی صورت کا حکم ۷۱۶
۸۸۵۳ مزارعت میں خاص مقدار میں غلہ متعین کرنا ۷۱۷
۸۸۵۴ پیسوں کے عوض میں زمین کو کرایہ پر دینا ۷۱۸
۸۸۵۵ متعین غلہ کے عوض میں زمین کرایہ پر دینا ۷۱۹
۸۸۵۶ غیر کی ملکیت میں لگایا گیا پودا کس کا ہوگا؟ ۷۲۰

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۲۴/ بقیة کتاب الوقف

۹/ باب المدارس

الفصل الأول: في المدارس

کیا مدرسوں میں دین پڑھایا جاتا ہے سکھایا نہیں جاتا؟

سوال [۸۴۰۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں:
(۱) ایک شخص نے یہ کہا ہے کہ مدارس میں دین پڑھایا جاتا ہے، دین سکھایا نہیں جاتا اور دوسرے شخص نے بھی یہی کہا ہے کہ میں دیانت داری سے کہتا ہوں کہ مدرسوں میں دین نہیں سکھایا جاتا پڑھایا جاتا ہے، مدرسوں میں دین پڑھایا جاتا ہے۔ کیا ان صاحب کی یہ بات صحیح ہے؟
(۲) حدیث شریف: ''**خیر کم من تعلم القرآن وعلمه**'' کا مصداق کیا مدارس نہیں ہیں؟ اگر مدرسہ والے یہ کہیں کہ اس حدیث کے مصداق ہم ہیں، تو یہ بات درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: عقیل الرحمٰن نہٹور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: (۱) شخص مذکور کا یہ جملہ کہ مدارس میں دین پڑھایا جاتا ہے سکھایا نہیں جاتا ناواقفیت پر مبنی ہے؛ کیوں کہ مدارسِ اسلامیہ میں تعلیم کے ساتھ ساتھ تربیت کا بھی انتظام ہوتا ہے۔
(۲) اس حدیث شریف کا صحیح مصداق مدارسِ اسلامیہ ہی ہیں، جن میں قرآن کریم کی تعلیم

اورتربیت دی جاتی ہے۔

ثـم الـخـطـاب عـام لا يـخـتـص بـالـصـحابة، ولو خص بهم فغيرهم بـالـطـريـق الأولىٰ، ولـكـن لا بـد مـن تـقـيـيد التعلم والتعليم بالإخلاص. (بذل المجهود، كتاب الصلاة، باب في ثواب قراءة القرآن، دارالبشائر الإسلامية ٦/ ١٦٠، تحت رقم الحديث: ١٤٥٢)

والـحـاصـل أنـه إذا كـان خيرا لكلام كلام الله، فكذلك خير الناس بـعـد الـنـبـيـيـن مـن يتعلم القرآن ويعلمه، لكن لابد من تقييد التعلم والتعليم بالإخلاص. (مرقاة، كتاب فضائل القرآن، الفصل الأول، مكتبه إمداديه ملتان ٤/ ٣٣٣، حاشية ابن ماجة/ ١٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۹/۵/۱۴۳۵ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۴۴/۱۱۵)	۲۹/۵/۱۴۳۵ھ

دینی مذہبی ادارہ کورجسٹریشن کرانے کا حکم

سوال [۸۴۱۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (الف) ایک مسئلہ ہے کہ جس کے مفصل احکام اصول فقہ کے مطابق علماء کرام نے بیان فرمائے اور تمام فقہی کتابوں میں اس کے اصول سے مستقل ابواب قائم فرمائے، ہندوستان میں موجودہ اوقاف بورڈوں کے قوانین وضوابط اسی پر مشتمل ہیں جو کہ خالص مسلمانوں کے لئے ہے۔

(ب) مگر رفاہ عام کے لئے قائم کردہ اداروں کے لئے سیکولر نظریات کی رعایت کرتے ہوئے ایک مشترکہ قانون سوسائٹی ایکٹ ۱۸۹۰ بھی ہے، جو کہ کسی مذہب کے لئے مخصوص نہیں ہے؛ بلکہ اس کے قواعد وضوابط مشترک ہیں اور ان کے منتظمین بلاتخصیص مذہب وملت

مشترک ٹرسٹیان (سوسائٹی) کہلاتے ہیں، ٹرسٹ میں کوئی مخصوص مقصد ضروری نہیں ...... ٹرسٹ مستحق استفادہ ہوسکتا ہے۔

(ج) ٹرسٹ ہمیشہ ملکی قانون کے مطابق ہوتا ہے (جو بدلتے رہتے ہیں) ٹرسٹ میں جائیداد کی ملکیت ٹرسٹیان ودیعت کرتی ہے اور مودع قانونی طور پر اس کا مالک ہوتا ہے۔

(د) اور ناقابل تنسیخ ہونا ضروری نہیں، ٹرسٹ کی جائیداد ٹرسٹی فروخت کرسکتا ہے، غرض ٹرسٹ فقہ انگریزی کا تصور ہے، جب کہ وقف فقہ اسلامی کا ایک خاص مذہبی تصور ہے۔

(ہ) مذکورہ بالا ایکٹ ۱۸۶۰ کی دفعات کے مطالبہ سے پتہ چلتا ہے کہ اس سے حکومت اور افسران (غیر مسلم) کے انتظامی معاملات میں مداخلت کا قانونی جواز فراہم ہوتا ہے، ایکٹ مذکور کی دفعہ ۲۳ر کے تحت رجسٹرار کو سوسائٹی کے حسابات کی جانچ کرنے دیگر معاملات کی جانچ کرنے اور اپنی تحقیقات کے نتیجہ میں سوسائٹی کو بذریعہ عدالت تحصیل کرنے کا اختیار ہوتا ہے، دفعہ ۱۲ر کے تحت تحلیل شدہ سوسائٹی کی جائیداد حکومت کو دے دی جاتی ہے۔ ۹۲۰ر ضابطہ دیوانی کے تحت بلاتخصیص مذہب وملت ایک عام ہندوستانی۔

(ی) شہری حساب فہمی وغیرہ کی دادرسی کا حقدار ہوجاتا ہے، میری یقینی معلومات کے مطابق ایک اسی قسم کے درگاہ کے ہندو معتقدین نے بارہ بنکی عدالت میں دعویٰ دائر کیا، ان جزئیات کی روشنی میں دریافت طلب امر یہ ہے:

(۱) کسی دینی مذہبی ادارہ کا رجسٹریشن سوسائٹی ایکٹ ۱۸۶۰ کرانا فرض، واجب، سنت میں سے کونسا درجہ رکھتا ہے؟

(۲) جب کہ اس قسم کے رجسٹریشن کے نتیجہ میں اختلاف پیدا ہوکر فتنہ کی شکل اختیار کرلے، جس سے قوم وملت کے وقار کا خطرہ ہو، مسلمان دو گروہ میں منقسم ہوکر ایک دوسرے کی بے عزتی اور قتل وخون پر آمادہ ہوجائیں، تو ایسے کام کے اصرار کرنے پر کیا حکم ہے؟

(۳) ایسا کام کرنے والوں کے بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

(۴) اگر یہ صحیح و درست ہے تو منع کرنے یا اس سے اختلاف کرنے والے لوگوں کے بارے میں کیا حکم ہے؟

المستفتی: محمد اشفاق عالم، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: احقر نے جن بڑے اداروں کا رجسٹریشن ہو چکا ہے ان کے رجسٹریشن فائلوں کا بغور مطالعہ کیا ہے، ان میں جو شرائط وقیودات مندرج ہیں، ان میں سے کوئی شرط فقہ اسلامی کے خلاف نہیں ہے؛ بلکہ ساری شرائط وقیودات فقہ اسلامی کے موافق اور ادارے کے حق میں مفید ومعاون ہیں؛ اس لئے ان میں کوئی تشویش کی بات نہیں۔

(الف) موجودہ دور میں مذہبی اداروں کا رجسٹریشن کرانا فقہ واصول فقہ کے خلاف نہیں۔

(ب) بلا تخصیص مذہب مشترک ہو تو سکتے ہیں، مذہب کی تخصیص کرنا لازم وضروری نہیں ہے؛ لیکن مذہب کی تخصیص بھی کر سکتے ہیں، جیسا کہ بعض بڑے اداروں کے رجسٹریشن فائلوں کے معائنہ کرنے پر صاف طور پر معلوم ہوا ہے کہ ان میں مذہبیت کی شرط بھی موجود ہے۔

(ج) جس کو آپ قانونی طور پر مالکیت سمجھ رہے ہیں وہ درست نہیں ہے؛ بلکہ وہ تصرفات کا ایک اختیار واقتدار ہے، جس کا مقصد صرف دوسروں کو غلط تصرفات سے روکنا ہے، جس کو شریعت کی اصطلاح میں منتظمانہ تصرف کہا جاتا ہے، نہ کہ مالکانہ؛ اس لئے کہ مالکانہ تصرف میں ساری آمدنی کو آپس میں تقسیم کر کے ذاتی استعمال میں صرف کیا جا سکتا ہے اور منتظمانہ تصرف میں ذاتی اخراجات میں خرچ نہیں کیا جا سکتا؛ بلکہ قانونی طور پر جو تنخواہ متعین ہوتی ہے وہی وصول کی جا سکتی ہے، اس سے زائد ایک پیسہ بھی نہیں لیا جا سکتا، نیز رجسٹریشن شدہ اداروں میں تو مجلس شوریٰ (سوسائٹی منتظمہ) کو تنخواہ بھی نہیں ملتی ہے؛ بلکہ صرف میٹنگ میں شرکت کے وقت آمد ورفت کے اخراجات ملتے ہیں۔

(د) اگرچہ سوسائٹی ٹرسٹ کو فقہ انگریزی کا تصور تسلیم کر لیا جائے، مگر فقہ اسلامی کے خلاف

بھی نہیں ہے۔

(ہ) ۱۸۶۰ء سے ایک سوانتالیس سال کے عرصہ میں کسی رجسٹریشن شدہ مذہبی اداروں کو نہ حکومت نے اپنے قبضہ میں لیا ہے اور نہ ہی کوئی غیر مسلم کسی رجسٹر شدہ ادارے کا منتظم ومقتدر ہوا ہے، یہ محض ذہنی تصورات وتشویشات ہیں، جن کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

(ی) آپ نے جو بارہ بنکی کی عدالت کی نظیر پیش کی ہے اس کا فیصلہ اور نتیجہ اور پورے واقعہ کی تفصیل کی صحیح رپورٹ کے بعد غور کیا جاسکتا ہے، پھر بھی رجسٹریشن شدہ کوئی ادارہ ۱۲۹؍سال کے عرصہ میں نہ حکومت کے قبضہ میں گیا اور نہ ہی غیر مسلم اس میں دخیل ہوئے۔

(۱) اس کا مدار ادارے کے ذمہ دار حضرات پر ہے، حالات کے اعتبار سے کبھی ذمہ داران پر واجب بھی ہوجاتا ہے۔ اور کبھی نہیں بھی ہوتا ہے۔

صاحب البيت أدرى بما فيه. (نخبة الفكر/٥)

(۲) اگر کسی صحیح کام پر اقدام کی وجہ سے دوسرے لوگ مسئلہ کی نزاکت پر غور کئے بغیر فتنہ وفساد پر اتر آئیں تو غلطی فتنہ کرنے والوں کی ہے، ان پر لازم ہے کہ خود کو فتنہ سے باز رکھ کر دوسروں کو فتنہ میں نہ مبتلا کریں۔

(۳) شرعی اعتبار سے رجسٹریشن کرانے والے حق پر ہیں؛ اس لئے ان پر شرعاً کوئی الزام نہیں۔

(۴) اختلاف کرنے والوں کو یا تو ۱۲۹؍سال کے عرصہ میں واقع ہونے والے واضح نظائر پیش کرنے چاہئے یا اختلاف سے باز آجانا چاہئے؛ کیوں کہ رجسٹریشن کرانے میں کوئی شرعاً قباحت نہیں ہے، جو رجسٹریشن کے ہر پہلوں پر غور کرنے کے بعد پتہ چل سکتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍رمضان المبارک ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۳۸۵)

مجلسِ عاملہ ومجلسِ شوریٰ

سوال [۸۴۱۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کسی مدرسہ یا مسجد کی کوئی مجلسِ شوریٰ ہو اور وہ کمیٹی یا مجلسِ شوریٰ کوئی فیصلہ شریعت کے خلاف دے دے، تو شریعت کی بات مانی جائے گی یا کمیٹی کی؟ دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ یہ کمیٹی اس مسجد یا مدرسہ کی بستی ہی میں سے ہونا ضروری ہے یا باہر کی کمیٹی بھی بنائی جا سکتی ہے؟ تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ اس کمیٹی نے جو مجلسِ عاملہ تیار کی ہے اس مجلسِ عاملہ کو ہر پانچ سال میں تبدیل کرنا ضروری ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں مسئلہ کو واضح فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں عین نوازش ہوگی۔ والسلام

المستفتی: محمد معروف ساکن ویر پور تھان، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مجلسِ شوریٰ یا کمیٹی شریعت کے خلاف فیصلہ کیسے دے سکتی ہے؟ اگر کوئی ایسا فیصلہ دیا ہے تو اس فیصلہ کو متعین کر کے واضح کریں کہ واقعی شریعت کے خلاف ہے اس کے بعد اس سلسلہ میں حکم شرعی لکھا جا سکتا ہے، مستفتی خود اپنے طور پر شریعت کے خلاف سمجھ رہا ہے۔ دوسرا مسئلہ یہ پوچھا گیا ہے کہ مجلسِ شوریٰ یا کمیٹی کا بستی میں سے ہونا ضروری ہے یا باہر کی بھی بنائی جا سکتی ہے؟ تو اس سلسلے میں شریعت میں کوئی تعیین نہیں ہے، چاہے بستی کے لوگوں کو بنائیں یا سب باہر کے لوگ ہوں، یا کچھ باہر کے اور کچھ مقامی ہوں، ہر طرح جائز ہے، جیسا کہ خود ہمارے مدرسہ شاہی میں مقامی بھی ہیں اور باہر کے بھی ہیں۔ تیسرا مسئلہ یہ پوچھا گیا ہے کہ اس کمیٹی نے جو مجلس عاملہ تیار کی ہے اس مجلس عاملہ کو ہر پانچ سال میں تبدیل کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ یہ مسئلہ اس مدرسہ یا مسجد کی کمیٹی کے اوپر موقوف ہے، چاہے ہر پانچ سال میں تبدیل کریں یا نہ کریں؛ اس لئے کہ مدارسِ اسلامیہ کے قوانین وضوابط آپس کی تراضی اور

مشورہ کے مطابق ہوتے ہیں، جس میں قرآن وحدیث کے نصوص کے خلاف کوئی عمل نہ ہوجو ذیل کی حدیث شریف سے واضح ہوتا ہے:

عن عمرو بن عوف المزني أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: الصلح جائز بين المسلمين إلا صلحا حرم حلالا، أو أحل حراما، والمسلمون على شروطهم، إلا شرطا حرم حلالا، أو أحل حراما. (سنن الترمذي، الأحكام، باب ما ذكر عن رسول الله ﷺ في الصلح بين الناس، النسخة الهندية ١/ ٢٥١، دار السلام، رقم: ١٣٥٢، المستدرك للحاكم، كتاب الأحكام، مكتبه نزار مصطفى الباز جديد ٧/ ٢٥٢٣، قديم ٤/ ١٠١، دار الكتب العلمية بيروت ٤/ ١١٣، رقم: ٧٠٥٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍شوال ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۲۵۴/۴۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۱۰/۱۸ھ

مجلسِ شوریٰ کے اختیارات

سوال [۸۴۱۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کا تقرر تقریباً ۱۷؍سال قبل ایک ادارہ میں بحیثیت مدرس درجہ ناظرہ ہوا، ضابطہ کے تحت زید امور مفوضہ کی ادائیگی کرتا رہا، ناظم مدرسہ یا نائب مہتمم مدرسہ اپنے اختیار کے تحت مدرسہ کے دوسرے کام بھی زید سے لیتا تھا، جس کی وجہ سے آخری پانچ سال بحیثیت مدرس زید کی کارکردگی بہتر نہیں رہی اور زید کو خارجی کام نائب مہتمم مدرسہ زیادہ دیتا رہا، جس پر نائب مہتمم مدرسہ نے اپنے حکم نامہ مورخہ ۱۴۳۰/۵/۲۸ھ میں زید کو مدرس سے محرر تعلیمات میں عارضی طور پر منتقل کردیا، زید اس عہدے پر ۲۲؍ذیقعدہ ۱۴۳۱ھ تک بحسن وخوبی کام کرتا رہا، ۲۵؍شوال المکرّم ۱۴۳۱ھ کو نائب مہتمم مدرسہ نے زید کو ایک حکم نامہ فراہمی چندہ سے متعلق جاری کیا، زید نے حسب الحکم ۵؍ذیقعدہ ۱۴۳۱ھ کو مدرسہ ہذا کی ۲؍عدد رسید بک (جلد

نمبر: ۳۶۷، ۳۶۸) دفتر مالیات سے مع تصدیق نامہ چندہ حاصل کی، جن پر نائب مہتمم مدرسہ کے دستخط مع مہر وتاریخ کے ثبت ہیں۔ ۷/ذیقعدہ ۱۴۳۱ھ سے سفر فراہمی چندہ شروع کیا، تصدیق نامہ زید کو ۵/ذیقعدہ ۱۴۳۱ھ سے ۳۰/ذی الحجہ ۱۴۳۱ھ تک جاری کیا گیا۔ اسی دوران مدرسہ مذکور جس میں زید ملازم ہے کی مجلسِ شوریٰ کا اجلاس، جو کہ نامور علماء وصلحاء علاوہ ایک فرد کے پر مشتمل ہے۔ ۱۹/ذیقعدہ ۱۴۳۱ھ کو منعقد ہوا، شوریٰ کے اجلاس میں شوریٰ کے کسی رکن نے زید سے متعلق نائب مہتمم سے معلوم کیا کہ زید کہاں ہے؟ جس پر نائب مہتمم مدرسہ نے مجلسِ شوریٰ کو جواب دیا مجھے معلوم نہیں، پھر زید سے متعلق شوریٰ میں بحث ہوئی، ایک رکن نے زید پر خوب اعتراض کئے، نائب مہتمم مدرسہ خاموش بیٹھے سنتے رہے، یاد رہے یہ شوریٰ اس مذکورہ تاریخ میں مدرسہ مظاہر علوم کے امین عام حضرت اقدس الحاج سیدی محمد شاہد صاحب حفظہ اللہ تعالیٰ ''خلیفہ قلم حضرت شیخ الحدیث'' کی صدارت میں چل رہی تھی، آخر کار مدرسہ مظاہر علوم کے ذمہ دار اعلیٰ اور اس شوریٰ کے ایک مؤقر رکن نے شوریٰ کے سبھی حضرات کو خاموش کر کے نائب مہتمم مدرسہ سے صاف طور پر معلوم کیا، کیا زید کا آپ کو علم ہے کہ زید کہاں ہے؟ کیا زید کو آپ نے کسی اپنے یا مدرسہ کے ضروری کام سے تو نہیں بھیج رکھا ہے؟ یکے بعد دیگرے مکرر استفسار پر نائب مہتمم مدرسہ نے شوریٰ کو جواب دیا کہ دو چار روز پہلے ان کا فون آیا تھا کہ وہ مدھیہ پردیش میں چندہ کر رہا ہے، جب کہ زید اپنے سفر سے متعلق روزانہ نائب مہتمم مدرسہ، نائب مہتمم مالیات مدرسہ کو آگاہ کرتا رہا اور ان کے شاگردوں سے موبائل فون پر گفتگو کراتا رہا، اس پر شوریٰ کے اسی موقر رکن نے نائب مہتمم مدرسہ سے معلوم کیا کہ چندہ بھی آپ کی بغیر اجازت کے کر رہا ہے؟ اس کو کاپیاں کس نے دیں؟ کاغذات کہاں سے لئے وغیرہ؟ اس پر نائب مہتمم مدرسہ خاموشی اختیار کر گئے، آخر کار شوریٰ نے ۵/ذیقعدہ ۱۴۳۱ھ سے غیر حاضر مان کر غیر حاضری کے الزام میں زید کی علیحدگی کا فرمان جاری کر دیا۔ ۲۲/ذیقعدہ کو زید سفر سے واپس آیا اور سفر کا حساب وغیرہ مدرسہ کے تحویلدار کے حوالہ کیا۔ اور رجسٹری حاضری میں باضابطہ دستخط کے حساب سے فراغت کے بعد نائب مہتمم

مدرسہ نے تعلیمات کے محرر اعلیٰ کے ذریعہ زبانی پیغام پہنچایا کہ زید سے کہو وہ اپنا حساب کرکے چپ چاپ (خاموشی) سے مدرسہ سے چلے جائیں۔ زید کو یہ سن کر بہت رنج ہوا جو کہ ہر انسان کو ایسے وقت میں ہوا کرتا ہے۔ زید نے تحویلدار سے معلوم کیا، مہتمم مدرسہ سے معلوم کیا، مہتمم مدرسہ نے جواب دیا کہ نائب مہتمم مدرسہ نے جو رپورٹ مجلسِ شوریٰ میں رکھی، اس پر فیصلہ ہوگیا، میری یا مجلسِ شوریٰ کی کوئی غلطی نہیں، اس کے بعد زید نے نائب مہتمم سے معلوم کیا، نائب مہتمم مدرسہ حیلہ بازی کرنے لگے اور کہنے لگے کہ مجھے مجلسِ شوریٰ میں بولنے نہیں دیا گیا، زید نے سب کچھ ناظم مدرسہ نائب مہتمم مالیات کو بتلایا، زید کی گفتگو سن کر نائب مہتمم مہتمم مدرسہ سے ملے اور ان سے ایک مفتی صاحب کی موجودگی میں جو اسی مدرسہ میں ملازم ہیں بولے کہ وہ تو چندہ میں میں نے ہی بھیجا تھا، میرے یاد نہیں رہا، مہتمم مدرسہ نے اپنے نائب کی بات سن کر کہا کہ اب تو شوریٰ کا فیصلہ ہوگیا ہے، آپ کو شوریٰ میں ہی کہنا پڑے گا میں اکیلا اس کام کو نہیں کرسکتا، پھر ۲۳؍ ذیقعدہ کو علی الصبح مہتمم مدرسہ، نائب مہتمم مدرسہ، نائب مہتمم مالیات اور شوریٰ کے ایک رکن کی دفتر مدرسہ میں ایک میٹنگ ہوئی، دوران میٹنگ زید پھر سے ان سب کے درمیان پہنچ گیا اور معلوم کیا کہ مجھے کس جرم کی سزا مل رہی ہے، یہ سب خاموش رہے، زید نے پھر معلوم کیا کہ جس وجہ سے اور جس تجویز پر مجلس شوریٰ نے علیحدگی کا فرمان جاری کیا ہے اس تجویز کو لکھ کر مجھے دے دو، تو مہتمم مدرسہ یوں گویا ہوئے کہ ہم نے بغیر تحریر کے رکھا تھا اور کوئی تحریر دئے بغیر الگ کررہے ہیں اور بس اب چلے جاؤ۔ اور مذکورہ چاروں حضرات مجھے نظر غیر سے دیکھنے لگے جیسے مجھے مار ہی ڈالیں گے اور ان چاروں حضرات نے تحویلدار مدرسہ کو حکم دیا کہ ان کی پانچ یوم کی تنخواہ دے کر ان کا حساب صاف کرو، حسب الحکم تحویلدار مدرسہ نے پانچ یوم کی تنخواہ مجھے دی اور رجسٹر قبض الوصول پر بغیر ٹکٹ لگائے میرے دستخط لئے، اس طریقہ سے میرے ۱۸؍ یوم کی اجرت ذمہ داران مدرسہ نے رکھ لی اور تعلقی فرمان سے بڑی بے عزتی سے زید کو مدرسہ سے باہر کا راستہ دکھایا۔ اس سے پیشتر بھی انھیں نائب مہتمم مدرسہ نے تقریباً ۱۶؍ آدمیوں کی مجلسِ شوریٰ میں غلط بیانی اور غلط

رپورٹ دے کر اور شوریٰ کو دھوکے میں رکھ کر مدرسین وملازمین کی عزت سے کھلواڑ کیا ہے، تو اس صورت میں:

(۱) کیا مجلسِ شوریٰ فریقین کی بغیر سنے اور نائب مہتمم کی رپورٹ پر مدرسین وملازمین کو الگ کرنے کا اختیار رکھتی ہے؟ کیا نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم، خلفائے راشدین، بزرگانِ دین کی کسی مجلس سے اس قسم کا کوئی ثبوت ملتا ہے؟ اور کیا کسی عالم، حافظ، قاری کی عزت سے کھلواڑ کرنا بروئے شرع جائز ہے؟

(۲) کیا ایسا شخص جو خود ہی تحریری یا زبانی کہہ کر اپنے مدرس یا ملازم کو کہیں بھیجے اور شوریٰ کے وہ علماء وصلحاء مجلسِ شوریٰ کے اجلاس میں کسی مدرس یا ملازم کے متعلق معلوم کریں تو نائب مہتمم کذب گوئی، دھوکہ دھڑی سے کام لے، کیا ایسے شخص کو ایسے مؤقر ادارے کا نائب مہتمم مدرسہ بنائے رکھنا شرعی روشنی میں جائز ہے؟

(۳) مجلسِ شوریٰ آئندہ اجلاس میں اپنے اس فیصلہ پر دوبارہ غور کرنے کی مجاز ہے یا نہیں؟ اور زید کی بحالی کا حکم صادر کرنے میں مجلسِ شوریٰ کو شرعی کوئی قباحت نہیں؟

(۴) زید ۷ ارسال قدیم مدرس وملازم ہے اور مدرسہ کو اپنا اوڑھنا بچھونا سمجھتا ہے اور زید نے کبھی نائب مہتمم مدرسہ کی حکم عدولی بھی نہیں کی ہے، تو ایسی صورت میں نائب مہتمم کا یہ سارا برتاؤ زید سے کرنا اخلاقاً شرعاً جائز ہے؟ نیز ذمہ دارانِ مدرسہ کو ۶ رذیقعدہ ۱۴۳۱ھ سے ۲۳ر ذیقعدہ ۱۴۳۱ھ تک کی اجرت رکھنا مدرسہ یا ذمہ دارانِ مدرسہ کو جائز ہے؟ شریعت مطہرہ کی روشنی میں مع دلیل وحوالہ کے جواب سے مطلع فرمائیں، نوازش ہوگی۔

المستفتی: ابوحافظ محمد طلحہ بن محمد نسیم راوت، مقام سلیم پور گدا، ڈاکخانہ ساڈھولی قدیم، ضلع سہارنپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مدارسِ اسلامیہ کے اصول وضوابط حسب ذیل حدیث شریف پر مبنی ہیں:

عن عوف المزني أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: الصلح جائز بين المسلمين إلا صلحا حرم حلالا، أو أحل حراما، والمسلمون

علی شروطهم، إلا شرطا حرم حلالا، أو أحل حراما. (سنن الترمذي، الأحكام، باب ما ذكر عن رسول الله ﷺ في الصلح بين الناس، النسخة الهندية ۱/ ۲۵۱، دارالسلام، رقم: ۱۳۵۲، المعجم الكبير للطبراني، دارإحياء التراث العربي ۱۷/ ۲۲، رقم: ۳۰)

اس حدیث شریف کی روشنی میں مدرسہ کے اصول وضوابط کی پابندی، امانت ودیانت کے ساتھ ہر ایک کے اوپر لازم ہے، اگر نائب مہتمم نے بددیانتی سے کام لیا ہے، تو اس کا گناہ ان ہی کے سر ہوگا، باقی سائل کے معاملہ کی جزئیات سے متعلق اسی مدرسہ کے ذمہ دار و دیانتدار علماء ہی کو غور کرنا چاہیئے اور سب سے بڑی کمیٹی جس کو بالادستی حاصل ہے، وہ مجلسِ شوریٰ ہے اور مجلسِ شوریٰ تک صحیح رپورٹ پیش کرنے کی ذمہ داری مدرسہ کے ان ذمہ دار حضرات پر ہے جو شوریٰ میں رپورٹ پیش کرنے والے ہوتے ہیں، اگر ان کی طرف سے کوئی کمزوری ہے، جس کی وجہ سے مدرسہ یا کسی ملازم پر زد آسکتی ہے، تو اس کا گناہ ان ہی کے سر ہوگا۔ اور دیانتداری امانت داری اور کسی کی ہتک عزت سے متعلق ''المعجم الکبیر'' کی یہی حدیث شریف سب کے لئے سبق آموز ہے:

عن عبدالله بن مسعود –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله ﷺ: لا إيمان لمن لا أمانة له، ولا دين لمن لا عهد له، والذي نفس محمد بيده لا يستقيم دين عبد حتى يستقيم لسانه، ولا يستقيم لسانه حتى يستقيم قلبه، ولا يدخل الجنة من لا يأمن جاره بوائقه. (المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ۱۰/ ۲۲۷، رقم: ۱۰۵۵۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۵؍رجب ۱۴۳۲ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۴۶۳)	۱۵؍۷؍۱۴۳۲ھ

مدارسِ اسلامیہ میں طلبہ کی دیکھ بھال کے لئے کیمرہ لگانے کا حکم

سوال [۸۴۱۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: آج کل ایک کیمرہ رائج ہے، جس کو عام اجتماع گاہوں، مثلاً بڑے بڑے ہوٹلوں، ہسپتالوں، اسٹیشنوں، ہوائی اڈوں اور شہر کے چوراہوں وغیرہ پر نصب کیا جاتا ہے اور اس کا کنکشن چھوٹی بڑی اسکرین سے ہوتا ہے، جس کو کسی دفتر یا کاؤنٹر میں رکھا جاتا ہے، جہاں اس چھوٹی یا بڑی اسکرین پر کیمرہ کی زد میں آنے والے تمام افراد کی تصاویر نظر آتی ہیں اور اس کے ذریعہ متعلقہ اشخاص کی نقل وحرکت پر مکمل نظر رکھی جاتی ہے اور ایک متعینہ مدت تک اس نقل وحرکت کو ریکارڈ بھی کیا جاسکتا ہے، جسے بوقت ضرورت آن کرکے دیکھا جاسکتا ہے اور یہ چیز بظاہر چوری، خیانت، ایذارسانی اور ممکنہ خطرات سے حفاظت کا عمدہ سامان ہے، تو اب سوال یہ ہے کہ اس کیمرہ کو کسی اسلامی درسگاہ ''مدرسہ یا جامعہ'' کی گذرگاہوں، گیلریوں، برآمدوں اور دارالاقامہ کے صحن وغیرہ میں نصب کرکے طلبہ کرام پر نظر رکھ کر متعلقہ فوائد حاصل کرنے اور ان کی لایعنی مصروفیات اور غیر قانونی حرکات پر کنٹرول کرنے کے ارادہ سے استعمال میں لانا شرعی نقطہ نظر سے کیا حکم رکھتا ہے۔ اور اس کے استعمال کی کہاں تک گنجائش ہے؟ امید ہے کہ تسلی بخش تفصیلی جواب عنایت فرماکر ممنون فرمائیں۔

المستفتی: محمد مشتاق ستپونی، خادم دارالعلوم سعادت دارین ستپونی بھروچ، گجرات

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس کیمرہ کا سوال نامہ میں ذکر ہے، مالی نقصان سے بچنے کے لئے دفع مضرت کے طور پر اس کی گنجائش ہے؛ لیکن مدارسِ اسلامیہ اور دینی درسگاہوں میں یہ کیمرہ لگانا کسی طرح مناسب نہیں ہے، اکابر ومشائخ کے طریقہ کے خلاف ہے۔ اور طلبہ کی اخلاقیات پر نظر رکھنے کے لئے اس قدر تجسس کے ہم مکلّف نہیں ہیں۔ اور مدارسِ اسلامیہ اور دینی درسگاہوں میں مالی نقصان اور حقوق العباد کے تلف ہونے کا ایسا خطرہ نہیں ہے، جس کے لئے ایسے تجسس کے کیمرے کے لگانے کی ضرورت ہو؛ لہٰذا مدارسِ اسلامیہ کو ایسے کیمروں سے پاک رکھا جائے۔

وَلا تَجَسَّسُوا. الآية [حجرات: ١٢]

الثابت بالضرورة يتقدر بقدرها. (قواعد الفقه أشرفي، ص: ٧٤، قاعده: ١٠٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶/ذی قعدہ ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۰۸۶۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۶/۱۱/۱۴۳۳ھ

ایک مدرسہ سے متعلق چند سوالات وجوابات

سوال [۸۴۱۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے یہاں ”مدرسہ جامعہ اسلامیہ جلالیہ“ میں درجہ اول دینیات میں غیر مقامی طلبہ داخلہ لیتے ہیں، ان سے مزید کھانے کے لئے پانچ ہزار پانچ سو روپئے لئے جاتے ہیں اور ان بچوں کے سرپرست صاحبان کو یہ بتلایا جاتا ہے کہ آپ کا بچہ اگر مدرسہ سے چلا جائے تو پانچ ہزار پانچ سو روپئے آپ کو واپس نہیں کئے جائیں گے؛ اس لئے کہ اس سے مدرسہ میں طلبہ کی کمی ہوگی؛ کیوں کہ درجات کے اعتبار سے طلبہ کی تعداد متعین ہے، سرپرست صاحبان بھی اس وقت مان لیتے ہیں؛ لیکن بعد میں جب بچہ چلا جاتا ہے تو خوراکی کے نام پر جو رقم جمع کی تھی اسے مانگتے ہیں، مذکورہ صورت میں گارجین کو خوراکی کی رقم واپس کرنا ضروری ہے، جب کہ گارجین نے وعدہ کیا تھا کہ بچہ اگر چلا جائے تو رقم واپس نہیں لیں گے۔ دوسری صورت ہمارے یہاں یہ بھی ہے کہ ایک خصوصی مطبخ قیمتاً چلتا ہے، جس میں اہل ثروت حضرات کے بچے سالانہ نو ہزار روپئے جمع کرتے ہیں اور اپنا کھانا کھاتے ہیں، اس صورت میں بھی کبھی بچے چلے جاتے ہیں، ان بچوں کے سرپرست صاحبان بھی بوقت داخلہ وعدہ کرتے ہیں، بچے چلے جانے کی صورت میں روپئے واپس نہیں لیں گے؛ لیکن بعد میں کچھ لوگ مطالبہ کرتے ہیں، ایسی صورت میں یہ رقم شرعاً واپس کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

(ب) خوراکی کے نام پر جو رقم الگ سے لی جاتی ہے وہی رقم اگر داخلہ فیس کے ساتھ جوڑ کر

داخلہ فیس میں اضافہ کردیا جائے اورداخلہ فیس بجائے ۸۰۰/ر کے ۹۸۰/ یا ۶۳۰۰/ رکردیا جائے اوراس صورت میں اگر بچہ چلا جائے تورقم واپس نہیں کی جائے گی،تو کیا یہ شرعاً جائز ہے؟

(۲) ایک استاذ ایک مدرسہ میں پڑھاتے پڑھاتے بوڑھے کمزور اور بیمار ومعذور ہوگئے، اب پڑھانے سے معذور ہیں، ادھر پوری زندگی مدرسہ میں رہنے کی وجہ سے دوسرا کوئی ذریعہ معاش کا بھی گھر میں انتظام نہیں ہے، اب کیااس حالت میں مدرسہ کی طرف سےان کے لئے پنشن جاری کرنا یاان کے لئے پنشن لینا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہےتو کس فنڈ سےان کورقم دی جائے گی؟

المستفتی: ارکان حل وعقد جامعہ جلالیہ ہوجائی آسام، ہند

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: حسب تحریر سوال جورقم مدرسہ میں مقیم طلبہ کے سرپرستوں سے سال بھر کی خوراکی کے نام پر وصول کی جاتی ہے وہ رقم شرعاً طعام کے عوض میں ہے؛ لہٰذا درمیان سال میں اگر طالب علم چلا جاتا ہے،تو حساب لگا کر باقی ماندہ رقم سرپرستوں کوواپس کرنا ضروری ہے؛ کیوں کہ اب اس رقم کا کوئی مصرف نہیں رہااورداخلہ کےوقت مدرسہ کے ذمہ داران اورطلبہ کےسرپرستوں کے درمیان یہ جو طے ہوا تھا کہ بیچ سال میں طالب علم کے چلے جانے کی صورت میں وہ رقم کی واپسی کے مطالبہ کے مجاز نہ ہوں گے، اس کا شرعاً کوئی اعتبار نہیں ہے؛ البتہ خوراکی کی رقم اگر داخلہ فیس میں منضم کرکے اصل داخلہ فیس میں اضافہ کردیا جائے تو اب ذمہ داران مدرسہ طالب علم کے درمیانی سال میں واپس چلے جانے کی صورت میں بقیہ رقم کی واپسی کے مکلّف نہ ہوں گے۔ اور نہ ہی سرپرست حضرات کو مطالبہ کا اختیار ہوگا؛اس لئے کہ وہ پوری رقم داخلہ فیس ہی کے لئے متعین ہےاورمنجانب مدرسہ اس کا داخلہ ہوچکا ہے۔

عن أبي حميد الساعدي أن رسول الله ﷺ قال: لا يحل لمسلم أن يأخذ مال أخيه بغير حق. (مجمع الزوائد، باب الغصب وحرمة مال المسلم، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ١٤١، رقم: ٦٨٥٩، مسند أحمد بن حنبل ٥/ ٤٢٥، رقم: ٢٣٠٠٣)

عن عبدالله بن عمرو بن عوف المزني عن أبيه، عن جده، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: الصلح جائز بين المسلمين إلا صلحا حرم حلالا، أو أحل حراما، والمسلمون على شروطهم، إلا شرطا حرم حلالا، أو أحل حراما. (سنن الترمذي، الأحكام، باب ما ذكر عن رسول الله ﷺ في الصلح بين الناس، النسخة الهندية ۱/ ۲۵۱، دارالسلام، رقم: ۱۳۵۲)

لو باع كاغذة بألف يجوز، ولا يكره. (فتح القدير، كتاب الكفالة، زكريا ديوبند ۷/ ۱۹۸، دارالفكر ۷/ ۲۱۲، کوئٹه ٦/ ۳۲٤، دارالحكام ۲/ ۳۰٤، الدر مع الرد، مطلب بيع العينة، كراچى ٥/ ۳۲٦، زكريا ۷/ ٦۱۳)

(۲) جب مدرسہ میں قانون وضابطہ یہ بن جائے کہ کمزور اور معذور مدرسین وملازمین کے لئے پنشن جاری کیا جائے گا، تو ایسی صورت میں اس ضابطہ کے مطابق مذکورہ مدرس کو منجانب مدرسہ پنشن دینا جائز اور درست ہے۔ اور بہتر یہ ہے کہ اخبارات اور کثیر الاشاعت رسائل میں اس ضابطہ کا اعلان کردیا جائے، تاکہ لوگوں کو اس کا علم ہوجائے۔

وأما شرائط الصحة، فمنها: رضا المتعاقدين. (هندية، كتاب الإجارة، الباب الأول، زكريا جديد ٤/ ٤٤٠، قديم ٤/ ٤١١)

عن عبدالله بن عمرو بن عوف المزني عن أبيه، عن جده، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: والمسلمون على شروطهم، إلا شرطا حرم حلالا، أو أحل حراما. (المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ۱۷/ ۲۲، رقم: ۳۰، سنن الدارقطني، كتاب البيوع، دارالكتب العلمية بيروت ۳/ ۲۳، رقم: ۲۸٦۹)

والوكيل إنما يستفيد التصرف من الموكل، وقد أمره بالدفع إلى فلان فلا يملك الدفع إلى غيره. (شامي، كتاب الزكاة، زكريا ۳/ ۱۸۹، كراچى ۲/ ۲٦۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/ ذیقعدہ ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۲۱۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۹/۱۱/۱۴۳۱ھ

مدارسِ اسلامیہ کے اصول کا ماخذ

سوال [۸۴۱۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک ادارہ میں تمام اساتذہ کو مدعو کر کے روبرو تنخواہ دی گئی، ایک مدرس کو نہ صرف فراموش کیا گیا بلکہ پیمنٹ رجسٹر اس کے مکان پر پہنچایا گیا، ایک بالغ لڑکے کے ذریعہ، جب کہ مدرس ادارہ میں حاضر تھا، شرارتاً اس طرح کیا گیا، دس ذی الحجہ کو ناظم مدرسہ اور مدرس میں تو تو میں میں ہوگئی، پھر مدرس نے ٹرسٹ کے مطالبہ پر معافی نامہ پیش کر دیا، پھر بھی ناظم صاحب نے سبکدوش کرنے کا پلان بنالیا، ٹرسٹ کے سامنے کہتے ہیں: میں نے اکراماً تنخواہ ان کے گھر بھجوائی تھی، ناظم صاحب کا کہنا ہے کہ ادارہ پندرہ سو روپئے مکان کرایہ ایک ماہ کا آپ کو دے رہا ہے، پانچ سو روپئے میں اپنی جیب سے دے رہا ہوں، آپ مدرسہ کا مکان خالی کر دیں؟ تحقیقی فتویٰ مطلوب ہے۔

المستفتی: سید ذاکر علی اشاعتی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مدارسِ اسلامیہ کے قوانین وضوابط حسب ذیل حدیث شریف سے ثابت ہوتے ہیں کہ آپس میں جو معاملہ طے ہو جائے اسی پر پابند ہونا مدارس کے ذمہ دار اور ملازمین پر لازم ہے۔

عن عبدالله بن عمرو بن عوف المزني أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: الصلح جائز بين المسلمين إلا صلحا حرم حلالا، أو أحل حراما، والمسلمون على شروطهم، إلا شرطا حرم حلالا، أو أحل حراما.

(سنن الترمذي، الأحكام، باب ما ذكر عن رسول الله ﷺ في الصلح بين الناس، النسخة الهندية ١/ ٢٥١، دار السلام، رقم: ١٣٥٢، المستدرك للحاكم، كتاب الأحكام، مكتبه نزار مصطفى الباز جديد ٧/ ٢٥٢٣، قديم ٤/ ١٠١، دار الكتب العلمية ٤/ ١١٣، رقم: ٧٠٥٩)

اب رہی سوال نامہ میں جانبین کی ایک دوسرے کی شکایت کی باتیں، تو اس سلسلہ میں وہیں قریب کے بااثر علماء ومفتیان کرام سے رابطہ قائم کریں، اصل صورت حال کیا ہے اس کو پیش نظر رکھ کر وہاں کے علماء بہتر بات کہہ سکتے ہیں اور ہم اتنی دور رہ کر وہاں کی نزاکت کو نہیں سمجھ سکتے ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ربیع الاول ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۰۹۸۶)

مدرسہ کے قوانین کا ماخذ

سوال [۸۴۱۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اجتماع مرکز ماہانہ میں بلانے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ متعلقہ شاخ کے جملہ رجسٹر جات جن میں اس شاخ کے متعلق پوری کارروائی درج ہوتی ہے، ان کا معائنہ مرکز میں ہوا کرتا ہے اور اس مقصد کے لئے مرکز میں بلایا جاتا ہے، تو اب اگر مرکز آنے کی صورت میں مدرسہ سے واپسی میں گھر جاتا ہے، تو ایک طرف کا کرایہ ملے گا۔ اور اگر گھر نہ جا کر مدرسہ واپس ہو جاتا ہے، تو دونوں طرف کا کرایہ ملے گا، کوئی مدرس اگر تاخیر کر کے آتا ہے، تو بھی کرایہ مل جاتا ہے۔ اور اگر اجتماع کی کارروائی ختم ہونے کے بعد حاضر ہوتا ہے، تو کرایہ نہیں ملتا ہے، مثلاً اگر شنبہ کی صبح کو اجتماع ہوتا ہے، تو جمعہ کو حاضری ضروری ہو جاتی ہے۔ اور اگر کسی وجہ سے جمعہ کی شام تک حاضر نہ ہو سکے تو سنیچر کی صبح تک وہ حاضر ہو جاتا ہے، تو پھر بھی رعایۃً کرایہ مل جاتا ہے؛ لیکن اگر اجتماع ختم ہونے کے بعد یا سنیچر کی دوپہر کے بعد آتا ہے تو کوئی بھی کرایہ نہیں ملے گا۔ اب ایسے حالات میں ایک مدرس شاخ سے بجائے مرکز آنے کے اپنے گھر چلا گیا، براہ راست مرکز نہیں آیا گھر سے اجتماع ختم ہونے کے بعد مرکز آ گیا اور درس میں بھی جملہ کارروائی رجسٹر لے کر نہیں آیا جس کی بنا پر اس مدرس کو اپنی کارروائی رجسٹر کے لئے دوبارہ

مدرسہ جانا پڑا، تو ان دونوں سفروں میں سے کس سفر کا کرایہ اس کو مدرسہ سے ملے گا یا کچھ بھی نہیں ملے گا، مدرس صاحب کو معطل کردیا گیا جس کا حکم نامہ مرکز حاضر ہونے کے بعد دیا گیا، نیز ابھی بحالی بھی نہیں ہوئی ہے، یعنی مدرسہ واپسی کا حکم نہیں ملا ہے۔ بینوا توجروا

المستفتی: فیض الحسن ہردوئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مدارسِ اسلامیہ کے قوانین اور ضوابط ترمذی شریف اور دارقطنی کی اس حدیث شریف سے مستنبط ہوتے ہیں:

عن عبدالله بن عمرو بن عوف المزني أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: الصلح جائز بين المسلمين إلا صلحا حرم حلالا، أو أحل حراما، والمسلمون على شروطهم، إلا شرطا حرم حلالا، أو أحل حراما.

(سنن الترمذي، الأحكام، باب ما ذكر عن رسول الله ﷺ في الصلح بين الناس، النسخة الهندية ۱/ ۲۵۱، دارالسلام، رقم: ۱۳۵۲، سنن الدارقطني، كتاب البيوع، دارالكتب العلمية بيروت ۳/ ۲۳، رقم: ۲۸۶۹)

کہ مسلمان آپس میں جائز معاملہ میں جو شرائط طے کرلیں ان کی پابندی ہر ایک پر لازم ہوجاتی ہے، جیسا کہ مذکورہ حدیث سے واضح ہے؛ لہٰذا جب مذکورہ مدرسہ اور اس کے مرکز کے درمیان یہ قانون اور ضابطہ مقرر ہوچکا ہے کہ اجتماع کے موقع پر ذیل کے پانچ شرائط کی پابندی لازم ہے جو سوال نامہ سے سمجھ میں آرہے ہیں:

(۱) کارروائی رجسٹر مکمل لے کر کے مرکز میں پہنچنا۔

(۲) طے شدہ وقت کے اندر اندر پہنچنا۔

(۳) اگر مدرسہ سے طے شدہ وقت کے اندر مرکز میں پہنچ کر پھر کارروائی کے بعد مدرسہ لوٹ کر آیا ہے، تو مدرسہ دونوں طرف کا کرایہ دے گا۔

(۴) اگر ایاباً یا ذہاباً ایک دفعہ گھر ہوتے ہوئے آتا ہے یا جاتا ہے، تو مدرسہ ایک طرف کا کرایہ دے گا۔

(۵) آتے اور جاتے دونوں دفعہ گھر ہوکر جاتا ہے یا آتا ہے، تو مدرسہ کوئی کرایہ نہیں دے گا۔ یہ آپس کے قوانین اور شرائط ہیں، جن کی پابندی لازم ہے، سوال نامہ میں ذکر کردہ واقعہ کے مطابق مذکورہ مدرس نے طے شدہ شرائط میں سے جن کی پابندی سے کرایہ مل سکتا ہے کسی بھی شرط کی پابندی نہیں کی ہے؛ اس لئے مذکورہ مدرس کو مدرسہ کی جانب سے کوئی کرایہ نہیں ملے گا، پہلے سفر میں اس لئے نہیں ملے گا کہ ضابطہ نمبر ۲ رکی پابندی نہیں کی ہے۔ اور دوسرے سفر میں اس لئے نہیں ملے گا کہ ضابطہ نمبر ا رکی پابندی نہیں کی۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰ ر جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۶۹۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۵/۳۰ھ

مدارس کے اصول وضوابط کی شرعی حیثیت

سوال [۸۴۱۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) ایک ادارہ میں قانون بنایا گیا کہ اساتذہ گھنٹہ میں دس منٹ سے زائد تاخیر سے آئیں گے، تو ان کا پورا گھنٹہ غیر حاضری شمار ہوکر پورے گھنٹہ کی تنخواہ وضع کی جائے گی، اگر چہ اڑتالیس منٹ استاذ نے پڑھایا ہو۔

(۲) ایسے ہی جو ملازم پندرہ منٹ سے زائد تاخیر سے آئیں گے ان کے پورے چار گھنٹے غیر حاضر شمار ہوکر پورے چار گھنٹے کی تنخواہ وضع کی جائے گی، اگر چہ ملازم نے تین گھنٹے چالیس منٹ دفتر وغیرہ میں کام کیا ہو اور ڈیوٹی انجام دی ہو، مذکورہ بالا قانون کی شرعی حیثیت سے مطلع فرما کر ممنون فرمائیں، کیا مذکورہ قانون میں حق تلفی نہیں ہے؟

(۳) ایک ادارہ میں تقسیم کار اور مختلف امور کے الگ الگ شعبے ہیں، جس شعبہ میں جس ملازم کا تقرر جس خدمت پر طے ہوا اس کی خدمت مفوضہ کے علاوہ دوسرا کوئی کام انجام نہ دینے پر غیر حاضری شمار کر کے تنخواہ وضع کرنا شرعاً کیسا ہے؟ بینوا توجروا

المستفتی: حکیم محمد مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مدارسِ اسلامیہ کے قوانین وضوابط کا سارا مدار ایک حدیث شریف پر ہے، جس کو ہم پہلے نقل کردیتے ہیں، اس کے بعد تینوں سوالات کے جوابات اسی حدیث شریف کی روشنی میں پیش کئے جائیں گے۔ حدیث شریف یہ ہے:

عن عبدالله بن عمرو بن عوف المزني أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: الصلح جائز بين المسلمين إلا صلحا حرم حلالا، أو أحل حراما، والمسلمون على شروطهم، إلا شرطا حرم حلالا، أو أحل حراما.

(سنن الترمذي، الأحكام، باب ما ذكر عن رسول الله صلى الله عليه وسلم في الصلح بين الناس، النسخة الهندية ١/ ٢٥١، دارالسلام، رقم: ١٣٥٢، المعجم الكبير للطبراني دار إحياء التراث العربي ١٧/ ٢٢، رقم: ٣٠)

مسلمانوں کی آپسی تراضی سے ہر وہ صلح اور قانون جائز ہے جس سے قرآن وحدیث کے حرام کو حلال کرنا لازم نہ آتا ہو، اسی طرح ہر وہ شرط بھی ضابطہ اور قانون میں جائز ہے جس سے قرآن وحدیث کے قطعی حرام کو حلال، یا حلال کو حرام کرنا لازم نہ آتا ہو، اب سوالات کے جوابات ملاحظہ فرمایئے:

(۱) جب مدرسہ نے یہ قانون بنادیا ہے کہ دس منٹ کی تاخیر سے پورا گھنٹہ غیر حاضری میں شمار ہوا کرے گا تو مدرس کو یہ اختیار بھی حاصل ہوگیا کہ وہ گھنٹہ نہ پڑھائے اور دس منٹ کی تاخیر کے بعد رجسٹر پر دستخط کردے۔ اور اگر رجسٹر پر دستخط کردیا گیا ہے اور پھر پورا گھنٹہ مدرس نے نہیں پڑھایا ہے او مدرسہ میں حاضر رہ کر کوئی کام نہیں کیا ہے، تو اس گھنٹے کی تنخواہ وضع کرلینا مدرسہ والوں کے لئے جائز ہے؛ لیکن مدرسہ والوں کے لئے یہ جائز نہیں ہوگا کہ پورا گھنٹہ غیر حاضر قرار دیں اور پھر اس گھنٹہ میں کام بھی لیں جیسا کہ اوپر کی حدیث شریف سے یہ بات واضح ہوئی۔

(۲) جب پندرہ منٹ کی تاخیر ہوگئی ہے اور پندرہ منٹ سے زائد تاخیر ہوجائے تو پورے چار

گھنٹے کی غیر حاضری لگ جاتی ہے، تو مدرسہ والوں کے لئے غیر حاضری لگانا جائز ہے؛ لیکن شرط یہ ہے کہ اب مدرس کو بھی اختیار حاصل ہو جائے کہ یہ پورے چار گھنٹے مدرسہ میں کوئی کام نہ کرے، گویا ایک وقت کی مکمل غیر حاضری ہوگئی؛ لیکن اگر مدرسہ والے پندرہ منٹ سے زائد تاخیر کے بعد چار گھنٹہ کی تنخواہ وضع کرلیں اور کام بھی لیں یہ جائز نہیں ہے، صرف اتنا جائز ہے کہ اپنا قانون ایسا بنالیں کہ پندرہ منٹ سے زائد تاخیر کی صورت میں مدرس کو اختیار ہو جائے گا کہ مدرسہ میں رہے یا غیر حاضر رہے، ان گھنٹوں کی تنخواہ نہیں ملے گی، جیسا کہ اوپر کی حدیث شریف کے مضمون سے واضح ہوتا ہے۔

(۳) مدرسہ کے مدرسین اور ملازمین کے کارمفوضہ متعین ہونے کے ساتھ ساتھ قانون اور ضابطہ میں اگر یہ بات بھی ملحوظ رکھی گئی ہے کہ صبح کے چار گھنٹے یا شام کے دو گھنٹے کے درمیان اس کارمفوضہ کے علاوہ، ضرورت مدرسہ کی وجہ سے ذمہ دار مدرسہ دوسرا کام بھی لے سکتا ہے، مثلاً چار گھنٹے میں سے دو گھنٹے پڑھانے کے بعد ایک گھنٹہ دفتری کام کرنا ہے، پھر چوتھا گھنٹہ پڑھانا ہے یا ایک دو گھنٹے مدرسہ کی ضرورت سے متعلق میٹنگ میں بیٹھنا ہے، یا مدرسہ کی ضرورت سے متعلق آس پاس کے لوگوں سے ملاقاتیں کرنی ہیں، تو اس طرح کا قانون مذکورہ حدیث شریف کی رو سے جائز اور درست ہے، ہاں البتہ مدرسہ میں اگر دو ٹائم کی پابندی ہے، مثلاً صبح کو چار گھنٹے اور شام کو دو گھنٹے، ان کے علاوہ خارج میں کام کرنا مدرس کی ذمہ داری نہیں، تو اگر خارج میں کام کرنے پر پابند کیا جائے تو اس کے لئے الگ سے الاؤنس مقرر کرنا من جانب مدرسہ لازم ہے اور بغیر الاؤنس مدرس پر دباؤ ڈالنا ذمہ دار کے لئے اس قانون کی رو سے درست نہیں ہے، ہاں البتہ اگر کوئی ملازم یا مدرس بخوشی کام کرتا ہے تو وہ اس کی طرف سے ایثار اور تبرع ہے۔ اور اگر درجہ حفظ کے لئے مدرسہ نے شروع سے یہ قانون بنایا ہے کہ ان کو تین ٹائم کام کرنا پڑے گا، صبح سے دوپہر تک، شام کے ٹائم عصر تک، اس کے بعد مغرب اور عشاء کے درمیان کا وقت، تو ایسے مدرسین کو تینوں ٹائم کام کرنے کی تنخواہ ملتی ہے، اگر ان کے لئے الگ سے ضابطہ نہیں بنا ہے، تو پھر مغرب کے بعد طلبہ کی نگرانی کے لئے بٹھانے پر

منجانب مدرسہ ان کو الگ سے الاؤنس دینا لازم ہے۔ اور الاؤنس مدرسہ اپنی صواب دید پر متعین کرسکتا ہے، یہ ساری باتیں اوپر کی حدیث شریف سے ثابت ہوتی ہیں، اسی طرح اگر کسی ملازم کو پڑھانے کے لئے اور چندہ فراہم کرنے کے لئے مقرر کیا گیا ہے، تو یہ بھی مدرسہ کے ضابطہ کے مطابق جائز اور درست ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۶/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۹ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۶۳۰)	۱۴۲۹/۶/۱۶ھ

ضوابط برائے اساتذہ، تعزیرات وتعطیلات برائے طلبہ

سوال [۸۴۱۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) نماز باجماعت کی پابندی طلبہ سے زیادہ ضروری ہوگی۔

(۲) طلبہ کی نگرانی اور امر بالمعروف نہی عن المنکر کی ذمہ داری ہوگی۔

(۳) درجہ میں بیٹھنے کی ہیئت ایسی رکھنی ضروری ہوگی جس سے چستی اور رعب ظاہر ہو۔

(۴) درجہ میں بلا عذر کمر لگا کر بیٹھنے کی اجازت نہ ہوگی۔

(۵) تعلیمی اوقات میں دوسرے مدرس کے پاس جانے یا درجہ میں بیٹھے ہوئے کسی کے ساتھ باتوں میں لگنے کی اجازت نہ ہوگی۔

(۶) تعلیمی اوقات میں کتب بینی، خط نویسی کی بھی اجازت نہ ہوگی۔

(۷) طلبہ میں بجائے زجر وتنبیہ انسیت کا پیدا کرنا ضروری ہوگا۔

(۸) نیز طلبہ کے اندر کپڑے، جسم، درسگاہ وغیرہ کی صفائی کا جذبہ پیدا کرنے کے طریقے اختیار کرنا ضروری ہوگا۔

(۹) کسی کی واقعی غیر واقعی کسی کمزوری کا تذکرہ یا حکایت وشکایت کسی مدرس وغیر مدرس کے سامنے کرنے کی اجازت نہ ہوگی؛ البتہ صدر مدرسہ کو پیش کردینا مناسب ہوگا۔

(۱۰) حسب صواب دید صدر و مہتمم کسی وقت درجہ بھی تبدیل کیا جاسکتا ہے۔
(۱۱) طلبہ سے خدمت لینے میں ان کی رضا ومناسبت کا لحاظ ضروری ہوگا۔
(۱۲) اوقات مدرسہ میں آنے والے مہمان کے لئے مدرسہ کی جانب سے ۱۰؍منٹ مہمان نوازی کی اجازت ہوگی۔
(۱۳) ایک سال میں تعطیلات مقررہ کے علاوہ بیس یوم کی رخصت ہوگی، اس سے زیادہ غیر حاضری کی تنخواہ وضع کی جائے گی۔
(۱۴) مغرب وعشاء کے بعد طلبہ کی نگرانی ضروری ہوگی۔
(۱۵) درجہ میں ہر جدید کام کرنے کے لئے پہلے ذمہ دار سے مشورہ کرنا ضروری ہوگا۔
(۱۶) پندرہ روز سے پہلے گھر جانے کی اجازت نہ ہوگی۔
(۱۷) جمعرات میں دوپہر سے سنیچر کی دوپہر تک یا زائد سے زائد شام تک کی رخصت ہوگی۔
(۱۸) اوقات تعلیم میں جتنا وقت اپنے کام میں خرچ کیا جائے گا اس کی تنخواہ وضع کی جائے گی۔
(۱۹) وقتی ضرورت پر چھٹی مل جائے گی، مگر اس کا حساب ۲۰؍یوم کی رخصت میں لگے گا۔
(۲۰) مسلسل دس پندرہ یوم کی تعطیل مدرسہ کی جانب سے نہیں مل سکے گی، شادی کے موقع پر صرف ۴؍۵؍یوم کی رخصت ملے گی۔
(۲۱) اگر کوئی استاذ درمیانی سال میں مدرسہ سے علیحدہ ہوگا تو اس کی اطلاع پندرہ روز پہلے دینا ضروری ہوگا، اگر بلا اطلاع الگ ہوگیا تو پندرہ یوم کی تنخواہ وضع کرلی جائے گی، اسی طرح اگر مدرسہ نے کسی استاذ کو بلا اطلاع علیحدہ کردیا تو اس کو پندرہ یوم کی تنخواہ مزید دی جائے گی۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: معلمین کے حق میں جو قوانین وضوابط مقرر کئے گئے ہیں، احقر حرفاً حرفاً ہر ایک سے متفق ہے، ماشاء اللہ اگر ان پر عمل ہوسکے تو مدرسہ طلبہ، استاذ، قوم سب کے حق میں فلاح ہی فلاح ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍شوال المکرم ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۴۳۲/۲۵)

تعزیرات برائے طلبہ مدرسہ عربیہ امدادالاسلام ہرسولی ضلع مظفرنگر یوپی

سوال [۸۴۱۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) جماعت کی ایک رکعت چھوٹ جانے پر سب کے سامنے ہاتھ پر پانچ قمچی لگائی جائیں گی۔

(۲) ظہر کی پہلی سنت پہلے نہ پڑھنے پر مسجد کی شمالی دیوار سے جنوبی تک چار چکر مرغ بن کر لگانے ضروری ہوں گے۔

(۳) باہمی منازعت کی صورت میں دست درازی کرنے والے پر ایک کے عوض پچیس قمچی ماری جائیں گی۔

(۴) ایک گالی زبان سے نکالنے پر نفل کی چار رکعت ادا کرنی ہوگی۔

(۵) دس روپئے یا دس روپئے سے زائد کسی بھی سامان کی چوری کرنے کے ثبوت پر مدرسہ سے اخراج کردیا جائے گا۔

(٦) اگر دس روپئے سے کم چوری کی گئی تو (الف) فی روپیہ پانچ قمچی ہوں گی (ب) ضمان ہر صورت میں چور کے ذمہ ہوگا، جوکہ اسی وقت ادا کرنا ضروری ہوگا (ج) یہ سزا صاحب حق کے معاف کردینے سے بھی ساقط نہ ہوگی۔

(۷) تعطیلات مقررہ میں ایک کی بھی تاخیر معاف نہ ہوگی، دوروز کی تاخیر تک فی یوم دس قمچی ہوں گی اور تین روز کی غیر حاضری پر اخراج ہوجائے گا۔

(۸) وقتی تعطیل میں مقدار موجود سے زائد ایک دن پر دس قمچی ہوں گی۔

(۹) بیماری کی تعطیل میں اگر مسلسل بلا اطلاع دس روز تاخیر ہوگی تو اخراج ہوجائیگا۔

(۱۰) تندرستی کی حالت میں رخصت لی اور گھر جاکر بیمار ہوجائے تو ڈاکٹر کی تصدیق قابل قبول ہوگی۔

(۱۱) ہفتہ کے درمیان رخصت نہیں ملے گی، الا یہ کہ شدید بیماری یا گھر کسی پریشانی کی صحیح خبر

ملے۔

(۱۲) ایک مرتبہ اخراج کے بعد حسب صوابدید اراکین مدرسہ دوسرے سال داخلہ ممکن ہوگا، اسی سال داخلہ کی صورت نہ ہوگی۔ فقط

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: طلبہ کی تعزیرات کے سلسلہ میں جوضوابط مقرر کئے ہیں سب سے احقر متفق ہے، البتہ جن میں قینچی کی سزا مقرر ہوئی ہے، ان کے ساتھ نوافل بھی مقرر ہوجائیں تو تربیت کے لئے زیادہ مناسب تھا، نیز نمبر ایک میں پانچ قینچی کے بجائے اگر دس مقرر کی جائے تو زیادہ اصلاح کی بات تھی، نیز مہذب ادارہ میں مہذب سزا مناسب ہے؛ اس لئے اگر مرغ بن کر چکر لگانے کے بجائے حسب مناسب نوافل مقرر کردی جائیں تو زیادہ تربیت واصلاح کی امید ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍ شوال المکرّم ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/۱۴۳۳)

ضوابط برائے مدرسہ عربیہ امداد الاسلام ہرسولی ضلع مظفر نگر

سوال [۸۴۲۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) تمام طلبہ کو نماز پنج گانہ باجماعت باہتمام تکبیر اولیٰ ادا کرنا ضروری ہوگا۔

(۲) لباس نیچے سے اوپر تک مطابق شرع سنت رکھنا ضروری ہوگا۔

(۳) غیبت واختلاط سے سخت پرہیز نہایت ضروری ہوگا۔

(۴) بدفعلی کے ثبوت یا ظہور پر یقیناً اخراج کردیا جائے گا۔

(۵) سرقہ (چوری) کے ثبوت ملنے پر بھی اخراج کردیا جائے گا۔

(۶) مدرسہ کے جملہ اساتذہ کا خصوصاً اور عامۃ المسلمین کا عموماً ادب واحترام ضروری ہوگا۔

(۷) وقتی طور پر جو اعلان کیا جائے اس کا احترام ضروری ہوگا۔
(۸) مدرسہ کے تعلیمی اوقات میں خصوصاً اور خارجی اوقات میں عموماً بستی کے اندر جانے سے پرہیز ضروری ہوگا۔
(۹) کسی بھی طالب علم کو مدرسہ سے متعلق کسی بھی واقعہ میں دخیل ہونے کا حق نہ ہوگا۔
(۱۰) تعطیلات مقررہ کے علاوہ پندرہ دن غیر حاضر ہونے سے مدرسہ آئندہ تعلیمی خدمت سے معذور رہے گا۔
(۱۱) ہر طالب علم کو ہر ماہ اپنے سر کے بال مشین سے صاف کرانا ضروری ہوگا۔
(۱۲) بالغ طلبہ کو نابالغ بچوں کے ساتھ تفریح کے لئے جانا ایک حجرہ میں رہنا قطعاً جائز نہ رکھا جائے گا۔
(۱۳) مدرسہ پر کسی بھی طالب علم کا کوئی حق مطالبہ نہ ہوگا۔
(۱۴) مدرسہ کے اصول کے مطابق بنے ہوئے کپڑے کم ازکم دو جوڑی ہونا ضروری ہوگا۔
(۱۵) طلبہ کو کسی قسم کی جمعیت بنانے کا کوئی حق نہ ہوگا۔
(۱۶) ٹوپی پنج کلی یا دو پلی کے علاوہ دوسری نہیں چلے گی۔
(۱۷) اپنا لوٹا المونیم کا ہونا ضروری ہے۔
(۱۸) ایک ماہ سے پہلے چھٹی لینے کی اجازت نہ ہوگی، اس وقت بھی جمعرات کو دوپہر سے سنیچر کی دوپہر تک اجازت ہوگی۔
(۱۹) کسی وقتی حادثہ پر بھی چھٹی مل سکتی ہے، مگر مدرسہ کو واقعی ثبوت ملنا ضروری ہے۔
(۲۰) چھٹی کے وقت سے دو روز زائد ہوتے ہی نام خارج کردیا جائے گا۔
(۲۱) روشنی کا انتظام اپنے پاس سے کرنا ضروری ہوگا، اس کے لئے دو روپئے ماہانہ جمع کرنے ضروری ہوں گے۔
(۲۲) داخلہ فیس دس روپئے ہیں جو بلا طلب کئے پیش کردینی چاہئے۔

(۲۳) قاعدہ، پارہ اور کلام پاک ناظرہ پڑھنے والوں کا مدرسہ میں امدادی داخلہ نہیں ہوگا۔
(۲۴) کوئی طالب علم اگر نصاب کے مطابق نہیں پڑھے گا یا پڑھنے میں سستی کرے گا تو اس کا نام خارج کردیا جائے گا۔
(۲۵) غیر امدادی داخلہ ہونے والے طلبہ کے کھانے کا انتظام مدرسہ کی جانب سے کیا جا سکتا ہے، خوراکی پچاس روپئے ماہانہ ہوگی، جس میں چار ماہ کا خرچ داخل ہونے سے پہلے جمع کرنا ضروری ہوگا۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: امور شرعیہ دو قسموں میں منقسم ہیں: (۱) وہ امور جن کا تعلق بابِ احکام سے ہے، جن کے لئے شارع کی طرف سے بنیادی نصوص ہوتے ہیں (۲) وہ امور جن کا تعلق بابِ تربیت سے ہوتا ہے اور بابِ تربیت کا مدار نصوص پر نہیں ہوتا ہے؛ بلکہ حالات اور مربی اور مربی کے مزاج وصلاحیت پر مدار ہوتا ہے؛ اس لئے بابِ تربیت میں بہت سی ایسی چیزیں بھی جائز ہوتی ہیں جو بابِ احکام کے لحاظ سے ناجائز ہیں؛ اس لئے مذکورہ تمام ضوابط بابِ تربیت میں جائز ہیں؛ لیکن جن ضابطوں میں روپیہ پیسہ کی بات آتی ہے ان میں نادار طالبان علم کی تخصیص حتی الامکان ضروری ہے، مثلاً داخلہ فیس لوٹا جوڑے وغیرہ نیز غیر امدادی طلبہ پر چار ماہ کا خرچ پیشگی جمع کرنا لازم قرار دینا باقی تمام اصول ماشاء اللہ مناسب ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍شوال المکرّم ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/۱۴۳۴)

سوال [۸۴۲۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے مدرسہ کے ضوابط برائے اساتذہ وطلبہ اور تعزیرات وتعطیلات جو مقرر کی گئی ہیں ان میں کوئی نمبر خلاف شرع تو نہیں؟ اگر ہے تو اس کی اصلاح وترمیم کی درخواست ہے۔

امید ہے کہ مزاج آپ کے بخیر ہوں گے۔ فقط

نوٹ: تمام نقلوں کی واپسی کی ضرورت نہیں صرف آپ کا جواب ہمارے لئے کافی ہے۔

المستفتی: مہربان علی بڑوتوی خادم تعلیمات مدرسہ عربیہ امداد الاسلام ہرسولی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) معلمین کے حق میں جو ضوابط مقرر کئے گئے ہیں ان میں سے کوئی بھی شریعت کے خلاف نہیں ہے، ان میں مدرسہ، طلبہ، معلمین، عوام سب کے حق میں فلاح ہی فلاح ہے۔

(۲) طلبہ کی تعزیرات کے لئے جو قوانین مقرر کئے گئے ہیں باب تربیت میں ان کی گنجائش ہے؛ البتہ مہذب ادارہ میں مہذب سزا مناسب ہے؛ اس لئے نمبر۲ر میں مرغ بن کر چکر لگانے کے بجائے اگر حسب مناسب نوافل مقرر کردی جائیں تو زیادہ اصلاح وبہتری کی بات ہوگی۔

(۳) طلبہ کے لئے جو قوانین مقرر کئے گئے ہیں، باب تربیت میں ان سب کی گنجائش ہے، البتہ جن ضابطوں میں مالی بھار طلبہ پر رکھا گیا ہے، ان میں نادار غریب طلبہ کے حق میں تخفیف ہونی چاہئے، لوٹا، جوڑا، داخلہ فیس وغیرہ میں ان کے ساتھ تخفیف ہونی چاہئے، نیز غیر امدادی طلبہ سے چار ماہ کا خرچ پیشگی لینے کی مصلحت احقر کو سمجھ میں نہیں آئی، ویسے آپس کی رضامندی سے جو معاملہ طے کرلیا جائے تو شرعاً وہ معاملہ درست ہے، خلاف شرع نہیں ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵ر شوال المکرّم ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۴۳۱/۲۵)

مدرسے کے من جملہ بچوں کی ضروریات مدّ زکوۃ سے پوری کرنے کا حکم

سوال [۸۴۲۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مدارسِ اسلامیہ میں جو طلبہ دور دراز سے تعلیم حاصل کرنے کے لئے آتے ہیں، ان

میں ہر طرح کے طلبہ ہوتے ہیں (مالدار، غرباء یتیم) اب ان کے لئے مدرسہ والے جو چندہ لاتے ہیں، اس چندہ میں زکوۃ، صدقات اور امداد وغیرہ سبھی مدات ہوتی ہیں، اب چندہ کی رقم مجموعی طور سے مذکورہ طلبہ پر صرف ہوسکتی ہے، جب کہ مذکورہ طلبہ میں دوسرے صوبوں کے بھی طلبہ ہیں، تفصیل سے جواب تحریر فرما کر کرم فرمائیں۔ والسلام

المستفتی: بندہ خدا ملی تال (نینی تال)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زکوۃ، صدقات اور امداد وغیرہم کی رقوم غرباء، یتیم ومساکین طلبہ کو دینا اور ان کی ضروریات طعام ووظائف وغیرہ میں خرچ کرنا درست ہے، نیز ان طلبہ پر بھی خرچ کرنا درست ہے کہ جن کی ملکیت میں بقدر نصاب مال نہیں ہے، اگرچہ ان کے گھر پر مال موجود ہے؛ البتہ وہ غنی طلبہ کہ جن کی ملکیت میں نصاب سے زائد مال اور رقم ہے، راجح قول کے مطابق ان کو زکوۃ کی رقم دینا یا مد زکوۃ سے خرچ کرنا جائز نہیں ہے؛ لیکن مدارس میں پڑھنے والے طلبہ میں ایک دو فیصد بھی ایسے طلبہ نہیں ہوتے ہیں کہ جن کے پاس نصاب کے بقدر ماں باپ سے ہٹ کر الگ سے پیسے ہوں۔ (مستفاد: فتاویٰ دار العلوم ۶/ ۲۵۵، امداد الفتاوی ۲/ ۱۸، احسن الفتاوی ۴/ ۲۵۲، ایضاح النوادر/ ۴۸)

والأوجه تقييده بالفقير، ويكون طلب العلم مرخصا لجواز سؤاله من الزكوة وغيرها، وإن كان قادرا على الكسب إذ بدونه لا يحل له السؤال. (فتاوى شامي، كتاب الزكوة، باب المصرف، زكريا ۳/ ۲۸۶، كراچى ۲/ ۳۴۰، الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۸/ ۳۳۶)

لا يجوز دفع الزكوة إلى من يملك نصابا، أي مال كان. (هندية، الباب السابع في المصارف، زكريا قديم ۱/ ۱۸۹، جديد ۱/ ۲۵۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/ محرم الحرام ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۴۳۳)

مدرسہ میں آمدہ غلہ میں اشیاء کی رسید دینے کا حکم

سوال [٨٤٢٣]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک دینی مدرسہ ہے، جس میں بیرونی طلبا مقیم ہیں، طلبا کا طعام مدرسہ کے مطبخ میں بنتا ہے، اکثر طلبا کا کھانا امدادی ہے، بعض کا غیر امدادی ہے، مدرسہ میں دو قسم کی رسید بک ہیں: ایک عام چندہ کرنے کی، دوسری رسید اشیاء کی ہے، جو غلہ وغیرہ مدرسہ میں آتا ہے اس کو اشیاء کی رسید دی جاتی ہے، اور اس کو مطبخ میں استعمال کیا جاتا ہے، گویا کہ اشیاء کی رسید کا مطلب یہ ہے کہ یہ مطبخ کی رسید ہے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ جو غیر امدادی طلبا طعام کی فیس جمع کرتے ہیں، ان کو اشیاء کی رسید دی جائے یا عام چندہ کی رسید دے کر اس رقم کو مین بیلنس میں جمع کیا جائے؟

المستفتی: مرغوب الرحمٰن، دھام پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ میں دو قسم کی رسیدوں کا ذکر ہے، ایک عام چندہ کی ہے۔ اور ایک اشیاء کی ہے اور اشیاء کے بارے میں یہ شبہ ظاہر کیا گیا ہے کہ جو بھی اشیاء ہوں وہ مطبخ میں آئیں گی، یہ بات عمومی طور پر ہے؛ لیکن کبھی کبھی ایسی اشیاء بھی ہوتی ہیں جو مطبخ سے متعلق نہیں ہیں، مثلاً تعمیر کے موقع پر سریا، چوکہ، سیمنٹ وغیرہ چندہ میں آجائے تو اس میں بھی اشیاء ہی کی رسید کاٹ کر دی جاتی ہے؛ اس لئے غیر امدادی طلبہ کی فیس جمع کرنے میں کوئی بھی رسید کاٹ کر دینے میں کوئی حرج نہیں، بس اتنی بات ضروری ہے کہ مطبخ میں خوراکی کی قیمت متعین ہو اور اس قیمت کی رسید کاٹ کر دے دی جائے۔ اور رسید کاٹنے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اتنے دنوں کی خوراکی کا پیسہ مدرسہ میں آگیا ہے۔ اور مدارس میں اس طرح کا تعامل اور عرف ہے؛ اس لئے اس میں کسی کو اشکال نہیں ہونا چاہئے۔

المعروف كالمشروط. (الأشباه والنظائر، جديد ص: ۲۷۸)

المعروف بالعرف كالمشروط شرطا. (قواعد الفقه، أشرفي، ص: ۱۲۵، رقم: ۳۳٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/ربیع الثانی ۱۴۳۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/۱۱۸۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۶/۴/۱۱ھ

مدارس میں فیس لے کر تعلیم دینے کا حکم

سوال [۸۴۲۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مدارسِ اسلامیہ کے اندر درجہ حفظ یا درجہ عربی کے بچوں سے فیس لینا درست ہے، اس سے قرآن کا بیچنا تو لازم نہیں آئے گا؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم اپنے بچوں کو مدرسے میں اس لئے داخل نہیں کراتے کہ فیس نہیں لگتی اور اسکولوں میں ہر مہینہ فیس لگتی ہے؛ حالانکہ قرآن کا مرتبہ اس سے بہت بڑھا ہوا ہے، پھر بھی مدرسہ والے فیس نہیں لیتے۔ اور یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ حافظ لوگ صدقہ کا مال کھاتے ہیں، جس سے ہمارے بچوں پر اس کا اثر پڑے گا۔

المستفتی: نسیم احمد غازی پوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مدارسِ اسلامیہ میں طلبہ کو قرآن کریم اور دیگر دینی کتابوں کی تعلیم دے کر ان سے فیس وصول کرنا شرعاً جائز ہے۔ اور آج کل چوں کہ مدارس میں عموماً غریب اور نادار طلبہ ہوتے ہیں جو صدقات وخیرات وغیرہ کے مستحق ہوتے ہیں اور وہ تعلیم کی فیس ادا کرنے کے متحمل نہیں ہوتے ہیں؛ اس لئے مدارس میں ان سے تعلیمی فیس وصول نہیں کی جاتی ہے؛ لیکن اگر کسی مدرسہ میں تعلیمی فیس وصول کی جائے تو شرعاً اس کی اجازت ہے، اس کو قرآن کریم کا معاوضہ کہنا اور قرآن کی آیتوں کی فیس کہنا قطعاً درست نہیں؛ بلکہ تعلیم

دینے والے بچوں کے حبس وقت کی فیس اور تنخواہ ہے، جو فیسوں کے نام سے وصول کیا جاتا ہے، ورنہ قرآن کی آیتوں کی فیس کون ادا کرسکتا ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۱/۴۲۲)

قال في الهداية: وبعض مشايخنا استحسنوا الاستئجار على تعليم القرآن اليوم؛ لظهور التواني في الأمور الدينية، ففي الامتناع تضييع حفظ القرآن وعليه الفتوى. (شامي، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، مطلب تحرير مهم في عدم جواز الاستئجار على التلاوة والتهليل، زكريا ۹/ ۷۶، كراچی ۶/ ۵۵، هداية أشرفی ۳/ ۳۰۳، البناية، أشرفيه ديوبند ۱۰/ ۲۸۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰/ ۳/ ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۲۲۰/۳۸)

طلبہ کا بلا اجازت مدرسہ کی چیزوں کو استعمال کرنے کا حکم

سوال [۸۴۲۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر کوئی طالب علم مدرسہ کے ذمہ داران کی اجازت کے بغیر کھانے کی کوئی چیز اٹھا کر کھالے تو اس کا مدلل حکم تحریر کیجئے۔

المستفتی: محمد ابو الکلام، مظفرنگر، متعلم مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مدرسہ کی جس چیز کا ذکر کیا جارہا ہے، اگر وہ چیز مدزکوۃ کی ہے، تو اس کے مستحقین میں مذکورہ طالب علم بھی ہے، اس نے جو چیز ذمہ داروں کی اجازت کے بغیر کھائی ہے، دیانۃً تو وہ چیز اس کے لئے حلال ہوئی؛ لیکن مدرسہ کے ذمہ داران اور مدرسہ کے نظام کے خلاف اس نے یہ عمل کیا ہے اور اس طرح کے اعمال کی بنا پر مدرسہ کا نظم ونسق باقی نہیں رہ سکتا؛ اس لئے کسی طالب علم کے لئے مدرسہ کے قانون اور نظام کی مخالفت کی بنا پر ذمہ داران کی اجازت کے بغیر از خود مدرسہ کی کسی چیز کے کھانے کی اجازت نہیں۔

وظاهره أن من له حظ في بيت المال بكونه فقيرا، أو عالما، أو نحو ذلک، ووجد ما مرجعه إلى بيت المال من أي بيت من البيوت الأربعة الآتية في آخر الجزية له أخذه ديانة بطريق الظفر في زماننا، ولا يتقيد أخذه بأن يكون مرجع المأخوذ إلى البيت الذي يستحق منه. (شامي، كتاب الجهاد، باب المغنم وقسمته، مطلب: فيمن له حق في بيت المال، وظفر بشيء من بيت المال زكريا ٦/ ٢٦٥، كراچی ٤/ ١٥٩، البحرالرائق، کوئٹه ٥/ ١١٨، زكريا ٥/ ٢٠٠، هندية زكريا قديم ١/ ١٩١، جديد ١/ ٢٥٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ر صفر المظفر ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۴۹۵)

تعلیمی اوقات کے دوران طلبہ کو قرآن خوانی کے لئے بھیجنا

سوال [۸۴۲۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مدرسہ کے تعلیمی وقت میں طلبہ کو قرآن خوانی کی دعوت میں بھیجنا کیسا ہے، جب کہ تعلیمی وقت میں قرآن خوانی کے لئے بھیجنے کی صورت میں تعلیم کا نقصان یقینی ہوتا ہے، اس سلسلے میں مدرسہ والوں کی کیا ذمہ داری ہے؟

المستفتی: راشد علی (کاتب) پیپلسانہ، ضلع مرادآباد (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ارباب مدرسہ کی اہم ذمہ داری یہی ہے کہ طلبہ کو ہر ایسی چیز اور امور سے محفوظ رکھیں جو ان کی تعلیم میں نقصان دہ ہوں، چاہے وہ امور فی نفسہٖ اچھے کیوں نہ ہوں، کیونکہ ان کے لئے تعلیم سے اہم کوئی چیز نہیں ہے، نیز موجودہ دور میں جن لوازمات کے ساتھ قرآن خوانی ہوتی ہے، اس کو بعض فقہاء نے ناجائز اور مکروہ قرار دیا ہے۔

من قال من المشايخ: قراءة القرآن بالجماعة جهرا ويسمى

بالفارسية سی پاره خوانده مکروه الخ. (نفع المفتي والسائل، ص: ١٢٤، المحيط البرهاني، المجلس العلمي ٧/ ٥١٣، رقم: ٩٤٥٢، الفتاوى التاتارخانية زكريا ١٨/ ٥٨، رقم: ٢٨٠٢٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۳۱۷۸)

مدارس کے طلباء سے قرآن خوانی کرانا

سوال [۸۴۲۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مدارس کے بچوں سے کلام پاک پڑھوانا کیا حکم رکھتا ہے؟

المستفتی: عبدالمعید قاسمی آزادنگر، ہلدوانی نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: فی نفسہٖ قرآن کریم کی تلاوت باعث خیر وبرکت ہے؛ لیکن اس زمانہ میں جو مدارس کے طلبہ کو تعلیمی وقت وغیرہ میں لے جاکر پڑھوایا جاتا ہے، اس میں بہت سی خرابیاں ہیں، مثلاً طلبہ کی تعلیم کا حرج وہاں جاکر کھانے پینے کا التزام وغیرہ، اس لئے مروجہ طریقہ سے گھروں میں لے جاکر پڑھوانا ممنوع اور بدعت سئیہ ہے۔

ومن قال من المشايخ: إن ختم القرآن بالجماعة جهرا ويسمى بالفارسية سي پاره خوانده مكروه. (المحيط البرهاني، كتاب الكراهية والاستحسان، الفصل الرابع، المجلس العلمي ٧/ ٥١٣، رقم: ٩٤٥٢، الفتاوى التاتارخانية زكريا ١٨/ ٥٨، رقم: ٢٨٠٢٣، نفع المفتي والسائل، ص: ١٢٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/ ربیع الاول ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۳۰۷۹)

لڑکیوں کا مدرسہ قائم کرنا

سوال [۸۴۲۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: خواتین کی بڑھتی ہوئی جہالت کو مٹانے کے لئے ایک شخص پورے پردہ وغیرہ کی رعایت کے ساتھ لڑکیوں کا مدرسہ کھولنا چاہتا ہے، جس میں اساتذہ کی اکثریت عورتوں کی ہوگی، مگر کچھ مرد بھی ہوں گے، جو پردہ کے اندر سے تعلیم دیں گے، تو اس کا یہ اقدام کیسا ہے؟

المستفتی: محمد محسن علی متعلم تکمیل ادب مدرسہ امدادیہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زنانہ مدارس کا کھولنا اور جاری کرنا اور لڑکیوں کے لئے وہاں تعلیم کے لئے جانا اور عورتوں کو ان کی صنف کے مناسب علوم وفنون سکھانا یہ تمام امور نہ یہ کہ صرف جائز ہیں؛ بلکہ مستحسن ہیں؛ لیکن لڑکیوں کے اسکول صرف لڑکیوں کے لئے مخصوص ہونے چاہئے تاکہ فتنہ کا احتمال باقی نہ رہے، جس کے لئے بہتر طریقہ یہ ہے کہ نیک کردار پاک دامن عورتوں کو تعلیم وتربیت کے لئے مقرر کیا جائے، اگر معلمات نہ مل سکیں، تو مجبوراً نیک اور صالح قابل اعتماد مردوں کو متعین کیا جائے۔ اور ان کی کڑی نگرانی رکھی جائے اور کسی بھی طرح بے پردگی بالکل نہ ہونے پائے، تو اس کی بھی گنجائش ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۲/ ۳۵-۳۶، جدید مطول ۲/ ۳۸۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:	کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ	۲۹ ر جمادی الاولیٰ ۱۴۱۵ھ
۱۴۱۵/۵/۲۹ھ	(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۰۳۹)

مدارسِ اسلامیہ میں غیر مسلم بچوں کو تعلیم دینے کا حکم

سوال [۸۴۲۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: کیا اسلامی مدارس میں غیر مسلم ہندو بچوں کو ان کے والدین کی خواہش پر عربی تعلیم دینا درست ہے، جب کہ وہ مسلم بچوں کے مقابلہ میں صاف ستھرے ہو کر آئیں؟

المستفتی: سید اشرف علی شیر کوٹ بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اسلامی مدارس میں غیر مسلم ہندو بچوں کو ان کی خواہش کے مطابق داخل کر کے عربی تعلیم دینا درست ہے، جب کہ ان غیر مسلم بچوں کی نیت صاف ہو، علم حاصل کر کے مذہب اسلام پر اعتراض کرنے کی نیت نہ ہو۔ (مستفاد: کفایت المفتی ٢/ ١٤، جدید مطول٢/ ٥٢٨)

وفي الخانية: من بحث القراء ة الحربي أو الذمي إذا طلب تعلم القرآن، والفقه، والأحكام يعلم رجاء أن يهتدي؛ لكن يمنع من مس المصحف إلا إذا اغتسل فلا يمنع. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، دارالكتاب ديوبند، ص: ١٤٣)

ويمنع النصراني من مسه، وجوزه محمد إذا اغتسل، ولا بأس بتعليمه القرآن والفقه عسى يهتدى. (شامي، كتاب الطهارة، مطلب يطلق الدعاء على ما يشمل الثناء، زكريا ١/ ٣٢١، كراچى ١/ ١٧٧، وهكذا في حلبي كبير سهيل اكيڈمي لاهور، ص: ٤٩٧) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٢٩ رشعبان ١٤١٦ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٢/ ٤٥٦٧)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
٢٩/٨/١٤١٦ھ

طلباء کو انعام میں ملنے والے روپیوں کا مالک کون؟

سوال [٨٤٣٠]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کسی بچہ نے مقابلہ قراءت ونعت خوانی میں اول نمبر حاصل کیا، اس بچہ سے خوش ہو کر

مقابلہ کرانے والی کمیٹی نے بطور انعام ایک قرآن شریف اور -/500 روپئے نقد اور ایک دیوار گھڑی اور ایک سند بھی دی اور وہ بچہ اس وقت ہاپوڑ میں زیر تعلیم تھا اور وہیں سے مقابلہ کے لئے گیا تھا، جب سب انعام مل گیا تو مدرسہ والوں نے قرآن تو بچہ کو دے دیا؛ لیکن بقیہ مذکورہ سامان بچہ کو نہیں دیا اور مدرسہ والے یہ کہہ رہے ہیں کہ مدرسہ کی طرف سے بھیجا گیا تھا؛ لہٰذا سامان مدرسہ ہی لے گا، شریعت کی روشنی سے مدلل جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: محمد نذیر احمد مؤذن مدرسہ شاہی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دینی مدارس کی جانب سے جن بچوں کو قراءت وغیرہ کے مقابلہ ومظاہرہ کے لئے بھیجا جاتا ہے، اس سے یہ مقصود نہیں ہوتا ہے کہ بچے مدرسہ کے لئے آمدنی حاصل کر کے لائیں گے؛ بلکہ صرف بچہ کی ہمت افزائی اور مدرسہ کی شہرت مقصود ہوتی ہے اور انعام دینے والے بھی محض بچہ کی حوصلہ افزائی کی غرض سے خاص طور پر بچے کو دیتے ہیں، اگر یہ معلوم ہوجائے کہ بچے سے لے لیا جائے گا، تو بچے کو بھی نہیں دیں گے؛ اس لئے عرف میں جو کچھ بھی انعام بچے کو ملتا ہے وہ سب بچے کا حق ہے، جبراً یا دباؤ ڈال کر بچے سے لے لینا جائز نہیں ہے۔

عن أبي حميد الساعدي –رضي الله عنه– أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لا يحل لامرئ أن يأخذ مال أخيه بغير حقه، وذلک لما حرم الله مال المسلم على المسلم. (مسند أحمد بن حنبل ٥/ ٤٢٥، رقم: ٢٤٠٠٣)

عن أبي حرة الرقاشي عن عمه، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لا يحل مال امرئ مسلم إلا بطيب نفس منه. (شعب الإيمان للبيهقي، باب في قبض اليد عن الأموال المحرمة، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٣٨٧، رقم: ٥٤٩٢)

الثابت بالعرف كالثابت بالنص. (شرح عقود رسم المفتي، قديم، ص: ٩٤، قواعد الفقه أشرفي، ص: ٧٤، رقم: ١٠١)

لا يجوز لأحد أن يأخذ مال أحد بلا سبب شرعي. (قواعد الفقه أشرفي،

ص: ١١٠، رقم: ٢٦٩، شرح المجلة رستم اتحاد ١/ ٦٢، رقم المادة ٩٧، الموسوعة الفقهية الكويتية ٢١/ ١١٢، ٢٨/ ٢٦٤، ٣٧/ ٣٥٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم رمضان ١٤١٠ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٢٦/ ١٩٣٨)

کیا پرانے مکتب میں تعلیمی سلسلہ کو جاری رکھنا ضروری ہے؟

سوال [٨٤٣١]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے یہاں کی مسجد کو بنے ہوئے ٣٥/ سال ہوگئے ہیں اور مکتب کو جو اسی مسجد کی ملکیت کی زمین میں ہے۔ ٢٧/ سال ہوگئے، اب اس مکتب کی چھت کمزور ہوگئی ہے، تو مکتب چلانے والے ذمہ دار اور مہتمم مسجد کے متولی کی اجازت سے اس چھت کی مرمت یا تعمیر کر سکتے ہیں، تاکہ آئندہ بھی بچے وہاں تعلیم حاصل کر سکیں، یا اس مکتب کی زمین کو بھی مسجد میں شامل کر لیا جائے شرعی حکم کیا ہے؟

المستفتی: عبد الکریم راجہ غالب پور، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب ٢٧/ سال سے مکتب قائم ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ متولی وواقف کی اجازت سے ہے؛ لہٰذا اس کو آئندہ کے لئے بھی باقی رکھ کر تعلیمی سلسلہ کو جاری رکھنا بلا تردد جائز ہوگا۔ اور کمزور چھت کی مرمت بھی متولی وغیرہ کی اجازت سے کر دینا جائز ہوگا۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ١٥/ ٢٣٧، ڈابھیل ١٥/ ٥٩٧)

وسائر التصرفات لمن يتولى. (درمختار على الشامي، الوقف، مطلب لا يستبدل العامر إلا في أربع، زكريا ٦/ ٥٨٩، كراچی ٤/ ٣٨٨، الموسوعة الفقهية الكويتية ٤٤/ ١٣٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٥/ محرم الحرام ١٤٢٢ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٥/ ٦٩٩٩)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
٥/١/ ١٤٢٢ھ

الفصل الثاني : في التولية

طلبا کی تعلیمی کوتاہی پر مسئول کون ہے؟

سوال [۸۴۳۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: طلبہ قومی وملی امانت ہیں، ان کی تعلیم وتربیت میں دانستہ کوتاہی ہورہی ہے، عند اللہ مسئول کون ہوں گے؟ ان حالات کی روشنی میں مدرسہ کی ملازمت کا کیا حکم ہے؟ مفصل ومدلل جواب مرحمت فرمائیں۔

المستفتی: نبی حسن، خادم دار العلوم ارریہ بیر گاچھی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر طلبہ کی تعلیم وتربیت میں دانستہ کوتاہی ہورہی ہے تو اساتذہ عند اللہ مسئول ہوں گے۔ اور اگر اس کوتاہی میں ناظم مدرسہ یا مہتمم مدرسہ کا دخل ہے تو اللہ کے نزدیک وہی مسئول ہوگا؛ کیوں کہ مہتمم کے سامنے اساتذہ کا اختیار نہیں چلتا؛ البتہ مدرسے کی ملازمت آپ کے لئے ہر حال میں جائز ہے، انتظامی کوتاہی کے آپ ذمہ دار نہیں ہیں، اس کے ذمہ دار منتظمین حضرات ہیں، اللہ کے یہاں انہیں سے پوچھا جائے گا۔

عن ابن عمر –رضي الله عنه– عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: ألا! كلكم راع، وكلكم مسئول عن رعيته، فالأمير الذي على الناس راع، وهو مسئول عن رعيته. (مسلم شريف، باب فضيلة الإمام العادل، النسخة الهندية ٢/ ١٢٢، بيت الأفكار، رقم: ٨٢٩، صحيح البخاري، كتاب الجمعة، النسخة الهندية ١/ ١٢٢، رقم: ٨٨٣، ف: ٨٩٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍ صفر ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۷۲/۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۲/۱۸ھ

موقوفہ جائیداد کو ذاتی ملکیت سمجھنے کا حکم

سوال [۸۴۳۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) اگر کوئی مہتمم مدرسہ یا متولی زبان سے تو ملکیت نہ کہتا ہو، مگر دل میں وقف دینی مدرسہ کو اپنی ذاتی ملکیت ہی سمجھتا ہو، تو اس کا کیا حکم ہے؟

(۲) اس کے برعکس زبان سے کچھ نہ کہتا ہو، مگر عملاً وقف کی جائیداد مدرسہ کی جائیداد کو اپنی ذاتی ملکیت سمجھتا ہو، تو اس کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: عبدالحق چندرہاں عمری الہ آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱-۲) دینی مدرسہ کی زمین اور جائیداد کو اپنی ملکیت قرار دینا یا اپنی ملکیت سمجھنا درست نہیں ہے؛ بلکہ مہتمم یا متولی کو اپنے آپ کو مدرسہ یا مسجد کا خادم سمجھنا چاہئے۔

لم يبق على ملك الواقف، ولا انتقل إلى ملك غيره بل صار على حكم ملك الله تعالىٰ الذي لا ملك فيه لأحد سواه. (شامي، الوقف، مطلب لو وقف على الأغنياء وحدهم لم يجز، زكريا ٦/ ٥٢١، كراچی ٤/ ٣٣٩، الفقه الإسلامي وأدلته، دارالفكر ١٠/ ٧٦٠١، هدى انٹر نيشنل ديوبند ٨/ ١٥٣، مجمع الأنهر دارالكتب العلمية بيروت ٢/ ٥٧١، مصري قديم ١/ ٧٤٠، هندية، زكريا قديم ٢/ ٣٥٠، جديد ٢/ ٣٤٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۲۸/۳/۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۲۱۶/۳۸)

مہتمم صاحب کا مدرسہ کی زمین اپنے نام رجسٹری کروانے کا حکم

سوال [۸۴۳۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: دینی مدرسہ کی زمین وجائیداد کو اپنے ذاتی نام سے رجسٹری یا رجسٹریشن کرانا کیسا ہے؟ جس طرح لوگ اپنی زمین وجائیداد اور باغ وغیرہ اپنے نام بیع نامہ یا رجسٹری کراتے ہیں، اسی طرح زمین ومکان اپنے نام کرانا کیسا ہے؟ کیا مہتمم یا متولی اپنے نام کرا سکتا ہے یا نہیں؟ اگر دانستہ یا غیر دانستہ طور پر اپنے نام رجسٹری یا بیع نامہ کرا لیا ہو تو پھر اب کیا کرنا چاہئے، اسے یوں ہی رہنے دیا جائے یا رد کرائیں؟

المستفتی: عبدالحق چندوہاں عمری الہ آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مدرسہ کی زمین وجائیداد کو مہتمم یا ناظم مدرسہ کے لئے مدرسہ کے نام رجسٹری کرانا لازم اور ضروری ہے، اگر رجسٹری اپنے نام سے کرالی ہے تو اس کو مدرسہ یا مسجد کے نام سے دوبارہ رجسٹری کرالینا چاہئے۔

وينزع وجوبا لو الواقف فغيره بالأولىٰ غير مامون (درمختار) وفي الشامية: قال في الإسعاف: ولا يولى إلا أمين قادر بنفسه أو بنائبه؛ لأن الولاية مقيدة بشرط النظر، وليس من النظر تولية الخائن؛ لأنه يخل بالمقصود. (شامي، الوقف، مطلب في شروط المتولي زكريا ٦/ ٥٧٨، كراچی ٤/ ٣٨٠، الموسوعة الفقية الكويتية ٤٤/ ٢٠٧، البحرالرائق، زكريا ٥/ ٣٧٨، كوئٹه ٥/ ٢٢٦، هندية زكريا قديم ٢/ ٤٠٨، جديد ٢/ ٣٨٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍ربیع الاول ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۲۱۶/۳۸)

مدرسہ کے لئے خریدی گئی زمین کا شخصی بیع نامہ کرانا

سوال [۸۴۳۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک عمارت مدرسہ کے لئے خریدی گئی، یہ مدرسہ امداد العلوم محلّہ قریشیان کے نام سے

موسوم ہے، جو عرصہ پچاس سال سے دینی خدمت انجام دیتا چلا آرہا ہے، جس میں حفاظ فارغ ہوتے چلے آرہے ہیں، آج بھی اس مدرسہ میں معلمین حضرات حافظ وقاری دینی خدمت کو انجام دے رہے ہیں، وہ نئی عمارت جو مدرسہ کے پیسہ سے خریدی گئی، اس میں بھی عرصہ آٹھ سال سے دینی تعلیم بدستور چلی آرہی ہے، جگہ کی قلت کی وجہ سے یہ عمارت مدرسہ نے اپنی جیب خاص سے خریدی، اس میں بھی آٹھ سال سے بدستور دینی خدمت انجام دی جارہی ہے، اب یہ عمارت کسی نے وقف نہیں کی؛ بلکہ یہ عمارت مدرسہ نے صدقہ خیرات زکوۃ وچرم قربانی اور تمام ہی مدات سے بطور امداد خریدی، اب زید نے اس عمارت کو آٹھویں یا دسویں تک کرانے کے لئے بیع نامہ اپنے نام کرالیا ہے، جب کہ یہ عمارت مدرسہ کے پیسہ سے خریدی گئی تھی، اب اس مدرسہ کو بجائے مدرسہ کے جونیر ہائی اسکول کے نام سے موسوم کرلیا ہے، اب جب کہ جونیر ہائی اسکول کے نام سے بیع نامہ کرالیا ہے، تو پھر جب کبھی سرکاری پیسہ آنا شروع ہوگا تو پھر مدرسہ سے اس کا کچھ تعلق نہ رہے گا اور مدرسہ جو کہ دین کی بقا کا ذریعہ ہے بالکل ختم ہوجائے گا، تو کیا زید مدرسہ کے حق میں اچھا کررہا ہے یا برا؟ کیا زید کا شمار دین کے باغیوں میں ہوگا یا فرماں برداروں میں؟ اور زید نے یہ بیع نامہ بغیر قوم وملت کے مشورے کے خود اپنے نام کرالیا ہے، قوم وملت اس بیع نامہ کے خلاف ہے، ان تمام امر کا جواب دے کر ماجور ہوں۔

المستفتی: امیر حسین ٹھیکیدار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ عمارت جو مدرسہ کے لئے مدرسہ کے نام سے خریدی گئی تھی، اس کو زید کا اپنے نام سے بیع نامہ کرالینا سخت ترین خیانت اور غصب ہے، وہاں کے اہل حل وعقد اور بااثر لوگوں پر لازم ہے کہ ایسے خائن ذمہ دار کو فوری طور پر ذمہ داری سے سبکدوش کردیں، اس کا نام بیع نامہ سے خارج کردیں اور مدرسہ کی عمارت کی حفاظت کریں، مدرسہ کی کسی بھی عمارت کو کسی شخص کے نام کرنا جائز نہیں ہے۔

إن عزل القاضي للخائن واجب عليه. الخ (مجمع الأنهر، كتاب الوقف، دارالكتب العلمية بيروت ٢/ ٦٠٢، قديم ١/ ٧٦٢، شامي، زكريا ٦/ ٥٧٨، كراچی ٤/ ٣٨٠، البحر الرائق، زكريا ٥/ ٤١١، كوئٹه ٥/ ٢٤٥، بزازية، زكريا جديد ٣/ ١٣٤، وعلى هامش الهندية ٦/ ٢٥٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍محرم الحرام ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۶۴۲۲/۳۴)

احکام شریعت کا لحاظ نہ رکھنے والے مہتمم کا حکم

سوال [۸۴۳۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے یہاں دینی مدرسہ میں جو مہتمم ہے وہ داڑھی نہیں رکھتا ہے، انگریزی لباس پہنتا ہے، اپنے گھر کی عورتوں کو بے پردہ رکھتا ہے، گھر میں ٹی وی رکھتا ہے، ہر وقت فلم وغیرہ دیکھتا ہے اور پہلے کسی دوسرے کالج میں پرنسپل رہا ہے اور وہاں پر غبن کیا ہے اور وہاں سے دو سال قبل ان ہی حرکتوں کی وجہ سے رٹائر کر دیا گیا ہے اور مستقل علماء دین کے ساتھ توہین آمیز گفتگو کرتا ہے، جب تک دوسرے مہتمم رہے ان کو ہر طرح پریشان کرتا رہا اور مجلسِ شوریٰ میں بہت سے دیندار پابند شریعت متبع سنت لوگ ہیں، تو کیا ایسے آدمی کو مہتمم بنانا درست ہے؟ اور مدرسہ کے حق میں دعا فرمائیے۔

المستفتی: محمد خالد معرفت اسعد الرحمٰن

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مدرسہ کا مہتمم اگر داڑھی کٹا تا ہو، اپنے گھر کی عورتوں کو بے پردہ رکھتا ہو، گھر میں ٹی وی رکھ کر فلمیں وغیرہ دیکھتا ہو اور بلا وجہ مدرسین اور اساتذہ کو پریشان کرتا ہو اور گالیاں دیتا ہو، تو ایسا مہتمم فاسق ہے، اس کو معزول کر دینا چاہئے اور جب

کہ شوریٰ میں اس کے علاوہ دوسرے حضرات پابند شریعت اور متبعین سنت موجود ہیں، تو ان ہی میں سے کسی کو مہتمم بنایا جائے، تاکہ مدرسہ کا نظام اور مقصد قیام تعلیم وتعلم کا سلسلہ باقی رہے۔

وينزع وجوبا لو الواقف. فغيره بالأولى غير مامون أو عاجزا، أو ظهر به فسق، كشرب خمر ونحوه. (درمختار) وفي الشامية: قوله: "غير مامون" قال في الإسعاف: ولا يولي إلا أمين قادر بنفسه، أو بنائبه؛ لأن الولاية مقيدة بشرط النظر الخ. (درمختار مع الشامي، الوقف، مطلب في شروط المتولي زكريا ٦/ ٥٧٨، كراچی ٤/ ٣٨٠، البحرالرائق زكريا ٥/ ٤١١، كوئٹه ٥/ ٢٤٥، بزازية، زكريا جديد ٣/ ١٣٤، وعلى هامش الهندية ٦/ ٢٥٣، مجمع الأنهر دارالكتب العلمية بيروت ٢/ ٦٠٢، مصري قديم ١/ ٧٦٢، الموسوعة الفقهية الكويتية ٤٤/ ٢٠٧)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ رجب ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۲۸۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۹/ ۷/ ۱۴۲۰ھ

مہتمم سے متعلق سوال وجواب

سوال [۸۴۳۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کے گاؤں میں ایک مدرسہ ہے جو بریلوی حضرات کے قبضہ میں چل رہا ہے، اور مسلک اہل سنت (مسلک علماء دیوبند) کا کوئی مدرسہ نہ تھا، چند نوجوانوں نے جدوجہد کر کے رضا خانیوں سے مدرسہ چھین لیا اور مسلک دیوبند کے قبضہ میں آ گیا، مدرسہ کی ایک کمیٹی بھی بنائی گئی، جس میں ہمارے گاؤں کے ایک صاحب ہیں جو مدرسہ فرقانیہ گونڈہ میں مدرس ہیں، ان کو مہتمم کے نام سے منتخب کیا گیا، مدرسہ چلنے لگا اور تعلیم بھی بہترین طریقہ سے

ہونے لگی، آمدنی کے وسائل بھی پیدا ہو گئے، مدرسہ صحیح ڈھنگ سے چلنے لگا، اس کے بعد مہتمم صاحب نے من مانی کرنا شروع کی، یہاں تک کہ کئی سال ہو گئے میٹنگ تک نہیں کی، کمیٹی کے لوگ کرتے رہے؛ لیکن کوئی توجہ نہ کی، آہستہ آہستہ تعلیم بالکل کمزور ہوگئی اور مہتمم صاحب کے اندر اقربا پروری بھی آ گئی اور اپنے بہنوئی کو مدرس رکھ لیا جو پڑھانے لکھانے میں نہایت ہی نکمے تھے، ان کے آنے سے مدرسہ کی حالت اور زیادہ خراب ہوگئی، علاقہ سے بہت شکایتیں آنے لگیں، مدرسہ کے نائب مہتمم اور دیگر حضرات مہتمم صاحب کے پاس گونڈہ گئے کہ میٹنگ کرو؛ لیکن مہتمم صاحب نے بات سنی ان سنی کردی اور مدرسہ کا نظام بہت ہی زیادہ خراب ہوگیا، مہتمم صاحب کے بہنوئی صاحب نے مدرسین میں گروپ بندی کرنا شروع کردی، جس کی وجہ سے تعلیم اور زیادہ خراب ہوگئی، یہاں تک کہ مہتمم صاحب نے چوری چوری ایک کمیٹی بنائی، جس میں اپنے ایک بھائی کو صدر دوسرے کو سکریٹری اور خود مہتمم اور بقیہ بھائیوں اور بھتیجوں اور بہنوئی کو ممبر بنا کر کمیٹی فیض آباد سے رجسٹریشن کرالی، جب کچھ دنوں کے بعد علاقہ والوں کو پتہ چلا کہ حضرت مہتمم صاحب ایسی ٹیڑھی چال چلے ہیں، تو لوگ فیض آباد گئے تو رجسٹرار نے بتایا کہ مدرسہ رجسٹریشن ہو چکا ہے، اب مقدمہ دائر کرو تب شاید کچھ نکلے، ان لوگوں نے چونکہ کافی رشوت دے کر رجسٹریشن کرایا تھا، علاقہ والوں نے سرکاری مقدمہ دائر کرنا مناسب نہ سمجھا اور کچھ لوگ اکٹھا ہوئے کہ مہتمم صاحب سے کہا جائے کہ انہوں نے ایسا کام کیوں کیا ہے؟ لیکن وہ سامنے نہیں آئے اور مہتمم صاحب رات میں مدرسہ جا کر مدرسہ کا تالا توڑ کر مدرسہ کی روداد اور رسیدات، رجسٹر، بالٹی، ٹاٹ، پٹی وغیرہ سب اٹھا لے گئے اور مدرسہ کی رقم جو انہیں کے پاس سب جمع تھی سب لے لی اور دینے سے انکار کردیا۔ اور رجسٹریشن کے حساب سے پرانے مدرسہ کے نام سے دوسری جگہ چھپر رکھ کر اپنے گھر کے اپنے بہنوئی کے بچوں کو لے کر مدرسہ قائم کردیا اور پرانے مدرسہ والوں نے مقدمہ کرنا نامناسب سمجھ کر خدا کے بھروسہ پر مدرسہ کا نام تبدیل کر کے مدرسہ چلانا شروع کیا، اب یہ حضرات ایسی ہٹ دھرمی پر تلے ہیں کہ باہر جا کر پرانے معاونین کو روکتے ہیں کہ وہاں چندہ مت دو اور

تعاون نہ کرو، جس کی کئی شہادتیں موجود ہیں۔ اور اب بھی اسی کوشش میں لگے ہیں کہ کسی طریقہ سے یہ پرانا مدرسہ بند ہوجائے، پرانے مدرسہ کی عمارت پختہ عمارت ہے، رقبہ ستر ستر فٹ ہے؛ لہٰذا مہتمم صاحب کی کارستانیوں کو قرآن وحدیث کی روشنی میں بیان فرمائیں؛ کیوں کہ اس کا علاقہ والوں پر بہت برا اثر پڑا ہے، رضاخانی حضرات خوب مذاق اڑاتے ہیں اور جو لوگ رضاخانیت سے توبہ کرکے اس طرف آئے تھے وہ لوگ بہت برا اثر لے رہے ہیں، اس میں پورے مسلک کی بدنامی ہورہی ہے۔

المستفتی: محمد خان سراوستی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: مہتمم صاحب کے لئے مدرسہ کی رقم، رسیدات، روداداور رجسٹر وغیرہ دیگر سامان روکنا اور لے جانا اور سابقہ مدرسہ کے نام پر دوسرے مدرسہ کا نام رکھنا کسی بھی صورت میں جائز نہیں ہے؛ بلکہ تمام چیزوں کی واپسی لازم ہے؛ کیوں کہ ایک مدرسہ کی رقم یا دیگر اشیاء دوسرے مدرسہ میں صرف کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۶/ ۴۰۷، فتاوی محمودیہ قدیم ۱۰/ ۲۱۱، جدید ڈابھیل ۱۵/ ۴۷۲-۴۷۳)

ومن اختلاف الجهة ما إذا كان الوقف منزلين أحدهما للسكنى والآخر للاستغلال، فلا يصرف أحدهما للآخر، وهي واقعة الفتوى. (شامي، الوقف، مطلب في نقل القاضي المسجد ونحوه، زكريا ٦/ ٥٥١، كراچی ٤/ ٣٦١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍ جمادی الثانیہ ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۸۰۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۵؍ جمادی الثانیہ ۱۴۱۹ھ

مدارس اسلامیہ کے قوانین کی پابندی مہتمم وملازم سب پر لازم ہے

سوال [۸۴۳۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: (۱) مغربی یوپی کے بیشتر مدارس ومساجد میں مدرسین وملازمین اورمؤذنین وائمہ حضرات کومشاہرہ اتنا کم دیا جاتا ہے کہ اس میں ان کی زندگی کی اہم ضروریات بھی پوری نہیں ہو پاتیں، سخت دوڑ دھوپ اور جد وجہد کے بعد بھی یہ حضرات ضروریات زندگی کی فراہمی اور اہل وعیال کے حقوق ادا کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ حقوق العباد ادا نہ کر پانے کی وجہ سے بعض اوقات معاشرہ میں سب کی بے توقیری اوراندرون خانہ حقارت آمیز رویہ کا سامنا کرنا پڑتا ہے، دیگر مراعات کا تو کیا ذکر، ان حضرات کو اکثر اضافی کاموں کا بھی کچھ عوض نہیں ملتا۔ از روئے شریعت ذمہ دارانِ مدارس ومساجد کا یہ عمل کیسا ہے؟ اور مدارس ومساجد کے ایسے ذمہ دارلوگ شریعت کی نظر میں کیا کہلانے کے مستحق ہیں؟

(۲) بعض مدارس میں حال یہ ہے کہ جب مدرسین وملازمین تنخواہ کا مطالبہ کرتے ہیں، تو ان کورسید دے دی جاتی ہے کہ وہ چندہ کر کے اپنی تنخواہ خود وصول کرلیں، منتظمینِ مدرسہ کا یہ عمل کیسا ہے؟

(۳) اس تکلیف دہ صورتِ حال کا مناسب اور معقول حل کیا ہونا چاہئے؟

(۴) ضروریاتِ زندگی کی فراہمی، حقوق العباد کی ادائے گی اور گوناگوں حالات کے مقابلے کے لئے مدرسین وملازمین اورمؤذنین وائمہ حضرات کا مشاہرہ کتنا ہونا چاہئے؟

(۵) ہمارے حضرات علماء کرام جو یقیناً مذکورہ حضرات کی زبوں حالی سے واقف ہیں، وہ ان کے حق میں کوئی آواز کیوں نہیں اٹھاتے؟

(۶) مساجد میں ائمہ سے مسلسل کام لیا جاتا ہے اور ائمہ کو ضرورتاً ایک دو روز کے لئے کہیں جانا پڑتا ہے تو مسجدوں کے ذمہ داران ائمہ حضرات ہی کو اس کا پابند بناتے ہیں کہ وہ کسی نماز پڑھانے والے کا انتظام کریں، بعض اوقات کسی کا انتظام نہیں ہو پاتا تو اماموں کا جانا موقوف وناممکن ہو جاتا ہے۔

(۷) بعض مدارس میں مدرسین وملازمین کو کوئی چھٹی منجانب مدرسہ قطعاً نہیں دی جاتی، اگر کوئی بیمار ہو جائے یا ضرورت سے کہیں جانا پڑ جائے تو اس کی تنخواہ وضع کر لی جاتی ہے۔ کیا شرعاً یہ درست ہے؟

(۸) بعض مقامات پر مقتدی قربانی کی کھال بطور ہدیہ ائمہ کرام کو دے دیتے ہیں؛ لیکن اہل مدارس اس سے منع کرتے ہیں، کیا مدرسہ والوں کا یہ عمل ازروئے شریعت جائز ہے؟

(۹) بعض مدارس والے یہ زیادتی کرتے ہیں کہ ابتداً ملازم ومدرس کو معمولی تنخواہ پر عارضی کہہ کر رکھ لیتے ہیں اور دو دو، ڈھائی ڈھائی سال گذر جاتے ہیں اور اسی طرح ان سے کام لیتے رہتے ہیں، نہ ان کی تنخواہ بڑھاتے ہیں، نہ ان کا استقلال منظور کرتے ہیں، منتظمینِ مدرسہ کے لئے ایسا کرنا کیسا ہے؟

(۱۰) بہت کم مساجد میں ائمہ کرام کے لئے رہائشی مکان کا نظم ہے، زیادہ تر مساجد کے ذمہ دار اور عوام اماموں کی ضرورت سے لاپرواہ اور غافل ہیں، وہ اس بات کا قطعاً خیال نہیں کرتے کہ امام اور مؤذن کے لئے مسجد کے قریب کسی مناسب رہائشی مکان کا نظم کردیں، اگرچہ اس میں امام اور مقتدی دونوں کو سہولت ہے۔ ایسا بھی نہیں ہے کہ وہ یہ انتظام نہیں کرسکتے؛ اس لئے کہ مساجد کی تزئین و بے جا آرائش پر نیز سردی گرمی سے حفاظت کے نام پر اور مسجدوں کے بلند میناروں اور گنبدوں پر پانی کی طرح پیسہ بہایا جاتا ہے، تو ایسی حالت میں اگر امام اہل محلّہ سے رہائشی مکان کی درخواست کرے تو امام کا یہ مطالبہ جائز ہے یا نہیں؟ اور اہل محلّہ کو اس کا نظم کرنا چاہئے یا نہیں؟ فقط

المستفتی: تنظیم برائے فلاح وبہبود ائمہ مساجد سہارنپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مساجد اور مدارسِ اسلامیہ کے قوانین اور آپس میں تقرر وعزل اور ملازمت سب چیزوں کا مدار اس حدیث پاک پر ہے۔

حدیث شریف ملاحظہ فرمائیے:

عن كثير بن عبدالله بن عمرو بن عوف المزني، عن أبيه، عن جده، أن رسول الله ﷺ قال: الصلح جائز بين المسلمين، إلا صلحا حرم حلالا أو أحل حراما، والمسلمون على شروطهم، إلا شرطا حرم حلالا أو أحل

حراما. (ترمذي شريف، الأحكام، باب ما ذكر عن رسول الله ﷺ في الصلح بين الناس، النسخة الهندية ۱/ ۲۵۱، دارالسلام، رقم: ۱۳۵۲، سنن الدارقطني، كتاب البيوع، دارالكتب العلمية بيروت ۳/ ۲۳، رقم: ۲۸٦۹)

اس حدیث شریف کے پیش نظر مساجد ومدارس کے جوبھی قانون بنائے جاتے ہیں اور آپس کی تراضی سے ان قانون وضوابط کے مطابق تقرر ہو جائے، تو جانبین اسی کے پابند ہیں؛ لہٰذا جس مدرسہ میں جوبھی قانون بنایا جائے ذمہ داران اور ملازمین اسی کے پابند ہیں اور اسی قانون کی رو سے تنخواہ وظیفہ اور الاؤنس لینے اور دینے کا حکم ہوگا۔ اور یہ بات بھی ذہن میں رکھیں کہ ہر مدرسہ اور مسجد کا قانون ایک نہیں ہوتا؛ بلکہ الگ الگ ہوتا ہے اور اس حدیث شریف کی رو سے الگ الگ قانون بنانے کا حق ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸ ربیع الاول ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۰۰۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۸/ ۳/ ۱۴۳۴ھ

کیا ذمہ دارانِ مدرسہ اصول کے پابند ہیں؟

سوال [۸۴۳۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید مدرسہ اسلامیہ میں تین سال سے مسلسل مستقل طور پر تدریسی خدمات انجام دے رہا ہے، مدرسہ کے اصول کے مطابق پابندی سے کام کر رہا ہے، مدرسہ کا اصول یہ ہے کہ اگر کسی مدرس کو ہٹانا ہے تو اس کو ایک ماہ قبل مطلع کر دیا جاتا ہے کہ تم کو اگلے ماہ سے الگ کر دیا جائے گا۔ اور اگر علی الفور کسی مدرس کو ہٹانا ہوتا ہے تو اسے ایک ماہ پیشگی مشاہرہ دے کر الگ کر دیا جاتا ہے، تو سوال یہ ہے کہ مندرجہ بالا اصول کو چھوڑ کر کسی مدرس کو ہٹا دیا جائے، تو ہٹانے والا شخص عند اللہ وعند الناس وعند الرسول کیسا ہے؟ دلائل کے ساتھ لکھیں۔

المستفتی: محمد انیس چھپی ٹولہ پہانی، ہردوئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مدارسِ اسلامیہ کےاصول وضوابط کا مدار آقائے نامدار علیہ السلام کا ارشاد ہے:

عن كثير بن عبدالله بن عمرو بن عوف المزني، عن أبيه، عن جده، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: الصلح جائز بين المسلمين، إلا صلحا حرم حلالا أو أحل حراما، والمسلمون على شروطهم، إلا شرطا حرم حلالا أو أحل حراما. (المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ۱۷/ ۲۲، رقم: ۳۰، ترمذي شريف، الأحكام، باب ما ذكر عن رسول الله ﷺ في الصلح بين الناس، النسخة الهندية ۱/ ۲۵۱، دارالسلام، رقم: ۱۳۵۲) پر ہے۔

جب قانونی شرط یہی ہے کہ جب مدرس کوفوری طور پر ہٹایا جائے تو اس کو پیشگی ایک مہینہ کی تنخواہ دی جائے، اب اگر کسی مدرس کوفوری طور پر ہٹا دیا گیا ہے اور اس کو ایک مہینہ کی پیشگی تنخواہ نہیں دی گئی ہے، تو مدرسہ پر اس مدرس کی ایک مہینہ کی تنخواہ باقی ہے، وہ بہر حال اس مدرس کا حق ہے، مدرسہ پر لازم ہے کہ اس کا شرعی حق اس کے حوالہ کر دے اور مدرسہ جس کے زیر انتظام چل رہا ہے اس کی طرف سے اگر ادائے گی میں کوتاہی ہے تو عنداللہ وہ شخص پکڑا جائے گا، پھر بھی مدرسہ کے اوپر اس مدرس کا حق بدستور باقی رہے گا، چاہے بیس سال کے بعد کیوں نہ ہو، اس کا حق اسے ملنا چاہئے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۴؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۳ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۶۳۲)	۱۴۲۳/۵/۵ھ

مدرسہ اور قبرستان کے نام چندہ لے کر اپنی ضروریات میں خرچ کرنے کا حکم

سوال [۸۴۴۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عرض حال یہ ہے کہ بحیثیت ایک عام آدمی ایک شرعی مشورہ مانگتا ہوں، آپ مہربانی

کر کے ناچیز کو مفید مشورے سے نوازیں، تا کہ اس کے ذریعہ ہمارے سماج میں مسلم نما درندے جو پھیلے ہیں، ان کا اصلی چہرہ سماج کو دکھا سکوں، میرے گاؤں گرام ماہرس ٹولہ، پوسٹ بھگوتی پور، وایہ رام پٹی، ضلع مدھوبنی، صوبہ بہار میں ایک کمیٹی بنی اور گاؤں والوں نے گاؤں کے خاص خاص آدمیوں کو خاص خاص عہدہ دیا اور تمام عہدہ داروں نے مسجد میں قرآن شریف ہاتھ میں لے کر قسم کھائی کہ ہر ممکن کوشش کریں گے غریبوں اور لاچاروں کے ساتھ انصاف ہوگا اور ایمانداری کے ساتھ مسجد و مدرسہ کو چلائیں گے، خاص عہدہ پر جن کو فائز کیا گیا وہ یہ ہیں: محمد عابد حسین صدر، محمد اسلام سردار نائب صدر اور سکریٹری حافظ محمد بھولی حسن سابق متعلم مدرسہ شاہی، نائب سکریٹری محمد اسرائیل۔ یہ لوگ بالا طبقہ کے لوگ ہوئے اور خزانچی محمد صابر اور محاسب منشی محمد شعیب، یہ کمزور طبقہ کے لوگ ہوئے، باقی ممبر لوگ دونوں طبقہ سے چن کر رکھے گئے، جب سے کمیٹی بنی بیرونی چندہ آنے لگا اور گاؤں سے بھی ماہانہ چندہ وصول ہونے لگا اور صرف ایک مدرس رکھ سکے اور پیسہ جو بھی باہر سے آتا وہ بحکم سکریٹری خزانچی کے پاس جمع نہ ہو کر صدر کے پاس جمع ہونے لگا، قبرستان کی رقم اور مدرسہ کی رقم صدر کے پاس جمع ہونے لگی، گاؤں پنچایت میں جو جرمانہ ہوتا ہے وہ بھی صدر کے پاس رہتا ہے، پہلے مسجد کے متولی دوسرے آدمی تھے، ان کو الزام لگا کر ہٹا دیا، اس کے بعد اپنی خواہش کے مطابق صدر سکریٹری نائب صدر کو مسجد کا متولی چنا گیا اور مسجد کی رقم نائب صدر محمد اسلام کے پاس رہنے لگی، جب کچھ لوگوں نے ان سے ان کے رویہ سے تنگ آکر حساب مانگا تو کافروں کے اکسانے پر آپس میں لڑ پڑے اپنے حصے کی خاطر جو فضول لڑائی تھی جس حصہ پر لڑے تھے وہاں پر اس کا کچھ نہیں ہے، بعد میں مقدمہ ہو گیا، اپنی ذاتی لڑائی میں جو روپیہ مسجد کا نائب صدر کے پاس تھا اور مدرسہ کا جو روپیہ صدر کے پاس تھا، مقدمہ میں دونوں نے خرچ کر دیا، جب تک پیسہ باقی رہا لڑتے رہے اور جب ختم ہو گیا، تو لوگوں کو جمع کر کے صلح کرنی چاہی؛ لیکن پنچ نے فیصلہ کیا کہ جب تک مسجد اور مدرسہ کا پیسہ جو ان لوگوں کے پاس ہے واپس نہ کر دیں فیصلہ نہیں ہوگا، انہوں نے پنچ سے وعدہ کیا کہ اگلی بیٹھک میں جمع کر دیں گے؛ لیکن

اس سے پہلے ایک خط معافی نامہ کا لکھا اور گاؤں والوں سے سائن کرانا شروع کیا، سب سے پہلا سائن نائب سکریٹری جنرل سکریٹری اور نائب صدر کا تھا کہ روپیہ معاف کردیا جائے، باقی پچاس سائن ڈپلیکیٹ کرا کے جمع کر دیا، جب کہ گاؤں کی آبادی تین سو ہے، ان پنچوں نے آدمیوں کو بلانے کے لئے کہا جنہوں نے سائن کئے تھے، تو کسی کو بلا کر نہیں لائے، صدر نے صدارت کا عہدہ سنبھالنے کے بعد ظلم کی انتہا کردی اور جو وعدہ کیا تھا اس کے برعکس کیا، حضور والا سے گزارش ہے کہ ایسے لوگوں کے بارے میں ہماری شرعی عدالت کیا فیصلہ سناتی ہے؟ اوران کا ساتھ دینے والوں کے بارے میں علماء کیا فرماتے ہیں؟ مفید مشوروں سے نوازیں، مدرسہ حمایت الاسلام پوسٹ بھگوتی پور، ضلع مدھوبنی اگر اس مدرسے کی رسید لے کر کوئی پہنچے تو فوراً اسے گرفتار کرادیں؛ کیوں کہ اس سے وہ زمین خریدتے ہیں اور عیش کرتے ہیں، اس پیسہ سے مدرسہ کا کوئی بھلا نہیں ہوتا۔

المستفتی: آپ کا کفش بردار شرکت علی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: چندہ کا پیسہ اس کام میں صرف کرنا واجب ہے جس کام کے لئے لوگوں نے دیا ہے۔

شرط الواقف کنص الشارع، فیجب اتباعه. (شامي، الوقف، مطلب ما خالف شرط الواقف، فهو مخالف للنص، زكريا ٦/ ٧٣٥، كراچی ٤/ ٤٩٥)

شرط الواقف كنص الشارع في وجوب العمل به، وفي المفهوم والدلالة. (قواعد الفقه أشرفي، ص: ٨٥، رقم: ١٥٢)

ظاہر ہے کہ لوگوں نے اس روپیہ کو ناجائز مقامات اور آپسی لڑائی میں صرف کرنے کے لئے نہیں دیا؛ بلکہ مدرسے پر خرچ کرنے کے لئے دیا ہے، ارکان مدرسہ چندہ دینے والوں کے وکیل ہیں اور وکیل اگر موکل کی منشاء کے خلاف خرچ کرے تو خود وکیل ضامن ہوتا ہے؛ لہٰذا جن لوگوں نے ناجائز مقدمات اور آپسی لڑائی پر مدرسہ وقبرستان کا روپیہ صرف کردیا ہے، ان

پر ضروری ہے کہ اپنی جیب سے وہ روپیہ مدرسہ وقبرستان کو واپس کریں، وہ کسی کے معاف کرنے سے معاف نہیں ہوگا؛ اس لئے کہ یہ مدرسہ وقبرستان کی امانت ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۷/ ۹۹، جدید زکریا مطول ۱۰/ ۴۸۰)

الوكيل إذا خالف، إن خلافا إلى خير في الجنس كبع بألف درهم، فباعه بألف ومائة نفذ، ولو بمائة دينار لا ولو خيرا. (الدرمع الرد، كتاب الوكالة، باب الوكالة بالبيع والشراء، زكريا ٨/ ٢٥٦، كراچی ٥/ ٥٢١، الحكام شرح عزرا الأحكام ٢/ ٢٨٩)

ایسے لوگوں کو مدرسہ وقبرستان وغیرہ اوقاف کے ارکان بننے کا شرعاً کوئی حق نہیں ہے، ایسی حالت میں مسلمانوں کو چاہئے کہ دیندار وامانت دار لوگوں کو ارکان بنائیں۔

ولا يولي إلا أمين قادر بنفسه. (الدرمع الرد، الوقف، مطلب في شروط المتولي زكريا ٦/ ٥٧٨، كراچی ٤/ ٣٨٠، هندية، زكريا قديم ٢/ ٤٠٨، جديد ٢/ ٣٨٠، البحر الرائق، زكريا ٥/ ٣٧٨، كوئٹه ٥/ ٢٣٦، الموسوعة الفقهية الكويتية ٤٤/ ٢٠٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲/رجب ۱۴۱۵ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۱۰۹)	۲/۷/۱۴۱۵ھ

بچہ کے قاعدہ پورا ہونے پر مہتمم صاحب کا دعوت کا مطالبہ کرنا

سوال [۸۴۴۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک بچہ ایک مدرسہ میں ایک استاذ کے پاس پڑھتا ہے، اس استاذ کا نظریہ یہ ہے کہ بچوں سے کسی طرح کی کوئی چیز نہ لی جائے، نہ دعوت کھائی جائے؛ کیوں کہ وہ کہتے ہیں کہ جب ہم مدرسہ سے تنخواہ لیتے ہیں تو بچوں سے استاذوں کو کچھ لینے کا حق نہیں، خصوصاً جب کہ بچہ کو دعوت کرنے پر یا کچھ ہدیہ دینے پر مجبور کیا جائے؛ لیکن اس مدرسہ کا ناظم ایک بچہ کے قاعدہ پورا ہونے پر اس کا ذہن بناتا ہے کہ تم ہماری دعوت کرو اور جب اس بچہ کے والد صاحب آتے ہیں

توان سے یہ ناظم دعوت کا مطالبہ کرتا ہے، بچہ کا والد دعوت منظور کر لیتا ہے، تو پھر ناظم کہتا ہے کہ ہمارے پاس تمہارے گھر جانے کی فرصت نہیں ہے؛ لہٰذا آپ یہاں پر ہی مرغی یا بطخ پہنچا دیں، چنانچہ باضابطہ ناظم مدرسہ اس بچہ کو بطخ لانے کے لئے چھٹی دیتا ہے اور وہ بطخ ناظم مذکور اپنے گھر پکوا کر کھا لیتا ہے، جب کھانا تیار ہو جاتا ہے تو مدرسہ کے ایک استاذ اور بچہ کے استاذ سے بھی کھانے کے لئے کہتا ہے؛ لیکن چونکہ یہ دونوں استاذ اس طرح زبردستی دعوت کھانے کے خلاف ہیں، اس لئے ناظم مدرسہ کی یہ لوگ دعوت قبول نہیں کرتے۔ سوال یہ ہے کہ ناظم مدرسہ کا اس طرح طلباء سے دعوت کھانا جائز ہے یا نہیں؟ ایسی دعوت کا کیا درجہ ہے؟

المستفتی: محمد صابر عمری کلاں، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کسی شخص سے دعوت کا مطالبہ کرنا اور اس کو مجبور کرنا جائز نہیں۔ حدیث میں آتا ہے:

عن أبي حرة الرقاشي، عن عمه، أن رسول الله ﷺ قال: لا يحل مال امرئ مسلم إلا بطيب نفس منه. (مسند أبي يعلى الموصلي، دارالكتب العلمية بيروت ٢/ ٩١، رقم: ١٥٦٧، سنن الدارقطني، كتاب البيوع، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ٢٢، رقم: ٢٨٦٣، مسند أحمد بن حنبل ٥/ ٧٢، رقم: ٢٠٩٧١، مشكوة ١/ ٢٥٥) کہ کسی کا مال بغیر اس کی دل کی خوشی کے لینا جائز نہیں۔ اور اگر صرف بچوں سے ہی یہ مطالبہ کیا جائے اور ان کے مال سے دعوت کھائی جائے تب بھی جائز نہیں۔

وأما ما يرجع إلى الواهب، فهو أن يكون الواهب من أهل الهبة، وكونه من أهلها أن يكون حرا، عاقلا، بالغا، مالكا للموهوب (إلى قوله) حتى لو كان صغيرا، أو مجنونا، أو لا يكون المالك للموهوب لا يصح. (هندية، كتاب الهندية، الباب الأول، زكريا جديد ٤/ ٣٩٥، قديم ٤/ ٣٧٤) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍ ربیع الاول ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۰۹۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۸؍ ۳؍ ۱۴۲۰ھ

مہتمم کے مدرسہ کی رقم اپنے کاروبار میں لگانے یا دوسرے کو قرض دینے کا حکم

سوال [۸۴۴۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید جو اپنے مدرسہ کا مہتمم ہے، اگر مدرسہ کی رقم سے قرض لے کر اپنے کاروبار میں لگالے، تو اس کا کیا حکم ہے، اس سے جو منفعت ہوگی اس کا کیا حکم ہے؟ اور اگر دوسرے کو بطور قرض دینا چاہے، تو اس کا بھی حکم مدلل باحوالہ تحریر فرمائیں۔

المستفتی: مولانا خورشید انور صاحب، مولانا عبدالناصر صاحب

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مدرسہ کا مہتمم مدرسہ کی رقم کا مالک نہیں ہے؛ بلکہ امین ہے؛ اس لئے اس میں مالکانہ تصرف کرکے اس میں سے کسی کو قرض دینا یا بطور قرض لے کر ذاتی کاروبار میں لگانا ہرگز جائز نہیں ہے، یہ امانت میں زبردست خیانت ہے، اگر ایسا کرے گا تو خیانت کے گناہ کے ساتھ ساتھ وہ رقم ضمانت بن جائے گی اور مدرسہ کا مہتمم اب امین نہیں رہے گا؛ بلکہ ضامن بن جائے گا اور ضامن جب ضمان ادا کرے گا تو حاصل شدہ منفعت کا تصدق اس پر لازم نہ ہوگا؛ البتہ خیانت کا خطرناک گناہ کا وبال اس پر عائد ہوکر رہے گا۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ ۶/ ۵۲۶، ڈابھیل ۱۵/ ۵۰۴)

وليس للمودع حق التصرف والاسترباح في الوديعة. (المبسوط للسرخسي، كتاب الوديعة، دارالكتب العلمية بيروت ۱۱/ ۱۲۲)

ولا يجوز للقيم شراء شيء من مال المسجد لنفسه ولا البيع له، وإن كان فيه منفعة ظاهرة للمسجد -إلى- ليس للمتولي إيداع مال الوقف والمسجد إلا ممن في عياله، ولا إقراضه، فلو أقرضه ضمن. (البحرالرائق، كوئٹه ۵/ ۲۳۹، زكريا ۵/ ۴۰۱)

فإن خلطها المودع بماله حتى صار لا تتميز ضمنها؛ لأنه استهلاک، ثم لا سبيل للمودع عليها عند أبي حنيفة -رحمه الله-. (الجوهرة النيرة، إمداديه ملتان ۲/ ۲۷، دارالكتاب ديوبند ۲/ ۳۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱رمحرم الحرام ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۲۹۶۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۱/۱/۱۴۱۳ھ

الفصل الثالث: في المدرسين

ذمہ دارانِ مدرسہ و مدرسین کے تعلق سے چند سوالات کے جوابات

سوال [۸۴۴۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مدرسہ کی ایک باضابطہ بااختیار تقریباً بیس ارکان پر مشتمل کمیٹی ہے۔

(۱) کیا مدرسہ کے اساتذۂ کرام کو خود اپنی تنخواہ بڑھانے کا جواز ہے؟ اگر بغیر مہتمم مدرسہ اور بغیر کمیٹی کے مشورہ کے تنخواہ بڑھالی ہے اور وہ انہوں نے خود مدرسہ کے فنڈ سے ادا کرلی ہے، تو یہ بڑھائی ہوئی تنخواہ لوٹانا ضروری ہے یا نہیں؟

(۲) بغیر کمیٹی کے پاس گئے رمضان میں فراہمی چندہ کے عوض ڈبل تنخواہ خود اپنی مرضی سے ادا کرلی ہے یہ جائز ہے یا ناجائز؟

(۳) مہتمم مدرسہ اور ایک رکن شوریٰ نے ایک تجویز منظور کی، کیا ان دو کی منظور کردہ تجویز قابل عمل ہے یا نہیں، جب کہ ارکان شوریٰ کی تعداد تقریباً بیس ہے؟

(۴) کیا مہتمم مدرسہ کو بغیر کمیٹی کے مشورہ کے تنخواہ ملازمین بڑھانے کا جواز ہے یا نہیں؟

المستفتی: ارکان شوریٰ مدرسہ جامعہ علمیہ مسجد کہنہ ٹانڈہ بادلی، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) کمیٹی کے سرگرم اور بااختیار رہنے کی حالت میں اگرچہ اساتذہ کو خود اپنی تنخواہ بڑھانے کی اجازت نہیں ہے؛ لیکن اگر کمیٹی کے ارکان کسی استاذ یا مہتمم کو مکمل اختیار دے دیں اور وہ اپنے اختیارات کا استعمال کرتے ہوئے تنخواہ بڑھائیں اور ان کے اس عمل پر کمیٹی کے ارکان نکیر نہ کریں؛ بلکہ خاموش رہیں یا توثیق کریں، تو یہ اضافہ کرنا شرعاً جائز ہوگا۔ (مستفاد: محمودیہ قدیم ۱۲/ ۲۰۷، جدید ڈابھیل ۱۴/ ۱۲۸)

وسائر التصرفات لمن يتولى. (درمختار على الشامي، الوقف، مطلب لا يستبدل العامر إلا في أربع، زكريا ٦/ ٥٨٩، كراچی ٤/ ٣٨٨، الموسوعة الفقهية الكويتية ٤٤/ ١٣٣)

والنائب مثل الأصيل. (درمختار على شامي، الوقف، مطلب فيما إذا شرط المعلوم مباشر الإمامة الخ- زكريا ٦/ ٦٣٢، كراچی ٤/ ٤٢٠، الموسوعة الفقهية الكويتية ٤٢، ٤٨)

(۲) رمضان کی ڈبل تنخواہ کے سلسلہ میں بھی وہی تفصیل ہے جو نمبر ایک میں لکھی گئی کہ اگر بااختیار مدرس نے یہ فیصلہ کیا اور بعد میں اس کی توثیق صراحتاً یا دلالۃً ہوگئی ہے، تو یہ مقرر کرنا درست ہے۔

وسائر التصرفات لمن يتولى. (درمختار على الشامي، الوقف، مطلب لا يستبدل العامر إلا في أربع، زكريا ٦/ ٥٨٩، كراچی ٤/ ٣٨٨، الموسوعة الفقهية الكويتية ٤٤/ ١٣٣)

والنائب مثل الأصيل. (درمختار على شامي، الوقف، مطلب فيما إذا شرط المعلوم مباشر الإمامة الخ- زكريا ٦/ ٢٣٢، كراچی ٤/ ٤٢٠، الموسوعة الفقهية الكويتية ٤٢، ٤٨)

(۳) اگر مذکورہ تجویز بعد میں دیگر اراکینِ شوریٰ منظور کریں تو وہ قابل عمل ہے۔

وسائر التصرفات لمن يتولى. (درمختار على الشامي، الوقف، مطلب لا يستبدل العامر إلا في أربع، زكريا ٦/ ٥٨٩، كراچی ٤/ ٣٨٨، الموسوعة الفقهية الكويتية ٤٤/ ١٣٣)

والنائب مثل الأصيل. (درمختار على شامي، الوقف، مطلب فيما إذا شرط المعلوم مباشر الإمامة الخ- زكريا ٦/ ٢٣٢، كراچی ٤/ ٤٢٠، الموسوعة الفقهية الكويتية ٤٢، ٤٨)

(۴) مہتمم کو اگر کمیٹی نے اختیار دے رکھا ہے، تو مہتمم کو اضافۂ تنخواہ کا فیصلہ کرنے کی شرعاً اجازت ہے۔

وسائر التصرفات لمن يتولى. (درمختار على الشامي، الوقف، مطلب لا يستبدل العامر إلا في أربع، زكريا ٦/ ٥٨٩، كراچی ٤/ ٣٨٨، الموسوعة الفقهية الكويتية ٤٤/ ١٣٣)

والنائب مثل الأصيل. (درمختار على شامي، الوقف، مطلب فيما إذا شرط المعلوم مباشر الإمامة الخ- زكريا ٦/ ٢٣٢، كراچی ٤/ ٤٢٠، الموسوعة الفقهية الكويتية ٤٢، ٤٨)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰/۲/۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۰۶۵/۳۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۰/۲/۱۴۲۲ھ

مدرسہ کے مفاد کے پیشِ نظر کسی ملازم کو برطرف کرنا

سوال [۸۴۴۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) اکبر حسین بن عبدالکریم کو قومی مدرسہ کا عہدہ خزانچی دیا، اس سے جب حساب مانگا تو اس نے اولاً تو منع کیا کہ میں حساب نہیں دوں گا، مگر جب قوم اس کے سر ہوگئی، تو اس نے مجبوراً حساب دیا اور حساب ۱۹۸۱ء سے ۱۹۹۱ء تک دیا اور ایک ہی سیاہی اور ایک ہی قلم سے آمد اور خرچ کا دیا اور خرچ مع واؤچر کے نہیں دیا۔

(۲) اکبر حسین بن عبدالکریم نے اپنے والد مرحوم کو عرصہ دراز کے بعد مدرسہ کا متولی بنایا ۱۹۸۴ء میں جب کہ باپ مر چکا ہے ۱۹۳۷ء میں۔

(۳) اکبر حسین مدرسہ کو اپنی ملکیت بنانا چاہتا ہے اور لوگوں کے ساتھ بداخلاقی سے پیش آتا ہے۔ اور پولیس کو روپیہ بھر دیتا ہے اور ناجائز لوگوں کو ستاتا ہے اور عرصہ ۲۱؍سال میں مدرسہ میں تعلیم بھی نہیں دی ہے۔

(۴) اکبر حسین بن عبدالکریم نے مدرسہ میں ایک طرف مسجد بنانے کے لئے چندہ اکٹھا کر کے تعمیر مسجد کا کام شروع کر دیا، اس نے اپنے ذاتی مفاد کو مدنظر رکھتے ہوئے اس پیسے کو دوکان میں صرف کر دیا اور مسجد مکمل نہیں بنائی، لوگوں نے کہا تو مارنے مرنے کے لئے تیار ہوگیا؛ لہٰذا ان تمام صورتوں میں شرعاً اس اکبر حسین پر کیا حکم لاگو ہوتا ہے۔ اور کیا مدرسہ کا کوئی عہدہ دیا جاسکتا ہے۔

المستفتی: سائل امجد علی کاشی پور، نینی تال (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر اکبر حسین کو مدرسہ میں رکھنا مدرسہ کے ذمہ دار حضرات مدرسہ کے مفاد کے خلاف سمجھتے ہیں، تو ان کو علیحدہ کرنے کا اختیار رہے۔ اور اگر مدرسہ کے مفاد کے خلاف نہیں ہے تو الگ کرنے سے اکبر حسین مظلوم ہوگا اور ذمہ دار حضرات ظلم کے مرتکب ہوں گے۔

عن ابن عباس – رضي الله عنه– قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا ضرر ولا ضرار. (سنن ابن ماجة، الأحكام، باب من بنى في حقه ما يضر بجاره، النسخة الهندية ١/ ١٦٩، دارالسلام، رقم: ٢٣٤١، موطا إمام مالك، باب القضاء في المرفق، أشرفي ص: ٣١١، رقم: ٢٧٥٨)

لا عبرة بالتوهم. (قواعد الفقه أشرفي، ص: ١٠٧، رقم: ٢٥٤، الموسوعة الفقهية الكويتية ١٤/ ٢٠٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍صفر ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/۳۰۱۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۳/۲/۱۱ھ

مدرسہ کے صدر مدرس کے خلاف عوام کے انتشار کا حکم

سوال [۸۴۴۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک مولوی صاحب مدرسہ میں صدر مدرس کی حیثیت سے ہیں اور اس شخص کی وجہ سے مسلمانوں میں آپس میں انتشار وخلفشار ہے اور اس شخص سے یہاں کے عوام ومسلمان بدظن ہیں اور اس کی وجہ سے زبردست کشیدگی ہے، تو ایسے شخص کا مدرسہ میں رہنا ٹھیک ہے یا نہیں؟ اور یہاں کے مسلمان ان سے کہتے ہیں کہ تم یہاں سے چلے جاؤ تو بھی وہ جانے کے لئے تیار نہیں ہے، اگر یہ شخص یہاں سے نہ گیا تو مسلمانوں میں آپس میں خون ہوسکتا ہے، صحیح ومدلل جواب تحریر فرمائیں۔ فقط

المستفتی: ناظم تیاگی، محلّہ ستی رڑکی، سہارنپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یہ ذمہ داری اربابِ انتظام واہل شوریٰ کی ہے، کسی دوسرے شخص کے لئے اظہار رائے اس کے منصب سے خارج ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۷/۱۶۱، جدید مطول ۱۰/۴۷۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍صفر ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/۵۱۱)

اوقات مدرسہ میں مہتمم کی اجازت سے حوائج ضروریہ کے لئے جانا

سوال [۸۴۴۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں شعبۂ حفظ کا مدرس ہوں مدرسہ کے بالکل سامنے مدرسہ کے مکان میں میرے بچے رہتے ہیں، میں مہتمم صاحب کی اجازت سے روزانہ گھر جا کر استنجاء ووضو نماز چاشت مدرسہ کے تعلیمی وقت میں ادا کرتا ہوں، کیا میرے لئے یہ جائز ہے اور مہتمم صاحب کا اس طرح اجازت دینا جائز ہے؟ جواب سے نوازیں۔ والسلام

المستفتی: مجیب الرحمٰن

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حسب تحریر سوال آپ کا اوقات مدرسہ میں مدرسہ کے قریب اپنے گھر جا کر حوائج ضروریہ سے فارغ ہونا اور وضو کر کے چاشت کی نماز پڑھنا شرعاً جائز ہے؛ کیوں کہ مہتمم صاحب کی اجازت کی بنا پر آپ کے مدرسہ کا عرف اس کی اجازت کا ہو گیا ہے اور ایسے مسائل کا مدار عرف پر ہوا کرتا ہے۔

الثابت بالعرف كالثابت بالنص. (قواعد الفقه، أشرفي، ص: ٧٤، رقم: ١٠١، مجموعة رسائل ابن عابدين ثاقب بكڈپو ١/ ٤٤) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍صفر ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۸۹۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۲/۱۴ھ

مدرس کو دو وقت پڑھانے پر مجبور کرنا

سوال [۸۴۴۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں حافظ فرید احمد مدرسہ عربیہ احیاء العلوم محلّہ ترک پٹی خیرآباد میں شعبۂ حفظ کا مدرس

ہوں، میرا کمیٹی سے طے تھا کہ میں صرف صبح کے وقت درسگاہ میں بیٹھوں گا، باقی وقت دوسرے حافظ نوشاد صاحب پڑھائیں گے، اب اس وقت ہمارے مدرسہ کی کمیٹی میں کچھ خلفشار ہے اور کمیٹی میں دوگروہ ہوگئے ہیں، اپنی بات منوانے کی غرض سے ہمارے منیجر حاجی محمد آفاق صاحب چاہتے ہیں کہ میں اب تینوں وقت مدرسہ میں تدریسی کام دیکھوں، جس کے بارے میں میں نے منع کردیا ہے، ہمارے صدر صاحب سکریٹری وخزانچی وغیرہ حضرات کا کہنا ہے، جب تک خلفشار دور نہیں ہوجاتا کوئی مدرس نہ تو نکالا جائے گا اور نہ ہی کسی سے کوئی زبردستی کی جائے گی۔ الحمدللہ مدرسین میں کوئی خلفشار نہیں ہے، جب میں نے منیجر صاحب کو تینوں وقت پڑھانے سے منع کیا، تو گذشتہ ۶/ستمبر کو انہوں نے حفظ کی درسگاہ میں آکر کافی گالی گلوچ اور بدکلامی کی، درسگاہ میں ہم تین حافظ موجود تھے، حافظ معین الدین، حافظ نوشاد اور حفظ کے طلبہ کی موجودگی میں جب کہ قرآن کریم پڑھایا جارہا تھا، مجھ سے کہا کہ تمہیں میرے ساتھ تینوں اوقات میں مدرسہ آکر قوم لوط والا عمل کرنا ہوگا۔ اور اگر میری ماں زندہ ہوتی تو تمہیں ان کے اوپر تینوں وقت چڑھواتا وغیرہ، اس سے زیادہ کہنے سے قاصر ہوں۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایسے شخص کا کسی دینی ادارہ کا ذمہ دار بنے رہنا چاہئے جو قرآن وحافظ قرآن کی توہین کرے اور اس کے ساتھ کیسا برتاؤ کرنا چاہئے؟ اس کا اسلام سے کوئی رشتہ ہے یا نہیں؟ براہ کرم اسلامی تعلیمات کی روشنی میں جواب مرحمت فرما کر ملت اسلام کے کچھ افراد پر احسان فرمائیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مدرس کا منصب تدریس پر فائز ہونے سے پہلے یہ شرط لگانا کہ میں صرف ایک وقت پڑھاؤں گا جائز اور درست ہے۔ اور اس کے برخلاف مدرس کو اس سے زیادہ وقت پڑھانے پر مجبور کرنا درست نہیں ہے؛ البتہ اگر مدرس اپنی خوشی سے دوسرے وقت میں پڑھانے پر تیار ہوجائے تو اسے اس کا مکمل اختیار ہے؛ لیکن زائد وقت نہ پڑھانے پر اس کو گالم گلوچ کرنا یا اس کے حق میں نامناسب الفاظ استعمال کرنا یہ قطعاً غلط ہے، ایسے شخص کو

چاہئے کہ مدرس صاحب سے معافی مانگے اور اپنے اس غلط عمل پر توبہ واستغفار کرے؛ لیکن اگر مذکورہ شخص اپنی غلطی پر مصر ہوتو ایسا شخص فاسق ہوگا اور فاسق آدمی دینی ادارہ کا ذمہ دار بننے کا اہل نہیں، اس کے بجائے کسی متبع شریعت دیندار آدمی کو ذمہ دار بنانا چاہئے۔

قال عبدالله: قال النبي ﷺ: سباب المسلم فسوق، وقتاله كفر. (بخاري شريف، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم لا ترجعوا بعدي كفارا، النسخة الهندية ٢/ ١٠٤٨، رقم: ٦٧٩٧، ف: ٧٠٧٦)

وينزع وجوبا لو غير مأمون أو عاجزا أو ظهر به فسق، كشرب خمر ونحوه. (درمختار مع الشامي، الوقف، مطلب في شروط المتولي، زكريا ٦/ ٥٧٨، كراچی ٤/ ٣٨٠، البحرالرائق، زكريا ٥/ ٤١١، كوئٹه ٥/ ٢٤٥، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٢/ ٦٠٢، قديم ١/ ٧٦٢، بزازية زكريا جديد ٣/ ١٣٤، وعلى هامش الهندية ٦/ ٢٥٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍محرم الحرام ۱۴۳۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۱۸۰۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۳/۱/۱۴۳۶ھ

مدرس سے مدرسہ کی رقم گھر سے چوری ہوگئی

سوال [۸۴۴۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص مدرسہ میں مدرس ہے جس نے رمضان المبارک میں مدرسہ کے لئے مالیات کی وصولیابی کی، وصول کی ہوئی رقم اس کے پاس بطور امانت اس کے گھر میں رکھی ہوئی تھی، امانت کی حفاظت میں کوئی کمی نہیں کی اور نہ ہی اپنی ذاتی رقم میں اس امانت کو ملایا، وہ شخص کسی کام سے باہر چلا گیا اور اس کے بال بچے گھر پر ہی تھے، اس کی غیر موجودگی میں اس کے بڑے لڑکے جس کی عمر سترہ سال ہے نے نہ جانے کیسے سیف الماری کا تالا کھولا اور بیگ کی

چین توڑ کر امانت کی رقم جو اس کے پاس ساٹھ ہزار روپئے تھی اس میں سے چھیالیس ہزار پانچ سو لے کر فرار ہو گیا، یعنی چوری کی، اس شخص نے اپنے بیٹے کو بہت تلاشا ڈھونڈا؛ لیکن وہ نہ ملا تیسرے روز اس کے بیٹے کا فون اس کے بیٹے کے دوست کے پاس آیا تو اس کے دوست کے والد نے اس شخص کے بیٹے کو بہت سمجھایا اور والدین کے کچھ نہ کہنے کی اپنے اوپر ذمہ داری لی، تو اس کے بیٹے نے چوتھے روز دوست کے گھر شام کو آنے کا وعدہ کیا اور اس شخص کا بیٹا چوتھے روز دوست کے گھر پر آ گیا، جہاں اس کے بیٹے کے تایا کو بلا کر بات چیت ہوئی اور اس شخص کا بیٹا اپنے تایا کے ہمراہ گھر پر آ گیا، اس شخص کا بیٹا جو رقم چھیالیس ہزار پانچ سو روپئے لے گیا تھا، اس میں سے جو رقم اس کے بیٹے کے پاس سے وصول ہوئی وہ اڑتیس ہزار پانچ سو تھی، یعنی پوری رقم میں سے آٹھ ہزار روپیہ کم۔ مذکورہ صورت میں دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس شخص پر تاوان واجب ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد شاہد قاسمی سرائے خام، بریلی (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مدرسہ کی رقم وصول ہونے کے بعد وصول کنندہ کے لئے اپنے گھر پر رکھنے کا حق نہیں ہوتا، جب اس نے اپنے گھر پر رکھا ہے، تو اس کی ضمانت میں داخل ہو گیا، چاہے باہر کے چور آ کر چوری کر لیں یا گھر کے افراد میں سے کوئی یہ حرکت کر لے ہر حال میں پوری پوری رقم مدرسہ کو ادا کرنا اس کے اوپر لازم ہے، نیز اگر منجانب مدرسہ مدرسہ کی کمیٹی اور ذمہ دار نے مل کر کے مدرسہ کی رقم اس شخص کے پاس امانت میں رکھی ہے، پھر اس شخص کے بیٹے یا گھر کے افراد میں سے کوئی بھی فرد اس میں سے چوری کر لے، تو بھی اس کی مکمل ادائیگی اس شخص کے اوپر لازم ہے؛ اس لئے کہ گھر کے افراد میں سے کسی کا اس میں سے لے کر خرچ کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ اس نے خود یہ کام کیا ہو؛ اس لئے بہر صورت مدرسہ کی مکمل رقم مدرسہ کو واپس کرنا اس شخص پر لازم ہے، جیب خاص سے دے یا قرض لے کر دے یا کسی بھی طریقہ سے اسی کے ذمہ لازم ہے۔

عن الحسن، قال: إذا خالف المستودع غير ما أمر به ضمن، وإن كان فيه فضل فهو له بضمانه. (مصنف عبدالرزاق، البيوع، باب الوديعة، المجلس العلمي ۸/ ۱۸۳، رقم: ۱٤۸۰٦)

عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده، عن النبي ﷺ قال: ليس على المستعير غير المغل ضمان، ولا على المستودع غير المغل ضمان.

(سنن الدارقطني، كتاب البيوع، دارالكتب العلمية بيروت ۳/ ۳٦، رقم: ۲۹۳۹)

وللمودع أن يحفظها بنفسه وبعياله ...... ويشترط أن يكون من في عياله أمينا؛ لأنه لو دفع إلى زوجته، وهي غير أمينة، وهو عالم بذلك أو تركها في بيته الذي فيه ودائع الناس، وذهب فضاعت ضمن. الخ

(البحرالرائق، كتاب الوديعة، كوئٹه ۷/ ۲۷٤، زكريا ۷/ ٤٦٥، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ۳/ ٤٦۹، قديم ۲/ ۳۳۹، الدر مع الرد، زكريا ۸/ ٤٥٦، كراچی ٥/ ٦٦٤)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ رشوال ۱۴۳۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۸۰۳/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۰/۱۰/۲۸ھ

مدرسین کا چرم قربانی وصول کرنے پر معاوضہ لینے کا حکم

سوال [۸۴۴۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک دینی مدرسہ میں عیدالاضحیٰ کے موقع پر مدرسین کو تعطیل نہیں دی جاتی ہے، بمشکل کسی سخت ضرورت کی وجہ سے مہتمم صاحب کسی مدرس کو گھر جانے کی اجازت دیتے ہیں بقرعید کے دنوں میں مدرسین سے چرم کی وصولی کا کام لیا جاتا ہے اور بقرعید کے ایام کے کام کی الگ سے کوئی تنخواہ متعین نہیں کی جاتی ہے، تدریسی خدمات پر مدرسین کی جو تنخواہ متعین ہے، اسی

حساب سے بقرعید کے دنوں کی تنخواہ ملتی ہے، مزید برآں مثلاً ہر چرم کی وصولی پر بطورانعام کے دس روپئے ملتے ہیں، تو کیا ایسے تنخواہ دار مدرس کے لئے ہر چرم کی وصولی پر دس روپئے انعام لینا شرعاً جائز ہے، یا یہ صورت غیر تنخواہ دار محض کمیشن پر چندہ کرنے یا چرم وصول کرنے والے کے حکم میں داخل ہے۔

المستفتی: محمد طاہر عفی عنہ دارالعلوم رحمانیہ ٹانڈہ بادلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: قربانی کے موقع پر چرم قربانی کی وصولی مدرسین کے ذمہ لازم نہیں ہوتی ہے۔ اور یہ ایام چھٹی کے ہوتے ہیں اور جب چھٹی کے ایام میں مدرسین اپنی چھٹیوں سے فائدہ اٹھانے کے بجائے چرم قربانی کی وصولی پر محنت کریں تو ان کو فی چرم دس روپیہ پندرہ روپیہ محنتانہ کے طور پر لینا جائز اور درست ہے؛ اس لئے کہ اس محنت کا تعلق تنخواہ سے نہیں ہے۔

وشرطها كون الأجرة والمنفعة معلومتين. (درمختار، كتاب الإجارة، زكريا ۹/ ۷، كراچی ٦/ ٥)

ولا يصح حتى تكون المنافع معلومة، والأجرة معلومة. (هداية، أشرفي ۳/ ۲۹۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/ ذی الحجہ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۳۴۴)

مدارس کے ملازم اجیر بالعمل ہیں یا اجیر فی الوقت

سوال [۸۴۵۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) ہمارے مدارس عربیہ میں مدرسین ملازمین ومنتظمین اجیر فی الوقت ہیں یا اجیر بالعمل، یا اجیر بالعمل فی الوقت؟

(۲) اگر صرف اجیر فی الوقت ہیں تو منتظمین کو نصاب و امور مفوضہ کی تکمیل کا مطالبہ ومؤاخذہ کرنا کیسا ہے؟

(۳) اگر اجیر بالعمل ہیں تو کیا منتظمین کی جانب سے اوقاتِ متعینہ کے علاوہ اوقات میں وہ اپنے امورِ مفوضہ کو پورا کرسکتا ہے؟ اور اوقاتِ متعینہ میں غیر حاضر رہنے یا نہ کرسکنے پر مؤاخذہ تو نہیں ہوگا؟ بینوا توجروا

المستفتی: مدیر ماہنامہ ندائے شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) مدارسِ اسلامیہ کا عرف اس زمانہ میں یہ ہے کہ ملازمین ومدرسین ومنظمین وقت مقررہ میں امورِ مفوضہ کی تکمیل کیا کریں اور یہی ضابطہ مقرر اور معروف ہے اور شریعت اسلامیہ میں اس طرح اجارہ اور ملازمت کا معاملہ کرنا جائز اور مشروع ہے؛ اس لئے مدارسِ اسلامیہ کے ملازمین اجیر بالعمل فی الوقت ہیں؛ لہٰذا عمل نہ کرنے اور وقت مقررہ میں حاضر نہ ہونے پر مقررہ ضابطہ کے مطابق مؤاخذہ جائز ہے، نیز عرف وشرط وضابطہ کی وجہ سے بوقت تقرری بغیر صراحت قانونی تعطیلات کے مستحق ہوجاتے ہیں۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۳/ ۳۴۸، ۳/ ۳۴۹، ۳/ ۳۵٦، فتاوی محمودیہ ٦/ ۳۱۱، ڈابھیل ۱٦/ ۵۷۲)

لأن المعروف كالمشروط. (الأشباه والنظائر قديم، ص: ۱۵۲، المبسوط للسرخسي، دارالكتب العلمية بيروت ۱۲/ ۵٤، ۱۳/ ۷۹، ۱٤/ ۳٦، البناية أشرفيه ۵/ ٤۸۱، ۸/ ۲٤۵، ۱۱/ ٤۸۳، قواعد الفقه أشرفي، ص: ۱۲۵، رقم: ۳۳٤)

الثابت بالعرف كالثابت بالنص. الخ (عقود رسم المفتي، قديم ص: ۹۵، قواعد الفقه أشرفي، ص: ۷٤، رقم: ۱۰۱)

(۲) صرف اجیر فی الوقت نہیں ہے؛ اس لئے شرائط وضوابط کے مطابق مطالبہ ومؤاخذہ کا حق ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۳/ ۳۴۹، ۳/ ۳۵٦)

اور اگر کسی مدرسہ میں کوئی ضابطہ بنا ہوا نہیں ہے، تو علاقہ کے مشہور اداروں کے عرف وشرائط کے مطابق عمل کرنا ہوگا۔

وإن شـرط المعلم على المولى أن يعطيه في كل شهر كذا، ويقوم على غـلامـه فـي تـعليم كذا، فهو جائز، وإذا لم يشترط كل واحد منهما شيئا فلما فـرغ و تـعلـم قال المعلم لي الأجرة على رب العبد كذا، وقال سيد العبد: لي الأجـرة على المعلم ينظر في ذلک إلى عرف تلک البلدة، فإن كان سيد العبد هـو الذي يعطي، فالأجرة عليه، وإن كان المعلم هو الذي يعطي، فالأجرة على المعلم. الخ (البحرالرائق، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة كوئٹه ۸/ ۱۹، زكريا ۸/ ۳٤)

(۳) صرف اجیر بالعمل نہیں ہے؛ اس لئے اوقاتِ مقررہ پر غیر حاضری کی وجہ سے مؤاخذہ کا حق ہوگا۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۳/ ۳۴۹، ۳/ ۳۵۶)

اور اگر کسی ملازم کو مخصوص شرط پر رکھا ہے تو وہ اسی شرط کا پابند ہوگا۔ فقط واللہ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳/۵/۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۲۲۱۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۳/۱۰/۱۴۱۱ھ

شخص واحد کے ذمہ درس وتدریس اور امامت وغیرہ سپرد کرنا

سوال [۸۴۵۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: درس وتدریس وعظ ونصیحت، امامت، اذان یہ سب الگ الگ شعبہ ہیں، کیا ایک شخص کو ان امور کا پابند کیا جاسکتا ہے، جب کہ گذراوقات اور بال بچوں کے اخراجات بھی ہوں؟

(۲) کیا امام اپنے ذاتی کام یا اور مجبوری سے چھٹی کرسکتا ہے؟

(۳) امام کے کل اخراجات کس کے ذمہ ہیں، جب کہ امام پردیسی ہو فی سبیل اللہ امامت کرتا ہو اور امام کی مالی حالت بھی کمزور ہو، ایسی صورت میں اہل محلّہ کیا کریں؟ ان کی کیا ذمہ داری ہے؟ امام شادی شدہ ہے، نوجوان ہے، تو کیا بیوی بچوں کے ساتھ رکھنے کا نظم وبندوبست مقتدیوں کے اوپر ہے؟

المستفتی: محمد ہارون، راجستھان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) مذکورہ امور سب الگ الگ شعبہ کی حیثیت رکھتے ہیں؛ لیکن اگر ایک شخص ان سب ذمہ داریوں کو تنہا ادا کرسکتا ہے، تو اس کے لئے اس کی گنجائش ہے اور امام کے ساتھ ساتھ اگر ان کاموں کی ذمہ داری کی شرط بھی لگائی گئی ہے۔ اور امام صاحب نے منظور کرلیا ہے، تو اس پر ان تمام امور کو انجام دینا لازم ہوگا۔ (مستفاد: کفایت المفتی ۳/۴۶)

عن عمرو بن عوف المزني، عن رسول الله ﷺ قال: المسلمون على شروطهم إلا شرطا حرم حلالا، أو أحل حراما. (المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ۷/ ۲۲، رقم: ۳۰)

(۲) امام اپنی ذاتی ضروریات کے لئے چھٹی لے سکتا ہے، مگر ان امور کی شرط لگا لینی چاہئے یا علاقہ میں ان کا عرف ہو۔

المعروف كالمشروط، فصار كأنه صرح به. (الأشباه والنظائر قديم/ ۱۵۶)

نیز ایام رخصت کی تنخواہ بھی امام کو ملنی چاہئے۔

فحيث كانت البطالة معروفة في يوم الثلاثاء والجمعة، وفي رمضان والعيدين يحل الأخذ. (شامي، الوقف، مطلب في استحقاق القاضي والمدرس الوظيفة في يوم البطالة، زكريا ٦/ ٥٦٨، كراچی ٤/ ٣٧٢، سكب الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٢/ ٥٨٩)

(۳) امام کے کل اخراجات خود امام کے ذمہ ہیں، ہاں البتہ امام کی تنخواہ کے ذمہ دار مسجد کے ذمہ دار حضرات ہوتے ہیں، وہ لوگ مسجد کے فنڈ میں سے ادا کریں گے۔

رزق القاضي من بيت المال. (درمختار، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره، زكريا ٩/ ٥٥٨، كراچی ٦/ ٣٨٩، المبسوط دارالكتب العلمية بيروت ١٦/ ١٠٢، الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٣/ ٣١٨)

امام جب ضرورت مند ہےتو وہ فی سبیل اللہ امامت کیوں کرے؟ وہ اپنی تنخواہ متعین کرلیا کرے، تاکہ کسی کے سامنے ہاتھ نہ پھیلانا پڑے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍صفر المظفر ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۶۲۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۲/۸ھ

کیا گاؤں کے مدرس پر مسجد کی امامت بلا اجرت واجب ہے؟

سوال [۸۴۵۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بستی میں مدرسہ اسلامیہ ہے، جس میں غلہ کی سیر من کی آمدنی کے ساتھ ساتھ بستی کے چرم قربانی، فطرہ، زکوۃ وغیرہ بھی صرف ہوتا ہے، مدرسہ میں چار مدرس ہیں، انہیں کی تنخواہوں یا تعمیر میں جملہ رقم خرچ ہوتی ہے، مدرسہ میں بیرونی بچے بھی دس پندرہ رہتے ہیں، جو بستی میں گھروں میں کھانا کھاتے ہیں، مدرسہ کے مدرسین کی ذمہ داری مسجدوں میں نماز پڑھانا بھی ہے جبکہ نماز کی اجرت مدرسہ سے ملنے والی تنخواہ میں ہی مشروط ہے، علیحدہ مسجد سے کوئی وظیفہ نہیں ہے، معلوم کرنا یہ ہے کہ یہ شکل کہاں تک صحیح ہے؟

المستفتی: ظہیر احمد قاسمی، مدرسہ بدر العلوم گنگوار حسن پور، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب گاؤں میں امامت کی شرط پر مدرس کا تقرر ہوتا ہے، تو مدرس اس شرط کا پابند ہوگا۔ اور اگر تقرر کے وقت امامت طے نہیں ہے تو امامت لازم نہیں ہے۔

ومن استأجر عبدا ليخدمه له أن يسافر به إلا أن يشترط ذلك. الخ

(هداية، كتاب الإجارات، باب إجارة العبد أشرفي ٣/ ٣١٢، هندية، زكريا قديم ٤/ ٤٣٥، جديد ٤/ ٤٦٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۱۵/۳/۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۴۹۴۳)

مدرس کونابالغ طلباء کی امامت کا پابند بنانا

سوال [۸۴۵۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید ایک مدرسہ میں مستقل مدرس ہے، اس مدرسہ میں بیرونی طلبہ بھی کافی تعداد میں ہیں، کوئی طالب علم پندرہ سال کی عمر کا نہیں پایا جاتا اور نہ ہی کسی دوسری صورت سے سن بلوغ کا اظہار ہوتا ہے، یعنی سب نابالغ ہیں، مدرسہ کے مہتمم نے زید کے اوپر یہ پابندی عائد کی ہے کہ تم مدرسہ میں ان طالب علموں کو نماز پڑھایا کرو، یعنی زید امام بنے اور سب نابالغ طالب علم اس کے مقتدی بن کر فرض نماز باجماعت مدرسہ ہی میں ادا کریں، اس صورت میں زید کی فرض نماز صحیح ہوگی اور جماعت کا ثواب ملے گا یا نہیں؟ مہتمم صاحب کی طرف سے زید پر ان نابالغ بچوں کی امامت کے لئے جبر کرنا شرعاً درست ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مسئولہ میں زید کی فرض نماز ادا ہو جائے گی اور جماعت کا ثواب بھی ملے گا، مگر مسجد میں نماز پڑھنے کے ثواب سے محروم ہو جائے گا، نیز مہتمم صاحب کا اس بات پر پابند کرنا درست نہیں ہے کہ مدرس مسجد چھوڑ کر یہیں نماز پڑھائے، اگر مدرس خود مسجد میں جا کر نماز پڑھنا چاہتا ہے تو اس پر رکاوٹ ڈالنے کی شرعاً اجازت نہیں ہے۔

(مستفاد: احسن الفتاوی ۳/ ۲۹۹)

والجماعة سنة مؤكدة للرجال، وأقلها اثنان واحد مع الإمام ولو مميزا. (وتحته في الشامية) أي ولو كان الواحد المقتدى صبيا مميزا، ويؤخذ منه أنه يحصل ثواب الجماعة باقتداء المتنفل بالمفترض؛ لأن الصبي متنفل. (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مطلب في تكرار الجماعة في المسجد زكريا ۲/ ۲۸۷، ۲۸۹، كراچی ۱/ ۵۵۲، ۵۵۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍ ربیع الاول ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۵۱۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۳/۲ھ

کیامدرس کا بیماری میں چھٹی لےکراپنے نجی کام سے جانا دھوکہ نہیں؟

سوال [۸۴۵۴]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مدرس اپنے نجی کام سے باہر جاتے ہیں، چھٹی کا ان کو استحقاق نہیں ہے تو وہ میڈیکل سرٹیفکیٹ دے کر چلے جاتے ہیں، میڈیکل سرٹیفکیٹ میں ڈاکٹر صاحب نے آرام کا مشورہ دیا ہے، یہ مدرس ہزاروں میل دورسفر پر چلے جاتے ہیں،اس طرح ان ایام کی تنخواہ ان کے لئے حاصل کرنا جائز ہے یانہیں؟ یہ مدرس حافظ، مولوی، عالم اور فاضل بھی ہیں،ان کا یہ کردار ایک مشہورزمانہ دارالعلوم کے لئے جہاں سے یہ فارغ التحصیل ہیں، بدنما داغ ہے یانہیں؟ شریعت مطہرہ میں ایسے علماء کا کیاحکم ہے؟

المستفتی:صابر رضاخان منیجر مدرسہ جامع العلوم،رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر واقعی جعلی سرٹیفکٹ ہے تو دھوکہ دہی ہے جو جائز نہیں ہے۔ اوراگرجعلی سرٹیفکٹ نہیں ہے؛ بلکہ سرٹیفکٹ اپنی جگہ درست ہے اور بیماری کی حالت میں آدمی اپنے ذاتی کسی کام سے جا آسکتا ہے، جیسا کہ دنیا بھر میں بہت سے بیمارلوگ بھی اپنے ضروری اسفارکرتے ہیں اور ہلکے پھلکے کام بھی کرتے ہیں،تو ایسی صورت میں دھوکہ دہی نہیں ہے، رخصت علالت لینا بھی درست ہے اور جب مدرسہ میں رخصت علالت منجانب مدرسہ دینے کا قانون ہے توان ایام کی تنخواہ لینا بھی درست ہے۔

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– أن رسول الله ﷺ قال: …… من غشنا فليس منا. (مسلم شريف، باب قول النبي ﷺ من غشنا فليس منا، النسخة الهندية ١/ ٧٠، بيت الأفكار، رقم: ١٠١)

عن عبدالله بن عمرو بن عوف المزني عن أبيه عن جده أن رسول الله ﷺ قال: الصلح جائز بين المسلمين، إلا صلحا حرم حلالا، أو أحل

حراما، والمسلمون على شروطهم، إلا شرطا حرم حلالا أو أحل حراما.

(سنن الترمذي، الأحكام، باب ما ذكر عن رسول الله ﷺ في الصلح بين الناس، النسخة الهندية ١/ ٢٥١، دارالسلام، رقم: ١٣٥٢، المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ١٧/ ٢٢، رقم: ٣٠، سنن الدارقطني، كتاب البيوع، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ٢٣، رقم: ٢٨٦٩، المستدرك، كتاب الأحكام، مكتبه نزار مصطفى الباز- ٧/ ٢٠٢٣، قديم ٤/ ١٠١، رقم: ٧٠٥٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۵۲۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۵/۱۴ھ

مکتب میں استاذ کا جمعراتی لینا

سوال [۸۴۵۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بعض جگہوں پر یہ رواج ہے کہ مکتب میں پڑھانے والا استاذ جمعراتی پیسے لیتا ہے، کیا یہ پیسے لینا جائز ہے؟ نیز نکاح پڑھانے کے بعد قاضی کو جو روپیہ ملتے ہیں اس کا بھی لینا جائز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب تقرر کے وقت یہ معلوم ہے کہ جمعرات میں کچھ ملتا ہے اس کی وجہ سے اس کم تنخواہ پر بھی استاذ تیار ہوجاتا ہے؛ اس لئے جمعراتی پیسہ اس کے لئے اس کا حق بھی ہے؛ اس کے لئے لینا جائز ہے، یہ اصل تنخواہ پر انعام اور تحفہ ہے، اس سے ملازمت کی ترغیب ہوتی ہے، ملازمت کی اصل تنخواہ نہیں ہے اور چونکہ نکاح پڑھانا مدرس کی ذمہ داری میں شامل نہیں ہے؛ اس لئے نکاح خوانی کی اجرت الگ سے لینے کی گنجائش ہے۔

وكل نكاح باشره القاضي وقد وجبت مباشرته عليه كنكاح الصغار، والصغائر، فلا يحل له أخذ الأجرة عليه، وما لم تجب مباشرته عليه حل له أخذ الأجرة عليه كذا في المحيط. الخ (عالمگیری، کتاب أدب القاضي، الباب الخامس عشر في أقوال القاضي، وما ينبغي، زكريا قديم ٣/ ٣٤٥، جديد ٣/ ٣٠٦، المحيط البرهاني، المجلس العلمي ١٢/ ٢٣٢، ٢٣٣، رقم: ١٤٢٩٩، الفتاوى التاتارخانية زكريا ١١/ ١١٩، رقم: ١٥٦٣٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹ رصفر ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۹۳۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۲/۳۰ھ

مدرس کے جمعراتی وصول کرنے کا حکم

سوال [۸۴۵۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مکاتب کے اندر مدرسین حضرات جو جمعراتی پیسے وصول کرتے ہیں درست ہے یا نہیں؟ نیز بچوں سے کرناٹک کے علاقہ میں مسجد کی کمیٹی کی طرف سے نکاح خوانی کی فیس متعین ہوتی ہے، اس کی وضاحت یوں ہے کہ جب کسی مسجد کے امام کو کسی شادی میں نکاح خوانی کے لئے بلایا جاتا ہے، تو اس مسجد کی کمیٹی کی طرف سے لڑکا اور لڑکی کے والدین کو تین تین سو مجموعہ پانچ سو روپیہ کمیٹی کو ادا کرنے پڑتے ہیں، کیا یہ روپئے کمیٹی کے لئے لینا درست ہے؟ اور کمیٹی کے ان ہی روپیوں میں سے امام کو روپئے لینا جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر امام خود شادی والوں سے نکاح خوانی کی فیس مانگ لے تو کیا یہ روپیہ اس کے لئے درست ہوگا؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مکاتب کے اندر مدرسین حضرات جو بچوں سے جمعراتی وصول کرتے ہیں، وہ ان کے لئے لینا درست ہے؛ کیوں کہ مدرس کو تقرر کے وقت ہی معلوم

رہتا ہے کہ جمعرات کے روز بچوں کے ذریعہ اس کو کچھ ملے گا، اس کی وجہ سے وہ کم تنخواہ پر بھی راضی ہوجاتا ہے؛ اس لئے جمعراتی پیسہ اس کے لئے لینا جائز ہے۔ (مستفاد: عزیز الفتاوی/ ۷۵۸)

اور چونکہ نکاح پڑھانا مدرس کی ذمہ داری نہیں ہے؛ اس لئے نکاح خوانی کی اجرت اس کے لئے لینا جائز اور درست ہے، البتہ کمیٹی کی طرف سے نکاح خوانی کی فیس متعین کرنا درست نہیں ہے؛ بلکہ جو جتنا دے دے اتنا لے لینا چاہئے اور جس شخص (امام) نے نکاح پڑھایا ہے اس کے لئے نکاح خوانی کی اجرت لینا جائز ہے، اور کمیٹی کے لئے لینا درست نہیں ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۲/ ۳۷۰)

وكل نكاح باشره القاضي، وقد وجبت مباشرته عليه كنكاح الصغار والصغائر، فلا يحل له أخذ الأجرة عليه، وما لم تجب مباشرته عليه حل له أخذ الأجرة عليه. (هندية، كتاب أدب القاضي، الباب الخامس عشر في أموال القاضي، زكريا قديم ٣/ ٣٤٥، جديد ٣/ ٣٠٦، المحيط البرهاني، المجلس العلمي ١٢/ ٢٣٢، ٢٣٣، رقم: ١٤٢٩٩، الفتاوى التاتارخانية، زكريا ١١/ ١١٩، رقم: ١٥٦٣٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/ صفر ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۹۳۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۲/۱۹ھ

طلبہ کی طرف سے معلم کو ملنے والے ہدیہ کا حکم

سوال [۸۴۵۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک ادارہ میں ۱۶/ معلم کام کرتے ہیں، اس میں ابتدائی تعلیم سے لے کر حفظ وتجوید تا شرح جامی کی تعلیم ہے، دس سال قبل اس ادارہ میں یہ قانون نافذ ہوا کہ جس معلم کو بھی طلبہ کی

طرف سے ہدیہ انعام واکرام ملے گا اس کو فنڈ میں جمع کیا جائے گا اور اخیر سال میں سب معلموں میں تقسیم کیا جائے گا، ان میں چند معلم ایسے ہیں جن کو ہدیہ یا انعام وغیرہ ملتا ہے، باقی ایسے ہیں جن کو بالکل انعام نہیں ملتا اور وہ چند معلموں کا انعام سب معلموں میں تقسیم ہوتا ہے، جس کی وجہ سے وہ معلم جن کو انعام ملتا ہے وہ دل میں کڑھتے ہیں ورناخوش ہیں اور وہ چاہتے ہیں ہمیں علیحدہ کردیا جائے، ہم اس فنڈ میں شریک نہیں ہیں، اب ان معلموں میں بھی کسی کو کم اور کسی کو زیادہ انعام اور ہدیہ ملتا ہے جو کہ سب میں شریک ہوتا ہے، یہاں تک کہ جو کوئی اشیاء جیسے کپڑے ملتے ہیں تو ان کو بھی فروخت کیا جاتا ہے جس کو وہ کپڑے ملتے ہیں وہ دل سے ناخوش ہے۔ اور اگر اس فنڈ سے کسی کو علیحدہ کردیا جائے تو ہر معلم علیحدہ ہوگا جو انتشار کا باعث ہے، تو آپ تحریر فرمائیں شرعاً اس فنڈ میں جمع کرنا صحیح ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس کے لئے کوئی صریح جزئیہ نظر سے نہیں گذرا؛ البتہ اگر طے شدہ قانون طلبہ اور معلمین سب کو معلوم ہے۔

تو "**المسلمون عند شروطهم**". (بخاري تحت ترجمة الباب أجر السمسرة، النسخة الهندية ۱/ ۳۰۳) کے تحت جواز معلوم ہوتا ہے، مگر طلبہ سے ہدیہ لینا نامناسب عمل ہے، اس سے بہت سے مضر اثرات ظاہر ہوتے ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷ رمضان المبارک ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۶۲۱)

مدرسے میں بے پردہ معلّمہ کے تقرر کرنا کا حکم

سوال [۸۴۵۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کیا مدارسِ اسلامیہ میں جہاں پر معلم حضرات تعلیم دیتے ہیں وہاں پر نوجوان

معلّمہ صاحبہ کا تقرر کرنا درست ہے، جب کہ معلّمہ صاحبہ آتے جاتے اور پڑھاتے وقت بھی بے پردہ رہتی ہوں، یعنی کہ سر پر ڈوپٹہ تک بھی نہ رکھتی ہوں، اگر معلّمہ صاحبہ کا تقرر کیا جائے تو کن شرائط کے ساتھ؟

المستفتی: محمد مسلم امروہوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسے مدارسِ اسلامیہ جن میں صرف لڑکیاں ہی تعلیم حاصل کرتی ہیں، وہاں بہتر یہ ہے کہ معلّمہ کا ہی تقرر کیا جائے، جب کہ وہ پابند شرع ہو۔ اور اگر مدرسہ ایسا ہے جس میں لڑکے تعلیم حاصل کرتے ہیں اور اکثر پڑھانے والے مرد ہیں، تو وہاں معلّمہ کے تقرر کرنے میں بہت سارے مفاسد ہیں، مثلاً بے پردگی نامحرم مردوں کے ساتھ اختلاط، بعض موقعوں پر تنہائی اور خلوت کا بھی موقع آسکتا ہے، آپس میں بے تکلفانہ بات چیت اور نامحرم مردوں کے ساتھ آمد ورفت وغیرہ کے بھی امکانات ہیں؛ اس لئے عورتوں کے لئے شرعاً ایسی ملازمت کی اجازت نہیں دی جاسکتی ہے۔ (مستفاد: فتاوی رحیمیہ قدیم ۱۰/ ۳۰۸، جدید ۱۰/۱۰۳-۹۰، فتاوی محمودیہ قدیم ۱۷/ ۲۳۵، ڈابھیل ۳/ ۳۸۹، فتاوی نظامیہ اندوریہ ۱/ ۴۳۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰/ ۶/ ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۵۸۳۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۳۰/ ۶/ ۱۴۱۹ھ

اساتذہ کے لئے طلباء کو ملنے والے کنسیشن استعمال کرنے کا حکم

سوال [۸۴۵۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مدارسِ دینیہ کے طلبہ کے لئے جو سرکار کی طرف سے کنسیشن فارم دیا جاتا ہے، کیا اس پر مدرسہ کے اساتذہ کرام سفر کر سکتے ہیں؟

المستفتی: منظور احمد اصالت پورہ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سرکار نے صرف طلبہ کے لئے کنسیشن فارم دیا ہے، اساتذہ یاملازمین کے لئے نہیں؛ اس لئے اساتذہ کرام وملازمین کے لئے اس پر سفر کرنا جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۳/ ۴۴۵، ۴/۱۴۲، ۴/ ۱۴۶) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳/ ذی الحجہ ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۵۳۱)

مدرسے کے کمروں میں مدرس کا فیملی کے ساتھ رہنا

سوال [۸۴۶۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید ایک مدرسہ کا مدرس بھی ہے اور مسجد کا امام بھی اور اس کا نگراں بھی زید ہے، تو کیا زید کے لئے مدرسہ کے کمروں میں فیملی لے کر رہنا جائز ہے یا نہیں؟ بعض لوگ اشکال کرتے ہیں کہ مدرسے کے کمرے میں فیملی لے کر کیسے رہیں گے؟ واضح ہو کہ مدرسہ میں چار پانچ کمرے ہیں، مدرسے میں بیرونی طلبا بھی نہیں ہیں، گاؤں والے بچے پڑھ کر چلے جاتے ہیں، مدرسہ خالی رہتا ہے، تو کیا زید کے لئے مدرسے کے کمرے میں فیملی لے کر رہنا جائز اور گنجائش ہے یا نہیں؟ براہ کرم تفصیلی جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: محمد منظور عالم خوشحال پوری، مدرسہ کاشف العلوم

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مدرس کی ملازمت کے لئے مدرسہ کی طرف سے کمرہ یا مکان کا بھی معاملہ طے ہوا ہے یا کمیٹی وذمہ داران مدرسہ کی جانب سے بچوں واہلیہ کے رکھنے کی اجازت ہے، تو ایسی صورت میں مدرس کا اپنے بچوں واہلیہ کو مدرسہ کے کمرہ میں رکھنا شرعاً درست ہے، ہاں پردہ کا لحاظ رکھنا ضروری ہے، لوگوں کا اس سلسلہ میں اعتراض جہالت اور غلطی پر مبنی ہے۔ (مستفاد: محمودیہ قدیم ۱۴/ ۱۶۸، جدید ڈابھیل ۱۵/ ۵۲۰)

عن عبدالله بن عمرو بن عوف المزني، عن أبيه، عن جده أن رسول الله ﷺ قال: الصلح جائز بين المسلمين، إلا صلحا حرم حلالا، أو أحل حراما، والمسلمون على شروطهم، إلا شرطا حرم حلالا، أو أحل حراما.

(ترمذي، الأحكام، باب ما ذكر عن رسول الله ﷺ في الصلح بين الناس، النسخة الهندية ۱/ ۲۵۱، دارالسلام، رقم: ۱۳۵۲، مشكوة شريف: ۲۵۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳ محرم الحرام ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۰۳۹/۳۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۳/۱/۱۴۲۲ھ

مدرسین کے وسعت ونجی گھر ہونے کے باوجود مدرسہ کا گھر خالی نہ کرنے کا حکم

سوال [۸۴۶۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک دینی مدرسہ جو کافی عرصہ سے دینی تعلیم کی خدمت میں مصروف ہے، اس ادارے کے ذمہ داران نے اس ادارے میں مامور مدرسین وملازمین کی پریشانی اور کم وسعتی کو سامنے رکھتے ہوئے ادارے کی مملوکہ اراضی میں مدرسین وملازمین کے لئے مکانات مہیا کر دیئے تھے، جس سے مدرسین وملازمین کو سکون اور یکسوئی کے ساتھ خدمت کا موقع فراہم ہوا، مدرسہ کی جانب سے سہولیات فراہمی کے ساتھ معمولی کرایہ بھی طے کر دیا گیا، جس کی ادائیگی ہوتی رہی، مزید کوئی دوسرا معاملہ یا عہد وپیمان نہ ہوا، آج تک ان مکانات میں رہنے والے مدرسین وملازمین ان مکانات کو ادارے کی ہی ملک سمجھتے ہیں؛ لیکن موجودہ صورت یہ ہے کہ ان میں سے بعض کو اللہ نے کافی وسعت سے نواز دیا ہے، وہ لوگ اسی بستی میں جہاں ادارہ قائم ہے یا تو اپنے نجی مکانات کے مالک ہیں یا مکان بنانے کی مکمل وسعت رکھتے ہیں، جب کہ ادارے کو مکانات کی ضرورت ہے، ایسے حالات میں چند امور دریافت طلب ہیں:

(۱) ادارے کا مدرسین وملازمین کو رہائش کے لئے مکان دینا یہ معاملہ شرعی اعتبار سے کس دائرے میں آئے گا؟

(۲) کیا وسعت وفراخی آنے یا اپنے نجی مکان کا مالک ہونے کے بعد ایسے لوگوں کا ادارے کے مکان میں قیام پذیر رہنا جب کہ ادارے کو ضرورت بھی ہے، شرعی اعتبار سے درست ہے؟

(۳) کیا ادارہ مکان کے انخلاء کے لئے کوئی دباؤ یا اصرار کا طریقہ اپنا سکتا ہے؟

(۴) کبھی کبھی ان مکانات پر قبضہ کی صورت بن جانے سے ان کی حفاظت کا مسئلہ بھی اٹھتا ہے، اس سلسلہ میں کیا پیش رفت کی جاسکتی ہے؟ مفید مشورہ مطلوب ہے، شرعی نقطہ نظر سے جواب عنایت فرما کر ممنون ہوں۔

المستفتی: عبدالمقتدر، محلّہ خانقاہ دیوبند

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) کوئی بھی ادارہ اپنے ماتحت ملازمین کے لئے رہائشی مکان مہیا کرتا ہے، اس میں دو باتیں پیش نظر رہتی ہیں: اولاً اس میں ادارہ کا فائدہ پیش نظر رہتا ہے، ملازمین کی فیملی کی رہائش کا انتظام نہ ہونے کی صورت میں ان کو ادارے کا کام چھوڑ کر بار بار اپنی فیملی اور بچوں کے حقوق کی ادائے گی اور ان کی خبر گیری کے لئے جانا پڑتا ہے، اس میں ادارہ کا نقصان ہوتا ہے، اس سے بچنے کے لئے ادارہ رہائشی مکانات کا انتظام کرتا ہے۔ دوسری یہ کہ ادارے کے پیش نظر یہ بات بھی ہوتی ہے کہ اس سے ملازم کو سہولیات فراہم ہوتی ہیں، جس سے اپنے بال بچوں کے متعلق بے فکر ہو کر کام کرنے میں جماؤ پیدا ہو جائے اور ملازم دلجمعی کے ساتھ ادارے کے کام میں لگ جائے۔ اور جب ملازم کی یہ ضرورت اپنے ذاتی مکان کے ذریعہ پوری ہو جائے تو ملازم کے اوپر لازم ہے کہ ادارے کا مکان رضا کارانہ طور پر خالی کردے اور ذاتی مکان میں رہائش اختیار کر لے، تاکہ ادارے کے دوسرے ضرورت مند ملازمین خالی کردہ مکانات سے ادارے کے واسطے سے اپنی ضرورت پوری کرسکیں۔ اور سوال میں یہ بھی پوچھا گیا ہے کہ یہ معاملہ شرعی اعتبار سے کس دائرہ میں آئے گا؟ واضح ہو کہ یہ معاملہ کرایہ دار کے دائرہ میں تو آتا ہے، مگر مطلقاً نہیں؛ بلکہ ضرورت پوری ہونے کی حد تک آتا ہے۔

قال في الأشباه: فيفرق بين اشتراط تقديم العمارة كل سنة والسكوت عنه، فإنه مع السكوت تقدم العمارة عند الحاجة إليها، ولا يدخر لها عند عدم الحاجة إليها، ومع الاشتراط تقدم عند الحاجة ويدخر لها عند عدمها. (شامي، كتاب الوقف، مطلب في قطع الجهات لأجل العمارة، زكريا ٦/ ٥٦٦، كراچی ٤/ ٣٧١)

(۲) جب ملازم کواللہ تعالیٰ وسعت اور فراخی عطافرما دے اور اپنا نجی مکان بنالے تو ملازم پر ضروری ہے کہ ادارے کا مکان خالی کرکے اپنے نجی مکان میں منتقل ہوجائے اور ذاتی رہائشی انتظام کے باوجود ادارے کا مکان خالی نہ کرنا جب کہ ادارے کو اپنے دوسرے ضرورت مند ملازمین کے لئے مکان کی ضرورت ہے، تو یہ قابض ملازمین کی طرف سے ناجائز قبضہ ہے، اس کو خالی کرانے میں ادارے کو اپنی طاقت کے استعمال کرنے کا حق ہے اور قابض ملازمین کے سخت گنہگار اور عند اللہ سخت پکڑ میں آنے کا خطرہ ہے۔

إذا مضت مدة الإجارة قلع البناء والغرس، وسلم الأرض إلى المؤجر فارغة؛ لأنه يجب عليه تسليمها إلى صاحبها غير مشغولة ببنائه وغرسه، وذلک بقلعهما في الحال؛ لأنهما ليس لهما حالة منتظرة ينتهيان إليها.

(تبيين الحقائق زكريا ٦/ ٩٦، مكتبه إمداديه ملتان ٥/ ١١٤)

وتصح إجارة أرض للبناء والغرس …… مضت المدة قلعهما وسلمها فارغة لعدم نهايتهما إلا أن يغرم له الموجر قيمته، أي البناء والغرس مقلوعا. (درمختار مع رد المحتار زكريا ٩/ ٤١، كراچی ٦/ ٨٣، هندية، زكريا قديم ٤/ ٤٢٩، جديد ٤/ ٤٦٢)

عن سعيد بن زيد بن عمرو بن نفيل أن رسول الله ﷺ قال: من اقتطع شبرا من الأرض ظلما طوقه الله إياه يوم القيامة من سبع أرضين.

(مسلم شريف، كتاب المساقاة، باب تحريم الظلم وغصب الأرض، النسخة الهندية ٢/ ٣٢، بيت الأفكار رقم: ١٦١٠، بخاري شريف ١/ ٤٥٣، رقم: ٣٠٩١، ف: ٣١٩٥)

(۳) مدارسِ اسلامیہ کے قوانین وضوابط اس حدیث شریف کی روشنی میں بنائے جاتے ہیں۔حدیث شریف ملاحظہ فرمایئے:

عن كثير بن عبدالله بن عمرو بن عوف المزني، عن أبيه، عن جده أن رسول الله ﷺ قال: الصلح جائز بين المسلمين، إلا صلحا حرم حلالا، أو أحل حراما، والمسلمون على شروطهم، إلا شرطا حرم حلالا، أو أحل حراما. (جامع الترمذي، الأحكام، باب ما ذكر عن رسول الله ﷺ في الصلح بين الناس، النسخة الهندية ۱/ ۲۵۱، دارالسلام، رقم: ۱۳۵۲، طبراني ۱۷/ ۲۲، رقم: ۳۰، سنن الدارقطني، كتاب البيوع، دارالكتب العلمية بيروت ۳/ ۲۳، رقم: ۲۸٦۹)

اس حدیث پاک کے پیش نظر ضرورت مند ملازمین کو جو رہائشی مکانات منجانب ادارہ دئے جاتے ہیں وہ وقتی ضرورت پوری کرنے کے لئے دئے جاتے ہیں، جب ان کی ضرورت ذاتی رہائشی مکانات یا کسی اور طریقہ سے پوری ہوجائے تو ان پر لازم اور ضروری ہے کہ ادارے کے مکانات کو رضا کارانہ طور پر خالی کر کے ادارے کے حوالہ کردیں اور از خود خالی نہ کرنے کی صورت میں ادارے کو دباؤ ڈالنے اور خالی کرانے پر اصرار کا حق ہے، پھر بھی خالی نہ کریں تو ادارے کو جہاں تک ہوسکے اپنی طاقت استعمال کرنے کا حق ہے، اگر کوئی ملازم ایسا مضبوط ہے کہ اس پر دباؤ ڈالنے کی صورت میں ادارے کو طرح طرح کے خطرات کا اندیشہ ہے، تو ایسی صورت میں وہ ملازم شرعاً غاصب اور ظالم شمار ہوگا اور عنداللہ سخت پکڑ میں آنے کا خطرہ ہے۔

عن كثير بن عبدالله بن عمرو بن عوف المزني، عن أبيه، عن جده أن رسول الله ﷺ قال: الصلح جائز بين المسلمين، إلا صلحا حرم حلالا، أو أحل حراما، والمسلمون على شروطهم، إلا شرطا حرم حلالا، أو أحل حراما. (جامع الترمذي، النسخة الهندية ۱/ ۲۵۱، دارالسلام، رقم: ۱۳۵۲)

إذا مضت مدة الإجارة قلع البناء والغرس، وسلم الأرض إلى المؤجر

فارغة؛ لأنه يجب عليه تسليمها إلى صاحبها غير مشغولة ببنائه وغرسه، وذلک بقلعهما في الحال؛ لأنهما ليس لهما حالة منتظرة ينتهيان إليها.
(تبيين الحقائق، إمداديه ملتان ٥/ ١١٤، زكريا ٦/ ٩٦)

وتصح إجارة أرض للبناء والغرس ...... مضت المدة قلعهما وسلمها فارغة لعدم نهايتهما (وتحته في الشامية:) أي البناء والغرس إذ ليس لهما مدة معلومة. (الدرالمختار مع الشامي، كراچی ٦/ ٨٣، زكريا ٩/ ٤١)

(۴) جب ادارہ کو ملازمین کی طرف سے ان مکانات پر قبضہ کر لینے کا خطرہ ہوتو مکانات ملازمین کو ہندوستانی قانون کے مطابق ۱۱؍مہینے کے اگریمنٹ کے ساتھ دینے چاہئیں اور ہر گیارہ مہینے پر نئے اگریمنٹ پر دستخط کرائے جائیں، جب یہ سلسلہ رہے گا تو آگے چل کر ملازمین کی نیت میں فتور نہیں آئے گا اور ادارہ جب چاہے خالی کرا سکتا ہے، اسی وجہ سے بہت سے فقہاء نے اوقاف کی جائیداد کو صرف ایک سال کے لئے کرایہ پر دینے کا مشورہ دیا ہے۔ اور بعض نے تین سال کی بھی اجازت دی ہے۔ اور مقصد یہی ہے کہ ادارہ کے حق میں جائیداد خطرہ میں نہ پڑ جائے۔

ومنها: بيان المدة في الدور والمنازل والحوانيت. (هندية، زكريا قديم ٤/ ٤١١، جديد ٤/ ٤٤٠)

وشرطها كون الأجرة والمنفعة معلومتين؛ لأن جهالتهما تفضي إلى المنازعة، ويعلم النفع ببيان المدة كالسكنى والزراعة. (الدرالمختار مع الشامي، زكريا ٩/ ٧-٨، كراچی ٦/ ٦٥)

وكان القاضي الإمام أبو علي النسفي رحمه الله يفتي بأن المتولي لا ينبغي أن يؤاجر أكثر من ثلاث سنين. (هندية، زكريا ٢/ ٤١٩، تاتارخانية ٨/ ٦٩، رقم: المسألة: ١١٢٣٣، تبيين الحقائق، زكريا ٧٩، ١٨٠، إمداديه ملتان ٥/ ١٠٦)

فإن كان الواقف شرط أن لا يؤاجر أكثر من سنة، فليس للقيم أن

يخالف شرطه ويؤاجرها أكثر من سنة. (تاتارخانية، زكريا ٨/ ٦٨، رقم: ١١٢٣٢)

روي عن الفقيه أبي جعفر رحمه الله أنه كان يقول في الوقف لا يؤاجر أكثر من سنة. (تاتارخانية ٨/ ٦٨، رقم: ١١٢٣٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/محرم الحرام ۱۴۳۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/۱۱۸۲۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۲/۱/۱۴۳۶ھ

غیر صاحب نصاب مدرس کے لئے مدرسہ کا کھانا کھانا

سوال [۸۴۶۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر کوئی مدرس صاحب نصاب نہ ہو، تو مدرسہ میں طلباء کے لئے پکا ہوا کھانا بغیر قیمت یا فیس ادا کئے ہوئے کھا سکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: زاہد الاسلام، مدرسہ رحمانیہ محمد نگر سہاگ پور، شہڈولی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مدرس خواہ صاحب نصاب ہو یا غیر صاحب نصاب، اگر بوقت ملازمت کھانا مدرسہ سے طے ہوا ہے جو کہ جزو تنخواہ ہے یا فیس ادا کر کے کھانا لیتا ہے بہر صورت مدرس کو مطبخ سے کھانا لینا درست ہے؛ لیکن اگر مدرس کی خورا کی منجانب مدرسہ جمع نہ ہوئی ہو یا فیس ادا کئے بغیر کھانا لے اور مطبخ میں زکوۃ کی رقم بلا تملیک صرف کی جاتی ہو تو ایسی صورت میں مدرس کو کھانا لینا درست نہ ہوگا۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۱۵/ ۲۸۵، جدید ڈابھیل ۱۵/۴۸۰، ۵۵۱)

اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَاكِيْنِ. الآية [التوبة: ٦٠]

مصرف الزكوة والعشر هو فقير. (شامي، كتاب الزكوة، باب المصرف، كراچی ٢/ ٣٣٩، زكريا ٣/ ٢٨٣)

(۲) معطی کی طرف سے زکوۃ کی رقم دو قسموں پر ہوتی ہے: (۱) مدِ زکوۃ کے نام سے علی الاطلاق زکوۃ کی رقم دی جاتی ہے، اس میں یہ تخصیص نہیں ہے کہ یہ پیسہ مستحقین پر کس طریقہ سے خرچ کیا جائے، ایسی صورت میں معطی کی طرف سے مدرسہ کے ذمہ دار یا سفراء کے ہاتھ میں پیسہ آتے ہی معطی کی زکوۃ ادا ہو جاتی ہے؛ اس لئے کہ سفراء اور مدرسہ کے ذمہ دار طلباء کے وکیل ہیں اور زکوۃ کے ایسے پیسے کو طباخ کی اجرت، آٹا پیسائی کی اجرت اور لکڑی کی خریداری وغیرہ میں صرف کرنا درست نہیں، ہاں البتہ ایسی چیز کی خریداری اس پیسے سے جائز ہے جس کی بقاء طلباء کے ہاتھوں میں کھانا پہنچنے تک رہتی ہے، جیسا کہ گوشت، دال، مسالا، آٹا وغیرہ۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۱۱/ ۱۱۵، جدید ڈابھیل ۹/ ۶۰۳)

هي تمليك خرج الإباحة جزء مال خرج المنفعة فلو أسكن فقيرا داره سنة ناويا لا يجزيه المال كما صرح به أهل الأصول ما يتمول ويدخر للحاجة، وهو خاص بالأعيان، فخرج به تمليك المنافع. (درمختار مع الشامي، كتاب الزكوة، كراچی ۲/ ۲۵۶، ۲۵۷، زكريا ۳/ ۱۷۱-۱۷۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰/ ۵/ ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۷۲۵۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱/ ۶/ ۱۴۲۲ھ

مدرسین کے لئے ایصال ثواب کا کھانا کھانا

سوال [۸۴۶۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مدرسہ میں مطبخ کا کھانا تیار ہوتا ہے، اس میں مدرسین وملازمین اور طلباء کا کھانا ایک ساتھ تیار کیا جاتا ہے، کبھی کبھی صدقہ کا مال یا ایصال ثواب کا کھانا بریانی وغیرہ آجاتی ہے، اب مدرسین جو مدرسہ کے مطبخ سے کھانا کھاتے ہیں، وہ بھی اس میں کھا سکتے ہیں یا نہیں؟ کیوں کہ جب کھانا آگیا تو مطبخ میں کھانا بنتا نہیں ہے، نیز مدرسہ کے ناظم صاحب کا کہنا ہے

کہ اگر علیحدہ کھانا بنے گا تو مدرسہ کا نقصان ہوتا ہے اور اس کھانے کا جو بستی سے آتا ہے، ہم کیا کریں گے اور وہ دلیل یہ دیتے ہیں کہ یہ صدقہ نافلہ ہے؛ کیوں کہ نیت ثواب کی ہوتی ہے اور طباخ بھی جلد کھانا بنانے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔

المستفتی: رحمت اللہ قاسمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ایصال ثواب کا کھانا صدقہ ہے۔ اور صدقہ فقہاء کا حق ہے، اغنیاء کو صدقہ دینے سے صدقہ کا ثواب نہیں ملتا؛ لہٰذا اگر اساتذہ سرمایہ دار ہیں، تو ان کے لئے ایصال ثواب کا کھانا درست نہیں ہے؛ البتہ اگر صدقہ نافلہ کریں تو اس کا کھانا اساتذہ کے لئے درست ہوگا، خواہ صاحب نصاب ہوں یا نہ ہوں۔ سوال نامہ میں جس پریشانی کا ذکر ہے کہ الگ سے کھانا تیار کرنے میں مدرسے کا نقصان ہوگا، نیز طباخ بھی تیار نہیں ہوتے، تو اس صورت میں جواز کی صورت یہ ہے کہ مستحق طلبہ کھانا لے آئیں وہ اپنا کھانا اساتذہ کو اپنی خوشی سے کھلا دیں، تو اس کی گنجائش ہے، جیسا کہ حدیث بریرہ سے واضح ہوتا ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۴/ ۱۰۸، جدید زکریا مطول ۵/ ۱۷۵)

عن عائشة -رضي الله عنها- أنها أرادت أن تشتري بريرة للعتق ...... وأوتي النبي صلى الله عليه وسلم بلحم، فقلت: هذا ما تصدق به على بريرة، فقال: هو لها صدقة ولنا هدية. (صحيح البخاري، باب الصدقة على موالي أزواج النبي صلى الله عليه وسلم، النسخة الهندية ١/ ٢٠٢، رقم: ١٤٧١، ف: ١٤٩٣)

وأما بقية الصدقات المفروضة والواجبة (وقوله) فلا يجوز صرفها للغني (إلى قوله) خرج النفل عنها؛ لأن الصدقة على الغني هبة. (البحرالرائق، كتاب الزكوة، باب المصرف، دارالفكر بيروت ٢/ ٢٤٥، زكريا ٢/ ٤٢٧، كوئٹه ٢/ ٢٤٥)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍ صفر ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۷۱۹)

مدرسے کے ملازم کے علاج کی ذمہ داری کس پر ہے؟

سوال [۸۴۶۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کسی مدرسہ کا ملازم ہے جو درس وتدریس کا کام انجام دیتا ہے اور وہ باقاعدہ مدرسہ سے اپنی متعین تنخواہ لیتا ہے، اتفاقا وہ کسی سے ملاقات کرنے کے لئے کہیں چلا گیا، مدرسہ کے کام سے نہیں گیا، واپسی میں وہ شدید بیمار پڑ گیا یا اس کا ایکسیڈنٹ ہوگیا، تو کیا اس کے علاج ومعالجہ کی پوری ذمہ داری مدرسہ کے اوپر ہوگی یا کس کے اوپر ہوگی؟ جب کہ زید کے وارث مثلاً اس کا بھائی یا اس کا لڑکا اس کے پاس موجود ہے اور اس کے علاج کی کیا شکل ہوگی؟

المستفتی: ڈاکٹر عبدالکافی مہتمم جامعہ اخلاق العلوم چکر کی ملک، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مدرسہ کی رقم سے علاج کرنے کا حق نہیں ہے، ہاں البتہ علی الحساب لے کر بعد میں تنخواہ میں مجرا کرتے رہیں تو کوئی مضائقہ نہیں۔ اور تنخواہ اور منجانب مدرسہ مقرر کردہ دیگر وظائف کے علاوہ لینے کا حق نہیں ہے۔

لا يجوز لأحد أن يتصرف في ملك الغير بغير إذنه. الخ (قواعد الفقه، أشرفي ديوبند، ص: ١١٠)

لا يجوز التصرف في مال غيره بغير إذنه، ولا ولايته عليه. (الأشباه، كتاب الغصب، كراچى ٢/ ٩٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ ربیع الثانی ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/ ۳۴۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۸/۴/۱۴۱۴ھ

الفصل الرابع:

مدارس میں سرکاری اور غیر مسلم کا مال صرف کرنے کا حکم

مدرسہ کو ایڈ کرانا

سوال [۸۴۶۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) بعد آداب وتسلیمات کے خدمت اقدس میں عرض یہ ہے کہ مدرسہ جامعہ عربیہ اصلاح العلوم عرصہ سے دینی خدمات انجام دے رہا ہے، جس میں چار مدرس اور دو ٹیچر ایک عالم دو قاری اور ایک حافظ دینی خدمات انجام دے رہے ہیں، تعلیمی نصاب حافظہ، ناظرہ درجات پرائمری اول تا درجہ پنجم ہے۔

(۲) ہمارے گاؤں میں دوسرا مدرسہ ہدایت العلوم ملحق حضرت ناظم صاحب مدظلہ مجلس دعوۃ الحق ہردوئی بھی چل رہا ہے، وہ مدرسہ امسال رکنائز ہوگیا ہے، نیز امداد برائے وظائف طلبہ بھی ملتی ہے، اس وجہ سے اکثر طلباء مدرسہ ہدایت العلوم میں داخل ہورہے ہیں اور ہمارے مدرسہ اصلاح العلوم میں ابتدائی بچوں کی آمد پر کافی اثر پڑا، وظیفہ کی وجہ سے اکثر لوگ اپنے طلباء کو مدرسہ ہدایت العلوم میں داخل کررہے ہیں، موجودہ حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے اہم اراکین مدرسہ اصلاح العلوم کو گورنمنٹ سے رکنائز کرانا چاہتے ہیں، شرعاً کیسا ہے؟

(۳) نیز گورنمنٹ سے امداد برائے وظائف طلبہ ملتی ہے، اس کا لینا شرعاً کیسا ہے؟

المستفتی: اراکین مدرسہ اصلاح العلوم بڑاانو اردہ غوث گنج، ہردوئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دینی مدارس اللہ تعالیٰ پر توکل اور عامۃ المسلمین کے تعاون سے چلتے ہیں، جن مدارس نے حکومت سے ایڈ اور وظائف لینا شروع کیا ہے وہ کبھی بھی آزاد مدارس سے آگے بڑھ کر ترقی نہیں کرپائے؛ اس لئے دینی مدارس کا حکومت سے ملحق

ہوکر وظائف حاصل کرنا روحانی ترقیات پر روک لگانا ہے؛ اس لئے حکومت سے ملحق کرنا مناسب نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَعَسَى اَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَكُمْ وَعَسَى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَكُمْ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ. [البقرة: ٢١٦] فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍ ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۲۴۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴/۴/۱۴۱۸ھ

کیا ایڈ کے مدارس میں سرکاری قوانین کی پابندی لازم ہے

سوال [۸۴۶۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید ایک سرکاری مدرسہ کا مدرس ہے اور اس کی تنخواہ تقریباً ۲۰؍ ہزار روپیہ مہینہ ہے اور اب جبراً زید سے اور اس کے تمام ساتھیوں سے ہر مہینہ تنخواہ کا دس فیصد منیجر مدرسہ لیتا ہے، جو سالانہ تقریباً ۲۴؍ ہزار روپیہ ہوتا ہے، جو ہم لوگ ظلم وجبر کی وجہ سے دیتے ہیں اور اس کے باوجود تعلیم کے بارے میں بھی کڑی محنت کرنی پڑتی ہے۔ اور اگر کوئی مدرس ۵؍ منٹ بھی دیر سے پہنچتا ہے، تو اسے غیر حاضر کر دیا جاتا ہے، ایسی صورت میں اگر کوئی شخص سفر حج کے لئے جائے تو مدرسہ اس کی تنخواہ نکال کر آدھی تنخواہ دے دیتا ہے اور آدھی مدرسہ کے نام پر لے لیتا ہے، یا پوری تنخواہ دے دیتا ہے یا اگر کوئی جماعت میں جانا چاہتا ہے تو مدرسہ والے اس کو بھیج دیتے ہیں اور اس کی تنخواہ اس کو دی جاتی ہے، کبھی پوری کبھی آدھی، تو کیا ان تمام حالتوں میں جبراً دی گئی رقم کو ہم ان کاموں کے لئے جوڑ سکتے ہیں یا ہمارا تنخواہ لے کر حج وجماعت کے لئے جانا درست ہوگا؟ جب کہ تنخواہ کٹوا دینے میں بڑی دقتیں قانونی اعتبار سے پیش آتی ہیں، قرآن وحدیث کی روشنی میں مفصل وضاحت فرمائیں۔

المستفتی: محمد عرفان پنتے پور، ضلع سیتاپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: سرکاری مدرسہ میں منجانب حکومت طے کئے گئے ضوابط کی پابندی منیجر اور اساتذہ سب پر لازم ہے؛ لہٰذا منیجر کا جبراً اساتذہ کی تنخواہ سے ۱۰؍ فیصد حصہ کاٹ لینا شرعی نقطہ نظر سے جائز نہیں ہے، اسی طرح اساتذہ بھی شرعاً اتنے ہی دن کی تنخواہ لینے کے مجاز ہیں جتنے دن انہوں نے مدرسہ میں حاضر ہوکر باقاعدہ پڑھایا ہو، غیر حاضری کے ایام کی تنخواہ لینا جائز نہیں ہے، اسی طرح غیر حاضر رہنے کی صورت میں منیجر کے ذریعہ لی گئی رقم کو اس کا عوض مان کر اس دن کی حاضری لگانا بھی شرعاً جائز نہیں ہے۔

وقال النبي صلى الله عليه وسلم: المسلمون عند شروطهم. (صحيح البخاري، تحت ترجمة الباب، باب أجر السمسرة، النسخة الهندية ١/ ٣٠٣)

وأما شرائط الصحة، فمنها: رضا المتعاقدين. (هندية، كتاب الإجارة، الباب الأول، زكريا جديد ٤/ ٤٤٠، قديم ٤/ ٤١١)

والأجرة إنما تكون في مقابلة العمل. (شامي، كتاب النكاح، باب المهر، مطلب أنفق على معتدة الغير، زكريا ٤/ ٣٠٧، كراچی ٣/ ١٥٦)

ليس لأحد أن يأخذ مال غيره بلا سبب شرعي. (شرح المجلة رستم، مكتبه اتحاد ١/ ٦٢، رقم المادة: ٩٧، قواعد الفقه، ص: ١١٠، رقم: ٢٦٩، الموسوعة الفقهية الكويتية ٢١/ ١١٢)

عن أبي حميد الساعدي أن رسول الله ﷺ قال: لا يحل لمسلم أن يأخذ مال أخيه بغير حق. (مجمع الزوائد، باب الغصب وحرمة مال المسلم، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ١٧١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍ ربیع الاول ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۳۳۹)

سرکار کی طرف سے آئے ہوئے رسد کو مدرسہ یا مسجد میں لگانے کا حکم

سوال [۸۴۶۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: سرکار کی طرف سے اسکول میں جو چاول اور گیہوں آتا ہے بچوں کے لئے اگر گاؤں کے سبھی لوگ مل کر اسی چاول کو مدرسہ یا مسجد میں لگانا چاہیں تو کیا یہ جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: شمس الحق، جھارکھنڈ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جن طلبہ کے لئے رسد آتا ہے، ان ہی کو دینا لازم ہے، مدرسہ یا مسجد والوں کو دینا جائز نہیں۔

إنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة. (شامي، الوقف، مطلب مراعاة غرض الواقفين واجبة، زكريا ٦/ ٦٦٥، كراچی ٤/ ٤٤٥)

ومن اختلاف الجهة، ما إذا كان الوقف منزلين أحدهما للسكنى والآخر للاستغلال، فلا يصرف أحدهما للآخر، وهي واقعة الفتوى. (شامي، الوقف، مطلب في نقل أنقاض المسجد ونحوه، زكريا ٦/ ٥٥١، كراچی ٤/ ٣٦١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶؍رجب المرجب ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۷۳۰۴)

اسکولوں میں آمدہ سرکاری امداد کی بچی ہوئی رقم کا مصرف

سوال [۸۴۶۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آج کل حکومت اسکولوں وغیرہ میں اس کی ضروریات کے لئے اسی طرح طلبہ

کی ضروریات کے لئے کافی بڑی مقدار میں رقم دیتی ہے، پھراس رقم کے ذریعہ اسکولوں اور طلبہ دونوں کی ضروریات بحسن خوبی ادا ہونے کے بعد کافی رقم بچ جاتی ہے، تو اب سوال یہ ہے کہ اس بچی ہوئی رقم کو واپس کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ اگر نہیں، تو اس رقم کا مالک کون ہوگا؟ نیز واپسی کی صورت میں وہ رقم حکومت تک نہیں پہنچ پاتی ہے؛ بلکہ اس رقم کو پانے والے اس کا غلط استعمال کرتے ہیں، تو اب ایسی صورت میں رقم کا کیا کرنا چاہئے؟

المستفتی: عبدالعظیم، جگر کالونی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اسکول اور اسکولی طلبہ کی ضروریات پوری ہونے کے بعد بچی ہوئی فاضل رقم سرکار کو واپس کرنا ضروری ہے، اگر سرکار کو واپس کرنے میں سرکار کے خزانہ تک وہ رقم نہیں پہنچتی ہے، تو ایسی صورت میں اسکولی طلبہ پر اس فاضل رقم کو بطور وظیفہ اور کھانے وغیرہ کی شکل میں خرچ کر دینا ضروری ہے۔ اور اسکول کے ذمہ داروں کے لئے اپنی ذاتی استعمال میں لانا جائز نہ ہوگا؛ اس لئے کہ یہ ایک امانت ہے اور امانت کو اس جگہ پہنچانا لازم ہے جہاں کے لئے یہ امانت دی گئی ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ یَأْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوْا الْاَمَانَاتِ اِلٰی اَھْلِھَا. [النساء: ۵۸]

لیس أداء الأمانة منحصرا في مال الوديعة ونحو ذلک بل كل حق لأحد على أحد أمانة يجب أدائه لأهله كما يدل عليه سبب نزول هذه الآية.

(تفسیر مظهري، زكريا قديم ۲/ ۱٤۸، جديد ۲/ ۳٦٤، تحت تفسير رقم الآية: ۵۸، من سورة النساء)

ولو فضل من الخشب ونحوه شيء فهو على وجهين: إن كان يقدر على أربابها يشاورهم القيم في ذلک، وإن كان لا يقدر على أربابها فللقيم أن يفعل به ما يرى، وفي جامع الجوامع: وما فضل من الخشب ونحوه جاز صرفه في قنطرة أخرى بجنبها بمشورة أربابها: أوقاف على قنطرة فيبس الوادي وصار الماء إلى شعبة أخرى من الأرض من تلک المحلة، واحتيج

إلى عمارة القنطرة للوادي الجديد، فهل يجوز صرف القنطرة الأولى إلى الثانية؟ إن كانت القنطرة الثانية للعامة، وليس هناك قنطرة أخرى للعامة أقرب إلى القنطرة الأولىٰ جاز. (الفتاوى التاتارخانية، زكريا ۸/ ۱۹۶، رقم: ۱۱۶۲۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸ ربیع الاول ۱۴۳۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/۱۱۹۶۰)

اسکول کی تعمیر یا طلبہ کی خوراک سے بچی ہوئی رقم کو ہیڈ ماسٹر کا استعمال کرنا

سوال [۸۴۶۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) حکومت ہند کی طرف سے اسکول کے طلبہ کو متعینہ خوراک ملتی ہے کہ ہیڈ ماسٹر فی طالب علم اتنا کھانا یا اس کی رقم طالب علم کے حوالہ کرے گا۔ اور ان کا یہ بھی قانون ہے کہ کھانا صرف اس طالب علم کو دیں جو اسکول میں حاضر ہو ورنہ نہیں اور ظاہر ہے کہ جتنے طلبہ کا نام رجسٹر میں ہے سب نہیں آتے ہیں، جس کی وجہ سے ہر ماہ کافی مقدار میں خوراک بچ جاتی ہے، تو اب اس خوراک اور اس کی رقم کو کیا کریں؟ حکومت ہم سے اس کا مطالبہ بھی نہیں کرتی ہے، تو کیا ہیڈ ماسٹر اس میں تصرف کر سکتا ہے؟ اور اگر ان میں سے کچھ رقم دوسرے اساتذہ کو دیں تو کیا اس کے لئے یہ حلال ہے؟

(۲) اسی طرح حکومت اسکول کی عمارت بنانے کے لئے روپئے دیتی ہے، عمارت بنانے کے بعد کچھ رقم بچ جاتی ہے، تو کیا اس رقم میں بھی ہیڈ ماسٹر تصرف کر سکتا ہے؟ اور اگر دوسرے کو دے تو کیا یہ اس کے لئے حلال ہے؟ اگر اس طرح کے روپئے حرام ہیں، تو کیا سود کی ادائے گی میں یہ رقم دے سکتے ہیں؟

المستفتی: محمد فیاض عالم، ممبئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱)صورت مسئولہ میں طلبہ کی خوراکی کے بعد جو روپیہ بچ جاتا ہے، ہیڈ ماسٹر کے لئے اس کو اپنے استعمال میں لانا اور اپنے اوپر خرچ کرنا شرعاً جائز نہیں ہے؛ بلکہ ان بچے ہوئے پیسوں کو سرکار کو واپس کرنا یا پھر طلبہ ہی پر دوبارہ خرچ کرنا واجب ہے؛ اس لئے کہ ہیڈ ماسٹر سرکار کی طرف سے ان روپیوں کو خرچ کرنے کا وکیل ہے؛ لہٰذا حسب ہدایت خرچ کرنے کے بعد جو بچ جائے گا وہ اس کے قبضہ میں سرکاری امانت ہوگا، جس میں تصرف کرنے کی اسے اجازت نہیں؛ ہاں البتہ طلبہ کی خوراکی سے بچا ہوا پیسہ طلبہ ہی پر خرچ کرنے کی گنجائش ہے۔

قال في الشامية: وهنا الوكيل إنما يستفيد التصرف من الموكل، وقد أمره بالدفع إلى فلان، فلا يملك الدفع إلى غيره. (شامي، كتاب الزكوة، زكريا ۳/ ۱۸۹، کراچی ۲/ ۲٦۹)

والمال الذي قبضه الوكيل بقبض العين بحسب وكالته هو في حكم الوديعة بيد الوكيل. (شرح المجلة سليم رستم، اتحاد ۲/ ۷۸٤، رقم المادة: ۱٤٦۳، مستفاد: فتاوى محموديه جديد ۱۵/ ۵۷۵، امداد الفتاوى ٤/ ۱۳۹)

(۲) منجانب سرکار اسکول کی عمارت کی تعمیر کے لئے جو پیسہ آتا ہے، تعمیر کی تکمیل کے بعد اس میں سے بچا ہوا پیسہ حکومت کو واپس کردینا واجب ہے، ہیڈ ماسٹر یا کسی اور کے لئے اس میں تصرف کرنا یا اسے خرچ کرنا جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ جدید ۱۵/ ۵۷۵، امداد الفتاوی ۴/ ۱۴۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۲۹/۲/۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۴۴۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۲/۶ھ

امام باڑہ کے اوپر مدرسہ بنانے کا حکم

سوال [۸۴۷۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: شہراجل پور میں مسلمانوں کاامام باڑہ ہے، جو پورے سال دوسروں کے پاس کرایہ پر رہتا ہے؛ لیکن محرم الحرام کی یکم تاریخ سے ۱۰؍تاریخ تک کرایہ داروں سے خالی کرالیا جاتا ہے،علم اورسواری رکھنے کے لئے ،باقاعدہ اس کی رجسٹرڈ کمیٹی ہے، یہ کمیٹی چاہتی ہے کہ دھیرے دھیرے یہ ساری خرافات ختم ہوں تو کمیٹی نے یہ فیصلہ کیا کہ اس عمارت کے اوپر ایک مدرسہ تعمیر کیا جائے اوراس میں بچوں کی دینی تعلیم کے لئے مدرس رکھے جائیں،تا کہ یہ خرافات بند ہوسکیں،آیا اس امام باڑہ کی جوسال بھر کرایہ کی آمدنی ہےاس میں سے مدرس کی تنخواہ دینا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: نسیم احمد قاسمی،مہاراشٹر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تعزیہ نکالنا امر معصیت ہےاوراس کے لئے امام باڑہ بنانا اوراسی کے نام سے وقف کرنا شرعی طور پرناجائزاور باطل ہے؛ لہٰذا مذکورہ عمارتیں اور دوکانیں صرف کمیٹی والوں کےتحت جائیداد ہیں؛ لہٰذا کمیٹی والوں کے مشورہ سے ان عمارتوں اوردوکانوں کو مدرسہ کےتحت لانا اوراس کے اوپر باقاعدہ دینی مدرسہ بنانا جائز اوردرست ہوگا، ایک چیز جوناجائز کام میں چل رہی تھی وہ ایک دینی کام میں شامل ہوجائے گی۔اور جو لوگ مدرسہ بنانے میں شامل ہوں گے وہ سب بہت بڑے اجروثواب کے مستحق ہوں گے۔ اوردوکانوں کی آمدنی سے مدرسین کوتنخواہ دینا بھی جائز ہوگا۔

من شرائط الوقف: أن يكون قربة في ذاته، وعند التصرف، فلا يصح وقف المسلم على البيعة، والكنيسة، أو على فقراء أهل الحرب. الخ

(هندية، كتاب الوقف، الباب الأول، زكريا قديم ۲/ ۳۵۳، جديد ۲/ ۳٤۷، النهر الفائق، دارالكتب العلمية بيروت ۳/ ۳۱۳)

ولا يصح وقف مسلم، أو ذمي على بيعة أما في المسلم فلعدم كونه قربة في ذاته، وأما في الذمي فلعدم كونه قربة عندنا وعنده. (الدر مع الرد،

الوقف، مطلب في وقف المرتد والكافر، زكريا ٦/ ٥٢٦، كراچی ٤/ ٣٤٢، الفقه الإسلامي وأدلته، دارالفكر ١٠/ ٧٦٤٠، هدى انٹر نيشنل ديو بند ٨/ ١٨٧-١٨٨)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ربیع الثانی ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر:۳۲/۱۷۷۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۶/۴/۱۴۱۷ھ

غیر کی زمین میں اس کی اجازت کے بغیر مدرسہ بنانے کا حکم

سوال [۸۴۷۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اب سے دس بارہ سال پہلے تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد میں نے ایک زمین میں مدرسہ قائم کیا، جب کہ دوسرے مدارس کے ذریعہ تعلیم کا معقول انتظام تھا، اور اب بھی ہے، یہ زمین بہت سارے لوگوں کی ہے، ان میں سے چند حضرات نے مدرسہ بنانے کی اجازت دے دی تھی؛ لیکن باقی حق دار اب تک اجازت نہ دے کر میری اس کارکردگی سے ناراض ہیں؛ لیکن کچھ رعب دار لوگ میرے ساتھ ہیں، اس وجہ سے وہ بیچارے مجھ سے اپنے حق کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتے اور مدرسہ کی تعمیر وتعلیم جاری ہے، اس صورت میں میرے لئے اس زمین میں تعمیر وتعلیم کا کیا حکم ہے؟ قرآن وسنت کی روشنی میں واضح فرمائیں، جس سے ہماری آخرت برباد نہ ہو، میں اس ادارے اور پراپرٹی کا خود ہی مالک ہوں۔

المستفتی: ابن خان ککرالہ، بدایوں

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب مدرسہ قائم ہو چکا اور اس زمین پر مدرسہ کے نام سے تعمیر ہو چکی، اب اس کو مدرسہ ہی باقی رکھنا لازم ہے، اطراف میں دوسرے مدارس کیوں نہ ہوں اور دوسروں کی زمین جو مدرسہ کی عمارت میں آچکی ہے، منجانب مدرسہ اس کی قیمت ادا

کردی جائے، اب مدرسہ بن جانے کے بعد یہ مسلمانوں کا قومی ادارہ بن چکا ہے، شرعاً آپ اس کے مالک نہیں ہیں، آپ کا مالکانہ تصرف کرنا جائز نہیں ہے، اگر آپ سے انتظام نہیں چل سکتا ہے، تو کسی تجربہ کار عالم دین کو منصب نظامت پر بٹھا دیجئے، اگر یہ بھی نہ ہوسکے تو اطراف میں جو مدارس چل رہے ہیں، اس مدرسہ کو ان میں سے کسی اچھے مدرسہ کی شاخ بنا دیجئے اور اسی مدرسہ کے منتظمین کے اختیار میں دے دیجئے۔ اور آپ اس میں دخل اندازی نہ کریں، تاکہ مدرسہ صحیح طریقے سے چل سکے۔

فإذا تم ولزم لا يملک ولا يعار ولا يرهن. قال في الشامية: لا يملک: أي لا يكون مملوكا لصاحبه، ولا يملک: أي لا يقبل التمليک لغيره بالبيع ونحوه لاستحالة تمليک الخارج عن ملكه ولا يعار. (ردالمحتار شامي، الوقف، مطب مهم فرق أبو يوسف بين قوله موقوفة، زكريا ٦/ ٥٣٩، كراچی ٤/ ٣٥١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳ر محرم الحرام ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۴۰۹)

مالک کی اجازت کے بغیر اس کی زمین پر مدرسہ بنانا

سوال [۸۴۷۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) کیا کسی کی زمین پر زمین کے مالک کی اجازت کے بغیر مدرسہ قائم کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو بلا اجازت کسی کی زمین پر مدرسہ قائم کر کے اس کو چلانے والے کے بارے میں حکم شرعی کیا ہے؟

(۲) ہم دو بھائی مسمیٰ راجا، وراہو، ابنا حاجی محمد عاقل (عقلو) کی تقریباً ۵۲ر بیگہ رقبہ کی زمین ہے، جس زمین کی ملکیت کا ثبوت شرعی وسماجی ہمارے پاس موجود ہے، ہماری اس ۵۲ر بیگہ والی رقبہ کی زمین میں سے تقریباً ۱۲ر بیگہ زمین پر ایک مدرسہ کے ناظم نے زبردستی قبضہ کرلیا

ہے، جس زمین پر مدرسہ کی ایک عمارت بھی بنوالی ہے اور مابقیہ زمین کو کھیتی کے طور پر استعمال کرر ہا ہے، کئی بار پٹواریوں کو بلوا کر ہم نے ناپ کروائی؛ لیکن مدرسہ کا ناظم اوراس کے کچھ دبنگ ساتھیوں نے پٹواریوں کو گالی گلوج دے کر بھگا دیا، آخر کار ۲۳/۳/۲۰۱۱ء کو صحیح طور پر زمین کی پیمائش کی گئی، تو پیمائش کرنے والے پٹواری نے ہماری زمین کی حد بندی کی اور حد بندی میں مدرسہ کی پوری بلڈنگ سوائے برآمدہ کے ہماری زمین ثابت ہوئی اوراس سے پہلے بھی کئی باراس بات کی وضاحت کی گئی اور گاؤں کے لوگوں نے بھی کئی بار مدرسہ کے ناظم سے کہا کہ آپ اس غریب کی زمین سے مدرسہ کا قبضہ ہٹالو؛ اس لئے کہ اس غریب کا ذریعۂ معاش کھیتی باڑی ہی ہے اور مدرسہ کے پاس مدرسہ کی نجی زمین بھی ہے، اس کے باوجود بھی ناظم اوراس کے حواری ہماری زمین سے اپنا قبضہ نہیں ہٹا رہے ہیں، ۱۹۹۴ء سے آج تک ہماری زمین پر زبردستی مدرسہ چلا رہے ہیں اور باقی بچی زمین پر کھیتی بھی کرر ہے ہیں، اب سوال یہ ہے کہ کیا اس طرح زبردستی کسی کی زمین پر قبضہ کرکے مدرسہ قائم کرنا اوراس کا چلانا جائز ہے یا نہیں؟ اگرنہیں تو زبردستی کسی کی زمین پر قبضہ کرکے مدرسہ قائم کرنے اوراس کے چلانے والے اوراس کی معاونت کرنے والے کے بارے میں حکم شرعی کیا ہے؟

المستفتی: محمد راہوورا جابنا حاجی محمد عاقل، عرف عقلو، ریتانی باڑمیر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کسی کی زمین پر مالک زمین کی اجازت کے بغیر قبضہ کرنا جائز نہیں۔ اور اگر کوئی ایسا کرتا ہے تو وہ شخص غاصب ہے، جس کے بارے میں حدیث شریف میں بڑی سخت وعید آئی ہے؛ لہٰذا اگر حقیقت میں زمین راجہ اور راہو ہی کے نام ہے تو ناظم مدرسہ کواس پر قبضہ کرکے مدرسہ چلانے کا حق نہیں ہے اور مالکان زمین کو مدرسہ منہدم کرکے اس زمین کواپنے تصرف میں لینے کا حق ہے؛ لہٰذا ناظم مدرسہ وہ زمین مالک زمین کو واپس کردے اور جو زمین شرع کے مطابق مدرسہ کی ہے اسی پر مدرسہ چلائے، ورنہ قیامت کے روز سخت باز پرس ہوگی۔

عن سالم، عن أبيه، قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم: من أخذ شيئا من الأرض بغير حقه، خسف به يوم القيامة إلى سبع أرضين. (صحيح البخاري، كتاب بدء الخلق، باب ماجاء في سبع أرضين، النسخة الهندية ١/ ٤٥٣، رقم: ٣٠٩٢، ف: ٣١٩٦، صحيح مسلم، باب تحريم الظلم وغصب الأرض وغيرها، النسخة الهندية ٢/ ٣٢، بيت الأفكار، رقم: ١٦١٠)

لا يجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي. (هندية، كتاب الحدود، فصل في التعزير، زكريا قديم ٢/ ١٦٧، جديد ٢/ ١٨١، قواعد الفقه أشرفي، ص: ١١٠، رقم: ٢٦٩، الدرمع الرد، زكريا ٦/ ١٠٦، كراچی ٤/ ٦١، البحر الرائق، زكريا ٥/ ٦٨، كوئٹه ٥/ ٤١)

ومن غصب أرضا، فغرس فيها أو بنى قيل له: اقلع البناء والغرس، وردها لقوله عليه السلام: ليس لعرق ظالم حق ...... فإن كانت الأرض تنقص بقلع ذلک فللمالک أن يضمن له قيمة البناء. (هداية، كتاب الغصب، أشرفي ٣/ ٣٧٩)

لا يجوز لأحد أن يتصرف في ملک غيره بلا إذنه، أو وكالة منه أو ولاية عليه، وإن فعل كان ضامنا. (شرح المجلة رستم باز، مكتبة اتحاد ١/ ٦١، رقم المادة: ٩٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴ رجمادی الاولیٰ ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۳۹۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۵/۴ھ

مغصوبہ زمین پر مدرسہ بنانا

سوال [۸۴۷۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک مسلمان کی زمین پر غیر مسلم نے قبضہ کر کے مسلمانوں کے ہی ہاتھ فروخت

کردی، خریدنے والے مسلمان یہ جانتے ہیں کہ یہ زمین اس غیر مسلم کی نہیں اور نہ ہی اس اکیلے مسلمان کی ہے جو حیات ہے؛ بلکہ اس زمین پر دو مرحوم اشخاص کا حق ہے، جن کی وراثت ان دونوں کی بیواؤں کو پہنچتی ہے، خریدنے والے اشخاص اتنی قدرت بھی رکھتے ہیں کہ اگر چاہیں تو غیر مسلم سے ان دونوں بیواؤں کا حق دلوا سکیں، مگر یہ اشخاص غیر مسلم کو پوری رقم دے کر اس جگہ دینی مدرسہ بنا رہے ہیں، کیا ایسی غاصبانہ جگہ میں تدریس کا سلسلہ جائز ہوگا؟ کیا بچے ایسی جگہ تعلیم حاصل کر سکتے ہیں، چنانچہ قرآن وحدیث کی روشنی میں مع دلیل مندرجہ سوالات کے جوابات دینے کی زحمت گوارہ کریں، ایسی جگہ جو غاصبانہ ہو اور بچوں کے والدین کو معلوم ہو کہ یہ جگہ غاصبانہ ہے، تعلیم حاصل کرانا درست ہوگا یا نہیں؟ یہ جانتے ہوئے کہ یہ جگہ غیر مسلم کی نہیں بلکہ کسی دیگر فرد کی ہے اور اس میں دو بیواؤں کا حصہ ہے اور بیواؤں پر ظلم ہو رہا ہے، یہ اشخاص شریعت حقہ کی نظر میں گناہ کے مرتکب ہونے کی صورت میں کس سزا کے لائق ہیں؟ کیا ایسے مدرسہ میں بیٹھ کر علماء تعلیم دے سکتے ہیں؟ مزید اس بات کی بھی تشریح فرما دیں کہ جو لوگ حقدار کا حق دلوانے پر قادر ہوں اور نہ دلوائیں، ان کے لئے حدیث میں کیا وعید ہے؟ اور اگر دلوا دیں تو کیا ثواب ہے ان لوگوں کے لئے؟

المستفتی: محمد عرفان گڑھی، سلیم پور، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جن لوگوں کو یہ معلوم ہے کہ مذکورہ زمین اس غیر مسلم بائع کی نہیں ہے؛ بلکہ غصب کردہ ہے، ان کے لئے وہ زمین خریدنا جائز نہیں ہے، اس میں مسجد یا مدرسہ بنانا اور اس میں تعلیم جاری رکھنا اس وقت تک ممنوع ہوگا جب تک اصل مالک کو راضی نہ کر لیا جائے اور مشتری کے لئے ضروری ہے کہ وہ زمین اس کے حق داروں کو لوٹا دے اور اپنا حق بائع سے وصول کرے۔ حدیث شریف میں مظلوم کی مدد کرنے اور ظالم کو ظلم سے روکنے کی تاکید آئی ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۳/ ۱۱۱، جدید زکریا مطول ۱۰/ ۳۳۶، فتاوی محمودیہ ۶/ ۲۸۰، ۶/ ۲۱۷)

وقال هشام: أنا أكره الصلاة فيه حتى يطيب أربابه، وأكره شراء المتاع من أرض غصب، أو حوانيت غصب. (البحرالرائق، كتاب الغصب، كوئٹه ٨/ ١١٥، زكريا ٨/ ٢٠٩، هندية، زكريا ٥/ ١٤٢، جديد ٥/ ١٦٦)

الحرام ينتقل، فلو دخل بأمان وأخذ مال حربي بلا رضاه وأخرجه إلينا ملكه وصح بيعه لكن لا يطيب له ولا للمشتري منه. (الدرالمختار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد قبيل مطلب البيع الفاسد لا يطيب له، ويطيب للمشتري منه، زكريا ٧/ ٣٠٠، كراچی ٥/ ٩٨)

وفي الشامية: ولا للمشتري منه فيكون بشرائه منه مسيئا؛ لأنه ملكه بكسب خبيث، وفي شرائه تقرير للخبث، ويؤمر بما كان يؤمر به البائع من رده -إلى قوله- إن لم يرده يكره للمسلمين شراؤه منه؛ لأنه ملك خبيث بمنزلة المشتري فاسدا إذا أراد بيع المشتري بعد القبض يكره شراءه منه. (شامي، مطلب البيع الفاسد لا يطيب له ويطيب للمشتري منه، زكريا ٧/ ٣٠٠، ٣٠١، كراچی ٥/ ٩٨)

عن سمرة بن جندب قال: قال رسول الله ﷺ: من وجد عين ماله عند رجل فهو أحق به، ويتبع البيع من باعه. (سنن أبي داؤد، باب في الرجل يجد عين ماله عند رجل، النسخة الهندية ٢/ ٤٩٨، دارالسلام رقم: ٣٥٣١، سنن الدارقطني، كتاب البيوع، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ٢٤، رقم: ٢٨٧٤)

فهو أحق به أي من غصب مال أحد أو سرق، ثم باعه من آخر، فصاحب المال إن وجده في يد المشتري أخذه، ويرجع المشتري على البائع. (حاشية مشكوة شريف ١/ ٢٥٥) *فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم*

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم ربیع الاول ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۲۰۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱/ ۳/ ۱۴۱۸ھ

پریس کرنے پر پریس بیچ کر رقم مدرسہ میں لگانا

سوال [۸۴۷۴]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مدرسہ کے لڑکوں کے پاس بجلی کی پریس پکڑی گئی تو ذمہ دارانِ مدرسہ اس پریس کو بیچ کر اس کی رقم مدرسہ میں لگا سکتے ہیں؟

المستفتی: محمد عزیز مدرسہ اشرف العلوم لکھیم پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: سوالِ مذکور میں طالب علم سے جو بجلی کی پریس پکڑی گئی اس کو فروخت کر کے اس کی رقم مدرسہ میں لگانا جائز نہیں ہے۔ اور جس کی پریس ہے اس کو واپس کرنا لازم ہے؛ البتہ مدرسہ کے طلبہ کو مدرسہ کی بجلی بلا اجازت استعمال کرنا ناجائز ہے؛ لہٰذا اس نے مدرسہ کی قانون شکنی کی ہے، تو زیادہ سے زیادہ جو اس نے مدرسہ کی بجلی خرچ کی ہے اس کا معاوضہ لیا جاسکتا ہے۔

عن أبي حميد الساعدي، أن رسول الله ﷺ قال: لا يحل لامرئ أن يأخذ مال أخيه بغير حقه، وذلك لما حرم الله مال المسلم على المسلم.

(مسند أحمد بن حنبل ٥/ ٤٢٥، رقم: ٢٤٠٠٣)

قال: وعلى الغاصب رد العين المغصوبة، معناه مادام قائما لقوله عليه السلام: على اليد ما أخذت حتى ترد، وقال عليه السلام: لا يحل لأحد أن يأخذ متاع أخيه لاعبا ولا جادا، فإن أخذه فليرد عليه. (هداية، كتاب الغصب، أشرفي ٣/ ٣٧٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ر صفر المظفر ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۰۵۱)

لیٹ فیس وصول کرنے کی شرعی حیثیت

سوال [۸۴۷۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: طالبات کے مدرسہ میں تعطیلات کے ختم ہوجانے کے بعد تاخیر سے حاضر ہونے پر مدرسہ والوں کا ان بچیوں سے لیٹ فیس لینا جائز ہے، اگر جائز ہے تو کتنی مقدار تک لے سکتے ہیں؟ اور اس کا مصرف کیا ہے؟ کیا کسی سے کم اور کسی سے زیادہ لینے کی گنجائش ہے؟

المستفتی: محمد یاسر، گجرات

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: لیٹ فیس کے نام سے جو لیا جاتا ہے یہ تاخیر سے آنے کا جرمانہ ہے اور شرعاً اس طرح مالی جرمانہ لینا جائز نہیں ہے، ہاں البتہ اگر یہ انتظام کیا جائے کہ وقتی طور پر مالی جرمانہ ان سے وصول کرلیا جائے، تاکہ وہ آنے میں لیٹ نہ کریں اور سال کے آخر میں جس سے جتنا مالی جرمانہ لیا گیا ہے وہ ان کو واپس کردیا جائے تو گنجائش ہے، ورنہ جائز نہیں ہے۔

عند أبي يوسفؒ يجوز التعزير للسلطان بأخذ المال، وعندهما وباقي الأئمة الثلاثة لا يجوز، كذا في فتح القدير، ومعني التعزير بأخذ المال على القول به: إمساك شيء من ماله عنده مدة لينزجر، ثم يعيده الحاكم إليه لا أن يأخذه الحاكم لنفسه، أو لبيت المال كما يتوهم الظلمة. (عالمگيري، كتاب الحدود، فصل في التعزير، زكريا قديم ٢/ ١٦٧، جديد ٢/ ١٨١، البحر الرائق، زكريا ٥/ ٦٨، كوئٹه ٥/ ٤١، الدرمع الرد، زكريا ٦/ ١٠٦، كراچی ٤/ ٦٠-٦١، الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٧/ ٣٥٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴ محرم الحرام ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۰۹۱۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۱/۵ھ

مدرسہ کے لئے غیر مسلموں کا چندہ لینا

سوال [۸۴۷۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مدرسہ کے لئے غیر مسلموں کا یعنی ہندوؤں کا چندہ لے سکتے ہیں یا نہیں؟ جواب سے نوازیں مہربانی ہوگی۔

المستفتی: محمد آفاق میاں سرائے

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر یہ احتمال نہ ہو کہ کل کو اہل اسلام پر احسان رکھیں گے اور نہ یہ احتمال ہو کہ اہل اسلام ان کے ممنون ہوکر ان کے مذہبی شعائر میں شرکت یا ان کی خاطر سے اپنے شعائر میں مداہنت کرنے لگیں گے، تو اس شرط سے قبول کر لینا جائز ہے۔
(مستفاد: امداد الفتاوی ۲/۶۶۴)

وأما الإسلام فليس من شرطه، فصح وقف الذمي بشرط كونه قربة عندنا وعندهم. (البحرالرائق، كتاب الوقف، كوئٹه ٥/ ٨٩، زكريا ٥/ ٣١٦، الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٧/ ٣٢٢، هندية زكريا قديم ٢/ ٣٥٢، جديد ٢/ ٣٤٧، الدر مع الرد، زكريا ٦/ ٥٢٤، كراچی ٤/ ٣٤١)

وللمسلمين أن يقبلوا من الكافر إذا لم يكن في ذلک ضرر ديني، أو سياسي. (تفسير مراغی ٤/ ٧٤، بحواله محموديه ميرٹھ ٢٥/ ٤٨٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵؍ شعبان المعظم ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۳۰۳)

ہندو کی رقم کارِ خیر میں لگانا

سوال [۸۴۷۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کوئی جگہ ایسی ہے جہاں علم دین اٹھتا جا رہا ہے اور لوگوں کو اس کی کچھ پرواہ نہیں، کوئی بھی امداد نہیں کرتا تو علم دین کو جاری کرنے کے لئے اور برقرار رکھنے کے لئے زکوۃ صدقات لے سکتے ہیں یا نہیں؟ اور پھر اس میں ہندو دس ہزار روپئے دینا چاہتے ہیں، تو کیا ہندو کی رقم چل سکتی ہے یا نہیں؟ کوئی صورت نکال کر تفصیلی جواب تحریر فرمائیں۔

المستفتی: محمد آفاق غفرلہ قاسمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صدقات، زکات کی رقوم کا پہلے کسی فقیر کو مالک بنا دیا جائے، پھر فقیر مدرسہ وغیرہ کو دے دے، تو اس طرح حیلہ تملیک کے ساتھ جائز ہوگا۔

کما فی الدرالمختار: ویشترط أن یکون الصرف تملیکا لا إباحة.

(الدر مع الرد، کتاب الزکوة، باب المصرف، زکریا ۳/ ۲۹۱، کراچی ۲/ ۳٤٤، مصري ۲/ ۸٥)

اور ہندو کی رقم میں اگر یہ احتمال نہ ہو کہ کل کو اہل اسلام پر احسان رکھیں گے اور نہ یہ احتمال ہو کہ اہل اسلام ان کے ممنون ہو کر ان کے مذہبی شعائر میں شرکت یا ان کی خاطر سے اپنے شعائر میں مداہنت کرنے لگیں گے تو اس شرط کے ساتھ قبول کر لینا جائز ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۲/ ۲٦٤)

شرط وقف الذمي أن یکون قربة عندنا وعندهم، کالوقف علی الفقراء، أو علی مسجد القدس. (شامي، الوقف، مطلب قد یثبت الوقف بالضرورة، زکریا ٦/ ٥٢٤، کراچی ٤/ ٣٤١، الموسوعة الفقهية الکویتیة ۳۷/ ۳۲۲، هندیة زکریا قدیم ۲/ ۳٥۲، جدید ۲/ ۳٤۷)

وأما الإسلام فلیس من شرطه، فصح وقف الذمي بشرط کونه قربة عندنا وعندهم. (البحرالرائق، کتاب الوقف، زکریا ٥/ ۳۱٦، کوئٹه ٥/ ۱۸۹)

وللمسلمین أن یقبلوا من الکافر إذا لم یکن في ذلک ضرر دیني، أو سیاسي.

(تفسیر المراغی ٤/ ۷٤، بحواله محمودیه میرٹھ ۲٥/ ٤۸۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵؍ شعبان المعظم ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۰۳/۲۳)

مدرسہ کی تعمیر میں سودی رقم یا کافر کا پیسہ لگانا

سوال [۸۴۷۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مدرسہ خان العلوم دڑھیال کی رقومات بینک میں جمع کر کے حسب ضرورت نکال کر خرچ کی جاتی ہے، جمع شدہ رقومات پر سیونگ چالو کھاتہ میں حسب ضابطہ بینک سے سود ملتا ہے، اسی طرح اور فاضل رقم چھ مہینہ کی میعاد مدت کھاتے میں ڈال کر مذکورہ سود اور زیادہ ملتا ہے، اس وصول شدہ سود کو مدرسہ کی ضروریات پر صرف کر سکتے ہیں یا نہیں؟

فی الحال مدرسہ کی چہار دیواری باؤنڈری نہیں ہے، جس کی وجہ سے انتظامی اور حفاظتی پریشانیاں ہیں، خرچ زیادہ ہونے کی وجہ سے اصل رقم سے یہ کام ہونے کی کوئی صورت نظر نہیں آرہی ہے، وجہ ظاہر ہے کہ عموماً مدارس مسلسل مقروض ہورہے ہیں، اصل ضروریات کی تکمیل بھی نہیں ہو پاتی، اسی طرح بستی کا پانی جو مدرسہ سے متصلا گذرتا ہے نالہ خام ہونے کی وجہ سے مدرسہ میں داخل ہوتا رہتا ہے، اس نالے یا چہار دیواری پر بینک سے حاصل شدہ سود کی رقم خرچ کی جاسکتی ہے یا نہیں؟

(۲) مدرسہ ہذا کا رجسٹریشن ۲۵ ر سال قبل ہوا تھا، اس کے بعد تجدید نہ ہوسکی، اب اس کی تجدید پر بیس ہزار روپئے کام میں آنا چاہتے ہیں، اس طرح کہ دس ہزار روپیہ متعلقہ آفیسر لیتا ہے، آٹھ ہزار روپیہ تاخیر اور تجدید کی سرکاری فیس ہے، دو ہزار روپیہ کاغذات کی تیاری کے ہیں، کیا یہ رقم بینک کے سود کی رقم میں سے دی جاسکتی ہے؟

(۳) ایک غیر مسلم اپنے کسی اعتقاد یا کسی اور وجہ سے بنا کسی دباؤ کے مدرسہ کو کچھ رقم دینا چاہتا ہے، کیا اس رقم کو مطبخ یا تعمیر یا دیگر ضروریات مدرسہ پر خرچ کر سکتے ہیں؟

المستفتی: محمد عثمان مفتاحی مدرسہ اسلامیہ خازن العلوم، دڑھیال، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) سودی اور حرام پیسے کا شرعی حکم یہ ہے کہ کسی بھی

عنوان سے اصل مالک کو واپس کردیا جائے، جیسا کہ سیل ٹیکس، انکم ٹیکس کے ذریعہ سرکاری پیسہ سرکاری بینک میں واپس ہو جائے، اگر یہ شکل نہ ہو سکے تو نہایت مجبور اور محتاج فقیر کو بغیر نیت ثواب دے دیا جائے؛ لہٰذا مدرسہ کی جانب سے بینک میں جمع شدہ رقم پر جو سود حاصل ہوگا اس کو مدرسہ کی کسی ضرورت میں خرچ کرنا جائز نہیں ہے؛ البتہ غریب طلبہ کو جوتا، چپل لے کر دے دیا جائے تو اس کی گنجائش ہے۔

وأما إذا كان عند رجل مال خبيث، فإما إن ملكه بعقد فاسد، أو حصل له بغير عقد ولا يمكنه أن يرده إلى مالكه، ويريد أن يدفع مظلمته عن نفسه، فليس له حيلة إلا أن يدفعه إلى الفقراء. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، مكتبه سهارنپور، قديم ١/ ٣٧، دارالبشائر الإسلاميه ١/ ٣٥٩، تحت رقم الحديث: ٥٩، هندية، زكريا قديم ٥/ ٥٤٩، جديد ٥/ ٤٠٤، البحرالرائق، زكريا ٩/ ٣٦٩، كوئٹه ٨/ ٢٠١)

(۲) جو آٹھ ہزار روپیہ سرکاری فنڈ میں جمع ہوگا وہ سرکاری بینک کے سود کے پیسے سے دینا جائز ہے اور بقیہ چیزوں کے لئے سرکاری بینک کے سود کے پیسے سے دینا جائز نہیں ہے۔

وأما إذا كان عند رجل مال خبيث، فإما إن ملكه بعقد فاسد، أو حصل له بغير عقد ولا يمكنه أن يرده إلى مالكه، ويريد أن يدفع مظلمته عن نفسه، فليس له حيلة إلا أن يدفعه إلى الفقراء. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، مكتبه سهارنپور، قديم ١/ ٣٧، دارالبشائر الإسلاميه ١/ ٣٥٩، تحت رقم الحديث: ٥٩، الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٤/ ٢٤٦، الدر مع الرد، زكريا ٩/ ٥٥٣، كراچی ٦/ ٣٨٥، تبيين الحقائق، إمداديه ملتان ٦/ ٢٧، زكريا ٧/ ٦٠)

(۳) اگر کوئی غیر مسلم اپنی خوشی سے مدرسہ کے لئے چندہ دینا چاہتا ہے اور کسی مضرت کا اندیشہ نہیں ہے، تو اس کو مدرسہ کی ضروریات میں چاہے تنخواہوں میں یا تعمیر میں یا مطبخ یا کسی بھی ضرورت میں خرچ کرنا جائز ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ ٦/ ٢٤٩، ڈابھیل ١٥/ ٦٢١)

اختلف الفقهاء في وقف الذمي على المسجد، فذهب الجمهور إلى

صحته لعموم أدلة الوقف. (الموسوعة الفقهية ۳۷/ ۳۲۲، عالمگری، زکریا قدیم ۲/ ۳۵۳، جدید ۲/ ۳٤۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱؍ شوال ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۱۴۹/۳۷)

طوائف کی زمین پر مدرسہ تعمیر کرنا

سوال [۸۴۷۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: طوائف نے ایک زمین ثواب جان کر دی ہے، کیا اس زمین پر مدرسہ کی بنیاد قائم کرنا درست ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: طوائف کی دی ہوئی زمین پر مدرسہ قائم کرنا جائز نہیں ہے؛ اس لئے کہ مدرسہ ایک خالص دینی ادارہ ہے اور اس میں حرام کمائی لگانا جائز نہیں ہے۔

رجل اکتسب مالا من حرام، ثم اشتری، فهذا علی خمسة أوجه: أما إن دفع تلک الدراهم إلی البائع أولا ، ثم اشتری منه بها أو اشتری قبل الدفع بها، ودفعها الخ. قال الکرخي في الوجه الأول والثاني: لا یطیب، وفي الثلاثة الأخیرة یطیب –إلی قوله– والفتوی الآن علی قول الکرخي.

(شامی، کتاب البیوع، باب المتفرقات، مطلب إذا اکتسب حراما، ثم اشتری علی خمسة أوجه، زکریا ۷/ ٤۹۰، کراچی ٥/ ۲۳٥، هندیة زکریا قدیم ۳/ ۲۱٥، جدید ۳/ ۲۰۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/۵/۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴۸۴/۲۹)

الفصل الخامس: في التصرف

کیا کسی مدرسے کا دو نام رکھنے سے وہ دو مدرسے ہو جائیں گے؟

سوالات ذیل کے جوابات درکار ہیں، جواب دینے کی زحمت فرمائیں۔

سوال [۸۴۸۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: سیتاپور میں مدرسہ ملت نام کا ایک ادارہ ہے، جو تحفیظ القرآن اور عالمیت اور دینیات، اردو نیز ناظرہ قرآن پاک کے لئے قائم کیا گیا تھا، پہلے اس کی ذاتی عمارت نہیں تھی، ۱۲؍نومبر ۱۹۷۶ء کو میں نے ایک بوسیدہ عمارت مدرسہ ملت کے نام رجسٹری کرائی تھی، جس کو سنی سینٹرل آف یوپی بورڈ سے رجسٹرڈ کرالیا تھا، جس میں میرا نام بحیثیت ناظم درج ہے، چونکہ سیتاپور رسوماتِ بد کا مرکز تھا، دینی تعلیم کے لئے خاص کر مسلک دیوبند کے لئے اس کی فضاء مدرسہ کے حق میں نہیں تھی، بوجہ اضطرار (سرکار کے ہتھکنڈے) سے بچنے کی غرض سے ایک دوسرا ادارہ مدرسہ عربیہ ملیہ کے نام سے سرکار سے منظور کرالیا اس سے تنخواہوں کے لئے آسانی ہوگئی، امدادی تنخواہیں نام بنام مدرسین کے لئے آتی ہیں، اس کے علاوہ مدرسہ ملت کے بھی مدرسین ہیں، ان مدرسین کی تنخواہیں اور طلباء کا کھانا ہر ایک کے فرش، فروش، تعمیر بلڈنگ اور دیگر مصارف مسلمانوں سے ملنے والی رقومات سے پورے کئے جاتے ہیں، نیز حسب گنجائش وظائف طلباء مدرسہ ملیہ کے پاس پیسہ اور بلڈنگ نہیں ہے، وہ مدرسہ ملت کے طلبہ کی تعلیم میں لگے ہوئے ہیں اور مدرسہ ملت کی آمدنی نہایت قلیل ہے، جس کی وجہ سے بحسن وخوبی کام نہیں چل پا رہا ہے، اور بلڈنگ بھی کمزور ہے، اس کی مرمت کے لئے بھی رقم درکار ہے؛ اس لئے نیچی سطح کے ملازمین کے علاوہ کو بلا کر میں نے گزارش کی کہ جس طرح دوسرے مسلمانوں سے امداد ملتی ہے آپ لوگ بھی اسی طرح بلڈنگ کی مرمت کے لئے امداد کر دیں اور آپ لوگ با قاعدہ مشورہ کرکے بتا دیجئے؛ لیکن مثبت یا منفی جواب نہ ملنے پر میں نے بذریعہ تحریر مطالبہ کیا کہ آپ

لوگ بھی اپنی اپنی تنخواہوں میں سے پانچ پانچ دنوں کی تنخواہیں دے دیں، جب کہ آپ لوگ مدرسہ ملت سے کافی فائدہ اٹھاتے ہیں، اس کا بھی جواب نہیں ملا، میں سمجھتا ہوں کہ مسلمانوں کے اجتماعی کاموں کے لئے یا اہل حاجت مسلمانوں کی ضرورتوں کے لئے گنجائش والے مسلمانوں پر زکوۃ کے علاوہ بھی دینا ضروری ہے۔ حدیث پاک میں فرمایا ہے: ''إن في مال المرء لحق سوی الزکوۃ'' دینی اداروں کے لئے ایسے حضرات سے مطالبہ کرنا جو صاحب گنجائش ہیں اور مدرسہ سے فائدہ اٹھاتے ہیں، یعنی بجلی، پانی، فرش فروش وغیرہ، یہ مطالبہ اگر درست ہے، تو مطالبہ کیا جائے ورنہ تو میں اپنی بات واپس لے لوں۔ مدرسہ ملیہ عربیہ کے بعض مدرسین مدرسہ ملت کے لئے چندہ میں ہاتھ بٹاتے ہیں، ان علماء، حفاظ، مدرسین کو یہ بھی معلوم ہے کہ فقہ کا جزئیہ ہے کہ ''اگر زکوۃ سے مسلمانوں کی حوائج نہ پوری ہوں تو حسب ضرورت مسلمانوں سے رقم لی جاسکتی ہے''۔ والسلام

المستفتی: سائل ولی محمد ناظم مدرسہ ملت

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ میں صاف الفاظ میں اس کا ذکر ہے کہ دو مدرسے الگ الگ ہیں، ایک مدرسہ ملت ہے اور دوسرا مدرسہ ملیہ ہے۔ اور سوال نامہ میں اس انداز سے اس کو واضح کیا گیا ہے کہ مدرسہ ملت الگ ادارہ ہے اور مدرسہ ملیہ مستقل دوسرا ادارہ ہے۔ اور مدرسہ ملیہ کے نام حکومت سے ایڈ آتا ہے۔ اور مدرسہ ملت کے نام ایڈ نہیں آتا ہے، مگر اس میں سوال یہ ہے کہ دونوں ادارے الگ الگ ہوں اور ان کی عمارتیں مدرسین وملازمین اور طلبہ الگ الگ ہوں چاہے ناظم اور ذمہ دار ایک ہی کیوں نہ ہوں، مگر مختلف انداز سے معلوم کرنے کے بعد یہ پتہ چلا کہ دو ادارے مستقل الگ الگ نہیں ہیں، جن کے لئے دو عمارتیں الگ الگ ہوں اور ان کے ملازمین ومدرسین بھی الگ الگ ہوں، ایسا نہیں ہے؛ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ مدرسہ ملت کے نام سے اصل ادارہ ہے اور سارے ملازمین اسی میں کام کرتے ہیں، اور اسی عمارت پر وہی مدرسین وملازمین درس دیتے ہیں اور ایسا بھی نہیں ہے کہ مدرسہ ملت کے نام سے ایک وقت میں تعلیم ہوتی ہو اور مدرسہ ملیہ میں دوسرے وقت میں تعلیم

ہوتی ہوں؛ بلکہ شئ واحد ہے، الگ الگ دوشئ نہیں ہے؛ بلکہ مدرسہ ملت ہی کے لئے ذرا سا املا بدل کر حکومت سے ایڈ حاصل کرنے کے لئے فرضی نام مدرسہ ملیہ کا غذات میں اندراج ہے، جس کے نام سے ایڈ آتا ہے، تو اس طرح محض نام بدلنے کی وجہ سے شرعی طور پر الگ الگ دو ادارے نہیں ہو جائیں گے؛ بلکہ یہ ایک ہی ادارہ کے دو نام ہیں، جیسا کہ دارالعلوم دیوبند کے دو نام ہیں: (۱) مدرسہ اسلامیہ اور الجامعۃ الاسلامیہ۔ اور اب مدرسہ اسلامیہ کا نام مستعمل نہیں ہے، صرف دارالعلوم دیوبند ہی مستعمل ہے، اسی طرح مدرسہ شاہی کے دو نام ہیں: (۱) مرکز العلوم الاسلامیہ (۲) جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی، آج بھی دونوں نام موجود ہیں، اسی طرح مدرسہ ملت کے دو نام ہیں: (۱) مدرسہ ملت (۲) مدرسہ ملیہ۔ ہاں البتہ اتنا ہے کہ ایڈ والے مدرسہ میں دو قسم کے ملازمین و مدرسین ہوتے ہیں: (۱) وہ مدرسین و ملازمین جن کے نام سے ایڈ آتا ہے (۲) وہ مدرسین و ملازمین جن کے نام سے ایڈ منظور نہیں ہے، جن کی تنخواہیں عوامی چندہ سے پوری ہوتی ہیں، تو اتنے فرق کی وجہ سے نہ دو ادارے الگ الگ شمار ہوں گے اور نہ ہی ایڈ والے مدرسین و ملازمین ایک مستقل ادارہ کے شمار ہوں گے اور غیر ایڈ مدرسین و ملازمین دوسرے ادارہ کے شمار ہوں گے؛ بلکہ سب ایک ہی ادارہ کے مدرسین و ملازمین شمار ہوں گے، جیسا کہ ہندوستان کے ایڈ والے تمام مدارس کی یہی صورت حال ہے، ورنہ ہر ایڈ والے مدرسہ میں دو مدرسے شمار کئے جا سکتے ہیں اور ایسا ہے نہیں، اور اگر بالفرض جیسا کہ سوال نامہ میں دو الگ الگ مدرسہ ہونے پر زور دیا گیا ہے، اگر واقعہ ایسا ہی ہے اور مدرسہ ملیہ کے تمام مدرسین و ملازمین مدرسہ ملت میں کام کرتے ہیں اور مدرسہ ملیہ کے نام سے حکومت سے ایڈ لیتے ہیں، تو یہ دھوکہ اور فریب ہے جو شرعاً جائز نہیں ہے اور نہ ہی سرکار کی طرف سے اس کی اجازت ہے۔

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– أن رسول الله ﷺ مر على صبرة من طعام –إلى– ثم قال: من غش فليس منا. (سنن الترمذي، البيوع، باب ماجاء في كراهية الغش في البيوع، النسخة الهندية ١/ ٢٤٥، دارالسلام، رقم: ١٣١٥)

عن ابن عمر –رضی الله عنه– قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا جمع الله الأولين والآخرين يوم القيامة يرفع لكل غادر لواء، فقيل هذه غدرة فلان بن فلان. (مسلم شريف، باب تحريم الغدر، النسخة الهندية ٢/ ٨٣، بيت الأفكار، رقم: ١٧٣٥، صحيح البخاري، باب إثم الغدر للبر والفاجر، النسخة الهندية ١/ ٤٥٢، رقم: ٣٠٨٤، ف: ٣١٨٨)

سوال نامہ میں دوسری بات یہ پوچھی گئی ہے کہ مدرسہ کے وہ ملازمین جن کو سرکار سے ایڈ ملتا ہے، ان کی تنخواہوں کا ایک حصہ مدرسہ میں تعاون کے نام سے لینا جائز ہے یا نہیں؟ چاہے وہ بطیب خاطر دینے کے لئے راضی نہ ہو، ذمہ دار مدرسہ تحریری طور پر دباؤ ڈال کر ان کی تنخواہوں کا ایک حصہ تعمیر مدرسہ کے نام سے لے سکتا ہے یا نہیں؟ تو اس سلسلہ میں شرعی حکم یہ ہے کہ کسی کے مال اور ملکیت کو زور وزبردستی یا دباؤ ڈال کر حاصل کرنا جائز نہیں ہے۔ اور سوال نامہ میں جو حدیث شریف پیش کی گئی ہے، وہ نفلی صدقہ خیرات کے بارے میں ہے، جس کے حصول کے لئے دباؤ ڈالنا اور نہ دینے کی صورت میں تحریری طور پر مطالبہ کر کے زور ڈالنا شرعاً جائز نہیں ہے۔ اور اس حدیث شریف میں صرف ترغیب مراد ہے جو دینا چاہے وہ دے اور جو نہ دینا چاہے اس پر زور ڈالنا جائز نہیں ہے۔

عن أبي هرة الرقاشي، عن عمه. أن رسول الله ﷺ قال: لا يحل مال امرئ مسلم إلا بطيب نفس منه. (شعب الإيمان للبيهقي، باب في قبض اليد عن الأموال المحرمة، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٣٨٧، رقم: ٥٤٩٢، مسند أحمد بن حنبل ٥/ ٧٢، رقم: ٢٠٩٧١، مسند أبي يعلى الموصلي، دارالكتب العلمية بيروت ٢/ ٩١، رقم: ١٥٦٧)

لا يجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي. (هندية، كتاب الحدود، فصل في التعزير، زكريا قديم ٢/ ١٦٧، جديد ٢/ ١٨١، قواعد الفقه أشرفي ديوبند، ص: ١١٠، رقم: ٢٦٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵ رصفر المظفر ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۶۸۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۲/۵ھ

مسجد مدرسہ بنانے سے متعلق چند سوالات کے جوابات

سوال [۸۴۸۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: شہر امراؤتی مہاراشٹر میں ایک علاقہ جو پانچ مسلم کالونیوں پر مشتمل ہے، پیراڈائز کے نام سے موسوم ہے۔ ۱۹۹۲ء میں جگہ خرید کر ایک مدرسہ عربیہ کے نام سے عارضی عمارت کی شکل میں بنیاد رکھی گئی تب سے پنجوقتہ اذان ونماز کا عمل جاری ہے، ساتھ ہی دو وقت مقامی طلبہ وطالبات کے لئے دینی تعلیم کا انتظام ہے، فی الوقت رہائشی مکانات ۲۵۰؍ سے کچھ زائد ہوگئے ہیں، مکانات کے تعمیری سلسلہ کو دیکھتے ہوئے اندازہ ہے کہ مستقبل قریب میں مکانات کی کل تعداد ۴۰۰؍ تک ہو جائے گی، ان کالونیوں میں اکثر سرکاری ملازمین وآفیسر اور چند تاجر اور کاروباری حضرات رہتے ہیں، بڑھتی ہوئی آبادی کے پیش نظر مسجد ومدرسہ سے منسلک SF 3500 کا پلاٹ خریدا گیا، اس طرح مسجد ومدرسہ کا کل رقبہ تقریباً: SF 11000 فٹ ہے، جس کے مشرقی سمت میں بڑی شاہراہ ہے اور ”حی علی الصلاۃ“ اور ”حی علی الفلاح“ کی طرف بھی راستے ہیں، صرف مسجد کے سمت قبلہ مکانات ہیں، مسجد ومدرسہ کالونیوں کے درمیان واقع ہے، مسجد ومدرسہ کی انتظامیہ مع مصلیان مسجد کی دلی خواہش ہے کہ اس وسیع آراضی میں از سرنو مسجد ومدرسہ کی پختہ تعمیر اس انداز سے کی جائے کہ مسجد ومدرسہ کا انتظام چلانے کے لئے مستقل آمدنی کی شکل بھی نکل آئے جو سردست احباب خیر کے ہر ماہ چندہ عطیات وغیرہ سے انجام پاتا ہے، اس لئے اکثر احباب کی رائے ہے کہ نئی تعمیر زیر زمین کے ساتھ ہو اور بیسمینٹ کا بڑا حصہ شادی خانہ اور دینی پروگرام کے استعمال کے لئے ہو، جس کے دونوں جانب کمروں کی تعمیر اس طرح ہو کہ طہارت خانہ بیت الخلاء وضو وغسل خانہ کا انتظام ہو، مصلیان مسجد کے لئے زیر زمین کے اوپری سطح پر بھی دونوں جانب طہارت خانہ، بیت الخلاء، وضو وغسل خانے علیحدہ تعمیر ہوں۔ اور کمروں کی بھی تعمیر ہو، جس میں سے مدرسہ کے کمروں کے علاوہ کمروں کو اسکول وکالج کے طلبہ کو کرائے پر دیا جائے، زیر زمین اور اوپری

سطح کے آمد وخروج کے گیٹ وراستے علیحدہ ہوں، تاکہ بدنظمی نہ ہو، انجینئر اور آرکیٹیکٹ کے پلان کے مطابق سرکاری وکارپوریشن کے قانونی ضابطے کے تحت راستوں سے لگ کر غیر تعمیر جگہ چھوڑنے پر اور کمروں کی تعمیری جگہ چھوڑ کر بھی مسجد کے لئے 4500 SF جگہ نماز کی ادائے گی کے لئے آسانی سے استعمال میں آسکتی ہے۔ درخواست ہے کہ اس مسئلہ کو مفصل ومدلل تحریر فرما کر ممنون فرمائیں۔

المستفتی: شریف الدین امام مسجد الصحابہ، نورنگر امراؤتی، مہاراشٹر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مدرسہ کے نام سے شروع کی بنیاد رکھی گئی ہے، اس کے بعد سلسلہ بڑھتا چلا گیا، معاون وچندہ دہندگان نے دینی مدرسہ ہی کے نام سے چندہ اور عطیات دئے اور دیتے رہے؛ اس لئے اصل عمارت دینی مدرسہ ہی کے لئے ہونا لازم ہے۔ اور زیر زمین جو پروگرام رکھا گیا ہے وہ بھی مدرسہ کے ہی مفاد کے لئے ہونا لازم ہے۔ اور مدرسہ کی عمارت میں اسکول وکالج کے طلبہ کا رہنا چاہے کرایہ پر ہی کیوں نہ ہو اس سے فتنہ کا دروازہ کھلتا ہے؛ اس لئے اسکول کالج کے طلبہ کو کرایہ پر دینے کے لئے مدرسہ کی عمارت تیار کرنا خود مدرسہ کو خطرہ میں ڈالنا ہے؛ اس وجہ سے یہ پروگرام دینی مصلحت کے خلاف ہے؛ لہٰذا دینی ہی مدرسہ کے طلبہ کے قیام کے لئے کمروں کی تعمیر ہونی چاہئے، ہاں البتہ مدرسہ کی آمدنی کے لئے شادی خانہ کی جو بات کہی گئی ہے وہ بھی ایک فتنہ ہے؛ اس لئے کہ شادی خانہ میں بھی مردوں کے ساتھ عورتوں کی آمد ورفت بھی کثرت سے رہتی ہے جو آگے چل کر طلبہ ومدرسین کے لئے فتنہ کا سبب بن سکتا ہے؛ البتہ جب تک طلبہ کے قیام کا نظم نہ ہو اس وقت تک شادی کے واسطے یومیہ کرایہ پر دیا جاسکتا ہے، مثلاً دن بھر تعلیم ہو اور شام کو کرایہ پر دے دیا جائے، پھر صبح وہیں تعلیم ہو، اس طرح سے شادی کا کام بھی ہوتا رہے گا، جس سے مدرسہ کا فائدہ بھی ہوگا اور دینی تعلیم کا سلسلہ بھی جاری رہے گا، تو جائز ہوسکتا ہے۔ اور سائڈ میں جو غسل خانہ کی بات کہی گئی ہے، اسی طرح بیت الخلاء کی بات وہ درست ہے اور جو اوپر کے حصہ پر مسجد بنے گی اتنے حصہ پر مسجد بنانا

ضروری ہے، جتنے کے نیچے بیت الخلاء وغسل خانہ نہ آرہا ہو۔

لو تبين أن المستأجر يخاف منه على رقبة الوقف يفسخه القاضي، ويخرجه من يده. (شامي، كتاب الإجارة، باب فسخ الإجارة، مطلب فسق المستاجر ليس عذرا في الفسخ، زكريا ۹/ ۱۱۱، كراچی ٦/ ۸۱، مطلب في الأرض المحتكرة ومعني الاستحكار، زكريا ۹/ ٤٤، كراچی ٦/ ۳۳، الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٤/ ۲۰۰)

وما يأتي متنا لا يفيد الجواز؛ لأن بيت الخلاء ليس من مصالحه. (تقريرات رافعي ملحق بالشامي زكريا ۲/ ۸۵، كراچی ۱/ ۸۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۱/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۶ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۸۸۵۵)	۱۴۲۶/۶/۱۱ھ

کیا مدرسہ کی موقوفہ چیزوں میں غرض واقف لازم ہے؟

سوال [۸۴۸۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ محمد تقی صاحب مرحوم نے ایک قطعہ مکان واضح ڈھکیہ پیر ضلع مرادآباد میں ۸۱ء میں ایک دینی مدرسہ کے لئے یہ کہہ کر کہ اس میں قرآن پاک کی تعلیم مسلمان بچوں کو دی جاتی رہے، تاکہ اس کا اجر وثواب مجھے ملتا رہے اور آخرت میں میرے کام آئے، وہ قطعہ مکان حافظ عبد الحمید کی تحویل میں دے کر اس میں دینی مدرسہ قائم کرا دیا، اس وقت سے اب تک برابر اس میں مدرسہ فرقانیہ لطیف العلوم کے نام سے جاری ہے، محمد تقی صاحب مرحوم کا فروری ۸۷ء میں انتقال ہوگیا۔ موصوف اس سلسلہ میں کوئی تحریر نہیں لکھ سکے، اب موصوف کے شرعی ورثاء ان کی اہلیہ قدسیہ بیگم اور ان کے لڑکے محمد اقبال تقی نے ایک تحریر اسی سلسلہ میں لکھ کر دی کہ ہمارے مورث محمد تقی مرحوم نے یہ مکان مدرسہ کو دے دیا تھا۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ مرحوم کی طرف سے وقف علی الخیر سمجھا جائے گا یا نہیں؟ تفصیلی کاغذات ہم رشتہ ہیں، مطالعہ فرما کر جواب بالصواب سے نوازیں۔

المستفتی: حکیم محمد مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: رجسٹری کاغذات اورسوال نامہ کی عبارت سے واضح ہوتا ہے کہ محمد تقی صاحب مرحوم نے مذکورہ مکان خاص طور پر مدرسہ مذکورہ کی ملکیت میں دے دیا ہے؛ اس لئے شرعاً مذکورہ مکان مدرسہ کی ملکیت میں داخل ہو چکا ہے، اس میں مدرسہ مذکورہ کے مفاد کے خلاف کسی کو تصرف کا حق حاصل نہیں ہوسکتا ہے، نیز اس کی حفاظت کے لئے رجسٹریشن کرالینا بہتر ہوگا۔

ولو قال: وهبت داري للمسجد، أو أعطيتها له صح، ويكون تمليكا، فيشترط التسليم. (هندية، الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد وما يتعلق به، زكريا قديم ۲/ ٤٦٠، جديد ۲/ ٤١٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍ربیع الثانی ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۷۶۶۸)

مدارس میں قائم کردہ انجمن کی تقسیم کا حکم

سوال [۸۴۸۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عرض یہ ہے کہ ضلع بستی سرکاری طور پر دو حصوں میں تقسیم ہوگیا ہے، تو دارالعلوم دیوبند میں ضلع بستی کے طلبہ کی قائم کردہ انجمن تہذیب الکلام کی تقسیم کا مسئلہ پیدا ہوگیا، ابھی ہم لوگ اس سلسلہ میں غور وخوض کرہی رہے تھے کہ چند طلبۂ عزیز نے ایک استفتاء اوراس کا جواب پیش کر کے درخواست کی کہ اس کے مطابق معاملہ کا فیصلہ کیا جائے، یہ صورت نہایت مناسب ہے کہ فقہ اسلامی کے مطابق معاملہ کا تصفیہ کیا جائے؛ لیکن استفتاء اوراس کے جواب میں چند تنقیح طلب جواب ہیں اوراسی لئے یہ تحریر پیش خدمت ہے۔ استفتاء میں یہ بات ذکر میں نہیں آسکی کہ تمام انجمنوں کے دستور اساسی میں یہ وضاحت ہوتی ہے کہ اس انجمن سے فلاں

ضلع یا فلاں صوبہ یا فلاں مدرسہ کے طلبہ استفادہ کرسکیں گے، چنانچہ طلبہ بدلتے رہتے ہیں اور انجمن اپنی جگہ قائم رہتی ہے، اسی طرح کی انجمنوں کو اصطلاحی وقف تو نہیں کہا جا سکتا؛ کیوں کہ ان پر وقف کی تعریف صادق نہیں آتی؛ لیکن یہ بات بالکل واضح ہے کہ انجمن یا اس کی املاک سے افرادِ انجمن کا تعلق ذاتی ملکیت کی طرح کا نہیں ہوتا؛ بلکہ ان کا باہمی تعلق اس طرح ہوتا ہے جیسے وقف کی املاک سے موقوف علیہ کا ہوتا ہے؛ اس لئے اس انجمن کا قریب ترین مقیس علیہ وہ اوقاف ہیں جن کا موقوف علیہ کسی خطہ کے فقراء وغیرہ کو قرار دیا گیا ہو، چونکہ استفتاء میں یہ وضاحت نہیں تھی؛ اس لئے جواب فتویٰ میں ذاتی املاک والے جزئیات کو مقیس علیہ قرار دے کر حکم بیان فرمایا گیا ہے۔

(۲) مندرجہ بالا وضاحت کے بعد اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ ان ذاتی ومشترک املاک میں تو عند الطلب تقسیم ضروری ہوتی ہے؛ لیکن وقف یا وقف جیسی عوامی املاک میں بھی تقسیم ضروری ہے، مثلاً کسی شخص نے کوئی جائیداد وقف کی اور اس میں تصریح کی کہ یہ فلاں ضلع کے طلبہ یا فقراء یا یتیموں کے لئے ہے، پھر وہ ضلع دو حصوں میں تقسیم ہو گیا تو کیا اس وقف کو دو حصوں میں تقسیم کرنا ضروری ہوگا؟

(۳) یا مثلاً واقف نے تصریح کی کہ یہ جائیداد فلاں مدرسہ کے لئے ہے، پھر وہ مدرسہ دو حصوں میں اس طرح تقسیم ہو گیا کہ ایک حصہ تو سابقہ نام سے قائم رہا اور دوسرا حصہ نئے نام سے موسوم ہوا، تو کیا اس وقف کو تقسیم کرنا ضروری ہوگا؟

(ب) اگر تقسیم کرنا ضروری نہیں ہے؛ بلکہ صرف جائز ہے یا جائز بھی نہیں ہے، تو کیا یہ صورت اختیار کرنا جائز ہوگا کہ وہ انجمن صرف انہیں طلبہ کے لئے خاص کردی جائے جو ضلع کی تقسیم کے بعد بھی سابقہ نام سے منسوب ہیں اور نوتشکیل شدہ ضلع کے طلبہ کی زیادہ سے زیادہ مدد کرکے ان کے لئے دوسری انجمن قائم کرادی جائے؟

المستفتی: حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب بستوی، مدرس دار العلوم دیوبند

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مدارس میں طلبہ کی انجمنوں کی حیثیت شرعاً وقف کی ہے،

اگر چہ اموال منقولہ میں امام ابو یوسف ومحمد رحمہما اللہ کے درمیان اختلاف ہے؛ لیکن تمام متأخرین نے حضرت امام محمد رحمہ اللہ کے قول پر فتویٰ دیا ہے اور یہی مفتی بہ ہے، اسی پر امت کا عمل ہے؛ لہٰذا اسے وقف نہ کہنا درست نہیں ہے، نیز کتابیں ورقوم وغیرہ سب وقف ہیں، اس کے لئے چند عبارتیں معتبر کتب فقہ سے پیش کی جاتی ہیں:

(۱) صح أيضا وقف كل منقول قصدا فيه تعامل للناس كفأس وقدوم بل ودراهم ودنانير، وفي الشامية: ولما جرى التعامل في زماننا في البلاد الرومية وغيرها في وقف الدراهم والدنانير دخلت تحت قول محمد المفتى به في وقف كل منقول فيه تعامل الخ. (الدرالمختار مع الشامي، الوقف، مطلب في وقف المنقول قصدا، زكريا ٦/ ٥٥٥، كراچی ٤/ ٣٦٣، بزازية، زكريا جديد ٣/ ١٣٧، وعلى هامش الهندية قديم ٦/ ٢٥٩، البحرالرائق، كوئٹه ٥/ ٢٠٣، زكريا ٥/ ٣٣٨، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٢/ ٥٨٠، مصري قديم ١/ ٧٤٦)

(۲) وجوز الفقيه أبو الليث وقف الكتب وعليه الفتوى. (البحرالرائق، كتاب الوقف، كوئٹه ٥/ ٢٠٢، زكريا ٥/ ٣٣٨، قاضيخان زكريا جديد ٣/ ٢١٨، وعلى هامش الهندية ٣/ ٣١١، هندية زكريا قديم ٢/ ٣٦١، جديد ٢/ ٣٥٢، البناية قديم ٢/ ٩٩٥، أشرفيه ٧/ ٤٤٠)

(۳) ومحمد يقول القياس قد يترک بالتعامل كما في الاستصناع وقد وجد التعامل في هذه الأشياء، وعن نصير بن يحيى أنه وقف كتبه إلحاقا بالمصحف، وهذا صحيح؛ لأن كل واحد يمسک للدين تعليما وتعلما وقراء ة، وأكثر فقهاء الأمصار على قول محمد. الخ (هداية، كتاب الوقف، أشرفي ٢/ ٦٤٠، البناية، قديم ٢/ ٩٩٥، أشرفيه جديد ٧/ ٤٤٠، تبيين الحقائق، إمداديه ملتان ٣/ ٣٢٧، زكريا ٤/ ٢٦٥، بزازية، زكريا جديد ٣/ ١٣٧، وعلى هامش الهندية ٦/ ٢٥٩، البحرالرائق، كوئٹه ٥/ ٢٠٢، زكريا ٥/ ٣٣٨)

(٤) وإن على طلبة العلم وجعل مقرها في خزانته التي في مكان

كذا، ففي جواز النقل تردد. (وفي الشامية:) **ظاهره صحة الوقف عليهم؛ لأن الغالب فيهم الفقر -إلى قوله- وقد يقال: إن هذا مما يستوى في الانتفاع به الغني والفقير. الخ** (الدرالمختار مع الشامي، الوقف، مطلب في حكم الوقف على طلبة العلم، زكريا ٦/ ٥٥٨- ٥٥٩، كراچی ٤/ ٣٦٦، منحة الخالق على البحر الرائق، كوئٹه ٥/ ٢٠٢، زكريا ٥/ ٣٣٨)

(٥) **الوقف على ثلاثة أوجه: إما للفقراء أو للأغنياء، ثم الفقراء أو يستوى فيه الفريقان، كرباط وخان ومقابر وسقايات، وقناطر ونحو ذلک، كمساجد وطواحين وطست لاحتياج الكل لذلک، وفي الشامية: وكذا مصاحف مساجد وكتب مدارس. الخ** (الدرالمختار مع الشامي، الوقف، مطلب في وقف الراهن والمريض والمديون، زكريا ٦/ ٦٠٣، كراچی ٤/ ٣٩٩)

جب مذکورہ عبارات سے انجمن کی کتب ورقوم کا موقوفہ ہونا ثابت ہوگیا ہے، تو ضلع بستی کی قدیم حدود دائرہ کے اندر رہنے والے تمام طلبہ مذکورہ وقف میں شامل ہوں گے، اوران سب کے لئے انتفاع کا حق مذکورہ انجمن کے ساتھ برابر طریقہ سے منسلک ہوگا، چاہے شہر بستی کے رہنے والے ہوں یا خلیل آباد کے یا سدھارتھ نگر کے یا مذکورہ ضلع کے کسی گاؤں یا دیہات کے رہنے والے ہوں، سب برابر کے حق دار ہوں گے، اوراب سرکاری طور پر تقسیم کی صورت میں بھی قدیم حدود کے تمام طلبہ کو انتفاع کا حق یکساں طور پر باقی رہے گا؛ لہٰذا ضلع کی حدود تقسیم ہونے کی وجہ سے ان کا ثابت شدہ حق باطل نہیں ہوگا، اگر چہ نام دوسرا رکھ دیا گیا، نفس نام کا کوئی اثر مرتب نہیں ہوتا ہے؛ بلکہ اغراض ومقاصد کا اثر ہوا کرتا ہے؛ لہٰذا ضلع کی حدود دو حصوں میں تقسیم ہوجانے پر دوسرے حصہ کا نیا نام رکھ دینے کی وجہ سے اس حصہ کے طلبہ اپنے حق سے محروم نہیں ہوں گے، اس لئے ضلع تقسیم ہوجانے کی وجہ سے اگر موقوفہ انجمن کا تقسیم ہونا مجبوراً لازم آجائے تو برابر طریقہ سے تقسیم کر دینا ضروری ہوگا اور حدود ضلع کے کسی ایک حصہ کے طلبہ کو دوسرے حصہ پر محض نام کے بدل جانے کی وجہ سے کوئی فضیلت وترجیح حاصل

نہیں ہوگی، جیسا کہ بزازیہ، شامی وبحروعالمگیری کی عبارات ذیل سے وضاحت ہوتی ہے:

(۱) **إذا وقف کتبا وعین موضعها، فإن وقفها علی أهل ذلک الموضع لم یجز نقلها منه لا لهم ولا لغیرهم، وظاهره أنه لا یحل لغیر هم الانتفاع بها، وإن وقفها علی طلبة العلم، فلکل طالب الانتفاع بها فی محلها. الخ** (شامي، الوقف، مطلب في نقل کتب الوقف من محلها، زکریا ٦/ ٥٥٩، کراچی ٤/ ٣٦٦)

(۲) **إذا وقف علی طلبة علم بلدة کذا یجوز؛ لأن الفقر غالب فیهم، فکان الاسم منبئا عن الحاجة، والحاصل أنه متی ذکر مصرفا فیه نص علی الفقراء والحاجة، فالوقف صحیح یحصون أم لا.** (البحرالرائق، کوئٹه ٥/ ١٩٩، زکریا ٥/ ٣٣٢)

(۳) **وقف علی فقراء أقربائهم المقیمین في خوارزم، فانتقلوا إلی بلد آخر، إن کان مما یحصون لا تنقطع وظیفتهم، وإن لا یحصون تنقطع، ثم إن بقي هناک منهم أحد یصرف الکل إلیه، وإن لم یکن صرف الکل إلی الفقراء، فلو رجعوا إلی خوارزم ثانیا یعود حقهم، وقال في الفتاوی: لا ینقطع حقهم مطلقا. الخ** (فتاوی بزازیة، الوقف، الفصل السادس في الوقف علی الفقراء، زکریا جدید ٣/ ١٤٩، وعلی هامش الهندیة ٦/ ٢٧٨)

(٤) **ولو قال لقرابتي، وجیراني، وموالي، والمساکین یضرب کل واحد من القرابة، وکل واحد من الجیران، وکل واحد من الموالي بسهم، والمساکین بأسرهم بسهم، کذا فی خزانة المفتین، ولو قال لقرابتي، وللمساکین، ضرب کل واحد من القرابة بسهم والمساکین بسهم. الخ** (فتاوی عالمگیری، الباب الخامس، في ولایة الوقف، فصل في کیفیة قسمة الغلة، زکریا قدیم ٢/ ٤٢٨، ٤٢٩، جدید ٢/ ٣٩٢)

(۲) جی ہاں دوحصوں میں تقسیم کرنا واجب ہوگا، جیسا کہ عالمگیری کی عبارت نمبر ۴/ سے

واضح ہوتا ہے، نیز وقف علی الاولاد کا بھی یہی حکم ہے، جس کی تفصیل اپنی جگہ موجود ہے۔
(۳) اگر بغیر نفسانیت کے اضطراری طور پر مدرسہ کی تقسیم دو حصوں میں ہوجائے اور نام بھی دو ہوجائیں، تو موقوفہ املاک بھی دو حصوں میں تقسیم ہوجائیں گی، جیسا کہ عالمگیری کی عبارت سے واضح ہوتا ہے، لیکن اشخاص کا تقسیم ہوجانا املاک کی تقسیم کو مستلزم نہیں ہوتا ہے، جیسا کہ دارالعلوم وجامع مسجد دیوبند کا واقعہ ہے، نوتشکیل شدہ ضلع کے طلبہ کی زیادہ سے زیادہ مدد کر کے دوسری انجمن قائم کر دینے سے ان طلبہ کا حق قدیم انجمن سے ساقط نہیں ہوگا؛ کیوں کہ غرض واقف کے تحت سب طلبہ داخل ہیں، جس کے خلاف کرنا جائز نہیں ہے۔ اور موقوفہ انجمن کے ساتھ طلبہ کے جو حقوق منسلک ہیں وہ حقوق مجردہ میں سے ہیں، اس کا عوض دینا شرعاً درست نہیں ہے۔

إن مراعاة غرض الواقفين واجبة. الخ (شامي، الوقف، مطلب مراعاة غرض الواقفين واجبة، زكريا ٦/ ٦٦٥، كراچی ٤/ ٤٤٥)

الحقوق المجردة لا يجوز الاعتياض عنها، ومثالها: كحق الشفعة، فلو صالح عنه بمال بطلت ورجع به، ولو صالح المخيرة بمال لتختاره بطل ولا شيء لها، ولو صالح إحدى زوجتيه بمال تترك نوبتها لم يلزم ولا شيء لها. الخ (قواعد الفقه، أشرفي، ص: ٧٧-٧٨، رقم: ١١٨)

الحق متى ثبت لا يبطل بالتأخير ولا بالكتمان. (قواعد الفقه، أشرفي، ص: ٧٧، رقم: ١١٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ رجمادی الاخریٰ ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۲۷۸)

چندہ کے پیسے سے بنی ہوئی عمارت میں اراکین مدرسہ کا کتبہ لگانا

سوال [۸۴۸۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک زمین جس میں اس وقت مدرسہ قائم ہے، یہ اپنی گھونگھر وسوسائٹی کی ملکیت تھی، پھر

کام ٹھپ ہوجانے کی وجہ سے اس زمین کے خریدار بتیس آدمی ہو گئے، اور اب بتیس کی ملکیت ہے، جس میں مدرسہ سراج العلوم گڑھی مان خان جلیسر قائم ہے اور مدرسہ کا پچھلا حصہ گھونگھر وسوسائٹی کا ہی بنا ہوا ہے اور اب جو آگے کا حصہ برآمدہ تیار کیا گیا ہے، اس میں محلّہ کا چندہ اور شہر کا چندہ اور دیگر مختلف شہروں کے چندے سے تیار کیا گیا، اس حصہ میں مدرسہ کے اراکین کے نام کا پتھر لگنا کیسا ہے؟ جب کہ اب تک مدرسہ کے صدر گیٹ پر گھونگھر وکمیٹی کے نام کا پتھر بھی موجود ہے، مدرسہ کی زمین کی ملکیت گھونگھر وسوسائٹی کی ہے، ایسی حالت میں ان اراکین کمیٹی کے نام کا پتھر لگنا کیا ضروری تھا؟ وہ نام حسب ذیل ہیں:

عہدیداران	صدر مدرسہ عبدالرشید صاحب عرف گوپ
نائب	عبدالستار صاحب چھوٹے
سکریٹری	محمد حسن صاحب
خازن	جمال الدین صاحب
نائب	عبدالرشید صاحب
〃	عبدالجبار صاحب

ممبران کمیٹی: محمد خلیل، محمد ہارون، باب الدین، عبدالحسیب، محمد مشتاق، عبدالعزیز، محمد حنیف، عبدالغفار۔ اس کا جواب مدلّل ومفصل دینے کی زحمت گوارہ کریں، عین کرم ہوگا۔

المستفتی: صابر حسین عباسی، محلّہ گھڑی مان خان، جلیسر ٹاؤن، ضلع ایٹہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب اراکین وممبران مدرسہ کی ذاتی رقم سے مدرسہ کا مذکورہ حصہ نہیں بنایا گیا ہے؛ بلکہ عوامی چندے سے بنایا گیا ہے، تو اس حصہ کے پتھروں میں اراکین مدرسہ کے نام درج کر دینا اور اراکین مدرسہ کی طرف منسوب کر دینا ناجائز اور حرام ہے، سب اراکین مدرسہ سخت گنہگار رہوں گے۔ حدیث شریف میں ایسے لوگوں کا ٹھکانہ جہنم بتلایا گیا ہے:

عن أبي ذر –رضي الله عنه– أنه سمع رسول الله ﷺ يقول: ……

ومن ادعی ما لیس له، فلیس منا، ولیتبوأ مقعده من النار. (صحيح مسلم، الإيمان، باب بيان حال إيمان من رغب عن أبيه وهو يعلم، النسخة الهندية ١/ ٥٧، بيت الأفكار، رقم: ٦١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱ / جمادی الثانیہ ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۲۸۸)

جلسہ کی بچی ہوئی رقم کا مصرف

سوال [۸۴۸۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: علاقائی جمعیۃ علماء کے تحت کرائے گئے جلسہ کے مصارف سے بچی ہوئی جلسہ کی مد کیا مدرسہ میں اس کا منتظم اپنی صوابدید پر خرچ کرسکتا ہے یا نہیں؟ جب کہ جلسہ میں اگر رقم کم پڑتی تو مدرسہ کی مد سے پوری کی جاتی، ویسے بھی جمعیۃ کی لائبریری کے لئے کتب وغیرہ کی فراہمی مدرسہ سے کی جاتی ہے، چونکہ دونوں کا انتظام تقریباً مشترک ہے۔

المستفتی: حمید الرحمٰن، ساکن رسول پور، پوسٹ امیر نگر، ضلع کھیری لکھیم پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یہ بچی ہوئی رقم چندہ دہندگان کی اجازت سے مدرسہ میں خرچ کرسکتے ہیں، جمعیۃ کی لائبریری کے کتب کی فراہمی مدرسہ کی مد سے درست نہیں ہے، الا یہ کہ چندہ دہندگان کو یہ معلوم ہو کہ دونوں کا انتظام اسی چندہ سے ہوگا تب جائز ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۱۲/ ۲۷۹، جدید ڈابھیل ۱۵/ ۱۶۷، فتاوی رحیمیہ قدیم ۸/ ۲۶۶، جدید زکریا ۹/ ۸۸، امداد الفتاوی ۲/ ۵۹۳، امداد المفتین / ۷۷۹)

أن الفتوی علی أن المسجد لا یعود میراثا، ولا یجوز نقله ونقل ماله إلی مسجد آخر. (شامي، مطلب فيما لو خرب المسجد أو غيره، زكريا ٦/ ٥٤٩، كراچی ٤/ ٣٥٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/ رجب ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۷۳۱۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۷/ ۷/ ۱۴۲۲ھ

طلبہ سے لی گئی قیمت طعام کو مدرسہ کی تعمیر میں لگانا

سوال [۸۴۸۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مدرسہ میں کچھ امراء کے بچے تعلیم حاصل کررہے ہیں، وہ اپنے طعام پر مدرسہ کی طرف سے مقرر رقمیں جمع کرتے ہیں، کیا ان رقوم کو مدرسہ کی تعمیر پر خرچ کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: بشیر احمد قاسمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جی ہاں ان کی طرف سے جمع شدہ رقم مدرسہ کی تعمیر اور تنخواہ وغیرہ میں صرف کرسکتے ہیں؛ کیوں کہ وہ زکوۃ نہیں ہوئی۔

فيجوز لو بأمره، أي يجوز عن الزكاة على أنه تمليك منه، والدائن يقبضه لحكم النيابة عنه، ثم يصير قابضا لنفسه. (شامي، كتاب الزكاة، باب المصرف، زكريا ٣/ ٢٩٢، كراچى ٢/ ٣٤٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳/۱۲/۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۲۵۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۳/۱۲/۱۴۱۵ھ

مدرسہ کی رقم سے امام ومؤذن کو وظیفہ دینے کا حکم

سوال [۸۴۸۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کیا مدرسہ کی رقم سے مسجد کی امامت ومؤذنی کا وظیفہ دے سکتے ہیں؟

المستفتی: نسیم احمد چلہ امروہہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مسجد مدرسہ کے تابع ہے اور مدرسہ کے مختلف شعبۂ

اخراجات میں سے ایک شعبہ مسجد بھی ہے، تو مدرسہ کی رقم سے امام ومؤذن کا وظیفہ جائز ہے۔ اور اگر تابع نہیں ہے تو جائز نہیں ہے۔

التابع تابع. (الأشباه، قديم: ١٨٣) **تابع اپنے لوازمات کے ساتھ تابع ہوتا ہے۔**

اتحد الواقف والجهة، وقل مرسوم بعض الموقوف عليه بسبب خراب وقف أحدهما جاز للحاكم أن يصرف من فاضل الوقف الآخر عليه؛ لأنهما حينئذ كشيء واحد. (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الوقف، مطلب في انقاض المسجد ونحوه، كراچی ٤/ ٣٦٠، زكريا ٦/ ٥٥١، وكذا في البحرالرائق، كوئٹه ٥/ ٢١٦، زكريا ٥/ ٣٦٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/۲/۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/ ۳۳۳۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۸/۲/۱۴۱۴ھ

انجمن کی رقم سے سر پرست انجمن کو ہدیہ دینا

سوال [۸۴۸۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر کسی مدرسہ میں مختلف انجمنیں قائم ہیں اور ان کے اراکین اور سر پرست بھی ہیں اور سال کے آخر میں جہاں ہم طلبہ کی بذریعہ انعام حوصلہ افزائی کی جاتی ہے، وہیں سر پرست انجمن کی کافی محنت ہم طلبہ پر ہوتی ہے، تو کیا اراکین انجمن کی جانب سے سر پرست صاحب کو انجمن کی رقم سے بطور ہدیہ کے کچھ انعام مثلاً کتاب وغیرہ دینا چاہیں تو کیا دینا جائز ہے؟

المستفتی: محمد مظفر گڈاوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: انجمن کے بارے میں جتنے بھی امور عمل میں لائے جائیں وہ سارے کے سارے مدرسہ کے کسی بڑے مربی قسم کے استاذ کی ماتحتی میں ان ہی کے مشورہ سے عمل میں لائے جائیں۔ اور سوال نامہ میں جن جن چیزوں سے متعلق سوال کیا

گیا ہے وہ سارے کام اس طرح کے اہم اساتذہ کی نگرانی اوران کے مشورہ اوران کے حکم کے مطابق عمل میں لانا چاہئے، اگر ہدیہ اورانعام کی بات آتی ہے،تو وہ بھی ان کے مشورہ کے بغیر عمل میں نہ لائی جائے۔

یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَطِیْعُوْا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْا الرَّسُوْلَ وَاُوْلِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ.

[سورة النساء، آيت: ٥٩]

وقال ابن كيسان: هم أولو العقل والرائ الذين يدبرون أمر الناس.

(قرطبي، دارالكتب العلمية بيروت ٥/ ١٦٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰؍رجب ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۷۶۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۸/۵ھ

اسکول کے درجہ پنجم کے امتحان کا خرچ مدرسہ سے لینا

سوال [۸۴۸۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: درجہ پنجم کے امتحان کا خرچ جونیر میں داخلہ لینے کے لئے مدرسہ سے لینا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: ربیع الاسلام

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مدرسہ عربیہ میں دینی امداد یا مال زکوۃ تملیک شدہ ہو تو اس مال سے جائز نہیں؛ کیوں کہ جونیر یونیورسٹی وغیرہ میں دینی چندہ دینا بھی جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۲/۴ ۷)

ويشترط أن يكون الصرف تمليكا، لا إباحة. (شامي، كتاب الزكوة، باب المصرف، زكريا ٣/ ٢٩١، كراچى ٢/ ٣٤٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ذی الحجہ ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۳۸۵)

مدرسہ کی رقم سے متعلقین کو ہدیہ دینے کا حکم

سوال [۸۴۹۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مدرسہ کی رقم سے دوست احباب کو ہدیہ دے سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: نبی حسن خادم دارالعلوم، ارریہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مدرسہ کی رقم اپنی ذاتی ملکیت نہیں ہے، ہدیہ تحفہ اپنی ذاتی ملکیت سے دیا جاتا ہے، ہاں البتہ جن حضرات کو مدرسہ کے مفاد کی غرض سے مدرسہ میں جلسہ جلوس یا امتحانات میں بلایا جاتا ہے، ان کو واپسی میں منجانب مدرسہ کچھ تحفہ ونذرانہ پیش کر دیا جائے، تو اس کی گنجائش ہے؛ اس لئے کہ یہ ہدیہ تحفہ مدرسہ کا خرچ ہے، مگر دوستانہ طور پر دوست احباب کو دینا جائز نہیں، مدرسہ کی مالیات محتاط طریقہ سے خرچ کرنے میں ذمہ دارانِ مدرسہ ایک قسم کے امین کے درجہ میں ہے۔ (مستفاد: فتاوی رحیمیہ ۶/ ۷۸)

وليس للمودع حق التصرف والاسترباح في الوديعة. (المبسوط، كتاب الوديعة، دارالكتب العلمية بيروت ١١/ ١٢٢)

الثامنة في وقف المسجد أيجوز أن يبنى من غلته منارة؟ قال في الخانية: معزيا إلى أبي بكر البلخي إن كان ذلک من مصلحة المسجد بأن كان أسمع لهم فلا بأس به. (البحرالرائق، كتاب الوقف، كوئٹه ٥/ ٢١٥، زكريا ٥/ ٣٦٠)

ويبدأ من غلته بعمارته، ثم ما هو أقرب لعمارته ...... كذلک إلى آخر المصالح. (الدر مع الرد، الوقف، مطلب يبدأ من غلة الوقف بعمارته، زكريا ٦/ ٥٥٩-٥٦١، كراچی ٤/ ٣٦٦-٣٦٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ صفر ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۷۲۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۲/۱۸ھ

مدرسے کے فنڈ سے مہمان نوازی کرنا

سوال [۸۴۹۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کیا مدرسہ کے فنڈ سے مہتمم ضیافت کرسکتا ہے، چاہے ضیف سید ہو، تاجر ہو، عامی ہو، غیر عامی ہو، غریب ہو؟

المستفتی: عبداللہ عاصی، جامعہ اسلامیہ دارالعلوم قاضی باغ کاشی پور، اودھم سنگھ نگر، یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مدرسہ کو نفع کی توقع ہو اور چندہ دہندگان کی طرف سے صراحتاً یا دلالۃً اجازت اور رضامندی ہو، تو مہمانوں کی ضیافت مدرسہ کی جانب سے کرنا درست ہے، یا مدرسہ میں باضابطہ ضیافت کا الگ سے فنڈ ہو، تو اس فنڈ سے کرنا درست ہے، ورنہ ذمہ دار اپنی جیب سے خرچ کرے۔ (مستفاد: فتاوی رحیمیہ ۶/ ۸۷، جدید زکریا ۹/ ۹۶)

شرط الواقف كنص الشارع في وجوب العمل به، وفي المفهوم والدلالة. (قواعد الفقه، أشرفي، ص: ۸۵، رقم: ۱۵۲)

الثامنة في وقف المسجد أيجوز أن يبنى من غلته منارة؟ قال في الخانية: معزيا إلى أبي بكر البلخي إن كان ذلک من مصلحة المسجد بأن كان أسمع لهم فلا بأس به. (البحرالرائق، كتاب الوقف، كوئٹه ۵/ ۲۱۵، زكريا ۵/ ۳۶۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

كتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۲۱/۳/۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۵۱۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۳/۲ھ

مدرسہ کی رقم سے چائے، بسکٹ اور مہمانوں کی ضیافت

سوال [۸۴۹۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: (۱) مدرسہ کی رقوم سے، چائے، بسکٹ، پان وغیرہ کھانا اور کھلانا درست ہے یا نہیں؟
(۲) کسی مہمان کی مہمان داری مدرسہ کی رقوم سے جائز ہوگی یا نہیں؟
المستفتی: بندہ محمد عبداللطیف عفی عنہ، خادم مدرسہ مرکز العلوم، ڈاکخانہ بھیگا پور، ضلع کریم گنج، آسام

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) غالب یہ ہے کہ چندہ دہندگان کی طرف سے اس کی اجازت نہیں ہوتی ہے؛ اس لئے اپنے پاس سے خرچ کرنا لازم ہے۔

(۲) مخصوص مہمان جس کی ذات سے مدرسہ کو معتد بہ نفع کی توقع ہو تو درست ہے، ورنہ مہتمم واہل شوریٰ اپنے پاس سے خرچ کریں۔ (مستفاد: فتاوی رحیمیہ ۶/۸۷، جدید زکریا ۹/۹۶)

صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة. (شامي، الوقف، مطلب مراعاة غرض الواقفين واجبة، زكريا ٦/ ٦٦٥، كراچی ٤/ ٤٤٥)

شرط الواقف كنص الشارع في وجوب العمل به، وفي المهوم والدلالة. (قواعد الفقه، أشرفي، ص: ٨٥، رقم: ١٥٢)

الثامنة في وقف المسجد أيجوز أن يبنى من غلته منارة؟ قال في الخانية: معزيا إلى أبي بكر البلخي إن كان ذلک من مصلحة المسجد بأن كان أسمع لهم فلا بأس به. (البحرالرائق، كتاب الوقف، كوئٹه ٥/ ٢١٥، زكريا ٥/ ٣٦٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰/شوال ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۲۶۹)

مدرسہ کی رقم سے تقریب میں گیٹ وغیرہ کی سجاوٹ

سوال [۸۴۹۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کسی تقریب میں مدرسہ کی رقوم سے گیٹ وغیرہ کی سجاوٹ درست ہے یا نہیں؟
المستفتی: بندہ عبداللطیف عفی عنہ، خادم مدرسہ مرکز العلوم، ڈاکخانہ بھیگا پور، ضلع کریم گنج، آسام

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مدرسہ کی رقوم سے استحکام جائز ہے، تزئین ناجائز ہے، ہاں اگر مدرسہ کو معتد بہ اور بین نفع کا یقین ہے تو گنجائش ہے، محض احتمال نفع کی صورت میں اپنے پاس سے گیٹ وغیرہ کا خرچ ادا کریں۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۲/۵۳۲)

الوكيل إنما يستفيد التصرف من الموكل، وقد أمره بالدفع إلى فلان فلا يملك الدفع إليه غيره. (شامي، كتاب الزكوة، زكريا ۳/ ۱۸۹، كراچی ۲/ ۲۶۹)

الثامنة في وقف المسجد أيجوز أن يبنى من غلته منارة؟ قال في الخانية: معزيا إلى أبي بكر البلخي إن كان ذلك من مصلحة المسجد بأن كان أسمع لهم فلا بأس به. (البحرالرائق، كتاب الوقف، كوئٹه ۵/ ۲۱۵، زكريا ۵/ ۳۶۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰؍شوال ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/۲۶۹)

مدرسے کی زمین میں اساتذہ وطلبہ کے لئے مسجد بنانا

سوال [۸۴۹۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک مدرسہ ہے، جس میں کوئی زمین مستقل مسجد کے لئے نہیں ہے، تو محض مدرسہ کی زمین میں طلبہ واساتذہ کے لئے مسجد بنائی جاسکتی ہے یا نہیں؟

المستفتی: ساجد انور، سیتامڑھی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مسجد کے لئے مستقل طور پر مدرسہ کے پاس الگ سے کوئی زمین نہیں؛ بلکہ مدرسہ کی ضروریات کے لئے مدرسہ ہی کی زمین ہے اور طلبہ واساتذہ کو نماز کے لئے مسجد کی سخت ضرورت ہے، تو ایسی صورت میں مدرسہ کے اندر مدرسہ کی زمین میں

مسجد بنانا مدرسہ کی شرعی ضرورت ہے؛ اس لئے مدرسہ کی ملکیت کی زمین میں طلبہ واساتذہ کے واسطے شرعی مسجد بنانا بلاتردد جائز اور درست ہے۔

وإن جعل شيء من الطريق مسجدا صح كعكسه يعني إذا بني قوم مسجدا، واحتاجوا إلى مكان ليتسع، فأدخلوا شيئا من الطريق ليتسع المسجد وكان ذلك لا يضر بأصحاب الطريق جاز ذلك، وكذا إذا ضاق المسجد على الناس وبجنبه أرض لرجل تؤخذ أرضه بالقيمة كرها لما روي عن الصحابة رضي الله عنهم لما ضاق المسجد الحرام أخذوا أرضين بكره من أصحابها بالقيمة، وزادوا في المسجد الحرام. (البحرالرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد، كوئٹه ٥/ ٢٥٥، زكريا ٥/ ٤٢٨، تبيين الحقائق، إمداديه ملتان ٣/ ٣٣١-٣٣٢، زكريا ٤/ ٢٧٣-٢٧٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/۴/۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۸۰۱۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۲/۴/۱۴۲۴ھ

مدارس کی جمع شدہ رقم اپنی ضروریات میں صرف کرنا

سوال [۸۴۹۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مساجد ومدارس میں خصوصاً مدارس میں زکوۃ کی مد میں رقومات جمع کی جاتی ہیں، تو کیا زکوۃ میں دی گئی رقم کاروبار میں لگانے کے مجاز مدارس کے متولیان یا ذمہ داران ہوسکتے ہیں، یہ ادارہ اگر R.B.I میں رجسٹرڈ ہے، تو کس بنا پر یہ کہتے ہیں کہ غیر سودی ہے۔ اور اگر رجسٹرڈ نہیں ہے تو عوام کے روپیوں کی کیا گارنٹی ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مساجد ومدارس کی جو رقومات ان کے ذمہ داران کے

پاس جمع ہیں وہ ان کے پاس امانت ہیں؛ لہٰذا اس کو کاروبار میں لگانا جائز نہیں۔ (مستفاد: عزیز الفتاوی ۱/۳۶۱، فتاوی محمودیہ قدیم ۱۵/ ۲۸۸، ڈابھیل ۱۵/ ۵۰۵)

وليس للمودع حق التصرف والاسترباح في الوديعة. (المبسوط للسرخسي، كتاب الوديعة، دارالكتب العلمية بيروت ١١/ ١٢٢)

ومقتضى ما قاله أبوسعود أنه يقبل قوله في حق براءة نفسه لا في حق صاحب الوظيفة؛ لأنه أمين فيما في يده، فيلزم الضمان في الوقف؛ لأنه عامل له، وفيه ضرر بالوقف. (شامي، الوقف، مطلب إذا كان الناظر مفسدا لا يقبل قوله بيمينه، كراچی ٤/ ٤٤٩، زكريا ٦/ ٦٧٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸ر جمادی الاولیٰ ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۱۴۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۹/۵/۱۴۲۰ھ

خزانچی کا مدرسہ کی رقم اپنے استعمال میں لانا

سوال [۸۴۹۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کے پاس مدرسہ کا فنڈ کمیٹی کی طرف سے رہتا ہے اور وہ مدرسہ کا خزانچی ہے، کیا خزانچی کے پاس زکوۃ وغیرہ کا پیسہ بغیر تملیک جمع کر سکتے ہیں؟ اور خزانچی مدرسہ کا پیسہ اپنے استعمال میں لاسکتا ہے یا نہیں؟ اگر تملیک شدہ رقم جمع ہے اور خزانچی امانت کے بطور نہیں رکھتا؛ بلکہ بطور قرض مدرسہ رکھتا ہے، تو وہ پیسہ اپنے استعمال میں یا کسی کو ادھار دے سکتا ہے یا نہیں؟

فقط والسلام

المستفتی: رحمت اللہ قاسمی، مدرسہ دارالعلوم جمعیت القریش ندائے السلام

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: زید جب مدرسہ کا خزانچی ہے، تو اس کے پاس مدزکوۃ کا

بھی پیسہ جمع ہوگا اور مد امداد کا بھی جمع ہوگا اور اس پر لازم ہے کہ مدزکوۃ اور صدقات واجبہ کا حساب الگ رکھے اور امداد وخیرات کا حساب الگ رکھے، اس کے پاس بغیر تملیک کے زکوۃ کا پیسہ بھی جمع ہوسکتا ہے اور امداد کا پیسہ بھی۔ اور یہ دونوں قسم کے پیسے بطور ضمانت جمع ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ان میں سے کوئی پیسہ ادھر ادھر ہوگیا تو اس کا ذمہ دار زید ہی ہوگا اور وہ اپنی جیب سے پورا کرے گا، جب کہ پہلے ہی سے ذمہ داران مدرسہ کی طرف سے اس طرح ضمانت کی بات طے ہوگئی ہو تو زید اس کا پابند رہے گا، نیز اس ضمانت کے باوجود جمع شدہ رقم نہ وہ اپنی ذات پر خرچ کرسکتا ہے نہ ہی دوسروں کو کمیٹی اور ذمہ داران مدرسہ کی اجازت کے بغیر دے سکتا ہے؛ بلکہ وہ امین ہونے کے ساتھ ساتھ ضامن بھی ہے، استعمال کی اجازت نہ ہونے کے اعتبار سے امانت ہے اور ضائع ہونے کی صورت میں تاوان دینے کے اعتبار سے ضمانت اور امانت مع الضمانت کا اکثر مدارس کے تحویل دار اور خزانچی کے ساتھ معاملہ ہوتا ہے اور اس طرح کے معاملات میں امانت میں ضمانت کی شرط لگانا ضرورت اور حالات کی وجہ سے جائز اور درست ہے۔ اور آج کل کے زمانے میں اس طرح کا معاملہ حالات کی وجہ سے ضرورت کے درجہ میں ہوگیا ہے، اس کے بغیر امانت محفوظ نہیں رہتی۔

والأصل فيه أن الشرط إذا كان مقيدا والعمل به ممكنا وجب مراعاته والمخالفة فيه توجب الضمان. (عناية مع فتح القدير، كتاب الوديعة، زكريا ۸/ ۵۱۹، كوئٹه ۷/ ٤٦٠، دارالفكر ۸/ ٤٩٤-٤٩٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍صفر ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۷۱۹)

مدرسہ کا روپیہ ذاتی معاملہ میں خرچ کرنا

سوال [۸۴۹۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: ایک دینی ادارے سے متعلق بستی میں دو پارٹی ہیں، ایک مدرسہ سے مخالف، دوسری معاون، مع عملہ مدرسین مخالف پارٹی طرح طرح کی الزام تراشیاں معاون پارٹی پر کرتی رہتی ہے، اسی دوران مخالف پارٹی کے ایک شخص سے مدرسہ کے ایک مدرس سے گھریلو معاملہ میں جھگڑا ہو جاتا ہے اور یہ جھگڑا ان کے مدرسہ میں مدرس بننے سے پہلے چلا آرہا ہے؛ لہٰذا یہ مدرس صاحب اب اس جھگڑے کے مقدمہ میں مدرسہ کا روپیہ صرف کرتے ہیں، آیا مدرسہ کا روپیہ اپنے ذاتی معاملہ میں لگانا جائز ہے یا نہیں؟ جواب سے نوازیں گے۔

المستفتی: الطاف الرحمٰن، مدرسہ اختر العلوم بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مدرس یا متعلقین مدرسہ کا اپنے ذاتی معاملہ وجھگڑے میں مدرسہ کا روپیہ خرچ کرنا ہرگز جائز نہیں ہے۔

إذ لا یجوز لأحد من المسلمین أخذ مال أحد بغیر سبب شرعي.

(شامي، کتاب الحدود، باب التعزیر، زکریا ۶/ ۱۰۶، کراچی ۴/ ۶۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱ر رمضان ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۱۹۷۰)

مدرسہ کے فون سے تبلیغی خبر کرنا

سوال [۸۴۹۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مدرسہ کے فون سے تبلیغی خبر کرنا اور اپنے ذاتی کام میں استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مدرسہ کے فون سے ذاتی خبر لینا دینا جائز نہیں اور تبلیغی خبر

امور دینیہ میں سے ہے، اگر مدرسہ تبلیغ سے بھی منسلک ہے، تو ایسے مدرسہ کے فون سے تبلیغی خبر کرنا جائز ہے؛ اس لئے کہ تبلیغی انتظام بھی ایسے مدرسہ میں مدرسہ ہی سے منسلک ہوتا ہے؛ اس لئے کہ یہ کام بھی مدرسہ کا ایک جزو ہے، جیسا کہ مدارس میں مختلف شعبے ہوتے ہیں، شعبہ نشر واشاعت شعبہ دعوت وتبلیغ، شعبہ تنظیم وترقی وغیرہ، اسی طرح تبلیغی دعوت کا سلسلہ بھی مدرسہ کا ایک شعبہ بن سکتا ہے۔

ويبدأ من غلته بعمارته، ثم ما هو أقرب لعمارته …… كذلك إلى آخر المصالح. (الدر مع الرد، الوقف، مطلب يبدأ من غلة الوقف بعمارته، زكريا ٦/ ٥٥٩- ٥٦١، كراچی ٤/ ٣٦٦- ٣٦٨، الموسوعة الفقهية الكويتية ٤٤/ ١٨٨)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱/۱/۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۵۹۴٦)

مدرسے کی رقم بطور رشوت دینا

سوال [۸۴۹۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہم ایک مدرسہ کے بنیادی اراکین میں سے ہیں، ایک مرتبہ اس مدرسہ کا ایک طالب علم غائب ہوگیا، اس کے گھر والوں نے تلاش کرنے میں ناظم مدرسہ سے تعاون مانگا؛ لیکن ناظم نے کسی قسم کی معاونت سے انکار کردیا، گھر والوں نے ناظم کے خلاف اغوا کی رپورٹ درج کرادی، اخبار کے مطابق اس میں مدرسہ کا کوئی تذکرہ نہ تھا؛ بلکہ یہ شخص متعین پر کیس تھا، اس مقدمہ کے سلسلہ میں ناظم نے قریبی تھانہ میں تقریباً پچاس ہزار روپئے بطور رشوت کے خرچ کیئے، مجلسِ شوریٰ نے اس رقم کو مدرسہ کی مد میں تسلیم کرلیا، اس فیصلہ سے آج تک مجھے تردد ہے کہ مدرسہ کی رقم کو بطور رشوت کے دینا جائز ہے یا نہیں؟ لیکن کثرت رائے کے مطابق

فیصلہ ہوگیا۔ واضح رہے کہ اس رپورٹ میں مدرسہ کا نام نہ تھا اور نہ ہی یہ تھا کہ یہ شخص مدرسہ کا ناظم ہے، آپ شریعت کی روشنی میں جواز یا عدم جواز کا فیصلہ فرما کر اطمینان قلب کا سامان فراہم کریں۔

المستفتی: منیر احمد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مدرسہ کا ذمہ دار طالب علم کی تعلیم اور تربیت کی ذمہ داری لیتا ہے، اس کی جسمانی اور ذاتی نفع نقصان کی ذمہ داری نہیں لیتا ہے اور ایسے حالات میں اگر بچہ غائب ہوگیا ہے، تو مدرسہ کے ذمہ دار کے اوپر اس کی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی ہے، صرف اتنی ذمہ داری ہوتی ہے کہ ماں باپ کو اطلاع کردے کہ تمہارا بچہ فلاں وقت سے غائب ہے۔ اور غائب شدہ بچہ کے ذمہ دار مدرسہ والے نہیں ہوتے ہیں؛ بلکہ اس کے ماں باپ اور اس کے سرپرست ہوتے ہیں، اس اعتبار سے مدرسہ کے ذمہ دار کا غائب شدہ بچہ کے سلسلہ میں دوڑ دھوپ نہ کرنے کی وجہ سے اس کے خلاف مقدمہ دائر کرنا شرعاً اور قانوناً درست نہیں ہے، اس کے باوجود ذمہ دار کے اوپر اغوا کا الزام لگا کر مقدمہ جو دائر کیا گیا ہے، اس میں اگرچہ مدرسہ کا نام کہیں سے کہیں تک نہیں ہے؛ لیکن ذمہ دار مدرسہ کو جو کچھ بھی دفاع کرنا پڑا وہ مدرسہ کا ذمہ دار ہونے کی وجہ سے کرنا پڑا ہے؛ اس لئے مدرسہ کے ارکانِ شوریٰ نے اگر اس کو محسوس کرکے ذمہ دار کی ذات پر یہ ذمہ داری ڈالنے کے بجائے مدرسہ پر ڈالی ہے تو اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔ اور اس کے لئے بہتر صورت یہ تھی کہ صاحب خیر حضرات سے اس کام کے لئے خصوصی تعاون کی گزارش کی جاتی اور یہ پیسے مخصوص حضرات اپنی طرف سے ادا کردیتے اور مدرسہ کے اوپر یہ بار نہ پڑتا۔

عن كثير بن عبدالله بن عمرو بن عوف المزني، عن جده، عن رسول الله ﷺ قال: الصلح جائز بين المسلمين، إلا صلحا حرم حلالا، أو أحل حراما، والمسلمون على شروطهم إلا شرطا حرم حلالا أو أحل حراما.

(ترمذي شريف، الأحكام، باب ما ذكر عن رسول الله ﷺ في الصلح بين الناس، النسخة الهندية ۱/ ۲۵۱، دارالسلام، رقم: ۱۳۵۲، المستدرك، كتاب الأحكام، مكتبه نزار مصطفى الباز، جديد ۷/ ۲۵۲۳، قديم ٤/ ۱۰۱، رقم: ۷۰۵۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶ر صفر المظفر ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۴۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۲/۲۶ھ

مدرسہ کی رقم سرکاری اسکیم شروع کرانے کے لئے بطور رشوت دینا

سوال [۸۵۰۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک مسئلہ دریافت طلب ہے جواب سے مطلع فرما کر احسان فرمائیں۔ یوپی گورنمنٹ سے ایک اسکیم شروع ہوئی ہے، گورنمنٹ سے منظور شدہ ہے، مدارس کے پرائمری سیکشن کے طلبہ کو فی کس ۱۴۴ر روپیہ بطور وظیفہ سالانہ دینے کی اس سلسلہ میں لاعلمی کی وجہ سے بھی اہل مدارس سے رشوت لی گئی، اس میں تعداد زائد وظیفہ لانے کے لئے ذمہ داروں نے خود لکھ دی، تاکہ زائد رقم ان کو مل جائے، بہرکیف اب احساس ہو رہا ہے کہ غلط کام ہو گیا، توبہ واستغفار کر رہے ہیں، آئندہ کے لئے احتیاط سے کام لیا جائے گا، اس کی تلافی کا جو طریقہ ہو اس سے مطلع فرما کر احسان فرمایا جائے، گورنمنٹ سے آئی ہوئی رقم کا لوٹانا اور بھی دشوار ہے آج کل کے ماحول میں اور اکنگٹا ئزڈ کاغذ بھی گم ہو گیا ہے، دوسرا ملنے کے بھی رشوت مانگ رہے ہیں، کیا کیا جائے؟

المستفتی: حامد علی، مدرسہ ارشاد العلوم ٹانڈہ، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حدیث شریف میں جھوٹ اور دھوکہ دہی کی سخت مذمت آئی ہے۔

قال النبي صلى الله عليه وسلم: الخديعة في النار. (صحيح البخاري، تعليقات، باب النجش، ومن قال: لا يجوز ذلك البيع، النسخة الهندية ١/ ١٨٧)

اس کی تلافی کی صورت یہ ہوسکتی ہے کہ جو رقم رشوت میں دی ہے وہ اگر مدرسے کی رقم ہے تو رشوت دینے والے ذمہ داران اپنی جیب سے بطور تاوان اتنی رقم مدرسہ کے خزانہ میں جمع کردیں۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۱۴/۱۶۱، جدید ڈابھیل ۱۵/ ۵۲۵)

والأصل فيه: أن الشرط إذا كان مقيدا والعمل به ممكنا وجب مراعاته، والمخالفة فيه توجب الضمان. (عناية، كتاب الوديعة، زكريا ٨/ ٥١٩، كوئٹه ٧/ ٤٦٠، دارالفكر ٨/ ٤٩٤-٤٩٥)

اور سرکار کی طرف سے جو زائد رقم آتی ہے، اس کو سرکاری خزانہ میں واپس کردیں، لیکن اگر سرکاری خزانہ میں واپس کرنے کی صورت نہ بن سکے تو اس رقم کو فی کس ۱۴۴/ روپیہ کے حساب سے آئندہ سال کے جلسہ میں تقسیم کردیں؛ کیوں کہ طلبہ ہی کے نام سے آیا ہوا پیسہ ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ، قدیم ۱۴/ ۱۴۱، جدید ڈابھیل ۱۵/۴/ ۵۷)

اس کے بعد پھر اپنی غلطی پر نادم ہوکر اللہ تعالیٰ سے توبہ واستغفار کرتے رہیں۔

وأما حكمها فوجوب الحفظ على المودع، وصيرورة المال أمانة في يده، ووجوب أدائه عند طلب مالكه. (هندية، كتاب الوديعة، الباب الأول، زكريا قديم ٤/ ٣٣٨، زكريا جديد ٣/ ٣٤٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴/ رشوال ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۴۴۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴/ رشوال ۱۴۱۸ھ

الفصل السادس:

اشیائے مدرسہ کی منتقلی کے احکام

مدرسہ کی منتقلی سے متعلق چند سوالات کے جوابات

سوال [۸۵۰۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک بستی میں ایک مکتب کے لئے بستی والوں کی رضا مندی سے چک بندی کے ایام میں ایک بیگہ سے کچھ اوپر زمین چھوڑی گئی۔ ۱۹۷۰ء میں مکتب کی بنیاد رکھی گئی، دو تین مدرس کام کرنے لگے، رفتہ رفتہ مکتب میں ترقی ہوتی رہی، ابتداء میں اہل بستی کے مشورہ سے مقامی ایک صاحب مہتمم بنائے گئے تھے، چند سال بعد ہی مدرس اول مولانا صاحب پر اعتماد ہونے کے باعث سب نے متفقہ طور پر مولانا صاحب کو مہتمم بنا دیا اور پورے اختیارات مہتمم صاحب کو دے دیئے، تدریجی طور پر مکتب ترقی کرتا رہا، اعتماد میں مزید اضافہ ہوا، تو کمیٹی بھی تحلیل کر دی گئی، مکتب کی ترقی برابر جاری رہی، یہاں تک کہ مکتب مدرسہ بن گیا، شعبہ تحفیظ القرآن الکریم میں فضل الٰہی سے خاص خدمت ہونے لگی، عربی سال ششم تک تعلیم ہوگئی، فللّٰہ الحمد...... پورا عملہ قناعت پسند اور مخلص ہے، مدرسہ میں توسیع کی ضرورت محسوس کی گئی، تو برابر کی زمین خریدی گئی، اب مزید زمین برابر میں چاروں طرف نہیں ہے، طلبہ کا رجوع متقاضی ہے کہ مدرسہ بڑا ہو، ایک عالم صاحب نے لوگوں سے زمینی چندہ کی اپیل کی تو خوشی خوشی زمینداروں نے ایک ایک، دو دو بیگہ کاشت کی زمین چندہ میں دینے کا وعدہ کر لیا، اس طرح کافی زمین موعود ہوگئی، تاکہ بڑا مدرسہ بستی سے الگ تقریباً ڈیڑھ کلومیٹر کے فاصلہ پر بڑے روڈ کے قریب بنایا جائے اور قدیم مدرسہ کی عمارت کو مکتب مطبخ دفتر اور گودام کی حیثیت سے استعمال کیا جائے۔ چندہ دہندگان کو مطلع کر دیا جائے کہ مدرسہ میں نام کی تبدیلی کے

ساتھ توسیع کی گئی ہے، اگر آپ قدیم نام سے بھی چندہ دیں گے تب بھی وہ جدید مدرسہ میں استعمال کیا جائے گا، اگر آپ کو یہ پسند نہیں تو چندہ نہ بھیجیں، آپ مختار ہیں، نیز پہلے عالم مہتمم صاحب چونکہ ضعیف ہوگئے، بیمار رہنے لگے، کئی بار فالج ہو چکا؛ اس لئے چاہتے ہیں دوسرے عالم شاب صالح کو مہتمم ناظم بنا دیں، تاکہ روز بروز ترقی ہوتی رہے، قدیم مہتمم صاحب بھی ان جوان صالح پر راضی ہیں، وہ جوان ہوس اقتدار نہیں رکھتے، بمشکل آمادہ ہوتے ہیں، یہ تفصیل جو عرض کی گئی ہے، شریعت مطہرہ اس بارے میں کیا کہتی ہے؟ فضل الٰہی سے اختلاف اور جھگڑے کا ہمارے یہاں دور تک بھی نام ونشان نہیں، طویل مدت میں کبھی بھی مدرسہ انتشار کا شکار نہیں ہوا۔ بحمد اللہ تعالیٰ۔

(۱) کیا مدرسہ کے نام اور مہتمم کی تبدیلی سے الگ الگ وقف کا حکم نہیں ہوگا؟

(۲) کیا قدیم مدرسہ کی عمارت، جدید مدرسہ کے مطبخ، دفاتر، کتب خانہ، مہمان خانہ وغیرہ میں استعمال کرنا اور قدیم مدرسہ کو جدید مدرسہ کے تابع بنانا درست ہوگا؟

(۳) جب اتنے فاصلہ پر جنگل میں مدرسہ بنے گا تو یقیناً چند سال میں وہاں مستقل بستی آباد ہو جائے گی، تو کیا وہ دوسری بستی کا مدرسہ نہیں کہلائے گا؟

المستفتی: محمد یونس

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) جتنی زمین مدرسہ کے لئے وقف ہے، اس کا حکم مدرسہ کے نام یا مہتمم کی تبدیلی سے الگ نہیں ہوگا؛ بلکہ ساری زمین ایک ہی مدرسہ کے ماتحت رہے گی۔

أراد المتولي إقامة غيره مقامه في حياته وصحته، إن كان له التفويض عاما صح. (درمختار مع رد المحتار، الوقف، مطلب للناظر أن يوكل غيره، زكريا ٦/ ٦٣٨، كراچی ٤/ ٤٢٥، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٢/ ٦٠٣، مصري قديم ١/ ٧٥٥)

(۲) قدیم مدرسہ کی عمارت کو ضرورت کے پیش نظر جدید مدرسہ کے دفاتر اور مطبخ وغیرہ کے

لئے استعمال کیا جا سکتا ہے، مگر بہتر یہ ہے کہ وہاں کوئی مکتب جاری رکھا جائے جو جدید مدرسہ کی ماتحتی میں چلتا ہو، نیز بستی والوں کی رضامندی اور ارباب حل وعقد کے مشورہ سے قدیم مدرسہ کو جدید مدرسہ کے تابع بنانا درست ہے۔

لأنه قال الشامي: مراعاة غرض الواقفين واجبة. الخ (شامي، الوقف، مطلب مراعاة غرض الواقفين واجبة، زكريا ٦/ ٦٦٥، كراچی ٤/ ٤٤٥)

(۳) مدارس دینیہ بستیوں کے تابع نہیں ہوتے؛ کیوں کہ مدارسِ اسلامیہ ساری امت کی امانت ہیں اور ساری امت ان کی ذمہ دار ہے؛ البتہ قرب وجوار والے حضرات مدرسہ کے ساتھ خیر خواہی اور تعاون کے زیادہ ذمہ دار ہیں؛ لہٰذا آئندہ کسی بستی کے وہاں آباد ہونے سے مقصود میں کوئی خلل نہیں ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/ ربیع الاول ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۰۸۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۸/ ۳/ ۱۴۲۰ھ

مدرسہ کی آمدنی اسکول میں لگانا

سوال [۸۵۰۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: آج بتاریخ ۲۵/ مارچ ۱۹۹۳ء کو ایک جنرل میٹنگ دونوں مدرسوں کے بارے میں پورے گاؤں کی پردھان جی کی بیٹھک پر دن کے ۱۲/ بجے ہونی شروع ہوئی، جس میں دونوں اسکولوں کے عہدیدار موجود تھے، جناب صدر صاحب مہتمم مدرسہ نے اپنی بات رکھی کہ ایسا راستہ اختیار کیا جائے کہ دونوں اسکول چلتے رہیں، سبھی گاؤں والوں کی رائے کے مطابق یہ طے پایا کہ مدرسہ تعلیم القرآن کو جو بازار اور گاؤں سے امدادی آمدنی ہوگی، اس کا ایک ۱/۲ جونیر ہائی اسکول کلیان پور کو دینی ہوگی، بقیہ آمدنی (۱) زکوۃ (۲) فطرہ (۳) چرم قربانی (۴) بیرونی چندہ، یہ چاروں آمدنی تعلیم القرآن میں لگائی جائیں گی، پرستاؤ کا سمرتھن سبھی گاؤں والوں نے کیا، یادداشت کے لئے چند کلمے لکھ

دئے ہیں: (۱) دونوں اسکول چندے سے چل رہے ہیں، سرکار سے ایڈ کسی اسکول کو نہیں ملتی؟ (۲) زید کہتا ہے کہ ایسا پرستاؤ کرنا ناجائز ہے۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مدرسہ تعلیم القرآن کی جو بھی آمدنی ہوگی، چاہے بازار یا گاؤں سے ہو یا باہر سے جونیر ہائی اسکول میں لگانا شرعاً جائز نہیں ہے، تمام آمدنی مدرسہ تعلیم القرآن ہی میں لگانا لازم ہوگا؛ اس لئے کہ لوگوں نے مدرسہ کے لئے دی ہے نہ کہ ہائی اسکول کے لئے۔

قال النبي صلى الله عليه وسلم: المسلمون عند شروطهم. (صحيح البخاري، كتاب الإجارة، باب أجر السمسرة، رقم الباب: ١٤، سنن الترمذي، الأحكام، باب ما ذكر عن رسول الله صلى الله عليه وسلم في الصلح بين الناس، النسخة الهندية ١/ ٢٥١، دارالسلام، رقم: ١٣٥٢)

المسلمون عند شروطهم. (قواعد الفقه، أشرفي ديو بند ١٢١)

زید کا کہنا صحیح اور شریعت کے مطابق ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱ر جمادی الاولیٰ ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۲۸۱)

مسجد و مدرسہ کی مشترکہ رقم سے جنریٹر خریدنا

سوال [۸۵۰۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مسجد اور مدرسہ کے ذمہ دار دونوں نصف نصف روپئے ملاکر جنریٹر خریدنا چاہتے ہیں اور جنریٹر کا استعمال مدرسہ والوں کے حق میں زیادہ رہے گا اور مسجد کے استعمال میں کم، تو اس سلسلہ میں کیا حکم ہے؟

المستفتی: محمد رضوان مقبرہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسجد اور مدرسہ کی مشترکہ رقم سے جنریٹر خریدنا درست ہے؛ البتہ جب جنریٹر کا استعمال مدرسہ کے حق میں زیادہ ہے بالمقابل مسجد کے، تو تیل کی قیمت اور خرید میں اسی تناسب سے پیسہ ادا کرنا لازم ہوگا۔

أما إذا اختلف الواقف أو اتحد الواقف، واختلفت الجهة بأن بنى مدرسة ومسجدا وعين لكل وقفا، وفضل من غلة أحدهما لا يبدل شرط الواقف، وكذا إذا اختلف الواقف لا الجهة يتبع شرط الواقف.

(البحرالرائق، كتاب الوقف، كوئٹه ٥/ ٢١٦، زكريا ٥/ ٣٦٢، تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الوقف، مطلب في انقاض المسجد ونحوه، كراچی ٤/ ٣٦٠، زكريا ٦/ ٥٥١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷ر ذیقعدہ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۲۸۲/۴۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۷/۱۱/۱۴۳۴ھ

مسجد و مدرسہ کی رقم کو ایک دوسرے پر صرف کرنا

سوال [۸۵۰۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر کچھ لوگوں نے ایک زمین خریدی، اس میں مسجد و مدرسہ دونوں تعمیر کرنے کے ارادے سے اور دونوں کو ایک دوسرے کے تابع رکھنے کا ارادہ ہے، مسجد پہلے تعمیر ہو چکی ہے اور اب مدرسہ تعمیر ہو رہا ہے، تو کیا مسجد کا پیسہ مدرسہ میں اور مدرسہ کا پیسہ مسجد میں لگایا جا سکتا ہے؟ اور مسجد کے پیسوں کو مدرسین پر خرچ کیا جا سکتا ہے؟ نیز مدرسین میں بعض ناظرہ وغیرہ پڑھانے کے لئے ہیں اور بعض ہندی ماسٹر ہیں، تو کیا ماسٹروں پر بھی خرچ کیا جا سکتا ہے؟ جب کہ ہندی تعلیم دینی نہیں ہے۔ (احسن الفتاوی ٦/ ۴۴٦) سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر دونوں ایک دوسرے کے تابع ہوں تو خرچ کیا جا سکتا ہے، مدلل تحریر فرمائیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر مدرسہ مسجد کے تابع ہے، یا مسجد مدرسہ کے تابع ہے اور لوگوں کو اس کا علم بھی ہے اور چندہ دینے والے مدرسہ میں نہ دینے کی صراحت بھی نہیں کرتے اور مسجد ومدرسہ دونوں کی رسید بھی ایک ہی ہے، تو اس رسید سے حاصل شدہ آمدنی مسجد ومدرسہ دونوں میں بلا امتیاز خرچ کرسکتے ہیں، اور ناظرہ قرآن پڑھانے والوں کی تنخواہ میں بھی دے سکتے ہیں اور اگر ضمنی طور پر ہندی پرائمری تک کی تعلیم دی جاتی ہے اور ایک دو ہی ماسٹر ہیں تو ان کی تنخواہ میں بھی وہ رقم خرچ کرسکتے ہیں۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۶/ ۴۴۶، فتاوی محمودیہ قدیم ۱۴/ ۱۴۸، جدید ڈابھیل ۱۵/ ۷۳)

اتحد الواقف والجهة وقل مرسوم بعض الموقوف عليه بسبب خراب وقف أحدهما، جاز للحاكم أن يصرف من فاضل الوقف الآخر عليه؛ لأنهما حينئذ كشيء واحد. (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الوقف، مطلب في انقاض المسجد ونحوه، كراچی ٤/ ٣٦٠، زكريا ٦/ ٥٥١، وكذا في البحر الرائق، زكريا ٥/ ٣٦٢، كوئٹه ٥/ ٢١٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳/ ۶/ ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۸۸۷)

مسجد ومدرسہ کا پانی ولائٹ خارج مسجد ومدرسہ کو دینا

سوال [۸۵۰۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کسی مہتمم مدرسہ یا مسجد کو مسجد یا مدرسہ سے خارج مکان میں بجلی، پانی مدرسہ یا مسجد کی لائن میٹر سے دینے کا حق ہے یا نہیں؟ جب کہ خارج مکان میں خرچ ہونے والی بجلی یا پانی کا بل مسجد یا مدرسہ ہی ادا کرتا ہے، ایسا کرنا شرعاً کیا حکم رکھتا ہے؟

المستفتی: فرحت حسین، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مہتمم اور متولی واقف اور چندہ دہندگان کی طرف سے بحیثیت وکیل کے امین ہیں اور امین کے لئے امانت میں اس طرح مالکانہ تصرف خیانت ہے جو کہ حرام ہے؛ لہٰذا اس صورت میں یہ دونوں پانی وبجلی کے بل کے ضامن ہوں گے۔

(مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۷/ ۹۹، جدید زکریا مطول ۱۰/ ۴۸۰، امداد الفتاویٰ ۲/ ۶۷۲)

عن أبي هريرة –رضی الله عنه– عن النبي ﷺ قال: آية المنافق ثلاث: إذا حدث كذب، وإذا وعد أخلف، وإذا اؤتمن خان. (صحيح البخاري، كتاب الإيمان، باب علامة المنافق ١/ ١٠، رقم: ٣٣)

ولو اشترى القيم بغلة المسجد ثوبا، ودفع إلى المساكين لا يجوز، وعليه ضمان. (هندية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر، الفصل الثاني زكريا قديم ٢/ ٤٦٢، جديد ٢/ ٤١٣، وكذا في فتاوى قاضي خان، جديد زكريا ٣/ ٢٠٨، وعلى هامش الهندية، زكريا ٣/ ٢٩٧)

الوكيل يقبض العين –إلى قوله– لأنه أمين محض. (هداية، كتاب الوكالة، باب الوكالة بالخصومة والقبض، أشرفي ديوبند ٣/ ١٩٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/ رمضان ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۲۴۵)

ایک مدرسہ کا غلہ دوسرے مدرسہ میں دینے کا حکم

سوال [۸۵۰۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک مدرسہ کے سفیر اور استاذ ایک گاؤں میں غلہ کی وصولیابی کے لئے گئے اور غلہ اکٹھا کر کے ایک جگہ رکھ دیا اور صاحب مکان سے یہ کہہ کر چلے گئے کہ ہم اٹھا کر لے

جائیں گے، کئی مہینہ غلہ رکھا رہا، جب خراب ہونے لگا تو صاحب مکان نے مشورہ سے وہ غلہ ایک مدرسہ میں دے دیا، یہ سوچ کر کہ ضائع ہونے سے تو یہی اچھا ہے کہ مدرسہ میں دے دیا جائے، مدرسہ، مدرسہ سب ایک ہیں، چند مہینے کے بعد اس مدرسہ والے آئے اور معلوم ہو جانے پر کہ وہ غلہ فلاں مدرسہ میں دیا جا چکا ہے، صاحب مکان پر برس پڑے کہ یہ تم نے نا جائز کیا، جس مدرسہ کی نیت سے غلہ دیا تھا وہیں جانا چاہئے تھا، اس کے علاوہ میں استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔

المستفتی: ساکنان بستی بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صاحب مکان پر یہ لازم تھا کہ جس مدرسہ کے لئے غلہ جمع کیا گیا ہے، اس مدرسہ والوں کو اطلاع کر دیتا؛ اس لئے کہ یہ غلہ اس کے پاس بطور امانت تھا، اور اگر اطلاع کرنے کی کوئی شکل نہیں تھی اور اس کا کوئی ذریعہ نہیں تھا، جس کی وجہ سے مجبوراً غلہ دہندگان کے مشورہ سے دوسرے مدرسہ کو غلہ دے دیا ہے تو صحیح ہوا ہے، صاحب مکان پر کوئی تاوان لازم نہیں ہے۔

عن عمرو بن شعيب عن أبيه، عن جده، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: ليس على المستعير غير المغل ضمان، ولا على المستودع غير المغل ضمان. (سنن الدارقطني، البيوع، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ٣٦، رقم: ٢٩٣٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱ر ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۲۶۸)

ایک مدرسہ کی رقم دوسرے مدرسہ میں لگانا

سوال [۸۵۰۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: ایک مدرسہ کی کچھ رقم ہے، تو کیا دوسرے مدرسہ میں ضرورت کے مطابق اس کو لگا سکتے ہیں یا نہیں؟ جس مدرسہ کی رقم ہے وہ جاری ہے اور پیسہ بچت میں ہے۔

المستفتی: رحمت اللہ قاسمی سنبھل، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر دوسرے مدرسہ کا انتظام اور مہتمم سب کچھ الگ الگ ہیں، تو بلاعوض خرچ کرنا درست نہیں؛ بلکہ بطور قرض لے کر خرچ کر سکتے ہیں اور بعد میں قرض ادا کرنا لازم ہوگا، ورنہ آپس میں اختلاف اور فتنہ کا خطرہ ہو جاتا ہے؛ البتہ اگر اول مدرسہ میں اس رقم کی بالکل ضرورت نہیں ہے نہ فی الحال ضرورت ہے اور نہ ہی بعد میں ضرورت ہو سکتی ہے، تب دوسرے مدرسہ میں لگانے کی اجازت ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ ۱۲/ ۳۸۳، ڈابھیل ۱۵/ ۷۳)

اتحد الواقف والجهة، وقل مرسوم بعض الموقوف عليه بسبب خراب وقف أحدهما، جاز للحاكم أن يصرف من فاضل الوقف الآخر عليه؛ لأنهما حينئذ كشيىء واحد. (الدر مع الرد، الوقف، مطلب في نقل انقاض المسجد ونحوه، زكريا ٦/ ٥٥١، كراچی ٤/ ٣٦٠، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٢/ ٥٩٦، مصري قديم ١/ ٧٤٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۲؍ ربیع الثانی ۱۴۱۶ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۴۲۷)	۲۲/ ۴/ ۱۴۱۶ھ

مدرسہ بنانے کے نام پر وصول شدہ رقم کو دوسرے مدرسہ میں دینا

سوال [۸۵۰۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص محمد نعیم نے اپنی ذاتی رہائش کے لئے قطعہ زمین کا بیع نامہ کرایا، پھر اس بیع نامہ کے ذریعہ لوگوں سے یہ کہہ کر رقم وصول کی کہ یہ زمین میں نے مدرسہ کے لئے خریدی ہے؛ لہٰذا

لوگوں نے امدادی وزکاتی تعاون پیش کیا، اس شخص نے مزید دو آدمیوں کو یہ کہہ کر اپنے ساتھ شامل کرلیا کہ زمین برائے مدرسہ خرید لی گئی ہے، تم بھی مدرسہ جاری کرنے میں معاون ہوجاؤ، ایک نے شخص مذکور کو معتمد سمجھتے ہوئے اپنے تعلقات میں سے چند ہزار سے تعاون دیا، دوسرے شخص نے کہا کہ جب تک مدرسہ کی عمارت تیار نہ ہو تم اپنے مکان میں مدرسہ قائم کرالو، چنانچہ ایک نام تجویز کر کے اس کے مکان میں مدرسہ جاری کردیا گیا، دو یا چند ماہ کے بعد معلوم ہوا کہ نہ مدرسہ کی کوئی زمین ہے اور نہ آئندہ زمین ملنے کا امکان ہے، یہ سب سوانگ اس لئے رچایا گیا ہے کہ کسی طرح مکان کی تعمیر ہوجائے؛ لہٰذا جس شخص کے مکان میں مدرسہ جاری کیا گیا تھا، اس نے مکان خالی کرالیا، مدرسہ بند ہوگیا، جس شخص نے چند ہزار روپئے جو وصول کر کے دئے تھے وہ بھی اس فریب کاری سے عاجز آکر علیحدہ ہوگیا، اور اس نے بقیہ دونوں شخصوں سے کہہ دیا کہ اب جو رقم زکوۃ کی رہ گئی ہے وہ فلاں مدرسہ کو دے دی جائے، اور جو امدادی رقم ہے اس کو فلاں مسجد کے حوالہ کردی جائے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس رقم کو مدرسہ اور مسجد میں صرف کیا جاسکتا ہے، جب کہ اس رقم کو وصول کرنے کی کوئی صحیح بنیاد نہیں ہے؟ والسلام بینوا توجروا۔

المستفتی: محمد ذاکر سرائے کھجور، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زکوۃ کی رقم کو ایسے مدارس میں زکوۃ کے نام سے دینا درست ہے جن میں زکوۃ کی رقم صحیح مصرف میں صحیح طریقے سے صرف کی جاتی ہے۔

و للوکیل أن یدفع لولده الفقیر وزوجته لا لنفسه إلا إذا قال ربها ضعها حیث شئت. الخ (الدرالمختار، کتاب الزکوۃ، زکریا ۳/ ۱۸۸-۱۸۹، کراچی ۲/ ۲٦۹، البحرالرائق، کوئٹه ۲/ ۲۱۱، زکریا ۲/ ۳٦۹)

اور امدادی رقم جن لوگوں سے لے کر جمع کی گئی ہے ان کی اجازت سے مسجد میں خرچ کرسکتے ہیں، ورنہ انہیں لوگوں کو واپس کردینا واجب ہے؛ کیوں کہ وہ رقم دینے والوں کی ملکیت سے خارج نہیں ہوئی ہے۔ (مستفاد: امدادالفتاوی ۲/ ۵۹۵)

عن أبي حرة الرقاشي –رضي الله عنه– عن عمه أن رسول الله ﷺ قال: لايحل مال امرئ مسلم، إلا بطيب نفس منه. (مسند أبي يعلى الموصلي، دارالكتب العلمية بيروت ٢/ ٩١، رقم: ١٥٦٧، مسند أحمد بن حنبل ٥/ ٧٢، رقم: ١١٧٤٠)

لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه، أي بأمر أو رضا عنه. الخ

(مرقاة، إمداديه ملتان ٦/ ١١٨)

لو أن قوما بنوا مسجدا وفضل من خشبتهم شيء –إلى قوله– يكون الفاضل لهم يصنعون به ماشاؤوا. الخ (البحرالرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد، كوئٹه ٥/ ٢٥١، زكريا ٥/ ٤٢٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍صفر ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۱۱۷)

ایک مدرسہ کی وقف شدہ اراضی کو دو مدرسوں پر تقسیم کرنا

سوال [۸۵۰۹]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہندہ نے بدرستگیٔ ہوش وحواس اپنی ایک اراضی کے لئے مرنے سے پہلے وصیت کی کہ میری یہ فلاں اراضی مدرسہ کو وقف ہے، چنانچہ مرحومہ کے انتقال کے بعد ورثاء نے وہ اراضی مدرسہ رحمانیہ کو وقف کردی اور ۱۹۷۰ء سے آج تک جس کو ۱۹؍برس کا عرصہ ہوگیا، مدرسہ رحمانیہ کا اس اراضی پر قبضہ ہے، اب مرحومہ کے وہی ورثاء چاہتے ہیں کہ اس اراضی کو دو مدرسوں پر تقسیم کردیں، ان دونوں مدرسوں میں سے ایک مدرسہ کا اس وقت جب مرحومہ کا انتقال ہوا تھا وجود بھی نہیں تھا، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ وقف شدہ اراضی جو مدرسہ رحمانیہ کی ملک بن چکی ہے اور ۱۹؍برس سے آج تک مدرسہ کی کاشت میں ہے، کیا مرحومہ کے ورثاء کو یہ حق ہے کہ مرحومہ کی اس وقف شدہ آراضی کو دوسرے مدرسہ کو تقسیم کرکے دے دیں؟

المستفتی: عبدالسلام ناظم مدرسہ رحمانیہ، ٹانڈہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر بوقت وصیت دوسرے مدرسہ کی طرف منتقل کرنے کی شرط نہیں لگائی ہے اور ورثاء نے موصی کی وصیت کے مطابق مدرسہ رحمانیہ کو وقف کرکے متولی کے قبضہ میں دے دیا ہے، تو بالاتفاق وقف کامل ومکمل ہوکر مدرسہ رحمانیہ کی ملکیت میں مذکورہ آراضی داخل ہوچکی ہے، آئندہ ورثاء اور متولی وغیرہ کو جب تک مدرسہ رحمانیہ چلتا رہے گا کسی دوسرے مدرسہ وغیرہ کی طرف منتقل کرنے کا حق نہیں ہوگا، ورنہ غرض واقف کی مخالفت کی وجہ سے منتقل کرنے والے گنہگار رہوں گے۔

أنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة. (شامي، الوقف، مطلب مراعاة غرض الواقفين واجبة، زكريا ٦/ ٦٦٥، كراچی ٤/ ٤٤٥، كوئٹه ٣/ ٤٦٤)

ملك العين الموقوفة يزول عن ملك المالك بقضاء القاضي بلزوم الوقف من غير أن ينتقل إلى ملك أحد. الخ (البحرالرائق، كوئٹه ٥/ ١٩١، زكريا ٥/ ٣٢٠)

فإذا تم ولزم لا يملك ولا يملك ولا يعار. الخ وفي الشامي: والوقف لا يمكن تمليكه. الخ (الدرالمختار، زكريا ٦/ ٥٣٩، كراچی ٤/ ٣٥١، كوئٹه ٣/ ٤٠٢)

الملك يزول، أي ملك الواقف فيصير الوقف لازما للاتفاق على التلازم بين اللزوم والخروج عن ملكه. الخ (شامي، الوقف، مطلب شرائط الوقف معتبرة إذا لم تخالف الشرع، زكريا ٦/ ٥٢٧، كراچی ٤/ ٣٤٣، كوئٹه ٣/ ٣٩٥)

البتہ اگر موصی نے بوقت وصیت کوئی شرط لگائی ہے، تو اس کا حکم دوسرا ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍ جمادی الثانیہ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۷۶۷)

مدرسہ کی رقم سے مدرسہ کی زمین میں مسجد تعمیر کرنا

سوال [۸۵۱۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے مدرسہ میں مسجد نہیں تھی اور نماز کی پریشانی تھی، اس وجہ سے ہم نے مدرسہ کا ایک کمرہ توڑ کر مسجد کی تعمیر کرالی۔ اور ہم نے پیسہ نہ ہونے کی وجہ سے مجبوراً مدرسہ کا پیسہ استعمال کرلیا اب مسجد تعمیر ہوچکی ہے، اور نماز شروع ہوگئی، تو اس میں شرعاً کوئی قباحت تو نہیں ہے؟

المستفتی: عبدالصمد کاشی پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مدرسہ کی زمین پر مدرسہ کی رقم سے مسجد کی تعمیر شرعاً درست نہیں ہے؛ کیوں کہ زمین اور چندہ مدرسہ کے لئے وقف کیا گیا ہے۔ اور وقف تام ہونے کے بعد اس میں اس طرح کا تصرف جائز نہیں؛ لہٰذا زمین کی قیمت اور تعمیر پر خرچ ہوئی رقم مسجد کے چندہ سے مدرسہ میں لوٹانا ضروری ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۲/۳۷۴، جدید ڈابھیل ۱۵/ ۴۸۵)

یہ اس صورت میں ہے جب کہ مسجد کا نظام اور ذمہ داری مدرسہ والوں کے ہاتھ میں نہ ہو اور مسجد بھی خاص طور پر مدرسہ کی نہ ہو؛ بلکہ محلّہ والوں کی نماز کے لئے مسجد بنائی گئی ہو؛ لیکن اگر یہ مسجد مدرسہ میں بنی ہے اور مسجد ومدرسہ کے متولی ایک ہی ہیں اور آئندہ بھی دونوں کے اخراجات کی ذمہ داری ایک ہی پر ہو تو وہ مدرسہ ہی کی مسجد ہے، تو ایسی مسجد مدرسہ کی رقم سے مدرسہ کی زمین مین بنانا شرعاً جائز ہے؛ اس لئے کہ یہ مسجد بھی مدرسہ کی ضروریات کے دائرہ میں داخل ہے۔

وفي الدرالمختار: فإذا تم ولزم لا يملك، ولا يعار، ولا يرهن.

(الدرالمختار علی الشامي، کتاب الوقف، زکریا ٦/ ٥٣٩، کراچی ٤/ ٣٥١، کوئٹہ ٣/ ٤٠٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴ محرم الحرام ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۴۶۰/۳۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۱/۲۵ھ

الفصل السابع: في الإجارة

مدرسے کی زمین میں ضروریاتِ مدرسہ کے لئے دوکان تعمیر کرنا

سوال [۱۱۸۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ضلع بجنور، قصبہ شیر کوٹ بستی میں قریب ۸۰-۹۰ سال پرانا مدرسہ قائم ہے، جس کی مستقل لمبی چوڑی عمارت ہے، اس عمارت میں نیچے کے حصے میں بھی کمرے ہیں اوراوپر بھی کمرے بنے ہیں، پورب کی طرف کی عمارت میں نیچے دوکانیں تعمیر ہیں، جن کا کرایہ مدرسہ ہی وصول کرتا ہے، پچھّم کی طرف بھی عمارت کے نیچے حصے میں دوکانیں تعمیر ہوئی ہیں، اوپر کے حصے میں لڑکیاں تعلیم حاصل کرتی ہیں، دکھن کی جانب نیچے کے حصے میں کمروں کے ۶-۷ دروازے صحن کی طرف کھلے ہوئے ہیں، مدرسہ کے صحن کی باؤنڈری بنی ہوئی ہے اورفرش صحن بھی، یہ مدرسہ بستی کے عالموں بزرگوں اورمعزز لوگوں نے مل کر قائم کیا تھا، بستی کے معزز لوگ برابراس کا انتظام کرتے چلے آرہے ہیں، مدرسہ کے قریب پہلے ایک چھوٹی مسجد قائم تھی جس کو بزرگوں نے دائیں بائیں بڑھا کربستی کی جامع مسجد قائم کردی تھی، اب بھی یہ جامع مسجد ہی ہے، اس کی حد بندی بھی قائم کردی تھی، اس کے دروازے اوردیواریں پرانی قائم ہیں، اب جب کہ مدرسہ کی ایک لمبی چوڑی اوپر نیچے مستقل عمارت ہے اور دوکانیں بھی تعمیر ہیں، مدرسہ کی ضرورت کی وجہ سے مدرسہ کے ذمہ دار صحن میں دوکانیں تعمیر کرا کراس کا کرایہ مدرسہ کے خرچ میں لگانا چاہتے ہیں، کچھ لوگ تنازعہ قائم کرکےاور مسجد کی ملکیت بتا کر تعمیر میں رکاوٹ ڈالنا چاہتے ہیں، اسی صحن سے جو دروازہ اوپر کی منزل پر جارہا ہے اس پر مدرسہ کا کمرہ بنا ہوا ہے، جس پر دارالتحفیظ اورتجوید لکھا ہوا ہے، ایسی صورت میں کیا تعمیر میں رکاوٹ ڈالنا درست ہوگا؟ مدرسہ میں ضرورت کے مطابق برابر تعمیر کا سلسلہ چلا آرہا ہے، کسی کو آج تک تعمیر کے بارے میں کوئی اعتراض نہیں ہوا ہے۔

نوٹ: مدرسہ کے اسی صحن میں بزرگوں نے مسجد کی ضرورت کی وجہ سے پانی گرم کرنے کے

لئے سردیوں میں صرف کھوئی کے لئے ایک کولہولگوا دیا تھا، جب کہ یہ پورا صحن برابر بچوں کی تعلیم کے لئے استعمال ہوتا رہا ہے۔

المستفتی: احقر شمیم الحسن، سکریٹری مدرسہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد شیر کوٹ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ہمارے ہندوستان میں مکان اور دوکان وغیرہ جب کرایہ پر دئے جاتے ہیں تو کرایہ دار کو عملاً مالکانہ حیثیت حاصل ہوجاتی ہے، جب وقف شدہ زمین میں دوکان بنا کر کرایہ پر دے دی جائے گی تو وقف کے تقاضہ کے مطابق اس کی حیثیت مکمل طور پر باقی نہیں رہتی؛ بلکہ عملاً کرایہ داری کی ملکیت میں منتقل ہوجاتی ہے؛ اس لئے وقف شدہ میں دوکان یا مکان بنا کر کرایہ پر دینا درست نہیں، ہاں اس مسجد یا مدرسہ کی توسیع کردی جائے یا طلبہ کے لئے قیام گاہ بنا دیا جائے تو وقف کا تقاضہ مکمل طور سے باقی رہتا ہے؛ اس لئے جائز ہے۔ اور یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ وقف کی حیثیت اور ہے اور وقف کی ملکیت کی حیثیت بالکل دوسری ہے، وقف کا مطلب یہ ہے کہ اس کو بیچنا اور اس کا تبادلہ کرنا جائز نہیں ہے۔ اور وقف کی ملکیت کا مطلب یہ ہے کہ وقف کی آمدنی کے لئے اس کو بیچنا اور منافع کی غرض سے اس کو تبدیل کرنا اور آمدنی کے لئے اس کو کرایہ پر دینا جائز ہے۔ اور مذکورہ زمین کے بارے میں یہ وقف کی ملکیت ہے یا خود وقف شدہ ہے، کوئی صراحت نہیں ہے؛ اس لئے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پوری زمین جس پر مسجد اور مدرسہ دونوں بنے ہوئے ہیں اور اس سے ملحقہ خالی زمین پوری کی پوری وقف ہے، نہ کہ وقف کی ملکیت ہے۔ اور وقف کی ملکیت ہونے کے لئے ثبوت ہونا چاہئے، نہ مسجد کے پاس اس سلسلہ میں کاغذی ثبوت ہے اور نہ ہی مدرسہ کے پاس؛ اس لئے یہ زمین وقف شدہ تسلیم کی جائے گی نہ کہ وقف کی ملکیت جس میں دوکانیں بنا کر کرایہ پر دینا درست نہ ہوگا۔ اور درسگاہ، کمرہ بنانا درست ہوگا؛ لہٰذا وقف شدہ زمین میں جو دوکانیں پہلے سے بن گئی ہیں، ان کو بھی مسجد اور مدرسہ میں شامل کر لینا چاہئے۔

قيـم المسجد إذا أراد أن يبني حوانيت في حد المسجد، أو في فنائه لا يجوز. (الفتاوى التاتارخانية، كوئٹه ٥/ ٨٦٠، زكريا ٨/ ١٧٩٨، رقم: ١١٥٦٣، المحيط البرهاني، المجلس العلمي ٩/ ١٣٧، رقم: ١١٣٨٢، هندية، زكريا قديم ٢/ ٤٦٢، جديد ٢/ ٤١٣، البحرالرائق، كوئٹه ٥/ ٢٤٩، زكريا ٥/ ٤١٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ / جمادی الاولیٰ ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۰۸۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۶/۱۳ھ

مدرسہ کی رقم مسجد یا مسجد کی رقم مدرسہ کو بطور قرض دینا

سوال [۸۵۱۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مدرسہ کے روپیہ کو قرض کے طور پر لے کر مسجد میں اور مسجد کے روپئے کو قرضہ لے کر مدرسہ میں لگا سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: محمد افتخار بہرائچی، متعلم مدرسہ شاہی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر قرض وصول ہونے کا مکمل اعتماد ہو اور اس کے ضائع ہونے کا اندیشہ نہ ہو تو کمیٹی اور ذمہ داروں کے مشورہ سے مسجد کی رقم مدرسہ کو اور مدرسہ کی رقم مسجد کو بطور قرض دینے کی گنجائش ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ ۱/ ۴۹۱، ڈابھیل ۱۵/ ۴۷)

للمتولي إقراض مال المسجد بأمر القاضي. (شامي، كتاب القضاء، مطلب للقاضي اقراض مال اليتيم ونحوه، زكريا ٨/ ١١١، كراچی ٥/ ٤١٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ / جمادی الثانیہ ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۳۳۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۸/۶/۱۰ھ

مدرسہ کے تہہ خانہ میں آمدنی کی خاطر ’’کار پارکنگ‘‘ بنانا

سوال [۸۵۱۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مسجد سے متصل دینی مدرسہ (دارالاقامہ) کے لئے ایک صاحب خیر نے زمین خرید کر وقف کردی، جس پر فی الوقت تعمیری کام چل رہا ہے۔ مذکورہ مسجد کافی بڑی وسیع ہے، جمعہ اور ہفتہ واری تبلیغی اجتماع میں مجمع کثیر ہوتا ہے، مسجد کی انتظامی کمیٹی یہ چاہتی ہے کہ مدرسہ کی وقف شدہ زمین کا گراؤنڈ فلور (نچلا حصہ مسجد کے لئے چھوڑ دیا جائے، تاکہ اجتماعات اور جمعہ کے دن آئے ہوئے مصلیوں کو پارکنگ کی سہولت ہو۔ اور سڑک اور راستہ پر پارکنگ کی وجہ سے عوام کو تکلیف بھی نہ ہو۔ کیا مدرسہ کی انتظامی کمیٹی کو شرعاً اس بات کا حق ہوگا کہ وہ مدرسہ کی زمین کا نچلا حصہ پارکنگ کے لئے چھوڑ دے اور ہر ماہ اس پر کچھ اجرت لے لے، تاکہ مدرسہ کا کچھ فائدہ بھی ہوجائے اور مصلیوں اور عوام کو سہولت ہوجائے۔

ایسے ہی مدرسہ کا وضو خانہ، مسجد کے مصلیوں کے لئے استعمال کرنے کی اجازت ہوگی یا نہیں؟ شرعی اعتبار سے مدرسہ کی زمین مسجد کے کن کن کاموں میں استعمال ہوسکتی ہے؟ اور اس کی کیا صورتیں ہوسکتی ہیں؟ بینوا توجروا

المستفتی: محمد حنیف خان امام وخطیب جامع مسجد محمدی شاہ پور نگر وناظم مدرسہ الانصار شاہ پور نگر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب مذکورہ زمین مدرسہ ہی کے لئے وقف کی گئی ہے، تو وہ زمین مدرسہ کے مفاد میں ہی مستعمل ہونی ضروری ہے؛ لہٰذا اگر نیچے پارکنگ بنادیں اور ملکیت مدرسہ کی رہے اور اس سے مدرسہ کو کرایہ کے ذریعہ سے آمدنی ہو اور اوپر کی منزلوں میں مدرسہ کی توسیع ہوتی رہے، تو ایسا کرنا شرعاً جائز اور درست ہے؛ لیکن اس میں مدرسہ کی انتظامیہ کی رضامندی بھی لازم ہے۔

وإذا أراد أن يبني فيها بيوتا ليستغلها بالإجازة –إلى– إن كانت

أرض الوقف متصلة ببيوت المصر يرغب في استئجار بيوتها، وتكون غلة ذلك فوق غلة الأرض، والنخيل كان له ذلك. (الفتاوى التاتارخانية، الفصل السابع في تصرف القيم، كوئٹه ٥/ ٧٤٦، زكريا ٨/ ٦٣، رقم: ١١٢١٥، المحيط البرهاني، المجلس العلمي ٩/ ٢٤، رقم: ١١٠١٩، البحرالرائق، كوئٹه ٥/ ٢١٦، زكريا ٥/ ٣٦١، مجمع الضمانات ١/ ٣٣١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/ ذی قعدہ ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۰۸۵۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۹/ ۱۱/ ۱۴۳۳ھ

مدرسہ میں ووٹ ڈالنے کی مشین لگانا

سوال [۸۵۱۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارا مدرسہ اسلامیہ عربیہ موندھا ائمہ جو ایک طویل عرصہ سے خالص دینی تعلیم دیتا رہا ہے، اس میں نہ آج تک دینی تعلیم کے علاوہ کوئی تعلیم ہوئی ہے اور نہ سرکار سے آج تک اس کے لئے کوئی مدد لی گئی ہے، نیز یہ ہمارے گاؤں کے قبرستان کے احاطہ میں واقع ہے، اس صورت حال میں سیاسی انتخابات اس کے حدود میں کرانا جائز ہے یا نہیں؟ ہمیشہ کی روایت یہی رہی ہے کہ ووٹ سرکاری اسکول کی آراضی میں ڈالے جاتے تھے، یہ پہلی مرتبہ ہے کہ کچھ لوگ مدرسہ کے حدود میں ووٹ ڈلوانا چاہتے ہیں۔

المستفتی: مولانا مرغوب احمد، مہتمم مدرسہ اسلامیہ عربیہ موندھا ائمہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر مدرسہ کا کوئی مفاد اس معاملہ میں وابستہ نہیں ہے، تو اہل مدرسہ سیاسی ذمہ داروں سے اپنا عذر پیش کردیں کہ مدرسہ صرف دینی تعلیم گاہ ہے؛ اس لئے سیاسی انتخاب مدرسہ میں نہ کیا جائے، کسی دوسری جگہ اس کا انتظام کیا جائے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۱۲/ ۲۱۳، جدید میرٹھ ۲۳/ ۱۳۲)

شرط الواقف كنص الشارع في وجوب العمل به، وفي المفهوم والدلالة. (قواعد الفقه، أشرفي ص: ۸۵، رقم: ۱۵۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱ ربیع الثانی ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۳۹۷۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۱/۴/۱۴۱۵ھ

احاطۂ مدرسہ میں قربانی کرنے سے روکنا

سوال [۸۵۱۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید ایک مدرسہ کا ذمہ دار ہے، بکر زید کے مدرسہ کا تعاون کرتا ہے اور اس مدرسہ میں سالہا سال سے ایک سلسلہ چلتا آرہا ہے، وہ یہ کہ ہر سال قربانی کے موقع پر لوگوں کو احاطہ مدرسہ میں قربانی کرنے کی اجازت دے کر منتظمین مدرسہ اہل قربانی سے مدرسہ کے مستحق طلبہ کے لئے چرم قربانی وصول کرتے ہیں، چنانچہ اس مرتبہ بکر اس مدرسہ کے احاطہ میں اپنے بیسیوں جانور قربانی کرنا چاہتا ہے؛ لیکن وہ چرم قربانی مدرسہ کو دینا نہیں چاہتا، اس پر زید نے بکر کو احاطہ مدرسہ میں قربانی کرنے سے منع کر دیا، اب پوچھنا یہ ہے کہ مذکورہ صورت میں زید کا بکر کو احاطہ مدرسہ استعمال کرنے کی اجازت نہ دینا شرعاً درست تھا یا نہیں؟

المستفتی: بندہ محمد فاروق ندوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید کا احاطہ مدرسہ میں بکر یا دیگر لوگوں کو قربانی کرنے سے منع کر دینا صحیح اور درست ہے؛ اس لئے کہ قربانی کی اجازت دینے میں مدرسہ کا کوئی فائدہ نہیں ہے اور پہلے جو اجازت دیتے تھے وہ اس وجہ سے تھا کہ مدرسہ کو کھال کا فائدہ ہوتا تھا، اور اب کھال کا فائدہ نہیں ہے؛ اس لئے اب اجازت نہ دینا صحیح ہے؛ کیوں کہ مدرسہ ذمہ دار کی ملکیت نہیں ہوتا ہے؛ بلکہ ذمہ دار مدرسہ کا منتظم ہوتا ہے۔ اور منتظم کے لئے ہر معاملہ میں مدرسہ کا فائدہ پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔

ویؤجر بأجر المثل، فلا یجوز بالأقل. (الدرالمختار مع رد المحتار، مطلب لا یصح ایجار الوقف بأقل من أجرة المثل، زکریا ٦/ ٦٠٨، کراچی ٤/ ٤٠٦، هندیة، زکریا قدیم ٢/ ٤١٩، جدید ٢/ ٣٨٧، مجمع الأنهر، دارالکتب العلمیة بیروت ٣/ ٥١٤، مصري قدیم ٢/ ٣٦٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷؍ربیع الاول ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۰۱۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۷؍۳؍۱۴۳۴ھ

مدرسہ کی عمارت اسکول کے لئے کرایہ پر دینا

سوال [۸۵۱۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جامعہ عربیہ شمس العلوم کی عمارت جونیر ہائی اسکول کے لئے کرایہ پر دی جاسکتی ہے یانہیں؟ جب کہ چندہ دینے والوں نے دینی تعلیم کے لئے چندہ دیا تھا، کچھ درسگاہیں مستقل طور پر صرف ایک ایک آدمی نے قرآن حکیم کی تعلیم کے لئے تعمیر کرائیں، جن پر ان کے نام کی تختیاں بھی لگی ہوئی ہیں، جونیر ہائی اسکول متعلقہ مدرسہ شمس العلوم کو مدرسہ سے الگ کرنے کا فیصلہ مجلس شوریٰ مدرسہ ہذا نے کرلیا ہے، فی الوقت علیحدہ مستقل عمارت کا نظم دشوار ہے؛ لہٰذا ایسی صورت میں جونیر ہائی اسکول کو مدرسہ کی عمارت میں کرایہ پر لے کر چلایا جاسکتا ہے یانہیں؟ جب کہ بالغ لڑکے اورلڑکیاں مخلوط تعلیم حاصل کرتی ہیں؟

المستفتی: محمد یوسف قاسمی، خادم جامعہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب کہ چندہ دہندہ نے دینی تعلیم ہی کی شرط وغرض سے چندہ دیا ہے، یا درسگاہ بنادی ہے، تو ذمہ داران جامعہ عربیہ شمس العلوم پر واجب ہے کہ مذکورہ چندہ و درسگاہوں کو دینی تعلیم ہی میں استعمال کریں، اورغرض واقف کے خلاف جونیر ہائی

اسکول یا یونیورسٹی وغیرہ کی دنیاوی تعلیم کی اعانت اور کرایہ پر دینا ہرگز ہرگز جائز نہیں ہوگا، مدارس میں شریک ہونے والے سب گناہ کبیرہ اور خیانت کے مرتکب ہوں گے۔ اور جونیر کو کرایہ پر دینے میں عمارتوں کے جامعہ کے ہاتھ سے نکلنے اور دیگر ناجائز فائدہ اٹھانے کا بھی سخت خطرہ ہے۔

القضاء بخلاف شرط الواقف، كالقضاء بخلاف النص لقول العلماء: شرط الواقف كنص الشارع. الخ (الأشباه والنظائر، قديم ص: ١٠٧، شامي، الوقف، مطلب في قولهم شرط الواقف كنص الشارع، زكريا ٦/ ٦٤٩، كراچی ٤/ ٤٣٣)

صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة. الخ (شامي، الوقف، مطلب مراعاة غرض الواقفين واجبة، كراچی ٤/ ٤٤٥، زكريا ٦/ ٦٦٥)

نیز بالغ لڑکے ولڑکیوں کی مخلوط تعلیم دنیاوی کے لئے کرایہ پر دینے میں اعانت علی المعصیہ ہونے کی وجہ سے خود چندہ دہندہ اور درسگاہ وعمارت بنوانے والے کو بھی اس کی اجازت نہیں ہے۔

لقوله تعالیٰ: وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ. [المائدة: ٢] فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/ ذیقعدہ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۸۲/۲۴)

مدرسہ میں بارات رکانا

سوال [۸۵۱۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک دینی مدرسہ ہے، جہاں قرآن کی تعلیم ہوتی ہے، حفظ وناظرہ کے بچے پڑھتے ہیں؛ لیکن کچھ مواقع ایسے آتے ہیں کہ بیاہ شادیوں میں مدرسہ کے اندر بارات کو ٹھہرایا جاتا ہے،

اس میں بارات کے لوگ غیر شرعی کام کرتے ہیں، جیسے جوتے سمیت اندر چلنا پھرنا، بیڑی سگریٹ پینا، جیتی گھٹکے کھانا، بے ہودہ باتیں کرنا، اندر بیٹھ کر تاش کھیلنا، ایک دوسرے کا فوٹو کھینچنا، کیا ایسی صورت میں بارات کو مدرسہ کے اندر ٹھہرانا درست ہوگا یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب تحریر فرمائیں، عین کرم ہوگا۔

المستفتی: امام مسجد عمران بیگ، مدرسہ ہٰذا

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حدود مدرسہ کے اندر وہ تمام منکرات جو سوال نامہ میں درج ہیں، مثلاً تاش کھیلنا، فوٹوں کھینچنا وغیرہ منکرات قابل نکیر ہیں، ایسی چیزوں سے مدرسہ کو پاک رکھنا ضروری ہے؛ لہٰذا جس بارات میں اس قسم کے خرافات ومنکرات ہوں، انہیں مدرسہ میں ٹھہرنے کی اجازت نہ دی جائے۔ اور اگر اس قسم کے خرافات نہ ہوں اور مدرسہ کے مصالح اس سے متعلق ہوں، نیز تعلیمی نقصان بھی نہ ہو تو اجازت ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۱۲/۲۱۳، جدید ڈابھیل ۱۵/۵۲۲)

عن جابر –رضي الله عنه– قال: نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن الصورة في البيت، ونهى أن يصنع ذلك. (ترمذی شریف، باب ماجاء في الصورة، النسخة الهندية ۱/ ۳۰۵، دارالسلام، رقم: ۱۷۴۹)

وعن ابن عباس –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من صور صورة عذبه الله حتى ينفخ فيها، يعني الروح، وليس بنافخ فيها. (ترمذي شريف، باب ماجاء في المصورين، النسخة الهندية ۱/ ۳۰۵، دارالسلام، رقم: ۱۷۵۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم جمادی الاولیٰ ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۳۵۹/۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱/۵/۱۴۲۵ھ

مدارس عربیہ کی بالائی منزل پر جونیر کی تعلیم دینا

سوال [۸۵۱۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: دینی عربی مدرسہ جس کا قیام دینی تعلیم کے لئے ہوا تھا، جس میں ابتداء ہی سے درجہ پنجم تک پرائمری تعلیم بھی تھی، عرصہ دراز کے بعد اس میں جونیر کی تعلیم کے لئے کچھ پیسہ نرائن دت تیواری جی کے ذریعہ سرکاری طور پر لے کر چند کمرے مدرسہ کی تیسری منزل پر بنا دئے گئے ہیں اور جونیر کی تعلیم شروع کردی گئی ہے، ان حالات میں زکوۃ، صدقات وغیرہ کی رقم حیلۂ تملیک کے بعد مذکورہ تعلیمات پر خرچ کی جاسکتی ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد یوسف قاسمی جامعہ عربیہ شمس العلوم، کاشی پور، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ حالات میں جونیر کی تعلیم کے لئے زکوۃ وصدقات کی رقم کا حیلۂ تملیک کرنا شرعاً جائز نہیں ہوگا، اس میں شریک ہونے والے سب خائن اور گنہگار ہوں گے؛ کیوں کہ حیلۂ تملیک صرف خالص دینی امور میں شدت ضرورت کی بنا پر جائز قرار دیا گیا ہے اور جونیر دینی امور میں شامل نہیں ہے۔ اور پرائمری دینی مدارس کے تابع ہے اور جونیر مستقل ہے۔

فذهب علمائنا رحمهم الله أن كل حيلة يحتال بها الرجل لإبطال حق الغير، أو لإدخال شبهة فيه، أو لتمويه باطل، فهو مكروهة، وفي العيون، وفي جامع الفتاوى: لا يسعه ذلك. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الحيل، الفصل الأول، زكريا ١٠/ ٣١١، رقم: ١٤٨٤٥، هندية، زكريا قديم ٦/ ٣٩٠، جديد ٦/ ٣٩٣)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/ ذی الحجہ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۰۳۶)

گرام سماج کی زمین پر مدرسہ کی رقم سے دوکان بنانا

سوال [۸۵۱۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) ایک آراضی جو قبرستان سے ملحق ہے؛ لیکن قبرستان میں شامل نہیں ہے، جس کے مقدم میں روڈ ہے؛ لہٰذا دیگر شخص اس پر قابض بھی نہیں ہوسکتا ہے، جس سے کوڑی وغیرہ کا کام لیا جارہا تھا، آج تک نہ تو اس میں کوئی قبر بنائی گئی ہے اور نہ ہی اس میں کسی کو دفن کیا گیا ہے، بطور تحقیق معلوم ہوا کہ آراضی گرام سماج کی ہے، جس میں مدرسہ کی رقم سے مفاد مدرسہ کو مدنظر رکھتے ہوئے دوکانوں کی بنیاد اندازی کردی گئی ہے، تو یہ شریعت کی روشنی میں جائز ہے یا نہیں؟

(۲) اوراس بنیاد پر مدرسہ کی رقم سے دوکانوں کی تعمیر کرکے مدرسہ کی ملکیت میں شامل کرنا کیسا ہے؟ جائز ہے یا نہیں؟

(۳) اوراسی جگہ پر بطور چندہ دوکانوں کا تعمیر کرنا اوران دوکانوں کی آمدنی کو مدرسہ اور قبرستان میں خرچ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: شمشاد عالم، فیض العلوم موضع لانیا کھیڑ، پوسٹ بڈھن پور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قبرستان سے ملحق زمین جو قبرستان میں شامل نہیں ہے اور تحقیقات سے معلوم بھی ہوگیا ہے کہ یہ گرام سماج کی زمین ہے، تو ایسی زمین میں مدرسہ کی رقم سے دوکانوں کی جو بنیاد رکھی گئی ہے، ان کا جواز گرام سماج کی اجازت پر موقوف ہے؛ کیوں کہ گرام سماج اس کا مالک ہے؛ لہٰذا گرام سماج اگر اجازت دے دے تو جائز ہوگا، ورنہ نہیں۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۸/۴۶۱)

نیز مدرسہ کی رقم سے دوکانوں کی تعمیر کرنا اس وقت جائز ہوگا، جب کہ چندہ دہندگان کو کوئی اعتراض نہ ہو۔ اور گرام سماج کی اجازت بھی ہو۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۱۰/ ۲۳۶، جدید ڈابھیل ۱۵/ ۵۹۵)

پھر مدرسے کی آمدنی کے پیش نظر بطور چندہ دوکانوں کی تعمیر کرانا بھی گرام سماج کی اجازت پر موقوف ہوگا، اگر گرام سماج اجازت دے دے تو اس کی آمدنی مدرسہ اور قبرستان میں خرچ کرنا جائز ہوگا۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۸/۴۶۱)

عن أبي حرة الرقاشي، عن عمه، أن رسول الله ﷺ قال: لا يحل مال رجل مسلم لأخيه، إلا ما أعطاه بطيب نفسه. (السنن الكبرى للبيهقي، باب أهل البغي إذا فاؤا ...... دارالفكر ١٢/ ٣٥٢، رقم: ١٧٢٢٤)

الوكيل إنما يستفيد التصرف من الموكل، وقد أمره بالدفع إلى فلان، فلا يملك الدفع إلى غيره. (شامي، كتاب الزكوة، زكريا ٣/ ١٨٩، كراچی ٢/ ٢٦٩، شرح المجلة رستم، مكتبه اتحاد ٢/ ٤٧٧، رقم المادة: ١٤٥٧)

صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة. (شامي، الوقف، مطلب مراعاة غرض الواقفين واجبة۔ زكريا ٦/ ٦٦٥، كراچی ٤/ ٤٤٥)

شرط الواقف كنص الشارع في وجوب العمل به، وفي المفهوم والدلالة. (قواعد الفقه أشرفي، ص: ٨٥، رقم: ١٥٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳ رمحرم الحرام ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۴۱۵)

مسجد کے لئے مدرسہ سے قرض لینا

سوال [۸۵۲۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید ایک مسجد کا امام ہے اور مسجد کے اندر کام کرانے کی وجہ سے رقم مدرسہ سے بطور قرض لے کر وہ کام کرادیا، یا مدرسہ نے مسجد سے بطور قرض لے کر اینٹ یا روپیہ یا فرش یا دیوار وغیرہ میں صرف کردیا، تو اس صورت میں قرض لینا مسجد یا مدرسہ کو جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد عمران الحق، خادم معارف القرآن، گڑھی بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر قرض وصول ہونے کا اعتماد ہو ضائع ہونے کا احتمال نہ ہو تو منتظمہ کمیٹی کے مشورہ سے مسجد کے لئے مدرسہ سے قرض لینا اور مدرسہ کے لئے مسجد سے قرض لینا درست ہے، تنہا امام کو حق نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۱/۴۹۱، ڈابھیل ۱۵/۵۰۴)

للمتولي إقراض مال المسجد بأمر القاضي. (شامي، كتاب القضاء، مطلب للقاضي إقراض مال اليتيم ونحوه، زكريا ۸/ ۱۱۱، كراچی ۵/ ۴۱۷) **فقط واللہ** سبحانہ وتعالیٰ اعلم

كتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/ ذیقعدہ ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۸۴۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۱۱/۱۳ھ

مدارس کی رقم تجارت کے لئے دینا

سوال [۸۵۲۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک کمپنی شہر کی مساجد ومدارس کو دعوت دیتی ہے، کہ آپ ہماری کمپنی میں حصہ داری کریں، اگر آپ (مساجد ومدارس کے ذمہ دار) ہماری کمپنی میں ایک لاکھ روپیہ سرمایہ لگاتے ہیں، تو کمپنی دو ماہ کے بعد ہر ماہ ۷ سے ۸/ ہزار روپئے منافع کی شکل میں دے گی، جس کا معاہدہ سات سال کا ہوگا، سات سال تک کمپنی ۸/ ہزار، ۷/ ہزار روپئے مہینہ کے حساب سے تقریباً ۸۴/ ہزار سے ۹۶/ ہزار روپئے تک کا منافع ایک سال میں ادا کرے گی، اس طرح سات سال میں ۵/ لاکھ ۸۸/ ہزار سے ۶/ لاکھ ۲۷/ ہزار روپئے تک کمپنی مساجد ومدارس کو ادا کرے گی اور مدارس ومساجد کا ابتداء میں جمع کیا ہوا اصل سرمایہ اپنی جگہ قائم رہے گا، اور اگر ان سات سال میں کمپنی کو نقصان ہوتا ہے، تو وہ نقصان صرف کمپنی برداشت کرے گی، اس نقصان میں سے مساجد ومدارس کو کوئی نقصان برداشت نہیں کرنا پڑے گا، تو کیا اس طرح

مساجد ومدارس کا کسی تجارتی کاروبار میں سرمایہ لگا کر منافع کمانا درست ہے؟ شریعت کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں۔

المستفتی: مولوی محمد الطاف کرن احمد نگر، مہاراشٹر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: مساجد ومدارس کی رقم متولی اور مہتمم کے پاس امانت ہوتی ہے اور امانت میں امین کی منشا کے خلاف تصرف کرنا جائز نہیں؛ لہٰذا مساجد ومدارس کی رقم تجارت کے لئے دے کر اس سے منافع حاصل کرنا جائز نہیں۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ ۱۵/ ۲۸۹، ڈابھیل ۱۵/۵۰۲)

ولا يجوز للقيم شراء شيء من مال المسجد لنفسه، ولا البيع له، وإن كان فيه منفعة ظاهرة للمسجد -إلى- ليس للمتولي إيداع مال الوقف والمسجد إلا ممن في عياله، ولا إقراضه، فلو أقرضه ضمن. (البحرالرائق، كتاب الوقف، کوئٹه ٥/ ٢٣٩، زکریا ٥/ ٤٠١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۱۷۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۵/۲۶ھ

الفصل الثامن: في المشاهرة (تنخواہ)

کیا مہتمم مدرسین کے مقابلہ میں دوگنی تنخواہ لے سکتے ہیں؟

سوال [۸۵۲۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کیا دورحاضر میں مہتمم مدرسہ مدرس اعلیٰ سے دوگنی تنخواہ لے سکتا ہے، جب کہ وہ دن رات مدرسہ کے لئے جدوجہد کرے؟

المستفتی: عبداللہ عاصی، جامعہ اسلامیہ دارالعلوم قاضی باغ کاشی پور، ادھم سنگ نگر (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مدرسہ کا مہتمم مطلقاً مدرس اعلیٰ سے دوگنی تنخواہ نہیں لے سکتا؛ بلکہ اپنے کام اور خدمت کے بقدر جتنا مجلس شوریٰ نے مقرر کردیا ہے اتنا ہی لے گا۔

عن عبدالله بن عمرو بن عوف المزني، عن أبيه، عن جده أن رسول الله ﷺ قال: الصلح جائز بين المسلمين إلا صلحا حرم حلالا، أو أحل حراما، والمسلمون على شروطهم، إلا شرطا حرم حلالا، أو أحل حراما. (سنن الترمذي، أبواب الأحكام، باب ما ذكر عن رسول الله ﷺ في الصلح بين الناس، النسخة الهندية ۱/ ۲۵۱، دارالسلام، رقم: ۱۳۵۲، المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي بيروت ۱۷/ ۲۲، رقم: ۳۰، سنن الدارقطني، كتاب البيوع، دارالكتب العلمية بيروت ۳/ ۲۳، رقم: ۲۸۶۹، المستدرك للحاكم، كتاب الأحكام، مكتبه نزار مصطفى الباز، بيروت ۷/ ۲۵۲۳، رقم: ۷۰۵۹، قديم ۴/ ۱۰۱)

إن للمتولي أجر مثل عمله، وفي الشامية: ليس للمتولي أخذ زيادة على ما قرره له الواقف. (درمختار مع الشامي، كتاب الوقف، مطلب فيما يسمى خدمة وتصديقا في زماننا، كراچی ۴/ ۴۵۱، زکریا ۶/ ۶۷۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲/۳/۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۵۱۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲/۳/۱۴۲۱ھ

موجودہ دور میں تنخواہ میں زیادتی کا مطالبہ کرنا

سوال [٨٥٢٣]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مساجد کے ائمہ کرام اور مدارس کے معلمین کرام ان بے چاروں کو امامت وتعلیم کے بعد اتنا وقت نہیں ملتا کہ وہ کچھ اور کر کے اپنے اخراجات کی تکمیل کرسکیں؛ کیوں کہ انہیں اپنے کام کی تنخواہیں بہت کم ملتی ہیں؛ لہٰذا وہ اپنے گذارے اور اہل خانہ کے اخراجات کے لئے کیا شکل اختیار کریں، اگر یہ لوگ تنخواہ میں اضافہ کی مانگ کریں تو لوگ ان کو بدنام کرتے ہیں کہ یہ اپنے منہ سے تنخواہ مانگتے ہیں، آج کل اس طرف سے بڑی غفلت برتی جارہی ہے، ہزار آٹھ سو روپیہ ماہانہ مشکل سے ملتا ہے، اس میں بھی ہفتہ دو ہفتہ کی تاخیر ہو جاتی ہے؛ لہٰذا شریعت کی رو سے آج کے اس مہنگائی کے زمانہ میں ان کی تنخواہ کیا ہونی چاہئے؟ شریعت کا اس بارے میں کیا حکم ہے؟ اس کے مدنظر عوام الناس ان حضرات کو رمضان المبارک میں نذرانہ وہدیہ دیتے ہیں، تاکہ اس قلیل اور کم تنخواہ کی بھرپائی ہو سکے، تاکہ یہ بے چارے بھی اپنے اور اپنے اہل وعیال کے اخراجات کو پورا کرسکیں اور اطمینان اور سکون کی زندگی گذار سکیں؛ لیکن نیم ملا نے نئے نئے فتوی لے کر اس کی بھی مخالفت کی؟

المستفتی: منجانب اتحاد المسلمین گھر کون، ایم پی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: موجودہ زمانہ کی گرانی اور مہنگائی سب کے سامنے ہے، ہزار بارہ سو روپیہ، دو ہزار روپیہ ضروریات زندگی کے کسی ایک پہلو کو پورا کرنے کے لئے کافی نہیں، جس کے گھر میں دو چار بچے ہوں تو ہزار بارہ سو روپیہ کا دودھ تو یہی بچے پی لیتے ہیں؛ اس لئے مہنگائی اور گرانی کے اعتبار سے مدارس کے تمام مدرسین، ملازمین اور ائمہ مساجد کی تنخواہیں بڑھنی لازمی ہے، نیز جو اساتذہ باصلاحیت، محنتی اور تجربہ کار ہیں، ان کی تنخواہیں دوسروں کے مقابلہ میں نمایاں طور پر زائد ہونی چاہئیں، مدارس اسلامیہ کے ذمہ داروں کو اس

معاملہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سنت کو اپنانا چاہئے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی طرح کا قانون بنایا تھا، ملاحظہ فرمایئے:

فلما توفي أبو بكر –رضي الله عنه– واستخلف عمر، فتحت عليه الفتوح، وجاء هم مال أكثر من ذلك، فقال: كان لأبي بكر –رضي الله عنه– في هذا المال رأي، ولي رأى آخر، رأي أبو بكر أن يقسم بالسوية، ورأيت أن أفضل المهاجرين والأنصار، ولا أجعل من قاتل رسول الله صلى الله عليه وسلم كمن قاتل معه، ففضل المهاجرين والأنصار، فجعل لمن شهد بدرا منهم خمسة آلاف، ومن كان له إسلام مع إسلامهم، إلا أنه لم يشهد بدرا أربعة آلاف أربعة آلاف، وللناس على قدر إسلامهم ومنازلهم. (شرح معاني الآثار، كتاب وجوه الفيء، بيروت ۳/ ۲۲۸، رقم: ٥٣١٤)

فلما كان عمر بن الخطاب –رضي الله عنه– وجاء الفتوح فضل، وقال: لا أجعل من قاتل مع غير رسول الله ﷺ كمن قاتل، ففرض لأهل السوابق والقدم من المهاجرين والأنصار ممن شهد بدرا أو لم يشهد بدرا أربعة آلاف درهم، وفرض لمن كان إسلامه كإسلام أهل بدر دون ذلك أنزلهم على قدر منازلهم من السوابق انتهى. وفي القنية: من باب ما يحل للمدرس والمتعلم كان أبوبكر –رضي الله عنه– يسوى بين الناس في العطاء من بيت المال، وكان عمر –رضي الله عنه– يعطيهم على قدر الحاجة، والفقه، والفضل، والأخذ بما فعله عمر –رضى الله عنه– في زماننا أحسن. (الأشباه والنظائر، قديم ۱۸۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ / جمادی الاولیٰ ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۶۵۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۵/۲۲ھ

شرط فاسد لگا کر تنخواہ بڑھانا

سوال [۸۵۲۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: گذشتہ ایام ہمارے مدرسہ کی مجلسِ شوریٰ کا اجلاس ہوا، اساتذۂ مدرسہ نے مجلسِ شوریٰ سے یہ درخواست کی کہ مسلسل بڑھتی ہوئی گرانی کے پیش نظر تنخواہوں میں اضافہ کیا جائے، اس درخواست پر شوریٰ نے یہ قرارداد منظور کی کہ اساتذہ کی تنخواہوں میں مبلغ ۳۰۰ ؍روپئے کا اضافہ اس شرط پر کیا جاتا ہے کہ اساتذہ اپنی تنخواہوں کی دو تہائی رقم مدرسہ میں چندہ کر کے جمع کریں، مثلاً اگر کسی استاذ کی سالانہ تیس ہزار ہوتی ہے تو بیس ہزار روپئے جمع کرنا ضروری ہے، اس سے کم چندہ کرنے پر وہ اضافہ کی رقم کا مستحق نہیں ہوگا، جب کہ کسی مدرس کا تقرر چندہ کی شرط پر نہیں ہے؛ بلکہ صرف تعلیم وتدریس کے لئے ہے، نیز دستور مدرسہ میں چندہ کی ذمہ داری اربابِ انتظام کی ہے، تاکہ اساتذہ کی ذمہ داری صرف درس وتدریس رہے۔ آنجناب فرمائیں کہ یہ قرارداد از روئے شرع جائز ہے؟ اور کیا اساتذۂ مدرسہ مجلس شوریٰ سے یہ شرط ختم کرنے کی درخواست کر سکتے ہیں؟

المستفتی: اساتذہ مدرسہ رحمانیہ ٹانڈہ بادلی، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مدارسِ اسلامیہ کے قوانین وضوابط کا سارا مدار ذیل کی حدیث پاک پر ہے:

الصلح جائز بين المسلمين إلا صلحا حرم حلالا، أو أحل حراما، والمسلمون على شروطهم، إلا شرطا حرم حلالا، أو أحل حراما. (سنن الترمذي، أبواب الأحكام، باب ما ذكر عن رسول الله ﷺ في الصلح بين الناس، النسخة الهندية ١/ ٢٥١، دارالسلام، رقم: ١٣٥٢، وهكذا في المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي بيروت ١٧/ ٢٢، رقم: ٣٠، سنن الدارقطني، كتاب البيوع، دارالكتب

العلمية بيروت ٣/ ٢٣، رقم: ٢٨٦٩، المستدرك للحاكم، كتاب الأحكام، مكتبه نزار مصطفى الباز، بيروت ٧/ ٢٥٢٣، رقم: ٧٠٥٩، قديم ٤/ ١٠١)

اسی حدیث پاک سے دینی اداروں کے قوانین مستنبط ہوتے ہیں۔سوال نامہ میں اساتذہ کی تنخواہوں میں اضافہ کو امر متردد فیہ کے ساتھ معلق اور مشروط کیا گیا ہے، یہ شرط فاسد ہے، مذکورہ حدیث شریف کی روشنی میں مدارس اسلامیہ کے قوانین مستنبط ہوتے ہیں؛ لیکن اس حدیث میں شرط فاسد اور ناجائز شرط لگانے کی ممانعت بھی موجود ہے؛ اس لئے مجلسِ شوریٰ نے تنخواہوں میں اضافہ کے لئے اساتذہ پر جو شرط رکھی ہے وہ ناجائز اور ممنوع شرط ہے، اسے ختم کرنا ضروری ہے۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍ربیع الاول ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۲۹۶/۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۳/۱۶ھ

سائنس سے انٹر پاس اور ہندی کے مدرس کو گورنمنٹ سے تنخواہ دلانا

سوال [۸۵۲۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: گورنمنٹ نے ان دینی مدارس کے لئے جو گورنمنٹ سے منظور شدہ ہیں، ہر ایسے مدرسہ کے لئے ایک مدرس کی تنخواہ تین ہزار روپیہ ماہوار دینے کا اعلان کیا ہے، جو سائنس سے انٹر پاس ہو اور ہندی کا مدرس ہو، مذکورہ مدرس کو گورنمنٹ کی جانب سے تنخواہ دلانے میں کیا مضائقہ ہے؟ اگر مضائقہ ہے تو تفصیل سے روشنی ڈالیں۔

المستفتی: مہتمم مدرسہ ضیاء الاسلام ٹانڈہ رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اکابر دار العلوم اور مظاہر علوم اور اکابر شاہی کی ہدایت ہے کہ حکومت کی طرف سے کوئی تعاون نہ لیا جائے، اگر سرکاری تنخواہ کے ساتھ مدرس رکھا جائے گا تو بعد میں ممکن ہے کہ سرکار کی طرف سے مداخلت کا سلسلہ شروع ہو جائے، یہی مضائقہ

ہے، نیز ایک مضائقہ اور بھی ہے کہ سرکار کی طرف سے ایک مدرس کا اعلان ہے اور منجانب مدرسہ چار پانچ امیدوار کی شکل میں کھڑے ہیں، ان میں آپس میں اختلافات وتنازعات کا سلسلہ شروع ہوجائے، بعض جگہ ایک جگہ کے امیدوار دو شخص ہوگئے اور دونوں کی برادری اور خاندانی دوفریق بن گئے اور ممبران شوریٰ میں بھی دوفریق ہوگئے، جس کے نتیجہ میں ماحول میں ایک طوفان سا برپا ہوگیا، جانبین میں سخت گرما گرمی ہوگئی، کئی مہینہ تک یہ سلسلہ جاری رہا، یہ دوسرا مضائقہ ہے؛ اس لئے منجانب سرکار تنخواہ دار ملازم مدرسہ میں نہ رکھا جائے۔ (مستفاد: امداد المفتیین / ۱۰۱۹)

قال اللہ تعالی: وَعَسَى اَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَكُمْ وَعَسَى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَكُمْ. [سورة البقرة، آيت: ۲۱٦] فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۵ ؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۵ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۳۸۵)	۲۵/۵/۱۴۲۵ھ

مدرسہ کے ناظم کا مدرس کی تنخواہ نہ دینا

سوال [۸۵۲٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید ایک مدرسہ کا ملازم ہے، مدرسہ کے ناظم کے پاس بجنور کے اجتماع میں جانے کے لئے چھٹی کی درخواست لے کر گیا، سات مہینے گذرنے کے بعد پہلی چھٹی کی درخواست ہے، جس پر ناظم مدرسہ نے سخت برہمی کا اظہار کیا، ناظم مدرسہ کی سخت کلامی سن کر زید نے اسی وقت استعفیٰ بھیج دیا، اب مدرسہ کے ذمہ زید کی آٹھ دن کی تنخواہ باقی ہے؟ ناظم مدرسہ نے تنخواہ دینے سے انکار کردیا ہے، از روئے شریعت بتایئے، زید کی تنخواہ مدرسے کے ذمہ واجب ہے یانہیں؟ تنخواہ نہ دینے کی صورت میں ناظم مدرسہ سے قیامت کے دن باز پرس ہوگی یانہیں؟ اور یہ حقوق العباد میں داخل ہے یانہیں؟

المستفتی: رئیس احمد، دڑھیال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس مدرسہ سے متعلق سوال لکھا گیا ہے، اس مدرسہ کا قانون اور ضابطہ کیا ہے؟ معلوم ہو جاتا تو بہتر تھا، اگر اس مدرسہ میں ملازم کے رکھنے اور علیحدہ ہونے سے متعلق کوئی قانون اور ضابطہ پہلے سے بنا ہوا نہیں تھا، تو مذکورہ ملازم سوال نامہ میں لکھی ہوئی آٹھ دنوں کی تنخواہ کا مستحق ہے، جن میں اس نے مدرسہ کی خدمت انجام دی ہے اور تنخواہ نہ دینے کی صورت میں ناظم مدرسہ سے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے دربار میں باز پرس ہوگی۔ اور اگر اس مدرسہ میں اس بارے میں کوئی قانون اور ضابطہ بنا ہوا ہے، تو اسی ضابطہ کے مطابق حکم شرعی ثابت ہوگا۔

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ألا ! لا تظلموا، ألا ! لا تظلموا، ألا ! لا تظلموا إنه لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه. (مسند أحمد بن حنبل ٥/ ٧٢، رقم: ٢٠٩٧١، دارقطني، البيوع، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ٢٢، رقم: ٢٨٦٣)

المسلمون على شروطهم، إلا شرطا حرم حلالا، أو أحل حراما. (ترمذي، أبواب الأحكام، باب ما ذكر عن رسول الله ﷺ في الصلح بين الناس، النسخة الهندية ١/ ٢٥١، دارالسلام، رقم: ١٣٥٢، المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي بيروت ١٧/ ٢٢، رقم: ٣٠، دارقطني، كتاب البيوع، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ٢٣، رقم: ٢٨٦٩، المستدرك للحاكم، كتاب الأحكام، مكتبه نزار مصطفى الباز، بيروت ٧/ ٢٥٢٣، رقم: ٧٠٥٩، قديم ٤/ ١٠١)

الأجير الخاص يستحق الأجرة إذا كان في مدة الإجارة حاضرا للعمل. (شرح المجلة، كتاب الإجارة، اتحاد بك ڈپو ديوبند ٦/ ٢٣٩، رقم: ٤٢٥)

الأجرة إنما تكون في مقابلة العمل. (شامي، كتاب النكاح، باب المهر، كراچی ٣/ ١٥٦، زكريا ٤/ ٣٠٧)

لا يجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي.

(شامي، كتاب الحدود، مطلب في التعزير بأخذ المال، کراچی ٤/ ٦١، زکریا ٦/ ١٠٦، البحر الرائق، کوئٹہ ٥/ ٤١، زکیا ٥/ ٦٨، هندية، زكريا قديم ٢/ ١٦٧، جديد ٢/ ١٨١)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۳۹۸/۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۵/۴ھ

مقررہ تنخواہ سے کم دینے کا حکم

سوال [۸۵۲۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک مدرس کے تقرر کے وقت مہتمم مدرسہ سے ماہانہ تنخواہ سولہ سو طے ہوتی ہے، پھر رجسٹر میں درج کرنے کی باری آتی ہے تو تنخواہ پندرہ سو روپیہ لکھی جاتی ہے، جب اعتراض کیا گیا تو جواب ملا کہ آپ کو تنخواہ سے مطلب ہے؟ چنانچہ یہ تنخواہ سال کے اختتام پر تیرہ سو رمضان کی ڈبل کے اعتبار سے وصول ہو جاتی ہے، پھر دوسرا سال گذر جانے کے بعد جب اس تنخواہ کا مطالبہ کیا جاتا ہے، تو مہتمم مدرسہ سے یہ جواب ملتا ہے کہ ہم چھوٹے ہیں، ہم نہیں دے سکتے جو رجسٹر میں موجود ہے وہی دے سکتے ہیں، اس کے علاوہ نہیں دے سکتے، تو کیا اس صورت میں مدرس دو سال کی تنخواہ کا یا ایک سال کی تنخواہ کا مستحق ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد ارشاد قاسمی

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب آپس میں یہ شرط طے ہوگئی کہ سولہ سو روپیہ ماہانہ تنخواہ رہے گی، تو وہ مدرس سولہ سو روپیہ ماہوار کا مستحق ہے۔ اور جو مقدار اس میں رہ گئی ہے وہ مدرس کا حق ہے، اس کی ادائے گی ذمہ دارانِ مدرسہ پر لازم ہے؛ اس لئے کہ آپس کی طے شدہ شرائط کی پابندی حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق جانبین پر لازم ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۷/ ۲۸۴، فتاوی محمودیہ قدیم ۱۴/ ۱۶۴، جدید ڈابھیل ۱۵/ ۵۶۱)

المسلمون على شروطهم، إلا شرطا حرم حلالا، أو أحل حراما.

(ترمذي، أبواب الأحكام، باب ما ذكر عن رسول الله ﷺ في الصلح بين الناس، النسخة الهندية ۱/ ۲۵۱، دارالسلام، رقم: ۱۳۵۲، وهكذا في البخاري، كتاب الإجارة، تحت ترجمة الباب، باب أجر السمسرة ۱/ ۳۰۳، رقم الباب: ۱۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍ ذی الحجہ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۹۶۹)

چندہ نہ کرنے کی صورت میں مدرس کو سابقہ تنخواہ نہ دینا

سوال [۸۵۲۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مدرسین حضرات دینی مدرسوں میں تعلیم دے رہے ہیں اور دیتے چلے آئے ہیں اور تعلیم دیتے رہیں گے؛ لہٰذا مدرس کو کمیٹی والے حضرات جب معلم کی حیثیت سے مدرسہ میں رکھتے ہیں تو مدرس سے کچھ شرائط رکھتے ہیں کہ ہماری یہ شرائط ہیں، مثلاً ٹائم کی پابندی کرنا یا چندہ کرنا یا کرانا، کہنا ضروری یہ ہے کہ کمیٹی والے حضرات نے مدرس کو رکھا جو شرائط اوپر کی عبارت میں درج ہیں وہ شرائط طے پائیں، ان شرائط میں مدرس صرف ایک شرط ادا کرسکا، چندہ کے بارے میں مدرس سے شروع میں پوچھا تھا کہ آپ کتنا چندہ کرسکیں گے؟ مدرس نے کہا تھا کہ میں صرف پینتالیس سو روپیہ کا چندہ کرسکتا ہوں، بہرحال مدرس نے صرف تعلیم ہی سہی وقت پر بچوں کو دیتے رہے، چندہ کسی مجبوری میں اگر نہ کرسکا یہاں تک کہ رمضان شریف میں ہر سال قرآن شریف نماز تراویح میں پڑھتا تھا، قرآن شریف بھی نہ پڑھا، کمیٹی نے مدرس کو رکھتے وقت یہ کہا تھا کہ اس وقت ہمارے پاس پیسہ نہیں ہے، رمضان میں چندہ ہوگا آپ کی تنخواہ مل جائے گی، کچھ آپ کریں گے اور کچھ ہم کریں، یا مدرس نے یہ بھی کہہ دیا کہ میں دس ہزار پندرہ ہزار کا چندہ دوں گا، وہ مجبوری میں ایسا گھرا کہ وہ چندہ بالکل نہ کرسکا، تو آیا اس

صورت میں مدرس کو تنخواہ کمیٹی دے یا نہ دے؟ کمیٹی کو تنخواہ روکنی جائز ہے یا ناجائز؟ مدرس کا دارومدار تنخواہ پر ہی ہے، چھ ماہ کی تنخواہ کمیٹی پر ہے، جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: محمد عمران سرسواں دوراہہ کاشی پور روڈ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بوقت تقرر یہ کہنا کہ اس وقت مدرسہ میں پیسہ نہیں ہے رمضان میں چندہ بھی کرنا پڑے گا، جیسا کہ سوال نامہ سے واضح ہے، ۴۵۰۰ر کی ہمت ظاہر کی ہے یہ بھی سوال سے واضح ہے اور اس طرح کے شرائط اکثر مدارس کے اندر مدرسین کے تقرر کے وقت لگائے جاتے ہیں؛ لیکن اس طرح کے شرائط باوجودیکہ مدارس اسلامیہ میں متعارف ہیں؛ لیکن مدارس اسلامیہ کے اندر یہ بھی متعارف ہے کہ اگر کوئی شخص خاص مجبوری یا پریشانی کی وجہ سے چندہ نہ کرسکے تو اس کی اصل تنخواہ نہیں کاٹی جاتی، ہاں البتہ مدرسہ میں پیسہ نہ ہونے کی صورت میں تنخواہوں کی ادائے گی میں تاخیر ہو جاتی ہے؛ اس لئے سوال نامہ میں درج کردہ صورت میں مدرس چندہ نہ کرنے کی وجہ سے تنخواہ سے محروم نہ ہوگا، وہ پوری تنخواہ کا مستحق ہے؛ البتہ مدرسہ میں پیسہ نہ ہونے کی صورت میں کچھ تاخیر ہوسکتی ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۷/ ۲۸۴، امداد الفتاوی ۳/ ۳۶۱)

عن عبداللّٰہ بن عمرو بن عوف المزني، عن أبيه، عن جده أن رسول اللّٰه ﷺ قال: الصلح جائز بين المسلمين إلا صلحا حرم حلالا، أو أحل حراما، والمسلمون على شروطهم، إلا شرطا حرم حلالا، أو أحل حراما.

(سنن الترمذي، أبواب الأحكام، باب ما ذكر عن رسول اللّٰه ﷺ في الصلح بين الناس، النسخة الهندية ١/ ٢٥١، دارالسلام، رقم: ١٣٥٢، المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي بيروت ١٧/ ٢٢، رقم: ٣٠، سنن الدارقطني، كتاب البيوع، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ٢٣، رقم: ٢٨٦٩، المستدرك للحاكم، كتاب الأحكام، مكتبه نزار مصطفى الباز، بيروت ٧/ ٢٥٢٣، رقم: ٧٠٥٩، قديم ٤/ ١٠١) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍ ربیع الاول ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۷۱۱۶)

مقررہ وقت میں کام کرنے پر تنخواہ کا استحقاق اور کوتاہی پر برطرف کرنا

سوال [۸۵۲۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک دینی تعلیمی ادارہ جس کے بعض مدرسین کی تنخواہ حکومت دے رہی ہے۔ اور بعض مدرسین کی تنخواہ مجلس منتظمہ بذریعہ عوامی امداد ادا کرتی ہے۔ سرکار کے ذریعہ تنخواہ پانے والے مدرسین میں ایک حافظ بھی ہے، جو قرآن پاک کو بھلا چکا ہے، ادارہ کے ناظم نے بارہا کوشش کی کہ وہ قرآن پاک کو پھر سے یاد کرلے؛ لیکن حافظ مذکور مسلسل آٹھ سالوں سے قرآن پاک کو پھر سے یاد کر لینے کی مہلت لیتا رہا، پھر بھی وہ اپنی یادداشت کو بحال نہ کرسکا، نتیجتاً مروجہ حفظ بے جان ہوکر رہ گیا ہے اور حافظ کی پیداوار لمبی مدت سے بند ہے، جب کہ ہندوستان جیسے آفت زدہ ملک میں حافظ کی پیداوار بہت ضروری ہے اور ہمارا قصبہ اور علاقہ دیندار حافظ سے محروم ہی ہے۔

اب غور طلب بات یہ ہے کہ حکومت حافظ کے عہدہ کے لئے رقم دیتی ہے اور شخص مذکور حافظ رہا نہیں اور اپنے عہدہ کو چھوڑنے کے لئے قطعی تیار نہیں ہے، مدرسین کی تقرری اور برخواستگی کا کلی اختیار ادارہ کے ناظم انتظامیہ کو حاصل ہے، مذکورہ عہدہ کو خالی کراکر باصلاحیت حافظ کی بحالی کی غرض سے جب شخص مذکور کی برخواستگی کی کارروائی شروع کی جاتی ہے، تو لوگوں سے اپنی روزی روٹی کے لئے ہنگامہ کرواتا ہے اور ہتھیار اٹھانے کی دھمکی دیتا ہے، اس طرح دینی تعلیم کا ایک اہم شعبہ اس ادارہ میں زندہ نہیں ہو پا رہا ہے، تو کیا مذکورہ صورت میں حکومت کے ذریعہ حافظ کے عہدہ کے لئے ادارہ کو دی گئی رقم شخص مذکور کو دینا لینا شرعاً درست ہے؟

المستفتی: عبدالغفار سیتامڑھی، بمعرفت سجاد حسین دارالعلوم دیوبند

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب وہ مفوضہ وقت میں کام کرے گا تو طے شدہ تنخواہ کا مستحق ہوجائے گا؛ لیکن ذمہ داری میں ناکامی کی صورت میں ذمہ داران مدرسہ کو برطرف

کرنے کا حق ہوسکتا ہے، مگر جب تک کام کرتا رہے گا تنخواہ مذکورہ کا مستحق رہے گا۔

عن عمرو بن يحيى المازني، عن أبيه أن رسول الله ﷺ قال: لا ضرر ولا ضرار. (موطا إمام مالك، كتاب القضاء، القضاء في المرفق، أشرفي ديوبند ٣١١)

لا يضر الرجل أخاه ابتداء ولا جزاء. الخ (الأشباه، قديم، ص: ١٣٩)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶/رمضان ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۳۶۸۱)

مدارس ومساجد کے ملازمین کا سرکاری تنخواہ لینا

سوال [۸۵۳۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بہت سے اسکولوں، مدارس ومساجد کو تنخواہ سرکار دیتی ہے، اس کا لینا کیسا ہے؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ سرکار تو سود لیتی ہے، اور وہی سود تنخواہ میں ملا کر دیتی ہوگی، تو گویا سود لیا گیا پھر جب وہ اسکول ومدارس ومساجد والے اپنی واجبی ماہانہ تنخواہ لینے کے لئے متعلقہ سرکاری دفتر میں جاتے ہیں تو وہ ان سے رشوت لیتے ہیں، بغیر اس کے دیتے ہی نہیں، تو یہ رشوت دینا اور پھر اس میں سود کی رقم لینا جائز ہے یا نہیں؟ کوئی گنجائش ہے یا نہیں؟

المستفتی: قمر الدین، مدرسہ قاسمیہ عربیہ جامع مسجد نگینہ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سرکاری تنخواہ مساجد ومدارس کے لئے لینا اس وقت جائز ہے جب کہ سرکاران لوگوں پر اپنا تسلط وغلبہ نہ جمائے۔ اور اگر تنخواہ لینے کے لئے سرکاری دفتروں میں رشوت وغیرہ دینی پڑتی ہے تو ایسی صورت میں ارتکاب حرمت کی وجہ سے لینا جائز نہ ہوگا۔ اور آج کل مدارس ومساجد کا سرکار سے ملحق کرنا ہرگز مناسب نہیں ہے۔ (مستفاد: نظام الفتاوی ۲/ ۳۷۵)

عن عبدالله بن عمرو قال: لعن رسول الله ﷺ الراشي والمرتشي. (سنن أبي داؤد، كتاب القضاء، باب في كراهية الرشوة، النسخة الهندية ۲/ ۵۰٤، دارالسلام، رقم: ۳۵۸۰، مسند أحمد بن حنبل ۲/ ۱٦٤، رقم: ٦۵۳۲)

قال الفقيه أبو الليث: اختلف الناس في أخذ الجائزة من السلطان، قال بعضهم: يجوز ما لم يعلم أنه يعطيه من حرام، قال محمد رحمه الله تعالىٰ: وبه نأخذ ما لم نعرف شيئا حراما بعينه، وهو قول أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ وأصحابه. (هندية، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر في الهدايا و الضيافات، زكريا قديم ۵/ ۳٤۲، جديد ۵/ ۳۹٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/ ۳۴۷۵)

پرائیویٹ فنڈ کا حکم

سوال [۸۵۳۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید ایک مدرسہ میں ملازم ہے اور تنخواہ سرکار سے ملتی ہے۔ اور قانوناً دس فیصد پرائیویٹ فنڈ کٹتا ہے اور فنڈ میں جمع ہوتا ہے، پھر سرکار اس دس فیصد پر مزید اضافہ کر کے دیتی ہے؛ لیکن زید اپنے اختیار سے مزید بیس یا پچیس فیصد پرائیویٹ فنڈ کٹواتا ہے اور سرکار اس پر بھی مزید اضافہ کے ساتھ رقم واپس دیتی ہے، تو سوال یہ ہے کہ دس فیصد جو قانوناً کٹتا ہے اس کا کیا حکم ہے؟ اور اپنے اختیار سے جو زیادہ کٹواتا ہے، اس کا کیا حکم ہے؟ اور اس پر ملنے والی زائد رقم کا کیا حکم ہے؟ سود کے حکم میں داخل ہے یا نہیں؟ اور زید کا اپنے اختیار سے G.P.S زائد کٹوانا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد طارق، مئو

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مدرسہ کے ملازم کی تنخواہ سے جو دس فیصد پرائیویٹ فنڈ کے نام سے سرکار کاٹ کر اپنے پاس جمع کرتی ہے اور اس پر مزید اضافہ کر کے ریٹائرڈ ہوتے وقت دیتی ہے، یہ اضافہ شرعاً سود نہیں ہے؛ اس لئے اس کا لینا جائز ہے۔ اور اپنے اختیار سے جو کٹواتے ہیں، اس کی دو شکلیں ہیں:

(۱) تنخواہ کے پیسے اپنے اختیار سے قبضہ میں آنے کے بعد از خود داخل کرے، اس پر ملنے والا اضافہ سود ہے، وہ جائز نہیں ہے۔

(۲) دوسری شکل یہ ہے کہ تنخواہ میں سے وہ حصہ اس کے ہاتھ نہیں آیا تو ملنے والا اضافہ جائز ہے؛ اس لئے کہ اس کے قبضہ میں آنے سے پہلے پہلے وہ مالک ہی نہیں ہوا ہے؛ اس لئے اصل اور اضافی دونوں قسم کی رقم پرائیویٹ فنڈ کے ہی حکم میں ہے، اس وجہ سے جائز ہے۔

(مستفاد: امداد الفتاوی ۳/ ۱۵۲، پرائیویٹ فنڈ پر زکوۃ اور سود کا مسئلہ بحوالہ فتاوی عثمانی ۳/ ۳۰۷، ایضاح المسائل، ص: ۱۰۷، کتاب المسائل ۲/ ۲۲۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۵)

بلا اجازت مدرسے سے جانے والے کی تنخواہ کا حکم

سوال [۸۵۳۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید ایک مدرسہ میں استاذ تھا، اس نے ایک سال کے لئے رخصت بالوضع طلب کی؛ لیکن مدرسہ نے اس کی رخصت منظور نہیں کی؛ لیکن زید بلا منظوری ہی اپنی ضرورت سے چلا گیا؛ البتہ اسی دوران زید نے اسی مدرسہ کے لئے تقریباً ۷۰۰۰۰/ ہزار روپئے کا چندہ کیا، جس میں سے بقول زید آٹھ ہزار ایک سو اٹھاسی روپئے وصول نہ ہوئے اور پینتیس ہزار

روپئے یہ کہہ کر واپس لے لئے کہ مجھے ان کی ضرورت ہے، جب حساب ہوگا اس وقت دیکھا جائے گا، بعد ازاں مزید ۱۴۰۰۰؍ ہزار روپئے قرض لئے ، پھر جب اہل مدرسہ نے پینتیس ہزار روپئے کی واپسی کا مطالبہ کیا تو زید نے جواب دیا کہ ۲۴۰۰۰؍ ہزار روپئے کا میرا انعام بنتا ہے۔اور گیارہ ہزار سفرخرچ کے ہیں جو چندہ کی وصولیابی میں ہوا ہے،اس طرح پینتیس ہزار روپئے کا مطالبہ میری جانب نہیں ہے؛لیکن زید سفرخرچ زبانی بیان کرتا ہے،تحریری طور پرنہیں دیتا، جب کہ مدرسہ کا تعامل سفرخرچ میں تحریری معتبر ہے،تا کہ رجسٹروں میں اندراج ہوسکے، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ:

(۱) زید کا بلا اجازت مدرسہ سے جانا اور چندہ کی رقم میں انعام کا نفاذ ومطالبہ کیا زید کے لئے شرعی طور پر درست ہے؟ پھر کیا مہتمم کے لئے اس انعامی رقم کا دینا اور زبانی سفرخرچ منظور کرنا شرعاً درست ہے؟ لہٰذا زید پینتیس ہزار روپئے کے مطالبہ کی نفی جس شکل میں کرتا ہے، کیا وہ قابل تسلیم ہے؟

(۲) آٹھ ہزار ایک سو اٹھاسی کی رقم کس پر واجب الاداء ہے،زید پر یا چندہ دہندگان پر جیسا کہ زید کہتا ہے کہ یہ رقم مجھے ابھی وصول نہیں ہوئی ہے؛لیکن زید اہل مدرسہ کو ان حضرات کا پتہ دینے پر آمادہ نہیں ہے؟

المستفتی: ڈاکٹر عبدالرؤف محلّہ دائم پورہ، ٹانڈہ، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب زید مدرسہ سے اجازت لئے بغیر ایک سال سے غائب ہوگیا، تو اس درمیان زید مدرسہ سے تنخواہ کا مستحق نہیں اور اس دوران جو اس نے ۷۰۰۰۰؍ ہزار کا چندہ کیا ہے، وہ پوری رقم مدرسہ میں جمع کر دینا لازم ہے، اس کے بعد جتنے دن اس نے مدرسہ کا کام کیا ہے، اتنے دنوں تک کے لئے مدرسہ اس کو اجرت مثل دے گا اور اجرت مثل سے زائد کچھ بھی نہیں ملے گا، ہاں البتہ سارا پیسہ مدرسہ میں داخل ہونے کے بعد مدرسہ کی شوریٰ یا اس کے قائم مقام کمیٹی مدرسہ کی مصلحت ومفاد کو پیش نظر رکھ کر اس کی تنخواہ

کے ساتھ کچھ انعام بھی دے تو اس کی گنجائش ہے۔لیکن شوریٰ و کمیٹی کی منظوری و اجازت کے بغیر جائز نہیں ہے، نیز جب کہ زید اجازت و منظوری کے بغیر سفر میں چلا گیا ہے، تو وہ سفر خرچ کا مستحق نہیں ہے، ہاں البتہ شوریٰ یا کمیٹی اپنے مشورہ سے کوئی مناسب خرچ مدرسہ کی مصلحت کی بنا پر متعین کرے، تو اس کی گنجائش ہوسکتی ہے؛ اس لئے کہ مدرسہ کے ضوابط و قوانین کا مدار عرف اور ان شرائط پر ہے جو شوریٰ و کمیٹی نے متعین کی ہیں۔

عن عمرو بن عوف المزني، عن أبيه، عن جده أن رسول الله ﷺ قال: الصلح جائز بين المسلمين إلا صلحا حرم حلالا، أو أحل حراما، والمسلمون على شروطهم، إلا شرطا حرم حلالا، أو أحل حراما. (سنن الترمذي، أبواب الأحكام، باب ما ذكر عن رسول الله ﷺ في الصلح بين الناس، النسخة الهندية ١/ ٢٥١، دارالسلام، رقم: ١٣٥٢، هكذا في البخاري، كتاب الإجارة، تحت ترجمة الباب، أجر السمسرة، النسخة الهندية ١/ ٣٠٣، رقم: الباب: ١٤)

(۲) اور زید کا آٹھ ہزار ایک سو اٹھاسی کے بارے میں یہ کہنا کہ اتنی رقم وصول نہیں ہوئی یہ زید کی تنخواہ اور کارکردگی میں سے کاٹ کر اس وقت تک روک لیا جائے گا، جب تک کہ وہ پیسہ لاکر داخل دفتر نہ کردے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۵/ ذیقعدہ ۱۴۲۱ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۹۵۸)	۱۵/۱۱/۱۴۲۱ھ

مدرس کی تقرری کے بعد بلاعوض نگرانی پر مجبور کرنے کا حکم

سوال [۸۵۳۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید ایک مدرسہ میں مدرس ہے اور درجہ حفظ میں بچوں کو پڑھاتا ہے، جب کہ زید مغرب کے بعد اور عشاء کے بعد اور فجر سے پہلے فجر کے بعد نگرانی کبھی کبھی نہیں کرتا ہے اور

کبھی کرتا ہے۔ اور بکر اس مدرسہ کا صدر مدرس ہے اور بار بار کہتا ہے کہ درجہ حفظ کے بچوں کے استاذ کو ان تینوں وقت کی پابندی ضروری ہے، جب کہ تقرر کے وقت ان تینوں وقت کی کوئی بات نہیں ہوئی ہے، اس پر زید کہتا ہے کہ میرا احسان ہے کہ یہ وقت مدرسہ میں دے رہا ہوں، ورنہ میری اس وقت کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے، بکر کا کہنا ہے کہ ان تینوں وقت کی پابندی ضروری ہے، زید کا کہنا ہے کہ میری یہ ذمہ داری نہیں ہے، اس مسئلہ میں مدرسہ کا کیا اصول ہے وضاحت فرمائیں؟ کیا زید کو ان تینوں اوقات کی پابندی ضروری ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد عبداللہ ٹھاکردوارہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب تقرر کے وقت تینوں اوقات کی نگرانی کرنے کا کوئی تذکرہ اور صراحت نہیں ہے، تو ان اوقات کی نگرانی پر مجبور کرنا ناانصافی ہے اور ہمارے مدرسہ شاہی میں اصول یہ ہے کہ حفظ کے اساتذہ مغرب سے عشاء تک اور فجر کے بعد نگرانی کرتے ہیں؛ لیکن اس کا الگ سے انہیں معقول معاوضہ دیا جاتا ہے؛ اس لئے اگر آپ کے مدرسہ میں کوئی ایسا اصول نہیں ہے اور تینوں اوقات کی نگرانی بھی کرانا چاہتے ہیں، تو پھر آپ کو انہیں الگ سے الاؤنس دینا چاہئے اور مدارسِ اسلامیہ کے قوانین وضوابط کا دار و مدار درج ذیل حدیث پر ہے:

عن عبداللہ بن عمرو بن عوف المزني، عن أبيه، عن جده أن رسول اللہ ﷺ قال: الصلح جائز بين المسلمين إلا صلحا حرم حلالا، أو أحل حراما، والمسلمون على شروطهم، إلا شرطا حرم حلالا، أو أحل حراما.

(سنن الترمذي، أبواب الأحكام، باب ما ذكر عن رسول الله ﷺ في الصلح بين الناس، النسخة الهندية ۱/ ۲۵۱، دارالسلام، رقم: ۱۳۵۲، المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي بيروت ۱۷/ ۲۲، رقم: ۳۰، سنن الدارقطني، كتاب البيوع، دارالكتب

العلمية بيروت ٣/ ٢٣، رقم: ٢٨٦٩، المستدرك للحاكم، كتاب الأحكام، مكتبه نزار مصطفى الباز، بيروت ٧/ ٢٥٢٣، رقم: ٧٠٥٩، قديم ٤/ ١٠١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰ر صفر ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۹۱۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۲/۱۱ھ

حج کو جانے والے مدرس کے لئے رخصت بالوضع کا حکم

سوال [۸۵۳۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص مدرسہ کا ملازم ہے اور فریضۂ حج کے لئے سفر میں جارہا ہے، اس صورت میں رخصت اس کو مدرسہ دے گا یا بالوضع رخصت استاذ لے گا، تفصیل کے ساتھ شریعت کی روشنی میں جواب مرحمت فرما دیا جائے۔

المستفتی: عبد الرحمٰن، ٹانڈہ رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایک دفعہ حج کو جانے کے لئے منجانب مدرسہ رخصت دینا متعارف ہے؛ اس لئے رخصت منجانب مدرسہ سمجھی جائے گی اور جن مدارس میں رخصت کی صراحت نہ ہو ان کو بھی عرف کی وجہ سے انہیں مدارس پر قیاس کیا جائے گا، جن میں منجانب مدرسہ حج فرض کی رخصت دی جاتی ہے؛ لہٰذا حج فرض کی رخصت کو رخصت بالوضع قرار نہ دیا جائے۔ اور مدارسِ اسلامیہ کے قوانین وضوابط اس حدیث سے مستنبط ہیں۔

عن عبدالله بن عمرو بن عوف المزني، عن أبيه، عن جده أن رسول الله ﷺ قال: الصلح جائز بين المسلمين إلا صلحا حرم حلالا، أو أحل حراما، والمسلمون على شروطهم، إلا شرطا حرم حلالا، أو أحل حراما.

(سنن الترمذي، أبواب الأحكام، باب ما ذكر عن رسول الله ﷺ في الصلح بين الناس، النسخة الهندية ١/ ٢٥١، دارالسلام، رقم: ١٣٥٢)

ومنها: البطالة في المدارس كأيام الأعياد ويوم عاشوراء، وشهر رمضان في درس الفقه لم أرها صريحة في كلامهم، والمسئلة على وجهين، فإن كانت مشروطة لم يسقط من المعلوم شيء، وإلا فينبغي أن يلحق ببطالة القاضي إمام يترك الإمامة لزيارة أقربائه في الرساتيق أسبوعا، أونحوه، أو لمصيبة، أو لاستراحة لا بأس به، ومثله عفو في العادة والشرع. (الأشباه والنظائر، قديم ۱/ ۱۵۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/۱۱/۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۷۳۹۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۸/۱۱/۱۴۲۲ھ

گورنمنٹ سے روپیہ لے کر مدرسین کو تنخواہ دینا

سوال [۸۵۳۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: حکومت تعلیمی امداد کے نام پر جو روپئے مدرسہ کو دیتی ہے اور جسے عرف عام میں ایڈ کہا جاتا ہے، اس کا لینا جائز ہے یا نہیں؟ اور کیا اس کے عدمِ جواز کی دلیل صرف یہ کہہ دینا کافی ہے کہ چونکہ یوپی کے مدارس ایڈ نہیں لیتے، مثلاً مدرسہ شاہی مرادآباد، مظاہر علوم سہارنپور، دارالعلوم دیوبند وغیرہ ایڈ نہیں لیتے؛ اس لئے ہمیں بھی لینا جائز نہیں ہے، جب کہ صحیح صورت حال یہ ہے کہ ایڈ لینے سے قبل ہمارے علاقہ کے مدارس میں اتنی قلیل اور معمولی تنخواہ ہوتی تھی جو کسی طرح بھی کافی اور تسلی بخش نہیں کہی جاسکتی، اس کے برعکس مذکورہ بالا مغربی مدارس میں اس وقت بھی تنخواہیں انتہائی مناسب اور اطمینان بخش ہوتی تھیں، جس کے سبب ایک مدرس ہر طرف سے فارغ البال ہوکر یکسوئی کے ساتھ کام کرتا، ادھر کچھ سالوں سے یہ مشرقی مدارس سرکار سے ایڈ لینے لگے ہیں، جس کے طفیل مدرسین کے اندر فرائض منصبی کو بحسن خوبی انجام دینے کے لئے ایک گونہ سکون میسر ہوگیا ہے اور بڑی حد تک دینی تعلیم کی

طرف سے پرانی بے توجہی دور ہوگئی ہے، لوگ شوق سے اپنے بچوں کو پڑھانے بھی لگے ہیں، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایڈ لینا، اسی طرح مدرسہ کے لئے مصرف میں خرچ کرنا اور اس سے مدرسین کو تنخواہ دینا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: ظہیر الحق نعمانی، کوپا گنج اعظم گڑھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر حکومت مدرسہ میں کسی بھی وقت دخل نہ دینے کا وعدہ کرے اور اربابِ مدرسہ کو بھی اس بارے میں اطمینان ہو، تو گورنمنٹ سے ایڈ لینا اور اس کو تنخواہوں اور دوسری ضروریات میں صرف کرنا درست اور جائز ہے، ورنہ احتراز لازم ہے۔

(مستفاد: امداد الفتاوی ۴/ ۷۷، کفایت المفتی قدیم ۷/ ۱۰۱، جدید زکریا مطول ۱۰/ ۴۷۹، فتاوی مظاہر علوم ۱/ ۱۷۴، نظام الفتاوی ۲/ ۳۷۴)

قال الفقيه أبو الليث: اختلف الناس في أخذ الجائزة من السلطان، قال بعضهم: يجوز ما لم يعلم أنه يعطيه من حرام، قال محمد رحمه الله تعالىٰ: وبه نأخذ ما لم نعرف شيئا حراما بعينه، وهو قول أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ وأصحابه. (هندية، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر في الهدايا و الضيافات، زكريا قديم ٥/ ٣٤٢، جديد ٥/ ٣٩٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲/۵/۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۱۲۱۴)

بمد تعمیر رقم کو تنخواہ میں استعمال کرنا

سوال [۸۵۳۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک مدرسہ میں صدر مدرس اور معاون صاحب نے ناظم مدرسہ کی اجازت کے

بغیر بمد تعمیر رقم کو تنخواہ میں استعمال کرلیا، ناظم صاحب کے استفسار پر ان لوگوں نے غلطی کا اقرار کیا، معافی کے طالب ہیں، ایسی صورت میں حکم شرعی کیا ہے؟ بینوا توجروا

المستفتی: فیض الحسن، ہردوئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر تعمیر کی رقم کو مد تنخواہ میں خرچ کردیا ہے، تو ایسی صورت میں مذکورہ صدر مدرس اور معاون کو تصرف میں خائن شمار کیا جائے گا؛ لیکن چونکہ مد تعمیر اور تنخواہ دونوں از قبیل امداد ہیں اور مذکورہ صدر مدرس اور معاون نے اپنی ذات میں خرچ نہیں کیا ہے؛ بلکہ ایک مصرف کی چیز کو دوسرے مصرف میں خرچ کرنے میں بدنظمی اور بددیانتی کا ثبوت دیا ہے؛ اس لئے اپنی جیب سے تاوان ادا کرنا لازم نہ ہوگا، ہاں البتہ ناظم صاحب اور اعلیٰ ذمہ داروں کو انہیں صدارت اور معاونت سے سبکدوش کرنے کا حق ہے؛ لیکن جب وہ معافی کے طلب گار ہیں تو "**التائب من الذنب کمن لا ذنب له**". **الحدیث** (ابن ماجة، أبواب الزهد، باب ذکر التوبة، النسخة الهندیة/ ۳۱۳، دارالسلام، رقم: ۴۲۵۰) کی رو سے انہیں درگذر کردینا چاہئے، نیز یہ بھی لازم ہے کہ مد تنخواہ میں سے اتنی رقم جتنی تنخواہ میں خرچ کی گئی ہے مد تعمیر میں منتقل کردی جائے، تاکہ دینے والے کی غرض کے مطابق مقصد میں خرچ ہوسکے۔ "البحر الرائق" کی ذیل کی عبارت سے یہ مسئلہ مستفاد ہوتا ہے:

ولو جمع مالا لینفقه في بناء المسجد، فأنفق بعضه في حاجته، ثم رد بدله في نفقة المسجد لا یسعه أن یفعل ذلک، فإذا فعله وکان یعرف صاحبه ضمن له بدله، أو استاذنه في صرف عوضه في المسجد، وإن کان لا یعرفه، رفع الأمر إلی القاضي لیأمره بإنفاق بدله فیه، وإن لم یمکنه الرفع إلیه قالوا: نرجوا له في الاستحسان الجواز إذا أنفق مثله في المسجد یخرج عن العهدة فیما بینه وبین اللّٰہ تعالیٰ. (البحر الرائق، کتاب الوقف، فصل في أحکام المساجد، زکریا ۵/ ۴۲۰، کوئٹه ۵/ ۲۵۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۹۶۹۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۵/۳۰ھ

غیر حاضری کی تنخواہ کا حکم

سوال [۸۵۳۷]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عمر ایک مسجد میں امامت اوراسی مسجد میں مکتب میں مدرس ہے، تقریباً دوسال سے ذمہ دار مکتب ان کی تدریسی ذمہ داری سے مطمئن نہیں ہیں، گذشتہ شعبان میں سالانہ امتحان کے نتیجہ کے بعد مکتب کے مدرس کو علیحدہ کردیا گیا، عمر (امام صاحب) اس کے بعد چالیس روز کے لئے جماعت میں چلے گئے اور عید کے بعد امام صاحب عمر نے اپنے دوبارہ مکتب میں مدرس ہونے کے لئے کچھ لوگوں کو ہموار کیا، لوگوں نے جب محسوس کیا کہ اگر ان کو مدرس نہ بنایا گیا تو ہم لوگوں میں اختلاف ہوجائے گا؛ لہٰذا امام صاحب عمر کو پھر نئی شرائط کے ساتھ مدرس کے طور پر تقرر کرلیا گیا؛ لیکن عمر امام صاحب تقریباً ڈیڑھ ماہ جو بقول ذمہ دار مکتب مکتب سے علیحدگی کے تئیں ان ایام کی تنخواہ کا مطالبہ کررہے ہیں، جب کہ مہتمم صاحب ان سے یہ کہہ رہے ہیں کہ میں تو ان کو شعبان میں علیحدہ کرچکا ہوں؛ لہٰذا دوبارہ تقرر کی مدت تک کی تنخواہ مکتب ادا نہیں کرے گا، اس تنخواہ کے سلسلہ میں کیا مسئلہ ہے؟ کیا ان کو دی جائے یا نہیں؟

المستفتی: امداد حسین ڈپٹی گنج، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مدارس، مکاتب، مساجد کی ملازمت کے شرائط آپس کی تراضی سے جو طے ہوجائیں وہی معتبر ہیں۔ اوران کا ضابطہ اوراصول اس حدیث پاک سے ثابت ہے:

عن عبداللّٰہ بن عمرو بن عوف المزني، عن أبیه، عن جده أن رسول اللّٰہ ﷺ قال: الصلح جائز بین المسلمین إلا صلحا حرم حلالا، أو أحل حراما، والمسلمون علی شروطهم، إلا شرطا حرم حلالا، أو أحل حراما.

(سنن الترمذي، أبواب الأحکام، باب ما ذکر عن رسول اللّٰہ ﷺ في الصلح بین الناس، النسخة الهندیة ۱/ ۲۵۱، دارالسلام، رقم: ۱۳۵۲)

معلوم ہوا کہ یہ بات حدیث سے ثابت ہے۔ واضح رہے کہ مدرسہ سے مذکورہ امام کو علیحدہ کردیا گیا ہے، اس کے بعد وہ جماعت میں چلا گیا ہے، اور پھر نئی تقرری کے بعد جماعت میں جانے کے درمیان کی غیر حاضری کی مدت کی تنخواہ کا مطالبہ کرنا یہ ان کی طرف سے ناجائز مطالبہ ہے، ذمہ داران اس مدت کی تنخواہ دینے کے مکلّف نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲ رشوال ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۷۹۸)

مدرس کے ایام مرض کی تنخواہ و مجلسِ شوریٰ کی شرعی حیثیت

سوال [۸۵۳۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: گزارش خدمت عالیہ میں یہ ہے کہ ہمارے یہاں ایک دینی قومی مدرسہ ہے، ہم چاہتے ہیں کہ اس کا ایک دستور بن جائے جو خلاف شرع نہ ہو؛ اس لئے چند سوالات درج ذیل ہیں، ان کے کافی شافی شرعی احکام بتا کر عنداللہ ماجور ہوں۔ سوالات یہ ہیں:

(۱) مدرسہ کے کسی عامل کو اس کی بیماری کی وجہ سے غیر حاضری کے ایام کی تنخواہ کا شرعاً استحقاق ہوگا یا نہیں؟

(۲) متفقہ طور پر یا اکثریت سے کسی کو ایسے حالات کی تنخواہ دی جائے تو یہ شرعاً درست ہوگا یا نہیں؟

(۳) کہیں کہیں ایک مہینہ یا ڈیڑھ مہینہ کی تنخواہ دینے کا دستور بنایا تو یہ جائز ہوگا یا نہیں؟

(۴) مجلس شوریٰ کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

(۵) مالیات میں ان کو کہاں تک تصرف کا حق حاصل ہے؟

(۶) مجلس شوریٰ عنداللہ ماجور یا ماخوذ یا جوابدہ ہوگی یا نہیں؟

نوٹ:- حتی الامکان جلد جواب مل جائے تو عین نوازش ہوگی۔ گستاخی معاف فرمائیں۔

المستفتی: بندہ عبداللطیف، خادم مدرسہ مرکز العلوم، ضلع کریم گنج، آسام

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: (۱) مہتمم چندہ دہندگان کی طرف سے وکیل ہوتا ہےاور وکیل کوجس تصرف کی اجازت دی جائے اس میں تصرف کرسکتا ہے،اس کے علاوہ میں نہیں، اگر چندہ دہندگان کی طرف سے صراحتاً یا دلالۃً اختیار ثابت ہوجاتا ہےاورتقرر کے وقت ملازم کے ساتھ یہ شرط ٹھہرائی گئی ہے،تو ایام بیماری کی تنخواہ مہتمم کو دینا اور ملازم کو لینا دونوں جائز رہے گا،ورنہ نہیں۔ (مستفاد: امدادالفتاوی ۳/۳۴)

(۲) سوال نمبر ا رکے جواب کی شرائط کے ساتھ گنجائش ہے ورنہ نہیں۔

(۳) چندہ دہندگان کی رضا سے ایسا قانون بنالینا درست ہے۔

الوكيل إنما يستفيد التصرف من الموكل وقد أمره بالدفع إلى فلان فلا يملك الدفع إلى غيره. (شامي، كتاب الزكوة، مطلب في زكوة ثمن المبيع وفاء كراچى ۲/ ۲٦۹، زكريا ۳/ ۱۸۹)

شرط الواقف كنص الشارع في وجوب العمل به، وفي المفهوم والدلالة. (قواعد الفقه، أشرفي ديوبند/ ۸۵، رقم: ۱۵۲)

أنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة. (كتاب الوقف، مطلب مراعاة غرض الواقفين واجبة، كراچى ٤/ ٤٤٥، زكريا ٦/ ٦٦٥)

(۴) مجلسِ شوریٰ کو اقتدار اعلیٰ کی حیثیت حاصل ہے،تفسیر ''البحرالمحیط'' میں ''شاورہم فی الامر'' الآیۃ کے تحت لکھا ہے کہ شوریٰ شریعت اور دین کے قواعد اور بنیادی اصولوں میں سے ہے، جو امیر یا ذمہ دار اہل علم اور اہل دین سے مشورہ نہ لے اس کو معزول کرنا واجب ہے، یہ بالاتفاق مسئلہ ہے۔

(۵) مالیات میں جواب نمبر:۱ رکی شرائط کے مطابق اختیار حاصل ہوگا۔

(٦) جواب نمبر ا رکی شرائط کی موافقت میں کوئی مواخذہ نہیں،مخالفت میں عنداللہ مواخذہ ہوگا۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰ رشوال ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر:۲۳/ ۲٦۹)

علالت کے زمانہ کی تنخواہ

سوال [۸۵۳۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے یہاں مدرسہ میں فراہمی مالیہ کے سلسلہ میں اصول وضابطہ مدرسین کے لئے یہ ہے کہ اگر رمضان میں کوئی مدرس اطراف مدرسہ میں وصولی کا کام کرتا ہے، تو اپنی تنخواہ کا بارہ گنا کرنے پر ڈبل تنخواہ کا مستحق ہوتا ہے، مزید پر پانچ فیصد کا انعام اور غیر معروف جگہ پر ڈبل تنخواہ پانے کے لئے اپنی تنخواہ کا دس گنا کرنا لازمی ہے، مزید پر پانچ فیصد کا انعام، مدرسہ ہذا میں دو بھائی ملازم ہیں، دونوں بھائیوں نے اپنی محنت سے مدرسہ کا ایک میدان بنایا، اتفاق سے ایک سال رمضان میں ایک بھائی کی طبیعت شدید خراب ہوئی، سفر کرنا ممکن نہ رہا، تو مہتمم صاحب کے حکم سے دوسرے بھائی نے اپنے اور بھائی کے علاقہ میں مکمل کام کیا، مہتمم مدرسہ ہذا نے یہ حکم فرمایا کہ بیمار بھائی کے علاقہ میں آپ رسید انہیں کے نام سے بنائیں اور بقلم لکھ کر اپنا نام لکھ دیں، تاکہ تنخواہ وانعام ان بیمار بھائی کے نام پر چڑھے اور ان کو احساس نہ ہو؛ کیوں کہ علاقہ انہیں کا بنایا ہوا ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، بوقت حساب ایک پرانے مدرسہ کے ملازم محرر صاحب کا کہنا ہے کہ ایسا نہیں ہوگا؛ بلکہ جس نے کام کیا ہے صرف اس کو تنخواہ وانعام ملے گا، بیمار کو کچھ نہ ملے گا؛ کیوں کہ دونوں کو ملنے کی صورت میں ایک ہزار روپئے مدرسہ سے زائد جاتے ہیں۔ اور ایک کو ملنے کی صورت میں کم جاتے ہیں۔ بتلایئے محرر صاحب کا مہتمم صاحب کے سامنے یہ اشکال صحیح ہے، جب کہ یہ سب کچھ مہتمم صاحب کی صواب دید سے ہوا؟ اور شوریٰ کی طرف سے مہتمم صاحب بااختیار ہیں، شرعاً قانوناً معاملۃً رہنمائی فرما کر ممنون فرمائیں۔

المستفتی: صدر مدرس محمد سلیمان مصباح الظفر، ڈھکہ حسن پور، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اکثر مدارسِ اسلامیہ کا یہ دستور ہے کہ بیمار ملازم کو اس کی

تنخواہ دی جاتی ہے؛ لہٰذا جو بھائی بیمار ہو گئے، ان کو مدرسہ کی جانب سے صرف تنخواہ ملے گی، مزید رقم یا انعام کچھ بھی نہیں ملے گا اور دوسرے بھائی جو پورا کام کئے ہیں ان کو تنخواہ مزید رقم اور انعام سب ملیں گے، اور بیمار بھائی کے علاقہ سے جتنی رقم لائے ہیں سب میں پانچ فیصد کے حساب سے اس کا رکن بھائی کو ملے گا اور محرر صاحب کا یہ اشکال کہ بیمار بھائی کو تنخواہ پر مزید رقم اور انعام دینے پر مدرسہ کا پیسہ زائد جائے گا جس کا وہ مستحق نہیں بجا ہے، انعام اور مزید رقم صرف اسی شخص کو ملے گی جو رقم لایا ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۱۵/ ۲۶۵، جدید ڈابھیل ۱۵/ ۲۶۵)

إن العقد وقع على عملها فلا تستحق الأجر بعمل غيرها كمن استاجر أجيرا ليعمل بنفسه، فأمر غيره فعمل لم يستحق الأجرة. (بدائع الصنائع، كتاب الإجارة، باب استحقاق الأجرة، زكريا ديوبند ٤/ ٧١)

قال: الأجرة لا تجب بالعقد، وتستحق بإحدى معاني ثلاثة: إما بشرط التعجيل، أو بالتعجيل من غير شرط، أو باستيفاء المعهود عليه. (هداية، أشرفي ديوبند ٣/ ٢٩٤)

أمور المسلمين محمولة على الصلاح والسداد ما أمكن. (بدائع الصنائع، كتاب الصلح، فصل في الشرائط التي ترجع إلى المصالح، زكريا ٥/ ٥٢)

عن كثير بن عبدالله بن عمرو بن عوف المزني عن أبيه، عن جده أن رسول الله ﷺ قال: الصلح جائز بين المسلمين إلا صلحا حرم حلالا، أو أحل حراما، والمسلمون على شروطهم، إلا شرطا حرم حلالا، أو أحل حراما. (سنن الترمذي، أبواب الأحكام، باب ما ذكر عن رسول الله ﷺ في الصلح بين الناس، النسخة الهندية ١/ ٢٥١، دارالسلام، رقم: ١٣٥٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۷۲۸۲)

بیماری کے ایام میں گھر پر رہتے ہوئے تنخواہ لینے کا حکم

سوال [۸۵۴۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید ایک ادارہ میں کام کرتا ہے اور مدت مدیدہ تک خدمات انجام دیتے رہے، مگر اب پیر میں چوٹ لگ جانے اور ہڈی ٹوٹ جانے کی وجہ سے کام سے معذور ہوگئے، جس کی وجہ سے ایک ماہ کی رخصت باتنخواہ حسب دستورادارہ ناظم ادارہ کی منظوری پر دی گئی، اس کے بعد دستور ادارہ کے مطابق مجلس شوریٰ نے دو ماہ کی رخصت باتنخواہ کی منظوری کا مشورہ دیا اوران کو دونوں مہینوں کی تنخواہ دی گئی، دستورادارہ میں شوریٰ کو اختیار ہے کہ کسی ملازم ادارہ کو بوجہ بیماری یا کسی معذوری کی بنا پر رخصت باتنخواہ کی منظوری کا مشورہ دے دے، مگر اس میں اس بات کی صراحت نہیں ہے کہ کتنی مدت تک ایسی منظوری دی جاسکتی ہے؛ لہٰذا دریافت طلب امر یہ ہے کہ از روئے شرع ایسے شخص کو جو ادارہ کے کارمفوضہ سے معذور ہو گیا ہو، کب تک رخصت با تنخواہ دی جاسکتی ہے؟ اور جو اس شخص کو تنخواہ دی گئی، اس کا دینا درست تھا یا نہیں؟

المستفتی: محمد عبدالرحمٰن، مجلس دعوۃ الحق ہردوئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آپ کے مدرسہ کا جو قانون ودستور ہے اس کے مطابق عمل ہوگا؛ لہٰذا جتنے ایام کی رخصت بیماری باتنخواہ دئے جانے کا قانون ہے یا مجلسِ شوریٰ جتنے ایام کی رخصت منظور کرے ان کی تنخواہ لینا شرعاً جائز اور درست ہے؛ اس لئے مجلسِ شوریٰ کے مشورہ سے پچھلی جو تنخواہ دی جاچکی ہے وہ شرعاً جائز اور درست ہے۔ اور آئندہ کے لئے مجلس شوریٰ جو درحقیقت مدارسِ اسلامیہ کے حق میں مجلسِ قانون ساز ہے، اس کے مشورہ کے مطابق عمل کرنا جائز ہوگا۔ اور مدارسِ اسلامیہ کے حق میں قوانین وضوابط، بخاری وترمذی کی اس حدیث شریف سے مستنبط ہوتے ہیں:

عن عبداللّٰہ بن عمرو بن عوف المزني عن أبيه، عن جده أن رسول

الله ﷺ قال: الصلح جائز بين المسلمين إلا صلحا حرم حلالا، أو أحل حراما، والمسلمون على شروطهم، إلا شرطا حرم حلالا، أو أحل حراما. (سنن الترمذي، أبواب الأحكام، باب ما ذكر عن رسول الله ﷺ في الصلح بين الناس، النسخة الهندية ١/ ٢٥١، دارالسلام، رقم: ١٣٥٢، صحيح البخاري، كتاب الإجارة، تحت باب أجر السمسرة ١/ ٣٠٣، رقم الباب: ١٤)

بخلاف ما إذا لم يقدر لكل يوم مبلغا، فإنه يحل له الأخذ، وإن لم يدرس فيهما للعرف. (شامي، كتاب الوقف، مطلب في استحقاق القاضي والمدرس الوظيفة في يوم البطالة، كراچی ٤/ ٣٧٢، زكريا ديو بند ٦/ ٥٦٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۶؍محرم الحرام ۱۴۲۲ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۷۰۰۸)	۶/۱/۱۴۲۲ھ

اطلاعی نوٹس ۱۵؍ یوم قبل نہ دینے کی صورت میں تنخواہ کاٹ لینے کا حکم

سوال [۱۴۱۸۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: آج کل مدارسِ عربیہ میں جو مدرسین دینی وملی خدمات انجام دیتے ہیں، اراکین مدرسہ کسی مدرس کو مدرسہ سے سبکدوش کرتے ہیں، تو اس مدرس کو بذریعہ نوٹس علیحدگی کم از کم ۱۵/ یوم یا ایک مہینہ قبل اطلاعی نوٹس دیتے ہیں، یا وہ خود علیحدہ ہوتا ہے، تو نوٹس برطرفی کا خود دیتا ہے، تاکہ اراکین انتظام کرلیں، اس کے برخلاف کرنے پر مدرسہ والے مدرس کی ۱۵؍ یوم یا ایک ماہ کی تنخواہ کاٹ لیتے ہیں (دیتے نہیں ہیں) یا مدرس کو ۱۵؍ یوم کی تنخواہ دیتے ہیں، اس صورت میں مدرس کو ۱۵؍ یوم یا ایک ماہ کی تنخواہ لینا یا کمیٹی مدرسہ کا مدرس کی تنخواہ کاٹ لینا شرعاً درست ہے یا نہیں؟ اسی طرح اگر بغیر اطلاعی نوٹس دئے ہوئے علیحدہ ہوتا ہے یا علیحدہ کیا جاتا ہے، تو اس پر قانوناً چارہ جوئی کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: حافظ محمد شاکر، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب آج کل مدارس میں نوٹس علیحدگی کے سلسلہ میں ایک ماہ یا پندرہ دن پہلے اطلاع دینا مشروط اور معروف ہے تو قاعدہ ''المعروف کالمشروط'' کے ہونے کی وجہ سے ذمہ دارانِ مدرسہ کے لئے طے شدہ شرط کے مطابق تنخواہ کا دے دینا اور کاٹ لینا دونوں جائز ہے۔ (امداد الفتاویٰ ۳/ ۳۴۹، فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۲/ ۲۲۳، جدید ڈابھیل ۱۵/ ۵۳۲)

طے شدہ شرط کے خلاف قانونی چارہ جوئی جائز نہیں ہے؛ اس لئے کہ مدارس کے قوانین کا اعتبار عرف اور شرائط پر ہے؛ لہٰذا اسی کے مطابق عمل درآمد کرنا لازم ہوگا۔

الثابت بالعرف کالثابت بالنص. (رسم المفتي قديم ٣٨، قواعد الفقه، اشرفي ديو بند، ص: ٧٤، رسائل ابن عابدين، ثاقب بك ڈبو ديوبند ١/ ٤٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸؍ شعبان ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۱۶۴)

نصفِ شعبان میں معزولی کی وجہ سے رمضان کی تنخواہ کے استحقاق کا مسئلہ

سوال [۸۵۴۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک مدرس نے پورے تین سال ایک مدرسہ میں کام کیا، ہر رمضان المبارک کی تنخواہ کام پر ڈبل وصول کی، پھر تیسرے سال جب سالانہ امتحان ہوجاتا ہے، تو پندرہ شعبان کو معزولی کی اطلاع یہ کہہ کر دی جاتی ہے کہ آپ کے اندر خامی ہے، پھر پورے شعبان کی تنخواہ دی جاتی ہے، جب کہ مہتمم مدرسہ سے درمیان سال میں مدرس خود کہہ دیتا ہے کہ تحقیق کر لیجئے، پھر معزول ہوجانے کے بعد دوسرے مدرسہ میں کام شروع کر دیتا ہے، تو کیا مدرس شرع کے اعتبار سے رمضان کی سنگل تنخواہ کا مستحق ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد ارشاد قاسمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: پندرہ شعبان کومعزولی کی صورت میں رمضان کی تنخواہ بھی دینا اگر اس مدرسہ کے قانون میں ہے تو رمضان کی تنخواہ کا استحقاق ہے۔ اور اگر مدرسہ کے قانون میں نہیں ہے، تو رمضان کی تنخواہ کا استحقاق نہیں؛ اس لئے کہ مدارس اسلامیہ کے قوانین وضوابط کا مدارس آپس کی شرائط کے مطابق ہے جو حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے:

عن عبداللّٰہ بن عمرو بن عوف المزني أن رسول اللّٰہ ﷺ قال: –إلی قوله– والمسلمون علی شروطهم، إلا شرطا حرم حلالا، أو أحل حراما.

(سنن الترمذي، أبواب الأحكام، باب ما ذكر عن رسول اللّٰہ ﷺ في الصلح بين الناس، النسخة الهندية ١/ ٢٥١، دارالسلام، رقم: ١٣٥٢، صحيح البخاري، كتاب الإجارة، تحت باب أجر السمسرة ١/ ٣٠٣، رقم الباب: ١٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍ ذی الحجہ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۹۷۰)

پندرہ شعبان کومعزول مدرس رمضان کی تنخواہ کا مستحق کب؟

سوال [۸۵۴۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک مدرس نے پورے تعلیمی سال از شوال تا شعبان پڑھایا، پھر سال کے اختتام پر جب سالانہ امتحان ہوجاتا ہے تو دس شوال تک کے دستخط تعطیل کئے جاتے ہیں، پھر پندرہ شعبان کو معزولی کی اطلاع دے کر پورے شعبان کی تنخواہ دی جاتی ہے، نیز اس سے قبل کام پر رمضان کی ڈبل تنخواہ اور نہ کرنے پر سنگل تنخواہ دی جاتی تھی، تو کیا اصول شرع کے اعتبار سے مدرس کو رمضان کی سنگل تنخواہ کے مطالبہ کا حق حاصل ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد ارشاد قاسمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شعبان سے دس شوال تک دستخط کرالینے کا قانون یا مصلحت کیا ہے، ہم کو سمجھ میں نہیں آیا؛ البتہ پندرہ شعبان کو معزولی کی اطلاع دے کر پورے شعبان کی تنخواہ دے دینا اگر وہاں کے قانون وضابطہ کے مطابق ہے، تو یہ جائز ہے۔ اور رمضان کی تنخواہ کے بارے میں اگر وہاں کا قانون یہ ہے کہ شعبان کے معزول شدہ ملازم کو رمضان کی بھی تنخواہ ملے گی تب تو اس قانون کے مطابق رمضان کی تنخواہ کا استحقاق ہے۔ اور اگر وہاں کا قانون ایسا نہیں ہے، یا قانون میں اس طرح کی صراحت نہیں ہے، تو ایسی صورت میں اس مدرس کو رمضان کی تنخواہ نہیں ملے گی؛ اس لئے کہ رمضان میں اس مدرس نے اپنا تقرر دوسرے مدرسہ میں کرالیا ہے، جیسا کہ استفتاء نمبر۲/ سے واضح ہے، ایسی صورت میں وہ حقیقتاً وحکماً دونوں اعتبار سے اس مدرسہ کا مدرس ہی نہیں رہا؛ اس لئے رمضان کی تنخواہ کا استحقاق بھی نہیں ہے۔

عن عبداللہ بن عمرو بن عوف المزني أن رسول اللہ ﷺ قال: الصلح جائز بين المسلمين إلا صلحا حرم حلالا، أو أحل حراما، والمسلمون على شروطهم، إلا شرطا حرم حلالا، أو أحل حراما. (سنن الترمذي، أبواب الأحكام، باب ما ذكر عن رسول الله ﷺ في الصلح بين الناس، النسخة الهندية ۱/ ۲۵۱، دارالسلام، رقم: ۱۳۵۲، صحيح البخاري، كتاب الإجارة، تحت باب أجر السمسرة ۱/ ۳۰۳، رقم الباب: ۱۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/ ذی الحجہ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۹۷۱)

اضافی رقم کے حقدار ملازم ہیں نہ کہ مستعفی؟

سوال [۸۵۴۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: بارہ مدرسین جامعہ ہذا نے ایک درخواست تنخواہ کے اضافہ کے بارے میں انتظامیہ کو دی، ایک ماہ کے بعد پھر ایک درخواست دی کہ ہماری گرانی کو مدنظر رکھتے ہوئے اضافہ اگر سو روپیہ نہ کیا گیا تو ہم لوگ چھ صفر المظفر سے خدمت تعلیم سے قاصر رہیں گے، نائب مہتمم حاجی جمیل احمد صاحب نے کہا کہ تم لوگ تعلیم شروع کردو پرسوں تمہارا اضافہ جو کچھ کمیٹی کرے گی سامنے آجائے گا، مدرسین نے انکار کردیا اور کہا کہ جب نتیجہ سامنے آئے گا تب ہی کام کریں گے، حاجی صاحب نے یہ بھی کہا کہ اگر کام نہیں کروگے تو مشاہرہ کاٹوں گا، یہاں مدرسہ میں ہر سال اضافہ ہوتا ہے، اور اضافہ جب بھی ہو شوال سے شمار ہوکر اگلا پچھلا سب ملتا ہے، اضافہ پچاس روپیہ ہوا اور ان مشروط درخواست دہندگان کو چھ صفر المظفر سے الگ کردیا گیا، مدرسین کا کہنا ہے کہ ہم کو نتیجہ نو صفر کو سنایا گیا، ۹/ صفر تک تنخواہ مع اضافہ دے دی جائے، جو حکم شرع ہو مطلع کیا جائے، تاکہ اسی حساب سے مشاہرہ دے دیا جائے۔ فقط والسلام

المستفتی: محمد شفیع غفرلہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: اگر مدرسین کا مشروطاً استعفیٰ ۶/ صفر کا ہے اور فیصلہ نامہ ۹/ صفر کو سنایا گیا ہے، تو اگر نو صفر تک مدرسین نے خدمت کی ہے تو شرعاً ان کو ۹/ صفر تک کی تنخواہ ملے گی۔ اور اگر خدمت نہیں کی ہے تو ان ایام کی تنخواہ کے حق دار نہیں ہیں۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۳/ ۳۴۸)

نیز مستعفی ہونے والے حضرات اضافہ کے مستحق نہیں ہیں؛ کیوں کہ جو اضافہ کیا جاتا ہے وہ آئندہ کام کرنے والوں کے لئے ہوتا ہے، اگر چہ پچھلا بھی ملتا ہو، نیز اضافہ جو کیا گیا وہ ان کی درخواست کے خلاف کیا گیا ہے؛ اس لئے یہ اضافہ شرعاً ان کے حق میں نہیں ہوگا۔

عن عبدالله بن عمرو بن عوف المزني عن أبيه عن جده أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: الصلح جائز بين المسلمين إلا صلحا حرم حلالا، أو أحل حراما، والمسلمون على شروطهم، إلا شرطا حرم حلالا، أو أحل حراما.

(سنن الترمذي، أبواب الأحكام، باب ما ذكر عن رسول الله ﷺ في الصلح بين الناس، النسخة الهندية ١/ ٢٥١، دارالسلام، رقم: ١٣٥٢)

الأجرة إنما تكون بمقابلة العمل. (شامي، كتاب النكاح، باب المهر، کراچی ٣/ ١٥٦، زکریا ٤/ ٣٠٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶؍صفر المظفر ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۲۱۴۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۶؍صفر المظفر ۱۴۱۱ھ

مستعفی کی ایک ماہ کی تنخواہ ضبط کرنے کا حکم

سوال [۸۵۴۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید ایک مدرسہ میں پڑھا رہا تھا، اس نے ایک سال کے بعد استعفیٰ دے دیا، جب استعفیٰ دیا تو ذمہ دارانِ مدرسہ نے یہ کہہ کر ایک ماہ کی تنخواہ ضبط کرلی کہ ہمارے ضابطے اور قانون میں یہ لکھا ہوا ہے کہ استعفیٰ دینے سے ایک ماہ قبل اطلاع ضروری ہے، ورنہ ایک ماہ تنخواہ نہیں دی جائے گی۔ اور اب استعفیٰ دیتے وقت قانونچہ کھول کر دکھایا بھی واقعی لکھا بھی ہے؛ لیکن زید کا کہنا ہے کہ حضور والا بندہ اس ضابطہ کا پابند اس وقت ہوسکتا جب آپ نے بوقت تقرری یہ سارے ضابطے سامنے رکھ دیتے، جس ضابطہ کا علم نہیں اس کا مکلّف نہیں، اگر اس کا علم ہوتا تو بجائے ذیقعدہ کے استعفیٰ دینے کے شوال ہی میں دیتا؛ کیوں کہ دوسری جگہ جانے کی بات رمضان ہی سے چل رہی تھی، آنجناب سے درخواست ہے کہ زید اس تنخواہ کا حقدار ہے یا نہیں؟ فتویٰ مطلوب ہے، ورنہ اسلاف واکابر کا تقویٰ سامنے ہے، جو بغیر تنخواہ کے بھی دینی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

المستفتی: محمد ارشد بیگ قاسمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مدارسِ اسلامیہ کے قوانین وضوابط اس حدیث

شریف کی روسے صحیح اوردرست ہیں: **عن كثير بن عبدالله بن عمرو بن عوف المزني عن أبيه عن جده أن رسول الله ﷺ قال: الصلح جائز بين المسلمين إلا صلحا حرم حلالا، أو أحل حراما، والمسلمون على شروطهم، إلا شرطا حرم حلالا، أو أحل حراما.** (سنن الترمذي، أبواب الأحكام، باب ما ذكر عن رسول الله ﷺ في الصلح بين الناس، النسخة الهندية ١/ ٢٥١، دارالسلام، رقم: ١٣٥٢)

اوردارالعلوم دیوبند، مدرسہ شاہی مرادآباداوران کے ذیلی مدارس جوان مدارس کےاصول پر چل رہے ہیں،ان سب میں یہ ضابطہ اوردستورموجود ہے کہ اگرکوئی مدرس یاملازم مستعفی ہوکر جانا چاہتا ہے،تو ایک مہینہ پہلے اطلاع دےدےاور پوری تنخواہ اس کومل جائے گی۔ اوراگر اچانک استعفیٰ دے کر جاتا ہے،تو ایک مہینہ کی تنخواہ روک لی جائے گی،اسی طرح اگرمدرسہ اچانک برطرف کردیتا ہےتو منجانب مدرسہ ایک مہینہ کی مزید تنخواہ مل جائے گی،تاکہ حدیث پاک ”لاضررولاضرار“ کی روسے کسی کونقصان نہ پہنچے،اورکسی بھی مدرسہ میں تقرری منظورکر لینے کا مطلب یہی ہے کہ اس کے سارے قوانین وضوابط کے ماتحت رہ کرملازمت قبول کی گئی ہے؛لہٰذا جب رمضان سے دوسری جگہ کی بات چیت چل رہی ہےاوراس کی کوئی اطلاع نہیں کی اورذیقعدہ میں جاکراچانک مستعفی ہوتا ہے،تو مدرسہ کوضابطہ کے مطابق ایک مہینہ کی تنخواہ روک لینے کاحق ہے۔

عن عمرو بن يحيى المازني، عن أبيه، أن رسول الله ﷺ قال: لا ضرر ولا ضرار. (موطا إمام مالك، كتاب القضاء، القضاء في المرفق، أشرفي ديوبند/ ٣١١، سنن ابن ماجة، الأحكام، باب من بنى في حقه ما يضر بجاره، النسخة الهندية/ ١٦٩، دارالسلام، رقم: ٢٣٤١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیراحمدقاسمی عفااللہ عنہ
۱۷/ربیع الاول ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۹۵۱)

جمعہ کے دن کی تعطیل کو رخصت میں شمار کرنا

سوال [۸۵۴۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید ایک دینی مدرسہ میں مدرس ہے، مدارس میں جمعہ کی تعطیل رہتی ہے، زید نے جمعرات کی رخصت اتفاقیہ طلب کی، مدرسہ کے مہتمم صاحب نے جمعرات وجمعہ دو دن کی رخصت لگائی، جب کہ زید مدرسہ میں جمعہ کی شام کو واپس آگیا اور ہفتہ کے دن صبح کو تدریسی فرائض انجام دیئے، مدرسہ میں زید کی جمعہ کے دن کسی قسم کی کوئی ذمہ داری بھی نہیں ہے، یا ہفتہ کو رخصت کی درخواست دلوائی اور جمعہ کے دن صبح سے مدرسہ سے سفر پر چلا گیا اور ہفتہ کی شام کو واپس آگیا، ان دونوں صورتوں میں جمعہ رخصت اتفاقیہ میں شامل کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: حسین سعدی، چلہ امروہہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مدارسِ اسلامیہ میں ہر جمعہ کو مدرسہ کی تعلیم وتدریس بند رہتی ہے؛ اس لئے جمعہ کے دن کی تعطیل مدارسِ اسلامیہ میں متعارف اور معروف ہے، اسی وجہ سے دارالعلوم دیوبند مظاہر علوم سہارنپور، مدرسہ شاہی مرادآباد اور ندوۃ العلماء لکھنو ان ام المدارس میں جمعہ کا دن تعطیل ہی میں شمار ہوتا ہے، اس دن مدرس پر کوئی پابندی نہیں رہتی ہے؛ اس لئے ان مدارس میں ضابطہ یہ ہے کہ اگر جمعرات کو ایک دن کی چھٹی لے کر جائیں تو حفظ وناظرہ کے مدرس کو جمعہ کی شام کو حاضر ہونا پڑتا ہے؛ اس لئے کہ جمعہ کی شام کو بچوں کی تعلیم ہوتی ہے اور درجہ عربی وفارسی کے مدرسین کو سنیچر کی صبح کو حاضر ہونا ضروری ہوتا ہے، ان کا کام سنیچر کی صبح سے شروع ہوتا ہے۔ اور اگر سنیچر کی رخصت لے رکھی ہے تو جمعہ کے دن کا کوئی محاسبہ نہیں ہوتا، ہر مدرس سنیچر کی چھٹی لے کر جمعہ کو جاسکتا ہے، اس میں ایک ہی دن کی رخصت شمار ہوتی ہے، اگر اس کے باوجود ذمہ دار کی طرف سے جمعہ کی رخصت بنائی جائے تو یہ بیجا سختی اور تعدی وظلم ہے۔ اور اگر جمعرات اور سنیچر کی رخصت لے رکھی ہے تو جمعہ بھی اس رخصت کے درمیان شامل ہوتا

ہے اور تین دن کی رخصت شمار ہو جائے گی۔ سوال نامہ میں یہ تیسری شکل نہیں ہے؛ لہٰذا جس مدرسہ سے متعلق سوال کیا جار ہا ہے اگر یہ مدرسہ جواب میں ذکر کردہ ام المدارس کے تابع ہے اور ان ہی مدارس کے اصول پر چل رہا ہے، تو سوال نامہ میں ذکر کردہ دونوں صورتوں میں جمعہ کے دن کو شامل کرنا تعدی وظلم کے دائرہ میں شامل ہے۔ اور اگر مذکورہ مدرسہ ام المدارس کے اصولوں پر نہیں ہے اور اس مدرسہ کے الگ اصول وضوابط ہیں، تو ان کو تحریر کریں اس کے بعد ان کے اعتبار سے جواب لکھا جائے گا۔

عن عبدالله بن عمرو بن عوف المزني، عن أبيه، عن جده، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: الصلح جائز بين المسلمين –إلى قوله– والمسلمون على شروطهم، إلا شرطا حرم حلالا، أو أحل حراما. (سنن الترمذي، أبواب الأحكام، باب ما ذكر عن رسول الله ﷺ في الصلح بين الناس، النسخة الهندية ١/ ٢٥١، دارالسلام، رقم: ١٣٥٢)

أما لو شرط شرطا تبع، كحضور الدرس أياما معلومة في كل جمعة، فلا يستحق المعلوم إلا من باشر خصوصا إذا قال من غاب عن الدرس قطع معلومه، فيجب اتباعه. (شامي، كتاب الوقف، مطلب في الغيبة التي يستحق بها العزل عن الوظيفة وما لا يستحق، كراچی ٤/ ٤١٩، زكريا ٦/ ٦٣١)

المعروف بالعرف كالمشروط شرطا. (قواعد الفقه، أشرفی ديوبند، ص: ١٢٥)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم شعبان ۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۰۷۴/۳۸)

غیر حاضری کے ایام کو حاضری کے ایام کا بدل قرار دے کر تنخواہ اصول کرنا

سوال [۸۵۴۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: زید ایک سرکاری مدرسہ میں ملازم ہے، سرکاری تنخواہ پاتا ہے، سرکار کی طرف سے جن ایام میں چھٹی رہتی ہے، مدرسہ میں ان ایام میں پڑھائی ہوتی ہے، زید مدرسہ میں حاضر ہوکر درس دیتا ہے، اب زید کسی وجہ سے پڑھائی اور حاضری کے ایام میں غیر حاضر ہوجاتا ہے، تو کیا اس کے لئے جائز ہے کہ اس غیر حاضری کو ان ایام کا (جن میں سرکاری چھٹی تھی مگر اس نے مدرسہ میں حاضر ہوکر درس دیا تھا) بدل قرار دے کر اس غیر حاضری کے ایام میں رجسٹر حاضری میں دستخط کرے اور ان دنوں کی تنخواہ لے؟

المستفتی: محمد عبد اللہ ساکن ڈھکیا، ضلع امروہہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر سوال کا مطلب یہ ہے کہ سرکاری چھٹی اتوار کو ہوتی ہے اور مدرسہ میں جمعہ کو چھٹی ہوتی ہے۔ اور سرکاری قانون کے اعتبار سے جمعہ کو حاضر رہنا اور مدرسہ کے ضابطے کے اعتبار سے اتوار کو حاضر رہنا چاہئے، چونکہ دینی مدرسہ کی تعلیم اتوار میں بند نہیں رہتی ہے؛ بلکہ جمعہ کو بند رہتی ہے، تو اس سلسلے میں اگر اربابِ مدرسہ نے اس بات پر اتفاق کر کے ضابطہ بنا لیا ہے کہ اتوار کو تعلیم ہوا کرے گی اور جمعہ کو تعلیم نہیں ہوا کرے گی اور سرکار سے تنخواہ لینے کے لئے اتوار کے بدلے جمعہ کو دستخط ہوجایا کریں گے، ہفتہ میں کل چھ دن حاضری ہوجایا کرے گی، اور سرکار سے فی الجملہ ایک دن کی چھٹی اور چھ دن کی حاضری کی تنخواہ لی جائے گی، اس طرح اتفاق کر لینے سے مدرس کی تنخواہ جائز اور درست ہوجائے گی، جیسا کہ ایڈ کے مدارس میں ہوتا ہے، اس لئے کہ مدارسِ اسلامیہ کے قوانین وضوابط اس حدیث کے پیش نظر ہیں۔

الصلح جائز بين المسلمين -إلى قوله- والمسلمون على شروطهم، إلا شرطا حرم حلالا، أو أحل حراما. (سنن الترمذي، أبواب الأحكام، باب ما ذكر عن رسول الله ﷺ في الصلح بين الناس، النسخة الهندية ١/ ٢٥١، دارالسلام، رقم: ١٣٥٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/۲/۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۳/۹۴۷۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۲/۲/۱۴۲۹ھ

غیر عالم کا حکومت سے عالم کی تنخواہ لینا

سوال [۸۵۴۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک دینی تعلیمی ادارہ جس کے بعض مدرسین کی تنخواہ حکومت دے رہی ہے۔ اور بعض مدرسین کی تنخواہ مجلس منتظمہ ادا کرتی ہے، سرکار کے ذریعہ تنخواہ پانے والے مدرسین میں ایک مولوی کے عہدہ پر کام کرنے والے ہیں، جو فاضل کی سندر کھتے ہیں، ان کی سند جعلی ہے، ان کے پاس علمی صلاحیت بھی نہیں ہے، مدرسہ کے ناظم نے عوامی رائے کے خلاف دوستی نبھانے کے لئے شخص مذکور کو مدرسہ میں بحال کیا، نتیجہ یہ ہے کہ مدرسہ میں درس وتدریس کے کام میں بہتری نہیں ہو پا رہی ہے، اب غور طلب بات یہ ہے کہ حکومت مولوی کے عہدہ کے لئے رقم دے رہی ہے اور شخص مذکور مولوی ہے نہیں، تو کیا مذکورہ صورت میں حکومت کے ذریعہ مولوی کے عہدہ کے لئے ادارہ کو دی گئی رقم شخص مذکور کو لینا شرعاً جائز ہے؟

المستفتی: سجاد حسین، دار العلوم دیوبند

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اسلام میں دھوکہ بازی جائز نہیں ہے، مگر مولوی صاحب کو طے شدہ تنخواہ ایام کارکردگی کی ملنی چاہئے؛ البتہ دھوکہ دہی سے بچنے کے لئے ذمہ دار پر تنخواہ کی شرط کے افراد فراہم کرنا لازم ہے۔

عن عمرو بن يحيى المازني، عن أبيه، أن رسول الله ﷺ قال: لا ضرر ولا ضرار. (موطا إمام مالك، كتاب القضاء، القضاء في المرفق، أشرفي ديوبند/ ٣١١، سنن ابن ماجة، الأحكام، باب من بنى في حقه ما يضر بجاره، النسخة الهندية/ ١٦٩، دارالسلام، رقم: ٢٣٤١، الأشباه قديم: ١٣٩، جديد ١/ ٢٥٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶ ر رمضان ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۳۶۸۲)

غیر حاضری کے دن کی دستخط کر کے تنخواہ وصول کرنا

سوال [۸۵۴۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ زید اسکول سے غیر حاضر رہتا ہے اور دوسرے دن آ کر گذشتہ کل کے دستخط کر دیتا ہے جو اس کے حاضر رہنے کی دلیل ہوتی ہے، اس کے ناجائز ہونے پر کوئی شک نہیں، کیا اس طرح کرنے سے اس کی تنخواہ میں حلت وحرمت یا اشتباہ کے اعتبار سے کچھ فرق پڑے گا۔ اور اگر وہ غیر حاضری ہی رہنے دیتا ہے، تو کیا پھر بھی اس کی تنخواہ متاثر ہوگی؛ اس لئے کہ تنخواہ پورے ایک مہینہ کی ملتی ہے۔

المستفتی: محمد فیاض عالم، مرکز المعارف ایجوکیشن اینڈ ریسرچ سینٹر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید کبھی کبھی اسکول سے غیر حاضر رہتا ہے اور دوسرے دن جا کر گذشتہ کل کے بھی دستخط کر دیتا ہے، تو اس کے لئے غیر حاضری کے ایام پر دستخط کے ذریعہ حاضری لگانا اور پھر ان ایام کی تنخواہ لینا جائز نہیں ہے، نیز دستخط کئے بغیر بھی ان ایام کی تنخواہ لینا جائز نہیں ہے؛ اس لئے کہ من جانب سرکار غیر حاضری کے ایام کی تنخواہ کا مستحق نہیں قرار دیا جاتا ہے۔

قال في الشامية: بخلاف غيرهما من أيام الأسبوع حيث لا يحل له أخذ الأجر عن يوم لم يدرس فيه مطلقا، سواء قدر له أجر كل يوم أو لا. (شامي، كتاب الوقف، مطلب في استحقاق القاضي والمدرس الوظيفة في يوم البطالة، كراچی ٤/ ٣٧٢، زكريا ٦/ ٥٦٨)

وقال عليه السلام: من غش فليس مني. (مسلم شريف، كتاب الإيمان، باب قول النبي صى الله عليه وسلم من غشنا فليس منا، النخسة الهندية ١/ ٧٠، بيت الأفكار، رقم: ١٠٢) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵ رصفر ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۴۴۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۲/۵ھ

مدرس وامام کے لئے ایام تعطیل کی تنخواہ لینے کا حکم

سوال [۸۵۵۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص کسی دینی عربی مدرسہ میں مدرس ہو اور وہ کسی دوسری ریاست کا رہنے والا ہو، اگر وہ اپنے خاص کام کے لئے مدرسہ سے ایک ماہ کی چھٹی لے کر اپنے وطن جائے، اب وطن سے واپس آنے پر اس ماہ کی تنخواہ یہ مدرس لے سکتا ہے یا نہیں؟ یا اس ماہ کی چھٹی کی تنخواہ مدرسہ یا مدرسہ کے کارکنان حضرات اپنے پاس سے اس مدرس کو دے سکتے ہیں یا نہیں؟ شرعی حکم کیا ہے؟ یہی صاحب کسی مسجد میں امامت کرتے ہوں اور وہاں سے ایک ماہ کی چھٹی لے کر چلے جائیں، اور ان کی غیر موجودگی میں اتنے وقت امامت کی ذمہ داری مؤذن صاحب نے نبھائی ہو تو ان حالات میں چھٹی میں گذر ہوئے ماہ کی تنخواہ امام صاحب کو دی جائے یا مؤذن صاحب کو ملنی چاہئے، شرعی حکم کیا ہے؟

المستفتی: محمد اعظم لال مسجد سرائے ترین سنبھل، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مساجد اور مدارس کے قوانین وضوابط کا مدار اس حدیث پاک پر ہے:

عن عبدالله بن عمرو بن عوف المزني، عن أبيه، عن جده، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: الصلح جائز بين المسلمين، إلا صلحا حرم حلالا، أو أحل حراما، والمسلمون على شروطهم، إلا شرطا حرم حلالا، أو أحل حراما. (سنن الترمذي، أبواب الأحكام، باب ما ذكر عن رسول الله ﷺ في الصلح بين الناس، النسخة الهندية ۱/ ۲۵۱، دارالسلام، رقم: ۱۳۵۲)

اس حدیث میں اس کی وضاحت ہے کہ مسلمان اپنے معاملات میں ان شرائط وضوابط کے پابند ہیں جو معاملہ کرتے وقت آپس میں طے ہوتے ہیں اور جو مدارس ومساجد کے پہلے سے

بنے ہوئے قوانین وضوابط ہیں، امام ومدرس کو رکھتے وقت وہ خود بخود ان قوانین کے پابند ہوجاتے ہیں؛ لہٰذا اگر مذکورہ مدرسہ میں مدرس کو ایک مہینہ کی چھٹی ملتی ہے، تو پورے مہینے کی تنخواہ کا مستحق ہے۔ اور اگر پندرہ دن کی چھٹی ملتی ہے تو پورے مہینے میں سے پندرہ دن کی تنخواہ اس کو ملے گی باقی پندرہ دن کی تنخواہ وضع ہوجائے گی، اسی طریقہ سے جس مسجد میں امامت کرتے ہیں، اس کا تعامل اور اس مسجد کی طرف سے کیا مراعات ہیں، اس پر عمل کیا جائے گا، اگر کبھی مہینہ بھر امام کے غائب رہنے کی صورت میں تنخواہ وضع نہیں ہوئی ہے، تو امام کو مسجد سے جو ماہانہ ملتا تھا وہ ملنا چاہیئے۔ اور امام کی عدم موجودگی میں موذن کا نماز پڑھا دینا اس کا عام رواج ہے، اس سے امام کی تنخواہ مؤذن کو نہیں ملتی ہے، اس طرح تبرعاً نماز پڑھانے کا تعامل مساجد کے اندر چل رہا ہے؛ اسی لئے امام کی تنخواہ مؤذن کو نہیں ملے گی۔

إمام يترك الإمامة لزيارة أقربائه في الرساتيق أسبوعا، أو نحوه، أو لمصيبة، أو لاستراحة لابأس به، ومثله عفو في العادة، والشرع وهذا مبني على القول بأن خروجه أقل من خمسة عشر يوما بلا عذر شرعي لا يسقط معلومه. (شامي، كتاب الوقف، مطلب فيما إذا قبض المعلوم وغاب قبل تمام السنة، شامي، كراچی ٤/ ٤١٨، زكريا ٦/ ٦٣٠)

إن النائب لا يستحق شيئا من الوقف؛ لأن الاستحقاق بالتقدير ولم يوجد ويستحق الأصيل الكل إن عمل أكثر السنة، وسكت عما يعينه الأصيل للنائب كل شهر في مقابلة عمله، والظاهر أنه يستحق لأنها إجارة. (شامي، مطلب مهم في الاستنابة في الوظائف، كراچی ٤/ ٤٢٠، زكريا ٦/ ٦٣١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ / جمادی الاولیٰ ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۰۲۶/۳۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۵/۶ھ

سرکار سے مدرسین کا غیر حاضری کے ایام کی تنخواہ لینا

سوال [۸۵۵۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بہار کے کچھ مدارس سرکار سے ملحق ہیں، ملحقہ مدارس کے اساتذہ مدرسہ میں تعلیم نہیں دیتے اور مدرسہ بھی اکثر نہیں جاتے ہفتہ میں مہینہ میں دو چار دن مدرسہ میں جاکر رجسٹر حاضری بنا لیتے ہیں اور فارم بھروا کر گاؤں گھر کے لڑکے لڑکیوں کا بورڈ سے امتحان دلواتے رہتے ہیں، عوام جب تعلیم پر زور دیتی ہے تو اساتذہ کہتے ہیں کہ ہم آپ لوگوں سے تنخواہ نہیں لیتے ہیں، ہمیں سرکار تنخواہ دیتی ہے، آپ کو کیا مطلب، بایں طور بورڈ کے مدرسہ میں تعلیم بالکل نہیں؛ بلکہ طلبہ بالکل نہیں ہیں، نہ گاؤں کے نہ باہر کے، کمرے سب خالی پڑے ہیں، جب کہ سرکار تعلیم دینے کے لئے تنخواہ دیتی ہے، بایں صورت بغیر کام کئے ہوئے صرف جھوٹی حاضری بھر کر تنخواہ لینا اور کھانا شرعاً درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد راشق الہدیٰ، ساکن لادھ کیسیا، سمستی پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سرکار کی جانب سے مدرسین کو تنخواہ پڑھانے کے عوض ملتی ہے؛ لہٰذا مدرسین جتنے دن حاضر ہوکر باقاعدہ بچوں کو پڑھائیں وہ صرف انہیں دنوں کی تنخواہ کے مستحق ہیں، غیر حاضری کے ایام کی حاضری لگا کر ان دنوں کی تنخواہ وصول کرنا جائز نہیں ہے۔

الأجرة لا تملک بنفس العقد، ولا يجب إيفاء ها إلا بعد استيفاء المنفعة. (تاتارخانية ۱۵/ ۱٤، برقم: ۲۱۹۵۰)

الأجرة إنما تكون بمقابلة العمل. (شامي، كتاب النكاح، باب المهر كراچی ۳/ ۱۵٦، زكريا ٤/ ۳۰۷)

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا يحل لمسلم أن يأخذ مال أخيه بغير حق. (مجمع الزوائد، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ۱۷۱)

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: من غشنا فليس منا. الحديث (صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم: من غشنا فليس منا، النسخة الهندية ١/ ٧٠، بيت الأفكار، رقم: ١٠١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷ر ذی الحجہ ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۲۴۳)

ایامِ رخصت کی تنخواہ کا مسئلہ

سوال [۸۵۵۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے ایک مدرس سفر حج پر تشریف لے گئے ہیں، تقریباً دو ماہ مدرسہ سے رخصت پر رہیں گے، جب کہ تمام مدرسین وملازمین کی ایک ماہ کی رخصت اتفاقیہ و بیماری بھی منظور ہے، علاوہ ازیں موصوف کے سفر پر جانے کی وجہ سے ایک زائد مدرس کا بھی بندوبست کرنا پڑا ہے، اس سلسلے میں مسئلہ کیا ہے؟ ایام حج کی تنخواہ مدرسہ کو دینی ہوگی یا نہیں؟ یا جو بھی شریعت اسلامیہ کا حکم ہو تحریر فرمادیں۔

المستفتی: محمد طاہر القاسمی، مدرسہ احیاء العلوم صدیقیہ پٹلوکر سہارنپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: حج چونکہ اسلام کے اساسی اور بنیادی فرائض میں سے ہے؛ اس لئے اہم اور بڑے اداروں میں اس فریضہ کی ادائیگی کے لئے منجانب مدرسہ حج فرض کی ادائے گی کے نام سے ایک مرتبہ رخصت دی جاتی ہے، جیسا کہ دارالعلوم دیوبند اور مدرسہ شاہی وغیرہ کا دستور ہے۔ اور مدارس اسلامیہ کے قوانین وضوابط کا مدار اس حدیث شریف پر ہے کہ:

عن عمرو بن عوف المزني عن أبيه عن جده، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: الصلح جائز بين المسلمين ، إلا صلحا حرم حلالا، أو أحل حراما، والمسلمون على شروطهم، إلا شرطا حرم حلالا، أو أحل حراما. (سنن الترمذي، أبواب الأحكام، باب ما ذكر عن رسول الله ﷺ في الصلح بين الناس، النسخة الهندية ۱/ ۲۵۱، دارالسلام، رقم: ۱۳۵۲)

اب آپ اپنے مدرسہ کے قوانین وضوابط دیکھیں کہ اس میں کیا حکم ہے؟ اگر سفر حج کے متعلق کوئی صراحت نہیں تو آئندہ کے لئے قانون بنانا چاہئے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰/ ذی الحجہ ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۸۶۲)

تعطیل کلاں میں تنخواہ کا استحقاق کب؟

سوال [۸۵۵۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص نے کسی مدرسہ میں تدریس کے لئے ملازمت طے کی، فرائض وتنخواہ اور جملہ امور سب مقرر ہوگئے، مدرس ابتدائے سال سے اپنے وقت پر کام میں لگ گیا، بعد چند ایام کچھ باتیں پیش آئیں، جن کے متعلق مہتمم اور مدرس میں کچھ گفت وشنید ہوئی، دوران گفتگو مدرس نے کہا کہ فلاں طریق کار میں معاہدے سے انحراف ہورہا ہے، آپ اس پر عمل درآمد کریں اور کرائیں، مہتمم نے کہا کہ ابھی ہم آپ کو ایک سال تک آزمائیں گے، یعنی آپ کے مطالبات کا معاہدے کے مطابق حق بجانب ہونا ہم کو مسلم ہے، مگر ان کی تکمیل ایک سال بعد ہوگی، جب کہ قالاً یا حالاً آزمائش پر طے شدہ امور کو معلق کرنے کا کوئی اشارہ تک پہلے نہیں ہوا تھا، کیا اس طرح ایام عمل کے دوران بے گمان شرط لگانا اور طے شدہ امور کو غیر مذکور وغیر معہود شرائط پر معلق کرنا درست ہے، جب کہ مدرس خود مقامی باشندہ ہے اور چھوٹے بڑے ہر

ایک کو معلوم ہو، نیز اب مدرس اپنے تئیں یہ سوچ رہا ہے کہ جو وعدے ہوئے تھے نہ ہی پورے کئے گئے نہ آئندہ ان کی بظاہر کوئی توقع ہے، ان حالات میں وہ موجودہ تعلیمی سال (۵ر شوال تا ۲۵ر شعبان) کی مدت پوری کر کے تحریراً یا مشافہۃً مہتمم سے اپنی برطرفی کا اظہار کر دینا چاہتا ہے، واضح رہے کہ تعطیلات میں چندہ کی وصولی اس کے ذمہ لازم نہیں کی گئی تھی، یہ امر تاہنوز سب کو مسلم ہے، اس کو صرف شعبہ عربی وفارسی کی تاسیس اور اس کی مکمل نگرانی وذمہ داری کے لئے لایا گیا تھا، کیا وہ حسب دستور مدرسہ آئندہ امتحان سالانہ سے فراغت کے بعد دوبارہ کام پر لگنے سے ایک ماہ قبل اطلاع کر دے تو وہ رمضان کی تنخواہ کا شرعاً مستحق ہوگا یا نہیں؟ یعنی ایام تعطیل ایام تعلیم کے ساتھ ملحق اور ان کے تابع ہیں یا نہیں؟ اس تعلق سے کوئی بات اس سے قبل نفیاً یا اثباتاً ہوئی بھی نہیں ہے، بوضاحت مدلل جواب عنایت فرمائیں، کتب فقہیہ کے حوالوں سے جواب دیں۔

المستفتی: محمد عنایت اللہ چھتی بازار مہولی، کبیر نگر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) اگر صراحتاً سارے شرائط مقرر نہیں ہوئے؛ لیکن مدرسہ کے قواعد معروف ومدون ہیں، تو وہ بھی مثل مشروط کے ہیں، اب اگر ایک سال کی آزمائش قوانین مدرسہ میں سے ہے تو اس کی پابندی لازم ہے۔ (مستفاد: فتاوی رحیمیہ قدیم ۹/۳۰۴)

(۲) تعطیلات رمضان ایام تعلیم کے اس وقت تابع ہوں گی، جب کہ آئندہ سال بھی آپ اسی مدرسہ میں تدریسی خدمت انجام دیں؛ لیکن جب آپ کا ارادہ اس سال مدرسہ چھوڑ دینے کا ہے، تو اس صورت میں آپ رمضان کی تنخواہ کے مستحق نہ ہوں گے، یہی مدارس کے اندر معروف ومشروط ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۱۲/ ۲۲۶، جدید ڈابھیل ۱۵/ ۵۲۵، رحیمیہ قدیم ۹/ ۳۰۵، جدید زکریا ۹/۳۰۲)

لأن المعروف کالمشروط. (الأشباه والنظائر، قدیم: ۱۵۲، جدید زکریا ۱/ ۲۷۸، المبسوط للسرخسي، دارالکتب العلمیة بیروت ۱۲/ ۵۴، البنایة أشرفیه دیوبند ۵/ ۴۸۱، قواعد الفقه أشرفي ۱۲۵، رقم: ۳۳۴)

فحيث كانت البطالة معروفة في يوم الثلثاء والجمعة، وفي رمضان والعيدين يحل الأخذ. (شامي، الوقف، مطلب في استحقاق القاضي والمدرس الوظيفة في يوم البطالة كراچی ٤/ ٣٧٢، زكريا ٦/ ٥٦٨، سكب الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٢/ ٥٨٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/ ۶/ ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۲۸۶)

مدرسہ کے ملازم کا ایام تعطیل کی تنخواہ لینا

سوال [۸۵۵۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید ایک دینی مدرسہ میں غیر مستقل ملازم ہے، ۶/ ذی الحجہ تک کام کرتا ہے، ۷/ ذی الحجہ سے تعطیل عیدالاضحیٰ ہوجاتی ہے، ۱۷/ ذی الحجہ کو مدرسہ کھلنے کے دن ۱۰/ بجے دفتر میں حاضر ہوکر رجسٹر حاضری مدرسین پر دستخط کر کے فوراً ہی چلا جاتا ہے، جب کہ مدرسہ کا وقت صبح ۸/ تا ۱۱/ بجے ہے۔ اور تعطیل کے بعد وقت پر حاضر ہونا لازم ہے، پھر ۱۸/ تا ۲۰/ ذی الحجہ کی رخصت بوضع تنخواہ حاصل کرتا ہے (مدرسہ میں غیر مستقل ملازم کو رخصت بوضع تنخواہ ہی کا حق ہے) ۲۱/ ذی الحجہ کو جمعہ پڑتا ہے اور پھر ۲۲/ ذی الحجہ کو استعفیٰ نامہ ارسال کردیتا ہے۔ مطلوب یہ ہے کہ ۷/ ذی الحجہ تا ۲۱/ ذی الحجہ تنخواہ ذمہ داران مدرسہ پر واجب الاداء ہے یا نہیں؟ واضح رہے کہ مدرسہ میں ایام تعطیل کلاں کی تنخواہ غیر مستقل ملازم کو نہیں دی جاتی ہے، باقی ایام تعطیل کی تنخواہ دے دی جاتی ہے، بشرطیکہ مدرسہ کھلنے والے دن وقت پر حاضر ہوا ہو۔

المستفتی: نظام الحق، مہتمم ادارہ محمودیہ محمدی کھیری، لکھیم پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مدارسِ اسلامیہ کے قوانین اور ضوابط کا مدار ذیل کی حدیث پاک پر ہے:

الصلح جائز بين المسلمين ، إلا صلحا حرم حلالا، أو أحل حراما، والمسلمون على شروطهم، إلا شرطا حرم حلالا، أو أحل حراما. (سنن الترمذي، أبواب الأحكام، باب ما ذكر عن رسول الله ﷺ في الصلح بين الناس، النسخة الهندية ١/ ٢٥١، دارالسلام، رقم: ١٣٥٢)

اسی حدیث پاک سے دینی اداروں کے قوانین مستنبط ہوتے ہیں، آپ کے مدرسہ میں تحریری طور پر رخصت سے متعلق جو قانون دستور مدرسہ میں درج ہے، اسی کے مطابق عمل کرنا چاہئے، اگر ملازم ایام تعطیل کی تنخواہ کا مستحق ہوتا ہے، تو دینا چاہئے اور نہیں ہوتا ہے تو نہیں دینا چاہئے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۰ ر محرم الحرام ۱۴۲۵ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۲۰۲)	۱۲/۱/۱۴۲۵ھ

تعطیل کلاں میں تنخواہ کا استحقاق

سوال [۸۵۵۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے گھر میں کوئی اولاد نہ تھی، ہم نے دوسری شادی کی اور منت مانی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے اولاد سے نواز دیا تو چلہ لگاؤں گا، الحمد للہ لڑکی بعدہ لڑکا، دونوں سے اللہ تعالیٰ نے نواز دیا، میں ایک مکتب میں مدرس ہوں، میں نے مہتمم صاحب سے اپنی منت کا تذکرہ کیا اور کہا کہ اگر آپ اجازت دیں تو میں اپنی منت پوری کرلوں، مہتمم صاحب نے اجازت مرحمت فرما دی اور میں نے چلہ پورا کرلیا، اب چلہ کے زمانہ کا مشاہرہ وجہ نزع بن گیا، مہتمم صاحب فرما رہے ہیں کہ چونکہ اولاد کے لئے آپ نے منت مانی ہے، بوضع مشاہرہ چلہ پورا کرنا چاہئے، اگر آپ نے مشاہرہ لے لیا تو وقت مدرسہ کا ہوجائے گا، آپ کی منت پوری نہ ہوگی، ہم چاہتے ہیں کہ مشاہرہ مجھے ملے؛ کیوں کہ چلہ میں جانے والوں کو مدرسہ مشاہرہ دیتا ہے؛

اس لئے آپ حضرات سے درخواست ہے کہ فیصلہ تحریر فرمادیں، کیا مجھے مشاہرہ لینا جائز ہے؟ اگر جائز ہوتو مطالبہ کروں ورنہ خاموش ہو جاؤں؟

المستفتی: محمد ملیح مدرس مدرسہ اسلامیہ دارالعلوم فرقانیہ، مہراج گنج

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں آپ کے مدرسہ ومکتب کا جو قانون وقاعدہ مروج ومشہور ہو اسی کے مطابق عمل ہوگا، بعض مدارس میں سالانہ کچھ ایام کی رخصت اتفاقیہ کا قانون ہوتا ہے، ان ایام کے بقدر رخصت لینے پر تنخواہ نہیں کاٹی جاتی، اگر آپ کے مدرسہ ومکتب میں یہ قانون ہے، تو ان ایام کے بقدر تنخواہ کا استحقاق ہے، اس سے زائد کا نہیں، نیز اس کے بعد تمام سال ضرورت پڑنے پر جو رخصت لی جائے گی اس رخصت کے ایام کی تنخواہ کا بھی استحقاق نہیں رہے گا۔ اور سوال نامہ میں جو مدرسہ کی جانب سے چلہ کی بات کہی گئی ہے تو چلہ میں جانے پر مشاہرہ اسی وقت ملے گا، جب کہ مدرسہ ازخود اپنی خوشی سے بھیجے، اس میں نذر کا چلہ داخل نہیں ہوسکتا۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۳/ ۳۴۹، فتاوی رحیمیہ قدیم ۹/ ۳۰۳، فتاوی محمودیہ قدیم ۶/ ۳۱۱، جدید ڈابھیل ۱۵/ ۵۳۵، احسن الفتاوی ۷/ ۲۸۳)

بخلاف ما إذا لم يقدر لكل يوم مبلغا، فإنه يحل له الأخذ، وإن لم يدرس فيهما للعرف، بخلاف غيرهما من أيام الأسبوع حيث لا يحل له أخذ الأجر عن يوم لم يدرس فيه مطلقا، سواء قدر له أجر كل يوم أو لا. الخ

(شامي، كتاب الوقف، مطلب استحقاق القاضي والمدرس الوظيفة في يوم البطالة، كراچی ٤/ ٣٧٢، زكريا ٦/ ٥٦٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ / ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۶۳۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۹/ ۴/ ۱۴۲۱ھ

مدارسِ اسلامیہ میں ایامِ تعطیل کی تنخواہوں کا حکم

سوال [۸۵۵۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے یہاں ماضی قریب میں ایک ملکی ہنگامہ کی زد میں آکر دیگر ضروریات زندگی کے تعطلات کے ساتھ ساتھ مدارسِ اسلامیہ بھی بند ہوگئے، چنانچہ ہمارا مدرسہ ۲۵؍ ذیقعدہ کو بالکل بند کردیا گیا، پھر ۳؍ صفر کو کھولا گیا، اب بحمد اللہ بدستور تعلیم جاری ہے، ایام تعطیل کی تنخواہوں سے متعلق اختلاف واقع ہوا، مدرسین طالب ہیں اور ذمہ داران عدم عمل کی وجہ سے مانع ہیں، دستور اساسی میں اس بارے میں کوئی تصریح نہیں اور نہ ہی عقد اجارہ کے وقت کوئی بات طے شدہ ہے اور نہ ہی اطراف وجوانب کے مدارس میں کوئی قانون منضبط ہے؛ لہٰذا برائے کرم حسب شرع فیصلہ فرمادیں، نیز تنخواہ نہ ملنے کی صورت میں ذی الحجہ کے اندر جو ایام دستوری چھٹی کے ہیں، ان کی تنخواہ الگ ملے گی یا نہیں؟

المستفتی: سبحان اللہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: صورت مسئولہ میں چونکہ ملازمین ومدرسین کی جانب سے کوئی تعدی نہیں ہے، نیز عقد اجارہ کے وقت بھی کوئی بات طے نہیں ہوئی اور نہ ہی آپ کے مدرسہ کے دستور اساسی میں اس قسم کی کوئی بات موجود ہے، تو عرف کے مطابق وہ لوگ تنخواہ کے مستحق ہوں گے، اگرچہ آپ کے اطراف کے مدارس میں اس کے بارے میں کوئی قانون منضبط نہیں ہے؛ لیکن ہمارے یہاں مرادآباد میں ۱۹۸۰ء کے فساد کے موقع پر بڑے بڑے مدارس مثلاً مدرسہ شاہی، امدادیہ، جامع الہدیٰ وغیرہ تقریباً دو تین ماہ بند رہے؛ لیکن ملازمین ومدرسین کی تنخواہیں وضع نہیں کی گئیں؛ بلکہ برابر تنخواہیں دی گئیں، نیز ''امداد الفتاوی'' (۳/ ۳۴۹) سے یہی مستفاد ہوتا ہے۔ اور تقریباً تمام مدارس میں ایسا ہی دستور ہے۔

الثابت بالعرف كالثابت بالنص. (شرح عقود رسم المفتي، قديم ص: ۹۵،

قواعد الفقه، أشرفي ديوبند/ ٧٤، رسائل ابن عابدين، ثاقب بك ڈپو ديوبند/ ٤٤)

وقول الفقهاء: المعروف بالعرف كالمشروط شرطا. (قواعد الفقه، أشرفي ديوبند/ ١٢٥، إمداد الفتاوى ٣/ ٣٤٩)

نیز ذی الحجہ کے اندر جو ایام دستوری چھٹی کے ہیں، ان کی تنخواہ دینے کا چونکہ عام مدارس کا دستور ہے، جو بمنزلہ شرط کے ہے؛ لہٰذا اس کی تنخواہ کے ملازمین ومدرسین مستحق ہوں گے، اگر اہل چندہ کی رضا قالاً یا حالاً معلوم ہوجائے تو چندہ سے دیا جاسکتا ہے، ورنہ موجر اپنے پاس سے دے گا۔ اور عدم اشتراط کی صورت میں ان ایام کی تنخواہ کا استحقاق نہیں ہوگا۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۳/۳۴۸)

فحيث كانت البطالة معروفة في يوم الثلاثاء والجمعة، وفي رمضان والعيدين يحل الأخذ. (شامي، الوقف، مطلب في استحقاق القاضي والمدرس الوظيفة في يوم البطالة، كراچى ٤/ ٣٧٢، زكريا ٦/ ٥٦٨، سكب الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٢/ ٥٨٩)

لأن المعروف كالمشروط. (الأشباه قديم/ ١٥٢، جديد زكريا ١/ ٢٧٨، المبسوط للسرخسي، دارالكتب العلمية بيروت ١٢/ ٥٤، البناية، أشرفيه ديوبند ٥/ ٤٨١، قواعد الفقه، اشرفي ديوبند/ ١٢٥، رقم: ٣٣٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ / جمادی الثانیہ ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۴۰۹۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۹/ ۶/ ۱۴۱۵ھ

مدرسے کی چھٹیوں میں پڑھانے کی اجرت اور تعطیل کلاں کی تنخواہ کا حکم

سوال [۸۵۵۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) مدارسِ اسلامیہ میں انتظامیہ کمیٹی کی جانب سے کچھ چھٹی منظور ہوتی ہیں، جنہیں اتفاقیہ واحتیاجیہ کہا جاتا ہے، اگر کوئی مدرس وغیرہ منظور شدہ چھٹیوں سے زائد حاصل کر

لیتا ہے تو جزو زائد کی تنخواہ کاٹ لی جاتی ہے؛ لیکن اگر مدرس وغیرہ پوری چھٹیاں حاصل نہیں کر پاتا؛ بلکہ کچھ باقی رہ جاتی ہیں، تو بقایا کا مدرس کو کچھ نہیں دیا جاتا، آیا یہ طریقہ اسلامی تعلیمات وشرعی احکامات کے مطابق ہے کہ زائد ہونے پر رقم وضع کر لی جائے اور باقی باندہ کا کچھ نہ دیا جائے؟ کیا ناظم مدرسہ اپنے اس رویہ کے باعث حق العبد میں ماخوذ ہوگا یا نہیں؟

(۲) تعطیل کلاں کی تنخواہ کا حق دار مدرس کب ہوتا ہے؟ زید کا کہنا ہے کہ اگر مدرس سالانہ امتحان تک مدرسہ کی خدمت پر مامور رہتا ہے، تو وہ تعطیل کلاں کی تنخواہ کا حق دار ہوگا، ورنہ نہیں؛ لیکن خالد کا کہنا ہے کہ اگر مدرس تعلیمی سال کے نصف تک مدرسہ کی خدمت کرتا رہا تب بھی وہ آنے والی تعطیل کلاں کی تنخواہ کا واجبی حق دار ہے، صحیح قول کس کا ہے؟ واضح فرمایئے گا، اگر ارکان مدرسہ اس میں کوتاہی کریں تو کیا حکم ہے؟

المستفتی: محمد صابر خان، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مدارسِ اسلامیہ کے تمام قواعد وضوابط اس حدیث شریف سے مستنبط ہیں:

عن عبداللّٰه بن عمرو بن عوف المزني، عن أبيه، عن جده، أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: الصلح جائز بين المسلمين، إلا صلحا حرم حلالا، أو أحل حراما، والمسلمون على شروطهم، إلا شرطا حرم حلالا، أو أحل حراما. (سنن الترمذي، أبواب الأحكام، باب ما ذكر عن رسول اللّٰه ﷺ في الصلح بين الناس، النسخة الهندية ١/ ٢٥١، دارالسلام، رقم: ١٣٥٢)

اب اس حدیث شریف کی روشنی میں مذکورہ سوالات کے جوابات اس طرح ہوں گے کہ منظور شدہ چھٹیوں میں سے باقی رہنے پر کچھ نہ دینا اور زائد چھٹیوں پر تنخواہ وضع کر لینا آپ کے یہاں کے اداروں کے اصول وضوابط پر مبنی ہے، اگر وہاں کے اداروں میں منظور شدہ چھٹیوں میں باقی رہنے پر کچھ نہیں دیا جاتا اور زائد چھٹیوں پر تنخواہ وضع کر لی جاتی ہے، تو اسی پر عمل

ہوگا۔اور چھٹی باقی رہنے پر مدرس کو کسی طرح کا استحقاق نہ ہوگا۔اور اگر باقی چھٹیوں پر ان ایام کی تنخواہ دینے کا قانون ہے،تو ایسی صورت میں مدرس ان ایام کی تنخواہ کا شرعاً مستحق ہوگا۔ پہلی صورت میں نہ دینے پر ناظم مدرسہ حق العبد میں ماخوذ بھی نہ ہوگا۔اور دوسری صورت میں نہ دینے سے ذمہ دار اور ناظم حق العبد میں ماخوذ ہوگا۔

(۲) اگر تعطیل کلاں سے قبل مدرس کو مدرسہ سے علیحدہ نہیں کیا گیا،تو ایسی صورت میں مدرس تعطیل کلاں کی تنخواہ کا مستحق ہے؛ کیوں کہ مدارس اسلامیہ میں مدرسین کا تقرر مکمل سال کے لئے ہوتا ہے۔اور اگر مدرس کو تعطیل کلاں سے قبل مدرسہ سے علیحدہ کردیا گیا یا تقرر کے وقت اس بات کی وضاحت کردی گئی تھی کہ آپ کا اور ہمارا معاملہ صرف شعبان تک ہے، تو ایسی صورت میں مدرس تعطیل کلاں کی تنخواہ کا مستحق نہیں ہوگا؛ کیوں کہ آپس کی شرائط کی پابندی مسلمانوں پر لازم ہے۔

لأن أمور المسلمين محمول على الصلاح والسداد. (بدائع الصنائع، كتاب الصلح، فصل في الشرائط التي ترجع إلى المصالح، زكريا ديوبند ٥/ ٥٢) **فقط واللہ** سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍جمادی الثانیہ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر:۳۵/۷۲۸۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۶/۱۵ھ

رمضان کی تنخواہ کا حکم

سوال [۸۵۵۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ادارہ والے یا مدرسہ والے مدرسین وملازمین حضرات کو رمضان المبارک کی تعطیلات کی جو تنخواہ دیتے ہیں اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ جو حضرات مستعفی ہونا چاہتے ہیں وہ اس کے مستحق ہوں گے یا نہیں؟ اور ان کی تین شکلیں ہیں: (۱) ایک تو وہ حضرات ہیں جو شعبان میں مستعفی ہوتے ہیں (۲) وہ حضرات جو پندرہ رمضان یا ۲۵؍رمضان کو مستعفی ہونے کی اطلاع دیتے

ہیں (۳) وہ حضرات ہیں جو شوال میں ایک ہفتہ یا دو ہفتہ پڑھا کر رمضان کی تنخواہ لے کر اپنا استعفیٰ منظور کروائے بغیر چلے جاتے ہیں، یا تنخواہ لے کر تو نہیں جاتے مگر بغیر انتظامیہ کی منظوری کے دوسری جگہ جا کر خدمت میں لگ جاتے ہیں اور پھر رمضان کی تنخواہ کا مطالبہ فرماتے ہیں، حالانکہ مدرسہ کا قانون ہے کہ جن حضرات کو مستعفی ہونا ہے وہ ایک مہینہ قبل اطلاع دیں، تو اس صورت میں کون حضرات رمضان المبارک کی تنخواہ کے مستحق ہو سکتے ہیں؟

المستفتی: محمد عابد غلام محمد کیسر پوری، خادم مدرسہ مفتاح العلوم موڑ اسا، گجرات

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مدارسِ اسلامیہ کے قوانین وضوابط منقول اور منصوص نہیں ہیں، ہاں البتہ ترمذی شریف کی اس حدیث کی رو سے مدارس کے قوانین وضوابط صحیح اور درست ہیں، حدیث شریف یہ ہے:

عن عبداللہ بن عمرو بن عوف المزني، عن أبيه، عن جده، أن رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم قال: الصلح جائز بين المسلمين ، إلا صلحا حرم حلالا، أو أحل حراما، والمسلمون على شروطهم، إلا شرطا حرم حلالا، أو أحل حراما. (سنن الترمذي، أبواب الأحكام، باب ما ذكر عن رسول اللہ ﷺ في الصلح بين الناس، النسخة الهندية ١ / ٢٥١، دارالسلام، رقم: ١٣٥٢)

اس حدیث شریف کی روشنی میں سارے قوانین جائز اور درست ہیں۔ سوال نامہ میں لکھی ہوئی تینوں شکلیں مدرسہ کے ذمہ دار سے معلوم کریں، ان کے یہاں جو دستور اور ضابطہ بنا ہوا ہے اس کے مطابق یہ تینوں شکلیں ضابطہ اور دستور کے کس کالم میں اترتی ہیں، دیکھ لیں، پھر ان ہی کالم کے مطابق ان شکلوں پر عمل کرنا چاہئے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶ ربیع الاول ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۱۰۰۰۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۶/۴/۱۴۳۱ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۲۵/ کتاب البیوع

۱/ باب البیع الصحیح

مالِ متقوم وغیر متقوم، بیع باطل اور فاسد کی تعریف

سوال [۸۵۵۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مال کی تعریف، نیز مالِ متقوم وغیر متقوم کی واضح تعریف کیا ہے؟ نیز بیع باطل وفاسد کی جامع مانع تعریف اور فرق دونوں کے درمیان کیا ہے؟ ان سب کو جامع مانع اور واضح الفاظ میں پیش فرمادیں۔

المستفتی: حسیب الرحمٰن گوری نو ادا، فرخ آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مال: اس کو کہتے ہیں جس کی طرف طبیعت کا میلان ہو اور بوقت ضرورت جمع کر کے رکھا جا سکتا ہو۔

المراد بالمال: ما یمیل إلیه الطبع، ویمکن إدخاره لوقت الحاجة.

(شامي، البیوع، مطلب في تعریف المال والملك والمتقوم، کراچی ٤/ ٥٠١، زکریا ٧/ ١٠، وهکذا في البحرالرائق، زکریا ٥/ ٤٣٠، کوئٹه ٥/ ٢٥٦، معجم لغة الفقهاء، کراچی ٣٩٦، الموسوعة الفقهیة الکویتیة ١٥/ ٢٧، ٣١/ ٦٠، ٣١/ ٢٧٩، ٣٦/ ٣١، الفقه الإسلامي وأدلته، هدی انٹرنیشنل دیوبند ٤/ ١١٢/ دارالفکر ٥/ ٣٣٠٥)

اور مالِ متقوم: اس کو کہتے ہیں جس سے مسلمان کو نفع اٹھانا ممکن ہو اور مسلمان کے لئے اس سے فائدہ اٹھانا جائز ہو۔

المتقوم: ما یمکن إدخاره مع الإباحة، فإن المتقوم هو المال المباح

الانتفاع به شرعا. (شامي، البيوع، مطلب في تعريف المال والملك والمتقوم، زكريا ٧/ ١٠، ٢٣٥، كراچی ٤/ ٥٠١، ٥/ ٥٠، معجم لغة الفقهاء، كراچی ٣٩٧، الموسوعة الفقهية الكويتية ١٥/ ٢٧، ٣٦/ ٣٤، الفقه الإسلامي وأدلته، هدى انٹرنيشنل ديوبند ٤/ ١٢٥، دارالفكر ٥/ ٣٣٢١)

اور مالِ غیر متقوم: اس کو کہتے ہیں کہ مسلمان کے لئے جس سے فائدہ اٹھانا بالکل جائز نہیں ہوتا ہے اور اس کی بیع قطعاً باطل ہو جاتی ہے۔

وبطل بيع مال غير متقوم، أي غير مباح الانتفاع به، كخمر وخنزير. (درمختار، البيوع، باب البيع الفاسد، مطلب في تعريف المال زكريا ٧/ ٢٣٥، كراچی ٥/ ٥٠، زكريا ٧/ ٢٤١، ٢٤٢، كراچی ٥/ ٥٥، معجم لغة الفقهاء، كراچی ٣٩٧، الفقه الإسلامي وأدلته، هدى انٹرنيشنل ديوبند ٤/ ١٢٥، دارالفكر ٥/ ٣٣٢١)

نیز بیع باطل وہ ہے کہ جس کے صلب عقد میں فساد آیا ہو۔ اور بیع فاسد وہ ہے کہ صلب عقد میں تو فساد نہ آیا ہو؛ بلکہ خارج عقد اور صفات میں فساد آیا ہو، جیسا کہ جب مبیع میتہ یا خنزیر ہو تو رکن بیع یعنی عین مبیع میں فساد آیا ہے؛ اس لئے باطل ہے۔ اور دریا سے مچھلی پکڑنے سے قبل فروخت کرنا اور ہوا میں اڑتے پرندہ کو پکڑنے سے قبل فروخت کرنا اس میں عین مبیع میں فساد تو نہیں ہے، مگر خارج مبیع میں فساد ہے اور وہ مبیع کا غیر مقدور التسلیم ہونا ہے، اس لئے فاسد ہے۔

ظاهره أن الفاسد بيع السمک، وأنه يملک بالقبض، وفيه أن بيع ما ليس في ملكه باطل كما تقدم؛ لأنه بيع المعدوم، والمعدوم ليس بمال فينبغي أن يكون بيعه باطلا، وأن يكون الفاسد هو بيع العرض؛ لأنه مبيع من وجه، وإن دخلت عليه الباء. (شامي، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مطلب في البيع الفاسد، زكريا ٧/ ٢٤٨، كراچی ٥/ ٦٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍محرم الحرام ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۱۳۶)

نیلامی کا حکم

سوال [۸۵٦۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نیلامی میں بولی خرید وفروخت کرنا کیسا ہے؟

المستفتی: سید عادل حسن سید کالونی، جے پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نیلام سے خرید وفروخت کرنا شرعاً جائز ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۸/۳۷، جدید زکریا مطول ۱۱/۹۰، امداد الفتاوی ۳/۱۲۱)

عن أنس بن مالک، أن رسول اللّٰہ ﷺ باع حلسا وقدحا، وقال: من یشتری ہذا الحلس والقدح، فقال رجل: أخذتہما بدرہم، فقال النبي صلی اللّٰہ علیہ وسلم: من یزید علی درہم؟ من یزید علی درہم؟ فأعطاہ رجل بدرہمین، فباعہما منہ. (سنن الترمذي، البیوع، باب ماجاء في من یزید، النسخۃ الہندیۃ ۱/ ۲۳۱، دارالسلام، رقم: ۱۲۱۸، سنن أبي داؤد، کتاب الزکوۃ، النسخۃ الہندیۃ ۱/ ۲۳۲، دارالسلام، رقم: ۱٦٤۱، سنن النسائي، البیوع، النسخۃ الہندیۃ ۱/ ۱۸۹، دارالسلام، رقم: ٤٥۱٥) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲ رصفر ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۰۹۹)

امریکہ سے ٹیلی ویزن پر خرید وفروخت کا حکم

سوال [۸۵٦۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: آج کے جدید ترقی یافتہ دور میں ایک شخص امریکہ سے ٹیلی فون پر کہتا ہے، ہندوستانی

تاجر سے کہ آج سونے کا یہاں بھاؤ یہ ہے، بولو تم کو لینا ہے؟ ہندوستانی تاجر بولتا ہے کہ آپ کے بتلائے ہوئے بھاؤ پر میرا دو کیلو ہوگیا ہے، پھر کچھ ٹائم بعد یا ایک دو روز بعد وہ امریکی کہتا ہے کہ آج سونے کا بھاؤ یہ ہے تم کو لینا ہے، ہندوستانی تاجر کہتا ہے کہ میرے خریدے ہوئے سونے آپ کے بتائے ہوئے بھاؤ پر فروخت کردیں، یہ خرید وفروخت کیسی ہے یہ سونے کا ہی معاملہ نہیں ہے؛ بلکہ قریب قریب منقولی چیزیں اسی طرح سے بیچی اور خریدی جاتی ہیں، ابتلاء عام ہے اور اس میں کوئی جھگڑا نہیں ہے اور نہ سنا گیا ہے، ویسے یہ شکل وکیل کی سی ہوجاتی ہے؛ البتہ وکیل بول کر متعین نہیں کیا جاتا ہے؛ بلکہ ٹیلی فون پر اسی طرح گفتگو ہوتی ہے، جیسے لکھا گیا ہے۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: (١) **ما إذا وكل رجلا غائبا، وأخبره رجل بالوكالة يصير وكيلا، سواء كان المخبر عدلا أو فاسقا، أخبره من تلقاء نفسه أو على سبيل الرسالة صدقه الوكيل في ذلك أو كذبه.** (فتاوى عالمگيری، كتاب الوكالة، الباب الأول زكريا قديم ٣/ ٥٦١، جديد ٣/ ٤٧٧)

(٢) **والأصل فيه أن الجهالة اليسيرة تتحمل فى الوكالة كجهالة الوصف استحسانا؛ لأن مبنى التوكيل على التوسعة؛ لأنه استعانة.** (هداية، الوكالة، باب الوكالة بالبيع والشراء، أشرفي ٣/ ١٨١)

(٣) **الملك يثبت للموكل خلافه عن الوكيل ابتداء وهو الصحيح.** (عالمگيری قديم ٣/ ٥٦٧، جديد ٣/ ٤٨٣)

(٤) **وإذا دفع الوكيل بالشراء الثمن من ماله وقبض المبيع فله أن يرجع به على الموكل؛ لأنه انعقدت –إلى قوله– فإن هلك المبيع في يده قبل حبسه هلك من مال الموكل ولم يسقط الثمن؛ لأن يده كيد الموكل.** (هداية، باب الوكالة بالبيع والشراء، أشرفي ٣/ ١٨٢-١٨٣)

مذکورہ عبارات سے حسب ذیل امور ثابت ہوتے ہیں: عبارت نمبر ا ر سے غائب شخص کو وکیل بنانا اور ٹیلی فون کی خبر کا معتبر ہونا مسئلہ وکالت میں ثابت ہوتا ہے۔

عبارت نمبر ۲ ر سے مسئلہ وکالت میں بمقابلہ بیع کے زیادہ جہالت برداشت کی جاتی ہے۔

عبارت نمبر ۳، ۴ ر سے وکیل کا اپنی طرف سے ثمن ادا کر کے مبیع پر قبضہ کر لینا اور موکل کے لئے ملکیت ثابت ہونا واضح ہوتا ہے، نیز نمبر ا ر سے وکیل بالشراء، وکیل بالبیع دونوں کا بحالت غیبوبت جائز ہونا ثابت ہوتا ہے؛ اس لئے مذکورہ دلائل کی روشنی میں بشرط عدم منازعت مذکورہ معاملہ جائز ہے، تاہم اس مسئلہ میں دوسرے مفتیان کرام کی طرف بھی رجوع کر لیجئے۔

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵ ر شعبان المعظم ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶ /۱۹۰۱)

مسلمانوں کا غیر مسلموں سے خرید وفروخت کرنا

سوال [۸۵۶۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید جو عالم اور مدبر ہے، مسلمانوں کو تلقین کرتا ہے کہ مسلم قوم کا بھلا اسی میں ہے کہ مسلمان جو چیز خریدیں مسلمان دوکانداروں سے ہی خریدیں، یہ بہت ضروری ہے، بکر جو سیاسی آدمی ہے، وہ کہتا ہے کہ ”اگر ایسا کیا گیا تو یہ بڑی غلطی ہوگی اور اس سے فرقہ واریت بڑھے گی، ہمارے بزرگوں نے اس طرح کی جو غلطیاں کی تھیں، ان کا نتیجہ ابھی تک مسلمان بھگت رہے ہیں، اس قسم کی مزید غلطیاں مسلمانوں کو لے ڈوبیں گی“۔ آپ سے گزارش ہے کہ اس بارے میں شریعت مطہرہ کی روشنی میں فیصلہ فرمائیں۔ علماء کو مسلمانوں کے ہر مسئلے میں رہنمائی فرمانا چاہئے، کیا ہمارے اکابر علماء نے اس بارے میں کوئی رائے دی ہے؟ اگر ہو تو حوالہ دے کر عند اللہ راہ صواب دکھائیں۔ بینوا توجروا

المستفتی: محمد ذکی ساکن محلّہ سیف خان سرائے سنبھل، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسلمانوں پر شرعاً یہ لازم نہیں ہے کہ وہ صرف مسلمان دوکانداروں ہی سے خریدا کریں؛ بلکہ اپنی ضرورت کی چیزیں بلاکراہت غیر مسلم دوکانداروں سے بھی خرید سکتے ہیں جولوگ منع کرتے ہیں وہ بلاتحقیق منع کرتے ہیں۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۹۶/۳)

وكذا إسلام البائع ليس بشرط لانعقاد البيع ولا لنفاذه، ولا لصحته بالإجماع، فيجوز بيع الكافر وشراؤه -إلى قوله- ولنا عمومات البيع من غير فصل بين بيع العبد المسلم من المسلم، وبين بيعه من الكافر فهو على العموم. الخ (بدائع الصنائع، البيوع، فصل في شرائط ركن البيع، كراچی ٥/ ١٣٥، زكريا ٤/ ٣٢١) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵ رصفر ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ١٦٦٨)

مشتری کا مبیع کو استعمال کرنے کے بعد فروخت کرنے کا حکم

سوال [٨٥٦٣]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کی اسٹیل کی ایک دوکان ہے، جس میں وہ برتن وغیرہ بیچتے ہیں؛ لیکن کبھی کبھی ضرورت کے وقت عارضی طور پر ان برتنوں کو استعمال بھی کر لیتے ہیں، تو سوال یہ ہے کہ بیچتے وقت کیا زید پر یہ صراحت ضروری ہے کہ میں نے تھوڑا بہت استعمال کیا ہے؟ براہ کرام جواب سے نوازیں۔

المستفتی: عبدالمجید کیرالا، متعلم جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید کا اپنی دوکان کے برتن استعمال کرنا اور اس کے بعد

خریدار کو صحیح صورت حال بتائے بغیر اس کو نیا برتن بتا کر فروخت کرنا شرعاً جائز نہیں ہے؛ اس لئے کہ مستعمل اشیاء کی قیمت بازار میں نئی اور غیر مستعمل چیزوں کے مقابلہ میں کم ہوتی ہے، نیز اس طرح فروخت کرنا ایک قسم کی دھوکہ دہی بھی ہے؛ لہٰذا صحیح صورت حال بتا کر ہی مستعمل برتنوں کو فروخت کرنا چاہئے۔

عن عقبة بن عامر قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: المسلم أخو المسلم، ولا يحل لمسلم باع من أخيه بيعا فيه عيب، إلا بينه له. (ابن ماجة، البيوع، باب من باع عيبا فليبينه، النسخة الهندية ١٦٢، دارالسلام، رقم: ٢٢٤٦، المستدرك للحاكم، كتاب البيوع، مكتبه نزار مصطفى الباز، جديد ٣/ ٨١٦، قديم ٢/ ٨/ رقم: ٢١٥٢)

لايحل كتمان العيب في مبيع أو ثمن؛ لأن الغش حرام. (شامي، البيوع، باب خيار العيب، مطلب في جملة ما يسقط به الخيار، زكريا ٧/ ٢٣٠، كراچی ٥/ ٤٧)

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– أن رسول الله صلى الله عليه وسلم مر برجل يبيع طعاما، فسأله كيف تبيع؟ فأخبره، فأوحى إليه أن أدخل يدك فيه، فأدخل يده فيه، فإذا هو مبلول، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم ليس منا من غش. (أبو داؤد شريف، البيوع، باب النهي عن الغش، النسخة الهندية ٢/ ٤٨٧، دارالسلام، رقم: ٣٤٥٢، وهكذا في صحيح مسلم، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم من غشنا فليس منا، النسخة الهندية ١/ ٧٠، بيت الأفكار، رقم: ١٠٢)

كل ما أوجب نقصان الثمن في عادة التجار، فهو عيب. (هداية، البيوع، باب خيار العيب، أشرفي ٣/ ٤٠، مختصر القدوري، ص: ٧٦، الموسوعة الفقهية الكويتية ١٥/ ٥٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶/۲/۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۹۱۳/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۶/۲/۱۴۳۱ھ

کیا حرام مال میں تعدی پائی جاتی ہے؟

سوال [۸۵۶۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: حضرات فقہاء کی تصریحات کے مطابق اگر کسی کی آمدنی حرام ہو تو اس سے مسلمانوں کو خرید وفروخت کا معاملہ کرنا ممنوع ہے، اس کے بالمقابل حضرت امام کرخیؒ کی تصریح کے مطابق حرام مال کی کسی جہت سے تعیین کے بغیر اگر کوئی چیز خریدی جائے تو اس چیز میں حرمت سرایت نہیں کرے گی اور اس کا استعمال جائز ہوگا۔ **كما في الشامية، وأيضا في فتاوى علماء نا العامة.**

سوال یہ ہے کہ امام کرخیؒ کی تصریح کے مطابق خرید کردہ شئ میں حرمت سرایت نہیں کرے گی، کیا مشتری جو حرام مال ادا کر رہا ہے اس سے بھی حرمت کی خباثت ختم ہو جائے گی، اگر نہیں تو بائع حاصل شدہ نفع مع اصل فروخت کردہ چیز کی قیمت کے ساتھ کیا کرے؟ دانستہ اور غیر دانستہ دونوں شکلوں کا حکم کیا یکساں ہوگا؟ نیز ہمارے شہر بمبئی میں اس سے بچنا بہت دشوار ہے، خصوصاً شوروم، بڑی دوکانیں، ہوٹلیں وغیرہ ان ہی حضرات سے آباد رہتے ہیں، خلاصی کی شکل کیا ہے؟

المستفتي: بندہ عبد الرشید عفی عنہ نعمانی، دار الافتاء والارشاد اندھری ایسٹ بمبئی، مہاراشٹر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جب ایک مسلمان کے پاس حلال اور حرام دونوں مخلوط پیسے موجود ہیں اور وہ شخص خریداری کے وقت حرام یا حلال پیسے کی تعیین کئے بغیر پیسہ ادا کرتا ہے، تو وہ پیسہ بائع کے لئے اپنے مال کے عوض میں لینا بلا تردد جائز اور حلال ہے۔ اور بائع کے حق میں وہ پیسہ حلال ہے، اگر مشتری نے حرام پیسہ دیا ہے، تو گنہگار مشتری ہوگا بائع نہیں ہوگا، اب رہی یہ بات کہ حرام پیسہ کے عوض میں مشتری نے جو پاک مال خریدا ہے، اس میں بھی حرمت سرایت کر جائے گی یا نہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جب اس نے کسی قسم کی

صراحت کئے بغیر مطلقاً مال خریدا ہے اور پیسہ کی ادائے گی میں حرام مال دیا ہے، تو اس کی وجہ سے مشتری گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوگا؛ لیکن مشتری کے پاس جو مال آیا ہے، وہ اس کے لئے حلال ہے اور امام کرخیؒ ہی کے قول پر فتویٰ ہے۔ اور دوسری طرف بائع کے پاس اپنے حلال مال کے عوض میں جو بھی پیسہ حرام مال کی صراحت کے بغیر مطلقاً پہنچا ہے، وہ پیسہ بائع کے حق میں حلال ہوگا، اس لئے کہ اگر بائع کو مشتری کا حال معلوم نہیں ہے تو بلاتر دد اس کے حق میں حلال ہے۔ اور اگر بائع کو مشتری کا حال معلوم ہے کہ اس کے پاس حلال وحرام دونوں طرح کا پیسہ ہے، تو مشتری نے جب حرام کی صراحت نہیں کی ہے؛ بلکہ بلا صراحت کے مطلقاً پیسہ پیش کر دیا ہے، تو ایسی صورت میں شریعت نے بائع کو اس کا مکلّف بنایا ہے کہ مشتری مسلمان ہے، اس نے اپنا حلال مال ہی دیا ہوگا؛ لہٰذا بائع کے حق میں وہ پیسہ حلال ہوگا، ہاں البتہ اگر مشتری پیسہ کی ادائے گی کے وقت اس کی صراحت کر دیتا ہے کہ میں آپ کو حرام اور خبیث پیسہ دے رہا ہوں تو بائع کے لئے اپنے حلال مال کے بدلہ میں اس کا پیسہ لینا جائز نہیں ہے، ایسی صورت میں اس پیسہ کی حرمت بائع کے حق میں بھی سرایت کر جائے گی، ورنہ بائع کے حق میں سرایت نہیں کرے گی۔

رجل اكتسب مالا من حرام، ثم اشترى فهذا على خمسة أوجه: إما إن دفع تلك الدراهم إلى البائع أولا، ثم اشترى منه بها، أو اشترى قبل الدفع بها ودفعها، أو اشترى قبل الدفع بها ودفع غيرها، أو اشترى مطلقاً ودفع تلك الدراهم، أو اشترى بدراهم أخر ودفع تلك الدراهم -إلى قوله- وقال الكرخيؒ: في الوجه الأول والثاني لا يطيب، وفي الثلاث الأخيرة يطيب، وقال أبوبكرؒ: لا يطيب في الكل، لكن الفتوىٰ الآن على قول الكرخيؒ دفعا للحرج عن الناس. (شامي، كتاب البيوع، باب المتفرقات، مطلب إذا اكتسب حراما، ثم اشترى على خمسة أوجه، زكريا ۷/ ۴۹۰، كراچى ۵/ ۲۳۵، وهكذا في الهندية، زكريا قديم ۳/ ۲۱۵، جديد ۳/ ۲۰۱)

أهدى إلى رجل شيئا أو أضافه إن كان غالب ماله من الحلال فلا بأس إلا أن يعلم بأنه حرام، فإن كان الغالب هو الحرام ينبغي أن لا يقبل الهدية، ولا يأكل الطعام إلا أن يخبره بأنه حلال ورثته أو استقرضته من رجل. (هندية، كتاب الكراهية والاستحسان، الباب الثاني عشر في الهدايا و الضيافات، زكريا قديم ٥/ ٣٤٢، جديد ٥/ ٣٩٦، وهكذا في البناية أشرفيه ديوبند ١٢/ ٢٠٩، المحيط البرهاني، المجلس العلمي ٨/ ٧٣، رقم: ٩٦١٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍ربیع الاول ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۲۳۷/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۸/۳/۲۷ھ

زمین فروخت کرنے کے بعد رجسٹری نہ کرانا

سوال [۸۵۶۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہم نے تقریباً دوسال پہلے ایک جگہ جس کے مالک نجمی خاتون اور رئیس احمد تھے، خریدی، قیمت چھ لاکھ روپئے طے ہوئی، وہ ہم نے ساری کی ساری ادا کردی، آپسی مشورہ سے یہ بات طے پائی کہ رجسٹری بعد میں کرالیں گے، ثبوت کے طور پر ایک ایگریمنٹ لکھا گیا۔ ۱۲؍۱اکتوبر ۲۰۱۰ء کو اس میں لکھا گیا کہ اب اس جگہ کے مالک محمد عاصم ہیں، ہم نے نجمی خاتون و رئیس احمد یہ جگہ چھ لاکھ روپئے میں انہیں بیچ دی ہے، اور ساری رقم وصول کرلی ہے، اب انہیں محمد عاصم کو اختیار ہے کہ یہ اپنے نام سے رجسٹری کرائیں یا کسی اور کے نام سے رجسٹری کرائیں، میں رجسٹری ان کو کردوں گا، یہ معاہدہ باقاعدہ ۱۰۰؍روپئے کے اسٹامپ پر طے پایا۔ اب ہم نے اس جگہ کو بیچنے کی آواز لگائی ہے اور تقدیر سے ایک گراہک سے سات لاکھ ساٹھ ہزار میں سودا طے ہوگیا، اب جب ہم نے اس سودے کی اطلاع حاجی رئیس احمد کو دی کہ ہم نے اس جگہ کا سودا کرلیا ہے، آپ اس کی رجسٹری کرادیجئے، تو حاجی رئیس احمد نے برجستہ یہ کہا کہ مجھے ایک لاکھ روپئے دو میں جب رجسٹری کروں گا، پھر ہم نے ان سے بات کی کہ آپ رجسٹری کرادیں تو

انہوں نے یہ کہا کہ میں کسی کے نام کی رجسٹری نہیں کراؤں گا، میں تمہیں بیچ ہی نہیں رہا اور میں تمہیں فائدے کے ساتھ پیسے واپس کردوں گا، اس مکان پر قبضہ محمد عاصم کا ہے اور مکان کی چابیاں بھی محمد عاصم کے پاس ہیں۔ اب معلوم یہ کرنا ہے کہ شریعت کی رو سے اس جگہ کا مالک کون ہے؟ اگر وہ حاجی رئیس اس جگہ کو دوبارہ خریدنا چاہتے ہیں تو مجھے وہ فائدہ دیں جو میرا گراہک سے طے ہوگیا ہے، اس بارے میں شریعت کیا کہتی ہے؟

المستفتی: محمد عاصم، محلّہ تکیہ بدھاشاہ، کسرول، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں جب محمد عاصم نے نجمی خاتون اور رئیس احمد سے زمین خریدی اور محمد عاصم نے طے شدہ قیمت چھ لاکھ روپئے ادا کرکے اس پر قبضہ بھی کرلیا ہے، تو ایسی صورت میں مذکورہ زمین محمد عاصم کی ملکیت میں جائز طریقہ سے منتقل ہوگئی ہے؛ لہٰذا نجمی خاتون اور رئیس احمد کا کوئی واسطہ اس زمین کے ساتھ نہیں رہا ہے؛ اس لئے پکی رجسٹری کے وقت دستخط کے لئے بلانے پر وعدہ کے مطابق جاکر دستخط کردینا شرعی طور پر ان پر لازم ہے، الگ سے پیسہ مانگنا جائز نہیں ہے۔ اور اس طرح کا پیسہ لینا حرام کا پیسہ ہوگا۔

ولنا أن ركن البيع صدر من أهله مضافا إلى محله، فوجب القول بانعقاده. (هداية، كتاب البيوع، أشرفي ٣/ ٢١)

وإن ذكر البيع من غير شرط، ثم ذكر الشرط على وجه المواعدة جاز البيع، ويلزمه الوفاء بالوعد؛ لأن المواعدة قد تكون لازمة، فتجعل لازمة لحاجة الناس. (فتاوى قاضيخان، البيع، باب البيع الفاسد، فصل في الشروط المفسدة، زكريا جديد ٢/ ٩٩، وعلى هامش الهندية ٢/ ١٦٥، مجمع الضمانات ١/ ٤٢٣، شامي، مطلب في البيع بشرط فاسد، زكريا ٧/ ٢٨١، كراچی ٥/ ١٨٤، الموسوعة الفقهية الكويتية ٦/ ١٦٤، ٩/ ٢٤٧، ٤٤/ ٩٦)

إذا قبض البائع الثمن وهو مما يملك به، فإنه يكون إذنا بالقبض دلالة. (شامي، زكريا ٧/ ٢٨٧)

باع شيئا وخلى بينه وبين المشترى صار المشترى قابضا حتى لو هلك يهلك من ماله. (الفتاوى السراجية، ص: ٤٣٨)

وإذا قبض المشترى المبيع برضا بائعه صريحا أو دلالة ولم ينهه البائع، ملكه أي يملك عينه وهو الصحيح المختار، وإذا ملكه تثبت كل أحكام الملك، فيكون المشتري خصما لمن يدعيه، ولو باعه كان الثمن له.

(شامي، مطلب في الشرط الفاسد إذا ذكر بعد القعد أو قبله، زكريا ٧/ ٢٨٧، كراچی ٥/ ٨٨)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ ربیع الاول ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۶۴۸)

خریدار کا بائع کی اولاد کو رجسٹری پر دستخط کرنے کے عوض کچھ دینے کا حکم

سوال [۸۵۶۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرے والد صاحب کا ایک مکان تھا جواب بھی ہے، انہوں نے اپنی زندگی میں آدھا مکان اپنے ایک ملنے والے کے ہاتھ بیچ دیا تھا، منہ زبانی طور پر جس کی کوئی لکھت پڑھت نہیں ہوئی تھی، اس مکان کو بیچے ہوئے لگ بھگ چوبیس سال ہوگئے، میرے والد کا انتقال بھی بائیس سال پہلے ہوگیا، میں اپنے گھر کی سب سے چھوٹی بیٹی ہوں؛ لہٰذا اب وہ رجسٹری کروا رہے ہیں اس مکان کی، میرے دستخط ہونے ہیں، میرا ان سے کوئی مطالبہ نہیں ہے، اگر وہ اپنی خوشی سے مجھے کچھ پیسے دینا چاہیں تو وہ میرے لئے جائز ہیں یا نہیں؟ ویسے میں بہت غریب ہوں اور پندرہ سال سے مستقل بیمار بھی ہوں، شریعت کے دائرے میں بتائیں ان سے پیسے لینا جائز ہے؟

المستفتیة: ثریا سخاوت کھاری کنواں، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آپ کے لئے ایمان داری اور دیانت داری کی بات یہ ہے کہ بلاکسی لالچ اور طمع کے رجسٹری پر دستخط کردیں نیت صحیح کی وجہ سے عنداللہ آپ کو اس کا اجر ملے گا اور اس دستخط کی وجہ سے آپ کی بیماری اور غربت کی وجہ سے اگر وہ اپنی جانب سے بخوشی بطور مدد کے کچھ دے دیں تو ان کی طرف سے ایک تبرع ہوگا۔

عن أبي سعيد الخدري –رضي الله عنه– عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: أيما مسلم كسا مسلما ثوبا على عرى، كساه الله من خضر الجنة، وأيما مسلم أطعم مسلما على جوع، أطعمه الله من ثمار الجنة، وأيما مسلم سقى مسلما على ظمأ، سقاه الله عز وجل من الرحيق المختوم. (أبو داؤد، باب في فضل سقى الماء، النسخة الهندية ١/ ٢٣٦، دارالسلام، رقم: ٦٨٢)

لا يجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي. (البحرالرائق، كتاب الحدود، فصل في التعزير، زكريا ٥/ ٦٨، كوئٹه ٥/ ٤١، شرح المجلة، رستم مكتبه اتحاد ١/ ٦٢، رقم المادة: ٩٧، قواعد الفقه، اشرفي، ص: ١١١، رقم: ٢٦٩، هندية، زكريا قديم ٢/ ١٦٧، جديد ٢/ ١٨١، شامي، زكريا ٦/ ١٠٦، كراچی ٤/ ٦١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍شعبان ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۲۳)

خریدار کا ادائے قیمت پر کمیشن کا مطالبہ

سوال [٨٥٦٧]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مال خریدنے کے سودے میں کسی خریدار نے یہ طے کیا کہ مال کی رقم ادا کرنے پر ہم ایک یا

دو فیصد کمیشن یا مدت لیں گے، تو اس طرح کا لین دین شرعی اعتبار سے کیسا ہوگا؟

المستفتی: محمود ابن جمال الدین جی تیلی، محلّہ تیلیان کاڈرا، راجستھان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: خریدار کا قیمت ادا کرتے وقت کمیشن یا مدت لینے کا کیا مطلب ہے؟ بہر صورت جو آپس میں خریداری کا معاملہ کرتے وقت طے ہوا تھا، اسی طے شدہ معاملہ کے مطابق لین دین لازم ہے، اس کی خلاف ورزی جائز نہیں۔

عن عمرو بن عوف المزني عن أبيه عن جده، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: ...... والمسلمون على شروطهم، إلا شرطا حرم حلالا، أو أحل حراما. (سنن الترمذي، أبواب الأحكام، باب ما ذكر عن رسول الله ﷺ في الصلح بين الناس، النسخة الهندية ١/ ٢٥١، دارالسلام، رقم: ١٣٥٢)

وإذا حصل الإيجاب والقبول لزم البيع، ولا خيار لواحد منهما. (هداية، كتاب البيوع، اشرفي ٣/ ٢٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰؍ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۰۵۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۰/۴/۱۴۳۲ھ

بیع میں کس جگہ کا اعتبار ہے؟

سوال [۸۵۶۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) دو شخصوں نے رامپور میں بیٹھ کر بریلی کی ایک زمین کے متعلق بیع وشراء کی اور فی گز کے اعتبار سے ثمن مقرر کیا؛ لیکن رامپور اور بریلی میں زمین کی پیائش کا گز مختلف ہے، یعنی رامپور کا گز ۳۳؍انچ اور بریلی کا ۳۶؍انچ کا ہے۔ دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ فروخت شدہ زمین کس گز سے ناپ کردی جائے گی، بریلی کے گز سے یا رامپور کے گز سے؟

(۲) اگر بائع نے مشتری کو رامپوری گز سے زمین کی پیائش کی اور مشتری نے رامپور و بریلی کے گز کے فرق کو نہ جانتے ہوئے رامپوری گز کے لحاظ سے ثمن ادا کیا، تو اب بائع کو زمین پوری کرنی واجب ہے، جب کہ فروخت شدہ زمین سے متصل بائع کی زمین موجود ہے، یا گز کے تفاوت سے جو زائد رقم پہنچی ہے اس کی واپسی ضروری ہے؟

(۳) اگر بائع نے مسئلہ جاننے کے بعد نہ زمین پوری کی اور نہ ہی زائد رقم واپس کی، تو اس کے لئے شرعی حکم کیا ہے؟

المستفتی: محمد فاروق رامپوری، مدرس مدرسہ عربیہ حیات العلوم پیرزادہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱-۲-۳) حضرات فقہاء نے ایسی شکل میں مکان عقد کا اعتبار کیا ہے۔ اور جب دونوں نے رامپور میں رہ کر عقد کیا ہے، تو رامپوری گز کا اعتبار کیا جائے گا، بشرطیکہ بوقت عقد رامپوری اور بریلی کے گز کا کوئی ذکر نہ کیا گیا ہو؛ لہٰذا مذکورہ صورت میں بائع کا رامپوری گز کے لحاظ سے زمین دینا اور مشتری کا اسی حساب سے ثمن ادا کرنا صحیح اور درست ہے۔

باع عينا من رجل بأصفهان بكذا من الدنانير، فلم ينقد الثمن حتى وجد المشتري ببخارى يجب عليه الثمن بعيار أصفهان، فيعتبر مكان العقد. الخ (شامي، البيوع، مطلب يعتبر الثمن في مكان العقد، زكريا ۷/ ۵۹، کراچی ٤/ ٥٣٦، الموسوعة الفقهية الكويتية ١٥/ ٤١) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۹؍ ربیع الثانی ۱۴۱۳ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۳۱۴۶)	۱۹/ ۴/ ۱۴۱۳ھ

مشترکہ طور پر سامان خریدنے کی صورت میں کس پر کتنی قیمت واجب ہے؟

سوال [۸۵۶۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: میں نے ایک سامان نو روپیہ میں خریدا ہے، اس سامان میں تین آدمی ساجھی ہیں، ایک آدھے کا ساجھی ہے اور ایک تہائی کا اور ایک نوے حصہ کا، جس شخص سے سامان خریدا ہے، اس کو پیسہ دینا ہے، اب جو آدھے کا ساجھی ہے اس نے اپنے ساجھے کی پوری قیمت یعنی ساڑھے چار روپیہ دے دئے ہیں اور تہائی کے ساجھی نے بھی اپنے ساجھے کی پوری قیمت تین روپیہ دے دی ہے اور نویں حصہ کے ساجھی نے بھی اپنے نویں حصہ کا ایک روپیہ دے دیا ہے، پیسوں کا جوڑ ساڑھے آٹھ روپیہ ہوتا ہے، پچاس پیسہ کی کمی ہوتی ہے، کوئی ساجھی اپنے حصہ کی قیمت سے زیادہ پیسے دینے پر تیار نہیں ہے، احقر کو اس کے جواب سے نوازیں۔

المستفتی: حافظ ضیاء الاسلام، مدرس مدرسہ بدر العلوم گنگوار حسن پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب ساڑھے چار روپیہ آدھے کے ساجھی نے آدھا لے لیا اور ایک تہائی کے ساجھی نے اپنا ایک تہائی تین روپیہ میں لے لیا ہے اور نویں حصہ کے ساجھی نے ایک روپیہ میں اپنا نواحصہ لے لیا ہے، تو کل پیسوں کا جوڑ ساڑھے آٹھ روپیہ ہوتا ہے اور پچاس پیسہ کا ذمہ داران تینوں میں سے کوئی نہ ہوگا اور سامان میں سے بھی تینوں کے حصہ میں ساڑھے آٹھ ہی جا سکتے ہیں باقی نصف حصہ سامان کا بھی باقی ہے؛ لہٰذا پچاس پیسہ اس پر واجب ہوگا جو نویں حصہ میں سے بچا ہوا نصف حصہ لینا چاہتا ہے۔ اور اگر یہ نصف کوئی نہیں لیتا ہے تو بائع کا ہے، نیز یہ خریداری میں داخل نہیں ہوا ہے۔ فقط واللہ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵ر صفر ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/۳۳۱۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴/۲/۱۵ھ

خریدار کا زمین خالی کرانے کے لئے چھپ کر فصل کاٹ لینا

سوال [۸۵۷۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: ایک شخص نے دوسرے شخص سے ایک کھیت خریدا اور کھیت کی کل قیمت ادا کر دیا؛ لیکن کھیت ایک تیسرے آدمی کے قبضہ میں تھا، جس کی اس میں فصل لگی ہوئی تھی، خریدار نے کھیت خالی کرانا چاہا؛ لیکن قابض شخص خالی نہیں کر رہا تھا، تو خریدار نے چند آدمیوں کے درمیان کہا کہ اس کھیت سے جو شخص جتنی فصل چاہے کاٹ لے جائے، پھر رات کو چھپ کر فصل خریدار نے کاٹ لی، تو فصل کٹوانا شرعاً کیسا ہے؟ کیا وہ خریدار اپنا کھیت خالی کرانے کے لئے ایسا کر سکتا ہے یا وہ شرعاً چوری کرنے والا ہوگا؟ اور فصل کاٹتے وقت بہت سے لوگ اس کے حمایتی تھے، اس میں ایک مولانا صاحب بھی تھے، تو کیا وہ لوگ بھی شرعاً گنہگار رہوں گے؟ اور مولانا صاحب کی امامت کیسی ہے؟

المستفتی: مولانا حامد علی نئی بازار، تمبور سیتاپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب خریدار نے وہ زمین بائع سے خرید لی تو خریدار اس زمین کا مالک ہوگیا؛ اس لئے فصل لگانے والے آدمی کو کھیت خریدار کے حوالہ کر دینا چاہئے تھا اور خریدار سے اس کی رقم وصول کر لینا چاہئے تھا، یا فصل لگانے والا کھیتی کاٹ کر زمین واپس کر دیتا، نیز خریدار کو اپنی زمین پر قبضہ کرنے کے لئے فصل لگانے والے پر دباؤ ڈالنا درست ہے؛ لیکن رات میں چھپ کر فصل کاٹنا درست نہیں ہے۔ اور جن لوگوں نے رات میں چھپ کر فصل کاٹنے کی حمایت کی ہے وہ گنہگار ہوئے، ان سب کو توبہ کرنا چاہئے اور مولانا کی امامت درست ہے۔

وكذا إذا كان فيها زرع؛ لأن ملك المشتري مشغول بملك البائع، فكان عليه تفريغه وتسليمه. (هداية، كتاب البيوع، أشرفي ٣/ ٢٦، تبيين الحقائق، إمداديه ملتان ٤/ ١١، زكريا ٤/ ٢٩٣، البحر الرائق، زكريا ٥/ ٥٠١، كوئٹه ٥/ ٣٠٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱؍ شوال ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۱۶۴)

فرضی بل کے ذریعہ سرکاری گرفت سے بچنا

سوال [۱۷۸۵۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید امریکہ سے سامان منگاتا ہے اور سامان کی قیمت تحریر کے ذریعہ سے وہاں بھیجتا ہے، نقد رقم وہاں نہیں جاسکتی ہے اور اس چیز کا تحریری بل کے ذریعہ سے ہندوستان میں بیچنا ضروری ہے، اس کے بغیر وہ رقم امریکہ نہیں بھیج سکتا ہے، تو زید امریکہ سے سامان آجانے کے بعد ہی عمرو کو بغیر تحریری بل کے مثلاً دوسو روپیہ میں فروخت کیا اور دوسو روپیہ لے لئے؛ لیکن امریکہ رقم بھیجنے کے لئے بل ضروری ہے، تو زید نے خالد سے یوں کہا کہ تم مجھے فرضی دوسو روپیہ کا بل بنادو کہ میں نے تم کو دوسو روپیہ میں فلاں سامان فروخت کیا ہے، خالد نے فرضی دو سو روپیہ کا بل بنادیا، لیکن خالد دوسو روپیہ کا بل بنا کر زید سے ۲۵/ روپیہ لیتا ہے کہ میں بل کی وجہ سے انکم ٹیکس اور سیل ٹیکس ادا کروں گا، تو زید کا فرضی بل بنانے کی وجہ سے ۲۵/ روپیہ خالد کو دینا جائز ہے یا نہیں؟ مع الدلائل تحریر فرمائیں۔

المستفتی: محمد سعید پالنپوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس مسئلہ میں اولا یہ بات قابل تنقیح ہے کہ زید نے عمرو کو مال بیچتے وقت ہی اس سے بل کیوں نہیں بنوایا؟ اس میں کیا مصلحت ہے؟ اگر زید کو بل کی ضرورت تھی تو وہ عمرو ہی سے مال بیچتے وقت بل بنواتا؛ البتہ اگر اس طرح کا معاملہ ہو چکا ہے اور عمرو سے بل بنوانے میں دشواری ہے تو اپنے حق کی حفاظت اور نقصان سے بچنے کے لئے جعلی بل بنوانا بضرورت گنجائش ہوگی اور بل بنوانے والے نے اگر انکم ٹیکس کے عنوان سے زید سے رقم طلب کی تو زید کے لئے اس رقم کو دینا بھی درست ہوگا۔

لا بأس بالرشوة إذا خاف على دينه، تحته في الشامية عبارة المجتبى لمن يخاف، وفيه أيضا، دفع المال للسلطان الجائر لدفع الظلم عن نفسه

ومالـه ولاستخراج حق له، ليس برشوة، يعني في الدافع. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره، زكريا ٩/ ٦٠٧، كراچی ٦/ ٤٢٣-٤٢٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵ رشوال ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۲۰۱۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۵ رشوال ۱۴۱۰ھ

حکومت کے قانون کے خلاف نیپال میں جا کر غلہ بیچنا

سوال [۸۵۷۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہندوستان میں بہت سے حضرات ایسے ہیں جو ہندوستان میں رہ کر اپنا غلہ ہندوستان کے بجائے نیپال میں بیچتے ہیں؛ اس لئے کہ نیپال میں غلے کی قیمت زیادہ لگتی ہے اور مہنگا فروخت ہوتا ہے؛ لیکن انڈیا حکومت اس پر پابندی لگاتی ہے اور پولیس وغیرہ کے ذریعہ سے روکتی ہے، اس کے باوجود لوگ ان سے چھپ کر اپنے غلہ کی سپلائی نیپال ہی میں کرتے ہیں اور بعض حضرات پولیس والوں کو کچھ رقم دے دیتے ہیں، جس سے وہ خوش ہوکر اس کام کی اجازت دے دیتے ہیں۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا ان حضرات کا نیپال میں اپنا مال سپلائی کر کے نفع حاصل کرنا از روئے شرع درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: نیاز احمد متعلم مدرسہ شاہی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جب ہندوستان میں نیپال کے مقابلہ میں غلہ کی افراط ہے اور غلہ کے مالک کو شرعاً یہ حق حاصل ہے کہ جہاں سے نفع زیادہ حاصل ہو اپنا غلہ وہیں لے جا کر فروخت کرے؛ اس لئے نیپال لے جا کر جنہوں نے زیادہ نفع حاصل کیا ہے وہ ان کے لئے بلاتردد حلال اور جائز ہے؛ البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ حکومت کے قوانین اور گرفت سے اپنے آپ کو محفوظ رکھنا بھی لازم ہے، اس کا خیال ضروری ہے۔

وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ. [البقرة: ١٩٥]

ولا يمنع الشخص من تصرفه في ملكه إلا إذا كان الضرر بجاره ضررا بينا، فيمنع من ذلک. (الدرالمختار مع الشامي، كتاب القضاء، باب كتاب القاضي إلى القاضي، مطلب اقتسموا دارا، وأراد كل منهم فتح باب لهم ذلك، زكريا ٨/ ١٥٢، كراچی ٥/ ٤٤٧)

القياس في جنس هذه المسائل أن من تصرف في خالص ملكه لا يمنع ولو أضر بغيره لكن ترک القياس في محل يضر بغيره ضررا بينا. (شامي، البيوع، باب المتفرقات، مطلب ربغ فی داره وتأذی الجیران، زكريا ٧/ ٤٩٢، كراچی ٥/ ٢٣٧) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
یکم ربیع الاول ۱۴۲۵ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۲۷۸)	۱۴۲۵/۳/۴ھ

وکیل کا فعل موکل کے فعل کے حکم میں ہوتا ہے

سوال [۸۵۷۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید جو شہر لکھنؤ کا رہنے والا ہے، وہ دبئی کی شہزادیوں کا نوکر تھا، پھر زید کو اس پر مامور کیا گیا کہ وہ دبئی سے کپڑے لے کر بمبئی سے سلوا کر دے جو اس کی مزدوری ہوگی، اس کو دی جائے گی، چنانچہ ایک دفعہ ایسا ہوا کہ وہ دبئی سے کپڑا لے کر بمبئی آیا اور سلوا کر پیش کیا، تو ان شہزادیوں نے کہا: مہنگا سلوا کر لائے ہو اور تمہاری غلطی نہیں ہے، تم بمبئی کے تاجروں کے فریب میں آ گئے ہو، الغرض اس طرح اس کو روپئے نہ ملے اور سارا مال ان شہزادیوں نے منگوالیا، تو اب تفصیل طلب مسئلہ یہ ہے کہ یہ روپئے کس کے ذمہ عائد ہوں گے؟ اور قرضدار کی موت کون مرے گا، زید یا شہزادیاں اور قصوروار کون ہوں گے؟ دلیل کی روشنی میں جواب سے نوازیں۔

المستفتی: حبیب احمد دبئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر سائل اپنے بیان میں سچا ہے تو زید شہزادیوں کی طرف سے محض وکیل ہے اور وکیل کا فعل موکل کے فعل کے حکم میں ہوتا ہے۔ اور مذکورہ صورت میں چونکہ زید شہزادیوں سے رقم وصول کرنے سے قاصر ہے؛ اس لئے قرض دار کی موت مرنے والی شہزادیاں ہی ہوں گی، جب کہ غبن فاحش نہ ہو۔

كما استفيد من الهداية: الوكيل بالشراء يجوز عقده بمثل القيمة وزيادة يتغابن الناس في مثلها. (هداية، كتاب الوكالة، باب الوكالة بالبيع والشراء، أشرفي ديوبند ۳/ ۱۸۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/ محرم ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۲۹۸۳)

فروختگی کا وکیل بنانا

سوال [۸۵۷۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید اپنی ایک زمین بیٹی کے نام چھوڑ کر مر گیا، بیٹی نے بیچنے کی بھاگ دوڑ سے بچنے کے لئے زبانی طور پر بلا کسی شرط کے بھائی پر بھروسہ کر کے بھائی کو بیچنے کا اختیار دیا، تین سال قبل بھائی اس طور پر راضی ہوا کہ میں اس کو اپنے طور پر بیچ دوں گا اور تم کو پچاس ہزار روپیہ مل جائے گا، اس پر وہ راضی ہوگئی، اب بیٹی کو پیسہ کی ضرورت ہے اور بھائی نہ زمین بیچتا ہے اور نہ ہی پچاس ہزار روپیہ دیتا ہے، اس کا کہنا ہے کہ پچاس ہزار روپیہ زمین فروخت ہونے کے بعد ہی ملے گا، چاہے جس وقت فروخت ہو اور جس قیمت میں فروخت ہو، اب اس زمین کی قیمت پچاس ہزار سے کہیں زیادہ ہوگئی ہے، اب بھائی اس وجہ سے مؤخر کر رہا

ہے کہ قیمت اور بڑھ جائے اس میں اس کے بھائی کا نفع ہے، تو ایسی صورت میں دونوں بھائی بہنوں کے لئے کیا حکم ہے؟ جواب سے نوازیں۔

المستفتی: عبدالرؤف گونڈوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسا معاملہ کرنا درست ہے کہ فروختگی کی ذمہ داری سونپی جائے اور وہ یہ کہے کہ تم کو اتنا پیسہ دوں گا اور جتنے میں چاہوں فروخت کروں گا، گویا ایسا ہو گیا کہ پچاس ہزار روپے میں وہ زمین بھائی نے خریدی ہے، اس کو بیچ کر جو زائد نفع حاصل ہوگا وہ بھائی کے لئے جائز ہوگا؛ لیکن گاہک ملنے کے بعد زیادہ تاخیر کی اجازت نہیں ہے، اگر بھائی زیادہ تاخیر کرتا جارہا ہے اور بہن کو پیسوں کی پریشانی ہے تو بہن کو حق ہے کہ زمین واپس لے لے، پھر از خود یا کسی غیر کے ذریعہ فروخت کروا کے اپنی ضرورت پوری کرلے، نیز مذکورہ معاملہ میں پچاس ہزار روپیہ دینے کی مدت صاف طور پر متعین نہیں ہے؛ اس لئے مدت کی جہالت اتنی برداشت کی جاسکتی ہے جتنے میں فریقین میں اختلاف نہ ہو، اور اتنی جہالت جس کی وجہ سے فریقین میں اختلاف پیدا ہو جائے عقد بیع میں جائز نہیں۔ اور یہاں زیادہ تاخیر کی جہالت اختلاف کا سبب بن گئی ہے؛ لہٰذا بھائی پر لازم ہے کہ بہن کی رضامندی سے فوری فروخت کردے۔ اور اگر فوری فروخت کرنا نہیں جانتا تو بہن کی زمین اس کے حوالہ کردے، ورنہ گنہگار ہوگا۔

ولو باع إلى هذه الآجال، ثم تراضيا بإسقاط الأجل قبل أن يأخذ الناس في الحصاد –إلى قوله– ولنا: أن الفساد للمنازعة وقد ارتفع قبل تقرره، وهذه الجهالة في شرط زائد لا في صلب العقد، فيمكن إسقاطه.

(هداية، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد ٣/ ٦١)

وقد يكون الفساد لمخافة تنازع، ولا يكون فيه شيء آخر يوجب الإثم، فذلك إن لم يقع فيه التنازع جاز عندي ديانة. (فيض الباري، كتاب

البیوع، باب من آجر أمر الأمصار علی ما یتعارفون، مکتبة الرشید، کوئٹہ ۳/ ۲۵۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴/رجب ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۸۸۹۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۷/۵ھ

بائع مبیع کی قیمت وکیل سے کم لے تو کیا حکم ہے؟

سوال [۸۵۷۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اسکوٹر پارٹس کی ایک کمپنی ہے، اس سے اگر کوئی عام شخص اسکوٹر خریدے تو اس کو پورے سو روپے میں دے گا، اور اگر اس کا خاص آدمی خریدے تو اس کو سو روپے کی رسید دے گا اور دس پرسینٹ چھوٹ ہوگی، اب اگر یہ خاص آدمی کسی عامی کا وکیل ہے اور اسکوٹر خرید کر موکل کے لئے لایا اور سو روپے کی رسید موکل کو دکھا کر پورے پیسہ لے لئے؛ لیکن موکل کو اس بات کی خبر نہیں ہوتی ہے کہ اس کو دس پرسینٹ کی چھوٹ ہے اور مجھ سے زیادہ لے رہا ہے۔ اور نہ اس کو (وکیل کو) ہاتھوں ہاتھ ملتا ہے؛ بلکہ ایک مدت متعینہ کے بعد کمپنی اس کو دس پرسینٹ کا حساب کر کے دے گی، تو بیع کی یہ صورت جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: مولوی عبدالواحد، معلم مدرسہ فیض التبلیغ ج، پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ میں درج شدہ صورت میں نفسِ عقدِ شراء اور عقدِ وکالت دونوں درست اور صحیح ہیں؛ لیکن وکیل سے رقم کی جو مقدار کی کمی کی گئی ہے وہ موکل کے حق میں ہوگی؛ لہٰذا وکیل کے لئے موکل سے سو روپے کی رسید دکھا کر سو روپے اصول کرنا جائز نہیں ہوگا، وکیل پر واجب ہے کہ دس روپے موکل کو واپس کر دے اور ۹۰/ روپے وصول کرے، ورنہ دس روپے وکیل کے لئے حرام ہوں گے۔

وإن حط البائع عن الوكيل بعض الثمن فإنه يحطه عن الموكل –إلى قوله– ولو وهب البائع بعض الثمن عن الوكيل يظهر ذلك في حق الموكل حتى لم يكن للوكيل أن يرجع على الموكل بذلك القدر. (هندية، كتاب الوكالة، قبيل الباب الثالث في الوكالة بالبيع، زكريا قديم ۳/ ۵۸۸، جديد ۳/ ۴۹۹، البحرالرائق، كوئٹه ۷/ ۱۵۵، زكريا ۷/ ۲۶۳، هكذا في الشامي، زكريا ۸/ ۲۵۰، كراچی ۵/ ۵۱۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ر جمادی الاخریٰ ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۲۵۴)

مستحق نکل آنے والی زمین کا حکم

سوال [۸۵۷۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے ایک زمین عمرو کو فروخت کی ۱۹۹۸ء میں۔ اور عمرو نے خرید کر رجسٹری کروائے بغیر اس زمین پر ایک مکان تعمیر کرلیا ۲۰۱۰ء میں جب حکومت سے سروے کیا گیا تو معلوم ہوا کہ وہ زمین زید کی نہیں؛ بلکہ اس کا آدھا حصہ حکومت کا ہے، جس پر راستہ آرہا ہے۔ اور آدھا حصہ ایک عیسائی کی زمین ہے اور زید کی زمین اس کے پڑوس میں ہے اور اس وقت عمرو کہہ رہا ہے کہ زید نے مجھے دھوکہ دیا ہے؛ اس لئے وہ مجھے زمین اور اس پر تعمیر شدہ مکان کی قیمت ادا کرے اور زید کہہ رہا ہے کہ مجھ سے غلط فہمی ہوگئی تھی، البتہ میں زمین کی قیمت واپس کروں گا، مکان کی نہیں، تو اب معلوم یہ کرنا ہے کہ زید عمرو کو زمین کی کون سی قیمت واپس کرے گا ۱۹۹۸ء کی یا ۲۰۱۰ء کی؟ اور زمین پر تعمیر شدہ مکان کی قیمت کا کون ذمہ دار ہے؟ نیز عمرو کا رجسٹری نہ کروانا اور تحقیق نہ کروانا بھی غلطی میں شمار ہوگا یا نہیں؟ جواب سے نوازیں۔

المستفتی: سید اللہ الغالب، مدرسہ عربیہ تعلیم القرآن اپہلی اندورا، چکمگلور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں زید پر زمین کی ۱۹۹۸ء کی قیمت عمرو کو لوٹانا واجب ہے، نیز مذکورہ زمین پر تعمیر کردہ مکان کی موجودہ قیمت بھی اسی کے ذمہ عمرو کو دینا لازم ہے۔ اور عمرو رجسٹری اور تحقیق نہ کرنے کے باوجود دونوں قیمتوں کا مستحق رہے گا۔ اور اس کی ایک متبادل شکل یہ بھی ہوسکتی ہے کہ زید عیسائی کو راضی کرکے اس زمین کی جو بھی قیمت بنتی ہو وہ قیمت عیسائی کو ادا کردے یا زید کی جو زمین ہے عیسائی کو وہی زمین تبادلہ میں دے دے، اور اس سلسلہ میں ایک سرکاری کاغذ بھی ایسا بنالیا جائے جس کی وجہ سے بعد میں کوئی نزاعی شکل نہ بن سکے۔

شری دارا وبنی فیها، فاستحقت رجع بالثمن وقیمة البناء مبنیا علی البائع إذا سلم النقض إلیه یوم تسلیمه، وتحته في الشامیة: متعلق بقیمة، فلو سکن فیه وانهدم بعضه أو زادت قیمته یرجع علیه بقیمة البناء یوم التسلیم. (شامي، کتاب البیوع، باب الاستحقاق، زکریا ۷/ ۴۴۹، کراچی ۵/ ۲۰۵)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍ رجب ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۱۴۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۴/ ۷/ ۱۴۳۱ھ

پریس والوں کا پوری قیمت وصول کرکے کچھ اشتہار کم دینا

سوال [۸۵۷۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) زید کتابت اور چھپائی کا کام کرتا ہے اور جتنے اشتہار یا کتابچے وغیرہ قیمت مقررہ پر چھاپنے طے ہوتے ہیں ان سے دو چار یا آٹھ دس کم دیتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ اتنے عدد تو عام طور پر پریس میں خراب ہوہی جاتے ہیں اور قیمت طے شدہ ہی لیتا ہے، تو کیا یہ فعل

اس کا درست ہے؟ اور اگر بعد میں جتنے اشتہار کم چھپتے ہیں ان کی قیمت واپس کردے، تو کیا یہ معاملہ درست ہوجائے گا؟

المستفتی: (مفتی) اسرار احمد نجیب آباد، بجنوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جی ہاں چھپائی میں کچھ کاغذ ضرور خراب ہوجاتے ہیں؛ اس لئے جتنی تعداد خراب ہوجائے اتنی کم دے کر پوری قیمت لینا پریس والوں کے لئے جائز ہے؛ اس لئے کہ خراب ہوجانا مشاہدہ میں ہے اور جتنے اشتہار کم چھپے ہیں ان کی قیمت واپس لینا اس شرط پر جائز ہے کہ جب اتنے خراب نہ ہوئے ہوں۔

عن ابن عباس – رضي الله عنه– قال: قال رسول الله ﷺ: لا ضرر ولا ضرار. (سنن ابن ماجة، الأحكام، باب من بنى في حقه ما يضر بجاره، النسخة الهندية ١/ ١٦٩، دارالسلام، رقم: ٢٣٤١، المعجم الكبير للطبراني ٢/ ٨٦، رقم: ١٣٨٧، الأشباه، قديم: ١١٨، جديد زكريا ١/ ٢٥٠، قواعد الفقه ١٠٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶؍ ذیقعدہ ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۳۵۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۶/ ۱۱/ ۱۴۲۰ھ

سپلائر کا کارخانہ دار سے سامان خرید کردوکاندار کو کم قیمت میں فروخت کرنا

سوال [۸۵۷۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک کارخانہ دار نے اپنے یہاں کا مال تیار کیا ہوا ایک سپلائر کے ہاتھ بیچ دیا، اس سپلائر نے خریدنے کے بعد وہ مال مارکیٹ میں جاکر ایک دوکاندار کے ہاتھ بیچ دیا، جتنے میں کارخانہ دار سے خریدا تھا اس سے پچاس روپئے کم میں بیچ دیا، اب کارخانہ دار کو اطلاع ملی کہ میرے یہاں کا مال مارکیٹ میں فلاں دوکاندار کو پچاس روپئے کم میں بیچا، وہ مال تقریباً ۲۰؍ یا ۲۵؍ ہزار عدد تھا، جس کے پچاس روپئے سے ۱۰؍ یا ۱۲؍ لاکھ روپئے بیٹھتے ہیں، اب کارخانہ دار دوکاندار کو

اپنے گھر بلاتا ہے اور آدمیوں کو بھی جمع کرتا ہے اور سب کے سامنے یہ کہتا ہے کہ اس دوکاندار نے ہمارا مال پچاس روپئے کم میں سپلایر سے خریدا ہے، اب یہ رقم ہمیں چاہئے، اس میں کافی لوگ جمع تھے، اب یہ فرمائیں علماء دین یہ کہ ۱۰/ یا ۱۲/لاکھ روپئے کی رقم ان آدمیوں کا کارخانہ دار کو دلانا جائز ہے یا نہیں؟ اوران کا اس رقم کو لینا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: حاجی فرزند صاحب سرائے ترین سنبھل

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: دوکاندار نے سپلایر سے خریدا ہے، دوکاندار کا معاملہ سپلایر سے ہے کارخانہ دار سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے، جیسا کہ سوال نامہ سے واضح ہورہا ہے۔ اور سوال نامہ سے یہ بھی واضح ہے کہ کارخانہ دار نے دوکاندار سے کوئی معاملہ نہیں کیا ہوا ہے؛ بلکہ سارا معاملہ دوکاندار اور سپلایر کے درمیان میں ہے؛ اس لئے سپلایر نے جتنے میں دوکاندار کو دیا ہے، دوکاندار کو اتنے میں خریدنے کا حق ہے، اب اگر سپلایر نے کارخانہ دار سے ادھار خرید کر دوکاندار کے ہاتھ کم قیمت میں نقد بیچا ہے تو اس نقصان کا ذمہ دار سپلایر ہے، دوکاندار نہیں؛ اس لئے دوکاندار سے کسی قسم کے مطالبہ کا حق نہیں۔ اور سارا مطالبہ سپلایر سے ہوگا۔

الثمن المسمى هو الثمن الذي يسميه ويعينه العاقدان وقت البيع بالتراخي، سواء كان مطابقا بقيمته الحقيقية أو ناقصا عنها، أو زائدا عليها. (شرح المجلة، رستم مكتبه اتحاد ١/ ٧٣، رقم المادة: ١٥٣، مجلة الأحكام العدلية ١/ ٣٣، رقم المادة: ١٥٣)

يجوز للمشتري أن يزيد في الثمن، ويجوز للبائع أن يحط من الثمن، وأن يزيد في المبيع ويلتحق بأصل العقد، ويتعلق الاستحقاق بجميع ذلك. الخ (تبيين الحقائق، كتاب البيوع، باب التولية، زكريا ٤/ ٤٤٢، إمداديه ملتان ٤/ ٨٣، مختصر القدوري، باب المرابحة والتولية، ص: ٨١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳/رجب ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۲۳۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۲۳/۷/۱۴۳۴ھ

مبیع کو انعام کے ساتھ فروخت کرنا

سوال [۸۵۷۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عبدالحلیم تجارت کرتا ہے، جس میں کچھ ایسی صورتیں درپیش ہیں جو مشکل کا باعث ہیں، مثلاً میٹھی سپاری کا ایک پورا پیکٹ جس کی قیمت ۲۲/ روپئے ہے، جس کے اندر ۶۰/ پاؤچ ہوتے ہیں، میٹھی سپاری کے ہر پاؤچ کی فروخت پچاس پیسے ہے، اس حساب سے پورے پیکٹ کے منافع ۸/ روپئے ہیں، اس پیکٹ کی قیمت جتنی پہلے تھی اتنی ہی اب ہے؛ لیکن قبل ازیں پاؤچ میں انعامات نہیں ہوتے تھے، مگر اب سپاری میں بغیر کسی کمی کے انعام کے طور پر کچھ چیزیں رکھ دی ہیں، مثلاً پنسل، قلم اور گھڑی، سائیکل وغیرہ اور کمپنی کی طرف سے یہ اعلان ہے کہ کمپنی صرف مال کے پیسے لے رہی ہے اور انعام فری میں دئے جارہے ہیں، کیا ایسی حالت میں ان جیسی اشیاء کی خرید وفروخت شریعت کی رو سے جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: عبدالحلیم مجاشاہ قلندر لہرپور، سیتاپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب کمپنی کی طرف سے یہ اعلان ہے کہ وہ صرف سپاری کی پیکٹ کے پیسے لے رہی ہے اور انعامات اپنی جیب خاص سے دے رہی ہے، تو ایسی صورت میں یہ بیع جائز ہوگی؛ لیکن ایسے معاملہ میں کسی حد تک قمار کا شبہ رہتا ہے؛ اس لئے یہ معاملہ کم سے کم کراہت تنزیہی کے درجے میں ہوگا؛ البتہ اگر خریدنے والے کی نیت صرف انعام حاصل کرنا ہو اور سپاری کی خریداری ضمنی طور پر ہو تو پھر یہ شکل جائز نہ ہوگی۔ (مستفاد: جواہر الفقہ، قدیم ۲/ ۳۴۵، جدید زکریا ۴/ ۵۶۶، جدید فقہی مسائل ۴/ ۲۷۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱/ رجب ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۴۵۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۲/ ۷/ ۱۴۲۵ھ

اسکیم کے تحت پنکھے کی خرید وفروخت

سوال [۸۵۸۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک سوال پیش خدمت ہے، جس کے لئے فتویٰ عنایت کریں کہ کام کرنے کے لئے کہاں تک گنجائش ہے، اگر اس کام میں مسئلہ کے مطابق رخصت ہو تو تحریر فرمائیں کام یہ ہے کہ ہم بجلی سے چلنے والے پنکھے جن کی قیمت مبلغ چارسو پانچ روپیہ فی عدد ہوتی ہے، ایک اسکیم کے تحت پانچ روپیہ روزانہ جمع کر کے ۸۰/ دن میں کل چارسو پانچ روپیہ فیس ممبری وصول کرتے ہیں، اپنی اس اسکیم کے مطابق ہفتہ یا پندرہ دن میں ایک عدد پنکھا بطور انعام بذریعہ قرعہ اندازی کسی بھی ایک ممبر کو دے دیتے ہیں، یہ سلسلہ اسکیم مکمل ہونے تک چلتا رہتا ہے، اسکیم کی مدت مکمل ہونے پر تمام ممبران کو پنکھے دے دیئے جاتے ہیں، دوران اسکیم بھی اگر ممبر کو ضرورت ہو تو نصف رقم جمع ہو جانے کے بعد بھی پنکھا دے دیا جاتا ہے (یہ بات تعلقات اور بھروسہ پر مبنی ہے، جو قیمت اسکیم میں رکھی گئی ہے، وہی قیمت نقد پنکھے کی بھی ہے، حق کسی کا نہیں مارا جاتا، قسط جمع کرنے کے بعد روزانہ خاص محنت بھی کی جاتی ہے۔

المستفتی: منور علی، شیر کوٹ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: متعدد وجوہ سے یہ اسکیم ناجائز اور حرام ہے (۱) یہ عقود شرعیہ میں سے کسی میں بھی پوری طرح داخل نہیں، نہ بیع میں نہ سلم میں، نہ ہبہ میں، نہ شرکت میں۔ (۲) جو رقم قسطوں میں جمع ہوتی ہے وہ تمام ممبران کی مساوی ملکیت ہے، قرعہ اندازی میں تمام ممبران کی ملکیت کا بلا معاوضہ ایک شخص کو مالک بنایا جاتا ہے۔ (۳) دیگر ممبران راضی بھی نہیں ہوتے اور ہوں تو مجبوراً؛ کیوں کہ ہر ایک کی تمنا ولالچ رقم جمع کرنے میں یہی ہے کہ قرعہ میں میرا نام نکل آئے اور یہ امر متردد فیہ ہے جو شرعاً قمار میں داخل ہے۔ (۴) شرکت میں اس لئے داخل نہیں کہ اس میں نفع ونقصان میں سب کا برابر شریک ہونا شرط ہے جو یہاں

نہیں ہے؛ لہٰذا یہ معاملہ ہرگز ناجائز ہے۔ (مستفاد: فتاوی رحیمیہ، قدیم ۶/ ۱۴۲، جدید زکریا ۹/ ۲۶۶، کفایت المفتی قدیم ۸/۱۲۲، جدید زکریا مطول ۱۱/ ۱۰۷-۱۰۸، امداد الفتاوی زکریا ۴/ ۱۶۲، فتاوی محمودیہ، قدیم ۴/ ۲۵۴، جدید ڈابھیل ۱۶/۳۳۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍محرم الحرام ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۴۲۶)

عقد کے وقت ثمن میں جہالت نہ ہو تو عقد صحیح ہے؟

سوال [۸۵۸۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کا کسی غیر مسلم سے کاروبار چلتا ہے، اس طرح کہ مثلاً زید نے کسی غیر مسلم کو کوئی چیز فروخت کی، دوسو روپئے قیمت طے ہوئی؛ لیکن وہ غیر مسلم یوں کہتا ہے کہ ان غیر مسلموں کے یہاں مدت دراز سے یہی قانون بنا ہوا ہے، اگر نقد روپیہ لوگے تو ۲۵؍ پرسینٹ رقم کم ملے گی۔ اور اگر ایک ماہ بعد لوگے تو بیس پرسینٹ کم رقم ملے گی۔ اور دو ماہ بعد لوگے تو دس پرسینٹ کم ملے گی اور تین ماہ بعد لوگے تو پانچ پرسینٹ کم ملے گی، تو زید نے یہ طے کرلیا کہ ایک ماہ بعد ۲۰؍ پرسینٹ کم پر دے دیں، یہ معاملہ طے ہوگیا؛ لیکن وہ غیر مسلم ایک ماہ پورا ہونے پر رقم نہیں دیتا ہے، مطالبہ پر یوں کہتا ہے کہ دو ماہ پورے ہونے پر ۱۰؍ پرسینٹ کم پر لے لینا، تو اس طرح مدت کے بڑھ جانے پر زید کے لئے دس پرسینٹ بڑھا کر لینا جائز ہے یا نہیں؟ حالانکہ اس نے ۲۰؍ پرسینٹ کم پر معاملہ طے کیا تھا اور اس طرح کا معاملہ بھی درست ہے یا نہیں؟ مع الدلائل بحوالہ کتب تحریر فرمائیں۔

المستفتی: محمد سعید، پالن پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت ہذا میں اگر عقد کے وقت ثمن میں کوئی

جہالت نہ تھی اور یہ بات طے کر لی گئی تھی کہ ایک مہینہ بعد بائع کو اتنی رقم دی جائے گی، تو یہ معاملہ درست اور منعقد ہو گیا، البتہ اگر مشتری وقت پر ثمن نہ ادا کرے تو مزید مہلت دینے کی وجہ سے طے شدہ ثمن سے زیادہ لینا درست نہ ہوگا؛ بلکہ اتنی ہی رقم لی جائے گی جتنی ابتداء عقد میں طے ہوئی تھی، یہ بات یاد رہے کہ فیصدی کے ذریعہ اس طرح رقم طے کرنا کہ اصل ثمن مجہول رہے جائز نہیں ہے؛ اس لئے اس طرح کا معاملہ کرتے وقت اس نکتہ کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

قال في النهر: ولو كان البدل مثليا، فباعه به وبعشرة، أي عشر ذلک المثلي، فإن كان المشترى يعلم جملة ذلک صح وإلا، فإن علم في المجلس خير وإلا فسد. (شامي، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، زكريا ۷/ ۳۵۲-۳۵۳، كراچی ۵/ ۱۳۵، النهر الفائق، دارالكتب العلمية بيروت ۳/ ٤٥٦، تبيين الحقائق، مكتبه إمداديه ملتان ٤/ ٧٤، زكريا ٤/ ٤٢٤)

كل قرض جر نفعا فهو ربا حرام. (قواعد الفقه، أشرفي، ص: ۱۰۲، رقم: ۲۳۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵ ر شوال ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۲۰۱۱)

پیکنگ شدہ ڈبوں کی وزن کئے بغیر خرید وفروخت کرنا

سوال [۸۵۸۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آج کل مارکیٹوں میں جو بیوعات ہوتی ہیں، ان کی مختلف صورتیں ہیں: ایک صورت تو یہ ہے کہ مشتری ایک کیلو یا دو کیلو کی پیکٹ خریدتا ہے۔
دوسری صورت یہ ہے کہ مشتری خرید وفروخت مجازفتہ کرتا ہے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ دوکاندار مشتری کے کسی وکیل کے سامنے اشیاء تولتا ہے، ان تمام صورتوں میں اگر دوکاندار مشتری کے سامنے اشیاء نہ بھی تولے تو بھی اس کے جواز میں کسی کو کوئی کلام نہیں۔

چوتھی صورت یہ ہے کہ مشتری دوکاندار کو ایک چٹ دے دیتا ہے جس کے مطابق دوکاندار اشیاء تول کر مشتری کے گھر بھجوا دیتا ہے، جس میں مشتری کی جانب سے کوئی وکیل بھی نہیں ہوتا اور مشتری وزن کا اعادہ نہیں کرتا ہے۔

پانچویں صورت یہی ہے کہ مشتری جب دوکان جاتا ہے تو دوکاندار نے پہلے سے اشیاء تول کر رکھی ہوتی ہیں اور سابقہ وزن کی بنیاد پر مشتری اشیاء لے لیتا ہے اور وزن کا اعادہ نہ دوکان میں کرتا ہے نہ گھر جا کر کرتا ہے، حالانکہ ''بہشتی زیور'' میں اس طرح کے اشیاء کے استعمال کرنے کو ناجائز لکھا ہے۔ اور تمام متون سے بھی یہی بات سمجھ میں آتی ہے۔ اب پوچھنا یہ ہے کہ آخری دو صورتیں اگر واقعی ناجائز ہیں تو کیا ان کے جواز کی کوئی صورت ہوسکتی ہے یا نہیں؟ کیوں کہ آج کل اس طرح کی بیوعات میں تو عوام وخواص مبتلا ہیں۔ از راہ کرم جواب باصواب سے مطلع فرما کر ثواب دارین حاصل کریں۔ جزاک اللہ

المستفتی: محمد بن احمد حسین پٹنی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مشتری کے سامنے کیل کرنا اور تولنا یا مشتری کا گھر لا کر کے کیل کرنا اور تولنا اس صورت میں لازم ہوتا ہے کہ جب خریدار کو بائع اور دوکاندار پر اعتماد نہ ہو اور آج کل کے زمانہ میں کیل کی ہوئی چیزیں اور تلی ہوئی چیزیں جو پیکنگ شدہ خرید وفروخت ہوتی ہیں، ان پر اعتماد ہوتا ہے؛ اس لئے مشتری کے سامنے تولنا یا کیل کرنا یا مشتری کا گھر لا کر کے تولنا یا کیل کرنا لازم نہیں ہے۔ اور ''بہشتی زیور'' میں جو لکھا ہوا ہے، اسی طرح تمام متون میں جو لکھا ہوا ہے، ان سب کا مدار اسی پر ہے کہ جب مشتری کو بائع پر اعتماد نہ ہو یا مفضی الی المنازعت ہو اور یہاں نہ کوئی عدم اعتماد ہے اور نہ مفضی الی المنازعت ہے۔ اور

سوال نامہ میں جتنی شکلیں رائج شدہ لکھی گئی ہیں وہ سب جائز ہیں۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۳/ ۴۹۹-۴۹۷، انوار رحمت، ص:۲۸۱، جامع الفتاوی ۳/ ۱۵۸)

فالذي يتبين أن المشتري إن اعتمد على كيل البائع جاز له أكله بدون إعادة الكيل، سواء كان بحضرته أو بغيبته. (فيض الباري ٣/ ٢٢٠)

وقيد بقوله: ”غير الدراهم والدنانير“ ...... كبيع التعاطي، فإنه لا يحتاج في الموزونات إلى وزن المشتري ثانيا؛ لأنه صار بيعا بالقبض بعد الوزن، قنيه وعليه الفتوى، خلاصة، عبارة البحر: وهذا كله في غير بيع التعاطي أما هو فقال في القنية: ولا يحتاج الخ، وظاهر قوله، وهذا كله أنه لا يتقيد بالموزونات بل التعاطي في المكيلات والمعدودات كذلك.

(شامي، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، مطلب في تصرف البائع في المبيع قبل القبض، زكريا ٧/ ٣٧٣، كراچی ٥/ ١٥٠، قديم ص: ١٥٤)

فصل في تعارض العرف مع الشرع، فإذا تعارضا قدم عرف الاستعمال. (الأشباه والنظائر، زكريا ص: ٢٧٤، قديم: ١٥٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۱/ ذیقعدہ ۱۴۳۳ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۰۸۵۲)	۱۴۳۳/۱۱/۲۱ھ

بنجر زمین کو آباد کرنا

سوال [۸۵۸۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک زمین جو کہ نہر کے کنارے ہے، جو بنجر پڑی ہوئی تھی، زید نے اس کو اپنے نام پٹواری سے کرالیا، کچھ قیمت دے کر، واضح رہے کہ وہ زمین کسی کی ملکیت میں نہیں تھی، اب معلوم یہ کرنا ہے کہ آیا شرعی اعتبار سے اس پر زید کی ملکیت درست ہے؟

المستفتی: عبدالرحمٰن سول لائن، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بنجر زمین جس پر کسی کی ملکیت نہ ہو اسے جب کوئی شخص آباد کرلے اور آباد کرنے کے بعد حکومت کی اجازت سے اپنے نام کاغذات بنالے، تو وہ زمین اس کی ملکیت ہوجاتی ہے۔ اور بورڈ کی طرف سے جو علاقہ کا پٹواری ہوتا ہے، اس پٹواری کے ذریعہ سے اگر نام کرالیا جائے تو وہ صحیح اور درست ہوجاتا ہے؛ لہٰذا سوال نامہ میں زید نے جو زمین آباد کرکے پٹواری کے ذریعہ اپنے نام کروالیا ہے وہ شرعی طور پر درست ہے، زید اس کا مالک ہے۔

عن عائشة –رضي الله عنها– عن النبي ﷺ قال: من أعمر أرضا ليست لأحد فهو أحق، قال عروة: قضى به عمر في خلافته. (صحيح البخاري، كتاب الحرث والمزارعة، باب من أحيى أرضا مواتا، النسخة الهندية ١/ ٣١٤، رقم: ٢٢٧٧، ف: ٢٣٣٥)

فالملک في الموات يثبت بالإحياء بإذن الإمام عند أبي حنيفة، وعندهما يثبت بنفس الإحياء وإذن الإمام ليس بشرط. (بدائع الصنائع، كتاب الأراضی، زكريا ٥/ ٢٨٤، إمداديه ملتان ٦/ ١٩٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۱ محرم الحرام ۱۴۲۶ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۶۴۰)	۱۴۲۶/۱/۲۱ھ

سرکاری افتادہ زمین کی خرید وفروخت کی شرعی حیثیت

سوال [۸۵۸۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ممبئی کی آراضی سے متعلق ویسے تو بہت سے مسائل ہیں، فی الحال شخصی ملکیت والی آراضی سے متعلق حکم شرعی مطلوب ہے۔ چنانچہ ممبئی کے بعض علاقوں میں متعین شخص یا چند افراد (کمپنی) کی بڑی بڑی آراضی ہیں، سرکاری ریکارڈ میں ان کے مالک ہونے کے تمام

ثبوت وشواہد موجود ہیں، قانوناً ان کے خلاف کسی کا دعویٰ بھی نہیں ہے؛ لیکن ان آراضی کا حال یہ ہے کہ فی الحال ان پر سیکڑوں بلکہ بعض جگہ ہزاروں مکانات تعمیر ہو چکے ہیں، جن میں ہر قوم و مذہب کی ہزاروں فیملیاں رہائش پذیر ہیں، اور بہت سی جگہ مسجد، مدرسہ اور مکاتب بھی قائم ہیں۔ موجودہ صورت حال کے اسباب مختلف ہو سکتے ہیں؛ البتہ ان میں ایک بڑا اور ظاہری سبب یہ ہے کہ پرکھوں، باپ داداؤں کی زمینیں تھیں اور اکثر و بیشتر بے قیمت تھیں؛ لہٰذا ان کی طرف توجہ نہیں تھی؛ بلکہ بہت سے لوگوں کو تو حکومت کی طرف سے بتایا گیا تو انہیں پتہ چلا کہ یہ ساری زمین ان کے آباء واجداد کی تھیں اور اب وہ ان کے مالک ہیں، چنانچہ خالی زمینیں دیکھ کر آہستہ آہستہ لوگ قبضہ کرنے لگے اور بستیاں بس گئیں۔ اور بعض جگہ ایسا ہوا کہ بغرض حفاظت دربان اور واچ مین رکھے گئے تھے، انہوں نے مالکوں کی غفلت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے معمولی معمولی رقم لے کر لوگوں کو جھونپڑے بنانے کی اجازت دے دی۔ اور اس طرح یہ دربان لکھپتی کروڑ پتی بن گئے اور خالی زمینیں بستیوں میں تبدیل ہو گئیں، چونکہ اس قسم کی جھوپڑ پٹیاں، سیاستدانوں کے لئے بڑی اہمیت رکھتی ہیں، کیوں کہ عموماً یہی لوگ ووٹ دینے جاتے ہیں، سیاسی جلسوں میں شریک ہوتے ہیں، ورنہ امیر طبقہ بلکہ اب تو متوسط طبقہ بھی عموماً ان جھمیلوں میں نہیں پڑتا، اس لئے ایسی بستیوں میں بنیادی ضروریاتِ زندگی لائٹ، پانی وغیرہ فراہم کردی جاتی ہیں۔ اور کبھی کبھار راستہ کی اصلاح ومرمت ہوتی رہتی ہے۔ ان میں اکثروں کے راشن کارڈ نہیں بن پاتے؛ البتہ کچھ لوگ غلط سلط معلومات کی بنیاد پر راشن کارڈ بنالیتے ہیں، جو عموماً اصلی نہیں ہوتے؛ بلکہ نقلی ہوتے ہیں، ان کے پاس مکانات کے فوٹو پاس نہیں ہوتے، ان کے ایڈریس پر بہت سے اہم سرکاری دستاویزات بھی نہیں بن پاتے ہیں۔ الغرض حکومت کی نگاہ میں بھی یہ لوگ حقیقی مالکان کی حیثیت نہیں رکھتے؛ لیکن ان کو ہٹانا بہت مشکل ہوتا ہے؛ کیوں کہ ساری سیاسی جماعتیں اور ہیومن رائٹس کی تنظیمیں، غریبوں کے حقوق کی جنگ لڑنے کھڑی ہو جاتی ہیں، یہی وجہ ہے کہ بسا اوقات مالکان، سیاستدانوں اور افسروں سے سازباز کر کے کسی بہانے بستی میں آگ لگوا دیتے ہیں، تاکہ ان کی زمینیں خالی ہو جائیں، اب تک اس طرح کے کئی واقعات رونما ہو چکے ہیں۔

الغرض ان حالات سے نمٹنے کے لئے حکومت مہاراشٹر نے ایک اسکیم پاس کی ہے، جس کو S.R.A اسکیم کہتے ہیں۔ حکومت کا مقصد اس اسکیم سے قابضین اور مالکان دونوں کو فائدہ پہنچانا ہے، چنانچہ قابضین کو مکان مل جائے گا اور مالکان کی اراضی خالی ہوکر ان کے قبضہ میں آجائے گی؛ البتہ اس اسکیم سے متعلق کچھ ضوابط اور چند شرائط ہیں، وہ حسب ذیل ہیں:

(۱) S.R.A اسکیم میں اسی شخص کو فلیٹ مل سکتا ہے جس کے پاس ۱۹۹۵ء سے پہلے کا کوئی بھی سرکاری ثبوت اس مکان سے متعلق موجود ہو، مثلاً لائٹ بل ہو یا فوٹو پاس ہو وغیرہ۔ ۱۹۹۵ء کے بعد سے رہائش پذیروں کو اس اسکیم سے فلیٹ نہیں مل سکتا۔

(۲) اگر رہائشی مکان ہے تو خواہ وہ کتنا ہی بڑا ہو یا کتنا ہی چھوٹا ہو، اس کے بدلہ میں 269 اسکوائر فٹ ہی کا مکان ملے گا۔ واضح رہے کہ پہلے 225 اسکوائر فٹ کا قانون تھا، جواب بدل کر بڑھ گیا ہے۔

(۳) اگر دوکان ہے تو اگر 100 اسکوائر فٹ کی ہے تو بدلہ میں بلڈنگ کے اندر 100 اسکوائر فٹ کی دوکان ملے گی۔ اور اگر 100 اسکوائر فٹ سے بڑی ہے، خواہ کتنی ہی بڑی ہو تو اسے 225 اسکوائر فٹ کی دوکان ملے گی۔

واضح رہے کہ مالکان آراضی کو اپنی آراضی باقاعدہ S.R.A اسکیم میں پاس کروانی ہوتی ہے جس کے لئے وقت اور مال دونوں بڑی مقدار میں خرچ ہوتا ہے، بغیر پاس کرائے یہ کام نہیں ہوسکتا۔

خلاصہ یہ ہے کہ مالکان آراضی کو لاکھوں روپئے خرچ کرکے S.R.A اسکیم میں اپنی زمین پاس کروانی ہوتی ہے، پھر جتنے بھی قابضین ہیں سب کو ضابطہ کے مطابق مکانات اور دوکانیں مفت دینی ہوتی ہیں، ان سب کے لئے بلڈنگیں تعمیر کرنے کے بعد جو زمین خالی بچ جائے وہ مالکان کو ملتی ہے؛ البتہ اس کے عوض میں حکومت کی طرف سے مالکانِ آراضی کو F.S.I بڑھ کر ملتی ہے، مثلاً اگر مکمل خالی زمین پر ایک لاکھ اسکوائر فٹ کا کام قانوناً ہوسکتا تھا؛ لیکن S.R.A اسکیم کی وجہ سے زمین کا کچھ حصہ کم ہوگیا، تو اس کے بدلہ حکومت ایک لاکھ اسکوائر فٹ کے بجائے دو لاکھ

اسکوائرفٹ بنانے کی اجازت دیتی ہے،اس طرح کافی حدتک تلافی ہوجاتی ہے؛لیکن بہر حال اس طرح بھی مالکین پر کافی بوجھ آتا ہےاور مجبوراً اور بادلِ نخواستہ مکانات بنا کر دینے پڑتے ہیں۔اور بعض تو ہمت ہی نہیں کر پاتے؛ کیوں کہ ان جھونپڑے والوں کو دینے کے لئے اتنی مقدار میں بلڈنگیں بنانی پڑیں گی کی ان کی تعمیر پر کروڑوں روپئے کی لاگت آئے گی،جس کی وہ ہمت نہیں کرپاتے اور بالآخرزمین یونہی پڑی رہتی ہے۔

الغرض مسطورہ بالاتفصیلات کی روشنی میں درج ذیل سوالات کے جوابات مطلوب ہیں:

(۱) کیا شخصی ملکیت کی زمین پر قبضہ کرکے مکان ودوکان بنانا جائز ہے؟ اس طرح سے تعمیر شدہ مساجدومدارس اورمکاتب قرآنیہ کا کیا حکم ہے؟

(۲) کیا شخصی ملکیت کی زمین پر قابض اول سے خریدنے کی اجازت ہے، اسی طرح دوسرے تیسرے نمبر پرخریدنے کا کیا حکم ہے؟ نیز ان جیسے مکانات اور دوکانوں سے حاصل ہونے والے منافع کا کیا حکم ہے؟

(۳) اگر قابض یاخریدار،امام مسجد ہو،خواہ وہ اس میں رہائش پذیر ہو،یا کرائے پردے کرکے کرایہ حاصل کررہا ہو،اور باوجودعلم کےاس سے باز نہ آتا ہو،تواس کی امامت کا کیا حکم ہے؟

(۴) S.R.A ڈیولپمینٹ اسکیم کے تحت ملنےوالے مکانات لینا جائز ہے یا ناجائز؟

نوٹ:- واضح رہے کہ ایسی زمینوں پر بسے ہوئے اکثر لوگوں کے پاس رہنے کے لئے یہی مکان ہوتا ہے؛ اس لئے ان لوگوں کی بازآبادکاری کے لئے حکومت کی S.R.A اسکیم ہے،اگرچہ بہت سے لوگوں نے بڑی جگہیں بھی قبضہ میں کررکھی ہیں اوراس پرتعمیرات کرکے اچھی خاصی آمدنی حاصل کررہے ہیں۔فقط والسلام

المستفتی:عبدالرشیدعفی عنہ نعمانی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ہندوستان کی جائیداد،ان کی نوعیت اوران کی حیثیت سے متعلق کافی غوروخوض کرنے کے بعد یہ بات سامنے آئی ہے کہ ہندوستان کی جائیداد جن

پر مالکان کے علاوہ دوسروں کا قبضہ ہے، وہ کل تین قسموں پر ہیں: (۱) صحرائی جائیداد: ۱۹۴۷ء سے پہلے انگریزی حکومت نے یہ قانون بنایا تھا کہ جس جائیداد پر کسی کسان نے ۱۲؍سال تک تسلسل کے ساتھ کھیتی کی ہو کسان اس زمین کا مالک ہو جائے گا، مگر یہ قانون لازمی اور جبری نہیں تھا؛ بلکہ اختیاری تھا، اس بارے میں اس زمانہ کے علماء نے یہ فتوی صادر کیا تھا کہ چونکہ زمین پر حکومت کے استیلاء اور تغلب کے ذریعہ سے قبضہ نہیں ہوتا ہے؛ بلکہ کسان کو مالک بننے کا ایک اختیاری قانون ہے۔ اور کسان اگر مالک کو واپس کر دے اور مالک اپنی ملکیت میں رکھے تو کسان و مالک پر قانونی طور پر کوئی دار و گیر نہیں ہے؛ اس لئے سرکاری قانون کے باوجود شرعاً کسان ان زمینوں کے مالک نہیں ہوں گے، ان کو دوسروں کے ہاتھ فروخت کرنے کا حق نہیں ہے، جیسا کہ ''امداد الفتاوی'' وغیرہ میں اس کی صراحت موجود ہے، پھر ۱۹۴۷ء سے دوسرا دور آیا جس میں انگریزی حکومت کے خاتمہ کے بعد کانگریس کا راج آیا ہیں۔ اور کانگریس راج آنے کے بعد صرف تین سال نہیں گزر پائے تھے کہ ۱۹۵۰ء میں کانگریس نے خاتمہ زمینداری کا اعلان کیا، جس میں حکومت ہند نے زمینداروں کی زمینوں پر استیلاء اور تغلب حاصل کرلیا اور ساری زمینیں زمینداروں سے لےکر کے کسانوں کو دے دیں، کسی کو معمولی کوڑیوں کا معاوضہ بھی دیا اور کسی کو نہیں دیا، گویا کہ حکومت نے جبریہ طور پر زمینداروں کی زمینوں پر استیلاء حاصل کر کے کسانوں کو مالک بنا دیا، اس بارے میں علماء کا فتویٰ یہ جاری ہوا کہ سرکار کے استیلاء اور تغلب کے ذریعہ سے کسانوں کو جو جائیدادیں ملی ہیں، اس سے کسان ان زمینوں کے مالک بن چکے ہیں۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ ڈابھیل ۱۷/ ۱۷۸-۱۸۰، میرٹھ ۲۵/ ۳۵۱-۳۵۴)

اس وضاحت کے بعد اصل سوال کا جواب حسب ذیل تفصیل سے واضح ہوگا وہ زمینیں جن کے بارے میں مالکوں کی طرف سے کوئی روک تھام نہیں ہے، یا ایسی افتادہ زمین جن کے مالکوں کا اتا پتا نہیں ہے، یا سرکاری افتادہ زمین ہے، یا کسی شہر اور آبادی کے متصل بہتے دریا

نے کاٹ کر کے ایک طرف کی زمین کو دوسری طرف پہنچا دیا ہے، تو ایسی زمینوں پر غریب لوگوں کا قبضہ ہوتا چلا جاتا ہے اور چھوٹے چھوٹے مکانات کا سلسلہ شروع ہوجاتا ہے اور غریبوں کے اس طرح کے قبضہ پر نہ مالکوں کی طرف سے کوئی روک ٹوک ہوتی ہے، نہ سرکار کی طرف سے کوئی پابندی ہوتی ہے اور آہستہ آہستہ ایسی جگہ آباد ہوکر شہر کی طرح گلی کوچوں کی شکل اختیار کرلیتی ہے، نیز ایسا بھی ہوتا ہے کہ چالاک قسم کے لوگ اس طرح کی زمینوں پر پہلے اپنا قبضہ جما لیتے ہیں، اس کے بعد جو غریب لوگ بسنے والے ہوتے ہیں، ان کے ہاتھوں میں معمولی پیسوں میں فروخت کر دیتے ہیں اور فروختگی کا کوئی ذیلی کاغذ بھی بنا لیتے ہیں، پھر اس میں سرکاری طور پر میونسپلٹی کی سڑکیں بن جاتی ہیں اور بجلی پانی کا انتظام بھی سرکار کی طرف سے ہوجاتا ہے، پھر اس کے بعد وہاں کے بسنے والوں کے لئے ذیلی کاغذات تیار ہوجاتے ہیں، اور مسلم آبادی ہو تو اس میں مسجدیں بھی بن جاتی ہیں اور مسجد کا رجسٹریشن بھی ہوجاتا ہے، جیسا کہ ہمارے مرادآباد میں جامع مسجد سے متصل دریا کے کنارے پر لاکھوں کی آبادی اسی طرح بسی ہوئی ہے اور اس میں متعدد مسجدیں بھی بن گئی ہیں اور اسی طرح بمبئی میں دسیوں مقامات پر اس طرح کی آبادیاں بسی ہوئی ہیں، اور بھی دیگر شہروں میں اس طرح کی نوعیت کی آبادیاں بکثرت ہیں اور ایسی آبادیوں کو اکھاڑ کر ختم کرنا نہ مالکوں کے بس کی بات ہے اور نہ ہی حکومت ان کے بارے میں خاص توجہ دیتی ہے، اب اس طرح کی آبادیوں پر سرکار کا تغلب دو طرح کا ہوتا ہے:

(۱) اگر سرکاری افتادہ زمین ہے جن پر ان غریبوں نے قبضہ کر رکھا ہے اور سرکار کو وہاں اپنا کوئی ترقیاتی پروگرام چلانا ہے، تو ان پر تغلب حاصل کر کے وہاں کے بسنے والوں کو بے گھر کر کے اپنے قبضہ میں لے کر سرکار اپنا کام کرتی ہے۔

(۲) بعض سرکاری افتادہ زمین جن پر غریبوں کا قبضہ ہے یا ان زمینوں کا کوئی مالک ہے جن کی طرف سے اب تک کوئی روک تھام نہیں ہوئی اور سرکار نے روڈ بنا دیا ہے، بجلی پانی کا انتظام کر دیا ہے، اور وہاں کے بسنے والوں کو سرکاری طور پر تسلیم کرلیا ہے اور وہاں کی مردم

شماری کر کے سرکاری طور پر وہاں کے لوگوں سے الیکشن کے زمانے میں ووٹ بھی لیا جاتا ہے، تو گویا کہ اگر سرکاری زمین ہے، تو سرکار نے ان غریبوں کو عملاً ان زمینوں کا مالک بنا دیا ہے۔ اور اگر ان زمینوں کا کوئی مالک رہا ہو تو سرکار نے اس عمل کے ذریعہ سے مالکوں کی زمین پر تغلب حاصل کرلیا ہے۔ اور تغلب حاصل کر کے وہاں کے بسنے والوں کو ان زمینوں کا مالک بنا دیا ہے، تو ایسی صورت میں خاتمہ زمینداری کے بعد کسانوں کو جس درجہ کی زمینوں کی ملکیت حاصل ہوگئی ہے، اسی درجہ کی ان جگہوں پر بسنے والوں کو بھی اپنے اپنے قبضہ کی زمینوں پر ملکیت حاصل ہوچکی ہے اور ان آبادیوں میں جو مسجدیں بن چکی ہیں، ان مسجدوں کو شرعی حیثیت حاصل ہوجائے گی۔ احقر نے یہ تحریر اپنی سمجھ کے اعتبار سے لکھی ہے، اس لئے دوسرے علماء سے بھی اس سلسلے میں رابطہ قائم کرنا مناسب ہوگا۔ اور احقر نے جن جزئیات کے پیش نظر مذکورہ حکم لکھا ہے ان میں سے چند جزئیات حسب ذیل ہیں:

إن الاستيلاء عبارة عن الإقتدار على محل مطلقا على وجه يتمكن من الانتفاع في الحال، ومن الإدخار في المآل والاقتدار بهذه الصفة لا تكون إلا بعد الإحراز، ثم بعد إحرازهم ارتفعت العصمة، فورد الاستيلاء حينئذ على مال مباح لا على مال محظور –إلى قوله– فإن قلت: لا نسلم أن المال مباح بأصل الخلقة، قلت: هو مباح لقوله تعالى: ﴿خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا﴾ (البناية، باب استيلاء الكفار، اشرفيه ٧/ ١٨٨، نعميه ٩/ ٢٤٤)

قال أبو حنيفة، ومالك رحمهما الله: الكفار إذا استولت على أموال المسلمين ملكوها. (تفسير مظهري، زكريا ٩/ ٢٤٠)

ولو استولى أهل الحرب على أموالنا وأحرزوها بدارهم ملكوها عندنا. (هندية، الباب الخامس في استيلاء الكفار، زكريا جديد٢/ ٢٤١، قديم ٢/ ٢٢٥)

أما المال غير المعصوم، فإنه يجوز الاستيلاء عليه، وإن كان مملوكا. (الموسوعة الفقهية الكويتية ٤/ ١٥٨)

وإن غلبوا على أموالنا وأحرزوها بدارهم ملكوها. (شامي، زكريا ٦/ ٢٦٧، كراچی ٤/ ١٦٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷؍ربیع الاول ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۰۰۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۷؍۳؍۱۴۳۴ھ

کیا جلسہ کے موقع پر بالعوض کھانا کھانا بیع ہے؟

سوال [۸۵۸۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مہتمم صاحب مدرسہ کے سالانہ جلسہ کے موقع پر لوگوں کی دعوت کر کے ان کے لئے کھانا تیار کرتے ہیں، دعوت نامہ کا ماحصل یہ ہے کہ: جناب............فلاں تاریخ کو فلاں مدرسہ کا سالانہ جلسہ کیا جارہا ہے، آپ اس جلسے میں تشریف لا کر مدرسہ کو زیادہ سے زیادہ امداد دے کر جلسہ کو کامیاب بنانے میں مدد فرمائیں، اتنے بجے شروع ہو کر اتنے بجے ختم ہوگا، جلسہ کے دن جلسہ گاہ کو چاروں طرف سے گھیر کر گیٹ میں کاؤنٹر بنا کر آنے والوں سے پیسہ لیا جاتا ہے، جب اختتام جلسہ کا وقت قریب ہو جاتا ہے، تو ایک منادی ندا کرتا ہے کہ جن لوگوں نے کاؤنٹر سے رسید حاصل نہیں کی ہے، اب حاصل کرلیں، کھانے کا وقت قریب آ گیا ہے۔ (یعنی رسید حاصل کئے بغیر نہیں کھا سکتا) اب سوال یہ ہے کہ اس صورت واقعہ کو اصطلاح فقہاء میں کیا کہا جائے گا؟ ''للہ'' تو نہیں کیوں کہ کھانے کے عوض روپئے حاصل کر رہے ہیں، اور روپئے کے عوض کھانا کھا رہے ہیں، تو معلوم ہوا کہ یہ بیع ہے، مہتمم صاحب نے تمول مال کے لئے تجارت کا ایک نیا طریقہ ایجاد کیا ہے، مگر اس میں قابل غور ایک بات ہے کہ بیع کے صحیح ہونے کے لئے مبیع اور ثمن کا مقدار معلوم ہونا شرط ہے، وہ یہاں مفقود ہے؛ اس لئے معاملہ صحیح نہیں ہوا، نیز حاصل شدہ روپیہ حلال نہیں ہوا، آپ مفتیان کرام کی خدمت میں عرض کیا جاتا ہے کہ اس مسئلہ کے متعلق تحقیق سے فتویٰ تحریر فرمائیں۔

المستفتی: ابوالکلام، محمد عبدالرشید

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ میں جس دعوت نامہ کا ماحصل پیش کیا گیا ہے، اس میں امداد کا لفظ مذکور ہے، جس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ ذمہ دار کی طرف سے کھانے کا انتظام ان ہی لوگوں کے لئے ہے جو مدرسہ کوامداد پیش کریں گے۔ اور جو لوگ امداد پیش نہیں کریں گے ان کے لئے کھانے کا نظم منجانب مدرسہ نہیں کیا گیا ہے، اب اگر تعاون کی مقدار مساوی نہ ہو؛ بلکہ ہر ایک اپنے صوابدید پر جو دینا چاہے دیدے تو اسے بیع وشراء سے تعبیر نہیں کیا جائے گا اور اگر سب کے تعاون کی مقدار مساوی ہوتو پھر اس کو بیع وشراء سے تعبیر کیا جائے گا۔ رہی بات جہالت مبیع کی تو عرف ورواج کی بنا پر یہ جائز ہے، کتب فقہ میں اس کی نظیر موجود ہے۔

ویخرج على هذا كثير من السائل في عصرنا، فقد جرت العادة في بعض الفنادق الكبيرة، أنهم يضعون أنواعا من الأطعمة في قدور كبيرة، ويخيرون المشتري في أكل ماشاء بقدر ماشاء، ويأخذون ثمنا واحدا معينا من كل أحد، فالقياس أن لا يجوز البيع لجهالة الأطعمة المبيعة وقدرها؛ ولكنه يجوز ؛ لأن الجهالة يسيرة غير مفضية إلى النزاع، وقد جرى بها العرف والتعامل. (تكملة فتح الملهم، كتاب البيوع، البيع بالتعاطي، أشرفيه ديوبند ١/ ٣٢٠، وهكذا نووي على مسلم ٢/ ٢) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸ر محرم الحرام ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۶۵۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۹/۱/۱۴۲۶ھ

مکمل قیمت کی وصولیابی سے قبل بیوہ کا اپنی زمین میں نماز سے روکنا

سوال [۸۵۸٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہم نے ایک مسجد کی جگہ ایک بیوہ سے خریدی اور یہ طے کیا کہ ایک مہینے کے بعد پورے

پیسے دے دیں گے اور کچھ پیسے پہلے دے دیئے اور اس وقت اس کی اجازت سے وہاں نماز پڑھنے لگے؛ لیکن ہم لوگ بجائے ایک مہینے کے دو مہینے تک وہاں نماز پڑھتے رہے اور دو مہینے کی مہلت اور لے لی گئی۔ اور وہاں نماز پڑھتے رہے اور چھوٹی چھوٹی دیواریں بنادی گئیں، اب وہ عورت پھر پیسے لینے آئی؛ لیکن ابھی تک اس کے پیسے نہیں دئے۔ اور اب پانچ سال گذر چکے ہیں اور پیسے نہیں دیئے ہیں اور وہ عورت برابر یہی کہتی ہے کہ یہاں نماز مت پڑھو۔ اورگالیاں وغیرہ بکتی ہے، ایسی حالت میں اس جگہ نماز پڑھی جائے یا نہ پڑھی جائے ،اور نماز ہوگی یا نہیں؟ جواب بالتفصیل اور باصواب سے نوازیں۔

المستفتی: عبداللہ مقام کربلا، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ میں درج شدہ صورت میں مذکورہ جگہ پر نماز پڑھنا اس وقت تک غیر مقبول اور مکروہ تحریمی ہوگی جب تک بیوہ عورت کو زمین کی پوری قیمت ادا نہ کردیں۔

قال تاج الشریعة: أما لو أنفق في ذلک مالا خبیثا، ومالا سببه الخبیث والطیب فیکره؛ لأن اللّٰہ تعالی لا یقبل إلا الطیب، فیکره تلویث بیته بمالا یقبل. الخ (شامي، کتاب الصلاة، باب ما یفسد الصلاة، مطلب کلمة لا بأس دلیل علی أن المستحب غیره الخ۔ کوئٹه ۱/ ٤٨٧، کراچی ۱/ ٦٥٨، زکریا ۲/ ٤٣١)

ومدرسة السلیمانیة في دمشق ...... والوقف یثبت بالشهرة، فتلک المدرسة خولف في بناء ها شرط وقف الأرض الذي هو کنص الشارع، فالصلاة فیها مکروهة تحریما فی قول وغیر صحیحة له في قول آخر. الخ (شامي، کتاب الصلاة، مطلب في الصلاة في الأرض المغصوبة، کوئٹه ۱/ ۲۸، کراچی ۱/ ۳۸٦، زکریا ۲/ ٤٥)

الضرر یزال، ومنها لو غصب أرضا فبنی فیها أو غرس، فإن کانت قیمة الأرض أکثر قلعها وردت وإلا ضمن له قیمتها. (الأشباه والنظائر، قدیم ۱٤٤)

نیز مذکورہ بیوہ کو ہر وقت حق ہے کہ قیمت وصول کرنے کی غرض سے وہاں نماز پڑھنے سے روک دے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/رجب ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۸۱۰)

مشتری اول کا پوری رقم دینے سے قبل مشتری ثانی کو فروخت کرنا

سوال [۸۵۸۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے بکر سے زمین خریدنے کے متعلق بات چیت کی اور زید نے بکر کو بیعانہ دیا، زمین کی قیمت ۲۰/لاکھ میں سے ۵/لاکھ دے دیا، چار مہینے کے وقت کے ساتھ اس مدت کے دوران ایک تیسرے شخص نے اس زمین کو خریدنا چاہا، تو کیا زید تیسرے شخص کو وہ زمین نفع کے ساتھ فروخت کرسکتا ہے؛ حالانکہ زید نے بکر کو پوری قیمت ادا نہیں کی اور اس مدت کے دوران بکر زید سے اپنی زمین واپس لے سکتا ہے؟

المستفتی: محمد فاروق، راجونگر، منڈولی، دہلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید نے جب بکر سے ایجاب وقبول کے ساتھ خرید لیا ہے اور بیعانہ کے طور پر کچھ رقم بھی دے دی ہے، تو ایسی صورت میں زید مشتری اول کے لئے پوری رقم پیمنٹ کرنے سے پہلے مذکورہ زمین کو نفع کے ساتھ بیچنا اور فروخت کرنا درست ہے اور اس مدت کے دوران بکر کو زید سے اپنی زمین واپس لینے کا حق نہیں ہے۔

أن يكون الثمن حالا، فإن كان مؤجلا فلا يثبت حق الحبس؛ لأنه سقط بالتأخير. (الفقه الإسلامي وأدلته، الهدى ديوبند ٤/ ١٧٨، تاتارخانية، زكريا ٨/ ٢٤٢، رقم: ١١٧٧٨)

وإذا حصل الإيجاب والقبول لزم البيع، ولا خيار لواحد منهما إلا

من عيب أو عدم رؤية. (تاتارخانية، زكريا ديوبند ٨/ ٢٢٢، رقم: ١١٧١٤، هداية، كتاب البيوع، اشرفي ديوبند ٣/ ٢٠/ الجوهرة النيرة، إمداديه ملتان ١/ ٢٢٦، دارالكتاب ديوبند ١/ ٢٢٠، ملتقى الأبحر، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ١٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍ربیع الثانی ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۰۵۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۶/۴/۱۴۳۴ھ

جائیداد پر قبضہ کرنے سے پہلے مشتری کا بائع کو وکیل بالبیع بنانا

سوال [۸۵۸۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے خالد سے کہا کہ مجھے زمین کی ضرورت ہے اور میں آپ کے توسط سے زمین خریدنا چاہتا ہوں، خالد نے ایک تیسرے شخص بنام بکر سے ایک اراضی سولہ سو روپیہ بیگہ کے حساب سے خریدی اور خریدتے وقت بکر سے کہہ دیا کہ یہ زمین میری ہوگئی، اب اگر اس کو کوئی تیسرا شخص تم سے خریدے تو تم اس کو فروخت کر دینا اور جو نفع ہوگا وہ میرا ہوگا، اب خالد نے وہ زمین زید کو خریدنے کے لئے توجہ دلائی اور زید نے اس کو بکر سے ۱۹؍سو روپیہ بیگہ کے عوض خریدا، اب یہ ۳؍سو روپیہ بیگہ کا نفع جو ہے، وہ خالد لینا چاہتا ہے، جب کہ خالد بکر سے خریدتے وقت نہ تو کوئی بیعانہ دیا اور نہ ہی زمین کا کوئی پیسہ بطور ثمن ادا کیا، تو کیا خالد کو اس طرح درمیان میں نفع لینا حلال ہے اور خالد کا یہ فعل کیسا ہے؟

المستفتی: محمد حنیف فتح پور، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: خالد کا بکر سے زمین خرید کر پھر بکر کو زید کے ہاتھ فروخت کرنے کا وکیل بنانا اور بکر کا ۱۶؍سو کی زمین کو آپس کی تراضی سے ۱۹؍سو روپئے میں زید کے ہاتھ فروخت کر دینا اور تین سو روپئے کا نفع خالد کا اپنی ملکیت کر لینا جائز اور درست ہے اور اس موقع پر اگر خالد نے کوئی جھوٹ بولا ہے تو اس کا گناہ الگ سے ہوگا۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۱/۲۶)

ويجوز بيع العقار قبل القبض عند أبي حنيفة وأبي يوسف –رحمهما الله.
(هداية، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، أشرفي ديوبند ٣/ ٧٤، تاتارخانية، زكريا ٨/ ٢٦٦، رقم: ١١٨٦٢)

وأما بيع الأعيان غير المنقولة قبل قبضها كبيع الأرض والضياع، والنخيل، والدور، ونحو ذلك من الأشياء الثابتة التي لا يخشى هلاكها، فإنه يصح. (كتاب الفقه على المذاهب الأربعة، كتاب البيع، مبحث التصرف في المبيع قبل قبضه، دارالفكر بيروت ٢/ ٢٣٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲ر جمادی الثانیہ ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۰/ ۴۰۴۸)

قبضہ سے پہلے زمین کی خرید وفروخت کا حکم

سوال [۸۵۸۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید زمین کی خرید وفروخت کا معاملہ کرتا ہے، جس کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ وہ زمین کے مالک کے پاس جا کر معاملہ طے کرتا ہے کہ مثلاً ایک بیگہ زمین ایک لاکھ روپیہ میں طے کرتا ہے اور یہ قیمت اس کو ادا نہیں کرتا؛ بلکہ وہ اس دوران دوسرا گاہک تلاش کر کے ڈیڑھ لاکھ روپے میں اس کو بیچ دیتا ہے اور زمین کے مالک سے رجسٹری اسی کے نام کرا دیتا ہے، اب اس کے بعد زید مشتری سے ڈیڑھ لاکھ روپے لے کر ایک لاکھ بائع کو دے دیتا ہے اور پچاس ہزار خود رکھ لیتا ہے، تو اب کیا زید کے لئے یہ پچاس ہزار روپے کا منافع لینا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد حاکم چاند پوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید کا قبضہ سے پہلے زمین کو فروخت کر دینا جائز اور

درست ہے؛ اس لئے کہ زمین مکان وغیرہ اشیائے غیر منقولہ ہیں اور ایسی اشیاء اور جائیداد کی خرید وفروخت مکمل ہونے کے لئے ایجاب وقبول کے ساتھ سودا اور معاملہ طے کر لینا کافی ہے، باقاعدہ وہاں جا کر اپنا سامان ڈال دینا، یا چہار دیواری وغیرہ بنا دینا لازم نہیں؛ لہٰذا معاملہ طے ہو جانے کے بعد خریدار کے لئے دوسرے کے ہاتھ فروخت کرنا اور اس پر نفع حاصل کرنا جائز اور درست ہے۔ (مستفاد: انوار رحمت/۲۶۳-۲۶۴)

ویجوز بیع العقار قبل القبض. (هداية، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، اشرفي ديو بند ٣/ ٧٤، تاتارخانية زكريا ٨/ ٢٦٦، رقم: ١١٨٦٢)

أما بيع الأعيان غير المنقولة قبل قبضها كبيع الأرض، والضياع والنخيل، والدور، ونحو ذلك من الأشياء الثابتة التي لا يخشى هلاكها، فإنه يصح. (الفقه على المذاهب الأربعة، كتاب البيع، مبحث التصرف في المبيع قبل قبضه، دارالفكر بيروت ٢/ ٢٣٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/۶/۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۸۸۶۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۳/۶/۱۴۲۶ھ

متعینہ بکنگ شدہ زمین کو منافع کے ساتھ فروخت کرنا

سوال [۸۵۹۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں ایک اچھی کمپنی میں اونچے عہدہ پر فائز تھا، تنخواہ بھی اچھی خاصی تھی، کچھ رقم جمع ہونے پر میں نے اپنا ایک ذاتی مکان رہنے کا سوچ کر بکنگ کروایا، فی الوقت ماں باپ کے ساتھ رہتا ہوں، بکنگ میں آدھی رقم بھردی ہے، کام شروع ہونے پر قسطوں میں رقم بھرنی تھی، اچانک پچھلے مہینے ایک ایسے (موذی مرض) میں مبتلا ہو گیا کہ مجھے مجبوراً ملازمت چھوڑنی پڑی، اب آمدنی کا کوئی ذریعہ نہیں اور اس موذی مرض کا خرچ تقریباً چار لاکھ رقم ہاتھ میں نہ ہونے پر قرض لینا پڑا (بغیر سودی)۔

مجبوراً وہ مکان جس کا کام شروع نہیں ہوا، اگر اسے بیچتا ہوں تو بھری ہوئی رقم سے زیادہ پیسے آرہے ہیں، تو کیا شرعی اعتبار سے مجھے منافع لینے کا حق ہے، ابھی فی الوقت میں کافی پریشان ہوں، گھر اور بیماری کے خرچ سے۔

اگر بالفرض اچھی حالت میں بھی لوگ ایسا کاروبار کرتے ہیں جس کے بکنگ کے وقت کم دام ہوتے ہیں۔ اور اگر کام شروع ہوتا ہے تو دام بڑھ جاتا ہے، اس طرح اگر کاروبار کریں تو شرعی اعتبار سے اس کی گنجائش ہے؟ دونوں سوالوں کی نوعیت الگ ہے، برائے کرم مفصل جواب دیں۔ عین نوازش ہوگی۔

المستفتی: معرفت مولانا محمد اشفاق صاحب چیتا کیمپ، ممبئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس زمین کو آپ نے اپنے نام سے بکنگ کرالیا ہے اور اس جگہ کی باقاعدہ تعیین بھی ہوگئی ہے، اور آپ نے قسطوں میں رقم بھی بھرنی شروع کردی ہے، تو اس جگہ پر آپ کو مالکانہ حقوق حاصل ہوگئے ہیں؛ اس لئے اس زمین پر تعمیر کا کام شروع ہو یا نہ ہو بہرصورت آپ کے لئے اس زمین کو منافع کے ساتھ فروخت کرنے کی شرعاً اجازت ہے۔

ویجوز بیع العقار قبل القبض عند أبي حنیفة وأبي یوسف –إلی قوله– ولهما أن رکن البیع صدر من أهله في محله ولا غرر فیه؛ لأن الهلاک في العقار نادر بخلاف المنقول، والغرر المنهي عنه غرر انفساخ العقد، والحدیث معلول به عملا بدلائل الجواز. (هدایة، کتاب البیوع، باب المرابحة والتولیة، اشرفي دیوبند ۳/ ۷٤)

إذا اشتری دارا أو عقارا فوهبها قبل القبض من غیر البائع یجوز عند الکل، ولو باع یجوز في قول أبي حنیفة وأبي یوسف. (تاتارخانیة، زکریا ۸/ ۲٦٦، رقم: ۱۱۸٦۲)

وأما بیع الأعیان غیر المنقولة قبل قبضها کبیع الأرض والضیاع،

والنخيل، والدور، ونحو ذلك من الأشياء الثابتة التي لا يخشى هلاكها، فإنه يصح. (الفقه على المذاهب الأربعة، كتاب البيع، مبحث التصرف في المبيع قبل قبضه، دارالفكر بيروت ۲/ ۲۳٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۳۴۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۸/۶/۲۵ھ

قبضہ سے قبل زمین کو فروخت کرنا

سوال [۱۸۵۹۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں ایک اچھی کمپنی میں اونچے عہدہ پر فائز تھا، تنخواہ بھی اچھی خاصی تھی، کچھ رقم جمع ہونے پر میں نے اپنا ایک مکان رہنے کا سوچ کر بکنگ کروایا، فی الوقت ماں باپ کے ساتھ رہتا ہوں، بکنگ میں آدھی رقم بھردی ہے، کام شروع ہونے پر قسطوں میں رقم بھرنی تھی، اچانک پچھلے مہینے ایک ایسے موذی مرض میں مبتلا ہوگیا کہ مجھے مجبوراً ملازمت بھی چھوڑنی پڑی، اب آمدنی کا کوئی ذریعہ نہیں اوراس موذی مرض کا خرچ تقریباً چار لاکھ رقم ہاتھ میں نہ ہونے پر قرض لینا پڑا (بغیر سودی)

مجبوراً وہ مکان جس کا کام شروع نہیں ہوا، اگر اسے بیچتا ہوں تو بھری ہوئی رقم سے زیادہ پیسے آرہے ہیں، تو کیا شرعی اعتبار سے مجھے منافع لینے کا حق ہے، ابھی فی الوقت میں کافی پریشان ہوں، گھر اور بیماری کے خرچ سے۔

اگر بالفرض اچھی حالت میں بھی لوگ ایسا کاروبار کرتے ہیں جس کے بکنگ کے وقت کم دام ہوتے ہیں۔ اور اگر کام شروع ہوتا ہے تو دام بڑھ جاتا ہے، اس طرح اگر کاروبار کریں تو شرعی اعتبار سے اس کی گنجائش ہے؟ دونوں سوالوں کی نوعیت الگ ہے، برائے کرم مفصل جواب دیں۔ عین نوازش ہوگی۔

المستفتی: یعقوب کولسہ والا، میمن کالونی ممبئی، جوگیشوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بیع کے صحیح ہونے کے لئے مبیع کا موجود اور مقدور التسلیم ہونا شرط ہے۔

وبيع ماليس في ملكه لبطلان بيع المعدوم، وماله خطر العدم (قوله لبطلان بيع ...... إذ من شرط المعقود عليه أن يكون موجودا مالا متقوما مملوكا في نفسه...... يكون مقدور التسليم. (درمختار مع الشامي، زكريا ۷/ ۲٤٦، كراچی ٥/ ٥٨)

لہٰذا یہ دونوں صورتیں بیع کی نہیں ہیں، وعدۂ بیع ہے اور وعدۂ بیع سے بیع مکمل نہیں ہوتی۔ اور جو رقم پیشگی جمع کی ہے اس کی حیثیت بیعانہ کی رقم کی ہے، جس کا حکم یہ ہے کہ صرف اتنی رقم کا لینا جائز ہوگا جتنی جمع کی، زائد رقم لینا درست نہیں، دونوں صورتوں میں حکم یہی ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ: العبد شعیب احمد بستوی غفرلہ — الجواب صحیح: مقصود
مظاہر علوم سہارنپور ۲۵/ ۵/ ۱۴۲۸ھ — ۲۵/ ۵/ ۱۴۲۸ھ

محترم المقام جناب حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم   السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

استفتاء کا جواب حضرت والا نے عنایت فرمایا تھا؛ لیکن مستفتی نے مظاہر علوم سہارنپور سے فتوی منگایا جو بالکل حضرت کے جواب سے مختلف ہے، حضرت والا سے مکرر رجوع کرتے ہیں، ساتھ ہی مظاہر علوم کا فتویٰ ارسال خدمت ہے، اس فتوے کی حیثیت کسی خاص صورت سے ہے؟ امید کہ حضرت والا زحمت فرما کر خلجان کو دور فرما کر مشکور فرمائیں، تضاد کو رفع فرمائیں۔

سوال [۸۵۹۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں ایک اچھی کمپنی میں اونچے عہدہ پر فائز تھا، تنخواہ بھی اچھی خاصی تھی، کچھ رقم جمع ہونے پر میں نے اپنا ایک مکان رہنے کا سوچ کر بکنگ کروایا، فی الوقت ماں باپ کے ساتھ رہتا ہوں، بکنگ میں آدھی رقم بھردی ہے، کام شروع ہونے پر قسطوں میں رقم بھرنی تھی، اچانک پچھلے مہینے ایک ایسے موذی مرض میں مبتلا ہوگیا کہ مجھے مجبوراً ملازمت چھوڑنی پڑی،

اب آمدنی کا کوئی ذریعہ نہیں اوراس موذی مرض کا خرچ تقریباً چار لاکھ رقم ہاتھ میں نہ ہونے پر قرض لینا پڑا بغیر سودی۔

مجبوراً وہ مکان جس کا کام شروع نہیں ہوا، اگراسے بیچتا ہوں تو بھری ہوئی رقم سے زیادہ پیسے آرہے ہیں، تو کیا شرعی اعتبار سے مجھے منافع لینے کا حق ہے، ابھی فی الوقت میں کافی پریشان ہوں، گھر خرچ اور بیماری کے خرچ سے۔

اگر بالفرض اچھی حالت میں بھی لوگ ایسا کاروبار کرتے ہیں جس کے بکنگ کے وقت کم دام ہوتے ہیں۔ اوراگر دام شروع ہوتا ہے تو دام بڑھ جاتا ہے، اس طرح اگر کاروبار کریں تو شرعی اعتبار سے اس کی گنجائش ہے؟ دونوں سوالوں کی نوعیت الگ ہے برائے کرم مفصل جواب دیں۔عین نوازش ہوگی۔

المستفتی: یعقوب کولسہ والا، میمن کالونی ممبئی، جوگیشوری

محترمی مزاج گرامی　　　　السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آنجناب کا سوال اور مظاہر کا لکھا ہوا فتوی اور مدرسہ شاہی کا لکھا ہوا جواب سب پر نظر ثانی کی گئی ،اور ہم نے اس سلسلے میں مرادآباد اور دہلی میں ذکر کردہ معاملات کی شکلیں اختیار کرنے والوں سے متعلق بڑے بڑے پلاٹنگ کرنے والوں سے رابطہ قائم کرکے اس کی مختلف صورتیں اور شکلیں معلوم کی ہیں، ہمارے جواب کے ذیل میں جس شکل اور نوعیت کے متعلق حکم شرعی لکھا گیا ہے وہ الحمدللہ صحیح ہے۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍شعبان ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۴۰۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۸/۸/۱۴ھ

ادھار خریدی ہوئی زمین میں مالک کی اجازت سے کھیتی کرنے کا حکم

سوال [۸۵۹۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: عامر کے پاس ایک زمین ہے، اب اس زمین کو عامر سے خالد نے تین لاکھ کے عوض میں خرید لیا؛ لیکن خالد نے عامر کو تین لاکھ کے بجائے ڈھائی لاکھ روپیہ پیمنٹ میں دے دیا اور پچاس ہزار روپئے روک لئے اور عامر نے اس ایک بیگہ زمین میں سے آدھا بیگہ نام کرادی خالد کے اور آدھا بیگہ رہنے دی؛ حالانکہ اس نصف بیگہ کے کچھ پیسے جاچکے ہیں، کچھ باقی ہیں، اب عامر نے خالد کو پوری زمین استعمال کے لئے دے دی ہے، تو کیا خالد کے لئے اس پوری زمین پر عامر کی اجازت سے کھیتی کرنا جائز ہے، جب کہ خالد نے ابھی کچھ پیسے نہیں دیئے ہیں؟

المستفتی: محمد عمر نیو ممبئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب تین لاکھ روپئے میں پوری زمین خرید لی ہے اور آدھے کی رجسٹری کردی اور باقی آدھے بیگہ کی رجسٹری کو پچاس ہزار کی ادائے گی کی وجہ سے موقوف رکھا گیا ہے؛ لیکن اس کا بھی قبضہ دے کر استعمال کی اجازت دے دی گئی ہے، تو خریدار کے لئے پوری زمین کو استعمال کرنا اس سے فائدہ اٹھانا بلا شبہ جائز اور درست ہے۔

فإن كان مؤجلا فلا يثبت حق الحبس؛ لأنه سقط بالتأجيل. (الفقه الإسلامي وأدلته، القسم الثالث العقود حق حبس المبيع أو احتباسه، هدى انٹر نیشنل دیوبند ٤/ ١٧٨)

وإن كان الثمن مؤجلا لم يكن له حق الحبس. (تاتارخانية، زكريا ديو بند ٨/ ٢٤٢، رقم: ١١٧٧٧) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲ ربیع الاول ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۰۱۸)

خرید وفروخت کی ایک شکل کا حکم

سوال [۸۵۹۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: زید کو ایک لاکھ روپیہ کی ضرورت ہے، عمرو اس کو قرض اس طرح دیتا ہے کہ ایک لاکھ روپیہ نقد کے بجائے ایک لاکھ روپیہ کی کوئی چیز دے گا اور وہ چیز ڈیڑھ لاکھ میں زید کو فروخت کرے گا اور زید ایک سال میں ڈیڑھ لاکھ روپیہ عمرو کو لوٹائے گا، تو کیا یہ سود ہے؟ کیا اس طرح کا حیلہ درست ہے؟

المستفتی: محمد زبیر، احمد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ میں جو طریقہ بیان کیا گیا ہے، وہ ہیر پھیر کا ہے۔ اور چیز کی فروختگی کی ظاہری شکل جو بیان کی گئی ہے وہ شکل تجارت کی ہے کہ زید کو عمرو نے قرض نہیں دیا؛ بلکہ شریعت کے مطابق عمرو نے زید کے ہاتھ سامان فروخت کیا ہے اور عمرو کو اختیار ہے کہ ایک لاکھ روپیہ کی قیمت کی چیز ڈیڑھ لاکھ میں فروخت کرے۔ اور سوال نامہ میں جو یہ کہا گیا ہے کہ زید ڈیڑھ لاکھ روپیہ لوٹا دے گا؛ اس لئے نہیں کہ زید نے ڈیڑھ لاکھ روپئے لئے؛ بلکہ ڈیڑھ لاکھ روپئے سامان کے عوض میں اس کی قیمت لوٹائے گا، اور اس طرح ادھار میں زیادہ قیمت کے ساتھ سامان کا فروخت کرنا جائز ہے۔

أن يأتي الرجل المحتاج إلى آخر ويستقرضه عشرة دراهم، ولا يرغب المقرض في الإقراض طمعا في فضل لاينالہ بالقرض، فيقول: لا أقرضك، ولكن أبيعك هذا الثوب إن شئت باثنى عشر درهما، وقيمته في السوق عشرة ليبيعه في السوق بعشرة، فيرضى به المستقرض، فيبيعه كذلك، فيحصل لرب الثوب درهمان، وللمشتري قرض عشرة...... قال في الفتح: ولا كراهة فيه إلا خلاف الأولى. (شامي، كتاب البيوع، باب الصرف، مطلب في بيع العينه، كراچی ۵/ ۲۷۳، زكريا ۷/ ۵٤۱، هندية، كتاب البيوع، الباب العشرون في البياعات المكروهة، زكريا قديم ۳/ ۲۰۸، جديد ۳/ ۱۹٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/۱۱/۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۱۴۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۳/۱۱/۱۴۲۷ھ

خریدار پر دین مہر ادا کرنا لازم نہیں اور فروختگی کے بعد ورثاء کو حق اعتراض نہیں

سوال [۸۵۹۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسماۃ مقصود النساء نے اپنے بیٹے کی شادی کے وقت زر مہر معجّل مبلغ دوسو روپیہ زبانی اقرار دی، محمد جان نے زر مہر مبلغ دوسو روپیہ بذریعہ دستاویز اقرار نامہ ۲۶/ جولائی ۱۹۱۲ء کو دو ثلث کوٹھہ محمد جان نے ۱۹۶۱ء میں انواری بیگم، کشوری بیگم کو فروخت کردیا تھا، جو مہر شوہر پر واجب الاداء ہیں۔ دریافت طلب مسئلہ ہے:

(۱) اگر ورثاء رفیع النساء یہ مہر طلب کریں تو؟ (۲) آیا خریدار پر دین مہر ادا کرنا واجب ہے؟

(۳) نیز محمد جان نے جس وقت یہ دو ثلث کوٹھہ فروخت کیا تو ان کی اولاد جوان تھی، کسی نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔ فریدالدین پر مہر ادا کرنا واجب ہے کہ نہیں؟

المستفتی: یوسف خان، محلّہ چاہ غوری، امروہہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب خریدار نے مبیع کا ثمن ادا کردیا ہے، تو خریدار سے احمد جان اور اس کے ورثاء وغیرہ کا کوئی تعلق نہیں رہا، نیز دین مہر خریدار پر لازم نہیں ہے؛ بلکہ شوہر کا چھوڑا ہوا مال ہو تو اس میں سے ادا کیا جائے گا، اگر مال نہیں ہے، تو کسی اور پر واجب نہیں ہوگا؟ نیز جب بوقت فروختگی جوان اولاد تھی، انہوں نے اس وقت دعویٰ نہیں کیا ہے، اب اتنی طویل مدت گذرنے اور مشتری کے تصرف کے بعد دعویٰ کا شرعاً کوئی اعتبار نہیں۔

لو باع عقارا وابنه أو امرأته حاضرة تعلم به وتصرف المشتري فيه زمانا، ثم ادعى الابن أنه ملكه؛ ولم يكن ملك أبيه وقت البيع اتفق مشايخنا على أنه لا تسمع مثل هذه الدعوة. الخ (البحر الرائق، كتاب الخنثى، مسائل شتى، كوئٹه ٨/ ٤٨٣، زكريا ٩/ ٣٥٤، تبيين الحقائق، إمداديه ملتان ٦/ ٢٢٢، زكريا

دیوبند ۷/ ٤٥٦، مجمع الأنهر، دارالکتب العلمية بيروت ٤/ ٤٨٣، قديم ٢/ ٧٣٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷ر ذی قعدہ ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۳۵۸)

مکان کی فروختگی کی قیمت وصول ہونے کے بعد مالک کا کوئی حق باقی نہیں رہتا

سوال [۸۵۹۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: محمد جان ولد احمد بخش، محلّہ چاہ غوری امروہہ نے ایک کوٹھہ منجملہ ایک مکان جس میں ۱۹ر کڑی اور آگے کھپریل پڑی تھی، تقریباً ایک دس گز مربع یہ مکان محمد جان نے مسماتان کشوری بیگم، انوری بیگم کو بتاریخ ۱۱ر۱۰ر۱۶، جلد نمبر۱ ر جلد نمبر۹۲۲، صفحہ نمبر: ۳۹۷/ ۳۹۱ر پر اندراج ہے، مبلغ چار سو روپیہ میں فروخت کردیا، بوقت فروختگی محمد جان کی اولاد محمد نبی، محمد شیبہ، نسیم، فاطمہ جوان تھے، خریداری کے بعد دونوں مسماتان نے علیحدہ علیحدہ کوٹھے کی شکل میں دو کوٹھری بنوالیں، اب ہوتا یہ ہے کہ اس میں سے ایک کوٹھی نصف حویلی مسماۃ انوری بیگم نے ۸۲ر۵ر۱۸ر سکندری خاتون زوجہ یوسف خان کو مبلغ: ۴۵۰۰ر روپئے میں قطعی بیعانہ فروخت کردیا، اس کے بعد نصف حصہ مسماۃ کشوری بیگم نے تاریخ ۸ر۹ر۱۲ کو مبلغ: ۲۰۰۰ر روپئے میں سکندری خاتون کو قطعی بیعانہ فروخت کردیا، محمد جان یہ مکان ۱۹۶۱ء میں فروخت کرنے کے بعد تقریباً ۱۹۷۸ء میں مر گئے تھے۔ دریافت طلب مسئلہ ہے: (۱) محمد جان جو مکان ۶۱ر۱۰ر۱۷ کو فروخت کیا اور بعد میں انوری بیگم کشوری بیگم نے سکندری خاتون کو فروخت کیا، اس مکان میں سے محمد جان کی لڑکی نسیم فاطمہ سکندری خاتون سے تہائی طلب کرتی رہی ہے، آیا شرعاً سکندری خاتون کو اس میں سے تہائی دینا چاہئے یا نہیں؟

المستفتی: محمد یوسف خان محلّہ چاہ غوری، امروہہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مذکورہ واقعہ کے سلسلے میں رمضان المبارک میں بہت

واضح سوال نامہ آیا تھا، نیز بہت سے مفتیان کرام کے دیئے ہوئے جوابات بھی منسلک تھے، جو ہمارے رجسٹر میں درج ہیں، یہاں سے ۲۳؍رمضان المبارک ۱۴۰۷ھ میں سوال نامہ، اور اقرار نامہ کے مطابق مدلل ومبرہن جواب دیا جا چکا ہے، جس کا ۲۵۴/۲۳ ہے، پھر ۱۲؍محرم الحرام ۱۴۰۸ھ میں سائل کی طلب پر اقرار نامہ کی موافقت وانطباق کی تائید میں تصدیق نامہ بھی لکھا جا چکا ہے، جس کا ۴۴۴/۲۳ ہے، وہ سب کاغذات سامنے رکھے جائیں تو مزید فتویٰ کی ضرورت نہیں، تاہم موجود سوال نامہ زیادہ واضح بھی نہیں ہے، شرعی حکم یہی ہے کہ جب محمد جان نے مذکورہ مکان فروخت کر دیا اور اس کا ثمن بھی وصول کر لیا تو بعد میں خود محمد جان اور اس کے ورثاء میں سے نسیم، فاطمہ وغیرہ کسی کو کسی طرح بھی اس مکان سے حصہ داری کا دعویٰ کرنا شرعاً ناجائز اور حرام ہے۔

فإذا حصل الإيجاب والقبول لزم البيع. (الجوهرة النيرة، كتاب البيوع، ملتان ١/ ٢٢٦، دارالكتاب ديوبند ١/ ٢٢٠، هداية، أشرفي ديوبند ٣/ ٢٠، تاتارخانية زكريا ٨/ ٢٢٢، رقم: ١١٧١٤)

وفي البناية: مع شرط النفاذ وهو الملك أو الولاية لزم البيع، ولا خيار لواحد. الخ (بناية شرح هداية، قديم ٣/ ١١، جديد أشرفيه ديوبند ٨/ ١١)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵؍محرم الحرام ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۶۸/۲۳)

والد کے مکان فروخت کرنے کے بعد اولاد کا دعویٰ معتبر نہیں

سوال [۸۵۹۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مقصود النساء زوجہ احمد بخش ساکن امروہہ محلّہ چاہ غوری دوسو ستر گز میں ایک مکان چھوڑ کر مر گئی، اولاد میں مقصود النساء نے ایک لڑکا محمد جان اور ایک لڑکی صابرہ خاتون

چھوڑیں، اب ہوتا یہ ہے کہ محمد جان نے اپنے بڑے لڑکے کی شادی میں اپنی بہو انوری بیگم بنت فضل کریم خان کے نام ۶-۱۴۱ر گز زمین اور حویلی کا نصف حصہ مبلغ پانچ سو روپیہ میں بیعانہ کردیا، اس کے بعد تیس گز زمین سرپرست نابالغ محمد شبیہ کا بن کر محمد جان نے اسرار الحق کو .... 1.9.47 کے بذریعہ بیعانہ سے مسماۃ انوری بیگم زوجہ محمد نبی نے اور محمد جان نے اپنی زمین ساڑھے گیارہ گز ملا کر یہ بھی اسرار الحق کو...... 10.1.50 میں بیعانہ کردیا، اس کے بعد انوری بیگم زوجہ محمد نبی نے نصف حصہ حویلی 10.9.47 کے مالکانہ حقوق سے یہ بھی اسرار الحق کو 18.12.50 میں بیعانہ کردیا، اب یہ جائیداد فروخت کرنے کے بعد ایک سو دس ۱۱۰ گز جگہ تقریباً رہ گئی جس کو محمد جان نے کشوری بیگم انوری بیگم بنت فرحت اللہ کے ہاتھ بذریعہ بیعانہ مبلغ چار سو روپیہ میں جس کا بہی ار جلد: ۹۲۲ صفحہ نمبر ۳۹۱/۹۲/۱۳ اندراج رجسٹری ہے فروخت کردیا، اس میں سے ۵۵ر گز جگہ انوری بیگم زوجہ محمد شبیہ سے 18.5.82 کو بذریعہ بیعانہ مبلغ چار ہزار پانچ سو روپیہ میں سکندری خاتون نے خرید لی، ۵۵ر گز جگہ مسماۃ کشوری بیگم زوجہ محمد نبی سے 12.9.86 کو بذریعہ بیعانہ مبلغ ۱۲۰۰۰ر روپیہ میں سکندری خاتون نے خرید لی، نیز اس میں ایک ایک کوٹھہ دونوں مسماتان کا بنا ہوا ہے، صابرہ خاتون نے اپنی اولاد میں شیدا علی رضا علی مرتضی علی انوری بیگم، کشوری بیگم ولد فرحت اللہ چھوڑیں، محمد جان تقریباً 1978 میں مر گئے تھے، اور صابرہ خاتون تقریباً 1980 میں مر گئیں تھیں۔

دریافت طلب مسئلہ یہ ہے: (ا) صابرہ خاتون کی اولاد سکندری خاتون سے صابرہ خاتون کی تہائی کا حق مانگ رہی ہے، سکندری خاتون نے جو مسماتان انوری بیگم وکشوری بیگم سے محمد جان کا فروخت کیا ہوا مکان جو 1961 کے بیعانہ کے ذریعہ سے سکندری خاتون نے خرید کیا ہے، کیا اس میں سے شرعی طور صابرہ خاتون کے ورثاء کو تہائی ملے گی یا نہیں؟

(۲) اسرار الحق صاحب نے جو مکان بذریعہ بیعانہ محمد جان سے 18.1250-10. 47-150-711 میں خرید کیا ہے اور یہ مکان پورا ایک تھا، تو اس میں سے اسرار الحق کو بھی تہائی دینی پڑے گی یا صرف سکندری خاتون کو ہی یہ تہائی دینی پڑے گی شرعی طور پر؟

المستفتی: یوسف چاہ غوری، امروہہ

سوال [۸۵۹۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بوقت انتقال مسماۃ مقصود النساء نے تقریباً دوسوسترہ گز زمین بنا ہوا ایک منزل مکان واقع محلّہ چاہ غوری امروہہ میں چھوڑا۔ اور مرتے وقت دو اولا دلڑکا محمد جان اور لڑکی صابرہ خاتون چھوڑیں، محمد جان نے یہ مکان قسطوں میں فروخت کردیا، صابرہ خاتون بوقت فروختگی اپنی تہائی کی دعویدار نہیں ہوئیں اور کبھی زندگی میں بھی اظہار نہیں کیا، اب یہ مکان جب کہ محمد جان نے کسی کوفروخت کیا اور جن لوگوں نے یہ مکان محمد جان سے خریدا تھا، انہوں نے کسی دوسرے اشخاص کوفروخت کردیا،اب صابرہ خاتون کی اولادصابرہ خاتون کے مرنے کے بعد صابرہ خاتون کی تہائی طلب کررہی ہے، اولادصابرہ خاتون کے نام شیداعلی، رضاعلی، مرتضی علی، افسری بیگم، انوری بیگم، کشوری بیگم۔ دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ محمد جان تقریباً ۱۹۷۵ء اورصابرہ خاتون ۱۹۸۰ء میں مرگئے۔ (۱) آیا ان کوتہائی دی جائے گی یا نہیں؟ یہ تہائی کیا خریدار پر واجب الاداء ہے؟ (۲) محمد جان نے یہ مکان کسی کوفروخت کیا اوران خریداروں نے دوسرے اشخاص کوفروخت کردیا۔

المستفتی: یوسف خان چاہ غوری، امروہہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مختلف وجوہ کی بناپرصابرہ خاتون کی اولاد ورثاء کا دعوی قضاءً مسموع نہیں ہوگا۔ (۱) محمد جان نے زندگی بھر مالکانہ تصرف کرتے ہوئے مختلف قسطوں میں فروخت کرڈالا اورصابرہ خاتون نے باوجود بلاجبر وخوف کے دعویٰ نہیں کیا، یہاں تک کہ محمد جان کا انتقال ہوگیا،توبعد کا دعویٰ شرعاً مسموع نہیں ہوگا۔

رجل تصرف في أرض زمانا، ورجل أخر يرى تصرفه فيها، ثم مات المتصرف ولم يدع الرجل حال حياته، لا تسمع دعواه بعد وفاته. الخ

(شامي، كوئٹه ٥/ ٥٢٤، كراچی ٦/ ٧٤٢، زكريا ١٠/ ٤٦٧-٤٦٨)

(۲) صابرہ خاتون مدعیہ نے جب اپنی زندگی میں مطالبہ نہیں کیا،توان کی وفات کے بعد ورثاء کا دعویٰ شرعاً مسموع نہیں ہوگا۔

وفی الحامدية عن الولوالجية: رجل تصرف زمانا في أرض، ورجل آخر يرى الأرض والتصرف ولم يدع ومات على ذلك لم تسمع بعد ذلك دعوى ولده، فترك على يد المتصرف. الخ (شامي، كتاب الحنشى مسائل شتى، مطبوعه كوئٹه ٥/ ٥٢٤، كراچی ٦/ ٧٤٢، زكريا ١٠/ ٤٦٨)

(۳) جب بوقت فروختگی اعزہ واقارب سکوت اختیار کریں اور کسی قسم کا اقدام نہ کریں، تو بعد کا دعویٰ مسموع نہیں ہوگا۔

باع عقارا أو حيوانا أو ثوبا وابنه وامرأته أو غيرهما من أقاربه حاضر يعلم به، ثم ادعى الابن مثلا أنه ملكه لا تسمع دعواه. (الدرالمختار، كوئٹه ٥/ ٥٢٤، كراچی ٦/ ٧٤٢، زكريا ١٠/ ٤٦٧-٤٦٨، البحرالرائق، كوئٹه ٨/ ٤٨٣، زكريا ٩/ ٣٥٤، تبيين الحقائق، إمداديه ملتان ٦/ ٢٢٢، زكريا ديوبند ٧/ ٤٥٦، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٤٨٣، قديم ٢/ ٧٣٩)

(۴) اگر اجنبی بھی بوقت بیع وتسلیم مبیع خاموش رہے اور مشتری خرید کر اپنا تصرف شروع کردے، تو بعد کا دعوی قابل قبول نہیں ہوتا اور اسی پر فتویٰ بھی ہے۔

الأجنبي سكوته ولو جارا لا يكون رضا إلا إذا سكت الجار وقت البيع والتسليم، وتصرف المشتري فيه زرعا وبناء، فحينئذ لا تسمع دعواه على ما عليه الفتوى قطعا للأطماع الفاسدة. الخ (الدرالمختار، كوئٹه ٥/ ٥٢٥، كراچی ٦/ ٧٤٣، زكريا ١٠/ ٤٦٩-٤٧٠)

(۵) سوال نامہ سے ظاہر ہورہا ہے کہ صابرہ خاتون نے بوقت بیع جبر وتشدد نہ ہونے کے باوجود کسی طرح کی پیشکش نہیں کی، جس کو ہبہ سکوتی بالقرائن کی دلیل قرار دیا جاسکتا ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۳/ ۴۶۹)

(۶) بیعانہ واقرار نامہ میں صاف وضاحت موجود ہے کہ ہر قسم کے موانع سے پاک وصاف ہے، جس کی تفصیل بیعانہ میں موجود ہے؛ لہٰذا ان تمام وجوہات کی بنا پر صابرہ خاتون کے ورثاء کا دعویٰ مخدوش اور غیر مسموع ہوگا۔ بالفرض اگر واقع میں صابرہ خاتون کا

حق تھا اور وہ مظلوم رہی ہے، جس کا کوئی ثبوت نہیں ہے، تو آخرت میں ملے گا، دنیا میں ورثاء کو دعویٰ کا حق نہیں ہوگا۔

قالوا: إن الحق لا یسقط بالتقادم کما في قضاء الأشباہ، فلا تسمع الدعوی في هذه المسائل مع بقاء الحق للآخرة. الخ (شامي، مطبوعه کوئٹه ٥/ ٥٢٤، کراچی ٦/ ٧٤٣، زکریا ١٠/ ٤٦٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹رصفر ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۵۳۵)

والدہ کا حالت صحت میں اپنی جائیداد بیچنا

سوال [۸۵۹۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہماری والدہ کا ایک مکان ہے، وہ فروخت ہورہا ہے، ہمارے والد صاحب بھی حیات ہیں اور ایک ہم سے چھوٹا بھائی ہے اور چار بہنیں حیات ہیں، والدہ اس مکان کی قیمت میں سے ہمیں کچھ بھی دینا نہیں چاہتیں، تو کیا میں حق دار ہوں یا نہیں؟ شرعاً اولاد کو اس طرح محروم کردینا کیسا ہے؟

المستفتی: محمد ساجد شمسی، گوکل داس انٹر کالج طویلہ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر آپ کی والدہ بحالت صحت وہوش وحواس صحیح ہونے کی حالت میں فروخت کررہی ہیں اور اس کی رقم کو اپنی مرضی سے کہیں بھی خرچ کردیتی ہیں تو شرعاً آپ کی والدہ کو اختیار ہے۔

المالک هو المتصرف في الأعیان المملوکة کیف شاء. (بیضاوي، رشیدیه دهلي ١/ ٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳رشعبان ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۴۲۲)

بائع کا زمین پر قبضہ دینے کے بعد اس کے ورثاء کا بیچنے سے انکار کرنا

سوال [۸۶۰۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے ایک پلاٹ خریدا، جس کا بیعانہ کرالیا اور پھر دوسرا پلاٹ اسی سے متصل اسی مالک سے خریدا اور اصل مالک بکر نے اس پر قبضہ بھی کرادیا، یعنی اس کی حد بندی کرادی اس خرید وفروخت کا تحریری شکل میں کوئی ثبوت نہیں، ہاں بکر کے کچھ قریبی رشتہ دار جو اس ملکیت میں بھی شامل تھے، ان کو معلوم تھا کہ بکر نے یہ پلاٹ بھی زید کو دے دیا ہے، ابھی زید نے مکمل روپیہ ادا نہیں کیا تھا کہ بکر کا انتقال ہوگیا، انتقال کے بعد جب زید روپیہ لے کر بکر کی بیوی کے پاس پہنچا (کیوں کہ اولاد نہیں ہے) تو بکر کی بیوی نے کہہ دیا کہ ہم پلاٹ نہیں دیں گے، اب سوال یہ ہے کہ کیا اگر کچھ روپیہ بکر کی زندگی میں دے دیا گیا تھا، تو پلاٹ پر کس کا حق ہے؟ اور اگر اس پلاٹ کا روپیہ بالکل نہیں پہنچا تو کیا حکم ہے؟ یا اگر زید کے پاس گواہ ہیں، تو کیا مسئلہ ہوگا، اگر گواہ نہیں ہیں تو کیا مسئلہ ہوگا، بکر نے جو حد بندی کرائی تھی وہ آج بھی باقی ہے اور اسی شکل میں موجود ہے، جواب تحریر فرمادیں۔

المستفتی: محمد شاکر لکھیم پوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مسئولہ میں جب زید اور بکر میں ایجاب وقبول ہوگیا اور مالک بکر نے زید کو زمین پر قبضہ بھی دلادیا، تو اب زید زمین کا مالک بن گیا، خواہ اس نے پوری رقم بکر کو ادا کی ہو یا نہ کی ہو اور زمین بکر کی ملکیت سے نکل گئی؛ لہٰذا بکر کی وفات کے بعد اس کی بیوی کا یہ کہنا کہ ہم پلاٹ نہیں دیں گے بدمعاملگی وبدعہدی ہوگی؛ لہٰذا بقیہ پیسہ وصول کرکے رجسٹری کرادینی چاہئے، ورنہ بدمعاملگی ووعدہ خلافی کا گناہ ہوگا۔

إذا حصل الإیجاب والقبول لزم البیع. (هداية، كتاب البيوع، أشرفي ديوبند ٣/ ٢٠/ الجوهرة النيرة، إمداديه ملتان ١/ ٢٢٦، دارالكتاب ديوبند ١/ ٢٢٠،

تاتارخانية زكريا ٨/ ٢٢٢، رقم: ١١٧١٤، ملتقى الأبحر دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ١٠)

وفي الهندية: إذا استوفى الثمن وسلم المبيع أو سلم بغير قبض الثمن الخ ليس له أن يسترده ليحبسه بالثمن. (هندية، الباب الرابع في حبس المبيع بالثمن الخ، زكريا قديم ٣/ ١٥، جديد ٣/ ١٨)

ولا يشترط القبض بالبراجم؛ لأن معنى القبض هو التمكين والتخلي وارتفاع الموانع عرفا وعادة وحقيقة. (بدائع الصنائع، زكريا ٤/ ٣٤٢)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳ ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۵۷۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۴/۲۳ھ

کیا پھٹی بوریوں سے گرنے والا کھاد دوکان دار استعمال کرسکتا ہے؟

سوال [۸۶۰۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کھاد کی دوکان میں بہت سی بوریوں کے پھٹ جانے سے کھاد گرتا ہےاور بوریوں کے سلنے سے بھی کھاد گرتا ہے، جب دوکان بہاری جاتی ہے، تو دس بیس کیلو ہر قسم کا کھاد ملا کر جمع ہوجاتا ہے، تو اس کھاد کا استعمال صاحب دوکان کے لئے جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد ابوبکر، فیض آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر خریدار کو وزن کر کے دیا جاتا ہےتو جمع شدہ کھاد شرعاً دوکاندار کی ملکیت ہے جو عبارت ذیل سے مستفاد ہے:

إذا اجتمع للدهانين ما يقطر من الأوعية في إنائه، فإن كان يسيل من خارج الأوعية يطيب له؛ لأنه ليس للمشتري؛ لأن ما انفصل عنها لا يدخل

البيع، وإن سال من الداخل، أو من الداخل والخارج جميعا، أو لا يعلم ينظر . الخ (البحر الرائق، كتاب اللقطة، كوئٹه ٥/ ١٥٣، زكريا ديوبند ٥/ ٢٥٧، هندية، زكريا قديم ٢/ ٢٩٣، جديد ٢/ ٣٠٢، فتاوى قاضي خان، جديد زكريا ٣/ ٢٨٢، وعلى هامش الهندية، زكريا ٣/ ٣٩٣، تاتارخانية، زكريا ٧/ ٤٢٠، رقم: ١٠٧٩٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳ر جمادی الاولیٰ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۷۱۸)

دوکان دار کا کم قیمت لینا

سوال [۸۶۰۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص بازار میں کچھ خریداری کرنے کے واسطے گیا اور اس نے مثلاً ایک سو روپیہ کا سودا خریدا، تو دوکاندار نے اسے ایک روپیہ واپس کردیا، یعنی ننانوے روپئے کاٹے، ایک روپئے کی چھوٹ کردی، تو اس چھوٹ کو کیا کہیں گے، یہ ایک روپیہ چھوٹ کا جائز بھی ہے یا نہیں؟ اسی طرح اگر کوئی ایک ہزار روپیہ کا سودا خریدے تو اسے دوکاندار دس روپیہ چھوٹ کر دیتا ہے، چاہے وہ ادھار خریدے چاہے نقد، بہت سے لوگ اسے سود اور بیاج کہتے ہیں، کیا یہ صحیح ہے؟ برائے مہربانی اس کا جواب مکمل ومدلل ومفصل نوازیں، عین نوازش ہوگی۔

المستفتی: محمد آصف ہلدوانی، پان بھنڈار لین ۷ر آزادنگر، ضلع نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: سوال نامہ میں درج شدہ طریقے سے بیچنے والے کا ثمن میں کمی کردینا شرعاً جائز اور درست ہے، وہ سود نہیں ہے۔

ويجوز للبائع أن يزيد للمشتري في المبيع، ويجوز أن يحط عن الثمن . الخ (هداية، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، اشرفي ديوبند ٣/ ٧٥)

والحط منه، أي صح حط البائع بعض الثمن ولو بعد هلاک المبيع.
الخ (مجمع الأنهر، باب المرابحة والتولية، فصل في بيان البيع قبل قبض المبيع، قديم ۳/ ۸۱، جديد دارالكتب العلمية بيروت ۳/ ۱۱۵، درمختار كراچی ۵/ ۱۵٤، زكريا ۷/ ۳۷۹)
فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰/ رجب المرجب ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۸۲۰)

قصاب کا چرم قربانی بازاری بھاؤ سے کم قیمت پر خریدنا

سوال [۸٦۰۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بقرعید کے موقع پر چرم قربانی میں ایسا ہوتا ہے کہ، جو لوگ قربانی کرنے والے ہوتے ہیں، ان سے قریشی حضرات جو مزدوری پر گوشت نکالنے والے ہوتے ہیں، اپنی مزدوری کم طے کرتے ہیں، اس لالچ میں کہ اس قربانی کے جانور کا چمڑا تھوڑے روپئے میں مالک لوگوں سے خرید لیں گے باوجود کہ ان قریشیوں کو پتہ ہوتا ہے کہ اس چمڑے کی قیمت زیادہ ہے؛ لیکن قربانی کرنے والوں سے تھوڑے پیسے میں خرید لیتے ہیں، جس سے غریب محتاج اور مدارس دینیہ کا بہت بڑا نقصان ہوتا ہے، آیا چمڑا اس طرح خریدنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد احمد ٹھاکردوارہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب مالک کم پیسہ میں فروخت کررہا ہے، تو قصاب کو کم پیسہ میں لینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

البيع ينعقد بالإيجاب والقبول إذا كانا بلفظی الماضي. (وقوله:) رضيت بكذا، وأعطيتک بكذا. الخ (هداية، كتاب البيوع، أشرفي ديوبند ۳/ ۱۸،

الجوهرة النيرة، إمداديه ملتان ١/ ٢٢٥، دارالكتاب ديوبند ١/ ٢١٩، تاتارخانية، زكريا ٨/ ٢١٢-٢١٣، رقم: ١١٦٧٢-١١٦٧٣، ملتقى الأبحر، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ٤)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴ رذی الحجہ ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۷۷۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴/۱۲/۲۵ھ

زائد قیمت کے چاول کے ساتھ کم قیمت والے چاول بیچنا

سوال [۸۶۰۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے عمر کو دس کوئنٹل چاول بیچے، جس میں ایک کوئنٹل کی قیمت ۹۰۰؍ روپئے ہیں، اور عمر نے ان دس کوئنٹل چاولوں کے اندر پانچ کوئنٹل چاول ملائے جن کی قیمت پانچ سو روپئے کوئنٹل ہے اور زید کو چاول فروخت کرتے وقت یہ بھی معلوم ہے کہ عمر ان چاولوں کو ملا کر بیچے گا، تو کیا زید کے لئے یہ چاول بیچنا صحیح ہے یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں مفصل ومدلل جواب تحریر فرمائیں۔ فقط

المستفتی: ظہیر الاسلام، متعلم مدرسہ رحمانیہ ٹانڈہ بادلی، ضلع رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: زید کا عمر کے ہاتھ یہ جانتے ہوئے فروخت کرنا کہ وہ اس چاول میں ردی قسم کا چاول ملا کر اعلیٰ قسم کا ظاہر کرکے فروخت کرے گا، تو یہ زید کے لئے شرعاً جائز ہے، زید پر کوئی الزام نہیں؛ بلکہ گنہگار عمر ہی ہوگا؛ کیوں کہ فاعل مختار عمر ہے نہ کہ زید۔

ولا معصية فيه وإنما المعصية بفعل المستاجر وهو مختار، فينقطع نسبته عنه. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، زكريا ٩/ ٥٦٢، كراچی ٦/ ٣٩٢)

إذا اجتمع المباشر والمتسبب أضيف الحكم إلى المباشر. الخ
(الأشباه والنظائر، قديم، ص: ٢٣٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍رجب المرجب ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۳۳۶/۲۵)

کرایہ دار کے مکان خالی نہ کرنے پر اسی کے ہاتھ کم قیمت پر بیچنا

سوال [۸۶۰۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید، بکر کا مکان کرایہ پر لیتا ہے اور یہ شرط طے پاتی ہے، کہ جب آپ کو ضرورت ہوگی تو خالی کردوں گا، چند سال بعد جب بکر زید سے مکان خالی کرنے کو کہتا ہے تو بکر دو تین سال بعد خالی کرنے کو کہتا ہے اور عذر یہ کرتا ہے کہ میں نے زمین لے لی ہے، اس کو بنالوں گا پھر آپ کا مکان خالی کردوں گا؛ لیکن اس میعاد کے بعد بھی وہ خالی نہیں کرتا اور مکان مالک کا انتقال ہوجاتا ہے، اس کے بعد اس کے وارث پھر مکان خالی کرنے کو کہتے ہیں اور زید خالی کرنے کو راضی نہیں ہوتا۔ اور مجبوراً اس کے وارث اس مکان کو بیچنے کا ارادہ کرتے ہیں؛ لیکن کوئی گاہک اس کو اس حال کے ساتھ کہ اس میں کرایہ دار کا قبضہ ہے، راضی نہیں ہوتا اس وجہ سے مجبوراً مکان زید ہی کے ہاتھ فروخت کرنا پڑتا ہے اور قیمت بھی قبضہ کے دباؤ میں اصل قیمت سے کافی کم طے ہوتی ہے، اس حال میں یہ خرید وفروخت کیسا ہے؟ شریعت کی روشنی میں مطلع فرمائیں، عین نوازش ہوگی۔

المستفتی: مختار حسین مقبرہ روڈ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اس طرح دباؤ میں آکر اگر کرایہ دار کے ہاتھ کم قیمت میں فروخت کرتا ہے تو شرعاً خرید وفروخت صحیح ہوجائے گی؛ لیکن کرایہ دار سخت ترین گنہگار بھی ہوگا؛ اس لئے کہ اس نے غیر کی ملکیت کو اس کی مرضی کے خلاف بکوایا ہے۔

عن عمر بن يحيى المازني عن أبيه، أن رسول الله ﷺ قال: لا ضرر

ولا ضرار. (مؤطا إمام مالك، كتاب القضاء، القضاء في الرفق، أشرفی دیوبند/ ۳۱۱)

لا ضرر ولا ضرار. الخ (قواعد الفقه، أشرفي ديوبند ۱۰٦، شرح المجلة، اتحاد بك ڈپو ديوبند ۱/ ۲۹، المادة: ۱۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ ؍صفر ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۵۵۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۲/۲/۲۰ھ

کتے کے جھوٹے آٹے کی بیع کا حکم

سوال [۸٦۰٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کتے نے آٹے کو جھوٹا کردیا، اب اس آٹے کو بیچ کر اس روپیہ سے دوسرا آٹا یا اور کوئی چیز خرید کر کھانا جائز ہے یا نہیں؟ نیز کتے کا جھوٹا فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: تجمل حسین مدھوبنی، متعلم مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جہاں پر کتے نے منہ لگایا وہاں سے الگ کرکے باقی آٹا کھانے کے کام میں لگانا جائز اور درست ہے۔ اور جس حصہ پر منہ لگایا ہے، اس کو فروخت کرکے اس کے پیسہ سے دوسرا آٹا خرید کر کھانا بھی جائز ہے، مگر احتیاط کی بات یہ ہے کہ خریدار سے بتلا دے کہ خود کھانے کے علاوہ دوسرے کام میں لائے۔

المخلوط من العذرة بالتراب بمنزلة زيت خالطته النجاسة حيث يجوز بيعه والانتفاع به كالاستصباح ونحوه. الخ (بناية، كتاب الكراهية، فصل في البيع، قديم ٤/ ٢٥٦، جديد أشرفيه ديوبند ١٢/ ٢٠١، شامي، زكريا ٩/ ٥٥٢، كراچی ٦/ ٣٥٨، الموسوعة الفقهية الكويتية ٤٠/ ١٠٢، المحيط البرهاني، المجلس العلمي بيروت ٨/ ١٠٢، رقم: ٩٦٨٧، تاتارخانية، زكريا ١٨/ ٢٣٥، رقم: ٢٨٦١٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱ ؍محرم ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۸۳۳)

اولاد نے والد کے ساتھ رہ کر جو کمائی کی وہ کس کی ملک ہے؟

سوال [۸۶۰۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں ایک مکان کا مالک تھا، اس مکان کو میرے دولڑکوں نے میری مرضی سے فروخت کردیا اور اس پیسہ سے دوسرا مکان دونوں لڑکوں نے اپنے نام سے خرید لیا، اب اس مکان میں میرا اور میری بیوی ولڑکی کا حصہ نکلتا ہے؟ از روئے شرع تحریر فرمائیں، نیز باپ بیٹے سب ایک ساتھ رہتے تھے اور سب باپ کے زیر تحت تھے۔

المستفتی: حمید اللہ سنبھل، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب دونوں لڑکے آپ کے زیر تحت رہ کر کام کرتے ہیں، تو آپ کی اور دونوں کی ساری کمائی شرعاً آپ کی ملکیت میں ہوگی، اگرچہ لڑکوں نے خریدتے وقت اپنا نام کرالیا ہو شرعاً اس میں آپ کے بعد آپ کے تمام ورثاء کا حق شامل ہوگا۔ اور زندگی میں آپ خود مالک ہیں۔

والأب وابنه يكتسبان في صنعة واحدة ولم يكن لهما شيء، فالكسب كله للأب إن كان الابن في عياله؛ لكونه معينا له. الخ (شامي، كتاب الشركة، فصل في الشركة الفاسدة، مطلب اجتهاد في دار واحدة واكتسبا الخ، كراچی ٤/ ٣٢٥، زكريا ٦/ ٥٠٢، هندية، الباب الرابع في شركة وجوه وشركة الأعمال، زكريا قديم ٢/ ٣٢٩، جديد ٢/ ٣٣٢)

إذا عمل رجل في صنعة هو وابنه الذي في عياله فجميع الكسب لذلك الرجل، وولده يعد معينا له، وكذا إذا أعانه ولده الذى في عياله عند غرسه شجرة، فتلك الشجرة للأب لا يشاركه ولده فيها. (شرح المجلة، اتحاد بکڈپو دیوبند ٢/ ٤٧١، رقم: ١٣٩٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶ ؍ربیع الاول ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۶۰۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۶؍۳؍۱۴۱۲ھ

دودھ کی بالائی مشین کے ذریعہ نکال کر فروخت کرنا

سوال [۸۶۰۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے یہاں دودھ میں سے بالائی نکالنے کا کاروبار ہے، اس کی صورت یہ ہے کہ دودھ والے ہمارے پاس اپنا دودھ لے کر آتے ہیں اور ہم اس دودھ سے مشین کے ذریعہ بالائی نکال لیتے ہیں۔ اور اس کی قیمت دودھ والوں کو ادا کر دیتے ہیں، اس کے بعد وہ لوگ اپنا دودھ واپس لے جاتے ہیں اور وہ لوگ اس دودھ کو کسی بھی طرح استعمال کریں اس سے ہمیں کوئی مطلب نہیں، تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ آیا اس طرح بالائی نکال کر اس کو فروخت کرنا یا اور کوئی مکھن وغیرہ بنا کر فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: زاہد علی ولد محمد جابر علی ہوٹل والے بڑی مسجد کے پاس محلہ کھتاڑی رامنگر، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دودھ کی بالائی مال متقوم اور مال مرغوب فیہ ہے، اس کو مشین کے ذریعہ الگ کر کے خریدنا اور فروخت کرنا شرعاً جائز اور درست ہے، اس میں کوئی گناہ نہیں ہے۔

ما من شأنه أن ترغب إليه النفس، وهو المال. البيع لغة مبادلة شيء مرغوب فيه بمثله. الخ (شامي، كتاب البيوع، مطلب في تعريف المال والملك، كراچی ٤/ ٥٠٢، زكريا ديوبند ٧/ ١١-١٢)

ہاں البتہ دودھ والوں پر لازم ہے کہ بالائی نکالے ہوئے دودھ کو فروخت کرتے وقت خریدار کے سامنے صاف طور پر ظاہر کردیں کہ اس دودھ میں سے بالائی نکال لی گئی ہے۔ اور اگر دودھ والے بوقت فروختگی اس کا اظہار نہ کریں تو عنداللہ سخت گنہگار اور دھوکہ باز ثابت ہوں گے۔ اور خریدار کو واپس کرنے اور رجوع بالنقصان کا حق حاصل ہوگا۔

عن أبي هريرة -رضي الله عنه- قال: نهى رسول الله ﷺ عن بيع الغرر. الحديث (مسلم شريف، كتاب البيوع، باب بطلان بيع الحصاة والبيع الذي فيه غرر، النسخة الهندية ٢/ ٢، بيت الأفكار، رقم: ١٥١٣)

عن عقبة بن عامر -رضي الله عنه- قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول: المسلم أخو المسلم، ولا يحل لمسلم باع من أخيه بيعا فيه عيب إلا بينه له. (سنن ابن ماجة، أبواب التجارات، باب من باع عيبا فليبينه، النسخة الهندية/ ١٦٢، دارالسلام، رقم: ٢٢٤٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍شعبان ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۲۳۲۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۱/۸/۲ھ

فوٹو فریم بنا کر فروخت کرنا

سوال [۸۶۰۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: فریم بنانا جائز ہے یا نہیں؟ چونکہ اگر میں یہ کام کرنا چاہوں تو ہر طرح کے اچھے برے یعنی فوٹو وغیرہ بھی لوگ فریم کرائیں گے، اس کے بارے میں تشفی کرنی ہے۔ فقط

المستفتی: محمد تحسین سہس پوری، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر آپ کا ارادہ فوٹو کی خصوصیت کا نہیں ہے یا صرف جائز چند چیزوں کے لئے ہے، تو **''الأمور بمقاصدها''** کے تحت یہ کام جائز ہے، بعد میں جو لوگ جائز کام میں استعمال کریں ان کے لئے جائز اور جو ناجائز کام میں استعمال کریں ان کے لئے ناجائز، آپ پر کوئی گناہ نہیں۔

القاعدة الثانية: الأمور بمقاصدها...... وذكر قاضيخان في فتواه: أن بيع العصير ممن يتخذ خمرا إن قصد به التجارة فلا يحرم، وإن قصد به لأجل التخمير حرم، وكذا غرس الكرم على هذا. الخ (الأشباه والنظائر قديم، ص: ٥٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍صفر ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/۴۹۳)

غیر مسلم کو قرآن شریف فروخت کرنے کا حکم

سوال [۸۶۱۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: قرآن پاک کو کبھی کبھی ہندو فروخت کرتا ہے اور وہ پاک ہے یا ناپاک ہے، کچھ نہیں کہا جاسکتا ہے؛ لہٰذا اس کے بارے میں شرعی مسئلہ کیا ہے؟ حدیث وقرآن کی روشنی میں وضاحت فرمائیں۔ اور مسلم پرسنل لاء کی طرح اس پر بھی عمل ہو جائے تو بہت اچھا ہوگا۔

المستفتی: محمد طاہر انصاری، گرام وپوسٹ بڑامدن

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر غیر مسلم تاجر قرآن کریم کی عظمت اپنے دل میں رکھتا ہو اور قرآن کریم کو غسل یا وضو کرکے پکڑتا ہو، ورنہ غلاف سے پکڑتا ہو تو اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، اس کو امام محمدؒ نے جائز قرار دیا ہے۔

قال الله تعالى: لَا يَمَسُّهُ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ. [الواقعة: ٧٩]

ويمنع النصراني (في الشامية، في بعض النسخ: الكافر) من مسه وجوزه محمد إذا اغتسل. الخ (درمختار مع الشامي، كتاب الطهارة، قبيل باب المياه، كوئٹه ١/ ١١٩، كراچى ١/ ١٧٨، زكريا ديوبند ١/ ٣٢١)

لا يمس المصحف (الكافر) ما لم يغتسل، وهذا قول محمد. (حلبي كبير، أشرفيه ديوبند/ ٤٩٧)

لیکن قرآن کریم کو بے حرمتی سے محفوظ رکھنا ہم پر ضروری ہے؛ اس لئے جب بھی بے حرمتی کا خطرہ ہوگا تو کافر کو اس سے روکا جائے گا اور مسلم پرسنل لاء کو بھی اس وقت آواز اٹھانی ہوگی۔

عن عبدالله بن عمر –رضي الله عنه– عن رسول الله ﷺ أنه كان ينهى أن يسافر بالقرآن إلى أرض العدو مخافة أن يناله العدو. الحديث. وتحته في الشرح: فيه النهي عن المسافرة بالمصحف إلى أرض الكفار

للعلة المذكورة في الحديث، وهي خوف أن ينالوه فينتهكوا حرمته.
(صحيح مسلم مع الشرح، كتاب الأمارة، باب النهي أن يسافر بالمصحف إلى أرض الكفار، النسخة الهندية ٢/ ١٣١، بيت الأفكار، رقم: ١٨٦٩)

والحاصل: مما سبق أن وقوع المصحف بأيدى الكفار إنما يمنع منه إذا خيف منهم إهانته، أما إذا لم يكن مثل هذا الخوف فلابأس بذلك.
(تكملة فتح الملهم، مسألة تعليم الكافر القرآن، أشرفيه ديوبند ٣/ ٣٨٦)

وتكره المسافرة بالقرآن الكريم إلى دارالحرب صونا عن وقوعه في أيدي الكفرة واستخفافه. (البحرالرائق، باب الحيض، كوئٹه ١/ ٢٠٢، زكريا ١/ ٣٥١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍رمضان المبارک ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۲۲۷)

آیاتِ قرآنیہ والے کیلنڈر غیر مسلم کو فروخت کرنے کا حکم

سوال [۸۶۱۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: گزارش خدمت عالیہ میں یہ ہے کہ کیلنڈر کے اندر جو کلام پاک کی آیت لکھ کر اسکو ہندو اور مسلمان دونوں فروخت کرتے ہیں، اس کو اس طرح فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر ناجائز ہے تو اس پر بھی کیوں نہیں مسلم پرسنل لاء کی طرح پابندی لگائی جاتی، حضور والا سے گزارش ہے کہ جلد از جلد جواب سے نوازیں گے۔

المستفتی: محمد طاہر انصاری پوسٹ بڑامدن

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: اگر غیر مسلم کے دل میں قرآن کریم کی عظمت ہو اور اس کی طرف سے اس بات کا اطمینان ہو کہ وہ اس کی بے ادبی اور بے حرمتی نہیں کرے گا، اور وہ

غسل یا وضو کرکے پکڑتا ہے، تو اس کے لئے اس کی گنجائش ہے۔ اور غیر مسلم کا غسل و وضو شرعاً معتبر ہے، جب کہ ارکان غسل و وضو ادا کرکے غسل یا وضو کرے۔

كما في البحر: لعدم اشتراط النية في الوضوء، لايبطل وضوءه. الخ

(البحرالرائق، كتاب الطهارة، باب التيمم، كوئٹه ۱/ ۱۵۱، زكريا ۱/ ۲٦٤)

اور کیلنڈر وغیرہ میں آیات کا حصہ زیادہ ہو تو بھی مسلم و غیر مسلم سب کے چھونے کے لئے طہارت ضروری ہے۔

كما في الشامي: الأظهر والأحوط القول الثالث، أي كراهته في التفسير دون غيره لظهور الفرق، فإن القرآن في التفسير أكثر منه في غيره، وذكره فيه مقصود استقلالا لا تبعا فشبهه بالمصحف أقرب من شبهه بقية الكتب. الخ (شامي، كتاب الطهارة، قبيل باب المياه، نعمانيه ۱/ ۱۱۹، كراچی ۱/ ۱۷۷، زكريا ديوبند ۱/ ۳۲۰) **فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍رمضان ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۲۲۷)

سرکار کی طرف سے بینڈ شدہ کتاب کی فروختگی کا حکم

سوال [۸٦۱۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں کتابوں کا کاروبار کرتا ہوں، جس میں کچھ کتابیں ایسی ہیں جن کو ہمارے ملک میں بیچنے کی اجازت نہیں۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا میں ان کتابوں کو بلیک کرسکتا ہوں؟

المستفتی: محمد عمران ارشد میرٹھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: بلیک کرنے سے آمدنی حرام نہیں ہوتی؛ لیکن جان ومال کے تحفظ کے خاطر ایسے کاروبار کا نہ کرنا ہی بہتر ہے۔

قال الله تعالىٰ: وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ. [البقرة: ۱۹۵]

طاعة الإمام فيما ليس بمعصية فرض. (درمختار، كتاب الجهاد، باب البغاة، مطلب في وجوب طاعة الإمام، زكريا ٦/ ٤١٦، كراچی ٤/ ٢٦٤)

أن الرجل يمنع من التصرف في ملكه إذا كان تصرفه يضر بجاره ضررا فاحشا؛ لأن درء المفاسد عن جاره أولى من جلب المنافع لنفسه. (شرح المجلة، اتحاد بکڈپو دیوبند ۱/ ۳۲، رقم المادة: ۳۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۰۱۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۴/۱۴ھ

مسلم شخص کا غیر مذہبی فوٹو کی کتابیں فروخت کرنا

سوال [۸۶۱۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: دریافت طلب امر یہ ہے کہ مسلمان دوکاندار اپنی دوکان پر غیر مذہبی کتابیں جن میں فوٹو بھی ہوں فروخت کرسکتا ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا

المستفتی: قاری حسیب الرحمٰن سیوہارہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر فوٹو کی بیع مقصود نہ ہو تو غیر مذہبی کتابوں کی فروختگی میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی، قدیم ۹/ ۲۳۵، جدید زکریا مطول ۱۱/ ۱۱۲)

إنما تحصل المعصية بفعل فاعل مختار -إلى قوله- وإنما المعصية بفعل المستاجر وهو مختار، فينقطع نسبته عنه فصار كبيع الجارية ممن لايستبرئها أو يأتيها من دبر، وبيع الغلام من لوطي. الخ (شامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، زكريا ٩/ ٥٦٢، كراچی ٦/ ٢٩٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱؍ربیع الاول ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۷۱۹)

لہوولعب کی چیزیں بنانے اور بیچنے کا حکم

سوال [۸۶۱۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) وہ تمام اشیاء جو مسلمان بچے لہوولعب کے طور پر استعمال کرتے ہیں، ان کا بنانا اور خریدنا کیسا ہے؟ مثلاً پتنگ، ڈمرو وغیرہ حرام ہے یا مکروہ یا حلال؟

(۲) وہ تمام اشیاء جو غیر مسلموں کے بچے بطور لہوولعب استعمال کرتے ہیں، ان کا بنانا کیسا ہے؟ مثلاً گھنٹی ہے جو غیر مسلم کے بچے استعمال کرتے ہیں، ان کا بنانا درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: جمیل احمد قاسمی، بستوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ اشیاء کا بنانا اور ان کی تجارت اور خرید وفروخت حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جائز ہے؛ اس لئے کہ معصیت کا تعلق فاعل مختار کے فعل کے ساتھ ہوا کرتا ہے، اور حضرت امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک تعاون علی المعصیۃ کی وجہ سے ناجائز ہے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ. [المائدۃ: ۲]

وجاز تعمير كنيسة وحمل خمر ذمي بنفسه، أو دابته بأجر، وتحته في الشامية: إنما تحصل المعصية بفعل فاعل مختار. الخ (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، زكريا ۹/ ۵۶۲، كراچی ۶/ ۳۹۱)

من حمل لذمي خمرا بأجر طاب له عنده، وعندهما يكره للإعانة.

(الدرالمنتقى، كتاب الكراهية، قديم ۲/ ۵۲۹، جديد دارالكتب العلمية بيروت ۴/ ۱۸۶-۱۸۷)

لہٰذا احتیاط اس میں ہے کہ ان چیزوں سے اپنے آپ کی حفاظت کریں۔

(۲) تعاون علی المعصیۃ کی وجہ سے درست نہیں ہے۔ کما مر۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ محرم الحرام ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۲۰۹۳)

مانجھے کی آمدنی کا حکم

سوال [۸۶۱۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید مانجھے کا کام کرتا ہے، آیا مانجھے کی کمائی جائز ہے یانہیں؟ اوراگراس کمائی کے پیسہ سے زید ولیمہ کرے یا نذر ونیاز کرے تواس کے یہاں کھانا جائز ہے یانہیں؟اوراس کا نذر ونیاز کرنا قبول بارگاہ ہوگا یانہیں؟

المستفتی: لیاقت حسین فلاح عام سوسائٹی بلاری، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مانجھے فی نفسہٖ ممنوع نہیں؛ البتہ مانجھے کے ڈورے سے جو امرممنوع کاارتکاب کرے گا وہی گنہگار ہوگا؛ اس لئے مانجھے کی آمدنی حرام نہ ہوگی۔

إنما تحصل المعصية بفعل فاعل مختار. الخ (شامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، زكريا ٩/ ٥٦٢، كراچی ٦/ ٣٩١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸ رمحرم الحرام ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۵۱۴۰/۳۳)

پوجا پاٹ اور نذرونیاز میں استعمال ہونے والی اشیاء کی خرید وفروخت کا حکم

سوال [۸۶۱۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ۱۹۰۵ء میں ہمارے پرنانا نے ایک دوکان، قرآن دینی کتابیں عطر وغیرہ کی کھولی، پھر اس دوکان کو ہمارے نانا جوسند یافتہ وکیل ہیں، انہوں نے سنبھالا وکالت کا عہدہ؛ اس لئے قبول نہیں کیا کہ اس میں جھوٹ بولنا پڑے گا، دوکان میں آہستہ آہستہ شرک وبدعات کی چیزیں یعنی مندروں میں مورتیوں کے پوجا پاٹ کے لئے استعمال ہونے والی اشیاء (ہلدی،

گنگوتم، سندور، گلاب وغیرہ) اسی طرح درگاہوں اور تعویذات، منتروں کے لئے استعمال کی جانے والی چیزوں (ڈوریاں، تختیاں وغیرہ) کی بھی خرید وفروخت شروع ہوئی، اس وقت دوکان نانا کے بیٹوں (ماموں) کے ہاتھ میں ہے، تجارت بڑھ گئی ہے، تقریباً ۱۵/ آدمی کام کرتے ہیں، اصل تجارت اس وقت دوکان میں شرک وبدعات کے لئے استعمال ہونے والی چیزیں ہی ہیں، قرآن، دینی کتابیں، عطر وغیرہ کی تجارت بھی ہے، مگر برائے نام بہت کم، معلوم یہ کرنا ہے کہ ایسی دوکان چلانا جس سے شرک وبدعات کو تقویت پہنچتی ہو (جب کہ یہی ایک دوکان ہی ذریعہ معاش نہیں؛ بلکہ دوسری اچھی تجارت کپڑے کی بھی ہے؛ اس سے اچھی آمدنی ہورہی ہے، ایسی دوکان کا چلانا کیسا ہے؟ کیا دوکان کے کاروبار کو بند کردیں، دوسری تجارت کریں جو بھی شریعت کا حکم ہو تحریر فرمادیں۔

المستفتی: محمد طارق، رحمت پالہ ویلور، تمل ناڈو

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ میں جن چیزوں کی فروختگی کا ذکر کیا گیا ہے وہ چیزیں دوسرے کاموں میں بھی آسکتی ہیں؛ لہٰذا ان چیزوں کا فروخت کرنا فی نفسہٖ جائز اور درست ہے۔ اور دوکانوں سے خرید کر جو لوگ غلط جگہ استعمال کریں گے وہ خود گنہگار ہوں گے۔ اور جو لوگ غلط جگہ استعمال نہ کرکے صحیح اور جائز جگہ استعمال کریں گے، ان پر کوئی گناہ نہ ہوگا؛ اس لئے بیچنے والے تاجروں پر کوئی وبال نہیں اور سارا وبال غلط استعمال کرنے والوں کے سر پر ہوگا۔ اور مذکورہ دوکانوں کی آمدنی جائز اور درست ہوگی، ہاں اگر دوکاندار خود غلط جگہ استعمال کرنے میں شریک ہوتا ہے اور دوسروں کو ترغیب دیتا ہے، تو دوکاندار بھی گنہگار ہوگا، مگر پیسہ بہرحال حلال ہوگا۔

لایکره بیع الزنانیر من النصراني والقلنسوة من المجوسي؛ لأن ذلک إذلال لهما. (شامي، کتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغیره، زکریا ۹/ ۵٦۲، کراچی ٦/ ۳۹۲، هندية، زکریا قدیم ۵/ ۳٤٦٤، جدید ۵/ ٤۰۱، مجمع الأنهر،

مصري قديم ٢/ ٥٣٠، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ١٨٨، تبيين الحقائق، مكتبه إمداديه ملتان ٦/ ٢٩، زكريا ٧/ ٦٤-٦٥)

وجاز بيع عصير عنب ممن يعلم أنه يتخذه خمرا؛ لأن المعصية لا تقوم بعينه بل بعد تغيره. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره، زكريا ٩/ ٥٦٠-٥٦١، كراچی ٦/ ٣٩١، تبيين الحقائق، زكريا ٧/ ٦٣، إمداديه ملتان ٦/ ٢٩، الأشباه والنظائر، قديم، ص: ٥٣)

وجاز إجارة بيت بسواد الكوفة ...... لا بغيرها على الأصح ...... ليتخذ بيت نار، أو كنيسة، أو بيعة، أو يباع فيه الخمر، وتحته في الشامية: هذا عنده أيضا؛ لأن الإجارة على منفعة البيت، ولهذا يجب الأجر بمجرد التسليم، ولا معصية فيه، وإنما المعصية بفعل المستاجر، وهو مختار، فينقطع نسبته عنه. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره، زكريا ٩/ ٥٦٢، كراچی ٦/ ٣٩٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲ رشعبان ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۶۹۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۸/۲ھ

پوجا میں استعمال ہونے والے پیتل کے چراغ بنانا

سوال [۸۶۱۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے یہاں شہر میں پیتل کے ظروف کا کاروبار ہوتا ہے، چراغ بھی پیتل کے بنائے جاتے ہیں، یہ چراغ عموماً ہندو صاحبان اپنی پوجا کے کام میں لاتے ہیں، کبھی کبھی ان سے چراغاں یا آرائش کا کام بھی لیا جاتا ہے، یہ تحریر فرمائیے کہ پیتل کے چراغ بنا کر فروخت کرنا جائز ہے یا ناجائز؟ چراغوں کے کام سے کمائی ہوئی دولت حلال ہوگی یا حرام؟

المستفتی: حکیم محمد مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر پوجا کے علاوہ دوسرے جائز کام میں بھی مستعمل ہوتا ہے اور محض اپنی تجارت کی غرض سے فروخت کیا جاتا ہے، تو ''الأمور بمقاصدها'' کے تحت تجارت اور آمدنی دونوں حلال ہوں گی۔ اور اگر پوجا کرنے والوں ہی کے لئے بنایا جاتا ہے اور فروخت کیا جاتا ہے، تو اعانت علی المعصیت کی بنا پر ناجائز ہوگا۔

وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ. [المائدة: ۲]

الأمور بمقاصدها، وتحته في الأشباه: أن بيع العصير ممن يتخذه خمرا إن قصد به التجارة، فلا يحرم وإن قصد به لأجل التخمير حرم. الخ

(الأشباه والنظائر، قديم ۵۳، وهكذا في الشامي، زكريا ۹/ ۳۶۱، كراچی ۶/ ۳۹۱، تبيين الحقائق، إمداديه ملتان ۶/ ۲۹، زكريا ۷/ ۶۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍ ربیع الثانی ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۱۸۷)

گھنٹی، ترشول، اوم، چراغ وغیرہ آرڈر پر بنانا

سوال [۸۶۱۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید ایک کارخانہ دار ہے اور پیتل کے سامان کا کارخانہ ہے، اس وقت کارخانہ میں جو آرڈر ہے، اس میں غیر مسلموں کے پوجا پاٹ کے عدد کا آرڈر ہے، جیسے گھنٹی، ترشول، اوم، چراغ وغیرہ، اس میں کسی میں بھی کسی جاندار کی تصویر نہیں ہے، تو اس طرح کے یہ سامان بنانا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: انور خورشید نئی بستی، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: گھنٹی مندروں کے علاوہ دوسری جگہ بھی استعمال ہوتی

ہے؛ اس لئے ان کی عبادت کے ساتھ خاص نہیں ہے، اسی طرح ترشول، ان کی عبادت کی چیز نہیں ہے؛ بلکہ ان کے اپنے پاس رکھنے کا شعار ہے اور چراغ بھی ان کے ساتھ خاص نہیں ہے، کہیں بھی استعمال ہوسکتا ہے؛ اس لئے ان چیزوں کا بنانا اور ان کی تجارت جائز اور درست ہے۔ اور اوم ان کی مذہبی شعار ہے اور ان کے یہاں اوم ایسا ہے جیسا کہ ہمارے یہاں بسم اللہ، اس کو نہ بنانا بہتر ہے، اگر اس کو بنا کر قیمت لیتے ہیں تو قیمت بالکل حرام نہیں ہے؛ بلکہ مکروہ ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۷/ ۳۰۹)

وجاز تعمير كنيسة، قال في الشامية: قال في الخانية: ولو آجر نفسه ليعمل في الكنيسة ويعمرها لابأس به؛ لأنه لا معصية في عين العمل.

(شامي، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره، زكريا ۹/ ۵٦۲، كراچی ٦/ ۳۹۲، فتاوى قاضي خان، زكريا جديد ۲/ ۲۰۵، وعلى هامش الهندية ۲/ ۳۲٤، الموسوعة الفقهية الكويتية ۳۸/ ۱۵۸، المحيط البرهاني، المجلس العلمي ۸/ ۷۰، رقم: ۹٦۰۷، الفتاوى التاتارخانية، زكريا ۱۸/ ۱٦۷، رقم: ۲۸۳۷۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲ ررجب ۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۰۵٦)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۲/ ۷/ ۱۴۲۷ھ

مانع حمل دواؤں کی خرید وفروخت کا حکم

سوال [۸٦۱۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کوئی ایسی گولی یا کیپسول جو اسقاط حمل کے لئے استعمال کی جاتی ہو اس کا فروخت کرنا شرعاً جائز ہے کہ نہیں؟ مفصل جواب سے آگاہ کریں۔

المستفتی: نعیم الدین محلّہ مذکھڑی دانوں کوٹھی والی مسجد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر یہ گولی بنانے والے اور تجارت کرنے والے کا مقصد صرف یہی ہے کہ بوقت شدت ضرورت کام آسکے، مثلاً حمل کی وجہ سے عدت یا شیر خوار بچہ کی ہلاکت کا خطرہ ہے اور حمل میں جان پڑنے سے قبل استعمال کی جاتی ہے، تو ''**الأمــــور بمقاصدها**'' (قواعد الفقه، أشرفي، ص: ٦٢، رقم: ٥١) کے تحت بنانا اور استعمال کرنا اور تجارت کرنا سب جائز ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۳/۱۱۷)

لیکن اگر بدکار زناکار عورتوں کے کام کے لئے ہے یا اکثر خریدار رنڈیاں ہوتی ہیں، تو تعاون علی المعصیت کی وجہ سے بنانا تجارت کرنا اور خریدنا سب حرام ہے۔

قوله تعالى: وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ. [المائدة: ٢]

لیکن پیسہ حلال رہے گا؛ کیوں کہ پیسہ مال کا بدلہ ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍محرم الحرام ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/۲۵۶)

زمین کی بقیہ قیمت کی ادائیگی موجودہ وقت کے اعتبار سے ہوگی یا خرید کے؟

ســـوال [۸۶۲۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: محمد آصف نے ایک زمین بیچی جو کہ سوا چار بیگہ تھی، عبد الرب صاحب نے خریدی، مگر قیمت صرف چار بیگہ کی ادا کی ہے اور باقی کے بارے میں کہا تھا کہ دے دیں گے، مگر ۲۲؍سال کا عرصہ ہوگیا، کئی بار مطالبہ کے بعد اب وہ قیمت دینے پر راضی ہوگئے ہیں؛ اس لئے دریافت یہ کرنا ہے کہ بقیہ قیمت ۲۲؍سال پہلے کے اعتبار سے لی جائے گی یا یہ کہ موجودہ بھاؤ کے اعتبار سے؟۔ دوسرا سوال یہ ہے کہ عبد الرب نے ۲۲؍سال تک جو زمین جوتی ہے اور اس سے غلہ حاصل کیا ہے، یہ کس کا تھا؟ اب ۲۲؍سال کے غلہ کی قیمت اصول کرنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد آصف جگر کالونی مسجد، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ میں جوصورت بیان کی گئی ہے، اس میں عبدالرب کے لئے ۲۲؍سال پہلے کی قیمت کے حساب سے اس زمین کا روپیہ دینا ہوگا، جس کا ابھی تک روپیہ ادا نہیں کیا ہے، موجودہ زمانہ میں زمین کی جو قیمت ہے اس کے اعتبار سے نہیں دیا جائے گا اور جو کچھ عبدالرب نے زمین سے غلہ حاصل کیا ہے وہ سب عبدالرب کا ہی مانا جائے گا؛ البتہ عبدالرب پر ۲۲؍سال تک زمین کے اس حصہ کا جس کی قیمت ادا نہیں کی ہے کرایہ ادا کرنا لازم ہوگا۔ اور یہ کرایہ وہاں کے عرف اور معیار کے اعتبار سے ہوگا، اس کی وجہ یہ ہے کہ مالک زمین کی طرف سے بدستور مطالبہ جاری رہا اور اس نے زمین کی قیمت ادا نہیں کی؛ بلکہ قیمت ادا کئے بغیر اس کی جتائی کرتا رہا۔

وحاصل ما مر أنه على قول أبي يوسف المفتى به لا فرق بين الكساد والانقطاع، والرخص، والغلاء في أنه تجب قيمتها يوم وقع البيع. (شامي، كتاب البيوع، مطلب مهم في أحكام النقود إذا كسدت أو انقطت، زكريا ۷/ ۵۵-۵۶، كراچی ٤/ ٥٣٤)

ومن بنى أو غرس في أرض غيره بغير إذنه، أمر بالقلع والرد ...... ولو زرعها يعتبر العرف، فإن اقتسموا الغلة أنصافا أو أرباعا اعتبر، وإلا فالخارج للزارع، وعليه أجر مثل الأرض. (درمختار على الشامي، كتاب الغصب، زكريا ۹/ ۲۸۳-۲۸٤، كراچی ٦/ ۱۹٤-۱۹٥، تنقيح الفتاوى الحامدية ۲/ ۱٥٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍صفر ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۶۲۲/۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۲/۱۶ھ

پھل آنے سے قبل بور آنے کے بعد باغوں کی خرید وفروخت

سوال [۸۶۲۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: ہمارے یہاں امرود اور آم کے باغ ہیں، ان کو پھل آنے سے پہلے بیچ دیا جاتا ہے اور ہم اس انتظار میں رہتے ہیں کہ پھل آئے تو خریدیں، جب تک سب باغ پک جاتے ہیں اور کچھ باغات ایسے ہیں کہ ان کے ساتھ دوسری کھیتی بھی کر سکتے ہیں، ان دونوں باغوں میں سے کونسا باغ کس وقت اور کس حالت میں خریدنا اور بیچنا جائز ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں مسئلہ کو مدلل فرمائیں۔

المستفتی: منجانب اہل لکرالہ، بدایوں

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: پھل آنے سے قبل بور آنے کے بعد درختوں کو اوراق سمیت خرید لیا جائے تو جائز ہے، اس سے قبل جائز نہیں؛ لہٰذا بور آنے سے قبل نہ خریدا کریں اور درختوں کو مع زمین کے کرایہ پر لینے کو بعض فقہاء نے منع فرمایا ہے۔

والحيلة في جوازه باتفاق المشايخ: أن يبيع الكمثرى أول ما تخرج مع أوراق الشجر، فيجوز فيها تبعا للأوراق. الخ (شامي، كتاب البيوع، مطلب في بيع الثمر والزرع والشجر مقصودا، زكريا ۷/ ۸۵، كراچی ۴/ ۵۵۵، مجمع الأنهر، مصري قديم ۲/ ۱۷، دارالكتب العلمية بيروت ۳/ ۲۶، البحر الرائق، زكريا ۵/ ۵۰۲، كوئٹه ۵/ ۳۰۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰/ ۱۲/ ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۵۰۶۶)

باغات کی فروختگی میں جواز کی متبادل شکل

سوال [۸۶۲۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے یوپی میں باغات کو دو سال کے لئے فروخت کیا جاتا ہے، اور یہ پیسوں کے عوض

ہوتا ہے، تو باغات میں پھل آنے سے پہلے پہلے ان کی فروختگی جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز نہیں تو اس کی متبادل شکل کیا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: باغات کے پھلوں کو پھل آنے سے قبل فروخت کرنا جائز نہیں ہے، یہ معاملہ شرعی طور پر فاسد ہوتا ہے، اوراس کے جواز کی متبادل شکل یہ ہے کہ صرف پھلوں کا معاملہ نہ کیا جائے؛ بلکہ زمین سمیت پورے باغ کا معاملہ کیا جائے، مثلاً ایک سال دوسال کے لئے زمین سمیت باغ کرائے پر دے دیا جائے اور کرایہ دار کو یہ حق حاصل ہو کہ وہ باغ کی زمین میں کچھ بوکر فائدہ اٹھائے اور مالک کا اس میں کوئی حق نہ ہوگا۔ (مستفاد: انوار رحمت ۱۷۹-۱۸۰)

عن جابر بن عبدالله –رضي الله عنه– قال: نهى رسول الله ﷺ عن المحاقلة، والمزابنة، والمعاومة. الحديث (صحيح مسلم، البيوع، باب النهي عن المحاقلة والمزابنة، النسخة الهندية ۲/ ۱۱، بيت الأفكار، رقم: ۱۵۳٦)

أما النهي عن المعاومة: وهو بيع السنين، فمعناه أن يبيع ثمرة الشجرة عامين، أو ثلاثة، أو أكثر، فيسمى بيع المعاومة، وبيع السنين، وهو باطل بالإجماع؛ ولأنه بيع غرر؛ لأنه بيع معدوم ومجهول، وغير مقدور على تسليمه. (نووي ۲/ ۱۰)

إن استأجر أرضا على أن يكر بها أو يزرعها أو يسقيها وزرعها صح؛ لأنه شرط يقتضيه العقد، وهو ملائم له فلا يفسد العقد. (البحرالرائق، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، كوئٹه ۸/ ۲٤، زكريا ۸/ ٤۳، وهكذا في الدر مع الرد، زكريا ۹/ ۸۲، كراچی ٦/ ٦۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍ربیع الاول ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۴۵۹)

زمین مع باغ ٹھیکہ پر دینا

سوال [۸۶۲۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کی ملکیت میں کاشت کا کھیت ہے، جس میں آم کا باغ ہے، باغ میں آم بھی آتے ہیں، زید اس کھیت کو واسطے کاشتکاری معہ آم کے باغ کے کسی کو ۲-۳/ سال کے لئے ٹھیکے پر دینا چاہتا ہے۔ اور ۲-۳/ سال کی رقم بھی پہلے ہی لینا چاہتا ہے، برائے کرم بتائیں بیع درست ہونے کی صورت کیا ہوگی؟ جواب مرحمت فرمائیں۔

المستفتی: عبدالحمید راعینی، ساہنپور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زمین ٹھیکہ پر لے لینا درست ہے، اس کے بعد جو پھل آئیں گے، وہ بھی درست ہوں گے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ ۴/۴۷۱، ڈابھیل ۱۶/ ۵۸۱)

إذا استأجر أرضا علی أن یکر بها، ویزرعها، أو یسقیها ویزرعها صح؛ لأنه شرط یقتضیه العقد، وهو ملائم له فلا یفسد العقد. (البحرالرائق، کتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، زکریا ۸/ ۴۳، کوئٹہ ۸/ ۲۴، الدر مع الرد، زکریا ۹/ ۸۲، کراچی ۶/ ۶۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹/۷/۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۲۴۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۹/۷/۱۴۲۰ھ

باغ مع زمین ایک سال یا کئی سال کے لئے فروخت کرنا

سوال [۸۶۲۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک باغ ہے چھ بیگہ کا، وہ باغ جوان ہے، بہار آئی ہے؛ لیکن ہم باغوں کا کام نہیں

کرتے؛اس لئے باغوں میں بیماری بہت زیادہ ہوتی ہے،تھوڑی سے لاپرواہی سے تمام باغ خراب ہوجاتا ہے،ایسی صورت میں ان لوگوں کو جو باغوں کا کام کرتے ہیں، ان کو دوسال کے لئے بہارمع زمین بیچ سکتے ہیں یانہیں؟ زمین کسی قدر کاشت کے قابل ہے؟

المستفتی: مرادالدین چودھریان، سہسپور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: مذکورہ صورت میں دوسال کے لئے باغ کی بہارمع زمین کے بیچ سکتے ہیں،جب کہ خریدنے والے کواس باغ کی زمین میں مکمل طریقہ سے تصرف کرنے کا اختیار دے دیا جائے، نیز لوگوں کے تعامل اورابتلائے عام کی وجہ سے مع زمین کے ایک سال یاچندسال کے لئے فروخت کرنے کی گنجائش ہوگی۔ (مستفاد:ایضاح النوادر۱/۴۷)

ومن استأجر أرضا على أن يكربها، ويزرعها، ويسقيها، فهو جائز.

(هداية، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، أشرفي ۳/ ۳۰۶، البحرالرائق، زكريا ۸/ ۴۳، كوئٹه ۸/ ۲۴، شامي، زكريا ۹/ ۸۲، كراچی ۶/ ۶۰)

وفي القنية: استأجر أرضا سنة على أن يزرع فيها ماشاء، فله أن يزرع فيها زرعين ربيعيا أو خريفيا. (البحرالرائق، كتاب الإجارة، باب مايجوز من الإجارة، ومـا يكون خلافا فيها، كوئٹه ۸/ ۱۰، زكريا ۸/ ۱۸، هندية، زكريا قديم ۴/ ۴۷۱، جديد ۴/ ۵۱۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیراحمدقاسمی عفااللہ عنہ
۱۴ربیع الاول ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر:۳۳/۵۲۲۴)

کیروسین کی خریدوفروخت

سوال [۸۶۲۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرا کاروبار مٹی کا تیل (کیروسین) کا ہے، میں ایک ماہ میں ایک لاکھ سے دو لاکھ تک کا

کیروسین فروخت کرتا ہوں، مجھے لیٹر میں تین سے چار روپئے نفع ملتا ہے، یہ کیروسین فروخت کرنا سرکاری قانون کی رو سے سرکاری گناہ بنتا ہے، میں سرکاری افسروں کو ہر ہفتہ میں ڈیڑھ دو لاکھ روپئے کے قریب بطور رشوت دیتا ہوں، اس کاروبار میں جو نفع کماتا ہوں، اس میں سے غرباء اور ضرورت مندوں کو بھی دیتا ہوں اور اپنے خرچ میں بھی لاتا ہوں، میں یہ کیروسین سرکاری راشن کی دوکانوں سے بلیک (کالا بازاری) میں سے لاتا ہوں، کیا میرے لئے ایسا کاروبار کرنا جو قانوناً گناہ ہے، شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: نثار احمد گودھرا

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس کام میں جو بھی منافع ملتا ہے وہ منافع بہر حال حلال ہے؛ لیکن سرکاری قانون کی خلاف ورزی کرکے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا جائز نہیں، اسی طرح اس کام کو چالو رکھنے کے لئے رشوت دینے کا سلسلہ جاری کرنا بھی جائز نہیں ہے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ. [البقرة: ١٩٥]

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم الراشي والمرتشي في الحكم. (ترمذي، باب ماجاء في الراشي والمرتشي في الحكم، النسخة الهندية ١/ ٢٤٨، دارالسلام، رقم: ١٣٣٦، مسند البزار، مكتبة العلوم والحكم ١٥/ ٢٣٥، رقم: ٨٦٧٣)

المالک هو المتصرف في ملكه كيف شاء. (بيضاوي، مكتبه رشيد/٧)

كل يتصرف في ملكه ماشاء. (شرح المجلة، رستم مكتبه اتحاد ١/ ٦٥٤، رقم: ١١٩٢) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍صفر ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۲۷۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۲/۱۲ھ

راشن دوکان سے غلہ خریدنا

سوال [۸۶۲۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کنٹرول کی دوکانوں پرغلہ چینی وغیرہ کا جوراشن تقسیم ہوتا ہے، دوکاندار ایسا کرتے ہیں کہ یہ کہہ کرکہ راشن ختم ہوگیا ہے، اس کو علیحدہ فروخت کرتے ہیں، بعض کو کنٹرول ریٹ پراور بعض کو زائد قیمت پراس کا خریدنا کیسا ہے؟ اس خرید وفروخت میں مسلم وغیر مسلم دونوں برابر ہیں، یا غیر مسلم سے خرید سکتے ہیں؟اور مسلمان دوکاندار سے اس راشن کا خریدنا جائز نہیں؟

المستفتی: نورالعابدین، راجستھان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کنٹرول سے کوٹہ لینے والا ڈیلر جب اپنے پیسے دے کر خرید لیتا ہے، تو شرعاً ان اشیاء کا خود مالک ہوجاتا ہے؛ اس لئے عوام کو تقسیم کرنے کے بعد اگر کچھ بچ جاتا ہے یا کسی کے نہ لینے کی وجہ سے رہ جاتا ہے، تو ڈیلر کے لئے اس زائد کو قیمت یا کنٹرول ریٹ میں فروخت کرنا اور دوسروں کے لئے اس کا خریدنا بلا کراہت جائز ہے؛ البتہ قانونی جرم ہو تو احتیاط لازم ہے۔ اور اگر حق دار عوام کو نہ دے کر بلیک میں فروخت کرتا ہے، تو دھوکہ بازی اور خیانت اور قانونی جرم کی وجہ سے ڈیلر گنہگار ہوگا اور خریدنے والا تعاون علی المعصیت کی وجہ سے گنہگار ہوگا؛ البتہ عقد بیع بہرحال منعقد ہوجائے گا۔

قوله تعالى: وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ. [المائدة: ۲]

قال الله تعالىٰ: وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ. [البقرة: ۱۹۵]

فإن سعّر، فباع الخباز بأكثر مما سعر، جاز بيعه. (هندية، كتاب البيوع، الباب العشرون، فصل في الاحتكار، زكريا قديم ۳/ ۲۱٤، جديد ۳/ ۲۰۰) **فقط واللہ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۴/ ۶/ ۱۴۱۳ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/ ۳۲۲۶)

دوسروں کے کنکشن سے گیس لے کر زیادہ قیمت میں فروخت کرنا

سوال [۸۶۲۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید رسوئی گیس کا کاروبار کرتا ہے، کاروبار کی شکل یہ ہے کہ اس کا اپنا ذاتی کنکشن صرف ایک ہے؛ لیکن اس نے اس کے علاوہ کچھ کنکشن ایسے جمع کر رکھے ہیں جن کے ذریعہ گیس ایجنسی سے گیس لاتا ہے اور ذخیرہ جمع کر کے ان سلنڈروں کو ایجنسی کی قیمت سے بہت زیادہ بڑھا کر فروخت کرتا ہے۔ اور جب گیس نہیں ملتا ہے تو ضرورت منداس سے اس کی ہی قیمتوں میں خریدتے ہیں، تو کیا زید کے لئے ایسی خرید وفروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: شمس الحق مدرسہ عربیہ لطیفیہ لالباغ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید کے لئے دوسروں کے کنکشن جمع کر کے گیس ایجنسی سے گیس لے کر اس کو مہنگے دام میں فروخت کرنا فی نفسہ جائز ہے اور اس کی کمائی حلال ہے؛ لیکن چونکہ اس طرح فروخت کرنا حکومت کے قانون کے خلاف ہے، اس سے اپنے آپ کو خطرہ میں ڈالنا لازم آتا ہے، اور شریعت ایسے کام کی اجازت نہیں دیتی ہے، جس سے عزت وآبرو خطرہ میں پڑنے کا اندیشہ ہو۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ. [البقرة: ۱۹۵]

عن حذيفة –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله ﷺ: لا ينبغي للمؤمن أن يذل نفسه، قالوا: وكيف يذل نفسه؟ قال: يتعرض من البلاء لما لايطيق. (سنن الترمذي، أبواب الفتن، النسخة الهندية ۲/ ۵۱، دارالسلام، رقم: ۲۳۵۴)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ / ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۵۵۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۴/۹ھ

گیس کی کالا بازاری کی شرعی حیثیت

سوال [۸۶۲۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: گیس کی کالا بازاری زوروں پر ہے، دو ایڈریس پر گیس باٹلے خریدے جاتے ہیں، جب کہ ضرورت صرف ایک گیس باٹلے کی ہوتی ہے اور دوسرا باٹلہ خریدی کی رقم سے زیادہ قیمت پر فروخت کردیا جاتا ہے۔ اور حکومت کے نزدیک یہ بلیک مارکیٹ جرم عظیم ہے، اکثر مسلمانوں کے دیندار گھرانے اس میں ملوث ہیں، کہتے ہیں کہ ہمیں کتنی ضرورت ہے، اس کی فکرمت کرو، ہم نئے اور پرانے ایڈریس پر جتنے بھی باٹلے خرید رہے ہیں وہی فروخت بھی کررہے ہیں، ایسا نہیں ہے کہ بغیر روپیوں کے حاصل کرتے ہیں؛ لہٰذا یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ دوکاندار خرید وفروخت کے بعد نفع کماتا ہے، حضرت مفتی صاحب سے پوچھنا ہے کہ زائد از ضرورت گیس کے باٹلے خریدنے میں ملک کے غریب لوگوں کی حق تلفی نہیں ہے؟ کیا ایسا کرنا درست ہے؟

المستفتی: محمد رضوان قاسمی، سورت

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شخص واحد کا دو ایڈریس پر گیس باٹلہ (سلنڈر) سرکار سے حاصل کرنا جب کہ ضرورت صرف ایک سے پوری ہوجاتی ہے اور دوسرے کو نفع کے ساتھ فروخت کردینا حکومت کے قانون کی خلاف ورزی ہے، جس سے اجتناب ضروری ہے؛ لیکن اس کی بیع صحیح ہوجاتی ہے۔ اوراس سے حاصل ہونے والا نفع حلال ہے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ. [البقرة: ١٩٥]

إن المسلم يجب عليه أن يطيع أميره في أمور مباحة. (تكملة فتح الملهم، أشرفيه ٣/ ٣٢٤)

طاعة الإمام فيما ليس بمعصية واجبة. (شامي، الصلاة، باب العيدين،

مطلب تجب طاعة الإمام فيما ليس بمعصية، زكريا ۳ / ۵۳، كراچی ۲/ ۱۷۲)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/ ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۴۹۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۲/۴/۱۴۳۵ھ

132 نمبر کا پلاٹ بیچ کر 131 نمبر کا پلاٹ دینا

سوال [۸۶۲۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک پلاٹ جس کا نمبر 132 ہے، بتدریج (۱) اسحاق (۲) مقصود (۳) سلیمان (۴) عاصم اور (۵) وسیم تک خرید وفروخت ہوتا ہوا پہنچا، وسیم نے یہ پلاٹ عاصم سے 4,50,000/- روپئے میں خریدا، جو دلالوں کے ذریعہ پلاٹ کی جگہ پر خریدا 2,20,000/- روپئے نقد ادا کر دئے گئے (یہ پلاٹ 132 تقریباً دو لاکھ سے بڑھتا ہوا اب 4,50,000/- روپئے تک پہنچا، اب ۲، ۳، ۴/ پارٹیوں نے یہ پلاٹ 132 نمبر کے نام سے ہی فروخت کیا اور قریب 2,50,000/- روپئے نفع چڑھ گیا۔

اب مسئلہ یہ ہے کہ وہ پلاٹ 132 جو خرید وفروخت ہو چکا تھا، 131 نمبر کا نکلا، اسحاق کہہ رہا ہے کہ 132 تو میرا پلاٹ ہے، اب مقصود بعد کی پارٹیاں سلیمان، عاصم سے یہ کہہ رہا ہے کہ تم کو 131 پلاٹ لینا ہو تو لو ورنہ آپ پرانے ریٹ کے روپئے واپس لے جاؤ، جس سے اس کو تو اور بھی فائدہ ہو جائے گا، مگر سلیمان اور عاصم یہ پلاٹ 132 نمبر دکھا کر فروخت کر کے منافع اچھا حاصل کر کے وسیم کو بیچ چکے ہیں اور وسیم نے 132 خریدا ہے، پر اس کے گلے میں 131 ڈالا جا رہا ہے، جو کم قیمت کا ہے اور وسیم کو لینا بھی نہیں ہے، حال یہ ہے کہ اسحاق اب وہ پلاٹ 132 فروخت بھی کرنا چاہتا ہے، ان تمام صورتوں کو مد نظر رکھتے ہوئے شریعت میں اس مسئلہ کا کیا حکم ہے؟ ان تمام پارٹیوں کے لئے، ان تمام کے بیچ کی خرید وفروخت کیسی

ہے؟ ان تمام سودوں کا کیا حکم ہے؟ وسیم کے علاوہ سب کے سب 132 کے نام سے فروخت کر کے نفع لے گئے، وہ کیسا ہے؟ ۲،۳،۴/والی پارٹیاں مل کر 132 خرید کر وسیم کو دلادیں تو کیسا ہے؟ وسیم اگر دلالوں سے تقاضہ کرتا ہے کہ میں نے 132 خریدا ہے، تو آپ مجھے 132 دو اور دلال وسیم کو کہہ سن کر 132 دلا دیتے ہیں، تو وہ کیسا ہے؟

المستفتی: وقار احمد درگاہی، گودھرا، گجرات

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب پلاٹ ۱۳۲ کے بارے میں معاہدہ طے ہوا ہے، تو بیچنے والے پر پلاٹ نمبر ۱۳۲/ ہی دینا لازم ہے۔ اور پلاٹ نمبر ۱۳۲/ کی جگہ پر پلاٹ نمبر ۱۳۱/ کا پیش کرنا معاہدہ شکنی ہے، جو ناجائز ہے؛ اس لئے کہہ سن کر جس پلاٹ کے بارے میں طے ہوا تھا اور بعد کے خریداروں نے اسی کو بیچا ہے، بائع کے اوپر اس بات پر دباؤ ڈالا جائے کہ اسی کی رجسٹری کرادے۔

وأما شرائط الصحة -إلى قوله- ومنها: أن يكون المبيع معلوما والثمن معلوما علما يمنع من المنازعة -إلى قوله- وأما أحكام، فالأصل له الملك في البدلين لكل منهما في بدل ...... والتابع وجوب تسليم المبيع والثمن. (البحر الرائق، كتاب البيوع، زكريا ٥/ ٤٣٦، كوئٹہ ٥/ ٢٦٠-٢٦١، هندية، زكريا قديم ٣/ ٣، جديد ٣/ ٦)

وأما الثالث وهو شرائط الصحة -إلى قوله- ومعلومية المبيع ومعلومية الثمن بما يرفع المنازعة. (شامي، زكريا ٧/ ١٥، كراچی ٤/ ٥٠٥، الموسوعة الفقهية الكويتية ١٣/ ٤٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱/صفر المظفر ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۰۹۶۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۱/۲/۱۴۳۴ھ

گلوکوز کی خرید وفروخت کا حکم

سوال [۸۶۳۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے یہاں ایک ''شیٔ گلوکوز'' نام کی جو کہ سیال بھی ہے اور پاؤڈر ٹائپ میں بھی ہے، کئی دوکانوں میں فروخت ہوتی ہے، جس کا استعمال ہمارے یہاں عموماً نقلی دودھ بنانے میں ہوتا ہے اور بمشکل تمام 20% بچوں کے کھائے جانے والے چاکلیٹ یا دوسری چیزوں میں استعمال ہوتا ہے، دودھ والے حضرات یہ دونوں قسم کی گلوکوز یعنی سیال اور پاؤڈر اور ڈالڈا گھی اور کاسٹک سوڈا ہمارے یہاں سے خرید کر نقلی دودھ بناتے ہیں اور ڈیری والوں کو دھوکہ سے بیچتے ہیں، اس میں دورائے نہیں کہ وہ دودھیا حضرات دوسروں کو دھوکہ دیتے ہیں؛ لیکن ہمارا مذکورہ چیزوں کو بیچنا کوئی دھوکہ نہیں، ڈالڈا گھی تو ہر جگہ ملتا ہے، کاسٹک سوڈا بھی ہر دوکان پر ملتا ہے، اسی طرح گلوکوز بیچنے والے بھی کئی دوکاندار ہوتے ہیں۔ مسئلہ دریافت طلب یہ ہے کہ ہمارے لئے تو اس کا بیچنا کوئی گناہ نہیں، مگر مسئلہ یہ ہے کہ اس کے ذریعہ سے دودھیا حضرات نقلی دودھ بنا کر دوسروں کو دھوکہ دیتے ہیں، کیا ہم بھی اس دھوکہ میں شریک ہیں؟

المستفتی: مولوی ظہیر احمد، مدرسہ انوار العلوم جویا، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آپ کے لئے مذکورہ چیزوں کا بیچنا شرعاً جائز ہے اور آپ دھوکہ دینے والوں میں شمار نہیں ہوں گے، جیسا کہ ''درمختار'' کی اس عبارت سے مستفاد ہوتا ہے:

وجاز بيع عصير عنب ممن يعلم أنه يتخذه خمرا؛ لأن المعصية لا تقوم بعينه، بل بعد تغيره. (الدرمع الرد، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره، زكريا ٩/ ٥٦٠-٥٦١، كراچی ٦/ ٣٩١، تبيين الحقائق، زكريا ٧/ ٦٤، إمداديه ملتان ٦/ ٢٩، الأشباه والنظائر، قديم، ص: ٥٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۹۰۲/۳۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۰/ ۶/ ۱۴۱۷ھ

چوری کا اڈا بنانے والے کو زمین فروخت کرنے کا حکم

سوال [۸۶۳۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کیا ایسے شخص کو اپنی زمین یا پلاٹ فروخت کرنا درست ہے جس سے یہ اندیشہ ہو کہ وہ اس جگہ کو چوری کا اڈا بنا کر استعمال کرے گا؟

المستفتی: جمیل احمد، ایم پی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: اپنی زمین یا پلاٹ کسی کے بھی ہاتھ فروخت کرنا جائز ہے؛ البتہ محلّہ والوں کی خیر خواہی اور تقویٰ کی بات یہ ہے کہ چوروں کے ہاتھ بیچنے کے بجائے اچھے آدمیوں کے ہاتھ فروخت کیا جائے۔

عن تميم الداري –رضي الله عنه– أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: الدين النصحية، قلنا: لمن؟ قال: لله، ولكتابه، ولرسوله، ولأئمة المسلمين، وعامتهم. (مسلم شريف، باب بيان أن الدين النصيحة، النسخة الهندية ١/ ٥٤، بيت الأفكار، رقم: ٥٥)

وكذا إسلام البائع ليس بشرط لانعقاد البيع، ولا لنفاذه، ولا لصحته بالإجماع، فيجوز بيع الكافر وشراءه. (بدائع، البيوع، فصل في شرائط ركن البيع، كراچی ٥/ ١٣٥، زكريا ٤/ ٣٢١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱/۷/۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۸۸۸۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۴/۷/۱۴۲۶ھ

ویزا کی خرید وفروخت

سوال [۸۶۳۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: کوئی شخص حکومت سے اجازت لے کر دوکان کرتا ہے، جس میں اس شخص کو چار ویزے ملتے ہیں، مذکورہ شخص دو ویزہ مبلغ چھ چھ ہزار درہم میں فروخت کر دیتا ہے، خریدار یہاں آ کر اپنا کام یا دوسری جگہ نوکری کرتا ہے، تو کیا یہ پیسہ اس کے لئے جائز ہوگا؟ واضح رہے کہ یہاں اس طرح اکثر لوگ ویزا بیچتے ہیں، اگر ان سے پوچھئے تو کہتے ہیں: دوکان کا خرچ کفیل کا خرچ تو نکالنا پڑتا ہے، یہ ویزا تین سال کا ہوتا ہے، تین سال کے بعد اگر وہ شخص تجدید کرے تو کچھ پیسہ لے کر تجدید کر دیتے ہیں، اس مدت میں اس سے کوئی خرچ نہیں لیا جاتا۔

المستفتی: حبیب اللہ تاج شاہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حکومت کی جانب سے دوکان کرنے والوں کو جو ویزا ملتا ہے، وہ ان کا حق ہے، وہ اس کو چاہیں تو بیچ سکتے ہیں۔ اور اس کی آمدنی کا استعمال کرنا بھی جائز ہوگا، بشرطیکہ اس کام کو کرنے میں عزت پر کوئی آنچ نہ آتی ہو؛ کیوں کہ یہ ایک خلاف قانون کام ہے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۱/۴۳، امداد الفتاوی ۴/۵۸۰)

فإنهم قالوا: يجوز أخذ العوض على وجه الإسقاط للحق، ولا ريب أن الفارغ يستحق المنزول به استحقاقا خاصا. (شامي، كتاب البيوع، مطلب في العرف الخاص والعام، زكريا ۷/ ۳۶، كراچی ٤/ ٥٢٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲ / ربیع الاول ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۶۹۳)

اخبار کی خریداری کی قیمت کو فیس قرار دینے کا حکم

سوال [۸۶۳۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے یہاں اخباروں، ماہنامہ رسالوں میں کچھ دینی سوالات اور معمہ آتے

ہیں اوران کوبغیرادائیگی فیس صرف صحیح جواب اوردرست کرنے پرادارہ انعام دیتا ہے، بندہ نے ان کے متعلق ''فتاویٰ محمودیہ، جواہرالفقہ، امدادالفتاویٰ'' وغیرہ کتب میں دیکھا، جس سے یہ بات سمجھ میں آئی کہ وہ معمہ جات جس میں حل کرنے والےکوفیس ادا کرنی پڑے، پھر درست حل پرانعام ملے یہ سود وقمار ہے؛ لیکن اگرحل کرنے والےکوکچھ فیس ادا نہ کرنی پڑے اورصحیح ودرست پرانعام کا مستحق ہوجائے تو یکطرفہ صورت قمار کی نہیں ہے؛ لیکن اگران اخباری اور ماہنامہ کےمعموں کے متعلق غورکیا جائے تو یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ ظاہری طور پران معموں کےحل کرنے کی فیس نہیں لی جاتی؛ لیکن ان اخباراور ماہنامہ رسالوں کوبیچ کرحل کرنے والا ان کوخرید کر دوسرے طریقہ سے فیس ادا کرتا ہے؛ اس لئے کہ ان معموں کےحل کے شرائط میں سے ایک شرط یہ ہوتی ہے کہ اصل کتاب کی ٹوکن ہی پر جوابات اور خالی جگہ پرکی جائے، اس کی زیروکس کرکے اگرحل بھیجا جائے تو وہ قابل اعتناء نہ ہوگا، تو اس شرط کی وجہ سے ہر معمہ بھیجنے والےکووہ رسالہ یا اخبار خریدنا پڑتا ہے، اس طرح ان اخباری اور ماہنامہ رسالوں کے معموں میں بھی دوسرے طریقہ سے فیس لی یا ادا کی جاتی ہے، ناچیز کے اس خلجان کودفع فرمائیں۔

المستفتی: محمد قاسم جھلرہ بجنوریوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: رسالہ یا اخبارخریدنے کی جوقیمت ہےاس کوفیس قرار دینا احقر کی سمجھ میں نہیں آتا؛ کیوں کہ رسالہ یا اخبار کی جو قیمت دی جاتی ہے وہ توخود اس اخباراور رسالہ کی مناسب قیمت ہے؛ البتہ اگر مناسب قیمت سے زیادتی ہوتی ہے تو فیس شمار ہوسکتی ہے؛ اس لئے احقر کی سمجھ سے بالاتر ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۳/۱۱/۱۴۱۵ھ	احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۴۲۱۶)	۲۳/۱۱/۱۴۱۵ھ

ہوٹل والوں کا زیادہ قیمت میں کھانا فروخت کرنے کا حکم

سوال [۸۶۳۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: بنگال کے بعض مقامات پر بس والے ہوٹلوں پر بس روکتے ہیں اور مسافران ہوٹلوں پر کھانا کھاتے ہیں، مشروبات پیتے ہیں اور عام ریٹ سے ہوٹل والے زیادہ رقم لیتے ہیں، جب کہ ڈرائیور بس کا عملہ یا ان کا مہمان بھی کھانے میں شریک ہوتا ہے اور ان سے رقم نہیں لی جاتی، تو اس میں دو باتیں دریافت طلب ہیں: (۱) آیا یہ کھانا ڈرائیور اور دیگر عملہ کے لئے حلال ہے یا حرام؟ (۲) کیا ہوٹل والے کے لئے زیادہ رقم لینا جائز ہے؟

المستفتی: عبدالعزیز قاسمی، تھانہ برہان الدین، ضلع بھول بنگال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مسئولہ میں یہ کھانا ڈرائیور اور بس کے دیگر عملہ کے لئے حلال ہے؛ کیوں کہ یہ کھانا احسان کے بدلے میں کھلایا جاتا ہے۔

فإذا أحسن الناس، فأحسن معهم. (صحيح البخاري، الأذان، باب إمامة المفتون والمبتدع تعليقاء النسخة الهندية ١/ ٩٦، مصنف عبدالرزاق، المجلس العلمي ١/ ٥٢٠، رقم: ١٩٩١)

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– يخبرهم بذلک عن النبي ﷺ قال: إذا كفى أحدكم خادمه طعامه حره ودخانه، فليأخذ بيده، فليقعده معه، فإن أبى فليأخذ لقمة، فليطعمه إياها. (ترمذي، باب ما جاء في الأكل مع المملوك والعيال، النسخة الهندية ٢/ ٦–٧، رقم: ١٨٥٣، مسند أحمد بن حنبل ٢/ ٢٩٩، رقم: ٧٩٦٨، مسند البزار، مكتبة العلوم والحكم ١٥/ ٣٢١، رقم: ٨٦٦٤)

(۲) ہوٹل والے اپنی چیز کے مالک ہیں؛ اس لئے ان کو حق بنتا ہے کہ وہ زیادہ رقم پر اپنی اشیاء کو فروخت کریں اور یہ ان کے لئے جائز ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ ۱۳/ ۲۴۹)

والمالک هو المتصرف في الأعيان المملوكة كيف شاء من الملک. (بيضاوي، مكتبه رشيد/ ٧)

كل يتصرف في ملكه ماشاء. (شرح المجلة رستم، مكتبه اتحاد ديوبند ١/ ٦٥٤، رقم المادة: ١١٩٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍ جمادی الثانیہ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۷۴۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۶/۹ھ

قانوناً پابندی شدہ جنگلات سے لکڑیاں کاٹ کرلانا

سوال [۸٦٣٥]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے علاقہ میں جنگلات کی دوقسمیں ہیں: ایک تو وہ ہیں جن پر سرکاری آدمی متعین ہیں، دوسرے وہ ہیں جن پر سرکاری آدمی متعین نہیں ہیں، لوگ دونوں جنگلات سے لکڑیاں کاٹ کرلاکرفروخت کرتے ہیں، تو ان دونوں جنگلات سے لکڑیاں کاٹ کرخریدنے اور فروخت کرنے میں کیا حکم ہوگا؟

المستفتی: مفتی عتیق الرحمٰن، مدرسہ اسلامیہ، ناگپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جنگل کی چیزیں ملکیت عامہ مباحہ ہوتی ہیں، ان سے لکڑیاں کاٹ کرفروخت کرنا اور خریدنا سب درست ہے۔

والحطب في ملک رجل ليس لأحد أن يحتطبه بغير إذنه، وإن كان غير ملک فلا بأس به، ولا يضر نسبته إلى قرية أو جماعة ما لم يعلم أن ذلک ملک لهم. (شامي، كتاب إحياء الموات، فصل الشرب، زكريا ١٠/ ١٦، كراچی ٦/ ٤٤٠)

البتہ جن جنگلات پر قانوناً پابندی لگی ہوئی ہو اور سرکاری لوگ متعین ہوں، تو چونکہ کسی حکومت کے تحت رہنے میں اس کے قانون کی پابندی بھی لازم ہوتی ہے اور اس کے خلاف کرنے میں قانونی چوری ہوتی ہے، جس سے عزت ومال دونوں کا خطرہ ہوتا ہے؛ اس لئے قانوناً پابندی شدہ جنگلات سے لکڑیاں کاٹ کرلانا کراہت سے خالی نہیں ہوگا۔ (مستفاد: فتاوی احیاء العلوم، ص: ۲۵۰، فتاوی محمودیہ قدیم ۱۳/ ۳۵۴، جدید ڈابھیل ۱۶/ ۱۴۸)

قال الله تعالىٰ: وَلَا تُلْقُوا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ. [البقرة: ١٩٥]

عن حذيفة – رضي الله عنه – قال: قال رسول الله صلى الله عليه

وسلم: لا ينبغي للمومن أن يذل نفسه، قالوا: وكيف يذل نفسه؟ قال: يتعرض من البلاء لما لايطيق. (سنن الترمذي، أبواب الفتن، النسخة الهندية ٢/ ٥٠، ٥١، دارالسلام، رقم: ٢٣٥٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍ جمادی الثانیہ ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۴۰۶۴)

سرکاری جنگلات کی لکڑیوں کی خرید وفروخت کا حکم

سوال [۸۶۳۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے اطراف واکناف میں لکڑی ساگون کے جنگلات ہیں اور وہ دو طرح کے ہیں، ایک تو وہ ہیں جن پر سرکاری آدمی متعین ہیں یا سرکار نے تاروں وغیرہ کے ذریعہ احاطہ کر رکھا ہے۔ اور دوسرے وہ ہیں جن پر نہ سرکاری آدمی متعین ہے اور نہ ہی کسی قسم کا احاطہ، تو اگر کوئی آدمی خفیہ طور پر اس کی لکڑیاں کاٹ کر لائے اور فروخت کرے، تو اس کا فروخت کرنا اور لینا شرعاً کیسا ہے؟ یاد رہے کہ دوسری قسم کا جنگل اگرچہ اس کا سرکار نے احاطہ نہیں کیا ہے اور نہ ہی آدمی متعین ہے؛ لیکن جنگل سے ملحق شہر کی پولیس کو اس کی اطلاع ہوجائے تو پولیس اس پر سرزنش کرتی ہے۔

المستفتی: مفتی عتیق الرحمٰن صاحب

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگرچہ ایسے جنگلات سے لکڑیاں لاکر فروخت کر کے جو پیسہ حاصل ہوگا وہ حلال ہے، مگر اپنے آپ کو خطرہ میں ڈالنا بھی شرعاً ممنوع ہے؛ اس لئے: ﴿وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ﴾ [البقرة: ١٩٥] کے تحت داخل ہوکر ممنوع وناجائز ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳/۱۱/۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۴۲۱۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۳/۱۱/۱۴۱۵ھ

دریائی جانوروں کی بیع اوران کے کھانے کا حکم

سوال [۸۶۳۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بعض علاقوں میں گھونگھا، سیپی، کیکڑا، کچھوے اور کچھوا کے انڈے کی تجارت ہوتی ہے، تو ان دریائی جانوروں کی بیع کرنا اورکھانا جائز ہے یانہیں؟

المستفتی: مولانا شہیرالدین مغربی بنگال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: دریائی جانوروں میں سے سوائے مچھلی کے کسی جاندار کا کھانا درست نہیں۔اورسوال میں ذکر کردہ جانور مچھلی میں داخل نہیں ہیں۔

ولا يوكل من حيوان الماء إلا السمك. الخ (هداية، كتاب الذبائح، فصل فيما يحل أكله وما لا يحل، أشرفي ٤/ ٤٤٢، المبسوط للسرخسي، دارالكتب العلمية بيروت ١١/ ٢٤٨، مختصر القدوري، ص: ٢٢٦)

البتہ ان جانوروں سے انتفاع کیا جاتا ہے، مثلاً کیکڑے کوجلا کر شہد میں ملاکر پرانی کھانسی کے لئے استعمال کرنا بہت مفید ہے۔اورسیپی سے چونا بنایا جاتا ہے؛ لہٰذا ان کی بیع درست ہے، اوراس کا پیسہ بھی حلال ہے۔

والصحيح أنه يجوز بيع كل شيء ينتفع به. (هندية، كتاب البيوع، الباب التاسع، الفصل الرابع زكريا قديم ٣/ ١١٤، جديد ٣/ ١١٥)

أن جواز البيع يدور مع حل الانتفاع. (الفتاوى التاتارخانية ٨/ ٣٤٠، رقم: ١٢١٢٥، المحيط البرهاني، المجلس العلمي ٩/ ٣٣٢، رقم: ١١٩٩٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۰۷۵)

مردار کی ہڈی، دانت، سینگ، پٹھے کی خرید وفروخت کا حکم

سوال [۸۶۳۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مردار کی ہڈی اور مردار کا بال اور مردا کی سینگ اور پٹھے وغیرہ پاک ہیں یا ناپاک؟ ان اشیاء کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟ اسی طرح ان کی تجارت بھی جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: نیاز احمد فاروقی، حلال ٹرسٹ جمعیۃ العمار ہند

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مردار کے وہ تمام اجزاء پاک اور قابل انتفاع ہیں، جن میں خون نہ ہو؛ لہٰذا مردار جانور کی سینگ، ہڈی، دانت، کھر، بال، پٹھے وغیرہ یہ سب کے سب قابل انتفاع ہیں، ان سب چیزوں کی تجارت اور ان کا پیسہ جائز اور حلال ہے۔ اور ان کو جانوروں کے غذا کی شکل دے کر جانوروں کو کھلانا بھی بلاشبہ جائز ہے۔

لا بيع جلود الميتة قبل الدباغ، ويجوز بعده وينتفع به، ويباع عظمها وينتفع به، وكذا عصبها، وقرنها، وصوفها، وشعرها، ووبرها، وكذا عظم الفيل خلافا لمحمد، وتحته في مجمع الأنهر: المختار قولهما. (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، جديد ۳/ ۸۵)

اور بدائع کی عبارت اور زیادہ واضح ہے، ملاحظہ فرمایئے:

أما الأجزاء التي لادم فيها، فإن كانت صلبة كالقرن، والعظم، والسن، والحافر، والخف، والظلف، والشعر، والصوف، والعصب، والأنفحة الصلبة، فليست بنجسة عند أصحابنا. (بدائع الصنائع، كتاب الطهارة، فصل في حكم الميتة، زكريا ۱/ ۱۹۹، كراچی ۱/ ۶۳، الموسوعة الفقهية الكويتية ۴۰/ ۷۴)

اور ''تاتارخانیۃ'' کی عبارت ملاحظہ فرمایئے:

أما شعر الميتة، وعظمها، وصوفها، وقرنها فلا بأس بالانتفاع بها،

وبيع ذلک كله جائز، وقوله: أما العصب ففيه روايتان في رواية جاز الانتفاع به وبيعه. (تاتارخانية، كتاب البيوع، الفصل السابع في بيع المحرمات، زكريا ٨/ ٣٤٢، رقم: ١٢١٣٣، محيط البرهاني، كتاب البيوع، الفصل السادس في ما يجوز بيعه وما لايجوز، جديد بيروت ٩/ ٣٣٤، رقم: ١١٩٩٨، كوئٹه ٧/ ٣٠٧، هندية، كتاب البيوع، الباب التاسع فيما يجوز بيعه وما لايجوز، الفصل الخامس، مطلب في بيع المحرمات، زكريا وكوئٹه ٣/ ١١٥، جديد زكريا ٣/ ١١٦)

عن ابن عباس –رضي الله عنه– قال: سمعت رسول الله ﷺ: قال: قل لا أجد فيما أوحي إلي محرما على طاعم يطعمه ألا كل شيء من الميتة حلال إلا ما أكل منها، فأما الجلد، والقرن، والشعر، والصوف، والسن، والعظم، فكل هذا حلال؛ لأنه لا يذكي. (سنن داراقطني ١/ ٤٣، رقم: ١١٧)

اور شامی کی عبارت ملاحظہ فرمایئے:

شعر الميتة، وعظمها، وعصبها على المشهور وحافرها، وقرنها الخالية عن الدسومة، وفي الشامية: قيد للجميع كما فى القهستاني. (شامي، كتاب الطهارة، باب المياه، مطلب في أحكام الدباغة، زكريا ١/ ٣٥٩، كراچی ١/ ٢٠٦)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/۱۱/۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۸۱۲/۴۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۲/۱۱/۱۴۳۵ھ

مردار جانور کے کچے چمڑے اور ہڈی کی خرید وفروخت کا حکم

سوال [۸۶۳۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مردار جانور کا چمڑا کچا ہو تو اس کی ہڈی کا خریدنا بیچنا درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: رحمت اللہ قاسمی سنبھل، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مردار کی کھال تازہ اور کچی حالت میں فروخت کرنا جائز نہیں ہے۔ اور سوکھ جانے کے بعد وہ پاک ہو جاتی ہے؛ اس لئے خشک ہونے کے بعد اس کا فروخت کرنا جائز اور درست ہے۔ اور مردار کی ہڈی جس پر چکناہٹ اور تری ہو تو اس کی خرید وفروخت جائز نہیں ہے۔ اور اگر ہڈی پر تری اور چکناہٹ نہیں ہے، تو اس کی خرید وفروخت جائز ہے۔ (مستفاد: فتاوی دارالعلوم ۱۴/۳۷۰)

عن ابن عباس –رضي الله عنه– في قوله عز وجل: ﴿قُلْ لَا اَجِدُ فِيْ مَا اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ يَطْعَمُهُ﴾ قال: الطاعم: الأكل فأما السن، والقرن، والعظم، والصوف، والشعر، والوبر، والعصب، فلا بأس به؛ لأنه يغسل، وقال شبابة إنما حرم من الميتة مايوكل منها، وهو اللحم، فإما الجلد والسن، والعظم، والشعر، والصوف فهو حلال. (سنن داراقطني، دارالكتب العليمة بيروت ۱/ ۴۲، رقم: ۱۱۲)

لا يتنجس من الميتة عشرة أشياء: الشعر، والصوف، والوبر، والريش، والحافر، والقرن، والظفر، والظلف، والعظم، والعصب إذا لم يكن عليه دسومة، ولا لحم ولا دود. وفي الذخيرة: وأما العصب ففيه روايتان: في رواية: جاز الانتفاع به، وبيعه؛ لأنه طاهر. وفي الظهيرية: قال أبوحنيفة رحمه الله: لا بأس بالانتفاع بحافر الميتة، وظلفها، وعظمها. وفي الملتقط: عظام الفيل بعد ما جف طاهرة يجوز بيعها. (تاتارخانية ۱/ ۴۴۶، رقم: ۱۱۵۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/ شعبان ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۹۹۵)

حلال جانوروں کے کون کون سے اعضاء کی تجارت جائز ہے؟

سوال [۸۶۴۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بھینس، بیل، بکری کے جسم کی کون کون سی چیز کی تجارت کرسکتے ہیں؟ جیسے کہ ان تینوں جانوروں کے پیٹ میں پتا ہوتا ہے، اس کے پانی کی تجارت دیگر ملکوں میں ہوتی ہے، پتے کا پانی اس کو ابال کر خشک کیا جاتا ہے، اس میں کیا گنجائش ہے؟ واضح فرمائیے۔

المستفتی: محمد ظریف قریشی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر حلال جانور کو جائز طریقہ سے ذبح کیا گیا ہو تو اس کے سارے اعضاء پاک ہیں اور اس کی تجارت جائز ہے؛ البتہ اس کا دم سائل حرام ہے اور اس کی تجارت بھی جائز نہیں ہے۔ اور اس کے پتے، مثانہ، بچہ دانی، ذکر اور غدود اور خصیتین وغیرہ کھانا مکروہ ہے؛ لیکن تجارت ان کی بھی جائز ہے؛ اس لئے کہ ان چیزوں کو بطور دوا اور علاج کے استعمال کرنے کی گنجائش ہے۔

والحاصل أن جواز البيع يدور مع حل الانتفاع. (شامي، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مطلب في بيع دودة القرمز، زكريا ۷/ ۲۶۰، كراچی ۵/ ۶۹، الموسوعة الفقهية الكويتية ۹/ ۱۵۵، ۱۷/ ۲۸۱، مجمع الأنهر، مصري قديم ۲/ ۱۰۸، دارالكتب العلمية بيروت ۳/ ۱۵۱) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶؍ شعبان ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۷۸۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۷/۸/۱۴۳۳ھ

مرغ وغیرہ جانوروں کو زندہ فروخت کرنے کا حکم

سوال [۸۶۴۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: آج کل جورواج چل پڑا ہے کہ مرغ کو زندہ ہی حالت میں بیچتے خریدتے ہیں، اس طرح کی خریداری ازروئے شرع مباح ہے یا حرام؟ اگر ناجائز وحرام ہے، تو کیوں؟ کیا اس سلسلے میں قرآن وسنت یا کتب فقہ میں کوئی صراحت موجود ہے؟ کیا اس طرح بیچنا خریدنا اور کھانا سب حرام ہے؟ کیا اس سلسلے میں کوئی واضح شرعی ضابطہ موجود ہے کہ کون سی چیز کس طرح اور کس پیمانے سے بیچی جائے؟ برائے کرم صاف مفصل واضح مدلل جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: اظہار الحق، مبارک پور، اعظم گڑھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مرغ کو زندہ حالت میں روپیہ پیسے کے عوض میں فروخت کرنا بلاکراہت جائز اور درست ہے، چاہے گن کر فروخت کیا جائے یا تول کر ہر طرح جائز ہے، اس میں ناجائز ہونے کی کوئی علت نہیں، اسی طرح گائے، بھینس، بکری، مچھلی وغیرہ تمام حلال جانوروں کو زندہ حالت میں پیسوں کے عوض میں تول کر اور شمار کر کے ہر طرح سے فروخت کرنا جائز اور درست ہے۔

وقال محمد: إن كان بغير جنسه كلحم البقر، بالشاة الحية جاز كيفما كان. الخ (شامي، كتاب البيوع، باب الربا، زكريا ٧/ ٤١٥، كراچی ٥/ ١٨٠، حاشية چلپی مكتبه إمداديه ملتان ٤/ ٩١، زكريا ٤/ ٤٦٠)

قال أبو حنيفة وأبو يوسف يجوز بيع اللحم بالحيوان؛ لأن الحيوان وهو بيع موزون بغير موزون. الخ (أوجز المسالك، قديم ٥/ ١٠٥، جديد دارالقلم)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ ر صفر ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۶۹۲/۳۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۸/۲/۱۴۱۷ھ

زندہ جانور تول کر بیچنا

سوال [۸۶۴۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: جانورکوزندہ تول کرخرید سکتے ہیں یانہیں؟

المستفتی: محمد اقبال شمسی طویلہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زندہ جانورکوروپے پیسے کےعوض تول کربیچنا جائزاور درست ہے؛ کیوں کہ اس زمانے میں وزن اورتول سے زندہ جانوروں کی خریدفروخت ہونے لگی ہے، اس بناپر معمولی جہالت نزاع کا سبب نہیں ہوتی؛ لہٰذا بیع درست ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاوی دہلی ۶/ ۴۹۷، ایضاح المسائل/ ۱۵۸)

كما استفاد من هذه العبارة، كما لو باعه بالأثمان وإن باعه بحيوان بغير مأكول اللحم جاز في ظاهر قول أصحابنا، وهو قول عامة الفقهاء، وفي المحلى: قال أبوحنيفة وأبويوسف: يجوز بيع اللحم بالحيوان؛ لأن الحيوان ليس من مال الربو، وهو بيع موزون بغير موزون. (أوجز المسالك ٥/ ١٠٥، فتح القدير، دارالفكر، مصرى قديم ٧/ ٢٧، كوئٹه ٦/ ١٦٧، زكريا ٧/ ٢٥، شامي، زكريا ٧/ ٤١٥، كراچى ٥/ ١٨٠، حاشية چلپى، إمداديه ملتان ٤/ ٩١، زكريا ٤/ ٤٦٠)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفااللہ عنہ
۵؍جمادی الثانیہ ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۱۸۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۲۰/۶/۵ھ

مذبوحہ جانوروں کے اعضائے تناسل اورخون کی بیع کا حکم

سوال [۸۶۴۳]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مذبوحہ جانوروں کے اعضاء تناسل اوران کےخون کی بیع جائزہے یانہیں؟ اگر جائزہے، تب توصحیح، ورنہ بجائے ضائع کرنے کے دینی خدمات یاعوام کےمصارف ضروریہ میں کیاخرچ کرنادرست ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حلال جانوروں کے اجزاء میں سے جن اجزاء کا کھانا ممنوع ہے، وہ دو قسموں پر ہیں: (۱) وہ اجزاء جن کا استعمال حرام ہے، جیسا کہ دم مسفوح اس کی حرمت نص قطعی سے ثابت ہے، نہ اس کا کھانا جائز ہے اور نہ ہی اس کی خرید وفروخت جائز ہے، اس کو بیچ کر جو پیسہ آتا ہے وہ بھی حرام ہے۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ. [المائدة: ۳]

(۲) دوسری قسم وہ اجزاء جن کے استعمال کی ممانعت دلیل ظنی سے ثابت ہے، یعنی خبر واحد سے جیسے ذکر، خصیتین، قبل، غدود، مثانہ اور پتہ۔

وأما بيان ما يحرم أكله من أجزاء الحيوان المأكول، فالذي يحرم أكله منه سبعة الدم المسفوح، والذكر، والأنثيان، والقبل، والغدة، والمثانة، والمرارة، والمروي عن أبي حنيفة أنه قال: الدم حرام، وأكره الستة أطلق اسم الحرام على الدم المسفوح، وسمى ماسواه مكروها. (بدائع الصنائع، كتاب الذبائح، والصيود ما يستحب في الزكوة، زكريا ٤/ ١٩٠، كراچی ٥/ ٦١)

ان چیزوں کا کھانا تو مکروہ ہے؛ لیکن ان چیزوں کی خرید وفروخت اس لئے جائز ہے کہ یہ چیزیں کھانے کے علاوہ بطور علاج استعمال ہوسکتی ہیں؛ اس لئے ان کی بیع بھی جائز اور پیسہ بھی حلال ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۷؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۶۵۶)	۱۴۲۱/۵/۷ھ

سمندری کیکڑے کی خرید وفروخت کا حکم

سوال [۸۶۴۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: حنفیوں کے لئے سمندر کا کیکڑا فروخت کرنا کیسا ہے، جائز ہے یانہیں؟ جولوگ اس کو فروخت کرتے ہیں، وہ اس پیسہ کے مالک ہوتے ہیں یانہیں؟ نیز ان کے گھر کا کھانا کھانا اور ان سے تعلق رکھنا درست ہے یانہیں؟ مدلل جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: رضاءالکریم قاسمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حنفیہ کے نزدیک کیکڑے کو کھانے کے لئے بیچنا اور خریدنا جائز نہیں ہے؛ لیکن اگر اس کا استعمال دوائیوں میں ہوتا ہے جیسا کہ معتبر اطباء سے معلوم ہوا ہے کہ کیکڑے کی کھال کا استعمال پھیپھڑے کی دوائیوں میں ہوتا ہے، تو ایسی صورت میں اس کو بیچنا اور خریدنا جائز ہے۔ اور مالک بیچنے کی وجہ سے اس پیسہ کا مالک ہوجائے گا، اور اس کی دعوت وغیرہ قبول کرنا بھی جائز ہے۔

الحاصل أن جواز البيع يدور مع حل الانتفاع. وفي الشامية: يجوز بيع الحيات إذا كان ينتفع بها للأدوية وما جاز الانتفاع بجلده أو عظمه، أي من حيوانات البحر أو غيرها. (شامي، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مطلب في بيع دودة القرمز، زكريا ۷/ ۲٦۰، كراچی ٥/ ٦۹، الموسوعة الفقهية الكويتية ۹/ ۱٥٥، ۱۷/ ۲۸۱، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ۳/ ۱٥۱، مصري قديم ۲/ ۱۰۸)

ولو دعي إلى دعوة، فالواجب أن يجيبه إلى ذلک، وإنما يجب عليه أن يجيبه إذا لم يكن هناک معصية ولا بدعة. (عالمگيري، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات، زكريا قديم ٥/ ۳٤۳، جديد ٥/ ۳۹۷)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍ جمادی الثانیہ ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۷۰۴/۳۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۶/۶/۱۴۲۳ھ

کتے کی بیع کی شرعی حیثیت

سوال [۸۶۴۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک حنفی عالم جو اپنے آپ کو دارالعلوم دیو بند کی طرف منسوب کرتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ حنفی مسلک قرآن وحدیث سے بہت دور ہے، یہی وجہ ہے کہ پورے خلیج میں ڈھونڈ نے سے ایک حنفی بھی نہیں ملے گا۔ ''ہدایہ'' میں لکھا ہے کہ کتا فروخت کرنا جائز ہے، ایسے بہت سے واقعات ہیں۔

المستفتی: شفیع احمد الاعظمی، بحرین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس حنفی عالم کا سوال نامہ میں ذکر کیا گیا ہے اور جو اپنے آپ کو دارالعلوم دیو بند کی طرف منسوب کرتے ہیں اور اوپر سے اس جہالت کا بھی اظہار کرتے ہیں کہ حنفی مسلک قرآن وحدیث سے بہت دور ہے، اوراس پر یہ تنزیہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ ''ہدایہ'' میں لکھا ہے کہ کتا فروخت کرنا جائز ہے، تواس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ وہ صرف کرتا پائجامہ والے عالم ہیں؛ اس لئے یہ شخص نہ حنفی مسلک سے واقفیت رکھتا ہے اور نہ ہی حدیث رسول سے واسطہ ہے؟ کیا صحیح حدیث شریف میں اس بات کا ثبوت نہیں ہے کہ کلب معلم کوفروخت کرنا جائز اوردرست ہے۔ حدیث شریف ملاحظہ فرمائیں۔

حدثنا أبوبكر النيسابوري، نا إسحاق بن الجراح، نا الهيثم بن جميل، ح وحدثنا عثمان بن أحمد الدقاق، نا محمد بن أحمد بن الوليد بن برد، نا الهيثم بن جميل، نا حماد بن سلمة، عن أبي الزبير، عن جابر قال: نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن ثمن الكلب والسنور، إلا كلب صيد. (سنن الدارقطني، كتاب البيوع، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ٦١، رقم: ٣٠٤٩)

حدثنا محمد بن القاسم بن زكريا، نا أبو كريب، محمد بن العلاء، نا سويد بن عمرو، عن حماد بن سلمة، عن أبي الزبير، عن جابر قال: نهى

رسول الله صلى الله عليه وسلم عن ثمن السنور والكلب، إلا كلب صيد.

(سنن الدارقطني، كتاب البيوع، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ٦١، رقم: ٣٠٥٠)

عن جابر بن عبدالله أن رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن ثمن الكلب والسنور، إلا كلب صيد. (نسائي شريف، البيوع، باب بيع الكلب، النسخة الهندية ٢/ ٢٣٠، دارالسلام، رقم: ٤٦٦٨)

قال الحافظ في الباري: أخرجه النسائي بإسناد رجاله ثقات. (فتح الباري، البيوع، باب ثمن الكلب، أشرفيه ٤/ ٥٣٦، دارالفكر ٤/ ٤٢٧)

نیز بعض متعدد روایات میں کھیتی کے کتے کی فروختگی کا جواز بھی ثابت ہے؛ لیکن ان روایات کی صحت میں محدثین نے کلام کیا ہے، اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے کتے کا پیسہ حلال قرار دیا ہے اوراس پر کسی جاہل کواشکال ہے تو اس کا اشکال اسی کو مبارک ہو، نیز یاد رکھئے کہ حنفی مسلک کے مسائل کے لئے احادیث شریفہ ڈھونڈی جائیں تو انشاء اللہ ہر ایک مسئلہ کے موافق حدیث رسول مل جائے گی، چاہے دلالۃ ہو یا اشارۃ یا اقتضاء ہو۔ فقط واللہ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲ رصفر ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۲۰-۷۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۲/۲۴ھ

انسانی وحیوانی فضلات کی خرید وفروخت کا حکم

سوال [۸۶۴۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: موجودہ زمانہ میں انسانی اور حیوانی فضلہ کا استعمال بطور کھاد ہوتا ہے۔ اوراس سے گیس بھی پیدا کی جاتی ہے؛ لہٰذا ایسی صورت میں انسانی وحیوانی فضلات کی خرید وفروخت جائز ہے یا نہیں؟ دونوں کا حکم الگ الگ ہے یا ایک ہے؟ جواب تحریر فرمادیں۔

المستفتی: کلیم احمد حسن پور، امروہہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: خالص انسانی فضلات کی خرید وفروخت کرنا مکروہ ہے، اور اگر وہ راکھ یا مٹی وغیرہ کے ساتھ مخلوط ہو اور وہ غالب ہو تو بلا کراہت جائز ہے۔ اور حیوانی فضلات کی خرید وفروخت بہر حال بلاکراہت جائز ہے۔

كره بيع العذرة رجيع الآدمي خالصة لا يكره بل يصح بيع السرقين، أي الزبل، ثم قال: وصح بيعها مخلوطة بتراب أو رماد غلب عليها في الصحيح. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره، فصل في البيع، زكريا ٩/ ٥٥٢، كراچی ٦/ ٣٨٥، البناية، أشرفيه ١٢/ ٢٠١، الموسوعة الفقهية الكويتية ٤٠/ ١٠٢، المحيط البرهاني، المجلس العلمي ٨/ ١٠٢، رقم: ٩٦٨٧، الفتاوى التاتارخانية، زكريا ١٨/ ٢٣٥، رقم: ٢٨٦١٥، هندية، زكريا قديم ٣/ ١١٦، جديد ٣/ ١١٧، أحسن الفتاوى ٦/ ٣٢١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۰۴۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۵/ ۵/ ۱۴۲۴ھ

بریلوی مسلک کے لوگوں کو زمین فروخت کرنے کا حکم

سوال [۸۶۴۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہم نے گاؤں میں ایک دو بیگہ آراضی خریدی، اس زمین کو بریلوی مسلک کے لوگ ہم سے خرید کر ایک مدرسہ تعمیر کرنا چاہتے ہیں، جب کہ اس جگہ کے برابر میں ایک دیوبندی مسلک کا مدرسہ بھی ہے، تو ایسی صورت میں ہم اپنی زمین کو ان حضرات کے ہاتھوں فروخت کرسکتے ہیں؟ جو بھی حکم شرعی ہو واضح فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔

المستفتی: فہیم انور قریشی، محلّہ اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: خرید وفروخت ایک اختیاری عمل ہے جو چاہے، بیچ سکتا ہے اور جو چاہے خرید سکتا ہے؛ لیکن جب آپ کو پہلے سے یہ بات نظر آرہی ہے کہ بریلوی مسلک کے لوگ یہاں ادارہ قائم کریں گے جس کی وجہ سے خوش عقیدہ دیوبندی مسلک کے ادارہ کے ساتھ ٹکراؤ اور مسلسل فتنہ کا ایک دروازہ کھل جائے گا جو دونوں طرف کے لوگوں کے لئے بے چینی اور بے قراری کا سبب ہوگا؛ اس لئے وہ زمین کسی دیوبندی مسلک کے آدمی کے ہاتھ فروخت کرنا زیادہ بہتر ہے۔

وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ. [البقرة: ٢١٧]

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن الشيطان قد أيس أن يعبده المصلون في جزيرة العرب، ولكن في التحريش بينهم. (مسلم، كتاب صفة المنافقين، باب تحريش الشيطان ٢/ ٣٧٦، بيت الأفكار، رقم: ٢٨١٢)

لكل واحد منهم أن يتصرف في حصته كيف ماشاء. (شرح المجلة رستم باز، اتحاد ديوبند ١/ ٦٤٣، رقم: ١١٦٢) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللّٰہ عنہ
۲۳؍ جمادی الثانیہ ۱۴۳۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۳۰۰۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۳/ ۶/ ۱۴۳۶ھ

۲ / باب الخيار

بیع کے تام ہونے کے بعد کسی ایک فریق کے بیع کو ختم کرنے کا حکم

سوال [۸۶۴۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مرحوم عبدالمنان خان کھرگون ایم پی نے اپنی زندگی میں شیخ حمید اسلام پور مہاراشٹر کو اپنی کھیتی کی زمین (قابل زراعت وپیداوار) ۸را یکٹر۴رڈسمل جو۱۹۹۸ء میں مبلغ تین لاکھ ۳۲ر ہزارروپئے میں فروخت کی۔ مذکورہ رقم کی ادائے گی کی شکل فریقین میں اتفاق رائے سے اس طرح طے کی گئی پچاس ہزارروپئے ۱۵رجون ۱۹۹۸ءکو، پھرایک لاکھ روپئے یکم اگست ۱۹۹۸ءکواورایک لاکھ ۲۵ر ہزارروپئے یکم جنوری ۱۹۹۹ءکو یہ کل -/2,75,000 ہوئے باقی بچے -/57,000روپئے، یہ رجسٹری ہوجانے کے بعد ادا کئے جائیں گے۔

غورطلب مسئلہ یہ ہے کہ -/2,75,000 روپئے یکم جنوری ۱۹۹۹ءتک ادا کرنے چاہئے تھے، مگر فروری ۲۰۰۰ءتک شیخ حمید نے صرف -/2,15,000 روپئے ہی ادا کئے ہیں اور باقی -/60,000 ساٹھ ہزار ابھی تک ادانہیں کئے ہیں، تو ایسی صورت میں جب کہ ساٹھ ہزار کو۱۲ر۱۳رسال کا طویل عرصہ گذرگیا ہے، تو کیا عبدالمنان مرحوم کے لڑکے شیخ حمید سے ساٹھ ہزار کا معاوضہ لے سکتے ہیں؛ کیوں کہ شیخ حمید نے وعدے کے مطابق ۱۹۹۹ءتک -/2,75,000 روپئے ادانہیں کئے ہیں، زمین کی پوری قیمت ادا کئے بغیر ۱۲-۱۳رسال سے اس زمین کی پیداوار حاصل کررہا ہے؛ لہٰذا عبدالمنان کے لڑکوں کو یا تو اس کا معاوضہ ملنا چاہئے یا پھر سودا کینسل کرنے کا اختیار رہنا چاہئے، شرعاً کیا حکم ہے؟

المستفتی: قیصرمحمودخان کھرگون

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عبدالمنان کا شیخ حمید کواپنی زمین بغیر کسی شرط کے ثمن

مؤجل کے ساتھ بیچ دینا اور شیخ حمید کا بائع کی اجازت سے اس پر قبضہ کر لینے سے وہ زمین اس کی ملکیت میں داخل ہوگئی ،اب شیخ عبدالمنان کے لڑکوں کو مبیع کے کچھ ثمن کی ادائے گی نہ ہونے پر اس بیع کو تنہا اپنی طرف سے فسخ کرنے کا اختیار نہ ہوگا؛ بلکہ وہ صرف مابقیہ قیمت کے حقدار ہوں گے جس کی ادائے گی کے لئے شیخ حمید پر دباؤ ڈالا جائے گا۔ اور اگر دباؤ کے باوجود ساٹھ ہزار روپئے ادا نہیں کرتا ہے تو پھر عبدالمنان کے لڑکوں کو عقد کے فسخ کرنے کا اختیار حاصل ہوجائے گا۔

إذا حصل الإيجاب والقبول لزم البيع. (تاتارخانية ۸/ ۲۲۲، رقم: ۱۱۷۱٤، هداية، كتاب البيوع، أشرفي ديوبند ۳/ ۲۰، الجوهرة النيرة، إمداديه ملتان ۱/ ۲۲٦، دارالكتاب ديوبند ۱/ ۲۲۰، ملتقى الأبحر، دارالكتب العلمية بيروت ۳/ ۱۰)

وللبائع حق حبس المبيع لاستيفاء الثمن إن كان الثمن حالا، وإن كان الثمن مؤجلا لم يكن له حق الحبس، وإذا استوفى الثمن وسلم المبيع أو سلم بغير قبض الثمن وبعضه مؤجل، أو قبض المشتري بإجازة البائع لفظا أو قبضه وهو يراه، ولا ينهاه ليس له أن يسترده ليحبسه بالثمن.
(تاتارخانية ۸/ ۲٤۲، رقم: ۱۱۷۷۸، الفقه الإسلامي وأدلته، هدى انٹرنیشنل دیوبند ٤/ ۱۷۸)

لأن أحد المتعاقدين لا ينفرد بالفسخ كمالا ينفرد بالعقد. (هداية، كتاب القضاء، باب التحكيم، مسائل شتى، اشرفيه ديوبند ۳/ ۱٤۷)

لأنه لما تعذر استيفاء الثمن من المشتري، فات رضا البائع، فيستبد بفسخه. الخ (هداية، أشرفي ديوبند ۳/ ۱٤۷، البحرالرائق، كوئٹه ۷/ ۳٦، زكريا ۷/ ٦۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/رجب ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۱۹۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۲/۷/۱۴۳۴ھ

عقد صحیح کے بعد واپسی پر مجبور کرنا

سوال [۸۶۴۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید اپنی زمین فروخت کر رہا تھا، عمرو دو آدمیوں کو لے کر زید کے پاس آیا اور زید سے زمین کا سودا کرنا شروع کیا، زید نے اس کی قیمت پانچ ہزار روپیہ فی بیگہ خام کم از کم بتائی، عمرو کے ساتھ اس کا لڑکا بھی تھا جو عاقل وبالغ ہے، عمرو نے اس کی قیمت ساڑھے تین ہزار روپیہ فی بیگہ خام لگائی، کچھ دن خاموشی رہی، اس کے بعد سے عمرو کے لڑکے نے پونے چار ہزار روپیہ فی بیگہ خام لگائی، اس کے بعد زید نے ہنس کر کہا کہ بیٹا تمہارے بس کی نہیں، پھر تقریباً پندرہ منٹ خاموشی رہی، عمرو کے ساتھ جو دو آدمی آئے تھے، ان میں سے ایک نے کہا کہ دونوں فریق کیوں خاموش ہوگئے؟ اس کے بعد زید نے ان دونوں آدمیوں کو اختیارات دے دئے، جن کو عمرو لے کر آیا تھا کہ تم کو کل اختیار ہے، چاہے جتنے میں طے کردو، پھر خاموشی رہی، کچھ دیر بعد عمرو نے بھی ان دونوں ہی آدمیوں کو اختیار دے دیا، اس کے بعد پیسے کا لین دین شروع ہوگیا اور اگلے ہی روز سے زید نے زمین عمرو کے قبضہ میں دے دی، کچھ دنوں بعد جب عمرو پاکستان جانے لگا تو زید سے یہ کہہ کر گیا کہ میرے لڑکے سے پیسے لینے کی کوشش کرنا، یہ پیسہ دینا نہیں چاہتا ہے، زید نے جب لڑکے سے پیسوں کو کہا تو آج کل کرتا رہا اور اس طرح دو مہینے عمرو کا لڑکا زید کو دھوکہ دیتا رہا، عمرو کے پاکستان سے آنے پر زید نے یہ واقعہ من وعن عمرو سے دوہرایا، جس پر عمرو نے خاموشی اختیار کی اور کوئی جواب نہیں دیا، اس کے بعد عمرو نے لوگوں سے یہ کہنا شروع کیا کہ زید مجھ کو زمین دینا نہیں چاہتا اور اس بات کو خوب شہرت دی، اس کے بعد لوگوں نے زید سے معلوم کیا، زید نے لوگوں سے کہا کہ یہ غلط ہے، جو لوگ ثالث ہیں وہ مجھے جو حکم دیں گے میں اس کا پابند رہوں گا، عمرو نے ان ثالثوں سے ایک مرتبہ بھی یہ نہیں کہا کہ فیصلہ دو اور زمین لکھوا دو، بلکہ زید کی تحقیر وتذلیل میں مستقل لگ گیا، کچھ دنوں کے بعد ان ثالثوں میں سے ایک آدمی کو

لے کرعمرو زید کے پاس آیااور کہا کہ مجھے کسی قیمت پرزمین نہیں لینی ہے، میرا جورو پیہ ہے وہ واپس کر دو، ان حالات میں اس زمین کی پیداوار عمرو نے کھائی، اس کے لئے شرعی حکم کیا ہے؟ اوراس پیدوار کا شرعی حکم کیا ہے؟

المستفتی: عبداللطیف قاسمی، قبصہ اکبرآباد، ضلع بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مذکورہ حالات میں اگرفسادِعقد کی کوئی علت نہیں ہےاور نہ ہی زمین میں کوئی عیب سابق موجود ہے، عمرو کے لئے زید کو مجبور کر کے زمین واپس کرنا شرعاً جائزنہیں ہے؛ بلکہ عمرو پر واجب ہے کہ وعدہ کے مطابق زمین کی رقم ادا کرے۔

وإذا حصل الإيجاب والقبول لزم البيع، ولا خيار لواحد منهما إلا من عيب، أو عدم رؤية. الخ (هداية، كتاب البيوع، أشرفي ديوبند ٣/ ٢٠، الجوهرة النيرة، إمداديه ملتان ١/ ٢٢٦، دارالكتاب ديوبند ١/ ٢٢٠، تاتارخانية، زكريا ٨/ ٢٢٢، رقم: ١١٧١٤، ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ١٠-١١)

اورعمرو جب اس زمین کی پیداوار استعمال کر چکا ہےتو اب زمین کا واپس کرنا ہرگز درست نہیں ہے۔

باع كرما وسلمه، فأكل ………… (الدرالمختار، قبيل باب المرابحة والتولية، كراچی ٥/ ١٣٢، زكريا ٧/ ٣٤٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/ ذیقعدہ ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۵۲۲)

بیعانہ کی ادائے گی نہ کرنے پر کیا بیع کوختم کیا جاسکتا ہے؟

سوال [۸۶۵۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: فدوی نے اپنی زمین کا سودہ ایک ہندو سے مبلغ دولاکھ دس ہزار روپئے میں کیا تھا،

مورخہ: ۱/۷/ ۲۰۰۹ء کو اور اس نے فدوی کو اڈوانس ایک لاکھ سڑسٹھ ہزار پانچ سو روپے دیئے، باقی رقم اس نے بیعانہ پر دینے کو کہا تھا، تاہم اس نے بیعانہ نہیں کروایا، بیع نامہ کی مدت ۶/ ماہ رکھی تھی، نہ اس نے رقم ادا کی اور اب اس معاملہ کو تقریباً تین سال تین ماہ گذر چکے ہیں، اب زمین کی قیمت سات لاکھ روپئے ہے، اس نے جو رقم اڈوانس دی تھی، فدوی نے اس کو زمین جوتنے کی اجازت دے دی تھی، براہ کرم جواب تحریر فرمائیں۔

المستفتی: لیاقت حسین اعجاز نگر بریلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفیق: جب بیع نامہ کی مدت چھ مہینے تھی اور چھ مہینے کی مدت گذر جانے کے بعد بھی اس نے بیع نامہ نہیں کیا ہے اور اسی پر تین سال سے زیادہ عرصہ گذر گیا ہے، تو ایسی صورت میں آپ کو بیع فسخ کر کے اس کا پیسہ اس کو دے کر اپنی زمین واپس لینے کا حق ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۵/ ۵۰۶)

فإذا عزم البائع على ترك الخصومة، تم الفسخ ...... ولأنه لما تعذر استيفاء الثمن من المشتري، فات رضا البائع، فيستبد بفسخه.

(هداية، كتاب القضاء، باب التحكيم، مسائل شتى، اشرفيه ديوبند ٣/ ١٤٦، البحر الرائق، زكريا ٧/ ٦١، كوئٹه ٧/ ٣٦)

فيستبد بفسخه لفوات شرط البيع، وهو التراضي. (فتح القدير، زكريا ٧/ ٣٠٩، كوئٹه ٦/ ٤١٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳/ ذی الحجہ ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۰۸۷۹)

مدت متعینہ پر ثمن کی ادائے گی نہ ہونے پر بائع کو خیار فسخ حاصل ہے

سوال [۸۶۵۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: زید نے اپنی زمین خالد کوفروخت کی اور زید نے کہا کہ یہ زمین اس لئے فروخت کررہا ہوں کہ مجھے دوسری جگہ زمین خریدنی ہے،اگرآپ ایک مہینے کے اندر پوری رقم ادا کرسکتے ہیں، تو یہ زمین لیجئے ،اگرآپ ایک مہینہ کے اندر رقم ادانہیں کرسکیں گے تو میں دوسری جگہ زمین نہیں خریدسکوں گا ،تو خالد نے کہا کہ میں ایک مہینہ کے اندر پوری رقم ادا کردوں گا اورآدھی رقم زید کو دی اوروہ پڑھانے کے لئے باہر چلے گئے، بار باران کواطلاع بھی دی گئی؛ لیکن اس نے رقم ایک مہینہ کے اندرنہیں دی۔اور زید نے یہ شرط لگادی تھی؛ لیکن اس نے رقم ایک مہینے کے اندرنہیں دی۔اورزید نے یہ شرط لگادی تھی کہ اگروہ زمین خریدنہیں سکا تو یہ زمین میں آپ کونہیں دوں گا؛ اس لئے کہ یہ زمین فروخت کرنے کا مقصد دوسری زمین خریدنی ہے۔اور خالد نے یہ رقم دس مہینے کے بعدادا کی اوروہ زمین بھی زید کے ہاتھ سے نکل چکی ہے۔اورخالد نے جو بقیہ رقم ادا کی تھی وہ زید کے بھائی کودی تھی، زید کونہیں دی تھی،تو کیااس صورت میں خالد کورقم لوٹائی جائے گی یازمین لکھی جائے گی،جیسا کہ زید نے یہ شرط لگائی تھی کہ ایک مہینہ کے اندر پوری رقم ادا کرسکتے ہیں،تو آپ لیجئے ورنہ آپ کومیں زمین نہیں دوں گا۔

المستفتی: حافظ محمد اشفاق، بھاگلپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ میں درج کردہ صورت میں بیع مکمل منعقدنہیں ہوئی۔اوربیع تام نہ ہونے کی وجہ سے زید کواختیار ہے کہ رقم واپس کرکے اپنی زمین اپنے پاس رکھ لے۔

عن سليمان بن البرصاء قال: بايعت ابن عمر بيعا، فقال لي: إن جاء تنا نفقتنا إلى ثلاث ليال، فالبيع بيعنا، وإن لم تأتنا نفقتنا إلى ذلك فلا بيع بيننا وبينك، ولك سلعتك. (المحلى بالآثار، كتاب البيوع، دارالكتب العلمية بيروت ٧/ ٢٦٥، إعلاء السنن، دارالكتب العلمية بيروت ١٤/ ٥٧، رقم: ٤٦٢١)

فإن اشترى شخص شيئا على أنه أي المشتري إن لم ينقد ثمنه إلى

ثلاثة أيام فلا بيع صح إستحسانا، خلافا لزفر فلو لم ينقد في الثلاث فسد (وفي الشامية) هذا لو بقي المبيع على حاله. (الدر مع الشامي، كتاب البيوع، باب خيار الشرط، مطلب خيار النقد، كراچی ٤/ ٥٧١، زكريا ٧/ ١١٧، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ٣٦، هداية، أشرفي ديوبند ٣/ ٣٠، تاتارخانية، زكريا ٩/ ٥٣، رقم: ١٢٦٩١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵ر شعبان ۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۰۹۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۷/۸/۱۴۲۷ھ

مال میں نقص نکلنے پر کارخانہ دار پر ہرجانہ عائد کرنا

سوال [۸۶۵۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں نے یہاں کی ایک ایکسپورٹ کرنے والی فرم کو ایک سیمپل بنا کر دیا، اس کا آرڈر میرے پاس منظور ہوکر آ گیا اور میرے اور ایکسپورٹ پارٹی کے درمیان ریٹ طے ہوگئے اور میں نے آرڈر کا نصف حصہ بنا کر دے دیا، میں نے اپنی بقایا رقم مبلغ تین لاکھ ۵۷/ ہزار روپیہ کا مطالبہ کیا، تو یہاں کی ایکسپورٹ پارٹی یہ کہہ رہی ہے کہ آپ نے مال خراب دیا تھا؛ اس لئے میری غیر ملکی پارٹی بطور ہرجانہ کاٹ رہی ہے جو کہ میں آپ کے روپیہ میں سے مجری کروں گا، کیا یہ اقدام جائز ہے یا نا جائز ہے؟ جب کہ انہوں نے مال لیتے وقت ایک ایک عدد کی چیکنگ کی تھی اور جو مال میں نقص تھا اس کی پھر میں نے مرمت کرا کر مال کو دوبارہ ٹھیک کر کے واپس کیا، اب وہ میرا ایک لاکھ پچھتر ہزار روپیہ بطور ہرجانہ کاٹ رہے ہیں، یہ جائز ہے کہ نہیں؟

المستفتی: محمد عرفان محلّہ طویلہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر آپ نے ایک ایک مال چیک کرا کے دیا ہے اور

ایکسپورٹر نے چیک کرکے لیا ہے اور پورے اطمینان کے بعد مال دوسرے ملک میں امپورٹ کے پاس پہنچنے کے بعد مال میں خرابی نکلی ہے تو اس کے ذمہ دار شرعی طور پر آپ نہیں ہیں؛ بلکہ اس کا ذمہ دار ایکسپورٹر ہی ہوگا؛ لہٰذا ایسی صورت میں ایکسپورٹر آپ سے ہرجانہ (کلیم) لینے کا حقدار نہیں ہے۔

وعلمت أن بيع المشتري للمعيب حبس للمبيع سواء علم بالعيب أو لم يعلم، فلا يمكنه الرد بعد ذلك. الخ (فتح القدير، كتاب البيوع، باب خيار العيب، زكريا ٦/ ٣٦٢، كوئٹه ٦/ ٣٨)

ولا يرجع بائعه على بائعه؛ لأنه صار بالبيع حابسا للمبيع. الخ (كفاية مع الفتح كوئٹه ٦/ ٣٨، زكريا ٦/ ٣٦٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم ذیقعدہ ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۴۹۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱/۱۱/۱۴۱۸ھ

وقت پر قیمت ادا نہ کرنے کی وجہ سے معاملہ فسخ کرنا

سوال [۸۶۵۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک صاحب سے میں نے ۸/ لاکھ پچاس ہزار روپئے میں مکان خریدا، جن میں سے ۲/ لاکھ ۱۰/ ہزار روپئے باقی رکھے، جس کی مدت متعین ہوگئی، مجھے ایک تاجر سے ۴۰/ لاکھ روپئے لینے تھے کہ اچانک اس کی بیوی کو کینسر ہوگیا اور وہ روپئے مجھے نہ دے سکا اور میں مالک مکان کو وقت مقررہ پر پیسے نہ دے سکا، جس کی بنا پر مالک مکان بہت ناراض ہوا اور زبردستی مجھ سے ایک عہد نامہ لکھوایا کہ اگر آئندہ چھ مہینے میں مجھے میری باقی رقم ۲/ لاکھ ۱۰/ ہزار لوٹا دی تب تو ٹھیک ہے ورنہ تمہاری دی ہوئی رقم ۶/ لاکھ ۴۰/ ہزار میں سے ایک روپیہ بھی تم کو نہیں دوں گا۔ اور مکان بھی واپس لے لوں گا اور میری اجازت کے بغیر کسی کو مکان بیچ بھی

نہیں سکتے، اب یہ چھ مہینے کی مدت بھی پوری ہونے والی ہے اور میرے پاس انتظام نہیں ہو پایا، میں نے سوچا کہ مکان بیچ دوں اور اس سے پیچھا چھڑالوں، جب مالک مکان کو پتہ چلا تو کہتا ہے کہ منافعہ میں سے آدھا منافع اگر مجھے دو تب بیچ سکتے ہو ورنہ عہد نامہ کے مطابق تجھ پر کیس کردوں گا، تو مالک مکان کی یہ شرطیں کہاں تک درست ہیں، میں اگر مکان بیچوں تو کیا واقعی وہ آدھے منافع کا حق دار ہے؟ فی الحال مکان پر میرا قبضہ ہے، میں مکان میں رہتا ہوں، مکان کاٹیکس میرے نام سے آتا ہے، لائٹ کا بل بھی میرے نام سے آتا ہے۔

المستفتی: محمد سلمان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں جب کہ بیع کا معاملہ مکمل ہو چکا ہے اور مشتری نے مبیع زمین پر قبضہ اور دخل لے لیا ہے، تو اب اگر وقت پر قیمت ادا نہ کرنے کی وجہ سے فریقین کی رضا مندی سے اس معاملہ کو فسخ کیا جائے تو حکم یہ ہوگا کہ مشتری خالی مکان بائع کے حوالہ کرے اور بائع وصول کردہ پوری رقم کو مشتری کو واپس کرے، معاملہ فسخ ہونے کی صورت میں اس ادا کردہ رقم کو ضبط کرنے کی شرط قطعاً حرام ہے اور خلاف شریعت جبر یہ معاہدہ کا کوئی اعتبار نہیں، نیز جب تک معاملہ فسخ نہ ہو مشتری اس جگہ کو اپنی مرضی سے کسی بھی شخص کے ہاتھ فروخت کرنے کا اختیار رکھتا ہے اور اس میں جو بھی منافع ہوں وہ خود ہی اس کا مالک ہوگا، بائع اس منافع میں سے کسی بھی حصہ کا حق دار نہیں۔ الغرض خلاصہ یہ ہے کہ بائع مقررہ قیمت سے ایک روپیہ بھی زائد لینے کا مطالبہ کسی صورت میں نہیں کرسکتا؛ البتہ رقم مقررہ وقت پر ادا نہ ہونے کی شکل میں وہ معاملہ فسخ کرنے کی بات کرسکتا ہے؛ لیکن اس صورت میں بھی اسے آمدہ رقم میں سے کوئی حصہ ضبط کرنے کی اجازت نہ ہوگی۔

الإقالة جائزة في البيع بمثل الثمن الأول، فإن شرط أكثر منه أو أقل، فالشرط باطل ويرد مثل الثمن الأول. (هداية، كتاب البيوع، باب الإقالة، أشرفي ديوبند ۳/ ٦٩)

فلو شرط فيها أي الإقالة أكثر من الثمن الأول، أو خلاف الجنس بطل الشرط، ولزم الثمن الأول عند الإمام؛ لأن الإقالة فسخ وهو لا يكون إلا على الثمن الأول، فيصير ذلك الشرط فاسدا ولغوا دون الإقالة لما مرّ إن الإقالة لا تفسد بالشرط الفاسد. (مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ۳/ ۱۰۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/۷/۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۱۴/۹۷)

بیع تام اور لازم ہونے کے بعد معاملہ منسوخ کرنے کا حکم

سوال [۸۶۵۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک جائیداد (نشست گاہ) واقع محلّہ کٹکوئی چاند پور، ضلع بجنور جس کا رقبہ تقریباً تیس گز ہے جو کہ ترکہ پدری جناب حکیم سید ابن حسن صاحب مرحوم سے چاروں بھائیوں کو وراثت میں پہنچی، والدین کے انتقال کے بعد چاروں بھائیوں کی باہمی رضا مندی سے یہ طے پایا کہ جائیداد قلیل ہونے کی وجہ سے اس کو تقسیم کرکے ہر حصہ قابل تعمیر نہ رہے گا؛ لہٰذا اس کی قیمت اسی ہزار روپئے قائم کر کے طے پایا کہ اس کو کسی ایک بھائی کو دے دیا جائے، خرید نے والا بھائی ان تینوں بھائیوں کو ان کے حصہ کی قیمت ادا کردے اور جائیداد مذکورہ کو اپنے نام کرالے؛ لہٰذا سب سے بڑے بھائی سے چھوٹے احمد اشرف نے اس کو لینا اور تینوں بھائیوں نے اس کو دینا قبول کیا، بڑے بھائی غلام غوث نے احمد اشرف سے دس ہزار نقد لے لیا، دس ہزار باقی رہا، اس کے چار سال بعد بڑے بھائی کا انتقال ہوگیا، باقی چھوٹے دونوں بھائیوں نے بھی اپنے حصہ کی رقم بیس بیس ہزار روپئے اپنے خریدار بھائی سے وصول کرلی؛ البتہ بڑے بھائی مرحوم کے دس ہزار روپئے اب بھی باقی ہیں، کیا بڑے بھائی مرحوم کی اہلیہ یا ان کی کسی اولاد کو اس فیصلہ کے منسوخ کرنے کا شرعاً حق حاصل ہے، جو فیصلہ بڑے بھائی مرحوم کر گئے ہیں، اس تحریر کے مطابق شریعت کا کیا فیصلہ ہے؟

المستفتی: احمد اشرف جیلانی محلّہ کٹکوئی چاند پور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب چاروں بھائیوں نے مل کر آپسی رضامندی کے ساتھ مذکورہ معاملہ طے کرلیا تھا، تو اب اسی پر قائم رہنا لازم ہے، بڑے بھائی کے انتقال کے بعد ان کی اہلیہ یا دیگر وارث کو مذکورہ معاملہ منسوخ کرنے کا شرعاً حق نہیں ہے؛ بلکہ یہ معاملہ لازم اور تام ہو چکا ہے؛ اس لئے اسی پر قائم رہنا ضروری ہے، ہاں البتہ جو دس ہزار روپیہ باقی ہے وہ بلا تاخیر ادا کر دینا چاہئے۔

وإذا حصل الإيجاب والقبول لزم البيع، ولا خيار لواحد منهما إلا من عيب، أو عدم رؤية. (هداية، كتاب البيوع، أشرفي ديوبند ٣/ ٢٠، الجوهرة النيرة، إمداديه ملتان ١/ ٢٢٦، دارالكتاب ديوبند ١/ ٢٢٠، ملتقى الأبحر، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ١٠، تاتارخانية، زكريا ٨/ ٢٢٢، رقم: ١١٧١٤)

وإن كان كل واحد منهما يستضر لصغره لم يقسمها إلا بتراضيهما ...... وتجوز بتراضيهما؛ لأن الحق لهما، وهما أعرف بشأنهما. (هداية مع فتح القدير، كتاب القسمة، فصل فيما يقسم وما لايقسم، زكريا ٩/ ٤٤٥، كوئٹه ٨/ ٣٥٧) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ رصفر ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۶۸۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۲/۸ھ

وعدہ کی خلاف ورزی پر سابقہ معاملہ ختم کر دینے کا حکم

سوال [۸۶۵۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہم لوگ ایک خاندان کے افراد ہیں، آج سے تقریباً ۱۵ رسال قبل ہمارے درمیان جائیداد کا بٹوارہ ہوا، اس سے پہلے ہم سب لوگ مشترک مکان میں رہتے تھے، کسی کے پاس کم اور کسی کے پاس اس کے حصہ رسد سے زیادہ تھا، ایک قطعہ مکان جو فریق ثانی کے قبضہ میں تھا، جس کی قیمت اس وقت اڑتالیس ہزار روپیہ مانی گئی تھی، اس میں سے -/26,750 روپئے فریق ثانی

کا حصہ تھا اور باقی -/21,250 روپئے کا ہمارا (فریق اول) کا حصہ تھا؛ لہٰذا طے ہوا کہ فریق ثانی دو چار روز میں فریق اول کے حصہ کی قیمت -/21,250 روپئے نقد ادا کردے، تو فریق اول اپنے حق سے دست بردار ہوجائے گا، باہمی طور پر یہ بات طے ہوگئی؛ لیکن فریق ثانی نے مقررہ رقم کی ادائے گی کافی عرصہ تک باوجود تقاضہ کے نہیں کی ۷-۸/ سال بعد فریق ثانی نے صرف دس ہزار -/10,000 روپیہ دینا چاہا جو فریق اول نے لینے سے انکار کردیا اور معاملہ معلق رہا، اب فریق اول کہتا ہے کہ چونکہ فریق ثانی نے طے شدہ معاملہ کے خلاف کیا ہے؛ لہٰذا وہ معاملہ ختم ہوگیا، اب فریق ثانی مکان مذکورہ مشترکہ کے میرے حصہ کی رقم موجودہ بازار بھاؤ سے ادا کرے اور اس عرصہ کے استعمال کا کرایہ ادا کرے، یا پھر اپنے حصہ کی قیمت فریق اول سے لے کر مکان اس کے سپرد کرے، جس کے لئے فریق ثانی تیار نہیں ہے۔

المستفتی: ذکرالرحمٰن، محلّہ گلشہید، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر سائل کا سوال واقع کے مطابق ہے، اور فریق ثانی نے طے شدہ وعدہ کے مطابق فریق اول کا حق ادا نہیں کیا ہے، تو فریق اول کو سابقہ معاملہ شرعاً ختم کردینے کا حق ہے، نیز فریق اول کا یہ مطالبہ بھی صحیح ہے کہ فریق ثانی اپنے حصہ کی قیمت فریق اول سے وصول کرکے اپنے حصہ سے دست بردار ہوجائے۔

عن عمرو بن يحيى المزني، عن أبيه أن رسول الله ﷺ قال: لا ضرر ولا ضرار. (موطا إمام مالك، كتاب القضاء، القضاء فى المرفق، أشرفي ديوبند/ ۳۱۱)

قوله عليه السلام: لا ضرر ولا ضرار. الحديث، لا يضر الرجل أخاه ابتداءًا ولا جزاء. الخ (الأشباه، قديم/ ۱۳۹، قواعد الفقه، أشرفى ديو بند/ ۱۰۶، شرح المجلة رستم باز اتحاد ديو بند ۱/ ۲۹، رقم المادة: ۱۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۶۵۸)

۳/ باب العربون

بیعِ عربون

سوال [۸۶۵۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بیع عربون (بیعانہ) کے جواز کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عمل سے کتب احادیث میں کوئی روایت موجود ہوتو بحوالہ نقل فرما کر ممنون ومشکور فرمائیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بیع عربون کے جواز کے متعلق روایات کتب حدیث میں موجود ہیں۔ حضرت نافع بن عبدالحارث اور حضرت عمرؓ کا واقعہ ذیل میں ملاحظہ فرمائیے:

حدثنا ابن عيينة عن عمرو عن عبدالرحمن بن فروخ أن نافع بن عبدالحارث اشترى دار السجن من صفوان بن أمية بأربعة آلاف درهم، فإن رضي عمر فالبيع له، وإن عمر لم يرض، فأربع مئة لصفوان. (مصنف لابن أبي شيبة، مؤسسة علوم القرآن بيروت ١١/ ٦٧٢، رقم: ٢٣٦٦٢)

واشترى نافع بن عبدالحارث دارا للسجن بمكة من صفوان بن أمية على أن عمر رضي بالبيع، فالبيع بيعه، وإن لم يرض عمر فلصفوان أربع مائة دينار، وسجن ابن الزبير بمكة. (بخاري شريف، كتاب الخصومات، باب الربط والحبس في الحرم ١/ ٣٢٧، رقم الباب: ٨)

عن زيد بن أسلم أن النبي ﷺ أحل العربان في البيع. (مصنف لابن أبي شيبة، مؤسسة علوم القرآن بيروت ١١/ ٦٧١، رقم: ٢٣٦٥٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶ رذیقعدہ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۳۱۸)

بیعانہ دے کر خرید وفروخت کرنے کا حکم

سوال [۸۶۵۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: خالد کاروبار اس طرح کرتا ہے کہ مثلاً زمین ایک لاکھ روپئے کی خرید کر بیعانہ دے کر لی اور طے کر دیا کہ ایک لاکھ روپئے ایک ماہ یا دوماہ میں ادا کر دوں گا۔ اور پھر اسی زمین کو ۱۵؍دن میں ڈیڑھ لاکھ کی بیچ کر وہ ایک لاکھ روپئے ادا کر دئے، کیا اس طرح کاروبار کرنا صحیح ہے؟ عاقل کا کہنا ہے کہ یہ صحیح نہیں ہے؛ کیوں کہ یہ بیع قبل القبض ہے جو صحیح نہیں، صحیح جواب سے نوازیں۔

المستفتی: مجیب الرحمٰن

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حسب تحریر سوال خالد نامی شخص کا بیعانہ دے کر زمین اس شرط کے ساتھ خریدنا کہ میں ایک دوماہ میں قیمت ادا کر دوں گا اور اس کے بعد اس زمین کو کچھ زائد نفع کے ساتھ غیر کو بیچ کر اس روپیہ سے زمین کی قیمت ادا کرنا اور اس طرح کاروبار کرنا شرعاً درست ہے اور عاقل کا اس خرید وفروخت کو بیع قبل القبض قرار دینا صحیح نہیں؛ اس لئے کہ زمین کی خرید وفروخت میں حکماً قبضہ موجود ہے۔

قال أبو حنيفة وأبو يوسف: يمنع بيع قبل القبض في سائر المنقولات، ويجوز في العقار الذي لا يخشى هلاكه. (تكمله فتح الملهم، كتاب البيوع، باب بطلان بيع المبيع قبل القبض، أشرفيه ديوبند ۱/ ۳۵۱)

للمشتري أن يبيع المبيع من آخر قبل قبضه إن كان عقارا. (شرح المجلة رستم باز ۱/ ۱۲۸، رقم المادة: ۲۵۳، مكتبه اتحاد ديوبند)

ويجوز بيع العقار قبل القبض عند أبي حنيفة وأبي يوسف. (هداية، باب المرابحة والتولية، أشرفي ديوبند ۳/ ۷۴، تاتارخانية زكريا ۸/ ۲۶۶، رقم: ۱۱۸۶۲،

الفقه على المذاهب الأربعة، مبحث التصرف في المبيع قبل قبضه، دارالفكر بيروت ۲/ ۲۳٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۳۱/۲/۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۸۹۳/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۲/۱۴ھ

کیا دھوکہ سے اپنے نام بیع نامہ کرانے سے ملکیت ثابت ہو جائے گی

سوال [۸٦٥۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرے شوہر نے ایک پلاٹ ذاتی آمدنی سے خریدا تھا اور پوری قیمت سوسائٹی کو ادا کردی تھی؛ لیکن بیع نامہ نہیں ہوا تھا، میرے شوہر کے شہید ہونے کے بعد خسر نے میرے بڑے لڑکے فہیم الدین سے بہانہ سے اس کی رسید حاصل کر کے بیع نامہ کرالیا، جب کہ وعدہ فہیم کے نام کرانے کا کیا تھا، تو اس پلاٹ کے مالک میرے خسر ہیں یا میں؟ اور میرا شرعاً اس میں کتنا حق ہے؟ جب کہ خسر نے شوہر کے انتقال کے بعد لوگوں کو گواہ بنا کر پلاٹ پر نسیم کی ملک ہونے کا اقرار کیا تھا، جواب سے مطلع فرمائیں۔

المستفتية: نرگس جہاں، ہمشیرہ حاجی محمد انصار، ڈھوتی کھار، آگرہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: جب نسیم مرحوم نے اپنی ذاتی آمدنی سے پلاٹ خریدا ہے تو وہ پلاٹ ان کی ملک ہے، ان کے والد نے دھوکہ دے کر پلاٹ کے کاغذات میں اپنے نام جو بیع نامہ کرالیا ہے، اس سے شرعاً وہ اس پلاٹ کے مالک نہ ہوں گے؛ بلکہ یہ نسیم مرحوم ہی کی ملک ہے؛ لہٰذا ان کے انتقال کے بعد وہ پلاٹ شرعی وارثین میں بطور ترکہ تقسیم ہوگا۔ (مستفاد: امداد المفتیین ۲/ ۸۹۰)

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا يأخذن أحدكم متاع أخيه

لاعبا و لا جادا. الحديث (سنن أبي داؤد، كتاب الأدب، باب من يأخذ الشيء من مزاح، النسخة الهندية ٢ / ٦٨٣، دارالسلام، رقم: ٥٠٠٣)

عن عبدالله بن السائب بن يزيد عن أبيه عن جده قال: قال رسول الله ﷺ: لا يأخذ أحدكم عصا أخيه لاعبا أو جادا، فمن أخذ عصا أخيه فليردها إليه. (سنن الترمذي، أبواب الفتن، باب ماجاء لا يحل مسلم أن يردع مسلما، النسخة الهندية ٢/ ٣٩، دارالسلام، رقم: ٢١٦٠، شامي، كتاب الغصب، مطلب في رد المغصوب وفيما لو أبى المالك قبوله، كراچی ٦/ ١٨٢، زكريا ٩/ ٢٦٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍ جمادی الاولی ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۶۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۵/۵ھ

کیا ’’امداد الفتاوی‘‘ میں بیعانہ ضبط کرنے کا مسئلہ ہے؟

سوال [۸۶۵۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کیا حضرت تھانویؒ نے ’’امداد الفتاوی‘‘ میں بیعانہ ضبط کرنے سے متعلق کوئی فتویٰ تحریر کیا ہے؟ اگر کیا ہے تو اس کو وضاحت سے تحریر فرمایئے۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حضرت تھانویؒ نے ’’امداد الفتاوی‘‘ جدید ۳/۱۴۲؍ پر اپنے ایک فتوی میں بیعانہ کی رقم کو ضبط کرنے کی اجازت دی ہے۔ سوال کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک شخص نے دانت بنانے والے سے دانت بنوائے اور بطور بیعانہ کے اس کو رقم پیشگی دے دی اور وہ شخص دانت بنا چکا؛ البتہ اس میں کچھ نقص رہ گیا، اس دوران اس شخص کا انتقال ہو گیا، تو اب یہ شخص یہ رقم بیعانہ واپس کرے گا یا نہیں؟ چنانچہ اس کے جواب میں حضرت فرماتے ہیں: میرے نزدیک جب وہ بنے ہوئے دانت لے چکا اور وہ موافق فرمائش کے تھے اور ایسی

خفیف کمی جو عرف کے موافق ہو، موافقت فرمائش کے خلاف نہیں ہے، تو وہ بیع کامل ہوگئی اور بنانے والا دانت کا مالک ہوگیا، اس لئے بنانے والا بقیہ دام کا مستحق ہے۔ اور بقیہ کا وہ مطالبہ کرے گا۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۳/۱۴۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۳۵/۳/۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۴۶۲/۴۰)

زرِ بیعانہ کی واپسی کا حکم

سوال [۸۶۶۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: خرید وفروخت کے وقت جب کہ قیمت متعین ہوجاتی ہے اور خریدار کے پاس فی الحال مکمل قیمت موجود نہیں ہے، تو خریدار اسی مجلس میں آئندہ مکمل قیمت دینے کا وعدہ کرتا ہے اور بات کو معتبر اور پختہ بنانے کے لئے زر بیعانہ کے نام پر کچھ روپے دیتا ہے، اب اگر خود مشتری کی جانب سے یہ معاملہ فسخ کیا گیا تو سامان کا مالک زر بیعانہ والی رقم واپس نہیں کرتا اور اپنے لئے حلال سمجھتا ہے، کیا یہ جائز ہے؟

المستفتی: محمد اشتیاق نواز قاسمی، بھاگلپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: معاملہ چاہے مشتری کی طرف سے فسخ ہوجائے یا بائع کی طرف سے ہر حال میں بیعانہ کی رقم مشتری کو واپس دے دینا بائع پر لازم ہے۔ اور بائع کے لئے وہ رقم حلال نہیں ہے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ا/ ۷۷)

عن عمرو بن شعیب، عن أبیه، عن جده أن النبي صلی الله علیه وسلم نهی عن بیع العربان، قال أبو عبدالله: العربان: أن یشتري الرجل دابة بمائة دینار، فیعطیه دینارین عربونا، فیقول: إن لم أشتر الدابة فالدیناران لک.

الحديث (ابن ماجة شريف، أبواب التجارات، باب بيع العربان، النسخة الهندية ١/ ١٥٨، دارالسلام، رقم: ٢١٩٣، سنن أبي داؤد، كتاب البيوع، باب في العربان، النسخة الهندية ٢/ ٤٩٤، دارالسلام، رقم: ٣٥٠٢)

ويرد العربان إذا ترک العقد على كل حال بالاتفاق. (بذل المجهود يحيى سهارنپور ٤/ ٢٨٧، دارالبشائر الإسلاميه بيروت ١١/ ٢٢١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍ شعبان ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۱۵۲)

بیعانہ کی واپسی لازم ہے

سوال [۸۶۶۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے ایک مکان خریدنے کے لئے عمر سے سودا کیا اور کچھ رقم بطور بیعانہ دے کر ایک مدت مثلاً تین ماہ یا چھ ماہ رجسٹری کرنے کے لئے طے کر لی، مدت پوری ہونے سے پہلے زید نے عمر سے کہا کہ میں مکان نہیں لے سکوں گا؛ لہٰذا کچھ دن بعد زید نے عمر سے اپنی بیعانہ کی رقم واپس مانگی تو عمر نے کہا کہ وہ رقم مسجد کو دے دی۔

(الف) کیا عمر کو زید کی رقم مسجد کو دینا درست ہے یا نہیں؟

(ب) کیا رقم زید کو واپس ملنی چاہئے یا نہیں؟

(ج) بیعانہ کی رقم واپس نہ کرنے پر عمر معاوضہ دار رہے گا یا نہیں؟

المستفتی: محمد شفیق جگر کالونی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جب زید نے مکان لینے سے انکار کر دیا ہے، تو عمر پر لازم ہے کہ بیعانہ کی رقم زید کو واپس کر دے اور مسجد کو جو رقم عمر نے دی ہے اس کا ذمہ دار عمر خود ہے، اور وہ پیسہ عمر کا اپنی جیب سے دینا شمار ہوگا۔ اور زید سے لی ہوئی رقم واپس کرنا لازم ہے۔

عن عمرو بن شعيب، عن أبيه، عن جده أن النبي صلى الله عليه وسلم نهى عن بيع العربان، قال أبو عبدالله: العربان: أن يشتري الرجل دابة بمائة دينار، فيعطيه دينارين عربونا، فيقول: إن لم أشتر الدابة فالديناران لك.

الحديث (ابن ماجة شريف، أبواب التجارات، باب بيع العربان، النسخة الهندية ١/ ١٥٨، دارالسلام، رقم: ٢١٩٣، سنن أبي داؤد، كتاب البيوع، باب في العربان، النسخة الهندية ٢/ ٤٩٤، دارالسلام، رقم: ٣٥٠٢)

ويرد العربان إذا ترك العقد على كل حال بالاتفاق. (بذل المجهود يحيى سهارنپور ٤/ ٢٨٧، دارالبشائر الإسلاميه بيروت ١١/ ٢٢١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹ر جمادی الثانیہ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۱۴۳)

بیعانہ کی رقم ضبط کرنے کا حکم

سوال [۸۶۶۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں نے اپنی ایک چیز مثلاً زمین فروخت کی اس رقم سے کوئی دوسرا کام کرنا تھا، عمرو نے وہ زمین خریدنے کی بات کی، قیمت طے ہوگئی اور یہ وعدہ ہوگیا کہ دس دن بعد ۱/۴ قیمت ادا کروں گا اور ایک ماہ بعد کل قیمت ادا کر کے بیعانہ لکھا لے گا، یہ بات طے ہونے کے بعد عمرو نے مبلغ دو ہزار روپئے زید کو بیعانہ کے طور پر دے دیئے جو کہ ایک طرح کی ضمانت ہوتی ہے بات کی پختگی کے لئے، بات طے ہونے کے بعد زید نے دوسرے خریداروں کو منع کر دیا کہ ہماری زمین فروخت ہوگئی؛ لیکن عمرو نے وعدہ خلافی کی اور حسب وعدہ نہ تو دس دن میں ۱/۴ قیمت ادا کی نہ ایک ماہ بعد کل قیمت ادا کی، نہ بیعانہ کرایا، عمرو کے اس عمل سے زید کا نقصان یہ ہوا کہ وہ جو کام اس رقم سے کرنا چاہتا تھا وہ نہیں کرسکا اور اشیاء کی قیمت بڑھنے اور گرانی ہو جانے کی وجہ سے زید کو ہی وہ کام زیادہ مہنگا اور زیادہ قیمت میں ملا، وعدہ کی مدت نکلنے کے بعد اور مزید انتظار کے بعد زید

نے اپنی وہ زمین دوسرے شخص کوفروخت کردی، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اپنے نقصان کے بدلے میں زید عمرو کے دو ہزار روپئے جوبطور بیعانہ آئے تھے ضبط کرسکتا ہے یا نہیں؟ یا اس بیعانہ کی رقم کوواپس کرنا ضروری ہے؟ جواب عالی سے مطلع فرمائیں۔

المستفتی: محمد عمیر کاس گنج

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: وقت معینہ پر رقم ادا نہ کرنے کی بناء پر فروخت کرنے والے کے لئے عقد ختم کرنے کا حق ہے، مگر عقد ختم کرنے کے بعد دئے ہوئے بیعانہ کو ضبط کر لینا جائز نہیں ہے، اس کوواپس کردینا لازم ہے۔

أن النبي صلى الله عليه وسلم نهى عن بيع العربان، قال أبو عبدالله: العربان: أن يشتري الرجل دابة بمائة دينار، فيعطيه دينارين عربونا، فيقول: إن لم أشتر الدابة فالديناران لك. الحديث (ابن ماجة شريف، أبواب التجارات، باب بيع العربان، النسخة الهندية ١/ ١٥٨، دارالسلام، رقم: ٢١٩٣، سنن أبي داؤد، كتاب البيوع، باب في العربان، النسخة الهندية ٢/ ٤٩٤، دارالسلام، رقم: ٣٥٠٢)

ويرد العربان إذا ترك العقد على كل حال بالاتفاق. (بذل المجهود مكتبه يحيى سهارنپور ٤/ ٢٨٧، دارالبشائر الإسلاميه بيروت ١١/ ٢٢١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ رمحرم ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۶۰۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۸/۱/۱۴۱۹ھ

بیعانہ کی واپسی پر زائد رقم لینا

سوال [۸۶۶۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے بکر سے ایک آراضی بذریعہ عمر مبلغ ایک لاکھ دس ہزار روپیہ میں خرید لی اور مبلغ پانچ ہزار روپیہ کا بیعانہ بذریعہ عمر دلاکر آراضی کا سودا بالکل پکا طے پا گیا، نیز جس دن

بیعانہ دیا گیا اسی دن کے لئے بیعانہ ہونا بھی طے پا گیا، رجسٹری شدہ مگر کچھ دیر کے بعد بکر عمر کے پاس آتا ہے اور کہتا ہے کہ مذکورہ آراضی میں نے کسی دوسرے شخص کو مبلغ ایک لاکھ بیس ہزار روپئے میں فروخت کردی ہے، تم اپنا بیعانہ واپس لے لو، عمر نے منع کیا، بات بڑھتی دیکھ کر کچھ لوگ اکٹھا ہو گئے اور صورت حال معلوم کرنے کے بعد لوگوں نے کہا کہ اس طرح سودا ختم کئے جانے پر بیعانہ کا دوگنا روپئے واپس کیا جاتا ہے، اس پر بکر نے عمر کو مبلغ دس ہزار روپئے واپس کردئے، یعنی پانچ ہزار روپئے زائد واپس کئے اور یہ زائد روپئے اس وقت عمر کے پاس ہی بطور امانت کے ہیں، عمر یہ چاہتا ہے کہ یہ روپئے بکر کو ہی دئے جائیں، جب کہ زید کا کہنا ہے کہ یہ روپئے مجھے ملنے چاہئیں، تو ایسی صورت میں عمر کو یہ روپئے کس کو دینے چاہئیں؟ کیوں کہ علماء حضرات سے سنا ہے کہ اس طرح کا لین دین سود کہلاتا ہے، جو کہ ناجائز ہے، اگر عمر یہ روپئے زید کو دیتا ہے، تو کیا عمر بھی گنہگار ہوگا؟ اور آخرت میں ایسے شخص کے بارے میں کیا وعید آئی ہے؟ برائے کرم تفصیل سے روشنی ڈال کر جواب مرحمت فرمائیں، تاکہ حق والے کو حق مل جائے۔

المستفتی: عبدالحمید راعینی، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بیعانہ کی واپسی پر جو زائد رقم بائع بکر سے وصول کی گئی ہے، وہ بکر کو واپس کردی جائے، اس کا لینا جائز نہیں۔

لا یجوز لأحد من المسلمین أخذ مال أحد بغیر سبب شرعي.

(شامي، کتاب الحدود، مطلب في التعزیر بأخذ المال، کراچی ٤/ ٦١، زکریا ٦/ ١٠٦، هندیة زکریا قدیم ٢/ ١٦٧، جدید ٢/ ١٨١، البحرالرائق، کوئٹه ٥/ ٤١، زکریا ٥/ ٦٨، قواعد الفقه، أشرفی دیوبند / ١١٠، رقم: ٢٦٩، الموسوعة الفقهیة ٢١/ ١١٢)

البتہ بکر نے معاملہ طے ہوجانے کے بعد جو دھوکہ دیا ایسا کرنا جائز نہیں، بکر اس سے گنہگار ہوا؛ لہٰذا بکر پر توبہ واستغفار ضروری ہے۔

اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فَاُولٰٓئِكَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ. الآية [النساء: ١٧] فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹/۷/۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۲۴۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۹/۷/۱۴۲۰ھ

بیعانہ کے بعد معاملہ ختم کرنے کا حکم

سوال [۸۶۶۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں نے اپنے مکان کا ایک آدمی سے سودا کیا تھا، میں نے چھ ماہ کا ٹائم دیا تھا، اس چھ ماہ میں تقاضہ کرنے پر میری بقایا رقم اس نے نہیں دی، جس کو تقریباً ڈیڑھ سال کا عرصہ ہوگیا، ڈیڑھ سال کے عرصہ سے برابر تقاضہ کر رہا ہوں، میں اب اپنا معاملہ بقایا رقم نہ دینے کی صورت میں ختم کرنا چاہتا ہوں جو انہوں نے دئے ہیں وہ رقم واپس کرکے اپنی جائیداد واپس لینا چاہتا ہوں، کیا یہ میرے لئے جائز ہے؟

المستفتی: صباحت علی ولد صفایت علی، محلّہ تمبا کو والان، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر خریدار وقت مقررہ پر بقیہ رقم ادا کرے تو فروخت کرنے والے کو مطالبہ کے باوجود رقم ادا کرنے پر عقد فسخ کرنے کا حق ہوگا۔ اور سوال نامہ سے واضح ہوتا ہے کہ بجائے چھ ماہ کے ڈیڑھ سال مہلت دی گئی ہے؛ اس لئے آپ کو معاملہ فسخ کرکے حاصل شدہ رقم واپس کرکے اپنی جائیداد واپس لینے کا حق ہے۔

إذ الحاجة مست إلى الانفساخ عند عدم النقد تحرزا عن المماطلة في الفسخ. الخ (هداية، كتاب البيوع، باب خيار الشرط، أشرفى ديوبند ۳/ ۳۰)

فإذا عزم البائع على ترك الخصومة، تم الفسخ ...... ولأنه لما تعذر

استيفاء الثمن من المشتري فات رضا البائع، فيستبد بفسخه. (هداية، القضاء، باب التحكيم، مسائل شتى، أشرفي ديوبند ٣/ ١٤٦-١٤٧، البحرالرائق، كوئٹه ٧/ ٣٦، زكريا ٧/ ٦١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸؍ شعبان ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۱۹۲۹)

جائیداد کا بیعانہ دوسرے کو دے کر سوتیلے بیٹے کو فروخت کرنا

سوال [٨٦٦٥]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: روشن اختر نے اپنی دولڑکیوں کے جائیداد کے حصہ کا معاہدۂ بیع کچھ رقم پیشگی لے کر بیعانہ کے طور پر میرے نام کردیا تھا، معاہدۂ بیع کے وقت لڑکیوں کی عمر ۱۲؍ سال اور ۱۴؍ سال کی تھی، آٹھ سال بعد لگ بھگ روشن اختر نے اسی حصہ کا بیعانہ اپنے سوتیلے بیٹے انتخاب کے نام کرادیا، معاہدۂ بیع کے وقت روشن اختر کے پاس اپنی لڑکیوں کے پالن پوسن تعلیم وغیرہ کے لئے کوئی اثاثہ نہیں تھا، تو میرے نام معاہدۂ بیع کرنے کے بعد سوتیلے بیٹے کو بیعانہ کردینا کیسا ہے؟ کیا اس پر لازم ہے کہ بعد والے بیعانہ کو ختم کر کے پہلے والے خریدار کے نام بیعانہ کرائے، شرعی حکم کیا ہے؟

المستفتی: اقبال انور تمبا کو والان، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: روشن اختر نے اپنی لڑکیوں کی جائیداد کا آپ کے نام جو بیعانہ کیا ہے، یہ ایک طرح کا وعدۂ بیع ہے، نہ کہ بیع، روشن اختر کو وعدۂ بیع پورا کرنا چاہئے تھا، وعدہ پورا نہ کرنے کی وجہ سے وہ گنہگار ہوگی اور روشن اختر کا اپنے سوتیلے بیٹے انتخاب عالم کے نام بیعانہ کر کے فروخت کرنا درست ہوگا۔ اور روشن اختر پر اس بیع کو ختم کرنا لازم اور ضروری

نہیں ہے؛ کیوں کہ یہ بیع مکمل ہوگئی ہے، جوفریقین کی رضا مندی کے بغیر ختم نہیں کی جاسکتی، اور پہلے معاہدہ کی وجہ سے وہ صرف گنہگار ہوگی۔

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله ﷺ: آية المنافق ثلاث: إذا حدث كذب، وإذا وعد أخلف، وإذا اؤتمن خان. (ترمذي شريف، أبواب الإيمان، باب ماجاء في علامة المنافق، النسخة الهندية ۲/ ۹۱، دارالسلام، رقم: ۲٦۳۱، صحيح البخاري، كتاب الإيمان، باب علامة المنافق ۱/ ۱۰، رقم: ۳۳)

وإذا حصل الإيجاب والقبول لزم البيع، ولا خيار لواحد منهما.
(هداية، كتاب البيوع، أشرفي ديوبند ۳/ ۲۰، تاتارخانية، زكريا ۸/ ۲۲۲، رقم: ۱۱۷۱٤، الجوهرة النيرة، إمداديه ملتان ۱/ ۲۲٦، دارالكتاب ديوبند ۱/ ۲۲۰، ملتقى الأبحر، دارالكتب العلمية بيروت ۳/ ۱۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍رجب ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۱۲۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۸؍۷؍۱۴۲۴ھ

بائع کا بیعانہ کی رقم جمع کرنا اور مشتری کا ڈبل رقم لینا

سوال [۸٦٦٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کو کسی آدمی نے زمین خریدنے کی غرض سے دولاکھ روپئے ایڈوانس بیعانہ کے طور پر دیا۔ اور روپئے دیتے وقت یہ عہد ہوا جو کاغذ پر لکھا گیا کہ اگر میں فلاں تاریخ تک آپ سے زمین نہیں لیتا ہوں، تو میرے یہ دولاکھ روپئے آپ نہیں دیں گے، اور نہ ہی میں اس کا حق دار ہوں گا، اور اگر آپ مجھے فلاں تاریخ تک زمین نہیں لکھتے ہیں تو میں آپ سے دولاکھ روپئے کا چار لاکھ روپئے لوں گا۔ اور وہ تاریخ نکل گئی جس تاریخ کا معاہدہ ہوا تھا، دوسری بات یہ ہے کہ مشتری نے بائع کو کورٹ تک دوڑایا، کورٹ سے اس کے پاس نوٹس آیا تو وہ کورٹ میں حاضر ہوا؛ لیکن جب بات چلی تو وکیل نے بھی کہا کہ جب کاغذ بن گیا ہے، تو اس کا مشتری

حقدار نہیں ہے، اس کے بعد پھر بھی وہ زمین لینے کے لئے پہلی والی رقم دو لاکھ کے ساتھ تیار ہے اس صورت میں بائع کیا کرے؟ اب اس زمین کو دوسرا بھی لینے کے لئے تیار ہے جو کہ اس سے زیادہ رقم دے رہا ہے، اب بائع اس صورت میں کیا کرے کہ پہلے مشتری کو جو دو لاکھ ایڈوانس دیا تھا اس کو دے یہ دو لاکھ روپئے کو جوڑ کر یا اس کے علاوہ پھر دوبارہ اس سے پوری رقم لی جاوے، یا زمین کسی اور کے معرفت بیچ دے؟

المستفتی: محمد سعود شہزادہ باغ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جائیداد کی خریداری کے لئے معاہدہ نامہ اور اقرار نامہ لکھتے وقت مشتری کی جانب سے جو پیشگی روپئے دئے جاتے ہیں اس کا دینا جائز ہے، کیونکہ یہ رجسٹری کے وقت محسوب ہو جاتا ہے؛ لیکن اگر کسی وجہ سے مشتری وقت مقررہ پر خرید نہ سکے، تو بیعانہ کی رقم بائع ضبط کر لے اور بائع اس کو حلال سمجھ کر استعمال کرنے لگے، اسی طرح وقت مقررہ پر رجسٹری کرانے سے بائع گریز کرنے لگے یا بیچنے سے انکار کر دے تو جتنی رقم بائع کے یہاں جمع ہوئی ہے اس کی دوگنی رقم مشتری کو دینی پڑ جائے تو جانبین کی یہ دونوں شرطیں شرعی طور پر ناجائز ہیں؛ بلکہ مشتری نے جتنی رقم جمع کی ہے ہر حال میں خریداری نہ ہونے یا بائع کے نہ بیچنے کی صورت میں اتنی ہی رقم مشتری کو واپس کر دینا واجب ہوتا ہے، نہ فروخت کرنے والے کے لئے اس رقم کا ضبط کرنا جائز ہے اور نہ ہی مشتری کے لئے اور نہ بیچنے کی صورت میں ڈبل رقم وصول کرنا جائز ہوگا۔ (مستفاد: ایضاح النوادر/۷۷)

أن النبي صلى الله عليه وسلم نهى عن بيع العربان، قال أبو عبدالله: العربان: أن يشتري الرجل دابة بمائة دينار، فيعطيه دينارين عربونا، فيقول: إن لم أشتر الدابة فالديناران لك. الحديث (ابن ماجة شريف، أبواب التجارات، باب بيع العربان، النسخة الهندية ١/ ١٥٨، دارالسلام، رقم: ٢١٩٣، سنن أبي داؤد، كتاب البيوع، باب في العربان، النسخة الهندية ٢/ ٤٩٤، دارالسلام، رقم: ٣٥٠٢)

ویرد العربان إذا ترک العقد علی کل حال بالاتفاق. (بذل المجهود یحیی سهارنپور ٤/ ٢٨٧، دارالبشائر الإسلامیه بیروت ١١/ ٢٢١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍ جمادی الثانیہ ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۶۴۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۶/۲۴ھ

معاملہ ختم ہونے کی صورت میں بیعانہ کی رقم کا حکم

سوال [۸۶۶۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زاہد نے ایک زمین فروخت کی، مثلاً پچاس ہزار روپئے میں معاملہ کرتے وقت مشتری نے دس ہزار روپئے دئے اور کہا کہ مابقیہ رقم رجسٹری کے وقت ادا کردوں گا یا بعد میں، جب آپ کہیں، مگر چند ماہ بعد مشتری نے زمین خریدنے سے انکار کردیا کہ زمین نہیں لوں گا، دس ہزار روپئے جو معاملہ کرتے وقت دئے تھے، وہ واپس کردو، زاہد نے کہا زمین نہیں لوگے تو روپئے واپس نہیں ہوں گے؛ اس لئے کہ ہم دونوں کے عرف میں معاملہ کے وقت کی ادا شدہ رقم معاملہ کے فسخ کی صورت میں واپس نہیں ہوتی؛ اس لئے اب روپئے نہیں ملیں گے، صورت مذکورہ کا شرعاً کیا حکم ہے؟ عرف عام کا رواج جو مشتری اور بائع کے علاقہ میں ہے، جس کا اوپر بھی تذکرہ کردیا ہے، اس کی شرع میں کچھ حیثیت ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عرف عام کی وجہ سے تخصیص نص تو جائز ہے، مگر ترک نص جائز نہیں ہے۔ اور بیعانہ واپس نہ کرنے کی صورت میں ترک نص لازم آرہا ہے؛ اس لئے ایسا عرف جائز نہیں ہے۔ اور بیعانہ دس ہزار روپئے واپس کرنا لازم ہوگا۔ نص حدیث میں واپسی کی صراحت ہے:

أن النبي صلی اللہ علیہ وسلم نهی عن بیع العربان، قال أبو عبدالله: العربان: أن

يشتري الرجل دابة بمائة دينار، فيعطيه دينارين عربونا، فيقول: إن لم أشتر الدابة فالديناران لک. الحديث (ابن ماجة شريف، أبواب التجارات، باب بيع العربان، النسخة الهندية ۱/ ۱۵۸، دارالسلام، رقم: ۲۱۹۳، سنن أبي داؤد، كتاب البيوع، باب في العربان، النسخة الهندية ۲/ ۴۹۴، دارالسلام، رقم: ۳۵۰۲، حجة الله البالغة ۲/ ۱۰۸)

ويرد العربان إذا ترک العقد على كل حال بالاتفاق. (بذل المجهود يحيى سهارنپور ۴/ ۲۸۷، دارالبشائر الإسلاميه بيروت ۱۱/ ۲۲۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹/ ربیع الاول ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۶۵۸)

بیعانہ کی ڈبل رقم واپس کرنا

سوال [۸۶۶۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص اپنا مکان یا زمین فروخت کرنا چاہتا ہے، اور اس نے اس کے متعلق دوسرے شخص سے بات چیت کی اور بیعانہ بھی لے لیا، پھر اس کے بعد اس کو بیچنے کا ارادہ ترک کردیا، تو کیا وہ شخص بیعانہ ڈبل واپس کرسکتا ہے، جب کہ اس میں ربو کی بو محسوس ہوتی ہے؟

المستفتی: محمد فاروق، راجونگر، منڈولی، دہلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب ایجاب وقبول ہوگیا اور ساتھ میں بیعانہ کے طور پر پیشگی کچھ رقم بھی دے دی گئی ہے، تو بیچنے والے کے لئے بعد میں سابقہ معاہدہ کے مطابق زمین مشتری کے حوالے کرنے سے مکر جانا ناجائز اور سخت وعدہ خلافی ہے، حدیث میں ایسی وعدہ خلافی اور دھوکہ دھڑی کی سخت وعید آئی ہے، تاہم اگر معاملہ فسخ کرے، تو بیعانہ جتنا دیا گیا ہے، اتنا ہی واپس ہوگا اس کا دوگنا دینا اور لینا سود اور ناجائز ہے۔

آية المنافق ثلاث: إذا حدث كذب، وإذا وعد أخلف، وإذا أؤتمن

خان. (ترمذي شريف، أبواب الإيمان، باب ماجاء في علامة المنافق، النسخة الهندية ٢/ ٩١، دارالسلام، رقم: ٢٦٣١)

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– أن رسول الله ﷺ قال: –إلى قوله– من غشنا فليس منا. (مسلم شريف، كتاب الإيمان، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم: من غشنا فليس منا، النسخة الهندية ١/ ٧٠، بيت الأفكار، رقم: ١٠١)

عن عمرو بن شعيب، عن أبيه، عن جده أنه قال: نهى رسول الله ﷺ عن بيع العربان، قال مالك: وذلك فيما نرى –والله أعلم– أن يشتري الرجل العبد، أو يتكارى الدابة، ثم يقول: أعطيك دينارا على أني إن تركت السلعة، أو الكراء فما أعطيتك لك. (سنن أبي داؤد، كتاب البيوع، باب في العربان، النسخة الهندية ٢/ ٤٩٤، دارالسلام، رقم: ٣٥٠٢)

قلت: ويرد العربان إذا ترك العقد على كل حال بالإتفاق. (بذل المجهود، قديم دارالبشائر الإسلاميه ١١/ ٢٢١)

لأن الربوا عرفه الحنفية بأنه فضل خال عن عوض بمعيار شرعي مشروط لأحد المتعاقدين فى المعاوضة. (الموسوعة الفقهية ٢٢/ ٥٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

كتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲/ ۲۹۵۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۴/۱۶ھ

خریداری میں دی گئی رقم کی واپسی میں دوگنی رقم لینا

سوال [۸۶۶۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: خالد نے حامد سے ایک زمین خریدی، جس کی دوتہائی رقم ادا کردی گئی، جب کہ ایک تہائی

رقم کا زمین کی رجسٹری کے موقع پر ادا کرنا طے ہوا؛ لیکن حامد نے دھوکہ سے ایسی زمین فروخت کی جس کے وہ خود مالک نہ تھے، دس ماہ تک رجسٹریشن کے لئے ٹال مٹول کرتے رہے، تحقیق پر پتہ چلا کہ وہ خود اس زمین کے مالک نہیں ہیں؛ لہٰذا حامد سے ہر روز مطالبہ کیا گیا تو انہوں نے کہا کہ میں دوسری زمین دیتا ہوں، دوچار زمینیں اور دکھلائیں؛ لیکن وہ بھی متنازع فیہ تھیں، خالد نے لینے سے انکار کیا، اس طرح دوتین ماہ اور گذر گئے، اس وقت تک اس زمین کی قیمت جس کو خالد نے خریدا تھا، کئی گنا بڑھ چکی تھی، اب خالد نے حامد سے کہا کہ جو زمین آپ نے ہمیں بیچی ہے وہ خود آپ خرید لیں اور آج کی بازار کی قیمت سے کچھ کم ادا کردیں، مختلف مجالس میں طویل بحث کے بعد یہ طے پایا کہ خالد اصل رقم بیس لاکھ روپئے جو ادا کرچکا تھا پر مزید بیس لاکھ روپئے ملا کر دے دیں گے۔ (یعنی جملہ چالیس لاکھ روپئے) یہ فیصلہ ہوگیا، اس فیصلے کے بعد رقم وصول کرنے میں بڑی دشواری پیش آئی، بہر حال تین سال کے عرصہ میں مختلف قسطوں میں انیس لاکھ پچاس ہزار روپئے خالد نے وصول کئے، اصل رقم میں ابھی پچاس ہزار روپے وصول ہونا باقی ہے؛ لیکن حامد نے اپنی زمین خالد سے چالیس لاکھ روپے میں خریداری کی (یعنی بیس لاکھ زائد رقم اصل بیس لاکھ پر دینے کا وعدہ کیا) وہ رقم اب دینے سے یہ کہہ کر انکار کررہے ہیں کہ یہ رقم تمہارے لئے جائز نہیں ہے؛ اس لئے کہ تمہاری رقم صرف بیس لاکھ روپے ہے، اس پر جو بھی رقم زائد خالد لے گا وہ سود ہوگا، اس لئے میں خالد ان مذکورہ تفصیلات کی روشنی میں معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ از روئے شرع یہ زائد رقم میرے لئے جائز ہے یا ناجائز ہے؟

المستفتی: امداد اللہ راجہ پوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زمین کی خریداری میں دی گئی رقم کے ساتھ جو شرط لگائی گئی کہ رقم کی واپسی کے ساتھ دوگنے واپس ہوں گے، یہ ناجائز شرط ہے؛ لہٰذا اصل رقم جو بیس لاکھ ہے، اس کے اوپر جو کچھ بھی زائد واپس ہوگا وہ سود ہے، لینے والے کے حق میں وہ پیسہ

حرام ہے؛ لہٰذا خالد کو صرف بیس لاکھ واپس ملے گا اور بیس لاکھ پر زائد حاصل کرنا سود اور حرام ہے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ا/ ۷۸)

أن النبي صلى الله عليه وسلم نهى عن بيع العربان، قال أبو عبدالله: العربان: أن يشتري الرجل دابة بمائة دينار، فيعطيه دينارين عربونا، فيقول: إن لم أشتر الدابة فالديناران لک. الحديث (ابن ماجة شريف، أبواب التجارات، باب بيع العربان، النسخة الهندية ١/ ١٥٨، دارالسلام، رقم: ٢١٩٣، سنن أبي داؤد، كتاب البيوع، باب في العربان، النسخة الهندية ٢/ ٤٩٤، دارالسلام، رقم: ٣٥٠٢)

قلت: ويرد العربان على كل حال بالإتفاق. (بذل المجهود، قديم دارالبشائر الإسلاميه ١١/ ٢٢١)

لأن الربوا عرفه الحنفية بأنه فضل خال عن عوض بمعيار شرعي مشروط لأحد المتعاقدين فى المعاوضة. (الموسوعة الفقهية ٢٢/ ٥٠) **فقط** واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲ رشعبان ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۶۹۰/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۸/۲ھ

۴/ باب البیع الفاسد، والباطل، والمکروہ

شرطِ فاسد کے ساتھ خرید وفروخت کی شرعی حیثیت

سوال [۸۶۷۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک چیز کی قیمت بازاری بھاؤ کے اعتبار سے ۲۹۰/ روپئے ہے، اس وقت زید نے وہ چیز ۳۰۰/ روپیہ کے اعتبار سے خریدی اس شرط پر کہ آئندہ فروخت کرنے پر اس میں جو نفع ہوگا وہ میرا اور جو نقصان ہوگا وہ بائع کا۔ دریافت یہ کرنا ہے کہ اس طرح کی بیع وشراء جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: ذبیح الرحمٰن چاندپوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ میں ذکر کردہ شرط شرعاً شرطِ فاسد ہے؛ اس لئے ایسا معاملہ شرعا جواز کے دائرہ میں داخل نہیں ہوتا؛ لہٰذا مسلمانوں کا اس طرح معاملہ کرنا جائز نہیں ہے۔

كل شرط لا يقتضيه العقد، وفيه منفعة لأحد العاقدين أو للمعقود عليه وهو من أهل الاستحقاق يفسده. الخ (هداية، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، أشرفي ۳/ ۵۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴/ رمضان ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۴۳۶)

شروط فاسدہ کے ساتھ بیع کا معاملہ

سوال [۸۶۷۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے بکر سے ایک قطعہ زمین اس شرط ووعدہ کرکے خریدی کہ میں اس زمین میں اینٹ

کا بھٹہ لگاؤں گا، اس میں تمہاری آدھی شرکت رہے گی۔ اور اس زمین میں دیگر ترقیاتی کام کروں گا جس سے تمہاری بھی ترقی وفائدہ ہوگا، نیز اگر اس زمین کو نفع سے بیچوں گا تو اصل قیمت خرید سے جتنی زیادہ کی بکے گی اس اضافہ اور نفع میں ہماری تمہاری نصف نصف شرکت رہے گی، ان شرائط اور وعدے اور امیدیں دلاکر زید نے بکر سے زمین نصف قیمت میں طے کرلی، یعنی اس وقت مثلاً چار ہزار روپیہ فی کس قیمت کی زمین دو ہزار روپیہ فی کس میں خرید لی، بکر نے اس امید وشرط پر کہ اگر میری زمین کچھ عرصہ بعد زیادہ قیمت میں بکے گی تو آدھا نفع ملے گا، یا تجارت وکاروبار ہوگا، تو اس نفع میں شرکت رہے گی، اس وقت آدھی قیمت میں اس زمین کا زید کے نام بیع نامہ کردیا؛ لیکن زید نے وعدوں کے مطابق اس زمین میں نہ بھٹہ لگایا اور نہ ہی کوئی ترقیاتی کام حسب وعدہ کیا اور نہ اس زمین کو بیچ کر نفع کی نصف رقم دینے کو تیار ہے؛ بلکہ قانونی پختگی وبیع نامہ کرانے کے بعد خود کو مستقل مالک کہتا ہے، نہ تجارت میں بکر کو شریک کرنا چاہتا ہے اور نہ قیمت کے اضافہ ونفع میں حسب وعدہ نصف منافع دینے کو تیار ہے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ جس شرط کے ساتھ بکر نے زید کو نصف قیمت پر زمین دی تھی، اس شرط ووعدہ کو پورا نہ کرنے کی شکل میں بکر اس زمین کی پوری قیمت زید سے وصول کرنے کا شرعاً حق دار ہے یا نہیں؟ اور کیا کسی طرح آدھی رقم وصول کرسکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: عبدالرحمٰن خان قاسمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مسئولہ میں زید کا بکر سے شرط کے ساتھ زمین کی بیع کا جو معاملہ ہوا وہ تمام شرائط باطل ہیں اور وہ شروط فاسدہ میں سے ہیں، ایسی شرائط کے ساتھ بیع جائز نہیں ہوتی؛ کیوں کہ خرید وفروخت میں ایسی شرط لگانا جو متعاقدین میں سے کسی ایک کے لئے نفع مند ہو شرط فاسد کہلاتی ہے؛ لہٰذا اس میں بائع کو یہ حق ہے کہ وہ بیع کو فسخ کرکے مذکورہ زمین کو مشتری سے واپس لے لے اور مشتری کے لئے بھی لازم ہے کہ بلا کسی چوں چرا کے اس زمین کو واپس کردے۔

عن سعید بن زید –رضي اللّٰہ عنہ– أن رسول اللّٰہ ﷺ قال: من اقتطع

شبرا من الأرض ظلما طوقه الله إياه يوم القيامة من سبع أرضين. (مسلم شريف، باب تحريم الظلم وغصب الأرض وغيرها، النسخة الهندية ۲/ ۳۲، بيت الأفكار، رقم: ۱٦۱۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ ر رجب ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ٦۸۵۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۳/ ۷/ ۱۴۲۱ھ

بیع میں شرطِ فاسد لگانے کا حکم

سوال [۸٦۷۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے خالد سے ایک زمین دس لاکھ روپئے میں خریدی، دو لاکھ روپئے زید نے خالد کو دے دیئے، باقی آٹھ لاکھ روپئے کے بارے میں خالد نے زید کو یہ سہولت دی کہ آپ یہ آٹھ لاکھ روپئے ۲۰۱۵ء تک یعنی پانچ سال کے اندر اندر ادا کردینا، چاہے تھوڑا تھوڑا کر کے چاہے یکبارگی دونوں بخوشی اس بیع اور معاملہ پر رضامند ہوگئے، پھر خالد جو بائع ہے، یوں کہتا ہے کہ اگر آپ نے یعنی زید نے اگر پانچ سال کے اندر اندر یہ آٹھ لاکھ کی رقم ادا نہیں کی اور زید پھر منع کرنے لگے کہ میں زمین نہیں لیتا مجھ سے آٹھ لاکھ کی رقم ادا نہیں ہو پا رہی ہے، تو خالد کہتا ہے کہ میں پانچ سال کے بعد زمین کی جو قیمت ہوگی وہ قیمت لگاؤں گا؛ کیوں کہ پانچ سال تک میری زمین آپ کو بیچنے کی وجہ سے بیکار پڑی رہی اور اس قیمت کو میں آپ کی دی ہوئی دو لاکھ کی رقم سے وضع کرلوں گا، خالد کی اس بات پر زید رضامند ہوگیا۔ معلوم یہ کرنا ہے کہ کیا خرید وفروخت کی یہ شکل درست ہے، خالد کا یہ شرط لگانا اور زید کا اس پر رضامند ہو جانا درست ہے؟ شرعاً جو فیصلہ ہو تحریر فرمائیں۔

المستفتی: جلال الدین کملائی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سوال میں خرید وفروخت سے متعلق جو معاملہ لکھا گیا ہے وہ جائز نہیں ہے؛ اس لئے کہ اس معاملہ کو اس بات پر معلق کیا گیا ہے کہ پانچ سال میں اگر

زید بقیہ آٹھ لاکھ روپیہ ادا نہ کرسکے تو زمین کی طے شدہ قیمت (دس لاکھ روپیہ) باقی نہیں رہے گی؛ بلکہ پانچ سال کے بعد مذکورہ زمین کی جو قیمت ہوگی وہی قیمت ادا کرنی ہوگی اور وہ قیمت مجہول ہے؛ لہٰذا یہ معاملہ بیع فاسد اور واجب الاسترداد ہے اور جو دو لاکھ روپیہ ادا کیا گیا ہے اس کو پورا کا پورا واپس کرنا لازم ہوگا۔ اور پانچ سال کے بعد اگر طرفین آپسی رضامندی سے نئے سرے سے دوسرا معاملہ کرتے ہیں، تو اس کی اجازت ہے۔

عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده أن النبي ﷺ نهى عن بيع وشرط. الخ (مجمع الزوائد، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٨٥، نصب الرأية ٤/ ٤٣، المعجم الأوسط، دارالفكر ٣/ ٢١١، رقم: ٤٣٦١)

والأثمان المطلقة لا تصح إلا أن تكون معروفة القدر والصفة ...... هذه الجهالة تفضي إلى المنازعة، وكل جهالة هذه صفتها تمنع الجواز هذا هو الأصل. (هداية، كتاب البيوع، اشرفي ٣/ ٢٠-٢١)

عن عمرو بن عوف المزني، عن أبيه، عن جده، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: -إلى- والمسلمون على شروطهم، إلا شرطا حرم حلالا، أو أحل حراما. (سنن الترمذي، أبواب الأحكام، باب ما ذكر عن رسول الله ﷺ في الصلح بين الناس، النسخة الهندية ١/ ٢٥١، دارالسلام، رقم: ١٣٥٢، المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ١٧/ ٢٢، رقم: ٣٠)

عن أبي حميد الساعدي، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لا يحل لامرئ أن يأخذ مال أخيه بغير حقه، وذلک لما حرم الله مال المسلم على المسلم. (مسند أحمد بن حنبل ٥/ ٤٢٥، رقم: ٢٤٠٠٣، مجمع الزوائد، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ١٧١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/ ذی قعدہ ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۲۲۰)

بیع واجارہ بیک وقت شئ واحد میں کرنے کا حکم

سوال [۸۶۷۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: سمرن نامی ایک کمپنی ہے جو فارم والے کو مرغی کا بچہ دیتی ہے، بچہ کا بھاؤ بیس روپیہ پچاس پیسہ طے کرتی ہے، چاہے بازار میں اس سے کم بھاؤ ہو یا زیادہ ہو اور ساتھ میں اس بچہ کے متعلق دوائی کا خرچ اور دانہ وغیرہ تمام خرچ کمپنی کے ذمہ ہوتا ہے۔ اور فارم والے کا فارم پانی لائٹ اور محنت ہوتی ہے، کمپنی کی طرف سے فارم والے کو اس کی محنت کی اجرت دے دی جاتی ہے، مگر اس کے لئے چند شرائط ہوتی ہیں، جو مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) مرغی کے ایک کلو وزن کے ساتھ دانہ ایک کیلو ۸۵/ گرام استعمال ہونا چاہئے اور لوگوں کا تجربہ یہ ہے کہ اتنی مقدار دانے میں مرغی کا وزن ایک کیلو ہو جاتا ہے، دانہ کی مقدار طے کر دینے کی وجہ یہ ہے کہ اگر چھوٹ دے دی جائے تو بعض فارم والے دانہ کی چوری کر کے بازار میں بیچ دیتے ہیں۔

(۲) اگر مرغی کا ایک کلو وزن ۴۸/ روپیہ ۲۵/ پیسے تک ہوا تو فارم والے کو ہر کیلو پر ۳/ روپیہ ۸۰/ پیسہ اجرت ملے گی۔ اور اگر اس سے کم خرچ میں تیار ہوا تو ہر ایک روپیہ کم خرچ ہونے پر مزید ۳۰/ پیسہ اجرت ملے گی۔ اور اگر ۴۸/ روپیہ ۲۵/ پیسہ سے زیادہ خرچ لگ گیا تو ہر ایک روپیہ زائد ہونے پر ۳۰/ پیسہ کم ہو جائے گا۔

(۳) پھر اگر کمپنی کو مارکیٹ میں ایک کیلو کا بھاؤ ۵۵/ روپیہ سے زائد ملا تو ہر ایک کلو پر کمپنی مزید ۱۰/ پیسہ انعام دے گی۔

(۴) مال اٹھاتے وقت جس قدر مرغیاں ہوں گی، فقط ان ہی کی اجرت ملے گی، اگر کسی وجہ سے کچھ مرغیاں مرگئی تو مری ہوئی مرغیوں کی اجرت نہیں ملے گی، چاہے مال اٹھانے کے ایک گھنٹہ قبل ہی مری ہوں۔

سوال یہ ہے کہ مذکورہ بالا طریقہ پر کمپنی کے ساتھ معاملہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر جائز نہیں ہے تو جواز کی کیا شکل ہے؟

المستفتی: مولانا مجاہد ڈینڈ رولوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ پر بار بار غور کیا گیا اور بعض مرغی فارم چلانے والوں سے براہ راست تبادلہ خیال کیا گیا، تو معلوم ہوا کہ اس طرح کا معاملہ مرغی فارم چلانے والے کو بھی سمجھ میں نہیں آیا۔ اور بیس روپیہ پچاس پیسے ہر بچہ کی قیمت شمار کی گئی اور ایک مہینہ یا پینتیس دن تک ان کی دیکھ ریکھ پرورش کرنے کے لئے تین روپیہ تیس پیسہ فی بچہ اجرت طے کی گئی، تو سب سے تضادیوں پیش آیا کہ شروع میں بیع کی بات سمجھ میں آرہی ہے اور آخر میں اجارہ کی بات سمجھ میں آتی ہے۔ اور بیع واجارہ بیک وقت شئ واحد میں جائز نہیں ہے۔ اور اس میں کچھ شرائط مجہول اور متردد فیہ لگائی گئی ہیں:

(۱) اگر مرغی کا ایک کیلو وزن ۴۸/ روپیہ ۲۰/ پیسہ تک ہوا تو فارم والے کو ہر کیلو پر ۳/ روپیہ ۸۰/ پیسے اجرت ملے گی۔ اور اگر اس سے کم خرچ میں تیار ہوا تو کم خرچ ہونے پر ۳۰/ پیسہ مزید اجرت ملے گی۔ اور اگر ۴۸/ روپیہ ۲۵/ پیسہ سے زائد خرچ لگ گیا تو ہر روپیہ زائد ہونے پر ۳۰/ پیسہ کم ہو جائیں گے۔ اور پھر کمپنی کو مارکیٹ میں ایک کیلو کا بھاؤ ۵۵/ روپیہ سے زائد ملا تو کمپنی فی کیلو پر دس پیسہ انعام دے گی، یہ سب امر متردد فیہ ہیں، جن کی وجہ سے یہ معاملہ شرعاً جائز نہیں ہے۔

عن عبداللّٰہ بن مسعود –رضی اللّٰہ عنہ– قال: نہی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم عن صفقتین في صفقۃ. (مسند أحمد بن حنبل ۱/ ۳۹۸، رقم: ۳۷۸۲، مسند البزار، مکتبۃ العلوم والحکم ۵/ ۳۸٤، رقم: ۲۰۱۷)

ومنہا: أن یکون المبیع معلوما، والثمن معلوما علما یمنع من المنازعۃ، فالمجہول جہالۃ مفضیۃ إلیہا غیر صحیح. (البحرالرائق،

كتاب البيوع، كوئٹه ٥/ ٢٦٠، زكريا ٥/ ٤٣٦، هندية، زكريا قديم ٣/ ٣، جديد ٣/ ٦، شامي، زكريا ٧/ ١٥، كراچی ٤/ ٥٠٥، الموسوعة الفقهية الكويتية ١٣/ ٤٣)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷ر جمادی الاولیٰ ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۶۸۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۵/۷ھ

معدوم کی بیع کا حکم

سوال [۸۶۷۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: آج کل ایک کمپنی ایم سی ایکس کے نام سے زور شور سے چل رہی ہے، اس کا پورا نام ''میلیٹی کموڈیٹی ایکسچینج'' ہے اس کا ہیڈ کوارٹر بمبئی میں ہے اور اس کی آفسیں پورے ملک میں پھیلی ہوئی ہیں۔ اور ان تمام برانچ آفسوں میں کمپنی کے افراد متعین ہیں اور ہر آفس میں کمپیوٹر بھی لگا ہوا ہے، اس کا کام یہ ہوتا ہے کہ ملکی اور بین الاقوامی مارکیٹوں میں اشیاء کا بھاؤ کیا ہے وہ اپنے کمپیوٹر میں انٹرنیٹ کے ذریعہ سے درج کروالیتا ہے، مثلاً سونا، چاندی، تابنا، پیتل، گیہوں، چاول، پیپل منٹ کا تیل وغیرہ مختلف اشیاء کا ملکی اور بین الاقوامی بھاؤ معلوم کر کے کمپیوٹر اسکرین پر درج کردیا جاتا ہے۔ اور کمپنی کے پاس ان اشیاء میں سے کوئی چیز نہیں ہوتی ہے اور نہ ہی یہ کمپنی کسی چیز کی مالک ہوتی ہے، بس اس کا کام صرف اتنا ہے کہ دنیا بھر کی چیزوں کا بھاؤ اپنی اسکرین پر درج کردے۔ اور دوسرا کام یہ ہوتا ہے کہ اپنے ورکروں کے ذریعہ سے اور اپنی برانچ آفسوں کے ذریعہ سے عام لوگوں کو اس کمپنی میں شرکت کی دعوت دیتی ہے۔ اور اس کی شرکت کی شکل یہ ہے کہ کم سے کم پندرہ ہزار روپئے پہلی بار آفس میں جمع کریں اور یہ طے کرکے جمع کریں کہ کمپیوٹر اسکرین میں مختلف اشیاء کا جو بھاؤ آرہا ہے پندرہ ہزار روپئے میں ان میں سے کوئی چیز زبانی خریدلیں کہ جو پندرہ ہزار روپئے ہم نے

آپ کو دیا ہے، اس کی ہم مثلاً چاندی خرید لیتے ہیں، مثلاً اس وقت ڈیڑھ کلو چاندی پندرہ ہزار روپئے میں مل سکتی ہے اور اسکرین میں چاندی کا بھاؤ آیا ہے کہ دس ہزار روپئے کلو ہے، تو ہم وہیں بیٹھے بیٹھے آفس میں جس آدمی کو پندرہ ہزار روپے دیتے ہیں اس سے ہم یہ کہہ دیں کہ ہم نے آپ سے ڈیڑھ کلو چاندی خرید لی اور وہ اسکرین اسی طرح گھومتی رہے گی، حالاں کہ اس کے پاس چاندی نہیں ہے اور نہ ہی اس کی ملکیت میں ہے، اور مثلاً شام کو چاندی گیارہ ہزار روپئے بن گئی ہے تو ہمارے ڈیڑھ کلو کی قیمت ساڑھے سولہ ہزار بن گئی ہے، ہم اسی وقت آفس کے ذمہ دار سے یہ کہہ کر کے ساڑھے سولہ ہزار روپئے لے سکتے ہیں کہ ہم نے آپ کے ہاتھ چاندی بیچ دی ہے، ہمیں ساڑھے سولہ ہزار روپئے دے دو، اسی طرح اگر چاندی کا بھاؤ گھٹ گیا ہے، تو وہ ہمیں اتنا گھٹا کر دے گا جتنا بھاؤ گھٹ گیا ہے، یہی اس اسکیم اور کمپنی کا خلاصہ ہے، حالاں کہ کمپنی کے پاس نہ تو چاندی موجود ہے اور نہ ہی کمپنی اس کی مالک ہے، بس صرف بین الاقوامی یا ملکی قیمت اس کی اسکرین پر آتی رہتی ہے، تو کیا شریعت میں اس طرح کی تجارت اور لین دین جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد قربان، خادم مدرسہ فیض العلوم، تھانہ بٹن رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب یہ کمپنی کسی چیز کی مالک نہیں ہے اور نہ ہی کوئی چیز اس کے پاس موجود ہے اور نہ کمپنی کا ارادہ خریدکران اشیاء کو اپنی ملکیت میں لانے کا ہے اور نہ ہی کمپنی حقیقی مالک اور خریدار کے درمیان مذکورہ اشیاء کے فروخت کروانے اور خریدوانے کا حقیقی معنی میں واسطہ ہے؛ بلکہ یہ ایسا ہے جیسے ہاتھی کے دانت ہیں دکھانے کے اور ہیں کھانے کے لئے دوسرے ہیں، اس لئے ایسا معاملہ شریعت میں شروع سے آخر تک جائز نہیں ہے۔

عن حکیم بن حزام –رضي الله عنه– قال: نهاني رسول الله ﷺ أن أبيع ماليس عندي. (سنن الترمذي، البيوع، باب ماجاء في كراهية بيع ما ليس عندك، النسخة الهندية ١/ ٢٣٣، دارالسلام، رقم: ١٢٣٣)

وبيع ما ليس في ملكه لبطلان بيع المعدوم وماله خطر العدم (درمختار) وفي الشامية: قوله: لبطلان بيع المعدوم: إذ من شرط المعقود عليه أن يكون موجودا مالا متقوما مملوكا في نفسه، وأن يكون ملك البائع فيما يبيعه لنفسه، وأن يكون مقدور التسليم. (شامي، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مطلب الآدمي مكرم شرعا ولو كافرا، زكريا ٧/ ٢٤٦، كراچی ٥/ ٥٨-٥٩، البحرالرائق، زكريا ٥/ ٤٣٥، كوئٹه ٥/ ٢٦٠، بدائع الصنائع، زكريا ٤/ ٣٣٩، كراچی ٥/ ٤٦، الموسوعة الفقهية الكويتية ٩/ ١٥٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍محرم الحرام ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۱۵۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۹/۱/۱۴۲۸ھ

’’بیع منابذہ‘‘

سوال [۸۶۷۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک کام یہاں ہوتا ہے کہ کئی آدمی مل کر ایک جگہ روپیہ جمع کراتے ہیں، پھر وہ انعام کے طور پر قرعہ اندازی کرتے ہیں اور اس میں کسی کے نام کولر، کسی کے نام ریڈیو، کسی کے ٹیلی ویزن، کسی کے اسکوٹر، کسی کے کپڑا دھونے کی مشین نکلتی ہے، کئی چھوٹے بڑے انعام اوروں کے بھی نکلتے ہیں، ایسی صورت میں یہ سب کام جائز ہے یا ناجائز؟

المستفتی: حاجی ماسٹر علی محمد جھن جھنوں، راجستھان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ معاملہ اور اسکیم بیع منابذہ اور بیع القاء الحجر ہونے کی وجہ سے ناجائز اور باطل ہے، جس کو شریعت نے قطعی طور پر حرام قرار دیا ہے۔

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– أن رسول الله صلى الله عليه وسلم

نهى عن الملامسة والمنابذة. (صحيح مسلم، البيوع، باب إبطال بيع الملامسة والمنابذة، النسخة الهندية ٢/ ١، بيت الأفكار، رقم: ١٥١١)

ولا يجوز البيع بإلقاء الحجر، والملامسة، والمنابذة. (هداية، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، أشرفي ٣/ ٣٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍رجب المرجب ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۳۳۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۱/ ۷/ ۱۴۲۲ھ

کمیٹی کا خریدار سے متعینہ رقم سے زیادہ کا مطالبہ کرنا

سوال [۸۶۷٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے شہر کھر گون میں عامۃ المسلمین کی ایک منتخب کمیٹی (جماعت اصلاح المسلمین) ہے، جو قومی وملی خدمات انجام دیتی ہے، مذکورہ جماعت شہر میں مکاتب بھی چلاتی ہے، قوم وملت کے مفاد کو مدنظر رکھتے ہوئے اصلاحات کرنا اور وقت اور موقع کی نزاکت کے اعتبار سے قوم وملت کی صحیح رہنمائی کرنا وغیرہ اس جماعت کے اہم مقاصد ہیں۔

جماعت کو اپنے دینی، قومی وملی پروگرام منعقد کرنے کے لئے ایک جماعت خانہ (بڑے ہال) کی اشد ضرورت تھی، اس اہم ضرورت کی تکمیل کے لئے جماعت نے باتفاق رائے یہ طے کیا کہ جماعت کے پاس جو کھیت ہے اس میں پلاٹ کاٹ دئے جائیں اور آسان قسطوں پر عام غریب مسلمانوں کو فروخت کردیئے جائیں اور اس سے حاصل ہونے والی رقم سے جماعت خانہ تعمیر کیا جائے، تاکہ بے گھر غریب مسلمانوں کو گھر مل جائیں اور جماعت خانہ کی تعمیر بھی انجام پذیر ہوسکے گی۔

آج سے تقریباً ۱۸؍سال قبل جماعت نے اپنے کھیت میں ۲۳۷؍ پلاٹ کاٹے تھے مختلف قسم کے مختلف سائز کے پلاٹ کاٹے اور مسلمانوں کو فروخت کردئے، مثلاً -/18,000

-/6,000 -/8,000 -/10,000 آسان قسطوں پر فروخت کئے شروع میں قسطیں جمع کرواتے رہیں، مگر جماعت کی باڈی ہر تین سال میں بدلنے چینج ہونے کی وجہ سے قسطوں کا جمع کرنے اور کروانے کا سلسلہ ختم ہوگیا، نتیجہ یہ ہوا کہ کچھ ہی لوگوں کی قسطیں پوری جمع ہوسکیں اور اکثر قسطیں باقی رہ گئیں، کسی کی کم تو کسی کی زیادہ۔

پلاٹ کے خریداروں نے کئی مرتبہ جماعت کے صدر، سکریٹری سے درخواست کی کہ ہماری قسطیں جمع کرلی جائیں اور پلاٹ کی رجسٹری کروادی جائے؛ لیکن کسی بھی صدر نے اس پر سنجیدگی سے غور نہیں کیا، تا دم تحریر صرف ۱۴-۱۵/ پلاٹوں کی رجسٹری ہی ہوسکی ہے۔

ماضی کی طرح موجودہ باڈی سے بھی پلاٹ کے خریداروں نے درخواست کی کہ قسطیں جمع کرکے رجسٹری کروادی جائے اور ہمارے پلاٹوں پر ہمیں قبضہ دیا جائے، الحمد للہ موجودہ باڈی نے ہماری درخواست کو قبول کرتے ہوئے ایک میٹنگ بلائی، مگر استغفر اللہ جماعت نے ایک بے جا اور بے تکا فیصلہ لے کر پلاٹ کے خریداروں کو بہت ہی مایوس کیا ہے۔

زیادہ تفصیل میں نہ جاتے ہوئے عرض ہے کہ جماعت نے یہ فیصلہ لیا ہے کہ چونکہ پلاٹوں اور زمین کی قیمت آسمان چھو رہی ہے؛ اس لئے فی الحال زمین کے جو بھاؤ اور ریٹ چل رہے ہیں اس اعتبار سے پلاٹ کی قیمت ادا کی جائے، جماعت کے اس فیصلہ کے مطابق مثلاً -/6,000 کے پلاٹ کی قیمت ایک لاکھ روپے -/8,000 والے کی قیمت ڈیڑھ لاکھ روپے -/10,000 اور -/18,000 والے کی ۲/ڈھائی تین لاکھ روپے اب ادا کرنی ہوگی۔ عرض یہ ہے کہ پلاٹ کی قیمت کئی گنا اضافے کے ساتھ ادا کرنی ہوگی، جب ہی پلاٹ پر قبضہ ہوسکے گا، اور تعجب تو یہ ہے کہ جماعت اس اضافی رقم کو امداد اور تعاون کا لبادہ پہنا کر قوم کو لبھا رہی ہے اور قوم کو اپنی بات منوا کر اپنے فیصلہ کو برقرار رکھنے میں مصروف ہے۔ اور کہتی ہے کہ یہ اضافی رقم امداد ہے، جس سے قوم کے کام انجام دئے جائیں گے۔

جماعت کے اس فیصلے سے عوام میں کافی بے چینی اور انتشار کی صورت حال پیدا ہوگئی ہے، دن بدن ٹکراؤ کے حالات بن رہے ہیں۔ غور طلب امر یہ ہے کہ:

(۱) ۱۸؍سال قبل جماعت نے جو پلاٹ فروخت کئے تھے، اس کی قیمت آج کئی گنا ہوگئی ہے، تو کیا جماعت کو شرعاً حق ہے کہ وہ موجودہ قیمت پر خریداروں سے رقم وصول کریں؟

(۲) جماعت اس اضافی رقم کو امداد کا نام دے رہی ہے، تو شرعی نقطہ نظر سے یہ امداد ہوگی اور امداد لینے کا یہ طریقہ کس زاویے سے درست ہے؟ جتنی جلدی ممکن ہو تسلی و تشفی بخش جواب قرآن وحدیث کی روشنی میں عنایت فرما کر ممنون ومشکور فرمائیں، نوازش ہوگی۔

المستفتی: عبدالرشید انصاری کھرگون

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں اٹھارہ سال پہلے جو پلاٹ جس قیمت پر فروخت ہوئے تھے، کمیٹی کے لئے اس متعینہ رقم سے زیادہ وصول کرنا جائز نہیں ہے، ہاں البتہ اگر پوری رقم ادا کرنے کے لئے ایک مدت متعین ہوچکی تھی اور اس وقت پر ادائیگی نہیں کی گئی تو ایسی صورت میں کمیٹی کے لئے گذشتہ عقد کو ختم کر کے ازسرنو کسی بھی رقم پر فروخت کرنا درست ہوگا۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۶/ ۵۰۶)

ولأنه لما تعذر استيفاء الثمن من المشتري فات رضا البائع، فيستبد بفسخه. (هداية آخرين، كتاب القضاء، باب التحكيم، أشرفي ۳/ ۱٤۷، البحرالرائق، كوئٹه ۷/ ۳٦، زكريا ۷/ ٦۱)

إذا تبايعا على أن يؤدى المشتري الثمن في وقت كذا وإن لم يؤده فلا بيع بينهما صح البيع –إلى قوله– إذا لم يؤد المشتري الثمن في المدة المتعينة كان البيع الذي فيه خيار النقد فاسدا، ولكل من العاقدين فسخه، إذا بقي المبيع على حاله. (شرح المجلة رستم، مكتبه اتحاد ۱/ ۱٦٦، رقم المادة: ۳۱۳-۳۱٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍جمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۱۰۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۳/۵/۱۴۳۴ھ

دوسرے کی زمین فروخت کرنے کا حکم

سوال [۸۶۷۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں نے ایک مکان تقریباً پندرہ وبیس سال پہلے اپنے ماموں سے خریدا تھا، جس میں ایک زینہ آمد ورفت کا ہے جو کہ میرے استعمال میں ہے، مگر اب آ کر مجھ پر واضح ہوا ہے کہ وہ زینہ پڑوسی کے آنچک میں بنا ہوا ہے، ان کے اور پڑوسی کے بیچ میں مقدمہ بازی بھی ہوئی تھی، جس کے تصفیہ میں یہ لکھا ہے کہ ان کو زینہ کا حق تصرف حاصل تھا، نہ کہ ملکیت آج وہ وہ جگہ میرے استعمال میں ہے، کیا ان کو وہ جگہ بیچنے کا حق تھا؟

(۲) اب جب کہ وہ مکان میری ملکیت ہے اور مجھے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کو اس جگہ کا صرف حق تصرف تھا، حق ملکیت نہیں تو وہ جگہ میرے لئے جائز ہے اگر نہیں تو کیا کرنا چاہئے؟

المستفتی: کرامت علی ۲۴ رپرگنہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب وہ زمین پڑوسی کی ہے اور اس کا آپ کے ماموں کو استعمال کے لئے دینا آپ پر ایک احسان ہے، آپ کے ماموں کو فروخت کرنے کا حق نہیں ہے؛ اگر فروخت کردیا ہے تو پڑوسی کو اپنا حق واپس لے لینے کا حق ہے۔

عن أبي حميد الساعدي، أن رسول الله ﷺ قال: لا يحل لامرئ أن يأخذ مال أخيه بغير حقه، وذلک لما حرم الله مال المسلم على المسلم.

(مسند أحمد بن حنبل ٥/ ٤٢٥، رقم: ٢٤٠٠٣)

عن أبي حرة الرقاشي، عن عمه، أن رسول الله ﷺ قال: لا يحل مال رجل مسلم لأخيه، إلا ما أعطاه بطيب نفسه. (السنن الكبرى للبيهقي، باب أهل البغي إذا فاؤا، دارالفكر ١٢/ ٣٥٢، رقم: ١٧٢٢٤)

لا يجوز لأحد أن يتصرف في ملک الغير بغير إذنه. الخ. لا يجوز لأحد أن يأخذ مال أحد بلا سبب شرعي. الخ (قواعد الفقه، أشرفي، ص: ١١٠،

رقم: ۲٦۹ - ۲۷۰، شرح المجلة رستم، مكتبه اتحاد ۱/ ٦۱ -٦۲، رقم المادة: ٩٦ - ٩٧)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳/رجب ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۱۳/۳۵۱۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۳/۷/۱۴۱۴ھ

دوسرے کی دوکان اپنی بنا کر فروخت کرنے کا حکم

سوال [۸٦۷۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کے والد احمد نبی خان ولد عبدالغنی خان نے ایک قطعہ دوکان اپنے انتقال کے بعد چھوڑی۔ اور زید کے والد مرحوم کے زید سمیت دولڑکے، دولڑکیاں، چار بچے تھے، جو اس دوکان کے شرعاً مالک ہوگئے تھے، اس کے بعد زید کے چچا نیاز احمد خان ولد عبدالغنی خاں نے زید سمیت چاروں بہن بھائی سے یہ کہہ کر کہ تم کو دوکان سے زیادہ آمدنی ہوجاوے گی، میں دوکان کو دوبارہ تعمیر کرا کر دے دوں اور جب تک میرا لگا ہوا تعمیر میں روپیہ وصول ہوگا دوکانوں کا کرایہ اس وقت تک میں وصول کرتا رہوں گا، جب تک میرا لگا ہوا پیسہ کل وصول ہوگا اس کے بعد کرایہ داروں سے کرایہ آپ لوگوں کو دلوا دوں گا، ہم چاروں نے ان کو اپنا چچا سمجھتے ہوئے اجازت دے دی، تعمیری کام شروع ہوگیا، اسی دوران ہم کو معلوم ہوا کہ چچا نے خود کو مالک بتا کر نقشہ بنوایا ہے، تب ہم نے ان سے معلوم کیا تب انہوں نے یہ کہا کہ میں تمہارا چچا ہوں، تم اگر چاہو تو میں تم کو اقرار نامہ کرا دوں؛ لہٰذا انہوں نے چاروں کے مالک رہنے کا اقرار نامہ لکھا دیا جو کہ زید کے پاس موجود ہے؛ لیکن چچا نے ان دوکانوں کو اپنی بیٹی رخسانہ کو بیچ دیا، جب کہ وہ مالک ہی نہیں تھے، اب چچا کا انتقال ہوگیا ہے، ایسی صورت میں کون مالک ہوا؟

المستفتی: راحت جان جامع مسجد روڈ مغل پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر ایسا واقعہ ہے جیسا کہ سوال نامہ میں درج ہے، تو اس دوکان کا مالک نیاز احمد نہیں ہے اور نہ ہی اس کو فروخت کرنے کا حق ہے؛ بلکہ احمد نبی خان کی مذکورہ اولاد ہی مالک ہوں گی اور انہیں کو قبضہ دے دینا لازم ہوگا۔ اور ان کے چچا نیاز احمد خان کا فروخت کرنا صحیح نہیں ہے؛ البتہ چچا نے جتنا خرچ کیا وہ لے سکتا ہے۔

عن أبي حرة الرقاشي، عن عمه، أن رسول الله ﷺ قال: لا يحل مال امرئ مسلم إلا بطيب نفس منه. (شعب الإيمان للبيهقي، باب في قبض اليد عن الأموال المحرمة، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٣٨٧، رقم: ٥٤٩٢)

لا يجوز لأحد أن يأخذ مال أحد بلا سبب شرعي. الخ (قواعد الفقه، أشرفي، ص: ١١٠، رقم: ٢٦٩، شرح المجلة رستم، مكتبه اتحاد ١/ ٦٢، رقم المادة: ٩٧، هندية، زكريا قديم ٢/ ١٦٧، جديد ٢/ ١٨١، مجلة الأحكام العدلية ١/ ٢٧، رقم: ٩٧)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸؍شوال ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۴۷۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۱۰/۲۸ھ

دوسرے کی چیز بلا اجازت فروخت کرنے کا حکم

سوال [۸۶۷۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید ایک پتھر کی کان کا مالک ہے، عمرو خریدار نے ۲۰؍روپیہ کے حساب سے کٹ سائز کے پیسے ادا کردئے اور زید نے قبول کرتے ہوئے کہا کہ کان سے پتھر نکلتے ہی اس کو کٹ سائز کے اعتبار سے کٹوا کر اور اس کی ٹائلیں بنا کر آپ کے حوالہ کردوں گا، اب جب پتھر کان سے باہر آتا ہے، تو زید بجائے اس کی ٹائلیں بنانے کے دوسرے شخص بکر کے ہاتھوں دوگنی

قیمت میں بیچتا ہے (قطع نظر اس سے کہ بکر کو اس پتھر کے بکے ہوئے ہونے کا علم تھا یا نہیں) اور زید عمرو مشتری اول کو کہتا ہے کہ ۲۵/روپیہ کے اعتبار سے تمہارا حصہ رکھ کر پروفٹ سمیت تمہیں دے دوں گا اور باقی منافع میں رکھوں گا، تو کیا زید کا مشتری اول عمرو کی اجازت سے پتھر کو بیچنا اور اسکوائر فٹ ۵/روپیہ کا منافع عمرو کو دے کر باقی خود رکھنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر بحکم شرع زید کے لئے منافع رکھنا جائز نہیں ہو تو عمرو نے جو پروفٹ ۵/روپیہ کا منافع لیا ہے وہ اس کے لئے حلال رہے گا یا نہیں؟

المستفتی: محمد رمضان، مکرانوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: طے شدہ عقد کے مطابق وہ پتھر عمرو ہی کی ملکیت ہے؛ لہٰذا عمرو کی ملکیت کی چیزوں کو زید نے اس کی اجازت کے بغیر جو فروخت کیا ہے، اس کی تلافی کی دو شکلیں ہیں: پہلی شکل یہی ہے کہ جتنے میں فروخت کیا ہے وہ سارا پیسہ عمرو کے حوالہ کردے، ہاں البتہ اس میں زید عمرو سے اتنا مطالبہ کرسکتا ہے کہ فروخت کرنے کے محنتانہ کے طور پر کچھ اجرت زید کو مل جائے یہ بھی عمرو کی طرف سے تبرع ہوگی، لازم نہیں ہوگی۔ دوسری شکل یہ ہے کہ عمرو کے جو پتھر زید نے فروخت کردیئے ہیں بعینہٖ اسی صفت اور اسی معیار کے اتنے پتھر زید عمرو کے حوالہ کردے، چاہے اسی کان میں سے یا دوسری جگہ سے خرید کر۔

عن أبي حرة الرقاشي، عن عمه، أن رسول الله ﷺ قال: لا يحل مال امرئ مسلم إلا بطيب نفس منه. (مسند أبي يعلى الموصلي، دارالكتب العلمية بيروت ۲/ ۹۱، رقم: ۱۵٦۷، مسند أحمد بن حنبل ۵/ ۷۲، رقم: ۲۰۹۷۱، سنن الدار قطني، كتاب البيوع، دارالكتب العلمية بيروت ۳/ ۲۲، ۲۸٦۲-۲۸٦۳)

ليس لأحد أن يأخذ مال غيره بلا سبب شرعي. (شرح المجلة رستم، مكتبه اتحاد ديوبند ۱/ ٦۲، رقم المادة: ۹۷)

وإن أخذه ولو على ظن أنه ملكه وجب عليه رده علينا، إن كان قائما

وإلا فيضمن قيمته إن كان قيما، ومثله إن كان مثليا. (شرح المجلة رستم، مكتبه اتحاد ديوبند ١/ ٦٢، رقم المادة: ٩٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵؍ ربیع الثانی ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۶۶۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۴/۲۵ھ

لون کے رکشہ فروخت کرنے کا حکم

سوال [۸۶۸۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) میں ایک رکشہ ایجنٹ ہوں، نیا رکشہ لون کروا کر بیچ سکتا ہوں یا نہیں؟ خریدنے والا ایمان والا ہو یا غیر ایمان والا؟

(۲) اگر خریدنے والا غیر ایمان والا ہے اور جس کے نام پر لون کر رہے ہیں وہ بھی غیر ایمان والا ہو تو اس کو لون کروا کر دینا جائز ہے یا نہیں؟

(۳) نیا رکشہ اگر کیش میں ایک لاکھ دس ہزار میں پڑتا ہے، اس میں انکم ٹیکس کی پروبلم ہونے کی وجہ سے لوگ لون کی ہی مانگ کرتے ہیں، تو ایسی صورت میں لون کروا سکتے ہیں یا نہیں؟ (۴) جس رکشہ پر لون پہلے سے موجود ہو تو وہ رکشہ خرید کر بیچ سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: محمد عمران یونس پٹھان نمبر ۱۰۱ ربھوانی پیٹھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) لون پر رکشہ لینے میں تین شکلیں نکلتی ہیں: ایک شکل تو ناجائز اور دو شکلیں جائز ہیں:

(۱) ناجائز شکل: خریدنے والا اگر کمپنی سے از خود ایک لاکھ روپیہ میں رکشہ خریدے اور اس کی قیمت بینک ادا کرے؛ لیکن بینک خریدار سے ایک لاکھ پانچ ہزار روپیہ وصول کرے، تو یہ خریدار کا بینک کو پانچ ہزار روپیہ مزید دینا ناجائز اور حرام ہے۔ اور یہ سود میں داخل ہے۔

عن فضالة بن عبيد صاحب النبي ﷺ أنه قال: كل قرض جر منفعة فهو وجه من وجوه الربا. (السنن الكبرى للبيهقي، البيوع، باب كل قرض جر منفعة فهو ربا، دارالفكر ۸/ ۲۷٦، رقم: ۱۱۰۹۲)

عن إبراهيم قال: كل قرض جر منفعة فهو ربا. (المصنف لابن أبي شيبة، البيوع، من كره كل قرض جر منفعة، موسسة علوم القرآن جديد ۱۰/ ٦٤۸، رقم: ۲۱۰۷۸)

كل قرض جر نفعا فهو حرام. (شامي، البيوع، باب المرابحة والتولية، مطلب كل قرض جر نفعا حرام، زكريا ۷/ ۳۹٥، كراچی ٥/ ١٦٦)

(۲) بیع مرابحہ کی شکل: جو جواز کے دائرہ میں آتی ہے، یہ ہے کہ بینک خریدار کے ساتھ اپنے کسی آدمی کو بھیج دے اور بینک کا آدمی بینک کے لئے ہی ایک لاکھ روپیہ میں کمپنی سے سودا کرے، تو وہ گاڑی بینک کی ہو جائے گی، پھر بینک خریدار کو ایک لاکھ پانچ ہزار روپے میں فروخت کردے، تو یہ شکل شرعاً جائز ہے۔

عن أبي بحر عن شيخ لهم، قال: رأيت على علي رضى الله عنه إزارا غليظا، قال: اشتريت بخمسة دراهم، فمن أربحني فيه درهما بعته إياه.

(السنن الكبرى للبيهقي، البيوع، باب المرابحة، دارالفكر ۸/ ۲۲۹، رقم: ۱۰۹٤٤)

المرابحة بيع بمثل الثمن الأول، وزيادة ربح (إلى قوله) جائز. (عالمگيري، زكريا قديم ۳/ ۱٦۰، جديد ۳/ ۱٥٦، معجم لغة الفقهاء، كراچی، ص: ٤۲۰، المحيط البرهاني، المجلس العلمي ١٥/ ۱۸۳، رقم: ۱۲۷۲۹)

(۳) وکالت کی شکل: یہ بھی جواز کے دائرہ میں آتی ہے کہ بینک خریدار کو اپنا وکیل بنا دے، پھر وہی شخص رکشہ کو کمپنی سے خرید کر بینک کے حوالہ کردے، پھر بینک اس رکشہ کو ایک لاکھ پانچ ہزار روپیہ میں فروخت کردے، تو یہ صورت بھی شرعاً جائز ہے۔ اور اخیر کی ان دو صورتوں کے مطابق اگر بینک سے رکشہ کا لون کرایا جائے تو درست ہے، ورنہ نہیں۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۳/ ۱۳۵، انوار رحمت، ص: ۲۱۲، ایضاح النوادر ۱/ ۱۰۷)

(۲) اگر خریدنے والا غیر مسلم ہو اور جس کے نام لون کرایا جائے وہ بھی غیر مسلم ہو، تو ایسی صورت میں ان کے حق میں یہ معاملہ درست ہے۔ اور آپ کے لئے لون کرانا جب کہ خرید نے والا اور بینک کے تمام ذمہ دار غیر مسلم ہیں، تو جائز اور درست ہے۔

فهذا عمر قد أجاز لأهل الذمة ببيع الخمر والخنازير، وأجاز للمسلمين أخذ أثمانها. (إعلاء السنن، البيوع، باب حرمة بيع الخمر والخنزير والأصنام، دارالكتب العلمية بيروت ١٤/ ١٣٥، كراچى ١٤/ ١١٢، أنوار رحمت/ ١٩٤)

(۳) انکم ٹیکس کی مجبوری ہے، تو ایسی صورت میں مرابحہ اور وکالت کی شکلیں اختیار کریں جو جواب نمبر ۱ رکی شکل نمبر ۲ ر اور نمبر ۳ ر میں موجود ہے۔

(۴) اگر لون کرتے وقت لون کی صراحت کردی گئی ہو تو کوئی دھوکہ دہی نہیں ہے، مگر ایک سودی معاملہ میں شامل ہونے کی بنا پر گنہگار ہوگا۔

عن جابر –رضي الله عنه– قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم آكل الربو ومؤكله، وكاتبه، وشاهديه، وقال: هم سواء. (مسلم شريف، باب لعن أكل الربا وموكله، النسخة الهندية ٢/ ٢٧، بيت الأفكار، رقم: ١٥٩٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ ر رجب ۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۰۴۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۶/ ۷/ ۱۴۲۷ھ

سامان نہ ملنے پر ۴۵ ر سو کی جگہ چھ ہزار لینے کا حکم

سوال [۸۶۸۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید پتھر کی کان کا مالک ہے، عمرو نے زید کی کان میں جمے ہوئے پتھر کا ناپ چوک کرتے ہوئے کہا کہ میں یہ پتھر -/4,500 میں خریدتا ہوں اور پیسے دے دئے، زید نے قبول کرتے ہوئے کہا کہ اگر میں نے یہ پتھر وقت مقررہ پر آپ کے حوالہ نہ کیا تو آپ کو

6,000/- روپیہ دے دوں گا، دھیان رہے کہ ایک پتھر جو کان میں جما ہوا ہوتا ہے، اس کو باہر آنے میں تقریباً دو تین مہینہ لگ ہی جاتے ہیں اور باہر آنے کے بعد وہی پتھر جو جمے ہوئے ہونے کی حالت میں 4,500/- کا تھا، چھ ہزار یا سات ہزار میں بکتا ہے، ان ہی باتوں کو ذہن میں رکھتے ہوئے، زید نے خود ہی کہا تھا کہ اگر میں نے وقت مقررہ پر آپ کے حوالہ نہ کیا تو میں آپ کو ۶۰۰۰/ ہزار روپئے دے دوں گا، تو کیا عمرو کا ۴۵۰۰/ روپئے دے کر ۶۰۰۰/ روپئے لینا شرعاً درست ہے یا نہیں؟ جب کہ عمر نے ۴۵۰۰/ روپئے کے اوپر کا جو منافع ہے، ڈیڑھ یا دو ہزار اس کو حاصل کرنے کے لئے ہی زید کو تین مہینہ پہلے ۴۵۰۰/ روپئے دیئے تھے۔

المستفتی: محمد رمضان مکرانوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) سوال میں ذکر کردہ صورت میں عمرو کے دیئے ہوئے ۴۵۰۰/ روپئے کے بدلے ۶۰۰۰/ روپئے لینے میں ۱۵۰۰/ روپئے سود ہو جائیں گے، اور نقصان سے بچنے کی شکل یہ ہے کہ طے شدہ پتھر ہی وصول کرلیں۔ (احسن الفتاوی ۶/ ۴۸۱، آپ کے مسائل اوران کا حل ۶/ ۱۶۴)

فإن تعذر عليه الأداء زادوا في الحق والأجل، فهذا هو الربى الذي كانوا في الجاهلية يتعاملون به. (تفسير كبير ۷/ ۹۱)

كان الرجل إذا حل ماله على صاحبه يقول المطلوب للطالب: زدني في الأجل، وأزيدک على مالک، فإذا فعل ذلک قيل لهم هذا ربا، قالوا: سواء علينا إن زدنا في أول البيع أو عند محل المال فهما، سواء فأكذ بهم الله تعالىٰ، فقال: ﴿واحل الله البيع وحرم الربوا﴾ (الدرالمنثور، تحت رقم الآية: ۲۷۵ من سورة البقرة، دارالكتب العلمية بيروت ۱/ ۶۴۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/ ربیع الثانی ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۶۶۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۵/ ۴/ ۱۴۳۳ھ

۵۰۰/روپئے کا بل ۴۰۰/روپئے میں فروخت کرنا

سوال [۸۶۸۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے اپنا غلہ ان شرطوں پر فروخت کیا فی کوئنٹل -/2,200 روپئے نقد -/1,700 روپئے -/500 روپئے دوقسطوں میں ملیں گے۔ -/500 روپئے ملنے میں دیر ہوگئی، زید کو ضرورت پڑی پیسوں کی تو زید نے -/500 روپئے کا بل بیچ دیا، حارث نے زید کے غلہ کا بل -/400 روپئے میں خریدا، حارث کا کم قیمت میں بل خریدنا یعنی -/500 روپئے کا بل -/400 روپئے میں خریدنا شریعت کی نظر میں کیسا ہے؟

المستفتی: سید اشرف علی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید کا غلہ فروخت کرنے کے بعد پانچ سو روپئے ملنے میں تاخیر ہونے کی بنا پر پانچ سو روپئے کا بل چار سو روپئے میں فروخت کرنا، میعادی چیک کی بیع اور بیع الجامکیہ کے مرادف ہوکر ناجائز وحرام ہوگا۔ اور بیع الجامکیہ کی صورت یہ ہے کہ حکومت کا ملازم یا صاحب وظیفہ جس کو منجانب حکومت مقررہ میعاد پر تنخواہ یا وظیفہ ملتا ہے، وہ کبھی وقت مقررہ سے پہلے ضرورت کی وجہ سے کم پیسے میں اپنی تنخواہ یا وظیفہ فروخت کر دیتا ہے اور خریدار وقت مقررہ پر صاحب وظیفہ کے نام سے پورا وظیفہ وصول کرلیتا ہے، تو حضرات فقہاء نے اس طرح کی خرید وفروخت کو ناجائز اور حرام کہا ہے؛ اس لئے زید کے لئے قبل از وقت کم قیمت میں اپنا بل فروخت کرنا ربا اور سود کی وجہ سے جائز نہ ہوگا۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۱/ ۳۶)

إن بيع الصک و البراء ة و الجامكية إنما لا يجوز. (إعلاء السنن، كراچی ۱٤/ ۲٤٤، كتاب البيوع، بيع الصك و البراءة و الجامكية و النوط، دارالكتب العلمية بيروت ۱٤/ ۲۸۷)

وأفتی المصنف ببطلان بیع الجامکیة. (درمختار مع الشامي، البیوع، مطلب في بیع الجامکیة، زکریا ۷/ ۳۳، کراچی ٤/ ٥١٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳/ رجب ۱۴۳۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۸۸۸۳)

پیمنٹ کی دوسو نوے کی پرچی ۲۸۰/ میں فروخت کرنا

سوال [۸۶۸۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: سرکار نے بینکوں کے لئے ایک کپڑا تیار کرنے کے لئے دیا ہے، جس کو جنتا جوڑا کہتے ہیں، اس کو سرکار اپنے طور پر سینٹر قائم کر کے خرید تی ہے، اس کا سرکاری بھاؤ 34/5/- روپے ہے؛ لیکن اس کا پیمنٹ ۲۲-۳۰/ دن یا اس سے کم وزیادہ وقت میں آتا ہے۔ زید نے ۲۰/ جوڑے میٹر پر جمع کئے، جس کی قیمت ۵۹۵/ روپئے ہیں، سینٹر کے سوت کے چار میٹر ملے، جس کی قیمت ۴۰۰/ روپئے ہوئی، زید کو وہاں سے پرچی ملی، جس میں ۲۹۵/ روپئے ملنے باقی ہیں، زید اپنی اس پرچی کو خالو کو ۲۸۰/ میں اس لئے فروخت کر دیتا ہے کہ پیمنٹ کئی ہفتہ بعد آئے گا، خالد اس لئے خرید لیتا ہے کہ اس کو دس روپئے کا نفع ہو جائے گا، کیا اس طرح کی خرید وفروخت شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: عثمان غنی داؤد کاندی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس طرح معاملہ شرعاً جائز نہیں ہے، ہاں البتہ گناہ سے بچنے کے لئے حیلہ کیا جاسکتا ہے کہ زید خالد سے ۲۸۰/ روپئے بنام قرض لے لے اور خالد سے کہہ دے کہ فلاں تاریخ کو اس پرچی کے ذریعہ فلاں سینٹر سے ۲۹۰/ روپئے وصول کر کے لے آنا، تو اس میں سے ۲۸۰/ روپئے قرض کا ہوگا اور دس روپئے اس کام کی مزدوری میں تم کو ملے گا۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۳/ ١٦٩)

ڈیڑھ روپئے فی اشتہار معاملہ طے کرنے کے بعد ایک روپئے میں چھپوانا

سوال [۸۶۸۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے بکر سے یہ کہا کہ تم جلسہ کے اشتہار چھپوا دو تو بکر بولا کہ ایک اشتہار ڈیڑھ روپئے کا پڑے گا، اس نے کہا ٹھیک ہے چھپوا دو، بکر نے چھپوا دئے، اشتہار ایک روپئے کا پڑا، تو بکر کا اب اس سے ایک اشتہار کا ڈیڑھ روپئے وصول کرنا کیسا ہے؟ نیز اگر بکر کچھ روپئے بطور بیعانہ کے جمع کروالے تو یہ نفع جائز رہے گا یا نہیں؟ جب کہ بکر ان روپیوں کو بطور امانت الگ رکھ لے اور اپنی رقم صرف کرے، یا اگر اس کی بھی رقم ملا دے تو یہ معاملہ ونفع جائز رہے گا یا نہیں؟

المستفتی: محمد اویس کاسگنج، ایٹہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید کے بکر سے کہنے پر کہ تم جلسے کا اشتہار چھپوا دو بکر نے کہا کہ ڈیڑھ روپئے میں ایک اشتہار پڑے گا، گویا کہ زید اور بکر کے درمیان یہ معاملہ طے ہو گیا کہ فی اشتہار ڈیڑھ روپئے کے اعتبار سے زید بکر کو دے گا، چاہے زید نے فی اشتہار کچھ بھی خرچ کیا ہو نفع ونقصان کا ذمہ دار زید ہے۔ اور ڈیڑھ روپئے میں دینے کا ذمہ دار بکر ہے؛ لہٰذا اشتہار تیار کر کے زید کو حوالہ کرنے سے پہلے وہ سب اشتہار ضائع ہو جائے یا چوری ہو جائے تو سارا بھگتان بکر کے ذمہ لازم ہے؛ اس لئے اس درمیان میں جو کچھ بھی نفع ہوگا وہ سب بکر کا حق ہے، اور پھر زید کے حوالے کر دینے کے بعد پوری ذمہ داری زید کے اوپر آئے گی، نیز بیع نامہ کے طور پر جمع شدہ رقم خواہ الگ رکھے یا اس رقم کو اشتہار کی چھپائی میں صرف کرے، بہر صورت منافع یعنی فی اشتہار ڈیڑھ روپئے لینا درست ہے۔ (ایضاح النوادر ۲۳/۱)

وبدونه فيما فيه تعامل كخف وقمقمة، وطست صح بيعا لا عدة. (تنوير الأبصار، وتحته في الشامية) ثم ينعقد عند الفراغ بيعا بالتعاطي.

(شامي، كتاب البيوع، باب السلم، مطلب في الاستصناع، زكريا ۷/ ٤٧٥، كراچی

٥/ ٤ ٢٢، الفقه الإسلامي وأدلته، دارالفكر ٥/ ٣٦٤٣، هدى انٹر نيشنل ديوبند ٤/ ٣٩٢)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍صفر ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۷۲۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۲/۲۹ھ

دیوالی پر مسلمان کا آتش بازی کی اشیاء فروخت کرنا

سوال [۸۶۸۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: دیوالی کے موقع پر کیا ایک مسلمان آتش بازی کے سامان کو بطور تجارت فروخت کرسکتا ہے؟

المستفتی: فردوس برگونہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دیوالی کے موقع پر جو آتش بازی وغیرہ کا سامان فروخت کیا جاتا ہے، اس کی تجارت کو فقہاء کرام نے مکروہ ممنوع لکھا ہے، اس سے بچنا ضروری ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ میرٹھ ۲۴/ ۱۶۶)

عن أبي أمامة قال: قال النبي ﷺ إن الله عز وجل بعثني هدى ورحمة للعالمين، وأمرني بمحق المعازف، والمزامير، والأوثان، والصلب، وأمر الجاهلية -إلى- لا يحل بيعهن ولا شراؤهن، ولا التجارة فيهن، وثمنهن حرام. (مسند أبي داؤد الطيالسي، دارالكتب العلمية بيروت ١/ ٦٣٥-٦٣٦، رقم: ١٢٣٠، المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ٨/ ١٩٦، رقم: ٧٨٠٣، مسند أحمد بن حبنل ٥/ ٢٥٧، ٢٦٨، رقم: ٢٢٥٧١-٢٢٦٦٣)

ونظيره كراهة بيع المعازف؛ لأن المعصية تقام بها عينها. (شامي، كتاب الجهاد، باب البغاة، مطلب في كراهة بيع ما تقوم المعصية بعينه، زكريا ٦/ ٤٢٠، كراچی ٤/ ٢٦٨)

بيع المزامير يكره. (البحرالرائق، كوئٹه ٥/ ١٤٣، زكريا ٥/ ٢٤٠)
ما قامت المعصية بعينه يكره بيعه تحريما وإلا فتنزيها. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره، زكريا ٩/ ٥٦١، كراچی ٦/ ٣٩١، مطلب في كراهية بيع ما تقوم المعصية بعينه، زكريا ٦/ ٤٢٠، كراچی ٤/ ٢٦٨، الموسوعة الفقهية الكويتية ٩/ ٢١٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍محرم الحرام ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۵۸۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۱/۱۲ھ

گرین وے پشو پالن میں حصہ لینا

سوال [۸۶۸۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) ہماری ایک کمپنی (گرین وے پشو پالن) ہے، اس میں اگر کوئی شخص مثلاً ۴۶۰۰؍ روپئے دیتا ہے، تو اس کو دو طرح سے نفع ملتا ہے، فارم ہاؤس سے اور دوسرے اپنے منافع سے، وہ اس طرح کہ ہم جانتے ہیں کہ بکری ہر چھ ماہ میں بیاہتی ہے، سال میں چار بچے دیتی ہے، ہم اس میں سے پچھتر فیصد رکھ لیتے ہیں اور ۲۵؍ فیصد دیتے ہیں، اس طرح تین بکرے ہم رکھ لیتے ہیں اور ایک بکرا یا چھیالیس سو روپئے اس شخص کو دیتے ہیں، جب تک اس کی بکری یا بکری کے بچوں میں سے کوئی بکری رہے گی اس کو ہر سال ایک بکرا ملتا رہے گا۔

(۲) کمپنی دوسرا نفع اپنی آمدنی سے دیتی ہے، جب کمپنی کی آمدنی دوگنی ہوتی ہے، تو وہ آپ کے مقرر حصہ کو دوگنا کر دیتی ہے، مثلاً کمپنی کے پاس سو لوگ ہوں گے، یعنی سو بکریاں فارم ہاؤس چلی جائیں گی تو وہ حساب کرے گی، تو وہ سو لوگوں کو کچھ نہیں دے گی، جب کمپنی دوسری بار دو سو لوگوں پر حساب کرے گی، تو پہلے والے سو لوگوں کو چالیس چالیس روپئے فی آدمی دے گی، اسی طرح ہر دفعہ دوگنی تعداد ہونے پر نفع دوگنا کرتی رہے گی۔

المستفتی: سید یاور علی نگینہ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال میں کمپنی کے کاروبار کی جوصورت بیان کی گئی ہے کہ آدمی ۴۶۰۰؍روپئے جمع کرے اوراس قیمت کی بکری لے کرکمپنی پالتی ہے، جب وہ سال میں بچہ دے تواس میں کا ایک چوتھائی پیسہ دینے والے کااور بقیہ تین چوتھائی کمپنی لیتی ہے، یہ شرکت ناجائز ہے؛ بلکہ اس صورت میں کمپنی کوصرف اجرت ملے گی اور روپئے دینے والے کو بکری اوراس کے بچے ملیں گے؛ اس لئے کہ اس میں تردد کی وجہ سے قمار کا شبہ ہے، اسی طرح دوسری صورت جس میں کمپنی اپنے متعین ممبروں کے دوگنے ہونے پرمنافع دیتی ہے، اس میں بھی قمار کا شبہ ہے؛ کیوں کہ جتنے ممبر ایک سال میں بنے اتنے دوبارہ بننا ضروری نہیں ہے؛ اس لئے کمپنی کا یہ نفع بھی جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ ڈابھیل ۶۰۳/۱۶)

والربح في الشركة الفاسدة بقدر المال ولا عبرة بشرط الفضل، فلو كل المال لأحدهما، فللآخر أجر مثله كما لو دفع دابّته لرجل ليؤجرها، والآجر بينهما، فالشركة فاسدة، والربح للمالك وللآخر أجر مثله.

(درمختار مع الشامي، كتاب الشركة، مطلب يرجح القياس، زكريا ٦/ ٥٠٣، كراچی ٤/ ٣٢٦)

وعلى هذا إذا دفع البقرة إلى إنسان بالعلف ليكون الحادث بينهما نصفين فما حدث، فهو لصاحب البقرة، ولذلك الرجل مثل العلف الذي علفها وأجر مثله فيما قام عليها. الخ (عالمگيري، الباب الخامس في الشركة الفاسدة، زكريا قديم ٢/ ٣٣٥، جديد ٢/ ٣٣٦، حاشية چلپى مكتبه إمداديه ملتان ٤/ ٤٩، زكريا ٤/ ٣٧٣، الدر مع الرد، زكريا ٦/ ٥٠٤، كراچی ٤/ ٣٢٧)

وحقيقة القمار تمليك المال على المخاطرة، وهو أصل في بطلان عقود التمليكات الواقعة على الأخطار. (أحكام القرآن للجصاص، سهيل اكيڈمي لاهور ٢/ ٤٦٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍رجب المرجب ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۶۷۴/۳۸)

سودی رقم سے، جھوٹ بول کر یا کم تول کر تجارت کرنا

سوال [۸۶۸۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کچھ لوگ کہتے ہیں کہ بینکوں سے سود پر روپئے لے کر کاروبار کرنا، ملاوٹ کر کے، جھوٹ بول کر، کم تول کر، ٹیکس چوری کر کے کاروبار کرنے والوں کی بھی روزی حرام ہے، پھر خنزیر کے بال کے برش بنانے والوں کی روزی کیوں حرام ہے؟ کیا دونوں ایک زمرے میں آتے ہیں؟ یعنی دونوں کی روزی ایک ہی جنس کی ہوگی یا نہیں؟

المستفتی: احسان علی صدیقی، اصغر منزل شیر کوٹ بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: سود کی رقم جھوٹ بول کر غیر سے حاصل کردہ مال حرام ہے۔

صرح الفقهاء بأن من اكتسب مالا بغير حق، فإما أن يكون كسبه بعقد فاسد، كالبيوع الفاسدة، والاستئجار على المعاصي والطاعات، أو بغير عقد، كالسرقة، والغصب، والخيانة، والغلول، ففي جميع الأحوال المال الحاصل له حرام عليه. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارنپور قديم ١/ ٣٧، دارالبشائر الإسلاميه بيروت ١/ ٣٥٩، رقم: ٥٩، الدر مع الرد، زكريا ٩/ ٥٥٣، كراچى ٦/ ٣٨٥، تبيين الحقائق، إمداديه ملتان ٦/ ٢٧، زكريا ٧/ ٦٠، البحرالرائق، زكريا ٩/ ٣٦٩، كوئٹه ٨/ ٢٠١، هندية، زكريا قديم ٥/ ٤٩، جديد ٥/ ٤٠٤، الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٤/ ٢٤٦)

انکم ٹیکس اور مکان ٹیکس وغیرہ شرعاً جبری ٹیکس ہیں، اگر جھوٹ بول کر یا کسی اور ترکیب سے ٹیکس کی چوری سے جو رقم محفوظ ہو جائے وہ حلال ہوگی۔

الكذب مباح لإحياء حقه، ودفع الظلم عن نفسه. (الدرالمختار، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره، زكريا ٩/ ٦١٢، كراچى ٦/ ٤٢٧)

اور خنزیر کے بالوں کا پیسہ حرام ہے۔

كالبيوع الفاسدة، والاستئجار على المعاصي والطاعات، أو بغير عقد، كالسرقة، والغصب، والخيانة، والغلول، ففي جميع الأحوال المال الحاصل له حرام عليه. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارنپور قديم ۱/ ۳۷، دارالبشائر الإسلاميه بيروت ۱/ ۳۶۹، رقم: ۵۹)

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵ر ذی الحجہ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۰۲۹)

لاٹری کے پتے، تاش، لوڈو، کنچے، آتش بازی بیچنے کا حکم

سوال [۸۶۸۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آیا لاٹری کے پتے بیچنا، کنچے گولی بیچنا، تاش، لوڈو، آتش بازی بیچنا، ان چیزوں کو بیچنا یا استعمال کرنا قرآن وحدیث کی روشنی میں جائز ہے یا ناجائز؟

المستفتی: محمد منظور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ چیزوں کی فروختگی ناجائز ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَيَتَّخِذَهَا هُزُوًا اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ. [لقمان: ٦]

وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ. [المائدة: ٢]

البتہ پیسہ حلال رہے گا، نیز اس کا استعمال کرنا اور ان سے کھیل بھی ناجائز اور حرام ہے۔

أن الملاهي كلها حرام. (درمختار، كتاب الحظر والإباحة، كوئٹه ۵/ ۲۴۵، كراچی ۶/ ۳۴۸، زكريا ۹/ ۵۰۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴ر صفر ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۵۱۳)

غیر شرعی لباس کو سلنا اور فروخت کرنا کیسا ہے؟

سوال [۸۶۸۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مومن کے لئے غیر ملکی یا مغربی لباس جیسے کوٹ، پتلون، جیکٹ، جنس کولہوں سے اونچی اور آدھی آستین والی مردانی شرٹ عورتوں کے لئے بلاوز، چولی، میکسی، فراک، غرارے، شرارے، آدھی آستین کے یا مونڈھے اور بغل صاف طور پر محسوس ہوتے ہوں اور گلے کھلے ہوئے ہونے کے باعث پستان بھی نظر آتے ہوں، ان کی کاٹ چھانٹ، سلائی، خرید وفروخت کیسی ہے؟ اور پہننا کیسا ہے؟

مندرجہ بالا قراش تراش کے نابالغ بچوں کے لباسوں کی کٹائی، سلائی، یا سلے ہوئے لاکر ریڈی میڈ ملبوسات کی خرید وفروخت شرعاً کیا حکم رکھتی ہے؟

المستفتی: حبیب الرحمٰن انصاری متصل علی مسجد، شیرکوٹ، ضلع بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: وہ لباس جو اغیار کا شعار ہے، اس کا استعمال مسلمانوں کے لئے تشبہ کی وجہ سے ناجائز اور ممنوع ہے۔

عن ابن عمر –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله ﷺ: من تشبه بقوم فهو منهم. (سنن أبي داؤد، اللباس، باب في لبس الشهرة، النسخة الهندية ۲/ ۵۶۹، دارالسلام، رقم: ۴۰۳۱)

اگر مذکورہ لباس مغربی یہود ونصاریٰ کا شعار ہے تو اس کا استعمال ناجائز ہے، اسی طرح جو لباس بدن اور ستر کی حفاظت نہ کر سکے اس کا استعمال بھی ناجائز ہے، نیز عورتوں کے لباس میں غرارہ، شرارہ وغیرہ جہاں تک احقر کے علم میں ہے یہود ونصاریٰ کا لباس نہیں ہے؛ بلکہ ہندوستان میں غیر مسلم ومسلم عورتیں سب استعمال کرتی ہیں، ہاں البتہ شرفاء کا لباس نہیں سمجھا جاتا ہے؛ اس لئے اس میں بظاہر کوئی قباحت نہیں ہے؛ البتہ بلاوز عام طور پر ساڑی کے ساتھ

ہی استعمال ہوتا ہے وہ ستر کی حفاظت نہیں کرتا ہے؛ اس لئے اس کا استعمال ناجائز ہے۔ اور اگر چولی کے اوپر باقاعدہ قمیص پہنی ہے تو جائز ہے۔ اور اگر فراک مغربی لباس ہے بالغ لڑکیوں کے لئے استعمال جائز نہیں ہے، اسی طرح آدھی آستین کا لباس اور ایسا لباس کہ جس سے پستان وغیرہ نمایاں نظر آجائے ناجائز ہے۔ وہ ''**نساء كاسيات عاريات**'' کی وعید کے اندر داخل ہوں گے۔ حدیث شریف ملاحظہ فرمائیے:

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله ﷺ: صنفان من أهل النار ...... ونساء كاسيات عاريات، مميلات مائلات رؤوسهن كأسنمة البخت المائلة، لايدخلن الجنة، ولا يجدن ريحها، وإن ريحها ليوجد من مسيرة كذا وكذا. (صحيح مسلم، كتاب اللباس والزينة، باب النساء الكاسيات، النسخة الهندية ٢/ ٢٠٥، بيت الأفكار، رقم: ٢١٢٨)

اور ایسے فساق کا لباس بنانے والا درزی فعل مکروہ کا مرتکب ہوتا ہے۔

أو خياطا أمره أن يتخذ له ثوبا على زي الفساق يكره له أن يفعل؛ لأنه سبب التشبه بالمجوس والفسقة. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره، زكريا ٩/ ٥٦٢، كراچی ٦/ ٣٩٢، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ١٨٨، مصري قديم ٢/ ٥٣٠، تبيين الحقائق، إمداديه ملتان ٦/ ٢٩، زكريا ٧/ ٦٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰؍محرم ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۲۹۸۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۳/۱/۱۹ھ

ہیروئن کی بیع وشراء

سوال [۸۶۹۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: ہیروئن (HEROIN) کی بیع وشراء، اس کا استعمال اور اس کی آمدنی کے شرعی احکام کیا ہے؟ ہیروئن کے باقی تمام احکام بالتفصیل مدلل ارشاد فرمائیں۔

المستفتی: جامعہ اسلامیہ مدینۃ العلوم، بردوان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ہیروئن کی بیع وشراء ناجائز اور حرام ہے اور اسے حرام قرار دینے ہی میں احتیاط ہے؛ چونکہ اس کی تھوڑی سی مقدار بھی نشہ آور ہوتی ہے؛ اس لئے اس کا استعمال بھی حرام ہوگا، اس سے حاصل ہونے والی آمدنی بھی ناجائز اور حرام ہوگی۔

عن جابر بن عبدالله –رضي الله عنه– أن رسول الله ﷺ قال: ما أسكر كثيره فقليله حرام. (سنن الترمذي، باب ماجاء أسكر كثيره فقليله حرام، النسخة الهندية ۲/ ۸، دارالسلام، رقم: ۱۸٦٥، سنن النسائي، تحريم كل شراب أسكر كثيره، النسخة الهندية ۲/ ۲۷۷، دارالسلام، رقم: ٥٦٠٧، سنن أبي داؤد، باب ماجاء في السكر، النسخة الهندية ۲/ ٥١٨، دارالسلام، رقم: ۳٦٨١، مسند أحمد بن حنبل ۲/ ۹۱، رقم: ٥٦٤٨)

قلت القليل المسكر والقليل الغير المسكر بينهما فرق، كما قال الشيخ المحدث الفقيه رشيد أحمد الكنكوهي في تقريره الكوكب الدري تحت حديث ما أسكر كثيره فقليله حرام: وإنما يحتاج إلى أمثال هذه التاويلات لما ثبت من بعض الصحابة شرب أمثالها، فعلم بفعلهم أن النهي ليس مطلقا، ويمكن أن يقال في الرواية وهو ما أسكر كثيره: أن الكثير والقليل كلاهما مسكران، إلا أن الكثير أكثر إسكارا من القليل، فالقليل حينئذ قسمان: قليل مسكر، وقليل غير مسكر، والموضوع في الحديث هو القليل الأول دون الثاني، فكان المعنى أن القليل المسكر حرام، وإن قل إسكاره فبقي القليل الغير المسكر غير حله، وهذا التاويل جاز في قوله عليه الصلاة والسلام: كل مسكر حرام. (الكوكب الدري ۲/ ۱۲)

أن محل البيع هو المال، وإنه اسم لما يباح الانتفاع به حقيقة وشرعا، ولم يوجد فلا يكون مالا، فلا يجوز بيعها كبيع الخمر. (بدائع الصنائع، كتاب الأشربة، أحكام الخمر، زكريا ٤/ ٢٨٢، كراچی ٥/ ١١٥)

عن يحيى النخعي قال: سأل قوم ابن عباس عن بيع الخمر وشرائها والتجارة فيها، فقال: أمسلمون أنتم؟ قالوا: نعم، قال: فإنه لا يصلح بيعها ولا شرائها، ولا التجارة فيها. (صحيح مسلم، باب إباحة النبيذ الذي لم يشتد ولم يصر مسكرا، النسخة الهندية ٢/ ١٦٨، بيت الأفكار، رقم: ٢٠٠٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵؍ربیع الاول ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۰۳۲/۴۰)

نشہ آور چیزوں کی خرید وفروخت کا حکم

سوال [۸۶۹۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بھانگ، افیم اور ہیروئین وغیرہ نیز نشہ آور اشیاء کی تجارت اور خرید وفروخت اور کاروبار وغیرہ پر حکومتیں سخت رویہ اختیار کرتے ہوئے دوسال کی سزا دیتی ہیں، شریعت وسنت ہماری اس بارے میں کیا رہنمائی کرتی ہے؟ شرعاً یہ سزا درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: سید معین نواز، رانچی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: شراب کی تجارت حرام ہے، اس کے علاوہ دیگر نشہ آور چیزوں کی تجارت مکروہ ہے۔ اور حکومتی قانون کی خلاف ورزی کرکے اپنی جان خطرے میں ڈالنا قطعاً جائز نہیں ہے۔

وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ. [البقرة: ١٩٥]

عن يحيى النخعي قال: سأل قوم ابن عباس عن بيع الخمر وشرائها

والتجارة فيهـا، فـقال: أمسلمون أنتم؟ قالوا: نعم، قال: فإنه لا يصلح بيعها ولا شـرائها، ولا التجارة فيها. (صحيح مسلم، باب إباحة النبيذ الذي لم يشتد ولم يصر مسكرا، النسخة الهندية ٢/ ١٦٨، بيت الأفكار، رقم: ٢٠٠٤)

عن زيد بن أسلم، عن عبدالرحمن بن وعلة السبئيّ، من أهل مصر، أنه سأل عبدالله بن عباس عما يعصر من العنب، فقال ابن عباس: إن رجلا أهدى لرسول الله صلى الله عليه وسلم راوية خمر، فقال له رسول الله صلى الله عليه وسلم: هل علمت أن الله قد حرمها؟ قال: لا فسار إنسانا، فقال له رسول الله صلى الله عليه وسلم: بم ساررته؟ فقال: أمرته ببيعها، فقال: إن الذي حرم شربها حرم بيعها. (صحيح مسلم، باب تحريم بيع الخمر، النسخة الهندية ٢/ ٢٢، بيت الأفكار، رقم: ١٥٧٩)

وصح بيع غير الخمر ...... ثم إن البيع، وإن صح لكنه يكره. (شامي، كتاب الأشربة، زكريا ١٠/ ٣٥، كراچی ٦/ ٤٥٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱/۸/۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۷۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴/۸/۱۴۳۲ھ

شراب سے بنے ہوئے سرکہ کا استعمال وتجارت

سوال [۸۶۹۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ گیہوں اور پھلوں سے اخذ کرکے جو سرکہ تیار کیا جاتا ہے، اسے مارکیٹ میں ’’وائن ویلیگر‘‘ یا شراب کے سرکہ کے نام سے فروخت کیا جاتا ہے، اس کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: نیاز احمد فاروقی، حلال ٹرسٹ جمعیۃ علماء ہند

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: گیہوں، دھان، پھل اور سبزی وغیرہ سے اخذ کرنے

سے جو سرکہ تیار کیا جاتا ہے، چاہے اس کو شراب کے سرکہ کے نام سے فروخت کیا جاتا ہو بلا شبہ جائز اور حلال ہے؛ اس لئے کہ کوئی بھی سرکہ ایسا نہیں ہے کہ اس کی اصل ماہیت پر شراب کا مرحلہ نہ گزرا ہو، یعنی پہلے شراب بنتی ہے، پھر اس شراب سے سرکہ بنتا ہے۔ حدیث وفقہ سے اس کا حلال ہونا ثابت ہے۔

عن عائشة –رضي الله عنها– أن النبي ﷺ قال: نعم الإدام الخل. (مسلم شريف، باب فضيلة الخل والتأدم به، النسخة الهندية ۲/ ۱۸۲، بيت الأفكار، رقم: ۲۰۵۱، مسند الدارمي، دارالمغني ۲/ ۱۳۰۲، رقم: ۲۰۹۳)

إن النجاسة لما استحالت وتبدلت أوصافها ومعانيها خرجت عن كونها نجاسة؛ لأنها اسم لذات موصوفة، فتنعدم بانعدام الوصف، وصارت كالخمر إذا تخللت. (بدائع، كتاب الطهارة، الدباغة، زكريا ۱/ ۲۴۳، كراچی ۱/ ۸۵)

وكذا الخمر تصير خلا، فعلم أن استحالة العين تستتبع زوال الوصف. (غنية المستملي شرح منية المصلي، أشرفيه ۱۸۹)

ولا يرد طهارة الخمر بانقلابها خلا ...... لأن عين الشيء حقيقته، وحقيقة الخمر ...... ذهبت وخلفتها أخرى، وإنما يرد ذلک لو قلنا ببقاء حقيقة الخمر ...... مع الحكم بطهارتها. (شامي، كتاب الطهارة، باب الأنجاس، مطلب في العفو عن طين الشارع، زكريا ۱/ ۵۳۶، كراچی ۱/ ۳۲۸)

لأن العصير لا يتخلل إلا بعد التخمر غالبا، فلو لم نقل بالطهارة لربما تعذر الخمر وهو حلال إجماعا. (نهاية المحتاج ۲/ ۲۳۰، بحواله جديد فقهي تحقيقات ۱۰/ ۱۳۹)

إذا تخللت الخمر بنفسها بغير قصد التخليل يحل ذلک الخل بلا خلاف بين الفقهاء؛ لقوله عليه الصلاة والسلام: نعم الإدام الخل. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۵/ ۲۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/ ذیقعدہ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۶۹۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۸/ ۱۱/ ۱۴۳۵ھ

اعضائے انسانی کی خرید وفروخت کا حکم

سوال [۸۶۹۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) ہر انسان کے سینہ کے اندر دو کیڈنی رہتی ہے (گوشت کے دو ٹکڑے) ان دونوں کا فانکشن ایسا ہے کہ کسی وجہ سے اگر ایک بیکار ہو جاتی ہے تو ایک کیڈنی سے انسان زندہ رہ سکتا ہے؛ البتہ کمزور ہو جاتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ کسی انسان کی اگر دونوں کیڈنی بیکار ہو جائے تو اس آدمی کو بچانے کے لئے میں اپنی ایک کیڈنی اس کو ہدیہ کر سکتی ہوں؟

(۲) ایسی حالت میں اگر اس آدمی کو روپئے کے بدلے کیڈنی فروخت کر دوں تو اس کا کیا حکم ہے؟ میں نے ان سے روپئے کی بات نہیں کی؛ بلکہ شکریہ کے طور پر اس نے روپئے مجھے دے دیا ہے، تو کیا میں اس روپئے کو استعمال کر سکتی ہوں؟

المستفتیة: آمنہ خاتون، ساکن سونا گاچھی، بردوان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: انسان کا کوئی عضو انسان کی ملک نہیں ہے؛ بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے امانت وودیعت ہے؛ لہٰذا مالکانہ طور پر نہ کسی کو ہدیہ میں دے سکتے ہیں اور نہ بالقیمت بیچ سکتے ہیں اور نہ ہی وہ قیمت اس کے لئے حلال ہے، خواہ شکریہ کے طور پر وہ رقم ملی ہو؛ بلکہ اس رقم کا واپس کرنا ضروری ہے۔ (مستفاد: جواہر الفقہ ۲/ ۴۹، جدید زکریا ۷/ ۱۷۰، فتاوی رحیمیہ قدیم ۶/ ۲۸۶، جدید زکریا ۱۰/ ۱۷۰)

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْ اٰدَمَ. [سورة الإسراء، آیت: ۷۰]

الانتفاع بأجزاء الآدمي لم يجز، قيل: للنجاسة، وقيل: للكرامة هو الصحيح. (هندية، الباب الثامن عشر في التداوي والمعالجات، زكريا قديم ٥/ ٣٥٤، جديد ٥/ ٤٠٩، هداية أشرفی ١/ ٤١، الموسوعة الفقهية الكويتية ٢٨/ ٣٤٥)

فكما لا يجوز التداوي بشيء من الآدمي الحي إكراما له. (شرح السير الكبير بحواله جواهر الفقه ۲/ ۵۱، جديد زكريا ۷/ ۶۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۷ / رجب ۱۴۱۵ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۱۲۳)

گوبر اور اس سے نکلے ہوئے دانے کی تجارت

سوال [۸۶۹۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جانوروں کے بڑے بڑے مذبح ہیں، وہاں بڑی مقدار میں گوبر ہوتا ہے، آج کل گوبر بھی فروخت ہوتا ہے، نیز گوبر کو مشینوں کے ذریعہ چھان کر اس میں سے دانہ وغیرہ نکالا جاتا ہے، جسے جانور کے لئے بنائی جانے والی اغذیہ میں استعمال کیا جاتا ہے، کیا گوبر کی تجارت کرنا خواہ وہ کھاد کے لئے ہو یا جانور کی غذا کے لئے، یا کسی اور مصرف کے لئے شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: نیاز احمد فاروقی، حلال ٹرسٹ جمعیۃ علماء ہند

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: گوبر کی خرید وفروخت راجح اور مفتی بہ قول کے مطابق جائز اور درست ہے۔ اور اس کا پیسہ بھی بلا شبہ جائز اور حلال ہے، جیسا کہ ذیل کے جزئیہ سے واضح ہوتا ہے:

قال الإتقاني: ولنا أن السرقين مال فجاز بيعه كسائر الأموال، وإنما قلنا: أنه مال؛ لأن المال ما ينتفع به، ويتمول، أي يدخر لوقت الحاجة، وقد تمول المسلمون السرقين وانتفعوا به من غير نكير من أحد من السلف. (حاشية چلپي على التبين، كتاب الكراهية، فصل في البيع، زكريا ۷/ ۵۷، إمداديه ملتان ۶/ ۲۶)

''البحرالرائق'' کی عبارت ملاحظہ فرمایئے:

کره بيع العذرة لا السرقين؛ لأن المسلمين يتمولون السرقين، وانتفعوا به في سائر البلاد والأمصار من غير نكير، فإنهم يلقونه في الأراضي لاستكثار الربيع. (البحرالرائق، كتاب الكراهية، فصل في البيع، زكريا ٨/ ٣٦٥، كوئٹه ٨/ ١٩٩، تبيين الحقائق، إمداديه ملتان ٦/ ٢٦، زكريا ٧/ ٥٧، المحيط البرهاني، المجلس العلمي ٨/ ١٠٢، رقم: ٩٦٨٦)

''مجمع الانہر'' کی عبارت ملاحظہ فرمایئے:

جاز بيع السرقين مطلقا في الصحيح عندنا لكونه مالا منتفعا به لتقوية الأرض في الإنبات. (مجمع الأنهر، كتاب الكراهية، فصل في البيع، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٢١١، مصري ٢/ ٥٤٦)

''شامی'' کی عبارت ملاحظہ فرمایئے:

أجازوا بيع السرقين للانتفاع به -إلى- لأنه مال يضمن به، وهو المفتى به. (شامي، كتاب الطهارة، باب الأنجاس، مطلب في حكم الصبغ والاستخضاب بالصبغ والحناء النجسين، زكريا ١/ ٥٣٨، كراچى ١/ ٣٣٠)

''ہندیہ'' کی عبارت ملاحظہ فرمایئے:

يجوز بيع السرقين والبعر والانتفاع به، كما في الزاهدي. (هندية، الباب التاسع، الفصل الخامس، زكريا قديم ٣/ ١١٦، جديد ٣/ ١١٧)

(۲) نیز گوبر کو مشینوں سے صاف کر کے دانہ وغیرہ نکال کر جانوروں کی غذا کے طور پر استعمال کرنا بھی بلا شبہ جائز ہے، جب کہ اس میں کسی قسم کی بدبو وغیرہ باقی نہ رہے، یہ ایسا ہے جیسا کہ گیہوں وغیرہ نجاست میں گر جائیں تو انہیں دھوکر صاف کر کے استعمال کرنے کی گنجائش ہوتی ہے، اس کو ''بنایہ شرح ہدایہ'' میں ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

الحنطة المتنجسة قبل أن تنتفخ تغسل ثلاثا وتوكل إذا لم يبق لها رائحة ولا طعم. (بناية شرح هداية، أشرفيه ١/ ٧٤١)

(۲) اور ’’فتاویٰ تاتارخانیہ‘‘ اور ’’المحیط البرہانی‘‘ میں مزید وضاحت کے ساتھ نقل فرمایا ہے، ملاحظہ فرمایئے:

إذا أصابت الحنطة الخمر إلا أنها لم تنتفخ من الخمر فغسلت ثلاثا ولا يوجد لها طعم ولا رائحة ذكر في بعض المواضع عن أبي يوسف أنه لابأس بأكلها. (فتاوى تاتارخانية ۱/ ٤٥٦، رقم المسألة: ۱۱۹۹، المحيط البرهاني، المجلس العلمي ۱/ ۳۸۳، رقم: ۷۸۹)

الحنطة تغير بالماء النجس ...... على قياس أبي يوسف فيطهر بالغسل ثلاثا، والتجفيف في كل مرة. (خلاصة الفتاوى أشرفيه ديوبند ۱/ ٤۱)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/ ذیقعدہ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۶۹۶)

مردار جانور کی ہڈی، کھال اور چربی فروخت کرنے کا حکم

سوال [۸۶۹۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مردار جانوروں کی ہڈی اور کھال وچربی کی خرید وفروخت کیسی ہے؟

المستفتی: عبدالمعید قاسمی، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مردہ جانور کی کھال کو دباغت سے پہلے بیچنا جائز نہیں ہے، دباغت کے بعد بیچنا جائز ہے اور ہڈی میں چونکہ دباغت نہیں دی جاتی؛ اس لئے مردہ جانوروں کی ہڈی کو بغیر دباغت کے بیچنا جائز ہے۔

وإن لم يكن مدبوغا ولا مذبوحا لا ينعقد بيعه؛ لأنه إذا لم يدبغ ولم

يذبح بقيت رطوبات الميتة فيه، فكان حكمه حكم الميتة –إلى– ولهذا يطهر الجلد بالدباغ حتى يجوز بيعه لزوال الرطوبة عنه، ولا رطوبة في هذه الأشياء فلا تكون حراما. (بدائع الصنائع، كتاب البيوع، حكم عظم الخنزير والآدمي، زكريا ٤/ ٣٣٣، كراچی ٥/ ١٤٢)

وأما عظم الميتة فيجوز بيعها. (بدائع زكريا ٤/ ٣٣٣، كراچی ٥/ ١٤٢)

لیکن مردہ جانوروں کی چربی کا استعمال اور اس سے بنے ہوئے گھی کا استعمال اور خرید وفروخت جائز نہیں ہے، ہاں البتہ اس کی ماہیت تبدیل کرکے صابون وغیرہ بنالیا جائے تو اس کا استعمال درست ہے۔ (مستفاد: ایضاح المسالک/ ۱۴۲، ایضاح المسائل/ ۱۴۷، کفایت المفتی ۲/ ۲۷۹، جدید مطول ۳/ ۴۴۰)

عن ابن عباس –رضي الله عنه– قال: رأيت رسول الله ﷺ جالسا عند الركن، قال: فرفع بصره إلى السماء فضحك، فقال: لعن الله اليهود ثلاثا، إن الله حرم عليهم الشحوم فباعوها وأكلوا أثمانها، وإن الله إذا حرم على قوم أكل شيء حرم عليهم ثمنه. (سنن أبي داؤد، البيوع، باب في ثمن الخمر والميتة، النسخة الهندية ٢/ ٤٩٣، دارالسلام، رقم: ٣٤٨٨)

وعبارة المجتبى جعل الدهن النجس في صابون يفتى بطهارته؛ لأنه تغير والتغير يطهر عند محمد، ويفتي به للبلوى. (شامي، كتاب الطهارة، باب الأنجاس، زكريا ١/ ٥١٩، كراچی ١/ ٣١٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۸/ ربیع الاول ۱۴۲۱ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۶۵۵۰/۳۵)	۱۴۲۱/۳/۱۸ھ

مینۃ بکریوں کی بیع اور اس کی آمدنی کا حکم

سوال [٨٦٩٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: ہماری چالیس بکریاں گاڑی میں آرہی تھیں، ۳۵؍بکریاں گاڑی میں دب کرمر گئیں، ان ۳۵؍بکریوں کو ہم نے غیرقوم میں فروخت کردیا، اس سے ۴۵۰۰؍سوروپئے بنے، بیوپاری کا سارا روپیہ ادا کردیا، یہ رقم ہمارے پاس الگ رکھی ہوئی ہے، ہماری مسجد کے برابر میں دو کمریں ہیں جوٹوٹی پھوٹی حالت میں ہیں، جن میں بچے وغیرہ پڑھتے ہیں، یہ پیسہ ان کمروں کی تعمیر میں کام آسکتا ہے یانہیں؟ مسجد کے چاروں طرف دیوار میں کام آسکتا ہے کہ نہیں، یہ پیسہ ہمارے کس مد میں کام آسکتا ہے؟ آپ سے گزارش ہے کہ آپ ہمیں اس بات کا خلاصہ بتادیں، تاکہ ہم اپنے پاس سے یہ رقم جلد سے جلد ادا کردیں، جس کام میں بھی ہو جیسے کام آسکتی ہے آپ ہمیں فوراً جواب لکھ کر بھیج دیں، ہم اپنا پتہ لفافہ اس خط کے ساتھ بھیج رہے ہیں، امید کہ آپ جلد سے جلد ہمیں اس بات کا جواب دیں گے۔

المستفتی: رحمت اللہ خان نصیب اللہ خان مرچنٹ گراؤنڈ مقام و پوسٹ گڑور، ضلع الموڑ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسجد ومدرسہ میں پاک وحلال مال لگانا لازم ہے، مذکورہ بکریوں کی رقم حرام ہے، ان کا پیسہ مسجد ومدرسہ میں اوراس کی ضروریات میں لگانا جائز نہیں ہوگا۔

جابر بن عبداللّٰه –رضي اللّٰه عنه– يقول: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم عام الفتح وهو بمكة: إن اللّٰه ورسوله حرم بيع الخمر والميتة، والخنزير، والأصنام، فقيل له عند ذلك: أرأيت شحوم الميتة، فإنه يدهن بها السفن، ويدهن بها الجلود، ويستصبح بها الناس؟ قال: لا، هن حرام، ثم قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: قاتل اللّٰه اليهود، إن اللّٰه حرم عليهم الشحوم، فأجملوه، ثم باعوه، فأكلوا ثمنه. (سنن ابن ماجة، البيوع، باب ما لا يحل بيعه، النسخة الهندية، ص: ۱۵۷، دارالسلام، رقم: ۲۱۶۷)

البيع بالميتة والدم باطل. (هداية ۳/ ۲۳)

أما لو أنفق في ذلك مالا خبيثا ومالا سببه الخبيث والطيب فيكره؛

لأن الله تعالیٰ لا یقبل إلا الطیب. (شامي، کراچی ۱/ ٦٥٨، مطلب کلمة لا بأس دلیل علی أن المستحب غیره؛ لأن البأس الشدة، شامي زکریا ۲/ ٤٣١)

مذکورہ رقم کو بلانیت ثواب فقراء کو دینا لازم ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ ر شعبان ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۱۹۲۰)

مردار جانوروں کے گوشت کی خرید وفروخت

سوال [۸۶۹۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مردہ حلال وحرام جانوروں کا گوشت پہلے گدھ کھاجایا کرتے تھے، اب ادھر گدھ ناپید ہے، گوشت سڑ گل کر فضا کو مسموم کردیتا ہے؛ اس لئے زید اس گوشت کو فروخت کردیتا ہے، غیر مسلم خریدار بذریعہ مشین پیس کر اس گوشت کو مچھلیوں کی خوراک بنا دیتا ہے، جس سے مچھلیوں کی نشو ونما غیر معمولی طور پر بڑھ جاتی ہے، ایسا کاروبار زید کے لئے درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: عبدالحمید قاسمی، ناظم مدرسہ اسلامیہ کانکی نارہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید کے لئے مردار جانوروں کے گوشت کی فروختگی کا کاروبار ناجائز اور حرام ہے اور اس کا پیسہ بھی حرام ہے، خواہ غیر مسلم ہی سے فروخت کرے، اگر فضا مسموم ہونے کی وجہ سے غیر مسلم کو گوشت دینے کی ضرورت ہے، تو مفت میں دے دیا جائے، اس کی قیمت نہ لی جائے؛ لہٰذا مردار کے گوشت کا کاروبار کرنا قطعاً جائز نہیں ہے۔ اور اس کا پیسہ بھی حلال نہیں ہے۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ. [المائدة: ۳]

عن ابن عباس –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: لعن الله الیهود، حرمت علیهم الشحوم، فباعوها وأکلوها أثمانها،

وإن الله عز وجل إذا حرم على قوم أكل شيء حرم عليهم ثمنه. (مسند أحمد بن حنبل ١/ ٢٩٤، رقم: ٢٦٧٨، ١/ ٢٤٧، رقم: ٢٢٢١)

وبطل بيع ما ليس بمال، كالدم والميتة. (شرح تنوير مع الشامي، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مطلب في تعريف المال، زكريا ٧/ ٢٣٥، كراچی ٥/ ٥٠)

وكذا بيع الميتة والدم، والحر باطل؛ لأنها ليست أموالا، فلا تكون محلا للبيع. (هداية، أشرفي، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، اشرفي ٣/ ٤٩) **فقط واللہ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۳۸۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۱/۵/۱۴۲۵ھ

جھٹکے کے بکرے کی آنت کی تجارت کا حکم

سوال [۸۶۹۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جھٹکے سے ذبح کئے ہوئے جانور کی آنت کی تجارت کر سکتے ہیں یا نہیں؟ جیسے: جھٹکے کے بکرے کی کھال پر نمک لگا کر تجارت کرتے ہیں، اسی طرح سے بکری کی آنت پر نمک لگا کر رکھ دیں، اس کا پانی خشک ہونے پر اس کو دھو کر اس کی صفائی کر کے تجارت کر سکتے ہیں یا نہیں؟ کبھی کسی زمانہ میں شاہی مسجد میں ہم نے پوچھا تھا تو گنجائش بتلائی تھی، قریب ۳۵؍ یا ۴۰؍ سال کا عرصہ گذر گیا؛ لہٰذا کوئی گنجائش ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد ظریف قریشی، اصالت پورہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جھٹکے کے جانور مردار کے حکم میں ہیں اور مردار کے سارے اعضاء ناپاک ہوتے ہیں۔ اور ان کی تجارت جائز نہیں ہوتی ہے؛ البتہ جو اعضاء دباغت کے ذریعہ سے پاک کر کے خارجی استعمال کے لائق ہوتے ہیں، ان کی دباغت کے

بعد خارجی استعمال کے لئے تجارت جائز ہے، مثلاً کھال دباغت کے بعد پاک تو ہوجاتی ہے؛ لیکن کھانے کے لائق نہیں ہوتی؛ بلکہ خارجی استعمال کے لائق ہوتی ہے، اس کی تجارت جائز ہے، اسی طرح اوجھڑی دباغت کے بعد برتن اور مشکیزہ کے طور پر استعمال کے لائق ہوسکتی ہے، اس کو بھی اگر دباغت کے ذریعہ بالکل سکھا کر برتن یا مشکیزہ بنالیا جائے اور مشکیزہ کے طور پر استعمال کے لائق ہوتو اس کی بھی تجارت جائز ہے؛ لیکن سوال نامہ میں مردار کی آنتوں کی دباغت کی بات نہیں ہے؛ بلکہ آنتوں کو دوسری جگہ کھانے کے استعمال میں لانے کے لئے سپلائی کیا جاتا ہے اور سڑنے سے حفاظت کے لئے نمک وغیرہ کا استعمال کیا جاتا ہے، اور یہ دباغت کے دائرہ میں داخل نہیں ہے؛ اس لئے یہ ناپاک ہی رہیں گی؛ لہٰذا اس طرح مردار کی آنتوں کی تجارت جائز نہیں ہے۔

عن ابن عباس –رضي الله عنه– قال: رأيت رسول الله ﷺ جالسا عند الركن، قال: فرفع بصره إلى السماء فضحك، فقال: لعن الله اليهود ثلاثا، إن الله حرم عليهم الشحوم فباعوها وأكلوا أثمانها، وإن الله إذا حرم على قوم أكل شيء حرم عليهم ثمنه. (سنن أبي داؤد، البيوع، باب في ثمن الخمر والميتة، النسخة الهندية ۲/ ۴۹۳، دارالسلام، رقم: ۳۴۸۸)

وكذا لو أصلح المثانة ودبغها وجعل فيها اللبن أو السمن جاز، وكذا الكرش، وكل ما يمنع عن الفساد، ويخرج عن حد الأكل، فهو دباغ كان ذلك بالتراب أو الشمس ونحوهم. (قاضيخان، كتاب الطهارة، فصل في النجاسة التي نصيب الثوب، زكريا جديد ۱/ ۱۸، وعلى هامش الهندية ۱/ ۲۵)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍شعبان ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۷۷۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۸/۶ھ

خون کی مصنوعات کی تجارت

سوال [۸۶۹۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جانوروں کے خون کی مصنوعات اوران کی تجارت جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: نیاز احمد فاروقی حلال ٹرسٹ جمعیۃ علماء ہند

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: جانوروں کے خون کی تجارت جائز نہیں ہے؛ اس لئے کہ نص قطعی سے دمِ مسفوح کی حرمت ثابت ہے۔ آیت کریمہ ملاحظہ فرمایئے:

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ. [المائدة: ۳]

قُلْ لَا اَجِدُ فِيْ مَا اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ يَطْعَمُهُ اِلَّا اَنْ يَكُوْنَ مَيْتَةً اَوْ دَمًا مَسْفُوْحًا. [سورة الأنعام، آيت: ۱٤٥]

البتہ خون کی مصنوعات جن میں تبدیل ماہیت ہوکر دم سائل کا رنگ وبومزہ اور سیلانیت ختم ہوکر اس کی شکل بدل کر شئ جامد اور شئ آخر بن جائے، تو انقلابِ ماہیت کی وجہ سے پاک ہوجاتی ہیں، پھر اس کی تجارت وغیرہ بھی جائز ہوجاتی ہے، اس کے لئے بدائع کی عبارت ملاحظہ فرمایئے:

إن النجاسة لما استحالت وتبدلت أوصافها ومعانيها خرجت عن كونها نجاسة؛ لأنها اسم لذات موصوفة، فتنعدم بانعدام الوصف. (بدائع، كتاب الطهارة، الدباغة، كراچی ۱/ ۸۵، زكريا ۱/ ۲٤۳، الفقه الإسلامي وأدلته، هدى انٹر نيشنل ديوبند ۱/ ۱۰۰)

''فتح القدیر'' اور ''غنیۃ المستملی'' میں اس طرح کی عبارت ہے، ملاحظہ فرمایئے:

إن استحالة العين تستتبع زوال الوصف المرتب عليها. (فتح القدير

زكريا ١/ ٢٠٢، دارالفكر ١/ ٢٠١، الموسوعة الفقهية ٣/ ٢١٣، ٢٩/ ١٠٨، غنية المستملي أشرفيه، ص: ١٨٩)

اس سلسلے میں شامی کی عبارت اس طرح ہے:

لا يرد طهارة ...... الدم بصيرورته مسكا؛ لأن عين الشيء حقيقته، وحقيقة الخمر والدم ذهبت وخلفتها أخرى، وإنما يرد ذلک لو قلنا ببقاء حقيقة الخمر والدم مع الحكم بطهارتها. (شامي، كتاب الطهارة، باب الأنجاس، مطلب في العفو عن طين الشارع، زكريا ١/ ٥٣٦، كراچی ١/ ٣٢٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷ر ذیقعدہ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۱۶۹۵)

خون کی بیع کا حکم

سوال [۸۷۰۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ شہر بمبئی میں ہم قریش برادری کے درمیان ایک مسئلہ درپیش ہے، ہم لوگ آپ سے اس کی معلومات حاصل کرنا چاہتے ہیں، اس سے پہلے کہ ہم لوگ اپنا مسئلہ رکھیں پہلے آپ اطمینان سے ہماری مشکلات کو ایک نظر دیکھ لیجئے جو مندرجہ ذیل ہیں: ہم لوگ بمبئی کارپوریشن کے ماتحت کام کرتے ہیں، گونڈی دیونار میں ایک مذبح کارپوریشن نے بنوایا ہے، ہماری برادری کے لوگ ہندوستان کے کونے کونے سے جانور لاتے ہیں، ان کو لانے کے لئے ہم لوگوں کو جو دقتیں ہوتی ہیں وہ ہم ہی لوگ جانتے ہیں، اسٹیٹ اسٹیٹ میں لاری کے کرایہ کے علاوہ چنگی جو حکومت کا حق ہے، وہ دیتے ہیں، ہمارے پاس لائسنس ہے، اس کے لئے رشوت دینی پڑتی ہے، اگر نہ دیں تو پریشانی ہوتی ہے، جانور مرجانے کا ڈر لگتا رہتا ہے: اس لئے رشوت دینی پڑتی ہے، وہاں سے نکلے تو راستہ میں آرٹی او پکڑتے ہیں، ان کو بھی رشوت

دینی پڑتی ہے۔ اب سوال یہ ہوتا ہے کہ آپ کے پاس لاری پرمٹ ہے، تو آپ کیوں دیتے ہیں؛ اس لئے دینا پڑتا ہے کہ گاڑی پرمٹ صرف نو جانوروں کا ہوتا ہے، اگر نو جانور لائیں گے تو لاری کا کرایہ ان جانوروں پر زیادہ ہوجاتا ہے؛ اس لئے اس میں جانور زیادہ لاتے ہیں، اگر جانور زیادہ نہ لائیں تو جانور کی قیمت بڑھ جائے گی، تو جانور نہیں بکے گا، جتنے وہاں بچتے بچاتے نکلے تو گارے ہتھیار مل جاتے ہیں، وہ تو لاری ہی روک لیتے ہیں، جانور پکڑ لیتے ہیں، لاری کھالی کرواکر جانور نکال دیتے ہیں، ہم لوگ پولیس کی مدد مانگتے ہیں، پولیس آتی ہے مدد کرتی ہے، مگر ان لوگوں کا کچھ نہیں کرتی ہے، کہتی ہے کہ وہ بھی ٹھیک کرتے ہیں جیسے جیسے کرکے جانور پکڑتے ہیں اس میں بھی کبھی جانور گم ہوجاتے ہیں، وہ ہمارا نقصان ہوجاتا ہے، پولیس آتی ضرور ہے، مگر رشوت لے کر آتی ہے نہ دیں تو وہ کیوں آتی، اگر نہ دیں تو معلوم پڑا کہ جانور سب غائب ہوگئے، تو وہ دینا بھی ضروری ہوجاتا ہے۔ (مرتا کیا نہ کرتا) چلئے وہاں سے نکلے تو بمبئی کے چنگی خانہ پر آئے وہاں پر بھی یہی ہوتا ہے، چنگی بھریئے، کاغذ لیجئے، پھر سب سے پہلے کاغذ والا چپراسی رشوت لیتا ہے، وہاں سے نکلے تو خاکی ڈریس بلو ڈریس پٹری والے میونسپلٹی والے اسٹاف آرٹی او والے واٹریس والے سب چنگی خانہ کے ناکہ ہی پر ملتے ہیں، اس لئے ان لوگوں کو بھی دینا ہی پڑتا ہے، کیوں کہ جانور کئی گھنٹوں سے لاری میں بند رہتے ہیں، وہ لوگ جب حیران کرتے ہیں تو ہم لوگوں کو ڈر لگتا ہے کہیں اندر ہی اندر ایک دو جانور مر نہ جائیں؛ اس لئے ہم پر ضروری ہوجاتا ہے کہ ان لوگوں کو کچھ کھلائیں، کہنے کو تو لائسنس ہے، دیونار میں جانور کاٹتے ہیں، مگر حکومت ہم لوگوں کی کوئی سپورٹ بھی نہیں کرتی ہے، پھر ہم لوگ گورنمنٹ سے پرمیشن یافتہ آدمی ہوتے ہیں۔ خیر جیسے تیسے کرکے ہماری گاڑی دیونار کے گیٹ پر آتی ہے، معلوم پڑتا ہے کہ ستیہ گرہ والے مورچہ لگا کر بیٹھے ہیں، گاڑی اندر ہونے نہیں دیتے ہیں، پھر یہاں پر بمبئی پولیس کی ضرورت ہوتی ہے، ان لوگوں کو بلوایا جاتا ہے، وہ آتے ہیں، ان کو پکڑتے ہیں، پولیس چوکی لے جاتے ہیں، جب ہماری گاڑی اندر ہوتی ہے، یہاں پر بھی وہی بات پولیس والوں کو ہم قریش برادری کی طرف

سے ہفتہ بندھا ہوا ہے، وہ ہر ہفتہ ہم لوگ جمع کر کے چوکی میں بھجوا دیتے ہیں، اگر نہ دیں تو مصیبت ہوتی ہے۔ جیسے وہاں سے نکلے دیونار کے اندر داخل ہو گئے، یہاں بھی مصیبت ہے، سب سے پہلے گیٹ پر جانوروں کی پاؤتی بنوائی جاتی ہے، ان کا ٹیکس ادا کیا جاتا ہے، اس کے علاوہ رشوت بھی دی جاتی ہے، جانور اگر تندرست وخوبصورت ہوا تو وہ لوگ پاس ہی نہیں کرتے؛ اس لئے ان کو بھی دینا ضروری ہے اور دیا جاتا ہے۔ خیر وہ اندر آ گیا، بازار لگا ہوا ہوتا ہے، اب آپ اندازہ لگائیے کہ جانور پر کتنا وزن ہو جاتا ہے، جانور کی خرید وفروخت چالو ہو جاتی ہے، اگر جانور کم آئیں تو جانور مہنگے بکتے ہیں، زیادہ آ گئے تو سستے بکتے ہیں، اس میں بیوپاریوں کا نفع نقصان ہوتا ہے، اسی طرح کاٹنے والوں کو بھی ہوتا ہے، یہ سب رہی ہماری مصیبت جس کا ہم نے مختصر حال بیان کر دیا ہے، آپ آگے سمجھ سکتے ہیں، اب ہم آتے ہیں اپنے اصل مقصد کی طرف:

ہم قریش برادری بہت دنوں سے کارپوریشن لڑ رہے تھے، خون کے بارے میں جس میں ہم لوگ جیت گئے ہیں، دیونار میں جو جانور ذبح کئے جاتے ہیں، ان کا خون کارپوریشن لیتی ہے اور اس کو فروخت کر دیتی ہے، جس کی سالانہ انکم ۱۵۰۰۰۰۰/لاکھ کے قریب ہے، ہم سب سمجھتے ہیں کہ یہ خون ہمارے لئے حرام ہے، اس کا پیسہ بھی حرام ہے، مگر اتنی بڑی رقم ہم حکومت کو چھوڑنا نہیں چاہتے ہیں، جب کہ حکومت ہم لوگوں کو اتنا پریشان کرتی ہے اور مصیبت میں اتنا روپئے اس کو دے دیا جائے، جب کہ ہم لوگ یہ کیس جیت گئے ہیں، اب ان روپیوں کو کس کام میں لایا جائے، یہی آپ سے معلوم کرنا چاہتے ہیں، برائے کرم تشفی بخش جواب سے نواز کر عنداللہ ماجور ہوں۔ والسلام

المستفتی: حاجی محمد میاں قدرت اللہ قریشی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: خون کا فروخت کرنا مسلمانوں کے لئے حرام اور بیع شرعاً باطل ہے۔ **حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ.** [المائدة: ٣]

بطل بيع ما ليس بمال، كالدم المسفوح، والميتة. (تنوير مع الدر، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مطلب في تعريف المال، زكريا ۷/ ۲۳۵، كراچی ۵/ ۵۰)

اور فروخت کر کے جو رقم ہاتھ میں آتی ہے اس کا استعمال حرام ہے، اس کو بلانیت ثواب صدقہ کردینا واجب ہے۔ اور جبری رشوت میں دینا ہے تو حیلہ تملیک کے بعد دی جاسکتی ہے۔

صرح الفقهاء بأن من اكتسب مالا بغير حق، فإما أن يكون كسبه بعقد فاسد، كالبيوع الفاسدة، والاستئجار على المعاصي والطاعات، أو بغير عقد، كالسرقة، والغصب، والخيانة، والغلول، ففي جميع الأحوال المال الحاصل له حرام عليه، ولكن إن أخذه من غير عقد –إلى قوله– يجب عليه أن يتصدق بمثل تلك الأموال على الفقراء. (وقوله) وأما إذا كان عند رجل مال خبيث، فإما إن ملكه بعقد فاسد، أو حصل له بغير عقد ولا يمكنه أن يرده إلى مالكه ويريد أن يدفع مظلمته عن نفسه، وليس له حيلة إلا أن يدفعه إلى الفقراء. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارنپور قديم ۱/ ۳۷، دارالبشائر الإسلاميه بيروت ۱/ ۳۶۹، رقم: ۵۹، وهكذا في الهندية، زكريا قديم ۵/ ۳۴۹، جديد ۵/ ۴۰۴، شامي، زكريا ۹/ ۵۵۳، كراچی ۶/ ۳۸۵، البحر الرائق، زكريا ۹/ ۳۶۹، كوئٹه ۸/ ۲۰۱، تبيين الحقائق، إمداديه ملتان ۶/ ۲۷، زكريا ۷/ ۶۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ شوال ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۲۰۱۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۳؍ شوال ۱۴۱۰ھ

خون سے بنے مچھلیوں کے دانہ کی خرید وفروخت کا حکم

سوال [۸۷۰۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: دور حاضر میں خون سے گولی بنائی جاتی ہیں، چاہے وہ خون بیل کا ہو یا بھینس کا یا بکری کا اور وہ خون سے بنی ہوئی گولی مچھلیوں کو کھلائی جاتی ہیں، تو اس خون سے بنی گولی کی تجارت جائز ہے یا نہیں؟ اگر نہیں ہے تو کیوں؟

المستفتی: محمد عزیز الرحمٰن مغربی بنگال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: گائے، بیل، بھینس اور بکری کے خون سے بنی ہوئی گولیاں جن مچھلیوں کو کھلائی جاتی ہیں وہ مچھلیاں بلاکراہت جائز اور حلال ہیں۔ دمِ مسفوح کی تجارت ناجائز اور حرام ہے؛ لیکن اگر بطور کھاد اس کو استعمال کرنے کے لئے تجارت کی جائے تو اس کی گنجائش ہے، جیسا کہ سرقین اور انسان کے براز کی تجارت کھاد کے طور پر جائز ہے۔

سئل علي بن أحمد ويوسف بن محمد عن السمكة إذا أخذت وأرسلت في الماء النجس، فكبرت فيه؟ فقال: لا بأس بأكلها للحال. (التاتارخانية ١٨/ ٤٩٢، رقم: ٢٩٧١٠)

ولا يحل حيوان مائي إلا السمک الذي مات بآفة ولو متولدا في ماء نجس. (وتحته في الشامية) فلا بأس بأكلها للحال لحله بالنص وكونه يتغذى بالنجاسة لا يمنع حله. (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الذبائح، زكريا ٩/ ٤٤٤، كراچی ٦/ ٣٠٦)

كره بيع العذرة لا السرقين، وقال الشافعي رحمه الله: لا يجوز بيع السرقين أيضا؛ لأنه نجس العين، فلا يكون مالا فلا يجوز بيعه كالعذرة وجلدالميتة قبل الدبغ، ولنا أن المسلمين تمولوا السرقين، وانتفعوا به في سائر البلدان والأعصار من غير نكير، فإنهم يلقونه في الأراضى لاستكثار الريع، بخلاف العذرة؛ لأن العادة لم تجر بالانتفاع بها، وإنما ينتفع بها

مخلوطة برماد وتراب غالب عليها بالإلقاء في الأرض، فحينئذ يجوز بيعها، والصحيح عن أبي حنيفة أن الانتفاع بالعذرة الخالصة جائز. (تبيين الحقائق، إمداديه ملتان ٦/ ٢٦، زكريا ٧/ ٥٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/ ربیع الاول ۱۴۳۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۱۹۸۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۴/ ۴/ ۱۴۳۶ھ

بیع سرطان کا حکم

سوال [۸۷۰۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بیع سرطان ازروئے شرع متین جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: خدا بخش گوبند پور، ۲۴/ پرگنہ مغربی بنگال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگرچہ فقہ کی بعض جزئیات سے بیع سرطان کا عدم جواز معلوم ہوتا ہے؛ لیکن وہاں پر کلیہ بھی موجود ہے کہ جو چیز دوا کے لئے منتفع ہو اس کی خرید وفروخت جائز ہے۔ اور کیکڑے کی پشت دواؤں میں استعمال ہوتی ہے؛ لہٰذا اس کی بیع جائز ہوگی؛ البتہ کھانا جائز نہیں ہے۔

ويجوز بيع جميع الحيوانات سوى الخنزير، وهو المختار. (هندية، البيوع، الباب التاسع، الفصل الرابع في بيع الحيوانات، زكريا قديم ٣/ ١١٤، جديد ٣/ ١١٥)

يجوز بيع الحيات إذا كان ينتفع بها للأدوية، وما جاز الانتفاع بجلده أو عظمه، أي من حيوانات البحر أو غيرها. (شامي، مطلب في بيع دودة القرمز، زكريا ٧/ ٢٦٠، كراچی ٥/ ٦٨)

فالحاصل أن جواز البيع يدور مع حل الانتفاع. (شامي، زكريا ٧/ ٢٦٠،

کراچی ٥/ ٦٨، الفتاوى التاتارخانية، زكريا ٨/ ٣٤٠، رقم: ١٢١٢٥، المحيط البرهاني، المجلس العلمی ٩/ ٣٣٢، رقم: ١١٩٩٣، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ١٥١، مصري قديم ٢/ ١٠٨، الموسوعة الفقهية الكويتية ٩/ ١٥٥، ١٧/ ٢٨١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱؍۲؍۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۶۰۱۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱؍۲؍۱۴۲۰ھ

خنزیر کے بالوں کے ساتھ دوسرے جانور کے بالوں سے برش بنانا

سوال [۸۷۰۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ خنزیر (سور) کے بالوں کا برش بنانا اس صورت میں کہ اس میں گائے، بھینس، گھوڑا وغیرہ کے بالوں کی آمیزش بھی ہو یا کثیر مقدار خنزیر کے بال کے علاوہ دوسرے بالوں کی ہو، تو ازروئے شرع حرام ہے یا حلال؟

المستفتی: احسان علی صدیقی، اصغر منزل، شیر کوٹ بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: خنزیر کے بال نجس العین ہیں، شدت ضرورت نہ ہونے کی وجہ سے دوسرے جانوروں کے بالوں کی آمیزش کے ساتھ بھی خنزیر کے بالوں سے برش وغیرہ بنانا حرام ہے۔ اور تیار کردہ برش وغیرہ شرعاً ناپاک ہوگا۔

وأما الخنزير فشعره، وعظمه، وجميع أجزائه نجسة. (البحرالرائق، كتاب الطهارة، زكريا ١/ ١٩١، كوئٹه ١/ ١٠٧، هداية، أشرفی ٣/ ٣٩، مجمع الأنهر مصري قديم ١/ ٣٢، دارالكتب العلمية بيروت ١/ ٥١)

وشعر الميتة غير الخنزير على المذهب (تحته فى الشامية) أي على قول أبي يوسف الذي هو ظاهر الرواية أن شعره نجس، وصححه في

البدائع، ورجحه في الاختيار. (الدر مع الرد، كتاب الطهارة، باب المياه، مطلب في أحكام الدباغة، زكريا ١/ ٣٥٩، ٣٦٠، كراچی ١/ ٢٠٦، بدائع الصنائع، زكريا ٤/ ٣٣٣، كراچی ٥/ ١٤٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵؍ ذی الحجہ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۰۲۹)

فحش کتابیں اور خنزیر کی چربی سے بنے چپس فروخت کرنے کا حکم

سوال [۸۷۰۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کچھ لوگ اپنی دوکانوں میں برہنہ تصویروں والی کتابیں، خنزیر کے خوشبو والے آلو کے چپس اور دوسری چیزیں جو مسلمان کے لئے حلال نہیں ہے فروخت کرتے ہیں۔

المستفتی: محمد ساجد قاسمی، بجنوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: برہنہ تصویروں کو رکھنا اور فروخت کرنا سخت معصیت ہے، اس کا ترک کرنا لازم ہے، خنزیر کا کوئی بھی جز وفروخت کرنا جائز نہیں، اس کا پیسہ بھی حلال نہیں ہے، مسلمانوں کو اس قسم کی حرکات سے باز رہنا لازم ہے۔

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– أن رسول الله ﷺ قال: إن الله حرم الخمر وثمنها، وحرم الميتة وثمنها، وحرم الخنزير وثمنه. (سنن أبي داؤد، باب في ثمن الخمر والميتة، النسخة الهندية ٢/ ٤٩٣، دارالسلام، رقم: ٣٤٨٥، المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ١١/ ١٥٢، رقم: ١١٣٣٥، سنن الدار قطني، كتاب البيوع، دارالكتب العليمة بيروت ٣/ ٧، رقم: ٢٧٩٢، المعجم الأوسط، دارالفكر ١/ ٤٦، رقم: ١١٦)

وأما بيع الخمر والخنزير ان قوبل بالدين كالدراهم والدنانير، فالبيع باطل.
(هداية، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، أشرفي ديوبند ۳/ ۴۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/محرم ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۱۰۶)

ادھیا پر بکری دینا

سوال [۸۷۰۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے بکر کو ایک بکری خرید کر دی، تاکہ بڑھے (یعنی زیادہ ہو) اور اگر بچہ دے گی تو اس میں دونوں کا آدھا حصہ ہوگا، زید کے لئے ایسا کرنا شریعت کے اعتبار سے کیسا ہے؟ جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: علی مرتضی قاسمی، دارالشفاء اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سوال نامہ میں جو شکل بتائی گئی ہے، اس کو عوام میں ادھیا پر دینے کا معاملہ کہا جاتا ہے۔ زید کا اس طرح معاملہ کرنا شرعاً جائز نہیں ہے؛ کیوں کہ یہ اجارۂ فاسدہ ہے۔ اور اگر زید نے اس طرح کا معاملہ کرلیا ہے اور بچہ بھی پیدا ہوگیا ہے، تو وہ جانور اور بچہ بھی زید کی ملکیت میں شمار ہوں گے۔ اور زید پر بکر کو چارہ کی قیمت اور جو بکری پالنے کی عام طور پر اجرت ہوتی ہے اس کا دینا واجب ہوگا؛ البتہ حضرات فقہاء نے جواز کی ایک شکل بتلائی ہے کہ مالک جانور کی مناسب قیمت لگا کر نصف حصہ پرورش کرنے والے کے ہاتھ فروخت کردے، پھر اس کی قیمت معاف کردے، تو ایسی صورت میں جانور دونوں کے درمیان مشترک ہوجائے گا؛ اس لئے اس کی نسل وآمدنی بھی دونوں کے درمیان نصف نصف ہونے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر/ ۱۱۵)

وعلى هذا إذا دفع البقرة إلى إنسان بالعلف ليكون الحادث بينهما نصفين، فما حدث فهو لصاحب البقرة، ولذلك الرجل مثل العلف الذي علفها وأجر مثله فيما قام عليها، والحيلة في ذلك أن يبيع نصف البقرة من ذلك الرجل بثمن معلوم حتى تصير البقرة وأجناسها مشتركة بينهما فيكون الحادث منها على الشركة. (هندية، كتاب الشركة، الباب الخامس في الشركة الفاسدة، زكريا قديم ٢/ ٣٣٥، جديد ٢/ ٣٣٦، حاشية چلپی، مكتبه إمداديه ملتان ٤/ ٤٩، زكريا ٤/ ٣٧٣)

وعلى هذا دفع البقرة بالعلف ليكون الحادث بينهما نصفين، فما حدث فهو لصاحب البقرة وللآخر مثل علفه وأجر مثله. (شامي، كتاب الشركة، مطلب يرجح القياس، زكريا ٦/ ٥٠٤، كراچی ٤/ ٣٢٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم صفر ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۶۱۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱/۲/۱۴۳۳ھ

چار من غلہ پر زمین کاشتکاری کے لئے دینا

سوال [۸۷۰۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص اپنی زمین اس شرط پر دیتا ہے کہ مثلاً چار من غلہ دے دو اور یہ زمین میں کاشتکاری فلاں مہینے تک کرتا ہے، اس میں جتنا بھی غلہ پیدا ہوجائے وہ تمہارا ہے، کیا ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد شمیم اختر ارریاوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال میں جو شکل مذکور ہے وہ قطعاً ناجائز ہے۔ اور جواز کی شکل یہ ہے کہ پیداوار کی تقسیم حصہ کے اعتبار سے طے کریں، اس طرح کہ دونوں کو نصف

نصف ملے گا، ایک کو ایک تہائی اور دوسرے کو دو تہائی ملے گا۔ (مستفاد: فتاوی رحیمیہ قدیم ۹/۳۱۲، جدید زکریا ۹/۳۱۰)

وأن يكون الخارج شائعا بينهما تحقيقا لمعنى الشركة، فإن شرطا لأحدهما قفزانا مسماة فهي باطلة؛ لأن به تنقطع الشركة؛ لأن الأرض عساها لا تخرج إلا هذه القدر، وصار كاشتراط دراهم معدودة لأحدهما في المضاربة. (هداية، كتاب المزارعة، أشرفي ديوبند ٤/ ٤٢٦)

ہاں ایک شکل یہ ہے کہ غلہ کے بجائے روپئے کے عوض معاملہ کیا جائے تو اس کی گنجائش ہے۔

قال: سألت رافع بن خديج عن كراء الأرض بالذهب والورق، فقال: لابأس به. (مسلم شريف، كتاب البيوع، باب كراء الأرض، النسخة الهندية ٢/ ١٣، بيت الأفكار، رقم: ١٥٤٧، صحيح البخاري، كتاب الحرث والمزارعة، باب كراء الأرض بالذهب والفضة، رقم: ٢٢٨٨، ف: ٢٣٤٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۳؍ رجب ۱۴۲۰ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۲۷۹)	۱۴۲۰/۷/۲۴ھ

زمین کی فروختگی کی ایک شکل

سوال [۸۷۰۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں نے اپنی زمین حامد کے ہاتھ فروخت کردی، خرید نے والے حامد کے دریافت کرنے پر کہ زمین جو میں نے آپ سے خریدی ہے، وہ کس طرف ہے، آپ اس کی تعیین کردیں، میں نے حامد کو نقشہ دے کر کہا کہ کہیں ہوگی، تم پٹواری کے ذریعہ اسے تلاش کرلو، چنانچہ حامد نے پٹواری کے ذریعہ زمین تلاش کی، مگر اس کی تعیین نہیں ہوسکی، گو مجھے

یقین تھا کہ زمین اسی موضع میں ہے، ابھی زمین کی تعیین نہیں ہوسکی تھی کہ اسی درمیان میں میرے ہی مشورہ سے حامد نے مذکورہ زمین خالد کے ہاتھ فروخت کردی، واضح رہے کہ حامد نے مذکورہ زمین اپنی ایک متعین زمین کے ساتھ فروخت کی ہے، جب خالد نے زمین کی تعیین چاہی تو حامد نے اپنی متعین زمین کی تو تعیین کردی، مگر مذکورہ زمین کے بارے میں وہی جواب دیا جو میں نے حامد کو دیا تھا، یعنی یہیں کہیں ہوگی تم نقشہ لو اور پٹواری کے ذریعہ اس کی تعیین کرالو۔ عرض یہ ہے کہ حامد نے جو مجہول زمین مجھ سے خریدی وہ بیع تام ہوئی کہ نہیں اور جو بیع حامد نے خالد کو کی اس کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: محمد زبیر عباسی جنرل اسٹور، چوک گونڈہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مسئولہ میں عقد اول اور عقد ثانی دونوں ناتمام ہیں؛ اس لئے کہ دونوں میں مشتری کے حق میں مبیع مجہول ہے اور اس طرح جہالت کہ جس کی وجہ سے مبیع کو مشتری کے ضمان میں منتقل کرنا اور مشتری کے لئے اس میں تصرف کرنا ممکن نہ ہو جائز نہیں ہے، اس سے بیع منعقد نہیں ہوتی۔

وإن لم یذکر الحدود ولم یعرفه المشتري ...... وجهل المشتري یمنع (بزازیة، کتاب البیوع، الفصل الثالث فی ما یجوز بیعه وما لایجوز جدید زکریا ۱/ ۲۳۵، وعلی هامش الهندیة زکریا ٤/ ۳۷۲)

إذ لم یعلم أن العشرة من أي جانب من الدار، فیکون مجهولا جهالة تفضي إلی المنازعة. (عنایة شرح هدایة، دارالفکر بیروت ٦/ ۲۷۵، کوئٹه ٥/ ٤۷۹، زکریا ٦/ ۲٥٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍محرم الحرام ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۱۲۱)

زمین کی فروختگی کی ایک ناجائز شکل

سوال [۸۷۰۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں نے اپنی زمین حامد کے ہاتھ فروخت کردی، خریدنے والے حامد کے دریافت کرنے پر یہ زمین جو میں نے آپ سے خریدی ہے وہ کس طرف ہے؟ آپ اس کی تعیین کردیں، میں نے حامد کو نقشہ دے کر کہا کہ یہیں کہیں ہوگی، تم پٹواری کے ذریعہ اسے تلاش کرلو، چنانچہ حامد نے پٹواری کے ذریعہ زمین تلاش کی، مگر اس کی تعیین نہیں ہوسکی، گو مجھے یقین تھا کہ زمین اسی موضع میں ہے، ابھی زمین کی تعیین نہیں ہوسکی تھی کہ اسی درمیان میں میرے ہی مشورہ سے حامد نے مذکورہ زمین خالد کے ہاتھ فروخت کردی، واضح رہے کہ حامد نے مذکورہ زمین اپنی ایک متعین زمین کے ساتھ فروخت کی ہے، جب خالد نے زمین کی تعیین چاہی تو حامد نے اپنی متعین زمین کی تو تعیین کردی، مگر مذکورہ زمین کے بارے میں وہی جواب دیا جو میں نے حامد کو دیا تھا، یعنی یہیں کہیں ہوگی، تم نقشہ لو اور پٹواری کے ذریعہ اس کی تعیین کرالو۔ عرض یہ ہے کہ حامد نے جو مجہول زمین مجھ سے خریدی وہ بیع تام ہوئی کہ نہیں اور جو بیع حامد نے خالد کو کی اس کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: مولانا محمد یحییٰ صاحب، استاذ شعبہ عربی مدرسہ فرقانیہ، گونڈہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مذکورہ صورت میں چونکہ نفس بیع متعین نہیں ہے، کہ وہ کہاں واقع ہے، تاکہ مشتری اس کو اپنے ضمان میں لے کر تصرف کرسکے، اسی طرح اس نے جو فروخت کیا ہے، اس میں بھی ایسی جہالت ہے کہ بائع کے لئے مشتری کے ضمان میں دینا اور مشتری کے لئے اس میں تصرف کرنا ممکن نہیں ہے؛ اس لئے آپ کا حامد کے ہاتھ فروخت کرنا اور حامد کا خالد کے ہاتھ فروخت کرنا دونوں معاملہ ناجائز اور فاسد ہے۔ اور واجب الاسترداد ہے؛ البتہ حامد نے جو اپنی متعین زمین فروخت کی ہے، اس کی قیمت الگ سے لگائی جائے تو درست ہوسکتا ہے۔

اشترى أرضا وذكر حدودها لا ذرعها طولا وعرضا جاز، وإذا عرف المشتري الحدود لا الجيران يصح، وإن لم يذكر الحدود ولم يعرفه المشتري يمنع. (بزازية، كتاب البيوع، الفصل الثالث فيما يجوز بيعه وما لا يجوز، جديد زكريا ١/ ٢٣٥، وعلى هامش الهندية، زكريا ٤/ ٣٧٢، شامي، مطلب ما يبطل الإيجاب سبعة، كراچی ٤/ ٥٢٩، زكريا ٦/ ٤٩)

إذ لم يعلم أن العشرة من أي جانب من الدار، فيكون مجهولا جهالة تفضي إلى المنازعة. (عناية مع الفتح، دارالفكر بيروت ٦/ ٢٧٥، كوئٹه ٥/ ٤٧٩، زكريا ٦/ ٢٥٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/ ذی الحجہ ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۵۰۶۴)

قسطوار زمین کی خرید وفروخت کرنے والی کمپنی کا ممبر بننا

سوال [۸۷۰۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک کمپنی ہے جو زمینوں کی خرید وفروخت کرتی ہے اور وہ لوگوں کو اپنا ممبر بنا کر ایک متعین رقم قسط وار وصول کرتی ہے، پورا ہوجانے کے بعد اس کو وہ زمین موعود دی جاتی ہے، اگر وہ نہ لینا چاہے تو اس کی قیمت لگا کر رقم دی جاتی ہے، ظن غالب نفع کا ہوتا ہے۔

دوسری اسکیم یہ ہوتی ہے کہ جو ممبران کمپنی کے لئے ایجنٹ کا کام کرتے ہیں، ان کو کمیشن دیتی ہے اور ایجنٹ نے جن لوگوں کو ایجنٹ بنایا ہے، ان کی ممبر سازی پر بھی اول کو کمیشن دیتی ہے، جو سب متعین ہوتا ہے، اسی طرح سلسلہ وار سلسلہ الی غیر النہایہ چلتا رہتا ہے، جسے ''نیٹ ورک'' سسٹم کہا جاتا ہے۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سوال نامہ میں ذکر کردہ صورت کے مطابق مذکورہ کمپنی کا

لوگوں کو اپنا ممبر بنا کر متعینہ زمین قسطوں پر فروخت کرنا اور تمام اقساط کی ادائے گی کے بعد زمین موعود خریدار کے حوالہ کرنا اس حد تک معاملہ از روئے شرع جائز ہے۔

البيع مع تأجيل الثمن و تقسيطه صحيح. (شرح المجلة رستم باز، اتحاد ديو بند ١/ ١٢٥، رقم المادة: ٢٤٥)

ولو لم يكن الأجل مشروطا في العقد ولكنه منجم معتاد قيل: لا بد من بيانه؛ لأن المعروف كالمشروط. (هداية، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، قديم ٣/ ٥٨، جديد أشرفي ديوبند ٣/ ٧٤)

وللبائع حبس المبيع إلى قبض الثمن ولو بقي منه درهم. (شامي، مطلب في حبس المبيع لقبض الثمن الخ، كراچی ٤/ ٥٦١، زكريا ٧/ ٩٣)

لیکن معاملہ کی دوسری صورت کہ قسطوں کی ادائے گی کے بعد اگر خریدار کسی وجہ سے زمین نہ لینا چاہے تو اسے زمین کی قیمت لگا کر رقم دی جاتی ہے، وضاحت طلب ہے چنانچہ اگر معاملہ اور ایجاب وقبول کے وقت کاغذی کارروائی کرتے ہوئے اس بات کی صراحت کی جاتی ہے کہ اگر قسطوں کی ادائے گی کے بعد تم زمین نہ لینا چاہو تو تمہیں اس کی موجودہ قیمت واپس مل جائے گی اور اس شرط کے ساتھ معاملہ طے ہوتا ہے، تو اس طرح معاملہ کرنا شرعاً جائز نہیں ہے؛ لیکن اگر اس کا مطلب یہ ہے کہ ایجاب وقبول کے وقت اس کی صراحت نہ ہو؛ بلکہ مطلق معاملہ کیا جائے، پھر بعد میں خریدار کسی وجہ سے زمین نہ لینا چاہے تو اس کی ضرورت ومجبوری کا خیال کرتے ہوئے قسطوار جتنی رقم ادا کی جا چکی ہے اتنی رقم خریدار کو واپس کردیں اور زمین اپنی ملکیت میں رکھیں، تو یہ معاملہ اقالہ میں داخل ہو کر درست ہو جائے گا۔ اور اگر ادا شدہ قسطوں کا لحاظ نہ کرتے ہوئے موجودہ قیمت کا اعتبار کر کے وہ زمین خریدار سے خرید لی جائے تو یہ بھی جائز ہے؛ اس لئے کہ یہ از سرنو خرید وفروخت کا معاملہ ہے۔

أخرج الطبراني حديثا طويلا طرفه هذا: حدثني عمر بن شعيب عن أبيه عن جده، أن النبي صلى الله عليه وسلم نهى عن بيع و شرط. (معجم

الأوسط، دارالفكر بيروت ۳/ ۲۱۱، رقم: ۴۳۶۱، مجمع الزوائد، دارالكتب العلمية بيروت ۴/ ۸۵، نصب الراية، كراچى ۴/ ۱۷)

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله ﷺ: من أقال مسلما، أقاله الله عثرته يوم القيامة. (ابن ماجة، أبواب التجارات، باب الإقالة، النسخة الهندية/ ۱۵۹، دارالسلام، رقم: ۲۱۹۹، سنن أبي داؤد، كتاب البيوع، باب فضل الإقالة، النسخة الهندية ۲/ ۴۹۰، دارالسلام، رقم: ۳۴۶۰)

الإقالة جائزة في البيع بمثل الثمن، فإن شرط أكثر منه أو أقل، فالشرط باطل ويرد مثل الثمن الأول. (هداية أشرفى ۳/ ۶۹)

زاد في الموسوعة الفقهية: سواء كانت الإقالة قبل القبض أو بعده، وسواء كان المبيع منقولا أو غير منقول. (الموسوعة الفقهية ۵/ ۳۲۷)

كل شرط لا يقتضيه العقد وفيه منفعة لأحد المتعاقدين أو للمعقود عليه وهو من أهل الاستحقاق يفسده. (هداية، كراچى ۵/ ۱۱۶، أشرفي ديوبند ۳/ ۵۹)

وإذا حصل الإيجاب والقبول لزم البيع، ولا خيار لواحد منهما.

(هداية، كراچى ۵/ ۶، أشرفي ديوبند ۳/ ۲۰، الجوهرة النيرة، إمداديه ملتان ۱/ ۲۲۶، دارالكتاب ديوبند ۱/ ۲۲۰، تاتارخانية، زكريا ۸/ ۲۲۲، رقم: ۱۱۷۱۴)

(۲) ممبر سازی کی اجرت میں تفصیل یہ ہے کہ جو ایجنٹ براہ راست لوگوں کو کمپنی کا ممبر بناتے ہیں، اس کے عوض میں جو متعین اجرت انہیں ملتی ہے، یہ کمپنی سے جوڑنے کے عمل کی اجرت ہے، جو جائز ہے؛ لیکن ایجنٹ نے جن لوگوں کو ممبر بنایا ہے ان کے ذریعہ ممبر سازی پر اول ایجنٹ کو کمیشن دینا جائز نہیں؛ اس لئے کہ ان لوگوں نے جو محنت کی ہے اس میں پہلے ایجنٹ کی محنت شامل نہیں ہے؛ اس لئے شریعت اس صورت میں اول کو بلا محنت اجرت لینے کی اجازت نہیں دیتی؛ بلکہ یہ محنت کنندگان کا حق ہے۔

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا يحل لمسلم أن يأخذ مال

أخيه بغير حق. (مجمع الزوائد، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ١٧١، مسند أحمد بن حنبل ٥/ ٤٢٥، رقم: ٢٤٠٠٣)

سئل محمد بن سلمة عن أجرة السمسار، فقال: أرجو أنه لا بأس به.

(شامي، كتاب الإجارة، مطلب في أجرة الدلال، زكريا٩/ ٨٧، كراچی ٦/ ٦٣)

لا يجوز لأحد أن يأخذ مال أحد بلا سبب شرعي. (شامي، كتاب الحدود، مطلب في التعزير بأخذ المال، زكريا ٦/ ١٠٦، كراچی ٤/ ٦١، البحرالرائق، كوئٹه ٥/ ٤١، زكريا ٥/ ٦٨، هندية زكريا قديم ٢/ ١٦٧، جديد زكريا ٢/ ١٨١، قواعد الفقه ص: ١١٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰ رصفر ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۹۱۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲/۳/ ۱۴۳۱ھ

زمین کو فروخت کرنے کی ایک ناجائز شکل

سوال [۱۰۱۷۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک کمپنی جس کا نام ''پیس گرین فوریسٹ لمٹیڈ'' (P.G.F) ہے، اپنے گراہک سے زمین فروخت کرنے کا معاہدہ کرتی ہے، اوراس کے بعد گراہک سے قسطوار پانچ سال چھ سال سات سال یا نو سال تک یا جتنا وقت بھی معاہدہ میں طے ہوتا ہے، اس وقت تک روپئے وصول کرتی ہے، مثال کے طور پر کمپنی اپنے کسی گراہک سے معاہدہ کرتی ہے کہ پچاس گز زمین خریدنے کے لئے گراہک چھ سال تک ماہوار قسط کے ذریعہ ہر مہینہ کمپنی کے پاس دوسو روپئے جمع کرے گا، چھ سال مکمل ہونے پر کل جمع رقم ۱۴۴۰۰/ روپئے ہوگی، معاہدہ کرتے وقت کمپنی نے ایک بات واضح کردی تھی کہ گراہک چھ سال تک ۱۴۴۰۰/ روپئے جمع کرنے کے بعد اگر زمین لینے کا خواہش مند نہیں ہے، تو کمپنی واپس اس زمین کو ۲۰۴۰۰/ روپئے میں خریدنے کے لئے تیار رہے گی؛ لہٰذا محترم اس مسئلہ میں فرمائیں کہ اس صورت میں گراہک کو جو ۴۰۰۰/

روپئے کا فائدہ ہورہا ہے، وہ جائز اور حلال ہے یا ناجائز اور حرام ہے؟ کمپنی نے اپنا کاروبار چلانے کے لئے الگ الگ عہدوں پر آدمی فائز کرر کھے ہیں جو گراہکوں سے رقم وصول کرنے کے بعد کمپنی کے خزانہ میں جمع کرتے ہیں اوران کی وصول کی گئی رقم میں سے کمپنی ان کے عہدوں کے حساب سے ان کو کمیشن دیتی ہے، کمپنی میں کام کرنے کے بعد آمدنی کا واحد ذریعہ یہی ہے؛ لہٰذا حضرت اس مسئلہ میں بھی فرمائیں کہ ایسی کمپنی میں کام کرنا اوراس سے حاصل شدہ آمدنی کواستعمال کرنا حلال ہے یا حرام؟

یہ واضح رہے کہ کمپنی کے لاکھوں گراہک ہیں، جن سے رقم وصول کر کے کمپنی بڑے پیمانے پر اپنا کاروبار چلاتی ہے، کمپنی زمین پر پیڑ لگاتی ہے، اورلکڑی کا کاروبار کرتی ہے، کاشتکاری کرتی ہے، کھیتی کے لئے بیج تیار کرتی ہے، کھاد بناتی ہے اور کئی مختلف کاروبار کرتی ہے اور جو آمدنی ہوتی ہے اس میں سے ہی اپنے گراہکوں کواور کام کرنے والوں کو فائدہ پہنچاتی ہے، ان تمام صورتوں میں ایسی کمپنی سے وابستہ ہوکر نفع حاصل کرنا کیسا ہے؟ اور یہ بات کمپنی نے معاہدہ کے وقت واضح کردی تھی کہ زمین پر قبضہ اسی وقت دیا جائے گا جب کہ کمپنی کو طے شدہ رقم پوری ادا کردی جائے گی۔

المستفتی: محمد آصف کندرکی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کمپنی کا قانون چہ ہندی اورانگلش دونوں میں شائع شدہ ہے اورقانونچہ سے یہ بات واضح ہوچکی ہے کہ اس میں کئی خرابیاں ہیں:

(۱) اگر سال میں ایک دو قسط کسی وجہ سے ادا نہ کرسکے تو ۱۵ رفیصد سود کے ساتھ اس کو پورا کرنا لازم ہوگا، تو اس سے معلوم ہوا کہ اس میں سودی شرط موجود ہے۔ اور اگراس درمیان میں قسطیں پوری ہونے سے پہلے پہلے کسی ممبر کا انتقال ہوجائے تو اس کے پسماندگان کو ۱۵۰ر فیصد کے حساب سے معاوضہ دیا جائے گا، تو یہ شکل جیون بیمہ کی ہوئی، اس میں سود کے ساتھ ’’شبہۃ القمار‘‘ بھی ہے، اس طرح کی باطل اورفاسد شرائط کی بناپر قسطوں پر زمین خریدنا جائز نہیں ہے۔ اورسوال نامہ میں ان باطل اور فاسد شرائط کا ذکر موجود نہیں ہے؛ اس لئے سوال

ناقص اورغیر واضح ہے۔اورسوال میں ان باطل شرائط کا ذکر بھی آنا چاہئے تھا؛ لہٰذا ان شرائط کی بناپر مذکورہ کمپنی سے قسطوں پر زمین خریدنا جائز نہیں ہے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا. [البقرة: ۲۷۵]

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ. [المائدة: ۹۰]

عن جابر –رضي الله عنه– قال: لعن رسول الله ﷺ آكل الربو ومؤكله وكاتبه، وقال: هم سواء. (مسلم شريف، كتاب المساقاة المزارعة، باب الربا، النسخة الهندية ۲/ ۲۷، بيت الأفكار، رقم: ۱۵۸۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍رجب ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۷۷۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۷/۲۳ھ

پتنگ بنانا اورفروخت کرنا کیسا ہے؟

سوال [۱۱۷۸۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: پتنگ کی فروختگی اوراس کا بنانا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: مولانا حفظ الرحمٰن مدیر ندائے شاہی ونائب مہتمم مدرسہ شاہی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: پتنگ بنانا اورفروخت کرنا تعاون علی المعصیت کی وجہ سے ناجائز ہے۔

لقوله تعالى: وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ. [المائدة: ۳] **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍ربیع الثانی ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۱۸۳)

جانوروں کی تصاویر بنانا اوران کا کاروبار کرنا

سوال [۱۲‏۱۷‏۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص کا پیتل کے جانوروں کا کاروبار ہے، وہ پیتل کے کتے، بلی، اونٹ، ہاتھی، سور، پرندے وغیرہ بناتا ہے۔

المستفتی: عبدالقدیر، شاہی مسجد مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جاندار کی تصویروں اور مورتیوں کی تجارت اعانت علی المعصیت کی بناپرناجائز ہے۔

لقوله تعالى: وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ. [المائدة: ٢]

جاندار کی تصویر اور مورتی بنانا حرام اور کبیرہ گناہ ہے۔

تصوير صورة الحيوان أشد التحريم، وهو من الكبائر. (عمدة القاري، دارإحياء التراث العربي بيروت ٢٢/ ٧٠، زكريا ديوبند ١٥/ ١٢٤)

وفي الحديث: قال عبدالله: سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول: إن أشد الناس عذابا عند الله المصورون. (صحيح البخاري، كتاب اللباس، باب عذاب المصورين يوم القيامة ٢/ ٨٨٠، رقم: ٥٧١٧، ف: ٥٩٥٠، صحيح مسلم، كتاب اللباس والزينة، باب تحريم صورة الحيوان، النسخة الهندية ٢/ ٢٠١، بيت الأفكار، رقم: ٢١٠٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵ ؍ ربیع الاول ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۱۵۹)

پیتل کے ہاتھی گھوڑے وغیرہ بنانا

سوال [۸۷۱۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ شہر مرادآباد میں جیسا کہ آپ کو معلوم ہے پیتل کی صنعت اور اس میں جیسا بیرون ملک سے آرڈر ملتا ہے، اس کو بنایا جاتا ہے، مثلاً ایک آرڈر آیا ہے جس میں ہاتھی، گھوڑے، بلی، کتے وغیرہ کو اس نے مانگا ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ ان ہاتھی وغیرہ (جاندار) کو بنانا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ باحوالہ جواب باشرع عنایت فرمائیں۔

المستفتی: عبیدالرحمٰن پیرزادہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ناجائز اور حرام ہے، عنداللہ سخت ترین عذاب الٰہی کا مستحق ہوگا، مسلمانوں کو ایسا آڈر واپس اور مسترد کرنا واجب ہے۔

عن عبدالله بن مسعود –رضي الله عنه– قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: إن أشد الناس عذابا عند الله المصورون.

(صحيح البخاري، كتاب اللباس، باب عذاب المصورين يوم القيامة ۲/ ۸۸۰، رقم: ۵۷۱۷، ف: ۵۹۵۰، صحيح مسلم، كتاب اللباس والزينة، باب تحريم صورة الحيوان، النسخة الهندية ۲/ ۲۰۱، بيت الأفكار، رقم: ۲۱۰۹، مشكوة شريف ۲/ ۳۸۵)

عن ابن عباس –رضى الله عنه– قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول: كل مصور في النار يجعل بكل صورة صورها نفسا، فتعذبه في جهنم. (مسلم شريف، النسخة الهندية ۲/ ۲۰۲، بيت الأفكار، رقم: ۲۱۱۰، مشكوة شريف ۲/ ۳۸۵)

ان احادیث کے تحت محدثین نے حیوانات کی تصویر کشی کو سخت حرام اور گناہ کبیرہ لکھا ہے۔

وهذه الأحاديث صريحة في تحريم تصوير الحيوان، وأنه غليظة التحريم. (نووي ۲/ ۲۰۱، هكذا عمدة القاري، دار إحياء التراث العربي بيروت ۲۲/ ۲۰،

زکریا دیوبند ۱۵/ ۱۲٤، مرقاۃ، باب التصاویر، إمدادیہ ملتان ۸/ ۳۳۰، أشعۃ اللمعات ۳/ ۵۹۳)

قال أصحابنا وغيرهم: تصوير صورة الحيوان حرام أشد التحريم، وهو من الكبائر. (عمدة القاري، دار إحياء التراث العربي بيروت ۲۲/ ۷۰، زكريا ديوبند ۱۵/ ۱۲٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ / جمادی الاولیٰ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۳۰۷)

پیتل وغیرہ کی مورتی بنانا کیسا ہے؟

سوال [۸۷۱۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کا ایک پیتل کا کارخانہ ہے، جس میں جانور وغیرہ کی مورتی بنائی جاتی ہیں، تو اس طرح بنانا جائز ہے یا نہیں؟ مفصل جواب تحریر فرمائیں۔

المستفتی: احسان الرحمٰن محلّہ لال مسجد، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں جانوروں کی صورت اور تصویر بنانے والے کو سخت ترین عذاب دیا جائے گا؛ لہٰذا جانور بنوانے والے اور بنانے والے سب حرام وگناہ کبیرہ اور سخت عذاب الٰہی کے مستحق ہوں گے۔

عن عبدالله بن مسعود -رضي الله عنه- قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: إن أشد الناس عذابا عند الله المصورون. (صحيح مسلم، كتاب اللباس والزينة، باب تحريم صورة الحيوان، النسخة الهندية ۲/ ۲۰۱، بيت الأفكار، رقم: ۲۱۰۹، صحيح البخاري، كتاب اللباس، باب عذاب المصورين يوم القيامة ۲/ ۸۸۰، رقم: ۵۷۱۷، ف: ۵۹۵۰)

عن ابن عباس -رضى الله عنه- قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول:

كل مصور في النار يجعل بكل صورة صورها نفسا، فتعذبه في جهنم. (مسلم شريف، النسخة الهندية ۲/ ۲۰۲، بيت الأفكار، رقم: ۲۱۱۰، مشكوة شريف ۲/ ۳۸۵)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷ محرم ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۰۶۹)

تانبا پیتل سے جانوروں کا مجسمہ بنانا

سوال [۸۷۱۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) زید پیتل کے برتنوں کا کاروبار کرتا ہے اور اپنا مال بیرون ملک سپلائی کرتا ہے، اس کے گاہک یہودی اور نصرانی ہیں، اس کے گاہک ہاتھی، شیر، ہرن اور دوسرے جانور پیتل کے منگوانا چاہتے ہیں۔

(۲) زید کا کوئی اپنا مال بنانے کا کارخانہ ابھی نہیں ہے، زید دوسرے کارخانہ داروں سے کورا مال لے کر صرف اپنی نگرانی میں پالش چاندی اور پیکنگ کر کے مال روانہ کرتا ہے؛ لیکن اگر یہ جانور سپلائی نہیں کرتا تو اس کا گاہک جانور کسی دوسرے سے ضرور خریدے گا اور اس کے ساتھ ہی زید کا دوسرا مال بھی؛ کیوں کہ دوسرے سپلائر اس گاہک کو توڑنے کی کوشش کر رہے ہیں، اس طرح زید کے گاہک کا چھوٹ جانے کا اندیشہ ہے۔

(۳) چونکہ زید کا اپنا کوئی کارخانہ نہیں ہے؛ لیکن دوسرے تاجر جانور اور تصویریں بناتے ہیں، کیا ان سے خرید کر مجبوراً خود ہی سپلائی کر سکتا ہے اور اس سے جو نفع حاصل ہوگا اس کا کیا حکم ہے؟

(۴) کیا زید جانوروں کے آرڈر حاصل کرنے کے بعد کسی دوسرے کو آرڈر ٹرانسفر دے دے، دلوادے، زید کا تعلق صرف آرڈر دلوانے سے ہوگا، ایسی صورت میں جزوی رقم جو بطور

نفع کے حاصل ہو، تو اس کا لینا اور اپنی ضروریات میں شرعاً استعمال کرنا کیسا ہوگا؟

(۵) جزوی رقم یا منافع کا کوئی دوسرا استعمال شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ براہ کرم جواب حدیث سے اور سنت کی روشنی میں مطلع فرمائیں۔

المستفتی: اکرام باری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تانبا، پیتل وغیرہ دھات سے ہاتھی، شیر، ہرن دوسرے جانوروں کا مجسمہ بنانا اور بنوانے سے عنداللہ سخت ترین عذاب کا مستحق ہونا ہے۔

عن عبدالله بن مسعود –رضي الله عنه– قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: إن أشد الناس عذابا عند الله المصورون.

(صحيح مسلم، كتاب اللباس والزينة، باب تحريم صورة الحيوان، النسخة الهندية ۲/ ۲۰۱، بيت الأفكار، رقم: ۲۱۰۹، صحيح البخاري، كتاب اللباس، باب عذاب المصورين يوم القيامة ۲/ ۸۸۰، رقم: ۵۷۱۷، ف: ۵۹۵۰، مشكوة ۲/ ۳۸۵)

اللہ تعالیٰ آخرت میں ایسے لوگوں کو اس طرح عذاب دیتے رہیں گے اور کہتے رہیں گے کہ اس میں جان ڈال دو اور وہ جان نہ ڈال سکیں گے۔

من صور صورة عذب وكلف أن ينفخ فيها، وليس بنافخ. (صحيح البخاري، باب بلا ترجمة ۲/ ۸۸۱، رقم: ۵۷۲۹، ف: ۵۹۶۳، مشكوة ۲/ ۳۸۶)

اور پالش کرنے والا بھی مستحق عذاب ہوگا، اب اپنا گاہک چھوٹ جانے اور آخرت کے عذاب میں خود ہی تناسب دیکھا جا سکتا ہے۔

(۳) عمل تجارت حرام نہیں ہے، مگر تعاون علی المعصیت ہونے کی وجہ سے کراہت کے درجے میں ہوگا۔ اور تجارت کے منافع حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بلا کراہت حلال ہیں؛ اس لئے کہ اصل شئ فی نفسہٖ مال ہے اور حضرت امام یوسف ومحمدؒ کے نزدیک مکروہ ہیں؛ اس لئے کہ معصیت کے تعاون کے ساتھ نفع حاصل کیا گیا ہے۔

ومثله في الشامي: لو آجره دابة لينقل عليها الخمر أو آجره نفسه

لیرعی له الخنازیر یطیب الأجر عنده وعندهما یکره. (شامي، کتاب الحظر والإباحة، فصل في البیع، زکریا ۹/ ۵٦۲، کراچی ٦/ ۳۹۲، تبیین الحقائق، إمدادیه ملتان ٦/ ۲۹، زکریا دیوبند ۷/ ٦٤، مجمع الأنهر، دارالکتب العلمیة بیروت ٤/ ۱۸۸، قدیم ۲/ ۵۳۰)

(۴-۵) آرڈر دلوانے والا دلال کے حکم میں ہوگا۔ اور دلال کی اجرت جس طرح دیگر معاملات میں حلال ہے، اسی طرح یہاں بھی حلال ہوگی؛ اس لئے کہ اصل معاملہ کا تعلق دلال سے نہیں ہوتا ہے؛ بلکہ ایکسپورٹر اور ایمپورٹر کے ساتھ ہوتا ہے۔

سئل محمد بن سلمة عن أجرة السمسار، فقال: أرجو أنه لا بأس به. (شامي، کتاب الإجارة، مطلب في أجرة الدلال، زکریا ۹/ ۸۷، کراچی ٦/ ٦۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍ جمادی الثانیہ ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۵۰۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۲/ ۶/ ۱۴۱۴ھ

چوری کے سامان کی خرید وفروخت کا شرعی حکم

سوال [۸۷۱٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص پرانی گاڑیوں کی مرمت کا کام کرتا ہے، کہ پرانی ایکسیڈنٹل گاڑیاں خریدتا ہے، تو اس گاڑی کو ٹھیک کرنے میں کبھی کھڑکی کی ضرورت پڑتی ہے اور کبھی چھت کی ضرورت پڑتی ہے، تو اگر گاڑی کے ان پارٹس کو ایجنسی سے خریدیں تو یہ چیزیں پرانی گاڑی کے پیسوں کے بمقابلہ ٦۰؍ فیصد مہنگی ہوتی ہیں؛ اس لئے ان چیزوں کو کباڑی کی دوکان سے خرید لیتے ہیں، جہاں سے پرانے سامان بہت سستے مل جاتے ہیں اور اس طرح گاڑی کی مرمت کرنے میں بچت اچھی ہوتی ہے؛ البتہ کباڑی کی دوکان جہاں سے ہم پارٹس خریدتے ہیں تو وہاں جو گاڑیاں کاٹی جاتی ہیں وہ عموماً چوری کی ہوتی ہیں اور کچھ گاڑیاں خرید کر بھی کاٹی جاتی ہیں؛ لہٰذا

ہم جو بھی سامان کباڑی کی دوکان سے خریدیں گے اس میں غالب گمان چوری کا ہے اور مغلوب اور احتمال اس بات کا بھی ہے کہ وہ خریدی ہوئی گاڑی کا پارٹ ہے، تو کیا اس احتمال کی وجہ سے مطلقاً پارٹس خریدنا جائز ہوسکتا ہے؟ اور لوگ جواز کی دلیل میں یہ بات پیش کرتے ہیں کہ جس طرح شراب کی بوتلوں کو خریدنا اور پھر اس کو بیچنا جائز ہے، جب کہ اس میں ظن غالب یہی ہے کہ اس میں دوبارہ شراب بھری جاتی ہے؛ لیکن احتمال اس بات کا بھی ہے کہ اس میں تیل وغیرہ بھرا جائے۔ حضرت والا سے گزارش ہے کہ دلائل کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں، اللہ تعالیٰ آپ کو اپنی شایان شان اجر عظیم عطا فرمائے اور آپ کی عمر میں برکت دے۔ آمین

المستفتی: مولانا محمد طارق صاحب نعمانی، قصبہ جویا

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جن دوکانوں کے بارے میں یقین سے معلوم ہے کہ چوری کا مال ہے یا ظن غالب یہی ہے کہ چوری کا مال یہاں بکتا ہے، تو وہاں سے مذکورہ سامان خریدنا خریدار کے لئے جائز نہیں ہے، اگر سستے کے لالچ میں وہاں سے خریدے گا تو چوری کے گناہ میں خریدار بھی شامل ہوجائے گا۔ اور جن دوکانوں کے بارے میں یقین ہے یا ظن غالب ہے کہ یہاں چوری کا سامان نہیں بکتا ہے، وہاں سے خریدنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور شراب کی بوتلوں پر اس مسئلے کو قیاس کرنا درست نہیں ہے؛ اس لئے کہ شراب کی بوتلیں چوری کی نہیں ہوتی ہیں اور یہاں مسئلہ چوری کا ہے۔

قال عليه السلام: من اشترى سرقة وهو يعلم أنها سرقة، فقد شرك في عارها، وإثمها. (شعب الإيمان، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٣٨٩، رقم: ٥٥٠٠، المصنف لابن أبي شيبة، جديد موسسة العلوم القرآن بيروت ١١/ ٣٣٨، رقم: ٢٢٤٩٥، فيض القدير ١١/ ٥٦٥٤، رقم: ٨٤٤٣، بحواله محموديه ڈابهيل ١٦/ ٨٦)

والحاصل أنه إن علم أرباب الأموال وجب رده عليهم، وإلا فإن علم

عين الحرام لا يحل له. (شامي، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مطلب فيمن ورث مالا حراما، كراچی ۵/ ۹۹، زکریا ۷/ ۳۰۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲ / ربیع الاول ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۰۱۷)

چوری کا مال خرید نا کیسا ہے؟

سوال [۸۷۱۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ناجائز طریقہ سے حاصل شدہ مال کا خریدنا واستعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟ مثلاً چوری کا مال یا ایسا کوئی مال جس کے متعلق ہم جانتے ہیں کہ یہ غلط طریقہ سے آیا ہے، جیسے آج کل آم وغیرہ کے باغات عموماً خلاف شرع انداز پر بیچے جاتے ہیں، لوگ دس دس بیس بیس سال آگے تک کے لئے فصل خرید لیتے ہیں اور پھر وہ مارکیٹ میں آکر فروخت ہوتے ہیں، تو اس طرح کے اموال کی خرید وفروخت میں شرعاً کیا قباحت ہے؟

المستفتی: محمد الیاس، کٹک اڑیسہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: چوری کا مال خریدنا ہرگز جائز نہیں ہے، اگر خرید چکا ہے تو واپس کر دینا لازم ہے۔ اور اگر اصل مالک معلوم ہو جائے تو اس کے حوالہ کر دینا چاہئے، اگر وہ فروخت کرنے پر تیار ہو جائے تو اس سے معاملہ کر سکتے ہیں۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۱۱/ ۲۸۰، جدید ڈابھیل ۱۶/ ۸۶)

قال عليه السلام: من اشترى سرقة وهو يعلم أنها سرقة، فقد شرك في عارها، وإثمها. (شعب الإيمان، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٣٨٩، رقم: ٥٥٠٠، المصنف لابن أبي شيبة، جديد موسسة العلوم القرآن بيروت ١١/ ٣٣٨، رقم: ٢٢٤٩٥)

والحاصل أنه إن علم أرباب الأموال وجب رده عليهم، وإلا فإن علم عين الحرام لا يحل له. (شامي، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مطلب فيمن ورث مالا حراما، كراچی ٥/ ٩٩، زكريا ٧/ ٣٠١)

اور بیع فاسد سے حاصل شدہ مال پر جب مشتری بائع کی اجازت سے قبضہ کرلیتا ہے تو شرعاً مشتری مالک ہوجاتا ہے، بس رفع فساد کے لئے واپسی لازم ہوتی ہے؛ اس لئے دوسرے لوگوں کو اس سے خریدنا جائز ہوجاتا ہے اور پھر اس کے بعد واپسی بھی شرعاً لازم نہیں ہوا کرتی ہے۔

وإذا قبض المشتري المبيع في البيع الفاسد بأمر البائع، وفي العقد عوضان كل واحد منهما مال ملك المبيع ولزمته قيمته -إلى قوله- ولكل واحد من المتعاقدين فسخه رفعا للفساد. (وقوله) فإن باعه المشتري نفذ بيعه؛ لأنه ملكه، فملك التصرف فيه وسقط حق الاسترداد لتعلق حق العبد بالثاني، ونقض الأول لحق الشرع. (هداية، باب البيع الفاسد، فصل في أحكامه، اشرفي ديوبند ٣/ ٦٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍صفر ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۳۰۱۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۳/۲/۱۱ھ

مال مسروق کی بیع وشراء کا حکم

سوال [۸۷۱۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بہت سے حضرات اون کا کام کرتے ہیں (یہ اون نہیں بلکہ ریشمی اون ہے) اون کی چادریں بنا کر فروخت کرتے ہیں، یہی ان کا کاروبار ہے؛ لیکن معلوم ہوا کہ وہ اون جو آتی ہے وہ نمبر دو کا مال ہے؛ کیوں کہ نمبر ایک کی اگر اون لاکر اس کا کچھ بھی مال تیار کر کے فروخت کریں تو اس میں فائدہ نہیں ہے، نمبر دو کی ہی اون کا مال بناتے ہیں، تو فائدہ ہے، نمبر دو کی تفصیل یہ ہے کہ لدھیانہ میں یہ مال بنتا ہے اور وہیں اس کی رنگائی ہوتی ہے، رنگائی کے

بڑے بڑے کارخانہ ہیں، کوئنٹلوں مال رنگا جاتا ہے، رنگنے والے اس مال میں سے جو کسی کا رنگنے کے واسطے مال آیا ہے؛ کیوں کہ وہ سوکھا مال ہوتا ہے، جب رنگائی کر کے وہ مال واپس کرتے ہیں تو اس میں سے کچھ مال اپنے پاس رکھ لیتے ہیں، یہ تو چوری کرتے ہیں، اس طرح سے کوئنٹلوں مال جمع کر کے اس کو فروخت کر دیتے ہیں، ان کا یہ رویہ ہے کہ یہ بڑے بڑے کارخانہ والے سب ہی غیر مسلم ہیں۔ اور اگر کوئی مسلمان بھی رنگنے کے واسطے مال دے تو اس میں سے بھی رکھنا ضروری ہے، یعنی یہ ان کا پیشہ ہے، رنگوانے والوں کو بھی خوب معلوم ہے کہ یہ ایسا کرتے ہیں، اب اس مال کو مسلمان یا غیر مسلم خرید کر دوسروں کو بیچتے ہیں، ہمارے یہاں ایسا کاروبار بہت چل رہا ہے، یہ کاروبار کرنا کیسا ہے؟ کچھ اگر گنجائش ہو تو جواب سے مطلع کریں، اس اون کا تیار کیا ہوا مال لے کر فروخت کرنا یا لے کر جمع کر کے رکھنا کیسا ہے؟ اور اس کو بکری کے اوقات میں ہی بیچنا جیسے کہ گرمیوں میں ستا مل جاتا ہے، سردیوں میں کچھ مہنگا ہو جاتا ہے، اکثر لینے والے ایسا کرتے ہیں، شرعاً یہ کیسا ہے؟

المستفتی: حافظ اشرف علی سہسپور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر آپ براہ راست فیکٹری سے مال خرید رہے ہیں اور مال کے متعلق قطعی علم نہیں ہے کہ یہ چوری کا ہے تو ایسے مال کی خرید وفروخت جائز ہے، نیز ایسے مال کو خرید کر کے جمع کرنا، پھر اسے اس کے موسم میں فروخت کرنا جب کہ آپ کے جمع کرنے سے دوسروں کو کوئی تنگی پیش نہ آتی ہو، تو درست ہے، یہ شکل احتکار میں شامل نہیں ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۳/ ۱۹)

وإن اشترى في ذلك المصر، وحبسه ولا يضر بأهل المصر لا بأس به.

(هندية، كتاب البيوع، الباب العشرون في البياعات المكروهة، فصل في الاحتكار، زكريا قديم ۳/ ۲۱۳، جديد ۳/ ۲۰۰، درمختار مع الشامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، كراچی ٦/ ٣٩٨، زكريا ٩/ ٥٧١، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٢١٣، هداية مع فتح القدير، كوئٹه ٨/ ٤٩١، زكريا ١٠/ ٦٩)

البتہ اگر آپ کو تحقیق سے معلوم ہو جائے کہ یہ مال چوری کا ہے تو ایسے مال کی خرید وفروخت شرعاً ناجائز ہے۔ (مستفاد: فتاوی رحیمیہ قدیم ۶/ ۲۸۳، جدید زکریا ۱۰/ ۲۲۱، محمودیہ قدیم ۱۱/ ۲۸۰، جدید ڈابھیل ۱۶/ ۸۶)

قال عليه السلام: من اشترى سرقة وهو يعلم أنها سرقة، فقد شرك في عارها، وإثمها. (شعب الإيمان، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٣٨٩، رقم: ٥٥٠٠، المصنف لابن أبي شيبة، جديد موسسة العلوم القرآن بيروت ١١/ ٣٣٨، رقم: ٢٢٤٩٥)

قال: هي لي ظلمني فلان وغصبها مني، فأخذتها منه لا ينبغي للسامع أن يشترى منه؛ لأن الغصب أمر مستنكر. (هندية، كتاب الكراهية، الباب الأول، الفصل الثاني في العمل بخير الواحد في المعاملات، زكريا قديم ٥/ ٣١١، جديد ٥/ ٣٥٩، البحرالرائق، فصل في البيع، كوئٹه ٨/ ٢٠٠، زكريا ٨/ ٣٦٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۲۱/۶/۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۷۶۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۶/۱۴ھ

چوری کی لکڑی کی خرید وفروخت اور عددوں کو تیار کرنے پر مزدوری لینا

سوال [۸۷۱۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (الف) ہمارے شہر میں لکڑی میں صنعت کاری کا کام ہوتا ہے، مختلف قسم کی لکڑیاں آتی ہیں، ان کو چیر کران کا عدد تیار ہوتا ہے، پھر اس کو فیشن وغیرہ کر کے تھیلی اور ڈبہ میں پیک کر کے باہر بھیجا جاتا ہے، ان ہی لکڑیوں میں ایک لکڑی نمبر دو کی آتی ہے، جو کہ گورنمنٹ کی ہوتی ہے۔ اور چوری سے کاٹ کر لائی جاتی ہے، اور چوری ہی سے بکتی ہے، چوری ہی سے چیری جاتی ہے، پکڑے جانے پر جرمانہ بھی ہوتا ہے اور بے عزتی بھی ہوتی ہے اور یہ لکڑی مناسب قیمت پر ملتی ہے، تو کیا اس لکڑی کو خریدنا جائز ہے یا نہیں؟ بعض لوگ ایسا کرتے

ہیں کہ اس کے کٹے ہوئے عدد ڈبہ یا تھیلی میں پیک تیار مال خرید لیتے ہیں، جب کہ خریدنے والے کو یقینی یہ بات معلوم ہے کہ یہ مال اسی چوری کی لکڑی کا ہے؛ لیکن ایسا خریدنے میں پکڑے جانے کا اور رسوائی کا خطرہ کم ہوتا ہے، تو ایسا مال خریدنا معلوم ہوتے ہوئے جائز ہے یا ناجائز ہے؟

(ب): نیز اسی لکڑی کے عددوں کو تیار کرنے پر مزدوری لینا کیسا ہے؟

المستفتی: حافظ فرید احمد نگینہ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: الف: جس لکڑی کے بارے میں یہ یقین ہو کہ وہ چوری کی ہے جیسا کہ سوال میں ہے، تو ایسی لکڑی کو خریدنا اور بیچنا دونوں ناجائز ہے۔

إن علم أن العين التي يغلب على الظن أنهم أخذوها من الغير بالظلم قائمة وباعوه في الأسواق، فإنه لا ينبغي شراءه منهم، وإن تداولته الأيدي.

(طحطاوي على الدر، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، كوئٹه ٤/ ١٩٢)

ب: چوری کی لکڑی کے عددوں کو تیار کرنے پر مزدوری لینا جائز ہے؛ کیوں کہ یہ اپنے کام کی اجرت ہے، چوری میں شرکت نہیں ہے۔

ولو آجر نفسه ليعمل في الكنيسة ويعمرها لا بأس به؛ لأنه لا معصية في عين العمل. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، كراچی ٦/ ٣٩٢، زكريا ٩/ ٥٦٢)

ولأبي حنيفة وأبي يوسف وكسر الحطب ...... بإيقاع الفعل على المحل بالتجافي، ولكن الكل فيه سواء في صفة الحل شرعاً، فلهذا جاز الاستئجار عليه. (مبسوط سرخسي، دارالكتب العلمية بيروت ١٦/ ٤٠)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲/۱/۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۴۰۶)

باغات کی خرید وفروخت

سوال [۸۷۲۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: آم کے باغ کی فصل کو پھول یا پھل آنے سے قبل ہی ایک سال، دو سال یا اور زیادہ عرصہ کے لئے فروخت کیا جائے، پچھلے طویل عرصے سے ہم اپنے باغ کی فصل اسی طرح فروخت کرتے آئے ہیں کہ ماہ ستمبر، اکتوبر میں دوسال کی فصل فروخت کردی جاتی تھی، جب کہ پھول اور پھل فروری کے مہینے میں نکلتے ہیں، اگرچہ یہ علم تھا کہ اس طرح کی فروخت شرعی طور پر جائز نہیں ہے؛ لیکن چونکہ دستور اور رواج اس طرح کا ہے؛ اس لئے بدرجہ مجبوری اسے فروخت کیا جاسکتا ہے؛ لیکن کسی کتاب کے مطالعہ کے دوران یہ علم ہوا کہ اس طرح کی بیع ناجائز ہے اور اس کی آمدنی حرام ہے، چنانچہ ہم نے ارادہ کیا کہ اس بار ہم اس طرح فروخت نہیں کریں گے۔ جو صاحب ہر سال ہمارے باغ کی فصل لیا کرتے تھے وہ پچاس ہزار روپئے نقد لے کر آئے بطور بیعانہ اور کہا کہ پہلے سال کی فصل سے پہلے ایک لاکھ اور دوسرے سال کی فصل سے پہلے ایک لاکھ یعنی کل ملا کر ڈھائی لاکھ روپئے دوسال کی فصل کے لئے ادا کریں گے؛ لیکن ہم نے انہیں سختی سے منع کردیا کہ اب ہم اس طرح فصل نہیں فروخت کریں گے۔ چنانچہ ہم نے باغ کی دیکھ بھال خود شروع کردی اور جتائی، صفائی، تلائی، کھاد وآب پاشی اور کٹر ون اور بیماریوں کی روک تھام کے لئے دواؤں کا چھڑکاؤ وغیرہ کروایا، جس پر تقریباً -/81,000 (اکیاسی ہزار روپے) خرچ کئے۔ اور فروری اور مارچ میں پھول اور پھل بننے کے بعد اسے فروخت کرنے کا ارادہ کیا، بہت لوگوں سے رابطہ کیا؛ لیکن سب نے ایک ہی جواب دیا کہ دوسال کے لئے دیں گے جیسا کہ دستور ہے، تو لے سکتے ہیں ورنہ نہیں، مجبوراً اپریل کے آخر میں صرف -/20,000 (بیس ہزار روپے) میں اس سال کی فصل فروخت ہوئی، اس طرح پہلے سال کی فصل میں ایک لاکھ تیس ہزار کم ملے اور مبلغ اکیاسی ہزار روپے اپنے پاس سے خرچ کئے، جب کہ بصورت دیگر یہ خرچ خریدار کے ذمہ ہوتا ہے۔

اب موجودہ فصل کے اختتام پر پھر وہی حالات درپیش ہوں گے، اگلے دو سال کی فصل کی فروخت کے لئے، ایسی صورت حال میں ہمیں کیا کرنا چاہئے کہ ہم شرعی احکامات کی خلاف ورزی کے مرتکب نہ ہوں اور ہمیں مالی طور پر خسارہ بھی نہ برداشت کرنا پڑے۔

نیز یہ کہ ماضی میں جو سالہا سال تک ہم سے غلطی سرزد ہوتی رہی اور اس آمدنی کو ہم اپنے استعمال میں لاتے رہے، تو اس کے کفارہ کی کیا صورت ہوسکتی ہے؟ از راہ کرم مفصل اور مدلل جواب تحریر فرما کر ممنون ومشکور فرمائیں اور عنداللہ ماجور ہوں۔ فقط

المستفتی: بذل الرحمٰن فاروقی، قصبہ ڈھکہ تحصیل حسن پور، جے پی نگر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ شروع سے آخر تک پڑھا گیا ہے، باغ کی خرید وفروخت کا جو دستور چلا آرہا ہے، وہ شرعی طور پر جائز نہیں ہے، اس کے لئے متبادل شکل یہی ہے کہ باغ کی فروختگی کے ساتھ مع زمین کے دو سال کے لئے معاملہ طے کیا جائے کہ جس میں خریدار کو اس باغ کے دائرہ میں کسی بھی چیز کے کاشت کرنے کی اجازت ہو اور باغ کے بیچ بیچ میں جو خالی جگہ ہو اس میں جو چیز بھی پیدا ہوسکتی ہے خریدار ان جگہوں میں کوئی بھی چیز بو کر پیداوار حاصل کر سکے، اس طرح زمین سمیت دو سال کے لئے فروخت کر دیا جائے اور کھیتی کے ساتھ باغ کی دیکھ ریکھ کر کے اس کے پھلوں سے بھی فائدہ اٹھائے، ایسی شکل اختیار کرنا جائز ہے؛ لہٰذا آئندہ سے آپ اس طرح معاملہ کر سکتے ہیں اور پچھلے سالوں میں جو معاملہ کیا گیا ہے اس سے اللہ سے توبہ کرلیں، اللہ پاک بندوں کی توبہ قبول کرتے ہیں۔

(مستفاد: ایضاح النوادر، ص: ۴۷، انوار رحمت، ص: ۱۸۰)

عن جابر بن عبدالله – رضي الله عنه– قال: نهى النبي ﷺ عن بيع الثمار حتى يبدو صلاحها. (صحيح البخاري، الزكوة، باب من باع ثماره أو نخله ١/ ٢٠١، رقم: ١٤٦٥، ف: ١٤٨٧، صحيح مسلم، البيوع، باب النهي عن بيع الثمار قبل بدو صلاحها، النسخة الهندية ٢/ ٧، بيت الأفكار، رقم: ١٥٣٤، سنن أبي داؤد، البيوع،

باب بيع الثمار قبل أن يبدو صلاحها، النسخة الهندية ٢/ ٤٧٨، دارالسلام، رقم: ٣٣٦٧)

ومن استاجر أرضا على أن يكربها ويزرعها ويسقيها فهو جائز.

(هداية، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، اشرفی دیوبند ٣/ ٣٠٦، البحرالرائق، کوئٹه ٨/ ٢٤، زكريا ٨/ ٤٣، درمختار مع الشامي، کراچی ٦/ ٦٠، زكريا ٩/ ٨٢)

وإن استأجر دارا سنة بعشرة دراهم جاز، وإن لم يبين قسط كل شهر من الأجرة. (هداية، أشرفي ديوبند ٣/ ٣٠٢)

قال الله تعالىٰ: ﴿إِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فَأُولٰٓئِكَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا﴾.

[النساء: ١٧] فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳ر شعبان ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۷۸)

بدوصلاح سے قبل پھلوں کی خرید وفروخت

سوال [۸۷۲۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرے ایک عزیز نے باغ کی بہار اس کے مول (پھول) پر ہی فروخت کردی، بغیر دریافت کئے، جب کہ شرعی حیثیت سے خرید وفروخت ناجائز ہے، میں اپنے حصہ کی رقم کو کس مد میں خرچ کروں؟

(۱) اس کو اپنے خرچ میں کروں یا نہیں؟ اگر کی جائے تو کس طرح؟

(۲) مکان کی مرمت میں ہوسکتی ہے یا نہیں؟

(۳) اس کے علاوہ جس مد میں خرچ ہوسکتی ہو تحریر فرمائیں، تاکہ اس وقت کی پکڑ سے محفوظ رہوں، اس کے لئے جو شرعی حیثیت ہو تحریر فرمائیں۔ فقط

المستفتی: محمد حنیف لاجپت نگر، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ میں درج شدہ صورت میں جانبین پر واجب ہے کہ عقد کو فسخ کر کے مشتری ثمن واپس کر لے اور مالک باغ واپس کرے، نہ مالک کو ثمن میں تصرف جائز ہے اور نہ مشتری کو باغ میں تصرف جائز؛ اس لئے مذکورہ رقم باغ کا مالک واپس کر کے مشتری کو لوٹانے کے علاوہ کوئی اور شکل نہیں، جب باغ میں پھل ظاہر ہو جائے تو دوبارہ عقد شرعی کر سکتے ہیں۔

عن جابر بن عبداللّٰه –رضي اللّٰه عنه– قال: نهى النبي ﷺ عن بيع الثمار حتى يبدو صلاحها. (صحيح البخاري، الزكوة، باب من باع ثماره أو نخله ١/ ٢٠١، رقم: ١٤٦٥، ف: ١٤٨٧، صحيح مسلم، البيوع، باب النهي عن بيع الثمار قبل بدو صلاحها، النسخة الهندية ٢/ ٧، بيت الأفكار، رقم: ١٥٣٤، سنن أبي داؤد، البيوع، باب بيع الثمار قبل أن يبدو صلاحها، النسخة الهندية ٢/ ٤٧٨، دارالسلام، رقم: ٣٣٦٧)

منها: أن يكون موجودا فلا ينعقد بيع المعدوم (وقوله) وكذا بيع الثمر والزرع قبل ظهوره؛ لأنهما معدوم، وإن كان بعد الطلوع جاز. (بدائع الصنائع، كتاب البيوع، فصل وأما الذي يرجع على المعقود عليه، كراچی ٥/ ١٣٨، زكريا ٤/ ٣٢٦)

وقوله: روى عن النبي عليه الصلاة والسلام، أنه نهى عن بيع الثمار قبل بدو صلاحها. الخ (بدائع الصنائع، كراچی ٥/ ١٣٨، زكريا ٤/ ٣٢٦)

صرح الفقهاء بأن من اكتسب مالا بغير حق، فإما أن يكون كسبه بعقد فاسد كالبيوع الفاسدة –إلى قوله– ففي جميع الأحوال المال الحاصل له حرام عليه (وقوله) يجب عليه أن يرده على مالكه. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، مطبع سهارنپور ١/ ٣٧، دارالبشائر الإسلاميه بيروت ١/ ٣٥٩، تحت رقم الحديث: ٥٩)

فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللّٰہ عنہ
۱۹؍ رجب ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۱۸/۳۴)

بہارانبہ کی فصل کی خرید وفروخت

سوال [۸۷۲۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: باغ بہارانبہ کی فصل قبل فصل آنے سے بیچنا جائز ہے یا نہیں؟ کیا اس آمدنی سے حج بیت اللہ کا سفر کرنا درست ہوگا؟

المستفتی: راشد نگم قاضی سرائے

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: فصل آنے سے پہلے باغات کے پھل بیچنا ناجائز ہے؛ البتہ آم وغیرہ چونکہ اس کے پھل ایک مرتبہ میں نہیں پکتے؛ لہٰذا ان کو بعض پھل آنے کے بعد فروخت کرنا جائز ہے اور ناجائز اور حرام طریقہ سے حاصل کردہ مال سے حج واجب نہیں ہوتا ہے؛ لیکن حج کرلے تو ادا ہو جاتا ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۳/۱۰۲، احسن الفتاوی ۶/۴۸۶)

عن جابر بن عبدالله –رضي الله عنه– قال: نهى النبي ﷺ عن بيع الثمار حتى يبدو صلاحها. (صحيح البخاري، الزكوة، باب من باع ثماره أو نخله ١/ ٢٠١، رقم: ١٤٦٥، ف: ١٤٨٧، صحيح مسلم، البيوع، باب النهي عن بيع الثمار قبل بدو صلاحها، النسخة الهندية ٢/ ٧، بيت الأفكار، رقم: ١٥٣٤، سنن أبي داؤد، البيوع، باب بيع الثمار قبل أن يبدو صلاحها، النسخة الهندية ٢/ ٤٧٨، دارالسلام، رقم: ٣٣٦٧)

بيع الثمار قبل الظهور لا يصح إتفاقا، فإن باعها بعد أن تصير منتفعا بها يصح. (الهندية، كتاب البيوع، الباب التاسع في ما يجوز بيعه وما لا يجوز، زكريا قديم ٣/ ١٠٦، جديد ٣/ ١٠٧، الدر المختار، كتاب البيوع، مطلب في بيع الثمر والزرع والشجر مقصودا، كراچی ٤/ ٥٥٥، زكريا، ٧/ ٨٥)

ولو برز بعضها دون بعض لا يصح في ظاهر المذهب، وأفتى الحلواني بالجواز، وتحته في الشامية: فحيث تحققت الضرورة هنا أيضا

أمكن الحاقة بالمسلم للضرورة. (شامي، كراچی ٤/ ٥٥٥-٥٥٦، زكريا ٧/ ٨٥-٨٦)

لا يجب بالمال الحرام لكن لو حج به جاز. (مجمع الأنهر، كتاب الحج، قديم ١/ ٢٦١، جديد دارالكتب العلمية بيروت ١/ ٣٨٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۳۵۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۷/ ۶/ ۱۴۱۸ھ

باغ خریدنے کی جائز اور ناجائز شکلیں

سوال [۸۷۲۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص نے پھل آنے سے پہلے ہی باغ خریدا۔ شکل نمبر ا/ پھول ابھی نہیں آیا ہے۔ شکل نمبر ۲/ پھول آچکا ہے، یا پھل تو آچکا ہے؛ لیکن نہایت چھوٹے چھوٹے ہیں، جو کسی کام میں نہیں آسکتے، لوگ ایسا کرتے ہیں؛ اس لئے عرض ہے کہ مذکورہ دونوں شکلیں شریعت کی رو سے جائز ہے یا ناجائز۔ اور جواز کی کیا صورت ہوسکتی ہے؟

المستفتی: افسر علی خان بلند شہری، معرفت ظفر دارک بدایوں

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: (ا) باغ کی ایسی فصل کو خریدنا جس میں ابھی درخت پر پھول بھی نہیں آیا ہے، یا صرف پھول آچکا ہے درست نہیں ہے؛ اس لئے کہ یہ شئ معدوم کی بیع کے دائرہ میں داخل ہوکر ناجائز اور باطل ہے۔ (فتاوی رشیدیہ قدیم ۴۹۸، جدید زکریا ۴۷۶)

عن جابر بن عبدالله -رضي الله عنه- قال: نهى النبي ﷺ عن بيع الثمار حتى يبدو صلاحها. (صحيح البخاري، الزكوة، باب من باع ثماره أو نخله ١/ ٢٠١، رقم: ١٤٦٥، ف: ١٤٨٧، صحيح مسلم، البيوع، باب النهي عن بيع الثمار قبل بدو صلاحها، النسخة الهندية ٢/ ٧، بيت الأفكار، رقم: ١٥٣٤)

فلم ينعقد بيع المعدوم وماله خطر العدم كالحمل واللبن في الضرع والثمر قبل ظهوره. (شامي، كتاب البيوع، مطلب شرائط البيع أنواع أربعة، كراچی ٤/ ٥٠٥، زكريا ٧/ ١٥)

أما قبل الظهور فلا يصح إتفاقا. (شامي، مطلب في بيع الثمر والزرع والشجر مقصودا، زكريا ٧/ ٨٥، كراچی ٤/ ٥٥٥، هندية قديم ٣/ ١٠٦، جديد ٣/ ١٠٧)

(۲) دوسری شکل یہ ہے کہ معاملہ طے ہوچکنے کے بعد دوبارہ خریدار مالک سے یہ اجازت لے لے کہ پکنے تک کے لئے ہمارے پھل آپ کے درخت پر رہیں گے اور مالک زبانی اجازت دے دے، تب پکنے تک کے لئے جائز ہے۔

ولو اشتراها مطلقا وتركها بإذن البائع طاب له الفضل. (هداية، اشرفي ديو بند ٣/ ٢٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۴؍ جمادی الاخریٰ ۱۴۲۵ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۴۸۳)	۲۴/۷/ ۱۴۲۵ھ

پھل آنے سے قبل باغات کی خرید وفروخت

سوال [۸۷۲۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے یہاں قصبہ ککرالہ ضلع بدایوں میں امرودوں کی فصل بہت زیادہ ہوتی ہے۔ اور ایک سال میں امرودوں کی دو فصلیں آتی ہیں اور دونوں فصلیں پھل آنے سے پہلے ہی بک جاتی ہیں۔ دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ یہ خرید وفروخت جائز ہے یا نہیں؟ کچھ پرہیزگار لوگ پھل آنے کے انتظار میں رہتے ہیں؛ لیکن تب تک سب باغ فروخت ہوجاتے ہیں، اس حال میں ہم لوگ کیا کریں؟ جب کہ ہمارے یہاں یہی کاروبار ہے، تو پھل آنے سے پہلے بیچنا کیسا ہے؟ خریدنے والا گنہگار ہے یا نہیں؟

المستفتی: ابن علی خان جامعہ مراکیٹ، بدایوں

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: پرہیزگار لوگ جو عمل کرتے ہیں وہ صحیح ہے، شریعت اسلامی میں باغات میں پھل آنے سے قبل ان کی فصل فروخت کرنا ناجائز اور بیع فاسد ہے؛ اس لئے کہ یہ شئ معدوم کی بیع ہے، جو کہ شرعاً جائز نہیں ہے۔ اور پھل آنے سے قبل فروختگی کے جواز کی یہ شکل ہوسکتی ہے کہ چھ ماہ یا سال بھر کے لئے باغات مع زمین کے کرایہ پر دے دئے جائیں اور اس درمیان میں لینے والے کو یہ اختیار بھی دیا جائے کہ زمین میں کوئی چیز بو کر اس کی پیداوار سے فائدہ اٹھائے اور ساتھ ساتھ باغ میں جو پھل آئے گا وہ بھی کرایہ دار کی ملکیت میں ہوجائے گا۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۱/ ۷۴)

عن جابر بن عبدالله –رضي الله عنه– قال: نهى النبي ﷺ عن بيع الثمار حتى يبدو صلاحها. (صحيح البخاري، الزكوة، باب من باع ثماره أو نخله ١/ ٢٠١، رقم: ١٤٦٥، ف: ١٤٨٧، صحيح مسلم، البيوع، باب النهي عن بيع الثمار قبل بدو صلاحها، النسخة الهندية ٢/ ٧، بيت الأفكار، رقم: ١٥٣٤)

ومن استأجر أرضا على أن يكربها ويزرعها ويسقيها فهو جائز. (هداية، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، اشرفی دیو بند ٣/ ٣٠٦، البحرالرائق، كوئٹه ٨/ ٢٤، زكريا ٨/ ٤٣، درمختار مع الشامي، كراچی ٦/ ٦٠، زكريا ٩/ ٨٢)

نیز پھل آنے کے بعد فروخت کرنے میں بھی معاملہ طے ہوجانے کے بعد مالک اپنی زبان سے یہ کہہ دیا کرے کہ میں آپ کو پھلوں کے پکنے تک کے لئے درختوں پر چھوڑ دینے کی اجازت دیتا ہوں۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۱/ ۷۵)

ولو اشتراها مطلقا وتركها بإذن البائع طاب له الفضل. (هداية، اشرفي ديو بند ٣/ ٢٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/ رمضان المبارک ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۵۸۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۸/ ۹/ ۱۴۱۴ھ

پھل آنے سے قبل باغ کی بیع وشراء کی جائز اور ناجائز صورت

سوال [۸۷۲۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) ہم اپنی زمین جس میں باغ ہے؛ لیکن کچھ نہ کچھ اس میں پیدا ہوسکتا ہے، اجرت پر دینا چاہتے ہیں، مثلاً بیس بیگہ زمین مع باغ ایک سال کے لئے پندرہ ہزار روپئے میں اور کچھ جنس آم دو کوئنٹل فصل میں طے کرتے ہیں، الحمدللہ باغ میں پھل خوب آتا ہے، کیا اس طرح معاملہ کرنا جائز ہے؟

(۲) یا دوسری شکل پھل آنے سے قبل معاملہ طے کرلیا، مثلاً پندرہ ہزار میں اور کچھ آم دو کوئنٹل، جب کہ یہ بیع درست نہیں ہے۔ اور جب پھل بن کر تیار ہوگیا اس وقت اس سے کہا کہ وہ بیع درست نہیں تھی؛ اس لئے اب ہم دو ہزار روپئے کم کرکے تیرہ ہزار میں معاملہ کرتے ہیں، جس کی حقیقت صرف ایک حیلہ کی ہے، کیا یہ شکل جواز کے لئے صحیح ہے؟

المستفتی: غیاث الدین، مرادآبادی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) جس زمین میں باغ لگا ہوا ہے، اس کو ایک سال کے لئے مع باغ پندرہ ہزار روپئے کرایہ پر دینا جس میں مشتری کو اس درمیان باغ کے پھلوں کے ساتھ ساتھ زمین میں پیداوار وغیرہ کے ذریعہ فائدہ حاصل کرنے کا مکمل اختیار ہو شرعاً درست ہے؛ اس لئے کہ اس صورت میں اصل عقد اور معاملہ زمین کی کرایہ داری کا ہے اور باغ اس کے تابع ہے۔ اور پندرہ ہزار روپئے کے ساتھ بائع کی طرف سے دو کوئنٹل آم کی بات جزو ثمن وقیمت کے درجہ میں ہوکر اس وقت جائز ہے، جب کہ اس باغ کے آم ہونے کی شرط نہ لگائی جائے؛ بلکہ مشتری کو اختیار رہے کہ وہ کہیں سے بھی دے اور آم کی نوع وقسم بھی متعین کرلی جائے (مثلاً چوسہ، دسہری وغیرہ) ہونا، تاکہ جھگڑے وغیرہ کی نوبت نہ آئے، تو ایسی صورت میں دو کوئنٹل آم کی بات درست ہے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۱/ ۵۷، فتاوی محمودیہ قدیم ۱۱/ ۲۸۶، جدید ڈابھیل ۱۶/ ۷۰۱)

ومن استأجر أرضا على أن يكربها ويزرعها ويسقيها فهو جائز. (هداية، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، اشرفی ديوبند ٣/ ٣٠٦، البحرالرائق، كوئٹه ٨/ ٢٤، زكريا ٨/ ٤٣، درمختار مع الشامي، كراچی ٦/ ٦٠، زكريا ٩/ ٨٢)

ولا يجوز أن يبيع ثمرة، ويستثنى منها أرطالا معلومة. (هداية، أشرفي ديوبند ٣/ ٢٧)

وكل شرط لا يقتضيه العقد وفيه منفعة لأحد المتعاقدين …… يفسده. (هداية، أشرفی ديوبند ٣/ ٥٩)

(۲) پھل آنے سے قبل فصل کو فروخت کرنا جائز نہیں ہے؛ اس لئے کہ یہ شئی معدوم کی بیع ہے، جو شرعاً درست نہیں ہے، نیز سوال میں ذکر کردہ حیلہ اس وقت درست ہے جب کہ پہلے سابقہ عقد فاسد کو مکمل ختم کر دیا جائے اور اس کو ختم کرنا لازم ہے، اس کے بعد از سر نو فصل کا معاملہ کریں، اب جس مقدار پر جانبین رضا مند ہو جائیں اس پر فروخت کرنا جائز ہے؛ لیکن اگر صرف بائع کی طرف سے تیرہ ہزار کی بات ہو اور مشتری کو منظور نہ ہو یا مشتری کی طرف سے ہو اور بائع کو منظور نہ ہو، تو یہ بیع تراضی کے نہ ہونے کی وجہ سے درست نہ ہوگی۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۱/ ۷۵)

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا تَأْكُلُوْا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ. [النساء: ٢٩]

فلم ينعقد بيع المعدوم وماله خطر العدم كالحمل …… والثمر قبل ظهوره. (شامي، البيوع، مطلب شرائط البيع، أنواع أربعة، كراچی ٤/ ٥٠٥، زكريا ٧/ ١٥)

إن التراضي من الجانبين لا يدل عليه الإيجاب وحده بل هو مع القبول. (شامي، مطلب القبول قد يكون بالفعل، وليس من صور التعاطي، كراچی ٤/ ٥٠٧، زكريا ٧/ ١٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۷/ ربیع الثانی ۱۴۲۲ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۷۱۷۴)	۱۴۲۲/۴/۱۸ھ

پھل آنے سے پہلے ان کی بیع کا حکم

سوال [۸۷۲۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: آج کل عام آموں کی یا ان پھلوں کی جن کی بیع پھل کے آنے سے پہلے ہی ہو جاتی ہے، تو ایسے پھلوں کی بیع جائز ہے یا نہیں؟ اور ان پھلوں کو خریدیں یا نہیں؟ دوسری بات یہ ہے کہ اگر مالک بیع مجہول کرے اور بیع مجہول کرتے وقت کچھ ڈالی اپنے لئے متعین کرلے کہ ہم کو اتنے من آم دینے ہیں، اب مالک بطور ہدیہ لائے یا خود استعمال کرے، تو جائز ہے یا نہیں؟ نیز ایک صاحب یہ کہتے ہیں کہ اب تقریباً ننانوے فیصد بیع مجہول ہے؛ لہٰذا بازار کے آم بھی استعمال کرنا جائز نہیں۔ ''للأ کثر حکم الکل''۔

اور ایک بات یہ ہے کہ جو پھل بازار میں آئے اور متعین طور پر معلوم ہے کہ ان کی بیع ناجائز ہے، مثلاً کسی رشتہ دار کا ہے، یا ہم آم وغیرہ خریدنے کے لئے ایسے باغ میں جائیں جن کے بارے میں متعین طور پر معلوم ہو کہ اس کی بیع ناجائز ہوتی تو ایسے آموں کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: حافظ محمد فرحت تجوید القرآن، بلندشہر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کئی کئی سال پہلے فصل فروخت کردینا جائز نہیں ہے؛ اس لئے کہ یہ شئ معدوم کی بیع ہے، جو کہ ناجائز ہے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۱/ ۷۵)

عن جابر بن عبداللہ –رضي اللہ عنه– قال: نهی النبي صلی اللہ علیه وسلم عن بیع الثمار حتی یبدو صلاحها. (صحیح البخاري، الزکوة، باب من باع ثماره أو نخله ۱/ ۲۰۱، رقم: ۱٤٦٥، ف: ۱٤۸۷)

فلم ینعقد بیع المعدوم وماله خطر العدم کالحمل، واللبن في الضرع، والثمر قبل ظهوره. (شامي، کتاب البیوع، مطلب شرائط البیع، أنواع أربعة، زکریا ۷/ ۱۵، کراچی ٤/ ٥۰٥)

ہاں البتہ اگر باغ مع زمین کئی سال کے لئے کرایہ پر لے لیتا ہے وراس میں کھیتی کرتا ہے، تو باغ زمین کے تابع ہوکر عقد کے اندر داخل ہوجائے گا، پھراس میں دیکھ ریکھ اور پھلوں کی پرورش کرکے پھل حاصل کرتا ہے، تو اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہے؛ اس لئے کہ اصل عقد زمین کی کرایہ داری کا ہے، باغ اس کے تابع ہے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ا/ ۵۷)

ومن استاجر أرضا على أن يكربها ويزرعها ويسقيها فهو جائز.

(هداية، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، اشرفي ديو بند ٣/ ٣٠٦، البحرالرائق، كوئٹه ٨/ ٢٤، زكريا ٨/ ٤٣، درمختار مع الشامي، كراچی ٦/ ٦٠، زكريا ٩/ ٨٢)

اوراگر بائع کچھ آموں کی مقدار کواس طرح متعین کرتا ہے کہ فصل کی جتنی قیمت ہے اس کے علاوہ اتنے من آم بھی دینا پڑے گا، خواہ وہ آم کی کوئی بھی قسم ہو، تو ایسی صورت میں آم جزو ثمن میں داخل ہوکر جائز ہوجائے گا۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۱۱/ ۲۸۶، جدید ڈابھیل ۱۶/ ۱۰۱)

اوراگراسی باغ کا آم ہونا متعین کرے تو یہ جائز نہیں ہے۔

وكل شرط لا يقتضيه العقد وفيه منفعة لأحد المتعاقدين ...... فسد.

(هداية، أشرفي ديوبند ٣/ ٥٩)

ولا يجوز أن يبيع ثمرة، ويستثنى منها أرطالا معلومة. (هداية، أشرفي ديو بند ٣/ ٥٩)

باغات کی جوخرید وفروخت ہوتی ہے وہ عام طور پر پھل آنے سے پہلے ایک دوسال کے لئے ہوتی ہےاوراس طرح کا عقد شرعاً عقد فاسد ہے، جو کہ واجب الاسترداد ہے؛ لیکن پھر باغبان سے جوتھوک بھاؤ کے خریدار ہوتے ہیں ان کا عقد شرعاً صحیح اور درست ہے، اس کے بعد بازاروں، منڈیوں میں جو پھل آتے ہیں تو وہ جائز عقد کے بعد آتے ہیں، پھراس کے بعد بازاروں منڈیوں میں جوخرید وفروخت کرتے ہیں وہ تمام صحیح اور درست ہے؛ اس لئے بازاروں سے پھلوں کوخرید کرکھانا بلاتردد جائز اوردرست ہے۔

فإن باعه المشتري نفذ بيعه؛ لأنه ملكه فملك التصرف فيه، وسقط

حق الاسترداد، ولتعلق حق العبد بالثاني، ونقض الأول لحق الشرع، وحق العبد مقدم لحاجته؛ ولأن الأول مشروع بأصله دون وصفه، والثاني مشروع بأصله ووصفه (وتحته في البناية) وإذا باعه المشتري ليس للبائع إبطاله، وعلى المشتري القيمة أو المثل إن كان مثليا، ويطيب ذلك الملك للثاني؛ لأنه ملكه بعقد صحيح. (بناية، باب البيع الفاسد، فصل في أحكامه، قديم ٣/ ١١٣، جديد أشرفيه ٨/ ٢٠٣، فتح القدير، دارالفكر بيروت ٦/ ٤٦٦، كوئٹه ٦/ ٩٨، زكريا ديوبند ٦/ ٤٢٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۷۰۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۵/۲۸ھ

پھل آنے سے پہلے فروخت کئے گئے باغوں کے پھلوں کا حکم

سوال [۸۷۲۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: باغات جواب عام طور پر پھل آنے سے پہلے گویا پتوں پر خریدے گئے ہوں، ان کی اس فروخت کے باعث ان کے آم کا کھانا جائز ہے یا ناجائز حرام ہے، یا کراہت، کراہت ہے، تو تحریمی یا تنزیہی؟

المستفتی: مولوی محمد ظریف قاسمی، امام جامع مسجد میوادہ نوادہ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر بور اور پھل آنے سے قبل باغ فروخت کیا جائے جیسا کہ ہمارے ہندوستان کے اکثر علاقوں میں رائج ہے، تو اس طرح باغ کے پھلوں کو فروخت کرنا شرعاً جائز نہیں ہے؛ اس لئے کہ جانبین میں سے ہر ایک کے ذہن میں یہ بات ہوتی ہے کہ اصل عقد اس پھل پر ہو رہا ہے کہ جس کے پیدا ہونے کی امید ہے۔ اور ایسی مبیع کا وجود

لازم اورشرط ہے؛ اس لئے ناجائز اوربیع فاسد ہوجاتی ہے، ہاں البتہ اس کی متبادل شکل یہ ہوسکتی ہے کہ زمین مع پیڑوں کے ایک سال یا دوسال کے لئے کرایہ پر دے دے، پھراس درمیان باغ کی زمین میں سبزی وغیرہ کوئی بھی چیز بودے اور پیڑوں کی خدمت بھی کرتا رہے،تو ایسی صورت میں کھیتی اور باغ کے پھل سب خریدار کے لئے جائز ہوجائیں گے۔ (مستفاد: انواررحمت/۱۸۰)

عن جابر بن عبدالله –رضي الله عنه– قال: نهى النبي صلى الله عليه وسلم عن بيع الثمار حتى يبدو صلاحها. (صحيح البخاري، الزكوة، باب من باع ثماره أو نخله ١/ ٢٠١، رقم: ١٤٦٥، ف: ١٤٨٧)

ومن استاجر أرضا على أن يكربها ويزرعها ويسقيها فهو جائز. (هداية، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، اشرفی دیوبند ٣/ ٣٠٦، البحرالرائق، کوئٹه ٨/ ٢٤، زكريا ٨/ ٤٣، درمختار مع الشامي، كراچی ٦/ ٦٠، زكريا ٩/ ٨٢)

وفي القنية: استأجر أرضا سنة على أن يزرع فيها ماشاء فله أن يزرع فيها زرعين ربيعيا و خريفيا. (البحرالرائق، باب مايجوز من الإجارة وما يكون خلافا فيها، كوئٹه ٨/ ١٠، زكريا ٨/ ١٨، هندية زكريا قديم ٤/ ٤٧١، جديد ٤/ ٥١١)

نیز اگر متبادل شکل اختیار نہیں کی ہے اورعقد فاسد کا معاملہ ہوجانے کے بعد باغ والوں سے جب دوسرے لوگ خرید کر بازار میں لاکر فروخت کریں گے،تو عام لوگوں کے لئے ان سے خرید کر کھانا جائز اور حلال ہے، یعنی پہلا عقد فاسد ہوا۔ اور یہ بعد میں جوسلسلہ وار ایک دوسرے سے خریداری ہوئی ہے وہ جائز ہے۔

فإن باعه المشتري بالشراء الفاسد نفذ بيعه؛ لأنه ملكه فملك التصرف فيه، وسقط حق الاسترداد لتعلق حق العبد بالثاني، ونقض الأول لحق الشرع، وحق العبد مقدم لحاجته؛ (هداية، أشرفي ديوبند ٣/ ٦٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍رجب ۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۰۶۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴؍۷؍۱۴۲۷ھ

پھلوں کی فروختگی میں پہلا عقد فاسد ہونے کے بعد دیگر عقود کا صحیح ہو جانا

سوال [۸۷۲۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر پھلوں کی فروختگی کا معاملہ ہو چکا ہے اور یہ عقد فاسد ہوا ہے، اب اس عقد کے بعد خریدار نے پھلوں کو توڑ کر قبضہ کرلیا اور مالک بن گیا اس کے بعد باغ والے نے آڑھت والوں کے ہاتھ آموں کو فروخت کر دیا، تو سوال یہ ہے کہ آڑھت والوں کے ہاتھ جو معاملہ ہوا ہے، یہ فاسد ہے یا یہ عقد صحیح ہو چکا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مشتری نے جب عقد فاسد میں پھلوں کو توڑ کر قبضہ کرلیا تو وہ ان کا مالک بن گیا؛ لہٰذا اب اگر یہ کسی دوسرے کو یہ پھل بیچے گا تو یہ عقد صحیح ہوگا اور اس کے بعد جتنے عقد ہوں گے تیسرا، چوتھا عقد سب صحیح ہوں گے۔

فإن باعه، أي باع المشتري ما اشتراه شراء فاسدا بيعا صحيحا نفذ بيعه؛ لأنه ملكه فملك التصرف فيه، وسقط حق البائع الأول في الاسترداد. (فتح القدير، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، فصل في أحكامه، اشرفي ٦/ ٤٢٧، دارالفكر بيروت ٦/ ٤٦٦، كوئٹه ٦/ ٩٨)

فإن باعه المشتري نفذ بيعه؛ لأنه ملكه، فملك التصرف فيه.

(هداية، أشرفي ديوبند ٣/ ٦٥، بناية نعميه أشرفيه ديوبند ٨/ ٢٠٣)

يكره للمشتري أن يتصرف فيما اشترى شراء فاسدا بتمليك وانتفاع، فإن تصرف فيه كالبيع أو ما أشبه ذلك نفذ تصرفه ولم ينفسخ.

(تاتارخانية، زكريا ٨/ ٤٥٤، رقم: ١٢٤٧٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/۴/۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۴۷۶)

’’بیع عرایا‘‘ کی تفسیر میں ائمہ حدیث اور فقہاء کا اختلاف

سوال [۸۷۲۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ’’عرایہ‘‘ کے کیا معنی ہیں؟ اور ’’عرایا‘‘ کی تفسیر میں ائمہ محدثین کا اور فقہاء کا کیا اختلاف ہے اور اس پر فریقین کے دلائل اس کے جواب کیا ہیں؟

المستفتی: مولانا الطاف الرحمٰن صاحب مدرس مدرسہ امداد الغرباء رام نگر، ضلع پورنیہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حضرات محدثین عام طور پر ’’عرایا‘‘ کی تین تفسیریں مذاہب کے اعتبار سے پیش کرتے ہیں:

(۱) حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کچھ لوگ فقیر نادار تھے، جن کے پاس تو کھجوریں خریدنے کے لئے پیسہ نہیں تھا، مگر کھانے کو جی چاہتا تھا، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی شکایت کی گئی تو بیت المال سے ان کو خشک کھجور ملتی تھی، اس کے بدلے میں اندازہ کر کے تازہ کھجور خریدنے کے لئے اجازت دے دی جو ابھی درخت پر ہے؛ لیکن یہ معاملہ پانچ وسق (ساڑھے دس کنٹل) سے زائد میں نہ ہو؛ لہٰذا امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک عرایا بیع کی قسم میں سے ہے۔

(۲) حضرت امام مالکؒ کے نزدیک یہ ہے کہ کسی کے باغ میں دوسرے شخص کے صرف ایک یا دو درخت ہوں اور اہل مدینہ کی عادت تھی کہ موسم میں بیوی بچوں کو باغ میں لے کر جا کر فروکش ہو جاتے تھے اب جس کے ایک دو درخت ہیں اس کی آمد ورفت صاحب باغ کی عورتوں کی ایذا وتکلیف کا باعث بن جاتی تھی؛ اس لئے صاحب باغ یہ کہہ دیتا کہ تمہارے درخت پر جو تازہ کھجور ہے اس کے عوض میں مجھ سے خشک خرما لے جاؤ اور یہاں مت آیا کرو؛ لہٰذا امام مالک کے نزدیک بھی عرایا بیع کی قسم سے ہے۔

(۳) امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کے نزدیک ’’عریہ‘‘ بمعنی عطیہ کے ہے، موسم میں جن کے

پاس باغ وپیسہ نہ ہوتے ان کو اہل باغ ایک دو درخت بطور عطیہ دے دیا کرتے، اور جب موہوب لہ کے آنے جانے پر واہب کو ایذا ہوتی تو واہب وعدہ سے بچنے کے لئے درخت کی تازہ کھجور کے بدلہ میں خشک کھجور فروخت کر دیتے؛ لہٰذا امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک بیع نہیں بلکہ ہبہ اور عطیہ ہے۔ دلائل اور تفصیل ''بذل المجہود'' میں ملاحظہ ہوں: (بذل المجهود، كتاب البيوع، باب في العرايا، مطبع سهارنپور ٤/ ٢٤٩، دارالبشائر الإسلاميه بيروت ١١/ ٦١، فيض الباري، كوئٹه ٣/ ٢٤٤، هداية، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد أشرفي ديوبند ٣/ ٥٣، عويصات ٢/ ١٢٧) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍ ربیع الثانی ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۶۳۸)

ایسے باغات کی خریداری کا حکم جن کی زمین میں کاشت نہیں ہوتی

سوال [۸۷۳۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے یہاں عام طور سے آم کے باغوں کی خرید وفروخت دو سال یا تین سال کے لئے پیشگی ہوتی ہے اور باغ کا مالک اس شخص کو جس نے باغ خریدا ہے، باغ کی زمین میں کاشت کرنے کی بھی اجازت دیتا ہے؛ لیکن حقیقت یہ ہے کہ باغ کے خریدنے والے اصل میں باغ خریدتے ہیں؛ اس لئے کہ بہت سے باغ ایسے ہوتے ہیں کہ ان میں کاشت نہیں ہوتی، آیا ایسی صورت میں ان باغوں کی خرید وفروخت کرنا درست ہے یا نہیں مطلع فرمائیں کرم ہوگا۔ فقط والسلام

المستفتی: احقر سلیم الدین غفرلہ، خادم جامع مسجد سہسپور، ضلع بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر دو سال یا تین چار سال کے لئے باغ خریدا ہے اور

باغ کی زمین اس لائق ہے کہ باضابطہ اس میں کھیتی کی جاسکتی ہے، تو مالک باغ سے مستقل زمین کو کرایہ پر لینے کی گفتگو کی جائے اور ساتھ میں یہ بھی طے کرلیا جائے کہ پیڑ کی پیداوار کرایہ دار کی ہوگی تو ایسی صورت میں دو تین سال کے لئے زمین اور پیڑ کو کرایہ پر لینے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔ اور اگر باغ کی زمین کھیتی کے قابل نہیں ہے، تو پھر زمین میں کھیتی کی شرط لگانا بے فائدہ ہے۔

ومن استاجر أرضا على أن يكربها ويزرعها ويسقيها فهو جائز.

(هداية، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، اشرفی دیو بند ۳/ ۳۰۶، البحرالرائق، کوئٹه ۸/ ۲٤، زكريا ۸/ ٤٣، درمختار مع الشامي، کراچی ٦/ ٦٠، زكريا ٩/ ٨٢)

وإن استاجر دارا سنة بعشرة دراهم جاز، وإن لم يبين قسط كل شهر من الأجرة. (هداية، أشرفي ديوبند ۳/ ۳۰۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍ ربیع الثانی ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۳۴۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۷/ ۴/ ۱۴۲۵ھ

کئی سال کے لئے باغات کو ٹھیکہ پر لینا

سوال [۸۷۳۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے علاقہ میں اکثر باغات کئی کئی سال کے ٹھیکہ پر لوگ خرید لیتے ہیں، جتنے سالوں کے لئے باغ خریدا تھا وہ مدت پوری ہوجانے پر باغ کے مالک کو باغ واپس مل جاتا ہے۔ معلوم یہ کرنا ہے کہ اس طرح کئی کئی سال کے ٹھیکہ پر باغات کی خرید وفروخت جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز نہیں ہے، تو اس طرح کے باغات کے پھل کھانا ناجائز ہے یا نہیں؟ صحیح صورت حال خرید وفروخت کی کیا ہے؟

المستفتی: عبدالرشید قاسمی سیڈھا، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: باغات کی خریداری کا مقصد پیدا ہونے والے پھلوں کی خریداری ہے اور یہ شئ معدوم کی خریداری ہوتی ہے؛ اس لئے حضرات فقہاء نے اس کو بیع فاسد میں شمار کیا ہے؛ البتہ باغبان کے ہاتھوں سے آڑھت والوں کا خریدنا اور پھر آڑھت والوں سے بازار والوں کا خریدنا یہ سب بلا تردد جائز اور درست ہے، اس میں کراہت بھی نہیں ہے۔

فإن باعه المشتري نفذ بيعه؛ لأنه ملكه فملك التصرف فيه، وسقط حق الاسترداد لتعلق حق العبد بالثاني، ونقض الأول لحق الشرع، وحق العبد مقدم لحاجته؛ (هداية، أشرفي ديوبند ٣/ ٦٤)

اورکئی سال کے لئے باغات کی خریداری کے جواز کے لئے متبادل شکل یہ ہے کہ مع زمین کے لے لے اور اس درمیان میں باغبان اس زمین میں کوئی بھی چیز بوکر کے فائدہ اٹھالے تو ایسی صورت میں تبعاً اس درمیان پیڑوں میں جو کچھ پھل پیدا ہوسکتا ہے وہ باغبان کے لئے حلال ہوجائے گا، اس طریقہ سے کئی سالوں کی خریداری کا مسئلہ جواز کے دائرے میں آسکتا ہے۔ (مستفاد: انوار رحمت، ص: ۱۸۰)

ومن استأجر أرضا على أن يكربها ويزرعها ويسقيها فهو جائز.

(هداية، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، اشرفی ديوبند ٣/ ٣٠٦، البحرالرائق، كوئٹه ٨/ ٢٤، زكريا ٨/ ٤٣، درمختار مع الشامي، كراچی ٦/ ٦٠، زكريا ٩/ ٨٢) **فقط واللہ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/۱۰/۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۱۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۹/۱۰/۱۴۲۷ھ

باغ کی فصل فروخت کرنے کا حکم

سوال [۸۷۳۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: میں اپنے باغ آم وامرود، ناشپاتی، لیمو، بیل وغیرہ ان فصلوں کو دو سال کے لئے فروخت کر دیتا ہوں۔ اور ہمارے علاقہ میں خریدار اسی طرح لیتے ہیں، امسال واسطہ نہیں پڑا، لیتے میں ان میں سے ہر قسم کی ڈالی بھی طے کر لیتا ہوں۔

المستفتی: محمد عقیل خان غازی آبادی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس طرح سے باغوں کی بیع جائز نہیں۔ صحیح طریقہ یہ ہے کہ زمین کو ٹھیکہ پر لے لیا جائے، اس کے بعد جو پھل ہوں گے وہ بھی جائز ہوں گے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۴/۱۷۴، جدید ڈابھیل ۱۶/۱۰۱)

عن جابر بن عبدالله –رضي الله عنه– قال: نهى النبي صلى الله عليه وسلم عن بيع الثمار حتى يبدو صلاحها. (صحيح البخاري، الزكوة، باب من باع ثماره أو نخله ١/ ٢٠١، رقم: ١٤٦٥، ف: ١٤٨٧)

بيع الثمار قبل الظهور لا يصح إتفاقا، فإن باعها بعد أن تصير منتفعا بها يصح. (الهندية، كتاب البيوع، الباب التاسع في ما يجوز بيعه وما لا يجوز، الفصل الثاني زكريا قديم ٣/ ١٠٦، جديد ٣/ ١٠٧، الدر المختار، كتاب البيوع، مطلب في بيع الثمر والزرع و الشجر مقصودا، كراچی ٤/ ٥٥٥، زكريا، ٧/ ٨٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۲۰/۲/۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۰۳۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۲/۱۹ھ

پانچ کوئنٹل آم کے عوض باغ فروخت کرنے کا حکم

سوال [۸۷۳۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مالکان باغ بہار باغ لینے والے سے یہ طے کر لیتے ہیں کہ پوری فصل میں پانچ کوئنٹل

آم ہمارے یہاں پہنچانے ہیں، بہار باغ خریدار یومیہ آم پہنچا کر پوری فصل میں پانچ کوئنٹل آم طے شدہ پورا کرتا ہے، مالکان باغ کا اس طرح سے آم طے کرنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: اقبال احمد، شیرکوٹ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مالکان باغ کا خریداروں سے اس طرح آم طے کر کے لینا جائز نہیں ہے؛ البتہ اگر کسی خاص اور معین درخت کو بوقت خرید وفروخت الگ کرلیا جائے تو اس کے جواز میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (مستفاد: امدادی الفتاوی ۳/ ۹۸)

ولا يجوز أن يبيع ثمرة ويستثني منها أرطالا معلومة، خلافا لمالك بخلاف ما إذا باع واستثنى نخلا معينا؛ لأن الباقي معلوم بالمشاهدة. (هداية، كتاب البيوع، اشرفي ديوبند ۳/ ۲۷، عناية مع الفتح، دارالفكر بيروت ٦/ ۲۹۱، كوئٹه ٥/ ٤٩٢، زكريا ٦/ ٢٦٩، الجوهرة النيرة، إمداديه ملتان ۱/ ۲۳۱، دارالكتاب ديوبند ۱/ ۲۲٥، تاتارخانية، زكريا ۸/ ۳۹۳، رقم: ۱۲۲۷۸) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۶/ جمادی الاولی ۱۴۱۹ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۷۳۶)	۱۴۱۹/۵/۶ھ

بیس کوئنٹل آم پر باغ فروخت کرنے کا حکم

سوال [۸۷۳۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: باغ مالک فصل لینے والے سے یہ طے کرلیتے ہیں کہ بہار سے فصل میں بیس کوئنٹل آم مثلاً ہمارے گھر پہنچائے، اب فصل لینے والا روزانہ تھوڑے تھوڑے آم دے کر طے شدہ آم پورے کرتا ہے، تو کیا مالک فصل سے آم متعین کر کے فصل لینے والے سے آم گھر منگا سکتا ہے؟ یہ شکل جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: حاجی ضمیر احمد شیرکوٹ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مالکان باغ کا خریداروں سے اس طرح آم طے کرکے لینا جائز نہیں ہے؛ البتہ اگر کسی خاص اور معین درخت کو بوقت بیع الگ کرلیا جائے تو اس کے جواز میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (مستفاد: اِمداد الفتاوی ۳/ ۹۵)

ولا يجوز أن يبيع ثمرة ويستثني منها أرطالا معلومة، خلافا لمالک بخلاف ما إذا باع واستثنى نخلا معينا؛ لأن الباقي معلوم بالمشاهدة. (هداية، كتاب البيوع، اشرفي ديو بند ۳/ ۲۷، فتح القدير، دارالفكر بيروت ٦/ ۲۹۱، كوئٹه ٥/ ٤٩٢، زكريا ٦/ ٢٦٩، الجوهرة النيرة، إمداديه ملتان ١/ ٢٣١، دارالكتاب ديو بند ١/ ٢٢٥، تاتارخانية، زكريا ٨/ ٣٩٣، رقم: ١٢٢٧٨) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/ رجب ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۵۸۴۷)

''احتکار'' کا مطلب

سوال [۸۷۳۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ''احتکار'': حاجت شدید ہونے پر لفظ حالت شدید کن حالات میں استعمال کیا گیا ہے؟ (۱) اپنی حاجت (۲) قحط سالی (۳) سرکاری غلہ پر پابندی (۴) یا غرباء کی روزمرہ کی حاجات شدیدہ ہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ''احتکار'' کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کوئی شخص غلہ کو اپنے گودام میں اسٹاک کرکے رکھے اور غلہ بازار میں بالکل نایاب ہو اور وہ شخص پھر بھی اپنا غلہ گودام نہیں کھولتا ہے، تو اس کو احتکار کہتے ہیں۔ اور اگر وہی غلہ بازار میں سستا یا مہنگا دستیاب ہے، تو اس

شخص کا اپنے گودام میں مہنگا ہونے تک رکھنا احتکار نہیں ہے، جس کی شریعت میں ممانعت آئی ہے اور اس میں دارالحرب، دارالاسلام اور جمہوریت کا کوئی فرق نہیں ہے۔

الاحتكار هو افتعال من حكر أي حبس، والمراد حبس الأقوات متربصا للغلاء. (حاشية: ٦ على الهداية، كتاب الكراهية، فصل في البيع، اشرفی دیو بند ٤/ ٤٧٠، حاشیه نووی علی المسلم، کتاب المساقاة والمزارعة، باب تحريم الاحتكار فی الأقوات ٢/ ٣١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۳/ ذیقعدہ ۱۴۲۵ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۶۰۴)	۱۴۲۵/۱۱/۱۳ھ

احتکار کی ممانعت کا مصداق

سوال [۸۷۳۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عوام الناس میں معروف ومشہور ہے کہ چالیس دن سے زائد غلہ کا اسٹاک کرنا منع ہے، کیا یہ درست ہے؟ اس کا ثبوت شریعت مطہرہ سے مل سکتا ہے؟ اس کا حکم خاص مواقع پر ہے یا خاص ملک کے لئے ہے؟

المستفتی: شرف الدین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عوام الناس میں جو مطلقاً ممانعت کی شہرت ہوگئی ہے وہ درست نہیں ہے؛ بلکہ اس کی صورت یہ ہے کہ جب غلہ مارکیٹ میں دستیاب ہو، جب چاہے مارکیٹ سے خرید کر ضرورت پوری کی جاسکتی ہے، تو ایسے حالات میں اگر کوئی شخص مہنگا ہونے پر بیچنے کے لئے ذخیرہ اندوزی کرتا ہے، تو بلا کراہت جائز ہے، یہ احتکار کے دائرہ میں داخل نہیں۔ اور اگر کسی نے ذخیرہ اندوزی کرکے رکھ لیا ہے اور مارکیٹ منڈیوں میں غلہ ختم ہوگیا

ہے اور ختم ہونے کے باوجود یہ شخص اپنا اسٹاک جاری نہیں کرتا ہے، تو یہ شرعاً احتکار کی ممانعت میں داخل ہے، جو شریعت میں جائز نہیں ہے۔

وإن اشترى في ذلك المصر وحبسه ولا يضر بأهل المصر لا بأس به، كذا فى التاتارخانية. (عالمگيري، كتاب البيوع، الباب العشرون في البياعات المكروهة، فصل في الاحتكار، زكريا قديم ۳/ ۲۱۳، جديد ۳/ ۲۰۰، درمختار مع الشامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، كراچى ٦/ ۳۹۸، زكريا ۹/ ۵۷۱، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ۲۱۳، تاتارخانية زكريا ۹/ ٤١٤، رقم: ١٣٧٥٤)

وقال أبو يوسف: كل ما أضر بالعامة حبسه فهو احتكار. (هداية، أشرفى ديوبند ٤/ ٤٧٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۷۲۲۸)

بغرضِ تجارت ذخیرہ اندوزی کرنا

سوال [۸۷۳۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ذخیرہ اندوزی بغرضِ تجارت اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ ہماری معلومات کے مطابق اس غرض سے ذخیرہ کیا جائے کہ قلت کے وقت اشیاء زیادہ منافع سے فروخت کی جائیں، اس کا شرعی حکم واضح کیجئے۔

المستفتی: مولوی محمد الطاف احمد نگر، مہاراشٹر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر بستی میں یہ اشیاء بکثرت موجود ہیں اور اس شخص کے خریدنے سے کوئی تنگی پیش نہیں آئی اور موسم ختم ہو جانے پر ان کو گراں فروخت کرتا ہے، تو یہ جائز ہے، اس پر کوئی گناہ نہیں ہے۔

وإن اشترى في ذلک المصر وحبسه ولا يضر بأهل المصر لا بأس به، كذا في التاتارخانية ناقلا عن التجنيس. (عالمگيري، كتاب البيوع، الباب العشرون في البياعات المكروهة، فصل في الاحتكار، زكريا قديم ۳/ ۲۱۳، جديد ۳/ ۲۰۰، درمختار مع الشامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، كراچی ۶/ ۳۹۸، زكريا ۹/ ۵۷۱، مجمع الأنهر، كتاب الكراهية، دارالكتب العلمية بيروت ۴/ ۲۱۳، تاتارخانية زكريا ۹/ ۴۱۴، رقم: ۱۳۷۵۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶/۵/۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۲/۶۱۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۶/۵/۱۴۲۶ھ

غلہ کی ذخیرہ اندوزی کر کے فروخت کرنے کا حکم

سوال [۸۷۳۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید ہمیشہ موسم ارزاں میں غلے وغیرہ خرید کر اسٹاک کر لیتا ہے، پھر کچھ مہینوں کے بعد یعنی موسم گراں میں نفع کی زیادتی کے ساتھ فروخت کر دیتا ہے، ایسا کرنا مسئلہ کی رو سے کیسا ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب سے نوازیں۔

المستفتی: محمد اقبال صدیقی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر زید غلہ سستا خرید کر ذخیرہ اندوزی کرتا ہے اور اہل شہر کو اس کی وجہ سے کوئی پریشانی لاحق نہیں ہوتی ہے، تو پھر زید کا یہ عمل جائز ہے، ورنہ جائز نہیں۔

عن عمر بن الخطاب –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله ﷺ: الجالب مرزوق، والمحتكر ملعون. (سنن ابن ماجة، التجارات، باب الحكرة والجلب، النسخة الهندية ۱/ ۱۵۶، دارالسلام، رقم: ۲۱۵۳)

ویکره الاحتکار في أقوات الآدميين والبهائم إذا كان ذلک في بلد يضر الاحتكار بأهله، وكذلک التلقي، فأما إذا كان لا يضر فلا بأس به.

(هداية، كتاب الكراهية، فصل في البيع، أشرفی ديوبند ٤/ ٤٧٠، البحرالرائق، زكريا ديوبند ٨/ ٣٧٠، كوئٹه ٨/ ٢٠١، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٢١٣، شامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل فی البيع، كراچی ٦/ ٣٩٨، زكريا ٩/ ٥٧١، تاتارخانية، زكريا ٩/ ٤١٤، رقم: ١٣٧٥٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۳۰۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۵/۲۲ھ

اناج اسٹاک کرکے رکھنے کا حکم

سوال [۸۷۳۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک آدمی نے ۱۰۰؍ روپئے من چاول یا کوئی چیز اس ارادہ سے خرید کر رکھی ہے کہ کچھ دنوں کے بعد ۱۵۰؍ روپئے من فروخت کرے گا، کیا ایسا کرنا درست ہے؟ کیا اس صورت میں غریب محتاج کو ستانا متصور ہوگا یا نہیں؟ مہربانی فرما کر جواب عنایت فرمادیں۔

المستفتی: محمد جسیم الدین محلّہ بر ولان، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر پورے علاقہ میں وہ چیز بالکل نایاب ہوجائے تو ناجائز ہے، حکام کو زبردستی فروخت کروانا جائز ہے، اگر عام لوگوں کو نقصان نہیں پہنچتا ہے تو جائز ہے، اگر جمع کرکے رکھنے والا مال فروخت کرنے کے باوجود بھاؤ میں کوئی خاص زیادتی نہیں کرتا ہے، تو غریب محتاج کو ستانا نہیں سمجھا جائے گا۔

عن عمر بن الخطاب –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله ﷺ:

الجالب مرزوق، والمحتكر ملعون. (سنن ابن ماجة، التجارات، باب الحكرة والجلب، النسخة الهندية ١/ ١٥٦، دارالسلام، رقم: ٢١٥٣)

وكره احتكار قوت البشر، كتبن وعنب، ولوز، والبهائم كتبن وقت في بلد يضر بأهله. (الدرالمختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، كراچی ٦/ ٣٩٨، زكريا ٩/ ٥٧١)

وإذا رفع إلى القاضي هذا الأمر يأمر المحتكر ببيع ما فضل عن قوته وقوة أهله على اعتبار السعة في ذلک، وينهاه عن الاحتكار، فإن رفع إليه مرة أخرى حبسه وعزره على ما يرى زجرا له، ودفعا للضرر عن الناس. (هداية، كتاب الكراهية، فصل في البيع، أشرفی ديوبند ٤/ ٤٧١، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٢١٣، تاتارخانية، زكريا ٩/ ٤١٥، رقم: ١٣٧٥٦)

وإن اشترى في ذلک المصر وحبسه، ولا يضر بأهل المصر لا بأس به. (هندية، كتاب البيوع، الباب العشرون فصل في الاحتكار، زكريا قديم ٣/ ٢١٣، جديد ٣/ ٢٠٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍شعبان ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۸۳۷)

زیادتی ثمن کے لئے پہلے خریدار سے معاملہ ختم کرنے کا حکم

سوال [۸۷۴۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) زید نے اپنی زمین فروخت کرنے کا معاملہ ایک غیر مسلم خریدار سے طے کیا تھا؛ لیکن محض قانونی رکاوٹوں کی وجہ سے بیع کی تکمیل نہیں ہوسکی؛ چونکہ زید پر قرض کا بہت بار ہوگیا تھا، اس کی فوری ادائیگی کے لئے زمین بیچنا چاہتا تھا، بیع کی تکمیل میں کافی وقت لگ گیا اور قرض کا بار زید پر اور بڑھ گیا، اب صورت حال یہ ہے کہ پہلے زمین کی جو قیمت طے

ہوئی تھی اس رقم میں اب کل قرض کی ادائے گی بھی نہیں ہوسکتی، ادھر قرض خواہوں کی طرف سے بھی سخت تقاضہ ہے، اب ایک دوسرا خریدار ہے جو پہلے طے شدہ قیمت سے زیادہ رقم دے رہا ہے، جس میں پورے قرض کی ادائے گی ہوجائے گی؛ لہٰذا اگر پہلے خریدار سے معاملہ ختم کرکے دوسرے خریدار کو زمین دے دی جائے تو شرعاً اس کی گنجائش ہوسکتی ہے، پہلے خریدار کا تو کوئی نقصان نہیں ہوگا، اگر زید ایسا نہیں کرتا تو کئی قرض خواہوں کا قرض ادا کرنے کی کوئی شکل نہیں ہے۔ اوران تقاضوں سے ذلت وپریشانی کا بھی سخت خطرہ ہے، نیز کھانے پینے کے گذارے کے لئے بھی زید کے پاس کوئی اور ذریعہ نہیں ہے، بالکل اضطراری کیفیت وحالت میں پہلے معاملہ کو ختم کرکے دوسرے خریدار سے معاملہ کرنا چاہتا ہے، اس کے متعلق شرعی حکم سے مطلع فرمائیں۔

(۲) اگر کوئی شخص ایسا معاملہ کرچکا ہے، تو اب اس کی تلافی کی کیا شکل ہوسکتی ہے؟

المستفتی: عبدالرحمٰن

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: (۱) اگر زید کا معاملہ اس غیر مسلم کے ساتھ طے ہوچکا ہے اوراس کا معاہدہ بھی ہوچکا ہے، پھر زیادہ قیمت میں دوسرے کے ہاتھ بیچنے کے لئے اس غیر مسلم سے بدعہدی کرنا شرعاً جائز نہیں ہے اور بدعہدی کی وجہ سے زید گناہ گار ہوگا، ہاں البتہ زیادہ قیمت دینے کے لئے وہ غیر مسلم ازخود راضی ہوجاتا ہے، تو بدعہدی کا گناہ نہیں ہوگا۔

عن ابن عمر –رضي الله عنه– قال: سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول: لكل غادر لواء ينصب بغدرته. (بخاري، كتاب الجزية والموادعة ۱/ ۴۵۲، رقم: ۳۰۸۴، ف: ۳۱۸۸)

والصلح بعد الشراء (درمختار) وفي الشامي: وقيده في القنية بأن يكون الثاني أكثر ثمنا من الأول أو أقل أو بجنس آخر، وإلا فلا يصح.

(شامي، كتاب الصلح ۸/ ۴۱۷، زكريا ديوبند كراچی ۵/ ۶۳۶)

(۲) اگر کسی شخص نے ایسا معاملہ کرلیا ہے تو اس کی تلافی کی یہی شکل ہے کہ جس کے ساتھ

اس طرح کی بدعہدی کر لی ہے، اس کو کسی بھی طریقے سے راضی کر کے اس سے معافی تلافی کر لے۔

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله ﷺ: من كانت له مظلمة لأخيه من عرضه أو شيء، فليتحلله منه اليوم قبل أن لا يكون دينار ولا درهم، إن كان له عمل صالح أخذ منه بقدر مظلمته، وإن لم يكن له حسنات أخذ من سيئات صاحبه، فحمل عليه. (بخاري، كتاب المظالم، باب من كانت له مظلمة عند الرجل ١/ ٣٣١، رقم: ٢٣٨٥، ف: ٢٤٤٩، مشكوة ٢/ ٤٣٥)

إن كانت المعصية لحق آدمي فلها ركن رابع، وهو التحلل من صاحب ذلك الحق. (شرح النووي على مسلم، كتاب التوبة ٢/ ٣٥٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵؍ رجب ۱۴۳۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۷۷۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۵؍ ۷؍ ۱۴۳۰ھ

سرکاری باغ سے لکڑی چوری کر کے مکتب میں فروخت کرنا

سوال [۸۷۴۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) لوگ سرکاری باغ سے لکڑی چوری کر کے بیچ رہے ہیں اور ایسی لکڑی کو خرید کر کے لوگ پنجگانہ اور اسلامی مکتب میں استعمال کرتے ہیں، تو اس میں نماز اور تعلیم جائز ہوگی یا نہیں؟

(۲) چوری کا مال جان بوجھ کر اور نہ جان بوجھ کر خریدنا کیسا ہے؟

المستفتی: نور الزماں آسامی مدرس جامعہ اسلامیہ محمودیہ بنگال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱-۲) سرکاری باغات جن کی منجانب حکومت حفاظت ہوتی ہے، ان کے درختوں کی لکڑی چوری کر کے بیچنا شرعاً جائز نہیں ہے۔ اور چوروں سے جان بوجھ کر کے ایسی لکڑیاں خرید کر مدارس اور مکاتب میں ٹپائی وغیرہ کی شکل میں استعمال کرنا بھی جائز

نہیں ہے، ہاں البتہ اگر خریدنے والوں کو چوری کا علم نہیں ہے، تو ایسی حالت میں لکڑیوں کو خرید کر مدارس اور مکاتب کے استعمال میں کوئی گناہ نہیں ہے؛ بلکہ گناہ چور کے اوپر ہوگا۔

قال عليه السلام: من اشترى سرقة وهو يعلم أنها سرقة، فقد شرك في عارها، وإثمها. (شعب الإيمان، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٣٨٩، رقم: ٥٥٠٠، المصنف لابن أبي شيبة، جديد موسسة العلوم القرآن بيروت ١١/ ٣٣٨، رقم: ٢٢٤٩٥)

بخلاف الأشجار؛ لأن الكلأ مالا ساق له، والأشجار لها ساق فلا تدخل فيه حتى جاز بيعها إذا نبتت في أرضه. (عالمگيري، كتاب البيوع، الباب التاسع فيما يجوز بيعه وما لايجوز، الفصل الثاني في بيع الثمار، زكريا قديم ٣/ ١١٠، جديد ٣/ ١١١)

ويدخل في الكلأ جميع أنواع ما ترعاه المواشي رطبا كان أو يابسا، بخلاف الأشجار؛ لأن الكلأ مالا ساق له، والشجر لها ساق فلا تدخل فيه حتى يجوز بيعها إذا نبتت في أرضه لكونها ملكه. (البحر الرائق، باب البيع الفاسد، زكريا ٦/ ١٢٧، كراچی ٦/ ٧٨، شامي، كراچی ٥/ ٦٦، زكريا ٧/ ٢٥٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم رجب ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۷۲۶۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱/ ۷/ ۱۴۲۲ھ

جانتے ہوئے چوری کا سامان خریدنا مکروہ

سوال [۸۷۴۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص یہ جانتے ہوئے کہ یہ سامان چوری کا ہے، پھر اس کو خریدتا ہے تو کیا یہ چوری کا سامان جاننے کے باوجود خریدنا جائز ہے، جب کہ کچھ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ اس میں کوئی حرج نہیں، صحیح مسئلہ کیا ہے؟ واضح فرمادیں، عین نوازش ہوگی۔

المستفتی: محمد اسحاق بیر پور تھان، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس چیز کے متعلق یہ معلوم ہے کہ یہ چوری کی ہے تو اس کے خریدار کو حدیث شریف میں چوری میں شریک ہونے والا بتایا گیا ہے۔اور جو لوگ یہ کہہ رہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے وہ غلط ہے۔حدیث شریف ملاحظہ فرمایئے:

عن أبي هريرة –رضی اللہ عنہ– عن النبي ﷺ قال: من اشترى سرقة وهو يعلم أنها سرقة، فقد شرك في عارها، وإثمها. (شعب الإيمان، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٣٨٩، رقم: ٥٥٠٠، المصنف لابن أبي شيبة، جديد موسسة العلوم القرآن بيروت ١١/ ٣٣٨، رقم: ٢٢٤٩٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ رشوال ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۶۸۶/۴۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۹/۱۰/۱۴۲۵ھ

پتنگ اور پٹاخوں کی تجارت کا حکم

سوال [۸۷۴۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) مسلمان کے لئے حلال پتنگ، پٹاخے کی تجارت جائز ہے یا نہیں؟ اور ان روپیوں کا استعمال مسلمان کے لئے حلال ہے یا نہیں؟

(۲) اگر مسلمان تاجر سے پتنگ یا پٹاخے کوئی غیر مسلم خریدے تو کیا حکم ہے؟ مع حوالہ تحریر فرمائیں۔

المستفتی: محمد قاسم گجراتی، شریک دار الافتاء مدرسہ ہٰذا

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱-۲) پتنگ اور پٹاخے کی تجارت تعاون علی المعصیت کی وجہ سے مکروہ ہیں۔اور اس سے حاصل شدہ روپئے حضرت امام ابوحنیفہ کے نزدیک حلال اور پاک ہیں۔اور امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک مکروہ ہے؛ کیوں کہ فساد دونوں میں

مشترک ہے اور اس زمانہ میں فتویٰ اور عمل حضرات صاحبین کے قول پر ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۴/۲۴۳)

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ [المائدة: ٢]

ومستفاد من الدر المنتقى: ومن حمل لذمي خمرا بأجر طاب له عند الإمام، وعندهما يكره للإعانة. (الدر المنتقى، كتاب الكراهية، فصل في الكسب، دار الكتب العلمية بيروت ٤/ ١٨٨، قديم ٢/ ٥٣٠، شامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، كراچی ٦/ ٣٩٢، زكريا ٩/ ٥٦٢، تبيين الحقائق، إمداديه ملتان ٦/ ٢٩، زكريا ديوبند ٧/ ٦٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍محرم الحرام ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۲۰۸۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۱/۱/۸ھ

تصویر والے کپڑوں کی تجارت

سوال [۸۷۴۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید ٹی شرٹ اور ریڈی میڈ کپڑوں وغیرہ کی تجارت کرتا ہے، جس میں مختلف قسم کی تصویریں بنی ہوئی ہیں، ان کپڑوں کی تجارت کرنا کیسا ہے؟

المستفتی: حشمت الحق متعلم مدرسہ امدادیہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: فی نفسہ تصویر بنانا تو قطعاً حرام ہے، اور کپڑوں میں عام طور پر جو تصویریں بنی ہوئی ہیں، ان کی وجہ سے ان کپڑوں میں نماز پڑھنا تو ممنوع ہے، مگر ان کپڑوں کا پیسہ حرام نہیں ہے؛ اس لئے کہ اس کی فروختگی سے مقصود مالیت ہوتی ہے، تصویر نہیں؛ اس لئے ایسے کپڑوں کی بیع جائز ہے، مگر چونکہ اس میں تعاون علی المعصیت بھی ہے؛ اس لئے اس کی بیع مکروہ ہوگی۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۱/۸۲، ایضاح المسائل/ ۱۵۶)

وکذا أیضا تستفاد من عبارة آتیة وجاز بیع عصیر عنب ممن یعلم أنه یتخذه خمرا؛ لأن المعصیة لا تقوم بعینه، بل بعد تغیره، وقیل: یکره لإعانته علی المعصیة. (شامي، کتاب الحظر والإباحة، فصل في البیع، زکریا ۹/ ۵٦۰-۵٦۱، کراچی ٦/ ۳۹۱، البحرالرائق، کتاب الکراهیة، فصل في البیع، زکریا ۸/ ۳۷۱، کوئٹه ۸/ ۲۰۲، هدایة، أشرفي دیوبند ٤/ ٤۷۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍ جمادی الاولی ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۳۸۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۵/۱۲ھ

مصور زیورات کی خرید فروخت کی شرعی حیثیت

سوال [۸۷۴۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایسے زیورات کی تجارت جس میں بتوں اور مورتیوں کی تصویر ہو، جائز ہے یا نہیں؟ اور اس کی آمدنی حلال ہے یا حرام؟ مدلل ومفصل جواب دیں۔

المستفتی: حبیب الرحمٰن، کلکتہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسے زیورات کی تجارت کرنا جس میں بتوں اور مورتیوں کی تصویر ہو، مسلمان کے لئے سخت مکروہ ہے؛ لیکن اس سے حاصل ہونے والی آمدنی حرام نہیں کہلائے گی؛ البتہ تعاون علی المعصیت کی وجہ سے کراہت کے دائرہ میں آئے گی۔

(مستفاد: ایضاح النوادر، ص: ۸۳)

ما قامت المعصیة بعینه یکره بیعه تحریما، وإلا فتنزیها. (شامي، کتاب الحظر والإباحة، فصل في البیع، کراچی ٦/ ۳۹۱، زکریا ۹/ ۵٦۱)

إن ما قامت المعصیة بعینه یکره بیعه، وما لا فلا. (البحرالرائق، کتاب السیر، باب البغاة، زکریا ۵/ ۲٤۰، کوئٹه ۵/ ۱٤۳)

ولـو كانت من خشب أو صفر جاز اتفاقا فيما يظهر لإمكان الانتفاع بها. (شامي، كتاب البيوع، باب المتفرقات، كراچی ٥/ ٢٢٦، زكريا ٧/ ٤٧٨، الموسوعة الفقهية الكويتية ١٢/ ١٢٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍ربیع الثانی ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۶۶۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۴/۱۸ھ

خنزیر کے برش میں لگنے والے دیگر آلات کا آرڈر لینا

سوال [۸۷۴۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: خنزیر کے برش بنانے والوں کا وہ سامان جو برش سے متعلق ہے، جیسا کہ لکڑی کا دستہ، ٹین کے فول، رنگ یا اس کے ڈلیہ تیار کرکے دینا ان کے آرڈر کو لے کر اجرت لینا کیسا ہے؟

المستفتی: احسان علی صدیقی اصغر منزل شیر کوٹ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر آلات وسامان بنانے والوں کا واحد مقصد خنزیر کے بالوں کے کام کے لئے ہے، تو اعانت علی المعصیت کی وجہ سے مکروہ ہے۔

ولا تكره إجارة بيت بالسواد ليتخذ بيت نار أو كنيسة، أو بيعة أو يباع فيه الخمر عنده، وعندهما يكره؛ لأنه إعانة على المعصية –إلى قوله– ويكره في المثل إجماعا. (ملتقى الأبحر، كتاب الكراهية، فصل في البيع قديم ٢/ ٥٢٩، جديد، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ١٨٦، الدرالمختار كراچی ٦/ ٣٩٢، باب البيع)

اگر بنانے والوں کا واحد مقصد یہ نہیں ہے؛ بلکہ دوسرے کاموں میں بھی یہ آلات مستعمل ہوتے ہیں، تو بلا کراہت جائز ہے۔

كما استفاده من الشامي: ولو آجر نفسه ليعمل في الكنيسة ويعمرها لا بأس به؛ لأنه لا معصية في عين العمل، وحمل خمر ذمي (وقوله) وله أن

الإجارة على الحمل وهو ليس بمعصية، ولا سبب لها، وإنما تحصل المعصية بفعل فاعل مختار، وليس الشرب من ضرورات الحمل؛ لأن حملها قد يكون للإراقة أو التخييل. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، زكريا ۹/ ۵٦۲، كراچی ٦/ ۳۹۱-۳۹۲، مجمع الأنهر، قديم ۲/ ۵۳۰، جديد دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ۸۷، فتاوى قاضي خان زكريا جديد ۲/ ۲۰۵، وعلى هامش الهندية زكريا ۲/ ۳۲٤، الموسوعة الفقهية الكويتية ۳۸/ ۱۵۸، المحيط البرهاني، المجلس العلمي بيروت ۸/ ۷۰، رقم: ۹٦۰۷، تاتارخانية، زكريا ۱۸/ ۱٦۷، رقم: ۲۸۳۷۹)

ولو وقع في ماء قليل نجسه -إلى قوله- وفي زماننا استغنوا عنه أي فلا يجوز استعماله لزوال الضرورة الباعثة للحكم بالطهارة. (شامي، كتاب الطهارة، مطلب في أحكام الدباغة، كراچی ۱/ ۲۰٦، زكريا ۱/ ۳٦۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵؍ ذی الحجہ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۰۲۹)

نجش فی البیع کا حکم

سوال [۸۷۴۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک گاؤں کے چند افراد کا یہ پیشہ ہے کہ دیہاتوں یا شہروں میں جانوروں کی بیع وشراء کے لئے بازار لگتے ہیں، یہ پیشہ ور لوگ ان بازاروں میں جا کر بیل وغیرہ خریدتے ہیں یا اپنے گھروں سے لے جاتے ہیں، اور اپنے ہی ساتھیوں میں سے ایک شخص کو جانوروں کو فروخت کے لئے متعین کردیتے ہیں اور باقی ساتھی اسی جگہ گھومتے پھرتے رہتے ہیں، اور جب کوئی شخص ان بیلوں کو یا جانوروں کو خریدنے آتا ہے، تو باقی ساتھیوں میں سے اس جانور کی قیمت ایک شخص نے زیادہ کر کے لگائی، مثلاً اگر اس کی قیمت سو ہے تو پانچ سو لگائے اور وہ لوگ جو اس جانور کو خریدنے کے لئے کھڑے تھے وہ دھوکہ کھا کر اس بیل کی قیمت پانچ سو یا کچھ کم کر کے دینے

کے لئے تیار ہوجاتے ہیں۔اور وہ بیل والے کے ساتھ قیمت اور بڑھا کر یعنی ساڑھے پانچ سو میں خریدنے کے لئے تیار ہوجاتے ہیں، تو وہ شخص جس کے یہ لوگ ساتھی ہیں، کہتے ہیں کہ میں تمہیں بیل نہیں دے سکتا؛ کیوں کہ تم قصائی ہو، اس کو ذبح کردوگے، میں اسے اپنے کسان بھائیوں کو دوں گا، تو یہ کھڑے ہوئے کسان یہ دھوکہ کھا کر جب قصائی ساڑھے پانچ سو دے رہا ہے، تو کچھ کم کرا کے یا اتنے ہی میں اسے کیوں نہ لیں، پھر یہ کسان لوگ ساڑھے پانچ سو یا چار سو میں خرید لیتے ہیں، اب جو نفع ملتا ہے اس کو یہ سب ساتھی مل کر تقسیم کرلیتے ہیں اور اسی سے گزر بسر کرتے ہیں۔کیا یہ پیشہ اختیار کرنا درست ہے؟ مفصل تحریر فرمائیں عین کرم ہوگا۔

المستفتی: کلیم اللہ سیتا پوری، متعلم جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس طرح کی فروختگی شرعاً مکروہ تحریمی ہے؛ کیوں کہ یہ سخت دھوکہ دہی ہے؛ لیکن پیشہ حلال ہوگا، دھوکہ دہی کی بنا پر گنہگار رہوں گے۔(مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۴/۱۷۰، جدید ڈابھیل ۱۷/۶۲۰)

نهی رسول الله ﷺ عن النجش. (بخاري، كتاب البيوع باب النجش ۱/ ۲۸۷، رقم: ۲۰۹۵، ف: ۲۱۴۲)

لاتفعلوا ذلك وسبب ذلك إيقاع رجل فيه بأزيد من الثمن وهو خداع، والخداع قبيح جاور هذا البيع فكان مكروها. (عناية مع فتح القدير، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، فصل فيما يكره، دارالفكر بيروت ۶/ ۴۷۶، زكريا ۶/ ۴۳۶، كوئٹه ۶/ ۱۰۶، درمختار كراچى ۵/ ۱۰۱، زكريا ۷/ ۳۰۵، البحرالرائق، كوئٹه ۶/ ۹۹، زكريا ۶/ ۱۶۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم ذیقعدہ ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۴۷۰)

۵/ باب حط الثمن وزيادته نقدا ونسيئة

ادھار خرید وفروخت

سوال [۸۷۴۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: گاؤں کے کچھ آدمیوں نے مل کر ایک کمیٹی قائم کی اور کمیٹی والے ایک کوئنٹل چاول دیتے ہیں اور تین مہینہ کے بعد دو ہزار روپئے لیتے ہیں، کیا یہ معاملہ جائز ہے؟ بینوا توجروا

المستفتی: سعید الرحمٰن بھنگنا ماری انچلک دینی تعلیمی بورڈ آسام

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: شریعت میں ادھار خرید وفروخت جائز اور درست ہے؛ لہٰذا ایک کوئنٹل چاول کی ادھار خرید وفروخت اس طرح طے ہو جائے کہ تین مہینے کے بعد دو ہزار روپئے قیمت ادا کریں گے جائز اور درست ہے۔

عن عائشة –رضي الله عنها– أن النبي صلى الله عليه وسلم اشترى طعاما من رجل يهودي إلى أجل ورهنه درعا من حديد. (صحيح البخاري، البيوع، باب شراء النبي صلى الله عليه وسلم بالنسيئة، النسخة الهندية ١/ ٢٧٧، رقم: ٢٠٢١، ف: ٢٠٦٨)

عن ابن عباس –رضي الله عنه– قال: قدم رسول الله صلى الله عليه وسلم المدينة وهم يسلفون بالثمر السنتين والثلاث، فقال رسول صلى الله عليه وسلم: من أسلف في شيء ففي كيل معلوم، ووزن معلوم إلى أجل معلوم. (صحيح البخاري، كتاب السلم، باب السلم في وزن معلوم، النسخة الهندية ١/ ٢٩٩، رقم: ٢١٨٨، ف: ٢٢٤٠)

ويجوز البيع بثمن حال ومؤجل إذا كان الأجل معلوما. (هداية، كتاب البيوع، أشرفی ٣/ ٢١، مختصر القدوري / ٧١، البناية، أشرفيه ٨/ ١٦، اللباب ٢/ ٦)

وصح بثمن حال وهو الأصل، ومؤجل إلى معلوم لئلا يفضي إلى النزاع. (شامي، مطلب فی الفرق بين الأثمان والمبيعات، زكريا ٧/ ٥٢، كراچی ٤/ ٥٣١، مجمع

الأنهر، دارالکتب العلمیة ۳/ ۱۳، مصري قدیم ۲/ ۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۰۸۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱/ ۶/ ۱۴۳۱ھ

ادھار خرید وفروخت کا حکم

سوال [۸۷۴۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے علاقہ شہر بنگلور میں اسٹارٹ منٹ کی لوگ تجارت کرتے ہیں، اس کی شکل یہ ہے کہ عید کے موقع پر کپڑے اور دیگر ضروریات روزانہ کی پیش آمدہ اشیاء چاول وغیرہ گھروں کے پاس گاڑی میں لے کر آتے ہیں، پھر وہ لوگ مارکیٹ سے کچھ زائد رقم پر مبیع کو قرض کے طور پر دے دیتے ہیں، آخر میں جتنا سامان خریدا ہے اس کو ایک کارڈ میں قیمت لکھ کر دے کر ہر ہفتہ یا روزانہ کچھ کچھ رقم لیتے ہیں، مثلاً ۵۰۰/ کا سامان یا تو ہر ہفتہ ۵۰/ روپئے روزانہ ۱۰/ روپئے دینا ہوتا ہے، اگر کوئی قسط میں نہ دے تو مزید مہلت دیتے ہیں، یعنی جتنی مبیع خریدتے وقت قیمت لکھی اتنا ہی لیتے ہیں، زائد کچھ نہیں لیتے، تو کیا یہ شرعاً جائز ہے؛ کیوں کہ اکثر عورتیں اپنے خاوندوں کے پیسے کو اپنے پاس رکھ کر اس طرح قرض لیا کرتی ہیں، تاکہ ہاتھ میں روپئے رہیں، حضرت والا اس کا شرعی حکم بیان کرکے باعث ممنون ہوں مہربانی ہوگی۔

المستفتی: مفتی حسن قادری رائے چوٹی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال میں ذکر کردہ صورت قسطوں پر خرید فروخت ہے، جو شرعاً جائز اور درست ہے۔

البیع مع تأجیل الثمن وتقسیطه صحیح -إلی- یلزم أن تکون المدة معلومة في البیع بالتأجیل والتقسیط إذا عقد البیع علی تأجیل الثمن إلی

كذا يوما أو شهرا. (شرح المجلة، رستم مكتبه اتحاد ١/ ١٢٤-١٢٥، رقم المادة: ٢٤٥-٢٤٦)

ويصح البيع بثمن حال، وهو الأصل، وبثمن مؤجل ولا يثبت الأجل إلا بالشرط ما لم يكن ربويا بأجل معلوم. (الدر المنتقى، كتاب البيوع، دار الكتب العلمية بيروت ٣/ ١٣/ قديم ٢/ ٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۵۴۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۵/۲۹ھ

فائنس کا حکم

سوال [۸۷۵۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید ایک گاڑی فائنس کرانا چاہتا ہے، جس میں زید کو اس وقت گاڑی کی قیمت میں سے ۳۵/ فیصد رقم جمع کرنی ہوگی اور باقی ۶۵/ فیصد رقم ۶/ فیصد بیاج کی در سے چار سال میں قسط وار ادا کرنی ہوگی۔ اور زید اس گاڑی کو کرایہ پر چلائے گا اور جو رقم آمد ہوگی وہ اور اس میں کچھ اور رقم اپنے پاس سے ڈال کر قسط جمع کرے گا۔ اور اگر ایسا نہیں کرتا ہے تو گورنمنٹ کو اتنی رقم کے ٹیکس کے کاغذات اور معلومات چاہئے کہ اتنی رقم کہاں سے آئی اور اس کا ٹیکس جمع کیا یا نہیں؟ تو اس طرح گاڑی فائنس کرانا درست ہے یا نہیں؟ جو اس سے آمد ہوگی وہ جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: انور خوشید نئی بستی، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اس میں جواز اور عدم جواز کا مدار تحریری معاہدہ پر ہے۔ اور تحریری معاہدہ اس طرح لکھا جائے، مثلاً گاڑی کی قیمت ۲/ لاکھ لکھی گئی ہے اور قسطوار ادائے گی میں ڈھائی لاکھ کر دیا گیا اور پچاس ہزار بیاج لکھا گیا، تو اس طرح جائز نہیں، اس کو پچاس ہزار سود دینا لازم ہے، جو باعث لعنت ہے۔ اور اگر تحریری معاہدہ اس طرح لکھا جائے

کہ گاڑی کی کل ادائے گی ڈھائی لاکھ روپئے ہے، جس کی قسط باندھ دی گئی ہے، جس کی ادائے گی دوسال میں ہوگی، تو یہ جائز اور درست ہے، چاہے گاڑی کی قیمت ۲ ؍لاکھ ہی کیوں نہ ہو، ایسی صورت میں یہ سمجھا جائے گا کہ گاڑی ڈھائی لاکھ میں ملی۔ (مستفاد: انوار رحمت/ ۲۱۲، ایضاح النوادر ا/ ۱۰۹)

البيع مع تأجيل الثمن وتقسيطه صحيح -إلى- يلزم أن تكون المدة معلومة في البيع بالتأجيل والتقسيط إذا عقد البيع على تأجيل الثمن إلى كذا يوما أو شهرا. (شرح المجلة، رستم مكتبه اتحاد ١/ ١٢٤-١٢٥، رقم المادة: ٢٤٥-٢٤٦)

البيع لأجل أو بالتقسيط أجاز الشافعية والحنفية والمالكية والحنابلة والجمهور بيع الشيء في الحال لأجل أو بالتقسيط بأكثر من ثمنه النقدي إذا كان العقد مستقلا بهذا النحو، ولم يكن فيه جهالة بصفقة أو بيعة من صفقتين أو بيعتين ...... جاز البيع، وإن ذكر في المساومة سعران سعر للنقد وسعر للتقسيط، ثم تم البيع في نهاية المساومة تقسيطا. (الفقه الإسلامي وأدلته، هدى انٹرنيشنل ديوبند ٤/ ٢٤٢، دارالفكر ٥/ ٣٤٦١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲ ؍رجب ۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۰۵۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۲/ ۷/ ۱۴۲۷ھ

ادھار پر مونجی کی فصل کسانوں سے خریدنے کا حکم

سوال [۸۷۵۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اس وقت مونجی کی فصل کٹنے کے بعد اناج گھر میں آ گیا، تجار حضرات نے اس شرط پر معاملہ شروع کردیا کہ اس وقت اناج کی قیمت ۴۰۰ ؍روپئے ہے، پانچ ماہ کے بعد ہم تم کو ۶۰۰ ؍روپئے اضافہ کے ساتھ دیں گے، خواہ اس وقت بھاؤ جو بھی ہو، پھر پانچ

ماہ بعد وہ اس زائد رقم کے ساتھ خرید کر لے جاتا ہے؛ لہٰذا اس شرط پر خرید وفروخت کرنا درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد فاروق شریف نگر، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مسئولہ میں یہ عقد بیع نہیں ہے؛ بلکہ ایک معاہدہ ہے، اوراس طرح معاہدہ کرنا اور پانچ ماہ بعد اضافہ کے ساتھ خریدنا درست ہے؛ کیوں کہ پانچ ماہ بعد جولین دین ہوگا وہی اصل عقد ہوگا۔

ویجوز للمشتري أن یزید للبائع في الثمن. (هداية، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، فصل أشرفي ٣/ ٧٥، مختصر القدوري ٨١، البناية، أشرفيه ٨/ ٢٥٤، الموسوعة الفقهية الكويتية ٩/ ٢٩)

زيادة البائع في المبيع والمشتري في الثمن، وحط البائع من الثمن بعد العقد يلتحقان بأصل العقد، فكان العقد وقع على ما حصل بعد الزيادة والحط. (شرح المجلة رستم، مكتبه اتحاد ١/ ١٣٣، رقم المادة: ٢٥٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍شعبان ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۹۷۳/۳۲)

قسطوں پر سواری یا سامان کی خریداری

سوال [۸۷۵۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: قسطوں پر سواری یا سامان لینے کا شرعی حکم کیا ہے، جب کہ ایسا کرنے میں بظاہر سود کی شکل نظر آتی ہے؟

المستفتی: زوار احمد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قسطوں پرسواری اور سامان کی بیع اس شرط پر جائز ہے کہ اس میں سود کا معاملہ نہ ہو اور کتنی قسطوں میں اور کتنی مدت میں رقم ادا کرے گا اس کو بھی متعین کرلیا جائے اور جتنی مقدار تمام قسطوں کی بیع کی ہے، خریداری کے وقت میں اسی کی مقدار کی رقم متعین کرلی جائے، مثلاً اگر دو سال میں کل ادائے گی دو لاکھ روپئے کی ہوتی ہے، تو شروع ہی سے گاڑی اور سامان کی قیمت دو لاکھ لگائی جائے اور وقت پر قیمت ادا کرنے کی کوشش کی جائے بس یہی صورت بیع بالتقسیط کی صحیح ہے، باقی تمام شکلیں ناجائز ہیں۔

البيع مع تأجيل الثمن وتقسيطه صحيح. (شرح المجلة، رستم مكتبه اتحاد ۱/ ۱۲٤رقم المادة: ۲٤٥)

البيع لأجل أو بالتقسيط أجاز الشافعية والحنفية والمالكية والحنابلة والجمهور بيع الشيء في الحال لأجل أو بالتقسيط بأكثر من ثمنه النقدي إذا كان العقد مستقلا بهذا النحو، ولم يكن فيه جهالة بصفقة أو بيعة من صفقتين أو بيعتين ...... جاز البيع، وإن ذكر في المساومة سعران سعر للنقد وسعر للتقسيط، ثم تم البيع في نهاية المساومة تقسيطا. (الفقه الإسلامي وأدلته، هدى انٹرنيشنل ديوبند ٤/ ٢٤٢، دارالفكر ٥/ ٣٤٦١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۹؍رجب ۱۴۲۶ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۸۹۰۱)	۱۹؍۷؍۱۴۲۶ھ

گڑ کی بھیلی بازار کی قیمت سے کم یا زیادہ قیمت پر بنانا

سوال [۸۷۵۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) ہمارے یہاں عموماً گڑ کا کاروبار ہوتا ہے، اکتوبر سے مارچ تک گڑ کے کارخانے چلتے ہیں اور اپریل میں کارخانے بند ہوجاتے ہیں، مارچ میں عموماً گڑ کا بھاؤ کم ہوتا

ہےاور جولائی میں گڑ اکثر مہنگا ہو جاتا ہے، زید نے دو ہزار بھیلی سترہ روپئے کے بھاؤ سے ڈالی ہیں، اب بکران بھیلیوں کا خریدار ہے، بکر کا کہنا ہے کہ میں جون کی پہلی کو بیس روپئے کے بھاؤ سے پیسہ ادا کر دوں گا، بکر کا یہ بھی کہنا ہے کہ جولائی تک اگر زید روک سکتا ہے تو جولائی میں جو بھی بھاؤ ہوگا اس سے دوروپئے فی بھیلی کے حساب سے زائد پیسہ دوں گا۔

(۲) گڑ کا کارخانہ چلنے سے پہلے یعنی ستمبر میں کارخانہ والے کچھ رقم بیوپاریوں سے لے لیتے ہیں کہ ہم اس بھاؤ کی بھیلی تمہیں مارچ میں بنادیں گے، مثلاً بھیلی کا بھاؤ بیس روپئے ہوتا ہےاور فریقین آپس میں مشورہ کر کے پندرہ روپئے کے بھاؤ سے سودا کر لیتے ہیں، تو کیا ایسا کرنا جائز ہے؟ ایسا بھی ہوتا ہے کہ کارخانہ والے یہ کہہ کر بھی سودا کرتے ہیں کہ مارچ میں جو بھی بھاؤ ہوگا اس سے دوروپئے کم میں ہم بھیلی بنادیں گے۔

المستفتی: محمد جاوید قاسمی، مدرسہ مفتاح العلوم ڈڑھیال، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کسی چیز کو نقد بیچنے پر کم قیمت لینا اور ادھار بیچنے پر زیادہ قیمت لینا اس وقت جائز ہے، جب کہ مجلس عقد میں قیمت کی مقدار اور ادائے قیمت کی میعاد متعین کر لی جائے ، مذکورہ صورت میں چونکہ یہ دونوں شرطیں موجود ہیں؛ اس لئے بیع درست ہو جائے گی۔

ألا یری! أنه یزاد في الثمن لأجل الأجل. (هداية، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، اشرفي ۳/ ۷٤، المحيط البرهاني، المجلس العلمي ۱۰/ ۱۸۷، رقم: ۱۲۷۳۸، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ۳/ ۱۱۲، مصري قديم ۲/ ۷۸، شرح المجلة رستم مكتبه اتحاد ۱/ ۱۱٤-۱۱۵، رقم المادة: ۲٤۵-۲٤٦)

اور جولائی میں جو بھاؤ ہوگا اس پر دوروپئے زائد فی بھیلی دینے کے حساب سے معاملہ کرنا جہالت ثمن کی وجہ سے جائز نہیں ہے؛ اس لئے کہ ایسی صورت میں جولائی میں کیا بھاؤ ہوگا،

یقین کے ساتھ کسی کو معلوم نہیں ہے؛ اس لئے یہ شکل جائز نہیں ہے۔

رجل باع علی أنه بالنقد بکذا، وبالنسیئة بکذا، وإلی شهر بکذا، وإلی شهرین بکذا لم یجز. (عالمگیري، الباب العاشر: الشروط التي تفسد البیع والتي لا تفسده، زکریا قدیم ۳/ ۱۳٦، جدید ۳/ ۱۳۷)

ستمبر میں کارخانے والے بیوپاریوں سے یہ کہہ کر پیسہ لیں کہ مارچ میں عام طور سے بیس روپئے کا بھاؤ ہوتا ہے، پیشگی پیسہ دینے پر ۱۵/ روپئے فی بھیلی ستمبر میں پیشگی روپئے دے کر معاملہ طے کرلیا جائے اور مارچ ادا کئے گئے روپئے کے بدلے میں فی بھیلی ۱۵/ روپئے کے حساب سے وصول کرنا بیع سلم کے دائرے میں داخل ہو کر جائز ہے، جب کہ ستمبر میں مجلس عقد میں پیسہ کی ادائے گی ہوچکی ہے؛ لیکن ایسا کرنا جائز نہیں ہے کہ پیشگی پیسہ لے کر یہ کہہ دے کہ مارچ میں جو بھی بھاؤ ہوگا اس سے دو روپئے کم میں بھیلی بنا دیں گے؛ اس لئے کہ ثمن کی جہالت کی وجہ سے مسلم فیہ میں بھی جہالت آجاتی ہے، اس لئے یہ شکل جائز نہیں ہے۔

وتحقیقه أن جهالة قدر رأس المال تستلزم جهالة المسلم فیه؛ لأن المسلم إلیه ینفق رأس المال شیئا فشیئا، وربما یجد بعض ذلک زیوفا ولا یستبدله في مجلس الرد، فیبطل العقد بقدر ما رده، فإذا لم یکن مقدار رأس المال معلوما لا یعلم في کم انتقص السلم أو في کم بقي، وجهالة المسلم فیه مفسدة بالإتفاق، فکذا ما یستلزمها. (عنایة علی فتح القدیر، کتاب البیوع، باب السلم، زکریا ۷/ ۸۸، دارالفکر ۷/ ۹۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱٦/ صفر ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۲۵۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱٦/۲/۱۴۲۵ھ

سوسائٹی سے کھاد خریدنے کا حکم

سوال [۸۷۵۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہم لوگ سرکاری سوسائٹی سے جو کھاد لیتے ہیں وہ نقد نہیں ملتا ہے، ادھار دیتے ہیں۔ اور سرکار اس ادھار پر تھوڑا سا بیاز لیتی ہے اور سوسائٹی میں اچھا کھاد اور چھوٹ بھی ملتی ہے۔ اور اگر وہی کھاد بازار سے لیتے ہیں تو وہ خراب ہوتا ہے اور بازار والے کھاد میں ملاوٹ بھی ہوتی ہے اور مہنگا بھی ملتا ہے، اس صورت میں ہم لوگ کیا سوسائٹی سے کھاد لے سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: حمید اللہ عیسیٰ پور، فرخ آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ صورت بیع نسیئہ (ادھار خریداری) کی ہے، جس میں ادھار کی وجہ سے قیمت میں اضافہ ہوتا ہے، جب کہ مدت متعین ہو اور سائل کو اس کا بیاج سمجھنا درست نہیں ہے۔

وأما الأئمة الأربعة وجمهور الفقهاء والمحدثين فقد أجازوا البيع، والبيع المؤجل بأكثر من سعر النقد. (بحوث قضايا فقهية معاصرة ٥/ ٧، بحواله انوار رحمت ٢٣٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲ / ربیع الاول ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۰۱۶)

قیمت بڑھا کر ادھار فروخت کرنا

سوال [۸۷۵۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے ۵۰۰ / روپئے کوئنٹل کے حساب سے ۱۰۰ / من چاول کا اسٹاک کیا، اب وہ

زید مذکور عمرو کے ہاتھ سے پانچ ماہ کی ادھاری پر آٹھ سو روپئے کے عوض میں فروخت کرتا ہے، حال یہ ہے کہ لینے والا کبھی وقت معینہ پر روپئے دیتا ہے اور کبھی وقت غیر معینہ کے بعد، تو کیا ایسا کاروبار زید کے لئے درست ہے یا نہیں؟ جب کہ زید ایک عالم اور مفتی ہے؟

المستفتی: شاکر حسین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب مدت متعین ہے، تو مذکورہ معاملۂ بیع جائز اور درست ہے، اگر چہ وقت مقررہ پر روپئے ادا نہ ہوتا ہو، بس صرف عقد کے وقت میں مدت متعین کر لینا شرط ہے۔

ویجوز البیع بثمن حال ومؤجل إن کان الأجل معلوما. (هداية، کتاب البیوع، أشرفی ۳/ ۲۱، مختصر القدوري، ص: ۷۱، شامي، زکریا ۷/ ۵۲، کراچی ٤/ ۵۳۱، مجمع الأنهر، دارالکتب العلمیة بیروت ۳/ ۱۳/ مصري قدیم ۲/ ۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳ر شوال ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۶۷۳)

ادھار کی صورت میں مبیع کی قیمت بڑھانا

سوال [۸۷۵٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہم نے ایک تاجر کو ایک لاکھ روپئے کا آرڈر دیا، ایک لاکھ روپئے کی مال کی تیاری میں سات فیصد خرچ آتا ہے۔ اور ہم اس کو دس فیصد خرچ دے رہے ہیں، اس شرط پر کہ ہم اس کو ایک ماہ کے بعد پیمنٹ کریں گے، کیا یہ شرط بیع وشراء میں جائز ہے، یا بیع فاسد ہے؟

المستفتی: سمیع اللہ محلّہ بھٹی اسٹریٹ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ طریقہ سے بیع وشراء درست ہے، نیز ادھار کی صورت میں خرچ میں اضافہ کر کے دینا بھی جائز ہے۔

ألا يرى! أنه يزاد في الثمن لأجل الأجل. (هداية، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، أشرفي ٣/ ٧٤، المحيط البرهاني، المجلس العلمي ١٠/ ١٨٧، رقم: ١٢٧٣٨، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ١١٢، مصري قديم ٢/ ٧٨)

وإن شرط الأجل في الثمن، والثمن دين، فإن كان الأجل معلوما جاز البيع. (عالمگيري، الباب العاشر في الشروط التي تفسد البيع والتي لا تفسده، زكريا قديم ٣/ ١٤٢، جديد ٣/ ١٤٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳/ ذیقعدہ ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۷۲۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۳/ ۱۱/ ۱۴۱۴ھ

کیش لے کر کم قیمت پر سامان بعد میں دینا

سوال [۸۷۵۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص نے ایک اسکیم چلائی ہے، جس میں اس نے چند چیزیں رکھی ہیں اور بازاری قیمت سے بہت کم قیمت پر لوگوں کو دے رہا ہے، مثال کے طور پر بجلی کا پنکھا بازار میں سات سو روپئے کا ہے وہ ۲۴۰/ روپئے کا اپنی اسکیم میں دے رہا ہے، الگ سے دس پرسینٹ کمیشن لیتا ہے، تو کیا ایسی چیز کا خریدنا جائز ہے یا نہیں؟

نوٹ: روپئے جمع کرنے کے ۲۰/ دن بعد وہ آئیٹم دیتا ہے، اور روپئے جمع کرتے وقت دس فیصد کمیشن لیتا ہے، آپ تفصیل سے جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: حکیم مولوی محمد شاہد صاحب لائن نمبر: ۱۳، آزاد نگر، ہلدوانی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: فیصدی اور پرسینٹ کی قید کے ساتھ ناجائز ہے؛ لیکن اگر یوں کرلیا جائے کہ پورے پنکھے کی قیمت ۲۴۰ر کے بجائے ۲۶۴ر قرار دی جائے ، یا یوں کرلیا جائے کہ بوقت عقد مشتری بطور انعام خوشی سے فیصدی کی قید لگائے بغیر ۲۴ر روپئے مزید دے دیا کرے تو گنجائش ہے۔ اور یہ دس فیصد یا دس پرسینٹ نہیں سمجھا جائے گا؛ بلکہ مبیع کی اصل قیمت سمجھی جائے گی۔

ویجوز للمشتري أن یزید للبائع في الثمن –إلی قوله– فالزیادة والحط یلتحقان بأصل العقد عندنا. (هدایة، کتاب البیوع، باب المرابحة والتولیة، أشرفي ۳/ ۷۵، مختصر القدوري، ص: ۸۱، الموسوعة الفقهیة الکویتیة ۹/ ۲۹، شرح المجلة رستم، مکتبه اتحاد ۱/ ۱۳۳، رقم المادة: ۲۵۷) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍ ذی الحجہ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۰۲۱)

قیمت بڑھا کر قسطوار ادھار بیچنا

سوال [۸۷۵۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: قسطوں پر زیادہ رقم دے کر کوئی چیز خرید سکتے ہیں، جب کہ نقد پر کم قیمت لگ رہی ہو؟

المستفتی: محمد زوار مال پوری، جے پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قسطوں پر خریداری کے وقت اگر تمام قسطیں متعین ہوجائیں اور ہر ایک قسط کی مقدار بھی معلوم ہوجائے اور ادائے گی کی مدت بھی متعین ہوجائے، تو اس طرح قسطوں پر خریداری شرعاً جائز ہے، چاہے نقد کے مقابلہ میں قسطوں کی

شکل میں رقم کی مقدار کتنی ہی بڑھ جائے اس کی وجہ سے شرعی طور پر خریداری میں کوئی خرابی لازم نہیں آتی۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۳/۲۰)

البيع مع تاجيل الثمن وتقسيطه صحيح …… يلزم أن تكون المدة معلومة في البيع بالتأجيل والتقسيط. (شرح المجلة رستم، مكتبه اتحاد ١/ ١٢٤-١٢٥، رقم المادة: ٢٤٥-٢٤٦، مجلة الأحكام العدلية، كراچی ١/ ٥٠، رقم المادة: ٢٤٥-٢٤٦)

ولو لم يكن الأجل مشروطا في العقد، لكنه منجم معتاد كعادة بعض البلاد يشترون بنقد ويسلمون الثمن بعد شهر، إما جملة أو منجما قيل: لا بد من بيانه؛ لأن المعروف كالمشروط. (عناية مع الفتح، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، كوئٹه ٦/ ١٣٤، دارالفكر ٦/ ٥٠٩، زكريا ٦/ ٤٦٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۶/۵/۱۴۲۳ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۶۴۱/۳۶)	۹/۵/۱۴۲۳ھ

ادھار ونقد کی صورت میں قیمت میں تفاوت کا حکم

سوال [۸۷۵۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: رائی کے کھیت والے نے تیل والے کو رائی دی، جس پر میل مالک کہتا ہے: اگر دو مہینہ کے بعد پیسہ لوگے تو ۵۰۰/ روپئے کوئنٹل اور اگر ۶/ مہینہ کے بعد لوگے تو ۶۰۰/ روپئے کوئنٹل اور ایک سال بعد لوگے تو ایک ہزار روپئے کوئنٹل کے حساب سے پیسے ملیں گے، تو کیا یہ سود ہے؟

المستفتی: محمد زبیر احمد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: رائی کے کھیت والے نے جس وقت میل مالک کو رائی دی

اسی وقت دو مہینے چھ مہینے یا ایک سال ان میں سے کوئی ایک مدت حتمی طور پر متعین کرلی ہے، تو جائز ہے، اگر ادائے گی میں کچھ تاخیر بھی ہو جائے تو اس متعینہ رقم پر اضافہ نہیں ہوسکتا۔

وأما البطلان فيما إذا قال: بعتكه بألف حالا، وبألفين إلى سنة، فلجهالة الثمن. (فتح القدير، كتاب البيوع، دارالفكر ٦/ ٢٦٢، زكريا ٦/ ٢٤٣، كوئٹه ٥/ ٤٦٩، الموسوعة الفقهية الكويتية ٢/ ٣٨)

وصح بثمن حال وهو الأصل، ومؤجل إلى أجل معلوم. (شامي، كتاب البيوع، مطلب في الفرق بين الأثمان والمبيعات، زكريا ٧/ ٥٢، كراچی ٤/ ٥٣١، هداية، أشرفي ٣/ ٢١، مختصر القدوري، ص: ٧١، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ١٣، مصري قديم ٢/ ٨)

رجل باع على أنه بالنقد بكذا و بالنسيئة بكذا، وإلى شهر بكذا، وإلى شهرين بكذا لم يجز. (عالمگيري، الباب العاشر في الشروط التي تفسد البيع، والتي لا تفسده، زكريا قديم ٣/ ١٣٦، جديد ٣/ ١٣٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/ ذیقعدہ ۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۱۴۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۳/ ۱۱/ ۱۴۲۷ھ

نقد وادھار کی وجہ سے قیمت میں کمی زیادتی کرنا

سوال [۸۷۶۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے پاس دو شخص کچھ خریدنے کے لئے آئے، ایک نقد دوسرا ادھار، تو ہم نقد والے کو جو بھاؤ ہے اسی میں دیتے ہیں اور ادھار خریدنے والے کو بھاؤ بڑھا کر دیتے ہیں۔

المستفتی: شمس الدین علی پور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نقد اور ادھار کی وجہ سے قیمت میں کمی زیادتی شرعاً وعرفاً درست ہے، مثلاً کوئی تاجر ایک چیز نقد ایک روپئے میں اور ادھار دو روپئے میں دیتا ہے، تو

اس میں کوئی حرج نہیں ہے؛ لیکن شرط یہ ہے کہ خرید وفروخت کرتے وقت قیمت کی مقدار اور ادائے قیمت کی مدت متعین کر لی جائے، مثلاً تاجر یہ کہے کہ میں یہ چیز ایک ماہ کے لئے دو روپئے میں ادھار دے رہا ہوں۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۳/ ۲۰، محمودیہ قدیم ۱۳/ ۳۳۲، جدید اشرفیہ ۱۶/ ۱۵۲، کفایت المفتی قدیم ۸/ ۴۰، جدید زکریا ۸/ ۵۲، جدید زکریا مطول ۱۱/ ۱۳۵، رحیمیہ قدیم ۹/ ۲۵۲، جدید زکریا ۹/ ۱۹۸)

ألا يرى! أنه يزاد في الثمن لأجل الأجل. (هداية، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، اشرفي ۳/ ۷٤، المحيط البرهاني، المجلس العلمي ۱۰/ ۱۸۷، رقم: ۱۲۷۳۸، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ۳/ ۱۱۲، مصري قديم ۲/ ۷۸، هندية زكريا قديم ۳/ ۱٤۲، جديد ۳/ ۱٤۲)

لیکن اس میں یہ صورت کہ اگر ایک ماہ میں قیمت ادا کرو تو دو روپئے اور تین ماہ میں ادا کرو تو تین روپئے، اس طرح جہالت کے ساتھ یہ معاملہ کرنا شرعاً جائز نہیں ہوگا؛ بلکہ عقد کے وقت میں جو قیمت طے ہوگئی ہر حال میں اتنی ہی قیمت ملے گی، خواہ زیادہ سے زیادہ تاخیر ہی کیوں نہ ہو۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۳/ ۲۰، رحیمیہ ۹/ ۲۵۲)

رجل باع على أنه بالنقد بكذا، وبالنسيئة بكذا، وإلى شهر بكذا، وإلى شهرين بكذا، لم يجز كذا فى الخلاصة. (هندية، الباب العاشر في الشروط التي تفسد البيع، والتي لا تفسده، زكريا ۳/ ۱۳٦، جديد ۳/ ۱۳۷، وهكذا في فتح القدير، زكريا ٦/ ۲٤۳، دارالفكر ٦/ ۲٦۲، كوئٹه ٥/ ٤٦۹، الموسوعة الفقهية الكويتية ۲/ ۳۸)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ٦٦٦٥)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۵/۲۰ھ

نقد وادھار معاملہ میں قیمت میں کمی بیشی کرنا

سوال [۸۷۶۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کی پرچون کی دوکان ہے، اگر کوئی شخص اس سے نقد سامان خریدتا ہے، تو اسے کم پیسوں پر دیتا ہے اور جو قیمت فوراً ادا نہیں کرتا ہے اسے قیمت بڑھا کر دیتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ میں جس دوکان سے سامان لاتا ہوں، اگر اس کو بروقت روپئے سامان کے نہیں ادا کرتا ہوں تو وہ مجھ سے ان روپیوں پر سود لیتا ہے، تو اس کو میں اسی سے ادا کروں گا، اپنی جیب سے میں سود ادا نہیں کروں گا، تو سوال یہ ہے کہ ادھار دینے والے کو سامان کی قیمت بڑھا کر دینا اور اپنے سے اوپر بڑی دوکان کو سود دینا شرعاً کیسا ہے؟ مدلل ومفصل جواب مطلوب ہے۔

المستفتی: محمد اخلاق، خوشحال گنجی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مسئولہ میں نقد وادھار میں قیمت کی کمی وزیادتی تو جائز ہے، مثلاً کوئی تاجر ایک چیز نقد لینے والے کو ایک روپئے میں دیتا ہے اور وہی چیز ادھار لینے والے کو دو روپئے میں دے، تو اس میں مضائقہ نہیں، مگر اس کے جواز کے لئے شرط یہ ہے کہ مجلس عقد میں قیمت کی مقدار اور ادائے قیمت کی میعاد مقرر کرلی جائے، بڑی دوکان والوں کے لئے چھوٹی دوکان والوں سے سود لینا جائز نہیں۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۸/۴۰، جدید زکریا ۸/۵۲، جدید زکریا مطول ۱۱/ ۱۳۵، فتاوی رحیمیہ قدیم ۹/۲۵۲، جدید زکریا ۹/ ۱۹۸، فتاوی محمودیہ قدیم ۱۳/۳۳۲، جدید ۱۶/۱۵۲)

ألا یری! أنه یزاد في الثمن لأجل الأجل. (هداية، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، اشرفي ٣/ ٧٤، المحيط البرهاني، المجلس العلمي ١٠ /١٨٧، رقم: ١٢٧٣٨، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ١١٢، مصري قديم ٢ /٧٨، هندية زكريا قديم ٣/ ١٤٢، جديد ٣/ ١٤٢)

رجل باع علی أنه بالنقد بكذا، وبالنسيئة بكذا، وإلی شهر بكذا،

وإلى بشهرين بكذا، لم يجز. (هندية، الباب العاشر في الشروط التي تفسد البيع، والتي لا تفسده، زكريا ۳/ ۱۳٦، جديد ۳/ ۱۳۷، وهكذا في فتح القدير، زكريا ٦/ ۲٤۳، دارالفكر ٦/ ۲٦۲، كوئٹه ٥/ ٤٦۹، الموسوعة الفقهية الكويتية ۲/ ۳۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍ رجمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۶۶۴۴)

نقد ۸۰؍ روپے اور ایک ماہ کی ادھاری پر ۸۵؍ روپے میں فروخت کرنا

سوال [۸۷۶۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عمرو کاروباری آدمی ہے، اپنے یہاں مال تیار کر کے فروخت کرتا ہے، جس میں اس کا اصول یہ ہے کہ اگر کوئی خریدار نقد خریدے تو ۸۰؍ روپے کلو اور ایک ماہ کے ادھار پر ۸۵؍ روپے کلو اور دو ماہ کے ادھار پر ۹۰؍ روپے کلو فروخت کرتا ہے، جو کہ بظاہر استحصال ہے، کیا ایسا کرنا جائز ہے؟ اور کیا مذکورہ صورت ربوا میں داخل نہیں؟

المستفتی: مولانا شمیم احمد، مولانا والی مسجد تمبا کو والان، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ صورت میں نقد اور ادھار کے اندر قیمت کی کمی وزیادتی تو جائز ہے، مگر اس کے جواز کے لئے شرط یہ ہے کہ مجلس عقد میں قیمت کی مقدار اور ادائے قیمت کی میعاد متعین کر لی جائے۔ اور اگر احتمالی صورت بیان کر کے عقد کرے تو جائز نہیں۔

رجل باع على أنه بالنقد بكذا، وبالنسيئة بكذا، وإلى شهر بكذا، وإلى بشهرين بكذا، لم يجز، كذا في الخلاصة. (هندية، الباب العاشر في الشروط التي تفسد البيع، والتي لا تفسده، زكريا ۳/ ۱۳٦، جديد ۳/ ۱۳۷، وهكذا في فتح القدير، زكريا ٦/ ۲٤۳، دارالفكر ٦/ ۲٦۲، كوئٹه ٥/ ٤٦۹، الموسوعة الفقهية الكويتية ۲/ ۳۸)

اور مذکورہ صورتیں ربوا میں داخل نہیں بشرطیکہ ان صورتوں میں میعاد ختم ہونے کے بعد مزید اضافہ نہ کیا جاتا ہو۔

ألا يرى! أنه يزاد في الثمن لأجل الأجل. (هداية، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، اشرفي ٣/ ٧٤، المحيط البرهاني، المجلس العلمي ١٠/ ١٨٧، رقم: ١٢٧٣٨، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ١١٢، مصري قديم ٢/ ٧٨، هندية زكريا قديم ٣/ ١٤٢، جديد ٣/ ١٤٢)

ويزاد في الثمن لأجله إذا ذكر الأجل بمقابلة زيادة الثمن قصدا، فاعتبر مالا في المرابحة. (شامي، قبيل مطلب في الكلام على الرد بالغبن الفاحش، زكريا ٧/ ٣٦٢، كراچی ٥/ ١٤٢، البحرالرائق، كوئٹه ٦/ ١١٥، زكريا ٦/ ١٩١)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶؍ ربیع الثانی ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۱۲۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۶/۴/۱۴۲۰ھ

نقد اور ادھار کی صورت میں قیمتوں کے فرق کا حکم

سوال [۸۷۶۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) کہ گیہوں ۸۰۰؍ روپے کوئنٹل ملتا ہے، زید بکر کو ایک کوئنٹل گیہوں اس شرط پر دیتا ہے کہ اگر تم ایک ماہ بعد دو گے تو اسی ریٹ کی قیمت تم کو دینا ہوگی، جب کہ ایک ماہ بعد ۷۰۰؍ روپئے کوئنٹل گیہوں ملتا ہے، تو کیا زید کا اس طرح بیع کرنا اور اس بھاؤ پر دینا درست ہے یا نہیں؟ (۲) زید بکر کو ایک کوئنٹل گیہوں ادھار اس شرط پر دیتا ہے کہ ۱۲۰۰؍ روپئے لوں گا، جب کہ ابھی ۱۰۰۰؍ روپئے کوئنٹل گیہوں ملتا ہے، کیا زید کا ادھار دینے کی وجہ سے زیادہ قیمت لینا درست ہے یا نہیں؟ ربوا تو نہیں؟

المستفتی: محمد منصور عالم

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مذکورہ دونوں صورتوں میں اس طرح کی خرید وفروخت کرنا جائز ہے، بشرطیکہ بوقت خرید فروخت متعاقدین بیع کے مؤجل ہونے یا نہ ہونے کی تعیین کرکے ایک ثمن پر متفق ہوجائیں۔اور اگر متعاقدین تأجیل بیع وعدم تأجیل بیع اور تعیین ثمن یا عدم تعیین ثمن کا فیصلہ کرنے سے قبل جدا ہوجائیں، تو اس صورت میں بیع جائز نہ ہوگی، نیز متعاقدین کے مابین جو قیمت طے ہوجائے وہی معتبر ہے، خواہ مارکیٹ میں کوئی اور قیمت ہو؛ لہٰذا بائع مبیع کو مارکیٹ ریٹ پر دے یا مارکیٹ ریٹ پر نہ دیتے ہوئے اپنے متعین کردہ ریٹ پر دے، بہرصورت بیع جائز ہے۔

لأن للأجل شبها بالمبيع، ألا يرى! أنه يزاد في الثمن لأجل الأجل.

(هداية، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، اشرفي ۳/ ۷٤، البحرالرائق، كوئٹه٦/ ١١٥، زكريا ٦/ ١٩١، المحيط البرهاني، المجلس العلمي ١٠/ ١٨٧، رقم: ١٢٧٣٨، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ١١٢، مصري قديم ٢/ ٧٨، هندية زكريا قديم ٣/ ١٤٢، جديد ٣/ ١٤٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/ محرم الحرام ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۵۹۷۶)

نقد اور ادھار کی قیمت میں فرق کرنا

سوال [۸۷۶۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کی پرچون کی دوکان ہے، نقد سودا پانچ روپے میں ایک کلو دیتا ہے اور ادھار آٹھ یا سات روپے میں ایک کلو دیتا ہے، تو زید کا نقد اور ادھار میں قیمت کا یہ فرق کرنا درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: عبداللہ مقبرہ دوئم کیت والی مسجد، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ادھار کی وجہ سے قیمت زیادہ لینا اور نقد کی صورت میں قیمت کم لینا جائز اور درست ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۳/۳۳۳، جدید اشرفیہ ۱۶/۱۵۲)

ألا یری! أنه یزاد في الثمن لأجل الأجل. (هدایة، کتاب البیوع، باب المرابحة والتولیة، اشرفي ۳/ ۷٤، شامی، زکریا ۷/ ۳٦۲، کراچی ٥/ ۱٤۲، البحرالرائق، کوئٹه ٦/ ۱۱٥، زکریا ٦/ ۱۹۱، المحیط البرهاني، المجلس العلمي ۱۰/ ۱۸۷، رقم: ۱۲۷۳۸، مجمع الأنهر، دارالکتب العلمیة بیروت ۳/ ۱۱۲، مصري قدیم ۲/ ۷۸)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۱۵/۵/۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۲۰۲۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/۵/۲۴ھ

ادھار معاملہ میں کمی وبیشی کا حکم

سوال [۸۷٦٥]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: لوگ ایسے معاملہ کرتے ہیں کہ تم مجھ سے اس وقت چاول لے جاؤ، اس وقت پندرہ روپئے کے حساب سے لوں گا اگرچہ اس وقت بیس روپئے کیوں نہ ہو۔

المستفتی: محمد اطہر بن عبد الجلیل، ارریہ بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بعض لوگوں کا اس طرح معاملہ کرنا کہ اس وقت چاول لے جاؤ اور اس وقت مثلاً اگہن کے مہینہ میں پندرہ روپئے کے حساب سے چاول لوں گا تو یہ ادھار کی شکل ہے۔ اور ادھار میں کمی زیادتی جائز نہیں ہے۔ اور یہاں ادائے گی کے وقت میں کمی زیادتی لازم آرہی ہے؛ اس لئے جائز نہیں ہے۔ اور اس کے جواز کی صرف یہی شکل

ہے کہ اس وقت تم ایک کوئنٹل چاول لے جاؤ اور اگہن کے مہینہ میں تمہیں ایک ہی کوئنٹل چاول دینے پڑیں گے، چاہے اس وقت چاول کی قیمت کچھ بھی ہو، اس سے کوئی سروکار نہیں۔

وأما بيع المكيل المطعوم بجنسه متفاضلا، وبيع الموزون المطعوم بجنسه متفاضلا –إلى– فلا يجوز بالإجماع. (بدائع الصنائع، كتاب البيوع، مسائل الربا، زكريا ٤/ ٤٠٣، كراچی ٥/ ١٨٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/ربیع الثانی ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۷۶۱۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۴/۲۷ھ

نقد میں کم اور ادھار میں زائد روپئے لینا

سوال [۸۷۶۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک آدمی سلی کا کاروبار اس طرح کرتا ہے کہ نقد ۹۰/ روپئے کلو اور ادھار ۹۲/ روپئے کلو دیتا ہے؛ لیکن اگر ادھار مال کے پیسے ایک ماہ بعد بھی دئے جائیں تب بھی ۹۲/ روپئے کلو کے ہی پیسے لیتا ہے۔ اور دوسرا آدمی اس طرح کاروبار کرتا ہے کہ نقد مال ۹۰/ روپئے کلو اور ادھار ۹۲/ روپئے کلو؛ لیکن ادھار کے ساتھ ساتھ وقت مقرر کرتا ہے، کہ اگر ایک ہفتہ کے اندر پیسے دے دو تب تو یہی قیمت ہے؛ لیکن اگر ایک ہفتہ سے ایک دن بھی آگے بڑھ گیا تو ۹۳/ روپئے کے حساب سے پیسہ لیتا ہے، تو حضرت والا سے درخواست ہے کہ دونوں آدمیوں میں سے کس کا کاروبار جائز ہے اور کس کا حرام؟

المستفتی: مجیب الرحمٰن حیاتی محلہ پیرزادہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سلی کی خریداری میں اس طرح کا معاملہ کرنا کہ نقد ۹۰/

روپئے فی کلواور ادھار ۹۲ روپئے فی کلو ہے؛ لیکن ادھار مال کے پیسے مدت معینہ سے ایک مہینہ تاخیر سے بھی دئے جائیں تب بھی ۹۲ روپئے فی کلو ہی رہے گا، تو اس طرح کا معاملہ شرعی طور پر جائز اور درست ہے، ادائے گی میں تاخیر کی وجہ سے مزید کوئی پیسہ زائد لینا شرعاً جائز نہیں ہے۔

ویزاد في الثمن لأجله إذا ذكر الأجل بمقابلة زيادة الثمن قصدا. (البحرالرائق، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، كوئٹه ٦/ ١١٥، زكريا ٦/ ١٩١، شامي، زكريا ٧/ ٣٦٢، كراچی ٥/ ١٤٢)

ألا يرى! أنه يزاد في الثمن لأجله. (هداية، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، اشرفي ٣/ ٧٤، المحيط البرهاني، المجلس العلمي ١٠/ ١٨٧، رقم: ١٢٧٣٨، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ١١٢، مصري قديم ٢/ ٧٨، هندية زكريا قديم ٢/ ١٤٢، جديد ٢/ ١٤٢)

اور دوسری شکل کہ نقد خریداری میں ۹۰ روپئے فی کلو اور ایک ہفتہ یا ایک مہینہ کی ادھار خریداری میں ۹۲ روپئے فی کلو؛ لیکن اس میں ادائے گی میں ایک دن بھی تاخیر ہو جائے تو ۹۳ روپئے فی کلو تو یہ معاملہ قطعاً جائز نہیں ہے، تاخیر کے عوض میں پیسہ بڑھانا زمانہ جاہلیت کے سود کے مرادف ہے۔

وإن تعذر عليه الأداء زادوا في الحق والأجل، فهذا هو الربى الذي كانوا في الجاهلية يتعاملون به. (تفسير كبير ٧/ ٩١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷ رمحرم الحرام ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۴۳۰)

۶/ باب المرابحة

شرعاً نفع لینے کی حد کیا ہے؟

سوال [۸۷۶۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: خرید وفروخت پر کتنا نفع لینا بائع کے لئے درست ہے؟ ہمارے چوڑی کا کاروبار ہوتا ہے، بسا اوقات ٹرک میں مال آنے کی وجہ سے چوڑی کے بہت سے بنڈل ٹوٹ جاتے ہیں، جس سے ہمارا بہت سارا نقصان ہوجاتا ہے، ہم اس نقصان کی تلافی کے لئے چوڑیوں کی قیمت میں اضافہ کرکے فروخت کرتے ہیں، جس سے نقصان کی تلافی ہوجائے، حتی کہ بسا اوقات چوڑیوں کی اصلی قیمت سے زیادہ نفع لیتے ہیں، مثلاً سو روپئے کا ایک بنڈل آیا، ہم نے اس کو تین سو روپئے میں یا ڈھائی سو روپئے میں بیچا، تو کیا ایسا کرنا شرعاً درست ہے اور اتنا نفع لینے کی گنجائش ہے؟ اگر نہیں تو پھر کتنا نفع لے سکتے ہیں؟

المستفتی: محمد عزیز فتح پور، چوڑی بازار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: چیزوں کی خرید وفروخت میں نفع لینے کی مقدار شرعاً متعین نہیں ہے، دوگنی قیمت میں بھی بیچنا جائز ہے اور لینے والوں کو لینے اور نہ لینے میں اختیار ہے؛ البتہ بیچنے والے کو جھوٹ سے احتراز لازم ہے کہ خریدنے والے کے سامنے یہ نہ کہا کرے کہ ہم نے اتنے میں خریدا ہے؛ بلکہ اگر مشتری کے سامنے کہنے کی ضرورت پڑ جائے تو خریدار کے سامنے خرچ اور نقصان سب ملا کر کر یوں کہا کرے کہ ہم کو اتنے کی پڑ گئی ہے اور یہ نہ کہے کہ اتنے میں خریدی ہے۔

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– أن رسول الله ﷺ قال: من حمل علينا السلاح، فليس منا، ومن غشنا فليس منا. (صحيح مسلم، الإيمان، باب من غشنا فليس منا، النسخة الهندية ۱/ ۷۰، بيت الأفكار، رقم: ۱۰۱)

عن ابن عمر -رضي الله عنه- أن النبي ﷺ قال: إذا كذب العبد تباعد عنه الملك ميلا من نتن ما جاء به. (سنن الترمذي، باب ماجاء في الصدق والكذب، النسخة الهندية ۲/ ۱۸، دارالسلام، رقم: ۱۹۷۲)

عن أنس بن مالک -رضي الله عنه- عن النبي ﷺ قال: أكبر الكبائر: الإشراک بالله، وقتل النفس، وعقوق الوالدين، وقول الزور، أو قال: وشهادة الزور. (صحيح البخاري، التفسير، باب قول الله تعالیٰ: ﴿ومن احياها﴾ النسخة الهندية ۲/ ۱۰۱۵، رقم: ٦٦٠٦، ف: ٦٨٧١، صحيح مسلم، باب بيان الكبائر وأكبرها، النسخة الهندية ۱/ ٦٤، بيت الأفكار، رقم: ۸۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/ ذی الحجہ ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۰۸۹۷)

دوگنے نفع پر فروخت کرنے کا حکم

سوال [۸۷٦۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص نے ایک چیز کو پچیس روپئے میں خریدا ہے اور اس کو دوگنی قیمت میں بیچتا ہے، تو کیا دوگنی قیمت میں بیچنا جائز ہے؟

المستفتی: جلال الدین پاکبڑہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نفع لینے کی کوئی حد متعین نہیں ہے، جتنا لینا چاہے لے سکتا ہے، بشرطیکہ گاہک کو دھوکہ نہ دے۔ (فتاوی رشیدیہ ۵۵۷، جدید مبوب ۵۴۰)

الثمن المسمى: هو الثمن الذي يسميه ويعينه العاقدان وقت البيع بالتراضي سواء كان مطابقا لقيمته الحقيقية أو ناقصا عنها أو زائدا عليها.

(شرح المجلة رستم، مكتبه اتحاد ديوبند ۱/ ۷۳، رقم المادة: ۱۵۳)

المرابحة بيع بمثل الثمن الأول وزياة ربح ...... والكل جائز. (هندية، الباب الرابع عشر في المرابحة والتولية والوضيعة، زكريا جديد ٣/ ١٥٦، قديم ٣/ ١٦٠، المبسوط للسرخسي، دارالكتب العلمية بيروت ٢٢/ ٧٨، الفقه الإسلامي وأدلته، دارالفكر ٥/ ٣٦٠٠، هدی انٹر نیشنل دیوبند ٤/ ٣٥٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/۴/۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/۳۴۴۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۸/۴/۱۴۱۴ھ

سلنڈر بلیک کرنا

سوال [۸۷۶۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: گیس کمپنیوں نے کچھ عرصہ سے قانون بنایا ہے کہ بیس دن سے پہلے گیس نہیں ملے گا، نیز کھانے پینے کے ہوٹل اور دوکانوں کے لئے ایک نیا سلنڈر بنایا ہے، جس میں گیس بیس کلو ہوتی ہے اور قیمت گھر والے سلنڈر سے دوگنی ہوتی ہے، اب مثلاً زید کا سلنڈر چالیس دن چلتا ہے تو زید کمپنی کے ضابطہ کے مطابق دو سلنڈر لے کر ایک خود رکھ لیتا ہے، دوسرا ہوٹل والے کو سلنڈر کی متعینہ قیمت سے کچھ زائد رقم لے کر بیچ دیتا ہے، تو اس طرح زید کا گیس اور مٹی کا تیل کچھ قیمت زیادہ لے کر فروخت کرنا جس کو اصطلاح میں ''بلیک'' کرنا کہتے ہیں جائز ہے یا نہیں؟ نیز ہوٹل والوں کا اس طرح گیس لینا صحیح ہے یا نہیں؟ ہوٹل والے مجبور ہیں؛ کیوں کہ ہوٹلوں کا گیس جیسا کہ ذکر کیا گیا مہنگا اور کم ہے۔ واضح ہو کہ اس طرح سلنڈر بلیک کرنا گیس کمپنی کی نظر میں جرم ہے؟

المستفتی: محمد زبیر مظاہری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید سلنڈر اور تیل خرید نے کے بعد اس کا مالک بن چکا

ہے اور مالک کو اپنی چیز فروخت کرنے کا حق ہے، جس قیمت پر چاہے فروخت کرے؛ لیکن اس کا لحاظ بھی ضروری ہے کہ یہ خلاف قانون ہے، تو پھر ہتک عزت کا خطرہ ہے اور ہتک عزت سے بچنا بھی ضروری ہے؛ اس لئے اس کا لحاظ رکھنا بھی ضروری ہے؛ لیکن اگر ہتک عزت سے بچ کر اس کام میں نفع حاصل کرلیا ہے، تو وہ نفع جائز اور حلال ہے۔

قال الله تعالیٰ: وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ. [البقرة: ١٩٥]

عن عروة هو البارقي أن النبي ﷺ أعطاه دينارا يشترى له به شاة، فاشترى له به شاتين، فباع إحداهما بدينار، فجاء بدينار وشاة، فدعا له بالبركة في بيعه، فكان لو اشترى التراب لربح فيه. (بخاري شريف، كتاب المناقب، النسخة الهندية ١/ ٥١٤، رقم: ٣٥١٣، ف: ٣٦٤٢)

عن ابن عمر -رضي الله عنه- قال: قال رسول الله ﷺ: لا ينبغي لمؤمن أن يذل نفسه قيل: يا رسول الله! وكيف يذل نفسه؟ قال: أن يتعرض من البلاء لما لا يطيق. (المعجم الكبير للبطراني، دار إحياء التراث العربي ١٢/ ٣١٢، رقم: ١٣٥٠٧، مسند البزار، مكتبة العلوم والحكم ٧/ ٢١٨، رقم: ٢٧٩٠، سنن الترمذي، أبواب الفتن، النسخة الهندية ٢/ ٥١، دارالسلام رقم: ٢٢٥٤، سنن ابن ماجة، باب قول الله تعالى: ﴿ياأيها الذين آمنوا عليكم انفسكم﴾ النسخة الهندية ١/ ٢٩٠، دارالسلام، رقم: ٤٠١٦)

ولو باع شيئا مرابحة إن كان الثمن مثليا كالمكيل والموزون جاز البيع إذا كان الربح معلوما سواء كان الربح من جنس الثمن الأول أم لم يكن. (عالمگيري، كتاب البيوع، الباب الرابع عشر في المرابحة والتولية والوضيعة، زكريا قديم ٣/ ١٦٠، جديد ٣/ ١٥٦-١٥٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۶؍رجب ۱۴۲۸ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۳۶۱)	۱۷/۷/۱۴۲۸ھ

لون پر رکشہ لینے کی جائز شکل

سوال [۸۷۷۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے یہاں آٹو رکشہ چلتے ہیں، اب پچھلے ڈیڑھ سال سے گورنمنٹ نے قانون بنا دیا ہے کہ اب صرف ایس این جی (گیس سے چلنے والے رکشے) ہی چلیں گے، یہ رکشہ بہت مہنگا ہونے کے سبب آدمی اسے خرید نہیں سکتا، رکشہ ایک لاکھ پندرہ ہزار کا ہے، اب مثلاً زید کے پاس پندرہ ہزار روپئے ہیں وہ بینک میں گیا تو بینک نے اس سے کہا کہ تم اپنے پسند کا رکشہ خرید لو ہم تم کو ایک لاکھ کا لون بشکل چیک دیتے ہیں؛ لہٰذا بینک نے ایک لاکھ کا چیک دے دیا اور زید رکشہ لے آیا، اب زید کو ایک لاکھ روپئے چار سال میں ادا کرنے ہیں اور مزید پچیس ہزار بھی ادا کرنے ہیں، تو کیا زید کا مذکورہ عمل جائز ہے یا نہیں؟ واضح ہو کہ اگر زید چاہے کہ چار سال کے بجائے دو سال میں رقم ادا کرے تو بینک اس کو قبول نہیں کرتے۔

المستفتی: محمد زبیر مظاہری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آٹو رکشہ خریدنے کے لئے بینک سے مذکورہ طریقہ سے لون لینا پھر اس لون کے پیسہ سے کمپنی سے آٹو رکشہ خرید لیا جائے تو جب تک بینک کا قرضہ مع سود کے ادا نہ کر دیا جائے اس وقت تک سود کی وعید میں شامل رہے گا، مگر سود کھانے کی وعید نہ ہوگی؛ بلکہ سود دینے کی وعید ہوگی۔

عن جابر –رضي الله عنه– قال: لعن رسول الله ﷺ آكل الربو ومؤكله، وكاتبه، وشاهديه، وقال: هم سواء. (صحيح مسلم، باب لعن أكل الربو وموكله، النسخة الهندية ۲/ ۲۷، بيت الأفكار، رقم: ۱۵۹۸، سنن أبي داؤد، باب في آكل الربا وموكله، النسخة الهندية ۲/ ۴۷۳، دارالسلام، رقم: ۳۳۳۳)

اور اس وعید اور لعنت سے بچنے کے لئے متبادل شکل یہ ہے کہ بینک جو ایک لاکھ روپئے کا چیک

کاٹ کر دیتا ہے وہ آٹو رکشہ کی کمپنی کو بینک کا آدمی دے دے اور یہ شخص بینک کے توسط سے کمپنی سے آٹو رکشہ نکلوالے، تو ایسی صورت میں یہ ہوگا کہ بینک نے ایک لاکھ میں آٹو رکشہ کمپنی سے خرید کر ایک لاکھ پچیس ہزار روپئے میں اس شخص کے ہاتھ ادھار فروخت کیا جو چار سال میں ادا ہوگا۔ یہ بیع مرابحہ کی ایک جائز شکل ہے، جس کا اختیار کرنا شرعاً جائز ہے۔

المرابحة بمثل الثمن الأول وزيادة ربح –إلى قوله– جائز.

(عالمگيري، كتاب البيوع، الباب الرابع عشر في المرابحة والتولية والوضيعة، زكريا جديد ٣/ ١٥٦، قديم ٣/ ١٦٠، المحيط البرهاني، المجلس العلمي ١٠/ ١٨٣، رقم: ١٢٧٢٩، بدائع الصنائع، زكريا ٤/ ٤٦١، كراچی ٥/ ٢٢٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍رجب ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۳۵۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۳؍۷؍۱۴۲۸ھ

کمیشن پر کتاب لاکر پوری قیمت میں فروخت کرنا

سوال [۸۷۷۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: پرائمری اسکول میں کورس کی کتابیں کمیشن پر لاکر اسکول میں بچوں سے پوری قیمت لینا کیسا ہے؟ شریعت کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: محمد نصیر الدین نور پور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کورس کی کتابیں کمیشن پر لاکر بچوں کو پوری قیمت پر فروخت کرنا جائز ہے؛ اس لئے کہ جو شخص کمیشن پر کتابیں لاتا ہے، وہ اس کا اپنا معاملہ ہے اور پوری قیمت پر نفع کے ساتھ فروخت کرنا اس کا تجارتی نفع ہے جو شرعاً جائز ہے۔

بيع المرابحة: وهو مبادلة المبيع بمثل الثمن الأول وزيادة ربح

معين. (الفقه الإسلامي وأدلته، هدى انٹر نيشنل ديوبند ٤/ ٣٥٧، دارالفكر ٥/ ٣٦٠٠، بدائع الصنائع، زكريا ٤/ ٤٦١، كراچی ٥/ ٢٢٠)

المرابحة نقل ما ملكه بالعقد الأول بالثمن الأول مع زيادة ربح.

(هداية، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، أشرفي ٣/ ٧٠، مختصر القدوري، ص: ٨٠)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴/ صفر المظفر ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۴۹۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۲/۱۶ھ

ایک روپئے کی چیز سو روپئے میں فروخت کرنا

سوال [۸۷۷۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مسئلہ یہ ہے کہ مارکیٹ میں دوکاندار لاکھوں روپئے کا مال خریدتے ہیں اور بیچتے ہیں، کیا دوکاندار روپئے کا مال سو روپئے میں بیچے یا سو روپئے کا مال روپئے میں خریدے تو علماء کرام یہ فرمائیں کہ یہ سو کا مال روپئے میں خریدنا یا روپئے کا مال سو میں بیچنا یہ دوکاندار کے لئے جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: حاجی فرزند صاحب محلّہ سرائے ترین، سنبھل

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بائع اور مشتری میں سے ہر ایک کو اختیار رہتا ہے کہ آپسی رضامندی سے روپئے کی چیز سو روپئے میں بیچے یا خریدے، اسی طرح سو روپئے کا مال روپئے میں بیچے یا خریدے؛ لہٰذا بیچنے والے بیوپاری اور دوکان دار کے درمیان جو بھی طے ہوجائے اس پر بیچنا اور دوکان دار کے لئے خریدنا بلاتردد جائز ہے۔

الثمن المسمى: هو الثمن الذي يسميه ويعينه العاقدان وقت البيع

بالتراضي، سواء كان مطابقا لقيمته الحقيقية، أو ناقصا عنها، أو زائدا عليها. (شرح المجلة رستم، مكتبه اتحاد ديوبند ١/ ٧٣، رقم المادة: ١٥٣)

يجوز للمشتري أن يزيد في الثمن، ويجوز للبائع أن يحط من الثمن، وأن يزيد في المبيع ويلتحق بأصل العقد، ويتعلق الاستحقاق بجميع ذلك. (تبيين الحقائق، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، زكريا ٤/ ٤٤٢، إمداديه ملتان ٤/ ٨٣، هداية، أشرفي ٣/ ٧٥، مختصر القدوري، ص: ٨١، الموسوعة الفقهية الكويتية ٩/ ٢٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ رجب ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۲۰۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۳/ ۷/ ۱۴۳۴ھ

بیس ہزار کا مال ۲۴؍ ہزار میں فروخت کرنے کا حکم

سوال [۸۷۷۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں محمد سراج بن محمد حنیف بالا پور ضلع آکولہ برتنوں کا بیوپاری ہوں، اور میری مالی حیثیت اچھی ہے، مجھ سے بہت سارے لوگ ہفتہ واری مال ادھاری سے لیتے ہیں، تو میں ان سے واضح طور پر بتا دیتا ہوں کہ مثلاً میں دوکان سے -/20,000 (بیس ہزار روپئے) میں خریدوں گا اور تمہیں -/24,000 (چوبیس ہزار روپئے) میں دوں گا، اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ میں اس خریدار کو اپنے ساتھ مارکیٹ لے جاتا ہوں، پھر وہ خریدار اپنے پسند کا سامان پسند کرلیتا ہے اور پھر میں اپنے نام سے بل بنواتا ہوں۔ اور وہ سامان اس کے حوالہ (خریدار کے) کرتا ہوں، پھر -/1,000 (ایک ہزار روپئے) ہفتہ اس سے وصول کرتا ہوں، آیا یہ صورت لین دین کی جائز ہے یا نہیں؟ یہ سود میں تو داخل نہیں ہے؟

المستفتی: محمد سراج بالا پور آکولہ، مہاراشٹر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یہ بیع مرابحہ ہے، شرعاً اس طرح کی خرید وفروخت جائز ودرست ہے۔

عن أبي بحر عن شيخ لهم، قال: رأيت على علي -رضى الله عنه- إزارا غليظا، قال: اشتريت بخمسة دراهم فمن أربحني فيه درهما، بعته إياه.
(السنن الكبرى للبيهقي، البيوع، باب المرابحة، دارالفكر ٨/ ٢٢٩، رقم: ١٠٩٤٤، دارالحديث القاهرة ٥/ ٦٩٧، رقم: ١٠٧٩٤)

المرابحة بيع بمثل الثمن الأول والزيادة. (الفتاوى التاتارخانية، الفصل السادس عشر في بيع المرابحة، زكريا ٩/ ٢٢١، رقم: ١٣١٨٣، المحيط البرهاني، المجلس العلمي ١٠/ ١٨٣، رقم: ١٢٧٢٩، هندية، زكريا قديم ٣/ ١٦٠، جديد ٣/ ١٥٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍ رمضان المبارک ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۲۴۹)

○❖○

۷/ باب التلجئة

”بیع تلجئه“ کا مقصد

سوال [۸۷۷۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں نے اپنے والد کی موجودگی میں کپڑے کا کام شروع کیا جس میں کسی طرح کی کوئی مدد میرے والد نے یا بھائیوں نے نہیں کی، بفضلہ تعالیٰ کاروبار میں ترقی ہوتی چلی گئی؛ حتی کہ میں نے ایک مکان اپنی ذاتی کمائی سے والد کی حیات میں خریدا، اس وقت کاروبار میں تیزی سے اتار چڑھاؤ ہوتا تھا، میں نے سوچا کہ خدانخواستہ کبھی مندی آگئی اور مکان بیچنے کی نوبت آگئی تو میرے ساتھ ساتھ میرے بھائی بھی بے گھر ہوجائیں گے۔ اور اگر میرے ساتھ ساتھ بھائیوں کا نام بھی ہوگا تو میں مکان بیچنے سے رک جاؤں گا، یہ سوچ کر میں نے مکان میں بھائیوں کا نام بھی داخل کروایا، اس وقت والد صاحب نے کہا بھی کہ جب سب تیرا ہی ہے تو کسی کا نام داخل مت کرو؛ لیکن میں نے مذکورہ بات کو مدنظر رکھتے ہوئے بھائیوں کا نام بھی داخل کروالیا، اب میرا چھوٹا بھائی کہتا ہے کہ جب کاغذات میں میرا نام ہے، تو مکان میں میرا حصہ ہے، اور میں اپنا حصہ لے کر رہوں گا، حالانکہ میں نے مذکورہ وجہ سے بھائیوں کا نام ڈلوایا تھا، کسی بھائی کو مکان ہدیہ نہیں دیا اور نہ ہی نام ڈلواتے وقت ہدیہ کی نیت تھی، نیت صرف یہ تھی اگر مکان صرف میرے نام پر ہوگا تو تنگی کے وقت میں بیچ دوں گا، تو میرے ساتھ ساتھ میرے بھائی بھی بے گھر ہوجائیں گے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا واقعی مذکورہ وجہ کی بنا پر بھی بھائی کا نام داخل کرنے پر وہ مکان کا حقدار ہے؟ جب کہ بڑے بھائی کہتے ہیں کہ تو نے اپنی محنت سے کما کر سب لیا تھا؛ لہٰذا سب تیرا ہی ہے، تو جب کہے گا ہم مکان خالی کردیں گے، اگر بھائیوں کا حق مکان میں ہے، تو کس کو کتنا ملے گا، ہم تین بھائی ہیں؟

المستفتی: عبدالرشید، احمد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سائل نے سوال نامہ میں بھائیوں کے نام ڈالنے کی جو صورت ذکر فرمائی ہے وہ ’’بیع التلجئہ‘‘ کی حدود میں داخل نہیں ہوئی؛ کیوں کہ بیع التلجئہ حکومت یا کسی دشمن یا کسی طاقتور کی طرف سے خطرہ کی بنا پر ہوا کرتی ہے؛ اس لئے یہی سمجھا جائے گا کہ بھائیوں کو بھی مکان میں شریک کرنا مقصد ہے؛ لہٰذا اس میں رجسٹری کے مطابق ان کا بھی حق ہوگا۔

والتلجئة إنما تكون عن إضطرار. (شامي، كتاب البيوع، باب الصرف، مطلب في مبيع التلجئة، زكريا ديوبند ٧/ ٥٤٢، كراچی ٥/ ٢٧٣)

بيع التلجئة: البيع الصوري أن يضطر لإظهار عقد وإبطان غيره مع إرادة ذلک الباطن كأن يظهر بيع داره لابنه لئلا يستولي عليها السلطان.

(معجم لغة الفقهاء، كراچی ،ص: ١١٣، قواعد الفقه، أشرفي ٢١٣، معجم المصطلحات والألفاظ الفقهية، دارالفضيلة ١/ ٤٠٥، الموسوعة الفقهية الكويتية ٩/ ٦٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۲؍شوال ۱۴۲۹ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۷۱۶)	۱۲؍۱۰؍۱۴۲۹ھ

بیع تلجئہ

سوال [۸۷۷۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: نذیر احمد ایک سنی مسلمان ہے، اس کی بیوی سے اس کے دو لڑکے اور چار لڑکیاں ہیں، نذیر احمد نے اپنی کمائی سے اور اپنے پیسے سے ہلدوانی لائن نمبر: ا رمحلّہ پنجو پورہ میں زمین کا ایک قطعہ (پلاٹ) خریدا، جس میں ٹین کی چھت کی صرف ایک کوٹھری بنی ہوئی ہے اور اس کوٹھری کے آس پاس صحن کے طور پر کچھ خالی زمین تھی، نذیر احمد نے یہ سب جگہ اپنے ہی پیسے

سے خریدی تھی، اس کے خریدنے میں نذیر احمد کی بیوی مشتری بیگم کا کوئی پیسہ نہیں تھا، مگر نذیر احمد کو چونکہ اپنی بیوی سے بہت محبت تھی؛ اس لئے پیار میں دلداری کی خاطر اس زمین کا بیع نامہ میں نے اپنی بیوی کے نام لکھوادیا تھا، مگر اس کو مالک نہیں بنایا تھا، اس کے بعد نذیر احمد نے اس زمین میں نئے طریقہ سے دومنزلہ مکان تعمیر کیا، اس مکان کی تعمیر میں بھی کل روپیہ صرف نذیر احمد ہی کا خرچ ہوا اور اس کی بیوی مشتری بیگم کا تعمیر میں بھی کوئی پیسہ نہیں لگا، اس مکان کی تعمیر کے بعد مشتری بیگم اپنے شوہر اور بچوں کے ساتھ اس مکان میں رہتی رہی اور پھر کئی سال کے بعد مشتری بیگم کا یکم مئی ۱۹۷۷ء کو انتقال ہوگیا، انتقال سے دو مہینے پہلے یکم مارچ ۱۹۷۷ء کو مشتری بیگم نے اس مذکورہ مکان کے بارے میں ایک وصیت نامہ لکھوادیا، جس میں اس نے کھل کر یہ اقرار کیا ہے اور صاف صاف یہ بات لکھوائی ہے کہ پختہ دومنزلہ مکان جس کا نگر پالیکا نمبر ۳۸۰۵؍ ہے، اور جو لائن نمبر: ا محلّہ پنجو پورہ ہلدوانی میں ہے، ضلع نینی تال میں واقع ہے، اس مکان کی تعمیر میں اور اس مکان کی جگہ خریدنے میں میرا کوئی پیسہ خرچ نہیں ہوا ہے؛ بلکہ اس کے خریدنے اور تعمیر کرانے میں سارا پیسہ میرے شوہر نذیر احمد نے اپنی کمائی کا لگایا ہے، پیار اور محبت کی وجہ سے صرف بیع نامہ میرے نام لکھوادیا تھا، اس مکان کے اصلی مالک میرے شوہر نذیر احمد ہی ہیں، میں مالک نہیں ہوں۔

مشتری بیگم کے انتقال کے بعد نذیر احمد نے اس دومنزلہ مکان پر ایک سہ منزلہ اپنے پیسے سے اور بھی بنالیا ہے، نذیر احمد کے دو لڑکے: انیس احمد اور رئیس احمد جو مشتری بیگم ہی سے ہیں، یہ دونوں اپنے باپ نذیر احمد سے بدسلوکی اور بدزبانی کرتے ہیں، اس کے ساتھ والد جیسا اچھا سلوک نہیں کرتے، روزانہ شراب پی کر آتے ہیں اور گالی گلوچ کرتے ہیں اور اس مذکورہ مکان کو اپنی ماں کا بتا کر اسمیں اپنا حصہ مانگتے ہیں، جب کہ اصل اور حقیقت یہ ہے کہ اس مکان کی مالک ان کی ماں نہیں تھی، تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ:

(۱) اس صورت میں اس مکان کا اصل مالک صرف نذیر احمد ہی ہے یا اس کی بیوی مشتری بیگم؟

(۲) لڑکوں کا یہ مطالبہ کرنا کہ یہ ہماری ماں کا مکان ہے، ماں کی طرف سے اس میں ہمارا حق

ہے، یہ مطالبہ کرنا شرعاً غلط اور بے بنیاد اور باپ پر ظلم ہے یا نہیں؟

المستفتی: نذیر احمد ولد اللہ بخش، لائن نمبر ۱ر محلّہ آزاد نگر، ہلدوانی نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس طرح نام کر دینے کو شریعت کی اصطلاح میں بیع التلجئہ کہا جاتا ہے۔ اوراس میں جس کے نام کیا جاتا ہے وہ شرعاً مالک نہیں ہوتا؛ اس لئے مذکورہ صورت میں مسمی نذیر احمد کی بیوی مذکورہ زمین وکوٹھری وغیرہ کسی چیز کی شرعاً مالک نہیں ہوتی ہے، اور نہ ہی بعد کے تعمیر کردہ مکان کے کسی حصہ کی مالک ہوتی؛ لہٰذا پوری زمین ومکان سب مسمی نذیر احمد ہی کی ملکیت میں ہیں، اس میں مسماۃ مشتری بیگم کے لڑکے اور دوسرے ورثاء کو مطالبہ کا کوئی حق شرعاً حاصل نہیں ہوسکتا۔

وبيع التلجئة ويأتي متنا في الإقرار، وهو أن يظهر عقدا وهما لايريدانه يلجأ إليه لخوف عدو، وهو ليس ببيع في الحقيقة، بل كالهزل –إلى قوله– ولو تبايعا في العلانية إن اعترفا ببنائه على التلجئة، فالبيع باطل لاتفاقهما أنهما هزلا به. (الدالمختار، كتاب البيوع، باب المصرف، مطلب في بيع التلئجة زكريا ٧/ ٥٤٢، كراچی ٥/ ٢٧٣، بدائع الصنائع كراچی ٥/ ١٧٦، زكريا ٤/ ٣٨٩، المبسوط للسرخسي، دارالكتب العلمية بيروت ٢٤/ ١٢٢، هندية زكريا قديم ٣/ ٢٠٩، جديد ٣/ ١٩٦، قواعد الفقه أشرفي، ص: ٢١٣، الفقه الإسلامي و أدلته، هدى انٹرنيشنل ديوبند ٤/ ١٢٧-١٢٨، دارالفكر ٥/ ٣٣٢٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵ ر رجب المرجب ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۳۲۴/۲۵)

کسی کے نام سے خریدنے کا حکم

سوال [۸۷۷۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: مسماۃ بشیرن مرحومہ زوجہ جناب عبدالسلام مرحوم صاحب ساکن مرادآباد محلّہ اصالت پورہ اسماعیل روڈ ایک قطعہ مکان کچا غرب رویہ واقع اسماعیل روڈ اصالت پورہ مرادآباد کی تنہا مالک وقابض بذریعہ بیع نامہ بالعوض دین مہر چلی آرہی تھی، انہوں نے اپنے انتقال پر سات پسران دو دختران چھوڑے، مسماۃ بشیرن مرحومہ کاروباری سلسلہ کی وجہ سے مع اہل وعیال کے شہر جالنہ مہاراشٹر میں ہی مقیم رہی۔ ۱۹۷۰ء سے قبل مسماۃ بشیرن مرحومہ مرادآباد اپنے بھائی اللہ بخش مرحوم ودیگر رشتہ داروں کے یہاں آئیں، انہوں نے اپنے بھائی اللہ بخش مرحوم کو مکان مذکورہ کی تعمیر کرانے کے لئے روپئے دے کر تعمیر شروع کروادی، تعمیر کے بعد بھائی اللہ بخش مرحوم نے بہن بشیرن مرحومہ کو بتایا کہ تمہارے مکان کی مکمل تعمیر کرانے میں میرے پاس سے بھی -/5,000 روپئے لگ گئے ہیں، جس پر مسماۃ بشیرن مرحومہ نے کہا کہ یہ -/5,000 روپئے میں جالنہ پہنچ کر بھجوادوں گی، اس پر بھائی اللہ بخش مرحوم نے کہا کہ زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں ہے، پتہ نہیں زندگی رہی یا نہ رہی آپ یادداشت بطور میرے -/5,000 روپئے کی ایک تحریر لکھ دو؛ لہٰذا اللہ بخش مرحوم بھائی نے اپنی بہن مسماۃ بشیرن مرحومہ کو لے جاکر کچھ کاغذوں پر دستخط وانگوٹھے لگانے کے بعد بہن سے کہا: آپ جاکر -/5,000 روپئے بھیج دوگی تب یہ کاغذ واپس کردوں گا یا پھاڑ دوں گا، مسماۃ بشیرن مرحومہ مکان مذکورہ میں کرایہ دار رکھوانے کے بعد جالنہ چلی گئیں۔

کچھ ہی عرصہ بعد مسماۃ بشیرن مرحومہ بہن نے اپنے لڑکے ولڑکی کی شادی کرنے کے لئے مرادآباد آکر بھائی اللہ بخش مرحوم سے اپنے مکان کے کرایہ دار سے مکان خالی کرنے کے لئے کہا کہ مجھے بچوں کی شادی اپنے مکان مذکورہ سے کرنی ہے، بھائی اللہ بخش مرحوم مکان خالی کرانے کی بات سن سن کر ٹال مٹول کرتے رہے، مزید رشتہ داروں کے ذریعہ کہنے پر اللہ بخش مرحوم بھائی نے کہا کہ میں نے بشیرن مرحومہ سے -/5,000 روپئے قرض کے بعوض تحریر کے بجائے بیع نامہ بحق اپنی زوجہ مسماۃ فاطمہ مرحومہ رجسٹری کرلیا تھا، جس سے میری بیوی مکان کی مالک ہوگئی، یہ سن کر مسماۃ بشیرن مرحومہ کے پسر محمد طاہر نے کچہری جاکر

کاغذات وغیرہ کا معائنہ کرا کر نقل حاصل کر کے قانونی کارروائی کی تیاری شروع کی، مزید مسماۃ بشیرن مرحومہ کی طرف سے بیع نامہ منسوخی کا دعویٰ دائر کر دیا، اس طرح سے کئی مقدمات شروع ہو گئے، جن کا کل خرچ و پیروی تنہا محمد طاہر نے اپنے نجی سرمایہ سے کی جو مقدمات کئی سال تک چلتے رہے، کئی سالوں کے بعد محلّہ کے چند معزز اشخاص نے مقدمات کے اخراجات وفریقین کی پیسے کی بربادی پر غور کرتے ہوئے دونوں فریقین کی رضامندی سے یہ فیصلہ کیا؛ چونکہ اللہ بخش مرحوم اپنی بہن مسماۃ بشیرن مرحومہ کا مکان کا بیع نامہ اپنی زوجہ مسماۃ فاطمہ مرحومہ کے نام کرا چکے ہیں اور مسماۃ فاطمہ مرحومہ زوجہ اللہ بخش مرحوم مذکورہ مکان کے برابر کے رقبہ کا مین روڈ کا حصہ حال ہی میں مبلغ: -/30,000 روپئے میں فروخت کر چکی ہیں؛ اس لئے پچھلے حصہ کے عوض میں محمد طاہر پسر بشیرن مرحومہ -/27,000 روپئے مسماۃ فاطمہ مرحومہ کو ادا کریں گے اور بیع نامہ اقراری مسماۃ فاطمہ مرحومہ منسوخ ہو کر مقدمہ میں فیصلہ کی درخواست دی جائے گی، مسماۃ بشیرن مرحومہ نے اپنے موجودہ پسران سے -/27,000 روپئے ادا کرنے کے لئے کہا، اس پر موجودہ پسران نے جواب دیا کہ ہمارے پاس روپئے کا انتظام بالکل نہیں ہے، اس کے بعد مسماۃ بشیرن مرحومہ نے اپنے پسر محمد طاہر سے کہا کہ کسی بیٹے نے مقدمہ میں کبھی کوئی روپئے خرچ نہیں کیا اور نہ ہی اپنا وقت کچہری میں لگایا، اب تک کافی روپئے مقدموں میں تیرا خرچ ہو گیا اور مقدمات میں وقت بھی تو نے ہی لگایا؛ لہٰذا -/27,000 روپئے بھی تو ہی ادا کر دے، محمد طاہر نے والدہ مسماۃ بشیرن مرحومہ کے حکم بموجب کچھ روپئے کاروبار میں سے نکال کر اور کچھ زیور نکال کر کل -/27,000 روپئے کا انتظام کر کے مومانی مسماۃ فاطمہ مرحومہ و ماموں اللہ بخش مرحوم کو -/27,000 روپئے بھی ادا کر دیئے، اس کے بعد والدہ مسماۃ بشیرن مرحومہ نے اپنے پسر محمد طاہر سے کہا کہ مکان تو نے ہی خریدا ہے، تو اس کا مالک ہے، میں یہ نہیں چاہتی کہ تو مکان اپنے پیسے سے خریدے اور مالک سب بنیں، اکیلا منہ میرا گور میں جائے گا، قیامت کے دن اللہ کو میں کیا جواب دوں گی؟ تو مکان کی لکھت بھی اپنے نام کرالے؛ لہٰذا محمد طاہر نے بیع نامہ کے خرچ سے بچنے

کے لئے مقدمہ میں ہی فیصلہ کی درخواست لگا کر مقدمہ ختم کرادیا، مکان مذکورہ میں محمد طاہر مع اہل وعیال اپنی سکونت کر رہا ہے۔

مجھلے گاؤں مہاراشٹر میں مسماۃ بشیرن مرحومہ نے اپنے پسر ابوالکلام کے بچہ کی شادی کے موقع پر اپنے پسران ابوالکلام محمد شمشاد، محمد نوشاد، محمد طاہر کی موجودگی میں مکان مذکورہ کا ذکر کرتے ہوئے محمد طاہر کے تنہا مالک ہونے کی تصدیق کی، مسماۃ بشیرن مرحومہ نے اپنی موت سے چار پانچ دن قبل بھی اپنے پوتے التمش پسر محمد طاہر سے بھی کہا کہ مکان مذکورہ تیرے والد کا ہے۔

محمد نسیم پسر بشیرن مرحومہ اورنگ آباد کی شادی مرادآباد میں ہونے کے موقع پر محمد طاہر نے یہ سوچ کر کہ مکان پر کڑیا پڑی ہیں، اس کو دوبارہ تعمیر کرادوں؛ کیوں کہ شادی کے موقع پر مہمان بھی دیگر شہروں سے آئیں گے؛ لہٰذا مکان مذکورہ کی دوبارہ تعمیرات و بھائی محمد نسیم کی شادی کی تیاری بھی ساتھ ساتھ شروع ہوگئی، محمد نسیم نے اورنگ آباد سے من جملہ ۶۰ر ہزار روپئے بھیجے، جب کہ شادی میں -/65,000 روپئے کا خرچ محمد طاہر نے کیا، مزید مکان کی کل تعمیرات محمد طاہر نے اپنے سرمایہ سے کی۔

برائے کرم قرآن وحدیث کی روشنی میں مندرجہ بالا حالات کے مدنظر حسب ذیل سوال کے جواب سے آگاہ فرمائیں:

(۱) کیا پسر محمد طاہر مکان مذکورہ کا تنہا مالک بذریعہ والدہ مسماۃ بشیرن مرحومہ ہے؟

(۲) کیا مسماۃ بشیرن مرحومہ کے کسی دیگر وارثوں کو کوئی شرعی حق مکان مذکورہ میں کسی قسم کا یا اس کو فروخت کرنے یا آپس میں ایک دوسرے کو دینے کا پہنچتا ہے؟

المستفتی: محمد طاہر قریشی، اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سوال نامہ کی تفصیل بغور پڑھی گئی، اس کا حاصل یہ نکلا کہ پورا مکان حاصل کرنے میں مکمل رقم محمد طاہر نے اپنے ذاتی پیسے سے ادا کی ہے اور اسی نے اپنے ذاتی پیسے سے پورا مکان واپس خرید لیا ہے؛ اس لئے اس کے نام رجسٹری بیعنامہ کا

انتظام کیا گیا؛ لیکن اس نے رجسٹری خرچ بچانے کے لئے مقدمہ کے ذریعہ اپنے نام ڈگری کرالی ہے، جو بیع نامہ رجسٹری کے قائم مقام ہوجاتا ہے، اوراس نے جو کچھ کیا ہے مکان کی مالک بشیرن کے حکم سے کیا ہے، توایسی صورت میں محمد طاہر ہی تنہا اس کا مالک ہوگا، کسی دیگر وارثین کا اس سے حق متعلق نہ ہوگا۔

الآثار المرتبة على البيع أولا: انتقال الملك يملك المشترى المبيع، ويملك البائع الثمن ويكون ملك المشتري للبيع بمجرد عقد البيع الصحيح، ولا يتوقف على التقابض. (الموسوعة الفقهية ٩/ ٣٦)

ففي قبض العقار تكفي التخلية –إلى قوله– لكن لو أذن البائع للمشتري بقبض الدار والمتاع صح التسليم. (الموسوعة الفقهية ٩/ ٤١)

وحكمه (البيع) فثبوت الملك في المبيع للمشتري، وفي الثمن للبائع إذا كان البيع باتا. (عالمگيري، كتاب البيوع، الباب الأول، زكريا قديم ٣/ ٣، جديد ٣/ ٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۰۸۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۵/۴ھ

نام کردینے سے ملکیت کا حکم

سوال [۷۷۸۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک باپ کی چھ اولادیں ہیں، تین لڑکے، تین لڑکیاں اور ماں باپ، بیت اللہ شریف اس سال حج کے لئے جارہے ہیں، والد کا بہت بڑا شوروم ہے، والد نے سب سے بڑے لڑکے کو کاروبار دیا اور لڑکے نے کاروبار کو برباد کیا اور ماں باپ کا نافرمان ہوگیا اور پارٹیوں کا کافی قرض ہوگیا ہے، باپ نے بہت بڑے لڑکے کو سمجھایا، رشتہ داروں نے سمجھایا

وہ برابری نافرمانی کررہا ہے اوراس کی شادی میں جوخرچ ہواسسرال والوں کا وہ باپ پر دباؤ ڈالتا ہے اورنوٹس بھجواتا ہے اور خودشراب پیتا ہے اورکافی بینک کا روپیہ قرض ہے اور باپ کی جتنی بھی جائیداد ہے اس جائیداد میں بڑے لڑکے کا نام اور ایک چھوٹے لڑکے کا نام پڑا ہوا ہے اور بڑے لڑکے نے دھوکہ دے کر ماں باپ کے کاغذوں پر دستخط کرا کے بینک سے قرض لیا، اب اس صورت میں بڑے لڑکے نے کروڑوں روپئے برباد کئے، اب بینک کا قرض بڑا لڑکا دینے کا حق دار ہوگا یا باپ ہوگا؟ اور جتنی بھی جائیداد ہے وہ سب باپ نے کما کر بنائی اور صرف بڑے لڑکے کا نام اور چھوٹے لڑکے کا نام ڈلوا دیا، اپنی جائیداد میں اور وہ قرض ادا کرنے سے انکار کررہا ہے، تو اس صورت میں جواس کا نام باپ کی جائیداد میں پڑا ہوا ہے تو کیا وہ جائیداد شرعی طور پر بڑے لڑکے کی ہوگی یا باپ کی ہوگی؟ اور قرض بینک کا لڑکا ادا کرے اپنے حصہ سے یا باپ؟ اور ابھی دولڑکوں کی شادی باقی ہے، پوری باپ کی جائیداد میں نام دو لڑکوں کا پڑ جانے سے رجسٹری میں تو کیا اس صورت میں شرعی طور پر دونوں لڑکے مالک ہوں گے؟ یا پوری جائیداد باپ کی ہوگی؟ اور بڑا لڑکا شوروم پر قبضہ کئے ہوئے ہے اور ایک مکان پر قبضہ کئے ہوئے ہے، جب کہ شوروم میں دو بھائیوں کا نام ہے اور مکان میں باپ کا نام اور ماں کا نام ہے، اور ماں بہت بیمار رہتی ہے، حال تک نہیں پوچھتا ہے، کافی ماں باپ کو دکھ ہے، تو ایسی صورت میں باپ چاہتا ہے کہ میری دنیا وآخرت میں کوئی پکڑ نہ ہو تو شریعت کی روشنی میں مسئلہ کی واضح طور پر وضاحت کر دی جائے شکرگزار رہوں گا۔

المستفتی: محمد اسلام ولد علی احمد مرحوم

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب تک باپ باحیات ہے، پوری جائیداد کا مالک تن تنہا باپ ہی ہے، محض نام کر دینے کی وجہ سے بڑا لڑکا اور چھوٹا لڑکا اس کی جائیداد کے مالک نہیں ہوتے ، باپ پر لازم ہے کہ سبھی اولاد کے ساتھ برابری کا معاملہ کرے، ورنہ عند اللہ سخت گنہگار ہوگا اور بڑے لڑکے نے جو شوروم اور گھر پر قبضہ جما رکھا ہے، وہ شرعاً ناجائز اور حرام ہے۔ احادیث مبارکہ میں اس پر سخت وعید آئی ہے۔ اور بڑے لڑکے نے دھوکہ دے

کر باپ کے دستخط سے بینک سے جو قرض اٹھایا ہے اس کی ادائے گی بھی اسی پر واجب ہے نہ کہ باپ پر، آخر باپ اتنا غافل کیوں ہے کہ اس کے دستخط کی وجہ سے کروڑوں روپئے کی بربادی ہو رہی ہے؟

وبيع التلجئة هي ما ألجئى إليه الإنسان بغير اختياره، وذلك أن يخاف الرجل السلطان، فيقول لآخر: أني أظهر أني بعت داري منك، وليس ببيع في الحقيقة، وإنما هو تلجئة. (شامي، كتاب البيوع، باب الصرف، مطلب في بيع التلجئة، زكريا ٧/ ٥٤٢، كراچی ٥/ ٢٧٣، معجم لغة الفقهاء، كراچی، ص: ١١٣، قواعد الفقه أشرفي ٢١٣، معجم المصطلحات والألفاظ الفقهية، دارالفضيلة ١/ ٤٠٥، الموسوعة الفقهية الكويتية ٩/ ٦٢، الفقه الإسلامي وأدلته، هدى انٹرنيشنل ديوبند ٤/ ١٢٧-١٢٨، دارالفكر ٥/ ٣٣٢٥، بدائع الصنائع، زكريا ٤/ ٣٨٩، كراچی ٥/ ١٧٦، المبسوط للسرخسي، دارالكتب العلمية بيروت ٢٤/ ١٢٢، هندية زكريا قديم ٣/ ٢٠٩، جديد ٣/ ١٩٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰؍شوال ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۲۷۲/۴۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۱۰/۳۰ھ

محض نام کرنے سے ملکیت کا حکم

سوال [۸۷۷۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میری والدہ کلثوم بیگم کو میری دادی موتی بیگم نے بوقت میری والدہ کے نکاح کے اپنے مکان کو ۳؍سہام پر تقسیم کیا، جو کہ کل مکان ۲۰۰؍میٹر کا ہے، ۳؍سہام میں سے ایک سہام میری والدہ کے مہروں میں لکھ دیا، کلثوم بیگم کے چار لڑکے عبدالودود خان، عبدالمعبود، عبدالرؤف، عبدالشہود خان۔ اور ایک لڑکی مشہودی بیگم ہوئی میرے بھائی عبدالرؤف کی شادی کے موقع پر وہ ایک سہام میری والدہ نے عبدالرؤف کی بیوی کے دین مہر میں لکھا اور

زبانی انہوں نے بتلایا کہ اس کی ملکیت سب بچوں کی ہے جو حصہ عبدالرؤف خان کا اس میں نکلتا ہے وہی ان کی بیوی کے دین مہر میں منتقل ہوگا اور باقی اور بچے حصہ رسد کے مالک ہوں گے؛ کیوں کہ اس وقت کوئی تقسیم نامہ نہیں ہوا تھا، اب میری والدہ کا انتقال ہوگیا، عبدالرؤف خان اس حصہ کو اپنا پورا بتلاتے ہیں؛ کیوں کہ میری والدہ نے دین مہروں میں کیا ہے؟ شریعت کی رو سے اور بہن بھائی اس سہام میں سے حق دار ہوتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: عبدالودود فیض گنج مشرق مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر آپ کی والدہ نے صراحت کے ساتھ یہ بات کہہ دی ہے کہ نام تو پورے سہام کو کیا جارہا ہے، مگر اس میں سے عبدالرؤف خان کی بیوی دین مہر میں صرف عبدالرؤف کے حصہ کے بقدر کی مالک ہوسکتی ہے، گویا دین مہر میں صرف عبدالرؤف خان کے حصہ کے بقدر شامل ہوسکتا ہے، بقیہ دیگر اولاد کو اپنے اپنے حصہ کے بقدر ملے گا۔ اور یہ بات آپ کی والدہ نے شرعی گواہوں کے سامنے کہی ہے۔ اور گواہوں سے والدہ کی یہ بات ثابت ہوئی ہے تو محض نام کردینے سے رؤف خان کی بیوی پورے کی مالک نہ ہوگی؛ بلکہ اس میں سب وارثین کا حق ہوگا اور یہ عقد تلجئہ کے مرادف ہوگا۔

وبيع التلجئة وهو أن يظهر عقدا وهما لا يريدانه يلجأ إليه، وتحته في الشامية: وليس ببيع في الحقيقة، وإنما هو تلجئة ويشهد على ذلك.

(درمختار مع الشامي، كتاب البيوع، باب الصرف، مطلب في بيع التلجئة، زكريا ٧/ ٥٤٢، كراچی ٥/ ٢٧٣، هندية زكريا قديم ٣/ ٢٠٩، جديد ٣/ ١٩٦، المبسوط للسرخسي، دارالكتب العلمية بيروت ٢٤/ ١٢٢، بدائع الصنائع، زكريا ٤/ ٣٨٩، كراچی ٥/ ١٧٦ قواعد الفقه أشرفي ٢١٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/۲/۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/ ۲۳۱۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۵/۲/۱۴۱۴ھ

جائیداد نام کرنے سے ملکیت کا حکم

سوال [۸۷۷۹]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کا انتقال ہوگیا ورثاء میں پانچ لڑکے اور دولڑکیاں ہیں، میت نے متفرق جائیدادیں چھوڑیں، ایک جائیداد کی رجسٹری میں سب کا نام ہے، حتی کہ لڑکیوں کا بھی بھائیوں کے برابر حصہ ہے، دوسری جائیداد میں بعض لڑکوں کا نام ہے، لڑکیوں کا نہیں، اسی طرح تیسری اور چوتھی جائیداد میں بھی بعض کا نام ہے، بعض کا نہیں، رجسٹری میں لڑکیوں کا نام نہ لکھنے کی بابت جب میت سے پوچھا گیا تھا تو انہوں نے کہا تھا کہ لڑکیوں کے پاس سسرالی جائیداد کافی ہے؛ اس لئے انہیں ضرورت نہیں۔ واضح رہے کہ یہ تقسیم محض کاغذی تھی، میت کی وفات سے قبل اولاد کا نہ تو اس پر کسی طرح کا قبضہ تھا اور نہ ہی ان کو کسی تصرف کا اختیار تھا، خرید وفروخت اور دیگر تمام امور میں میت خود مختار تھا، اب سوال یہ ہے کہ یہ ہبہ تام ہوا یا نہیں؟ اور مورث کی وفات کے بعد جائیداد کی تقسیم رجسٹری میں لکھائے گئے ناموں کے اعتبار سے ہوگی یا شرعی حصوں کے مطابق؟

المستفتی: محمد نصیر الدین، متعلم دار العلوم دیوبند

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جائیداد کے اولاد کے نام کردینے کے بارے میں اولاد دو شکلیں ہیں: (۱) جائیداد خریدی جارہی ہے اور خریدتے وقت اولادوں میں سے بعض یا کل کے نام سے خریدی جائے اور اس وجہ سے اولاد کے نام سے خریدی جارہی ہے تاکہ قانونی پیچیدگیوں سے حفاظت ہو اور مقصد یہ نہیں ہے کہ اولاد کی ملکیت میں دے دی جائے، اس کو بیع تلجئہ کہا جاتا ہے۔ ایسی صورت میں نام کردینے کے باوجود اولاد مالک نہیں ہوتی؛ بلکہ مالک خریدنے والے ماں باپ ہی ہوتے ہیں، جیسا کہ درمختار، شامی، مجمع الانہر وغیرہ کی عبارات اس سلسلہ میں واضح ہیں۔ اور اگر خریدتے وقت قانونی پیچیدگیوں سے حفاظت

مقصد نہیں ہے؛ بلکہ انہیں اولادوں کی ملکیت میں دینے کے واسطے انہیں کے نام سے خریدی جارہی ہے، تو یہ بیع تلجیہ کے دائرہ میں داخل نہیں ہے؛ بلکہ اس مقصد سے خرید کر نام کردینے کی صورت میں اولادان جائیدادوں کی مالک ہوجاتی ہے۔

دوسری شکل یہ ہے کہ جائیداد پہلے ہی سے باپ یاماں کی ملکیت میں ہوتی ہے اور ماں باپ یہی چاہتے ہیں کہ اپنی زندگی ہی میں اولاد کے نام منتقل کرکے ان کو مالک بنادیں، اگر اس مقصد کے لئے اولاد کے نام رجسٹری کردی گئی ہے، تو ایسی صورت میں اولاد کے نام رجسٹری کرکے قانونی قبضہ سے دستبردار ہوجانے سے اولاد مالک ہوجاتی ہے اور اولاد کے حق میں قانونی قبضہ حاصل ہوجاتا ہے اور ملک تام حاصل ہونے کے لئے قانونی قبضہ کافی ہے۔اور جائیداد اور عقار ہونے کی وجہ سے قبضہ حقیقی لازم نہیں، قبضہ حکمی کافی ہے۔اور قانونی قبضہ قبضہ حکمی ہے اور قانونی قبضہ کے بعد شخص آخر رکاوٹ نہیں بن سکتا، یہی فقہاء کا بنیادی نقطہ ہے۔

ثم لا خلاف بين أصحابنا في أن أصل القبض يحصل بالتخلية في سائر الأموال. (بدائع الصنائع، كتاب البيوع، تفسير التسليم والقبض، زكريا ٤/ ٤٩٨، كراچی ٥/ ٢٤٤)

اتفق الفقهاء على أن قبض العقار يكون بالتخلية والتمكين من اليد والتصرف، فإن لم يتمكن منه بأن منعه شخص آخر من وضع يده عليه، فلا يعتبر التخلية قبضا، كما اشترط الحنفية أن يكون العقار قريبا، فإن كان بعيدا فلا تعتبر التخلية قبضا، وهو رأى الصاحبين؟ وظاهر الرواية والمعتمد في المذهب خلافا لأبي حنيفة. (الموسوعة الفقهية ٣٢/ ٢٥٩)

ولو باع ضيعة في الصحراء وسلمها إليه، فإن كانت قريبة عنه بحيث يتصور فيه القبض الحقيقي في الحال يكون قبضا وإلا فلا، والناس عنه غافلون، وهو الصحيح، وظاهر الرواية. (الحموي على الأشباه كراچی ١/ ٣٢٧)

اس کے بعد اولاد کا باپ کی سرپرستی میں رہنا اور باپ کے حکم کے ماتحت میں چلنا اور باپ کا

اپنے اختیارات چلاتے رہنااور اولاد کا اس پر اعتراض نہ کرنا محض ازقبیل تعظیم ہے، ازقبیل تملیک نہیں ہے۔اوراسی کاعرف اورتعامل جاری ہے، نیز اگر باپ اولاد کے اختیار کے بغیر رجسٹری شدہ جائیداد کو اپنے نام کرانا چاہے تو قانوناً نہیں کراسکتا، پورا اختیار اولاد کو حاصل ہو جاتا ہے۔سوال نامہ میں جن جائیدادوں کے اولادوں کے نام رجسٹری کردینے کا ذکر ہے، وہ ازقبیل بیع تلجیہ نہیں ہے؛ بلکہ ازقبیل تملیک رجسٹری ہے، اس کی دلیل خود سوال نامہ میں موجود ہے کہ جب میت سے لڑکیوں کے نام نہ لکھنے کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا تھا کہ لڑکیوں کے پاس سسرالی جائیداد کافی ہے، یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ مذکورہ رجسٹری ازقبیل تلجیہ نہیں ہے؛ بلکہ ازقبیل تملیک ہے، ہاں البتہ یہ بات دوسری ہے کہ باپ نے اولاد کے ساتھ یکسانیت کا معاملہ نہیں کیا ،بعض کو دیا اور بعض کو نہیں دیا، اسکی وجہ سے باپ گنہگار ہوگا؛ لیکن باپ کی طرف سے تملیک صحیح ہوگئی؛ لہٰذا مرحوم کی وفات کے بعد جو جائیداد جس کے نام سے رجسٹری کی گئی ہے، وہی اس کا مالک ہوگا، اس کے بعد مابقیہ جائیداد اور ترکہ تمام شرعی ورثاء کے درمیان حصص شرعی کے اعتبار سے تقسیم ہوگا۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ / ربیع الاول ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۱۹۲/۳۸)

اولاد کے نام جائیداد خریدنے کا حکم

سوال [۸۷۸۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک صاحب جن کے ایک بیوی سے چار لڑکے ہیں، جن کی عمر گذشتہ وقت میں سات برس سے لے کر بارہ برس کی تھی ، ان کے والد نے ایک پلاٹ قریب دس بیگہ کا دہلی روڈ پران چاروں کے نام سے خریدا، اس پلاٹ کو خرید کئے ہوئے تقریباً ۲۵ /سال ہوگئے، ان کے والد نے اپنے دوسرے لڑکوں کے نام سے بھی جائیداد کی خرید وفروخت کی اور اب بھی

کرتے رہتے ہیں، اس پلاٹ کو قریب پانچ سال قبل ایم ڈی اے نے قبضہ میں لے لیا، ایم ڈی اے سے ان کے والد نے مقدمہ بازی اپنے خرچ سے کی، جس میں تقریباً تین لاکھ روپئے خرچ ہوئے، اس پلاٹ کی دیکھ بھال والد کے ذمہ تھی اور اس کی کاشت وغیرہ کی جو کچھ بھی آمدنی آتی تھی وہ والد کے پاس ہی آتی تھی۔ اور یہ پلاٹ بھی والد ہی کے قبضہ ودخل میں تھا، ان چاروں لڑکوں کی پرورش تعلیم وتربیت والد ہی نے کی ہے، ان لوگوں کی شادی بیاہ بھی والد نے اپنے خرچ سے کی ہیں، اب چاروں بیوی بچے والے ہیں، کچھ عرصہ قبل ان کے والد نے ان چاروں کو دو لاکھ روپئے فی کس یہ کہہ کر دے دئے کہ تم لوگ میری مرضی و کہنے پر عمل نہیں کرتے ہو اور ہر بات میں اپنی من مانی کرتے ہو؛ لہٰذا ان روپئے سے جو بھی کاروبار تم لوگ اپنی مرضی سے کرنا چاہتے ہو کرلو۔

ایم ڈی اے سے مقدمہ بازی تقریباً چار سال رہی اور بالآخر ایم ڈی اے پر بہتر لاکھ روپئے کی ڈگری ہوئی ایم ڈی نے اس ڈگری کے خلاف ہائی کورٹ الہ آباد میں اپیل کردی جو کہ چل رہی ہے، اس کی پیروی وخرچ وغیرہ ان لوگوں کے والد ہی کر رہے ہیں، ان چاروں کو اس کا پتہ نہ پہلے معلوم تھا اور نہ اب ہے، اب والد نے حتی الامکان کوشش کر کے ساڑھے سترہ لاکھ روپئے ایم ڈی سے جمع کرا دیا اور واؤچر بنوا کر بڑے لڑکے کو دلوا دیا، روپئے ملتے ہی ان چاروں لڑکوں نے آپس میں ساز باز کی کہ کسی طرح سے یہ روپئے والد کو نہ دے کر خود ہڑپ کرلئے جائیں؛ لہٰذا ان چاروں نے اپنے بیوی بچوں کو بھی شامل کر کے یہ پلان بنایا کہ آپس میں جھگڑے کا ناٹک کیا جائے، بہر حال جب ان کے والد آفس سے فارغ ہو کر اپنے کمرے میں آئے تو یہ چاروں معہ اپنی بیوی بچوں کے پلان کے مطابق کمرے میں آئے اور آتے ہی جھگڑا شروع کر دیا، جب ان کے والد نے ان کو خاموش کر کے یہ معلوم کیا کہ کیا معاملہ ہے؟ تم لوگ آپس میں جھگڑا کس بات پر کر رہے ہو؟ تو تین لڑکوں نے کہا کہ یہ ہمارا بڑا بھائی ہم کو ہمارے روپئے نہیں دیتا، ہم اس کو مار ڈالیں گے، والد نے اس پر سوچا کہ روپئے ان کے قبضہ میں ہیں اور یہ لوگ بدنیت ہو گئے ہیں، پھر بھی والد نے ان تینوں سے کہا کہ تم کو اور تمہارے

بڑے بھائی کو روپئے سے کیا مطلب؟ یہ روپئے تو میرے ہیں تمہارے پاس امانت میری ہے اور مجھے یہ روپئے تم کو دینا چاہیئے، والد نے یہ بھی کہا کہ میرے دیگر دوسرے لڑکے ہیں ان کے نام سے بھی خرید وفروخت میں کرتا ہوں، جب بھی کسی پلاٹ وغیرہ کی رقم آتی ہے تو وہ لڑکے یہی کہتے ہیں کہ یہ زمین آپ نے ہی خریدی ہے، اس کا ہم سے کوئی تعلق نہیں ہے اور وہ رقم بھی میرے ہی پاس رہتی ہے، لڑکے نہیں لیتے۔

(۲) آپ سے درخواست ہے کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں فتویٰ صادر فرمائیں کہ یہ روپئے جو ان چاروں لڑکوں نے بدنیتی سے ہڑپ کئے ہیں، اگر یہ واپس نہیں کرتے ہیں، تو قیامت کے دن یہ لوگ عذاب کے حق دار ہوں گے یا نہیں؟ جب کہ اس پلاٹ کی خریداری میں ان کا ایک پیسہ بھی نہیں ہے۔

المستفتی: اختر جہاں گلشہید مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: خط کشیدہ عبارات سے واضح ہوتا ہے کہ والد نے مذکورہ جائیداد سوال نامہ میں ذکر کردہ لڑکوں کے نام سے تو خریدی ہے، مگر ان کو باقاعدہ قبضہ دے کر مالک نہیں بنایا، جیسا کہ والد کا اس کی دیکھ بھال اور مقدمہ کے سلسلہ میں بھاگ دوڑ اور اس کے اخراجات وغیرہ خود اپنی طرف سے کرنے سے صاف واضح ہو رہا ہے، اور اس طرح پر کسی کے نام سے خریدنے کو شریعت میں بیع التلجئہ کہا جاتا ہے۔ اور اس طریقہ پر خریداری میں جن کے نام سے خریدا جاتا ہے وہ شرعی طور پر مالک نہیں ہوتے؛ بلکہ مالک وہی ہوتا ہے جو از خود خریدتا ہے؛ اس لئے مذکورہ جائیداد شرعی طور پر والد ہی کی ملکیت میں داخل ہے، جن لڑکوں کے نام سے خریدی ہے وہ اس جائیداد اور اس کی قیمت کے مالک نہیں ہیں؛ لہٰذا ایم ڈی اے کی طرف سے جو رقم ملی ہے اور جو کچھ آئندہ ملنے والی ہے وہ سب کی سب والد ہی کی ملکیت ہے، ان میں مذکورہ لڑکوں کا شرعی طور پر کوئی حق نہیں ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۳/۳۶)

وبيع التلجئة ويأتي متنا في الإقرار، وهو أن يظهر عقدا وهما

لايريدانه يلجأ إليه لخوف عدو، وهو ليس ببيع في الحقيقة، بل كالهزل .
(الدرالمختار مع الرد، كتاب البيوع، باب المصرف، مطلب في بيع التلئجة زكريا ٧/ ٥٤٢، كراچی ٥/ ٢٧٣، هندية زكريا قديم ٣/ ٢٠٩، جديد ٣/ ١٩٦، المبسوط للسرخسي، دارالكتب العلمية بيروت ٢٤/ ١٢٢، بدائع الصنائع زكريا ٤/ ٣٨٩، كراچی ٥/ ١٧٦، الفقه الإسلامي و أدلته، هدى انٹرنيشنل ديو بند ٤/ ١٢٧-١٢٨، دارالفكر ٥/ ٣٣٢٥، الموسوعة الفقهية الكويتية ٩/ ٦٢، قواعد الفقه أشرفي، ص: ٢١٣، معجم لغة الفقهاء، كراچی، ص: ١١٣، معجم المصطلحات والألفاظ الفقهية، دارالفضيلة ١/ ٤٠٥)

اوراگر مذکورہ لڑکے حیلہ بازی کرکے یاوالد کوایذااور تکلیف پہنچا کران رقوم میں سے کوئی بھی رقم ہڑپ کرلیں گے، تو وہ سب لڑکے عند اللہ سخت گنہگار رہوں گے اور قیامت کے دن سخت ترین عذاب کے مستحق ہوں گے۔ اور بہت ممکن ہے کہ دنیا میں بھی تنگدستی کی سزا بھگتنی پڑے۔ حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا مندی والد کی رضا مندی میں ہے۔ اوراللہ تعالیٰ کی ناراضگی والدکی ناراضگی پر ہے۔

قال رسول الله ﷺ: رضى الرب في رضى الوالد، وسخط الرب في سخط والد. الحديث. (ترمذي شريف ٢/ ١٢)

ایک ضروری نوٹ:- اسی مسئلہ کے بارے میں ہمارے دارالافتاء سے ۹/ رمضان المبارک ۱۴۱۵ھ کومہتاب عالم، خورشید عالم، آفتاب عالم، منظور عالم کے نام سے جو جواب حاصل کیا گیا ہے وہ اس قید سے مقید ہے کہ اگر باپ نے لڑکوں کو قبضہ دے کر مالک بنا دیا ہے، تب لڑکے مالک ہیں، اب اس سوال سے معلوم ہوا کہ واقعہ اس کے برعکس اور برخلاف ہے؛ اس لئے آج کا لکھا ہوا جواب ہی قابل عمل ہے۔ نیز ۱۹/ رمضان کا لکھا ہوا جواب اوراس کی وضاحت بھی ساتھ میں منسلک ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۱۵/۱۰/۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۱۷۶)

لڑکوں کے نام سے جائیداد خریدی تو وہ کس کی ملک ہوگی؟

سوال [۸۷۸۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عرصہ سے زید ایک کرایہ کے مکان میں رہتا تھا، مکان مالک نے اس سے مکان خالی کرنے کو کہا، تو یہ بات طے ہوئی کہ یا تو آپ ۵۰۰۰۰؍روپئے دے دیں یا لے لیں، طے یہ ہوا کہ مکان مالک مذکورہ رقم دے کر کرایہ دار کو مکان فروخت کرنے پر راضی ہوگیا، کرایہ دار کے پاس ادا کرنے کے لئے پیسہ نہیں تھے؛ اس لئے اس مقبوضہ مکان میں سے کچھ زمین فروخت کر کے چالیس ہزار روپئے دے دیئے اور دس ہزار روپئے زید کے دولڑکوں نے ادا کئے اور مکان زید کے دولڑکوں کے نام رجسٹری ہوگیا۔ دریافت طلب یہ امر ہے کہ باقی بھائی بہنوں اور زید کی بقیہ اولاد کو اس مکان میں سے حصہ ملے گا یا نہیں؟۔

المستفتی: صادق حسین منصوری، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مذکورہ جائیداد خریدتے وقت جن لڑکوں نے دس ہزار روپئے ادا کئے ہیں وہ زید ہی کے ساتھ اس کی فیملی میں رہ چکے ہیں، تو صرف نام کردینے سے ملکیت ان لڑکوں کی ثابت نہ ہوگی؛ بلکہ پوری ملکیت شرعاً زید کو حاصل ہوگی اور زید کے مرنے کے بعد زید کے تمام ورثاء اس میں شرعی حصوں کے حق دار ہوں گے۔

الأب وابنه يكتسبان في صنعة واحدة ولم يكن لهما شيء، فالكسب كله للأب إن كان الابن في عياله؛ لكونه معينا له. (شامي، كتاب الشركة، مطلب اجتمعا في دار واحدة واكتسبا ولا يعلم التفاوت فهو بينهما بالسوية، زكريا ٦/ ٥٠٢، كراچی ٤/ ٣٢٥، تنقيح الفتاوى الحامدية ٢/ ١٨)

نیز کسی مصلحت سے اولاد میں سے کسی کے نام کردینے سے جس کے نام کیا جائے وہ مالک

نہیں ہوتا ہے، نیز اگر روپئے دینے والے لڑکے باپ سے الگ تھے تب بھی ان لڑکوں کے لئے ملکیت ثابت نہ ہوگی؛ بلکہ دس ہزار قرض باپ پر اور باپ کی موت کے بعد ورثاء پر ثابت ہوسکتا ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی زکریا ۳/ ۳۸۰)

وبيع التلجئة ويأتي متنا في الإقرار، وهو أن يظهر عقدا وهما لا يريدانه يلجأ إليه لخوف عدو، وهو ليس ببيع في الحقيقة، بل كالهزل.

(الدرالمختار مع الرد، كتاب البيوع، باب الصرف، مطلب في بيع التلئجة زكريا ٧/ ٥٤٢، كراچي ٥/ ٢٧٣، هندية زكريا قديم ٣/ ٢٠٩، جديد ٣/ ١٩٦، المبسوط للسرخسي، دارالكتب العلمية بيروت ٢٤/ ١٢٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍ربیع الثانی ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۳۱۵۰)

خوف کے سبب عارضی طور پر کسی کے نام جائیداد

سوال [۸۷۸۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک جائیداد رہائش پذیر اب ۲۹ ؍سال قبل کسی مصلحت کی بنا پر (یعنی والد صاحب بہت زیادہ مقروض ہوگئے تھے، جائیداد پر حملہ ہونے کا خطرہ تھا؛ اس لئے چچا کے نام ۲-۳ سال کے لئے کردی تھی، میرے والد حاجی مشیت اللہ مرحوم نے اپنے حقیقی بھائی شمس الدین مرحوم کے نام بیچ کر کے رجسٹری کردی تھی اور زبانی طے تھا کہ ۲-۳ سال کے بعد واپس کرنی ہوگی، دونوں فریق اقراری تھے، ۲-۳ سال گذر جانے پر قول وقرار کے مطابق میرے والد صاحب نے اپنی مملوکہ جائیداد واپس لینے کی مانگ کی، چچا نے واپس کرنے سے صاف انکار کردیا۔ ۱۹۶۵ء میں میرے والد مرحوم حاجی مشیت اللہ صاحب کا انتقال ہوگیا، ہم پانچ بھائی چار بہنیں ہیں، سب کے سب شادی شدہ اور حیات ہیں، والد صاحب کے زمانہ سے

اسی آراضی میں مقیم ہیں اور قابض ہیں، نام اس طرح ہیں: انوری بیگم، عبدالوحید، عبدالباری، عبدالسلام، شرافت جہاں بیگم، ریاست علی، عابدہ شاہین، زاہدہ شاہین، خورشید عالم۔

نوٹ:- عبدالوحید الگ مکان میں کرایہ پر رہتے ہیں، ایک بھائی ریاست علی لاہور منتقل ہوگئے ہیں، تین بھائی عبدالباری، عبدالسلام، خورشید عالم اسی مکان میں مقیم ہیں۔ کل آراضی ۴۱۸ رمربع گز ہے، نصف حصہ پر تین منزلہ عمارت ہے اور نصف حصہ میں کھپریل ۷۱ء میں ہم بھائیوں کے بہت زیادہ اصرار پر میرے چچا شمس الدین نے اپنی اولاد کے لئے ۱۳۷ رمربع گز روک کر بقیہ حصہ ۲۸۱ رمربع گز کی ہم تین بھائیوں کے نام وصیت نامہ اور رجسٹری کردی ہے، ۸۰ء میں چچا محترم شمس الدین صاحب کا بھی انتقال ہوگیا ہے۔

الف: اس عمارت میں شرعاً بہن بھائیوں کا حق نکلتا ہے یا نہیں؟ اگر حق نکلتا ہے تو کتنا؟

ب: قانونی طور پر وصیت نامہ کے مطابق ہم تین بھائی عبدالباری، عبدالسلام، خورشید عالم مالک بنتے ہیں، تو ہم بھائیوں میں کس طرح تقسیم ہوگی؟

المستفتی: منجانب خورشید عالم، حاجی مشیت اللہ مرحوم، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر آپ کے والد مرحوم نے دشمن سے حفاظت ہی کی غرض سے چھوٹے بھائی شمس الدین کے نام کردی تھی، تو شمس الدین اس کا مالک نہیں ہوا۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۳/ ۳۷-۳۸)

بيع التلجئة: البيع الصوري، أن يضطر لإظهار عقد وإبطان غيره مع إرادة ذلك الباطن، كأن يظهر بيع داره لابنه لئلا يستولى عليها السلطان.

(معجم لغة الفقهاء، كراچی، ص: ۱۱۳)

بيع التلجئة: هو العقد الذی يباشره إنسان عن ضرورة ويصير كالمدفوع إليه، صورته: أن يقول الرجل لغيره: أبيع داري منك بكذا في الظاهر ولا يكون بيعا في الحقيقة، ويشهد على ذلك وهو

نوع من الهزل. (قواعد الفقه، أشرفي ص: ۲۱۳، معجم المصطلحات والألفاظ الفقهية، دارالفضيلة بيروت ۱/ ٤٠٥)

لہٰذا وہ حاجی مشیت اللہ کی ملکیت ہے، ان کے مرنے کے بعد ان کی اولاد اس کی حق دار ہوگی، صرف تین بھائیوں کے متعلق وصیت نامہ اس لئے صحیح نہیں ہے کہ شمس الدین خود مالک نہیں ہے؛ بلکہ مشیت اللہ مرحوم کی سب اولاد باپ کی پوری ملکیت میں برابر کی شریک ہوں گی۔
فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/ ذی الحجہ ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۳۹۰)

غلطی سے دوسرے کے نام رجسٹری ہونے سے ملکیت کا حکم

سوال [۸۷۸۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک باغ کی زمین تقریباً آٹھ آدمیوں کے درمیان مشترک تھی، جن کے نام یہ ہیں: (۱) شہاب الدین (۲) الحسن (۳) ابن حسن (۴) شفیق (۵) مستا (۶) اسرار دو کا نام مجھے فی الوقت یاد نہیں ہے؛ لیکن غلطی سے مذکورہ زمین رجسٹری دوسرے آٹھ آدمیوں کے نام ہوگئی، جن کے نام یہ ہیں: (۱) ہادیہ (۲) حسن (۳) شہادت (۴) صابر (۵) نایاب (۶) اسد۔ ان میں سے بھی دو نام یاد نہیں ہیں، پھر دونوں فریق کے درمیان لگ بھگ ۲۵/ سال سے مقدمہ چل رہا ہے، آخر میں وہ لوگ مقدمہ جیت گئے، جن کے نام غلطی سے رجسٹری ہوگئی تھی، اور جو لوگ اصل مالک تھے وہ ہار گئے، اس کے بعد اصل مالکوں میں سے دو شخص: (۱) الحسن (۲) شفیق اور دو نئے آدمی: (۱) منا (۲) ثمر جھیل نے مل کر مذکورہ زمین ان شرکاء سے خریدی جن کے نام غلطی سے رجسٹری ہوگئی تھی؛ البتہ ان میں سے شہادت نے اپنے حصہ کی زمین فروخت نہ کی؛ بلکہ اپنے حصہ پر قابض رہے، مذکورہ مسئلہ کا قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

نوٹ:- مذکورہ زمین جب مؤخر الذکر چار شخصوں: (۱) الحسن (۲) شفیق (۳) منا (۴) ثمر جھیل نے خریدی، تو بقیہ اصل مالک کو اس معاملہ میں آگاہ کئے بغیر خریدی۔

المستفتی: محمد آصف، ممتاز، آفتاب ہائی وے علی گڑھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اول الذکر آٹھ افراد کی زمین اگر غلطی سے مؤخر الذکر آٹھ افراد کے نام رجسٹری ہوگئی ہے، تو مؤخر الذکر آٹھ افراد شرعاً مذکورہ زمین کے ہرگز مالک نہیں بن سکتے ہیں، وہ زمین شرعاً اول الذکر آٹھ افراد کی ہے، ان کی ملکیت سے وہ زمین نہیں نکلی، اگر مقدمہ مؤخر الذکر آٹھ افراد نے جیت لیا تو ان پر واجب ہے کہ جن کی زمین ہے ان کو واپس کردیں۔

عن أبي حمید الساعدي، أن رسول الله ﷺ قال: لا یحل لامرئ أن یأخذ مال أخیه بغیر حقه، وذلک لما حرم الله مال المسلم علی المسلم.

(مسند أحمد بن حنبل ٥/ ٤٢٥، رقم: ٢٣٤٠٠٣)

لا یجوز لأحد أن یأخذ مال أحد بلا سبب شرعي. (قواعد الفقه، أشرفي، ص: ١١٠، رقم: ٢٦٩، هندیة زکریا قدیم ٢/ ١٦٧، جدید ٢/ ١٨١، الموسوعة الفقهیة الکویتیة ٢١/ ١١٢، ٢٨/ ٢٦٤، ٣٧/ ٣٥٤)

اور مؤخر الذکر افراد کے مقدمہ جیتنے کی بنا پر مذکورہ زمین فروخت کرنا ہرگز درست نہیں ہے۔ اور نئے جن دو افراد نے زمین خریدی ہے، ان پر پورا کا پورا واپس کردینا واجب ہے۔ اور اصل مالکوں میں سے جن دو افراد نے خریدی ہے، ان پر اپنے حصہ کے بقدر قبضہ کرکے بقیہ واپس کردینا واجب ہے۔ نیز اپنے حصہ کی رقم واپس لینا بھی ان کا حق ہے، اسی طرح نئے دونوں افراد کے لئے زمین واپس کرتے ہوئے اپنی رقم واپس لینے کا حق ہے۔ نیز شہادت پر بھی قبضہ شدہ زمین اصل مالکان کو واپس کردینا لازم ہے۔

لا یجوز لأحد أن یتصرف في ملک الغیر بغیر إذنه. (قواعد الفقه،

أشرفي، ص: ۱۱۰، رقم: ۲۷۰، شرح المجلة رستم، اتحاد ۱/ ۶۲، رقم المادة: ۹۷)
نیز مؤخرالذکر پر مذکورہ زمین کی رقم استعمال کرنا شرعاً حرام ہے۔

صرح الفقهاء بأن من اكتسب مالا بغير حق، فإما أن يكون كسبه بعقد فاسد، كالبيوع الفاسدة -إلى- أو بغير عقد، كالسرقة، والغصب، والخيانة، والغلول، ففي جميع الأحوال المال الحاصل له حرام عليهم -إلى- ولكن إن أخذه من غير عقد ولم يملكه يجب عليه أن يرده على مالكه إن وجد المالك. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارنپور ۱/ ۳۷، دارالبشائر الإسلامية ۱/ ۳۵۹، تحت رقم الحديث: ۵۹، هندية زكريا قديم ۵/ ۳۴۹، جديد ۵/ ۴۰۴، تبيين الحقائق، مكتبة إمداديه ملتان ۶/ ۲۷، زكريا ۷/ ۶۰)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸ر شوال المکرم ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۴۴۳/۲۵)

مصلحتاً بڑے لڑکے کے نام بیع نامہ کرانے سے ملکیت کا حکم

سوال [۸۷۸۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص نے مکان خریدا اور اپنے بڑے لڑکے کے نام کردیا اور اس کا بیع نامہ قانوناً کردیا، مگر زبانی بڑے لڑکے کو وصیت کردی کہ میرے مرنے کے بعد اپنے سب بھائی بہن کو حصہ دے دینا، اگر بڑا لڑکا باپ کے مرنے کے بعد اس زبانی وصیت سے منحرف ہوکر انکار کردے اور کہے کہ میرے باپ نے قانوناً مکان مجھے دیا ہے میں کسی کو نہیں دوں گا ایسی صورت میں شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے؟ اور بیٹی کا باپ کی جائیداد میں کتنا حصہ ہے؟

المستفتی: امینہ بیگم، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قانوناً مصلحتاً بڑے لڑکے کے نام بیع نامہ کردینے کی وجہ سے بڑا لڑکا اس کا شرعاً مالک نہیں ہوا ہے؛ بلکہ اس میں حسب وصیت سب ورثاء حق دار ہوں گے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی زکریا ۳/ ۳۷)

وبيع التلجئة ويأتي متنا في الإقرار، وهو أن يظهر عقدا وهما لايريدانه يلجأ إليه لخوف عدو، وهو ليس ببيع في الحقيقة، بل كالهزل.

(الدرالمختار مع الرد، كتاب البيوع، باب المصرف، مطلب في بيع التلجئة زكريا ٧/ ٥٤٢، كراچی ٥/ ٢٧٣، قواعد الفقه أشرفي، ص: ٢١٣، الموسوعة الفقهية الكويتية ٩/ ٦٢، هندية، زكريا قديم ٣/ ٣٠٩، جديد ٣/ ١٩٦)

نیز بیٹی کو بیٹے کے مقابلہ میں آدھا ملے گا۔

يُوصِيكُمُ اللّٰهُ فِيْ اَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ. [النساء: ١١] فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/ محرم ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۰۸۷)

انکم ٹیکس سے بچنے کی غرض سے کاروبار بیوی بچوں کے نام کرنے کا حکم

سوال [۸۷۸۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مستفتی کاروبار کا بانی بھی ہے اور اس نے جملہ بنیادی سرمایہ بھی لگایا ہے۔ اور ۱۹۴۷ء سے تا ایں یوم تقریباً پینتالیس سال تک مسلسل کاروبار میں مصروف کار بھی ہے اور شروع سے اخیر تک جملہ معاملات میں اس کی مرضی واختیار کو دخل بھی رہا ہے، سوائے مختصر اوقات کے جب کہ وہ اور اس کی زوجہ شدید طور سے علیل ہوگئے تھے، اس نے اپنا سارا وقت

کاروبار میں صرف کیا ہے اور اخراجات میں بھی اس نے اپنی ذات پر کوئی نمایاں رقم صرف نہیں کی ہے اور فرزندان میں سے کسی ایک فرد نے مسلسل محنت کے علاوہ ایک پیسہ سرمایہ کی شکل میں نہیں لگایا ہے، ایسی صورت میں مذکورہ بالا حالات کی بنا پر کاروبار متعلقہ کا مستفتی مالک ہے یا نہیں؟ جب کہ مستفتی نے اپنے پورے کاروبار کو اپنے چار فرزندان اور بیوی کے نام انکم ٹیکس سے بچنے کے لئے کر دیا تھا۔

(۲) اگر دفعہ ایک کا جواب اثبات میں ہو تو فرزندان میں سے کوئی جو رقومات مذکورہ کاروبار سے بلا اجازت مستفتی نکال کر اپنے بچوں کے تصرف میں لے آیا ہے، اس کا یہ فعل جائز ہے یا ناجائز؟ اور وہ اس کی واپسی کا ذمہ دار ہے یا نہیں؟

(۳) اگر فرزندان میں سے کوئی فرزند کوئی شئ مثلاً گاڑی وغیرہ بلا اجازت مستفتی کاروبار مذکور کی منفعت سے حاصل کر کے اپنے استعمال میں لا رہا ہے اور اس کے استعمال میں کاروبار کی جو رقم صرف ہو رہی ہے، اس کا یہ فعل شرع کی روشنی میں کیا حیثیت رکھتا ہے؟

(۴) فرزندان میں سے جس کے یا جن کے قبضہ میں یا تحویل میں کاروبار سے متعلق جو رقومات یا دیگر اشیاء کسی بھی شکل میں اور کسی بھی جگہ موجود ہیں، تو وہ شرعاً مستفتی کی امانت ہیں اور فرزند یا فرزندان متعلقہ اس کو بحیثیت امین مستفتی کے حق میں منتقل کرنے کے یا اس کو واپس کرنے کے ذمہ دار ہیں یا نہیں؟

(۵) علماء کی رائے میں جب فرزندان کے جملہ اخراجات و دیگر ضروریات بشمول شادیاں وغیرہ پر تصرف کی کفالت شروع سے اخیر تک کاروبار مذکور سے ہوتی رہی ہے، تو فرزندان میں سے کوئی حق المحنت کا بھی حق دار نہیں ہے، کیا علماء کی یہ رائے صحیح اور درست ہے؟

(۶) فرزندان اول و دوئم نے جو علیحدہ کاروبار اپنے یا اپنے بیٹوں کے نام سے بلا اجازت مستفتی کرایا ہے اور اس کے پس پشت مستفتی کے کاروبار مذکور کا سرمایہ ہے، وہ دونوں کاروبار اور اس سے جو منفعت حاصل ہوئی ہے وہ مستفتی کے کاروبار کا جزو متصور ہوگا یا نہیں؟ اور وہ جزو مستفتی کے حق میں منتقل یا اس کو ادا کرنے کے فرزندان متعلقہ یا اس کے بیٹے ذمہ دار ہیں یا نہیں؟

(۷) جیسا کہ دفعہ نمبر: ۵ میں عرض کیا گیا ہے، علماء کی رائے میں فرزندان حق المحنت کے بھی مستحق نہیں ہیں، تاہم اگر کسی زاویہ نظر سے مستفتی کے فرزندان بطور حق المحنت منفعت کے کسی جزو کے حق دار ہیں بھی تو فرزندان مذکور میں سے وہ صرف اس کاروبار کے منفعت کے کسی جزو کے حق دار ہیں، جس میں انہوں نے کام کیا ہے یا جملہ فرزندان مجموعی طور سے جملہ کاروبار کے نفع ونقصان کے حق دار یا ذمہ دار ہیں، ہر کاروبار کے نفع ونقصان کا حساب وکتاب علیحدہ علیحدہ مرتب ہوتا رہا ہے۔

(۸) زکوۃ کے سلسلہ میں فرزندان کی جانب سے مستفتی کی ہدایت پر عدم تعمیل کی صورت میں مستفتی شرعی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہو جائے گا یا نہیں؟

المستفتی: عین الحسن نمبر: ۳۰ ررانی لچھمی بائی مارگ الگن روڈ کانٹن منیٹ، کانپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: (۱) اگر انکم ٹیکس سے حفاظت کی غرض سے مستفتی نے فرزندوں اور بیوی کے نام کاروبار کردیا ہے اور پھر کاروبار کے جملہ معاملات میں سائل کی مرضی واختیار کا بھی دخل رہا ہے، تو ایسی شکل کو شریعت میں بیع تلجئہ کہا جاتا ہے۔ اور بیع تلجئہ میں جن لوگوں کے نام کیا جاتا ہے وہ لوگ شئ مبیع کے مالک نہیں ہوا کرتے ہیں؛ بلکہ شئ بحالہ اصل مالک کی ملکیت میں رہ جاتی ہے؛ اس لئے سوال نامہ کی درج شدہ شکل میں جمیع کاروبار کا مستفتی خود مالک ہے۔ اور فرزندان اور بیوی کی ملکیت میں کاروبار کا کوئی جزو داخل نہ ہوگا۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۳/ ۳۱)

وبيع التلجئة: وهو أن يظهر عقدا وهما لايريدانه يلجأ إليه لخوف عدو، وهو ليس ببيع في الحقيقة، بل كالهزل. (الدرالمختار مع الرد، كتاب البيوع، باب الصرف، مطلب في بيع التلجئة زكريا ٧/ ٥٤٢، كراچی ٥/ ٢٧٣، هندية، زكريا قديم ٣/ ٢٠٩، جديد ٣/ ١٩٦، بدائع الصنائع زكريا ٤/ ٣٨٩، كراچی ٥/ ١٧٦)

بيع التلجئة: البيع الصوري أن يضطر لإظهار عقد وإبطان غيره مع

إرادة ذلک الباطن کأن یظهر بیع داره لابنه لئلا یستولي علیها السلطان.
(معجم لغة الفقهاء، کراچی ،ص: ۱۱۳، قواعد الفقه، أشرفي ۲۱۳، معجم المصطلحات والألفاظ الفقهیة، دارالفضیلة ۱/ ۴۰۵)

اوراگر بالفرض کاروبار میں باپ کی محنت بہت کم شامل رہی ہے، یابالکل نہیں رہی، مگر باپ کے زیر تحت کاروبار چل رہاہے، تب بھی سارے کاروبار اورمنافع کا تنہا باپ ہی مالک ہوگا۔

الأب وابنه یکتسبان في صنعة واحدة ولم یکن لهما شيء، فالکسب کله للأب إن کان الابن في عیاله؛ لکونه معینا له. (شامي، کتاب الشرکة، مطلب اجتمعا في دار واحدة واکتسبا ولا یعلم التفاوت فهو بینهما بالسویة، زکریا ۶/ ۵۰۲، کراچی ۴/ ۳۲۵، تنقیح الفتاوی الحامدیة ۲/ ۱۸)

(۲) جب ایک ساتھ ایک فیملی میں مستفتی کے زیر تحت فرزندان رہے ہیں اور فرزندان اپنا وقت باپ کے کاروبار میں لگا رہے ہیں، تو اس درمیان میں سب کے اخراجات کا ذمہ دار مستفتی (باپ) ہی رہا ہے؛ لہٰذا اس دوران باپ نے ان کے بال بچوں کے کماحقہ اخراجات ادانہیں کئے ہیں، تو بلا اجازت اپنے معیار زندگی کی ضرورت کے بقدر لے کر بال بچوں میں خرچ کرنا جائز تھا۔ حدیث میں اس کی اجازت آئی ہے:

عن عائشة –رضي الله عنه– قالت: دخلت هند بنت عتبة امرأة أبي سفیان –رضي الله عنه– علی رسول الله ﷺ، فقالت: یا رسول الله! إن أبا سفیان رجل شحیح، لا یعطیني من النفقة ما یکفیني، ویکفي بنيّ إلا ما أخذت من ماله بغیر علمه، فهل علي في ذلک من جناح، فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم: خذي من ماله بالمعروف ما یکفیک، ویکفي بنیک. (مسلم شریف، باب قضیة هند، النسخة الهندیة ۲/ ۷۵، بیت الأفکار، رقم: ۱۷۱۴)

(۳) مذکورہ کاروبار سے بلا اجازت جو گاڑی خریدی ہے شرعاً وہ گاڑی خریدنے والے کی ملکیت میں داخل نہ ہوگی؛ بلکہ مستفتی (باپ) ہی اس کا مالک ہوگا، جیسا کہ جواب نمبر:۱ کی عبارت نمبر:۲؍ سے واضح ہوتا ہے۔

وبیع التلجئة: وهو أن یظهر عقدا وهما لایریدانه یلجأ إلیه لخوف عدو، وهو لیس ببیع في الحقیقة، بل کالهزل. (الدرالمختار مع الرد، کتاب البیوع، باب الصرف، مطلب في بیع التلئجة زکریا ٧/ ٥٤٢، کراچی ٥/ ٢٧٣، هندیة، زکریا قدیم ٣/ ٢٠٩، جدید ٣/ ١٩٦ ، بدائع الصنائع زکریا ٤/ ٣٨٩، کراچی ٥/ ١٧٦)

بیع التلجئة: البیع الصوري أن یضطر لإظهار عقد وإبطان غیره مع إرادة ذلک الباطن کأن یظهر بیع داره لابنه لئلا یستولي علیها السلطان.

(معجم لغة الفقهاء، کراچی ،ص: ١١٣، قواعد الفقه، أشرفي ٢١٣، معجم المصطلحات والألفاظ الفقهیة، دارالفضیلة ١/ ٤٠٥)

(۴) جی ہاں یہ سب رقوم مستفتی کوواپس کردینا لازم ہے۔

(۵) جی ہاں علماء کی مذکورہ رائے درست اور صحیح ہے۔

(٦) فرزنداول ودوئم نے جوکاروبار اپنے اوراپنے فرزندوں کے نام سے الگ قائم کئے ہیں اوراس کا رأس المال اورسرمایہ پہلا کاروبار ہے، جس کا مالک مستفتی ہے،تو اس میں دو صورتیں سامنے آتی ہیں:

(۱)فرزندان دوئم نے یہ کاروبار باپ کی فیملی اور زیرتحت رہ کرقائم کیاہے،تو ایسی صورت میں ان کے قائم کردہ کاروبار بھی مستفتی ہی کی ملکیت میں ہوگا اوراس میں باپ کی وفات کے بعد تمام ورثاءحق دار ہوں گے۔

(۲) مذکورہ فرزندان نے باپ سے الگ ہوکرقائم کیا ہے، تو ایسی صورت میں قائم کردہ کاروبار کے مالک وہی فرزندان ہوں گے؛ البتہ اس میں مذکورہ فرزندوں نے باپ کے کاروبار سے جورأس المال اورسرمایہ لے کرلگایا ہے،اس کا تاوان ادا کرنا لازم ہوسکتا ہے، اس سے زیادہ نہیں۔

(۸) اگرسنین ماضیہ کی زکوۃ حساب لگاکرنہیں دی گئی ہےاوراس سے سبکدوش ہونا چاہتا ہے، توتخمینہ لگاکر کچھ زائد دے دیں۔(مستفاد: فتاوی دارالعلوم ٦/ ١٤٨)

جب کاروبار میں مستفتی کا اختیار رہا ہے تو مستفتی پر لازم ہے کہ تمام مال میں سے تخمینہ لگا کر سنین ماضیہ کی لازم شدہ زکوۃ ادا کردے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳ رجمادی الاولیٰ ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۳۱۹۸)

بیوی کے نام زمین کرانے سے ملکیت کا حکم

سوال [۸۷۸٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص نے اپنے لئے زمین خریدی اور اپنی ہی ملکیت کی وضاحت کرتے ہوئے اپنی بیوی کے نام رجسٹری کرائی اور بعد رجسٹری کے بیوی اپنی ملکیت کو ثابت کرتی ہے، جب کہ شوہر انکار کرتا ہے، تو حکم شرع کیا ہے؟ آیا رجسٹری کو اصل ملک مانیں گے یا شوہر کی ملکیت مانیں گے کہ شوہر نے اپنے لئے ہی خریدا ہے؟ ایسی وضاحت مطلوب ہے جس سے یقین محکم حاصل ہو جائے۔

المستفتی: محمد عمران، کٹیہاری، بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس صورت میں جب کہ شوہر نے اپنے ہی پیسے سے اپنے لئے زمین خریدی ہے اور کسی مصلحت سے بیوی کے نام کرادی تو محض نام کرانے سے وہ زمین بیوی کی ملکیت نہیں ہوتی ہے؛ بلکہ خریدی ہوئی چیز زمین شوہر ہی کی ملکیت ہوگی اور اس کو شریعت کی اصطلاح میں ''بیع التلجئۃ'' کہا جاتا ہے؛ اس لئے کہ کسی کے نام محض رجسٹری کرا دینے سے وہ زمین اس کی نہیں ہو جاتی، جب تک کہ حقیقتاً اس کو مالک بنانے کی نیت سے اس کے قبضہ میں نہ دے دی جائے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۳/ ۳٦-۳۷، فتاوی محمودیہ قدیم ٦/ ۲۸۰، جدید اشرفیہ ۱٦/ ۳۹)

وبيع التلجئة : وهو أن يظهر عقدا وهما لايريدانه يلجأ إليه لخوف عدو، وهو ليس ببيع في الحقيقة، بل كالهزل . (الدرالمختار مع الرد، كتاب البيوع، باب الصرف، مطلب في بيع التلجئة زكريا ۷/ ۵٤۲، كراچى ٥/ ۲۷۳، هندية، زكريا قديم ۳/ ۳۰۹، جديد ۳/ ۱۹٦ ، بدائع الصنائع زكريا ٤/ ۳۸۹، كراچى ٥/ ۱۷٦، المبسوط للسرخسي، دارالكتب العلمية بيروت ۲٤/ ۱۲۲)

بيع التلجئة: هو العقد الذى يباشره إنسان عن ضرورة ويصير كالمدفوع إليه، صورته: أن يقول الرجل لغيره: أبيع داري منك بكذا في الظاهر ولا يكون بيعا في الحقيقة، ويشهد على ذلك وهو نوع من الهزل. (قواعد الفقه، أشرفي ص: ۲۱۳، معجم المصطلحات والألفاظ الفقهية، دارالفضيلة بيروت ۱/ ٤۰٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ر جمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۱۳۰)

بیوی بچوں کے نام بیع نامہ کرانے سے ملکیت ثابت نہیں ہوتی

سوال [۸۷۸۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: حافظ عبدالحمید صاحب نے ایک بیع نامہ اپنے دولڑکوں: عبدالباری (اس وقت عمر ۱۲ر سال) وعبدالہادی (اس وقت عمر ۲ر سال) کے نام کرایا تھا، جس کا پیسہ انہوں نے ہی دیا تھا، بعد میں ان کے مزید لڑکے پیدا ہوئے، شرعی طور پر وہ جائیداد جن کے نام ہے، ان کی مانی جاوے گی یا حافظ عبدالحمید (پدر جنہوں نے روپیہ خرچ کیا تھا) کی مانی جاوے گی؟ نیز حافظ عبدالحمید صاحب نے اپنے زمانہ حیات میں بھی کبھی یہ نہیں کہا کہ یہ جائیداد میں نے عبدالباری یا عبدالہادی ہی کے لئے خریدی ہے اور نہ یہ کہا کہ یہ جائیداد میں انہیں کو دیتا

ہوں، یعنی ہبہ بھی نہیں کیا، نیز خریداری کے وقت جائیداد خام تھی، بعد میں کچھ جائیداد حافظ عبدالحمید ہی نے اپنے پیسے سے تعمیر کرائی اور کچھ جائیداد عبدالہادی ودیگر لڑکوں نے تعمیر کرائی اوراس میں تمام لڑکے سکونت پذیر رہے، عبدالباری صاحب نے دیگر مکان خرید کر تعمیر کرلیا اوروہ اسی میں سکونت رکھتے ہیں، اس خریدی ہوئی جائیداد سے سکونت ترک کردی، عبدالباری صاحب کا انتقال ہوگیا، ان کے بچے اس جائیداد میں سکونت پذیر ہیں، عبدالباری صاحب کا یہ کہنا ہے کہ یہ جائیداد ہمارے باپ نے اپنے پیسے سے خریدی تھی، ہم اس وقت نابالغ تھے، ہمارا کوئی پیسہ بھی والدصاحب کے پاس جمع نہیں تھا؛ اس لئے یہ جائیداد تمام بھائیوں کی ہے، عبدالہادی مرحوم نے یاان کے بچوں نے عبدالباری جیسے الفاظ کبھی نہ کہے، وہ اس معاملہ میں خاموش رہے، مکرر یہ ہے کہ حافظ عبدالحمید صاحب بھی اپنی حیات میں یہی کہتے رہے کہ یہ جائیداد میرے سب بچوں کی ہے۔

المستفتی: محمد یعقوب ومحمد فاروق، پسران حافظ عبدالحمید صاحب مرحوم، باغ بہادرگنج، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شریعت اسلامی میں بیوی یا بچے کے نام بیعانہ کرانے کی وجہ سے ملکیت ثابت نہیں ہوتی ہے؛ بلکہ ملکیت اصل مالک کی باقی رہتی ہے؛ اس لئے مذکورہ صورت میں عبدالحمید نے جس زمین کا بیع نامہ اپنے لڑکے عبدالباری وعبدالہادی کے نام کرایا ہے، وہ عبدالحمید کی ملکیت سے خارج نہیں ہوئی ہے؛ اس لئے اس میں شرعاً عبدالحمید کے تمام ورثاء کا حق وابستہ ہوگا۔اورکسی کومحروم کرناجائز نہ ہوگا۔ (مستفاد: امدادالفتاوی ۳/ ۳۷،۳/ ۳۹)

وبيع التلجئة : وهو أن يظهر عقدا وهما لايريدانه يلجأ إليه لخوف عدو، وهو ليس ببيع في الحقيقة، بل كالهزل . (الدرالمختار مع الرد، كتاب البيوع، باب الصرف، مطلب في بيع التلجئة زكريا ۷/ ۵٤۲، كراچی ۵/ ۲۷۳، هندية، زكريا قديم ۳/ ۳۰۹، جديد ۳/ ۱۹٦، كتاب البيوع، الباب العشرون في البياعات المكروهة والأرباح الفاسدة، بدائع الصنائع زكريا ٤/ ۳۸۹، كراچی ۵/ ۱۷٦، المبسوط

لـلسـرخسي، دار الكتب العلمية بيروت ٢٤/ ١٢٢، الفقه الإسلامي و أدلته، هدى انٹرنیشنل ديوبند ٤/ ١٢٧-١٢٨، دارالفكر ٥/ ٣٣٢٥، الموسوعة الفقهية الكويتية ٩/ ٦٢)

بيـع التـلـجئة: البيع الصوري أن يضطر لإظهار عقد وإبطان غيره مع إرادة ذلک البـاطـن کأن يظهر بيع داره لابنه لئلا يستولي عليها السلطان.
(معجم لغة الفقهاء، کراچی، ص: ١١٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍ربیع الاول ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۵۸۶)

بیوی کے نام سے زمین خریدنا

سوال [۸۷۸۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں نے ۱۹۹۰ء میں کبیر نگر رامپور روڈ ریلوے کراسنگ کے نیچے مراد آباد میں دو مکان M.D.A. سے خریدے، ایک اپنے نام ایک اپنی بیوی کے نام، جس کی کل رقم میں نے اپنی جیب سے ادا کی، بیوی کے نام مکان خریدنے کا مقصد بیوی کو مالک بنانا نہیں تھا؛ بلکہ میں سرکاری آدمی تھا، اس لئے ان کے نام مجبوراً لینا پڑا، میں نے دونوں مکان ایک خاتون کو بیوی اور اپنے دستخط کرا کر کچہری میں مختار نامہ کردیا، مکانوں کی رقم ابھی پوری ملی بھی نہیں، بیوی نے میرے ایک دوست جو مکانوں کے بکوانے میں شامل تھے، ان کو ایک پرچہ لکھا تھا کہ یہ مکان میں نے اپنی جیب سے خریدا ہے، جب ان سے کہا گیا کہ رسیدیں اور دستخط دکھاؤ، تو ان کے پاس کوئی جواب نہیں ہے، براہ کرم یہ بتائیں کیا بیوی کو دی جانے والی رقم جائز ہوگی؟

المستفتی: سید اقتدار علی جگر کالونی، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر کسی مصلحت کی بنا پر آپ نے اپنی بیوی کے نام سے

مکان خریداا اور یہ مقصد نہیں تھا کہ بیوی کو حقیقی مالک بنانا ہے؛ بلکہ سرکاری اور قانونی پریشانیوں سے بچنے کے لئے یا بیوی کو خوش کرنے کے لئے اس کے نام سے جائیداد خرید لی، تو اس سے شرعی طور پر بیوی جائیداد کی مالک نہیں ہوگی، اس طرح نام کر کے خریداری کو شریعت کی اصطلاح میں ’’بیع تلجئہ‘‘ کہا جاتا ہے۔ اور ایسی بیع میں جس کے نام سے خریدا جاتا ہے وہ مالک نہیں ہوتا ہے؛ بلکہ جو خریدتا ہے وہی اصل مالک ہوا کرتا ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۳/ ۳۹)

والإقرار بالبيع تلجئة هي أن يلجئك أن تأتي أمرا باطنه على خلاف ظاهره (وتحته في الشامية) كما لا يجوز بيع التلجئة لا يجوز الإقرار بالتلجئة بأن يقول لآخر: إني أقر لك في العلانية بمال وتواضعا على فساد الإقرار لا يصح إقراره حتى لا يملكه المقر له. (الدر مع الرد، كتاب الإقرار، باب الاستثناء وما في معناه، زكريا ٨/ ٣٧٧-٣٧٨، كراچی ٥/ ٦٠٨)

بيع التلجئة: البيع الصوري أن يضطر لإظهار عقد وإبطان غيره مع إرادة ذلك الباطن كأن يظهر بيع داره لابنه لئلا يستولي عليها السلطان. (معجم لغة الفقهاء، كراچی، ص: ١١٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/ رجب ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۸۸۹۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۹/ ۷/ ۱۴۲۶ھ

بیوی کی دل جوئی کے لئے مکان اس کے نام سے خریدنے کا حکم

سوال [۸۷۸۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: محمود نے ایک مکان اپنی بیوی اختری بیگم کے نام سے خریدا اور اسی کے نام رجسٹری کرائی، محمود کے اس وقت تین لڑکے اور سات لڑکیاں ہیں، دولڑکیاں شادی شدہ ہیں، ایک بڑے لڑکے نے اپنی شادی خود کرلی ہے۔ اور ایک چھوٹے بھائی کو قتل بھی کر چکا ہے، دیگر بھائی بہنوں کے ساتھ بھی ظلم وزیادتی کرتا رہتا ہے، پھر اپنی والدہ کو بہلا کر آدھے مکان

(جومیں نے بیوی کے نام سے خریدا تھا) کا اپنے نام بیع نامہ کروالیا، میں نے بیوی سے جب معلومات ہونے پر پوچھا کہ ایسا کیوں کیا؟ تو اس نے کہا مجھے دھمکی دی تھی تو:

(۱) دریافت یہ کرنا ہے کہ بیوی نے جو آدھا مکان بڑے لڑکے کے نام بیع نامہ کر دیا ہے، وہ بڑے لڑکے کا ہو گیا یا نہیں؟

(۲) کیا اس طرح صرف ایک لڑکے کے نام آدھا مکان کر دینے سے بیوی گنہگار ہوگی یا نہیں؟ یا سب کو برابر دینا چاہئے؟

(۳) بڑے لڑکے کا ماں باپ کے ساتھ اور بھائی بہنوں کے ساتھ ظلم وزیادتی کرنا شرعاً کیسا ہے؟ اس کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: محمود حسین پیرزادہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کسی مصلحت کی بنا پر مثلاً بیوی کی دلجوئی یا کسی قانون سے حفاظت کے لئے شوہر کا اپنے پیسے سے بیوی کے نام سے جائیداد خریدنے سے شرعی طور پر بیوی جائیداد کی مالک نہیں ہوتی؛ بلکہ مالک شوہر ہی ہوا کرتا ہے۔ اور اس طرح کی خرید وفروخت کو بیع تلجئہ کہا جاتا ہے؛ لہٰذا مذکورہ صورت میں محمود کی بیوی اختری بیگم اس مکان کی مالک ہی نہیں ہوئی؛ بلکہ مالک محمود ہی ہے؛ لہٰذا بعد میں اختری بیگم کے دستخط کے ذریعہ سے محمود کی اجازت کے بغیر بڑے لڑکے کے نام اس کا بیع نامہ کر دینا شرعی طور پر درست نہیں ہوا؛ اس لئے محمود کو حق ہے کہ اس بیع نامہ اور رجسٹری کو ختم کرا کر مکان اپنی ملکیت میں واپس لے لے، پھر محمود کی مرضی ہے چاہے اپنے پاس رکھے اور چاہے کسی اور کے تصرف میں رکھے، اس میں سوال نامہ کے تینوں اجزاء کا جواب واضح ہو گیا۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۳/ ۳۷، فتاوی محمودیہ قدیم ٦/ ۲۸۰، جدید اشرفیہ ۱٦/ ۳۹)

وبیع التلجئة: وهو أن يظهر عقدا وهما لايريدانه يلجأ إليه لخوف

عـدو، وهـو لیـس ببیـع في الحقیقة، بل کالهزل. (الـدرالـمـختار مع الرد، کتاب البیـوع، بـاب الـمـصرف، مطلب في بیع التلئجة زکریا ٧/ ٥٤٢، کـراچی ٥/ ٢٧٣، هندیة، زکریا قدیم ٣/ ٣٠٩، جدید ٣/ ١٩٦ ، بدائع الصنائع زکریا ٤/ ٣٨٩، کراچی ٥/ ١٧٦، المبسوط للسرخسي، دارالکتب العلمیة بیروت ٢٤/ ١٢٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١٩ر محرم الحرام ١٤٢٣ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٦/ ٧٤٤٥)

انکم ٹیکس سے بچنے کے لئے بیوی کے نام جائیداد کرنے کا حکم

سوال [٨٧٩٠]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کو اپنے والد کے ترکہ میں سے ٨٨ر گز کا مکان ملا جس میں سے اس نے چوتھائی حصہ اپنی بیوی کے نام لکھ دیا، کچھ عرصہ بعد زید نے ١٧٥ر گز کا ایک مکان خریدا، مکان خریدنے کے بعد زید کے یہاں انکم ٹیکس کا چھاپا لگا، زید کے وکیل نے مشورہ دیا کہ تم یہ سب مکان اپنی بیوی کے نام کردو، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا، کچھ عرصہ بعد زید کی بیوی کا انتقال ہوگیا، مرحومہ نے ٦ر لڑکیاں اور ٤ر لڑکے چھوڑے۔ دریافت یہ کرنا ہے کہ مذکورہ جائیداد میں زید کا اور بچوں کا شرع کی رو سے کیا حق ہے؟

المستفتی: عبدالستار بھٹی اسٹریٹ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کسی مصلحت یا قانون سے حفاظت کے لئے شوہر اپنی بیوی کے نام جائیداد کردے، تو بیوی مالک نہیں ہوتی؛ اس لئے جب زید نے انکم ٹیکس سے بچنے کے لئے اپنا ایک سو پچھتر گز کا مکان وقتی طور سے بیوی کے نام کردیا، تو بیوی اس کی مالک نہیں ہوئی؛ بلکہ مالک بدستور زید ہی ہے؛ لہٰذا بیوی کے مرجانے کے بعد اس کے ورثاء میں

مذکورہ ایک سو پچھتر گز کے مکان کی تقسیم نہیں ہوگی؛ کیوں کہ اس جائیداد کا مالک زید ہے۔اور یہ صورت بیع التلجئہ کے تحت ہے؛ لیکن زید نے جو دوسرے اٹھاسی گز مکان میں سے چوتھائی حصہ اپنی بیوی کو دے کر مالک بنا دیا تو بیوی اس کی مالک ہوگئی؛ لہٰذا بیوی کے مرنے کے بعد اب چوتھائی حصہ میں جس کی وہ مالک تھی جائیداد تقسیم ہوگی۔ (مستفاد: امدادالفتاوی ۳/ ۳۷، فتاوی محمودیہ ٦/ ۲۸۰، جدید اشرفیہ ١٦/ ۳۹)

وبيع التلجئة : وهو أن يظهر عقدا وهما لايريدانه يلجأ إليه لخوف عدو، وهو ليس ببيع في الحقيقة، بل كالهزل. (الدرالمختار مع الرد، كتاب البيوع، مطلب بيع التلجئة، زكريا ٧/ ٥٤٢، كراچی ٥/ ٢٧٣، وهكذا في الفقه الإسلامي وأدلته، هدى انٹر نيشنل ديوبند ٤/ ١٢٧-١٢٨، دارالفكر ٥/ ٣٣٢٥، الموسوعة الفقهية الكويتية ٩/ ٢٩٦، هندية، زكريا قديم ٣/ ٣٠٩، جديد ٣/ ١٩٦، معجم لغة الفقهاء، كراچی ص: ١١٣، قواعد الفقه أشرفي، ص: ٢١٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم صفر ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳٦/ ۷۴۸۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۲/۱ھ

بیوی کے نام مکان خریدنے سے کیا وہ مالک ہوجائے گی؟

سوال [۸۷۹۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں نے اپنا مکان ۱۹۵۰ء میں اپنی بیوی کے نام سے خریدا تھا، میرے پانچ بیٹے اور ایک بیٹی ہے، سبھی حیات ہیں۔ مکان خریدنے کے وقت دس سال بعد میرے بڑے لڑکے نے مکان کو مبلغ: -/1,000 میں گروی رکھ دیا، جس کو تین سال بعد میرے تیسرے لڑکے نے چھڑا لیا، مکان چھڑانے کے بعد اب کچھ سالوں سے وہ یہ کہتا ہے کہ میں نے اس مکان کا آدھا حصہ اپنی ماں سے اپنے نام کرا رکھا ہے، اور وہ مکان کے آدھے حصہ پر قابض بھی ہے،

باقی آدھا حصہ تم چاروں بھائیوں کا ہے اور میرا بھی ہے، میرے سبھی لڑکوں اور بیٹی کی شادی ہوچکی ہے، جس وقت میرے بڑے لڑکے نے مکان گروی کاروبار کے لئے رکھا تھا، اس وقت میرے چھوٹے دونوں بیٹے بہت چھوٹے تھے جو کہ اب شادی شدہ ہیں اور وہ اس مکان کے بقیہ آدھے حصے میں رہتے ہیں جو کہ انہوں نے اپنے پیسے سے بنوایا ہے، میرے ان دونوں چھوٹے بیٹوں کو میرے بڑے لڑکے بہت پریشان کرتے ہیں، میری آپ سے گزارش ہے کہ اس مکان کو شرعاً کس طرح تقسیم کیا جائے؟

کل آراضی پچاسی گز ہے اور لڑکوں کے نام مندرجہ ذیل ہیں: (۱) اشتیاق حسین (۲) اشفاق حسین (۳) مختار حسین (۴) ممتاز حسین (۵) انتظار حسین، ایک لڑکی زاہدہ خاتون۔

المستفتی: مشتاق حسین، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر آپ نے اپنے ذاتی پیسہ سے بیوی کے نام سے خریدا ہے، تو شرعاً اس طرح بیوی کے نام سے خریدنے سے بیوی مالک نہیں ہوئی؛ اس لئے شرعاً مذکورہ مکان کے آپ ازخود مالک ہیں، آپ کے مرنے پر آپ کے تمام ورثاء اس مکان میں بطور وارث شریک ہوں گے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۳/ ۳۷-۳۹)

اور اس طرح خریداری کو بیع التلجئہ کہا جاتا ہے اور اس میں ملکیت اسی کی ثابت ہوتی ہے جو خریدتا ہے اور اپنا پیسہ ادا کرتا ہے۔

وبيع التلجئة: وهو أن يظهر عقدا وهما لايريدانه يلجأ إليه لخوف عدو، وهو ليس ببيع في الحقيقة، بل كالهزل. (الدرالمختار مع الرد، كتاب البيوع، باب الصرف، مطلب بيع التلئجة، زكريا ٧/ ٥٤٢، كراچی ٥/ ٢٧٣، وهكذا في الهندية، زكريا قديم ٣/ ٢٠٩، جديد ٣/ ١٩٦، بدائع الصنائع، زكريا ٤/ ٣٨٩، كراچی ٥/ ١٧٦، معجم المصطلحات والألفاظ الفقهية، دارالفضيلة ١/ ٤٠٥، قواعد الفقه، أشرفي، ص: ٢١٣، معجم لغة الفقهاء، كراچی ص: ١١٣)

نیز اگر جس وقت مذکورہ مکان کورہن میں رکھا گیا تھا اور پھر چھڑ وایا گیا تھا ،اس وقت رہن میں رکھنے والے اور چھڑانے والے دونوں لڑکے آپ کے زیر تحت رہے ہیں،تو شرعاً دونوں کو آپ کی طرف سے بطور وکیل ومعین کے کام کرنے والے سمجھے جائیں گے اور سارا تصرف شرعاً آپ کی ملکیت میں ہوا ہے۔

الأب وابنه يكتسبان في صنعة واحدة ولم يكن لهما شيء، فالكسب كله للأب إن كان الابن في عياله؛ لكونه معينا له. (شامي، كتاب الشركة، مطلب اجتمعا في دار واحدة واكتسبا ولا يعلم التفاوت فهو بينهما بالسوية، زكريا ٦/ ٥٠٢، كراچى ٤/ ٣٢٥، تنقيح الفتاوى الحامدية ٢/ ١٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍ربیع الثانی ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر:۲۷/۲۶۴۴)

بیوی کے نام سے جائیداد خریدنے کا حکم

سوال [۸۷۹۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: گلزار احمد نے ۱۹۴۸ء میں مسماۃ رئیسہ خاتون سے شادی کی اور اپنے روپیوں سے آراضی مسماۃ رئیسہ خاتون کے نام سے خریدی، بعدہ گلزار احمد نے دوسری شادی مسماۃ صابرہ خاتون سے کی، جنہوں نے اپنے خرچ سے افتادہ آراضی میں مکان بنوایا، جس کے بعد رئیسہ خاتون کا انتقال ہو گیا، جنہوں نے بعد اپنی وفات چار لڑکے: رئیس احمد، ظہیر احمد عرف بھولا، انیس احمد، حسین احمد اور ایک لڑکی مسماۃ شاکرہ خاتون اور شوہر گلزار احمد چھوڑے، جو بقید حیات ہیں، نیز آراضی افتادہ پر مکان بنوانے والی مسماۃ صابرہ خاتون بھی بقید حیات ہیں، جس کی بھی دو لڑکیاں ہیں، گلبہار اور ناظمہ خاتون اور چار لڑکے: ذوالفقار احمد، گلشاد احمد، دلشاد احمد اور رخسار احمد شوہر موصوف گلزار احمد سے ہیں، ایسی صورت میں مناسب فتویٰ بروئے

شریعت دے کر ممنون فرمائیں کہ تعمیر شدہ مکان میں کیسے کتنا کتنا حق پہنچتا ہے؟ عین نوازش ہوگی۔

المستفتی: گلزار محمد گوئیاں باغ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: محض بیوی کے نام جائیداد وآراضی خرید نے سے بیوی شرعاً مالک نہیں ہوتی؛ اس لئے مذکورہ آراضی کا مالک **گلزار احمد** ہی ہوگا۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۳/ ۳۷، ۳/ ۳۹)

وبيع التلجئة: وهو أن يظهر عقدا وهما لايريدانه يلجأ إليه لخوف عدو، وهو ليس ببيع في الحقيقة، بل كالهزل. (الدرالمختار مع الرد، كتاب البيوع، باب الصرف، مطلب بيع التلئجة، زكريا ٧/ ٥٤٢، كراچی ٥/ ٢٧٣، كوئٹه ٤/ ٢٧٣، هندية، زكريا قديم ٣/ ٢٠٩، جديد ٣/ ١٩٦)

لہٰذا فی الحال اس کی تقسیم کی بھی ضرورت نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍ صفر ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۵۱۸)

قانونی مصلحت کی بناپر بہن کے نام رجسٹری کرانے سے ملکیت کا حکم

سوال [۸۷۹۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص نے جو کہ اپنے بہنوئی کا پارٹنر بھی ہے، اس نے ذاتی طور پر اپنے لئے ایک جگہ خریدی اور اس جگہ کو اپنی بیوی اور بہن کے نام سے اس لئے کرالیا کہ اس میں سرکاری اور قانونی طور پر کوئی مصلحت تھی اور یہ بھی کہا کہ اس زمین میں نفع کا دس فیصد اپنی بہن کو دوں گا، اس مذکورہ بیان وسچائی پر گواہ بھی موجود ہیں، اس کے باوجود کچھ دنوں کے بعد اس شخص کے بھانجے اس زمین میں اپنی ماں کی پارٹنری کا مطالبہ کرتے ہیں، کیا ان لوگوں کے

لئے اس طرح کا دعویٰ کرنا درست ہے؟

المستفتی: محمد ارشد اشتیاق، متعلم مدرسۃ الجنۃ، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ذاتی طور پر اپنے پیسہ سے خریدتے وقت قانونی پیچیدگی سے بچنے کے لئے بیوی یا بہن کے نام رجسٹری کرنے کی وجہ سے خریدار کی ملکیت سے الگ نہیں ہوتا ہے اور ایسی خریداری کو بیع تلجئہ کہا جاتا ہے، جس میں شرعی طور پر وہ لوگ مالک نہیں ہوتے ہیں، جن کا نام رجسٹری میں درج کردیا جاتا ہے۔ اور شرعی طور پر مالک وہی ہوتا ہے جس نے اپنے پیسہ سے خریدا ہو؛ لیکن سوال نامہ میں ساتھ ہی یہ بھی لکھا ہے کہ ''اس کے منافع سے دس فیصد دیں گے''۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ زمین کے دس فیصد میں مالک بنانا مقصود ہے؛ اس لئے بہن یا بہن کے بچوں کا دس فیصدی کا مطالبہ کرنا اس تحریر کی روشنی میں درست ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۳/۳۱)

وبيع التلجئة هي ما ألجئى إليه الإنسان بغير اختياره، وذلک أن يخاف الرجل السلطان، فيقول لآخر: أني أظهر أني بعت داري منک، وليس ببيع في الحقيقة، وإنما هي تلجئة. (شامي، كتاب البيوع، باب الصرف، مطلب في بيع التلجئة، زكريا ٧/ ٥٤٢، كراچی ٥/ ٢٧٤)

عن أبي يوسفؒ في رجلين قالا: ما اشترينا من شيء فهو بيننا نصفان، فهو جائز. (تاتارخانية، زكريا ٧/ ٤٧٠، برقم: ١٠٩٠٩)

شركة الملک لا تبطل أي لا يبطل الاشتراک فيها بل يبقى المال مشتركا بين الحي وورثة الميت. (شامي، كتاب الشركة، مطلب يرجح القياس، زكريا ٦/ ٥٠٤، كراچی ٤/ ٣٢٧)

ووجوب أدائه عند طلب مالكه، وشرعية الإيداع إن الله يأمركم أن تؤدوا الأمانات إلى أهلها. (مجمع الأنهر، كتاب الوديعة، دارالكتب العلمية بيروت

۳/ ٤٦٧، مصري قديم ۲/ ۳۳۸، هندية، زكريا قديم ٤/ ۳۳۸، جديد ٤/ ۳٤۹)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶ رشوال ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۴۹۲/۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۱۰/۲۶ھ

بڑے بھائی کے نام بیع نامہ ہونے کے باوجود دوسرا بھائی حق دار

سوال [۸۷۹۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرے بڑے بھائی محمد مہربان اور میں محمد فرقان نے مل کر ایک پلاٹ ۷۰رگز لگ بھگ تھا، گنگا سرن بھٹنا گر ایڈوکیٹ سے خرید کیا تھا، معاہدہ کے وقت اس کی کل قیمت ۱۱۰۰۰ر روپئے طے ہوئی۔ مالک کو -/5000 روپیے دے کر معاہدہ کرلیا تھا، جس میں -/3000 روپئے بڑے بھائی نے اور -/2000 روپئے میں نے دیئے تھے، ہم دونوں بھائیوں میں آپس میں بہت میل تھا اور مجھے اپنے بڑے بھائی پر پورا بھروسہ تھا؛ اس لئے معاہدہ میں صرف بڑے بھائی کا نام ہی لکھوادیا گیا؛ کیوں کہ بڑے بھائی کو رہنے کی پریشانی تھی اوران کی مالی حالت بہت کمزور تھی؛ اس لئے عارضی طور پر چاردیواری کرا کر میں نے اوپر ٹین شیڈ ڈلوادیا تھا، جس میں -/3000 روپئے خرچ ہوا تھا، جو میں نے اپنے پاس سے دیئے، اس کے علاوہ -/1600 روپئے ان کو ضرورت پڑنے پر دیئے تھے؛ لہٰذا جس وقت اس کا مختار نامہ ہوا بھائی نے مجھ سے روپیوں کے لئے کہا، تو میں نے ان سے کہا کہ میرے آپ کے پاس -/6600 روپئے پہنچ چکے، آپ اس میں سے میرے حصے کے روپئے جمع کردیں؛ کیوں کہ -/11000 کل قیمت کے آدھے -/5500 روپئے ہوتے ہیں، اس طرح میرے حصہ کی آدھی سے زیادہ قیمت ان کے پاس پہنچ چکی تھی۔

بہرکیف آپسی بھروسہ کی وجہ سے مختار نامہ میں بڑے بھائی کا نام لکھوا دیا تھا؛ کیوں کہ بڑے

بھائی برابر اس میں رہتے رہے ہیں، میں کرایہ کے مکان پر رہتا تھا، اس درمیان میں مکان مالک نے مجھ سے مکان خالی کرنے کے لئے کہا، تو مجھے اس کی فکر ہوئی، میں نے بڑے بھائی سے مشورہ کیا، تو انہوں نے کہا یہ زمین آدھی تمہاری ہے، اس پر اپنا مکان بناؤ اور رہو؛ کیوں کرایہ دیتے ہو، میری بڑی بہن اور چچا وغیرہ سے بھی میرے بڑے بھائی نے کہا کہ محمد فرقان سے کہو کہ کیوں پریشان ہوتا ہے، اب اس کی زمین موجود ہے، تو اس میں مکان بنوا کر رہے، پھر میں نے اپنے زیور وغیرہ فروخت کرکے اور کچھ قرض لیکر اس جگہ پر -/75,000 روپئے خرچ کئے، پہلے بڑے بھائی کے لئے نیچے کا لینٹر ڈلوایا اس کے بعد اپنے رہنے کے لئے اوپر کمرہ بنوایا، اس کے بعد وہاں رہنے لگا، بڑے بھائی کے بھروسہ کی وجہ سے میں نے کسی قسم کی کوئی بھی تحریر نہ تو گنگا سرن سے لی اور نہ ہی بڑے بھائی سے اب تک حاصل کی، اب جب کہ بڑے بھائی کے بار بار اصرار کرنے پر میں نے اپنا کافی روپیہ اس جگہ پر لگا دیا، بڑے بھائی مجھ سے یہ کہتے ہیں کہ اس میں تمہارا کچھ نہیں، یہ ساری زمین میرے نام ہے، میں اس معاملہ کو عدالت میں لے جانا نہیں چاہتا، کوئی شرعی تصفیہ اس میں چاہتا ہوں، اس زمین کے بارے میں میرے چچا جناب عثمان صاحب اور میرے سب سے بڑے بھائی محمد عمران کو بھی معلوم ہے، اور میرے بڑے بہنوئی علی حسین مرحوم نے ساری کارروائی اس زمین کی خریداری وغیرہ کی کرائی تھی، میری بڑی بہنیں بھی یہ بات جانتی ہیں۔ آپ مجھے شرعی مشورہ دیں، مجھے کیا کرنا ہے؟

المستفتی: محمد فرقان، لالباغ نئی آبادی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب دونوں بھائیوں نے مشترکہ طور پر خریدا ہے اور پیسے بھی دونوں بھائیوں کے خرچ ہوئے ہیں اور سوال نامہ کے اعتبار سے ایک بھائی کے اوپر پانچ ہزار پانچ سو روپئے آئے ہیں، جب چھوٹے بھائی نے پانچ ہزار پانچ سو کے بجائے چھ ہزار چھ سو دے دیئے تو گیارہ سو روپئے زیادہ پہنچے اور ایسے حالات میں بڑے

بھائی پر بھروسہ واعتماد کی بنا پر بیع نامہ میں صرف بڑے بھائی کے نام ڈال دینے کی وجہ سے تنہا وہ مالک نہیں ہوگا؛ بلکہ مالک دونوں بھائی برابر کے ہیں۔ اور نیز بڑے بھائی کا یہ کہنا کہ اس میں آدھی زمین تمہاری ہے، اس پر تم اپنا مکان بناؤ یہ بھی اس بات کا ثبوت ہے کہ بڑا بھائی بھی آدھا حصہ چھوٹے بھائی کا تسلیم کرتا تھا اور پھر چھوٹے بھائی کا اس کے اوپر پچھتر ہزار روپئے خرچ کر کے تعمیر کروانا اور اس تعمیر کے لئے بڑے بھائی کی طرف سے ترغیب دینا یہ مشترکہ ہونے کا ثبوت ہے؛ لہٰذا اب بڑے بھائی کا محض اس وجہ سے انکار کر دینا کہ بیع نامہ میں صرف میرا ہی نام پڑا ہے، جائز نہیں ہے؛ بلکہ دونوں کا حق برابر کا ہے۔ اور پھر تعمیر میں جو خرچ ہوا ہے، اس کے ذمہ دار بھی دونوں برابر کے ہوں گے، محض بیع نامہ میں نام ڈلوانے سے پورا مکان بڑے بھائی کی ملکیت میں نہیں ہوسکتا۔ (مستفاد: امداد المفتیین /۸۹۰، احسن الفتاوی ۶/۴۰۰، امداد الفتاوی ۳/ ۳۸)

وبيع التلجئة: وهو أن يظهر عقدا وهما لايريدانه يلجأ إليه لخوف عدو، وهو ليس ببيع في الحقيقة، بل كالهزل. (درمختار، كتاب البيوع، باب الصرف، مطلب بيع التلئجة، زكريا ٧/ ٥٤٢، كراچى ٥/ ٢٧٣، هندية، زكريا قديم ٣/ ٢٠٩، جديد ٣/ ١٩٦، المبسوط للسرخسي، دارالكتب العلمية بيروت ٢٤/ ١٢٢، بدائع الصنائع، زكريا ٤/ ٣٨٩، كراچى ٥/ ١٧٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍ جمادی الثانیہ ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۷۷۳۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲؍۷؍۱۴۲۳ھ

۸/ باب الصرف

سونے کی ادھار بیع کا حکم

سوال [۸۷۹۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کے پاس پندرہ ہزار -/15,000 روپئے کی رقم تھی، جس سے وہ اپنی ایک عزیزہ کی شادی کے لئے سونا خرید کر رکھنا چاہتا تھا؛ کیوں کہ سونے کی قیمتیں بہت تیزی سے بڑھ رہی تھیں، اس وقت بکر کو کاروبار کے سلسلہ میں رقم کی ضرورت تھی، بکر نے زید سے کہا کہ تم مجھے پندرہ ہزار روپئے ابھی دیدو اور سونے کی قیمت جو بھی ہو ایک سال بعد میں تمہیں دو تولہ سونا دے دوں گا، زید اور بکر کا اس طرح کا معاملہ کرنا درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: حکیم محمد مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سونے کی بیع کرنسی کے عوض میں ادھار جائز ہے؛ اس لئے پندرہ ہزار روپئے کے بدلے سونے کی ادھار بیع درست ہوگئی؛ لہٰذا وعدہ کے مطابق مقررہ وقت پر پندرہ ہزار روپئے کے عوض میں دو تولہ سونا دینا جائز ہے۔

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: المسلمون علی شروطهم.

(ترمذي، الأحكام، باب ما ذكر عن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم في الصلح بين الناس، النسخة الهندية ١/ ٢٥١، دارالسلام، رقم: ١٣٥٢، المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي، بيروت ١٧/ ٢٢، رقم: ٣٠، سنن الدارقطني البيوع، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ٢٣، رقم: ٢٨٦٩، المستدرك للحاكم، مكتبه نزار مصطفى الباز بيروت ٧/ ٢٥٢٣، رقم: ٧٠٥٩، قديم ٤/ ١٠١)

سئل الحانوتي عن بيع الذهب بالفلوس نسيئة، فأجاب بأنه يجوز إذا

قبض أحد البدلين. (شامي، كتاب البيوع، باب الربا، مطلب في استقراض الدراهم عددا، كراچی ٥/ ١٨٠، زكريا ٧/ ٤١٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

كتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰؍ ربیع الاول ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۳۳۹/۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۴/۶ھ

سونے اور چاندی کے زیورات کی ادھار خرید وفروخت کا حکم

سوال [۸۷۹٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) کیا چاندی اور سونے کی یا پھر چاندی اور سونے کے زیورات کی ادھار خرید وفروخت قطعی ناجائز ہے؟ (۲) کیا چاندی اور سونے کے زیورات کی ادھار خرید وفروخت ایک معینہ مدت کے لئے جائز ہے؟

المستفتی: ماسٹر افتخار احمد علوی، چوہان بانگر، دہلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ملک میں رائج نوٹوں اور سکوں کے ذریعہ سونے چاندی اوران کے زیورات کی ادھار خرید وفروخت شرعاً جائز ہے؛ لیکن اگر سونے کے بدلے سونے یا چاندی کے بدلے چاندی کو خریدا جائے یا بیچا جائے تو اس وقت ادھار خرید وفروخت ناجائز ہوگی۔

سئل الحانوتي عن بيع الذهب بالفلوس نسيئة، فأجاب بأنه يجوز إذا قبض أحد البدلين. (شامي، كتاب البيوع، باب الربا، مطلب في استقراض الدراهم عددا، زكريا ٧/ ٤١٤، كراچی ٥/ ١٨٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

كتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍ ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۲۵۱/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۸/۴/۱۳ھ

سونے چاندی کی ادھار بیع وشراء کی شرعی حیثیت

سوال [۸۷۹۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: سونے چاندی کی ادھار بیع وشراء جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد افتخار سیندھولی، شاہجہاں پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سونے چاندی کی ادھار بیع وشراء جائز ہے۔

وإن اشترى خاتم فضة أو خاتم ذهب فيه فص، أو ليس فيه فص بكذا فلسا وليست الفلوس عنده، فهو جائز تقابضا قبل التفرق، أو لم يتقابضا؛ لأن هذا بيع وليس بصرف. (عالمگيري، كتاب الصرف، الباب الثاني، الفصل الثالث في بيع الفلوس، زكريا قديم ٣/ ٢٢٤، جديد ٣/ ٢٠٩، المبسوط للسرخسي، دارالكتب العلمية بيروت ١٤/ ٢٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳ رمحرم الحرام ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۴۲۵)

قسطوں پر سونے چاندی کی خرید وفروخت کا حکم

سوال [۸۷۹۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: سونا چاندی قسطوں پر خریدنا جائز ہے یا نہیں؟ مثلاً زید نے عمر کے پاس سے رقم لے کر سونا خریدا اور پھر عمر کو اتنی رقم قسطوں پر ادا کرے، تو ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد زبیر مظاہری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سونا چاندی خریدنا چونکہ بیع صرف میں داخل ہے اور بیع

صرف میں مبیع اور ثمن پر عاقدین کا مجلس میں قبضہ کرنا ضروری ہے۔ اور قسطوں پر خرید نے سے ثمن ادھار ہوتا ہے۔ اور مشتری بعد میں تھوڑا تھوڑا ثمن ادا کرتا ہے؛ اس لئے سونا چاندی قسطوں پر خریدنا جائز نہیں۔

ویشترط عدم التأجیل، والخیار، والتقابض بالبراجم لا بالتخلیة قبل الافتراق، وفي الشامي: أي افتراق المتعاقدین بأبدانهما، والتقیید بالعاقدین یعم المالکین والنائبین، وتقیید الفرقة بالأبدان یفید عموم اعتبار المجلس، وهو شرط بقائه صحیحا علی الصحیح. (شامي، کتاب البیوع، باب الصرف، کراچی ٥/ ٢٥٧-٢٥٨، زکریا ٧/ ٥٢١، سکب الأنهر في شرح ملتقی الأبحر، دارالکتب العلمیة بیروت ٣/ ١٦١، تاتارخانیة، زکریا ١٠/ ٤-٥، رقم: ١٣٨٧٨)

ہاں البتہ کسی سے رقم بطور قرض لے لی جائے اور اس سے نقد سونا خرید لیا جائے اور قرض کی رقم قسطوں پر ادا کی جائے جس پر کوئی سود نہ ہو تو جائز ہے اور درست ہے۔

﴿وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ﴾ الآیة. المراد به الإمهال والتأخیر. (روح المعاني، سورة البقرة، تحت رقم الآیة: ٢٨٠، زکریا دیوبند ٣/ ٨٧)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍رجب ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۳۶۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۸/۷/۸ھ

سونے کو سونے کے عوض چاندی کو چاندی کے عوض کمی بیشی کے ساتھ فروخت کرنا

سوال [۸۷۹۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میری ایک چاندی سونے کی دوکان ہے، اس میں بہت سے گراہک ایسے آتے ہیں جو پرانے زیورات لے کر آتے ہیں، بعض دفعہ وہ پرانے زیورات ٹوٹے پھوٹے ہوتے ہیں اور بعض دفعہ ٹوٹے نہیں ہوتے؛ لیکن پرانے ہوتے ہیں، جن کو گلا کر ہم نئے

زیورات بنواتے ہیں، آپ کو معلوم ہوگا سونے چاندی کے جو زیورات بنتے ہیں وہ خالص سونا چاندی سے نہیں بن سکتے، ہر جوڑ پر ٹانکا دوسری کئی دھاتوں کو ملا کر ایک دھات بنتی ہے، جس کے ذریعہ لگتا ہے، مثلاً دس گرام کا کوئی زیور ہے، تو ایک گرام اس میں ٹانکا والی دھات ہوتی ہے، اسی وجہ سے جب ہم خریدتے ہیں تو اس چاندی یا سونے کے علاوہ والی دھات کو گھٹا کر اصل چاندی کی قیمت دیتے ہیں، یا کوئی زیور دیتے ہیں، اسی طرح جب مال فروخت کرتے ہیں، تو اس میں بھی ٹانکا والی دھات چاندی سونے کے علاوہ موجود ہوتی ہے؛ لیکن جتنے وزن کا پورا زیور ہوتا ہے، اتنی ہی چاندی یا سونے کی قیمت لیتے ہیں، ٹانکا والی دھات کو گھٹا کر قیمت نہیں لیتے ،اسی کو کردا سے تعبیر کیا جاتا ہے، واضح رہے کہ ہر چاندی اور سونا میں کتنی دھات ٹانکے والی ہوتی ہے، اس کو ہم ایک پتھر (کسوٹی) کے ذریعہ پتہ لگا لیتے ہیں، اسی حساب سے کردا کاٹتے ہیں، تو دریافت یہ کرنا ہے کہ اس طرح کردا کاٹ کر پرانی چاندی سونے کے بدلہ میں نئے زیورات دینا یا رقم دینا درست ہے یا نہیں؟ یا شریعت نے کوئی دوسری شکل بتائی ہو تو وہ تحریر فرمادیں۔

المستفتی: محمد اعلم، سیتاپور (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: کردا کاٹ کر چاندی کو چاندی کے بدلہ میں یا سونے کو سونے کے بدلہ میں لین دین کرنا کمی زیادتی کے ساتھ جائز نہیں ہے؛ البتہ اگر کردا کاٹ کر لینے میں عوض میں روپئے دیا جائے اور دینے میں روپئے لیا جائے تو جائز ہوسکتا ہے۔

فإن باع فضة بفضة، وذهبا بذهب لا يجوز إلا مثلا بمثل، وإن اختلفت في الجودة والصياغة (وقوله) وإن باع الذهب بالفضة جاز التفاضل لعدم المجانسة. (هداية، كتاب الصرف، أشرفي ٣/ ١٠٤) **فقط واللہ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ ذیقعدہ ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۲۰۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۵/۱۱/۱۴۱۵ھ

۲۰/ ہزار کے زیورات ۲۴/ ہزار میں فروخت کرنے کا حکم

سوال [۸۸۰۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بہت سارے لوگ مجھ سے ادھاری میں سونا (زیورات) مانگتے ہیں، میں ان سے بھی واضح طور پر کہہ دیتا ہوں کہ دوکان سے میں مثلاً: -/20,000 روپئے کا سونا خریدوں گا اور تمہیں -/24,000 (چوبیس ہزار روپئے) میں دوں گا، اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ میں سونا خریدکران کے حوالہ کردیتا ہوں، اور ہر ہفتہ -/1,000 (ایک ہزار روپئے) وصول کرتا ہوں، یہ صورت جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد سراج بالاپورآ کولہ، مہاراشٹر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: روپئے، پیسے، فلوس کی طرح ثمن عرفی ہیں، ثمن حقیقی نہیں۔ اور سونا چاندی کو فلوس کے عوض میں ادھار فروخت کرنا اور ادھار خریدنا جائز اور درست ہے؛ اس لئے روپئے پیسے اور کرنسی کے عوض میں بھی ادھار خرید وفروخت شرعاً جائز ہے؛ لہٰذا سوال نامہ میں جو شکل لکھی ہے وہ شرعاً جائز اور درست ہے، جو فقہاء کی عبارات سے واضح ہوتا ہے:

وإذا اشترى الرجل فلوسا بدراهم، ونقد الثمن ولم تكن الفلوس عند البائع، فالبيع جائز؛ لأن الفلوس الرائجة ثمن كالنقود، وقد بينا أن حكم العقد في الثمن وجوبها ووجودها معا، ولا يشترط قيامها في ملك بائعها لصحة العقد كما لا يشترط ذلك في الدراهم والدنانير –إلى– وبيع الفلوس بالدراهم ليس بصرف. (المبسوط للسرخسي بيروت ١٤/ ٢٤، هندية، كتاب الصرف، الباب الثاني، الفصل الثالث في بيع الفلوس، زكريا قديم ٣/ ٢٢٤، جديد ٣/ ٢٠٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴/ رمضان المبارک ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۲۴۹)

ریال کا تبادلہ اس سے کم مالیت کے سکوں سے کرنے کا حکم

سوال [۱۸۸۰۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) سعودی وغیرہ میں گاڑی وغیرہ کی پارکنگ کے لئے ریال سکے کی شکل میں درکار ہوتے ہیں؛ لیکن بہت مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ ریال نوٹ کی شکل میں ہوتا ہے، سکہ حاصل کرنے کے لئے نوٹ دے کر سکہ کم لینا پڑتا ہے، تو کیا اس طریقہ سے تبادلہ شرعاً درست ہے یا نہیں؟ سود کی تعریف تو اس پر صادق نہیں آرہی ہے۔

(۲) جیسے اپنے یہاں ہندوستان میں لوگوں کو ریزگاری روپیوں کی ضرورت ہوتی ہے، مثلاً ہوٹل والوں کو پھیری کرنے والے کو ۱۰۰/ کا نوٹ دے کر ۹۵/ روپئے ریزگاری نکال لیتے ہیں، ایسا کرنا شرعاً کیا حکم رکھتا ہے؟

المستفتی: محمد راشد فتح پوری، متعلم جامعہ عربیہ معراج العلوم چیتا کیمپ، ممبئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱-۲) ریال ہوں یا ہندوستانی نوٹ ان کا تبادلہ اگر اسی ملک کے سکوں سے کیا جائے تو ریال کی مالیت کے بقدر سکے سے تبادلہ لازم ہے، اسی طرح ہندوستانی سو روپئے کے نوٹ کا سو روپئے کے سکے سے تبادلہ لازم ہے۔ اور ۹۰/ روپئے کے سکوں سے تبادلہ ناجائز ہے، اسی طرح ریال کا تبادلہ اس سے کم مالیت کے سکوں سے جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: فقہی مقالات زمزم بک ڈپو ۳۱، ومسائل سود/ ۱۷۵)

علة القدر مع الجنس فإن وجدا حرم الفضل والنساء، وإن عدما حلا، وإن وجد أحدهما حل الفضل، وحرم النساء. (درمختار مع الشامي، باب الربا، کراچی ٥/ ١٧٢، زکریا ٧/ ٤٠٣-٤٠٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/ ربیع الاول ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۰۱۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۷/ ۳/ ۱۴۳۴ھ

دو ملکوں کی کرنسیوں کے کمی بیشی کے ساتھ تبادلہ کا حکم

سوال [۸۸۰۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: سعودی ریال کے پانچ سو روپئے کے نوٹ کی قیمت فی الحال -/57000 روپئے ہے، ایک شخص نے دوسرے شخص سے پانچ سو کا نوٹ -/6,000 میں اس لئے لیا ہے کہ وہ رقم تین چار ماہ کے بعد ادا کرے گا، یعنی اصل قیمت اول الذکر سے زیادہ قیمت صرف رقم تاخیر سے ادا کرنے کی وجہ سے رکھی ہے، قیمت ادا کرنے کا وقت مقرر ہو چکا ہے، اس معاملہ میں نرخ ایک ہی رہا یہ نہیں کہا کہ ادھار لوگے تو زیادہ قیمت کا ہے اور نقد میں اس قیمت کا بلکہ صرف ایک بھاؤ ہی طے کر لیا گیا ہے کہ چار ماہ کے بعد رقم ادا کر دی جائے گی اور قیمت -/6,000 ادا کی جائے گی، تو یہ معاملہ جائز ہوگا یا نہیں؟

المستفتی: عبد الولی ولد حاجی عبد الکریم شیر کوٹ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: دو مختلف ملکوں کی کرنسیاں ثمن حقیقی نہیں؛ بلکہ ہر ایک ملک کی کرنسی مستقل طور پر ثمن عرفی ہے؛ لہٰذا قدر وجنس کے مختلف ہونے کی وجہ سے کمی زیادتی اور ادھار دونوں طرح کا تبادلہ جائز ہے؛ البتہ فی الحال ایک جانب سے قبضہ کرنا لازم ہے، جو عام طور پر ہوتا ہے؛ اس لئے سعودی ریال کا ہندوستانی رقم کے ساتھ ہر طرح کی کمی زیادتی کے ساتھ تبادلہ جائز ہے، بس شرط یہ ہے کہ ایک جانب سے قبضہ ہو جائے، خواہ پانچ سو ریال کو پانچ ہزار سات سو میں لیا جائے جو سرکاری بھاؤ یا مارکیٹ کا بھاؤ ہے، یا پانچ سو ریال کو چھ ہزار میں لیا جائے، دونوں طرح جائز ہے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۱۲۳، احسن الفتاوی ۷/ ۱۰۰)

إن الأوراق النقدية ثمن عرفي ليست ثمنا حقيقيا، والربا يجري في الثمن الخلقي الذاتي إذ في الأوراق النقدية من مختلف الدولة ينفي القدر والجنس، أما الجنس فظاهر لاختلاف الدولة، وأما القدر لأنها ليست من جنس الأثمان الخلقية بل عرفية، فيجوز التفاضل والنسيئة إلا أن القبض على أحد البدلين ضروري لئلا يقع في بيع الكالي بالكالي. (التبيان في زكوة الأثمان، بحواله مجله فقه اكيڈمي ٤/ ٥٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/۷/۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۲/۶۲۷)

دوسو روپئے کے نوٹوں کے ہار کو تین سو روپئے میں بیچنا

سوال [۸۸۰۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میری دوکان جنرل اسٹور کی ہے، میں نوٹوں کا ہار بیچتا ہوں اور نوٹوں کی گڈی خرید کر لاتا ہوں، دوسو روپئے والی گڈی دوسو ۲۷ روپئے کی لاتا ہوں اور ہار اپنے ہاتھ سے بناتا ہوں، تین سو روپئے کا بیچتا ہوں، قرآن وحدیث کی روشنی میں بتائیں کہ یہ صحیح ہے یا غلط؟

المستفتی: نیاز محمد مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دوسو روپئے کی گڈی دوسو ستر میں خریدنا جائز نہیں ہے، یہ شرعی طور پر سودی کاروبار میں داخل ہوگا اور دوسو کے نوٹوں کے ہار کو تین سو روپئے میں فروخت کرنا جائز ہے؛ اس لئے کہ دوسو روپئے تو ہار کے دوسو کے عوض میں ہوگا اور باقی سو روپئے ہار کی بیل وغیرہ کے عوض میں ہوگا۔

عن ابن عباس –رضي الله عنه– حديث طويل وطرفه: فقال:

ردوه لا حاجة لي فيه، التمر بالتمر، والحنطة بالحنطة، والشعير بالشعير، والذهب بالذهب، والفضة بالفضة، يدا بيد عينا بعين، مثلا بمثل، فمن زاد فهو ربا. الحديث. (المستدرك للحاكم، البيوع، جديد دارالبشائر الإسلاميه، بيروت ٣/ ٨٦٢، قديم ٢/ ٤٣، رقم: ٢٢٨٢)

ولا يجوز بيع الزيتون بالزيت، والسمسم بالشيرج حتى يكون الزيت والشيرج أكثر مما في الزيتون، والسمسم فيكون الدهن بمثله، والزيادة بالثجير. (هداية، كتاب البيوع، باب الربا، اشرفي ديوبند ٣/ ٨٥، ملتقى الأبحر، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ١٢٦-١٢٧، الجوهرة النيرة، إمداديه ملتان ١/ ٢٦١، دارالكتاب ديوبند ١/ ٢٥٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/ربیع الاول ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۳۹۱۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۲/۳/۱۴۱۵ھ

بوسیدہ نوٹ کم قیمت میں فروخت کرنے کا حکم

سوال [۸۸۰۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جب نوٹ بوسیدہ ہوجاتا ہے یا پھٹ جاتا ہے، تو سو کا پھٹا ہوا نوٹ ستر یا اسی روپئے میں چلتا ہے، بتلایئے یہ جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: قمر الدین قاسمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر ملکی کرنسی پھٹ جانے کی وجہ سے مارکیٹ میں اس کی حیثیت عرفیہ گھٹ جائے اور اس روپئے سے کوئی دوسری چیز خریدی نہ جاسکتی ہو کوئی تاجر لینے کے لئے تیار نہ ہو، تو اگر بآسانی بینک میں دے کر نئی اور صحیح کرنسی حاصل کی جاسکتی ہو تو کم

قیمت میں فروخت کرنا جائز نہ ہوگا؛ لیکن اگر آسانی کے ساتھ بینک سے صحیح کرنسی حاصل نہیں کی جاسکتی ہے؛ بلکہ پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑے تو گویا کہ علاقہ میں اس کی حیثیت عرفیہ گھٹ گئی ہے اور چونکہ یہ ثمن عرفی ہے، اس کی ثمنیت کا مدار عرف پر ہے، تو جس قدر اس کی حیثیت گھٹ جائے گی اسی قدر کم پیسے میں اس کو فروخت کرنا جائز ہوگا، مگر اس میں شرط یہ ہے کہ معاملہ اور لین دین دست بدست ہو؛ اس لئے کہ اس کی حیثیت عرفیہ گھٹ جانے کی وجہ سے اگرچہ مختلف القدر ہوگیا ہے؛ لیکن فی الجملہ کسی حد تک یعنی سرکاری سطح پر ثمنیت باقی ہونے کی وجہ سے اتحاد جنسیت باقی ہے۔ (ایضاح النوادر ۱/۱۲۲)

فلا يجوز مبادلة الأوراق النقدية بجنسها متفاضلة، ويجوز إذا كانت متماثلة، والمماثلة ههنا أيضا تكون بالقيمة لا بالعدد، كما في الفلوس، فيجوز أن يباع ورق نقدي قيمته عشر روبيات، بعشرة أوراق قيمة كل واحد روبية واحدة، ولا يجوز أن يباع الأول بأحد عشر ورقا من الثانية.

(تكمله فتح الملهم، كتاب البيوع، باب الصرف، وبيع الذهب بالورق نقدا، أشرفيه ديوبند ۱/ ۵۹۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ رذیقعدہ ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۱۹۶)

۹۵ روپئے ریزگاری کا سو روپئے سے تبادلہ کرنا

سوال [۸۸۰۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عام طور سے ہوٹل یا دوکان والوں کو ریزگاری اور کھلے ہوئے روپیوں اور سکوں کی ضرورت ہوتی ہے؛ اس لئے وہ نوٹ کا ریزگاری سے تبادلہ کرتے ہیں؛ لیکن کمی زیادتی کے ساتھ مثلاً سو کا نوٹ دیا، تو ریزگاری والا صرف ۹۰ روپئے یا ۹۵ روپئے

بمشکل ریزگاری دے گا، کیا اس طریقہ سے زرمبادلہ کمی بیشی کے ساتھ درست ہے؟ علت ربوا کا تحقق ہے یا نہیں؟

المستفتی: ابواسامہ قاسمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوروپئے کا نوٹ دے کر ۹۰ یا ۹۵/ روپئے کی ریزگاری دینے میں صراحتاً سود کا تحقق ہوتا ہے؛ اس لئے کمی بیشی کے ساتھ اس طرح کا معاملہ کرنا حرام وناجائز ہے۔ (مستفاد: عزیز الفتاویٰ، ص: ۶۴۴)

ومن أعطى صيرفيا درهما، وقال: أعطني بنصفه فلوسا وبنصفه نصفا إلا حبة جاز البيع في الفلوس، وبطل فيما بقي عندهما، وعلى قياس قول أبي حنيفة –رحمه الله– بطل في الكل. (هداية، كتاب الصرف، أشرفي ۳/ ۱۱۰، البناية، أشرفيه ۸/ ۴۱۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۸۱۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۱/۶/۱۴۱۹ھ

۹/ باب السلم

بیع سلم کی تعریف اور شرائط

سوال [۸۸۰۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ''بیع سلم'' کیا ہے؟ اس کی شرطیں تحریر فرمادیں، نیز یہ شرط کہ مسلم فیہ موجود ہو اس سے کیا مراد ہے؟ کہاں موجود ہونا ضروری ہے، مجلس عقد میں یا بائع کے پاس گھر میں یا بازار میں؟

المستفتی: محمد انوار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اصطلاح فقہ میں بیع سلم اس کو کہا جاتا ہے کہ پہلے روپئے دے کر غلہ کا نرخ معین کر کے ٹھہرالیا جائے۔

وشرعا بيع آجل، وهو المسلم فيه بعاجل وهو رأس المال. (شامي، كتاب البيوع، باب السلم، كراچی ٥/ ٢٠٩، زكريا ٧/ ٤٥٤)

بیع سلم کے صحیح ہونے کے لئے مندرجہ ذیل شرائط کالحاظ رکھنا ضروری ہے:

(۱) غلہ کی جنس بیان کردی جائے کہ گیہوں ہے یا جو۔

(۲) نوع بیان کردی جائے کہ غلہ کس قسم کی زمین کا ہوگا۔

(۳) صفت بیان کردی جائے کہ عمدہ ہوگا یا گھٹیا۔

(۴) مقدار بیان کردی جائے کہ کتنا غلہ لینا ہے۔

(۵) مدت معین کرلی جائے۔

(۶) جس قدر غلہ لینا ہو اس کی پوری قیمت کا روپیہ جو ان کے باہمی طے شدہ نرخ سے متعین ہوتا ہے، پہلے ہی یعنی بوقت عقد دے دیا جائے۔

(۷) غلہ کس جگہ پر حوالہ کیا جائے گا اس کو بھی معین کرلیا جائے۔ اور جس قسم کے غلہ کی بات

چیت ہوتی ہے، اس کو ”مسلم فیہ“ کہتے ہیں، اس کا مارکیٹ میں یا علاقہ میں پوری مدت کے زمانہ میں کہیں نہ کہیں دستیاب ہونا ضروری ہے۔

ولا يصح السلم عند أبي حنيفة إلا بسبع شرائط: جنس معلوم، كقولنا: حنطة، أو شعير، ونوع معلوم، كقولنا سقية أو نجسية، وصفة معلومة، كقولنا: جيد أو ردي، ومقدار معلوم، كقولنا: كذا كيلا بمكيال معروف، أو كذا وزنا وأجل معلوم، ومعرفة مقدار رأس المال إذا كان يتعلق العقد على مقداره كالمكيل والموزون والمعدود، وتسمية المكان الذي يوفيه فيه إذا كان له حمل ومؤنة. (هداية، باب السلم، أشرفی دیوبند ۳/ ۹۵، الجوهرة النيرة، إمداديه ملتان ۱/ ۲٦٦، دارالکتاب دیوبند ۱/ ۲۵۹، درمختار كراچی ۵/ ۲۱٤، تا ۲۱٦، زكريا ديوبند /۷/ ٤٦۱ تا ٤٦٤)

ولا يجوز السلم حتى يكون المسلم فيه موجودا من حين العقد إلى حين المحل. (هداية، أشرفی دیوبند ۳/ ۹۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۲۵/۶/۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۴۲۳/۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۶/۲۵ھ

پیشگی رقم لے کر مبیع بعد میں دینا

سوال [۸۸۰۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک مسلمان کا دوسرے کو فصل سے پیشگی رقم دینا اس شرط کے ساتھ کہ بھاؤ بازار کا فصل آنے پر کچھ بھی ہو، مگر اس وقت جو بھاؤ مقرر ہو رہا ہے اسی بھاؤ میں جنس کو دینا ہوگا، کیا اس طرح سے خریداری کرنا شرعاً صحیح ہے؟ اور جانبین کے بارے میں کیا حکم ہے؟

المستفتی: محمد یعقوب علی موضع چوہا نگلہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر عقد مجلس میں رقم پر قبضہ ہو چکا ہے اور فصل میں غلہ دینے کے لئے بات طے ہوگئی ہے کہ وہ کس قسم کا غلہ ہوگا اس کی صفت ومقدار وغیرہ بیان کردی ہے اور فی الحال آپس میں بھاؤ بھی مقرر کرلیا ہے، تو یہ شرعاً بیع سلم ہے، جو کہ جائز ہے، اس میں کسی قسم کی قباحت نہیں ہے۔

ولا يصح السلم عند أبي حنيفة إلا بسبع شرائط: جنس معلوم، كقولنا: حنطة، أو شعير، ونوع معلوم، كقولنا سقية أو نجسية، وصفة معلومة، كقولنا: جيد أو ردي، ومقدار معلوم، كقولنا: كذا كيلا بمكيال معروف، أو كذا وزنا وأجل معلوم، ومعرفة مقدار رأس المال إذا كان يتعلق العقد على مقدار كالمكيل والموزون والمعدود، وتسمية المكان الذي يوفيه فيه إذا كان له حمل ومؤنة. (هداية، باب السلم، أشرفی دیوبند ٣/ ٩٥، الجوهرة النيرة، إمداديه ملتان ١/ ٢٦٦، دارالكتاب ديوبند ١/ ٢٥٩، درمختار كراچی ٥/ ٢١٤، تا ٢١٦، زكريا ديوبند / ٧/ ٤٦١ تا ٤٦٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ رربیع الاول ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۱۷۵)

پیشگی رقم لے کر مبیع کو فروخت کرنے کی چار شکلوں کا حکم

سوال [۸۸۰۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عوام الناس میں یہ طریقہ رائج ہے کہ کسان تجار سے پیشگی رقم لے کر اپنی کھیتی باڑی کے کام میں صرف کرتے ہیں اور تجار سے ایک نرخ مقرر کرلیتے ہیں کہ بازار میں جو بھاؤ ہو مگر ہم تم کو ۵۰۰؍ روپئے کوئنٹل گندم دیں گے، یا بازاری نرخ سے سو روپئے کم میں گندم دیں گے،

گندم کی نوع وجنس مقام سب کچھ مقرر ہوجاتا ہے،اس طرح پیشگی رقم دے کر کم نرخ میں کیل گندم دینا یا بھٹے والے طے کر لیتے ہیں کہ رقم پیشگی دے دو، جب بھٹہ کی نکاسی ہوگی تو پیشگی رقم دینے والے کو۲۰۰ر فی ہزار کم اینٹ دی جائے گی، یا بھینس والے دودھ کے خریدار سے پیشگی رقم لے لیں کہ جب بھینس بیائے گی تو تم کو دودھ عام قیمت سے دو روپئے کم فی کیلو دیا جائے گا، یہ شکلیں جواز کی ہیں یا نہیں؟

المستفتی: حاجی ضمیر احمد شیر کوٹ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) سوال میں چار شکلیں ذکر کی گئی ہیں: (۱) کسان سے پانچ سو روپئے فی کوئنٹل پر بات متعین ہوگئی ہے، یہ شکل بیع سلم کے دائرہ میں داخل ہوکر جائز ہوگئی۔

(۲) فصل کے زمانہ میں فصل کا جو بھی بھاؤ ہوگا اس سے سو روپئے کم میں دیا جائے گا، یہ شکل غلہ کی قیمت صحیح طور پر متعین نہ ہونے کی وجہ سے جائز نہ ہوگی۔

(۳) بھٹہ کی نکاسی کے وقت میں ایک ہزار اینٹ دوسو روپئے فی ہزار کم کی شرط بھی جائز نہیں ہے؛ اس لئے کہ نکاسی کے وقت میں ایک ہزار اینٹ کی قیمت کتنی ہوگی یہ اس معاملہ کے وقت متعین نہیں ہے، ہاں البتہ اگر یوں معاملہ کیا جاتا کہ بھٹہ کی نکاسی کے وقت میں بارہ سو اینٹ کی قیمت کا جو اندازہ ہوسکتا ہے اس اندازہ سے کم کر کے ایک ہزار اینٹ کی قیمت اسی وقت متعین کر لی جائے تب جائز ہوسکتا ہے۔

(۴) یہ شکل بھی دودھ کی قیمت صحیح طور پر متعین نہ ہونے کی وجہ سے جائز نہیں ہے؛ اس لئے کہ دودھ لینے کے زمانہ میں عام قیمت کیا ہوگی وہ آج معلوم نہیں ہے۔

وجملة الشروط جمعوها في قولهم إعلام رأس المال، وتعجيله، وإعلام المسلم فيه، وتأجيله، وبيان مكان الإيفاء والقدرة على تحصيله، فإن أسلم مائتي درهم في كرّ حنطة مائة منها دين على المسلم إليه ومائة

نقد، فالسلم في حصة الدين باطل لفوات القبض، ويجوز في حصة النقد لاستجماع شرائطه. الخ (هداية، كتاب البيوع، باب السلم، أشرفي ديوبند ٣/ ٩٧، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ١٤٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍رجب ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۵۸۴۷)

مال کے لئے آرڈر دے کر نہ لینے کا حکم

سوال [۸۸۰۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ضروری گزارش یہ ہے کہ ایک شخص ثمین یورپ کے کسی ملک میں رہتا ہے، دوسرا شخص ہندوستانی ہے ثمین نے ہم سے پانچ لاکھ روپئے کا سامان تیار کرنے کے لئے کہا اور ایک لاکھ روپئے نقد دیئے، ہم نے آرڈر لے لیا اور ایک لاکھ روپئے بھی لے لئے، ہم نے ہندوستان میں مال تیار کروالیا، اب ہم نے مال کی تیاری کے بعد ثمین سے کہا کہ اپنا مال منگوا لیجئے مال تیار ہے، مال کی تیاری کے بعد ثمین کہتا ہے کہ کسی مجبوری میں مال نہیں لوں گا، میرا ایک لاکھ روپئے واپس بھیج دیجئے، ادھر ہم ایک لاکھ سے زائد رقم لگا کر تقریباً پانچ لاکھ کا مال تیار کروا چکے ہیں، ایسے میں دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا ہم ثمین کو وہ ایک لاکھ روپئے کی رقم واپس کرنے کے مکلّف ہیں؟ اگر ایسا ہے تو پھر ہم تو اس سے زائد رقم مال کی تیاری میں خرچ کر چکے ہیں، اس نقصان کی تلافی کا کون ذمہ دار ہوگا؟ اور کیا صورت ہوگی؟ اور اگر واپسی کے مکلّف نہیں ہیں تب پھر مال مصنوع کا کون مالک ہوگا؟ اگر ہم ہی مالک ہے تو کیا اس کو دوسرے کے ہاتھ فروخت کرنے کا اختیار ہے؟ تشفی بخش جواب مطلوب ہے۔

المستفتی: مظاہر حسین، مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب پانچ لاکھ کا مال تیار کرنے کے لئے پیشگی ایک لاکھ

روپئے دے کر آرڈر فائنل کر دیا ہے اور اسی کے مطابق ہندوستان میں مال تیار کروا لیا ہے، اس کے بعد یورپ والا شخص مال لینے سے معذرت خواہی کر رہا ہے، تو ایسی صورت میں تیار شدہ مال نہ بھیجنے سے تیار کرنے والے کا بڑا نقصان ہوسکتا ہے؛ اس لئے اس کو یہ حق ہے کہ یورپ والے شخص کو مال لینے پر مجبور کرے۔ اور اگر وہ لینے کے لئے کسی طرح تیار نہیں ہے، تو وصول شدہ ایک لاکھ روپئے میں سے نقصان کے بقدر تلافی نقصان کے لئے لے سکتا ہے۔ اور بقیہ روپئے واپس کر دینا ضروری ہوگا۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ زکریا ۳/۱۴۱)

لا خيار لهما أما الصانع فلما ذكرنا أولا، وأما المستصنع فلأن الصانع أتلف ماله بقطع الصرم وغيره ليصل إلى بدله، فلو ثبت له الخيار تضرر الصانع؛ لأن غيره لا يشتريه بمثله، ألا ترى! أن الواعظ إذا استصنع منبرا ولم يأخذه فالعامي لا يشتريه أصلا. (عناية مع الفتح، باب السلم قبيل مسائل نشوره، كوئٹه ٦/ ٢٤٤، زكريا ديوبند ٧/ ١٠٩)

إذا أتى الصانع بالمستصنع على الصفة المشروطة روي عن أبي يوسف إنه لازم في حقهما حتى لا خيار لأحدهما لا للصانع ولا للمستصنع أيضا، إن في إثبات الخيار للمستصنع إضرارا بالصانع؛ لأنه قد أفسد متاعه، وأتى بالمستصنع على الصفة المشروطة، فلو ثبت له الخيار لتضرر به الصانع فيلزم دفعا للضرر عنه. (بدائع الصنائع، باب حكم الاستصناع، زكريا ديوبند ٤/ ٤٤٤)

عن أبي يوسف أنه لا خيار لواحد منهما، أما الصانع فلما ذكرنا، وأما المستصنع فلأن في إثبات الخيار له إضرارا بالصانع فربما لا يرغب فيه غيره. (تبيين الحقائق، إمداديه ملتان ٤/ ١٢٤، زكريا ديوبند ٤/ ٥٢٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/ ذیقعدہ ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۳۹۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۷/ ۱۱/ ۱۴۲۲ھ

تاریخ اور کھیت متعین کئے بغیر فصل سے پہلے گیہوں خریدنا

سوال [۸۸۱۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عبدالرحیم نے فصل سے پہلے سو روپئے کوئنٹل گیہوں کے لئے روپئے پہلے ہی ادا کردئے، تاریخ کوئی مقرر نہیں کی کہ کب تک گیہوں لینا ہے اور کس کھیت کا گیہوں لینا ہے، صرف گیہوں طے کئے، اس طرح پہلے روپئے دے کر اور بھاؤ بازار سے کم شرح پر گیہوں طے کرنا عبدالرحیم کے لئے جائز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: یہ بیع سلم کی صورت ہے اور بیع سلم کے جواز کے لئے چند شرطیں لازم ہیں جن کے بغیر صحیح نہیں ہوسکتی:

(۱) جس چیز کی بیع کی جارہی ہے اس کی جنس معلوم ہونا (۲) اس کی قسم معلوم ہونا (۳) اس کی صفت معلوم ہونا (۴) اس کی مقدار معلوم ہونا (۵) ادائے گی کی مدت معلوم ہونا (۶) نرخ معلوم ہونا (۷) ادائے گی کی جگہ معلوم ہونا۔ صورت مذکورہ میں شرط نمبر: ۲، ۳، ۵، ۷/ مفقود ہیں؛ اس لئے ناجائز ہے۔

وشرطه بيان الجنس، والنوع، والصفة، والقدر، والأجل، وأقله شهر، وقدر رأس المال في المكيل والموزون والمعدود، ومكان الإيفاء فيما له حمل من الأشياء. (كنز الدقائق مع البحر، كتاب البيوع، باب السلم، كوئٹه ٦/ ١٦٠، زكريا ٦/ ٢٦٥، درمختار كراچى ٥/ ٢١٤-٢١٦، زكريا ديوبند ٧/ ٤٦١-٤٦٤، الفقه على المذاهب الأربعة، دارالفكر بيروت ٢/ ٣٠٤، بدائع الصنائع، كراچى ٥/ ٢٠٧، زكريا ديوبند ٤/ ٤٤٠، هداية أشرفي ديو بند ٣/ ٩٥)

لہٰذا دوبارہ شرائط مذکورہ کے مطابق عقد کرنا لازم ہوگا یا فسخ کردیں۔ فقط واللہ سبحانہ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/ ربیع الاول ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۵۸۶)

فصل کاٹنے سے پہلے کاشتکار کو روپئے دینے کا حکم

سوال [۸۸۱۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: فصل کاٹنے سے پہلے ایک امام کا کاشتکاروں کو اس شرط پر روپئے دینا اور یہ کہنا کہ بازاری ریٹ جو بھی نکلے اس سے ہمیں کوئی مقصد نہیں ہے، بازاری ریٹ سے پچاس روپئے کم میں مال لوں گا، اگر اس طرح کوئی امام تجارت کرے تو اس امام کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟

المستفتی: ابودرداء، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: یہ بیع سلم ہے، جس کے شرائط میں یہ ہے کہ معاملہ طے کرتے وقت بھاؤ متعین کرلیا جائے اور مذکورہ صورت میں بھاؤ متعین نہیں ہوا ہے، جس کی وجہ سے قیمت مجہول ہوگئی ہے؛ لہٰذا قیمت مجہول ہونے کی وجہ سے یہ معاملہ ناجائز ہے، ممکن ہے امام صاحب نے ایسا معاملہ عدم علم کی وجہ سے کیا ہو ان کو بتا دیا جائے کہ معاملہ کے وقت بھاؤ متعین کرلینا اور آپس کی رضامندی سے جو بھی ریٹ متعین ہو جائے اس کے مطابق عمل کرنا جائز ہے، چاہے بازاری بھاؤ سے بہت ہی کم کیوں نہ ہو۔ اور امام صاحب اگر سابقہ معاملہ سے باز آجائیں اور آئندہ ایسا معاملہ نہ کریں، تو ان کے پیچھے نماز بلاکراہت جائز اور درست ہوگی۔ (فتاوی محمودیہ ۶/ ۲۸۱، جدید ڈابھیل ۱۶/ ۲۰۴، ایضاح النوادر ۱/ ۲۲)

ولا يصح السلم عند أبي حنيفة إلا بسبع شرائط (إلى قوله) ومعرفة رأس المال. (هداية، كتاب البيوع، باب السلم أشرفي ديوبند ۳/ ۹۵، كنز الدقائق مع البحر كوئٹه ۶/ ۱۶۰، زكريا ۶/ ۲۶۵، درمختار كراچى ۵/ ۲۱۴-۲۱۶، زكريا ۷/ ۴۶۱-۴۶۴، الفقه على مذاهب الأربعة، دارالفكر بيروت ۲/ ۳۰۴، بدائع الصنائع، كراچى ۵/ ۲۰۷، زكريا ۴/ ۴۴۰)

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۸۰۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲/ ۵/ ۱۴۱۷ھ

فصل کی کٹائی سے پہلے سو روپئے کوئنٹل گیہوں خریدنا

سوال [۸۸۱۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عبداللہ صاحب فصل سے پہلے لوگوں کو سو روپئے کوئنٹل گیہوں یا دھان پر پیسے دیتے ہیں، یعنی ایک مہینے پہلے پیسے دیتے ہیں اور فصل میں اناج وصول کرتے ہیں، یہ پیسے دینا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: عبدالمجید ہدایت پور، ضلع بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یہ شرعاً بیع سلم ہے، جو شرعاً جائز ہے۔

فالسلم عقد يثبت به الملك في الثمن عاجلا، وفي المثمن آجلا. (عالمگيري، كتاب البيوع، الباب الثامن عشر في السلم، زكريا قديم ٣/ ١٧٨، جديد ٣/ ١٧١)

وقوله: وأما بيان حكم السلم فهو ثبوت الملك لرب السلم في المسلم فيه مؤجلا بمقابلة ثبوت الملك في رأس المال المعين، أو الموصوف معجلا للمسلم إليه. (فتاوى عالمگيري، زكريا قديم ٣/ ١٨١، جديد ٣/ ١٧٣، درمختار كراچى ٥/ ٢٠٩، زكريا ٧/ ٤٥٥)

اس میں یہ لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ ایک کوئنٹل گیہوں کس قسم کا ہے؟ کب ادا کرے گا؟ بوقت معاملہ عادل کے سامنے تحریر بھی کر لینا چاہئے، تاکہ بعد میں کوئی اختلاف نہ پیدا ہو۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳ رصفر ۱۴۸۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/۵۴۲)

بیع سلم میں مسلم فیہ کی مقدار کا متعین نہ ہونے کا حکم

سوال [۸۸۱۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: خریدار نے کسان سے پیشگی رقم اس شرط پر لی یا دی کہ فصل کے موقع پر جو بھی بازار کا بھاؤ ہوگا، اس سے کچھ کم پر لوں گا، تو کیا یہ صورت جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: نصیر احمد قاسمی بھاگلپوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس میں مسلم فیہ کی مقدار متعین نہ ہونے کی وجہ سے بیع جائز نہ ہوگی۔

وشروطه: أي شروط صحته التي تذكر في العقد سبعة: بيان جنس، ونوع، وصفة، وقدر -إلى- وبيان قدر رأس المال. (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب البيوع، باب السلم، كراچی ٥/ ٢١٤-٢١٥، زكريا ٧/ ٤٦١، ٤٦٢، هداية أشرفي ديوبند ٣/ ٩٥، هندية، زكريا قديم ٣/ ١٧٩، جديد ٣/ ١٧٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ رصفر المظفر ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۴۴/۲۴)

بیع سلم کی ایک صورت

سوال [۸۸۱۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: فصل آنے سے پہلے ایک شخص ۱۵۰ر روپئے فی کوئنٹل کے حساب سے کسی مجبور انسان کو اس شرط پر دیتا ہے کہ جب فصل آئے تو مجھ کو غلہ دے دینا، جب کہ فصل میں سرکاری ریٹ

۲۲۰ روپئے/دوسوبیس روپئے فی کوئنٹل پہلے ہی معلوم ہو چکا ہے، تو کیا اس طرح پیشگی روپئے دے کرمعاملہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ فقط

المستفتی: نسیم احمد، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: صورت مسئولہ شرعاً بیع سلم میں داخل ہے اور بیع سلم کا مطلب یہی ہے کہ پیسہ والا مالدار شخص پیسوں سے مجبور شخص کو اس شرط پر پیسہ دے دے کہ فصل پر طے شدہ معاہدہ کے مطابق غلہ حاصل کرے، چاہے طے شدہ معاہدہ میں غلہ کی قیمت فصل کے بھاؤ کے بنسبت بہت کم کیوں نہ ہو اور اس طرح معاہدہ اور معاملہ کرنا قرآن وحدیث سے ثابت ہے۔

عن ابن عباس –رضي الله عنه– قال: قدم رسول الله ﷺ المدينة وهم يسلفون بالثمر السنتين والثلاث، فقال رسول الله ﷺ: من أسلف في شيء ففي كيل معلوم، ووزن معلوم إلى أجل معلوم. (صحيح البخاري، كتاب السلم ۱/ ۲۹۹، رقم: ۲۱۸۸، ف: ۲۲٤۰، صحيح مسلم، كتاب المساقاة، باب السلم، النسخة الهندية ۲/ ۳۱، بيت الأفكار، رقم: ۱٦۰٤)

السلم عقد مشروع بالكتاب وهو آية المداينة ...... قوله عليه السلام: من أسلم منكم فليسلم في كيل معلوم، ووزن معلوم إلى أجل معلوم. (هداية، كتاب البيوع، باب السلم، اشرفی دیوبند ۳/ ۹۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷ ربیع الاول ۱۴۱۱ھ/
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۲۱۷۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۱/۳/۲۷ھ

بیع سلم کی ایک جائز صورت

سوال [۸۸۱۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: ہماری طرف عام طور سے لوگ پیشگی رقم اس شرط پر لیتے ہیں، مثلاً دھان کا موسم ہے تو پیشگی رقم لے لی اور یہ طے کرلیا کہ اس وقت آپ کو ساٹھ ستر روپئے من دھان دوں گا۔

المستفتی: نصیر احمد قاسمی، بھاگلپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: اگر معاملہ اس طرح پر کیا جاتا ہے کہ مثلاً ساٹھ روپئے اس وقت وصول کر لئے جائیں اور ایک یا دو ماہ کے بعد فصل کے موقع پر ایک من دھان دیا جائے گا تو یہ شرعاً بیع سلم ہے اور جائز ہے۔

ولا يصح السلم عند أبي حنيفة إلا بسبع شرائط: جنس معلوم، كقولنا: حنطة، أو شعير، ونوع معلوم، كقولنا سقية أو نجسة، وصفة معلومة، كقولنا: جيد أو ردي، ومقدار معلوم، كقولنا: كذا كيلا بمكيال معروف. الخ (هداية، كتاب البيوع، باب السلم، أشرفی دیوبند ۳/ ۹۵، کنز الدقائق مع البحر، کوئٹه ٦/ ١٦٠، زکریا ٦/ ٢٦٥، درمختار کراچی ٥/ ٢١٤، زکریا دیوبند / ٧/ ٤٦١، بدائع الصنائع، کراچی ٥/ ٢٠٧، زکریا دیوبند ٤/ ٤٤٠)

وفي الهندية: الرابع: أن يكون معلوم القدر بالكيل أو الوزن. (فتاوی عالمگیري زکریا قدیم ۳/ ۱۷۹، جدید ۳/ ۱۷۲) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللّٰہ عنہ
۲۹ رصفر ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۱۴۴)

بیع سلم کا مشہور معاملہ

سوال [۸۸۱٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید ایک کاشتکار ہے، اسے کچھ روپیوں کی ضرورت ہے، اس نے ایک تاجر سے معاملہ کیا کہ وہ اسے پانچ ہزار روپئے دے دے غلہ کی فصل آنے پر وہ اسے پانچ کوئنٹل غلہ دے دے گا،

چاہے اس وقت غلہ کا بھاؤ کچھ بھی ہو، تو کیا اس طرح کا معاملہ کرنا شرعاً درست ہے؟

المستفتی: رکن الدین پاکبڑہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: سوال نامہ میں ذکرکردہ معاملہ بیع سلم کا معاملہ ہے۔ اور اس طرح رقم دے کر وقت مقررہ پر متعین مقدار غلہ لینا شرعاً جائز اور درست ہے، غلہ کی وصولیابی کے دن اس کی موجودہ قیمت کا کوئی اعتبار نہیں۔

أخرج البخاري عن ابن عباس –رضي الله عنه– حديثا طويلا طرفه هذا: من سلف في تمر فليسلف في كيل معلوم، ووزن معلوم. (الحديث) وأخرج أيضا تعليقا عن ابن عمر –رضي الله عنه– قال: لا بأس بالطعام الموصوف بسعر معلوم إلى أجل معلوم. (بخاري، كتاب السلم، باب السلم في كيل معلوم ١/ ٢٩٨، رقم: ٢١٨٧، ف: ٢٢٣٩، باب السلم إلى أجل معلوم ١/ ٣٠٠، رقم الباب: ٧، صحيح مسلم، كتاب المساقاة، باب السلم، النسخة الهندية ٢/ ٣١، بيت الأفكار، رقم: ١٦٠٤)

بيع السلم: هو شرعاً بيع أجل، وهو المسلم فيه بعاجل وهو رأس المال. (شامي، كتاب البيوع، باب السلم، كراچی ٥/ ٢٠٩، زكريا ٧/ ٤٥٤، هندية، زكريا قديم ١٧٨، جديد ٣/ ١٧١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۹۹۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۴/۶/ ۱۴۳۱ھ

قیمت کی ادائے گی کے چھ ماہ بعد مال وصول کرنا

سوال [۸۸۱۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید لوہے کا کاروبار کرتا ہے، خالد نے لوہے کا سریا خریدنے کے لئے تین ہزار روپے

کوئنٹل کے حساب سے پیسے جمع کئے اور سریا کون سی کمپنی کا ہوگا، کتنے سوت کا ہوگا سب باتیں طے ہوگئیں اور چھ مہینے کے بعد لینا طے ہوگیا۔ اور ایک بات یہ طے ہوئی کہ اگر چھ مہینے کے بعد سریے کی قیمت چار ہزار روپئے کوئنٹل بھی ہوگئی تب بھی تین ہزار روپئے کوئنٹل ہی کے حساب سے لین دین ہوگا، اس کے ساتھ زید جو بائع ہے، اس نے خالد سے کہا: اگر چھ مہینے کے بعد سریے کی قیمت تین ہزار سے کم ہوگئی، تو میں آپ سے کم ہی کے پیسے لوں گا، اس پر معاملہ طے ہوگیا، معلوم یہ کرنا ہے، کیا یہ معاملہ بیع وشراء کا درست ہے؟

المستفتی: سعید احمد امام مسجد کاشی واڑی پونہ، مہاراشٹر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ میں مذکورہ معاملہ خرید وفروخت کی ایک قسم بیع سلم کا معاملہ ہے اور بیع سلم میں رأس المال یعنی قیمت کا متعین اور حتمی ہونا ضروری ہوتا ہے۔ اور ذکر کردہ صورت میں فریقین کے درمیان قیمت کی حتمی تعیین نہیں ہوئی؛ بلکہ یہ طے قرار پایا ہے کہ چھ مہینے بعد مال کی سپردگی کے وقت اگر اس کی قیمت مقرر کردہ قیمت سے کم ہوگئی ہو تو خریدار خالد کو اسی کے حساب سے قیمت ادا کرنی ہوگی۔ اور اسی شرط کے ساتھ معاملہ ہوا، بریں بنا یہ معاملہ قیمت کی عدم تعیین اور جہالت کے سبب ناجائز قرار دیا جائے گا؛ البتہ اگر اس طرح کی شرط نہ لگائی ہو بلکہ صرف یہ طے ہوا ہو کہ تین ہزار روپئے فی کوئنٹل ادا کردیا جائے اور مال کی سپردگی کے وقت اس کی جو کچھ بھی قیمت ہو اس کا اعتبار نہ کیا جائے، تو یہ معاملہ جائز اور درست ہوگا۔

يشترط بيان قدر رأس المال. (كنز الدقائق، كتاب البيوع، باب السلم، درمختار کراچی ٥/ ٢١٥، زکریا ٧/ ٤٦٢، هداية، أشرفي ديوبند ٣/ ٩٥)

شرطه: بيان قدر رأس المال إذا كان العقد يتعلق على مقداره. (تبيين الحقائق، إمداديه ملتان ٤/ ١١٦، زكريا ٤/ ٥١٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۲۲۰)

دھان پر پیسہ دینا

سوال [۸۸۱۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: دھان پر پیسہ دینا اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ ستمبر، اکتوبر کے مہینے میں ہمارے یہاں مزدور لوگ مزدوری نہ ملنے کی وجہ سے مالداروں سے قرض لینے جاتے ہیں، تو وہ کہتے ہیں کہ قرض اس شرط پر دوں گا کہ ابھی پچاس روپئے لے جاؤ دو ماہ بعد جب دھان کی فصل کٹے گی تو ایک من دھان لوں گا، حالانکہ جس وقت روپئے دے رہا ہے اس وقت ایک من دھان کی قیمت ۳۰۰/روپئے ہے۔ اور جس وقت دھان لے گا اس وقت بھی کم از کم ایک من دھان ۱۵۰/روپئے کا ہوگا، یعنی قرض کے اس پچاس روپئے کا دھان کی قیمت سے کچھ بھی برابری نہیں ہے؛ لیکن بیچارے غریب لوگ مجبوراً لیتے ہیں، تو کیا یہ معاملہ شرعاً جائز ہے؟ ہمارے علاقہ میں یہ سودی معاملہ مشہور ہے۔

المستفتی: محمد عبداللہ رشیدی جامعہ اشاعت سنیہ رام گنج، مغربی بنگال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یہ بیع سلم کی شکل ہے کہ مزدور نے مالدار سے پچاس روپئے اس شرط پر لئے کہ دھان کی فصل آنے پر وہ ایک من دھان اس مالدار کو دے گا، تو یہ شرعاً جائز اور درست ہے۔ اور علاقہ والوں کا اس کو سودی معاملہ کہنا شرعی مسئلہ سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔

وشرطه: قبض رأس المال قبل أن يتفرقا؛ لأن السلم ينبئ عن أخذ عاجل بآجل، وذلك بالقبض قبل الافتراق. (البحر الرائق، كتاب البيوع، باب السلم، كوئٹه ٦/ ١٦٢، زكريا ٦/ ٢٧١، هداية، أشرفي ديوبند ٣/ ٩٦، درمختار، كراچی ٥/ ٢١٦، زكريا ٧/ ٤٦٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹/جمادی الاولیٰ ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۶۵۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۵/۹ھ

بیع سلم میں روپئے کے عوض دھان لینے کی شرط کا حکم

سوال [۸۸۱۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) گیہوں کے سلسلہ میں ہم لوگ یہ کاروبار کرتے ہیں کہ ہم نے کسی سے کہا کہ ہمیں پچاس ہزار روپئے دے دو، ہم تمہیں اس کے عوض میں گیہوں دے دیں گے، مثلاً ۵۰۰/ روپئے کے حساب سے ۱۰۰/کوئنٹل گیہوں دیں گے، پھر بعض دفعہ گیہوں کے ریٹ کم زیادہ ہوتے ہیں، تو روپئے لینے والا دیتے وقت گیہوں کی جو قیمت (ریٹ) ہوتے ہیں اسی حساب سے دیتا ہے، تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

(۲) اس مسئلہ میں ایک بات یہ بھی دریافت طلب ہے کہ اگر گیہوں دے تو ۱۰۰/کوئنٹل جو طے ہیں، اتنے ہی دینے پڑیں گے، یا ادائے گی کے وقت جو ریٹ ہوں گے اس کے حساب سے پچاس ہزار روپئے کے گیہوں کم یا زیادہ دے سکتے ہیں؟

(۳) اور اگر روپئے لینے والا گیہوں ادا نہ کر کے صرف ادائے گی کے وقت ریٹ لگا کر ۱۰۰/ کوئنٹل کی رقم ادا کرے جو پچاس ہزار سے کم بھی ہو سکتی ہے، زیادہ بھی ہو سکتی ہے، تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: شرف الدین ہیبت پور، جویا، جے پی نگر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر روپیوں کا معاملہ کرتے وقت مجلس عقد میں گیہوں وغیرہ کی مقدار نیز ان کا وصف ادائے گی کا مقام بیان کر دیا جائے تو یہ معاملہ شرعاً بیع سلم کے دائرہ میں داخل ہو کر جائز ہوتا ہے۔ اور اگر معاملہ کے وقت مذکورہ شرائط واضح نہ ہوں، تو پھر معاملہ درست نہ ہوگا؛ لہٰذا سوال نامہ میں جو شقیں لکھی گئیں ہیں ان میں سے جس شق میں یہ بات مذکور ہے کہ آپ ہم کو پچاس ہزار روپئے دے دو ہم آپ کو سو کوئنٹل گیہوں دیں گے، یہ معاملہ بیع سلم کے دائرہ میں داخل ہو کر جائز ہوگا، ادائے گی کے وقت گیہوں کا بھاؤ کم وزیادہ

کچھ بھی ہو اس کا اعتبار نہیں ہے، سو کوئنٹل ہی ادا کرنے ہوں گے، باقی جو شقیں سوال نامہ میں درج ہیں ان میں سے کوئی بھی شق شرعاً جائز نہیں ہے۔

عن ابن عباس –رضي الله عنه– قال: قدم رسول الله ﷺ المدينة وهم يسلفون بالثمر السنتين والثلث، فقال رسول الله ﷺ: من أسلف في شيء ففي كيل معلوم، ووزن معلوم إلى أجل معلوم. (صحيح البخاري، كتاب السلم ١/ ٢٩٩، رقم: ٢١٨٨، ف: ٢٢٤٠، صحيح مسلم، كتاب المساقاة، باب السلم، النسخة الهندية ٢/ ٣١، بيت الأفكار، رقم: ١٦٠٤، سنن الترمذي، أبواب البيوع، باب ماجاء في السلف في الطعام والتمر، النسخة الهندية ١/ ٢٤٥، دارالسلام، رقم: ١٣١١)

هو جائز في الميكلات والموزونات لقوله عليه السلام: من أسلم منكم فليسلم في كيل معلوم، ووزن معلوم إلى أجل معلوم. (هداية، كتاب البيوع، باب السلم، أشرفي ديوبند ٣/ ٩٢، درمختار، كراچی ٥/ ٢٠٩، زكريا ٧/ ٤٥٥، البحرالرائق، كوئٹه ٦/ ١٥٥، زكريا ٦/ ٢٥٩، مجمع الأنهر، قديم ٢/ ٩٧، جديد دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ١٣٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ / جمادی الثانیہ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۷۹۹)

قرض کی رقم کے عوض میں دھان لینا

سوال [۸۸۲۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید عمر سے ۳۰۰/ روپئے قرض لینا چاہتا ہے، عمر یہ شرط رکھتا ہے کہ آپ ان ۳۰۰/ کے بدلہ ایک کوئنٹل دھان دے دینا جب کہ قرض کے وقت دونوں فریق کو معلوم ہے کہ دھان کا سرکاری بھاؤ پانچ سو روپئے ہے۔ اور جب دھان ادا کرنے ہوں گے، اس وقت بھی پانچ سو

روپئے کوئنٹل کا بھاؤ ہے، تو دریافت یہ کرنا ہے کہ اس طرح قرض کے بدلہ ایک کوئنٹل دھان متعین کرنا، جب کہ وہ قرض پر لی ہوئی رقم سے زائد قیمت کے ہیں، تو یہ شریعت کی روشنی میں جائز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال میں مذکور معاملہ بیع سلم کے دائرہ میں داخل ہوکر اس وقت جائز ہوسکتا ہے جب کہ معاملہ کرتے وقت دھان کا وصف مثلاً باسمتی، ہنسراج، سرجو باون، سرجو ۴۹/ نیز ادائے گی کا مقام وغیرہ بیان کر دیا جائے، اگر یہ شرائط عقد کے وقت واضح نہ ہوں، تو پھر یہ معاملہ جائز نہ ہوگا۔

عن ابن عباس –رضي الله عنه– قال: قدم رسول الله ﷺ والناس يسلفون، فقال لهم رسول الله صلى الله عليه وسلم: من أسلف فلا يسلف إلا في كيل معلوم، ووزن معلوم. (صحيح مسلم، كتاب المساقاة، باب السلم، النسخة الهندية ٢/ ٣١، بيت الأفكار، رقم: ١٦٠٤، صحيح البخاري، كتاب السلم ١/ ٢٩٨، رقم: ٢١٨٧، ف: ٢٢٤٠، سنن الترمذي، أبواب البيوع، باب ماجاء في السلف في الطعام والتمر، النسخة الهندية ١/ ٢٤٥، دارالسلام، رقم: ١٣١١)

هو جائز في الميكلات والموزونات لقوله عليه السلام: من أسلم منكم فليسلم في كيل معلوم، ووزن معلوم إلى أجل معلوم. (هداية، كتاب البيوع، باب السلم، أشرفي ديوبند ٣/ ٩٢، درمختار، كراچی ٥/ ٢٠٩، زكريا ٧/ ٤٥٥، البحرالرائق، كوئٹه ٦/ ١٥٥، زكريا ٦/ ٢٥٩، مجمع الأنهر، قديم ٢/ ٩٧، جديد دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ١٣٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۷۷۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۶/۱۹ھ

بیع سلم میں روپئے کے عوض دھان لینے کی شرط

سوال [۸۸۲۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے عمر سے پانچ ہزار روپئے کی رقم طلب کی اوراس کے عوض فصل کا دھان پانچ سو روپئے فی کوئنٹل کے حساب سے دس کوئنٹل دھان دینے پر اپنی رضا مندی ظاہر کی، اوراس پر دونوں میں اتفاق ہوگیا، جب کہ ابھی دھان بویا جارہا ہے اور فصل آنے میں تین یا چار ماہ باقی ہیں، اس طرح یہ بیع قرآن وحدیث کی روشنی میں جائز ہے یانہیں؟

المستفتی: محمد الیاس نگلیاعاقل، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یہ شرعی طور پر بیع سلم ہے جو جائز اور درست ہے۔

وجملة الشروط جمعوها في قولهم: إعلام رأس المال، وتعجيله، وإعلام المسلم فيه، وتأجيله، وبيان مكان الإيفاء، والقدرة على تحصيله.

(هداية، كتاب البيوع، باب السلم، أشرفي ديوبند ۳/ ۹۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ ربیع الاول ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۶۸۶)

ادھار معاملہ میں قیمت میں زیادتی اور بیع سلم سے متعلق ایک سوال

سوال [۸۸۲۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) گیہوں کی قیمت پانچ روپئے ہے، بکر نے زید سے چھ مہینے کے ادھار پر گیہوں خریدے، زید نے بکر کو اس شرط پر گیہوں دیئے کہ آپ کو آٹھ سو روپئے کے دام دینے ہوں گے، یہ معاملہ شریعت کی رو سے جائز ہے یانہیں؟

(۲) بکر نے زید سے آٹھ سو روپئے کے حساب سے ادھار گیہوں خریدے، زید نے اس شرط پر گیہوں دیئے کہ آپ کو تین سو روپئے کے حساب سے مونجی دینی ہوگی، بکر نے اس شرط کو منظور کرلیا؛ حالاں کہ فصل آنے پر مونجی کا بھاؤ پانچ روپئے کو ہے، تو اس طرح بیع کرنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: شمس الدین علی پور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) مسئولہ صورت میں خرید وفروخت کا اس طرح ادھار معاملہ کرنا جائز ہے؛ اس لئے کہ ادھار کی وجہ سے قیمت میں زیادتی کرنا شرعاً وعرفاً درست ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۸/ ۴۰، جدید زکریا مطول ۱۱/ ۱۳۴-۱۳۶، امداد الفتاویٰ ۳/ ۲۰، محمودیہ قدیم ۱۳/ ۳۱۳، جدید ڈابھیل ۱۶/ ۱۵۱، رحیمیہ قدیم ۹/ ۲۵۲-۲۵۴، جدید زکریا ۹/ ۱۹۶)

ألا یری! أنه یزاد في الثمن لأجل الأجل. (هداية، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، اشرفی دیوبند ۳/ ۷٤، البحرالرائق، کوئٹہ ٦/ ١١٤، زکریا ٦/ ١٩٠، شامي، زکریا ۷/ ٣٦١، کراچی ٥/ ١٤٢)

(۲) فی نفسہ خرید وفروخت کا سوال میں ذکر کردہ معاملہ فاسد ہے؛ البتہ اگر خرید وفروخت کا معاملہ کرتے وقت تمام گیہوں کی مقدار اور اس کا پیسہ متعین ہوجائے، پھر اس پوری مقدار میں سے تین سو روپئے کے حساب سے فصل میں فی کوئنٹل مونجی وصول کرنے کی بات اسی مجلس میں طے ہوجائے، تو ایسی صورت میں اس کو بدل سلم قرار دے کر بیع سلم کے دائرہ میں داخل کرکے جائز کہا جاسکتا ہے۔

عن ابن عباس -رضي الله عنه- قال: قدم رسول الله ﷺ والناس يسلفون، فقال لهم رسول الله صلى الله عليه وسلم: من أسلف فلا يسلف إلا في كيل معلوم، ووزن معلوم. (صحيح مسلم، كتاب المساقاة والمزارعة، باب السلم، النسخة الهندية ٢/ ٣١، بيت الأفكار، رقم: ١٦٠٤)

هو جائز في الميكلات والموزونات لقوله عليه السلام: من أسلم

منكم فليسلم في كيل معلوم، ووزن معلوم إلى أجل معلوم. (هداية، كتاب البيوع، باب السلم، أشرفي ديوبند ٣/ ٩٢، درمختار، كراچی ٥/ ٢٠٩، زكريا ٧/ ٤٥٥، البحر الرائق، كوئٹه ٦/ ١٥٥، زكريا ٦/ ٢٥٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰؍جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۶۶۶۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۵/۲۰ھ

باغات کی فصل فروخت کرنے کی ایک شکل

سوال [۸۸۲۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) زید نے اپنے آم کے باغ کی فصل کو اس شرط پر فروخت کیا کہ قیمت کے علاوہ خریدار زید کو دو کوئنٹل آم ۵؍روپئے فی کلو کے حساب سے دے گا۔

(۲) یا دوسری صورت میں کل قیمت کے علاوہ دو کوئنٹل آم خریدار مالک باغ زید کو دے گا، ان دونوں صورتوں میں کون سی صورت جائز ہے؟ برائے کرم تحریری جواب سے مطلع فرمائیں۔

المستفتی: محمد اکبر امام علی مسجد شیر کوٹ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: باغات کی فصل فروخت کرنے کی بہت سی شکلیں ہیں، ان میں سے بعض شکلیں جائز ہیں۔ اور بعض شکلیں ناجائز ہیں۔ سوال نامہ میں جس شکل کا ذکر ہے، اگر یہ جواز کی شکل ہے، تو اس میں فصل کی فروختگی کے ساتھ دو کوئنٹل آم پانچ روپئے فی کلو کے حساب سے لینے کی جو بات کہی گئی ہے، اگر یہ معاملہ اس طرح ہوا ہے کہ فصل کی قیمت الگ سے متعین ہو چکی ہے، پھر الگ سے بائع اور مشتری کے درمیان یہ معاملہ طے ہوا ہے کہ مشتری چونکہ باغ والا بن چکا ہے، پانچ روپئے فی کلو کے حساب سے دو کوئنٹل آم مالک باغ کے ہاتھ فروخت کرنے کی بات طے ہوگئی اور آم کی قسم بھی بیان کردی گئی ہے، دیسی ہے،

دسہری ہے، یا چوسہ ہے وغیرہ اور مالک نے دو کوئنٹل آم کی قیمت معاملہ کے وقت نقد ادا کردی ہے اور آم کے بارے میں یہ شرط نہیں لگائی ہے کہ اسی باغ میں سے دینا ہوگا؛ بلکہ کہیں سے بھی دے سکتا ہے، تو ایسی صورت میں دو کوئنٹل آم کا معاملہ بیع سلم کے دائرہ میں داخل ہوکر جائز ہوجائے گا اور جو شرائط اوپر ذکر کی گئی ہیں، اگر یہ شرائط معاملہ میں موجود نہیں ہیں، تو یہ شکل جائز نہ ہوگی۔

عن ابن عباس –رضي الله عنه– قال: قدم رسول الله ﷺ والناس يسلفون، فقال لهم رسول الله صلى الله عليه وسلم: من أسلف فلا يسلف إلا في كيل معلوم، ووزن معلوم. (صحيح مسلم، كتاب المساقاة والمزارعة، باب السلم، النسخة الهندية ٢/ ٣١، بيت الأفكار، رقم: ١٦٠٤)

هو جائز في الميكلات والموزونات لقوله عليه السلام: من أسلم منكم فليسلم في كيل معلوم، ووزن معلوم إلى أجل معلوم. (هداية، كتاب البيوع، باب السلم، أشرفي ديوبند ٣/ ٩٢، البحرالرائق، كوئٹه ٦/ ١٥٥، زكريا ٦/ ٢٥٩)

(۲) یہ صورت اس طرح جائز ہے کہ فصل کی قیمت جو متعین کی گئی ہے۔ اور ساتھ میں مالک کو دو کوئنٹل آم دینے کی شرط لگائی ہے، تو دو کوئنٹل آم جزو ثمن بن جائے گا؛ لہٰذا دو کوئنٹل آم اور وہ قیمت جو فریقین کے درمیان طے ہوتی ہے دونوں مل کر فصل کی قیمت بن گئی ہے؛ اس لئے یہ صورت شرعاً معتبر و جائز ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۱/ ۲۸۶، جدید ڈابھیل ۱۶/ ۱۰۱)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ ربیع الاول ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۵۲۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۳/۲۹ھ

۱۰/ باب الاستصناع

بیع استصناع

سوال [۸۸۲۴]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) شہر مالیگاؤں میں کپڑوں کے بنکروں اور بیوپاریوں نیز سوت کے بیوپاریوں کے درمیان ایک طریقۂ تجارت رائج ہے، جسے ”فارورڈ ڈیلیوری“ یعنی مستقبل میں مال فراہم کرنے کا طریقہ، اس طرز تجارت میں ہوتا یہ ہے کہ آج مثلاً ۲۵/ جون کو بنکر اور کپڑے کا بیوپاری دونوں آپس میں مستقبل کی کسی تاریخ پر سودا طے کرتے ہیں، اس طور پر کہ بنکر، بیوپاری کو (مثلاً) کپڑے کی ایک سو گانٹھ فلاں تاریخ تک تیار کر کے دے گا، کپڑے کی کوالیٹی، قیمت اور مقدار وغیرہ سب اسی وقت متعین کرلیا جاتا ہے، مدت بسا اوقات متعین کی جاتی ہے اور بعض مرتبہ طے نہیں کی جاتی، اس صورت میں بیوپاری بنکر کو خام مال نہیں دیتا اور نہ ہی پیشگی (ایڈوانس یا ڈپازٹ کے طور پر) کچھ رقم دیتا ہے؛ بلکہ بنکر کو خود ہی خام مال حاصل کر کے آرڈر کے مطابق تیار مال دینا ہوتا ہے، یہ خام مال بنکر کے پاس کبھی موجود ہوتا ہے اور کبھی موجود نہیں ہوتا، خام مال موجود نہ ہونے کی صورت میں بنکر کو یہ مال بازار سے ”فارورڈ ڈیلیوری“ ہی کی صورت میں سوت کے بیوپاری سے خریدنا پڑتا ہے اور بیوپاری کے آرڈر کے مطابق بنکر حسب سہولت مال تیار کر کے کئی قسطوں میں دیتا ہے، بیوپاری جب مال وصول کرتا ہے، تو اس کو جانچتا ہے، اگر کپڑے کی کوالیٹی وغیرہ طے شدہ شرائط کے مطابق ہوتی ہیں تو جتنی مقدار میں مال اس کو پہنچتا ہے، اتنے مال کا پیسہ وہ طے شدہ قیمت کے مطابق چیک یا نقد کی صورت میں ادا کر دیتا ہے، بیوپاری جس وقت مال وصول کرتا ہے، تو وہ اس موقع پر طے شدہ قیمت کے مطابق ہی اس مال کا پیسہ دیتا ہے، چاہے اس زمانہ میں اس مال کی بازاری قیمت طے شدہ قیمت کی بہ نسبت بہت گھٹ گئی ہو یا بہت بڑھ گئی ہو۔ اس کے برعکس اگر وہ مال آرڈر اور طے

شدہ شرائط کے مطابق نہ ہوا اور اس میں عیب وغیرہ ہو، تو وہ اس مال کو رد کر دیتا ہے، چنانچہ بنکر کو ازسر نو مال تیار کر کے دینا پڑتا ہے، اور جس مال کو بیوپاری نے رد کر دیا ہے، اسے بنکر کو مجبوراً کم داموں میں نقصان کے ساتھ بازار میں فروخت کرنا پڑتا ہے۔

(۲) کبھی بازار کا بھاؤ اچھا ہو تو بنکر آرڈر سے زیادہ مال تیار کرتا ہے اور دوسرے بیوپاریوں کو اپنی قیمت میں وہ مال دے کر زیادہ نفع حاصل کر لیتا ہے، اس صورت میں یہ بنکر جس بیوپاری سے مستقبل کی تاریخوں میں سودا کر چکا ہوتا ہے، اس کو یا تو معاہدہ کے مطابق مال دے نہیں پاتا یا اگر دیتا ہے، تو مقررہ مقدار سے کم دیتا ہے۔

(۳) اور کبھی ایسا موقع بھی آتا ہے کہ بیوپاری اپنے آرڈر کے مطابق مال لینے سے انکار کر دیتا ہے، یعنی بنکر اس بیوپاری کو جتنی مدت میں مال کی جو مقدار دینے کا پابند ہوتا اس قدر مال تیار ہونے اور مدت پوری ہونے سے پہلے ہی بیوپاری اس معاہدہ کو منسوخ کر دیتا ہے، اس صورت میں اگر اس تیار مال کی قیمت بازار میں اچھی ہو یا وہی قیمت ہو جو دونوں کے درمیان طے ہوئی تھی، تو ٹھیک۔ اور اگر اس قیمت سے کم میں اسے فروخت کرنا پڑے تو بعض بنکر اس کمی کی تلافی کا مطالبہ (ڈیفرینس کے نام سے) بیوپاری سے کرتا ہے اور بیوپاری کو اس کا ضمان اس تلافی اور ڈیفرینس کے نام پر دینا پڑتا ہے، بعض بنکر اس ڈیفرینس کو چھوڑ بھی دیتے ہیں۔

مذکورہ بالا تینوں صورتوں میں وضاحت طلب امر یہ ہے کہ:

(۱) یہ کاروبار بیع کی کس قسم سے تعلق رکھتا ہے؟

(۲) اس کاروبار کو ''استصناع'' کا عنوان دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

(۳) استصناع کے صحیح ہونے کی شرطیں کیا ہیں؟ اور اس کاروبار میں استصناع کی تمام شرطیں پائی جاتی ہیں یا نہیں؟

(۴) استصناع میں جن باتوں کا ہونا ضروری ہے، ان میں سے اگر کوئی ایک شرط نہ پائی جائے تو اس وقت کیا حکم ہوگا؟

(۵) ''فارورڈ ڈیلیوری'' کے مذکورہ بالا طریقہ کے مطابق کپڑے اور سوت کی خرید وفروخت کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

(٦) معاہدہ کی مدت میں ایک جگہ بیوپاری سے ملے ہوئے مال کے آرڈر سے زیادہ مقدار میں مال تیار کرنا اوراسے کسی اور بیوپاری کے ہاتھوں زیادہ منافع کے ساتھ فروخت کرنا، تاکہ نفع زیادہ حاصل ہواور جس بیوپاری سے معاہدہ ہے، اس کو معاہدہ کی مدت میں مال نہ دینا یا طے شدہ مقدار سے کم مال دینے کا شرعاً کیا حکم ہے؟ اس طریقہ سے حاصل ہونے والا نفع حلال ہوگا یا حرام؟

(٧) بیوپاری اگر اپنے آرڈر کا پورا مال لینے سے انکار کردے اور مدت پوری ہونے سے پہلے معاہدہ کوتوڑ دے، تو پھر وہ مال کم قیمت میں فروخت ہونے کی صورت میں بیوپاری سے اس فرق کی رقم بطور ڈیفرینس لی جاسکتی ہے یا نہیں؟ فقط والسلام-**بینوا بالکتاب و السنة توجروا إن شاء الله تعالیٰ-**

المستفتی: الحاج محمد ایوب، مالیگاؤں

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: سوال نامہ میں ذکر کردہ طریقۂ تجارت میں بیع استصناع کی شکل معلوم ہوتی ہے۔ اور بیع استصناع کے صحیح ہونے کے لئے مبیع کی جنس ونوعیت اور مقدار وصف کا اس طرح معلوم ہونا شرط ہے کہ مبیع مکمل طور پر متعین ہوجائے؛ لہٰذا سوال میں ذکر کردہ طریقۂ تجارت کے مطابق معاملہ کرنا شرعاً صحیح اور درست ہے۔

إنما جاز الاستصناع فيما للناس فيه تعامل إذا بين وصفا على وجه يحصل التعريف. (هندية، كتاب البيوع، الباب التاسع عشر، مطلب الاستصناع، زكريا قديم ٣/ ٢٠٧، جديد ٣/ ١٩٥)

أما صورة الاستصناع فهي أن يقول إنسان لصانع من خفاف أو صفار أو غيرهما: إعمل لي خفا، أو آنية من أديم، أو نحاس من عندك بثمن كذا، ويبين نوع ما يعمل، وقدره، وصفته، فيقول الصانع: نعم. (بدائع الصنائع، كتاب الاستصناع، كراچی ٥/ ٢، زكريا ديوبند ٤/ ٩٣)

أما شرائط جوازه: فمنها: بيان جنس المصنوع، ونوعه، وقدره، وصفته؛ لأنه لا يصير معلوما بدونه. (بدائع الصنائع، زكريا ديوبند ٤/ ٩٤)

صانع کا مال تیار کر کے مستصنع یعنی بیوپاری کے علاوہ دوسرے کے ہاتھ فروخت کرنا شرعاً درست ہے؛اس لئے کہ وہ اسی کا مال ہے، وہ اپنا مال کسی کے بھی ہاتھ فروخت کرسکتا ہے؛ لیکن اس نئے آرڈر دینے والے کے ساتھ وعدہ خلافی اور دھوکہ کا معاملہ کیا ہے؛ اس لئے وہ سخت گنہ گار ہوگا۔

عن عبدالله قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا دين لمن لا عهد له، والذي نفس محمد بيده لا يستقيم دين عبد حتى يستقيم لسانه، ولا يستقيم لسانه حتى يستقيم قلبه. (المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي بيروت ١٠/ ٢٢٧، رقم: ١٠٥٥٣)

فيجبر الصانع على عمله، ولا يرجع الآمر عنه. (الدرالمختار، مطلب في الاستصناع زكريا ٧/ ٤٧٥، كراچى ٥/ ٢٢٤)

وأما بعد الفراغ من العمل قبل أن يراه المستصنع، فكذلك حتى كان للصانع أن يبيعه ممن شاء. (بدائع الصنائع، زكريا ٤/ ٩٤، هندية، زكريا قديم ٣/ ٢٠٨، جديد ٣/ ١٩٥، هداية أشرفي ديوبند ٣/ ١٠١)

(۳) بیوپاری کے لئے مدت پوری ہونے سے پہلے معاملہ کوختم کرنے کا حق ہے اور اس وقت نقصان کی صورت میں کاریگر کے لئے بیوپاری پر کوئی ضمان لازم نہ ہوگا؛ لیکن اس میں کاریگر کو نقصان ہورہا ہے اور بیوپاری کی طرف سے وعدہ خلافی اور دھوکہ بھی ہے؛ اس لئے بیوپاری سخت گنہگار ہوگا۔

عن عبدالله قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا دين لمن لا عهد له، والذي نفس محمد بيده لا يستقيم دين عبد حتى يستقيم لسانه، ولا يستقيم لسانه حتى يستقيم قلبه. (المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي بيروت ١٠/ ٢٢٧، رقم: ١٠٥٥٣)

فيجبر الصانع على عمله، ولا يرجع الآمر عنه. (الدرالمختار، مطلب في الاستصناع زكريا ۷/ ۴۷۵، کراچی ۵/ ۲۲۴)

مذکورہ بالا تحریر میں سوال کے اندر ذکر کردہ تمام شقوں کے جوابات آ گئے ہیں؛ اس لئے ہر شق کو الگ الگ لکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۶؍محرم الحرام ۱۴۳۱ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۸۶۷)	۲۶/۱/۱۴۳۱ھ

عقدِ استصناع کا مدار عرف وتعاملِ ناس پر ہے یا نصوص پر؟

سوال [۸۸۲۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عقدِ استصناع کا مدار نصوص پر ہے یا عرف وتعامل ناس پر؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: عقدِ استصناع کا مدار عرف اور تعاملِ ناس پر ہے، نصوص پر نہیں ہے؛ بلکہ نصوص سے اصول حاصل کیا گیا ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انگوٹھی بنوانے کی حدیث سے اصول مل گیا ہے۔

عن نافع أن عبدالله –رضي الله عنه– حدثه أن النبي صلى الله عليه وسلم اصطنع خاتما من ذهب، وجعل فصه في بطن كفه إذا لبسه، فاصطنع خواتيم من ذهب فرقي المنبر، فحمد الله وأثنى عليه، فقال: إني كنت اصطنعته، وإني لا ألبسه فنبذه، فنبذ الناس، وقال جويرية: ولا أحسبه إلا قال في يده اليمنى. (بخاری شریف ۲/ ۸۷۳، رقم: ۵۶۴۷)

عن أنس بن مالک –رضى الله عنه– قال: اصطنع رسول الله صلى الله عليه وسلم خاتما، فقال: إنا قد اصطنعنا خاتما، ونقشنا فيه نقشا فلا

ينقش أحد عليه. (مسند أحمد ٣/ ١٠١، رقم: ١٢٠١٢، السنن الكبرى للنسائي، دارالكتب العلمية بيروت ٥/ ٤٥٦، رقم: ٩٥٤٥)

ولكنا جوزناه إستحسانا للتعامل الراجع إلى الإجماع العمليّ من لدن رسول الله صلى الله عليه وسلم إلى اليوم بلا نكير، والتعامل بهذه الصفة أصل مندرج في قوله صلى الله عليه وسلم: لا تجتمع أمتي على ضلالة. (فتح القدير، كتاب البيوع، باب السلم، كوئٹه ٦/ ٢٤٢، زكريا ٧/ ١٠٧)

جاز لأن الناس تعاملوه في سائر الأعصار من غير نكير، فكان إجماعا منهم على الجواز. (بدائع الصنائع زكريا ٤/ ٤٤٤)

أما الاستصناع فبالتعامل ومخصوص مما فيه تعامل. (البحرالرائق، كوئٹه ٦/ ١٧١، مكتبه دارالكتاب ٦/ ٢٨٥)

أما الاستصناع: فللإجماع الثابت بالتعامل من لدن النبي إلى يومنا هذا، وهو من أقوى الحجج. (تبيين الحقائق، زكريا ٤/ ٥٢٦، إمداديه ملتان ٤/ ١٢٣)

وجه الاستحسان الإجماع الثابت بالتعامل، فإن الناس في سائر الأعصار تعارفوا الاستصناع فيما فيه تعامل من غير نكير، والقياس يترك بمثله كدخول الحمام. (عناية مع فتح القدير، مكتبه أشرفيه ٧/ ١٠٨، كوئٹه ٦/ ٢٤٢، الموسوعة الفقهية ٣/ ٣٢٩)

عن أنس بن مالك -رضي الله عنه- قال: اصطنع رسول الله صلى الله عليه وسلم خاتما فقال: إنا قد اصطنعنا خاتما ونقشنا فيه نقشا فلا ينقش أحد عليه. (السنن الكبرى للنسائي، دارالكتب العلمية بيروت ٥/ ٤٤٦، رقم: ٩٥٥٤، مسند أحمد ٣/ ١٠١، رقم: ١٢٠١٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۳۴/۱۲/۲۷ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۱۳۴۴/۴۰)

عقدِ استصناع اجارہ ہے یا بیع؟

سوال [٨٨٢٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بیع استصناع بوقت عقد بیع ہے، یا معاہدہ بیع یا اجارہ، قولِ راجح کیا ہے؟ تحریر فرمائیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: صحیح اور راجح قول کے مطابق معاملہ استصناع کی حیثیت بیع کی ہے، استصناع معاہدہ بیع یا اجارہ نہیں ہے۔

ثم هو بيع عند عامة مشايخنا، وقال بعضهم: هو عدة وليس بسديد؛ لأن محمد ذكر القياس والاستحسان في جوازه، وذكر القياس والاستحسان لا يليق بالعدات، وكذا ثبت خيار الرؤية للمستصنع وأنه خصائص البيوع. (بدائع الصنائع، كتاب البيوع، حكم الاستصناع، زكريا ديوبند ٤/ ٤٤٤)

واختلفوا فى جوازه هل هو بيع أو عدة؟ والصحيح أنه بيع لا عدة، وهو مذهب عامة مشايخنا، وكان الحاكم الشهيد يقول: هو مواعدة ينعقد العقد بالتعاطي، وجه العامة: أنه سماه في الكتاب بيعا، وأثبت فيه خيار الرؤية. (عناية مع فتح القدير، أشرفيه ديوبند ٧/ ١٠٨، كوئٹه ٦/ ٢)

صح الاستصناع بيعا لاعدة على الصحيح. (شامي، زكريا ٧/ ٤٧٥، كراچی ٥/ ٢٢٤)

اختلف المشايخ فيه، فقال بعضهم: هو مواعدة وليس ببيع، وقال بعضهم: هو بيع لكن للمشتري فيه خيار، وهو الصحيح. (الموسوعة الفقهية بيروت ٣/ ٣٢٦)

والصحيح الراجح في المذهب الحنفي: أن الاستصناع بيع للعين المصنوعة لا لعمل الصانع فهو ليس وعدا ببيع ولا إجارة على العمل. (الفقه

الإسلامي وأدلته، هدی انٹرنیشنل دیوبند ٤/ ٣٩٢، تاتارخانية زكريا ٩/ ٤٠٠، رقم: ١٣٧١٧، تبيين الحقائق، إمداديه ملتان ٤/ ١٢٣، زكريا ديوبند ٤/ ٥٢٧، مجمع الأنهر، فقيه الأمت ٣/ ١٥٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲/۱۲/۱۴۳۴ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۳۲۵)

کئی واسطوں سے معاملہ استصناع

سوال [۸۸۲۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ معاملۂ استصناع میں مستصنع (مشتری) نے براہ راست صانع (بائع) کو آرڈر نہیں دیا؛ بلکہ درمیان میں کئی واسطے ہیں، مثلاً مرادآباد میں یہ معاملہ بہت زیادہ ہوتا ہے کہ ایکسپورٹر نے بایر سے آرڈر لیا، پھر داخلی لوگوں کو مال بنانے کا آرڈر دیا اور جس کارخانہ دار کو آرڈر دیا اس نے اپنے بعد کے لوگوں کو آرڈر دیا، درحقیقت صانع کم از کم دوسرے یا تیسرے نمبر پر ہوتا ہے اور اس صانع سے اس کے خریدار نے لیا، اس سے ایکسپورٹر نے اور اس نے لے کر باہر کے بایر کو دیا، تو یہ کئی واسطوں سے عقد استصناع جائز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: معاملۂ استصناع میں مستصنع اور صانع کے درمیان اگر کئی واسطے ہوں تب بھی استصناع صحیح اور درست ہو جاتا ہے؛ کیوں کہ صحت استصناع کا مدار عرف وعادت پر ہے۔ اور بالواسطہ استصناع کا عرف عام ہے؛ لہٰذا مرادآباد میں جو عقد استصناع کی شکل رائج ہے، وہ بلاشبہ جائز اور درست ہے۔

الثابت بالعرف كالثابت بالنص. (رسم الفتي ١٧٦)

استعمال الناس حجة يجب العمل بها. (شرح المجلة رستم باز مكتبة اتحاد ديو بند ١/ ٣٥، المادة: ٣٧)

العادة تجعل حكما إذا لم يوجد التصريح بخلافه. (الفوائد البهية ١٩٣)

العادة محكمة. (شرح المجلة، اتحاد ١/ ٣٤، المادة: ٣٦)

يجوز فيما فيه تعامل لافيما لا تعامل فيه. (عناية مع فتح القدير، أشرفيه ٧/ ١٠٨، كوئٹه ٦/ ٢٤٣)

للاستصناع شروط هي: أن يكون مما جرى فيه التعامل بين الناس. (الموسوعة الفقهية ٣/ ٣٢٨، بيروت) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/۳/ ۱۴۳۴ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۳۲۶)

باہر کے بایر سے آرڈر لینے والے ایکسپورٹر کو صانع کہا جائے یا مستصنع؟

سوال [۸۸۲۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے باہر کے بایر سے آرڈر لیا جس میں اس نے یہ وعدہ کیا کہ ۳/ ماہ کے اندر اندر مال بنوا کر پیش کردوں گا، پھر زید نے کارخانہ دار بکر کو آرڈر دیا کہ اس نمونہ کا بنا کر کے دینا ہے اور بکر نے اپنی لیور کے ذریعہ اس کا مال بنا کر دیا، تو ایسی صورت میں بایر بہر حال مستصنع ہے اور بکر جس نے مال بنا کر دیا ہے وہ صانع ہے، تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ زید کیا ہے، کیا زید کو صانع کہا جائے گا یا مستصنع کہا جائے گا؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: زید جس نے بایر سے آرڈر لیا اور کارخانہ دار بکر کو آرڈر دیا، اس کو من وجہ (مشتری) مستصنع اور من وجہ (بائع) صانع دونوں کہا جائے گا؛ اس لئے کہ یہ بایر کے لئے صانع ہے اور کارخانہ دار بکر کے لئے مستصنع ہے، جیسے کہ بیع سلم میں کوئی شخص کسی دوسرے

سے کوئی چیز خرید وفروخت کرے تو اس کو بائع اور مشتری دونوں کہا جاتا ہے۔

وهو في اصطلاح الفقهاء: طلب العمل من الصانع في شيء مخصوص، وينعقد الاستصناع بالإيجاب والقبول من المستصنع والصانع ويقال للمشتري مستصنع، وللبائع صانع، وللشيء مصنوع. (الفقه الإسلامي وأدلته، هدى انٹرنیشنل دیوبند ٤/ ٣٩١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/۱۲/۱۴۳۴ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۴۳۶)

غیر منقول اشیاء میں استصناع کا معاملہ

سوال [۸۸۲۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ استصناع کا معاملہ منقول اشیاء میں ثابت ہے، اب سوال یہ ہے کہ غیر منقول اشیاء عقار میں بھی معاملہ استصناع جائز ہے یا نہیں؟ مثلاً مکانات بنانے کے لئے آرڈر دیا جائے اور بلڈر شرائط کے مطابق مکان بنا کر دے دے تو یہ معاملہ استصناع کے دائرے میں ہو کر جائز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: چونکہ استصناع کا مدار تعامل ناس اور عرف وعادت پر ہے اور اس جدید دور میں غیر منقول اشیاء میں بھی استصناع کا عرف عام ہے؛ لہٰذا غیر منقول اشیاء میں بھی معاملہ استصناع بلا شبہ جائز ہے اور آڈر پر مکان اور فلیٹ وغیرہ بنوانا یہ سب معاملہ استصناع کے دائرے میں ہو کر جائز ہوگا۔ (مستفاد: چند اہم عصری مسائل/ ۲۸۳)

ثم انتشر الاستصناع إنتشارا واسعا في العصر الحديث، ولم يقتصر الأمر على الصناعات المختلفة ما دام يمكن ضبطها بالمقاييس

والمواصفات المتنوعة، وإنما يشمل أيضا إقامة المباني وتوفير المساكن المرغوبة. (الفقه الإسلامي وأدلته، هدى انٹرنيشنل ديوبند ٤/ ٤٠٢)

كل شيء تعومل استصناع يصح فيه الاستصناع على الإطلاق. (شرح المجلة رستم باز، مطبع اتحاد ديوبند ١/ ٢٢٠، مادة: ٢٨٩)

يجب أن يعلم بأن الاستصناع جائز في كل ماجرى التعامل فيه. (تاتارخانية، زكريا ٩/ ٤٠٠، رقم: ١٣٧١٦)

للاستصناع شروط هي: أن يكون مما جرى فيه التعامل بين الناس. (الموسوعة الفقهية بيروت ٣/ ٣٢٨، بدائع، زكريا ٤/ ٤٤٤، عناية مع فتح القدير أشرفيه ٧/ ١٠٨، كوئٹه ٦/ ٢٤٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱/۱/۱۴۳۵ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۱۱۳۵۳/۴۰)

گاڑی وغیرہ بڑی چیزوں میں استصناع کا معاملہ

سوال [۸۸۳۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جوتا، چپل، برتن وغیرہ جیسی چھوٹی اشیاء کے بارے میں معاملۂ استصناع نصوص سے ثابت ہے، سوال یہ ہے کہ آج کے زمانے میں بڑی چیزوں مثلاً ٹرک، گاڑی وغیرہ میں بھی استصناعت ہوتی ہے، تو کیا ایسی بڑی چیزوں میں بھی معاملۂ استصناع جائز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: معاملۂ استصناع کا مدار تعامل ناس اور عرف وعادت پر ہے، بریں بناء جن چیزوں میں بھی استصناع کا عرف ہوگا، اس میں معاملۂ استصناع جائز ہوگا، خواہ وہ چیزیں چھوٹی ہوں یا بڑی؛ لہٰذا آج کے زمانے میں جو گاڑی وغیرہ میں استصناعت جاری ہے بلاشبہ جائز اور درست ہے۔

منها: أن يكون ما للناس فيه تعامل كالقلنسوة، والخف، والآنية ونحوها، فلا يجوز فيما لا تعامل لهم فيه. (بدائع الصنائع، كتاب البيوع، حكم الاستصناع، زكريا ديوبند ٤/ ٤٤٤)

كل شيء تعومل استصناع يصح فيه الاستصناع على الإطلاق. (شرح المجلة رستم باز، مطبع اتحاد ديوبند ١/ ٢٢٠، مادة: ٢٨٩)

ولأنه يجوز فيما فيه تعامل لا فيما لا تعامل فيه. (عناية مع فتح القدير، أشرفيه ديوبند ٧/ ١٠٨، كوئٹه ٦/ ٢٤٣)

للاستصناع شروط هي: أن يكون مما يجرى فيه التعامل بين الناس. (الموسوعة الفقهية بيروت ٣/ ٣٢٨، بدائع، زكريا ٤/ ٤٤٤، عناية مع فتح القدير أشرفيه ٧/ ١٠٨، كوئٹه ٦/ ٢٤٣)

يجب أن يعلم بأن الاستصناع جائز في كل ماجرى التعامل فيه. (تاتارخانية، زكريا ٩/ ٤٠٠، رقم: ١٣٧١٦)

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۳۴/۱۲/۲۱ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۱۱۰۶۷/۴۰)

عقدِ استصناع کی شکل میں مکان، فلیٹ وغیرہ کا معاملہ

سوال [۸۸۳۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مسئلہ یہ ہے کہ فلیٹ وغیرہ کا باضابطہ نقشہ، نمونہ، سائز سب کچھ ہوتا ہے، پھر اس کا آرڈر دیا جاتا ہے، پھر تیاری کے بعد لین دین بھی وعدہ کے مطابق ہوجاتا ہے، تو یہ معاملہ استصناع میں داخل ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب فلیٹ وغیرہ کا نقشہ، نمونہ، سائز سب کچھ دکھا کر کے آرڈر دیا گیا، پھر وعدہ کے مطابق لین دین بھی ہوگیا تو یہ معاملہ استصناع کے دائرہ میں داخل ہوکر جائز ہے۔

ومن أبرز الأمثلة والتطبيقات لعقد الاستصناع بيع الدور، والمنازل، والبيوت السكنية على الخريطة ضمن أوصاف محددة. (الفقه الإسلامي وأدلته، هدی انٹر نیشنل دیوبند ٤/ ٤٠٢)

ولا يصح السلم فيما لا يمكن ضبطه بالوصف كالدور، والعقارات، والجواهر، واللآلي، والجلود، والخشب لتفاوت آحادها تفاوتا فاحشا في المالية، أما الاستصناع فيصح في الأمرين إذا تعامل الناس به. (الفقه الإسلامي وأدلته، هدی انٹر نیشنل دیوبند ٤/ ٤٠١)

ولا يجوز فيما لا تعامل فيه للناس كالثياب لعدم المجوّز، وفيما فيه تعامل إنما يجوز إذا أمكن إعلامه بالوصف ليمكن التسليم. (هداية، مكتبة الأمين، كتاب البيوع، باب السلم ٣/ ١٠١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۳۴/۱۲/۲۷ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۱۱۳۴۴/۴۰)

(صانع) کاریگر کو اجیر کب قرار دیا جائے؟

سوال [۸۸۳۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: صانع کو اجیر کب قرار دیا جائے گا، جب کہ معاملے کی دو شکلیں ہوسکتی ہیں: (۱) سارا مال اور عمل صانع کی طرف سے ہوں (۲) سارا مال مستصنع کی طرف سے ہو اور صانع نمونہ کے

مطابق مال تیار کر کے دے دے، تو سوال یہ ہے کہ دونوں صورتوں میں یہ معاملہ اجرت کا ہوگا یا بیع کا؟ اگر اجرت کا ہے تو اجیر خاص کا ہے یا اجیر مشترک کا؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب مال مستصنع کا ہو اور عمل صانع کا ہو، تو یہ عقدِ اجارہ ہوگا، عقدِ استصناع نہیں ہوگا اور اس صورت میں عمل کرنے والا اجیر قرار دیا جائے گا اور وہ اجیر مشترک ہوگا۔ (مستفاد: اسلام اور جدید معاشی مسائل ۵/ ۱۵۵-۱۵۶)

فإذا كانت العين من المستصنع لا من الصانع، فإن العقد يكون إجارة لا استصناعا. (الفقه الإسلامي و أدلته، هدى انٹرنيشنل ديوبند ٤/ ٣٩١)

والاستصناع أن يكون العين والعمل من الصانع، فأما إذا كان العين من المستصنع لا من الصانع يكون إجارة ولا يكون استصناعا. (تاتارخانية، زكريا ١٥/ ٣٤٧، رقم: ٢٣٣٢٣)

شرطه: أن تكون العين والعمل من الصانع، فإن كانت العين من المستصنع كان العقد إجارة. (شرح المجلة، إتحاد ١/ ٦٩، مادة: ١٢٤)

حتى لو كان العين من المستصنع كان إجارة لا استصناعا. (مجمع الأنهر، فقيه الأمت ٣/ ١٤٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍ذی الحجہ ۱۴۳۴ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۳۴۸)

ایک ماہ سے زیادہ مدت ہو تو کیا معاملہ استصناع سلم میں تبدیل ہو جاتا ہے؟

سوال [۸۸۳۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ معاملہ استصناع اگر ایک ماہ اس سے زیادہ کی مدت کے لئے ہو تو وہ معاملہ استصناع باقی رہے گا یا سلم ہو جائے گا؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: چونکہ معاملۂ استصناع کا مدار عرف اور تعامل ناس پر ہے اور عرف میں ایک ماہ اور اس سے زائد کے لئے بھی استصناع کا معاملہ کرنا رائج ہے؛ لہٰذا ایک ماہ یا زیادہ کی تحدید کی بنا پر یہ معاملہ سلم نہ ہوگا؛ بلکہ استصناع ہی باقی رہے گا۔

وخالف في ذلک أبو يوسف ومحمد إذ أن العرف عندهما جرى بضرب الأجل في الاستصناع، والاستصناع إنما جاز للتعامل، ومن مراعاة التعامل بين الناس، رأي الصاحبين: أن الاستصناع قد تعورف فيه على ضرب الأجل فلا يتحول إلى السلم بوجود الأجل. (الموسوعة الفقهية ٣/ ٣٢٩)

وقال الصاحبان: ليس هذا بشرط، والعقد استصناع على كل حال حدد فيه أجل أو لم يحدد؛ لأن العادة جارية بتحديد الأجل في الاستصناع، فيكون شرطا صحيحا لذلک، وهذا القول هو المتفق مع ظروف الحياة العملية، وحاجات الناس. (الفقه الإسلامي وأدلته، هدى انٹر نیشنل دیوبند ٤/ ٣٩٦)

وقالا: الأول: أي ما فيه تعامل استصناع؛ لأن اللفظ حقيقة للاستصناع فيحافظ على قضيته، ويحمل الأجل على التعجيل بخلاف مالا تعامل فيه؛ لأنه استصناع فاسد، فيحمل على السلم الصحيح. (شامي، مطلب الاستصناع کراچی ٥/ ٢٢٤، زکریا ٧/ ٤٧٤)

وقال أبو يوسف ومحمد: إنه لا يصير سلما بل يبقى استصناعا، وهذا في استصناع للناس فيه تعامل. (محيط البرهاني، کوئٹه ٨/ ٢٥٧، المجلس العلمي بيروت ١٠/ ٣٦٦، رقم: ١٣٠٤٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۴۳۵/۲/۵ھ

(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۴۲۳)

عقدِ استصناع اجارہ کب ہوگا؟

سوال [۸۸۳۴]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: آپ نے شروع میں جمہور کا قول نقل کیا ہے کہ استصناع کا معاملہ نہ اجارہ ہے نہ معاہدہ؛ بلکہ نفس بیع ہے، تو اس صورت میں اجیر خاص یا اجیر مشترک کی مثال پیش کی جاسکتی ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جمہور کا قول عقدِ استصناع کے بیع ہونے کا اس صورت میں ہے، جب سارا سامان اور عمل صانع کا ہو، اس صورت میں اجیر خاص یا اجیر مشترک کی مثال پیش نہیں کی جاسکتی؛ لیکن اگر سامان مستصنع کا ہو اور عمل صانع کا ہو، تو اجیر مشترک کی مثال پیش کرنا درست ہے۔

الاستصناع: أن يكون العين والعمل من الصانع. (تاتارخانية، زكريا ١٥/ ٣٤٧، رقم: ٢٣٣٢٣)

إن الاستصناع بيع للعين المصنوعة لا لعمل الصانع، فهو ليس وعدا ببيع، ولا إجارة على العمل. (الفقه الإسلامي وأدلته، هدى انٹر نيشنل ديوبند ٤/ ٣٩٢)

الصحيح أنه يجوز بيعا لا عدة. (هداية مع فتح القدير، كتاب البيوع، باب السلم، كوئٹه ٦/ ٢٤٢، زكريا ديوبند ٧/ ١٠٨)

شرطه: أن تكون العين والعمل من الصانع، فإن كانت العين من المستصنع كان العقد إجارة. (شرح المجلة رستم باز، مطبع إتحاد ديوبند ١/ ٦٩، مادة: ١٢٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۹/۱۲/۱۴۳۴ھ

(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۳۴۹)

مدت متعینہ میں مال تیار نہ کرنے سے آرڈر کینسل کرنے کا حق

سوال [۸۸۳۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مستصنع نے نمونہ بتلا کر کے آرڈر دیا اور صانع نے اس کی شرائط کے مطابق آرڈر لے لیا اور اس کی مدت متعین ہوگئی، اس کے بعد اگر مدت کے اندر اندر مال تیار کر کے صانع مستصنع کے حوالہ نہیں کر پایا، تو ایسی صورت میں مستصنع کو مدت کے ختم ہونے پر آرڈر کینسل کرنے کا حق ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: صورت مسئولہ میں صانع شرائط کے مطابق مقررہ مدت میں مال تیار کر کے مستصنع کے حوالہ نہ کرسکے، تو ایسی صورت میں مستصنع (مشتری) کو آرڈر کینسل کرنے کا حق ہے۔

إذا انعقد الاستصناع فليس لأحد العاقدين الرجوع، وإذا لم يكن المصنوع على الأوصاف المطلوبة المبينة كان المستصنع مخيرا. (مجلة الأحكام، ص: ٧٦، بحواله كتاب الفتاوى ٥/ ٢٣٩)

وإذا حددت مدة لتقديم المصنوع، فانقضت دون أن يفرغ الصانع منه ويسلمه، فالظاهر أن يتخير المستصنع بين الانتظار والفسخ كما هو المقرر في عقد السلم. (الفقه الإسلامي وأدلته، هدى انٹر نیشنل دیو بند ٤/ ٣٩٦)

ولا يجبر المستصنع على إعطاء الدراهم وإن شرط تعجيله؛ لأن الإجارة في الأجرة شراء ما لم يره كان له أن يفسخ العقد ولا يعطى البدل.

(المحيط البرهاني، کوئٹه ٨/ ٢٥٦-٢٥٧، المجلس العلمي بيروت ١٠/ ٣٦٦، رقم: ١٣٠٤٦)

إذا تعذر تسليم المسلم فيه عند المحل، إما لغيبة المسلم إليه أو عجزه عن التسليم حتى عدم المسلم فيه، أو لم تحمل الثمار تلك السنة،

فـالسلم بالخيار بين أن يصبر إلى أن يوجد فيطالب به، وبين أن يفسخ العقد ويرجع بالثمن إن كان موجودا أو بمثله إن كان مثليا وإلا قيمته. (المغني لابن قدامة بيروت ٤/ ١٩٦، رقم: ٣٢٢٩، بدائع الصنائع، زكريا ٤/ ٤٤٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۳۴/۱۲/۲۸ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۳۴۵)

استصناع میں مال صانع کا ہو تو وہ بائع ہو جائے گا

سوال [۸۸۳۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: استصناعت کے معاملے میں صانع اجیر مشترک قرار دیا جائے گا یا اجیر خاص؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: معاملہ استصناع میں جب مال اور عمل دونوں صانع کے ہوں، تو اس صورت میں صانع کو بائع قرار دیا جائے گا، اجیر مشترک یا اجیر خاص قرار نہیں دیا جائے گا؛ کیوں کہ اجیر کا صرف عمل ہوتا ہے عین نہیں ہوتا۔

يقال للمشتري: مستصنع، وللبائع صانع، وللشيء مصنوع. (الفقه الإسلامي وأدلته، هدى انٹرنيشنل ديوبند ٤/ ٣٩١)

صح الاستصناع بيعا لا عدة. (شامي، باب السلم، مطلب في الاستصناع، زكريا ٧/ ٤٧٥، كراچی ٥/ ٢٢٤، هداية أشرفي ديوبند ٣/ ١٠٠)

الاستصناع أن يكون العين والعمل من الصانع. (تاتارخانية، زكريا ١٥/ ٣٤٧، رقم: ٢٣٣٢٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۳۴/۱۲/۲۹ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۳۵۰)

مال کے لئے انکار پر پیشگی رقم کا ضبط کرنا

سوال [۸۸۳۷]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: استصناعت کے معاملہ میں اگر خریدار نے پیشگی کچھ رقم بطور بیعانہ کے دیدی اور شرائط کے مطابق صانع نے مال تیار کردیا، مگر اب مستصنع لینے سے انکار کرتا ہے، تو کیا اس صورت میں اس پیشگی رقم کو ضبط کرسکتا ہے یا نہیں؟ جب کہ شرائط میں یہ طے تھا کہ مال نہ لینے کی صورت میں پیشگی رقم ضبط ہوجائے گی۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: استصناعت کے معاملہ میں خریدار نے پیشگی رقم دی تھی اور یہ شرط لگائی تھی کہ مال نہ لینے کی صورت میں صانع کو یہ رقم ضبط کرنے کا حق ہوگا، اب جب مال تیار ہونے کے بعد خریدار مال لینے سے انکار کرتا ہے تو چونکہ اس میں صانع کا کافی پیسہ لگ چکا ہے اور مال نہ بکنے میں اس کا ضرر اور نقصان ہے؛ اس لئے نقصان کے بقدر اس پیشگی رقم میں سے ضبط کرسکتا ہے۔ (مستفاد: اسلام اور جدید معاشی مسائل ۴/۱۶۱)

إذا أتى الصانع بالمستصنع على الصفة المشروطة. روي عن أبي يوسف رحمه الله إنه لازم في حقهما حتى لا خيار لأحدهما لا للصانع ولا للمستصنع أيضا أن في إثبات الخيار للمستصنع إضرار بالصانع؛ لأنه قد أفسد متاعه، وفرى جلده وأتى بالمستصنع على الصفة المشروطة، فلو ثبت له الخيار لتضرر به الصانع، فيلزم دفعا للضرر عنه. (بدائع الصنائع، باب حكم الاستصناع، زكريا ٤/ ٤٤٤)

عن أبي يوسف أنه لا خيار لواحد منهما، أما الصانع فلما ذكرنا، وأما المستصنع فلأن في إثبات الخيار له إضرار بالصانع فربما لا يرغب فيه غيره. (تبيين الحقائق، إمداديه ملتان ٤/ ١٢٤، زكريا ديوبند ٤/ ٥٢٨)

والعربون في البيع هو أن يشتري السلعة فيدفع إلى البائع درهما أو

غيره على أنه إن أخذ السلعة احتسب به من الثمن، وإن لم يأخذ فذلك للبائع يقال: عربون وأربون وعربان وأربان قال أحمد: لا بأس به، وفعله عمر رضي الله عنه وعن ابن عمر أنه أجازه، قال ابن سيرين: لا بأس به.

(المغني بيروت ٤/ ١٦٠، رقم: ٣١٢٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۹/۱۲/۱۴۳۴ھ

(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۳۵۱)

داخلی لوگوں نے مال کی تیاری میں تاخیر کردی، جس سے باہر کے خریدار نے آرڈر کینسل کردیا، تو نقصان کی تلافی کون کرے؟

سوال [۸۸۳۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر مشتری ایسے وقت میں آرڈر کینسل کردے جس وقت بائع نے مال کی تیاری میں لاکھوں روپئے خرچ کردیا ہے، تو ایسی صورت میں اس کے نقصان کا بھگتان کون کرے گا؟ کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ وعدہ کے مطابق مال بھیجنا لازم ہوتا ہے اور وقت کے اندر تیار نہ ہونے کی وجہ سے ایکسپورٹر مارکیٹ سے اسی نمونہ کا تیار شدہ مال زیادہ قیمت کا خرید کر کے روانہ کردیتا ہے، تاکہ اس کی طرف سے وعدہ خلافی نہ ہو اور جو مال تیار ہوا ہے، اس کے لئے کوئی دوسرا گراہک نہیں ملتا، تو ایسی صورت میں بائع کا نقصان ہوجاتا ہے، تو اس نقصان کی تلافی تاخیر کرنے والوں سے کرائی جاسکتی ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب مال کی تیاری میں تاخیر کی وجہ سے بائع نے اسی نمونہ کا مال مارکیٹ سے خرید کر مشتری کے پاس روانہ کردیا اور اس آرڈر دئے گئے مال کا کوئی دوسرا گراہک نہیں ملا جس کی وجہ سے بائع کا لاکھوں کا نقصان ہوگیا، تو ایسی صورت میں اس نقصان

کی تلافی بائع ان داخلی لوگوں سے وصول کرسکتا ہے جنہوں نے مال بنانے میں تاخیر کی ہے، یا داخلی لوگوں کو تیار شدہ مال واپس کردے اور نقصان داخلی لوگ خود برداشت کریں۔

إما إذا كانت المنفعة المعقود عليها هي إنجاز عمل من الأعمال كالبناء والخياطة ونحوهما، فإن الضمان يختلف بحسب صفة العامل وهو الأجير في اصطلاحهم؛ لأنه إما أن يكون أجيرا خاصا أو مشتركا أي عاما. (الموسوعة الفقهية بيروت ٢٨/ ٢٥٥)

تعدى الأجير هو أن يعمل عملا أو يتصرف تصرفا مخالفين لأمر الموجر صراحة كان أو دلالة لزمه الضمان. (شرح المجلة رستم باز، إتحاد ديوبند ١/ ٣٢٦، مادة: ٦٠٨)

الأجير المشترك يضمن الضرر والخسار الذي تولد عن فعله وصنعه إن كان بتعديه وتقصيره أو لم يكن. (شرح المجلة رستم باز، إتحاد ديوبند ١/ ٣٣٠، مادة: ٦١١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۳۴/۱۲/۲۸ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۱۱۳۴۶/۴۰)

لوکل اور بین الاقوامی مارکیٹ میں عقدِ استصناع کے مسائل

نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ أَمَّا بَعْد!

آج کے زمانہ میں عقدِ استصناع کا معاملہ عالمی سطح پر وسیع تر ہو چکا ہے، مقامی اور لوکل مارکیٹوں سے تجاوز کر کے ممالک بعیدہ تک عقدِ استصناع کا تجارتی معاملہ پھیل چکا ہے، اس لئے موضوع کی اہمیت اور اس میں پیدا ہونے والے نئے مسائل کی وجہ سے اس نوع کی تجارت کے بعض جزئی مسائل وضاحت طلب ہیں، اسی کے تناظر میں یہ مضمون پیش خدمت ہے۔

عقدِ استصناع کا معاملہ خود صاحبِ شریعت پیغمبر انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہے، جو اس حدیث شریف میں صراحت کے ساتھ ثابت ہے۔ حدیث شریف ملاحظہ فرمائیے:

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: اصْطَنَعَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَاتَمًا، فَقَالَ: إِنَّا قَدِ اصْطَنَعْنَا خَاتَمًا وَنَقَشْنَا فِيْهِ نَقْشًا فَلا يَنْقُشُ أَحَدٌ عَلَيْهِ. (مسند أحمد، ٣/ ١٠١، رقم: ١٢٠١٢، السنن الكبرى للنسائي ٥/ ٤٥٦، رقم: ٩٥٤٥)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے معاملہ استصناع کے طور پر انگوٹھی بنوائی ہے، پھر آپ نے فرمایا کہ بے شک ہم نے ایک انگوٹھی بنانے کا آرڈر دیا ہے اور اس میں ایک خاص نقش بنوایا ہے؛ لہٰذا کوئی شخص اس جیسا نقش نہ بنوائے۔

معاملۂ استصناع کے جواز کا مدار تعامل ناس پر

استصناع کا معاملہ ایسی شئ کا عقد ہے جو شئ معدوم ہوتی ہے، عقد کے وقت اس شئ کا خارج میں کوئی وجود نہیں ہوتا ہے۔ اور شرعی ضابطہ اور اصول کے مطابق ایسی شئ کی خرید وفروخت جائز اور مشروع نہیں ہوتی ہے، جس شئ کا خارج میں کوئی وجود نہ ہو؛ اس لئے اصول اور ضابطہ

کے مطابق استصناع کا معاملہ جائز نہیں ہونا چاہئے، مگر شریعت نے تعاملِ ناس اور لوگوں کی ضرورت کی وجہ سے عقد استصناع کو اصول وضوابط سے مستثنیٰ کر کے جائز قرار دیا ہے؛ اس لئے استصناع کا معاملہ ہر ایسے امور اور ایسی اشیاء میں جائز ہوگا جن اشیاء کو آرڈر دیکر بنوانے کا لوگوں کے درمیان تعارف اور تعامل ہو چکا ہو اور ایسی اشیاء میں جائز نہیں ہوگا جن اشیاء کو آرڈر دے کر تیار کروانے کا لوگوں کے درمیان تعامل نہ ہو، اس کو حضرات فقہاء نے اس طرح کے الفاظ سے بیان فرمایا ہے۔ اس کو عنایہ میں ان الفاظ کے ساتھ نقل فرمایا ہے:

يَجُوزُ اسْتِحْسَانًا وَالْقِيَاسُ يَقْتَضِي عَدَمَ جَوَازِهِ لِأَنَّهُ بَيْعُ الْمَعْدُومِ وَقَدْ نَهَى النَّبِيُّ ﷺ عَنْ بَيْعِ مَا لَيْسَ عِنْدَ الإِنْسَانِ (إلى قوله) وَجْهُ الاسْتِحْسَانِ الإِجْمَاعُ الثَّابِتُ بِالتَّعَامُلِ، فَإِنَّ النَّاسَ فِي سَائِرِ الأَعْصَارِ تَعَارَفُوا الاسْتِصْنَاعَ فِي مَا فِيهِ تَعَامُلٌ مِنْ غَيْرِ نَكِيرٍ، وَالْقِيَاسُ يُتْرَكُ بِمِثْلِهِ (وقوله) وَلِأَنَّهُ يَجُوزُ فِيمَا فِيهِ تَعَامُلٌ لَا فِيمَا لَا تَعَامُلَ فِيهِ. (عناية مع فتح القدير زكريا ديوبند ۷/ ۱۰۸، كوئٹه ۶/ ۲٤۲، دالفكر ۷/ ۱۱٦)

استصناع کا معاملہ استحساناً جائز ہے اور قیاس اس کے عدم جواز کا متقضی ہے؛ اس لئے کہ یہ معاملہ شئ معدوم کی بیع کا ہے اور یقیناً حضور ﷺ نے ایسی چیز کے بیچنے سے منع فرمایا ہے جو انسان کے پاس نہ ہو۔ اور استحساناً جواز کی دلیل ایسا اجماع ہے جو تعاملِ ناس سے ثابت ہے؛ اس لئے کہ بے شک لوگ ہر زمانہ میں ایسی چیزوں میں بلانکیر استصناع کا معاملہ کرنے کو متعارف جانتے ہیں، جن چیزوں میں معاملہ کرنے کا تعامل ہو چکا ہو اور اس جیسے تعامل کی وجہ سے قیاس کو چھوڑ دیا جاتا ہے۔ اور مصنف کا قول: بے شک معاملۂ استصناع ان چیزوں میں جائز ہے جن میں معاملہ کرنے کا تعامل ہے اور ان چیزوں میں جائز نہیں ہے جن میں تعامل نہیں ہے۔

اسی کو امام زیلعیؒ نے ''تبیین الحقائق'' میں ان الفاظ کے ساتھ نقل فرمایا ہے:

وَأَمَّا الاِسْتِصْنَاعُ فَلِإِجْمَاعِ الثَّابِتِ بِالتَّعَامُلِ مِنْ لَدُنْ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم إِلٰى يَوْمِنَا هٰذَا، وَهُوَ مِنْ أَقْوَى الْحُجَجِ. (تبيين الحقائق ملتان ٤/ ١٢٣، زكريا ٤/ ٥٣٦، هكذا في البدائع زكريا ديوبند ٤/ ٩٣، كراچی ٥/ ٣، مبسوط سرخسي ١٢/ ١٣٨)

اور بہر حال استصناع کا معاملہ اس اجماع کی وجہ سے مشروع ہے، جو حضور ﷺ کے زمانہ سے لے کر ہمارے اس زمانہ تک تعاملِ ناس کے ذریعہ سے ثابت ہے اور یہ قوی ترین حجت شرعیہ میں سے ہے۔

عقدِ استصناع اور عقدِ سلم کا فرق

عقدِ استصناع اور عقدِ سلم میں کیا فرق ہے؟ اس سلسلے میں کتب فقہ میں کافی تفصیلات موجود ہیں اور دونوں عقد اس بات میں مشترک ہیں کہ دونوں میں شئ معدوم کی بیع ہوتی ہے اور تعاملِ ناس اور ضرورت کی وجہ سے ان دونوں عقدوں میں شئ معدوم کی خرید وفروخت کی اجازت دی گئی ہے۔ اور دونوں عقدوں میں سے ہر ایک میں ثمن کا متعین ہونا اور مبیع کی جنس کا متعین ہونا اور اس کی قسم کا متعین ہونا اور اس کی مقدار اور صفت کا متعین ہونا لازم ہے، ورنہ عقد فاسد ہو جائے گا۔ چند امور میں دونوں عقد کے درمیان فرق ہے:

(۱) عقدِ سلم میں رأس المال یعنی ثمن اور قیمت کا مکمل طور پر نقد ادا کرنا لازم ہو جاتا ہے اور مجلسِ عقد میں ثمن پر قبضہ کرنا بھی لازم ہو جاتا ہے، اس کے برخلاف عقد استصناع میں ثمن اور قیمت کا پیشگی ادا کرنا لازم نہیں ہے؛ جانبین کی تراضی سے جیسا طے ہو جائے ویسا ہی عمل کرنا جائز ہے، چاہے ساری قیمت پیشگی ادا کردے یا کچھ پیشگی ادا کردے، باقی بعد میں ادا کردے، یا کچھ بھی ادا نہ کرے؛ بلکہ مبیع کی وصولی کے وقت میں ادا کرے، تو یہ ہر طرح سے جائز ہے۔ (شرح المجلۃ رستم باز ا/ ۲۲۱، رقم المادۃ: ۳۹۱، الفقہ الإسلامی وأدلتہ ۴/ ۳۹۹)

(۲) عقدِ سَلَم میں خیارِ شرط کا ثبوت نہیں ہوتا ہے؛ بلکہ عقد کے وقت سے لازم ہو جاتا

ہے، اس میں کسی کو خیار نہیں ہوتا ہے۔ اور عقدِ استصناع غیر لازم ہوتا ہے، اس میں عقد کے بعد عمل سے پہلے خیار ثابت ہوتا ہے۔

(۳) عقدِ سَلَم میں جنس مسلم فیہ جس کو مبیع کہا جاتا ہے، اسی قسم کی اشیاء کا بازار کے اندر ہر زمانہ میں موجود ہونا لازم ہے اور عقدِ استصناع میں شئ مصنوع کی قسم کی اشیاء کا بازار میں ہر وقت موجود ہونا لازم نہیں ہے۔

(۴) عقدِ سَلَم میں مسلم فیہ کا از قبیل ذوات الامثال ہونا لازم ہے اور اس کے برخلاف عقدِ استصناع میں ذوات الامثال ہونا لازم نہیں ہے؛ بلکہ مبیع ذوات القیم بھی ہوسکتی ہے، جب کہ ایسی شئ میں معاملہ کرنے کا لوگوں کے درمیان تعامل ہو۔

(۵) عقدِ سَلَم ایسی چیزوں میں جائز ہے جن کا لوگوں کے درمیان میں تعامل ہے اور ایسی چیزوں میں بھی جائز ہے جن کا لوگوں میں تعامل نہیں ہے، اس کے برخلاف عقدِ استصناع صرف ایسی چیزوں میں جائز ہے جن میں معاملہ کرنے کا لوگوں کے درمیان میں تعامل ہے اور ایسی چیزوں میں جائز نہیں ہے جن کا لوگوں میں تعامل نہیں ہے۔ یہ پوری تفصیل ''الفقہ الاسلامی وادلتہ ۴/ ۳۹۹ سے ۴۰۱'' تک کے اندر موجود ہے۔

عقدِ استصناع بیع ہے یا وعدۂ بیع ؟

معاملۂ استصناع کے بارے میں غور طلب بات یہ ہے کہ جب آرڈر دینے والا مال کا نمونہ اور سائز دکھا کر مال بنانے کیلئے آرڈر دیتا ہے اور صانع اور کاریگر طے شدہ معاہدہ کے مطابق آرڈر قبول کرلیتا ہے تو یہ معاملہ عقدِ بیع ہے یا وعدۂ بیع ہے؟ تو اس سلسلے میں مسلکِ حنفی کے فقہاء کے درمیان اختلاف ہے، چناں چہ اس بارے میں دو فریق ہیں:

فریقِ اول: حضرت امام حاکم شہید مروزیؒ، امام محمد بن سلمہؒ، امام صفّارؒ۔ صاحبِ منثور امام ابوالقاسم ناصر الدین سمرقندیؒ وغیرہ نے اس طرح کے معاملہ کا نفسِ بیع ہونے سے انکار کیا ہے۔ اور انہوں نے یہ ثابت فرمایا ہے کہ یہ بیع نہیں ہے؛ بلکہ آئندہ چل کر عقدِ بیع کرنے

کا معاہدہ اور وعدہ ہے؛ لہٰذا استصناع کا معاملہ طے ہو جانے کے بعد جانبین میں سے ہر ایک کو معاملہ ختم کرنے کا حق ہوگا۔ اور عقد بیع اس وقت منعقد ہوگا کہ جب صانع (کاریگر) طے شدہ شرائط کے مطابق مال تیار کر کے خریدار کو پیش کر دے، اس کو حضرات فقہاء نے ان الفاظ کے ساتھ نقل فرمایا ہے:

ثُمَّ اخْتَلَفَ الْمَشَايِخُ أَنَّهُ مُوَاعَدَةٌ أَوْ مُعَاقَدَةٌ؟ فَالْحَاكِمُ الشَّهِيدُ وَالصَّفَّارُ وَمُحَمَّدُ بْنُ سَلَمَةَ وَصَاحِبُ الْمَنْثُورِ مُوَاعَدَةٌ، وَإِنَّمَا يَنْعَقِدُ عِنْدَ الْفَرَاغِ بَيْعًا بِالتَّعَاطِي، وَلِهٰذَا كَانَ لِلصَّانِعِ أَنْ لَا يَعْمَلَ وَلَا يُجْبَرُ عَلَيْهِ بِخِلَافِ السَّلَمِ، وَلِلْمُسْتَصْنِعِ أَنْ لَا يَقْبَلَ مَا يَأْتِي بِهِ وَيَرْجِعُ عَنْهُ وَلَا تَلْزَمُ الْمُعَامَلَةُ.

(فتح القدير زكريا ۷/ ۱۰۸، كوئٹه ٦/ ۲٤۲، دارالفكر ۷/ ٦ ۱ ۱، البحر الرائق، زكريا ٦/ ۲۸٤، كوئٹه ٦/ ۱۷۱، الفاظ کے فرق کے ساتھ مجمع الأنهر بيروت ۳/ ۱٤۹، مبسوط سرخسي ۱۲/ ۱۳۹، تبيين الحقائق ملتان ٤/ ۱۲۳، زكريا ٤/ ٥۲۷)

پھر مشائخ کے درمیان اس بارے میں اختلاف ہے کہ استصناع کا معاملہ وعدۂ بیع ہے یا عقدِ بیع ہے؟ تو حاکم شہیدؒ، امام صفارؒ، محمد بن سلمہؒ اور صاحبِ منثورؒ وغیرہ فرماتے ہیں کہ وعدۂ بیع ہے اور یقیناً عقد بیع منعقد ہوگی مال کی تیاری کے بعد لین دین کے وقت۔ اور اسی وجہ سے کاریگر کو اس بات کا اختیار رہے کہ وہ مال نہ بنائے اور نہ ہی اس پر جبر کیا جاسکتا ہے، برخلاف معاملۂ سلم کے اور مستصنع (آرڈر دینے والے) کے لئے اس بات کی گنجائش ہے کہ جو مال بنا کر لائے اسے قبول نہ کرے اور اس معاملہ سے رجوع کرلے اور معاملہ ان دونوں کے درمیان میں لازم نہیں ہوتا ہے۔

فریق ثانی: جمہور فقہاء کے نزدیک معاملۂ استصناع وعدۂ بیع نہیں ہے؛ بلکہ نفسِ عقدِ بیع ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ امام محمدؒ نے استصناع کے اندر قیاس اور استحسان دونوں کو ذکر فرمایا ہے اور قیاس واستحسان وعدہ میں جاری نہیں ہوتے ہیں، نیز اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ معاملۂ استصناع ایسی چیزوں میں جائز ہے جن میں معاملہ کرنے کا لوگوں کے درمیان میں تعامل ہے اور جن چیزوں میں تعامل نہیں ہے اس میں استصناع جائز نہیں ہے، اس کو صاحبِ

عنایہ نے ان الفاظ کے ساتھ نقل فرمایا ہے:

وَالصَّحِيُحُ أَنَّهُ بَيُعٌ لَاعِدَةٌ وَهُوَ مَذْهَبُ عَامَّةِ مَشَايِخِنَا. (عنايه مع فتح القدير زكريا ديوبند ٧/ ١٠٨، كوئٹه ٦/ ٢٤٢، دارالفكر ٧/ ١١٦)

اور صحیح یہی ہے کہ معاملۂ استصناع عقدِ بیع ہے نہ کہ وعدۂ بیع، یہی ہمارے عامۃ المشائخ کا مذہب ہے۔

اور اس کو تبیین الحقائق میں ان الفاظ کے ساتھ نقل فرمایا ہے:

ثُمَّ فِي الصَّحِيُحِ أَنَّ الاسُتِصُنَاعَ يَجُوزُ بَيُعًا (إلى قوله) وَجُهُ قَوُلِ الُجُمُهُورِ أَنَّ مُحَمَّدًا سَمَّاهُ شِرَاءً، وَذَكَرَ فِيهِ الُقِيَاسَ وَالاسُتِحُسَانَ، وَفَصَلَ بَيُنَ مَافِيهِ تَعَامُلٌ وَمَا لَاتَعَامُلَ فِيهِ. (تبيين الحقائق ملتان ٤/ ١٢٣، زكريا ٤/ ٥٢٧)

پھر صحیح یہی ہے کہ معاملۂ استصناع عقدِ بیع بن کر کے جائز ہے اور جمہور کے قول کی دلیل یہ ہے کہ امام محمدؒ نے معاملۂ استصناع کا نام خرید وفروخت رکھا ہے اور اس میں قیاس اور استحسان دونوں کو ذکر کیا ہے اور جن چیزوں میں تعامل ناس ہے ان کے درمیان اور جن چیزوں میں تعامل ناس نہیں ہے ان کے درمیان میں فرق بیان فرمایا ہے۔

پہلے خریدار کا دوسرے خریدار کو دوسرے خریدار کا تیسرے خریدار کو فروخت کرنے کا معاملہ

عقدِ استصناع کے جواز کا سارا مدار عرف وعادت اور تعاملِ ناس پر ہے اور عقدِ استصناع میں شئ معدوم ہی کی خرید وفروخت ہوتی ہے اور مبیع کا فی الحال وجود ہی نہیں ہوتا ہے، جب کہ عقدِ سلم میں بوقت عقد اگر چہ مبیع معدوم ہوتی ہے؛ لیکن تسلسل کے ساتھ بازاروں اور مارکیٹوں میں مدت پوری ہونے تک مبیع کا دستیاب ہونا لازم ہے اور اس کے برخلاف عقدِ استصناع میں شئ مصنوع (مبیع) کا تسلسل کے ساتھ مارکیٹ میں پایا جانا بھی لازم نہیں ہے، بس عقدِ استصناع کے لئے صرف اتنا کافی ہے کہ سائز، نمونہ اور ڈیزائن کے ساتھ آرڈر دیگر لوگوں کے درمیان معاملہ کرنے کا تعامل جاری ہوجائے اور بوقت عقد مبیع کا وجود میں ہونا لازم نہیں ہے؛

اس لئے مالیاتی ادارہ کے لئے ایسا کرنا جائز ہے کہ وہ اپنے لئے نمونہ اور سائز اور ڈیزائن وغیرہ کی شرائط کے ساتھ مال بنوانے کا آرڈر لے لے اور اسی ڈیزائن اور نمونہ کی شرائط کے ساتھ وہ مالیاتی ادارہ اپنے ماتحت کاریگروں کو مال بنوانے کا آرڈر دے دے اور اس میں اپنے منافع کی شرح کی رعایت رکھے اور اسی طرح جس بائر اور خریدار نے مالیاتی ادارہ کو آرڈر دیا ہے وہ اپنے منافع کی رعایت کرتے ہوئے سائز، نمونہ اور ڈیزائن دکھا کر اپنے خریدار کے ساتھ استصناع کا معاملہ کرے، اسی طرح دوسرے خریدار بھی اپنے نفع کی رعایت کرتے ہوئے تیسرے خریدار سے نمونہ اور ڈیزائنوں کی شرائط کے ساتھ معاملۂ استصناع کرتے جائیں۔ اور سارے ڈیزائن اور نمونہ اور طے شدہ شرائط کاغذوں میں درج ہوں تو اس طرح کا معاملہ بلاشبہ جائز اور درست ہے کیوں کہ اس طرح معاملہ کرنے کا تعامل لوگوں کے درمیان جاری ہو چکا ہے؛ اس لئے کہ معاملۂ استصناع میں دو چیزیں بنیادی ہوتی ہیں:

(۱) معاملہ کرنے کا عرف اور تعامل لوگوں کے درمیان میں جاری ہو۔

(۲) جس شئ پر معاملہ کیا جاتا ہے وہ شئ وجود میں نہیں ہوتی ہے؛ بلکہ معدوم ہوتی ہے اور یہاں پر یہ دونوں بنیادی چیزیں موجود ہیں؛ اس لئے اس طرح کا معاملہ شرعاً جائز اور درست ہے۔

یہ حکم حضرات فقہاء نے اس طرح کے الفاظ سے بیان فرمایا ہے، ملاحظہ فرمائیے:

يَجُوزُ اسْتِحْسَانًا وَالْقِيَاسُ يَقْتَضِي عَدَمَ جَوَازِهِ لِأَنَّهُ بَيْعُ الْمَعْدُومِ (قوله) وَجْهُ الاسْتِحْسَانِ الإِجْمَاعُ الثَّابِتُ بِالتَّعَامُلِ، فَإِنَّ النَّاسَ فِي سَائِرِ الْأَعْصَارِ تَعَارَفُوا الاسْتِصْنَاعَ فِي مَا فِيهِ تَعَامُلٌ مِنْ غَيْرِ نَكِيرٍ، وَالْقِيَاسُ يُتْرَكُ بِمِثْلِهِ. (عنایه مع فتح القدیر علی الهدایة زکریا دیوبند ۷/ ۱۰۸، کوئٹه پاکستان ۶/ ۲۴۲، دارالفکر ۷/ ۱۱۶)

اور عقد استصناع استحساناً جائز ہے اور قیاس اس کے عدم جواز کا تقاضہ کرتا ہے؛ اس لئے کہ یہ شئ معدوم کی بیع ہے اور استحساناً جواز کی وجہ وہ اجماع ہے جو تعاملِ ناس سے ثابت ہے؛ اس لئے کہ بے شک لوگوں میں ہر زمانہ میں ان چیزوں میں عقدِ استصناع بلا کسی نکیر کے متعارف رہا ہے، جن میں عقدِ استصناع کا تعامل ہو اور اس جیسے تعاملِ ناس کی وجہ سے قیاس کو چھوڑ دیا جاتا ہے۔

’’الفقہ الاسلامی میں یہ بات وضاحت سے ذکر کی گئی ہے کہ عقد استصناع میں مبیع کا مارکیٹوں میں موجود ہونا بھی لازم نہیں ہے۔

وَيُشْتَرَطُ فِي عَقْدِ السَّلَمِ عِنْدَ الْحَنَفِيَّةِ كَوْنُ جِنسِ الْمُسْلَمِ فِيْهِ (الْمَبِيْعِ) مَوْجُوْدًا فِي الأَسْوَاقِ بِنَوْعِهٖ وَصِفَتِهٖ مِنْ وَقْتِ الْعَقْدِ إِلٰى وَقْتِ حُلُوْلِ أَجَلِ التَّسْلِيْمِ (قوله) وَلَا يُشْتَرَطُ ذٰلِكَ فِي عَقْدِ الاسْتِصْنَاعِ. (الفقه الإسلامي ٤/ ٤٠١)

اور حنفیہ کے نزدیک عقدِ سلم میں مسلم فیہ (مبیع) کا اپنی جنس اور صفت کے ساتھ عقد کے وقت سے سونپنے کے زمانہ تک بازاروں اور مارکیٹوں میں موجود ہونا شرط ہے اور عقدِ استصناع میں یہ شرط نہیں ہے۔

چھوٹی منقول اشیاء کی طرح بڑی چیزوں میں استصناع کا معاملہ

جس طرح جوتا، چپل، اوانی، برتن اور گھریلو اشیاء کو استصناع کے طور پر آرڈر دے کر بنوانا جائز ہے، اسی طرح استصناع کا معاملہ بڑی بڑی منقول چیزوں میں بھی جائز اور درست ہے، مثلاً بحری جہاز، ہوائی جہاز، چھوٹی بڑی گاڑیاں اور ٹرین کے ڈبے وغیرہ جب ایسی چیزوں میں سائز، نمونہ اور ڈیزائن کے ساتھ آرڈر دے کر بنوانے کا تعامل ہو تو عقد استصناع کا معاملہ ایسی بڑی بڑی چیزوں میں بھی جائز اور درست ہوجائے گا۔

اس کو الفقہ الاسلامی میں ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا گیا ہے:

ثُمَّ انْتَشَرَ الاسْتِصْنَاعُ انْتِشَارًا وَاسِعًا فِي الْعَصْرِ الْحَدِيْثِ، فَلَمْ يُعَدّ مَقْصُوْرًا عَلٰى صِنَاعَةِ الْأَحْذِيَةِ وَالْجُلُوْدِ وَالنَّجَارَةِ وَالْمَعَادِنِ وَالْأَثَاثِ الْمَنْزِلِيِّ مِنْ مَفْرُوْشَاتٍ وَغَيْرِهَا مِنَ الْخَزَائِنِ

پھر استصناع کا معاملہ دورِ حاضر میں وسیع تر ہوکر پھیلتا چلا گیا؛ لہٰذا جوتے، چپل، چمڑے کی اشیاء، بڑھئی کی اشیاء، دھات کی اشیاء اور لوگوں کے صندوق، صوفے، کرسیاں، لاکر بچھونے اور گھریلو سامان وغیرہ کے دائرہ

وَالْمَقَاعِدِ وَالْمَسَانِدِ وَالصَّنَادِيْقِ، وَإِنَّمَا شَمُلَ صِنَاعَاتٍ مُتَطَوِّرَةٍ وَمُهِمَّةٍ جِدًّا فِي الْحَيَاةِ الْمُعَاصَرَةِ كَالطَّائِرَاتِ وَالسُّفُنِ وَالسَّيَّارَاتِ وَالْقِطَارَاتِ وَغَيْرِهَا، مِمَّا أَدَّى إِلٰى تَنْشِيْطِ الْحَرَكَةِ الصِّنَاعِيَّةِ.

(الفقه الإسلامي ٤ / ٤٠٢)

میں محدود کر کے شمار نہیں کیا جائے گا؛ بلکہ یقینی طور معاملۂ استصناع دور حاضر میں بہت زیادہ اور ترقی یافتہ مصنوعات کو بھی شامل ہے، جیسا کہ ہوائی جہاز، بحری جہاز، گاڑیاں، ٹرین کے ڈبے وغیرہ، جو صنعتی سرگرمیوں کی ترقی کو شامل ہیں۔

غیر منقول عقار میں استصناع کا معاملہ

جس طرح چھوٹی بڑی منقول اشیاء میں نمونہ کے ساتھ آرڈر دے کر استصناع کا معاملہ جائز اور درست ہوتا ہے، اسی طرح جب غیر منقول عقار کو نمونہ اور سائز کے ساتھ آرڈر دے کر بنوانے کا لوگوں کے درمیان عرف اور تعامل جاری ہو جائے تو ایسی صورت میں غیر منقول عقار میں بھی استصناع کا معاملہ جائز اور درست ہو جائے گا؛ نمونہ اور نقشہ تیار کر کے عمارت، مکانات، فلیٹ وغیرہ کا بنوانا بھی معاملۂ استصناع کے دائرہ میں داخل ہو کر جائز اور درست ہو جائے گا اور آج کے زمانہ میں بڑے شہروں میں نقشہ اور نمونہ کے مطابق فلیٹ بنوایا جاتا ہے، کتنے کمرے، کس سائز کے کمرے، کتنے بیت الخلاء ہوں گے، کتنے غسل خانہ ہوں گے اور ان کا سائز کیا ہوگا اور کچن کتنا بڑا ہوگا؟ ان سب چیزوں کی تفصیل کے ساتھ جب فلیٹ بنانے کا آرڈر دیا جائے اور اسی کے مطابق جب فلیٹ تیار ہو جائے تو یہ معاملہ استصناع کے دائرہ میں داخل ہو کر جائز اور درست ہو جائے گا، اسی طرح چھوٹے شہروں میں پلاٹنگ کا سلسلہ جاری ہے، پھر ان پلاٹوں میں نقشہ اور نمونہ کے مطابق عمارت بنانے کا، مکان بنانے کا آرڈر دیا جاتا ہے، تو یہ بھی معاملۂ استصناع کے دائرہ میں داخل ہو کر جائز ہو جائے گا۔ اس کو ''الفقہ الاسلامی'' میں اس طرح کے الفاظ کے ساتھ نقل کیا گیا ہے:

وَإِنَّمَا يَشْمُلُ أَيْضًا إِقَامَةَ الْمَبَانِي وَتَوْفِيرَ الْمَسَاكِنِ الْمَرْغُوبَةِ، وَقَدْ سَاعَدَ كُلُّ ذٰلِكَ فِي التَّغَلُّبِ عَلٰى اَزْمَةِ الْمَسَاكِنِ، وَمِنْ أَبْرَزِ الْأَمْثِلَةِ وَالتَّطْبِيْقَاتِ لِعَقْدِ الاسْتِصْنَاعِ بَيْعُ الدُّوْرِ وَالْمَنَازِلِ وَالْبُيُوْتِ السَّكِنِيَةِ عَلَى الْخَرِيْطَةِ ضِمْنَ أَوْصَافٍ مُحَدَّدَةٍ. (الفقه الإسلامي ٤/ ٤٠٢)

اور بے شک عقدِ استصناع مکانات کی تعمیر کرنے اور پسندیدہ رہائش کے حاصل کرنے کو بھی شامل ہے اور یقیناً یہ سب کے سب رہائشی بحران پر غلبہ حاصل کرنے میں معاون ہیں اور عقدِ استصناع کو عملی تشکیل دینے اور اس کی مثالوں کو عام کرنے میں نقشوں کے مطابق متعین اوصاف کے ضمن میں رہائشی کمروں اور گھروں اور مکانوں کی خرید وفروخت بھی شامل ہے۔

عقدِ استصناع میں بیعانہ ضبط کرنے کا حکم

معاملۂ استصناع چونکہ وسیع ترین دائرہ میں پھیلا ہوا ہے، مقامی اور ملکی دائرہ میں وسیع ہونے کے ساتھ ساتھ ممالکِ بعیدہ کے ساتھ بھی بین الاقوامی مارکیٹ میں استصناع کا معاملہ عام ہو چکا ہے اور ایسے حالات میں جب خریدار صانع کو آرڈر دیتا ہے، تو بسا اوقات ایسی بھی نوبت آجاتی ہے کہ نمونہ، سائز اور ڈیزائن دکھا کر آرڈر کا معاملہ مکمل ہو جاتا ہے اور بائع آرڈر اور طے شدہ شرائط کے مطابق مال تیار کر لیتا ہے، اس کے بعد خریدار بسا اوقات لینے سے مکر جاتا ہے، جس سے صانع اور بائع کو خطیر رقم کا نقصان اٹھانا پڑتا ہے، تو اس نقصان اور خطرہ سے بچنے کے لئے صانع (آرڈر لینے والا) مستصنع (آرڈر دینے والا) سے بطور بیعانہ کے پیشگی متعین رقم کا مطالبہ کرتا ہے اور اس میں یہ شرط لگاتا ہے کہ اگر مستصنع (آرڈر دینے والا) بعد میں لینے سے انکار کردے تو بائع (آرڈر لینے والا) بیعانہ کی پیشگی رقم ضبط کر لے گا، اس کو شرعی اصطلاح اور لغت میں ''عربون'' کے الفاظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ (بذل المجہود بیروت ۱۱/ ۲۲۱، مکتبہ مظاہر العلوم قدیم ۴/ ۲۸۷)

اب یہاں زیرِ بحث مسئلہ یہ ہے کہ استصناع کے معاملہ میں پیشگی رقم جو بطور بیعانہ لی جاتی ہے، طے شدہ شرائط کے مطابق مال تیار ہو جانے کے بعد خریدار کے لینے سے انکار کرنے پر صانع (آرڈر لینے والے) کے لئے وہ رقم شرائط کے مطابق ضبط کر کے اپنے استعمال میں لانا جائز ہے یا نہیں؟ تو اس بارے میں حنفیہ اور جمہور کے نزدیک شرعی حکم یہ ہے کہ بیعانہ کی رقم ضبط کرنا جائز نہیں ہے؛ اس لئے کہ شریعت میں مالی جرمانہ لینا جائز نہیں ہے؛ لیکن حضرت امام احمد بن حنبلؒ، امام سعید بن المسیبؒ، امام محمد بن سیرینؒ وغیرہ کے نزدیک بیعانہ ضبط کرنا شرائط کے مطابق جائز اور درست ہے اور مال تیار کرنے والے کے لئے اس رقم کا استعمال بھی جائز ہے اور اس سلسلے میں امام احمد بن حنبلؒ، حضرت عمرؓ کا فیصلہ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا فتوی دلیل میں پیش کرتے ہیں، اب حنفی مسلک کے علماء کو عصرِ حاضر کی بین الاقوامی تجارت پر نظر رکھتے ہوئے غور کرنا ہے کہ عقدِ استصناع کا سارا مدار عرف اور تعاملِ ناس پر ہے اور مقامی، ملکی، بین الاقوامی مارکیٹ میں خطرہ اور نقصان سے بچنے کے لئے پیشگی رقم لینے اور خریدار کی طرف سے انکار کی صورت میں پیشگی دی ہوئی رقم ضبط کرنے کا تعامل اور تعارف ہو چکا ہے، تو اس تعامل ناس کے پیش نظر امام احمد بن حنبلؒ وغیرہ کے قول پر عمل کرنا جائز ہوگا یا نہیں؟ تو اس بارے میں دورِ حاضر کے مفکر حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ کی رائے بھی یہی ہے کہ تعاملِ ناس اور ضرورت کی بناء پر ''عربون'' (بیعانہ) کی رقم امام احمد بن حنبلؒ وغیرہ کے قول پر عمل کرتے ہوئے ضبط کرنے کی گنجائش ہے اور جہاں ضرورت نہ ہو وہاں جمہور کے قول پر عمل کیا جائے گا؛ اسی لئے احقر کی رائے بھی یہی ہے کہ تعاملِ ناس کی وجہ سے عقدِ استصناع میں عربون (بیعانہ) کی رقم خریدار کے مبیع کو رد کرنے کی صورت میں ضبط کرنے کی گنجائش ہوگی۔ حنفی مسلک کے علماء سے گزارش ہے کہ مسئلہ کے اسی نقطہ پر غور فرمائیں، اگر سارے علماء ایک بات پر متفق ہو جاتے ہیں تو بہتر ہوگا؛ لہٰذا ایسی صورت میں آرڈر دے کر فلیٹ اور مکان بنوانے میں یا چھوٹی چیزیں بھاری تعداد میں بنوانے کی صورت میں عربون (بیعانہ) کا مسئلہ انتہائی قابل غور ہے۔ (مستفاد اسلام اور جدید معاشی مسائل ۴/ ۱۶۱، ۱۶۲)

اس کے جواز سے متعلق حسبِ ذیل دلائل ملاحظہ فرمایئے: مغنی ابن قدامہ میں اس کو ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا گیا ہے:

وَالْعَرْبُوْنُ فِي الْبَيْعِ هُوَ أَنْ يَشْتَرِیَ السِّلْعَةَ فَيَدْفَعُ إِلَى الْبَائِعِ دِرْهَمًا أَوْ غَيْرَهُ عَلٰى أَنَّهُ إِنْ أَخَذَ السِّلْعَةَ اُحْتُسِبَ بِهٖ مِنَ الثَّمَنِ، وَإِنْ لَمْ يَأْخُذْهَا فَذٰلِکَ لِلْبَائِعِ ...... قَالَ أَحْمَدُ: لَا بَأْسَ بِهٖ وَفَعَلَهُ عُمَرُ، وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّهُ أَجَازَهُ، وَقَالَ ابْنُ سِيْرِيْنَ: لَا بَأْسَ بِهٖ، وَقَالَ سَعِيْدُ بْنُ الْمُسَيِّبِ وَابْنُ سِيْرِيْنَ: لَا بَأْسَ إِذَا كَرِهَ السِّلْعَةَ أَنْ يَرُدَّهَا وَيَرُدَّ مَعَهَا شَيْئًا. (المغني ٤/ ١٦٠)

عقدِ بیع میں عربون (بیعانہ) وہ اس طرح سے ہے کہ مشتری سامان کی خریداری کا معاملہ کرکے بائع کو درہم (روپیہ) وغیرہ اس شرط پر دے دے کہ اگر سامان لے گا تو یہ روپیہ ثمن میں شمار ہوجائے گا اور اگر سامان (مبیع) نہیں لیتا ہے تو یہ بیعانہ کی رقم بائع کے لئے ہوجائے گی۔ امام احمدؒ نے فرمایا کہ اس طرح کا معاملہ کرنے میں کوئی حرج نہیں اور اس کو حضرت عمرؓ نے بھی کیا ہے اور ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے اس کی اجازت دی ہے۔ اور امام محمد بن سیرینؒ نے فرمایا کہ اس طرح کا معاملہ کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ اور امام سعید بن المسیبؒ اور ابن سیرینؒ نے کہا کہ جب مشتری سامان لینے سے انکار کرکے رد کردے تو اس کے ساتھ کوئی چیز بھی رد کرنے کے ساتھ واپس دے تو کوئی حرج نہیں ہے۔

اس بارے میں حسبِ ذیل روایات ان کی طرف سے پیش کی جاتی ہیں:

عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم أَحَلَّ الْعُرْبَانَ فِي الْبَيْعِ. (المصنف لابن أبي شيبة ١١/ ٦٧١، رقم: ٢٣٦٥٦، ٢٣٦٦١)

زید بن اسلم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع میں عربان (بیعانہ) کو حلال رکھا ہے۔

عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ فَرُّوْخٍ أَنَّ نَافِعَ بْنَ عَبْدِالْحَارِثِ اشْتَرَى دَارَ السِّجْنِ مِنْ صِفْوَانَ بْنِ أُمَيَّةَ بِأَرْبَعَةِ آلَافِ دِرْهَمٍ، فَإِنْ رَضِيَ عُمَرُ ؓ فَالْبَيْعُ لَهُ، وَإِنْ عُمَرُ ؓ لَمْ يَرْضَ، فَأَرْبَعُ مِائَةٍ لِصَفْوَانَ ؓ.

(المصنف لابن أبي شيبة ١١/ ٦٧٢، رقم: ٢٣٦٦٦)

عبدالرحمٰن بن فروخ کہتے ہیں کہ نافع بن عبدالحارث نے صفوان بن امیہ سے اس شرط پر قیدخانہ کا گھر چار ہزار درہم میں خریدا کہ اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس عقد پر راضی ہوجائیں، تو مبیع ان کے لئے ہے اور اگر حضرت عمرؓ راضی نہ ہوں تو صفوان بن امیہ کے لئے چارسو درہم ہوں گے۔

اور بخاری کے ترجمۃ الباب میں اس روایت کو ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے:

وَاشْتَرَى نَافِعُ بْنُ عَبْدِالْحَارِثِ دَارًا لِلسِّجْنِ بِمَكَّةَ مِنْ صَفْوَانَ بْنِ أُمَيَّةَ عَلٰى إِنْ عُمَرُ ؓ رَضِيَ بِالْبَيْعِ فَالْبَيْعُ بَيْعُهُ، وَإِنْ لَمْ يَرْضَ عُمَرُ ؓ فَلِصَفْوَانَ ؓ أَرْبَعُ مِائَةِ دِيْنَارٍ.

(بخاري شريف ١/ ٣٢٧)

نافع بن عبدالحارث نے قیدخانہ کے لئے مکہ مکرمہ میں ایک گھر صفوان بن امیہ سے اس شرط پر خریدا کہ اگر حضرت عمرؓ بیع پر راضی ہوجائیں تو عقد بیع اسی طرح قائم رہے گا اور اگر حضرت عمرؓ راضی نہ ہوں تو صفوان بن امیہ کے لئے چارسو دینار ہیں۔

ضروری وضاحت

اس مسئلہ میں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ ہم نے جو بیعانہ کی رقم ضبط کرنے کی گنجائش کی طرف رجحان ظاہر کیا ہے وہ صرف عقدِ استصناع کے دائرہ میں محدود ہے اور ملکی اور بین الاقوامی مارکیٹ میں آرڈر دے کر مال بنوانے اور مال ایکسپورٹ کرنے اور ایمپورٹ کرنے کا معاملہ عقدِ استصناع کے ساتھ متعلق ہوتا ہے، اور اس میں آرڈر کینسل کرنے کی صورت میں آرڈر لینے والے کا بھاری نقصان ہوجاتا ہے اور اس نقصان کی تلافی بیعانہ کی رقم کے ذریعہ سے جہاں تک ممکن ہوکرنے کی گنجائش ہے، مثلاً بائع نے دیگر ممالک کے خریدار سے

بیس لاکھ روپئے کا مال طے شدہ شرائط کے مطابق ایکسپورٹ کرنے کا معاملہ طے کرلیا ہے اور بیعانہ کے طور پر کچھ رقم پیشگی وصول کر لی ہے اور اس نے بیس لاکھ روپیہ کا مال تیار کرلیا ہے اس کے بعد باہر کے بایر (خریدار) نے آرڈر کینسل کردیا، تو ایسی صورت میں بائع نے مال کی تیاری میں جو بھاری رقم خرچ کی ہے، اس کا بھاری نقصان بائع کے سر پڑتا ہے، تو ایسے بڑے نقصان سے بچنے کیلئے عربون (بیعانہ) کی پیشگی رقم ضبط کرنے کے علاوہ اس کے پاس کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے، اسی طرح اندرون ملک میں بھی کثرت کے ساتھ ایسے واقعات پیش آتے رہتے ہیں اور بائع کو نقصان بھگتنا پڑ جاتا ہے، اس طرح کے نقصانات کے پیشِ نظر حضرت امام احمد بن حنبلؒ وغیرہ کے قول پر عمل کی گنجائش قرار دی جارہی ہے اور یہ بات بھی یاد رکھیں کہ اندرونِ ملک میں زمین کی خریداری اور پلاٹ کی خریداری، تیار شدہ مکان کی خریداری میں جو بیعانہ پیش کیا جاتا ہے، مشتری بعد میں لینے سے مکر جائے اور لینے سے انکار کردے تو بیعانہ کی رقم مکمل طور پر واپس کردینا بائع کے اوپر لازم اور ضروری ہے؛ اس لئے کہ یہ عقود عقدِ استصناع کے دائرہ میں داخل نہیں ہیں، نیز ایسے معاملات میں مشتری کے انکار کرنے کی صورت میں بائع کا عمومی طور پر کوئی نقصان نہیں ہوتا۔ اور پھر بھی اگر کسی کو نقصان ہوجاتا ہے اور پھر اس طرح کے نقصان کا سلسلہ عام ہونے کا خطرہ ہے، تو اس سے بچنے کے لئے حضرت مفتی شفیع صاحب عثمانیؒ نے امداد المفتیین میں ایک حیلہ نقل فرمایا ہے اور وہ حیلہ یہ ہے کہ ظاہری حالات کے اعتبار سے بائع بیعانہ کی رقم ضبط کرلے؛ لیکن خفیہ طور پر کسی بھی حیلہ سے مشتری کے پاس وہ رقم پہنچادے، مثلاً کسی دوسرے کے واسطے سے بطورِ ہدیہ یا ہبہ واپس کردے، یا ایک مدت کے گذر جانے کے بعد بطور تحفہ وغیرہ کے عنوان سے واپس کردے، ملاحظہ فرمایئے (امداد المفتیین کراچی ۲/۸۴۳)

معاملۂ استصناع اجارہ کب بن سکتا ہے؟

استصناع کا معاملہ مال اور سامان کے اعتبار سے دو طرح سے وجود میں آتا ہے:

(۱) مال بنانے کا سامان، اوزار اور عمل یہ سب کے سب کاریگر کے ذمہ ہوں گے، ایسی صورت میں یہ معاملۂ استصناع حاکم شہیدؒ وغیرہ کے قول کے مطابق وعدۂ بیع ہے اور عامۃ المشائخ اور جمہور کے نزدیک عقد بیع ہے، جس کو استصناع کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے، اس کو معاملۂ اجارہ میں کسی نے بھی داخل نہیں کیا (جیسا کہ اس کی تفصیل عقدِ استصناع بیع ہے یا وعدۂ بیع ہے کے عنوان کے ذیل میں مفصل طور پر آچکی ہے)

(۲) مال تیار کرنے کا سامان اور مٹیریل خریدار کی طرف سے ہو اور کاریگر کا کام صرف یہی ہے کہ طے شدہ شرائط کے مطابق مال بنا کر تیار کردے اور اس میں اس کو اپنی طرف سے کوئی سامان نہیں لگانا ہے، تو ایسی صورت میں استصناع کی یہ شکل عقد بیع یا معاہدۂ بیع نہیں رہے گی؛ بلکہ استصناع کی شکل میں اجارہ بن جائے گی۔ اور صانع (کاریگر) اجیر مشترک بن جائے گا اور آرڈر دینے والا مستصنع مستاجر بن جائے گا۔ اس سلسلے میں حضرات فقہاء کی عبارات ملاحظہ فرمایئے، اس کو فتاویٰ تاتارخانیہ میں ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا گیا ہے:

وَالْاسْتِصْنَاعُ أَنْ يَكُوْنَ الْعَيْنُ وَالْعَمَلُ مِنَ الصَّانِعِ، فَأَمَّا إِذَا كَانَ الْعَيْنُ مِنَ الْمُسْتَصْنِعِ لَا مِنَ الصَّانِعِ يَكُوْنُ إِجَارَةً وَلَا يَكُوْنُ اسْتِصْنَاعًا. (تاتارخانية، زكريا ۱۵/ ۳٤۷، رقم: ۲۳۳۲۳)

استصناع کی شکل یہ ہے کہ عین (مال کا سامان) اور عمل دونوں کاریگر کی طرف سے ہو، پس بہرحال جب سامان مستصنع (آرڈر دینے والے) کی طرف سے ہو، کاریگر کی طرف سے نہ ہو، تو یہ معاملہ اجارہ بن جائے گا اور بیع استصناع باقی نہیں رہے گا۔

اور ''شرح المجلہ'' میں اس کو ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا گیا ہے:

وَشَرْطُهُ أَنْ يَكُوْنَ الْعَيْنُ وَالْعَمَلُ مِنَ الصَّانِعِ، فَإِنْ كَانَتِ الْعَيْنُ مِنَ الْمُسْتَصْنِعِ كَانَ الْعَقْدُ إِجَارَةً. (شرح المجلة۱/ ٦۹)

اور استصناع کی شرط یہی ہے کہ سامان اور عمل دونوں کاریگر کی طرف سے ہو؛ لہٰذا اگر سامان مستصنع (آرڈر دینے والے) کی طرف سے ہو تو عقد اجارہ بن جائے گا۔

بین الاقوامی تجار جن کی فیکٹریاں بڑی اور وسیع ہوتی ہیں، ان کے یہاں یہی شکل زیادہ پیش آتی ہے، وہ لوگ باہر سے خام مال ایمپورٹ کر کے لاتے ہیں اور کارخانہ دار اور کاریگروں کو اپنی ہی فیکٹری میں ٹھیکہ پر رکھتے ہیں اور اسی فیکٹری میں ہی کاریگروں کو ایکسپوٹر نمونہ اور سائز دکھا کر مال بنانے کا آرڈر دیتے ہیں اور کچا مال بھی اپنی طرف سے ان کو دیتے ہیں، پھر ٹھیکہ دار اپنے کاریگروں کے ذریعہ سے اسی خام مال کو گلا کر طے شدہ شرائط کے مطابق مال کا آرڈر تیار کر کے ایکسپوٹر کو پیش کرتے ہیں، پھر ایکسپوٹر اس مال کی پیکنگ وغیرہ کر کے اپنے خریداروں کو ایکسپورٹ کرتے ہیں، تو ایسی صورت میں ان بڑے تاجروں کے یہاں اپنے کاریگروں سے مال بنوانے کا معاملہ اجارہ ہی کا ہوگا، بیع یا معاہدہ بیع کا نہیں ہوگا، ہاں البتہ ایکسپوٹر اور اس کے خریدار کے درمیان میں بیع استصناع کا معاملہ جاری رہے گا۔

طے شدہ شرائط اور نمونہ کی خلاف ورزی پر نقصان کا بھگتان کس پر؟

طے شدہ شرائط اور نمونہ کی خلاف ورزی کی دو شکلیں ہوسکتی ہیں:

(۱) استصناع کی شکل خریدار نے بائع کو نمونہ اور سائز پیش کر دیا اور مال بنانے کے لئے سارے شرائط جانبین میں طے ہوگئے، اس کے بعد کاریگر نے اپنے مٹیریل کے ذریعہ سے مال بنا کر تیار کر دیا ہے، مگر جو مال تیار کر دیا ہے وہ نمونہ اور شرائط کے خلاف ہے، ایسی صورت میں مشتری کو اختیار رہے کہ مال قبول کرے یا واپس کر دے اور واپسی کی صورت میں جو بھی نقصان ہوگا، اس کا پورا بھگتان کاریگر کو اٹھانا پڑے گا، آرڈر دینے والا خریدار نقصان کا ذمہ دار نہیں ہوگا۔ اس کو شرح مجلّہ رستم باز میں مادہ ۳۹۲ میں ان الفاظ کے ساتھ نقل فرمایا ہے:

وَإِذَا لَمْ يَكُنِ الْمَصْنُوْعُ عَلَى الأَوْصَافِ الْمَطْلُوْبَةِ الْمُبَيَّنَةِ كَانَ الْمُسْتَصْنِعُ مُخَيَّرًا لِفَوَاتِ الْوَصْفِ الْمَرْغُوْبِ فِيْهِ. (شرح المجلة ١/ ٢٢١، رقم: ٣٩٢، الفقه الإسلامی ٤/ ٣٩٨)

اور جب بنا ہوا مال طے شدہ اور واضح اوصاف کے مطابق نہ ہو تو آرڈر دینے والے خریدار کو ایسے پسندیدہ اوصاف کے نہ ہونے کی وجہ سے اختیار حاصل ہوگا، جس کی شرط اس میں لگائی گئی تھی۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ مطلوبہ شرائط اور نمونہ کے مطابق مال نہ بنانے کی وجہ سے مستصنع (آرڈر دینے والے خریدار) کو صرف اتنا اختیار ہوگا کہ وہ مال لینے سے انکار کردے اور اس مال کے بنانے میں کاریگر کی محنت وغیرہ کے نقصان کا بھگتان خود کاریگر برداشت کرے گا اور خریدار کو اس مال سے متوقع منافع میں جو نقصان ہوا ہے اس نقصان کی تلافی کاریگر سے نہیں کرسکتا۔

(۲) اجارہ کی شکل ایکسپوٹر نے کاریگر اور ٹھیکیدار کو نمونہ کے مطابق مال بنانے کے لئے مٹیریل اور خام مال اپنی طرف سے پیش کردیا ہے، تو دو صورتیں ہوسکتی ہیں :

(۱) ٹھیکیدار اور کاریگر نے مال تیار کرنے میں نمونہ اور شرائط کی خلاف ورزی کی ہے، تو ایسی صورت میں ٹھیکیدار اور کاریگر خام مال اور مٹیریل کا ضامن ہوگا کہ مٹیریل جیسا آیا تھا ویسا ہی اسی کے ہم مثل واپس کردے گا اور آرڈر دینے والے ایکسپوٹر کا جو مال خراب ہوا ہے وہ ٹھیکیدار اور کاریگر کو مل جائے گا اور محنتانہ کا جو نقصان ہوا ہے اس کا بھگتان ٹھیکیدار اور کاریگر کو برداشت کرنا پڑے گا اور اس نقصان میں آرڈر دینے والا ایکسپوٹر شریک نہیں ہوگا۔

اس کو صاحبِ بدائع نے اس طرح کے الفاظ کے ساتھ نقل فرمایا ہے :

فَإِنْ سَلَّمَ إِلٰى حَدَّادٍ حَدِيْدًا لِيَعْمَلَ لَهٗ إِنَاءً مَعْلُوْمًا بِأَجْرٍ مَعْلُوْمٍ، أَوْ جِلْدًا إِلٰى خِفَافٍ لِيَعْمَلَ لَهٗ خُفًّا مَعْلُوْمًا بِأَجْرٍ مَعْلُوْمٍ، فَذٰلِكَ جَائِزٌ، وَلَا خِيَارَ فِيْهِ؛ لِأَنَّ هٰذَا لَيْسَ بِاسْتِصْنَاعٍ بَلْ هُوَ اسْتِئْجَارٌ فَكَانَ جَائِزًا، فَإِنْ عَمِلَ كَمَا أَمَرَ اسْتَحَقَّ الْأَجْرَ، وَإِنْ فَسَدَ

پس اگر لوہا وغیرہ دھات کے کاریگر کو لوہے کی دھات سونپ دی ہے، تاکہ اس کے لئے متعین اجرت کے عوض میں متعین برتن بنا کردے، یا جوتا موزہ کے کاریگر کو چمڑا سونپ دیا ہے، تاکہ اس کے لئے متعین اجرت کے بدلہ میں متعین شرائط کے مطابق جوتا موزہ بنا کر تیار کردے، تو ایسا معاملہ جائز ہے اور اس میں کسی قسم کا خیار نہیں ہے؛ اس لیے کہ یہ عقد استصناع نہیں ہے؛ بلکہ وہ اجارہ بن کر کے جائز ہوگیا ہے؛ لہٰذا اگر حکم کے مطابق مال بنادیا ہے، تو طے شدہ اجرت کا مستحق ہوجائے گا اور اگر مال کو بگاڑ دیا ہے، تو آرڈر دینے والے

فَلَهُ أَنْ يُضَمِّنَهُ حَدِيْدًا مِثْلَهُ؛ لِأَنَّهُ لَمَّا أَفْسَدَهُ، فَكَأَنَّهُ أَخَذَ حَدِيْدًا لَهُ وَاتَّخَذَ مِنْهُ آنِيَةً مِنْ غَيْرِ إِذْنِهِ، وَالإِنَاءُ لِلصَّانِعِ؛ لِأَنَّ الْمَضْمُونَاتِ تُمْلَكُ بِالضِّمَانِ. (بدائع زکریا دیو بند ۹٦/٤، کراچی ٥/ ٤)

کے لئے اسی کے ہم مثل لوہے کی دھات کا تاوان وصول کرنا جائز ہے، اس لئے کہ جب کاریگر نے اسے بگاڑ دیا ہے، تو گویا کہ کاریگر نے اس کے لوہے کی دھات لے کر اس دھات سے اس کی اجازت کے بغیر برتن بنا دیا ہے اور برتن کاریگر کومل جائے گا؛ اس لئے کہ بنے ہوئے برتن کا ضمان اور تاوان کے بدلہ میں کاریگر مالک ہو جاتے ہیں۔

(۲) دوسری صورت اجارہ کی شکل میں یہ ہوسکتی ہے کہ ایکسپوٹر اور مالیاتی ادارہ نے مال بنانے کے لئے سارا مٹیریل اپنی طرف سے کاریگر کو دیا ہے اور کاریگر نے مال بنانے میں نمونہ، سائز اور ڈیزائن کی خلاف ورزی کی ہے کہ مال کا ڈیزائن خراب کر دیا، یا مال کو چھوٹا بڑا کر دیا، تو ایسی صورت میں مالیاتی ادارہ کے ذمہ دار ایکسپوٹر وغیرہ کو یہ اختیار حاصل ہے کہ بنا ہوا مال اسی حالت میں کاریگر کو دے دے اور اپنے دیئے ہوئے مٹیریل کے ہم مثل مٹیریل اس سے وصول کر لے، یا تیارشدہ وہی مال قبول کر لے، اگر مال کی قیمت میں کوئی فرق نہیں آیا ہے، تو اس کو پوری اجرت ادا کر دے؛ لیکن اگر مال خراب بنانے کی وجہ سے مال کی قیمت گھٹ گئی ہے، تو جتنی گھٹی ہے اتنے نقصان کی تلافی کاریگر کی اجرت میں سے وصول کر لے۔

یہ حکم مبسوط سرخسی کی اس عبارت سے واضح ہوتا ہے:

وَلَوْ أَسْلَمَ غَزْلًا إِلٰى حَائِكٍ لِيَنْسَجَ لَهُ سَبْعًا فِي أَرْبَعٍ، فَحَاكَهُ أَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ أَوْ أَصْغَرَ فَهُوَ بِالْخِيَارِ إِنْ شَاءَ ضَمَّنَهُ مِثْلَ غَزْلِهِ وَسَلَّمَ لَهُ الثَّوْبَ، وَإِنْ

اور اگر کپڑا بننے والے کو سوت اور دھاگا پیش کر دیا ہے، تاکہ اس کے لئے چار بائی سات طول وعرض میں کپڑا بنا کر دے، تو کپڑا بننے والے نے اس سے بڑا بنا دیا، یا اس سے چھوٹا تو آرڈر دینے والے کو اختیار ہے کہ اگر چاہے اپنے دیئے ہوئے سوت اور دھاگے کے ہم

شَاءَ أَخَذَ ثَوْبَهُ وَأَعْطَاهُ الْأَجْرَ إِلَّا فِي النُّقْصَانِ؛ فَإِنَّهُ يُعْطِيهِ الأَجْرَ بِحِسَابِ ذٰلِکَ وَلاَ يُجَاوِزُ بِهٖ مَا سَمَّى. (مبسوط سرخسي ١٥/ ٨٦)

مثل تاوان میں وصول کرلے اور بنا ہوا کپڑا بننے والے کو دے دے اور اگر چاہے تو اسی کپڑے کو لے کر اس کی اجرت ادا کردے، الا یہ کہ قیمت کا نقصان ہوجائے تو بے شک وہ اس نقصان کو مجری کرکے اجرت دے گا۔ اور اس میں متعین قیمت سے تجاوز نہیں کرے گا۔

معاملۂ استصناع کو منسوخ کرنے کی شکلیں

نمونہ، سائز اور طے شدہ شرائط کے مطابق فریقین کے درمیان استصناع کا معاملہ طے ہوجانے کے بعد پھر اس معاملہ کو جانبین میں سے کسی ایک کی طرف سے فسخ کرکے ختم کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ تو اس کی تین شکلیں پیش آسکتی ہیں:

شکل (۱): طے شدہ شرائط کے مطابق معاملۂ استصناع جانبین کے درمیان طے ہوجانے کے بعد ابھی مال بنانے کی تیاری شروع نہیں ہوئی ہے، تو اس حالت میں جانبین میں سے کسی کو بھی معاملہ منسوخ کرنے کا اختیار ہے، ایسی صورت میں کسی کا کوئی نقصان نہیں ہوتا ہے، اس کو حضرات فقہاء نے اس طرح کے الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

وَأَمَّا صِفَةُ الاسْتِصْنَاعِ فَهِيَ: أَنَّهُ عَقْدٌ غَيْرُ لَازِمٍ قَبْلَ الْعَمَلِ فِي الْجَانِبَيْنِ جَمِيعًا بِلَا خِلَافٍ حَتّٰى كَانَ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا خِيَارُ الامْتِنَاعِ قَبْلَ الْعَمَلِ. (بدائع الصنائع زکریا ٤/ ٩٥، کراچی ٥/ ٣)

جانبین کے درمیان عمل سے پہلے بالاتفاق عقد غیر لازم ہے، یہاں تک کہ مال کی تیاری سے پہلے دونوں میں سے ہر ایک کے لئے معاملہ کو ختم کرنے کا اختیار ہے۔

شکل (۲): مال بنانے کی تیاری شروع ہوگئی ہے، مگر ابھی مال نمونہ کے مطابق مکمل تیار نہیں ہو پایا ہے، تو ایسی صورت میں خریدار کو معاملہ ختم کرنے کا اختیار ہے یا نہیں؟ اس سلسلے میں

جمہور کی رائے یہی ہے کہ چوں کہ آرڈر دینے والے خریدار کے نمونہ کے مطابق ابھی مال تیار نہیں ہوا ہے؛ اس لئے آرڈر کینسل کر دینے کا خریدار کو اختیار رہے گا۔ اس کو صاحب بدائع نے ان الفاظ کے ساتھ نقل فرمایا ہے:

إِذَا قَطَعَ الْجِلْدَ وَلَمْ يَعْمَلْ فَقَالَ الْمُسْتَصْنِعُ: لَا أُرِيْدُ لِأَنَّا لَا نَدْرِيْ أَنَّ الْعَمَلَ يَقَعُ عَلَى الصِّفَةِ الْمَشْرُوْطَةِ أَوْ لَا فَلَمْ يَكُنِ الامْتِنَاعُ مِنْهُ إِضْرَارًا بِصَاحِبِهٖ، فَثَبَتَ الْخِيَارُ. (بدائع الصنائع زكريا ٤/ ٩٦، كراچی ٥/ ٤)

جب چمڑے کو جوتا یا موزہ بنانے کے لئے کاٹ لیا ہے اور ابھی بنایا نہیں ہے، تو آرڈر دینے والے خریدار نے کہا: میں لینے کا ارادہ نہیں رکھتا؛ اس لئے کہ ہم نہیں جانتے ہیں کہ تمہارا کام ہمارے طے شدہ شرائط کے مطابق ہو پائے گا یا نہیں؟ لہٰذا اس حالت میں لینے سے منع کر دینا اپنے فریق کو نقصان پہنچانے کے مرادف نہیں ہوگا؛ اس لئے اس کو فسخ کا اختیار حاصل ہوگا۔

شکل (۳): طے شدہ شرائط اور نمونہ کے مطابق مال تیار ہو چکا ہے اب مکمل تیار ہو جانے کے بعد یہ معاملہ ختم کرنے کا اختیار ہوسکتا ہے یا نہیں؟ تو ایسی صورت میں اگر مال مکمل تیار کر کے کاریگر نے آرڈر دینے والے مشتری کے پاس پیش کر دیا ہے اس کے بعد کاریگر معاملہ ختم کر کے مال واپس لے جانا چاہے، تو کسی کے نزدیک بھی واپس لے جانا جائز نہیں ہے، مگر اختلاف اس بارے میں ہے کہ آرڈر دینے والے خریدار کو ایسی حالت میں واپس کر دینے کا اختیار ہے یا نہیں؟ تو جمہور احناف کے نزدیک ایسی صورت میں بھی آرڈر دینے والے خریدار کو خیار رؤیت حاصل رہے گا، چنانچہ خریدار مال دیکھنے کے بعد یہ کہہ کر واپس کر سکتا ہے کہ اگرچہ طے شدہ شرائط اور نمونہ کے مطابق مال بن گیا ہے؛ لیکن مال مجھے پسند نہیں ہے میں نہیں لوں گا، یہ قول ظاہر الروایہ کے مطابق ہے؛ لیکن حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک مال تیار ہونے سے پہلے پہلے عقد غیر لازم رہتا ہے اور مال مکمل تیار ہو جانے کے بعد یہ عقد خود بخود لازم ہو جاتا ہے اور آرڈر دینے والے مشتری کو خیار رویت حاصل نہیں ہوگا؛

اس لئے کہ ایسی حالت میں مشتری کو اگر خیار رؤیت کے نام سے اختیار دیا جائے اور وہ مال لینے سے انکار کردے تو بائع (کاریگر) کو بڑا نقصان ہوسکتا ہے اور شریعت چھوٹے نقصان کے مقابلے میں بڑے نقصان سے بچنے کو اہمیت دیتی ہے؛ اس لئے خریدار پر لازم ہوجائے گا کہ مال کو واپس نہ کرے اور بلا کسی اڑچن لگائے اس کو قبول کرلے، اس کو حضرات فقہاء نے اس طرح کے الفاظ سے نقل فرمایا ہے۔ بدائع کی عبارت ملاحظہ فرمایئے:

فَأَمَّا إِذَا أَحْضَرَ الصَّانِعُ الْعَيْنَ عَلَى الصِّفَةِ الْمَشْرُوْطَةِ فَقَدْ سَقَطَ خِيَارُ الصَّانِعِ وَلِلْمُسْتَصْنِعِ الْخِيَارُ؛ لِأَنَّ الصَّانِعَ بَائِعٌ مَا لَمْ يَرَهُ فَلا خِيَارَ لَهُ، وَأَمَّا الْمُسْتَصْنِعُ فَمُشْتَرِي مَا لَمْ يَرَهُ، فَكَانَ لَهُ الْخِيَارُ (إلى قوله) هٰذَا جَوَابُ ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ عَنْ أَبِي حَنِيْفَةَؒ وَأَبِي يُوْسُفَؒ وَمُحَمَّدٍؒ، وَرُوِيَ عَنْ أَبِي حَنِيْفَةَؒ أَنَّ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا الْخِيَارُ، وَرُوِىَ عَنْ أَبِي يُوْسُفَ: أَنَّهُ لا خِيَارَ لَهُمَا، وَجْهُ رِوَايَةِ أَبِي يُوْسُفَ أَنَّ الصَّانِعَ قَدْ أَفْسَدَ مَتَاعَهُ وَقَطَعَ جِلْدَهُ وَجَاءَ بِالْعَمَلِ عَلَى الصِّفَةِ

اور بہر حال جب کاریگر سامان کو طے شدہ شرائط کے مطابق بنا کر پیش کردے تو کاریگر کا اختیار ختم ہوجائے گا اور آرڈر دینے والے خریدار کو اختیار باقی رہے گا؛ اس لئے کہ کاریگر ایسی چیز کا بیچنے والا ہے جس کو اس نے نہیں دیکھا ہے (پھر بنا کر تیار کرنے کے بعد) اس کے لئے خیار ثابت نہیں ہوگا اور بہر حال آرڈر دینے والا خریدار ایسی چیز کا خریدنے والا ہے جس کو اس نے دیکھا نہیں ہے؛ اس لئے اس کو خیار رؤیت حاصل ہوگا، یہ ظاہر الروایہ کا جواب ہے جو امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ سے مروی ہے۔ اور امام ابوحنیفہؒ سے ایک روایت یہ ہے کہ دونوں میں سے ہر ایک کو اختیار حاصل ہوگا اور امام ابو یوسفؒ سے ایک روایت یہ ہے کہ دونوں میں سے کسی کو بھی فسخ کا اختیار حاصل نہیں ہوگا۔ اور امام ابو یوسفؒ کی روایت کی وجہ یہ ہے کہ کاریگر نے اپنا

الْمَشْرُوطَةِ فَلَوْ كَانَ لِلْمُسْتَصْنِعِ الامْتِنَاعُ مِنْ أَخْذِهِ لَكَانَ فِيهِ إِضْرَارٌ بِالصَّانِعِ.

(بدائع الصنائع زکریا دیو بند ٤/ ٩٥، ٩٦، کراچی ٥/ ٣، ٤)

سامان مال بنانے کے لئے توڑ دیا اور چمڑا کاٹ دیا اوراس کے بعد طے شدہ شرائط کے مطابق مال بنا کر تیار کرلیا ہے، پھر اگر آرڈر دینے والا خریدار اس کو لینے سے انکار کردیگا تو کاریگر کو بڑا نقصان پہنچ جائے گا۔

اوراسی کوعنایہ میں اس طرح کے الفاظ سے نقل کیا گیا ہے:

وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ لا خِيَارَ لَهُمَا، أَمَّا الصَّانِعُ فَلِمَا ذَكَرْنَا أَوَّلًا، وَأَمَّا الْمُسْتَصْنِعُ فَلأَنَّ الصَّانِعَ أَتْلَفَ مَالَهُ بِقَطْعِ الصَّرْمِ وَغَيْرِهِ لِيَصِلَ إِلَى بَدَلِهِ، فَلَوْ ثَبَتَ لَهُ الْخِيَارُ تَضَرَّرَ الصَّانِعُ؛ لِأَنَّ غَيْرَهُ لا يَشْتَرِيهِ بِمِثْلِهِ، أَلَا تَرَى! أَنَّ الْوَاعِظَ إِذَا اسْتَصْنَعَ مِنْبَرًا وَلَمْ يَأْخُذْهُ فَالْعَامِيُّ لا يَشْتَرِيهِ أَصْلاً.

(عنایة مع فتح القدیر زکریا دیوبند ٧/ ١٠٩، کوئٹه پاکستان ٦/ ٢٤٢، دارالفکر ٧/ ١١٦)

اور امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ دونوں میں سے کسی کو فسخ کا اختیار نہیں ہے، بہر حال صانع کو اس لئے نہیں ہے کہ جو ہم نے شروع میں ذکر کیا ہے اور بہر حال آرڈر دینے والے خریدار کو اس لئے اختیار حاصل نہیں ہے کہ کاریگر نے اپنا مال چمڑا وغیرہ کاٹنے کے ذریعہ سے خراب کردیا ہے، تاکہ اس کا بدل (قیمت) حاصل کرلے؛ لہٰذا اگر خریدار کے لئے اختیار ثابت ہوجائے تو کاریگر کو نقصان پہنچ جائے گا؛ اس لئے کہ اس خریدار کے علاوہ دوسرا آدمی اس جیسی چیز خریدتا نہیں ہے، کیا نہیں دیکھتے ہو کہ بے شک خطیب نے جب منبر بنوا کر اس کو نہیں لیا تو عام آدمی اسے بالکل نہیں خریدے گا۔

امام ابو یوسفؒ کے قول کی ترجیح

امام ابو یوسفؒ کے قول کے مطابق عقدِ استصناع بیع لازم ہے اور جب نمونہ اور شرائط کے مطابق مال تیار ہوجائے اس کے بعد اگر آرڈر دینے والے خریدار کو مال قبول نہ کرنے کا اختیار دیا جائے ،تو کاریگر کا زبردست نقصان ہوسکتا ہے اور بلا کسی شرعی وجہ کے کاریگر کو اتنے بڑے نقصان کا مکلّف شریعت نہیں بناتی؛ اسی لئے حضرت امام ابو یوسفؒ کے قول کو راجح قرار

دیا جائے اور آرڈر دینے والے خریدار پر لازم کردیا جائے کہ اس کو قبول کرنے کا پابند ہوجائے۔ اور خیار رؤیت استعمال کرنے کا حق اس کو حاصل نہیں ہوگا، اسی کو مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ نے بھی ''اسلام اور جدید معاشی مسائل ۵/ ۱۵۵'' میں واضح فرماکر ترجیح دی ہے؛ اسی لئے امام ابویوسفؒ کی رائے کو ترجیح دینے میں علماء متفق ہوجائیں تو زیادہ بہتر ہوگا۔ نیز فتاویٰ تاتارخانیہ میں اس بات کی صراحت موجود ہے کہ امام ابویوسفؒ شروع میں امام ابوحنیفہؒ کی طرح اس بات کے قائل تھے کہ عقدِ استصناع عقد غیر لازم ہے؛ لہٰذا معاملہ ہوجانے کے بعد فریقین میں سے ہر ایک کو اختیار رہے گا، چاہے عقد کو باقی رکھے یا ختم کردے، اس کے بعد امام ابویوسفؒ نے اپنے اس قول سے رجوع کرکے فرمایا کہ صانع پر جبر نہیں کیا جاسکتا اور مستصنع کو قبول کرنے پر مجبور کیا جائے گا، پھر اس کے بعد امام ابویوسفؒ نے اپنے اس قول سے بھی رجوع کرکے فرمایا کہ استصناع کا معاملہ منعقد ہوجانے کے بعد عقد لازم ہوجائے گا اور جانبین میں سے کسی کو بھی مسترد کرنے کا حق نہیں ہوگا؛ بلکہ کاریگر کو عمل پر مجبور کیا جائے گا اور آرڈر دینے والے خریدار کو مبیع کے قبول کرنے پر مجبور کیا جائے گا۔ اور آج کے زمانہ میں حضرت امام ابویوسفؒ کے اس قول سے کوئی مفر نہیں ہے، ورنہ جانبین کو نقصان اٹھاتے رہنا پڑے گا۔ حضرت امام ابویوسفؒ کے قول ہی کو مفتی بہ قرار دینا زیادہ مناسب ہوگا۔ عبارت ملاحظہ فرمایئے:

وَرَوَى أَبُو يُوسُفَ عَنْ أَبِيْ حَنِيْفَةَؒ: الصَّانِعُ لَا يُجْبَرُ عَلَى الْعَمَلِ بَلْ يَتَخَيَّرُ إِنْ شَاءَ فَعَلَ وَإِنْ شَاءَ لَمْ يَفْعَلْ، وَإِذَا أَتَى الصَّانِعُ بِالْمَصْنُوْعِ لاَ يُجْبَرُ الْمُسْتَصْنِعُ عَلَى الْقَبُوْلِ بَلْ هُوَ بِالْخِيَارِ إِنْ شَاءَ قَبِلَ وَإِنْ شَاءَ لَمْ يَقْبَلْ ......

حضرت امام ابویوسفؒ امام ابوحنیفہؒ سے روایت کرتے ہیں کہ کاریگر کو عمل پر مجبور نہیں کیا جائے گا؛ بلکہ اس کو اختیار رہے گا، چاہے کرے اور چاہے نہ کرے اور جب کاریگر شرائط کے مطابق مال بنا کرکے لے آئے تو آرڈر دینے والے خریدار کو قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا؛ بلکہ اس کو اختیار ہے چاہے قبول کرلے اور چاہے قبول نہ کرے۔ اور امام ابویوسفؒ نے شروع

وَقَالَ أَبُويُوسُفَ أَوَّلًا: يُجْبَرُ الْمُسْتَصْنِعُ دُوْنَ الصَّانِعِ، وَهُوَ رِوَايَةٌ عَنْ أَصْحَابِنَا، ثُمَّ رَجَعَ عَنْ هٰذَا وَقَالَ: لَا خِيَارَ لِوَاحِدٍ مِّنْهُمَا، بَلْ يُجْبَرُ الصَّانِعُ عَلَى الْعَمَلِ، وَيُجْبَرُ الْمُسْتَصْنِعُ عَلَى الْقَبُوْلِ.

(الفتاوى التاتارخانية زكريا ٩/ ١٠٤، رقم: ١٣٧١٩)

میں یہ فرمایا تھا کہ آرڈر دینے والے خریدار کو قبول کرنے پر مجبور کیا جائے گا، صانع کو عمل پر مجبور نہیں کیا جائے گا، یہ ہمارے اصحاب کی ایک روایت ہے، پھر امام ابو یوسفؒ نے اس قول سے رجوع کر کے فرمایا کہ دونوں میں سے کسی ایک کو بھی اختیار نہیں ہے؛ بلکہ صانع (کاریگر) کو عمل پر مجبور کیا جائے گا اور آرڈر دینے والے (مستصنع) کو قبول کرنے پر مجبور کیا جائے گا۔

اور یہ حکم ملتقی الابحر کی ذیل کی عبارت سے بھی واضح ہوتا ہے:

وَهُوَ بَيْعٌ لَا عِدَةٌ، فَيُجْبَرُ الصَّانِعُ عَلٰى عَمَلِهٖ وَلَا يَرْجِعُ الْمُسْتَصْنِعُ عَنْهُ. (ملتقي الابحر مع مجمع الأنهر بيروت ٣/ ١٤٩)

اور وہ عقد بیع ہے وعدۂ بیع نہیں ہے؛ لہٰذا کاریگر کو عمل پر مجبور کیا جائے اور آرڈر دینے والے مستصنع کو اس عقد سے رجوع کا حق نہیں ہوگا۔

عقدِ استصناع میں مدت کی تعیین کا مسئلہ

عقدِ سَلم میں مسلم فیہ (مبیع) کے سونپنے کے زمانہ اور مدت کی تعیین لازم ہے، مگر عقدِ استصناع میں زمانہ اور مدت کی تعیین کا مسئلہ مختلف فیہ ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اگر مدت متعین کردی جائے، تو عقدِ استصناع عقدِ سلم میں تبدیل ہوجائے گا؛ لیکن حضرات صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ ایسی کوئی شرط مشروط نہیں ہے؛ اس لئے کہ عقدِ استصناع کا سارا مدار تعامل ناس اور عرف پر ہے اور جب تعاملِ ناس اور عرف میں عقدِ استصناع کے اندر مدت متعین کرنے کا سلسلہ جاری ہوجائے تو اس کا اعتبار کرنا ضروری ہوجائے گا؛ لہٰذا اگر عقدِ استصناع میں مبیع کو سونپنے کی مدت متعین کردی جائے تو وہ سلم میں تبدیل نہیں ہوگا؛ بلکہ بدستور معاملہ عقدِ استصناع کے طور پر باقی رہے گا؛ اس لئے عقدِ استصناع دونوں طرح جائز ہوگا کہ اگر مدت متعین کردی جاتی ہے تب بھی عقدِ استصناع ہی رہے گا اور مدت متعین نہ کرے تب بھی

استصناع ہی کے دائرہ میں رہے گا۔ اور دورِ حاضر میں استصناع کے معاملہ میں عام طور پر مدت متعین کرنے کا دستور ہے، تاکہ جانبین کے لوگ اس کی پابندی کی کوشش کریں اور زیادہ تاخیر کی وجہ سے آرڈر دینے والے کو نقصان نہ پہنچے اور اس زمانہ کے تعامل کے لحاظ سے صاحبینؒ کے قول کو ترجیح حاصل ہوگی۔

اس کو صاحب بدائع نے ان الفاظ کے ساتھ نقل فرمایا ہے:

وَمِنْهَا أَنْ لايَكُوْنَ فِيْهَا أَجَلٌ، فَإِنْ ضَرَبَ لِلاسْتِصْنَاعِ أَجَلاً صَارَ سَلَمًا (قوله) وَهٰذَا قَوْلُ أَبِي حَنِيْفَةَ، وَقَالَ أَبُوْيُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ: هٰذَا لَيْسَ بِشَرْطٍ وَهُوَ اسْتِصْنَاعٌ عَلٰى كُلِّ حَالٍ، ضَرَبَ فِيْهِ أَجَلاً أَوْ لَمْ يَضْرِبْ. (بدائع الصنائع زكريا ٤/ ٩٤، كراچی ٥/ ٣، اسی طرح کی عبارت البحر الرائق زکریا دیوبند٦/ ٢٨٥، كوئٹه ٦/ ١٧١، مبسوط سرخسی ١٢/ ٣٩، تبيين الحقائق ملتان ٤/ ١٢٤، زکریا۴/۵۲۸ میں موجود ہے)

اور ان شرائط میں سے یہ بھی ہے کہ استصناع کے اندر مدت متعین نہ ہو؛ لہٰذا اگر استصناع میں مدت متعین کردے گا، تو وہ سلم میں تبدیل ہوجائے گا اور یہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ شرط مشروط نہیں ہے اور یہ عقد ہر حال میں استصناع ہی رہے گا، اس میں مدت متعین کردی ہو یا نہ کی ہو۔

اور اس حکم کو ''الفقہ الإسلامی'' میں مزید واضح الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

وَقَالَ الصَّاحِبَانِ: لَيْسَ هٰذَا بِشَرْطٍ، وَالْعَقْدُ اسْتِصْنَاعٌ عَلٰى كُلِّ حَالٍ حُدِّدَ فِيْهِ أَجَلٌ أَوْ لَمْ يُحَدَّدْ؛ لِأَنَّ الْعَادَةَ جَارِيَةٌ بِتَحْدِيْدِ الْأَجَلِ فِي الاسْتِصْنَاعِ، فَيَكُوْنُ شَرْطًا صَحِيْحًا لِذٰلِكَ. (الفقه الإسلامي ٤/ ٣٩٦)

اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ ایسی کوئی شرط مشروط نہیں ہے اور عقد ہر حال میں استصناع کے طور پر باقی رہے گا، اس میں مدت متعین کردی ہو یا نہ کی ہو؛ اس لئے کہ عادت وعرف عقد استصناع میں مدت متعین کرنے کے بارے میں جاری ہوچکی ہے؛ لہٰذا شرعی طور پر یہ جائز اور صحیح ہوجائے گا۔

عقدِ استصناع میں طے شدہ مدت سے تاخیر کے نقصان کا عوض

عقدِ استصناع میں مال تیار کر کے پیش کرنے کی مدت کا تعین لازم اور ضروری نہیں ہے؛ بلکہ اس میں جانبین کو اختیار ہے کہ مدت متعین کریں، یا نہ کریں؛ لہٰذا اگر جانبین کی تراضی سے مدت متعین ہو جاتی ہے اور مال تیار کنندہ اس کی فراہمی میں طے شدہ وقت سے تاخیر کر دے، تو آرڈر دینے والے خریدار کو اختیار ہے کہ قیمت ادا کر کے اسے قبول کر لے، یا اس کو قبول کرنے سے انکار کر دے، تو اس بات کو یقینی بنانے کے لئے آپس کی تراضی سے معاملہ کے وقت یہ طے کر لیں کہ بائع مال تیار کر کے فراہم کر دینے میں اگر متعین وقت سے تاخیر کرے گا تو اس پر جرمانہ عائد ہوگا، جیسا کہ بین الاقوامی مارکیٹ میں اس طرح کی تاخیر کی صورت میں کلم کاٹنے کا تعامل اور دستور جاری ہے، تو سوال یہ ہے کہ شریعت میں بھی اس طرح کسی تعزیری جرمانے کی گنجائش ہے یا نہیں؟ تو اس سلسلے میں مبسوط سرخسی میں مسئلہ اجارہ کی بحث کے تحت میں تاخیر کے نتیجہ میں کلم کاٹنے کی شرط کو جائز قرار دیا ہے، چنانچہ حضرات فقہاء فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنے کپڑوں کو سلائی کے لئے کسی خیاط کو یہ کہہ کر کے کپڑا پیش کرتا ہے کہ اگر خیاط ایک دن میں یہ کپڑا تیار کر دے، تو اس کی اجرت سو روپیہ ہوگی اور اگر دو دن میں تیار کرتا ہے، تو اجرت سو روپیہ کے بجائے پچاس روپیہ ہو جائے گی، تو اس طرح کی تاخیر کی کلم کاٹنا مسئلۂ اجارہ کے ذیل میں فقہاء نے جائز لکھا ہے، تو اس طرح سے عقد استصناع میں بھی مال کی قیمت کو فراہمی کے وقت کے ساتھ منسلک کیا جا سکتا ہے؛ لہٰذا اگر فریقین اس بات پر متفق ہو جائیں کہ فراہمی میں تاخیر کی صورت میں فی یوم یا فی ہفتہ قیمت میں سے متعین مقدار کم ہوتی جائے گی، تو ایسا کرنا شرعاً جائز ہوگا۔ اور اس زمانہ کے مفکر حضرت مولانا مفتی محمد تقی صاحب عثمانی مدظلہ نے بھی اس کو جائز لکھا ہے۔ ملاحظہ ہو ”اسلام اور جدید معاشی مسائل ۵/ ۱۵۶“۔ اب فقہاء کی عبارت ملاحظہ فرمائیے:

لَوْ دَفَعَ إِلَيْهِ ثَوْبًا لِيَقْطَعَهُ قَمِيصًا، وَاشْتَرَطَ عَلَيْهِ إِنْ خَاطَهُ الْيَوْمَ فَلَهُ دِرْهَمٌ، وَإِنْ لَمْ يَفْرُغْ مِنْهُ الْيَوْمَ فَلَهُ نِصْفُ دِرْهَمٍ، عِنْدَ أَبِي حَنِيْفَةَؒ إِنْ خَاطَهُ الْيَوْمَ فَلَهُ دِرْهَمٌ، وَإِنْ لَمْ يَفْرُغْ مِنْهُ الْيَوْمَ فَلَهُ أَجْرُ مِثْلِهِ، لَا يَنْقُصُ عَنْ نِصْفِ دِرْهَمٍ وَلَا يُجَاوِزُ بِهِ دِرْهَمًا. وَقَالَ أَبُويُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ تَعَالٰى: وَهُوَ عَلَى مَااشْتَرَطَ إِذَا فَرَغَ مِنْهُ الْيَوْمَ فَلَهُ دِرْهَمٌ، وَإِنْ فَرَغَ مِنْهُ بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهُ نِصْفُ دِرْهَمٍ (إلى قوله) ثُمَّ رَجَعَ أَبُوحَنِيْفَةَؓ فَقَالَ: الشَّرْطَانِ جَائِزَانِ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي يُوْسُفَؒ وَمُحَمَّدٍؒ. (مبسوط سرخسي ۱۵/ ۹۹، ۱۰۰)

اور اگر درزی کو کوئی کپڑا یہ کہہ کر دیا ہے کہ اسے کاٹ کر قمیص بنا دے اور اس پر یہ شرط لگائی ہے کہ اگر اس کو آج سی کر تیار کر دے گا، تو اس کے لئے ایک درہم ہے اور اگر آج اس سے فارغ نہیں ہو پاتا ہے تو اس کے لئے نصف درہم ہوگا، تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اگر اس نے اس کو آج ہی سی کر کے تیار کر دیا ہے، تو اس کو ایک درہم ملے گا اور اگر آج اس سے فارغ نہیں ہو پایا ہے، تو اس کے لئے اس کے ہم مثل اجرت ہوگی، جو نصف درہم سے کم نہ ہوگی۔ اور ایک درہم سے تجاوز بھی نہیں کرے گی۔ اور امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ وہ معاملہ لگائی ہوئی شرط کے مطابق رہے گا کہ جب اس سے آج فارغ ہو جائے گا، تو اس کے لئے ایک درہم ہے۔ اور اگر اس کے بعد سی کر فارغ ہوتا ہے تو اس کو نصف درہم ملے گا، پھر امام ابوحنیفہؒ نے اپنے قول سے رجوع کر کے فرمایا کہ دونوں شرطیں جائز ہیں اور وہی امام ابو یوسفؒ اور امام محمد رحمہما اللہ کا قول ہے۔

مقالہ کا خلاصہ اور جوابات کا حاصل

(۱) عقدِ استصناع شئ معدوم پر منعقد ہوتا ہے اور یہ عقد شرعی اصول اور قیاس کے تناظر میں

شئ کے معدوم ہونے کی وجہ سے ناجائز ہونا چاہئے ؛لیکن شریعت نے اس عقد کو اصول اور قیاس سے مستثنیٰ کر کے ایک ضابطہ کے دائرہ میں رکھا ہے۔ اور وہ ضابطہ یہی ہے کہ جن چیزوں کے بارے میں لوگوں کے درمیان شئ معدوم پر عقدِ استصناع کا معاملہ کرنے کا عرف اور تعامل جاری ہوچکا ہو، ان تمام چیزوں میں عقدِ استصناع جائز اور درست ہے۔

(۲) عقدِاستصناع اور عقدِسلم دونوں میں شئ مبیع معدوم ہوتی ہے، مگر فرق یہ ہے کہ عقدسلم میں مسلم فیہ (مبیع) کی جنس کی اشیاء کا حلول مدت تک بازاروں میں ہر وقت دستیاب ہونا لازم ہے، مگر عقد استصناع میں شئ (مبیع) کا بازاروں میں موجود ہونا لازم نہیں ہے۔ اور عقدِ سلم میں مجلس عقد میں رأس المال (ثمن اور قیمت) کا ادا کرنا لازم ہے۔ اور عقدِاستصناع میں لازم نہیں ہے، اسی طرح عقد سلم میں خیار شرط کا ثبوت نہیں ہوتا ہے؛ بلکہ بر وقت عقد لازم ہوجاتا ہے اور عقدِ استصناع میں لازم نہیں ہوتا۔ اور اسی طرح عقدِسلم میں مسلم فیہ (مبیع) کا مثلی اور ذوات الامثال میں سے ہونا لازم ہے اور عقدِاستصناع میں شئ (مبیع) کا ذوات الامثال میں سے ہونا لازم نہیں، نیز عقدِسلم ایسی چیزوں میں جائز ہے جن کا لوگوں کے درمیان تعامل ہے۔ اور ایسی چیزوں میں بھی جائز ہے جن کا تعامل نہیں ہے، اس کے برخلاف عقدِاستصناع صرف ایسی چیزوں میں جائز ہے جن میں عقدِاستصناع کا معاملہ کرنا لوگوں کے درمیان میں تعامل ہے اور جن میں تعامل نہیں ہے ان میں جائز نہیں ہے۔

(۳) معاملۂ استصناع عقدِ بیع ہے یا وعدۂ بیع؟ تو اس سلسلے میں امام حاکم شہید مروزیؒ، امام محمد بن سلمہؒ، امام صفارؒ، امام ابوالقاسمؒ، ناصر الدین سمرقندیؒ صاحبِ منثور وغیرہ کے نزدیک معاملہ استصناع عقد بیع نہیں ہے؛ بلکہ وعدۂ بیع ہے۔ اور حضرات جمہور کے نزدیک معاملۂ استصناع وعدۂ بیع نہیں ہے؛ بلکہ نفس بیع ہے، دونوں فریق کے دلائل مقالہ میں مفصل موجود ہیں۔

(۴) پہلے خریدار کا دوسرے خریدار کو اور اسی طرح دوسرے خریدار کا تیسرے خریدار کو نمونہ

اور ڈیزائن دکھا کر معاملۂ استصناع کے طور پر فروخت کرنا جائز اور درست ہے، تو ایسی صورت میں مالیاتی ادارہ عام طور پر درمیان کا خریدار ہوتا ہے، وہ اپنے کاریگروں سے مال بنوا کر خریدتا ہے، اور پھر اپنے بائروں کے ہاتھ نمونہ اور آرڈر کے مطابق فروخت کرتا ہے، اسی طرح بائر جس نے مالیاتی ادارہ سے معاملہ کیا ہے، تیار ہونے سے پہلے دوسروں کو وہی نمونہ دکھا کر کے استصناع کا معاملہ کرسکتا ہے؛ اس لئے کہ عقدِ استصناع کے جواز کا سارا مدار تعاملِ ناس پر ہے اور اسی طرح کا معاملہ کرنے کا ملکی اور بین الاقوامی مارکیٹوں میں تعامل ہو چکا ہے؛ اس لئے اس کے جواز میں کسی قسم کا تردد نہیں ہے۔

(۵) جس طرح چھوٹی چھوٹی منقول چیزوں میں معاملۂ استصناع جائز اور درست ہے، جیسا کہ جوتے، چپل، دھات کے برتنوں وغیرہ میں، اسی طرح بڑی بڑی منقول چیزوں میں بھی معاملۂ استصناع جائز اور درست ہے، مثلاً بحری جہاز، ہوائی جہاز، چھوٹی بڑی گاڑیاں اور ٹرین کے ڈبے وغیرہ، جب ایسی چیزوں میں سائز اور نمونہ و ڈیزائن کے ساتھ آرڈر دے کر بنوانے کا تعامل ہو تو عقدِ استصناع کا معاملہ ایسی بڑی بڑی چیزوں میں بھی جائز اور درست ہے۔

(۶) جس طرح چھوٹی بڑی منقول اشیاء میں سائز اور نمونہ کے ساتھ آرڈر دے کر استصناع کا معاملہ جائز اور درست ہے، اسی طرح غیر منقول عقار میں بھی جائز اور درست ہے۔ تفصیل مقالہ میں موجود ہے۔

(۷) عقدِ استصناع میں بیعانہ کب ضبط کرسکتے ہیں؟ جب ڈیزائن اور سائز اور طے شدہ شرائط کے مطابق مال تیار ہوجائے اس کے بعد بلا کسی خامی کے مستصنع (آرڈر دینے والا خریدار) لینے سے مکر جائے، تو پیشگی دی ہوئی بیعانہ کی رقم ضبط کرنے کی گنجائش ہے۔

(۸) معاملۂ استصناع اجارہ کب بن سکتا ہے؟ اگر مالیاتی ادارہ عقد استصناع کا معاملہ کرتے وقت سارے میٹریل کاریگر کو دے دے اور کاریگر اسی میٹریل سے شرائط کے مطابق مال بنا کر پیش کردے تو یہ معاملہ عقدِ استصناع سے بدل کر عقدِ اجارہ بن جائے گا۔

(۹) طے شدہ شرائط اور نمونہ کی خلاف ورزی پر نقصان کا بھگتان کس پر ہوگا؟ ایسی صورت میں نقصان کا بھگتان کاریگر کو برداشت کرنا پڑے گا، استصناع کی شکل میں اس نے اپنے مٹیریل سے جو مال بنایا ہے اور نمونہ اور ڈیزائن کے خلاف بنایا ہے، تو اس طرح مال کے خراب ہوجانے کا نقصان اسے خود برداشت کرنا پڑے گا۔ اور اگر مٹیریل مالیاتی ادارہ نے اپنی طرف سے پیش کردیا ہے، تو ایسی صورت میں مالیاتی ادارہ کو اختیار رہے کہ اپنے مٹیریل کے مثل کاریگر سے وصول کرلے اور بنا ہوا مال کاریگر کے پاس چھوڑ دے اور چاہے بنا ہوا مال اسی حالت میں قبول کرلے، اگر اس مال کی قیمت میں کوئی کمی نہیں آتی ہے، تو پوری اجرت ادا کردے۔ اور اگر مال کی قیمت میں کمی آتی ہے، تو اس مال کے وصول کے ساتھ ساتھ کمی کے بقدر نقصان کی تلافی اسی کی اجرت میں سے کاٹ لے۔

(۱۰) معاملۂ استصناع کو منسوخ کرنے کی شکلیں: اگر طے شدہ شرائط کے مطابق معاملۂ استصناع جانبین کے درمیان طے ہوجائے اور ابھی مال کی تیاری شروع نہیں ہوئی ہے، تو ابھی جانبین میں سے ہر ایک کو معاملہ منسوخ کرنے کا اختیار رہے۔ اور اگر طے شدہ شرائط کے مطابق معاملہ طے ہوچکا ہے، اور کاریگر نے اپنے مٹیریل کے ذریعہ سے مال کی تیاری شروع کردی ہے، مگر ابھی مال مکمل تیار نہیں ہوا ہے، تو ایسی صورت میں جمہور کے نزدیک آرڈر منسوخ کرنے کا اختیار ہے؛ لیکن حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک مال تیار ہوجانے کے بعد آرڈر کینسل کرنے کا حق نہیں ہے۔ اور اس سلسلے میں امام ابو یوسفؒ کا آخری قول یہی ہے کہ طے شدہ شرائط کے ساتھ عقد استصناع منعقد ہوجانے کے بعد یہ عقد لازم ہوجاتا ہے، جانبین میں سے کسی کو بھی معاملہ منسوخ کرنے کا حق نہیں ہے۔ اور عقد ہوجانے کے بعد کاریگر مال بنانے کا پابند ہوجائے گا اور مستصنع (آرڈر دینے والا) مال مصنوع (مبیع) کو قبول کرنے کا پابند ہوجائے گا۔ اور آج کے زمانہ میں امام ابو یوسفؒ کا قول ہی زیادہ راجح ہے۔

(۱۱) عقدِ استصناع میں مدت کی تعیین کا حکم کیا ہے؟ تو اس بارے میں راجح قول یہی ہے کہ

عقدِ استصناع میں مدت متعین نہ کرے، تب بھی جائز ہے۔ اور مدت متعین کردے تب بھی جائز ہے اور مدت متعین کرنے کی وجہ سے عقد استصناع سلم میں تبدیل نہیں ہوگا۔

(۱۲) عقدِ استصناع میں طے شدہ مدت سے تاخیر کے نقصان کا عوض وصول کرنا جائز ہے یانہیں؟ عقدِ استصناع میں اگر جانبین کے درمیان اس طرح شرائط طے ہوجائیں کہ طے شدہ مدت کے اندر کاریگر مال تیار کرکے فراہم نہ کرے اور مالیاتی ادارہ نے جس خریدار سے آرڈر دے رکھا ہے وہ خریدار تاخیر کی وجہ سے طے شدہ قیمت میں کلم کاٹ کر کمی کرتا ہے، تو اس کمی کی تلافی کاریگر سے کی جائے گی، اگر بوقت عقد اس طرح کے شرائط طے ہوجائیں اور پھر کاریگر نے مال کی فراہمی میں تاخیر کردی ہے، تو یومیہ یا ہفتہ کے حساب سے کمی کے نقصان کی تلافی اس کے مال یا اس کی اجرت میں سے کرنے کی گنجائش ہے۔

واللہ الموفق والمعین.

شبیر احمد قاسمی

خادم: دارالافتاء جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد (الہند)

۲/محرم الحرام ۱۴۳۵ھ

١١/ باب بيع الوفاء

بیع الوفاء

سوال [٨٨٣٩]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کے پاس مکان بھی ہے اور دوکان بھی، مگر پیسہ کی سخت ضرورت ہے، کوئی شخص اس کو قرض بھی دینے کو تیار نہیں، زید اپنی دوکان فروخت کرنا بھی نہیں چاہتا۔ اور اگر قرض کے لئے دوکان کو رہن رکھ کر قرض لیتا ہے تو قرض دینے والا شرعاً دوکان مرہون سے فائدہ بالکل نہیں اٹھا سکتا ہے، تو ایسی تباہ کن حالت میں مالک دوکان (کتاب ایضاح النوادر ص:٦٨-٦٩) پر جولکھا ہے: دو گواہوں کے روبرو بیع الوفاء، بیع الامانت، بیع الرہن کے تحت یہ معاملہ طے ہوا ہے کہ مجھے مبلغ تیس ہزار روپئے آپ دے دیں بطور قرض میں اس کے عوض اپنی دونوں دوکانیں آپ کے سپرد کرتا ہوں، جب میں قرض ادا کردوں گا تو اپنی دوکانیں واپس لے لوں گا، تو کیا شرعاً اس طریقے سے قرض دینے والا زید کی دوکانوں سے کرایہ وغیرہ سے فائدہ حاصل کرسکتا ہے یا نہیں؟ مکمل ومدلل جواب سے نوازیں مہربانی ہوگی، اس کے باوجود بھی کچھ اعتراض سامنے آرہے ہیں، اس لئے فتویٰ کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔

المستفتی: شمشاد احمد رام نگر، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر زید کو قرض حسنہ کے طور پر کوئی قرض دینے والا نہیں ہے اور وہ بہت سخت ضرورت مند ہے، تو ایسی صورت میں مشائخ سمرقند اور مشائخ بلخ اور مشائخ بخاری کے فتوی پر عمل کرنے کی گنجائش ہے۔ اور عقد کے وقت میں اس معاملہ کا نام قرض نہ رکھا جائے؛ بلکہ خریداری اور فروختگی کے الفاظ استعمال کریں، مالک دوکان اس طرح کہے کہ میں ٣٠/ ہزار روپئے کے عوض یہ مکان یا دوکان بیع امانت اور بیع رہن کے طور پر آپ کو

دیتا ہوں اور جب میں آپ کی پوری رقم ادا کردوں گا تو آپ مکان مجھے واپس کردیں گے۔ اوراس درمیان آپ مکان یا دوکان سے فائدہ اٹھاتے رہیں گے۔ اور اس سلسلہ میں ایک ایگریمنٹ بھی تحریر کر کے رکھ لیں، تاکہ جانبین اس تحریر کے پابند رہیں۔

ومن مشايخ سمرقند من جعله بيعا جائزا مفيدا بعض أحكامه، منهم الإمام نجم الدين النسفي، فقال: اتفق مشايخنا في هذا الزمان، فجعلوه بيعا جائزا مفيدا بعض أحكامه، وهو الانتفاع به دون البعض، وهو البيع لحاجة الناس إليه ولتعاملهم فيه –إلى قوله– وقال صاحب النهاية: وعليه الفتوى.

(تبيين الحقائق، كتاب الإكراه، مكتبه إمداديه ملتان ٥/ ١٨٣-١٨٤، زكريا ديوبند ٦/ ٢٣٧)

ومن هذا القبيل بيع الأمانة، المسمى ببيع الوفاء جوزه مشايخ بلخ وبخارى توسعة. (الأشباه والنظائر، القاعدة الرابعة: المشقة تجلب التيسير، قديم ص: ١٣٠، جديد زكريا ١/ ٢٦٥-٢٣٦)

ومنها: الإفتاء بصحة بيع الوفاء حين كثر الدين على أهل بخارى، وهكذا بمصر وقد سموه بيع الأمانة، والشافعية يسمونه الرهن المعاد.

(الأشباه والنظائر القاعدة الخامسة: الضرر يزال، قديم، ص: ١٤٩، وهكذا ١٦١، جديد زكريا ١/ ٢٦٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/رجب المرجب ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۴۹۰)

بیع الوفاء کا حکم

سوال [۸۸۴۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: آج کل ممبئی اور بنگلور جیسے بڑے شہروں میں ہیوی ڈپازٹ یا مینٹینس پر مکان لئے جاتے ہیں، جس میں مالک مکان کو ڈپازٹ کے طور پر ایک بڑی رقم دی جاتی ہے اور بجائے

کرائے کے صرف مینٹیننس کی رقم ادا کرنی ہوتی ہے اور متعین مدت کے بعد ڈپازٹ کی رقم بغیر کمی بیشی کے واپس مل جاتی ہے، اس طرح مکان لینا از روئے شریعت کیسا ہے؟

بعض علماء کے نزدیک مندرجہ بالا صورت جائز نہیں ہے۔ اور بعض کے نزدیک ڈپازٹ کی رقم کے ساتھ کرایہ بھی طے کرنا چاہئے، جن حضرات نے اس صورت کو ناجائز قرار دیا ہے ان کی دلیل مندرجہ ذیل ہے:

''کسی کو قرض دے کر بطور ضمانت اس کی کوئی منقولہ یا غیر منقولہ چیز قرض دہندہ اپنی تحویل میں لے لے، تاکہ اگر قرض لینے والا ادائے گی نہ کر سکے تو قرض دینے والا اسے فروخت کر کے اپنی رقم وصول کر سکے، اسے شرعاً رہن کہتے ہیں؛ لیکن اس دوران قرض دینے والا اس چیز سے کسی قسم کا نفع حاصل نہیں کر سکتا، اگر نفع حاصل کرے گا تو سود ہوگا۔ اور اس صورت مسئولہ میں مکانوں کو ہیوی ڈپازٹ پر دینے کی نوعیت بھی وہی ہے؛ لہٰذا یہ شخص مکان اپنی تحویل میں تو لے سکتا ہے، تاکہ ادائے گی کی ضمانت رہے؛ لیکن نفع حاصل کرنا جائز نہ ہوگا۔

اس فتوی پر چند سوالات پیدا ہوتے ہیں:

(۱) مالک مکان اگر اپنا مکان رہن رکھنا چاہے تو کیا کوئی اس شرط پر بڑی رقم دے گا کہ وہ اس مکان کو استعمال نہ کرے؟

(۲) کیا یہ ممکن ہے کہ کوئی ہیوی ڈپازٹ ادا کرے اور مکان استعمال نہ کرے، جب کہ اقرارنامہ میں ''اگریمنٹ'' استعمال کی اجازت درج کرائی جاتی ہے؟

(۳) کیا مالک مکان کی رضا مندی اور اجازت سے مکان استعمال کرنا بھی سود میں داخل ہے؟

(۴) اگر بالفرض کوئی استعمال نہ کرنے والا ہو تو مکان کا مینٹیننس کون ادا کرے؟

(۵) کیا ڈپازٹ کی رقم متعین مدت میں واپس نہ ملے تو مکان فروخت کیا جا سکتا ہے؟

(۶) جو شخص کرایہ ادا کرنے کی استعداد نہیں رکھتا وہ کیا کرے؟

(۷) اگر ہیوی ڈپازٹ کے ساتھ کرائے کی رقم طے بھی کرنا چاہیں تو کس بنیاد پر کریں؟ اور

اس کا تناسب کیا ہو، جب کہ زیادہ ڈپازٹ تو کرایہ کم اور کم ڈپازٹ تو کرایہ زیادہ کا اصول چلن میں ہو؟ مثلاً زید نے چار لاکھ روپئے ڈپازٹ کے طور پر دیئے ہوں اور وہ ہر ماہ ۵۱۰/ روپئے بلاناغہ مینٹینس کے طور پر بھی ادا کررہا ہوں، اب زید کتنا کرایہ دے؟ وغیرہ

المستفتی: اسلم ملا

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو معاملہ سوال نامہ میں درج ہے وہ بنیادی طور پر شرعاً جائز نہیں ہے۔ اور جن حضرات نے اس کو ناجائز کہا ہے اور ناجائز ہونے پر دلیلیں پیش کی ہیں، وہ اپنی جگہ درست ہیں؛ لیکن بعض فقہاء نے اس طرح کے معاملہ کو ''بیع الوفاء'' کے دائرہ میں داخل کرکے گنجائش قرار دی ہے۔ اور بیع الوفاء کو بیع الامانت اور بیع رہن بھی کہا جاتا ہے، انتہائی مجبوری کی حالت میں بیع الوفاء اور بیع الامانت کے جواز کی گنجائش قرار دی گئی۔ اور بیع الوفاء میں یہی شرط ہے کہ جتنے پیسے میں جائیداد خریدار کے ہاتھ میں دی جاتی ہے اتنے ہی پیسے میں اصل مالک کو واپس کیا جائے اور اس درمیان میں جس نے جائیداد لی ہے وہ جائیداد سے نفع حاصل کرسکتا ہے۔ اور جب مالک لیے ہوئے پیسہ واپس دے گا تو لینے والے پر لازم ہے کہ ان ہی پیسوں پر جائیداد واپس کرے اور اس معاملہ میں اگر پکی رجسٹری ہوجائے، تو واپسی کی شرائط کے ساتھ پکی رجسٹری ہونی چاہئے، ورنہ معمولی اسٹامپ پر کچی رجسٹری ہونی چاہئے، تاکہ مالک کو واپس لینے کے وقت میں کوئی دشواری پیش نہ آجائے۔

ومن مشايخ سمرقند من جعله بيعا جائزا مفيدا بعض أحكامه، منهم الإمام نجم الدين النسفي، فقال: اتفق مشايخنا في هذا الزمان، فجعلوه بيعا جائزا مفيدا بعض أحكامه، وهو الانتفاع به دون البعض، وهو البيع لحاجة الناس إليه ولتعاملهم فيه –إلى قوله– وقال صاحب النهاية: وعليه الفتوى.

(تبيين الحقائق، كتاب الإكراه، مكتبه إمداديه ملتان ٥/ ١٨٣-١٨٤، زكريا ديوبند ٦/ ٢٣٧)

ومن هذا القبيل بيع الأمانة، المسمى ببيع الوفاء جوزه مشايخ بلخ

وبخاری توسعة. (الأشباه والنظائر، القاعدة الرابعة: المشقة تجلب التيسر، قديم ص: ١٣٠، جديد زكريا ١/ ٢٣٥-٢٣٦)

ومنها: الإفتاء بصحة بيع الوفاء حين كثر الدين على أهل بخاری، وهكذا بمصر وقد سموه بيع الأمانة، والشافعية يسمونه الرهن المعاد.

(الأشباه والنظائر، القاعدة الخامسة: الضرر يزال، قديم، ص: ١٤٩، وهكذا ١٦١، جديد زكريا ١/ ٢٦٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲ر جمادی الثانیہ ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۴۴۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۶/۲۲ھ

''بیع الوفاء'' کا جواز

سوال [۸۸۴۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مجھے دو لاکھ روپئے کی فوری ضرورت ہے اور قرض ملنا دشوار ہے، تو کیا میں اپنی دو بیگہ زمین ایک صاحب ثروت کو یہ کہہ کر دے سکتا ہوں کہ تم یہ زمین اپنے استعمال میں رکھ لو، جب میرے پاس پیسوں کا انتظام ہوگا میں پیسہ ادا کرکے اپنی زمین واپس لے لوں گا، اس کے علاوہ کوئی اور چارہ کار نظر نہیں آرہا ہے، حکم شرعی سے مطلع فرمادیں عین نوازش ہوگی۔

المستفتی: مفتی سمیر عثمان آباد مہاراشٹر، استاذ مدرسہ فلاح دارین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس طرح کا معاملہ کرنا جائز نہیں ہے، ہاں البتہ سخت ضرورت کی وجہ سے سود سے بچنے کے لئے ''بیع الوفاء'' کی صورت اختیار کرنے کی گنجائش ہے۔ اور اس کی شکل یہ ہے کہ: صاحب ثروت سے یوں کہے کہ: یہ زمین اتنے پیسوں کے عوض میں تمہارے ہاتھ اس وقت تک کے لئے بیچ دیتا ہوں جب تک میرے پاس پیسوں کا

انتظام ہوجائے اور جب میرے پاس پیسوں کا انتظام ہوجائے گا، تو اتنے ہی پیسوں پر میرے ہاتھ واپس فروخت کرنا ہوگا، اس طرح ''بیع الوفاء'' کی شکل اختیار کرلی جائے، تو مجبوری میں اس کی گنجائش ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ٣/ ١٠٧، فتاوی خلیلیہ ١/ ٣٩٥، انوار رحمت ص: ٢١٩، ایضاح النوادر ١/ ٧٣)

لا يحل له أن ينتفع بشيء منه بوجه من الوجوه، وإن أذن له الراهن؛ لأنه أذن له في الربا، لأنه يستوفى دينه كاملا، فتبقى له المنفعة فضلا، فيكون ربا، وهذا أمر عظيم. (شامي، كراچى ٦/ ٤٨٢، زكريا ١٠/ ٨٣)

ومن هذا القبيل بيع الأمانة، المسمى ببيع الوفاء جوزه مشايخ بلخ وبخارى توسعة. (الأشباه والنظائر، القاعدة الرابعة: المشقة تجلب التيسير، قديم ص: ١٣٠، جديد زكريا ١/ ٢٣٥-٢٣٦)

ومن مشايخ سمرقند من جعله بيعا جائزا مفيدا بعض أحكامه، منهم الإمام نجم الدين النسفي، فقال: إتفق مشايخنا في هذا الزمان، فجعلوه بيعا جائزا مفيدا بعض أحكامه، وهو الانتفاع به دون البعض، وهو البيع لحاجة الناس إليه ولتعاملهم فيه -إلى قوله- وقال صاحب النهاية: وعليه الفتوى.

(تبيين الحقائق، كتاب الإكراه، مكتبه إمداديه ملتان ٥/ ١٨٣-١٨٤، زكريا ديوبند ٦/ ٢٣٧)

ومنها: الإفتاء بصحة بيع الوفاء حين كثر الدين على أهل بخارى، وهكذا بمصر وقد سموه بيع الأمانة. (الأشباه والنظائر، القاعدة الخامسة: الضرر يزال، قديم، ص: ١٤٩، وهكذا، ص: ١٦١، جديد زكريا ١/ ٢٦٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٢٣/ جمادی الثانیہ ١٤٣٥ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٤١/ ١١٥٧٩)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
٢٣/ ٦/ ١٤٣٥ھ

کیا ہندوستان میں عقودِ فاسدہ جائز ہیں؟

سوال [۸۸۴۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مسئلہ درپیش ہے۔ امید ہے کہ قرآن وحدیث اور فقہ کی روشنی میں حوالہ اور عبارت کے ساتھ جواب مرحمت فرمائیں گے۔

سوال: زید نے ایک زراعت کی زمین پچاس لاکھ روپئے کی غیر مسلم سے خریدی، پیسے دے دئے ، رجسٹری بھی کرالی، اس شرط پر کہ جب غیر مسلم کے پاس پچاس لاکھ روپئے آویں گے تو غیر مسلم زید کو پیسے دے دیگا اور اپنی زمین واپس لے لے گا۔ اور جب تک پیسے نہیں دے گا وہاں تک ماہانہ زمین کا ۵۰۰۰۰/ ہزار روپئے کرایہ دے گا، زمین غیر مسلم کے قبضہ میں ہی ہے، رجسٹری اگرچہ زید کے نام کرادی، تو کیا اس طرح معاملہ کرنا درست ہے؟ تو کیا زید اس طرح غیر مسلم سے ماہانہ کرایہ لے سکتا ہے؟ کسی نے زید سے منع کیا، تو اس کا کہنا ہے کہ ہندوستان دارالحرب ہے، برائے کرم مدلل جواب عطا فرمایئے۔

سوال: زید نے غیر مسلم سے پچاس لاکھ روپئے میں اس شرط پر زمین خریدی کہ جب میرے پاس پیسے آویں گے تو یہ زمین پچاس لاکھ میں ہی تجھے مجھ کو لوٹانی پڑے گی، تو کیا اس شرط کے ساتھ خریدنا جائز ہے؟

سوال: غیر مسلم نے زید سے اس زمین کو ماہانہ پچاس ہزار روپئے کرایہ پر لے لی، حالانکہ اس علاقہ میں اتنی زمین کا کرایہ پچاس ہزار سالانہ چلتا ہے، تو کیا اس طرح کرایہ پر دینا جائز ہے؟

مسئلہ مذکورہ میں غیر مسلم نے زید کو زمین کا قبضہ دیا ہی نہیں ہے، صرف پیسے لے کر شرطیہ رجسٹری کرالی ہے، قبضہ غیر مسلم کا ہی ہے اور ماہانہ پچاس ہزار روپئے کرایہ دیتا ہے۔

المستفتی: محمد یونس

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ہندوستان کو دارالحرب کہہ کر عقودِ فاسدہ کو جائز کہنا

درست نہیں ہے؛ کیوں کہ دارالحرب میں بھی عقودِ فاسدہ جائز نہیں ہیں اور ہندوستان جمہوری ملک ہے، اس کو دارالحرب کہنا درست نہیں ہے۔ اب رہا مسئلہ زیر بحث یہ مسئلہ ''بیع الوفاء'' کے دائرہ میں شامل ہے۔ اور بیع الوفاء کے بارے میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے، فقہاء میں سے بعض جیسے امام ظہیر الدین صدر الشہید حسام الدین اور صدر السعید تاج الاسلام وغیرہ نے اس کو عقد فاسد قرار دیا ہے۔ اور اس کے برخلاف دوسرے فقہاء نے سودی قرض سے بچنے کے لئے حاجت ناس اور تعامل ناس کی وجہ سے اس کو جائز قرار دیا ہے، جیسا کہ مشائخ بلخ اور مشائخ بخاری اور مشائخ سمرقند وغیرہ نے اس کو جائز قرار دیا ہے۔ اور اسی کو مفتی بہ قرار دیا گیا ہے؛ لہٰذا مذکورہ معاملہ کی شرعاً گنجائش ہے، بس اتنی بات ہے کہ مشتری کو دوسرے کے ہاتھ فروخت کرنے کی اجازت نہیں ہوتی؛ لیکن مذکورہ جائیداد سے خود فائدہ اٹھا سکتا ہے، یا دوسرے کو کرایہ پر دے سکتا ہے۔ اور جس سے خریدا ہے اس کے ہاتھ بھی کرایہ پر دیا جا سکتا ہے؛ اس لئے کہ خریدار نے پچاس لاکھ روپئے کی بھاری رقم دے کر خریدا ہے، پھر اس کو پچاس ہزار روپئے ماہانہ کے حساب سے کرایہ پر دینے کی بھی گنجائش ہے، جب اس علاقے میں اس طرح کی جائیداد پچاس ہزار روپئے میں کرایہ پر دینا لوگوں کے درمیان متعارف ہے، اس میں کسی قسم کا غبن فاحش بھی نہیں ہے، جیسا کہ سوال نامہ میں خود اس کا ذکر موجود ہے۔ (مستفاد: انوار رحمت، ۲۱۷، فتاوی عثمانی ۳/ ۱۰۸)

ومن مشايخ بخارى من جعل بيع الوفاء كبيع المكره، منهم: الإمام ظهير الدين، والصدر الشهيد حسام الدين، والصدر السعيد تاج الإسلام، وصورته: أن يقول البائع للمشتري: بعت منک هذا العين بدين لک علي، على أني متى قضيت الدين فهو لي –إلى قوله– ومن مشايخ سمرقند من جعله بيعا جائزا مفيدا بعض أحكامه، منهم الإمام نجم الدين النسفي، فقال:

إتفق مشايخنا في هذا الزمان، فجعلوه بيعا جائزا مفيدا بعض أحكامه، وهو الانتفاع به دون البعض، وهو البيع لحاجة الناس إليه ولتعاملهم فيه -إلى قوله- وقال صاحب النهاية: وعليه الفتوى. (تبيين الحقائق، كتاب الإكراه، مكتبه إمداديه ملتان ٥/ ١٨٣-١٨٤، زكريا ديوبند ٦/ ٢٣٦-٢٣٧)

ومن هذا القبيل بيع الأمانة، المسمى ببيع الوفاء جوزه مشايخ بلخ وبخارى توسعة. (الأشباه والنظائر، قديم ص: ١٣٠)

ومنها: الإفتاء بصحة بيع الوفاء حين كثر الدين على أهل بخارى، وهكذا بمصر وقد سموه: بيع الأمانة، والشافعية يسمونه: الرهن المعاد.

(الأشباه والنظائر، قديم، ص: ١٤٩، وهكذا، ص: ١٦١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/ذیقعدہ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱/۱۲/۱۱۷)

قرض کی واپسی تک زمین کو فروخت کرنے کا حکم

سوال [۸۸۴۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک آدمی کے پاس بہت سی زمین جائیداد ہے؛ لیکن نقد روپیہ پیسہ نہیں؛ حالانکہ پیسہ کی اس کو ضرورت ہے، تو وہ اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے ۱۰/ ہزار روپئے فی بیگہ اپنی زمین اس شخص کو دے دیتا ہے، جس سے پیسہ لینا ہوتا ہے، اس وقت تک کے لئے کہ جب تک یہ صاحب معاملہ کو روپئے واپس نہیں کرے گا، تو اس وقت تک وہ اس زمین سے فائدہ اٹھاتا رہے گا، تو اس طرح کا معاملہ سود کے دائرے میں آتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: عظمت علی آسام

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: روپئے کے عوض میں زمین کو رہن میں دینا، پھر مرتہن اس زمین سے روپئے واپس دینے تک فائدہ اٹھاتا رہے،تو یہ قرض کے اوپر سود لینالازم ہوا جوقطعاً ناجائز اور حرام ہے، یہ دراصل معاملہ رہن ہے اور مرتہن کے لئے مال رہن سے فائدہ اٹھانا قرض کے عوض میں سود کے دائرہ میں داخل ہونے کی وجہ سے ناجائز اورحرام ہے، ہاں البتہ متأخرین فقہاء نے سود سے بچنے کے لئے انتہائی مجبوری میں ایک متبادل شکل جواز کی بتلائی ہے،اس کی شکل یہ ہے کہ: زمین کی تقریباً پوری قیمت لے کر کے پیسے والے کوزمین فروخت کردے اوراس میں شرط یہ لگائے کہ جب اتنے پیسے پر زمین والا خودخریدنا چاہے تو پیسے والے پر لازم ہے کہ اتنے ہی پیسے پر زمین واپس کردے۔اوراس درمیان میں پیسے والا آدمی اس زمین سے فائدہ اٹھاسکتا ہے، اس کو شریعت میں ''بیع الوفاء'' اور''بیع الامانت'' بھی کہا جاتا ہے،اس شکل کواختیار کئے بغیر پیسے والے کے لئے زمین سے فائدہ اٹھاناہرگز ثابت نہیں۔

لأن المرتهن لا يجوز له الانتفاع بالرهن أصلا. (بدائع الصنائع، كتاب الرهن، فصل و أما حكم للرهن، زكريا ٥/ ٢١٠، قديم ٦/ ١٤٥)

ومن مشايخ سمرقند من جعله بيعا جائزا مفيدا بعض أحكامه، منهم الإمام نجم الدين النسفي، فقال: إتفق مشايخنا في هذا الزمان، فجعلوه بيعا جائزا مفيدا بعض أحكامه، وهو الانتفاع به دون البعض، وهو البيع لحاجة الناس إليه ولتعاملهم فيه –إلى قوله– وقال صاحب النهاية: وعليه الفتوى.

(تبيين الحقائق، كتاب الإكراه، مكتبه إمداديه ملتان ٥/ ١٨٣-١٨٤، زكريا ديوبند ٦/ ٢٣٧)

ومنها: الإفتاء بصحة بيع الوفاء حين كثر الدين على أهل بخارى، وهكذا بمصر وقد سموه: بيع الأمانة، والشافعية يسمونه: الرهن المعاد.

(الأشباه والنظائر، القاعدة الخامسة: الضرر يزوال، قديم، ص: ١٤٩،جديد زكريا ١/ ٢٦٧)

ومن هذا القبيل بيع الأمانة، المسمى ببيع الوفاء جوزه مشايخ بلخ وبخاری توسعة. (الأشباه والنظائر، القاعدة الرابعة: المشقة تجلب التيسير، قديم ص: ۱۳۰، جديد زكريا، ۱/ ۲۳۵-۲۳۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/ جمادی الثانیہ ۱۴۳۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۳۰۱۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۶/۶/۳۰ھ

رہن یا کرایہ پر رکھی ہوئی زمین سے فائدہ اٹھانے کی مختلف شکلیں

سوال [۸۸۴۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) ایک ضرورت مند شخص جسے غیر سودی قرض نہیں ملتا اور وہ سودی قرض لینا بھی نہیں چاہتا، تو شریعت میں اس کے لئے کیا متبادل شکل موجود ہے؟ کیا وہ اپنا سامان مثلاً زمین ومکان وغیرہ یہ کہہ کر کسی پیسے والے شخص سے معاملہ کرسکتا ہے کہ تم اتنے روپئے مجھے دے دو اور میری زمین سے اس وقت سے مکمل فائدہ اٹھاؤ جب تک کہ میں تمہارے پیسے واپس نہ کردوں، پھر جب میں تمہارے روپئے واپس کردوں گا تو تم میری زمین بھی واپس کردوگے، ہمارے شہر میں اس طرح کے معاملات بہت رائج ہیں، تقریباً ۵۰/ فیصد لوگ اس میں مبتلا ہیں، کیا یہ معاملہ از روئے شرع جواز کے دائرہ میں آتا ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو کن حالات میں، کن شرائط کے ساتھ؟ اور اگر شریعت میں اس کی گنجائش نہیں ہے تو اس کے اسباب ووجوہات کیا ہیں؟

(۲) دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ صورت بالا میں زمین والے ایک مدت متعینہ مثلاً ایک سال میں جمع شدہ رقوم میں سے صاحب حق کی رضامندی سے متعین تعداد مثلاً سو روپئے کاٹ لیتے ہیں اور عاقدین اس صورت کو ربا سے پاک سمجھتے ہیں، کیا اس طرح سے یہ معاملہ جائز ہوجائے گا یا نہیں؟

(۳) تیسرا مسئلہ جس میں ہمارے علاقہ کے تقریباً ۷۵ رفیصد لوگ مبتلا ہیں، وہ یہ ہے کہ صاحب زمین کسی کا شتکار کو اپنی زمین اس شرط پر دے کہ تم مجھے فی بیگہ مثلاً ۵ رمن گندم دینا اور تمہیں اب اختیار ہے کہ جو چاہو اس میں زراعت کرو؛ لیکن وقت متعین پر ہمیں اتنا گندم ملنا چاہئے خواہ پیداوار ہو یا نہ ہو، کم ہو یا زیادہ، صاحب زمین کو اس سے کوئی مطلب نہیں، مگر اپنی رضامندی سے یہ معاملہ کرتے ہیں، تو کیا شرعاً یہ جائز ہوگا یا ناجائز؟ اگر جائز ہے تو کن شرائط کے ساتھ اور اگر ناجائز ہے تو اس کے اسباب و وجوہات کیا ہیں؟ برائے مہربانی مذکورہ سوالات کے جوابات مرحمت فرما کر عنداللہ ماجور رہوں۔

المستفتی: مرشد عالم ارریہ (بہار)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ میں صاحب قرض کے قرض لینے کی تین شکلیں بیان کی گئی ہے:

(۱) صاحب زمین پیسے والے سے اس شرط پر پیسے لے کہ جب تک وہ پیسے واپس نہیں کرے گا اس وقت تک وہ زمین سے فائدہ اٹھاتا رہے گا، یہ شکل شرعی طور پر ناجائز ہے؛ اس لئے کہ یہ رہن کی شکل ہے اور رہن میں مرتہن کے لئے مال رہن سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں، یہ ”**کل قرض جر نفعا**“ کے تحت آکر ناجائز اور حرام ہے، اگر صاحب زمین کو غیر سودی قرض کسی طرح نہیں ملتا ہے تو اس کے لئے انتہائی مجبوری میں فقہاء متأخرین نے ایک متبادل شکل ”بیع الوفاء“ کی پیش کی ہے اور اس کی صورت یہ ہے کہ صاحب زمین پیسے والے کے ہاتھ اس شرط کے ساتھ زمین فروخت کرے کہ جب اتنا پیسہ صاحب زمین پیسے والے کو واپس کردے گا جتنا کہ اس نے لیا ہے، تو پیسے والا صاحب زمین کے ہاتھ وہ زمین اتنے پیسہ میں فروخت کردے گا اور اس کے لئے بہتر شکل یہ ہے کہ اس معاملہ کے لئے کچا کاغذ بنالے، سرکاری رجسٹری نہ کرے، اس کو بیع الوفاء اور بیع الامانہ بھی کہا جاتا ہے، جیسا کہ حسب ذیل جزئیات سے واضح ہوتا ہے:

کل قرض جر نفعا حرام، فکره للمرتهن سکنی المرهونة بإذن الراهن. (الدر مع الرد، زکریا ۷/ ۳۹۵)

لا یحل له أن ینتفع بشيء منه بوجه من الوجوه وإن أذن له الراهن؛ لأنه أذن له في الربا؛ لأنه یستوی دینه کاملا فتبقی له المنفعة فضلا، فیکون ربا. (شامي، زکریا ۱۰/ ۸۳)

ولیس للمرتهن الانتفاع بالرهن باستخدام ولا للسکنی. (مجمع الأنهر ٤/ ۲۷۳، البحرالرائق ٦/ ٤۳۸)

ومن مشایخ سمرقند من جعله بیعا جائزا مفیدا بعض أحکامه، ومنهم الإمام نجم الدین النسفي، فقال: اتفق مشایخنا فی هذا الزمان، فجعلوه بیعا جائزا مفیدا بعض أحکام، وهذا الانتفاع به دون البعض، وهو البیع لحاجة الناس إلیه ولتعاملهم فیه -إلی قوله- وقال صاحب النهایة: وعلیه الفتوی. (زیلعي ٥/ ۱۸۳)

ومن هذا القبیل بیع الأمانة المسمی ببیع الوفاء جوزه مشایخ بلخ توسعة. (الأشباه: ص: ۱۳۰)

ومنها الإفتاء بصحة بیع الوفاء حین کثر الدین علی أهل بخاری، وهکذا بمصر وقد سموه بیع الأمانة، والشافعیة یسمونه الرهن المعاد.

(الأشباه والنظائر، ص: ۱٤۹، ایضاح النوادر ۷۱- ۷۲، أنوار رحمت ۲۱۸)

(۲) اور دوسری شکل سوال نامہ میں یہ پیش کی گئی ہے کہ صاحب زمین پیسے والے کے ہاتھ اپنی زمین اس شرط پر دے دے کہ لئے گئے پیسوں میں سے سالانہ یاماہانہ اتنی مقدار کرایہ میں کاٹ دئے جائیں گے،تو یہ شکل جائز ہے؛لیکن کرایہ میں جو پیسہ کٹے گا اس میں غبن فاحش کی شکل نہیں ہونی چاہئے، اگرغبن فاحش ہےتو کم سے کم معاملہ مکروہ ہوگا۔

کل ما صلح ثمنا أي بدلا في البیع صلح أجرة؛ لأنها ثمن المنفعة.

(الدرالمختار مع الشامي، زکریا ۹/ ۵، کراچی ۶/ ٤، هندية ٤/ ٤١٢، جديد زکریا ٤/ ٤٤٢، شرح المجلة ١/ ٢٦٠، رقم المادة: ٤٦٣)

(۳) تیسری شکل یہ بیان کی گئی ہے کہ زمین کو بٹائی پرنہیں دیا جارہا ہے؛ بلکہ زمین کو کرایہ پر دیا جارہا ہے اور کرایہ داری کے ثمن میں پیسے بھی جائز ہیں اور غلہ اور دیگر ساز وسامان بھی دینا جائز ہے؛ لہٰذا متعین وقت پر متعین مقدار کے عوض میں زمین کو کرایہ پر دینا جائز ہے اور کرایہ پر لینے والے کو اختیار ہے، چاہے اس زمین پر کھیتی کرے یا ایسے ہی خالی چھوڑ کر جانور چرائے تو اس طرح زمین کو کرایہ پر دینا شرعاً جائز ہے، مگر یاد رکھیں کہ اس زمین کی پیداوار میں سے مخصوص مقدار کو کرایہ کے عوض میں قرار دینا جائز نہیں۔

وما صلح أن يكون ثمنا في البيع كالنقود والمكليل والموزون صلح أن يكون أجرة في الإجارة. (هندية ٤/ ٤١٢، جديد زكريا ٤/ ٤٤٢، الدرالمختار مع الشامي، زکریا ۹/ ۵، کراچی ٦/ ٤، شرح المجلة ١/ ٢٦٠)

ولو دفع غزلا لآخر لينسجه له بنصفه أو استأجر بغلا ليحمل طامه ببعضه أو ثورا ليطحن بره ببعض دقيقة فسدت في الكل؛ لأنه استأجره بجزء من عمله. (الدرالمختار کراچی ٦/ ٥٦، شامي زکریا ٩/ ٧٨، بزازية على الهندية ٥/ ٣٥، جديد زکریا ٢/ ٢١، البحرالرائق ٨/ ٤١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍رجب ۱۴۳۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۲۱۶۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۲؍۷؍۱۴۳۶ھ

بیع الوفاء کی شرعی حیثیت

نحمده ونصلی علی رسوله الكريم، أما بعد:

اس مضمون کو اس طریقہ سے پیش کرتے ہیں، اولاً بیع الوفاء کی وجہ تسمیہ اور اس کے اسماء، اس کے بعد بیع الوفاء کی حقیقت اور جواز کا خلاصہ اور مختصر نوٹ جو معتدل حکم تک ہے، پھر اس کے بعد بیع الوفاء کے بارے میں مفصل بحث سات اقوال کے ساتھ پیش کی گئی ہے، پھر آخر میں مبیع کے بارے میں چند احکام پر مضمون ختم کیا گیا ہے۔

بیع الوفاء کے اسماء

اس عقد کو حسبِ ذیل ناموں سے موسوم کیا جاتا ہے:

(۱) بیع الوفاء (۲) بیع الامانت (۳) بیع الاطاعت (۴) بیع المعاملہ (۵) البیع الجائز (٦) بیع الرہن۔

(۱) **بیع الوفاء**: اس کو بیع الوفاء اس لئے کہا جاتا ہے کہ بائع اور مشتری کے درمیان اس عقد میں وفاداری کا معاہدہ ہوتا ہے کہ جس وقت بائع ثمن کو لاکر واپس کردے گا تو مشتری معاہدہ کے موافق ایفائے وعدہ کے طور پر مبیع کو واپس کردے گا، اور اس عقد کے ناموں میں سے مشہورترین نام یہی ہے۔

(۲) **بیع الأمانة**: اس کا نام مصر وغیرہ میں بیع الامانۃ کے نام سے مشہور ہے، اور اس کو بیع الامانۃ اس لئے کہا جاتا ہے کہ مبیع مشتری کے پاس بطور امانت رہتی ہے۔

(۳) **بیع الاطاعة**: ملک شام وغیرہ میں یہ بیع بیع الاطاعت کے نام سے موسوم اور مشہور ہے؛ اس لئے کہ اس عقد کے اندر اطاعت اور وفاداری پائی جاتی ہے کہ مشتری مبیع کے حق میں بائع کی اطاعت کرتا ہے اور بائع ثمن کے حق میں مشتری کی اطاعت کرتا ہے۔

(۴) **بیع المعاملہ**: بعض فقہاء نے اس کا نام بیع المعاملہ رکھا ہے، اور اس کی وجہ یہ

بیان کرتے ہیں کہ اس بیع کے اندر مشتری در پردہ اپنے قرض سے فائدہ اٹھاتا ہے؛ اس لئے کہ مشتری درحقیقت دائن اور قرض دینے والا ہے، اور اس قرض کے مقابلہ میں وہ مبیع سے فائدہ اٹھاتا ہے، اس لئے بعض فقہاء نے اس کا نام بیع المعاملہ رکھا ہے۔

(٥) البیع الجائز: بعض فقہاء نے اس کا نام ''البیع الجائز'' رکھا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس بیع کو ربا اور سود سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے صحیح اور جائز قرار دیا گیا ہے، اور مشتری کے لئے مبیع کا نفع کھانے اور استعمال کرنے کی گنجائش دی ہے۔

(٦) بیع الرھن: اس کی وجہ یہ ہے کہ مبیع مشتری کے پاس ایسی محفوظ رہتی ہے کہ جس طرح مرتہن مالِ رہن کو فروخت نہیں کرسکتا اور اس کی ملکیت کو منتقل نہیں کرسکتا، اسی طرح بیع الوفاء میں مشتری مبیع کو بیچ نہیں سکتا اور اس کی ملکیت کو منتقل نہیں کرسکتا۔ علماء شوافع نے اس کا نام ''بیع رہن'' اور ''الرہن المعاد'' رکھا ہے۔

یہ چھ نام ہمارے سامنے ہیں، حضراتِ فقہاء نے ان مختلف وجوہات کی بناء پر اپنے اپنے طور پر اس عقد کو مختلف ناموں سے موسوم کیا ہے اور ان ناموں کی وجہِ تسمیہ وہی ہے جو ہم نے آپ کے سامنے پیش کی ہے۔

عربی عبارات ملاحظہ فرمایئے:

وَبَيْعُ الْوَفَاءِ صُورَتُهُ أَنْ يَّبِيعَهُ الْعَيْنَ بِأَلْفٍ عَلىٰ الدَّيْنِ وَهٰذَا يَشْتَرِيهِ أَنَّهُ إِذَا رَدَّ عَلَيْهِ الثَّمَنَ رَدَّ عَلَيْهِ الْعَيْنَ وَسَمَّاهُ الشَّافِعِيَّةُ الرَّهْنَ الْمُعَادَ وَيُسَمّٰى بِمِصْرَ بَيْعَ الْأَمَانَةِ وَبِالشَّامِ بَيْعَ

اور بیع الوفاء اس کی صورت یہ ہے کہ مشتری کے ہاتھ عینِ مبیع کو بیچے مثلاً ایک ہزار کے عوض میں اس شرط کے ساتھ کہ جب ثمن واپس کردے گا تو عینِ مبیع بھی واپس کردے گا، اور شافعیہ نے اس کا نام ''الرہن المعاد'' رکھا ہے، اہل مصر نے اس کا نام ''بیع الامانۃ'' رکھا ہے، اور اہل شام نے اس کا نام ''بیع الاطاعۃ'' رکھا

الإِطَاعَةِ (وَتَحْتَهُ فِيْ الشَّامِيَةِ) وَوَجْهُ تَسْمِيَتِهٖ بَيْعُ الْوَفَاءِ أَنَّ فِيْهِ عَهْداً بِالْوَفَاءِ مِنَ الْمُشْتَرِيْ بِأَنْ يَّرُدَّ الْمَبِيْعَ عَلَى الْبَائِعِ حِيْنَ رَدَّ الثَّمَنَ، وَبَعْضُ الْفُقَهَاءِ يُسَمِّيْهِ الْبَيْعَ الْجَائِزَ وَلَعَلَّهٗ مَبْنِيٌّ عَلٰى أَنَّهٗ بَيْعٌ صَحِيْحٌ لِحَاجَةِ التَّخَلُّصِ مِنَ الرِّبَا حَتّٰى يَسُوْغَ لِلْمُشْتَرِيْ أَكْلُ رِيْعِهٖ وَبَعْضُهُمْ يُسَمِّيْهِ بَيْعَ الْمُعَامَلَةِ وَوَجْهُهٗ أَنَّ الْمُعَامَلَةَ رِبْحُ الدَّائِنِ لِيَنْتَفِعَ بِهٖ بِمُقَابَلَةِ دَيْنِهٖ (وَقَوْلُهٗ) بَيْعُ الْأَمَانَةِ وَجْهُهٗ أَنَّهٗ أَمَانَةٌ عِنْدَ الْمُشْتَرِيْ (وَقَوْلُهٗ) وَفِيْ بَعْضِهَا بَيْعُ الطَّاعَةِ وَهُوَ الْمَشْهُوْرُ الْآنَ فِيْ بِلَادِنَا. (الدر المختار مع الشامی زکریا ٧/٥٤٥، کراچی ٥/٢٧٦)

ہے، اس کے نیچے شامی میں ہے کہ اس کا ’’بیع الوفاء‘‘ نام رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ اس عقد میں مشتری سے وفاداری کا عہد کیا جاتا ہے، بایں طور کہ مشتری مبیع کو واپس کردے گا جس وقت بائع ثمن واپس کردے گا، اور بعض فقہاء نے اس کا نام ’’البیع الجائز‘‘ اور ’’البیع الصحیح‘‘ رکھا ہے، اور شاید اس کا مدار اس بات پر ہے کہ یہ عقد بیع ربا سے خلاصی حاصل کرنے کے لئے صحیح اور جائز ہے، یہاں تک کہ مشتری کے لئے اس کا نفع کھانے کی گنجائش ہے اور بعض فقہاء نے اس کا نام ’’بیع المعاملۃ‘‘ رکھا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں دین سے نفع اٹھانے کا معاملہ پایا گیا اور یہ اس طور پر ہے کہ قرض دینے والے نے مبیع کو خریدا ہے؛ تاکہ اپنے دین کے مقابلہ میں اس مبیع سے نفع اٹھائے، اور ’’بیع الامانۃ‘‘ اس کا نام اس لئے ہے کہ مبیع مشتری کے پاس بطورِ امانت رہتی ہے اور بعض نسخوں میں ’’بیع الطاعۃ‘‘ ہے۔ علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے بلاد میں اس وقت یہی مشہور ہے۔

اورالاشباہ والنظائر میں ہے کہ:

وَمِنْ هٰذَا الْقَبِيْلِ بَيْعُ الْأَمَانَةِ الْمُسَمّٰى بِبَيْعِ الْوَفَاءِ جَوَّزَهُ مَشَائِخُ بَلْخٍ وَبُخَارىٰ تَوْسِعَةً. (الاشباه والنظائر قديم ۱۳۰)

اور اسی قبیل سے ہے، بیع الامانۃ جو بیع الوفاء کے نام سے موسوم ہے، مشائخ بلخ اور مشائخ بخاریٰ نے لوگوں سے تنگی کو دور کر کے وسعت دیتے ہوئے اس کو جائز قرار دیا ہے۔

بیع الوفاء کی حقیقت

کوئی شخص صاحبِ ضرورت ہے اس کو روپیہ کی ضرورت ہے، اور کہیں سے ادھار بھی نہیں ملتا، اور اس کے پاس مکان یا دوکان یا زمین وغیرہ موجود ہے، اور اس کو رہن میں رکھ کر روپیہ حاصل کرنا چاہتا ہے، مگر رہن میں رکھنے کی صورت میں مرتہن اس سے فائدہ حاصل نہیں کرسکتا، اس لئے کوئی شخص رہن رکھ کر بھی قرض دینے پر تیار نہیں، اور صاحبِ جائدا داس ضرورت کی وجہ سے اپنی ہمیشہ کی جائیداد کو بالکلیہ فروخت کرنا بھی نہیں چاہتا، تو اس طرح حاجت مند کی ضرورت پوری کرنے کے لئے فقہاء نے عقد کی ایک نئی شکل نکالی ہے، اور وہ یہ ہے کہ مکان یا دوکان یا زمین وغیرہ صاحبِ ضرورت شخص اس طرح فروخت کرے کہ فروخت شدہ جائیداد مشتری کے پاس من کل الوجوہ امانت تو نہیں مگر مثل امانت کے ہوگی، کہ مشتری اس سے فائدہ تو اٹھا سکتا ہے مگر اس کو فروخت نہیں کرسکتا۔ اور فائدہ اٹھانے کا سلسلہ اس وقت تک باقی رہے گا جب تک بائع لی ہوئی رقم واپس نہ کردے، اور جب بائع رقم واپس کردے گا تو مشتری پر لازم ہوگا کہ اتنی ہی رقم لے کر جائیدا د واپس کردے جتنی میں بائع نے مشتری کو دی تھی۔

علامہ ابن نجیم مصریؒ البحر الرائق اور علامہ فخر الدین زیلعیؒ تبیین الحقائق میں اس عقد کی نوعیت کو ان الفاظ میں نقل فرماتے ہیں:

وَصُورَتُهُ أَنْ يَقُولَ الْبَائِعُ لِلْمُشْتَرِي بِعْتُ مِنكَ هٰذَا الْعَيْنَ بِدَيْنٍ لَكَ عَلَيَّ عَلٰى أَنِّي مَتٰى قَضَيْتُ الدَّيْنَ فَهُوَ لِي أَوْ يَقُولَ الْبَائِعُ بِعْتُ هٰذَا بِكَذَا عَلٰى أَنِّي مَتٰى دَفَعْتُ الثَّمَنَ تَدْفَعُ الْعَيْنَ إِلَيَّ الخ.
(البحر الرائق كوئٹه ٦/ ١١، تبيين الحقائق إمداديه ملتان ٥/ ١٨٣، زكريا ٦/ ٢٣٧، البناية أشرفيه ١١/ ٤٥، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٤١، مصري قديم ٢/ ٤٣٠، ايضاح النوادر ١/ ٦٩)

اور اس کی شکل یہ ہوتی ہے کہ بائع مشتری سے یوں کہہ دے کہ میں تیرے ہاتھ یہ شیٔ اس قرض کے عوض فروخت کرتا ہوں جو تیرا میرے اوپر لازم ہے، اس شرط پر کہ جب میں قرض ادا کردوں گا تو وہ شیٔ میری ہوجائے گی، یا یوں کہہ دے کہ یہ شیٔ اتنے میں اس شرط کے ساتھ تیرے ہاتھ فروخت کرتا ہوں کہ جب میں ثمن واپس دے دوں گا تو وہ شیٔ مجھ کو واپس کردے گا۔

بیع الوفاء کا جواز

اس عقد کے جواز اور عدمِ جواز میں فقہاءِ متأخرین میں دو فریق ہوگئے:

فریقِ اول:

حضرت امام ظہیر الدین اور صدر الشہید اور تاج الاسلام وغیرہؒ نے شرطِ فاسد کی وجہ سے اس عقد کو فاسد قرار دیا ہے، اور امام ابوشجاعؒ، امام علی سغدیؒ اور قاضی ابوالحسن ماتریدیؒ وغیرہ نے اس عقد کو رہن کی طرح اور رہن کے حکم میں قرار دیا ہے، اور مرتہن کے لئے رہن سے انتفاع جائز نہیں ہے، اور بیع الوفاء میں مشتری مبیع سے فائدہ اٹھاتا ہے، اس لئے یہ عقد ان کے نزدیک جائز ہے۔

علامہ زیلعیؒ اس کو ان الفاظ سے نقل فرماتے ہیں:

مِنْهُمُ الإِمَامُ ظَهِيرُ الدِّيْنِ وَالصَّدْرُ الشَّهِيْدُ حُسَامُ الدِّيْنِ وَالصَّدْرُ السَّعِيْدُ تَاجُ الإِسْلامِ -إلى- فَجَعَلُوْهُ فَاسِداً بِاعْتِبَارِ شَرْطِ الْفَسْخِ (إِلٰى قَوْلِهٖ) وَمِنْهُمْ مَنْ جَعَلَهُ رَهْناً مِنْهُمُ السَّيِّدُ الإِمَامُ أَبُو شُجَاعٍ وَالْإِمَامُ عَلِي السُّغْدِيْ وَالإِمَامُ الْقَاضِيْ أَبُوْ الْحَسَنِ الْمَاتُرِيْدِيْ قَالُوْا: لَمَّا شُرِطَ عَلَيْهِ أَخْذُهُ عِنْدَ قَضَاءِ الدَّيْنِ أَتىٰ بِمَعْنَى الرَّهْنِ (إِلٰى قَوْلِهٖ) فَإِذَا كَانَ رَهْناً لا يَمْلِكُهُ وَلَا يَنْتَفِعُ بِهٖ. (تبيين الحقائق، إمداديه ملتان ٥/ ١٨٣، زكريا ٦/ ٢٣٧)

فقہاء میں سے امام ظہیر الدین، صدر الشہید امام حسام الدینؒ اور صدر السعید تاج الاسلامؒ نے اس کو فسخ کی شرط کی وجہ سے عقد فاسد قرار دیا ہے۔ (زیلعیؒ فرماتے ہیں) اور فقہاء میں سے جن لوگوں نے اس کو رہن قرار دیا ہے ان میں سید امام ابوشجاعؒ اور امام علی سغدیؒ اور امام ابوالحسن ماتریدیؒ وغیرہ شامل ہیں، ان لوگوں نے کہا کہ جب قضاء دین کے وقت واپسی کی شرط لگائی ہے تو یہ عقد رہن کا معنی ادا کرتا ہے۔ پس جب رہن ثابت ہوگا تو مرتہن اس کا مالک نہ ہوگا، اور نہ ہی اس سے انتفاع جائز ہوگا۔

فریقِ ثانی:

مشائخ سمرقند اور مشائخ بلخ اور مشائخ بخاریٰ نے مفلسین اور حاجت مندوں کی ضرورت کو پیش نظر رکھتے ہوئے مذکورہ بیع الوفاء کو جائز قرار دیا ہے، اور امام نجم الدین نسفیؒ نے نقل کیا ہے کہ ان کے زمانہ کے تمام مشائخ نے متفق ہوکر اس معاملہ کو جائز قرار دیتے ہوئے بہت سے احکامِ بیع کے لئے مفید ثابت کیا ہے۔

اورصاحبِ نہایہ نے اس کے جواز کے قول کومفتی بہ قرار دیا ہے، اورعلامہ زین الدین ابن نجیم مصریؒ نے دیون کی کثرت کے زمانہ میں بیع الوفاء کی صحت وجواز پرفتویٰ کا حکم فرمایا ہے۔

وَمِنْ مَشَايِخِ سَمَرْقَنْدَ مَنْ جَعَلَهٗ بَيْعًا جَائِزاً مُفِيْداً بَعْضَ أَحْكَامِهٖ وَمِنْهُمُ الإِمَامُ نَجْمُ الدِّيْنِ النَّسَفِيُّ فَقَالَ اِتَّفَقَ مَشَايِخُنَا فِيْ هٰذَا الزَّمَانِ فَجَعَلُوْهُ بَيْعاً جَائِزاً مُفِيْداً بَعْضَ أَحْكَامِهٖ وَهُوَ الْاِنْتِفَاعُ بِهٖ دُوْنَ الْبَعْضِ وَهُوَ الْبَيْعُ لِحَاجَةِ النَّاسِ إِلَيْهِ وَلِتَعَامُلِهِمْ فِيْهِ وَالْقَوَاعِدُ قَدْ تُتْرَكُ بِالتَّعَامُلِ، وَقَالَ صَاحِبُ النِّهَايَةِ وَعَلَيْهِ الْفَتْوىٰ. (تبيين الحقائق إمداديه ملتان ۱۸۳/۵، زكريا ۲۳۷/۶، ايضاح النوادر ۷۱/۱)

اورمشائخ سمرقند میں سے وہ مشائخ بھی ہیں جواس بیع کو جائز قرار دیتے ہیں، جوبعض احکامِ بیع کے لئے مفید ہے، اوران میں سے امام نجم الدین نسفیؒ نے کہا کہ اس زمانہ کے مشائخ اس عقد کے جواز پر متفق ہیں، یہ عقدبعض احکام کومفید ہے، مثلاً مبیع سے انتفاع حاصل کرنا اوربعض کومفیدنہیں (مثلاً فروختگی کے عدمِ جواز) اور یہ عقد لوگوں کی ضرورت اورتعامل کی وجہ سے جائز ہے اور صاحبِ نہایہ نے کہاہے کہ اس کے جواز ہی پرفتویٰ ہے۔

اورعلامہ ابن نجیم مصریؒ الاشباہ میں اس کے جواز کوان الفاظ میں بھی نقل فرماتے ہیں:

وَمِنْ هٰذَا الْقَبِيْلِ بَيْعُ الْأَمَانَةِ الْمُسَمّٰى بِبَيْعِ الْوَفَاءِ جَوَّزَهٗ مَشَايِخُ بَلْخٍ وَبُخَارىٰ تَوْسِعَةً الخ. (الاشباه والنظائر قديم ۱۳۰)

اوراسی قبیل میں سے بیع الامانت ہے، جس کو بیع الوفاء کہا جاتا ہے، اس کومشائخ بلخ ومشائخ بخاریٰ نے لوگوں کے لئے وسعت دیتے ہوئے جائزقرار دیاہے۔

وَمِنْهَا الإِفْتَاءُ بِصِحَّةِ بَيْعِ الْوَفَاءِ حِيْنَ كَثُرَ الدَّيْنُ عَلٰى أَهْلِ بُخَارىٰ وَهٰكَذَا بِمِصْرَ وَسَمُّوْهُ بَيْعَ الْأَمَانَةِ وَالشَّافِعِيَّةُ يُسَمُّوْنَهُ الرَّهْنَ الْمُعَادَ. (الأشباه والنظائر قديم ١٤٩، انوار رحمت ٢١٥-٢١٩)

اور ان میں سے بیع الوفاء کی صحت پر فتویٰ ہے، جب اہلِ بخاریٰ پر دیون کا سلسلہ زیادہ ہوگیا تھا، اور اسی طرح مصر میں بھی جواز کا فتویٰ ہے اور اس کو بیع الامانۃ کہا جاتا ہے اور شافعیہ نے اس کا نام ''رہنِ معاد رکھا ہے۔

مناسب ومعتدل حکم

اب معلوم ہوا کہ بیع الوفاء کے جواز وعدمِ جواز میں فقہاء متأخرین اور اساطینِ امت کے مابین اختلاف واقع ہو چکا ہے، اور دونوں طرف ایسے ایسے فقہاء ہیں جن کے قول ورائے کو دلیل شرعی مانا جاتا ہے، اور لوگوں کی ضرورت اور تعاملِ ناس جواز کے قائلین کے موافق ہے۔ اور تعاملِ ناس اور عرف کو شرعی طور پر ''اَلثَّابِتُ بِالْعُرْفِ كَالثَّابِتِ بِالنَّصِّ'' (عقود رسم المفتی ۹۴) کے قاعدہ سے حجتِ شرعیہ کا درجہ بھی حاصل ہے۔ اور حضرت تھانوی قدس سرہ نے امداد الفتاویٰ میں فریقِ اول کے دلائل کو پیش نظر رکھتے ہوئے اصولاً عدمِ جواز کو ثابت کیا ہے، اور بوقتِ ضرورت فریقِ ثانی کے قول پر عمل کی اجازت دی ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۱۰۷/۳)

اور حضرت مولانا حافظ مفتی عبد اللطیف صاحب محدث سہارن پوریؒ نے فتاویٰ خلیلیہ میں بیع الوفاء کو جائز قرار دیتے ہوئے یہ شکل پیش فرمائی ہے کہ دستاویز لکھتے وقت بیع کو مطلق عن الشرط رکھا جائے، اور مبیع مع الشرط کی عبارت اور قید نہ لگائی جائے؛ تاکہ فقہاء متأخرین کے دونوں فریقوں کے قول پر عمل ثابت ہو جائے۔ (مستفاد: فتاویٰ خلیلیہ ۳۹۵/۱، ایضاح النوادر ۷۳/۱)

نیز حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے مایہ ناز شاگرد حضرت فخر الاسلام مولانا حافظ محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا فتوی بھی یہی ہے کہ جب بغیر نفع لئے کوئی شخص رہن لینے پر رضا مند نہیں ہوتا ہے، تو ایسی صورت میں ربا سے بچنے کے لئے بیع الوفاء کا معاملہ جائز اور درست ہے، اگر مدت کی قید لگائی ہے تو ایسی صورت میں مدت پوری ہوجانے کے بعد بائع یعنی راہن کا حق اسی وقت ختم نہیں ہوگا؛ بلکہ اس کے بعد بھی اس کو لینے کا حق باقی رہے گا؛ البتہ اس مدت کے بعد مشتری کو مرتہن کی طرح یہ اختیار رہے گا کہ بائع کے نہ لینے کی صورت میں جائیداد کو فروخت کر کے اپنی رقم وصول کرلے۔ ملاحظہ ہو عکس احمد (سوانح حیات فخر الاسلام حضرت مولانا محمد احمد صاحب مہتمم خامس دارالعلوم دیوبند، ص: ۴۵۲، مکتبہ حجۃ الاسلام اکیڈمی دارالعلوم وقف دیوبند)

حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانہ کے قابل اعتماد عالم اور فقیہ تھے، نظام حیدر آباد نے آپ کو وہاں کے مسند افتاء کی صدارت بھی عطا کی تھی، اس زمانہ میں جو فتاوی لکھے گئے ہیں ان میں سے حضرت والا کے اہم ترین چھپن فتاوی جو انتہائی مدلل ہیں عکس احمد میں ص: ٣٧٦ سے ۴٦٣ تک میں نقل کئے گئے ہیں، ان میں مذکورہ فتوی تقریباً دو صفحہ پر مدلل طور پر موجود ہے۔

اس لئے ضرورت اور حاجتِ ناس کی وجہ سے مشائخِ سمرقند اور مشائخِ بلخ اور مشائخِ بخاری اور امام نجم الدین نسفیؒ اور صاحبِ نہایہ وغیرہم کے فتویٰ کے مطابق اس زمانہ میں بیع الوفاء کے جواز پر فتویٰ دینا اولیٰ اور انسب ہوگا۔

بیع الوفاء کے بارے میں مفصل بحث اور فقہاء کی آراء

بیع الوفاء کو فقہی نقطۂ نظر سے کس اصول اور ضابطہ کے دائرہ میں داخل کیا جائے؟ آیا اسے بیعِ صحیح کے دائرہ میں داخل کیا جائے یا بیعِ فاسد کے دائرہ میں یا رہن کے اصول وضابطہ کے دائرہ میں شمار کیا جائے یا بیع مکرہ کے ضابطہ میں داخل کیا جائے، یا اسے بیع اور رہن سے مرکب ایک الگ عقد قرار دیا جائے یا بیع صحیح اور بیع فاسد اور رہن تینوں سے مرکب ہوکر ایک مستقل عقد

قرار دیا جائے؟ تو اس سلسلہ میں فقہاءِ متأخرین کے مختلف نظریات اور مختلف اقوال پر غور کرنے کے بعد حضراتِ فقہاء کے سات فریق اور سات اقوال وآراء ہمارے سامنے ہیں، جن کو ترتیب وار یہاں پر درج کردیتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے:

فریقِ اول بیع صحیح کے قائلین

مشائخ بلخ اور مشائخ بخاریٰ نے بیع الوفاء کے جواز پر فتویٰ جاری فرمایا ہے اور مشائخ سمرقند میں سے امام نجم الدین نسفیؒ وغیرہ فرماتے ہیں کہ بیع الوفاء کو لوگوں کی ضرورت اور اس میں تعامل کی وجہ سے بیع صحیح کے اصول وضابطہ کے دائرہ میں داخل کرکے صحیح قرار دیا جائے گا، اس لئے کہ زمانہ کے تمام مشائخ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ ایسی بیع ہے جو جائز ہے اور بہت سے احکامِ بیع کو محیط اور مفید ہے، اور لوگوں کی ضرورت کی وجہ سے اس عقد کو جائز اور صحیح قرار دیا گیا ہے، اور امام زیلعیؒ نے اسی کو مفتی بہ قرار دیا ہے۔ اور علامہ ابن نجیمؒ نے الاشباہ میں بیع الوفاء کے بیع صحیح ہونے اور اس کی صحت پر فتویٰ نقل فرمایا ہے؛ لہٰذا بیع الوفاء شرعی طور پر جائز اور درست ہے۔ حضراتِ فقہاء کی عبارات ملاحظہ فرمائیے:

وَمِنْ مَشَايِخِ سَمَرْقَنْدَ مَنْ جَعَلَهُ بَيْعاً جَائِزاً مُفِيْداً بَعْضَ أَحْكَامِهِ مِنْهُمُ الإِمَامُ نَجْمُ الدِّيْنِ النَّسَفِيُّ فَقَالَ اِتَّفَقَ مَشَايِخُنَا فِيْ هٰذَا الزَّمَانِ فَجَعَلُوْهُ بَيْعاً جَائِزاً مُفِيْداً بَعْضَ أَحْكَامِهِ وَهُوَ الْاِنْتِفَاعُ بِهِ دُوْنَ الْبَعْضِ

اور مشائخ سمرقند میں سے کچھ وہ حضرات ہیں جنہوں نے اس کو بیع صحیح اور بیع جائز کے دائرہ میں داخل کیا ہے، جو بیع کے بعض احکام کو مفید ہے، انہیں مشائخ میں سے امام نجم الدین نسفیؒ ہیں، پس وہ فرماتے ہیں کہ اس زمانہ کے مشائخ نے متفق ہوکر اس بیع کو جائز قرار دیا ہے جو عقد بیع کے بعض احکام کو مفید ہے، اور وہ اس بیع کے بعض منافع سے فائدہ اٹھانا ہے، بعض سے نہیں (جیسا کہ مشتری اس کو بیچ

وَهُوَ الْبَيْعُ لِحَاجَةِ النَّاسِ إِلَيْهِ وَلِتَعَامُلِهِمْ فِيْهِ وَالْقَوَاعِدُ قَدْ تُتْرَكُ بِالتَّعَامُلِ وَجُوِّزَ الْاِسْتِصْنَاعُ لِذٰلِكَ وَقَالَ صَاحِبُ النِّهَايَةِ وَعَلَيْهِ الْفَتْوىٰ. (تبيين الحقائق إمداد ملتان ١٨٣/٥، ١٨٤، زكريا ٢٣٧/٦)

نہیں سکتا) اور لوگوں کو اس بیع کی ضرورت ہونے کی وجہ سے اور لوگوں کے اس میں تعامل ہونے کی وجہ سے اس بیع کو جائز قرار دیا گیا ہے، اور کبھی تعاملِ ناس کی وجہ سے قواعد وضوابط کو چھوڑ دیا جاتا ہے اور اسی وجہ سے بیعِ استصناع کو جائز قرار دیا گیا ہے اور صاحبِ نہایہ نے کہا کہ اس کے بیعِ صحیح ہونے پر ہی فتویٰ ہے۔

اور علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے بیع صحیح ہونے کو زیلعی کے حوالہ سے ان الفاظ کے ساتھ نقل فرمایا ہے، نیز علامہ ابن نجیم مصری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی طرح کے الفاظ نقل فرمائے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے:

أَنَّهُ بَيْعٌ صَحِيْحٌ يُفِيْدُ لِبَعْضِ أَحْكَامِهِ مِنْ حِلِّ الْاِنْتِفَاعِ بِهٖ إِلَّا أَنَّهُ لَا يَمْلِكُ بَيْعَهُ، قَالَ الزَّيْلَعِيُّ فِي الْإِكْرَاهِ وَعَلَيْهِ الْفَتْوىٰ. (شامی زكريا ٥٤٦/٧، كراچی ٢٧٧/٥، وهٰكذا فی البحر الرائق كوئٹه ٧/٦، زكريا ١٢/٦)

بے شک یہ بیع صحیح ہے جو بیع کے بعض احکام کو مفید ہے، اس کے ذریعہ نفع کے حلال ہونے کی وجہ سے مگر یہ کہ مشتری اس کو بیچنے کا مالک نہیں ہوگا، زیلعی نے کتاب الاکراہ میں فرمایا ہے کہ اسی پر فتویٰ ہے۔

الاشباہ والنظائر میں اس طرح کے الفاظ سے نقل کیا گیا ہے:

وَمِنْ هٰذَا الْقَبِيْلِ بَيْعُ الْأَمَانَةِ الْمُسَمّٰى بَيْعُ الْوَفَاءِ جَوَّزَهُ

اور اسی قبیل سے بیع الأمانۃ ہے جو بیع الوفاء کے نام سے موسوم ہے، مشائخ بلخ اور مشائخ

مَشَايِخُ بَلْخٍ وَبُخَارىٰ تَوْسِعَةً. (الاشباه والنظائر قديم ١٣٠)

بخاریٰ نے لوگوں سے تنگی دور کر کے وسعت دیتے ہوئے اس کو جائز قرار دیا ہے۔

اورالاشباہ والنظائر میں دوسری جگہ صاف الفاظ کے ساتھ مذکور ہے کہ بیع الوفاء کے بیع صحیح ہونے پر ہی فتویٰ ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:

وَمِنْهَا الإِفْتَاءُ بِصِحَّةِ بَيْعِ الْوَفَاءِ حِيْنَ كَثُرَ الدَّيْنُ عَلٰى أَهْلِ بُخَارىٰ وَهٰكَذَا بِمِصْرَ وَقَدْ سَمُّوْهُ بَيْعَ الْأَمَانَةِ وَالشَّافِعِيَّةُ يُسَمُّوْنَهُ الرَّهْنَ الْمُعَادَ. (الاشباه والنظائر قديم ١٤٩)

اسی قبیل میں سے بیع الوفاء کی صحت پر فتویٰ جاری کرنا ہے جس وقت اہل بخاریٰ پر دیون کی کثرت ہوگئی تھی اور ایسا ہی مصر میں ہوا ہے اور یقیناً اس کا نام مشائخ مصر نے بیع الأمانۃ رکھا ہے اور شوافع نے اس کا نام ''الرہن المعاد'' رکھا ہے۔

فریقِ ثانی بیع فاسد کے قائلین

امام ظہیرالدین ابوبکر محمد بن احمد البخاری اور امام شہاب الدین احمد الچلپی وغیرہ فرماتے ہیں کہ بیع الوفاء میں مقتضائے عقد کے خلاف شرطِ فاسد پائی جاتی ہے اس لئے بیع الوفاء کو بیع فاسد کے اصول وضوابط کے دائرہ میں داخل کیا جائے گا اور بائع کے ثمن اور دین کی واپسی کے موقع پر مبیع کی واپسی کو بیع فاسد کے اصول وضوابط کے مطابق واجب الاسترداد قرار دیا جائے گا؛ لہٰذا اس کا حکم تمام بیوعِ فاسدہ کے حکم کی طرح ہوگا، اس لئے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عقد بیع کے ساتھ شرط لگانے سے منع فرمایا ہے، اس کو حضراتِ فقہاء نے اس طرح کے الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

وَاخْتَارَهُ الإِمَامُ ظَهِيرُ الدِّيْنِ أَنَّهُ بَيْعٌ فَاسِدٌ فَلَوْ تَبَايَعَا ثُمَّ قَالَ أَحَدُهُمَا چون سیم آریم بیع بمن بازده فَقَالَ نَعَمْ لَا يَفْسُدُ الْبَيْعُ، أَمَّا لَوْ شَرَطَاهُ فِي الْبَيْعِ يَفْسُدُ. (بزازية زكريا جديد ١/ ٢٥١، وعلى هامش الهندية ٤/ ٤٠٧)

اسی کو امام ظہیر الدین نے اختیار فرمایا ہے بایں طور پر کہ یہ بیع فاسد ہے؛ لہٰذا اگر طرفین نے عقد کرلیا ہے پھران میں سے ایک نے کہا جب میں ثمن لاکر کے واپس کردوں گا تو میری مبیع مجھے واپس کردینا، دوسرے نے کہا جی ہاں! تو بیع فاسد نہیں ہوگی، بہر حال اگر دونوں نے عقد بیع میں اس کی شرط لگادی ہے تو بیع فاسد ہوجائے گی۔

وَالْأَصَحُّ عِنْدِيْ أَنَّهُ بَيْعٌ فَاسِدٌ يُوْجِبُ الْمِلْكَ بَعْدَ الْقَبْضِ وَحُكْمُهُ حُكْمُ سَائِرِ الْبِيَاعَاتِ الْفَاسِدَةِ لِأَنَّهُ بَيْعٌ بِشَرْطٍ لَا يَقْتَضِيْهِ الْعَقْدُ وَقَدْ نَهَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعٍ وَشَرْطٍ الخ. (حاشيه شلبى على تبيين الحقائق إمداديه ملتان ٥/ ١٨٤، زكريا ٦/ ٢٣٨)

اور زیادہ صحیح میرے نزدیک یہی ہے کہ بیع الوفاء بیع فاسد ہے جو قبضہ کے بعد ملکیت کو لازم کرتی ہے اور اس کا حکم تمام بیوعِ فاسدہ کی طرح ہے؛ اس لئے کہ یہ بیع ایسی شرط کے ساتھ مشروط ہے جس کا عقد تقاضہ نہیں کرتا، حالاں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع اور شرط سے منع فرمایا ہے۔

فریقِ ثالث بیع صحیح یا بیعِ فاسد کے قائلین

امام فخر الدین حسن بن منصور الاوزجندی وغیرہ نے فرمایا کہ بیع الوفاء رہن کے دائرہ میں داخل نہیں ہوسکتی؛ بلکہ صحیح بات یہی ہے کہ وہ عقدِ بیع ہی کے دائرہ میں داخل ہوگی؛ لہٰذا اگر صلبِ

عقد میں اس بات کی شرط لگائی ہے کہ ثمن کی واپسی پر مبیع بھی واپس ہو جائے گی تو صلبِ عقد میں مقتضائے عقد کے خلاف شرط لگانے کی وجہ سے بیع فاسد کے اصول وضوابط کے دائرہ میں داخل ہوگی، اس لئے حضراتِ صاحبین فرماتے ہیں کہ بیع الوفاء بیع فاسد کے اصول وضوابط کے دائرہ میں داخل ہے، اور اگر صلبِ عقد میں شرط نہیں لگائی ہے؛ بلکہ اولاً بغیر شرط کے عقد بیع وجود میں آجائے پھر اس کے بعد آپس کی تراضی سے اس بات کی شرط لگادی جائے کہ ثمن کی واپسی پر مبیع کی واپسی لازم ہو جائے گی تو ایسی صورت میں چوں کہ صلبِ عقد میں شرطِ فاسد نہیں پائی گئی ہے، اس لئے یہ عقد بیعِ صحیح کے اصول وضوابط کے دائرہ میں داخل ہوگا، اور وعدہ کے مطابق ثمن کی واپسی پر مبیع کا استرداد لازم ہو جائے گا، جیسا کہ فقہاء کی حسبِ ذیل عبارات سے واضح ہوتا ہے:

وَالصَّحِيْحُ أَنَّ الْعَقْدَ الَّذِيْ جَرىٰ بَيْنَهُمَا إِنْ كَانَ بِلَفْظِ الْبَيْعِ لَا يَكُوْنُ رَهْناً ثُمَّ يُنْظَرُ إِنْ ذَكَرَا شَرْطَ الْفَسْخِ فِي الْبَيْعِ فَسَدَ الْبَيْعُ وَإِنْ لَمْ يَذْكُرَا ذٰلِكَ فِي الْبَيْعِ وَتَلَفَّظَا بِلَفْظِ الْبَيْعِ بِشَرْطِ الْوَفَاءِ أَوْ تَلَفَّظَا بِالْبَيْعِ الْجَائِزِ وَعِنْدَهُمَا هٰذَا الْبَيْعُ عِبَارَةٌ عَنْ عقد غَيْرِ لَازِمٍ فَكَذٰلِكَ وَلَفْظَةُ صَاحِبِ الْبَحْرِ فَالْبَيْعُ فَاسِدٌ وَإِنْ ذَكَرَا الْبَيْعَ بِلَا شَرْطٍ ثُمَّ شَرَطَاهُ عَلىٰ	اور صحیح یہی ہے کہ بے شک وہ ایسا عقد ہے جو متعاقدین کے درمیان میں جاری ہوا ہے، اگر لفظ بیع کے ساتھ عقد ہوا ہے تو وہ رہن نہیں ہوسکتا، پھر دیکھا جائے کہ اگر صلب عقد میں فسخ کی شرط کا ذکر کیا ہے تو بیع فاسد ہو جائے گی، اور اگر صلب عقد میں اس شرط کا ذکر نہیں کیا ہے اور دونوں نے لفظ بیع کا تلفظ وفا کی شرط کے ساتھ کیا ہے یا دونوں نے بیع جائز کے ساتھ تلفظ کیا ہے اور ایسی بیع کا نام حضراتِ صاحبینؒ کے نزدیک بیع غیر لازم ہے، تو بھی ایسا ہی حکم ہوگا اور صاحب بحر کے الفاظ یہ ہیں کہ ایسی صورت میں بیع فاسد

وَجْهِ الْمُوَاعِدَةِ جَازَ الْبَيْعُ وَلَزِمَ الْـوَفَاءُ وَقَدْ يَلْزَمُ الْوَعْدُ لِحَاجَةِ الـنَّـاسِ فِرَاراً مِنَ الرِّبَا. (قاضي خـان زكـريـا جـديد ٢/ ٩٩، وعلى هـامـش الهـنـدية ٢/ ١٦٥، تبيين الـحـقـائق، إمداديه ملتان ٥/ ١٨٤، زكريا ٦/ ٢٣٧، بزازية، زكريا جديد ١/ ٢٥١، وعـلـى هـامـش الهندية ٤/ ٤٠٦، البحرالرائق، كوئٹه ٦/ ٨، زكريا ٦/ ١٢)

ہوجائے گی اوراگر بغیر شرط کے دونوں نے عقد میں لفظ بیع کا ذکر کیا ہے، پھراس کے بعد معاہدہ کے طور پر وفا کی شرط لگائی ہے تو بیع جائز اور صحیح ہوجائے گی اور وفا بھی لازم ہوجائے گی، اور کبھی سود سے راہِ فرار اختیار کرتے ہوئے لوگوں کی ضرورت کی وجہ سے وعدہ کا پورا کرنا لازم ہوجاتا ہے۔

فریقِ رابع رہن کے حکم کے قائلین

امام سید ابوشجاع اورامام ابوالحسن علی السغدی اورامام قاضی ابوالحسن الماتریدی اورائمہ خوارزم اورخاتم المجتہدین مولانا سیف الدین عصبہ وغیرہ بیع الوفاء کو رہن کے اصول وضابطہ کے دائرہ میں داخل کرتے ہیں، اوراس کو رہن ہی تسلیم کرتے ہیں، بس فرق اتنا ہے کہ ائمہ خوارزم بعض شرائط کے ساتھ رہن تسلیم کرتے ہیں اورامام سیف الدین عصبہ علی الاطلاق اس کو رہن تسلیم کرتے ہیں، اسی طرح فتاویٰ قاضی خان میں ہے کہ امام ابوشجاع اور قاضی ابوالحسن علی سغدی بھی بیع الوفاء کو علی الاطلاق رہن کے اصول وضوابط کے دائرہ میں داخل کرکے اس کے اوپر رہن کے حکم کی طرح حکم لگاتے ہیں، چناں چہ ان کے نزدیک مشتری مبیع کا مالک نہیں ہوگا اورمبیع سے کسی قسم کا فائدہ اٹھانا مشتری کے لئے جائز نہیں ہوگا؛ البتہ رہن کی طرح مالک کی اجازت سے فائدہ اٹھانا جائز ہوسکتا ہے، اور رہن کی طرح مبیع کے ہلاک ہونے کی وجہ سے

دین بھی ساقط ہوجائے گا؛ لیکن ائمہ خوارزم اس کو تین باتوں میں سے ایک بات کے ساتھ مشروط کرتے ہیں:

(۱) بوقتِ عقد بیع مطلق رکھی جائے اور بوقتِ واپسی جب بائع ثمن لے کر حاضر ہوجائے گا تو مشتری بیع کو فسخ کرنے کے لئے کسی کو وکیل بنادے۔

(۲) بیعِ مطلق کے بعد اس بات پر معاہدہ ہوجائے کہ جب بائع ثمن لے کر آئے گا تو خود بخود بیع فسخ ہوجائے گی۔

(۳) عقد کے بعد مشتری اصل مال پر نفع کی شرط لگادے تو ان تینوں صورتوں میں ائمہ خوارزم بیع الوفاء کو رہن کے درجہ میں قرار دیتے ہیں۔

اور یہ حضرات بیع الوفاء کو رہن کے حکم میں قرار دینے میں حسبِ ذیل نظائر پیش کرتے ہیں:

(۱) اس بیع میں مشتری کو مبیع کی فروختگی کا حق نہیں۔

(۲) مبیع کو دوسرے کے ہاتھ رہن میں رکھنے کا حق نہیں۔

(۳) مبیع اگر باغ ہے تو اس کے درختوں کو کاٹنے کا حق نہیں۔

(۴) مبیع اگر عمارت ہے تو منہدم کرنے کا حق نہیں۔

(۵) مشتری کے ہاتھ میں اگر مبیع ہلاک ہوجائے تو ثمن اور دین ساقط ہوجاتا ہے؛ لہٰذا بائع سے ثمن کی واپسی کا مطالبہ نہیں کرسکتا۔

(۶) اگر مبیع میں نقصان اور کمی آجائے تو رہن کی طرح ثمن اور دین طرفین کے درمیان نقصان کے تناسب سے تقسیم ہوجاتا ہے۔ (مستفاد: بزازیہ زکریا جدید ۱/ ۲۵۲، وعلی ہامش الہندیہ ۴/ ۴۰۹)

(۷) جس طرح معاملہ رہن میں مرتہن کے مالِ رہن کو دوسرے کے ہاتھ فروخت کردینے پر راہن کو یہ حق حاصل ہوجاتا ہے کہ بیع باطل کرکے مالِ رہن کو اپنے قبضہ میں لے لے، اسی

طرح بیع الوفاء میں بھی مشتری جب مبیع کو دوسرے کے ہاتھ فروخت کردے گا تو مالک کو یہ حق حاصل ہوجاتا ہے کہ بیعِ ثانی کو باطل کرکے مشتری ثانی سے مالِ مبیع اپنے قبضہ میں لے لے، ہاں البتہ یہ بات الگ ہے کہ مرتہن کو اپنے قرض کے وصول ہونے تک لوٹ کر مالِ رہن کو اپنے قبضہ میں لینے کا حق ہے، اسی طرح بیع الوفاء میں بھی مالک کے قبضہ میں پہنچ جانے کے بعد مشتری اول کو اپنے ثمن کے وصول ہونے تک مالک سے مالِ مبیع اپنے قبضہ میں لینے کا حق ہے۔ (بزازیہ زکریا جدید ا/ ۲۵۱، وعلی ہامش الہندیۃ ۴/ ۴۰۶، شامی زکریا ۷/ ۵۴۸، کراچی ۵/ ۲۷۸)

ان تمام نظائر کی وجہ سے ان حضرات نے اس کو رہن کے اصول وضابطہ کے دائرہ میں داخل کردیا ہے، اوران لوگوں کی رائے کے مطابق مشتری بائع کی اجازت کے بغیر مالِ مبیع سے کوئی فائدہ اٹھا نہیں سکتا۔ جوحسبِ ذیل عبارت سے واضح ہوتا ہے، ملاحظہ فرمایئے:

قَالَ أَكْثَرُ الْمَشَايِخِ مِنْهُمُ السَّيِّدُ الإِمَامُ أَبُوْ شُجَاعٍ وَالْقَاضِيُ الإِمَامُ أَبُو الْحَسَنِ عَلِي السُّغْدِيُ، حُكْمُهُ حُكْمُ الرَّهْنِ لا يَمْلِكُهُ الْمُشْتَرِيُ وَيَضْمَنُهُ الْمُشْتَرِيُ بِالأَكْلِ مِنْ ثَمَرِهٖ وَلَا يُبَاحُ لَهُ الْاِنْتِفَاعُ وَلَا الْأَكْلُ إِلَّا بِإِبَاحَةِ الْمَالِكِ وَيَسْقُطُ الدَّيْنُ بِهَلَاكِهٖ إِذَا كَانَ بِهٖ وَفَاءً بِالدَّيْنِ وَلَا يَضْمَنُ الزِّيَادَةَ إِذَا هَلَكَ لَا بِصُنْعِهٖ

اکثر مشائخ نے کہا جن میں سید امام ابوشجاع اور قاضی امام ابوالحسن علی السغدی وغیرہ ہیں کہ اس بیع کا حکم رہن کے حکم کی طرح ہے، اس میں مشتری مبیع کا مالک نہیں ہوگا اور اس کے پھل کھانے کی وجہ سے مشتری اس کا ضامن ہوجائے گا، اور مشتری کے لئے مبیع سے انتفاع مباح نہیں ہے، اور نہ ہی اس میں سے کچھ کھانا جائز ہے، مگر مالک کی اجازت سے جائز ہے اور مبیع کی ہلاکت کی وجہ سے دین ساقط ہوجائے گا، جب مبیع دین کے

وَلِلْبَائِعِ أَنْ يَّسْتَرِدَّ إِذَا قَضَى الدَّيْنَ. (فتاویٰ قاضي خان جديد زكريا ٢/ ٩٩، وعلى هامش الهندية ١٦٥/٢، تبيين الحقائق إمداديه ملتان ٥/ ١٨٣، زكريا ٦/ ٢٣٧)

برابر ہو، اور زیادہ کا تاوان لازم نہیں ہوگا، جب مشتری کی تعدی اور لاپرواہی کے بغیر ہلاک ہوجائے اور بائع کو مبیع واپس لینے کا حق ہوگا جب دین ادا کردے۔

اور الجامع الوجیز میں حافظ الدین بزازیؒ نے ائمہ خوارزم کی رائے کو ان الفاظ کے ساتھ نقل فرمایا ہے، ملاحظہ فرمایئے:

وَاخْتَارَهُ أَئِمَّةُ خَوَارِزْمَ أَنَّهُ إِذَا أُطْلِقَ الْبَيْعُ لٰكِنْ وَكَّلَ الْمُشْتَرِيْ وَكِيْلاً بِفَسْخِ الْبَيْعِ إِذَا أَحْضَرَ الْبَائِعُ الثَّمَنَ أَوْ عَهِدَ عَلٰى أَنَّهُ إِذَا أَوْفَاهُ فَسَخَ الْبَيْعُ وَالثَّمَنُ لَا يُعَادِلُ الْمَبِيْعَ وَفِيْهِ غَبَنٌ فَاحِشٌ أَوْ وَضَعَ الْمُشْتَرِيْ عَلٰى أَصْلِ الْمَالِ رِبْحاً بِأَنْ وَضَعَ عَلٰى مِائَةِ عِشْرِيْنَ دِيْنَاراً فَرَهَنَ (إِلٰى قَوْلِهِ) وَاخْتَارَ خَاتَمُ الْمُجْتَهِدِيْنَ مَوْلَانَا سَيْفُ الدِّيْنِ الْعَصَبَةُ أَنَّهُ رَهْنٌ. (بزازية، زكريا جديد ١/ ٢٥١، على هامش الهندية ٤٠٧/٤)

جس کو ائمہ خوارزم نے اختیار فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ جب بیع کو مطلق رکھا جائے؛ لیکن جب بائع ثمن لے کر کے حاضر ہوجائے تو مشتری بیع کو فسخ کرنے کے لئے کسی کو وکیل بنادے یا بیع مطلق کے بعد اس بات پر معاہدہ ہوجائے کہ جب بائع ثمن لاکر پیش کردے گا تو عقد بیع خود بخود فسخ ہوجائے گا اور ثمن مبیع کے برابر نہ ہو اور اس میں غبن فاحش ہو یا مشتری عقد کے بعد اصل مال پر نفع کی شرط لگادے مثلاً ہر سو دینار پر بیس دینار نفع کا رہے گا، تو ان تمام صورتوں میں یہ عقد رہن کے حکم میں ہوگا، اور خاتم المجتہدین مولانا سیف الدین عصبہ نے اسی کو اختیار فرمایا ہے کہ وہ رہن ہی ہوگا۔

فریقِ خامس بیع المکرّہ کے حکم کے قائلین

مشائخ بخاریٰ میں سے امام صدر الشہید حسام الدین اور امام صدر السعید تاج الدین امام علاء الدین بدر اور صاحبِ ہدایہ وغیرہ فرماتے ہیں کہ بیع الوفاء بیع مکرہ کے اصول وضوابط کے دائرہ میں داخل ہوگی اور اس کو بیع فاسد قرار دینا صحیح نہیں ہے جیسا کہ امام ظہیر الدین بخاریؒ نے اس کو بیع فاسد بھی تسلیم کیا اور بیع مکرہ کے درجہ میں بھی قرار دیا جو کہ درست نہیں ہے؛ بلکہ بیع مکرہ کے اصول وضوابط کے دائرہ میں داخل کرنا زیادہ صحیح ہے، امام زیلعیؒ نے تبیین الحقائق میں امام ظہیر الدین بخاریؒ کو بیع مکرہ کے قائلین کی فہرست میں شمار فرمایا ہے، حالاں کہ وہ بیع فاسد کے قائلین کی فہرست میں شامل ہیں، اسی وجہ سے بزازیہ میں اس بات کو صاف واضح کر دیا گیا ہے کہ بیع الوفاء بیع مکرہ کے اصول وضابطہ کے دائرہ میں داخل ہے، اس لئے بیع الوفاء بیع مکرہ کی طرح ہوگی۔

اور بیع فاسد کے اصول وضوابط میں داخل نہیں ہے؛ لہٰذا بیع الوفاء کا حکم بیع فاسد کی طرح نہیں ہوگا؛ بلکہ بیع مکرہ کی طرح ہوگا اور امام ظہیر الدین بخاری نے دونوں کو مخلوط کر دیا ہے، اور امام علاء الدین بدرؒ فرماتے ہیں کہ جنہوں نے دونوں کو مخلوط کر دیا ہے وہ درست نہیں ہے؛ اس لئے کہ دونوں کے شرائط وضوابط الگ الگ ہیں؛ لہٰذا بیع الوفاء واجب الاسترداد ہونے میں بیع مکرہ کی طرح ہوگی، بیع فاسد کی طرح نہیں۔ فقہاء کی عبارات ملاحظہ فرمایئے:

وَمِنْ مَشَايِخِ بُخَارىٰ مَنْ جَعَلَ بَيْعَ الْوَفَاءِ كَبَيْعِ الْمُكْرَهِ مِنْهُمْ الإِمَامُ ظَهِيْرُ الدِّيْنِ وَالصَّدْرُ الشَّهِيْدُ حُسَامُ الدِّيْنِ وَالصَّدْرُ السَّعِيْدُ تَاجُ الاسْلَامِ وَصُوْرَتُهٗ

مشائخ بخاریٰ میں سے جنہوں نے بیع الوفاء کو بیع مکرہ کی طرح قرار دیا ہے ان میں سے امام ظہیر الدینؒ اور صدر الشہید حسام الدینؒ اور امام صدر السعید تاج الاسلامؒ (وغیرہ) ہیں، اور اس کی صورت یہ ہے کہ بائع مشتری سے

أَنْ يَّقُوْلَ الْبَائِعُ لِلْمُشْتَرِيْ بِعْتُ مِنْكَ هٰذَا الْعَيْنَ بِدَيْنٍ لَكَ عَلَيَّ عَلٰى أَنِّيْ مَتٰى قَضَيْتُ الدَّيْنَ فَهُوَ لِيْ فَجَعَلُوْهُ فَاسِداً بِاعْتِبَارِ شَرْطِ الْفَسْخِ عِنْدَ الْقُدْرَةِ عَلٰى إِيْفَاءِ الدَّيْنِ يُفِيْدُ الْمِلْكَ وَعِنْدَ اتِّصَالِ الْقَبْضِ بِهٖ وَيُنْقَضُ بَيْعُ الْمُشْتَرِيْ كَبَيْعِ الْمُكْرَهِ لِأَنَّ الْفَسَادَ بِاعْتِبَارِ عَدَمِ الرِّضَا فَكَانَ حُكْمُهٗ حُكْمُ بَيْعِ الْمُكْرَهِ فِيْ جَمِيْعِ مَا ذَكَرْنَا. (تبيين الحقائق، إمدادية ملتان ٥/١٨٣، زكريا ٦/ ٢٣٧)

کہے کہ یہ چیز میں نے تمہارے ہاتھ تمہارے دین کے بدلہ میں بیچ دی ہے اس شرط پر کہ جب میں تمہارا قرض ادا کردوں گا تو وہ چیز میری ہوجائے گی، تو ان حضرات نے اس عقد کو دین کی ادائیگی پر قدرت کے وقت فسخ عقد کی شرط کا اعتبار کرتے ہوئے عقد فاسد قرار دیا ہے، جو اتصالِ قبضہ کے وقت ملکیت کا فائدہ دیتا ہے اور دوسرے کے ہاتھ مشتری کی بیع ٹوٹ جایا کرے گی جیسا کہ مکرہ کی بیع ٹوٹ جاتی ہے؛ اس لئے کہ عدمِ رضا کی وجہ سے اس میں فساد آیا ہے؛ لہٰذا بیع الوفاء کا حکم بیع مکرہ کے حکم میں ہوگا، ان تمام امور میں جو ہم نے ذکر کئے ہیں۔

اور اس حکم کو امام حافظ الدین بزازی نے ان الفاظ کے ساتھ نقل فرمایا ہے:

أَجَابَ عَلاءُ الدِّيْنِ بَدْرٌ أَنَّهٗ لَا يَصِحُّ وَعَلٰى هٰذَا اخْتِيَارُ صَاحِبُ الْهِدَايَةِ وَأَوْلَادِهٖ وَمَشَائِخُ زَمَانِنَا وَعَلَيْهِ الْفَتْوٰى أَعْنِيْ لَا يَمْلِكُ الْمُشْتَرِيْ الْبَيْعَ مِنَ الْغَيْرِ كَمَا فِيْ بَيْعِ

امام علاء الدین بدر نے اس طرح سے جواب دیا ہے کہ یہ بیع صحیح نہیں ہے اور اسی کو صاحب ہدایہ اور ان کی اولاد اور ہمارے زمانہ کے مشائخ نے اختیار کیا ہے، اور اسی پر فتویٰ ہے یعنی مشتری دوسرے کے ہاتھ بیچنے کا مالک نہیں ہے۔ یہ ایسا ہے جیسا کہ بیع مکرہ میں

الْمُکْرَهِ لَا الْبَیْعِ الْفَاسِدِ بَعْدَ الْقَبْضِ. (بزازیه، زکریا جدید ١/ ٢٥١، وعلی هامش الهندیة ٤٠٨/٤)

ہوتا ہے اور ایسا نہیں ہے جیسا کہ بیع فاسد میں قبضہ کے بعد ہوتا ہے۔

فریقِ سادس بیع اور رہن سے مرکب کے قائلین

امام فخر الدین زاہد وغیرہ نے اس عقد کو من وجہٍ بیع صحیح اور من وجہٍ رہن تسلیم کیا ہے، یعنی صلب عقد میں جب شرط کا ذکر نہ ہو تو مشتری کے حق میں بیع صحیح ہے اور مبیع کی آمدنی کا مشتری مالک ہوا کرے گا اور بائع کے حق میں یہ عقد رہن ہوگا اس لئے مشتری مبیع کے قبضہ اور اس کی ملکیت کو منتقل نہیں کرسکتا، نہ دوسرے کو بطورِ ہدیہ دے سکتا ہے اور نہ ہی دوسرے کو فروخت کرسکتا ہے، اور نہ ہی دوسرے کے ہاتھ میں رہن کے طور پر رکھ سکتا ہے اور جب بائع ثمن واپس کردے گا تو مشتری کو مبیع کی واپسی پر مجبور کیا جائے گا؛ لہٰذا بیع الوفاء من وجہٍ بیع صحیح کے اصول وضوابط کے دائرہ میں داخل ہوکر جائز ہوجائے گی اور من وجہٍ رہن کے اصول وضوابط کے دائرہ میں داخل ہوکر جائز ہوجائے گی، اور اس عقد کو زرافہ کی طرح دو چیزوں سے مرکب مانا جائے گا جیسا کہ زرافہ گردن کے اعتبار سے اونٹ کی طرح ہے اور پیروں کے اعتبار سے گائے اور بیل کی طرح ہے، اسی طرح اس عقد کا حال ہے کہ مشتری مبیع کی آمدنی کا مالک ہوجاتا ہے اور مشتری مبیع سے ہر طرح کا نفع اٹھا سکتا ہے، تو اس اعتبار سے بیع صحیح ہے اور دوسرے کے ہاتھ میں قبضہ کو منتقل نہیں کرسکتا اور دوسرے کو مالک نہیں بنا سکتا، اور ثمن کی واپسی پر مبیع کی واپسی لازم ہوجاتی ہے تو اس اعتبار سے یہ عقد رہن کی طرح ہے۔ فقہاء کی عبارت ملاحظہ فرمایئے:

اَلْقَوْلُ السَّادِسُ مَا اخْتَارَهُ الْبَعْضُ وَاخْتَارَهُ الْإِمَامُ الزَّاهِدُ أَنَّ الشَّرْطَ إِذَا لَمْ يُذْكَرْ فِي

قولِ سادس وہ ہے جس کو بعض فقہاء نے اختیار فرمایا ہے اسی کو فخر الدین زاہد نے پسند فرمایا ہے بایں طور پر کہ جب عقد بیع کے اندر

الْبَيْعِ نَجْعَلَهُ صَحِيْحاً فِيْ حَقِّ الْمُشْتَرِيْ حَتّٰى مَلَكَ الْأَنْزَالَ وَرَهْناً فِيْ حَقِّ الْبَائِعِ فَلَمْ يَمْلِكِ الْمُشْتَرِيْ تَحْوِيْلَ يَدِهٖ وَمَلَكَهٗ إِلٰى غَيْرِهٖ وَأُجْبِرَ عَلَى الرَّدِّ إِذَا أَحْضَرَ الدَّيْنَ لِأَنَّهٗ كَالزِّرَافَةِ مُرَكَّبٌ مِنَ الْبَيْعِ وَالرَّهْنِ. (فتاوى بزازيه، زكريا جديد ١/ ٢٥١، وعلى هامش الهندية ٤/ ٤٠٨)

شرط کا ذکر نہ کیا ہوتو اس کو مشتری کے حق میں بیع صحیح قرار دیں گے؛ تاکہ مشتری مبیع کی آمدنی کا مالک ہوجائے اور بائع کے حق میں رہن قرار دیں گے؛ تاکہ مشتری مبیع پر قبضہ کرکے مبیع کی ملکیت کو دوسرے کی طرف منتقل کرنے کا مالک نہ ہوجائے اور مشتری کو مبیع کی واپسی پر مجبور کیا جائے گا جب بائع دین ثمن لاکر پیش کردے؛ اس لئے کہ یہ عقد زرافہ کی طرح بیع اور رہن سے مرکب ہے۔

فریقِ سابع بیعِ صحیح اور بیعِ فاسد اور رہن تینوں سے مرکب کے قائلین

امام حافظ الدین بزازی وغیرہ فرماتے ہیں کہ بیع الوفاء کے اندر تین صفتیں موجود ہیں:

(۱) یہ بیع بیع تلجئہ کے مشابہ ہے، بیع تلجئہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بیع صحیح ہے اور صاحبین کے نزدیک صحیح نہیں ہے؛ لہٰذا امام ابوحنیفہؒ کے قول پر عمل کرتے ہوئے اس کے اوپر بیع صحیح کا حکم لگادیا جائے گا؛ لہٰذا مشتری اس عقد کی مبیع سے فائدہ اٹھاسکتا ہے، اور حضراتِ صاحبینؒ کے قول پر عمل کرتے ہوئے اس کے بعض احکام کے اعتبار سے اس کے اوپر بیع فاسد کا حکم لگادیا جائے گا کہ جس طریقہ سے مقتضائے عقد کے خلاف شرط کی وجہ سے بیع فاسد ہوجاتی ہے اسی طرح اس عقد کے اندر بھی واپسی کی شرط بیع فاسد کے اصول کے مطابق شرط فاسد ہے، اور ان لوگوں کے قول پر عمل کرتے ہوئے جنہوں نے بیع الوفاء کو رہن کی طرح قرار دیا ہے اس کے اوپر رہن کا حکم لگادیا جائے گا کہ جس طریقہ سے مرتہن کو مالِ رہن دوسرے کے قبضہ میں دینے اور

دوسرے کو مالک بنانے کا حق نہیں ہوتا ہے، اسی طرح اس عقد کے اندر مشتری کو دوسرے کی ملکیت میں دینے کا حق نہیں ہے، اس لئے اس کے اوپر معاملہ رہن کا حکم لگا دیا جائے گا؛ لہٰذا بیع الوفاء تین قسم کے عقود سے مرکب ہے، بیع صحیح اور بیع فاسد اور رہن ان تینوں سے مرکب ہے، جیسا کہ ایک جانور جس کا نام زرافہ ہے تین قسم کے جانوروں کی صفتوں کے ساتھ وہ جانور متصف ہے کہ گردن کو دیکھا جائے تو اس کے اندر اونٹ کی صفت ہے اور پیروں کو دیکھا جائے تو اس کے اندر گائے اور بیل کی صفت ہے اور رنگ کو دیکھا جائے تو اس کے اندر چیتے کی صفت ہے تو جس طرح ایک جانور تین قسم کے جانوروں کی صفات کے ساتھ متصف ہو کر وجود میں آیا ہے اور اس طرح کا جانور وجود میں آنا صحیح اور درست ہے، اسی طرح بیع الوفاء بھی تین قسم کے عقود کی صفتوں کے ساتھ متصف ہو کر وجود میں آئی ہے۔ اور وجود میں آنا درست ہے اور اسی وجہ سے اس کو عقد صحیح اور عقد جائز ہی قرار دیا جائے گا اور جب اس عقد کے اندر یہ تینوں صفتیں موجود ہیں تو ان تینوں میں سے کس کو ترجیح دی جائے؟ تو بزازیہ میں ہے کہ بیع صحیح کے پہلو کو ترجیح دینا زیادہ بہتر اور اولیٰ ہے؛ اس لئے کہ اس کو بیع صحیح قرار دینے میں امام ابوحنیفہؒ کے قول کو ترجیح دینا ثابت ہوتا ہے، اور صاحب مذہب کے قول کو ترجیح دینا زیادہ اولیٰ اور بہتر ہوا کرتا ہے۔ عربی عبارت ملاحظہ فرمایئے:

قُلْتُ هٰذَا الْعَقْدُ مُرَكَّبٌ مِنَ الْعُقُوْدِ الثَّلاثَةِ كَالزِّرَافَةِ فِيْهَا صِفَةُ الْبَعِيْرِ وَالْبَقَرِ وَالنَّمِرِ جَوَّزَ لِحَاجَةِ النَّاسِ إِلَيْهِ بِشَرْطِ سَلامَةِ الْبَدَلَيْنِ لِصَاحِبِهِمَا (إلٰى قَوْلِهِ) لِأَنَّهُ يُشْبِهُ بَيْعَ التَّلْجِئَةِ	میں کہتا ہوں یہ عقد عقودِ ثلاثہ سے مرکب ہے جیسا کہ زرافہ اس میں اونٹ، بیل اور چیتے کی صفت ہوتی ہے، اس کی طرف لوگوں کی ضرورت کی وجہ سے اس عقد کو جائز قرار دیا گیا ہے، متعاقدین کے لئے بدل کی سلامتی کی شرط کے ساتھ اور مصنف کا قول اس لئے کہ یہ عقد بیع تلجئہ کے مشابہ ہے، اور بے شک بیع

وَإِنَّهُ صَحِيْحٌ عِنْدَهُ لَا عِنْدَهُمَا فَأُعْطِيَ لَهُ حُكْمُ الصَّحِيْحِ عَمَلاً بِقَوْلِهِ وَحُكْمُ الْفَاسِدِ فِيْ بَعْضِ الْأَحْكَامِ عَمَلاً بِقَوْلِهِمَا وَحُكْمُ الرَّهْنِ فِيْ بَعْضِ الْأَحْكَامِ عَمَلاً بِقَوْلِ النَّاسِ كَمَا ذَكَرْنَاهُ فِيْمَا تَقَدَّمَ وَإِذَا وَقَعَ التَّرَدُّدُ فِيْ إِلْحَاقِهِ بِالْفَاسِدِ أَوِ الصَّحِيْحِ فَإِلْحَاقُهُ بِالصَّحِيْحِ أَوْلىٰ تَقْلِيْلاً لِلْفَسَادِ وَتَرْجِيْحاً لِقَوْلِ الإِمَامِ فَيُعْتَبَرُ الْمَذْكُوْرُ ثَمَناً لَا الْمَأْخُوْذُ. (فتاویٰ بزازية، زكريا جديد ١/ ٢٥٢، وعلى هامش الهندية ٤/ ٤١٠، البحر الرائق كوئٹه ٦/ ١٢)

ترجمہ: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک صحیح ہے، صاحبین کے نزدیک صحیح نہیں؛ لہٰذا امام صاحب کے قول پر عمل کرتے ہوئے اس کو بیع صحیح کا حکم دیا جائے گا اور صاحبین کے قول پر عمل کرتے ہوئے بعض احکام میں بیع فاسد کا حکم دیا جائے گا اور دوسرے لوگوں کے قول پر عمل کرتے ہوئے بعض احکام میں رہن کا حکم دیا جائے گا جیسا کہ ماقبل میں دوسرے کا قول ہم نے ذکر کردیا ہے اور جب اس کو بیع فاسد یا بیع صحیح کے ساتھ لاحق کرنے میں تردد واقع ہوگیا تو اس کو بیع صحیح کے ساتھ لاحق کرنا زیادہ بہتر ہوگا فساد کی کمی کو ثابت کرنے کے لئے اور امام ابوحنیفہؒ کے قول کو ترجیح دینے کے لئے؛ لہٰذا ذکر کی گئی چیز کو ثمن قرار دیا جائے گا نہ کہ ماخوذ اور مقبوض کو۔

مبیع کو کرایہ پر دینے کا حکم

بیع الوفاء میں مشتری مبیع کو کرایہ پر دے کر اس کی آمدنی حاصل کرسکتا ہے یا نہیں؟ تو اس سلسلہ میں یہ بات خوب ذہن نشین کرنے کی ضرورت ہے کہ بیع الوفاء کے بارے میں فقہاء

کے درمیان کافی اختلاف واقع ہو چکا ہے، جس کو ہم نے اس مقالہ کے اندر واضح کر دیا ہے کہ بعض فقہاء نے بیع الوفاء کو رہن کے درجہ میں قرار دیا ہے اور بعض فقہاء نے بیع فاسد کے درجہ میں قرار دیا ہے اور بعض فقہاء نے بیع مکرہ کے درجہ میں قرار دیا ہے۔ اور ظاہر بات ہے کہ ان تمام صورتوں میں مشتری کی ملکیت نہیں ہو سکتی، اسی کی جانب علاء الدین حصکفیؒ اور علامہ شامیؒ کا رجحان ہے۔

اور اس کے برخلاف بعض فقہاء نے بیع الوفاء کو بیع صحیح کے درجہ میں قرار دیا ہے اور بعض فقہاء نے بیع صحیح اور رہن سے مرکب عقد قرار دیا ہے، اور ساتھ میں یہ فرمایا ہے کہ مشتری کے حق میں بیع صحیح ہے اسی لئے مشتری مبیع کی آمدنی اور پیداوار کا مالک ہو جائے گا اور بائع کے حق میں رہن ہے اس لئے مشتری مبیع کو بیچنے اور دوسرے کے ہاتھ رہن رکھنے کا مجاز نہ ہوگا، اور بعض فقہاء نے بیع صحیح اور رہن اور بیع فاسد تینوں سے مرکب زَرافہ کی طرح الگ سے ایک عقد تسلیم کیا ہے، اور بعض فقہاء نے تعاملِ ناس اور لوگوں کی ضرورت کی وجہ سے اس کو بیع صحیح کے درجہ میں قرار دیا ہے، ان تمام فقہاء کے قول کے مطابق بیع الوفاء صحیح اور جائز عقد ہے؛ لہٰذا ان سب حضرات کے نزدیک مشتری کے لئے مبیع سے فائدہ اٹھانے اور مبیع کے ذریعہ سے آمدنی حاصل کرنے کا حق ہے اور آمدنی کا ایک ذریعہ اجارہ اور کرایہ پر دینا بھی ہے، اس لئے ان تمام فقہاء کے نزدیک مشتری کے لئے مبیع کو بائع کے ہاتھ یا کسی دوسرے کے ہاتھ کرایہ پر دینا جائز ہے؛ لہٰذا اگر کھیتی کی زمین ہے تو مشتری اس زمین کو خود بائع کے ہاتھ میں یا کسی دوسرے کے ہاتھ میں کرایہ یا بٹائی پر دے کر نفع حاصل کر سکتا ہے، اور اگر عمارت ہے اس کو بھی کرایہ پر دے کر آمدنی حاصل کر سکتا ہے، اور متأخرین کا فتویٰ اسی پر جاری ہو چکا ہے کہ آمدنی مشتری کی ملکیت ہوگی؛ لہٰذا راجح یہی ہوگا کہ مبیع کو کرایہ پر دے کر اجرت حاصل کرنا مشتری کے لئے اس وقت تک جائز ہوگا جب تک بائع

ثمن دے کر مبیع کو واپس نہ لے گا، اس کو حضراتِ فقہاء نے اس طرح کے الفاظ سے نقل فرمایا ہے۔ عبارت ملاحظہ فرمایئے:

وَإِنْ آجرَ الْمَبِيْعَ وَفَاءً مِنَ الْبَائِعِ مِمَّنْ جَعَلَهُ فَاسِداً قَالَ لَا تَصِحُّ الإِجَارَةُ (إِلٰى قَوْلِهٖ) وَمَنْ جَعَلَهُ رَهْناً كَذٰلِكَ لَمْ يَلْزَمِ الْبَائِعَ الْأَجْرُ، وَمَنْ أَجَازَهُ جَوَّزَ الإِجَارَةَ مِنَ الْبَائِعِ وَغَيْرِهٖ وَأَوْجَبَ الْأَجْرَ. (فتاویٰ بزازیه، زکریا جدید ۱/۲۵۳، علی الهندیة ٤/٤١٣، شامی زکریا ۷/٥٤٨، کراچی ٥/٢٧٨)

اور اگر مبیع کو بیع الوفاء میں بائع کے ہاتھ اجرت پر دیا ہے تو جن لوگوں نے اس کو بیع فاسد قرار دیا ہے تو انہوں نے کہا کہ اجارہ صحیح نہیں ہوگا اور جنہوں نے رہن قرار دیا ہے ان کے نزدیک ایسے ہی اجارہ صحیح نہ ہوگا اور بائع پر اجرت لازم نہ ہوگی اور جن لوگوں نے بیع الوفاء کو بیع صحیح قرار دیا ہے ان لوگوں نے مبیع کو بائع کے ہاتھ اور اس کے علاوہ کسی دوسرے کے ہاتھ میں کرایہ پر دینے کو بھی جائز قرار دیا ہے، اور اجرت بھی لازم ہو جائے گی۔

(وَقَوْلُهُ) وَذُكِرَ فِيْ الإِيْضَاحِ أَنَّ كُلَّ مَا يَصِحُّ بَيْعُهُ قَبْلَ قَبْضِهٖ تَجُوْزُ إِجَارَتُهُ وَمَا لَا فَلَا وَبَيْعُ الْعَقَارِ قَبْلَ الْقَبْضِ جَائِزٌ فَكَذٰلِكَ إِجَارَتُهُ. (فتاویٰ بزازیه، زکریا جدید ۱/۲۵۳، وعلی هامش الهندیة ٤/٤١٣)

اور ایضاح میں اس بات کا ذکر کیا گیا ہے کہ ہر وہ شئ جس کو قبضہ سے پہلے بیچنا جائز ہے اس کو اجارہ پر دینا بھی جائز ہے اور جس کو قبل القبض بیچنا صحیح نہیں اس کو اجارہ پر دینا بھی صحیح نہیں ہے اور عقار کی بیع قبضہ سے پہلے جائز ہے؛ لہٰذا اس کو کرایہ پر دینا بھی جائز ہو جائے گا۔

بیع الوفاء میں مبیع کی آمدنی کا حق دار کون؟

جب لوگوں کی ضرورت اور تعاملِ ناس کی وجہ سے بیع الوفاء کو جائز قرار دیا گیا ہے تو مشتری کے لئے مبیع کی واپسی تک اس سے فائدہ اٹھانے کا حق حاصل ہے اور مبیع سے جو آمدنی پیدا ہوگی وہ آمدنی بھی مشتری کی ملکیت میں ہوگی؛ لہٰذا اگر مبیع کے ذریعہ سے کچھ آمدنی حاصل ہوجائے یا مبیع عقار ہے اور کھیتی کی زمین ہے اس میں سے پیداوار حاصل ہوجائے تو وہ ساری کی ساری مشتری کی ملکیت میں ہوگی؛ لہٰذا اگر آمدنی اور پیداوار ضائع ہوجائے یا مشتری نے ضائع کردیا ہے تو اس کا تاوان بائع کے لئے مشتری پر لازم نہیں ہوگا، یہی فقہاء کا آخری قول ہے اور صاحبِ ہدایہ اور ان کی اولاد اور اس زمانہ کے مشائخ کا فتویٰ اسی پر جاری ہو چکا ہے۔ عبارت ملاحظہ فرمایئے:

اَلَّذِیْ اسْتَقَرَّ عَلَیْهِ فَتْوٰی صَاحِبِ الْهِدَایَةِ وَأَوْلَادِهٖ وَمَشَایِخِ الْعَهْدِ أَنَّ الْمِلْکَ یَثْبُتُ لِلْمُشْتَرِیْ فِیْ زَوَائِدِهٖ وَلَا یَضْمَنُهٗ بِالْإِتْلَافِ. (فتاویٰ بزازیه، زکریا جدید ۱/ ۲۵۲، وعلی هامش الهندیة ٤/ ٤١٠)

جس کے اوپر صاحب ہدایہ اور ان کی اولاد اور اس زمانہ کے مشائخ کا فتویٰ مسلسل جاری ہو چکا ہے وہ یہی ہے کہ بیع الوفاء میں مبیع کی پیداوار اور آمدنی میں مشتری کی ملکیت ثابت ہوجائے گی اور آمدنی کو ضائع اور ہلاک کردینے سے مشتری بائع کے لئے ضامن نہیں ہوگا۔

بیع الوفاء میں مبیع کے نقصان کی تلافی

اگر بیع الوفاء میں مشتری کے یہاں مبیع ہلاک ہوجائے تو ثمن کی ادائیگی ساقط ہوجاتی ہے؛ لیکن اگر مبیع ہلاک تو نہیں ہوئی ہے؛ لیکن اس میں نقصان آجائے تو اس نقصان کی تلافی کی کیا

شکل ہے؟ تواس سلسلہ میں شرعی حکم یہ ہے کہ مبیع میں جتنا نقصان ہوا، دینِ ثمن میں سے اتنا مجریٰ ہوکر ساقط ہوجائے گا، مثال کے طور پر ایک ہزار روپیہ لے کر کے مبیع مشتری کے قبضہ میں دی گئی ہے اور مبیع کی قیمت پندرہ سو روپیہ ہے اور مبیع میں پانچ سو روپیہ قیمت کا نقصان ہوجائے تو ثمن میں سے پانچ سو روپیہ کی ادائیگی ساقط ہوجائے گی، اس کو حضراتِ فقہاء نے اس طرح کے الفاظ سے نقل فرمایا ہے، ملاحظہ ہو:

وَالَّذِیْ اسْتَقَرَّ عَلَیْهِ فَتْوَیٰ الْأَئِمَّةِ وَالْأَسَاتِذَةِ فِیْ مَسْئَلَةِ نُقْصَانِ الْمَبِیْعِ وَفَاءً سُقُوْطُ حِصَّةِ النُّقْصَانِ مِنْ مَالِ الْوَفَاءِ وَهُوَ الثَّمَنُ وَیُقَسَّمُ مَالُ الْوَفَاءِ عَلٰی قِیْمَةِ الْبَاقِیْ وَالْهَالِکِ فَیَسْقُطُ قِسْطُ الْهَالِکِ وَیَبْقٰی حِصَّةُ الْبَاقِیْ بَیَانُهٗ اشْتَرٰی دَاراً بِالْوَفَاءِ قِیْمَتُهَا تُسَاوِیْ أَلْفاً بِمِائَةٍ فَخَرِبَتُ الدَّارُ حَتّٰی صَارَتِ الْقِیْمَةُ خَمْسَ مِائَةٍ تَسْقُطُ مِنَ الثَّمَنِ خَمْسُوْنَ.

(فتاویٰ بزازیه، زکریا جدید ١/ ٢٥٣، وعلی هامش الهندیة ٤/٢ ٤١)

بیع الوفاء میں مبیع کے نقصان کے مسئلہ میں اساتذہ اور ائمہ کا فتویٰ اس بات پر جاری ہوچکا ہے کہ مالِ وفاء یعنی ثمن میں سے نقصان کا حصہ ساقط ہوجائے گا اور ثمن وفاء مبیع کی باقی قیمت پر اور مبیع کے ہلاک شدہ پر تقسیم ہوجائے گا؛ لہٰذا ہلاک شدہ کا حصہ بائع کے اوپر سے ادا کرنا ساقط ہوجائے گا اور باقی کا حصہ باقی رہے گا، اس کی وضاحت یوں ہے کہ بیع الوفاء کے طور پر ایک مکان خریدا ہو جس کی قیمت ایک ہزار روپیہ کے برابر ہے اس کو سو روپیہ میں خریدا ہے پھر مکان منہدم ہوجائے یہاں تک کہ اس کی قیمت پانچ سو روپیہ رہ جائے تو ثمن میں سے پچاس روپیہ ساقط ہوجائیں گے۔

بیع الوفاء میں ثمن کی زکوٰۃ کون ادا کرے؟

یہاں یہ مسئلہ بھی اہمیت کا حامل ہے کہ مشتری کے قبضہ میں مبیع ہوتی ہے اور بائع کے قبضہ میں ثمن ہوتا ہے اور مبیع چوں کہ مالِ نمو نہیں ہوتی ہے، اس لئے مبیع کی زکوٰۃ لازم نہیں ہوتی؛ لیکن ثمن مالِ نمو ہوتا ہے، اسی لئے اس کے اوپر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے اور یہ مال فی الحال بائع کے قبضہ اور ملکیت میں ہے، اس اعتبار سے اس کی زکوٰۃ ادا کرنا بائع کے اوپر لازم ہوگا اور مشتری کے اوپر اس لئے اس کی زکوٰۃ ادا کرنا لازم ہے کہ اس نے ثمن کے بدل پر قبضہ کر رکھا ہے جس کی وجہ سے ثمن در پردہ اس کی ملکیت ہے اس لئے مشتری پر بھی اس کی زکوٰۃ ادا کرنا لازم ہوجائے گا ، اور چوں کہ عقود وفسوخ میں یعنی عقد کے منعقد ہونے میں اور عقد کے فسخ ہوجانے میں نقود متعین نہیں ہوتے ہیں، اس لئے یہ نہیں کہا جائے گا کہ ایک مالِ متعین کی زکوٰۃ دو آدمیوں پر لازم آرہی ہے؛ بلکہ لاعلی التعیین اتنے مال کی زکوٰۃ بائع کے اوپر بھی لازم ہے اور مشتری کے اوپر بھی لازم ہے جو فقہاء کی اس طرح کی عبارات سے واضح ہوتا ہے۔

وَزَكوٰةُ مَالِ الْوَفَاءِ عَلَى الْبَائِعِ لِأَنَّهُ مِلْكُهُ بِالْقَبْضِ وَعَلَى الْمُشْتَرِىْ أَيْضاً لِأَنَّهُ يُعَدُّ مَالاً لَهُ مَوْضُوْعاً عِنْدَ الْبَائِعِ لَيْسَ فِيْهِ زَكوٰةُ مَالٍ عَلٰى رَجُلَيْنِ لِأَنَّ النُّقُوْدَ لَا تَتَعَيَّنُ فِى الْعُقُوْدِ وَالْفُسُوْخِ وَعَلَيْهِ صَاحِبُ الْهِدَايَةِ وَالإِمَامُ الْبَزْدَوِىُّ.

(فتاویٰ بزازیہ، زکریا جدید ۱/ ۲۵۳، وعلی هامش الهندية ٤/ ٤١٢)

بیع الوفاء کے مال ثمن کی زکوٰۃ بائع کے اوپر اس وجہ سے لازم ہوگی کہ قبضہ کی وجہ سے بائع اس کا مالک ہو چکا ہے اور مشتری کے اوپر بھی اس لئے واجب ہے کہ وہ مشتری ہی کا مال شمار ہوتا ہے جو بائع کے یہاں رکھا ہوا ہے اور اس میں ایک متعین مال کی زکوٰۃ کا ادا کرنا دو آدمیوں پر اس لئے لازم نہیں آتا ہے کہ عقود وفسوخ میں نقود یعنی ثمن متعین نہیں ہوا کرتا ہے، یہی صاحب ہدایہ اور امام بزدوی کی رائے ہے۔

بائع اور مشتری کا اختلاف

اگر بائع اور مشتری کے درمیان اس طرح اختلاف ہوجائے کہ دونوں میں سے ایک اس بات کا دعویٰ کرتا ہے کہ بیع قطعی ہوچکی ہے واپسی اور استرداد کا کوئی مسئلہ نہیں اور دوسرا اس بات کا دعویٰ کرتا ہے کہ بیع قطعی نہیں ہوئی؛ بلکہ بیع الوفاء کے طور پر عقد ہوا ہے؛ لہٰذا ثمن کی واپسی پر مبیع کا استرداد لازم ہے اور دونوں نے اپنے اپنے دعویٰ پر بینہ اور گواہ پیش کردئے ہیں تو ایسی صورت میں کس کو ترجیح دی جائے؟ تو اس سلسلہ میں صاحبِ درِمختار فرماتے ہیں کہ استحساناً بیع الوفاء کے دعویٰ کرنے والے کے قول کو ترجیح دی جائے؛ لیکن اس کے نیچے شامی نے ملتقط کے حوالہ سے نقل فرمایا ہے کہ اولاً متاً خرین نے بیع قطعی کے دعویٰ کرنے والے کے بینہ کو ترجیح دینے پر فتویٰ دیا ہے پھر اس کے بعد بیع الوفاء کے دعویٰ کرنے والے کے بینہ کے اولیٰ ہونے پر فتویٰ دیا ہے، اور اس کے اوپر استحسان کا نشان لگایا ہے، اس کے بعد یہ وضاحت نقل فرمائی ہے کہ اگر مشتری نے بیع قطعی کا دعویٰ کیا ہے کہ بیع مکمل ہوچکی ہے اب استرداد کا کوئی مسئلہ نہیں ہے اور بائع دعویٰ کرتا ہے کہ میں نے بیع الوفاء کے طور پر بیچا ہے تو ایسی صورت میں اگر دونوں نے بینہ پیش کیا ہے تو بائع کے گواہ کو ترجیح دی جائے گی اور اگر بینہ پیش نہیں کیا گیا؛ بلکہ دونوں کا محض دعویٰ ہے تو ایسی صورت میں بیع قطعی کے دعویٰ کرنے والے کے قول کو ترجیح دی جائے گی، ہاں البتہ اگر مبیع کے مقابلہ میں ثمن کی کمی پر واضح دلیل اور قرینہ موجود ہو تو ایسی صورت میں بیع الوفاء کے دعویٰ کرنے والے کے قول کو ترجیح ہوگی؛ تاکہ بائع غبن فاحش کے نقصان کا شکار نہ ہو تو حاصل یہ نکلا کہ گواہ نہ ہونے کی صورت میں اگر بیع الوفاء کا قرینہ موجود ہو مثلاً مبیع کے مقابلہ میں ثمن کی مقدار کم ہے تو ایسی صورت میں بائع کے قول کا اعتبار کرکے بیع الوفاء کا حکم صادر کردیا جائے گا اور دونوں کو اس کا پابند بنایا جائے گا اور اگر کوئی قرینہ موجود نہیں ہے اور ثمن اور مبیع کے درمیان تناسب میں تفاوت نہیں ہے اور نہ ہی غبنِ فاحش لازم آسکتا ہے تو ایسی صورت میں مشتری کے قول کا

اعتبار کر کے بیع قطعی کا حکم جاری کر دیا جائے گا۔ فقہاء کی عبارات ملاحظہ فرمائیے:

إِنَّ الْقَوْلَ لِمُدَّعِي الْوَفَاءِ اِسْتِحْسَاناً، وَلَوْ قَالَ الْبَائِعُ بِعْتُکَ بَيْعاً بَاتًّا فَالْقَوْلُ لَهُ إِلَّا أَنْ يَّدُلَّ عَلَى الْوَفَاءِ بِنُقْصَانِ الثَّمَنِ كَثِيْراً (وَتَحْتَهُ فِي الشَّامِيَةِ) قَوْلُهُ: هُنَّ اسْتِحْسَاناً يَقْتَضِي تَرْجِيْحَ مُدَّعِي الْوَفَاءِ فَيَنْبَغِي تَقْيِيْدُهُ بِقِيَامِ الْقَرِيْنَةِ (اِلٰى قَوْلِهٖ) وَإِنْ ادَّعٰى أَحَدُهُمَا بَيْعاً بَاتًّا وَالآخَرُ بَيْعَ الْوَفَاءِ وَأَقَامَ الْبَيِّنَةَ كَانُوْا يُفْتُوْنَ أَنَّ الْبَاتَّ أَوْلٰى ثُمَّ أَفْتَوْا أَنَّ بَيْعَ الْوَفَاءِ أَوْلٰى وَهٰذَا اِسْتِحْسَانٌ (إِلٰى قَوْلِهٖ) وَلَوْ قَالَ الْمُشْتَرِيْ اشْتَرَيْتُهُ بَاتًّا وَقَالَ الْبَائِعُ بِعْتُهُ بَيْعَ الْوَفَاءِ (إِلٰى قَوْلِهٖ) أَنَّ الْاِسْتِحْسَانَ فِي الْاِخْتِلَافِ فِي الْبَيِّنَةِ تَرْجِيْحُ بَيِّنَةِ الْوَفَاءِ وَفِي الاخْتِلَافِ فِي الْقَوْلِ تَرْجِيْحُ

بے شک استحسانا بیع الوفاء کے مدعی کا قول معتبر ہوگا اور اگر بائع نے کہا کہ میں نے تمہارے ہاتھ بیع قطعی کے طور پر بیچا ہے تو اس کا قول معتبر ہوگا؛ لیکن اگر بیع الوفاء پر ثمن کے کثیر نقصان کی وجہ سے دلالت کرنے والی کوئی دلیل ہو تو بیع الوفاء کا اعتبار ہوگا اس کے نیچے شامی میں ہے کہ یہاں استحسانا کا لفظ بیع الوفاء کے مدعی کے دعویٰ کی ترجیح کا تقاضا کرتا ہے؛ لہٰذا اس کو قیامِ قرینہ کے ساتھ مقید کرنا زیادہ مناسب ہے اور اگر دونوں میں سے ایک نے بیع قطعی کا دعویٰ کیا اور دوسرے نے بیع الوفاء کا اور دونوں نے بینہ قائم کر دیا تو فقہاء متأخرین اس بات پر فتویٰ دیتے تھے کہ بیع قطعی کی ترجیح کو اولیٰ قرار دیا جائے پھر اس کے بعد بیع الوفاء کی ترجیح کے اولیٰ ہونے پر فتویٰ دینے لگے اور بیع الوفاء کو ترجیح دینا مستحسن ہے اور اگر مشتری نے کہا کہ میں نے بیع الوفاء کے طور پر بیچا ہے تو ایسی صورت میں بینہ کے ساتھ میں اختلاف کی صورت میں مستحسن یہی ہے کہ بیع الوفاء کے بینہ کو ترجیح

قَوْلِ مُدَّعِي الْبَتَاتِ (إِلٰى قَوْلِهٖ) وَهُوَ كَوْنُ الْقَوْلِ لِمُدَّعِي الْبَتَاتِ بِمَا إِذَا لَمْ تُقِمِ الْقَرِينَةُ عَلٰى خِلَافِهٖ. (الدر المختار مع الشامي زكريا ۷/ ۵۵۰، شامي كراچی ۵/ ۲۷۹)

دی جائے اور بغیر بینہ کے قول میں اختلاف کی صورت میں بیع قطعی کے مدعی کے قول کو ترجیح دی جائے اور بیع قطعی کے مدعی کے قول کی ترجیح اس بات کے ساتھ مشروط ہے کہ جب اس کے خلاف پر کوئی قرینہ قائم نہ ہو۔

اور الاشباہ والنظائر کے حاشیہ حموی میں صاف الفاظ کے ساتھ بائع کے قول کو ترجیح دی گئی ہے کہ جب مشتری اور بائع کے درمیان اس طرح کا اختلاف ہو جائے کہ مشتری بیع قطعی کا دعویٰ کرے اور بائع بیع الوفاء کا دعویٰ کرے تو ایسی صورت میں بائع کے قول کا اعتبار کر کے اس معاملہ کو بیع الوفاء قرار دیا جائے گا؛ اس لئے کہ بیع قطعی ہونے کی صورت میں مشتری کا فائدہ ہے اور بائع کا نقصان ہے اور بیع الوفاء ہونے کی صورت میں کسی کا نقصان نہیں؛ کیوں کہ مشتری کو اپنا ثمن واپس مل جاتا ہے اور بائع کو اپنی مبیع واپس مل جاتی ہے۔

وَفِي الْفُصُوْلِ الْعِمَادِيَةِ إِذَا اخْتَلَفَ الْمُتَبَائِعَانِ فَقَالَ الْمُشْتَرِيُ اشْتَرَيْتُهٗ شِرَاءً بَاتًّا وَقَالَ الْبَائِعُ بَيْعَ الْوَفَاءِ فَإِنَّ الْقَوْلَ قَوْلُ الْبَائِعِ لِأَنَّ الْمُشْتَرِيَ يَدَّعِي زَوَالَ عَيْنِهٖ بِالْبَتَاتِ وَمُدَّعِي الْوَفَاءِ يُنْكِرُ الزَّوَالَ فَيَكُوْنُ الْقَوْلُ قَوْلَهٗ. (حاشيه الحموي على الأشباه قديم ۱۳۰)

فصولِ عمادیہ میں ہے کہ جب متبائعین میں اختلاف ہو جائے تو مشتری کہتا ہے کہ میں نے عقد لازم اور عقد قطعی کے طور پر خریدا ہے اور بائع کہتا ہے کہ بیع الوفاء کے طور پر میں نے بیچا (اور تم نے خریدا ہے) تو بائع کے قول کو ترجیح حاصل ہوگی؛ اس لئے کہ مشتری معاملہ قطعی کے ذریعہ سے عین مبیع کے زوال کا دعویٰ کرتا ہے اور بیع الوفاء کا مدعی زوال کا انکار کرتا ہے؛ لہٰذا اسی کے قول کا اعتبار ہوگا۔

شبیر احمد قاسمی
خادم الحدیث جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد (یو- پی)

۱۲/ باب الشفعة

اپنے پڑوس کو بتائے بغیر زمین فروخت کرنے کا حکم

سوال [۸۸۴۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ترکہ پدری سے حاصل شدہ ایک قطعہ زمین چار حصوں میں کر کے دو حقیقی بھائیوں میں تقسیم ہوگئی، بعدہ محمد دین صاحب نے ایک قطعہ اپنی زمین کے بیچنے کا خیال اب سے تین سال پہلے ظاہر کردیا تھا، اس کے متعلق محمد دین نے اپنے حقیقی بھائی امام الدین سے کسی تیسرے شخص کی معرفت سودے بازی بھی کی، مگر محمد دین نے امام الدین کو بغیر بتائے دوسرے شخص کے ہاتھ معاملہ بیع کردیا، جب کہ محمد دین کی زمین دونوں جانب سے امام الدین کی زمین کے درمیان واقع ہے، جس کی صورت یہ ہے:

(۱)امام الدین	(۲)محمد الدین	(۳)امام الدین	(۴)محمد دین

اورخریدار بھی قریبی رشتہ دار ہیں،تو کیا امام الدین کو حق شفعہ حاصل ہے؟اور بائع اور مشتری پر بھی کوئی ذمہ داری عائد ہوتی ہے؟

المستفتی: امام الدین،مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں حق مبیع اور پڑوس کی بنیاد پر امام الدین کو مذکورہ جائیداد میں شفعہ کا حق حاصل ہے، بائع اور مشتری کو چاہئے کہ وہ اس کے شرعی حق کو ادا کریں۔

سمع أبا رافع، سمع النبي صلى الله عليه وسلم يقول: الجار أحق بسقبه. (سنن أبي داؤد، باب في الشفعة، النسخة الهندية، مكتبة البدر ۲/ ٤٩٦، دارالسلام، رقم: ٣٥١٦، صحيح البخاري، باب عرض الشفعة على صاحبها قبل البيع،

النسخة الهندية ١/ ٣٠٠، رقم: ٢٢٠٣، ف: ٢٢٥٨، سنن الترمذي، باب ماجاء في الشفعة للغائب، النسخة الهندية ١/ ٢٥٣، دارالسلام، رقم: ١٣٦٩)

ثم له في حق المبيع الخ. ثم لجار ملاصق بابه في سكة أخرى. (التنوير مع الدرالمختار، كتاب الشفعة، زكريا ٩/ ٣٢٠-٣٢٢، کراچی ٦/ ٢٢٠- ٢٢١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍صفر ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۳۸۸۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/۲/۲۴ھ

مکان میں شریک شفعہ کا مستحق ہے یا قبرستان؟

سوال [۸۸۴۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرا مکان دادالٰہی ہے، جس پر میں قابض ودخیل ہوں، جو قبرستان سے ملحق ہے، اس میں چند حصہ دار مختصر جزو کے مالک ہیں، کیا کوئی حصہ دار اپنا جزو قبرستان کے نام مجھے نہ دے کر بیع نامہ کرسکتا ہے اور میرے مکان کو جبراً توڑ کر قبرستان میں شامل کرنا اور قبور کا کھودنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: نعیم اللہ مغل پورہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: آپ کے ساتھ جولوگ مکان میں شریک ہیں، وہ اگر اپنا حصہ فروخت کرنا چاہیں اور آپ خریدنا چاہیں، تو آپ ہی شرعی طور پر خریدنے کے حق دار ہوں گے۔ اور اگر آپ کو نہ دے کر قبرستان کو فروخت کردیا ہے، تو آپ کو اس کی خریداری ختم کرکے خریدنے کا حکم ہے۔

عن شريح قال: الخليط أحق من الشفيع، والشفيع أحق من سواه.

(مصنف عبدالرزاق، باب الشفعة بالجوار والخليط أحق، المجلس العلمي ٨/ ٧٨، رقم: ١٤٣٨٦)

عن هشام بن المغيرة قال: سمعت الشعبي يقول: قال رسول الله ﷺ: الشفيع أولى من الجار، والجار أولى من الجنب. (مصنف عبدالرزاق، باب الشفعة بالجوار والخليط أحق، المجلس العلمي ۸/ ۷۹، رقم: ۱٤۳۹۰)

ليس للشريک في الطريق والشرب، والجار شفعة مع الخليط في الرقبة. (هداية، كتاب الشفعة، أشرفی ٤/ ۳۹۰)

وإذا بنى المشتري أو غرس، ثم قضى للشفيع بالشفعة فهو بالخيار إن شاء أخذها بالثمن وقيمة البناء والغرس، وإن شاء كلف المشتري قلعه.

(هداية، كتاب الشفعة، باب طلب الشفعة والخصومة فيها، أشرفي ٤/ ٤٠٠)

اور قبور کھودنے کی بات واضح کیجئے، اس کے بعد جواب دیا جائے گا۔ فقط واللہ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲ محرم الحرام ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۳۸۱۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/۱/۱۱ھ

شریک فی حق المبیع کو شفعہ میں حق تقدم حاصل ہے

سوال [۸۸۴۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ثناء الرحمٰن اپنا مکان فروخت کررہے ہیں، جن کے دو بھائی بھی ہیں اور دیگر رشتہ دار بھی جو مکان سے کچھ دوری پر رہتے ہیں، ثناء الرحمٰن کے مکان سے متصل پچھم جانب محمد یوسف کا مکان ہے اور پورب جانب سیٹھ مشتاق احمد صاحب کا مکان ہے اور اتر جانب محمد اطہر کا مکان ہے (محمد اطہر اور ثناء الرحمٰن کا مکان پہلے ایک ہی تھا، پھر تقسیم ہوا اور دیوار ہی صرف حد فاصل کے طور پر ہے) محمد اطہر کے مکان کے کل پانی کی نکاسی ثناء الرحمٰن کے مکان کے اندر ہی سے ہے جو کہ تقسیم سے پہلے ہی سے پشتینی راستہ ہے، اب ثناء الرحمٰن صاحب اپنا مکان فروخت کررہے ہیں، تو حق شفعہ دور رہنے والے بھائیوں کو ہے یا بالواسطہ متصل رہنے والے محمد اطہر کو ہے؟

المستفتی: محمد اطہر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب ثناء الرحمٰن کے مکان کے اندر ہی سے محمد اطہر کے مکان کے کل پانی کی نکاسی ہوتی ہے، تو محمد اطہر ثناء الرحمٰن کے مکان میں شریک فی حق المبیع ہے؛ اس لئے دائیں بائیں کے پڑوس، تو محمد یوسف اور سیٹھ مشتاق کے مقابلہ میں محمد اطہر ہی کو ثناء الرحمٰن کے مکان میں حق شفعہ کا تقدم حاصل ہے؛ اس لئے اگر محمد اطہر، ثناء الرحمٰن کے مکان کو خریدنے کے لئے تیار ہے، تو محمد یوسف اور سیٹھ مشتاق احمد کو حق شفعہ حاصل نہیں ہوگا۔

عن الشعبي قال: الخليط أحق من الشفيع، والشفيع أحق من الجار، والجار أحق ممن سواه. (المصنف لابن أبي شيبة، البيوع والأقضية من كان يقضى بالشفعة للجار، موسسة علوم القرآن، جديد ۱۱/ ۵۳۸، رقم: ۲۳۷۲)

عن هشام بن المغيرة قال: سمعت الشعبي يقول: قال رسول الله ﷺ: الشفيع أولى من الجار، والجار أولى من الجنب. (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب البيوع والأقضية من كان يقضى بالشفعة للجار، موسسة علوم القرآن، جديد ۱۱/ ۵۳۷، رقم: ۲۳۷۲)

فدل ذلک على أن الشفعة كما تستحق بالشركة في نفس المبيع تستحق بالشركة في الطريق، ولما استحقت بالشركة في الطريق، فبالشركة في حق آخر كالمسبل وغيره، كذلک لاشتراک العلة. (إعلاء السنن بيروت ۱۷/ ۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍محرم الحرام ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۴۳۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۱/۲۸ھ

دس ماہ کے بعد حق شفعہ کا دعویٰ کرنا

سوال [۸۸۴۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک قطعہ مکان کے چار بھائی وزیر بیگ، شبیر بیگ، صدیق بیگ، شاہد بیگ مالک تھے

اور برابر حصوں کے مالک تھے، اس میں سے ایک حصہ وزیر بیگ کا ان کے بھتیجے راشد بیگ ابن شاہد بیگ نے خریدلیا، پھر ۱۰؍مہینہ کے بعد صدیق بیگ نے راشد بیگ پر حق شفعہ کا دعویٰ کر دیا تھا، اب صدیق بیگ کا انتقال ہوگیا، ان کے ورثاء مقدمہ چلا رہے ہیں، تو آپ سے دریافت یہ کرنا ہے کہ شرعاً وزیر بیگ کے اس مکان پر صدیق بیگ کا دعویٰ حق شفعہ کرنا اور پھر ان کے بیٹوں کا اسی پر مقدمہ چلانا جائز ہے یا نہیں؟ یا راشد بیگ نے جب خریدلیا اور دس ماہ تک کوئی حق شفعہ کا دعویٰ نہیں ہوا، تو اس کی خریداری صحیح ہوگی؟ شرعی حکم جو بھی ہو تحریر فرمائیں۔

المستفتی: راشد بیگ سنبھلی گیٹ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب راشد بیگ کے خرید لینے کے دس ماہ بعد تک صدیق بیگ نے خاموشی اختیار کی، تو اب اتنے ایام گذرنے کے بعد حق شفعہ ثابت نہ ہوگا؛ کیونکہ جس مجلس میں خریداری کا علم ہوجائے اسی مجلس میں حق شفعہ کا دعویٰ کرکے اپنے دعویٰ پر گواہ نہیں بناتا ہے تو بعد میں شرعی طور پر کوئی حق باقی نہیں رہتا ہے۔

وقال الشعبي: من بيعت شفعته وهو شاهد لا يغيرها فلا شفعة له.

(صحيح البخاري، باب عرض الشفعة على صاحبها قبل البيع، النسخة الهندية ١/ ٣٠٠)

إذا ترك الشفيع الإشهاد حين علم بالبيع وهو يقدر على ذلك بطلت شفعته. (هداية، كتاب الشفعة، باب ما تبطل به الشفعة، اشرفي ٤/ ٤٠٦، الدر مع الرد، كراچی ٦/ ٢٤٠، زكريا ٩/ ٣٤٠-٣٥٠) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۲۱/۱۱/۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۹۲۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۱۱/۳ھ

ایک سال بعد حق شفعہ کا دعویٰ کرنا

سوال [۸۸۴۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: مرزا نذیر بیگ نے بوقت انتقال ۲۰۶ر گز زمین کا ایک مکان چھوڑا اور ورثاء میں چار لڑکے: وزیر بیگ، شبیر بیگ، صدیق بیگ، شاہد بیگ کو چھوڑا، بعد میں وزیر بیگ کا انتقال ہوا، اس کا ایک لڑکا افتخار بیگ تھا، افتخار بیگ کا بھی انتقال ہوگیا، اس کے بعد افتخار بیگ کے ورثاء سے اس کا حصہ شاہد بیگ کے لڑکے راشد بیگ نے خرید لیا۔ خریدے ہوئے ایک سال گذر جانے کے بعد صدیق بیگ نے حق شفعہ کا دعویٰ دائر کر دیا ہے، تو کیا شریعت میں خرید کو ایک سال گذر جانے کے بعد صدیق بیگ کا حق شفعہ کا دعویٰ صحیح ہے یا نہیں؟ شریعت کا جو بھی حکم ہو تحریر فرمائیں عنایت ہوگی۔ فقط

المستفتی: شاہد بیگ، متصل سرائے پختہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایک سال گذر جانے کے بعد تک باوجود فروختگی کے علم کے حق شفعہ کا مطالبہ نہیں کیا ہے، یا قیمت زیادہ سمجھ کر زیادہ قیمت سے نہیں لیا ہے اور سال گذرنے کے بعد اب حق شفعہ کا دعویٰ کر رہا ہے، تو شرعاً یہ دعویٰ صحیح نہیں ہے۔ اور سال گذر جانے کے بعد صدیق بیگ کو حق شفعہ کے دعویٰ کا حق باقی نہیں رہا ہے؛ لہٰذا خرید شدہ حصہ کا مالک شرعاً شاہد بیگ کا لڑکا راشد بیگ ہو چکا ہے، اب اس میں کسی کا کوئی حق باقی نہیں رہا ہے۔

وقال الشعبي: من بيعت شفعته وهو شاهد لا يغيرها فلا شفعة له.

(صحيح البخاري، باب عرض الشفعة على صاحبها قبل البيع، النسخة الهندية ١/ ٣٠٠)

إذا علم الشفيع بالبيع اشهد في مجلسه ذلک على المطالبة اعلم أن الطلب على ثلاثة أوجه: طلب المواثبة: وهو أن يطلبها كما علم حتى لو بلغ الشفيع البيع ولم يطلب شفعته بطلت الشفعة. (هداية، كتاب الشفعة، باب طلب الشفعة، والخصومة، اشرفي ٤/ ٣٩٢، شامي، كراچی ٦/ ٢٢٤، زكريا ٩/ ٣٢٩-٣٣٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷ر رمضان ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۴۰۰/۲۵)

۱۳/ باب المزارعة

پندرہ کیلو تیل پر کھیتی کاشت کے لئے دینا

سوال [۸۸۵۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے اپنی سات بیگہ زمین میتھی کی کھیتی کرنے کے لئے بکر کو یہ کہہ کر دی کہ جب تیل نکلے تو اس میں سے مجھ کو تم پندرہ کلو تیل دینا اور کھیتی میں آنے والا خرچ سب تم کروگے اور پندرہ کلو تیل سے اوپر جو بھی ہوگا وہ سب تمہارا ہوگا، پھر بکر نے اس زمین میں آٹھ ہزار کی لاگت لگائی اور کھیتی کو محنت سے پالا، کھیتی کٹنے کے چند دن پہلے شدید بارش ہوگئی، جس سے تقریباً آدھی کھیتی پانی بھر کر سوکھ گئی اور خراب ہوگئی، پھر بکر باقی ماندہ کھیتی کو کاٹ کر اپنے ٹریکٹر ٹرالی سے لا رہا تھا کہ کھیت میں ٹریکٹر پھنس گیا، بمشکل تمام خالی ٹریکٹر ٹرالی نکلی اور کٹی بھری کھیتی اتارنی پڑی، پھر چند دن بعد ذرا موسم ٹھیک ہونے پر بکر اس کو بھرنے گیا تو ٹریکٹر پھر دلدل میں پھنس گیا اور بھری کھیتی اتار کر بمشکل تمام ایک دوسرے ٹریکٹر کی مدد سے ٹریکٹر ٹرالی نکلی، اس میں بکر اور اس کا بھائی زور لگاتے لگاتے بیہوش ہوگئے اور بیمار بھی پڑ گئے، بکر نے زید سے آکر کہہ دیا کہ اس کو لانے سے ہم تو عاجز آگئے آپ نکال سکو تو لاکر تیل نکال لو، آخر وہ کٹی پڑی کھیتی نہ نکل سکی اور خراب ہوگئی، اب صورت حال یہ ہے کہ زید بکر کو مجبور کر رہا ہے اور کہہ رہا ہے کہ میرا پندرہ کلو تیل دو اور بے ایمان بتا رہا ہے، اب پوچھنا یہ ہے کہ زید اور بکر کے درمیان اس طرح کھیتی کرنے کا معاہدہ ٹھیک ہوا تھا یا نہیں؟ اور بکر کے ذمہ وہ پندرہ کلو تیل دینا لازم ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد طاہر القادری افضل پور، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید اور بکر کے درمیان زمین کی پیداوار کے سلسلہ میں جو

معاملہ ہوا ہے، وہ از روئے شرع صحیح نہیں؛ اس لئے کہ عقد مزارعہ کے صحیح ہونے کے لئے کل پیداوار کا نصف یا ربع یا ایک تہائی یا دو تہائی کے حساب سے طے کرنا لازم ہوتا ہے، اس کے بغیر معاملہ فاسد ہوجاتا ہے، متعین طریقہ سے طے کرنا کہ پیداوار سے حاصل شدہ پندرہ کلو تیل مالک زمین لے گا اور بقیہ کھیتی کرنے والا صحیح نہیں۔ اور بٹائی کے معاملہ میں پیداوار کھیتی کرنے والے کے پاس امانت کے درجہ میں ہوتی ہے؛ لہٰذا مذکورہ صورت میں پیداوار کے ضائع ہونے میں بکر کے کسی عمل کا دخل نہیں تھا؛ اس لئے وہ پیداوار کا ضامن نہیں ہوگا۔ اور نہ ہی زید کو پندرہ کلو تیل دینا اس پر لازم ہوگا۔

عن حنظلة بن قيس الأنصاري، سمع رافع بن خديج قال: كنا أكثر أهل المدينة مزدرعا، كنا نكري الأرض بالناحية منها مسمى لسيد الأرض، قال: فمما يصاب ذلك وتسلم الأرض، ومما تصاب الأرض ويسلم ذلك، فنهينا، وأما الذهب والورق فلم يكن يومئذ. (صحيح البخاري، كتاب الحرث والمزارعة، النسخة الهندية ۱/ ۳۱۲، رقم: ۲۲۶۹، ف: ۲۳۲۷، صحيح مسلم، باب كراء الأرض بالذهب والورق، النسخة الهندية ۲/ ۱۲، بيت الأفكار رقم: ۱۵۴۸)

منها: أن يكون ذلك البعض من الخارج معلوم القدر من النصف أو الثلث أو الربع أو نحوه، ومنها: أن يكون جزءا شائعا من الجملة، حتى لو شرط لأحدهما قفزان معلومة لا يصح العقد. (هندية، كتاب المزارعة، الباب الأول، زكريا جديد ۵/ ۲۷۲، قديم ۵/ ۲۳۵)

وفي الدر: الغلة في المزارعة مطلقا ...... أمانة في يد المزارع ...... فلا ضمان عليه لو هلكت الغلة في يده بلا صنعه. (درمختار مع الشامي، كتاب المزارعة، زكريا ۹/ ۴۰۸، كراچی ۶/ ۲۸۲، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ۴/ ۱۴۷، مصري قديم ۲/ ۵۰۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم شعبان ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۶۸۸)

مزارعت میں مخصوص مقدار کی شرط لگانے کا حکم

سوال [۸۸۵۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارا ایک مکتب ہے، جس کی کئی بیگہ زمین ہے، کمیٹی والے ایک شخص کو ایک بیگہ زمین اس شرط پر دیتے ہیں کہ ہم دھان کے موسم میں دس من دھان لیں گے اور دھان اسی زمین کی پیداوار سے لیں گے۔ اور گیہوں کے موسم میں پانچ من گیہوں اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک بیگہ زمین میں کل دھان دس من نہیں ہو پاتا، تو کیا کمیٹی والے اس شخص سے تب بھی دس من دھان وصول کریں گے؟ اور کیا یہ صورت شرعاً جائز ہے، جب کہ یہ مخابرہ کی ایک شکل معلوم ہوتی ہے جو کہ شرعاً حرام ہے۔

المستفتی: محمد عبداللہ رشیدی، جامعہ اشاعت السنہ رام گنج، مغربی بنگال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زمین کو اس شرط پر دینا کہ دھان کے موسم میں دس من دھان اور گیہوں کے موسم میں پانچ من گیہوں اسی زمین کی پیداوار سے لئے جائیں گے، تو یہ معاملہ فاسد ہے، شرعاً جائز نہیں ہے؛ البتہ اس کے جواز کی یہ شکل ہوسکتی ہے کہ اس زمین کی پیداوار سے نصف یا ثلث یا ربع لیا جائے گا اور اس کو مخابرہ کی شکل کہنا درست نہیں ہے۔

عن حنظلة بن قيس الأنصاري، سمع رافع بن خديج قال: كنا أكثر أهل المدينة مزدرعا، كنا نكري الأرض بالناحية منها مسمى لسيد الأرض، قال: فمما يصاب ذلک وتسلم الأرض، ومما تصاب الأرض ويسلم ذلک، فنهينا، وأما الذهب والورق فلم يكن يومئذ. (صحيح البخاري، كتاب الحرث والمزارعة، النسخة الهندية ۱/ ۳۱۲، رقم: ۲۲۶۹، ف: ۲۳۲۷، صحيح مسلم، باب كراء الأرض بالذهب والورق، النسخة الهندية ۲/ ۱۲، بيت الأفكار رقم: ۱۵۴۸)

لا تصح المزارعة إلا على مدة معلومة، وأن يكون الخارج شائعا

بینهما، فإن شرطا لأحدهما قفزانا مسماة، فهي باطلة؛ لأن الأرض عساها لا تخرج إلا هذا المقدار. (هداية، كتاب المزارعة، أشرفي ٤/ ٤٢٦، مختصر القدوري، ص: ١٥٥، هندية، زكريا قديم ٥/ ٢٣٥، جديد ٥/ ٢٧٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/۵/۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۶۵۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۹/۵/۱۴۲۳ھ

ایک کا کھیت اور دوسرے کی محنت و بیج ہونے کی صورت کا حکم

سوال [۸۸۵۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بٹائی پر دینا یعنی ایک آدمی کا کھیت دوسرے آدمی کی محنت مزدوری بیج وغیرہ دونوں کے درمیان شامل ہو، تو کیا حکم ہے؟

المستفتی: محمد اطہر بن عبد الجلیل ارریہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بٹائی کی یہ مخصوص صورت کہ ایک آدمی کا کھیت ہو اور دوسرے آدمی کی محنت ومزدوری اور بیج وغیرہ میں دونوں شامل ہوں، شرعاً جائز نہیں ہے۔
(مستفاد: امداد الفتاویٰ ۳/۵۲۲)

دفع رجل أرضه إلى آخر على أن يزرعها بنفسه وبقره والبذر بينهما نصفان، والخارج بينهما كذلك فعملا على هذا، فالمزارعة فاسدة. (شامي، كتاب المزارعة، زكريا ٩/ ٤٠٦، كراچی ٦/ ٢٨١، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ١٤٤، مصري قديم ٢/ ٥٠١، المبسوط للسرخسي، دارالكتب العلمية بيروت ٢٣/ ٣٠)

اور اگر بیج کل کے کل کسی ایک کی طرف سے ہوں تو بٹائی کی یہ مذکورہ شکل شرعی طور پر جائز اور درست ہے۔

إن كان الأرض لواحد والعمل والبقر والبذر لواحد جازت. (هداية، كتاب المزارعة، اشرفی ٤/ ٤٢٦، مختصر القدوري، ص: ١٥٥، الدر مع الرد، زكريا ٩/ ٤٠١، كراچی ٦/ ٢٧٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳/۴/۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۷۶۱۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۳/۴/۱۴۲۳ھ

مزارعت میں خاص مقدار میں غلہ متعین کرنا

سوال [۸۸۵۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے بکر سے ایک قطعہ زمین کرایہ پر لیا اور ایک تیسرے شخص کے ساتھ مزارعت کا معاملہ کیا، بایں طور کے تم خود کھیتی کرو میں تم کو دانہ کھاد وغیرہ کچھ بھی نہیں دوں گا، تم صرف ہر فصل پر مجھ کو اتنی تعداد غلہ دے دینا، چاہے پیداوار کتنی بھی زیادہ ہو یا کم ہو تجھ کو اس سے کوئی سروکار نہیں، کیا اس طرح کا معاملہ شریعت مطہرہ میں جائز ہے؟

المستفتی: سعید احمد قاسمی ٹانڈہ بادلی، ضلع رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: یہ معاملہ شرعاً باطل ہے؛ کیوں کہ مزارعت میں کسی ایک فریق کے لئے غلہ کی خاص مقدار متعین کرنا جائز نہیں ہے۔

عن حنظلة بن قيس الأنصاري، سمع رافع بن خديج قال: كنا أكثر أهل المدينة مزدرعا، كنا نكري الأرض بالناحية منها مسمى لسيد الأرض، قال: فمما يصاب ذلك وتسلم الأرض، ومما تصاب الأرض ويسلم ذلك، فنهينا، وأما الذهب والورق فلم يكن يومئذ. (صحيح البخاري، كتاب الحرث والمزارعة، النسخة الهندية ١/ ٣١٢، رقم: ٢٢٦٩، ف: ٢٣٢٧، صحيح مسلم، باب كراء الأرض بالذهب والورق، النسخة الهندية ٢/ ١٢، بيت الأفكار رقم: ١٥٤٨)

لا تصح المزارعة إلا على مدة معلومة، وأن يكون الخارج شائعا بينهما، فإن شرطا لأحدهما قفزانا مسماة، فهي باطلة؛ لأن الأرض عساها لا تخرج إلا هذا المقدار. (هداية، كتاب المزارعة، أشرفي ٤/ ٤٢٦، مختصر القدوري، ص: ١٥٥، هندية، زكريا قديم ٥/ ٢٣٥، جديد ٥/ ٢٧٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۰۹/۶/۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۱۲۷۱)

پیسوں کے عوض میں زمین کو کرایہ پر دینا

سوال [۸۸۵۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کوئی شخص اپنی زمین اناج کے بدلے کرائے پر نہیں دیتا؛ بلکہ پیسوں کے بدلے کرائے پر دیتا ہے، مثلاً پانچ بیگہ زمین دھائی ہزار (۲۵۰۰) کے بدلے کرائے پر دیتا ہے، یہ جائز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: زمین کو پیسوں کے بدلے کرائے پر دینا مثلاً پانچ بیگہ زمین ڈھائی ہزار روپئے کے بدلے کرائے پر دے تو جائز اور درست ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ ڈابھیل ۱۶/ ۵۵۹، میرٹھ ۲۵/۱۱۳)

ما صلح بدلا في البيع يصلح بدلا في الإجارة؛ لأن البدل في الإجارة ثمن المنفعة، وهي تابعة للعين، وما صلح بدلا عن الأصل صلح بدلا عن التبع. (شرح المجلة رستم باز، إتحاد ١/ ٢٦٠، رقم المادة: ٤٦٣)

وما صلح ثمنا في البيع صلح أجرة في الإجارة؛ لأن الأجرة بثمن المنفعة. (مجمع الأنهر، كتاب الإجارة، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ٥١٣، مصري

قدیم ۲/ ۳٦۹، هندیة زکریا قدیم ٤/ ٤۱۲، جدید ٤/ ٤٤۲، الدر مع الرد، کراچی ٦/ ٤، زکریا ۹/ ٥، البحرالرائق، زکریا ۸/ ٥۰٦، کوئٹه ۷/ ۲۹۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷ / جمادی الاخریٰ ۱۴۳۵ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۳۴۱)

متعین غلہ کے عوض میں زمین کرایہ پر دینا

سوال [۸۸۵۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کسان اپنی کھیتی کی زمین کرائے پر دیتا ہے، مگر بٹائی کی شکل میں نہیں دیتا، کرائے کی شکل میں دیتا ہے اور کہتا ہے: ہمیں فصل میں فی بیگہ ایک کوئنٹل اناج چاہئے، چاہے تو کھیتی کریا نہ کر کہیں سے بھی اناج لا ہمیں اناج چاہئے، یہ جائز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زمین کو اس شرط پر کرائے پر دینا کہ ہمیں فی بیگہ ایک کوئنٹل اناج چاہئے، خواہ وہ اناج کوئی سا بھی کہیں سے بھی آیا ہو، اسی زمین سے دینے کی شرط نہ ہو، تو اس طرح کرائے پر زمین دینا جائز اور درست ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ ڈابھیل ۳۵۹/۱۶، محمودیہ میرٹھ ۱۱۳/۲۵)

یجوز استئجار الأرض للزراعة إن بین ما یزرع فیها، أو قال علی أن یزرع فیها ما یشاء وللبناء والغرس، أو یقول له: ازرع فیها ما شئت کي لا یفضي إلی المنازعة. (البحرالرائق، کتاب الإجارة، باب ما یجوز من الإجارة وما یکون خلافا فیها، زکریا ۸/ ۱۷، کوئٹه ۸/ ۱۰، مجمع الأنهر، دارالکتب العلمیة بیروت ۳/ ٥۲۲، مصري قدیم ۲/ ۳۸۹)

رجل استأجر أرضا بطعام ولم یسم أین یقبض الطعام، قال: هو جائز.
(تاتارخانیة، زکریا ۱٥/ ۹، رقم: ۲۱۹۲٥)

والحيلة في ذلك لمن أراد الجواز أن يشترط صاحب الحنطة قفيزا من الدقيق الجيد ولم يقل من هذه الحنطة، أو يشترط ربع هذه الحنطة من الدقيق الجيد؛ لأن الدقيق إذا لم يكن مضافا إلى حنطة بعينها يجب في الذمة والأجر كما يجوز أن يكون مشارا إليه يجوز أن يكون دينا في الذمة.

(هندية، كتاب الإجارة، الباب الخامس عشر، الفصل الثالث في قفيز الطحان، زكريا قديم ٤/ ٤٤٤، جديد ٤/ ٤٨٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٨/ جمادی الاخریٰ ١٤٣٥ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ٤٠/ ١١٥٦٣)

غیر کی ملکیت میں لگایا گیا پودا کس کا ہوگا؟

سوال [٨٨٥٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے اپنی زمین سمجھ کر اس میں پودا لگایا اور پوری سینچائی سالہا سال کرتا رہا؛ لیکن زمین پیمائش کرنے پر زمین اور پودا سب بکر کے حصہ میں نکل رہا ہے، حالانکہ قبضہ اور پودے کی سینچائی زید نے کی ہے، از روئے شرع پودا کس کو دیا جائے؟

المستفتی: محمد نعیم الدین جھگڑوا، دربھنگہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: درخت اور پودے کا اصل مالک وہی ہوتا ہے جس نے درخت لگایا ہو اور اس کی دیکھ بھال کی ہو؛ البتہ پیمائش کے بعد زمین جس کے حصہ میں نکلے گی وہی زمین کا مالک ہوگا اور زمین کے مالک کو زمین کی مناسب اجرت دلوائی جائے گی۔

(کفایت المفتی ٧/ ٣٤٧، جدید زکریا مطول ١١/ ٥٧٦، امداد الفتاوی ٣/ ٥٢٠)

حدثنا أبو جعفر الخطمي، قال: بعثني عمي أنا وغلاما له إلى سعيد

بن المسيب، قال: قلنا له شيء: بلغنا عنك في المزارعة؟ قال: كان ابن عمر لا يرى بها بأسا، حتى بلغه عن رافع بن خديج، حديث، فأتاه فأخبره رافع أن رسول الله صلى الله عليه وسلم أتى بني حارثة، فرأى زرعا في أرض ظهير، فقال: ما أحسن زرع ظهير، قالوا: ليس لظهير، قال: أليس أرض ظهير؟ قالوا: بلى، ولكنه زرع فلان، قال: فخذوا زرعكم وردوا عليه النفقة، قال: رافع: فأخذنا زرعنا ورددنا إليه النفقة. (سنن أبي داؤد، البيوع، باب في التشديد ذلك، النسخة الهندية ٢/ ٤٨٣، دارالسلام، رقم: ٣٣٩٩)

وإذا فسدت عنده، فإن سقى الأرض وكربها ولم يخرج شيء فله أجر مثله لو البذر من رب الأرض، ولو منه فعليه أجر مثل الأرض، والخارج في الوجهين لرب الأرض. (شامي، كتاب المزارعة، زكريا ٩/ ٣٩٨، كراچی ٦/ ٢٧٥، هداية، أشرفی ٤/ ٤٢٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٢٠ رجمادی الثانیہ ١٤١٦ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٢/ ٤٥٠٦)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
٢٠/ ٦/ ١٤١٦ھ

بحمد اللہ تعالیٰ

فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّيْنِ

فتاویٰ قاسمیہ

منتخب فتاویٰ

حضرت مولانا مفتی شبیر احمد القاسمی
خادم الافتاء و الحدیث جامعہ قاسمیہ
مدرسہ شاہی مرادآباد، الہند

(جلد ۱۹)

المجلد الثامن عشر

بقية الوقف باب المدارس، كتاب البيوع، البيع الصحيح الفاسد، المرابحه، الصرف، السلم، الاستصناع، الوفاء، الشفعة، المزارعة

۸۴۰۹ ـــــــــ ۸۸۵۶

ناشر
مكتبه اشرفيه، ديوبند، الهند
01336-223082

فتاویٰ قاسمیہ

صاحب فتاویٰ

حضرت مولانا مفتی شبیر احمد القاسمی

پہلا ایڈیشن محرم الحرام ۱۴۳۷ھ

ناشر

مکتبہ اشرفیہ، دیوبند، ضلع سہارنپور، الهند

01336-223082

ASHRAFI BOOK DEPOT

DEOBAND, SAHARANPUR, INDIA

Phone: 01336-223082

Mob. : 09358001571،08810383186

مکمل اجمالی فهرست ایک نظر میں

	رقم المسأله		عنوانات
المجلد الأول	١	١٧٢	مقدمة التحقيق، الإيمان والعقائد إلى باب ما يتعلق بالارواح.
المجلد الثاني	١٧٣	٥٥٧	بقية الإيمان والعقائد من باب الحشر إلى باب ما يتعلق بأهل الكتاب، التاريخ والسير، البدعات والرسوم.
المجلد الثالث	٥٥٨	١٠٠٥	بقية البدعات والرسوم من باب رسومات جنائز إلى رسومات نكاح، كتاب العلم إلي باب ما يتعلق بالكتابة.
المجلد الرابع	١٠٠٦	١٤١٥	بقية كتاب العلم من كتابة القرآن إلي باب الوعظ والنصيحة، الدعوة والتبليغ، السلوک والاحسان، الأدعية والأذكار.
المجلد الخامس	١٤١٦	١٩٣٥	الطهارة بتمام أبوابها، الصلوة من أوقات الصلوة إلى صفة الصلوة.
المجلد السادس	١٩٣٦	٢٤٥٧	الجماعة، المساجد، الإمامة.
المجلد السابع	٢٤٥٨	٢٩٦٤	بقية الصلوة من تسوية الصفوف إلي سجود التلاوة.
المجلد الثامن	٢٩٦٥	٣٤٢٣	بقية الصلوة من الذكر والدعاء بعد الصلوة، الوتر، ادراک الفريضة، السنن والنوافل، التراويح، صلوة المسافر.

المجلد التاسع	٣٤٢٤	٣٨٩٣	بقية الصلوة، صلوة المريض، الجمعة، العيدين، الجنائز إلي حمل الجنازة.
المجلد العاشر	٣٨٩٤	٤٤٠٤	بقية الجنائز من صلوة الجنائز إلي باب الشهيد، كتاب الزكوة.
المجلد الحادي عشر	٤٤٠٥	٤٨٧٣	بقية الزكوة، كتاب الصدقات، الصوم، بتمام أبوابها إلي صدقة الفطر.
المجلد الثاني عشر	٤٨٧٤	٥٣٤٨	كتاب الحج بتمام أبوابها، النكاح إلى باب نكاح المكره.
المجلد الثالث عشر	٥٣٤٩	٥٩٤٣	بقية النكاح إلي باب المهر.
المجلد الرابع عشر	٥٩٤٤	٦٤٦٢	الرضاع، الطلاق إلي باب الكناية.
المجلد الخامس عشر	٦٤٦٣	٦٩٠٢	بقية الطلاق، الرجعة، البائن، الطلاق بالكتابة، الطلاق الثلاث، الشهادة في الطلاق، الحلالة.
المجلد السادس عشر	٦٩٠٣	٧٤٠٢	بقية الطلاق، تعليق الطلاق، التفويض، الفسخ والتفريق، الظِهار، الإيلاء، الخلع، الطلاق على المال، العدة، النفقة، ثبوت النسب، الحضانة.
المجلد السابع عشر	٧٤٠٣	٧٨٦٧	الأيمان والنذور، الحدود، الجهاد، اللقطة، الامارة والسياسة، القضاء، الوقف إلي باب المساجد.
المجلد الثامن عشر	٧٨٦٨	٨٤٠٨	بقية الوقف من الفصل الثالث، المسجد القديم إلي مصلى العيد، والمقبرة. (قبرستان)

المجلد التاسع عشر	٨٤٠٩	٨٨٥٦	بقية الوقف، باب المدارس، كتاب البيوع، البيع الصحيح، الفاسد، المرابحة، الصرف، السلم، الوفاء، الشفعة، المزارعة.
المجلد العشرون	٨٨٥٧	٩٣٥٠	الشركة، المضاربة، الربوا بتمام أنواعها.
المجلد الحادي والعشرون	٩٣٥١	٩٧٣٥	الديون، الوديعة، الأمانة، الضمان، الهبة، الإجارة.
المجلد الثاني والعشرون	٩٧٣٦	١٠٢٤٥	الغصب، الرهن، الصيد، الذبائح بتمام أنواعها، الأضحية بتمام أنواعها، العقيقة، الحقوق، بأكثر أبوابها إلي باب حقوق الأقارب.
المجلد الثالث والعشرون	١٠٢٤٦	١٠٧٠٥	بقية الحقوق، الرؤيا، الطب والرقىٰ بتمام أنواعها، كتاب الحظر والإباحة إلي باب السابع، ما يتعلق باللحية.
المجلد الرابع والعشرون	١٠٧٠٦	١١٢٠٥	بقية الحظر والإباحة، باب الأكل والشرب، الانتفاع بالحيوانات، الخمر، الدخان، الهدايا، الموالاة مع الكفار، المال الحرام، الأدب، اللهو، استعمال الذهب والفضة، كسب الحلال، الغناء، التصاوير.
المجلد الخامس والعشرون	١١٢٠٦	١١٦٠٠	الوصية، الفرائض بتمام أبوابها.
المجلد السادس والعشرون	١	١١٦٠٠	فهارس المسائل

❖❖

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست مضامین

٢٤/ بقية كتاب الوقف

٣٢	٩/ باب المدارس	□

مسئلہ نمبر — الفصل الأول: في المدارس — صفحہ نمبر

٨٤٠٩ کیا مدرسوں میں دین پڑھایا جاتا ہے سکھایا نہیں جاتا؟ ٣١
٨٤١٠ دینی مذہبی ادارہ کو رجسٹریشن کرانے کا حکم ٣٢
٨٤١١ مجلسِ عاملہ ومجلسِ شوریٰ............ ٣٦
٨٤١٢ مجلسِ شوریٰ کے اختیارات ٣٧
٨٤١٣ مدارسِ اسلامیہ میں طلبہ کی دیکھ بھال کے لئے کیمرہ لگانے کا حکم ٤١
٨٤١٤ ایک مدرسہ سے متعلق چند سوالات وجوابات ٤٣
٨٤١٥ مدارسِ اسلامیہ کے اصول کا ماخذ ٤٦
٨٤١٦ مدرسہ کے قوانین کا ماخذ ٤٧
٨٤١٧ مدارس کے اصول وضوابط کی شرعی حیثیت ٤٩
٨٤١٨ ضوابط برائے اساتذہ، تعزیرات وتعطیلات برائے طلبہ ٥٢
٨٤١٩ تعزیرات برائے طلبہ مدرسہ عربیہ امداد الاسلام ہرسولی ضلع مظفرنگر یوپی ٥٤
٨٤٢٠ ضوابط برائے مدرسہ عربیہ امداد الاسلام ہرسولی ضلع مظفرنگر ٥٥
٨٤٢٢ مدرسے کے من جملہ بچوں کی ضروریات مد زکوۃ سے پوری کرنے کا حکم .. ٥٨

۸۴۲۳	مدرسہ میں آمدہ غلہ میں اشیاء کی رسید دینے کا حکم	۶۰
۸۴۲۴	مدارس میں فیس لے کر تعلیم دینے کا حکم	۶۱
۸۴۲۵	طلبہ کا بلا اجازت مدرسہ کی چیزوں کو استعمال کرنے کا حکم	۶۲
۸۴۲۶	تعلیمی اوقات کے دوران طلبہ کو قرآن خوانی کے لئے بھیجنا	۶۳
۸۴۲۷	مدارس کے طلباء سے قرآن خوانی کرانا	۶۴
۸۴۲۸	لڑکیوں کا مدرسہ قائم کرنا	۶۵
۸۴۲۹	مدارسِ اسلامیہ میں غیر مسلم بچوں کو تعلیم دینے کا حکم	۶۵
۸۴۳۰	طلباء کو انعام میں ملنے والے روپیوں کا مالک کون؟	۶۶
۸۴۳۱	کیا پرانے مکتب میں تعلیمی سلسلہ کو جاری رکھنا ضروری ہے؟	۶۸

۶۹	الفصل الثاني: في التولية	□

۸۴۳۲	طلبا کی تعلیمی کوتاہی پر مسئول کون ہے؟	۶۹
۸۴۳۳	موقوفہ جائیداد کو ذاتی ملکیت سمجھنے کا حکم	۷۰
۸۴۳۴	مہتمم صاحب کا مدرسہ کی زمین اپنے نام رجسٹری کروانے کا حکم	۷۰
۸۴۳۵	مدرسہ کے لئے خریدی گئی زمین کا شخصی بیع نامہ کرانا	۷۱
۸۴۳۶	احکام شریعت کا لحاظ نہ رکھنے والے مہتمم کا حکم	۷۳
۸۴۳۷	مہتمم سے متعلق سوال وجواب	۷۴
۸۴۳۸	مدارس اسلامیہ کے قوانین کی پابندی مہتمم وملازم سب پر لازم ہے...	۷۶
۸۴۳۹	کیا ذمہ دارانِ مدرسہ اصول کے پابند ہیں؟	۷۹
۸۴۴۰	مدرسہ اور قبرستان کے نام چندہ لے کر اپنی ضروریات میں خرچ کرنے کا حکم	۸۰
۸۴۴۱	بچہ کے قاعدہ پورا ہونے پر مہتمم صاحب کا دعوت کا مطالبہ کرنا	۸۳
۸۴۴۲	مہتمم کے مدرسہ کی رقم اپنے کاروبار میں لگانے یا دوسرے کو قرض دینے کا حکم .	۸۵

□	**الفصل الثالث : في المدرسين**	۸۶

۸۴۴۳ ذمہ دارانِ مدرسہ ومدرسین کے تعلق سے چند سوالات کے جوابات .. ۸۶
۸۴۴۴ مدرسہ کے مفاد کے پیش نظر کسی ملازم کو برطرف کرنا ۸۸
۸۴۴۵ مدرسہ کے صدر مدرس کے خلاف عوام کے انتشار کا حکم ۸۹
۸۴۴۶ اوقات مدرسہ میں مہتمم کی اجازت سے حوائج ضروریہ کے لئے جانا .. ۹۰
۸۴۴۷ مدرس کو دووقت پڑھانے پر مجبور کرنا ۹۰
۸۴۴۸ مدرس سے مدرسہ کی رقم گھر سے چوری ہوگئی ۹۲
۸۴۴۹ مدرسین کا چرم قربانی وصول کرنے پر معاوضہ لینے کا حکم ۹۴
۸۴۵۰ مدارس کے ملازم اجیر بالعمل ہیں یا اجیر فی الوقت ۹۵
۸۴۵۱ شخص واحد کے ذمہ درس وتدریس اور امامت وغیرہ سپرد کرنا ۹۷
۸۴۵۲ کیا گاؤں کے مدرس پر مسجد کی امامت بلا اجرت واجب ہے؟ ۹۹
۸۴۵۳ مدرس کو نابالغ طلبا کی امامت کا پابند بنانا ۱۰۰
۸۴۵۴ کیا مدرس کا بیماری میں چھٹی لے کر اپنے نجی کام سے جانا دھوکہ نہیں؟. ۱۰۱
۸۴۵۵ مکتب میں استاذ کا جمعراتی لینا ۱۰۲
۸۴۵۶ مدرس کے جمعراتی وصول کرنے کا حکم ۱۰۳
۸۴۵۷ طلبہ کی طرف سے معلم کو ملنے والے ہدیہ کا حکم ۱۰۴
۸۴۵۸ مدرسے میں بے پردہ معلّمہ کے تقرر کرنے کا حکم ۱۰۵
۸۴۵۹ اساتذہ کے لئے طلبا کو ملنے والے کنسیشن استعمال کرنے کا حکم ۱۰۶
۸۴۶۰ مدرسے کے کمروں میں مدرس کا فیملی کے ساتھ رہنا ۱۰۷
۸۴۶۱ مدرسین کے وسعت ونجی گھر ہونے کے باوجود مدرسہ کا گھر خالی نہ کرنے کا حکم ۱۰۸

۸۴۶۲ غیر صاحب نصاب مدرس کے لئے مدرسہ کا کھانا کھانا ۱۱۳
۸۴۶۳ مدرسین کے لئے ایصال ثواب کا کھانا کھانا ۱۱۴
۸۴۶۴ مدرسے کے ملازم کے علاج کی ذمہ داری کس پر ہے؟............ ۱۱۶

❏	**الفصل الرابع:**	۱۱۷

مدارس میں سرکاری اور غیر مسلم کا مال صرف کرنے کا حکم

۸۴۶۵ مدرسہ کو ایڈ کرانا ۱۱۷
۸۴۶۶ کیا ایڈ کے مدارس میں سرکاری قوانین کی پابندی لازم ہے ۱۱۸
۸۴۶۷ سرکار کی طرف سے آئے ہوئے رسد کو مدرسہ یا مسجد میں لگانے کا حکم ۱۲۰
۸۴۶۸ اسکولوں میں آمدہ سرکاری امداد کی بچی ہوئی رقم کا مصرف ۱۲۰
۸۴۶۹ اسکول کی تعمیر یا طلبہ کی خوراک سے بچی ہوئی رقم کا ہیڈ ماسٹر کا استعمال کرنا ۱۲۲
۸۴۷۰ امام باڑہ کے اوپر مدرسہ بنانے کا حکم ۱۲۳
۸۴۷۱ غیر کی زمین میں اس کی اجازت کے بغیر مدرسہ بنانے کا حکم ۱۲۵
۸۴۷۲ مالک کی اجازت کے بغیر اس کی زمین پر مدرسہ بنانا............... ۱۲۶
۸۴۷۳ مغصوبہ زمین پر مدرسہ بنانا ۱۲۸
۸۴۷۴ پریس کرنے پر پریس بیچ کر رقم مدرسہ میں لگانا ۱۳۱
۸۴۷۵ لیٹ فیس وصول کرنے کی شرعی حیثیت ۱۳۲
۸۴۷۶ مدرسہ کے لئے غیر مسلموں کا چندہ لینا ۱۳۳
۸۴۷۷ ہندو کی رقم کارِ خیر میں لگانا.............................. ۱۳۳
۸۴۷۸ مدرسہ کی تعمیر میں سودی رقم یا کافر کا پیسہ لگانا ۱۳۵
۸۴۷۹ طوائف کی زمین پر مدرسہ تعمیر کرنا........................... ۱۳۷

الفصل الخامس: في التصرف ۱۳۸

۸۴۸۰ کیا کسی مدرسے کے دونام رکھنے سے وہ دومدرسے ہو جائیں گے؟ .. ۱۳۸
۸۴۸۱ مسجد مدرسہ بنانے سے متعلق چند سوالات کے جوابات ۱۴۲
۸۴۸۲ کیا مدرسہ کی موقوفہ چیزوں میں غرض واقف لازم ہے؟............ ۱۴۴
۸۴۸۳ مدارس میں قائم کردہ انجمن کی تقسیم کا حکم.................... ۱۴۵
۸۴۸۴ چندہ کے پیسے سے بنی ہوئی عمارت میں اراکین مدرسہ کا کتبہ لگانا ۱۵۰
۸۴۸۵ جلسہ کی بچی ہوئی رقم کا مصرف ۱۵۲
۸۴۸۶ طلبہ سے لی گئی قیمت طعام کو مدرسہ کی تعمیر میں لگانا ۱۵۳
۸۴۸۷ مدرسہ کی رقم سے امام ومؤذن کو وظیفہ دینے کا حکم............. ۱۵۳
۸۴۸۸ انجمن کی رقم سے سرپرست انجمن کو ہدیہ دینا.................. ۱۵۴
۸۴۸۹ اسکول کے درجہ پنجم کے امتحان کا خرچ مدرسہ سے لینا.............. ۱۵۵
۸۴۹۰ مدرسہ کی رقم سے متعلقین کو ہدیہ دینے کا حکم ۱۵۶
۸۴۹۱ مدرسے کے فنڈ سے مہمان نوازی کرنا ۱۵۷
۸۴۹۲ مدرسہ کی رقم سے چائے، بسکٹ اور مہمانوں کی ضیافت ۱۵۷
۸۴۹۳ مدرسہ کی رقم سے تقریب میں گیٹ وغیرہ کی سجاوٹ ۱۵۸
۸۴۹۴ مدرسے کی زمین میں اساتذہ وطلبہ کے لئے مسجد بنانا ۱۵۹
۸۴۹۵ مدارس کی جمع شدہ رقم اپنی ضروریات میں صرف کرنا.............. ۱۶۰
۸۴۹۶ خزانچی کا مدرسہ کی رقم اپنے استعمال میں لانا ۱۶۱
۸۴۹۷ مدرسہ کا روپیہ ذاتی معاملہ میں خرچ کرنا ۱۶۲
۸۴۹۸ مدرسہ کے فون سے تبلیغی خبر کرنا ۱۶۳

۸۴۹۹ مدرسے کی رقم بطور رشوت دینا ۱۶۴
۸۵۰۰ مدرسہ کی رقم سرکاری اسکیم شروع کرانے کے لئے بطور رشوت دینا ... ۱۶۶

❑	الفصل السادس: اشیائے مدرسہ کی منتقلی کے احکام	۱۶۸

۸۵۰۱ مدرسہ کی منتقلی سے متعلق چند سوالات کے جوابات ۱۶۸
۸۵۰۲ مدرسہ کی آمدنی اسکول میں لگانا ۱۷۰
۸۵۰۳ مسجد و مدرسہ کی مشترکہ رقم سے جنریٹر خریدنا ۱۷۱
۸۵۰۴ مسجد و مدرسہ کی رقم کو ایک دوسرے پر صرف کرنا ۱۷۲
۸۵۰۵ مسجد و مدرسہ کا پانی ولائٹ خارج مسجد و مدرسہ کو دینا ۱۷۳
۸۵۰۶ ایک مدرسہ کا غلہ دوسرے مدرسہ میں دینے کا حکم ۱۷۴
۸۵۰۷ ایک مدرسہ کی رقم دوسرے مدرسہ میں لگانا ۱۷۵
۸۵۰۸ مدرسہ بنانے کے نام پر وصول شدہ رقم کو دوسرے مدرسہ میں دینا ۱۷۶
۸۵۰۹ ایک مدرسہ کی وقف شدہ اراضی کو دو مدرسوں پر تقسیم کرنا ۱۷۸
۸۵۱۰ مدرسہ کی رقم سے مدرسہ کی زمین میں مسجد تعمیر کرنا ۱۸۰

❑	**الفصل السابع: في الإجارة**	۱۸۱

۸۵۱۱ مدرسے کی زمین میں ضروریاتِ مدرسہ کے لئے دوکان تعمیر کرنا...... ۱۸۱
۸۵۱۲ مدرسہ کی رقم مسجد یا مسجد کی رقم مدرسہ کو بطور قرض دینا ۱۸۳
۸۵۱۳ مدرسہ کے تہہ خانہ میں آمدنی کی خاطر ”کار پارکنگ“ بنانا ۱۸۴
۸۵۱۴ مدرسہ میں ووٹ ڈالنے کی مشین لگانا ۱۸۵
۸۵۱۵ احاطۂ مدرسہ میں قربانی کرنے سے روکنا ۱۸۶
۸۵۱۶ مدرسہ کی عمارت اسکول کے لئے کرایہ پر دینا ۱۸۷

٨٥١٧ مدرسہ میں بارات رکانا ١٨٨
٨٥١٨ مدارس عربیہ کی بالائی منزل پر جونیر کی تعلیم دینا ١٩٠
٨٥١٩ گرام سماج کی زمین پر مدرسہ کی رقم سے دوکان بنانا ١٩١
٨٥٢٠ مسجد کے لئے مدرسہ سے قرض لینا ١٩٢
٨٥٢١ مدارس کی رقم تجارت کے لئے دینا ١٩٣

□	الفصل الثامن: في المشاهرة	١٩٥

٨٥٢٢ کیا مہتمم مدرسین کے مقابلہ میں دوگنی تنخواہ لے سکتے ہیں؟ ١٩٥
٨٥٢٣ موجودہ دور میں تنخواہ میں زیادتی کا مطالبہ کرنا ١٩٦
٨٥٢٤ شرط فاسد لگا کر تنخواہ بڑھانا ١٩٨
٨٥٢٥ سائنس سے انٹر پاس اور ہندی کے مدرس کو گورنمنٹ سے تنخواہ دلانا . ١٩٩
٨٥٢٦ مدرسہ کے ناظم کا مدرس کی تنخواہ نہ دینا ٢٠٠
٨٥٢٧ مقررہ تنخواہ سے کم دینے کا حکم ٢٠٢
٨٥٢٨ چندہ نہ کرنے کی صورت میں مدرس کو سابقہ تنخواہ نہ دینا ٢٠٣
٨٥٢٩ مقررہ وقت میں کام کرنے پر تنخواہ کا استحقاق اور کوتاہی پر برطرف کرنا ٢٠٥
٨٥٣٠ مدارس ومساجد کے ملازمین کا سرکاری تنخواہ لینا ٢٠٦
٨٥٣١ پرائیویٹ فنڈ کا حکم ٢٠٧
٨٥٣٢ بلا اجازت مدرسے سے جانے والے کی تنخواہ کا حکم ٢٠٨
٨٥٣٣ مدرس کی تقرری کے بعد بلاعوض نگرانی پر مجبور کرنے کا حکم ٢١٠
٨٥٣٤ حج کو جانے والے مدرس کے لئے رخصت بالوضع کا حکم ٢١٢
٨٥٣٥ گورنمنٹ سے روپیہ لے کر مدرسین کو تنخواہ دینا ٢١٣
٨٥٣٦ بمد تعمیر رقم کو تنخواہ میں استعمال کرنا ٢١٤

۸۵۳۷	غیر حاضری کی تنخواہ کا حکم	۲۱۶
۸۵۳۸	مدرس کے ایام مرض کی تنخواہ و مجلسِ شوریٰ کی شرعی حیثیت	۲۱۷
۸۵۳۹	علالت کے زمانہ کی تنخواہ	۲۱۹
۸۵۴۰	بیماری کے ایام میں گھر پر رہتے ہوئے تنخواہ لینے کا حکم	۲۲۱
۸۵۴۱	اطلاعی نوٹس ۱۵/ یوم قبل نہ دینے کی صورت میں تنخواہ کاٹ لینے کا حکم .	۲۲۲
۸۵۴۲	نصفِ شعبان میں معزول کی وجہ سے رمضان کی تنخواہ کے استحقاق کا مسئلہ	۲۲۳
۸۵۴۳	پندرہ شعبان کو معزول مدرس رمضان کی تنخواہ کا مستحق کب؟	۲۲۴
۸۵۴۴	اضافی رقم کے حقدار ملازم ہیں نہ کہ مستعفی؟	۲۲۵
۸۵۴۵	مستعفی کی ایک ماہ کی تنخواہ ضبط کرنے کا حکم	۲۲۷
۸۵۴۶	جمعہ کے دن کی تعطیل کو رخصت میں شمار کرنا........................	۲۲۹
۸۵۴۷	غیر حاضری کے ایام کو حاضری کے ایام کا بدل قرار دے کر تنخواہ وصول کرنا.	۲۳۰
۸۵۴۸	غیر عالم کا حکومت سے عالم کی تنخواہ لینا........................	۲۳۲
۸۵۴۹	غیر حاضری کے دن کی دستخط کر کے تنخواہ وصول کرنا	۲۳۳
۸۵۵۰	مدرس و امام کے لئے ایام تعطیل کی تنخواہ لینے کا حکم........................	۲۳۴
۸۵۵۱	سرکار سے مدرسین کا غیر حاضری کے ایام کی تنخواہ لینا........................	۲۳۶
۸۵۵۲	ایامِ رخصت کی تنخواہ کا مسئلہ	۲۳۷
۸۵۵۳	تعطیل کلاں میں تنخواہ کا استحقاق کب؟	۲۳۸
۸۵۵۴	مدرسہ کے ملازم کا ایام تعطیل کی تنخواہ لینا........................	۲۴۰
۸۵۵۵	تعطیل کلاں میں تنخواہ کا استحقاق	۲۴۱
۸۵۵۶	مدارسِ اسلامیہ میں ایامِ تعطیل کی تنخواہوں کا حکم	۲۴۳
۸۵۵۷	مدرسے کی چھٹیوں میں پڑھانے کی اجرت اور تعطیل کلاں کی تنخواہ کا حکم ..	۲۴۴
۸۵۵۸	رمضان کی تنخواہ کا حکم........................	۲۴۶

۲۵/ کتاب البیوع

۱/ باب البیع الصحیح ۲۴۸

۸۵۵۹ مالِ متقوم وغیر متقوم، بیع باطل اور فاسد کی تعریف ۲۴۸
۸۵۶۰ نیلامی کا حکم ۲۵۰
۸۵۶۱ امریکہ سے ٹیلی ویژن پر خرید وفروخت کا حکم ۲۵۰
۸۵۶۲ مسلمانوں کا غیر مسلموں سے خرید وفروخت کرنا ۲۵۲
۸۵۶۳ مشتری کا مبیع کو استعمال کرنے کے بعد فروخت کرنے کا حکم ۲۵۳
۸۵۶۴ کیا حرام مال میں تعدی پائی جاتی ہے؟ ۲۵۵
۸۵۶۵ زمین فروخت کرنے کے بعد رجسٹری نہ کرانا ۲۵۷
۸۵۶۶ خریدار کا بائع کی اولاد کو رجسٹری پر دستخط کرنے کے عوض کچھ دینے کا حکم .. ۲۵۹
۸۵۶۷ خریدار کا ادائے قیمت پر کمیشن کا مطالبہ ۲۶۰
۸۵۶۸ بیع میں کس جگہ کا اعتبار ہے؟ ۲۶۱
۸۵۶۹ مشترکہ طور پر سامان خریدنے کی صورت میں کس پر کتنی قیمت واجب ہے؟ ۲۶۲
۸۵۷۰ خریدار کا زمین خالی کرانے کے لئے چھپ کر فصل کاٹ لینا ۲۶۳
۸۵۷۱ فرضی بل کے ذریعہ سرکاری گرفت سے بچنا ۲۶۵
۸۵۷۲ حکومت کے قانون کے خلاف نیپال میں جا کر غلہ بیچنا ۲۶۶
۸۵۷۳ وکیل کا فعل موکل کے فعل کے حکم میں ہوتا ہے ۲۶۷
۸۵۷۴ فروختگی کا وکیل بنانا ۲۶۸
۸۵۷۵ بائع مبیع کی قیمت وکیل سے کم لے تو کیا حکم ہے؟ ۲۷۰
۸۵۷۶ مستحق نکل آنے والی زمین کا حکم ۲۷۱

۸۵۷۷ پریس والوں کا پوری قیمت وصول کر کے کچھ اشتہار کم دینا ۲۷۲
۸۵۷۸ سپلائر کارخانہ دار سے سامان خرید کر دوکاندار کو کم قیمت میں فروخت کرنا . ۲۷۳
۸۵۷۹ مبیع کو انعام کے ساتھ فروخت کرنا ۲۷۵
۸۵۸۰ اسکیم کے تحت پنکھے کی خرید وفروخت.................. ۲۷۶
۸۵۸۱ عقد کے وقت ثمن میں جہالت نہ ہو تو عقد صحیح ہے؟ ۲۷۷
۸۵۸۲ پیکنگ شدہ ڈبوں کو وزن کئے بغیر خرید وفروخت کرنا ۲۷۸
۸۵۸۳ بنجر زمین کو آباد کرنا ۲۸۰
۸۵۸۴ سرکاری افتادہ زمین کی خرید وفروخت کی شرعی حیثیت ۲۸۱
۸۵۸۵ کیا جلسہ کے موقع پر بالعوض کھانا کھانا بیع ہے؟ ۲۸۸
۸۵۸۶ مکمل قیمت کی وصولیابی سے قبل بیوہ کا اپنی زمین میں نماز سے روکنا . ۲۸۹
۸۵۸۷ مشتری اول کا پوری رقم دینے سے قبل مشتری ثانی کو فروخت کرنا ۲۹۱
۸۵۸۸ جائیداد پر قبضہ کرنے سے پہلے مشتری کا بائع کو وکیل بالبیع بنانا ۲۹۲
۸۵۸۹ قبضہ سے پہلے زمین کی خرید وفروخت کا حکم ۲۹۳
۸۵۹۰ متعینہ بکنگ شدہ زمین کو منافع کے ساتھ فروخت کرنا ۲۹۴
۸۵۹۱ قبضہ سے قبل زمین کو فروخت کرنا ۲۹۶
۸۵۹۳ ادھار خریدی ہوئی زمین میں مالک کی اجازت سے کھیتی کرنے کا حکم . ۲۹۸
۸۵۹۴ خرید وفروخت کی ایک شکل کا حکم ۲۹۹
۸۵۹۵ خریدار پر دین مہر ادا کرنا لازم نہیں اور فروختگی کے بعد ورثاء کو حق اعتراض نہیں . ۳۰۱
۸۵۹۶ مکان کی فروختگی کی قیمت وصول ہونے کے بعد مالک کا کوئی حق باقی نہیں رہتا ۳۰۲
۸۵۹۷ والد کے مکان فروخت کرنے کے بعد اولاد کا دعویٰ معتبر نہیں ۳۰۳
۸۵۹۹ والدہ کا حالت صحت میں اپنی جائیداد بیچنا ۳۰۷
۸۶۰۰ بائع کا زمین پر قبضہ دینے کے بعد اس کے ورثاء کا بیچنے سے انکار کرنا . ۳۰۸

٨٦٠١	کیا پھٹی بوریوں سے گرنے والی کھاد دوکان دار استعمال کرسکتا ہے؟	٣٠٩
٨٦٠٢	دوکان دار کا کم قیمت لینا	٣١٠
٨٦٠٣	قصاب کا چرم قربانی بازاری بھاؤ سے کم قیمت پر خریدنا	٣١١
٨٦٠٤	زائد قیمت کے چاول کے ساتھ کم قیمت والے چاول بیچنا..........	٣١٢
٨٦٠٥	کرایہ دار کے مکان خالی نہ کرنے پر اسی کے ہاتھ کم قیمت پر بیچنا	٣١٣
٨٦٠٦	کتے کے جھوٹے آٹے کی بیع کا حکم....................	٣١٤
٨٦٠٧	اولاد نے والد کے ساتھ رہ کر جو کمائی کی وہ کس کی ملک ہے؟	٣١٥
٨٦٠٨	دودھ کی بالائی مشین کے ذریعہ نکال کر فروخت کرنا	٣١٦
٨٦٠٩	فوٹو فریم بنا کر فروخت کرنا	٣١٧
٨٦١٠	غیر مسلم کو قرآن شریف فروخت کرنے کا حکم	٣١٨
٨٦١١	آیاتِ قرآنیہ والے کلینڈر غیر مسلم کو فروخت کرنے کا حکم..........	٣١٩
٨٦١٢	سرکار کی طرف سے بینڈ شدہ کتاب کی فروختگی کا حکم	٣٢٠
٨٦١٣	مسلم شخص کا غیر مذہبی فوٹو کی کتابیں فروخت کرنا..........	٣٢١
٨٦١٤	لہو ولعب کی چیزیں بنانے اور بیچنے کا حکم	٣٢٢
٨٦١٥	مانجھے کی آمدنی کا حکم	٣٢٣
٨٦١٦	پوجا پاٹ اور نذر ونیاز میں استعمال ہونے والی اشیاء کی خرید وفروخت کا حکم	٣٢٣
٨٦١٧	پوجا میں استعمال ہونے والے پیتل کے چراغ بنانا	٣٢٥
٨٦١٨	گھنٹی، ترشول، اوم، چراغ وغیرہ آرڈر پر بنانا	٣٢٦
٨٦١٩	مانع حمل دواؤں کی خرید وفروخت کا حکم	٣٢٧
٨٦٢٠	زمین کی بقیہ قیمت کی ادائیگی موجودہ وقت کے اعتبار سے ہوگی یا خرید کے؟	٣٢٨
٨٦٢١	پھل آنے سے قبل بور آنے کے بعد باغوں کی خرید وفروخت	٣٢٩
٨٦٢٢	باغات کی فروختگی میں جواز کی متبادل شکل	٣٣٠

۸۶۲۳	زمین مع باغ ٹھیکہ پر دینا	۳۳۲
۸۶۲۴	باغ مع زمین ایک سال یا کئی سال کے لئے فروخت کرنا	۳۳۲
۸۶۲۵	کیروسین کی خرید وفروخت	۳۳۳
۸۶۲۶	راشن دوکان سے غلہ خریدنا	۳۳۵
۸۶۲۷	دوسروں کے کنکشن سے گیس لے کر زیادہ قیمت میں فروخت کرنا	۳۳۶
۸۶۲۸	گیس کی کالا بازاری کی شرعی حیثیت	۳۳۷
۸۶۲۹	132 نمبر کا پلاٹ بیچ کر 131 نمبر کا پلاٹ دینا	۳۳۸
۸۶۳۰	گلوکوز کی خرید وفروخت کا حکم	۳۴۰
۸۶۳۱	چوری کا اڈا بنانے والے کو زمین فروخت کرنے کا حکم	۳۴۱
۸۶۳۲	ویزا کی خرید وفروخت	۳۴۱
۸۶۳۳	اخبار کی خریداری کی قیمت کو فیس قرار دینے کا حکم	۳۴۲
۸۶۳۴	ہوٹل والوں کا زیادہ قیمت میں کھانا فروخت کرنے کا حکم	۳۴۳
۸۶۳۵	قانوناً پابندی شدہ جنگلات سے لکڑیاں کاٹ کر لانا	۳۴۵
۸۶۳۶	سرکاری جنگلات کی لکڑیوں کی خرید وفروخت کا حکم	۳۴۶
۸۶۳۷	دریائی جانوروں کی بیع اور ان کے کھانے کا حکم	۳۴۷
۸۶۳۸	مردار کی ہڈی، دانت، سینگ، پٹھے کی خرید وفروخت کا حکم	۳۴۸
۸۶۳۹	مردار جانور کے کچے چمڑے اور ہڈی کی خرید وفروخت کا حکم	۳۴۹
۸۶۴۰	حلال جانوروں کے کون کون سے اعضاء کی تجارت جائز ہے؟	۳۵۱
۸۶۴۱	مرغ وغیرہ جانوروں کو زندہ فروخت کرنے کا حکم	۳۵۱
۸۶۴۲	زندہ جانور تول کر بیچنا	۳۵۲
۸۶۴۳	مذبوحہ جانوروں کے اعضائے تناسل اور خون کی بیع کا حکم	۳۵۳
۸۶۴۴	سمندری کیکڑے کی خرید وفروخت کا حکم	۳۵۴

۸۶۴۵ کتے کی بیع کی شرعی حیثیت ۳۵۶
۸۶۴۶ انسانی وحیوانی فضلات کی خرید وفروخت کا حکم ۳۵۷
۸۶۴۷ بریلوی مسلک کے لوگوں کو زمین فروخت کرنے کا حکم ۳۵۸

❐	۲/ باب الخیار	۳۶۰

۸۶۴۸ بیع کے تام ہونے کے بعد کسی ایک فریق کے بیع کو ختم کرنے کا حکم ... ۳۶۰
۸۶۴۹ عقد صحیح کے بعد واپسی پر مجبور کرنا ۳۶۲
۸۶۵۰ بیعانہ کی ادائے گی نہ کرنے پر کیا بیع کو ختم کیا جا سکتا ہے؟ ۳۶۳
۸۶۵۱ مدت متعینہ پر ثمن کی ادائے گی نہ ہونے پر بائع کو خیار فسخ حاصل ہے . ۳۶۴
۸۶۵۲ مال میں نقص نکلنے پر کارخانہ دار پر ہرجانہ عائد کرنا ۳۶۶
۸۶۵۳ وقت پر قیمت ادا نہ کرنے کی وجہ سے معاملہ فسخ کرنا ۳۶۷
۸۶۵۴ بیع تام اور لازم ہونے کے بعد معاملہ منسوخ کرنے کا حکم ۳۶۹
۸۶۵۵ وعدہ کی خلاف ورزی پر سابقہ معاملہ ختم کردینے کا حکم ۳۷۰

❐	۳/ باب العربون	۳۷۲

۸۶۵۶ بیعِ عربون ۳۷۲
۸۶۵۷ بیعانہ دے کر خرید وفروخت کرنے کا حکم ۳۷۳
۸۶۵۸ کیا دھوکہ سے اپنے نام بیع نامہ کرانے سے ملکیت ثابت ہو جائے گی ۳۷۴
۸۶۵۹ کیا ''امداد الفتاویٰ'' میں بیعانہ ضبط کرنے کا مسئلہ ہے؟ ۳۷۵
۸۶۶۰ زرِ بیعانہ کی واپسی کا حکم ۳۷۶
۸۶۶۱ بیعانہ کی واپسی لازم ہے ۳۷۷
۸۶۶۲ بیعانہ کی رقم ضبط کرنے کا حکم ۳۷۸

۸۶۶۳ بیعانہ کی واپسی پر زائد رقم لینا ۳۷۹
۸۶۶۴ بیعانہ کے بعد معاملہ ختم کرنے کا حکم ۳۸۱
۸۶۶۵ جائیداد کا بیعانہ دوسرے کو دے کر سوتیلے بیٹے کو فروخت کرنا ۳۸۲
۸۶۶۶ بائع کا بیعانہ کی رقم جمع کرنا اور مشتری کا ڈبل رقم لینا ۳۸۳
۸۶۶۷ معاملہ ختم ہونے کی صورت میں بیعانہ کی رقم کا حکم ۳۸۵
۸۶۶۸ بیعانہ کی ڈبل رقم واپس کرنا ۳۸۶
۸۶۶۹ خریداری میں دی گئی رقم کی واپسی میں دوگنی رقم لینا ۳۸۷

❐	۴/ باب البیع الفاسد، والباطل، والمکروہ	۳۹۰

۸۶۷۰ شرطِ فاسد کے ساتھ خرید وفروخت کی شرعی حیثیت ۳۹۰
۸۶۷۱ شروط فاسدہ کے ساتھ بیع کا معاملہ ۳۹۰
۸۶۷۲ بیع میں شرطِ فاسد لگانے کا حکم ۳۹۲
۸۶۷۳ بیع واجارہ بیک وقت شیٔ واحد میں کرنے کا حکم ۳۹۴
۸۶۷۴ معدوم کی بیع کا حکم ۳۹۶
۸۶۷۵ ''بیع منابذہ'' ۳۹۸
۸۶۷۶ کمیٹی کا خریدار سے متعینہ رقم سے زیادہ کا مطالبہ کرنا ۳۹۹
۸۶۷۷ دوسرے کی زمین فروخت کرنے کا حکم ۴۰۲
۸۶۷۸ دوسرے کی دوکان اپنی بنا کر فروخت کرنے کا حکم ۴۰۳
۸۶۷۹ دوسرے کی چیز بلا اجازت فروخت کرنے کا حکم ۴۰۴
۸۶۸۰ لون کے رکشے فروخت کرنے کا حکم ۴۰۶
۸۶۸۱ سامان نہ ملنے پر ۴۵؍سو کی جگہ چھ ہزار لینے کا حکم ۴۰۸
۸۶۸۲ ۵۰۰؍روپئے کا بل ۴۰۰؍روپئے میں فروخت کرنا ۴۱۰

۸۶۸۳ پیمنٹ کی دوسونوے کی پرچی ۲۸۰ ؍میں فروخت کرنا............. ۴۱۱
۸۶۸۴ ڈیڑھ روپئے فی اشتہار معاملہ طے کرنے کے بعدایک روپئے میں چھپوانا. ۴۱۲
۸۶۸۵ دیوالی پرمسلمان کا آتش بازی کی اشیاءفروخت کرنا ۴۱۳
۸۶۸۶ گرین وے پشو پالن میں حصہ لینا.............................. ۴۱۴
۸۶۸۷ سودی رقم سے، جھوٹ بول کر یا کم تول کرتجارت کرنا ۴۱۶
۸۶۸۸ لاٹری کے پتے، تاش، لوڈو، کنچے، آتش بازی بیچنے کا حکم ۴۱۷
۸۶۸۹ غیرشرعی لباس کوسلنا اورفروخت کرنا کیسا ہے؟ ۴۱۸
۸۶۹۰ ہیروئن کی بیع وشراء... ۴۱۹
۸۶۹۱ نشہ آور چیزوں کی خریدوفروخت کا حکم ۴۲۱
۸۶۹۲ شراب سے بنے ہوئے سرکہ کا استعمال وتجارت ۴۲۲
۸۶۹۳ اعضائے انسانی کی خریدوفروخت کا حکم ۴۲۴
۸۶۹۴ گوبراوراس سے نکلے ہوئے دانے کی تجارت ۴۲۵
۸۶۹۵ مردار جانور کی ہڈی، کھال اور چربی فروخت کرنے کا حکم ۴۲۷
۸۶۹۶ میتہ بکریوں کی بیع اوراس کی آمدنی کا حکم ۴۲۸
۸۶۹۷ مردار جانوروں کے گوشت کی خریدوفروخت ۴۳۰
۸۶۹۸ جھٹکے کے بکرے کی آنت کی تجارت کا حکم ۴۳۱
۸۶۹۹ خون کی مصنوعات کی تجارت...................................... ۴۳۳
۸۷۰۰ خون کی بیع کا حکم ۴۳۴
۸۷۰۱ خون سے بنے مچھلیوں کے دانہ کی خریدوفروخت کا حکم ۴۳۷
۸۷۰۲ بیع سرطان کا حکم... ۴۳۹
۸۷۰۳ خنزیر کے بالوں کے ساتھ دوسرے جانور کے بالوں سے برش بنانا .. ۴۴۰
۸۷۰۴ فحش کتابیں اورخنزیر کی چربی سے بنے چپس فروخت کرنے کا حکم ۴۴۱

۸۷۰۵ ادھیا پر بکری دینا ۴۴۲
۸۷۰۶ چار من غلہ پر زمین کاشتکاری کے لئے دینا ۴۴۳
۸۷۰۷ زمین کی فروختگی کی ایک شکل ۴۴۴
۸۷۰۸ زمین کی فروختگی کی ایک ناجائز شکل ۴۴۶
۸۷۰۹ قسطوار زمین کی خرید وفروخت کرنے والی کمپنی کا ممبر بننا ۴۴۷
۸۷۱۰ زمین کو فروخت کرنے کی ایک ناجائز شکل ۴۵۰
۸۷۱۱ پتنگ بنانا اور فروخت کرنا کیسا ہے؟ ۴۵۲
۸۷۱۲ جانوروں کی تصاویر بنانا اور ان کا کاروبار کرنا ۴۵۳
۸۷۱۳ پیتل کے ہاتھی گھوڑے وغیرہ بنانا ۴۵۴
۸۷۱۴ پیتل وغیرہ کی مورتی بنانا کیسا ہے؟ ۴۵۵
۸۷۱۵ تانبا پیتل سے جانوروں کا مجسمہ بنانا ۴۵۶
۸۷۱۶ چوری کے سامان کی خرید وفروخت کا شرعی حکم ۴۵۸
۸۷۱۷ چوری کا مال خریدنا کیسا ہے؟ ۴۶۰
۸۷۱۸ مال مسروق کی بیع وشراء کا حکم ۴۶۱
۸۷۱۹ چوری کی لکڑی کی خرید وفروخت اور عددوں کو تیار کرنے پر مزدوری لینا ۴۶۳
۸۷۲۰ باغات کی خرید وفروخت ۴۶۵
۸۷۲۱ بدو صلاح سے قبل پھلوں کی خرید وفروخت ۴۶۷
۸۷۲۲ بہار انبہ کی فصل کی خرید وفروخت ۴۶۹
۸۷۲۳ باغ خریدنے کی جائز اور ناجائز شکلیں ۴۷۰
۸۷۲۴ پھل آنے سے قبل باغات کی خرید وفروخت ۴۷۱
۸۷۲۵ پھل آنے سے قبل باغ کے بیع وشراء کی جائز اور ناجائز صورت ۴۷۳
۸۷۲۶ پھل آنے سے پہلے ان کی بیع کا حکم ۴۷۵

۸۷۲۷ پھل آنے سے پہلے فروخت کئے گئے باغوں کے پھلوں کا حکم ۴۷۷
۸۷۲۸ پھلوں کی فروختگی میں پہلا عقد فاسد ہونے کے بعد دیگر عقود کا صحیح ہو جانا.. ۴۷۹
۸۷۲۹ ''بیع عرایا'' کی تفسیر میں ائمہ حدیث اور فقہاء کا اختلاف ۴۸۰
۸۷۳۰ ایسے باغات کی خریداری کا حکم جن کی زمین میں کاشت نہیں ہوتی ... ۴۸۱
۸۷۳۱ کئی سال کے لئے باغات کو ٹھیکہ پر لینا ۴۸۲
۸۷۳۲ باغ کی فصل فروخت کرنے کا حکم ۴۸۳
۸۷۳۳ پانچ کوئنٹل آم کے عوض باغ فروخت کرنے کا حکم ۴۸۴
۸۷۳۴ بیس کوئنٹل آم پر باغ فروخت کرنے کا حکم ۴۸۵
۸۷۳۵ ''احتکار'' کا مطلب ۴۸۶
۸۷۳۶ احتکار کی ممانعت کا مصداق ۴۸۷
۸۷۳۷ بغرضِ تجارت ذخیرہ اندوزی کرنا ۴۸۸
۸۷۳۸ غلہ کی ذخیرہ اندوزی کرکے فروخت کرنے کا حکم ۴۸۹
۸۷۳۹ اناج اسٹاک کرکے رکھنے کا حکم ۴۹۰
۸۷۴۰ زیادتی ثمن کے لئے پہلے خریدار سے معاملہ ختم کرنے کا حکم ۴۹۱
۸۷۴۱ سرکاری باغ سے لکڑی چوری کرکے مکتب میں فروخت کرنا ۴۹۳
۸۷۴۲ جانتے ہوئے چوری کا سامان خریدنا مکروہ ۴۹۴
۸۷۴۳ پتنگ اور پٹاخوں کی تجارت کا حکم ۴۹۵
۸۷۴۴ تصویر والے کپڑوں کی تجارت ۴۹۶
۸۷۴۵ مصور زیورات کی خرید فروخت کی شرعی حیثیت ۴۹۷
۸۷۴۶ خنزیر کے برش میں لگنے والے دیگر آلات کا آرڈر لینا ۴۹۸
۸۷۴۷ نجش فی البیع کا حکم ۴۹۹

❐	۵/ باب حط الثمن وزیادته نقدا و نسیئة	۵۰۱

۸۷۴۸ ادھار خرید وفروخت ۵۰۱

۸۷۴۹ ادھار خرید وفروخت کا حکم ۵۰۲

۸۷۵۰ فائنس کا حکم ۵۰۳

۸۷۵۱ ادھار پر مونجی کی فصل کسانوں سے خریدنے کا حکم ۵۰۴

۸۷۵۲ قسطوں پر سواری یا سامان کی خریداری ۵۰۵

۸۷۵۳ گڑ کی بھیلی بازار کی قیمت سے کم یا زیادہ قیمت پر بنانا ۵۰۶

۸۷۵۴ سوسائٹی سے کھاد خریدنے کا حکم ۵۰۹

۸۷۵۵ قیمت بڑھا کر ادھار فروخت کرنا ۵۰۹

۸۷۵۶ ادھار کی صورت میں مبیع کی قیمت بڑھانا ۵۱۰

۸۷۵۷ کیش لے کر کم قیمت پر سامان بعد میں دینا ۵۱۱

۸۷۵۸ قیمت بڑھا کر قسطوار ادھار بیچنا ۵۱۲

۸۷۵۹ ادھار ونقد کی صورت میں قیمت میں تفاوت کا حکم ۵۱۳

۸۷۶۰ نقد وادھار کی وجہ سے قیمت میں کمی زیادتی کرنا ۵۱۴

۸۷۶۱ نقد وادھار معاملہ میں قیمت میں کمی بیشی کرنا ۵۱۶

۸۷۶۲ نقد ۸۰/روپئے اور ایک ماہ کی ادھاری پر ۸۵/روپئے میں فروخت کرنا ۵۱۷

۸۷۶۳ نقد اور ادھار کی صورت میں قیمتوں کے فرق کا حکم ۵۱۸

۸۷۶۴ نقد اور ادھار کی قیمت میں فرق کرنا ۵۱۹

۸۷۶۵ ادھار معاملہ میں کمی وبیشی کا حکم ۵۲۰

۸۷۶۶ نقد میں کم اور ادھار میں زائد روپئے لینا ۵۲۱

❐	٦/ باب المرابحة	۵۲۳

۸۷٦۷ شرعاً نفع لینے کی حد کیا ہے؟ ۵۲۳
۸۷٦۸ دوگنے نفع پر فروخت کرنے کا حکم ۵۲۴
۸۷٦۹ سلنڈر بلیک کرنا........................ ۵۲۵
۸۷۷۰ لون پر رکشہ لینے کی جائز شکل ۵۲۷
۸۷۷۱ کمیشن پر کتاب لا کر پوری قیمت میں فروخت کرنا ۵۲۸
۸۷۷۲ ایک روپئے کی چیز سو روپئے میں فروخت کرنا ۵۲۹
۸۷۷۳ بیس ہزار کا مال ۲۴/ ہزار میں فروخت کرنے کا حکم ۵۳۰

❐	۷/ بیع التلجئة	۵۳۲

۸۷۷۴ ''بیع تلجئہ'' کا مقصد ۵۳۲
۸۷۷۵ بیع تلجئہ ۵۳۳
۸۷۷٦ کسی کے نام سے خریدنے کا حکم........................ ۵۳۵
۸۷۷۷ نام کردینے سے ملکیت کا حکم........................ ۵۳۹
۸۷۷۸ محض نام کرنے سے ملکیت کا حکم ۵۴۱
۸۷۷۹ جائیداد نام کرنے سے ملکیت کا حکم ۵۴۳
۸۷۸۰ اولاد کے نام جائیداد خریدنے کا حکم ۵۴۵
۸۷۸۱ لڑکوں کے نام سے جائیداد خریدی تو وہ کس کی ملک ہوگی؟ ۵۴۹
۸۷۸۲ خوف کے سبب عارضی طور پر کسی کے نام جائیداد ۵۵۰
۸۷۸۳ غلطی سے دوسرے کے نام رجسٹری ہونے سے ملکیت کا حکم ۵۵۲
۸۷۸۴ مصلحتاً بڑے لڑکے کے نام بیع نامہ کرانے سے ملکیت کا حکم ۵۵۴

۸۷۸۵ انکم ٹیکس سے بچنے کی غرض سے کاروبار بیوی بچوں کے نام کرنے کا حکم ۵۵۵
۸۷۸۶ بیوی کے نام زمین کرانے سے ملکیت کا حکم ۵۶۰
۸۷۸۷ بیوی بچوں کے نام بیع نامہ کرانے سے ملکیت ثابت نہیں ہوتی ۵۶۱
۸۷۸۸ بیوی کے نام سے زمین خریدنا ۵۶۳
۸۷۸۹ بیوی کی دل جوئی کے لئے مکان اس کے نام سے خریدنے کا حکم ۵۶۴
۸۷۹۰ انکم ٹیکس سے بچنے کے لئے بیوی کے نام جائیداد کرنے کا حکم ۵۶۶
۸۷۹۱ بیوی کے نام مکان خریدنے سے کیا وہ مالک ہو جائے گی؟ ۵۶۷
۸۷۹۲ بیوی کے نام سے جائیداد خریدنے کا حکم ۵۶۹
۸۷۹۳ قانونی مصلحت کی بناپر بہن کے نام رجسٹری کرانے سے ملکیت کا حکم . ۵۷۰
۸۷۹۴ بڑے بھائی کے نام بیع نامہ ہونے کے باوجود دوسرا بھائی حق دار ۵۷۲

۸/ باب الصرف ۵۷۵

۸۷۹۵ سونے کی ادھار بیع کا حکم ۵۷۵
۸۷۹۶ سونے اور چاندی کے زیورات کی ادھار خرید وفروخت کا حکم ۵۷۶
۸۷۹۷ سونے چاندی کی ادھار بیع وشراء کی شرعی حیثیت ۵۷۷
۸۷۹۸ قسطوں پر سونے چاندی کی خرید وفروخت کا حکم ۵۷۷
۸۷۹۹ سونے کو سونے کے عوض چاندی کو چاندی کے عوض کمی بیشی کے ساتھ فروخت کرنا ۵۷۸
۸۸۰۰ ۲۰/ ہزار کے زیورات ۲۴/ ہزار میں فروخت کرنے کا حکم ۵۸۰
۸۸۰۱ ریال کا تبادلہ اس سے کم مالیت کے سکوں سے کرنے کا حکم ۵۸۱
۸۸۰۲ دوملکوں کی کرنسیوں کے کمی بیشی کے ساتھ تبادلہ کا حکم ۵۸۲
۸۸۰۳ دوسو روپئے کے نوٹوں کے ہار کو تین سو روپئے میں بیچنا ۵۸۳
۸۸۰۴ بوسیدہ نوٹ کم قیمت میں فروخت کرنے کا حکم ۵۸۴

۸۸۰۵ ۹۵/روپئے ریزگاری کا سوروپئے سے تبادلہ کرنا ۵۸۵

❐	۹/ باب السلم	۵۸۷

۸۸۰۶ بیع سلم کی تعریف اور شرائط ۵۸۷
۸۸۰۷ پیشگی رقم لے کر مبیع بعد میں دینا ۵۸۸
۸۸۰۸ پیشگی رقم لے کر مبیع کو فروخت کرنے کی چار شکلوں کا حکم ۵۸۹
۸۸۰۹ مال کے لئے آرڈر دے کر نہ لینے کا حکم ۵۹۱
۸۸۱۰ تاریخ اور کھیت متعین کئے بغیر فصل سے پہلے گیہوں خریدنا ۵۹۳
۸۸۱۱ فصل کاٹنے سے پہلے کاشتکار کو روپئے دینے کا حکم ۵۹۴
۸۸۱۲ فصل کی کٹائی سے پہلے سوروپئے کوئنٹل گیہوں خریدنا ۵۹۵
۸۸۱۳ بیع سلم میں مسلم فیہ کی مقدار کا متعین نہ ہونے کا حکم ۵۹۶
۸۸۱۴ بیع سلم کی ایک صورت ۵۹۶
۸۸۱۵ بیع سلم کی ایک جائز صورت ۵۹۷
۸۸۱۶ بیع سلم کا مشہور معاملہ ۵۹۸
۸۸۱۷ قیمت کی ادائے گی کے چھ ماہ بعد مال وصول کرنا ۵۹۹
۸۸۱۸ دھان پر پیسہ دینا ۶۰۱
۸۸۱۹ بیع سلم میں روپئے کے عوض دھان لینے کی شرط کا حکم ۶۰۲
۸۸۲۰ قرض کی رقم کے عوض میں دھان لینا ۶۰۳
۸۸۲۱ بیع سلم میں روپئے کے عوض دھان لینے کی شرط ۶۰۵
۸۸۲۲ ادھار معاملہ میں قیمت میں زیادتی اور بیع سلم سے متعلق ایک سوال .. ۶۰۵
۸۸۲۳ باغات کی فصل فروخت کرنے کی ایک شکل ۶۰۷

۱۰/ باب الاستصناع	۶۰۹

۸۸۲۴ بیع استصناع ۶۰۹
۸۸۲۵ عقدِ استصناع کا مدار عرف وتعاملِ ناس پر ہے یا نصوص پر؟ ۶۱۳
۸۸۲۶ عقدِ استصناع اجارہ ہے یا بیع؟ ۶۱۵
۸۸۲۷ کئی واسطوں سے معاملہ استصناع ۶۱۶
۸۸۲۸ باہر کے بایر سے آرڈر لینے والے ایکسپورٹر کو صانع کہا جائے یا مستصنع؟ ۶۱۷
۸۸۲۹ غیر منقول اشیاء میں استصناع کا معاملہ ۶۱۸
۸۸۳۰ گاڑی وغیرہ بڑی چیزوں میں استصناع کا معاملہ ۶۱۹
۸۸۳۱ عقدِ استصناع کی شکل میں مکان، فلیٹ وغیرہ کا معاملہ ۶۲۰
۸۸۳۲ (صانع) کاریگر کو اجیر کب قرار دیا جائے؟ ۶۲۱
۸۸۳۳ ایک ماہ سے زیادہ مدت ہو تو کیا معاملہ استصناع سلم میں تبدیل ہو جاتا ہے؟ ۶۲۲
۸۸۳۴ عقدِ استصناع اجارہ کب ہوگا؟ ۶۲۴
۸۸۳۵ مدت متعینہ میں مال تیار نہ کرنے سے آرڈر کینسل کرنے کا حق ۶۲۵
۸۸۳۶ استصناع میں مال صانع کا ہو تو وہ بائع ہو جائے گا ۶۲۶
۸۸۳۷ مال کے لئے انکار پر پیشگی رقم کا ضبط کرنا ۶۲۷
۸۸۳۸ داخلی لوگوں نے مال کی تیاری میں تاخیر کردی، جس سے باہر کے خریدار نے آرڈر کینسل کر دیا، تو نقصان کی تلافی کون کرے؟ ۶۲۸
لوکل اور بین الاقوامی مارکیٹ میں عقدِ استصناع کے مسائل ۶۳۰
معاملۂ استصناع کے جواز کا مدار تعاملِ ناس پر ۶۳۰
عقدِ استصناع اور عقد سلم کا فرق ۶۳۲
عقدِ استصناع بیع ہے یا وعدۂ بیع؟ ---------------------------- ۶۳۳

پہلے خریدار کا دوسرے خریدار کو دوسرے خریدار کا تیسرے خریدار کو
فروخت کرنے کا معاملہ ۶۳۵
چھوٹی منقول اشیاء کی طرح بڑی چیزوں میں استصناع کا معاملہ ۶۳۷
غیر منقول عقار میں استصناع کا معاملہ ۶۳۸
عقدِ استصناع میں بیعانہ ضبط کرنے کا حکم ۶۳۹
ضروری وضاحت ۶۴۲
معاملۂ استصناع اجارہ کب بن سکتا ہے؟ ۶۴۳
طے شدہ شرائط اور نمونہ کی خلاف ورزی پر نقصان کا بھگتان کس پر؟ .. ۶۴۵
استصناع کی شکل ۶۴۵
اجارہ کی شکل ۶۴۶
معاملۂ استصناع کو منسوخ کرنے کی شکلیں ۶۴۸
امام ابو یوسفؒ کے قول کی ترجیح ۶۵۱
عقدِ استصناع میں مدت کی تعیین کا مسئلہ ۶۵۳
عقدِ استصناع میں طے شدہ مدت سے تاخیر کے نقصان کا عوض ۶۵۵
مقالہ کا خلاصہ اور جوابات کا حاصل ۶۵۶

❑	۱۱ / باب بیع الوفاء	۶۶۱

۸۸۳۹ بیع الوفاء ۶۶۱
۸۸۴۰ بیع الوفاء کا حکم ۶۶۲
۸۸۴۱ ’’بیع الوفاء‘‘ کا جواز ۶۶۵
۸۸۴۲ کیا ہندوستان میں عقودِ فاسدہ جائز ہیں؟ ۶۶۷
۸۸۴۳ قرض کی واپسی تک زمین کو فروخت کرنے کا حکم ۶۶۹

۸۸۴۴ رہن یا کرایہ پر رکھی ہوئی زمین سے فائدہ اٹھانے کی مختلف شکلیں ... ۶۷۱
بیع الوفاء کی شرعی حیثیت ... ۶۷۵
بیع الوفاء کے اسماء ... ۶۷۵
بیع الوفاء کی حقیقت ... ۶۷۸
بیع الوفاء کا جواز ... ۶۷۹
معتدل اور مناسب حکم ... ۶۸۲
بیع الوفاء کے بارے میں مفصل بحث اور فقہاء کی آراء ... ۶۸۳
بیع صحیح کے قائلین ... ۶۸۴
بیع فاسد کے قائلین ... ۶۸۶
بیع صحیح یا بیع فاسد کے قائلین ... ۶۸۷
رہن کے حکم کے قائلین ... ۶۸۹
بیع المکرہ کے حکم کے قائلین ... ۶۹۳
بیع اور رہن سے مرکب کے قائلین ... ۶۹۵
بیع صحیح اور بیع فاسد اور رہن تینوں سے مرکب کے قائلین ... ۶۹۶
مبیع کو کرایہ پر دینے کا حکم ... ۶۹۸
بیع الوفاء میں مبیع کی آمدنی کا حق دار کون؟ ... ۷۰۱
بیع الوفاء میں مبیع کے نقصان کی تلافی ... ۷۰۱
بیع الوفاء میں ثمن کی زکوٰۃ کون ادا کرے؟ ... ۷۰۳
بائع اور مشتری کا اختلاف ... ۷۰۴

□	۱۲/ باب الشفعة	۷۰۷

۸۸۴۵ اپنے پڑوس کو بتائے بغیر زمین فروخت کرنے کا حکم ... ۷۰۷

۸۸۴۶ مکان میں شریک شفعہ کا مستحق ہے یا قبرستان؟ ۷۰۸
۸۸۴۷ شریک فی حق المبیع کو شفعہ میں حق تقدم حاصل ہے ۷۰۹
۸۸۴۸ دس ماہ کے بعد حق شفعہ کا دعویٰ کرنا ۷۱۰
۸۸۴۹ ایک سال بعد حق شفعہ کا دعویٰ کرنا ۷۱۱

❑	۱۳ / باب المزارعة	۷۱۳

۸۸۵۰ پندرہ کیلو تیل پر کھیتی کاشت کے لئے دینا ۷۱۳
۸۸۵۱ مزارعت میں مخصوص مقدار کی شرط لگانے کا حکم ۷۱۵
۸۸۵۲ ایک کا کھیت اور دوسرے کی محنت و بیج ہونے کی صورت کا حکم ۷۱۶
۸۸۵۳ مزارعت میں خاص مقدار میں غلہ متعین کرنا ۷۱۷
۸۸۵۴ پیسوں کے عوض میں زمین کو کرایہ پر دینا ۷۱۸
۸۸۵۵ متعین غلہ کے عوض میں زمین کرایہ پر دینا ۷۱۹
۸۸۵۶ غیر کی ملکیت میں لگایا گیا پودا کس کا ہوگا؟ ۷۲۰

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۲۴/ بقية كتاب الوقف

۹/ باب المدارس

الفصل الأول: في المدارس

کیا مدرسوں میں دین پڑھایا جاتا ہے سکھایا نہیں جاتا؟

سوال [۸۴۰۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں:
(۱) ایک شخص نے یہ کہا ہے کہ مدارس میں دین پڑھایا جاتا ہے، دین سکھایا نہیں جاتا اور دوسرے شخص نے بھی یہی کہا ہے کہ میں دیانت داری سے کہتا ہوں کہ مدرسوں میں دین نہیں سکھایا جاتا پڑھایا جاتا ہے، مدرسوں میں دین پڑھایا جاتا ہے۔ کیا ان صاحب کی یہ بات صحیح ہے؟
(۲) حدیث شریف: ''**خیر کم من تعلم القرآن وعلمه**'' کا مصداق کیا مدارس نہیں ہیں؟ اگر مدرسہ والے یہ کہیں کہ اس حدیث کے مصداق ہم ہیں، تو یہ بات درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: عقیل الرحمٰن نہٹور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) شخص مذکور کا یہ جملہ کہ مدارس میں دین پڑھایا جاتا ہے سکھایا نہیں جاتا ناواقفیت پر مبنی ہے؛ کیوں کہ مدارسِ اسلامیہ میں تعلیم کے ساتھ ساتھ تربیت کا بھی انتظام ہوتا ہے۔
(۲) اس حدیث شریف کا صحیح مصداق مدارسِ اسلامیہ ہی ہیں، جن میں قرآن کریم کی تعلیم

اور تربیت دی جاتی ہے۔

ثم الخطاب عام لا يختص بالصحابة، ولو خص بهم فغيرهم بالطريق الأولیٰ، ولكن لا بد من تقييد التعلم والتعليم بالإخلاص. (بذل المجهود، كتاب الصلاة، باب في ثواب قراءة القرآن، دارالبشائر الإسلامية ٦/ ١٦٠، تحت رقم الحديث: ١٤٥٢)

والحاصل أنه إذا كان خيرا لكلام كلام الله، فكذلك خير الناس بعد النبيين من يتعلم القرآن ويعلمه، لكن لابد من تقييد التعلم والتعليم بالإخلاص. (مرقاة، كتاب فضائل القرآن، الفصل الأول، مكتبه إمداديه ملتان ٤/ ٣٣٣، حاشية ابن ماجة/ ١٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/۵/۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۴۴/۱۱۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۹/۵/۱۴۳۵ھ

دینی مذہبی ادارہ کو رجسٹریشن کرانے کا حکم

سوال [۸۴۱۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (الف) ایک مسئلہ ہے کہ جس کے مفصل احکام اصول فقہ کے مطابق علماء کرام نے بیان فرمائے اور تمام فقہی کتابوں میں اس کے اصول سے مستقل ابواب قائم فرمائے، ہندوستان میں موجودہ اوقاف بورڈوں کے قوانین وضوابط اسی پر مشتمل ہیں جو کہ خالص مسلمانوں کے لئے ہے۔

(ب) مگر رفاہ عام کے لئے قائم کردہ اداروں کے لئے سیکولر نظریات کی رعایت کرتے ہوئے ایک مشترکہ قانون سوسائٹی ایکٹ ۱۸۹۰ بھی ہے، جو کہ کسی مذہب کے لئے مخصوص نہیں ہے؛ بلکہ اس کے قواعد وضوابط مشترک ہیں اور ان کے منتظمین بلا تخصیص مذہب وملت

مشترک ٹرسٹیان (سوسائٹی) کہلاتے ہیں، ٹرسٹ میں کوئی مخصوص مقصد ضروری نہیں ...... ٹرسٹ مستحق استفادہ ہوسکتا ہے۔

(ج) ٹرسٹ ہمیشہ ملکی قانون کے مطابق ہوتا ہے (جو بدلتے رہتے ہیں) ٹرسٹ میں جائیداد کی ملکیت ٹرسٹیان ودیعت کرتی ہے اور مودع قانونی طور پر اس کا مالک ہوتا ہے۔

(د) اور ناقابل تنسیخ ہونا ضروری نہیں، ٹرسٹ کی جائیداد ٹرسٹی فروخت کرسکتا ہے، غرض ٹرسٹ فقہ انگریزی کا تصور ہے، جب کہ وقف فقہ اسلامی کا ایک خاص مذہبی تصور ہے۔

(ہ) مذکورہ بالا ایکٹ ۱۸۶۰ کی دفعات کے مطالبہ سے پتہ چلتا ہے کہ اس سے حکومت اور افسران (غیر مسلم) کے انتظامی معاملات میں مداخلت کا قانونی جواز فراہم ہوتا ہے، ایکٹ مذکور کی دفعہ ۲۳ر کے تحت رجسٹرار کو سوسائٹی کے حسابات کی جانچ کرنے دیگر معاملات کی جانچ کرنے اور اپنی تحقیقات کے نتیجہ میں سوسائٹی کو بذریعہ عدالت تحصیل کرنے کا اختیار ہوتا ہے، دفعہ ۱۲ر کے تحت تحلیل شدہ سوسائٹی کی جائیداد حکومت کو دے دی جاتی ہے۔ ۹۲۰ر ضابطہ دیوانی کے تحت بلا تخصیص مذہب وملت ایک عام ہندوستانی۔

(ی) شہری حساب فہمی وغیرہ کی دادرسی کا حقدار ہوجاتا ہے، میری یقینی معلومات کے مطابق ایک اسی قسم کے درگاہ کے ہندو معتقدین نے بارہ بنکی عدالت میں دعویٰ دائر کیا، ان جزئیات کی روشنی میں دریافت طلب امر یہ ہے:

(۱) کسی دینی مذہبی ادارہ کا رجسٹریشن سوسائٹی ایکٹ ۱۸۶۰ کرانا فرض، واجب، سنت میں سے کونسا درجہ رکھتا ہے؟

(۲) جب کہ اس قسم کے رجسٹریشن کے نتیجہ میں اختلاف پیدا ہوکر فتنہ کی شکل اختیار کرلے، جس سے قوم وملت کے وقار کا خطرہ ہو، مسلمان دو گروہ میں منقسم ہوکر ایک دوسرے کی بے عزتی اور قتل وخون پر آمادہ ہوجائیں، تو ایسے کام کے اصرار کرنے پر کیا حکم ہے؟

(۳) ایسا کام کرنے والوں کے بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

(۴) اگر یہ صحیح و درست ہے تو منع کرنے یا اس سے اختلاف کرنے والے لوگوں کے بارے میں کیا حکم ہے؟

المستفتی: محمد اشفاق عالم، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: احقر نے جن بڑے اداروں کا رجسٹریشن ہو چکا ہے ان کے رجسٹریشن فائلوں کا بغور مطالعہ کیا ہے، ان میں جو شرائط وقیودات مندرج ہیں، ان میں سے کوئی شرط فقہ اسلامی کے خلاف نہیں ہے؛ بلکہ ساری شرائط وقیودات فقہ اسلامی کے موافق اور ادارے کے حق میں مفید ومعاون ہیں؛ اس لئے ان میں کوئی تشویش کی بات نہیں۔

(الف) موجودہ دور میں مذہبی اداروں کا رجسٹریشن کرانا فقہ واصول فقہ کے خلاف نہیں۔

(ب) بلا تخصیص مذہب مشترک ہو تو سکتے ہیں، مذہب کی تخصیص کرنا لازم وضروری نہیں ہے؛ لیکن مذہب کی تخصیص بھی کر سکتے ہیں، جیسا کہ بعض بڑے اداروں کے رجسٹریشن فائلوں کے معائنہ کرنے پر صاف طور پر معلوم ہوا ہے کہ ان میں مذہبیت کی شرط بھی موجود ہے۔

(ج) جس کو آپ قانونی طور پر مالکیت سمجھ رہے ہیں وہ درست نہیں ہے؛ بلکہ وہ تصرفات کا ایک اختیار واقتدار ہے، جس کا مقصد صرف دوسروں کو غلط تصرفات سے روکنا ہے، جس کو شریعت کی اصطلاح میں منتظمانہ تصرف کہا جاتا ہے، نہ کہ مالکانہ؛ اس لئے کہ مالکانہ تصرف میں ساری آمدنی کو آپس میں تقسیم کر کے ذاتی استعمال میں صرف کیا جا سکتا ہے اور منتظمانہ تصرف میں ذاتی اخراجات میں خرچ نہیں کیا جا سکتا؛ بلکہ قانونی طور پر جو تنخواہ متعین ہوتی ہے وہی وصول کی جا سکتی ہے، اس سے زائد ایک پیسہ بھی نہیں لیا جا سکتا، نیز رجسٹریشن شدہ اداروں میں تو مجلس شوریٰ (سوسائٹی منتظمہ) کو تنخواہ بھی نہیں ملتی ہے؛ بلکہ صرف میٹنگ میں شرکت کے وقت آمد ورفت کے اخراجات ملتے ہیں۔

(د) اگرچہ سوسائٹی ٹرسٹ کو فقہ انگریزی کا تصور تسلیم کر لیا جائے، مگر فقہ اسلامی کے خلاف

بھی نہیں ہے۔

(ہ) ۱۸٦۰ء سے ایک سوانتالیس سال کے عرصہ میں کسی رجسٹریشن شدہ مذہبی اداروں کو نہ حکومت نے اپنے قبضہ میں لیا ہے اور نہ ہی کوئی غیر مسلم کسی رجسٹر شدہ ادارے کا منتظم ومقتدر ہوا ہے، یہ محض ذہنی تصورات وتشویشات ہیں، جن کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

(ی) آپ نے جو بارہ بنکی کی عدالت کی نظیر پیش کی ہے اس کا فیصلہ اور نتیجہ اور پورے واقعہ کی تفصیل کی صحیح رپورٹ کے بعد غور کیا جا سکتا ہے، پھر بھی رجسٹریشن شدہ کوئی ادارہ ۱۲۹ر سال کے عرصہ میں نہ حکومت کے قبضہ میں گیا اور نہ ہی غیر مسلم اس میں دخیل ہوئے۔

(۱) اس کا مدار ادارے کے ذمہ دار حضرات پر ہے، حالات کے اعتبار سے کبھی ذمہ داران پر واجب بھی ہوجاتا ہے۔ اور کبھی نہیں بھی ہوتا ہے۔

صاحب البيت أدرى بما فيه. (نخبة الفكر/٥)

(۲) اگر کسی صحیح کام پر اقدام کی وجہ سے دوسرے لوگ مسئلہ کی نزاکت پر غور کئے بغیر فتنہ وفساد پر اتر آئیں تو غلطی فتنہ کرنے والوں کی ہے، ان پر لازم ہے کہ خود کو فتنہ سے باز رکھ کر دوسروں کو فتنہ میں نہ مبتلا کریں۔

(۳) شرعی اعتبار سے رجسٹریشن کرانے والے حق پر ہیں؛ اس لئے ان پر شرعاً کوئی الزام نہیں۔

(۴) اختلاف کرنے والوں کو یا تو ۱۲۹ر سال کے عرصہ میں واقع ہونے والے واضح نظائر پیش کرنے چاہئے یا اختلاف سے باز آجانا چاہئے؛ کیوں کہ رجسٹریشن کرانے میں کوئی شرعاً قباحت نہیں ہے، جو رجسٹریشن کے ہر پہلوں پر غور کرنے کے بعد پتہ چل سکتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳ر رمضان المبارک ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۳۸۵)

مجلسِ عاملہ ومجلسِ شوریٰ

سوال [۸۴۱۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کسی مدرسہ یا مسجد کی کوئی مجلسِ شوریٰ ہو اور وہ کمیٹی یا مجلسِ شوریٰ کوئی فیصلہ شریعت کے خلاف دے دے، تو شریعت کی بات مانی جائے گی یا کمیٹی کی؟ دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ یہ کمیٹی اس مسجد یا مدرسہ کی بستی ہی میں سے ہونا ضروری ہے یا باہر کی کمیٹی بھی بنائی جا سکتی ہے؟ تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ اس کمیٹی نے جو مجلسِ عاملہ تیار کی ہے اس مجلسِ عاملہ کو ہر پانچ سال میں تبدیل کرنا ضروری ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں مسئلہ کو واضح فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں عین نوازش ہوگی۔ والسلام

المستفتی: محمد معروف ساکن ویر پورتھان، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مجلسِ شوریٰ یا کمیٹی شریعت کے خلاف فیصلہ کیسے دے سکتی ہے؟ اگر کوئی ایسا فیصلہ دیا ہے تو اس فیصلہ کو متعین کر کے واضح کریں کہ واقعی شریعت کے خلاف ہے اس کے بعد اس سلسلہ میں حکم شرعی لکھا جا سکتا ہے، مستفتی خود اپنے طور پر شریعت کے خلاف سمجھ رہا ہے۔ دوسرا مسئلہ یہ پوچھا گیا ہے کہ مجلسِ شوریٰ یا کمیٹی کا بستی میں سے ہونا ضروری ہے یا باہر کی بھی بنائی جا سکتی ہے؟ تو اس سلسلے میں شریعت میں کوئی تعیین نہیں ہے، چاہے بستی کے لوگوں کو بنائیں یا سب باہر کے لوگ ہوں، یا کچھ باہر کے اور کچھ مقامی ہوں، ہر طرح جائز ہے، جیسا کہ خود ہمارے مدرسہ شاہی میں مقامی بھی ہیں اور باہر کے بھی ہیں۔ تیسرا مسئلہ یہ پوچھا گیا ہے کہ اس کمیٹی نے جو مجلس عاملہ تیار کی ہے اس مجلس عاملہ کو ہر پانچ سال میں تبدیل کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ یہ مسئلہ اس مدرسہ یا مسجد کی کمیٹی کے اوپر موقوف ہے، چاہے ہر پانچ سال میں تبدیل کریں یا نہ کریں؛ اس لئے کہ مدارسِ اسلامیہ کے قوانین وضوابط آپس کی تراضی اور

مشورہ کے مطابق ہوتے ہیں، جس میں قرآن وحدیث کے نصوص کے خلاف کوئی عمل نہ ہو جو ذیل کی حدیث شریف سے واضح ہوتا ہے:

عن عمرو بن عوف المزني أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: الصلح جائز بين المسلمين إلا صلحا حرم حلالا، أو أحل حراما، والمسلمون على شروطهم، إلا شرطا حرم حلالا، أو أحل حراما. (سنن الترمذي، الأحكام، باب ما ذكر عن رسول الله ﷺ في الصلح بين الناس، النسخة الهندية ١/ ٢٥١، دار السلام، رقم: ١٣٥٢، المستدرك للحاكم، كتاب الأحكام، مكتبه نزار مصطفى الباز جديد ٧/ ٢٥٢٣، قديم ٤/ ١٠١، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ١١٣، رقم: ٧٠٥٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍شوال ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۲۵۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۸؍۱۰؍۱۴۳۴ھ

مجلسِ شوریٰ کے اختیارات

سوال [۸۴۱۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کا تقرر تقریباً ۱۷؍سال قبل ایک ادارہ میں بحیثیت مدرس درجہ ناظرہ ہوا، ضابطہ کے تحت زید امور مفوضہ کی ادائیگی کرتا رہا، ناظم مدرسہ یا نائب مہتمم مدرسہ اپنے اختیار کے تحت مدرسہ کے دوسرے کام بھی زید سے لیتا تھا، جس کی وجہ سے آخری پانچ سال بحیثیت مدرس زید کی کارکردگی بہتر نہیں رہی اور زید کو خارجی کام نائب مہتمم مدرسہ زیادہ دیتا رہا، جس پر نائب مہتمم مدرسہ نے اپنے حکم نامہ مورخہ ۲۸؍۵؍۱۴۳۰ھ میں زید کو مدرس سے محرر تعلیمات میں عارضی طور پر منتقل کردیا، زید اس عہدے پر ۲۲؍ذیقعدہ ۱۴۳۱ھ تک بحسن وخوبی کام کرتا رہا، ۲۵؍شوال المکرم ۱۴۳۱ھ کو نائب مہتمم مدرسہ نے زید کو ایک حکم نامہ فراہمی چندہ سے متعلق جاری کیا، زید نے حسب الحکم ۵؍ذیقعدہ ۱۴۳۱ھ کو مدرسہ ہذا کی ۲؍عدد رسید بک (جلد

نمبر: ۳۶۷، ۳۶۸) دفتر مالیات سے مع تصدیق نامہ چندہ حاصل کی، جن پر نائب مہتمم مدرسہ کے دستخط مع مہر وتاریخ کے ثبت ہیں۔ ۷/ ذیقعدہ ۱۴۳۱ھ سے سفر فراہمی چندہ شروع کیا، تصدیق نامہ زید کو ۵/ ذیقعدہ ۱۴۳۱ھ سے ۳۰/ ذی الحجہ ۱۴۳۱ھ تک جاری کیا گیا۔ اسی دوران مدرسہ مذکور جس میں زید ملازم ہے کی مجلسِ شوریٰ کا اجلاس، جو کہ نامور علماء وصلحاء علاوہ ایک فرد کے پر مشتمل ہے۔ ۱۹/ ذیقعدہ ۱۴۳۱ھ کو منعقد ہوا، شوریٰ کے اجلاس میں شوریٰ کے کسی رکن نے زید سے متعلق نائب مہتمم سے معلوم کیا کہ زید کہاں ہے؟ جس پر نائب مہتمم مدرسہ نے مجلسِ شوریٰ کو جواب دیا مجھے معلوم نہیں، پھر زید سے متعلق شوریٰ میں بحث ہوئی، ایک رکن نے زید پر خوب اعتراض کئے، نائب مہتمم مدرسہ خاموش بیٹھے سنتے رہے، یاد رہے یہ شوریٰ اس مذکورہ تاریخ میں مدرسہ مظاہر علوم کے امین عام حضرت اقدس الحاج سیدی محمد شاہد صاحب حفظہ اللہ تعالیٰ ''خلیفہ قلم حضرت شیخ الحدیث'' کی صدارت میں چل رہی تھی، آخر کار مدرسہ مظاہر علوم کے ذمہ دار اعلیٰ اور اس شوریٰ کے ایک مؤقر رکن نے شوریٰ کے سبھی حضرات کو خاموش کر کے نائب مہتمم مدرسہ سے صاف طور پر معلوم کیا، کیا زید کا آپ کو علم ہے کہ زید کہاں ہے؟ کیا زید کو آپ نے کسی اپنے یا مدرسہ کے ضروری کام سے تو نہیں بھیج رکھا ہے؟ یکے بعد دیگرے مکرر استفسار پر نائب مہتمم مدرسہ نے شوریٰ کو جواب دیا کہ دو چار روز پہلے ان کا فون آیا تھا کہ وہ مدھیہ پردیش میں چندہ کر رہا ہے، جب کہ زید اپنے سفر سے متعلق روزانہ نائب مہتمم مدرسہ، نائب مہتمم مالیات مدرسہ کو آگاہ کرتا رہا اور ان کے شاگردوں سے موبائل فون پر گفتگو کراتا رہا، اس پر شوریٰ کے اسی موقر رکن نے نائب مہتمم مدرسہ سے معلوم کیا کہ چندہ بھی آپ کی بغیر اجازت کے کر رہا ہے؟ اس کو کاپیاں کس نے دیں؟ کاغذات کہاں سے لئے وغیرہ؟ اس پر نائب مہتمم مدرسہ خاموشی اختیار کر گئے، آخر کار شوریٰ نے ۵/ ذیقعدہ ۱۴۳۱ھ سے غیر حاضر مان کر غیر حاضری کے الزام میں زید کی علیحدگی کا فرمان جاری کر دیا۔ ۲۲/ ذیقعدہ کو زید سفر سے واپس آیا اور سفر کا حساب وغیرہ مدرسہ کے تحویلدار کے حوالہ کیا۔ اور رجسٹری حاضری میں باضابطہ دستخط کے حساب سے فراغت کے بعد نائب مہتمم

مدرسہ نے تعلیمات کے محرر اعلیٰ کے ذریعہ زبانی پیغام پہنچایا کہ زید سے کہو وہ اپنا حساب کر کے چپ چاپ (خاموشی) سے مدرسہ سے چلے جائیں۔ زید کو یہ سن کر بہت رنج ہوا جو کہ ہر انسان کو ایسے وقت میں ہوا کرتا ہے۔ زید نے تحویلدار سے معلوم کیا، مہتمم مدرسہ سے معلوم کیا، مہتمم مدرسہ نے جواب دیا کہ نائب مہتمم مدرسہ نے جو رپورٹ مجلسِ شوریٰ میں رکھی، اس پر فیصلہ ہوگیا، میری یا مجلسِ شوریٰ کی کوئی غلطی نہیں، اس کے بعد زید نے نائب مہتمم سے معلوم کیا، نائب مہتمم مدرسہ حیلہ بازی کرنے لگے اور کہنے لگے کہ مجھے مجلسِ شوریٰ میں بولنے نہیں دیا گیا، زید نے سب کچھ ناظم مدرسہ نائب مہتمم مالیات کو بتلایا، زید کی گفتگو سن کر نائب مہتمم مہتمم مدرسہ سے ملے اور ان سے ایک مفتی صاحب کی موجودگی میں جو اسی مدرسہ میں ملازم ہیں بولے کہ وہ تو چندہ میں میں نے ہی بھیجا تھا، میرے یاد نہیں رہا، مہتمم مدرسہ نے اپنے نائب کی بات سن کر کہا کہ اب تو شوریٰ کا فیصلہ ہوگیا ہے، آپ کو شوریٰ میں ہی کہنا پڑے گا میں اکیلا اس کام کو نہیں کرسکتا، پھر ۲۳ر ذیقعدہ کو علی الصبح مہتمم مدرسہ، نائب مہتمم مدرسہ، نائب مہتمم مالیات اور شوریٰ کے ایک رکن کی دفتر مدرسہ میں ایک میٹنگ ہوئی، دوران میٹنگ زید پھر سے ان سب کے درمیان پہنچ گیا اور معلوم کیا کہ مجھے کس جرم کی سزا مل رہی ہے، یہ سب خاموش رہے، زید نے پھر معلوم کیا کہ جس وجہ سے اور جس تجویز پر مجلس شوریٰ نے علیحدگی کا فرمان جاری کیا ہے اس تجویز کو لکھ کر مجھے دے دو، تو مہتمم مدرسہ یوں گویا ہوئے کہ ہم نے بغیر تحریر کے رکھا تھا اور کوئی تحریر دئے بغیر الگ کر رہے ہیں اور بس اب چلے جاؤ۔ اور مذکورہ چاروں حضرات مجھے نظر غیر سے دیکھنے لگے جیسے مجھے مار ہی ڈالیں گے اور ان چاروں حضرات نے تحویلدار مدرسہ کو حکم دیا کہ ان کی پانچ یوم کی تنخواہ دے کر ان کا حساب صاف کرو، حسب الحکم تحویلدار مدرسہ نے پانچ یوم کی تنخواہ مجھے دی اور رجسٹر قبض الوصول پر بغیر ٹکٹ لگائے میرے دستخط لئے، اس طریقہ سے میرے ۱۸ر یوم کی اجرت ذمہ داران مدرسہ نے رکھ لی اور تعلقی فرمان سے بڑی بے عزتی سے زید کو مدرسہ سے باہر کا راستہ دکھایا۔ اس سے پیشتر بھی انھیں نائب مہتمم مدرسہ نے تقریباً ۱۶ر آدمیوں کی مجلسِ شوریٰ میں غلط بیانی اور غلط

رپورٹ دے کراور شوریٰ کو دھوکے میں رکھ کر مدرسین وملازمین کی عزت سے کھلواڑ کیا ہے، تو اس صورت میں:

(۱) کیا مجلسِ شوریٰ فریقین کی بغیر سنے اور نائب مہتمم کی رپورٹ پر مدرسین وملازمین کو الگ کرنے کا اختیار رکھتی ہے؟ کیا نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم، خلفائے راشدین، بزرگانِ دین کی کسی مجلس سے اس قسم کا کوئی ثبوت ملتا ہے؟ اور کیا کسی عالم، حافظ، قاری کی عزت سے کھلواڑ کرنا بروئے شرع جائز ہے؟

(۲) کیا ایسا شخص جو خود ہی تحریری یا زبانی کہہ کر اپنے مدرس یا ملازم کو کہیں بھیجے اور شوریٰ کے وہ علماء وصلحاء مجلسِ شوریٰ کے اجلاس میں کسی مدرس یا ملازم کے متعلق معلوم کریں تو نائب مہتمم کذب گوئی، دھوکہ دھڑی سے کام لے، کیا ایسے شخص کو ایسے مؤقر ادارے کا نائب مہتمم مدرسہ بنائے رکھنا شرعی روشنی میں جائز ہے؟

(۳) مجلسِ شوریٰ آئندہ اجلاس میں اپنے اس فیصلہ پر دوبارہ غور کرنے کی مجاز ہے یا نہیں؟ اورزید کی بحالی کا حکم صادر کرنے میں مجلسِ شوریٰ کو شرعی کوئی قباحت نہیں؟

(۴) زید ۷ ارسال قدیم مدرس وملازم ہے اور مدرسہ کو اپنا اوڑھنا بچھونا سمجھتا ہے اور زید نے کبھی نائب مہتمم مدرسہ کی حکم عدولی بھی نہیں کی ہے، تو ایسی صورت میں نائب مہتمم کا یہ سارا برتاؤ زید سے کرنا اخلاقاً شرعاً جائز ہے؟ نیز ذمہ دارانِ مدرسہ کو ۶ / ذیقعدہ ۱۴۳۱ھ سے ۲۳ / ذیقعدہ ۱۴۳۱ھ تک کی اجرت رکھنا مدرسہ یا ذمہ دارانِ مدرسہ کو جائز ہے؟ شریعت مطہرہ کی روشنی میں مع دلیل وحوالہ کے جواب سے مطلع فرمائیں، نوازش ہوگی۔

المستفتی: ابوحافظ محمد طلحہ بن محمد نسیم راوت، مقام سلیم پور گدا، ڈاکخانہ ساڈھولی قدیم، ضلع سہارنپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مدارسِ اسلامیہ کے اصول وضوابط حسب ذیل حدیث شریف پرمبنی ہیں:

عن عوف المزني أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: الصلح جائز بين المسلمين إلا صلحا حرم حلالا، أو أحل حراما، والمسلمون

علی شروطهم، إلا شرطا حرم حلالا، أو أحل حراما. (سنن الترمذي، الأحكام، بـاب ما ذكر عن رسول الله ﷺ في الصلح بين الناس، النسخة الهندية ١/ ٢٥١، دارالسلام، رقم: ١٣٥٢، المعجم الكبير للطبراني، دارإحياء التراث العربي ١٧/ ٢٢، رقم: ٣٠)

اس حدیث شریف کی روشنی میں مدرسہ کے اصول وضوابط کی پابندی، امانت ودیانت کے ساتھ ہرایک کے اوپر لازم ہے، اگر نائب مہتمم نے بددیانتی سے کام لیا ہے، تو اس کا گناہ ان ہی کے سر ہوگا، باقی سائل کے معاملہ کی جزئیات سے متعلق اسی مدرسہ کے ذمہ دار و دیانتدار علماء ہی کو غور کرنا چاہئے اور سب سے بڑی کمیٹی جس کو بالادستی حاصل ہے، وہ مجلسِ شوریٰ ہے اور مجلسِ شوریٰ تک صحیح رپورٹ پیش کرنے کی ذمہ داری مدرسہ کے ان ذمہ دار حضرات پر ہے جو شوریٰ میں رپورٹ پیش کرنے والے ہوتے ہیں، اگر ان کی طرف سے کوئی کمزوری ہے، جس کی وجہ سے مدرسہ یا کسی ملازم پر زد آسکتی ہے، تو اس کا گناہ ان ہی کے سر ہوگا۔ اور دیانتداری امانت داری اور کسی کی ہتک عزت سے متعلق ''المعجم الکبیر'' کی یہی حدیث شریف سب کے لئے سبق آموز ہے:

عن عبدالله بن مسعود –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله ﷺ: لا إيمان لمن لا أمانة له، ولا دين لمن لا عهد له، والذي نفس محمد بيده لا يستقيم دين عبد حتى يستقيم لسانه، ولا يستقيم لسانه حتى يستقيم قلبه، ولا يدخل الجنة من لا يأمن جاره بوائقه. (المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ١٠/ ٢٢٧، رقم: ١٠٥٥٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍رجب ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۴۶۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۵؍۷؍۱۴۳۲ھ

مدارسِ اسلامیہ میں طلبہ کی دیکھ بھال کے لئے کیمرہ لگانے کا حکم

سوال [۸۴۱۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: آج کل ایک کیمرہ رائج ہے، جس کو عام اجتماع گاہوں، مثلاً بڑے بڑے ہوٹلوں، ہسپتالوں، اسٹیشنوں، ہوائی اڈوں اور شہر کے چوراہوں وغیرہ پرنصب کیا جاتا ہے اوراس کا کنکشن چھوٹی بڑی اسکرین سے ہوتا ہے، جس کوکسی دفتر یا کاؤنٹر میں رکھا جاتا ہے، جہاں اس چھوٹی یا بڑی اسکرین پر کیمرہ کی زد میں آنے والے تمام افراد کی تصاویر نظر آتی ہیں اور اس کے ذریعہ متعلقہ اشخاص کی نقل وحرکت پر مکمل نظر رکھی جاتی ہے اور ایک متعینہ مدت تک اس نقل وحرکت کوریکارڈ بھی کیا جاسکتا ہے، جسے بوقت ضرورت آن کرکے دیکھا جاسکتا ہے اور یہ چیز بظاہر چوری، خیانت، ایذارسانی اور ممکنہ خطرات سے حفاظت کا عمدہ سامان ہے، تواب سوال یہ ہے کہ اس کیمرہ کوکسی اسلامی درسگاہ ''مدرسہ یا جامعہ'' کی گذرگاہوں، گیلریوں، برآمدوں اور دارالاقامہ کے صحن وغیرہ میں نصب کرکے طلبہ کرام پر نظر رکھ کر متعلقہ فوائد حاصل کرنے اور ان کی لایعنی مصروفیات اور غیر قانونی حرکات پر کنٹرول کرنے کے ارادہ سے استعمال میں لانا شرعی نقطہ نظر سے کیا حکم رکھتا ہے۔ اوراس کے استعمال کی کہاں تک گنجائش ہے؟ امید ہے کہ تسلی بخش تفصیلی جواب عنایت فرماکر ممنون فرمائیں۔

المستفتی: محمد مشتاق ستپونی، خادم دارالعلوم سعادت دارین ستپونی بھروچ، گجرات

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس کیمرہ کا سوال نامہ میں ذکر ہے، مالی نقصان سے بچنے کے لئے دفع مضرت کے طور پر اس کی گنجائش ہے؛ لیکن مدارسِ اسلامیہ اور دینی درسگاہوں میں یہ کیمرہ لگانا کسی طرح مناسب نہیں ہے، اکابر ومشائخ کے طریقہ کے خلاف ہے۔ اور طلبہ کی اخلاقیات پر نظر رکھنے کے لئے اس قدر تجسس کے ہم مکلّف نہیں ہیں۔ اور مدارسِ اسلامیہ اور دینی درسگاہوں میں مالی نقصان اور حقوق العباد کے تلف ہونے کا ایسا خطرہ نہیں ہے، جس کے لئے ایسے تجسس کے کیمرے کے لگانے کی ضرورت ہو؛ لہٰذا مدارسِ اسلامیہ کوایسے کیمروں سے پاک رکھا جائے۔

وَلا تَجَسَّسُوا. الآیة [حجرات: ۱۲]

الثابت بالضرورة يتقدر بقدرها. (قواعد الفقه أشرفي، ص: ٧٤، قاعده: ١٠٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۶؍ ذیقعدہ ۱۴۳۳ھ	احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۰۸۶۳)	۱۴۳۳/۱۱/۲۶ھ

ایک مدرسہ سے متعلق چند سوالات وجوابات

سوال [۸۴۱۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے یہاں ”مدرسہ جامعہ اسلامیہ جلالیہ“ میں درجہ اول دینیات میں غیر مقامی طلبہ داخلہ لیتے ہیں، ان سے مزید کھانے کے لئے پانچ ہزار پانچ سو روپئے لئے جاتے ہیں اور ان بچوں کے سرپرست صاحبان کو یہ بتلایا جاتا ہے کہ آپ کا بچہ اگر مدرسہ سے چلا جائے تو پانچ ہزار پانچ سو روپئے آپ کو واپس نہیں کئے جائیں گے؛ اس لئے کہ اس سے مدرسہ میں طلبہ کی کمی ہوگی؛ کیوں کہ درجات کے اعتبار سے طلبہ کی تعداد متعین ہے، سرپرست صاحبان بھی اس وقت مان لیتے ہیں؛ لیکن بعد میں جب بچہ چلا جاتا ہے تو خوراکی کے نام پر جو رقم جمع کی تھی اسے مانگتے ہیں، مذکورہ صورت میں گارجین کو خوراکی کی رقم واپس کرنا ضروری ہے، جب کہ گارجین نے وعدہ کیا تھا کہ بچہ اگر چلا جائے تو رقم واپس نہیں لیں گے۔ دوسری صورت ہمارے یہاں یہ بھی ہے کہ ایک خصوصی مطبخ قیمتاً چلتا ہے، جس میں اہل ثروت حضرات کے بچے سالانہ نو ہزار روپئے جمع کرتے ہیں اور اپنا کھانا کھاتے ہیں، اس صورت میں بھی کبھی بچے چلے جاتے ہیں، ان بچوں کے سرپرست صاحبان بھی بوقت داخلہ وعدہ کرتے ہیں، بچے چلے جانے کی صورت میں روپئے واپس نہیں لیں گے؛ لیکن بعد میں کچھ لوگ مطالبہ کرتے ہیں، ایسی صورت میں یہ رقم شرعاً واپس کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

(ب) خوراکی کے نام پر جو رقم الگ سے لی جاتی ہے وہی رقم اگر داخلہ فیس کے ساتھ جوڑ کر

داخلہ فیس میں اضافہ کردیا جائے اور داخلہ فیس بجائے ۸۰۰ر کے ۹۸۰ر یا ۶۳۰۰ر کردیا جائے اور اس صورت میں اگر بچہ چلا جائے تو رقم واپس نہیں کی جائے گی، تو کیا یہ شرعاً جائز ہے؟

(۲) ایک استاذ ایک مدرسہ میں پڑھاتے پڑھاتے بوڑھے کمزور اور بیمار ومعذور ہوگئے، اب پڑھانے سے معذور ہیں، ادھر پوری زندگی مدرسہ میں رہنے کی وجہ سے دوسرا کوئی ذریعہ معاش کا بھی گھر میں انتظام نہیں ہے، اب کیا اس حالت میں مدرسہ کی طرف سے ان کے لئے پنشن جاری کرنا یا ان کے لئے پنشن لینا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو کس فنڈ سے ان کو رقم دی جائے گی؟

المستفتی: ارکان حل وعقد جامعہ جلالیہ ہوجائی آسام، ہند

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حسب تحریر سوال جو رقم مدرسہ میں مقیم طلبہ کے سرپرستوں سے سال بھر کی خوراکی کے نام پر وصول کی جاتی ہے وہ رقم شرعاً طعام کے عوض میں ہے؛ لہٰذا درمیان سال میں اگر طالب علم چلا جاتا ہے، تو حساب لگا کر باقی ماندہ رقم سرپرستوں کو واپس کرنا ضروری ہے؛ کیوں کہ اب اس رقم کا کوئی مصرف نہیں رہا اور داخلہ کے وقت مدرسہ کے ذمہ داران اور طلبہ کے سرپرستوں کے درمیان یہ جو طے ہوا تھا کہ بیچ سال میں طالب علم کے چلے جانے کی صورت میں وہ رقم کی واپسی کے مطالبہ کے مجاز نہ ہوں گے، اس کا شرعاً کوئی اعتبار نہیں ہے؛ البتہ خوراکی کی رقم اگر داخلہ فیس میں منضم کرکے اصل داخلہ فیس میں اضافہ کردیا جائے تو اب ذمہ داران مدرسہ طالب علم کے درمیانی سال میں واپس چلے جانے کی صورت میں بقیہ رقم کی واپسی کے مکلّف نہ ہوں گے۔ اور نہ ہی سرپرست حضرات کو مطالبہ کا اختیار ہوگا؛ اس لئے کہ وہ پوری رقم داخلہ فیس ہی کے لئے متعین ہے اور منجانب مدرسہ اس کا داخلہ ہو چکا ہے۔

عن أبي حميد الساعدي أن رسول الله ﷺ قال: لا يحل لمسلم أن يأخذ مال أخيه بغير حق. (مجمع الزوائد، باب الغصب وحرمة مال المسلم، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ١٤١، رقم: ٦٨٥٩، مسند أحمد بن حنبل ٥/ ٤٢٥، رقم: ٢٣٠٠٣)

عن عبدالله بن عمرو بن عوف المزني عن أبيه، عن جده، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: الصلح جائز بين المسلمين إلا صلحا حرم حلالا، أو أحل حراما، والمسلمون على شروطهم، إلا شرطا حرم حلالا، أو أحل حراما. (سنن الترمذي، الأحكام، باب ما ذكر عن رسول الله ﷺ في الصلح بين الناس، النسخة الهندية ١/ ٢٥١، دارالسلام، رقم: ١٣٥٢)

لو باع كاغذة بألف يجوز، ولا يكره. (فتح القدير، كتاب الكفالة، زكريا ديوبند ٧/ ١٩٨، دارالفكر ٧/ ٢١٢، كوئٹه ٦/ ٣٢٤، دارالحكام ٢/ ٣٠٤، الدر مع الرد، مطلب بيع العينة، كراچی ٥/ ٣٢٦، زكريا ٧/ ٦١٣)

(۲) جب مدرسہ میں قانون وضابطہ یہ بن جائے کہ کمزور اور معذور مدرسین وملازمین کے لئے پنشن جاری کیا جائے گا، تو ایسی صورت میں اس ضابطہ کے مطابق مذکورہ مدرس کو منجانب مدرسہ پنشن دینا جائز اور درست ہے۔ اور بہتر یہ ہے کہ اخبارات اور کثیر الاشاعت رسائل میں اس ضابطہ کا اعلان کردیا جائے، تاکہ لوگوں کو اس کا علم ہوجائے۔

وأما شرائط الصحة، فمنها: رضا المتعاقدين. (هندية، كتاب الإجارة، الباب الأول، زكريا جديد ٤/ ٤٤٠، قديم ٤/ ٤١١)

عن عبدالله بن عمرو بن عوف المزني عن أبيه، عن جده، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: والمسلمون على شروطهم، إلا شرطا حرم حلالا، أو أحل حراما. (المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ١٧/ ٢٢، رقم: ٣٠، سنن الدارقطني، كتاب البيوع، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ٢٣، رقم: ٢٨٦٩)

والوكيل إنما يستفيد التصرف من الموكل، وقد أمره بالدفع إلى فلان فلا يملك الدفع إلى غيره. (شامي، كتاب الزكاة، زكريا ٣/ ١٨٩، كراچی ٢/ ٢٦٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹ ؍ ذیقعدہ ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۲۱۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۹/ ۱۱/ ۱۴۳۱ھ

مدارسِ اسلامیہ کے اصول کا ماخذ

سوال [۸۴۱۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک ادارہ میں تمام اساتذہ کو مدعو کرکے روبرو تنخواہ دی گئی، ایک مدرس کو نہ صرف فراموش کیا گیا بلکہ پیمنٹ رجسٹر اس کے مکان پر پہنچایا گیا، ایک بالغ لڑکے کے ذریعہ، جب کہ مدرس ادارہ میں حاضر تھا، شرارتاً اس طرح کیا گیا، دس ذی الحجہ کو ناظم مدرسہ اور مدرس میں تو تو میں میں ہوگئی، پھر مدرس نے ٹرسٹ کے مطالبہ پر معافی نامہ پیش کردیا، پھر بھی ناظم صاحب نے سبکدوش کرنے کا پلان بنالیا، ٹرسٹ کے سامنے کہتے ہیں: میں نے اکراماً تنخواہ ان کے گھر بھجوائی تھی، ناظم صاحب کا کہنا ہے کہ ادارہ پندرہ سو روپئے مکان کرایہ ایک ماہ کا آپ کو دے رہا ہے، پانچ سو روپئے میں اپنی جیب سے دے رہا ہوں، آپ مدرسہ کا مکان خالی کردیں؟ تحقیقی فتویٰ مطلوب ہے۔

المستفتی: سید ذاکر علی اشاعتی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مدارسِ اسلامیہ کے قوانین وضوابط حسب ذیل حدیث شریف سے ثابت ہوتے ہیں کہ آپس میں جو معاملہ طے ہوجائے اسی پر پابند ہونا مدارس کے ذمہ دار اور ملازمین پر لازم ہے۔

عن عبداللّٰه بن عمرو بن عوف المزني أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: الصلح جائز بين المسلمين إلا صلحا حرم حلالا، أو أحل حراما، والمسلمون على شروطهم، إلا شرطا حرم حلالا، أو أحل حراما.

(سنن الترمذي، الأحكام، باب ما ذكر عن رسول اللّٰه ﷺ في الصلح بين الناس، النسخة الهندية ١/ ٢٥١، دارالسلام، رقم: ١٣٥٢، المستدرك للحاكم، كتاب الأحكام، مكتبه نزار مصطفى الباز جديد ٧/ ٢٥٢٣، قديم ٤/ ١٠١، دارالكتب العلمية ٤/ ١١٣، رقم: ٧٠٥٩)

اب رہی سوال نامہ میں جانبین کی ایک دوسرے کی شکایت کی باتیں، تو اس سلسلہ میں وہیں قریب کے بااثر علماء ومفتیان کرام سے رابطہ قائم کریں، اصل صورت حال کیا ہے اس کو پیش نظر رکھ کر وہاں کے علماء بہتر بات کہہ سکتے ہیں اور ہم اتنی دور رہ کر وہاں کی نزاکت کو نہیں سمجھ سکتے ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳ ربیع الاول ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۹۸۶/۴۰)

مدرسہ کے قوانین کا ماخذ

سوال [۸۴۱۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اجتماع مرکز ماہانہ میں بلانے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ متعلقہ شاخ کے جملہ رجسٹر جات جن میں اس شاخ کے متعلق پوری کارروائی درج ہوتی ہے، ان کا معائنہ مرکز میں ہوا کرتا ہے اور اس مقصد کے لئے مرکز میں بلایا جاتا ہے، تو اب اگر مرکز آنے کی صورت میں مدرسہ سے واپسی میں گھر جاتا ہے، تو ایک طرف کا کرایہ ملے گا۔ اور اگر گھر نہ جاکر مدرسہ واپس ہوجاتا ہے، تو دونوں طرف کا کرایہ ملے گا، کوئی مدرس اگر تاخیر کر کے آتا ہے، تو بھی کرایہ مل جاتا ہے۔ اور اگر اجتماع کی کارروائی ختم ہونے کے بعد حاضر ہوتا ہے، تو کرایہ نہیں ملتا ہے، مثلاً اگر شنبہ کی صبح کو اجتماع ہوتا ہے، تو جمعہ کو حاضری ضروری ہوجاتی ہے۔ اور اگر کسی وجہ سے جمعہ کی شام تک حاضر نہ ہوسکے تو سنیچر کی صبح تک وہ حاضر ہوجاتا ہے، تو پھر بھی رعایۃً کرایہ مل جاتا ہے؛ لیکن اگر اجتماع ختم ہونے کے بعد یا سنیچر کی دوپہر کے بعد آتا ہے تو کوئی بھی کرایہ نہیں ملے گا۔ اب ایسے حالات میں ایک مدرس شاخ سے بجائے مرکز آنے کے اپنے گھر چلا گیا، براہ راست مرکز نہیں آیا گھر سے اجتماع ختم ہونے کے بعد مرکز آگیا اور درس میں بھی جملہ کارروائی رجسٹر لے کر نہیں آیا جس کی بنا پر اس مدرس کو اپنی کارروائی رجسٹر کے لئے دوبارہ

مدرسہ جانا پڑا، تو ان دونوں سفروں میں سے کس سفر کا کرایہ اس کو مدرسہ سے ملے گا یا کچھ بھی نہیں ملے گا، مدرس صاحب کو معطل کر دیا گیا جس کا حکم نامہ مرکز حاضر ہونے کے بعد دیا گیا، نیز ابھی بحالی بھی نہیں ہوئی ہے، یعنی مدرسہ واپسی کا حکم نہیں ملا ہے۔ بینوا توجروا

المستفتی: فیض الحسن ہردوئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: مدارسِ اسلامیہ کے قوانین اور ضوابط ترمذی شریف اور دارقطنی کی اس حدیث شریف سے مستنبط ہوتے ہیں:

عن عبدالله بن عمرو بن عوف المزني أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: الصلح جائز بين المسلمين إلا صلحا حرم حلالا، أو أحل حراما، والمسلمون على شروطهم، إلا شرطا حرم حلالا، أو أحل حراما.

(سنن الترمذي، الأحكام، باب ما ذكر عن رسول الله ﷺ في الصلح بين الناس، النسخة الهندية ۱/ ۲۵۱، دارالسلام، رقم: ۱۳۵۲، سنن الدارقطني، كتاب البيوع، دارالكتب العلمية بيروت ۳/ ۲۳، رقم: ۲۸۶۹)

کہ مسلمان آپس میں جائز معاملہ میں جو شرائط طے کرلیں ان کی پابندی ہر ایک پر لازم ہو جاتی ہے، جیسا کہ مذکورہ حدیث سے واضح ہے؛ لہٰذا جب مذکورہ مدرسہ اور اس کے مرکز کے درمیان یہ قانون اور ضابطہ مقرر ہو چکا ہے کہ اجتماع کے موقع پر ذیل کے پانچ شرائط کی پابندی لازم ہے جو سوال نامہ سے سمجھ میں آرہے ہیں:

(۱) کارروائی رجسٹر مکمل لے کر کے مرکز میں پہنچنا۔

(۲) طے شدہ وقت کے اندر اندر پہنچنا۔

(۳) اگر مدرسہ سے طے شدہ وقت کے اندر مرکز میں پہنچ کر پھر کارروائی کے بعد مدرسہ لوٹ کر آیا ہے، تو مدرسہ دونوں طرف کا کرایہ دے گا۔

(۴) اگر ایاباً یا ذہاباً ایک دفعہ گھر ہوتے ہوئے آتا ہے یا جاتا ہے، تو مدرسہ ایک طرف کا کرایہ دے گا۔

(۵) آتے اور جاتے دونوں دفعہ گھر ہوکر جاتا ہے یا آتا ہے، تو مدرسہ کوئی کرایہ نہیں دے گا۔ یہ آپس کے قوانین اور شرائط ہیں، جن کی پابندی لازم ہے، سوال نامہ میں ذکر کردہ واقعہ کے مطابق مذکورہ مدرس نے طے شدہ شرائط میں سے جن کی پابندی سے کرایہ مل سکتا ہے کسی بھی شرط کی پابندی نہیں کی ہے؛ اس لئے مذکورہ مدرس کو مدرسہ کی جانب سے کوئی کرایہ نہیں ملے گا، پہلے سفر میں اس لئے نہیں ملے گا کہ ضابطہ نمبر۲ رکی پابندی نہیں کی ہے۔ اور دوسرے سفر میں اس لئے نہیں ملے گا کہ ضابطہ نمبر۱ رکی پابندی نہیں کی۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰ رجمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۶۹۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۵/۳۰ھ

مدارس کے اصول وضوابط کی شرعی حیثیت

سوال [۸۴۱۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) ایک ادارہ میں قانون بنایا گیا کہ اساتذہ گھنٹہ میں دس منٹ سے زائد تاخیر سے آئیں گے، تو ان کا پورا گھنٹہ غیر حاضری شمار ہوکر پورے گھنٹہ کی تنخواہ وضع کی جائے گی، اگر چہ اڑتالیس منٹ استاذ نے پڑھایا ہو۔

(۲) ایسے ہی جو ملازم پندرہ منٹ سے زائد تاخیر سے آئیں گے ان کے پورے چار گھنٹے غیر حاضر شمار ہوکر پورے چار گھنٹے کی تنخواہ وضع کی جائے گی، اگر چہ ملازم نے تین گھنٹے چالیس منٹ دفتر وغیرہ میں کام کیا ہو اور ڈیوٹی انجام دی ہو، مذکورہ بالا قانون کی شرعی حیثیت سے مطلع فرما کر ممنون فرمائیں، کیا مذکورہ قانون میں حق تلفی نہیں ہے؟

(۳) ایک ادارہ میں تقسیم کار اور مختلف امور کے الگ الگ شعبے ہیں، جس شعبہ میں جس ملازم کا تقرر جس خدمت پر طے ہوا اس کی خدمت مفوضہ کے علاوہ دوسرا کوئی کام انجام نہ دینے پر غیر حاضری شمار کر کے تنخواہ وضع کرنا شرعاً کیسا ہے؟ بینوا توجروا

المستفتی: حکیم محمد مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مدارسِ اسلامیہ کے قوانین وضوابط کا سارا مدار ایک حدیث شریف پر ہے، جس کو ہم پہلے نقل کردیتے ہیں، اس کے بعد تینوں سوالات کے جوابات اسی حدیث شریف کی روشنی میں پیش کئے جائیں گے۔ حدیث شریف یہ ہے:

عن عبدالله بن عمرو بن عوف المزني أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: الصلح جائز بين المسلمين إلا صلحا حرم حلالا، أو أحل حراما، والمسلمون على شروطهم، إلا شرطا حرم حلالا، أو أحل حراما.

(سنن الترمذي، الأحكام، باب ما ذكر عن رسول الله صلى الله عليه وسلم في الصلح بين الناس، النسخة الهندية ١/ ٢٥١، دارالسلام، رقم: ١٣٥٢، المعجم الكبير للطبراني دار إحياء التراث العربي ١٧/ ٢٢، رقم: ٣٠)

مسلمانوں کی آپسی تراضی سے ہر وہ صلح اور قانون جائز ہے جس سے قرآن وحدیث کے حرام کو حلال کرنا لازم نہ آتا ہو، اسی طرح ہر وہ شرط بھی ضابطہ اور قانون میں جائز ہے جس سے قرآن وحدیث کے قطعی حرام کو حلال، یا حلال کو حرام کرنا لازم نہ آتا ہو، اب سوالات کے جوابات ملاحظہ فرمائیے:

(۱) جب مدرسہ نے یہ قانون بنا دیا ہے کہ دس منٹ کی تاخیر سے پورا گھنٹہ غیر حاضری میں شمار ہوا کرے گا تو مدرس کو یہ اختیار بھی حاصل ہوگیا کہ وہ گھنٹہ نہ پڑھائے اور دس منٹ کی تاخیر کے بعد رجسٹر پر دستخط کردے۔ اور اگر رجسٹر پر دستخط کردیا گیا ہے اور پھر پورا گھنٹہ مدرس نے نہیں پڑھایا ہے او مدرسہ میں حاضر رہ کر کوئی کام نہیں کیا ہے، تو اس گھنٹے کی تنخواہ وضع کرلینا مدرسہ والوں کے لئے جائز ہے؛ لیکن مدرسہ والوں کے لئے یہ جائز نہیں ہوگا کہ پورا گھنٹہ غیر حاضر قرار دیں اور پھر اس گھنٹہ میں کام بھی لیں جیسا کہ اوپر کی حدیث شریف سے یہ بات واضح ہوئی۔

(۲) جب پندرہ منٹ کی تاخیر ہوگئی ہے اور پندرہ منٹ سے زائد تاخیر ہوجائے تو پورے چار

گھنٹے کی غیر حاضری لگ جاتی ہے، تو مدرسہ والوں کے لئے غیر حاضری لگانا جائز ہے؛ لیکن شرط یہ ہے کہ اب مدرس کو بھی اختیار حاصل ہو جائے کہ یہ پورے چار گھنٹے مدرسہ میں کوئی کام نہ کرے، گویا ایک وقت کی مکمل غیر حاضری ہوگئی؛ لیکن اگر مدرسہ والے پندرہ منٹ سے زائد تاخیر کے بعد چار گھنٹہ کی تنخواہ وضع کرلیں اور کام بھی لیں یہ جائز نہیں ہے، صرف اتنا جائز ہے کہ اپنا قانون ایسا بنالیں کہ پندرہ منٹ سے زائد تاخیر کی صورت میں مدرس کو اختیار ہو جائے گا کہ مدرسہ میں رہے یا غیر حاضر رہے، ان گھنٹوں کی تنخواہ نہیں ملے گی، جیسا کہ اوپر کی حدیث شریف کے مضمون سے واضح ہوتا ہے۔

(۳) مدرسہ کے مدرسین اور ملازمین کے کار مفوضہ متعین ہونے کے ساتھ ساتھ قانون اور ضابطہ میں اگر یہ بات بھی ملحوظ رکھی گئی ہے کہ صبح کے چار گھنٹے یا شام کے دو گھنٹے کے درمیان اس کار مفوضہ کے علاوہ، ضرورت مدرسہ کی وجہ سے ذمہ دار مدرسہ دوسرا کام بھی لے سکتا ہے، مثلاً چار گھنٹے میں سے دو گھنٹے پڑھانے کے بعد ایک گھنٹہ دفتری کام کرنا ہے، پھر چوتھا گھنٹہ پڑھانا ہے یا ایک دو گھنٹے مدرسہ کی ضرورت سے متعلق میٹنگ میں بیٹھنا ہے، یا مدرسہ کی ضرورت سے متعلق آس پاس کے لوگوں سے ملاقاتیں کرنی ہیں، تو اس طرح کا قانون مذکورہ حدیث شریف کی رو سے جائز اور درست ہے، ہاں البتہ مدرسہ میں اگر دو ٹائم کی پابندی ہے، مثلاً صبح کو چار گھنٹے اور شام کو دو گھنٹے، ان کے علاوہ خارج میں کام کرنا مدرس کی ذمہ داری نہیں، تو اگر خارج میں کام کرنے پر پابند کیا جائے تو اس کے لئے الگ سے الاؤنس مقرر کرنا من جانب مدرسہ لازم ہے اور بغیر الاؤنس مدرس پر دباؤ ڈالنا ذمہ دار کے لئے اس قانون کی رو سے درست نہیں ہے، ہاں البتہ اگر کوئی ملازم یا مدرس بخوشی کام کرتا ہے تو وہ اس کی طرف سے ایثار اور تبرع ہے۔ اور اگر درجہ حفظ کے لئے مدرسہ نے شروع سے یہ قانون بنایا ہے کہ ان کو تین ٹائم کام کرنا پڑے گا، صبح سے دوپہر تک، شام کے ٹائم عصر تک، اس کے بعد مغرب اور عشاء کے درمیان کا وقت، تو ایسے مدرسین کو تینوں ٹائم کام کرنے کی تنخواہ ملتی ہے، اگر ان کے لئے الگ سے ضابطہ نہیں بنا ہے، تو پھر مغرب کے بعد طلبہ کی نگرانی کے لئے بٹھانے پر

منجانب مدرسہ ان کو الگ سے الاؤنس دینا لازم ہے۔ اور الاؤنس مدرسہ اپنی صواب دید پر متعین کرسکتا ہے، یہ ساری باتیں اوپر کی حدیث شریف سے ثابت ہوتی ہیں، اسی طرح اگر کسی ملازم کو پڑھانے کے لئے اور چندہ فراہم کرنے کے لئے مقرر کیا گیا ہے، تو یہ بھی مدرسہ کے ضابطہ کے مطابق جائز اور درست ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶ / جمادی الثانیہ ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۶۳۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۶/۱۶ھ

ضوابط برائے اساتذہ، تعزیرات وتعطیلات برائے طلبہ

سوال [۸۴۱۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) نماز باجماعت کی پابندی طلبہ سے زیادہ ضروری ہوگی۔

(۲) طلبہ کی نگرانی اور امر بالمعروف نہی عن المنکر کی ذمہ داری ہوگی۔

(۳) درجہ میں بیٹھنے کی ہیئت ایسی رکھنی ضروری ہوگی جس سے چستی اور رعب ظاہر ہو۔

(۴) درجہ میں بلا عذر کمر لگا کر بیٹھنے کی اجازت نہ ہوگی۔

(۵) تعلیمی اوقات میں دوسرے مدرس کے پاس جانے یا درجہ میں بیٹھے ہوئے کسی کے ساتھ باتوں میں لگنے کی اجازت نہ ہوگی۔

(۶) تعلیمی اوقات میں کتب بینی، خط نویسی کی بھی اجازت نہ ہوگی۔

(۷) طلبہ میں بجائے زجر وتنبیہ انسیت کا پیدا کرنا ضروری ہوگا۔

(۸) نیز طلبہ کے اندر کپڑے، جسم، درسگاہ وغیرہ کی صفائی کا جذبہ پیدا کرنے کے طریقے اختیار کرنا ضروری ہوگا۔

(۹) کسی کی واقعی غیر واقعی کسی کمزوری کا تذکرہ یا حکایت وشکایت کسی مدرس وغیر مدرس کے سامنے کرنے کی اجازت نہ ہوگی؛ البتہ صدر مدرسہ کو پیش کردینا مناسب ہوگا۔

(۱۰) حسب صواب دید صدر و مہتمم کسی وقت درجہ بھی تبدیل کیا جاسکتا ہے۔
(۱۱) طلبہ سے خدمت لینے میں ان کی رضا و مناسبت کا لحاظ ضروری ہوگا۔
(۱۲) اوقات مدرسہ میں آنے والے مہمان کے لئے مدرسہ کی جانب سے ۱۰/منٹ مہمان نوازی کی اجازت ہوگی۔
(۱۳) ایک سال میں تعطیلات مقررہ کے علاوہ بیس یوم کی رخصت ہوگی، اس سے زیادہ غیر حاضری کی تنخواہ وضع کی جائے گی۔
(۱۴) مغرب وعشاء کے بعد طلبہ کی نگرانی ضروری ہوگی۔
(۱۵) درجہ میں ہر جدید کام کرنے کے لئے پہلے ذمہ دار سے مشورہ کرنا ضروری ہوگا۔
(۱۶) پندرہ روز سے پہلے گھر جانے کی اجازت نہ ہوگی۔
(۱۷) جمعرات میں دوپہر سے سنیچر کی دوپہر تک یا زائد سے زائد شام تک کی رخصت ہوگی۔
(۱۸) اوقات تعلیم میں جتنا وقت اپنے کام میں خرچ کیا جائے گا اس کی تنخواہ وضع کی جائے گی۔
(۱۹) وقتی ضرورت پر چھٹی مل جائے گی، مگر اس کا حساب ۲۰/یوم کی رخصت میں لگے گا۔
(۲۰) مسلسل دس پندرہ یوم کی تعطیل مدرسہ کی جانب سے نہیں مل سکے گی، شادی کے موقع پر صرف ۴/۵/یوم کی رخصت ملے گی۔
(۲۱) اگر کوئی استاذ درمیانی سال میں مدرسہ سے علیحدہ ہوگا تو اس کی اطلاع پندرہ روز پہلے دینا ضروری ہوگا، اگر بلا اطلاع الگ ہوگیا تو پندرہ یوم کی تنخواہ وضع کرلی جائے گی، اسی طرح اگر مدرسہ نے کسی استاذ کو بلا اطلاع علیحدہ کردیا تو اس کو پندرہ یوم کی تنخواہ مزید دی جائے گی۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: معلمین کے حق میں جو قوانین وضوابط مقرر کئے گئے ہیں، احقر حرفاً حرفاً ہر ایک سے متفق ہے، ماشاء اللہ اگر ان پر عمل ہو سکے تو مدرسہ طلبہ، استاذ، قوم سب کے حق میں فلاح ہی فلاح ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/شوال المکرّم ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۴۳۲/۲۵)

تعزیرات برائے طلبہ مدرسہ عربیہ امدادالاسلام ہرسولی ضلع مظفرنگر یوپی

سوال [۸۴۱۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) جماعت کی ایک رکعت چھوٹ جانے پر سب کے سامنے ہاتھ پر پانچ قمچی لگائی جائیں گی۔

(۲) ظہر کی پہلی سنت پہلے نہ پڑھنے پر مسجد کی شمالی دیوار سے جنوبی تک چار چکر مرغ بن کر لگانے ضروری ہوں گے۔

(۳) باہمی منازعت کی صورت میں دست درازی کرنے والے پر ایک کے عوض پچیس قمچی ماری جائیں گی۔

(۴) ایک گالی زبان سے نکالنے پر نفل کی چار رکعت ادا کرنی ہوگی۔

(۵) دس روپئے یا دس روپئے سے زائد کسی بھی سامان کی چوری کرنے کے ثبوت پر مدرسہ سے اخراج کر دیا جائے گا۔

(۶) اگر دس روپئے سے کم چوری کی گئی تو (الف) فی روپیہ پانچ قمچی ہوں گی (ب) ضمان ہر صورت میں چور کے ذمہ ہوگا، جو کہ اسی وقت ادا کرنا ضروری ہوگا (ج) یہ سزا صاحب حق کے معاف کر دینے سے بھی ساقط نہ ہوگی۔

(۷) تعطیلات مقررہ میں ایک کی بھی تاخیر معاف نہ ہوگی، دو روز کی تاخیر تک فی یوم دس قمچی ہوں گی اور تین روز کی غیر حاضری پر اخراج ہو جائے گا۔

(۸) وقتی تعطیل میں مقدار موجود سے زائد ایک دن پر دس قمچی ہوں گی۔

(۹) بیماری کی تعطیل میں اگر مسلسل بلا اطلاع دس روز تاخیر ہوگی تو اخراج ہو جائیگا۔

(۱۰) تندرستی کی حالت میں رخصت لی اور گھر جا کر بیمار ہو جائے تو ڈاکٹر کی تصدیق قابل قبول ہوگی۔

(۱۱) ہفتہ کے درمیان رخصت نہیں ملے گی، الا یہ کہ شدید بیماری یا گھر کسی پریشانی کی صحیح خبر

ملے۔

(۱۲) ایک مرتبہ اخراج کے بعد حسب صوابدید اراکین مدرسہ دوسرے سال داخلہ ممکن ہوگا، اسی سال داخلہ کی صورت نہ ہوگی۔ فقط

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: طلبہ کی تعزیرات کے سلسلہ میں جوضوابط مقرر کئے ہیں سب سے احقر متفق ہے، البتہ جن میں قیچی کی سزا مقرر ہوئی ہے، ان کے ساتھ نوافل بھی مقرر ہوجائیں تو تربیت کے لئے زیادہ مناسب تھا، نیز نمبر ایک میں پانچ قیچی کے بجائے اگر دس مقرر کی جائے تو زیادہ اصلاح کی بات تھی، نیز مہذب ادارہ میں مہذب سزا مناسب ہے؛ اس لئے اگر مرغ بن کر چکر لگانے کے بجائے حسب مناسب نوافل مقرر کردی جائیں تو زیادہ تربیت واصلاح کی امید ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍ شوال المکرّم ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۴۳۳/۲۵)

ضوابط برائے مدرسہ عربیہ امداد الاسلام ہرسولی ضلع مظفر نگر

سوال [۸۴۲۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) تمام طلبہ کو نماز پنج گانہ باجماعت باہتمام تکبیر اولیٰ ادا کرنا ضروری ہوگا۔

(۲) لباس نیچے سے اوپر تک مطابق شرع سنت رکھنا ضروری ہوگا۔

(۳) غیبت واختلاط سے سخت پرہیز نہایت ضروری ہوگا۔

(۴) بدفعلی کے ثبوت یا ظہور پر یقیناً اخراج کردیا جائے گا۔

(۵) سرقہ (چوری) کے ثبوت ملنے پر بھی اخراج کردیا جائے گا۔

(۶) مدرسہ کے جملہ اساتذہ کا خصوصاً اور عامۃ المسلمین کا عموماً ادب واحترام ضروری ہوگا۔

(۷) وقتی طور پر جو اعلان کیا جائے اس کا احترام ضروری ہوگا۔
(۸) مدرسہ کے تعلیمی اوقات میں خصوصاً اور خارجی اوقات میں عموماً بستی کے اندر جانے سے پرہیز ضروری ہوگا۔
(۹) کسی بھی طالب علم کو مدرسہ سے متعلق کسی بھی واقعہ میں دخیل ہونے کا حق نہ ہوگا۔
(۱۰) تعطیلات مقررہ کے علاوہ پندرہ دن غیر حاضر ہونے سے مدرسہ آئندہ تعلیمی خدمت سے معذور رہے گا۔
(۱۱) ہر طالب علم کو ہر ماہ اپنے سر کے بال مشین سے صاف کرانا ضروری ہوگا۔
(۱۲) بالغ طلبہ کو نابالغ بچوں کے ساتھ تفریح کے لئے جانا ایک حجرہ میں رہنا قطعاً جائز نہ رکھا جائے گا۔
(۱۳) مدرسہ پر کسی بھی طالب علم کا کوئی حق مطالبہ نہ ہوگا۔
(۱۴) مدرسہ کے اصول کے مطابق بنے ہوئے کپڑے کم از کم دو جوڑی ہونا ضروری ہوگا۔
(۱۵) طلبہ کو کسی قسم کی جمعیت بنانے کا کوئی حق نہ ہوگا۔
(۱٦) ٹوپی پنج کلی یا دو پلی کے علاوہ دوسری نہیں چلے گی۔
(۱۷) اپنا لوٹا المونیم کا ہونا ضروری ہے۔
(۱۸) ایک ماہ سے پہلے چھٹی لینے کی اجازت نہ ہوگی، اس وقت بھی جمعرات کو دوپہر سے سنیچر کی دوپہر تک اجازت ہوگی۔
(۱۹) کسی وقتی حادثہ پر بھی چھٹی مل سکتی ہے، مگر مدرسہ کو واقعی ثبوت ملنا ضروری ہے۔
(۲۰) چھٹی کے وقت سے دو روز زائد ہوتے ہی نام خارج کر دیا جائے گا۔
(۲۱) روشنی کا انتظام اپنے پاس سے کرنا ضروری ہوگا، اس کے لئے دو روپے ماہانہ جمع کرنے ضروری ہوں گے۔
(۲۲) داخلہ فیس دس روپئے ہیں جو بلا طلب کئے پیش کر دینی چاہئے۔

(۲۳) قاعدہ، پارہ اور کلام پاک ناظرہ پڑھنے والوں کا مدرسہ میں امدادی داخلہ نہیں ہوگا۔

(۲۴) کوئی طالب علم اگر نصاب کے مطابق نہیں پڑھے گا یا پڑھنے میں سستی کرے گا تو اس کا نام خارج کر دیا جائے گا۔

(۲۵) غیر امدادی داخلہ ہونے والے طلبہ کے کھانے کا انتظام مدرسہ کی جانب سے کیا جا سکتا ہے، خوراکی پچاس روپئے ماہانہ ہوگی، جس میں چار ماہ کا خرچ داخل ہونے سے پہلے جمع کرنا ضروری ہوگا۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: امور شرعیہ دو قسموں میں منقسم ہیں: (۱) وہ امور جن کا تعلق بابِ احکام سے ہے، جن کے لئے شارع کی طرف سے بنیادی نصوص ہوتے ہیں (۲) وہ امور جن کا تعلق بابِ تربیت سے ہوتا ہے اور بابِ تربیت کا مدار نصوص پر نہیں ہوتا ہے؛ بلکہ حالات اور مربی اور مربی کے مزاج وصلاحیت پر مدار ہوتا ہے؛ اس لئے بابِ تربیت میں بہت سی ایسی چیزیں بھی جائز ہوتی ہیں جو بابِ احکام کے لحاظ سے ناجائز ہیں؛ اس لئے مذکورہ تمام ضوابط بابِ تربیت میں جائز ہیں؛ لیکن جن ضابطوں میں روپیہ پیسہ کی بات آتی ہے ان میں نادار طالبان علم کی تخصیص حتی الامکان ضروری ہے، مثلاً داخلہ فیس لوٹا جوڑے وغیرہ نیز غیر امدادی طلبہ پر چار ماہ کا خرچ پیشگی جمع کرنا لازم قرار دینا باقی تمام اصول ماشاء اللہ مناسب ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍شوال المکرّم ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/۱۴۳۴)

سوال [۸۴۲۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے مدرسہ کے ضوابط برائے اساتذہ وطلبہ اور تعزیرات وتعطیلات جو مقرر کی گئی ہیں ان میں کوئی نمبر خلاف شرع تو نہیں؟ اگر ہے تو اس کی اصلاح وترمیم کی درخواست ہے۔

امید ہے کہ مزاج آپ کے بخیر ہوں گے۔ فقط

نوٹ: تمام نقلوں کی واپسی کی ضرورت نہیں صرف آپ کا جواب ہمارے لئے کافی ہے۔

المستفتی: مہربان علی بڑوتوی خادم تعلیمات مدرسہ عربیہ امداد الاسلام ہرسولی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) معلمین کے حق میں جو ضوابط مقرر کئے گئے ہیں ان میں سے کوئی بھی شریعت کے خلاف نہیں ہے، ان میں مدرسہ، طلبہ، معلمین، عوام سب کے حق میں فلاح ہی فلاح ہے۔

(۲) طلبہ کی تعزیرات کے لئے جو قوانین مقرر کئے گئے ہیں باب تربیت میں ان کی گنجائش ہے؛ البتہ مہذب ادارہ میں مہذب سزا مناسب ہے؛ اس لئے نمبر۲ر میں مرغ بن کر چکر لگانے کے بجائے اگر حسب مناسب نوافل مقرر کردی جائیں تو زیادہ اصلاح وبہتری کی بات ہوگی۔

(۳) طلبہ کے لئے جو قوانین مقرر کئے گئے ہیں، باب تربیت میں ان سب کی گنجائش ہے، البتہ جن ضابطوں میں مالی بھار طلبہ پر رکھا گیا ہے، ان میں نادار غریب طلبہ کے حق میں تخفیف ہونی چاہئے، لوٹا، جوڑا، داخلہ فیس وغیرہ میں ان کے ساتھ تخفیف ہونی چاہئے، نیز غیر امدادی طلبہ سے چار ماہ کا خرچ پیشگی لینے کی مصلحت احقر کو سمجھ میں نہیں آئی، ویسے آپس کی رضامندی سے جو معاملہ طے کرلیا جائے تو شرعاً وہ معاملہ درست ہے، خلاف شرع نہیں ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵ر شوال المکرّم ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۴۳۱/۲۵)

مدرسے کے من جملہ بچوں کی ضروریات مدّ زکوۃ سے پوری کرنے کا حکم

سوال [۸۴۲۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مدارسِ اسلامیہ میں جو طلبہ دور دراز سے تعلیم حاصل کرنے کے لئے آتے ہیں، ان

میں ہر طرح کے طلبہ ہوتے ہیں (مالدار، غرباء یتیم) اب ان کے لئے مدرسہ والے جو چندہ لاتے ہیں، اس چندہ میں زکوۃ، صدقات اورامداد وغیرہ سبھی مدات ہوتی ہیں، اب چندہ کی رقم مجموعی طور سے مذکورہ طلبہ پر صرف ہوسکتی ہے، جب کہ مذکورہ طلبہ میں دوسرے صوبوں کے بھی طلبہ ہیں، تفصیل سے جواب تحریر فرماکر کرم فرمائیں۔ والسلام

المستفتی: بندہ خدا ملی تال (نینی تال)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زکوۃ، صدقات اورامداد وغیرہم کی رقوم غرباء، یتیم ومساکین طلبہ کو دینا اوران کی ضروریات طعام ووظائف وغیرہ میں خرچ کرنا درست ہے، نیز ان طلبہ پر بھی خرچ کرنا درست ہے کہ جن کی ملکیت میں بقدر نصاب مال نہیں ہے، اگرچہ ان کے گھر پر مال موجود ہے؛ البتہ وہ غنی طلبہ کہ جن کی ملکیت میں نصاب سے زائد مال اور رقم ہے، راجح قول کے مطابق ان کوزکوۃ کی رقم دینا یامد زکوۃ سے خرچ کرنا جائز نہیں ہے؛ لیکن مدارس میں پڑھنے والے طلبہ میں ایک دو فیصد بھی ایسے طلبہ نہیں ہوتے ہیں کہ جن کے پاس نصاب کے بقدر ماں باپ سے ہٹ کرا لگ سے پیسے ہوں۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۶/ ۲۵۵، امدادالفتاوی ۲/ ۱۸، احسن الفتاوی ۴/ ۲۵۲، ایضاح النوادر/ ۴۸)

والأوجه تقييده بالفقير، ويكون طلب العلم مرخصا لجواز سؤاله من الزكوة وغيرها، وإن كان قادرا على الكسب إذ بدونه لا يحل له السؤال. (فتاوى شامي، كتاب الزكوة، باب المصرف، زكريا ۳/ ۲۸٦، كراچی ۲/ ۳٤٠، الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۸/ ۳۳٦)

لا يجوز دفع الزكوة إلى من يملك نصابا، أي مال كان. (هندية، الباب السابع في المصارف، زكريا قديم ۱/ ۱۸۹، جديد ۱/ ۲٥۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/ محرم الحرام ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۴۳۳)

مدرسہ میں آمدہ غلہ میں اشیاء کی رسید دینے کا حکم

سوال [۸۴۲۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک دینی مدرسہ ہے، جس میں بیرونی طلبا مقیم ہیں، طلبا کا طعام مدرسہ کے مطبخ میں بنتا ہے، اکثر طلبا کا کھانا امدادی ہے، بعض کا غیر امدادی ہے، مدرسہ میں دو قسم کی رسید بک ہیں: ایک عام چندہ کرنے کی، دوسری رسید اشیاء کی ہے، جو غلہ وغیرہ مدرسہ میں آتا ہے اس کو اشیاء کی رسید دی جاتی ہے، اور اس کو مطبخ میں استعمال کیا جاتا ہے، گویا کہ اشیاء کی رسید کا مطلب یہ ہے کہ یہ مطبخ کی رسید ہے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ جو غیر امدادی طلبا طعام کی فیس جمع کرتے ہیں، ان کو اشیاء کی رسید دی جائے یا عام چندہ کی رسید دے کر اس رقم کو مین بیلنس میں جمع کیا جائے؟

المستفتی: مرغوب الرحمٰن، دھام پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ میں دو قسم کی رسیدوں کا ذکر ہے، ایک عام چندہ کی ہے۔ اور ایک اشیاء کی ہے اور اشیاء کے بارے میں یہ شبہ ظاہر کیا گیا ہے کہ جو بھی اشیاء ہوں وہ مطبخ میں آئیں گی، یہ بات عمومی طور پر ہے؛ لیکن کبھی کبھی ایسی اشیاء بھی ہوتی ہیں جو مطبخ سے متعلق نہیں ہیں، مثلاً تعمیر کے موقع پر سریا، چوکہ، سیمنٹ وغیرہ چندہ میں آجائے تو اس میں بھی اشیاء ہی کی رسید کاٹ کر دی جاتی ہے؛ اس لئے غیر امدادی طلبہ کی فیس جمع کرنے میں کوئی بھی رسید کاٹ کر دینے میں کوئی حرج نہیں، بس اتنی بات ضروری ہے کہ مطبخ میں خوراکی کی قیمت متعین ہو اور اس قیمت کی رسید کاٹ کر دے دی جائے۔ اور رسید کاٹنے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اتنے دنوں کی خوراکی کا پیسہ مدرسہ میں آگیا ہے۔ اور مدارس میں اس طرح کا تعامل اور عرف ہے؛ اس لئے اس میں کسی کو اشکال نہیں ہونا چاہئے۔

المعروف كالمشروط. (الأشباه والنظائر، جديد ص: ٢٧٨)

المعروف بالعرف كالمشروط شرطا. (قواعد الفقه، أشرفي، ص: ١٢٥، رقم: ٣٣٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١٢/ربیع الثانی ١٤٣٦ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٤١/ ١١٨٩٩)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
١٤٣٦/٤/١١ھ

مدارس میں فیس لے کر تعلیم دینے کا حکم

سوال [٨٤٢٤]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مدارسِ اسلامیہ کے اندر درجہ حفظ یا درجہ عربی کے بچوں سے فیس لینا درست ہے، اس سے قرآن کا بیچنا تو لازم نہیں آئے گا؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم اپنے بچوں کو مدرسے میں اس لئے داخل نہیں کراتے کہ فیس نہیں لگتی اور اسکولوں میں ہر مہینہ فیس لگتی ہے؛ حالانکہ قرآن کا مرتبہ اس سے بہت بڑھا ہوا ہے، پھر بھی مدرسہ والے فیس نہیں لیتے۔ اور یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ حافظ لوگ صدقہ کا مال کھاتے ہیں، جس سے ہمارے بچوں پر اس کا اثر پڑے گا۔

المستفتی: نسیم احمد غازی پوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مدارسِ اسلامیہ میں طلبہ کو قرآن کریم اور دیگر دینی کتابوں کی تعلیم دے کر ان سے فیس وصول کرنا شرعاً جائز ہے۔ اور آج کل چوں کہ مدارس میں عموماً غریب اور نادار طلبہ ہوتے ہیں جو صدقات وخیرات وغیرہ کے مستحق ہوتے ہیں اور وہ تعلیم کی فیس ادا کرنے کے متحمل نہیں ہوتے ہیں؛ اس لئے مدارس میں ان سے تعلیمی فیس وصول نہیں کی جاتی ہے؛ لیکن اگر کسی مدرسہ میں تعلیمی فیس وصول کی جائے تو شرعاً اس کی اجازت ہے، اس کو قرآن کریم کا معاوضہ کہنا اور قرآن کی آیتوں کی فیس کہنا قطعاً درست نہیں؛ بلکہ تعلیم

دینے والے بچوں کے حبس وقت کی فیس اور تنخواہ ہے، جو فیسوں کے نام سے وصول کیا جاتا ہے، ورنہ قرآن کی آیتوں کی فیس کون ادا کرسکتا ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۱/۴۲۲)

قال في الهداية: وبعض مشايخنا استحسنوا الاستئجار على تعليم القرآن اليوم؛ لظهور التواني في الأمور الدينية، ففي الامتناع تضييع حفظ القرآن وعليه الفتوى. (شامي، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، مطلب تحرير مهم في عدم جواز الاستئجار على التلاوة والتهليل، زكريا ٩/ ٧٦، كراچی ٦/ ٥٥، هداية أشرفی ٣/ ٣٠٣، البناية، أشرفيه ديوبند ١٠/ ٢٨٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰/۳/۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۲۲۰/۳۸)

طلبہ کا بلا اجازت مدرسہ کی چیزوں کو استعمال کرنے کا حکم

سوال [۸۴۲۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر کوئی طالب علم مدرسہ کے ذمہ داران کی اجازت کے بغیر کھانے کی کوئی چیز اٹھا کر کھالے تو اس کا مدلل حکم تحریر کیجئے۔

المستفتی: محمد ابوالکلام، مظفر نگر، متعلم مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مدرسہ کی جس چیز کا ذکر کیا جارہا ہے، اگر وہ چیز مدزکوۃ کی ہے، تو اس کے مستحقین میں مذکورہ طالب علم بھی ہے، اس نے جو چیز ذمہ داروں کی اجازت کے بغیر کھائی ہے، دیانۃً تو وہ چیز اس کے لئے حلال ہوئی؛ لیکن مدرسہ کے ذمہ داران اور مدرسہ کے نظام کے خلاف اس نے یہ عمل کیا ہے اور اس طرح کے اعمال کی بنا پر مدرسہ کا نظم ونسق باقی نہیں رہ سکتا؛ اس لئے کسی طالب علم کے لئے مدرسہ کے قانون اور نظام کی مخالفت کی بنا پر ذمہ داران کی اجازت کے بغیر از خود مدرسہ کی کسی چیز کے کھانے کی اجازت نہیں۔

وظاهره أن من له حظ في بيت المال بكونه فقيرا، أو عالما، أو نحو ذلک، ووجد ما مرجعه إلى بيت المال من أي بيت من البيوت الأربعة الآتية في آخر الجزية له أخذه ديانة بطريق الظفر في زماننا، ولا يتقيد أخذه بأن يكون مرجع المأخوذ إلى البيت الذي يستحق منه. (شامي، كتاب الجهاد، باب المغنم وقسمته، مطلب: فيمن له حق في بيت المال، وظفر بشيء من بيت المال زكريا ٦/ ٢٦٥، كراچی ٤/ ١٥٩، البحرالرائق، كوئٹه ٥/ ١١٨، زكريا ٥/ ٢٠٠، هندية زكريا قديم ١/ ١٩١، جديد ١/ ٢٥٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍صفر المظفر ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۷۴۹۵)

تعلیمی اوقات کے دوران طلبہ کو قرآن خوانی کے لئے بھیجنا

سوال [۸۴۲۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مدرسہ کے تعلیمی وقت میں طلبہ کو قرآن خوانی کی دعوت میں بھیجنا کیسا ہے، جب کہ تعلیمی وقت میں قرآن خوانی کے لئے بھیجنے کی صورت میں تعلیم کا نقصان یقینی ہوتا ہے، اس سلسلے میں مدرسہ والوں کی کیا ذمہ داری ہے؟

المستفتی: راشد علی (کاتب) پیپلسانہ، ضلع مرادآباد (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ارباب مدرسہ کی اہم ذمہ داری یہی ہے کہ طلبہ کو ہر ایسی چیز اور امور سے محفوظ رکھیں جو ان کی تعلیم میں نقصان دہ ہوں، چاہے وہ امور فی نفسہٖ اچھے کیوں نہ ہوں، کیونکہ ان کے لئے تعلیم سے اہم کوئی چیز نہیں ہے، نیز موجودہ دور میں جن لوازمات کے ساتھ قرآن خوانی ہوتی ہے، اس کو بعض فقہاء نے ناجائز اور مکروہ قرار دیا ہے۔

من قال من المشايخ: قراءة القرآن بالجماعة جهرا ويسمى

بالفارسية سی پاره خوانده مکروه الخ. (نفع المفتي والسائل، ص: ١٢٤، المحيط البرهاني، المجلس العلمي ٧/ ٥١٣، رقم: ٩٤٥٢، الفتاوى التاتارخانية زكريا ١٨/ ٥٨، رقم: ٢٨٠٢٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۳۱۷۸)

مدارس کے طلباء سے قرآن خوانی کرانا

سوال [۸۴۲۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مدارس کے بچوں سے کلام پاک پڑھوانا کیا حکم رکھتا ہے؟

المستفتی: عبدالمعید قاسمی آزادنگر، ہلدوانی نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: فی نفسہٖ قرآن کریم کی تلاوت باعث خیر وبرکت ہے؛ لیکن اس زمانہ میں جو مدارس کے طلبہ کو تعلیمی وقت وغیرہ میں لے جاکر پڑھوایا جاتا ہے، اس میں بہت سی خرابیاں ہیں، مثلاً طلبہ کی تعلیم کا حرج وہاں جاکر کھانے پینے کا التزام وغیرہ، اس لئے مروجہ طریقہ سے گھروں میں لے جاکر پڑھوانا ممنوع اور بدعت سئیہ ہے۔

ومن قال من المشايخ: إن ختم القرآن بالجماعة جهرا ويسمى بالفارسية سي پاره خوانده مكروه. (المحيط البرهاني، كتاب الكراهية والاستحسان، الفصل الرابع، المجلس العلمي ٧/ ٥١٣، رقم: ٩٤٥٢، الفتاوى التاتارخانية زكريا ١٨/ ٥٨، رقم: ٢٨٠٢٣، نفع المفتي والسائل، ص: ١٢٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/ ربیع الاول ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۳۰۷۹)

لڑکیوں کا مدرسہ قائم کرنا

سوال [٨٤٢٨]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: خواتین کی بڑھتی ہوئی جہالت کو مٹانے کے لئے ایک شخص پورے پردہ وغیرہ کی رعایت کے ساتھ لڑکیوں کا مدرسہ کھولنا چاہتا ہے، جس میں اساتذہ کی اکثریت عورتوں کی ہوگی، مگر کچھ مرد بھی ہوں گے، جو پردہ کے اندر سے تعلیم دیں گے، تو اس کا یہ اقدام کیسا ہے؟

المستفتی: محمد محسن علی متعلم تکمیل ادب مدرسہ امدادیہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زنانہ مدارس کا کھولنا اور جاری کرنا اور لڑکیوں کے لئے وہاں تعلیم کے لئے جانا اور عورتوں کو ان کی صنف کے مناسب علوم وفنون سکھانا یہ تمام امور نہ یہ کہ صرف جائز ہیں؛ بلکہ مستحسن ہیں؛ لیکن لڑکیوں کے اسکول صرف لڑکیوں کے لئے مخصوص ہونے چاہئے تاکہ فتنہ کا احتمال باقی نہ رہے، جس کے لئے بہتر طریقہ یہ ہے کہ نیک کردار پاک دامن عورتوں کو تعلیم وتربیت کے لئے مقرر کیا جائے، اگر معلمات نہ مل سکیں، تو مجبوراً نیک اور صالح قابل اعتماد مردوں کو متعین کیا جائے۔ اور ان کی کڑی نگرانی رکھی جائے اور کسی بھی طرح بے پردگی بالکل نہ ہونے پائے، تو اس کی بھی گنجائش ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ٢/ ٣٥-٣٦، جدید مطول ٢/ ٣٨٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
٢٩ رجمادی الاولیٰ ١٤١٥ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ٣١/ ٤٠٣٩)	١٤١٥/٥/٢٩ھ

مدارسِ اسلامیہ میں غیر مسلم بچوں کو تعلیم دینے کا حکم

سوال [٨٤٢٩]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: کیا اسلامی مدارس میں غیر مسلم ہندو بچوں کو ان کے والدین کی خواہش پر عربی تعلیم دینا درست ہے، جب کہ وہ مسلم بچوں کے مقابلہ میں صاف ستھرے ہوکر آئیں؟

المستفتی: سید اشرف علی شیرکوٹ بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اسلامی مدارس میں غیر مسلم ہندو بچوں کو ان کی خواہش کے مطابق داخل کر کے عربی تعلیم دینا درست ہے، جب کہ ان غیر مسلم بچوں کی نیت صاف ہو، علم حاصل کر کے مذہب اسلام پر اعتراض کرنے کی نیت نہ ہو۔ (مستفاد: کفایت المفتی ٢/ ١٤، جدید مطول ٢/ ٥٢٨)

وفي الخانية: من بحث القراءة الحربي أو الذمي إذا طلب تعلم القرآن، والفقه، والأحكام يعلم رجاء أن يهتدي؛ لكن يمنع من مس المصحف إلا إذا اغتسل فلا يمنع. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، دارالكتاب ديوبند، ص: ١٤٣)

ويمنع النصراني من مسه، وجوزه محمد إذا اغتسل، ولا بأس بتعليمه القرآن والفقه عسى يهتدى. (شامي، كتاب الطهارة، مطلب يطلق الدعاء على ما يشمل الثناء، زكريا ١/ ٣٢١، كراچى ١/ ١٧٧، وهكذا في حلبي كبير سهيل اكيڈمي لاهور، ص: ٤٩٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٢٩ رشعبان ١٤١٦ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٢/ ٤٥٦٧)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
٢٩/٨/١٤١٦ھ

طلباء کو انعام میں ملنے والے روپیوں کا مالک کون؟

سوال [٨٤٣٠]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کسی بچہ نے مقابلہ قراءت ونعت خوانی میں اول نمبر حاصل کیا، اس بچہ سے خوش ہوکر

مقابلہ کرانے والی کمیٹی نے بطور انعام ایک قرآن شریف اور -/500 روپئے نقد اور ایک دیوار گھڑی اور ایک سند بھی دی اور وہ بچہ اس وقت ہاپوڑ میں زیر تعلیم تھا اور وہیں سے مقابلہ کے لئے گیا تھا، جب سب انعام مل گیا تو مدرسہ والوں نے قرآن تو بچہ کو دے دیا؛ لیکن بقیہ مذکورہ سامان بچہ کو نہیں دیا اور مدرسہ والے یہ کہہ رہے ہیں کہ مدرسہ کی طرف سے بھیجا گیا تھا؛ لہٰذا سامان مدرسہ ہی لے گا، شریعت کی روشنی سے مدلل جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: محمد نذیر احمد مؤذن مدرسہ شاہی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: دینی مدارس کی جانب سے جن بچوں کو قراءت وغیرہ کے مقابلہ ومظاہرہ کے لئے بھیجا جاتا ہے، اس سے یہ مقصود نہیں ہوتا ہے کہ بچے مدرسہ کے لئے آمدنی حاصل کر کے لائیں گے؛ بلکہ صرف بچہ کی ہمت افزائی اور مدرسہ کی شہرت مقصود ہوتی ہے اور انعام دینے والے بھی محض بچہ کی حوصلہ افزائی کی غرض سے خاص طور پر بچے کو دیتے ہیں، اگر یہ معلوم ہوجائے کہ بچے سے لے لیا جائے گا، تو بچے کو بھی نہیں دیں گے؛ اس لئے عرف میں جو کچھ بھی انعام بچے کو ملتا ہے وہ سب بچے کا حق ہے، جبراً یا دباؤ ڈال کر بچے سے لے لینا جائز نہیں ہے۔

عن أبي حميد الساعدي –رضي الله عنه– أن رسول الله ﷺ قال: لا يحل لامرئ أن يأخذ مال أخيه بغير حقه، وذلک لما حرم الله مال المسلم على المسلم. (مسند أحمد بن حنبل ٥/ ٤٢٥، رقم: ٢٤٠٠٣)

عن أبي حرة الرقاشي عن عمه، أن رسول الله ﷺ قال: لا يحل مال امرئ مسلم إلا بطيب نفس منه. (شعب الإيمان للبيهقي، باب في قبض اليد عن الأموال المحرمة، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٣٨٧، رقم: ٥٤٩٢)

الثابت بالعرف كالثابت بالنص. (شرح عقود رسم المفتي، قديم، ص: ٩٤، قواعد الفقه أشرفي، ص: ٧٤، رقم: ١٠١)

لا يجوز لأحد أن يأخذ مال أحد بلا سبب شرعي. (قواعد الفقه أشرفي،

ص: ۱۱۰ ۱، رقم: ۲۶۹ ۲، شرح المجلة رستم اتحاد ۱/ ۶۲، رقم المادة ۹۷، الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۱/ ۱۱۲، ۲۸/ ۲۶٤، ۳۷/ ۳٥٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم رمضان ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۱۹۳۸)

کیا پرانے مکتب میں تعلیمی سلسلہ کو جاری رکھنا ضروری ہے؟

سوال [۸۴۳۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے یہاں کی مسجد کو بنے ہوئے ۳۵؍ سال ہوگئے ہیں اور مکتب کو جو اسی مسجد کی ملکیت کی زمین میں ہے۔ ۲۷؍ سال ہوگئے، اب اس مکتب کی چھت کمزور ہوگئی ہے، تو مکتب چلانے والے ذمہ دار اور مہتمم مسجد کے متولی کی اجازت سے اس چھت کی مرمت یا تعمیر کرسکتے ہیں، تاکہ آئندہ بھی بچے وہاں تعلیم حاصل کرسکیں، یا اس مکتب کی زمین کو بھی مسجد میں شامل کرلیا جائے شرعی حکم کیا ہے؟

المستفتی: عبدالکریم راجہ غالب پور، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: جب ۲۷؍ سال سے مکتب قائم ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ متولی وواقف کی اجازت سے ہے؛ لہٰذا اس کو آئندہ کے لئے بھی باقی رکھ کر تعلیمی سلسلہ کو جاری رکھنا بلا تردد جائز ہوگا۔ اور کمزور چھت کی مرمت بھی متولی وغیرہ کی اجازت سے کردینا جائز ہوگا۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۱۵/ ۲۳۷، ڈابھیل ۱۵/ ۵۹۷)

وسائر التصرفات لمن يتولى. (درمختار على الشامي، الوقف، مطلب لا يستبدل العامر إلا في أربع، زكريا ۶/ ۵۸۹، كراچی ٤/ ۳۸۸، الموسوعة الفقهية الكويتية ٤٤/ ۱۳۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍ محرم الحرام ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۹۹۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۵/۱/۱۴۲۲ھ

الفصل الثاني : في التولية

طلبا کی تعلیمی کوتاہی پر مسئول کون ہے؟

سوال [٨٤٣٢]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: طلبہ قومی وملی امانت ہیں، ان کی تعلیم وتربیت میں دانستہ کوتاہی ہورہی ہے، عنداللہ مسئول کون ہوں گے؟ ان حالات کی روشنی میں مدرسہ کی ملازمت کا کیا حکم ہے؟ مفصل ومدلل جواب مرحمت فرمائیں۔

المستفتی: نبی حسن، خادم دار العلوم ارریہ بیرگاچھی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر طلبہ کی تعلیم وتربیت میں دانستہ کوتاہی ہورہی ہے تو اساتذہ عنداللہ مسئول ہوں گے۔ اور اگر اس کوتاہی میں ناظم مدرسہ یا مہتمم مدرسہ کا دخل ہے تو اللہ کے نزدیک وہی مسئول ہوگا؛ کیوں کہ مہتمم کے سامنے اساتذہ کا اختیار نہیں چلتا؛ البتہ مدرسے کی ملازمت آپ کے لئے ہر حال میں جائز ہے، انتظامی کوتاہی کے آپ ذمہ دار نہیں ہیں، اس کے ذمہ دار منتظمین حضرات ہیں، اللہ کے یہاں انہیں سے پوچھا جائے گا۔

عن ابن عمر –رضي الله عنه– عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: ألا! كلكم راع، وكلكم مسئول عن رعيته، فالأمير الذي على الناس راع، وهو مسئول عن رعيته. (مسلم شريف، باب فضيلة الإمام العادل، النسخة الهندية ٢/ ١٢٢، بيت الأفكار، رقم: ٨٢٩، صحيح البخاري، كتاب الجمعة، النسخة الهندية ١/ ١٢٢، رقم: ٨٨٣، ف: ٨٩٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١٦/ صفر ١٤٢٦ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٧/ ٨٧٢)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
١٤٢٦/٢/١٨ھ

موقوفہ جائیداد کو ذاتی ملکیت سمجھنے کا حکم

سوال [۸۴۳۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) اگر کوئی مہتمم مدرسہ یا متولی زبان سے تو ملکیت نہ کہتا ہو، مگر دل میں وقف دینی مدرسہ کو اپنی ذاتی ملکیت ہی سمجھتا ہو، تو اس کا کیا حکم ہے؟

(۲) اس کے برعکس زبان سے کچھ نہ کہتا ہو، مگر عملاً وقف کی جائیداد مدرسہ کی جائیداد کو اپنی ذاتی ملکیت سمجھتا ہو، تو اس کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: عبدالحق چندر ہاں عمری الہ آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱-۲) دینی مدرسہ کی زمین اور جائیداد کو اپنی ملکیت قرار دینا یا اپنی ملکیت سمجھنا درست نہیں ہے؛ بلکہ مہتمم یا متولی کو اپنے آپ کو مدرسہ یا مسجد کا خادم سمجھنا چاہئے۔

لم یبق علی ملک الواقف، ولا انتقل إلی ملک غیرہ بل صار علی حکم ملک اللّٰہ تعالیٰ الذي لا ملک فیه لأحد سواہ. (شامي، الوقف، مطلب لو وقف علی الأغنیاء وحدهم لم یجز، زکریا ٦/ ٥٢١، کراچی ٤/ ٣٣٩، الفقه الإسلامي وأدلته، دارالفکر ١٠/ ٧٦٠١، هدی انٹر نیشنل دیوبند ٨/ ١٥٣، مجمع الأنهر دارالکتب العلمیة بیروت ٢/ ٥٧١، مصري قدیم ١/ ٧٤٠، هندیة، زکریا قدیم ٢/ ٣٥٠، جدید ٢/ ٣٤٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/۳/۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۲۱۶/۳۸)

مہتمم صاحب کا مدرسہ کی زمین اپنے نام رجسٹری کروانے کا حکم

سوال [۸۴۳۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: دینی مدرسہ کی زمین وجائیداد کو اپنے ذاتی نام سے رجسٹری یا رجسٹریشن کرانا کیسا ہے؟ جس طرح لوگ اپنی زمین وجائیداد اور باغ وغیرہ اپنے نام بیع نامہ یا رجسٹری کراتے ہیں، اسی طرح زمین ومکان اپنے نام کرانا کیسا ہے؟ کیا مہتمم یا متولی اپنے نام کرا سکتا ہے یانہیں؟ اگر دانستہ یا غیر دانستہ طور پر اپنے نام رجسٹری یا بیع نامہ کرالیا ہوتو پھراب کیا کرنا چاہئے،اسے یوں ہی رہنے دیا جائے یارد کرائیں؟

المستفتی: عبدالحق چندوہاں عمری الہ آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مدرسہ کی زمین وجائیداد کو مہتمم یا ناظم مدرسہ کے لئے مدرسہ کے نام رجسٹری کرانا لازم اور ضروری ہے، اگر رجسٹری اپنے نام سے کرالی ہے تو اس کو مدرسہ یا مسجد کے نام سے دوبارہ رجسٹری کرالینا چاہئے۔

وینزع وجوبا لو الواقف فغیره بالأولیٰ غیر مامون (درمختار) وفي الشامية: قال في الإسعاف: ولا يولى إلا أمين قادر بنفسه أو بنائبه؛ لأن الولاية مقيدة بشرط النظر، وليس من النظر تولية الخائن؛ لأنه يخل بالمقصود. (شامي، الوقف، مطلب في شروط المتولي زكريا ٦/ ٥٧٨، كراچی ٤/ ٣٨٠، الموسوعة الفقية الكويتية ٤٤/ ٢٠٧، البحرالرائق، زكريا ٥/ ٣٧٨، كوئٹه ٥/ ٢٢٦، هندية زكريا قديم ٢/ ٤٠٨، جديد ٢/ ٣٨٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/ربیع الاول ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۲۱۶)

مدرسہ کے لئے خریدی گئی زمین کا شخصی بیع نامہ کرانا

سوال [۸۴۳۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک عمارت مدرسہ کے لئے خریدی گئی، یہ مدرسہ امدادالعلوم محلّہ قریشیان کے نام سے

موسوم ہے، جو عرصہ پچاس سال سے دینی خدمت انجام دیتا چلا آرہا ہے، جس میں حفاظ فارغ ہوتے چلے آرہے ہیں، آج بھی اس مدرسہ میں معلمین حضرات حافظ وقاری دینی خدمت کو انجام دے رہے ہیں، وہ نئی عمارت جو مدرسہ کے پیسہ سے خریدی گئی، اس میں بھی عرصہ آٹھ سال سے دینی تعلیم بدستور چلی آرہی ہے، جگہ کی قلت کی وجہ سے یہ عمارت مدرسہ نے اپنی جیب خاص سے خریدی، اس میں بھی آٹھ سال سے بدستور دینی خدمت انجام دی جارہی ہے، اب یہ عمارت کسی نے وقف نہیں کی؛ بلکہ یہ عمارت مدرسہ نے صدقہ خیرات زکوۃ وچرم قربانی اور تمام ہی مدات سے بطور امداد خریدی، اب زید نے اس عمارت کو آٹھویں یا دسویں تک کرانے کے لئے بیع نامہ اپنے نام کرالیا ہے، جب کہ یہ عمارت مدرسہ کے پیسہ سے خریدی گئی تھی، اب اس مدرسہ کو بجائے مدرسہ کے جونیر ہائی اسکول کے نام سے موسوم کرلیا ہے، اب جب کہ جونیر ہائی اسکول کے نام سے بیع نامہ کرالیا ہے، تو پھر جب کبھی سرکاری پیسہ آنا شروع ہوگا تو پھر مدرسہ سے اس کا کچھ تعلق نہ رہے گا اور مدرسہ جو کہ دین کی بقا کا ذریعہ ہے بالکل ختم ہوجائے گا، تو کیا زید مدرسہ کے حق میں اچھا کررہا ہے یا برا؟ کیا زید کا شمار دین کے باغیوں میں ہوگا یا فرماں برداروں میں؟ اور زید نے یہ بیع نامہ بغیر قوم وملت کے مشورے کے خود اپنے نام کرالیا ہے، قوم وملت اس بیع نامہ کے خلاف ہے، ان تمام امر کا جواب دے کر ماجور ہوں۔

المستفتی: امیر حسین ٹھیکیدار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ عمارت جو مدرسہ کے لئے مدرسہ کے نام سے خریدی گئی تھی، اس کو زید کا اپنے نام سے بیع نامہ کرالینا سخت ترین خیانت اور غصب ہے، وہاں کے اہل حل وعقد اور بااثر لوگوں پر لازم ہے کہ ایسے خائن ذمہ دار کو فوری طور پر ذمہ داری سے سبکدوش کردیں، اس کا نام بیع نامہ سے خارج کردیں اور مدرسہ کی عمارت کی حفاظت کریں، مدرسہ کی کسی بھی عمارت کو کسی شخص کے نام کرنا جائز نہیں ہے۔

إن عزل القاضي للخائن واجب عليه. الخ (مجمع الأنهر، كتاب الوقف، دارالكتب العلمية بيروت ٢/ ٦٠٢، قديم ١/ ٧٦٢، شامي، زكريا ٦/ ٥٧٨، كراچی ٤/ ٣٨٠، البحر الرائق، زكريا ٥/ ٤١١، كوئٹه ٥/ ٢٤٥، بزازية، زكريا جديد ٣/ ١٣٤، وعلى هامش الهندية ٦/ ٢٥٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍محرم الحرام ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۶۴۲۲/۳۴)

احکام شریعت کا لحاظ نہ رکھنے والے مہتمم کا حکم

سوال [۸۴۳۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے یہاں دینی مدرسہ میں جو مہتمم ہے وہ داڑھی نہیں رکھتا ہے، انگریزی لباس پہنتا ہے، اپنے گھر کی عورتوں کو بے پردہ رکھتا ہے، گھر میں ٹی وی رکھتا ہے، ہر وقت فلم وغیرہ دیکھتا ہے اور پہلے کسی دوسرے کالج میں پرنسپل رہا ہے اور وہاں پر غبن کیا ہے اور وہاں سے دو سال قبل ان ہی حرکتوں کی وجہ سے رٹائر کر دیا گیا ہے اور مستقل علماء دین کے ساتھ توہین آمیز گفتگو کرتا ہے، جب تک دوسرے مہتمم رہے ان کو ہر طرح پریشان کرتا رہا اور مجلسِ شوریٰ میں بہت سے دیندار پابند شریعت متبع سنت لوگ ہیں، تو کیا ایسے آدمی کو مہتمم بنانا درست ہے؟ اور مدرسہ کے حق میں دعا فرمائیے۔

المستفتی: محمد خالد معرفت اسعد الرحمٰن

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مدرسہ کا مہتمم اگر داڑھی کٹا تا ہو، اپنے گھر کی عورتوں کو بے پردہ رکھتا ہو، گھر میں ٹی وی رکھ کر فلمیں وغیرہ دیکھتا ہو اور بلا وجہ مدرسین اور اساتذہ کو پریشان کرتا ہو اور گالیاں دیتا ہو، تو ایسا مہتمم فاسق ہے، اس کو معزول کر دینا چاہئے اور جب

کہ شوریٰ میں اس کے علاوہ دوسرے حضرات پابند شریعت اور متبعین سنت موجود ہیں، تو ان ہی میں سے کسی کو مہتمم بنایا جائے، تاکہ مدرسہ کا نظام اور مقصد قیام تعلیم وتعلم کا سلسلہ باقی رہے۔

وينـزع وجوبـا لـو الـواقف. فغيره بالأولى غير مامون أو عاجزا، أو ظهـر بـه فسق، كشرب خمر ونحوه. (درمختار) وفي الشامية: قوله: ''غير مامـون'' قـال فـي الإسـعـاف: ولا يـولي إلا أمين قادر بنفسه، أو بنائبه؛ لأن الـولاية مقيدة بشرط النظر الخ. (درمختـار مع الشامي، الوقف، مطلب في شروط الـمتولي زكريا ٦/ ٥٧٨، كراچی ٤/ ٣٨٠، البحرالرائق زكريا ٥/ ٤١١، كوئٹه ٥/ ٢٤٥، بزازية، زكـريـا جـديـد ٣/ ١٣٤، وعلى هامش الهندية ٦/ ٢٥٣، مجمع الأنهر دارالكتب الـعـلمية بيروت ٢/ ٦٠٢، مصري قديم ١/ ٧٦٢، الموسوعة الفقهية الكويتية ٤٤/ ٢٠٧)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍ رجب ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۲۸۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۹/ ۷/ ۱۴۲۰ھ

مہتمم سے متعلق سوال وجواب

سوال [۸۴۳۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کے گاؤں میں ایک مدرسہ ہے جو بریلوی حضرات کے قبضہ میں چل رہا ہے، اور مسلک اہل سنت (مسلک علماء دیوبند) کا کوئی مدرسہ نہ تھا، چند نوجوانوں نے جدوجہد کرکے رضا خانیوں سے مدرسہ چھین لیا اور مسلک دیوبند کے قبضہ میں آگیا، مدرسہ کی ایک کمیٹی بھی بنائی گئی، جس میں ہمارے گاؤں کے ایک صاحب ہیں جو مدرسہ فرقانیہ گونڈہ میں مدرس ہیں، ان کو مہتمم کے نام سے منتخب کیا گیا، مدرسہ چلنے لگا اور تعلیم بھی بہترین طریقہ سے

ہونے لگی، آمدنی کے وسائل بھی پیدا ہوگئے، مدرسہ صحیح ڈھنگ سے چلنے لگا، اس کے بعد مہتمم صاحب نے من مانی کرنا شروع کی، یہاں تک کہ کئی سال ہوگئے میٹنگ تک نہیں کی، کمیٹی کے لوگ کرتے رہے؛ لیکن کوئی توجہ نہ کی، آہستہ آہستہ تعلیم بالکل کمزور ہوگئی اور مہتمم صاحب کے اندر اقربا پروری بھی آگئی اور اپنے بہنوئی کو مدرس رکھ لیا جو پڑھانے لکھانے میں نہایت ہی نکمے تھے، ان کے آنے سے مدرسہ کی حالت اور زیادہ خراب ہوگئی، علاقہ سے بہت شکایتیں آنے لگیں، مدرسہ کے نائب مہتمم اور دیگر حضرات مہتمم صاحب کے پاس گونڈہ گئے کہ میٹنگ کرو؛ لیکن مہتمم صاحب نے بات سنی ان سنی کردی اور مدرسہ کا نظام بہت ہی زیادہ خراب ہوگیا، مہتمم صاحب کے بہنوئی صاحب نے مدرسین میں گروپ بندی کرنا شروع کردی، جس کی وجہ سے تعلیم اور زیادہ خراب ہوگئی، یہاں تک کہ مہتمم صاحب نے چوری چوری ایک کمیٹی بنائی، جس میں اپنے ایک بھائی کو صدر دوسرے کو سکریٹری اور خود مہتمم اور بقیہ بھائیوں اور بھتیجوں اور بہنوئی کو ممبر بنا کر کمیٹی فیض آباد سے رجسٹریشن کرالی، جب کچھ دنوں کے بعد علاقہ والوں کو پتہ چلا کہ حضرت مہتمم صاحب ایسی ٹیڑھی چال چلے ہیں، تو لوگ فیض آباد گئے تو رجسٹرار نے بتایا کہ مدرسہ رجسٹریشن ہو چکا ہے، اب مقدمہ دائر کرو تب شاید کچھ نکلے، ان لوگوں نے چونکہ کافی رشوت دے کر رجسٹریشن کرایا تھا، علاقہ والوں نے سرکاری مقدمہ دائر کرنا مناسب نہ سمجھا اور کچھ لوگ اکٹھا ہوئے کہ مہتمم صاحب سے کہا جائے کہ انہوں نے ایسا کام کیوں کیا ہے؟ لیکن وہ سامنے نہیں آئے اور مہتمم صاحب رات میں مدرسہ جا کر مدرسہ کا تالا توڑ کر مدرسہ کی روداد اور رسیدات، رجسٹر، بالٹی، ٹاٹ، پٹی وغیرہ سب اٹھالے گئے اور مدرسہ کی رقم جو انہیں کے پاس سب جمع تھی سب لے لی اور دینے سے انکار کردیا۔ اور رجسٹریشن کے حساب سے پرانے مدرسہ کے نام سے دوسری جگہ چھپر رکھ کر اپنے گھر کے اپنے بہنوئی کے بچوں کو لے کر مدرسہ قائم کردیا اور پرانے مدرسہ والوں نے مقدمہ کرنا نامناسب سمجھ کر خدا کے بھروسہ پر مدرسہ کا نام تبدیل کر کے مدرسہ چلانا شروع کیا، اب یہ حضرات ایسی ہٹ دھرمی پر تلے ہیں کہ باہر جا کر پرانے معاونین کو روکتے ہیں کہ وہاں چندہ مت دو اور

تعاون نہ کرو، جس کی کئی شہادتیں موجود ہیں۔ اور اب بھی اسی کوشش میں لگے ہیں کہ کسی طریقہ سے یہ پرانا مدرسہ بند ہوجائے، پرانے مدرسہ کی عمارت پختہ عمارت ہے، رقبہ ستر ستر فٹ ہے؛ لہٰذا مہتمم صاحب کی کارستانیوں کو قرآن وحدیث کی روشنی میں بیان فرمائیں؛ کیوں کہ اس کا علاقہ والوں پر بہت برا اثر پڑا ہے، رضاخانی حضرات خوب مذاق اڑاتے ہیں اور جو لوگ رضاخانیت سے توبہ کرکے اس طرف آئے تھے وہ لوگ بہت برا اثر لے رہے ہیں، اس میں پورے مسلک کی بدنامی ہورہی ہے۔

المستفتی: محمد خان سراوستی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مہتمم صاحب کے لئے مدرسہ کی رقم، رسیدات، روداد اور رجسٹر وغیرہ دیگر سامان روکنا اور لے جانا اور سابقہ مدرسہ کے نام پر دوسرے مدرسہ کا نام رکھنا کسی بھی صورت میں جائز نہیں ہے؛ بلکہ تمام چیزوں کی واپسی لازم ہے؛ کیوں کہ ایک مدرسہ کی رقم یا دیگر اشیاء دوسرے مدرسہ میں صرف کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۶/ ۴۰۷، فتاوی محمودیہ قدیم ۱۰/ ۲۱۱، جدید ڈابھیل ۱۵/ ۴۷۲-۴۷۳)

ومن اختلاف الجهة ما إذا كان الوقف منزلين أحدهما للسكنى والآخر للاستغلال، فلا يصرف أحدهما للآخر، وهي واقعة الفتوى. (شامي، الوقف، مطلب في نقل القاضي المسجد ونحوه، زكريا ٦/ ٥٥١، كراچی ٤/ ٣٦١) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۵؍ جمادی الثانیہ ۱۴۱۹ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۸۰۵)	۵؍ جمادی الثانیہ ۱۴۱۹ھ

مدارس اسلامیہ کے قوانین کی پابندی مہتمم وملازم سب پر لازم ہے

سوال [۸۴۳۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: (۱) مغربی یوپی کے بیشتر مدارس ومساجد میں مدرسین وملازمین اورمؤذنین وائمہ حضرات کومشاہرہ اتنا کم دیا جاتا ہے کہ اس میں ان کی زندگی کی اہم ضروریات بھی پوری نہیں ہو پاتیں، سخت دوڑ دھوپ اور جدوجہد کے بعد بھی یہ حضرات ضروریات زندگی کی فراہمی اور اہل وعیال کے حقوق ادا کرنے میں نا کام رہتے ہیں۔ حقوق العباد ادا نہ کر پانے کی وجہ سے بعض اوقات معاشرہ میں سب کی بےتوقیری اور اندرون خانہ حقارت آمیز رویہ کا سامنا کرنا پڑتا ہے، دیگرمراعات کا تو کیا ذکر، ان حضرات کو اکثر اضافی کاموں کا بھی کچھ عوض نہیں ملتا۔ از روئے شریعت ذمہ دارانِ مدارس ومساجد کا یہ عمل کیسا ہے؟ اور مدارس ومساجد کے ایسے ذمہ دار لوگ شریعت کی نظر میں کیا کہلانے کے مستحق ہیں؟

(۲) بعض مدارس میں حال یہ ہے کہ جب مدرسین وملازمین تنخواہ کا مطالبہ کرتے ہیں، تو ان کو رسید دے دی جاتی ہے کہ وہ چندہ کر کے اپنی تنخواہ خود وصول کرلیں، منتظمینِ مدرسہ کا یہ عمل کیسا ہے؟

(۳) اس تکلیف دہ صورتِ حال کا مناسب اور معقول حل کیا ہونا چاہئے؟

(۴) ضروریاتِ زندگی کی فراہمی، حقوق العباد کی ادائے گی اور گوناگوں حالات کے مقابلے کے لئے مدرسین وملازمین اورمؤذنین وائمہ حضرات کا مشاہرہ کتنا ہونا چاہئے؟

(۵) ہمارے حضرات علماء کرام جو یقیناً مذکورہ حضرات کی زبوں حالی سے واقف ہیں، وہ ان کے حق میں کوئی آواز کیوں نہیں اٹھاتے؟

(۶) مساجد میں ائمہ سے مسلسل کام لیا جاتا ہے اور ائمہ کو ضرورتاً ایک دوروز کے لئے کہیں جانا پڑتا ہے تو مسجدوں کے ذمہ داران ائمہ حضرات ہی کو اس کا پابند بناتے ہیں کہ وہ کسی نماز پڑھانے والے کا انتظام کریں، بعض اوقات کسی کا انتظام نہیں ہو پاتا تو اماموں کا جانا موقوف ونا ممکن ہو جاتا ہے۔

(۷) بعض مدارس میں مدرسین وملازمین کو کوئی چھٹی منجانب مدرسہ قطعاً نہیں دی جاتی، اگر کوئی بیمار ہو جائے یا ضرورت سے کہیں جانا پڑ جائے تو اس کی تنخواہ وضع کر لی جاتی ہے۔ کیا شرعاً یہ درست ہے؟

(۸) بعض مقامات پر مقتدی قربانی کی کھال بطور ہدیہ ائمہ کرام کو دے دیتے ہیں؛ لیکن اہل مدارس اس سے منع کرتے ہیں، کیا مدرسہ والوں کا یہ عمل از روئے شریعت جائز ہے؟

(۹) بعض مدارس والے یہ زیادتی کرتے ہیں کہ ابتداً ملازم ومدرس کو معمولی تنخواہ پر عارضی کہہ کر رکھ لیتے ہیں اور دو دو، ڈھائی ڈھائی سال گذر جاتے ہیں اور اسی طرح ان سے کام لیتے رہتے ہیں، نہ ان کی تنخواہ بڑھاتے ہیں، نہ ان کا استقلال منظور کرتے ہیں، منتظمینِ مدرسہ کے لئے ایسا کرنا کیسا ہے؟

(۱۰) بہت کم مساجد میں ائمہ کرام کے لئے رہائشی مکان کا نظم ہے، زیادہ تر مساجد کے ذمہ داراور عوام اماموں کی ضرورت سے لاپرواہ اور غافل ہیں، وہ اس بات کا قطعاً خیال نہیں کرتے کہ امام اور مؤذن کے لئے مسجد کے قریب کسی مناسب رہائشی مکان کا نظم کردیں، اگرچہ اس میں امام اور مقتدی دونوں کو سہولت ہے۔ ایسا بھی نہیں ہے کہ وہ یہ انتظام نہیں کرسکتے؛ اس لئے کہ مساجد کی تزئین وبے جا آرائش پر نیز سردی گرمی سے حفاظت کے نام پر اور مسجدوں کے بلند میناروں اور گنبدوں پر پانی کی طرح پیسہ بہایا جاتا ہے، تو ایسی حالت میں اگر امام اہل محلّہ سے رہائشی مکان کی درخواست کرے تو امام کا یہ مطالبہ جائز ہے یا نہیں؟ اور اہل محلّہ کو اس کا نظم کرنا چاہئے یا نہیں؟ فقط

المستفتی: تنظیم برائے فلاح وبہبود ائمہ مساجد سہارنپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مساجد اور مدارسِ اسلامیہ کے قوانین اور آپس میں تقرر وعزل اور ملازمت سب چیزوں کا مدار اس حدیث پاک پر ہے۔

حدیث شریف ملاحظہ فرمائیے:

عن كثير بن عبدالله بن عمرو بن عوف المزني، عن أبيه، عن جده، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: الصلح جائز بين المسلمين، إلا صلحا حرم حلالا أو أحل حراما، والمسلمون على شروطهم، إلا شرطا حرم حلالا أو أحل

حراما. (ترمذي شريف، الأحكام، باب ما ذكر عن رسول الله ﷺ في الصلح بين الناس، النسخة الهندية ١/ ٢٥١، دارالسلام، رقم: ١٣٥٢، سنن الدارقطني، كتاب البيوع، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ٢٣، رقم: ٢٨٦٩)

اس حدیث شریف کے پیشِ نظر مساجد ومدارس کے جو بھی قانون بنائے جاتے ہیں اور آپس کی تراضی سے ان قانون وضوابط کے مطابق تقرر ہو جائے، تو جانبین اسی کے پابند ہیں؛ لہٰذا جس مدرسہ میں جو بھی قانون بنایا جائے ذمہ داران اور ملازمین اسی کے پابند ہیں اور اسی قانون کی رو سے تنخواہ وظیفہ اور الاؤنس لینے اور دینے کا حکم ہوگا۔ اور یہ بات بھی ذہن میں رکھیں کہ ہر مدرسہ اور مسجد کا قانون ایک نہیں ہوتا؛ بلکہ الگ الگ ہوتا ہے اور اس حدیث شریف کی رو سے الگ الگ قانون بنانے کا حق ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍ ربیع الاول ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۰۰۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۸؍ ۳؍ ۱۴۳۴ھ

کیا ذمہ دارانِ مدرسہ اصول کے پابند ہیں؟

سوال [۸۴۳۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید مدرسہ اسلامیہ میں تین سال سے مسلسل مستقل طور پر تدریسی خدمات انجام دے رہا ہے، مدرسہ کے اصول کے مطابق پابندی سے کام کر رہا ہے، مدرسہ کا اصول یہ ہے کہ اگر کسی مدرس کو ہٹانا ہے تو اس کو ایک ماہ قبل مطلع کر دیا جاتا ہے کہ تم کو اگلے ماہ سے الگ کر دیا جائے گا۔ اور اگر علی الفور کسی مدرس کو ہٹانا ہوتا ہے تو اسے ایک ماہ پیشگی مشاہرہ دے کر الگ کر دیا جاتا ہے، تو سوال یہ ہے کہ مندرجہ بالا اصول کو چھوڑ کر کسی مدرس کو ہٹا دیا جائے، تو ہٹانے والا شخص عند اللہ وعند الناس وعند الرسول کیسا ہے؟ دلائل کے ساتھ لکھیں۔

المستفتی: محمد انیس چھپی ٹولہ پہانی، ہردوئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مدارسِ اسلامیہ کے اصول وضوابط کا مدار آقائے نامدار علیہ السلام کا ارشاد ہے:

عن كثير بن عبدالله بن عمرو بن عوف المزني، عن أبيه، عن جده، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: الصلح جائز بين المسلمين، إلا صلحا حرم حلالا أو أحل حراما، والمسلمون على شروطهم، إلا شرطا حرم حلالا أو أحل حراما. (المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ۱۷/ ۲۲، رقم: ۳۰، ترمذي شريف، الأحكام، باب ما ذكر عن رسول الله ﷺ في الصلح بين الناس، النسخة الهندية ۱/ ۲۵۱، دارالسلام، رقم: ۱۳۵۲) پر ہے۔

جب قانونی شرط یہی ہے کہ جب مدرس کو فوری طور پر ہٹایا جائے تو اس کو پیشگی ایک مہینہ کی تنخواہ دی جائے، اب اگر کسی مدرس کو فوری طور پر ہٹا دیا گیا ہے اور اس کو ایک مہینہ کی پیشگی تنخواہ نہیں دی گئی ہے، تو مدرسہ پر اس مدرس کی ایک مہینہ کی تنخواہ باقی ہے، وہ بہر حال اس مدرس کا حق ہے، مدرسہ پر لازم ہے کہ اس کا شرعی حق اس کے حوالہ کردے اور مدرسہ جس کے زیر انتظام چل رہا ہے اس کی طرف سے اگر ادائے گی میں کوتاہی ہے تو عنداللہ وہ شخص پکڑا جائے گا، پھر بھی مدرسہ کے اوپر اس مدرس کا حق بدستور باقی رہے گا، چاہے بیس سال کے بعد کیوں نہ ہو، اس کا حق اسے ملنا چاہئے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۴؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۳ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۶۳۲)	۱۴۲۳/۵/۵ھ

مدرسہ اور قبرستان کے نام چندہ لے کر اپنی ضروریات میں خرچ کرنے کا حکم

سوال [۸۴۴۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عرض حال یہ ہے کہ بحیثیت ایک عام آدمی ایک شرعی مشورہ مانگتا ہوں، آپ مہربانی

کر کے ناچیز کو مفید مشورے سے نوازیں، تاکہ اس کے ذریعہ ہمارے سماج میں مسلم نما درندے جو پھیلے ہیں، ان کا اصلی چہرہ سماج کو دکھا سکوں، میرے گاؤں گرام ماہرس ٹولہ، پوسٹ بھگوتی پور، وایہ رام پٹی، ضلع مدھوبنی، صوبہ بہار میں ایک کمیٹی بنی اور گاؤں والوں نے گاؤں کے خاص خاص آدمیوں کو خاص خاص عہدہ دیا اور تمام عہدہ داروں نے مسجد میں قرآن شریف ہاتھ میں لے کر قسم کھائی کہ ہر ممکن کوشش کریں گے غریبوں اور لاچاروں کے ساتھ انصاف ہوگا اور ایمانداری کے ساتھ مسجد و مدرسہ کو چلائیں گے، خاص عہدہ پر جن کو فائز کیا گیا وہ یہ ہیں: محمد عابد حسین صدر، محمد اسلام سردار نائب صدر اور سکریٹری حافظ محمد بھولی حسن سابق متعلم مدرسہ شاہی، نائب سکریٹری محمد اسرائیل ۔ یہ لوگ بالا طبقہ کے لوگ ہوئے اور خزانچی محمد صابر اور محاسب منشی محمد شعیب، یہ کمزور طبقہ کے لوگ ہوئے، باقی ممبر لوگ دونوں طبقہ سے چن کر رکھے گئے، جب سے کمیٹی بنی بیرونی چندہ آنے لگا اور گاؤں سے بھی ماہانہ چندہ وصول ہونے لگا اور صرف ایک مدرس رکھ سکے اور پیسہ جو بھی باہر سے آتا وہ بحکم سکریٹری خزانچی کے پاس جمع نہ ہو کر صدر کے پاس جمع ہونے لگا، قبرستان کی رقم اور مدرسہ کی رقم صدر کے پاس جمع ہونے لگی، گاؤں پنچایت میں جو جرمانہ ہوتا ہے وہ بھی صدر کے پاس رہتا ہے، پہلے مسجد کے متولی دوسرے آدمی تھے، ان کو الزام لگا کر ہٹا دیا، اس کے بعد اپنی خواہش کے مطابق صدر سکریٹری نائب صدر کو مسجد کا متولی چنا گیا اور مسجد کی رقم نائب صدر محمد اسلام کے پاس رہنے لگی، جب کچھ لوگوں نے ان سے ان کے رویہ سے تنگ آکر حساب مانگا تو کافروں کے اکسانے پر آپس میں لڑ پڑے اپنے حصے کی خاطر جو فضول لڑائی تھی جس حصہ پر لڑے تھے وہاں پر اس کا کچھ نہیں ہے، بعد میں مقدمہ ہوگیا، اپنی ذاتی لڑائی میں جو روپیہ مسجد کا نائب صدر کے پاس تھا اور مدرسہ کا جو روپیہ صدر کے پاس تھا، مقدمہ میں دونوں نے خرچ کر دیا، جب تک پیسہ باقی رہا لڑتے رہے اور جب ختم ہوگیا، تو لوگوں کو جمع کر کے صلح کرنی چاہی؛ لیکن پنچ نے فیصلہ کیا کہ جب تک مسجد اور مدرسہ کا پیسہ جو ان لوگوں کے پاس ہے واپس نہ کر دیں فیصلہ نہیں ہوگا، انہوں نے پنچ سے وعدہ کیا کہ اگلی بیٹھک میں جمع کر دیں گے؛ لیکن

اس سے پہلے ایک خط معافی نامہ کا لکھا اور گاؤں والوں سے سائن کرانا شروع کیا، سب سے پہلا سائن نائب سکریٹری جنرل سکریٹری اور نائب صدر کا تھا کہ روپیہ معاف کردیا جائے، باقی پچاس سائن ڈپلیکیٹ کرا کے جمع کردیا، جب کہ گاؤں کی آبادی تین سو ہے، ان پنچوں نے آدمیوں کو بلانے کے لئے کہا جنھوں نے سائن کئے تھے، تو کسی کو بلا کر نہیں لائے، صدر نے صدارت کا عہدہ سنبھالنے کے بعد ظلم کی انتہا کردی اور جو وعدہ کیا تھا اس کے برعکس کیا، حضور والا سے گزارش ہے کہ ایسے لوگوں کے بارے میں ہماری شرعی عدالت کیا فیصلہ سناتی ہے؟ اوران کا ساتھ دینے والوں کے بارے میں علماء کیا فرماتے ہیں؟ مفید مشوروں سے نوازیں، مدرسہ حمایت الاسلام پوسٹ بھگوتی پور، ضلع مدھوبنی اگر اس مدرسے کی رسید لے کر کوئی پہنچے تو فوراً اسے گرفتار کرادیں؛ کیوں کہ اس سے وہ زمین خریدتے ہیں اور عیش کرتے ہیں، اس پیسہ سے مدرسہ کا کوئی بھلا نہیں ہوتا۔

المستفتی: آپ کا کفش بردار شرکت علی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: چندہ کا پیسہ اس کام میں صرف کرنا واجب ہے جس کام کے لئے لوگوں نے دیا ہے۔

شرط الواقف كنص الشارع، فيجب اتباعه. (شامي، الوقف، مطلب ما خالف شرط الواقف، فهو مخالف للنص، زكريا ٦/ ٧٣٥، كراچی ٤/ ٤٩٥)

شرط الواقف كنص الشارع في وجوب العمل به، وفي المفهوم والدلالة. (قواعد الفقه أشرفي، ص: ٨٥، رقم: ١٥٢)

ظاہر ہے کہ لوگوں نے اس روپیہ کو ناجائز مقامات اور آپسی لڑائی میں صرف کرنے کے لئے نہیں دیا؛ بلکہ مدرسے پر خرچ کرنے کے لئے دیا ہے، ارکان مدرسہ چندہ دینے والوں کے وکیل ہیں اور وکیل اگر موکل کی منشاء کے خلاف خرچ کرے تو خود وکیل ضامن ہوتا ہے؛ لہٰذا جن لوگوں نے ناجائز مقدمات اور آپسی لڑائی پر مدرسہ وقبرستان کا روپیہ صرف کردیا ہے، ان

پر ضروری ہے کہ اپنی جیب سے وہ روپیہ مدرسہ وقبرستان کو واپس کریں، وہ کسی کے معاف کرنے سے معاف نہیں ہوگا؛ اس لئے کہ یہ مدرسہ وقبرستان کی امانت ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۷/ ۹۹، جدید زکریا مطول ۱۰/ ۴۸۰)

الوكيل إذا خالف، إن خلافا إلى خير في الجنس كبع بألف درهم، فباعه بألف ومائة نفذ، ولو بمائة دينار لا ولو خيرا. (الدرمع الرد، كتاب الوكالة، باب الوكالة بالبيع والشراء، زكريا ٨/ ٢٥٦، كراچی ٥/ ٥٢١، الحكام شرح عزرا الأحكام ٢/ ٢٨٩)

ایسے لوگوں کو مدرسہ وقبرستان وغیرہ اوقاف کے ارکان بننے کا شرعاً کوئی حق نہیں ہے، ایسی حالت میں مسلمانوں کو چاہئے کہ دیندار وامانت دار لوگوں کو ارکان بنائیں۔

ولا يولي إلا أمين قادر بنفسه. (الدرمع الرد، الوقف، مطلب في شروط المتولي زكريا ٦/ ٥٧٨، كراچی ٤/ ٣٨٠، هندية، زكريا قديم ٢/ ٤٠٨، جديد ٢/ ٣٨٠، البحر الرائق، زكريا ٥/ ٣٧٨، كوئٹه ٥/ ٢٣٦، الموسوعة الفقهية الكويتية ٤٤/ ٢٠٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲؍رجب ۱۴۱۵ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۱۰۹)	۲؍۷؍۱۴۱۵ھ

بچہ کے قاعدہ پورا ہونے پر مہتمم صاحب کا دعوت کا مطالبہ کرنا

سوال [۸۴۴۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک بچہ ایک مدرسہ میں ایک استاذ کے پاس پڑھتا ہے، اس استاذ کا نظریہ یہ ہے کہ بچوں سے کسی طرح کی کوئی چیز نہ لی جائے، نہ دعوت کھائی جائے؛ کیوں کہ وہ کہتے ہیں کہ جب ہم مدرسہ سے تنخواہ لیتے ہیں تو بچوں سے استاذوں کو کچھ لینے کا حق نہیں، خصوصاً جب کہ بچہ کو دعوت کرنے پر یا کچھ ہدیہ دینے پر مجبور کیا جائے؛ لیکن اس مدرسہ کا ناظم ایک بچہ کے قاعدہ پورا ہونے پر اس کا ذہن بناتا ہے کہ تم ہماری دعوت کرو اور جب اس بچہ کے والد صاحب آتے ہیں

تو ان سے یہ ناظم دعوت کا مطالبہ کرتا ہے، بچہ کا والد دعوت منظور کر لیتا ہے، تو پھر ناظم کہتا ہے کہ ہمارے پاس تمہارے گھر جانے کی فرصت نہیں ہے؛ لہٰذا آپ یہاں پر ہی مرغی یا بطخ پہنچا دیں، چنانچہ باضابطہ ناظم مدرسہ اس بچہ کو بطخ لانے کے لئے چھٹی دیتا ہے اور وہ بطخ ناظم مذکور اپنے گھر پکوا کر کھا لیتا ہے، جب کھانا تیار ہو جاتا ہے تو مدرسہ کے ایک استاذ اور بچہ کے استاذ سے بھی کھانے کے لئے کہتا ہے؛ لیکن چونکہ یہ دونوں استاذ اس طرح زبردستی دعوت کھانے کے خلاف ہیں، اس لئے ناظم مدرسہ کی یہ لوگ دعوت قبول نہیں کرتے۔ سوال یہ ہے کہ ناظم مدرسہ کا اس طرح طلباء سے دعوت کھانا جائز ہے یا نہیں؟ ایسی دعوت کا کیا درجہ ہے؟

المستفتی: محمد صابر عمری کلاں، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کسی شخص سے دعوت کا مطالبہ کرنا اور اس کو مجبور کرنا جائز نہیں۔ حدیث میں آتا ہے:

عن أبي حرة الرقاشي، عن عمه، أن رسول الله ﷺ قال: لا يحل مال امرئ مسلم إلا بطيب نفس منه. (مسند أبي يعلى الموصلي، دارالكتب العلمية بيروت ٢/ ٩١، رقم: ١٥٦٧، سنن الدارقطني، كتاب البيوع، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ٢٢، رقم: ٢٨٦٣، مسند أحمد بن حنبل ٥/ ٧٢، رقم: ٢٠٩٧١، مشكوة ١/ ٢٥٥) کہ کسی کا مال بغیر اس کی دل کی خوشی کے لینا جائز نہیں۔ اور اگر صرف بچوں سے ہی یہ مطالبہ کیا جائے اور ان کے مال سے دعوت کھائی جائے تب بھی جائز نہیں۔

وأما ما يرجع إلى الواهب، فهو أن يكون الواهب من أهل الهبة، وكونه من أهلها أن يكون حرا، عاقلا، بالغا، مالكا للموهوب (إلى قوله) حتى لو كان صغيرا، أو مجنونا، أو لا يكون المالك للموهوب لا يصح. (هندية، كتاب الهندية، الباب الأول، زكريا جديد ٤/ ٣٩٥، قديم ٤/ ٣٧٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍ربیع الاول ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۰۹۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۸؍۳؍۱۴۲۰ھ

مہتمم کے مدرسہ کی رقم اپنے کاروبار میں لگانے یا دوسرے کوقرض دینے کا حکم

سوال [۸۴۴۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید جواپنے مدرسہ کا مہتمم ہے، اگر مدرسہ کی رقم سے قرض لے کر اپنے کاروبار میں لگالے،تواس کا کیاحکم ہے،اس سے جومنفعت ہوگی اس کا کیاحکم ہے؟اوراگر دوسرے کوبطور قرض دیناچاہے،تواس کابھی حکم مدلل باحوالہ تحریرفرمائیں۔

المستفتی: مولاناخورشیدانورصاحب،مولاناعبدالناصرصاحب

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مدرسہ کامہتمم مدرسہ کی رقم کامالک نہیں ہے؛ بلکہ امین ہے؛اس لئے اس میں مالکانہ تصرف کرکے اس میں سے کسی کوقرض دینایابطورقرض لے کر ذاتی کاروبار میں لگاناہرگز جائزنہیں ہے،یہ امانت میں زبردست خیانت ہے،اگرایسا کرے گاتوخیانت کے گناہ کے ساتھ ساتھ وہ رقم ضمانت بن جائے گی اور مدرسہ کامہتمم اب امین نہیں رہے گا؛ بلکہ ضامن بن جائے گا اور ضامن جب ضمان ادا کرے گا تو حاصل شدہ منفعت کاتصدق اس پر لازم نہ ہوگا؛البتہ خیانت کا خطرناک گناہ کاوبال اس پرعائد ہوکر رہے گا۔(مستفاد: فتاوی محمودیہ ۶/ ۵۲۶،ڈابھیل ۱۵/ ۵۰۴)

وليس للمودع حق التصرف والاسترباح في الوديعة. (المبسوط للسرخسي، كتاب الوديعة، دارالكتب العلمية بيروت ١١/ ١٢٢)

ولا يجوز للقيم شراء شيء من مال المسجد لنفسه ولا البيع له، وإن كان فيه منفعة ظاهرة للمسجد -إلى- ليس للمتولي إيداع مال الوقف والمسجد إلا ممن في عياله، ولا إقراضه، فلو أقرضه ضمن. (البحرالرائق، كوئٹه ٥/ ٢٣٩، زكريا ٥/ ٤٠١)

فإن خلطها المودع بماله حتى صار لا تتميز ضمنها؛ لأنه استهلاک، ثم لا سبيل للمودع عليها عند أبي حنيفة -رحمه الله-. (الجوهرة النيرة، إمداديه ملتان ٢/ ٢٧، دارالكتاب ديوبند ٢/ ٣٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفااللہ عنہ
۱۱رمحرم الحرام ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۲۹۶۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۱۳/۱/۱۱ھ

الفصل الثالث: في المدرسين

ذمہ دارانِ مدرسہ و مدرسین کے تعلق سے چند سوالات کے جوابات

سوال [۸۴۴۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مدرسہ کی ایک باضابطہ بااختیار تقریباً بیس ارکان پر مشتمل کمیٹی ہے۔

(۱) کیا مدرسہ کے اساتذۂ کرام کو خود اپنی تنخواہ بڑھانے کا جواز ہے؟ اگر بغیر مہتمم مدرسہ اور بغیر کمیٹی کے مشورہ کے تنخواہ بڑھالی ہے اور وہ انہوں نے خود مدرسہ کے فنڈ سے ادا کرلی ہے، تو یہ بڑھائی ہوئی تنخواہ لوٹانا ضروری ہے یا نہیں؟

(۲) بغیر کمیٹی کے پاس گئے رمضان میں فراہمی چندہ کے عوض ڈبل تنخواہ خود اپنی مرضی سے ادا کرلی ہے یہ جائز ہے یا ناجائز؟

(۳) مہتمم مدرسہ اور ایک رکن شوریٰ نے ایک تجویز منظور کی، کیا ان دو کی منظور کردہ تجویز قابل عمل ہے یا نہیں، جب کہ ارکان شوریٰ کی تعداد تقریباً بیس ہے؟

(۴) کیا مہتمم مدرسہ کو بغیر کمیٹی کے مشورہ کے تنخواہ ملازمین بڑھانے کا جواز ہے یا نہیں؟

المستفتی: ارکان شوریٰ مدرسہ جامعہ علمیہ مسجد کہنہ ٹانڈہ بادلی، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) کمیٹی کے سرگرم اور بااختیار ہونے کی حالت میں اگرچہ اساتذہ کو خود اپنی تنخواہ بڑھانے کی اجازت نہیں ہے؛ لیکن اگر کمیٹی کے ارکان کسی استاذ یا مہتمم کو مکمل اختیار دے دیں اور وہ اپنے اختیارات کا استعمال کرتے ہوئے تنخواہ بڑھائیں اور ان کے اس عمل پر کمیٹی کے ارکان نکیر نہ کریں؛ بلکہ خاموش رہیں یا توثیق کریں، تو یہ اضافہ کرنا شرعاً جائز ہوگا۔ (مستفاد: محمودیہ قدیم ۱۲/ ۲۰۷، جدید ڈابھیل ۱۴/ ۱۲۸)

وسائر التصرفات لمن يتولى. (درمختار على الشامي، الوقف، مطلب لا يستبدل العامر إلا في أربع، زكريا ٦/ ٥٨٩، كراچی ٤/ ٣٨٨، الموسوعة الفقهية الكويتية ٤٤/ ١٣٣)

والنائب مثل الأصيل. (درمختار على شامي، الوقف، مطلب فيما إذا شرط المعلوم مباشر الإمامة الخ۔ زكريا ٦/ ٦٣٢، كراچی ٤/ ٤٢٠، الموسوعة الفقهية الكويتية ٤٢، ٤٨)

(۲) رمضان کی ڈبل تنخواہ کے سلسلہ میں بھی وہی تفصیل ہے جو نمبر ایک میں لکھی گئی کہ اگر بااختیار مدرس نے یہ فیصلہ کیا اور بعد میں اس کی توثیق صراحتاً یا دلالۃً ہوگئی ہے، تو یہ مقرر کرنا درست ہے۔

وسائر التصرفات لمن يتولى. (درمختار على الشامي، الوقف، مطلب لا يستبدل العامر إلا في أربع، زكريا ٦/ ٥٨٩، كراچی ٤/ ٣٨٨، الموسوعة الفقهية الكويتية ٤٤/ ١٣٣)

والنائب مثل الأصيل. (درمختار على شامي، الوقف، مطلب فيما إذا شرط المعلوم مباشر الإمامة الخ۔ زكريا ٦/ ٢٣٢، كراچی ٤/ ٤٢٠، الموسوعة الفقهية الكويتية ٤٢، ٤٨)

(۳) اگر مذکورہ تجویز بعد میں دیگر اراکینِ شوریٰ منظور کریں تو وہ قابل عمل ہے۔

وسائر التصرفات لمن يتولى. (درمختار على الشامي، الوقف، مطلب لا يستبدل العامر إلا في أربع، زكريا ٦/ ٥٨٩، كراچی ٤/ ٣٨٨، الموسوعة الفقهية الكويتية ٤٤/ ١٣٣)

والنائب مثل الأصيل. (درمختار على شامي، الوقف، مطلب فيما إذا شرط المعلوم مباشر الإمامة الخ۔ زكريا ٦/ ٢٣٢، كراچی ٤/ ٤٢٠، الموسوعة الفقهية الكويتية ٤٢، ٤٨)

(۴) مہتمم کو اگر کمیٹی نے اختیار دے رکھا ہے، تو مہتمم کو اضافۂ تنخواہ کا فیصلہ کرنے کی شرعاً اجازت ہے۔

وسائر التصرفات لمن يتولى. (درمختار على الشامي، الوقف، مطلب لا يستبدل العامر إلا في أربع، زكريا ٦/ ٥٨٩، كراچی ٤/ ٣٨٨، الموسوعة الفقهية الكويتية ٤٤/ ١٣٣)

والنائب مثل الأصيل. (درمختار على شامي، الوقف، مطلب فيما إذا شرط المعلوم مباشر الإمامة الخ۔ زكريا ٦/ ٢٣٢، كراچی ٤/ ٤٢٠، الموسوعة الفقهية الكويتية ٤٢، ٤٨)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۲۲/۲/۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۷۰۶۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۲/۱۰ھ

مدرسہ کے مفاد کے پیشِ نظر کسی ملازم کو برطرف کرنا

سوال [۸۴۴۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) اکبر حسین بن عبدالکریم کو قومی مدرسہ کا عہدہ خزانچی دیا، اس سے جب حساب مانگا تو اس نے اولاً تو منع کیا کہ میں حساب نہیں دوں گا، مگر جب قوم اس کے سر ہوگئی، تو اس نے مجبوراً حساب دیا اور حساب ۱۹۸۱ء سے ۱۹۹۱ء تک دیا اور ایک ہی سیاہی اور ایک ہی قلم سے آمد اور خرچ کا دیا اور خرچ مع واؤچر کے نہیں دیا۔

(۲) اکبر حسین بن عبدالکریم نے اپنے والد مرحوم کو عرصہ دراز کے بعد مدرسہ کا متولی بنایا ۱۹۸۴ء میں جب کہ باپ مر چکا ہے ۱۹۳۷ء میں۔

(۳) اکبر حسین مدرسہ کو اپنی ملکیت بنانا چاہتا ہے اور لوگوں کے ساتھ بداخلاقی سے پیش آتا ہے۔ اور پولیس کو روپیہ بھر دیتا ہے اور ناجائز لوگوں کو ستاتا ہے اور عرصہ ۲۱؍سال میں مدرسہ میں تعلیم بھی نہیں دی ہے۔

(۴) اکبر حسین بن عبدالکریم نے مدرسہ میں ایک طرف مسجد بنانے کے لئے چندہ اکٹھا کر کے تعمیر مسجد کا کام شروع کر دیا، اس نے اپنے ذاتی مفاد کو مدنظر رکھتے ہوئے اس پیسے کو دوکان میں صرف کر دیا اور مسجد مکمل نہیں بنائی، لوگوں نے کہا تو مارنے مرنے کے لئے تیار ہو گیا؛ لہٰذا ان تمام صورتوں میں شرعاً اس اکبر حسین پر کیا حکم لاگو ہوتا ہے۔ اور کیا مدرسہ کا کوئی عہدہ دیا جا سکتا ہے۔

المستفتی: سائل امجد علی کاشی پور، نینی تال (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر اکبر حسین کو مدرسہ میں رکھنا مدرسہ کے ذمہ دار حضرات مدرسہ کے مفاد کے خلاف سمجھتے ہیں، تو ان کو علیحدہ کرنے کا اختیار رہے۔ اور اگر مدرسہ کے مفاد کے خلاف نہیں ہے تو الگ کرنے سے اکبر حسین مظلوم ہوگا اور ذمہ دار حضرات ظلم کے مرتکب ہوں گے۔

عن ابن عباس -رضي الله عنه- قال: قال رسول الله ﷺ: لا ضرر ولا ضرار. (سنن ابن ماجة، الأحكام، باب من بنى في حقه ما يضر بجاره، النسخة الهندية ١/ ١٦٩، دارالسلام، رقم: ٢٣٤١، موطا إمام مالك، باب القضاء في المرفق، أشرفي ص: ٣١١، رقم: ٢٧٥٨)

لا عبرة بالتوهم. (قواعد الفقه أشرفي، ص: ١٠٧، رقم: ٢٥٤، الموسوعة الفقهية الكويتية ١٤/ ٢٠٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١١ر صفر ١٤١٣ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٠١٥/٢٨)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
١١/٢/١٤١٣ھ

مدرسہ کے صدر مدرس کے خلاف عوام کے انتشار کا حکم

سوال [٨٤٤٥]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک مولوی صاحب مدرسہ میں صدر مدرس کی حیثیت سے ہیں اور اس شخص کی وجہ سے مسلمانوں میں آپس میں انتشار وخلفشار ہے اور اس شخص سے یہاں کے عوام ومسلمان بدظن ہیں اور اس کی وجہ سے زبردست کشیدگی ہے، تو ایسے شخص کا مدرسہ میں رہنا ٹھیک ہے یا نہیں؟ اور یہاں کے مسلمان ان سے کہتے ہیں کہ تم یہاں سے چلے جاؤ تو بھی وہ جانے کے لئے تیار نہیں ہے، اگر یہ شخص یہاں سے نہ گیا تو مسلمانوں میں آپس میں خون ہوسکتا ہے، صحیح ومدلل جواب تحریر فرمائیں۔ فقط

المستفتی: ناظم تیاگی، محلّہ ستی رڑکی، سہارنپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یہ ذمہ داری اربابِ انتظام واہل شوریٰ کی ہے، کسی دوسرے شخص کے لئے اظہار رائے اس کے منصب سے خارج ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ٧/١٦١، جدید مطول ١٠/٤٧١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١٣ر صفر ١٤٠٨ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٥١١/٢٣)

اوقات مدرسہ میں مہتمم کی اجازت سے حوائج ضروریہ کے لئے جانا

سوال [۸۴۴۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں شعبۂ حفظ کا مدرس ہوں مدرسہ کے بالکل سامنے مدرسہ کے مکان میں میرے بچے رہتے ہیں، میں مہتمم صاحب کی اجازت سے روزانہ گھر جاکر استنجاء ووضو نماز چاشت مدرسہ کے تعلیمی وقت میں ادا کرتا ہوں، کیا میرے لئے یہ جائز ہے اور مہتمم صاحب کا اس طرح اجازت دینا جائز ہے؟ جواب سے نوازیں۔ والسلام

المستفتی: مجیب الرحمٰن

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حسب تحریر سوال آپ کا اوقات مدرسہ میں مدرسہ کے قریب اپنے گھر جاکر حوائج ضروریہ سے فارغ ہونا اور وضو کرکے چاشت کی نماز پڑھنا شرعاً جائز ہے؛ کیوں کہ مہتمم صاحب کی اجازت کی بناپر آپ کے مدرسہ کا عرف اس کی اجازت کا ہوگیا ہے اور ایسے مسائل کا مدار عرف پر ہوا کرتا ہے۔

الثابت بالعرف كالثابت بالنص. (قواعد الفقه، أشرفي، ص: ۷٤، رقم: ۱۰۱، مجموعة رسائل ابن عابدين ثاقب بكڈپو ۱/ ٤٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍صفر ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۸۹۳/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۲/۱۴ھ

مدرس کو دو وقت پڑھانے پر مجبور کرنا

سوال [۸۴۴۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں حافظ فرید احمد مدرسہ عربیہ احیاء العلوم محلّہ ترک پٹی خیرآباد میں شعبۂ حفظ کا مدرس

ہوں، میرا کمیٹی سے طے تھا کہ میں صرف صبح کے وقت درسگاہ میں بیٹھوں گا، باقی وقت دوسرے حافظ نوشاد صاحب پڑھائیں گے، اب اس وقت ہمارے مدرسہ کی کمیٹی میں کچھ خلفشار ہے اور کمیٹی میں دو گروہ ہو گئے ہیں، اپنی بات منوانے کی غرض سے ہمارے منیجر حاجی محمد آفاق صاحب چاہتے ہیں کہ میں اب تینوں وقت مدرسہ میں تدریسی کام دیکھوں، جس کے بارے میں میں نے منع کر دیا ہے، ہمارے صدر صاحب سکریٹری وخزانچی وغیرہ حضرات کا کہنا ہے، جب تک خلفشار دور نہیں ہو جاتا کوئی مدرس نہ تو نکالا جائے گا اور نہ ہی کسی سے کوئی زبردستی کی جائے گی۔ الحمد للہ مدرسین میں کوئی خلفشار نہیں ہے، جب میں نے منیجر صاحب کو تینوں وقت پڑھانے سے منع کیا، تو گذشتہ ۶ رستمبر کو انہوں نے حفظ کی درسگاہ میں آکر کافی گالی گلوچ اور بدکلامی کی، درسگاہ میں ہم تین حافظ موجود تھے، حافظ معین الدین، حافظ نوشاد اور حفظ کے طلبہ کی موجودگی میں جب کہ قرآن کریم پڑھایا جارہا تھا، مجھ سے کہا کہ تمہیں میرے ساتھ تینوں اوقات میں مدرسہ آکر قوم لوط والا عمل کرنا ہوگا۔ اور اگر میری ماں زندہ ہوتی تو تمہیں ان کے اوپر تینوں وقت چڑھواتا وغیرہ، اس سے زیادہ کہنے سے قاصر ہوں۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایسے شخص کا کسی دینی ادارہ کا ذمہ دار بنے رہنا چاہئے جو قرآن وحافظ قرآن کی توہین کرے اور اس کے ساتھ کیسا برتاؤ کرنا چاہئے؟ اس کا اسلام سے کوئی رشتہ ہے یا نہیں؟ براہ کرم اسلامی تعلیمات کی روشنی میں جواب مرحمت فرما کر ملت اسلام کے کچھ افراد پر احسان فرمائیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مدرس کا منصب تدریس پر فائز ہونے سے پہلے یہ شرط لگانا کہ میں صرف ایک وقت پڑھاؤں گا جائز اور درست ہے۔ اور اس کے برخلاف مدرس کو اس سے زیادہ وقت پڑھانے پر مجبور کرنا درست نہیں ہے؛ البتہ اگر مدرس اپنی خوشی سے دوسرے وقت میں پڑھانے پر تیار ہو جائے تو اسے اس کا مکمل اختیار ہے؛ لیکن زائد وقت نہ پڑھانے پر اس کو گالم گلوچ کرنا یا اس کے حق میں نامناسب الفاظ استعمال کرنا یہ قطعاً غلط ہے، ایسے شخص کو

چاہئے کہ مدرس صاحب سے معافی مانگے اور اپنے اس غلط عمل پر توبہ واستغفار کرے؛ لیکن اگر مذکورہ شخص اپنی غلطی پر مصر ہو تو ایسا شخص فاسق ہوگا اور فاسق آدمی دینی ادارہ کا ذمہ دار بننے کا اہل نہیں، اس کے بجائے کسی متبع شریعت دیندار آدمی کو ذمہ دار بنانا چاہئے۔

قال عبدالله: قال النبي ﷺ: سباب المسلم فسوق، وقتاله كفر. (بخاري شريف، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم لا ترجعوا بعدي كفارا، النسخة الهندية ٢/ ١٠٤٨، رقم: ٦٧٩٧، ف: ٧٠٧٦)

وينزع وجوبا لو غير مأمون أو عاجزا أو ظهر به فسق، كشرب خمر ونحوه. (درمختار مع الشامي، الوقف، مطلب في شروط المتولي، زكريا ٦/ ٥٧٨، كراچی ٤/ ٣٨٠، البحرالرائق، زكريا ٥/ ٤١١، كوئٹه ٥/ ٢٤٥، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٢/ ٦٠٢، قديم ١/ ٧٦٢، بزازية زكريا جديد ٣/ ١٣٤، وعلى هامش الهندية ٦/ ٢٥٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍محرم الحرام ۱۴۳۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۱۸۰۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۶/۱/۳ھ

مدرس سے مدرسہ کی رقم گھر سے چوری ہوگئی

سوال [۸۴۴۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص مدرسہ میں مدرس ہے جس نے رمضان المبارک میں مدرسہ کے لئے مالیات کی وصولیابی کی، وصول کی ہوئی رقم اس کے پاس بطور امانت اس کے گھر میں رکھی ہوئی تھی، امانت کی حفاظت میں کوئی کمی نہیں کی اور نہ ہی اپنی ذاتی رقم میں اس امانت کو ملایا، وہ شخص کسی کام سے باہر چلا گیا اور اس کے بال بچے گھر پر ہی تھے، اس کی غیر موجودگی میں اس کے بڑے لڑکے جس کی عمر سترہ سال ہے نے نہ جانے کیسے سیف الماری کا تالا کھولا اور بیگ کی

چھین توڑ کر امانت کی رقم جو اس کے پاس ساٹھ ہزار روپئے تھی اس میں سے چھیالیس ہزار پانچ سو لے کر فرار ہوگیا، یعنی چوری کی، اس شخص نے اپنے بیٹے کو بہت تلاشا ڈھونڈا؛ لیکن وہ نہ ملا تیسرے روز اس کے بیٹے کا فون اس کے بیٹے کے دوست کے پاس آیا تو اس کے دوست کے والد نے اس شخص کے بیٹے کو بہت سمجھایا اور والدین کے کچھ نہ کہنے کی اپنے اوپر ذمہ داری لی، تو اس کے بیٹے نے چوتھے روز دوست کے گھر شام کو آنے کا وعدہ کیا اور اس شخص کا بیٹا چوتھے روز دوست کے گھر پر آگیا، جہاں اس کے بیٹے کے تایا کو بلا کر بات چیت ہوئی اور اس شخص کا بیٹا اپنے تایا کے ہمراہ گھر پر آگیا، اس شخص کا بیٹا جو رقم چھیالیس ہزار پانچ سو روپئے لے گیا تھا، اس میں سے جو رقم اس کے بیٹے کے پاس سے وصول ہوئی وہ اڑتیس ہزار پانچ سو تھی، یعنی پوری رقم میں سے آٹھ ہزار روپیہ کم۔ مذکورہ صورت میں دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس شخص پر تاوان واجب ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد شاہد قاسمی سرائے خام، بریلی (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مدرسہ کی رقم وصول ہونے کے بعد وصول کنندہ کے لئے اپنے گھر پر رکھنے کا حق نہیں ہوتا، جب اس نے اپنے گھر پر رکھا ہے، تو اس کی ضمانت میں داخل ہوگیا، چاہے باہر کے چور آکر چوری کرلیں یا گھر کے افراد میں سے کوئی یہ حرکت کر لے ہر حال میں پوری پوری رقم مدرسہ کو ادا کرنا اس کے اوپر لازم ہے، نیز اگر منجانب مدرسہ مدرسہ کی کمیٹی اور ذمہ دار نے مل کر کے مدرسہ کی رقم اس شخص کے پاس امانت میں رکھی ہے، پھر اس شخص کے بیٹے یا گھر کے افراد میں سے کوئی بھی فرد اس میں سے چوری کرلے، تو بھی اس کی مکمل ادائیگی اس شخص کے اوپر لازم ہے؛ اس لئے کہ گھر کے افراد میں سے کسی کا اس میں سے لے کر خرچ کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ اس نے خود یہ کام کیا ہو؛ اس لئے بہر صورت مدرسہ کی مکمل رقم مدرسہ کو واپس کرنا اس شخص پر لازم ہے، جیب خاص سے دے یا قرض لے کر دے یا کسی بھی طریقہ سے اسی کے ذمہ لازم ہے۔

عن الحسن، قال: إذا خالف المستودع غير ما أمر به ضمن، وإن كان فيه فضل فهو له بضمانه. (مصنف عبدالرزاق، البيوع، باب الوديعة، المجلس العلمي ٨/ ١٨٣، رقم: ١٤٨٠٦)

عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده، عن النبي عليه وسلم قال: ليس على المستعير غير المغل ضمان، ولا على المستودع غير المغل ضمان.

(سنن الدارقطني، كتاب البيوع، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ٣٦، رقم: ٢٩٣٩)

وللمودع أن يحفظها بنفسه وبعياله ...... ويشترط أن يكون من في عياله أمينا؛ لأنه لو دفع إلى زوجته، وهي غير أمينة، وهو عالم بذلك أو تركها في بيته الذي فيه ودائع الناس، وذهب فضاعت ضمن. الخ

(البحرالرائق، كتاب الوديعة، کوئٹه ٧/ ٢٧٤، زكريا ٧/ ٤٦٥، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ٤٦٩، قديم ٢/ ٣٣٩، الدر مع الرد، زكريا ٨/ ٤٥٦، كراچی ٥/ ٦٦٤)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸؍شوال ۱۴۳۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۸۰۳/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۰/۱۰/۲۸ھ

مدرسین کا چرم قربانی وصول کرنے پر معاوضہ لینے کا حکم

سوال [۸۴۴۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک دینی مدرسہ میں عیدالاضحیٰ کے موقع پر مدرسین کو تعطیل نہیں دی جاتی ہے، بمشکل کسی سخت ضرورت کی وجہ سے مہتمم صاحب کسی مدرس کو گھر جانے کی اجازت دیتے ہیں بقرعید کے دنوں میں مدرسین سے چرم کی وصولی کا کام لیا جاتا ہے اور بقرعید کے ایام کے کام کی الگ سے کوئی تنخواہ متعین نہیں کی جاتی ہے، تدریسی خدمات پر مدرسین کی جو تنخواہ متعین ہے، اسی

حساب سے بقرعید کے دنوں کی تنخواہ ملتی ہے، مزید برآں مثلاً ہر چرم کی وصولی پر بطور انعام کے دس روپئے ملتے ہیں، تو کیا ایسے تنخواہ دار مدرس کے لئے ہر چرم کی وصولی پر دس روپئے انعام لینا شرعاً جائز ہے، یا یہ صورت غیر تنخواہ دار محض کمیشن پر چندہ کرنے یا چرم وصول کرنے والے کے حکم میں داخل ہے۔

المستفتی: محمد طاہر عفی عنہ دارالعلوم رحمانیہ ٹانڈہ بادلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قربانی کے موقع پر چرم قربانی کی وصولی مدرسین کے ذمہ لازم نہیں ہوتی ہے۔ اور یہ ایام چھٹی کے ہوتے ہیں اور جب چھٹی کے ایام میں مدرسین اپنی چھٹیوں سے فائدہ اٹھانے کے بجائے چرم قربانی کی وصولی پر محنت کریں تو ان کو فی چرم دس روپیہ پندرہ روپیہ محنتانہ کے طور پر لینا جائز اور درست ہے؛ اس لئے کہ اس محنت کا تعلق تنخواہ سے نہیں ہے۔

وشرطها كون الأجرة والمنفعة معلومتين. (درمختار، کتاب الإجارة، زکریا ۹/ ۷، کراچی ٦/ ٥)

ولا يصح حتى تكون المنافع معلومة، والأجرة معلومة. (هداية، أشرفي ۳/ ۲۹۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/ ذی الحجہ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۳۴۴)

مدارس کے ملازم اجیر بالعمل ہیں یا اجیر فی الوقت

سوال [۸۴۵۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) ہمارے مدارس عربیہ میں مدرسین ملازمین ومنتظمین اجیر فی الوقت ہیں یا اجیر بالعمل، یا اجیر بالعمل فی الوقت؟

(۲) اگر صرف اجیر فی الوقت ہیں تو منتظمین کو نصاب وامور مفوضہ کی تکمیل کا مطالبہ ومؤاخذہ کرنا کیسا ہے؟

(۳) اگر اجیر بالعمل ہیں تو کیا منتظمین کی جانب سے اوقاتِ متعینہ کے علاوہ اوقات میں وہ اپنے امورِ مفوضہ کو پورا کرسکتا ہے؟ اور اوقاتِ متعینہ میں غیر حاضر رہنے یا نہ کرسکنے پر مؤاخذہ تو نہیں ہوگا؟ بینوا توجروا

المستفتی: مدیر ماہنامہ ندائے شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) مدارسِ اسلامیہ کا عرف اس زمانہ میں یہ ہے کہ ملازمین ومدرسین ومنتظمین وقت مقررہ میں امورِ مفوضہ کی تکمیل کیا کریں اور یہی ضابطہ مقرر اور معروف ہے اور شریعت اسلامیہ میں اس طرح اجارہ اور ملازمت کا معاملہ کرنا جائز اور مشروع ہے؛ اس لئے مدارسِ اسلامیہ کے ملازمین اجیر بالعمل فی الوقت ہیں؛ لہٰذا عمل نہ کرنے اور وقت مقررہ میں حاضر نہ ہونے پر مقررہ ضابطہ کے مطابق مؤاخذہ جائز ہے، نیز عرف وشرط وضابطہ کی وجہ سے بوقت تقرری بغیر صراحت قانونی تعطیلات کے مستحق ہوجاتے ہیں۔(مستفاد: امداد الفتاوی ۳/۳۴۸،۳/۳۴۹،۳/۳۵۶، فتاوی محمودیہ ۶/ ۳۱۱، ڈابھیل ۱۶/ ۵۷۲)

لأن المعروف كالمشروط. (الأشباه والنظائر قديم، ص: ۱۵۲، المبسوط للسرخسي، دارالكتب العلمية بيروت ۱۲/ ۵۴، ۱۳/ ۷۹، ۱۴/ ۳۶، البناية أشرفيه ۵/ ۴۸۱، ۸/ ۲۴۵، ۱۱/ ۴۸۳، قواعد الفقه أشرفي، ص: ۱۲۵، رقم: ۳۳۴)

الثابت بالعرف كالثابت بالنص. الخ (عقود رسم المفتي، قديم ص: ۹۵، قواعد الفقه أشرفي، ص: ۷۴، رقم: ۱۰۱)

(۲) صرف اجیر فی الوقت نہیں ہے؛ اس لئے شرائط وضوابط کے مطابق مطالبہ ومؤاخذہ کا حق ہے۔(مستفاد: امداد الفتاوی ۳/ ۳۴۹،۳/ ۳۵۶)

اور اگر کسی مدرسہ میں کوئی ضابطہ بنا ہوا نہیں ہے، تو علاقہ کے مشہور اداروں کے عرف وشرائط کے مطابق عمل کرنا ہوگا۔

وإن شرط المعلم على المولى أن يعطيه في كل شهر كذا، ويقوم على غلامه في تعليم كذا، فهو جائز، وإذا لم يشترط كل واحد منهما شيئا فلما فرغ وتعلم قال المعلم لي الأجرة على رب العبد كذا، وقال سيد العبد: لي الأجرة على المعلم ينظر في ذلك إلى عرف تلك البلدة، فإن كان سيد العبد هو الذي يعطي، فالأجرة عليه، وإن كان المعلم هو الذي يعطي، فالأجرة على المعلم. الخ (البحرالرائق، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة كوئٹه ۸/ ۱۹، زكريا ۸/ ۳٤)

(۳) صرف اجیر بالعمل نہیں ہے؛ اس لئے اوقاتِ مقررہ پر غیر حاضری کی وجہ سے مؤاخذہ کا حق ہوگا۔ (مستفاد: امدادالفتاوی ۳/ ۳۴۹، ۳/ ۳۵۶)

اوراگر کسی ملازم کو مخصوص شرط پر رکھا ہے تو وہ اسی شرط کا پابند ہوگا۔ فقط واللہ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۱۱/۵/۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۲۲۱۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۱/۱۰/۱۳ھ

شخص واحد کے ذمہ درس وتدریس اور امامت وغیرہ سپرد کرنا

سوال [۸۴۵۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: درس وتدریس وعظ ونصیحت، امامت، اذان یہ سب الگ الگ شعبہ ہیں، کیا ایک شخص کو ان امور کا پابند کیا جاسکتا ہے، جب کہ گذراوقات اور بال بچوں کے اخراجات بھی ہوں؟

(۲) کیا امام اپنے ذاتی کام یا اور مجبوری سے چھٹی کرسکتا ہے؟

(۳) امام کے کل اخراجات کس کے ذمہ ہیں، جب کہ امام پردیسی ہو فی سبیل اللہ امامت کرتا ہو اور امام کی مالی حالت بھی کمزور ہو، ایسی صورت میں اہل محلّہ کیا کریں؟ ان کی کیا ذمہ داری ہے؟ امام شادی شدہ ہے، نوجوان ہے، تو کیا بیوی بچوں کے ساتھ رکھنے کا نظم وبندوبست مقتدیوں کے اوپر ہے؟

المستفتی: محمد ہارون، راجستھان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) مذکورہ امور سب الگ الگ شعبہ کی حیثیت رکھتے ہیں؛ لیکن اگر ایک شخص ان سب ذمہ داریوں کو تنہا ادا کرسکتا ہے، تو اس کے لئے اس کی گنجائش ہے اور امام کے ساتھ ساتھ اگر ان کاموں کی ذمہ داری کی شرط بھی لگائی گئی ہے۔ اور امام صاحب نے منظور کرلیا ہے، تو اس پر ان تمام امور کو انجام دینا لازم ہوگا۔ (مستفاد: کفایت المفتی ۳/۴۶)

عن عمرو بن عوف المزني، عن رسول الله ﷺ قال: المسلمون على شروطهم إلا شرطا حرم حلالا، أو أحل حراما. (المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ۷/ ۲۲، رقم: ۳۰)

(۲) امام اپنی ذاتی ضروریات کے لئے چھٹی لے سکتا ہے، مگر ان امور کی شرط لگا لینی چاہئے یا علاقہ میں ان کا عرف ہو۔

المعروف كالمشروط، فصار كأنه صرح به. (الأشباه والنظائر قديم/ ۱۵۶)

نیز ایام رخصت کی تنخواہ بھی امام کو ملنی چاہئے۔

فحيث كانت البطالة معروفة في يوم الثلاثاء والجمعة، وفي رمضان والعيدين يحل الأخذ. (شامي، الوقف، مطلب في استحقاق القاضي والمدرس الوظيفة في يوم البطالة، زكريا ٦/ ٥٦٨، كراچی ٤/ ٣٧٢، سكب الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٢/ ٥٨٩)

(۳) امام کے کل اخراجات خود امام کے ذمہ ہیں، ہاں البتہ امام کی تنخواہ کے ذمہ دار مسجد کے ذمہ دار حضرات ہوتے ہیں، وہ لوگ مسجد کے فنڈ میں سے ادا کریں گے۔

رزق القاضي من بيت المال. (درمختار، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره، زكريا ۹/ ۵۵۸، كراچی ٦/ ٣٨٩، المبسوط دارالكتب العلمية بيروت ١٦/ ١٠٢، الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٣/ ٣١٨)

امام جب ضرورت مند ہے تو وہ فی سبیل اللہ امامت کیوں کرے؟ وہ اپنی تنخواہ متعین کرلیا کرے، تاکہ کسی کے سامنے ہاتھ نہ پھیلانا پڑے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍صفر المظفر ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۶۲۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۲/۸ھ

کیا گاؤں کے مدرس پر مسجد کی امامت بلا اجرت واجب ہے؟

سوال [۸۴۵۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بستی میں مدرسہ اسلامیہ ہے، جس میں غلہ کی سیر من کی آمدنی کے ساتھ ساتھ بستی کے چرم قربانی، فطرہ، زکوۃ وغیرہ بھی صرف ہوتا ہے، مدرسہ میں چار مدرس ہیں، انہیں کی تنخواہوں یا تعمیر میں جملہ رقم خرچ ہوتی ہے، مدرسہ میں بیرونی بچے بھی دس پندرہ رہتے ہیں، جو بستی میں گھروں میں کھانا کھاتے ہیں، مدرسہ کے مدرسین کی ذمہ داری مسجدوں میں نماز پڑھانا بھی ہے جبکہ نماز کی اجرت مدرسہ سے ملنے والی تنخواہ میں ہی مشروط ہے، علیحدہ مسجد سے کوئی وظیفہ نہیں ہے، معلوم کرنا یہ ہے کہ یہ شکل کہاں تک صحیح ہے؟

المستفتی: ظہیر احمد قاسمی، مدرسہ بدر العلوم گنگوار حسن پور، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب گاؤں میں امامت کی شرط پر مدرس کا تقرر ہوتا ہے، تو مدرس اس شرط کا پابند ہوگا۔ اور اگر تقرر کے وقت امامت طے نہیں ہے تو امامت لازم نہیں ہے۔

ومن استأجر عبدا ليخدمه له أن يسافر به إلا أن يشترط ذلك. الخ

(هداية، كتاب الإجارات، باب إجارة العبد أشرفي ۳/ ۳۱۲، هندية، زكريا قديم ٤/ ٤٣٥، جديد ٤/ ٤٦٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۱۵/۳/۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۴۹۴۳)

مدرس کو نابالغ طلباء کی امامت کا پابند بنانا

سوال [۸۴۵۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید ایک مدرسہ میں مستقل مدرس ہے، اس مدرسہ میں بیرونی طلبہ بھی کافی تعداد میں ہیں، کوئی طالب علم پندرہ سال کی عمر کا نہیں پایا جاتا اور نہ ہی کسی دوسری صورت سے سن بلوغ کا اظہار ہوتا ہے، یعنی سب نابالغ ہیں، مدرسہ کے مہتمم نے زید کے اوپر یہ پابندی عائد کی ہے کہ تم مدرسہ میں ان طالب علموں کو نماز پڑھایا کرو، یعنی زید امام بنے اور سب نابالغ طالب علم اس کے مقتدی بن کر فرض نماز باجماعت مدرسہ ہی میں ادا کریں، اس صورت میں زید کی فرض نماز صحیح ہوگی اور جماعت کا ثواب ملے گا یا نہیں؟ مہتمم صاحب کی طرف سے زید پر ان نابالغ بچوں کی امامت کے لئے جبر کرنا شرعاً درست ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مسئولہ میں زید کی فرض نماز ادا ہو جائے گی اور جماعت کا ثواب بھی ملے گا، مگر مسجد میں نماز پڑھنے کے ثواب سے محروم ہو جائے گا، نیز مہتمم صاحب کا اس بات پر پابند کرنا درست نہیں ہے کہ مدرس مسجد چھوڑ کر یہیں نماز پڑھائے، اگر مدرس خود مسجد میں جا کر نماز پڑھنا چاہتا ہے تو اس پر رکاوٹ ڈالنے کی شرعاً اجازت نہیں ہے۔
(مستفاد: احسن الفتاوی ۳/ ۲۹۹)

والجماعة سنة مؤكدة للرجال، وأقلها اثنان واحد مع الإمام ولو مميزا. (وتحته في الشامية) أي ولو كان الواحد المقتدى صبيا مميزا، ويؤخذ منه أنه يحصل ثواب الجماعة باقتداء المتنفل بالمفترض؛ لأن الصبي متنفل. (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مطلب في تكرار الجماعة في المسجد زكريا ۲/ ۲۸۷، ۲۸۹، كراچی ۱/ ۵۵۲، ۵۵۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍ ربیع الاول ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۵۱۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۳/۲ھ

کیامدرس کا بیماری میں چھٹی لے کراپنے نجی کام سے جانا دھوکہ نہیں؟

سوال [۸۴۵۴]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مدرس اپنے نجی کام سے باہر جاتے ہیں، چھٹی کا ان کو استحقاق نہیں ہے تو وہ میڈیکل سرٹیفیکٹ دے کر چلے جاتے ہیں، میڈیکل سرٹیفیکٹ میں ڈاکٹر صاحب نے آرام کا مشورہ دیا ہے، یہ مدرس ہزاروں میل دورسفر پر چلے جاتے ہیں،اس طرح ان ایام کی تنخواہ ان کے لئے حاصل کرنا جائز ہے یانہیں؟ یہ مدرس حافظ،مولوی، عالم اور فاضل بھی ہیں،ان کا یہ کردار ایک مشہورزمانہ دارالعلوم کے لئے جہاں سے یہ فارغ التحصیل ہیں، بدنما داغ ہے یانہیں؟ شریعت مطہرہ میں ایسے علماء کا کیاحکم ہے؟

المستفتی:صابررضاخان منیجر مدرسہ جامع العلوم،رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگرواقعی جعلی سرٹیفکٹ ہےتو دھوکہ دہی ہےجو جائزنہیں ہے۔ اوراگرجعلی سرٹیفکٹ نہیں ہے؛ بلکہ سرٹیفکٹ اپنی جگہ درست ہےاور بیماری کی حالت میں آدمی اپنے ذاتی کسی کام سے جاآسکتا ہے،جیسا کہ دنیا بھرمیں بہت سے بیمارلوگ بھی اپنےضروری اسفارکرتے ہیں اور ہلکے پھلکے کام بھی کرتے ہیں،تو ایسی صورت میں دھوکہ دہی نہیں ہے، رخصت علالت لینا بھی درست ہےاور جب مدرسہ میں رخصت علالت منجانب مدرسہ دینے کا قانون ہےتو ان ایام کی تنخواہ لینا بھی درست ہے۔

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– أن رسول الله ﷺ قال: ...... من غشنا فليس منا. (مسلم شريف، باب قول النبي ﷺ من غشنا فليس منا، النسخة الهندية ١/ ٧٠، بيت الأفكار، رقم: ١٠١)

عن عبدالله بن عمرو بن عوف المزني عن أبيه عن جده أن رسول الله ﷺ قال: الصلح جائز بين المسلمين، إلا صلحا حرم حلالا ، أو أحل

حراما، والمسلمون على شروطهم، إلا شرطا حرم حلالا أو أحل حراما.
(سنن الترمذي، الأحكام، باب ما ذكر عن رسول الله ﷺ في الصلح بين الناس، النسخة الهندية ١/ ٢٥١، دارالسلام، رقم: ١٣٥٢، المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ١٧/ ٢٢، رقم: ٣٠، سنن الدارقطني، كتاب البيوع، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ٢٣، رقم: ٢٨٦٩، المستدرك، كتاب الأحكام، مكتبه نزار مصطفى الباز ـ ٧/ ٢٠٢٣، قديم ٤/ ١٠١، رقم: ٧٠٥٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۵۲۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۵/۱۴ھ

مکتب میں استاذ کا جمعراتی لینا

سوال [۸۴۵۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بعض جگہوں پر یہ رواج ہے کہ مکتب میں پڑھانے والا استاذ جمعراتی پیسے لیتا ہے، کیا یہ پیسے لینا جائز ہے؟ نیز نکاح پڑھانے کے بعد قاضی کو جو روپیہ ملتے ہیں اس کا بھی لینا جائز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب تقرر کے وقت یہ معلوم ہے کہ جمعرات میں کچھ ملتا ہے اس کی وجہ سے اس کم تنخواہ پر بھی استاذ تیار ہوجاتا ہے؛ اس لئے جمعراتی پیسہ اس کے لئے اس کا حق بھی ہے؛ اس کے لئے لینا جائز ہے، یہ اصل تنخواہ پر انعام اور تحفہ ہے، اس سے ملازمت کی ترغیب ہوتی ہے، ملازمت کی اصل تنخواہ نہیں ہے اور چونکہ نکاح پڑھانا مدرس کی ذمہ داری میں شامل نہیں ہے؛ اس لئے نکاح خوانی کی اجرت الگ سے لینے کی گنجائش ہے۔

وكل نكاح باشره القاضي وقد وجبت مباشرته عليه كنكاح الصغار، والصغائر، فلا يحل له أخذ الأجرة عليه، وما لم تجب مباشرته عليه حل له أخذ الأجرة عليه كذا في المحيط. الخ (عالمگیری، كتاب أدب القاضي، الباب الخامس عشر في أقوال القاضي، وما ينبغي، زكريا قديم ۳/ ۳٤٥، جديد ۳/ ۳۰٦، المحيط البرهاني، المجلس العلمي ۱۲/ ۲۳۲، ۲۳۳، رقم: ۱٤۲۹۹، الفتاوى التاتارخانية زكريا ۱۱/ ۱۱۹، رقم: ۱٥٦۳٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹ رصفر ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۹۳۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۲/۳۰ھ

مدرس کے جمعراتی وصول کرنے کا حکم

سوال [۸۴۵۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مکاتب کے اندر مدرسین حضرات جو جمعراتی پیسے وصول کرتے ہیں درست ہے یا نہیں؟ نیز بچوں سے کرناٹک کے علاقہ میں مسجد کی کمیٹی کی طرف سے نکاح خوانی کی فیس متعین ہوتی ہے، اس کی وضاحت یوں ہے کہ جب کسی مسجد کے امام کو کسی شادی میں نکاح خوانی کے لئے بلایا جاتا ہے، تو اس مسجد کی کمیٹی کی طرف سے لڑکا اور لڑکی کے والدین کو تین تین سو مجموعہ پانچ سو روپیہ کمیٹی کو ادا کرنے پڑتے ہیں، کیا یہ روپئے کمیٹی کے لئے لینا درست ہے؟ اور کمیٹی کے ان ہی روپیوں میں سے امام کو روپئے لینا جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر امام خود شادی والوں سے نکاح خوانی کی فیس مانگ لے تو کیا یہ روپیہ اس کے لئے درست ہوگا؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مکاتب کے اندر مدرسین حضرات جو بچوں سے جمعراتی وصول کرتے ہیں، وہ ان کے لئے لینا درست ہے؛ کیوں کہ مدرس کو تقرر کے وقت ہی معلوم

رہتا ہے کہ جمعرات کے روز بچوں کے ذریعہ اس کو کچھ ملے گا، اس کی وجہ سے وہ کم تنخواہ پر بھی راضی ہوجاتا ہے؛ اس لئے جمعراتی پیسہ اس کے لئے لینا جائز ہے۔ (مستفاد: عزیز الفتاوی/ ۷۵۸)

اور چونکہ نکاح پڑھانا مدرس کی ذمہ داری نہیں ہے؛ اس لئے نکاح خوانی کی اجرت اس کے لئے لینا جائز اور درست ہے، البتہ کمیٹی کی طرف سے نکاح خوانی کی فیس متعین کرنا درست نہیں ہے؛ بلکہ جو جتنا دے دے اتنا لے لینا چاہئے اور جس شخص (امام) نے نکاح پڑھایا ہے اس کے لئے نکاح خوانی کی اجرت لینا جائز ہے، اور کمیٹی کے لئے لینا درست نہیں ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۲/ ۳۷۰)

وكل نكاح باشره القاضي، وقد وجبت مباشرته عليه كنكاح الصغار والصغائر، فلا يحل له أخذ الأجرة عليه، وما لم تجب مباشرته عليه حل له أخذ الأجرة عليه. (هندية، كتاب أدب القاضي، الباب الخامس عشر في أموال القاضي، زكريا قديم ۳/ ۳٤٥، جديد ۳/ ۳۰٦، المحيط البرهاني، المجلس العلمي ۱۲/ ۲۳۲، ۲۳۳، رقم: ۱٤۲۹۹، الفتاوى التاتارخانية، زكريا ۱۱/ ۱۱۹، رقم: ۱٥٦۳٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍ صفر ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۹۳۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۲/۱۹ھ

طلبہ کی طرف سے معلم کو ملنے والے ہدیہ کا حکم

سوال [۸۴۵۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک ادارہ میں ۱۶؍ معلم کام کرتے ہیں، اس میں ابتدائی تعلیم سے لے کر حفظ وتجوید تا شرح جامی کی تعلیم ہے، دس سال قبل اس ادارہ میں یہ قانون نافذ ہوا کہ جس معلم کو بھی طلبہ کی

طرف سے ہدیہ انعام واکرام ملے گا اس کو فنڈ میں جمع کیا جائے گا اور اخیر سال میں سب معلموں میں تقسیم کیا جائے گا، ان میں چند معلم ایسے ہیں جن کو ہدیہ یا انعام وغیرہ ملتا ہے، باقی ایسے ہیں جن کو بالکل انعام نہیں ملتا اور وہ چند معلموں کا انعام سب معلموں میں تقسیم ہوتا ہے، جس کی وجہ سے وہ معلم جن کو انعام ملتا ہے وہ دل میں کڑھتے ہیں ورناخوش ہیں اور وہ چاہتے ہیں ہمیں علیحدہ کر دیا جائے، ہم اس فنڈ میں شریک نہیں ہیں، اب ان معلموں میں بھی کسی کو کم اور کسی کو زیادہ انعام اور ہدیہ ملتا ہے جو کہ سب میں شریک ہوتا ہے، یہاں تک کہ جو کوئی اشیاء جیسے کپڑے ملتے ہیں تو ان کو بھی فروخت کیا جاتا ہے جس کو وہ کپڑے ملتے ہیں وہ دل سے ناخوش ہے۔ اور اگر اس فنڈ سے کسی کو علیحدہ کر دیا جائے تو ہر معلم علیحدہ ہو گا جو انتشار کا باعث ہے، تو آپ تحریر فرمائیں شرعاً اس فنڈ میں جمع کرنا صحیح ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس کے لئے کوئی صریح جزئیہ نظر سے نہیں گذرا؛ البتہ اگر طے شدہ قانون طلبہ اور معلمین سب کو معلوم ہے۔

تو "**المسلمون عند شروطهم**". (بخاري تحت ترجمة الباب أجر السمسرة، النسخة الهندية ۱/ ۳۰۳) کے تحت جواز معلوم ہوتا ہے، مگر طلبہ سے ہدیہ لینا نامناسب عمل ہے، اس سے بہت سے مضر اثرات ظاہر ہوتے ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷ ررمضان المبارک ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۶۲۱)

مدرسے میں بے پردہ معلّمہ کے تقرر کرنا کا حکم

سوال [۸۴۵۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کیا مدارسِ اسلامیہ میں جہاں پر معلم حضرات تعلیم دیتے ہیں وہاں پر نوجوان

معلّمہ صاحبہ کا تقرر کرنا درست ہے، جب کہ معلّمہ صاحبہ آتے جاتے اور پڑھاتے وقت بھی بے پردہ رہتی ہوں، یعنی کہ سر پر ڈوپٹہ تک بھی نہ رکھتی ہوں، اگر معلّمہ صاحبہ کا تقرر کیا جائے تو کن شرائط کے ساتھ؟

المستفتی: محمد مسلم امروہوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسے مدارسِ اسلامیہ جن میں صرف لڑکیاں ہی تعلیم حاصل کرتی ہیں، وہاں بہتر یہ ہے کہ معلّمہ کا ہی تقرر کیا جائے، جب کہ وہ پابند شرع ہو۔اور اگر مدرسہ ایسا ہے جس میں لڑکے تعلیم حاصل کرتے ہیں اور اکثر پڑھانے والے مرد ہیں، تو وہاں معلّمہ کے تقرر کرنے میں بہت سارے مفاسد ہیں، مثلاً بے پردگی نامحرم مردوں کے ساتھ اختلاط، بعض موقعوں پر تنہائی اور خلوت کا بھی موقع آسکتا ہے، آپس میں بے تکلفانہ بات چیت اور نامحرم مردوں کے ساتھ آمد ورفت وغیرہ کے بھی امکانات ہیں؛ اس لئے عورتوں کے لئے شرعاً ایسی ملازمت کی اجازت نہیں دی جاسکتی ہے۔ (مستفاد: فتاوی رحیمیہ قدیم ١٠/ ٣٠٨، جدید ١٠/ ١٠٣-٩٠، فتاوی محمودیہ قدیم ١٧/ ٢٣٥، ڈابھیل ٣/ ٣٨٩، فتاوی نظامیہ اندوریہ ١/ ٤٣٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٣٠/ ٦/ ١٤١٩ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٤/ ٥٨٣٦)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
٣٠/ ٦/ ١٤١٩ھ

اساتذہ کے لئے طلباء کو ملنے والے کنسیشن استعمال کرنے کا حکم

سوال [٨٤٥٩]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مدارسِ دینیہ کے طلبہ کے لئے جو سرکار کی طرف سے کنسیشن فارم دیا جاتا ہے، کیا اس پر مدرسہ کے اساتذہ کرام سفر کرسکتے ہیں؟

المستفتی: منظور احمد اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سرکار نے صرف طلبہ کے لئے کنسیشن فارم دیا ہے، اساتذہ یاملازمین کے لئے نہیں؛ اس لئے اساتذہ کرام وملازمین کے لئے اس پر سفر کرنا جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: امدادالفتاوی ۳/ ۴۴۵، ۴/ ۱۴۲، ۴/ ۱۴۶) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍ ذی الحجہ ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۵۳۱)

مدرسے کے کمروں میں مدرس کا فیملی کے ساتھ رہنا

سوال [۸۴۶۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید ایک مدرسہ کا مدرس بھی ہے اور مسجد کا امام بھی اور اس کا نگراں بھی زید ہے، تو کیا زید کے لئے مدرسہ کے کمروں میں فیملی لے کر رہنا جائز ہے یا نہیں؟ بعض لوگ اشکال کرتے ہیں کہ مدرسے کے کمرے میں فیملی لے کر کیسے رہیں گے؟ واضح ہو کہ مدرسہ میں چار پانچ کمرے ہیں، مدرسے میں بیرونی طلبا بھی نہیں ہیں، گاؤں والے بچے پڑھ کر چلے جاتے ہیں، مدرسہ خالی رہتا ہے، تو کیا زید کے لئے مدرسے کے کمرے میں فیملی لے کر رہنا جائز اور گنجائش ہے یا نہیں؟ براہ کرم تفصیلی جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: محمد منظور عالم خوشحال پوری، مدرسہ کاشف العلوم

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مدرس کی ملازمت کے لئے مدرسہ کی طرف سے کمرہ یا مکان کا بھی معاملہ طے ہوا ہے یا کمیٹی وذمہ داران مدرسہ کی جانب سے بچوں واہلیہ کے رکھنے کی اجازت ہے، تو ایسی صورت میں مدرس کا اپنے بچوں واہلیہ کو مدرسہ کے کمرہ میں رکھنا شرعاً درست ہے، ہاں پردہ کا لحاظ رکھنا ضروری ہے، لوگوں کا اس سلسلہ میں اعتراض جہالت اور غلطی پر مبنی ہے۔ (مستفاد: محمودیہ قدیم ۱۴/ ۱۶۸، جدید ڈابھیل ۱۵/ ۵۲۰)

عن عبدالله بن عمرو بن عوف المزني، عن أبيه، عن جده أن رسول الله ﷺ قال: الصلح جائز بين المسلمين، إلا صلحا حرم حلالا، أو أحل حراما، والمسلمون على شروطهم، إلا شرطا حرم حلالا، أو أحل حراما.

(ترمذي، الأحكام، باب ما ذكر عن رسول الله ﷺ في الصلح بين الناس، النسخة الهندية ۱/ ۲۵۱، دار السلام، رقم: ۱۳۵۲، مشكوة شريف: ۲۵۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳ محرم الحرام ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۷۰۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۱/۲۳ھ

مدرسین کے وسعت ونجی گھر ہونے کے باوجود مدرسہ کا گھر خالی نہ کرنے کا حکم

سوال [۸۴۶۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک دینی مدرسہ جو کافی عرصہ سے دینی تعلیم کی خدمت میں مصروف ہے، اس ادارے کے ذمہ داران نے اس ادارے میں مامور مدرسین وملازمین کی پریشانی اور کم وسعتی کو سامنے رکھتے ہوئے ادارے کی مملوکہ اراضی میں مدرسین وملازمین کے لئے مکانات مہیا کر دیئے تھے، جس سے مدرسین وملازمین کو سکون اور یکسوئی کے ساتھ خدمت کا موقع فراہم ہوا، مدرسہ کی جانب سے سہولیات فراہمی کے ساتھ معمولی کرایہ بھی طے کر دیا گیا، جس کی ادائیگی ہوتی رہی، مزید کوئی دوسرا معاملہ یا عہد وپیمان نہ ہوا، آج تک ان مکانات میں رہنے والے مدرسین وملازمین ان مکانات کو ادارے کی ہی ملک سمجھتے ہیں؛ لیکن موجودہ صورت یہ ہے کہ ان میں سے بعض کو اللہ نے کافی وسعت سے نواز دیا ہے، وہ لوگ اسی بستی میں جہاں ادارہ قائم ہے یا تو اپنے نجی مکانات کے مالک ہیں یا مکان بنانے کی مکمل وسعت رکھتے ہیں، جب کہ ادارے کو مکانات کی ضرورت ہے، ایسے حالات میں چند امور دریافت طلب ہیں:

(۱) ادارے کا مدرسین وملازمین کو رہائش کے لئے مکان دینا یہ معاملہ شرعی اعتبار سے کس دائرے میں آئے گا؟

(۲) کیا وسعت وفراخی آنے یا اپنے نجی مکان کا مالک ہونے کے بعد ایسے لوگوں کا ادارے کے مکان میں قیام پذیر رہنا جب کہ ادارے کو ضرورت بھی ہے، شرعی اعتبار سے درست ہے؟

(۳) کیا ادارہ مکان کے انخلاء کے لئے کوئی دباؤ یا اصرار کا طریقہ اپنا سکتا ہے؟

(۴) کبھی کبھی ان مکانات پر قبضہ کی صورت بن جانے سے ان کی حفاظت کا مسئلہ بھی اٹھتا ہے، اس سلسلہ میں کیا پیش رفت کی جاسکتی ہے؟ مفید مشورہ مطلوب ہے، شرعی نقطہ نظر سے جواب عنایت فرما کر ممنون ہوں۔

المستفتی: عبدالمقتدر، محلّہ خانقاہ دیوبند

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) کوئی بھی ادارہ اپنے ماتحت ملازمین کے لئے رہائشی مکان مہیا کرتا ہے، اس میں دو باتیں پیش نظر رہتی ہیں: اولاً اس میں ادارہ کا فائدہ پیش نظر رہتا ہے، ملازمین کی فیملی کی رہائش کا انتظام نہ ہونے کی صورت میں ان کو ادارے کا کام چھوڑ کر بار بار اپنی فیملی اور بچوں کے حقوق کی ادائے گی اور ان کی خبر گیری کے لئے جانا پڑتا ہے، اس میں ادارہ کا نقصان ہوتا ہے، اس سے بچنے کے لئے ادارہ رہائشی مکانات کا انتظام کرتا ہے۔ دوسری یہ کہ ادارے کے پیش نظر یہ بات بھی ہوتی ہے کہ اس سے ملازم کو سہولیات فراہم ہوتی ہیں، جس سے اپنے بال بچوں کے متعلق بے فکر ہوکر کام کرنے میں جماؤ پیدا ہوجائے اور ملازم دلجمعی کے ساتھ ادارے کے کام میں لگ جائے۔ اور جب ملازم کی یہ ضرورت اپنے ذاتی مکان کے ذریعہ پوری ہوجائے تو ملازم کے اوپر لازم ہے کہ ادارے کا مکان رضا کارانہ طور پر خالی کردے اور ذاتی مکان میں رہائش اختیار کرلے، تاکہ ادارے کے دوسرے ضرورت مند ملازمین خالی کردہ مکانات سے ادارے کے واسطے سے اپنی ضرورت پوری کرسکیں۔ اور سوال میں یہ بھی پوچھا گیا ہے کہ یہ معاملہ شرعی اعتبار سے کس دائرہ میں آئے گا؟ واضح ہو کہ یہ معاملہ کرایہ دار کے دائرہ میں تو آتا ہے، مگر مطلقاً نہیں؛ بلکہ ضرورت پوری ہونے کی حد تک آتا ہے۔

قال في الأشباه: فيفرق بين اشتراط تقديم العمارة كل سنة والسكوت عنه، فإنه مع السكوت تقدم العمارة عند الحاجة إليها، ولا يدخر لها عند عدم الحاجة إليها، ومع الاشتراط تقدم عند الحاجة ويدخر لها عند عدمها. (شامي، كتاب الوقف، مطلب في قطع الجهات لأجل العمارة، زكريا ٦/ ٥٦٦، كراچی ٤/ ٣٧١)

(۲) جب ملازم کواللہ تعالیٰ وسعت اور فراخی عطا فرما دے اور اپنا نجی مکان بنالے تو ملازم پر ضروری ہے کہ ادارے کا مکان خالی کر کے اپنے نجی مکان میں منتقل ہو جائے اور ذاتی رہائشی انتظام کے باوجود ادارے کا مکان خالی نہ کرنا جب کہ ادارے کو اپنے دوسرے ضرورت مند ملازمین کے لئے مکان کی ضرورت ہے، تو یہ قابض ملازمین کی طرف سے ناجائز قبضہ ہے، اس کو خالی کرانے میں ادارے کو اپنی طاقت کے استعمال کرنے کا حق ہے اور قابض ملازمین کے سخت گنہگار اور عنداللہ سخت پکڑ میں آنے کا خطرہ ہے۔

إذا مضت مدة الإجارة قلع البناء والغرس، وسلم الأرض إلى المؤجر فارغة؛ لأنه يجب عليه تسليمها إلى صاحبها غير مشغولة ببنائه وغرسه، وذلک بقلعهما في الحال؛ لأنهما ليس لهما حالة منتظرة ينتهيان إليها.

(تبيين الحقائق زكريا ٦/ ٩٦، مكتبه إمداديه ملتان ٥/ ١١٤)

وتصح إجارة أرض للبناء والغرس ...... مضت المدة قلعهما وسلمها فارغة لعدم نهايتهما إلا أن يغرم له الموجر قيمته، أي البناء والغرس مقلوعا. (درمختار مع رد المحتار زكريا ٩/ ٤١، كراچی ٦/ ٨٣، هندية، زكريا قديم ٤/ ٤٢٩، جديد ٤/ ٤٦٢)

عن سعيد بن زيد بن عمرو بن نفيل أن رسول الله ﷺ قال: من اقتطع شبرا من الأرض ظلما طوقه الله إياه يوم القيامة من سبع أرضين.

(مسلم شريف، كتاب المساقاة، باب تحريم الظلم وغصب الأرض، النسخة الهندية ٢/ ٣٢، بيت الأفكار رقم: ١٦١٠، بخاري شريف ١/ ٤٥٣، رقم: ٣٠٩١، ف: ٣١٩٥)

(۳) مدارسِ اسلامیہ کے قوانین وضوابط اس حدیث شریف کی روشنی میں بنائے جاتے ہیں۔حدیث شریف ملاحظہ فرمایئے:

عن كثير بن عبدالله بن عمرو بن عوف المزني، عن أبيه، عن جده أن رسول الله ﷺ قال: الصلح جائز بين المسلمين، إلا صلحا حرم حلالا، أو أحل حراما، والمسلمون على شروطهم، إلا شرطا حرم حلالا، أو أحل حراما. (جامع الترمذي، الأحكام، باب ما ذكر عن رسول الله ﷺ في الصلح بين الناس، النسخة الهندية ۱/ ۲۵۱، دارالسلام، رقم: ۱۳۵۲، طبراني ۱۷/ ۲۲، رقم: ۳۰، سنن الدارقطني، كتاب البيوع، دارالكتب العلمية بيروت ۳/ ۲۳، رقم: ۲۸۶۹)

اس حدیث پاک کے پیش نظر ضرورت مند ملازمین کوجو رہائشی مکانات منجانب ادارہ دئے جاتے ہیں وہ وقتی ضرورت پوری کرنے کے لئے دئے جاتے ہیں، جب ان کی ضرورت ذاتی رہائشی مکانات یا کسی اور طریقہ سے پوری ہوجائے تو ان پر لازم اور ضروری ہے کہ ادارے کے مکانات کو رضا کارانہ طور پر خالی کر کے ادارے کے حوالہ کردیں اور ازخود خالی نہ کرنے کی صورت میں ادارے کو دباؤ ڈالنے اور خالی کرانے پر اصرار کا حق ہے، پھر بھی خالی نہ کریں تو ادارے کو جہاں تک ہو سکے اپنی طاقت استعمال کرنے کا حق ہے، اگر کوئی ملازم ایسا مضبوط ہے کہ اس پر دباؤ ڈالنے کی صورت میں ادارے کو طرح طرح کے خطرات کا اندیشہ ہے، تو ایسی صورت میں وہ ملازم شرعاً غاصب اور ظالم شمار ہوگا اور عنداللہ سخت پکڑ میں آنے کا خطرہ ہے۔

عن كثير بن عبدالله بن عمرو بن عوف المزني، عن أبيه، عن جده أن رسول الله ﷺ قال: الصلح جائز بين المسلمين، إلا صلحا حرم حلالا، أو أحل حراما، والمسلمون على شروطهم، إلا شرطا حرم حلالا، أو أحل حراما. (جامع الترمذي، النسخة الهندية ۱/ ۲۵۱، دارالسلام، رقم: ۱۳۵۲)

إذا مضت مدة الإجارة قلع البناء والغرس، وسلم الأرض إلى المؤجر

فارغة؛ لأنه يجب عليه تسليمها إلى صاحبها غير مشغولة ببنائه وغرسه، وذلک بقلعهما في الحال؛ لأنهما ليس لهما حالة منتظرة ينتهيان إليها. (تبيين الحقائق، إمداديه ملتان ٥/ ١١٤، زكريا ٦/ ٩٦)

وتصح إجارة أرض للبناء والغرس ...... مضت المدة قلعهما وسلمها فارغة لعدم نهايتهما (وتحته في الشامية:) أي البناء والغرس إذ ليس لهما مدة معلومة. (الدرالمختار مع الشامي، كراچی ٦/ ٨٣، زكريا ٩/ ٤١)

(۴) جب ادارہ کو ملازمین کی طرف سے ان مکانات پر قبضہ کر لینے کا خطرہ ہو تو مکانات ملازمین کو ہندوستانی قانون کے مطابق ۱۱ر مہینے کے اگریمنٹ کے ساتھ دینے چاہئیں اور ہر گیارہ مہینے پر نئے اگریمنٹ پر دستخط کرائے جائیں، جب یہ سلسلہ رہے گا تو آگے چل کر ملازمین کی نیت میں فتور نہیں آئے گا اور ادارہ جب چاہے خالی کرا سکتا ہے، اسی وجہ سے بہت سے فقہاء نے اوقاف کی جائیداد کو صرف ایک سال کے لئے کرایہ پر دینے کا مشورہ دیا ہے۔ اور بعض نے تین سال کی بھی اجازت دی ہے۔ اور مقصد یہی ہے کہ ادارہ کے حق میں جائیداد خطرہ میں نہ پڑ جائے۔

ومنها: بيان المدة في الدور والمنازل والحوانيت. (هندية، زكريا قديم ٤/ ٤١١، جديد ٤/ ٤٤٠)

وشرطها كون الأجرة والمنفعة معلومتين؛ لأن جهالتهما تفضي إلى المنازعة، ويعلم النفع ببيان المدة كالسكنى والزراعة. (الدرالمختار مع الشامي، زكريا ٩/ ٧-٨، كراچی ٦/ ٦٥)

وكان القاضي الإمام أبو علي النسفي رحمه الله يفتي بأن المتولي لا ينبغي أن يؤاجر أكثر من ثلاث سنين. (هندية، زكريا ٢/ ٤١٩، تاتارخانية ٨/ ٦٩، رقم: المسألة: ١١٢٣٣، تبيين الحقائق، زكريا ٧٩، ١٨٠، إمداديه ملتان ٥/ ١٠٦)

فإن كان الواقف شرط أن لا يؤاجر أكثر من سنة، فليس للقيم أن

یخالف شرطه ویؤاجرها أکثر من سنة. (تاتارخانیة، زکریا ۸/ ٦٨، رقم: ١١٢٣٢)

روي عن الفقیه أبي جعفر رحمه الله أنه کان یقول في الوقف لا یؤاجر أکثر من سنة. (تاتارخانیة ۸/ ٦٨، رقم: ١١٢٣٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۲ر محرم الحرام ۱۴۳۶ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۸۲۳/۴۱)	۱۲/۱/۱۴۳۶ھ

غیر صاحب نصاب مدرس کے لئے مدرسہ کا کھانا کھانا

سوال [۸۴۶۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر کوئی مدرس صاحب نصاب نہ ہو، تو مدرسہ میں طلباء کے لئے پکا ہوا کھانا بغیر قیمت یا فیس ادا کئے ہوئے کھا سکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: زاہد الاسلام، مدرسہ رحمانیہ محمد نگر سہاگ پور، شہڈ ولی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مدرس خواہ صاحب نصاب ہو یا غیر صاحب نصاب، اگر بوقت ملازمت کھانا مدرسہ سے طے ہوا ہے جو کہ جزو تنخواہ ہے یا فیس ادا کر کے کھانا لیتا ہے بہرصورت مدرس کو مطبخ سے کھانا لینا درست ہے؛ لیکن اگر مدرس کی خوراکی منجانب مدرسہ جمع نہ ہوئی ہو یا فیس ادا کئے بغیر کھانا لے اور مطبخ میں زکوۃ کی رقم بلا تملیک صرف کی جاتی ہو تو ایسی صورت میں مدرس کو کھانا لینا درست نہ ہوگا۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۵/ ۲۸۵، جدید ڈابھیل ۱۵/ ۴۸۰، ۵۵۱)

اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَاكِيْنِ. الآية [التوبة: ٦٠]

مصرف الزکوۃ والعشر هو فقیر. (شامي، کتاب الزکوة، باب المصرف، کراچی ۲/ ۳۳۹، زکریا ۳/ ۲۸۳)

(۲) معطی کی طرف سے زکوۃ کی رقم دو قسموں پر ہوتی ہے: (۱)مدِ زکوۃ کے نام سے علی الاطلاق زکوۃ کی رقم دی جاتی ہے،اس میں یہ تخصیص نہیں ہے کہ یہ پیسہ مستحقین پر کس طریقہ سے خرچ کیا جائے،ایسی صورت میں معطی کی طرف سے مدرسہ کے ذمہ دار یا سفراء کے ہاتھ میں پیسہ آتے ہی معطی کی زکوۃ ادا ہو جاتی ہے؛ اس لئے کہ سفراء اور مدرسہ کے ذمہ دار طلباء کے وکیل ہیں اور زکوۃ کے ایسے پیسے کو طباخ کی اجرت، آٹا پیسائی کی اجرت اور لکڑی کی خریداری وغیرہ میں صرف کرنا درست نہیں، ہاں البتہ ایسی چیز کی خریداری اس پیسے سے جائز ہے جس کی بقاء طلباء کے ہاتھوں میں کھانا پہنچنے تک رہتی ہے، جیسا کہ گوشت، دال، مسالا، آٹا وغیرہ۔(مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۱۱/ ۱۱۵، جدید ڈابھیل ۹/ ۶۰۳)

هي تمليك خرج الإباحة جزء مال خرج المنفعة فلو أسكن فقيرا داره سنة ناويا لا يجزيه المال كما صرح به أهل الأصول ما يتمول ويدخر للحاجة، وهو خاص بالأعيان، فخرج به تمليك المنافع. (درمختار مع الشامي، كتاب الزكوة، كراچی ۲/ ۲۵۶، ۲۵۷، زكريا ۳/ ۱۷۱- ۱۷۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰/ ۵/ ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۷۲۵۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱/ ۶/ ۱۴۲۲ھ

مدرسین کے لئے ایصال ثواب کا کھانا کھانا

سوال [۸۴۶۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مدرسہ میں مطبخ کا کھانا تیار ہوتا ہے، اس میں مدرسین وملازمین اور طلباء کا کھانا ایک ساتھ تیار کیا جاتا ہے، کبھی کبھی صدقہ کا مال یا ایصال ثواب کا کھانا بریانی وغیرہ آجاتی ہے، اب مدرسین جو مدرسہ کے مطبخ سے کھانا کھاتے ہیں، وہ بھی اس میں کھا سکتے ہیں یا نہیں؟ کیوں کہ جب کھانا آگیا تو مطبخ میں کھانا بنتا نہیں ہے، نیز مدرسہ کے ناظم صاحب کا کہنا ہے

کہ اگر علیحدہ کھانا بنے گا تو مدرسہ کا نقصان ہوتا ہے اور اس کھانے کا جو بستی سے آتا ہے، ہم کیا کریں گے اور وہ دلیل یہ دیتے ہیں کہ یہ صدقہ نافلہ ہے؛ کیوں کہ نیت ثواب کی ہوتی ہے اور طباخ بھی جلد کھانا بنانے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔

المستفتی: رحمت اللہ قاسمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایصال ثواب کا کھانا صدقہ ہے۔ اور صدقہ فقہاء کا حق ہے، اغنیاء کو صدقہ دینے سے صدقہ کا ثواب نہیں ملتا؛ لہٰذا اگر اساتذہ سرمایہ دار ہیں، تو ان کے لئے ایصال ثواب کا کھانا درست نہیں ہے؛ البتہ اگر صدقہ نافلہ کریں تو اس کا کھانا اساتذہ کے لئے درست ہوگا، خواہ صاحب نصاب ہوں یا نہ ہوں۔ سوال نامہ میں جس پریشانی کا ذکر ہے کہ الگ سے کھانا تیار کرنے میں مدرسے کا نقصان ہوگا، نیز طباخ بھی تیار نہیں ہوتے، تو اس صورت میں جواز کی صورت یہ ہے کہ مستحق طلبہ کھانا لے آئیں وہ اپنا کھانا اساتذہ کو اپنی خوشی سے کھلا دیں، تو اس کی گنجائش ہے، جیسا کہ حدیث بریرہ سے واضح ہوتا ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۴/ ۱۰۸، جدید زکریا مطول ۵/ ۵۷۱)

عن عائشة –رضي الله عنها– أنها أرادت أن تشتري بريرة للعتق …… وأوتى النبي صلى الله عليه وسلم بلحم، فقلت: هذا ما تصدق به على بريرة، فقال: هو لها صدقة ولنا هدية. (صحيح البخاري، باب الصدقة على موالي أزواج النبي صلى الله عليه وسلم، النسخة الهندية ١/ ٢٠٢، رقم: ١٤٧١، ف: ١٤٩٣)

وأما بقية الصدقات المفروضة والواجبة (وقوله) فلا يجوز صرفها للغني (إلى قوله) خرج النفل عنها؛ لأن الصدقة على الغني هبة. (البحرالرائق، كتاب الزكوة، باب المصرف، دارالفكر بيروت ٢/ ٢٤٥، زكريا ٢/ ٤٢٧، كوئٹه ٢/ ٢٤٥)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍ صفر ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۷۱۹)

مدرسے کے ملازم کے علاج کی ذمہ داری کس پر ہے؟

سوال [۸۴۶۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کسی مدرسہ کا ملازم ہے جو درس وتدریس کا کام انجام دیتا ہے اور وہ باقاعدہ مدرسہ سے اپنی متعین تنخواہ لیتا ہے، اتفاقاً وہ کسی سے ملاقات کرنے کے لئے کہیں چلا گیا، مدرسہ کے کام سے نہیں گیا، واپسی میں وہ شدید بیمار پڑ گیا یا اس کا ایکسیڈنٹ ہوگیا، تو کیا اس کے علاج ومعالجہ کی پوری ذمہ داری مدرسہ کے اوپر ہوگی یا کس کے اوپر ہوگی؟ جب کہ زید کے وارث مثلاً اس کا بھائی یا اس کا لڑکا اس کے پاس موجود ہے اور اس کے علاج کی کیا شکل ہوگی؟

المستفتی: ڈاکٹر عبدالکافی مہتمم جامعہ اخلاق العلوم چکر کی ملک، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مدرسہ کی رقم سے علاج کرنے کا حق نہیں ہے، ہاں البتہ علی الحساب لے کر بعد میں تنخواہ میں مجرا کرتے رہیں تو کوئی مضائقہ نہیں۔ اور تنخواہ اور منجانب مدرسہ مقرر کردہ دیگر وظائف کے علاوہ لینے کا حق نہیں ہے۔

لا يجوز لأحد أن يتصرف في ملك الغير بغير إذنه. الخ (قواعد الفقه، أشرفي ديوبند، ص: ۱۱۰)

لا يجوز التصرف في مال غيره بغير إذنه، ولا ولايته عليه. (الأشباه، كتاب الغصب، كراچی ۲/ ۹۸) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/ ربیع الثانی ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/ ۳۴۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۸/۴/۱۴۱۴ھ

الفصل الرابع:

مدارس میں سرکاری اور غیر مسلم کا مال صرف کرنے کا حکم

مدرسہ کو ایڈ کرانا

سوال [۸۴۶۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) بعد آداب وتسلیمات کے خدمت اقدس میں عرض یہ ہے کہ مدرسہ جامعہ عربیہ اصلاح العلوم عرصہ سے دینی خدمات انجام دے رہا ہے، جس میں چار مدرس اور دو ٹیچر ایک عالم دو قاری اور ایک حافظ دینی خدمات انجام دے رہے ہیں، تعلیمی نصاب حافظہ، ناظرہ درجات پرائمری اول تا درجہ پنجم ہے۔

(۲) ہمارے گاؤں میں دوسرا مدرسہ ہدایت العلوم ملحق حضرت ناظم صاحب مدظلہ مجلس دعوۃ الحق ہردوئی بھی چل رہا ہے، وہ مدرسہ امسال رکنائز ہو گیا ہے، نیز امداد برائے وظائف طلبہ بھی ملتی ہے، اس وجہ سے اکثر طلباء مدرسہ ہدایت العلوم میں داخل ہو رہے ہیں اور ہمارے مدرسہ اصلاح العلوم میں ابتدائی بچوں کی آمد پر کافی اثر پڑا، وظیفہ کی وجہ سے اکثر لوگ اپنے طلباء کو مدرسہ ہدایت العلوم میں داخل کررہے ہیں، موجودہ حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے اہم اراکین مدرسہ اصلاح العلوم کو گورنمنٹ سے رکنائز کرانا چاہتے ہیں، شرعاً کیسا ہے؟

(۳) نیز گورنمنٹ سے امداد برائے وظائف طلبہ ملتی ہے، اس کا لینا شرعاً کیسا ہے؟

المستفتی: اراکین مدرسہ اصلاح العلوم بڑاانواردہ غوث گنج، ہردوئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دینی مدارس اللہ تعالیٰ پر توکل اور عامۃ المسلمین کے تعاون سے چلتے ہیں، جن مدارس نے حکومت سے ایڈ اور وظائف لینا شروع کیا ہے وہ کبھی بھی آزاد مدارس سے آگے بڑھ کر ترقی نہیں کر پائے؛ اس لئے دینی مدارس کا حکومت سے ملحق

ہوکر وظائف حاصل کرنا روحانی ترقیات پر روک لگانا ہے؛ اس لئے حکومت سے ملحق کرنا مناسب نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَعَسَى اَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَعَسَى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ. [البقرة: ٢١٦] فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍ ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۲۴۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴؍۴؍۱۴۱۸ھ

کیا ایڈ کے مدارس میں سرکاری قوانین کی پابندی لازم ہے

سوال [۸۴۶۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید ایک سرکاری مدرسہ کا مدرس ہے اور اس کی تنخواہ تقریباً ۲۰؍ ہزار روپیہ مہینہ ہے اور اب جبراً زید سے اور اس کے تمام ساتھیوں سے ہر مہینہ تنخواہ کا دس فیصد منیجر مدرسہ لیتا ہے، جو سالانہ تقریباً ۲۴؍ ہزار روپیہ ہوتا ہے، جو ہم لوگ ظلم وجبر کی وجہ سے دیتے ہیں اور اس کے باوجود تعلیم کے بارے میں بھی کڑی محنت کرنی پڑتی ہے۔ اور اگر کوئی مدرس ۵؍منٹ بھی دیر سے پہنچتا ہے، تو اسے غیر حاضر کر دیا جاتا ہے، ایسی صورت میں اگر کوئی شخص سفر حج کے لئے جائے تو مدرسہ اس کی تنخواہ نکال کر آدھی تنخواہ دے دیتا ہے اور آدھی مدرسہ کے نام پر لے لیتا ہے، یا پوری تنخواہ دے دیتا ہے یا اگر کوئی جماعت میں جانا چاہتا ہے تو مدرسہ والے اس کو بھیج دیتے ہیں اور اس کی تنخواہ اس کو دی جاتی ہے، کبھی پوری کبھی آدھی، تو کیا ان تمام حالتوں میں جبراً دی گئی رقم کو ہم ان کاموں کے لئے جوڑ سکتے ہیں یا ہمارا تنخواہ لے کر حج وجماعت کے لئے جانا درست ہوگا؟ جب کہ تنخواہ کٹوا دینے میں بڑی دقتیں قانونی اعتبار سے پیش آتی ہیں، قرآن وحدیث کی روشنی میں مفصل وضاحت فرمائیں۔

المستفتی: محمد عرفان پنتے پور، ضلع سیتا پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: سرکاری مدرسہ میں منجانب حکومت طے کئے گئے ضوابط کی پابندی منیجر اوراساتذہ سب پر لازم ہے؛ لہٰذا منیجر کا جبراً اساتذہ کی تنخواہ سے ۱۰؍ فیصد حصہ کاٹ لینا شرعی نقطہ نظر سے جائز نہیں ہے، اسی طرح اساتذہ بھی شرعاً اتنے ہی دن کی تنخواہ لینے کے مجاز ہیں جتنے دن انہوں نے مدرسہ میں حاضر ہوکر باقاعدہ پڑھایا ہو، غیر حاضری کے ایام کی تنخواہ لینا جائز نہیں ہے، اسی طرح غیر حاضر رہنے کی صورت میں منیجر کے ذریعہ لی گئی رقم کو اس کا عوض مان کر اس دن کی حاضری لگانا بھی شرعاً جائز نہیں ہے۔

وقال النبي صلى الله عليه وسلم: المسلمون عند شروطهم. (صحيح البخاري، تحت ترجمة الباب، باب أجر السمسرة، النسخة الهندية ١/ ٣٠٣)

وأما شرائط الصحة، فمنها: رضا المتعاقدين. (هندية، كتاب الإجارة، الباب الأول، زكريا جديد ٤/ ٤٤٠، قديم ٤/ ٤١١)

والأجرة إنما تكون في مقابلة العمل. (شامي، كتاب النكاح، باب المهر، مطلب أنفق على معتدة الغير، زكريا ٤/ ٣٠٧، كراچی ٣/ ١٥٦)

ليس لأحد أن يأخذ مال غيره بلا سبب شرعي. (شرح المجلة رستم، مكتبه اتحاد ١/ ٦٢، رقم المادة: ٩٧، قواعد الفقه، ص: ١١٠، رقم: ٢٦٩، الموسوعة الفقهية الكويتية ٢١/ ١١٢)

عن أبي حميد الساعدي أن رسول الله ﷺ قال: لا يحل لمسلم أن يأخذ مال أخيه بغير حق. (مجمع الزوائد، باب الغصب وحرمة مال المسلم، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ١٧١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍ ربیع الاول ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۳۳۹)

سرکار کی طرف سے آئے ہوئے رسد کو مدرسہ یا مسجد میں لگانے کا حکم

سوال [۸۴۶۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: سرکار کی طرف سے اسکول میں جو چاول اور گیہوں آتا ہے بچوں کے لئے اگر گاؤں کے سبھی لوگ مل کر اسی چاول کو مدرسہ یا مسجد میں لگانا چاہیں تو کیا یہ جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: شمس الحق، جھارکھنڈ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جن طلبہ کے لئے رسد آتا ہے، ان ہی کو دینا لازم ہے، مدرسہ یا مسجد والوں کو دینا جائز نہیں۔

إنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة. (شامي، الوقف، مطلب مراعاة غرض الواقفين واجبة، زكريا ٦/ ٦٦٥، كراچى ٤/ ٤٤٥)

ومن اختلاف الجهة، ما إذا كان الوقف منزلين أحدهما للسكنى والآخر للاستغلال، فلا يصرف أحدهما للآخر، وهي واقعة الفتوى. (شامي، الوقف، مطلب في نقل أنقاض المسجد ونحوه، زكريا ٦/ ٥٥١، كراچى ٤/ ٣٦١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ رجب المرجب ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۷۳۰۴)

اسکولوں میں آمدہ سرکاری امداد کی بچی ہوئی رقم کا مصرف

سوال [۸۴۶۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آج کل حکومت اسکولوں وغیرہ میں اس کی ضروریات کے لئے اسی طرح طلبہ

کی ضروریات کے لئے کافی بڑی مقدار میں رقم دیتی ہے، پھر اس رقم کے ذریعہ اسکولوں اور طلبہ دونوں کی ضروریات بحسن خوبی ادا ہونے کے بعد کافی رقم بچ جاتی ہے، تو اب سوال یہ ہے کہ اس بچی ہوئی رقم کو واپس کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ اگر نہیں، تو اس رقم کا مالک کون ہوگا؟ نیز واپسی کی صورت میں وہ رقم حکومت تک نہیں پہنچ پاتی ہے؛ بلکہ اس رقم کو پانے والے اس کا غلط استعمال کرتے ہیں، تو اب ایسی صورت میں رقم کا کیا کرنا چاہئے؟

المستفتی: عبدالعظیم، جگر کالونی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: اسکول اور اسکولی طلبہ کی ضروریات پوری ہونے کے بعد بچی ہوئی فاضل رقم سرکار کو واپس کرنا ضروری ہے، اگر سرکار کو واپس کرنے میں سرکار کے خزانہ تک وہ رقم نہیں پہنچتی ہے، تو ایسی صورت میں اسکولی طلبہ پر اس فاضل رقم کو بطور وظیفہ اور کھانے وغیرہ کی شکل میں خرچ کر دینا ضروری ہے۔ اور اسکول کے ذمہ داروں کے لئے اپنی ذاتی استعمال میں لانا جائز نہ ہوگا؛ اس لئے کہ یہ ایک امانت ہے اور امانت کو اس جگہ پہنچانا لازم ہے جہاں کے لئے یہ امانت دی گئی ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمَانَاتِ اِلٰى اَهْلِهَا. [النساء: ۵۸]

ليس أداء الأمانة منحصرا في مال الوديعة ونحو ذلك بل كل حق لأحد على أحد أمانة يجب أدائه لأهله كما يدل عليه سبب نزول هذه الآية.

(تفسير مظهري، زكريا قديم ۲/ ۱٤۸، جديد ۲/ ۳٦٤، تحت تفسير رقم الآية: ۵۸، من سورة النساء)

ولو فضل من الخشب ونحوه شيء فهو على وجهين: إن كان يقدر على أربابها يشاورهم القيم في ذلك، وإن كان لا يقدر على أربابها فللقيم أن يفعل به ما يرى، وفي جامع الجوامع: وما فضل من الخشب ونحوه جاز صرفه في قنطرة أخرى بجنبها بمشورة أربابها: أوقاف على قنطرة فيبس الوادي وصار الماء إلى شعبة أخرى من الأرض من تلك المحلة، واحتيج

إلى عمارة القنطرة للوادي الجديد، فهل يجوز صرف القنطرة الأولى إلى الثانية؟ إن كانت القنطرة الثانية للعامة، وليس هناك قنطرة أخرى للعامة أقرب إلى القنطرة الأولىٰ جاز. (الفتاوى التاتارخانية، زكريا ۸/ ۱۹۶، رقم: ۱۱٦۲۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍ربیع الاول ۱۴۳۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۱۹۶۰)

اسکول کی تعمیر یا طلبہ کی خوراک سے بچی ہوئی رقم کو ہیڈ ماسٹر کا استعمال کرنا

سوال [۸۴۶۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) حکومت ہند کی طرف سے اسکول کے طلبہ کو متعینہ خوراک ملتی ہے کہ ہیڈ ماسٹر فی طالب علم اتنا کھانا یا اس کی رقم طالب علم کے حوالہ کرے گا۔ اور ان کا یہ بھی قانون ہے کہ کھانا صرف اس طالب علم کو دیں جو اسکول میں حاضر ہو ورنہ نہیں اور ظاہر ہے کہ جتنے طلبہ کا نام رجسٹر میں ہے سب نہیں آتے ہیں، جس کی وجہ سے ہر ماہ کافی مقدار میں خوراک بچ جاتی ہے، تو اب اس خوراک اور اس کی رقم کو کیا کریں؟ حکومت ہم سے اس کا مطالبہ بھی نہیں کرتی ہے، تو کیا ہیڈ ماسٹر اس میں تصرف کرسکتا ہے؟ اور اگر ان میں سے کچھ رقم دوسرے اساتذہ کو دیں تو کیا اس کے لئے یہ حلال ہے؟

(۲) اسی طرح حکومت اسکول کی عمارت بنانے کے لئے روپئے دیتی ہے، عمارت بنانے کے بعد کچھ رقم بچ جاتی ہے، تو کیا اس رقم میں بھی ہیڈ ماسٹر تصرف کرسکتا ہے؟ اور اگر دوسرے کو دے تو کیا یہ اس کے لئے حلال ہے؟ اگر اس طرح کے روپئے حرام ہیں، تو کیا سود کی ادائے گی میں یہ رقم دے سکتے ہیں؟

المستفتی: محمد فیاض عالم، ممبئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) صورت مسئولہ میں طلبہ کی خوراکی کے بعد جو روپیہ بچ جاتا ہے، ہیڈ ماسٹر کے لئے اس کو اپنے استعمال میں لانا اور اپنے اوپر خرچ کرنا شرعاً جائز نہیں ہے؛ بلکہ ان بچے ہوئے پیسوں کو سرکار کو واپس کرنا یا پھر طلبہ ہی پر دوبارہ خرچ کرنا واجب ہے؛ اس لئے کہ ہیڈ ماسٹر سرکار کی طرف سے ان روپیوں کو خرچ کرنے کا وکیل ہے؛ لہٰذا حسب ہدایت خرچ کرنے کے بعد جو بچ جائے گا وہ اس کے قبضہ میں سرکاری امانت ہوگا، جس میں تصرف کرنے کی اسے اجازت نہیں؛ ہاں البتہ طلبہ کی خوراکی سے بچا ہوا پیسہ طلبہ ہی پر خرچ کرنے کی گنجائش ہے۔

قال في الشامية: وهنا الوكيل إنما يستفيد التصرف من الموكل، وقد أمره بالدفع إلى فلان، فلا يملك الدفع إلى غيره. (شامي، كتاب الزكوة، زكريا ۳/ ۱۸۹، كراچی ۲/ ۲٦۹)

والمال الذي قبضه الوكيل بقبض العين بحسب وكالته هو في حكم الوديعة بيد الوكيل. (شرح المجلة سليم رستم، اتحاد ۲/ ۷۸٤، رقم المادة: ۱٤٦۳، مستفاد: فتاوی محموديه جديد ۱۵/ ۵۷۵، امداد الفتاوی ٤/ ۱۳۹)

(۲) منجانب سرکار اسکول کی عمارت کی تعمیر کے لئے جو پیسہ آتا ہے، تعمیر کی تکمیل کے بعد اس میں سے بچا ہوا پیسہ حکومت کو واپس کر دینا واجب ہے، ہیڈ ماسٹر یا کسی اور کے لئے اس میں تصرف کرنا یا اسے خرچ کرنا جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ جدید ۱۵/ ۵۷۵، امداد الفتاوی ۴/ ۱۴۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۲۹/۲/۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۴۴۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۲/۶ھ

امام باڑہ کے اوپر مدرسہ بنانے کا حکم

سوال [۸۴۷۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: شہر اجل پور میں مسلمانوں کا امام باڑہ ہے، جو پورے سال دوسروں کے پاس کرایہ پر رہتا ہے؛ لیکن محرم الحرام کی یکم تاریخ سے ۱۰ر تاریخ تک کرایہ داروں سے خالی کرالیا جاتا ہے، علم اور سواری رکھنے کے لئے، باقاعدہ اس کی رجسٹرڈ کمیٹی ہے، یہ کمیٹی چاہتی ہے کہ دھیرے دھیرے یہ ساری خرافات ختم ہوں تو کمیٹی نے یہ فیصلہ کیا کہ اس عمارت کے اوپر ایک مدرسہ تعمیر کیا جائے اور اس میں بچوں کی دینی تعلیم کے لئے مدرس رکھے جائیں، تاکہ یہ خرافات بند ہوسکیں، آیا اس امام باڑہ کی جو سال بھر کرایہ کی آمدنی ہے اس میں سے مدرس کی تنخواہ دینا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: نسیم احمد قاسمی، مہاراشٹر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تعزیہ نکالنا امر معصیت ہے اور اس کے لئے امام باڑہ بنانا اور اسی کے نام سے وقف کرنا شرعی طور پر ناجائز اور باطل ہے؛ لہٰذا مذکورہ عمارتیں اور دوکانیں صرف کمیٹی والوں کے تحت جائیداد ہیں؛ لہٰذا کمیٹی والوں کے مشورہ سے ان عمارتوں اور دوکانوں کو مدرسہ کے تحت لانا اور اس کے اوپر باقاعدہ دینی مدرسہ بنانا جائز اور درست ہوگا، ایک چیز جو ناجائز کام میں چل رہی تھی وہ ایک دینی کام میں شامل ہوجائے گی۔ اور جو لوگ مدرسہ بنانے میں شامل ہوں گے وہ سب بہت بڑے اجر وثواب کے مستحق ہوں گے۔ اور دوکانوں کی آمدنی سے مدرسین کو تنخواہ دینا بھی جائز ہوگا۔

من شرائط الوقف: أن يكون قربة في ذاته، وعند التصرف، فلا يصح وقف المسلم على البيعة، والكنيسة، أو على فقراء أهل الحرب. الخ (هندية، كتاب الوقف، الباب الأول، زكريا قديم ٢/ ٣٥٣، جديد ٢/ ٣٤٧، النهر الفائق، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ٣١٣)

ولا يصح وقف مسلم، أو ذمي على بيعة أما في المسلم فلعدم كونه قربة في ذاته، وأما في الذمي فلعدم كونه قربة عندنا وعنده. (الدر مع الرد،

الوقف، مطلب في وقف المرتد والكافر، زكريا ٦/ ٥٢٦، كراچى ٤/ ٣٤٢، الفقه الإسلامي وأدلته، دارالفكر ١٠/ ٧٦٤٠، هدى انٹر نيشنل ديوبند ٨/ ١٨٧-١٨٨)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶ر ربیع الثانی ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۱۷۷۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۶/ ۴/ ۱۴۱۷ھ

غیر کی زمین میں اس کی اجازت کے بغیر مدرسہ بنانے کا حکم

سوال [۸۴۷۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اب سے دس بارہ سال پہلے تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد میں نے ایک زمین میں مدرسہ قائم کیا، جب کہ دوسرے مدارس کے ذریعہ تعلیم کا معقول انتظام تھا، اور اب بھی ہے، یہ زمین بہت سارے لوگوں کی ہے، ان میں سے چند حضرات نے مدرسہ بنانے کی اجازت دے دی تھی؛ لیکن باقی حق دار اب تک اجازت نہ دے کر میری اس کارکردگی سے ناراض ہیں؛ لیکن کچھ رعب دار لوگ میرے ساتھ ہیں، اس وجہ سے وہ بیچارے مجھ سے اپنے حق کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتے اور مدرسہ کی تعمیر وتعلیم جاری ہے، اس صورت میں میرے لئے اس زمین میں تعمیر وتعلیم کا کیا حکم ہے؟ قرآن وسنت کی روشنی میں واضح فرمائیں، جس سے ہماری آخرت برباد نہ ہو، میں اس ادارے اور پراپرٹی کا خود ہی مالک ہوں۔

المستفتی: ابن خان ککرالہ، بدایوں

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب مدرسہ قائم ہو چکا اور اس زمین پر مدرسہ کے نام سے تعمیر ہو چکی، اب اس کو مدرسہ ہی باقی رکھنا لازم ہے، اطراف میں دوسرے مدارس کیوں نہ ہوں اور دوسروں کی زمین جو مدرسہ کی عمارت میں آچکی ہے، منجانب مدرسہ اس کی قیمت ادا

کردی جائے، اب مدرسہ بن جانے کے بعد یہ مسلمانوں کا قومی ادارہ بن چکا ہے، شرعاً آپ اس کے مالک نہیں ہیں، آپ کا مالکانہ تصرف کرنا جائز نہیں ہے، اگر آپ سے انتظام نہیں چل سکتا ہے، تو کسی تجربہ کار عالم دین کو منصب نظامت پر بٹھا دیجئے، اگر یہ بھی نہ ہوسکے تو اطراف میں جو مدارس چل رہے ہیں، اس مدرسہ کو ان میں سے کسی اچھے مدرسہ کی شاخ بنا دیجئے اور اسی مدرسہ کے منتظمین کے اختیار میں دے دیجئے۔ اور آپ اس میں دخل اندازی نہ کریں، تاکہ مدرسہ صحیح طریقے سے چل سکے۔

فإذا تم ولزم لا يملك ولا يعار ولا يرهن. قال في الشامية: لا يملك: أي لا يكون مملوكا لصاحبه، ولا يملك: أي لا يقبل التمليك لغيره بالبيع ونحوه لاستحالة تمليك الخارج عن ملكه ولا يعار. (ردالمحتار شامي، الوقف، مطب مهم فرق أبو يوسف بين قوله موقوفة، زكريا ٦/ ٥٣٩، كراچی ٤/ ٣٥١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳ رمحرم الحرام ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۴۰۹)

مالک کی اجازت کے بغیر اس کی زمین پر مدرسہ بنانا

سوال [۸۴۷۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) کیا کسی کی زمین پر زمین کے مالک کی اجازت کے بغیر مدرسہ قائم کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو بلا اجازت کسی کی زمین پر مدرسہ قائم کرکے اس کو چلانے والے کے بارے میں حکم شرعی کیا ہے؟

(۲) ہم دو بھائی مسمیٰ راجا، وراہو، ابنا حاجی محمد عاقل (عقلو) کی تقریباً ۵۲ر بیگہ رقبہ کی زمین ہے، جس زمین کی ملکیت کا ثبوت شرعی وسماجی ہمارے پاس موجود ہے، ہماری اس ۵۲ر بیگہ والی رقبہ کی زمین میں سے تقریباً ۱۲ر بیگہ زمین پر ایک مدرسہ کے ناظم نے زبردستی قبضہ کرلیا

ہے، جس زمین پر مدرسہ کی ایک عمارت بھی بنوالی ہے اور مابقیہ زمین کو کھیتی کے طور پر استعمال کرر ہا ہے، کئی بار پٹواریوں کو بلوا کر ہم نے ناپ کروائی؛ لیکن مدرسہ کا ناظم اور اس کے کچھ دبنگ ساتھیوں نے پٹواریوں کو گالی گلوج دے کر بھگا دیا، آخر کار ۲۳/۳/۲۰۱۱ء کو صحیح طور پر زمین کی پیائش کی گئی، تو پیائش کرنے والے پٹواری نے ہماری زمین کی حد بندی کی اور حد بندی میں مدرسہ کی پوری بلڈنگ سوائے برآمدہ کے ہماری زمین ثابت ہوئی اور اس سے پہلے بھی کئی بار اس بات کی وضاحت کی گئی اور گاؤں کے لوگوں نے بھی کئی بار مدرسہ کے ناظم سے کہا کہ آپ اس غریب کی زمین سے مدرسہ کا قبضہ ہٹالو؛ اس لئے کہ اس غریب کا ذریعۂ معاش کھیتی باڑی ہی ہے اور مدرسہ کے پاس مدرسہ کی نجی زمین بھی ہے، اس کے باوجود بھی ناظم اور اس کے حواری ہماری زمین سے اپنا قبضہ نہیں ہٹا رہے ہیں، ۱۹۹۴ء سے آج تک ہماری زمین پر زبردستی مدرسہ چلا رہے ہیں اور باقی بچی زمین پر کھیتی بھی کرر ہے ہیں، اب سوال یہ ہے کہ کیا اس طرح زبردستی کسی کی زمین پر قبضہ کر کے مدرسہ قائم کرنا اور اس کا چلانا جائز ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو زبردستی کسی کی زمین پر قبضہ کر کے مدرسہ قائم کرنے اور اس کے چلانے والے اور اس کی معاونت کرنے والے کے بارے میں حکم شرعی کیا ہے؟

المستفتی: محمد راہو وراجا ابنا حاجی محمد عاقل، عرف عقلو، ریتانی باڑمیر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کسی کی زمین پر مالک زمین کی اجازت کے بغیر قبضہ کرنا جائز نہیں۔ اور اگر کوئی ایسا کرتا ہے تو وہ شخص غاصب ہے، جس کے بارے میں حدیث شریف میں بڑی سخت وعید آئی ہے؛ لہٰذا اگر حقیقت میں زمین راجہ اور راہو ہی کے نام ہے تو ناظم مدرسہ کو اس پر قبضہ کر کے مدرسہ چلانے کا حق نہیں ہے اور مالکان زمین کو مدرسہ منہدم کر کے اس زمین کو اپنے تصرف میں لینے کا حق ہے؛ لہٰذا ناظم مدرسہ وہ زمین مالک زمین کو واپس کردے اور جو زمین شرع کے مطابق مدرسہ کی ہے اسی پر مدرسہ چلائے، ورنہ قیامت کے روز سخت باز پرس ہوگی۔

عن سالم، عن أبيه، قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم: من أخذ شيئا من الأرض بغير حقه، خسف به يوم القيامة إلى سبع أرضين. (صحيح البخاري، كتاب بدء الخلق، باب ماجاء في سبع أرضين، النسخة الهندية ١/ ٤٥٣، رقم: ٣٠٩٢، ف: ٣١٩٦، صحيح مسلم، باب تحريم الظلم وغصب الأرض وغيرها، النسخة الهندية ٢/ ٣٢، بيت الأفكار، رقم: ١٦١٠)

لا يجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي. (هندية، كتاب الحدود، فصل في التعزير، زكريا قديم ٢/ ١٦٧، جديد ٢/ ١٨١، قواعد الفقه أشرفي، ص: ١١٠، رقم: ٢٦٩، الدرمع الرد، زكريا ٦/ ١٠٦، كراچی ٤/ ٦١، البحر الرائق، زكريا ٥/ ٦٨، كوئٹه ٥/ ٤١)

ومن غصب أرضا، فغرس فيها أو بنى قيل له: اقلع البناء والغرس، وردها لقوله عليه السلام: ليس لعرق ظالم حق ...... فإن كانت الأرض تنقص بقلع ذلك فللمالك أن يضمن له قيمة البناء. (هداية، كتاب الغصب، أشرفي ٣/ ٣٧٩)

لا يجوز لأحد أن يتصرف في ملك غيره بلا إذنه، أو وكالة منه أو ولاية عليه، وإن فعل كان ضامنا. (شرح المجلة رستم باز، مكتبة اتحاد ١/ ٦١، رقم المادة: ٩٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۳۹۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۵/۴ھ

مغصوبہ زمین پر مدرسہ بنانا

سوال [۸۴۷۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک مسلمان کی زمین پر غیر مسلم نے قبضہ کر کے مسلمانوں کے ہی ہاتھ فروخت

کردی، خریدنے والے مسلمان یہ جانتے ہیں کہ یہ زمین اس غیر مسلم کی نہیں اور نہ ہی اس اکیلے مسلمان کی ہے جو حیات ہے؛ بلکہ اس زمین پر دو مرحوم اشخاص کا حق ہے، جن کی وراثت ان دونوں کی بیواؤں کو پہنچتی ہے، خریدنے والے اشخاص اتنی قدرت بھی رکھتے ہیں کہ اگر چاہیں تو غیر مسلم سے ان دونوں بیواؤں کا حق دلواسکیں، مگر یہ اشخاص غیر مسلم کو پوری رقم دے کر اس جگہ دینی مدرسہ بنا رہے ہیں، کیا ایسی غاصبانہ جگہ میں تدریس کا سلسلہ جائز ہوگا؟ کیا بچے ایسی جگہ تعلیم حاصل کر سکتے ہیں، چنانچہ قرآن وحدیث کی روشنی میں مع دلیل مندرجہ سوالات کے جوابات دینے کی زحمت گوارہ کریں، ایسی جگہ جو غاصبانہ ہو اور بچوں کے والدین کو معلوم ہو کہ یہ جگہ غاصبانہ ہے، تعلیم حاصل کرانا درست ہوگا یا نہیں؟ یہ جانتے ہوئے کہ یہ جگہ غیر مسلم کی نہیں بلکہ کسی دیگر فرد کی ہے اور اس میں دو بیواؤں کا حصہ ہے اور بیواؤں پر ظلم ہو رہا ہے، یہ اشخاص شریعت حقہ کی نظر میں گناہ کے مرتکب ہونے کی صورت میں کس سزا کے لائق ہیں؟ کیا ایسے مدرسہ میں بیٹھ کر علماء تعلیم دے سکتے ہیں؟ مزید اس بات کی بھی تشریح فرمادیں کہ جو لوگ حقدار کا حق دلوانے پر قادر ہوں اور نہ دلوائیں، ان کے لئے حدیث میں کیا وعید ہے؟ اور اگر دلوادیں تو کیا ثواب ہے ان لوگوں کے لئے؟

المستفتی: محمد عرفان گڑھی، سلیم پور، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جن لوگوں کو یہ معلوم ہے کہ مذکورہ زمین اس غیر مسلم بائع کی نہیں ہے؛ بلکہ غصب کردہ ہے، ان کے لئے وہ زمین خریدنا جائز نہیں ہے، اس میں مسجد یا مدرسہ بنانا اور اس میں تعلیم جاری رکھنا اس وقت تک ممنوع ہوگا جب تک اصل مالک کو راضی نہ کرلیا جائے اور مشتری کے لئے ضروری ہے کہ وہ زمین اس کے حق داروں کو لوٹا دے اور اپنا حق بائع سے وصول کرے۔ حدیث شریف میں مظلوم کی مدد کرنے اور ظالم کو ظلم سے روکنے کی تاکید آئی ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۳/ ۱۱۱، جدید زکریا مطول ۱۰/ ۳۳۶، فتاوی محمودیہ ۶/ ۲۸۰، ۶/ ۲۱۷)

وقال هشام: أنا أكره الصلاة فيه حتى يطيب أربابه، وأكره شراء المتاع من أرض غصب، أو حوانيت غصب. (البحرالرائق، كتاب الغصب، كوئٹہ ۸/ ۱۱۵، زكريا ۸/ ۲۰۹، هندية، زكريا ۵/ ۱۴۲، جديد ۵/ ۱۶۶)

الحرام ينتقل، فلو دخل بأمان وأخذ مال حربي بلا رضاه وأخرجه إلينا ملكه وصح بيعه لكن لا يطيب له ولا للمشتري منه. (الدر المختار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد قبيل مطلب البيع الفاسد لا يطيب له، ويطيب للمشتري منه، زكريا ۷/ ۳۰۰، كراچی ۵/ ۹۸)

وفي الشامية: ولا للمشتري منه فيكون بشرائه منه مسيئا؛ لأنه ملكه بكسب خبيث، وفي شرائه تقرير للخبث، ويؤمر بما كان يؤمر به البائع من رده -إلى قوله- إن لم يرده يكره للمسلمين شراؤه منه؛ لأنه ملك خبيث بمنزلة المشتري فاسدا إذا أراد بيع المشتري بعد القبض يكره شراءه منه. (شامي، مطلب البيع الفاسد لا يطيب له ويطيب للمشتري منه، زكريا ۷/ ۳۰۰، ۳۰۱، كراچی ۵/ ۹۸)

عن سمرة بن جندب قال: قال رسول الله ﷺ: من وجد عين ماله عند رجل فهو أحق به، ويتبع البيع من باعه. (سنن أبي داؤد، باب في الرجل يجد عين ماله عند رجل، النسخة الهندية ۲/ ۴۹۸، دارالسلام رقم: ۳۵۳۱، سنن الدارقطني، كتاب البيوع، دارالكتب العلمية بيروت ۳/ ۲۴، رقم: ۲۸۷۴)

فهو أحق به أي من غصب مال أحد أو سرق، ثم باعه من آخر، فصاحب المال إن وجده في يد المشتري أخذه، ويرجع المشتري على البائع. (حاشية مشكوة شريف ۱/ ۲۵۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم ربیع الاول ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۲۰۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱/ ۳/ ۱۴۱۸ھ

پریس کرنے پر پریس بیچ کر رقم مدرسہ میں لگانا

سوال [۸۴۷۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مدرسہ کے لڑکوں کے پاس بجلی کی پریس پکڑی گئی تو ذمہ دارانِ مدرسہ اس پریس کو بیچ کر اس کی رقم مدرسہ میں لگا سکتے ہیں؟

المستفتی: محمد عزیز مدرسہ اشرف العلوم لکھیم پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: سوالِ مذکور میں طالب علم سے جو بجلی کی پریس پکڑی گئی اس کو فروخت کر کے اس کی رقم مدرسہ میں لگانا جائز نہیں ہے۔ اور جس کی پریس ہے اس کو واپس کرنا لازم ہے؛ البتہ مدرسہ کے طلبہ کو مدرسہ کی بجلی بلا اجازت استعمال کرنا ناجائز ہے؛ لہٰذا اس نے مدرسہ کی قانون شکنی کی ہے، تو زیادہ سے زیادہ جو اس نے مدرسہ کی بجلی خرچ کی ہے اس کا معاوضہ لیا جا سکتا ہے۔

عن أبي حميد الساعدي، أن رسول الله ﷺ قال: لا يحل لامرئ أن يأخذ مال أخيه بغير حقه، وذلك لما حرم الله مال المسلم على المسلم.

(مسند أحمد بن حنبل ٥/ ٤٢٥، رقم: ٢٤٠٠٣)

قال: وعلى الغاصب رد العين المغصوبة، معناه مادام قائما لقوله عليه السلام: على اليد ما أخذت حتى ترد، وقال عليه السلام: لا يحل لأحد أن يأخذ متاع أخيه لاعبا ولا جادا، فإن أخذه فليرد عليه. (هداية، كتاب الغصب، أشرفي ٣/ ٣٧٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ رصفر المظفر ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۰۵۱)

لیٹ فیس وصول کرنے کی شرعی حیثیت

سوال [۸۴۷۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: طالبات کے مدرسہ میں تعطیلات کے ختم ہوجانے کے بعد تاخیر سے حاضر ہونے پر مدرسہ والوں کا ان بچیوں سے لیٹ فیس لینا جائز ہے، اگر جائز ہے تو کتنی مقدار تک لے سکتے ہیں؟ اوراس کا مصرف کیا ہے؟ کیا کسی سے کم اورکسی سے زیادہ لینے کی گنجائش ہے؟

المستفتی: محمد یاسر، گجرات

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: لیٹ فیس کے نام سے جولیا جاتا ہے یہ تاخیر سے آنے کا جرمانہ ہے اورشرعاً اس طرح مالی جرمانہ لینا جائز نہیں ہے، ہاں البتہ اگر یہ انتظام کیا جائے کہ وقتی طور پر مالی جرمانہ ان سے وصول کرلیا جائے، تاکہ وہ آنے میں لیٹ نہ کریں اورسال کے آخر میں جس سے جتنا مالی جرمانہ لیا گیا ہے وہ ان کو واپس کردیا جائے تو گنجائش ہے، ورنہ جائز نہیں ہے۔

عند أبي یوسفؒ یجوز التعزیر للسطان بأخذ المال، وعندهما وباقي الأئمة الثلاثة لا یجوز، کذا في فتح القدیر، ومعني التعزیر بأخذ المال علی القول به: إمساک شيء من ماله عنده مدة لینزجر، ثم یعیده الحاکم إلیه لا أن یأخذه الحاکم لنفسه، أو لبیت المال کما یتوهم الظلمة. (عالمگیري، کتاب الحدود، فصل في التعزیر، زکریا قدیم ۲/ ۱٦۷، جدید ۲/ ۱۸۱، البحر الرائق، زکریا ٥/ ٦۸، کوئٹہ ٥/ ٤۱، الدرمع الرد، زکریا ٦/ ۱۰٦، کراچی ٤/ ٦۰-٦۱، الموسوعة الفقهیة الکویتیة ۳۷/ ۳٥٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴ محرم الحرام ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۰۹۱۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۵/۱/۱۴۳۴ھ

مدرسہ کے لئے غیر مسلموں کا چندہ لینا

سوال [۸۴۷۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مدرسہ کے لئے غیر مسلموں کا یعنی ہندوؤں کا چندہ لے سکتے ہیں یا نہیں؟ جواب سے نوازیں مہربانی ہوگی۔

المستفتی: محمد آفاق میاں سرائے

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر یہ احتمال نہ ہو کہ کل کو اہل اسلام پر احسان رکھیں گے اور نہ یہ احتمال ہو کہ اہل اسلام ان کے ممنون ہو کر ان کے مذہبی شعائر میں شرکت یا ان کی خاطر سے اپنے شعائر میں مداہنت کرنے لگیں گے، تو اس شرط سے قبول کر لینا جائز ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۲/۶۶۴)

وأما الإسلام فليس من شرطه، فصح وقف الذمي بشرط كونه قربة عندنا وعندهم. (البحرالرائق، كتاب الوقف، كوئٹه ٥/ ٨٩، زكريا ٥/ ٣١٦، الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٧/ ٣٢٢، هندية زكريا قديم ٢/ ٣٥٢، جديد ٢/ ٣٤٧، الدر مع الرد، زكريا ٦/ ٥٢٤، كراچى ٤/ ٣٤١)

وللمسلمين أن يقبلوا من الكافر إذا لم يكن في ذلك ضرر ديني، أو سياسي. (تفسير مراغى ٤/ ٧٤، بحواله محموديه ميرٹھ ٢٥/ ٤٨٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵؍ شعبان المعظم ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۳۰۲۳)

ہندو کی رقم کارِ خیر میں لگانا

سوال [۸۴۷۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کوئی جگہ ایسی ہے جہاں علم دین اٹھتا جارہا ہے اور لوگوں کو اس کی کچھ پرواہ نہیں، کوئی بھی امداد نہیں کرتا تو علم دین کو جاری کرنے کے لئے اور برقرار رکھنے کے لئے زکوۃ صدقات لے سکتے ہیں یا نہیں؟ اور پھر اس میں ہندو دس ہزار روپئے دینا چاہتے ہیں، تو کیا ہندو کی رقم چل سکتی ہے یا نہیں؟ کوئی صورت نکال کر تفصیلی جواب تحریر فرمائیں۔

المستفتی: محمد آفاق غفرلہ قاسمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صدقات، زکات کی رقوم کا پہلے کسی فقیر کو مالک بنادیا جائے، پھر فقیر مدرسہ وغیرہ کو دے دے، تو اس طرح حیلہ تملیک کے ساتھ جائز ہوگا۔

کما فی الدرالمختار: ویشترط أن یکون الصرف تملیکا لا إباحة.

(الدر مع الرد، کتاب الزکوة، باب المصرف، زکریا ۳/ ۲۹۱، کراچی ۲/ ۳۴۴، مصري ۲/ ۸۵)

اور ہندو کی رقم میں اگر یہ احتمال نہ ہو کہ کل کو اہل اسلام پر احسان رکھیں گے اور نہ یہ احتمال ہو کہ اہل اسلام ان کے ممنون ہو کر ان کے مذہبی شعائر میں شرکت یا ان کی خاطر سے اپنے شعائر میں مداہنت کرنے لگیں گے تو اس شرط کے ساتھ قبول کر لینا جائز ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۲/۲۶۴)

شرط وقف الذمي أن یکون قربة عندنا وعندهم، کالوقف علی الفقراء، أو علی مسجد القدس. (شامي، الوقف، مطلب قد یثبت الوقف بالضرورة، زکریا ٦/ ٥٢٤، کراچی ٤/ ٣٤١، الموسوعة الفقهیة الکویتیة ٣٧/ ٣٢٢، هندیة زکریا قدیم ٢/ ٣٥٢، جدید ٢/ ٣٤٧)

وأما الإسلام فلیس من شرطه، فصح وقف الذمي بشرط کونه قربة عندنا وعندهم. (البحرالرائق، کتاب الوقف، زکریا ٥/ ٣١٦، کوئٹه ٥/ ١٨٩)

وللمسلمین أن یقبلوا من الکافر إذا لم یکن في ذلک ضرر دیني، أو سیاسي.

(تفسیر المراغی ٤/ ٧٤، بحواله محمو دیه میرٹھ ٢٥/ ٤٨٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵؍شعبان المعظم ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/۳۰۳)

مدرسہ کی تعمیر میں سودی رقم یا کافر کا پیسہ لگانا

سوال [۸۴۷۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مدرسہ خان العلوم دڑھیال کی رقومات بینک میں جمع کر کے حسب ضرورت نکال کر خرچ کی جاتی ہے، جمع شدہ رقومات پر سیونگ چالو کھاتہ میں حسب ضابطہ بینک سے سود ملتا ہے، اسی طرح اور فاضل رقم چھ مہینہ کی میعاد مدت کھاتے میں ڈال کر مذکورہ سود اور زیادہ ملتا ہے، اس وصول شدہ سود کو مدرسہ کی ضروریات پر صرف کر سکتے ہیں یا نہیں؟

فی الحال مدرسہ کی چہار دیواری باؤنڈری نہیں ہے، جس کی وجہ سے انتظامی اور حفاظتی پریشانیاں ہیں، خرچ زیادہ ہونے کی وجہ سے اصل رقم سے یہ کام ہونے کی کوئی صورت نظر نہیں آرہی ہے، وجہ ظاہر ہے کہ عموماً مدارس مسلسل مقروض ہور ہے ہیں، اصل ضروریات کی تکمیل بھی نہیں ہو پاتی، اسی طرح بستی کا پانی جو مدرسہ سے متصلا گذرتا ہے نالہ خام ہونے کی وجہ سے مدرسہ میں داخل ہوتا رہتا ہے، اس نالے یا چہار دیواری پر بینک سے حاصل شدہ سود کی رقم خرچ کی جاسکتی ہے یا نہیں؟

(۲) مدرسہ ہذا کا رجسٹریشن ۲۵ رسال قبل ہوا تھا، اس کے بعد تجدید نہ ہوسکی، اب اس کی تجدید پر بیس ہزار روپئے کام میں آنا چاہتے ہیں، اس طرح کہ دس ہزار روپیہ متعلقہ آفیسر لیتا ہے، آٹھ ہزار روپیہ تاخیر اور تجدید کی سرکاری فیس ہے، دو ہزار روپیہ کاغذات کی تیاری کے ہیں، کیا یہ رقم بینک کے سود کی رقم میں سے دی جاسکتی ہے؟

(۳) ایک غیر مسلم اپنے کسی اعتقاد یا کسی اور وجہ سے بنا کسی دباؤ کے مدرسہ کو کچھ رقم دینا چاہتا ہے، کیا اس رقم کو مطبخ یا تعمیر یا دیگر ضروریات مدرسہ پر خرچ کر سکتے ہیں؟

المستفتی: محمد عثمان مفتاحی مدرسہ اسلامیہ خازن العلوم، دڑھیال، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) سودی اور حرام پیسے کا شرعی حکم یہ ہے کہ کسی بھی

عنوان سے اصل مالک کو واپس کردیا جائے، جیسا کہ سیل ٹیکس، انکم ٹیکس کے ذریعہ سرکاری پیسہ سرکاری بینک میں واپس ہو جائے، اگر یہ شکل نہ ہو سکے تو نہایت مجبور اور محتاج فقیر کو بغیر نیت ثواب دے دیا جائے؛ لہٰذا مدرسہ کی جانب سے بینک میں جمع شدہ رقم پر جو سود حاصل ہوگا اس کو مدرسہ کی کسی ضرورت میں خرچ کرنا جائز نہیں ہے؛ البتہ غریب طلبہ کو جوتا، چپل لے کر دے دیا جائے تو اس کی گنجائش ہے۔

وأما إذا كان عند رجل مال خبيث، فإما إن ملكه بعقد فاسد، أو حصل له بغير عقد ولا يمكنه أن يرده إلى مالكه، ويريد أن يدفع مظلمته عن نفسه، فليس له حيلة إلا أن يدفعه إلى الفقراء. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، مكتبه سهارنپور، قديم ۱/ ۳۷، دارالبشائر الإسلاميه ۱/ ۳۵۹، تحت رقم الحديث: ۵۹، هندية، زكريا قديم ۵/ ۵٤۹، جديد ۵/ ٤۰٤، البحرالرائق، زكريا ۹/ ۳٦۹، كوئٹه ۸/ ۲۰۱)

(۲) جو آٹھ ہزار روپیہ سرکاری فنڈ میں جمع ہوگا وہ سرکاری بینک کے سود کے پیسے سے دینا جائز ہے اور بقیہ چیزوں کے لئے سرکاری بینک کے سود کے پیسے سے دینا جائز نہیں ہے۔

وأما إذا كان عند رجل مال خبيث، فإما إن ملكه بعقد فاسد، أو حصل له بغير عقد ولا يمكنه أن يرده إلى مالكه، ويريد أن يدفع مظلمته عن نفسه، فليس له حيلة إلا أن يدفعه إلى الفقراء. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، مكتبه سهارنپور، قديم ۱/ ۳۷، دارالبشائر الإسلاميه ۱/ ۳۵۹، تحت رقم الحديث: ۵۹، الموسوعة الفقهية الكويتية ۳٤/ ۲٤٦، الدر مع الرد، زكريا ۹/ ۵۵۳، كراچی ٦/ ۳۸۵، تبيين الحقائق، إمداديه ملتان ٦/ ۲۷، زكريا ۷/ ٦۰)

(۳) اگر کوئی غیر مسلم اپنی خوشی سے مدرسہ کے لئے چندہ دینا چاہتا ہے اور کسی مضرت کا اندیشہ نہیں ہے، تو اس کو مدرسہ کی ضروریات میں چاہے تنخواہوں میں یا تعمیر میں یا مطبخ یا کسی بھی ضرورت میں خرچ کرنا جائز ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ ٦/ ۲۴۹، ڈابھیل ۱۵/ ۶۲۱)

اختلف الفقهاء في وقف الذمي على المسجد، فذهب الجمهور إلى

صحته لعموم أدلة الوقف. (الموسوعة الفقهية ۳۷/ ۳۲۲، عالمگری، زکریا قدیم ۲/ ۳۵۳، جدید ۲/ ۳۴۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱؍ شوال ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۱۴۹/۳۷)

طوائف کی زمین پر مدرسہ تعمیر کرنا

سوال [۹ ۸۴۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: طوائف نے ایک زمین ثواب جان کردی ہے، کیا اس زمین پر مدرسہ کی بنیاد قائم کرنا درست ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: طوائف کی دی ہوئی زمین پر مدرسہ قائم کرنا جائز نہیں ہے؛ اس لئے کہ مدرسہ ایک خالص دینی ادارہ ہے اور اس میں حرام کمائی لگانا جائز نہیں ہے۔

رجل اكتسب مالا من حرام، ثم اشترى، فهذا على خمسة أوجه: أما إن دفع تلك الدراهم إلى البائع أولا، ثم اشترى منه بها أو اشترى قبل الدفع بها، ودفعها الخ. قال الكرخي في الوجه الأول والثاني: لا يطيب، وفي الثلاثة الأخيرة يطيب –إلى قوله– والفتوى الآن على قول الكرخي.

(شامی، کتاب البیوع، باب المتفرقات، مطلب إذا اكتسب حراما، ثم اشترى على خمسة أوجه، زكريا ۷/ ۴۹۰، کراچی ۵/ ۲۳۵، هندية زكريا قديم ۳/ ۲۱۵، جديد ۳/ ۲۰۱)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/۵/۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴۸۴/۲۹)

الفصل الخامس: في التصرف

کیا کسی مدرسے کا دو نام رکھنے سے وہ دو مدرسے ہو جائیں گے؟

سوالات ذیل کے جوابات درکار ہیں، جواب دینے کی زحمت فرمائیں۔

سوال [۸۴۸۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: سیتاپور میں مدرسہ ملت نام کا ایک ادارہ ہے، جو تحفیظ القرآن اور عالمیت اور دینیات، اردو نیز ناظرہ قرآن پاک کے لئے قائم کیا گیا تھا، پہلے اس کی ذاتی عمارت نہیں تھی، ۱۲ر نومبر ۱۹۷۶ء کو میں نے ایک بوسیدہ عمارت مدرسہ ملت کے نام رجسٹری کرائی تھی، جس کو سنی سینٹرل آف یوپی بورڈ سے رجسٹرڈ کرالیا تھا، جس میں میرا نام بحیثیت ناظم درج ہے، چونکہ سیتاپور رسوماتِ بد کا مرکز تھا، دینی تعلیم کے لئے خاص کر مسلک دیوبند کے لئے اس کی فضاء مدرسہ کے حق میں نہیں تھی، بوجہ اضطرار (سرکار کے ہتھکنڈے) سے بچنے کی غرض سے ایک دوسرا ادارہ مدرسہ عربیہ ملیہ کے نام سے سرکار سے منظور کرالیا اس سے تنخواہوں کے لئے آسانی ہوگئی، امدادی تنخواہیں نام بنام مدرسین کے لئے آتی ہیں، اس کے علاوہ مدرسہ ملت کے بھی مدرسین ہیں، ان مدرسین کی تنخواہیں اور طلباء کا کھانا ہر ایک کے فرش، فروش، تعمیر بلڈنگ اور دیگر مصارف مسلمانوں سے ملنے والی رقومات سے پورے کئے جاتے ہیں، نیز حسب گنجائش وظائف طلباء مدرسہ ملیہ کے پاس پیسہ اور بلڈنگ نہیں ہے، وہ مدرسہ ملت کے طلبہ کی تعلیم میں لگے ہوئے ہیں اور مدرسہ ملت کی آمدنی نہایت قلیل ہے، جس کی وجہ سے بحسن وخوبی کام نہیں چل پا رہا ہے، اور بلڈنگ بھی کمزور ہے، اس کی مرمت کے لئے بھی رقم درکار ہے؛ اس لئے نیچی سطح کے ملازمین کے علاوہ کو بلا کر میں نے گزارش کی کہ جس طرح دوسرے مسلمانوں سے امداد ملتی ہے آپ لوگ بھی اسی طرح بلڈنگ کی مرمت کے لئے امداد کر دیں اور آپ لوگ باقاعدہ مشورہ کر کے بتا دیجئے؛ لیکن مثبت یا منفی جواب نہ ملنے پر میں نے بذریعہ تحریر مطالبہ کیا کہ آپ

لوگ بھی اپنی اپنی تنخواہوں میں سے پانچ پانچ دنوں کی تنخواہیں دے دیں، جب کہ آپ لوگ مدرسہ ملت سے کافی فائدہ اٹھاتے ہیں، اس کا بھی جواب نہیں ملا، میں سمجھتا ہوں کہ مسلمانوں کے اجتماعی کاموں کے لئے یا اہل حاجت مسلمانوں کی ضرورتوں کے لئے گنجائش والے مسلمانوں پر زکوۃ کے علاوہ بھی دینا ضروری ہے۔ حدیث پاک میں فرمایا ہے: ''**إن في مال المرء لحق سوى الزكوة**'' دینی اداروں کے لئے ایسے حضرات سے مطالبہ کرنا جو صاحب گنجائش ہیں اور مدرسہ سے فائدہ اٹھاتے ہیں، یعنی بجلی، پانی، فرش فروش وغیرہ، یہ مطالبہ اگر درست ہے، تو مطالبہ کیا جائے ورنہ تو میں اپنی بات واپس لے لوں۔ مدرسہ ملیہ عربیہ کے بعض مدرسین مدرسہ ملت کے لئے چندہ میں ہاتھ بٹاتے ہیں، ان علماء، حفاظ، مدرسین کو یہ بھی معلوم ہے کہ فقہ کا جزئیہ ہے کہ ''اگر زکوۃ سے مسلمانوں کی حوائج نہ پوری ہوں تو حسب ضرورت مسلمانوں سے رقم لی جاسکتی ہے''۔ والسلام

المستفتی: سائل ولی محمد ناظم مدرسہ ملت

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ میں صاف الفاظ میں اس کا ذکر ہے کہ دو مدرسے الگ الگ ہیں، ایک مدرسہ ملت ہے اور دوسرا مدرسہ ملیہ ہے۔ اور سوال نامہ میں اس انداز سے اس کو واضح کیا گیا ہے کہ مدرسہ ملت الگ ادارہ ہے اور مدرسہ ملیہ مستقل دوسرا ادارہ ہے۔ اور مدرسہ ملیہ کے نام حکومت سے ایڈ آتا ہے۔ اور مدرسہ ملت کے نام ایڈ نہیں آتا ہے، مگر اس میں سوال یہ ہے کہ دونوں ادارے الگ الگ ہوں اور ان کی عمارتیں مدرسین وملازمین اور طلبہ الگ الگ ہوں چاہے ناظم اور ذمہ دار ایک ہی کیوں نہ ہوں، مگر مختلف انداز سے معلوم کرنے کے بعد یہ پتہ چلا کہ دو ادارے مستقل الگ الگ نہیں ہیں، جن کے لئے دو عمارتیں الگ الگ ہوں اور ان کے ملازمین ومدرسین بھی الگ الگ ہوں، ایسا نہیں ہے؛ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ مدرسہ ملت کے نام سے اصل ادارہ ہے اور سارے ملازمین اسی میں کام کرتے ہیں، اور اسی عمارت پر وہی مدرسین وملازمین درس دیتے ہیں اور ایسا بھی نہیں ہے کہ مدرسہ ملت کے نام سے ایک وقت میں تعلیم ہوتی ہو اور مدرسہ ملیہ میں دوسرے وقت میں تعلیم

ہوتی ہوں؛ بلکہ شئ واحد ہے، الگ الگ دوشئ نہیں ہے؛ بلکہ مدرسہ ملت ہی کے لئے ذرا سا املا بدل کر حکومت سے ایڈ حاصل کرنے کے لئے فرضی نام مدرسہ ملیہ کا غذات میں اندراج ہے، جس کے نام سے ایڈ آتا ہے، تو اس طرح محض نام بدلنے کی وجہ سے شرعی طور پر الگ الگ دو ادارے نہیں ہو جائیں گے؛ بلکہ یہ ایک ہی ادارہ کے دو نام ہیں، جیسا کہ دارالعلوم دیوبند کے دو نام ہیں: (۱) مدرسہ اسلامیہ اور الجامعۃ الاسلامیہ۔ اور اب مدرسہ اسلامیہ کا نام مستعمل نہیں ہے، صرف دارالعلوم دیوبند ہی مستعمل ہے، اسی طرح مدرسہ شاہی کے دو نام ہیں: (۱) مرکز العلوم الاسلامیہ (۲) جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی، آج بھی دونوں نام موجود ہیں، اسی طرح مدرسہ ملت کے دو نام ہیں: (۱) مدرسہ ملت (۲) مدرسہ ملیہ۔ ہاں البتہ اتنا ہے کہ ایڈ والے مدرسہ میں دو قسم کے ملازمین و مدرسین ہوتے ہیں: (۱) وہ مدرسین و ملازمین جن کے نام سے ایڈ آتا ہے (۲) وہ مدرسین وملازمین جن کے نام سے ایڈ منظور نہیں ہے، جن کی تنخواہیں عوامی چندہ سے پوری ہوتی ہیں، تو اتنے فرق کی وجہ سے نہ دو ادارے الگ الگ شمار ہوں گے اور نہ ہی ایڈ والے مدرسین وملازمین ایک مستقل ادارہ کے شمار ہوں گے اور غیر ایڈ مدرسین وملازمین دوسرے ادارہ کے شمار ہوں گے؛ بلکہ سب ایک ہی ادارہ کے مدرسین وملازمین شمار ہوں گے، جیسا کہ ہندوستان کے ایڈ والے تمام مدارس کی یہی صورت حال ہے، ورنہ ہر ایڈ والے مدرسہ میں دو مدرسے شمار کئے جاسکتے ہیں اور ایسا ہے نہیں، اور اگر بالفرض جیسا کہ سوال نامہ میں دو الگ الگ مدرسہ ہونے پر زور دیا گیا ہے، اگر واقعہ ایسا ہی ہے اور مدرسہ ملیہ کے تمام مدرسین وملازمین مدرسہ ملت میں کام کرتے ہیں اور مدرسہ ملیہ کے نام سے حکومت سے ایڈ لیتے ہیں، تو یہ دھوکہ اور فریب ہے جو شرعاً جائز نہیں ہے اور نہ ہی سرکار کی طرف سے اس کی اجازت ہے۔

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– أن رسول الله ﷺ مر على صبرة من طعام –إلى– ثم قال: من غش فليس منا. (سنن الترمذي، البيوع، باب ماجاء في كراهية الغش في البيوع، النسخة الهندية ١/ ٢٤٥، دارالسلام، رقم: ١٣١٥)

عن ابن عمر –رضی الله عنه– قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا جمع الله الأولين والآخرين يوم القيامة يرفع لكل غادر لواء، فقيل هذه غدرة فلان بن فلان. (مسلم شريف، باب تحريم الغدر، النسخة الهندية ۲/ ۸۳، بيت الأفكار، رقم: ۱۷۳۵، صحيح البخاري، باب إثم الغدر للبر والفاجر، النسخة الهندية ۱/ ۴۵۲، رقم: ۳۰۸۴، ف: ۳۱۸۸)

سوال نامہ میں دوسری بات یہ پوچھی گئی ہے کہ مدرسہ کے وہ ملازمین جن کو سرکار سے ایڈ ملتا ہے، ان کی تنخواہوں کا ایک حصہ مدرسہ میں تعاون کے نام سے لینا جائز ہے یا نہیں؟ چاہے وہ بطیب خاطر دینے کے لئے راضی نہ ہو، ذمہ دار مدرسہ تحریری طور پر دباؤ ڈال کر ان کی تنخواہوں کا ایک حصہ تعمیر مدرسہ کے نام سے لے سکتا ہے یا نہیں؟ تو اس سلسلہ میں شرعی حکم یہ ہے کہ کسی کے مال اور ملکیت کو زور وزبردستی یا دباؤ ڈال کر حاصل کرنا جائز نہیں ہے۔ اور سوال نامہ میں جو حدیث شریف پیش کی گئی ہے، وہ نفلی صدقہ خیرات کے بارے میں ہے، جس کے حصول کے لئے دباؤ ڈالنا اور نہ دینے کی صورت میں تحریری طور پر مطالبہ کر کے زور ڈالنا شرعاً جائز نہیں ہے۔ اور اس حدیث شریف میں صرف ترغیب مراد ہے جو دینا چاہے وہ دے اور جو نہ دینا چاہے اس پر زور ڈالنا جائز نہیں ہے۔

عن أبي هرة الرقاشي، عن عمه. أن رسول الله ﷺ قال: لا يحل مال امرئ مسلم إلا بطيب نفس منه. (شعب الإيمان للبيهقي، باب في قبض اليد عن الأموال المحرمة، دارالكتب العلمية بيروت ۴/ ۳۸۷، رقم: ۵۴۹۲، مسند أحمد بن حنبل ۵/ ۷۲، رقم: ۲۰۹۷۱، مسند أبي يعلى الموصلي، دارالكتب العلمية بيروت ۲/ ۹۱، رقم: ۱۵۶۷)

لا يجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي. (هندية، كتاب الحدود، فصل في التعزير، زكريا قديم ۲/ ۱۶۷، جديد ۲/ ۱۸۱، قواعد الفقه أشرفي ديوبند، ص: ۱۱۰، رقم: ۲۶۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵ رصفر المظفر ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۶۸۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۲/۵ھ

مسجد مدرسہ بنانے سے متعلق چند سوالات کے جوابات

سوال [۸۴۸۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: شہر امراؤتی مہاراشٹر میں ایک علاقہ جو پانچ مسلم کالونیوں پر مشتمل ہے، پیراڈائز کے نام سے موسوم ہے۔ ۱۹۹۲ء میں جگہ خرید کر ایک مدرسہ عربیہ کے نام سے عارضی عمارت کی شکل میں بنیاد رکھی گئی تب سے پنجوقتہ اذان ونماز کا عمل جاری ہے، ساتھ ہی دو وقت مقامی طلبہ وطالبات کے لئے دینی تعلیم کا انتظام ہے، فی الوقت رہائشی مکانات ۲۵۰/ سے کچھ زائد ہوگئے ہیں، مکانات کے تعمیری سلسلہ کو دیکھتے ہوئے اندازہ ہے کہ مستقبل قریب میں مکانات کی کل تعداد ۴۰۰/ تک ہوجائے گی، ان کالونیوں میں اکثر سرکاری ملازمین وآفیسر اور چند تاجر اور کاروباری حضرات رہتے ہیں، بڑھتی ہوئی آبادی کے پیش نظر مسجد ومدرسہ سے منسلک 3500 SF کا پلاٹ خریدا گیا، اس طرح مسجد ومدرسہ کا کل رقبہ تقریباً SF 11000 فٹ ہے، جس کے مشرقی سمت میں بڑی شاہراہ ہے اور ”حی علی الصلاۃ“ اور ”حی علی الفلاح“ کی طرف بھی راستے ہیں، صرف مسجد کے سمت قبلہ مکانات ہیں، مسجد ومدرسہ کالونیوں کے درمیان واقع ہے، مسجد ومدرسہ کی انتظامیہ مع مصلیان مسجد کی دلی خواہش ہے کہ اس وسیع آراضی میں ازسرنو مسجد ومدرسہ کی پختہ تعمیر اس انداز سے کی جائے کہ مسجد ومدرسہ کا انتظام چلانے کے لئے مستقل آمدنی کی شکل بھی نکل آئے جو سردست احباب خیر کے ہر ماہ چندہ عطیات وغیرہ سے انجام پاتا ہے، اس لئے اکثر احباب کی رائے ہے کہ نئی تعمیر زیرزمین کے ساتھ ہو اور بیسمینٹ کا بڑا حصہ شادی خانہ اور دینی پروگرام کے استعمال کے لئے ہو، جس کے دونوں جانب کمروں کی تعمیر اس طرح ہو کہ طہارت خانہ بیت الخلاء وضو وغسل خانہ کا انتظام ہو، مصلیان مسجد کے لئے زیرزمین کے اوپری سطح پر بھی دونوں جانب طہارت خانہ، بیت الخلاء، وضو وغسل خانے علیحدہ تعمیر ہوں۔ اور کمروں کی بھی تعمیر ہو، جس میں سے مدرسہ کے کمروں کے علاوہ کمروں کو اسکول وکالج کے طلبہ کو کرائے پر دیا جائے، زیرزمین اور اوپری

سطح کے آمد وخروج کے گیٹ وراستے علیحدہ ہوں، تاکہ بدنظمی نہ ہو، انجینئر اور آرکیٹیکٹ کے پلان کے مطابق سرکاری وکارپوریشن کے قانونی ضابطے کے تحت راستوں سے لگ کر غیر تعمیر جگہ چھوڑنے پر اور کمروں کی تعمیری جگہ چھوڑ کر بھی مسجد کے لئے 4500 SF جگہ نماز کی ادائے گی کے لئے آسانی سے استعمال میں آسکتی ہے۔ درخواست ہے کہ اس مسئلہ کو مفصل ومدلل تحریر فرما کر ممنون فرمائیں۔

المستفتی: شریف الدین امام مسجد الصحابہ، نورنگر امراؤتی، مہاراشٹر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: مدرسہ کے نام سے شروع کی بنیاد رکھی گئی ہے، اس کے بعد سلسلہ بڑھتا چلا گیا، معاون وچندہ دہندگان نے دینی مدرسہ ہی کے نام سے چندہ اور عطیات دئے اور دیتے رہے؛ اس لئے اصل عمارت دینی مدرسہ ہی کے لئے ہونا لازم ہے۔ اور زیر زمین جو پروگرام رکھا گیا ہے وہ بھی مدرسہ کے ہی مفاد کے لئے ہونا لازم ہے۔ اور مدرسہ کی عمارت میں اسکول وکالج کے طلبہ کا رہنا چاہے کرایہ پر ہی کیوں نہ ہو اس سے فتنہ کا دروازہ کھلتا ہے؛ اس لئے اسکول کالج کے طلبہ کو کرایہ پر دینے کے لئے مدرسہ کی عمارت تیار کرنا خود مدرسہ کو خطرہ میں ڈالنا ہے؛ اس وجہ سے یہ پروگرام دینی مصلحت کے خلاف ہے؛ لہٰذا دینی ہی مدرسہ کے طلبہ کے قیام کے لئے کمروں کی تعمیر ہونی چاہئے، ہاں البتہ مدرسہ کی آمدنی کے لئے شادی خانہ کی جو بات کہی گئی ہے وہ بھی ایک فتنہ ہے؛ اس لئے کہ شادی خانہ میں بھی مردوں کے ساتھ عورتوں کی آمد ورفت بھی کثرت سے رہتی ہے جو آگے چل کر طلبہ ومدرسین کے لئے فتنہ کا سبب بن سکتا ہے؛ البتہ جب تک طلبہ کے قیام کا نظم نہ ہو اس وقت تک شادی کے واسطے یومیہ کرایہ پر دیا جاسکتا ہے، مثلاً دن بھر تعلیم ہو اور شام کو کرایہ پر دے دیا جائے، پھر صبح وہیں تعلیم ہو، اس طرح سے شادی کا کام بھی ہوتا رہے گا، جس سے مدرسہ کا فائدہ بھی ہوگا اور دینی تعلیم کا سلسلہ بھی جاری رہے گا، تو جائز ہوسکتا ہے۔ اور سائڈ میں جو غسل خانہ کی بات کہی گئی ہے، اسی طرح بیت الخلاء کی بات وہ درست ہے اور جو اوپر کے حصہ پر مسجد بنے گی اتنے حصہ پر مسجد بنانا

ضروری ہے، جتنے کے نیچے بیت الخلاء وغسل خانہ نہ آرہا ہو۔

لو تبين أن المستأجر يخاف منه على رقبة الوقف يفسخه القاضي، ويخرجه من يده. (شامي، كتاب الإجارة، باب فسخ الإجارة، مطلب فسق المستاجر ليس عذرا في الفسخ، زكريا ۹/ ۱۱۱، كراچی ۶/ ۸۱، مطلب في الأرض المحتكرة ومعني الاستحكار، زكريا ۹/ ٤٤، كراچی ۶/ ۳۳، الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٤/ ۲۰۰)

وما يأتي متنا لا يفيد الجواز؛ لأن بيت الخلاء ليس من مصالحه. (تقريرات رافعي ملحق بالشامي زكريا ۲/ ۸۵، كراچی ۱/ ۸۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍ جمادی الثانیہ ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۸۸۵۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۶/۱۱ھ

کیا مدرسہ کی موقوفہ چیزوں میں غرض واقف لازم ہے؟

سوال [۸۴۸۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ محمد تقی صاحب مرحوم نے ایک قطعہ مکان واقع ڈھکیہ پیر ضلع مرادآباد میں ۸۱ء میں ایک دینی مدرسہ کے لئے یہ کہہ کر کہ اس میں قرآن پاک کی تعلیم مسلمان بچوں کو دی جاتی رہے، تاکہ اس کا اجر وثواب مجھے ملتا رہے اور آخرت میں میرے کام آئے، وہ قطعہ مکان حافظ عبدالحمید کی تحویل میں دے کر اس میں دینی مدرسہ قائم کرا دیا، اس وقت سے اب تک برابر اس میں مدرسہ فرقانیہ لطیف العلوم کے نام سے جاری ہے، محمد تقی صاحب مرحوم کا فروری ۸۷ء میں انتقال ہوگیا۔ موصوف اس سلسلہ میں کوئی تحریر نہیں لکھ سکے، اب موصوف کے شرعی ورثاء ان کی اہلیہ قدسیہ بیگم اور ان کے لڑکے محمد اقبال تقی نے ایک تحریر اسی سلسلہ میں لکھ کر دی کہ ہمارے مورث محمد تقی مرحوم نے یہ مکان مدرسہ کو دے دیا تھا۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ مرحوم کی طرف سے وقف علی الخیر سمجھا جائے گا یا نہیں؟ تفصیلی کاغذات ہم رشتہ ہیں، مطالعہ فرما کر جواب باالصواب سے نوازیں۔

المستفتی: حکیم محمد مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: رجسٹری کاغذات اورسوال نامہ کی عبارت سے واضح ہوتا ہے کہ محمد تقی صاحب مرحوم نے مذکورہ مکان خاص طور پر مدرسہ مذکورہ کی ملکیت میں دے دیا ہے؛ اس لئے شرعاً مذکورہ مکان مدرسہ کی ملکیت میں داخل ہو چکا ہے، اس میں مدرسہ مذکورہ کے مفاد کے خلاف کسی کوتصرف کا حق حاصل نہیں ہوسکتا ہے، نیز اس کی حفاظت کے لئے رجسٹریشن کرالینا بہتر ہوگا۔

ولو قال: وهبت داري للمسجد، أو أعطيتها له صح، ويكون تمليكا، فيشترط التسليم. (هندية، الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد و ما يتعلق به، زكريا قديم ۲/ ٤٦٠، جديد ۲/ ٤١٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/ ربیع الثانی ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۷۶۶۸)

مدارس میں قائم کردہ انجمن کی تقسیم کا حکم

سوال [۸۴۸۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عرض یہ ہے کہ ضلع بستی سرکاری طور پر دوحصوں میں تقسیم ہو گیا ہے، تو دارالعلوم دیوبند میں ضلع بستی کے طلبہ کی قائم کردہ انجمن تہذیب الکلام کی تقسیم کا مسئلہ پیدا ہو گیا، ابھی ہم لوگ اس سلسلہ میں غور وخوض کر ہی رہے تھے کہ چند طلبۂ عزیز نے ایک استفتاء اور اس کا جواب پیش کر کے درخواست کی کہ اس کے مطابق معاملہ کا فیصلہ کیا جائے، یہ صورت نہایت مناسب ہے کہ فقہ اسلامی کے مطابق معاملہ کا تصفیہ کیا جائے؛ لیکن استفتاء اور اس کے جواب میں چند تنقیح طلب جواب ہیں اور اسی لئے یہ تحریر پیش خدمت ہے۔ استفتاء میں یہ بات ذکر میں نہیں آسکی کہ تمام انجمنوں کے دستور اساسی میں یہ وضاحت ہوتی ہے کہ اس انجمن سے فلاں

ضلع یا فلاں صوبہ یا فلاں مدرسہ کے طلبہ استفادہ کرسکیں گے، چنانچہ طلبہ بدلتے رہتے ہیں اور انجمن اپنی جگہ قائم رہتی ہے، اسی طرح کی انجمنوں کو اصطلاحی وقف تو نہیں کہا جا سکتا؛ کیوں کہ ان پر وقف کی تعریف صادق نہیں آتی؛ لیکن یہ بات بالکل واضح ہے کہ انجمن یا اس کی املاک سے افراد انجمن کا تعلق ذاتی ملکیت کی طرح کا نہیں ہوتا؛ بلکہ ان کا باہمی تعلق اس طرح ہوتا ہے جیسے وقف کی املاک سے موقوف علیہ کا ہوتا ہے؛ اس لئے اس انجمن کا قریب ترین مقیس علیہ وہ اوقاف ہیں جن کا موقوف علیہ کسی خطہ کے فقراء وغیرہ کو قرار دیا گیا ہو، چونکہ استفتاء میں یہ وضاحت نہیں تھی؛ اس لئے جواب فتویٰ میں ذاتی املاک والے جزئیات کو مقیس علیہ قرار دے کر حکم بیان فرمایا گیا ہے۔

(۲) مندرجہ بالا وضاحت کے بعد اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ ان ذاتی و مشترک املاک میں تو عند الطلب تقسیم ضروری ہوتی ہے؛ لیکن وقف یا وقف جیسی عوامی املاک میں بھی تقسیم ضروری ہے، مثلاً کسی شخص نے کوئی جائیداد وقف کی اور اس میں تصریح کی کہ یہ فلاں ضلع کے طلبہ یا فقراء یا یتیموں کے لئے ہے، پھر وہ ضلع دو حصوں میں تقسیم ہوگیا تو کیا اس وقف کو دو حصوں میں تقسیم کرنا ضروری ہوگا؟

(۳) یا مثلاً واقف نے تصریح کی کہ یہ جائیداد فلاں مدرسہ کے لئے ہے، پھر وہ مدرسہ دو حصوں میں اس طرح تقسیم ہوگیا کہ ایک حصہ تو سابقہ نام سے قائم رہا اور دوسرا حصہ نئے نام سے موسوم ہوا، تو کیا اس وقف کو تقسیم کرنا ضروری ہوگا؟

(ب) اگر تقسیم کرنا ضروری نہیں ہے؛ بلکہ صرف جائز ہے یا جائز بھی نہیں ہے، تو کیا یہ صورت اختیار کرنا جائز ہوگا کہ وہ انجمن صرف انہیں طلبہ کے لئے خاص کردی جائے جو ضلع کی تقسیم کے بعد بھی سابقہ نام سے منسوب ہیں اور نو تشکیل شدہ ضلع کے طلبہ کی زیادہ سے زیادہ مدد کرکے ان کے لئے دوسری انجمن قائم کرادی جائے؟

المستفتی: حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب بستوی، مدرس دار العلوم دیوبند

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مدارس میں طلبہ کی انجمنوں کی حیثیت شرعاً وقف کی ہے،

اگر چہ اموال منقولہ میں امام ابو یوسف ومحمد رحمہما اللہ کے درمیان اختلاف ہے؛ لیکن تمام متأخرین نے حضرت امام محمد رحمہ اللہ کے قول پر فتویٰ دیا ہے اور یہی مفتی بہ ہے، اسی پر امت کا عمل ہے؛ لہٰذا اسے وقف نہ کہنا درست نہیں ہے، نیز کتابیں ورقوم وغیرہ سب وقف ہیں، اس کے لئے چند عبارتیں معتبر کتب فقہ سے پیش کی جاتی ہیں:

(۱) صح أيضا وقف كل منقول قصدا فيه تعامل للناس كفأس وقدوم بل ودراهم ودنانير، وفي الشامية: ولما جرى التعامل في زماننا في البلاد الرومية وغيرها في وقف الدراهم والدنانير دخلت تحت قول محمد المفتى به في وقف كل منقول فيه تعامل الخ. (الدرالمختار مع الشامي، الوقف، مطلب في وقف المنقول قصدا، زكريا ٦/ ٥٥٥، كراچی ٤/ ٣٦٣، بزازية، زكريا جديد ٣/ ١٣٧، وعلى هامش الهندية قديم ٦/ ٢٥٩، البحرالرائق، كوئٹه ٥/ ٢٠٣، زكريا ٥/ ٣٣٨، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٢/ ٥٨٠، مصري قديم ١/ ٧٤٦)

(٢) وجوز الفقيه أبو الليث وقف الكتب وعليه الفتوى. (البحرالرائق، كتاب الوقف، كوئٹه ٥/ ٢٠٢، زكريا ٥/ ٣٣٨، قاضيخان زكريا جديد ٣/ ٢١٨، وعلى هامش الهندية ٣/ ٣١١، هندية زكريا قديم ٢/ ٣٦١، جديد ٢/ ٣٥٢، البناية قديم ٢/ ٩٩٥، أشرفيه ٧/ ٤٤٠)

(٣) ومحمد يقول القياس قد يترک بالتعامل كما في الاستصناع وقد وجد التعامل في هذه الأشياء، وعن نصير بن يحيى أنه وقف كتبه إلحاقا بالمصحف، وهذا صحيح؛ لأن كل واحد يمسک للدين تعليما وتعلما وقراءة، وأكثر فقهاء الأمصار على قول محمد. الخ (هداية، كتاب الوقف، أشرفي ٢/ ٦٤٠، البناية، قديم ٢/ ٩٩٥، أشرفيه جديد ٧/ ٤٤٠، تبيين الحقائق، إمداديه ملتان ٣/ ٣٢٧، زكريا ٤/ ٢٦٥، بزازية، زكريا جديد ٣/ ١٣٧، وعلى هامش الهندية ٦/ ٢٥٩، البحرالرائق، كوئٹه ٥/ ٢٠٢، زكريا ٥/ ٣٣٨)

(٤) وإن على طلبة العلم وجعل مقرها في خزانته التي في مكان

كـذا، فـفـي جواز النقل تردد. (وفي الشامية:) ظاهره صحة الوقف عليهم؛ لأن الـغـالـب فيهـم الـفـقـر -إلـى قوله- وقد يقال: إن هذا مما يستوى في الانتفاع به الغني والفقير. الخ (الـدرالـمختار مع الشامي، الوقف، مطلب في حكم الـوقف عـلـى طـلبة الـعـلـم، زكريا ٦/ ٥٥٨- ٥٥٩، كراچی ٤/ ٣٦٦، منحة الخالق على البحر الرائق، كوئٹه ٥/ ٢٠٢، زكريا ٥/ ٣٣٨)

(٥) **الـوقف عـلـى ثلاثة أوجه: إما للفقراء أو للأغنياء، ثم الفقراء أو يستوى فيه الفريقان، كرباط وخان ومقابر وسقايات، وقناطر ونحو ذلک، كـمسـاجـد وطواحين وطست لاحتياج الكل لذلک، وفي الشامية: وكذا مصاحف مساجد وكتب مدارس. الخ** (الدرالمختار مع الشامي، الوقف، مطلب في وقف الراهن والمريض والمديون، زكريا ٦/ ٦٠٣، كراچی ٤/ ٣٩٩)

جب مذکورہ عبارات سے انجمن کی کتب ورقوم کا موقوفہ ہونا ثابت ہوگیا ہے، تو ضلع بستی کی قدیم حدود دائرہ کے اندر رہنے والے تمام طلبہ مذکورہ وقف میں شامل ہوں گے، اوران سب کے لئے انتفاع کا حق مذکورہ انجمن کے ساتھ برابر طریقہ سے منسلک ہوگا، چاہے شہر بستی کے رہنے والے ہوں یا خلیل آباد کے یا سدھارتھ نگر کے یا مذکورہ ضلع کے کسی گاؤں یا دیہات کے رہنے والے ہوں، سب برابر کے حق دار ہوں گے، اوراب سرکاری طور پر تقسیم کی صورت میں بھی قدیم حدود کے تمام طلبہ کو انتفاع کا حق یکساں طور پر باقی رہے گا؛ لہٰذا ضلع کی حدود تقسیم ہونے کی وجہ سے ان کا ثابت شدہ حق باطل نہیں ہوگا، اگر چہ نام دوسرا رکھ دیا گیا، نفس نام کا کوئی اثر مرتب نہیں ہوتا ہے؛ بلکہ اغراض ومقاصد کا اثر ہوا کرتا ہے؛ لہٰذا ضلع کی حدود دو حصوں میں تقسیم ہوجانے پر دوسرے حصہ کا نیا نام رکھ دینے کی وجہ سے اس حصہ کے طلبہ اپنے حق سے محروم نہیں ہوں گے، اس لئے ضلع تقسیم ہوجانے کی وجہ سے اگر موقوفہ انجمن کا تقسیم ہونا مجبوراً لازم آجائے تو برابر طریقہ سے تقسیم کر دینا ضروری ہوگا اور حدود ضلع کے کسی ایک حصہ کے طلبہ کو دوسرے حصہ پر محض نام کے بدل جانے کی وجہ سے کوئی فضیلت وترجیح حاصل

نہیں ہوگی، جیسا کہ بزازیہ، شامی وبحروعالمگیری کی عبارات ذیل سے وضاحت ہوتی ہے:

(۱) **إذا وقف كتبا وعين موضعها، فإن وقفها على أهل ذلك الموضع لم يجز نقلها منه لا لهم ولا لغيرهم، وظاهره أنه لا يحل لغير هم الانتفاع بها، وإن وقفها على طلبة العلم، فلكل طالب الانتفاع بها فى محلها. الخ** (شامي، الوقف، مطلب في نقل كتب الوقف من محلها، زكريا ٦/ ٥٥٩، كراچی ٤/ ٣٦٦)

(۲) **إذا وقف على طلبة علم بلدة كذا يجوز؛ لأن الفقر غالب فيهم، فكان الاسم منبئا عن الحاجة، والحاصل أنه متى ذكر مصرفا فيه نص على الفقراء والحاجة، فالوقف صحيح يحصون أم لا.** (البحرالرائق، كوئٹه ٥/ ١٩٩، زكريا ٥/ ٣٣٢)

(۳) **وقف على فقراء أقربائهم المقيمين في خوارزم، فانتقلوا إلى بلد آخر، إن كان مما يحصون لا تنقطع وظيفتهم، وإن لا يحصون تنقطع، ثم إن بقي هناك منهم أحد يصرف الكل إليه، وإن لم يكن صرف الكل إلى الفقراء، فلو رجعوا إلى خوارزم ثانيا يعود حقهم، وقال في الفتاوى: لا ينقطع حقهم مطلقا. الخ** (فتاوى بزازية، الوقف، الفصل السادس في الوقف على الفقراء، زكريا جديد ٣/ ١٤٩، وعلى هامش الهندية ٦/ ٢٧٨)

(٤) **ولو قال لقرابتي، وجيراني، وموالي، والمساكين يضرب كل واحد من القرابة، وكل واحد من الجيران، وكل واحد من الموالي بسهم، والمساكين بأسرهم بسهم، كذا فى خزانة المفتين، ولو قال لقرابتي، وللمساكين، ضرب كل واحد من القرابة بسهم والمساكين بسهم. الخ**

(فتاوى عالمگيرى، الباب الخامس، في ولاية الوقف، فصل في كيفية قسمة الغلة، زكريا قديم ٢/ ٤٢٨، ٤٢٩، جديد ٢/ ٣٩٢)

(۲) جی ہاں دوحصوں میں تقسیم کرنا واجب ہوگا، جیسا کہ عالمگیری کی عبارت نمبر ۴ سے

واضح ہوتا ہے، نیز وقف علی الاولاد کا بھی یہی حکم ہے، جس کی تفصیل اپنی جگہ موجود ہے۔

(۳) اگر بغیر نفسانیت کے اضطراری طور پر مدرسہ کی تقسیم دوحصوں میں ہوجائے اور نام بھی دوہوجائیں، تو موقوفہ املاک بھی دوحصوں میں تقسیم ہوجائیں گی، جیسا کہ عالمگیری کی عبارت سے واضح ہوتا ہے، لیکن اشخاص کا تقسیم ہوجانا املاک کی تقسیم کو مستلزم نہیں ہوتا ہے، جیسا کہ دارالعلوم وجامع مسجد دیوبند کا واقعہ ہے، نوتشکیل شدہ ضلع کے طلبہ کی زیادہ سے زیادہ مدد کر کے دوسری انجمن قائم کر دینے سے ان طلبہ کا حق قدیم انجمن سے ساقط نہیں ہوگا؛ کیوں کہ غرض واقف کے تحت سب طلبہ داخل ہیں، جس کے خلاف کرنا جائز نہیں ہے۔اور موقوفہ انجمن کے ساتھ طلبہ کے جو حقوق منسلک ہیں وہ حقوق مجردہ میں سے ہیں، اس کا عوض دینا شرعاً درست نہیں ہے۔

إن مراعاة غرض الواقفين واجبة. الخ (شامي، الوقف، مطلب مراعاة غرض الواقفين واجبة، زكريا ٦/ ٦٦٥، كراچی ٤/ ٤٤٥)

الحقوق المجردة لا يجوز الاعتياض عنها، ومثالها: كحق الشفعة، فلو صالح عنه بمال بطلت ورجع به، ولو صالح المخيرة بمال لتختاره بطل ولا شيء لها، ولو صالح إحدى زوجتيه بمال تترك نوبتها لم يلزم ولا شيء لها. الخ (قواعد الفقه، أشرفي، ص: ٧٧-٧٨، رقم: ١١٨)

الحق متى ثبت لا يبطل بالتأخير ولا بالكتمان. (قواعد الفقه، أشرفي، ص: ٧٧، رقم: ١١٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ رجمادی الاخریٰ ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۲۷۸)

چندہ کے پیسے سے بنی ہوئی عمارت میں اراکین مدرسہ کا کتبہ لگانا

سوال [۸۴۸۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک زمین جس میں اس وقت مدرسہ قائم ہے، یہ اپنی گھونگھر وسوسائٹی کی ملکیت تھی، پھر

کام ٹھپ ہوجانے کی وجہ سے اس زمین کے خریدار بتیس آدمی ہوگئے، اور اب بتیس کی ملکیت ہے، جس میں مدرسہ سراج العلوم گڑھی مان خان جلیسر قائم ہے اور مدرسہ کا پچھلا حصہ گھونگھر وسوسائٹی کا ہی بنا ہوا ہے اور اب جو آگے کا حصہ برآمدہ تیار کیا گیا ہے، اس میں محلّہ کا چندہ اور شہر کا چندہ اور دیگر مختلف شہروں کے چندے سے تیار کیا گیا، اس حصہ میں مدرسہ کے اراکین کے نام کا پتھر لگنا کیسا ہے؟ جب کہ اب تک مدرسہ کے صدر گیٹ پر گھونگھر وکمیٹی کے نام کا پتھر بھی موجود ہے، مدرسہ کی زمین کی ملکیت گھونگھر وسوسائٹی کی ہے، ایسی حالت میں ان اراکین کمیٹی کے نام کا پتھر لگنا کیا ضروری تھا؟ وہ نام حسب ذیل ہیں:

عہدیداران	صدر مدرسہ عبدالرشید صاحب عرف گوپ
نائب	عبدالستار صاحب چھوٹے
سکریٹری	محمد حسن صاحب
خازن	جمال الدین صاحب
نائب	عبدالرشید صاحب
〃	عبدالجبار صاحب

ممبران کمیٹی: محمد خلیل، محمد ہارون، باب الدین، عبدالحسیب، محمد مشتاق، عبدالعزیز، محمد حنیف، عبدالغفار۔ اس کا جواب مدلل ومفصل دینے کی زحمت گوارہ کریں، عین کرم ہوگا۔

المستفتی: صابر حسین عباسی، محلّہ گھڑی مان خان، جلیسر ٹاؤن، ضلع ایٹہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب اراکین وممبران مدرسہ کی ذاتی رقم سے مدرسہ کا مذکورہ حصہ نہیں بنایا گیا ہے؛ بلکہ عوامی چندے سے بنایا گیا ہے، تو اس حصہ کے پتھروں میں اراکین مدرسہ کے نام درج کردینا اور اراکین مدرسہ کی طرف منسوب کردینا ناجائز اور حرام ہے، سب اراکین مدرسہ سخت گنہگار رہوں گے۔ حدیث شریف میں ایسے لوگوں کا ٹھکانہ جہنم بتلایا گیا ہے:

عن أبي ذر –رضي الله عنه– أنه سمع رسول الله ﷺ يقول: ......

ومن ادعى ما ليس له، فليس منا، وليتبوأ مقعده من النار. (صحيح مسلم، الإيمان، باب بيان حال إيمان من رغب عن أبيه وهو يعلم، النسخة الهندية ١/ ٥٧، بيت الأفكار، رقم: ٦١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/ جمادی الثانیہ ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۲۸۸)

جلسہ کی بچی ہوئی رقم کا مصرف

سوال [۸۴۸۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: علاقائی جمعیۃ علماء کے تحت کرائے گئے جلسہ کے مصارف سے بچی ہوئی جلسہ کی مد کیا مدرسہ میں اس کا منتظم اپنی صوابدید پر خرچ کرسکتا ہے یا نہیں؟ جب کہ جلسہ میں اگر رقم کم پڑتی تو مدرسہ کی مد سے پوری کی جاتی، ویسے بھی جمعیۃ کی لائبریری کے لئے کتب وغیرہ کی فراہمی مدرسہ سے کی جاتی ہے، چونکہ دونوں کا انتظام تقریباً مشترک ہے۔

المستفتی: حمید الرحمٰن، ساکن رسول پور، پوسٹ امیر نگر، ضلع کھیری لکھیم پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یہ بچی ہوئی رقم چندہ دہندگان کی اجازت سے مدرسہ میں خرچ کرسکتے ہیں، جمعیۃ کی لائبریری کے کتب کی فراہمی مدرسہ کی مد سے درست نہیں ہے، الا یہ کہ چندہ دہندگان کو یہ معلوم ہو کہ دونوں کا انتظام اسی چندہ سے ہوگا تب جائز ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۱۲/ ۲۷۹، جدید ڈابھیل ۱۵/ ۱۶۷، فتاوی رحیمیہ قدیم ۸/ ۲۶۶، جدید زکریا ۹/ ۸۸، امداد الفتاوی ۲/ ۵۹۳، امداد المفتین / ۷۷۹)

أن الفتوى على أن المسجد لا يعود ميراثا، ولا يجوز نقله ونقل ماله إلى مسجد آخر. (شامي، مطلب فيما لو خرب المسجد أو غيره، زكريا ٦/ ٥٤٩، كراچی ٤/ ٣٥٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/ رجب ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۷۳۱۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۷/۷/ ۱۴۲۲ھ

طلبہ سے لی گئی قیمت طعام کو مدرسہ کی تعمیر میں لگانا

سوال [۸۴۸۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مدرسہ میں کچھ امراء کے بچے تعلیم حاصل کررہے ہیں، وہ اپنے طعام پر مدرسہ کی طرف سے مقرر رقمیں جمع کرتے ہیں، کیا ان رقوم کو مدرسہ کی تعمیر پر خرچ کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: بشیر احمد قاسمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جی ہاں ان کی طرف سے جمع شدہ رقم مدرسہ کی تعمیر اور تنخواہ وغیرہ میں صرف کرسکتے ہیں؛ کیوں کہ وہ زکوۃ نہیں ہوئی۔

فيجوز لو بأمره، أي يجوز عن الزكاة على أنه تمليك منه، والدائن يقبضه لحكم النيابة عنه، ثم يصير قابضا لنفسه. (شامي، كتاب الزكاة، باب المصرف، زكريا ۳/ ۲۹۲، كراچی ۲/ ۳٤٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳/۱۲/۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۲۵۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۳/۱۲/۱۴۱۵ھ

مدرسہ کی رقم سے امام ومؤذن کو وظیفہ دینے کا حکم

سوال [۸۴۸۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کیا مدرسہ کی رقم سے مسجد کی امامت ومؤذنی کا وظیفہ دے سکتے ہیں؟

المستفتی: نسیم احمد چلہ امروہہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر مسجد مدرسہ کے تابع ہے اور مدرسہ کے مختلف شعبۂ

اخراجات میں سے ایک شعبہ مسجد بھی ہے، تو مدرسہ کی رقم سے امام ومؤذن کا وظیفہ جائز ہے۔ اور اگر تابع نہیں ہے تو جائز نہیں ہے۔

التابع تابع. (الأشباه، قديم: ۱۸۳) **تابع اپنے لوازمات کے ساتھ تابع ہوتا ہے۔**

اتحد الواقف والجهة، وقل مرسوم بعض الموقوف عليه بسبب خراب وقف أحدهما جاز للحاكم أن يصرف من فاضل الوقف الآخر عليه؛ لأنهما حينئذ كشيء واحد. (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الوقف، مطلب في انقاض المسجد ونحوه، كراچی ٤/ ٣٦٠، زكريا ٦/ ٥٥١، وكذا في البحرالرائق، كوئٹه ٥/ ٢١٦، زكريا ٥/ ٣٦٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/۲/۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/ ۳۳۳۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۸/۲/۱۴۱۴ھ

انجمن کی رقم سے سرپرست انجمن کو ہدیہ دینا

سوال [۸۴۸۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر کسی مدرسہ میں مختلف انجمنیں قائم ہیں اور ان کے اراکین اور سرپرست بھی ہیں اور سال کے آخر میں جہاں ہم طلبہ کی بذریعہ انعام حوصلہ افزائی کی جاتی ہے، وہیں سرپرست انجمن کی کافی محنت ہم طلبہ پر ہوتی ہے، تو کیا اراکین انجمن کی جانب سے سرپرست صاحب کو انجمن کی رقم سے بطور ہدیہ کے کچھ انعام مثلاً کتاب وغیرہ دینا چاہیں تو کیا دینا جائز ہے؟

المستفتی: محمد مظفر گڈاوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: انجمن کے بارے میں جتنے بھی امور عمل میں لائے جائیں وہ سارے کے سارے مدرسہ کے کسی بڑے مربی قسم کے استاذ کی ماتحتی میں ان ہی کے مشورہ سے عمل میں لائے جائیں۔ اور سوال نامہ میں جن جن چیزوں سے متعلق سوال کیا

گیا ہے وہ سارے کام اس طرح کے اہم اساتذہ کی نگرانی اوران کے مشورہ اوران کے حکم کے مطابق عمل میں لانا چاہئے، اگر ہدیہ اورانعام کی بات آتی ہے، تو وہ بھی ان کے مشورہ کے بغیر عمل میں نہ لائی جائے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ.
[سورة النساء، آيت: ٥٩]

وقال ابن كيسان: هم أولو العقل والرائ الذين يدبرون أمر الناس.
(قرطبي، دارالكتب العلمية بيروت ٥/ ١٦٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰؍رجب ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۷۶۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۸/۵ھ

اسکول کے درجہ پنجم کے امتحان کا خرچ مدرسہ سے لینا

سوال [۸۴۸۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: درجہ پنجم کے امتحان کا خرچ جونیر میں داخلہ لینے کے لئے مدرسہ سے لینا جائز ہے یانہیں؟

المستفتی: ربیع الاسلام

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: مدرسہ عربیہ میں دینی امداد یا مال زکوۃ تملیک شدہ ہوتو اس مال سے جائز نہیں؛ کیوں کہ جونیر یونیورسٹی وغیرہ میں دینی چندہ دینا بھی جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۴/۲/۷)

ويشترط أن يكون الصرف تمليكا، لا إباحة. (شامي، كتاب الزكوة، باب المصرف، زكريا ٣/ ٢٩١، كراچى ٢/ ٣٤٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ذی الحجہ ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۳۸۵)

مدرسہ کی رقم سے متعلقین کو ہدیہ دینے کا حکم

سوال [۸۴۹۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مدرسہ کی رقم سے دوست احباب کو ہدیہ دے سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: نبی حسن خادم دارالعلوم، ارریہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مدرسہ کی رقم اپنی ذاتی ملکیت نہیں ہے، ہدیہ تحفہ اپنی ذاتی ملکیت سے دیا جاتا ہے، ہاں البتہ جن حضرات کو مدرسہ کے مفاد کی غرض سے مدرسہ میں جلسہ جلوس یا امتحانات میں بلایا جاتا ہے، ان کو واپسی میں منجانب مدرسہ کچھ تحفہ ونذرانہ پیش کردیا جائے، تو اس کی گنجائش ہے؛ اس لئے کہ یہ ہدیہ تحفہ مدرسہ کا خرچ ہے، مگر دوستانہ طور پر دوست احباب کو دینا جائز نہیں، مدرسہ کی مالیات محتاط طریقہ سے خرچ کرنے میں ذمہ دارانِ مدرسہ ایک قسم کے امین کے درجہ میں ہے۔ (مستفاد: فتاوی رحیمیہ ۶/ ۷۸)

وليس للمودع حق التصرف والاسترباح في الوديعة. (المبسوط، كتاب الوديعة، دارالكتب العلمية بيروت ١١/ ١٢٢)

الثامنة في وقف المسجد أيجوز أن يبنى من غلته منارة؟ قال في الخانية: معزيا إلى أبي بكر البلخي إن كان ذلک من مصلحة المسجد بأن كان أسمع لهم فلا بأس به. (البحرالرائق، كتاب الوقف، كوئٹه ٥/ ٢١٥، زكريا ٥/ ٣٦٠)

ويبدأ من غلته بعمارته، ثم ما هو أقرب لعمارته ...... كذلک إلى آخر المصالح. (الدر مع الرد، الوقف، مطلب يبدأ من غلة الوقف بعمارته، زكريا ٦/ ٥٥٩-٥٦١، كراچی ٤/ ٣٦٦-٣٦٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍ صفر ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۷۲۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۲/۱۸ھ

مدرسے کے فنڈ سے مہمان نوازی کرنا

سوال [۸۴۹۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کیا مدرسہ کے فنڈ سے مہتمم ضیافت کرسکتا ہے، چاہے ضیف سید ہو، تاجر ہو، عامی ہو، غیر عامی ہو، غریب ہو؟

المستفتی: عبداللہ عاصی، جامعہ اسلامیہ دارالعلوم قاضی باغ کاشی پور، اودھم سنگھ نگر، یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مدرسہ کو نفع کی توقع ہو اور چندہ دہندگان کی طرف سے صراحتاً یا دلالتہً اجازت اور رضامندی ہو، تو مہمانوں کی ضیافت مدرسہ کی جانب سے کرنا درست ہے، یا مدرسہ میں باضابطہ ضیافت کا الگ سے فنڈ ہو، تو اس فنڈ سے کرنا درست ہے، ورنہ ذمہ دار اپنی جیب سے خرچ کرے۔ (مستفاد: فتاوی رحیمیہ ۶/ ۸۷، جدید زکریا ۹/ ۹۶)

شرط الواقف كنص الشارع في وجوب العمل به، وفي المفهوم والدلالة. (قواعد الفقه، أشرفي، ص: ۸۵، رقم: ۱۵۲)

الثامنة في وقف المسجد أيجوز أن يبنى من غلته منارة؟ قال في الخانية: معزيا إلى أبي بكر البلخي إن كان ذلک من مصلحة المسجد بأن كان أسمع لهم فلا بأس به. (البحرالرائق، كتاب الوقف، كوئٹه ۵/ ۲۱۵، زكريا ۵/ ۳۶۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲/۳/۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۵۱۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲/۳/۱۴۲۱ھ

مدرسہ کی رقم سے چائے، بسکٹ اور مہمانوں کی ضیافت

سوال [۸۴۹۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: (۱) مدرسہ کی رقوم سے، چائے، بسکٹ، پان وغیرہ کھانا اور کھلانا درست ہے یا نہیں؟
(۲) کسی مہمان کی مہمان داری مدرسہ کی رقوم سے جائز ہوگی یا نہیں؟

المستفتی: بندہ محمد عبد اللطیف عفی عنہ، خادم مدرسہ مرکز العلوم، ڈاکخانہ بھیگا پور، ضلع کریم گنج، آسام

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) غالب یہ ہے کہ چندہ دہندگان کی طرف سے اس کی اجازت نہیں ہوتی ہے؛ اس لئے اپنے پاس سے خرچ کرنا لازم ہے۔

(۲) مخصوص مہمان جس کی ذات سے مدرسہ کو معتد بہ نفع کی توقع ہو تو درست ہے، ورنہ مہتمم واہل شوریٰ اپنے پاس سے خرچ کریں۔ (مستفاد: فتاوی رحیمیہ ۶/ ۷۸، جدید زکریا ۹/ ۹۶)

صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة. (شامي، الوقف، مطلب مراعاة غرض الواقفين واجبة، زكريا ٦/ ٦٦٥، كراچی ٤/ ٤٤٥)

شرط الواقف كنص الشارع في وجوب العمل به، وفي المهوم والدلالة. (قواعد الفقه، أشرفي، ص: ٨٥، رقم: ١٥٢)

الثامنة في وقف المسجد أيجوز أن يبنى من غلته منارة؟ قال في الخانية: معزيا إلى أبي بكر البلخي إن كان ذلك من مصلحة المسجد بأن كان أسمع لهم فلا بأس به. (البحرالرائق، كتاب الوقف، كوئٹه ٥/ ٢١٥، زكريا ٥/ ٣٦٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰/ شوال ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۲۶۹)

مدرسہ کی رقم سے تقریب میں گیٹ وغیرہ کی سجاوٹ

سوال [۸۴۹۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کسی تقریب میں مدرسہ کی رقوم سے گیٹ وغیرہ کی سجاوٹ درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: بندہ عبد اللطیف عفی عنہ، خادم مدرسہ مرکز العلوم، ڈاکخانہ بھیگا پور، ضلع کریم گنج، آسام

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مدرسہ کی رقوم سے استحکام جائز ہے، تزئین ناجائز ہے، ہاں اگر مدرسہ کو معتد بہ اور بین نفع کا یقین ہے تو گنجائش ہے، محض احتمال نفع کی صورت میں اپنے پاس سے گیٹ وغیرہ کا خرچ ادا کریں۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۲/۵۳۲)

الوكيل إنما يستفيد التصرف من الموكل، وقد أمره بالدفع إلى فلان فلا يملك الدفع إليه غيره. (شامي، كتاب الزكوة، زكريا ۳/ ۱۸۹، كراچی ۲/ ۲٦۹)

الثامنة في وقف المسجد أيجوز أن يبنى من غلته منارة؟ قال في الخانية: معزيا إلى أبي بكر البلخي إن كان ذلك من مصلحة المسجد بأن كان أسمع لهم فلا بأس به. (البحرالرائق، كتاب الوقف، كوئٹه ٥/ ٢١٥، زكريا ٥/ ٣٦٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰رشوال ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/۲۶۹)

مدرسے کی زمین میں اساتذہ وطلبہ کے لئے مسجد بنانا

سوال [۸۴۹۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک مدرسہ ہے، جس میں کوئی زمین مستقل مسجد کے لئے نہیں ہے، تو محض مدرسہ کی زمین میں طلبہ واساتذہ کے لئے مسجد بنائی جاسکتی ہے یا نہیں؟

المستفتی: ساجد انور، سیتامڑھی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مسجد کے لئے مستقل طور پر مدرسہ کے پاس الگ سے کوئی زمین نہیں؛ بلکہ مدرسہ کی ضروریات کے لئے مدرسہ ہی کی زمین ہے اور طلبہ واساتذہ کو نماز کے لئے مسجد کی سخت ضرورت ہے، تو ایسی صورت میں مدرسہ کے اندر مدرسہ کی زمین میں

مسجد بنانا مدرسہ کی شرعی ضرورت ہے؛ اس لئے مدرسہ کی ملکیت کی زمین میں طلبہ واساتذہ کے واسطے شرعی مسجد بنانا بلاتردد جائز اور درست ہے۔

وإن جعل شيء من الطريق مسجدا صح كعكسه يعني إذا بني قوم مسجدا، واحتاجوا إلى مكان ليتسع، فأدخلوا شيئا من الطريق ليتسع المسجد وكان ذلك لا يضر بأصحاب الطريق جاز ذلك، وكذا إذا ضاق المسجد على الناس وبجنبه أرض لرجل تؤخذ أرضه بالقيمة كرها لما روي عن الصحابة رضي الله عنهم لما ضاق المسجد الحرام أخذوا أرضين بكره من أصحابها بالقيمة، وزادوا في المسجد الحرام. (البحرالرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد، كوئٹه ٥/ ٢٥٥، زكريا ٥/ ٤٢٨، تبيين الحقائق، إمداديه ملتان ٣/ ٣٣١-٣٣٢، زكريا ٤/ ٢٧٣-٢٧٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/۴/۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳٦/۸۰۱۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۲/۴/۱۴۲۴ھ

مدارس کی جمع شدہ رقم اپنی ضروریات میں صرف کرنا

سوال [۸۴۹۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مساجد ومدارس میں خصوصاً مدارس میں زکوۃ کی مد میں رقومات جمع کی جاتی ہیں، تو کیا زکوۃ میں دی گئی رقم کاروبار میں لگانے کے مجاز مدارس کے متولیان یا ذمہ داران ہوسکتے ہیں، یہ ادارہ اگر R.B.I میں رجسٹرڈ ہے، تو کس بنا پر یہ کہتے ہیں کہ غیر سودی ہے۔ اور اگر رجسٹرڈ نہیں ہے تو عوام کے روپیوں کی کیا گارنٹی ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مساجد ومدارس کی جو رقومات ان کے ذمہ داران کے

پاس جمع ہیں وہ ان کے پاس امانت ہیں؛ لہٰذا اس کو کاروبار میں لگانا جائز نہیں۔ (مستفاد: عزیز الفتاوی ۱/ ۳۶۱، فتاوی محمودیہ قدیم ۱۵/ ۲۸۸، ڈابھیل ۱۵/ ۵۰۵)

وليس للمودع حق التصرف والاسترباح في الوديعة. (المبسوط للسرخسي، كتاب الوديعة، دارالكتب العلمية بيروت ۱۱/ ۱۲۲)

ومقتضى ما قاله أبوسعود أنه يقبل قوله في حق براءة نفسه لا في حق صاحب الوظيفة؛ لأنه أمين فيما في يده، فيلزم الضمان في الوقف؛ لأنه عامل له، وفيه ضرر بالوقف. (شامي، الوقف، مطلب إذا كان الناظر مفسدا لا يقبل قوله بيمينه، كراچی ٤/ ٤٤٩، زكريا ٦/ ٦٧٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸ر جمادی الاولیٰ ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۱۴۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۹/ ۵/ ۱۴۲۰ھ

خزانچی کا مدرسہ کی رقم اپنے استعمال میں لانا

سوال [۸۴۹۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کے پاس مدرسہ کا فنڈ کمیٹی کی طرف سے رہتا ہے اور وہ مدرسہ کا خزانچی ہے، کیا خزانچی کے پاس زکوۃ وغیرہ کا پیسہ بغیر تملیک جمع کر سکتے ہیں؟ اور خزانچی مدرسہ کا پیسہ اپنے استعمال میں لا سکتا ہے یا نہیں؟ اگر تملیک شدہ رقم جمع ہے اور خزانچی امانت کے بطور نہیں رکھتا؛ بلکہ بطور قرض مدرسہ رکھتا ہے، تو وہ پیسہ اپنے استعمال میں یا کسی کو ادھار دے سکتا ہے یا نہیں؟ فقط والسلام

المستفتی: رحمت اللہ قاسمی، مدرسہ دارالعلوم جمعیت القریش ندائے السلام

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: زید جب مدرسہ کا خزانچی ہے، تو اس کے پاس مدزکوۃ کا

بھی پیسہ جمع ہوگا اور مد امداد کا بھی جمع ہوگا اور اس پر لازم ہے کہ مدزکوۃ اورصدقات واجبہ کا حساب الگ رکھے اور امداد وخیرات کا حساب الگ رکھے،اس کے پاس بغیر تملیک کے زکوۃ کا پیسہ بھی جمع ہوسکتا ہے اور امداد کا پیسہ بھی۔ اور یہ دونوں قسم کے پیسے بطور ضمانت جمع ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ان میں سے کوئی پیسہ ادھر ادھر ہوگیا تو اس کا ذمہ دار زید ہی ہوگا اور وہ اپنی جیب سے پورا کرے گا، جب کہ پہلے ہی سے ذمہ داران مدرسہ کی طرف سے اس طرح ضمانت کی بات طے ہوگئی ہو تو زید اس کا پابند رہے گا، نیز اس ضمانت کے باوجود جمع شدہ رقم نہ وہ اپنی ذات پر خرچ کرسکتا ہے نہ ہی دوسروں کو کمیٹی اور ذمہ داران مدرسہ کی اجازت کے بغیر دے سکتا ہے؛ بلکہ وہ امین ہونے کے ساتھ ساتھ ضامن بھی ہے، استعمال کی اجازت نہ ہونے کے اعتبار سے امانت ہے اور ضائع ہونے کی صورت میں تاوان دینے کے اعتبار سے ضمانت اور امانت مع الضمانت کا اکثر مدارس کے تحویل دار اور خزانچی کے ساتھ معاملہ ہوتا ہے اور اس طرح کے معاملات میں امانت میں ضمانت کی شرط لگانا ضرورت اور حالات کی وجہ سے جائز اور درست ہے۔اور آج کل کے زمانے میں اس طرح کا معاملہ حالات کی وجہ سے ضرورت کے درجہ میں ہوگیا ہے،اس کے بغیر امانت محفوظ نہیں رہتی۔

والأصل فيه أن الشرط إذا كان مقيدا والعمل به ممكنا وجب مراعاته والمخالفة فيه توجب الضمان. (عناية مع فتح القدير، كتاب الوديعة، زكريا ٨/ ٥١٩، كوئٹه ٧/ ٤٦٠، دارالفكر ٨/ ٤٩٤-٤٩٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۸؍صفر ۱۴۲۶ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۷۱۹)

مدرسہ کا روپیہ ذاتی معاملہ میں خرچ کرنا

سوال [۸۴۹۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: ایک دینی ادارے سے متعلق بستی میں دو پارٹی ہیں، ایک مدرسہ سے مخالف، دوسری معاون، مع عملہ مدرسین مخالف پارٹی طرح طرح کی الزام تراشیاں معاون پارٹی پر کرتی رہتی ہے، اسی دوران مخالف پارٹی کے ایک شخص سے مدرسہ کے ایک مدرس سے گھریلو معاملہ میں جھگڑا ہو جاتا ہے اور یہ جھگڑا ان کے مدرسہ میں مدرس بننے سے پہلے چلا آرہا ہے؛ لہٰذا یہ مدرس صاحب اب اس جھگڑے کے مقدمہ میں مدرسہ کا روپیہ صرف کرتے ہیں، آیا مدرسہ کا روپیہ اپنے ذاتی معاملہ میں لگانا جائز ہے یا نہیں؟ جواب سے نوازیں گے۔

المستفتی: الطاف الرحمٰن، مدرسہ اختر العلوم بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مدرس یا متعلقین مدرسہ کا اپنے ذاتی معاملہ و جھگڑے میں مدرسہ کا روپیہ خرچ کرنا ہرگز جائز نہیں ہے۔

إذ لا یجوز لأحد من المسلمین أخذ مال أحد بغیر سبب شرعي.

(شامي، کتاب الحدود، باب التعزیر، زکریا ٦/ ١٠٦، کراچی ٤/ ٦١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱ر رمضان ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۱۹۷۰)

مدرسہ کے فون سے تبلیغی خبر کرنا

سوال [۸۴۹۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مدرسہ کے فون سے تبلیغی خبر کرنا اور اپنے ذاتی کام میں استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مدرسہ کے فون سے ذاتی خبر لینا دینا جائز نہیں اور تبلیغی خبر

امور دینیہ میں سے ہے، اگر مدرسہ تبلیغ سے بھی منسلک ہے، تو ایسے مدرسہ کے فون سے تبلیغی خبر کرنا جائز ہے؛ اس لئے کہ تبلیغی انتظام بھی ایسے مدرسہ میں مدرسہ ہی سے منسلک ہوتا ہے؛ اس لئے کہ یہ کام بھی مدرسہ کا ایک جزو ہے، جیسا کہ مدارس میں مختلف شعبے ہوتے ہیں، شعبہ نشر واشاعت شعبہ دعوت وتبلیغ، شعبہ تنظیم وترقی وغیرہ، اسی طرح تبلیغی دعوت کا سلسلہ بھی مدرسہ کا ایک شعبہ بن سکتا ہے۔

ويبدأ من غلته بعمارته، ثم ما هو أقرب لعمارته ...... كذلك إلى آخر المصالح. (الدر مع الرد، الوقف، مطلب يبدأ من غلة الوقف بعمارته، زكريا ٦/ ٥٥٩- ٥٦١، كراچی ٤/ ٣٦٦- ٣٦٨، الموسوعة الفقهية الكويتية ٤٤/ ١٨٨)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱/۱/۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۵۹۴۶)

مدرسے کی رقم بطور رشوت دینا

سوال [۸۴۹۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہم ایک مدرسہ کے بنیادی اراکین میں سے ہیں، ایک مرتبہ اس مدرسہ کا ایک طالب علم غائب ہوگیا، اس کے گھر والوں نے تلاش کرنے میں ناظم مدرسہ سے تعاون مانگا؛ لیکن ناظم نے کسی قسم کی معاونت سے انکار کر دیا، گھر والوں نے ناظم کے خلاف اغوا کی رپورٹ درج کرا دی، اخبار کے مطابق اس میں مدرسہ کا کوئی تذکرہ نہ تھا؛ بلکہ یہ شخص متعین پر کیس تھا، اس مقدمہ کے سلسلہ میں ناظم نے قریبی تھانہ میں تقریباً پچاس ہزار روپئے بطور رشوت کے خرچ کیے، مجلسِ شوریٰ نے اس رقم کو مدرسہ کی مد میں تسلیم کر لیا، اس فیصلہ سے آج تک مجھے تردد ہے کہ مدرسہ کی رقم کو بطور رشوت کے دینا جائز ہے یا نہیں؟ لیکن کثرت رائے کے مطابق

فیصلہ ہوگیا۔ واضح رہے کہ اس رپورٹ میں مدرسہ کا نام نہ تھا اور نہ ہی یہ تھا کہ یہ شخص مدرسہ کا ناظم ہے، آپ شریعت کی روشنی میں جواز یا عدم جواز کا فیصلہ فرما کر اطمینان قلب کا سامان فراہم کریں۔

المستفتی: منیر احمد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مدرسہ کا ذمہ دار طالب علم کی تعلیم اور تربیت کی ذمہ داری لیتا ہے، اس کی جسمانی اور ذاتی نفع نقصان کی ذمہ داری نہیں لیتا ہے اور ایسے حالات میں اگر بچہ غائب ہوگیا ہے، تو مدرسہ کے ذمہ دار کے اوپر اس کی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی ہے، صرف اتنی ذمہ داری ہوتی ہے کہ ماں باپ کو اطلاع کردے کہ تمہارا بچہ فلاں وقت سے غائب ہے۔ اور غائب شدہ بچہ کے ذمہ دار مدرسہ والے نہیں ہوتے ہیں؛ بلکہ اس کے ماں باپ اور اس کے سرپرست ہوتے ہیں، اس اعتبار سے مدرسہ کے ذمہ دار کا غائب شدہ بچہ کے سلسلہ میں دوڑ دھوپ نہ کرنے کی وجہ سے اس کے خلاف مقدمہ دائر کرنا شرعاً اور قانوناً درست نہیں ہے، اس کے باوجود ذمہ دار کے اوپر اغوا کا الزام لگا کر مقدمہ جو دائر کیا گیا ہے، اس میں اگر چہ مدرسہ کا نام کہیں سے کہیں تک نہیں ہے؛ لیکن ذمہ دار مدرسہ کو جو کچھ بھی دفاع کرنا پڑا وہ مدرسہ کا ذمہ دار ہونے کی وجہ سے کرنا پڑا ہے؛ اس لئے مدرسہ کے ارکانِ شوریٰ نے اگر اس کو محسوس کر کے ذمہ دار کی ذات پر یہ ذمہ داری ڈالنے کے بجائے مدرسہ پر ڈالی ہے تو اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔ اور اس کے لئے بہتر صورت یہ تھی کہ صاحب خیر حضرات سے اس کام کے لئے خصوصی تعاون کی گزارش کی جاتی اور یہ پیسے مخصوص حضرات اپنی طرف سے ادا کر دیتے اور مدرسہ کے اوپر یہ بار نہ پڑتا۔

عن كثير بن عبدالله بن عمرو بن عوف المزني، عن جده، عن رسول الله ﷺ قال: الصلح جائز بين المسلمين، إلا صلحا حرم حلالا، أو أحل حراما، والمسلمون على شروطهم إلا شرطا حرم حلالا أو أحل حراما.

(ترمذي شريف، الأحكام، باب ما ذكر عن رسول الله ﷺ في الصلح بين الناس، النسخة الهندية ۱/ ۲۵۱، دارالسلام، رقم: ۱۳۵۲، المستدرك، كتاب الأحكام، مكتبه نزار مصطفى الباز، جديد ۷/ ۲۵۲۳، قديم ٤/ ۱۰۱، رقم: ۷۰۵۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶ رصفر المظفر ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۴۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۶/ ۲/ ۱۴۳۵ھ

مدرسہ کی رقم سرکاری اسکیم شروع کرانے کے لئے بطور رشوت دینا

سوال [۸۵۰۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک مسئلہ دریافت طلب ہے جواب سے مطلع فرما کر احسان فرمائیں۔ یوپی گورنمنٹ سے ایک اسکیم شروع ہوئی ہے، گورنمنٹ سے منظور شدہ ہے، مدارس کے پرائمری سیکشن کے طلبہ کو فی کس ۱۴۴؍ روپیہ بطور وظیفہ سالانہ دینے کی اس سلسلہ میں لاعلمی کی وجہ سے بھی اہل مدارس سے رشوت لی گئی، اس میں تعداد زائد وظیفہ لانے کے لئے ذمہ داروں نے خود لکھ دی، تاکہ زائد رقم ان کو مل جائے، بہرکیف اب احساس ہورہا ہے کہ غلط کام ہوگیا، توبہ واستغفار کر رہے ہیں، آئندہ کے لئے احتیاط سے کام لیا جائے گا، اس کی تلافی کا جو طریقہ ہو اس سے مطلع فرما کر احسان فرمایا جائے، گورنمنٹ سے آئی ہوئی رقم کا لوٹانا اور بھی دشوار ہے آج کل کے ماحول میں اور اکگٹا ئزڈ کاغذ بھی گم ہوگیا ہے، دوسرا ملنے کے بھی رشوت مانگ رہے ہیں، کیا کیا جائے؟

المستفتی: حامد علی، مدرسہ ارشاد العلوم ٹانڈہ، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: حدیث شریف میں جھوٹ اور دھوکہ دہی کی سخت مذمت آئی ہے۔

قال النبي صلى الله عليه وسلم: الخديعة في النار. (صحيح البخاري، تعليقات، باب النجش، ومن قال: لا يجوز ذلك البيع، النسخة الهندية ١/ ١٨٧)

اس کی تلافی کی صورت یہ ہوسکتی ہے کہ جو رقم رشوت میں دی ہے وہ اگر مدرسے کی رقم ہے تو رشوت دینے والے ذمہ داران اپنی جیب سے بطور تاوان اتنی رقم مدرسہ کے خزانہ میں جمع کردیں۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۱۴/۱٦۱، جدید ڈابھیل ۱۵/ ۵۲۵)

والأصل فيه: أن الشرط إذا كان مقيدا والعمل به ممكنا وجب مراعاته، والمخالفة فيه توجب الضمان. (عناية، كتاب الوديعة، زكريا ٨/ ٥١٩، كوئٹه ٧/ ٤٦٠، دارالفكر ٨/ ٤٩٤-٤٩٥)

اور سرکار کی طرف سے جو زائد رقم آتی ہے، اس کو سرکاری خزانہ میں واپس کردیں، لیکن اگر سرکاری خزانہ میں واپس کرنے کی صورت نہ بن سکے تو اس رقم کو فی کس ۱۴۴؍ روپیہ کے حساب سے آئندہ سال کے جلسہ میں تقسیم کردیں؛ کیوں کہ طلبہ ہی کے نام سے آیا ہوا پیسہ ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ، قدیم ۱۴/ ۱۴۱، جدید ڈابھیل ۱۵/۴/ ۵۷)

اس کے بعد پھر اپنی غلطی پر نادم ہوکر اللہ تعالیٰ سے توبہ واستغفار کرتے رہیں۔

وأما حكمها فوجوب الحفظ على المودع، وصيرورة المال أمانة في يده، ووجوب أدائه عند طلب مالكه. (هندية، كتاب الوديعة، الباب الأول، زكريا قديم ٤/ ٣٣٨، زكريا جديد ٣/ ٣٤٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍ شوال ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۴۴۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴؍ شوال ۱۴۱۸ھ

الفصل السادس:

اشیائے مدرسہ کی منتقلی کے احکام

مدرسہ کی منتقلی سے متعلق چند سوالات کے جوابات

سوال [۸۵۰۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک بستی میں ایک مکتب کے لئے بستی والوں کی رضا مندی سے چک بندی کے ایام میں ایک بیگہ سے کچھ اوپر زمین چھوڑی گئی۔ ۱۹۷۰ء میں مکتب کی بنیاد رکھی گئی، دو تین مدرس کام کرنے لگے، رفتہ رفتہ مکتب میں ترقی ہوتی رہی، ابتداء میں اہل بستی کے مشورہ سے مقامی ایک صاحب مہتمم بنائے گئے تھے، چند سال بعد ہی مدرس اول مولانا صاحب پر اعتماد ہونے کے باعث سب نے متفقہ طور پر مولانا صاحب کو مہتمم بنا دیا اور پورے اختیارات مہتمم صاحب کو دے دیئے، تدریجی طور پر مکتب ترقی کرتا رہا، اعتماد میں مزید اضافہ ہوا، تو کمیٹی بھی تحلیل کردی گئی، مکتب کی ترقی برابر جاری رہی، یہاں تک کہ مکتب مدرسہ بن گیا، شعبہ تحفیظ القرآن الکریم میں فضل الٰہی سے خاص خدمت ہونے لگی، عربی سال ششم تک تعلیم ہوگئی، فللّٰہ الحمد...... پورا عملہ قناعت پسند اور مخلص ہے، مدرسہ میں توسیع کی ضرورت محسوس کی گئی، تو برابر کی زمین خریدی گئی، اب مزید زمین برابر میں چاروں طرف نہیں ہے، طلبہ کا رجوع متقاضی ہے کہ مدرسہ بڑا ہو، ایک عالم صاحب نے لوگوں سے زمینی چندہ کی اپیل کی تو خوشی خوشی زمینداروں نے ایک ایک، دودو بیگہ کاشت کی زمین چندہ میں دینے کا وعدہ کرلیا، اس طرح کافی زمین موعود ہوگئی، تاکہ بڑا مدرسہ بستی سے الگ تقریباً ڈیڑھ کلومیٹر کے فاصلہ پر بڑے روڈ کے قریب بنایا جائے اور قدیم مدرسہ کی عمارت کو مکتب مطبخ دفتر اور گودام کی حیثیت سے استعمال کیا جائے۔ چندہ دہندگان کو مطلع کردیا جائے کہ مدرسہ میں نام کی تبدیلی کے

ساتھ توسیع کی گئی ہے، اگر آپ قدیم نام سے بھی چندہ دیں گے تب بھی وہ جدید مدرسہ میں استعمال کیا جائے گا، اگر آپ کو یہ پسند نہیں تو چندہ نہ بھیجیں، آپ مختار ہیں، نیز پہلے عالم مہتمم صاحب چونکہ ضعیف ہوگئے، بیمار رہنے لگے، کئی بار فالج ہو چکا؛ اس لئے چاہتے ہیں دوسرے عالم شاب صالح کو مہتمم ناظم بنا دیں، تاکہ روز بروز ترقی ہوتی رہے، قدیم مہتمم صاحب بھی ان جوان صالح پر راضی ہیں، وہ جوان ہوس اقتدار نہیں رکھتے، بمشکل آمادہ ہوتے ہیں، یہ تفصیل جو عرض کی گئی ہے، شریعت مطہرہ اس بارے میں کیا کہتی ہے؟ فضل الٰہی سے اختلاف اور جھگڑے کا ہمارے یہاں دور تک بھی نام ونشان نہیں، طویل مدت میں کبھی بھی مدرسہ انتشار کا شکار نہیں ہوا۔ بحمد اللہ تعالیٰ۔

(۱) کیا مدرسہ کے نام اور مہتمم کی تبدیلی سے الگ الگ وقف کا حکم نہیں ہوگا؟

(۲) کیا قدیم مدرسہ کی عمارت، جدید مدرسہ کے مطبخ، دفاتر، کتب خانہ، مہمان خانہ وغیرہ میں استعمال کرنا اور قدیم مدرسہ کو جدید مدرسہ کے تابع بنانا درست ہوگا؟

(۳) جب اتنے فاصلہ پر جنگل میں مدرسہ بنے گا تو یقیناً چند سال میں وہاں مستقل بستی آباد ہو جائے گی، تو کیا وہ دوسری بستی کا مدرسہ نہیں کہلائے گا؟

المستفتی: محمد یونس

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: (۱) جتنی زمین مدرسہ کے لئے وقف ہے، اس کا حکم مدرسہ کے نام یا مہتمم کی تبدیلی سے الگ نہیں ہوگا؛ بلکہ ساری زمین ایک ہی مدرسہ کے ماتحت رہے گی۔

أراد المتولي إقامة غيره مقامه في حياته وصحته، إن كان له التفويض عاما صح. (درمختار مع رد المحتار، الوقف، مطلب للناظر أن يوكل غيره، زكريا ٦/ ٦٣٨، كراچی ٤/ ٤٢٥، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٢/ ٦٠٣، مصري قديم ١/ ٧٥٥)

(۲) قدیم مدرسہ کی عمارت کو ضرورت کے پیش نظر جدید مدرسہ کے دفاتر اور مطبخ وغیرہ کے

لئے استعمال کیا جا سکتا ہے، مگر بہتر یہ ہے کہ وہاں کوئی مکتب جاری رکھا جائے جو جدید مدرسہ کی ماتحتی میں چلتا ہو، نیز بستی والوں کی رضامندی اور ارباب حل وعقد کے مشورہ سے قدیم مدرسہ کو جدید مدرسہ کے تابع بنانا درست ہے۔

لأنـه قـال الشامي: مراعاة غرض الواقفين واجبة. الخ (شامي، الوقف، مطلب مراعاة غرض الواقفين واجبة، زكريا ٦/ ٦٦٥، كراچی ٤/ ٤٤٥)

(۳) مدارس دینیہ بستیوں کے تابع نہیں ہوتے؛ کیوں کہ مدارسِ اسلامیہ ساری امت کی امانت ہیں اور ساری امت ان کی ذمہ دار ہے؛ البتہ قرب وجوار والے حضرات مدرسہ کے ساتھ خیر خواہی اور تعاون کے زیادہ ذمہ دار ہیں؛ لہٰذا آئندہ کسی بستی کے وہاں آباد ہونے سے مقصود میں کوئی خلل نہیں ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۸؍ ربیع الاول ۱۴۲۰ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۰۸۲)	۱۸؍ ۳؍ ۱۴۲۰ھ

مدرسہ کی آمدنی اسکول میں لگانا

سوال [۸۵۰۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: آج بتاریخ ۲۵؍ مارچ ۱۹۹۳ء کو ایک جنرل میٹنگ دونوں مدرسوں کے بارے میں پورے گاؤں کی پردھان جی کی بیٹھک پر دن کے ۱۲؍ بجے ہونی شروع ہوئی، جس میں دونوں اسکولوں کے عہدیدار موجود تھے، جناب صدر صاحب مہتمم مدرسہ نے اپنی بات رکھی کہ ایسا راستہ اختیار کیا جائے کہ دونوں اسکول چلتے رہیں، سبھی گاؤں والوں کی رائے کے مطابق یہ طے پایا کہ مدرسہ تعلیم القرآن کو جو بازار اور گاؤں سے امدادی آمدنی ہوگی، اس کا ایک ۲/۱ جونیر ہائی اسکول کلیان پور کو دینی ہوگی، بقیہ آمدنی (۱) زکوۃ (۲) فطرہ (۳) چرم قربانی (۴) بیرونی چندہ، یہ چاروں آمدنی تعلیم القرآن میں لگائی جائیں گی، پرستاؤ کا سمرتھن سبھی گاؤں والوں نے کیا، یادداشت کے لئے چند کلمے لکھ

دئے ہیں: (۱) دونوں اسکول چندے سے چل رہے ہیں، سرکار سے ایڈ کسی اسکول کو نہیں ملتی؟ (۲) زید کہتا ہے کہ ایسا پرستاؤ کرنا ناجائز ہے۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مدرسہ تعلیم القرآن کی جو بھی آمدنی ہوگی، چاہے بازار یا گاؤں سے ہو یا باہر سے جونیر ہائی اسکول میں لگانا شرعاً جائز نہیں ہے، تمام آمدنی مدرسہ تعلیم القرآن ہی میں لگانا لازم ہوگا؛ اس لئے کہ لوگوں نے مدرسہ کے لئے دی ہے نہ کہ ہائی اسکول کے لئے۔

قال النبي صلی اللّٰہ علیہ وسلم: المسلمون عند شروطهم. (صحیح البخاري، کتاب الإجارة، باب أجر السمسرة، رقم الباب: ۱۴، سنن الترمذي، الأحکام، باب ما ذکر عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم في الصلح بین الناس، النسخة الهندیة ۱/ ۲۵۱، دارالسلام، رقم: ۱۳۵۲)

المسلمون عند شروطهم. (قواعد الفقه، أشرفي دیوبند ۱۲۱)

زید کا کہنا صحیح اور شریعت کے مطابق ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۲۸۱)

مسجد ومدرسہ کی مشترکہ رقم سے جنریٹر خریدنا

سوال [۸۵۰۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مسجد اور مدرسہ کے ذمہ دار دونوں نصف نصف روپئے ملاکر جنریٹر خریدنا چاہتے ہیں اور جنریٹر کا استعمال مدرسہ والوں کے حق میں زیادہ رہے گا اور مسجد کے استعمال میں کم، تو اس سلسلہ میں کیا حکم ہے؟

المستفتی: محمد رضوان مقبرہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسجد اور مدرسہ کی مشترکہ رقم سے جنریٹر خریدنا درست ہے؛ البتہ جب جنریٹر کا استعمال مدرسہ کے حق میں زیادہ ہے بالمقابل مسجد کے، تو تیل کی قیمت اور خرید میں اسی تناسب سے پیسہ ادا کرنا لازم ہوگا۔

أما إذا اختلف الواقف أو اتحد الواقف، واختلفت الجهة بأن بنى مدرسة ومسجدا وعين لكل وقفا، وفضل من غلة أحدهما لا يبدل شرط الواقف، وكذا إذا اختلف الواقف لا الجهة يتبع شرط الواقف.

(البحرالرائق، كتاب الوقف، كوئٹه ٥/ ٢١٦، زكريا ٥/ ٣٦٢، تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الوقف، مطلب في انقاض المسجد ونحوه، كراچی ٤/ ٣٦٠، زكريا ٦/ ٥٥١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍ ذیقعدہ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۲۸۲/۴۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۷؍ ۱۱؍ ۱۴۳۴ھ

مسجد و مدرسہ کی رقم کو ایک دوسرے پر صرف کرنا

سوال [۸۵۰۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر کچھ لوگوں نے ایک زمین خریدی، اس میں مسجد و مدرسہ دونوں تعمیر کرنے کے ارادے سے اور دونوں کو ایک دوسرے کے تابع رکھنے کا ارادہ ہے، مسجد پہلے تعمیر ہوچکی ہے اور اب مدرسہ تعمیر ہورہا ہے، تو کیا مسجد کا پیسہ مدرسہ میں اور مدرسہ کا پیسہ مسجد میں لگایا جاسکتا ہے؟ اور مسجد کے پیسوں کو مدرسین پر خرچ کیا جاسکتا ہے؟ نیز مدرسین میں بعض ناظرہ وغیرہ پڑھانے کے لئے ہیں اور بعض ہندی ماسٹر ہیں، تو کیا ماسٹروں پر بھی خرچ کیا جاسکتا ہے؟ جب کہ ہندی تعلیم دینی نہیں ہے۔ (احسن الفتاوی ۶/ ۴۴۶) سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر دونوں ایک دوسرے کے تابع ہوں تو خرچ کیا جاسکتا ہے، مدلل تحریر فرمائیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مدرسہ مسجد کے تابع ہے، یا مسجد مدرسہ کے تابع ہے اور لوگوں کو اس کا علم بھی ہے اور چندہ دینے والے مدرسہ میں نہ دینے کی صراحت بھی نہیں کرتے اور مسجد ومدرسہ دونوں کی رسید بھی ایک ہی ہے، تو اس رسید سے حاصل شدہ آمدنی مسجد ومدرسہ دونوں میں بلا امتیاز خرچ کرسکتے ہیں، اور ناظرہ قرآن پڑھانے والوں کی تنخواہ میں بھی دے سکتے ہیں اور اگر ضمنی طور پر ہندی پرائمری تک کی تعلیم دی جاتی ہے اور ایک دو ہی ماسٹر ہیں تو ان کی تنخواہ میں بھی وہ رقم خرچ کرسکتے ہیں۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ٦/ ٤٤٦، فتاوی محمودیہ قدیم ١٤/ ١٤٨، جدید ڈابھیل ١٥/ ٢٣) (

اتحد الواقف والجهة وقل مرسوم بعض الموقوف عليه بسبب خراب وقف أحدهما، جاز للحاكم أن يصرف من فاضل الوقف الآخر عليه؛ لأنهما حينئذ كشيء واحد. (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الوقف، مطلب في انقاض المسجد ونحوه، كراچی ٤/ ٣٦٠، زكريا ٦/ ٥٥١، وكذا في البحر الرائق، زكريا ٥/ ٣٦٢، كوئٹه ٥/ ٢١٦) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٣/٦/١٤١٧ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٢/ ٤٨٨٧)

مسجد ومدرسہ کا پانی ولائٹ خارج مسجد ومدرسہ کو دینا

سوال [٨٥٠٥]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کسی مہتمم مدرسہ یا مسجد کو مسجد یا مدرسہ سے خارج مکان میں بجلی، پانی مدرسہ یا مسجد کی لائن میٹر سے دینے کا حق ہے یا نہیں؟ جب کہ خارج مکان میں خرچ ہونے والی بجلی یا پانی کا بل مسجد یا مدرسہ ہی ادا کرتا ہے، ایسا کرنا شرعاً کیا حکم رکھتا ہے؟

المستفتی: فرحت حسین، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مہتمم اور متولی واقف اور چندہ دہندگان کی طرف سے بحیثیت وکیل کے امین ہیں اور امین کے لئے امانت میں اس طرح مالکانہ تصرف خیانت ہے جو کہ حرام ہے؛ لہٰذا اس صورت میں یہ دونوں پانی وبجلی کے بل کے ضامن ہوں گے۔
(مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۷/ ۹۹، جدید زکریا مطول ۱۰/ ۴۸۰، امداد الفتاوی ۲/ ۶۷۲)

عن أبي هريرة –رضی الله عنه– عن النبي ﷺ قال: آية المنافق ثلاث: إذا حدث كذب، وإذا وعد أخلف، وإذا أؤتمن خان. (صحيح البخاري، كتاب الإيمان، باب علامة المنافق ١/ ١٠، رقم: ٣٣)

ولو اشترى القيم بغلة المسجد ثوبا، ودفع إلى المساكين لا يجوز، وعليه ضمان. (هندية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر، الفصل الثاني زكريا قديم ٢/ ٤٦٢، جديد ٢/ ٤١٣، وكذا في فتاوى قاضي خان، جديد زكريا ٣/ ٢٠٨، وعلى هامش الهندية، زكريا ٣/ ٢٩٧)

الوكيل يقبض العين –إلى قوله– لأنه أمين محض. (هداية، كتاب الوكالة، باب الوكالة بالخصومة والقبض، أشرفي ديوبند ٣/ ١٩٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍ رمضان ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۲۴۵)

ایک مدرسہ کا غلہ دوسرے مدرسہ میں دینے کا حکم

سوال [۸۵۰۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک مدرسہ کے سفیر اور استاذ ایک گاؤں میں غلہ کی وصولیابی کے لئے گئے اور غلہ اکٹھا کر کے ایک جگہ رکھ دیا اور صاحب مکان سے یہ کہہ کر چلے گئے کہ ہم اٹھا کر لے

جائیں گے، کئی مہینہ غلہ رکھا رہا، جب خراب ہونے لگا تو صاحب مکان نے مشورہ سے وہ غلہ ایک مدرسہ میں دے دیا، یہ سوچ کر کہ ضائع ہونے سے تو یہی اچھا ہے کہ مدرسہ میں دے دیا جائے، مدرسہ، مدرسہ سب ایک ہیں، چند مہینے کے بعد اس مدرسہ والے آئے اور معلوم ہو جانے پر کہ وہ غلہ فلاں مدرسہ میں دیا جا چکا ہے، صاحب مکان پر برس پڑے کہ یہ تم نے نا جائز کیا، جس مدرسہ کی نیت سے غلہ دیا تھا وہیں جانا چاہئے تھا، اس کے علاوہ میں استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔

المستفتی: ساکنان بستی بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صاحب مکان پر یہ لازم تھا کہ جس مدرسہ کے لئے غلہ جمع کیا گیا ہے، اس مدرسہ والوں کو اطلاع کر دیتا؛ اس لئے کہ یہ غلہ اس کے پاس بطور امانت تھا، اور اگر اطلاع کرنے کی کوئی شکل نہیں تھی اور اس کا کوئی ذریعہ نہیں تھا، جس کی وجہ سے مجبوراً غلہ دہندگان کے مشورہ سے دوسرے مدرسہ کو غلہ دے دیا ہے تو صحیح ہوا ہے، صاحب مکان پر کوئی تاوان لازم نہیں ہے۔

عن عمرو بن شعيب عن أبيه، عن جده، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: ليس على المستعير غير المغل ضمان، ولا على المستودع غير المغل ضمان. (سنن الدارقطني، البيوع، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ٣٦، رقم: ٢٩٣٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱ ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۲۶۸)

ایک مدرسہ کی رقم دوسرے مدرسہ میں لگانا

سوال [۸۵۰۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: ایک مدرسہ کی کچھ رقم ہے، تو کیا دوسرے مدرسہ میں ضرورت کے مطابق اس کو لگا سکتے ہیں یا نہیں؟ جس مدرسہ کی رقم ہے وہ جاری ہے اور پیسہ بچت میں ہے۔

المستفتی: رحمت اللہ قاسمی سنبھل، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر دوسرے مدرسہ کا انتظام اور مہتمم سب کچھ الگ الگ ہیں، تو بلاعوض خرچ کرنا درست نہیں؛ بلکہ بطور قرض لے کر خرچ کر سکتے ہیں اور بعد میں قرض ادا کرنا لازم ہوگا، ورنہ آپس میں اختلاف اور فتنہ کا خطرہ ہو جاتا ہے؛ البتہ اگر اول مدرسہ میں اس رقم کی بالکل ضرورت نہیں ہے نہ فی الحال ضرورت ہے اور نہ ہی بعد میں ضرورت ہو سکتی ہے، تب دوسرے مدرسہ میں لگانے کی اجازت ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ ۱۲/۳۸۳، ڈابھیل ۱۵/۷۳)

اتحد الواقف والجهة، وقل مرسوم بعض الموقوف عليه بسبب خراب وقف أحدهما، جاز للحاكم أن يصرف من فاضل الوقف الآخر عليه؛ لأنهما حينئذ كشيىء واحد. (الدر مع الرد، الوقف، مطلب في نقل انقاض المسجد ونحوه، زكريا ٦/ ٥٥١، كراچی ٤/ ٣٦٠، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٢/ ٥٩٦، مصري قديم ١/ ٧٤٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲ ربیع الثانی ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۴۴۲۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۲/۴/۱۴۱۶ھ

مدرسہ بنانے کے نام پر وصول شدہ رقم کو دوسرے مدرسہ میں دینا

سوال [۸۵۰۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص محمد نعیم نے اپنی ذاتی رہائش کے لئے قطعہ زمین کا بیع نامہ کرایا، پھر اس بیع نامہ کے ذریعہ لوگوں سے یہ کہہ کر رقم وصول کی کہ یہ زمین میں نے مدرسہ کے لئے خریدی ہے؛ لہٰذا

لوگوں نے امدادی وزکاتی تعاون پیش کیا، اس شخص نے مزید دو آدمیوں کو یہ کہہ کر اپنے ساتھ شامل کرلیا کہ زمین برائے مدرسہ خرید لی گئی ہے، تم بھی مدرسہ جاری کرنے میں معاون ہوجاؤ، ایک نے شخص مذکور کو معتمد سمجھتے ہوئے اپنے تعلقات میں سے چند ہزار سے تعاون دیا، دوسرے شخص نے کہا کہ جب تک مدرسہ کی عمارت تیار نہ ہو تم اپنے مکان میں مدرسہ قائم کرالو، چنانچہ ایک نام تجویز کرکے اس کے مکان میں مدرسہ جاری کردیا گیا، دو یا چند ماہ کے بعد معلوم ہوا کہ نہ مدرسہ کی کوئی زمین ہے اور نہ آئندہ زمین ملنے کا امکان ہے، یہ سب سوانگ اس لئے رچایا گیا ہے کہ کسی طرح مکان کی تعمیر ہوجائے؛ لہٰذا جس شخص کے مکان میں مدرسہ جاری کیا گیا تھا، اس نے مکان خالی کرالیا، مدرسہ بند ہوگیا، جس شخص نے چند ہزار روپئے جو وصول کرکے دئے تھے وہ بھی اس فریب کاری سے عاجز آکر علیحدہ ہوگیا، اور اس نے بقیہ دونوں شخصوں سے کہہ دیا کہ اب جو رقم زکوۃ کی رہ گئی ہے وہ فلاں مدرسہ کو دے دی جائے، اور جو امدادی رقم ہے اس کو فلاں مسجد کے حوالہ کردی جائے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس رقم کو مدرسہ اور مسجد میں صرف کیا جاسکتا ہے، جب کہ اس رقم کو وصول کرنے کی کوئی صحیح بنیاد نہیں ہے؟ والسلام بینوا توجروا۔

المستفتی: محمد ذاکر سرائے کھجور، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زکوۃ کی رقم کو ایسے مدارس میں زکوۃ کے نام سے دینا درست ہے جن میں زکوۃ کی رقم صحیح مصرف میں صحیح طریقے سے صرف کی جاتی ہے۔

و للوکیل أن یدفع لولدہ الفقیر وزوجتہ لا لنفسہ إلا إذا قال ربها ضعها حیث شئت. الخ (الدرالمختار، کتاب الزکوۃ، زکریا ۳/ ۱۸۸-۱۸۹، کراچی ۲/ ۲۶۹، البحرالرائق، کوئٹہ ۲/ ۲۱۱، زکریا ۲/ ۳۶۹)

اور امدادی رقم جن لوگوں سے لے کر جمع کی گئی ہے ان کی اجازت سے مسجد میں خرچ کرسکتے ہیں، ورنہ انہیں لوگوں کو واپس کردینا واجب ہے؛ کیوں کہ وہ رقم دینے والوں کی ملکیت سے خارج نہیں ہوئی ہے۔ (مستفاد: امدادالفتاوی ۲/ ۵۹۵)

عن أبي حرة الرقاشي –رضي الله عنه– عن عمه أن رسول الله ﷺ قال: لايحل مال امرئ مسلم، إلا بطيب نفس منه. (مسند أبي يعلى الموصلي، دارالكتب العلمية بيروت ۲/ ۹۱، رقم: ۱۵۶۷، مسند أحمد بن حنبل ٥/ ۷۲، رقم: ۲۰۷۴۰)

لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه، أي بأمر أو رضا عنه. الخ

(مرقاة، إمداديه ملتان ٦/ ۱۱۸)

لو أن قوما بنوا مسجدا وفضل من خشبتهم شيء –إلى قوله– يكون الفاضل لهم يصنعون به ماشاؤوا. الخ (البحرالرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد، كوئٹه ٥/ ۲٥۱، زكريا ٥/ ٤۲۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۵/ صفر ۱۴۰۹ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۱۱۷)

ایک مدرسہ کی وقف شدہ اراضی کو دو مدرسوں پر تقسیم کرنا

سوال [۸۵۰۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہندہ نے بدرستگئ ہوش وحواس اپنی ایک اراضی کے لئے مرنے سے پہلے وصیت کی کہ میری یہ فلاں اراضی مدرسہ کو وقف ہے، چنانچہ مرحومہ کے انتقال کے بعد ورثاء نے وہ اراضی مدرسہ رحمانیہ کو وقف کردی اور ۱۹۷۰ء سے آج تک جس کو ۱۹/ برس کا عرصہ ہوگیا، مدرسہ رحمانیہ کا اس اراضی پر قبضہ ہے، اب مرحومہ کے وہی ورثاء چاہتے ہیں کہ اس اراضی کو دو مدرسوں پر تقسیم کردیں، ان دونوں مدرسوں میں سے ایک مدرسہ کا اس وقت جب مرحومہ کا انتقال ہوا تھا وجود بھی نہیں تھا، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ وقف شدہ اراضی جو مدرسہ رحمانیہ کی ملک بن چکی ہے اور ۱۹/ برس سے آج تک مدرسہ کی کاشت میں ہے، کیا مرحومہ کے ورثاء کو یہ حق ہے کہ مرحومہ کی اس وقف شدہ آراضی کو دوسرے مدرسہ کو تقسیم کرکے دے دیں؟

المستفتی: عبدالسلام ناظم مدرسہ رحمانیہ، ٹانڈہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر بوقت وصیت دوسرے مدرسہ کی طرف منتقل کرنے کی شرط نہیں لگائی ہے اور ورثاء نے موصی کی وصیت کے مطابق مدرسہ رحمانیہ کو وقف کرکے متولی کے قبضہ میں دے دیا ہے، تو بالاتفاق وقف کامل ومکمل ہوکر مدرسہ رحمانیہ کی ملکیت میں مذکورہ آراضی داخل ہوچکی ہے، آئندہ ورثاء اور متولی وغیرہ کو جب تک مدرسہ رحمانیہ چلتا رہے گا کسی دوسرے مدرسہ وغیرہ کی طرف منتقل کرنے کا حق نہیں ہوگا، ورنہ غرض واقف کی مخالفت کی وجہ سے منتقل کرنے والے گنہگار رہوں گے۔

أنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة. (شامي، الوقف، مطلب مراعاة غرض الواقفين واجبة، زكريا ٦/ ٦٦٥، كراچی ٤/ ٤٤٥، كوئٹه ٣/ ٤٦٤)

ملک العين الموقوفة يزول عن ملک المالک بقضاء القاضي بلزوم الوقف من غير أن ينتقل إلى ملک أحد. الخ (البحرالرائق، كوئٹه ٥/ ١٩١، زكريا ٥/ ٣٢٠)

فإذا تم ولزم لا يملک ولا يملک ولا يعار. الخ وفي الشامي: والوقف لا يمكن تمليكه. الخ (الدرالمختار، زكريا ٦/ ٥٣٩، كراچی ٤/ ٣٥١، كوئٹه ٣/ ٤٠٢)

الملک يزول، أي ملک الواقف فيصير الوقف لازما للاتفاق على التلازم بين اللزوم والخروج عن ملكه. الخ (شامي، الوقف، مطلب شرائط الوقف معتبرة إذا لم تخالف الشرع، زكريا ٦/ ٥٢٧، كراچی ٤/ ٣٤٣، كوئٹه ٣/ ٣٩٥)

البتہ اگر موصی نے بوقت وصیت کوئی شرط لگائی ہے، تو اس کا حکم دوسرا ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٢٧/ جمادی الثانیہ ١٤٠٨ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٢٤/ ٧٦٧)

مدرسہ کی رقم سے مدرسہ کی زمین میں مسجد تعمیر کرنا

سوال [۸۵۱۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے مدرسہ میں مسجد نہیں تھی اور نماز کی پریشانی تھی، اس وجہ سے ہم نے مدرسہ کا ایک کمرہ توڑ کر مسجد کی تعمیر کرالی۔ اور ہم نے پیسہ نہ ہونے کی وجہ سے مجبوراً مدرسہ کا پیسہ استعمال کرلیا اب مسجد تعمیر ہوچکی ہے، اور نماز شروع ہوگئی، تو اس میں شرعاً کوئی قباحت تو نہیں ہے؟

المستفتی: عبدالصمد کاشی پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مدرسہ کی زمین پر مدرسہ کی رقم سے مسجد کی تعمیر شرعاً درست نہیں ہے؛ کیوں کہ زمین اور چندہ مدرسہ کے لئے وقف کیا گیا ہے۔ اور وقف تام ہونے کے بعد اس میں اس طرح کا تصرف جائز نہیں؛ لہٰذا زمین کی قیمت اور تعمیر پر خرچ ہوئی رقم مسجد کے چندہ سے مدرسہ میں لوٹانا ضروری ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۲/۴/۳۷۴، جدید ڈابھیل ۱۵/ ۴۸۵)

یہ اس صورت میں ہے جب کہ مسجد کا نظام اور ذمہ داری مدرسہ والوں کے ہاتھ میں نہ ہو اور مسجد بھی خاص طور پر مدرسہ کی نہ ہو؛ بلکہ محلّہ والوں کی نماز کے لئے مسجد بنائی گئی ہو؛ لیکن اگر یہ مسجد مدرسہ میں بنی ہے اور مسجد ومدرسہ کے متولی ایک ہی ہیں اور آئندہ بھی دونوں کے اخراجات کی ذمہ داری ایک ہی پر ہو تو وہ مدرسہ ہی کی مسجد ہے، تو ایسی مسجد مدرسہ کی رقم سے مدرسہ کی زمین مین بنانا شرعاً جائز ہے؛ اس لئے کہ یہ مسجد بھی مدرسہ کی ضروریات کے دائرہ میں داخل ہے۔

وفي الدرالمختار: فإذا تم ولزم لا يملك، ولا يعار، ولا يرهن.

(الدرالمختار على الشامي، كتاب الوقف، زكريا ٦/ ٥٣٩، كراچى ٤/ ٣٥١، كوئٹه ٣/ ٤٠٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍محرم الحرام ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۸۴۶۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۱/۲۵ھ

الفصل السابع: في الإجارة

مدرسے کی زمین میں ضروریاتِ مدرسہ کے لئے دوکان تعمیر کرنا

سوال [١١٨٥١]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ضلع بجنور، قصبہ شیر کوٹ بستی میں قریب ٨٠-٩٠ سال پرانا مدرسہ قائم ہے، جس کی مستقل لمبی چوڑی عمارت ہے، اس عمارت میں نیچے کے حصے میں بھی کمرے ہیں اور اوپر بھی کمرے بنے ہیں، پورب کی طرف کی عمارت میں نیچے دوکانیں تعمیر ہیں، جن کا کرایہ مدرسہ ہی وصول کرتا ہے، پچھّم کی طرف بھی عمارت کے نیچے حصے میں دوکانیں تعمیر ہوئی ہیں، اوپر کے حصے میں لڑکیاں تعلیم حاصل کرتی ہیں، دکھن کی جانب نیچے کے حصے میں کمروں کے ٦-٧ دروازے صحن کی طرف کھلے ہوئے ہیں، مدرسہ کے صحن کی باؤنڈری بنی ہوئی ہے اور فرش صحن بھی، یہ مدرسہ بستی کے عالموں بزرگوں اور معزز لوگوں نے مل کر قائم کیا تھا، بستی کے معزز لوگ برابر اس کا انتظام کرتے چلے آرہے ہیں، مدرسہ کے قریب پہلے ایک چھوٹی مسجد قائم تھی جس کو بزرگوں نے دائیں بائیں بڑھا کر بستی کی جامع مسجد قائم کر دی تھی، اب بھی یہ جامع مسجد ہی ہے، اس کی حد بندی بھی قائم کر دی تھی، اس کے دروازے اور دیواریں پرانی قائم ہیں، اب جب کہ مدرسہ کی ایک لمبی چوڑی اوپر نیچے مستقل عمارت ہے اور دوکانیں بھی تعمیر ہیں، مدرسہ کی ضرورت کی وجہ سے مدرسہ کے ذمہ دار صحن میں دوکانیں تعمیر کرا کر اس کا کرایہ مدرسہ کے خرچ میں لگانا چاہتے ہیں، کچھ لوگ تنازعہ قائم کر کے اور مسجد کی ملکیت بتا کر تعمیر میں رکاوٹ ڈالنا چاہتے ہیں، اسی صحن سے جو دروازہ اوپر کی منزل پر جا رہا ہے اس پر مدرسہ کا کمرہ بنا ہوا ہے، جس پر دارالتحفیظ اور تجوید لکھا ہوا ہے، ایسی صورت میں کیا تعمیر میں رکاوٹ ڈالنا درست ہوگا؟ مدرسہ میں ضرورت کے مطابق برابر تعمیر کا سلسلہ چلا آرہا ہے، کسی کو آج تک تعمیر کے بارے میں کوئی اعتراض نہیں ہوا ہے۔

نوٹ: مدرسہ کے اسی صحن میں بزرگوں نے مسجد کی ضرورت کی وجہ سے پانی گرم کرنے کے

لئے سردیوں میں صرف کھوئی کے لئے ایک کولھولگوا دیا تھا، جب کہ یہ پورا صحن برابر بچوں کی تعلیم کے لئے استعمال ہوتا رہا ہے۔

المستفتی: احقر شمیم الحسن، سکریٹری مدرسہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد شیر کوٹ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ہمارے ہندوستان میں مکان اور دوکان وغیرہ جب کرایہ پر دئے جاتے ہیں تو کرایہ دار کو عملاً مالکانہ حیثیت حاصل ہوجاتی ہے، جب وقف شدہ زمین میں دوکان بنا کر کرایہ پر دے دی جائے گی تو وقف کے تقاضہ کے مطابق اس کی حیثیت مکمل طور پر باقی نہیں رہتی ؛ بلکہ عملاً کرایہ داری کی ملکیت میں منتقل ہوجاتی ہے؛ اس لئے وقف شدہ میں دوکان یا مکان بنا کر کرایہ پر دینا درست نہیں، ہاں اس مسجد یا مدرسہ کی توسیع کردی جائے یا طلبہ کے لئے قیام گاہ بنادیا جائے تو وقف کا تقاضہ مکمل طور سے باقی رہتا ہے؛ اس لئے جائز ہے۔ اور یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ وقف کی حیثیت اور ہے اور وقف کی ملکیت کی حیثیت بالکل دوسری ہے، وقف کا مطلب یہ ہے کہ اس کو بیچنا اور اس کا تبادلہ کرنا جائز نہیں ہے۔ اور وقف کی ملکیت کا مطلب یہ ہے کہ وقف کی آمدنی کے لئے اس کو بیچنا اور منافع کی غرض سے اس کو تبدیل کرنا اور آمدنی کے لئے اس کو کرایہ پر دینا جائز ہے۔ اور مذکورہ زمین کے بارے میں یہ وقف کی ملکیت ہے یا خود وقف شدہ ہے، کوئی صراحت نہیں ہے؛ اس لئے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پوری زمین جس پر مسجد اور مدرسہ دونوں بنے ہوئے ہیں اور اس سے ملحقہ خالی زمین پوری کی پوری وقف ہے، نہ کہ وقف کی ملکیت ہے۔ اور وقف کی ملکیت ہونے کے لئے ثبوت ہونا چاہئے، نہ مسجد کے پاس اس سلسلہ میں کاغذی ثبوت ہے اور نہ ہی مدرسہ کے پاس؛ اس لئے یہ زمین وقف شدہ تسلیم کی جائے گی نہ کہ وقف کی ملکیت جس میں دوکانیں بنا کر کرایہ پر دینا درست نہ ہوگا۔ اور درسگاہ، کمرہ بنانا درست ہوگا؛ لہٰذا وقف شدہ زمین میں جو دوکانیں پہلے سے بن گئی ہیں، ان کو بھی مسجد اور مدرسہ میں شامل کرلینا چاہئے۔

قيم المسجد إذا أراد أن يبني حوانيت في حد المسجد، أو في فنائه لا يجوز. (الفتاوى التاتارخانية، كوئٹه ٥/ ٨٦٠، زكريا ٨/ ١٧٩٨، رقم: ١١٥٦٣، المحيط البرهاني، المجلس العلمي ٩/ ١٣٧، رقم: ١١٣٨٢، هندية، زكريا قديم ٢/ ٤٦٢، جديد ٢/ ٤١٣، البحرالرائق، كوئٹه ٥/ ٢٤٩، زكريا ٥/ ٤١٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۰۸۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۶/۱۳ھ

مدرسہ کی رقم مسجد یا مسجد کی رقم مدرسہ کو بطور قرض دینا

سوال [۸۵۱۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مدرسہ کے روپیہ کو قرض کے طور پر لے کر مسجد میں اور مسجد کے روپئے کو قرضہ لے کر مدرسہ میں لگا سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: محمد افتخار بہرائچی، متعلم مدرسہ شاہی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر قرض وصول ہونے کا مکمل اعتماد ہو اور اس کے ضائع ہونے کا اندیشہ نہ ہو تو کمیٹی اور ذمہ داروں کے مشورہ سے مسجد کی رقم مدرسہ کو اور مدرسہ کی رقم مسجد کو بطور قرض دینے کی گنجائش ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ ۱/ ۴۹۱، ڈابھیل ۱۵/ ۴۷)

للمتولي إقراض مال المسجد بأمر القاضي. (شامي، كتاب القضاء، مطلب للقاضي اقراض مال اليتيم ونحوه، زكريا ٨/ ١١١، كراچی ٥/ ٤١٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍ جمادی الثانیہ ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۳۳۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۸/۶/۱۰ھ

مدرسہ کے تہہ خانہ میں آمدنی کی خاطر ''کار پارکنگ'' بنانا

سوال [۸۵۱۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مسجد سے متصل دینی مدرسہ (دارالاقامہ) کے لئے ایک صاحب خیر نے زمین خرید کر وقف کردی، جس پر فی الوقت تعمیری کام چل رہا ہے۔ مذکورہ مسجد کافی بڑی وسیع ہے، جمعہ اور ہفتہ واری تبلیغی اجتماع میں مجمع کثیر ہوتا ہے، مسجد کی انتظامی کمیٹی یہ چاہتی ہے کہ مدرسہ کی وقف شدہ زمین کا گراؤنڈ فلور (نچلا حصہ مسجد کے لئے چھوڑ دیا جائے، تاکہ اجتماعات اور جمعہ کے دن آئے ہوئے مصلیوں کو پارکنگ کی سہولت ہو۔ اور سڑک اور راستہ پر پارکنگ کی وجہ سے عوام کو تکلیف بھی نہ ہو۔ کیا مدرسہ کی انتظامی کمیٹی کو شرعاً اس بات کا حق ہوگا کہ وہ مدرسہ کی زمین کا نچلا حصہ پارکنگ کے لئے چھوڑ دے اور ہر ماہ اس پر کچھ اجرت لے لے، تاکہ مدرسہ کا کچھ فائدہ بھی ہوجائے اور مصلیوں اور عوام کو سہولت ہوجائے۔

ایسے ہی مدرسہ کا وضوخانہ، مسجد کے مصلیوں کے لئے استعمال کرنے کی اجازت ہوگی یا نہیں؟ شرعی اعتبار سے مدرسہ کی زمین مسجد کے کن کن کاموں میں استعمال ہوسکتی ہے؟ اور اس کی کیا صورتیں ہوسکتی ہیں؟ بینوا توجروا

المستفتی: محمد حنیف خان امام وخطیب جامع مسجد محمدی شاہ پورنگر وناظم مدرسہ الانصار شاہ پورنگر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: جب مذکورہ زمین مدرسہ ہی کے لئے وقف کی گئی ہے، تو وہ زمین مدرسہ کے مفاد میں ہی مستعمل ہونی ضروری ہے؛ لہٰذا اگر نیچے پارکنگ بنا دیں اور ملکیت مدرسہ کی رہے اور اس سے مدرسہ کو کرایہ کے ذریعہ سے آمدنی ہو اور اوپر کی منزلوں میں مدرسہ کی توسیع ہوتی رہے، تو ایسا کرنا شرعاً جائز اور درست ہے؛ لیکن اس میں مدرسہ کی انتظامیہ کی رضامندی بھی لازم ہے۔

وإذا أراد أن يبني فيها بيوتا ليستغلها بالإجارة -إلى- إن كانت

أرض الوقف متصلة ببيوت المصر يرغب في استئجار بيوتها، وتكون غلة ذلك فوق غلة الأرض، والنخيل كان له ذلك. (الفتاوى التاتارخانية، الفصل السابع في تصرف القيم، كوئٹه ٥/ ٧٤٦، زكريا ٨/ ٦٣، رقم: ١١٢١٥، المحيط البرهاني، المجلس العلمي ٩/ ٢٤، رقم: ١١٠١٩، البحرالرائق، كوئٹه ٥/ ٢١٦، زكريا ٥/ ٣٦١، مجمع الضمانات ١/ ٣٣١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍ذی قعدہ ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۰۸۵۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۹/۱۱/۱۴۳۳ھ

مدرسہ میں ووٹ ڈالنے کی مشین لگانا

سوال [۸۵۱۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارا مدرسہ اسلامیہ عربیہ مونڈھا ائمہ جو ایک طویل عرصہ سے خالص دینی تعلیم دیتا رہا ہے، اس میں نہ آج تک دینی تعلیم کے علاوہ کوئی تعلیم ہوئی ہے اور نہ سرکار سے آج تک اس کے لئے کوئی مدد لی گئی ہے، نیز یہ ہمارے گاؤں کے قبرستان کے احاطہ میں واقع ہے، اس صورت حال میں سیاسی انتخابات اس کے حدود میں کرانا جائز ہے یا نہیں؟ ہمیشہ کی روایت یہی رہی ہے کہ ووٹ سرکاری اسکول کی آراضی میں ڈالے جاتے تھے، یہ پہلی مرتبہ ہے کہ کچھ لوگ مدرسہ کے حدود میں ووٹ ڈلوانا چاہتے ہیں۔

المستفتی: مولانا مرغوب احمد، مہتمم مدرسہ اسلامیہ عربیہ مونڈھا ائمہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر مدرسہ کا کوئی مفاد اس معاملہ میں وابستہ نہیں ہے، تو اہل مدرسہ سیاسی ذمہ داروں سے اپنا عذر پیش کردیں کہ مدرسہ صرف دینی تعلیم گاہ ہے؛ اس لئے سیاسی انتخاب مدرسہ میں نہ کیا جائے، کسی دوسری جگہ اس کا انتظام کیا جائے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۱۲/ ۲۱۳، جدید میرٹھ ۲۳/ ۱۳۲)

شرط الواقف كنص الشارع في وجوب العمل به، وفي المفهوم والدلالة. (قواعد الفقه، أشرفي ص: ۸۵، رقم: ۱۵۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱ ؍ربیع الثانی ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۳۹۷۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۱/۴/۱۴۱۵ھ

احاطۂ مدرسہ میں قربانی کرنے سے روکنا

سوال [۸۵۱۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید ایک مدرسہ کا ذمہ دار ہے، بکر زید کے مدرسہ کا تعاون کرتا ہے اور اس مدرسہ میں سالہا سال سے ایک سلسلہ چلتا آرہا ہے، وہ یہ کہ ہر سال قربانی کے موقع پر لوگوں کو احاطہ مدرسہ میں قربانی کرنے کی اجازت دے کر منتظمین مدرسہ اہل قربانی سے مدرسہ کے مستحق طلبہ کے لئے چرم قربانی وصول کرتے ہیں، چنانچہ اس مرتبہ بکر اس مدرسہ کے احاطہ میں اپنے بیسیوں جانور قربانی کرنا چاہتا ہے؛ لیکن وہ چرم قربانی مدرسہ کو دینا نہیں چاہتا، اس پر زید نے بکر کو احاطہ مدرسہ میں قربانی کرنے سے منع کر دیا، اب پوچھنا یہ ہے کہ مذکورہ صورت میں زید کا بکر کو احاطہ مدرسہ استعمال کرنے کی اجازت نہ دینا شرعاً درست تھا یا نہیں؟

المستفتی: بندہ محمد فاروق ندوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید کا احاطہ مدرسہ میں بکر یا دیگر لوگوں کو قربانی کرنے سے منع کر دینا صحیح اور درست ہے؛ اس لئے کہ قربانی کی اجازت دینے میں مدرسہ کا کوئی فائدہ نہیں ہے اور پہلے جو اجازت دیتے تھے وہ اس وجہ سے تھا کہ مدرسہ کو کھال کا فائدہ ہوتا تھا، اور اب کھال کا فائدہ نہیں ہے؛ اس لئے اب اجازت نہ دینا صحیح ہے؛ کیوں کہ مدرسہ ذمہ دار کی ملکیت نہیں ہوتا ہے؛ بلکہ ذمہ دار مدرسہ کا منتظم ہوتا ہے۔ اور منتظم کے لئے ہر معاملہ میں مدرسہ کا فائدہ پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔

ویؤجر بأجر المثل، فلا یجوز بالأقل. (الدرالمختار مع رد المحتار، مطلب لا یصح ایجار الوقف بأقل من أجرة المثل، زکریا ٦/ ٦٠٨، کراچی ٤/ ٤٠٦، هندیة، زکریا قدیم ٢/ ٤١٩، جدید ٢/ ٣٨٧، مجمع الأنهر، دارالکتب العلمیة بیروت ٣/ ٥١٤، مصري قدیم ٢/ ٣٦٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷؍ربیع الاول ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۰۱۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۷؍۳؍۱۴۳۴ھ

مدرسہ کی عمارت اسکول کے لئے کرایہ پر دینا

سوال [۸۵۱٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جامعہ عربیہ شمس العلوم کی عمارت جونیر ہائی اسکول کے لئے کرایہ پر دی جاسکتی ہے یانہیں؟ جب کہ چندہ دینے والوں نے دینی تعلیم کے لئے چندہ دیا تھا، کچھ درسگاہیں مستقل طور پر صرف ایک ایک آدمی نے قرآن حکیم کی تعلیم کے لئے تعمیر کرائیں، جن پر ان کے نام کی تختیاں بھی لگی ہوئی ہیں، جونیر ہائی اسکول متعلقہ مدرسہ شمس العلوم کو مدرسہ سے الگ کرنے کا فیصلہ مجلس شوریٰ مدرسہ ہذا نے کرلیا ہے، فی الوقت علیحدہ مستقل عمارت کا نظم دشوار ہے؛ لہٰذا ایسی صورت میں جونیر ہائی اسکول کو مدرسہ کی عمارت میں کرایہ پر لے کر چلایا جاسکتا ہے یانہیں؟ جب کہ بالغ لڑکے اور لڑکیاں مخلوط تعلیم حاصل کرتی ہیں؟

المستفتی: محمد یوسف قاسمی، خادم جامعہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب کہ چندہ دہندہ نے دینی تعلیم ہی کی شرط وغرض سے چندہ دیا ہے، یا درسگاہ بنادی ہے، تو ذمہ داران جامعہ عربیہ شمس العلوم پر واجب ہے کہ مذکورہ چندہ و درسگاہوں کو دینی تعلیم ہی میں استعمال کریں، اور غرض واقف کے خلاف جونیر ہائی

اسکول یا یونیورسٹی وغیرہ کی دنیاوی تعلیم کی اعانت اور کرایہ پر دینا ہرگز ہرگز جائز نہیں ہوگا، مدارس میں شریک ہونے والے سب گناہ کبیرہ اور خیانت کے مرتکب ہوں گے۔ اور جونیر کو کرایہ پر دینے میں عمارتوں کے جامعہ کے ہاتھ سے نکلنے اور دیگر ناجائز فائدہ اٹھانے کا بھی سخت خطرہ ہے۔

القضاء بخلاف شرط الواقف، كالقضاء بخلاف النص لقول العلماء: شرط الواقف كنص الشارع. الخ (الأشباه والنظائر، قديم ص: ١٠٧، شامي، الوقف، مطلب في قولهم شرط الواقف كنص الشارع، زكريا ٦/ ٦٤٩، كراچی ٤/ ٤٣٣)

صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة. الخ (شامي، الوقف، مطلب مراعاة غرض الواقفين واجبة، كراچی ٤/ ٤٤٥، زكريا ٦/ ٦٦٥)

نیز بالغ لڑکے ولڑکیوں کی مخلوط تعلیم دنیاوی کے لئے کرایہ پر دینے میں اعانت علی المعصیہ ہونے کی وجہ سے خود چندہ دہندہ اور درسگاہ وعمارت بنوانے والے کو بھی اس کی اجازت نہیں ہے۔

لقوله تعالىٰ: وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ. [المائدة: ٢] فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/ ذیقعدہ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۸۲/۲۴)

مدرسہ میں بارات رکانا

سوال [۸۵۱۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک دینی مدرسہ ہے، جہاں قرآن کی تعلیم ہوتی ہے، حفظ وناظرہ کے بچے پڑھتے ہیں؛ لیکن کچھ مواقع ایسے آتے ہیں کہ بیاہ شادیوں میں مدرسہ کے اندر بارات کو ٹھہرایا جاتا ہے،

اس میں بارات کے لوگ غیر شرعی کام کرتے ہیں، جیسے جوتے سمیت اندر چلنا پھرنا، بیڑی سگریٹ پینا، جیتی گھٹکے کھانا، بے ہودہ باتیں کرنا، اندر بیٹھ کر تاش کھیلنا، ایک دوسرے کا فوٹو کھینچنا، کیا ایسی صورت میں بارات کو مدرسہ کے اندر ٹھہرانا درست ہوگا یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب تحریر فرمائیں، عین کرم ہوگا۔

المستفتی: امام مسجد عمران بیگ، مدرسہ ہٰذا

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: حدود مدرسہ کے اندر وہ تمام منکرات جو سوال نامہ میں درج ہیں، مثلاً تاش کھیلنا، فوٹوں کھینچنا وغیرہ منکرات قابل نکیر ہیں، ایسی چیزوں سے مدرسہ کو پاک رکھنا ضروری ہے؛ لہٰذا جس بارات میں اس قسم کے خرافات ومنکرات ہوں، انہیں مدرسہ میں ٹھہرنے کی اجازت نہ دی جائے۔ اور اگر اس قسم کے خرافات نہ ہوں اور مدرسہ کے مصالح اس سے متعلق ہوں، نیز تعلیمی نقصان بھی نہ ہو تو اجازت ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۱۲/۲۱۳، جدید ڈابھیل ۱۵/۵۲۲)

عن جابر –رضي الله عنه– قال: نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن الصورة في البيت، ونهى أن يصنع ذلك. (ترمذی شریف، باب ماجاء في الصورة، النسخة الهندية ۱/ ۳۰۵، دارالسلام، رقم: ۱۷٤۹)

وعن ابن عباس –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من صور صورة عذبه الله حتى ينفخ فيها، يعني الروح، وليس بنافخ فيها. (ترمذي شريف، باب ماجاء في المصورين، النسخة الهندية ۱/ ۳۰۵، دارالسلام، رقم: ۱۷۵۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم جمادی الاولیٰ ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۳۵۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۵/۱ھ

مدارس عربیہ کی بالائی منزل پر جونیر کی تعلیم دینا

سوال [۸۵۱۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: دینی عربی مدرسہ جس کا قیام دینی تعلیم کے لئے ہوا تھا، جس میں ابتداء ہی سے درجہ پنجم تک پرائمری تعلیم بھی تھی، عرصہ دراز کے بعد اس میں جونیر کی تعلیم کے لئے کچھ پیسہ نرائن دت تیواری جی کے ذریعہ سرکاری طور پر لے کر چند کمرے مدرسہ کی تیسری منزل پر بنا دئے گئے ہیں اور جونیر کی تعلیم شروع کردی گئی ہے، ان حالات میں زکوۃ، صدقات وغیرہ کی رقم حیلۂ تملیک کے بعد مذکورہ تعلیمات پر خرچ کی جاسکتی ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد یوسف قاسمی جامعہ عربیہ شمس العلوم، کاشی پور، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مذکورہ حالات میں جونیر کی تعلیم کے لئے زکوۃ وصدقات کی رقم کا حیلۂ تملیک کرنا شرعاً جائز نہیں ہوگا، اس میں شریک ہونے والے سب خائن اور گنہگار ہوں گے؛ کیوں کہ حیلۂ تملیک صرف خالص دینی امور میں شدت ضرورت کی بنا پر جائز قرار دیا گیا ہے اور جونیر دینی امور میں شامل نہیں ہے۔ اور پرائمری دینی مدارس کے تابع ہے اور جونیر مستقل ہے۔

فذهب علمائنا رحمهم الله أن كل حيلة يحتال بها الرجل لإبطال حق الغير، أو لإدخال شبهة فيه، أو لتمويه باطل، فهو مكروهة، وفي العيون، وفي جامع الفتاوى: لا يسعه ذلك. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الحيل، الفصل الأول، زكريا ١٠/ ٣١١، رقم: ١٤٨٤٥، هندية، زكريا قديم ٦/ ٣٩٠، جديد ٦/ ٣٩٣)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ر ذی الحجہ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۰۳۶)

گرام سماج کی زمین پر مدرسہ کی رقم سے دوکان بنانا

سوال [۸۵۱۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) ایک آراضی جو قبرستان سے ملحق ہے؛ لیکن قبرستان میں شامل نہیں ہے، جس کے مقدم میں روڈ ہے؛ لہٰذا دیگر شخص اس پر قابض بھی نہیں ہوسکتا ہے، جس سے کوڑی وغیرہ کا کام لیا جارہا تھا، آج تک نہ تو اس میں کوئی قبر بنائی گئی ہے اور نہ ہی اس میں کسی کو دفن کیا گیا ہے، بطور تحقیق معلوم ہوا کہ آراضی گرام سماج کی ہے، جس میں مدرسہ کی رقم سے مفاد مدرسہ کو مدنظر رکھتے ہوئے دوکانوں کی بنیاد اندازی کردی گئی ہے، تو یہ شریعت کی روشنی میں جائز ہے یا نہیں؟

(۲) اور اس بنیاد پر مدرسہ کی رقم سے دوکانوں کی تعمیر کر کے مدرسہ کی ملکیت میں شامل کرنا کیسا ہے؟ جائز ہے یا نہیں؟

(۳) اور اسی جگہ پر بطور چندہ دوکانوں کا تعمیر کرنا اور ان دوکانوں کی آمدنی کو مدرسہ اور قبرستان میں خرچ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: شمشاد عالم، فیض العلوم موضع لانیا کھیڑ، پوسٹ بڈھن پور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: قبرستان سے ملحق زمین جو قبرستان میں شامل نہیں ہے اور تحقیقات سے معلوم بھی ہوگیا ہے کہ یہ گرام سماج کی زمین ہے، تو ایسی زمین میں مدرسہ کی رقم سے دوکانوں کی جو بنیاد رکھی گئی ہے، ان کا جواز گرام سماج کی اجازت پر موقوف ہے؛ کیوں کہ گرام سماج اس کا مالک ہے؛ لہٰذا گرام سماج اگر اجازت دے دے تو جائز ہوگا، ورنہ نہیں۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۴۶۱/۸)

نیز مدرسہ کی رقم سے دوکانوں کی تعمیر کرنا اس وقت جائز ہوگا، جب کہ چندہ دہندگان کو کوئی اعتراض نہ ہو۔ اور گرام سماج کی اجازت بھی ہو۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۱۰/ ۲۳۶، جدید ڈابھیل ۱۵/ ۵۹۵)

پھر مدرسے کی آمدنی کے پیش نظر بطور چندہ دوکانوں کی تعمیر کرانا بھی گرام سماج کی اجازت پر موقوف ہوگا، اگر گرام سماج اجازت دے دے تو اس کی آمدنی مدرسہ اور قبرستان میں خرچ کرنا جائز ہوگا۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۸/ ۴۶۱)

عن أبي حرة الرقاشي، عن عمه، أن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم قال: لا يحل مال رجل مسلم لأخيه، إلا ما أعطاه بطيب نفسه. (السنن الكبرى للبيهقي، باب أهل البغي إذا فاؤا …… دارالفكر ١٢/ ٣٥٢، رقم: ١٧٢٢٤)

الوكيل إنما يستفيد التصرف من الموكل، وقد أمره بالدفع إلى فلان، فلا يملك الدفع إلى غيره. (شامي، كتاب الزكوة، زكريا ٣/ ١٨٩، كراچی ٢/ ٢٦٩، شرح المجلة رستم، مكتبه اتحاد ٢/ ٤٧٧، رقم المادة: ١٤٥٧)

صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة. (شامي، الوقف، مطلب مراعاة غرض الواقفين واجبة۔ زكريا ٦/ ٦٦٥، كراچی ٤/ ٤٤٥)

شرط الواقف كنص الشارع في وجوب العمل به، وفي المفهوم والدلالة. (قواعد الفقه أشرفي، ص: ٨٥، رقم: ١٥٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ محرم الحرام ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۴۱۵)

مسجد کے لئے مدرسہ سے قرض لینا

سوال [۸۵۲۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید ایک مسجد کا امام ہے اور مسجد کے اندر کام کرانے کی وجہ سے رقم مدرسہ سے بطور قرض لے کر وہ کام کرا دیا، یا مدرسہ نے مسجد سے بطور قرض لے کر اینٹ یا روپیہ یا فرش یا دیوار وغیرہ میں صرف کر دیا، تو اس صورت میں قرض لینا مسجد یا مدرسہ کو جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد عمران الحق، خادم معارف القرآن، گڑھی بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر قرض وصول ہونے کا اعتماد ہو ضائع ہونے کا احتمال نہ ہوتو منتظمہ کمیٹی کے مشورہ سے مسجد کے لئے مدرسہ سے قرض لینا اور مدرسہ کے لئے مسجد سے قرض لینا درست ہے، تنہا امام کو حق نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۱/۴۹۱، ڈابھیل ۱۵/۵۰۴)

للمتولي إقراض مال المسجد بأمر القاضي. (شامي، كتاب القضاء، مطلب للقاضي إقراض مال اليتيم و نحوه، زكريا ۸/ ۱۱۱، كراچی ۵/ ۴۱۷) **فقط واللّٰہ** سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/ ذیقعدہ ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۸۴۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۳/۱۱/۱۴۲۳ھ

مدارس کی رقم تجارت کے لئے دینا

سوال [۸۵۲۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک کمپنی شہر کی مساجد ومدارس کو دعوت دیتی ہے، کہ آپ ہماری کمپنی میں حصہ داری کریں، اگر آپ (مساجد ومدارس کے ذمہ دار) ہماری کمپنی میں ایک لاکھ روپیہ سرمایہ لگاتے ہیں، تو کمپنی دوماہ کے بعد ہر ماہ ۷ سے ۸/ ہزار روپئے منافع کی شکل میں دے گی، جس کا معاہدہ سات سال کا ہوگا، سات سال تک کمپنی ۸/ ہزار، ۷/ ہزار روپئے مہینہ کے حساب سے تقریباً ۸۴/ ہزار سے ۹۶/ ہزار روپئے تک کا منافع ایک سال میں ادا کرے گی، اس طرح سات سال میں ۵/ لاکھ ۸۸/ ہزار سے ۶/ لاکھ ۲۷/ ہزار روپئے تک کمپنی مساجد ومدارس کو ادا کرے گی اور مدارس ومساجد کا ابتداء میں جمع کیا ہوا اصل سرمایہ اپنی جگہ قائم رہے گا، اور اگر ان سات سال میں کمپنی کو نقصان ہوتا ہے، تو وہ نقصان صرف کمپنی برداشت کرے گی، اس نقصان میں سے مساجد ومدارس کو کوئی نقصان برداشت نہیں کرنا پڑے گا، تو کیا اس طرح

مساجد ومدارس کا کسی تجارتی کاروبار میں سرمایہ لگاکر منافع کمانا درست ہے؟ شریعت کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں۔

المستفتی: مولوی محمد الطاف کرن احمد نگر، مہاراشٹر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مساجد ومدارس کی رقم متولی اور مہتمم کے پاس امانت ہوتی ہے اور امانت میں امین کی منشا کے خلاف تصرف کرنا جائز نہیں؛ لہٰذا مساجد ومدارس کی رقم تجارت کے لئے دے کر اس سے منافع حاصل کرنا جائز نہیں۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ ۱۵/ ۲۸۹، ڈابھیل ۱۵/۵۰۲)

ولا يجوز للقيم شراء شيء من مال المسجد لنفسه، ولا البيع له، وإن كان فيه منفعة ظاهرة للمسجد –إلى– ليس للمتولي إيداع مال الوقف والمسجد إلا ممن في عياله، ولا إقراضه، فلو أقرضه ضمن. (البحرالرائق، كتاب الوقف، كوئٹه ٥/ ٢٣٩، زكريا ٥/ ٤٠١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۶۱۷۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۵/۲۶ھ

الفصل الثامن: في المشاهرة (تنخواہ)

کیا مہتمم مدرسین کے مقابلہ میں دوگنی تنخواہ لے سکتے ہیں؟

سوال [۸۵۲۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کیا دورِحاضر میں مہتمم مدرسہ مدرس اعلیٰ سے دوگنی تنخواہ لے سکتا ہے، جب کہ وہ دن رات مدرسہ کے لئے جدوجہد کرے؟

المستفتی: عبداللہ عاصی، جامعہ اسلامیہ دارالعلوم قاضی باغ کاشی پور، ادھم سنگ نگر (یو پی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مدرسہ کا مہتمم مطلقاً مدرس اعلیٰ سے دوگنی تنخواہ نہیں لے سکتا؛ بلکہ اپنے کام اور خدمت کے بقدر جتنا مجلس شوریٰ نے مقرر کردیا ہے اتنا ہی لے گا۔

عن عبدالله بن عمرو بن عوف المزني، عن أبيه، عن جده أن رسول الله ﷺ قال: الصلح جائز بين المسلمين إلا صلحا حرم حلالا، أو أحل حراما، والمسلمون على شروطهم، إلا شرطا حرم حلالا، أو أحل حراما.

(سنن الترمذي، أبواب الأحكام، باب ما ذكر عن رسول الله ﷺ في الصلح بين الناس، النسخة الهندية ١/ ٢٥١، دارالسلام، رقم: ١٣٥٢، المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي بيروت ١٧/ ٢٢، رقم: ٣٠، سنن الدارقطني، كتاب البيوع، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ٢٣، رقم: ٢٨٦٩، المستدرك للحاكم، كتاب الأحكام، مكتبه نزار مصطفى الباز، بيروت ٧/ ٢٥٢٣، رقم: ٧٠٥٩، قديم ٤/ ١٠١)

إن للمتولي أجر مثل عمله، وفي الشامية: ليس للمتولي أخذ زيادة على ما قرره له الواقف. (درمختار مع الشامي، كتاب الوقف، مطلب فيما يسمى خدمة وتصديقا في زماننا، كراچی ٤/ ٤٥١، زكريا ٦/ ٦٧٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲/۳/۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۶۵۱۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲/۳/۱۴۲۱ھ

موجودہ دور میں تنخواہ میں زیادتی کا مطالبہ کرنا

سوال [۸۵۲۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مساجد کے ائمہ کرام اور مدارس کے معلمین کرام ان بے چاروں کو امامت وتعلیم کے بعد اتنا وقت نہیں ملتا کہ وہ کچھ اور کر کے اپنے اخراجات کی تکمیل کر سکیں؛ کیوں کہ انہیں اپنے کام کی تنخواہیں بہت کم ملتی ہیں؛ لہٰذا وہ اپنے گذارے اور اہل خانہ کے اخراجات کے لئے کیا شکل اختیار کریں، اگر یہ لوگ تنخواہ میں اضافہ کی مانگ کریں تو لوگ ان کو بدنام کرتے ہیں کہ یہ اپنے منہ سے تنخواہ مانگتے ہیں، آج کل اس طرف سے بڑی غفلت برتی جا رہی ہے، ہزار آٹھ سو روپیہ ماہانہ مشکل سے ملتا ہے، اس میں بھی ہفتہ دو ہفتہ کی تاخیر ہو جاتی ہے؛ لہٰذا شریعت کی رو سے آج کے اس مہنگائی کے زمانہ میں ان کی تنخواہ کیا ہونی چاہئے؟ شریعت کا اس بارے میں کیا حکم ہے؟ اس کے مد نظر عوام الناس ان حضرات کو رمضان المبارک میں نذرانہ وہدیہ دیتے ہیں، تاکہ اس قلیل اور کم تنخواہ کی بھرپائی ہو سکے، تاکہ یہ بے چارے بھی اپنے اور اپنے اہل وعیال کے اخراجات کو پورا کر سکیں اور اطمینان اور سکون کی زندگی گذار سکیں؛ لیکن نیم ملا نے نئے نئے فتوی لے کر اس کی بھی مخالفت کی؟

المستفتی: منجانب اتحاد المسلمین گھر کون، ایم پی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: موجودہ زمانہ کی گرانی اور مہنگائی سب کے سامنے ہے، ہزار بارہ سو روپیہ، دو ہزار روپیہ ضروریات زندگی کے کسی ایک پہلو کو پورا کرنے کے لئے کافی نہیں، جس کے گھر میں دو چار بچے ہوں تو ہزار بارہ سو روپیہ کا دودھ تو یہی بچے پی لیتے ہیں؛ اس لئے مہنگائی اور گرانی کے اعتبار سے مدارس کے تمام مدرسین، ملازمین اور ائمہ مساجد کی تنخواہیں بڑھنی لازمی ہے، نیز جو اساتذہ باصلاحیت، محنتی اور تجربہ کار ہیں، ان کی تنخواہیں دوسروں کے مقابلہ میں نمایاں طور پر زائد ہونی چاہئیں، مدارس اسلامیہ کے ذمہ داروں کو اس

معاملہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سنت کو اپنانا چاہئے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی طرح کا قانون بنایا تھا، ملاحظہ فرمایئے:

فلما توفي أبو بكر –رضي الله عنه– واستخلف عمر، فتحت عليه الفتوح، وجاء هم مال أكثر من ذلک، فقال: كان لأبي بكر –رضي الله عنه– في هذا المال رأي، ولي رأى آخر، رأي أبو بكر أن يقسم بالسوية، ورأيت أن أفضل المهاجرين والأنصار، ولا أجعل من قاتل رسول الله صلى الله عليه وسلم كمن قاتل معه، ففضل المهاجرين والأنصار، فجعل لمن شهد بدرا منهم خمسة آلاف، ومن كان له إسلام مع إسلامهم، إلا أنه لم يشهد بدرا أربعة آلاف أربعة آلاف، وللناس على قدر إسلامهم ومنازلهم.

(شرح معاني الآثار، كتاب وجوه الفيء، بيروت ۳/ ۲۲۸، رقم: ٥٣١٤)

فلما كان عمر بن الخطاب –رضي الله عنه– وجاء الفتوح فضل، وقال: لا أجعل من قاتل مع غير رسول الله ﷺ كمن قاتل، ففرض لأهل السوابق والقدم من المهاجرين والأنصار ممن شهد بدرا أو لم يشهد بدرا أربعة آلاف درهم، وفرض لمن كان إسلامه كإسلام أهل بدر دون ذلک أنزلهم على قدر منازلهم من السوابق انتهى. وفي القنية: من باب ما يحل للمدرس والمتعلم كان أبوبكر –رضي الله عنه– يسوى بين الناس في العطاء من بيت المال، وكان عمر –رضي الله عنه– يعطيهم على قدر الحاجة، والفقه، والفضل، والأخذ بما فعله عمر –رضى الله عنه– في زماننا أحسن. (الأشباه والنظائر، قديم ۱۸۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۶۵۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۵/۲۲ھ

شرط فاسد لگا کر تنخواہ بڑھانا

سوال [۸۵۲۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: گذشتہ ایام ہمارے مدرسہ کی مجلسِ شوریٰ کا اجلاس ہوا، اساتذۂ مدرسہ نے مجلسِ شوریٰ سے یہ درخواست کی کہ مسلسل بڑھتی ہوئی گرانی کے پیش نظر تنخواہوں میں اضافہ کیا جائے، اس درخواست پر شوریٰ نے یہ قرارداد منظور کی کہ اساتذہ کی تنخواہوں میں مبلغ ۳۰۰/ روپئے کا اضافہ اس شرط پر کیا جاتا ہے کہ اساتذہ اپنی تنخواہوں کی دوتہائی رقم مدرسہ میں چندہ کر کے جمع کریں، مثلاً اگر کسی استاذ کی سالانہ تیس ہزار ہوتی ہے تو بیس ہزار روپئے جمع کرنا ضروری ہے، اس سے کم چندہ کرنے پر وہ اضافہ کی رقم کا مستحق نہیں ہوگا، جب کہ کسی مدرس کا تقرر چندہ کی شرط پر نہیں ہے؛ بلکہ صرف تعلیم وتدریس کے لئے ہے، نیز دستور مدرسہ میں چندہ کی ذمہ داری اربابِ انتظام کی ہے، تاکہ اساتذہ کی ذمہ داری صرف درس وتدریس رہے۔ آنجناب فرمائیں کہ یہ قرارداد از روئے شرع جائز ہے؟ اور کیا اساتذۂ مدرسہ مجلس شوریٰ سے یہ شرط ختم کرنے کی درخواست کر سکتے ہیں؟

المستفتی: اساتذہ مدرسہ رحمانیہ ٹانڈہ بادلی، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مدارسِ اسلامیہ کے قوانین وضوابط کا سارا مدار ذیل کی حدیث پاک پر ہے:

الصلح جائز بين المسلمين إلا صلحا حرم حلالا، أو أحل حراما، والمسلمون على شروطهم، إلا شرطا حرم حلالا، أو أحل حراما. (سنن الترمذي، أبواب الأحكام، باب ما ذكر عن رسول الله ﷺ في الصلح بين الناس، النسخة الهندية ١/ ٢٥١، دارالسلام، رقم: ١٣٥٢، وهكذا في المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي بيروت ١٧/ ٢٢، رقم: ٣٠، سنن الدارقطني، كتاب البيوع، دارالكتب

العلمية بيروت ٣/ ٢٣، رقم: ٢٨٦٩، المستدرك للحاكم، كتاب الأحكام، مكتبه نزار مصطفى الباز، بيروت ٧/ ٣٥٢٣، رقم: ٧٠٥٩، قديم ٤/ ١٠١)

اسی حدیث پاک سے دینی اداروں کے قوانین مستنبط ہوتے ہیں۔سوال نامہ میں اساتذہ کی تنخواہوں میں اضافہ کو امر متردد فیہ کے ساتھ معلق اور مشروط کیا گیا ہے، یہ شرط فاسد ہے، مذکورہ حدیث شریف کی روشنی میں مدارس اسلامیہ کے قوانین مستنبط ہوتے ہیں؛ لیکن اس حدیث میں شرط فاسد اور ناجائز شرط لگانے کی ممانعت بھی موجود ہے؛ اس لئے مجلسِ شوریٰ نے تنخواہوں میں اضافہ کے لئے اساتذہ پر جو شرط رکھی ہے وہ ناجائز اور ممنوع شرط ہے، اسے ختم کرنا ضروری ہے۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍ربیع الاول ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۲۹۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۳/۱۶ھ

سائنس سے انٹر پاس اور ہندی کے مدرس کو گورنمنٹ سے تنخواہ دلانا

سوال [۸۵۲۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: گورنمنٹ نے ان دینی مدارس کے لئے جو گورنمنٹ سے منظور شدہ ہیں، ہر ایسے مدرسہ کے لئے ایک مدرس کی تنخواہ تین ہزار روپیہ ماہوار دینے کا اعلان کیا ہے، جو سائنس سے انٹر پاس ہو اور ہندی کا مدرس ہو، مذکورہ مدرس کو گورنمنٹ کی جانب سے تنخواہ دلانے میں کیا مضائقہ ہے؟ اگر مضائقہ ہے تو تفصیل سے روشنی ڈالیں۔

المستفتی: مہتمم مدرسہ ضیاء الاسلام ٹانڈہ رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اکابر دارالعلوم اور مظاہر علوم اور اکابر شاہی کی ہدایت ہے کہ حکومت کی طرف سے کوئی تعاون نہ لیا جائے، اگر سرکاری تنخواہ کے ساتھ مدرس رکھا جائے گا تو بعد میں ممکن ہے کہ سرکار کی طرف سے مداخلت کا سلسلہ شروع ہو جائے، یہی مضائقہ

ہے، نیز ایک مضائقہ اور بھی ہے کہ سرکار کی طرف سے ایک مدرس کا اعلان ہے اور منجانب مدرسہ چار پانچ امیدوار کی شکل میں کھڑے ہیں، ان میں آپس میں اختلافات وتنازعات کا سلسلہ شروع ہوجائے، بعض جگہ ایک جگہ کے امیدوار دو شخص ہوگئے اور دونوں کی برادری اور خاندانی دوفریق بن گئے اور ممبران شوریٰ میں بھی دوفریق ہوگئے، جس کے نتیجہ میں ماحول میں ایک طوفان سا برپا ہوگیا، جانبین میں سخت گرما گرمی ہوگئی، کئی مہینہ تک یہ سلسلہ جاری رہا، یہ دوسرا مضائقہ ہے؛ اس لئے منجانب سرکار تنخواہ دار ملازم مدرسہ میں نہ رکھا جائے۔ (مستفاد: امداد المفتیین / ۱۰۱۹)

قال اللّٰہ تعالیٰ: وَعَسَى اَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَكُمْ وَعَسَى اَنْ تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَكُمْ. [سورة البقرة، آيت: ٢١٦] فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵ / جمادی الاولیٰ ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۳۸۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۵/۲۵ھ

مدرسہ کے ناظم کا مدرس کی تنخواہ نہ دینا

سوال [٨٥٢٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید ایک مدرسہ کا ملازم ہے، مدرسہ کے ناظم کے پاس بجنور کے اجتماع میں جانے کے لئے چھٹی کی درخواست لے کر گیا، سات مہینے گذرنے کے بعد پہلی چھٹی کی درخواست ہے، جس پر ناظم مدرسہ نے سخت برہمی کا اظہار کیا، ناظم مدرسہ کی سخت کلامی سن کر زید نے اسی وقت استعفیٰ بھیج دیا، اب مدرسہ کے ذمہ زید کی آٹھ دن کی تنخواہ باقی ہے؟ ناظم مدرسہ نے تنخواہ دینے سے انکار کردیا ہے، از روئے شریعت بتائیے، زید کی تنخواہ مدرسے کے ذمہ واجب ہے یانہیں؟ تنخواہ نہ دینے کی صورت میں ناظم مدرسہ سے قیامت کے دن باز پرس ہوگی یانہیں؟ اور یہ حقوق العباد میں داخل ہے یانہیں؟

المستفتی: رئیس احمد، دڑھیال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفیق: جس مدرسہ سے متعلق سوال لکھا گیا ہے، اس مدرسہ کا قانون اور ضابطہ کیا ہے؟ معلوم ہوجاتا تو بہتر تھا، اگر اس مدرسہ میں ملازم کے رکھنے اور علیحدہ ہونے سے متعلق کوئی قانون اور ضابطہ پہلے سے بنا ہوا نہیں تھا، تو مذکورہ ملازم سوال نامہ میں لکھی ہوئی آٹھ دنوں کی تنخواہ کا مستحق ہے، جن میں اس نے مدرسہ کی خدمت انجام دی ہے اور تنخواہ نہ دینے کی صورت میں ناظم مدرسہ سے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے دربار میں باز پرس ہوگی۔ اور اگر اس مدرسہ میں اس بارے میں کوئی قانون اور ضابطہ بنا ہوا ہے، تو اسی ضابطہ کے مطابق حکم شرعی ثابت ہوگا۔

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ألا ! لا تظلموا، ألا ! لا تظلموا، ألا ! لا تظلموا إنه لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه. (مسند أحمد بن حنبل ٥/ ٧٢، رقم: ٢٠٩٧١، دارقطني، البيوع، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ٢٢، رقم: ٢٨٦٣)

المسلمون على شروطهم، إلا شرطا حرم حلالا، أو أحل حراما. (ترمذي، أبواب الأحكام، باب ما ذكر عن رسول الله ﷺ في الصلح بين الناس، النسخة الهندية ١/ ٢٥١، دارالسلام، رقم: ١٣٥٢، المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي بيروت ١٧/ ٢٢، رقم: ٣٠، دارقطني، كتاب البيوع، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ٢٣، رقم: ٢٨٦٩، المستدرك للحاكم، كتاب الأحكام، مكتبه نزار مصطفى الباز، بيروت ٧/ ٢٥٢٣، رقم: ٧٠٥٩، قديم ٤/ ١٠١)

الأجير الخاص يستحق الأجرة إذا كان في مدة الإجارة حاضرا للعمل. (شرح المجلة، كتاب الإجارة، اتحاد بك ڈپو ديوبند ٦/ ٢٣٩، رقم: ٤٢٥)

الأجرة إنما تكون في مقابلة العمل. (شامي، كتاب النكاح، باب المهر، كراچی ٣/ ١٥٦، زكريا ٤/ ٣٠٧)

لا يجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي.

(شامي، كتاب الحدود، مطلب في التعزير بأخذ المال، كراچی ٤/ ٦١، زكريا ٦/ ١٠٦،
البحر الرائق، كوئٹه ٥/ ٤١، زكريا ٥/ ٦٨، هندية، زكريا قديم ٢/ ١٦٧، جديد ٢/ ١٨١)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۳۹۸/۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۵/۴ھ

مقررہ تنخواہ سے کم دینے کا حکم

سوال [۸۵۲۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک مدرس کے تقرر کے وقت مہتمم مدرسہ سے ماہانہ تنخواہ سولہ سو طے ہوتی ہے، پھر رجسٹر میں درج کرنے کی باری آتی ہے تو تنخواہ پندرہ سو روپیہ لکھی جاتی ہے، جب اعتراض کیا گیا تو جواب ملا کہ آپ کو تنخواہ سے مطلب ہے؟ چنانچہ یہ تنخواہ سال کے اختتام پر تیرہ سو رمضان کی ڈبل کے اعتبار سے وصول ہو جاتی ہے، پھر دوسرا سال گذر جانے کے بعد جب اس تنخواہ کا مطالبہ کیا جاتا ہے، تو مہتمم مدرسہ سے یہ جواب ملتا ہے کہ ہم چھوٹے ہیں، ہم نہیں دے سکتے جو رجسٹر میں موجود ہے وہی دے سکتے ہیں، اس کے علاوہ نہیں دے سکتے، تو کیا اس صورت میں مدرس دو سال کی تنخواہ کا یا ایک سال کی تنخواہ کا مستحق ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد ارشاد قاسمی

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب آپس میں یہ شرط طے ہوگئی کہ سولہ سو روپیہ ماہانہ تنخواہ رہے گی، تو وہ مدرس سولہ سو روپیہ ماہوار کا مستحق ہے۔ اور جو مقدار اس میں رہ گئی ہے وہ مدرس کا حق ہے، اس کی ادائے گی ذمہ دارانِ مدرسہ پر لازم ہے؛ اس لئے کہ آپس کی طے شدہ شرائط کی پابندی حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق جانبین پر لازم ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۷/ ۲۸۴، فتاوی محمودیہ قدیم ۱۴/ ۱۶۴، جدید ڈابھیل ۱۵/ ۵۶۱)

المسلمون على شروطهم، إلا شرطا حرم حلالا، أو أحل حراما.

(ترمذي، أبواب الأحكام، باب ما ذكر عن رسول الله ﷺ في الصلح بين الناس، النسخة الهندية ١/ ٢٥١، دارالسلام، رقم: ١٣٥٢، وهكذا في البخاري، كتاب الإجارة، تحت ترجمة الباب، باب أجر السمسرة ١/ ٣٠٣، رقم الباب: ١٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ رذی الحجہ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۹۶۹)

چندہ نہ کرنے کی صورت میں مدرس کو سابقہ تنخواہ نہ دینا

سوال [۸۵۲۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مدرسین حضرات دینی مدرسوں میں تعلیم دے رہے ہیں اور دیتے چلے آئے ہیں اور تعلیم دیتے رہیں گے؛ لہٰذا مدرس کو کمیٹی والے حضرات جب معلم کی حیثیت سے مدرسہ میں رکھتے ہیں تو مدرس سے کچھ شرائط رکھتے ہیں کہ ہماری یہ شرائط ہیں، مثلاً ٹائم کی پابندی کرنا یا چندہ کرنا یا کرانا، کہنا ضروری یہ ہے کہ کمیٹی والے حضرات نے مدرس کو رکھا جو شرائط اوپر کی عبارت میں درج ہیں وہ شرائط طے پائیں، ان شرائط میں مدرس صرف ایک شرط ادا کرسکا، چندہ کے بارے میں مدرس سے شروع میں پوچھا تھا کہ آپ کتنا چندہ کرسکیں گے؟ مدرس نے کہا تھا کہ میں صرف پینتالیس سو روپیہ کا چندہ کرسکتا ہوں، بہرحال مدرس نے صرف تعلیم ہی سہی وقت پر بچوں کو دیتے رہے، چندہ کسی مجبوری میں اگر نہ کرسکا یہاں تک کہ رمضان شریف میں ہر سال قرآن شریف نماز تراویح میں پڑھتا تھا، قرآن شریف بھی نہ پڑھا، کمیٹی نے مدرس کو رکھتے وقت یہ کہا تھا کہ اس وقت ہمارے پاس پیسہ نہیں ہے، رمضان میں چندہ ہوگا آپ کی تنخواہ مل جائے گی، کچھ آپ کریں گے اور کچھ ہم کریں، یا مدرس نے یہ بھی کہہ دیا کہ میں دس ہزار پندرہ ہزار کا چندہ دوں گا، وہ مجبوری میں ایسا گھرا کہ وہ چندہ بالکل نہ کرسکا، تو آیا اس

صورت میں مدرس کوتنخواہ کمیٹی دے یا نہ دے؟ کمیٹی کوتنخواہ روکنی جائز ہے یا ناجائز؟ مدرس کا دارومدار تنخواہ پر ہی ہے، چھ ماہ کی تنخواہ کمیٹی پر ہے، جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: محمد عمران سرسواں دوراہہ کاشی پورروڈ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بوقت تقرر یہ کہنا کہ اس وقت مدرسہ میں پیسہ نہیں ہے رمضان میں چندہ بھی کرنا پڑے گا، جیسا کہ سوال نامہ سے واضح ہے، ۴۵۰۰ر کی ہمت ظاہر کی ہے یہ بھی سوال سے واضح ہے اور اس طرح کے شرائط اکثر مدارس کے اندر مدرسین کے تقرر کے وقت لگائے جاتے ہیں؛ لیکن اس طرح کے شرائط باوجودیکہ مدارس اسلامیہ میں متعارف ہیں؛ لیکن مدارس اسلامیہ کے اندر یہ بھی متعارف ہے کہ اگر کوئی شخص خاص مجبوری یا پریشانی کی وجہ سے چندہ نہ کرسکے تو اس کی اصل تنخواہ نہیں کاٹی جاتی، ہاں البتہ مدرسہ میں پیسہ نہ ہونے کی صورت میں تنخواہوں کی ادائے گی میں تاخیر ہو جاتی ہے؛ اس لئے سوال نامہ میں درج کردہ صورت میں مدرس چندہ نہ کرنے کی وجہ سے تنخواہ سے محروم نہ ہوگا، وہ پوری تنخواہ کا مستحق ہے؛ البتہ مدرسہ میں پیسہ نہ ہونے کی صورت میں کچھ تاخیر ہوسکتی ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۷/۲۸۴، امداد الفتاوی ۳/۳۶۱)

عن عبداللّٰہ بن عمرو بن عوف المزني، عن أبیه، عن جده أن رسول اللّٰہ ﷺ قال: الصلح جائز بین المسلمین إلا صلحا حرم حلالا، أو أحل حراما، والمسلمون علی شروطهم، إلا شرطا حرم حلالا، أو أحل حراما.

(سنن الترمذي، أبواب الأحکام، باب ما ذکر عن رسول اللّٰہ ﷺ في الصلح بین الناس، النسخة الهندیة ۱/ ۲۵۱، دارالسلام، رقم: ۱۳۵۲، المعجم الکبیر للطبراني، دار إحیاء التراث العربي بیروت ۱۷/ ۲۲، رقم: ۳۰، سنن الدارقطني، کتاب البیوع، دارالکتب العلمیة بیروت ۳/ ۲۳، رقم: ۲۸۶۹، المستدرك للحاکم، کتاب الأحکام، مکتبه نزار مصطفی الباز، بیروت ۷/ ۲۵۲۳، رقم: ۷۰۵۹، قدیم ۴/ ۱۰۱) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللّٰہ عنہ
۱۳؍ربیع الاول ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۷۱۱۶)

مقررہ وقت میں کام کرنے پر تنخواہ کا استحقاق اور کوتاہی پر برطرف کرنا

سوال [۸۵۲۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک دینی تعلیمی ادارہ جس کے بعض مدرسین کی تنخواہ حکومت دے رہی ہے۔ اور بعض مدرسین کی تنخواہ مجلس منتظمہ بذریعہ عوامی امداد ادا کرتی ہے۔ سرکار کے ذریعہ تنخواہ پانے والے مدرسین میں ایک حافظ بھی ہے، جو قرآن پاک کو بھلا چکا ہے، ادارہ کے ناظم نے بارہا کوشش کی کہ وہ قرآن پاک کو پھر سے یاد کرلے؛ لیکن حافظ مذکور مسلسل آٹھ سالوں سے قرآن پاک کو پھر سے یاد کرلینے کی مہلت لیتا رہا، پھر بھی وہ اپنی یادداشت کو بحال نہ کرسکا، نتیجتاً مروجہ حفظ بے جان ہوکر رہ گیا ہے اور حافظ کی پیداوار لمبی مدت سے بند ہے، جب کہ ہندوستان جیسے آفت زدہ ملک میں حافظ کی پیداوار بہت ضروری ہے اور ہمارا قصبہ اور علاقہ دیندار حافظ سے محروم ہی ہے۔

اب غور طلب بات یہ ہے کہ حکومت حافظ کے عہدہ کے لئے رقم دیتی ہے اور شخص مذکور حافظ رہا نہیں اور اپنے عہدہ کو چھوڑنے کے لئے قطعی تیار نہیں ہے، مدرسین کی تقرری اور برخواستگی کا کلی اختیار ادارہ کے ناظم انتظامیہ کو حاصل ہے، مذکورہ عہدہ کو خالی کرا کر باصلاحیت حافظ کی بحالی کی غرض سے جب شخص مذکور کی برخواستگی کی کارروائی شروع کی جاتی ہے، تو لوگوں سے اپنی روزی روٹی کے لئے ہنگامہ کرواتا ہے اور ہتھیار اٹھانے کی دھمکی دیتا ہے، اس طرح دینی تعلیم کا ایک اہم شعبہ اس ادارہ میں زندہ نہیں ہو پا رہا ہے، تو کیا مذکورہ صورت میں حکومت کے ذریعہ حافظ کے عہدہ کے لئے ادارہ کو دی گئی رقم شخص مذکور کو دینا لینا شرعاً درست ہے؟

المستفتی: عبدالغفار سیتامڑی، بمعرفت سجاد حسین دار العلوم دیوبند

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب وہ مفوضہ وقت میں کام کرے گا تو طے شدہ تنخواہ کا مستحق ہوجائے گا؛ لیکن ذمہ داری میں ناکامی کی صورت میں ذمہ داران مدرسہ کو برطرف

کرنے کا حق ہوسکتا ہے، مگر جب تک کام کرتا رہے گا تنخواہ مذکورہ کا مستحق رہے گا۔

عن عمرو بن يحيى المازني، عن أبيه أن رسول الله ﷺ قال: لا ضرر ولا ضرار. (موطا إمام مالك، كتاب القضاء، القضاء في المرفق، أشرفي ديوبند ٣١١)

لا يضر الرجل أخاه ابتداء ولا جزاء. الخ (الأشباه، قديم، ص: ١٣٩)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶ ؍رمضان ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۶۸۱)

مدارس ومساجد کے ملازمین کا سرکاری تنخواہ لینا

سوال [۸۵۳۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بہت سے اسکولوں، مدارس ومساجد کو تنخواہ سرکار دیتی ہے، اس کا لینا کیسا ہے؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ سرکار تو سود لیتی ہے، اور وہی سود تنخواہ میں ملا کر دیتی ہوگی، تو گویا سود لیا گیا پھر جب وہ اسکول ومدارس ومساجد والے اپنی واجبی ماہانہ تنخواہ لینے کے لئے متعلقہ سرکاری دفتر میں جاتے ہیں تو وہ ان سے رشوت لیتے ہیں، بغیر اس کے دیتے ہی نہیں، تو یہ رشوت دینا اور پھر اس میں سود کی رقم لینا جائز ہے یا نہیں؟ کوئی گنجائش ہے یا نہیں؟

المستفتی: قمر الدین، مدرسہ قاسمیہ عربیہ جامع مسجد نگینہ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سرکاری تنخواہ مساجد ومدارس کے لئے لینا اس وقت جائز ہے جب کہ سرکاران لوگوں پر اپنا تسلط وغلبہ نہ جمائے۔ اور اگر تنخواہ لینے کے لئے سرکاری دفتروں میں رشوت وغیرہ دینی پڑتی ہے تو ایسی صورت میں ارتکاب حرمت کی وجہ سے لینا جائز نہ ہوگا۔ اور آج کل مدارس ومساجد کا سرکار سے ملحق کرنا ہرگز مناسب نہیں ہے۔ (مستفاد: نظام الفتاوی ۲/ ۳۷۵)

عن عبدالله بن عمرو قال: لعن رسول الله ﷺ الراشي والمرتشي.
(سنن أبي داؤد، كتاب القضاء، باب في كراهية الرشوة، النسخة الهندية ۲/ ۵۰٤، دارالسلام، رقم: ۳۵۸۰، مسند أحمد بن حنبل ۲/ ١٦٤، رقم: ٦٥٣٢)

قال الفقيه أبو الليث: اختلف الناس في أخذ الجائزة من السلطان، قال بعضهم: يجوز ما لم يعلم أنه يعطيه من حرام، قال محمد رحمه الله تعالىٰ: وبه نأخذ ما لم نعرف شيئا حراما بعينه، وهو قول أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ وأصحابه. (هندية، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات، زكريا قديم ٥/ ٣٤٢، جديد ٥/ ٣٩٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/ ۳۴۷۵)

پرائیویٹ فنڈ کا حکم

سوال [۸۵۳۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید ایک مدرسہ میں ملازم ہے اور تنخواہ سرکار سے ملتی ہے۔ اور قانوناً دس فیصد پرائیویٹ فنڈ کٹتا ہے اور فنڈ میں جمع ہوتا ہے، پھر سرکار اس دس فیصد پر مزید اضافہ کر کے دیتی ہے؛ لیکن زید اپنے اختیار سے مزید بیس یا پچیس فیصد پرائیویٹ فنڈ کٹواتا ہے اور سرکار اس پر بھی مزید اضافہ کے ساتھ رقم واپس دیتی ہے، تو سوال یہ ہے کہ دس فیصد جو قانوناً کٹتا ہے اس کا کیا حکم ہے؟ اور اپنے اختیار سے جو زیادہ کٹواتا ہے، اس کا کیا حکم ہے؟ اور اس پر ملنے والی زائد رقم کا کیا حکم ہے؟ سود کے حکم میں داخل ہے یا نہیں؟ اور زید کا اپنے اختیار سے G.P.S زائد کٹوانا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد طارق، مئو

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مدرسہ کے ملازم کی تنخواہ سے جو دس فیصد پرائیویٹ فنڈ کے نام سے سرکار کاٹ کر اپنے پاس جمع کرتی ہے اور اس پر مزید اضافہ کر کے ریٹائرڈ ہوتے وقت دیتی ہے، یہ اضافہ شرعاً سود نہیں ہے؛ اس لئے اس کا لینا جائز ہے۔ اور اپنے اختیار سے جو کٹواتے ہیں، اس کی دو شکلیں ہیں:

(۱) تنخواہ کے پیسے اپنے اختیار سے قبضہ میں آنے کے بعد از خود داخل کرے، اس پر ملنے والا اضافہ سود ہے، وہ جائز نہیں ہے۔

(۲) دوسری شکل یہ ہے کہ تنخواہ میں سے وہ حصہ اس کے ہاتھ نہیں آیا تو ملنے والا اضافہ جائز ہے؛ اس لئے کہ اس کے قبضہ میں آنے سے پہلے پہلے وہ مالک ہی نہیں ہوا ہے؛ اس لئے اصل اور اضافی دونوں قسم کی رقم پرائیویٹ فنڈ کے ہی حکم میں ہے، اس وجہ سے جائز ہے۔

(مستفاد: امداد الفتاوی۳/ ۱۵۲، پرائیویٹ فنڈ پر زکوۃ اور سود کا مسئلہ بحوالہ فتاوی عثمانی ۳/ ۳۰۷، ایضاح المسائل، ص: ۱۰۷، کتاب المسائل۲/ ۲۲۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۵)

بلا اجازت مدرسے سے جانے والے کی تنخواہ کا حکم

سوال [۸۵۳۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید ایک مدرسہ میں استاذ تھا، اس نے ایک سال کے لئے رخصت بالوضع طلب کی؛ لیکن مدرسہ نے اس کی رخصت منظور نہیں کی؛ لیکن زید بلا منظوری ہی اپنی ضرورت سے چلا گیا؛ البتہ اسی دوران زید نے اسی مدرسہ کے لئے تقریباً ۷۰۰۰۰؍ ہزار روپئے کا چندہ کیا، جس میں سے بقول زید آٹھ ہزار ایک سو اٹھاسی روپئے وصول نہ ہوئے اور پینتیس ہزار

روپئے یہ کہہ کر واپس لے لئے کہ مجھے ان کی ضرورت ہے، جب حساب ہوگا اس وقت دیکھا جائے گا، بعد ازاں مزید ۱۴۰۰۰؍ ہزار روپئے قرض لئے، پھر جب اہل مدرسہ نے پینتیس ہزار روپئے کی واپسی کا مطالبہ کیا تو زید نے جواب دیا کہ ۲۴۰۰۰؍ ہزار روپئے کا میرا انعام بنتا ہے۔ اور گیارہ ہزار سفرخرچ کے ہیں جو چندہ کی وصولیابی میں ہوا ہے، اس طرح پینتیس ہزار روپئے کا مطالبہ میری جانب نہیں ہے؛ لیکن زید سفرخرچ زبانی بیان کرتا ہے، تحریری طور پر نہیں دیتا، جب کہ مدرسہ کا تعامل سفرخرچ میں تحریری معتبر ہے، تاکہ رجسٹروں میں اندراج ہوسکے، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ:

(۱) زید کا بلا اجازت مدرسہ سے جانا اور چندہ کی رقم میں انعام کا نفاذ ومطالبہ کیا زید کے لئے شرعی طور پر درست ہے؟ پھر کیا مہتمم کے لئے اس انعامی رقم کا دینا اور زبانی سفرخرچ منظور کرنا شرعاً درست ہے؟ لہٰذا زید پینتیس ہزار روپئے کے مطالبہ کی نفی جس شکل میں کرتا ہے، کیا وہ قابل تسلیم ہے؟

(۲) آٹھ ہزار ایک سو اٹھاسی کی رقم کس پر واجب الاداء ہے، زید پر یا چندہ دہندگان پر جیسا کہ زید کہتا ہے کہ یہ رقم مجھے ابھی وصول نہیں ہوئی ہے؛ لیکن زید اہل مدرسہ کو ان حضرات کا پتہ دینے پر آمادہ نہیں ہے؟

المستفتی: ڈاکٹر عبدالرؤف محلّہ دائم پورہ، ٹانڈہ، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب زید مدرسہ سے اجازت لئے بغیر ایک سال سے غائب ہوگیا، تو اس درمیان زید مدرسہ سے تنخواہ کا مستحق نہیں اور اس دوران جو اس نے ۷۰۰۰۰؍ ہزار کا چندہ کیا ہے، وہ پوری رقم مدرسہ میں جمع کردینا لازم ہے، اس کے بعد جتنے دن اس نے مدرسہ کا کام کیا ہے، اتنے دنوں تک کے لئے مدرسہ اس کو اجرت مثل دے گا اور اجرت مثل سے زائد کچھ بھی نہیں ملے گا، ہاں البتہ سارا پیسہ مدرسہ میں داخل ہونے کے بعد مدرسہ کی شوریٰ یا اس کے قائم مقام کمیٹی مدرسہ کی مصلحت ومفاد کو پیش نظر رکھ کر اس کی تنخواہ

کے ساتھ کچھ انعام بھی دے تو اس کی گنجائش ہے۔ لیکن شوریٰ و کمیٹی کی منظوری و اجازت کے بغیر جائز نہیں ہے، نیز جب کہ زید اجازت و منظوری کے بغیر سفر میں چلا گیا ہے، تو وہ سفر خرچ کا مستحق نہیں ہے، ہاں البتہ شوریٰ یا کمیٹی اپنے مشورہ سے کوئی مناسب خرچ مدرسہ کی مصلحت کی بنا پر متعین کرے، تو اس کی گنجائش ہو سکتی ہے؛ اس لئے کہ مدرسہ کے ضوابط وقوانین کا مدار عرف اور ان شرائط پر ہے جو شوریٰ و کمیٹی نے متعین کی ہیں۔

عن عمرو بن عوف المزني، عن أبيه، عن جده أن رسول الله ﷺ قال: الصلح جائز بين المسلمين إلا صلحا حرم حلالا، أو أحل حراما، والمسلمون على شروطهم، إلا شرطا حرم حلالا، أو أحل حراما. (سنن الترمذي، أبواب الأحكام، باب ما ذكر عن رسول الله ﷺ في الصلح بين الناس، النسخة الهندية ١/ ٢٥١، دارالسلام، رقم: ١٣٥٢، هكذا في البخاري، كتاب الإجارة، تحت ترجمة الباب، أجر السمسرة، النسخة الهندية ١/ ٣٠٣، رقم: الباب: ١٤)

(۲) اور زید کا آٹھ ہزار ایک سو اٹھاسی کے بارے میں یہ کہنا کہ اتنی رقم وصول نہیں ہوئی یہ زید کی تنخواہ اور کارکردگی میں سے کاٹ کر اس وقت تک روک لیا جائے گا، جب تک کہ وہ پیسہ لاکر داخل دفتر نہ کردے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ ذیقعدہ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۹۵۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۵/ ۱۱/ ۱۴۲۱ھ

مدرس کی تقرری کے بعد بلاعوض نگرانی پر مجبور کرنے کا حکم

سوال [۸۵۳۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید ایک مدرسہ میں مدرس ہے اور درجہ حفظ میں بچوں کو پڑھاتا ہے، جب کہ زید مغرب کے بعد اور عشاء کے بعد اور فجر سے پہلے فجر کے بعد نگرانی کبھی کبھی نہیں کرتا ہے اور

کبھی کرتا ہے۔ اور بکر اس مدرسہ کا صدر مدرس ہے اور بار بار کہتا ہے کہ درجہ حفظ کے بچوں کے استاذ کو ان تینوں وقت کی پابندی ضروری ہے، جب کہ تقرر کے وقت ان تینوں وقت کی کوئی بات نہیں ہوئی ہے، اس پر زید کہتا ہے کہ میرا احسان ہے کہ یہ وقت مدرسہ میں دے رہا ہوں، ورنہ میری اس وقت کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے، بکر کا کہنا ہے کہ ان تینوں وقت کی پابندی ضروری ہے، زید کا کہنا ہے کہ میری یہ ذمہ داری نہیں ہے، اس مسئلہ میں مدرسہ کا کیا اصول ہے وضاحت فرمائیں؟ کیا زید کو ان تینوں اوقات کی پابندی ضروری ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد عبداللہ ٹھاکردوارہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب تقرر کے وقت تینوں اوقات کی نگرانی کرنے کا کوئی تذکرہ اور صراحت نہیں ہے، تو ان اوقات کی نگرانی پر مجبور کرنا ناانصافی ہے اور ہمارے مدرسہ شاہی میں اصول یہ ہے کہ حفظ کے اساتذہ مغرب سے عشاء تک اور فجر کے بعد نگرانی کرتے ہیں؛ لیکن اس کا الگ سے انہیں معقول معاوضہ دیا جاتا ہے؛ اس لئے اگر آپ کے مدرسہ میں کوئی ایسا اصول نہیں ہے اور تینوں اوقات کی نگرانی بھی کرانا چاہتے ہیں، تو پھر آپ کو انہیں الگ سے الاؤنس دینا چاہئے اور مدراسِ اسلامیہ کے قوانین وضوابط کا دار ومدار درج ذیل حدیث پر ہے:

عن عبداللّٰه بن عمرو بن عوف المزني، عن أبيه، عن جده أن رسول اللّٰه ﷺ قال: الصلح جائز بين المسلمين إلا صلحا حرم حلالا، أو أحل حراما، والمسلمون على شروطهم، إلا شرطا حرم حلالا، أو أحل حراما.

(سنن الترمذي، أبواب الأحكام، باب ما ذكر عن رسول اللّٰه ﷺ في الصلح بين الناس، النسخة الهندية ۱/ ۲۵۱، دارالسلام، رقم: ۱۳۵۲، المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي بيروت ۱۷/ ۲۲، رقم: ۳۰، سنن الدارقطني، كتاب البيوع، دارالكتب

العلمية بيروت ٣/ ٢٣، رقم: ٢٨٦٩، المستدرك للحاكم، كتاب الأحكام، مكتبه نزار مصطفى الباز، بيروت ٧/ ٢٥٢٣، رقم: ٧٠٥٩، قديم ٤/ ١٠١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰ر صفر ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۹۱۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۲/۱۱ھ

حج کو جانے والے مدرس کے لئے رخصت بالوضع کا حکم

سوال [۸۵۳۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص مدرسہ کا ملازم ہے اور فریضۂ حج کے لئے سفر میں جارہا ہے، اس صورت میں رخصت اس کو مدرسہ دے گا یا بالوضع رخصت استاذ لے گا، تفصیل کے ساتھ شریعت کی روشنی میں جواب مرحمت فرمادیا جائے۔

المستفتی: عبد الرحمٰن، ٹانڈہ رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایک دفعہ حج کو جانے کے لئے منجانب مدرسہ رخصت دینا متعارف ہے؛ اس لئے رخصت منجانب مدرسہ سمجھی جائے گی اور جن مدارس میں رخصت کی صراحت نہ ہو ان کو بھی عرف کی وجہ سے انہیں مدارس پر قیاس کیا جائے گا، جن میں منجانب مدرسہ حج فرض کی رخصت دی جاتی ہے؛ لہٰذا حج فرض کی رخصت کو رخصت بالوضع قرار نہ دیا جائے۔ اور مدارسِ اسلامیہ کے قوانین وضوابط اس حدیث سے مستنبط ہیں۔

عن عبدالله بن عمرو بن عوف المزني، عن أبيه، عن جده أن رسول الله ﷺ قال: الصلح جائز بين المسلمين إلا صلحا حرم حلالا، أو أحل حراما، والمسلمون على شروطهم، إلا شرطا حرم حلالا، أو أحل حراما.

(سنن الترمذي، أبواب الأحكام، باب ما ذكر عن رسول الله ﷺ في الصلح بين الناس، النسخة الهندية ١/ ٢٥١، دارالسلام، رقم: ١٣٥٢)

ومنها: البطالة في المدارس كأيام الأعياد ويوم عاشوراء، وشهر رمضان في درس الفقه لم أرها صريحة في كلامهم، والمسئلة على وجهين، فإن كانت مشروطة لم يسقط من المعلوم شيء، وإلا فينبغي أن يلحق ببطالة القاضي إمام يترك الإمامة لزيارة أقربائه في الرساتيق أسبوعا، أو نحوه، أو لمصيبة، أو لاستراحة لا بأس به، ومثله عفو في العادة والشرع.

(الأشباه والنظائر، قديم ۱/ ۱۵۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/۱۱/۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۷۳۹۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۸/۱۱/۱۴۲۲ھ

گورنمنٹ سے روپیہ لے کر مدرسین کو تنخواہ دینا

سوال [۸۵۳۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: حکومت تعلیمی امداد کے نام پر جو روپئے مدرسہ کو دیتی ہے اور جسے عرف عام میں ایڈ کہا جاتا ہے، اس کا لینا جائز ہے یا نہیں؟ اور کیا اس کے عدمِ جواز کی دلیل صرف یہ کہہ دینا کافی ہے کہ چونکہ یوپی کے مدارس ایڈ نہیں لیتے، مثلاً مدرسہ شاہی مرادآباد، مظاہر علوم سہارنپور، دارالعلوم دیوبند وغیرہ ایڈ نہیں لیتے؛ اس لئے ہمیں بھی لینا جائز نہیں ہے، جب کہ صحیح صورت حال یہ ہے کہ ایڈ لینے سے قبل ہمارے علاقہ کے مدارس میں اتنی قلیل اور معمولی تنخواہ ہوتی تھی جو کسی طرح بھی کافی اور تسلی بخش نہیں کہی جاسکتی، اس کے برعکس مذکورہ بالا مغربی مدارس میں اس وقت بھی تنخواہیں انتہائی مناسب اور اطمینان بخش ہوتی تھیں، جس کے سبب ایک مدرس ہر طرف سے فارغ البال ہوکر یکسوئی کے ساتھ کام کرتا، ادھر کچھ سالوں سے یہ مشرقی مدارس سرکار سے ایڈ لینے لگے ہیں، جس کے طفیل مدرسین کے اندر فرائض منصبی کو بحسن خوبی انجام دینے کے لئے ایک گونہ سکون میسر ہوگیا ہے اور بڑی حد تک دینی تعلیم کی

طرف سے پرانی بے توجہی دور ہوگئی ہے، لوگ شوق سے اپنے بچوں کو پڑھانے بھی لگے ہیں، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایڈ لینا، اسی طرح مدرسہ کے لئے مصرف میں خرچ کرنا اوراس سے مدرسین کو تنخواہ دینا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: ظہیر الحق نعمانی، کوپا گنج اعظم گڑھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر حکومت مدرسہ میں کسی بھی وقت دخل نہ دینے کا وعدہ کرے اور اربابِ مدرسہ کو بھی اس بارے میں اطمینان ہو، تو گورنمنٹ سے ایڈ لینا اور اس کو تنخواہوں اور دوسری ضروریات میں صرف کرنا درست اور جائز ہے، ورنہ احتراز لازم ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۴/ ۷۷، کفایت المفتی قدیم ۷/ ۱۰۱، جدید زکریا مطول ۱۰/ ۴۷۹، فتاوی مظاہر علوم ۱/ ۱۷۴، نظام الفتاوی ۲/ ۳۷۴)

قال الفقيه أبو الليث: اختلف الناس في أخذ الجائزة من السلطان، قال بعضهم: يجوز ما لم يعلم أنه يعطيه من حرام، قال محمد رحمه الله تعالىٰ: وبه نأخذ ما لم نعرف شيئا حراما بعينه، وهو قول أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ وأصحابه. (هندية، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر في الهدايا و الضيافات، زكريا قديم ٥/ ٣٤٢، جديد ٥/ ٣٩٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲/۵/۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۲۱۴)

بمد تعمیر رقم کو تنخواہ میں استعمال کرنا

سوال [۸۵۳۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک مدرسہ میں صدر مدرس اور معاون صاحب نے ناظم مدرسہ کی اجازت کے

بغیر بمد تعمیر رقم کو تنخواہ میں استعمال کرلیا، ناظم صاحب کے استفسار پر ان لوگوں نے غلطی کا اقرار کیا، معافی کے طالب ہیں، ایسی صورت میں حکم شرعی کیا ہے؟ بینوا توجروا

المستفتی: فیض الحسن، ہردوئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر تعمیر کی رقم کو مد تنخواہ میں خرچ کردیا ہے، تو ایسی صورت میں مذکورہ صدر مدرس اور معاون کو تصرف میں خائن شمار کیا جائے گا؛ لیکن چونکہ مد تعمیر اور تنخواہ دونوں ازقبیل امداد ہیں اور مذکورہ صدر مدرس اور معاون نے اپنی ذات میں خرچ نہیں کیا ہے؛ بلکہ ایک مصرف کی چیز کو دوسرے مصرف میں خرچ کرنے میں بد نظمی اور بددیانتی کا ثبوت دیا ہے؛ اس لئے اپنی جیب سے تاوان ادا کرنا لازم نہ ہوگا، ہاں البتہ ناظم صاحب اور اعلیٰ ذمہ داروں کو انہیں صدارت اور معاونت سے سبکدوش کرنے کا حق ہے؛ لیکن جب وہ معافی کے طلب گار ہیں تو ''**التائب من الذنب کمن لا ذنب له**''. **الحدیث** (ابن ماجة، أبواب الزهد، باب ذکر التوبة، النسخة الهندية/ ۳۱۳، دارالسلام، رقم: ۴۲۵۰) کی رو سے انہیں درگذر کردینا چاہئے، نیز یہ بھی لازم ہے کہ مد تنخواہ میں سے اتنی رقم جتنی تنخواہ میں خرچ کی گئی ہے مد تعمیر میں منتقل کردی جائے، تاکہ دینے والے کی غرض کے مطابق مقصد میں خرچ ہوسکے۔ ''البحرالرائق'' کی ذیل کی عبارت سے یہ مسئلہ مستفاد ہوتا ہے:

ولو جمع مالا لینفقه في بناء المسجد، فأنفق بعضه في حاجته، ثم رد بدله في نفقة المسجد لا یسعه أن یفعل ذلک، فإذا فعله وکان یعرف صاحبه ضمن له بدله، أو استاذنه في صرف عوضه في المسجد، وإن کان لا یعرفه، رفع الأمر إلی القاضي لیأمره بإنفاق بدله فیه، وإن لم یمکنه الرفع إلیه قالوا: نرجوا له في الاستحسان الجواز إذا أنفق مثله في المسجد یخرج عن العهدة فیما بینه وبین الله تعالیٰ. (البحرالرائق، کتاب الوقف، فصل في أحکام المساجد، زکریا ۵/ ۴۲۰، کوئٹه ۵/ ۲۵۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۶۹۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۲۱/۵/۳۰ھ

غیر حاضری کی تنخواہ کا حکم

سوال [۸۵۳۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عمر ایک مسجد میں امامت اور اسی مسجد میں مکتب میں مدرس ہے، تقریباً دو سال سے ذمہ دار مکتب ان کی تدریسی ذمہ داری سے مطمئن نہیں ہیں، گذشتہ شعبان میں سالانہ امتحان کے نتیجہ کے بعد مکتب کے مدرس کو علیحدہ کر دیا گیا، عمر (امام صاحب) اس کے بعد چالیس روز کے لئے جماعت میں چلے گئے اور عید کے بعد امام صاحب عمر نے اپنے دوبارہ مکتب میں مدرس ہونے کے لئے کچھ لوگوں کو ہموار کیا، لوگوں نے جب محسوس کیا کہ اگر ان کو مدرس نہ بنایا گیا تو ہم لوگوں میں اختلاف ہو جائے گا؛ لہٰذا امام صاحب عمر کو پھر نئی شرائط کے ساتھ مدرس کے طور پر تقرر کر لیا گیا؛ لیکن عمر امام صاحب تقریباً ڈیڑھ ماہ جو بقول ذمہ دار مکتب مکتب سے علیحدگی کے تئیں ان ایام کی تنخواہ کا مطالبہ کر رہے ہیں، جب کہ مہتمم صاحب ان سے یہ کہہ رہے ہیں کہ میں تو ان کو شعبان میں علیحدہ کر چکا ہوں؛ لہٰذا دوبارہ تقرر کی مدت تک کی تنخواہ مکتب ادا نہیں کرے گا، اس تنخواہ کے سلسلہ میں کیا مسئلہ ہے؟ کیا ان کو دی جائے یا نہیں؟

المستفتی: امداد حسین ڈپٹی گنج، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مدارس، مکاتب، مساجد کی ملازمت کے شرائط آپس کی تراضی سے جو طے ہو جائیں وہی معتبر ہیں۔ اور ان کا ضابطہ اور اصول اس حدیث پاک سے ثابت ہے:

عن عبدالله بن عمرو بن عوف المزني، عن أبيه، عن جده أن رسول الله ﷺ قال: الصلح جائز بين المسلمين إلا صلحا حرم حلالا، أو أحل حراما، والمسلمون على شروطهم، إلا شرطا حرم حلالا، أو أحل حراما.

(سنن الترمذي، أبواب الأحكام، باب ما ذكر عن رسول الله ﷺ في الصلح بين الناس، النسخة الهندية ۱/ ۲۵۱، دارالسلام، رقم: ۱۳۵۲)

معلوم ہوا کہ یہ بات حدیث سے ثابت ہے۔ واضح رہے کہ مدرسہ سے مذکورہ امام کوعلیحدہ کردیا گیا ہے، اس کے بعد وہ جماعت میں چلا گیا ہے، اور پھر نئی تقرری کے بعد جماعت میں جانے کے درمیان کی غیر حاضری کی مدت کی تنخواہ کا مطالبہ کرنا یہ ان کی طرف سے ناجائز مطالبہ ہے، ذمہ داران اس مدت کی تنخواہ دینے کے مکلّف نہیں۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲ رشوال ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۷۹۸)

مدرس کے ایام مرض کی تنخواہ ومجلسِ شوریٰ کی شرعی حیثیت

سوال [۸۵۳۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: گزارش خدمت عالیہ میں یہ ہے کہ ہمارے یہاں ایک دینی قومی مدرسہ ہے، ہم چاہتے ہیں کہ اس کا ایک دستور بن جائے جو خلاف شرع نہ ہو؛ اس لئے چند سوالات درج ذیل ہیں، ان کے کافی شافی شرعی احکام بتا کر عند اللہ ماجور ہوں۔ سوالات یہ ہیں:

(۱) مدرسہ کے کسی عامل کو اس کی بیماری کی وجہ سے غیر حاضری کے ایام کی تنخواہ کا شرعاً استحقاق ہوگا یا نہیں؟

(۲) متفقہ طور پر یا اکثریت سے کسی کو ایسے حالات کی تنخواہ دی جائے تو یہ شرعاً درست ہوگا یا نہیں؟

(۳) کہیں کہیں ایک مہینہ یا ڈیڑھ مہینہ کی تنخواہ دینے کا دستور بنایا تو یہ جائز ہوگا یا نہیں؟

(۴) مجلس شوریٰ کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

(۵) مالیات میں ان کو کہاں تک تصرف کا حق حاصل ہے؟

(۶) مجلس شوریٰ عند اللہ ماجور یا ماخوذ یا جوابدہ ہوگی یا نہیں؟

نوٹ:- حتی الامکان جلد جواب مل جائے تو عین نوازش ہوگی۔ گستاخی معاف فرمائیں۔

المستفتی: بندہ عبد اللطیف، خادم مدرسہ مرکز العلوم، ضلع کریم گنج، آسام

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: (۱) مہتمم چندہ دہندگان کی طرف سے وکیل ہوتا ہے اور وکیل کو جس تصرف کی اجازت دی جائے اس میں تصرف کرسکتا ہے، اس کے علاوہ میں نہیں، اگر چندہ دہندگان کی طرف سے صراحتاً یا دلالۃً اختیار ثابت ہو جاتا ہے اور تقرر کے وقت ملازم کے ساتھ یہ شرط ٹھہرائی گئی ہے، تو ایام بیماری کی تنخواہ مہتمم کو دینا اور ملازم کو لینا دونوں جائز رہے گا، ورنہ نہیں۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۳/۳۴)

(۲) سوال نمبر ا رکے جواب کی شرائط کے ساتھ گنجائش ہے ورنہ نہیں۔

(۳) چندہ دہندگان کی رضا سے ایسا قانون بنالینا درست ہے۔

الوكيل إنما يستفيد التصرف من الموكل وقد أمره بالدفع إلى فلان فلا يملك الدفع إلى غيره. (شامي، كتاب الزكوة، مطلب في زكوة ثمن المبيع وفاء كراچی ۲/ ۲۶۹، زكريا ۳/ ۱۸۹)

شرط الواقف كنص الشارع في وجوب العمل به، وفي المفهوم والدلالة. (قواعد الفقه، أشرفي ديوبند/ ۸۵، رقم: ۱۵۲)

أنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة. (كتاب الوقف، مطلب مراعاة غرض الواقفين واجبة، كراچی ٤/ ٤٤٥، زكريا ٦/ ٦٦٥)

(۴) مجلسِ شوریٰ کو اقتدار اعلیٰ کی حیثیت حاصل ہے، تفسیر ''البحر المحیط'' میں ''شاورہم فی الامر'' الآیۃ کے تحت لکھا ہے کہ شوریٰ شریعت اور دین کے قواعد اور بنیادی اصولوں میں سے ہے، جو امیر یا ذمہ دار اہل علم اور اہل دین سے مشورہ نہ لے اس کو معزول کرنا واجب ہے، یہ بالاتفاق مسئلہ ہے۔

(۵) مالیات میں جواب نمبر:ا رکی شرائط کے مطابق اختیار حاصل ہوگا۔

(٦) جواب نمبر ا رکی شرائط کی موافقت میں کوئی مواخذہ نہیں، مخالفت میں عنداللہ مواخذہ ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰ ر شوال ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۲۶۹)

علالت کے زمانہ کی تنخواہ

سوال [۸۵۳۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے یہاں مدرسہ میں فراہمی مالیہ کے سلسلہ میں اصول وضابطہ مدرسین کے لئے یہ ہے کہ اگر رمضان میں کوئی مدرس اطراف مدرسہ میں وصولی کا کام کرتا ہے، تو اپنی تنخواہ کا بارہ گنا کرنے پر ڈبل تنخواہ کا مستحق ہوتا ہے، مزید پر پانچ فیصد کا انعام اور غیر معروف جگہ پر ڈبل تنخواہ پانے کے لئے اپنی تنخواہ کا دس گنا کرنا لازمی ہے، مزید پر پانچ فیصد کا انعام، مدرسہ ہٰذا میں دو بھائی ملازم ہیں، دونوں بھائیوں نے اپنی محنت سے مدرسہ کا ایک میدان بنایا، اتفاق سے ایک سال رمضان میں ایک بھائی کی طبیعت شدید خراب ہوئی، سفر کرنا ممکن نہ رہا، تو مہتمم صاحب کے حکم سے دوسرے بھائی نے اپنے اور بھائی کے علاقہ میں مکمل کام کیا، مہتمم مدرسہ ہٰذا نے یہ حکم فرمایا کہ بیمار بھائی کے علاقہ میں آپ رسید انہیں کے نام سے بنائیں اور بقلم لکھ کر اپنا نام لکھ دیں، تاکہ تنخواہ وانعام ان بیمار بھائی کے نام پر چڑھے اور ان کو احساس نہ ہو؛ کیوں کہ علاقہ انہیں کا بنایا ہوا ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، بوقت حساب ایک پرانے مدرسہ کے ملازم محرر صاحب کا کہنا ہے کہ ایسا نہیں ہوگا؛ بلکہ جس نے کام کیا ہے صرف اس کو تنخواہ وانعام ملے گا، بیمار کو کچھ نہ ملے گا؛ کیوں کہ دونوں کو ملنے کی صورت میں ایک ہزار روپئے مدرسہ سے زائد جاتے ہیں۔ اور ایک کو ملنے کی صورت میں کم جاتے ہیں۔ بتلایئے محرر صاحب کا مہتمم صاحب کے سامنے یہ اشکال صحیح ہے، جب کہ یہ سب کچھ مہتمم صاحب کی صواب دید سے ہوا؟ اور شوریٰ کی طرف سے مہتمم صاحب بااختیار ہیں، شرعاً قانوناً معاملۃً رہنمائی فرماکر ممنون فرمائیں۔

المستفتی: صدر مدرس محمد سلیمان مصباح الظفر، ڈھکہ حسن پور، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اکثر مدارسِ اسلامیہ کا یہ دستور ہے کہ بیمار ملازم کو اس کی

تنخواہ دی جاتی ہے؛ لہٰذا جو بھائی بیمار ہوگئے، ان کو مدرسہ کی جانب سے صرف تنخواہ ملے گی، مزید رقم یا انعام کچھ بھی نہیں ملے گا اور دوسرے بھائی جو پورا کام کئے ہیں ان کو تنخواہ مزید رقم اور انعام سب ملیں گے، اور بیمار بھائی کے علاقہ سے جتنی رقم لائے ہیں سب میں پانچ فیصد کے حساب سے اس کارکن بھائی کو ملے گا اور محرر صاحب کا یہ اشکال کہ بیمار بھائی کو تنخواہ پر مزید رقم اور انعام دینے پر مدرسہ کا پیسہ زائد جائے گا جس کا وہ مستحق نہیں بجا ہے، انعام اور مزید رقم صرف اسی شخص کو ملے گی جو رقم لایا ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۱۵/ ۲۶۵، جدید ڈابھیل ۱۵/ ۲۶۵)

إن العقد وقع على عملها فلا تستحق الأجر بعمل غيرها كمن استاجر أجيرا ليعمل بنفسه، فأمر غيره فعمل لم يستحق الأجرة. (بدائع الصنائع، كتاب الإجارة، باب استحقاق الأجرة، زكريا ديو بند ٤/ ٧١)

قال: الأجرة لا تجب بالعقد، وتستحق بإحدى معاني ثلاثة: إما بشرط التعجيل، أو بالتعجيل من غير شرط، أو باستيفاء المعهود عليه. (هداية، أشرفي ديوبند ٣/ ٢٩٤)

أمور المسلمين محمولة على الصلاح والسداد ما أمكن. (بدائع الصنائع، كتاب الصلح، فصل في الشرائط التي ترجع إلى المصالح، زكريا ٥/ ٥٢)

عن كثير بن عبدالله بن عمرو بن عوف المزني عن أبيه، عن جده أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: الصلح جائز بين المسلمين إلا صلحا حرم حلالا، أو أحل حراما، والمسلمون على شروطهم، إلا شرطا حرم حلالا، أو أحل حراما. (سنن الترمذي، أبواب الأحكام، باب ما ذكر عن رسول الله صلى الله عليه وسلم في الصلح بين الناس، النسخة الهندية ١/ ٢٥١، دارالسلام، رقم: ١٣٥٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍ جمادی الثانیہ ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۷۲۸۲)

بیماری کے ایام میں گھر پر رہتے ہوئے تنخواہ لینے کا حکم

سوال [۸۵۴۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید ایک ادارہ میں کام کرتا ہے اور مدت مدیدہ تک خدمات انجام دیتے رہے، مگر اب پیر میں چوٹ لگ جانے اور ہڈی ٹوٹ جانے کی وجہ سے کام سے معذور ہو گئے، جس کی وجہ سے ایک ماہ کی رخصت باتنخواہ حسب دستورادارہ ناظم ادارہ کی منظوری پر دی گئی، اس کے بعد دستور ادارہ کے مطابق مجلس شوریٰ نے دو ماہ کی رخصت باتنخواہ کی منظوری کا مشورہ دیا اوران کو دونوں مہینوں کی تنخواہ دی گئی، دستورادارہ میں شوریٰ کو اختیار ہے کہ کسی ملازم ادارہ کو بوجہ بیماری یا کسی معذوری کی بنا پر رخصت باتنخواہ کی منظوری کا مشورہ دے دے، مگر اس میں اس بات کی صراحت نہیں ہے کہ کتنی مدت تک ایسی منظوری دی جاسکتی ہے؛ لہٰذا دریافت طلب امر یہ ہے کہ از روئے شرع ایسے شخص کو جو ادارہ کے کار مفوضہ سے معذور ہو گیا ہو، کب تک رخصت با تنخواہ دی جاسکتی ہے؟ اور جو اس شخص کو تنخواہ دی گئی، اس کا دینا درست تھا یا نہیں؟

المستفتی: محمد عبدالرحمٰن، مجلس دعوۃ الحق ہردوئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آپ کے مدرسہ کا جو قانون و دستور ہے اس کے مطابق عمل ہوگا؛ لہٰذا جتنے ایام کی رخصت بیماری باتنخواہ دئے جانے کا قانون ہے یا مجلسِ شوریٰ جتنے ایام کی رخصت منظور کرے ان کی تنخواہ لینا شرعاً جائز اور درست ہے؛ اس لئے مجلسِ شوریٰ کے مشورہ سے پچھلی جو تنخواہ دی جاچکی ہے وہ شرعاً جائز اور درست ہے۔ اور آئندہ کے لئے مجلس شوریٰ جو درحقیقت مدارسِ اسلامیہ کے حق میں مجلسِ قانون ساز ہے، اس کے مشورہ کے مطابق عمل کرنا جائز ہوگا۔ اور مدارسِ اسلامیہ کے حق میں قوانین وضوابط، بخاری وترمذی کی اس حدیث شریف سے مستنبط ہوتے ہیں:

عن عبداللّٰہ بن عمرو بن عوف المزني عن أبیه، عن جده أن رسول

الله ﷺ قال: الصلح جائز بين المسلمين إلا صلحا حرم حلالا، أو أحل حراما، والمسلمون على شروطهم، إلا شرطا حرم حلالا، أو أحل حراما. (سنن الترمذي، أبواب الأحكام، باب ما ذكر عن رسول الله ﷺ في الصلح بين الناس، النسخة الهندية ١/ ٢٥١، دارالسلام، رقم: ١٣٥٢، صحيح البخاري، كتاب الإجارة، تحت باب أجر السمسرة ١/ ٣٠٣، رقم الباب: ١٤)

بخلاف ما إذا لم يقدر لكل يوم مبلغا، فإنه يحل له الأخذ، وإن لم يدرس فيهما للعرف. (شامي، كتاب الوقف، مطلب في استحقاق القاضي والمدرس الوظيفة في يوم البطالة، کراچی ٤/ ٣٧٢، زکریا دیوبند ٦/ ٥٦٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶؍محرم الحرام ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۷۰۰۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۶؍۱؍۱۴۲۲ھ

اطلاعی نوٹس ۱۵؍ یوم قبل نہ دینے کی صورت میں تنخواہ کاٹ لینے کا حکم

سوال [۸۵۴۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: آج کل مدارسِ عربیہ میں جو مدرسین دینی وملی خدمات انجام دیتے ہیں، اراکین مدرسہ کسی مدرس کو مدرسہ سے سبکدوش کرتے ہیں، تو اس مدرس کو بذریعہ نوٹس علیحدگی کم از کم ۱۵/ یوم یا ایک مہینہ قبل اطلاعی نوٹس دیتے ہیں، یا وہ خود علیحدہ ہوتا ہے، تو نوٹس برطرفی کا خود دیتا ہے، تاکہ اراکین انتظام کرلیں، اس کے برخلاف کرنے پر مدرسہ والے مدرس کی ۱۵؍ یوم یا ایک ماہ کی تنخواہ کاٹ لیتے ہیں (دیتے نہیں ہیں) یا مدرس کو ۱۵؍ یوم کی تنخواہ دیتے ہیں، اس صورت میں مدرس کو ۱۵؍ یوم یا ایک ماہ کی تنخواہ لینا یا کمیٹی مدرسہ کا مدرس کی تنخواہ کاٹ لینا شرعاً درست ہے یا نہیں؟ اسی طرح اگر بغیر اطلاعی نوٹس دئے ہوئے علیحدہ ہوتا ہے یا علیحدہ کیا جاتا ہے، تو اس پر قانوناً چارہ جوئی کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: حافظ محمد شاکر، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب آج کل مدارس میں نوٹس علیحدگی کے سلسلہ میں ایک ماہ یا پندرہ دن پہلے اطلاع دینا مشروط اور معروف ہے تو قاعدہ ''المعروف کالمشروط'' کے ہونے کی وجہ سے ذمہ دارانِ مدرسہ کے لئے طے شدہ شرط کے مطابق تنخواہ کا دے دینا اور کاٹ لینا دونوں جائز ہے۔ (امداد الفتاوی ۳/ ۳۴۹، فتاوی محمودیہ قدیم ۱۲/ ۲۲۳، جدید ڈابھیل ۱۵/ ۵۳۲)

طے شدہ شرط کے خلاف قانونی چارہ جوئی جائز نہیں ہے؛ اس لئے کہ مدارس کے قوانین کا اعتبار عرف اور شرائط پر ہے؛ لہٰذا اسی کے مطابق عمل درآمد کرنا لازم ہوگا۔

الثابت بالعرف كالثابت بالنص. (رسم المفتي قديم ۳۸، قواعد الفقه، اشرفي ديو بند، ص: ۷٤، رسائل ابن عابدين، ثاقب بك ڈبو ديوبند ۱/ ٤٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸؍ شعبان ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۱۶۴)

نصفِ شعبان میں معزولی کی وجہ سے رمضان کی تنخواہ کے استحقاق کا مسئلہ

سوال [۸۵۴۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک مدرس نے پورے تین سال ایک مدرسہ میں کام کیا، ہر رمضان المبارک کی تنخواہ کام پر ڈبل وصول کی، پھر تیسرے سال جب سالانہ امتحان ہوجاتا ہے، تو پندرہ شعبان کو معزولی کی اطلاع یہ کہہ کر دی جاتی ہے کہ آپ کے اندر خامی ہے، پھر پورے شعبان کی تنخواہ دی جاتی ہے، جب کہ مہتمم مدرسہ سے درمیان سال میں مدرس خود کہہ دیتا ہے کہ تحقیق کر لیجئے، پھر معزول ہوجانے کے بعد دوسرے مدرسہ میں کام شروع کردیتا ہے، تو کیا مدرس شرع کے اعتبار سے رمضان کی سنگل تنخواہ کا مستحق ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد ارشاد قاسمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: پندرہ شعبان کومعزولی کی صورت میں رمضان کی تنخواہ بھی دینا اگر اس مدرسہ کے قانون میں ہے تو رمضان کی تنخواہ کا استحقاق ہے۔ اور اگر مدرسہ کے قانون میں نہیں ہے، تو رمضان کی تنخواہ کا استحقاق نہیں؛ اس لئے کہ مدارس اسلامیہ کے قوانین وضوابط کا مدارس آپس کی شرائط کے مطابق ہے جو حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے:

عن عبداللّٰہ بن عمرو بن عوف المزني أن رسول اللّٰہ ﷺ قال: –إلی قولہ– والمسلمون علی شروطهم، إلا شرطا حرم حلالا، أو أحل حراما.

(سنن الترمذي، أبواب الأحكام، باب ما ذكر عن رسول الله ﷺ في الصلح بين الناس، النسخة الهندية ۱/ ۲۵۱، دارالسلام، رقم: ۱۳۵۲، صحيح البخاري، كتاب الإجارة، تحت باب أجر السمسرة ۱/ ۳۰۳، رقم الباب: ۱۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ ذی الحجہ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۹۷۰)

پندرہ شعبان کومعزول مدرس رمضان کی تنخواہ کا مستحق کب؟

سوال [۸۵۴۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک مدرس نے پورے تعلیمی سال از شوال تا شعبان پڑھایا، پھر سال کے اختتام پر جب سالانہ امتحان ہوجاتا ہے تو دس شوال تک کے دستخط تعطیل کئے جاتے ہیں، پھر پندرہ شعبان کومعزولی کی اطلاع دے کر پورے شعبان کی تنخواہ دی جاتی ہے، نیز اس سے قبل کام پر رمضان کی ڈبل تنخواہ اور نہ کرنے پر سنگل تنخواہ دی جاتی تھی، تو کیا اصول شرع کے اعتبار سے مدرس کو رمضان کی سنگل تنخواہ کے مطالبہ کا حق حاصل ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد ارشاد قاسمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شعبان سے دس شوال تک دستخط کرالینے کا قانون یا مصلحت کیا ہے، ہم کو سمجھ میں نہیں آیا؛ البتہ پندرہ شعبان کو معزولی کی اطلاع دے کر پورے شعبان کی تنخواہ دے دینا اگر وہاں کے قانون وضابطہ کے مطابق ہے، تو یہ جائز ہے۔ اور رمضان کی تنخواہ کے بارے میں اگر وہاں کا قانون یہ ہے کہ شعبان کے معزول شدہ ملازم کو رمضان کی بھی تنخواہ ملے گی تب تو اس قانون کے مطابق رمضان کی تنخواہ کا استحقاق ہے۔ اور اگر وہاں کا قانون ایسا نہیں ہے، یا قانون میں اس طرح کی صراحت نہیں ہے، تو ایسی صورت میں اس مدرس کو رمضان کی تنخواہ نہیں ملے گی؛ اس لئے کہ رمضان میں اس مدرس نے اپنا تقرر دوسرے مدرسہ میں کرالیا ہے، جیسا کہ استفتاء نمبر۲ر سے واضح ہے، ایسی صورت میں وہ حقیقتاً وحکماً دونوں اعتبار سے اس مدرسہ کا مدرس ہی نہیں رہا؛ اس لئے رمضان کی تنخواہ کا استحقاق بھی نہیں ہے۔

عن عبدالله بن عمرو بن عوف المزني أن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم قال: الصلح جائز بين المسلمين إلا صلحا حرم حلالا، أو أحل حراما، والمسلمون على شروطهم، إلا شرطا حرم حلالا، أو أحل حراما. (سنن الترمذي، أبواب الأحكام، باب ما ذكر عن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم في الصلح بين الناس، النسخة الهندية ١/ ٢٥١، دارالسلام، رقم: ١٣٥٢، صحيح البخاري، كتاب الإجارة، تحت باب أجر السمسرة ١/ ٣٠٣، رقم الباب: ١٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ر ذی الحجہ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۶۹۷۱/۳۵)

اضافی رقم کے حقدار ملازم ہیں نہ کہ مستعفی؟

سوال [۸۵۴۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: بارہ مدرسین جامعہ ہذا نے ایک درخواست تنخواہ کے اضافہ کے بارے میں انتظامیہ کو دی، ایک ماہ کے بعد پھر ایک درخواست دی کہ ہماری گرانی کو مدنظر رکھتے ہوئے اضافہ اگر سو روپیہ نہ کیا گیا تو ہم لوگ چھ صفر المظفر سے خدمت تعلیم سے قاصر رہیں گے، نائب مہتمم حاجی جمیل احمد صاحب نے کہا کہ تم لوگ تعلیم شروع کردو پرسوں تمہارا اضافہ جو کچھ کمیٹی کرے گی سامنے آجائے گا، مدرسین نے انکار کردیا اور کہا کہ جب نتیجہ سامنے آئے گا تب ہی کام کریں گے، حاجی صاحب نے یہ بھی کہا کہ اگر کام نہیں کروگے تو مشاہرہ کاٹوں گا، یہاں مدرسہ میں ہر سال اضافہ ہوتا ہے، اور اضافہ جب بھی ہو شوال سے شمار ہو کر اگلا پچھلا سب ملتا ہے، اضافہ پچاس روپیہ ہوا اور ان مشروط درخواست دہندگان کو چھ صفر المظفر سے الگ کردیا گیا، مدرسین کا کہنا ہے کہ ہم کو نتیجہ نو صفر کو سنایا گیا، ۹/صفر تک تنخواہ مع اضافہ دے دی جائے، جو حکم شرع ہو مطلع کیا جائے، تاکہ اسی حساب سے مشاہرہ دے دیا جائے۔ فقط والسلام

المستفتی: محمد شفیع غفرلہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر مدرسین کا مشروطا استعفیٰ ۶/صفر کا ہے اور فیصلہ نامہ ۹/صفر کو سنایا گیا ہے، تو اگر نو صفر تک مدرسین نے خدمت کی ہے تو شرعاً ان کو ۹/صفر تک کی تنخواہ ملے گی۔ اور اگر خدمت نہیں کی ہے تو ان ایام کی تنخواہ کے حق دار نہیں ہیں۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۳/ ۳۴۸)

نیز مستعفی ہونے والے حضرات اضافہ کے مستحق نہیں ہیں؛ کیوں کہ جو اضافہ کیا جاتا ہے وہ آئندہ کام کرنے والوں کے لئے ہوتا ہے، اگرچہ پچھلا بھی ملتا ہو، نیز اضافہ جو کیا گیا وہ ان کی درخواست کے خلاف کیا گیا ہے؛ اس لئے یہ اضافہ شرعاً ان کے حق میں نہیں ہوگا۔

عن عبداللہ بن عمرو بن عوف المزني عن أبیه عن جده أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: الصلح جائز بین المسلمین إلا صلحا حرم حلالا، أو أحل حراما، والمسلمون علی شروطهم، إلا شرطا حرم حلالا، أو أحل حراما.

(سنن الترمذي، أبواب الأحكام، باب ما ذكر عن رسول الله ﷺ في الصلح بين الناس، النسخة الهندية ١/ ٢٥١، دارالسلام، رقم: ١٣٥٢)

الأجرة إنما تكون بمقابلة العمل. (شامي، كتاب النكاح، باب المهر، كراچی ٣/ ١٥٦، زكريا ٤/ ٣٠٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶ رصفر المظفر ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۲۱۴۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۶ رصفر المظفر ۱۴۱۱ھ

مستعفی کی ایک ماہ کی تنخواہ ضبط کرنے کا حکم

سوال [۸۵۴۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید ایک مدرسہ میں پڑھا رہا تھا، اس نے ایک سال کے بعد استعفیٰ دے دیا، جب استعفیٰ دیا تو ذمہ دارانِ مدرسہ نے یہ کہہ کر ایک ماہ کی تنخواہ ضبط کرلی کہ ہمارے ضابطے اور قانون میں یہ لکھا ہوا ہے کہ استعفیٰ دینے سے ایک ماہ قبل اطلاع ضروری ہے، ورنہ ایک ماہ تنخواہ نہیں دی جائے گی۔ اور اب استعفیٰ دیتے وقت قانونچہ کھول کر دکھایا بھی واقعی لکھا بھی ہے؛ لیکن زید کا کہنا ہے کہ حضور والا بندہ اس ضابطہ کا پابند اس وقت ہوسکتا جب آپ نے بوقت تقرری یہ سارے ضابطے سامنے رکھ دیتے، جس ضابطہ کا علم نہیں اس کا مکلّف نہیں، اگر اس کا علم ہوتا تو بجائے ذیقعدہ کے استعفیٰ دینے کے شوال ہی میں دیتا؛ کیوں کہ دوسری جگہ جانے کی بات رمضان ہی سے چل رہی تھی، آنجناب سے درخواست ہے کہ زید اس تنخواہ کا حقدار ہے یا نہیں؟ فتویٰ مطلوب ہے، ورنہ اسلاف واکابر کا تقویٰ سامنے ہے، جو بغیر تنخواہ کے بھی دینی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

المستفتی: محمد ارشد بیگ قاسمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مدارسِ اسلامیہ کے قوانین وضوابط اس حدیث

شریف کی روسے صحیح اور درست ہیں: **عن كثير بن عبدالله بن عمرو بن عوف المزني عن أبيه عن جده أن رسول الله ﷺ قال: الصلح جائز بين المسلمين إلا صلحا حرم حلالا، أو أحل حراما، والمسلمون على شروطهم، إلا شرطا حرم حلالا، أو أحل حراما.** (سنن الترمذي، أبواب الأحكام، باب ما ذكر عن رسول الله ﷺ في الصلح بين الناس، النسخة الهندية ١/ ٢٥١، دارالسلام، رقم: ١٣٥٢)

اور دارالعلوم دیوبند، مدرسہ شاہی مرادآباد اور ان کے ذیلی مدارس جوان مدارس کے اصول پر چل رہے ہیں، ان سب میں یہ ضابطہ اور دستور موجود ہے کہ اگر کوئی مدرس یا ملازم مستعفی ہوکر جانا چاہتا ہے، تو ایک مہینہ پہلے اطلاع دے دے اور پوری تنخواہ اس کو مل جائے گی۔ اور اگر اچانک استعفیٰ دے کر جاتا ہے، تو ایک مہینہ کی تنخواہ روک لی جائے گی، اسی طرح اگر مدرسہ اچانک برطرف کردیتا ہے تو منجانب مدرسہ ایک مہینہ کی مزید تنخواہ مل جائے گی، تاکہ حدیث پاک ''لاضرر ولاضرار'' کی رو سے کسی کو نقصان نہ پہنچے، اور کسی بھی مدرسہ میں تقرری منظور کر لینے کا مطلب یہی ہے کہ اس کے سارے قوانین وضوابط کے ماتحت رہ کر ملازمت قبول کی گئی ہے؛ لہٰذا جب رمضان سے دوسری جگہ کی بات چیت چل رہی ہے اور اس کی کوئی اطلاع نہیں کی اور ذیقعدہ میں جاکر اچانک مستعفی ہوتا ہے، تو مدرسہ کو ضابطہ کے مطابق ایک مہینہ کی تنخواہ روک لینے کا حق ہے۔

عن عمرو بن يحيى المازني، عن أبيه، أن رسول الله ﷺ قال: لا ضرر ولا ضرار. (موطا إمام مالك، كتاب القضاء، القضاء في المرفق، أشرفي ديوبند/ ٣١١، سنن ابن ماجة، الأحكام، باب من بنى في حقه ما يضر بجاره، النسخة الهندية/ ١٦٩، دارالسلام، رقم: ٢٣٤١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷؍ ربیع الاول ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۵۱)

جمعہ کے دن کی تعطیل کو رخصت میں شمار کرنا

سوال [۸۵۴۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید ایک دینی مدرسہ میں مدرس ہے، مدارس میں جمعہ کی تعطیل رہتی ہے، زید نے جمعرات کی رخصت اتفاقیہ طلب کی، مدرسہ کے مہتمم صاحب نے جمعرات وجمعہ دو دن کی رخصت لگائی، جب کہ زید مدرسہ میں جمعہ کی شام کو واپس آ گیا اور ہفتہ کے دن صبح کو تدریسی فرائض انجام دیئے، مدرسہ میں زید کی جمعہ کے دن کسی قسم کی کوئی ذمہ داری بھی نہیں ہے، یا ہفتہ کو رخصت کی درخواست دلوائی اور جمعہ کے دن صبح سے مدرسہ سے سفر پر چلا گیا اور ہفتہ کی شام کو واپس آ گیا، ان دونوں صورتوں میں جمعہ رخصت اتفاقیہ میں شامل کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: حسین سعدی، چلہ امروہہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مدارسِ اسلامیہ میں ہر جمعہ کو مدرسہ کی تعلیم وتدریس بند رہتی ہے؛ اس لئے جمعہ کے دن کی تعطیل مدارسِ اسلامیہ میں متعارف اور معروف ہے، اسی وجہ سے دارالعلوم دیوبند مظاہر علوم سہارنپور، مدرسہ شاہی مرادآباد اور ندوۃ العلماء لکھنو ان ام المدارس میں جمعہ کا دن تعطیل ہی میں شمار ہوتا ہے، اس دن مدرس پر کوئی پابندی نہیں رہتی ہے؛ اس لئے ان مدارس میں ضابطہ یہ ہے کہ اگر جمعرات کو ایک دن کی چھٹی لے کر جائیں تو حفظ وناظرہ کے مدرس کو جمعہ کی شام کو حاضر ہونا پڑتا ہے؛ اس لئے کہ جمعہ کی شام کو بچوں کی تعلیم ہوتی ہے اور درجہ عربی وفارسی کے مدرسین کو سنیچر کی صبح کو حاضر ہونا ضروری ہوتا ہے، ان کا کام سنیچر کی صبح سے شروع ہوتا ہے۔ اور اگر سنیچر کی رخصت لے رکھی ہے تو جمعہ کے دن کا کوئی محاسبہ نہیں ہوتا، ہر مدرس سنیچر کی چھٹی لے کر جمعہ کو جا سکتا ہے، اس میں ایک ہی دن کی رخصت شمار ہوتی ہے، اگر اس کے باوجود ذمہ دار کی طرف سے جمعہ کی رخصت بنائی جائے تو یہ بیجا سختی اور تعدی وظلم ہے۔ اور اگر جمعرات اور سنیچر کی رخصت لے رکھی ہے تو جمعہ بھی اس رخصت کے درمیان شامل ہوتا

ہے اور تین دن کی رخصت شمار ہوجائے گی۔سوال نامہ میں یہ تیسری شکل نہیں ہے؛ لہٰذا جس مدرسہ سے متعلق سوال کیا جارہا ہے اگر یہ مدرسہ جواب میں ذکر کردہ ام المدارس کے تابع ہے اور ان ہی مدارس کے اصول پر چل رہا ہے، تو سوال نامہ میں ذکر کردہ دونوں صورتوں میں جمعہ کے دن کو شامل کرنا تعدی وظلم کے دائرہ میں شامل ہے۔اور اگر مذکورہ مدرسہ ام المدارس کے اصولوں پر نہیں ہے اور اس مدرسہ کے الگ اصول وضوابط ہیں، تو ان کو تحریر کریں اس کے بعد ان کے اعتبار سے جواب لکھا جائے گا۔

عن عبدالله بن عمرو بن عوف المزني، عن أبيه، عن جده، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: الصلح جائز بين المسلمين -إلى قوله- والمسلمون على شروطهم، إلا شرطا حرم حلالا، أو أحل حراما. (سنن الترمذي، أبواب الأحكام، باب ما ذكر عن رسول الله ﷺ في الصلح بين الناس، النسخة الهندية ١/ ٢٥١، دارالسلام، رقم: ١٣٥٢)

أما لو شرط شرطا تبع، كحضور الدرس أياما معلومة في كل جمعة، فلا يستحق المعلوم إلا من باشر خصوصا إذا قال من غاب عن الدرس قطع معلومه، فيجب اتباعه. (شامي، كتاب الوقف، مطلب في الغيبة التي يستحق بها العزل عن الوظيفة وما لا يستحق، كراچى ٤/ ٤١٩، زكريا ٦/ ٦٣١)

المعروف بالعرف كالمشروط شرطا. (قواعد الفقه، أشرفی دیو بند، ص: ١٢٥)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم شعبان ۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۴ ۹۰۷)

غیر حاضری کے ایام کو حاضری کے ایام کا بدل قرار دے کر تنخواہ اصول کرنا

سوال [۸۵۴۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: زید ایک سرکاری مدرسہ میں ملازم ہے، سرکاری تنخواہ پاتا ہے، سرکار کی طرف سے جن ایام میں چھٹی رہتی ہے، مدرسہ میں ان ایام میں پڑھائی ہوتی ہے، زید مدرسہ میں حاضر ہوکر درس دیتا ہے، اب زید کسی وجہ سے پڑھائی اور حاضری کے ایام میں غیر حاضر ہوجاتا ہے، تو کیا اس کے لئے جائز ہے کہ اس غیر حاضری کو ان ایام کا (جن میں سرکاری چھٹی تھی مگر اس نے مدرسہ میں حاضر ہوکر درس دیا تھا) بدل قرار دے کر اس غیر حاضری کے ایام میں رجسٹر حاضری میں دستخط کرے اور ان دنوں کی تنخواہ لے؟

المستفتی: محمد عبداللہ ساکن ڈھکیا، ضلع امروہہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر سوال کا مطلب یہ ہے کہ سرکاری چھٹی اتوار کو ہوتی ہے اور مدرسہ میں جمعہ کو چھٹی ہوتی ہے۔ اور سرکاری قانون کے اعتبار سے جمعہ کو حاضر رہنا اور مدرسہ کے ضابطے کے اعتبار سے اتوار کو حاضر رہنا چاہئے، چونکہ دینی مدرسہ کی تعلیم اتوار میں بند نہیں رہتی ہے؛ بلکہ جمعہ کو بند رہتی ہے، تو اس سلسلے میں اگر اربابِ مدرسہ نے اس بات پر اتفاق کر کے ضابطہ بنالیا ہے کہ اتوار کو تعلیم ہوا کرے گی اور جمعہ کو تعلیم نہیں ہوا کرے گی اور سرکار سے تنخواہ لینے کے لئے اتوار کے بدلے جمعہ کو دستخط ہوجایا کریں گے، ہفتہ میں کل چھ دن حاضری ہوجایا کرے گی، اور سرکار سے فی الجملہ ایک دن کی چھٹی اور چھ دن کی حاضری کی تنخواہ لی جائے گی، اس طرح اتفاق کر لینے سے مدرس کی تنخواہ جائز اور درست ہوجائے گی، جیسا کہ ایڈ کے مدارس میں ہوتا ہے، اس لئے کہ مدارسِ اسلامیہ کے قوانین وضوابط اس حدیث کے پیش نظر ہیں۔

الصلح جائز بين المسلمين -إلى قوله- والمسلمون على شروطهم، إلا شرطا حرم حلالا، أو أحل حراما. (سنن الترمذي، أبواب الأحكام، باب ما ذكر عن رسول الله ﷺ في الصلح بين الناس، النسخة الهندية ١/ ٢٥١، دارالسلام، رقم: ١٣٥٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/۲/۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۳/۹۴۷۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۲/۲/۱۴۲۹ھ

غیر عالم کا حکومت سے عالم کی تنخواہ لینا

سوال [۸۵۴۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک دینی تعلیمی ادارہ جس کے بعض مدرسین کی تنخواہ حکومت دے رہی ہے۔ اور بعض مدرسین کی تنخواہ مجلس منتظمہ ادا کرتی ہے، سرکار کے ذریعہ تنخواہ پانے والے مدرسین میں ایک مولوی کے عہدہ پر کام کرنے والے ہیں، جو فاضل کی سندر کھتے ہیں، ان کی سند جعلی ہے، ان کے پاس علمی صلاحیت بھی نہیں ہے، مدرسہ کے ناظم نے عوامی رائے کے خلاف دوستی نبھانے کے لئے شخص مذکور کو مدرسہ میں بحال کیا، نتیجہ یہ ہے کہ مدرسہ میں درس وتدریس کے کام میں بہتری نہیں ہو پا رہی ہے، اب غور طلب بات یہ ہے کہ حکومت مولوی کے عہدہ کے لئے رقم دے رہی ہے اور شخص مذکور مولوی ہے نہیں، تو کیا مذکورہ صورت میں حکومت کے ذریعہ مولوی کے عہدہ کے لئے ادارہ کو دی گئی رقم شخص مذکور کو لینا شرعاً جائز ہے؟

المستفتی: سجاد حسین، دار العلوم دیوبند

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اسلام میں دھوکہ بازی جائز نہیں ہے، مگر مولوی صاحب کو طے شدہ تنخواہ ایام کارکردگی کی ملنی چاہئے؛ البتہ دھوکہ دہی سے بچنے کے لئے ذمہ دار پر تنخواہ کی شرط کے افراد فراہم کرنا لازم ہے۔

عن عمرو بن يحيى المازني، عن أبيه، أن رسول الله ﷺ قال: لا ضرر ولا ضرار. (موطا إمام مالك، كتاب القضاء، القضاء في المرفق، أشرفي ديوبند/ ٣١١، سنن ابن ماجة، الأحكام، باب من بنى في حقه ما يضر بجاره، النسخة الهندية/ ١٦٩، دارالسلام، رقم: ٢٣٤١، الأشباه قديم: ١٣٩، جديد ١/ ٢٥٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶ ر رمضان ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۳۶۸۲)

غیر حاضری کے دن کی دستخط کر کے تنخواہ وصول کرنا

سوال [۸۵۴۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ زید اسکول سے غیر حاضر رہتا ہے اور دوسرے دن آکر گذشتہ کل کے دستخط کر دیتا ہے جو اس کے حاضر رہنے کی دلیل ہوتی ہے، اس کے ناجائز ہونے پر کوئی شک نہیں، کیا اس طرح کرنے سے اس کی تنخواہ میں حلت وحرمت یا اشتباہ کے اعتبار سے کچھ فرق پڑے گا۔ اور اگر وہ غیر حاضری ہی رہنے دیتا ہے، تو کیا پھر بھی اس کی تنخواہ متاثر ہوگی؛ اس لئے کہ تنخواہ پورے ایک مہینہ کی ملتی ہے۔

المستفتی: محمد فیاض عالم، مرکز المعارف ایجوکیشن اینڈ ریسرچ سینٹر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: زید کبھی کبھی اسکول سے غیر حاضر رہتا ہے اور دوسرے دن جا کر گذشتہ کل کے بھی دستخط کر دیتا ہے، تو اس کے لئے غیر حاضری کے ایام پر دستخط کے ذریعہ حاضری لگانا اور پھر ان ایام کی تنخواہ لینا جائز نہیں ہے، نیز دستخط کئے بغیر بھی ان ایام کی تنخواہ لینا جائز نہیں ہے؛ اس لئے کہ من جانب سرکار غیر حاضری کے ایام کی تنخواہ کا مستحق نہیں قرار دیا جاتا ہے۔

قال في الشامية: بخلاف غيرهما من أيام الأسبوع حيث لا يحل له أخذ الأجر عن يوم لم يدرس فيه مطلقا، سواء قدر له أجر كل يوم أو لا. (شامي، كتاب الوقف، مطلب في استحقاق القاضي والمدرس الوظيفة في يوم البطالة، كراچی ٤/ ٣٧٢، زكريا ٦/ ٥٦٨)

وقال عليه السلام: من غش فليس مني. (مسلم شريف، كتاب الإيمان، باب قول النبي صى الله عليه وسلم من غشنا فليس منا، النخسة الهندية ١/ ٧٠، بيت الأفكار، رقم: ١٠٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍ صفر ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۴۴۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۲/۵ھ

مدرس وامام کے لئے ایام تعطیل کی تنخواہ لینے کا حکم

سوال [۸۵۵۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص کسی دینی عربی مدرسہ میں مدرس ہواور وہ کسی دوسری ریاست کا رہنے والا ہو، اگر وہ اپنے خاص کام کے لئے مدرسہ سے ایک ماہ کی چھٹی لے کر اپنے وطن جائے، اب وطن سے واپس آنے پر اس ماہ کی تنخواہ یہ مدرس لے سکتا ہے یا نہیں؟ یا اس ماہ کی چھٹی کی تنخواہ مدرسہ یا مدرسہ کے کارکنان حضرات اپنے پاس سے اس مدرس کو دے سکتے ہیں یا نہیں؟ شرعی حکم کیا ہے؟ یہی صاحب کسی مسجد میں امامت کرتے ہوں اور وہاں سے ایک ماہ کی چھٹی لے کر چلے جائیں، اوران کی غیر موجودگی میں اتنے وقت امامت کی ذمہ داری مؤذن صاحب نے نبھائی ہو تو ان حالات میں چھٹی میں گذرہوئے ماہ کی تنخواہ امام صاحب کو دی جائے یا مؤذن صاحب کو ملنی چاہئے، شرعی حکم کیا ہے؟

المستفتی: محمد اعظم لال مسجد سرائے ترین سنبھل، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مساجد اور مدارس کے قوانین وضوابط کا مدار اس حدیث پاک پر ہے:

عن عبداللّٰه بن عمرو بن عوف المزني، عن أبيه، عن جده، أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: الصلح جائز بين المسلمين ، إلا صلحا حرم حلالا، أو أحل حراما، والمسلمون على شروطهم، إلا شرطا حرم حلالا، أو أحل حراما. (سنن الترمذي، أبواب الأحكام، باب ما ذكر عن رسول اللّٰه ﷺ في الصلح بين الناس، النسخة الهندية ۱/ ۲۵۱، دارالسلام، رقم: ۱۳۵۲)

اس حدیث میں اس کی وضاحت ہے کہ مسلمان اپنے معاملات میں ان شرائط وضوابط کے پابند ہیں جو معاملہ کرتے وقت آپس میں طے ہوتے ہیں اور جو مدارس ومساجد کے پہلے سے

بنے ہوئے قوانین وضوابط ہیں، امام ومدرس کورکھتے وقت وہ خود بخود ان قوانین کے پابند ہوجاتے ہیں؛ لہٰذا اگر مذکورہ مدرسہ میں مدرس کوایک مہینہ کی چھٹی ملتی ہے، تو پورے مہینے کی تنخواہ کا مستحق ہے۔ اوراگر پندرہ دن کی چھٹی ملتی ہے تو پورے مہینے میں سے پندرہ دن کی تنخواہ اس کو ملے گی باقی پندرہ دن کی تنخواہ وضع ہوجائے گی، اسی طریقہ سے جس مسجد میں امامت کرتے ہیں، اس کا تعامل اوراس مسجد کی طرف سے کیا مراعات ہیں، اس پرعمل کیا جائے گا، اگرکبھی مہینہ بھرامام کے غائب رہنے کی صورت میں تنخواہ وضع نہیں ہوئی ہے، تو امام کومسجد سے جو ماہانہ ملتا تھا وہ ملنا چاہئے۔ اورامام کی عدم موجودگی میں موذن کا نماز پڑھادینا اس کا عام رواج ہے، اس سے امام کی تنخواہ مؤذن کونہیں ملتی ہے، اس طرح تبرعاً نماز پڑھانے کا تعامل مساجد کے اندر چل رہاہے؛ اسی لئے امام کی تنخواہ مؤذن کونہیں ملے گی۔

إمام يترك الإمامة لزيارة أقربائه في الرساتيق أسبوعا، أو نحوه، أو لمصيبة، أو لاستراحة لابأس به، ومثله عفو في العادة، والشرع وهذا مبني على القول بأن خروجه أقل من خمسة عشر يوما بلا عذر شرعي لا يسقط معلومه. (شامي، كتاب الوقف، مطلب فيما إذا قبض المعلوم وغاب قبل تمام السنة، شامي، كراچی ٤/ ٤١٨، زكريا ٦/ ٦٣٠)

إن النائب لا يستحق شيئا من الوقف؛ لأن الاستحقاق بالتقدير ولم يوجد ويستحق الأصيل الكل إن عمل أكثر السنة، وسكت عما يعينه الأصيل للنائب كل شهر في مقابلة عمله، والظاهر أنه يستحق لأنها إجارة.

(شامي، مطلب مهم في الاستنابة في الوظائف، كراچی ٤/ ٤٢٠، زكريا ٦/ ٦٣١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۸۰۲۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۶/ ۵/ ۱۴۲۴ھ

سرکار سے مدرسین کا غیر حاضری کے ایام کی تنخواہ لینا

سوال [۸۵۵۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بہار کے کچھ مدارس سرکار سے ملحق ہیں، ملحقہ مدارس کے اساتذہ مدرسہ میں تعلیم نہیں دیتے اور مدرسہ بھی اکثر نہیں جاتے ہفتہ میں مہینہ میں دو چار دن مدرسہ میں جا کر رجسٹر حاضری بنا لیتے ہیں اور فارم بھروا کر گاؤں گھر کے لڑکے لڑکیوں کا بورڈ سے امتحان دلواتے رہتے ہیں، عوام جب تعلیم پر زور دیتی ہے تو اساتذہ کہتے ہیں کہ ہم آپ لوگوں سے تنخواہ نہیں لیتے ہیں، ہمیں سرکار تنخواہ دیتی ہے، آپ کو کیا مطلب، بایں طور بورڈ کے مدرسہ میں تعلیم بالکل نہیں؛ بلکہ طلبہ بالکل نہیں ہیں، نہ گاؤں کے نہ باہر کے، کمرے سب خالی پڑے ہیں، جب کہ سرکار تعلیم دینے کے لئے تنخواہ دیتی ہے، بایں صورت بغیر کام کئے ہوئے صرف جھوٹی حاضری بھر کر تنخواہ لینا اور کھانا شرعاً درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد راشق الہدیٰ، ساکن لادھ کیسیا، سمستی پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سرکار کی جانب سے مدرسین کو تنخواہ پڑھانے کے عوض ملتی ہے؛ لہٰذا مدرسین جتنے دن حاضر ہو کر باقاعدہ بچوں کو پڑھائیں وہ صرف انہیں دنوں کی تنخواہ کے مستحق ہیں، غیر حاضری کے ایام کی حاضری لگا کر ان دنوں کی تنخواہ وصول کرنا جائز نہیں ہے۔

الأجرة لا تملک بنفس العقد، ولا یجب إیفاء ها إلا بعد استیفاء المنفعة. (تاتارخانیة ۱۵/ ۱٤، برقم: ۲۱۹۵۰)

الأجرة إنما تکون بمقابلة العمل. (شامي، کتاب النکاح، باب المهر کراچی ۳/ ۱۵٦، زکریا ٤/ ۳۰۷)

قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: لا یحل لمسلم أن یأخذ مال أخیه بغیر حق. (مجمع الزوائد، دارالکتب العلمیة بیروت ٤/ ۱۷۱)

عن أبي هريرة -رضي الله عنه- أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: من غشنا فليس منا. الحديث (صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم: من غشنا فليس منا، النسخة الهندية ١/ ٧٠، بيت الأفكار، رقم: ١٠١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/ ذی الحجہ ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۲۴۳)

ایامِ رخصت کی تنخواہ کا مسئلہ

سوال [۸۵۵۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے ایک مدرس سفر حج پر تشریف لے گئے ہیں، تقریباً دو ماہ مدرسہ سے رخصت پر رہیں گے، جب کہ تمام مدرسین وملازمین کی ایک ماہ کی رخصت اتفاقیہ و بیماری بھی منظور ہے، علاوہ ازیں موصوف کے سفر پر جانے کی وجہ سے ایک زائد مدرس کا بھی بندوبست کرنا پڑا ہے، اس سلسلے میں مسئلہ کیا ہے؟ ایام حج کی تنخواہ مدرسہ کو دینی ہوگی یا نہیں؟ یا جو بھی شریعت اسلامیہ کا حکم ہو تحریر فرمادیں۔

المستفتی: محمد طاہر القاسمی، مدرسہ احیاء العلوم صدیقیہ پٹلو کر سہارنپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: حج چونکہ اسلام کے اساسی اور بنیادی فرائض میں سے ہے؛ اس لئے اہم اور بڑے اداروں میں اس فریضہ کی ادائیگی کے لئے منجانب مدرسہ حج فرض کی ادائے گی کے نام سے ایک مرتبہ رخصت دی جاتی ہے، جیسا کہ دارالعلوم دیوبند اور مدرسہ شاہی وغیرہ کا دستور ہے۔ اور مدارس اسلامیہ کے قوانین وضوابط کا مدار اس حدیث شریف پر ہے کہ:

عن عمرو بن عوف المزني عن أبيه عن جده، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: الصلح جائز بين المسلمين ، إلا صلحا حرم حلالا، أو أحل حراما، والمسلمون على شروطهم، إلا شرطا حرم حلالا، أو أحل حراما. (سنن الترمذي، أبواب الأحكام، باب ما ذكر عن رسول الله ﷺ في الصلح بين الناس، النسخة الهندية ١/ ٢٥١، دارالسلام، رقم: ١٣٥٢)

اب آپ اپنے مدرسہ کے قوانین وضوابط دیکھیں کہ اس میں کیا حکم ہے؟ اگر سفر حج کے متعلق کوئی صراحت نہیں تو آئندہ کے لئے قانون بنانا چاہئے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ ر ذی الحجہ ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۸۶۲)

تعطیل کلاں میں تنخواہ کا استحقاق کب؟

سوال [۸۵۵۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص نے کسی مدرسہ میں تدریس کے لئے ملازمت طے کی، فرائض وتنخواہ اور جملہ امور سب مقرر ہوگئے، مدرس ابتدائے سال سے اپنے وقت پر کام میں لگ گیا، بعد چند ایام کچھ باتیں پیش آئیں، جن کے متعلق مہتمم اور مدرس میں کچھ گفت وشنید ہوئی، دوران گفتگو مدرس نے کہا کہ فلاں طریق کار میں معاہدے سے انحراف ہو رہا ہے، آپ اس پر عمل درآمد کریں اور کرائیں، مہتمم نے کہا کہ ابھی ہم آپ کو ایک سال تک آزمائیں گے، یعنی آپ کے مطالبات کا معاہدے کے مطابق حق بجانب ہونا ہم کو مسلم ہے، مگر ان کی تکمیل ایک سال بعد ہوگی، جب کہ قالاً یا حالاً آزمائش پر طے شدہ امور کو معلق کرنے کا کوئی اشارہ تک پہلے نہیں ہوا تھا، کیا اس طرح ایام عمل کے دوران بے گمان شرط لگانا اور طے شدہ امور کو غیر مذکور وغیر معہود شرائط پر معلق کرنا درست ہے، جب کہ مدرس خود مقامی باشندہ ہے اور چھوٹے بڑے ہر

ایک کو معلوم ہو، نیز اب مدرس اپنے تئیں یہ سوچ رہا ہے کہ جو وعدے ہوئے تھے نہ ہی پورے کئے گئے نہ آئندہ ان کی بظاہر کوئی توقع ہے، ان حالات میں وہ موجودہ تعلیمی سال (۵/شوال تا ۲۵/شعبان) کی مدت پوری کر کے تحریراً یا مشافہۃً مہتمم سے اپنی برطرفی کا اظہار کردینا چاہتا ہے، واضح رہے کہ تعطیلات میں چندہ کی وصولی اس کے ذمہ لازم نہیں کی گئی تھی، یہ امر تاہنوز سب کو مسلم ہے، اس کو صرف شعبہ عربی وفارسی کی تاسیس اور اس کی مکمل نگرانی وذمہ داری کے لئے لایا گیا تھا، کیا وہ حسب دستور مدرسہ آئندہ امتحان سالانہ سے فراغت کے بعد دوبارہ کام پر لگنے سے ایک ماہ قبل اطلاع کردے تو وہ رمضان کی تنخواہ کا شرعاً مستحق ہوگا یا نہیں؟ یعنی ایام تعطیل ایام تعلیم کے ساتھ ملحق اور ان کے تابع ہیں یا نہیں؟ اس تعلق سے کوئی بات اس سے قبل نفیاً یا اثباتاً ہوئی بھی نہیں ہے، بوضاحت مدلل جواب عنایت فرمائیں، کتب فقہیہ کے حوالوں سے جواب دیں۔

المستفتی: محمد عنایت اللہ چھتی بازار مہولی، کبیر نگر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) اگر صراحتاً سارے شرائط مقرر نہیں ہوئے؛ لیکن مدرسہ کے قواعد معروف ومدون ہیں، تو وہ بھی مثل مشروط کے ہیں، اب اگر ایک سال کی آزمائش قوانین مدرسہ میں سے ہے تو اس کی پابندی لازم ہے۔ (مستفاد: فتاوی رحیمیہ قدیم ۹/۳۰۴)

(۲) تعطیلات رمضان ایام تعلیم کے اس وقت تابع ہوں گی، جب کہ آئندہ سال بھی آپ اسی مدرسہ میں تدریسی خدمت انجام دیں؛ لیکن جب آپ کا ارادہ اس سال مدرسہ چھوڑ دینے کا ہے، تو اس صورت میں آپ رمضان کی تنخواہ کے مستحق نہ ہوں گے، یہی مدارس کے اندر معروف ومشروط ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۱۲/ ۲۲۶، جدید ڈابھیل ۱۵/ ۵۲۵، رحیمیہ قدیم ۹/ ۳۰۵، جدید زکریا ۹/ ۳۰۲)

لأن المعروف كالمشروط. (الأشباه والنظائر، قديم: ۱۵۲، جديد زكريا ۱/ ۲۷۸، المبسوط للسرخسي، دارالكتب العلمية بيروت ۱۲/ ۵٤، البناية أشرفيه ديوبند ۵/ ٤۸۱، قواعد الفقه أشرفي ۱۲۵، رقم: ۳۳٤)

فحيث كانت البطالة معروفة في يوم الثلثاء والجمعة، وفي رمضان والعيدين يحل الأخذ. (شامي، الوقف، مطلب في استحقاق القاضي والمدرس الوظيفة في يوم البطالة كراچی ٤/ ٣٧٢، زكريا ٦/ ٥٦٨، سكب الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٢/ ٥٨٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/۶/۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۲۸۶)

مدرسہ کے ملازم کا ایام تعطیل کی تنخواہ لینا

سوال [۸۵۵۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید ایک دینی مدرسہ میں غیر مستقل ملازم ہے، ۶/ذی الحجہ تک کام کرتا ہے، ۷/ذی الحجہ سے تعطیل عیدالاضحیٰ ہو جاتی ہے، ۱۷/ذی الحجہ کو مدرسہ کھلنے کے دن ۱۰/بجے دفتر میں حاضر ہوکر رجسٹر حاضری مدرسین پر دستخط کرکے فوراً ہی چلا جاتا ہے، جب کہ مدرسہ کا وقت صبح ۸/تا ۱۱/بجے ہے۔ اور تعطیل کے بعد وقت پر حاضر ہونا لازم ہے، پھر ۱۸/تا ۲۰/ذی الحجہ کی رخصت بوضع تنخواہ حاصل کرتا ہے (مدرسہ میں غیر مستقل ملازم کو رخصت بوضع تنخواہ ہی کا حق ہے) ۲۱/ذی الحجہ کو جمعہ پڑتا ہے اور پھر ۲۲/ذی الحجہ کو استعفیٰ نامہ ارسال کر دیتا ہے۔ مطلوب یہ ہے کہ ۷/ذی الحجہ تا ۲۱/ذی الحجہ تنخواہ ذمہ داران مدرسہ پر واجب الاداء ہے یا نہیں؟ واضح رہے کہ مدرسہ میں ایام تعطیل کلاں کی تنخواہ غیر مستقل ملازم کو نہیں دی جاتی ہے، باقی ایام تعطیل کی تنخواہ دے دی جاتی ہے، بشرطیکہ مدرسہ کھلنے والے دن وقت پر حاضر ہوا ہو۔

المستفتی: نظام الحق، مہتمم ادارہ محمودیہ محمدی کھیری، لکھیم پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مدارسِ اسلامیہ کے قوانین اور ضوابط کا مدار ذیل کی حدیث پاک پر ہے:

الصلح جائز بين المسلمين، إلا صلحا حرم حلالا، أو أحل حراما، والمسلمون على شروطهم، إلا شرطا حرم حلالا، أو أحل حراما. (سنن الترمذي، أبواب الأحكام، باب ما ذكر عن رسول الله ﷺ في الصلح بين الناس، النسخة الهندية ۱/ ۲۵۱، دارالسلام، رقم: ۱۳۵۲)

اسی حدیث پاک سے دینی اداروں کے قوانین مستنبط ہوتے ہیں، آپ کے مدرسہ میں تحریری طور پر رخصت سے متعلق جو قانون دستور مدرسہ میں درج ہے، اسی کے مطابق عمل کرنا چاہئے، اگر ملازم ایام تعطیل کی تنخواہ کا مستحق ہوتا ہے، تو دینا چاہئے اور نہیں ہوتا ہے تو نہیں دینا چاہئے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰؍محرم الحرام ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۲۰۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۲/۱/۱۴۲۵ھ

تعطیل کلاں میں تنخواہ کا استحقاق

سوال [۸۵۵۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے گھر میں کوئی اولاد نہ تھی، ہم نے دوسری شادی کی اور منت مانی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے اولاد سے نواز دیا تو چلہ لگاؤں گا، الحمد للہ لڑکی بعدہ لڑکا، دونوں سے اللہ تعالیٰ نے نواز دیا، میں ایک مکتب میں مدرس ہوں، میں نے مہتمم صاحب سے اپنی منت کا تذکرہ کیا اور کہا کہ اگر آپ اجازت دیں تو میں اپنی منت پوری کرلوں، مہتمم صاحب نے اجازت مرحمت فرمادی اور میں نے چلہ پورا کرلیا، اب چلہ کے زمانہ کا مشاہرہ وجہ نزع بن گیا، مہتمم صاحب فرمارہے ہیں کہ چونکہ اولاد کے لئے آپ نے منت مانی ہے، بوضع مشاہرہ چلہ پورا کرنا چاہئے، اگر آپ نے مشاہرہ لے لیا تو وقت مدرسہ کا ہوجائے گا، آپ کی منت پوری نہ ہوگی، ہم چاہتے ہیں کہ مشاہرہ مجھے ملے؛ کیوں کہ چلہ میں جانے والوں کو مدرسہ مشاہرہ دیتا ہے؛

اس لئے آپ حضرات سے درخواست ہے کہ فیصلہ تحریر فرمادیں، کیا مجھے مشاہرہ لینا جائز ہے؟ اگر جائز ہوتو مطالبہ کروں ورنہ خاموش ہوجاؤں؟

المستفتی: محمد ملیح مدرس مدرسہ اسلامیہ دارالعلوم فرقانیہ، مہراج گنج

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں آپ کے مدرسہ ومکتب کا جو قانون وقاعدہ مروج ومشہور ہواسی کے مطابق عمل ہوگا، بعض مدارس میں سالانہ کچھ ایام کی رخصت اتفاقیہ کا قانون ہوتا ہے، ان ایام کے بقدر رخصت لینے پر تنخواہ نہیں کاٹی جاتی، اگر آپ کے مدرسہ ومکتب میں یہ قانون ہے، تو ان ایام کے بقدر تنخواہ کا استحقاق ہے، اس سے زائد کا نہیں، نیز اس کے بعد تمام سال ضرورت پڑنے پر جو رخصت لی جائے گی اس رخصت کے ایام کی تنخواہ کا بھی استحقاق نہیں رہے گا۔ اورسوال نامہ میں جو مدرسہ کی جانب سے چلہ کی بات کہی گئی ہے تو چلہ میں جانے پر مشاہرہ اسی وقت ملے گا، جب کہ مدرسہ ازخود اپنی خوشی سے بھیجے، اس میں نذر کا چلہ داخل نہیں ہوسکتا۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۳/ ۳۴۹، فتاوی رحیمیہ قدیم ۹/ ۳۰۳، فتاوی محمودیہ قدیم ۶/ ۳۱۱، جدید ڈابھیل ۱۵/ ۵۳۵، احسن الفتاوی ۷/ ۲۸۳)

بخلاف ما إذا لم يقدر لكل يوم مبلغا، فإنه يحل له الأخذ، وإن لم يدرس فيهما للعرف، بخلاف غيرهما من أيام الأسبوع حيث لا يحل له أخذ الأجر عن يوم لم يدرس فيه مطلقا، سواء قدر له أجر كل يوم أو لا. الخ

(شامي، كتاب الوقف، مطلب استحقاق القاضي والمدرس الوظيفة في يوم البطالة، كراچی ٤/ ٣٧٢، زكريا ٦/ ٥٦٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸؍ ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۶۳۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۹/ ۴/ ۱۴۲۱ھ

مدارسِ اسلامیہ میں ایامِ تعطیل کی تنخواہوں کا حکم

سوال [٨٥٥٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے یہاں ماضی قریب میں ایک ملکی ہنگامہ کی زد میں آکر دیگر ضروریات زندگی کے تعطلات کے ساتھ ساتھ مدارسِ اسلامیہ بھی بند ہوگئے، چنانچہ ہمارا مدرسہ ٢٥/ ذیقعدہ کو بالکل بند کردیا گیا، پھر٣/صفر کو کھولا گیا، اب بحمد اللہ بدستور تعلیم جاری ہے، ایام تعطیل کی تنخواہوں سے متعلق اختلاف واقع ہوا، مدرسین طالب ہیں اور ذمہ داران عدم عمل کی وجہ سے مانع ہیں، دستور اساسی میں اس بارے میں کوئی تصریح نہیں اور نہ ہی عقد اجارہ کے وقت کوئی بات طے شدہ ہے اور نہ ہی اطراف وجوانب کے مدارس میں کوئی قانون منضبط ہے؛ لہٰذا برائے کرم حسب شرع فیصلہ فرمادیں، نیز تنخواہ نہ ملنے کی صورت میں ذی الحجہ کے اندر جوایام دستوری چھٹی کے ہیں، ان کی تنخواہ الگ ملے گی یا نہیں؟

المستفتی: سبحان اللہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مسئولہ میں چونکہ ملازمین ومدرسین کی جانب سے کوئی تعدی نہیں ہے، نیز عقد اجارہ کے وقت بھی کوئی بات طے نہیں ہوئی اور نہ ہی آپ کے مدرسہ کے دستور اساسی میں اس قسم کی کوئی بات موجود ہے، تو عرف کے مطابق وہ لوگ تنخواہ کے مستحق ہوں گے، اگرچہ آپ کے اطراف کے مدارس میں اس کے بارے میں کوئی قانون منضبط نہیں ہے؛ لیکن ہمارے یہاں مرادآباد میں ١٩٨٠ء کے فساد کے موقع پر بڑے بڑے مدارس مثلاً مدرسہ شاہی، امدادیہ، جامع الہدیٰ وغیرہ تقریباً دو تین ماہ بند رہے؛ لیکن ملازمین ومدرسین کی تنخواہیں وضع نہیں کی گئیں؛ بلکہ برابر تنخواہیں دی گئیں، نیز ”امداد الفتاوی“ (٣/ ٣٤٩) سے یہی مستفاد ہوتا ہے۔ اور تقریباً تمام مدارس میں ایسا ہی دستور ہے۔

الثابت بالعرف كالثابت بالنص. (شرح عقود رسم المفتي، قديم ص: ٩٥،

قواعد الفقه، أشرفي ديوبند/ ٧٤، رسائل ابن عابدين، ثاقب بك ڈپو ديوبند/ ٤٤)

وقول الفقهاء: المعروف بالعرف كالمشروط شرطا. (قواعد الفقه، أشرفي ديوبند/ ١٢٥، إمداد الفتاوى ٣/ ٣٤٩)

نیز ذی الحجہ کے اندر جو ایام دستوری چھٹی کے ہیں، ان کی تنخواہ دینے کا چونکہ عام مدارس کا دستور ہے، جو بمنزلہ شرط کے ہے؛ لہٰذا اس کی تنخواہ کے ملازمین ومدرسین مستحق ہوں گے، اگر اہل چندہ کی رضا قالاً یا حالاً معلوم ہوجائے تو چندہ سے دیا جاسکتا ہے، ورنہ موجرا پنے پاس سے دے گا۔ اور عدم اشتراط کی صورت میں ان ایام کی تنخواہ کا استحقاق نہیں ہوگا۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۳/۳۴۸)

فحيث كانت البطالة معروفة في يوم الثلاثاء والجمعة، وفي رمضان والعيدين يحل الأخذ. (شامي، الوقف، مطلب في استحقاق القاضي والمدرس الوظيفة في يوم البطالة، كراچی ٤/ ٣٧٢، زكريا ٦/ ٥٦٨، سكب الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٢/ ٥٨٩)

لأن المعروف كالمشروط. (الأشباه قديم/ ١٥٢، جديد زكريا ١/ ٢٧٨، المبسوط للسرخسي، دارالكتب العلمية بيروت ١٢/ ٥٤، البناية، أشرفيه ديوبند ٥/ ٤٨١، قواعد الفقه، اشرفي ديوبند/ ١٢٥، رقم: ٣٣٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۹؍ جمادی الثانیہ ۱۴۱۵ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۴۰۹۳)	۱۴۱۵/۶/۲۹ھ

مدرسے کی چھٹیوں میں پڑھانے کی اجرت اور تعطیل کلاں کی تنخواہ کا حکم

سوال [۸۵۵۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) مدارسِ اسلامیہ میں انتظامیہ کمیٹی کی جانب سے کچھ چھٹی منظور ہوتی ہیں، جنہیں اتفاقیہ واحتیاجیہ کہا جاتا ہے، اگر کوئی مدرس وغیرہ منظور شدہ چھٹیوں سے زائد حاصل کر

لیتا ہے تو جزوزائد کی تنخواہ کاٹ لی جاتی ہے؛ لیکن اگر مدرس وغیرہ پوری چھٹیاں حاصل نہیں کر پاتا؛ بلکہ کچھ باقی رہ جاتی ہیں، تو بقایا کا مدرس کو کچھ نہیں دیا جاتا، آیا یہ طریقہ اسلامی تعلیمات وشرعی احکامات کے مطابق ہے کہ زائد ہونے پر رقم وضع کر لی جائے اور باقی باندہ کا کچھ نہ دیا جائے؟ کیا ناظم مدرسہ اپنے اس رویہ کے باعث حق العبد میں ماخوذ ہوگا یا نہیں؟

(۲) تعطیل کلاں کی تنخواہ کا حق دار مدرس کب ہوتا ہے؟ زید کا کہنا ہے کہ اگر مدرس سالانہ امتحان تک مدرسہ کی خدمت پر مامور رہتا ہے، تو وہ تعطیل کلاں کی تنخواہ کا حق دار ہوگا، ورنہ نہیں؛ لیکن خالد کا کہنا ہے کہ اگر مدرس تعلیمی سال کے نصف تک مدرسہ کی خدمت کرتا رہا تب بھی وہ آنے والی تعطیل کلاں کی تنخواہ کا واجبی حق دار ہے، صحیح قول کس کا ہے؟ واضح فرمائیے گا، اگر ارکان مدرسہ اس میں کوتاہی کریں تو کیا حکم ہے؟

المستفتی: محمد صابر خان، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مدارسِ اسلامیہ کے تمام قواعد وضوابط اس حدیث شریف سے مستنبط ہیں:

عن عبداللّٰہ بن عمرو بن عوف المزني، عن أبیه، عن جده، أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم قال: الصلح جائز بین المسلمین، إلا صلحا حرم حلالا، أو أحل حراما، والمسلمون علی شروطهم، إلا شرطا حرم حلالا، أو أحل حراما. (سنن الترمذي، أبواب الأحکام، باب ما ذکر عن رسول اللّٰہ ﷺ في الصلح بین الناس، النسخة الهندیة ۱/ ۲۵۱، دارالسلام، رقم: ۱۳۵۲)

اب اس حدیث شریف کی روشنی میں مذکورہ سوالات کے جوابات اس طرح ہوں گے کہ منظور شدہ چھٹیوں میں سے باقی رہنے پر کچھ نہ دینا اور زائد چھٹیوں پر تنخواہ وضع کر لینا آپ کے یہاں کے اداروں کے اصول وضوابط پر مبنی ہے، اگر وہاں کے اداروں میں منظور شدہ چھٹیوں میں باقی رہنے پر کچھ نہیں دیا جاتا اور زائد چھٹیوں پر تنخواہ وضع کر لی جاتی ہے، تو اسی پر عمل

ہوگا۔اور چھٹی باقی رہنے پر مدرس کوکسی طرح کا استحقاق نہ ہوگا۔اوراگر باقی چھٹیوں پر ان ایام کی تنخواہ دینے کا قانون ہے،تو ایسی صورت میں مدرس ان ایام کی تنخواہ کا شرعاً مستحق ہوگا۔ پہلی صورت میں نہ دینے پر ناظم مدرسہ حق العبد میں ماخوذ بھی نہ ہوگا۔اور دوسری صورت میں نہ دینے سے ذمہ دار اور ناظم حق العبد میں ماخوذ ہوگا۔

(۲) اگر تعطیل کلاں سے قبل مدرس کو مدرسہ سے علیحدہ نہیں کیا گیا،تو ایسی صورت میں مدرس تعطیل کلاں کی تنخواہ کا مستحق ہے؛ کیوں کہ مدارس اسلامیہ میں مدرسین کا تقرر مکمل سال کے لئے ہوتا ہے۔اوراگر مدرس کو تعطیل کلاں سے قبل مدرسہ سے علیحدہ کردیا گیا یا تقرر کے وقت اس بات کی وضاحت کردی گئی تھی کہ آپ کا اور ہمارا معاملہ صرف شعبان تک ہے، تو ایسی صورت میں مدرس تعطیل کلاں کی تنخواہ کا مستحق نہیں ہوگا؛ کیوں کہ آپس کی شرائط کی پابندی مسلمانوں پر لازم ہے۔

لأن أمور المسلمين محمول على الصلاح والسداد. (بدائع الصنائع، كتاب الصلح، فصل في الشرائط التي ترجع إلى المصالح، زكريا ديوبند ٥/ ٥٢) **فقط واللہ** سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۷۲۸۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۵/ ۶/ ۱۴۲۲ھ

رمضان کی تنخواہ کا حکم

سوال [۸۵۵۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ادارہ والے یا مدرسہ والے مدرسین وملازمین حضرات کو رمضان المبارک کی تعطیلات کی جو تنخواہ دیتے ہیں اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ جو حضرات مستعفی ہونا چاہتے ہیں وہ اس کے مستحق ہوں گے یا نہیں؟ اوران کی تین شکلیں ہیں: (۱) ایک تو وہ حضرات ہیں جو شعبان میں مستعفی ہوتے ہیں (۲) وہ حضرات جو پندرہ رمضان یا ۲۵/ رمضان کو مستعفی ہونے کی اطلاع دیتے

ہیں (۳) وہ حضرات ہیں جو شوال میں ایک ہفتہ یا دو ہفتہ پڑھا کر رمضان کی تنخواہ لے کر اپنا استعفیٰ منظور کروائے بغیر چلے جاتے ہیں، یا تنخواہ لے کر تو نہیں جاتے مگر بغیر انتظامیہ کی منظوری کے دوسری جگہ جا کر خدمت میں لگ جاتے ہیں اور پھر رمضان کی تنخواہ کا مطالبہ فرماتے ہیں، حالانکہ مدرسہ کا قانون ہے کہ جن حضرات کو مستعفی ہونا ہے وہ ایک مہینہ قبل اطلاع دیں، تو اس صورت میں کون حضرات رمضان المبارک کی تنخواہ کے مستحق ہو سکتے ہیں؟

المستفتی: محمد عابد غلام محمد کیسر پوری، خادم مدرسہ مفتاح العلوم موڑ اسا، گجرات

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مدارسِ اسلامیہ کے قوانین وضوابط منقول اور منصوص نہیں ہیں، ہاں البتہ ترمذی شریف کی اس حدیث کی رو سے مدارس کے قوانین وضوابط صحیح اور درست ہیں، حدیث شریف یہ ہے:

عن عبداللہ بن عمرو بن عوف المزني، عن أبیه، عن جده، أن رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم قال: الصلح جائز بین المسلمین ، إلا صلحا حرم حلالا، أو أحل حراما، والمسلمون علی شروطهم، إلا شرطا حرم حلالا، أو أحل حراما. (سنن الترمذي، أبواب الأحکام، باب ما ذکر عن رسول اللہ ﷺ في الصلح بین الناس، النسخة الهندیة ۱/ ۲۵۱، دارالسلام، رقم: ۱۳۵۲)

اس حدیث شریف کی روشنی میں سارے قوانین جائز اور درست ہیں۔ سوال نامہ میں لکھی ہوئی تینوں شکلیں مدرسہ کے ذمہ دار سے معلوم کریں، ان کے یہاں جو دستور اور ضابطہ بنا ہوا ہے اس کے مطابق یہ تینوں شکلیں ضابطہ اور دستور کے کس کالم میں اترتی ہیں، دیکھ لیں، پھر ان ہی کالم کے مطابق ان شکلوں پر عمل کرنا چاہئے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۶؍ ربیع الاول ۱۴۳۱ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۰۰۲/۳۸)	۱۴۳۱/۴/۶ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۲۵/ کتاب البیوع

۱/ باب البیع الصحیح

مالِ متقوم وغیر متقوم، بیع باطل اور فاسد کی تعریف

سوال [۸۵۵۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مال کی تعریف، نیز مالِ متقوم وغیر متقوم کی واضح تعریف کیا ہے؟ نیز بیع باطل وفاسد کی جامع مانع تعریف اور فرق دونوں کے درمیان کیا ہے؟ ان سب کو جامع مانع اور واضح الفاظ میں پیش فرمادیں۔

المستفتی: حبیب الرحمٰن گوری نو ادا، فرخ آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مال: اس کو کہتے ہیں جس کی طرف طبیعت کا میلان ہو اور بوقت ضرورت جمع کر کے رکھا جا سکتا ہو۔

المراد بالمال: ما يميل إليه الطبع، ويمكن إدخاره لوقت الحاجة.

(شامي، البيوع، مطلب في تعريف المال والملك والمتقوم، كراچی ٤/ ٥٠١، زكريا ٧/ ١٠، وهكذا في البحرالرائق، زكريا ٥/ ٤٣٠، كوئٹه ٥/ ٢٥٦، معجم لغة الفقهاء، كراچی ٣٩٦، الموسوعة الفقهية الكويتية ١٥/ ٢٧، ٣١/ ٦٠، ٣١/ ٢٧٩، ٣٦/ ٣١، الفقه الإسلامي وأدلته، هدى انٹرنيشنل ديوبند ٤/ ١١٢/ دارالفكر ٥/ ٣٣٠٥)

اور مالِ متقوم: اس کو کہتے ہیں جس سے مسلمان کو نفع اٹھانا ممکن ہو اور مسلمان کے لئے اس سے فائدہ اٹھانا جائز ہو۔

المتقوم: ما يمكن إدخاره مع الإباحة، فإن المتقوم هو المال المباح

الانتفاع به شرعا. (شامي، البيوع، مطلب في تعريف المال والملك والمتقوم، زكريا ٧/ ١٠، ٢٣٥، كراچی ٤/ ٥٠١، ٥/ ٥٠، معجم لغة الفقهاء، كراچی ٣٩٧، الموسوعة الفقهية الكويتية ١٥/ ٢٧، ٣٦/ ٣٤، الفقه الإسلامي وأدلته، هدى انٹرنيشنل ديوبند ٤/ ١٢٥، دارالفكر ٥/ ٣٣٢١)

اور مالِ غیر متقوم: اس کو کہتے ہیں کہ مسلمان کے لئے جس سے فائدہ اٹھانا بالکل جائز نہیں ہوتا ہے اور اس کی بیع قطعاً باطل ہو جاتی ہے۔

وبطل بيع مال غير متقوم، أي غير مباح الانتفاع به، كخمر وخنزير. (درمختار، البيوع، باب البيع الفاسد، مطلب في تعريف المال زكريا ٧/ ٢٣٥، كراچی ٥/ ٥٠، زكريا ٧/ ٢٤١، ٢٤٢، كراچی ٥/ ٥٥، معجم لغة الفقهاء، كراچی ٣٩٧، الفقه الإسلامي وأدلته، هدى انٹرنيشنل ديوبند ٤/ ١٢٥، دارالفكر ٥/ ٣٣٢١)

نیز بیع باطل وہ ہے کہ جس کے صلب عقد میں فساد آیا ہو۔ اور بیع فاسد وہ ہے کہ صلب عقد میں تو فساد نہ آیا ہو؛ بلکہ خارج عقد اور صفات میں فساد آیا ہو، جیسا کہ جب مبیع میتہ یا خنزیر ہو تو رکن بیع یعنی عین مبیع میں فساد آیا ہے؛ اس لئے باطل ہے۔ اور دریا سے مچھلی پکڑنے سے قبل فروخت کرنا اور ہوا میں اڑتے پرندہ کو پکڑنے سے قبل فروخت کرنا اس میں عین مبیع میں فساد تو نہیں ہے، مگر خارج مبیع میں فساد ہے اور وہ مبیع کا غیر مقدور التسلیم ہونا ہے، اس لئے فاسد ہے۔

ظاهره أن الفاسد بيع السمک، وأنه يملک بالقبض، وفيه أن بيع ما ليس في ملكه باطل كما تقدم؛ لأنه بيع المعدوم، والمعدوم ليس بمال فينبغي أن يكون بيعه باطلا، وأن يكون الفاسد هو بيع العرض؛ لأنه مبيع من وجه، وإن دخلت عليه الباء. (شامي، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مطلب في البيع الفاسد، زكريا ٧/ ٢٤٨، كراچی ٥/ ٦٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍ محرم الحرام ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۱۳۶)

نیلامی کا حکم

سوال [۸۵۶۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نیلامی میں بولی خرید وفروخت کرنا کیسا ہے؟

المستفتی: سید عادل حسن سید کالونی، جے پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نیلام سے خرید وفروخت کرنا شرعاً جائز ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۸/۳۷، جدید زکریا مطول ۱۱/۹۰، امداد الفتاوی ۳/۱۲۱)

عن أنس بن مالک، أن رسول اللّٰہ ﷺ باع حلسا وقدحا، وقال: من یشتری ہذا الحلس والقدح، فقال رجل: أخذتھما بدرھم، فقال النبي صلی اللّٰہ علیہ وسلم: من یزید علی درھم؟ من یزید علی درھم؟ فأعطاہ رجل بدرھمین، فباعھما منہ. (سنن الترمذي، البیوع، باب ماجاء في من یزید، النسخۃ الهندیۃ ۱/ ۲۳۱، دارالسلام، رقم: ۱۲۱۸، سنن أبي داؤد، کتاب الزکوۃ، النسخۃ الهندیۃ ۱/ ۲۳۲، دارالسلام، رقم: ۱۶٤۱، سنن النسائي، البیوع، النسخۃ الهندیۃ ۱/ ۱۸۹، دارالسلام، رقم: ٤٥١٥) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍صفر ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۰۹۹)

امریکہ سے ٹیلی ویزن پر خرید وفروخت کا حکم

سوال [۸۵۶۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: آج کے جدید ترقی یافتہ دور میں ایک شخص امریکہ سے ٹیلی فون پر کہتا ہے، ہندوستانی

تاجر سے کہ آج سونے کا یہاں بھاؤ یہ ہے، بولو تم کو لینا ہے؟ ہندوستانی تاجر بولتا ہے کہ آپ کے بتلائے ہوئے بھاؤ پر میرا دو کیلو ہو گیا ہے، پھر کچھ ٹائم بعد یا ایک دو روز بعد وہ امریکی کہتا ہے کہ آج سونے کا بھاؤ یہ ہے تم کو لینا ہے، ہندوستانی تاجر کہتا ہے کہ میرے خریدے ہوئے سونے آپ کے بتائے ہوئے بھاؤ پر فروخت کر دیں، یہ خرید وفروخت کیسی ہے یہ سونے کا ہی معاملہ نہیں ہے؛ بلکہ قریب قریب منقولی چیزیں اسی طرح سے بیچی اور خریدی جاتی ہیں، ابتلاء عام ہے اور اس میں کوئی جھگڑا نہیں ہے اور نہ سنا گیا ہے، ویسے یہ شکل وکیل کی سی ہو جاتی ہے؛ البتہ وکیل بول کر متعین نہیں کیا جاتا ہے؛ بلکہ ٹیلی فون پر اسی طرح گفتگو ہوتی ہے، جیسے لکھا گیا ہے۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: (۱) **ما إذا وكل رجلا غائبا، وأخبره رجل بالوكالة يصير وكيلا، سواء كان المخبر عدلا أو فاسقا، أخبره من تلقاء نفسه أو على سبيل الرسالة صدقه الوكيل في ذلك أو كذبه.** (فتاوى عالمگيری، كتاب الوكالة، الباب الأول زكريا قديم ۳/ ۵٦١، جديد ۳/ ٤٧٧)

(۲) **والأصل فيه أن الجهالة اليسيرة تتحمل فى الوكالة كجهالة الوصف استحسانا؛ لأن مبنى التوكيل على التوسعة؛ لأنه استعانة.** (هداية، الوكالة، باب الوكالة بالبيع والشراء، أشرفي ۳/ ١٨١)

(۳) **الملك يثبت للموكل خلافه عن الوكيل ابتداء وهو الصحيح.** (عالمگيری قديم ۳/ ۵٦٧، جديد ۳/ ٤٨۳)

(٤) **وإذا دفع الوكيل بالشراء الثمن من ماله وقبض المبيع فله أن يرجع به على الموكل؛ لأنه انعقدت –إلى قوله– فإن هلك المبيع في يده قبل حبسه هلك من مال الموكل ولم يسقط الثمن؛ لأن يده كيد الموكل.** (هداية، باب الوكالة بالبيع والشراء، أشرفي ۳/ ١٨٢-١٨۳)

مذکورہ عبارات سے حسب ذیل امور ثابت ہوتے ہیں: عبارت نمبر ا/ سے غائب شخص کو وکیل بنانا اور ٹیلی فون کی خبر کا معتبر ہونا مسئلہ وکالت میں ثابت ہوتا ہے۔

عبارت نمبر۲/ سے مسئلہ وکالت میں بمقابلہ بیع کے زیادہ جہالت برداشت کی جاتی ہے۔

عبارت نمبر۳، ۴/ سے وکیل کا اپنی طرف سے ثمن ادا کر کے مبیع پر قبضہ کر لینا اور موکل کے لئے ملکیت ثابت ہونا واضح ہوتا ہے، نیز نمبر ا/ سے وکیل بالشراء، وکیل بالبیع دونوں کا بحالت غیوبت جائز ہونا ثابت ہوتا ہے؛ اس لئے مذکورہ دلائل کی روشنی میں بشرط عدم منازعت مذکورہ معاملہ جائز ہے، تاہم اس مسئلہ میں دوسرے مفتیان کرام کی طرف بھی رجوع کر لیجئے۔

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/ شعبان المعظم ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۱۹۰۱)

مسلمانوں کا غیر مسلموں سے خرید وفروخت کرنا

سوال [۸۵۶۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید جو عالم اور مدبر ہے، مسلمانوں کو تلقین کرتا ہے کہ مسلم قوم کا بھلا اسی میں ہے کہ مسلمان جو چیز خریدیں مسلمان دوکانداروں سے ہی خریدیں، یہ بہت ضروری ہے، بکر جو سیاسی آدمی ہے، وہ کہتا ہے کہ ''اگر ایسا کیا گیا تو یہ بڑی غلطی ہوگی اور اس سے فرقہ واریت بڑھے گی، ہمارے بزرگوں نے اس طرح کی جو غلطیاں کی تھیں، ان کا نتیجہ ابھی تک مسلمان بھگت رہے ہیں، اس قسم کی مزید غلطیاں مسلمانوں کو لے ڈوبیں گی''۔ آپ سے گزارش ہے کہ اس بارے میں شریعت مطہرہ کی روشنی میں فیصلہ فرمائیں۔ علماء کو مسلمانوں کے ہر مسئلے میں رہنمائی فرمانا چاہئے، کیا ہمارے اکابر علماء نے اس بارے میں کوئی رائے دی ہے؟ اگر ہو تو حوالہ دے کر عند اللہ راہ صواب دکھائیں۔ بینوا توجروا

المستفتی: محمد ذکی ساکن محلّہ سیف خان سرائے سنبھل، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسلمانوں پر شرعاً یہ لازم نہیں ہے کہ وہ صرف مسلمان دوکانداروں ہی سے خریدا کریں؛ بلکہ اپنی ضرورت کی چیزیں بلا کراہت غیر مسلم دوکانداروں سے بھی خرید سکتے ہیں جو لوگ منع کرتے ہیں وہ بلا تحقیق منع کرتے ہیں۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۹۶/۳)

وكذا إسلام البائع ليس بشرط لانعقاد البيع ولا لنفاذه، ولا لصحته بالإجماع، فيجوز بيع الكافر وشراؤه –إلى قوله– ولنا عمومات البيع من غير فصل بين بيع العبد المسلم من المسلم، وبين بيعه من الكافر فهو على العموم. الخ (بدائع الصنائع، البيوع، فصل في شرائط ركن البيع، كراچی ٥/ ١٣٥، زكريا ٤/ ٣٢١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵ رصفر ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ١٦٦٨)

مشتری کا مبیع کو استعمال کرنے کے بعد فروخت کرنے کا حکم

سوال [۸۵٦۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کی اسٹیل کی ایک دوکان ہے، جس میں وہ برتن وغیرہ بیچتے ہیں؛ لیکن کبھی کبھی ضرورت کے وقت عارضی طور پر ان برتنوں کو استعمال بھی کر لیتے ہیں، تو سوال یہ ہے کہ بیچتے وقت کیا زید پر یہ صراحت ضروری ہے کہ میں نے تھوڑا بہت استعمال کیا ہے؟ براہ کرام جواب سے نوازیں۔

المستفتی: عبد المجید کیرالا، متعلم جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید کا اپنی دوکان کے برتن استعمال کرنا اور اس کے بعد

خریدار کو صحیح صورت حال بتائے بغیر اس کو نیا برتن بتا کر فروخت کرنا شرعاً جائز نہیں ہے؛ اس لئے کہ مستعمل اشیاء کی قیمت بازار میں نئی اور غیر مستعمل چیزوں کے مقابلہ میں کم ہوتی ہے، نیز اس طرح فروخت کرنا ایک قسم کی دھوکہ دہی بھی ہے؛ لہٰذا صحیح صورت حال بتا کر ہی مستعمل برتنوں کو فروخت کرنا چاہئے۔

عن عقبة بن عامر قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: المسلم أخو المسلم، ولا يحل لمسلم باع من أخيه بيعا فيه عيب، إلا بينه له. (ابن ماجة، البيوع، باب من باع عيبا فليبينه، النسخة الهندية ۱٦۲، دارالسلام، رقم: ۲۲٤٦، المستدرك للحاكم، كتاب البيوع، مكتبه نزار مصطفى الباز، جديد ۳/ ۸۱٦، قديم ۲/ ۸/ رقم: ۲۱٥۲)

لايحل كتمان العيب في مبيع أو ثمن؛ لأن الغش حرام. (شامي، البيوع، باب خيار العيب، مطلب في جملة ما يسقط به الخيار، زكريا ۷/ ۲۳۰، كراچی ٥/ ٤۷)

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– أن رسول الله صلى الله عليه وسلم مر برجل يبيع طعاما، فسأله كيف تبيع؟ فأخبره، فأوحى إليه أن أدخل يدک فيه، فأدخل يده فيه، فإذا هو مبلول، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم ليس منا من غش. (أبو داؤد شريف، البيوع، باب النهي عن الغش، النسخة الهندية ۲/ ٤۸۷، دارالسلام، رقم: ۳٤٥۲، وهكذا في صحيح مسلم، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم من غشنا فليس منا، النسخة الهندية ۱/ ۷۰، بيت الأفكار، رقم: ۱۰۲)

كل ما أوجب نقصان الثمن في عادة التجار، فهو عيب. (هداية، البيوع، باب خيار العيب، أشرفي ۳/ ٤۰، مختصر القدوري، ص: ۷٦، الموسوعة الفقهية الكويتية ۱٥/ ٥۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶/۲/۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۹۱۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۶/۲/۱۴۳۱ھ

کیا حرام مال میں تعدی پائی جاتی ہے؟

سوال [۸۵۶۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: حضرات فقہاء کی تصریحات کے مطابق اگر کسی کی آمدنی حرام ہو تو اس سے مسلمانوں کو خرید وفروخت کا معاملہ کرنا ممنوع ہے، اس کے بالمقابل حضرت امام کرخیؒ کی تصریح کے مطابق حرام مال کی کسی جہت سے تعیین کے بغیر اگر کوئی چیز خریدی جائے تو اس چیز میں حرمت سرایت نہیں کرے گی اور اس کا استعمال جائز ہوگا۔ **كما في الشامية، وأيضا في فتاوى علماء نا العامة.**

سوال یہ ہے کہ امام کرخیؒ کی تصریح کے مطابق خرید کردہ شئ میں حرمت سرایت نہیں کرے گی، کیا مشتری جو حرام مال ادا کر رہا ہے اس سے بھی حرمت کی خباثت ختم ہو جائے گی، اگر نہیں تو بائع حاصل شدہ نفع مع اصل فروخت کردہ چیز کی قیمت کے ساتھ کیا کرے؟ دانستہ اور غیر دانستہ دونوں شکلوں کا حکم کیا یکساں ہوگا؟ نیز ہمارے شہر بمبئی میں اس سے بچنا بہت دشوار ہے، خصوصاً شوروم، بڑی دوکانیں، ہوٹلیں وغیرہ ان ہی حضرات سے آباد رہتے ہیں، خلاصی کی شکل کیا ہے؟

المستفتی: بندہ عبدالرشید عفی عنہ نعمانی، دارالافتاء والارشاد اندھری ایسٹ بمبئی، مہاراشٹر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب ایک مسلمان کے پاس حلال اور حرام دونوں مخلوط پیسے موجود ہیں اور وہ شخص خریداری کے وقت حرام یا حلال پیسے کی تعیین کئے بغیر پیسہ ادا کرتا ہے، تو وہ پیسہ بائع کے لئے اپنے مال کے عوض میں لینا بلا تردد جائز اور حلال ہے۔ اور بائع کے حق میں وہ پیسہ حلال ہے، اگر مشتری نے حرام پیسہ دیا ہے، تو گنہگار مشتری ہوگا بائع نہیں ہوگا، اب رہی یہ بات کہ حرام پیسہ کے عوض میں مشتری نے جو پاک مال خریدا ہے، اس میں بھی حرمت سرایت کر جائے گی یا نہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جب اس نے کسی قسم کی

صراحت کئے بغیر مطلقاً مال خریدا ہے اور پیسہ کی ادائے گی میں حرام مال دیا ہے، تو اس کی وجہ سے مشتری گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوگا؛ لیکن مشتری کے پاس جو مال آیا ہے، وہ اس کے لئے حلال ہے اور امام کرخیؒ ہی کے قول پر فتویٰ ہے۔ اور دوسری طرف بائع کے پاس اپنے حلال مال کے عوض میں جو بھی پیسہ حرام مال کی صراحت کے بغیر مطلقاً پہنچا ہے، وہ پیسہ بائع کے حق میں حلال ہوگا، اس لئے کہ اگر بائع کو مشتری کا حال معلوم نہیں ہے تو بلاتردد اس کے حق میں حلال ہے۔ اور اگر بائع کو مشتری کا حال معلوم ہے کہ اس کے پاس حلال وحرام دونوں طرح کا پیسہ ہے، تو مشتری نے جب حرام کی صراحت نہیں کی ہے؛ بلکہ بلا صراحت کے مطلقاً پیسہ پیش کردیا ہے، تو ایسی صورت میں شریعت نے بائع کو اس کا مکلّف بنایا ہے کہ مشتری مسلمان ہے، اس نے اپنا حلال مال ہی دیا ہوگا؛ لہٰذا بائع کے حق میں وہ پیسہ حلال ہوگا، ہاں البتہ اگر مشتری پیسہ کی ادائے گی کے وقت اس کی صراحت کردیتا ہے کہ میں آپ کو حرام اور خبیث پیسہ دے رہا ہوں تو بائع کے لئے اپنے حلال مال کے بدلہ میں اس کا پیسہ لینا جائز نہیں ہے، ایسی صورت میں اس پیسہ کی حرمت بائع کے حق میں بھی سرایت کرجائے گی، ورنہ بائع کے حق میں سرایت نہیں کرے گی۔

رجل اكتسب مالا من حرام، ثم اشترى فهذا على خمسة أوجه: إما إن دفع تلك الدراهم إلى البائع أولا، ثم اشترى منه بها، أو اشترى قبل الدفع بها ودفعها، أو اشترى قبل الدفع بها ودفع غيرها، أو اشترى مطلقاً ودفع تلك الدراهم، أو اشترى بدراهم أخر ودفع تلك الدراهم –إلى قوله– وقال الكرخيؒ: في الوجه الأول والثاني لا يطيب، وفي الثلاث الأخيرة يطيب، وقال أبوبكرؒ: لا يطيب في الكل، لكن الفتوىٰ الآن على قول الكرخيؒ دفعا للحرج عن الناس. (شامي، كتاب البيوع، باب المتفرقات، مطلب إذا اكتسب حراما، ثم اشترى على خمسة أوجه، زكريا ۷/ ۴۹۰، كراچی ۵/ ۲۳۵، وهكذا في الهندية، زكريا قديم ۳/ ۲۱۵، جديد ۳/ ۲۰۱)

أهدى إلى رجل شيئا أو أضافه إن كان غالب ماله من الحلال فلا بأس إلا أن يعلم بأنه حرام، فإن كان الغالب هو الحرام ينبغي أن لا يقبل الهدية، ولا يأكل الطعام إلا أن يخبره بأنه حلال ورثته أو استقرضته من رجل. (هندية، كتاب الكراهية والاستحسان، الباب الثاني عشر في الهدايا و الضيافات، زكريا قديم ٥/ ٣٤٢، جديد ٥/ ٣٩٦، وهكذا في البناية أشرفيه ديوبند ١٢/ ٢٠٩، المحيط البرهاني، المجلس العلمي ٨/ ٧٣، رقم: ٩٦١٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷ ربیع الاول ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۲۳۷/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۸/۳/۲۷ھ

زمین فروخت کرنے کے بعد رجسٹری نہ کرانا

سوال [۸۵۶۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہم نے تقریباً دو سال پہلے ایک جگہ جس کے مالک نجمی خاتون اور رئیس احمد تھے، خریدی، قیمت چھ لاکھ روپئے طے ہوئی، وہ ہم نے ساری کی ساری ادا کردی، آپسی مشورہ سے یہ بات طے پائی کہ رجسٹری بعد میں کرالیں گے، ثبوت کے طور پر ایک ایگریمنٹ لکھا گیا۔ ۱۲/۱ اکتوبر ۲۰۱۰ء کو اس میں لکھا گیا کہ اب اس جگہ کے مالک محمد عاصم ہیں، ہم نے نجمی خاتون و رئیس احمد یہ جگہ چھ لاکھ روپئے میں انہیں بیچ دی ہے، اور ساری رقم وصول کرلی ہے، اب انہیں محمد عاصم کو اختیار ہے کہ یہ اپنے نام سے رجسٹری کرائیں یا کسی اور کے نام سے رجسٹری کرائیں، میں رجسٹری ان کو کردوں گا، یہ معاہدہ باقاعدہ ۱۰۰/ روپئے کے اسٹامپ پر طے پایا۔ اب ہم نے اس جگہ کو بیچنے کی آواز لگائی ہے اور تقدیر سے ایک گراہک سے سات لاکھ ساٹھ ہزار میں سودا طے ہوگیا، اب جب ہم نے اس سودے کی اطلاع حاجی رئیس احمد کو دی کہ ہم نے اس جگہ کا سودا کرلیا ہے، آپ اس کی رجسٹری کرادیجئے، تو حاجی رئیس احمد نے برجستہ یہ کہا کہ مجھے ایک لاکھ روپئے دو میں جب رجسٹری کروں گا، پھر ہم نے ان سے بات کی کہ آپ رجسٹری کرادیں تو

انہوں نے یہ کہا کہ میں کسی کے نام کی رجسٹری نہیں کراؤں گا، میں تمہیں بیچ ہی نہیں رہا اور میں تمہیں فائدے کے ساتھ پیسے واپس کردوں گا، اس مکان پر قبضہ محمد عاصم کا ہے اور مکان کی چابیاں بھی محمد عاصم کے پاس ہیں۔ اب معلوم یہ کرنا ہے کہ شریعت کی رو سے اس جگہ کا مالک کون ہے؟ اگر وہ حاجی رئیس اس جگہ کو دوبارہ خریدنا چاہتے ہیں تو مجھے وہ فائدہ دیں جو میرا گراہک سے طے ہوگیا ہے، اس بارے میں شریعت کیا کہتی ہے؟

المستفتی: محمد عاصم، محلّہ تکیہ بدھاشاہ، کسرول، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں جب محمد عاصم نے نجمی خاتون اور رئیس احمد سے زمین خریدی اور محمد عاصم نے طے شدہ قیمت چھ لاکھ روپئے ادا کرکے اس پر قبضہ بھی کرلیا ہے، تو ایسی صورت میں مذکورہ زمین محمد عاصم کی ملکیت میں جائز طریقہ سے منتقل ہوگئی ہے؛ لہٰذا نجمی خاتون اور رئیس احمد کا کوئی واسطہ اس زمین کے ساتھ نہیں رہا ہے؛ اس لئے پکی رجسٹری کے وقت دستخط کے لئے بلانے پر وعدہ کے مطابق جاکر دستخط کردینا شرعی طور پر ان پر لازم ہے، الگ سے پیسہ مانگنا جائز نہیں ہے۔ اور اس طرح کا پیسہ لینا حرام کا پیسہ ہوگا۔

ولنا أن ركن البيع صدر من أهله مضافا إلى محله، فوجب القول بانعقاده. (هداية، كتاب البيوع، أشرفي ٣/ ٢١)

وإن ذكر البيع من غير شرط، ثم ذكر الشرط على وجه المواعدة جاز البيع، ويلزمه الوفاء بالوعد؛ لأن المواعدة قد تكون لازمة، فتجعل لازمة لحاجة الناس. (فتاوى قاضيخان، البيع، باب البيع الفاسد، فصل في الشروط المفسدة، زكريا جديد ٢/ ٩٩، وعلى هامش الهندية ٢/ ١٦٥، مجمع الضمانات ١/ ٤٢٣، شامي، مطلب في البيع بشرط فاسد، زكريا ٧/ ٢٨١، كراچی ٥/ ١٨٤، الموسوعة الفقهية الكويتية ٦/ ١٦٤، ٩/ ٢٤٧، ٤٤/ ٩٦)

إذا قبض البائع الثمن وهو مما يملك به، فإنه يكون إذنا بالقبض دلالة. (شامي، زكريا ۷/ ۲۸۷)

باع شيئا وخلى بينه وبين المشترى صار المشترى قابضا حتى لو هلك يهلك من ماله. (الفتاوى السراجية، ص: ۴۳۸)

وإذا قبض المشترى المبيع برضا بائعه صريحا أو دلالة ولم ينهه البائع، ملكه أي يملك عينه وهو الصحيح المختار، وإذا ملكه تثبت كل أحكام الملك، فيكون المشتري خصما لمن يدعيه، ولو باعه كان الثمن له.

(شامي، مطلب في الشرط الفاسد إذا ذكر بعد القعد أو قبله، زكريا ۷/ ۲۸۷، کراچی ۵/ ۸۸)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ ربیع الاول ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۶۴۸)

خریدار کا بائع کی اولاد کو رجسٹری پر دستخط کرنے کے عوض کچھ دینے کا حکم

سوال [۸۵۶۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرے والد صاحب کا ایک مکان تھا جواب بھی ہے، انہوں نے اپنی زندگی میں آدھا مکان اپنے ایک ملنے والے کے ہاتھ بیچ دیا تھا، منہ زبانی طور پر جس کی کوئی لکھت پڑھت نہیں ہوئی تھی، اس مکان کو بیچے ہوئے لگ بھگ چوبیس سال ہوگئے، میرے والد کا انتقال بھی بائیس سال پہلے ہوگیا، میں اپنے گھر کی سب سے چھوٹی بیٹی ہوں؛ لہٰذا اب وہ رجسٹری کروا رہے ہیں اس مکان کی، میرے دستخط ہونے ہیں، میرا ان سے کوئی مطالبہ نہیں ہے، اگر وہ اپنی خوشی سے مجھے کچھ پیسے دینا چاہیں تو وہ میرے لئے جائز ہیں یا نہیں؟ ویسے میں بہت غریب ہوں اور پندرہ سال سے مستقل بیمار بھی ہوں، شریعت کے دائرے میں بتائیں ان سے پیسے لینا جائز ہے؟

المستفتية: ثریا سخاوت کھاری کنواں، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آپ کے لئے ایمان داری اور دیانت داری کی بات یہ ہے کہ بلا کسی لالچ اور طمع کے رجسٹری پر دستخط کردیں نیت صحیح کی وجہ سے عنداللہ آپ کو اس کا اجر ملے گا اور اس دستخط کی وجہ سے آپ کی بیماری اور غربت کی وجہ سے اگر وہ اپنی جانب سے بخوشی بطور مدد کے کچھ دے دیں تو ان کی طرف سے ایک تبرع ہوگا۔

عن أبي سعيد الخدري –رضي الله عنه– عن النبي ﷺ قال: أيما مسلم كسا مسلما ثوبا على عرى، كساه الله من خضر الجنة، وأيما مسلم أطعم مسلما على جوع، أطعمه الله من ثمار الجنة، وأيما مسلم سقى مسلما على ظمأ، سقاه الله عز وجل من الرحيق المختوم. (أبو داؤد، باب في فضل سقى الماء، النسخة الهندية ١/ ٢٣٦، دارالسلام، رقم: ١٦٨٢)

لا يجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي. (البحرالرائق، كتاب الحدود، فصل في التعزير، زكريا ٥/ ٦٨، كوئٹه ٥/ ٤١، شرح المجلة، رستم مكتبه اتحاد ١/ ٦٢، رقم المادة: ٩٧، قواعد الفقه، اشرفي، ص: ١١١، رقم: ٢٦٩، هندية، زكريا قديم ٢/ ١٦٧، جديد ٢/ ١٨١، شامي، زكريا ٦/ ١٠٦، كراچی ٤/ ٦١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳ر شعبان ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۲۳)

خریدار کا ادائے قیمت پر کمیشن کا مطالبہ

سوال [٨٥٦٧]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مال خریدنے کے سودے میں کسی خریدار نے یہ طے کیا کہ مال کی رقم ادا کرنے پر ہم ایک یا

دو فیصد کمیشن یا مدت لیں گے، تو اس طرح کا لین دین شرعی اعتبار سے کیسا ہوگا؟

المستفتی: محمود ابن جمال الدین جی تیلی، محلّہ تیلیان کاڈرا، راجستھان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: خریدار کا قیمت ادا کرتے وقت کمیشن یا مدت لینے کا کیا مطلب ہے؟ بہر صورت جو آپس میں خریداری کا معاملہ کرتے وقت طے ہوا تھا، اسی طے شدہ معاملہ کے مطابق لین دین لازم ہے، اس کی خلاف ورزی جائز نہیں۔

عن عمرو بن عوف المزني عن أبيه عن جده، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: ...... والمسلمون على شروطهم، إلا شرطا حرم حلالا، أو أحل حراما. (سنن الترمذي، أبواب الأحكام، باب ما ذكر عن رسول الله ﷺ في الصلح بين الناس، النسخة الهندية ١/ ٢٥١، دارالسلام، رقم: ١٣٥٢)

وإذا حصل الإيجاب والقبول لزم البيع، ولا خيار لواحد منهما. (هداية، كتاب البيوع، اشرفي ٣/ ٢٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١٠/ ربیع الثانی ١٤٣٢ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٩/ ١٠٠٥٥)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
١٠/ ٤/ ١٤٣٢ھ

بیع میں کس جگہ کا اعتبار ہے؟

سوال [٨٥٦٨]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (ا) دو شخصوں نے رامپور میں بیٹھ کر بریلی کی ایک زمین کے متعلق بیع وشراء کی اور فی گز کے اعتبار سے ثمن مقرر کیا؛ لیکن رامپور اور بریلی میں زمین کی پیمائش کا گز مختلف ہے، یعنی رامپور کا گز ٣٣/ انچ اور بریلی کا ٣٦/ انچ کا ہے۔ دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ فروخت شدہ زمین کس گز سے ناپ کر دی جائے گی، بریلی کے گز سے یا رامپور کے گز سے؟

(۲) اگر بائع نے مشتری کو رامپوری گز سے زمین کی پیمائش کی اور مشتری نے رامپور و بریلی کے گز کے فرق کو نہ جانتے ہوئے رامپوری گز کے لحاظ سے ثمن ادا کیا، تو اب بائع کو زمین پوری کرنی واجب ہے، جب کہ فروخت شدہ زمین سے متصل بائع کی زمین موجود ہے، یا گز کے تفاوت سے جو زائد رقم پہنچی ہے اس کی واپسی ضروری ہے؟

(۳) اگر بائع نے مسئلہ جاننے کے بعد نہ زمین پوری کی اور نہ ہی زائد رقم واپس کی، تو اس کے لئے شرعی حکم کیا ہے؟

المستفتی: محمد فاروق رامپوری، مدرس مدرسہ عربیہ حیات العلوم پیرزادہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱-۲-۳) حضرات فقہاء نے ایسی شکل میں مکان عقد کا اعتبار کیا ہے۔ اور جب دونوں نے رامپور میں رہ کر عقد کیا ہے، تو رامپوری گز کا اعتبار کیا جائے گا، بشرطیکہ بوقت عقد رامپوری اور بریلی کے گز کا کوئی ذکر نہ کیا گیا ہو؛ لہٰذا مذکورہ صورت میں بائع کا رامپوری گز کے لحاظ سے زمین دینا اور مشتری کا اسی حساب سے ثمن ادا کرنا صحیح اور درست ہے۔

باع عينا من رجل بأصفهان بكذا من الدنانير، فلم ينقد الثمن حتى وجد المشتري ببجاری یجب عليه الثمن بعيار أصفهان، فيعتبر مكان العقد. الخ (شامي، البيوع، مطلب يعتبر الثمن في مكان العقد، زكريا ۷/ ۵۹، كراچی ٤/ ٥٣٦، الموسوعة الفقهية الكويتية ١٥/ ٤١) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍ ربیع الثانی ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۳۱۴۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۳/۴/۱۹ھ

مشترکہ طور پر سامان خریدنے کی صورت میں کس پر کتنی قیمت واجب ہے؟

سوال [۸۵۶۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: میں نے ایک سامان نو روپیہ میں خریدا ہے، اس سامان میں تین آدمی ساجھی ہیں، ایک آدھے کا ساجھی ہے اور ایک تہائی کا اور ایک نویں حصہ کا، جس شخص سے سامان خریدا ہے، اس کو پیسہ دینا ہے، اب جو آدھے کا ساجھی ہے اس نے اپنے ساجھے کی پوری قیمت یعنی ساڑھے چار روپیہ دے دئے ہیں اور تہائی کے ساجھی نے بھی اپنے ساجھے کی پوری قیمت تین روپیہ دے دی ہے اور نویں حصہ کے ساجھی نے بھی اپنے نویں حصہ کا ایک روپیہ دے دیا ہے، پیسوں کا جوڑ ساڑھے آٹھ روپیہ ہوتا ہے، پچاس پیسہ کی کمی ہوتی ہے، کوئی ساجھی اپنے حصہ کی قیمت سے زیادہ پیسے دینے پر تیار نہیں ہے، احقر کو اس کے جواب سے نوازیں۔

المستفتی: حافظ ضیاء الاسلام، مدرس مدرسہ بدر العلوم گنگوار حسن پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب ساڑھے چار روپیہ آدھے کے ساجھی نے آدھا لے لیا اور ایک تہائی کے ساجھی نے اپنا ایک تہائی تین روپیہ میں لے لیا ہے اور نویں حصہ کے ساجھی نے ایک روپیہ میں اپنا نواحصہ لے لیا ہے، تو کل پیسوں کا جوڑ ساڑھے آٹھ روپیہ ہوتا ہے اور پچاس پیسہ کا ذمہ داران تینوں میں سے کوئی نہ ہوگا اور سامان میں سے بھی تینوں کے حصہ میں ساڑھے آٹھ ہی جاسکتے ہیں باقی نصف حصہ سامان کا بھی باقی ہے؛ لہٰذا پچاس پیسہ اس پر واجب ہوگا جو نویں حصہ میں سے بچا ہوا نصف حصہ لینا چاہتا ہے۔ اور اگر یہ نصف کوئی نہیں لیتا ہے تو بائع کا ہے، نیز یہ خریداری میں داخل نہیں ہوا ہے۔ فقط واللہ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍صفر ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/ ۳۳۱۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴/۲/۱۵ھ

خریدار کا زمین خالی کرانے کے لئے چھپ کر فصل کاٹ لینا

سوال [۸۵۷۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: ایک شخص نے دوسرے شخص سے ایک کھیت خریدااور کھیت کی کل قیمت ادا کر دیا؛ لیکن کھیت ایک تیسرے آدمی کے قبضہ میں تھا، جس کی اس میں فصل لگی ہوئی تھی، خریدار نے کھیت خالی کرانا چاہا؛ لیکن قابض شخص خالی نہیں کر رہا تھا، تو خریدار نے چندآدمیوں کے درمیان کہا کہ اس کھیت سے جو شخص جتنی فصل چاہے کاٹ لے جائے، پھر رات کو چھپ کر فصل خریدار نے کاٹ لی، تو فصل کٹوانا شرعاً کیسا ہے؟ کیا وہ خریدار اپنا کھیت خالی کرانے کے لئے ایسا کر سکتا ہے یا وہ شرعاً چوری کرنے والا ہوگا؟ اور فصل کاٹتے وقت بہت سے لوگ اس کے حمایتی تھے، اس میں ایک مولانا صاحب بھی تھے، تو کیا وہ لوگ بھی شرعاً گنہگار رہوں گے؟ اور مولانا صاحب کی امامت کیسی ہے؟

المستفتی: مولانا حامد علی نئی بازار، تمبور سیتاپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب خریدار نے وہ زمین بائع سے خرید لی تو خریدار اس زمین کا مالک ہوگیا؛ اس لئے فصل لگانے والے آدمی کو کھیت خریدار کے حوالہ کر دینا چاہئے تھا اور خریدار سے اس کی رقم وصول کر لینا چاہئے تھا، یا فصل لگانے والا کھیتی کاٹ کر زمین واپس کر دیتا، نیز خریدار کو اپنی زمین پر قبضہ کرنے کے لئے فصل لگانے والے پر دباؤ ڈالنا درست ہے؛ لیکن رات میں چھپ کر فصل کاٹنا درست نہیں ہے۔ اور جن لوگوں نے رات میں چھپ کر فصل کاٹنے کی حمایت کی ہے وہ گنہگار ہوئے، ان سب کو توبہ کرنا چاہئے اور مولانا کی امامت درست ہے۔

وكذا إذا كان فيها زرع؛ لأن ملك المشتري مشغول بملك البائع، فكان عليه تفريغه وتسليمه. (هداية، كتاب البيوع، أشرفي ۳/ ۲٦، تبيين الحقائق، إمداديه ملتان ٤/ ۱۱، زكريا ٤/ ۲۹۳، البحر الرائق، زكريا ٥/ ٥۰۱، كوئٹه ٥/ ۳۰۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱رشوال ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۱۶۴/۳۷)

فرضی بل کے ذریعہ سرکاری گرفت سے بچنا

سوال [۸۵۷۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید امریکہ سے سامان منگاتا ہے اور سامان کی قیمت تحریر کے ذریعہ سے وہاں بھیجتا ہے، نقد رقم وہاں نہیں جاسکتی ہے اور اس چیز کا تحریری بل کے ذریعہ سے ہندوستان میں بیچنا ضروری ہے، اس کے بغیر وہ رقم امریکہ نہیں بھیج سکتا ہے، تو زید امریکہ سے سامان آجانے کے بعد ہی عمرو کو بغیر تحریری بل کے مثلاً دوسو روپیہ میں فروخت کیا اور دوسو روپیہ لے لئے؛ لیکن امریکہ رقم بھیجنے کے لئے بل ضروری ہے، تو زید نے خالد سے یوں کہا کہ تم مجھے فرضی دوسو روپیہ کا بل بنادو کہ میں نے تم کو دوسو روپیہ میں فلاں سامان فروخت کیا ہے، خالد نے فرضی دو سو روپیہ کا بل بنادیا، لیکن خالد دوسو روپیہ کا بل بنا کر زید سے ۲۵/ روپیہ لیتا ہے کہ میں بل کی وجہ سے انکم ٹیکس اور سیل ٹیکس ادا کروں گا، تو زید کا فرضی بل بنانے کی وجہ سے ۲۵/ روپیہ خالد کو دینا جائز ہے یا نہیں؟ مع الدلائل تحریر فرمائیں۔

المستفتی: محمد سعید پالنپوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس مسئلہ میں اولا یہ بات قابل تنقیح ہے کہ زید نے عمرو کو مال بیچتے وقت ہی اس سے بل کیوں نہیں بنوایا؟ اس میں کیا مصلحت ہے؟ اگر زید کو بل کی ضرورت تھی تو وہ عمرو ہی سے مال بیچتے وقت بل بنواتا؛ البتہ اگر اس طرح کا معاملہ ہو چکا ہے اور عمرو سے بل بنوانے میں دشواری ہے تو اپنے حق کی حفاظت اور نقصان سے بچنے کے لئے جعلی بل بنوانا بضرورت گنجائش ہوگی اور بل بنوانے والے نے اگر انکم ٹیکس کے عنوان سے زید سے رقم طلب کی تو زید کے لئے اس رقم کو دینا بھی درست ہوگا۔

لا بأس بالرشوة إذا خاف على دينه، تحته في الشامية عبارة المجتبى لمن يخاف، وفيه أيضا، دفع المال للسلطان الجائر لدفع الظلم عن نفسه

ومالہ ولاستخراج حق له، ليس برشوة، يعني في الدافع. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره، زكريا ۹/ ٦٠٧، كراچی ٦/ ٤٢٣-٤٢٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵؍شوال ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۲۰۱۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۵؍شوال ۱۴۱۰ھ

حکومت کے قانون کے خلاف نیپال میں جا کر غلہ بیچنا

سوال [۸۵۷۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہندوستان میں بہت سے حضرات ایسے ہیں جو ہندوستان میں رہ کر اپنا غلہ ہندوستان کے بجائے نیپال میں بیچتے ہیں؛ اس لئے کہ نیپال میں غلے کی قیمت زیادہ لگتی ہے اور مہنگا فروخت ہوتا ہے؛ لیکن انڈیا حکومت اس پر پابندی لگاتی ہے اور پولیس وغیرہ کے ذریعہ سے روکتی ہے، اس کے باوجود لوگ ان سے چھپ کر اپنے غلہ کی سپلائی نیپال ہی میں کرتے ہیں اور بعض حضرات پولیس والوں کو کچھ رقم دے دیتے ہیں، جس سے وہ خوش ہو کر اس کام کی اجازت دے دیتے ہیں۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا ان حضرات کا نیپال میں اپنا مال سپلائی کر کے نفع حاصل کرنا از روئے شرع درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: نیاز احمد متعلم مدرسہ شاہی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب ہندوستان میں نیپال کے مقابلہ میں غلہ کی افراط ہے اور غلہ کے مالک کو شرعاً یہ حق حاصل ہے کہ جہاں سے نفع زیادہ حاصل ہو اپنا غلہ وہیں لے جا کر فروخت کرے؛ اس لئے نیپال لے جا کر جنہوں نے زیادہ نفع حاصل کیا ہے وہ ان کے لئے بلاتردد حلال اور جائز ہے؛ البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ حکومت کے قوانین اور گرفت سے اپنے آپ کو محفوظ رکھنا بھی لازم ہے، اس کا خیال ضروری ہے۔

وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ. [البقرة: ۱۹۵]

ولا يمنع الشخص من تصرفه في ملكه إلا إذا كان الضرر بجاره ضررا بينا، فيمنع من ذلک. (الدرالمختار مع الشامي، كتاب القضاء، باب كتاب القاضي إلى القاضي، مطلب اقتسموا دارا، وأراد كل منهم فتح باب لهم ذلك، زكريا ۸/ ۱۵۲، کراچی ۵/ ۴۴۷)

القياس في جنس هذه المسائل أن من تصرف في خالص ملكه لا يمنع ولو أضر بغيره لكن ترک القياس في محل يضر بغيره ضررا بينا. (شامي، البيوع، باب المتفرقات، مطلب ربغ فی داره و تأذی الجيران، زكريا ۷/ ۴۹۲، کراچی ۵/ ۲۳۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم ربیع الاول ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۲۷۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۳/۴ھ

وکیل کا فعل موکل کے فعل کے حکم میں ہوتا ہے

سوال [۸۵۷۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید جو شہر لکھنؤ کا رہنے والا ہے، وہ دبئی کی شہزادیوں کا نوکر تھا، پھر زید کو اس پر مامور کیا گیا کہ وہ دبئی سے کپڑے لے کر بمبئی سے سلوا کر دے جو اس کی مزدوری ہوگی، اس کو دی جائے گی، چنانچہ ایک دفعہ ایسا ہوا کہ وہ دبئی سے کپڑا لے کر بمبئی آیا اور سلوا کر پیش کیا، تو ان شہزادیوں نے کہا: مہنگا سلوا کر لائے ہو اور تمہاری غلطی نہیں ہے، تم بمبئی کے تاجروں کے فریب میں آ گئے ہو، الغرض اس طرح اس کو روپئے نہ ملے اور سارا مال ان شہزادیوں نے منگوالیا، تو اب تفصیل طلب مسئلہ یہ ہے کہ یہ روپئے کس کے ذمہ عائد ہوں گے؟ اور قرضدار کی موت کون مرے گا، زید یا شہزادیاں اور قصوروار کون ہوں گے؟ دلیل کی روشنی میں جواب سے نوازیں۔

المستفتی: حبیب احمد دبئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر سائل اپنے بیان میں سچا ہے تو زید شہزادیوں کی طرف سے محض وکیل ہے اور وکیل کا فعل موکل کے فعل کے حکم میں ہوتا ہے۔ اور مذکورہ صورت میں چونکہ زید شہزادیوں سے رقم وصول کرنے سے قاصر ہے؛ اس لئے قرض دار کی موت مرنے والی شہزادیاں ہی ہوں گی، جب کہ غبن فاحش نہ ہو۔

کما استفید من الهداية: الوكيل بالشراء يجوز عقده بمثل القيمة وزيادة يتغابن الناس في مثلها. (هداية، كتاب الوكالة، باب الوكالة بالبيع والشراء، أشرفي ديوبند ۳/ ۱۸۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/ محرم ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۲۹۸۳)

فروختگی کا وکیل بنانا

سوال [۸۵۷۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید اپنی ایک زمین بیٹی کے نام چھوڑ کر مرگیا، بیٹی نے بیچنے کی بھاگ دوڑ سے بچنے کے لئے زبانی طور پر بلاکسی شرط کے بھائی پر بھروسہ کر کے بھائی کو بیچنے کا اختیار دیا، تین سال قبل بھائی اس طور پر راضی ہوا کہ میں اس کو اپنے طور پر بیچ دوں گا اور تم کو پچاس ہزار روپیہ مل جائے گا، اس پر وہ راضی ہوگئی، اب بیٹی کو پیسہ کی ضرورت ہے اور بھائی نہ زمین بیچتا ہے اور نہ ہی پچاس ہزار روپیہ دیتا ہے، اس کا کہنا ہے کہ پچاس ہزار روپیہ زمین فروخت ہونے کے بعد ہی ملے گا، چاہے جس وقت فروخت ہو اور جس قیمت میں فروخت ہو، اب اس زمین کی قیمت پچاس ہزار سے کہیں زیادہ ہوگئی ہے، اب بھائی اس وجہ سے مؤخر کر رہا

ہے کہ قیمت اور بڑھ جائے اس میں اس کے بھائی کا نفع ہے، تو ایسی صورت میں دونوں بھائی بہنوں کے لئے کیا حکم ہے؟ جواب سے نوازیں۔

المستفتی: عبدالرؤف گونڈوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسا معاملہ کرنا درست ہے کہ فروختگی کی ذمہ داری سونپی جائے اور وہ یہ کہے کہ تم کو اتنا پیسہ دوں گا اور جتنے میں چاہوں فروخت کروں گا، گویا ایسا ہو گیا کہ پچاس ہزار روپے میں وہ زمین بھائی نے خریدی ہے، اس کو بیچ کر جو زائد نفع حاصل ہوگا وہ بھائی کے لئے جائز ہوگا؛ لیکن گاہک ملنے کے بعد زیادہ تاخیر کی اجازت نہیں ہے، اگر بھائی زیادہ تاخیر کرتا جارہا ہے اور بہن کو پیسوں کی پریشانی ہے تو بہن کو حق ہے کہ زمین واپس لے لے، پھر از خود یا کسی غیر کے ذریعہ فروخت کروا کے اپنی ضرورت پوری کر لے، نیز مذکورہ معاملہ میں پچاس ہزار روپیہ دینے کی مدت صاف طور پر متعین نہیں ہے؛ اس لئے مدت کی جہالت اتنی برداشت کی جاسکتی ہے جتنے میں فریقین میں اختلاف نہ ہو، اور اتنی جہالت جس کی وجہ سے فریقین میں اختلاف پیدا ہو جائے عقد بیع میں جائز نہیں۔ اور یہاں زیادہ تاخیر کی جہالت اختلاف کا سبب بن گئی ہے؛ لہٰذا بھائی پر لازم ہے کہ بہن کی رضامندی سے فوری فروخت کر دے۔ اور اگر فوری فروخت کرنا نہیں جانتا تو بہن کی زمین اس کے حوالہ کر دے، ورنہ گنہگار ہوگا۔

ولو باع إلى هذه الآجال، ثم تراضيا بإسقاط الأجل قبل أن يأخذ الناس في الحصاد –إلى قوله– ولنا: أن الفساد للمنازعة وقد ارتفع قبل تقرره، وهذه الجهالة في شرط زائد لا في صلب العقد، فيمكن إسقاطه.

(هداية، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد ٣/ ٦١)

وقد يكون الفساد لمخافة تنازع، ولا يكون فيه شيء آخر يوجب الإثم، فذلک إن لم يقع فيه التنازع جاز عندي ديانة. (فيض الباري، كتاب

البیوع، بـاب مـن آجر أمر الأمصار علی ما یتعارفون، مکتبة الرشید، کوئٹه ۳/ ۲۵۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴ر رجب ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۸۸۹۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۷/۵ھ

بائع مبیع کی قیمت وکیل سے کم لے تو کیا حکم ہے؟

سوال [۸۵۷۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اسکوٹر پارٹس کی ایک کمپنی ہے، اس سے اگر کوئی عام شخص اسکوٹر خریدے تو اس کو پورے سو روپیے میں دے گا، اور اگر اس کا خاص آدمی خریدے تو اس کو سو روپیے کی رسید دے گا اور دس پرسینٹ چھوٹ ہوگی، اب اگر یہ خاص آدمی کسی عامی کا وکیل ہے اور اسکوٹر خرید کر موکل کے لئے لایا اور سو روپیے کی رسید موکل کو دکھا کر پورے پیسہ لے لئے؛ لیکن موکل کو اس بات کی خبر نہیں ہوتی ہے کہ اس کو دس پرسینٹ کی چھوٹ ہے اور مجھ سے زیادہ لے رہا ہے۔ اور نہ اس کو (وکیل کو) ہاتھوں ہاتھ ملتا ہے؛ بلکہ ایک مدت متعینہ کے بعد کمپنی اس کو دس پرسینٹ کا حساب کر کے دے گی، تو بیع کی یہ صورت جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: مولوی عبد الواحد، معلم مدرسہ فیض التبلیغ جے، پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ میں درج شدہ صورت میں نفسِ عقدِ شراء اور عقدِ وکالت دونوں درست اور صحیح ہیں؛ لیکن وکیل سے رقم کی جو مقدار کی کمی کی گئی ہے وہ موکل کے حق میں ہوگی؛ لہٰذا وکیل کے لئے موکل سے سو روپیے کی رسید دکھا کر سو روپیے اصول کرنا جائز نہیں ہوگا، وکیل پر واجب ہے کہ دس روپیے موکل کو واپس کر دے اور ۹۰/ روپیے وصول کرے، ورنہ دس روپیے وکیل کے لئے حرام ہوں گے۔

وإن حط البائع عن الوكيل بعض الثمن فإنه يحطه عن الموكل –إلى قوله– ولو وهب البائع بعض الثمن عن الوكيل يظهر ذلك في حق الموكل حتى لم يكن للوكيل أن يرجع على الموكل بذلك القدر. (هندية، كتاب الوكالة، قبيل الباب الثالث في الوكالة بالبيع، زكريا قديم ۳/ ۵۸۸، جديد ۳/ ۴۹۹، البحرالرائق، كوئٹه ۷/ ۱۵۵، زكريا ۷/ ۲۶۳، هكذا في الشامي، زكريا ۸/ ۲۵۰، كراچی ۵/ ۵۱۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ / جمادی الاخریٰ ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۲۵۴)

مستحق نکل آنے والی زمین کا حکم

سوال [۸۵۷۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے ایک زمین عمرو کو فروخت کی ۱۹۹۸ء میں۔ اور عمرو نے خرید کر رجسٹری کروائے بغیر اس زمین پر ایک مکان تعمیر کرلیا ۲۰۱۰ء میں جب حکومت سے سروے کیا گیا تو معلوم ہوا کہ وہ زمین زید کی نہیں؛ بلکہ اس کا آدھا حصہ حکومت کا ہے، جس پر راستہ آرہا ہے۔ اور آدھا حصہ ایک عیسائی کی زمین ہے اور زید کی زمین اس کے پڑوس میں ہے اور اس وقت عمرو کہہ رہا ہے کہ زید نے مجھے دھوکہ دیا ہے؛ اس لئے وہ مجھے زمین اور اس پر تعمیر شدہ مکان کی قیمت ادا کرے اور زید کہہ رہا ہے کہ مجھ سے غلط فہمی ہوگئی تھی، البتہ میں زمین کی قیمت واپس کروں گا، مکان کی نہیں، تو اب معلوم یہ کرنا ہے کہ زید عمرو کو زمین کی کون سی قیمت واپس کرے گا ۱۹۹۸ء کی یا ۲۰۱۰ء کی؟ اور زمین پر تعمیر شدہ مکان کی قیمت کا کون ذمہ دار ہے؟ نیز عمرو کا رجسٹری نہ کروانا اور تحقیق نہ کروانا بھی غلطی میں شمار ہوگا یا نہیں؟ جواب سے نوازیں۔

المستفتی: سید اللہ الغالب، مدرسہ عربیہ تعلیم القرآن اپہلی اندورا، چکمگلور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں زید پر زمین کی ۱۹۹۸ء کی قیمت عمرو کو لوٹانا واجب ہے، نیز مذکورہ زمین پر تعمیر کردہ مکان کی موجودہ قیمت بھی اسی کے ذمہ عمرو کو دینا لازم ہے۔ اور عمرو رجسٹری اور تحقیق نہ کرنے کے باوجود دونوں قیمتوں کا مستحق رہے گا۔ اور اس کی ایک متبادل شکل یہ بھی ہوسکتی ہے کہ زید عیسائی کو راضی کرکے اس زمین کی جو بھی قیمت بنتی ہو وہ قیمت عیسائی کو ادا کردے یا زید کی جو زمین ہے عیسائی کو وہی زمین تبادلہ میں دے دے، اور اس سلسلہ میں ایک سرکاری کاغذ بھی ایسا بنالیا جائے جس کی وجہ سے بعد میں کوئی نزاعی شکل نہ بن سکے۔

شری دارا وبنی فیها، فاستحقت رجع بالثمن وقیمة البناء مبنیا علی البائع إذا سلم النقض إلیه یوم تسلیمه، وتحته في الشامیة: متعلق بقیمة، فلو سکن فیه وانهدم بعضه أو زادت قیمته یرجع علیه بقیمة البناء یوم التسلیم. (شامي، کتاب البیوع، باب الاستحقاق، زکریا ۷/ ٤٤۹، کراچی ٥/ ۲۰٥)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍ رجب ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۱۴۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۲۴/ ۷/ ۱۴۳۱ھ

پریس والوں کا پوری قیمت وصول کرکے کچھ اشتہار کم دینا

سوال [۸۵۷۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) زید کتابت اور چھپائی کا کام کرتا ہے اور جتنے اشتہار یا کتابچے وغیرہ قیمت مقررہ پر چھاپنے طے ہوتے ہیں ان سے دو چار یا آٹھ دس کم دیتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ اتنے عدد تو عام طور پر پریس میں خراب ہو ہی جاتے ہیں اور قیمت طے شدہ ہی لیتا ہے، تو کیا یہ فعل

اس کا درست ہے؟ اور اگر بعد میں جتنے اشتہار کم چھپتے ہیں ان کی قیمت واپس کردے، تو کیا یہ معاملہ درست ہوجائے گا؟

المستفتی: (مفتی) اسرار احمد نجیب آباد، بجنوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جی ہاں چھپائی میں کچھ کاغذ ضرور خراب ہوجاتے ہیں؛ اس لئے جتنی تعداد خراب ہوجائے اتنی کم دے کر پوری قیمت لینا پریس والوں کے لئے جائز ہے؛ اس لئے کہ خراب ہوجانا مشاہدہ میں ہے اور جتنے اشتہار کم چھپے ہیں ان کی قیمت واپس لینا اس شرط پر جائز ہے کہ جب اتنے خراب نہ ہوئے ہوں۔

عن ابن عباس –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله ﷺ: لا ضرر ولا ضرار. (سنن ابن ماجة، الأحكام، باب من بنى في حقه ما يضر بجاره، النسخة الهندية ۱/ ۱۶۹، دارالسلام، رقم: ۲۳۴۱، المعجم الكبير للطبراني ۲/ ۸۶، رقم: ۱۳۸۷، الأشباه، قديم: ۱۱۸، جديد زكريا ۱/ ۲۵۰، قواعد الفقه ۱۰۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶/ ذیقعدہ ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۳۵۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۶/ ۱۱/ ۱۴۲۰ھ

سپلائر کا کارخانہ دار سے سامان خرید کر دوکاندار کو کم قیمت میں فروخت کرنا

سوال [۸۵۷۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک کارخانہ دار نے اپنے یہاں کا مال تیار کیا ہوا ایک سپلائر کے ہاتھ بیچ دیا، اس سپلائر نے خریدنے کے بعد وہ مال مارکیٹ میں جاکر ایک دوکاندار کے ہاتھ بیچ دیا، جتنے میں کارخانہ دار سے خریدا تھا اس سے پچاس روپئے کم میں بیچ دیا، اب کارخانہ دار کو اطلاع ملی کہ میرے یہاں کا مال مارکیٹ میں فلاں دوکاندار کو پچاس روپئے کم میں بیچا، وہ مال تقریباً ۲۰/ یا ۲۵/ ہزار عدد تھا، جس کے پچاس روپئے سے ۱۰/ یا ۱۲/ لاکھ روپئے بیٹھتے ہیں، اب کارخانہ دار دوکاندار کو

اپنے گھر بلاتا ہے اور آدمیوں کو بھی جمع کرتا ہے اور سب کے سامنے یہ کہتا ہے کہ اس دوکاندار نے ہمارا مال پچاس روپئے کم میں سپلائیر سے خریدا ہے، اب یہ رقم ہمیں چاہئے، اس میں کافی لوگ جمع تھے، اب یہ فرمائیں علماء دین یہ کہ ۱۰/ یا ۱۲/ لاکھ روپئے کی رقم ان آدمیوں کا کارخانہ دار کو دلانا جائز ہے یا نہیں؟ اور ان کا اس رقم کو لینا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: حاجی فرزند صاحب سرائے ترین سنبھل

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دوکاندار نے سپلائیر سے خریدا ہے، دوکاندار کا معاملہ سپلائیر سے ہے کارخانہ دار سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے، جیسا کہ سوال نامہ سے واضح ہو رہا ہے۔ اور سوال نامہ سے یہ بھی واضح ہے کہ کارخانہ دار نے دوکاندار سے کوئی معاملہ نہیں کیا ہوا ہے؛ بلکہ سارا معاملہ دوکاندار اور سپلائیر کے درمیان میں ہے؛ اس لئے سپلائیر نے جتنے میں دوکاندار کو دیا ہے، دوکاندار کو اتنے میں خریدنے کا حق ہے، اب اگر سپلائیر نے کارخانہ دار سے ادھار خرید کر دوکاندار کے ہاتھ کم قیمت میں نقد بیچا ہے تو اس نقصان کا ذمہ دار سپلائیر ہے، دوکاندار نہیں؛ اس لئے دوکاندار سے کسی قسم کے مطالبہ کا حق نہیں۔ اور سارا مطالبہ سپلائیر سے ہوگا۔

الثمن المسمى هو الثمن الذي يسميه ويعينه العاقدان وقت البيع بالتراخي، سواء كان مطابقا بقيمته الحقيقية أو ناقصا عنها، أو زائدا عليها. (شرح المجلة، رستم مكتبه اتحاد ١/ ٧٣، رقم المادة: ١٥٣، مجلة الأحكام العدلية ١/ ٣٣، رقم المادة: ١٥٣)

يجوز للمشتري أن يزيد في الثمن، ويجوز للبائع أن يحط من الثمن، وأن يزيد في المبيع ويلتحق بأصل العقد، ويتعلق الاستحقاق بجميع ذلك. الخ (تبيين الحقائق، كتاب البيوع، باب التولية، زكريا ٤/ ٤٤٢، إمداديه ملتان ٤/ ٨٣، مختصر القدوري، باب المرابحة والتولية، ص: ٨١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳/ رجب ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۲۳۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۳/ ۷/ ۱۴۳۴ھ

مبیع کو انعام کے ساتھ فروخت کرنا

سوال [۸۵۷۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عبدالحلیم تجارت کرتا ہے، جس میں کچھ ایسی صورتیں درپیش ہیں جو مشکل کا باعث ہیں، مثلاً میٹھی سپاری کا ایک پورا پیکٹ جس کی قیمت ۲۲/ روپئے ہے، جس کے اندر ۶۰/ پاؤچ ہوتے ہیں، میٹھی سپاری کے ہر پاؤچ کی فروخت پچاس پیسے ہے، اس حساب سے پورے پیکٹ کے منافع ۸/ روپئے ہیں، اس پیکٹ کی قیمت جتنی پہلے تھی اتنی ہی اب ہے؛ لیکن قبل ازیں پاؤچ میں انعامات نہیں ہوتے تھے، مگر اب سپاری میں بغیر کسی کمی کے انعام کے طور پر کچھ چیزیں رکھ دی ہیں، مثلاً پنسل، قلم اور گھڑی، سائیکل وغیرہ اور کمپنی کی طرف سے یہ اعلان ہے کہ کمپنی صرف مال کے پیسے لے رہی ہے اور انعام فری میں دئے جارہے ہیں، کیا ایسی حالت میں ان جیسی اشیاء کی خرید وفروخت شریعت کی رو سے جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: عبدالحلیم مجاشاہ قلندر لہرپور، سیتاپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب کمپنی کی طرف سے یہ اعلان ہے کہ وہ صرف سپاری کی پیکٹ کے پیسے لے رہی ہے اور انعامات اپنی جیب خاص سے دے رہی ہے، تو ایسی صورت میں یہ بیع جائز ہوگی؛ لیکن ایسے معاملہ میں کسی حد تک قمار کا شبہ رہتا ہے؛ اس لئے یہ معاملہ کم سے کم کراہت تنزیہی کے درجے میں ہوگا؛ البتہ اگر خریدنے والے کی نیت صرف انعام حاصل کرنا ہو اور سپاری کی خریداری ضمنی طور پر ہو تو پھر یہ شکل جائز نہ ہوگی۔ (مستفاد: جواہر الفقہ، قدیم ۲/ ۳۴۵، جدید زکریا ۴/ ۵۶۶، جدید فقہی مسائل ۴/ ۲۷۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱/ رجب ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۴۵۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۲/ ۷/ ۱۴۲۵ھ

اسکیم کے تحت پنکھے کی خرید وفروخت

سوال [۸۵۸۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک سوال پیش خدمت ہے، جس کے لئے فتویٰ عنایت کریں کہ کام کرنے کے لئے کہاں تک گنجائش ہے، اگر اس کام میں مسئلہ کے مطابق رخصت ہوتو تحریر فرمائیں کام یہ ہے کہ ہم بجلی سے چلنے والے پنکھے جن کی قیمت مبلغ چارسو پانچ روپیہ فی عدد ہوتی ہے، ایک اسکیم کے تحت پانچ روپیہ روزانہ جمع کر کے ۸۰/دن میں کل چارسو پانچ روپیہ فیس ممبری وصول کرتے ہیں، اپنی اس اسکیم کے مطابق ہفتہ یا پندرہ دن میں ایک عدد پنکھا بطور انعام بذریعہ قرعہ اندازی کسی بھی ایک ممبر کو دے دیتے ہیں، یہ سلسلہ اسکیم مکمل ہونے تک چلتا رہتا ہے، اسکیم کی مدت مکمل ہونے پر تمام ممبران کو پنکھے دے دیئے جاتے ہیں، دوران اسکیم بھی اگر ممبر کو ضرورت ہوتو نصف رقم جمع ہوجانے کے بعد بھی پنکھا دے دیا جاتا ہے (یہ بات تعلقات اور بھروسہ پر مبنی ہے، جو قیمت اسکیم میں رکھی گئی ہے، وہی قیمت نقد پنکھے کی بھی ہے، حق کسی کا نہیں مارا جاتا، قسط جمع کرنے کے بعد روزانہ خاص محنت بھی کی جاتی ہے۔

المستفتی: منورعلی، شیرکوٹ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: متعدد وجوہ سے یہ اسکیم ناجائز اور حرام ہے (۱) یہ عقود شرعیہ میں سے کسی میں بھی پوری طرح داخل نہیں، نہ بیع میں نہ سلم میں، نہ ہبہ میں، نہ شرکت میں۔ (۲) جو رقم قسطوں میں جمع ہوتی ہے وہ تمام ممبران کی مساوی ملکیت ہے، قرعہ اندازی میں تمام ممبران کی ملکیت کا بلا معاوضہ ایک شخص کو مالک بنایا جاتا ہے۔ (۳) دیگر ممبران راضی بھی نہیں ہوتے اور ہوں تو مجبوراً؛ کیوں کہ ہر ایک کی تمنا ولالچ رقم جمع کرنے میں یہی ہے کہ قرعہ میں میرا نام نکل آئے اور یہ امر مترددفیہ ہے جو شرعاً قمار میں داخل ہے۔ (۴) شرکت میں اس لئے داخل نہیں کہ اس میں نفع ونقصان میں سب کا برابر شریک ہونا شرط ہے جو یہاں

نہیں ہے؛ لہٰذا یہ معاملہ ہرگز ناجائز ہے۔ (مستفاد: فتاوی رحیمیہ، قدیم ۶/ ۱۴۲، جدید زکریا ۹/ ۶۶ ۴، کفایت المفتی قدیم ۸/۱۲۲، جدید زکریا مطول ۱۱/ ۱۰۷-۱۰۸، امداد الفتاوی زکریا ۴/ ۱۶۲، فتاوی محمودیہ، قدیم ۴/ ۲۵۴، جدید ڈابھیل ۱۶/ ۳۳۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍ محرم الحرام ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۴۲۶)

عقد کے وقت ثمن میں جہالت نہ ہو تو عقد صحیح ہے؟

سوال [۸۵۸۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کا کسی غیر مسلم سے کاروبار چلتا ہے، اس طرح کہ مثلاً زید نے کسی غیر مسلم کو کوئی چیز فروخت کی، دوسو روپئے قیمت طے ہوئی؛ لیکن وہ غیر مسلم یوں کہتا ہے کہ ان غیر مسلموں کے یہاں مدت دراز سے یہی قانون بنا ہوا ہے، اگر نقد روپیہ لوگے تو ۲۵ ؍ پرسینٹ رقم کم ملے گی۔ اور اگر ایک ماہ بعد لوگے تو بیس پرسینٹ کم رقم ملے گی۔ اور دو ماہ بعد لوگے تو دس پرسینٹ کم ملے گی اور تین ماہ بعد لوگے تو پانچ پرسینٹ کم ملے گی، تو زید نے یہ طے کرلیا کہ ایک ماہ بعد ۲۰ ؍ پرسینٹ کم پر دے دیں، یہ معاملہ طے ہوگیا؛ لیکن وہ غیر مسلم ایک ماہ پورا ہونے پر رقم نہیں دیتا ہے، مطالبہ پر یوں کہتا ہے کہ دو ماہ پورے ہونے پر ۱۰ ؍ پرسینٹ کم پر لے لینا، تو اس طرح مدت کے بڑھ جانے پر زید کے لئے دس پرسینٹ بڑھا کر لینا جائز ہے یا نہیں؟ حالانکہ اس نے ۲۰ ؍ پرسینٹ کم پر معاملہ طے کیا تھا اور اس طرح کا معاملہ بھی درست ہے یا نہیں؟ مع الدلائل بحوالہ کتب تحریر فرمائیں۔

المستفتی: محمد سعید، پالن پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مذا میں اگر عقد کے وقت ثمن میں کوئی

جہالت نہ تھی اور یہ بات طے کرلی گئی تھی کہ ایک مہینہ بعد بائع کو اتنی رقم دی جائے گی، تو یہ معاملہ درست اور منعقد ہوگیا، البتہ اگر مشتری وقت پر ثمن نہ ادا کرے تو مزید مہلت دینے کی وجہ سے طے شدہ ثمن سے زیادہ لینا درست نہ ہوگا؛ بلکہ اتنی ہی رقم لی جائے گی جتنی ابتداء عقد میں طے ہوئی تھی، یہ بات یاد رہے کہ فیصدی کے ذریعہ اس طرح رقم طے کرنا کہ اصل ثمن مجہول رہے جائز نہیں ہے؛ اس لئے اس طرح کا معاملہ کرتے وقت اس نکتہ کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

قال في النهر: ولو كان البدل مثليا، فباعه به وبعشرة، أي عشر ذلک المثلي، فإن كان المشترى يعلم جملة ذلک صح وإلا، فإن علم في المجلس خير وإلا فسد. (شامي، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، زكريا ۷/ ۳۵۲-۳۵۳، كراچی ۵/ ۱۳۵، النهر الفائق، دارالكتب العلمية بيروت ۳/ ٤٥٦، تبيين الحقائق، مكتبه إمداديه ملتان ٤/ ٧٤، زكريا ٤/ ٤٢٤)

كل قرض جر نفعا فهو ربا حرام. (قواعد الفقه، أشرفي، ص: ۱۰۲، رقم: ۲۳۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵ رشوال ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۲۰۱۱)

پیکنگ شدہ ڈبوں کی وزن کئے بغیر خرید وفروخت کرنا

سوال [۸۵۸۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آج کل مارکیٹوں میں جو بیوعات ہوتی ہیں، ان کی مختلف صورتیں ہیں: ایک صورت تو یہ ہے کہ مشتری ایک کیلو یا دو کیلو کی پیکٹ خریدتا ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ مشتری خرید وفروخت مجازفتہ کرتا ہے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ دوکاندار مشتری کے کسی وکیل کے سامنے اشیاء تولتا ہے، ان تمام صورتوں میں اگر دوکاندار مشتری کے سامنے اشیاء نہ بھی تولے تو بھی اس کے جواز میں کسی کو کوئی کلام نہیں۔

چوتھی صورت یہ ہے کہ مشتری دوکاندار کو ایک چٹ دے دیتا ہے جس کے مطابق دوکاندار اشیاء تول کر مشتری کے گھر بھجوا دیتا ہے، جس میں مشتری کی جانب سے کوئی وکیل بھی نہیں ہوتا اور مشتری وزن کا اعادہ نہیں کرتا ہے۔

پانچویں صورت یہی ہے کہ مشتری جب دوکان جاتا ہے تو دوکاندار نے پہلے سے اشیاء تول کر رکھی ہوتی ہیں اور سابقہ وزن کی بنیاد پر مشتری اشیاء لے لیتا ہے اور وزن کا اعادہ نہ دوکان میں کرتا ہے نہ گھر جا کر کرتا ہے، حالانکہ ''بہشتی زیور'' میں اس طرح کے اشیاء کے استعمال کرنے کو ناجائز لکھا ہے۔ اور تمام متون سے بھی یہی بات سمجھ میں آتی ہے۔ اب پوچھنا یہ ہے کہ آخری دوصورتیں اگر واقعی ناجائز ہیں تو کیا ان کے جواز کی کوئی صورت ہوسکتی ہے یا نہیں؟ کیوں کہ آج کل اس طرح کی بیوعات میں تو عوام وخواص مبتلا ہیں۔ از راہ کرم جواب باصواب سے مطلع فرما کر ثواب دارین حاصل کریں۔ جزاک اللہ

المستفتی: محمد بن احمد حسین پٹنی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مشتری کے سامنے کیل کرنا اور تولنا یا مشتری کا گھر لا کر کے کیل کرنا اور تولنا اس صورت میں لازم ہوتا ہے کہ جب خریدار کو بائع اور دوکاندار پر اعتماد نہ ہو اور آج کل کے زمانہ میں کیل کی ہوئی چیزیں اور تلی ہوئی چیزیں جو پیکنگ شدہ خرید وفروخت ہوتی ہیں، ان پر اعتماد ہوتا ہے؛ اس لئے مشتری کے سامنے تولنا یا کیل کرنا یا مشتری کا گھر لا کر کے تولنا یا کیل کرنا لازم نہیں ہے۔ اور ''بہشتی زیور'' میں جو لکھا ہوا ہے، اسی طرح تمام متون میں جو لکھا ہوا ہے، ان سب کا مدار اسی پر ہے کہ جب مشتری کو بائع پر اعتماد نہ ہو یا مفضی الی المنازعت ہو اور یہاں نہ کوئی عدم اعتماد ہے اور نہ مفضی الی المنازعت ہے۔ اور

سوال نامہ میں جتنی شکلیں رائج شدہ لکھی گئی ہیں وہ سب جائز ہیں۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۳/ ۴۹۹-۴۹۷، انوار رحمت، ص:۲۸۱، جامع الفتاوی ۳/ ۱۵۸)

فالذي يتبين أن المشتري إن اعتمد على كيل البائع جاز له أكله بدون إعادة الكيل، سواء كان بحضرته أو بغيبته. (فيض الباري ٣/ ٢٢٠)

وقيد بقوله: ”غير الدراهم والدنانير“ ...... كبيع التعاطي، فإنه لا يحتاج في الموزونات إلى وزن المشتري ثانيا؛ لأنه صار بيعا بالقبض بعد الوزن، قنيه وعليه الفتوى، خلاصة، عبارة البحر: وهذا كله في غير بيع التعاطي أما هو فقال في القنية: ولا يحتاج الخ، وظاهر قوله، وهذا كله أنه لا يتقيد بالموزونات بل التعاطي في المكيلات والمعدودات كذلك.

(شامي، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، مطلب في تصرف البائع في المبيع قبل القبض، زكريا ٧/ ٣٧٣، كراچى ٥/ ١٥٠، قديم ص: ١٥٤)

فصل في تعارض العرف مع الشرع، فإذا تعارضا قدم عرف الاستعمال. (الأشباه والنظائر، زكريا ص: ٢٧٤، قديم: ١٥٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۱/ ذیقعدہ ۱۴۳۳ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۸۵۲/۴۰)	۱۴۳۳/۱۱/۲۱ھ

بنجر زمین کو آباد کرنا

سوال [۸۵۸۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک زمین جو کہ نہر کے کنارے ہے، جو بنجر پڑی ہوئی تھی، زید نے اس کو اپنے نام پٹواری سے کرالیا، کچھ قیمت دے کر، واضح رہے کہ وہ زمین کسی کی ملکیت میں نہیں تھی، اب معلوم یہ کرنا ہے کہ آیا شرعی اعتبار سے اس پر زید کی ملکیت درست ہے؟

المستفتی: عبدالرحمٰن سول لائن، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بنجر زمین جس پر کسی کی ملکیت نہ ہو اسے جب کوئی شخص آباد کرلے اور آباد کرنے کے بعد حکومت کی اجازت سے اپنے نام کاغذات بنالے، تو وہ زمین اس کی ملکیت ہوجاتی ہے۔ اور بورڈ کی طرف سے جو علاقہ کا پٹواری ہوتا ہے، اس پٹواری کے ذریعہ سے اگر نام کرالیا جائے تو وہ صحیح اور درست ہوجاتا ہے؛ لہٰذا سوال نامہ میں زید نے جو زمین آباد کر کے پٹواری کے ذریعہ اپنے نام کروالیا ہے وہ شرعی طور پر درست ہے، زید اس کا مالک ہے۔

عن عائشة –رضي الله عنها– عن النبي ﷺ قال: من أعمر أرضا ليست لأحد فهو أحق، قال عروة: قضى به عمر في خلافته. (صحيح البخاري، كتاب الحرث والمزارعة، باب من أحيى أرضا مواتا، النسخة الهندية ١/ ٣١٤، رقم: ٢٢٧٧، ف: ٢٣٣٥)

فالملک في الموات يثبت بالإحياء بإذن الإمام عند أبي حنيفة، وعندهما يثبت بنفس الإحياء وإذن الإمام ليس بشرط. (بدائع الصنائع، كتاب الأراضي، زكريا ٥/ ٢٨٤، إمداديه ملتان ٦/ ١٩٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۱ محرم الحرام ۱۴۲۶ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۶۴۰)	۱۴۲۶/۱/۲۱ھ

سرکاری افتادہ زمین کی خرید وفروخت کی شرعی حیثیت

سوال [۸۵۸۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ممبئی کی آراضی سے متعلق ویسے تو بہت سے مسائل ہیں، فی الحال شخصی ملکیت والی آراضی سے متعلق حکم شرعی مطلوب ہے۔ چنانچہ ممبئی کے بعض علاقوں میں متعین شخص یا چند افراد (کمپنی) کی بڑی بڑی آراضی ہیں، سرکاری ریکارڈ میں ان کے مالک ہونے کے تمام

ثبوت وشواہد موجود ہیں، قانوناً ان کے خلاف کسی کا دعویٰ بھی نہیں ہے؛ لیکن ان آراضی کا حال یہ ہے کہ فی الحال ان پر سیکڑوں بلکہ بعض جگہ ہزاروں مکانات تعمیر ہو چکے ہیں، جن میں ہر قوم و مذہب کی ہزاروں فیملیاں رہائش پذیر ہیں، اور بہت سی جگہ مسجد، مدرسہ اور مکاتب بھی قائم ہیں۔ موجودہ صورت حال کے اسباب مختلف ہو سکتے ہیں؛ البتہ ان میں ایک بڑا اور ظاہری سبب یہ ہے کہ پرکھوں، باپ داداؤں کی زمینیں تھیں اور اکثر و بیشتر بے قیمت تھیں؛ لہٰذا ان کی طرف توجہ نہیں تھی؛ بلکہ بہت سے لوگوں کو تو حکومت کی طرف سے بتایا گیا تو انہیں پتہ چلا کہ یہ ساری زمین ان کے آباء واجداد کی تھیں اور اب وہ ان کے مالک ہیں، چنانچہ خالی زمینیں دیکھ کر آہستہ آہستہ لوگ قبضہ کرنے لگے اور بستیاں بس گئیں۔ اور بعض جگہ ایسا ہوا کہ بغرض حفاظت دربان اور واچ مین رکھے گئے تھے، انہوں نے مالکوں کی غفلت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے معمولی معمولی رقم لے کر لوگوں کو جھونپڑے بنانے کی اجازت دے دی۔ اور اس طرح یہ دربان لکھپتی کروڑ پتی بن گئے اور خالی زمینیں بستیوں میں تبدیل ہو گئیں، چونکہ اس قسم کی جھوپڑ پٹیاں، سیاستدانوں کے لئے بڑی اہمیت رکھتی ہیں، کیوں کہ عموماً یہی لوگ ووٹ دینے جاتے ہیں، سیاسی جلسوں میں شریک ہوتے ہیں، ورنہ امیر طبقہ بلکہ اب تو متوسط طبقہ بھی عموماً ان جھمیلوں میں نہیں پڑتا، اس لئے ایسی بستیوں میں بنیادی ضروریاتِ زندگی لائٹ، پانی وغیرہ فراہم کردی جاتی ہیں۔ اور کبھی کبھار راستہ کی اصلاح و مرمت ہوتی رہتی ہے۔ ان میں اکثروں کے راشن کارڈ نہیں بن پاتے؛ البتہ کچھ لوگ غلط سلط معلومات کی بنیاد پر راشن کارڈ بنا لیتے ہیں، جو عموماً اصلی نہیں ہوتے؛ بلکہ نقلی ہوتے ہیں، ان کے پاس مکانات کے فوٹو پاس نہیں ہوتے، ان کے ایڈریس پر بہت سے اہم سرکاری دستاویزات بھی نہیں بن پاتے ہیں۔ الغرض حکومت کی نگاہ میں بھی یہ لوگ حقیقی مالکان کی حیثیت نہیں رکھتے؛ لیکن ان کو ہٹانا بہت مشکل ہوتا ہے؛ کیوں کہ ساری سیاسی جماعتیں اور ہیومن رائٹس کی تنظیمیں، غریبوں کے حقوق کی جنگ لڑنے کھڑی ہو جاتی ہیں، یہی وجہ ہے کہ بسا اوقات مالکان، سیاستدانوں اور افسروں سے ساز باز کر کے کسی بہانے بستی میں آگ لگوا دیتے ہیں، تاکہ ان کی زمینیں خالی ہو جائیں، اب تک اس طرح کے کئی واقعات رونما ہو چکے ہیں۔

الغرض ان حالات سے نمٹنے کے لئے حکومت مہاراشٹر نے ایک اسکیم پاس کی ہے، جس کو S.R.A اسکیم کہتے ہیں۔ حکومت کا مقصد اس اسکیم سے قابضین اور مالکان دونوں کو فائدہ پہنچانا ہے، چنانچہ قابضین کو مکان مل جائے گا اور مالکان کی اراضی خالی ہوکران کے قبضہ میں آجائے گی؛ البتہ اس اسکیم سے متعلق کچھ ضوابط اور چند شرائط ہیں، وہ حسب ذیل ہیں:

(۱) S.R.A اسکیم میں اسی شخص کو فلیٹ مل سکتا ہے جس کے پاس ۱۹۹۵ء سے پہلے کا کوئی بھی سرکاری ثبوت اس مکان سے متعلق موجود ہو، مثلاً لائٹ بل ہو یا فوٹو پاس ہو وغیرہ۔ ۱۹۹۵ء کے بعد سے رہائش پذیروں کو اس اسکیم سے فلیٹ نہیں مل سکتا۔

(۲) اگر رہائشی مکان ہے تو خواہ وہ کتنا ہی بڑا ہو یا کتنا ہی چھوٹا ہو، اس کے بدلہ میں 269 اسکوائر فٹ ہی کا مکان ملے گا۔ واضح رہے کہ پہلے 225 اسکوائر فٹ کا قانون تھا، جواب بدل کر بڑھ گیا ہے۔

(۳) اگر دوکان ہے تو اگر 100 اسکوائر فٹ کی ہے تو بدلہ میں بلڈنگ کے اندر 100 اسکوائر فٹ کی دوکان ملے گی۔ اور اگر 100 اسکوائر فٹ سے بڑی ہے، خواہ کتنی ہی بڑی ہو تو اسے 225 اسکوائر فٹ کی دوکان ملے گی۔

واضح رہے کہ مالکان آراضی کو اپنی آراضی باقاعدہ S.R.A اسکیم میں پاس کروانی ہوتی ہے جس کے لئے وقت اور مال دونوں بڑی مقدار میں خرچ ہوتا ہے، بغیر پاس کرائے یہ کام نہیں ہوسکتا۔

خلاصہ یہ ہے کہ مالکان آراضی کو لاکھوں روپئے خرچ کر کے S.R.A اسکیم میں اپنی زمین پاس کروانی ہوتی ہے، پھر جتنے بھی قابضین ہیں سب کو ضابطہ کے مطابق مکانات اور دوکانیں مفت دینی ہوتی ہیں، ان سب کے لئے بلڈنگیں تعمیر کرنے کے بعد جو زمین خالی بچ جائے وہ مالکان کو ملتی ہے؛ البتہ اس کے عوض میں حکومت کی طرف سے مالکانِ آراضی کو F.S.I بڑھ کر ملتی ہے، مثلاً اگر مکمل خالی زمین پر ایک لاکھ اسکوائر فٹ کا کام قانوناً ہوسکتا تھا؛ لیکن S.R.A اسکیم کی وجہ سے زمین کا کچھ حصہ کم ہوگیا، تو اس کے بدلہ حکومت ایک لاکھ اسکوائر فٹ کے بجائے دو لاکھ

اسکوائرفٹ بنانے کی اجازت دیتی ہے،اس طرح کافی حدتک تلافی ہوجاتی ہے؛لیکن بہرحال اس طرح بھی مالکین پر کافی بوجھ آتا ہےاور مجبوراً اور بادلِ نخواستہ مکانات بنا کر دینے پڑتے ہیں۔اور بعض تو ہمت ہی نہیں کر پاتے؛ کیوں کہ ان جھونپڑے والوں کو دینے کے لئے اتنی مقدار میں بلڈنگیں بنانی پڑیں گی کی ان کی تعمیر پر کروڑوں روپئے کی لاگت آئے گی،جس کی وہ ہمت نہیں کرپاتے اور بالآخر زمین یونہی پڑی رہتی ہے۔

الغرض مسطورہ بالاتفصیلات کی روشنی میں درج ذیل سوالات کے جوابات مطلوب ہیں:

(۱) کیا شخصی ملکیت کی زمین پر قبضہ کرکے مکان ودوکان بنانا جائز ہے؟ اس طرح سے تعمیر شدہ مساجدومدارس اورمکاتب قرآنیہ کا کیا حکم ہے؟

(۲) کیا شخصی ملکیت کی زمین پر قابض اول سے خریدنے کی اجازت ہے، اسی طرح دوسرے تیسرے نمبر پرخریدنے کا کیا حکم ہے؟ نیز ان جیسے مکانات اور دوکانوں سے حاصل ہونے والے منافع کا کیا حکم ہے؟

(۳) اگر قابض یاخریدار،امام مسجد ہو،خواہ وہ اس میں رہائش پذیر ہو،یا کرائے پردے کرکے کرایہ حاصل کررہا ہو،اور باوجودعلم کےاس سے باز نہ آتا ہو،تواس کی امامت کا کیا حکم ہے؟

(۴) S.R.A ڈیولپمینٹ اسکیم کے تحت ملنےوالے مکانات لینا جائز ہےیا ناجائز؟

نوٹ:- واضح رہے کہ ایسی زمینوں پر بسے ہوئے اکثر لوگوں کے پاس رہنے کے لئے یہی مکان ہوتا ہے؛ اس لئے ان لوگوں کی بازآبادکاری کے لئے حکومت کی S.R.A اسکیم ہے،اگرچہ بہت سے لوگوں نے بڑی جگہیں بھی قبضہ میں کررکھی ہیں اوراس پرتعمیرات کر کے اچھی خاصی آمدنی حاصل کررہے ہیں۔فقط والسلام

المستفتی:عبدالرشیدعفی عنہ نعمانی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ہندوستان کی جائیداد،ان کی نوعیت اوران کی حیثیت سے متعلق کافی غوروخوض کرنے کے بعد یہ بات سامنے آئی ہے کہ ہندوستان کی جائیداد جن

پر مالکان کے علاوہ دوسروں کا قبضہ ہے، وہ کل تین قسموں پر ہیں: (۱) صحرائی جائیداد: ۱۹۴۷ء سے پہلے انگریزی حکومت نے یہ قانون بنایا تھا کہ جس جائیداد پر کسی کسان نے ۱۲؍سال تک تسلسل کے ساتھ کھیتی کی ہو کسان اس زمین کا مالک ہو جائے گا، مگر یہ قانون لازمی اور جبری نہیں تھا؛ بلکہ اختیاری تھا، اس بارے میں اس زمانہ کے علماء نے یہ فتوی صادر کیا تھا کہ چونکہ زمین پر حکومت کے استیلاء اور تغلب کے ذریعہ سے قبضہ نہیں ہوتا ہے؛ بلکہ کسان کو مالک بننے کا ایک اختیاری قانون ہے۔ اور کسان اگر مالک کو واپس کردے اور مالک اپنی ملکیت میں رکھے تو کسان و مالک پر قانونی طور پر کوئی دار وگیر نہیں ہے؛ اس لئے سرکاری قانون کے باوجود شرعاً کسان ان زمینوں کے مالک نہیں ہوں گے، ان کو دوسروں کے ہاتھ فروخت کرنے کا حق نہیں ہے، جیسا کہ ''امداد الفتاویٰ'' وغیرہ میں اس کی صراحت موجود ہے، پھر ۱۹۴۷ء سے دوسرا دور آیا جس میں انگریزی حکومت کے خاتمہ کے بعد کانگریس کا راج آیا ہیں۔ اور کانگریس راج آنے کے بعد صرف تین سال نہیں گزر پائے تھے کہ ۱۹۵۰ء میں کانگریس نے خاتمہ زمینداری کا اعلان کیا، جس میں حکومت ہند نے زمینداروں کی زمینوں پر استیلاء اور تغلب حاصل کرلیا اور ساری زمینیں زمینداروں سے لے کر کسانوں کو دے دیں، کسی کو معمولی کوڑیوں کا معاوضہ بھی دیا اور کسی کو نہیں دیا، گویا کہ حکومت نے جبریہ طور پر زمینداروں کی زمینوں پر استیلاء حاصل کرکے کسانوں کو مالک بنادیا، اس بارے میں علماء کا فتویٰ یہ جاری ہوا کہ سرکار کے استیلاء اور تغلب کے ذریعہ سے کسانوں کو جو جائیدادیں ملی ہیں، اس سے کسان ان زمینوں کے مالک بن چکے ہیں۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ ڈابھیل ۱۷/ ۱۷۸-۱۸۰، میرٹھ ۲۵/ ۳۵۱-۳۵۴)

اس وضاحت کے بعد اصل سوال کا جواب حسب ذیل تفصیل سے واضح ہوگا وہ زمینیں جن کے بارے میں مالکوں کی طرف سے کوئی روک تھام نہیں ہے، یا ایسی افتادہ زمین جن کے مالکوں کا اتا پتا نہیں ہے، یا سرکاری افتادہ زمین ہے، یا کسی شہر اور آبادی کے متصل بہتے دریا

نے کاٹ کر کے ایک طرف کی زمین کو دوسری طرف پہنچا دیا ہے، تو ایسی زمینوں پر غریب لوگوں کا قبضہ ہوتا چلا جاتا ہے اور چھوٹے چھوٹے مکانات کا سلسلہ شروع ہوجاتا ہے اور غریبوں کے اس طرح کے قبضہ پر نہ مالکوں کی طرف سے کوئی روک ٹوک ہوتی ہے، نہ سرکار کی طرف سے کوئی پابندی ہوتی ہے اور آہستہ آہستہ ایسی جگہ آباد ہوکر شہر کی طرح گلی کوچوں کی شکل اختیار کرلیتی ہے، نیز ایسا بھی ہوتا ہے کہ چالاک قسم کے لوگ اس طرح کی زمینوں پر پہلے اپنا قبضہ جما لیتے ہیں، اس کے بعد جو غریب لوگ بسنے والے ہوتے ہیں، ان کے ہاتھوں میں معمولی پیسوں میں فروخت کر دیتے ہیں اور فروختگی کا کوئی ذیلی کاغذ بھی بنا لیتے ہیں، پھر اس میں سرکاری طور پر میونسپلٹی کی سڑکیں بن جاتی ہیں اور بجلی پانی کا انتظام بھی سرکار کی طرف سے ہوجاتا ہے، پھر اس کے بعد وہاں کے بسنے والوں کے لئے ذیلی کاغذات تیار ہوجاتے ہیں، اور مسلم آبادی ہوتو اس میں مسجدیں بھی بن جاتی ہیں اور مسجد کا رجسٹریشن بھی ہوجاتا ہے، جیسا کہ ہمارے مرادآباد میں جامع مسجد سے متصل دریا کے کنارے پر لاکھوں کی آبادی اسی طرح بسی ہوئی ہے اور اس میں متعدد مسجدیں بھی بن گئی ہیں اور اسی طرح بمبئی میں دسیوں مقامات پر اس طرح کی آبادیاں بسی ہوئی ہیں، اور بھی دیگر شہروں میں اس طرح کی نوعیت کی آبادیاں بکثرت ہیں اور ایسی آبادیوں کو اکھاڑ کر ختم کرنا نہ مالکوں کے بس کی بات ہے اور نہ ہی حکومت ان کے بارے میں خاص توجہ دیتی ہے، اب اس طرح کی آبادیوں پر سرکار کا تغلب دو طرح کا ہوتا ہے:

(۱) اگر سرکاری افتادہ زمین ہے جن پر ان غریبوں نے قبضہ کر رکھا ہے اور سرکار کو وہاں اپنا کوئی ترقیاتی پروگرام چلانا ہے، تو ان پر تغلب حاصل کر کے وہاں کے بسنے والوں کو بے گھر کر کے اپنے قبضہ میں لے کر سرکار اپنا کام کرتی ہے۔

(۲) بعض سرکاری افتادہ زمین جن پر غریبوں کا قبضہ ہے یا ان زمینوں کا کوئی مالک ہے جن کی طرف سے اب تک کوئی روک تھام نہیں ہوئی اور سرکار نے روڈ بنا دیا ہے، بجلی پانی کا انتظام کر دیا ہے، اور وہاں کے بسنے والوں کو سرکاری طور پر تسلیم کرلیا ہے اور وہاں کی مردم

شماری کر کے سرکاری طور پر وہاں کے لوگوں سے الیکشن کے زمانے میں ووٹ بھی لیا جاتا ہے، تو گویا کہ اگر سرکاری زمین ہے، تو سرکار نے ان غریبوں کو عملاً ان زمینوں کا مالک بنا دیا ہے۔ اور اگر ان زمینوں کا کوئی مالک رہا ہو تو سرکار نے اس عمل کے ذریعہ سے مالکوں کی زمین پر تغلب حاصل کرلیا ہے۔ اور تغلب حاصل کرکے وہاں کے بسنے والوں کو ان زمینوں کا مالک بنا دیا ہے، تو ایسی صورت میں خاتمہ زمینداری کے بعد کسانوں کو جس درجہ کی زمینوں کی ملکیت حاصل ہوگئی ہے، اسی درجہ کی ان جگہوں پر بسنے والوں کو بھی اپنے اپنے قبضہ کی زمینوں پر ملکیت حاصل ہوچکی ہے اور ان آبادیوں میں جو مسجدیں بن چکی ہیں، ان مسجدوں کو شرعی حیثیت حاصل ہوجائے گی۔ احقر نے یہ تحریر اپنی سمجھ کے اعتبار سے لکھی ہے، اس لئے دوسرے علماء سے بھی اس سلسلے میں رابطہ قائم کرنا مناسب ہوگا۔ اور احقر نے جن جزئیات کے پیش نظر مذکورہ حکم لکھا ہے ان میں سے چند جزئیات حسب ذیل ہیں:

إن الاستيلاء عبارة عن الإقتدار على محل مطلقا على وجه يتمكن من الانتفاع في الحال، ومن الإدخار في المآل والاقتدار بهذه الصفة لا تكون إلا بعد الإحراز، ثم بعد إحرازهم ارتفعت العصمة، فورد الاستيلاء حينئذ على مال مباح لا على مال محظور –إلى قوله– فإن قلت: لا نسلم أن المال مباح بأصل الخلقة، قلت: هو مباح لقوله تعالى: ﴿خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا﴾ (البناية، باب استيلاء الكفار، اشرفيه ٧/ ١٨٨، نعميه ٩/ ٢٤٤)

قال أبو حنيفة، ومالك رحمهما الله: الكفار إذا استولت على أموال المسلمين ملكوها. (تفسير مظهري، زكريا ٩/ ٢٤٠)

ولو استولى أهل الحرب على أموالنا وأحرزوها بدارهم ملكوها عندنا. (هندية، الباب الخامس في استيلاء الكفار، زكريا جديد٢/ ٢٤١، قديم ٢/ ٢٢٥)

أما المال غير المعصوم، فإنه يجوز الاستيلاء عليه، وإن كان مملوكا. (الموسوعة الفقهية الكويتية ٤/ ١٥٨)

وإن غلبوا على أموالنا وأحرزوها بدارهم ملكوها. (شامي، زكريا ٦/ ٢٦٧، كراچی ٤/ ١٦٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷ / ربیع الاول ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۰۰۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۷/ ۳/ ۱۴۳۴ھ

کیا جلسہ کے موقع پر بالعوض کھانا کھانا بیع ہے؟

سوال [۸۵۸۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مہتمم صاحب مدرسہ کے سالانہ جلسہ کے موقع پر لوگوں کی دعوت کر کے ان کے لئے کھانا تیار کرتے ہیں، دعوت نامہ کا ماحصل یہ ہے کہ: جناب............فلاں تاریخ کو فلاں مدرسہ کا سالانہ جلسہ کیا جارہا ہے، آپ اس جلسے میں تشریف لا کر مدرسہ کو زیادہ سے زیادہ امداد دے کر جلسہ کو کامیاب بنانے میں مدد فرمائیں، اتنے بجے شروع ہو کر اتنے بجے ختم ہوگا، جلسہ کے دن جلسہ گاہ کو چاروں طرف سے گھیر کر گیٹ میں کاؤنٹر بنا کر آنے والوں سے پیسہ لیا جاتا ہے، جب اختتام جلسہ کا وقت قریب ہو جاتا ہے، تو ایک منادی ندا کرتا ہے کہ جن لوگوں نے کاؤنٹر سے رسید حاصل نہیں کی ہے، اب حاصل کر لیں، کھانے کا وقت قریب آ گیا ہے۔ (یعنی رسید حاصل کئے بغیر نہیں کھا سکتا) اب سوال یہ ہے کہ اس صورت واقعہ کو اصطلاح فقہاء میں کیا کہا جائے گا؟ ''للہ'' تو نہیں کیوں کہ کھانے کے عوض روپئے حاصل کر رہے ہیں، اور روپئے کے عوض کھانا کھا رہے ہیں، تو معلوم ہوا کہ یہ بیع ہے، مہتمم صاحب نے تمول مال کے لئے تجارت کا ایک نیا طریقہ ایجاد کیا ہے، مگر اس میں قابل غور ایک بات ہے کہ بیع کے صحیح ہونے کے لئے مبیع اور ثمن کا مقدار معلوم ہونا شرط ہے، وہ یہاں مفقود ہے؛ اس لئے معاملہ صحیح نہیں ہوا، نیز حاصل شدہ روپیہ حلال نہیں ہوا، آپ مفتیان کرام کی خدمت میں عرض کیا جاتا ہے کہ اس مسئلہ کے متعلق تحقیق سے فتویٰ تحریر فرمائیں۔

المستفتی: ابوالکلام، محمد عبدالرشید

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ میں جس دعوت نامہ کا ماحصل پیش کیا گیا ہے، اس میں امداد کا لفظ مذکور ہے، جس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ ذمہ دار کی طرف سے کھانے کا انتظام ان ہی لوگوں کے لئے ہے جو مدرسہ کو امداد پیش کریں گے۔ اور جو لوگ امداد پیش نہیں کریں گے ان کے لئے کھانے کا نظم منجانب مدرسہ نہیں کیا گیا ہے، اب اگر تعاون کی مقدار مساوی نہ ہو؛ بلکہ ہر ایک اپنے صوابدید پر جو دینا چاہے دیدے تو اسے بیع وشراء سے تعبیر نہیں کیا جائے گا اور اگر سب کے تعاون کی مقدار مساوی ہو تو پھر اس کو بیع وشراء سے تعبیر کیا جائے گا۔ رہی بات جہالت مبیع کی تو عرف ورواج کی بنا پر یہ جائز ہے، کتب فقہ میں اس کی نظیر موجود ہے۔

ویخرج على هذا كثير من السائل في عصرنا، فقد جرت العادة في بعض الفنادق الكبيرة، أنهم يضعون أنواعا من الأطعمة في قدور كبيرة، ويخيرون المشتري في أكل ماشاء بقدر ماشاء، ويأخذون ثمنا واحدا معينا من كل أحد، فالقياس أن لا يجوز البيع لجهالة الأطعمة المبيعة وقدرها؛ ولكنه يجوز؛ لأن الجهالة يسيرة غير مفضية إلى النزاع، وقد جرى بها العرف والتعامل. (تكملة فتح الملهم، كتاب البيوع، البيع بالتعاطي، أشرفيه ديوبند ١/ ٣٢٠، وهكذا نووي على مسلم ٢/ ٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸ر محرم الحرام ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۶۵۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۹/۱/۱۴۲۶ھ

مکمل قیمت کی وصولیابی سے قبل بیوہ کا اپنی زمین میں نماز سے روکنا

سوال [۸۵۸۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہم نے ایک مسجد کی جگہ ایک بیوہ سے خریدی اور یہ طے کیا کہ ایک مہینے کے بعد پورے

پیسے دے دیں گے اور کچھ پیسے پہلے دے دیئے اور اس وقت اس کی اجازت سے وہاں نماز پڑھنے لگے؛ لیکن ہم لوگ بجائے ایک مہینے کے دو مہینے تک وہاں نماز پڑھتے رہے اور دو مہینے کی مہلت اور لے لی گئی۔ اور وہاں نماز پڑھتے رہے اور چھوٹی چھوٹی دیواریں بنادی گئیں، اب وہ عورت پھر پیسے لینے آئی؛ لیکن ابھی تک اس کے پیسے نہیں دئے۔ اور اب پانچ سال گذر چکے ہیں اور پیسے نہیں دیئے ہیں اور وہ عورت برابر یہی کہتی ہے کہ یہاں نماز مت پڑھو۔ اور گالیاں وغیرہ بکتی ہے، ایسی حالت میں اس جگہ نماز پڑھی جائے یا نہ پڑھی جائے، اور نماز ہوگی یا نہیں؟ جواب بالتفصیل اور باصواب سے نوازیں۔

المستفتی: عبداللہ مقام کربلا، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: سوال نامہ میں درج شدہ صورت میں مذکورہ جگہ پر نماز پڑھنا اس وقت تک غیر مقبول اور مکروہ تحریمی ہوگی جب تک بیوہ عورت کو زمین کی پوری قیمت ادا نہ کردیں۔

قال تاج الشريعة: أما لو أنفق في ذلك مالا خبيثا، ومالا سببه الخبيث والطيب فيكره؛ لأن الله تعالى لا يقبل إلا الطيب، فيكره تلويث بيته بمالا يقبل. الخ (شامي، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة، مطلب كلمة لا بأس دليل على أن المستحب غيره الخ- كوئٹه ١/ ٤٨٧، كراچی ١/ ٦٥٨، زكريا ٢/ ٤٣١)

ومدرسة السليمانية في دمشق ...... والوقف يثبت بالشهرة، فتلك المدرسة خولف في بناء ها شرط وقف الأرض الذي هو كنص الشارع، فالصلاة فيها مكروهة تحريما فى قول وغير صحيحة له في قول آخر. الخ (شامي، كتاب الصلاة، مطلب في الصلاة في الأرض المغصوبة، كوئٹه ١/ ٢٨، كراچی ١/ ٣٨٦، زكريا ٢/ ٤٥)

الضرر يزال، ومنها لو غصب أرضا فبنى فيها أو غرس، فإن كانت قيمة الأرض أكثر قلعها وردت وإلا ضمن له قيمتها. (الأشباه والنظائر، قديم ١٤٤)

نیز مذکورہ بیوہ کو ہر وقت حق ہے کہ قیمت وصول کرنے کی غرض سے وہاں نماز پڑھنے سے روک دے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/رجب ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۸۱۰)

مشتری اول کا پوری رقم دینے سے قبل مشتری ثانی کو فروخت کرنا

سوال [۸۵۸۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے بکر سے زمین خریدنے کے متعلق بات چیت کی اور زید نے بکر کو بیعانہ دیا، زمین کی قیمت ۲۰/لاکھ میں سے ۵/لاکھ دے دیا، چار مہینے کے وقت کے ساتھ اس مدت کے دوران ایک تیسرے شخص نے اس زمین کو خریدنا چاہا، تو کیا زید تیسرے شخص کو وہ زمین نفع کے ساتھ فروخت کرسکتا ہے؛ حالانکہ زید نے بکر کو پوری قیمت ادا نہیں کی اور اس مدت کے دوران بکر زید سے اپنی زمین واپس لے سکتا ہے؟

المستفتی: محمد فاروق، راجونگر، منڈولی، دہلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید نے جب بکر سے ایجاب وقبول کے ساتھ خرید لیا ہے اور بیعانہ کے طور پر کچھ رقم بھی دے دی ہے، تو ایسی صورت میں زید مشتری اول کے لئے پوری رقم پیمنٹ کرنے سے پہلے مذکورہ زمین کو نفع کے ساتھ بیچنا اور فروخت کرنا درست ہے اور اس مدت کے دوران بکر کو زید سے اپنی زمین واپس لینے کا حق نہیں ہے۔

أن يكون الثمن حالا، فإن كان مؤجلا فلا يثبت حق الحبس؛ لأنه سقط بالتأخير. (الفقه الإسلامي وأدلته، الهدى ديوبند ٤/ ١٧٨، تاتارخانية، زكريا ٨/ ٢٤٢، رقم: ١١٧٧٨)

وإذا حصل الإيجاب والقبول لزم البيع، ولا خيار لواحد منهما إلا

من عيب أو عدم رؤية. (تاتارخانية، زكريا ديوبند ٨/ ٢٢٢، رقم: ١١٧١٤، هداية، كتاب البيوع، اشرفي ديوبند ٣/ ٢٠/ الجوهرة النيرة، إمداديه ملتان ١/ ٢٢٦، دارالكتاب ديوبند ١/ ٢٢٠، ملتقى الأبحر، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ١٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍ربیع الثانی ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۰۵۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۶/۴/۱۴۳۴ھ

جائیداد پر قبضہ کرنے سے پہلے مشتری کا بائع کو وکیل بالبیع بنانا

سوال [۸۵۸۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے خالد سے کہا کہ مجھے زمین کی ضرورت ہے اور میں آپ کے توسط سے زمین خریدنا چاہتا ہوں، خالد نے ایک تیسرے شخص بنام بکر سے ایک اراضی سولہ سورو پیہ بیگہ کے حساب سے خریدی اور خریدتے وقت بکر سے کہہ دیا کہ یہ زمین میری ہوگئی، اب اگر اس کو کوئی تیسرا شخص تم سے خریدے تو تم اس کو فروخت کر دینا اور جو نفع ہوگا وہ میرا ہوگا، اب خالد نے وہ زمین زید کو خریدنے کے لئے توجہ دلائی اور زید نے اس کو بکر سے ۱۹؍سورو پیہ بیگہ کے عوض خریدا، اب یہ ۳؍سورو پیہ بیگہ کا نفع جو ہے، وہ خالد لینا چاہتا ہے، جب کہ خالد بکر سے خریدتے وقت نہ تو کوئی بیعانہ دیا اور نہ ہی زمین کا کوئی پیسہ بطور ثمن ادا کیا، تو کیا خالد کو اس طرح درمیان میں نفع لینا حلال ہے اور خالد کا یہ فعل کیسا ہے؟

المستفتی: محمد حنیف فتح پور، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: خالد کا بکر سے زمین خرید کر پھر بکر کو زید کے ہاتھ فروخت کرنے کا وکیل بنانا اور بکر کا ۱۶؍سو کی زمین کو آپس کی تراضی سے ۱۹؍سورو پئے میں زید کے ہاتھ فروخت کر دینا اور تین سورو پئے کا نفع خالد کا اپنی ملکیت کر لینا جائز اور درست ہے اور اس موقع پر اگر خالد نے کوئی جھوٹ بولا ہے تو اس کا گناہ الگ سے ہوگا۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۱/ ۲۶)

ويجوز بيع العقار قبل القبض عند أبي حنيفة وأبي يوسف –رحمهما الله. (هداية، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، أشرفي ديوبند ۳/ ۷٤، تاتارخانية، زكريا ۸/ ٢٦٦، رقم: ١١٨٦٢)

وأما بيع الأعيان غير المنقولة قبل قبضها كبيع الأرض والضياع، والنخيل، والدور، ونحو ذلک من الأشياء الثابتة التي لا يخشى هلاكها، فإنه يصح. (كتاب الفقه على المذاهب الأربعة، كتاب البيع، مبحث التصرف في المبيع قبل قبضه، دارالفكر بيروت ٢/ ٢٣٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲ر جمادی الثانیہ ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۰/ ۴۰۴۸)

قبضہ سے پہلے زمین کی خرید وفروخت کا حکم

سوال [۸۵۸۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید زمین کی خرید وفروخت کا معاملہ کرتا ہے، جس کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ وہ زمین کے مالک کے پاس جا کر معاملہ طے کرتا ہے کہ مثلاً ایک بیگہ زمین ایک لاکھ روپیہ میں طے کرتا ہے اور یہ قیمت اس کو ادا نہیں کرتا؛ بلکہ وہ اس دوران دوسرا گاہک تلاش کر کے ڈیڑھ لاکھ روپے میں اس کو بیچ دیتا ہے اور زمین کے مالک سے رجسٹری اسی کے نام کرا دیتا ہے، اب اس کے بعد زید مشتری سے ڈیڑھ لاکھ روپئے لے کر ایک لاکھ بائع کو دے دیتا ہے اور پچاس ہزار خود رکھ لیتا ہے، تو اب کیا زید کے لئے یہ پچاس ہزار روپئے کا منافع لینا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد حاکم چاند پوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید کا قبضہ سے پہلے زمین کو فروخت کر دینا جائز اور

درست ہے؛ اس لئے کہ زمین مکان وغیرہ اشیائے غیر منقولہ ہیں اور ایسی اشیاء اور جائیداد کی خرید وفروخت مکمل ہونے کے لئے ایجاب وقبول کے ساتھ سودا اور معاملہ طے کر لینا کافی ہے، باقاعدہ وہاں جا کر اپنا سامان ڈال دینا، یا چہار دیواری وغیرہ بنا دینا لازم نہیں؛ لہٰذا معاملہ طے ہوجانے کے بعد خریدار کے لئے دوسرے کے ہاتھ فروخت کرنا اور اس پر نفع حاصل کرنا جائز اور درست ہے۔ (مستفاد: انوار رحمت/۲۶۳-۲۶۴)

ويجوز بيع العقار قبل القبض. (هداية، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، اشرفي ديوبند ٣/ ٧٤، تاتارخانية زكريا ٨/ ٢٦٦، رقم: ١١٨٦٢)

أما بيع الأعيان غير المنقولة قبل قبضها كبيع الأرض، والضياع والنخيل، والدور، ونحو ذلك من الأشياء الثابتة التي لا يخشى هلاكها، فإنه يصح. (الفقه على المذاهب الأربعة، كتاب البيع، مبحث التصرف في المبيع قبل قبضه، دارالفكر بيروت ٢/ ٢٣٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/۶/۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۸۸۶۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۳/۶/۱۴۲۶ھ

متعینہ بکنگ شدہ زمین کو منافع کے ساتھ فروخت کرنا

سوال [۸۵۹۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں ایک اچھی کمپنی میں اونچے عہدہ پر فائز تھا، تنخواہ بھی اچھی خاصی تھی، کچھ رقم جمع ہونے پر میں نے اپنا ایک ذاتی مکان رہنے کا سوچ کر بکنگ کروایا، فی الوقت ماں باپ کے ساتھ رہتا ہوں، بکنگ میں آدھی رقم بھر دی ہے، کام شروع ہونے پر قسطوں میں رقم بھرنی تھی، اچانک پچھلے مہینے ایک ایسے (موذی مرض) میں مبتلا ہوگیا کہ مجھے مجبوراً ملازمت چھوڑنی پڑی، اب آمدنی کا کوئی ذریعہ نہیں اور اس موذی مرض کا خرچ تقریباً چار لاکھ رقم ہاتھ میں نہ ہونے پر قرض لینا پڑا (بغیر سودی)۔

مجبوراً وہ مکان جس کا کام شروع نہیں ہوا، اگر اسے بیچتا ہوں تو بھری ہوئی رقم سے زیادہ پیسے آرہے ہیں، تو کیا شرعی اعتبار سے مجھے منافع لینے کا حق ہے، ابھی فی الوقت میں کافی پریشان ہوں، گھر اور بیماری کے خرچ سے۔

اگر بالفرض اچھی حالت میں بھی لوگ ایسا کاروبار کرتے ہیں جس کے بکنگ کے وقت کم دام ہوتے ہیں۔ اور اگر کام شروع ہوتا ہے تو دام بڑھ جاتا ہے، اس طرح اگر کاروبار کریں تو شرعی اعتبار سے اس کی گنجائش ہے؟ دونوں سوالوں کی نوعیت الگ ہے، برائے کرم مفصل جواب دیں۔ عین نوازش ہوگی۔

المستفتی: معرفت مولانا محمد اشفاق صاحب چیتا کیمپ، ممبئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس زمین کو آپ نے اپنے نام سے بکنگ کرالیا ہے اور اس جگہ کی باقاعدہ تعیین بھی ہوگئی ہے، اور آپ نے قسطوں میں رقم بھی بھرنی شروع کردی ہے، تو اس جگہ پر آپ کو مالکانہ حقوق حاصل ہوگئے ہیں؛ اس لئے اس زمین پر تعمیر کا کام شروع ہو یا نہ ہو بہرصورت آپ کے لئے اس زمین کو منافع کے ساتھ فروخت کرنے کی شرعاً اجازت ہے۔

ویجوز بیع العقار قبل القبض عند أبي حنیفة وأبي یوسف –إلی قوله– ولهما أن رکن البیع صدر من أهله فی محله ولا غرر فیه؛ لأن الهلاک في العقار نادر بخلاف المنقول، والغرر المنهي عنه غرر انفساخ العقد، والحدیث معلول به عملا بدلائل الجواز. (هدایة، کتاب البیوع، باب المرابحة والتولیة، اشرفي دیوبند ۳/ ۷٤)

إذا اشتری دارا أو عقارا فوهبها قبل القبض من غیر البائع یجوز عند الکل، ولو باع یجوز في قول أبي حنیفة وأبي یوسف. (تاتارخانیة، زکریا ۸/ ۲٦٦، رقم: ۱۱۸٦۲)

وأما بیع الأعیان غیر المنقولة قبل قبضها کبیع الأرض والضیاع،

والنخيل، والدور، ونحو ذلك من الأشياء الثابتة التي لا يخشى هلاكها، فإنه يصح. (الفقه على المذاهب الأربعة، كتاب البيع، مبحث التصرف في المبيع قبل قبضه، دارالفكر بيروت ۲/ ۲۳٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۳۴۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۸/۶/۲۵ھ

قبضہ سے قبل زمین کوفروخت کرنا

سوال [۸۵۹۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں ایک اچھی کمپنی میں اونچے عہدہ پر فائز تھا، تنخواہ بھی اچھی خاصی تھی، کچھ رقم جمع ہونے پر میں نے اپنا ایک مکان رہنے کا سوچ کر بکنگ کروایا، فی الوقت ماں باپ کے ساتھ رہتا ہوں، بکنگ میں آدھی رقم بھردی ہے، کام شروع ہونے پر قسطوں میں رقم بھرنی تھی، اچانک پچھلے مہینے ایک ایسے موذی مرض میں مبتلا ہوگیا کہ مجھے مجبوراً ملازمت بھی چھوڑنی پڑی، اب آمدنی کا کوئی ذریعہ نہیں اوراس موذی مرض کا خرچ تقریباً چارلاکھ رقم ہاتھ میں نہ ہونے پرقرض لینا پڑا (بغیر سودی)

مجبوراً وہ مکان جس کا کام شروع نہیں ہوا، اگر اسے بیچتا ہوں تو بھری ہوئی رقم سے زیادہ پیسے آرہے ہیں، تو کیا شرعی اعتبار سے مجھے منافع لینے کا حق ہے، ابھی فی الوقت میں کافی پریشان ہوں، گھر اور بیماری کے خرچ سے۔

اگر بالفرض اچھی حالت میں بھی لوگ ایسا کاروبار کرتے ہیں جس کے بکنگ کے وقت کم دام ہوتے ہیں۔ اور اگر کام شروع ہوتا ہے تو دام بڑھ جاتا ہے، اس طرح اگر کاروبار کریں تو شرعی اعتبار سے اس کی گنجائش ہے؟ دونوں سوالوں کی نوعیت الگ ہے، برائے کرم مفصل جواب دیں۔ عین نوازش ہوگی۔

المستفتی: یعقوب کولسہ والا، میمن کالونی ممبئی، جوگیشوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بیع کے صحیح ہونے کے لئے مبیع کا موجود اور مقدور التسلیم ہونا شرط ہے۔

وبیع مالیس في ملکه لبطلان بیع المعدوم، وماله خطر العدم (قوله لبطلان بیع ...... إذ من شرط المعقود علیه أن یکون موجودا مالا متقوما مملوکا في نفسه...... یکون مقدور التسلیم. (درمختار مع الشامي، زکریا ۷/ ۲٤٦، کراچی ٥/ ٥٨)

لہٰذا یہ دونوں صورتیں بیع کی نہیں ہیں، وعدۂ بیع ہے اور وعدۂ بیع سے بیع مکمل نہیں ہوتی۔ اور جو رقم پیشگی جمع کی ہے اس کی حیثیت بیعانہ کی رقم کی ہے، جس کا حکم یہ ہے کہ صرف اتنی رقم کا لینا جائز ہوگا جتنی جمع کی، زائد رقم لینا درست نہیں، دونوں صورتوں میں حکم یہی ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ: العبد شعیب احمد بستوی غفرلہ
مظاہر علوم سہارنپور ۲۵/ ۵/ ۱۴۲۸ھ

الجواب صحیح: مقصود
۲۵/ ۵/ ۱۴۲۸ھ

محترم المقام جناب حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

استفتاء کا جواب حضرت والا نے عنایت فرمایا تھا؛ لیکن مستفتی نے مظاہر علوم سہارنپور سے فتوی منگایا جو بالکل حضرت کے جواب سے مختلف ہے، حضرت والا سے مکرر رجوع کرتے ہیں، ساتھ ہی مظاہر علوم کا فتویٰ ارسال خدمت ہے، اس فتوے کی حیثیت کسی خاص صورت سے ہے؟ امید کہ حضرت والا زحمت فرما کر خلجان کو دور فرما کر مشکور فرمائیں، تضاد کو رفع فرمائیں۔

سوال [۸۵۹۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں ایک اچھی کمپنی میں اونچے عہدہ پر فائز تھا، تنخواہ بھی اچھی خاصی تھی، کچھ رقم جمع ہونے پر میں نے اپنا ایک مکان رہنے کا سوچ کر بکنگ کروایا، فی الوقت ماں باپ کے ساتھ رہتا ہوں، بکنگ میں آدھی رقم بھردی ہے، کام شروع ہونے پر قسطوں میں رقم بھرنی تھی، اچانک پچھلے مہینے ایک ایسے موذی مرض میں مبتلا ہوگیا کہ مجھے مجبوراً ملازمت چھوڑنی پڑی،

اب آمدنی کا کوئی ذریعہ نہیں اوراس موذی مرض کا خرچ تقریباً چار لاکھ رقم ہاتھ میں نہ ہونے پر قرض لینا پڑا بغیر سودی۔

مجبوراً وہ مکان جس کا کام شروع نہیں ہوا، اگر اسے بیچتا ہوں تو بھری ہوئی رقم سے زیادہ پیسے آرہے ہیں، تو کیا شرعی اعتبار سے مجھے منافع لینے کا حق ہے، ابھی فی الوقت میں کافی پریشان ہوں، گھر خرچ اور بیماری کے خرچ سے۔

اگر بالفرض اچھی حالت میں بھی لوگ ایسا کاروبار کرتے ہیں جس کے بکنگ کے وقت کم دام ہوتے ہیں۔ اور اگر دام شروع ہوتا ہے تو دام بڑھ جاتا ہے، اس طرح اگر کاروبار کریں تو شرعی اعتبار سے اس کی گنجائش ہے؟ دونوں سوالوں کی نوعیت الگ ہے برائے کرم مفصل جواب دیں۔ عین نوازش ہوگی۔

المستفتی: یعقوب کولسہ والا، میمن کالونی ممبئی، جوگیشوری

محترمی مزاج گرامی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آنجناب کا سوال اور مظاہر کا لکھا ہوا فتوی اور مدرسہ شاہی کا لکھا ہوا جواب سب پر نظر ثانی کی گئی، اور ہم نے اس سلسلے میں مرادآباد اور دہلی میں ذکر کردہ معاملات کی شکلیں اختیار کرنے والوں سے متعلق بڑے بڑے پلاٹنگ کرنے والوں سے رابطہ قائم کرکے اس کی مختلف صورتیں اور شکلیں معلوم کی ہیں، ہمارے جواب کے ذیل میں جس شکل اور نوعیت کے متعلق حکم شرعی لکھا گیا ہے وہ الحمد للہ صحیح ہے۔ فقط والسلام

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴ر شعبان ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۴۰۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۸/۸/۱۴ھ

ادھار خریدی ہوئی زمین میں مالک کی اجازت سے کھیتی کرنے کا حکم

سوال [۸۵۹۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: عامر کے پاس ایک زمین ہے، اب اس زمین کو عامر سے خالد نے تین لاکھ کے عوض میں خرید لیا؛ لیکن خالد نے عامر کو تین لاکھ کے بجائے ڈھائی لاکھ روپیہ پیمنٹ میں دے دیا اور پچاس ہزار روپئے روک لئے اور عامر نے اس ایک بیگہ زمین میں سے آدھا بیگہ نام کرادی خالد کے اور آدھا بیگہ رہنے دی؛ حالانکہ اس نصف بیگہ کے کچھ پیسے جا چکے ہیں، کچھ باقی ہیں، اب عامر نے خالد کو پوری زمین استعمال کے لئے دے دی ہے، تو کیا خالد کے لئے اس پوری زمین پر عامر کی اجازت سے کھیتی کرنا جائز ہے، جب کہ خالد نے ابھی کچھ پیسے نہیں دیئے ہیں؟

المستفتی: محمد عمر نیو ممبئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب تین لاکھ روپئے میں پوری زمین خرید لی ہے اور آدھے کی رجسٹری کردی اور باقی آدھے بیگہ کی رجسٹری کو پچاس ہزار کی ادائے گی کی وجہ سے موقوف رکھا گیا ہے؛ لیکن اس کا بھی قبضہ دے کر استعمال کی اجازت دے دی گئی ہے، تو خریدار کے لئے پوری زمین کو استعمال کرنا اس سے فائدہ اٹھانا بلا شبہ جائز اور درست ہے۔

فإن كان مؤجلا فلا يثبت حق الحبس؛ لأنه سقط بالتأجيل. (الفقه الإسلامي وأدلته، القسم الثالث العقود حق حبس المبيع أو احتباسه، هدى انٹرنیشنل دیوبند ٤/ ١٧٨)

وإن كان الثمن مؤجلا لم يكن له حق الحبس. (تاتارخانية، زكريا ديوبند ٨/ ٢٤٢، رقم: ١١٧٧٧) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲ ربیع الاول ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۰۱۸)

خرید وفروخت کی ایک شکل کا حکم

سوال [۸۵۹۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: زید کو ایک لاکھ روپیہ کی ضرورت ہے، عمرو اس کو قرض اس طرح دیتا ہے کہ ایک لاکھ روپیہ نقد کے بجائے ایک لاکھ روپیہ کی کوئی چیز دے گا اور وہ چیز ڈیڑھ لاکھ میں زید کو فروخت کرے گا اور زید ایک سال میں ڈیڑھ لاکھ روپیہ عمرو کو لوٹائے گا، تو کیا یہ سود ہے؟ کیا اس طرح کا حیلہ درست ہے؟

المستفتی: محمد زبیر، احمد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ میں جو طریقہ بیان کیا گیا ہے، وہ ہیر پھیر کا ہے۔ اور چیز کی فروختگی کی ظاہری شکل جو بیان کی گئی ہے وہ شکل تجارت کی ہے کہ زید کو عمرو نے قرض نہیں دیا؛ بلکہ شریعت کے مطابق عمرو نے زید کے ہاتھ سامان فروخت کیا ہے اور عمرو کو اختیار ہے کہ ایک لاکھ روپیہ کی قیمت کی چیز ڈیڑھ لاکھ میں فروخت کرے۔ اور سوال نامہ میں جو یہ کہا گیا ہے کہ زید ڈیڑھ لاکھ روپیہ لوٹا دے گا؛ اس لئے نہیں کہ زید نے ڈیڑھ لاکھ روپئے لئے؛ بلکہ ڈیڑھ لاکھ روپئے سامان کے عوض میں اس کی قیمت لوٹائے گا، اور اس طرح ادھار میں زیادہ قیمت کے ساتھ سامان کا فروخت کرنا جائز ہے۔

أن يأتي الرجل المحتاج إلى آخر ويستقرضه عشرة دراهم، ولا يرغب المقرض في الإقراض طمعا في فضل لاينا له بالقرض، فيقول: لا أقرضك، ولكن أبيعك هذا الثوب إن شئت باثنى عشر درهما، وقيمته في السوق عشرة ليبيعه في السوق بعشرة، فيرضى به المستقرض، فيبيعه كذلك، فيحصل لرب الثوب درهمان، وللمشتري قرض عشرة...... قال في الفتح: ولا كراهة فيه إلا خلاف الأولى. (شامي، كتاب البيوع، باب الصرف، مطلب في بيع العينه، كراچی ٥/ ٢٧٣، زكريا ٧/ ٥٤١، هندية، كتاب البيوع، الباب العشرون في البياعات المكروهة، زكريا قديم ٣/ ٢٠٨، جديد ٣/ ١٩٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/۱۱/۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۱۴۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۳/۱۱/۱۴۲۷ھ

خریدار پر دین مہر ادا کرنا لازم نہیں اور فروختگی کے بعد ورثاء کو حق اعتراض نہیں

سوال [۸۵۹۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسماۃ مقصود النساء نے اپنے بیٹے کی شادی کے وقت زر مہر معجّل مبلغ دوسو روپیہ زبانی اقرار دی، محمد جان نے زر مہر مبلغ دوسو روپیہ بذریعہ دستاویز اقرار نامہ ۲۶/جولائی ۱۹۱۲ء کو دو ثلث کوٹھہ محمد جان نے ۱۹۶۱ء میں انواری بیگم، کشوری بیگم کو فروخت کر دیا تھا، جو مہر شوہر پر واجب الاداء ہیں۔ دریافت طلب مسئلہ ہے:

(۱) اگر ورثاء رفیع النساء یہ مہر طلب کریں تو؟ (۲) آیا خریدار پر دین مہر ادا کرنا واجب ہے؟ (۳) نیز محمد جان نے جس وقت یہ دو ثلث کوٹھہ فروخت کیا تو ان کی اولاد جوان تھی، کسی نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔ فریدالدین پر مہر ادا کرنا واجب ہے کہ نہیں؟

المستفتی: یوسف خان، محلّہ چاہ غوری، امروہہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب خریدار نے مبیع کا ثمن ادا کر دیا ہے، تو خریدار سے احمد جان اور اس کے ورثاء وغیرہ کا کوئی تعلق نہیں رہا، نیز دین مہر خریدار پر لازم نہیں ہے؛ بلکہ شوہر کا چھوڑا ہوا مال ہو تو اس میں سے ادا کیا جائے گا، اگر مال نہیں ہے، تو کسی اور پر واجب نہیں ہوگا؟ نیز جب بوقت فروختگی جوان اولاد تھی، انہوں نے اس وقت دعویٰ نہیں کیا ہے، اب اتنی طویل مدت گذرنے اور مشتری کے تصرف کے بعد دعویٰ کا شرعاً کوئی اعتبار نہیں۔

لو باع عقارا وابنه أو امرأته حاضرة تعلم به وتصرف المشتري فيه زمانا، ثم ادعى الابن أنه ملكه؛ ولم يكن ملك أبيه وقت البيع اتفق مشايخنا على أنه لا تسمع مثل هذه الدعوة. الخ (البحرالرائق، كتاب الخنثى، مسائل شتى، كوئٹه ٨/ ٤٨٣، زكريا ٩/ ٣٥٤، تبيين الحقائق، إمداديه ملتان ٦/ ٢٢٢، زكريا

دیوبند ۷/ ٤٥٦، مجمع الأنهر، دارالکتب العلمیة بیروت ٤/ ٤٨٣، قدیم ٢/ ٧٣٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/ ذی قعدہ ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۳۵۸)

مکان کی فروختگی کی قیمت وصول ہونے کے بعد مالک کا کوئی حق باقی نہیں رہتا

سوال [۸۵۹۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: محمد جان ولد احمد بخش، محلّہ چاہ غوری امروہہ نے ایک کوٹھہ منجملہ ایک مکان جس میں ۱۹/ کڑی اور آگے کھپریل پڑی تھی، تقریباً ایک دس گز مربع یہ مکان محمد جان نے مسما تان کشوری بیگم، انوری بیگم کو بتاریخ ۱۱/ ۱۰/ ۱۶، جلد نمبر ۱/ جلد نمبر ۹۲۲، صفحہ نمبر: ۳۹۷/ ۳۹۱/ پر اندراج ہے، مبلغ چار سو روپیہ میں فروخت کر دیا، بوقت فروختگی محمد جان کی اولاد محمد نبی، محمد شیبہ، نسیم، فاطمہ جوان تھے، خریداری کے بعد دونوں مسما تان نے علیحدہ علیحدہ کوٹھے کی شکل میں دو کوٹھری بنوالیں، اب ہوتا یہ ہے کہ اس میں سے ایک کوٹھی نصف حویلی مسماۃ انوری بیگم نے ۸۲/ ۵/ ۱۸/ سکندری خاتون زوجہ یوسف خان کو مبلغ: ۴۵۰۰/ روپئے میں قطعی بیعانہ فروخت کر دیا، اس کے بعد نصف حصہ مسماۃ کشوری بیگم نے تاریخ ۸/ ۹/ ۱۲ کو مبلغ: ۲۰۰۰/ روپئے میں سکندری خاتون کو قطعی بیعانہ فروخت کر دیا، محمد جان یہ مکان ۱۹۶۱ء میں فروخت کرنے کے بعد تقریباً ۱۹۷۸ء میں مر گئے تھے۔ دریافت طلب مسئلہ ہے: (۱) محمد جان جو مکان ۶۱/ ۱۰/ ۱۷ کو فروخت کیا اور بعد میں انوری بیگم کشوری بیگم نے سکندری خاتون کو فروخت کیا، اس مکان میں سے محمد جان کی لڑکی نسیم فاطمہ سکندری خاتون سے تہائی طلب کرتی رہی ہے، آیا شرعاً سکندری خاتون کو اس میں سے تہائی دینا چاہئے یا نہیں؟

المستفتی: محمد یوسف خان محلّہ چاہ غوری، امروہہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ واقعہ کے سلسلے میں رمضان المبارک میں بہت

واضح سوال نامہ آیا تھا، نیز بہت سے مفتیان کرام کے دئے ہوئے جوابات بھی منسلک تھے، جو ہمارے رجسٹر میں درج ہیں، یہاں سے ۲۳؍رمضان المبارک ۱۴۰۷ھ میں سوال نامہ، اور اقرار نامہ کے مطابق مدلل ومبرہن جواب دیا جاچکا ہے، جس کا ۲۳/۲۵۴ ہے، پھر ۱۲؍محرم الحرام ۱۴۰۸ھ میں سائل کی طلب پر اقرار نامہ کی موافقت وانطباق کی تائید میں تصدیق نامہ بھی لکھا جاچکا ہے، جس کا ۲۳/۴۴۴ ہے، وہ سب کاغذات سامنے رکھے جائیں تو مزید فتویٰ کی ضرورت نہیں، تاہم موجود سوال نامہ زیادہ واضح بھی نہیں ہے، شرعی حکم یہی ہے کہ جب محمد جان نے مذکورہ مکان فروخت کردیا اور اس کا ثمن بھی وصول کرلیا تو بعد میں خود محمد جان اور اس کے ورثاء میں سے نسیم، فاطمہ وغیرہ کسی کو کسی طرح بھی اس مکان سے حصہ داری کا دعویٰ کرنا شرعاً ناجائز اور حرام ہے۔

فإذا حصل الإيجاب والقبول لزم البيع. (الجوهرة النيرة، كتاب البيوع، ملتان ۱/ ۲۲٦، دارالكتاب ديوبند ۱/ ۲۲۰، هداية، أشرفي ديوبند ۳/ ۲۰، تاتارخانية زكريا ۸/ ۲۲۲، رقم: ۱۱۷۱٤)

وفي البناية: مع شرط النفاذ وهو الملك أو الولاية لزم البيع، ولا خيار لواحد. الخ (بناية شرح هداية، قديم ۳/ ۱۱، جديد أشرفيه ديوبند ۸/ ۱۱)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵؍محرم الحرام ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۴٦۸)

والد کے مکان فروخت کرنے کے بعد اولاد کا دعویٰ معتبر نہیں

سوال [۸۵۹۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مقصود النساء زوجہ احمد بخش ساکن امروہہ محلّہ چاہ غوری دوسوستر گز میں ایک مکان چھوڑ کر مرگئی، اولاد میں مقصود النساء نے ایک لڑکا محمد جان اور ایک لڑکی صابرہ خاتون

چھوڑیں، اب ہوتا یہ ہے کہ محمد جان نے اپنے بڑے لڑکے کی شادی میں اپنی بہو انوری بیگم بنت فضل کریم خان کے نام ۶ - ۴۱ ؍گز زمین اور حویلی کا نصف حصہ مبلغ پانچ سو روپیہ میں بیعانہ کردیا، اس کے بعد تیس گز زمین سرپرست نابالغ محمد شبیہ کا بن کر محمد جان نے اسرار الحق کو 1.9.47 .... کے بذریعہ بیعانہ سے مسماۃ انوری بیگم زوجہ محمد نبی نے اور محمد جان نے اپنی زمین ساڑھے گیارہ گز ملا کر یہ بھی اسرار الحق کو...... 10.1.50 میں بیعانہ کردیا، اس کے بعد انوری بیگم زوجہ محمد نبی نے نصف حصہ حویلی 10.9.47 کے مالکانہ حقوق سے یہ بھی اسرار الحق کو 18.12.50 میں بیعانہ کردیا، اب یہ جائیداد فروخت کرنے کے بعد ایک سو دس ۱۱۰ گز جگہ تقریباً رہ گئی جس کو محمد جان نے کشوری بیگم انوری بیگم بنت فرحت اللہ کے ہاتھ بذریعہ بیعانہ مبلغ چار سو روپیہ میں جس کا بہی ا؍جلد: ۹۲۲ صفحہ نمبر ۳۹۱/۹۲/ ۱۳ اندراج رجسٹری ہے فروخت کردیا، اس میں سے ۵۵ ؍گز جگہ انوری بیگم زوجہ محمد شیبہ سے 18.5.82 کو بذریعہ بیعانہ مبلغ چار ہزار پانچ سو روپیہ میں سکندری خاتون نے خرید لی، ۵۵ ؍گز جگہ مسماۃ کشوری بیگم زوجہ محمد نبی سے 12.9.86 کو بذریعہ بیعانہ مبلغ ۱۲۰۰۰ ؍روپیہ میں سکندری خاتون نے خرید لی، نیز اس میں ایک ایک کوٹھہ دونوں مسماتان کا بنا ہوا ہے، صابرہ خاتون نے اپنی اولاد میں شیدا علی رضا علی مرتضی علی انوری بیگم، کشوری بیگم ولد فرحت اللہ چھوڑیں، محمد جان تقریباً 1978 میں مر گئے تھے، اور صابرہ خاتون تقریباً 1980 میں مرگئیں تھیں۔

دریافت طلب مسئلہ یہ ہے: (۱) صابرہ خاتون کی اولاد سکندری خاتون سے صابرہ خاتون کی تہائی کا حق مانگ رہی ہے، سکندری خاتون نے جو مسماتان انوری بیگم و کشوری بیگم سے محمد جان کا فروخت کیا ہوا مکان جو 1961 کے بیعانہ کے ذریعہ سے سکندری خاتون نے خرید کیا ہے، کیا اس میں سے شرعی طور صابرہ خاتون کے ورثاء کو تہائی ملے گی یا نہیں؟

(۲) اسرار الحق صاحب نے جو مکان بذریعہ بیعانہ محمد جان سے .10-18.1250 150-711-47 میں خرید کیا ہے اور یہ مکان پورا ایک تھا، تو اس میں سے اسرار الحق کو بھی تہائی دینی پڑے گی یا صرف سکندری خاتون کو ہی یہ تہائی دینی پڑے گی شرعی طور پر؟

المستفتی: یوسف چاہ غوری، امروہہ

سوال [۸۵۹۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بوقت انتقال مسماۃ مقصود النساء نے تقریبا دوسوسترہ گز زمین بنا ہوا ایک منزل مکان واقع محلّہ چاہ غوری امروہہ میں چھوڑا۔ اور مرتے وقت دو اولا د لڑکا محمد جان اور لڑکی صابرہ خاتون چھوڑیں، محمد جان نے یہ مکان قسطوں میں فروخت کردیا، صابرہ خاتون بوقت فروختگی اپنی تہائی کی دعویدار نہیں ہوئیں اور کبھی زندگی میں بھی اظہار نہیں کیا، اب یہ مکان جب کہ محمد جان نے کسی کوفروخت کیا اور جن لوگوں نے یہ مکان محمد جان سے خریدا تھا، انہوں نے کسی دوسرے اشخاص کوفروخت کردیا،اب صابرہ خاتون کی اولا دصابرہ خاتون کے مرنے کے بعد صابرہ خاتون کی تہائی طلب کررہی ہے، اولا دصابرہ خاتون کے نام شیدا علی، رضا علی، مرتضی علی، افسری بیگم، انوری بیگم، کشوری بیگم۔ دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ محمد جان تقریبا ۱۹۷۵ء اور صابرہ خاتون ۱۹۸۰ء میں مرگئے۔ (۱) آیا ان کوتہائی دی جائے گی یا نہیں؟ یہ تہائی کیا خریدار پر واجب الاداء ہے؟ (۲) محمد جان نے یہ مکان کسی کوفروخت کیا اوران خریداروں نے دوسرے اشخاص کوفروخت کردیا۔

المستفتی: یوسف خان چاہ غوری، امروہہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مختلف وجوہ کی بناپر صابرہ خاتون کی اولاد ورثاء کا دعوی قضاءً مسموع نہیں ہوگا۔(۱) محمد جان نے زندگی بھر مالکانہ تصرف کرتے ہوئے مختلف قسطوں میں فروخت کرڈالا اورصابرہ خاتون نے باوجود بلا جبر وخوف کے دعویٰ نہیں کیا، یہاں تک کہ محمد جان کا انتقال ہوگیا،تو بعد کا دعویٰ شرعاً مسموع نہیں ہوگا۔

رجل تصرف في أرض زمانا، ورجل أخر يرى تصرفه فيها، ثم مات المتصرف ولم يدع الرجل حال حياته، لا تسمع دعواه بعد وفاته. الخ

(شامي، کوئٹه ٥/ ٥٢٤، کراچی ٦/ ٧٤٢، زکریا ١٠/ ٤٦٧-٤٦٨)

(۲) صابرہ خاتون مدعیہ نے جب اپنی زندگی میں مطالبہ نہیں کیا،تو ان کی وفات کے بعد ورثاء کا دعویٰ شرعاً مسموع نہیں ہوگا۔

وفی الحامدية عن الولوالجية: رجل تصرف زمانا في أرض، ورجل آخر يرى الأرض والتصرف ولم يدع ومات على ذلك لم تسمع بعد ذلک دعوى ولده، فترک على يد المتصرف. الخ (شامي، كتاب الخنثى مسائل شتى، مطبوعه كوئٹه ٥/ ٥٢٤، كراچی ٦/ ٧٤٢، زكريا ١٠/ ٤٦٨)

(۳) جب بوقت فروختگی اعزہ واقارب سکوت اختیار کریں اور کسی قسم کا اقدام نہ کریں، تو بعد کا دعویٰ مسموع نہیں ہوگا۔

باع عقارا أو حيوانا أو ثوبا وابنه وامرأته أو غيرهما من أقاربه حاضر يعلم به، ثم ادعى الابن مثلا أنه ملكه لا تسمع دعواه. (الدرالمختار، كوئٹه ٥/ ٥٢٤، كراچی ٦/ ٧٤٢، زكريا ١٠/ ٤٦٧-٤٦٨، البحرالرائق، كوئٹه ٨/ ٤٨٣، زكريا ٩/ ٣٥٤، تبيين الحقائق، إمداديه ملتان ٦/ ٢٢٢، زكريا ديوبند ٧/ ٤٥٦، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٤٨٣، قديم ٢/ ٧٣٩)

(۴) اگر اجنبی بھی بوقت بیع وتسلیم مبیع خاموش رہے اور مشتری خرید کر اپنا تصرف شروع کردے، تو بعد کا دعوی قابل قبول نہیں ہوتا اور اسی پر فتویٰ بھی ہے۔

الأجنبي سكوته ولو جارا لا يكون رضا إلا إذا سكت الجار وقت البيع والتسليم، وتصرف المشتري فيه زرعا وبناء، فحينئذ لا تسمع دعواه على ما عليه الفتوى قطعا للأطماع الفاسدة. الخ (الدرالمختار، كوئٹه ٥/ ٥٢٥، كراچی ٦/ ٧٤٣، زكريا ١٠/ ٤٦٩-٤٧٠)

(۵) سوال نامہ سے ظاہر ہو رہا ہے کہ صابرہ خاتون نے بوقت بیع جبر وتشدد نہ ہونے کے باوجود کسی طرح کی پیشکش نہیں کی، جس کو ہبہ سکوتی بالقرائن کی دلیل قرار دیا جاسکتا ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۳/ ۴۶۹)

(۶) بیعانہ واقرار نامہ میں صاف وضاحت موجود ہے کہ ہر قسم کے موانع سے پاک وصاف ہے، جس کی تفصیل بیعانہ میں موجود ہے؛ لہٰذا ان تمام وجوہات کی بنا پر صابرہ خاتون کے ورثاء کا دعویٰ مخدوش اور غیر مسموع ہوگا۔ بالفرض اگر واقع میں صابرہ خاتون کا

حق تھا اور وہ مظلوم رہی ہے، جس کا کوئی ثبوت نہیں ہے، تو آخرت میں ملے گا، دنیا میں ورثاء کو دعویٰ کا حق نہیں ہوگا۔

قالوا: إن الحق لا يسقط بالتقادم كما في قضاء الأشباه، فلا تسمع الدعوى في هذه المسائل مع بقاء الحق للآخرة. الخ (شامي، مطبوعه كوئٹه ٥/ ٥٢٤، كراچی ٦/ ٧٤٣، زكريا ١٠/ ٤٦٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/صفر ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۵۳۵/۲۳)

والدہ کا حالت صحت میں اپنی جائیداد بیچنا

سوال [۸۵۹۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہماری والدہ کا ایک مکان ہے، وہ فروخت ہورہا ہے، ہمارے والد صاحب بھی حیات ہیں اور ایک ہم سے چھوٹا بھائی ہے اور چار بہنیں حیات ہیں، والدہ اس مکان کی قیمت میں سے ہمیں کچھ بھی دینا نہیں چاہتیں، تو کیا میں حق دار ہوں یا نہیں؟ شرعاً اولاد کو اس طرح محروم کردینا کیسا ہے؟

المستفتی: محمد ساجد شمسی، گوکل داس انٹر کالج طویلہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر آپ کی والدہ بحالت صحت وہوش وحواس صحیح ہونے کی حالت میں فروخت کررہی ہیں اور اس کی رقم کو اپنی مرضی سے کہیں بھی خرچ کردیتی ہیں تو شرعاً آپ کی والدہ کو اختیار ہے۔

المالک هو المتصرف في الأعيان المملوكة كيف شاء. (بيضاوي، رشيديه دهلي ١/ ٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳/شعبان ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۵۴۲۲/۳۳)

بائع کا زمین پر قبضہ دینے کے بعد اس کے ورثاء کا بیچنے سے انکار کرنا

سوال [۸۶۰۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے ایک پلاٹ خریدا، جس کا بیعانہ کرالیا اور پھر دوسرا پلاٹ اسی سے متصل اسی مالک سے خریداا وراصل مالک بکر نے اس پر قبضہ بھی کرادیا، یعنی اس کی حد بندی کرادی اس خرید وفروخت کا تحریری شکل میں کوئی ثبوت نہیں، ہاں بکر کے کچھ قریبی رشتہ دار جو اس ملکیت میں بھی شامل تھے، ان کو معلوم تھا کہ بکر نے یہ پلاٹ بھی زید کو دے دیا ہے، ابھی زید نے مکمل روپیہ ادا نہیں کیا تھا کہ بکر کا انتقال ہو گیا، انتقال کے بعد جب زید روپیہ لے کر بکر کی بیوی کے پاس پہنچا (کیوں کہ اولاد نہیں ہے) تو بکر کی بیوی نے کہہ دیا کہ ہم پلاٹ نہیں دیں گے، اب سوال یہ ہے کہ کیا اگر کچھ روپیہ بکر کی زندگی میں دے دیا گیا تھا، تو پلاٹ پر کس کا حق ہے؟ اور اگر اس پلاٹ کا روپیہ بالکل نہیں پہنچا تو کیا حکم ہے؟ یا اگر زید کے پاس گواہ ہیں، تو کیا مسئلہ ہوگا، اگر گواہ نہیں ہیں تو کیا مسئلہ ہوگا، بکر نے جو حد بندی کرائی تھی وہ آج بھی باقی ہے اور اسی شکل میں موجود ہے، جواب تحریر فرمادیں۔

المستفتی: محمد شاکر لکھیم پوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مسئولہ میں جب زید اور بکر میں ایجاب وقبول ہوگیا اور مالک بکر نے زید کو زمین پر قبضہ بھی دلادیا، تو اب زید زمین کا مالک بن گیا، خواہ اس نے پوری رقم بکر کو ادا کی ہو یا نہ کی ہو اور زمین بکر کی ملکیت سے نکل گئی؛ لہٰذا بکر کی وفات کے بعد اس کی بیوی کا یہ کہنا کہ ہم پلاٹ نہیں دیں گے بدمعاملگی وبدعہدی ہوگی؛ لہٰذا بقیہ پیسہ وصول کر کے رجسٹری کرادینی چاہئے، ورنہ بدمعاملگی ووعدہ خلافی کا گناہ ہوگا۔

إذا حصل الإیجاب والقبول لزم البیع. (هداية، كتاب البيوع، أشرفي ديوبند ٣/ ٢٠/ الجوهرة النيرة، إمداديه ملتان ١/ ٢٢٦، دارالكتاب ديوبند ١/ ٢٢٠،

تاتارخانية زكريا ۸/ ۲۲۲، رقم: ۱۱۷۱٤، ملتقى الأبحر دارالكتب العلمية بيروت ۳/ ۱۰)

وفي الهندية: إذا استوفى الثمن وسلم المبيع أو سلم بغير قبض الثمن الخ ليس له أن يسترده ليحبسه بالثمن. (هندية، الباب الرابع في حبس المبيع بالثمن الخ، زكريا قديم ۳/ ۱۵، جديد ۳/ ۱۸)

ولا يشترط القبض بالبراجم؛ لأن معنى القبض هو التمكين والتخلي وارتفاع الموانع عرفا وعادة وحقيقة. (بدائع الصنائع، زكريا ٤/ ۳٤۲)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۵۷۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۳/۴/۱۴۲۹ھ

کیا پھٹی بوریوں سے گرنے والا کھاد دوکان دار استعمال کرسکتا ہے؟

سوال [۸۶۰۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کھاد کی دوکان میں بہت سی بوریوں کے پھٹ جانے سے کھاد گرتا ہے اور بوریوں کے سلنے سے بھی کھاد گرتا ہے، جب دوکان بھاری جاتی ہے، تو دس بیس کیلو ہر قسم کا کھاد ملا کر جمع ہوجاتا ہے، تو اس کھاد کا استعمال صاحب دوکان کے لئے جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد ابوبکر، فیض آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر خریدار کو وزن کرکے دیا جاتا ہے تو جمع شدہ کھاد شرعاً دوکاندار کی ملکیت ہے جو عبارت ذیل سے مستفاد ہے:

إذا اجتمع للدهانين ما يقطر من الأوعية في إنائه، فإن كان يسيل من خارج الأوعية يطيب له؛ لأنه ليس للمشتري؛ لأن ما انفصل عنها لا يدخل

البيع، وإن سال من الداخل، أو من الداخل والخارج جميعا، أو لا يعلم ينظر . الخ (البحرالرائق، كتاب اللقطة، كوئٹه ٥/ ١٥٣، زكريا ديوبند ٥/ ٢٥٧، هندية، زكريا قديم ٢/ ٢٩٣، جديد ٢/ ٣٠٢، فتاوى قاضي خان، جديد زكريا ٣/ ٢٨٢، وعلى هامش الهندية، زكريا ٣/ ٣٩٣، تاتارخانية، زكريا ٧/ ٤٢٠، رقم: ١٠٧٩٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۷۱۸)

دوکاندار کا کم قیمت لینا

سوال [۸۶۰۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص بازار میں کچھ خریداری کرنے کے واسطے گیا اور اس نے مثلاً ایک سو روپیہ کا سودا خریدا، تو دوکاندار نے اسے ایک روپیہ واپس کردیا، یعنی ننانوے روپئے کاٹے، ایک روپئے کی چھوٹ کردی، تو اس چھوٹ کو کیا کہیں گے، یہ ایک روپیہ چھوٹ کا جائز بھی ہے یا نہیں؟ اسی طرح اگر کوئی ایک ہزار روپیہ کا سودا خریدے تو اسے دوکاندار دس روپیہ چھوٹ کر دیتا ہے، چاہے وہ ادھار خریدے چاہے نقد، بہت سے لوگ اسے سود اور بیاج کہتے ہیں، کیا یہ صحیح ہے؟ برائے مہربانی اس کا جواب مکمل ومدلل ومفصل نوازیں، عین نوازش ہوگی۔

المستفتی: محمد آصف ہلدوانی، پان بھنڈار لین ۷؍ آزادنگر، ضلع نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: سوال نامہ میں درج شدہ طریقے سے بیچنے والے کا ثمن میں کمی کردینا شرعاً جائز اور درست ہے، وہ سود نہیں ہے۔

ويجوز للبائع أن يزيد للمشتري في المبيع، ويجوز أن يحط عن الثمن . الخ (هداية، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، اشرفي ديوبند ٣/ ٧٥)

والحط منه، أي صح حط البائع بعض الثمن ولو بعد هلاک المبيع.
الخ (مجمع الأنهر، باب المرابحة والتولية، فصل في بيان البيع قبل قبض المبيع، قديم ۳/ ۸۱، جديد دارالكتب العلمية بيروت ۳/ ۱۱۵، درمختار كراچى ۵/ ۱۵۴، زكريا ۷/ ۳۷۹)
فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰/ رجب المرجب ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۸۲۰)

قصاب کا چرم قربانی بازاری بھاؤ سے کم قیمت پر خریدنا

سوال [۸۶۰۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بقرعید کے موقع پر چرم قربانی میں ایسا ہوتا ہے کہ، جولوگ قربانی کرنے والے ہوتے ہیں، ان سے قریشی حضرات جومزدوری پر گوشت نکالنے والے ہوتے ہیں، اپنی مزدوری کم طے کرتے ہیں، اس لالچ میں کہ اس قربانی کے جانور کا چمڑا تھوڑے روپئے میں مالک لوگوں سے خرید لیں گے باوجود کہ ان قریشیوں کو پتہ ہوتا ہے کہ اس چمڑے کی قیمت زیادہ ہے؛ لیکن قربانی کرنے والوں سے تھوڑے پیسے میں خرید لیتے ہیں، جس سے غریب محتاج اور مدارس دینیہ کا بہت بڑا نقصان ہوتا ہے، آیا چمڑا اس طرح خریدنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد احمد ٹھاکردوارہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب مالک کم پیسہ میں فروخت کرر ہا ہے، تو قصاب کو کم پیسہ میں لینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

البيع ينعقد بالإيجاب والقبول إذا كانا بلفظى الماضي. (وقوله:) رضيت بكذا، وأعطيتک بكذا. الخ (هداية، كتاب البيوع، أشرفي ديوبند ۳/ ۱۸،

الجوهرة النيرة، إمداديه ملتان ١/ ٢٢٥، دارالكتاب ديوبند ١/ ٢١٩، تاتارخانية، زكريا ٨/ ٢١٢-٢١٣، رقم: ١١٦٧٢-١١٦٧٣، ملتقى الأبحر، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ٤)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍ ذی الحجہ ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۷۷۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴/۱۲/۲۵ھ

زائد قیمت کے چاول کے ساتھ کم قیمت والے چاول بیچنا

سوال [۸۶۰۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے عمر کو دس کوئنٹل چاول بیچے، جس میں ایک کوئنٹل کی قیمت ۹۰۰؍ روپئے ہیں، اور عمر نے ان دس کوئنٹل چاولوں کے اندر پانچ کوئنٹل چاول ملائے جن کی قیمت پانچ سو روپئے کوئنٹل ہے اور زید کو چاول فروخت کرتے وقت یہ بھی معلوم ہے کہ عمر ان چاولوں کو ملا کر بیچے گا، تو کیا زید کے لئے یہ چاول بیچنا صحیح ہے یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں مفصل ومدلل جواب تحریر فرمائیں۔ فقط

المستفتی: ظہیر الاسلام، متعلم مدرسہ رحمانیہ ٹانڈہ بادلی، ضلع رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: زید کا عمر کے ہاتھ یہ جانتے ہوئے فروخت کرنا کہ وہ اس چاول میں ردی قسم کا چاول ملا کر اعلیٰ قسم کا ظاہر کر کے فروخت کرے گا، تو یہ زید کے لئے شرعاً جائز ہے، زید پر کوئی الزام نہیں؛ بلکہ گنہگار عمر ہی ہوگا؛ کیوں کہ فاعل مختار عمر ہے نہ کہ زید۔

ولا معصية فيه وإنما المعصية بفعل المستاجر وهو مختار، فينقطع نسبته عنه. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، زكريا ٩/ ٥٦٢، كراچی ٦/ ٣٩٢)

إذا اجتمع المباشر والمتسبب أضيف الحكم إلى المباشر. الخ
(الأشباه والنظائر، قديم، ص: ٢٣٧) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲ ؍رجب المرجب ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/۱۳۳۶)

کرایہ دار کے مکان خالی نہ کرنے پر اسی کے ہاتھ کم قیمت پر بیچنا

سوال [۸۶۰۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید، بکر کا مکان کرایہ پر لیتا ہے اور یہ شرط طے پاتی ہے، کہ جب آپ کو ضرورت ہوگی تو خالی کردوں گا، چند سال بعد جب بکر زید سے مکان خالی کرنے کو کہتا ہے تو بکر دو تین سال بعد خالی کرنے کو کہتا ہے اور عذر یہ کرتا ہے کہ میں نے زمین لے لی ہے، اس کو بنالوں گا پھر آپ کا مکان خالی کردوں گا؛ لیکن اس میعاد کے بعد بھی وہ خالی نہیں کرتا اور مکان مالک کا انتقال ہوجاتا ہے، اس کے بعد اس کے وارث پھر مکان خالی کرنے کو کہتے ہیں اور زید خالی کرنے کو راضی نہیں ہوتا۔ اور مجبوراً اس کے وارث اس مکان کو بیچنے کا ارادہ کرتے ہیں؛ لیکن کوئی گاہک اس کو اس حال کے ساتھ کہ اس میں کرایہ دار کا قبضہ ہے، راضی نہیں ہوتا اس وجہ سے مجبوراً مکان زید ہی کے ہاتھ فروخت کرنا پڑتا ہے اور قیمت بھی قبضہ کے دباؤ میں اصل قیمت سے کافی کم طے ہوتی ہے، اس حال میں یہ خرید وفروخت کیسا ہے؟ شریعت کی روشنی میں مطلع فرمائیں، عین نوازش ہوگی۔

المستفتی: مختار حسین مقبرہ روڈ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اس طرح دباؤ میں آکر اگر کرایہ دار کے ہاتھ کم قیمت میں فروخت کرتا ہے تو شرعاً خرید وفروخت صحیح ہوجائے گی؛ لیکن کرایہ دار سخت ترین گنہگار بھی ہوگا؛ اس لئے کہ اس نے غیر کی ملکیت کو اس کی مرضی کے خلاف بکوایا ہے۔

عن عمر بن يحيى المازني عن أبيه، أن رسول الله ﷺ قال: لا ضرر

ولا ضرار. (مؤطا إمام مالك، كتاب القضاء، القضاء في الرفق، أشرفی دیو بند/ ۱ ۱ ۳)

لا ضرر ولا ضرار. الخ (قواعد الفقه، أشرفي ديوبند ١٠٦، شرح المجلة، اتحاد بك ڈپو ديوبند ١/ ٢٩، المادة: ١٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ / صفر ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۵۵۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۰/ ۲/ ۱۴۱۲ھ

کتے کے جھوٹے آٹے کی بیع کا حکم

سوال [۸٦۰٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کتے نے آٹے کو جھوٹا کر دیا، اب اس آٹے کو بیچ کر اس روپیہ سے دوسرا آٹا یا اور کوئی چیز خرید کر کھانا جائز ہے یا نہیں؟ نیز کتے کا جھوٹا فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: تجمل حسین مدھوبنی، متعلم مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: جہاں پر کتے نے منہ لگایا وہاں سے الگ کر کے باقی آٹا کھانے کے کام میں لگانا جائز اور درست ہے۔ اور جس حصہ پر منہ لگایا ہے، اس کو فروخت کر کے اس کے پیسہ سے دوسرا آٹا خرید کر کھانا بھی جائز ہے، مگر احتیاط کی بات یہ ہے کہ خریدار سے بتلا دے کہ خود کھانے کے علاوہ دوسرے کام میں لائے۔

المخلوط من العذرة بالتراب بمنزلة زيت خالطته النجاسة حيث يجوز بيعه والانتفاع به كالاستصباح ونحوه. الخ (بناية، كتاب الكراهية، فصل في البيع، قديم ٤/ ٢٥٦، جديد أشرفيه ديوبند ١٢/ ٢٠١، شامي، زكريا ٩/ ٥٥٢، كراچی ٦/ ٣٥٨، الموسوعة الفقهية الكويتية ٤٠/ ١٠٢، المحيط البرهاني، المجلس العلمي بيروت ٨/ ١٠٢، رقم: ٩٦٨٧، تاتارخانية، زكريا ١٨/ ٢٣٥، رقم: ٢٨٦١٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/ محرم ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۸۳۳)

اولاد نے والد کے ساتھ رہ کر جو کمائی کی وہ کس کی ملک ہے؟

سوال [۸۶۰۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں ایک مکان کا مالک تھا، اس مکان کو میرے دولڑکوں نے میری مرضی سے فروخت کردیا اور اس پیسہ سے دوسرا مکان دونوں لڑکوں نے اپنے نام سے خرید لیا، اب اس مکان میں میرا اور میری بیوی ولڑکی کا حصہ نکلتا ہے؟ ازروئے شرع تحریر فرمائیں، نیز باپ بیٹے سب ایک ساتھ رہتے تھے اور سب باپ کے زیر تحت تھے۔

المستفتی: حمید اللہ سنبھل، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: جب دونوں لڑکے آپ کے زیر تحت رہ کر کام کرتے ہیں، تو آپ کی اور دونوں کی ساری کمائی شرعاً آپ کی ملکیت میں ہوگی، اگرچہ لڑکوں نے خریدتے وقت اپنا نام کرالیا ہو شرعاً اس میں آپ کے بعد آپ کے تمام ورثاء کا حق شامل ہوگا۔ اور زندگی میں آپ خود مالک ہیں۔

والأب وابنه يكتسبان في صنعة واحدة ولم يكن لهما شيء، فالكسب كله للأب إن كان الابن في عياله؛ لكونه معينا له. الخ (شامي، كتاب الشركة، فصل في الشركة الفاسدة، مطلب اجتهاد في دار واحدة واكتسبا الخ، كراچی ٤/ ٣٢٥، زكريا ٦/ ٥٠٢، هندية، الباب الرابع في شركة وجوه وشركة الأعمال، زكريا قديم ٢/ ٣٢٩، جديد ٢/ ٣٣٢)

إذا عمل رجل في صنعة هو وابنه الذي في عياله فجميع الكسب لذلك الرجل، وولده يعد معينا له، وكذا إذا أعانه ولده الذى في عياله عند غرسه شجرة، فتلك الشجرة للأب لا يشاركه ولده فيها. (شرح المجلة، اتحاد بكڈپو ديوبند ٢/ ٤٧١، رقم: ١٣٩٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶ ربیع الاول ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۶۰۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۶/ ۳/ ۱۴۱۲ھ

دودھ کی بالائی مشین کے ذریعہ نکال کر فروخت کرنا

سوال [۸۶۰۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے یہاں دودھ میں سے بالائی نکالنے کا کاروبار ہے، اس کی صورت یہ ہے کہ دودھ والے ہمارے پاس اپنا دودھ لے کر آتے ہیں اور ہم اس دودھ سے مشین کے ذریعہ بالائی نکال لیتے ہیں۔ اور اس کی قیمت دودھ والوں کو ادا کردیتے ہیں، اس کے بعد وہ لوگ اپنا دودھ واپس لے جاتے ہیں اور وہ لوگ اس دودھ کو کسی بھی طرح استعمال کریں اس سے ہمیں کوئی مطلب نہیں، تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ آیا اس طرح بالائی نکال کر اس کو فروخت کرنا یا اور کوئی مکھن وغیرہ بنا کر فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: زاہد علی ولد محمد جابر علی ہوٹل والے بڑی مسجد کے پاس محلّہ کھتاڑی رامنگر، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دودھ کی بالائی مال متقوم اور مال مرغوب فیہ ہے، اس کو مشین کے ذریعہ الگ کر کے خریدنا اور فروخت کرنا شرعاً جائز اور درست ہے، اس میں کوئی گناہ نہیں ہے۔

ما من شأنه أن ترغب إليه النفس، وهو المال. البيع لغة مبادلة شيء مرغوب فيه بمثله. الخ (شامی، كتاب البيوع، مطلب في تعريف المال والملك، كراچی ٤/ ٥٠٢، زكريا ديوبند ٧/ ١١-١٢)

ہاں البتہ دودھ والوں پر لازم ہے کہ بالائی نکالے ہوئے دودھ کو فروخت کرتے وقت خریدار کے سامنے صاف طور پر ظاہر کردیں کہ اس دودھ میں سے بالائی نکال لی گئی ہے۔ اور اگر دودھ والے بوقت فروختگی اس کا اظہار نہ کریں تو عنداللہ سخت گنہگار اور دھوکہ باز ثابت ہوں گے۔ اور خریدار کو واپس کرنے اور رجوع بالنقصان کا حق حاصل ہوگا۔

عن أبي هريرة -رضي الله عنه- قال: نهى رسول الله ﷺ عن بيع الغرر. الحديث (مسلم شريف، كتاب البيوع، باب بطلان بيع الحصاة والبيع الذي فيه غرر، النسخة الهندية ٢/ ٢، بيت الأفكار، رقم: ١٥١٣)

عن عقبة بن عامر –رضي الله عنه– قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول: المسلم أخو المسلم، ولا يحل لمسلم باع من أخيه بيعا فيه عيب إلا بينه له. (سنن ابن ماجة، أبواب التجارات، باب من باع عيبا فليبينه، النسخة الهندية/ ۱۶۲، دارالسلام، رقم: ۲۲۴۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍شعبان ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۲۳۲۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۱/۸/۲ھ

فوٹو فریم بنا کر فروخت کرنا

سوال [۸۶۰۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: فریم بنانا جائز ہے یا نہیں؟ چونکہ اگر میں یہ کام کرنا چاہوں تو ہر طرح کے اچھے برے یعنی فوٹو وغیرہ بھی لوگ فریم کرائیں گے، اس کے بارے میں تشفی کرنی ہے۔ فقط

المستفتی: محمد تحسین سہس پوری، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر آپ کا ارادہ فوٹو کی خصوصیت کا نہیں ہے یا صرف جائز چند چیزوں کے لئے ہے، تو "**الأمور بمقاصدها**" کے تحت یہ کام جائز ہے، بعد میں جو لوگ جائز کام میں استعمال کریں ان کے لئے جائز اور جو ناجائز کام میں استعمال کریں ان کے لئے ناجائز، آپ پر کوئی گناہ نہیں۔

القاعدة الثانية: الأمور بمقاصدها...... وذكر قاضيخان في فتواه: أن بيع العصير ممن يتخذ خمرا إن قصد به التجارة فلا يحرم، وإن قصد به لأجل التخمير حرم، وكذا غرس الكرم على هذا. الخ (الأشباه والنظائر قديم، ص: ۵۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍صفر ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/۴۹۳)

غیر مسلم کو قرآن شریف فروخت کرنے کا حکم

سوال [۸۶۱۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: قرآن پاک کوکبھی کبھی ہندوفروخت کرتا ہے اور وہ پاک ہے یا ناپاک ہے، کچھ نہیں کہا جاسکتا ہے؛ لہٰذا اس کے بارے میں شرعی مسئلہ کیا ہے؟ حدیث وقرآن کی روشنی میں وضاحت فرمائیں۔اور مسلم پرسنل لاء کی طرح اس پر بھی عمل ہوجائے تو بہت اچھا ہوگا۔

المستفتی: محمد طاہر انصاری، گرام وپوسٹ بڑامدن

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر غیر مسلم تاجر قرآن کریم کی عظمت اپنے دل میں رکھتا ہو اور قرآن کریم کو غسل یا وضو کرکے پکڑتا ہو، ورنہ غلاف سے پکڑتا ہو تو اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہے،اس کو امام محمدؒ نے جائز قرار دیا ہے۔

قال الله تعالى: لَا يَمَسُّهُ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ. [الواقعة: ۷۹]

ويمنع النصراني (في الشامية، في بعض النسخ: الكافر) من مسه وجوزه محمد إذا اغتسل. الخ (درمختار مع الشامي، كتاب الطهارة، قبيل باب المياه، كوئٹه ۱/ ۱۱۹، كراچی ۱/ ۱۷۸، زكريا ديوبند ۱/ ۳۲۱)

لا يمس المصحف (الكافر) ما لم يغتسل، وهذا قول محمد. (حلبي كبير، أشرفيه ديوبند/ ۴۹۷)

لیکن قرآن کریم کو بے حرمتی سے محفوظ رکھنا ہم پر ضروری ہے؛اس لئے جب بھی بے حرمتی کا خطرہ ہوگا تو کافر کو اس سے روکا جائے گا اور مسلم پرسنل لاء کو بھی اس وقت آواز اٹھانی ہوگی۔

عن عبدالله بن عمر –رضي الله عنه– عن رسول الله ﷺ أنه كان ينهى أن يسافر بالقرآن إلى أرض العدو مخافة أن يناله العدو. الحديث. وتحته في الشرح: فيه النهي عن المسافرة بالمصحف إلى أرض الكفار

للعلة المذكورة في الحديث، وهي خوف أن ينالوه فينتهكوا حرمته.

(صحيح مسلم مع الشرح، كتاب الأمارة، باب النهي أن يسافر بالمصحف إلى أرض الكفار، النسخة الهندية ۲/ ۱۳۱، بيت الأفكار، رقم: ۱۸٦۹)

والحاصل: مما سبق أن وقوع المصحف بأيدى الكفار إنما يمنع منه إذا خيف منهم إهانته، أما إذا لم يكن مثل هذا الخوف فلابأس بذلك.

(تكملة فتح الملهم، مسألة تعليم الكافر القرآن، أشرفيه ديوبند ۳/ ۳۸٦)

وتكره المسافرة بالقرآن الكريم إلى دارالحرب صونا عن وقوعه في أيدي الكفرة واستخفافه. (البحرالرائق، باب الحيض، كوئٹه ۱/ ۲۰۲، زكريا ۱/ ۳۵۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍رمضان المبارک ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۲۲۷)

آیاتِ قرآنیہ والے کیلنڈر غیر مسلم کو فروخت کرنے کا حکم

سوال [۸٦۱۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: گزارش خدمت عالیہ میں یہ ہے کہ کیلنڈر کے اندر جو کلام پاک کی آیت لکھ کر اسکو ہندو اور مسلمان دونوں فروخت کرتے ہیں، اس کو اس طرح فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر ناجائز ہے تو اس پر بھی کیوں نہیں مسلم پرسنل لاء کی طرح پابندی لگائی جاتی، حضور والا سے گزارش ہے کہ جلد از جلد جواب سے نوازیں گے۔

المستفتی: محمد طاہر انصاری پوسٹ بڑامدن

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر غیر مسلم کے دل میں قرآن کریم کی عظمت ہو اور اس کی طرف سے اس بات کا اطمینان ہو کہ وہ اس کی بے ادبی اور بے حرمتی نہیں کرے گا، اور وہ

غسل یا وضو کر کے پکڑتا ہے، تو اس کے لئے اس کی گنجائش ہے۔ اور غیر مسلم کا غسل و وضو شرعاً معتبر ہے، جب کہ ارکان غسل و وضو ادا کر کے غسل یا وضو کرے۔

كما في البحر: لعدم اشتراط النية في الوضوء، لايبطل وضوءه. الخ

(البحرالرائق، كتاب الطهارة، باب التيمم، کوئٹه ۱/ ۱۵۱، زكريا ۱/ ۲٦٤)

اور کیلنڈر وغیرہ میں آیات کا حصہ زیادہ ہو تو بھی مسلم و غیر مسلم سب کے چھونے کے لئے طہارت ضروری ہے۔

كما في الشامي: الأظهر والأحوط القول الثالث، أي كراهته في التفسير دون غيره لظهور الفرق، فإن القرآن في التفسير أكثر منه في غيره، وذكره فيه مقصود استقلالا لا تبعا فشبهه بالمصحف أقرب من شبهه بقية الكتب. الخ (شامي، كتاب الطهارة، قبيل باب المياه، نعمانيه ۱/ ۱۱۹، کراچی ۱/ ۱۷۷، زكريا ديوبند ۱/ ۳۲۰) **فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍رمضان ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۲۲۷)

سرکار کی طرف سے بینڈ شدہ کتاب کی فروختگی کا حکم

سوال [۸٦۱۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں کتابوں کا کاروبار کرتا ہوں، جس میں کچھ کتابیں ایسی ہیں جن کو ہمارے ملک میں بیچنے کی اجازت نہیں۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا میں ان کتابوں کو بلیک کر سکتا ہوں؟

المستفتی: محمد عمران ارشد میرٹھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: بلیک کرنے سے آمدنی حرام نہیں ہوتی؛ لیکن جان و مال کے تحفظ کے خاطر ایسے کاروبار کا نہ کرنا ہی بہتر ہے۔

قال الله تعالىٰ: وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ. [البقرة: ۱۹۵]

طاعة الإمام فيما ليس بمعصية فرض. (درمختار، كتاب الجهاد، باب البغاة، مطلب في وجوب طاعة الإمام، زكريا ٦/ ٤١٦، كراچی ٤/ ٢٦٤)

أن الرجل يمنع من التصرف في ملكه إذا كان تصرفه يضر بجاره ضررا فاحشا؛ لأن درء المفاسد عن جاره أولى من جلب المنافع لنفسه. (شرح المجلة، اتحاد بکڈپو دیوبند ۱/ ۳۲، رقم المادة: ۳۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴ / ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۰۱۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۴/۱۴ھ

مسلم شخص کا غیر مذہبی فوٹو کی کتابیں فروخت کرنا

سوال [۸۶۱۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: دریافت طلب امر یہ ہے کہ مسلمان دوکاندار اپنی دوکان پر غیر مذہبی کتابیں جن میں فوٹو بھی ہوں فروخت کرسکتا ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا

المستفتی: قاری حسیب الرحمٰن سیوہارہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر فوٹو کی بیع مقصود نہ ہو تو غیر مذہبی کتابوں کی فروختگی میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی، قدیم ۹/ ۲۳۵، جدید زکریا مطول ۱۱/۱۱۲)

إنما تحصل المعصية بفعل فاعل مختار -إلى قوله- وإنما المعصية بفعل المستاجر وهو مختار، فينقطع نسبته عنه فصار كبيع الجارية ممن لايستبرئها أو يأتيها من دبر، وبيع الغلام من لوطي. الخ (شامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، زكريا ٩/ ٥٦٢، كراچی ٦/ ٣٩٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱ / ربیع الاول ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۷۱۹)

لہو ولعب کی چیزیں بنانے اور بیچنے کا حکم

سوال [۸۶۱۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) وہ تمام اشیاء جو مسلمان بچے لہو ولعب کے طور پر استعمال کرتے ہیں، ان کا بنانا اور خریدنا کیسا ہے؟ مثلاً پتنگ، ڈمرو وغیرہ حرام ہے یا مکروہ یا حلال؟

(۲) وہ تمام اشیاء جو غیر مسلموں کے بچے بطور لہو ولعب استعمال کرتے ہیں، ان کا بنانا کیسا ہے؟ مثلاً گھنٹی ہے جو غیر مسلم کے بچے استعمال کرتے ہیں، ان کا بنانا درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: جمیل احمد قاسمی، بستوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ اشیاء کا بنانا اور ان کی تجارت اور خرید وفروخت حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جائز ہے؛ اس لئے کہ معصیت کا تعلق فاعل مختار کے فعل کے ساتھ ہوا کرتا ہے، اور حضرت امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک تعاون علی المصعیۃ کی وجہ سے ناجائز ہے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ. [المائدة: ٢]

وجاز تعمير كنيسة وحمل خمر ذمي بنفسه، أو دابته بأجر، وتحته في الشامية: إنما تحصل المعصية بفعل فاعل مختار. الخ (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، زكريا ٩/ ٥٦٢، كراچی ٦/ ٣٩١)

من حمل لذمي خمرا بأجر طاب له عنده، وعندهما يكره للإعانة. (الدرالمنتقى، كتاب الكراهية، قديم ٢/ ٥٢٩، جديد دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ١٨٦-١٨٧)

لہٰذا احتیاط اس میں ہے کہ ان چیزوں سے اپنے آپ کی حفاظت کریں۔

(۲) تعاون علی المصعیۃ کی وجہ سے درست نہیں ہے۔ کما مر۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ محرم الحرام ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۲۰۹۳)

مانجھے کی آمدنی کا حکم

سوال [۸۶۱۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید مانجھے کا کام کرتا ہے، آیا مانجھے کی کمائی جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر اس کمائی کے پیسہ سے زید ولیمہ کرے یا نذر ونیاز کرے تو اس کے یہاں کھانا جائز ہے یا نہیں؟ اور اس کا نذر ونیاز کرنا قبول بارگاہ ہوگا یا نہیں؟

المستفتی: لیاقت حسین فلاح عام سوسائٹی بلاری، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مانجھے فی نفسہ ممنوع نہیں؛ البتہ مانجھے کے ڈورے سے جو امر ممنوع کا ارتکاب کرے گا وہی گنہگار رہوگا؛ اس لئے مانجھے کی آمدنی حرام نہ ہوگی۔

إنما تحصل المعصية بفعل فاعل مختار. الخ (شامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، زكريا ۹/ ۵٦۲، کراچی ٦/ ۳۹۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸ر محرم الحرام ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۱۴۰)

پوجا پاٹ اور نذر ونیاز میں استعمال ہونے والی اشیاء کی خرید وفروخت کا حکم

سوال [۸٦۱٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ۱۹۰۵ء میں ہمارے پرنانا نے ایک دوکان، قرآن دینی کتابیں عطر وغیرہ کی کھولی، پھر اس دوکان کو ہمارے نانا جو سند یافتہ وکیل ہیں، انہوں نے سنبھالا وکالت کا عہدہ؛ اس لئے قبول نہیں کیا کہ اس میں جھوٹ بولنا پڑے گا، دوکان میں آہستہ آہستہ شرک وبدعات کی چیزیں یعنی مندروں میں مورتیوں کے پوجا پاٹ کے لئے استعمال ہونے والی اشیاء (ہلدی،

گنگوتم، سندور، گلاب وغیرہ) اسی طرح درگاہوں اور تعویذات، منتروں کے لئے استعمال کی جانے والی چیزوں (ڈوریاں، تختیاں وغیرہ) کی بھی خرید وفروخت شروع ہوئی، اس وقت دوکان نانا کے بیٹوں (ماموں) کے ہاتھ میں ہے، تجارت بڑھ گئی ہے، تقریباً ۱۵/آدمی کام کرتے ہیں، اصل تجارت اس وقت دوکان میں شرک وبدعات کے لئے استعمال ہونے والی چیزیں ہی ہیں، قرآن، دینی کتابیں، عطر وغیرہ کی تجارت بھی ہے، مگر برائے نام بہت کم، معلوم یہ کرنا ہے کہ ایسی دوکان چلانا جس سے شرک و بدعات کوتقویت پہنچتی ہو (جب کہ یہی ایک دوکان ہی ذریعہ معاش نہیں؛ بلکہ دوسری اچھی تجارت کپڑے کی بھی ہے؛ اس سے اچھی آمدنی ہورہی ہے، ایسی دوکان کا چلانا کیسا ہے؟ کیا دوکان کے کاروبار کو بند کردیں، دوسری تجارت کریں جو بھی شریعت کا حکم ہو تحریر فرمادیں۔

المستفتی: محمد طارق، رحمت پالہ ویلور، تمل ناڈو

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ میں جن چیزوں کی فروختگی کا ذکر کیا گیا ہے وہ چیزیں دوسرے کاموں میں بھی آسکتی ہیں؛ لہٰذا ان چیزوں کا فروخت کرنا فی نفسہٖ جائز اور درست ہے۔ اور دوکانوں سے خرید کر جو لوگ غلط جگہ استعمال کریں گے وہ خود گنہگار ہوں گے۔ اور جو لوگ غلط جگہ استعمال نہ کرکے صحیح اور جائز جگہ استعمال کریں گے، ان پر کوئی گناہ نہ ہوگا؛ اس لئے بیچنے والے تاجروں پر کوئی وبال نہیں اور سارا وبال غلط استعمال کرنے والوں کے سر پر ہوگا۔ اور مذکورہ دوکانوں کی آمدنی جائز اور درست ہوگی، ہاں اگر دوکاندار خود غلط جگہ استعمال کرنے میں شریک ہوتا ہے اور دوسروں کو ترغیب دیتا ہے، تو دوکاندار بھی گنہگار ہوگا، مگر پیسہ بہرحال حلال ہوگا۔

لایکره بیع الزنانیر من النصراني والقلنسوة من المجوسي؛ لأن ذلک إذلال لهما. (شامي، کتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغیره، زکریا ۹/ ۵۶۲، کراچی ۶/ ۳۹۲، هندیة، زکریا قدیم ۵/ ۳۴٦٤، جدید ۵/ ۴۰۱، مجمع الأنهر،

مصري قديم ٢/ ٥٣٠، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ١٨٨، تبيين الحقائق، مكتبه إمداديه ملتان ٦/ ٢٩، زكريا ٧/ ٦٤-٦٥)

وجاز بيع عصير عنب ممن يعلم أنه يتخذه خمرا؛ لأن المعصية لا تقوم بعينه بل بعد تغيره. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره، زكريا ٩/ ٥٦٠-٥٦١، كراچی ٦/ ٣٩١، تبيين الحقائق، زكريا ٧/ ٦٣، إمداديه ملتان ٦/ ٢٩، الأشباه والنظائر، قديم، ص: ٥٣)

وجاز إجارة بيت بسواد الكوفة ...... لا بغيرها على الأصح ...... ليتخذ بيت نار، أو كنيسة، أو بيعة، أو يباع فيه الخمر، وتحته في الشامية: هذا عنده أيضا؛ لأن الإجارة على منفعة البيت، ولهذا يجب الأجر بمجرد التسليم، ولا معصية فيه، وإنما المعصية بفعل المستاجر، وهو مختار، فينقطع نسبته عنه. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره، زكريا ٩/ ٥٦٢، كراچی ٦/ ٣٩٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍شعبان ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۶۹۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۸/۲ھ

پوجا میں استعمال ہونے والے پیتل کے چراغ بنانا

سوال [۸۶۱۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے یہاں شہر میں پیتل کے ظروف کا کاروبار ہوتا ہے، چراغ بھی پیتل کے بنائے جاتے ہیں، یہ چراغ عموماً ہندو صاحبان اپنی پوجا کے کام میں لاتے ہیں، کبھی کبھی ان سے چراغاں یا آرائش کا کام بھی لیا جاتا ہے، یہ تحریر فرمائیے کہ پیتل کے چراغ بنا کر فروخت کرنا جائز ہے یا ناجائز؟ چراغوں کے کام سے کمائی ہوئی دولت حلال ہوگی یا حرام؟

المستفتی: حکیم محمد مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر پوجا کے علاوہ دوسرے جائز کام میں بھی مستعمل ہوتا ہے اور محض اپنی تجارت کی غرض سے فروخت کیا جاتا ہے، تو ''**الأمور بمقاصدها**'' کے تحت تجارت اور آمدنی دونوں حلال ہوں گی۔ اور اگر پوجا کرنے والوں ہی کے لئے بنایا جاتا ہے اور فروخت کیا جاتا ہے، تو اعانت علی المعصیت کی بنا پر ناجائز ہوگا۔

وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ. [المائدة: ۲]

الأمور بمقاصدها، وتحته في الأشباه: أن بيع العصير ممن يتخذه خمرا إن قصد به التجارة، فلا يحرم وإن قصد به لأجل التخمير حرم. الخ

(الأشباه والنظائر، قديم ۵۳، وهكذا في الشامي، زكريا ۹/ ۳۶۱، کراچی ۶/ ۳۹۱، تبيين الحقائق، إمداديه ملتان ۶/ ۲۹، زكريا ۷/ ۶۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍ ربیع الثانی ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۱۸۷)

گھنٹی، ترشول، اوم، چراغ وغیرہ آرڈر پر بنانا

سوال [۸۶۱۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید ایک کارخانہ دار ہے اور پیتل کے سامان کا کارخانہ ہے، اس وقت کارخانہ میں جو آرڈر ہے، اس میں غیر مسلموں کے پوجا پاٹ کے عدد کا آرڈر ہے، جیسے گھنٹی، ترشول، اوم، چراغ وغیرہ، اس میں کسی میں بھی کسی جاندار کی تصویر نہیں ہے، تو اس طرح کے یہ سامان بنانا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: انور خورشید نئی بستی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: گھنٹی مندروں کے علاوہ دوسری جگہ بھی استعمال ہوتی

ہے؛ اس لئے ان کی عبادت کے ساتھ خاص نہیں ہے، اسی طرح ترشول، ان کی عبادت کی چیز نہیں ہے؛ بلکہ ان کے اپنے پاس رکھنے کا شعار ہے اور چراغ بھی ان کے ساتھ خاص نہیں ہے، کہیں بھی استعمال ہوسکتا ہے؛ اس لئے ان چیزوں کا بنانا اور ان کی تجارت جائز اور درست ہے۔ اور اوم ان کی مذہبی شعار ہے اور ان کے یہاں اوم ایسا ہے جیسا کہ ہمارے یہاں بسم اللہ، اس کو نہ بنانا بہتر ہے، اگر اس کو بنا کر قیمت لیتے ہیں تو قیمت بالکل حرام نہیں ہے؛ بلکہ مکروہ ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۷/ ۳۰۹)

وجاز تعمير كنيسة، قال في الشامية: قال في الخانية: ولو آجر نفسه ليعمل في الكنيسة ويعمرها لابأس به؛ لأنه لا معصية في عين العمل.

(شامي، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره، زكريا ۹/ ۵٦۲، كراچى ٦/ ۳۹۲، فتاوى قاضى خان، زكريا جديد ۲/ ۲۰۵، وعلى هامش الهندية ۲/ ۳۲٤، الموسوعة الفقهية الكويتية ۳۸/ ۱۵۸، المحيط البرهاني، المجلس العلمي ۸/ ۷۰، رقم: ۹٦۰۷، الفتاوى التاتارخانية، زكريا ۱۸/ ۱٦۷، رقم: ۲۸۳۷۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/ رجب ۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۰۵٦)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۲/ ۷/ ۱۴۲۷ھ

مانع حمل دواؤں کی خرید وفروخت کا حکم

سوال [۸٦۱۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کوئی ایسی گولی یا کیپسول جو اسقاط حمل کے لئے استعمال کی جاتی ہو اس کا فروخت کرنا شرعاً جائز ہے کہ نہیں؟ مفصل جواب سے آگاہ کریں۔

المستفتی: نعیم الدین محلّہ مذکھڑی دانوں کوٹھی والی مسجد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر یہ گولی بنانے والے اور تجارت کرنے والے کا مقصد صرف یہی ہے کہ بوقت شدت ضرورت کام آسکے، مثلاً حمل کی وجہ سے عدت یا شیر خوار بچہ کی ہلاکت کا خطرہ ہے اور حمل میں جان پڑنے سے قبل استعمال کی جاتی ہے، تو ''**الأمور بمقاصدها**'' (قواعد الفقه، أشرفي، ص: ٦٢، رقم: ٥١) کے تحت بنانا اور استعمال کرنا اور تجارت کرنا سب جائز ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۳/۱۱۷)

لیکن اگر بدکار زنا کار عورتوں کے کام کے لئے ہے یا اکثر خریدار رنڈیاں ہوتی ہیں، تو تعاون علی المعصیت کی وجہ سے بنانا تجارت کرنا اور خریدنا سب حرام ہے۔

قوله تعالى: وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ. [المائدة: ٢]

لیکن پیسہ حلال رہے گا؛ کیوں کہ پیسہ مال کا بدلہ ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍محرم الحرام ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/۲۵۶)

زمین کی بقیہ قیمت کی ادائیگی موجودہ وقت کے اعتبار سے ہوگی یا خرید کے؟

سوال [۸۶۲۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: محمد آصف نے ایک زمین بیچی جو کہ سوا چار بیگہ تھی، عبدالرب صاحب نے خریدی، مگر قیمت صرف چار بیگہ کی ادا کی ہے اور باقی کے بارے میں کہا تھا کہ دے دیں گے، مگر ۲۲؍سال کا عرصہ ہوگیا، کئی بار مطالبہ کے بعد اب وہ قیمت دینے پر راضی ہوگئے ہیں؛ اس لئے دریافت یہ کرنا ہے کہ بقیہ قیمت ۲۲؍سال پہلے کے اعتبار سے لی جائے گی یا یہ کہ موجودہ بھاؤ کے اعتبار سے؟۔ دوسرا سوال یہ ہے کہ عبدالرب نے ۲۲؍سال تک جو زمین جوتی ہے اور اس سے غلہ حاصل کیا ہے، یہ کس کا تھا؟ اب ۲۲؍سال کے غلہ کی قیمت اصول کرنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد آصف جگر کالونی مسجد، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ میں جوصورت بیان کی گئی ہے، اس میں عبدالرب کے لئے ۲۲؍سال پہلے کی قیمت کے حساب سے اس زمین کا روپیہ دینا ہوگا، جس کا ابھی تک روپیہ ادا نہیں کیا ہے، موجودہ زمانہ میں زمین کی جو قیمت ہے اس کے اعتبار سے نہیں دیا جائے گا اور جو کچھ عبدالرب نے زمین سے غلہ حاصل کیا ہے وہ سب عبدالرب کا ہی مانا جائے گا؛ البتہ عبدالرب پر ۲۲؍سال تک زمین کے اس حصہ کا جس کی قیمت ادا نہیں کی ہے کرایہ ادا کرنا لازم ہوگا۔ اور یہ کرایہ وہاں کے عرف اور معیار کے اعتبار سے ہوگا، اس کی وجہ یہ ہے کہ مالک زمین کی طرف سے بدستور مطالبہ جاری رہا اور اس نے زمین کی قیمت ادا نہیں کی؛ بلکہ قیمت ادا کئے بغیر اس کی جتائی کرتا رہا۔

وحاصل ما مر أنه على قول أبي يوسف المفتى به لا فرق بين الكساد والانقطاع، والرخص، والغلاء في أنه تجب قيمتها يوم وقع البيع. (شامي، كتاب البيوع، مطلب مهم في أحكام النقود إذا كسدت أو انقطت، زكريا ۷/ ۵۵-۵۶، كراچی ٤/ ٥٣٤)

ومن بنى أو غرس في أرض غيره بغير إذنه، أمر بالقلع والرد ...... ولو زرعها يعتبر العرف، فإن اقتسموا الغلة أنصافا أو أرباعا اعتبر، وإلا فالخارج للزارع، وعليه أجر مثل الأرض. (درمختار على الشامي، كتاب الغصب، زكريا ۹/ ۲۸۳-۲۸٤، كراچی ٦/ ۱۹٤-۱۹۵، تنقيح الفتاوى الحامدية ۲/ ۱٥٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍صفر ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۶۲۲/۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۲/۱۶ھ

پھل آنے سے قبل بور آنے کے بعد باغوں کی خرید وفروخت

سوال [۸۶۲۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: ہمارے یہاں امرود اورآم کے باغ ہیں، ان کو پھل آنے سے پہلے بیچ دیا جاتا ہےاور ہم اس انتظار میں رہتے ہیں کہ پھل آئے تو خریدیں، جب تک سب باغ پک جاتے ہیں اور کچھ باغات ایسے ہیں کہ ان کے ساتھ دوسری کھیتی بھی کر سکتے ہیں، ان دونوں باغوں میں سے کونسا باغ کس وقت اور کس حالت میں خریدنا اور بیچنا جائز ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں مسئلہ کو مدلل فرمائیں۔

المستفتی: منجانب اہل لکرالہ، بدایوں

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: پھل آنے سے قبل بور آنے کے بعد درختوں کو اوراق سمیت خرید لیا جائے تو جائز ہے، اس سے قبل جائز نہیں؛ لہٰذا بور آنے سے قبل نہ خریدا کریں اور درختوں کو مع زمین کے کرایہ پر لینے کو بعض فقہاء نے منع فرمایا ہے۔

والحيلة في جوازه باتفاق المشايخ: أن يبيع الكمثرى أول ما تخرج مع أوراق الشجر، فيجوز فيها تبعا للأوراق. الخ (شامي، كتاب البيوع، مطلب في بيع الثمر والزرع والشجر مقصودا، زكريا ٧/ ٨٥، كراچی ٤/ ٥٥٥، مجمع الأنهر، مصري قديم ٢/ ١٧، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ٢٦، البحرالرائق، زكريا ٥/ ٥٠٢، كوئٹه ٥/ ٣٠١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰/ ۱۲/ ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۵۰۶۶)

باغات کی فروختگی میں جواز کی متبادل شکل

سوال [۸۶۲۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے یوپی میں باغات کو دو سال کے لئے فروخت کیا جاتا ہے، اور یہ پیسوں کے عوض

ہوتا ہے، تو باغات میں پھل آنے سے پہلے پہلے ان کی فروختگی جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز نہیں تو اس کی متبادل شکل کیا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: باغات کے پھلوں کو پھل آنے سے قبل فروخت کرنا جائز نہیں ہے، یہ معاملہ شرعی طور پر فاسد ہوتا ہے، اور اس کے جواز کی متبادل شکل یہ ہے کہ صرف پھلوں کا معاملہ نہ کیا جائے؛ بلکہ زمین سمیت پورے باغ کا معاملہ کیا جائے، مثلاً ایک سال دو سال کے لئے زمین سمیت باغ کرائے پر دے دیا جائے اور کرایہ دار کو یہ حق حاصل ہو کہ وہ باغ کی زمین میں کچھ بو کر فائدہ اٹھائے اور مالک کا اس میں کوئی حق نہ ہوگا۔ (مستفاد: انوار رحمت ۱۷۹-۱۸۰)

عن جابر بن عبدالله –رضي الله عنه– قال: نهى رسول الله ﷺ عن المحاقلة، والمزابنة، والمعاومة. الحديث (صحيح مسلم، البيوع، باب النهي عن المحاقلة والمزابنة، النسخة الهندية ٢/ ١١، بيت الأفكار، رقم: ١٥٣٦)

أما النهي عن المعاومة: وهو بيع السنين، فمعناه أن يبيع ثمرة الشجرة عامين، أو ثلاثة، أو أكثر، فيسمى بيع المعاومة، وبيع السنين، وهو باطل بالإجماع؛ ولأنه بيع غرر؛ لأنه بيع معدوم ومجهول، وغير مقدور على تسليمه. (نووي ٢/ ١٠)

إن استأجر أرضا على أن يكربها أو يزرعها أو يسقيها وزرعها صح؛ لأنه شرط يقتضيه العقد، وهو ملائم له فلا يفسد العقد. (البحرالرائق، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، كوئٹه ٨/ ٢٤، زكريا ٨/ ٤٣، وهكذا في الدر مع الرد، زكريا ٩/ ٨٢، كراچی ٦/ ٦٠) فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍ ربیع الاول ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۴۵۹/۴۰)

زمین مع باغ ٹھیکہ پر دینا

سوال [۸۶۲۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کی ملکیت میں کاشت کا کھیت ہے، جس میں آم کا باغ ہے، باغ میں آم بھی آتے ہیں، زید اس کھیت کو واسطے کاشتکاری معہ آم کے باغ کے کسی کو ۲-۳/ سال کے لئے ٹھیکے پر دینا چاہتا ہے۔ اور ۲-۳/ سال کی رقم بھی پہلے ہی لینا چاہتا ہے، برائے کرم بتائیں بیع درست ہونے کی صورت کیا ہوگی؟ جواب مرحمت فرمائیں۔

المستفتی: عبدالحمید راعینی، ساہنپور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زمین ٹھیکہ پر لے لینا درست ہے، اس کے بعد جو پھل آئیں گے، وہ بھی درست ہوں گے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ ۱۷۴/۱۶، ڈابھیل ۵۸۱/۱۶)

إذا استأجر أرضا علی أن یکر بها، ویزرعها، أو یسقیها ویزرعها صح؛ لأنه شرط یقتضیه العقد، وهو ملائم له فلا یفسد العقد. (البحرالرائق، کتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، زکریا ۸/ ۴۳، کوئٹه ۸/ ۲۴، الدر مع الرد، زکریا ۹/ ۸۲، کراچی ٦/ ٦٠) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹/۷/۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۲۴۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۹/۷/۱۴۲۰ھ

باغ مع زمین ایک سال یا کئی سال کے لئے فروخت کرنا

سوال [۸۶۲۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک باغ ہے چھ بیگہ کا، وہ باغ جوان ہے، بہار آئی ہے؛ لیکن ہم باغوں کا کام نہیں

کرتے؛اس لئے باغوں میں بیماری بہت زیادہ ہوتی ہے،تھوڑی سے لاپرواہی سے تمام باغ خراب ہوجاتا ہے، ایسی صورت میں ان لوگوں کو جو باغوں کا کام کرتے ہیں، ان کو دوسال کے لئے بہار مع زمین بیچ سکتے ہیں یا نہیں؟ زمین کسی قدر کاشت کے قابل ہے؟

المستفتی: مرادالدین چودھریان، سہسپور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ صورت میں دوسال کے لئے باغ کی بہار مع زمین کے بیچ سکتے ہیں، جب کہ خریدنے والے کواس باغ کی زمین میں مکمل طریقہ سے تصرف کرنے کا اختیار دے دیا جائے، نیز لوگوں کے تعامل اور ابتلائے عام کی وجہ سے مع زمین کے ایک سال یا چندسال کے لئے فروخت کرنے کی گنجائش ہوگی۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۱/۴۷)

ومن استأجر أرضا على أن يكربها، ويزرعها، ويسقيها، فهو جائز.

(هداية، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، أشرفي ٣/ ٣٠٦، البحرالرائق، زكريا ٨/ ٤٣، كوئٹه ٨/ ٢٤، شامي، زكريا ٩/ ٨٢، كراچی ٦/ ٦٠)

وفي القنية: استأجر أرضا سنة على أن يزرع فيها ماشاء، فله أن يزرع فيها زرعين ربيعيا أو خريفيا. (البحرالرائق، كتاب الإجارة، باب مايجوز من الإجارة، ومـا يـكـون خلافا فيها، كوئٹه ٨/ ١٠، زكريا ٨/ ١٨، هندية، زكريا قديم ٤/ ٤٧١، جديد ٤/ ٥١١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍ربیع الاول ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۲۲۴)

کیروسین کی خرید وفروخت

سوال [۸۶۲۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرا کاروبار مٹی کا تیل (کیروسین) کا ہے، میں ایک ماہ میں ایک لاکھ سے دو لاکھ تک کا

کیروسین فروخت کرتا ہوں، مجھے لیٹر میں تین سے چار روپئے نفع ملتا ہے، یہ کیروسین فروخت کرنا سرکاری قانون کی رو سے سرکاری گناہ بنتا ہے، میں سرکاری افسروں کو ہر ہفتہ میں ڈیڑھ دو لاکھ روپئے کے قریب بطور رشوت دیتا ہوں، اس کاروبار میں جو نفع کماتا ہوں، اس میں سے غرباء اور ضرورت مندوں کو بھی دیتا ہوں اور اپنے خرچ میں بھی لاتا ہوں، میں یہ کیروسین سرکاری راشن کی دو کانوں سے بلیک (کالا بازاری) میں سے لاتا ہوں، کیا میرے لئے ایسا کاروبار کرنا جو قانوناً گناہ ہے، شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: نثار احمد گودھرا

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس کام میں جو بھی منافع ملتا ہے وہ منافع بہرحال حلال ہے؛ لیکن سرکاری قانون کی خلاف ورزی کرکے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا جائز نہیں، اسی طرح اس کام کو چالو رکھنے کے لئے رشوت دینے کا سلسلہ جاری کرنا بھی جائز نہیں ہے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ. [البقرة: ١٩٥]

عن أبي هريرة – رضي الله عنه – لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم الراشي والمرتشي في الحكم. (ترمذي، باب ماجاء في الراشي والمرتشي في الحكم، النسخة الهندية ١/ ٢٤٨، دارالسلام، رقم: ١٣٣٦، مسند البزار، مكتبة العلوم والحكم ١٥/ ٢٣٥، رقم: ٨٦٧٣)

المالک هو المتصرف في ملكه كيف شاء. (بيضاوي، مكتبه رشيد/٧)

كل يتصرف في ملكه ماشاء. (شرح المجلة، رستم مكتبه اتحاد ١/ ٦٥٤، رقم: ١١٩٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍ صفر ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۲۷۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۲/۱۲ھ

راشن دوکان سے غلہ خریدنا

سوال [۸۶۲۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کنٹرول کی دوکانوں پرغلہ چینی وغیرہ کا جوراشن تقسیم ہوتا ہے، دوکاندار ایسا کرتے ہیں کہ یہ کہہ کر کہ راشن ختم ہوگیا ہے، اس کوعلیحدہ فروخت کرتے ہیں، بعض کو کنٹرول ریٹ پر اور بعض کو زائد قیمت پر اس کا خریدنا کیسا ہے؟ اس خرید وفروخت میں مسلم وغیر مسلم دونوں برابر ہیں، یا غیرمسلم سے خرید سکتے ہیں؟ اور مسلمان دوکاندار سے اس راشن کا خریدنا جائز نہیں؟

المستفتی: نورالعابدین، راجستھان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: کنٹرول سے کوٹہ لینے والا ڈیلر جب اپنے پیسے دے کر خرید لیتا ہے، تو شرعاً ان اشیاء کا خود مالک ہوجاتا ہے؛ اس لئے عوام کو تقسیم کرنے کے بعد اگر کچھ بچ جاتا ہے یا کسی کے نہ لینے کی وجہ سے رہ جاتا ہے، تو ڈیلر کے لئے اس زائد کو قیمت یا کنٹرول ریٹ میں فروخت کرنا اور دوسروں کے لئے اس کا خریدنا بلا کراہت جائز ہے؛ البتہ قانونی جرم ہو تو احتیاط لازم ہے۔ اور اگر حق دار عوام کو نہ دے کر بلیک میں فروخت کرتا ہے، تو دھوکہ بازی اور خیانت اور قانونی جرم کی وجہ سے ڈیلر گنہگار رہوگا اور خریدنے والا تعاون علی المعصیت کی وجہ سے گنہگار رہوگا؛ البتہ عقد بیع بہرحال منعقد ہوجائے گا۔

قوله تعالى: وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ. [المائدة: ۲]

قال الله تعالیٰ: وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ. [البقرة: ۱۹۵]

فإن سعّر، فباع الخباز بأكثر مما سعر، جاز بيعه. (هندية، كتاب البيوع، الباب العشرون، فصل في الاحتكار، زكريا قديم ۳/ ۲۱٤، جديد ۳/ ۲۰۰) **فقط واللہ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۴/ ۶/ ۱۴۱۳ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/ ۳۲۲۶)

دوسروں کے کنکشن سے گیس لے کر زیادہ قیمت میں فروخت کرنا

سوال [۸۶۲۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید رسوئی گیس کا کاروبار کرتا ہے، کاروبار کی شکل یہ ہے کہ اس کا اپنا ذاتی کنکشن صرف ایک ہے؛ لیکن اس نے اس کے علاوہ کچھ کنکشن ایسے جمع کر رکھے ہیں جن کے ذریعہ گیس ایجنسی سے گیس لاتا ہے اور ذخیرہ جمع کر کے ان سلنڈروں کو ایجنسی کی قیمت سے بہت زیادہ بڑھا کر فروخت کرتا ہے۔ اور جب گیس نہیں ملتا ہے تو ضرورت منداس سے اس کی ہی قیمتوں میں خریدتے ہیں، تو کیا زید کے لئے ایسی خرید وفروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: شمس الحق مدرسہ عربیہ لطیفیہ لالباغ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید کے لئے دوسروں کے کنکشن جمع کر کے گیس ایجنسی سے گیس لے کر اس کو مہنگے دام میں فروخت کرنا فی نفسہ جائز ہے اور اس کی کمائی حلال ہے؛ لیکن چونکہ اس طرح فروخت کرنا حکومت کے قانون کے خلاف ہے، اس سے اپنے آپ کو خطرہ میں ڈالنا لازم آتا ہے، اور شریعت ایسے کام کی اجازت نہیں دیتی ہے، جس سے عزت وآبرو خطرہ میں پڑنے کا اندیشہ ہو۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّهْلُکَةِ. [البقرة: ۱۹۵]

عن حذیفة –رضي اللّٰہ عنه– قال: قال رسول اللّٰہ ﷺ: لا ینبغي للمؤمن أن یذل نفسه، قالوا: وکیف یذل نفسه؟ قال: یتعرض من البلاء لما لایطیق. (سنن الترمذي، أبواب الفتن، النسخة الهندیة ۲/ ۵۱، دارالسلام، رقم: ۲۲۵۴)

فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللّٰہ عنہ
۹؍ ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۵۵۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۹؍ ۴؍ ۱۴۲۹ھ

گیس کی کالابازاری کی شرعی حیثیت

سوال [۸۶۲۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: گیس کی کالابازاری زوروں پر ہے، دوایڈریس پر گیس باٹلے خریدے جاتے ہیں، جب کہ ضرورت صرف ایک گیس باٹلے کی ہوتی ہے اور دوسرا باٹلہ خریدی کی رقم سے زیادہ قیمت پر فروخت کردیا جاتا ہے۔ اور حکومت کے نزدیک یہ بلیک مارکیٹ جرم عظیم ہے، اکثر مسلمانوں کے دیندار گھرانے اس میں ملوث ہیں، کہتے ہیں کہ ہمیں کتنی ضرورت ہے، اس کی فکر مت کرو، ہم نئے اور پرانے ایڈریس پر جتنے بھی باٹلے خریدرہے ہیں وہی فروخت بھی کررہے ہیں، ایسا نہیں ہے کہ بغیر روپیوں کے حاصل کرتے ہیں؛ لہٰذا یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ دوکاندار خرید وفروخت کے بعد نفع کماتا ہے، حضرت مفتی صاحب سے پوچھنا ہے کہ زائد از ضرورت گیس کے باٹلے خریدنے میں ملک کے غریب لوگوں کی حق تلفی نہیں ہے؟ کیا ایسا کرنا درست ہے؟

المستفتی: محمد رضوان قاسمی، سورت

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: شخص واحد کا دوایڈریس پر گیس باٹلہ (سلنڈر) سرکار سے حاصل کرنا جب کہ ضرورت صرف ایک سے پوری ہوجاتی ہے اور دوسرے کو نفع کے ساتھ فروخت کردینا حکومت کے قانون کی خلاف ورزی ہے، جس سے اجتناب ضروری ہے؛ لیکن اس کی بیع صحیح ہوجاتی ہے۔ اور اس سے حاصل ہونے والا نفع حلال ہے۔

قال اللہ تعالیٰ: وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ. [البقرة: ۱۹۵]

إن المسلم يجب عليه أن يطيع أميره في أمور مباحة. (تكملة فتح الملهم، أشرفيه ۳/ ۳۲٤)

طاعة الإمام فيما ليس بمعصية واجبة. (شامي، الصلاة، باب العيدين،

مطلب تجب طاعة الإمام فيما ليس بمعصية، زكريا ۳/ ۵۳، كراچی ۲/ ۱۷۲)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/ ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۴۹۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۲/ ۴/ ۱۴۳۵ھ

132 نمبر کا پلاٹ بیچ کر 131 نمبر کا پلاٹ دینا

سوال [۸۶۲۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک پلاٹ جس کا نمبر 132 ہے، بتدریج (۱) اسحاق (۲) مقصود (۳) سلیمان (۴) عاصم اور (۵) وسیم تک خرید وفروخت ہوتا ہوا پہنچا، وسیم نے یہ پلاٹ عاصم سے -/4,50,000 روپئے میں خریدا، جو دلالوں کے ذریعہ پلاٹ کی جگہ پر خریدا -/2,20,000 روپئے نقد ادا کر دئے گئے (یہ پلاٹ 132 تقریبا دو لاکھ سے بڑھتا ہوا اب -/4,50,000 روپئے تک پہنچا، اب ۲، ۳، ۴/ پارٹیوں نے یہ پلاٹ 132 نمبر کے نام سے ہی فروخت کیا اور قریب -/2,50,000 روپئے نفع چڑھ گیا۔

اب مسئلہ یہ ہے کہ وہ پلاٹ 132 جو خرید وفروخت ہو چکا تھا، 131 نمبر کا نکلا، اسحاق کہہ رہا ہے کہ 132 تو میرا پلاٹ ہے، اب مقصود بعد کی پارٹیاں سلیمان، عاصم سے یہ کہہ رہا ہے کہ تم کو 131 پلاٹ لینا ہو تو لو ورنہ آپ پرانے ریٹ کے روپئے واپس لے جاؤ، جس سے اس کو تو اور بھی فائدہ ہو جائے گا، مگر سلیمان اور عاصم یہ پلاٹ 132 نمبر دکھا کر فروخت کر کے منافع اچھا حاصل کر کے وسیم کو بیچ چکے ہیں اور وسیم نے 132 خریدا ہے، پر اس کے گلے میں 131 ڈالا جا رہا ہے، جو کم قیمت کا ہے اور وسیم کو لینا بھی نہیں ہے، حال یہ ہے کہ اسحاق اب وہ پلاٹ 132 فروخت بھی کرنا چاہتا ہے، ان تمام صورتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے شریعت میں اس مسئلہ کا کیا حکم ہے؟ ان تمام پارٹیوں کے لئے، ان تمام کے بیچ کی خرید وفروخت کیسی

ہے؟ ان تمام سودوں کا کیا حکم ہے؟ وسیم کے علاوہ سب کے سب 132 کے نام سے فروخت کر کے نفع لے گئے، وہ کیسا ہے؟ ۲، ۳، ۴/ والی پارٹیاں مل کر 132 خرید کر وسیم کو دلادیں تو کیسا ہے؟ وسیم اگر دلالوں سے تقاضہ کرتا ہے کہ میں نے 132 خریدا ہے، تو آپ مجھے 132 دو اور دلال وسیم کو کہہ سن کر 132 دلا دیتے ہیں، تو وہ کیسا ہے؟

المستفتی: وقار احمد درگاہی، گودھرا، گجرات

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب پلاٹ ۱۳۲ کے بارے میں معاہدہ طے ہوا ہے، تو بیچنے والے پر پلاٹ نمبر ۱۳۲/ ہی دینا لازم ہے۔ اور پلاٹ نمبر ۱۳۲/ کی جگہ پر پلاٹ نمبر ۱۳۱/ کا پیش کرنا معاہدہ شکنی ہے، جو ناجائز ہے؛ اس لئے کہہ سن کر جس پلاٹ کے بارے میں طے ہوا تھا اور بعد کے خریداروں نے اسی کو بیچا ہے، بائع کے اوپر اس بات پر دباؤ ڈالا جائے کہ اسی کی رجسٹری کرادے۔

وأما شرائط الصحة -إلى قوله- ومنها: أن يكون المبيع معلوما والثمن معلوما علما يمنع من المنازعة -إلى قوله- وأما أحكام، فالأصل له الملك في البدلين لكل منهما في بدل ...... والتابع وجوب تسليم المبيع والثمن. (البحر الرائق، كتاب البيوع، زكريا ٥/ ٤٣٦، كوئٹه ٥/ ٢٦٠-٢٦١، هندية، زكريا قديم ٣/ ٣، جديد ٣/ ٦)

وأما الثالث وهو شرائط الصحة -إلى قوله- ومعلومية المبيع ومعلومية الثمن بما يرفع المنازعة. (شامي، زكريا ٧/ ١٥، كراچی ٤/ ٥٠٥، الموسوعة الفقهية الكويتية ١٣/ ٤٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱/ صفر المظفر ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۰۹۶۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۱/ ۲/ ۱۴۳۴ھ

گلوکوز کی خرید وفروخت کا حکم

سوال [۸۶۳۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے یہاں ایک ''شئ گلوکوز'' نام کی جو کہ سیال بھی ہے اور پاؤڈر ٹائپ میں بھی ہے، کئی دوکانوں میں فروخت ہوتی ہے، جس کا استعمال ہمارے یہاں عموماً نقلی دودھ بنانے میں ہوتا ہے اور بمشکل تمام 20% بچوں کے کھائے جانے والے چاکلیٹ یا دوسری چیزوں میں استعمال ہوتا ہے، دودھ والے حضرات یہ دونوں قسم کی گلوکوز یعنی سیال اور پاؤڈر اور ڈالڈا گھی اور کاسٹک سوڈا ہمارے یہاں سے خرید کر نقلی دودھ بناتے ہیں اور ڈیری والوں کو دھوکہ سے بیچتے ہیں، اس میں دورائے نہیں کہ وہ دودھیا حضرات دوسروں کو دھوکہ دیتے ہیں؛ لیکن ہمارا مذکورہ چیزوں کو بیچنا کوئی دھوکہ نہیں، ڈالڈا گھی تو ہر جگہ ملتا ہے، کاسٹک سوڈا بھی ہر دوکان پر ملتا ہے، اسی طرح گلوکوز بیچنے والے بھی کئی دوکاندار ہوتے ہیں۔ مسئلہ دریافت طلب یہ ہے کہ ہمارے لئے تو اس کا بیچنا کوئی گناہ نہیں، مگر مسئلہ یہ ہے کہ اس کے ذریعہ سے دودھیا حضرات نقلی دودھ بنا کر دوسروں کو دھوکہ دیتے ہیں، کیا ہم بھی اس دھوکہ میں شریک ہیں؟

المستفتی: مولوی ظہیر احمد، مدرسہ انوار العلوم جویا، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آپ کے لئے مذکورہ چیزوں کا بیچنا شرعاً جائز ہے اور آپ دھوکہ دینے والوں میں شمار نہیں ہوں گے، جیسا کہ ''درمختار'' کی اس عبارت سے مستفاد ہوتا ہے:

وجاز بيع عصير عنب ممن يعلم أنه يتخذه خمرا؛ لأن المعصية لا تقوم بعينه، بل بعد تغيره. (الدرمع الرد، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره، زكريا ۹/ ۵٦۰-۵٦۱، كراچی ٦/ ۳۹۱، تبيين الحقائق، زكريا ۷/ ٦٤، إمداديه ملتان ٦/ ۲۹، الأشباه والنظائر، قديم، ص: ۵۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۹۰۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۷/۶/۱۰ھ

چوری کا اڈا بنانے والے کو زمین فروخت کرنے کا حکم

سوال [۸۶۳۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کیا ایسے شخص کو اپنی زمین یا پلاٹ فروخت کرنا درست ہے جس سے یہ اندیشہ ہو کہ وہ اس جگہ کو چوری کا اڈا بنا کر استعمال کرے گا؟

المستفتی: جمیل احمد، ایم پی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: اپنی زمین یا پلاٹ کسی کے بھی ہاتھ فروخت کرنا جائز ہے؛ البتہ محلّہ والوں کی خیرخواہی اور تقویٰ کی بات یہ ہے کہ چوروں کے ہاتھ بیچنے کے بجائے اچھے آدمیوں کے ہاتھ فروخت کیا جائے۔

عن تميم الداري –رضي الله عنه– أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: الدين النصحية، قلنا: لمن؟ قال: لله، ولكتابه، ولرسوله، ولأئمة المسلمين، وعامتهم. (مسلم شريف، باب بيان أن الدين النصيحة، النسخة الهندية ١/ ٥٤، بيت الأفكار، رقم: ٥٥)

وكذا إسلام البائع ليس بشرط لانعقاد البيع، ولا لنفاذه، ولا لصحته بالإجماع، فيجوز بيع الكافر وشراءه. (بدائع، البيوع، فصل في شرائط ركن البيع، كراچی ٥/ ١٣٥، زكريا ٤/ ٣٢١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱/۷/۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۸۸۸۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۴/۷/۱۴۲۶ھ

ویزا کی خرید وفروخت

سوال [۸۶۳۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: کوئی شخص حکومت سے اجازت لے کر دوکان کرتا ہے، جس میں اس شخص کو چار ویزے ملتے ہیں، مذکورہ شخص دوویزہ مبلغ چھ چھ ہزار درہم میں فروخت کر دیتا ہے، خریدار یہاں آکر اپنا کام یا دوسری جگہ نوکری کرتا ہے، تو کیا یہ پیسہ اس کے لئے جائز ہوگا؟ واضح رہے کہ یہاں اس طرح اکثر لوگ ویزا بیچتے ہیں، اگر ان سے پوچھئے تو کہتے ہیں: دوکان کا خرچ کفیل کا خرچ تو نکالنا پڑتا ہے، یہ ویزا تین سال کا ہوتا ہے، تین سال کے بعد اگر وہ شخص تجدید کرے تو کچھ پیسہ لے کر تجدید کر دیتے ہیں، اس مدت میں اس سے کوئی خرچ نہیں لیا جاتا۔

المستفتی: حبیب اللہ تاج شاہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حکومت کی جانب سے دوکان کرنے والوں کو جو ویزا ملتا ہے، وہ ان کا حق ہے، وہ اس کو چاہیں تو بیچ سکتے ہیں۔ اوراس کی آمدنی کا استعمال کرنا بھی جائز ہوگا، بشرطیکہ اس کام کو کرنے میں عزت پر کوئی آنچ نہ آتی ہو؛ کیوں کہ یہ ایک خلاف قانون کام ہے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۱/۴۳، امداد الفتاوی ۴/۵۸۰)

فإنهم قالوا: يجوز أخذ العوض على وجه الإسقاط للحق، ولا ريب أن الفارغ يستحق المنزول به استحقاقا خاصا. (شامي، كتاب البيوع، مطلب في العرف الخاص والعام، زكريا ۷/ ۳٦، كراچی ٤/ ٥٢٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲ ربیع الاول ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۶۹۳)

اخبار کی خریداری کی قیمت کو فیس قرار دینے کا حکم

سوال [۸۶۳۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے یہاں اخباروں، ماہنامہ رسالوں میں کچھ دینی سوالات اور معمہ آتے

ہیں اوران کوبغیرادائیگی فیس صرف صحیح جواب اوردرست کرنے پرادارہ انعام دیتا ہے، بندہ نے ان کے متعلق ’’فتاویٰ محمودیہ، جواہر الفقہ، امداد الفتاویٰ‘‘ وغیرہ کتب میں دیکھا، جس سے یہ بات سمجھ میں آئی کہ وہ معمہ جات جس میں حل کرنے والے کوفیس ادا کرنی پڑے، پھر درست حل پرانعام ملے یہ سود وقمار ہے؛ لیکن اگرحل کرنے والے کو کچھ فیس ادا نہ کرنی پڑے اور صحیح ودرست پرانعام کا مستحق ہوجائے تو یکطرفہ صورت قمار کی نہیں ہے؛ لیکن اگران اخباری اور ماہنامہ کے معموں کے متعلق غورکیا جائے تو یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ ظاہری طور پران معموں کے حل کرنے کی فیس نہیں لی جاتی؛ لیکن ان اخباراور ماہنامہ رسالوں کو بیچ کرحل کرنے والا ان کوخرید کر دوسرے طریقہ سے فیس ادا کرتا ہے؛ اس لئے کہ ان معموں کے حل کے شرائط میں سے ایک شرط یہ ہوتی ہے کہ اصل کتاب کی ٹوکن ہی پر جوابات اور خالی جگہ پر کی جائے، اس کی زیروکس کرکے اگرحل بھیجا جائے تو وہ قابل اعتناء نہ ہوگا، تو اس شرط کی وجہ سے ہر معمہ بھیجنے والے کووہ رسالہ یا اخبارخریدنا پڑتا ہے، اس طرح ان اخباری اور ماہنامہ رسالوں کے معموں میں بھی دوسرے طریقہ سے فیس لی یا ادا کی جاتی ہے، ناچیز کے اس خلجان کودفع فرمائیں۔

المستفتی: محمد قاسم جھلرہ بجنوریوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: رسالہ یا اخبارخریدنے کی جوقیمت ہے اس کوفیس قرار دینا احقر کی سمجھ میں نہیں آتا؛ کیوں کہ رسالہ یا اخبار کی جو قیمت دی جاتی ہے وہ توخود اس اخباراور رسالہ کی مناسب قیمت ہے؛ البتہ اگر مناسب قیمت سے زیادتی ہوتی ہے تو فیس شمار ہوسکتی ہے؛ اس لئے احقر کی سمجھ سے بالاتر ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۳/۱۱/۱۴۱۵ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۴۲۱۶)	۲۳/۱۱/۱۴۱۵ھ

ہوٹل والوں کا زیادہ قیمت میں کھانا فروخت کرنے کا حکم

سوال [۸۶۳۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: بنگال کے بعض مقامات پر بس والے ہوٹلوں پر بس روکتے ہیں اور مسافران ہوٹلوں پر کھانا کھاتے ہیں، مشروبات پیتے ہیں اور عام ریٹ سے ہوٹل والے زیادہ رقم لیتے ہیں، جب کہ ڈرائیور بس کا عملہ یا ان کا مہمان بھی کھانے میں شریک ہوتا ہے اور ان سے رقم نہیں لی جاتی، تو اس میں دو باتیں دریافت طلب ہیں: (۱) آیا یہ کھانا ڈرائیور اور دیگر عملہ کے لئے حلال ہے یا حرام؟ (۲) کیا ہوٹل والے کے لئے زیادہ رقم لینا جائز ہے؟

المستفتی: عبدالعزیز قاسمی، تھانہ برہان الدین، ضلع بھول بنگال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مسئولہ میں یہ کھانا ڈرائیور اور بس کے دیگر عملہ کے لئے حلال ہے؛ کیوں کہ یہ کھانا احسان کے بدلے میں کھلایا جاتا ہے۔

فإذا أحسن الناس، فأحسن معهم. (صحيح البخاري، الأذان، باب إمامة المفتون والمبتدع تعليقاء النسخة الهندية ١/ ٩٦، مصنف عبدالرزاق، المجلس العلمي ١/ ٥٢٠، رقم: ١٩٩١)

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– يخبرهم بذلك عن النبي ﷺ قال: إذا كفى أحدكم خادمه طعامه حره ودخانه، فليأخذ بيده، فليقعده معه، فإن أبى فليأخذ لقمة، فليطعمه إياها. (ترمذي، باب ما جاء في الأكل مع المملوك والعيال، النسخة الهندية ٢/ ٦-٧، رقم: ١٨٥٣، مسند أحمد بن حنبل ٢/ ٢٩٩، رقم: ٧٩٦٨، مسند البزار، مكتبة العلوم والحكم ١٥/ ٣٢١، رقم: ٨٦٦٤)

(۲) ہوٹل والے اپنی چیز کے مالک ہیں؛ اس لئے ان کو حق بنتا ہے کہ وہ زیادہ رقم پر اپنی اشیاء کو فروخت کریں اور یہ ان کے لئے جائز ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ ۱۳/ ۲۴۹)

والمالك هو المتصرف في الأعيان المملوكة كيف شاء من الملك. (بيضاوي، مكتبه رشيد/ ٧)

كل يتصرف في ملكه ماشاء. (شرح المجلة رستم، مكتبه اتحاد ديوبند ١/ ٦٥٤، رقم المادة: ١١٩٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍ جمادی الثانیہ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۷۴۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۶/۹ھ

قانوناً پابندی شدہ جنگلات سے لکڑیاں کاٹ کرلانا

سوال [۸۶۳۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے علاقہ میں جنگلات کی دوقسمیں ہیں: ایک تو وہ ہیں جن پر سرکاری آدمی متعین ہیں، دوسرے وہ ہیں جن پر سرکاری آدمی متعین نہیں ہیں، لوگ دونوں جنگلات سے لکڑیاں کاٹ کرلاکر فروخت کرتے ہیں، تو ان دونوں جنگلات سے لکڑیاں کاٹ کر خریدنے اور فروخت کرنے میں کیا حکم ہوگا؟

المستفتی: مفتی عتیق الرحمٰن، مدرسہ اسلامیہ، ناگپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جنگل کی چیزیں ملکیت عامہ مباحہ ہوتی ہیں، ان سے لکڑیاں کاٹ کرفروخت کرنا اور خریدنا سب درست ہے۔

والحطب في ملک رجل ليس لأحد أن يحتطبه بغير إذنه، وإن كان غير ملک فلا بأس به، ولا يضر نسبته إلى قرية أو جماعة ما لم يعلم أن ذلک ملک لهم. (شامي، كتاب إحياء الموات، فصل الشرب، زكريا ١٠/ ١٦، كراچی ٦/ ٤٤٠)

البتہ جن جنگلات پر قانوناً پابندی لگی ہوئی ہو اور سرکاری لوگ متعین ہوں، تو چونکہ کسی حکومت کے تحت رہنے میں اس کے قانون کی پابندی بھی لازم ہوتی ہے اور اس کے خلاف کرنے میں قانونی چوری ہوتی ہے، جس سے عزت ومال دونوں کا خطرہ ہوتا ہے؛ اس لئے قانوناً پابندی شدہ جنگلات سے لکڑیاں کاٹ کرلانا کراہت سے خالی نہیں ہوگا۔ (مستفاد: فتاوی احیاء العلوم، ص: ۲۵۰، فتاوی محمودیہ قدیم ۱۳/ ۳۵۴، جدید ڈابھیل ۱۶/ ۱۴۸)

قال الله تعالىٰ: وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ. [البقرة: ١٩٥]

عن حذيفة – رضي الله عنه – قال: قال رسول الله صلى الله عليه

وسلم: لا ينبغي للمومن أن يذل نفسه، قالوا: وكيف يذل نفسه؟ قال: يتعرض من البلاء لما لايطيق. (سنن الترمذي، أبواب الفتن، النسخة الهندية ۲/ ۵۰، ۵۱، دارالسلام، رقم: ۲۲۵۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۰۶۴)

سرکاری جنگلات کی لکڑیوں کی خرید وفروخت کا حکم

سوال [۸۶۳۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے اطراف واکناف میں لکڑی ساگون کے جنگلات ہیں اور وہ دوطرح کے ہیں، ایک تو وہ ہیں جن پر سرکاری آدمی متعین ہیں یا سرکار نے تاروں وغیرہ کے ذریعہ احاطہ کررکھا ہے۔ اور دوسرے وہ ہیں جن پر نہ سرکاری آدمی متعین ہے اور نہ ہی کسی قسم کا احاطہ، تو اگر کوئی آدمی خفیہ طور پر اس کی لکڑیاں کاٹ کر لائے اور فروخت کرے، تو اس کا فروخت کرنا اور لینا شرعاً کیسا ہے؟ یاد رہے کہ دوسری قسم کا جنگل اگرچہ اس کا سرکار نے احاطہ نہیں کیا ہے اور نہ ہی آدمی متعین ہے؛ لیکن جنگل سے ملحق شہر کی پولیس کو اس کی اطلاع ہوجائے تو پولیس اس پر سرزنش کرتی ہے۔

المستفتی: مفتی عتیق الرحمٰن صاحب

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگرچہ ایسے جنگلات سے لکڑیاں لاکر فروخت کرکے جو پیسہ حاصل ہوگا وہ حلال ہے، مگر اپنے آپ کو خطرہ میں ڈالنا بھی شرعاً ممنوع ہے؛ اس لئے: ﴿**وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ**﴾ [البقرة: ۱۹۵] کے تحت داخل ہوکر ممنوع وناجائز ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳/ ۱۱/ ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۲۱۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۳/ ۱۱/ ۱۴۱۵ھ

دریائی جانوروں کی بیع اور ان کے کھانے کا حکم

سوال [۸۶۳۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بعض علاقوں میں گھونگھا، سیپی، کیکڑا، کچھوے اور کچھوا کے انڈے کی تجارت ہوتی ہے، تو ان دریائی جانوروں کی بیع کرنا اور کھانا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: مولانا شہیر الدین مغربی بنگال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دریائی جانوروں میں سے سوائے مچھلی کے کسی جاندار کا کھانا درست نہیں۔ اور سوال میں ذکر کردہ جانور مچھلی میں داخل نہیں ہیں۔

ولا یوکل من حیوان الماء إلا السمک. الخ (هداية، كتاب الذبائح، فصل فيما يحل أكله وما لا يحل، أشرفی ٤/ ٤٤٢، المبسوط للسرخسي، دارالكتب العلمية بيروت ١١/ ٢٤٨، مختصر القدوري، ص: ٢٢٦)

البتہ ان جانوروں سے انتفاع کیا جاتا ہے، مثلاً کیکڑے کو جلا کر شہد میں ملا کر پرانی کھانسی کے لئے استعمال کرنا بہت مفید ہے۔ اور سیپی سے چونا بنایا جاتا ہے؛ لہٰذا ان کی بیع درست ہے، اور اس کا پیسہ بھی حلال ہے۔

والصحيح أنه يجوز بيع كل شيء ينتفع به. (هندية، كتاب البيوع، الباب التاسع، الفصل الرابع زكريا قديم ٣/ ١١٤، جديد ٣/ ١١٥)

أن جواز البيع يدور مع حل الانتفاع. (الفتاوى التاتارخانية ٨/ ٣٤٠، رقم: ١٢١٢٥، المحيط البرهاني، المجلس العلمي ٩/ ٣٣٢، رقم: ١١٩٩٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۰۷۵)

مردار کی ہڈی، دانت، سینگ، پٹھے کی خرید وفروخت کا حکم

سوال [۸۶۳۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مردار کی ہڈی اور مردار کا بال اور مردا کی سینگ اور پٹھے وغیرہ پاک ہیں یا ناپاک؟ ان اشیاء کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟ اسی طرح ان کی تجارت بھی جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: نیاز احمد فاروقی، حلال ٹرسٹ جمعیۃ العمار ہند

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مردار کے وہ تمام اجزاء پاک اور قابل انتفاع ہیں، جن میں خون نہ ہو؛ لہٰذا مردار جانور کی سینگ، ہڈی، دانت، کھر، بال، پٹھے وغیرہ یہ سب کے سب قابل انتفاع ہیں، ان سب چیزوں کی تجارت اور ان کا پیسہ جائز اور حلال ہے۔ اوران کو جانوروں کے غذا کی شکل دے کر جانوروں کو کھلانا بھی بلاشبہ جائز ہے۔

لا بيع جلود الميتة قبل الدباغ، ويجوز بعده وينتفع به، ويباع عظمها وينتفع به، وكذا عصبها، وقرنها، وصوفها، وشعرها، ووبرها، وكذا عظم الفيل خلافا لمحمد، وتحته في مجمع الأنهر: المختار قولهما. (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، جديد ۳/ ۸۵)

اور بدائع کی عبارت اور زیادہ واضح ہے، ملاحظہ فرمایئے:

أما الأجزاء التي لا دم فيها، فإن كانت صلبة كالقرن، والعظم، والسن، والحافر، والخف، والظلف، والشعر، والصوف، والعصب، والأنفحة الصلبة، فليست بنجسة عند أصحابنا. (بدائع الصنائع، كتاب الطهارة، فصل في حكم الميتة، زكريا ۱/ ۱۹۹، كراچی ۱/ ۶۳، الموسوعة الفقهية الكويتية ۴۰/ ۷۴)

اور ’’تاتارخانیۃ‘‘ کی عبارت ملاحظہ فرمایئے:

أما شعر الميتة، وعظمها، وصوفها، وقرنها فلا بأس بالانتفاع بها،

وبيع ذلک كله جائز، وقوله: أما العصب ففيه روايتان في رواية جاز الانتفاع به وبيعه. (تاتارخانية، كتاب البيوع، الفصل السابع في بيع المحرمات، زكريا ۸/ ۳٤۲، رقم: ۱۲۱۳۳، محيط البرهاني، كتاب البيوع، الفصل السادس في ما يجوز بيعه وما لايجوز، جديد بيروت ۹/ ۳۳٤، رقم: ۱۱۹۹۸، كوئٹه ۷/ ۳۰۷، هندية، كتاب البيوع، الباب التاسع فيما يجوز بيعه وما لايجوز، الفصل الخامس، مطلب في بيع المحرمات، زكريا وكوئٹه ۳/ ۱۱۵، جديد زكريا ۳/ ۱۱٦)

عن ابن عباس –رضي الله عنه– قال: سمعت رسول الله ﷺ: قال: قل لا أجد فيما أوحي إلي محرما على طاعم يطعمه ألا كل شيء من الميتة حلال إلا ما أكل منها، فأما الجلد، والقرن، والشعر، والصوف، والسن، والعظم، فكل هذا حلال؛ لأنه لا يذكي. (سنن داراقطني ۱/ ٤۳، رقم: ۱۱۷)

اورشامی کی عبارت ملاحظہ فرمائیے:

شعر الميتة، وعظمها، وعصبها على المشهور وحافرها، وقرنها الخالية عن الدسومة، وفي الشامية: قيد للجميع كما فى القهستاني. (شامي، كتاب الطهارة، باب المياه، مطلب في أحكام الدباغة، زكريا ۱/ ۳۵۹، كراچی ۱/ ۲۰٦)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/۱۱/۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۸۱۲/۴۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۲/۱۱/۱۴۳۵ھ

مردار جانور کے کچے چمڑے اور ہڈی کی خرید وفروخت کا حکم

سوال [۸٦۳۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مردار جانور کا چمڑا کچا ہوتو اس کی ہڈی کا خریدنا بیچنا درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: رحمت اللہ قاسمی سنبھل، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مردار کی کھال تازہ اور کچی حالت میں فروخت کرنا جائز نہیں ہے۔ اور سوکھ جانے کے بعد وہ پاک ہو جاتی ہے؛ اس لئے خشک ہونے کے بعد اس کا فروخت کرنا جائز اور درست ہے۔ اور مردار کی ہڈی جس پر چکناہٹ اور تری ہو تو اس کی خرید وفروخت جائز نہیں ہے۔ اور اگر ہڈی پر تری اور چکناہٹ نہیں ہے، تو اس کی خرید وفروخت جائز ہے۔ (مستفاد: فتاوی دارالعلوم ۱۴/۳۷۰)

عن ابن عباس –رضي الله عنه– في قوله عز وجل: ﴿قُلْ لَا اَجِدُ فِيْ مَا اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ يَطْعَمُهُ﴾ قال: الطاعم: الأكل فأما السن، والقرن، والعظم، والصوف، والشعر، والوبر، والعصب، فلا بأس به؛ لأنه يغسل، وقال شبابة إنما حرم من الميتة مايوكل منها، وهو اللحم، فإما الجلد والسن، والعظم، والشعر، والصوف فهو حلال. (سنن داراقطني، دارالكتب العليمة بيروت ۱/ ۴۲، رقم: ۱۱۲)

لا يتنجس من الميتة عشرة أشياء: الشعر، والصوف، والوبر، والريش، والحافر، والقرن، والظفر، والظلف، والعظم، والعصب إذا لم يكن عليه دسومة، ولا لحم ولا دود. وفي الذخيرة: وأما العصب ففيه روايتان: في رواية: جاز الانتفاع به، وبيعه؛ لأنه طاهر. وفي الظهيرية: قال أبوحنيفة رحمه الله: لا بأس بالانتفاع بحافر الميتة، وظلفها، وعظمها. وفي الملتقط: عظام الفيل بعد ما جف طاهرة يجوز بيعها. (تاتارخانية ۱/ ۴۴۶، رقم: ۱۱۵۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/ شعبان ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۹۹۵)

حلال جانوروں کے کون کون سے اعضاء کی تجارت جائز ہے؟

سوال [۸۶۴۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بھینس، بیل، بکری کے جسم کی کون کون سی چیز کی تجارت کر سکتے ہیں؟ جیسے کہ ان تینوں جانوروں کے پیٹ میں پتا ہوتا ہے، اس کے پانی کی تجارت دیگر ملکوں میں ہوتی ہے، پتے کا پانی اس کو ابال کر خشک کیا جاتا ہے، اس میں کیا گنجائش ہے؟ واضح فرمائیے۔

المستفتی: محمد ظریف قریشی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر حلال جانور کو جائز طریقہ سے ذبح کیا گیا ہو تو اس کے سارے اعضاء پاک ہیں اور اس کی تجارت جائز ہے؛ البتہ اس کا دم سائل حرام ہے اور اس کی تجارت بھی جائز نہیں ہے۔ اور اس کے پتے، مثانہ، بچہ دانی، ذکر اور غدود اور خصیتین وغیرہ کھانا مکروہ ہے؛ لیکن تجارت ان کی بھی جائز ہے؛ اس لئے کہ ان چیزوں کو بطور دوا اور علاج کے استعمال کرنے کی گنجائش ہے۔

والحاصل أن جواز البيع يدور مع حل الانتفاع. (شامي، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مطلب في بيع دودة القرمز، زكريا ۷/ ۲۶۰، کراچی ۵/ ۶۹، الموسوعة الفقهية الكويتية ۹/ ۱۵۵، ۱۷/ ۲۸۱، مجمع الأنهر، مصري قديم ۲/ ۱۰۸، دارالكتب العلمية بيروت ۳/ ۱۵۱) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ رشعبان ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۷۸۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۸/۷ھ

مرغ وغیرہ جانوروں کو زندہ فروخت کرنے کا حکم

سوال [۸۶۴۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: آج کل جورواج چل پڑا ہے کہ مرغ کو زندہ ہی حالت میں بیچتے خریدتے ہیں، اس طرح کی خریداری ازروئے شرع مباح ہے یا حرام؟ اگر ناجائز وحرام ہے،تو کیوں؟ کیا اس سلسلے میں قرآن وسنت یا کتب فقہ میں کوئی صراحت موجود ہے؟ کیا اس طرح بیچنا خریدنا اور کھانا سب حرام ہے؟ کیا اس سلسلے میں کوئی واضح شرعی ضابطہ موجود ہے کہ کون سی چیز کس طرح اور کس پیمانے سے بیچی جائے؟ برائے کرم صاف مفصل واضح مدلل جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: اظہار الحق، مبارک پور، اعظم گڑھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: مرغ کو زندہ حالت میں روپیہ پیسے کے عوض میں فروخت کرنا بلا کراہت جائز اور درست ہے، چاہے گن کر فروخت کیا جائے یا تول کر ہر طرح جائز ہے، اس میں ناجائز ہونے کی کوئی علت نہیں، اسی طرح گائے، بھینس، بکری، مچھلی وغیرہ تمام حلال جانوروں کو زندہ حالت میں پیسوں کے عوض میں تول کر اور شمار کر کے ہر طرح سے فروخت کرنا جائز اور درست ہے۔

وقال محمد: إن كان بغير جنسه كلحم البقر، بالشاة الحية جاز كيفما كان. الخ (شامي، كتاب البيوع، باب الربا، زكريا ۷/ ٤١٥، كراچى ٥/ ١٨٠، حاشية چلپى مكتبه إمداديه ملتان ٤/ ٩١، زكريا ٤/ ٤٦٠)

قال أبو حنيفة وأبو يوسف يجوز بيع اللحم بالحيوان؛ لأن الحيوان وهو بيع موزون بغير موزون. الخ (أوجز المسالك، قديم ٥/ ١٠٥، جديد دارالقلم)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ رصفر ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۶۹۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۸/ ۲/ ۱۴۱۷ھ

زندہ جانور تول کر بیچنا

سوال [۸۶۴۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: جانور کو زندہ تول کر خرید سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: محمد اقبال شمسی طویلہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زندہ جانور کو روپئے پیسے کے عوض تول کر بیچنا جائز اور درست ہے؛ کیوں کہ اس زمانے میں وزن اور تول سے زندہ جانوروں کی خرید فروخت ہونے لگی ہے، اس بنا پر معمولی جہالت نزاع کا سبب نہیں ہوتی؛ لہٰذا بیع درست ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاوی دہلی ۶/ ۴۹۷، ایضاح المسائل/ ۱۵۸)

كما استفاد من هذه العبارة، كما لو باعه بالأثمان وإن باعه بحيوان بغير مأكول اللحم جاز في ظاهر قول أصحابنا، وهو قول عامة الفقهاء، وفي المحلى: قال أبوحنيفة وأبويوسف: يجوز بيع اللحم بالحيوان؛ لأن الحيوان ليس من مال الربو، وهو بيع موزون بغير موزون. (أوجز المسالك ٥/ ١٠٥، فتح القدير، دارالفكر، مصرى قديم ٧/ ٢٧، كوئٹه ٦/ ١٦٧، زكريا ٧/ ٢٥، شامي، زكريا ٧/ ٤١٥، كراچى ٥/ ١٨٠، حاشية چلپى، إمداديه ملتان ٤/ ٩١، زكريا ٤/ ٤٦٠)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍جمادی الثانیہ ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۱۸۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۶/۵ھ

مذبوحہ جانوروں کے اعضائے تناسل اور خون کی بیع کا حکم

سوال [۸۶۴۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مذبوحہ جانوروں کے اعضاء تناسل اور ان کے خون کی بیع جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے، تب تو صحیح، ورنہ بجائے ضائع کرنے کے دینی خدمات یا عوام کے مصارف ضروریہ میں کیا خرچ کرنا درست ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حلال جانوروں کے اجزاء میں سے جن اجزاء کا کھانا ممنوع ہے، وہ دو قسموں پر ہیں: (۱) وہ اجزاء جن کا استعمال حرام ہے، جیسا کہ دم مسفوح اس کی حرمت نص قطعی سے ثابت ہے، نہ اس کا کھانا جائز ہے اور نہ ہی اس کی خرید وفروخت جائز ہے، اس کو بیچ کر جو پیسہ آتا ہے وہ بھی حرام ہے۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ. [المائدة: ۳]

(۲) دوسری قسم وہ اجزاء جن کے استعمال کی ممانعت دلیل ظنی سے ثابت ہے، یعنی خبر واحد سے جیسے ذکر، خصیتین، قبل، غدود، مثانہ اور پتہ۔

وأما بيان ما يحرم أكله من أجزاء الحيوان المأكول، فالذي يحرم أكله منه سبعة الدم المسفوح، والذكر، والأنثيان، والقبل، والغدة، والمثانة، والمرارة، والمروي عن أبي حنيفةؒ أنه قال: الدم حرام، وأكره الستة أطلق اسم الحرام على الدم المسفوح، وسمى ماسواه مكروها. (بدائع الصنائع، كتاب الذبائح، والصيود ما يستحب في الزكوة، زكريا ٤/ ١٩٠، كراچی ٥/ ٦١)

ان چیزوں کا کھانا تو مکروہ ہے؛ لیکن ان چیزوں کی خرید وفروخت اس لئے جائز ہے کہ یہ چیزیں کھانے کے علاوہ بطور علاج استعمال ہوسکتی ہیں؛ اس لئے ان کی بیع بھی جائز اور پیسہ بھی حلال ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۶۵۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۷/۵/۱۴۲۱ھ

سمندری کیکڑے کی خرید وفروخت کا حکم

سوال [۸۶۴۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: حنفیوں کے لئے سمندر کا کیکڑا فروخت کرنا کیسا ہے، جائز ہے یا نہیں؟ جو لوگ اس کو فروخت کرتے ہیں، وہ اس پیسہ کے مالک ہوتے ہیں یا نہیں؟ نیز ان کے گھر کا کھانا کھانا اور ان سے تعلق رکھنا درست ہے یا نہیں؟ مدلل جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: رضاء الکریم قاسمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: حنفیہ کے نزدیک کیکڑے کو کھانے کے لئے بیچنا اور خریدنا جائز نہیں ہے؛ لیکن اگر اس کا استعمال دوائیوں میں ہوتا ہے جیسا کہ معتبر اطباء سے معلوم ہوا ہے کہ کیکڑے کی کھال کا استعمال پھیپھڑے کی دوائیوں میں ہوتا ہے، تو ایسی صورت میں اس کو بیچنا اور خریدنا جائز ہے۔ اور مالک بیچنے کی وجہ سے اس پیسہ کا مالک ہو جائے گا، اور اس کی دعوت وغیرہ قبول کرنا بھی جائز ہے۔

الحاصل أن جواز البيع يدور مع حل الانتفاع. وفي الشامية: يجوز بيع الحيات إذا كان ينتفع بها للأدوية وما جاز الانتفاع بجلده أو عظمه، أي من حيوانات البحر أو غيرها. (شامي، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مطلب في بيع دودة القرمز، زكريا ٧/ ٢٦٠، كراچی ٥/ ٦٩، الموسوعة الفقهية الكويتية ٩/ ١٥٥، ١٧/ ٢٨١، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ١٥١، مصري قديم ٢/ ١٠٨)

ولو دعي إلى دعوة، فالواجب أن يجيبه إلى ذلك، وإنما يجب عليه أن يجيبه إذا لم يكن هناك معصية ولا بدعة. (عالمگيري، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات، زكريا قديم ٥/ ٣٤٣، جديد ٥/ ٣٩٧)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍جمادی الثانیہ ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۷۷۰۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۶/۱۶ھ

کتے کی بیع کی شرعی حیثیت

سوال [۸۶۴۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک حنفی عالم جو اپنے آپ کو دارالعلوم دیوبند کی طرف منسوب کرتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ حنفی مسلک قرآن وحدیث سے بہت دور ہے، یہی وجہ ہے کہ پورے خلیج میں ڈھونڈ نے سے ایک حنفی بھی نہیں ملے گا۔ ''ہدایہ'' میں لکھا ہے کہ کتا فروخت کرنا جائز ہے، ایسے بہت سے واقعات ہیں۔

المستفتی: شفیع احمد الاعظمی، بحرین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جس حنفی عالم کا سوال نامہ میں ذکر کیا گیا ہے اور جو اپنے آپ کو دارالعلوم دیوبند کی طرف منسوب کرتے ہیں اور اوپر سے اس جہالت کا بھی اظہار کرتے ہیں کہ حنفی مسلک قرآن وحدیث سے بہت دور ہے، اور اس پر یہ تنزیہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ ''ہدایہ'' میں لکھا ہے کہ کتا فروخت کرنا جائز ہے، تو اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ وہ صرف کرتا پائجامہ والے عالم ہیں؛ اس لئے یہ شخص نہ حنفی مسلک سے واقفیت رکھتا ہے اور نہ ہی حدیث رسول سے واسطہ ہے؟ کیا صحیح حدیث شریف میں اس بات کا ثبوت نہیں ہے کہ کلب معلم کو فروخت کرنا جائز اور درست ہے۔ حدیث شریف ملاحظہ فرمائیں۔

حدثنا أبوبكر النيسابوري، نا إسحاق بن الجراح، نا الهيثم بن جميل، ح وحدثنا عثمان بن أحمد الدقاق، نا محمد بن أحمد بن الوليد بن برد، نا الهيثم بن جميل، نا حماد بن سلمة، عن أبي الزبير، عن جابر قال: نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن ثمن الكلب والسنور، إلا كلب صيد. (سنن الدارقطني، كتاب البيوع، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ٦١، رقم: ٣٠٤٩)

حدثنا محمد بن القاسم بن زكريا، نا أبو كريب، محمد بن العلاء، نا سويد بن عمرو، عن حماد بن سلمة، عن أبي الزبير، عن جابر قال: نهى

رسول الله صلى الله عليه وسلم عن ثمن السنور والكلب، إلا كلب صيد.
(سنن الدارقطني، كتاب البيوع، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ٦١، رقم: ٣٠٥٠)

عن جابر بن عبدالله أن رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن ثمن الكلب والسنور، إلا كلب صيد. (نسائي شريف، البيوع، باب بيع الكلب، النسخة الهندية ٢/ ٢٣٠، دارالسلام، رقم: ٤٦٦٨)

قال الحافظ في الباري: أخرجه النسائي بإسناد رجاله ثقات. (فتح الباري، البيوع، باب ثمن الكلب، أشرفيه ٤/ ٥٣٦، دارالفكر ٤/ ٤٢٧)

نیز بعض متعدد روایات میں کھیتی کے کتے کی فروختگی کا جواز بھی ثابت ہے؛ لیکن ان روایات کی صحت میں محدثین نے کلام کیا ہے، اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے کتے کا پیسہ حلال قرار دیا ہے اور اس پر کسی جاہل کو اشکال ہے تو اس کا اشکال اسی کو مبارک ہو، نیز یاد رکھئے کہ حنفی مسلک کے مسائل کے لئے احادیث شریفہ ڈھونڈی جائیں تو انشاء اللہ ہر ایک مسئلہ کے موافق حدیث رسول مل جائے گی، چاہے دلالۃ ہو یا اشارۃ یا اقتضاء ہو۔ فقط واللہ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍ صفر ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۵۷۲۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۲/۲۴ھ

انسانی وحیوانی فضلات کی خرید وفروخت کا حکم

سوال [۸۶۴۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: موجودہ زمانہ میں انسانی اور حیوانی فضلہ کا استعمال بطور کھاد ہوتا ہے۔ اور اس سے گیس بھی پیدا کی جاتی ہے؛ لہٰذا ایسی صورت میں انسانی وحیوانی فضلات کی خرید وفروخت جائز ہے یا نہیں؟ دونوں کا حکم الگ الگ ہے یا ایک ہے؟ جواب تحریر فرما دیں۔

المستفتی: کلیم احمد حسن پور، امروہہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: خالص انسانی فضلات کی خرید وفروخت کرنا مکروہ ہے، اوراگروہ راکھ یامٹی وغیرہ کےساتھ مخلوط ہواوروہ غالب ہوتو بلاکراہت جائز ہے۔اورحیوانی فضلات کی خریدوفروخت بہرحال بلاکراہت جائز ہے۔

كره بيع العذرة رجيع الآدمي خالصة لا يكره بل يصح بيع السرقين، أي الزبل، ثم قال: وصح بيعها مخلوطة بتراب أو رماد غلب عليها في الصحيح. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره، فصل في البيع، زكريا ٩/ ٥٥٢، كراچی ٦/ ٣٨٥، البناية، أشرفيه ١٢/ ٢٠١، الموسوعة الفقهية الكويتية ٤٠/ ١٠٢، المحيط البرهاني، المجلس العلمي ٨/ ١٠٢، رقم: ٩٦٨٧، الفتاوى التاتارخانية، زكريا ١٨/ ٢٣٥، رقم: ٢٨٦١٥، هندية، زكريا قديم ٣/ ١١٦، جديد ٣/ ١١٧، أحسن الفتاوى ٦/ ٣٢١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍جمادی الاولیٰ ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۰۴۲/۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۵/۱۵ھ

بریلوی مسلک کے لوگوں کو زمین فروخت کرنے کا حکم

سوال [۸۶۴۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہم نے گاؤں میں ایک دو بیگہ آراضی خریدی، اس زمین کو بریلوی مسلک کے لوگ ہم سے خرید کر ایک مدرسہ تعمیر کرنا چاہتے ہیں، جب کہ اس جگہ کے برابر میں ایک دیوبندی مسلک کا مدرسہ بھی ہے، توایسی صورت میں ہم اپنی زمین کو ان حضرات کے ہاتھوں فروخت کرسکتے ہیں؟ جو بھی حکم شرعی ہو واضح فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

المستفتی: فہیم انور قریشی، محلّہ اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: خرید وفروخت ایک اختیاری عمل ہے جو چاہے، بیچ سکتا ہے اور جو چاہے خرید سکتا ہے؛ لیکن جب آپ کو پہلے سے یہ بات نظر آرہی ہے کہ بریلوی مسلک کے لوگ یہاں ادارہ قائم کریں گے جس کی وجہ سے خوش عقیدہ دیوبندی مسلک کے ادارہ کے ساتھ ٹکراؤ اور مسلسل فتنہ کا ایک دروازہ کھل جائے گا جو دونوں طرف کے لوگوں کے لئے بے چینی اور بے قراری کا سبب ہوگا؛ اس لئے وہ زمین کسی دیوبندی مسلک کے آدمی کے ہاتھ فروخت کرنا زیادہ بہتر ہے۔

وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ. [البقرة: ۲۱۷]

قال رسول الله ﷺ: إن الشيطان قد أيس أن يعبده المصلون في جزيرة العرب، ولكن في التحريش بينهم. (مسلم، كتاب صفة المنافقين، باب تحريش الشيطان ۲/ ۳۷۶، بيت الأفكار، رقم: ۲۸۱۲)

لكل واحد منهم أن يتصرف في حصته كيف ماشاء. (شرح المجلة رستم باز، اتحاد ديوبند ۱/ ۶۴۳، رقم: ۱۱۶۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳/ جمادی الثانیہ ۱۴۳۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۳۰۰۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۳/ ۶/ ۱۴۳۶ھ

۲/ باب الخیار

بیع کے تام ہونے کے بعد کسی ایک فریق کے بیع کو ختم کرنے کا حکم

سوال [۸۶۴۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مرحوم عبدالمنان خان کھرگون ایم پی نے اپنی زندگی میں شیخ حمید اسلام پور مہاراشٹر کو اپنی کھیتی کی زمین (قابل زراعت وپیداوار) ۸/ ایکٹر۴/ ڈسمل جو۱۹۹۸ء میں مبلغ تین لاکھ ۳۲/ ہزارروپیے میں فروخت کی۔ مذکورہ رقم کی ادائے گی کی شکل فریقین میں اتفاق رائے سے اس طرح طے کی گئی پچاس ہزارروپئے ۱۵/ جون ۱۹۹۸ءکو، پھرایک لاکھ روپئے یکم اگست ۱۹۹۸ءکواورایک لاکھ ۲۵/ ہزارروپئے یکم جنوری ۱۹۹۹ءکو یہ کل -/2,75,000 ہوئے باقی بچے -/57,000 روپئے، یہ رجسٹری ہوجانے کے بعد ادا کئے جائیں گے۔

غورطلب مسئلہ یہ ہے کہ -/2,75,000 روپئے یکم جنوری ۱۹۹۹ءتک ادا کرنے چاہئے تھے، مگر فروری ۲۰۰۰ءتک شیخ حمید نے صرف -/2,15,000 روپئے ہی ادا کئے ہیں اور باقی -/60,000 ساٹھ ہزار ابھی تک ادانہیں کئے ہیں، تو ایسی صورت میں جب کہ ساٹھ ہزار کو ۱۲/۱۳/ سال کا طویل عرصہ گذر گیا ہے، تو کیا عبدالمنان مرحوم کے لڑکے شیخ حمید سے ساٹھ ہزار کا معاوضہ لے سکتے ہیں؛ کیوں کہ شیخ حمید نے وعدے کے مطابق ۱۹۹۹ء تک -/2,75,000 روپئے ادانہیں کئے ہیں، زمین کی پوری قیمت ادا کئے بغیر ۱۲-۱۳/ سال سے اس زمین کی پیداوار حاصل کررہا ہے؛ لہٰذا عبدالمنان کے لڑکوں کو یا تو اس کا معاوضہ ملنا چاہئے یا پھر سودا کینسل کرنے کا اختیار رہنا چاہئے، شرعاً کیا حکم ہے؟

المستفتی: قیصر محمود خان کھرگون

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عبدالمنان کا شیخ حمید کو اپنی زمین بغیر کسی شرط کے ثمن

مؤجل کے ساتھ بیچ دینا اور شیخ حمید کا بائع کی اجازت سے اس پر قبضہ کر لینے سے وہ زمین اس کی ملکیت میں داخل ہوگئی، اب شیخ عبد المنان کے لڑکوں کو مبیع کے کچھ ثمن کی ادائے گی نہ ہونے پر اس بیع کو تنہا اپنی طرف سے فسخ کرنے کا اختیار نہ ہوگا؛ بلکہ وہ صرف مابقیہ قیمت کے حقدار ہوں گے جس کی ادائے گی کے لئے شیخ حمید پر دباؤ ڈالا جائے گا۔ اور اگر دباؤ کے باوجود ساٹھ ہزار روپئے ادا نہیں کرتا ہے تو پھر عبد المنان کے لڑکوں کو عقد کے فسخ کرنے کا اختیار حاصل ہوجائے گا۔

إذا حصل الإيجاب والقبول لزم البيع. (تاتارخانية ٨/ ٢٢٢، رقم: ١١٧١٤، هداية، كتاب البيوع، أشرفي ديوبند ٣/ ٢٠، الجوهرة النيرة، إمداديه ملتان ١/ ٢٢٦، دارالكتاب ديوبند ١/ ٢٢٠، ملتقى الأبحر، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ١٠)

وللبائع حق حبس المبيع لاستيفاء الثمن إن كان الثمن حالا، وإن كان الثمن مؤجلا لم يكن له حق الحبس، وإذا استوفى الثمن وسلم المبيع أو سلم بغير قبض الثمن وبعضه مؤجل، أو قبض المشتري بإجازة البائع لفظا أو قبضه وهو يراه، ولا ينهاه ليس له أن يسترده ليحبسه بالثمن. (تاتارخانية ٨/ ٢٤٢، رقم: ١١٧٧٨، الفقه الإسلامى وأدلته، هدى انٹرنيشنل ديوبند ٤/ ١٧٨)

لأن أحد المتعاقدين لا ينفرد بالفسخ كمالا ينفرد بالعقد. (هداية، كتاب القضاء، باب التحكيم، مسائل شتى، اشرفيه ديوبند ٣/ ١٤٧)

لأنه لما تعذر استيفاء الثمن من المشتري، فات رضا البائع، فيستبد بفسخه. الخ (هداية، أشرفى ديوبند ٣/ ١٤٧، البحرالرائق، كوئٹه ٧/ ٣٦، زكريا ٧/ ٦١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١٢/ رجب ١٤٣٤ھ
(الف فتویٰ نمبر: ١١١٩٨/٤٠)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
١٤٣٤/٧/١٢ھ

عقد صحیح کے بعد واپسی پر مجبور کرنا

سوال [۸۶۴۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید اپنی زمین فروخت کر رہا تھا، عمرو دو آدمیوں کو لے کر زید کے پاس آیا اور زید سے زمین کا سودا کرنا شروع کیا، زید نے اس کی قیمت پانچ ہزار روپیہ فی بیگہ خام کم ازکم بتائی، عمرو کے ساتھ اس کا لڑکا بھی تھا جو عاقل وبالغ ہے، عمرو نے اس کی قیمت ساڑھے تین ہزار روپیہ فی بیگہ خام لگائی، کچھ دن خاموشی رہی، اس کے بعد سے عمرو کے لڑکے نے پونے چار ہزار روپیہ فی بیگہ خام لگائی، اس کے بعد زید نے ہنس کر کہا کہ بیٹا تمہارے بس کی نہیں، پھر تقریباً پندرہ منٹ خاموشی رہی، عمرو کے ساتھ جو دو آدمی آئے تھے، ان میں سے ایک نے کہا کہ دونوں فریق کیوں خاموش ہوگئے؟ اس کے بعد زید نے ان دونوں آدمیوں کو اختیارات دے دئے، جن کو عمرو لے کر آیا تھا کہ تم کو کل اختیار رہے، چاہے جتنے میں طے کردو، پھر خاموشی رہی، کچھ دیر بعد عمرو نے بھی ان دونوں ہی آدمیوں کو اختیار دے دیا، اس کے بعد پیسے کا لین دین شروع ہوگیا اور اگلے ہی روز سے زید نے زمین عمرو کے قبضہ میں دے دی، کچھ دنوں بعد جب عمرو پاکستان جانے لگا تو زید سے یہ کہہ کر گیا کہ میرے لڑکے سے پیسے لینے کی کوشش کرنا، یہ پیسہ دینا نہیں چاہتا ہے، زید نے جب لڑکے سے پیسوں کو کہا تو آج کل کرتا رہا اور اس طرح دو مہینے عمرو کا لڑکا زید کو دھوکہ دیتا رہا، عمرو کے پاکستان سے آنے پر زید نے یہ واقعہ من وعن عمرو سے دوہرایا، جس پر عمرو نے خاموشی اختیار کی اور کوئی جواب نہیں دیا، اس کے بعد عمرو نے لوگوں سے یہ کہنا شروع کیا کہ زید مجھ کو زمین دینا نہیں چاہتا اور اس بات کو خوب شہرت دی، اس کے بعد لوگوں نے زید سے معلوم کیا، زید نے لوگوں سے کہا کہ یہ غلط ہے، جو لوگ ثالث ہیں وہ مجھے جو حکم دیں گے میں اس کا پابند رہوں گا، عمرو نے ان ثالثوں سے ایک مرتبہ بھی یہ نہیں کہا کہ فیصلہ دو اور زمین لکھوا دو، بلکہ زید کی تحقیر وتذلیل میں مستقل لگ گیا، کچھ دنوں کے بعد ان ثالثوں میں سے ایک آدمی کو

لے کرعمروزید کے پاس آیااور کہا کہ مجھے کسی قیمت پرزمین نہیں لینی ہے، میرا جورو پیہ ہے وہ واپس کر دو، ان حالات میں اس زمین کی پیداوار عمرو نے کھائی، اس کے لئے شرعی حکم کیا ہے؟ اوراس پیدوار کا شرعی حکم کیا ہے؟

المستفتی: عبداللطیف قاسمی، قبصہ اکبرآباد، ضلع بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ حالات میں اگرفسادِعقد کی کوئی علت نہیں ہےاور نہ ہی زمین میں کوئی عیب سابق موجود ہے، عمرو کے لئے زید کو مجبور کر کے زمین واپس کرنا شرعاً جائز نہیں ہے؛ بلکہ عمرو پرواجب ہے کہ وعدہ کے مطابق زمین کی رقم ادا کرے۔

وإذا حصل الإيجاب والقبول لزم البيع، ولا خيار لواحد منهما إلا من عيب، أو عدم رؤية. الخ (هداية، كتاب البيوع، أشرفي ديوبند ٣/ ٢٠، الجوهرة النيرة، إمداديه ملتان ١/ ٢٢٦، دارالكتاب ديوبند ١/ ٢٢٠، تاتارخانية، زكريا ٨/ ٢٢٢، رقم: ١١٧١٤، ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ١٠-١١)

اورعمرو جب اس زمین کی پیداوار استعمال کر چکا ہے تو اب زمین کا واپس کرنا ہرگز درست نہیں ہے۔

باع كرما وسلمه، فأكل ………… (الدرالمختار، قبيل باب المرابحة والتولية، كراچی ٥/ ١٣٢، زكريا ٧/ ٣٤٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/ذیقعدہ ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۵۲۲/۲۵)

بیعانہ کی ادائے گی نہ کرنے پر کیا بیع کو ختم کیا جا سکتا ہے؟

سوال [۸۶۵۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: فدوی نے اپنی زمین کا سودہ ایک ہندو سے مبلغ دولاکھ دس ہزار روپئے میں کیا تھا،

مورخہ: ۱/۷/ ۲۰۰۹ء کو اور اس نے فدوی کو ایڈوانس ایک لاکھ سڑسٹھ ہزار پانچ سو روپے دیئے، باقی رقم اس نے بیعانہ پر دینے کو کہا تھا، تاہم اس نے بیعانہ نہیں کروایا، بیع نامہ کی مدت ٦/ ماہ رکھی تھی، نہ اس نے رقم ادا کی اور اب اس معاملہ کو تقریباً تین سال تین ماہ گذر چکے ہیں، اب زمین کی قیمت سات لاکھ روپئے ہے، اس نے جو رقم ایڈوانس دی تھی، فدوی نے اس کو زمین جوتنے کی اجازت دے دی تھی، براہ کرم جواب تحریر فرمائیں۔

المستفتی: لیاقت حسین اعجاز نگر بریلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: جب بیع نامہ کی مدت چھ مہینے تھی اور چھ مہینے کی مدت گذر جانے کے بعد بھی اس نے بیع نامہ نہیں کیا ہے اور اسی پر تین سال سے زیادہ عرصہ گذر گیا ہے، تو ایسی صورت میں آپ کو بیع فسخ کر کے اس کا پیسہ اس کو دے کر اپنی زمین واپس لینے کا حق ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۵/ ۵۰٦)

فإذا عزم البائع على ترک الخصومة، تم الفسخ ...... ولأنه لما تعذر استيفاء الثمن من المشتري، فات رضا البائع، فيستبد بفسخه.

(هداية، كتاب القضاء، باب التحكيم، مسائل شتى، اشرفيه ديو بند ٣/ ١٤٦، البحر الرائق، زكريا ٧/ ٦١، كوئٹه ٧/ ٣٦)

فيستبد بفسخه لفوات شرط البيع، وهو التراضي. (فتح القدير، زكريا ٧/ ٣٠٩، كوئٹه ٦/ ٤١٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳/ ذی الحجہ ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۰۸۷۹)

مدت متعینہ پر ثمن کی ادائے گی نہ ہونے پر بائع کو خیار فسخ حاصل ہے

سوال [۸٦۵۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: زید نے اپنی زمین خالد کو فروخت کی اور زید نے کہا کہ یہ زمین اس لئے فروخت کر رہا ہوں کہ مجھے دوسری جگہ زمین خریدنی ہے، اگر آپ ایک مہینے کے اندر پوری رقم ادا کر سکتے ہیں، تو یہ زمین لیجئے، اگر آپ ایک مہینہ کے اندر رقم ادا نہیں کرسکیں گے تو میں دوسری جگہ زمین نہیں خرید سکوں گا، تو خالد نے کہا کہ میں ایک مہینہ کے اندر پوری رقم ادا کر دوں گا اور آدھی رقم زید کو دی اور وہ پڑھانے کے لئے باہر چلے گئے، بار باران کو اطلاع بھی دی گئی؛ لیکن اس نے رقم ایک مہینہ کے اندر نہیں دی۔ اور زید نے یہ شرط لگا دی تھی؛ لیکن اس نے رقم ایک مہینے کے اندر نہیں دی۔ اور زید نے یہ شرط لگا دی تھی کہ اگر وہ زمین خرید نہیں سکا تو یہ زمین میں آپ کو نہیں دوں گا؛ اس لئے کہ یہ زمین فروخت کرنے کا مقصد دوسری زمین خریدنی ہے۔ اور خالد نے یہ رقم دس مہینے کے بعد ادا کی اور وہ زمین بھی زید کے ہاتھ سے نکل چکی ہے۔ اور خالد نے جو بقیہ رقم ادا کی تھی وہ زید کے بھائی کو دی تھی، زید کو نہیں دی تھی، تو کیا اس صورت میں خالد کو رقم لوٹائی جائے گی یا زمین لکھی جائے گی، جیسا کہ زید نے یہ شرط لگائی تھی کہ ایک مہینہ کے اندر پوری رقم ادا کر سکتے ہیں، تو آپ لیجئے ورنہ آپ کو میں زمین نہیں دوں گا۔

المستفتی: حافظ محمد اشفاق، بھاگلپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ میں درج کردہ صورت میں بیع مکمل منعقد نہیں ہوئی۔ اور بیع تام نہ ہونے کی وجہ سے زید کو اختیار ہے کہ رقم واپس کر کے اپنی زمین اپنے پاس رکھ لے۔

عن سلیمان بن البرصاء قال: بایعت ابن عمر بیعا، فقال لي: إن جاء تنا نفقتنا إلی ثلاث لیال، فالبیع بیعنا، وإن لم تأتنا نفقتنا إلی ذلک فلا بیع بیننا وبینک، ولک سلعتک. (المحلی بالآثار، کتاب البیوع، دارالکتب العلمیة بیروت ۷/ ۲٦۵، إعلاء السنن، دارالکتب العلمیة بیروت ۱٤/ ۵۷، رقم: ٤٦۲۱)

فإن اشتری شخص شیئا علی أنه أي المشتري إن لم ینقد ثمنه إلی

ثلاثة أيام فلا بيع صح إستحسانا، خلافا لزفر فلو لم ينقد في الثلاث فسد (وفي الشامية) هذا لو بقي المبيع على حاله. (الدر مع الشامي، كتاب البيوع، باب خيار الشرط، مطلب خيار النقد، كراچی ٤/ ٥٧١، زكريا ٧/ ١١٧، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ٣٦، هداية، أشرفي ديوبند ٣/ ٣٠، تاتارخانية، زكريا ٩/ ٥٣، رقم: ١٢٦٩١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍شعبان ۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۰۹۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۷؍۸؍۱۴۲۷ھ

مال میں نقص نکلنے پر کارخانہ دار پر ہرجانہ عائد کرنا

سوال [۸۶۵۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں نے یہاں کی ایک ایکسپورٹ کرنے والی فرم کو ایک سیمپل بنا کر دیا، اس کا آرڈر میرے پاس منظور ہو کر آگیا اور میرے اور ایکسپورٹ پارٹی کے درمیان ریٹ طے ہوگئے اور میں نے آرڈر کا نصف حصہ بنا کر دے دیا، میں نے اپنی بقایا رقم مبلغ تین لاکھ ۷۵؍ ہزار روپیہ کا مطالبہ کیا، تو یہاں کی ایکسپورٹ پارٹی یہ کہہ رہی ہے کہ آپ نے مال خراب دیا تھا؛ اس لئے میری غیر ملکی پارٹی بطور ہرجانہ کاٹ رہی ہے جو کہ میں آپ کے روپیہ میں سے مجری کروں گا، کیا یہ اقدام جائز ہے یا نا جائز ہے؟ جب کہ انہوں نے مال لیتے وقت ایک ایک عدد کی چیکنگ کی تھی اور جو مال میں نقص تھا اس کی پھر میں نے مرمت کرا کر مال کو دوبارہ ٹھیک کر کے واپس کیا، اب وہ میرا ایک لاکھ پچھتر ہزار روپیہ بطور ہرجانہ کاٹ رہے ہیں، یہ جائز ہے کہ نہیں؟

المستفتی: محمد عرفان محلّہ طویلہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر آپ نے ایک ایک مال چیک کرا کے دیا ہے اور

ایکسپورٹر نے چیک کر کے لیا ہے اور پورے اطمینان کے بعد مال دوسرے ملک میں امپورٹ کے پاس پہنچنے کے بعد مال میں خرابی نکلی ہے تو اس کے ذمہ دار شرعی طور پر آپ نہیں ہیں؛ بلکہ اس کا ذمہ دار ایکسپورٹر ہی ہوگا؛ لہٰذا ایسی صورت میں ایکسپورٹر آپ سے ہرجانہ (کلیم) لینے کا حقدار نہیں ہے۔

وعلمت أن بيع المشتري للمعيب حبس للمبيع سواء علم بالعيب أو لم يعلم، فلا يمكنه الرد بعد ذلك. الخ (فتح القدير، كتاب البيوع، باب خيار العيب، زكريا ٦/ ٣٦٢، كوئٹه ٦/ ٣٨)

ولا يرجع بائعه على بائعه؛ لأنه صار بالبيع حابسا للمبيع. الخ (كفاية مع الفتح كوئٹه ٦/ ٣٨، زكريا ٦/ ٣٦٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم ذیقعدہ ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۴۹۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱/ ۱۱/ ۱۴۱۸ھ

وقت پر قیمت ادا نہ کرنے کی وجہ سے معاملہ فسخ کرنا

سوال [۸٦۵۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک صاحب سے میں نے ۸/ لاکھ پچاس ہزار روپئے میں مکان خریدا، جن میں سے ۲/ لاکھ ۱۰/ ہزار روپئے باقی رکھے، جس کی مدت متعین ہوگئی، مجھے ایک تاجر سے ۴۰/ لاکھ روپئے لینے تھے کہ اچانک اس کی بیوی کو کینسر ہوگیا اور وہ روپئے مجھے نہ دے سکا اور میں مالک مکان کو وقت مقررہ پر پیسے نہ دے سکا، جس کی بنا پر مالک مکان بہت ناراض ہوا اور زبردستی مجھ سے ایک عہد نامہ لکھوایا کہ اگر آئندہ چھ مہینے میں مجھے میری باقی رقم ۲/ لاکھ ۱۰/ ہزار لوٹا دی تب تو ٹھیک ہے ورنہ تمہاری دی ہوئی رقم ٦/ لاکھ ۴۰/ ہزار میں سے ایک روپیہ بھی تم کو نہیں دوں گا۔ اور مکان بھی واپس لے لوں گا اور میری اجازت کے بغیر کسی کو مکان بیچ بھی

نہیں سکتے، اب یہ چھ مہینے کی مدت بھی پوری ہونے والی ہے اور میرے پاس انتظام نہیں ہو پایا، میں نے سوچا کہ مکان بیچ دوں اور اس سے پیچھا چھڑالوں، جب مالک مکان کو پتہ چلا تو کہتا ہے کہ منافعہ میں سے آدھا منافع اگر مجھے دوتب بیچ سکتے ہو ورنہ عہد نامہ کے مطابق تجھ پر کیس کردوں گا، تو مالک مکان کی یہ شرطیں کہاں تک درست ہیں، میں اگر مکان بیچوں تو کیا واقعی وہ آدھے منافع کا حق دار ہے؟ فی الحال مکان پر میرا قبضہ ہے، میں مکان میں رہتا ہوں، مکان کا ٹیکس میرے نام سے آتا ہے، لائٹ کا بل بھی میرے نام سے آتا ہے۔

المستفتی: محمد سلمان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں جب کہ بیع کا معاملہ مکمل ہو چکا ہے اور مشتری نے مبیع زمین پر قبضہ اور دخل لے لیا ہے، تو اب اگر وقت پر قیمت ادا نہ کرنے کی وجہ سے فریقین کی رضامندی سے اس معاملہ کو فسخ کیا جائے تو حکم یہ ہوگا کہ مشتری خالی مکان بائع کے حوالہ کرے اور بائع وصول کردہ پوری رقم کو مشتری کو واپس کرے، معاملہ فسخ ہونے کی صورت میں اس ادا کردہ رقم کو ضبط کرنے کی شرط قطعاً حرام ہے اور خلاف شریعت جبر یہ معاہدہ کا کوئی اعتبار نہیں، نیز جب تک معاملہ فسخ نہ ہو مشتری اس جگہ کو اپنی مرضی سے کسی بھی شخص کے ہاتھ فروخت کرنے کا اختیار رکھتا ہے اور اس میں جو بھی منافع ہوں وہ خود ہی اس کا مالک ہوگا، بائع اس منافع میں سے کسی بھی حصہ کا حق دار نہیں۔ الغرض خلاصہ یہ ہے کہ بائع مقررہ قیمت سے ایک روپیہ بھی زائد لینے کا مطالبہ کسی صورت میں نہیں کرسکتا؛ البتہ رقم مقررہ وقت پر ادا نہ ہونے کی شکل میں وہ معاملہ فسخ کرنے کی بات کرسکتا ہے؛ لیکن اس صورت میں بھی اسے آمدہ رقم میں سے کوئی حصہ ضبط کرنے کی اجازت نہ ہوگی۔

الإقالة جائزة في البيع بمثل الثمن الأول، فإن شرط أكثر منه أو أقل، فالشرط باطل ويرد مثل الثمن الأول. (هداية، كتاب البيوع، باب الإقالة، أشرفي ديوبند ۳/ ٦۹)

فلو شرط فيها أي الإقالة أكثر من الثمن الأول، أو خلاف الجنس بطل الشرط، ولزم الثمن الأول عند الإمام؛ لأن الإقالة فسخ و هو لا يكون إلا على الثمن الأول، فيصير ذلک الشرط فاسدا ولغوا دون الإقالة لما مرّ إن الإقالة لا تفسد بالشرط الفاسد. (مجمع الأنهر، دارالکتب العلمية بيروت ۳/ ۱۰۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/۷/۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۱۴/۹۷)

بیع تام اور لازم ہونے کے بعد معاملہ منسوخ کرنے کا حکم

سوال [۸۶۵۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک جائیداد (نشست گاہ) واقع محلّہ کٹکوئی چاند پور، ضلع بجنور جس کا رقبہ تقریباً تیس گز ہے جو کہ ترکہ پدری جناب حکیم سید ابن حسن صاحب مرحوم سے چاروں بھائیوں کو وراثت میں پہنچی، والدین کے انتقال کے بعد چاروں بھائیوں کی باہمی رضا مندی سے یہ طے پایا کہ جائیداد قلیل ہونے کی وجہ سے اس کو تقسیم کر کے ہر حصہ قابل تعمیر نہ رہے گا؛ لہٰذا اس کی قیمت اسی ہزار روپئے قائم کر کے طے پایا کہ اس کو کسی ایک بھائی کو دے دیا جائے، خرید نے والا بھائی ان تینوں بھائیوں کو ان کے حصہ کی قیمت ادا کر دے اور جائیداد مذکورہ کو اپنے نام کرالے: لہٰذا سب سے بڑے بھائی سے چھوٹے احمد اشرف نے اس کو لینا اور تینوں بھائیوں نے اس کو دینا قبول کیا، بڑے بھائی غلام غوث نے احمد اشرف سے دس ہزار نقد لے لیا، دس ہزار باقی رہا، اس کے چار سال بعد بڑے بھائی کا انتقال ہو گیا، باقی چھوٹے دونوں بھائیوں نے بھی اپنے حصہ کی رقم بیس بیس ہزار روپئے اپنے خریدار بھائی سے وصول کر لی؛ البتہ بڑے بھائی مرحوم کے دس ہزار روپئے اب بھی باقی ہیں، کیا بڑے بھائی مرحوم کی اہلیہ یا ان کی کسی اولاد کو اس فیصلہ کے منسوخ کرنے کا شرعاً حق حاصل ہے، جو فیصلہ بڑے بھائی مرحوم کر گئے ہیں، اس تحریر کے مطابق شریعت کا کیا فیصلہ ہے؟

المستفتی: احمد اشرف جیلانی محلّہ کٹکوئی چاند پور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب چاروں بھائیوں نے مل کر آپسی رضامندی کے ساتھ مذکورہ معاملہ طے کرلیا تھا، تو اب اسی پر قائم رہنا لازم ہے، بڑے بھائی کے انتقال کے بعد ان کی اہلیہ یا دیگر وارث کو مذکورہ معاملہ منسوخ کرنے کا شرعاً حق نہیں ہے؛ بلکہ یہ معاملہ لازم اور تام ہو چکا ہے؛ اس لئے اسی پر قائم رہنا ضروری ہے، ہاں البتہ جو دس ہزار روپیہ باقی ہے وہ بلاتاخیر ادا کردینا چاہئے۔

وإذا حصل الإیجاب والقبول لزم البیع، ولا خیار لواحد منهما إلا من عیب، أو عدم رؤیة. (هدایة، کتاب البیوع، أشرفي دیوبند ۳/ ۲۰، الجوهرة النیرة، إمدادیه ملتان ۱/ ۲۲٦، دارالکتاب دیوبند ۱/ ۲۲۰، ملتقی الأبحر، دارالکتب العلمیة بیروت ۳/ ۱۰، تاتارخانیة، زکریا ۸/ ۲۲۲، رقم: ۱۱۷۱٤)

وإن کان کل واحد منهما یستضر لصغره لم یقسمها إلا بتراضیهما ...... وتجوز بتراضیهما؛ لأن الحق لهما، وهما أعرف بشأنهما. (هدایة مع فتح القدیر، کتاب القسمة، فصل فیما یقسم وما لایقسم، زکریا ۹/ ٤٤٥، کوئٹه ۸/ ۳٥۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ رصفر ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۶۸۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۲/۸ھ

وعدہ کی خلاف ورزی پر سابقہ معاملہ ختم کردینے کا حکم

سوال [۸۶۵۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہم لوگ ایک خاندان کے افراد ہیں، آج سے تقریباً ۱۵ رسال قبل ہمارے درمیان جائیداد کا بٹوارہ ہوا، اس سے پہلے ہم سب لوگ مشترک مکان میں رہتے تھے، کسی کے پاس کم اور کسی کے پاس اس کے حصہ رسد سے زیادہ تھا، ایک قطعہ مکان جو فریق ثانی کے قبضہ میں تھا، جس کی قیمت اس وقت اڑتالیس ہزار روپیہ مانی گئی تھی، اس میں سے -/26,750 روپئے فریق ثانی

کا حصہ تھا اور باقی -/21,250 روپئے کا ہمارا (فریق اول) کا حصہ تھا؛ لہٰذا طے ہوا کہ فریق ثانی دو چار روز میں فریق اول کے حصہ کی قیمت -/21,250 روپئے نقد ادا کردے، تو فریق اول اپنے حق سے دست بردار ہوجائے گا، باہمی طور پر یہ بات طے ہوگئی؛ لیکن فریق ثانی نے مقررہ رقم کی ادائے گی کافی عرصہ تک باوجود تقاضہ کے نہیں کی ۷-۸ر سال بعد فریق ثانی نے صرف دس ہزار -/10,000 روپیہ دینا چاہا جو فریق اول نے لینے سے انکار کردیا اور معاملہ معلق رہا، اب فریق اول کہتا ہے کہ چونکہ فریق ثانی نے طے شدہ معاملہ کے خلاف کیا ہے؛ لہٰذا وہ معاملہ ختم ہوگیا، اب فریق ثانی مکان مذکورہ مشترکہ کے میرے حصہ کی رقم موجودہ بازار بھاؤ سے ادا کرے اور اس عرصہ کے استعمال کا کرایہ ادا کرے، یا پھر اپنے حصہ کی قیمت فریق اول سے لے کر مکان اس کے سپرد کرے، جس کے لئے فریق ثانی تیار نہیں ہے۔

المستفتی: ذکرالرحمٰن، محلّہ گلشہید، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر سائل کا سوال واقع کے مطابق ہے، اور فریق ثانی نے طے شدہ وعدہ کے مطابق فریق اول کا حق ادا نہیں کیا ہے، تو فریق اول کو سابقہ معاملہ شرعاً ختم کردینے کا حق ہے، نیز فریق اول کا یہ مطالبہ بھی صحیح ہے کہ فریق ثانی اپنے حصہ کی قیمت فریق اول سے وصول کر کے اپنے حصہ سے دست بردار ہوجائے۔

عن عمرو بن يحيى المزني، عن أبيه أن رسول الله ﷺ قال: لا ضرر ولا ضرار. (موطا إمام مالك، كتاب القضاء، القضاء فى المرفق، أشرفي ديوبند/ ٣١١)

قوله عليه السلام: لا ضرر ولا ضرار. الحديث، لا يضر الرجل أخاه ابتداءًا ولا جزاء. الخ (الأشباه، قديم/ ١٣٩، قواعد الفقه، أشرفى ديو بند/ ١٠٦، شرح المجلة رستم باز اتحاد ديو بند ١/ ٢٩، رقم المادة: ١٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸ر جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۶۵۸)

۳/ باب العربون

بیع عربون

سوال [۸۶۵۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بیع عربون (بیعانہ) کے جواز کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عمل سے کتب احادیث میں کوئی روایت موجود ہوتو بحوالہ نقل فرما کر ممنون ومشکور فرمائیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بیع عربون کے جواز کے متعلق روایات کتب حدیث میں موجود ہیں۔ حضرت نافع بن عبدالحارث اور حضرت عمرؓ کا واقعہ ذیل میں ملاحظہ فرمائیے:

حدثنا ابن عيينة عن عمرو عن عبدالرحمن بن فروخ أن نافع بن عبدالحارث اشترى دار السجن من صفوان بن أمية بأربعة آلاف درهم، فإن رضي عمر فالبيع له، وإن عمر لم يرض، فأربع مئة لصفوان. (مصنف لابن أبي شيبة، مؤسسة علوم القرآن بيروت ١١/ ٦٧٢، رقم: ٢٣٦٦٢)

واشترى نافع بن عبدالحارث دارا للسجن بمكة من صفوان بن أمية على أن عمر رضي بالبيع، فالبيع بيعه، وإن لم يرض عمر فلصفوان أربع مائة دينار، وسجن ابن الزبير بمكة. (بخاري شريف، كتاب الخصومات، باب الربط والحبس في الحرم ١/ ٣٢٧، رقم الباب: ٨)

عن زيد بن أسلم أن النبي صلى الله عليه وسلم أحل العربان في البيع. (مصنف لابن أبي شيبة، مؤسسة علوم القرآن بيروت ١١/ ٦٧١، رقم: ٢٣٦٥٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶/ ذیقعدہ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۳۱۸)

بیعانہ دے کر خرید وفروخت کرنے کا حکم

سوال [۸۶۵۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: خالد کاروبار اس طرح کرتا ہے کہ مثلاً زمین ایک لاکھ روپئے کی خرید کر بیعانہ دے کر لی اور طے کر دیا کہ ایک لاکھ روپئے ایک ماہ یا دو ماہ میں ادا کردوں گا۔ اور پھر اسی زمین کو ۱۵/ دن میں ڈیڑھ لاکھ کی بیچ کر وہ ایک لاکھ روپئے ادا کردئے، کیا اس طرح کاروبار کرنا صحیح ہے؟ عاقل کا کہنا ہے کہ یہ صحیح نہیں ہے؛ کیوں کہ یہ بیع قبل القبض ہے جو صحیح نہیں، صحیح جواب سے نوازیں۔

المستفتی: مجیب الرحمٰن

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حسب تحریر سوال خالد نامی شخص کا بیعانہ دے کر زمین اس شرط کے ساتھ خریدنا کہ میں ایک دو ماہ میں قیمت ادا کردوں گا اور اس کے بعد اس زمین کو کچھ زائد نفع کے ساتھ غیر کو بیچ کر اس روپیہ سے زمین کی قیمت ادا کرنا اور اس طرح کاروبار کرنا شرعاً درست ہے اور عاقل کا اس خرید وفروخت کو بیع قبل القبض قرار دینا صحیح نہیں؛ اس لئے کہ زمین کی خرید وفروخت میں حکماً قبضہ موجود ہے۔

قال أبو حنيفة وأبو يوسف: يمنع بيع قبل القبض في سائر المنقولات، ويجوز في العقار الذي لا يخشى هلاكه. (تکمله فتح الملهم، كتاب البيوع، باب بطلان بيع المبيع قبل القبض، أشرفيه ديوبند ١/ ٣٥١)

للمشتري أن يبيع المبيع من آخر قبل قبضه إن كان عقارا. (شرح المجلة رستم باز ١/ ١٢٨، رقم المادة: ٢٥٣، مكتبه اتحاد ديوبند)

ويجوز بيع العقار قبل القبض عند أبي حنيفة وأبي يوسف. (هداية، باب المرابحة والتولية، أشرفي ديوبند ٣/ ٧٤، تاتارخانية زكريا ٨/ ٢٦٦، رقم: ١١٨٦٢،

الفقه على المذاهب الأربعة، مبحث التصرف في المبيع قبل قبضه، دارالفكر بيروت ۲/ ۲۳٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/۲/۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۸۹۳/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴/۲/۱۴۳۱ھ

کیا دھوکہ سے اپنے نام بیع نامہ کرانے سے ملکیت ثابت ہوجائے گی

سوال [۸٦٥۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرے شوہر نے ایک پلاٹ ذاتی آمدنی سے خریدا تھا اور پوری قیمت سوسائٹی کو ادا کردی تھی؛ لیکن بیع نامہ نہیں ہوا تھا، میرے شوہر کے شہید ہونے کے بعد خسر نے میرے بڑے لڑکے فہیم الدین سے بہانہ سے اس کی رسید حاصل کر کے بیع نامہ کرالیا، جب کہ وعدہ فہیم کے نام کرانے کا کیا تھا، تو اس پلاٹ کے مالک میرے خسر ہیں یا میں؟ اور میرا شرعاً اس میں کتنا حق ہے؟ جب کہ خسر نے شوہر کے انتقال کے بعد لوگوں کو گواہ بنا کر پلاٹ پر نسیم کی ملک ہونے کا اقرار کیا تھا، جواب سے مطلع فرمائیں۔

المستفتية: نرگس جہاں، ہمشیرہ حاجی محمد انصار، ڈھوتی کھار، آگرہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب نسیم مرحوم نے اپنی ذاتی آمدنی سے پلاٹ خریدا ہے تو وہ پلاٹ ان کی ملک ہے، ان کے والد نے دھوکہ دے کر پلاٹ کے کاغذات میں اپنے نام جو بیع نامہ کرالیا ہے، اس سے شرعاً وہ اس پلاٹ کے مالک نہ ہوں گے؛ بلکہ یہ نسیم مرحوم ہی کی ملک ہے؛ لہٰذا ان کے انتقال کے بعد وہ پلاٹ شرعی وارثین میں بطور ترکہ تقسیم ہوگا۔ (مستفاد: امداد المفتیین ۲/۸۹۰)

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا يأخذن أحدكم متاع أخيه

لاعبا ولا جادا. الحديث (سنن أبي داؤد، كتاب الأدب، باب من يأخذ الشيء من مزاح، النسخة الهندية ٢/ ٦٨٣، دارالسلام، رقم: ٥٠٠٣)

عن عبدالله بن السائب بن يزيد عن أبيه عن جده قال: قال رسول الله ﷺ: لا يأخذ أحدكم عصا أخيه لاعبا أو جادا، فمن أخذ عصا أخيه فليردها إليه. (سنن الترمذي، أبواب الفتن، باب ماجاء لا يحل مسلم أن يردع مسلما، النسخة الهندية ٢/ ٣٩، دارالسلام، رقم: ٢١٦٠، شامي، كتاب الغصب، مطلب في رد المغصوب وفيما لو أبى المالك قبوله، كراچی ٦/ ١٨٢، زكريا ٩/ ٢٦٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍ جمادی الاولی ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۶۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۵/۵ھ

کیا ''امدادالفتاویٰ'' میں بیعانہ ضبط کرنے کا مسئلہ ہے؟

سوال [۸۶۵۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کیا حضرت تھانویؒ نے ''امدادالفتاویٰ'' میں بیعانہ ضبط کرنے سے متعلق کوئی فتویٰ تحریر کیا ہے؟ اگر کیا ہے تو اس کو وضاحت سے تحریر فرمائیے۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حضرت تھانویؒ نے ''امدادالفتاویٰ'' جدید ۳/۱۴۲ر پر اپنے ایک فتویٰ میں بیعانہ کی رقم کو ضبط کرنے کی اجازت دی ہے۔ سوال کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک شخص نے دانت بنانے والے سے دانت بنوائے اور بطور بیعانہ کے اس کو رقم پیشگی دے دی اور وہ شخص دانت بنا چکا؛ البتہ اس میں کچھ نقص رہ گیا، اس دوران اس شخص کا انتقال ہوگیا، تو اب یہ شخص یہ رقم بیعانہ واپس کرے گا یا نہیں؟ چنانچہ اس کے جواب میں حضرت فرماتے ہیں: میرے نزدیک جب وہ بنے ہوئے دانت لے چکا اور وہ موافق فرمائش کے تھے اور ایسی

خفیف کمی جوعرف کے موافق ہو، موافقت فرمائش کے خلاف نہیں ہے، تو وہ بیع کامل ہوگئی اور بنانے والا دانت کا مالک ہوگیا، اس لئے بنانے والا بقیہ دام کا مستحق ہے۔ اور بقیہ کا وہ مطالبہ کرے گا۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۳/۱۴۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶/۳/۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۴۶۲/۴۰)

زرِ بیعانہ کی واپسی کا حکم

سوال [۸۶۶۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: خرید وفروخت کے وقت جب کہ قیمت متعین ہوجاتی ہے اور خریدار کے پاس فی الحال مکمل قیمت موجود نہیں ہے، تو خریدار اسی مجلس میں آئندہ مکمل قیمت دینے کا وعدہ کرتا ہے اور بات کو معتبر اور پختہ بنانے کے لئے زر بیعانہ کے نام پر کچھ روپے دیتا ہے، اب اگر خود مشتری کی جانب سے یہ معاملہ فسخ کیا گیا تو سامان کا مالک زر بیعانہ والی رقم واپس نہیں کرتا اور اپنے لئے حلال سمجھتا ہے، کیا یہ جائز ہے؟

المستفتی: محمد اشتیاق نواز قاسمی، بھاگلپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: معاملہ چاہے مشتری کی طرف سے فسخ ہوجائے یا بائع کی طرف سے ہرحال میں بیعانہ کی رقم مشتری کو واپس دے دینا بائع پر لازم ہے۔ اور بائع کے لئے وہ رقم حلال نہیں ہے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ا/ ۷۷)

عن عمرو بن شعیب، عن أبیه، عن جده أن النبي صلی الله علیه وسلم نهی عن بیع العربان، قال أبو عبدالله: العربان: أن یشتري الرجل دابة بمائة دینار، فیعطیه دینارین عربونا، فیقول: إن لم أشتر الدابة فالدیناران لک.

الحديث (ابن ماجة شريف، أبواب التجارات، باب بيع العربان، النسخة الهندية ١/ ١٥٨، دارالسلام، رقم: ٢١٩٣، سنن أبي داؤد، كتاب البيوع، باب في العربان، النسخة الهندية ٢/ ٤٩٤، دارالسلام، رقم: ٣٥٠٢)

ويرد العربان إذا ترك العقد على كل حال بالاتفاق. (بذل المجهود يحيى سهارنپور ٤/ ٢٨٧، دارالبشائر الإسلاميه بيروت ١١/ ٢٢١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍شعبان ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۴۱۵۲)

بیعانہ کی واپسی لازم ہے

سوال [۸۶۶۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے ایک مکان خریدنے کے لئے عمر سے سودا کیا اور کچھ رقم بطور بیعانہ دے کر ایک مدت مثلاً تین ماہ یا چھ ماہ رجسٹری کرنے کے لئے طے کرلی، مدت پوری ہونے سے پہلے زید نے عمر سے کہا کہ میں مکان نہیں لے سکوں گا؛ لہٰذا کچھ دن بعد زید نے عمر سے اپنی بیعانہ کی رقم واپس مانگی تو عمر نے کہا کہ وہ رقم مسجد کو دے دی۔

(الف) کیا عمر کو زید کی رقم مسجد کو دینا درست ہے یا نہیں؟

(ب) کیا رقم زید کو واپس ملنی چاہئے یا نہیں؟

(ج) بیعانہ کی رقم واپس نہ کرنے پر عمر معاوضہ دار رہے گا یا نہیں؟

المستفتی: محمد شفیق جگر کالونی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب زید نے مکان لینے سے انکار کردیا ہے، تو عمر پر لازم ہے کہ بیعانہ کی رقم زید کو واپس کردے اور مسجد کو جو رقم عمر نے دی ہے اس کا ذمہ دار عمر خود ہے، اور وہ پیسہ عمر کا اپنی جیب سے دینا شمار ہوگا۔ اور زید سے لی ہوئی رقم واپس کرنا لازم ہے۔

عن عمرو بن شعيب، عن أبيه، عن جده أن النبي صلى الله عليه وسلم نهى عن بيع العربان، قال أبو عبدالله: العربان: أن يشتري الرجل دابة بمائة دينار، فيعطيه دينارين عربونا، فيقول: إن لم أشتر الدابة فالديناران لك.
الحديث (ابن ماجة شريف، أبواب التجارات، باب بيع العربان، النسخة الهندية ١/ ١٥٨، دارالسلام، رقم: ٢١٩٣، سنن أبي داؤد، كتاب البيوع، باب في العربان، النسخة الهندية ٢/ ٤٩٤، دارالسلام، رقم: ٣٥٠٢)

ويرد العربان إذا ترك العقد على كل حال بالاتفاق. (بذل المجهود يحيى سهارنپور ٤/ ٢٨٧، دارالبشائر الإسلاميه بيروت ١١/ ٢٢١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍ جمادی الثانیہ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۱۴۳)

بیعانہ کی رقم ضبط کرنے کا حکم

سوال [۸۶۶۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں نے اپنی ایک چیز مثلاً زمین فروخت کی اس رقم سے کوئی دوسرا کام کرنا تھا، عمرو نے وہ زمین خریدنے کی بات کی، قیمت طے ہوگئی اور یہ وعدہ ہوگیا کہ دس دن بعد ۴/۱ قیمت ادا کروں گا اور ایک ماہ بعد کل قیمت ادا کر کے بیعانہ لکھا لے گا، یہ بات طے ہونے کے بعد عمرو نے مبلغ دو ہزار روپئے زید کو بیعانہ کے طور پر دے دیئے جو کہ ایک طرح کی ضمانت ہوتی ہے بات کی پختگی کے لئے، بات طے ہونے کے بعد زید نے دوسرے خریداروں کو منع کر دیا کہ ہماری زمین فروخت ہوگئی؛ لیکن عمرو نے وعدہ خلافی کی اور حسب وعدہ نہ تو دس دن میں ۴/۱ قیمت ادا کی نہ ایک ماہ بعد کل قیمت ادا کی، نہ بیعانہ کرایا، عمرو کے اس عمل سے زید کا نقصان یہ ہوا کہ وہ جو کام اس رقم سے کرنا چاہتا تھا وہ نہیں کر سکا اور اشیاء کی قیمت بڑھنے اور گرانی ہو جانے کی وجہ سے زید کو ہی وہ کام زیادہ مہنگا اور زیادہ قیمت میں ملا، وعدہ کی مدت نکلنے کے بعد اور مزید انتظار کے بعد زید

نے اپنی وہ زمین دوسرے شخص کوفروخت کردی، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اپنے نقصان کے بدلے میں زید عمرو کے دو ہزار روپئے جوبطور بیعانہ آئے تھے ضبط کرسکتا ہے یانہیں؟ یا اس بیعانہ کی رقم کوواپس کرناضروری ہے؟ جواب عالی سے مطلع فرمائیں۔

المستفتی: محمد عمیر کاس گنج

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: وقت معینہ پر رقم ادا نہ کرنے کی بناء پر فروخت کرنے والے کے لئے عقد ختم کرنے کا حق ہے، مگر عقد ختم کرنے کے بعد دئے ہوئے بیعانہ کو ضبط کر لینا جائز نہیں ہے، اس کو واپس کردینا لازم ہے۔

أن النبي صلى الله عليه وسلم نهى عن بيع العربان، قال أبو عبدالله: العربان: أن يشتري الرجل دابة بمائة دينار، فيعطيه دينارين عربونا، فيقول: إن لم أشتر الدابة فالديناران لک. الحديث (ابن ماجة شريف، أبواب التجارات، باب بيع العربان، النسخة الهندية ١/ ١٥٨، دارالسلام، رقم: ٢١٩٣، سنن أبي داؤد، كتاب البيوع، باب في العربان، النسخة الهندية ٢/ ٤٩٤، دارالسلام، رقم: ٣٥٠٢)

ويرد العربان إذا ترک العقد على كل حال بالاتفاق. (بذل المجهود مكتبه يحيى سهارنپور ٤/ ٢٨٧، دارالبشائر الإسلاميه بيروت ١١/ ٢٢١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸؍محرم ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۶۰۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۸/۱/۱۴۱۹ھ

بیعانہ کی واپسی پر زائد رقم لینا

سوال [۸۶۶۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے بکر سے ایک آراضی بذریعہ عمر مبلغ ایک لاکھ دس ہزار روپیہ میں خرید لی اور مبلغ پانچ ہزار روپیہ کا بیعانہ بذریعہ عمر دلاکر آراضی کا سودا بالکل پکا طے پا گیا، نیز جس دن

بیعانہ دیا گیا اسی دن کے لئے بیعانہ ہونا بھی طے پا گیا، رجسٹری شدہ مگر کچھ دیر کے بعد بکر عمر کے پاس آتا ہے اور کہتا ہے کہ مذکورہ آراضی میں نے کسی دوسرے شخص کو مبلغ ایک لاکھ بیس ہزار روپئے میں فروخت کردی ہے، تم اپنا بیعانہ واپس لے لو، عمر نے منع کیا، بات بڑھتی دیکھ کر کچھ لوگ اکٹھا ہو گئے اور صورت حال معلوم کرنے کے بعد لوگوں نے کہا کہ اس طرح سودا ختم کئے جانے پر بیعانہ کا دوگنا روپئے واپس کیا جاتا ہے، اس پر بکر نے عمر کو مبلغ دس ہزار روپئے واپس کر دئے، یعنی پانچ ہزار روپئے زائد واپس کئے اور یہ زائد روپئے اس وقت عمر کے پاس ہی بطور امانت کے ہیں، عمر یہ چاہتا ہے کہ یہ روپئے بکر کو ہی دئے جائیں، جب کہ زید کا کہنا ہے کہ یہ روپئے مجھے ملنے چاہئیں، تو ایسی صورت میں عمر کو یہ روپئے کس کو دینے چاہئیں؟ کیوں کہ علماء حضرات سے سنا ہے کہ اس طرح کا لین دین سود کہلاتا ہے، جو کہ ناجائز ہے، اگر عمر یہ روپئے زید کو دیتا ہے، تو کیا عمر بھی گنہگار ہوگا؟ اور آخرت میں ایسے شخص کے بارے میں کیا وعید آئی ہے؟ برائے کرم تفصیل سے روشنی ڈال کر جواب مرحمت فرمائیں، تاکہ حق والے کو حق مل جائے۔

المستفتی: عبدالحمید راعینی، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بیعانہ کی واپسی پر جو زائد رقم بائع بکر سے وصول کی گئی ہے، وہ بکر کو واپس کردی جائے، اس کا لینا جائز نہیں۔

لا يجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي.

(شامي، كتاب الحدود، مطلب في التعزير بأخذ المال، كراچی ٤/ ٦١، زكريا ٦/ ١٠٦، هندية زكريا قديم ٢/ ١٦٧، جديد ٢/ ١٨١، البحرالرائق، كوئٹه ٥/ ٤١، زكريا ٥/ ٦٨، قواعد الفقه، أشرفی ديوبند / ١١٠، رقم: ٢٦٩، الموسوعة الفقهية ٢١/ ١١٢)

البتہ بکر نے معاملہ طے ہو جانے کے بعد جو دھوکہ دیا ایسا کرنا جائز نہیں، بکر اس سے گنہگار ہوا؛ لہٰذا بکر پر توبہ واستغفار ضروری ہے۔

اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فَاُولٰٓئِكَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ. الآية [النساء: ۱۷] فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹/۷/۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۲۴۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۹/۷/۱۴۲۰ھ

بیعانہ کے بعد معاملہ ختم کرنے کا حکم

سوال [۸۶۶۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں نے اپنے مکان کا ایک آدمی سے سودا کیا تھا، میں نے چھ ماہ کا ٹائم دیا تھا، اس چھ ماہ میں تقاضہ کرنے پر میری بقایا رقم اس نے نہیں دی، جس کو تقریباً ڈیڑھ سال کا عرصہ ہوگیا، ڈیڑھ سال کے عرصہ سے برابر تقاضہ کر رہا ہوں، میں اب اپنا معاملہ بقایا رقم نہ دینے کی صورت میں ختم کرنا چاہتا ہوں جو انہوں نے دئے ہیں وہ رقم واپس کر کے اپنی جائیداد واپس لینا چاہتا ہوں، کیا یہ میرے لئے جائز ہے؟

المستفتی: صباحت علی ولد صفایت علی، محلہ تمبا کو والان، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر خریدار وقت مقررہ پر بقیہ رقم ادا کرے تو فروخت کرنے والے کو مطالبہ کے باوجود رقم ادا کرنے پر عقد فسخ کرنے کا حق ہوگا۔ اور سوال نامہ سے واضح ہوتا ہے کہ بجائے چھ ماہ کے ڈیڑھ سال مہلت دی گئی ہے؛ اس لئے آپ کو معاملہ فسخ کر کے حاصل شدہ رقم واپس کر کے اپنی جائیداد واپس لینے کا حق ہے۔

إذ الحاجة مست إلى الانفساخ عند عدم النقد تحرزا عن المماطلة في الفسخ. الخ (هداية، كتاب البيوع، باب خيار الشرط، أشرفى ديوبند ۳/ ۳۰)

فإذا عزم البائع على ترك الخصومة، تم الفسخ ...... ولأنه لما تعذر

استيفاء الثمن من المشتري فات رضا البائع، فيستبد بفسخه. (هداية، القضاء، باب التحكيم، مسائل شتى، أشرفي ديوبند ٣/ ١٤٦-١٤٧، البحرالرائق، كوئٹه ٧/ ٣٦، زكريا ٧/ ٦١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/ شعبان ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۱۹۲۹)

جائیداد کا بیعانہ دوسرے کو دے کر سوتیلے بیٹے کو فروخت کرنا

سوال [۸۶۶۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: روشن اختر نے اپنی دولڑکیوں کے جائیداد کے حصہ کا معاہدۂ بیع کچھ رقم پیشگی لے کر بیعانہ کے طور پر میرے نام کردیا تھا، معاہدۂ بیع کے وقت لڑکیوں کی عمر ۱۲/ سال اور ۱۴/ سال کی تھی، آٹھ سال بعد لگ بھگ روشن اختر نے اسی حصہ کا بیعانہ اپنے سوتیلے بیٹے انتخاب کے نام کرادیا، معاہدۂ بیع کے وقت روشن اختر کے پاس اپنی لڑکیوں کے پالن پوسن تعلیم وغیرہ کے لئے کوئی اثاثہ نہیں تھا، تو میرے نام معاہدۂ بیع کرنے کے بعد سوتیلے بیٹے کو بیعانہ کر دینا کیسا ہے؟ کیا اس پر لازم ہے کہ بعد والے بیعانہ کو ختم کرکے پہلے والے خریدار کے نام بیعانہ کرائے، شرعی حکم کیا ہے؟

المستفتی: اقبال انور تمبا کو والان، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: روشن اختر نے اپنی لڑکیوں کی جائیداد کا آپ کے نام جو بیعانہ کیا ہے، یہ ایک طرح کا وعدۂ بیع ہے، نہ کہ بیع، روشن اختر کو وعدۂ بیع پورا کرنا چاہئے تھا، وعدہ پورا نہ کرنے کی وجہ سے وہ گنہگار رہوگی اور روشن اختر کا اپنے سوتیلے بیٹے انتخاب عالم کے نام بیعانہ کرکے فروخت کرنا درست ہوگا۔ اور روشن اختر پر اس بیع کو ختم کرنا لازم اور ضروری

نہیں ہے؛ کیوں کہ یہ بیع مکمل ہوگئی ہے، جو فریقین کی رضامندی کے بغیر ختم نہیں کی جاسکتی، اور پہلے معاہدہ کی وجہ سے وہ صرف گنہگار ہوگی۔

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله ﷺ: آية المنافق ثلاث: إذا حدث كذب، وإذا وعد أخلف، وإذا اؤتمن خان. (ترمذي شريف، أبواب الإيمان، باب ماجاء في علامة المنافق، النسخة الهندية ٢/ ٩١، دارالسلام، رقم: ٢٦٣١، صحيح البخاري، كتاب الإيمان، باب علامة المنافق ١/ ١٠، رقم: ٣٣)

وإذا حصل الإيجاب والقبول لزم البيع، ولا خيار لواحد منهما. (هداية، كتاب البيوع، أشرفي ديوبند ٣/ ٢٠، تاتارخانية، زكريا ٨/ ٢٢٢، رقم: ١١٧١٤، الجوهرة النيرة، إمداديه ملتان ١/ ٢٢٦، دارالكتاب ديوبند ١/ ٢٢٠، ملتقى الأبحر، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ١٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍رجب ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۱۲۲/۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۸/۷/۱۴۲۴ھ

بائع کا بیعانہ کی رقم جمع کرنا اور مشتری کا ڈبل رقم لینا

سوال [۸۶۶۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کو کسی آدمی نے زمین خریدنے کی غرض سے دو لاکھ روپئے ایڈوانس بیعانہ کے طور پر دیا۔ اور روپئے دیتے وقت یہ عہد ہوا جو کاغذ پر لکھا گیا کہ اگر میں فلاں تاریخ تک آپ سے زمین نہیں لیتا ہوں، تو میرے یہ دو لاکھ روپئے آپ نہیں دیں گے، اور نہ ہی میں اس کا حق دار ہوں گا، اور اگر آپ مجھے فلاں تاریخ تک زمین نہیں لکھتے ہیں تو میں آپ سے دو لاکھ روپئے کا چار لاکھ روپئے لوں گا۔ اور وہ تاریخ نکل گئی جس تاریخ کا معاہدہ ہوا تھا، دوسری بات یہ ہے کہ مشتری نے بائع کو کورٹ تک دوڑایا، کورٹ سے اس کے پاس نوٹس آیا تو وہ کورٹ میں حاضر ہوا؛ لیکن جب بات چلی تو وکیل نے بھی کہا کہ جب کاغذ بن گیا ہے، تو اس کا مشتری

حقدار نہیں ہے، اس کے بعد پھر بھی وہ زمین لینے کے لئے پہلی والی رقم دو لاکھ کے ساتھ تیار ہے اس صورت میں بائع کیا کرے؟ اب اس زمین کو دوسرا بھی لینے کے لئے تیار ہے جو کہ اس سے زیادہ رقم دے رہا ہے، اب بائع اس صورت میں کیا کرے کہ پہلے مشتری کو جو دو لاکھ ایڈوانس دیا تھا اس کو دے یہ دو لاکھ روپئے کو جوڑ کر یا اس کے علاوہ پھر دوبارہ اس سے پوری رقم لی جاوے، یا زمین کسی اور کے معرفت بیچ دے؟

المستفتی: محمد سعود شہزادہ باغ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جائیداد کی خریداری کے لئے معاہدہ نامہ اور اقرار نامہ لکھتے وقت مشتری کی جانب سے جو پیشگی روپئے دئے جاتے ہیں اس کا دینا جائز ہے، کیونکہ یہ رجسٹری کے وقت محسوب ہو جاتا ہے؛ لیکن اگر کسی وجہ سے مشتری وقت مقررہ پر خرید نہ سکے، تو بیعانہ کی رقم بائع ضبط کر لے اور بائع اس کو حلال سمجھ کر استعمال کرنے لگے، اسی طرح وقت مقررہ پر رجسٹری کرانے سے بائع گریز کرنے لگے یا بیچنے سے انکار کر دے تو جتنی رقم بائع کے یہاں جمع ہوئی ہے اس کی دوگنی رقم مشتری کو دینی پڑ جائے تو جانبین کی یہ دونوں شرطیں شرعی طور پر ناجائز ہیں؛ بلکہ مشتری نے جتنی رقم جمع کی ہے ہر حال میں خریداری نہ ہونے یا بائع کے نہ بیچنے کی صورت میں اتنی ہی رقم مشتری کو واپس کر دینا واجب ہوتا ہے، نہ فروخت کرنے والے کے لئے اس رقم کا ضبط کرنا جائز ہے اور نہ ہی مشتری کے لئے اور نہ بیچنے کی صورت میں ڈبل رقم وصول کرنا جائز ہوگا۔ (مستفاد: ایضاح النوادر/ ۷۷)

أن النبي صلی اللّٰہ علیه وسلم نهی عن بیع العربان، قال أبو عبداللّٰہ: العربان: أن یشتري الرجل دابة بمائة دینار، فیعطیه دینارین عربونا، فیقول: إن لم أشتر الدابة فالدیناران لک. الحدیث (ابن ماجة شریف، أبواب التجارات، باب بیع العربان، النسخة الهندیة ۱/ ۱۵۸، دارالسلام، رقم: ۲۱۹۳، سنن أبي داؤد، کتاب البیوع، باب في العربان، النسخة الهندیة ۲/ ۴۹۴، دارالسلام، رقم: ۳۵۰۲)

ویرد العربان إذا ترک العقد علی کل حال بالاتفاق. (بذل المجهود یحیی سهارنپور ٤/ ٢٨٧، دارالبشائر الإسلامیه بیروت ١١/ ٢٢١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍ جمادی الثانیہ ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۶۴۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۶/۲۴ھ

معاملہ ختم ہونے کی صورت میں بیعانہ کی رقم کا حکم

سوال [۸۶۶۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زاہد نے ایک زمین فروخت کی، مثلاً پچاس ہزار روپئے میں معاملہ کرتے وقت مشتری نے دس ہزار روپئے دئے اور کہا کہ مابقیہ رقم رجسٹری کے وقت ادا کردوں گا یا بعد میں، جب آپ کہیں، مگر چندہ ماہ بعد مشتری نے زمین خریدنے سے انکار کردیا کہ زمین نہیں لوں گا، دس ہزار روپئے جو معاملہ کرتے وقت دئے تھے، وہ واپس کردو، زاہد نے کہا زمین نہیں لوگے تو روپئے واپس نہیں ہوں گے؛ اس لئے کہ ہم دونوں کے عرف میں معاملہ کے وقت کی ادا شدہ رقم معاملہ کے فسخ کی صورت میں واپس نہیں ہوتی؛ اس لئے اب روپئے نہیں ملیں گے، صورت مذکورہ کا شرعاً کیا حکم ہے؟ عرف عام کا رواج جو مشتری اور بائع کے علاقہ میں ہے، جس کا اوپر بھی تذکرہ کردیا ہے، اس کی شرع میں کچھ حیثیت ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عرف عام کی وجہ سے تخصیص نص تو جائز ہے، مگر ترک نص جائز نہیں ہے۔ اور بیعانہ واپس نہ کرنے کی صورت میں ترک نص لازم آرہا ہے؛ اس لئے ایسا عرف جائز نہیں ہے۔ اور بیعانہ دس ہزار روپئے واپس کرنا لازم ہوگا۔ نص حدیث میں واپسی کی صراحت ہے:

أن النبي ﷺ نهی عن بیع العربان، قال أبو عبداللّٰه: العربان: أن

يشتري الرجل دابة بمائة دينار، فيعطيه دينارين عربونا، فيقول: إن لم أشتر الدابة فالديناران لك. الحديث (ابن ماجة شريف، أبواب التجارات، باب بيع العربان، النسخة الهندية ١/ ١٥٨، دارالسلام، رقم: ٢١٩٣، سنن أبي داؤد، كتاب البيوع، باب في العربان، النسخة الهندية ٢/ ٤٩٤، دارالسلام، رقم: ٣٥٠٢، حجة الله البالغة ٢/ ١٠٨)

ويرد العربان إذا ترك العقد على كل حال بالاتفاق. (بذل المجهود يحيى سهارنپور ٤/ ٢٨٧، دارالبشائر الإسلاميه بيروت ١١/ ٢٢١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍ ربیع الاول ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۶۵۸)

بیعانہ کی ڈبل رقم واپس کرنا

سوال [۸٦٦٨]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص اپنا مکان یا زمین فروخت کرنا چاہتا ہے، اوراس نے اس کے متعلق دوسرے شخص سے بات چیت کی اور بیعانہ بھی لے لیا، پھراس کے بعداس کو بیچنے کاارادہ ترک کردیا، تو کیاوہ شخص بیعانہ ڈبل واپس کرسکتا ہے، جب کہ اس میں ربو کی بومحسوس ہوتی ہے؟

المستفتی: محمد فاروق، راجونگر، منڈولی، دہلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب ایجاب وقبول ہوگیااور ساتھ میں بیعانہ کے طور پر پیشگی کچھ رقم بھی دے دی گئی ہے، تو بیچنے والے کے لئے بعد میں سابقہ معاہدہ کے مطابق زمین مشتری کے حوالے کرنے سے مکر جانا ناجائزاور سخت وعدہ خلافی ہے، حدیث میں ایسی وعدہ خلافی اوردھوکہ دھڑی کی سخت وعید آئی ہے، تاہم اگر معاملہ فسخ کرے، تو بیعانہ جتنا دیا گیا ہے، اتنا ہی واپس ہوگا اس کا دوگنا دینا اور لینا سوداورنا جائز ہے۔

آية المنافق ثلاث: إذا حدث كذب، وإذا وعد أخلف، وإذا أؤتمن

خان. (ترمذي شريف، أبواب الإيمان، باب ماجاء في علامة المنافق، النسخة الهندية ۲/ ۹۱، دارالسلام، رقم: ۲٦۳۱)

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– أن رسول الله ﷺ قال: –إلى قوله– من غشنا فليس منا. (مسلم شريف، كتاب الإيمان، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم: من غشنا فليس منا، النسخة الهندية ۱/ ۷۰، بيت الأفكار، رقم: ۱۰۱)

عن عمرو بن شعيب، عن أبيه، عن جده أنه قال: نهى رسول الله ﷺ عن بيع العربان، قال مالک: وذلک فيما نرى –والله أعلم– أن يشتري الرجل العبد، أو يتكارى الدابة، ثم يقول: أعطيک دينارا على أني إن تركت السلعة، أو الكراء فما أعطيتک لک. (سنن أبي داؤد، كتاب البيوع، باب في العربان، النسخة الهندية ۲/ ٤۹٤، دارالسلام، رقم: ۳۵۰۲)

قلت: ويرد العربان إذا ترک العقد على كل حال بالإتفاق. (بذل المجهود، قديم دارالبشائر الإسلاميه ۱۱/ ۲۲۱)

لأن الربوا عرفه الحنفية بأنه فضل خال عن عوض بمعيار شرعي مشروط لأحد المتعاقدين فى المعاوضة. (الموسوعة الفقهية ۲۲/ ۵۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍ ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹۵۱/۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۶/۴/۱۴۳۲ھ

خریداری میں دی گئی رقم کی واپسی میں دوگنی رقم لینا

سوال [۸۶۶۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: خالد نے حامد سے ایک زمین خریدی، جس کی دو تہائی رقم ادا کردی گئی، جب کہ ایک تہائی

رقم کا زمین کی رجسٹری کے موقع پر ادا کرنا طے ہوا؛ لیکن حامد نے دھوکہ سے ایسی زمین فروخت کی جس کے وہ خود مالک نہ تھے، دس ماہ تک رجسٹریشن کے لئے ٹال مٹول کرتے رہے، تحقیق پر پتہ چلا کہ وہ خود اس زمین کے مالک نہیں ہیں؛ لہٰذا حامد سے ہر روز مطالبہ کیا گیا تو انہوں نے کہا کہ میں دوسری زمین دیتا ہوں، دو چار زمینیں اور دکھلائیں؛ لیکن وہ بھی متنازع فیہ تھیں، خالد نے لینے سے انکار کیا، اس طرح دو تین ماہ اور گذر گئے، اس وقت تک اس زمین کی قیمت جس کو خالد نے خریدا تھا، کئی گنا بڑھ چکی تھی، اب خالد نے حامد سے کہا کہ جو زمین آپ نے ہمیں بیچی ہے وہ خود آپ خرید لیں اور آج کی بازار کی قیمت سے کچھ کم ادا کردیں، مختلف مجالس میں طویل بحث کے بعد یہ طے پایا کہ خالد اصل رقم بیس لاکھ روپئے جو ادا کر چکا تھا پر مزید بیس لاکھ روپئے ملا کر دے دیں گے۔ (یعنی جملہ چالیس لاکھ روپئے) یہ فیصلہ ہو گیا، اس فیصلے کے بعد رقم وصول کرنے میں بڑی دشواری پیش آئی، بہر حال تین سال کے عرصہ میں مختلف قسطوں میں انیس لاکھ پچاس ہزار روپئے خالد نے وصول کئے، اصل رقم میں ابھی پچاس ہزار روپے وصول ہونا باقی ہے؛ لیکن حامد نے اپنی زمین خالد سے چالیس لاکھ روپے میں خریداری کی (یعنی بیس لاکھ زائد رقم اصل بیس لاکھ پر دینے کا وعدہ کیا) وہ رقم اب دینے سے یہ کہہ کر انکار کر رہے ہیں کہ یہ رقم تمہارے لئے جائز نہیں ہے؛ اس لئے کہ تمہاری رقم صرف بیس لاکھ روپے ہے، اس پر جو بھی رقم زائد خالد لے گا وہ سود ہوگا، اس لئے میں خالد ان مذکورہ تفصیلات کی روشنی میں معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ از روئے شرع یہ زائد رقم میرے لئے جائز ہے یا ناجائز ہے؟

المستفتی: امداد اللہ راجہ پوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زمین کی خریداری میں دی گئی رقم کے ساتھ جو شرط لگائی گئی کہ رقم کی واپسی کے ساتھ دوگنے واپس ہوں گے، یہ ناجائز شرط ہے؛ لہٰذا اصل رقم جو بیس لاکھ ہے، اس کے اوپر جو کچھ بھی زائد واپس ہوگا وہ سود ہے، لینے والے کے حق میں وہ پیسہ

حرام ہے؛ لہٰذا خالد کو صرف بیس لاکھ واپس ملے گا اور بیس لاکھ پر زائد حاصل کرنا سود اور حرام ہے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۱/ ۷۸)

أن النبي صلى الله عليه وسلم نهى عن بيع العربان، قال أبو عبدالله: العربان: أن يشتري الرجل دابة بمائة دينار، فيعطيه دينارين عربونا، فيقول: إن لم أشتر الدابة فالديناران لك. الحديث (ابن ماجة شريف، أبواب التجارات، باب بيع العربان، النسخة الهندية ١/ ١٥٨، دارالسلام، رقم: ٢١٩٣، سنن أبي داؤد، كتاب البيوع، باب في العربان، النسخة الهندية ٢/ ٤٩٤، دارالسلام، رقم: ٣٥٠٢)

قلت: ويرد العربان على كل حال بالإتفاق. (بذل المجهود، قديم دارالبشائر الإسلاميه ١١/ ٢٢١)

لأن الربوا عرفه الحنفية بأنه فضل خال عن عوض بمعيار شرعي مشروط لأحد المتعاقدين فى المعاوضة. (الموسوعة الفقهية ٢٢/ ٥٠) **فقط** واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍شعبان ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۶۹۰/۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۸/۲ھ

۴/ باب البيع الفاسد، والباطل، والمكروه

شرطِ فاسد کے ساتھ خرید وفروخت کی شرعی حیثیت

سوال [۸۶۷۰]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک چیز کی قیمت بازاری بھاؤ کے اعتبار سے ۲۹۰/روپئے ہے، اس وقت زید نے وہ چیز ۳۰۰/روپیہ کے اعتبار سے خریدی اس شرط پر کہ آئندہ فروخت کرنے پر اس میں جو نفع ہوگا وہ میرا اور جو نقصان ہوگا وہ بائع کا۔ دریافت یہ کرنا ہے کہ اس طرح کی بیع وشراء جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: ذبیح الرحمٰن چاند پوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ میں ذکر کردہ شرط شرعاً شرطِ فاسد ہے؛ اس لئے ایسا معاملہ شرعاً جواز کے دائرہ میں داخل نہیں ہوتا؛ لہٰذا مسلمانوں کا اس طرح معاملہ کرنا جائز نہیں ہے۔

كل شرط لا يقتضيه العقد، وفيه منفعة لأحد العاقدين أو للمعقود عليه وهو من أهل الاستحقاق يفسده. الخ (هداية، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، أشرفي ۳/ ۵۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴/رمضان ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۴۳۶)

شروط فاسدہ کے ساتھ بیع کا معاملہ

سوال [۸۶۷۱]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے بکر سے ایک قطعہ زمین اس شرط ووعدہ کرکے خریدی کہ میں اس زمین میں اینٹ

کا بھٹہ لگاؤں گا، اس میں تمہاری آدھی شرکت رہے گی۔ اور اس زمین میں دیگر ترقیاتی کام کروں گا جس سے تمہاری بھی ترقی وفائدہ ہوگا، نیز اگر اس زمین کو نفع سے بیچوں گا تو اصل قیمت خرید سے جتنی زیادہ کی بکے گی اس اضافہ اور نفع میں ہماری تمہاری نصف نصف شرکت رہے گی، ان شرائط اور وعدے اور امیدیں دلا کر زید نے بکر سے زمین نصف قیمت میں طے کرلی، یعنی اس وقت مثلاً چار ہزار روپیہ فی کس قیمت کی زمین دو ہزار روپیہ فی کس میں خرید لی، بکر نے اس امید وشرط پر کہ اگر میری زمین کچھ عرصہ بعد زیادہ قیمت میں بکے گی تو آدھا نفع ملے گا، یا تجارت وکاروبار ہوگا، تو اس نفع میں شرکت رہے گی، اس وقت آدھی قیمت میں اس زمین کا زید کے نام بیع نامہ کردیا؛ لیکن زید نے وعدوں کے مطابق اس زمین میں نہ بھٹہ لگایا اور نہ ہی کوئی ترقیاتی کام حسب وعدہ کیا اور نہ اس زمین کو بیچ کر نفع کی نصف رقم دینے کو تیار ہے؛ بلکہ قانونی پختگی وبیع نامہ کرانے کے بعد خود کو مستقل مالک کہتا ہے، نہ تجارت میں بکر کو شریک کرنا چاہتا ہے اور نہ قیمت کے اضافہ ونفع میں حسب وعدہ نصف منافع دینے کو تیار ہے۔
دریافت طلب امر یہ ہے کہ جس شرط کے ساتھ بکر نے زید کو نصف قیمت پر زمین دی تھی، اس شرط ووعدہ کو پورا نہ کرنے کی شکل میں بکر اس زمین کی پوری قیمت زید سے وصول کرنے کا شرعاً حق دار ہے یا نہیں؟ اور کیا کسی طرح آدھی رقم وصول کرسکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: عبدالرحمٰن خان قاسمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: صورت مسئولہ میں زید کا بکر سے شرط کے ساتھ زمین کی بیع کا جو معاملہ ہوا وہ تمام شرائط باطل ہیں اور وہ شروط فاسدہ میں سے ہیں، ایسی شرائط کے ساتھ بیع جائز نہیں ہوتی؛ کیوں کہ خرید وفروخت میں ایسی شرط لگانا جو متعاقدین میں سے کسی ایک کے لئے نفع مند ہو شرط فاسد کہلاتی ہے؛ لہٰذا اس میں بائع کو یہ حق ہے کہ وہ بیع کو فسخ کرکے مذکورہ زمین کو مشتری سے واپس لے لے اور مشتری کے لئے بھی لازم ہے کہ بلا کسی چوں چرا کے اس زمین کو واپس کردے۔

عن سعيد بن زيد –رضي الله عنه– أن رسول الله ﷺ قال: من اقتطع

شبرا من الأرض ظلما طوقه الله إياه يوم القيامة من سبع أرضين. (مسلم شريف، باب تحريم الظلم وغصب الأرض وغيرها، النسخة الهندية ٢/ ٣٢، بيت الأفكار، رقم: ١٦١٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ ؍رجب ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۸۵۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۳ ؍۷ ؍۱۴۲۱ھ

بیع میں شرطِ فاسد لگانے کا حکم

سوال [۸۶۷۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے خالد سے ایک زمین دس لاکھ روپئے میں خریدی، دو لاکھ روپئے زید نے خالد کو دے دیئے، باقی آٹھ لاکھ روپئے کے بارے میں خالد نے زید کو یہ سہولت دی کہ آپ یہ آٹھ لاکھ روپئے ۲۰۱۵ء تک یعنی پانچ سال کے اندر اندر ادا کر دینا، چاہے تھوڑا تھوڑا کر کے چاہے یکبارگی دونوں بخوشی اس بیع اور معاملہ پر رضامند ہوگئے، پھر خالد جو بائع ہے، یوں کہتا ہے کہ اگر آپ نے یعنی زید نے اگر پانچ سال کے اندر اندر یہ آٹھ لاکھ کی رقم ادا نہیں کی اور زید پھر منع کرنے لگے کہ میں زمین نہیں لیتا مجھ سے آٹھ لاکھ کی رقم ادا نہیں ہو پا رہی ہے، تو خالد کہتا ہے کہ میں پانچ سال کے بعد زمین کی جو قیمت ہوگی وہ قیمت لگاؤں گا؛ کیوں کہ پانچ سال تک میری زمین آپ کو بیچنے کی وجہ سے بیکار پڑی رہی اور اس قیمت کو میں آپ کی دی ہوئی دو لاکھ کی رقم سے وضع کرلوں گا، خالد کی اس بات پر زید رضامند ہوگیا۔ معلوم یہ کرنا ہے کہ کیا خرید وفروخت کی یہ شکل درست ہے، خالد کا یہ شرط لگانا اور زید کا اس پر رضامند ہو جانا درست ہے؟ شرعاً جو فیصلہ ہو تحریر فرمائیں۔

المستفتی: جلال الدین کملائی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال میں خرید وفروخت سے متعلق جو معاملہ لکھا گیا ہے وہ جائز نہیں ہے؛ اس لئے کہ اس معاملہ کو اس بات پر معلق کیا گیا ہے کہ پانچ سال میں اگر

زید بقیہ آٹھ لاکھ روپیہ ادا نہ کر سکے تو زمین کی طے شدہ قیمت (دس لاکھ روپیہ) باقی نہیں رہے گی؛ بلکہ پانچ سال کے بعد مذکورہ زمین کی جو قیمت ہوگی وہی قیمت ادا کرنی ہوگی اور وہ قیمت مجہول ہے؛ لہٰذا یہ معاملہ بیع فاسد اور واجب الاسترداد ہے اور جو دو لاکھ روپیہ ادا کیا گیا ہے اس کو پورا کا پورا واپس کرنا لازم ہوگا۔ اور پانچ سال کے بعد اگر طرفین آپسی رضامندی سے نئے سرے سے دوسرا معاملہ کرتے ہیں، تو اس کی اجازت ہے۔

عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده أن النبي ﷺ نهى عن بيع وشرط. الخ (مجمع الزوائد، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٨٥، نصب الرأية ٤/ ٤٣، المعجم الأوسط، دارالفكر ٣/ ٢١١، رقم: ٤٣٦١)

والأثمان المطلقة لا تصح إلا أن تكون معروفة القدر والصفة ...... هذه الجهالة تفضي إلى المنازعة، وكل جهالة هذه صفتها تمنع الجواز هذا هو الأصل. (هداية، كتاب البيوع، اشرفي ٣/ ٢٠-٢١)

عن عمرو بن عوف المزني، عن أبيه، عن جده، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: –إلى– والمسلمون على شروطهم، إلا شرطا حرم حلالا، أو أحل حراما. (سنن الترمذي، أبواب الأحكام، باب ما ذكر عن رسول الله ﷺ في الصلح بين الناس، النسخة الهندية ١/ ٢٥١، دارالسلام، رقم: ١٣٥٢، المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ١٧/ ٢٢، رقم: ٣٠)

عن أبي حميد الساعدي، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لا يحل لامرئ أن يأخذ مال أخيه بغير حقه، وذلك لما حرم الله مال المسلم على المسلم. (مسند أحمد بن حنبل ٥/ ٤٢٥، رقم: ٢٤٠٠٣، مجمع الزوائد، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ١٧١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/ ذی قعدہ ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۲۲۰/۳۹)

بیع واجارہ بیک وقت شئ واحد میں کرنے کا حکم

سوال [۸۶۷۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: سمرن نامی ایک کمپنی ہے جو فارم والے کو مرغی کا بچہ دیتی ہے، بچہ کا بھاؤ بیس روپیہ پچاس پیسہ طے کرتی ہے، چاہے بازار میں اس سے کم بھاؤ ہو یا زیادہ ہو اور ساتھ میں اس بچہ کے متعلق دوائی کا خرچ اور دانہ وغیرہ تمام خرچ کمپنی کے ذمہ ہوتا ہے۔ اور فارم والے کا فارم پانی لائٹ اور محنت ہوتی ہے، کمپنی کی طرف سے فارم والے کو اس کی محنت کی اجرت دے دی جاتی ہے، مگر اس کے لئے چند شرائط ہوتی ہیں، جو مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) مرغی کے ایک کلو وزن کے ساتھ دانہ ایک کیلو ۸۵/ گرام استعمال ہونا چاہئے اور لوگوں کا تجربہ یہ ہے کہ اتنی مقدار دانے میں مرغی کا وزن ایک کیلو ہو جاتا ہے، دانہ کی مقدار طے کر دینے کی وجہ یہ ہے کہ اگر چھوٹ دے دی جائے تو بعض فارم والے دانہ کی چوری کر کے بازار میں بیچ دیتے ہیں۔

(۲) اگر مرغی کا ایک کلو وزن ۴۸/ روپیہ ۲۵/ پیسے تک ہوا تو فارم والے کو ہر کیلو پر ۳/ روپیہ ۸۰/ پیسہ اجرت ملے گی۔ اور اگر اس سے کم خرچ میں تیار ہوا تو ہر ایک روپیہ کم خرچ ہونے پر مزید ۳۰/ پیسہ اجرت ملے گی۔ اور اگر ۴۸/ روپیہ ۲۵/ پیسہ سے زیادہ خرچ لگ گیا تو ہر ایک روپیہ زائد ہونے پر ۳۰/ پیسہ کم ہو جائے گا۔

(۳) پھر اگر کمپنی کو مارکیٹ میں ایک کیلو کا بھاؤ ۵۵/ روپیہ سے زائد ملا تو ہر ایک کلو پر کمپنی مزید ۱۰/ پیسہ انعام دے گی۔

(۴) مال اٹھاتے وقت جس قدر مرغیاں ہوں گی، فقط ان ہی کی اجرت ملے گی، اگر کسی وجہ سے کچھ مرغیاں مر گئی تو مری ہوئی مرغیوں کی اجرت نہیں ملے گی، چاہے مال اٹھانے کے ایک گھنٹہ قبل ہی مری ہوں۔

سوال یہ ہے کہ مذکورہ بالاطریقہ پر کمپنی کے ساتھ معاملہ کرنا جائز ہے یانہیں؟ اوراگر جائز نہیں ہےتو جواز کی کیا شکل ہے؟

المستفتی: مولانا مجاہد ڈینڈ رولوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ پر بار بار غور کیا گیااور بعض مرغی فارم چلانے والوں سے براہ راست تبادلہ خیال کیا گیا،تو معلوم ہوا کہ اس طرح کا معاملہ مرغی فارم چلانے والےکوبھی سمجھ میں نہیں آیا۔اوربیس روپیہ پچاس پیسے ہر بچہ کی قیمت شمار کی گئی اورایک مہینہ یا پینتیس دن تک ان کی دیکھ ریکھ پرورش کرنے کے لئے تین روپیہ تیس پیسہ فی بچہ اجرت طے کی گئی ،تو سب سے تضادیوں پیش آیا کہ شروع میں بیع کی بات سمجھ میں آرہی ہےاورآخر میں اجارہ کی بات سمجھ میں آتی ہے۔اوربیع واجارہ بیک وقت شئ واحد میں جائز نہیں ہے۔اوراس میں کچھ شرائط مجہول اورمتردد فیہ لگائی گئی ہیں:

(۱) اگرمرغی کا ایک کیلو وزن ۴۸/روپیہ ۲۰/ پیسہ تک ہوا تو فارم والے کو ہرکیلو پر۳/روپیہ ۸۰/ پیسےاجرت ملے گی۔اوراگراس سے کم خرچ میں تیارہواتو کم خرچ ہونے پر۳۰/ پیسہ مزیداجرت ملےگی۔اوراگر۴۸/روپیہ۲۵/ پیسہ سےزائدخرچ لگ گیاتو ہرروپیہ زائدہونے پر۳۰/پیسہ کم ہوجائیں گے۔اورپھر کمپنی کو مارکیٹ میں ایک کیلو کا بھاؤ ۵۵/روپیہ سے زائدملا تو کمپنی فی کیلو پردس پیسہ انعام دے گی، یہ سب امر متردد فیہ ہیں،جن کی وجہ سے یہ معاملہ شرعاً جائزنہیں ہے۔

عن عبداللّٰہ بن مسعود –رضی اللّٰہ عنہ– قال: نھی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم عن صفقتین في صفقة. (مسند أحمد بن حنبل ۱/ ۳۹۸، رقم: ۳۷۸۲، مسند البزار، مکتبة العلوم والحکم ۵/ ۳۸٤، رقم: ۲۰۱۷)

ومنھا: أن یکون المبیع معلوما، والثمن معلوما علما یمنع من المنازعة، فالمجھول جھالة مفضیة إلیھا غیر صحیح. (البحرالرائق،

کتاب البیوع، کوئٹہ ٥/ ٢٦٠، زکریا ٥/ ٤٣٦، هندية، زكريا قديم ٣/ ٣، جديد ٣/ ٦، شامي، زكريا ٧/ ١٥، كراچی ٤/ ٥٠٥، الموسوعة الفقهية الكويتية ١٣/ ٤٣)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍جمادی الاولیٰ ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۶۸۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۵/۷ھ

معدوم کی بیع کا حکم

سوال [۸۶۷۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: آج کل ایک کمپنی ایم سی ایکس کے نام سے زور شور سے چل رہی ہے، اس کا پورا نام ''میلٹی کمودیٹی ایکسچینج'' ہے اس کا ہیڈ کوارٹر بمبئی میں ہے اور اس کی آفسیں پورے ملک میں پھیلی ہوئی ہیں۔ اور ان تمام برانچ آفسوں میں کمپنی کے افراد متعین ہیں اور ہر آفس میں کمپیوٹر بھی لگا ہوا ہے، اس کا کام یہ ہوتا ہے کہ ملکی اور بین الاقوامی مارکیٹوں میں اشیاء کا بھاؤ کیا ہے وہ اپنے کمپیوٹر میں انٹرنیٹ کے ذریعہ سے درج کروالیتا ہے، مثلاً سونا، چاندی، تابنا، پیتل، گیہوں، چاول، پیپل منٹ کا تیل وغیرہ مختلف اشیاء کا ملکی اور بین الاقوامی بھاؤ معلوم کر کے کمپیوٹر اسکرین پر درج کر دیا جاتا ہے۔ اور کمپنی کے پاس ان اشیاء میں سے کوئی چیز نہیں ہوتی ہے اور نہ ہی یہ کمپنی کسی چیز کی مالک ہوتی ہے، بس اس کا کام صرف اتنا ہے کہ دنیا بھر کی چیزوں کا بھاؤ اپنی اسکرین پر درج کردے۔ اور دوسرا کام یہ ہوتا ہے کہ اپنے ورکروں کے ذریعہ سے اور اپنی برانچ آفسوں کے ذریعہ سے عام لوگوں کو اس کمپنی میں شرکت کی دعوت دیتی ہے۔ اور اس کی شرکت کی شکل یہ ہے کہ کم سے کم پندرہ ہزار روپئے پہلی بار آفس میں جمع کریں اور یہ طے کر کے جمع کریں کہ کمپیوٹر اسکرین میں مختلف اشیاء کا جو بھاؤ آرہا ہے پندرہ ہزار روپئے میں ان میں سے کوئی چیز زبانی خرید لیں کہ جو پندرہ ہزار روپئے ہم نے

آپ کو دیا ہے،اس کی ہم مثلاً چاندی خرید لیتے ہیں، مثلاً اس وقت ڈیڑھ کلو چاندی پندرہ ہزار روپئے میں مل سکتی ہے اوراسکرین میں چاندی کا بھاؤ آیا ہے کہ دس ہزار روپئے کلو ہے،تو ہم وہیں بیٹھے بیٹھے آفس میں جس آدمی کو پندرہ ہزار روپے دیتے ہیں اس سے ہم یہ کہہ دیں کہ ہم نے آپ سے ڈیڑھ کلو چاندی خرید لی اور وہ اسکرین اسی طرح گھومتی رہے گی، حالاں کہ اس کے پاس چاندی نہیں ہے اور نہ ہی اس کی ملکیت میں ہے ،اور مثلاً شام کو چاندی گیارہ ہزار روپئے بن گئی ہے تو ہمارے ڈیڑھ کلو کی قیمت ساڑھے سولہ ہزار بن گئی ہے، ہم اسی وقت آفس کے ذمہ دار سے یہ کہہ کر کے ساڑھے سولہ ہزار روپئے لے سکتے ہیں کہ ہم نے آپ کے ہاتھ چاندی بیچ دی ہے،ہمیں ساڑھے سولہ ہزارروپئے دے دو، اسی طرح اگر چاندی کا بھاؤ گھٹ گیا ہے،تو وہ ہمیں اتنا گھٹا کردے گا جتنا بھاؤ گھٹ گیا ہے، یہی اس اسکیم اور کمپنی کا خلاصہ ہے، حالاں کہ کمپنی کے پاس نہ تو چاندی موجود ہے اور نہ ہی کمپنی اس کی مالک ہے، بس صرف بین الاقوامی یا ملکی قیمت اس کی اسکرین پر آتی رہتی ہے،تو کیا شریعت میں اس طرح کی تجارت اورلین دین جائز ہے یانہیں؟

المستفتی: محمد قربان، خادم مدرسہ فیض العلوم، تھانہ بٹن رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب یہ کمپنی کسی چیز کی مالک نہیں ہے اور نہ ہی کوئی چیز اس کے پاس موجود ہے اور نہ کمپنی کا ارادہ خریدکران اشیاء کواپنی ملکیت میں لانے کا ہے اور نہ ہی کمپنی حقیقی مالک اور خریدار کے درمیان مذکورہ اشیاء کے فروخت کروانے اور خریدوانے کا حقیقی معنی میں واسطہ ہے؛ بلکہ یہ ایسا ہے جیسے ہاتھی کے دانت ہیں دکھانے کے اور ہیں کھانے کے لئے دوسرے ہیں، اس لئے ایسا معاملہ شریعت میں شروع سے آخر تک جائز نہیں ہے۔

عن حكيم بن حزام –رضي الله عنه– قال: نهاني رسول الله ﷺ أن أبيع ماليس عندي. (سنن الترمذي، البيوع، باب ماجاء في كراهية بيع ما ليس عندك، النسخة الهندية ١/ ٢٣٣، دارالسلام، رقم: ١٢٣٣)

وبيع ما ليس في ملكه لبطلان بيع المعدوم وماله خطر العدم (درمختار) **وفي الشامية: قوله: لبطلان بيع المعدوم: إذ من شرط المعقود عليه أن يكون موجودا مالا متقوما مملوكا في نفسه، وأن يكون ملك البائع فيما يبيعه لنفسه، وأن يكون مقدور التسليم.** (شامي، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مطلب الآدمي مكرم شرعا ولو كافرا، زكريا ٧/ ٢٤٦، كراچی ٥/ ٥٨-٥٩، البحرالرائق، زكريا ٥/ ٤٣٥، كوئٹه ٥/ ٢٦٠، بدائع الصنائع، زكريا ٤/ ٣٣٩، كراچی ٥/ ٤٦، الموسوعة الفقهية الكويتية ٩/ ١٥٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍محرم الحرام ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۱۵۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۹/۱/۱۴۲۸ھ

’’بیع منابذہ‘‘

سوال [۸۶۷۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک کام یہاں ہوتا ہے کہ کئی آدمی مل کر ایک جگہ روپیہ جمع کراتے ہیں، پھر وہ انعام کے طور پر قرعہ اندازی کرتے ہیں اور اس میں کسی کے نام کولر، کسی کے نام ریڈیو، کسی کے ٹیلی ویژن، کسی کے اسکوٹر، کسی کے کپڑا دھونے کی مشین نکلتی ہے، کئی چھوٹے بڑے انعام اوروں کے بھی نکلتے ہیں، ایسی صورت میں یہ سب کام جائز ہے یا ناجائز؟

المستفتی: حاجی ماسٹر علی محمد جھن جھنوں، راجستھان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ معاملہ اور اسکیم بیع منابذہ اور بیع القاء الحجر ہونے کی وجہ سے ناجائز اور باطل ہے، جس کو شریعت نے قطعی طور پر حرام قرار دیا ہے۔

عن أبي هريرة -رضي الله عنه- أن رسول الله صلى الله عليه وسلم

نهى عن الملامسة والمنابذة. (صحيح مسلم، البيوع، باب إبطال بيع الملامسة والمنابذة، النسخة الهندية ۲/ ۱، بيت الأفكار، رقم: ۱۵۱۱)

ولا يجوز البيع بإلقاء الحجر، والملامسة، والمنابذة. (هداية، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، أشرفي ۳/ ۳٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍ رجب المرجب ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳٦/ ۷۳۳۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۱/ ۷/ ۱۴۲۲ھ

کمیٹی کا خریدار سے متعینہ رقم سے زیادہ کا مطالبہ کرنا

سوال [۸٦۷٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے شہر کھر گون میں عامۃ المسلمین کی ایک منتخب کمیٹی (جماعت اصلاح المسلمین) ہے، جو قومی وملی خدمات انجام دیتی ہے، مذکورہ جماعت شہر میں مکاتب بھی چلاتی ہے، قوم وملت کے مفاد کو مدنظر رکھتے ہوئے اصلاحات کرنا اور وقت اور موقع کی نزاکت کے اعتبار سے قوم وملت کی صحیح رہنمائی کرنا وغیرہ اس جماعت کے اہم مقاصد ہیں۔

جماعت کو اپنے دینی، قومی وملی پروگرام منعقد کرنے کے لئے ایک جماعت خانہ (بڑے ہال) کی اشد ضرورت تھی، اس اہم ضرورت کی تکمیل کے لئے جماعت نے باتفاق رائے یہ طے کیا کہ جماعت کے پاس جو کھیت ہے اس میں پلاٹ کاٹ دئے جائیں اور آسان قسطوں پر عام غریب مسلمانوں کو فروخت کردیئے جائیں اور اس سے حاصل ہونے والی رقم سے جماعت خانہ تعمیر کیا جائے، تاکہ بے گھر غریب مسلمانوں کو گھر مل جائیں اور جماعت خانہ کی تعمیر بھی انجام پذیر ہوسکے گی۔

آج سے تقریباً ۱۸؍ سال قبل جماعت نے اپنے کھیت میں ۲۳۷؍ پلاٹ کاٹے تھے مختلف قسم کے مختلف سائز کے پلاٹ کاٹے اور مسلمانوں کو فروخت کردئے، مثلاً -/18,000

-/6,000 -/8,000 -/10,000 آسان قسطوں پر فروخت کیے شروع میں قسطیں جمع کرواتے رہیں، مگر جماعت کی باڈی ہر تین سال میں بدلنے چینج ہونے کی وجہ سے قسطوں کا جمع کرنے اور کروانے کا سلسلہ ختم ہوگیا، نتیجہ یہ ہوا کہ کچھ ہی لوگوں کی قسطیں پوری جمع ہوسکیں اور اکثر قسطیں باقی رہ گئیں، کسی کی کم تو کسی کی زیادہ۔

پلاٹ کے خریداروں نے کئی مرتبہ جماعت کے صدر، سکریٹری سے درخواست کی کہ ہماری قسطیں جمع کرلی جائیں اور پلاٹ کی رجسٹری کروادی جائے؛ لیکن کسی بھی صدر نے اس پر سنجیدگی سے غور نہیں کیا، تادم تحریر صرف ۱۴-۱۵/ پلاٹوں کی رجسٹری ہی ہوسکی ہے۔

ماضی کی طرح موجودہ باڈی سے بھی پلاٹ کے خریداروں نے درخواست کی کہ قسطیں جمع کرکے رجسٹری کروادی جائے اور ہمارے پلاٹوں پر ہمیں قبضہ دیا جائے، الحمد للہ موجودہ باڈی نے ہماری درخواست کو قبول کرتے ہوئے ایک میٹنگ بلائی، مگر استغفر اللہ جماعت نے ایک بے جا اور بے تکا فیصلہ لے کر پلاٹ کے خریداروں کو بہت ہی مایوس کیا ہے۔

زیادہ تفصیل میں نہ جاتے ہوئے عرض ہے کہ جماعت نے یہ فیصلہ لیا ہے کہ چونکہ پلاٹوں اور زمین کی قیمت آسمان چھورہی ہے؛ اس لئے فی الحال زمین کے جو بھاؤ اور ریٹ چل رہے ہیں اس اعتبار سے پلاٹ کی قیمت ادا کی جائے، جماعت کے اس فیصلہ کے مطابق مثلاً -/6,000 کے پلاٹ کی قیمت ایک لاکھ روپے -/8,000 والے کی قیمت ڈیڑھ لاکھ روپے -/10,000 اور -/18,000 والے کی ۲/ڈھائی تین لاکھ روپے اب ادا کرنی ہوگی۔ عرض یہ ہے کہ پلاٹ کی قیمت کئی گنا اضافے کے ساتھ ادا کرنی ہوگی، جب ہی پلاٹ پر قبضہ ہوسکے گا، اور تعجب تو یہ ہے کہ جماعت اس اضافی رقم کو امداد اور تعاون کا لبادہ پہنا کر قوم کو لبھا رہی ہے اور قوم کو اپنی بات منوا کر اپنے فیصلہ کو برقرار رکھنے میں مصروف ہے۔ اور کہتی ہے کہ یہ اضافی رقم امداد ہے، جس سے قوم کے کام انجام دئے جائیں گے۔

جماعت کے اس فیصلے سے عوام میں کافی بے چینی اور انتشار کی صورت حال پیدا ہوگئی ہے، دن بدن ٹکراؤ کے حالات بن رہے ہیں۔ غور طلب امر یہ ہے کہ:

(۱) ۱۸؍سال قبل جماعت نے جو پلاٹ فروخت کئے تھے، اس کی قیمت آج کئی گنا ہوگئی ہے، تو کیا جماعت کو شرعاً حق ہے کہ وہ موجودہ قیمت پر خریداروں سے رقم وصول کریں؟

(۲) جماعت اس اضافی رقم کو امداد کا نام دے رہی ہے، تو شرعی نقطہ نظر سے یہ امداد ہوگی اور امداد لینے کا یہ طریقہ کس زاویے سے درست ہے؟ جتنی جلدی ممکن ہو تسلی و تشفی بخش جواب قرآن وحدیث کی روشنی میں عنایت فرماکر ممنون ومشکور فرمائیں، نوازش ہوگی۔

المستفتی: عبدالرشید انصاری کھرگون

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: مسئولہ صورت میں اٹھارہ سال پہلے جو پلاٹ جس قیمت پر فروخت ہوئے تھے، کمیٹی کے لئے اس متعینہ رقم سے زیادہ وصول کرنا جائز نہیں ہے، ہاں البتہ اگر پوری رقم ادا کرنے کے لئے ایک مدت متعین ہوچکی تھی اور اس وقت پر ادائیگی نہیں کی گئی تو ایسی صورت میں کمیٹی کے لئے گذشتہ عقد کو ختم کرکے ازسرنو کسی بھی رقم پر فروخت کرنا درست ہوگا۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۶/ ۵۰۶)

ولأنه لما تعذر استيفاء الثمن من المشتري فات رضا البائع، فيستبد بفسخه. (هداية آخرين، كتاب القضاء، باب التحكيم، أشرفي ۳/ ۱۴۷، البحرالرائق، كوئٹه ۷/ ۳۶، زكريا ۷/ ۶۱)

إذا تبايعا على أن يؤدى المشتري الثمن في وقت كذا وإن لم يؤده فلا بيع بينهما صح البيع –إلى قوله– إذا لم يؤد المشتري الثمن في المدة المتعينة كان البيع الذي فيه خيار النقد فاسدا، ولكل من العاقدين فسخه، إذا بقي المبيع على حاله. (شرح المجلة رستم، مكتبه اتحاد ۱/ ۱۶۶، رقم المادة: ۳۱۳-۳۱۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍جمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۱۰۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۳/۵/۱۴۳۴ھ

دوسرے کی زمین فروخت کرنے کا حکم

سوال [۸۶۷۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں نے ایک مکان تقریباً پندرہ وبیس سال پہلے اپنے ماموں سے خریدا تھا، جس میں ایک زینہ آمد ورفت کا ہے جو کہ میرے استعمال میں ہے، مگر اب آ کر مجھ پر واضح ہوا ہے کہ وہ زینہ پڑوسی کے آبچک میں بنا ہوا ہے، ان کے اور پڑوسی کے بیچ میں مقدمہ بازی بھی ہوئی تھی، جس کے تصفیہ میں یہ لکھا ہے کہ ان کو زینہ کا حق تصرف حاصل تھا، نہ کہ ملکیت آج وہ وہ جگہ میرے استعمال میں ہے، کیا ان کو وہ جگہ بیچنے کا حق تھا؟

(۲) اب جب کہ وہ مکان میری ملکیت ہے اور مجھے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کو اس جگہ کا صرف حق تصرف تھا، حق ملکیت نہیں تو وہ جگہ میرے لئے جائز ہے اگر نہیں تو کیا کرنا چاہئے؟

المستفتی: کرامت علی ۲۴ ؍ پرگنہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب وہ زمین پڑوسی کی ہے اور اس کا آپ کے ماموں کو استعمال کے لئے دینا آپ پر ایک احسان ہے، آپ کے ماموں کو فروخت کرنے کا حق نہیں ہے؛ اگر فروخت کر دیا ہے تو پڑوسی کو اپنا حق واپس لے لینے کا حق ہے۔

عن أبي حميد الساعدي، أن رسول الله ﷺ قال: لا يحل لامرئ أن يأخذ مال أخيه بغير حقه، وذلك لما حرم الله مال المسلم على المسلم.

(مسند أحمد بن حنبل ٥/ ٤٢٥، رقم: ٢٤٠٠٣)

عن أبي حرة الرقاشي، عن عمه، أن رسول الله ﷺ قال: لا يحل مال رجل مسلم لأخيه، إلا ما أعطاه بطيب نفسه. (السنن الكبرى للبيهقي، باب أهل البغي إذا فاؤا، دارالفكر ١٢/ ٣٥٢، رقم: ١٧٢٢٤)

لا يجوز لأحد أن يتصرف في ملك الغير بغير إذنه. الخ. لا يجوز لأحد أن يأخذ مال أحد بلا سبب شرعي. الخ (قواعد الفقه، أشرفي، ص: ١١٠،

رقم: ۲۶۹-۲۷۰، شرح المجلة رستم، مکتبه اتحاد ۱/ ۶۱-۶۲، رقم المادة: ۹۶-۹۷)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍رجب ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۱۳/۳۵۱۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۳؍۷؍۱۴۱۴ھ

دوسرے کی دوکان اپنی بنا کر فروخت کرنے کا حکم

سوال [۸۶۷۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کے والد احمد نبی خان ولد عبد الغنی خان نے ایک قطعہ دوکان اپنے انتقال کے بعد چھوڑی۔ اور زید کے والد مرحوم کے زید سمیت دولڑکے، دولڑکیاں، چار بچے تھے، جو اس دوکان کے شرعاً مالک ہوگئے تھے، اس کے بعد زید کے چچا نیاز احمد خان ولد عبد الغنی خاں نے زید سمیت چاروں بہن بھائی سے یہ کہہ کر کہ تم کو دوکان سے زیادہ آمدنی ہوجاوے گی، میں دوکان کو دوبارہ تعمیر کرا کر دے دوں اور جب تک میرا لگا ہوا تعمیر میں روپیہ وصول ہوگا دوکانوں کا کرایہ اس وقت تک میں وصول کرتا رہوں گا، جب تک میرا لگا ہوا پیسہ کل وصول ہوگا اس کے بعد کرایہ داروں سے کرایہ آپ لوگوں کو دلوا دوں گا، ہم چاروں نے ان کو اپنا چچا سمجھتے ہوئے اجازت دے دی، تعمیری کام شروع ہوگیا، اسی دوران ہم کو معلوم ہوا کہ چچا نے خود کو مالک بتا کر نقشہ بنوایا ہے، تب ہم نے ان سے معلوم کیا تب انہوں نے یہ کہا کہ میں تمہارا چچا ہوں، تم اگر چاہو تو میں تم کو اقرار نامہ کرا دوں؛ لہٰذا انہوں نے چاروں کے مالک رہنے کا اقرار نامہ لکھا دیا جو کہ زید کے پاس موجود ہے؛ لیکن چچا نے ان دوکانوں کو اپنی بیٹی رخسانہ کو بیچ دیا، جب کہ وہ مالک ہی نہیں تھے، اب چچا کا انتقال ہوگیا ہے، ایسی صورت میں کون مالک ہوا؟

المستفتی: راحت جان جامع مسجد روڈ مغل پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر ایسا واقعہ ہے جیسا کہ سوال نامہ میں درج ہے، تو اس دوکان کا مالک نیاز احمد نہیں ہے اور نہ ہی اس کو فروخت کرنے کا حق ہے؛ بلکہ احمد نبی خان کی مذکورہ اولاد ہی مالک ہوں گی اور انہیں کو قبضہ دے دینا لازم ہوگا۔ اور ان کے چچا نیاز احمد خان کا فروخت کرنا صحیح نہیں ہے؛ البتہ چچا نے جتنا خرچ کیا وہ لے سکتا ہے۔

عن أبي حرة الرقاشي، عن عمه، أن رسول الله ﷺ قال: لا يحل مال امرئ مسلم إلا بطيب نفس منه. (شعب الإيمان للبيهقي، باب في قبض اليد عن الأموال المحرمة، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٣٨٧، رقم: ٥٤٩٢)

لا يجوز لأحد أن يأخذ مال أحد بلا سبب شرعي. الخ (قواعد الفقه، أشرفي، ص: ١١٠، رقم: ٢٦٩، شرح المجلة رستم، مكتبه اتحاد ١/ ٦٢، رقم المادة: ٩٧، هندية، زكريا قديم ٢/ ١٦٧، جديد ٢/ ١٨١، مجلة الأحكام العدلية ١/ ٢٧، رقم: ٩٧)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸؍ شوال ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۴۷۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۱۰/۲۸ھ

دوسرے کی چیز بلا اجازت فروخت کرنے کا حکم

سوال [۸۶۷۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید ایک پتھر کی کان کا مالک ہے، عمرو خریدار نے ۲۰؍ روپیہ کے حساب سے کٹ سائز کے پیسے ادا کردئے اور زید نے قبول کرتے ہوئے کہا کہ کان سے پتھر نکلتے ہی اس کو کٹ سائز کے اعتبار سے کٹوا کر اور اس کی ٹائلیں بنا کر آپ کے حوالہ کردوں گا، اب جب پتھر کان سے باہر آتا ہے، تو زید بجائے اس کی ٹائلیں بنانے کے دوسرے شخص بکر کے ہاتھوں دوگنی

قیمت میں بیچتا ہے (قطع نظر اس سے کہ بکر کو اس پتھر کے بکے ہوئے ہونے کا علم تھا یا نہیں) اور زید عمرو مشتری اول کو کہتا ہے کہ ۲۵؍روپیہ کے اعتبار سے تمہارا حصہ رکھ کر پر وفٹ سمیت تمہیں دے دوں گا اور باقی منافع میں رکھوں گا، تو کیا زید کا مشتری اول عمرو کی اجازت سے پتھر کو بیچنا اور اسکوائرفٹ ۵؍روپیہ کا منافع عمرو کو دے کر باقی خود رکھنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر بحکم شرع زید کے لئے منافع رکھنا جائز نہیں ہو تو عمرو نے جو پر وفٹ ۵؍روپیہ کا منافع لیا ہے وہ اس کے لئے حلال رہے گا یا نہیں؟

المستفتی: محمد رمضان، مکرانوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: طے شدہ عقد کے مطابق وہ پتھر عمرو ہی کی ملکیت ہے؛ لہٰذا عمرو کی ملکیت کی چیزوں کو زید نے اس کی اجازت کے بغیر جو فروخت کیا ہے، اس کی تلافی کی دو شکلیں ہیں: پہلی شکل یہی ہے کہ جتنے میں فروخت کیا ہے وہ سارا پیسہ عمرو کے حوالہ کردے، ہاں البتہ اس میں زید عمرو سے اتنا مطالبہ کرسکتا ہے کہ فروخت کرنے کے محنتانہ کے طور پر کچھ اجرت زید کو مل جائے یہ بھی عمرو کی طرف سے تبرع ہوگی، لازم نہیں ہوگی۔ دوسری شکل یہ ہے کہ عمرو کے جو پتھر زید نے فروخت کردیئے ہیں بعینہٖ اسی صفت اور اسی معیار کے اتنے پتھر زید عمرو کے حوالہ کردے، چاہے اسی کان میں سے یا دوسری جگہ سے خرید کر۔

عن أبي حرة الرقاشي، عن عمه، أن رسول اللّٰه ﷺ قال: لا يحل مال امرئ مسلم إلا بطيب نفس منه. (مسند أبي يعلى الموصلي، دارالكتب العلمية بيروت ۲/ ۹۱، رقم: ۱۵۶۷، مسند أحمد بن حنبل ۵/ ۷۲، رقم: ۲۰۹۷۱، سنن الدار قطني، كتاب البيوع، دارالكتب العلمية بيروت ۳/ ۲۲، ۲۸۶۲-۲۸۶۳)

ليس لأحد أن يأخذ مال غيره بلا سبب شرعي. (شرح المجلة رستم، مكتبه اتحاد ديوبند ۱/ ۶۲، رقم المادة: ۹۷)

وإن أخذه ولو على ظن أنه ملكه وجب عليه رده علينا، إن كان قائما

وإلا فيضمن قيمته إن كان قيما، ومثله إن كان مثليا. (شرح المجلة رستم، مكتبه اتحاد ديوبند ١ / ٦٢، رقم المادة: ٩٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵؍ ربیع الثانی ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۶۶۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۵؍۴؍۱۴۳۳ھ

لون کے رکشہ فروخت کرنے کا حکم

سوال [۸٦٨٠]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) میں ایک رکشہ ایجنٹ ہوں، نیا رکشہ لون کروا کر بیچ سکتا ہوں یا نہیں؟ خریدنے والا ایمان والا ہو یا غیر ایمان والا؟

(۲) اگر خریدنے والا غیر ایمان والا ہے اور جس کے نام پر لون کر رہے ہیں وہ بھی غیر ایمان والا ہو تو اس کو لون کروا کر دینا جائز ہے یا نہیں؟

(۳) نیا رکشہ اگر کیش میں ایک لاکھ دس ہزار میں پڑتا ہے، اس میں انکم ٹیکس کی پروبلم ہونے کی وجہ سے لوگ لون کی ہی مانگ کرتے ہیں، تو ایسی صورت میں لون کروا سکتے ہیں یا نہیں؟ (۴) جس رکشہ پر لون پہلے سے موجود ہو تو وہ رکشہ خرید کر بیچ سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: محمد عمران یونس پٹھان نمبرا ۱۰؍ بھوانی پیٹھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) لون پر رکشہ لینے میں تین شکلیں نکلتی ہیں: ایک شکل تو ناجائز اور دو شکلیں جائز ہیں:

(۱) ناجائز شکل: خریدنے والا اگر کمپنی سے از خود ایک لاکھ روپیہ میں رکشہ خریدے اور اس کی قیمت بینک ادا کرے؛ لیکن بینک خریدار سے ایک لاکھ پانچ ہزار روپیہ وصول کرے، تو یہ خریدار کا بینک کو پانچ ہزار روپیہ مزید دینا ناجائز اور حرام ہے۔ اور یہ سود میں داخل ہے۔

عن فضالة بن عبيد صاحب النبي ﷺ أنه قال: كل قرض جر منفعة فهو وجه من وجوه الربا. (السنن الكبرى للبيهقي، البيوع، باب كل قرض جر منعفة فهو ربا، دارالفكر ۸/ ۲۷٦، رقم: ۱۱۰۹۲)

عن إبراهيم قال: كل قرض جر منفعة فهو ربا. (المصنف لابن أبي شيبة، البيوع، من كره كل قرض جر منفعة، موسسة علوم القرآن جديد ۱۰/ ٦٤۸، رقم: ۲۱۰۷۸)

كل قرض جر نفعا فهو حرام. (شامي، البيوع، باب المرابحة والتولية، مطلب كل قرض جر نفعا حرام، زكريا ۷/ ۳۹۵، كراچی ۵/ ۱٦٦)

(۲) بیع مرابحہ کی شکل: جو جواز کے دائرہ میں آتی ہے، یہ ہے کہ بینک خریدار کے ساتھ اپنے کسی آدمی کو بھیج دے اور بینک کا آدمی بینک کے لئے ہی ایک لاکھ روپیہ میں کمپنی سے سودا کرے، تو وہ گاڑی بینک کی ہو جائے گی، پھر بینک خریدار کو ایک لاکھ پانچ ہزار روپے میں فروخت کردے، تو یہ شکل شرعاً جائز ہے۔

عن أبي بحر عن شيخ لهم، قال: رأيت على علي رضى الله عنه إزارا غليظا، قال: اشتريت بخمسة دراهم، فمن أربحني فيه درهما بعته إياه.
(السنن الكبرى للبيهقي، البيوع، باب المرابحة، دارالفكر ۸/ ۲۲۹، رقم: ۱۰۹٤٤)

المرابحة بيع بمثل الثمن الأول، وزيادة ربح (إلى قوله) جائز.
(عالمگيري، زكريا قديم ۳/ ۱٦۰، جديد ۳/ ۱۵٦، معجم لغة الفقهاء، كراچی، ص: ٤۲۰، المحيط البرهاني، المجلس العلمي ۱۵/ ۱۸۳، رقم: ۱۲۷۲۹)

(۳) وکالت کی شکل: یہ بھی جواز کے دائرہ میں آتی ہے کہ بینک خریدار کو اپنا وکیل بنادے، پھر وہی شخص رکشہ کو کمپنی سے خرید کر بینک کے حوالہ کردے، پھر بینک اس رکشہ کو ایک لاکھ پانچ ہزار روپیہ میں فروخت کردے، تو یہ صورت بھی شرعاً جائز ہے۔ اور اخیر کی ان دوصورتوں کے مطابق اگر بینک سے رکشہ کا لون کرایا جائے تو درست ہے، ورنہ نہیں۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۳/ ۱۳۵، انوار رحمت، ص: ۲۱۲، ایضاح النوادر ۱/ ۱۰۷)

(۲) اگر خریدنے والا غیر مسلم ہو اور جس کے نام لون کرایا جائے وہ بھی غیر مسلم ہو، تو ایسی صورت میں ان کے حق میں یہ معاملہ درست ہے۔ اور آپ کے لئے لون کرانا جب کہ خرید نے والا اور بینک کے تمام ذمہ دار غیر مسلم ہیں، تو جائز اور درست ہے۔

فهذا عمر قد أجاز لأهل الذمة ببيع الخمر والخنازير، وأجاز للمسلمين أخذ أثمانها. (إعلاء السنن، البيوع، باب حرمة بيع الخمر والخنزير والأصنام، دارالكتب العلمية بيروت ۱۴/ ۱۳۵، كراچی ۱۴/ ۱۱۲، أنوار رحمت/ ۱۹۴)

(۳) انکم ٹیکس کی مجبوری ہے، تو ایسی صورت میں مرابحہ اور وکالت کی شکلیں اختیار کریں جو جواب نمبر ۱؍ کی شکل نمبر ۲؍ اور نمبر ۳؍ میں موجود ہے۔

(۴) اگر لون کرتے وقت لون کی صراحت کردی گئی ہو تو کوئی دھوکہ دہی نہیں ہے، مگر ایک سودی معاملہ میں شامل ہونے کی بنا پر گنہگار ہوگا۔

عن جابر –رضي الله عنه– قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم آكل الربو ومؤكله، وكاتبه، وشاهديه، وقال: هم سواء. (مسلم شريف، باب لعن أكل الربا وموكله، النسخة الهندية ۲/ ۲۷، بيت الأفكار، رقم: ۱۵۹۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶؍ رجب ۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۰۴۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۶/۷/۱۴۲۷ھ

سامان نہ ملنے پر ۴۵؍ سو کی جگہ چھ ہزار لینے کا حکم

سوال [۸۶۸۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید پتھر کی کان کا مالک ہے، عمرو نے زید کی کان میں جمے ہوئے پتھر کا ناپ چوک کرتے ہوئے کہا کہ میں یہ پتھر -/4,500 میں خریدتا ہوں اور پیسے دے دئے، زید نے قبول کرتے ہوئے کہا کہ اگر میں نے یہ پتھر وقت مقررہ پر آپ کے حوالہ نہ کیا تو آپ کو

-/6,000 روپیہ دے دوں گا، دھیان رہے کہ ایک پتھر جو کان میں جما ہوا ہوتا ہے، اس کو باہر آنے میں تقریباً دو تین مہینہ لگ ہی جاتے ہیں اور باہر آنے کے بعد وہی پتھر جو جمے ہوئے ہونے کی حالت میں -/4,500 کا تھا، چھ ہزار یا سات ہزار میں بکتا ہے، ان ہی باتوں کو ذہن میں رکھتے ہوئے، زید نے خود ہی کہا تھا کہ اگر میں نے وقت مقررہ پر آپ کے حوالہ نہ کیا تو میں آپ کو ۶۰۰۰/ ہزار روپئے دے دوں گا، تو کیا عمرو کا ۴۵۰۰/ روپئے دے کر ۶۰۰۰/ روپئے لینا شرعاً درست ہے یا نہیں؟ جب کہ عمر نے ۴۵۰۰/ روپئے کے اوپر کا جو منافع ہے، ڈیڑھ یا دو ہزار اس کو حاصل کرنے کے لئے ہی زید کو تین مہینہ پہلے ۴۵۰۰/ روپئے دیئے تھے۔

المستفتی: محمد رمضان مکرانوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) سوال میں ذکر کردہ صورت میں عمرو کے دیئے ہوئے ۴۵۰۰/ روپئے کے بدلے ۶۰۰۰/ روپئے لینے میں ۱۵۰۰/ روپئے سود ہوجائیں گے، اور نقصان سے بچنے کی شکل یہ ہے کہ طے شدہ پتھر ہی وصول کرلیں۔ (احسن الفتاوی ۶/ ۴۸۱، آپ کے مسائل اوران کا حل ۶/ ۱۶۴)

فإن تعذر عليه الأداء زادوا في الحق والأجل، فهذا هو الربى الذي كانوا في الجاهلية يتعاملون به. (تفسير كبير ٧/ ٩١)

كان الرجل إذا حل ماله على صاحبه يقول المطلوب للطالب: زدني في الأجل، وأزيدك على مالك، فإذا فعل ذلك قيل لهم هذا ربا، قالوا: سواء علينا إن زدنا في أول البيع أو عند محل المال فهما، سواء فأكذ بهم الله تعالىٰ، فقال: ﴿وأحل الله البيع وحرم الربوا﴾ (الدرالمنثور، تحت رقم الآية: ٢٧٥ من سورة البقرة، دارالكتب العلمية بيروت ١/ ٦٤٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/ ربیع الثانی ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۶۶۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۴/۲۵ھ

۵۰۰/روپئے کا بل ۴۰۰/روپئے میں فروخت کرنا

سوال [۸۶۸۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے اپنا غلہ ان شرطوں پر فروخت کیا فی کوئنٹل -/2,200 روپئے نقد -/1,700 روپئے -/500 روپئے دو قسطوں میں ملیں گے۔ -/500 روپئے ملنے میں دیر ہوگئی، زید کو ضرورت پڑی پیسوں کی تو زید نے -/500 روپئے کا بل بیچ دیا، حارث نے زید کے غلہ کا بل -/400 روپئے میں خریدا، حارث کا کم قیمت میں بل خریدنا یعنی -/500 روپئے کا بل -/400 روپئے میں خریدنا شریعت کی نظر میں کیسا ہے؟

المستفتی: سید اشرف علی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید کا غلہ فروخت کرنے کے بعد پانچ سو روپئے ملنے میں تاخیر ہونے کی بنا پر پانچ سو روپئے کا بل چار سو روپئے میں فروخت کرنا، میعادی چیک کی بیع اور بیع الجامکیہ کے مرادف ہو کر ناجائز وحرام ہوگا۔ اور بیع الجامکیہ کی صورت یہ ہے کہ حکومت کا ملازم یا صاحب وظیفہ جس کو منجانب حکومت مقررہ میعاد پر تنخواہ یا وظیفہ ملتا ہے، وہ کبھی وقت مقررہ سے پہلے ضرورت کی وجہ سے کم پیسے میں اپنی تنخواہ یا وظیفہ فروخت کر دیتا ہے اور خریدار وقت مقررہ پر صاحب وظیفہ کے نام سے پورا وظیفہ وصول کر لیتا ہے، تو حضرات فقہاء نے اس طرح کی خرید وفروخت کو ناجائز اور حرام کہا ہے؛ اس لئے زید کے لئے قبل از وقت کم قیمت میں اپنا بل فروخت کرنا ربا اور سود کی وجہ سے جائز نہ ہوگا۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۱/ ۳۶)

إن بيع الصك والبراءة والجامكية إنما لا يجوز. (إعلاء السنن، كراچی ۱٤/ ٢٤٤، كتاب البيوع، بيع الصك والبراءة والجامكية والنوط، دارالكتب العلمية بيروت ۱٤/ ٢٨٧)

وأفتی المصنف ببطلان بیع الجامکیة. (درمختار مع الشامي، البیوع، مطلب في بیع الجامکیة، زکریا ۷/ ۳۳، کراچی ٤/ ٥١٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍رجب ۱۴۳۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۸۸۸۳)

پیمنٹ کی دوسونوے کی پرچی ۲۸۰؍ میں فروخت کرنا

سوال [۸۶۸۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: سرکار نے بینکوں کے لئے ایک کپڑا تیار کرنے کے لئے دیا ہے، جس کو جنتا جوڑا کہتے ہیں، اس کو سرکار اپنے طور پر سینٹر قائم کرکے خریدتی ہے، اس کا سرکاری بھاؤ -/34/5 روپے ہے؛ لیکن اس کا پیمنٹ ۲۲-۳۰؍ دن یا اس سے کم وزیادہ وقت میں آتا ہے۔ زید نے ۲۰؍ جوڑے میٹر پر جمع کئے، جس کی قیمت ۵۹۵؍ روپئے ہیں، سینٹر کے سوت کے چار میٹر ملے، جس کی قیمت ۴۰۰؍ روپئے ہوئی، زید کو وہاں سے پرچی ملی، جس میں ۲۹۵؍ روپئے ملنے باقی ہیں، زید اپنی اس پرچی کو خالو کو ۲۸۰؍ میں اس لئے فروخت کر دیتا ہے کہ پیمنٹ کئی ہفتہ بعد آئے گا، خالد اس لئے خرید لیتا ہے کہ اس کو دس روپئے کا نفع ہو جائے گا، کیا اس طرح کی خرید وفروخت شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: عثمان غنی داؤد کاندی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس طرح معاملہ شرعاً جائز نہیں ہے، ہاں البتہ گناہ سے بچنے کے لئے حیلہ کیا جا سکتا ہے کہ زید خالد سے ۲۸۰؍ روپئے بنام قرض لے لے اور خالد سے کہہ دے کہ فلاں تاریخ کو اس پرچی کے ذریعہ فلاں سینٹر سے ۲۹۰؍ روپئے وصول کر کے لے آنا، تو اس میں سے ۲۸۰؍ روپئے قرض کا ہوگا اور دس روپئے اس کام کی مزدوری میں تم کو ملے گا۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۳/ ۱۶۹)

ڈیڑھ روپئے فی اشتہار معاملہ طے کرنے کے بعد ایک روپئے میں چھپوانا

سوال [۸۶۸۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے بکر سے یہ کہا کہ تم جلسہ کے اشتہار چھپوا دو تو بکر بولا کہ ایک اشتہار ڈیڑھ روپئے کا پڑے گا، اس نے کہا ٹھیک ہے چھپوا دو، بکر نے چھپوا دئے، اشتہار ایک روپئے کا پڑا، تو بکر کا اب اس سے ایک اشتہار کا ڈیڑھ روپئے وصول کرنا کیسا ہے؟ نیز اگر بکر کچھ روپئے بطور بیعانہ کے جمع کروالے تو یہ نفع جائز رہے گا یا نہیں؟ جب کہ بکر ان روپیوں کو بطور امانت الگ رکھ لے اور اپنی رقم صرف کرے، یا اگر اس کی بھی رقم ملا دے تو یہ معاملہ و نفع جائز رہے گا یا نہیں؟

المستفتی: محمد اویس کاسگنج، ایٹہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید کے بکر سے کہنے پر کہ تم جلسے کا اشتہار چھپوا دو بکر نے کہا کہ ڈیڑھ روپئے میں ایک اشتہار پڑے گا، گویا کہ زید اور بکر کے درمیان یہ معاملہ طے ہو گیا کہ فی اشتہار ڈیڑھ روپئے کے اعتبار سے زید بکر کو دے گا، چاہے زید نے فی اشتہار کچھ بھی خرچ کیا ہو نفع و نقصان کا ذمہ دار زید ہے۔ اور ڈیڑھ روپئے میں دینے کا ذمہ دار بکر ہے؛ لہٰذا اشتہار تیار کر کے زید کو حوالہ کرنے سے پہلے وہ سب اشتہار ضائع ہو جائے یا چوری ہو جائے تو سارا بھگتان بکر کے ذمہ لازم ہے؛ اس لئے اس درمیان میں جو کچھ بھی نفع ہو گا وہ سب بکر کا حق ہے، اور پھر زید کے حوالے کر دینے کے بعد پوری ذمہ داری زید کے اوپر آئے گی، نیز بیع نامہ کے طور پر جمع شدہ رقم خواہ الگ رکھے یا اس رقم کو اشتہار کی چھپائی میں صرف کرے، بہر صورت منافع یعنی فی اشتہار ڈیڑھ روپئے لینا درست ہے۔ (ایضاح النوادر ا/۲۳)

وبدونه فيما فيه تعامل كخف وقمقمة، وطست صح بيعا لا عدة. (تنوير الأبصار، وتحته في الشامية) ثم ينعقد عند الفراغ بيعا بالتعاطي.

(شامي، كتاب البيوع، باب السلم، مطلب في الاستصناع، زكريا ٧/ ٤٧٥، كراچی

۵/ ٤ ٢ ٢، الفقه الإسلامي وأدلته، دارالفکر ٥/ ٣٦٤٣، هدی انٹر نیشنل دیوبند ٤/ ٣٩٢)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍صفر ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۷۲۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۲/۲۹ھ

دیوالی پر مسلمان کا آتش بازی کی اشیاء فروخت کرنا

سوال [۸۶۸۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: دیوالی کے موقع پر کیا ایک مسلمان آتش بازی کے سامان کو بطور تجارت فروخت کرسکتا ہے؟

المستفتی: فردوس برگونہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دیوالی کے موقع پر جو آتش بازی وغیرہ کا سامان فروخت کیا جاتا ہے، اس کی تجارت کو فقہاء کرام نے مکروہ ممنوع لکھا ہے، اس سے بچنا ضروری ہے۔

(مستفاد: فتاوی محمودیہ میرٹھ ۲۴/۱۶۶)

عن أبي أمامة قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم إن الله عز وجل بعثني هدى ورحمة للعالمين، وأمرني بمحق المعازف، والمزامير، والأوثان، والصلب، وأمر الجاهلية –إلى– لا يحل بيعهن ولا شراؤهن، ولا التجارة فيهن، وثمنهن حرام. (مسند أبي داؤد الطيالسي، دارالكتب العلمية بيروت ١/ ٦٣٥–٦٣٦، رقم: ١٢٣٠، المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ٨/ ١٩٦، رقم: ٧٨٠٣، مسند أحمد بن حبنل ٥/ ٢٥٧، ٢٦٨، رقم: ٢٢٥٧١–٢٢٦٦٣)

ونظيره كراهة بيع المعازف؛ لأن المعصية تقام بها عينها. (شامي، كتاب الجهاد، باب البغاة، مطلب في كراهة بيع ما تقوم المعصية بعينه، زكريا ٦/ ٤٢٠، كراچی ٤/ ٢٦٨)

بيع المزامير يكره. (البحرالرائق، كوئٹه ٥/ ١٤٣، زكريا ٥/ ٢٤٠)

ما قامت المعصية بعينه يكره بيعه تحريما وإلا فتنزيها. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره، زكريا ٩/ ٥٦١، كراچی ٦/ ٣٩١، مطلب في كراهية بيع ما تقوم المعصية بعينه، زكريا ٦/ ٤٢٠، كراچی ٤/ ٢٦٨، الموسوعة الفقهية الكويتية ٩/ ٢١٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍محرم الحرام ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۵۸۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۲/۱/۱۴۳۳ھ

گرین وے پشو پالن میں حصہ لینا

سوال [٨٦٨٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) ہماری ایک کمپنی (گرین وے پشو پالن) ہے، اس میں اگر کوئی شخص مثلاً ۴۶۰۰؍ روپئے دیتا ہے، تو اس کو دو طرح سے نفع ملتا ہے، فارم ہاؤس سے اور دوسرے اپنے منافع سے، وہ اس طرح کہ ہم جانتے ہیں کہ بکری ہر چھ ماہ میں بیاہتی ہے، سال میں چار بچے دیتی ہے، ہم اس میں سے پچھتر فیصد رکھ لیتے ہیں اور ۲۵؍ فیصد دیتے ہیں، اس طرح تین بکرے ہم رکھ لیتے ہیں اور ایک بکرا یا چھیالیس سو روپئے اس شخص کو دیتے ہیں، جب تک اس کی بکری یا بکری کے بچوں میں سے کوئی بکری رہے گی اس کو ہر سال ایک بکرا ملتا رہے گا۔

(۲) کمپنی دوسرا نفع اپنی آمدنی سے دیتی ہے، جب کمپنی کی آمدنی دوگنی ہوتی ہے، تو وہ آپ کے مقرر حصہ کو دوگنا کر دیتی ہے، مثلاً کمپنی کے پاس سو لوگ ہوں گے، یعنی سو بکریاں فارم ہاؤس چلی جائیں گی تو وہ حساب کرے گی، تو وہ سو لوگوں کو کچھ نہیں دے گی، جب کمپنی دوسری بار دو سو لوگوں پر حساب کرے گی، تو پہلے والے سو لوگوں کو چالیس چالیس روپئے فی آدمی دے گی، اسی طرح ہر دفعہ دوگنی تعداد ہونے پر نفع دوگنا کرتی رہے گی۔

المستفتی: سید یاور علی نگینہ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال میں کمپنی کے کاروبار کی جوصورت بیان کی گئی ہے کہ آدمی ٤٦٠٠/ روپئے جمع کرے اوراس قیمت کی بکری لےکر کمپنی پالتی ہے، جب وہ سال میں بچہ دے تواس میں کا ایک چوتھائی پیسہ دینے والے کا اور بقیہ تین چوتھائی کمپنی لیتی ہے، یہ شرکت ناجائز ہے؛ بلکہ اس صورت میں کمپنی کوصرف اجرت ملے گی اور روپئے دینے والے کو بکری اوراس کے بچے ملیں گے؛ اس لئے کہ اس میں تردد کی وجہ سے قمار کا شبہ ہے، اسی طرح دوسری صورت جس میں کمپنی اپنے متعین ممبروں کے دوگنے ہونے پر منافع دیتی ہے، اس میں بھی قمار کا شبہ ہے؛ کیوں کہ جتنے ممبر ایک سال میں بنے اتنے دوبارہ بننا ضروری نہیں ہے؛ اس لئے کمپنی کا یہ نفع بھی جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ ڈابھیل ١٦/٦٠٣)

والربح في الشركة الفاسدة بقدر المال ولا عبرة بشرط الفضل، فلو كل المال لأحدهما، فللآخر أجر مثله كما لو دفع دابّته لرجل ليؤجرها، والآجر بينهما، فالشركة فاسدة، والربح للمالك وللآخر أجر مثله.

(درمختار مع الشامي، كتاب الشركة، مطلب يرجح القياس، زكريا ٦/ ٥٠٣، كراچی ٤/ ٣٢٦)

وعلى هذا إذا دفع البقرة إلى إنسان بالعلف ليكون الحادث بينهما نصفين فما حدث، فهو لصاحب البقرة، ولذلک الرجل مثل العلف الذي علفها وأجر مثله فيما قام عليها. الخ (عالمگيري، الباب الخامس في الشركة الفاسدة، زكريا قديم ٢/ ٣٣٥، جديد ٢/ ٣٣٦، حاشية چلپی مكتبه إمداديه ملتان ٤/ ٤٩، زكريا ٤/ ٣٧٣، الدر مع الرد، زكريا ٦/ ٥٠٤، كراچی ٤/ ٣٢٧)

وحقيقة القمار تمليک المال على المخاطرة، وهو أصل في بطلان عقود التمليكات الواقعة على الأخطار. (أحكام القرآن للجصاص، سهيل اكيڈمي لاهور ٢/ ٤٦٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٢/ رجب المرجب ١٤٢٩ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٨/ ٩٦٧٤)

سودی رقم سے، جھوٹ بول کر یا کم تول کر تجارت کرنا

سوال [۸۶۸۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کچھ لوگ کہتے ہیں کہ بینکوں سے سود پر روپئے لے کر کاروبار کرنا، ملاوٹ کر کے، جھوٹ بول کر، کم تول کر، ٹیکس چوری کر کے کاروبار کرنے والوں کی بھی روزی حرام ہے، پھر خنزیر کے بال کے برش بنانے والوں کی روزی کیوں حرام ہے؟ کیا دونوں ایک زمرے میں آتے ہیں؟ یعنی دونوں کی روزی ایک ہی جنس کی ہوگی یا نہیں؟

المستفتی: احسان علی صدیقی، اصغر منزل شیر کوٹ بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سود کی رقم جھوٹ بول کر غیر سے حاصل کردہ مال حرام ہے۔

صرح الفقهاء بأن من اكتسب مالا بغير حق، فإما أن يكون كسبه بعقد فاسد، كالبيوع الفاسدة، والاستئجار على المعاصي والطاعات، أو بغير عقد، كالسرقة، والغصب، والخيانة، والغلول، ففي جميع الأحوال المال الحاصل له حرام عليه. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارنپور قديم ۱/ ۳۷، دارالبشائر الإسلاميه بيروت ۱/ ۳۵۹، رقم: ۵۹، الدر مع الرد، زكريا ۹/ ۵۵۳، كراچی ٦/ ۳۸۵، تبيين الحقائق، إمداديه ملتان ٦/ ۲۷، زكريا ۷/ ٦٠، البحرالرائق، زكريا ۹/ ۳٦۹، كوئٹه ۸/ ۲۰۱، هندية، زكريا قديم ۵/ ۳٤۹، جديد ۵/ ٤٠٤، الموسوعة الفقهية الكويتية ۳٤/ ۲٤٦)

انکم ٹیکس اور مکان ٹیکس وغیرہ شرعاً جبری ٹیکس ہیں، اگر جھوٹ بول کر یا کسی اور ترکیب سے ٹیکس کی چوری سے جو رقم محفوظ ہو جائے وہ حلال ہوگی۔

الكذب مباح لإحياء حقه، ودفع الظلم عن نفسه. (الدرالمختار، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره، زكريا ۹/ ٦۱۲، كراچی ٦/ ٤۲۷)

اور خنزیر کے بالوں کا پیسہ حرام ہے۔

کالبیوع الفاسدة، والاستئجار على المعاصي والطاعات، أو بغير عقد، كالسرقة، والغصب، والخيانة، والغلول، ففي جميع الأحوال المال الحاصل له حرام عليه. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارنپور قديم ١/ ٣٧، دارالبشائر الإسلاميه بيروت ١/ ٣٦٩، رقم: ٥٩)

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/ ذی الحجہ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۰۲۹)

لاٹری کے پتے، تاش، لوڈو، کنچے، آتش بازی بیچنے کا حکم

سوال [٨٦٨٨]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آیا لاٹری کے پتے بیچنا، کنچے گولی بیچنا، تاش، لوڈو، آتش بازی بیچنا، ان چیزوں کو بیچنا یا استعمال کرنا قرآن وحدیث کی روشنی میں جائز ہے یا ناجائز؟

المستفتی: محمد منظور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ چیزوں کی فروختگی ناجائز ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَيَتَّخِذَهَا هُزُوًا أُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُهِيْنٌ. [لقمان: ٦]

وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ. [المائدة: ٢]

البتہ پیسہ حلال رہے گا، نیز اس کا استعمال کرنا اور ان سے کھیل بھی ناجائز اور حرام ہے۔

أن الملاهي كلها حرام. (درمختار، كتاب الحظر والإباحة، كوئٹه ٥/ ٢٤٥، كراچى ٦/ ٣٤٨، زكريا ٩/ ٥٠٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴/ صفر ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۵۱۳)

غیر شرعی لباس کو سلنا اور فروخت کرنا کیسا ہے؟

سوال [۸۶۸۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مومن کے لئے غیر ملکی یا مغربی لباس جیسے کوٹ، پتلون، جیکٹ، جنس کولہوں سے اونچی اور آدھی آستین والی مردانی شرٹ عورتوں کے لئے بلاوز، چولی، میکسی، فراک، غرارے، شرارے، آدھی آستین کے یا مونڈھے اور بغل صاف طور پر محسوس ہوتے ہوں اور گلے کھلے ہوئے ہونے کے باعث پستان بھی نظر آتے ہوں، ان کی کاٹ چھانٹ، سلائی، خرید وفروخت کیسی ہے؟ اور پہننا کیسا ہے؟

مندرجہ بالا قراش تراش کے نابالغ بچوں کے لباسوں کی کٹائی، سلائی، یا سلے ہوئے لاکر ریڈی میڈ ملبوسات کی خرید وفروخت شرعاً کیا حکم رکھتی ہے؟

المستفتی: حبیب الرحمٰن انصاری متصل علی مسجد، شیر کوٹ، ضلع بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: وہ لباس جو اغیار کا شعار ہے، اس کا استعمال مسلمانوں کے لئے تشبہ کی وجہ سے ناجائز اور ممنوع ہے۔

عن ابن عمر –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله ﷺ: من تشبه بقوم فهو منهم. (سنن أبي داؤد، اللباس، باب في لبس الشهرة، النسخة الهندية ٢/ ٥٦٩، دارالسلام، رقم: ٤٠٣١)

اگر مذکورہ لباس مغربی یہود ونصاریٰ کا شعار ہے تو اس کا استعمال ناجائز ہے، اسی طرح جو لباس بدن اور ستر کی حفاظت نہ کر سکے اس کا استعمال بھی ناجائز ہے، نیز عورتوں کے لباس میں غرارہ، شرارہ وغیرہ جہاں تک احقر کے علم میں ہے یہود ونصاریٰ کا لباس نہیں ہے؛ بلکہ ہندوستان میں غیر مسلم ومسلم عورتیں سب استعمال کرتی ہیں، ہاں البتہ شرفاء کا لباس نہیں سمجھا جاتا ہے؛ اس لئے اس میں بظاہر کوئی قباحت نہیں ہے؛ البتہ بلاوز عام طور پر ساڑی کے ساتھ

ہی استعمال ہوتا ہے وہ ستر کی حفاظت نہیں کرتا ہے؛ اس لئے اس کا استعمال ناجائز ہے۔ اور اگر چولی کے اوپر باقاعدہ قمیص پہنی ہے تو جائز ہے۔ اور اگر فراک مغربی لباس ہے بالغ لڑکیوں کے لئے استعمال جائز نہیں ہے، اسی طرح آدھی آستین کا لباس اور ایسا لباس کہ جس سے پستان وغیرہ نمایاں نظر آجائے ناجائز ہے۔ وہ ''**نساء کاسیات عاریات**'' کی وعید کے اندر داخل ہوں گے۔ حدیث شریف ملاحظہ فرمائیے:

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله ﷺ: صنفان من أهل النار ...... ونساء كاسيات عاريات، مميلات مائلات رؤسهن كأسنمة البخت المائلة، لايدخلن الجنة، ولا يجدن ريحها، وإن ريحها ليوجد من مسيرة كذا وكذا. (صحيح مسلم، كتاب اللباس والزينة، باب النساء الكاسيات، النسخة الهندية ٢/ ٢٠٥، بيت الأفكار، رقم: ٢١٢٨)

اور ایسے فساق کا لباس بنانے والا درزی فعل مکروہ کا مرتکب ہوتا ہے۔

أو خياطا أمره أن يتخذ له ثوبا على زي الفساق يكره له أن يفعل؛ لأنه سبب التشبه بالمجوس والفسقة. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره، زكريا ٩/ ٥٦٢، كراچی ٦/ ٣٩٢، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ١٨٨، مصري قديم ٢/ ٥٣٠، تبيين الحقائق، إمداديه ملتان ٦/ ٢٩، زكريا ٧/ ٦٥)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰؍محرم ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۲۹۸۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۹/۱/۱۴۱۳ھ

ہیروئن کی بیع وشراء

سوال [۸٦٩٠]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: ہیروئن (HEROIN) کی بیع وشراء، اس کا استعمال اوراس کی آمدنی کے شرعی احکام کیا ہے؟ ہیروئن کے باقی تمام احکام بالتفصیل مدلل ارشادفرمائیں۔

المستفتی: جامعہ اسلامیہ مدینۃ العلوم، بردوان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ہیروئن کی بیع وشراء ناجائزاورحرام ہےاوراسے حرام قرار دینے ہی میں احتیاط ہے؛ چونکہ اس کی تھوڑی سی مقدار بھی نشہ آور ہوتی ہے؛ اس لئے اس کا استعمال بھی حرام ہوگا، اس سے حاصل ہونے والی آمدنی بھی ناجائزاورحرام ہوگی۔

عن جابر بن عبدالله –رضي الله عنه– أن رسول الله ﷺ قال: ما أسكر كثيره فقليله حرام. (سنن الترمذي، باب ماجاء أسكر كثيره فقليله حرام، النسخة الهندية ۲/ ۸، دارالسلام، رقم: ۱۸٦٥، سنن النسائي، تحريم كل شراب أسكر كثيره، النسخة الهندية ۲/ ۲۷۷، دارالسلام، رقم: ٥٦٠٧، سنن أبي داؤد، باب ماجاء في السكر، النسخة الهندية ۲/ ٥۱۸، دارالسلام، رقم: ۳٦۸۱، مسند أحمد بن حنبل ۲/ ۹۱، رقم: ٥٦٤۸)

قلت القليل المسكر والقليل الغير المسكر بينهما فرق، كما قال الشيخ المحدث الفقيه رشيد أحمد الكنكوهي في تقريره الكوكب الدري تحت حديث ما أسكر كثيره فقليله حرام: وإنما يحتاج إلى أمثال هذه التاويلات لما ثبت من بعض الصحابة شرب أمثالها، فعلم بفعلهم أن النهي ليس مطلقا، ويمكن أن يقال في الرواية وهو ما أسكر كثيره: أن الكثير والقليل كلاهما مسكران، إلا أن الكثير أكثر إسكارا من القليل، فالقليل حينئذ قسمان: قليل مسكر، وقليل غير مسكر، والموضوع في الحديث هو القليل الأول دون الثاني، فكان المعنى أن القليل المسكر حرام، وإن قل إسكاره فبقي القليل الغير المسكر غير حله، وهذا التاويل جاز في قوله عليه الصلاة والسلام: كل مسكر حرام. (الكوكب الدري ۲/ ۱۲)

أن محل البيع هو المال، وإنه اسم لما يباح الانتفاع به حقيقة وشرعا، ولم يوجد فلا يكون مالا، فلا يجوز بيعها كبيع الخمر. (بدائع الصنائع، كتاب الأشربة، أحكام الخمر، زكريا ٤/ ٢٨٢، كراچی ٥/ ١١٥)

عن يحيى النخعي قال: سأل قوم ابن عباس عن بيع الخمر وشرائها والتجارة فيها، فقال: أمسلمون أنتم؟ قالوا: نعم، قال: فإنه لا يصلح بيعها ولا شرائها، ولا التجارة فيها. (صحيح مسلم، باب إباحة النبيذ الذي لم يشتد ولم يصر مسكرا، النسخة الهندية ٢/ ١٦٨، بيت الأفكار، رقم: ٢٠٠٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/ ربیع الاول ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۰۳۲)

نشہ آور چیزوں کی خرید وفروخت کا حکم

سوال [۸۶۹۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بھانگ، افیم اور ہیروئین وغیرہ نیز نشہ آور اشیاء کی تجارت اور خرید وفروخت اور کاروبار وغیرہ پر حکومتیں سخت رویہ اختیار کرتے ہوئے دوسال کی سزا دیتی ہیں، شریعت وسنت ہماری اس بارے میں کیا رہنمائی کرتی ہے؟ شرعاً یہ سزا درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: سید معین نواز، رانچی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شراب کی تجارت حرام ہے، اس کے علاوہ دیگر نشہ آور چیزوں کی تجارت مکروہ ہے۔ اور حکومتی قانون کی خلاف ورزی کرکے اپنی جان خطرے میں ڈالنا قطعاً جائز نہیں ہے۔

وَلَا تُلْقُوا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ. [البقرة: ١٩٥]

عن يحيى النخعي قال: سأل قوم ابن عباس عن بيع الخمر وشرائها

والتجارة فيها، فقال: أمسلمون أنتم؟ قالوا: نعم، قال: فإنه لا يصلح بيعها ولا شرائها، ولا التجارة فيها. (صحيح مسلم، باب إباحة النبيذ الذي لم يشتد ولم يصر مسكرا، النسخة الهندية ۲/ ۱۶۸، بيت الأفكار، رقم: ۲۰۰۴)

عن زيد بن أسلم، عن عبدالرحمن بن وعلة السبئيّ، من أهل مصر، أنه سأل عبدالله بن عباس عما يعصر من العنب، فقال ابن عباس: إن رجلا أهدى لرسول الله صلى الله عليه وسلم راوية خمر، فقال له رسول الله صلى الله عليه وسلم: هل علمت أن الله قد حرمها؟ قال: لا فسار إنسانا، فقال له رسول الله صلى الله عليه وسلم: بم ساررته؟ فقال: أمرته ببيعها، فقال: إن الذي حرم شربها حرم بيعها. (صحيح مسلم، باب تحريم بيع الخمر، النسخة الهندية ۲/ ۲۲، بيت الأفكار، رقم: ۱۵۷۹)

وصح بيع غير الخمر ...... ثم إن البيع، وإن صح لكنه يكره. (شامي، كتاب الأشربة، زكريا ۱۰/ ۳۵، كراچی ۶/ ۴۵۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱/۸/۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۷۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴/۸/۱۴۳۲ھ

شراب سے بنے ہوئے سرکہ کا استعمال وتجارت

سوال [۸۶۹۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ گیہوں اور پھلوں سے اخذ کرکے جو سرکہ تیار کیا جاتا ہے، اسے مارکیٹ میں ”وائن ویلیگر“ یا شراب کے سرکہ کے نام سے فروخت کیا جاتا ہے، اس کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: نیاز احمد فاروقی، حلال ٹرسٹ جمعیۃ علماء ہند

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: گیہوں، دھان، پھل اور سبزی وغیرہ سے اخذ کرنے

سے جو سرکہ تیار کیا جاتا ہے، چاہے اس کو شراب کے سرکہ کے نام سے فروخت کیا جاتا ہو بلا شبہ جائز اور حلال ہے؛ اس لئے کہ کوئی بھی سرکہ ایسا نہیں ہے کہ اس کی اصل ماہیت پر شراب کا مرحلہ نہ گزرا ہو، یعنی پہلے شراب بنتی ہے، پھر اس شراب سے سرکہ بنتا ہے۔ حدیث وفقہ سے اس کا حلال ہونا ثابت ہے۔

عن عائشة –رضي الله عنها– أن النبي ﷺ قال: نعم الإدام الخل. (مسلم شريف، باب فضيلة الخل و التأدم به، النسخة الهندية ٢/ ١٨٢، بيت الأفكار، رقم: ٢٠٥١، مسند الدارمي، دارالمغني ٢/ ١٣٠٢، رقم: ٢٠٩٣)

إن النجاسة لما استحالت و تبدلت أوصافها و معانيها خرجت عن كونها نجاسة؛ لأنها اسم لذات موصوفة، فتنعدم بانعدام الوصف، وصارت كالخمر إذا تخللت. (بدائع، كتاب الطهارة، الدباغة، زكريا ١/ ٢٤٣، كراچی ١/ ٨٥)

وكذا الخمر تصير خلا، فعلم أن استحالة العين تستتبع زوال الوصف. (غنية المستملي شرح منية المصلي، أشرفيه ١٨٩)

ولا يرد طهارة الخمر بانقلابها خلا ...... لأن عين الشيء حقيقته، وحقيقة الخمر ...... ذهبت وخلفتها أخرى، وإنما يرد ذلک لو قلنا ببقاء حقيقة الخمر ...... مع الحكم بطهارتها. (شامي، كتاب الطهارة، باب الأنجاس، مطلب في العفو عن طين الشارع، زكريا ١/ ٥٣٦، كراچی ١/ ٣٢٨)

لأن العصير لا يتخلل إلا بعد التخمر غالبا، فلو لم نقل بالطهارة لربما تعذر الخمر وهو حلال إجماعا. (نهاية المحتاج ٢/ ٢٣٠، بحواله جديد فقهي تحقيقات ١٠/ ١٣٩)

إذا تخللت الخمر بنفسها بغير قصد التخليل يحل ذلک الخل بلا خلاف بين الفقهاء؛ لقوله عليه الصلاة والسلام: نعم الإدام الخل.
(الموسوعة الفقهية الكويتية ٥/ ٢٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/ ذیقعدہ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۶۹۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۱۱/۸ھ

اعضائے انسانی کی خرید وفروخت کا حکم

سوال [۸۶۹۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) ہر انسان کے سینہ کے اندر دو کیڈنی رہتی ہے (گوشت کے دو ٹکڑے) ان دونوں کا فانکشن ایسا ہے کہ کسی وجہ سے اگر ایک بیکار ہو جاتی ہے تو ایک کیڈنی سے انسان زندہ رہ سکتا ہے؛ البتہ کمزور ہو جاتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ کسی انسان کی اگر دونوں کیڈنی بیکار ہو جائے تو اس آدمی کو بچانے کے لئے میں اپنی ایک کیڈنی اس کو ہدیہ کر سکتی ہوں؟

(۲) ایسی حالت میں اگر اس آدمی کو روپئے کے بدلے کیڈنی فروخت کر دوں تو اس کا کیا حکم ہے؟ میں نے ان سے روپئے کی بات نہیں کی؛ بلکہ شکریہ کے طور پر اس نے روپئے مجھے دے دیا ہے، تو کیا میں اس روپئے کو استعمال کر سکتی ہوں؟

المستفتیة: آمنہ خاتون، ساکن سونا گاچھی، بردوان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: انسان کا کوئی عضو انسان کی ملک نہیں ہے؛ بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے امانت وودیعت ہے؛ لہٰذا مالکانہ طور پر نہ کسی کو ہدیہ میں دے سکتے ہیں اور نہ بالقیمت بیچ سکتے ہیں اور نہ ہی وہ قیمت اس کے لئے حلال ہے، خواہ شکریہ کے طور پر وہ رقم ملی ہو؛ بلکہ اس رقم کا واپس کرنا ضروری ہے۔ (مستفاد: جواہر الفقہ ۲/ ۴۹، جدید زکریا ۷/ ۱۷۰، فتاوی رحیمیہ قدیم ۶/ ۲۸۶، جدید زکریا ۱۰/ ۱۷۰)

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْ اٰدَمَ. [سورة الإسراء، آيت: ۷۰]

الانتفاع بأجزاء الآدمي لم يجز، قيل: للنجاسة، وقيل: للكرامة هو الصحيح. (هندية، الباب الثامن عشر في التداوي والمعالجات، زكريا قديم ٥/ ٣٥٤، جديد ٥/ ٤٠٩، هداية أشرفی ١/ ٤١، الموسوعة الفقهية الكويتية ٢٨/ ٣٤٥)

فكما لا يجوز التداوي بشيء من الآدمي الحي إكراما له. (شرح السير الكبير بحواله جواهر الفقه ۲/ ۵۱، جديد زكريا ۷/ ۶۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷؍ رجب ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۱۲۳)

گوبر اور اس سے نکلے ہوئے دانے کی تجارت

سوال [۸۶۹۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جانوروں کے بڑے بڑے مذبح ہیں، وہاں بڑی مقدار میں گوبر ہوتا ہے، آج کل گوبر بھی فروخت ہوتا ہے، نیز گوبر کو مشینوں کے ذریعہ چھان کر اس میں سے دانہ وغیرہ نکالا جاتا ہے، جسے جانور کے لئے بنائی جانے والی اغذیہ میں استعمال کیا جاتا ہے، کیا گوبر کی تجارت کرنا خواہ وہ کھاد کے لئے ہو یا جانور کی غذا کے لئے، یا کسی اور مصرف کے لئے شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: نیاز احمد فاروقی، حلال ٹرسٹ جمعیۃ علماء ہند

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: گوبر کی خرید وفروخت راجح اور مفتی بہ قول کے مطابق جائز اور درست ہے۔ اور اس کا پیسہ بھی بلا شبہ جائز اور حلال ہے، جیسا کہ ذیل کے جزئیہ سے واضح ہوتا ہے:

قال الإتقاني: ولنا أن السرقين مال فجاز بيعه كسائر الأموال، وإنما قلنا: أنه مال؛ لأن المال ما ينتفع به، ويتمول، أي يدخر لوقت الحاجة، وقد تمول المسلمون السرقين وانتفعوا به من غير نكير من أحد من السلف. (حاشية چلپي على التبين، كتاب الكراهية، فصل في البيع، زكريا ۷/ ۵۷، إمداديه ملتان ۶/ ۲۶)

''البحرالرائق'' کی عبارت ملاحظہ فرمائیے:

كره بيع العذرة لا السرقين؛ لأن المسلمين يتمولون السرقين، وانتفعوا به في سائر البلاد والأمصار من غير نكير، فإنهم يلقونه في الأراضي لاستكثار الربيع. (البحرالرائق، كتاب الكراهية، فصل في البيع، زكريا ٨/ ٣٦٥، كوئٹه ٨/ ١٩٩، تبيين الحقائق، إمداديه ملتان ٦/ ٢٦، زكريا ٧/ ٥٧، المحيط البرهاني، المجلس العلمي ٨/ ١٠٢، رقم: ٩٦٨٦)

''مجمع الانہر'' کی عبارت ملاحظہ فرمائیے:

جاز بيع السرقين مطلقا في الصحيح عندنا لكونه مالا منتفعا به لتقوية الأرض في الإنبات. (مجمع الأنهر، كتاب الكراهية، فصل في البيع، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٢١١، مصري ٢/ ٥٤٦)

''شامی'' کی عبارت ملاحظہ فرمائیے:

أجازوا بيع السرقين للانتفاع به –إلى– لأنه مال يضمن به، وهو المفتى به. (شامي، كتاب الطهارة، باب الأنجاس، مطلب في حكم الصيغ والاستخضاب بالصبغ والحناء النجسين، زكريا ١/ ٥٣٨، كراچى ١/ ٣٣٠)

''ہندیہ'' کی عبارت ملاحظہ فرمائیے:

يجوز بيع السرقين والبعر والانتفاع به، كما في الزاهدي. (هندية، الباب التاسع، الفصل الخامس، زكريا قديم ٣/ ١١٦، جديد ٣/ ١١٧)

(۲) نیز گوبر کو مشینوں سے صاف کرکے دانہ وغیرہ نکال کر جانوروں کی غذا کے طور پر استعمال کرنا بھی بلا شبہ جائز ہے، جب کہ اس میں کسی قسم کی بدبو وغیرہ باقی نہ رہے، یہ ایسا ہے جیسا کہ گیہوں وغیرہ نجاست میں گر جائیں تو انہیں دھوکر صاف کرکے استعمال کرنے کی گنجائش ہوتی ہے، اس کو ''بنایہ شرح ہدایہ'' میں ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

الحنطة المتنجسة قبل أن تنتفخ تغسل ثلاثا وتوكل إذا لم يبق لها رائحة ولا طعم. (بناية شرح هداية، أشرفيه ١/ ٧٤١)

(۲) اور ''فتاوی تاتارخانیہ'' اور ''المحیط البرہانی'' میں مزید وضاحت کے ساتھ نقل فرمایا ہے، ملاحظہ فرمائیے:

إذا أصابت الحنطة الخمر إلا أنها لم تنتفخ من الخمر فغسلت ثلاثا ولا يوجد لها طعم ولا رائحة ذكر في بعض المواضع عن أبي يوسف أنه لابأس بأكلها. (فتاوى تاتارخانية ١/ ٤٥٦، رقم المسألة: ١١٩٩، المحيط البرهاني، المجلس العلمي ١/ ٣٨٣، رقم: ٧٨٩)

الحنطة تغير بالماء النجس ...... على قياس أبي يوسف فيطهر بالغسل ثلاثا، والتجفيف في كل مرة. (خلاصة الفتاوى أشرفيه ديوبند ١/ ٤١)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/ ذیقعدہ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۶۹۶)

مردار جانور کی ہڈی، کھال اور چربی فروخت کرنے کا حکم

سوال [۸٦۹۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مردار جانوروں کی ہڈی اور کھال وچربی کی خرید وفروخت کیسی ہے؟

المستفتی: عبدالمعید قاسمی، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: مردہ جانور کی کھال کو دباغت سے پہلے بیچنا جائز نہیں ہے، دباغت کے بعد بیچنا جائز ہے اور ہڈی میں چونکہ دباغت نہیں دی جاتی؛ اس لئے مردہ جانوروں کی ہڈی کو بغیر دباغت کے بیچنا جائز ہے۔

وإن لم يكن مدبوغا ولا مذبوحا لا ينعقد بيعه؛ لأنه إذا لم يدبغ ولم

يذبح بقيت رطوبات الميتة فيه، فكان حكمه حكم الميتة -إلى- ولهذا يطهر الجلد بالدباغ حتى يجوز بيعه لزوال الرطوبة عنه، ولا رطوبة في هذه الأشياء فلا تكون حراما. (بدائع الصنائع، كتاب البيوع، حكم عظم الخنزير والآدمي، زكريا ٤/ ٣٣٣، كراچی ٥/ ١٤٢)

وأما عظم الميتة فيجوز بيعها. (بدائع زكريا ٤/ ٣٣٣، كراچی ٥/ ١٤٢)

لیکن مردہ جانوروں کی چربی کا استعمال اور اس سے بنے ہوئے گھی کا استعمال اور خرید وفروخت جائز نہیں ہے، ہاں البتہ اس کی ماہیت تبدیل کر کے صابون وغیرہ بنالیا جائے تو اس کا استعمال درست ہے۔ (مستفاد: ایضاح المسالک/ ۱۴۲، ایضاح المسائل/ ۱۴۷، کفایت المفتی ۲/ ۲۷۹، جدید مطول ۳/ ۴۴۰)

عن ابن عباس -رضي الله عنه- قال: رأيت رسول الله ﷺ جالسا عند الركن، قال: فرفع بصره إلى السماء فضحك، فقال: لعن الله اليهود ثلاثا، إن الله حرم عليهم الشحوم فباعوها وأكلوا أثمانها، وإن الله إذا حرم على قوم أكل شيء حرم عليهم ثمنه. (سنن أبي داؤد، البيوع، باب في ثمن الخمر والميتة، النسخة الهندية ٢/ ٤٩٣، دارالسلام، رقم: ٣٤٨٨)

وعبارة المجتبى جعل الدهن النجس في صابون يفتى بطهارته؛ لأنه تغير والتغير يطهر عند محمد، ويفتي به للبلوى. (شامي، كتاب الطهارة، باب الأنجاس، زكريا ١/ ٥١٩، كراچی ١/ ٣١٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍ ربیع الاول ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۵۵۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۳/۱۸ھ

میتہ بکریوں کی بیع اور اس کی آمدنی کا حکم

سوال [۸۶۹۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: ہماری چالیس بکریاں گاڑی میں آرہی تھیں، ۳۵؍بکریاں گاڑی میں دب کر مرگئیں، ان ۳۵؍بکریوں کو ہم نے غیر قوم میں فروخت کر دیا، اس سے ۴۵۰۰؍سو روپئے بنے، بیوپاری کا سارا روپیہ ادا کر دیا، یہ رقم ہمارے پاس الگ رکھی ہوئی ہے، ہماری مسجد کے برابر میں دو کمریں ہیں جو ٹوٹی پھوٹی حالت میں ہیں، جن میں بچے وغیرہ پڑھتے ہیں، یہ پیسہ ان کمروں کی تعمیر میں کام آسکتا ہے یا نہیں؟ مسجد کے چاروں طرف دیوار میں کام آسکتا ہے کہ نہیں، یہ پیسہ ہمارے کس مد میں کام آسکتا ہے؟ آپ سے گزارش ہے کہ آپ ہمیں اس بات کا خلاصہ بتادیں، تاکہ ہم اپنے پاس سے یہ رقم جلد سے جلد ادا کردیں، جس کام میں بھی ہو جیسے کام آسکتی ہے آپ ہمیں فوراً جواب لکھ کر بھیج دیں، ہم اپنا پتہ لفافہ اس خط کے ساتھ بھیج رہے ہیں، امید کہ آپ جلد سے جلد ہمیں اس بات کا جواب دیں گے۔

المستفتی: رحمت اللہ خان نصیب اللہ خان مرچنٹ گراؤنڈ مقام و پوسٹ گڑور، ضلع الموڑ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسجد ومدرسہ میں پاک وحلال مال لگانا لازم ہے، مذکورہ بکریوں کی رقم حرام ہے، ان کا پیسہ مسجد ومدرسہ میں اوراس کی ضروریات میں لگانا جائز نہیں ہوگا۔

جابر بن عبدالله –رضي الله عنه– يقول: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم عام الفتح وهو بمكة: إن الله ورسوله حرم بيع الخمر والميتة، والخنزير، والأصنام، فقيل له عند ذلک: أرأيت شحوم الميتة، فإنه يدهن بها السفن، ويدهن بها الجلود، ويستصبح بها الناس؟ قال: لا، هن حرام، ثم قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: قاتل الله اليهود، إن الله حرم عليهم الشحوم، فأجملوه، ثم باعوه، فأكلوا ثمنه. (سنن ابن ماجة، البيوع، باب ما لا يحل بيعه، النسخة الهندية، ص: ۱۵۷، دارالسلام، رقم: ۲۱۶۷)

البيع بالميتة والدم باطل. (هداية ۳/ ۲۳)

أما لو أنفق في ذلک مالا خبيثا ومالا سببه الخبيث والطيب فيكره؛

لأن الله تعالیٰ لا یقبل إلا الطیب. (شامي، کراچی ۱/ ۶۵۸، مطلب کلمة لا بأس دلیل علی أن المستحب غیره؛ لأن البأس الشدة، شامي زکریا ۲/ ۴۳۱)

مذکورہ رقم کو بلانیت ثواب فقراء کو دینا لازم ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ رشعبان ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۱۹۲۰)

مردار جانوروں کے گوشت کی خرید وفروخت

سوال [۸۶۹۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مردہ حلال وحرام جانوروں کا گوشت پہلے گدھ کھا جایا کرتے تھے، اب ادھر گدھ ناپید ہے، گوشت سڑ گل کر فضا کو مسموم کر دیتا ہے؛ اس لئے زید اس گوشت کو فروخت کر دیتا ہے، غیر مسلم خریدار بذریعہ مشین پیس کر اس گوشت کو مچھلیوں کی خوراک بنا دیتا ہے، جس سے مچھلیوں کی نشوونما غیر معمولی طور پر بڑھ جاتی ہے، ایسا کاروبار زید کے لئے درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: عبدالحمید قاسمی، ناظم مدرسہ اسلامیہ کانکی نارہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید کے لئے مردار جانوروں کے گوشت کی فروختگی کا کاروبار ناجائز اور حرام ہے اور اس کا پیسہ بھی حرام ہے، خواہ غیر مسلم ہی سے فروخت کرے، اگر فضا مسموم ہونے کی وجہ سے غیر مسلم کو گوشت دینے کی ضرورت ہے، تو مفت میں دے دیا جائے، اس کی قیمت نہ لی جائے؛ لہٰذا مردار کے گوشت کا کاروبار کرنا قطعاً جائز نہیں ہے۔ اور اس کا پیسہ بھی حلال نہیں ہے۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ. [المائدة: ۳]

عن ابن عباس –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: لعن الله الیهود، حرمت علیهم الشحوم، فباعوها وأکلوها أثمانها،

وإن الله عز وجل إذا حرم على قوم أكل شيء حرم عليهم ثمنه. (مسند أحمد بن حنبل ۱/ ۲۹٤، رقم: ۲٦٧٨، ۱/ ۲٤٧، رقم: ۲۲۲۱)

وبطل بيع ما ليس بمال، كالدم والميتة. (شرح تنوير مع الشامي، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مطلب في تعريف المال، زكريا ۷/ ۲۳۵، كراچی ۵/ ۵۰)

وكذا بيع الميتة والدم، والحر باطل؛ لأنها ليست أموالا، فلا تكون محلا للبيع. (هداية، أشرفي، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، اشرفي ۳/ ٤۹) **فقط واللہ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲ رجمادی الاولیٰ ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۳۸۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۵/۲۱ھ

جھٹکے کے بکرے کی آنت کی تجارت کا حکم

سوال [۸٦۹۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جھٹکے سے ذبح کئے ہوئے جانور کی آنت کی تجارت کر سکتے ہیں یا نہیں؟ جیسے: جھٹکے کے بکرے کی کھال پر نمک لگا کر تجارت کرتے ہیں، اسی طرح سے بکری کی آنت پر نمک لگا کر رکھ دیں، اس کا پانی خشک ہونے پر اس کو دھو کر اس کی صفائی کر کے تجارت کر سکتے ہیں یا نہیں؟ کبھی کسی زمانہ میں شاہی مسجد میں ہم نے پوچھا تھا تو گنجائش بتلائی تھی، قریب ۳۵ ریا ۴۰ رسال کا عرصہ گذر گیا؛ لہٰذا کوئی گنجائش ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد ظریف قریشی، اصالت پورہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جھٹکے کے جانور مردار کے حکم میں ہیں اور مردار کے سارے اعضاء ناپاک ہوتے ہیں۔ اور ان کی تجارت جائز نہیں ہوتی ہے؛ البتہ جو اعضاء دباغت کے ذریعہ سے پاک کر کے خارجی استعمال کے لائق ہوتے ہیں، ان کی دباغت کے

بعد خارجی استعمال کے لئے تجارت جائز ہے، مثلاً کھال دباغت کے بعد پاک تو ہوجاتی ہے؛ لیکن کھانے کے لائق نہیں ہوتی؛ بلکہ خارجی استعمال کے لائق ہوتی ہے، اس کی تجارت جائز ہے، اسی طرح اوجھڑی دباغت کے بعد برتن اور مشکیزہ کے طور پر استعمال کے لائق ہوسکتی ہے، اس کو بھی اگر دباغت کے ذریعہ بالکل سکھا کر برتن یا مشکیزہ بنالیا جائے اور مشکیزہ کے طور پر استعمال کے لائق ہو تو اس کی بھی تجارت جائز ہے؛ لیکن سوال نامہ میں مردار کی آنتوں کی دباغت کی بات نہیں ہے؛ بلکہ آنتوں کو دوسری جگہ کھانے کے استعمال میں لانے کے لئے سپلائی کیا جاتا ہے اور سڑنے سے حفاظت کے لئے نمک وغیرہ کا استعمال کیا جاتا ہے، اور یہ دباغت کے دائرہ میں داخل نہیں ہے؛ اس لئے یہ ناپاک ہی رہیں گی؛ لہٰذا اس طرح مردار کی آنتوں کی تجارت جائز نہیں ہے۔

عن ابن عباس –رضي الله عنه– قال: رأيت رسول الله ﷺ جالسا عند الركن، قال: فرفع بصره إلى السماء فضحك، فقال: لعن الله اليهود ثلاثا، إن الله حرم عليهم الشحوم فباعوها وأكلوا أثمانها، وإن الله إذا حرم على قوم أكل شيء حرم عليهم ثمنه. (سنن أبي داؤد، البيوع، باب في ثمن الخمر والميتة، النسخة الهندية ۲/ ۴۹۳، دارالسلام، رقم: ۳۴۸۸)

وكذا لو أصلح المثانة ودبغها وجعل فيها اللبن أو السمن جاز، وكذا الكرش، وكل ما يمنع عن الفساد، ويخرج عن حد الأكل، فهو دباغ كان ذلك بالتراب أو الشمس ونحوهم. (قاضيخان، كتاب الطهارة، فصل في النجاسة التي نصيب الثوب، زكريا جديد ۱/ ۱۸، وعلى هامش الهندية ۱/ ۲۵)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/ شعبان ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۷۷۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۸/۶ھ

خون کی مصنوعات کی تجارت

سوال [۸۶۹۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جانوروں کے خون کی مصنوعات اوران کی تجارت جائز ہے یانہیں؟

المستفتی: نیاز احمد فاروقی حلال ٹرسٹ جمعیۃ علماء ہند

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جانوروں کے خون کی تجارت جائز نہیں ہے؛ اس لئے کہ نص قطعی سے دمِ مسفوح کی حرمت ثابت ہے۔ آیت کریمہ ملاحظہ فرمایئے:

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ. [المائدة: ۳]

قُلْ لَا اَجِدُ فِيْ مَا اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ يَطْعَمُهُ اِلَّا اَنْ يَكُوْنَ مَيْتَةً اَوْ دَمًا مَسْفُوْحًا. [سورة الأنعام، آیت: ۱۴۵]

البتہ خون کی مصنوعات جن میں تبدیل ماہیت ہوکر دم سائل کا رنگ وبو مزہ اور سیلانیت ختم ہوکر اس کی شکل بدل کر شئ جامد اور شئ آخر بن جائے، تو انقلابِ ماہیت کی وجہ سے پاک ہوجاتی ہیں، پھر اس کی تجارت وغیرہ بھی جائز ہوجاتی ہے، اس کے لئے بدائع کی عبارت ملاحظہ فرمایئے:

إن النجاسة لما استحالت وتبدلت أوصافها ومعانيها خرجت عن كونها نجاسة؛ لأنها اسم لذات موصوفة، فتنعدم بانعدام الوصف.

(بدائع، كتاب الطهارة، الدباغة، كراچی ۱/ ۸۵، زكريا ۱/ ۲۴۳، الفقه الإسلامي وأدلته، هدى انٹر نيشنل ديوبند ۱/ ۱۰۰)

''فتح القدیر'' اور ''غنیۃ المستملی'' میں اس طرح کی عبارت ہے، ملاحظہ فرمایئے:

إن استحالة العين تستتبع زوال الوصف المرتب عليها. (فتح القدير

زکریا ۱/ ۲۰۲، دارالفکر ۱/ ۲۰۱، الموسوعة الفقهية ۳/ ۲۱۳، ۲۹/ ۱۰۸، غنية المستملي أشرفيه، ص: ۱۸۹)

اس سلسلے میں شامی کی عبارت اس طرح ہے:

لا يرد طهارة ...... الدم بصيرورته مسكا؛ لأن عين الشيء حقيقته، وحقيقة الخمر والدم ذهبت وخلفتها أخرى، وإنما يرد ذلك لو قلنا ببقاء حقيقة الخمر والدم مع الحكم بطهارتها. (شامي، كتاب الطهارة، باب الأنجاس، مطلب في العفو عن طين الشارع، زكريا ۱/ ۵۳٦، کراچی ۱/ ۳۲۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷ر ذیقعدہ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۱٦۹۵)

خون کی بیع کا حکم

سوال [۸۷۰۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ شہر بمبئی میں ہم قریش برادری کے درمیان ایک مسئلہ درپیش ہے، ہم لوگ آپ سے اس کی معلومات حاصل کرنا چاہتے ہیں، اس سے پہلے کہ ہم لوگ اپنا مسئلہ رکھیں پہلے آپ اطمینان سے ہماری مشکلات کو ایک نظر دیکھ لیجئے جو مندرجہ ذیل ہیں: ہم لوگ بمبئی کارپوریشن کے ماتحت کام کرتے ہیں، گونڈی دیونار میں ایک مذبح کارپوریشن نے بنوایا ہے، ہماری برادری کے لوگ ہندوستان کے کونے کونے سے جانور لاتے ہیں، ان کو لانے کے لئے ہم لوگوں کو جو دقتیں ہوتی ہیں وہ ہم ہی لوگ جانتے ہیں، اسٹیٹ اسٹیٹ میں لاری کے کرایہ کے علاوہ چنگی جو حکومت کا حق ہے، وہ دیتے ہیں، ہمارے پاس لائسنس ہے، اس کے لئے رشوت دینی پڑتی ہے، اگر نہ دیں تو پریشانی ہوتی ہے، جانور مرجانے کا ڈر لگتا رہتا ہے: اس لئے رشوت دینی پڑتی ہے، وہاں سے نکلے تو راستہ میں آر ٹی او پکڑتے ہیں، ان کو بھی رشوت

دینی پڑتی ہے۔اب سوال یہ ہوتا ہے کہ آپ کے پاس لاری پرمٹ ہے،تو آپ کیوں دیتے ہیں؛ اس لئے دینا پڑتا ہے کہ گاڑی پرمٹ صرف نو جانوروں کا ہوتا ہے، اگر نو جانور لائیں گے تو لاری کا کرایہ ان جانوروں پر زیادہ ہوجاتا ہے؛اس لئے اس میں جانورزیادہ لاتے ہیں،اگر جانورزیادہ نہ لائیں تو جانور کی قیمت بڑھ جائے گی،تو جانور نہیں بکے گا، جتنے وہاں بچتے بچاتے نکلے تو گارے ہتھیار مل جاتے ہیں، وہ تو لاری ہی روک لیتے ہیں، جانور پکڑ لیتے ہیں، لاری کھالی کرواکر جانور نکال دیتے ہیں،ہم لوگ پولیس کی مدد مانگتے ہیں، پولیس آتی ہے مدد کرتی ہے،مگران لوگوں کا کچھ نہیں کرتی ہے،کہتی ہے کہ وہ بھی ٹھیک کرتے ہیں جیسے جیسے کرکے جانور پکڑتے ہیں اس میں بھی کبھی جانور گم ہوجاتے ہیں، وہ ہمارا نقصان ہوجاتا ہے، پولیس آتی ضرور ہے،مگر رشوت لے کر آتی ہے نہ دیں تو وہ کیوں آتی، اگر نہ دیں تو معلوم پڑا کہ جانور سب غائب ہوگئے،تو وہ دینا بھی ضروری ہوجاتا ہے۔(مرتا کیا نہ کرتا) چلئے وہاں سے نکلے تو بمبئی کے چنگی خانہ پر آئے وہاں پر بھی یہی ہوتا ہے،چنگی بھریئے، کاغذ لیجئے، پھر سب سے پہلے کاغذ والا چپراسی رشوت لیتا ہے، وہاں سے نکلے تو خاکی ڈریس بلو ڈریس پٹری والے میونسپلٹی والے اسٹاف آرٹی او والے واٹریس والے سب چنگی خانہ کے ناکہ ہی پر ملتے ہیں، اس لئے ان لوگوں کو بھی دینا ہی پڑتا ہے، کیوں کہ جانور کئی گھنٹوں سے لاری میں بند رہتے ہیں، وہ لوگ جب حیران کرتے ہیں تو ہم لوگوں کو ڈر لگتا ہے کہیں اندر ہی اندر ایک دو جانور مر نہ جائیں؛ اس لئے ہم پر ضروری ہوجاتا ہے کہ ان لوگوں کو کچھ کھلائیں، کہنے کو تو لائسنس ہے، دیونار میں جانور کاٹتے ہیں،مگر حکومت ہم لوگوں کی کوئی سپورٹ بھی نہیں کرتی ہے، پھر ہم لوگ گورنمنٹ سے پرمیشن یافتہ آدمی ہوتے ہیں۔ خیر جیسے تیسے کر کے ہماری گاڑی دیونار کے گیٹ پر آتی ہے، معلوم پڑتا ہے کہ ستیہ گرہ والے مورچہ لگا کر بیٹھے ہیں، گاڑی اندر ہونے نہیں دیتے ہیں، پھر یہاں پر بمبئی پولیس کی ضرورت ہوتی ہے، ان لوگوں کو بلوایا جاتا ہے، وہ آتے ہیں، ان کو پکڑتے ہیں، پولیس چوکی لے جاتے ہیں، جب ہماری گاڑی اندر ہوتی ہے، یہاں پر بھی وہی بات پولیس والوں کو ہم قریش برادری کی طرف

سے ہفتہ بندھا ہوا ہے، وہ ہر ہفتہ ہم لوگ جمع کر کے چوکی میں بھجوا دیتے ہیں، اگر نہ دیں تو مصیبت ہوتی ہے۔ جیسے وہاں سے نکلے دیونار کے اندر داخل ہوگئے، یہاں بھی مصیبت ہے، سب سے پہلے گیٹ پر جانوروں کی پاؤتی بنوائی جاتی ہے، ان کا ٹیکس ادا کیا جاتا ہے، اس کے علاوہ رشوت بھی دی جاتی ہے، جانور اگر تندرست وخوبصورت ہوا تو وہ لوگ پاس ہی نہیں کرتے؛ اس لئے ان کو بھی دینا ضروری ہے اور دیا جاتا ہے۔ خیر وہ اندر آ گیا، بازار لگا ہوا ہوتا ہے، اب آپ اندازہ لگائیے کہ جانور پر کتنا وزن ہوجاتا ہے، جانور کی خرید وفروخت چالو ہوجاتی ہے، اگر جانور کم آئیں تو جانور مہنگے بکتے ہیں، زیادہ آ گئے تو سستے بکتے ہیں، اس میں بیوپاریوں کا نفع نقصان ہوتا ہے، اسی طرح کاٹنے والوں کو بھی ہوتا ہے، یہ سب رہی ہماری مصیبت جس کا ہم نے مختصر حال بیان کردیا ہے، آپ آگے سمجھ سکتے ہیں، اب ہم آتے ہیں اپنے اصل مقصد کی طرف:

ہم قریش برادری بہت دنوں سے کارپوریشن لڑ رہے تھے، خون کے بارے میں جس میں ہم لوگ جیت گئے ہیں، دیونار میں جو جانور ذبح کئے جاتے ہیں، ان کا خون کارپوریشن لیتی ہے اور اس کو فروخت کردیتی ہے، جس کی سالانہ انکم ۱۵۰۰۰۰۰/ لاکھ کے قریب ہے، ہم سب سمجھتے ہیں کہ یہ خون ہمارے لئے حرام ہے، اس کا پیسہ بھی حرام ہے، مگر اتنی بڑی رقم ہم حکومت کو چھوڑنا نہیں چاہتے ہیں، جب کہ حکومت ہم لوگوں کو اتنا پریشان کرتی ہے اور مصیبت میں اتنا روپئے اس کو دے دیا جائے، جب کہ ہم لوگ یہ کیس جیت گئے ہیں، اب ان روپیوں کو کس کام میں لایا جائے، یہی آپ سے معلوم کرنا چاہتے ہیں، برائے کرم تشفی بخش جواب سے نواز کر عنداللہ ماجور ہوں۔ والسلام

المستفتی: حاجی محمد میاں قدرت اللہ قریشی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: خون کا فروخت کرنا مسلمانوں کے لئے حرام اور بیع شرعاً باطل ہے۔ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ. [المائدة: ۳]

بطل بيع ما ليس بمال، كالدم المسفوح، والميتة. (تنوير مع الدر، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مطلب في تعريف المال، زكريا ٧/ ٢٣٥، كراچی ٥/ ٥٠)

اورفروخت کرکے جورقم ہاتھ میں آتی ہے اس کا استعمال حرام ہے، اس کو بلانیت ثواب صدقہ کردیناواجب ہے۔اورجبری رشوت میں دیناہےتوحیلہ تملیک کےبعددی جاسکتی ہے۔

صرح الفقهاء بأن من اكتسب مالا بغير حق، فإما أن يكون كسبه بعقد فاسد، كالبيوع الفاسدة، والاستئجار على المعاصي والطاعات، أو بغير عقد، كالسرقة، والغصب، والخيانة، والغلول، ففي جميع الأحوال المال الحاصل له حرام عليه، ولكن إن أخذه من غير عقد –إلى قوله– يجب عليه أن يتصدق بمثل تلك الأموال على الفقراء. (وقوله) وأما إذا كان عند رجل مال خبيث، فإما إن ملكه بعقد فاسد، أو حصل له بغير عقد ولا يمكنه أن يرده إلى مالكه ويريد أن يدفع مظلمته عن نفسه، وليس له حيلة إلا أن يدفعه إلى الفقراء. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارنپور قديم ١/ ٣٧، دارالبشائر الإسلاميه بيروت ١/ ٣٦٩، رقم: ٥٩، وهكذا في الهندية، زكريا قديم ٥/ ٥٤٩، جديد ٥/ ٤٠٤، شامي، زكريا ٩/ ٥٥٣، كراچی ٦/ ٣٨٥، البحر الرائق، زكريا ٩/ ٣٦٩، كوئٹه ٨/ ٢٠١، تبيين الحقائق، إمداديه ملتان ٦/ ٢٧، زكريا ٧/ ٦٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۳؍شوال ۱۴۱۰ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۲۰۱۰)	۲۳؍شوال ۱۴۱۰ھ

خون سے بنے مچھلیوں کے دانہ کی خرید وفروخت کاحکم

سوال [۸۷۰۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: دور حاضر میں خون سے گولی بنائی جاتی ہیں، چاہے وہ خون بیل کا ہو یا بھینس کا یا بکری کا اور وہ خون سے بنی ہوئی گولی مچھلیوں کو کھلائی جاتی ہیں، تو اس خون سے بنی گولی کی تجارت جائز ہے یا نہیں؟ اگر نہیں ہے تو کیوں؟

المستفتی: محمد عزیزالرحمٰن مغربی بنگال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: گائے، بیل، بھینس اور بکری کے خون سے بنی ہوئی گولیاں جن مچھلیوں کو کھلائی جاتی ہیں وہ مچھلیاں بلا کراہت جائز اور حلال ہیں ۔ دمِ مسفوح کی تجارت ناجائز اور حرام ہے؛ لیکن اگر بطور کھاد اس کو استعمال کرنے کے لئے تجارت کی جائے تو اس کی گنجائش ہے، جیسا کہ سرقین اور انسان کے براز کی تجارت کھاد کے طور پر جائز ہے۔

سئل علي بن أحمد ويوسف بن محمد عن السمكة إذا أخذت وأرسلت في الماء النجس، فكبرت فيه؟ فقال: لا بأس بأكلها للحال.

(التاتارخانية ١٨/ ٤٩٢، رقم: ٢٩٧١٠)

ولا يحل حيوان مائي إلا السمک الذي مات بآفة ولو متولدا في ماء نجس. (وتحته في الشامية) فلا بأس بأكلها للحال لحله بالنص وكونه يتغذى بالنجاسة لا يمنع حله. (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الذبائح، زكريا ٩/ ٤٤٤، كراچی ٦/ ٣٠٦)

كره بيع العذرة لا السرقين، وقال الشافعي رحمه الله: لا يجوز بيع السرقين أيضا؛ لأنه نجس العين، فلا يكون مالا فلا يجوز بيعه كالعذرة وجلدالميتة قبل الدبغ، ولنا أن المسلمين تمولوا السرقين، وانتفعوا به في سائر البلدان والأعصار من غير نكير، فإنهم يلقونه في الأراضى لاستكثار الربيع، بخلاف العذرة؛ لأن العادة لم تجر بالانتفاع بها، وإنما ينتفع بها

مخلوطة برماد وتراب غالب عليها بالإلقاء في الأرض، فحينئذ يجوز بيعها، والصحيح عن أبي حنيفة أن الانتفاع بالعذرة الخالصة جائز. (تبيين الحقائق، إمداديه ملتان ٦/ ٢٦، زكريا ٧/ ٥٧) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍ربیع الاول ۱۴۳۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۱۹۸۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۶/۴/۴ھ

بیع سرطان کا حکم

سوال [۸۷۰۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بیع سرطان ازروئے شرع متین جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: خدا بخش گوبند پور، ۲۴؍ پرگنہ مغربی بنگال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگرچہ فقہ کی بعض جزئیات سے بیع سرطان کا عدم جواز معلوم ہوتا ہے؛ لیکن وہاں پر کلیہ بھی موجود ہے کہ جو چیز دوا کے لئے منتفع ہو اس کی خرید وفروخت جائز ہے۔ اور کیکڑے کی پشت دواؤں میں استعمال ہوتی ہے؛ لہٰذا اس کی بیع جائز ہوگی؛ البتہ کھانا جائز نہیں ہے۔

ويجوز بيع جميع الحيوانات سوى الخنزير، وهو المختار. (هندية، البيوع، الباب التاسع، الفصل الرابع في بيع الحيوانات، زكريا قديم ٣/ ١١٤، جديد ٣/ ١١٥)

يجوز بيع الحيات إذا كان ينتفع بها للأدوية، وما جاز الانتفاع بجلده أو عظمه، أي من حيوانات البحر أو غيرها. (شامي، مطلب في بيع دودة القرمز، زكريا ٧/ ٢٦٠، كراچی ٥/ ٦٨)

فالحاصل أن جواز البيع يدور مع حل الانتفاع. (شامي، زكريا ٧/ ٢٦٠،

کراچی ٥/ ٦٨، الفتاوی التاتارخانية، زكريا ٨/ ٣٤٠، رقم: ١٢١٢٥، المحيط البرهاني، المجلس العلمی ٩/ ٣٣٢، رقم: ١١٩٩٣، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ١٥١، مصري قديم ٢/ ١٠٨، الموسوعة الفقهية الكويتية ٩/ ١٥٥، ١٧/ ٢٨١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱؍۲؍۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۶۰۱۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱؍۲؍۱۴۲۰ھ

خنزیر کے بالوں کے ساتھ دوسرے جانور کے بالوں سے برش بنانا

سوال [۸۷۰۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ خنزیر (سور) کے بالوں کا برش بنانا اس صورت میں کہ اس میں گائے، بھینس، گھوڑا وغیرہ کے بالوں کی آمیزش بھی ہو یا کثیر مقدار خنزیر کے بال کے علاوہ دوسرے بالوں کی ہو، تو از روئے شرع حرام ہے یا حلال؟

المستفتی: احسان علی صدیقی، اصغر منزل، شیرکوٹ بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: خنزیر کے بال نجس العین ہیں، شدت ضرورت نہ ہونے کی وجہ سے دوسرے جانوروں کے بالوں کی آمیزش کے ساتھ بھی خنزیر کے بالوں سے برش وغیرہ بنانا حرام ہے۔ اور تیار کردہ برش وغیرہ شرعاً ناپاک ہوگا۔

وأما الخنزير فشعره، وعظمه، وجميع أجزائه نجسة. (البحر الرائق، كتاب الطهارة، زكريا ١/ ١٩١، كوئٹه ١/ ١٠٧، هداية، أشرفی ٣/ ٣٩، مجمع الأنهر مصري قديم ١/ ٣٢، دارالكتب العلمية بيروت ١/ ٥١)

وشعر الميتة غير الخنزير على المذهب (تحته فى الشامية) أي على قول أبي يوسف الذي هو ظاهر الرواية أن شعره نجس، وصححه في

البدائع، ورجحه في الاختيار. (الدر مع الرد، كتاب الطهارة، باب المياه، مطلب في أحكام الدباغة، زكريا ۱/ ۳۵۹، ۳٦۰، كراچی ۱/ ۲۰٦، بدائع الصنائع، زكريا ٤/ ۳۳۳، كراچی ٥/ ۱٤۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵؍ ذی الحجہ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۰۲۹)

فحش کتابیں اور خنزیر کی چربی سے بنے چپس فروخت کرنے کا حکم

سوال [۸۷۰۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کچھ لوگ اپنی دوکانوں میں برہنہ تصویروں والی کتابیں، خنزیر کے خوشبو والے آلو کے چپس اور دوسری چیزیں جو مسلمان کے لئے حلال نہیں ہے فروخت کرتے ہیں۔

المستفتی: محمد ساجد قاسمی، بجنوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: برہنہ تصویروں کو رکھنا اور فروخت کرنا سخت معصیت ہے، اس کا ترک کرنا لازم ہے، خنزیر کا کوئی بھی جز وفروخت کرنا جائز نہیں، اس کا پیسہ بھی حلال نہیں ہے، مسلمانوں کو اس قسم کی حرکات سے باز رہنا لازم ہے۔

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– أن رسول الله ﷺ قال: إن الله حرم الخمر وثمنها، وحرم الميتة وثمنها، وحرم الخنزير وثمنه. (سنن أبي داؤد، باب في ثمن الخمر والميتة، النسخة الهندية ۲/ ٤۹۳، دارالسلام، رقم: ۳٤۸٥، المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ۱۱/ ۱٥۲، رقم: ۱۱۳۳٥، سنن الدار قطني، كتاب البيوع، دارالكتب العليمة بيروت ۳/ ۷، رقم: ۲۷۹۲، المعجم الأوسط، دارالفكر ۱/ ٤٦، رقم: ۱۱٦)

وأما بيع الخمر والخنزير ان قوبل بالدين كالدراهم والدنانير، فالبيع باطل.
(هداية، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، أشرفي ديوبند ۳/ ۴۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷ر محرم ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۱۰۶)

ادھیا پر بکری دینا

سوال [۸۷۰۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے بکر کو ایک بکری خرید کر دی، تاکہ بڑھے (یعنی زیادہ ہو) اور اگر بچہ دے گی تو اس میں دونوں کا آدھا حصہ ہوگا، زید کے لئے ایسا کرنا شریعت کے اعتبار سے کیسا ہے؟ جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: علی مرتضی قاسمی، دار الشفاء اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سوال نامہ میں جو شکل بتائی گئی ہے، اس کو عوام میں ادھیا پر دینے کا معاملہ کہا جاتا ہے۔ زید کا اس طرح معاملہ کرنا شرعاً جائز نہیں ہے؛ کیوں کہ یہ اجارۂ فاسدہ ہے۔ اور اگر زید نے اس طرح کا معاملہ کرلیا ہے اور بچہ بھی پیدا ہوگیا ہے، تو وہ جانور اور بچہ بھی زید کی ملکیت میں شمار ہوں گے۔ اور زید پر بکر کو چارہ کی قیمت اور جو بکری پالنے کی عام طور پر اجرت ہوتی ہے اس کا دینا واجب ہوگا؛ البتہ حضرات فقہاء نے جواز کی ایک شکل بتلائی ہے کہ مالک جانور کی مناسب قیمت لگاکر نصف حصہ پرورش کرنے والے کے ہاتھ فروخت کردے، پھر اس کی قیمت معاف کردے، تو ایسی صورت میں جانور دونوں کے درمیان مشترک ہوجائے گا؛ اس لئے اس کی نسل وآمدنی بھی دونوں کے درمیان نصف نصف ہونے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر/ ۱۱۵)

وعلى هذا إذا دفع البقرة إلى إنسان بالعلف ليكون الحادث بينهما نصفين، فما حدث فهو لصاحب البقرة، ولذلک الرجل مثل العلف الذي علفها وأجر مثله فيما قام عليها، والحيلة في ذلک أن يبيع نصف البقرة من ذلک الرجل بثمن معلوم حتى تصير البقرة وأجناسها مشتركة بينهما فيكون الحادث منها على الشركة. (هندية، كتاب الشركة، الباب الخامس في الشركة الفاسدة، زكريا قديم ٢/ ٣٣٥، جديد ٢/ ٣٣٦، حاشية چلپى، مكتبه إمداديه ملتان ٤/ ٤٩، زكريا ٤/ ٣٧٣)

وعلى هذا دفع البقرة بالعلف ليكون الحادث بينهما نصفين، فما حدث فهو لصاحب البقرة وللآخر مثل علفه وأجر مثله. (شامي، كتاب الشركة، مطلب يرجح القياس، زكريا ٦/ ٥٠٤، كراچی ٤/ ٣٢٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم صفر ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۶۱۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱/۲/۱۴۳۳ھ

چارمن غلہ پر زمین کاشتکاری کے لئے دینا

سوال [۸۷۰۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص اپنی زمین اس شرط پر دیتا ہے کہ مثلاً چارمن غلہ دے دو اور یہ زمین میں کاشتکاری فلاں مہینے تک کرتا ہے، اس میں جتنا بھی غلہ پیدا ہو جائے وہ تمہارا ہے، کیا ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد شمیم اختر ارریاوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال میں جو شکل مذکور ہے وہ قطعاً ناجائز ہے۔ اور جواز کی شکل یہ ہے کہ پیداوار کی تقسیم حصہ کے اعتبار سے طے کریں، اس طرح کہ دونوں کو نصف

نصف ملے گا، ایک کو ایک تہائی اور دوسرے کو دو تہائی ملے گا۔ (مستفاد: فتاوی رحیمیہ قدیم ۹/۳۱۲، جدید زکریا ۹/۳۱۰)

وأن يكون الخارج شائعا بينهما تحقيقا لمعنى الشركة، فإن شرطا لأحدهما قفزانا مسماة فهي باطلة؛ لأن به تنقطع الشركة؛ لأن الأرض عساها لا تخرج إلا هذه القدر، وصار كاشتراط دراهم معدودة لأحدهما في المضاربة. (هداية، كتاب المزارعة، أشرفي ديوبند ٤/ ٤٢٦)

ہاں ایک شکل یہ ہے کہ غلہ کے بجائے روپئے کے عوض معاملہ کیا جائے تو اس کی گنجائش ہے۔

قال: سألت رافع بن خديج عن كراء الأرض بالذهب والورق، فقال: لا بأس به. (مسلم شريف، كتاب البيوع، باب كراء الأرض، النسخة الهندية ٢/ ١٣، بيت الأفكار، رقم: ١٥٤٧، صحيح البخاري، كتاب الحرث والمزارعة، باب كراء الأرض بالذهب والفضة، رقم: ٢٢٨٨، ف: ٢٣٤٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ رجب ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۲۷۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۴/۷/۱۴۲۰ھ

زمین کی فروختگی کی ایک شکل

سوال [۸۷۰۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں نے اپنی زمین حامد کے ہاتھ فروخت کردی، خرید نے والے حامد کے دریافت کرنے پر کہ زمین جو میں نے آپ سے خریدی ہے، وہ کس طرف ہے، آپ اس کی تعیین کردیں، میں نے حامد کو نقشہ دے کر کہا کہ کہیں ہوگی، تم پٹواری کے ذریعہ اسے تلاش کرلو، چنانچہ حامد نے پٹواری کے ذریعہ زمین تلاش کی، مگر اس کی تعیین نہیں ہوسکی، گو مجھے

یقین تھا کہ زمین اسی موضع میں ہے، ابھی زمین کی تعیین نہیں ہوسکی تھی کہ اسی درمیان میں میرے ہی مشورہ سے حامد نے مذکورہ زمین خالد کے ہاتھ فروخت کردی، واضح رہے کہ حامد نے مذکورہ زمین اپنی ایک متعین زمین کے ساتھ فروخت کی ہے، جب خالد نے زمین کی تعیین چاہی تو حامد نے اپنی متعین زمین کی تو تعیین کردی، مگر مذکورہ زمین کے بارے میں وہی جواب دیا جو میں نے حامد کو دیا تھا، یعنی یہیں کہیں ہوگی ،تم نقشہ لو اور پٹواری کے ذریعہ اس کی تعیین کرالو۔ عرض یہ ہے کہ حامد نے جو مجھول زمین مجھ سے خریدی وہ بیع تام ہوئی کہ نہیں اور جو بیع حامد نے خالد کو کی اس کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: محمد زبیر عباسی جنرل اسٹور، چوک گونڈہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مسئولہ میں عقد اول اور عقد ثانی دونوں ناتمام ہیں؛ اس لئے کہ دونوں میں مشتری کے حق میں مبیع مجہول ہے اور اس طرح جہالت کہ جس کی وجہ سے مبیع کو مشتری کے ضمان میں منتقل کرنا اور مشتری کے لئے اس میں تصرف کرنا ممکن نہ ہو جائز نہیں ہے،اس سے بیع منعقد نہیں ہوتی۔

وإن لم يذكر الحدود ولم يعرفه المشتري …… وجهل المشتري يمنع (بزازية، كتاب البيوع، الفصل الثالث في ما يجوز بيعه وما لايجوز جديد زكريا ١/ ٢٣٥، وعلى هامش الهندية زكريا ٤/ ٣٧٢)

إذ لم يعلم أن العشرة من أي جانب من الدار، فيكون مجهولا جهالة تفضي إلى المنازعة. (عناية شرح هداية، دارالفكر بيروت ٦/ ٢٧٥، كوئٹه ٥/ ٤٧٩، زكريا ٦/ ٢٥٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷ رمحرم الحرام ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۱۲۱)

زمین کی فروختگی کی ایک ناجائز شکل

سوال [۸۷۰۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں نے اپنی زمین حامد کے ہاتھ فروخت کردی، خریدنے والے حامد کے دریافت کرنے پر یہ زمین جو میں نے آپ سے خریدی ہے وہ کس طرف ہے؟ آپ اس کی تعیین کردیں، میں نے حامد کو نقشہ دے کر کہا کہ یہیں کہیں ہوگی، تم پٹواری کے ذریعہ اسے تلاش کرلو، چنانچہ حامد نے پٹواری کے ذریعہ زمین تلاش کی، مگر اس کی تعیین نہیں ہوسکی، گو مجھے یقین تھا کہ زمین اسی موضع میں ہے، ابھی زمین کی تعیین نہیں ہوسکی تھی کہ اسی درمیان میں میرے ہی مشورہ سے حامد نے مذکورہ زمین خالد کے ہاتھ فروخت کردی، واضح رہے کہ حامد نے مذکورہ زمین اپنی ایک متعین زمین کے ساتھ فروخت کی ہے، جب خالد نے زمین کی تعیین چاہی تو حامد نے اپنی متعین زمین کی تو تعیین کردی، مگر مذکورہ زمین کے بارے میں وہی جواب دیا جو میں نے حامد کو دیا تھا، یعنی یہیں کہیں ہوگی، تم نقشہ لو اور پٹواری کے ذریعہ اس کی تعیین کرالو۔ عرض یہ ہے کہ حامد نے جو مجہول زمین مجھ سے خریدی وہ بیع تام ہوئی کہ نہیں اور جو بیع حامد نے خالد کو کی اس کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: مولانا محمد یحییٰ صاحب، استاذ شعبہ عربی مدرسہ فرقانیہ، گونڈہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مذکورہ صورت میں چونکہ نفس بیع متعین نہیں ہے، کہ وہ کہاں واقع ہے، تاکہ مشتری اس کو اپنے ضمان میں لے کر تصرف کرسکے، اسی طرح اس نے جو فروخت کیا ہے، اس میں بھی ایسی جہالت ہے کہ بائع کے لئے مشتری کے ضمان میں دینا اور مشتری کے لئے اس میں تصرف کرنا ممکن نہیں ہے؛ اس لئے آپ کا حامد کے ہاتھ فروخت کرنا اور حامد کا خالد کے ہاتھ فروخت کرنا دونوں معاملہ ناجائز اور فاسد ہے۔ اور واجب الاسترداد ہے؛ البتہ حامد نے جو اپنی متعین زمین فروخت کی ہے، اس کی قیمت الگ سے لگائی جائے تو درست ہوسکتا ہے۔

اشترى أرضا وذكر حدودها لا ذرعها طولا وعرضا جاز، وإذا عرف المشتري الحدود لا الجيران يصح، وإن لم يذكر الحدود ولم يعرفه المشتري يمنع. (بزازية، كتاب البيوع، الفصل الثالث فيما يجوز بيعه وما لا يجوز، جديد زكريا ١/ ٢٣٥، وعلى هامش الهندية، زكريا ٤/ ٣٧٢، شامي، مطلب ما يبطل الإيجاب سبعة، كراچی ٤/ ٥٢٩، زكريا ٦/ ٤٩)

إذ لم يعلم أن العشرة من أي جانب من الدار، فيكون مجهولا جهالة تفضي إلى المنازعة. (عناية مع الفتح، دارالفكر بيروت ٦/ ٢٧٥، كوئٹه ٥/ ٤٧٩، زكريا ٦/ ٢٥٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/ ذی الحجہ ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۵۰۶۴)

قسطوار زمین کی خرید وفروخت کرنے والی کمپنی کا ممبر بننا

سوال [۸۷۰۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک کمپنی ہے جو زمینوں کی خرید وفروخت کرتی ہے اور وہ لوگوں کو اپنا ممبر بنا کر ایک متعین رقم قسط وار وصول کرتی ہے، پورا ہوجانے کے بعد اس کو وہ زمین موعود دی جاتی ہے، اگر وہ نہ لینا چاہے تو اس کی قیمت لگا کر رقم دی جاتی ہے، ظن غالب نفع کا ہوتا ہے۔

دوسری اسکیم یہ ہوتی ہے کہ جو ممبران کمپنی کے لئے ایجنٹ کا کام کرتے ہیں، ان کو کمیشن دیتی ہے اور ایجنٹ نے جن لوگوں کو ایجنٹ بنایا ہے، ان کی ممبر سازی پر بھی اول کو کمیشن دیتی ہے، جو سب متعین ہوتا ہے، اسی طرح سلسلہ وار سلسلہ الی غیر النہایہ چلتا رہتا ہے، جسے ''نیٹ ورک'' سسٹم کہا جاتا ہے۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ میں ذکر کردہ صورت کے مطابق مذکورہ کمپنی کا

لوگوں کو اپنا ممبر بنا کر متعینہ زمین قسطوں پر فروخت کرنا اور تمام اقساط کی ادائے گی کے بعد زمین موعود خریدار کے حوالہ کرنا اس حد تک معاملہ از روئے شرع جائز ہے۔

البيع مع تأجيل الثمن و تقسيطه صحيح. (شرح المجلة رستم باز، اتحاد ديو بند ١/ ١٢٥، رقم المادة: ٢٤٥)

ولو لم يكن الأجل مشروطا في العقد ولكنه منجم معتاد قيل: لا بد من بيانه؛ لأن المعروف كالمشروط. (هداية، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، قديم ٣/ ٥٨، جديد أشرفي ديوبند ٣/ ٧٤)

وللبائع حبس المبيع إلى قبض الثمن ولو بقي منه درهم. (شامي، مطلب في حبس المبيع لقبض الثمن الخ، كراچی ٤/ ٥٦١، زكريا ٧/ ٩٣)

لیکن معاملہ کی دوسری صورت کہ قسطوں کی ادائے گی کے بعد اگر خریدار کسی وجہ سے زمین نہ لینا چاہے تو اسے زمین کی قیمت لگا کر رقم دی جاتی ہے، وضاحت طلب ہے چنانچہ اگر معاملہ اور ایجاب وقبول کے وقت کا غذی کارروائی کرتے ہوئے اس بات کی صراحت کی جاتی ہے کہ اگر قسطوں کی ادائے گی کے بعد تم زمین نہ لینا چاہو تو تمہیں اس کی موجودہ قیمت واپس مل جائے گی اور اس شرط کے ساتھ معاملہ طے ہوتا ہے، تو اس طرح معاملہ کرنا شرعاً جائز نہیں ہے؛ لیکن اگر اس کا مطلب یہ ہے کہ ایجاب وقبول کے وقت اس کی صراحت نہ ہو؛ بلکہ مطلق معاملہ کیا جائے، پھر بعد میں خریدار کسی وجہ سے زمین نہ لینا چاہے تو اس کی ضرورت ومجبوری کا خیال کرتے ہوئے قسطوار جتنی رقم ادا کی جا چکی ہے اتنی رقم خریدار کو واپس کر دیں اور زمین اپنی ملکیت میں رکھیں، تو یہ معاملہ اقالہ میں داخل ہو کر درست ہو جائے گا۔ اور اگر ادا شدہ قسطوں کا لحاظ نہ کرتے ہوئے موجودہ قیمت کا اعتبار کر کے وہ زمین خریدار سے خرید لی جائے تو یہ بھی جائز ہے؛ اس لئے کہ یہ از سرنو خرید وفروخت کا معاملہ ہے۔

أخرج الطبراني حديثا طويلا طرفه هذا: حدثني عمر بن شعيب عن أبيه عن جده، أن النبي صلى الله عليه وسلم نهى عن بيع و شرط. (معجم

الأوسط، دارالفكر بيروت ۳/ ۲۱۱، رقم: ٤٣٦١، مجمع الزوائد، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٨٥، نصب الراية، کراچی ٤/ ١٧)

عن أبي هريرة – رضي الله عنه – قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من أقال مسلما، أقاله الله عثرته يوم القيامة. (ابن ماجة، أبواب التجارات، باب الإقالة، النسخة الهندية/ ١٥٩، دارالسلام، رقم: ٢١٩٩، سنن أبي داؤد، كتاب البيوع، باب فضل الإقالة، النسخة الهندية ٢/ ٤٩٠، دارالسلام، رقم: ٣٤٦٠)

الإقالة جائزة في البيع بمثل الثمن، فإن شرط أكثر منه أو أقل، فالشرط باطل ويرد مثل الثمن الأول. (هداية أشرفی ۳/ ٦٩)

زاد في الموسوعة الفقهية: سواء كانت الإقالة قبل القبض أو بعده، وسواء كان المبيع منقولا أو غير منقول. (الموسوعة الفقهية ٥/ ٣٢٧)

كل شرط لا يقتضيه العقد وفيه منفعة لأحد المتعاقدين أو للمعقود عليه وهو من أهل الاستحقاق يفسده. (هداية، کراچی ٥/ ١١٦، أشرفي ديوبند ٣/ ٥٩)

وإذا حصل الإيجاب والقبول لزم البيع، ولا خيار لواحد منهما. (هداية، کراچی ٥/ ٦، أشرفي ديوبند ٣/ ٢٠، الجوهرة النيرة، إمداديه ملتان ١/ ٢٢٦، دارالكتاب ديوبند ١/ ٢٢٠، تاتارخانية، زكريا ٨/ ٢٢٢، رقم: ١١٧١٤)

(۲) ممبر سازی کی اجرت میں تفصیل یہ ہے کہ جو ایجنٹ براہ راست لوگوں کو کمپنی کا ممبر بناتے ہیں، اس کے عوض میں جو متعین اجرت انہیں ملتی ہے، یہ کمپنی سے جوڑنے کے عمل کی اجرت ہے، جو جائز ہے؛ لیکن ایجنٹ نے جن لوگوں کو ممبر بنایا ہے ان کے ذریعہ ممبر سازی پر اول ایجنٹ کو کمیشن دینا جائز نہیں؛ اس لئے کہ ان لوگوں نے جو محنت کی ہے اس میں پہلے ایجنٹ کی محنت شامل نہیں ہے؛ اس لئے شریعت اس صورت میں اول کو بلا محنت اجرت لینے کی اجازت نہیں دیتی؛ بلکہ یہ محنت کنندگان کا حق ہے۔

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا يحل لمسلم أن يأخذ مال

أخيه بغير حق. (مجمع الزوائد، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ١٧١، مسند أحمد بن حنبل ٥/ ٤٢٥، رقم: ٢٤٠٠٣)

سئل محمد بن سلمة عن أجرة السمسار، فقال: أرجو أنه لا بأس به.

(شامي، كتاب الإجارة، مطلب في أجرة الدلال، زكريا٩/ ٨٧، كراچی ٦/ ٦٣)

لا يجوز لأحد أن يأخذ مال أحد بلا سبب شرعي. (شامي، كتاب الحدود، مطلب في التعزير بأخذ المال، زكريا ٦/ ١٠٦، كراچی ٤/ ٦١، البحرالرائق، كوئٹه ٥/ ٤١، زكريا ٥/ ٦٨، هندية زكريا قديم ٢/ ١٦٧، جديد زكريا ٢/ ١٨١، قواعد الفقه ص: ١١٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰/ صفر ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۹۱۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲/ ۳/ ۱۴۳۱ھ

زمین کو فروخت کرنے کی ایک ناجائز شکل

سوال [۸۷۱۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک کمپنی جس کا نام ''پیس گرین فوریسٹ لمٹیڈ'' (P.G.F) ہے، اپنے گراہک سے زمین فروخت کرنے کا معاہدہ کرتی ہے، اوراس کے بعد گراہک سے قسطوار پانچ سال چھ سال سات سال یا نو سال تک یا جتنا وقت بھی معاہدہ میں طے ہوتا ہے، اس وقت تک روپے وصول کرتی ہے، مثال کے طور پر کمپنی اپنے کسی گراہک سے معاہدہ کرتی ہے کہ پچاس گز زمین خریدنے کے لئے گراہک چھ سال تک ماہوار قسط کے ذریعہ ہر مہینہ کمپنی کے پاس دوسو روپے جمع کرے گا، چھ سال مکمل ہونے پر کل جمع رقم ۱۴۴۰۰/ روپے ہوگی، معاہدہ کرتے وقت کمپنی نے ایک بات واضح کردی تھی کہ گراہک چھ سال تک ۱۴۴۰۰/ روپۓ جمع کرنے کے بعد اگر زمین لینے کا خواہش مند نہیں ہے، تو کمپنی واپس اس زمین کو ۲۰۴۰۰/ روپے میں خریدنے کے لئے تیار رہے گی؛ لہٰذا محترم اس مسئلہ میں فرمائیں کہ اس صورت میں گراہک کو جو ۶۰۰۰/

روپئے کا فائدہ ہورہا ہے، وہ جائز اور حلال ہے یا ناجائز اور حرام ہے؟ کمپنی نے اپنا کاروبار چلانے کے لئے الگ الگ عہدوں پر آدمی فائز کرر کھے ہیں جو گراہکوں سے رقم وصول کرنے کے بعد کمپنی کے خزانہ میں جمع کرتے ہیں اور ان کی وصول کی گئی رقم میں سے کمپنی ان کے عہدوں کے حساب سے ان کو کمیشن دیتی ہے، کمپنی میں کام کرنے کے بعد آمدنی کا واحد ذریعہ یہی ہے؛ لہٰذا حضرت اس مسئلہ میں بھی فرمائیں کہ ایسی کمپنی میں کام کرنا اور اس سے حاصل شدہ آمدنی کو استعمال کرنا حلال ہے یا حرام؟

یہ واضح رہے کہ کمپنی کے لاکھوں گراہک ہیں، جن سے رقم وصول کرکے کمپنی بڑے پیمانے پر اپنا کاروبار چلاتی ہے، کمپنی زمین پر پیڑ لگاتی ہے، اور لکڑی کا کاروبار کرتی ہے، کاشتکاری کرتی ہے، کھیتی کے لئے بیج تیار کرتی ہے، کھاد بناتی ہے اور کئی مختلف کاروبار کرتی ہے اور جو آمدنی ہوتی ہے اس میں سے ہی اپنے گراہکوں کو اور کام کرنے والوں کو فائدہ پہنچاتی ہے، ان تمام صورتوں میں ایسی کمپنی سے وابستہ ہوکر نفع حاصل کرنا کیسا ہے؟ اور یہ بات کمپنی نے معاہدہ کے وقت واضح کردی تھی کہ زمین پر قبضہ اسی وقت دیا جائے گا جب کہ کمپنی کو طے شدہ رقم پوری ادا کردی جائے گی۔

المستفتی: محمد آصف کندرکی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کمپنی کا قانون چہ ہندی اور انگلش دونوں میں شائع شدہ ہے اور قانونچہ سے یہ بات واضح ہوچکی ہے کہ اس میں کئی خرابیاں ہیں:

(۱) اگر سال میں ایک دو قسط کسی وجہ سے ادا نہ کرسکے تو ۱۵ ر فیصد سود کے ساتھ اس کو پورا کرنا لازم ہوگا، تو اس سے معلوم ہوا کہ اس میں سودی شرط موجود ہے۔ اور اگر اس درمیان میں قسطیں پوری ہونے سے پہلے پہلے کسی ممبر کا انتقال ہوجائے تو اس کے پسماندگان کو ۱۵۰ر فیصد کے حساب سے معاوضہ دیا جائے گا، تو یہ شکل جیون بیمہ کی ہوئی، اس میں سود کے ساتھ ’’شبہۃ القمار‘‘ بھی ہے، اس طرح کی باطل اور فاسد شرائط کی بنا پر قسطوں پر زمین خریدنا جائز نہیں ہے۔ اور سوال نامہ میں ان باطل اور فاسد شرائط کا ذکر موجود نہیں ہے؛ اس لئے سوال

ناقص اور غیر واضح ہے۔ اور سوال میں ان باطل شرائط کا ذکر بھی آنا چاہئے تھا؛ لہٰذا ان شرائط کی بنا پر مذکورہ کمپنی سے قسطوں پر زمین خریدنا جائز نہیں ہے۔

قال الله تعالیٰ: وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا. [البقرة: ٢٧٥]

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ. [المائدة: ٩٠]

عن جابر –رضي الله عنه– قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم آكل الربو ومؤكله وكاتبه، وقال: هم سواء. (مسلم شريف، كتاب المساقاة المزارعة، باب الربا، النسخة الهندية ٢/ ٢٧، بيت الأفكار، رقم: ١٥٨٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/ رجب ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۶ ۳/ ۶ ۷۷۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۳/ ۷/ ۱۴۲۳ھ

پتنگ بنانا اور فروخت کرنا کیسا ہے؟

سوال [۱۱۷۸۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: پتنگ کی فروختگی اور اس کا بنانا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: مولانا حفظ الرحمٰن مدیر ندائے شاہی ونائب مہتمم مدرسہ شاہی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: پتنگ بنانا اور فروخت کرنا تعاون علی المعصیت کی وجہ سے ناجائز ہے۔

لقوله تعالى: وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ. [المائدة: ٣] **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲/ ربیع الثانی ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۱۸۳)

جانوروں کی تصاویر بنانا اوران کا کاروبار کرنا

سوال [۸۷۱۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص کا پیتل کے جانوروں کا کاروبار ہے، وہ پیتل کے کتے، بلی، اونٹ، ہاتھی، سور، پرندے وغیرہ بنا تاہے۔

المستفتی: عبدالقدیر، شاہی مسجد مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جاندار کی تصویروں اورمورتیوں کی تجارت اعانت علی المعصیت کی بناپرنا جائز ہے۔

لقوله تعالى: وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ. [المائدة: ۲]

جاندار کی تصویر اورمورتی بنانا حرام اورکبیرہ گناہ ہے۔

تصوير صورة الحيوان أشد التحريم، وهو من الكبائر. (عمدة القاري، دارإحياء التراث العربي بيروت ۲۲/ ۷۰، زكريا ديوبند ۱۵/ ۱۲٤)

وفي الحديث: قال عبدالله: سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول: إن أشد الناس عذابا عند الله المصورون. (صحيح البخاري، كتاب اللباس، باب عذاب المصورين يوم القيامة ۲/ ۸۸۰، رقم: ۵۷۱۷، ف: ۵۹۵۰، صحيح مسلم، كتاب اللباس والزينة، باب تحريم صورة الحيوان، النسخة الهندية ۲/ ۲۰۱، بيت الأفكار، رقم: ۲۱۰۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/ ربیع الاول ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۱۵۹)

پیتل کے ہاتھی گھوڑے وغیرہ بنانا

سوال [۸۷۱۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ شہر مرادآباد میں جیسا کہ آپ کو معلوم ہے پیتل کی صنعت اور اس میں جیسا بیرون ملک سے آرڈر ملتا ہے، اس کو بنایا جاتا ہے، مثلاً ایک آرڈر آیا ہے جس میں ہاتھی، گھوڑے، بلی، کتے وغیرہ کو اس نے مانگا ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ ان ہاتھی وغیرہ (جاندار) کو بنانا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ باحوالہ جواب باشرع عنایت فرمائیں۔

المستفتی: عبیدالرحمٰن پیرزادہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ناجائز اور حرام ہے، عنداللہ سخت ترین عذاب الٰہی کا مستحق ہوگا، مسلمانوں کو ایسا آڈر واپس اور مسترد کرنا واجب ہے۔

عن عبدالله بن مسعود –رضي الله عنه– قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: إن أشد الناس عذابا عند الله المصورون.

(صحيح البخاري، كتاب اللباس، باب عذاب المصورين يوم القيامة ٢/ ٨٨٠، رقم: ٥٧١٧، ف: ٥٩٥٠، صحيح مسلم، كتاب اللباس والزينة، باب تحريم صورة الحيوان، النسخة الهندية ٢/ ٢٠١، بيت الأفكار، رقم: ٢١٠٩، مشكوة شريف ٢/ ٣٨٥)

عن ابن عباس –رضى الله عنه– قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول: كل مصور في النار يجعل بكل صورة صورها نفسا، فتعذبه في جهنم. (مسلم شريف، النسخة الهندية ٢/ ٢٠٢، بيت الأفكار، رقم: ٢١١٠، مشكوة شريف ٢/ ٣٨٥)

ان احادیث کے تحت محدثین نے حیوانات کی تصویر کشی کو سخت حرام اور گناہ کبیرہ لکھا ہے۔

وهذه الأحاديث صريحة في تحريم تصوير الحيوان، وأنه غليظة التحريم. (نووي ٢/ ٢٠١، هكذا عمدة القاري، دار إحياء التراث العربي بيروت ٢٢/ ٢٠،

زکریا دیوبند ۱۵/ ۱۲٤، مرقاة، باب التصاویر، إمدادیه ملتان ۸/ ۳۳۰، أشعة اللمعات ۳/ ۵۹۳)

قال أصحابنا وغيرهم: تصوير صورة الحيوان حرام أشد التحريم، وهو من الكبائر. (عمدة القاري، دار إحياء التراث العربي بيروت ۲۲/ ۷۰، زكريا ديوبند ۱۵/ ۱۲٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۱۳۱۷)

پیتل وغیرہ کی مورتی بنانا کیسا ہے؟

سوال [۸۷۱۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کا ایک پیتل کا کارخانہ ہے، جس میں جانور وغیرہ کی مورتی بنائی جاتی ہیں، تو اس طرح بنانا جائز ہے یا نہیں؟ مفصل جواب تحریر فرمائیں۔

المستفتی: احسان الرحمٰن محلّہ لال مسجد، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں جانوروں کی صورت اور تصویر بنانے والے کو سخت ترین عذاب دیا جائے گا؛ لہٰذا جانور بنوانے والے اور بنانے والے سب حرام وگناہ کبیرہ اور سخت عذاب الٰہی کے مستحق ہوں گے۔

عن عبدالله بن مسعود -رضي الله عنه- قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: إن أشد الناس عذابا عند الله المصورون. (صحيح مسلم، كتاب اللباس والزينة، باب تحريم صورة الحيوان، النسخة الهندية ۲/ ۲۰۱، بيت الأفكار، رقم: ۲۱۰۹، صحيح البخاري، كتاب اللباس، باب عذاب المصورين يوم القيامة ۲/ ۸۸۰، رقم: ۵۷۱۷، ف: ۵۹۵۰)

عن ابن عباس -رضى الله عنه- قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول:

كل مصور في النار يجعل بكل صورة صورها نفسا، فتعذبه في جهنم. (مسلم شريف، النسخة الهندية ۲/ ۲۰۲، بيت الأفكار، رقم: ۲۱۱۰، مشكوة شريف ۲/ ۳۸۵)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷ر محرم ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۶۹/۲۴)

تانبا پیتل سے جانوروں کا مجسمہ بنانا

سوال [۸۷۱۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) زید پیتل کے برتنوں کا کاروبار کرتا ہے اور اپنا مال بیرون ملک سپلائی کرتا ہے، اس کے گاہک یہودی اور نصرانی ہیں، اس کے گاہک ہاتھی، شیر، ہرن اور دوسرے جانور پیتل کے منگوانا چاہتے ہیں۔

(۲) زید کا کوئی اپنا مال بنانے کا کارخانہ ابھی نہیں ہے، زید دوسرے کارخانہ داروں سے کورا مال لے کر صرف اپنی نگرانی میں پالش چاندی اور پیکنگ کر کے مال روانہ کرتا ہے؛ لیکن اگر یہ جانور سپلائی نہیں کرتا تو اس کا گاہک جانور کسی دوسرے سے ضرور خریدے گا اور اس کے ساتھ ہی زید کا دوسرا مال بھی؛ کیوں کہ دوسرے سپلائر اس گاہک کو توڑنے کی کوشش کر رہے ہیں، اس طرح زید کے گاہک کا چھوٹ جانے کا اندیشہ ہے۔

(۳) چونکہ زید کا اپنا کوئی کارخانہ نہیں ہے؛ لیکن دوسرے تاجر جانور اور تصویریں بناتے ہیں، کیا ان سے خرید کر مجبوراً خود ہی سپلائی کرسکتا ہے اور اس سے جو نفع حاصل ہوگا اس کا کیا حکم ہے؟

(۴) کیا زید جانوروں کے آرڈر حاصل کرنے کے بعد کسی دوسرے کو آرڈر ٹرانسفر دے دے، دلوادے، زید کا تعلق صرف آرڈر دلوانے سے ہوگا، ایسی صورت میں جزوی رقم جو بطور

نفع کے حاصل ہو، تو اس کا لینا اور اپنی ضروریات میں شرعاً استعمال کرنا کیسا ہوگا؟

(۵) جزوی رقم یا منافع کا کوئی دوسرا استعمال شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ براہ کرم جواب حدیث سے اور سنت کی روشنی میں مطلع فرمائیں۔

المستفتی: اکرام باری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: تانبا، پیتل وغیرہ دھات سے ہاتھی، شیر، ہرن دوسرے جانوروں کا مجسمہ بنانا اور بنوانے سے عنداللہ سخت ترین عذاب کا مستحق ہونا ہے۔

عن عبدالله بن مسعود –رضي الله عنه– قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: إن أشد الناس عذابا عند الله المصورون.

(صحيح مسلم، كتاب اللباس والزينة، باب تحريم صورة الحيوان، النسخة الهندية ٢/ ٢٠١، بيت الأفكار، رقم: ٢١٠٩، صحيح البخاري، كتاب اللباس، باب عذاب المصورين يوم القيامة ٢/ ٨٨٠، رقم: ٥٧١٧، ف: ٥٩٥٠، مشكوة ٢/ ٣٨٥)

اللہ تعالیٰ آخرت میں ایسے لوگوں کو اس طرح عذاب دیتے رہیں گے اور کہتے رہیں گے کہ اس میں جان ڈال دو اور وہ جان نہ ڈال سکیں گے۔

من صور صورة عذب وكلف أن ينفخ فيها، وليس بنافخ. (صحيح البخاري، باب بلا ترجمة ٢/ ٨٨١، رقم: ٥٧٢٩، ف: ٥٩٦٣، مشكوة ٢/ ٣٨٦)

اور پالش کرنے والا بھی مستحق عذاب ہوگا، اب اپنا گاہک چھوٹ جانے اور آخرت کے عذاب میں خود ہی تناسب دیکھا جا سکتا ہے۔

(۳) عمل تجارت حرام نہیں ہے، مگر تعاون علی المعصیت ہونے کی وجہ سے کراہت کے درجے میں ہوگا۔ اور تجارت کے منافع حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بلا کراہت حلال ہیں؛ اس لئے کہ اصل شئ فی نفسہٖ مال ہے اور حضرت امام یوسف ومحمدؒ کے نزدیک مکروہ ہیں؛ اس لئے کہ معصیت کے تعاون کے ساتھ نفع حاصل کیا گیا ہے۔

ومثله في الشامي: لو آجره دابة لينقل عليها الخمر أو آجره نفسه

لیرعی له الخنازیر یطیب الأجر عنده وعندهما یکره. (شامي، کتاب الحظر والإباحة، فصل في البیع، زکریا ۹/ ۵٦۲، کراچی ٦/ ۳۹۲، تبیین الحقائق، إمدادیه ملتان ٦/ ۲۹، زکریا دیوبند ۷/ ٦٤، مجمع الأنهر، دارالکتب العلمیة بیروت ٤/ ۱۸۸، قدیم ۲/ ۵۳۰)

(۴-۵) آرڈر دلوانے والا دلال کے حکم میں ہوگا۔ اور دلال کی اجرت جس طرح دیگر معاملات میں حلال ہے، اسی طرح یہاں بھی حلال ہوگی؛ اس لئے کہ اصل معاملہ کا تعلق دلال سے نہیں ہوتا ہے؛ بلکہ ایکسپورٹر اور ایمپورٹر کے ساتھ ہوتا ہے۔

سئل محمد بن سلمة عن أجرة السمسار، فقال: أرجو أنه لا بأس به. (شامي، کتاب الإجارة، مطلب في أجرة الدلال، زکریا ۹/ ۸۷، کراچی ٦/ ٦۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۵۰۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۲/ ٦/ ۱۴۱۴ھ

چوری کے سامان کی خرید وفروخت کا شرعی حکم

سوال [۸۷۱٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص پرانی گاڑیوں کی مرمت کا کام کرتا ہے، کہ پرانی ایکسیڈنٹل گاڑیاں خریدتا ہے، تو اس گاڑی کو ٹھیک کرنے میں کبھی کھڑکی کی ضرورت پڑتی ہے اور کبھی چھت کی ضرورت پڑتی ہے، تو اگر گاڑی کے ان پارٹس کو ایجنسی سے خریدیں تو یہ چیزیں پرانی گاڑی کے پیسوں کے بمقابلہ ٦۰ / فیصد مہنگی ہوتی ہیں؛ اس لئے ان چیزوں کو کباڑی کی دوکان سے خرید لیتے ہیں، جہاں سے پرانے سامان بہت سستے مل جاتے ہیں اور اس طرح گاڑی کی مرمت کرنے میں بچت اچھی ہوتی ہے؛ البتہ کباڑی کی دوکان جہاں سے ہم پارٹس خریدتے ہیں تو وہاں جو گاڑیاں کاٹی جاتی ہیں وہ عموماً چوری کی ہوتی ہیں اور کچھ گاڑیاں خرید کر بھی کاٹی جاتی ہیں؛ لہٰذا

ہم جوبھی سامان کباڑی کی دوکان سے خریدیں گے اس میں غالب گمان چوری کا ہے اور مغلوب اور احتمال اس بات کا بھی ہے کہ وہ خریدی ہوئی گاڑی کا پارٹ ہے، تو کیا اس احتمال کی وجہ سے مطلقاً پارٹس خریدنا جائز ہوسکتا ہے؟ اور لوگ جواز کی دلیل میں یہ بات پیش کرتے ہیں کہ جس طرح شراب کی بوتلوں کو خریدنا اور پھر اس کو بیچنا جائز ہے، جب کہ اس میں ظن غالب یہی ہے کہ اس میں دوبارہ شراب بھری جاتی ہے؛ لیکن احتمال اس بات کا بھی ہے کہ اس میں تیل وغیرہ بھرا جائے۔ حضرت والا سے گزارش ہے کہ دلائل کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں، اللہ تعالیٰ آپ کو اپنی شایان شان اجر عظیم عطا فرمائے اور آپ کی عمر میں برکت دے۔ آمین

المستفتی: مولانا محمد طارق صاحب نعمانی، قصبہ جویا

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جن دوکانوں کے بارے میں یقین سے معلوم ہے کہ چوری کا مال ہے یا ظن غالب یہی ہے کہ چوری کا مال یہاں بکتا ہے، تو وہاں سے مذکورہ سامان خریدنا خریدار کے لئے جائز نہیں ہے، اگر سستے کے لالچ میں وہاں سے خریدے گا تو چوری کے گناہ میں خریدار بھی شامل ہوجائے گا۔ اور جن دوکانوں کے بارے میں یقین ہے یا ظن غالب ہے کہ یہاں چوری کا سامان نہیں بکتا ہے، وہاں سے خریدنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور شراب کی بوتلوں پر اس مسئلے کو قیاس کرنا درست نہیں ہے؛ اس لئے کہ شراب کی بوتلیں چوری کی نہیں ہوتی ہیں اور یہاں مسئلہ چوری کا ہے۔

قال عليه السلام: من اشترى سرقة وهو يعلم أنها سرقة، فقد شرك في عارها، وإثمها. (شعب الإيمان، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٣٨٩، رقم: ٥٥٠٠، المصنف لابن أبي شيبة، جديد موسسة العلوم القرآن بيروت ١١/ ٣٣٨، رقم: ٢٢٤٩٥، فيض القدير ١١/ ٥٦٥٤، رقم: ٨٤٤٣، بحواله محموديه ڈابهيل ١٦/ ٨٦)

والحاصل أنه إن علم أرباب الأموال وجب رده عليهم، وإلا فإن علم

عين الحرام لا يحل له. (شامي، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مطلب فيمن ورث مالا حراما، كراچی ٥/ ٩٩، زكريا ٧/ ٣٠١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍ ربیع الاول ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۰۱۷)

چوری کا مال خریدنا کیسا ہے؟

سوال [۸۷۱۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ناجائز طریقہ سے حاصل شدہ مال کا خریدنا واستعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟ مثلاً چوری کا مال یا ایسا کوئی مال جس کے متعلق ہم جانتے ہیں کہ یہ غلط طریقہ سے آیا ہے، جیسے آج کل آم وغیرہ کے باغات عموماً خلاف شرع انداز پر بیچے جاتے ہیں، لوگ دس دس بیس بیس سال آگے تک کے لئے فصل خرید لیتے ہیں اور پھر وہ مارکیٹ میں آکر فروخت ہوتے ہیں، تو اس طرح کے اموال کی خرید وفروخت میں شرعاً کیا قباحت ہے؟

المستفتی: محمد الیاس، کٹک اریسہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: چوری کا مال خریدنا ہرگز جائز نہیں ہے، اگر خرید چکا ہے تو واپس کر دینا لازم ہے۔ اور اگر اصل مالک معلوم ہو جائے تو اس کے حوالہ کر دینا چاہئے، اگر وہ فروخت کرنے پر تیار ہو جائے تو اس سے معاملہ کر سکتے ہیں۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۱۱/ ۲۸۰، جدید ڈابھیل ۱۶/ ۸۶)

قال عليه السلام: من اشترى سرقة وهو يعلم أنها سرقة، فقد شرك في عارها، وإثمها. (شعب الإيمان، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٣٨٩، رقم: ٥٥٠٠، المصنف لابن أبي شيبة، جديد موسسة العلوم القرآن بيروت ١١/ ٣٣٨، رقم: ٢٢٤٩٥)

والحاصل أنه إن علم أرباب الأموال وجب رده عليهم، وإلا فإن علم عين الحرام لا يحل له. (شامي، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مطلب فيمن ورث مالا حراما، كراچی ٥/ ٩٩، زكريا ٧/ ٣٠١)

اور بیع فاسد سے حاصل شدہ مال پر جب مشتری بائع کی اجازت سے قبضہ کرلیتا ہے تو شرعاً مشتری مالک ہوجاتا ہے، بس رفع فساد کے لئے واپسی لازم ہوتی ہے؛ اس لئے دوسرے لوگوں کو اس سے خریدنا جائز ہوجاتا ہے اور پھر اس کے بعد واپسی بھی شرعاً لازم نہیں ہوا کرتی ہے۔

وإذا قبض المشتري المبيع في البيع الفاسد بأمر البائع، وفي العقد عوضان كل واحد منهما مال ملك المبيع ولزمته قيمته -إلى قوله- ولكل واحد من المتعاقدين فسخه رفعا للفساد. (وقوله) فإن باعه المشتري نفذ بيعه؛ لأنه ملكه، فملك التصرف فيه وسقط حق الاسترداد لتعلق حق العبد بالثاني، ونقض الأول لحق الشرع. (هداية، باب البيع الفاسد، فصل في أحكامه، اشرفي ديو بند ٣/ ٦٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١١رصفر ١٤١٣ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٢٨/ ٣٠١٣)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
١١/ ٢/ ١٤١٣ھ

مال مسروق کی بیع وشراء کا حکم

سوال [٨٧١٨]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بہت سے حضرات اون کا کام کرتے ہیں (یہ اون نہیں بلکہ ریشمی اون ہے) اون کی چادریں بنا کر فروخت کرتے ہیں، یہی ان کا کاروبار ہے؛ لیکن معلوم ہوا کہ وہ اون جو آتی ہے وہ نمبر دو کا مال ہے؛ کیوں کہ نمبر ایک کی اگر اون لاکر اس کا کچھ بھی مال تیار کر کے فروخت کریں تو اس میں فائدہ نہیں ہے، نمبر دو کی ہی اون کا مال بناتے ہیں، تو فائدہ ہے، نمبر دو کی تفصیل یہ ہے کہ لدھیانہ میں یہ مال بنتا ہے اور وہیں اس کی رنگائی ہوتی ہے، رنگائی کے

بڑے بڑے کارخانہ ہیں، کوئنٹلوں مال رنگا جاتا ہے، رنگنے والے اس مال میں سے جو کسی کا رنگنے کے واسطے مال آیا ہے؛ کیوں کہ وہ سوکھا مال ہوتا ہے، جب رنگائی کر کے وہ مال واپس کرتے ہیں تو اس میں سے کچھ مال اپنے پاس رکھ لیتے ہیں، یہ تو چوری کرتے ہیں، اس طرح سے کوئنٹلوں مال جمع کر کے اس کو فروخت کر دیتے ہیں، ان کا یہ رو یہ ہے کہ یہ بڑے بڑے کارخانہ والے سب ہی غیر مسلم ہیں۔ اور اگر کوئی مسلمان بھی رنگنے کے واسطے مال دے تو اس میں سے بھی رکھنا ضروری ہے، یعنی یہ ان کا پیشہ ہے، رنگوانے والوں کو بھی خوب معلوم ہے کہ یہ ایسا کرتے ہیں، اب اس مال کو مسلمان یا غیر مسلم خرید کر دوسروں کو بیچتے ہیں، ہمارے یہاں ایسا کاروبار بہت چل رہا ہے، یہ کاروبار کرنا کیسا ہے؟ کچھ اگر گنجائش ہو تو جواب سے مطلع کریں، اس اون کا تیار کیا ہوا مال لے کر فروخت کرنا یا لے کر جمع کر کے رکھنا کیسا ہے؟ اور اس کو بکری کے اوقات میں ہی بیچنا جیسے کہ گرمیوں میں ستا مل جاتا ہے، سردیوں میں کچھ مہنگا ہو جاتا ہے، اکثر لینے والے ایسا کرتے ہیں، شرعاً یہ کیسا ہے؟

المستفتی: حافظ اشرف علی سہسپور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر آپ براہ راست فیکٹری سے مال خرید رہے ہیں اور مال کے متعلق قطعی علم نہیں ہے کہ یہ چوری کا ہے تو ایسے مال کی خرید وفروخت جائز ہے، نیز ایسے مال کو خرید کر کے جمع کرنا، پھر اسے اس کے موسم میں فروخت کرنا جب کہ آپ کے جمع کرنے سے دوسروں کو کوئی تنگی پیش نہ آتی ہو، تو درست ہے، یہ شکل احتکار میں شامل نہیں ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۳/ ۱۹)

وإن اشترى في ذلك المصر، وحبسه ولا يضر بأهل المصر لا بأس به.

(هندية، كتاب البيوع، الباب العشرون في البياعات المكروهة، فصل في الاحتكار، زكريا قديم ۳/ ۲۱۳، جديد ۳/ ۲۰۰، درمختار مع الشامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، كراچی ٦/ ٣٩٨، زكريا ٩/ ٥٧١، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٢١٣، هداية مع فتح القدير، كوئٹه ٨/ ٤٩١، زكريا ١٠/ ٦٩)

البتہ اگر آپ کو تحقیق سے معلوم ہو جائے کہ یہ مال چوری کا ہے تو ایسے مال کی خرید وفروخت شرعاً ناجائز ہے۔ (مستفاد: فتاوی رحیمیہ قدیم ۲۸۳/۶، جدید زکریا ۲۲۱/۱۰، محمودیہ قدیم ۲۸۰/۱۱، جدید ڈابھیل ۸۶/۱۶)

قال علیه السلام: من اشترى سرقة وهو يعلم أنها سرقة، فقد شرك في عارها، وإثمها. (شعب الإيمان، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٣٨٩، رقم: ٥٥٠٠، المصنف لابن أبي شيبة، جديد موسسة العلوم القرآن بيروت ١١/ ٣٣٨، رقم: ٢٢٤٩٥)

قال: هي لي ظلمني فلان وغصبها مني، فأخذتها منه لا ينبغي للسامع أن يشترى منه؛ لأن الغصب أمر مستنكر. (هندية، كتاب الكراهية، الباب الأول، الفصل الثاني في العمل بخير الواحد في المعاملات، زكريا قديم ٥/ ٣١١، جديد ٥/ ٣٥٩، البحرالرائق، فصل في البيع، كوئته ٨/ ٢٠٠، زكريا ٨/ ٣٦٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۲۱/۶/۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۶۷۶۰/۳۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۶/۱۴ھ

چوری کی لکڑی کی خرید وفروخت اور عددوں کو تیار کرنے پر مزدوری لینا

سوال [۸۷۱۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (الف) ہمارے شہر میں لکڑی میں صنعت کاری کا کام ہوتا ہے، مختلف قسم کی لکڑیاں آتی ہیں، ان کو چیر کران کا عدد تیار ہوتا ہے، پھر اس کو فیشن وغیرہ کرکے تھیلی اور ڈبہ میں پیک کرکے باہر بھیجا جاتا ہے، ان ہی لکڑیوں میں ایک لکڑی نمبر دو کی آتی ہے، جو کہ گورنمنٹ کی ہوتی ہے۔ اور چوری سے کاٹ کر لائی جاتی ہے، اور چوری ہی سے بکتی ہے، چوری ہی سے چیری جاتی ہے، پکڑے جانے پر جرمانہ بھی ہوتا ہے اور بے عزتی بھی ہوتی ہے اور یہ لکڑی مناسب قیمت پر ملتی ہے، تو کیا اس لکڑی کو خریدنا جائز ہے یا نہیں؟ بعض لوگ ایسا کرتے

ہیں کہ اس کے کٹے ہوئے عدد ڈبہ یا تھیلی میں پیک تیار مال خرید لیتے ہیں، جب کہ خریدنے والے کو یقینی یہ بات معلوم ہے کہ یہ مال اسی چوری کی لکڑی کا ہے؛ لیکن ایسا خریدنے میں پکڑے جانے کا اور رسوائی کا خطرہ کم ہوتا ہے، تو ایسا مال خریدنا معلوم ہوتے ہوئے جائز ہے یا ناجائز ہے؟

(ب): نیز اسی لکڑی کے عددوں کو تیار کرنے پر مزدوری لینا کیسا ہے؟

المستفتی: حافظ فرید احمد نگینہ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: الف: جس لکڑی کے بارے میں یہ یقین ہو کہ وہ چوری کی ہے جیسا کہ سوال میں ہے، تو ایسی لکڑی کو خریدنا اور بیچنا دونوں ناجائز ہے۔

إن علم أن العين التي يغلب على الظن أنهم أخذوها من الغير بالظلم قائمة وباعوه في الأسواق، فإنه لا ينبغي شراء ه منهم، وإن تداولته الأيدي.

(طحطاوي على الدر، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، كوئٹه ٤/ ١٩٢)

ب: چوری کی لکڑی کے عددوں کو تیار کرنے پر مزدوری لینا جائز ہے؛ کیوں کہ یہ اپنے کام کی اجرت ہے، چوری میں شرکت نہیں ہے۔

ولو آجر نفسه ليعمل في الكنيسة ويعمرها لا بأس به؛ لأنه لا معصية في عين العمل. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، كراچی ٦/ ٣٩٢، زكريا ٩/ ٥٦٢)

ولأبي حنيفة وأبي يوسف وكسر الحطب ...... بإيقاع الفعل على المحل بالتجافي، ولكن الكل فيه سواء في صفة الحل شرعاً، فلهذا جاز الاستئجار عليه. (مبسوط سرخسي، دارالكتب العلمية بيروت ١٦/ ٤٠)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲/۱/۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۴۰۶)

باغات کی خرید وفروخت

سوال [۸۷۲۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: آم کے باغ کی فصل کو پھول یا پھل آنے سے قبل ہی ایک سال، دو سال یا اور زیادہ عرصہ کے لئے فروخت کیا جائے، پچھلے طویل عرصے سے ہم اپنے باغ کی فصل اسی طرح فروخت کرتے آئے ہیں کہ ماہ ستمبر، اکتوبر میں دوسال کی فصل فروخت کردی جاتی تھی، جب کہ پھول اور پھل فروری کے مہینے میں نکلتے ہیں، اگر چہ یہ علم تھا کہ اس طرح کی فروخت شرعی طور پر جائز نہیں ہے؛ لیکن چونکہ دستور اور رواج اس طرح کا ہے؛ اس لئے بدرجہ مجبوری اسے فروخت کیا جاسکتا ہے؛ لیکن کسی کتاب کے مطالعہ کے دوران یہ علم ہوا کہ اس طرح کی بیع ناجائز ہے اور اس کی آمدنی حرام ہے، چنانچہ ہم نے ارادہ کیا کہ اس بار ہم اس طرح فروخت نہیں کریں گے۔ جو صاحب ہر سال ہمارے باغ کی فصل لیا کرتے تھے وہ پچاس ہزار روپئے نقد لے کر آئے بطور بیعانہ اور کہا کہ پہلے سال کی فصل سے پہلے ایک لاکھ اور دوسرے سال کی فصل سے پہلے ایک لاکھ یعنی کل ملا کر ڈھائی لاکھ روپئے دوسال کی فصل کے لئے ادا کریں گے؛ لیکن ہم نے انہیں سختی سے منع کردیا کہ اب ہم اس طرح فصل نہیں فروخت کریں گے۔ چنانچہ ہم نے باغ کی دیکھ بھال خود شروع کردی اور جتائی، صفائی، تلائی، کھاد وآب پاشی اور کٹر ون اور بیماریوں کی روک تھام کے لئے دواؤں کا چھڑکاؤ وغیرہ کروایا، جس پر تقریباً -/81,000 (اکیاسی ہزار روپے) خرچ کئے۔ اور فروری اور مارچ میں پھول اور پھل بننے کے بعد اسے فروخت کرنے کا ارادہ کیا، بہت لوگوں سے رابطہ کیا؛ لیکن سب نے ایک ہی جواب دیا کہ دوسال کے لئے دیں گے جیسا کہ دستور ہے، تو لے سکتے ہیں ورنہ نہیں، مجبوراً اپریل کے آخر میں صرف -/20,000 (بیس ہزار روپے) میں اس سال کی فصل فروخت ہوئی، اس طرح پہلے سال کی فصل میں ایک لاکھ تیس ہزار کم ملے اور مبلغ اکیاسی ہزار روپے اپنے پاس سے خرچ کئے، جب کہ بصورت دیگر یہ خرچ خریدار کے ذمہ ہوتا ہے۔

اب موجودہ فصل کے اختتام پر پھر وہی حالات درپیش ہوں گے، اگلے دو سال کی فصل کی فروخت کے لئے، ایسی صورت حال میں ہمیں کیا کرنا چاہئے کہ ہم شرعی احکامات کی خلاف ورزی کے مرتکب نہ ہوں اور ہمیں مالی طور پر خسارہ بھی نہ برداشت کرنا پڑے۔

نیز یہ کہ ماضی میں جو سالہا سال تک ہم سے غلطی سرزد ہوتی رہی اور اس آمدنی کو ہم اپنے استعمال میں لاتے رہے، تو اس کے کفارہ کی کیا صورت ہوسکتی ہے؟ از راہ کرم مفصل اور مدلل جواب تحریر فرما کر ممنون ومشکور فرمائیں اور عنداللہ ماجور ہوں۔ فقط

المستفتی: بذل الرحمٰن فاروقی، قصبہ ڈھکہ تحصیل حسن پور، جے پی نگر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ شروع سے آخر تک پڑھا گیا ہے، باغ کی خرید وفروخت کا جو دستور چلا آرہا ہے، وہ شرعی طور پر جائز نہیں ہے، اس کے لئے متبادل شکل یہی ہے کہ باغ کی فروختگی کے ساتھ مع زمین کے دو سال کے لئے معاملہ طے کیا جائے کہ جس میں خریدار کو اس باغ کے دائرہ میں کسی بھی چیز کے کاشت کرنے کی اجازت ہو اور باغ کے بیچ بیچ میں جو خالی جگہ ہو اس میں جو چیز بھی پیدا ہوسکتی ہے خریدار ان جگہوں میں کوئی بھی چیز بو کر پیداوار حاصل کرسکے، اس طرح زمین سمیت دو سال کے لئے فروخت کردیا جائے اور کھیتی کے ساتھ باغ کی دیکھ ریکھ کر کے اس کے پھلوں سے بھی فائدہ اٹھائے، ایسی شکل اختیار کرنا جائز ہے؛ لہٰذا آئندہ سے آپ اس طرح معاملہ کرسکتے ہیں اور پچھلے سالوں میں جو معاملہ کیا گیا ہے اس سے اللہ سے توبہ کرلیں، اللہ پاک بندوں کی توبہ قبول کرتے ہیں۔

(مستفاد: ایضاح النوادر، ص: ۴۷، انوار رحمت، ص: ۱۸۰)

عن جابر بن عبدالله –رضي الله عنه– قال: نهى النبي ﷺ عن بيع الثمار حتى يبدو صلاحها. (صحيح البخاري، الزكوة، باب من باع ثماره أو نخله ۱/ ۲۰۱، رقم: ۱۴۶۵، ف: ۱۴۸۷، صحيح مسلم، البيوع، باب النهي عن بيع الثمار قبل بدو صلاحها، النسخة الهندية ۲/ ۷، بيت الأفكار، رقم: ۱۵۳۴، سنن أبي داؤد، البيوع،

باب بيع الثمار قبل أن يبدو صلاحها، النسخة الهندية ٢/ ٤٧٨، دارالسلام، رقم: ٣٣٦٧)

ومن استاجر أرضا على أن يكربها ويزرعها ويسقيها فهو جائز.

(هداية، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، اشرفی دیو بند ٣/ ٣٠٦، البحرالرائق، کوئٹه ٨/ ٢٤، زکریا ٨/ ٤٣، درمختار مع الشامي، کراچی ٦/ ٦٠، زکریا ٩/ ٨٢)

وإن استأجر دارا سنة بعشرة دراهم جاز، وإن لم يبين قسط كل شهر من الأجرة. (هداية، أشرفي ديوبند ٣/ ٣٠٢)

قال الله تعالىٰ: ﴿إِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فَاُولٰٓئِكَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا﴾.

[النساء: ١٧] فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍شعبان ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۷۸)

بدو صلاح سے قبل پھلوں کی خرید وفروخت

سوال [۸۷۲۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرے ایک عزیز نے باغ کی بہار اس کے مول (پھول) پر ہی فروخت کردی، بغیر دریافت کئے، جب کہ شرعی حیثیت سے خرید وفروخت ناجائز ہے، میں اپنے حصہ کی رقم کو کس مد میں خرچ کروں؟

(۱) اس کو اپنے خرچ میں کروں یا نہیں؟ اگر کی جائے تو کس طرح؟

(۲) مکان کی مرمت میں ہوسکتی ہے یا نہیں؟

(۳) اس کے علاوہ جس مد میں خرچ ہوسکتی ہو تحریر فرمائیں، تاکہ اس وقت کی پکڑ سے محفوظ رہوں، اس کے لئے جو شرعی حیثیت ہو تحریر فرمائیں۔ فقط

المستفتی: محمد حنیف لاجپت نگر، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: سوال نامہ میں درج شدہ صورت میں جانبین پر واجب ہے کہ عقد کو فسخ کر کے مشتری ثمن واپس کر لے اور مالک باغ واپس کرے، نہ مالک کو ثمن میں تصرف جائز ہے اور نہ مشتری کو باغ میں تصرف جائز؛ اس لئے مذکورہ رقم باغ کا مالک واپس کر کے مشتری کو لوٹانے کے علاوہ کوئی اور شکل نہیں، جب باغ میں پھل ظاہر ہو جائے تو دوبارہ عقد شرعی کر سکتے ہیں۔

عن جابر بن عبدالله -رضي الله عنه- قال: نهى النبي ﷺ عن بيع الثمار حتى يبدو صلاحها. (صحيح البخاري، الزكوة، باب من باع ثماره أو نخله ١/ ٢٠١، رقم: ١٤٦٥، ف: ١٤٨٧، صحيح مسلم، البيوع، باب النهي عن بيع الثمار قبل بدو صلاحها، النسخة الهندية ٢/ ٧، بيت الأفكار، رقم: ١٥٣٤، سنن أبي داؤد، البيوع، باب بيع الثمار قبل أن يبدو صلاحها، النسخة الهندية ٢/ ٤٧٨، دارالسلام، رقم: ٣٣٦٧)

منها: أن يكون موجودا فلا ينعقد بيع المعدوم (وقوله) وكذا بيع الثمر والزرع قبل ظهوره؛ لأنهما معدوم، وإن كان بعد الطلوع جاز. (بدائع الصنائع، كتاب البيوع، فصل وأما الذي يرجع على المعقود عليه، كراچی ٥/ ١٣٨، زكريا ٤/ ٣٢٦)

وقوله: روى عن النبي عليه الصلاة والسلام، أنه نهى عن بيع الثمار قبل بدو صلاحها. الخ (بدائع الصنائع، كراچی ٥/ ١٣٨، زكريا ٤/ ٣٢٦)

صرح الفقهاء بأن من اكتسب مالا بغير حق، فإما أن يكون كسبه بعقد فاسد كالبيوع الفاسدة -إلى قوله- ففي جميع الأحوال المال الحاصل له حرام عليه (وقوله) يجب عليه أن يرده على مالكه. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، مطبع سهارنپور ١/ ٣٧، دارالبشائر الإسلاميه بيروت ١/ ٣٥٩، تحت رقم الحديث: ٥٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍ رجب ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۸۱۸)

بہارانبہ کی فصل کی خرید وفروخت

سوال [۸۷۲۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: باغ بہارانبہ کی فصل قبل فصل آنے سے بیچنا جائز ہے یا نہیں؟ کیا اس آمدنی سے حج بیت اللہ کا سفر کرنا درست ہوگا؟

المستفتی: راشد نگم قاضی سرائے

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: فصل آنے سے پہلے باغات کے پھل بیچنا ناجائز ہے؛ البتہ آم وغیرہ چونکہ اس کے پھل ایک مرتبہ میں نہیں پکتے؛ لہٰذا ان کو بعض پھل آنے کے بعد فروخت کرنا جائز ہے اور ناجائز اور حرام طریقہ سے حاصل کردہ مال سے حج واجب نہیں ہوتا ہے؛ لیکن حج کرلے تو ادا ہوجاتا ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۳/۱۰۲، احسن الفتاوی ۶/۴۸۶)

عن جابر بن عبدالله –رضي الله عنه– قال: نهى النبي ﷺ عن بيع الثمار حتى يبدو صلاحها. (صحيح البخاري، الزكوة، باب من باع ثماره أو نخله ١/ ٢٠١، رقم: ١٤٦٥، ف: ١٤٨٧، صحيح مسلم، البيوع، باب النهي عن بيع الثمار قبل بدو صلاحها، النسخة الهندية ٢/ ٧، بيت الأفكار، رقم: ١٥٣٤، سنن أبي داؤد، البيوع، باب بيع الثمار قبل أن يبدو صلاحها، النسخة الهندية ٢/ ٤٧٨، دارالسلام، رقم: ٣٣٦٧)

بيع الثمار قبل الظهور لا يصح إتفاقا، فإن باعها بعد أن تصير منتفعا بها يصح. (الهندية، كتاب البيوع، الباب التاسع في ما يجوز بيعه وما لا يجوز، زكريا قديم ٣/ ١٠٦، جديد ٣/ ١٠٧، الدر المختار، كتاب البيوع، مطلب في بيع الثمر والزرع والشجر مقصودا، كراچی ٤/ ٥٥٥، زكريا، ٧/ ٨٥)

ولو برز بعضها دون بعض لا يصح في ظاهر المذهب، وأفتى الحلواني بالجواز، وتحته في الشامية: فحيث تحققت الضرورة هنا أيضا

أمكن الحاقة بالمسلم للضرورة. (شامي، كراچى ٤ / ٥٥٥-٥٥٦، زكريا ٧/ ٨٥-٨٦)

لا يجب بالمال الحرام لكن لو حج به جاز. (مجمع الأنهر، كتاب الحج، قديم ١/ ٢٦١، جديد دارالكتب العلمية بيروت ١ / ٣٨٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍ جمادی الثانیہ ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۳۵۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۶/۲۷ھ

باغ خریدنے کی جائز اور ناجائز شکلیں

سوال [۸۷۲۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص نے پھل آنے سے پہلے ہی باغ خریدا۔ شکل نمبر۱؍ پھول ابھی نہیں آیا ہے۔ شکل نمبر۲؍ پھول آچکا ہے، یا پھل تو آچکا ہے؛ لیکن نہایت چھوٹے چھوٹے ہیں، جو کسی کام میں نہیں آسکتے، لوگ ایسا کرتے ہیں؛ اس لئے عرض ہے کہ مذکورہ دونوں شکلیں شریعت کی رو سے جائز ہے یا ناجائز۔ اور جواز کی کیا صورت ہوسکتی ہے؟

المستفتی: افسر علی خان بلند شہری، معرفت ظفر دارک بدایوں

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: (ا) باغ کی ایسی فصل کو خریدنا جس میں ابھی درخت پر پھول بھی نہیں آیا ہے، یا صرف پھول آچکا ہے درست نہیں ہے؛ اس لئے کہ یہ شئ معدوم کی بیع کے دائرہ میں داخل ہو کر ناجائز اور باطل ہے۔ (فتاوی رشیدیہ قدیم ۴۹۸، جدید زکریا ۴۷۶)

عن جابر بن عبدالله –رضي الله عنه– قال: نهى النبي ﷺ عن بيع الثمار حتى يبدو صلاحها. (صحيح البخاري، الزكوة، باب من باع ثماره أو نخله ١/ ٢٠١، رقم: ١٤٦٥، ف: ١٤٨٧، صحيح مسلم، البيوع، باب النهي عن بيع الثمار قبل بدو صلاحها، النسخة الهندية ٢/ ٧، بيت الأفكار، رقم: ١٥٣٤)

فلم ينعقد بيع المعدوم وماله خطر العدم كالحمل واللبن في الضرع والثمر قبل ظهوره. (شامي، كتاب البيوع، مطلب شرائط البيع أنواع أربعة، كراچی ٤/ ٥٠٥، زكريا ٧/ ١٥)

أما قبل الظهور فلا يصح إتفاقا. (شامي، مطلب في بيع الثمر والزرع والشجر مقصودا، زكريا ٧/ ٨٥، كراچی ٤/ ٥٥٥، هندية قديم ٣/ ١٠٦، جديد ٣/ ١٠٧)

(۲) دوسری شکل یہ ہے کہ معاملہ طے ہوچکنے کے بعد دوبارہ خریدار مالک سے یہ اجازت لے لے کہ پکنے تک کے لئے ہمارے پھل آپ کے درخت پر رہیں گے اور مالک زبانی اجازت دے دے، تب پکنے تک کے لئے جائز ہے۔

ولو اشتراها مطلقا وتركها بإذن البائع طاب له الفضل. (هداية، اشرفي ديو بند ٣/ ٢٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴ر جمادی الاخریٰ ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۴۸۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۴/ ۷/ ۱۴۲۵ھ

پھل آنے سے قبل باغات کی خرید وفروخت

سوال [۸۷۲۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے یہاں قصبہ ککرالہ ضلع بدایوں میں امرودوں کی فصل بہت زیادہ ہوتی ہے۔ اور ایک سال میں امرودوں کی دو فصلیں آتی ہیں اور دونوں فصلیں پھل آنے سے پہلے ہی بک جاتی ہیں۔ دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ یہ خرید وفروخت جائز ہے یا نہیں؟ کچھ پرہیزگار لوگ پھل آنے کے انتظار میں رہتے ہیں؛ لیکن تب تک سب باغ فروخت ہوجاتے ہیں، اس حال میں ہم لوگ کیا کریں؟ جب کہ ہمارے یہاں یہی کاروبار ہے، تو پھل آنے سے پہلے بیچنا کیسا ہے؟ خریدنے والا گنہگار رہے یا نہیں؟

المستفتی: ابن علی خان جامعہ مارکیٹ، بدایوں

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: پرہیزگار لوگ جو عمل کرتے ہیں وہ صحیح ہے، شریعت اسلامی میں باغات میں پھل آنے سے قبل ان کی فصل فروخت کرنا ناجائز اور بیع فاسد ہے؛ اس لئے کہ یہ شئ معدوم کی بیع ہے، جو کہ شرعاً جائز نہیں ہے۔ اور پھل آنے سے قبل فروختگی کے جواز کی یہ شکل ہوسکتی ہے کہ چھ ماہ یا سال بھر کے لئے باغات مع زمین کے کرایہ پر دے دئے جائیں اور اس درمیان میں لینے والے کو یہ اختیار بھی دیا جائے کہ زمین میں کوئی چیز بو کر اس کی پیداوار سے فائدہ اٹھائے اور ساتھ ساتھ باغ میں جو پھل آئے گا وہ بھی کرایہ دار کی ملکیت میں ہوجائے گا۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۱/۷۴)

عن جابر بن عبدالله –رضي الله عنه– قال: نهى النبي صلى الله عليه وسلم عن بيع الثمار حتى يبدو صلاحها. (صحيح البخاري، الزكوة، باب من باع ثماره أو نخله ۱/ ۲۰۱، رقم: ۱٤٦٥، ف: ۱٤۸۷، صحيح مسلم، البيوع، باب النهي عن بيع الثمار قبل بدو صلاحها، النسخة الهندية ۲/ ۷، بيت الأفكار، رقم: ۱٥۳٤)

ومن استأجر أرضا على أن يكربها ويزرعها ويسقيها فهو جائز. (هداية، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، اشرفی دیو بند ۳/ ۳۰٦، البحرالرائق، کوئٹه ۸/ ۲٤، زكريا ۸/ ٤۳، درمختار مع الشامي، كراچی ٦/ ٦۰، زكريا ۹/ ۸۲)

نیز پھل آنے کے بعد فروخت کرنے میں بھی معاملہ طے ہوجانے کے بعد مالک اپنی زبان سے یہ کہہ دیا کرے کہ میں آپ کو پھلوں کے پکنے تک کے لئے درختوں پر چھوڑ دینے کی اجازت دیتا ہوں۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۱/۷۵)

ولو اشتراها مطلقا وتركها بإذن البائع طاب له الفضل. (هداية، اشرفي ديو بند ۳/ ۲۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍رمضان المبارک ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۵۸۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۱۴/۹/۸ھ

پھل آنے سے قبل باغ کی بیع وشراء کی جائز اور ناجائز صورت

سوال [۸۷۲۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) ہم اپنی زمین جس میں باغ ہے؛ لیکن کچھ نہ کچھ اس میں پیدا ہوسکتا ہے، اجرت پر دینا چاہتے ہیں، مثلاً بیس بیگہ زمین مع باغ ایک سال کے لئے پندرہ ہزار روپئے میں اور کچھ جنس آم دو کوئنٹل فصل میں طے کرتے ہیں، الحمد للہ باغ میں پھل خوب آتا ہے، کیا اس طرح معاملہ کرنا جائز ہے؟

(۲) یا دوسری شکل پھل آنے سے قبل معاملہ طے کرلیا، مثلاً پندرہ ہزار میں اور کچھ آم دو کوئنٹل، جب کہ یہ بیع درست نہیں ہے۔ اور جب پھل بن کر تیار ہوگیا اس وقت اس سے کہا کہ وہ بیع درست نہیں تھی؛ اس لئے اب ہم دو ہزار روپئے کم کرکے تیرہ ہزار میں معاملہ کرتے ہیں، جس کی حقیقت صرف ایک حیلہ کی ہے، کیا یہ شکل جواز کے لئے صحیح ہے؟

المستفتی: غیاث الدین، مرادآبادی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) جس زمین میں باغ لگا ہوا ہے، اس کو ایک سال کے لئے مع باغ پندرہ ہزار روپئے کرایہ پر دینا جس میں مشتری کو اس درمیان باغ کے پھلوں کے ساتھ ساتھ زمین میں پیداوار وغیرہ کے ذریعہ فائدہ حاصل کرنے کا مکمل اختیار ہو شرعاً درست ہے؛ اس لئے کہ اس صورت میں اصل عقد اور معاملہ زمین کی کرایہ داری کا ہے اور باغ اس کے تابع ہے۔ اور پندرہ ہزار روپئے کے ساتھ بائع کی طرف سے دو کوئنٹل آم کی بات جزو ثمن وقیمت کے درجہ میں ہوکر اس وقت جائز ہے، جب کہ اس باغ کے آم ہونے کی شرط نہ لگائی جائے؛ بلکہ مشتری کو اختیار رہے کہ وہ کہیں سے بھی دے اور آم کی نوع وقسم بھی متعین کرلی جائے (مثلاً چوسہ، دسہری وغیرہ) ہونا، تاکہ جھگڑے وغیرہ کی نوبت نہ آئے، تو ایسی صورت میں دو کوئنٹل آم کی بات درست ہے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۱/ ۵۷، فتاوی محمودیہ قدیم ۱۱/ ۲۸۶، جدید ڈابھیل ۱۶/ ۲۰۱)

ومن استأجر أرضا على أن يكربها ويزرعها ويسقيها فهو جائز. (هداية، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، اشرفي ديوبند ٣/ ٣٠٦، البحرالرائق، كوئٹه ٨/ ٢٤، زكريا ٨/ ٤٣، درمختار مع الشامي، كراچى ٦/ ٦٠، زكريا ٩/ ٨٢)

ولا يجوز أن يبيع ثمرة، ويستثنى منها أرطالا معلومة. (هداية، أشرفي ديوبند ٣/ ٢٧)

وكل شرط لا يقتضيه العقد وفيه منفعة لأحد المتعاقدين ...... يفسده. (هداية، أشرفي ديوبند ٣/ ٥٩)

(۲) پھل آنے سے قبل فصل کوفروخت کرنا جائز نہیں ہے؛ اس لئے کہ یہ شئ معدوم کی بیع ہے، جوشرعاً درست نہیں ہے، نیز سوال میں ذکر کردہ حیلہ اس وقت درست ہے جب کہ پہلے سابقہ عقد فاسد کومکمل ختم کر دیا جائے اوراس کوختم کرنا لازم ہے، اس کے بعد از سرنو فصل کا معاملہ کریں، اب جس مقدار پر جانبین رضا مند ہوجائیں اس پر فروخت کرنا جائز ہے؛ لیکن اگرصرف بائع کی طرف سے تیرہ ہزار کی بات ہواور مشتری کومنظور نہ ہو یا مشتری کی طرف سے ہواور بائع کومنظور نہ ہو، تو یہ بیع تراضی کے نہ ہونے کی وجہ سے درست نہ ہوگی۔(مستفاد: ایضاح النوادر ا/ ۷۵)

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَأْكُلُوْا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّا اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ. [النساء: ٢٩]

فلم ينعقد بيع المعدوم وماله خطر العدم كالحمل ...... والثمر قبل ظهوره. (شامي، البيوع، مطلب شرائط البيع، أنواع أربعة، كراچى ٤/ ٥٠٥، زكريا ٧/ ١٥)

إن التراضي من الجانبين لا يدل عليه الإيجاب وحده بل هو مع القبول. (شامي، مطلب القبول قد يكون بالفعل، وليس من صور التعاطي، كراچى ٤/ ٥٠٧، زكريا ٧/ ١٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/ ربیع الثانی ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۷۱۷۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۴/۱۸ھ

پھل آنے سے پہلے ان کی بیع کا حکم

سوال [۸۷۲۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: آج کل عام آموں کی یا ان پھلوں کی جن کی بیع پھل کے آنے سے پہلے ہی ہوجاتی ہے، تو ایسے پھلوں کی بیع جائز ہے یا نہیں؟ اور ان پھلوں کو خریدیں یا نہیں؟ دوسری بات یہ ہے کہ اگر مالک بیع مجہول کرے اور بیع مجہول کرتے وقت کچھ ڈالی اپنے لئے متعین کرلے کہ ہم کو اتنے من آم دینے ہیں، اب مالک بطور ہدیہ لائے یا خود استعمال کرے، تو جائز ہے یا نہیں؟ نیز ایک صاحب یہ کہتے ہیں کہ اب تقریباً ننانوے فیصد بیع مجہول ہے؛ لہٰذا بازار کے آم بھی استعمال کرنا جائز نہیں۔ ''للأکثر حکم الکل''۔

اور ایک بات یہ ہے کہ جو پھل بازار میں آئے اور متعین طور پر معلوم ہے کہ ان کی بیع ناجائز ہے، مثلاً کسی رشتہ دار کا ہے، یا ہم آم وغیرہ خریدنے کے لئے ایسے باغ میں جائیں جن کے بارے میں متعین طور پر معلوم ہو کہ اس کی بیع ناجائز ہوتی تو ایسے آموں کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: حافظ محمد فرحت تجوید القرآن، بلندشہر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: کئی کئی سال پہلے فصل فروخت کردینا جائز نہیں ہے؛ اس لئے کہ یہ شئ معدوم کی بیع ہے، جو کہ ناجائز ہے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۱/ ۷۵)

عن جابر بن عبدالله -رضي الله عنه- قال: نهى النبي صلى الله عليه وسلم عن بيع الثمار حتى يبدو صلاحها. (صحيح البخاري، الزكوة، باب من باع ثماره أو نخله ۱/ ۲۰۱، رقم: ۱٤٦٥، ف: ۱٤٨٧)

فلم ينعقد بيع المعدوم وماله خطر العدم كالحمل، واللبن في الضرع، والثمر قبل ظهوره. (شامي، كتاب البيوع، مطلب شرائط البيع، أنواع أربعة، زكريا ۷/ ۱۵، كراچی ٤/ ٥٠٥)

ہاں البتہ اگر باغ مع زمین کئی سال کے لئے کرایہ پر لے لیتا ہے وراس میں کھیتی کرتا ہے، تو باغ زمین کے تابع ہوکر عقد کے اندر داخل ہو جائے گا، پھر اس میں دیکھ ریکھ اور پھلوں کی پرورش کر کے پھل حاصل کرتا ہے، تو اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہے؛ اس لئے کہ اصل عقد زمین کی کرایہ داری کا ہے، باغ اس کے تابع ہے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ا/ ۷۵)

ومن استاجر أرضا على أن يكربها ويزرعها ويسقيها فهو جائز.

(هداية، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، اشرفي ديو بند ٣/ ٣٠٦، البحرالرائق، كوئٹه ٨/ ٢٤، زكريا ٨/ ٤٣، درمختار مع الشامي، كراچی ٦/ ٦٠، زكريا ٩/ ٨٢)

اوراگر بائع کچھ آموں کی مقدار کواس طرح متعین کرتا ہے کہ فصل کی جتنی قیمت ہے اس کے علاوہ اتنے من آم بھی دینا پڑے گا، خواہ وہ آم کی کوئی بھی قسم ہو، تو ایسی صورت میں آم جز و ثمن میں داخل ہوکر جائز ہو جائے گا۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۱۱/ ۲۸۶، جدید ڈابھیل ۱۶/ ۱۰۱)

اوراگر اسی باغ کا آم ہونا متعین کرے تو یہ جائز نہیں ہے۔

وكل شرط لا يقتضيه العقد وفيه منفعة لأحد المتعاقدين ...... فسد.

(هداية، أشرفي ديوبند ٣/ ٥٩)

ولا يجوز أن يبيع ثمرة، ويستثنى منها أرطالا معلومة. (هداية، أشرفي ديو بند ٣/ ٥٩)

باغات کی جوخرید وفروخت ہوتی ہے وہ عام طور پر پھل آنے سے پہلے ایک دوسال کے لئے ہوتی ہے اوراس طرح کا عقد شرعاً عقد فاسد ہے، جوکہ واجب الاسترداد ہے؛ لیکن پھر باغبان سے جوتھوک بھاؤ کے خریدار ہوتے ہیں ان کا عقد شرعاً صحیح اور درست ہے، اس کے بعد بازاروں، منڈیوں میں جو پھل آتے ہیں تو وہ جائز عقد کے بعد آتے ہیں، پھر اس کے بعد بازاروں منڈیوں میں جوخرید وفروخت کرتے ہیں وہ تمام صحیح اور درست ہے؛ اس لئے بازاروں سے پھلوں کوخرید کر کھانا بلاتردد جائز اور درست ہے۔

فإن باعه المشتري نفذ بيعه؛ لأنه ملكه فملك التصرف فيه، وسقط

حق الاسترداد، ولتعلق حق العبد بالثاني، ونقض الأول لحق الشرع، وحق العبد مقدم لحاجته؛ ولأن الأول مشروع بأصله دون وصفه، والثاني مشروع بأصله ووصفه (وتحته في البناية) وإذا باعه المشتري ليس للبائع إبطاله، وعلى المشتري القيمة أو المثل إن كان مثليا، ويطيب ذلك الملك للثاني؛ لأنه ملكه بعقد صحيح. (بناية، باب البيع الفاسد، فصل في أحكامه، قديم ۳/ ۱۱۳، جديد أشرفيه ۸/ ۲۰۳، فتح القدير، دارالفكر بيروت ٦/ ٤٦٦، كوئٹه ٦/ ٩٨، زكريا ديوبند ٦/ ٤٢٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۷۰۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۵/۲۸ھ

پھل آنے سے پہلے فروخت کئے گئے باغوں کے پھلوں کا حکم

سوال [۸۷۲۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: باغات جواب عام طور پر پھل آنے سے پہلے گویا پتوں پر خریدے گئے ہوں، ان کی اس فروخت کے باعث ان کے آم کا کھانا جائز ہے یا ناجائز حرام ہے، یا کراہت، کراہت ہے، تو تحریمی یا تنزیہی؟

المستفتی: مولوی محمد ظریف قاسمی، امام جامع مسجد میواده نواده، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر بور اور پھل آنے سے قبل باغ فروخت کیا جائے جیسا کہ ہمارے ہندوستان کے اکثر علاقوں میں رائج ہے، تو اس طرح باغ کے پھلوں کو فروخت کرنا شرعاً جائز نہیں ہے؛ اس لئے کہ جانبین میں سے ہر ایک کے ذہن میں یہ بات ہوتی ہے کہ اصل عقد اس پھل پر ہو رہا ہے کہ جس کے پیدا ہونے کی امید ہے۔ اور ایسی مبیع کا وجود

لازم اورشرط ہے؛ اس لئے ناجائز اور بیع فاسد ہوجاتی ہے، ہاں البتہ اس کی متبادل شکل یہ ہوسکتی ہے کہ زمین مع پیڑوں کے ایک سال یا دوسال کے لئے کرایہ پر دے دے، پھر اس درمیان باغ کی زمین میں سبزی وغیرہ کوئی بھی چیز بودے اور پیڑوں کی خدمت بھی کرتا رہے، تو ایسی صورت میں کھیتی اور باغ کے پھل سب خریدار کے لئے جائز ہوجائیں گے۔ (مستفاد: انوار رحمت/۱۸۰)

عن جابر بن عبدالله –رضي الله عنه– قال: نهى النبي صلى الله عليه وسلم عن بيع الثمار حتى يبدو صلاحها. (صحيح البخاري، الزكوة، باب من باع ثماره أو نخله ۱/ ۲۰۱، رقم: ۱٤٦٥، ف: ۱٤۸۷)

ومن استاجر أرضا على أن يكربها ويزرعها ويسقيها فهو جائز. (هداية، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، اشرفى ديوبند ۳/ ۳۰٦، البحرالرائق، كوئٹه ۸/ ۲٤، زكريا ۸/ ٤۳، درمختار مع الشامي، كراچى ٦/ ٦۰، زكريا ۹/ ۸۲)

وفي القنية: استأجر أرضا سنة على أن يزرع فيها ماشاء فله أن يزرع فيها زرعين ربيعيا و خريفيا. (البحرالرائق، باب مايجوز من الإجارة وما يكون خلافا فيها، كوئٹه ۸/ ۱۰، زكريا ۸/ ۱۸، هندية زكريا قديم ٤/ ٤۷۱، جديد ٤/ ٥۱۱)

نیز اگر متبادل شکل اختیار نہیں کی ہے اور عقد فاسد کا معاملہ ہوجانے کے بعد باغ والوں سے جب دوسرے لوگ خرید کر بازار میں لاکر فروخت کریں گے، تو عام لوگوں کے لئے ان سے خرید کر کھانا جائز اور حلال ہے، یعنی پہلا عقد فاسد ہوا۔ اور یہ بعد میں جو سلسلہ وار ایک دوسرے سے خریداری ہوئی ہے وہ جائز ہے۔

فإن باعه المشتري بالشراء الفاسد نفذ بيعه؛ لأنه ملكه فملك التصرف فيه، وسقط حق الاسترداد لتعلق حق العبد بالثاني، ونقض الأول لحق الشرع، وحق العبد مقدم لحاجته؛ (هداية، أشرفي ديوبند ۳/ ٦٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍رجب ۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۰۶۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴؍۷؍۱۴۲۷ھ

پھلوں کی فروختگی میں پہلا عقد فاسد ہونے کے بعد دیگر عقود کا صحیح ہو جانا

سوال [۸۷۲۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر پھلوں کی فروختگی کا معاملہ ہو چکا ہے اور یہ عقد فاسد ہوا ہے، اب اس عقد کے بعد خریدار نے پھلوں کو توڑ کر قبضہ کرلیا اور مالک بن گیا اس کے بعد باغ والے نے آڑھت والوں کے ہاتھ آموں کو فروخت کردیا، تو سوال یہ ہے کہ آڑھت والوں کے ہاتھ جو معاملہ ہوا ہے، یہ فاسد ہے یا یہ عقد صحیح ہو چکا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مشتری نے جب عقد فاسد میں پھلوں کو توڑ کر قبضہ کرلیا تو وہ ان کا مالک بن گیا؛ لہٰذا اب اگر یہ کسی دوسرے کو یہ پھل بیچے گا تو یہ عقد صحیح ہوگا اور اس کے بعد جتنے عقد ہوں گے تیسرا، چوتھا عقد سب صحیح ہوں گے۔

فإن باعه، أي باع المشتري ما اشتراه شراء فاسدا بيعا صحيحا نفذ بيعه؛ لأنه ملكه فملك التصرف فيه، وسقط حق البائع الأول في الاسترداد. (فتح القدير، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، فصل في أحكامه، اشرفي ٦/ ٤٢٧، دارالفكر بيروت ٦/ ٤٦٦، كوئٹه ٦/ ٩٨)

فإن باعه المشتري نفذ بيعه؛ لأنه ملكه، فملك التصرف فيه.

(هداية، أشرفی ديوبند ٣/ ٦٥، بناية نعميه أشرفيه ديو بند ٨/ ٢٠٣)

يكره للمشتري أن يتصرف فيما اشترى شراء فاسدا بتمليك وانتفاع، فإن تصرف فيه كالبيع أو ما أشبه ذلك نفذ تصرفه ولم ينفسخ.

(تاتارخانية، زكريا ٨/ ٤٥٤، رقم: ١٢٤٧٧) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۸/۴/۱۴۳۵ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۴۷۶)

’’بیع عرایا‘‘ کی تفسیر میں ائمہ حدیث اور فقہاء کا اختلاف

سوال [۸۷۲۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ’’ عرایہ‘‘ کے کیا معنی ہیں؟ اور’’ عرایا‘‘ کی تفسیر میں ائمہ محدثین کا اور فقہاء کا کیا اختلاف ہےاوراس پر فریقین کے دلائل اس کے جواب کیا ہیں؟

المستفتی: مولانا الطاف الرحمٰن صاحب مدرس مدرسہ امداد الغرباء رام نگر، ضلع پورنیہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حضرات محدثین عام طور پر’’ عرایا‘‘ کی تین تفسیریں مذاہب کے اعتبار سے پیش کرتے ہیں:

(۱) حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کچھ لوگ فقیر نادار تھے، جن کے پاس تو کھجوریں خریدنے کے لئے پیسہ نہیں تھا، مگر کھانے کو جی چاہتا تھا، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی شکایت کی گئی تو بیت المال سے ان کو خشک کھجور ملتی تھی، اس کے بدلے میں اندازہ کر کے تازہ کھجور خریدنے کے لئے اجازت دے دی جو ابھی درخت پر ہے؛ لیکن یہ معاملہ پانچ وسق (ساڑھے دس کنٹل) سے زائد میں نہ ہو؛ لہٰذا امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک عرایا بیع کی قسم میں سے ہے۔

(۲) حضرت امام مالکؒ کے نزدیک یہ ہے کہ کسی کے باغ میں دوسرے شخص کے صرف ایک یا دو درخت ہوں اور اہل مدینہ کی عادت تھی کہ موسم میں بیوی بچوں کو باغ میں لے کر جا کر فروکش ہو جاتے تھے اب جس کے ایک دو درخت ہیں اس کی آمد ورفت صاحب باغ کی عورتوں کی ایذا وتکلیف کا باعث بن جاتی تھی؛ اس لئے صاحب باغ یہ کہہ دیتا کہ تمہارے درخت پر جو تازہ کھجور ہے اس کے عوض میں مجھ سے خشک خرما لے جاؤ اور یہاں مت آیا کرو؛ لہٰذا امام مالک کے نزدیک بھی عرایا بیع کی قسم سے ہے۔

(۳) امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کے نزدیک’’ عریہ‘‘ بمعنی عطیہ کے ہے، موسم میں جن کے

پاس باغ وپیسہ نہ ہوتے ان کو اہل باغ ایک دو درخت بطورِ عطیہ دے دیا کرتے، اور جب موہوب لہ کے آنے جانے پر واہب کو ایذا ہوتی تو واہب وعدہ سے بچنے کے لئے درخت کی تازہ کھجور کے بدلہ میں خشک کھجور فروخت کر دیتے؛ لہٰذا امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک بیع نہیں بلکہ ہبہ اور عطیہ ہے۔ دلائل اور تفصیل ''بذل المجہود'' میں ملاحظہ ہوں: (بذل المجهود، كتاب البيوع، باب في العرايا، مطبع سهارنپور ٤/ ٢٤٩، دارالبشائر الإسلاميه بيروت ١١/ ٦١، فيض الباري، كوئٹه ٣/ ٢٤٤، هداية، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد أشرفي ديوبند ٣/ ٥٣، عويصات ٢/ ١٢٧) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹ / ربیع الثانی ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۶۳۸)

ایسے باغات کی خریداری کا حکم جن کی زمین میں کاشت نہیں ہوتی

سوال [۸۷۳۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے یہاں عام طور سے آم کے باغوں کی خرید وفروخت دو سال یا تین سال کے لئے پیشگی ہوتی ہے اور باغ کا مالک اس شخص کو جس نے باغ خریدا ہے، باغ کی زمین میں کاشت کرنے کی بھی اجازت دیتا ہے؛ لیکن حقیقت یہ ہے کہ باغ کے خریدنے والے اصل میں باغ خریدتے ہیں؛ اس لئے کہ بہت سے باغ ایسے ہوتے ہیں کہ ان میں کاشت نہیں ہوتی، آیا ایسی صورت میں ان باغوں کی خرید وفروخت کرنا درست ہے یا نہیں مطلع فرمائیں کرم ہوگا۔ فقط والسلام

المستفتی: احقر سلیم الدین غفرلہ، خادم جامع مسجد سہسپور، ضلع بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر دو سال یا تین چار سال کے لئے باغ خریدا ہے اور

باغ کی زمین اس لائق ہے کہ باضابطہ اس میں کھیتی کی جاسکتی ہے، تو مالک باغ سے مستقل زمین کو کرایہ پر لینے کی گفتگو کی جائے اور ساتھ میں یہ بھی طے کرلیا جائے کہ پیڑ کی پیداوار کرایہ دار کی ہوگی تو ایسی صورت میں دو تین سال کے لئے زمین اور پیڑ کو کرایہ پر لینے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔ اور اگر باغ کی زمین کھیتی کے قابل نہیں ہے، تو پھر زمین میں کھیتی کی شرط لگانا بے فائدہ ہے۔

ومن استاجر أرضا على أن يكربها ويزرعها ويسقيها فهو جائز.

(هداية، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، اشرفی دیو بند ۳/ ۳۰۶، البحرالرائق، کوئٹه ۸/ ۲٤، زکریا ۸/ ٤۳، درمختار مع الشامي، کراچی ٦/ ٦۰، زکریا ۹/ ۸۲)

وإن استاجر دارا سنة بعشرة دراهم جاز، وإن لم يبين قسط كل شهر من الأجرة. (هداية، أشرفي ديوبند ۳/ ۳۰۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/ ربیع الثانی ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۳۴۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۷/۴/۱۴۲۵ھ

کئی سال کے لئے باغات کو ٹھیکہ پر لینا

سوال [۸۷۳۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے علاقہ میں اکثر باغات کئی کئی سال کے ٹھیکہ پر لوگ خرید لیتے ہیں، جتنے سالوں کے لئے باغ خریدا تھا وہ مدت پوری ہوجانے پر باغ کے مالک کو باغ واپس مل جاتا ہے۔ معلوم یہ کرنا ہے کہ اس طرح کئی کئی سال کے ٹھیکہ پر باغات کی خرید وفروخت جائز ہے یانہیں؟ اگر جائز نہیں ہے، تو اس طرح کے باغات کے پھل کھانا ناجائز ہے یانہیں؟ صحیح صورت حال خرید وفروخت کی کیا ہے؟

المستفتی: عبدالرشید قاسمی سیڈھا، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: باغات کی خریداری کا مقصد پیدا ہونے والے پھلوں کی خریداری ہے اور یہ شئ معدوم کی خریداری ہوتی ہے؛ اس لئے حضرات فقہاء نے اس کو بیع فاسد میں شمار کیا ہے؛ البتہ باغبان کے ہاتھوں سے آڑھت والوں کا خریدنا اور پھر آڑھت والوں سے بازار والوں کا خریدنا یہ سب بلاتردد جائز اور درست ہے، اس میں کراہت بھی نہیں ہے۔

فإن باعه المشتري نفذ بيعه؛ لأنه ملكه فملك التصرف فيه، وسقط حق الاسترداد لتعلق حق العبد بالثاني، ونقض الأول لحق الشرع، وحق العبد مقدم لحاجته؛ (هداية، أشرفي ديوبند ۳/ ٦٤)

اورکئی سال کے لئے باغات کی خریداری کے جواز کے لئے متبادل شکل یہ ہے کہ مع زمین کے لے لے اور اس درمیان میں باغبان اس زمین میں کوئی بھی چیز بوکر کے فائدہ اٹھالے تو ایسی صورت میں تبعاً اس درمیان پیڑوں میں جو کچھ پھل پیدا ہوسکتا ہے وہ باغبان کے لئے حلال ہوجائے گا، اس طریقہ سے کئی سالوں کی خریداری کا مسئلہ جواز کے دائرے میں آسکتا ہے۔ (مستفاد: انوار رحمت،ص:۱۸۰)

ومن استأجر أرضا على أن يكربها ويزرعها ويسقيها فهو جائز.

(هداية، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، اشرفی ديوبند ۳/ ۳۰٦، البحرالرائق، كوئٹه ۸/ ۲٤، زكريا ۸/ ٤۳، درمختار مع الشامي، كراچی ٦/ ٦۰، زكريا ۹/ ۸۲) **فقط واللہ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/۱۰/۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۱۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۹/۱۰/۱۴۲۷ھ

باغ کی فصل فروخت کرنے کا حکم

سوال [۸۷۳۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: میں اپنے باغ آم وامرود، ناشپاتی، لیمو، بیل وغیرہ ان فصلوں کو دو سال کے لئے فروخت کر دیتا ہوں۔ اور ہمارے علاقہ میں خریدار اسی طرح لیتے ہیں، امسال واسطہ نہیں پڑا، لیتے میں ان میں سے ہر قسم کی ڈالی بھی طے کر لیتا ہوں۔

المستفتی: محمد عقیل خان غازی آبادی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس طرح سے باغوں کی بیع جائز نہیں۔ صحیح طریقہ یہ ہے کہ زمین کو ٹھیکہ پر لے لیا جائے، اس کے بعد جو پھل ہوں گے وہ بھی جائز ہوں گے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۱۷۴/۴، جدید ڈابھیل ۱۰۱/۱۶)

عن جابر بن عبدالله -رضي الله عنه- قال: نهى النبي صلى الله عليه وسلم عن بيع الثمار حتى يبدو صلاحها. (صحيح البخاري، الزكوة، باب من باع ثماره أو نخله ١/ ٢٠١، رقم: ١٤٦٥، ف: ١٤٨٧)

بيع الثمار قبل الظهور لا يصح إتفاقا، فإن باعها بعد أن تصير منتفعا بها يصح. (الهندية، كتاب البيوع، الباب التاسع في ما يجوز بيعه وما لا يجوز، الفصل الثاني زكريا قديم ٣/ ١٠٦، جديد ٣/ ١٠٧، الدر المختار، كتاب البيوع، مطلب في بيع الثمر والزرع والشجر مقصودا، كراچی ٤/ ٥٥٥، زكريا، ٧/ ٨٥) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۲۰/۲/۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۶۰۳۶/۳۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۲/۱۹ھ

پانچ کوئنٹل آم کے عوض باغ فروخت کرنے کا حکم

سوال [۸۷۳۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مالکان باغ بہار باغ لینے والے سے یہ طے کر لیتے ہیں کہ پوری فصل میں پانچ کوئنٹل

آم ہمارے یہاں پہنچانے ہیں، بہار باغ خریدار یومیہ آم پہنچا کر پوری فصل میں پانچ کوئنٹل آم طے شدہ پورا کرتا ہے، مالکان باغ کا اس طرح سے آم طے کرنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: اقبال احمد، شیرکوٹ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مالکان باغ کا خریداروں سے اس طرح آم طے کر کے لینا جائز نہیں ہے؛ البتہ اگر کسی خاص اور معین درخت کو بوقت خرید وفروخت الگ کرلیا جائے تو اس کے جواز میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (مستفاد: امدادی الفتاوی ۳/ ۹۸)

ولا يجوز أن يبيع ثمرة ويستثني منها أرطالا معلومة، خلافا لمالك بخلاف ما إذا باع واستثنى نخلا معينا؛ لأن الباقي معلوم بالمشاهدة. (هداية، كتاب البيوع، اشرفي ديوبند ۳/ ۲۷، عناية مع الفتح، دارالفكر بيروت ٦/ ۲۹۱، كوئٹه ٥/ ٤۹۲، زكريا ٦/ ۲٦۹، الجوهرة النيرة، إمداديه ملتان ۱/ ۲۳۱، دارالكتاب ديوبند ۱/ ۲۲٥، تاتارخانية، زكريا ۸/ ۳۹۳، رقم: ۱۲۲۷۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶/ جمادی الاولی ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۷۳۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۵/۶ھ

بیس کوئنٹل آم پر باغ فروخت کرنے کا حکم

سوال [۸۷۳۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: باغ مالک فصل لینے والے سے یہ طے کر لیتے ہیں کہ بہار سے فصل میں بیس کوئنٹل آم مثلاً ہمارے گھر پہنچائے، اب فصل لینے والا روزانہ تھوڑے تھوڑے آم دے کر طے شدہ آم پورے کرتا ہے، تو کیا مالک فصل سے آم متعین کر کے فصل لینے والے سے آم گھر منگا سکتا ہے؟ یہ شکل جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: حاجی ضمیر احمد شیرکوٹ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مالکان باغ کا خریداروں سے اس طرح آم طے کر کے لینا جائز نہیں ہے؛ البتہ اگر کسی خاص اور معین درخت کو بوقت بیع الگ کرلیا جائے تو اس کے جواز میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (مستفاد: إمداد الفتاوی ۳/ ۹۵)

ولا يجوز أن يبيع ثمرة ويستثني منها أرطالا معلومة، خلافا لمالك بخلاف ما إذا باع واستثنى نخلا معينا؛ لأن الباقي معلوم بالمشاهدة. (هداية، كتاب البيوع، اشرفی دیوبند ۳/ ۲۷، فتح القدير، دارالفكر بيروت ٦/ ٢٩١، كوئٹه ٥/ ٤٩٢، زكريا ٦/ ٢٦٩، الجوهرة النيرة، إمداديه ملتان ١/ ٢٣١، دارالكتاب ديوبند ١/ ٢٢٥، تاتارخانية، زكريا ٨/ ٣٩٣، رقم: ١٢٢٧٨) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍رجب ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۵۸۴۷)

’’احتکار‘‘ کا مطلب

سوال [۸۷۳۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ’’احتکار‘‘: حاجت شدید ہونے پر لفظ حالت شدید کن حالات میں استعمال کیا گیا ہے؟ (۱) اپنی حاجت (۲) قحط سالی (۳) سرکاری غلہ پر پابندی (۴) یا غرباء کی روزمرہ کی حاجات شدیدہ ہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ’’احتکار‘‘ کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کوئی شخص غلہ کو اپنے گودام میں اسٹاک کر کے رکھے اور غلہ بازار میں بالکل نایاب ہو اور وہ شخص پھر بھی اپنا غلہ گودام نہیں کھولتا ہے، تو اس کو احتکار کہتے ہیں۔ اور اگر وہی غلہ بازار میں سستا یا مہنگا دستیاب ہے، تو اس

شخص کا اپنے گودام میں مہنگا ہونے تک رکھنا احتکار نہیں ہے، جس کی شریعت میں ممانعت آئی ہے اور اس میں دار الحرب، دار الاسلام اور جمہوریت کا کوئی فرق نہیں ہے۔

الاحتكار هو افتعال من حكر أي حبس، والمراد حبس الأقوات متربصا للغلاء. (حاشية: ٦ على الهداية، كتاب الكراهية، فصل في البيع، اشرفي ديو بند ٤/ ٤٧٠، حاشيه نووی على المسلم، كتاب المساقاة والمزارعة، باب تحريم الاحتكار فی الأقوات ٢/ ٣١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳/ ذیقعدہ ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۶۰۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۳/ ۱۱/ ۱۴۲۵ھ

احتکار کی ممانعت کا مصداق

سوال [۸۷۳۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عوام الناس میں معروف ومشہور ہے کہ چالیس دن سے زائد غلہ کا اسٹاک کرنا منع ہے، کیا یہ درست ہے؟ اس کا ثبوت شریعت مطہرہ سے مل سکتا ہے؟ اس کا حکم خاص مواقع پر ہے یا خاص ملک کے لئے ہے؟

المستفتی: شرف الدین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: عوام الناس میں جو مطلقاً ممانعت کی شہرت ہوگئی ہے وہ درست نہیں ہے؛ بلکہ اس کی صورت یہ ہے کہ جب غلہ مارکیٹ میں دستیاب ہو، جب چاہے مارکیٹ سے خرید کر ضرورت پوری کی جاسکتی ہے، تو ایسے حالات میں اگر کوئی شخص مہنگا ہونے پر بیچنے کے لئے ذخیرہ اندوزی کرتا ہے، تو بلا کراہت جائز ہے، یہ احتکار کے دائرہ میں داخل نہیں۔ اور اگر کسی نے ذخیرہ اندزی کر کے رکھ لیا ہے اور مارکیٹ منڈیوں میں غلہ ختم ہوگیا

ہے اور ختم ہونے کے باوجود یہ شخص اپنا اسٹاک جاری نہیں کرتا ہے، تو یہ شرعاً احتکار کی ممانعت میں داخل ہے، جو شریعت میں جائز نہیں ہے۔

وإن اشترى في ذلک المصر وحبسه ولا يضر بأهل المصر لا بأس به، كذا في التاتارخانية. (عالمگيري، كتاب البيوع، الباب العشرون في البياعات المكروهة، فصل في الاحتكار، زكريا قديم ۳/ ۲۱۳، جديد ۳/ ۲۰۰، درمختار مع الشامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، كراچی ٦/ ۳۹۸، زكريا ۹/ ۵۷۱، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ۲۱۳، تاتارخانية زكريا ۹/ ٤١٤، رقم: ١٣٧٥٤)

وقال أبو يوسف: كل ما أضر بالعامة حبسه فهو احتكار. (هداية، أشرفی ديوبند ٤/ ٤٧٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۷۲۲۸)

بغرضِ تجارت ذخیرہ اندوزی کرنا

سوال [۸۷۳۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ذخیرہ اندوزی بغرضِ تجارت اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ ہماری معلومات کے مطابق اس غرض سے ذخیرہ کیا جائے کہ قلت کے وقت اشیاء زیادہ منافع سے فروخت کی جائیں، اس کا شرعی حکم واضح کیجئے۔

المستفتی: مولوی محمد الطاف احمد نگر، مہاراشٹر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر بستی میں یہ اشیاء بکثرت موجود ہیں اور اس شخص کے خریدنے سے کوئی تنگی پیش نہیں آئی اور موسم ختم ہوجانے پر ان کو گراں فروخت کرتا ہے، تو یہ جائز ہے، اس پر کوئی گناہ نہیں ہے۔

وإن اشترى في ذلک المصر وحبسه ولا يضر بأهل المصر لا بأس به، كذا في التاتارخانية ناقلا عن التجنيس. (عالمگيري، كتاب البيوع، الباب العشرون في البياعات المكروهة، فصل في الاحتكار، زكريا قديم ۳/ ۲۱۳، جديد ۳/ ۲۰۰، درمختار مع الشامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، كراچی ٦/ ۳۹۸، زكريا ۹/ ٥۷۱، مجمع الأنهر، كتاب الكراهية، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ۲۱۳، تاتارخانية زكريا ۹/ ٤١٤، رقم: ١٣٧٥٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲٦/۵/۱۴۲۶ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۷۲-۶۱)	۲٦/۵/۱۴۲٦ھ

غلہ کی ذخیرہ اندوزی کرکے فروخت کرنے کا حکم

سوال [۸۷۳۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید ہمیشہ موسم ارزاں میں غلے وغیرہ خرید کر اسٹاک کر لیتا ہے، پھر کچھ مہینوں کے بعد یعنی موسم گراں میں نفع کی زیادتی کے ساتھ فروخت کر دیتا ہے، ایسا کرنا مسئلہ کی رو سے کیسا ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب سے نوازیں۔

المستفتی: محمد اقبال صدیقی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر زید غلہ سستا خرید کر ذخیرہ اندوزی کرتا ہے اور اہل شہر کو اس کی وجہ سے کوئی پریشانی لاحق نہیں ہوتی ہے، تو پھر زید کا یہ عمل جائز ہے، ورنہ جائز نہیں۔

عن عمر بن الخطاب -رضي الله عنه- قال: قال رسول الله ﷺ: الجالب مرزوق، والمحتكر ملعون. (سنن ابن ماجة، التجارات، باب الحكرة والجلب، النسخة الهندية ١/ ١٥٦، دارالسلام، رقم: ٢١٥٣)

ویکره الاحتکار في أقوات الآدميين والبهائم إذا كان ذلک في بلد يضر الاحتكار بأهله، وكذلک التلقي، فأما إذا كان لا يضر فلا بأس به.

(هداية، كتاب الكراهية، فصل في البيع، أشرفی دیوبند ٤/ ٤٧٠، البحرالرائق، زكريا ديوبند ٨/ ٣٧٠، كوئٹه ٨/ ٢٠١، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٢١٣، شامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، كراچی ٦/ ٣٩٨، زكريا ٩/ ٥٧١، تاتارخانية، زكريا ٩/ ٤١٤، رقم: ١٣٧٥٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۳۰۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۵/۲۲ھ

اناج اسٹاک کر کے رکھنے کا حکم

سوال [۸۷۳۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک آدمی نے ۱۰۰؍ روپئے من چاول یا کوئی چیز اس ارادہ سے خرید کر رکھی ہے کہ کچھ دنوں کے بعد ۱۵۰؍ روپئے من فروخت کرے گا، کیا ایسا کرنا درست ہے؟ کیا اس صورت میں غریب محتاج کو ستانا متصور ہوگا یا نہیں؟ مہربانی فرما کر جواب عنایت فرمادیں۔

المستفتی: محمد جسیم الدین محلّہ برولان، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر پورے علاقہ میں وہ چیز بالکل نایاب ہوجائے تو ناجائز ہے، حکام کو زبردستی فروخت کروانا جائز ہے، اگر عام لوگوں کو نقصان نہیں پہنچتا ہے تو جائز ہے، اگر جمع کر کے رکھنے والا مال فروخت کرنے کے باوجود بھاؤ میں کوئی خاص زیادتی نہیں کرتا ہے، تو غریب محتاج کو ستانا نہیں سمجھا جائے گا۔

عن عمر بن الخطاب –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله ﷺ:

الجالب مرزوق، والمحتكر ملعون. (سنن ابن ماجة، التجارات، باب الحكرة والجلب، النسخة الهندية ١/ ١٥٦، دارالسلام، رقم: ٢١٥٣)

وكره احتكار قوت البشر، كتين وعنب، ولوز، والبهائم كتبن وقت في بلد يضر بأهله. (الدرالمختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، كراچی ٦/ ٣٩٨، زكريا ٩/ ٥٧١)

وإذا رفع إلى القاضي هذا الأمر يأمر المحتكر ببيع ما فضل عن قوته وقوة أهله على اعتبار السعة في ذلک، وينهاه عن الاحتكار، فإن رفع إليه مرة أخرى حبسه وعزره على ما يرى زجرا له، ودفعا للضرر عن الناس. (هداية، كتاب الكراهية، فصل في البيع، أشرفی ديوبند ٤/ ٤٧١، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٤١٣، تاتارخانية، زكريا ٩/ ٤١٥، رقم: ١٣٧٥٦)

وإن اشترى في ذلک المصر وحبسه، ولا يضر بأهل المصر لا بأس به. (هندية، كتاب البيوع، الباب العشرون فصل في الاحتكار، زكريا قديم ٣/ ٢١٣، جديد ٣/ ٢٠٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍شعبان ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۸۳۷)

زیادتی ثمن کے لئے پہلے خریدار سے معاملہ ختم کرنے کا حکم

سوال [۸۷۴۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) زید نے اپنی زمین فروخت کرنے کا معاملہ ایک غیر مسلم خریدار سے طے کیا تھا؛ لیکن محض قانونی رکاوٹوں کی وجہ سے بیع کی تکمیل نہیں ہوسکی؛ چونکہ زید پر قرض کا بہت بار ہوگیا تھا، اس کی فوری ادائیگی کے لئے زمین بیچنا چاہتا تھا، بیع کی تکمیل میں کافی وقت لگ گیا اور قرض کا بار زید پر اور بڑھ گیا، اب صورت حال یہ ہے کہ پہلے زمین کی جو قیمت طے

ہوئی تھی اس رقم میں اب کل قرض کی ادائے گی بھی نہیں ہوسکتی، ادھر قرض خواہوں کی طرف سے بھی سخت تقاضہ ہے، اب ایک دوسرا خریدار ہے جو پہلے طے شدہ قیمت سے زیادہ رقم دے رہا ہے، جس میں پورے قرض کی ادائے گی ہوجائے گی؛ لہٰذا اگر پہلے خریدار سے معاملہ ختم کرکے دوسرے خریدار کو زمین دے دی جائے تو شرعاً اس کی گنجائش ہوسکتی ہے، پہلے خریدار کا تو کوئی نقصان نہیں ہوگا، اگر زید ایسا نہیں کرتا تو کئی قرض خواہوں کا قرض ادا کرنے کی کوئی شکل نہیں ہے۔ اوران تقاضوں سے ذلت و پریشانی کا بھی سخت خطرہ ہے، نیز کھانے پینے کے گذارے کے لئے بھی زید کے پاس کوئی اور ذریعہ نہیں ہے، بالکل اضطراری کیفیت وحالت میں پہلے معاملہ کو ختم کرکے دوسرے خریدار سے معاملہ کرنا چاہتا ہے، اس کے متعلق شرعی حکم سے مطلع فرمائیں۔

(۲) اگر کوئی شخص ایسا معاملہ کرچکا ہے، تو اب اس کی تلافی کی کیا شکل ہوسکتی ہے؟

المستفتی: عبدالرحمٰن

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: (۱) اگر زید کا معاملہ اس غیر مسلم کے ساتھ طے ہوچکا ہے اور اس کا معاہدہ بھی ہوچکا ہے، پھر زیادہ قیمت میں دوسرے کے ہاتھ بیچنے کے لئے اس غیر مسلم سے بدعہدی کرنا شرعاً جائز نہیں ہے اور بدعہدی کی وجہ سے زید گناہ گار ہوگا، ہاں البتہ زیادہ قیمت دینے کے لئے وہ غیر مسلم ازخود راضی ہوجاتا ہے، تو بدعہدی کا گناہ نہیں ہوگا۔

عن ابن عمر –رضي الله عنه– قال: سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول: لكل غادر لواء ينصب بغدرته. (بخاري، كتاب الجزية والموادعة ١/ ٤٥٢، رقم: ٣٠٨٤، ف: ٣١٨٨)

والصلح بعد الشراء (درمختار) وفي الشامي: وقيده في القنية بأن يكون الثاني أكثر ثمنا من الأول أو أقل أو بجنس آخر، وإلا فلا يصح.

(شامي، كتاب الصلح ٨/ ٤١٧، زكريا ديوبند كراچی ٥/ ٦٣٦)

(۲) اگر کسی شخص نے ایسا معاملہ کرلیا ہے تو اس کی تلافی کی یہی شکل ہے کہ جس کے ساتھ

اس طرح کی بدعہدی کر لی ہے، اس کو کسی بھی طریقے سے راضی کر کے اس سے معافی تلافی کر لے۔

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من كانت له مظلمة لأخيه من عرضه أو شيء، فليتحلله منه اليوم قبل أن لا يكون دينار ولا درهم، إن كان له عمل صالح أخذ منه بقدر مظلمته، وإن لم يكن له حسنات أخذ من سيئات صاحبه، فحمل عليه. (بخاري، كتاب المظالم، باب من كانت له مظلمة عند الرجل ١/ ٣٣١، رقم: ٢٣٨٥، ف: ٢٤٤٩، مشكوة ٢/ ٤٣٥)

إن كانت المعصية لحق آدمي فلها ركن رابع، وهو التحلل من صاحب ذلك الحق. (شرح النووي على مسلم، كتاب التوبة ٢/ ٣٥٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/ رجب ۱۴۳۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۷۷۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۵/ ۷/ ۱۴۳۰ھ

سرکاری باغ سے لکڑی چوری کر کے مکتب میں فروخت کرنا

سوال [۸۷۴۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) لوگ سرکاری باغ سے لکڑی چوری کر کے بیچ رہے ہیں اور ایسی لکڑی کو خرید کر کے لوگ پنجگانہ اور اسلامی مکتب میں استعمال کرتے ہیں، تو اس میں نماز اور تعلیم جائز ہوگی یا نہیں؟

(۲) چوری کا مال جان بوجھ کر اور نہ جان بوجھ کر خریدنا کیسا ہے؟

المستفتی: نور الزماں آسامی مدرس جامعہ اسلامیہ محمودیہ بنگال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱-۲) سرکاری باغات جن کی منجانب حکومت حفاظت ہوتی ہے، ان کے درختوں کی لکڑی چوری کر کے بیچنا شرعاً جائز نہیں ہے۔ اور چوروں سے جان بوجھ کر کے ایسی لکڑیاں خرید کر مدارس اور مکاتب میں ٹپائی وغیرہ کی شکل میں استعمال کرنا بھی جائز

نہیں ہے، ہاں البتہ اگر خریدنے والوں کو چوری کا علم نہیں ہے، تو ایسی حالت میں لکڑیوں کو خرید کر مدارس اور مکاتب کے استعمال میں کوئی گناہ نہیں ہے؛ بلکہ گناہ چور کے اوپر ہوگا۔

قال عليه السلام: من اشترى سرقة وهو يعلم أنها سرقة، فقد شرك في عارها، وإثمها. (شعب الإيمان، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٣٨٩، رقم: ٥٥٠٠، المصنف لابن أبي شيبة، جديد موسسة العلوم القرآن بيروت ١١/ ٣٣٨، رقم: ٢٢٤٩٥)

بخلاف الأشجار؛ لأن الكلأ مالا ساق له، والأشجار لها ساق فلا تدخل فيه حتى جاز بيعها إذا نبتت في أرضه. (عالمگيري، كتاب البيوع، الباب التاسع فيما يجوز بيعه وما لايجوز، الفصل الثاني في بيع الثمار، زكريا قديم ٣/ ١١٠، جديد ٣/ ١١١)

ويدخل في الكلأ جميع أنواع ما ترعاه المواشي رطبا كان أو يابسا، بخلاف الأشجار؛ لأن الكلأ مالا ساق له، والشجر لها ساق فلا تدخل فيه حتى يجوز بيعها إذا نبتت في أرضه لكونها ملكه. (البحر الرائق، باب البيع الفاسد، زكريا ٦/ ١٢٧، كراچی ٦/ ٧٨، شامي، كراچی ٥/ ٦٦، زكريا ٧/ ٢٥٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم رجب ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۲۶۶/۳۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱/۷/۱۴۲۲ھ

جانتے ہوئے چوری کا سامان خریدنا مکروہ

سوال [۸۷۴۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص یہ جانتے ہوئے کہ یہ سامان چوری کا ہے، پھر اس کو خریدتا ہے تو کیا یہ چوری کا سامان جاننے کے باوجود خریدنا جائز ہے، جب کہ کچھ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ اس میں کوئی حرج نہیں، صحیح مسئلہ کیا ہے؟ واضح فرمادیں، عین نوازش ہوگی۔

المستفتی: محمد اسحاق بیر پور تھان، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس چیز کے متعلق یہ معلوم ہے کہ یہ چوری کی ہے تو اس کے خریدار کو حدیث شریف میں چوری میں شریک ہونے والا بتایا گیا ہے۔ اور جو لوگ یہ کہہ رہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے وہ غلط ہے۔ حدیث شریف ملاحظہ فرمایئے:

عن أبي هريرة –رضی اللہ عنہ– عن النبي ﷺ قال: من اشترى سرقة وهو يعلم أنها سرقة، فقد شرك في عارها، وإثمها. (شعب الإيمان، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٣٨٩، رقم: ٥٥٠٠، المصنف لابن أبي شيبة، جديد موسسة العلوم القرآن بيروت ١١/ ٣٣٨، رقم: ٢٢٤٩٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍ شوال ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۸۶۱۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۱۰/۲۹ھ

پتنگ اور پٹاخوں کی تجارت کا حکم

سوال [۸۷۴۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) مسلمان کے لئے حلال پتنگ، پٹاخے کی تجارت جائز ہے یا نہیں؟ اور ان روپیوں کا استعمال مسلمان کے لئے حلال ہے یا نہیں؟

(۲) اگر مسلمان تاجر سے پتنگ یا پٹاخے کوئی غیر مسلم خریدے تو کیا حکم ہے؟ مع حوالہ تحریر فرمائیں۔

المستفتی: محمد قاسم گجراتی، شریک دار الافتاء مدرسہ ہٰذا

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱-۲) پتنگ اور پٹاخے کی تجارت تعاون علی المعصیت کی وجہ سے مکروہ ہیں۔ اور اس سے حاصل شدہ روپئے حضرت امام ابوحنیفہ کے نزدیک حلال اور پاک ہیں۔ اور امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک مکروہ ہے؛ کیوں کہ فساد دونوں میں

مشترک ہے اور اس زمانہ میں فتویٰ اور عمل حضرات صاحبین کےقول پر ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۴/۲۴۳)

قال الله تعالیٰ: ﴿وَتَعَاوَنُوْا عَلٰى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلٰى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ [المائدة: ٢]

ومستفاد من الدر المنتقى: ومن حمل لذمي خمرا بأجر طاب له عند الإمام، وعندهما يكره للإعانة. (الدرالمنتقى، كتاب الكراهية، فصل في الكسب، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ١٨٨، قديم ٢/ ٥٣٠، شامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، كراچی ٦/ ٣٩٢، زكريا ٩/ ٥٦٢، تبيين الحقائق، إمداديه ملتان ٦/ ٢٩، زكريا ديو بند ٧/ ٦٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸ محرم الحرام ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۲۰۸۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۱/۱/۸ھ

تصویر والے کپڑوں کی تجارت

سوال [۸۷۴۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید ٹی شرٹ اور ریڈی میڈ کپڑوں وغیرہ کی تجارت کرتا ہے، جس میں مختلف قسم کی تصویریں بنی ہوئی ہیں، ان کپڑوں کی تجارت کرنا کیسا ہے؟

المستفتی: حشمت الحق متعلم مدرسہ امدادیہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: فی نفسہٖ تصویر بنانا تو قطعاً حرام ہے، اور کپڑوں میں عام طور پر جو تصویریں بنی ہوئی ہیں، ان کی وجہ سے ان کپڑوں میں نماز پڑھنا تو ممنوع ہے، مگر ان کپڑوں کا پیسہ حرام نہیں ہے؛ اس لئے کہ اس کی فروختگی سے مقصود مالیت ہوتی ہے، تصویر نہیں؛ اس لئے ایسے کپڑوں کی بیع جائز ہے، مگر چونکہ اس میں تعاون علی المعصیت بھی ہے؛ اس لئے اس کی بیع مکروہ ہوگی۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۱/۸۲، ایضاح المسائل/ ۱۵۶)

وكذا أيضا تستفاد من عبارة آتية وجاز بيع عصير عنب ممن يعلم أنه يتخذه خمرا؛ لأن المعصية لا تقوم بعينه، بل بعد تغيره، وقيل: يكره لإعانته على المعصية. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، زكريا ۹/ ۵۶۰-۵۶۱، کراچی ٦/ ٣٩١، البحرالرائق، كتاب الكراهية، فصل في البيع، زكريا ٨/ ٣٧١، کوئٹہ ٨/ ٢٠٢، هداية، أشرفي ديو بند ٤/ ٤٧٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍جمادی الاولی ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۳۸۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۵/۱۲ھ

مصور زیورات کی خرید فروخت کی شرعی حیثیت

سوال [۸۷۴۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایسے زیورات کی تجارت جس میں بتوں اور مورتیوں کی تصویر ہو، جائز ہے یا نہیں؟ اور اس کی آمدنی حلال ہے یا حرام؟ مدلل ومفصل جواب دیں۔

المستفتی: حبیب الرحمٰن، کلکتہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسے زیورات کی تجارت کرنا جس میں بتوں اور مورتیوں کی تصویر ہو، مسلمان کے لئے سخت مکروہ ہے؛ لیکن اس سے حاصل ہونے والی آمدنی حرام نہیں کہلائے گی؛ البتہ تعاون علی المعصیت کی وجہ سے کراہت کے دائرہ میں آئے گی۔
(مستفاد: ایضاح النوادر، ص: ۸۳)

ما قامت المعصية بعينه يكره بيعه تحريما، وإلا فتنزيها. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، کراچی ٦/ ٣٩١، زكريا ٩/ ٥٦١)

إن ما قامت المعصية بعينه يكره بيعه، وما لا فلا. (البحرالرائق، كتاب السير، باب البغاة، زكريا ٥/ ٢٤٠، کوئٹہ ٥/ ١٤٣)

ولـو كانت من خشب أو صفر جاز اتفاقا فيما يظهر لإمكان الانتفاع بها. (شـامـي، كتـاب البيـوع، بـاب الـمتـفـرقـات، كـراچـى ٥/ ٢٢٦، زكريا ٧/ ٤٧٨، الموسوعة الفقهية الكويتية ١٢/ ١٢٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳/ ربیع الثانی ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۶۶۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۴/۱۸ھ

خنزیر کے برش میں لگنے والے دیگر آلات کا آرڈر لینا

سوال [۸۷۴۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: خنزیر کے برش بنانے والوں کا وہ سامان جو برش سے متعلق ہے، جیسا کہ لکڑی کا دستہ، ٹین کے فول، رنگ یا اس کے ڈلیہ تیار کر کے دینا ان کے آرڈر کو لے کر اجرت لینا کیسا ہے؟

المستفتی: احسان علی صدیقی اصغر منزل شیر کوٹ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر آلات وسامان بنانے والوں کا واحد مقصد خنزیر کے بالوں کے کام کے لئے ہے، تو اعانت علی المعصیت کی وجہ سے مکروہ ہے۔

ولا تكره إجارة بيت بالسواد ليتخذ بيت نار أو كنيسة، أو بيعة أو يباع فيه الخمر عنده، وعندهما يكره؛ لأنه إعانة على المعصية –إلى قوله– ويكره في المثل إجماعا. (ملتقى الأبحر، كتاب الكراهية، فصل في البيع قديم ٢/ ٥٢٩، جديد، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ١٨٦، الدرالمختار كراچى ٦/ ٣٩٢، باب البيع)

اگر بنانے والوں کا واحد مقصد یہ نہیں ہے؛ بلکہ دوسرے کاموں میں بھی یہ آلات مستعمل ہوتے ہیں، تو بلا کراہت جائز ہے۔

كما استفاده من الشامي: ولو آجر نفسه ليعمل في الكنيسة ويعمرها لا بأس به؛ لأنه لا معصية في عين العمل، وحمل خمر ذمي (وقوله) وله أن

الإجارة على الحمل وهو ليس بمعصية، ولا سبب لها، وإنما تحصل المعصية بفعل فاعل مختار، وليس الشرب من ضرورات الحمل؛ لأن حملها قد يكون للإراقة أو التخييل. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، زكريا ۹/ ۵۶۲، كراچی ۶/ ۳۹۱-۳۹۲، مجمع الأنهر، قديم ۲/ ۵۳۰، جديد دارالكتب العلمية بيروت ۴/ ۸۷، فتاوی قاضی خان زكريا جديد ۲/ ۲۰۵، وعلى هامش الهندية زكريا ۲/ ۳۲۴، الموسوعة الفقهية الكويتية ۳۸/ ۱۵۸، المحيط البرهاني، المجلس العلمي بيروت ۸/ ۷۰، رقم: ۹۶۰۷، تاتارخانية، زكريا ۱۸/ ۱۶۷، رقم: ۲۸۳۷۹)

ولو وقع في ماء قليل نجسه -إلى قوله- وفي زماننا استغنوا عنه أي فلا يجوز استعماله لزوال الضرورة الباعثة للحكم بالطهارة. (شامي، كتاب الطهارة، مطلب في أحكام الدباغة، كراچی ۱/ ۲۰۶، زكريا ۱/ ۳۶۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵؍ ذی الحجہ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۰۲۹)

نجش فی البیع کا حکم

سوال [۸۷۴۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک گاؤں کے چند افراد کا یہ پیشہ ہے کہ دیہاتوں یا شہروں میں جانوروں کی بیع وشراء کے لئے بازار لگتے ہیں، یہ پیشہ ور لوگ ان بازاروں میں جا کر بیل وغیرہ خریدتے ہیں یا اپنے گھروں سے لے جاتے ہیں، اور اپنے ہی ساتھیوں میں سے ایک شخص کو جانوروں کو فروخت کے لئے متعین کردیتے ہیں اور باقی ساتھی اسی جگہ گھومتے پھرتے رہتے ہیں، اور جب کوئی شخص ان بیلوں کو یا جانوروں کو خریدنے آتا ہے، تو باقی ساتھیوں میں سے اس جانور کی قیمت ایک شخص نے زیادہ کر کے لگائی، مثلاً اگر اس کی قیمت سو ہے تو پانچ سو لگائے اور وہ لوگ جو اس جانور کو خریدنے کے لئے کھڑے تھے وہ دھوکہ کھا کر اس بیل کی قیمت پانچ سو یا کچھ کم کر کے دینے

کے لئے تیار ہوجاتے ہیں۔اور وہ بیل والے کے ساتھ قیمت اور بڑھا کر یعنی ساڑھے پانچ سو میں خریدنے کے لئے تیار ہوجاتے ہیں، تو وہ شخص جس کے یہ لوگ ساتھی ہیں، کہتے ہیں کہ میں تمھیں بیل نہیں دے سکتا؛ کیوں کہ تم قصائی ہو، اس کو ذبح کر دو گے، میں اسے اپنے کسان بھائیوں کو دوں گا، تو یہ کھڑے ہوئے کسان یہ دھوکہ کھا کر جب قصائی ساڑھے پانچ سو دے رہا ہے، تو کچھ کم کرا کے یا اتنے ہی میں اسے کیوں نہ لیں، پھر یہ کسان لوگ ساڑھے پانچ سو یا چار سو میں خرید لیتے ہیں، اب جو نفع ملتا ہے اس کو یہ سب ساتھی مل کر تقسیم کر لیتے ہیں اور اسی سے گزر بسر کرتے ہیں۔کیا یہ پیشہ اختیار کرنا درست ہے؟ مفصل تحریر فرمائیں عین کرم ہوگا۔

المستفتی: کلیم اللہ سیتا پوری، متعلم جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: اس طرح کی فروختگی شرعاً مکروہ تحریمی ہے؛ کیوں کہ یہ سخت دھوکہ دہی ہے؛ لیکن پیشہ حلال ہوگا، دھوکہ دہی کی بنا پر گنہگار رہوں گے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۴/۱۷۰، جدید ڈابھیل ۱۷/۶۲۰)

نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن النجش. (بخاري، كتاب البيوع باب النجش ١/ ٢٨٧، رقم: ٢٠٩٥، ف: ٢١٤٢)

لاتفعلوا ذلك وسبب ذلك إيقاع رجل فيه بأزيد من الثمن وهو خداع، والخداع قبيح جاور هذا البيع فكان مكروها. (عناية مع فتح القدير، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، فصل فيما يكره، دارالفكر بيروت ٦/ ٤٧٦، زكريا ٦/ ٤٣٦، كوئٹه ٦/ ١٠٦، درمختار كراچی ٥/ ١٠١، زكريا ٧/ ٣٠٥، البحرالرائق، كوئٹه ٦/ ٩٩، زكريا ٦/ ١٦٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم ذیقعدہ ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۴۷۰)

۵/ باب حط الثمن وزيادته نقدا ونسيئة

ادھار خرید وفروخت

سوال [۸۷۴۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: گاؤں کے کچھ آدمیوں نے مل کر ایک کمیٹی قائم کی اور کمیٹی والے ایک کوئنٹل چاول دیتے ہیں اور تین مہینہ کے بعد دو ہزار روپئے لیتے ہیں، کیا یہ معاملہ جائز ہے؟ بینوا توجروا

المستفتی: سعید الرحمٰن بھنگنا ماری انچلک دینی تعلیمی بورڈ آسام

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شریعت میں ادھار خرید وفروخت جائز اور درست ہے؛ لہٰذا ایک کوئنٹل چاول کی ادھار خرید وفروخت اس طرح طے ہو جائے کہ تین مہینے کے بعد دو ہزار روپئے قیمت ادا کریں گے جائز اور درست ہے۔

عن عائشة –رضي الله عنها– أن النبي صلى الله عليه وسلم اشترى طعاما من رجل يهودي إلى أجل ورهنه درعا من حديد. (صحيح البخاري، البيوع، باب شراء النبي صلى الله عليه وسلم بالنسيئة، النسخة الهندية ۱/ ۲۷۷، رقم: ۲۰۲۱، ف: ۲۰۶۸)

عن ابن عباس –رضي الله عنه– قال: قدم رسول الله صلى الله عليه وسلم المدينة وهم يسلفون بالثمر السنتين والثلاث، فقال رسول صلى الله عليه وسلم: من أسلف في شيء ففي كيل معلوم، ووزن معلوم إلى أجل معلوم. (صحيح البخاري، كتاب السلم، باب السلم في وزن معلوم، النسخة الهندية ۱/ ۲۹۹، رقم: ۲۱۸۸، ف: ۲۲۴۰)

ويجوز البيع بثمن حال ومؤجل إذا كان الأجل معلوما. (هداية، كتاب البيوع، أشرفی ۳/ ۲۱، مختصر القدوري / ۷۱، البناية، أشرفيه ۸/ ۱۶، اللباب ۲/ ۶)

وصح بثمن حال وهو الأصل، ومؤجل إلى معلوم لئلا يفضي إلى النزاع.

(شامي، مطلب فی الفرق بين الأثمان والمبيعات، زكريا ۷/ ۵۲، كراچی ۴/ ۵۳۱، مجمع

الأنهر، دار الکتب العلمیة ۳/ ۱۳، مصري قدیم ۲/ ۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۰۸۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱/ ۶/ ۱۴۳۱ھ

ادھار خرید وفروخت کا حکم

سوال [۸۷۴۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے علاقہ شہر بنگلور میں اسٹارٹ منٹ کی لوگ تجارت کرتے ہیں، اس کی شکل یہ ہے کہ عید کے موقع پر کپڑے اور دیگر ضروریات روزانہ کی پیش آمدہ اشیاء چاول وغیرہ گھروں کے پاس گاڑی میں لے کر آتے ہیں، پھر وہ لوگ مارکیٹ سے کچھ زائد رقم پر مبیع کو قرض کے طور پر دے دیتے ہیں، آخر میں جتنا سامان خریدا ہے اس کو ایک کارڈ میں قیمت لکھ کر دے کر ہر ہفتہ یا روزانہ کچھ کچھ رقم لیتے ہیں، مثلاً ۵۰۰؍ کا سامان یا تو ہر ہفتہ ۵۰؍ روپئے روزانہ ۱۰؍ روپئے دینا ہوتا ہے، اگر کوئی قسط میں نہ دے تو مزید مہلت دیتے ہیں، یعنی جتنی مبیع خریدتے وقت قیمت لکھی اتنا ہی لیتے ہیں، زائد کچھ نہیں لیتے، تو کیا یہ شرعاً جائز ہے؛ کیوں کہ اکثر عورتیں اپنے خاوندوں کے پیسے کو اپنے پاس رکھ کر اس طرح قرض لیا کرتی ہیں، تاکہ ہاتھ میں روپئے رہیں، حضرت والا اس کا شرعی حکم بیان کرکے باعث ممنون ہوں مہربانی ہوگی۔

المستفتی: مفتی حسن قادری رائے چوٹی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال میں ذکر کردہ صورت قسطوں پر خرید فروخت ہے، جو شرعاً جائز اور درست ہے۔

البیع مع تأجیل الثمن وتقسیطه صحیح –إلی– یلزم أن تکون المدة معلومة في البیع بالتأجیل والتقسیط إذا عقد البیع علی تأجیل الثمن إلی

كذا يوما أو شهرا. (شرح المجلة، رستم مكتبه اتحاد ١/ ١٢٤-١٢٥، رقم المادة: ٢٤٥-٢٤٦)

ويصح البيع بثمن حال، وهو الأصل، وبثمن مؤجل ولا يثبت الأجل إلا بالشرط ما لم يكن ربويا بأجل معلوم. (الدرالمنتقى، كتاب البيوع، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ١٣/ قديم ٢/ ٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۵۴۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۵/۲۹ھ

فائننس کا حکم

سوال [۸۷۵۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید ایک گاڑی فائننس کرانا چاہتا ہے، جس میں زید کو اس وقت گاڑی کی قیمت میں سے ۳۵/ فیصد رقم جمع کرنی ہوگی اور باقی ۶۵/ فیصد رقم ۶/ فیصد بیاج کی در سے چار سال میں قسط وار ادا کرنی ہوگی۔ اور زید اس گاڑی کو کرایہ پر چلائے گا اور جو رقم آمد ہوگی وہ اور اس میں کچھ اور رقم اپنے پاس سے ڈال کر قسط جمع کرے گا۔ اور اگر ایسا نہیں کرتا ہے تو گورنمنٹ کو اتنی رقم کے ٹیکس کے کاغذات اور معلومات چاہئے کہ اتنی رقم کہاں سے آئی اور اس کا ٹیکس جمع کیا یا نہیں؟ تو اس طرح گاڑی فائننس کرانا درست ہے یا نہیں؟ جو اس سے آمد ہوگی وہ جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: انور خوشید نئی بستی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اس میں جواز اور عدم جواز کا مدار تحریری معاہدہ پر ہے۔ اور تحریری معاہدہ اس طرح لکھا جائے، مثلاً گاڑی کی قیمت ۲/ لاکھ لکھی گئی ہے اور قسطوار ادائے گی میں ڈھائی لاکھ کر دیا گیا اور پچاس ہزار بیاج لکھا گیا، تو اس طرح جائز نہیں، اس کو پچاس ہزار سود دینا لازم ہے، جو باعث لعنت ہے۔ اور اگر تحریری معاہدہ اس طرح لکھا جائے

کہ گاڑی کی کل ادائے گی ڈھائی لاکھ روپئے ہے، جس کی قسط باندھ دی گئی ہے، جس کی ادائے گی دوسال میں ہوگی، تو یہ جائز اور درست ہے، چاہے گاڑی کی قیمت ۲/لاکھ ہی کیوں نہ ہو، ایسی صورت میں یہ سمجھا جائے گا کہ گاڑی ڈھائی لاکھ میں ملی۔ (مستفاد: انوار رحمت/ ۲۱۲، ایضاح النوادر ا/ ۱۰۹)

البيع مع تأجيل الثمن وتقسيطه صحيح -إلى- يلزم أن تكون المدة معلومة في البيع بالتأجيل والتقسيط إذا عقد البيع على تأجيل الثمن إلى كذا يوما أو شهرا. (شرح المجلة، رستم مكتبه اتحاد ١/ ١٢٤-١٢٥، رقم المادة: ٢٤٥-٢٤٦)

البيع لأجل أو بالتقسيط أجاز الشافعية والحنفية والمالكية والحنابلة والجمهور بيع الشيء في الحال لأجل أو بالتقسيط بأكثر من ثمنه النقدي إذا كان العقد مستقلا بهذا النحو، ولم يكن فيه جهالة بصفقة أو بيعة من صفقتين أو بيعتين ...... جاز البيع، وإن ذكر في المساومة سعران سعر للنقد وسعر للتقسيط، ثم تم البيع في نهاية المساومة تقسيطا. (الفقه الإسلامي وأدلته، هدى انٹرنيشنل ديوبند ٤/ ٢٤٢، دارالفكر ٥/ ٣٤٦١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/رجب ۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۰۵۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۲/۷/۱۴۲۷ھ

ادھار پر مونجی کی فصل کسانوں سے خریدنے کا حکم

سوال [۸۷۵۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اس وقت مونجی کی فصل کٹنے کے بعد اناج گھر میں آ گیا، تجار حضرات نے اس شرط پر معاملہ شروع کر دیا کہ اس وقت اناج کی قیمت ۴۰۰/روپئے ہے، پانچ ماہ کے بعد ہم تم کو ۶۰۰/روپئے اضافہ کے ساتھ دیں گے، خواہ اس وقت بھاؤ جو بھی ہو، پھر پانچ

ماہ بعد وہ اس زائد رقم کے ساتھ خرید کر لے جاتا ہے؛ لہٰذا اس شرط پر خرید وفروخت کرنا درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد فاروق شریف نگر، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مسئولہ میں یہ عقد بیع نہیں ہے؛ بلکہ ایک معاہدہ ہے، اوراس طرح معاہدہ کرنا اور پانچ ماہ بعد اضافہ کے ساتھ خریدنا درست ہے؛ کیوں کہ پانچ ماہ بعد جو لین دین ہوگا وہی اصل عقد ہوگا۔

ویجوز للمشتري أن یزید للبائع في الثمن. (هداية، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، فصل أشرفي ۳/ ۷۵، مختصر القدوري ۸۱، البناية، أشرفيه ۸/ ۲۵٤، الموسوعة الفقهية الكويتية ۹/ ۲۹)

زيادة البائع في المبيع والمشتري في الثمن، وحط البائع من الثمن بعد العقد يلتحقان بأصل العقد، فكان العقد وقع على ما حصل بعد الزيادة والحط.
(شرح المجلة رستم، مكتبه اتحاد ۱/ ۱۳۳، رقم المادة: ۲۵۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ شعبان ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۹۷۳)

قسطوں پر سواری یا سامان کی خریداری

سوال [۸۷۵۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: قسطوں پر سواری یا سامان لینے کا شرعی حکم کیا ہے، جب کہ ایسا کرنے میں بظاہر سود کی شکل نظر آتی ہے؟

المستفتی: زوار احمد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قسطوں پرسواری اورسامان کی بیع اس شرط پر جائز ہے کہ اس میں سود کا معاملہ نہ ہو اور کتنی قسطوں میں اور کتنی مدت میں رقم ادا کرے گا اس کو بھی متعین کرلیا جائے اور جتنی مقدار تمام قسطوں کی بیع کی ہے، خریداری کے وقت میں اسی کی مقدار کی رقم متعین کرلی جائے، مثلاً اگر دوسال میں کل ادائے گی دو لاکھ روپئے کی ہوتی ہے، تو شروع ہی سے گاڑی اورسامان کی قیمت دو لاکھ لگائی جائے اوروقت پر قیمت ادا کرنے کی کوشش کی جائے بس یہی صورت بیع بالتقسیط کی صحیح ہے، باقی تمام شکلیں ناجائز ہیں۔

البیع مع تأجیل الثمن وتقسیطه صحیح. (شرح المجلة، رستم مکتبه اتحاد ۱/ ۱۲٤رقم المادة: ۲٤٥)

البیع لأجل أو بالتقسیط أجاز الشافعیة والحنفیة والمالکیة والحنابلة والجمهور بیع الشيء فی الحال لأجل أو بالتقسیط بأکثر من ثمنه النقدي إذا کان العقد مستقلا بهذا النحو، ولم یکن فیه جهالة بصفقة أو بیعة من صفقتین أو بیعتین ...... جاز البیع، وإن ذکر فی المساومة سعران سعر للنقد وسعر للتقسیط، ثم تم البیع في نهایة المساومة تقسیطا. (الفقه الإسلامي وأدلته، هدی انٹرنیشنل دیوبند ٤/ ٢٤٢، دارالفکر ٥/ ٣٤٦١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍رجب ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۸۹۰۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۹/۷/۱۴۲۶ھ

گڑ کی بھیلی بازار کی قیمت سے کم یا زیادہ قیمت پر بنانا

سوال [۸۷۵۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) ہمارے یہاں عموماً گڑ کا کاروبار ہوتا ہے، اکتوبر سے مارچ تک گڑ کے کارخانے چلتے ہیں اوراپریل میں کارخانے بند ہوجاتے ہیں، مارچ میں عموماً گڑ کا بھاؤ کم ہوتا

ہےاور جولائی میں گڑ اکثر مہنگا ہو جاتا ہے، زید نے دو ہزار بھیلی سترہ روپئے کے بھاؤ سے ڈالی ہیں، اب بکران بھیلیوں کا خریدار ہے، بکر کا کہنا ہے کہ میں جون کی پہلی کو بیس روپئے کے بھاؤ سے پیسہ ادا کر دوں گا، بکر کا یہ بھی کہنا ہے کہ جولائی تک اگر زید روک سکتا ہے تو جولائی میں جو بھی بھاؤ ہوگا اس سے دو روپئے فی بھیلی کے حساب سے زائد پیسہ دوں گا۔

(۲) گڑ کا کارخانہ چلنے سے پہلے یعنی ستمبر میں کارخانہ والے کچھ رقم بیو پاریوں سے لے لیتے ہیں کہ ہم اس بھاؤ کی بھیلی تمہیں مارچ میں بنا دیں گے، مثلاً بھیلی کا بھاؤ بیس روپئے ہوتا ہےاور فریقین آپس میں مشورہ کر کے پندرہ روپئے کے بھاؤ سے سودا کر لیتے ہیں، تو کیا ایسا کرنا جائز ہے؟ ایسا بھی ہوتا ہے کہ کارخانہ والے یہ کہہ کر بھی سودا کرتے ہیں کہ مارچ میں جو بھی بھاؤ ہوگا اس سے دو روپئے کم میں ہم بھیلی بنا دیں گے۔

المستفتی: محمد جاوید قاسمی، مدرسہ مفتاح العلوم ڈڑھیال، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کسی چیز کو نقد بیچنے پر کم قیمت لینا اور ادھار بیچنے پر زیادہ قیمت لینا اس وقت جائز ہے، جب کہ مجلس عقد میں قیمت کی مقدار اور ادائے قیمت کی میعاد متعین کر لی جائے ، مذکورہ صورت میں چونکہ یہ دونوں شرطیں موجود ہیں؛ اس لئے بیع درست ہو جائے گی۔

ألا یری! أنه یزاد في الثمن لأجل الأجل. (هداية، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، اشرفي ٣/ ٧٤، المحيط البرهاني، المجلس العلمي ١٠/ ١٨٧، رقم: ١٢٧٣٨، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ١١٢، مصري قديم ٢/ ٧٨، شرح المجلة رستم مكتبه اتحاد ١/ ١١٤-١١٥، رقم المادة: ٢٤٥-٢٤٦)

اور جولائی میں جو بھاؤ ہوگا اس پر دو روپئے زائد فی بھیلی دینے کے حساب سے معاملہ کرنا جہالت ثمن کی وجہ سے جائز نہیں ہے؛ اس لئے کہ ایسی صورت میں جولائی میں کیا بھاؤ ہوگا،

یقین کے ساتھ کسی کومعلوم نہیں ہے؛ اس لئے یہ شکل جائز نہیں ہے۔

رجل باع على أنه بالنقد بكذا، وبالنسيئة بكذا، وإلى شهر بكذا، وإلى شهرين بكذا لم يجز. (عالمگيري، الباب العاشر: الشروط التي تفسد البيع والتي لا تفسده، زكريا قديم ٣/ ١٣٦، جديد ٣/ ١٣٧)

ستمبر میں کارخانے والے بیوپاریوں سے یہ کہہ کر پیسہ لیں کہ مارچ میں عام طور سے بیس روپئے کا بھاؤ ہوتا ہے، پیشگی پیسہ دینے پر ۱۵؍روپئے فی بھیلی ستمبر میں پیشگی روپئے دے کر معاملہ طے کرلیا جائے اور مارچ ادا کئے گئے روپئے کے بدلے میں فی بھیلی ۱۵؍روپئے کے حساب سے وصول کرنا بیع سلم کے دائرے میں داخل ہوکر جائز ہے، جب کہ ستمبر میں مجلس عقد میں پیسہ کی ادائے گی ہوچکی ہے؛ لیکن ایسا کرنا جائز نہیں ہے کہ پیشگی پیسہ لے کر یہ کہہ دے کہ مارچ میں جو بھی بھاؤ ہوگا اس سے دو روپئے کم میں بھیلی بنا دیں گے؛ اس لئے کہ ثمن کی جہالت کی وجہ سے مسلم فیہ میں بھی جہالت آجاتی ہے، اس لئے یہ شکل جائز نہیں ہے۔

وتحقيقه أن جهالة قدر رأس المال تستلزم جهالة المسلم فيه؛ لأن المسلم إليه ينفق رأس المال شيئا فشيئا، وربما يجد بعض ذلك زيوفا ولا يستبدله في مجلس الرد، فيبطل العقد بقدر ما رده، فإذا لم يكن مقدار رأس المال معلوما لا يعلم في كم انتقص السلم أو في كم بقي، وجهالة المسلم فيه مفسدة بالإتفاق، فكذا ما يستلزمها. (عناية على فتح القدير، كتاب البيوع، باب السلم، زكريا ٧/ ٨٨، دارالفكر ٧/ ٩١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍صفر ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۲۵۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۲/۱۶ھ

سوسائٹی سے کھاد خریدنے کا حکم

سوال [۸۷۵۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہم لوگ سرکاری سوسائٹی سے جو کھاد لیتے ہیں وہ نقد نہیں ملتا ہے، ادھار دیتے ہیں۔ اور سرکار اس ادھار پر تھوڑا سا بیاز لیتی ہے اور سوسائٹی میں اچھا کھاد اور چھوٹ بھی ملتی ہے۔ اور اگر وہی کھاد بازار سے لیتے ہیں تو وہ خراب ہوتا ہے اور بازار والے کھاد میں ملاوٹ بھی ہوتی ہے اور مہنگا بھی ملتا ہے، اس صورت میں ہم لوگ کیا سوسائٹی سے کھاد لے سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: حمید اللہ عیسیٰ پور، فرخ آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ صورت بیع نسیئہ (ادھار خریداری) کی ہے، جس میں ادھار کی وجہ سے قیمت میں اضافہ ہوتا ہے، جب کہ مدت متعین ہو اور سائل کو اس کا بیاج سمجھنا درست نہیں ہے۔

وأما الأئمة الأربعة وجمهور الفقهاء والمحدثين فقد أجازوا البيع، والبيع المؤجل بأكثر من سعر النقد. (بحوث قضايا فقهية معاصرة ٥/ ٧، بحواله انوار رحمت ٢٣٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍ربیع الاول ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۰۱۶)

قیمت بڑھا کر ادھار فروخت کرنا

سوال [۸۷۵۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے ۵۰۰؍روپئے کوئنٹل کے حساب سے ۱۰۰؍من چاول کا اسٹاک کیا، اب وہ

زید مذکور عمرو کے ہاتھ سے پانچ ماہ کی ادھاری پر آٹھ سو روپئے کے عوض میں فروخت کرتا ہے، حال یہ ہے کہ لینے والا کبھی وقت معینہ پر روپئے دیتا ہے اور کبھی وقت غیر معینہ کے بعد، تو کیا ایسا کاروبار زید کے لئے درست ہے یا نہیں؟ جب کہ زید ایک عالم اور مفتی ہے؟

المستفتی: شاکر حسین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب مدت متعین ہے، تو مذکورہ معاملۂ بیع جائز اور درست ہے، اگرچہ وقت مقررہ پر روپئے ادا نہ ہوتا ہو، بس صرف عقد کے وقت میں مدت متعین کر لینا شرط ہے۔

ویجوز البیع بثمن حال و مؤجل إن کان الأجل معلوما. (هداية، کتاب البيوع، أشرفی ۳/ ۲۱، مختصر القدوري، ص: ۷۱، شامي، زکریا ۷/ ۵۲، کراچی ٤/ ۵۳۱، مجمع الأنهر، دارالکتب العلمية بيروت ۳/ ۱۳/ مصري قديم ۲/ ۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳ رشوال ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۶۷۳)

ادھار کی صورت میں مبیع کی قیمت بڑھانا

سوال [۸۷۵٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہم نے ایک تاجر کو ایک لاکھ روپئے کا آرڈر دیا، ایک لاکھ روپئے کی مال کی تیاری میں سات فیصد خرچ آتا ہے۔ اور ہم اس کو دس فیصد خرچ دے رہے ہیں، اس شرط پر کہ ہم اس کو ایک ماہ کے بعد پیمنٹ کریں گے، کیا یہ شرط بیع وشراء میں جائز ہے، یا بیع فاسد ہے؟

المستفتی: سمیع اللہ محلّہ بھٹی اسٹریٹ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ طریقہ سے بیع وشراء درست ہے، نیز ادھار کی صورت میں خرچ میں اضافہ کر کے دینا بھی جائز ہے۔

ألا یری! أنہ یزاد في الثمن لأجل الأجل. (هداية، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، أشرفي ٣/ ٧٤، المحيط البرهاني، المجلس العلمي ١٠/ ١٨٧، رقم: ١٢٧٣٨، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ١١٢، مصري قديم ٢/ ٧٨)

وإن شرط الأجل في الثمن، والثمن دين، فإن كان الأجل معلوما جاز البيع. (عالمگيري، الباب العاشر في الشروط التي تفسد البيع والتي لا تفسده، زكريا قديم ٣/ ١٤٢، جديد ٣/ ١٤٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٢٣/ ذیقعدہ ١٤١٤ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣١/ ٣٧٢٦)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
٢٣/ ١١/ ١٤١٤ھ

کیش لے کر کم قیمت پر سامان بعد میں دینا

سوال [٨٧٥٧]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص نے ایک اسکیم چلائی ہے، جس میں اس نے چند چیزیں رکھی ہیں اور بازاری قیمت سے بہت کم قیمت پر لوگوں کو دے رہا ہے، مثال کے طور پر بجلی کا پنکھا بازار میں سات سو روپئے کا ہے وہ ٢٤٠/ روپئے کا اپنی اسکیم میں دے رہا ہے، الگ سے دس پرسینٹ کمیشن لیتا ہے، تو کیا ایسی چیز کا خریدنا جائز ہے یا نہیں؟

نوٹ: روپئے جمع کرنے کے ٢٠/ دن بعد وہ آئیٹم دیتا ہے، اور روپئے جمع کرتے وقت دس فیصد کمیشن لیتا ہے، آپ تفصیل سے جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: حکیم مولوی محمد شاہد صاحب لائن نمبر: ١٣، آزاد نگر، ہلدوانی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: فیصدی اور پرسینٹ کی قید کے ساتھ ناجائز ہے؛ لیکن اگر یوں کرلیا جائے کہ پورے پنکھے کی قیمت ۲۴۰ر کے بجائے ۲۶۴ر قرار دی جائے، یا یوں کرلیا جائے کہ بوقت عقد مشتری بطور انعام خوشی سے فیصدی کی قید لگائے بغیر ۲۴ر روپئے مزید دے دیا کرے تو گنجائش ہے۔ اور یہ دس فیصد یا دس پرسینٹ نہیں سمجھا جائے گا؛ بلکہ مبیع کی اصل قیمت سمجھی جائے گی۔

ویجوز للمشتري أن یزید للبائع في الثمن –إلی قوله– فالزیادة والحط یلتحقان بأصل العقد عندنا. (هدایة، کتاب البیوع، باب المرابحة والتولیة، أشرفي ۳/ ۷۵، مختصر القدوري، ص: ۸۱، الموسوعة الفقهیة الکویتیة ۹/ ۲۹، شرح المجلة رستم، مکتبه اتحاد ۱/ ۱۳۳، رقم المادة: ۲۵۷) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍ ذی الحجہ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۰۲۱)

قیمت بڑھا کر قسطوار ادھار بیچنا

سوال [۸۷۵۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: قسطوں پر زیادہ رقم دے کر کوئی چیز خرید سکتے ہیں، جب کہ نقد پر کم قیمت لگ رہی ہو؟

المستفتی: محمد زوار مال پوری، جے پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قسطوں پر خریداری کے وقت اگر تمام قسطیں متعین ہوجائیں اور ہر ایک قسط کی مقدار بھی معلوم ہوجائے اور ادائے گی کی مدت بھی متعین ہوجائے، تو اس طرح قسطوں پر خریداری شرعاً جائز ہے، چاہے نقد کے مقابلہ میں قسطوں کی

شکل میں رقم کی مقدار کتنی ہی بڑھ جائے اس کی وجہ سے شرعی طور پر خریداری میں کوئی خرابی لازم نہیں آتی۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۳/۲۰)

البيع مع تاجيل الثمن وتقسيطه صحيح ...... يلزم أن تكون المدة معلومة في البيع بالتأجيل والتقسيط. (شرح المجلة رستم، مكتبه اتحاد ١/ ١٢٤-١٢٥، رقم المادة: ٢٤٥-٢٤٦، مجلة الأحكام العدلية، كراچی ١/ ٥٠، رقم المادة: ٢٤٥-٢٤٦)

ولو لم يكن الأجل مشروطا في العقد، لكنه منجم معتاد كعادة بعض البلاد يشترون بنقد ويسلمون الثمن بعد شهر، إما جملة أو منجما قيل: لا بد من بيانه؛ لأن المعروف كالمشروط. (عناية مع الفتح، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، كوئٹه ٦/ ١٣٤، دارالفكر ٦/ ٥٠٩، زكريا ٦/ ٤٦٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۲۳/۵/۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۷۶۴۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۵/۹ھ

ادھار ونقد کی صورت میں قیمت میں تفاوت کا حکم

سوال [۸۷۵۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: رائی کے کھیت والے نے تیل والے کو رائی دی، جس پر میل مالک کہتا ہے: اگر دو مہینہ کے بعد پیسہ لوگے تو ۵۰۰/ روپئے کوئنٹل اور اگر ۶/ مہینہ کے بعد لوگے تو ۶۰۰/ روپئے کوئنٹل اور ایک سال بعد لوگے تو ایک ہزار روپئے کوئنٹل کے حساب سے پیسے ملیں گے، تو کیا یہ سود ہے؟

المستفتی: محمد زبیر احمد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: رائی کے کھیت والے نے جس وقت میل مالک کو رائی دی

اسی وقت دو مہینے چھ مہینے یا ایک سال ان میں سے کوئی ایک مدت حتمی طور پر متعین کرلی ہے، تو جائز ہے، اگر ادائے گی میں کچھ تاخیر بھی ہو جائے تو اس متعینہ رقم پر اضافہ نہیں ہوسکتا۔

وأما البطلان فيما إذا قال: بعتكه بألف حالا، وبألفين إلى سنة، فلجهالة الثمن. (فتح القدير، كتاب البيوع، دارالفكر ٦/ ٢٦٢، زكريا ٦/ ٢٤٣، كوئٹه ٥/ ٤٦٩، الموسوعة الفقهية الكويتية ٢/ ٣٨)

وصح بثمن حال وهو الأصل، ومؤجل إلى أجل معلوم. (شامي، كتاب البيوع، مطلب في الفرق بين الأثمان والمبيعات، زكريا ٧/ ٥٢، كراچی ٤/ ٥٣١، هداية، أشرفي ٣/ ٢١، مختصر القدوري، ص: ٧١، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ١٣، مصري قديم ٢/ ٨)

رجل باع على أنه بالنقد بكذا و بالنسيئة بكذا، وإلى شهر بكذا، وإلى شهرين بكذا لم يجز. (عالمگيري، الباب العاشر في الشروط التي تفسد البيع، والتي لا تفسده، زكريا قديم ٣/ ١٣٦، جديد ٣/ ١٣٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍ ذیقعدہ ۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۱۴۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۳؍ ۱۱؍ ۱۴۲۷ھ

نقد وادھار کی وجہ سے قیمت میں کمی زیادتی کرنا

سوال [۸۷۶۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے پاس دو شخص کچھ خریدنے کے لئے آئے، ایک نقد دوسرا ادھار، تو ہم نقد والے کو جو بھاؤ ہے اسی میں دیتے ہیں اور ادھار خریدنے والے کو بھاؤ بڑھا کر دیتے ہیں۔

المستفتی: شمس الدین علی پور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: نقد اور ادھار کی وجہ سے قیمت میں کمی زیادتی شرعاً وعرفاً درست ہے، مثلاً کوئی تاجر ایک چیز نقد ایک روپئے میں اور ادھار دو روپئے میں دیتا ہے، تو

اس میں کوئی حرج نہیں ہے؛ لیکن شرط یہ ہے کہ خرید وفروخت کرتے وقت قیمت کی مقدار اور ادائے قیمت کی مدت متعین کر لی جائے ،مثلاً تاجر یہ کہے کہ میں یہ چیز ایک ماہ کے لئے دو روپئے میں ادھار دے رہا ہوں ۔(مستفاد: امداد الفتاویٰ ۳/ ۲۰،محمودیہ قدیم ۳۳۲/۱۳،جدید اشرفیہ ۱۵۲/۱۶،کفایت المفتی قدیم ۸/ ۴۰، جدید زکریا ۸/ ۵۲، جدید زکریا مطول ۱۱/ ۱۳۵، رحیمیہ قدیم ۹/ ۲۵۲، جدید زکریا ۹/ ۱۹۸)

ألا يرى! أنه يزاد في الثمن لأجل الأجل. (هداية، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، اشرفي ۳/ ۷٤، المحيط البرهاني، المجلس العلمي ۱۰/ ۱۸۷، رقم: ۱۲۷۳۸، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ۳/ ۱۱۲، مصري قديم ۲/ ۷۸، هندية زكريا قديم ۳/ ۱٤۲، جديد ۳/ ۱٤۲)

لیکن اس میں یہ صورت کہ اگر ایک ماہ میں قیمت ادا کرو تو دو روپئے اور تین ماہ میں ادا کرو تو تین روپئے، اس طرح جہالت کے ساتھ یہ معاملہ کرنا شرعاً جائز نہیں ہوگا؛ بلکہ عقد کے وقت میں جو قیمت طے ہوگئی ہر حال میں اتنی ہی قیمت ملے گی،خواہ زیادہ سے زیادہ تاخیر ہی کیوں نہ ہو۔(مستفاد: امداد الفتاویٰ ۳/ ۲۰، رحیمیہ ۹/ ۲۵۲)

رجل باع على أنه بالنقد بكذا، وبالنسيئة بكذا، وإلى شهر بكذا، وإلى شهرين بكذا، لم يجز كذا فى الخلاصة. (هندية، الباب العاشر في الشروط التي تفسد البيع، والتي لا تفسده، زكريا ۳/ ۱۳٦، جديد ۳/ ۱۳۷، وهكذا في فتح القدير، زكريا ٦/ ۲٤۳، دارالفكر ٦/ ۲٦۲، كوئٹه ٥/ ٤٦۹، الموسوعة الفقهية الكويتية ۲/ ۳۸)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ٦٦٦٥)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۵/۲۰ھ

نقد وادھار معاملہ میں قیمت میں کمی بیشی کرنا

سوال [۸۷۶۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کی پرچون کی دوکان ہے، اگر کوئی شخص اس سے نقد سامان خریدتا ہے، تو اسے کم پیسوں پر دیتا ہے اور جو قیمت فوراً ادا نہیں کرتا ہے اسے قیمت بڑھا کر دیتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ میں جس دوکان سے سامان لاتا ہوں، اگر اس کو بروقت روپئے سامان کے نہیں ادا کرتا ہوں تو وہ مجھ سے ان روپیوں پر سود لیتا ہے، تو اس کو میں اسی سے ادا کروں گا، اپنی جیب سے میں سود ادا نہیں کروں گا، تو سوال یہ ہے کہ ادھار دینے والے کو سامان کی قیمت بڑھا کر دینا اور اپنے سے اوپر بڑی دوکان کو سود دینا شرعاً کیسا ہے؟ مدلل ومفصل جواب مطلوب ہے۔

المستفتی: محمد اخلاق، خوشحال گنجی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مسئولہ میں نقد وادھار میں قیمت کی کمی وزیادتی تو جائز ہے، مثلاً کوئی تاجر ایک چیز نقد لینے والے کو ایک روپئے میں دیتا ہے اور وہی چیز ادھار لینے والے کو دو روپئے میں دے، تو اس میں مضائقہ نہیں، مگر اس کے جواز کے لئے شرط یہ ہے کہ مجلس عقد میں قیمت کی مقدار اور ادائے قیمت کی میعاد مقرر کرلی جائے، بڑی دوکان والوں کے لئے چھوٹی دوکان والوں سے سود لینا جائز نہیں۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۸/ ۴۰، جدید زکریا ۸/ ۵۲، جدید زکریا مطول ۱۱/ ۱۳۵، فتاوی رحیمیہ قدیم ۹/ ۲۵۲، جدید زکریا ۹/ ۱۹۸، فتاوی محمودیہ قدیم ۱۳/ ۳۳۲، جدید ۱۶/ ۱۵۲)

ألا يرى! أنه يزاد في الثمن لأجل الأجل. (هداية، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، اشرفي ۳/ ۷٤، المحيط البرهاني، المجلس العلمي ۱۰/ ۱۸۷، رقم: ۱۲۷۳۸، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ۳/ ۱۱۲، مصري قديم ۲/ ۷۸، هندية زكريا قديم ۳/ ٤۲ ۱، جديد ۳/ ۱٤۲)

رجل باع على أنه بالنقد بكذا، وبالنسيئة بكذا، وإلى شهر بكذا،

وإلی بشهرین بکذا، لم یجز. (هندیة، الباب العاشر في الشروط التي تفسد البیع، والتي لا تفسده، زکریا ۳/ ۱۳٦، جدید ۳/ ۱۳۷، وهکذا في فتح القدیر، زکریا ٦/ ۲٤۳، دارالفکر ٦/ ۲٦۲، کوئٹه ۵/ ٤٦۹، الموسوعة الفقهیة الکویتیة ۲/ ۳۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍ رجمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ٦٦۴۴)

نقد ۸۰؍ روپئے اور ایک ماہ کی ادھاری پر ۸۵؍ روپئے میں فروخت کرنا

سوال [۸۷٦۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عمرو کاروباری آدمی ہے، اپنے یہاں مال تیار کر کے فروخت کرتا ہے، جس میں اس کا اصول یہ ہے کہ اگر کوئی خریدار نقد خریدے تو ۸۰؍ روپئے کلو اور ایک ماہ کے ادھار پر ۸۵؍ روپئے کلو اور دو ماہ کے ادھار پر ۹۰؍ روپئے کلو فروخت کرتا ہے، جو کہ بظاہر استحصال ہے، کیا ایسا کرنا جائز ہے؟ اور کیا مذکورہ صورت ربوا میں داخل نہیں؟

المستفتی: مولانا شمیم احمد، مولانا والی مسجد تمبا کو والان، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ صورت میں نقد اور ادھار کے اندر قیمت کی کمی وزیادتی تو جائز ہے، مگر اس کے جواز کے لئے شرط یہ ہے کہ مجلس عقد میں قیمت کی مقدار اور ادائے قیمت کی میعاد متعین کر لی جائے۔ اور اگر احتمالی صورت بیان کر کے عقد کرے تو جائز نہیں۔

رجل باع علی أنه بالنقد بکذا، وبالنسیئة بکذا، وإلی شهر بکذا، وإلی بشهرین بکذا، لم یجز، کذا في الخلاصة. (هندیة، الباب العاشر في الشروط التي تفسد البیع، والتي لا تفسده، زکریا ۳/ ۱۳٦، جدید ۳/ ۱۳۷، وهکذا في فتح القدیر، زکریا ٦/ ۲٤۳، دارالفکر ٦/ ۲٦۲، کوئٹه ۵/ ٤٦۹، الموسوعة الفقهیة الکویتیة ۲/ ۳۸)

اور مذکورہ صورتیں ربوا میں داخل نہیں بشرطیکہ ان صورتوں میں میعاد ختم ہونے کے بعد مزید اضافہ نہ کیا جاتا ہو۔

ألا يرى! أنه يزاد في الثمن لأجل الأجل. (هداية، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، اشرفي ٣/ ٧٤، المحيط البرهاني، المجلس العلمي ١٠/ ١٨٧، رقم: ١٢٧٣٨، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ١١٢، مصري قديم ٢/ ٧٨، هندية زكريا قديم ٣/ ١٤٢، جديد ٣/ ١٤٢)

ويزاد في الثمن لأجله إذا ذكر الأجل بمقابلة زيادة الثمن قصدا، فاعتبر مالا في المرابحة. (شامي، قبيل مطلب في الكلام على الرد بالغبن الفاحش، زكريا ٧/ ٣٦٢، كراچی ٥/ ١٤٢، البحرالرائق، كوئٹه ٦/ ١١٥، زكريا ٦/ ١٩١)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶؍ربیع الثانی ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۱۲۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۶/۴/۱۴۲۰ھ

نقد اور ادھار کی صورت میں قیمتوں کے فرق کا حکم

سوال [۸۷۶۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) کہ گیہوں ۸۰۰؍روپئے کوئنٹل ملتا ہے، زید بکر کو ایک کوئنٹل گیہوں اس شرط پر دیتا ہے کہ اگر تم ایک ماہ بعد دو گے تو اسی ریٹ کی قیمت تم کو دینا ہوگی، جب کہ ایک ماہ بعد ۷۰۰؍روپئے کوئنٹل گیہوں ملتا ہے، تو کیا زید کا اس طرح بیع کرنا اور اس بھاؤ پر دینا درست ہے یا نہیں؟ (۲) زید بکر کو ایک کوئنٹل گیہوں ادھار اس شرط پر دیتا ہے کہ ۱۲۰۰؍روپئے لوں گا، جب کہ ابھی ۱۰۰۰؍روپئے کوئنٹل گیہوں ملتا ہے، کیا زید کا ادھار دینے کی وجہ سے زیادہ قیمت لینا درست ہے یا نہیں؟ ربوا تو نہیں؟

المستفتی: محمد منصور عالم

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مذکورہ دونوں صورتوں میں اس طرح کی خرید وفروخت کرنا جائز ہے، بشرطیکہ بوقت خرید فروخت متعاقدین بیع کے مؤجل ہونے یا نہ ہونے کی تعیین کرکے ایک ثمن پر متفق ہوجائیں۔ اوراگر متعاقدین تأجیل بیع وعدم تأجیل بیع اور تعیین ثمن یا عدم تعیین ثمن کا فیصلہ کرنے سے قبل جدا ہوجائیں، تو اس صورت میں بیع جائز نہ ہوگی، نیز متعاقدین کے مابین جو قیمت طے ہوجائے وہی معتبر ہے، خواہ مارکیٹ میں کوئی اور قیمت ہو؛ لہٰذا بائع مبیع کو مارکیٹ ریٹ پردے یا مارکیٹ ریٹ پر نہ دیتے ہوئے اپنے متعین کردہ ریٹ پردے، بہرصورت بیع جائز ہے۔

لأن للأجل شبها بالمبيع، ألا يرى! أنه يزاد في الثمن لأجل الأجل.

(هداية، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، اشرفي ۳/ ۷٤، البحرالرائق، كوئٹه٦/ ۱۱۵، زكريا ٦/ ۱۹۱، المحيط البرهاني، المجلس العلمي ۱۰/ ۱۸۷، رقم: ۱۲۷۳۸، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ۳/ ۱۱۲، مصري قديم ۲/ ۷۸، هندية زكريا قديم ۳/ ۱٤۲، جديد ۳/ ۱٤۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/محرم الحرام ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۵۹۷۶/۳۴)

نقد اور ادھار کی قیمت میں فرق کرنا

سوال [۸۷٦۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کی پرچون کی دوکان ہے، نقد سودا پانچ روپے میں ایک کلو دیتا ہے اور ادھار آٹھ یا سات روپئے میں ایک کلو دیتا ہے، تو زید کا نقد اور ادھار میں قیمت کا یہ فرق کرنا درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: عبداللہ مقبرہ دوئم کیت والی مسجد، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ادھار کی وجہ سے قیمت زیادہ لینا اور نقد کی صورت میں قیمت کم لینا جائز اور درست ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۳/۳۳۳، جدید اشرفیہ ۱۶/۱۵۲)

ألا یریٰ! أنه یزاد في الثمن لأجل الأجل. (هدایة، کتاب البیوع، باب المرابحة والتولیة، اشرفي ۳/ ۷٤، شامی، زکریا ۷/ ۳٦۲، کراچی ٥/ ۱٤۲، البحر الرائق، کوئٹه ٦/ ۱۱٥، زکریا ٦/ ۱۹۱، المحیط البرهاني، المجلس العلمي ۱۰/ ۱۸۷، رقم: ۱۲۷۳۸، مجمع الأنهر، دارالکتب العلمیة بیروت ۳/ ۱۱۲، مصري قدیم ۲/ ۷۸)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴/۵/۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۴۰۲۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۴/۵/۱۴۱۵ھ

ادھار معاملہ میں کمی وبیشی کا حکم

سوال [۸۷٦٥]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: لوگ ایسے معاملہ کرتے ہیں کہ تم مجھ سے اس وقت چاول لے جاؤ، اس وقت پندرہ روپئے کے حساب سے لوں گا اگرچہ اس وقت بیس روپئے کیوں نہ ہو۔

المستفتی: محمد اطہر بن عبد الجلیل، ارریہ بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بعض لوگوں کا اس طرح معاملہ کرنا کہ اس وقت چاول لے جاؤ اور اس وقت مثلاً اگھن کے مہینہ میں پندرہ روپئے کے حساب سے چاول لوں گا تو یہ ادھار کی شکل ہے۔ اور ادھار میں کمی زیادتی جائز نہیں ہے۔ اور یہاں ادائے گی کے وقت میں کمی زیادتی لازم آرہی ہے؛ اس لئے جائز نہیں ہے۔ اور اس کے جواز کی صرف یہی شکل

ہے کہ اس وقت تم ایک کوئنٹل چاول لے جاؤ اور اگہن کے مہینہ میں تمہیں ایک ہی کوئنٹل چاول دینے پڑیں گے، چاہے اس وقت چاول کی قیمت کچھ بھی ہو، اس سے کوئی سروکار نہیں۔

وأما بيع المكيل المطعوم بجنسه متفاضلا، وبيع الموزون المطعوم بجنسه متفاضلا –إلى– فلا يجوز بالإجماع. (بدائع الصنائع، كتاب البيوع، مسائل الربا، زكريا ٤/ ٤٠٣، كراچی ٥/ ١٨٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۷/ ربیع الثانی ۱۴۲۳ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۶۱۵)	۱۴۲۳/۴/۲۷ھ

نقد میں کم اور ادھار میں زائد روپئے لینا

سوال [۸۷۶۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک آدمی سلی کا کاروبار اس طرح کرتا ہے کہ نقد ۹۰/ روپئے کلو اور ادھار ۹۲/ روپئے کلو دیتا ہے؛ لیکن اگر ادھار مال کے پیسے ایک ماہ بعد بھی دئے جائیں تب بھی ۹۲/ روپئے کلو کے ہی پیسے لیتا ہے۔ اور دوسرا آدمی اس طرح کاروبار کرتا ہے کہ نقد مال ۹۰/ روپئے کلو اور ادھار ۹۲/ روپئے کلو؛ لیکن ادھار کے ساتھ ساتھ وقت مقرر کرتا ہے، کہ اگر ایک ہفتہ کے اندر پیسے دے دو تب تو یہی قیمت ہے؛ لیکن اگر ایک ہفتہ سے ایک دن بھی آگے بڑھ گیا تو ۹۳/ روپئے کے حساب سے پیسہ لیتا ہے، تو حضرت والا سے درخواست ہے کہ دونوں آدمیوں میں سے کس کا کاروبار جائز ہے اور کس کا حرام؟

المستفتی: مجیب الرحمٰن حیاتی محلّہ پیرزادہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سلی کی خریداری میں اس طرح کا معاملہ کرنا کہ نقد ۹۰/

روپئے فی کلواورادھار۹۲/روپئے فی کلو ہے؛ لیکن ادھار مال کے پیسے مدت معینہ سے ایک مہینہ تاخیر سے بھی دئے جائیں تب بھی ۹۲/روپئے فی کلو ہی رہے گا، تو اس طرح کا معاملہ شرعی طور پر جائز اور درست ہے، ادائے گی میں تاخیر کی وجہ سے مزید کوئی پیسہ زائد لینا شرعاً جائز نہیں ہے۔

ويـزاد فـي الثـمـن لأجـله إذا ذكر الأجل بمقابلة زيادة الثمن قصدا. (البحرالرائق، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، كوئٹه ٦/ ١١٥، زكريا ٦/ ١٩١، شامي، زكريا ٧/ ٣٦٢، كراچى ٥/ ١٤٢)

ألا يـرى! أنـه يـزاد في الثمن لأجله. (هداية، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، اشرفي ٣/ ٧٤، المحيط البرهاني، المجلس العلمي ١٠/ ١٨٧، رقم: ١٢٧٣٨، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ١١٢، مصري قديم ٢/ ٧٨، هندية زكريا قديم ٢/ ١٤٢، جديد ٢/ ١٤٢)

اور دوسری شکل کہ نقد خریداری میں ۹۰/ روپئے فی کلو اور ایک ہفتہ یا ایک مہینہ کی ادھار خریداری میں ۹۲/روپئے فی کلو؛ لیکن اس میں ادائے گی میں ایک دن بھی تاخیر ہوجائے تو ۹۳/روپئے فی کلو تو یہ معاملہ قطعاً جائز نہیں ہے، تاخیر کے عوض میں پیسہ بڑھانا زمانہ جاہلیت کے سود کے مرادف ہے۔

وإن تـعـذر عليه الأداء زادوا في الحق والأجل، فهذا هو الربى الذي كانوا في الجاهلية يتعاملون به. (تفسير كبير ٧/ ٩١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/محرم الحرام ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۷۴۳۰)

۶/ باب المرابحة

شرعاً نفع لینے کی حد کیا ہے؟

سوال [۸۷۶۷]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: خرید وفروخت پر کتنا نفع لینا بائع کے لئے درست ہے؟ ہمارے چوڑی کا کاروبار ہوتا ہے، بسا اوقات ٹرک میں مال آنے کی وجہ سے چوڑی کے بہت سے بنڈل ٹوٹ جاتے ہیں، جس سے ہمارا بہت سارا نقصان ہوجاتا ہے، ہم اس نقصان کی تلافی کے لئے چوڑیوں کی قیمت میں اضافہ کرکے فروخت کرتے ہیں، جس سے نقصان کی تلافی ہوجائے، حتی کہ بسا اوقات چوڑیوں کی اصلی قیمت سے زیادہ نفع لیتے ہیں، مثلاً سو روپئے کا ایک بنڈل آیا، ہم نے اس کو تین سو روپئے میں یا ڈھائی سو روپئے میں بیچا، تو کیا ایسا کرنا شرعاً درست ہے اور اتنا نفع لینے کی گنجائش ہے؟ اگر نہیں تو پھر کتنا نفع لے سکتے ہیں؟

المستفتی: محمد عزیز فتح پور، چوڑی بازار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: چیزوں کی خرید وفروخت میں نفع لینے کی مقدار شرعاً متعین نہیں ہے، دوگنی قیمت میں بھی بیچنا جائز ہے اور لینے والوں کو لینے اور نہ لینے میں اختیار ہے؛ البتہ بیچنے والے کو جھوٹ سے احتراز لازم ہے کہ خریدنے والے کے سامنے یہ نہ کہا کرے کہ ہم نے اتنے میں خریدا ہے؛ بلکہ اگر مشتری کے سامنے کہنے کی ضرورت پڑ جائے تو خریدار کے سامنے خرچ اور نقصان سب ملا کر کر یوں کہا کرے کہ ہم کو اتنے کی پڑ گئی ہے اور یہ نہ کہے کہ اتنے میں خریدی ہے۔

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– أن رسول الله ﷺ قال: من حمل علينا السلاح، فليس منا، ومن غشنا فليس منا. (صحيح مسلم، الإيمان، باب من غشنا فليس منا، النسخة الهندية ۱/ ۷۰، بيت الأفكار، رقم: ۱۰۱)

عن ابن عمر -رضي الله عنه- أن النبي ﷺ قال: إذا كذب العبد تباعد عنه الملک میلا من نتن ما جاء به. (سنن الترمذي، باب ماجاء في الصدق والکذب، النسخة الهندية ٢/ ١٨، دارالسلام، رقم: ١٩٧٢)

عن أنس بن مالک -رضي الله عنه- عن النبي ﷺ قال: أکبر الکبائر: الإشراک بالله، وقتل النفس، وعقوق الوالدین، وقول الزور، أو قال: وشهادة الزور. (صحیح البخاري، التفسیر، باب قول اللّٰه تعالیٰ: ﴿ومن احیاها﴾ النسخة الهندية ٢/ ١٠١٥، رقم: ٦٦٠٦، ف: ٦٨٧١، صحیح مسلم، باب بیان الکبائر وأکبرها، النسخة الهندية ١/ ٦٤، بیت الأفکار، رقم: ٨٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/ ذی الحجہ ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۰۸۹۷)

دوگنے نفع پر فروخت کرنے کا حکم

سوال [۸۷۶۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص نے ایک چیز کو پچیس روپئے میں خریدا ہے اور اس کو دوگنی قیمت میں بیچتا ہے، تو کیا دوگنی قیمت میں بیچنا جائز ہے؟

المستفتی: جلال الدین پاکبڑہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نفع لینے کی کوئی حد متعین نہیں ہے، جتنا لینا چاہے لے سکتا ہے، بشرطیکہ گاہک کو دھوکہ نہ دے۔ (فتاوی رشیدیہ ۵۵۷، جدید مبوب ۵۴۰)

الثمن المسمی: هو الثمن الذي یسمیه ویعینه العاقدان وقت البیع بالتراضي سواء کان مطابقا لقیمته الحقیقیة أو ناقصا عنها أو زائدا علیها.

(شرح المجلة رستم، مکتبه اتحاد دیوبند ١/ ٧٣، رقم المادة: ١٥٣)

المرابحة بيع بمثل الثمن الأول وزياة ربح ...... والكل جائز. (هندية، الباب الرابع عشر في المرابحة والتولية والوضيعة، زكريا جديد ٣/ ١٥٦، قديم ٣/ ١٦٠، المبسوط للسرخسي، دارالكتب العلمية بيروت ٢٢/ ٧٨، الفقه الإسلامي وأدلته، دارالفكر ٥/ ٣٦٠٠، هدى انٹر نيشنل ديوبند ٤/ ٣٥٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/۴/۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/۳۴۴۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۸/۴/۱۴۱۴ھ

سلنڈر بلیک کرنا

سوال [۸۷۶۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: گیس کمپنیوں نے کچھ عرصہ سے قانون بنایا ہے کہ بیس دن سے پہلے گیس نہیں ملے گا، نیز کھانے پینے کے ہوٹل اور دوکانوں کے لئے ایک نیا سلنڈر بنایا ہے، جس میں گیس بیس کلو ہوتی ہے اور قیمت گھر والے سلنڈر سے دوگنی ہوتی ہے، اب مثلاً زید کا سلنڈر چالیس دن چلتا ہے تو زید کمپنی کے ضابطہ کے مطابق دو سلنڈر لے کر ایک خود رکھ لیتا ہے، دوسرا ہوٹل والے کو سلنڈر کی متعینہ قیمت سے کچھ زائد رقم لے کر بیچ دیتا ہے، تو اس طرح زید کا گیس اور مٹی کا تیل کچھ قیمت زیادہ لے کر فروخت کرنا جس کو اصطلاح میں ''بلیک'' کرنا کہتے ہیں جائز ہے یا نہیں؟ نیز ہوٹل والوں کا اس طرح گیس لینا صحیح ہے یا نہیں؟ ہوٹل والے مجبور ہیں؛ کیوں کہ ہوٹلوں کا گیس جیسا کہ ذکر کیا گیا مہنگا اور کم ہے۔ واضح ہو کہ اس طرح سلنڈر بلیک کرنا گیس کمپنی کی نظر میں جرم ہے؟

المستفتی: محمد زبیر مظاہری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید سلنڈر اور تیل خرید نے کے بعد اس کا مالک بن چکا

ہے اور مالک کو اپنی چیز فروخت کرنے کا حق ہے، جس قیمت پر چاہے فروخت کرے؛ لیکن اس کا لحاظ بھی ضروری ہے کہ یہ خلاف قانون ہے، تو پھر ہتک عزت کا خطرہ ہے اور ہتک عزت سے بچنا بھی ضروری ہے؛ اس لئے اس کا لحاظ رکھنا بھی ضروری ہے؛ لیکن اگر ہتک عزت سے بچ کر اس کام میں نفع حاصل کرلیا ہے، تو وہ نفع جائز اور حلال ہے۔

قال الله تعالیٰ: وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ. [البقرة: ١٩٥]

عن عروة هو البارقي أن النبي عليه وسلم أعطاه دينارا يشترى له به شاة، فاشترى له به شاتين، فباع إحداهما بدينار، فجاء بدينار و شاة، فدعا له بالبركة في بيعه، فكان لو اشترى التراب لربح فيه. (بخاري شريف، كتاب المناقب، النسخة الهندية ١/ ٥١٤، رقم: ٣٥١٣، ف: ٣٦٤٢)

عن ابن عمر -رضي الله عنه- قال: قال رسول الله عليه وسلم: لا ينبغي لمؤمن أن يذل نفسه قيل: يا رسول الله! وكيف يذل نفسه؟ قال: أن يتعرض من البلاء لما لا يطيق. (المعجم الكبير للبطراني، دار إحياء التراث العربي ١٢/ ٣١٢، رقم: ١٣٥٠٧، مسند البزار، مكتبة العلوم والحكم ٧/ ٢١٨، رقم: ٢٧٩٠، سنن الترمذي، أبواب الفتن، النسخة الهندية ٢/ ٥١، دارالسلام رقم: ٢٢٥٤، سنن ابن ماجة، باب قول الله تعالى: ﴿ياأيها الذين آمنوا عليكم انفسكم﴾ النسخة الهندية ١/ ٢٩٠، دارالسلام، رقم: ٤٠١٦)

ولو باع شيئا مرابحة إن كان الثمن مثليا كالمكيل والموزون جاز البيع إذا كان الربح معلوما سواء كان الربح من جنس الثمن الأول أم لم يكن. (عالمگيري، كتاب البيوع، الباب الرابع عشر في المرابحة والتولية والوضيعة، زكريا قديم ٣/ ١٦٠، جديد ٣/ ١٥٦-١٥٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶/ رجب ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۳۶۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۸/۷/۱۷ھ

لون پر رکشہ لینے کی جائز شکل

سوال [۸۷۷۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے یہاں آٹو رکشہ چلتے ہیں، اب پچھلے ڈیڑھ سال سے گورنمنٹ نے قانون بنا دیا ہے کہ اب صرف ایس این جی (گیس سے چلنے والے رکشے) ہی چلیں گے، یہ رکشہ بہت مہنگا ہونے کے سبب آدمی اسے خرید نہیں سکتا، رکشہ ایک لاکھ پندرہ ہزار کا ہے، اب مثلاً زید کے پاس پندرہ ہزار روپئے ہیں وہ بینک میں گیا تو بینک نے اس سے کہا کہ تم اپنے پسند کا رکشہ خرید لو ہم تم کو ایک لاکھ کا لون بشکل چیک دیتے ہیں؛ لہٰذا بینک نے ایک لاکھ کا چیک دے دیا اور زید رکشہ لے آیا، اب زید کو ایک لاکھ روپئے چار سال میں ادا کرنے ہیں اور مزید پچیس ہزار بھی ادا کرنے ہیں، تو کیا زید کا مذکورہ عمل جائز ہے یا نہیں؟ واضح ہو کہ اگر زید چاہے کہ چار سال کے بجائے دو سال میں رقم ادا کرے تو بینک اس کو قبول نہیں کرتے۔

المستفتی: محمد زبیر مظاہری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: آٹو رکشہ خریدنے کے لئے بینک سے مذکورہ طریقہ سے لون لینا پھر اس لون کے پیسہ سے کمپنی سے آٹو رکشہ خرید لیا جائے تو جب تک بینک کا قرضہ مع سود کے ادا نہ کر دیا جائے اس وقت تک سود کی وعید میں شامل رہے گا، مگر سود کھانے کی وعید نہ ہوگی؛ بلکہ سود دینے کی وعید ہوگی۔

عن جابر -رضي الله عنه- قال: لعن رسول الله ﷺ آكل الربو ومؤكله، وكاتبه، وشاهديه، وقال: هم سواء. (صحيح مسلم، باب لعن أكل الربو وموكله، النسخة الهندية ٢/ ٢٧، بيت الأفكار، رقم: ١٥٩٨، سنن أبي داؤد، باب في آكل الربا وموكله، النسخة الهندية ٢/ ٤٧٣، دارالسلام، رقم: ٣٣٣٣)

اور اس وعید اور لعنت سے بچنے کے لئے متبادل شکل یہ ہے کہ بینک جو ایک لاکھ روپئے کا چیک

کاٹ کر دیتا ہے وہ آٹو رکشہ کی کمپنی کو بینک کا آدمی دے دے اور یہ شخص بینک کے توسط سے کمپنی سے آٹو رکشہ نکلوالے، تو ایسی صورت میں یہ ہوگا کہ بینک نے ایک لاکھ میں آٹو رکشہ کمپنی سے خرید کر ایک لاکھ پچیس ہزار روپئے میں اس شخص کے ہاتھ ادھار فروخت کیا جو چار سال میں ادا ہوگا۔ یہ بیع مرابحہ کی ایک جائز شکل ہے، جس کا اختیار کرنا شرعاً جائز ہے۔

المرابحة بمثل الثمن الأول وزيادة ربح –إلى قوله– جائز.

(عالمگيري، كتاب البيوع، الباب الرابع عشر في المرابحة والتولية والوضيعة، زكريا جديد ٣/ ١٥٦، قديم ٣/ ١٦٠، المحيط البرهاني، المجلس العلمي ١٠/ ١٨٣، رقم: ١٢٧٢٩، بدائع الصنائع، زكريا ٤/ ٤٦١، كراچی ٥/ ٢٢٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍رجب ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۳۵۹/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۸/۷/۳ھ

کمیشن پر کتاب لا کر پوری قیمت میں فروخت کرنا

سوال [۸۷۷۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: پرائمری اسکول میں کورس کی کتابیں کمیشن پر لا کر اسکول میں بچوں سے پوری قیمت لینا کیسا ہے؟ شریعت کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: محمد نصیر الدین نور پور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کورس کی کتابیں کمیشن پر لا کر بچوں کو پوری قیمت پر فروخت کرنا جائز ہے؛ اس لئے کہ جو شخص کمیشن پر کتابیں لاتا ہے، وہ اس کا اپنا معاملہ ہے اور پوری قیمت پر نفع کے ساتھ فروخت کرنا اس کا تجارتی نفع ہے جو شرعاً جائز ہے۔

بيع المرابحة: وهو مبادلة المبيع بمثل الثمن الأول وزيادة ربح

معين. (الفقه الإسلامي وأدلته، هدى انٹر نيشنل ديوبند ٤/ ٣٥٧، دارالفكر ٥/ ٣٦٠٠، بدائع الصنائع، زكريا ٤/ ٤٦١، كراچى ٥/ ٢٢٠)

المرابحة نقل ما ملكه بالعقد الأول بالثمن الأول مع زيادة ربح.

(هداية، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، أشرفي ٣/ ٧٠، مختصر القدوري، ص: ٨٠)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴/ صفر المظفر ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۴۹۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۲/۱۶ھ

ایک روپئے کی چیز سو روپئے میں فروخت کرنا

سوال [۸۷۷۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مسئلہ یہ ہے کہ مارکیٹ میں دوکاندار لاکھوں روپئے کا مال خریدتے ہیں اور بیچتے ہیں، کیا دوکاندار روپئے کا مال سو روپئے میں بیچے یا سو روپئے کا مال روپئے میں خریدے تو علماء کرام یہ فرمائیں کہ یہ سو کا مال روپئے میں خریدنا یا روپئے کا مال سو میں بیچنا یہ دوکاندار کے لئے جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: حاجی فرزند صاحب محلّہ سرائے ترین، سنبھل

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بائع اور مشتری میں سے ہر ایک کو اختیار رہوتا ہے کہ آپسی رضا مندی سے روپئے کی چیز سو روپئے میں بیچے یا خریدے، اسی طرح سو روپئے کا مال روپئے میں بیچے یا خریدے؛ لہٰذا بیچنے والے بیوپاری اور دوکان دار کے درمیان جو بھی طے ہوجائے اس پر بیچنا اور دوکان دار کے لئے خریدنا بلاتردد جائز ہے۔

الثمن المسمى: هو الثمن الذي يسميه ويعينه العاقدان وقت البيع

بالتراضي، سواء كان مطابقا لقيمته الحقيقية، أو ناقصا عنها، أو زائدا عليها. (شرح المجلة رستم، مكتبه اتحاد ديوبند ١/ ٧٣، رقم المادة: ١٥٣)

يجوز للمشتري أن يزيد في الثمن، ويجوز للبائع أن يحط من الثمن، وأن يزيد في المبيع ويلتحق بأصل العقد، ويتعلق الاستحقاق بجميع ذلك. (تبيين الحقائق، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، زكريا ٤/ ٤٤٢، إمداديه ملتان ٤/ ٨٣، هداية، أشرفي ٣/ ٧٥، مختصر القدوري، ص: ٨١، الموسوعة الفقهية الكويتية ٩/ ٢٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍رجب ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۲۰۲/۴۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۷/۲۳ھ

بیس ہزار کا مال ۲۴؍ ہزار میں فروخت کرنے کا حکم

سوال [۸۷۷۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں محمد سراج بن محمد حنیف بالا پور ضلع آکولہ برتنوں کا بیوپاری ہوں، اور میری مالی حیثیت اچھی ہے، مجھ سے بہت سارے لوگ ہفتہ واری مال ادھاری سے لیتے ہیں، تو میں ان سے واضح طور پر بتا دیتا ہوں کہ مثلاً میں دوکان سے -/20,000 (بیس ہزار روپئے) میں خریدوں گا اور تمہیں -/24,000 (چوبیس ہزار روپئے) میں دوں گا، اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ میں اس خریدار کو اپنے ساتھ مارکیٹ لے جاتا ہوں، پھر وہ خریدار اپنے پسند کا سامان پسند کر لیتا ہے اور پھر میں اپنے نام سے بل بنواتا ہوں۔ اور وہ سامان اس کے حوالہ (خریدار کے) کرتا ہوں، پھر -/1,000 (ایک ہزار روپئے) ہفتہ اس سے وصول کرتا ہوں، آیا یہ صورت لین دین کی جائز ہے یا نہیں؟ یہ سود میں تو داخل نہیں ہے؟

المستفتی: محمد سراج بالاپور آکولہ، مہاراشٹر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: یہ بیع مرابحہ ہے، شرعاً اس طرح کی خرید وفروخت جائز ودرست ہے۔

عن أبي بحر عن شيخ لهم، قال: رأيت على علي -رضى الله عنه- إزارا غليظا، قال: اشتريت بخمسة دراهم فمن أربحني فيه درهما، بعته إياه. (السنن الكبرى للبيهقي، البيوع، باب المرابحة، دارالفكر ٨/ ٢٢٩، رقم: ١٠٩٤٤، دارالحديث القاهرة ٥/ ٦٩٧، رقم: ١٠٧٩٤)

المرابحة بيع بمثل الثمن الأول والزيادة. (الفتاوى التاتارخانية، الفصل السادس عشر في بيع المرابحة، زكريا ٩/ ٢٢١، رقم: ١٣١٨٣، المحيط البرهاني، المجلس العلمي ١٠/ ١٨٣، رقم: ١٢٧٢٩، هندية، زكريا قديم ٣/ ١٦٠، جديد ٣/ ١٥٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴ر رمضان المبارک ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۲۴۹)

❍❖❍

۷/ باب التلجئة

”بیع تلجئہ“ کا مقصد

سوال [۸۷۷۴]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں نے اپنے والد کی موجودگی میں کپڑے کا کام شروع کیا جس میں کسی طرح کی کوئی مدد میرے والد نے یا بھائیوں نے نہیں کی، بفضلہٖ تعالیٰ کاروبار میں ترقی ہوتی چلی گئی؛ حتی کہ میں نے ایک مکان اپنی ذاتی کمائی سے والد کی حیات میں خریدا، اس وقت کاروبار میں تیزی سے اتار چڑھاؤ ہوتا تھا، میں نے سوچا کہ خدانخواستہ کبھی مندی آگئی اور مکان بیچنے کی نوبت آگئی تو میرے ساتھ ساتھ میرے بھائی بھی بے گھر ہوجائیں گے۔ اور اگر میرے ساتھ ساتھ بھائیوں کا نام بھی ہوگا تو میں مکان بیچنے سے رک جاؤں گا، یہ سوچ کر میں نے مکان میں بھائیوں کا نام بھی داخل کروایا، اس وقت والد صاحب نے کہا بھی کہ جب سب تیرا ہی ہے تو کسی کا نام داخل مت کرو؛ لیکن میں نے مذکورہ بات کو مدنظر رکھتے ہوئے بھائیوں کا نام بھی داخل کروالیا، اب میرا چھوٹا بھائی کہتا ہے کہ جب کاغذات میں میرا نام ہے، تو مکان میں میرا حصہ ہے، اور میں اپنا حصہ لے کر رہوں گا، حالانکہ میں نے مذکورہ وجہ سے بھائیوں کا نام ڈلوایا تھا، کسی بھائی کو مکان ہدیہ نہیں دیا اور نہ ہی نام ڈلواتے وقت ہدیہ کی نیت تھی، نیت صرف یہ تھی اگر مکان صرف میرے نام پر ہوگا تو تنگی کے وقت میں بیچ دوں گا، تو میرے ساتھ ساتھ میرے بھائی بھی بے گھر ہوجائیں گے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا واقعی مذکورہ وجہ کی بنا پر بھی بھائی کا نام داخل کرنے پر وہ مکان کا حقدار ہے؟ جب کہ بڑے بھائی کہتے ہیں کہ تو نے اپنی محنت سے کما کر سب لیا تھا؛ لہٰذا سب تیرا ہی ہے، تو جب کہے گا ہم مکان خالی کردیں گے، اگر بھائیوں کا حق مکان میں ہے، تو کس کو کتنا ملے گا، ہم تین بھائی ہیں؟

المستفتی: عبدالرشید، احمد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سائل نے سوال نامہ میں بھائیوں کے نام ڈالنے کی جو صورت ذکر فرمائی ہے وہ ”بیع التلجئہ“ کی حدود میں داخل نہیں ہوئی؛ کیوں کہ بیع التلجئہ حکومت یا کسی دشمن یا کسی طاقتور کی طرف سے خطرہ کی بنا پر ہوا کرتی ہے؛ اس لئے یہی سمجھا جائے گا کہ بھائیوں کو بھی مکان میں شریک کرنا مقصد ہے؛ لہٰذا اس میں رجسٹری کے مطابق ان کا بھی حق ہوگا۔

والتلجئة إنما تكون عن إضطرار. (شامي، كتاب البيوع، باب الصرف، مطلب في مبيع التلجئة، زكريا ديوبند ٧/ ٥٤٢، كراچی ٥/ ٢٧٣)

بيع التلجئة: البيع الصوري أن يضطر لإظهار عقد وإبطان غيره مع إرادة ذلك الباطن كأن يظهر بيع داره لابنه لئلا يستولي عليها السلطان.

(معجم لغة الفقهاء، كراچی، ص: ١١٣، قواعد الفقه، أشرفي ٢١٣، معجم المصطلحات والألفاظ الفقهية، دارالفضيلة ١/ ٤٠٥، الموسوعة الفقهية الكويتية ٩/ ٦٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍شوال ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۷۱۶/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۱۰/۱۲ھ

بیع تلجئہ

سوال [۸۷۷۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: نذیر احمد ایک سنی مسلمان ہے، اس کی بیوی سے اس کے دولڑکے اور چار لڑکیاں ہیں، نذیر احمد نے اپنی کمائی سے اور اپنے پیسے سے ہلدوانی لائن نمبر: ا رمحلہ پنجو پورہ میں زمین کا ایک قطعہ (پلاٹ) خریدا، جس میں ٹین کی چھت کی صرف ایک کوٹھری بنی ہوئی ہے اور اس کوٹھری کے آس پاس صحن کے طور پر کچھ خالی زمین تھی، نذیر احمد نے یہ سب جگہ اپنے ہی پیسے

سے خریدی تھی، اس کے خریدنے میں نذیر احمد کی بیوی مشتری بیگم کا کوئی پیسہ نہیں تھا، مگر نذیر احمد کو چونکہ اپنی بیوی سے بہت محبت تھی؛ اس لئے پیار میں دلداری کی خاطر اس زمین کا بیع نامہ میں نے اپنی بیوی کے نام لکھوادیا تھا، مگر اس کو مالک نہیں بنایا تھا، اس کے بعد نذیر احمد نے اس زمین میں نئے طریقہ سے دومنزلہ مکان تعمیر کیا، اس مکان کی تعمیر میں بھی کل روپیہ صرف نذیر احمد ہی کا خرچ ہوا اور اس کی بیوی مشتری بیگم کا تعمیر میں بھی کوئی پیسہ نہیں لگا، اس مکان کی تعمیر کے بعد مشتری بیگم اپنے شوہر اور بچوں کے ساتھ اس مکان میں رہتی رہی اور پھر کئی سال کے بعد مشتری بیگم کا یکم مئی ۱۹۷۷ء کو انتقال ہوگیا، انتقال سے دو مہینے پہلے یکم مارچ ۱۹۷۷ء کو مشتری بیگم نے اس مذکورہ مکان کے بارے میں ایک وصیت نامہ لکھوادیا، جس میں اس نے کھل کر یہ اقرار کیا ہے اور صاف صاف یہ بات لکھوائی ہے کہ پختہ دومنزلہ مکان جس کا نگر پالیکا نمبر ۳۸۰۵/ ہے، اور جو لائن نمبر: ا محلّہ پنجو پورہ ہلدوانی میں ہے، ضلع نینی تال میں واقع ہے، اس مکان کی تعمیر میں اور اس مکان کی جگہ خریدنے میں میرا کوئی پیسہ خرچ نہیں ہوا ہے؛ بلکہ اس کے خریدنے اور تعمیر کرانے میں سارا پیسہ میرے شوہر نذیر احمد نے اپنی کمائی کا لگایا ہے، پیار اور محبت کی وجہ سے صرف بیع نامہ میرے نام لکھوادیا تھا، اس مکان کے اصلی مالک میرے شوہر نذیر احمد ہی ہیں، میں مالک نہیں ہوں۔

مشتری بیگم کے انتقال کے بعد نذیر احمد نے اس دومنزلہ مکان پر ایک سہ منزلہ اپنے پیسے سے اور بھی بنالیا ہے، نذیر احمد کے دو لڑکے: انیس احمد اور رئیس احمد جو مشتری بیگم ہی سے ہیں، یہ دونوں اپنے باپ نذیر احمد سے بدسلوکی اور بدزبانی کرتے ہیں، اس کے ساتھ والد جیسا اچھا سلوک نہیں کرتے، روزانہ شراب پی کر آتے ہیں اور گالی گلوچ کرتے ہیں اور اس مذکورہ مکان کو اپنی ماں کا بتا کر اسمیں اپنا حصہ مانگتے ہیں، جب کہ اصل اور حقیقت یہ ہے کہ اس مکان کی مالک ان کی ماں نہیں تھی، تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ:

(۱) اس صورت میں اس مکان کا اصل مالک صرف نذیر احمد ہی ہے یا اس کی بیوی مشتری بیگم؟

(۲) لڑکوں کا یہ مطالبہ کرنا کہ یہ ہماری ماں کا مکان ہے، ماں کی طرف سے اس میں ہمارا حق

ہے، یہ مطالبہ کرنا شرعاً غلط اور بے بنیاد اور باپ پر ظلم ہے یا نہیں؟

المستفتی: نذیر احمد ولد اللہ بخش، لائن نمبر ارمحلّہ آزادنگر، ہلدوانی نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: اس طرح نام کر دینے کو شریعت کی اصطلاح میں بیع التلجئۃ کہا جاتا ہے۔ اور اس میں جس کے نام کیا جاتا ہے وہ شرعاً مالک نہیں ہوتا؛ اس لئے مذکورہ صورت میں مسمی نذیر احمد کی بیوی مذکورہ زمین وکوٹھری وغیرہ کسی چیز کی شرعاً مالک نہیں ہوتی ہے، اور نہ ہی بعد کے تعمیر کردہ مکان کے کسی حصہ کی مالک ہوتی؛ لہٰذا پوری زمین ومکان سب مسمی نذیر احمد ہی کی ملکیت میں ہیں، اس میں مسماۃ مشتری بیگم کے لڑکے اور دوسرے ورثاء کو مطالبہ کا کوئی حق شرعاً حاصل نہیں ہوسکتا۔

وبيع التلجئة ويأتي متنا في الإقرار، وهو أن يظهر عقدا وهما لايريدانه يلجأ إليه لخوف عدو، وهو ليس ببيع في الحقيقة، بل كالهزل –إلى قوله– ولو تبايعا في العلانية إن اعترفا ببنائه على التلجئة، فالبيع باطل لاتفاقهما أنهما هزلا به. (الدالمختار، كتاب البيوع، باب المصرف، مطلب في بيع التلجئة زكريا ٧/ ٥٤٢، كراچی ٥/ ٢٧٣، بدائع الصنائع كراچی ٥/ ١٧٦، زكريا ٤/ ٣٨٩، المبسوط للسرخسي، دارالكتب العلمية بيروت ٢٤/ ١٢٢، هندية زكريا قديم ٣/ ٢٠٩، جديد ٣/ ١٩٦، قواعد الفقه أشرفي، ص: ٢١٣، الفقه الإسلامي و أدلته، هدى انٹرنیشنل دیوبند ٤/ ١٢٧-١٢٨، دارالفكر ٥/ ٣٣٢٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍رجب المرجب ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/۱۳۲۴)

کسی کے نام سے خریدنے کا حکم

ســـوال [٦٧٧٨]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: مسماۃ بشیرن مرحومہ زوجہ جناب عبدالسلام مرحوم صاحب ساکن مرادآباد محلّہ اصالت پورہ اسماعیل روڈ ایک قطعہ مکان کچا غرب رویہ واقع اسماعیل روڈ اصالت پورہ مرادآباد کی تنہا مالک وقابض بذریعہ بیع نامہ بالعوض دین مہر چلی آرہی تھی، انہوں نے اپنے انتقال پر سات پسران دو دختران چھوڑے، مسماۃ بشیرن مرحومہ کاروباری سلسلہ کی وجہ سے مع اہل وعیال کے شہر جالنہ مہاراشٹر میں ہی مقیم رہی۔ ۱۹۷۰ء سے قبل مسماۃ بشیرن مرحومہ مرادآباد اپنے بھائی اللہ بخش مرحوم ودیگر رشتہ داروں کے یہاں آئیں، انہوں نے اپنے بھائی اللہ بخش مرحوم کو مکان مذکورہ کی تعمیر کرانے کے لئے روپئے دے کر تعمیر شروع کروادی، تعمیر کے بعد بھائی اللہ بخش مرحوم نے بہن بشیرن مرحومہ کو بتایا کہ تمہارے مکان کی مکمل تعمیر کرانے میں میرے پاس سے بھی -/5,000 روپئے لگ گئے ہیں، جس پر مسماۃ بشیرن مرحومہ نے کہا کہ یہ -/5,000 روپئے میں جالنہ پہنچ کر بھجوا دوں گی، اس پر بھائی اللہ بخش مرحوم نے کہا کہ زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں ہے، پتہ نہیں زندگی رہی یا نہ رہی آپ یادداشت بطور میرے -/5,000 روپئے کی ایک تحریر لکھ دو؛ لہٰذا اللہ بخش مرحوم بھائی نے اپنی بہن مسماۃ بشیرن مرحومہ کو لے جاکر کچھ کاغذوں پر دستخط وانگوٹھے لگانے کے بعد بہن سے کہا: آپ جاکر -/5,000 روپئے بھیج دوگی تب یہ کاغذ واپس کردوں گا یا پھاڑ دوں گا، مسماۃ بشیرن مرحومہ مکان مذکورہ میں کرایہ دار رکھوانے کے بعد جالنہ چلی گئیں۔

کچھ ہی عرصہ بعد مسماۃ بشیرن مرحومہ بہن نے اپنے لڑکے ولڑکی کی شادی کرنے کے لئے مرادآباد آکر بھائی اللہ بخش مرحوم سے اپنے مکان کے کرایہ دار سے مکان خالی کرنے کے لئے کہا کہ مجھے بچوں کی شادی اپنے مکان مذکورہ سے کرنی ہے، بھائی اللہ بخش مرحوم مکان خالی کرانے کی بات سن سن کر ٹال مٹول کرتے رہے، مزید رشتہ داروں کے ذریعہ کہنے پر اللہ بخش مرحوم بھائی نے کہا کہ میں نے بشیرن مرحومہ سے -/5,000 روپئے قرض کے بعوض تحریر کے بجائے بیع نامہ بحق اپنی زوجہ مسماۃ فاطمہ مرحومہ رجسٹری کرلیا تھا، جس سے میری بیوی مکان کی مالک ہوگئی، یہ سن کر مسماۃ بشیرن مرحومہ کے پسر محمد طاہر نے کچہری جاکر

کاغذات وغیرہ کا معائنہ کرا کرنقل حاصل کرکے قانونی کارروائی کی تیاری شروع کی ،مزید مسماۃ بشیرن مرحومہ کی طرف سے بیع نامہ منسوخی کا دعویٰ دائر کردیا،اس طرح سے کئی مقدمات شروع ہوگئے ،جن کا کل خرچ وپیروی تنہا محمد طاہر نے اپنے نجی سرمایہ سے کی جومقدمات کئی سال تک چلتے رہے، کئی سالوں کے بعد محلّہ کے چند معزز اشخاص نے مقدمات کے اخراجات وفریقین کی پیسے کی بربادی پرغور کرتے ہوئے دونوں فریقین کی رضامندی سے یہ فیصلہ کیا؛ چونکہ اللہ بخش مرحوم اپنی بہن مسماۃ بشیرن مرحومہ کا مکان کا بیع نامہ اپنی زوجہ مسماۃ فاطمہ مرحومہ کے نام کرا چکے ہیں اور مسماۃ فاطمہ مرحومہ زوجہ اللہ بخش مرحوم مذکورہ مکان کے برابر کے رقبہ کا مین روڈ کا حصہ حال ہی میں مبلغ: -/30,000 روپئے میں فروخت کرچکی ہیں؛ اس لئے پچھلے حصہ کے عوض میں محمد طاہر پسر بشیرن مرحومہ -/27,000 روپئے مسماۃ فاطمہ مرحومہ کوادا کریں گے اور بیع نامہ اقراری مسماۃ فاطمہ مرحومہ منسوخ ہوکر مقدمہ میں فیصلہ کی درخواست دی جائے گی، مسماۃ بشیرن مرحومہ نے اپنے موجودہ پسران سے -/27,000 روپئے ادا کرنے کے لئے کہا،اس پر موجودہ پسران نے جواب دیا کہ ہمارے پاس روپئے کا انتظام بالکل نہیں ہے،اس کے بعد مسماۃ بشیرن مرحومہ نے اپنے پسر محمد طاہر سے کہا کہ کسی بیٹے نے مقدمہ میں کبھی کوئی روپئے خرچ نہیں کیا اور نہ ہی اپنا وقت کچہری میں لگایا،اب تک کافی روپئے مقدموں میں تیرا خرچ ہوگیا اور مقدمات میں وقت بھی تو نے ہی لگایا؛ لہٰذا -/27,000 روپئے بھی تو ہی ادا کردے،محمد طاہر نے والدہ مسماۃ بشیرن مرحومہ کے حکم بموجب کچھ روپئے کاروبار میں سے نکال کر اور کچھ زیور نکال کر کل -/27,000 روپئے کا انتظام کرکے مومانی مسماۃ فاطمہ مرحومہ وماموں اللہ بخش مرحوم کو -/27,000 روپئے بھی ادا کردیئے ،اس کے بعد والدہ مسماۃ بشیرن مرحومہ نے اپنے پسر محمد طاہر سے کہا کہ مکان تو نے ہی خریدا ہے،تو اس کا مالک ہے ، میں یہ نہیں چاہتی کہ تو مکان اپنے پیسے سے خریدے اور مالک سب بنیں، اکیلا منہ میرا گور میں جائے گا، قیامت کے دن اللہ کو میں کیا جواب دوں گی ؟ تو مکان کی لکھت بھی اپنے نام کرالے؛ لہٰذا محمد طاہر نے بیع نامہ کے خرچ سے بچنے

کے لئے مقدمہ میں ہی فیصلہ کی درخواست لگا کر مقدمہ ختم کرادیا، مکان مذکورہ میں محمد طاہر مع اہل وعیال اپنی سکونت کر رہا ہے۔

مجھلے گاؤں مہاراشٹر میں مسماۃ بشیرن مرحومہ نے اپنے پسر ابوالکلام کے بچہ کی شادی کے موقع پر اپنے پسران ابوالکلام محمد شمشاد، محمد نوشاد، محمد طاہر کی موجودگی میں مکان مذکورہ کا ذکر کرتے ہوئے محمد طاہر کے تنہا مالک ہونے کی تصدیق کی، مسماۃ بشیرن مرحومہ نے اپنی موت سے چار پانچ دن قبل بھی اپنے پوتے التمش پسر محمد طاہر سے بھی کہا کہ مکان مذکورہ تیرے والد کا ہے۔

محمد نسیم پسر بشیرن مرحومہ اورنگ آباد کی شادی مرادآباد میں ہونے کے موقع پر محمد طاہر نے یہ سوچ کر کہ مکان پر کڑیا پڑی ہیں، اس کو دوبارہ تعمیر کرادوں؛ کیوں کہ شادی کے موقع پر مہمان بھی دیگر شہروں سے آئیں گے؛ لہٰذا مکان مذکورہ کی دوبارہ تعمیرات و بھائی محمد نسیم کی شادی کی تیاری بھی ساتھ ساتھ شروع ہوگئی، محمد نسیم نے اورنگ آباد سے من جملہ ۶۰ ر ہزار روپئے بھیجے، جب کہ شادی میں -/65,000 روپئے کا خرچ محمد طاہر نے کیا، مزید مکان کی کل تعمیرات محمد طاہر نے اپنے سرمایہ سے کی۔

برائے کرم قرآن وحدیث کی روشنی میں مندرجہ بالا حالات کے مدنظر حسب ذیل سوال کے جواب سے آگاہ فرمائیں:

(۱) کیا پسر محمد طاہر مکان مذکورہ کا تنہا مالک بذریعہ والدہ مسماۃ بشیرن مرحومہ ہے؟

(۲) کیا مسماۃ بشیرن مرحومہ کے کسی دیگر وارثوں کو کوئی شرعی حق مکان مذکورہ میں کسی قسم کا یا اس کو فروخت کرنے یا آپس میں ایک دوسرے کو دینے کا پہنچتا ہے؟

المستفتی: محمد طاہر قریشی، اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ کی تفصیل بغور پڑھی گئی، اس کا حاصل یہ نکلا کہ پورا مکان حاصل کرنے میں مکمل رقم محمد طاہر نے اپنے ذاتی پیسے سے ادا کی ہے اور اسی نے اپنے ذاتی پیسے سے پورا مکان واپس خرید لیا ہے؛ اس لئے اس کے نام رجسٹری بیعنامہ کا

انتظام کیا گیا؛ لیکن اس نے رجسٹری خرچ بچانے کے لئے مقدمہ کے ذریعہ اپنے نام ڈگری کرالی ہے، جو بیع نامہ رجسٹری کے قائم مقام ہوجاتا ہے، اوراس نے جو کچھ کیا ہے مکان کی مالک بشیرن کے حکم سے کیا ہے، تو ایسی صورت میں محمد طاہر ہی تنہا اس کا مالک ہوگا، کسی دیگر وارثین کا اس سے حق متعلق نہ ہوگا۔

الآثار المرتبة على البيع أولا: انتقال الملك يملك المشترى المبيع، ويملك البائع الثمن ويكون ملك المشتري للبيع بمجرد عقد البيع الصحيح، ولا يتوقف على التقابض. (الموسوعة الفقهية ۹/ ۳٦)

ففي قبض العقار تكفي التخلية –إلى قوله– لكن لو أذن البائع للمشتري بقبض الدار والمتاع صح التسليم. (الموسوعة الفقهية ۹/ ٤١)

وحكمه (البيع) فثبوت الملك في المبيع للمشتري، وفي الثمن للبائع إذا كان البيع باتا. (عالمگيري، كتاب البيوع، الباب الأول، زكريا قديم ۳/ ۳، جديد ۳/ ٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۰۸٦)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۵/۴ھ

نام کردینے سے ملکیت کا حکم

سوال [۸۷۷۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک باپ کی چھ اولادیں ہیں، تین لڑکے، تین لڑکیاں اور ماں باپ، بیت اللہ شریف اس سال حج کے لئے جارہے ہیں، والد کا بہت بڑا شوروم ہے، والد نے سب سے بڑے لڑکے کو کاروبار دیا اور لڑکے نے کاروبار کو برباد کیا اور ماں باپ کا نافرمان ہوگیا اور پارٹیوں کا کافی قرض ہوگیا ہے، باپ نے بہت بڑے لڑکے کو سمجھایا، رشتہ داروں نے سمجھایا

وہ برابری نافرمانی کررہا ہے اور اس کی شادی میں جو خرچ ہوا سسرال والوں کا وہ باپ پر دباؤ ڈالتا ہے اور نوٹس بھجواتا ہے اور خود شراب پیتا ہے اور کافی بینک کا روپیہ قرض ہے اور باپ کی جتنی بھی جائیداد ہے اس جائیداد میں بڑے لڑکے کا نام اور ایک چھوٹے لڑکے کا نام پڑا ہوا ہے اور بڑے لڑکے نے دھوکہ دے کر ماں باپ کے کاغذوں پر دستخط کرا کے بینک سے قرض لیا، اب اس صورت میں بڑے لڑکے نے کروڑوں روپئے برباد کئے، اب بینک کا قرض بڑا لڑکا دینے کا حق دار ہوگا یا باپ ہوگا؟ اور جتنی بھی جائیداد ہے وہ سب باپ نے کما کر بنائی اور صرف بڑے لڑکے کا نام اور چھوٹے لڑکے کا نام ڈلوا دیا، اپنی جائیداد میں اور وہ قرض ادا کرنے سے انکار کررہا ہے، تو اس صورت میں جو اس کا نام باپ کی جائیداد میں پڑا ہوا ہے تو کیا وہ جائیداد شرعی طور پر بڑے لڑکے کی ہوگی یا باپ کی ہوگی؟ اور قرض بینک کا لڑکا ادا کرے اپنے حصہ سے یا باپ؟ اور ابھی دو لڑکوں کی شادی باقی ہے، پوری باپ کی جائیداد میں نام دو لڑکوں کا پڑ جانے سے رجسٹری میں تو کیا اس صورت میں شرعی طور پر دونوں لڑکے مالک ہوں گے؟ یا پوری جائیداد باپ کی ہوگی؟ اور بڑا لڑکا شوروم پر قبضہ کئے ہوئے ہے اور ایک مکان پر قبضہ کئے ہوئے ہے، جب کہ شوروم میں دو بھائیوں کا نام ہے اور مکان میں باپ کا نام اور ماں کا نام ہے، اور ماں بہت بیمار رہتی ہے، حال تک نہیں پوچھتا ہے، کافی ماں باپ کو دکھ ہے، تو ایسی صورت میں باپ چاہتا ہے کہ میری دنیا وآخرت میں کوئی پکڑ نہ ہو تو شریعت کی روشنی میں مسئلہ کی واضح طور پر وضاحت کردی جائے شکر گزار رہوں گا۔

المستفتی: محمد اسلام ولد علی احمد مرحوم

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب تک باپ باحیات ہے، پوری جائیداد کا مالک تن تنہا باپ ہی ہے، محض نام کردینے کی وجہ سے بڑا لڑکا اور چھوٹا لڑکا اس کی جائیداد کے مالک نہیں ہوتے، باپ پر لازم ہے کہ سبھی اولاد کے ساتھ برابری کا معاملہ کرے، ورنہ عند اللہ سخت گنہگار ہوگا اور بڑے لڑکے نے جو شوروم اور گھر پر قبضہ جما رکھا ہے، وہ شرعاً ناجائز اور حرام ہے۔ احادیث مبارکہ میں اس پر سخت وعید آئی ہے۔ اور بڑے لڑکے نے دھوکہ دے

کر باپ کے دستخط سے بینک سے جو قرض اٹھایا ہے اس کی ادائے گی بھی اسی پر واجب ہے نہ کہ باپ پر، آخر باپ اتنا غافل کیوں ہے کہ اس کے دستخط کی وجہ سے کروڑوں روپئے کی بربادی ہو رہی ہے؟

وبيع التلجئة هي ما ألجئى إليه الإنسان بغير اختياره، وذلك أن يخاف الرجل السلطان، فيقول لآخر: أني أظهر أني بعت داري منك، وليس ببيع في الحقيقة، وإنما هو تلجئة. (شامي، كتاب البيوع، باب الصرف، مطلب في بيع التلجئة، زكريا ٧/ ٥٤٢، كراچی ٥/ ٢٧٣، معجم لغة الفقهاء، كراچی، ص: ١١٣، قواعد الفقه أشرفي ٢١٣، معجم المصطلحات والألفاظ الفقهية، دارالفضيلة ١/ ٤٠٥، الموسوعة الفقهية الكويتية ٩/ ٦٢، الفقه الإسلامي وأدلته، هدى انٹرنیشنل ديوبند ٤/ ١٢٧-١٢٨، دارالفكر ٥/ ٣٣٢٥، بدائع الصنائع، زكريا ٤/ ٣٨٩، كراچی ٥/ ١٧٦، المبسوط للسرخسي، دارالكتب العلمية بيروت ٢٤/ ١٢٢، هندية زكريا قديم ٣/ ٢٠٩، جديد ٣/ ١٩٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰؍شوال ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۲۷۲/۴۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۱۰/۳۰ھ

محض نام کرنے سے ملکیت کا حکم

سوال [۸۷۷۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میری والدہ کلثوم بیگم کو میری دادی موتی بیگم نے بوقت میری والدہ کے نکاح کے اپنے مکان کو ۳؍سہام پر تقسیم کیا، جو کہ کل مکان ۲۰۰؍میٹر کا ہے، ۳؍سہام میں سے ایک سہام میری والدہ کے مہروں میں لکھ دیا، کلثوم بیگم کے چار لڑکے عبدالودود خان، عبدالمعبود، عبدالرؤف، عبدالشہود خان۔ اور ایک لڑکی مشہودی بیگم ہوئی میرے بھائی عبدالرؤف کی شادی کے موقع پر وہ ایک سہام میری والدہ نے عبدالرؤف کی بیوی کے دین مہر میں لکھا اور

زبانی انہوں نے بتلایا کہ اس کی ملکیت سب بچوں کی ہے جو حصہ عبدالرؤف خان کا اس میں نکلتا ہے وہی ان کی بیوی کے دین مہر میں منتقل ہوگا اور باقی اور بچے حصہ رسد کے مالک ہوں گے؛ کیوں کہ اس وقت کوئی تقسیم نامہ نہیں ہوا تھا، اب میری والدہ کا انتقال ہوگیا، عبدالرؤف خان اس حصہ کو اپنا پورا بتلاتے ہیں؛ کیوں کہ میری والدہ نے دین مہروں میں کیا ہے؟ شریعت کی رو سے اور بہن بھائی اس سہام میں سے حق دار ہوتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: عبدالودود فیض گنج مشرق مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر آپ کی والدہ نے صراحت کے ساتھ یہ بات کہہ دی ہے کہ نام تو پورے سہام کو کیا جارہا ہے، مگر اس میں سے عبدالرؤف خان کی بیوی دین مہر میں صرف عبدالرؤف کے حصہ کے بقدر کی مالک ہوسکتی ہے، گویا دین مہر میں صرف عبدالرؤف خان کے حصہ کے بقدر شامل ہوسکتا ہے، بقیہ دیگر اولاد کو اپنے اپنے حصہ کے بقدر ملے گا۔ اور یہ بات آپ کی والدہ نے شرعی گواہوں کے سامنے کہی ہے۔ اور گواہوں سے والدہ کی یہ بات ثابت ہوئی ہے تو محض نام کردینے سے رؤف خان کی بیوی پورے کی مالک نہ ہوگی؛ بلکہ اس میں سب وارثین کا حق ہوگا اور یہ عقد تلجئہ کے مرادف ہوگا۔

وبيع التلجئة وهو أن يظهر عقدا وهما لا يريدانه يلجأ إليه، وتحته في الشامية: وليس ببيع في الحقيقة، وإنما هو تلجئة ويشهد على ذلک.

(درمختار مع الشامي، كتاب البيوع، باب الصرف، مطلب في بيع التلجئة، زكريا ٧/ ٥٤٢، كراچی ٥/ ٢٧٣، هندية زكريا قديم ٣/ ٢٠٩، جديد ٣/ ١٩٦، المبسوط للسرخسي، دارالكتب العلمية بيروت ٢٤/ ١٢٢، بدائع الصنائع، زكريا ٤/ ٣٨٩، كراچی ٥/ ١٧٦قواعد الفقه أشرفي ٢١٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۵/۲/۱۴۱۴ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/ ۲۳۱۱)	۱۵/۲/۱۴۱۴ھ

جائیداد نام کرنے سے ملکیت کا حکم

سوال [۸۷۷۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کا انتقال ہوگیا ورثاء میں پانچ لڑکے اور دولڑکیاں ہیں، میت نے متفرق جائیدادیں چھوڑیں، ایک جائیداد کی رجسٹری میں سب کا نام ہے، حتی کہ لڑکیوں کا بھی بھائیوں کے برابر حصہ ہے، دوسری جائیداد میں بعض لڑکوں کا نام ہے، لڑکیوں کا نہیں، اسی طرح تیسری اور چوتھی جائیداد میں بھی بعض کا نام ہے، بعض کا نہیں، رجسٹری میں لڑکیوں کا نام نہ لکھنے کی بابت جب میت سے پوچھا گیا تھا تو انہوں نے کہا تھا کہ لڑکیوں کے پاس سسرالی جائیداد کافی ہے؛ اس لئے انہیں ضرورت نہیں۔ واضح رہے کہ یہ تقسیم محض کاغذی تھی، میت کی وفات سے قبل اولاد کا نہ تو اس پر کسی طرح کا قبضہ تھا اور نہ ہی ان کو کسی تصرف کا اختیار تھا، خرید وفروخت اور دیگر تمام امور میں میت خود مختار تھا، اب سوال یہ ہے کہ یہ ہبہ تام ہوا یانہیں؟ اور مورث کی وفات کے بعد جائیداد کی تقسیم رجسٹری میں لکھائے گئے ناموں کے اعتبار سے ہوگی یا شرعی حصوں کے مطابق؟

المستفتی: محمد نصیر الدین، متعلم دار العلوم دیوبند

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جائیداد کے اولاد کے نام کردینے کے بارے میں اولاد دو شکلیں ہیں: (۱) جائیداد خریدی جارہی ہے اور خریدتے وقت اولادوں میں سے بعض یا کل کے نام سے خریدی جائے اور اس وجہ سے اولاد کے نام سے خریدی جارہی ہے تا کہ قانونی پیچیدگیوں سے حفاظت ہو اور مقصد یہ نہیں ہے کہ اولاد کی ملکیت میں دے دی جائے، اس کو بیع تلجئہ کہا جاتا ہے۔ ایسی صورت میں نام کردینے کے باوجود اولاد مالک نہیں ہوتی؛ بلکہ مالک خریدنے والے ماں باپ ہی ہوتے ہیں، جیسا کہ درمختار، شامی، مجمع الانہر وغیرہ کی عبارات اس سلسلہ میں واضح ہیں۔ اور اگر خریدتے وقت قانونی پیچیدگیوں سے حفاظت

مقصد نہیں ہے؛ بلکہ انہیں اولادوں کی ملکیت میں دینے کے واسطے انہیں کے نام سے خریدی جارہی ہے، تو یہ بیع تلجیہ کے دائرہ میں داخل نہیں ہے؛ بلکہ اس مقصد سے خرید کر نام کردینے کی صورت میں اولادان جائیدادوں کی مالک ہوجاتی ہے۔

دوسری شکل یہ ہے کہ جائیداد پہلے ہی سے باپ یاماں کی ملکیت میں ہوتی ہے اور ماں باپ یہی چاہتے ہیں کہ اپنی زندگی ہی میں اولاد کے نام منتقل کرکے ان کو مالک بنادیں، اگر اس مقصد کے لئے اولاد کے نام رجسٹری کردی گئی ہے، تو ایسی صورت میں اولاد کے نام رجسٹری کرکے قانونی قبضہ سے دستبردار ہوجانے سے اولاد مالک ہوجاتی ہے اور اولاد کے حق میں قانونی قبضہ حاصل ہوجاتا ہے اور ملک تام حاصل ہونے کے لئے قانونی قبضہ کافی ہے۔اور جائیداد اور عقار ہونے کی وجہ سے قبضہ حقیقی لازم نہیں، قبضہ حکمی کافی ہے۔اورقانونی قبضہ قبضہ حکمی ہے اورقانونی قبضہ کے بعد شخص آخر رکاوٹ نہیں بن سکتا، یہی فقہاء کا بنیادی نقطہ ہے۔

ثم لا خلاف بين أصحابنا في أن أصل القبض يحصل بالتخلية في سائر الأموال. (بدائع الصنائع، كتاب البيوع، تفسير التسليم والقبض، زكريا ٤/ ٤٩٨، كراچی ٥/ ٢٤٤)

اتفق الفقهاء على أن قبض العقار يكون بالتخلية والتمكين من اليد والتصرف، فإن لم يتمكن منه بأن منعه شخص آخر من وضع يده عليه، فلا يعتبر التخلية قبضا، كما اشترط الحنفية أن يكون العقار قريبا، فإن كان بعيدا فلا تعتبر التخلية قبضا، وهو رأى الصاحبين؟ وظاهر الرواية والمعتمد في المذهب خلافا لأبي حنيفة. (الموسوعة الفقهية ٣٢/ ٢٥٩)

ولو باع ضيعة في الصحراء وسلمها إليه، فإن كانت قريبة عنه بحيث يتصور فيه القبض الحقيقي في الحال يكون قبضا وإلا فلا، والناس عنه غافلون، وهو الصحيح، وظاهر الرواية. (الحموي على الأشباه كراچی ١/ ٣٢٧)

اس کے بعد اولاد کا باپ کی سرپرستی میں رہنا اور باپ کے حکم کے ماتحت میں چلنا اور باپ کا

اپنے اختیارات چلاتے رہنا اور اولاد کا اس پر اعتراض نہ کرنا محض از قبیل تعظیم ہے، از قبیل تملیک نہیں ہے۔ اور اسی کا عرف اور تعامل جاری ہے، نیز اگر باپ اولاد کے اختیار کے بغیر رجسٹری شدہ جائیداد کو اپنے نام کرانا چاہے تو قانوناً نہیں کراسکتا، پورا اختیار اولاد کو حاصل ہو جاتا ہے۔ سوال نامہ میں جن جائیدادوں کے اولادوں کے نام رجسٹری کردینے کا ذکر ہے، وہ از قبیل بیع تلجیہ نہیں ہے؛ بلکہ از قبیل تملیک رجسٹری ہے، اس کی دلیل خود سوال نامہ میں موجود ہے کہ جب میت سے لڑکیوں کے نام نہ لکھنے کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا تھا کہ لڑکیوں کے پاس سسرالی جائیداد کافی ہے، یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ مذکورہ رجسٹری از قبیل تلجیہ نہیں ہے؛ بلکہ از قبیل تملیک ہے، ہاں البتہ یہ بات دوسری ہے کہ باپ نے اولاد کے ساتھ یکسانیت کا معاملہ نہیں کیا ہے بعض کو دیا اور بعض کو نہیں دیا، اسکی وجہ سے باپ گنہگار ہوگا؛ لیکن باپ کی طرف سے تملیک صحیح ہوگئی؛ لہٰذا مرحوم کی وفات کے بعد جو جائیداد جس کے نام سے رجسٹری کی گئی ہے، وہی اس کا مالک ہوگا، اس کے بعد مابقیہ جائیداد اور ترکہ تمام شرعی ورثاء کے درمیان حصص شرعی کے اعتبار سے تقسیم ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶/ ربیع الاول ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۱۹۲)

اولاد کے نام جائیداد خریدنے کا حکم

سوال [۸۷۸۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک صاحب جن کے ایک بیوی سے چار لڑکے ہیں، جن کی عمر گذشتہ وقت میں سات برس سے لے کر بارہ برس کی تھی، ان کے والد نے ایک پلاٹ قریب دس بیگہ کا دہلی روڈ پر ان چاروں کے نام سے خریدا، اس پلاٹ کو خرید کئے ہوئے تقریباً ۲۵/ سال ہوگئے، ان کے والد نے اپنے دوسرے لڑکوں کے نام سے بھی جائیداد کی خرید وفروخت کی اور اب بھی

کرتے رہتے ہیں، اس پلاٹ کو قریب پانچ سال قبل ایم ڈی اے نے قبضہ میں لے لیا، ایم ڈی اے سے ان کے والد نے مقدمہ بازی اپنے خرچ سے کی، جس میں تقریباً تین لاکھ روپئے خرچ ہوئے، اس پلاٹ کی دیکھ بھال والد کے ذمہ تھی اور اس کی کاشت وغیرہ کی جو کچھ بھی آمدنی آتی تھی وہ والد کے پاس ہی آتی تھی۔ اور یہ پلاٹ بھی والد ہی کے قبضہ ودخل میں تھا، ان چاروں لڑکوں کی پرورش تعلیم وتربیت والد ہی نے کی ہے، ان لوگوں کی شادی بیاہ بھی والد نے اپنے خرچ سے کی ہیں، اب چاروں بیوی بچے والے ہیں، کچھ عرصہ قبل ان کے والد نے ان چاروں کو دو لاکھ روپئے فی کس یہ کہہ کر دئے کہ تم لوگ میری مرضی و کہنے پر عمل نہیں کرتے ہو اور ہر بات میں اپنی من مانی کرتے ہو؛ لہٰذا ان روپئے سے جو بھی کاروبار تم لوگ اپنی مرضی سے کرنا چاہتے ہو کرلو۔

ایم ڈی اے سے مقدمہ بازی تقریباً چار سال رہی اور بالآخر ایم ڈی اے پر بہتر لاکھ روپئے کی ڈگری ہوئی ایم ڈی نے اس ڈگری کے خلاف ہائی کورٹ الہ آباد میں اپیل کردی جو کہ چل رہی ہے، اس کی پیروی وخرچ وغیرہ ان لوگوں کے والد ہی کر رہے ہیں، ان چاروں کو اس کا پتہ نہ پہلے معلوم تھا اور نہ اب ہے، اب والد نے حتی الامکان کوشش کر کے ساڑھے سترہ لاکھ روپئے ایم ڈی سے جمع کرا دیا اور واؤچر بنوا کر بڑے لڑکے کو دلوا دیا، روپئے ملتے ہی ان چاروں لڑکوں نے آپس میں ساز باز کی کہ کسی طرح سے یہ روپئے والد کو نہ دے کر خود ہڑپ کرلئے جائیں؛ لہٰذا ان چاروں نے اپنے بیوی بچوں کو بھی شامل کر کے یہ پلان بنایا کہ آپس میں جھگڑے کا ناٹک کیا جائے، بہر حال جب ان کے والد آفس سے فارغ ہو کر اپنے کمرے میں آئے تو یہ چاروں معہ اپنی بیوی بچوں کے پلان کے مطابق کمرے میں آئے اور آتے ہی جھگڑا شروع کردیا، جب ان کے والد نے ان کو خاموش کر کے یہ معلوم کیا کہ کیا معاملہ ہے؟ تم لوگ آپس میں جھگڑا کس بات پر کر رہے ہو؟ تو تین لڑکوں نے کہا کہ یہ ہمارا بڑا بھائی ہم کو ہمارے روپئے نہیں دیتا، ہم اس کو مار ڈالیں گے، والد نے اس پر سوچا کہ روپئے ان کے قبضہ میں ہیں اور یہ لوگ بدنیت ہو گئے ہیں، پھر بھی والد نے ان تینوں سے کہا کہ تم کو اور تمہارے

بڑے بھائی کو روپئے سے کیا مطلب؟ یہ روپئے تو میرے ہیں تمہارے پاس امانت میری ہے اور مجھے یہ روپئے تم کو دینا چاہئے، والد نے یہ بھی کہا کہ میرے دیگر دوسرے لڑکے ہیں ان کے نام سے بھی خرید وفروخت میں کرتا ہوں، جب بھی کسی پلاٹ وغیرہ کی رقم آتی ہے تو وہ لڑکے یہی کہتے ہیں کہ یہ زمین آپ نے ہی خریدی ہے، اس کا ہم سے کوئی تعلق نہیں ہے اور وہ رقم بھی میرے ہی پاس رہتی ہے، لڑکے نہیں لیتے۔

(۲) آپ سے درخواست ہے کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں فتویٰ صادر فرمائیں کہ یہ روپئے جو ان چاروں لڑکوں نے بدنیتی سے ہڑپ کئے ہیں، اگر یہ واپس نہیں کرتے ہیں، تو قیامت کے دن یہ لوگ عذاب کے حق دار ہوں گے یا نہیں؟ جب کہ اس پلاٹ کی خریداری میں ان کا ایک پیسہ بھی نہیں ہے۔

المستفتی: اختر جہاں گلشہید مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: خط کشیدہ عبارات سے واضح ہوتا ہے کہ والد نے مذکورہ جائیداد سوال نامہ میں ذکر کردہ لڑکوں کے نام سے تو خریدی ہے، مگر ان کو باقاعدہ قبضہ دے کر مالک نہیں بنایا، جیسا کہ والد کا اس کی دیکھ بھال اور مقدمہ کے سلسلہ میں بھاگ دوڑ اور اس کے اخراجات وغیرہ خود اپنی طرف سے کرنے سے صاف واضح ہو رہا ہے، اور اس طرح پر کسی کے نام سے خریدنے کو شریعت میں بیع التلجئہ کہا جاتا ہے۔ اور اس طریقہ پر خریداری میں جن کے نام سے خریدا جاتا ہے وہ شرعی طور پر مالک نہیں ہوتے؛ بلکہ مالک وہی ہوتا ہے جو از خود خریدتا ہے؛ اس لئے مذکورہ جائیداد شرعی طور پر والد ہی کی ملکیت میں داخل ہے، جن لڑکوں کے نام سے خریدی ہے وہ اس جائیداد اور اس کی قیمت کے مالک نہیں ہیں؛ لہٰذا ایم ڈی اے کی طرف سے جو رقم ملی ہے اور جو کچھ آئندہ ملنے والی ہے وہ سب کی سب والد ہی کی ملکیت ہے، ان میں مذکورہ لڑکوں کا شرعی طور پر کوئی حق نہیں ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۳/ ۳۶)

وبيع التلجئة ويأتي متنا في الإقرار، وهو أن يظهر عقدا وهما

لايريدانه يلجأ إليه لخوف عدو، وهو ليس ببيع في الحقيقة، بل كالهزل .

(الدرالمختار مع الرد، كتاب البيوع، باب المصرف، مطلب في بيع التلئجة زكريا ٧/ ٥٤٢، كراچی ٥/ ٢٧٣، هندية زكريا قديم ٣/ ٢٠٩، جديد ٣/ ١٩٦، المبسوط للسرخسي، دارالكتب العلمية بيروت ٢٤/ ١٢٢، بدائع الصنائع زكريا ٤/ ٣٨٩، كراچی ٥/ ١٧٦، الفقه الإسلامي و أدلته، هدى انٹرنيشنل ديوبند ٤/ ١٢٧-١٢٨، دارالفكر ٥/ ٣٣٢٥، الموسوعة الفقهية الكويتية ٩/ ٦٢، قواعد الفقه أشرفي، ص: ٢١٣، معجم لغة الفقهاء، كراچی، ص: ١١٣، معجم المصطلحات و الألفاظ الفقهية، دارالفضيلة ١/ ٤٠٥)

اوراگر مذکورہ لڑکے حیلہ بازی کرکے یاوالد کوایذااور تکلیف پہنچا کران رقوم میں سےکوئی بھی رقم ہڑپ کرلیں گے، تو وہ سب لڑکے عند اللہ سخت گنہگار رہوں گےاور قیامت کے دن سخت ترین عذاب کے مستحق ہوں گے۔ اور بہت ممکن ہے کہ دنیا میں بھی تنگدستی کی سزا بھگتنی پڑے۔ حدیث میں آیاہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا مندی والد کی رضامندی میں ہے۔ اوراللہ تعالیٰ کی ناراضگی والدکی ناراضگی پر ہے۔

قال رسول الله ﷺ: رضى الرب في رضى الوالد، وسخط الرب في سخط والد. الحديث. (ترمذي شريف ٢/ ١٢)

ایک ضروری نوٹ:- اسی مسئلہ کے بارے میں ہمارے دارالافتاء سے۹/ رمضان المبارک ۱۴۱۵ھ کومہتاب عالم، خورشید عالم، آفتاب عالم، منظور عالم کے نام سے جو جواب حاصل کیا گیا ہےوہ اس قید سے مقید ہے کہ اگر باپ نے لڑکوں کو قبضہ دے کر مالک بنا دیا ہے، تب لڑکے مالک ہیں، اب اس سوال سے معلوم ہوا کہ واقعہ اس کے برعکس اور برخلاف ہے؛ اس لئے آج کا لکھا ہوا جواب ہی قابل عمل ہے۔ نیز ۱۹/ رمضان کا لکھا ہوا جواب اوراس کی وضاحت بھی ساتھ میں منسلک ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۱۵/۱۰/۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۶/ ۴۱۷۰)

لڑکوں کے نام سے جائیداد خریدی تو وہ کس کی ملک ہوگی؟

سوال [۸۷۸۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عرصہ سے زید ایک کرایہ کے مکان میں رہتا تھا، مکان مالک نے اس سے مکان خالی کرنے کوکہا، تو یہ بات طے ہوئی کہ یا تو آپ ۵۰۰۰۰/ روپئے دے دیں یا لے لیں، طے یہ ہوا کہ مکان مالک مذکورہ رقم دے کر کرایہ دار کو مکان فروخت کرنے پر راضی ہوگیا، کرایہ دار کے پاس ادا کرنے کے لئے پیسہ نہیں تھے؛ اس لئے اس مقبوضہ مکان میں سے کچھ زمین فروخت کر کے چالیس ہزار روپئے دے دیئے اور دس ہزار روپئے زید کے دولڑکوں نے ادا کئے اور مکان زید کے دولڑکوں کے نام رجسٹری ہوگیا۔ دریافت طلب یہ امر ہے کہ باقی بھائی بہنوں اور زید کی بقیہ اولاد کو اس مکان میں سے حصہ ملے گا یا نہیں؟۔

المستفتی: صادق حسین منصوری، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مذکورہ جائیداد خریدتے وقت جن لڑکوں نے دس ہزار روپئے ادا کئے ہیں وہ زید ہی کے ساتھ اس کی فیملی میں رہ چکے ہیں، تو صرف نام کر دینے سے ملکیت ان لڑکوں کی ثابت نہ ہوگی؛ بلکہ پوری ملکیت شرعاً زید کو حاصل ہوگی اور زید کے مرنے کے بعد زید کے تمام ورثاء اس میں شرعی حصوں کے حق دار رہوں گے۔

الأب وابنه يكتسبان في صنعة واحدة ولم يكن لهما شيء، فالكسب كله للأب إن كان الابن في عياله؛ لكونه معينا له. (شامي، كتاب الشركة، مطلب اجتمعا في دار واحدة واكتسبا ولا يعلم التفاوت فهو بينهما بالسوية، زكريا ٦/ ٢ ٠ ٥، كراچی ٤/ ٥ ٣٢، تنقيح الفتاوى الحامدية ٢/ ١٨)

نیز کسی مصلحت سے اولاد میں سے کسی کے نام کر دینے سے جس کے نام کیا جائے وہ مالک

نہیں ہوتا ہے، نیز اگر روپئے دینے والے لڑکے باپ سے الگ تھے تب بھی ان لڑکوں کے لئے ملکیت ثابت نہ ہوگی؛ بلکہ دس ہزار قرض باپ پر اور باپ کی موت کے بعد ورثاء پر ثابت ہوسکتا ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی زکریا ۳/۳۸۰)

وبيع التلجئة ويأتي متنا في الإقرار، وهو أن يظهر عقدا وهما لا يريدانه يلجأ إليه لخوف عدو، وهو ليس ببيع في الحقيقة، بل كالهزل .

(الدرالمختار مع الرد، كتاب البيوع، باب الصرف، مطلب في بيع التلئجة زكريا ٧/ ٥٤٢، كراچى ٥/ ٢٧٣، هندية زكريا قديم ٣/ ٢٠٩، جديد ٣/ ١٩٦، المبسوط للسرخسي، دارالكتب العلمية بيروت ٢٤/ ١٢٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/ربیع الثانی ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/۳۱۵۰)

خوف کے سبب عارضی طور پر کسی کے نام جائیداد

سوال [۸۷۸۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک جائیداد رہائش پذیر اب ۲۹ر سال قبل کسی مصلحت کی بنا پر (یعنی والد صاحب بہت زیادہ مقروض ہوگئے تھے، جائیداد پر حملہ ہونے کا خطرہ تھا؛ اس لئے چچا کے نام ۲-۳ سال کے لئے کردی تھی، میرے والد حاجی مشیت اللہ مرحوم نے اپنے حقیقی بھائی شمس الدین مرحوم کے نام بیچ کر کے رجسٹری کردی تھی اور زبانی طے تھا کہ ۲-۳ سال کے بعد واپس کرنی ہوگی، دونوں فریق اقراری تھے، ۲-۳ سال گذر جانے پر قول وقرار کے مطابق میرے والد صاحب نے اپنی مملوکہ جائیداد واپس لینے کی مانگ کی، چچا نے واپس کرنے سے صاف انکار کردیا۔ ۱۹۶۵ء میں میرے والد مرحوم حاجی مشیت اللہ صاحب کا انتقال ہوگیا، ہم پانچ بھائی چار بہنیں ہیں، سب کے سب شادی شدہ اور حیات ہیں، والد صاحب کے زمانہ سے

اسی آراضی میں مقیم ہیں اور قابض ہیں، نام اس طرح ہیں: انوری بیگم، عبدالوحید، عبدالباری، عبدالسلام، شرافت جہاں بیگم، ریاست علی، عابدہ شاہین، زاہدہ شاہین، خورشید عالم۔

نوٹ:- عبدالوحید الگ مکان میں کرایہ پر رہتے ہیں، ایک بھائی ریاست علی لاہور منتقل ہوگئے ہیں، تین بھائی عبدالباری، عبدالسلام، خورشید عالم اسی مکان میں مقیم ہیں۔ کل آراضی ۴۱۸ مربع گز ہے، نصف حصہ پر تین منزلہ عمارت ہے اور نصف حصہ میں کھپریل ۷۱ء میں ہم بھائیوں کے بہت زیادہ اصرار پر میرے چچا شمس الدین نے اپنی اولاد کے لئے ۱۳۷ مربع گز روک کر بقیہ حصہ ۲۸۱ مربع گز کی ہم تین بھائیوں کے نام وصیت نامہ اور رجسٹری کردی ہے، ۸۰ء میں چچا محترم شمس الدین صاحب کا بھی انتقال ہوگیا ہے۔

الف: اس عمارت میں شرعاً بہن بھائیوں کا حق نکلتا ہے یا نہیں؟ اگر حق نکلتا ہے تو کتنا؟

ب: قانونی طور پر وصیت نامہ کے مطابق ہم تین بھائی عبدالباری، عبدالسلام، خورشید عالم مالک بنتے ہیں، تو ہم بھائیوں میں کس طرح تقسیم ہوگی؟

المستفتی: منجانب خورشید عالم، حاجی مشیت اللہ مرحوم، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر آپ کے والد مرحوم نے دشمن سے حفاظت ہی کی غرض سے چھوٹے بھائی شمس الدین کے نام کردی تھی، تو شمس الدین اس کا مالک نہیں ہوا۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۳/ ۳۷-۳۸)

بيع التلجئة: البيع الصوري، أن يضطر لإظهار عقد وإبطان غيره مع إرادة ذلك الباطن، كأن يظهر بيع داره لابنه لئلا يستولى عليها السلطان.

(معجم لغة الفقهاء، كراچی، ص: ۱۱۳)

بيع التلجئة: هو العقد الذى يباشره إنسان عن ضرورة ويصير كالمدفوع إليه، صورته: أن يقول الرجل لغيره: أبيع داري منك بكذا في الظاهر ولا يكون بيعا في الحقيقة، ويشهد على ذلك وهو

نوع من الهزل. (قواعد الفقه، أشرفي ص: ۲۱۳، معجم المصطلحات والألفاظ الفقهية، دارالفضيلة بيروت ۱/ ٤٠٥)

لہٰذا وہ حاجی مشیت اللہ کی ملکیت ہے، ان کے مرنے کے بعد ان کی اولاد اس کی حق دار ہوگی، صرف تین بھائیوں کے متعلق وصیت نامہ اس لئے صحیح نہیں ہے کہ شمس الدین خود مالک نہیں ہے؛ بلکہ مشیت اللہ مرحوم کی سب اولاد باپ کی پوری ملکیت میں برابر کی شریک ہوں گی۔
فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/ ذی الحجہ ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۳۹۰)

غلطی سے دوسرے کے نام رجسٹری ہونے سے ملکیت کا حکم

سوال [۸۷۸۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک باغ کی زمین تقریباً آٹھ آدمیوں کے درمیان مشترک تھی، جن کے نام یہ ہیں: (۱) شہاب الدین (۲) الحسن (۳) ابن حسن (۴) شفیق (۵) منتا (۶) اسرار دو کا نام مجھے فی الوقت یاد نہیں ہے؛ لیکن غلطی سے مذکورہ زمین رجسٹری دوسرے آٹھ آدمیوں کے نام ہوگئی، جن کے نام یہ ہیں: (۱) ہادیہ (۲) حسن (۳) شہادت (۴) صابر (۵) نایاب (۶) اسد۔ ان میں سے بھی دو نام یاد نہیں ہیں، پھر دونوں فریق کے درمیان لگ بھگ ۲۵/ سال سے مقدمہ چل رہا ہے، آخر میں وہ لوگ مقدمہ جیت گئے، جن کے نام غلطی سے رجسٹری ہوگئی تھی، اور جو لوگ اصل مالک تھے وہ ہار گئے، اس کے بعد اصل مالکوں میں سے دو شخص: (۱) الحسن (۲) شفیق اور دو نئے آدمی: (۱) منا (۲) ثمر جھیل نے مل کر مذکورہ زمین ان شرکاء سے خریدی جن کے نام غلطی سے رجسٹری ہوگئی تھی؛ البتہ ان میں سے شہادت نے اپنے حصہ کی زمین فروخت نہ کی؛ بلکہ اپنے حصہ پر قابض رہے، مذکورہ مسئلہ کا قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

نوٹ:- مذکورہ زمین جب مؤخر الذکر چار شخصوں: (۱) الحسن (۲) شفیق (۳) منا (۴) ثمر جھیل نے خریدی، تو بقیہ اصل مالک کو اس معاملہ میں آگاہ کئے بغیر خریدی۔

المستفتی: محمد آصف، ممتاز، آفتاب ہائی وے علی گڑھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اول الذکر آٹھ افراد کی زمین اگر غلطی سے مؤخر الذکر آٹھ افراد کے نام رجسٹری ہوگئی ہے، تو مؤخر الذکر آٹھ افراد شرعاً مذکورہ زمین کے ہرگز مالک نہیں بن سکتے ہیں، وہ زمین شرعاً اول الذکر آٹھ افراد کی ہے، ان کی ملکیت سے وہ زمین نہیں نکلی، اگر مقدمہ مؤخر الذکر آٹھ افراد نے جیت لیا تو ان پر واجب ہے کہ جن کی زمین ہے ان کو واپس کردیں۔

عن أبي حميد الساعدي، أن رسول الله ﷺ قال: لا يحل لامرئ أن يأخذ مال أخيه بغير حقه، وذلک لما حرم الله مال المسلم على المسلم.

(مسند أحمد بن حنبل ٥/ ٤٢٥، رقم: ٢٣٤٠٠٣)

لا يجوز لأحد أن يأخذ مال أحد بلا سبب شرعي. (قواعد الفقه، أشرفي، ص: ١١٠، رقم: ٢٦٩، هندية زكريا قديم ٢/ ١٦٧، جديد ٢/ ١٨١، الموسوعة الفقهية الكويتية ٢١/ ١١٢، ٢٨/ ٢٦٤، ٣٧/ ٣٥٤)

اور مؤخر الذکر افراد کے مقدمہ جیتنے کی بنا پر مذکورہ زمین فروخت کرنا ہرگز درست نہیں ہے۔ اور نئے جن دو افراد نے زمین خریدی ہے، ان پر پورا کا پورا واپس کردینا واجب ہے۔ اور اصل مالکوں میں سے جن دو افراد نے خریدی ہے، ان پر اپنے حصہ کے بقدر قبضہ کرکے بقیہ واپس کردینا واجب ہے۔ نیز اپنے حصہ کی رقم واپس لینا بھی ان کا حق ہے، اسی طرح نئے دونوں افراد کے لئے زمین واپس کرتے ہوئے اپنی رقم واپس لینے کا حق ہے۔ نیز شہادت پر بھی قبضہ شدہ زمین اصل مالکان کو واپس کردینا لازم ہے۔

لا يجوز لأحد أن يتصرف في ملک الغير بغير إذنه. (قواعد الفقه،

أشرفي، ص: ۱۱۰، رقم: ۲۷۰، شرح المجلة رستم، اتحاد ۱/ ۶۲، رقم المادة: ۹۷)
نیز مؤخرالذکر پر مذکورہ زمین کی رقم استعمال کرنا شرعاً حرام ہے۔

صرح الفقهاء بأن من اكتسب مالا بغير حق، فإما أن يكون كسبه بعقد فاسد، كالبيوع الفاسدة -إلى- أو بغير عقد، كالسرقة، والغصب، والخيانة، والغلول، ففي جميع الأحوال المال الحاصل له حرام عليهم -إلى- ولكن إن أخذه من غير عقد ولم يملكه يجب عليه أن يرده على مالكه إن وجد المالك. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارنپور ۱/ ۳۷، دارالبشائر الإسلامية ۱/ ۳۵۹، تحت رقم الحديث: ۵۹، هندية زكريا قديم ۵/ ۳۴۹، جديد ۵/ ۴۰۴، تبيين الحقائق، مكتبة إمداديه ملتان ۶/ ۲۷، زكريا ۷/ ۶۰)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸ر شوال المکرم ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/۱۴۴۳)

مصلحتاً بڑے لڑکے کے نام بیع نامہ کرانے سے ملکیت کا حکم

سوال [۸۷۸۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص نے مکان خریدا اور اپنے بڑے لڑکے کے نام کر دیا اور اس کا بیع نامہ قانوناً کر دیا، مگر زبانی بڑے لڑکے کو وصیت کردی کہ میرے مرنے کے بعد اپنے سب بھائی بہن کو حصہ دے دینا، اگر بڑا لڑکا باپ کے مرنے کے بعد اس زبانی وصیت سے منحرف ہوکر انکار کر دے اور کہے کہ میرے باپ نے قانوناً مکان مجھے دیا ہے میں کسی کو نہیں دوں گا ایسی صورت میں شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے؟ اور بیٹی کا باپ کی جائیداد میں کتنا حصہ ہے؟

المستفتی: امینہ بیگم، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قانوناً مصلحتاً بڑے لڑکے کے نام بیع نامہ کردینے کی وجہ سے بڑا لڑکا اس کا شرعاً مالک نہیں ہوا ہے؛ بلکہ اس میں حسب وصیت سب ورثاء حق دار ہوں گے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی زکریا۳/ ۳۷)

وبيع التلجئة ويأتي متنا في الإقرار، وهو أن يظهر عقدا وهما لايريدانه يلجأ إليه لخوف عدو، وهو ليس ببيع في الحقيقة، بل كالهزل .
(الدرالمختار مع الرد، كتاب البيوع، باب المصرف، مطلب في بيع التلئجة زكريا ٧/ ٥٤٢، كراچی ٥/ ٢٧٣، قواعد الفقه أشرفي، ص: ٢١٣، الموسوعة الفقهية الكويتية ٩/ ٦٢، هندية، زكريا قديم ٣/ ٢٠٩، جديد ٣/ ١٩٦)

نیز بیٹی کو بیٹے کے مقابلہ میں آدھا ملے گا۔

يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْۤ اَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ. [النساء: ١١] فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/محرم ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۰۸۷)

انکم ٹیکس سے بچنے کی غرض سے کاروبار بیوی بچوں کے نام کرنے کا حکم

سوال [۸۷۸۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مستفتی کاروبار کا بانی بھی ہے اور اس نے جملہ بنیادی سرمایہ بھی لگایا ہے۔ اور ۱۹۴۷ء سے تا ایں یوم تقریباً پینتالیس سال تک مسلسل کاروبار میں مصروف کار بھی ہے اور شروع سے اخیر تک جملہ معاملات میں اس کی مرضی واختیار کو دخل بھی رہا ہے، سوائے مختصر اوقات کے جب کہ وہ اور اس کی زوجہ شدید طور سے علیل ہوگئے تھے، اس نے اپنا سارا وقت

کاروبار میں صرف کیا ہے اوراخراجات میں بھی اس نے اپنی ذات پر کوئی نمایاں رقم صرف نہیں کی ہے اور فرزندان میں سے کسی ایک فرد نے مسلسل محنت کے علاوہ ایک پیسہ سرمایہ کی شکل میں نہیں لگایا ہے، ایسی صورت میں مذکورہ بالا حالات کی بنا پر کاروبار متعلقہ کا مستفتی مالک ہے یا نہیں؟ جب کہ مستفتی نے اپنے پورے کاروبار کو اپنے چار فرزندان اور بیوی کے نام انکم ٹیکس سے بچنے کے لئے کردیا تھا۔

(۲) اگر دفعہ ایک کا جواب اثبات میں ہو تو فرزندان میں سے کوئی جو رقومات مذکورہ کاروبار سے بلا اجازت مستفتی نکال کر اپنے بچوں کے تصرف میں لے آیا ہے، اس کا یہ فعل جائز ہے یا ناجائز؟ اور وہ اس کی واپسی کا ذمہ دار ہے یا نہیں؟

(۳) اگر فرزندان میں سے کوئی فرزند کوئی شئ مثلاً گاڑی وغیرہ بلا اجازت مستفتی کاروبار مذکور کی منفعت سے حاصل کر کے اپنے استعمال میں لا رہا ہے اور اس کے استعمال میں کاروبار کی جو رقم صرف ہو رہی ہے، اس کا یہ فعل شرع کی روشنی میں کیا حیثیت رکھتا ہے؟

(۴) فرزندان میں سے جس کے یا جن کے قبضہ میں یا تحویل میں کاروبار سے متعلق جو رقومات یا دیگر اشیاء کسی بھی شکل میں اور کسی بھی جگہ موجود ہیں، تو وہ شرعاً مستفتی کی امانت ہیں اور فرزند یا فرزندان متعلقہ اس کو بحیثیت امین مستفتی کے حق میں منتقل کرنے کے یا اس کو واپس کرنے کے ذمہ دار ہیں یا نہیں؟

(۵) علماء کی رائے میں جب فرزندان کے جملہ اخراجات ودیگر ضروریات بشمول شادیاں وغیرہ پر تصرف کی کفالت شروع سے اخیر تک کاروبار مذکور سے ہوتی رہی ہے، تو فرزندان میں سے کوئی حق المحنت کا بھی حق دار نہیں ہے، کیا علماء کی یہ رائے صحیح اور درست ہے؟

(۶) فرزندان اول ودوئم نے جو علیحدہ کاروبار اپنے یا اپنے بیٹوں کے نام سے بلا اجازت مستفتی کرایا ہے اور اس کے پس پشت مستفتی کے کاروبار مذکور کا سرمایہ ہے، وہ دونوں کاروبار اور اس سے جو منفعت حاصل ہوئی ہے وہ مستفتی کے کاروبار کا جزو متصور ہوگا یا نہیں؟ اور وہ جزو مستفتی کے حق میں منتقل یا اس کو ادا کرنے کے فرزندان متعلقہ یا اس کے بیٹے ذمہ دار ہیں یا نہیں؟

(۷) جیسا کہ دفعہ نمبر: ۵ میں عرض کیا گیا ہے، علماء کی رائے میں فرزندان حق المحنت کے بھی مستحق نہیں ہیں، تاہم اگر کسی زاویہ نظر سے مستفتی کے فرزندان بطور حق المحنت منفعت کے کسی جزو کے حق دار ہیں بھی تو فرزندان مذکور میں سے وہ صرف اس کاروبار کے منفعت کے کسی جزو کے حق دار ہیں، جس میں انہوں نے کام کیا ہے یا جملہ فرزندان مجموعی طور سے جملہ کاروبار کے نفع ونقصان کے حق دار یا ذمہ دار ہیں، ہر کاروبار کے نفع ونقصان کا حساب وکتاب علیحدہ علیحدہ مرتب ہوتا رہا ہے۔

(۸) زکوۃ کے سلسلہ میں فرزندان کی جانب سے مستفتی کی ہدایت پر عدم تعمیل کی صورت میں مستفتی شرعی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہو جائے گا یا نہیں؟

المستفتی: عین الحسن نمبر: ۳۰ ؍رانی لچھمی بائی مارگ الگن روڈ کانٹن منیٹ، کانپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) اگر انکم ٹیکس سے حفاظت کی غرض سے مستفتی نے فرزندوں اور بیوی کے نام کاروبار کر دیا ہے اور پھر کاروبار کے جملہ معاملات میں سائل کی مرضی واختیار کا بھی دخل رہا ہے، تو ایسی شکل کو شریعت میں بیع تلجئہ کہا جاتا ہے۔ اور بیع تلجئہ میں جن لوگوں کے نام کیا جاتا ہے وہ لوگ شئ مبیع کے مالک نہیں ہوا کرتے ہیں؛ بلکہ شئ بحالہ اصل مالک کی ملکیت میں رہ جاتی ہے؛ اس لئے سوال نامہ کی درج شدہ شکل میں جمیع کاروبار کا مستفتی خود مالک ہے۔ اور فرزندان اور بیوی کی ملکیت میں کاروبار کا کوئی جزو داخل نہ ہوگا۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۳/ ۳۱)

وبيع التلجئة : وهو أن يظهر عقدا وهما لايريدانه يلجأ إليه لخوف عدو، وهو ليس ببيع في الحقيقة، بل كالهزل . (الدرالمختار مع الرد، كتاب البيوع، باب الصرف، مطلب في بيع التلجئة زكريا ۷/ ۵٤۲، كراچی ۵/ ۲۷۳، هندية، زكريا قديم ۳/ ۳۰۹، جديد ۳/ ۱۹٦ ، بدائع الصنائع زكريا ٤/ ۳۸۹، كراچی ۵/ ۱۷٦)

بيع التلجئة: البيع الصوري أن يضطر لإظهار عقد وإبطان غيره مع

إرادة ذلک الباطن کأن یظهر بیع داره لابنه لئلا یستولي علیها السلطان.
(معجم لغة الفقهاء، کراچی ،ص: ۱۱۳، قواعد الفقه، أشرفي ۲۱۳، معجم المصطلحات والألفاظ الفقهیة، دارالفضیلة ۱/ ۴۰۵)

اور اگر بالفرض کاروبار میں باپ کی محنت بہت کم شامل رہی ہے، یا بالکل نہیں رہی، مگر باپ کے زیر تحت کاروبار چل رہا ہے، تب بھی سارے کاروبار اور منافع کا تنہا باپ ہی مالک ہوگا۔

الأب وابنه یکتسبان في صنعة واحدة ولم یکن لهما شيء، فالکسب کله للأب إن کان الابن في عیاله؛ لکونه معینا له. (شامي، کتاب الشرکة، مطلب اجتمعا في دار واحدة واکتسبا ولا یعلم التفاوت فهو بینهما بالسویة، زکریا ۶/ ۵۰۲، کراچی ۴/ ۳۲۵، تنقیح الفتاوی الحامدیة ۲/ ۱۸)

(۲) جب ایک ساتھ ایک فیملی میں مستفتی کے زیر تحت فرزندان رہے ہیں اور فرزندان اپنا وقت باپ کے کاروبار میں لگا رہے ہیں، تو اس درمیان میں سب کے اخراجات کا ذمہ دار مستفتی (باپ) ہی رہا ہے؛ لہٰذا اس دوران باپ نے ان کے بال بچوں کے کما حقہ اخراجات ادا نہیں کئے ہیں، تو بلا اجازت اپنے معیار زندگی کی ضرورت کے بقدر لے کر بال بچوں میں خرچ کرنا جائز تھا۔ حدیث میں اس کی اجازت آئی ہے:

عن عائشة –رضي الله عنه– قالت: دخلت هند بنت عتبة امرأة أبي سفیان –رضي الله عنه– علی رسول الله ﷺ، فقالت: یا رسول الله! إن أبا سفیان رجل شحیح، لا یعطیني من النفقة ما یکفیني، ویکفي بنيّ إلا ما أخذت من ماله بغیر علمه، فهل علي في ذلک من جناح، فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم: خذي من ماله بالمعروف ما یکفیک، ویکفي بنیک. (مسلم شریف، باب قضیة هند، النسخة الهندیة ۲/ ۷۵، بیت الأفکار، رقم: ۱۷۱۴)

(۳) مذکورہ کاروبار سے بلا اجازت جو گاڑی خریدی ہے شرعاً وہ گاڑی خریدنے والے کی ملکیت میں داخل نہ ہوگی؛ بلکہ مستفتی (باپ) ہی اس کا مالک ہوگا، جیسا کہ جواب نمبر:۱ کی عبارت نمبر:۲/ سے واضح ہوتا ہے۔

وبيع التلجئة : وهو أن يظهر عقدا وهما لايريدانه يلجأ إليه لخوف عدو، وهو ليس ببيع في الحقيقة، بل كالهزل . (الدرالمختار مع الرد، كتاب البيوع، باب الصرف، مطلب في بيع التلئجة زكريا ۷/ ۵٤۲، كراچی ٥/ ۲۷۳، هندية، زكريا قديم ۳/ ۳۰۹، جديد ۳/ ۱۹٦ ، بدائع الصنائع زكريا ٤/ ۳۸۹، كراچی ٥/ ۱۷٦)

بيع التلجئة: البيع الصوري أن يضطر لإظهار عقد وإبطان غيره مع إرادة ذلک الباطن كأن يظهر بيع داره لابنه لئلا يستولي عليها السلطان.

(معجم لغة الفقهاء، كراچی ،ص: ۱۱۳، قواعد الفقه، أشرفي ۲۱۳، معجم المصطلحات والألفاظ الفقهية، دارالفضيلة ۱/ ٤۰٥)

(۴) جی ہاں یہ سب رقوم مستفتی کوواپس کردینا لازم ہے۔

(۵) جی ہاں علماء کی مذکورہ رائے درست اورصحیح ہے۔

(٦) فرزند اول ودوئم نے جوکاروبار اپنے اوراپنے فرزندوں کے نام سے الگ قائم کئے ہیں اوراس کا رأس المال اورسرمایہ پہلا کاروبار ہے،جس کا مالک مستفتی ہے،تو اس میں دو صورتیں سامنے آتی ہیں:

(۱)فرزندان دوئم نے یہ کاروبار باپ کی فیملی اورزیرتحت رہ کرقائم کیاہے،توایسی صورت میں ان کے قائم کردہ کاروبار بھی مستفتی ہی کی ملکیت میں ہوگا اوراس میں باپ کی وفات کے بعد تمام ورثاء حق دار ہوں گے۔

(۲) مذکورہ فرزندان نے باپ سے الگ ہوکرقائم کیا ہے، تو ایسی صورت میں قائم کردہ کاروبار کے مالک وہی فرزندان ہوں گے؛ البتہ اس میں مذکورہ فرزندوں نے باپ کے کاروبار سے جورأس المال اورسرمایہ لے کرلگایا ہے، اس کا تاوان ادا کرنا لازم ہوسکتا ہے، اس سے زیادہ نہیں۔

(۸) اگرسنین ماضیہ کی زکوۃ حساب لگاکرنہیں دی گئی ہے اوراس سے سبکدوش ہوناچاہتا ہے، توتخمینہ لگاکرکچھ زائد دے دیں۔ (مستفاد: فتاوی دارالعلوم ٦/ ۱۴۸)

جب کاروبار میں مستفتی کا اختیار رہا ہے تو مستفتی پر لازم ہے کہ تمام مال میں سے تخمینہ لگا کر سنین ماضیہ کی لازم شدہ زکوۃ ادا کردے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ رجمادی الاولیٰ ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۳۱۹۸)

بیوی کے نام زمین کرانے سے ملکیت کا حکم

سوال [۸۷۸٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص نے اپنے لئے زمین خریدی اور اپنی ہی ملکیت کی وضاحت کرتے ہوئے اپنی بیوی کے نام رجسٹری کرائی اور بعد رجسٹری کے بیوی اپنی ملکیت کو ثابت کرتی ہے، جب کہ شوہر انکار کرتا ہے، تو حکم شرع کیا ہے؟ آیا رجسٹری کو اصل ملک مانیں گے یا شوہر کی ملکیت مانیں گے کہ شوہر نے اپنے لئے ہی خریدا ہے؟ ایسی وضاحت مطلوب ہے جس سے یقین محکم حاصل ہو جائے۔

المستفتی: محمد عمران، کٹیہاری، بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس صورت میں جب کہ شوہر نے اپنے ہی پیسے سے اپنے لئے زمین خریدی ہے اور کسی مصلحت سے بیوی کے نام کرادی تو محض نام کرانے سے وہ زمین بیوی کی ملکیت نہیں ہوتی ہے؛ بلکہ خریدی ہوئی چیز زمین شوہر ہی کی ملکیت ہوگی اور اس کو شریعت کی اصطلاح میں ''بیع التلجئۃ'' کہا جاتا ہے؛ اس لئے کہ کسی کے نام محض رجسٹری کرا دینے سے وہ زمین اس کی نہیں ہو جاتی، جب تک کہ حقیقتاً اس کو مالک بنانے کی نیت سے اس کے قبضہ میں نہ دے دی جائے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۳/ ۳٦-۳۷، فتاوی محمودیہ قدیم ٦/ ۲۸۰، جدید اشرفیہ ۱٦/ ۳۹)

وبيع التلجئة : وهو أن يظهر عقدا وهما لايريدانه يلجأ إليه لخوف عدو، وهو ليس ببيع في الحقيقة، بل كالهزل . (الدرالمختار مع الرد، كتاب البيوع، باب المصرف، مطلب في بيع التلجئة زكريا ٧/ ٥٤٢، كراچی ٥/ ٢٧٣، هندية، زكريا قديم ٣/ ٢٠٩، جديد ٣/ ١٩٦ ، بدائع الصنائع زكريا ٤/ ٣٨٩، كراچی ٥/ ١٧٦، المبسوط للسرخسي، دارالكتب العلمية بيروت ٢٤/ ١٢٢)

بيع التلجئة: هو العقد الذى يباشره إنسان عن ضرورة ويصير كالمدفوع إليه، صورته: أن يقول الرجل لغيره: أبيع داري منك بكذا في الظاهر ولا يكون بيعا في الحقيقة، ويشهد على ذلک وهو نوع من الهزل. (قواعد الفقه، أشرفي ص: ٢١٣، معجم المصطلحات والألفاظ الفقهية، دارالفضيلة بيروت ١/ ٤٠٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ / جمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۱۳۰)

بیوی بچوں کے نام بیع نامہ کرانے سے ملکیت ثابت نہیں ہوتی

سوال [۸۷۸۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: حافظ عبدالحمید صاحب نے ایک بیع نامہ اپنے دولڑکوں :عبدالباری (اس وقت عمر ۱۲/ سال)وعبدالہادی (اس وقت عمر ۲/ سال) کے نام کرایا تھا، جس کا پیسہ انہوں نے ہی دیا تھا، بعد میں ان کے مزید لڑکے پیدا ہوئے ،شرعی طور پر وہ جائیداد جن کے نام ہے، ان کی مانی جاوے گی یا حافظ عبدالحمید (پدر جنہوں نے روپیہ خرچ کیا تھا) کی مانی جاوے گی؟ نیز حافظ عبدالحمید صاحب نے اپنے زمانہ حیات میں بھی کبھی یہ نہیں کہا کہ یہ جائیداد میں نے عبدالباری یا عبدالہادی ہی کے لئے خریدی ہےاور نہ یہ کہا کہ یہ جائیداد میں انہیں کو دیتا

ہوں، یعنی ہبہ بھی نہیں کیا، نیز خریداری کے وقت جائیداد خام تھی، بعد میں کچھ جائیداد حافظ عبدالحمید ہی نے اپنے پیسے سے تعمیر کرائی اور کچھ جائیداد عبدالہادی ودیگرلڑکوں نے تعمیر کرائی اوراس میں تمام لڑکے سکونت پذیر رہے، عبدالباری صاحب نے دیگر مکان خرید کرتعمیر کرلیا اوروہ اسی میں سکونت رکھتے ہیں، اس خریدی ہوئی جائیداد سے سکونت ترک کردی، عبدالباری صاحب کا انتقال ہوگیا، ان کے بچے اس جائیداد میں سکونت پذیر ہیں، عبدالباری صاحب کا یہ کہنا ہے کہ یہ جائیداد ہمارے باپ نے اپنے پیسے سے خریدی تھی، ہم اس وقت نابالغ تھے، ہمارا کوئی پیسہ بھی والدصاحب کے پاس جمع نہیں تھا؛ اس لئے یہ جائیداد تمام بھائیوں کی ہے، عبدالہادی مرحوم نے یاان کے بچوں نے عبدالباری جیسے الفاظ کبھی نہ کہے، وہ اس معاملہ میں خاموش رہے، مکرر یہ ہے کہ حافظ عبدالحمید صاحب بھی اپنی حیات میں یہی کہتے رہے کہ یہ جائیداد میرے سب بچوں کی ہے۔

المستفتی: محمد یعقوب ومحمد فاروق، پسران حافظ عبدالحمید صاحب مرحوم، باغ بہادرگنج، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شریعت اسلامی میں بیوی یا بچے کے نام بیعانہ کرانے کی وجہ سے ملکیت ثابت نہیں ہوتی ہے؛ بلکہ ملکیت اصل مالک کی باقی رہتی ہے؛ اس لئے مذکورہ صورت میں عبدالحمید نے جس زمین کا بیع نامہ اپنے لڑکے عبدالباری وعبدالہادی کے نام کرایا ہے، وہ عبدالحمید کی ملکیت سے خارج نہیں ہوئی ہے؛ اس لئے اس میں شرعاً عبدالحمید کے تمام ورثاء کا حق وابستہ ہوگا۔ اور کسی کومحروم کرنا جائز نہ ہوگا۔ (مستفاد: امدادالفتاوی ٣/ ٣٧، ٣/ ٣٩)

وبيع التلجئة : وهو أن يظهر عقدا وهما لايريدانه يلجأ إليه لخوف عدو، وهو ليس ببيع في الحقيقة، بل كالهزل . (الدرالمختار مع الرد، كتاب البيوع، باب الصرف، مطلب في بيع التلجئة زكريا ٧/ ٥٤٢، كراچی ٥/ ٢٧٣، هندية، زكريا قديم ٣/ ٢٠٩، جديد ٣/ ١٩٦، كتاب البيوع، الباب العشرون في البياعات المكروهة والأرباح الفاسدة، بدائع الصنائع زكريا ٤/ ٣٨٩، كراچی ٥/ ١٧٦، المبسوط

لـلسـرخسي، دار الكتب العلمية بيروت ٢٤/ ١٢٢، الفقه الإسلامي و أدلته، هدى انٹرنيشنل ديو بند ٤/ ١٢٧-١٢٨، دارالفكر ٥/ ٣٣٢٥، الموسوعة الفقهية الكويتية ٩/ ٦٢)

بيـع التـلـجئة: البيع الصوري أن يضطر لإظهار عقد وإبطان غيره مع إرادة ذلک البـاطـن كأن يظهر بيع داره لابنه لئلا يستولي عليها السلطان.

(معجم لغة الفقهاء، کراچی ،ص: ١١٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۳/ ربیع الاول ۱۴۱۲ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۵۸۶)

بیوی کے نام سے زمین خریدنا

سوال [۸۷۸۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں نے ۱۹۹۰ء میں کبیر نگر رامپور روڈ ریلوے کراسنگ کے نیچے مراد آباد میں دو مکان M.D.A. سے خریدے، ایک اپنے نام ایک اپنی بیوی کے نام، جس کی کل رقم میں نے اپنی جیب سے ادا کی، بیوی کے نام مکان خریدنے کا مقصد بیوی کو مالک بنانا نہیں تھا؛ بلکہ میں سرکاری آدمی تھا، اس لئے ان کے نام مجبوراً لینا پڑا، میں نے دونوں مکان ایک خاتون کو بیوی اور اپنے دستخط کرا کر کچہری میں مختار نامہ کر دیا، مکانوں کی رقم ابھی پوری ملی بھی نہیں، بیوی نے میرے ایک دوست جو مکانوں کے بکوانے میں شامل تھے، ان کو ایک پرچہ لکھا تھا کہ یہ مکان میں نے اپنی جیب سے خریدا ہے، جب ان سے کہا گیا کہ رسیدیں اور دستخط دکھاؤ، تو ان کے پاس کوئی جواب نہیں ہے، براہ کرم یہ بتائیں کیا بیوی کو دی جانے والی رقم جائز ہوگی؟

المستفتی: سید اقتدار علی جگر کالونی، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر کسی مصلحت کی بنا پر آپ نے اپنی بیوی کے نام سے

مکان خریدا اور یہ مقصد نہیں تھا کہ بیوی کو حقیقی مالک بنانا ہے؛ بلکہ سرکاری اور قانونی پریشانیوں سے بچنے کے لئے یا بیوی کو خوش کرنے کے لئے اس کے نام سے جائیداد خرید لی، تو اس سے شرعی طور پر بیوی جائیداد کی مالک نہیں ہوگی، اس طرح نام کر کے خریداری کو شریعت کی اصطلاح میں ''بیع تلجئہ'' کہا جاتا ہے۔ اور ایسی بیع میں جس کے نام سے خریدا جاتا ہے وہ مالک نہیں ہوتا ہے؛ بلکہ جو خریدتا ہے وہی اصل مالک ہوا کرتا ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۳/ ۳۹)

والإقرار بالبيع تلجئة هي أن يلجئك أن تأتي أمرا باطنه على خلاف ظاهره (وتحته في الشامية) كما لا يجوز بيع التلجئة لا يجوز الإقرار بالتلجئة بأن يقول لآخر: إني أقر لك في العلانية بمال وتواضعا على فساد الإقرار لا يصح إقراره حتى لا يملكه المقر له. (الدر مع الرد، كتاب الإقرار، باب الاستثناء وما في معناه، زكريا ٨/ ٣٧٧-٣٧٨، كراچی ٥/ ٦٠٨)

بيع التلجئة: البيع الصوري أن يضطر لإظهار عقد وإبطان غيره مع إرادة ذلك الباطن كأن يظهر بيع داره لابنه لئلا يستولي عليها السلطان. (معجم لغة الفقهاء، كراچی، ص: ۱۱۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍ رجب ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۸۸۹۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۹/ ۷/ ۱۴۲۶ھ

بیوی کی دل جوئی کے لئے مکان اس کے نام سے خریدنے کا حکم

سوال [۸۷۸۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: محمود نے ایک مکان اپنی بیوی اختری بیگم کے نام سے خریدا اور اسی کے نام رجسٹری کرائی، محمود کے اس وقت تین لڑکے اور سات لڑکیاں ہیں، دو لڑکیاں شادی شدہ ہیں، ایک بڑے لڑکے نے اپنی شادی خود کر لی ہے۔ اور ایک چھوٹے بھائی کو قتل بھی کر چکا ہے، دیگر بھائی بہنوں کے ساتھ بھی ظلم وزیادتی کرتا رہتا ہے، پھر اپنی والدہ کو بہلا کر آدھے مکان

(جو میں نے بیوی کے نام سے خریدا تھا) کا اپنے نام بیع نامہ کروالیا، میں نے بیوی سے جب معلومات ہونے پر پوچھا کہ ایسا کیوں کیا؟ تو اس نے کہا مجھے دھمکی دی تھی تو:

(۱) دریافت یہ کرنا ہے کہ بیوی نے جو آدھا مکان بڑے لڑکے کے نام بیع نامہ کردیا ہے، وہ بڑے لڑکے کا ہوگیا یا نہیں؟

(۲) کیا اس طرح صرف ایک لڑکے کے نام آدھا مکان کردینے سے بیوی گنہگار ہوگی یا نہیں؟ یا سب کو برابر دینا چاہئے؟

(۳) بڑے لڑکے کا ماں باپ کے ساتھ اور بھائی بہنوں کے ساتھ ظلم وزیادتی کرنا شرعاً کیسا ہے؟ اس کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: محمود حسین پیرزادہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کسی مصلحت کی بنا پر مثلاً بیوی کی دلجوئی یا کسی قانون سے حفاظت کے لئے شوہر کا اپنے پیسے سے بیوی کے نام سے جائیداد خریدنے سے شرعی طور پر بیوی جائیداد کی مالک نہیں ہوتی؛ بلکہ مالک شوہر ہی ہوا کرتا ہے۔ اور اس طرح کی خرید وفروخت کو بیع تلجئہ کہا جاتا ہے؛ لہٰذا مذکورہ صورت میں محمود کی بیوی اختری بیگم اس مکان کی مالک ہی نہیں ہوئی؛ بلکہ مالک محمود ہی ہے؛ لہٰذا بعد میں اختری بیگم کے دستخط کے ذریعہ سے محمود کی اجازت کے بغیر بڑے لڑکے کے نام اس کا بیع نامہ کردینا شرعی طور پر درست نہیں ہوا؛ اس لئے محمود کو حق ہے کہ اس بیع نامہ اور رجسٹری کو ختم کرا کر مکان اپنی ملکیت میں واپس لے لے، پھر محمود کی مرضی ہے چاہے اپنے پاس رکھے اور چاہے کسی اور کے تصرف میں رکھے، اس میں سوال نامہ کے تینوں اجزاء کا جواب واضح ہوگیا۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۳/ ۳۷، فتاوی محمودیہ قدیم ٦/ ۲۸۰، جدید اشرفیہ ۱٦/ ۳۹)

وبيع التلجئة: وهو أن يظهر عقدا وهما لايريدانه يلجأ إليه لخوف

عدو، وهو ليس ببيع في الحقيقة، بل كالهزل. (الدرالمختار مع الرد، كتاب البيوع، باب المصرف، مطلب في بيع التلئجة زكريا ٧/ ٥٤٢، كراچی ٥/ ٢٧٣، هندية، زكريا قديم ٣/ ٢٠٩، جديد ٣/ ١٩٦، بدائع الصنائع زكريا ٤/ ٣٨٩، كراچی ٥/ ١٧٦، المبسوط للسرخسي، دارالكتب العلمية بيروت ٢٤/ ١٢٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١٩/محرم الحرام ١٤٢٣ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٦/٧٤٤٥)

انکم ٹیکس سے بچنے کے لئے بیوی کے نام جائیداد کرنے کا حکم

سوال [٨٧٦٠]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کو اپنے والد کے ترکہ میں سے ٨٨/گز کا مکان ملا جس میں سے اس نے چوتھائی حصہ اپنی بیوی کے نام لکھ دیا، کچھ عرصہ بعد زید نے ١٧٥/گز کا ایک مکان خریدا، مکان خریدنے کے بعد زید کے یہاں انکم ٹیکس کا چھاپا لگا، زید کے وکیل نے مشورہ دیا کہ تم یہ سب مکان اپنی بیوی کے نام کردو، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا، کچھ عرصہ بعد زید کی بیوی کا انتقال ہوگیا، مرحومہ نے ٦/لڑکیاں اور ٤/لڑکے چھوڑے۔ دریافت یہ کرنا ہے کہ مذکورہ جائیداد میں زید کا اور بچوں کا شرع کی رو سے کیا حق ہے؟

المستفتی: عبدالستار بھٹی اسٹریٹ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کسی مصلحت یا قانون سے حفاظت کے لئے شوہر اپنی بیوی کے نام جائیداد کردے، تو بیوی مالک نہیں ہوتی؛ اس لئے جب زید نے انکم ٹیکس سے بچنے کے لئے اپنا ایک سو پچھتر گز کا مکان وقتی طور سے بیوی کے نام کردیا، تو بیوی اس کی مالک نہیں ہوئی؛ بلکہ مالک بدستور زید ہی ہے؛ لہٰذا بیوی کے مرجانے کے بعد اس کے ورثاء میں

مذکورہ ایک سو پچھتر گز کے مکان کی تقسیم نہیں ہوگی؛ کیوں کہ اس جائیداد کا مالک زید ہے۔اور یہ صورت بیع التلجئہ کے تحت ہے؛ لیکن زید نے جو دوسرے اٹھاسی گز مکان میں سے چوتھائی حصہ اپنی بیوی کو دے کر مالک بنا دیا تو بیوی اس کی مالک ہوگئی؛ لہٰذا بیوی کے مرنے کے بعد اب چوتھائی حصہ میں جس کی وہ مالک تھی جائیداد تقسیم ہوگی۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۳/ ۳۷، فتاوی محمودیہ ٦/ ۲۸۰، جدید اشرفیہ ١٦/ ۳۹)

وبيع التلجئة : وهو أن يظهر عقدا وهما لايريدانه يلجأ إليه لخوف عدو، وهو ليس ببيع في الحقيقة، بل كالهزل. (الدر المختار مع الرد، كتاب البيوع، مطلب بيع التلجئة، زكريا ٧/ ٥٤٢، كراچی ٥/ ٢٧٣، وهكذا في الفقه الإسلامي وأدلته، هدى انٹر نيشنل ديوبند ٤/ ١٢٧-١٢٨، دار الفكر ٥/ ٣٣٢٥، الموسوعة الفقهية الكويتية ٩/ ٢٩٦، هندية، زكريا قديم ٣/ ٣٠٩، جديد ٣/ ١٩٦، معجم لغة الفقهاء، كراچی ص: ١١٣، قواعد الفقه أشرفی، ص: ٢١٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم صفر ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳٦/ ۷۴۸۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱/۲/۱۴۲۳ھ

بیوی کے نام مکان خریدنے سے کیا وہ مالک ہوجائے گی؟

سوال [۸۷۹۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں نے اپنا مکان ۱۹۵۰ء میں اپنی بیوی کے نام سے خریدا تھا، میرے پانچ بیٹے اور ایک بیٹی ہے، سبھی حیات ہیں۔ مکان خریدنے کے وقت دس سال بعد میرے بڑے لڑکے نے مکان کو مبلغ: -/1,000 میں گروی رکھ دیا، جس کو تین سال بعد میرے تیسرے لڑکے نے چھڑا لیا، مکان چھڑانے کے بعد اب کچھ سالوں سے وہ یہ کہتا ہے کہ میں نے اس مکان کا آدھا حصہ اپنی ماں سے اپنے نام کرا رکھا ہے، اور وہ مکان کے آدھے حصہ پر قابض بھی ہے،

باقی آدھا حصہ تم چاروں بھائیوں کا ہے اور میرا بھی ہے، میرے سبھی لڑکوں اور بیٹی کی شادی ہوچکی ہے، جس وقت میرے بڑے لڑکے نے مکان گروی کاروبار کے لئے رکھا تھا، اس وقت میرے چھوٹے دونوں بیٹے بہت چھوٹے تھے جو کہ اب شادی شدہ ہیں اور وہ اس مکان کے بقیہ آدھے حصے میں رہتے ہیں جو کہ انہوں نے اپنے پیسے سے بنوایا ہے، میرے ان دونوں چھوٹے بیٹوں کو میرے بڑے لڑکے بہت پریشان کرتے ہیں، میری آپ سے گزارش ہے کہ اس مکان کو شرعاً کس طرح تقسیم کیا جائے؟

کل آراضی پچاسی گز ہے اور لڑکوں کے نام مندرجہ ذیل ہیں: (۱) اشتیاق حسین (۲) اشفاق حسین (۳) مختار حسین (۴) ممتاز حسین (۵) انتظار حسین، ایک لڑکی زاہدہ خاتون۔

المستفتی: مشتاق حسین، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر آپ نے اپنے ذاتی پیسہ سے بیوی کے نام سے خریدا ہے، تو شرعاً اس طرح بیوی کے نام سے خریدنے سے بیوی مالک نہیں ہوئی؛ اس لئے شرعاً مذکورہ مکان کے آپ ازخود مالک ہیں، آپ کے مرنے پر آپ کے تمام ورثاء اس مکان میں بطور وارث شریک ہوں گے۔ (مستفاد: امدادالفتاوی ۳/۳۷-۳۹)

اور اس طرح خریداری کو بیع التلجئہ کہا جاتا ہے اور اس میں ملکیت اسی کی ثابت ہوتی ہے جو خریدتا ہے اور اپنا پیسہ ادا کرتا ہے۔

وبیع التلجئة: وهو أن یظهر عقدا وهما لایریدانه یلجأ إلیه لخوف عدو، وهو لیس ببیع في الحقیقة، بل کالهزل. (الدرالمختار مع الرد، کتاب البیوع، باب الصرف، مطلب بیع التلجئة، زکریا ۷/ ۵٤۲، کراچی ۵/ ۲۷۳، وهکذا في الهندیة، زکریا قدیم ۳/ ۲۰۹، جدید ۳/ ۱۹٦، بدائع الصنائع، زکریا ٤/ ۳۸۹، کراچی ۵/ ۱۷٦، معجم المصطلحات والألفاظ الفقهیة، دارالفضیلة ۱/ ٤۰۵، قواعد الفقه، أشرفي، ص: ۲۱۳، معجم لغة الفقهاء، کراچی ص: ۱۱۳)

نیز اگر جس وقت مذکورہ مکان کو رہن میں رکھا گیا تھا اور پھر چھڑوایا گیا تھا، اس وقت رہن میں رکھنے والے اور چھڑانے والے دونوں لڑکے آپ کے زیر تحت رہے ہیں، تو شرعاً دونوں کو آپ کی طرف سے بطور وکیل ومعین کے کام کرنے والے سمجھے جائیں گے اور سارا تصرف شرعاً آپ کی ملکیت میں ہوا ہے۔

الأب وابنه يكتسبان في صنعة واحدة ولم يكن لهما شيء، فالكسب كله للأب إن كان الابن في عياله؛ لكونه معينا له. (شامي، كتاب الشركة، مطلب اجتمعا في دار واحدة واكتسبا ولا يعلم التفاوت فهو بينهما بالسوية، زكريا ٦/ ٢ ٠ ٥، كراچی ٤/ ٥ ٢ ٣، تنقيح الفتاوى الحامدية ٢/ ١٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱٦؍ ربیع الثانی ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲٦۴۴)

بیوی کے نام سے جائیداد خریدنے کا حکم

سوال [۸۷۹۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: گلزار احمد نے ۱۹۴۸ء میں مسماۃ رئیسہ خاتون سے شادی کی اور اپنے روپیوں سے آراضی مسماۃ رئیسہ خاتون کے نام سے خریدی، بعدہ گلزار احمد نے دوسری شادی مسماۃ صابرہ خاتون سے کی، جنہوں نے اپنے خرچ سے افتادہ آراضی میں مکان بنوایا، جس کے بعد رئیسہ خاتون کا انتقال ہوگیا، جنہوں نے بعد اپنی وفات چار لڑکے: رئیس احمد، ظہیر احمد عرف بھولا، انیس احمد، حسین احمد اور ایک لڑکی مسماۃ شاکرہ خاتون اور شوہر گلزار احمد چھوڑے، جو بقید حیات ہیں، نیز آراضی افتادہ پر مکان بنوانے والی مسماۃ صابرہ خاتون بھی بقید حیات ہیں، جس کی بھی دولڑکیاں ہیں، گلبہار اور ناظمہ خاتون اور چار لڑکے: ذوالفقار احمد، گلشاد احمد، دلشاد احمد اور رخسار احمد شوہر موصوف گلزار احمد سے ہیں، ایسی صورت میں مناسب فتویٰ بروئے

شریعت دے کر ممنون فرمائیں کہ تعمیر شدہ مکان میں کیسے کتنا کتنا حق پہنچتا ہے؟ عین نوازش ہوگی۔

المستفتی: گلزار محمد گوئیاں باغ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: محض بیوی کے نام جائیداد وآراضی خرید نے سے بیوی شرعاً مالک نہیں ہوتی؛ اس لئے مذکورہ آراضی کا مالک گلزار احمد ہی ہوگا۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۳/۳۷،۳/۳۹)

وبيع التلجئة: وهو أن يظهر عقدا وهما لايريدانه يلجأ إليه لخوف عدو، وهو ليس ببيع في الحقيقة، بل كالهزل. (الدرالمختار مع الرد، كتاب البيوع، باب الصرف، مطلب بيع التلجئة، زكريا ۷/ ۵٤۲، كراچی ٥/ ۲۷۳، كوئٹه ٤/ ۲۷۳، هندية، زكريا قديم ۳/ ۲۰۹، جديد ۳/ ۱۹٦)

لہٰذا فی الحال اس کی تقسیم کی بھی ضرورت نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴/ صفر ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۵۱۸)

قانونی مصلحت کی بناپر بہن کے نام رجسٹری کرانے سے ملکیت کا حکم

سوال [۸۷۹۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص نے جو کہ اپنے بہنوئی کا پارٹنر بھی ہے، اس نے ذاتی طور پر اپنے لئے ایک جگہ خریدی اور اس جگہ کو اپنی بیوی اور بہن کے نام سے اس لئے کرالیا کہ اس میں سرکاری اور قانونی طور پر کوئی مصلحت تھی اور یہ بھی کہا کہ اس زمین میں نفع کا دس فیصد اپنی بہن کو دوں گا، اس مذکورہ بیان وسچائی پر گواہ بھی موجود ہیں، اس کے باوجود کچھ دنوں کے بعد اس شخص کے بھانجے اس زمین میں اپنی ماں کی پارٹنری کا مطالبہ کرتے ہیں، کیا ان لوگوں کے

لئے اس طرح کا دعویٰ کرنا درست ہے؟

المستفتی: محمد ارشد اشتیاق، متعلم مدرسۃ الجنۃ، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ذاتی طور پر اپنے پیسہ سے خریدتے وقت قانونی پیچیدگی سے بچنے کے لئے بیوی یا بہن کے نام رجسٹری کرنے کی وجہ سے خریدار کی ملکیت سے الگ نہیں ہوتا ہے اور ایسی خریداری کو بیع تلجیہ کہا جاتا ہے، جس میں شرعی طور پر وہ لوگ مالک نہیں ہوتے ہیں، جن کا نام رجسٹری میں درج کردیا جاتا ہے۔ اور شرعی طور پر مالک وہی ہوتا ہے جس نے اپنے پیسہ سے خریدا ہو؛ لیکن سوال نامہ میں ساتھ ہی یہ بھی لکھا ہے کہ ”اس کے منافع سے دس فیصد دیں گے“۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ زمین کے دس فیصد میں مالک بنانا مقصود ہے؛ اس لئے بہن یا بہن کے بچوں کا دس فیصدی کا مطالبہ کرنا اس تحریر کی روشنی میں درست ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۳/ ۳۱)

وبيع التلجئة هي ما ألجئى إليه الإنسان بغير اختياره، وذلک أن يخاف الرجل السلطان، فيقول لآخر: أني أظهر أني بعت داري منک، وليس ببيع في الحقيقة، وإنما هي تلجئة. (شامي، كتاب البيوع، باب الصرف، مطلب في بيع التلجئة، زكريا ٧/ ٥٤٢، كراچى ٥/ ٢٧٤)

عن أبي يوسفؒ في رجلين قالا: ما اشترينا من شيء فهو بيننا نصفان، فهو جائز. (تاتارخانية، زكريا ٧/ ٤٧٠، برقم: ١٠٩٠٩)

شركة الملک لا تبطل أي لا يبطل الاشتراک فيها بل يبقى المال مشتركا بين الحي وورثة الميت. (شامي، كتاب الشركة، مطلب يرجح القياس، زكريا ٦/ ٥٠٤، كراچى ٤/ ٣٢٧)

ووجوب أدائه عند طلب مالكه، وشرعية الإيداع إن الله يأمركم أن تؤدوا الأمانات إلى أهلها. (مجمع الأنهر، كتاب الوديعة، دارالكتب العلمية بيروت

۳/ ٤٦٧، مصري قديم ٢/ ٣٣٨، هندية، زكريا قديم ٤/ ٣٣٨، جديد ٤/ ٣٤٩)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶؍شوال ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۴۹۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۱۰/۲۶ھ

بڑے بھائی کے نام بیع نامہ ہونے کے باوجود دوسرا بھائی حق دار

سوال [۸۷۹۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرے بڑے بھائی محمد مہربان اور میں محمد فرقان نے مل کر ایک پلاٹ ۷۰؍گز لگ بھگ تھا، گنگا سرن بھٹنا گر ایڈوکیٹ سے خرید کیا تھا، معاہدہ کے وقت اس کی کل قیمت ۱۱۰۰۰؍ روپے طے ہوئی۔ مالک کو -/5000 روپے دے کر معاہدہ کر لیا تھا، جس میں -/3000 روپے بڑے بھائی نے اور -/2000 روپے میں نے دیئے تھے، ہم دونوں بھائیوں میں آپس میں بہت میل تھا اور مجھے اپنے بڑے بھائی پر پورا بھروسہ تھا؛ اس لئے معاہدہ میں صرف بڑے بھائی کا نام ہی لکھوا دیا گیا؛ کیوں کہ بڑے بھائی کو رہنے کی پریشانی تھی اور ان کی مالی حالت بہت کمزور تھی؛ اس لئے عارضی طور پر چار دیواری کرا کر میں نے اوپر ٹین شیڈ ڈلوا دیا تھا، جس میں -/3000 روپے خرچ ہوا تھا، جو میں نے اپنے پاس سے دیئے، اس کے علاوہ -/1600 روپے ان کو ضرورت پڑنے پر دیئے تھے؛ لہٰذا جس وقت اس کا مختار نامہ ہوا بھائی نے مجھ سے روپیوں کے لئے کہا، تو میں نے ان سے کہا کہ میرے آپ کے پاس -/6600 روپے پہنچ چکے، آپ اس میں سے میرے حصے کے روپے جمع کر دیں؛ کیوں کہ -/11000 کل قیمت کے آدھے -/5500 روپے ہوتے ہیں، اس طرح میرے حصہ کی آدھی سے زیادہ قیمت ان کے پاس پہنچ چکی تھی۔

بہر کیف آپسی بھروسہ کی وجہ سے مختار نامہ میں بڑے بھائی کا نام لکھوا دیا تھا؛ کیوں کہ بڑے

بھائی برابر اس میں رہتے رہے ہیں، میں کرایہ کے مکان پر رہتا تھا، اس درمیان میں مکان مالک نے مجھ سے مکان خالی کرنے کے لئے کہا، تو مجھے اس کی فکر ہوئی، میں نے بڑے بھائی سے مشورہ کیا، تو انہوں نے کہا یہ زمین آدھی تمہاری ہے، اس پر اپنا مکان بناؤ اور رہو؛ کیوں کرایہ دیتے ہو، میری بڑی بہن اور چچا وغیرہ سے بھی میرے بڑے بھائی نے کہا کہ محمد فرقان سے کہو کہ کیوں پریشان ہوتا ہے، اب اس کی زمین موجود ہے، تو اس میں مکان بنوا کر رہے، پھر میں نے اپنے زیور وغیرہ فروخت کرکے اور کچھ قرض لیکر اس جگہ پر -/75,000 روپئے خرچ کئے، پہلے بڑے بھائی کے لئے نیچے کا لینٹر ڈلوایا اس کے بعد اپنے رہنے کے لئے اوپر کمرہ بنوایا، اس کے بعد وہاں رہنے لگا، بڑے بھائی کے بھروسہ کی وجہ سے میں نے کسی قسم کی کوئی بھی تحریر نہ تو گنگا سرن سے لی اور نہ ہی بڑے بھائی سے اب تک حاصل کی، اب جب کہ بڑے بھائی کے بار بار اصرار کرنے پر میں نے اپنا کافی روپیہ اس جگہ پر لگا دیا، بڑے بھائی مجھ سے یہ کہتے ہیں کہ اس میں تمہارا کچھ نہیں، یہ ساری زمین میرے نام ہے، میں اس معاملہ کو عدالت میں لے جانا نہیں چاہتا، کوئی شرعی تصفیہ اس میں چاہتا ہوں، اس زمین کے بارے میں میرے چچا جناب عثمان صاحب اور میرے سب سے بڑے بھائی محمد عمران کو بھی معلوم ہے، اور میرے بڑے بہنوئی علی حسین مرحوم نے ساری کارروائی اس زمین کی خریداری وغیرہ کی کرائی تھی، میری بڑی بہنیں بھی یہ بات جانتی ہیں۔ آپ مجھے شرعی مشورہ دیں، مجھے کیا کرنا ہے؟

المستفتی: محمد فرقان، لالباغ نئی آبادی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب دونوں بھائیوں نے مشترکہ طور پر خریدا ہے اور پیسے بھی دونوں بھائیوں کے خرچ ہوئے ہیں اور سوال نامہ کے اعتبار سے ایک بھائی کے اوپر پانچ ہزار پانچ سو روپئے آئے ہیں، جب چھوٹے بھائی نے پانچ ہزار پانچ سو کے بجائے چھ ہزار چھ سو دے دیئے تو گیارہ سو روپئے زیادہ پہنچے اور ایسے حالات میں بڑے

بھائی پر بھروسہ واعتماد کی بنا پر بیع نامہ میں صرف بڑے بھائی کے نام ڈال دینے کی وجہ سے تنہا وہ مالک نہیں ہوگا؛ بلکہ مالک دونوں بھائی برابر کے ہیں۔ اور نیز بڑے بھائی کا یہ کہنا کہ اس میں آدھی زمین تمہاری ہے، اس پر تم اپنا مکان بناؤ یہ بھی اس بات کا ثبوت ہے کہ بڑا بھائی بھی آدھا حصہ چھوٹے بھائی کا تسلیم کرتا تھا اور پھر چھوٹے بھائی کا اس کے اوپر پچھتر ہزار روپئے خرچ کر کے تعمیر کروانا اور اس تعمیر کے لئے بڑے بھائی کی طرف سے ترغیب دینا یہ مشترکہ ہونے کا ثبوت ہے؛ لہٰذا اب بڑے بھائی کا محض اس وجہ سے انکار کردینا کہ بیع نامہ میں صرف میرا ہی نام پڑا ہے، جائز نہیں ہے؛ بلکہ دونوں کا حق برابر کا ہے۔ اور پھر تعمیر میں جو خرچ ہوا ہے، اس کے ذمہ دار بھی دونوں برابر کے ہوں گے، محض بیع نامہ میں نام ڈلوانے سے پورا مکان بڑے بھائی کی ملکیت میں نہیں ہوسکتا۔ (مستفاد: امداد المفتیین /۸۹۰، احسن الفتاوی ۴۰۰/۶، امداد الفتاوی ۳/ ۳۸)

وبيع التلجئة : وهو أن يظهر عقدا وهما لايريدانه يلجأ إليه لخوف عدو، وهو ليس ببيع في الحقيقة، بل كالهزل. (درمختار، كتاب البيوع، باب الصرف، مطلب بيع التلئجة، زكريا ۷/ ۵٤۲، كراچی ٥/ ۲۷۳، هندية، زكريا قديم ۳/ ۲۰۹، جديد ۳/ ۱۹٦، المبسوط للسرخسي، دارالكتب العلمية بيروت ۲٤/ ۱۲۲، بدائع الصنائع، زكريا ٤/ ۳۸۹، كراچی ٥/ ۱۷٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍ جمادی الثانیہ ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۷۳۰/۳۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲؍۷؍۱۴۲۳ھ

❒❖❒

۸/ باب الصرف

سونے کی ادھار بیع کا حکم

سوال [۸۷۹۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کے پاس پندرہ ہزار -/15,000 روپئے کی رقم تھی، جس سے وہ اپنی ایک عزیزہ کی شادی کے لئے سونا خرید کر رکھنا چاہتا تھا؛ کیوں کہ سونے کی قیمتیں بہت تیزی سے بڑھ رہی تھیں، اس وقت بکر کو کاروبار کے سلسلہ میں رقم کی ضرورت تھی، بکر نے زید سے کہا کہ تم مجھے پندرہ ہزار روپئے ابھی دیدو اور سونے کی قیمت جو بھی ہو ایک سال بعد میں تمہیں دو تولہ سونا دے دوں گا، زید اور بکر کا اس طرح کا معاملہ کرنا درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: حکیم محمد مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سونے کی بیع کرنسی کے عوض میں ادھار جائز ہے؛ اس لئے پندرہ ہزار روپئے کے بدلے سونے کی ادھار بیع درست ہوگئی؛ لہٰذا وعدہ کے مطابق مقررہ وقت پر پندرہ ہزار روپئے کے عوض میں دو تولہ سونا دینا جائز ہے۔

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: المسلمون على شروطهم.

(ترمذي، الأحكام، باب ما ذكر عن رسول الله صلى الله عليه وسلم في الصلح بين الناس، النسخة الهندية ١/ ٢٥١، دارالسلام، رقم: ١٣٥٢، المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي، بيروت ١٧/ ٢٢، رقم: ٣٠، سنن الدارقطني البيوع، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ٢٣، رقم: ٢٨٦٩، المستدرك للحاكم، مكتبه نزار مصطفى الباز بيروت ٧/ ٢٥٢٣، رقم: ٧٠٥٩، قديم ٤/ ١٠١)

سئل الحانوتي عن بيع الذهب بالفلوس نسيئة، فأجاب بأنه يجوز إذا

قبض أحد البدلين. (شامي، كتاب البيوع، باب الربا، مطلب في استقراض الدراهم عددا، کراچی ۵/ ۱۸۰، زکریا ۷/ ٤١٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰؍ ربیع الاول ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۳۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۴/۶ھ

سونے اور چاندی کے زیورات کی ادھار خرید وفروخت کا حکم

سوال [۸۷۹٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) کیا چاندی اور سونے کی یا پھر چاندی اور سونے کے زیورات کی ادھار خرید وفروخت قطعی ناجائز ہے؟ (۲) کیا چاندی اور سونے کے زیورات کی ادھار خرید وفروخت ایک معینہ مدت کے لئے جائز ہے؟

المستفتی: ماسٹر افتخار احمد علوی، چوہان بانگر، دہلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ملک میں رائج نوٹوں اور سکوں کے ذریعہ سونے چاندی اوران کے زیورات کی ادھار خرید وفروخت شرعاً جائز ہے؛ لیکن اگر سونے کے بدلے سونے یا چاندی کے بدلے چاندی کو خریدا جائے یا بیچا جائے تو اس وقت ادھار خرید وفروخت ناجائز ہوگی۔

سئل الحانوتي عن بيع الذهب بالفلوس نسيئة، فأجاب بأنه يجوز إذا قبض أحد البدلين. (شامي، كتاب البيوع، باب الربا، مطلب في استقراض الدراهم عددا، زکریا ۷/ ٤١٤، کراچی ۵/ ۱۸۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍ ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۲۵۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۸/۴/۱۳ھ

سونے چاندی کی ادھار بیع وشراء کی شرعی حیثیت

سوال [۸۷۹۷]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: سونے چاندی کی ادھار بیع وشراء جائز ہے یانہیں؟

المستفتی: محمد افتخار سیندھولی، شاہجہاں پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: سونے چاندی کی ادھار بیع وشراء جائز ہے۔

وإن اشترى خاتم فضة أو خاتم ذهب فيه فص، أو ليس فيه فص بكذا فلسا وليست الفلوس عنده، فهو جائز تقابضا قبل التفرق، أولم يتقابضا؛ لأن هذا بيع وليس بصرف. (عالمگيري، كتاب الصرف، الباب الثاني، الفصل الثالث في بيع الفلوس، زكريا قديم ۳/ ۲۲٤، جديد ۳/ ۲۰۹، المبسوط للسرخسي، دارالكتب العلمية بيروت ١٤/ ٢٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳ رمحرم الحرام ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۴۲۵)

قسطوں پر سونے چاندی کی خرید وفروخت کا حکم

سوال [۸۷۹۸]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: سونا چاندی قسطوں پر خریدنا جائز ہے یانہیں؟ مثلاً زید نے عمر کے پاس سے رقم لے کر سونا خریدا اور پھر عمر کو اتنی رقم قسطوں پر ادا کرے، تو ایسا کرنا جائز ہے یانہیں؟

المستفتی: محمد زبیر مظاہری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: سونا چاندی خریدنا چونکہ بیع صرف میں داخل ہے اور بیع

صرف میں مبیع اورثمن پر عاقدین کا مجلس میں قبضہ کرنا ضروری ہے۔ اورقسطوں پرخریدنے سے ثمن ادھار ہوتا ہے۔ اور مشتری بعد میں تھوڑا تھوڑا ثمن ادا کرتا ہے؛ اس لئے سونا چاندی قسطوں پرخریدنا جائز نہیں۔

ویشترط عدم التأجیل، والخیار، والتقابض بالبراجم لا بالتخلیة قبل الافتراق، وفي الشامي: أي افتراق المتعاقدین بأبدانهما، والتقیید بالعاقدین یعم المالکین والنائبین، وتقیید الفرقة بالأبدان یفید عموم اعتبار المجلس، وهو شرط بقائه صحیحا علی الصحیح. (شامي، کتاب البیوع، باب الصرف، کراچی ۵/ ۲۵۷-۲۵۸، زکریا ۷/ ۵۲۱، سکب الأنهر في شرح ملتقی الأبحر، دارالکتب العلمیة بیروت ۳/ ۱۶۱، تاتارخانیة، زکریا ۱۰/ ۴-۵، رقم: ۱۳۸۷۸)

ہاں البتہ کسی سے رقم بطور قرض لے لی جائے اور اس سے نقد سونا خرید لیا جائے اور قرض کی رقم قسطوں پر ادا کی جائے جس پر کوئی سود نہ ہو تو جائز ہے اور درست ہے۔

﴿وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ﴾ الآیة. المراد به الإمهال والتأخیر. (روح المعاني، سورة البقرة، تحت رقم الآیة: ۲۸۰، زکریا دیوبند ۳/ ۸۷)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍رجب ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۳۶۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۸؍۷؍۱۴۲۸ھ

سونے کو سونے کے عوض چاندی کو چاندی کے عوض کمی بیشی کے ساتھ فروخت کرنا

سوال [۸۷۹۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میری ایک چاندی سونے کی دوکان ہے، اس میں بہت سے گراہک ایسے آتے ہیں جو پرانے زیورات لے کر آتے ہیں، بعض دفعہ وہ پرانے زیورات ٹوٹے پھوٹے ہوتے ہیں اور بعض دفعہ ٹوٹے نہیں ہوتے؛ لیکن پرانے ہوتے ہیں، جن کو گلا کر ہم نئے

زیورات بنواتے ہیں، آپ کو معلوم ہوگا سونے چاندی کے جوز یورات بنتے ہیں وہ خالص سونا چاندی سے نہیں بن سکتے، ہر جوڑ پر ٹانکا دوسری کئی دھاتوں کو ملا کر ایک دھات بنتی ہے، جس کے ذریعہ لگتا ہے، مثلاً دس گرام کا کوئی زیور ہے، تو ایک گرام اس میں ٹانکا والی دھات ہوتی ہے، اسی وجہ سے جب ہم خریدتے ہیں تو اس چاندی یا سونے کے علاوہ والی دھات کو گھٹا کر اصل چاندی کی قیمت دیتے ہیں، یا کوئی زیور دیتے ہیں، اسی طرح جب مال فروخت کرتے ہیں، تو اس میں بھی ٹانکا والی دھات چاندی سونے کے علاوہ موجود ہوتی ہے؛ لیکن جتنے وزن کا پورا زیور ہوتا ہے، اتنی ہی چاندی یا سونے کی قیمت لیتے ہیں، ٹانکا والی دھات کو گھٹا کر قیمت نہیں لیتے ،اسی کو کردا سے تعبیر کیا جاتا ہے، واضح رہے کہ ہر چاندی اور سونا میں کتنی دھات ٹانکے والی ہوتی ہے، اس کو ہم ایک پتھر (کسوٹی) کے ذریعہ پتہ لگا لیتے ہیں، اسی حساب سے کردا کاٹتے ہیں، تو دریافت یہ کرنا ہے کہ اس طرح کردا کاٹ کر پرانی چاندی سونے کے بدلہ میں نئے زیورات دینا یا رقم دینا درست ہے یا نہیں؟ یا شریعت نے کوئی دوسری شکل بتائی ہو تو وہ تحریر فرمادیں۔

المستفتی: محمد اعلم، سیتاپور (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کردا کاٹ کر چاندی کو چاندی کے بدلہ میں یا سونے کو سونے کے بدلہ میں لین دین کرنا کمی زیادتی کے ساتھ جائز نہیں ہے؛ البتہ اگر کردا کاٹ کر لینے میں عوض میں روپئے دیا جائے اور دینے میں روپئے لیا جائے تو جائز ہوسکتا ہے۔

فإن باع فضة بفضة، وذهبا بذهب لا يجوز إلا مثلا بمثل، وإن اختلفت في الجودة والصياغة (وقوله) وإن باع الذهب بالفضة جاز التفاضل لعدم المجانسة. (هداية، كتاب الصرف، أشرفي ٣/ ١٠٤) **فقط واللہ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ ذیقعدہ ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۲۰۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۵/۱۱/۱۴۱۵ھ

۲۰/ ہزار کے زیورات ۲۴/ ہزار میں فروخت کرنے کا حکم

سوال [۸۸۰۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بہت سارے لوگ مجھ سے ادھاری میں سونا (زیورات) مانگتے ہیں، میں ان سے بھی واضح طور پر کہہ دیتا ہوں کہ دوکان سے میں مثلاً: -/20,000 روپئے کا سونا خریدوں گا اور تمہیں -/24,000 (چوبیس ہزار روپئے) میں دوں گا، اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ میں سونا خریدکران کے حوالہ کردیتا ہوں، اور ہر ہفتہ -/1,000 (ایک ہزار روپئے) وصول کرتا ہوں، یہ صورت جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد سراج بالاپور آکولہ، مہاراشٹر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: روپئے، پیسے، فلوس کی طرح ثمن عرفی ہیں، ثمن حقیقی نہیں۔ اور سونا چاندی کو فلوس کے عوض میں ادھار فروخت کرنا اور ادھار خریدنا جائز اور درست ہے؛ اس لئے روپئے پیسے اور کرنسی کے عوض میں بھی ادھار خرید وفروخت شرعاً جائز ہے؛ لہٰذا سوال نامہ میں جو شکل لکھی ہے وہ شرعاً جائز اور درست ہے، جو فقہاء کی عبارات سے واضح ہوتا ہے:

وإذا اشترى الرجل فلوسا بدراهم، ونقد الثمن ولم تكن الفلوس عند البائع، فالبيع جائز؛ لأن الفلوس الرائجة ثمن كالنقود، وقد بينا أن حكم العقد في الثمن وجوبها ووجودها معا، ولا يشترط قيامها في ملك بائعها لصحة العقد كما لا يشترط ذلك في الدراهم والدنانير -إلى- وبيع الفلوس بالدراهم ليس بصرف. (المبسوط للسرخسي بيروت ١٤/ ٢٤، هندية، كتاب الصرف، الباب الثاني، الفصل الثالث في بيع الفلوس، زكريا قديم ٣/ ٢٢٤، جديد ٣/ ٢٠٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴/ رمضان المبارک ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۲۴۹)

ریال کا تبادلہ اس سے کم مالیت کے سکوں سے کرنے کا حکم

سوال [۸۸۰۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) سعودی وغیرہ میں گاڑی وغیرہ کی پارکنگ کے لئے ریال سکے کی شکل میں درکار ہوتے ہیں؛ لیکن بہت مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ ریال نوٹ کی شکل میں ہوتا ہے، سکہ حاصل کرنے کے لئے نوٹ دے کر سکہ کم لینا پڑتا ہے، تو کیا اس طریقہ سے تبادلہ شرعاً درست ہے یا نہیں؟ سود کی تعریف تو اس پر صادق نہیں آ رہی ہے۔

(۲) جیسے اپنے یہاں ہندوستان میں لوگوں کو ریزگاری روپیوں کی ضرورت ہوتی ہے، مثلاً ہوٹل والوں کو پھیری کرنے والے کو ۱۰۰/ کا نوٹ دے کر ۹۵/ روپئے ریزگاری نکال لیتے ہیں، ایسا کرنا شرعاً کیا حکم رکھتا ہے؟

المستفتی: محمد راشد فتح پوری، متعلم جامعہ عربیہ معراج العلوم چیتا کیمپ، ممبئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱-۲) ریال ہوں یا ہندوستانی نوٹ ان کا تبادلہ اگر اسی ملک کے سکوں سے کیا جائے تو ریال کی مالیت کے بقدر سکے سے تبادلہ لازم ہے، اسی طرح ہندوستانی سو روپئے کے نوٹ کا سو روپئے کے سکے سے تبادلہ لازم ہے۔ اور ۹۰/ روپئے کے سکوں سے تبادلہ ناجائز ہے، اسی طرح ریال کا تبادلہ اس سے کم مالیت کے سکوں سے جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: فقہی مقالات زمزم بک ڈپو ۳۱، ومسائل سود/ ۱۷۵)

علة القدر مع الجنس فإن وجدا حرم الفضل والنساء، وإن عد ما حلا، وإن وجد أحدهما حل الفضل، وحرم النساء. (درمختار مع الشامي، باب الربا، کراچی ٥/ ١٧٢، زکریا ٧/ ٤٠٣-٤٠٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/ ربیع الاول ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۰۱۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۳/۱۷ھ

دوملکوں کی کرنسیوں کے کمی بیشی کے ساتھ تبادلہ کا حکم

سوال [۸۸۰۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: سعودی ریال کے پانچ سو روپئے کے نوٹ کی قیمت فی الحال -/57000 روپئے ہے، ایک شخص نے دوسرے شخص سے پانچ سو کا نوٹ -/6,000 میں اس لئے لیا ہے کہ وہ رقم تین چار ماہ کے بعد ادا کرے گا، یعنی اصل قیمت اول الذکر سے زیادہ قیمت صرف رقم تاخیر سے ادا کرنے کی وجہ سے رکھی ہے، قیمت ادا کرنے کا وقت مقرر ہو چکا ہے، اس معاملہ میں نرخ ایک ہی رہا یہ نہیں کہا کہ ادھار لوگے تو زیادہ قیمت کا ہے اور نقد میں اس قیمت کا بلکہ صرف ایک بھاؤ ہی طے کرلیا گیا ہے کہ چار ماہ کے بعد رقم ادا کردی جائے گی اور قیمت -/6,000 ادا کی جائے گی، تو یہ معاملہ جائز ہوگا یا نہیں؟

المستفتی: عبدالولی ولد حاجی عبدالکریم شیرکوٹ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دومختلف ملکوں کی کرنسیاں ثمن حقیقی نہیں؛ بلکہ ہر ایک ملک کی کرنسی مستقل طور پر ثمن عرفی ہے؛ لہٰذا قدر وجنس کے مختلف ہونے کی وجہ سے کمی زیادتی اور ادھار دونوں طرح کا تبادلہ جائز ہے؛ البتہ فی الحال ایک جانب سے قبضہ کرنا لازم ہے، جو عام طور پر ہوتا ہے؛ اس لئے سعودی ریال کا ہندوستانی رقم کے ساتھ ہر طرح کی کمی زیادتی کے ساتھ تبادلہ جائز ہے، بس شرط یہ ہے کہ ایک جانب سے قبضہ ہوجائے، خواہ پانچ سو ریال کو پانچ ہزار سات سو میں لیا جائے جو سرکاری بھاؤ یا مارکیٹ کا بھاؤ ہے، یا پانچ سو ریال کو چھ ہزار میں لیا جائے، دونوں طرح جائز ہے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۱۲۳، احسن الفتاوی ۷/ ۱۰۰)

إن الأوراق النقدية ثمن عرفي ليست ثمنا حقيقيا، والربا يجري في الثمن الخلقي الذاتي إذ في الأوراق النقدية من مختلف الدولة ينفي القدر والجنس، أما الجنس فظاهر لاختلاف الدولة، وأما القدر لأنها ليست من جنس الأثمان الخلقية بل عرفية، فيجوز التفاضل والنسيئة إلا أن القبض على أحد البدلين ضروري لئلا يقع في بيع الكالي بالكالي. (التبيان في زكوة الأثمان، بحواله مجله فقه اكيڈمي ٤/ ٥٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/۷/۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۶۲۷۲/۳۴)

دوسو روپئے کے نوٹوں کے ہار کو تین سو روپئے میں بیچنا

سوال [۸۸۰۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میری دوکان جنرل اسٹور کی ہے، میں نوٹوں کا ہار بیچتا ہوں اور نوٹوں کی گڈی خرید کر لاتا ہوں، دوسو روپئے والی گڈی دوسو ۲۷/ روپئے کی لاتا ہوں اور ہار اپنے ہاتھ سے بناتا ہوں، تین سو روپئے کا بیچتا ہوں، قرآن وحدیث کی روشنی میں بتائیں کہ یہ صحیح ہے یا غلط؟

المستفتی: نیاز محمد مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دوسو روپئے کی گڈی دوسو ستر میں خریدنا جائز نہیں ہے، یہ شرعی طور پر سودی کاروبار میں داخل ہوگا اور دوسو کے نوٹوں کے ہار کو تین سو روپئے میں فروخت کرنا جائز ہے؛ اس لئے کہ دوسو روپئے تو ہار کے دوسو کے عوض میں ہوگا اور باقی سو روپئے ہار کی بیل وغیرہ کے عوض میں ہوگا۔

عن ابن عباس -رضي الله عنه- حديث طويل وطرفه: فقال:

ردوه لا حاجة لي فيه، التمر بالتمر، والحنطة بالحنطة، والشعير بالشعير، والذهب بالذهب، والفضة بالفضة، يدا بيد عينا بعين، مثلا بمثل، فمن زاد فهو ربا. الحديث. (المستدرك للحاكم، البيو ع، جديد دارالبشائر الإسلاميه، بيروت ۳/ ۸٦۲، قديم ۲/ ٤۳، رقم: ۲۲۸۲)

ولا يجوز بيع الزيتون بالزيت، والسمسم بالشيرج حتى يكون الزيت والشيرج أكثر مما في الزيتون، والسمسم فيكون الدهن بمثله، والزيادة بالثجير. (هداية، كتاب البيوع، باب الربا، اشرفي ديوبند ۳/ ۸٥، ملتقى الأبحر، دارالكتب العلمية بيروت ۳/ ۱۲٦-۱۲۷، الجوهرة النيرة، إمداديه ملتان ۱/ ۲٦۱، دارالكتاب ديو بند ۱/ ۲٥٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍ربیع الاول ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۳۹۱۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/۳/۱۲ھ

بوسیدہ نوٹ کم قیمت میں فروخت کرنے کا حکم

سوال [۸۸۰۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جب نوٹ بوسیدہ ہوجاتا ہے یا پھٹ جاتا ہے، تو سو کا پھٹا ہوا نوٹ ستر یا اسی روپئے میں چلتا ہے، بتلایئے یہ جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: قمر الدین قاسمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر ملکی کرنسی پھٹ جانے کی وجہ سے مارکیٹ میں اس کی حیثیت عرفیہ گھٹ جائے اور اس روپئے سے کوئی دوسری چیز خریدی نہ جاسکتی ہو کوئی تاجر لینے کے لئے تیار نہ ہو، تو اگر بآسانی بینک میں دے کرنئ اور صحیح کرنسی حاصل کی جاسکتی ہو تو کم

قیمت میں فروخت کرنا جائز نہ ہوگا؛ لیکن اگر آسانی کے ساتھ بینک سے صحیح کرنسی حاصل نہیں کی جاسکتی ہے؛ بلکہ پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑے تو گویا کہ علاقہ میں اس کی حیثیت عرفیہ گھٹ گئی ہے اور چونکہ یہ ثمن عرفی ہے، اس کی ثمنیت کا مدار عرف پر ہے، تو جس قدر اس کی حیثیت گھٹ جائے گی اسی قدر کم پیسے میں اس کو فروخت کرنا جائز ہوگا، مگر اس میں شرط یہ ہے کہ معاملہ اور لین دین دست بدست ہو؛ اس لئے کہ اس کی حیثیت عرفیہ گھٹ جانے کی وجہ سے اگرچہ مختلف القدر ہوگیا ہے؛ لیکن فی الجملہ کسی حد تک یعنی سرکاری سطح پر ثمنیت باقی ہونے کی وجہ سے اتحاد جنسیت باقی ہے۔ (ایضاح النوادر ۱/۱۲۲)

فلا يجوز مبادلة الأوراق النقدية بجنسها متفاضلة، ويجوز إذا كانت متماثلة، والمماثلة ههنا أيضا تكون بالقيمة لا بالعدد، كما في الفلوس، فيجوز أن يباع ورق نقدي قيمته عشر روبيات، بعشرة أوراق قيمة كل واحد روبية واحدة، ولا يجوز أن يباع الأول بأحد عشر ورقا من الثانية.

(تكمله فتح الملهم، كتاب البيوع، باب الصرف، وبيع الذهب بالورق نقدا، أشرفيه ديوبند ۱/ ۵۹۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰/ ذیقعدہ ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۱۹۶)

۹۵/ روپئے ریزگاری کا سو روپئے سے تبادلہ کرنا

سوال [۸۸۰۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عام طور سے ہوٹل یا دوکان والوں کو ریزگاری اور کھلے ہوئے روپیوں اور سکوں کی ضرورت ہوتی ہے؛ اس لئے وہ نوٹ کا ریزگاری سے تبادلہ کرتے ہیں؛ لیکن کمی زیادتی کے ساتھ مثلاً سو کا نوٹ دیا، تو ریزگاری والا صرف ۹۰/ روپئے یا ۹۵/ روپئے

بمشکل ریزگاری دے گا، کیا اس طریقہ سے زرمبادلہ کمی بیشی کے ساتھ درست ہے؟ علت ربوا کا تحقق ہے یا نہیں؟

المستفتی: ابواسامہ قاسمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوروپئے کا نوٹ دے کر ۹۰ یا ۹۵؍روپئے کی ریزگاری دینے میں صراحتاً سود کا تحقق ہوتا ہے؛ اس لئے کمی بیشی کے ساتھ اس طرح کا معاملہ کرنا حرام وناجائز ہے۔ (مستفاد: عزیز الفتاوی، ص: ۶۴۴)

ومن أعطى صيرفيا درهما، وقال: أعطني بنصفه فلوسا وبنصفه نصفا إلا حبة جاز البيع في الفلوس، وبطل فيما بقي عندهما، وعلى قياس قول أبي حنيفة –رحمه الله– بطل في الكل. (هداية، كتاب الصرف، أشرفي ۳/ ۱۱۰، البناية، أشرفيه ۸/ ۴۱۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍جمادی الثانیہ ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۸۱۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۱/۶/۱۴۱۹ھ

۹/ باب السلم

بیع سلم کی تعریف اور شرائط

سوال [۸۸۰۶]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ''بیع سلم'' کیاہے؟اس کی شرطیں تحریر فرمادیں، نیزیہ شرط کہ مسلم فیہ موجود ہواس سے کیامراد ہے؟ کہاں موجود ہونا ضروری ہے،مجلس عقد میں یابائع کے پاس گھر میں یابازار میں؟

المستفتی: محمدانوار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اصطلاح فقہ میں بیع سلم اس کوکہا جاتا ہے کہ پہلے روپئے دے کر غلہ کا نرخ معین کرکے ٹھہرالیا جائے۔

وشرعا بيع آجل، وهو المسلم فيه بعاجل وهو رأس المال. (شامي، كتاب البيوع، باب السلم، كراچی ۵/ ۲۰۹، زكريا ۷/ ٤٥٤)

بیع سلم کےصحیح ہونے کے لئے مندرجہ ذیل شرائط کالحاظ رکھنا ضروری ہے:

(۱) غلہ کی جنس بیان کردی جائے کہ گیہوں ہے یا جو۔

(۲) نوع بیان کردی جائے کہ غلہ کس قسم کی زمین کا ہوگا۔

(۳) صفت بیان کردی جائے کہ عمدہ ہوگا یا گھٹیا۔

(۴) مقدار بیان کردی جائے کہ کتنا غلہ لینا ہے۔

(۵) مدت معین کرلی جائے۔

(۶) جس قدر غلہ لینا ہواس کی پوری قیمت کا روپیہ جوان کے باہمی طے شدہ نرخ سے متعین ہوتا ہے، پہلے ہی یعنی بوقت عقد دے دیا جائے۔

(۷) غلہ کس جگہ پرحوالہ کیا جائے گا اس کوبھی معین کرلیا جائے۔اورجس قسم کے غلہ کی بات

چیت ہوتی ہے، اس کو ’’مسلم فیہ‘‘ کہتے ہیں، اس کا مارکیٹ میں یا علاقہ میں پوری مدت کے زمانہ میں کہیں نہ کہیں دستیاب ہونا ضروری ہے۔

ولا يصح السلم عند أبي حنيفة إلا بسبع شرائط: جنس معلوم، كقولنا: حنطة، أو شعير، ونوع معلوم، كقولنا سقية أو نجسية، وصفة معلومة، كقولنا: جيد أو ردي، ومقدار معلوم، كقولنا: كذا كيلا بمكيال معروف، أو كذا وزنا وأجل معلوم، ومعرفة مقدار رأس المال إذا كان يتعلق العقد على مقداره كالمكيل والموزون والمعدود، وتسمية المكان الذي يوفيه فيه إذا كان له حمل ومؤنة. (هداية، باب السلم، أشرفی ديوبند ۳/ ۹۵، الجوهرة النيرة، إمداديه ملتان ۱/ ۲۶۶، دارالكتاب ديوبند ۱/ ۲۵۹، درمختار كراچی ۵/ ۲۱۴، تا ۲۱۶، زكريا ديوبند /۷/ ۴۶۱ تا ۴۶۴)

ولا يجوز السلم حتى يكون المسلم فيه موجودا من حين العقد إلى حين المحل. (هداية، أشرفی ديوبند ۳/ ۹۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۲۵/۶/۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۴۲۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۶/۲۵ھ

پیشگی رقم لے کر مبیع بعد میں دینا

سوال [۸۸۰۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک مسلمان کا دوسرے کو فصل سے پیشگی رقم دینا اس شرط کے ساتھ کہ بھاؤ بازار کا فصل آنے پر کچھ بھی ہو، مگر اس وقت جو بھاؤ مقرر ہورہا ہے اسی بھاؤ میں جنس کو دینا ہوگا، کیا اس طرح سے خریداری کرنا شرعاً صحیح ہے؟ اور جانبین کے بارے میں کیا حکم ہے؟

المستفتی: محمد یعقوب علی موضع چوہا نگلہ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر عقد مجلس میں رقم پر قبضہ ہو چکا ہے اور فصل میں غلہ دینے کے لئے بات طے ہوگئی ہے کہ وہ کس قسم کا غلہ ہوگا اس کی صفت ومقدار وغیرہ بیان کردی ہے اور فی الحال آپس میں بھاؤ بھی مقرر کرلیا ہے، تو یہ شرعاً بیع سلم ہے، جوکہ جائز ہے، اس میں کسی قسم کی قباحت نہیں ہے۔

ولا يصح السلم عند أبي حنيفة إلا بسبع شرائط: جنس معلوم، كقولنا: حنطة، أو شعير، ونوع معلوم، كقولنا سقية أو نجسية، وصفة معلومة، كقولنا: جيد أو ردي، ومقدار معلوم، كقولنا: كذا كيلا بمكيال معروف، أو كذا وزنا وأجل معلوم، ومعرفة مقدار رأس المال إذا كان يتعلق العقد على مقدار كالمكيل والموزون والمعدود، وتسمية المكان الذي يوفيه فيه إذا كان له حمل ومؤنة. (هداية، باب السلم، أشرفی دیوبند ۳/ ۹۵، الجوهرة النيرة، إمداديه ملتان ۱/ ۲۶۶، دارالكتاب ديوبند ۱/ ۲۵۹، درمختار كراچی ۵/ ۲۱٤، تا ۲۱٦، زكريا ديوبند / ۷/ ٤٦١ تا ٤٦٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ ربیع الاول ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۱۷۵)

پیشگی رقم لے کر مبیع کو فروخت کرنے کی چار شکلوں کا حکم

سوال [۸۸۰۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عوام الناس میں یہ طریقہ رائج ہے کہ کسان تجار سے پیشگی رقم لے کر اپنی کھیتی باڑی کے کام میں صرف کرتے ہیں اور تجار سے ایک نرخ مقرر کرلیتے ہیں کہ بازار میں جو بھاؤ ہو مگر ہم تم کو ۵۰۰/ روپئے کوئنٹل گندم دیں گے، یا بازاری نرخ سے سو روپئے کم میں گندم دیں گے،

گندم کی نوع وجنس مقام سب کچھ مقرر ہو جاتا ہے، اس طرح پیشگی رقم دے کر کم نرخ میں کیل گندم دینا یا بھٹے والے طے کر لیتے ہیں کہ رقم پیشگی دے دو، جب بھٹہ کی نکاسی ہوگی تو پیشگی رقم دینے والے کو ۲۰۰ر فی ہزار کم اینٹ دی جائے گی، یا بھینس والے دودھ کے خریدار سے پیشگی رقم لے لیں کہ جب بھینس بیائے گی تو تم کو دودھ عام قیمت سے دو روپئے کم فی کیلو دیا جائے گا، یہ شکلیں جواز کی ہیں یا نہیں؟

المستفتی: حاجی ضمیر احمد شیر کوٹ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: (۱) سوال میں چار شکلیں ذکر کی گئی ہیں: (۱) کسان سے پانچ سو روپئے فی کوئنٹل پر بات متعین ہوگئی ہے، یہ شکل بیع سلم کے دائرہ میں داخل ہوکر جائز ہوگئی۔

(۲) فصل کے زمانہ میں فصل کا جو بھی بھاؤ ہوگا اس سے سو روپئے کم میں دیا جائے گا، یہ شکل غلہ کی قیمت صحیح طور پر متعین نہ ہونے کی وجہ سے جائز نہ ہوگی۔

(۳) بھٹہ کی نکاسی کے وقت میں ایک ہزار اینٹ دوسو روپئے فی ہزار کم کی شرط بھی جائز نہیں ہے؛ اس لئے کہ نکاسی کے وقت میں ایک ہزار اینٹ کی قیمت کتنی ہوگی یہ اس معاملہ کے وقت متعین نہیں ہے، ہاں البتہ اگر یوں معاملہ کیا جاتا کہ بھٹہ کی نکاسی کے وقت میں بارہ سو اینٹ کی قیمت کا جو اندازہ ہوسکتا ہے اس اندازہ سے کم کر کے ایک ہزار اینٹ کی قیمت اسی وقت متعین کر لی جائے تب جائز ہوسکتا ہے۔

(۴) یہ شکل بھی دودھ کی قیمت صحیح طور پر متعین نہ ہونے کی وجہ سے جائز نہیں ہے؛ اس لئے کہ دودھ لینے کے زمانہ میں عام قیمت کیا ہوگی وہ آج معلوم نہیں ہے۔

وجملة الشروط جمعوها في قولهم إعلام رأس المال، وتعجيله، وإعلام المسلم فيه، وتأجيله، وبيان مكان الإيفاء والقدرة على تحصيله، فإن أسلم مائتي درهم في كرّ حنطة مائة منها دين على المسلم إليه ومائة

نقد، فالسلم في حصة الدين باطل لفوات القبض، ويجوز في حصة النقد لاستجماع شرائطه. الخ (هداية، كتاب البيوع، باب السلم، أشرفي ديوبند ۳/ ۹۷، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ۳/ ۱۴۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۷؍رجب ۱۴۱۹ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۵۸۴۷)

مال کے لئے آرڈر دے کرنہ لینے کا حکم

سوال [۸۸۰۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ضروری گزارش یہ ہے کہ ایک شخص ثمین یورپ کے کسی ملک میں رہتا ہے، دوسرا شخص ہندوستانی ہے ثمین نے ہم سے پانچ لاکھ روپئے کا سامان تیار کرنے کے لئے کہا اور ایک لاکھ روپئے نقد دیئے، ہم نے آرڈر لے لیا اور ایک لاکھ روپئے بھی لے لئے، ہم نے ہندوستان میں مال تیار کروالیا، اب ہم نے مال کی تیاری کے بعد ثمین سے کہا کہ اپنا مال منگوا لیجئے مال تیار ہے، مال کی تیاری کے بعد ثمین کہتا ہے کہ کسی مجبوری میں مال نہیں لوں گا، میرا ایک لاکھ روپئے واپس بھیج دیجئے، ادھر ہم ایک لاکھ سے زائد رقم لگا کر تقریباً پانچ لاکھ کا مال تیار کروا چکے ہیں، ایسے میں دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا ہم ثمین کو وہ ایک لاکھ روپئے کی رقم واپس کرنے کے مکلّف ہیں؟ اگر ایسا ہے تو پھر ہم تو اس سے زائد رقم مال کی تیاری میں خرچ کر چکے ہیں، اس نقصان کی تلافی کا کون ذمہ دار ہوگا؟ اور کیا صورت ہوگی؟ اور اگر واپسی کے مکلّف نہیں ہیں تب پھر مال مصنوع کا کون مالک ہوگا؟ اگر ہم ہی مالک ہے تو کیا اس کو دوسرے کے ہاتھ فروخت کرنے کا اختیار ہے؟ تشفی بخش جواب مطلوب ہے۔

المستفتی: مظاہر حسین، مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب پانچ لاکھ کا مال تیار کرنے کے لئے پیشگی ایک لاکھ

روپئے دے کر آرڈر فائنل کر دیا ہے اور اسی کے مطابق ہندوستان میں مال تیار کروا لیا ہے، اس کے بعد یورپ والا شخص مال لینے سے معذرت خواہی کر رہا ہے، تو ایسی صورت میں تیار شدہ مال نہ بھیجنے سے تیار کرنے والے کا بڑا نقصان ہوسکتا ہے؛ اس لئے اس کو یہ حق ہے کہ یورپ والے شخص کو مال لینے پر مجبور کرے۔ اور اگر وہ لینے کے لئے کسی طرح تیار نہیں ہے، تو وصول شدہ ایک لاکھ روپئے میں سے نقصان کے بقدر تلافی نقصان کے لئے لے سکتا ہے۔ اور بقیہ روپئے واپس کر دینا ضروری ہوگا۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ زکریا ۳/۱۴۱)

لا خيار لهما أما الصانع فلما ذكرنا أولا، وأما المستصنع فلأن الصانع أتلف ماله بقطع الصرم وغيره ليصل إلى بدله، فلو ثبت له الخيار تضرر الصانع؛ لأن غيره لا يشتريه بمثله، ألا ترى! أن الواعظ إذا استصنع منبرا ولم يأخذه فالعامي لا يشتريه أصلا. (عناية مع الفتح، باب السلم قبيل مسائل نشوره، كوئٹه ٦/ ٢٤٤، زكريا ديوبند ٧/ ١٠٩)

إذا أتى الصانع بالمستصنع على الصفة المشروطة روي عن أبي يوسف إنه لازم في حقهما حتى لا خيار لأحدهما لا للصانع ولا للمستصنع أيضا، إن في إثبات الخيار للمستصنع إضرارا بالصانع؛ لأنه قد أفسد متاعه، وأتى بالمستصنع على الصفة المشروطة، فلو ثبت له الخيار لتضرر به الصانع فيلزم دفعا للضرر عنه. (بدائع الصنائع، باب حكم الاستصناع، زكريا ديوبند ٤/ ٤٤٤)

عن أبي يوسف أنه لا خيار لواحد منهما، أما الصانع فلما ذكرنا، وأما المستصنع فلأن في إثبات الخيار له إضرارا بالصانع فربما لا يرغب فيه غيره. (تبيين الحقائق، إمداديه ملتان ٤/ ١٢٤، زكريا ديوبند ٤/ ٥٢٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/ ذیقعدہ ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۷۳۹۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۷/۱۱/۱۴۲۲ھ

تاریخ اور کھیت متعین کئے بغیر فصل سے پہلے گیہوں خریدنا

سوال [۸۸۱۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عبدالرحیم نے فصل سے پہلے سو روپئے کوئنٹل گیہوں کے لئے روپئے پہلے ہی ادا کردئے، تاریخ کوئی مقرر نہیں کی کہ کب تک گیہوں لینا ہے اور کس کھیت کا گیہوں لینا ہے، صرف گیہوں طے کئے، اس طرح پہلے روپئے دے کر اور بھاؤ بازار سے کم شرح پر گیہوں طے کرنا عبدالرحیم کے لئے جائز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: یہ بیع سلم کی صورت ہے اور بیع سلم کے جواز کے لئے چند شرطیں لازم ہیں جن کے بغیر صحیح نہیں ہوسکتی:

(۱) جس چیز کی بیع کی جارہی ہے اس کی جنس معلوم ہونا (۲) اس کی قسم معلوم ہونا (۳) اس کی صفت معلوم ہونا (۴) اس کی مقدار معلوم ہونا (۵) ادائے گی کی مدت معلوم ہونا (۶) نرخ معلوم ہونا (۷) ادائے گی کی جگہ معلوم ہونا۔ صورت مذکورہ میں شرط نمبر: ۲، ۳، ۵، ۷ر مفقود ہیں؛ اس لئے ناجائز ہے۔

وشرطه بيان الجنس، والنوع، والصفة، والقدر، والأجل، وأقله شهر، وقدر رأس المال في المكيل والموزون والمعدود، ومكان الإيفاء فيما له حمل من الأشياء. (كنز الدقائق مع البحر، كتاب البيوع، باب السلم، كوئٹه ٦/ ١٦٠، زكريا ٦/ ٢٦٥، درمختار كراچى ٥/ ٢١٤-٢١٦، زكريا ديوبند ٧/ ٤٦١-٤٦٤، الفقه على المذاهب الأربعة، دارالفكر بيروت ٢/ ٣٠٤، بدائع الصنائع، كراچى ٥/ ٢٠٧، زكريا ديوبند ٤/ ٤٤٠، هداية أشرفي ديوبند ٣/ ٩٥)

لہٰذا دوبارہ شرائط مذکورہ کے مطابق عقد کرنا لازم ہوگا یا فسخ کردیں۔ فقط واللہ سبحانہ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲ ربیع الاول ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۵۸۶)

فصل کاٹنے سے پہلے کاشتکار کو روپئے دینے کا حکم

سوال [۱۱۸۸۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: فصل کاٹنے سے پہلے ایک امام کا کاشتکاروں کو اس شرط پر روپئے دینا اور یہ کہنا کہ بازاری ریٹ جو بھی نکلے اس سے ہمیں کوئی مقصد نہیں ہے، بازاری ریٹ سے پچاس روپئے کم میں مال لوں گا، اگر اس طرح کوئی امام تجارت کرے تو اس امام کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟

المستفتی: ابودرداء، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یہ بیع سلم ہے، جس کے شرائط میں یہ ہے کہ معاملہ طے کرتے وقت بھاؤ متعین کرلیا جائے اور مذکورہ صورت میں بھاؤ متعین نہیں ہوا ہے، جس کی وجہ سے قیمت مجہول ہوگئی ہے؛ لہٰذا قیمت مجہول ہونے کی وجہ سے یہ معاملہ ناجائز ہے، ممکن ہے امام صاحب نے ایسا معاملہ عدم علم کی وجہ سے کیا ہو ان کو بتا دیا جائے کہ معاملہ کے وقت بھاؤ متعین کرلینا اور آپس کی رضامندی سے جو بھی ریٹ متعین ہو جائے اس کے مطابق عمل کرنا جائز ہے، چاہے بازاری بھاؤ سے بہت ہی کم کیوں نہ ہو۔ اور امام صاحب اگر سابقہ معاملہ سے باز آجائیں اور آئندہ ایسا معاملہ نہ کریں، تو ان کے پیچھے نماز بلاکراہت جائز اور درست ہوگی۔ (فتاوی محمودیہ ۶/ ۲۸۱، جدید ڈابھیل ۱۶/ ۲۰۴، ایضاح النوادر ۱/ ۲۲)

ولا یصح السلم عند أبي حنیفة إلا بسبع شرائط (إلی قوله) ومعرفة رأس المال. (هدایة، کتاب البیوع، باب السلم أشرفي دیوبند ۳/ ۹۵، کنز الدقائق مع البحر کوئٹه ۶/ ۱۶۰، زکریا ۶/ ۲۶۵، درمختار کراچی ۵/ ۲۱۴-۲۱۶، زکریا ۷/ ۴۶۱-۴۶۴، الفقه علی مذاهب الأربعة، دارالفکر بیروت ۲/ ۳۰۴، بدائع الصنائع، کراچی ۵/ ۲۰۷، زکریا ۴/ ۴۴۰)

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲ ؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۸۰۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲/ ۵/ ۱۴۱۷ھ

فصل کی کٹائی سے پہلے سو روپئے کوئنٹل گیہوں خریدنا

سوال [۸۸۱۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عبداللہ صاحب فصل سے پہلے لوگوں کو سو روپئے کوئنٹل گیہوں یا دھان پر پیسے دیتے ہیں، یعنی ایک مہینے پہلے پیسے دیتے ہیں اور فصل میں اناج وصول کرتے ہیں، یہ پیسے دینا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: عبدالمجید ہدایت پور، ضلع بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: یہ شرعاً بیع سلم ہے، جو شرعاً جائز ہے۔

فالسلم عقد يثبت به الملك في الثمن عاجلا، وفي المثمن آجلا.

(عالمگيري، كتاب البيوع، الباب الثامن عشر في السلم، زكريا قديم ٣/ ١٧٨، جديد ٣/ ١٧١)

وقوله: وأما بيان حكم السلم فهو ثبوت الملك لرب السلم في المسلم فيه مؤجلا بمقابلة ثبوت الملك في رأس المال المعين، أو الموصوف معجلا للمسلم إليه. (فتاوى عالمگيري، زكريا قديم ٣/ ١٨١، جديد ٣/ ١٧٣، درمختار كراچى ٥/ ٢٠٩، زكريا ٧/ ٤٥٥)

اس میں یہ لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ ایک کوئنٹل گیہوں کس قسم کا ہے؟ کب ادا کرے گا؟ بوقت معاملہ عادل کے سامنے تحریر بھی کر لینا چاہئے، تاکہ بعد میں کوئی اختلاف نہ پیدا ہو۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳ رصفر ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۵۴۲/۲۳)

بیع سلم میں مسلم فیہ کی مقدار کا متعین نہ ہونے کا حکم

سوال [۸۸۱۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: خریدار نے کسان سے پیشگی رقم اس شرط پر لی یا دی کہ فصل کے موقع پر جو بھی بازار کا بھاؤ ہوگا، اس سے کچھ کم پر لوں گا، تو کیا یہ صورت جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: نصیر احمد قاسمی بھاگلپوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس میں مسلم فیہ کی مقدار متعین نہ ہونے کی وجہ سے بیع جائز نہ ہوگی۔

وشروطه: أي شروط صحته التي تذكر في العقد سبعة: بيان جنس، ونوع، وصفة، وقدر -إلى- وبيان قدر رأس المال. (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب البيوع، باب السلم، كراچی ٥/ ٢١٤-٢١٥، زكريا ٧/ ٤٦١، ٤٦٢، هداية أشرفي ديوبند ٣/ ٩٥، هندية، زكريا قديم ٣/ ١٧٩، جديد ٣/ ١٧٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ صفر المظفر ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۱۱۴۴)

بیع سلم کی ایک صورت

سوال [۸۸۱۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: فصل آنے سے پہلے ایک شخص ۱۵۰ روپئے فی کوئنٹل کے حساب سے کسی مجبور انسان کو اس شرط پر دیتا ہے کہ جب فصل آئے تو مجھ کو غلہ دے دینا، جب کہ فصل میں سرکاری ریٹ

۲۲۰ ؍دوسوبیس روپئے فی کوئنٹل پہلے ہی معلوم ہو چکا ہے، تو کیا اس طرح پیشگی روپئے دے کر معاملہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ فقط

المستفتی: نسیم احمد، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مسئولہ شرعا بیع سلم میں داخل ہے اور بیع سلم کا مطلب یہی ہے کہ پیسہ والا مالدار شخص پیسوں سے مجبور شخص کو اس شرط پر پیسہ دے دے کہ فصل پر طے شدہ معاہدہ کے مطابق غلہ حاصل کرے، چاہے طے شدہ معاہدہ میں غلہ کی قیمت فصل کے بھاؤ کے بنسبت بہت کم کیوں نہ ہو اور اس طرح معاہدہ اور معاملہ کرنا قرآن وحدیث سے ثابت ہے۔

عن ابن عباس –رضي الله عنه– قال: قدم رسول الله ﷺ المدينة وهم يسلفون بالثمر السنتين والثلاث، فقال رسول الله ﷺ: من أسلف في شيء ففي كيل معلوم، ووزن معلوم إلى أجل معلوم. (صحيح البخاري، كتاب السلم ۱/ ۲۹۹، رقم: ۲۱۸۸، ف: ۲۲٤۰، صحيح مسلم، كتاب المساقاة، باب السلم، النسخة الهندية ۲/ ۳۱، بيت الأفكار، رقم: ۱٦۰٤)

السلم عقد مشروع بالكتاب وهو آية المداينة ...... قوله عليه السلام: من أسلم منكم فليسلم في كيل معلوم، ووزن معلوم إلى أجل معلوم. (هداية، كتاب البيوع، باب السلم، اشرفی دیوبند ۳/ ۹۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷ ؍ربیع الاول ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۲۱۷۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۷/ ۳/ ۱۴۱۱ھ

بیع سلم کی ایک جائز صورت

سوال [۸۸۱۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: ہماری طرف عام طور سے لوگ پیشگی رقم اس شرط پر لیتے ہیں، مثلاً دھان کا موسم ہے تو پیشگی رقم لے لی اور یہ طے کرلیا کہ اس وقت آپ کو ساٹھ ستر روپئے من دھان دوں گا۔

المستفتی: نصیر احمد قاسمی، بھاگلپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر معاملہ اس طرح پر کیا جاتا ہے کہ مثلاً ساٹھ روپئے اس وقت وصول کرلئے جائیں اور ایک یا دو ماہ کے بعد فصل کے موقع پر ایک من دھان دیا جائے گا تو یہ شرعاً بیع سلم ہے اور جائز ہے۔

ولا يصح السلم عند أبي حنيفة إلا بسبع شرائط: جنس معلوم، كقولنا: حنطة، أو شعير، ونوع معلوم، كقولنا سقية أو نجسة، وصفة معلومة، كقولنا: جيد أو ردي، ومقدار معلوم، كقولنا: كذا كيلا بمكيال معروف. الخ (هداية، كتاب البيوع، باب السلم، أشرفی دیوبند ۳/ ۹۵، كنز الدقائق مع البحر، کوئٹه ٦/ ١٦٠، زكريا ٦/ ٢٦٥، درمختار كراچی ٥/ ٢١٤، زكريا دیوبند / ٧/ ٤٦١، بدائع الصنائع، كراچی ٥/ ٢٠٧، زكريا دیوبند ٤/ ٤٤٠)

وفي الهندية: الرابع: أن يكون معلوم القدر بالكيل أو الوزن. (فتاوى عالمگيري زكريا قديم ۳/ ۱۷۹، جديد ۳/ ۱۷۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍صفر ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۱۱۴۴)

بیع سلم کا مشہور معاملہ

سوال [۸۸۱۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید ایک کاشتکار ہے، اسے کچھ روپیوں کی ضرورت ہے، اس نے ایک تاجر سے معاملہ کیا کہ وہ اسے پانچ ہزار روپئے دے دے غلہ کی فصل آنے پر وہ اسے پانچ کوئنٹل غلہ دے دے گا،

چاہے اس وقت غلہ کا بھاؤ کچھ بھی ہو، تو کیا اس طرح کا معاملہ کرنا شرعاً درست ہے؟

المستفتی: رکن الدین پاکبڑہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ میں ذکرکردہ معاملہ بیع سلم کا معاملہ ہے۔ اور اس طرح رقم دے کر وقت مقررہ پر متعین مقدار غلہ لینا شرعاً جائز اور درست ہے، غلہ کی وصولیابی کے دن اس کی موجودہ قیمت کا کوئی اعتبار نہیں۔

أخرج البخاري عن ابن عباس -رضي الله عنه- حديثا طويلا طرفه هذا: من سلف في تمر فليسلف في كيل معلوم، ووزن معلوم. (الحديث) وأخرج أيضا تعليقا عن ابن عمر -رضي الله عنه- قال: لا بأس بالطعام الموصوف بسعر معلوم إلى أجل معلوم. (بخاري، كتاب السلم، باب السلم في كيل معلوم ١/ ٢٩٨، رقم: ٢١٨٧، ف: ٢٢٣٩، باب السلم إلى أجل معلوم ١/ ٣٠٠، رقم الباب: ٧، صحيح مسلم، كتاب المساقاة، باب السلم، النسخة الهندية ٢/ ٣١، بيت الأفكار، رقم: ١٦٠٤)

بيع السلم: هو شرعاً بيع أجل، وهو المسلم فيه بعاجل وهو رأس المال. (شامي، كتاب البيوع، باب السلم، كراچی ٥/ ٢٠٩، زكريا ٧/ ٤٥٤، هندية، زكريا قديم ١٧٨، جديد ٣/ ١٧١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۹۹۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۴/۶ھ

قیمت کی ادائے گی کے چھ ماہ بعد مال وصول کرنا

سوال [۸۸۱۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید لوہے کا کاروبار کرتا ہے، خالد نے لوہے کا سریا خریدنے کے لئے تین ہزار روپے

کوئنٹل کے حساب سے پیسے جمع کئے اورسریا کون سی کمپنی کا ہوگا، کتنے سوت کا ہوگا سب باتیں طے ہوگئیں اور چھ مہینے کے بعد لینا طے ہوگیا۔ اور ایک بات یہ طے ہوئی کہ اگر چھ مہینے کے بعدسریے کی قیمت چار ہزار روپے کوئنٹل بھی ہوگئی تب بھی تین ہزار روپئے کوئنٹل ہی کے حساب سے لین دین ہوگا، اس کے ساتھ زید جو بائع ہے،اس نے خالد سے کہا: اگر چھ مہینے کے بعدسریے کی قیمت تین ہزار سے کم ہوگئی، تو میں آپ سے کم ہی کے پیسے لوں گا، اس پر معاملہ طے ہوگیا، معلوم یہ کرنا ہے، کیا یہ معاملہ بیع وشراء کا درست ہے؟

المستفتی: سعید احمد امام مسجد کاشی واڑی پونہ، مہاراشٹر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ میں مذکورہ معاملہ خرید وفروخت کی ایک قسم بیع سلم کا معاملہ ہے اور بیع سلم میں رأس المال یعنی قیمت کا متعین اور حتمی ہونا ضروری ہوتا ہے۔ اور ذکر کردہ صورت میں فریقین کے درمیان قیمت کی حتمی تعیین نہیں ہوئی؛ بلکہ یہ طے قرار پایا ہے کہ چھ مہینے بعد مال کی سپردگی کے وقت اگر اس کی قیمت مقرر کردہ قیمت سے کم ہوگئی ہوتو خریدار خالد کو اسی کے حساب سے قیمت ادا کرنی ہوگی۔ اور اسی شرط کے ساتھ معاملہ ہوا، بریں بنا یہ معاملہ قیمت کی عدم تعیین اور جہالت کے سبب ناجائز قرار دیا جائے گا؛ البتہ اگر اس طرح کی شرط نہ لگائی ہو بلکہ صرف یہ طے ہوا ہو کہ تین ہزار روپئے فی کوئنٹل ادا کردیا جائے اور مال کی سپردگی کے وقت اس کی جو کچھ بھی قیمت ہو اس کا اعتبار نہ کیا جائے، تو یہ معاملہ جائز اور درست ہوگا۔

يشترط بيان قدر رأس المال. (كنز الدقائق، كتاب البيوع، باب السلم، درمختار كراچى ٥/ ٢١٥، زكريا ٧/ ٤٦٢، هداية، أشرفي ديوبند ٣/ ٩٥)

شرطه: بيان قدر رأس المال إذا كان العقد يتعلق على مقداره. (تبيين الحقائق، إمداديه ملتان ٤/ ١١٦، زكريا ٤/ ٥١٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۲۲۰)

دھان پر پیسہ دینا

سوال [۸۸۱۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: دھان پر پیسہ دینااس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ ستمبر، اکتوبر کے مہینے میں ہمارے یہاں مزدورلوگ مزدوری نہ ملنے کی وجہ سے مالداروں سے قرض لینے جاتے ہیں، تووہ کہتے ہیں کہ قرض اس شرط پر دوں گا کہ ابھی پچاس روپئے لے جاؤ دو ماہ بعد جب دھان کی فصل کٹے گی تو ایک من دھان لوں گا، حالانکہ جس وقت روپئے دے رہا ہے اس وقت ایک من دھان کی قیمت ۳۰۰/ روپئے ہے۔ اور جس وقت دھان لے گا اس وقت بھی کم ازکم ایک من دھان ۱۵۰/ روپئے کا ہوگا، یعنی قرض کے اس پچاس روپئے کا دھان کی قیمت سے کچھ بھی برابری نہیں ہے؛ لیکن بیچارے غریب لوگ مجبوراً لیتے ہیں، تو کیا یہ معاملہ شرعاً جائز ہے؟ ہمارے علاقہ میں یہ سودی معاملہ مشہور ہے۔

المستفتی: محمد عبداللہ رشیدی جامعہ اشاعت سنیہ رام گنج، مغربی بنگال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یہ بیع سلم کی شکل ہے کہ مزدور نے مالدار سے پچاس روپئے اس شرط پر لئے کہ دھان کی فصل آنے پر وہ ایک من دھان اس مالدار کو دے گا، تو یہ شرعاً جائز اور درست ہے۔ اور علاقہ والوں کا اس کو سودی معاملہ کہنا شرعی مسئلہ سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔

وشرطه: قبض رأس المال قبل أن يتفرقا؛ لأن السلم ينبئ عن أخذ عاجل بآجل، وذلك بالقبض قبل الافتراق. (البحر الرائق، كتاب البيوع، باب السلم، كوئٹه ٦/ ١٦٢، زكريا ٦/ ٢٧١، هداية، أشرفي ديوبند ٣/ ٩٦، درمختار، كراچی ٥/ ٢١٦، زكريا ٧/ ٤٦٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۶۵۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۲۳/۵/۹ھ

بیع سلم میں روپئے کے عوض دھان لینے کی شرط کا حکم

سوال [۸۸۱۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) گیہوں کے سلسلہ میں ہم لوگ یہ کاروبار کرتے ہیں کہ ہم نے کسی سے کہا کہ ہمیں پچاس ہزار روپئے دے دو، ہم تمہیں اس کے عوض میں گیہوں دے دیں گے، مثلاً ۵۰۰/ روپئے کے حساب سے ۱۰۰/کوئنٹل گیہوں دیں گے، پھر بعض دفعہ گیہوں کے ریٹ کم زیادہ ہوتے ہیں، تو روپئے لینے والا دیتے وقت گیہوں کی جو قیمت (ریٹ) ہوتے ہیں اسی حساب سے دیتا ہے، تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

(۲) اس مسئلہ میں ایک بات یہ بھی دریافت طلب ہے کہ اگر گیہوں دے تو ۱۰۰/کوئنٹل جو طے ہیں، اتنے ہی دینے پڑیں گے، یا ادائے گی کے وقت جو ریٹ ہوں گے اس کے حساب سے پچاس ہزار روپئے کے گیہوں کم یا زیادہ دے سکتے ہیں؟

(۳) اور اگر روپئے لینے والا گیہوں ادا نہ کر کے صرف ادائے گی کے وقت ریٹ لگا کر ۱۰۰/ کوئنٹل کی رقم ادا کرے جو پچاس ہزار سے کم بھی ہوسکتی ہے، زیادہ بھی ہوسکتی ہے، تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: شرف الدین ہیبت پور، جویا، جے پی نگر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر روپیوں کا معاملہ کرتے وقت مجلس عقد میں گیہوں وغیرہ کی مقدار نیز ان کا وصف ادائے گی کا مقام بیان کر دیا جائے تو یہ معاملہ شرعاً بیع سلم کے دائرہ میں داخل ہو کر جائز ہوتا ہے۔ اور اگر معاملہ کے وقت مذکورہ شرائط واضح نہ ہوں، تو پھر معاملہ درست نہ ہوگا؛ لہٰذا سوال نامہ میں جو شقیں لکھی گئیں ہیں ان میں سے جس شق میں یہ بات مذکور ہے کہ آپ ہم کو پچاس ہزار روپئے دے دو ہم آپ کو سو کوئنٹل گیہوں دیں گے، یہ معاملہ بیع سلم کے دائرہ میں داخل ہو کر جائز ہوگا، ادائے گی کے وقت گیہوں کا بھاؤ کم وزیادہ

کچھ بھی ہو اس کا اعتبار نہیں ہے، سو کوئنٹل ہی ادا کرنے ہوں گے، باقی جو شقیں سوال نامہ میں درج ہیں ان میں سے کوئی بھی شق شرعاً جائز نہیں ہے۔

عن ابن عباس –رضي الله عنه– قال: قدم رسول الله صلى الله عليه وسلم المدينة وهم يسلفون بالثمر السنتين والثلث، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من أسلف في شيء ففي كيل معلوم، ووزن معلوم إلى أجل معلوم. (صحيح البخاري، كتاب السلم ١/ ٢٩٩، رقم: ٢١٨٨، ف: ٢٢٤٠، صحيح مسلم، كتاب المساقاة، باب السلم، النسخة الهندية ٢/ ٣١، بيت الأفكار، رقم: ١٦٠٤، سنن الترمذي، أبواب البيوع، باب ماجاء في السلف في الطعام والتمر، النسخة الهندية ١/ ٢٤٥، دارالسلام، رقم: ١٣١١)

هو جائز في الميكلات والموزونات لقوله عليه السلام: من أسلم منكم فليسلم في كيل معلوم، ووزن معلوم إلى أجل معلوم. (هداية، كتاب البيوع، باب السلم، أشرفي ديوبند ٣/ ٩٢، درمختار، كراچی ٥/ ٢٠٩، زكريا ٧/ ٤٥٥، البحرالرائق، كوئٹه ٦/ ١٥٥، زكريا ٦/ ٢٥٩، مجمع الأنهر، قديم ٢/ ٩٧، جديد دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ١٣٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ / جمادی الثانیہ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۷۹۹)

قرض کی رقم کے عوض میں دھان لینا

سوال [۸۸۲۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید عمر سے ۳۰۰/ روپئے قرض لینا چاہتا ہے، عمر یہ شرط رکھتا ہے کہ آپ ان ۳۰۰/ کے بدلہ ایک کوئنٹل دھان دے دینا جب کہ قرض کے وقت دونوں فریق کو معلوم ہے کہ دھان کا سرکاری بھاؤ پانچ سو روپئے ہے۔ اور جب دھان ادا کرنے ہوں گے، اس وقت بھی پانچ سو

روپئے کوئنٹل کا بھاؤ ہے، تو دریافت یہ کرنا ہے کہ اس طرح قرض کے بدلہ ایک کوئنٹل دھان متعین کرنا، جب کہ وہ قرض پر لی ہوئی رقم سے زائد قیمت کے ہیں، تو یہ شریعت کی روشنی میں جائز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال میں مذکور معاملہ بیع سلم کے دائرہ میں داخل ہوکر اس وقت جائز ہوسکتا ہے جب کہ معاملہ کرتے وقت دھان کا وصف مثلاً باسمتی، ہنسراج، سرجو باون، سرجو ۴۹/ نیز ادائے گی کا مقام وغیرہ بیان کردیا جائے، اگر یہ شرائط عقد کے وقت واضح نہ ہوں، تو پھر یہ معاملہ جائز نہ ہوگا۔

عن ابن عباس –رضي الله عنه– قال: قدم رسول الله ﷺ والناس يسلفون، فقال لهم رسول الله صلى الله عليه وسلم: من أسلف فلا يسلف إلا في كيل معلوم، ووزن معلوم. (صحيح مسلم، كتاب المساقاة، باب السلم، النسخة الهندية ٢/ ٣١، بيت الأفكار، رقم: ١٦٠٤، صحيح البخاري، كتاب السلم ١/ ٢٩٨، رقم: ٢١٨٧، ف: ٢٢٤٠، سنن الترمذي، أبواب البيوع، باب ماجاء في السلف في الطعام والتمر، النسخة الهندية ١/ ٢٤٥، دارالسلام، رقم: ١٣١١)

هو جائز في الميكلات والموزونات لقوله عليه السلام: من أسلم منكم فليسلم في كيل معلوم، ووزن معلوم إلى أجل معلوم. (هداية، كتاب البيوع، باب السلم، أشرفي ديوبند ٣/ ٩٢، درمختار، كراچی ٥/ ٢٠٩، زكريا ٧/ ٤٥٥، البحرالرائق، كوئٹه ٦/ ١٥٥، زكريا ٦/ ٢٥٩، مجمع الأنهر، قديم ٢/ ٩٧، جديد دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ١٣٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۷۷۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۶/۱۹ھ

بیع سلم میں روپئے کے عوض دھان لینے کی شرط

سوال [۸۸۲۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے عمر سے پانچ ہزار روپئے کی رقم طلب کی اوراس کے عوض فصل کا دھان پانچ سو روپئے فی کوئنٹل کے حساب سے دس کوئنٹل دھان دینے پر اپنی رضامندی ظاہر کی، اوراس پر دونوں میں اتفاق ہوگیا، جب کہ ابھی دھان بویا جارہا ہےاور فصل آنے میں تین یا چار ماہ باقی ہیں، اس طرح یہ بیع قرآن وحدیث کی روشنی میں جائز ہے یانہیں؟

المستفتی: محمد الیاس نگلیاعاقل، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یہ شرعی طور پر بیع سلم ہے جو جائز اور درست ہے۔

وجملة الشروط جمعوها في قولهم: إعلام رأس المال، وتعجيله، وإعلام المسلم فيه، وتأجيله، وبيان مكان الإيفاء، والقدرة على تحصيله.

(هداية، كتاب البيوع، باب السلم، أشرفي ديو بند ۳/ ۹۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۰ ربیع الاول ۱۴۱۹ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۶۸۶)

ادھار معاملہ میں قیمت میں زیادتی اور بیع سلم سے متعلق ایک سوال

سوال [۸۸۲۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) گیہوں کی قیمت پانچ روپئے ہے، بکر نے زید سے چھ مہینے کے ادھار پر گیہوں خریدے، زید نے بکر کو اس شرط پر گیہوں دیئے کہ آپ کو آٹھ سو روپئے کے دام دینے ہوں گے، یہ معاملہ شریعت کی رو سے جائز ہے یانہیں؟

(۲) بکر نے زید سے آٹھ سو روپئے کے حساب سے ادھار گیہوں خریدے، زید نے اس شرط پر گیہوں دیئے کہ آپ کو تین سو روپئے کے حساب سے مونجی دینی ہوگی، بکر نے اس شرط کو منظور کرلیا؛ حالاں کہ فصل آنے پر مونجی کا بھاؤ پانچ روپئے کو ہے، تو اس طرح بیع کرنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: شمس الدین علی پور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) مسئولہ صورت میں خرید وفروخت کا اس طرح ادھار معاملہ کرنا جائز ہے؛ اس لئے کہ ادھار کی وجہ سے قیمت میں زیادتی کرنا شرعاً وعرفاً درست ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۸/۴۰، جدید زکریا مطول ۱۱/۱۳۴-۱۳۶، امداد الفتاوی ۳/۲۰، محمودیہ قدیم ۱۳/۳۱۳، جدید ڈابھیل ۱۶/۱۵۱، رحیمیہ قدیم ۹/۲۵۲-۲۵۴، جدید زکریا ۹/۱۹۶)

ألا یری! أنه یزاد في الثمن لأجل الأجل. (هداية، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، اشرفی دیوبند ۳/ ۷٤، البحرالرائق، کوئٹہ ٦/ ١١٤، زکریا ٦/ ١٩٠، شامي، زكريا ٧/ ٣٦١، کراچی ٥/ ١٤٢)

(۲) فی نفسہ خرید وفروخت کا سوال میں ذکر کردہ معاملہ فاسد ہے؛ البتہ اگر خرید وفروخت کا معاملہ کرتے وقت تمام گیہوں کی مقدار اور اس کا پیسہ متعین ہوجائے، پھر اس پوری مقدار میں سے تین سو روپئے کے حساب سے فصل میں فی کوئنٹل مونجی وصول کرنے کی بات اسی مجلس میں طے ہوجائے، تو ایسی صورت میں اس کو بدل سلم قرار دے کر بیع سلم کے دائرہ میں داخل کرکے جائز کہا جاسکتا ہے۔

عن ابن عباس –رضي الله عنه– قال: قدم رسول الله ﷺ والناس يسلفون، فقال لهم رسول الله صلى الله عليه وسلم: من أسلف فلا يسلف إلا في كيل معلوم، ووزن معلوم. (صحيح مسلم، كتاب المساقاة والمزارعة، باب السلم، النسخة الهندية ٢/ ٣١، بيت الأفكار، رقم: ١٦٠٤)

هو جائز في الميكلات والموزونات لقوله عليه السلام: من أسلم

منكم فليسلم في كيل معلوم، ووزن معلوم إلى أجل معلوم. (هداية، كتاب البيوع، باب السلم، أشرفي ديوبند ۳/ ۹۲، درمختار، کراچی ۵/ ۲۰۹، زکریا ۷/ ۴۵۵، البحر الرائق، کوئٹه ۶/ ۱۵۵، زکریا ۶/ ۲۵۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰؍جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۶۶۶۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۵/۲۰ھ

باغات کی فصل فروخت کرنے کی ایک شکل

سوال [۸۸۲۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) زید نے اپنے آم کے باغ کی فصل کو اس شرط پر فروخت کیا کہ قیمت کے علاوہ خریدار زید کو دو کوئنٹل آم ۵؍روپئے فی کلو کے حساب سے دے گا۔

(۲) یا دوسری صورت میں کل قیمت کے علاوہ دو کوئنٹل آم خریدار مالک باغ زید کو دے گا، ان دونوں صورتوں میں کون سی صورت جائز ہے؟ برائے کرم تحریری جواب سے مطلع فرمائیں۔

المستفتی: محمد اکبر امام علی مسجد شیر کوٹ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: باغات کی فصل فروخت کرنے کی بہت سی شکلیں ہیں، ان میں سے بعض شکلیں جائز ہیں۔ اور بعض شکلیں ناجائز ہیں۔ سوال نامہ میں جس شکل کا ذکر ہے، اگر یہ جواز کی شکل ہے، تو اس میں فصل کی فروختگی کے ساتھ دو کوئنٹل آم پانچ روپئے فی کلو کے حساب سے لینے کی جو بات کہی گئی ہے، اگر یہ معاملہ اس طرح ہوا ہے کہ فصل کی قیمت الگ سے متعین ہوچکی ہے، پھر الگ سے بائع اور مشتری کے درمیان یہ معاملہ طے ہوا ہے کہ مشتری چونکہ باغ والا بن چکا ہے، پانچ روپئے فی کلو کے حساب سے دو کوئنٹل آم مالک باغ کے ہاتھ فروخت کرنے کی بات طے ہوگئی اور آم کی قسم بھی بیان کردی گئی ہے، دیسی ہے،

دسہری ہے، یا چوسہ ہے وغیرہ اور مالک نے دو کوئنٹل آم کی قیمت معاملہ کے وقت نقد ادا کر دی ہے اور آم کے بارے میں یہ شرط نہیں لگائی ہے کہ اسی باغ میں سے دینا ہوگا؛ بلکہ کہیں سے بھی دے سکتا ہے، تو ایسی صورت میں دو کوئنٹل آم کا معاملہ بیع سلم کے دائرہ میں داخل ہو کر جائز ہو جائے گا اور جو شرائط اوپر ذکر کی گئی ہیں، اگر یہ شرائط معاملہ میں موجود نہیں ہیں، تو یہ شکل جائز نہ ہوگی۔

عن ابن عباس – رضي الله عنه – قال: قدم رسول الله ﷺ والناس يسلفون، فقال لهم رسول الله صلى الله عليه وسلم: من أسلف فلا يسلف إلا في كيل معلوم، ووزن معلوم. (صحيح مسلم، كتاب المساقاة والمزارعة، باب السلم، النسخة الهندية ٢/ ٣١، بيت الأفكار، رقم: ١٦٠٤)

هو جائز في الميكلات والموزونات لقوله عليه السلام: من أسلم منكم فليسلم في كيل معلوم، ووزن معلوم إلى أجل معلوم. (هداية، كتاب البيوع، باب السلم، أشرفي ديوبند ٣/ ٩٢، البحرالرائق، كوئٹه ٦/ ١٥٥، زكريا ٦/ ٢٥٩)

(۲) یہ صورت اس طرح جائز ہے کہ فصل کی قیمت جو متعین کی گئی ہے۔ اور ساتھ میں مالک کو دو کوئنٹل آم دینے کی شرط لگائی ہے، تو دو کوئنٹل آم جز وثمن بن جائے گا؛ لہٰذا دو کوئنٹل آم اور وہ قیمت جو فریقین کے درمیان طے ہوتی ہے دونوں مل کر فصل کی قیمت بن گئی ہے؛ اس لئے یہ صورت شرعاً معتبر و جائز ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۱۱/ ۲۸۶، جدید ڈابھیل ۱۶/ ۱۰۱)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ ربیع الاول ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۵۲۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۹/۳/۱۴۲۱ھ

۱۰/ باب الاستصناع

بیع استصناع

سوال [۸۸۲۴]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) شہر مالیگاؤں میں کپڑوں کے بنکروں اور بیوپاریوں نیز سوت کے بیوپاریوں کے درمیان ایک طریقۂ تجارت رائج ہے، جسے ’’فارورڈ ڈیلیوری‘‘ یعنی مستقبل میں مال فراہم کرنے کا طریقہ، اس طرز تجارت میں ہوتا یہ ہے کہ آج مثلاً ۲۵/ جون کو بنکر اور کپڑے کا بیوپاری دونوں آپس میں مستقبل کی کسی تاریخ پر سودا طے کرتے ہیں، اس طور پر کہ بنکر، بیوپاری کو (مثلاً) کپڑے کی ایک سو گانٹھ فلاں تاریخ تک تیار کر کے دے گا، کپڑے کی کوالیٹی، قیمت اور مقدار وغیرہ سب اسی وقت متعین کرلیا جاتا ہے، مدت بسا اوقات متعین کی جاتی ہے اور بعض مرتبہ طے نہیں کی جاتی، اس صورت میں بیوپاری بنکر کو خام مال نہیں دیتا اور نہ ہی پیشگی (ایڈوانس یا ڈپازٹ کے طور پر) کچھ رقم دیتا ہے؛ بلکہ بنکر کو خود ہی خام مال حاصل کر کے آرڈر کے مطابق تیار مال دینا ہوتا ہے، یہ خام مال بنکر کے پاس کبھی موجود ہوتا ہے اور کبھی موجود نہیں ہوتا، خام مال موجود نہ ہونے کی صورت میں بنکر کو یہ مال بازار سے ’’فارورڈ ڈیلیوری‘‘ ہی کی صورت میں سوت کے بیوپاری سے خریدنا پڑتا ہے اور بیوپاری کے آرڈر کے مطابق بنکر حسب سہولت مال تیار کر کے کئی قسطوں میں دیتا ہے، بیوپاری جب مال وصول کرتا ہے، تو اس کو جانچتا ہے، اگر کپڑے کی کوالیٹی وغیرہ طے شدہ شرائط کے مطابق ہوتی ہیں تو جتنی مقدار میں مال اس کو پہنچتا ہے، اتنے مال کا پیسہ وہ طے شدہ قیمت کے مطابق چیک یا نقد کی صورت میں ادا کر دیتا ہے، بیوپاری جس وقت مال وصول کرتا ہے، تو وہ اس موقع پر طے شدہ قیمت کے مطابق ہی اس مال کا پیسہ دیتا ہے، چاہے اس زمانہ میں اس مال کی بازاری قیمت طے شدہ قیمت کی بہ نسبت بہت گھٹ گئی ہو یا بہت بڑھ گئی ہو۔ اس کے برعکس اگر وہ مال آرڈر اور طے

شدہ شرائط کے مطابق نہ ہو اور اس میں عیب وغیرہ ہو، تو وہ اس مال کو رد کر دیتا ہے، چنانچہ بنکر کو ازسرنو مال تیار کرکے دینا پڑتا ہے، اور جس مال کو بیوپاری نے رد کر دیا ہے، اسے بنکر کو مجبوراً کم داموں میں نقصان کے ساتھ بازار میں فروخت کرنا پڑتا ہے۔

(۲) کبھی بازار کا بھاؤ اچھا ہو تو بنکر آرڈر سے زیادہ مال تیار کرتا ہے اور دوسرے بیوپاریوں کو اپنی قیمت میں وہ مال دے کر زیادہ نفع حاصل کر لیتا ہے، اس صورت میں یہ بنکر جس بیوپاری سے مستقبل کی تاریخوں میں سودا کر چکا ہوتا ہے، اس کو یا تو معاہدہ کے مطابق مال دے نہیں پاتا یا اگر دیتا ہے، تو مقررہ مقدار سے کم دیتا ہے۔

(۳) اور کبھی ایسا موقع بھی آتا ہے کہ بیوپاری اپنے آرڈر کے مطابق مال لینے سے انکار کر دیتا ہے، یعنی بنکر اس بیوپاری کو جتنی مدت میں مال کی جو مقدار دینے کا پابند ہوتا اس قدر مال تیار ہونے اور مدت پوری ہونے سے پہلے ہی بیوپاری اس معاہدہ کو منسوخ کر دیتا ہے، اس صورت میں اگر اس تیار مال کی قیمت بازار میں اچھی ہو یا وہی قیمت ہو جو دونوں کے درمیان طے ہوئی تھی، تو ٹھیک۔ اور اگر اس قیمت سے کم میں اسے فروخت کرنا پڑے تو بعض بنکر اس کمی کی تلافی کا مطالبہ (ڈیفرینس کے نام سے) بیوپاری سے کرتا ہے اور بیوپاری کو اس کا ضمان اس تلافی اور ڈیفرینس کے نام پر دینا پڑتا ہے، بعض بنکر اس ڈیفرینس کو چھوڑ بھی دیتے ہیں۔

مذکورہ بالا تینوں صورتوں میں وضاحت طلب امر یہ ہے کہ:

(۱) یہ کاروبار بیع کی کس قسم سے تعلق رکھتا ہے؟

(۲) اس کاروبار کو ''استصناع'' کا عنوان دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

(۳) استصناع کے صحیح ہونے کی شرطیں کیا ہیں؟ اور اس کاروبار میں استصناع کی تمام شرطیں پائی جاتی ہیں یا نہیں؟

(۴) استصناع میں جن باتوں کا ہونا ضروری ہے، ان میں سے اگر کوئی ایک شرط نہ پائی جائے تو اس وقت کیا حکم ہوگا؟

(۵) ''فارورڈ ڈیلیوری'' کے مذکورہ بالا طریقہ کے مطابق کپڑے اور سوت کی خرید وفروخت کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

(٦) معاہدہ کی مدت میں ایک جگہ بیوپاری سے ملے ہوئے مال کے آرڈر سے زیادہ مقدار میں مال تیار کرنا اوراسے کسی اور بیوپاری کے ہاتھوں زیادہ منافع کے ساتھ فروخت کرنا، تاکہ نفع زیادہ حاصل ہواور جس بیوپاری سے معاہدہ ہے، اس کو معاہدہ کی مدت میں مال نہ دینا یا طے شدہ مقدار سے کم مال دینے کا شرعاً کیا حکم ہے؟ اس طریقہ سے حاصل ہونے والا نفع حلال ہوگا یا حرام؟

(٧) بیوپاری اگر اپنے آرڈر کا پورا مال لینے سے انکار کردے اور مدت پوری ہونے سے پہلے معاہدہ کو توڑ دے، تو پھر وہ مال کم قیمت میں فروخت ہونے کی صورت میں بیوپاری سے اس فرق کی رقم بطور ڈیفرینس لی جاسکتی ہے یا نہیں؟ فقط والسلام- **بینوا بالکتاب و السنة توجروا إن شاء الله تعالیٰ-**

المستفتی: الحاج محمد ایوب، مالیگاؤں

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: سوال نامہ میں ذکر کردہ طریقۂ تجارت میں بیع استصناع کی شکل معلوم ہوتی ہے۔ اور بیع استصناع کے صحیح ہونے کے لئے مبیع کی جنس ونوعیت اور مقدار وصف کا اس طرح معلوم ہونا شرط ہے کہ مبیع مکمل طور پر متعین ہوجائے؛ لہٰذا سوال میں ذکر کردہ طریقۂ تجارت کے مطابق معاملہ کرنا شرعاً صحیح اور درست ہے۔

إنما جاز الاستصناع فيما للناس فيه تعامل إذا بين وصفا على وجه يحصل التعريف. (هندية، كتاب البيوع، الباب التاسع عشر، مطلب الاستصناع، زكريا قديم ٣/ ٢٠٧، جديد ٣/ ١٩٥)

أما صورة الاستصناع فهي أن يقول إنسان لصانع من خفاف أو صفار أو غيرهما: إعمل لي خفا، أو آنية من أديم، أو نحاس من عندك بثمن كذا، ويبين نوع ما يعمل، وقدره، وصفته، فيقول الصانع: نعم. (بدائع الصنائع، كتاب الاستصناع، كراچی ٥/ ٢، زكريا ديوبند ٤/ ٩٣)

أما شرائط جوازه: فمنها: بيان جنس المصنوع، ونوعه، وقدره، وصفته؛ لأنه لا يصير معلوما بدونه. (بدائع الصنائع، زكريا ديوبند ٤/ ٩٤)

صانع کا مال تیار کر کے مستصنع یعنی بیوپاری کے علاوہ دوسرے کے ہاتھ فروخت کرنا شرعاً درست ہے؛ اس لئے کہ وہ اسی کا مال ہے، وہ اپنا مال کسی کے بھی ہاتھ فروخت کرسکتا ہے؛ لیکن اس نئے آرڈر دینے والے کے ساتھ وعدہ خلافی اور دھوکہ کا معاملہ کیا ہے؛ اس لئے وہ سخت گنہ گار ہوگا۔

عن عبدالله قال: قال رسول الله ﷺ: لا دين لمن لا عهد له، والذي نفس محمد بيده لا يستقيم دين عبد حتى يستقيم لسانه، ولا يستقيم لسانه حتى يستقيم قلبه. (المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي بيروت ١٠/ ٢٢٧، رقم: ١٠٥٥٣)

فيجبر الصانع على عمله، ولا يرجع الآمر عنه. (الدرالمختار، مطلب في الاستصناع زكريا ٧/ ٤٧٥، كراچى ٥/ ٢٢٤)

وأما بعد الفراغ من العمل قبل أن يراه المستصنع، فكذلك حتى كان للصانع أن يبيعه ممن شاء. (بدائع الصنائع، زكريا ٤/ ٩٤، هندية، زكريا قديم ٣/ ٢٠٨، جديد ٣/ ١٩٥، هداية أشرفي ديوبند ٣/ ١٠١)

(۳) بیوپاری کے لئے مدت پوری ہونے سے پہلے معاملہ کو ختم کرنے کا حق ہے اور اس وقت نقصان کی صورت میں کاریگر کے لئے بیوپاری پر کوئی ضمان لازم نہ ہوگا؛ لیکن اس میں کاریگر کو نقصان ہورہا ہے اور بیوپاری کی طرف سے وعدہ خلافی اور دھوکہ بھی ہے؛ اس لئے بیوپاری سخت گنہگار ہوگا۔

عن عبدالله قال: قال رسول الله ﷺ: لا دين لمن لا عهد له، والذي نفس محمد بيده لا يستقيم دين عبد حتى يستقيم لسانه، ولا يستقيم لسانه حتى يستقيم قلبه. (المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي بيروت ١٠/ ٢٢٧، رقم: ١٠٥٥٣)

فيجبر الصانع على عمله، ولا يرجع الآمر عنه. (الدرالمختار، مطلب في الاستصناع زكريا ٧/ ٤٧٥، كراچی ٥/ ٢٢٤)

مذکورہ بالاتحریر میں سوال کے اندر ذکر کردہ تمام شقوں کے جوابات آگئے ہیں؛ اس لئے ہر شق کو الگ الگ لکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶ر محرم الحرام ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۸۶۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۶/۱/۱۴۳۱ھ

عقدِ استصناع کا مدار عرف وتعاملِ ناس پر ہے یا نصوص پر؟

سوال [۸۸۲۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عقدِ استصناع کا مدار نصوص پر ہے یا عرف وتعامل ناس پر؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عقدِ استصناع کا مدار عرف اور تعاملِ ناس پر ہے، نصوص پر نہیں ہے؛ بلکہ نصوص سے اصول حاصل کیا گیا ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انگوٹھی بنوانے کی حدیث سے اصول مل گیا ہے۔

عن نافع أن عبدالله -رضي الله عنه- حدثه أن النبي صلى الله عليه وسلم اصطنع خاتما من ذهب، وجعل فصه في بطن كفه إذا لبسه، فاصطنع خواتيم من ذهب فرقي المنبر، فحمد الله وأثنى عليه، فقال: إني كنت اصطنعته، وإني لا ألبسه فنبذه، فنبذ الناس، وقال جويرية: ولا أحسبه إلا قال في يده اليمنى. (بخاری شریف ٢/ ٨٧٣، رقم: ٥٦٤٧)

عن أنس بن مالك -رضى الله عنه- قال: اصطنع رسول الله صلى الله عليه وسلم خاتما، فقال: إنا قد اصطنعنا خاتما، ونقشنا فيه نقشا فلا

يـنـقش أحد عليه. (مسـنـد أحـمـد ٣/ ١٠١، رقم: ١٢٠١٢، السنن الكبرى للنسائي، دارالكتب العلمية بيروت ٥/ ٤٥٦، رقم: ٩٥٤٥)

ولـكـنـا جـوزنـاه إستحسانا للتعامل الراجع إلى الإجماع العمليّ من لـدن رسـول الله صـلـى الله عـليـه وسـلـم إلى اليوم بلا نكير، والتعامل بهذه الـصـفـة أصـل مـنـدرج فـي قـوله صلى الله عليه وسلم: لا تجتمع أمتي على ضلالة. (فتح القدير، كتاب البيوع، باب السلم، كوئٹه ٦/ ٢٤٢، زكريا ٧/ ١٠٧)

جاز لأن الناس تعاملوه في سائر الأعصار من غير نكير، فكان إجماعا منهم على الجواز. (بدائع الصنائع زكريا ٤/ ٤٤٤)

أمـا الاسـتـصـنـاع فبـالتعامل ومخصوص مما فيه تعامل. (البحرالرائق، كوئٹه ٦/ ١٧١، مكتبه دارالكتاب ٦/ ٢٨٥)

أمـا الاسـتـصـنـاع: فللإجماع الثابت بالتعامل من لدن النبي إلى يومنا هذا، وهو من أقوى الحجج. (تبيين الحقائق، زكريا ٤/ ٥٢٦، إمداديه ملتان ٤/ ١٢٣)

وجـه الاسـتـحـسـان الإجـمـاع الـثـابـت بالتعامل، فإن الناس في سائر الأعـصـار تعارفوا الاستصناع فيما فيه تعامل من غير نكير، والقياس يترك بـمـثـله كدخول الحمام. (عـنـاية مـع فتـح القدير، مكتبه أشرفيه ٧/ ١٠٨، كوئٹه ٦/ ٢٤٢، الموسوعة الفقهية ٣/ ٣٢٩)

عـن أنـس بـن مـالـك -رضي الله عنه- قال: اصطنع رسول الله صلى الله عـليـه وسلم خاتما فقال: إنا قد اصطعنا خاتما ونقشنا فيه نقشا فلا ينقش أحد عليه. (السـنـن الكبرى للنسائي، دارالكتب العلمية بيروت ٥/ ٤٤٦، رقم: ٩٥٥٤، مسند أحمد ٣/ ١٠١، رقم: ١٢٠١٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۳۴/۱۲/۲۷ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۱۳۴۴/۴۰)

عقدِ استصناع اجارہ ہے یا بیع؟

سوال [۸۸۲٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بیع استصناع بوقت عقد بیع ہے، یا معاہدہ بیع یا اجارہ، قولِ راجح کیا ہے؟ تحریر فرمائیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: صحیح اور راجح قول کے مطابق معاملہ استصناع کی حیثیت بیع کی ہے، استصناع معاہدہ بیع یا اجارہ نہیں ہے۔

ثم هو بيع عند عامة مشايخنا، وقال بعضهم: هو عدة وليس بسديد؛ لأن محمد ذكر القياس والاستحسان في جوازه، وذكر القياس والاستحسان لا يليق بالعدات، وكذا ثبت خيار الرؤية للمستصنع وأنه خصائص البيوع. (بدائع الصنائع، كتاب البيوع، حكم الاستصناع، زكريا ديوبند ٤/ ٤٤٤)

واختلفوا فى جوازه هل هو بيع أو عدة؟ والصحيح أنه بيع لا عدة، وهو مذهب عامة مشايخنا، وكان الحاكم الشهيد يقول: هو مواعدة ينعقد العقد بالتعاطي، وجه العامة: أنه سماه في الكتاب بيعا، وأثبت فيه خيار الرؤية. (عناية مع فتح القدير، أشرفيه ديوبند ٧/ ١٠٨، كوئٹه ٦/ ٢)

صح الاستصناع بيعا لاعدة على الصحيح. (شامي، زكريا ٧/ ٤٧٥، كراچی ٥/ ٢٢٤)

اختلف المشايخ فيه، فقال بعضهم: هو مواعدة وليس ببيع، وقال بعضهم: هو بيع لكن للمشتري فيه خيار، وهو الصحيح. (الموسوعة الفقهية بيروت ٣/ ٣٢٦)

والصحيح الراجح في المذهب الحنفي: أن الاستصناع بيع للعين المصنوعة لا لعمل الصانع فهو ليس وعدا ببيع ولا إجارة على العمل. (الفقه

الإسلامي وأدلته، هدى انٹرنیشنل دیوبند ٤/ ٣٩٢، تاتارخانية زكريا ٩/ ٤٠٠، رقم: ١٣٧١٧، تبيين الحقائق، إمداديه ملتان ٤/ ١٢٣، زكريا ديوبند ٤/ ٥٢٧، مجمع الأنهر، فقيه الأمت ٣/ ١٥٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲/۱۲/۱۴۳۴ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۳۲۵)

کئی واسطوں سے معاملہ استصناع

سوال [۸۸۱۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ معاملۂ استصناع میں مستصنع (مشتری) نے براہ راست صانع (بائع) کوآرڈر نہیں دیا؛ بلکہ درمیان میں کئی واسطے ہیں، مثلاً مرادآباد میں یہ معاملہ بہت زیادہ ہوتا ہے کہ ایکسپورٹر نے بایر سے آرڈر لیا، پھر داخلی لوگوں کو مال بنانے کا آرڈر دیا اور جس کارخانہ دار کوآرڈر دیا اس نے اپنے بعد کے لوگوں کوآرڈر دیا، درحقیقت صانع کم از کم دوسرے یا تیسرے نمبر پر ہوتا ہے اور اس صانع سے اس کے خریدار نے لیا، اس سے ایکسپورٹر نے اور اس نے لے کر باہر کے بایر کو دیا، تو یہ کئی واسطوں سے عقد استصناع جائز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: معاملۂ استصناع میں مستصنع اور صانع کے درمیان اگر کئی واسطے ہوں تب بھی استصناع صحیح اور درست ہو جاتا ہے؛ کیوں کہ صحت استصناع کا مدار عرف وعادت پر ہے۔ اور بالواسطہ استصناع کا عرف عام ہے؛ لہٰذا مرادآباد میں جو عقد استصناع کی شکل رائج ہے، وہ بلاشبہ جائز اور درست ہے۔

الثابت بالعرف كالثابت بالنص. (رسم الفتي ١٧٦)

استعمال الناس حجة يجب العمل بها. (شرح المجلة رستم باز مكتبة اتحاد ديو بند ١/ ٣٥، المادة: ٣٧)

العادة تجعل حكما إذا لم يوجد التصريح بخلافه. (الفوائد البهية ١٩٣)

العادة محكمة. (شرح المجلة، اتحاد ١/ ٣٤، المادة: ٣٦)

يجوز فيما فيه تعامل لافيما لا تعامل فيه. (عناية مع فتح القدير، أشرفيه ٧/ ١٠٨، كوئٹه ٦/ ٢٤٣)

للاستصناع شروط هي: أن يكون مما جرى فيه التعامل بين الناس. (الموسوعة الفقهية ٣/ ٣٢٨، بيروت) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳/۱۲/۱۴۳۴ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۳۲۶)

باہر کے بایر سے آرڈر لینے والے ایکسپورٹر کو صانع کہا جائے یا مستصنع؟

سوال [۸۸۲۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے باہر کے بایر سے آرڈر لیا جس میں اس نے یہ وعدہ کیا کہ ۳؍ ماہ کے اندر اندر مال بنوا کر پیش کردوں گا، پھر زید نے کارخانہ دار بکر کو آرڈر دیا کہ اس نمونہ کا بنا کر کے دینا ہے اور بکر نے اپنی لیور کے ذریعہ اس کا مال بنا کر دیا، تو ایسی صورت میں بایر بہر حال مستصنع ہے اور بکر جس نے مال بنا کر دیا ہے وہ صانع ہے، تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ زید کیا ہے، کیا زید کو صانع کہا جائے گا یا مستصنع کہا جائے گا؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفيق: زید جس نے بایر سے آرڈر لیا اور کارخانہ دار بکر کو آرڈر دیا، اس کو من وجہ (مشتری) مستصنع اور من وجہ (بائع) صانع دونوں کہا جائے گا؛ اس لئے کہ یہ بایر کے لئے صانع ہے اور کارخانہ دار بکر کے لئے مستصنع ہے، جیسے کہ بیع سلم میں کوئی شخص کسی دوسرے

سے کوئی چیز خرید وفروخت کرے تو اس کو بائع اور مشتری دونوں کہا جاتا ہے۔

وهو في اصطلاح الفقهاء: طلب العمل من الصانع في شيء مخصوص، وينعقد الاستصناع بالإيجاب والقبول من المستصنع والصانع ويقال للمشتري مستصنع، وللبائع صانع، وللشيء مصنوع. (الفقه الإسلامي وأدلته، هدى انٹرنیشنل دیوبند ٤/ ٣٩١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۳۴/۱۲/۲۷ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۴۳۶)

غیر منقول اشیاء میں استصناع کا معاملہ

سوال [۸۸۲۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ استصناع کا معاملہ منقول اشیاء میں ثابت ہے، اب سوال یہ ہے کہ غیر منقول اشیاء عقار میں بھی معاملہ استصناع جائز ہے یا نہیں؟ مثلاً مکانات بنانے کے لئے آرڈر دیا جائے اور بلڈر شرائط کے مطابق مکان بنا کر دے دے تو یہ معاملہ استصناع کے دائرے میں ہو کر جائز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: چونکہ استصناع کا مدار تعامل ناس اور عرف وعادت پر ہے اور اس جدید دور میں غیر منقول اشیاء میں بھی استصناع کا عرف عام ہے؛ لہٰذا غیر منقول اشیاء میں بھی معاملہ استصناع بلا شبہ جائز ہے اور آڈر پر مکان اور فلیٹ وغیرہ بنوانا یہ سب معاملہ استصناع کے دائرے میں ہو کر جائز ہوگا۔ (مستفاد: چند اہم عصری مسائل/ ۲۸۳)

ثم انتشر الاستصناع إنتشارا واسعا في العصر الحديث، ولم يقتصر الأمر على الصناعات المختلفة ما دام يمكن ضبطها بالمقاييس

والمواصفات المتنوعة، وإنما يشمل أيضا إقامة المباني وتوفير المساكن المرغوبة. (الفقه الإسلامي وأدلته، هدى انٹرنيشنل ديوبند ٤/ ٤٠٢)

كل شيء تعومل استصناع يصح فيه الاستصناع على الإطلاق. (شرح المجلة رستم باز، مطبع اتحاد ديوبند ١/ ٢٢٠، مادة: ٢٨٩)

يجب أن يعلم بأن الاستصناع جائز في كل ماجرى التعامل فيه. (تاتارخانية، زكريا ٩/ ٤٠٠، رقم: ١٣٧١٦)

للاستصناع شروط هي: أن يكون مما جرى فيه التعامل بين الناس. (الموسوعة الفقهية بيروت ٣/ ٣٢٨، بدائع، زكريا ٤/ ٤٤٤، عناية مع فتح القدير أشرفيه ٧/ ١٠٨، كوئٹه ٦/ ٢٤٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱/۱/۱۴۳۵ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۳۵۳)

گاڑی وغیرہ بڑی چیزوں میں استصناع کا معاملہ

سوال [۸۸۳۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جوتا، چپل، برتن وغیرہ جیسی چھوٹی اشیاء کے بارے میں معاملۂ استصناع نصوص سے ثابت ہے، سوال یہ ہے کہ آج کے زمانے میں بڑی چیزوں مثلاً ٹرک، گاڑی وغیرہ میں بھی استصناعت ہوتی ہے، تو کیا ایسی بڑی چیزوں میں بھی معاملۂ استصناع جائز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: معاملۂ استصناع کا مدار تعامل ناس اور عرف وعادت پر ہے، بریں بناء جن چیزوں میں بھی استصناع کا عرف ہوگا، اس میں معاملۂ استصناع جائز ہوگا، خواہ وہ چیزیں چھوٹی ہوں یا بڑی؛ لہٰذا آج کے زمانے میں جو گاڑی وغیرہ میں استصناعت جاری ہے بلا شبہ جائز اور درست ہے۔

منها: أن يكون ما للناس فيه تعامل كالقلنسوة، والخف، والآنية ونحوها، فلا يجوز فيما لا تعامل لهم فيه. (بدائع الصنائع، كتاب البيوع، حكم الاستصناع، زكريا ديوبند ٤/ ٤٤٤)

كل شيء تعومل استصناع يصح فيه الاستصناع على الإطلاق. (شرح المجلة رستم باز، مطبع اتحاد ديوبند ١/ ٢٢٠، مادة: ٢٨٩)

ولأنه يجوز فيما فيه تعامل لا فيما لا تعامل فيه. (عناية مع فتح القدير، أشرفيه ديوبند ٧/ ١٠٨، كوئٹه ٦/ ٢٤٣)

للاستصناع شروط هي: أن يكون مما يجرى فيه التعامل بين الناس. (الموسوعة الفقهية بيروت ٣/ ٣٢٨، بدائع، زكريا ٤/ ٤٤٤، عناية مع فتح القدير أشرفيه ٧/ ١٠٨، كوئٹه ٦/ ٢٤٣)

يجب أن يعلم بأن الاستصناع جائز في كل ماجرى التعامل فيه. (تاتارخانية، زكريا ٩/ ٤٠٠، رقم: ١٣٧١٦)

كتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/۱۲/۱۴۳۴ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۰۶۷)

عقدِ استصناع کی شکل میں مکان، فلیٹ وغیرہ کا معاملہ

سوال [۸۸۳۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مسئلہ یہ ہے کہ فلیٹ وغیرہ کا باضابطہ نقشہ، نمونہ، سائز سب کچھ ہوتا ہے، پھر اس کا آرڈر دیا جاتا ہے، پھر تیاری کے بعد لین دین بھی وعدہ کے مطابق ہو جاتا ہے، تو یہ معاملہ استصناع میں داخل ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: جب فلیٹ وغیرہ کا نقشہ، نمونہ، سائز سب کچھ دکھا کر کے آرڈر دیا گیا، پھر وعدہ کے مطابق لین دین بھی ہوگیا تو یہ معاملہ استصناع کے دائرہ میں داخل ہوکر جائز ہے۔

ومن أبرز الأمثلة والتطبيقات لعقد الاستصناع بيع الدور، والمنازل، والبيوت السكنية على الخريطة ضمن أوصاف محددة. (الفقه الإسلامي وأدلته، هدى انٹر نیشنل دیوبند ٤/ ٤٠٢)

ولا يصح السلم فيما لا يمكن ضبطه بالوصف كالدور، والعقارات، والجواهر، واللآلي، والجلود، والخشب لتفاوت آحادها تفاوتا فاحشا في المالية، أما الاستصناع فيصح في الأمرين إذا تعامل الناس به. (الفقه الإسلامي وأدلته، هدى انٹر نیشنل دیوبند ٤/ ٤٠١)

ولا يجوز فيما لا تعامل فيه للناس كالثياب لعدم المجوّز، وفيما فيه تعامل إنما يجوز إذا أمكن إعلامه بالوصف ليمكن التسليم. (هداية، مكتبة الأمين، كتاب البيوع، باب السلم ٣/ ١٠١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۳۴/۱۲/۲۷ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۳۴۴)

(صانع) کاریگر کو اجیر کب قرار دیا جائے؟

سوال [۸۸۳۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: صانع کو اجیر کب قرار دیا جائے گا، جب کہ معاملے کی دو شکلیں ہوسکتی ہیں: (۱) سارا مال اور عمل صانع کی طرف سے ہوں (۲) سارا مال مستصنع کی طرف سے ہو اور صانع نمونہ کے

مطابق مال تیار کر کے دے دے،تو سوال یہ ہے کہ دونوں صورتوں میں یہ معاملہ اجرت کا ہوگا یا بیع کا؟ اگر اجرت کا ہے تو اجیر خاص کا ہے یا اجیر مشترک کا؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب مال مستصنع کا ہو اور عمل صانع کا ہو،تو یہ عقدِ اجارہ ہوگا،عقدِ استصناع نہیں ہوگا اور اس صورت میں عمل کرنے والا اجیر قرار دیا جائے گا اور وہ اجیر مشترک ہوگا۔(مستفاد: اسلام اور جدید معاشی مسائل ۵/ ۱۵۵-۱۵۶)

فإذا كانت العين من المستصنع لا من الصانع، فإن العقد يكون إجارة لا استصناعا. (الفقه الإسلامي وأدلته، هدى انٹرنیشنل دیوبند ٤/ ٣٩١)

والاستصناع أن يكون العين والعمل من الصانع، فأما إذا كان العين من المستصنع لا من الصانع يكون إجارة ولا يكون استصناعا. (تاتارخانية، زكريا ١٥/ ٣٤٧، رقم: ٢٣٣٢٣)

شرطه: أن تكون العين والعمل من الصانع، فإن كانت العين من المستصنع كان العقد إجارة. (شرح المجلة، إتحاد ١/ ٦٩، مادة: ١٢٤)

حتى لو كان العين من المستصنع كان إجارة لا استصناعا. (مجمع الأنهر، فقيه الأمت ٣/ ١٤٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/ ذی الحجہ ۱۴۳۴ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۳۴۸)

ایک ماہ سے زیادہ مدت ہوتو کیا معاملہ استصناع سلم میں تبدیل ہوجاتا ہے؟

سوال [۸۸۳۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ معاملہ استصناع اگر ایک ماہ اس سے زیادہ کی مدت کے لئے ہوتو وہ معاملہ استصناع باقی رہے گا یا سلم ہوجائے گا؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: چونکہ معاملۂ استصناع کا مدار عرف اور تعامل ناس پر ہے اور عرف میں ایک ماہ اور اس سے زائد کے لئے بھی استصناع کا معاملہ کرنا رائج ہے؛ لہٰذا ایک ماہ یا زیادہ کی تحدید کی بنا پر یہ معاملہ سلم نہ ہوگا؛ بلکہ استصناع ہی باقی رہے گا۔

وخالف في ذلک أبو یوسف ومحمد إذ أن العرف عندهما جری بضرب الأجل في الاستصناع، والاستصناع إنما جاز للتعامل، ومن مراعاة التعامل بین الناس، رأي الصاحبین: أن الاستصناع قد تعورف فیه علی ضرب الأجل فلا یتحول إلی السلم بوجود الأجل. (الموسوعة الفقهیة ۳/ ۳۲۹)

وقال الصاحبان: لیس هذا بشرط، والعقد استصناع علی کل حال حدد فیه أجل أو لم یحدد؛ لأن العادة جاریة بتحدید الأجل في الاستصناع، فیکون شرطا صحیحا لذلک، وهذا القول هو المتفق مع ظروف الحیاة العملیة، وحاجات الناس. (الفقه الإسلامي وأدلته، هدی انٹر نیشنل دیوبند ٤/ ٣٩٦)

وقالا: الأول: أي ما فیه تعامل استصناع؛ لأن اللفظ حقیقة للاستصناع فیحافظ علی قضیته، ویحمل الأجل علی التعجیل بخلاف مالا تعامل فیه؛ لأنه استصناع فاسد، فیحمل علی السلم الصحیح. (شامي، مطلب الاستصناع کراچی ٥/ ٢٢٤، زکریا ٧/ ٤٧٤)

وقال أبو یوسف ومحمد: إنه لا یصیر سلما بل یبقی استصناعا، وهذا في استصناع للناس فیه تعامل. (محیط البرهاني، کوئٹه ٨/ ٢٥٧، المجلس العلمي بیروت ١٠/ ٣٦٦، رقم: ١٣٠٤٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۳۵/۲/۵ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۱۱۴۲۳/۴۰)

عقدِ استصناع اجارہ کب ہوگا؟

سوال [۸۸۳۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: آپ نے شروع میں جمہور کا قول نقل کیا ہے کہ استصناع کا معاملہ نہ اجارہ ہے نہ معاہدہ؛ بلکہ نفس بیع ہے، تو اس صورت میں اجیر خاص یا اجیر مشترک کی مثال پیش کی جاسکتی ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جمہور کا قول عقدِ استصناع کے بیع ہونے کا اس صورت میں ہے، جب سارا سامان اور عمل صانع کا ہو، اس صورت میں اجیر خاص یا اجیر مشترک کی مثال پیش نہیں کی جاسکتی؛ لیکن اگر سامان مستصنع کا ہو اور عمل صانع کا ہو، تو اجیر مشترک کی مثال پیش کرنا درست ہے۔

الاستصناع: أن يكون العين والعمل من الصانع. (تاتارخانية، زكريا ١٥/ ٣٤٧، رقم: ٢٣٣٢٣)

إن الاستصناع بيع للعين المصنوعة لا لعمل الصانع، فهو ليس وعدا ببيع، ولا إجارة على العمل. (الفقه الإسلامي وأدلته، هدى انٹر نيشنل ديوبند ٤/ ٣٩٢)

الصحيح أنه يجوز بيعا لا عدة. (هداية مع فتح القدير، كتاب البيوع، باب السلم، كوئٹه ٦/ ٢٤٢، زكريا ديوبند ٧/ ١٠٨)

شرطه: أن تكون العين والعمل من الصانع، فإن كانت العين من المستصنع كان العقد إجارة. (شرح المجلة رستم باز، مطبع إتحاد ديوبند ١/ ٦٩، مادة: ١٢٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/ ۱۲/ ۱۴۳۴ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۳۴۹)

مدت متعینہ میں مال تیار نہ کرنے سے آرڈر کینسل کرنے کا حق

سوال [۸۸۳۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مستصنع نے نمونہ بتلاکر کے آرڈر دیا اور صانع نے اس کی شرائط کے مطابق آرڈر لے لیا اور اس کی مدت متعین ہوگئی، اس کے بعد اگر مدت کے اندر اندر مال تیار کر کے صانع مستصنع کے حوالہ نہیں کر پایا، تو ایسی صورت میں مستصنع کو مدت کے ختم ہونے پر آرڈر کینسل کرنے کا حق ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: صورت مسئولہ میں صانع شرائط کے مطابق مقررہ مدت میں مال تیار کر کے مستصنع کے حوالہ نہ کرسکے، تو ایسی صورت میں مستصنع (مشتری) کو آرڈر کینسل کرنے کا حق ہے۔

إذا انعقد الاستصناع فليس لأحد العاقدين الرجوع، وإذا لم يكن المصنوع على الأوصاف المطلوبة المبينة كان المستصنع مخيرا. (مجلة الأحكام، ص: ٧٦، بحواله كتاب الفتاوی ٥/ ٢٣٩)

وإذا حددت مدة لتقديم المصنوع، فانقضت دون أن يفرغ الصانع منه ويسلمه، فالظاهر أن يتخير المستصنع بين الانتظار والفسخ كما هو المقرر في عقد السلم. (الفقه الإسلامي وأدلته، هدى انٹر نیشنل دیوبند ٤/ ٣٩٦)

ولا يجبر المستصنع على إعطاء الدراهم وإن شرط تعجيله؛ لأن الإجارة في الأجرة شراء ما لم يره كان له أن يفسخ العقد ولا يعطى البدل.

(المحيط البرهاني، كوئٹه ٨/ ٢٥٦-٢٥٧، المجلس العلمي بيروت ١٠/ ٣٦٦، رقم: ١٣٠٤٦)

إذا تعذر تسليم المسلم فيه عند المحل، إما لغيبة المسلم إليه أو عجزه عن التسليم حتى عدم المسلم فيه، أو لم تحمل الثمار تلك السنة،

فالسلم بالخيار بين أن يصبر إلى أن يوجد فيطالب به، وبين أن يفسخ العقد ويرجع بالثمن إن كان موجودا أو بمثله إن كان مثليا وإلا قيمته. (المغني لابن قدامة بيروت ٤/ ١٩٦، رقم: ٣٢٢٩، بدائع الصنائع، زكريا ٤/ ٤٤٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۳۴/۱۲/۲۸ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۳۴۵)

استصناع میں مال صانع کا ہوتو وہ بائع ہوجائے گا

سوال [۸۸۳۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: استصناعت کے معاملے میں صانع اجیر مشترک قرار دیا جائے گا یا اجیر خاص؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: معاملہ استصناع میں جب مال اور عمل دونوں صانع کے ہوں، تو اس صورت میں صانع کو بائع قرار دیا جائے گا، اجیر مشترک یا اجیر خاص قرار نہیں دیا جائے گا؛ کیوں کہ اجیر کا صرف عمل ہوتا ہے عین نہیں ہوتا۔

يقال للمشتري: مستصنع، وللبائع صانع، وللشيء مصنوع. (الفقه الإسلامي وأدلته، هدى انٹرنیشنل دیوبند ٤/ ٣٩١)

صح الاستصناع بيعا لا عدة. (شامي، باب السلم، مطلب في الاستصناع، زكريا ٧/ ٤٧٥، كراچی ٥/ ٢٢٤، هداية أشرفي ديوبند ٣/ ١٠٠)

الاستصناع أن يكون العين والعمل من الصانع. (تاتارخانية، زكريا ١٥/ ٣٤٧، رقم: ٢٣٣٢٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۳۴/۱۲/۲۹ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۳۵۰)

مال کے لئے انکار پر پیشگی رقم کا ضبط کرنا

سوال [۸۸۳۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: استصناعت کے معاملہ میں اگر خریدار نے پیشگی کچھ رقم بطور بیعانہ کے دیدی اور شرائط کے مطابق صانع نے مال تیار کردیا، مگر اب مستصنع لینے سے انکار کرتا ہے، تو کیا اس صورت میں اس پیشگی رقم کو ضبط کرسکتا ہے یا نہیں؟ جب کہ شرائط میں یہ طے تھا کہ مال نہ لینے کی صورت میں پیشگی رقم ضبط ہوجائے گی۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: استصناعت کے معاملہ میں خریدار نے پیشگی رقم دی تھی اور یہ شرط لگائی تھی کہ مال نہ لینے کی صورت میں صانع کو یہ رقم ضبط کرنے کا حق ہوگا، اب جب مال تیار ہونے کے بعد خریدار مال لینے سے انکار کرتا ہے تو چونکہ اس میں صانع کا کافی پیسہ لگ چکا ہے اور مال نہ بکنے میں اس کا ضرر اور نقصان ہے؛ اس لئے نقصان کے بقدر اس پیشگی رقم میں سے ضبط کرسکتا ہے۔ (مستفاد: اسلام اور جدید معاشی مسائل ۴/۱۶۱)

إذا أتى الصانع بالمستصنع على الصفة المشروطة. روي عن أبي يوسف رحمه الله إنه لازم في حقهما حتى لا خيار لأحدهما لا للصانع ولا للمستصنع أيضا أن في إثبات الخيار للمستصنع إضرار بالصانع؛ لأنه قد أفسد متاعه، وفرى جلده وأتى بالمستصنع على الصفة المشروطة، فلو ثبت له الخيار لتضرر به الصانع، فيلزم دفعا للضرر عنه. (بدائع الصنائع، باب حكم الاستصناع، زكريا ٤/ ٤٤٤)

عن أبي يوسف أنه لا خيار لواحد منهما، أما الصانع فلما ذكرنا، وأما المستصنع فلأن في إثبات الخيار له إضرار بالصانع فربما لا يرغب فيه غيره. (تبيين الحقائق، إمداديه ملتان ٤/ ١٢٤، زكريا ديوبند ٤/ ٥٢٨)

والعربون في البيع هو أن يشتري السلعة فيدفع إلى البائع درهما أو

غيره على أنه إن أخذ السلعة احتسب به من الثمن، وإن لم يأخذ فذلك للبائع يقال: عربون وأربون وعربان وأربان قال أحمد: لا بأس به، وفعله عمر رضي الله عنه وعن ابن عمر أنه أجازه، قال ابن سيرين: لا بأس به.
(المغني بيروت ٤/ ١٦٠، رقم: ٣١٢٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/۱۲/۱۴۳۴ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۳۵۱)

داخلی لوگوں نے مال کی تیاری میں تاخیر کر دی، جس سے باہر کے خریدار نے آرڈر کینسل کر دیا، تو نقصان کی تلافی کون کرے؟

سوال [۸۸۳۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر مشتری ایسے وقت میں آرڈر کینسل کر دے جس وقت بائع نے مال کی تیاری میں لاکھوں روپئے خرچ کر دیا ہے، تو ایسی صورت میں اس کے نقصان کا بھگتان کون کرے گا؟ کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ وعدہ کے مطابق مال بھیجنا لازم ہوتا ہے اور وقت کے اندر تیار نہ ہونے کی وجہ سے ایکسپورٹر مارکیٹ سے اسی نمونہ کا تیار شدہ مال زیادہ قیمت کا خرید کر کے روانہ کر دیتا ہے، تاکہ اس کی طرف سے وعدہ خلافی نہ ہو اور جو مال تیار ہوا ہے، اس کے لئے کوئی دوسرا گراہک نہیں ملتا، تو ایسی صورت میں بائع کا نقصان ہوجاتا ہے، تو اس نقصان کی تلافی تاخیر کرنے والوں سے کرائی جاسکتی ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جب مال کی تیاری میں تاخیر کی وجہ سے بائع نے اسی نمونہ کا مال مارکیٹ سے خرید کر مشتری کے پاس روانہ کر دیا اور اس آرڈر دئے گئے مال کا کوئی دوسرا گراہک نہیں ملا جس کی وجہ سے بائع کا لاکھوں کا نقصان ہوگیا، تو ایسی صورت میں اس نقصان

کی تلافی بائع ان داخلی لوگوں سے وصول کرسکتا ہے جنہوں نے مال بنانے میں تاخیر کی ہے، یا داخلی لوگوں کو تیار شدہ مال واپس کردے اور نقصان داخلی لوگ خود برداشت کریں۔

إما إذا كانت المنفعة المعقود عليها هي إنجاز عمل من الأعمال كالبناء والخياطة ونحوهما، فإن الضمان يختلف بحسب صفة العامل وهو الأجير في اصطلاحهم؛ لأنه إما أن يكون أجيرا خاصا أو مشتركا أي عاما. (الموسوعة الفقهية بيروت ٢٨/ ٢٥٥)

تعدى الأجير هو أن يعمل عملا أو يتصرف تصرفا مخالفين لأمر الموجر صراحة كان أو دلالة لزمه الضمان. (شرح المجلة رستم باز، إتحاد ديوبند ١/ ٣٢٦، مادة: ٦٠٨)

الأجير المشترک يضمن الضرر والخسار الذي تولد عن فعله وصنعه إن كان بتعديه وتقصيره أو لم يكن. (شرح المجلة رستم باز، إتحاد ديوبند ١/ ٣٣٠، مادة: ٦١١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/۱۲/۱۴۳۴ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۳۴۶)

لوکل اور بین الاقوامی مارکیٹ میں عقدِ استصناع کے مسائل

نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّي عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ أَمَّا بَعْد!

آج کے زمانہ میں عقدِ استصناع کا معاملہ عالمی سطح پر وسیع تر ہو چکا ہے، مقامی اور لوکل مارکیٹوں سے تجاوز کر کے ممالک بعیدہ تک عقدِ استصناع کا تجارتی معاملہ پھیل چکا ہے، اس لئے موضوع کی اہمیت اور اس میں پیدا ہونے والے نئے مسائل کی وجہ سے اس نوع کی تجارت کے بعض جزئی مسائل وضاحت طلب ہیں، اسی کے تناظر میں یہ مضمون پیش خدمت ہے۔

عقدِ استصناع کا معاملہ خود صاحبِ شریعت پیغمبر انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہے، جو اس حدیث شریف میں صراحت کے ساتھ ثابت ہے۔ حدیث شریف ملاحظہ فرمایئے:

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: اصْطَنَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَاتَمًا، فَقَالَ: إِنَّا قَدِ اصْطَنَعْنَا خَاتَمًا وَنَقَشْنَا فِيْهِ نَقْشًا فَلَا يَنْقُشُ أَحَدٌ عَلَيْهِ. (مسند أحمد، ٣/ ١٠١، رقم: ١٢٠١٢، السنن الكبرى للنسائي ٥/ ٤٥٦، رقم: ٩٥٤٥)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے معاملہ استصناع کے طور پر انگوٹھی بنوائی ہے، پھر آپ نے فرمایا کہ بے شک ہم نے ایک انگوٹھی بنانے کا آرڈر دیا ہے اور اس میں ایک خاص نقش بنوایا ہے؛ لہٰذا کوئی شخص اس جیسا نقش نہ بنوائے۔

معاملۂ استصناع کے جواز کا مدار تعامل ناس پر

استصناع کا معاملہ ایسی شئ کا عقد ہے جو شئ معدوم ہوتی ہے، عقد کے وقت اس شئ کا خارج میں کوئی وجود نہیں ہوتا ہے۔ اور شرعی ضابطہ اور اصول کے مطابق ایسی شئ کی خرید وفروخت جائز اور مشروع نہیں ہوتی ہے، جس شئ کا خارج میں کوئی وجود نہ ہو؛ اس لئے اصول اور ضابطہ

کے مطابق استصناع کا معاملہ جائز نہیں ہونا چاہئے ،مگر شریعت نے تعاملِ ناس اورلوگوں کی ضرورت کی وجہ سے عقد استصناع کو اصول وضوابط سے مستثنیٰ کر کے جائز قرار دیا ہے؛ اس لئے استصناع کا معاملہ ہر ایسے امور اور ایسی اشیاء میں جائز ہوگا جن اشیاء کو آرڈر دیکر بنوانے کا لوگوں کے درمیان تعارف اور تعامل ہو چکا ہو اور ایسی اشیاء میں جائز نہیں ہوگا جن اشیاء کو آرڈر دے کر تیار کروانے کا لوگوں کے درمیان تعامل نہ ہو، اس کو حضرات فقہاء نے اس طرح کے الفاظ سے بیان فرمایا ہے۔ اس کو عنایہ میں ان الفاظ کے ساتھ نقل فرمایا ہے:

يَجُوزُ اسْتِحْسَانًا وَالْقِيَاسُ يَقْتَضِي عَدَمَ جَوَازِهِ لِأَنَّهُ بَيْعُ الْمَعْدُومِ وَقَدْ نَهَى النَّبِيُّ ﷺ عَنْ بَيْعِ مَا لَيْسَ عِنْدَ الإِنْسَانِ (إلى قوله) وَجْهُ الاسْتِحْسَانِ الإِجْمَاعُ الثَّابِتُ بِالتَّعَامُلِ، فَإِنَّ النَّاسَ فِي سَائِرِ الأَعْصَارِ تَعَارَفُوا الاِسْتِصْنَاعَ فِي مَا فِيهِ تَعَامُلٌ مِنْ غَيْرِ نَكِيرٍ، وَالْقِيَاسُ يُتْرَكُ بِمِثْلِهِ (وقوله) وَلِأَنَّهُ يَجُوزُ فِيمَا فِيهِ تَعَامُلٌ لَا فِيمَا لَا تَعَامُلَ فِيهِ. (عناية مع فتح القدير زكريا ديوبند ٧/ ١٠٨، كوئٹه ٦/ ٢٤٢، دالفكر ٧/ ١١٦)

استصناع کا معاملہ استحساناً جائز ہے اور قیاس اس کے عدم جواز کا مقتضی ہے؛ اس لئے کہ یہ معاملہ شئ معدوم کی بیع کا ہے اور یقیناً حضور ﷺ نے ایسی چیز کے بیچنے سے منع فرمایا ہے جو انسان کے پاس نہ ہو۔ اور استحساناً جواز کی دلیل ایسا اجماع ہے جو تعاملِ ناس سے ثابت ہے؛ اس لئے کہ بے شک لوگ ہر زمانہ میں ایسی چیزوں میں بلانکیر استصناع کا معاملہ کرنے کو متعارف جانتے ہیں، جن چیزوں میں معاملہ کرنے کا تعامل ہو چکا ہو اور اس جیسے تعامل کی وجہ سے قیاس کو چھوڑ دیا جاتا ہے۔ اور مصنف کا قول: بے شک معاملۂ استصناع ان چیزوں میں جائز ہے جن میں معاملہ کرنے کا تعامل ہے اور ان چیزوں میں جائز نہیں ہے جن میں تعامل نہیں ہے۔

اسی کو امام زیلعیؒ نے ''تبیین الحقائق'' میں ان الفاظ کے ساتھ نقل فرمایا ہے:

وَأَمَّا الاِسْتِصْنَاعُ فَلِإِجْمَاعِ الثَّابِتِ بِالتَّعَامُلِ مِنْ لَدُنْ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم إِلٰى يَوْمِنَا هٰذَا، وَهُوَ مِنْ أَقْوَى الْحُجَجِ. (تبيين الحقائق ملتان ٤/ ١٢٣، زكريا ٤/ ٥٣٦، هكذا في البدائع زكريا ديوبند ٤/ ٩٣، كراچی ٥/ ٣، مبسوط سرخسي ١٢/ ١٣٨)

اور بہر حال استصناع کا معاملہ اس اجماع کی وجہ سے مشروع ہے، جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے لے کر ہمارے اس زمانہ تک تعاملِ ناس کے ذریعہ سے ثابت ہے اور یہ قوی ترین حجت شرعیہ میں سے ہے۔

عقدِ استصناع اور عقدِ سلم کا فرق

عقدِ استصناع اور عقدِ سلم میں کیا فرق ہے؟ اس سلسلے میں کتب فقہ میں کافی تفصیلات موجود ہیں اور دونوں عقد اس بات میں مشترک ہیں کہ دونوں میں شئ معدوم کی بیع ہوتی ہے اور تعاملِ ناس اور ضرورت کی وجہ سے ان دونوں عقدوں میں شئ معدوم کی خرید وفروخت کی اجازت دی گئی ہے۔ اور دونوں عقدوں میں سے ہر ایک میں ثمن کا متعین ہونا اور مبیع کی جنس کا متعین ہونا اور اس کی قسم کا متعین ہونا اور اس کی مقدار اور صفت کا متعین ہونا لازم ہے، ورنہ عقد فاسد ہو جائے گا۔ چند امور میں دونوں عقد کے درمیان فرق ہے:

(۱) عقدِ سلم میں رأس المال یعنی ثمن اور قیمت کا مکمل طور پر نقد ادا کرنا لازم ہو جاتا ہے اور مجلسِ عقد میں ثمن پر قبضہ کرنا بھی لازم ہو جاتا ہے، اس کے برخلاف عقد استصناع میں ثمن اور قیمت کا پیشگی ادا کرنا لازم نہیں ہے؛ جانبین کی تراضی سے جیسا طے ہو جائے ویسا ہی عمل کرنا جائز ہے، چاہے ساری قیمت پیشگی ادا کردے یا کچھ پیشگی ادا کردے، باقی بعد میں ادا کردے، یا کچھ بھی ادا نہ کرے؛ بلکہ مبیع کی وصولی کے وقت میں ادا کرے، تو یہ ہر طرح سے جائز ہے۔ (شرح المجلة رستم باز ١/ ٢٢١، رقم المادة: ٣٩١، الفقه الإسلامي وأدلته ٤/ ٣٩٩)

(۲) عقدِ سَلَم میں خیارِ شرط کا ثبوت نہیں ہوتا ہے؛ بلکہ عقد کے وقت سے لازم ہو جاتا

ہے،اس میں کسی کو خیار نہیں ہوتا ہے۔اور عقدِ استصناع غیر لازم ہوتا ہے،اس میں عقد کے بعد عمل سے پہلے خیار ثابت ہوتا ہے۔

(۳) عقدِ سَلم میں جنس مسلم فیہ جس کو مبیع کہا جاتا ہے،اسی قسم کی اشیاء کا بازار کے اندر ہر زمانہ میں موجود ہونا لازم ہے اور عقدِ استصناع میں شئ مصنوع کی قسم کی اشیاء کا بازار میں ہر وقت موجود ہونا لازم نہیں ہے۔

(۴) عقدِ سَلم میں مسلم فیہ کا از قبیل ذوات الامثال ہونا لازم ہے اور اس کے برخلاف عقدِ استصناع میں ذوات الامثال ہونا لازم نہیں ہے؛ بلکہ مبیع ذوات القیم بھی ہوسکتی ہے،جب کہ ایسی شئ میں معاملہ کرنے کا لوگوں کے درمیان تعامل ہو۔

(۵) عقدِ سَلم ایسی چیزوں میں جائز ہے جن کا لوگوں کے درمیان میں تعامل ہے اور ایسی چیزوں میں بھی جائز ہے جن کا لوگوں میں تعامل نہیں ہے، اس کے برخلاف عقدِ استصناع صرف ایسی چیزوں میں جائز ہے جن میں معاملہ کرنے کا لوگوں کے درمیان میں تعامل ہے اور ایسی چیزوں میں جائز نہیں ہے جن کا لوگوں میں تعامل نہیں ہے۔ یہ پوری تفصیل ”الفقہ الاسلامی وادلتہ ۴/۳۹۹ سے ۴۰۱“ تک کے اندر موجود ہے۔

عقدِ استصناع بیع ہے یا وعدۂ بیع ؟

معاملۂ استصناع کے بارے میں غور طلب بات یہ ہے کہ جب آرڈر دینے والا مال کا نمونہ اور سائز دکھا کر مال بنانے کیلئے آرڈر دیتا ہے اور صانع اور کاریگر طے شدہ معاہدہ کے مطابق آرڈر قبول کر لیتا ہے تو یہ معاملہ عقدِ بیع ہے یا وعدۂ بیع ہے؟ تو اس سلسلے میں مسلکِ حنفی کے فقہاء کے درمیان اختلاف ہے، چناں چہ اس بارے میں دو فریق ہیں:

فریقِ اول: حضرت امام حاکم شہید مروزیؒ،امام محمد بن سلمہؒ، امام صفارؒ۔ صاحبِ منشور امام ابوالقاسم ناصر الدین سمرقندیؒ وغیرہ نے اس طرح کے معاملہ کا نفسِ بیع ہونے سے انکار کیا ہے۔اور انہوں نے یہ ثابت فرمایا ہے کہ یہ بیع نہیں ہے؛ بلکہ آئندہ چل کر عقدِ بیع کرنے

کا معاہدہ اور وعدہ ہے؛ لہٰذا استصناع کا معاملہ طے ہو جانے کے بعد جانبین میں سے ہر ایک کو معاملہ ختم کرنے کا حق ہوگا۔ اور عقد بیع اس وقت منعقد ہوگا کہ جب صانع (کاریگر) طے شدہ شرائط کے مطابق مال تیار کر کے خریدار کو پیش کر دے، اس کو حضرات فقہاء نے ان الفاظ کے ساتھ نقل فرمایا ہے:

ثُمَّ اخْتَلَفَ الْمَشَايِخُ أَنَّهُ مُوَاعَدَةٌ أَوْ مُعَاقَدَةٌ؟ فَالْحَاكِمُ الشَّهِيْدُؒ وَالصَّفَّارُؒ وَمُحَمَّدُ بْنُ سَلَمَةَؒ وَصَاحِبُ الْمَنْثُوْرِ مُوَاعَدَةٌ، وَإِنَّمَا يَنْعَقِدُ عِنْدَ الْفَرَاغِ بَيْعًا بِالتَّعَاطِيْ، وَلِهٰذَا كَانَ لِلصَّانِعِ أَنْ لَا يَعْمَلَ وَلَا يُجْبَرُ عَلَيْهِ بِخِلَافِ السَّلَمِ، وَلِلْمُسْتَصْنِعِ أَنْ لَا يَقْبَلَ مَا يَأْتِيْ بِهِ وَيَرْجِعُ عَنْهُ وَلَا تَلْزَمُ الْمُعَامَلَةُ.

(فتح القدير زكريا ۷/ ۱۰۸، كوئٹه ۶/ ۲۴۲، دارالفكر ۷/ ۱۱۶، البحر الرائق، زكريا ۶/ ۲۸۴، كوئٹه ۶/ ۱۷۱، الفاظ کے فرق کے ساتھ مجمع الأنهر بيروت ۳/ ۱۴۹، مبسوط سرخسي ۱۲/ ۱۳۹، تبيين الحقائق ملتان ۴/ ۱۲۳، زكريا ۴/ ۵۲۷)

پھر مشائخ کے درمیان اس بارے میں اختلاف ہے کہ استصناع کا معاملہ وعدۂ بیع ہے یا عقدِ بیع ہے؟ تو حاکم شہیدؒ، امام صفارؒ، محمد بن سلمہؒ اور صاحبِ منثورؒ وغیرہ فرماتے ہیں کہ وعدۂ بیع ہے اور یقیناً عقدِ بیع منعقد ہوگی مال کی تیاری کے بعد لین دین کے وقت۔ اور اسی وجہ سے کاریگر کو اس بات کا اختیار رہے کہ وہ مال نہ بنائے اور نہ ہی اس پر جبر کیا جا سکتا ہے، برخلاف معاملۂ سلم کے اور مستصنع (آرڈر دینے والے) کے لئے اس بات کی گنجائش ہے کہ جو مال بنا کر لائے اسے قبول نہ کرے اور اس معاملہ سے رجوع کر لے اور معاملہ ان دونوں کے درمیان میں لازم نہیں ہوتا ہے۔

فریق ثانی: جمہور فقہاء کے نزدیک معاملۂ استصناع وعدۂ بیع نہیں ہے؛ بلکہ نفسِ عقدِ بیع ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ امام محمدؒ نے استصناع کے اندر قیاس اور استحسان دونوں کو ذکر فرمایا ہے اور قیاس واستحسان وعدہ میں جاری نہیں ہوتے ہیں، نیز اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ معاملۂ استصناع ایسی چیزوں میں جائز ہے جن میں معاملہ کرنے کا لوگوں کے درمیان میں تعامل ہے اور جن چیزوں میں تعامل نہیں ہے اس میں استصناع جائز نہیں ہے، اس کو صاحبِ

عنایہ نے ان الفاظ کے ساتھ نقل فرمایا ہے:

وَالصَّحِيحُ أَنَّهُ بَيْعٌ لَاعِدَةٌ وَهُوَ مَذْهَبُ عَامَّةِ مَشَايِخِنَا. (عنايه مع فتح القدير زكريا ديوبند ٧/ ١٠٨، كوئٹه ٦/ ٢٤٢، دارالفكر ٧/ ١١٦)

اور صحیح یہی ہے کہ معاملۂ استصناع عقدِ بیع ہے نہ کہ وعدۂ بیع، یہی ہمارے عامۃ المشائخ کا مذہب ہے۔

اوراس کو تبیین الحقائق میں ان الفاظ کے ساتھ نقل فرمایا ہے:

ثُمَّ فِي الصَّحِيحِ أَنَّ الاسْتِصْنَاعَ يَجُوزُ بَيْعًا (إلى قوله) وَجْهُ قَوْلِ الْجُمْهُورِ أَنَّ مُحَمَّدًا سَمَّاهُ شِرَاءً، وَذَكَرَ فِيهِ الْقِيَاسَ وَالاسْتِحْسَانَ، وَفَصَلَ بَيْنَ مَافِيهِ تَعَامُلٌ وَمَا لَاتَعَامُلَ فِيهِ. (تبيين الحقائق ملتان ٤/ ١٢٣، زكريا ٤/ ٥٢٧)

پھر صحیح یہی ہے کہ معاملۂ استصناع عقدِ بیع بن کر کے جائز ہے اور جمہور کے قول کی دلیل یہ ہے کہ امام محمدؒ نے معاملۂ استصناع کا نام خرید وفروخت رکھا ہے اور اس میں قیاس اور استحسان دونوں کو ذکر کیا ہے اور جن چیزوں میں تعامل ناس ہے ان کے درمیان اور جن چیزوں میں تعامل ناس نہیں ہے ان کے درمیان میں فرق بیان فرمایا ہے۔

پہلے خریدار کا دوسرے خریدار کو دوسرے خریدار کا تیسرے خریدار کو فروخت کرنے کا معاملہ

عقدِ استصناع کے جواز کا سارا مدار عرف وعادت اور تعاملِ ناس پر ہے اور عقدِ استصناع میں شئ معدوم ہی کی خرید وفروخت ہوتی ہے اور مبیع کا فی الحال وجود ہی نہیں ہوتا ہے، جب کہ عقدِ سلم میں بوقت عقد اگر چہ مبیع معدوم ہوتی ہے؛ لیکن تسلسل کے ساتھ بازاروں اور مارکیٹوں میں مدت پوری ہونے تک مبیع کا دستیاب ہونا لازم ہے اور اس کے برخلاف عقدِ استصناع میں شئ مصنوع (مبیع) کا تسلسل کے ساتھ مارکیٹ میں پایا جانا بھی لازم نہیں ہے، بس عقدِ استصناع کے لئے صرف اتنا کافی ہے کہ سائز، نمونہ اور ڈیزائن کے ساتھ آرڈر دیگر لوگوں کے درمیان معاملہ کرنے کا تعامل جاری ہوجائے اور بوقت عقد مبیع کا وجود میں ہونا لازم نہیں ہے؛

اس لئے مالیاتی ادارہ کے لئے ایسا کرنا جائز ہے کہ وہ اپنے لئے نمونہ اور سائز اور ڈیزائن وغیرہ کی شرائط کے ساتھ مال بنوانے کا آرڈر لے لے اور اسی ڈیزائن اور نمونہ کی شرائط کے ساتھ وہ مالیاتی ادارہ اپنے ماتحت کاریگروں کو مال بنوانے کا آرڈر دے دے اور اس میں اپنے منافع کی شرح کی رعایت رکھے اور اسی طرح جس بائر اور خریدار نے مالیاتی ادارہ کو آرڈر دیا ہے وہ اپنے منافع کی رعایت کرتے ہوئے سائز، نمونہ اور ڈیزائن دکھا کر اپنے خریدار کے ساتھ استصناع کا معاملہ کرے، اسی طرح دوسرے خریدار بھی اپنے نفع کی رعایت کرتے ہوئے تیسرے خریدار سے نمونہ اور ڈیزائنوں کی شرائط کے ساتھ معاملۂ استصناع کرتے جائیں۔ اور سارے ڈیزائن اور نمونہ اور طے شدہ شرائط کاغذوں میں درج ہوں تو اس طرح کا معاملہ بلا شبہ جائز اور درست ہے کیوں کہ اس طرح معاملہ کرنے کا تعامل لوگوں کے درمیان جاری ہو چکا ہے؛ اس لئے کہ معاملۂ استصناع میں دو چیزیں بنیادی ہوتی ہیں:

(۱) معاملہ کرنے کا عرف اور تعامل لوگوں کے درمیان میں جاری ہو۔

(۲) جس شئ پر معاملہ کیا جاتا ہے وہ شئ وجود میں نہیں ہوتی ہے؛ بلکہ معدوم ہوتی ہے اور یہاں پر یہ دونوں بنیادی چیزیں موجود ہیں؛ اس لئے اس طرح کا معاملہ شرعاً جائز اور درست ہے۔

یہ حکم حضرات فقہاء نے اس طرح کے الفاظ سے بیان فرمایا ہے، ملاحظہ فرمائیے:

يَجُوزُ اسْتِحْسَانًا وَالْقِيَاسُ يَقْتَضِي عَدَمَ جَوَازِهِ لِأَنَّهُ بَيْعُ الْمَعْدُومِ (قوله) وَجْهُ الاسْتِحْسَانِ الإِجْمَاعُ الثَّابِتُ بِالتَّعَامُلِ، فَإِنَّ النَّاسَ فِي سَائِرِ الْأَعْصَارِ تَعَارَفُوا الاسْتِصْنَاعَ فِي مَا فِيهِ تَعَامُلٌ مِنْ غَيْرِ نَكِيرٍ، وَالْقِيَاسُ يُتْرَكُ بِمِثْلِهِ. (عنایه مع فتح القدير على الهداية زكريا ديوبند ٧/ ١٠٨، كوئٹه پاکستان ٦/ ٢٤٢، دارالفكر ٧/ ١١٦)

اور عقد استصناع استحساناً جائز ہے اور قیاس اس کے عدم جواز کا تقاضہ کرتا ہے؛ اس لئے کہ یہ شئ معدوم کی بیع ہے اور استحساناً جواز کی وجہ وہ اجماع ہے جو تعاملِ ناس سے ثابت ہے؛ اس لئے کہ بے شک لوگوں میں ہر زمانہ میں ان چیزوں میں عقدِ استصناع بلا کسی نکیر کے متعارف رہا ہے، جن میں عقدِ استصناع کا تعامل ہو اور اس جیسے تعاملِ ناس کی وجہ سے قیاس کو چھوڑ دیا جاتا ہے۔

’’الفقہ الاسلامی میں یہ بات وضاحت سے ذکر کی گئی ہے کہ عقد استصناع میں مبیع کا مارکیٹوں میں موجود ہونا بھی لازم نہیں ہے۔

وَيُشْتَرَطُ فِي عَقْدِ السَّلَمِ عِنْدَ الْحَنَفِيَّةِ كَوْنُ جِنْسِ الْمُسْلَمِ فِيْهِ (الْمَبِيْعِ) مَوْجُوْدًا فِي الْأَسْوَاقِ بِنَوْعِهٖ وَصِفَتِهٖ مِنْ وَقْتِ الْعَقْدِ إِلٰى وَقْتِ حُلُوْلِ أَجَلِ التَّسْلِيْمِ (قوله) وَلَا يُشْتَرَطُ ذٰلِكَ فِي عَقْدِ الاسْتِصْنَاعِ. (الفقه الإسلامي ٤/ ٤٠١)

اور حنفیہ کے نزدیک عقدِ سلم میں مسلم فیہ (مبیع) کا اپنی جنس اور صفت کے ساتھ عقد کے وقت سے سونپنے کے زمانہ تک بازاروں اور مارکیٹوں میں موجود ہونا شرط ہے اور عقدِ استصناع میں یہ شرط نہیں ہے۔

چھوٹی منقول اشیاء کی طرح بڑی چیزوں میں استصناع کا معاملہ

جس طرح جوتا، چپل، اوانی، برتن اور گھریلو اشیاء کو استصناع کے طور پر آرڈر دے کر بنوانا جائز ہے، اسی طرح استصناع کا معاملہ بڑی بڑی منقول چیزوں میں بھی جائز اور درست ہے، مثلاً بحری جہاز، ہوائی جہاز، چھوٹی بڑی گاڑیاں اور ٹرین کے ڈبے وغیرہ جب ایسی چیزوں میں سائز، نمونہ اور ڈیزائن کے ساتھ آرڈر دے کر بنوانے کا تعامل ہو تو عقد استصناع کا معاملہ ایسی بڑی بڑی چیزوں میں بھی جائز اور درست ہو جائے گا۔

اس کو الفقہ الاسلامی میں ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا گیا ہے:

ثُمَّ انْتَشَرَ الاسْتِصْنَاعُ انْتِشَارًا وَاسِعًا فِي الْعَصْرِ الْحَدِيْثِ، فَلَمْ يُعَدّ مَقْصُوْرًا عَلٰى صِنَاعَةِ الْأَحْذِيَةِ وَالْجُلُوْدِ وَالنَّجَارَةِ وَالْمَعَادِنِ وَالْأَثَاثِ الْمَنْزِلِيِّ مِنْ مَفْرُوْشَاتٍ وَغَيْرِهَا مِنَ الْخَزَائِنِ

پھر استصناع کا معاملہ دورِ حاضر میں وسیع تر ہو کر پھیلتا چلا گیا؛ لہٰذا جوتے، چپل، چمڑے کی اشیاء، بڑھئی کی اشیاء، دھات کی اشیاء اور لوگوں کے صندوق، صوفے، کرسیاں، لاکر بچھونے اور گھریلو سامان وغیرہ کے دائرہ

وَالْمَقَاعِدِ وَالْمَسَانِدِ وَالصَّنَادِيْقِ، وَإِنَّمَا شَمُلَ صِنَاعَاتٍ مُتَطَوِّرَةٍ وَمُهِمَّةٍ جِدًا فِي الْحَيَاةِ الْمُعَاصَرَةِ كَالطَّائِرَاتِ وَالسُّفُنِ وَالسَّيَّارَاتِ وَالْقِطَارَاتِ وَغَيْرِهَا، مِمَّا أَدَّى إِلٰى تَنْشِيْطِ الْحَرَكَةِ الصِّنَاعِيَّةِ.

(الفقه الإسلامي ٤ / ٤٠٢)

میں محدود کر کے شمار نہیں کیا جائے گا؛ بلکہ یقینی طور معاملۂ استصناع دور حاضر میں بہت زیادہ اور ترقی یافتہ مصنوعات کو بھی شامل ہے، جیسا کہ ہوائی جہاز، بحری جہاز، گاڑیاں، ٹرین کے ڈبے وغیرہ، جو صنعتی سرگرمیوں کی ترقی کو شامل ہیں۔

غیر منقول عقار میں استصناع کا معاملہ

جس طرح چھوٹی بڑی منقول اشیاء میں نمونہ کے ساتھ آرڈر دے کر استصناع کا معاملہ جائز اور درست ہوتا ہے، اسی طرح جب غیر منقول عقار کو نمونہ اور سائز کے ساتھ آرڈر دے کر بنوانے کا لوگوں کے درمیان عرف اور تعامل جاری ہو جائے تو ایسی صورت میں غیر منقول عقار میں بھی استصناع کا معاملہ جائز اور درست ہو جائے گا؛ نمونہ اور نقشہ تیار کر کے عمارت، مکانات، فلیٹ وغیرہ کا بنوانا بھی معاملۂ استصناع کے دائرہ میں داخل ہو کر جائز اور درست ہو جائے گا اور آج کے زمانہ میں بڑے شہروں میں نقشہ اور نمونہ کے مطابق فلیٹ بنوایا جاتا ہے، کتنے کمرے، کس سائز کے کمرے، کتنے بیت الخلاء ہوں گے، کتنے غسل خانہ ہوں گے اور ان کا سائز کیا ہوگا اور کچن کتنا بڑا ہوگا؟ ان سب چیزوں کی تفصیل کے ساتھ جب فلیٹ بنانے کا آرڈر دیا جائے اور اسی کے مطابق جب فلیٹ تیار ہو جائے تو یہ معاملہ استصناع کے دائرہ میں داخل ہو کر جائز اور درست ہو جائے گا، اسی طرح چھوٹے شہروں میں پلاٹنگ کا سلسلہ جاری ہے، پھر ان پلاٹوں میں نقشہ اور نمونہ کے مطابق عمارت بنانے کا، مکان بنانے کا آرڈر دیا جاتا ہے، تو یہ بھی معاملۂ استصناع کے دائرہ میں داخل ہو کر جائز ہو جائے گا۔ اس کو ''الفقہ الاسلامی'' میں اس طرح کے الفاظ کے ساتھ نقل کیا گیا ہے:

وَإِنَّمَا يَشْمُلُ أَيْضًا إِقَامَةَ الْمَبَانِي وَتَوْفِيرَ الْمَسَاكِنِ الْمَرْغُوْبَةِ، وَقَدْ سَاعَدَ كُلُّ ذٰلِكَ فِي التَّغَلُّبِ عَلٰى اَزْمَةِ الْمَسَاكِنِ، وَمِنْ أَبْرَزِ الْأَمْثِلَةِ وَالتَّطْبِيْقَاتِ لِعَقْدِ الاسْتِصْنَاعِ بَيْعُ الدُّوْرِ وَالْمَنَازِلِ وَالْبُيُوْتِ السَّكِيْنَةِ عَلَى الْخَرِيْطَةِ ضِمْنَ أَوْصَافٍ مُحَدَّدَةٍ. (الفقه الإسلامي ٤/ ٤٠٢)

اور بے شک عقدِ استصناع مکانات کی تعمیر کرنے اور پسندیدہ رہائش کے حاصل کرنے کو بھی شامل ہے اور یقیناً یہ سب کے سب رہائشی بحران پر غلبہ حاصل کرنے میں معاون ہیں اور عقدِ استصناع کو عملی تشکیل دینے اور اس کی مثالوں کو عام کرنے میں نقشوں کے مطابق متعین اوصاف کے ضمن میں رہائشی کمروں اور گھروں اور مکانوں کی خرید وفروخت بھی شامل ہے۔

عقدِ استصناع میں بیعانہ ضبط کرنے کا حکم

معاملۂ استصناع چونکہ وسیع ترین دائرہ میں پھیلا ہوا ہے، مقامی اور ملکی دائرہ میں وسیع ہونے کے ساتھ ساتھ ممالکِ بعیدہ کے ساتھ بھی بین الاقوامی مارکیٹ میں استصناع کا معاملہ عام ہو چکا ہے اور ایسے حالات میں جب خریدار صانع کو آرڈر دیتا ہے، تو بسا اوقات ایسی بھی نوبت آجاتی ہے کہ نمونہ، سائز اور ڈیزائن دکھا کر آرڈر کا معاملہ مکمل ہو جاتا ہے اور بائع آرڈر اور طے شدہ شرائط کے مطابق مال تیار کر لیتا ہے، اس کے بعد خریدار بسا اوقات لینے سے مکر جاتا ہے، جس سے صانع اور بائع کو خطیر رقم کا نقصان اٹھانا پڑتا ہے، تو اس نقصان اور خطرہ سے بچنے کے لئے صانع (آرڈر لینے والا) مستصنع (آرڈر دینے والا) سے بطور بیعانہ کے پیشگی متعین رقم کا مطالبہ کرتا ہے اور اس میں یہ شرط لگاتا ہے کہ اگر مستصنع (آرڈر دینے والا) بعد میں لینے سے انکار کر دے تو بائع (آرڈر لینے والا) بیعانہ کی پیشگی رقم ضبط کر لے گا، اس کو شرعی اصطلاح اور لغت میں ''عربون'' کے الفاظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ (بذل المجہود بیروت ۱۱/ ۲۲۱، مکتبہ مظاہر العلوم قدیم ۴/ ۲۸۷)

اب یہاں زیرِ بحث مسئلہ یہ ہے کہ استصناع کے معاملہ میں پیشگی رقم جو بطور بیعانہ لی جاتی ہے، طے شدہ شرائط کے مطابق مال تیار ہو جانے کے بعد خریدار کے لینے سے انکار کرنے پر صانع (آرڈر لینے والے) کے لئے وہ رقم شرائط کے مطابق ضبط کر کے اپنے استعمال میں لانا جائز ہے یا نہیں؟ تو اس بارے میں حنفیہ اور جمہور کے نزدیک شرعی حکم یہ ہے کہ بیعانہ کی رقم ضبط کرنا جائز نہیں ہے؛ اس لئے کہ شریعت میں مالی جرمانہ لینا جائز نہیں ہے؛ لیکن حضرت امام احمد بن حنبلؒ، امام سعید بن المسیبؒ، امام محمد بن سیرینؒ وغیرہ کے نزدیک بیعانہ ضبط کرنا شرائط کے مطابق جائز اور درست ہے اور مال تیار کرنے والے کے لئے اس رقم کا استعمال بھی جائز ہے اور اس سلسلے میں امام احمد بن حنبلؒ، حضرت عمرؓ کا فیصلہ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا فتوی دلیل میں پیش کرتے ہیں، اب حنفی مسلک کے علماء کو عصرِ حاضر کی بین الاقوامی تجارت پر نظر رکھتے ہوئے غور کرنا ہے کہ عقدِ استصناع کا سارا مدار عرف اور تعاملِ ناس پر ہے اور مقامی، ملکی، بین الاقوامی مارکیٹ میں خطرہ اور نقصان سے بچنے کے لئے پیشگی رقم لینے اور خریدار کی طرف سے انکار کی صورت میں پیشگی دی ہوئی رقم ضبط کرنے کا تعامل اور تعارف ہو چکا ہے، تو اس تعامل ناس کے پیش نظر امام احمد بن حنبلؒ وغیرہ کے قول پر عمل کرنا جائز ہوگا یا نہیں؟ تو اس بارے میں دورِ حاضر کے مفکر حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ کی رائے بھی یہی ہے کہ تعاملِ ناس اور ضرورت کی بناء پر ''عربون'' (بیعانہ) کی رقم امام احمد بن حنبلؒ وغیرہ کے قول پر عمل کرتے ہوئے ضبط کرنے کی گنجائش ہے اور جہاں ضرورت نہ ہو وہاں جمہور کے قول پر عمل کیا جائے گا؛ اسی لئے احقر کی رائے بھی یہی ہے کہ تعاملِ ناس کی وجہ سے عقدِ استصناع میں عربون (بیعانہ) کی رقم خریدار کے مبیع کو رد کرنے کی صورت میں ضبط کرنے کی گنجائش ہوگی۔ حنفی مسلک کے علماء سے گزارش ہے کہ مسئلہ کے اسی نقطہ پر غور فرمائیں، اگر سارے علماء ایک بات پر متفق ہو جاتے ہیں تو بہتر ہوگا؛ لہٰذا ایسی صورت میں آرڈر دے کر فلیٹ اور مکان بنوانے میں یا چھوٹی چیزیں بھاری تعداد میں بنوانے کی صورت میں عربون (بیعانہ) کا مسئلہ انتہائی قابل غور ہے۔ (مستفاد اسلام اور جدید معاشی مسائل ۴/ ۱۶۱، ۱۶۲)

اس کے جواز سے متعلق حسبِ ذیل دلائل ملاحظہ فرمایئے: مغنی ابن قدامہ میں اس کو ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا گیا ہے:

وَالْعَرَبُوْنُ فِي الْبَيْعِ هُوَ أَنْ يَشْتَرِىَ السِّلْعَةَ فَيَدْفَعُ إِلَى الْبَائِعِ دِرْهَمًا أَوْ غَيْرَهُ عَلٰى أَنَّهُ إِنْ أَخَذَ السِّلْعَةَ أُحْتُسِبَ بِهٖ مِنَ الثَّمَنِ، وَإِنْ لَمْ يَأْخُذْهَا فَذٰلِكَ لِلْبَائِعِ ...... قَالَ أَحْمَدُؒ: لَا بَأْسَ بِهٖ وَفَعَلَهٗ عُمَرُؓ، وَعَنِ ابْنِ عُمَرَؓ أَنَّهٗ أَجَازَهٗ، وَقَالَ ابْنُ سِيْرِيْنَؒ: لَا بَأْسَ بِهٖ، وَقَالَ سَعِيْدُ بْنُ الْمُسَيِّبِؒ وَابْنُ سِيْرِيْنَؒ: لَا بَأْسَ إِذَا كَرِهَ السِّلْعَةَ أَنْ يَرُدَّهَا وَيَرُدَّ مَعَهَا شَيْئًا. (المغني ٤/ ١٦٠)

عقدِ بیع میں عربون (بیعانہ) وہ اس طرح سے ہے کہ مشتری سامان کی خریداری کا معاملہ کرکے بائع کو درہم (روپیہ) وغیرہ اس شرط پر دے دے کہ اگر سامان لے گا تو یہ روپیہ ثمن میں شمار ہوجائے گا اور اگر سامان (مبیع) نہیں لیتا ہے تو یہ بیعانہ کی رقم بائع کے لئے ہوجائے گی۔ امام احمدؒ نے فرمایا کہ اس طرح کا معاملہ کرنے میں کوئی حرج نہیں اور اس کو حضرت عمرؓ نے بھی کیا ہے اور ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے اس کی اجازت دی ہے۔ اور امام محمد بن سیرینؒ نے فرمایا کہ اس طرح کا معاملہ کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ اور امام سعید بن المسیبؒ اور ابن سیرینؒ نے کہا کہ جب مشتری سامان لینے سے انکار کرکے ردکردے تو اس کے ساتھ کوئی چیز بھی رد کرنے کے ساتھ واپس دے تو کوئی حرج نہیں ہے۔

اس بارے میں حسبِ ذیل روایات ان کی طرف سے پیش کی جاتی ہیں:

عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَؓ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَحَلَّ الْعُرْبَانَ فِي الْبَيْعِ. (المصنف لابن أبي شيبة ١١/ ٦٧١، رقم: ٢٣٦٥٦، ٢٣٦٦١)

زید بن اسلم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع میں عربان (بیعانہ) کو حلال رکھا ہے۔

عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ فَرُّوْخٍ أَنَّ نَافِعَ بْنَ عَبْدِالْحَارِثِ اشْتَرَى دَارَ السِّجْنِ مِنْ صِفْوَانَ بْنِ أُمَيَّةَ بِأَرْبَعَةِ آلَافِ دِرْهَمٍ، فَإِنْ رَضِيَ عُمَرُؓ فَالْبَيْعُ لَهٗ، وَإِنْ عُمَرُؓ لَمْ يَرْضَ، فَأَرْبَعُ مِائَةٍ لِصَفْوَانَؓ.

(المصنف لابن أبي شيبة ١١/ ٦٧٢، رقم: ٢٣٦٦٦)

عبدالرحمٰن بن فروخ کہتے ہیں کہ نافع بن عبدالحارث نے صفوان بن امیہ سے اس شرط پر قید خانہ کا گھر چار ہزار درہم میں خریدا کہ اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس عقد پر راضی ہوجائیں، تو مبیع ان کے لئے ہے اور اگر حضرت عمرؓ راضی نہ ہوں تو صفوان بن امیہ کے لئے چار سو درہم ہوں گے۔

اور بخاری کے ترجمۃ الباب میں اس روایت کو ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے:

وَاشْتَرَى نَافِعُ بْنُ عَبْدِالْحَارِثِ دَارًا لِلسِّجْنِ بِمَكَّةَ مِنْ صَفْوَانَ بْنِ أُمَيَّةَ عَلٰى إِنْ عُمَرُؓ رَضِيَ بِالْبَيْعِ فَالْبَيْعُ بَيْعُهٗ، وَإِنْ لَمْ يَرْضَ عُمَرُؓ فَلِصَفْوَانَؓ أَرْبَعُ مِائَةِ دِيْنَارٍ.

(بخاري شريف ١/ ٣٢٧)

نافع بن عبدالحارث نے قید خانہ کے لئے مکہ مکرمہ میں ایک گھر صفوان بن امیہ سے اس شرط پر خریدا کہ اگر حضرت عمرؓ بیع پر راضی ہوجائیں تو عقد بیع اسی طرح قائم رہے گا اور اگر حضرت عمرؓ راضی نہ ہوں تو صفوان بن امیہ کے لئے چار سو دینار ہیں۔

ضروری وضاحت

اس مسئلہ میں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ ہم نے جو بیعانہ کی رقم ضبط کرنے کی گنجائش کی طرف رجحان ظاہر کیا ہے وہ صرف عقدِ استصناع کے دائرہ میں محدود ہے اور ملکی اور بین الاقوامی مارکیٹ میں آرڈر دے کر مال بنوانے اور مال ایکسپورٹ کرنے اور ایمپورٹ کرنے کا معاملہ عقدِ استصناع کے ساتھ متعلق ہوتا ہے، اور اس میں آرڈر کینسل کرنے کی صورت میں آرڈر لینے والے کا بھاری نقصان ہوجاتا ہے اور اس نقصان کی تلافی بیعانہ کی رقم کے ذریعہ سے جہاں تک ممکن ہوکرنے کی گنجائش ہے، مثلاً بائع نے دیگر ممالک کے خریدار سے

بیس لاکھ روپئے کا مال طے شدہ شرائط کے مطابق ایکسپورٹ کرنے کا معاملہ طے کرلیا ہے اور بیعانہ کے طور پر کچھ رقم پیشگی وصول کرلی ہے اور اس نے بیس لاکھ روپیہ کا مال تیار کرلیا ہے اس کے بعد باہر کے بایر (خریدار) نے آرڈر کینسل کردیا، تو ایسی صورت میں بائع نے مال کی تیاری میں جو بھاری رقم خرچ کی ہے، اس کا بھاری نقصان بائع کے سر پڑتا ہے، تو ایسے بڑے نقصان سے بچنے کیلئے عربون (بیعانہ) کی پیشگی رقم ضبط کرنے کے علاوہ اس کے پاس کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے، اسی طرح اندرون ملک میں بھی کثرت کے ساتھ ایسے واقعات پیش آتے رہتے ہیں اور بائع کو نقصان بھگتنا پڑ جاتا ہے، اس طرح کے نقصانات کے پیشِ نظر حضرت امام احمد بن حنبلؒ وغیرہ کے قول پر عمل کی گنجائش قرار دی جارہی ہے اور یہ بات بھی یاد رکھیں کہ اندرونِ ملک میں زمین کی خریداری اور پلاٹ کی خریداری، تیار شدہ مکان کی خریداری میں جو بیعانہ پیش کیا جاتا ہے، مشتری بعد میں لینے سے مکر جائے اور لینے سے انکار کردے تو بیعانہ کی رقم مکمل طور پر واپس کردینا بائع کے اوپر لازم اور ضروری ہے؛ اس لئے کہ یہ عقود عقدِ استصناع کے دائرہ میں داخل نہیں ہیں، نیز ایسے معاملات میں مشتری کے انکار کرنے کی صورت میں بائع کا عمومی طور پر کوئی نقصان نہیں ہوتا۔ اور پھر بھی اگر کسی کو نقصان ہوجاتا ہے اور پھر اس طرح کے نقصان کا سلسلہ عام ہونے کا خطرہ ہے، تو اس سے بچنے کے لئے حضرت مفتی شفیع صاحب عثمانیؒ نے امداد المفتیین میں ایک حیلہ نقل فرمایا ہے اور وہ حیلہ یہ ہے کہ ظاہری حالات کے اعتبار سے بائع بیعانہ کی رقم ضبط کرلے؛ لیکن خفیہ طور پر کسی بھی حیلہ سے مشتری کے پاس وہ رقم پہنچادے، مثلاً کسی دوسرے کے واسطے سے بطورِ ہدیہ یا ہبہ واپس کردے، یا ایک مدت کے گذر جانے کے بعد بطور تحفہ وغیرہ کے عنوان سے واپس کردے، ملاحظہ فرمایئے (امداد المفتیین کراچی ۲/۸۴۳)

معاملۂ استصناع اجارہ کب بن سکتا ہے؟

استصناع کا معاملہ مال اور سامان کے اعتبار سے دوطرح سے وجود میں آتا ہے:

(۱) مال بنانے کا سامان، اوزار اور عمل یہ سب کے سب کاریگر کے ذمہ ہوں گے، ایسی صورت میں یہ معاملۂ استصناع حاکم شہیدؒ وغیرہ کے قول کے مطابق وعدۂ بیع ہے اور عامۃ المشائخ اور جمہور کے نزدیک عقد بیع ہے، جس کو استصناع کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے، اس کو معاملۂ اجارہ میں کسی نے بھی داخل نہیں کیا (جیسا کہ اس کی تفصیل عقدِ استصناع بیع ہے یا وعدۂ بیع ہے کے عنوان کے ذیل میں مفصل طور پر آچکی ہے)

(۲) مال تیار کرنے کا سامان اور مٹیریل خریدار کی طرف سے ہو اور کاریگر کا کام صرف یہی ہے کہ طے شدہ شرائط کے مطابق مال بنا کر تیار کردے اور اس میں اس کو اپنی طرف سے کوئی سامان نہیں لگانا ہے، تو ایسی صورت میں استصناع کی یہ شکل عقد بیع یا معاہدۂ بیع نہیں رہے گی؛ بلکہ استصناع کی شکل میں اجارہ بن جائے گی۔ اور صانع (کاریگر) اجیر مشترک بن جائے گا اور آرڈر دینے والا مستصنع مستاجر بن جائے گا۔ اس سلسلے میں حضرات فقہاء کی عبارات ملاحظہ فرمایئے، اس کو فتاویٰ تاتارخانیہ میں ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا گیا ہے:

وَالْاسْتِصْنَاعُ أَنْ يَكُوْنَ الْعَيْنُ وَالْعَمَلُ مِنَ الصَّانِعِ، فَأَمَّا إِذَا كَانَ الْعَيْنُ مِنَ الْمُسْتَصْنِعِ لَا مِنَ الصَّانِعِ يَكُوْنُ إِجَارَةً وَلَا يَكُوْنُ اسْتِصْنَاعًا. (تاتارخانية، زكريا ١٥/ ٣٤٧، رقم: ٢٣٣٢٣)

استصناع کی شکل یہ ہے کہ عین (مال کا سامان) اور عمل دونوں کاریگر کی طرف سے ہو، پس بہر حال جب سامان مستصنع (آرڈر دینے والے) کی طرف سے ہو، کاریگر کی طرف سے نہ ہو، تو یہ معاملہ اجارہ بن جائے گا اور بیع استصناع باقی نہیں رہے گا۔

اور ''شرح المجلہ'' میں اس کو ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا گیا ہے:

وَشَرْطُهُ أَنْ يَكُوْنَ الْعَيْنُ وَالْعَمَلُ مِنَ الصَّانِعِ، فَإِنْ كَانَتِ الْعَيْنُ مِنَ الْمُسْتَصْنِعِ كَانَ الْعَقْدُ إِجَارَةً. (شرح المجلة١/ ٦٩)

اور استصناع کی شرط یہی ہے کہ سامان اور عمل دونوں کاریگر کی طرف سے ہو؛ لہٰذا اگر سامان مستصنع (آرڈر دینے والے) کی طرف سے ہو تو عقد اجارہ بن جائے گا۔

بین الاقوامی تجار جن کی فیکٹریاں بڑی اور وسیع ہوتی ہیں، ان کے یہاں یہی شکل زیادہ پیش آتی ہے، وہ لوگ باہر سے خام مال ایمپورٹ کرکے لاتے ہیں اور کارخانہ دار اور کاریگروں کو اپنی ہی فیکٹری میں ٹھیکہ پر رکھتے ہیں اور اسی فیکٹری میں ہی کاریگروں کو ایکسپوٹر نمونہ اور سائز دکھا کر مال بنانے کا آرڈر دیتے ہیں اور کچا مال بھی اپنی طرف سے ان کو دیتے ہیں، پھر ٹھیکہ دار اپنے کاریگروں کے ذریعہ سے اسی خام مال کو گلا کر طے شدہ شرائط کے مطابق مال کا آرڈر تیار کرکے ایکسپوٹر کو پیش کرتے ہیں، پھر ایکسپوٹر اس مال کی پیکنگ وغیرہ کرکے اپنے خریداروں کو ایکسپورٹ کرتے ہیں، تو ایسی صورت میں ان بڑے تاجروں کے یہاں اپنے کاریگروں سے مال بنوانے کا معاملہ اجارہ ہی کا ہوگا، بیع یا معاہدہ بیع کا نہیں ہوگا، ہاں البتہ ایکسپوٹر اور اس کے خریدار کے درمیان میں بیع استصناع کا معاملہ جاری رہے گا۔

طے شدہ شرائط اور نمونہ کی خلاف ورزی پر نقصان کا بھگتان کس پر؟

طے شدہ شرائط اور نمونہ کی خلاف ورزی کی دو شکلیں ہوسکتی ہیں:

(۱) **استصناع کی شکل** خریدار نے بائع کو نمونہ اور سائز پیش کردیا اور مال بنانے کے لئے سارے شرائط جانبین میں طے ہوگئے، اس کے بعد کاریگر نے اپنے مٹیریل کے ذریعہ سے مال بنا کر تیار کردیا ہے، مگر جو مال تیار کردیا ہے وہ نمونہ اور شرائط کے خلاف ہے، ایسی صورت میں مشتری کو اختیار رہے کہ مال قبول کرے یا واپس کردے اور واپسی کی صورت میں جو بھی نقصان ہوگا، اس کا پورا بھگتان کاریگر کو اٹھانا پڑے گا، آرڈر دینے والا خریدار نقصان کا ذمہ دار نہیں ہوگا۔ اس کو شرح مجلّہ رستم باز میں مادہ ۳۹۲ رمیں ان الفاظ کے ساتھ نقل فرمایا ہے:

وَإِذَا لَمْ يَكُنِ الْمَصْنُوْعُ عَلَى الْأَوْصَافِ الْمَطْلُوْبَةِ الْمُبَيَّنَةِ كَانَ الْمُسْتَصْنِعُ مُخَيَّرًا لِفَوَاتِ الْوَصْفِ الْمَرْغُوْبِ فِيْهِ. (شرح المجلة ۱/ ۲۲۱، رقم: ۳۹۲، الفقه الإسلامی ٤/ ۳۹۸)

اور جب بنا ہوا مال طے شدہ اور واضح اوصاف کے مطابق نہ ہو تو آرڈر دینے والے خریدار کو ایسے پسندیدہ اوصاف کے نہ ہونے کی وجہ سے اختیار حاصل ہوگا، جس کی شرط اس میں لگائی گئی تھی۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ مطلوبہ شرائط اور نمونہ کے مطابق مال نہ بنانے کی وجہ سے مستصنع (آرڈر دینے والے خریدار) کوصرف اتنا اختیار ہوگا کہ وہ مال لینے سے انکار کردے اور اس مال کے بنانے میں کاریگر کی محنت وغیرہ کے نقصان کا بھگتان خود کاریگر برداشت کرے گا اور خریدار کو اس مال سے متوقع منافع میں جو نقصان ہوا ہے اس نقصان کی تلافی کاریگر سے نہیں کرسکتا۔

(۲) اجارہ کی شکل ایکسپوٹر نے کاریگر اور ٹھیکیدار کو نمونہ کے مطابق مال بنانے کے لئے مٹیریل اور خام مال اپنی طرف سے پیش کردیا ہے، تو دو صورتیں ہوسکتی ہیں:

(۱) ٹھیکیدار اور کاریگر نے مال تیار کرنے میں نمونہ اور شرائط کی خلاف ورزی کی ہے، تو ایسی صورت میں ٹھیکیدار اور کاریگر خام مال اور مٹیریل کا ضامن ہوگا کہ مٹیریل جیسا آیا تھا ویسا ہی اسی کے ہم مثل واپس کردے گا اور آرڈر دینے والے ایکسپوٹر کا جو مال خراب ہوا ہے وہ ٹھیکیدار اور کاریگر کو مل جائے گا اور محنتانہ کا جو نقصان ہوا ہے اس کا بھگتان ٹھیکیدار اور کاریگر کو برداشت کرنا پڑے گا اور اس نقصان میں آرڈر دینے والا ایکسپوٹر شریک نہیں ہوگا۔

اس کو صاحبِ بدائع نے اس طرح کے الفاظ کے ساتھ نقل فرمایا ہے:

فَإِنْ سَلَّمَ إِلٰى حَدَّادٍ حَدِيْدًا لِيَعْمَلَ لَهُ إِنَاءً مَعْلُوْمًا بِأَجْرٍ مَعْلُوْمٍ، أَوْ جِلْدًا إِلٰى خِفَافٍ لِيَعْمَلَ لَهُ خُفًّا مَعْلُوْمًا بِأَجْرٍ مَعْلُوْمٍ، فَذٰلِكَ جَائِزٌ، وَلَا خِيَارَ فِيْهِ؛ لِأَنَّ هٰذَا لَيْسَ بِاسْتِصْنَاعٍ بَلْ هُوَ اسْتِئْجَارٌ فَكَانَ جَائِزًا، فَإِنْ عَمِلَ كَمَا أَمَرَ اسْتَحَقَّ الْأَجْرَ، وَإِنْ فَسَدَ

پس اگر لوہا وغیرہ دھات کے کاریگر کو لوہے کی دھات سونپ دی ہے، تاکہ اس کے لئے متعین اجرت کے عوض میں متعین برتن بنا کردے، یا جوتا موزہ کے کاریگر کو چمڑا سونپ دیا ہے، تاکہ اس کے لئے متعین اجرت کے بدلہ میں متعین شرائط کے مطابق جوتا موزہ بنا کر تیار کردے، تو ایسا معاملہ جائز ہے اور اس میں کسی قسم کا خیار نہیں ہے؛ اس لیے کہ یہ عقد استصناع نہیں ہے؛ بلکہ وہ اجارہ بن کر کے جائز ہوگیا ہے؛ لہٰذا اگر حکم کے مطابق مال بنا دیا ہے، تو طے شدہ اجرت کا مستحق ہوجائے گا اور اگر مال کو بگاڑ دیا ہے، تو آرڈر دینے والے

فَلَهُ أَنْ يُضَمِّنَهُ حَدِيدًا مِثْلَهُ؛ لِأَنَّهُ لَمَّا أَفْسَدَهُ، فَكَأَنَّهُ أَخَذَ حَدِيدًا لَهُ وَاتَّخَذَ مِنْهُ آنِيَةً مِنْ غَيْرِ إِذْنِهِ، وَالإِنَاءُ لِلصَّانِعِ؛ لِأَنَّ الْمَضْمُونَاتِ تُمْلَكُ بِالضِّمَانِ. (بدائع زكريا ديوبند ٤/ ٩٦، كراچی ٥/ ٤)

کے لئے اسی کے ہم مثل لوہے کی دھات کا تاوان وصول کرنا جائز ہے، اس لئے کہ جب کاریگر نے اسے بگاڑ دیا ہے، تو گویا کہ کاریگر نے اس کے لوہے کی دھات لے کر اس دھات سے اس کی اجازت کے بغیر برتن بنا دیا ہے اور برتن کاریگر کو مل جائے گا؛ اس لئے کہ بنے ہوئے برتن کا ضمان اور تاوان کے بدلہ میں کاریگر مالک ہو جاتے ہیں۔

(۲) دوسری صورت اجارہ کی شکل میں یہ ہوسکتی ہے کہ ایکسپوٹر اور مالیاتی ادارہ نے مال بنانے کے لئے سارا مٹیریل اپنی طرف سے کاریگر کو دیا ہے اور کاریگر نے مال بنانے میں نمونہ، سائز اور ڈیزائن کی خلاف ورزی کی ہے کہ مال کا ڈیزائن خراب کر دیا، یا مال کو چھوٹا بڑا کر دیا، تو ایسی صورت میں مالیاتی ادارہ کے ذمہ دار ایکسپوٹر وغیرہ کو یہ اختیار حاصل ہے کہ بنا ہوا مال اسی حالت میں کاریگر کو دے دے اور اپنے دیئے ہوئے مٹیریل کے ہم مثل مٹیریل اس سے وصول کر لے، یا تیار شدہ وہی مال قبول کر لے، اگر مال کی قیمت میں کوئی فرق نہیں آیا ہے، تو اس کو پوری اجرت ادا کر دے؛ لیکن اگر مال خراب بنانے کی وجہ سے مال کی قیمت گھٹ گئی ہے، تو جتنی گھٹی ہے اتنے نقصان کی تلافی کاریگر کی اجرت میں سے وصول کر لے۔

یہ حکم مبسوط سرخسی کی اس عبارت سے واضح ہوتا ہے:

وَلَوْ أَسْلَمَ غَزْلًا إِلَى حَائِكٍ لِيَنْسِجَ لَهُ سَبْعًا فِي أَرْبَعٍ، فَحَاكَهُ أَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ أَوْ أَصْغَرَ فَهُوَ بِالْخِيَارِ إِنْ شَاءَ ضَمَّنَهُ مِثْلَ غَزْلِهِ وَسَلَّمَ لَهُ الثَّوْبَ، وَإِنْ

اور اگر کپڑا بننے والے کو سوت اور دھاگا پیش کر دیا ہے، تاکہ اس کے لئے چار بائی سات طول وعرض میں کپڑا بنا کر دے، تو کپڑا بننے والے نے اس سے بڑا بنا دیا، یا اس سے چھوٹا تو آرڈر دینے والے کو اختیار ہے کہ اگر چاہے اپنے دیئے ہوئے سوت اور دھاگے کے ہم

شَاءَ أَخَذَ ثَوْبَهُ وَأَعْطَاهُ الْأَجْرَ إِلَّا فِي النُّقْصَانِ؛ فَإِنَّهُ يُعْطِيهِ الأَجْرَ بِحِسَابِ ذٰلِكَ وَلاَ يُجَاوَزُ بِهِ مَا سَمَّى. (مبسوط سرخسي ١٥/ ٨٦)

مثل تاوان میں وصول کرلےاور بنا ہوا کپڑا بننے والے کو دے دے اور اگر چاہے تو اسی کپڑے کو لےکر اس کی اجرت ادا کردے، الا یہ کہ قیمت کا نقصان ہوجائے تو بے شک وہ اس نقصان کو مجری کر کے اجرت دے گا۔ اور اس میں متعین قیمت سے تجاوز نہیں کرے گا۔

معاملۂ استصناع کو منسوخ کرنے کی شکلیں

نمونہ، سائز اور طے شدہ شرائط کے مطابق فریقین کے درمیان استصناع کا معاملہ طے ہوجانے کے بعد پھر اس معاملہ کو جانبین میں سے کسی ایک کی طرف سے فسخ کر کے ختم کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ تو اس کی تین شکلیں پیش آسکتی ہیں:

شکل (۱): طے شدہ شرائط کے مطابق معاملۂ استصناع جانبین کے درمیان طے ہوجانے کے بعد ابھی مال بنانے کی تیاری شروع نہیں ہوئی ہے، تو اس حالت میں جانبین میں سے کسی کو بھی معاملہ منسوخ کرنے کا اختیار رہے، ایسی صورت میں کسی کا کوئی نقصان نہیں ہوتا ہے، اس کو حضرات فقہاء نے اس طرح کے الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

وَأَمَّا صِفَةُ الاسْتِصْنَاعِ فَهِيَ: أَنَّهُ عَقْدٌ غَيْرُ لازِمٍ قَبْلَ الْعَمَلِ فِي الْجَانِبَيْنِ جَمِيعًا بِلا خِلَافٍ حَتّٰى كَانَ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا خِيَارُ الامْتِنَاعِ قَبْلَ الْعَمَلِ. (بدائع الصنائع زكريا ٤/ ٩٥، كراچی ٥/ ٣)

جانبین کے درمیان عمل سے پہلے بالاتفاق عقد غیر لازم ہے، یہاں تک کہ مال کی تیاری سے پہلے دونوں میں سے ہر ایک کے لئے معاملہ کو ختم کرنے کا اختیار رہے۔

شکل (۲): مال بنانے کی تیاری شروع ہوگئی ہے، مگر ابھی مال نمونہ کے مطابق مکمل تیار نہیں ہو پایا ہے، تو ایسی صورت میں خریدار کو معاملہ ختم کرنے کا اختیار ہے یا نہیں؟ اس سلسلے میں

جمہور کی رائے یہی ہے کہ چوں کہ آرڈر دینے والے خریدار کے نمونہ کے مطابق ابھی مال تیار نہیں ہوا ہے؛ اس لئے آرڈر کینسل کر دینے کا خریدار کو اختیار رہے گا۔ اس کو صاحب بدائع نے ان الفاظ کے ساتھ نقل فرمایا ہے:

إِذَا قَطَعَ الْجِلْدَ وَلَمْ يَعْمَلْ فَقَالَ الْمُسْتَصْنِعُ: لَا أُرِيْدُ لِأَنَّا لَا نَدْرِيْ أَنَّ الْعَمَلَ يَقَعُ عَلَى الصِّفَةِ الْمَشْرُوْطَةِ أَوْ لَا فَلَمْ يَكُنِ الامْتِنَاعُ مِنْهُ إِضْرَارًا بِصَاحِبِهٖ، فَثَبَتَ الْخِيَارُ. (بدائع الصنائع زکریا ٤/ ٩٦، کراچی ٥/ ٤)

جب چمڑے کو جوتا یا موزہ بنانے کے لئے کاٹ لیا ہے اور ابھی بنایا نہیں ہے، تو آرڈر دینے والے خریدار نے کہا: میں لینے کا ارادہ نہیں رکھتا؛ اس لئے کہ ہم نہیں جانتے ہیں کہ تمہارا کام ہمارے طے شدہ شرائط کے مطابق ہو پائے گا یا نہیں؟ لہٰذا اس حالت میں لینے سے منع کر دینا اپنے فریق کو نقصان پہنچانے کے مرادف نہیں ہوگا؛ اس لئے اس کو فسخ کا اختیار حاصل ہوگا۔

شکل (۳): طے شدہ شرائط اور نمونہ کے مطابق مال تیار ہو چکا ہے اب مکمل تیار ہو جانے کے بعد یہ معاملہ ختم کرنے کا اختیار ہو سکتا ہے یا نہیں؟ تو ایسی صورت میں اگر مال مکمل تیار کر کے کاریگر نے آرڈر دینے والے مشتری کے پاس پیش کر دیا ہے اس کے بعد کاریگر معاملہ ختم کر کے مال واپس لے جانا چاہے، تو کسی کے نزدیک بھی واپس لے جانا جائز نہیں ہے، مگر اختلاف اس بارے میں ہے کہ آرڈر دینے والے خریدار کو ایسی حالت میں واپس کر دینے کا اختیار رہے یا نہیں؟ تو جمہور احناف کے نزدیک ایسی صورت میں بھی آرڈر دینے والے خریدار کو خیار رؤیت حاصل رہے گا، چنانچہ خریدار مال دیکھنے کے بعد یہ کہہ کر واپس کر سکتا ہے کہ اگر چہ طے شدہ شرائط اور نمونہ کے مطابق مال بن گیا ہے؛ لیکن مال مجھے پسند نہیں ہے میں نہیں لوں گا، یہ قول ظاہر الروایہ کے مطابق ہے؛ لیکن حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک مال تیار ہونے سے پہلے پہلے عقد غیر لازم رہتا ہے اور مال مکمل تیار ہو جانے کے بعد یہ عقد خود بخود لازم ہو جاتا ہے اور آرڈر دینے والے مشتری کو خیار رویت حاصل نہیں ہوگا؛

اس لئے کہ ایسی حالت میں مشتری کو اگر خیار رؤیت کے نام سے اختیار دیا جائے اور وہ مال لینے سے انکار کردے تو بائع (کاریگر) کو بڑا نقصان ہوسکتا ہے اور شریعت چھوٹے نقصان کے مقابلے میں بڑے نقصان سے بچنے کو اہمیت دیتی ہے؛ اس لئے خریدار پر لازم ہوجائے گا کہ مال کو واپس نہ کرے اور بلا کسی اڑچن لگائے اس کو قبول کرلے، اس کو حضرات فقہاء نے اس طرح کے الفاظ سے نقل فرمایا ہے۔ بدائع کی عبارت ملاحظہ فرمائیے:

فَأَمَّا إِذَا أَحْضَرَ الصَّانِعُ الْعَيْنَ عَلَى الصِّفَةِ الْمَشْرُوْطَةِ فَقَدْ سَقَطَ خِيَارُ الصَّانِعِ وَلِلْمُسْتَصْنِعِ الْخِيَارُ؛ لِأَنَّ الصَّانِعَ بَائِعٌ مَا لَمْ يَرَهُ فَلا خِيَارَ لَهُ، وَأَمَّا الْمُسْتَصْنِعُ فَمُشْتَرِي مَا لَمْ يَرَهُ، فَكَانَ لَهُ الْخِيَارُ (إلى قوله) هٰذَا جَوَابُ ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ عَنْ أَبِي حَنِيْفَةَؒ وَأَبِي يُوْسُفَؒ وَمُحَمَّدٍؒ، وَرُوِيَ عَنْ أَبِي حَنِيْفَةَؒ أَنَّ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا الْخِيَارُ، وَرُوِىَ عَنْ أَبِي يُوْسُفَ: أَنَّهُ لا خِيَارَ لَهُمَا، وَجْهُ رِوَايَةِ أَبِي يُوْسُفَ أَنَّ الصَّانِعَ قَدْ أَفْسَدَ مَتَاعَهُ وَقَطَعَ جِلْدَهُ وَجَاءَ بِالْعَمَلِ عَلَى الصِّفَةِ

اور بہر حال جب کاریگر سامان کو طے شدہ شرائط کے مطابق بنا کر پیش کردے تو کاریگر کا اختیار ختم ہوجائے گا اور آرڈر دینے والے خریدار کو اختیار باقی رہے گا؛ اس لئے کہ کاریگر ایسی چیز کا بیچنے والا ہے جس کو اس نے نہیں دیکھا ہے (پھر بنا کر تیار کرنے کے بعد) اس کے لئے خیار ثابت نہیں ہوگا اور بہر حال آرڈر دینے والا خریدار ایسی چیز کا خریدنے والا ہے جس کو اس نے دیکھا نہیں ہے؛ اس لئے اس کو خیار رؤیت حاصل ہوگا، یہ ظاہر الروایہ کا جواب ہے جو امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ سے مروی ہے۔ اور امام ابوحنیفہؒ سے ایک روایت یہ ہے کہ دونوں میں سے ہر ایک کو اختیار حاصل ہوگا اور امام ابو یوسفؒ سے ایک روایت یہ ہے کہ دونوں میں سے کسی کو بھی فسخ کا اختیار حاصل نہیں ہوگا۔ اور امام ابو یوسفؒ کی روایت کی وجہ یہ ہے کہ کاریگر نے اپنا

الْـمَشْـرُوطَةِ فَـلَـوْ كَـانَ لِـلْمُسْتَصَنِعِ الامْتِنَاعُ مِنْ أَخْذِهِ لَـكَـانَ فِيْـهِ إِضْـرَارٌ بِـالصَّانِعِ.

(بدائع الصنائع زكريا ديوبند ٤/ ٩٥، ٩٦، كراچی ٥/ ٣، ٤)

سامان مال بنانے کے لئے توڑ دیا اور چمڑا کاٹ دیا اور اس کے بعد طے شدہ شرائط کے مطابق مال بنا کر تیار کرلیا ہے، پھر اگر آرڈر دینے والا خریدار اس کو لینے سے انکار کردیگا تو کاریگر کو بڑا نقصان پہنچ جائے گا۔

اور اسی کو عنایہ میں اس طرح کے الفاظ سے نقل کیا گیا ہے:

وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّـهُ لا خِيَـارَ لَهُـمَـا، أَمَّـا الـصَّـانِعُ فَلِمَا ذَكَرْنَا أَوَّلا، وَأَمَّـا الْـمُسْتَصْـنِـعُ فَـلأن الـصَّـانِعَ أَتْلَفَ مَالَهُ بِقَطْعِ الصَّرْمِ وَغَيْـرِهِ لِيَصِلَ إِلَى بَدَلِهِ، فَلَوْ ثَبَتَ لَـهُ الْـخِيَـارُ تَـضَـرَّرَ الصَّانِعُ؛ لِأَنَّ غَيْـرَهُ لا يَشْتَـرِيْهِ بِمِثْلِهِ، أَلَا تَرَى! أَنَّ الْوَاعِظَ إِذَا اسْتَصْنَعَ مِنْبَرًا وَلَمْ يَأْخُذْهُ فَالْعَامِيُّ لا يَشْتَرِيهِ أَصْلاً.

(عنـاية مع فتح القدير زكريا ديوبند ٧/ ١٠٩، كوئٹه پاكستان ٦/ ٢٤٢، دارالفكر ٧/ ١١٦)

اور امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ دونوں میں سے کسی کو فسخ کا اختیار نہیں ہے، بہر حال صانع کو اس لئے نہیں ہے کہ جو ہم نے شروع میں ذکر کیا ہے اور بہر حال آرڈر دینے والے خریدار کو اس لئے اختیار حاصل نہیں ہے کہ کاریگر نے اپنا مال چمڑا وغیرہ کاٹنے کے ذریعہ سے خراب کردیا ہے، تاکہ اس کا بدل (قیمت) حاصل کرلے؛ لہٰذا اگر خریدار کے لئے اختیار ثابت ہوجائے تو کاریگر کو نقصان پہنچ جائے گا؛ اس لئے کہ اس خریدار کے علاوہ دوسرا آدمی اس جیسی چیز خریدتا نہیں ہے، کیا نہیں دیکھتے ہو کہ بے شک خطیب نے جب منبر بنوا کر اس کو نہیں لیا تو عام آدمی اسے بالکل نہیں خریدے گا۔

امام ابو یوسفؒ کے قول کی ترجیح

امام ابو یوسفؒ کے قول کے مطابق عقدِ استصناع بیع لازم ہے اور جب نمونہ اور شرائط کے مطابق مال تیار ہوجائے اس کے بعد اگر آرڈر دینے والے خریدار کو مال قبول نہ کرنے کا اختیار دیا جائے ،تو کاریگر کا زبردست نقصان ہوسکتا ہے اور بلا کسی شرعی وجہ کے کاریگر کو اتنے بڑے نقصان کا مکلّف شریعت نہیں بناتی؛ اسی لئے حضرت امام ابو یوسفؒ کے قول کو راجح قرار

دیا جائے اور آرڈر دینے والے خریدار پر لازم کردیا جائے کہ اس کو قبول کرنے کا پابند ہوجائے۔ اور خیار رؤیت استعمال کرنے کا حق اس کو حاصل نہیں ہوگا، اسی کو مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ نے بھی ''اسلام اور جدید معاشی مسائل ۵/ ۱۵۵'' میں واضح فرما کر ترجیح دی ہے؛ اسی لئے امام ابویوسفؒ کی رائے کو ترجیح دینے میں علماء متفق ہوجائیں تو زیادہ بہتر ہوگا۔ نیز فتاویٰ تاتارخانیہ میں اس بات کی صراحت موجود ہے کہ امام ابویوسفؒ شروع میں امام ابوحنیفہؒ کی طرح اس بات کے قائل تھے کہ عقدِ استصناع عقد غیر لازم ہے؛ لہٰذا معاملہ ہوجانے کے بعد فریقین میں سے ہر ایک کو اختیار رہے گا، چاہے عقد کو باقی رکھے یا ختم کردے، اس کے بعد امام ابویوسفؒ نے اپنے اس قول سے رجوع کرکے فرمایا کہ صانع پر جبر نہیں کیا جاسکتا اور مستصنع کو قبول کرنے پر مجبور کیا جائے گا، پھر اس کے بعد امام ابویوسفؒ نے اپنے اس قول سے بھی رجوع کرکے فرمایا کہ استصناع کا معاملہ منعقد ہوجانے کے بعد عقد لازم ہوجائے گا اور جانبین میں سے کسی کو بھی مسترد کرنے کا حق نہیں ہوگا؛ بلکہ کاریگر کو عمل پر مجبور کیا جائے گا اور آرڈر دینے والے خریدار کو مبیع کے قبول کرنے پر مجبور کیا جائے گا۔ اور آج کے زمانہ میں حضرت امام ابویوسفؒ کے اس قول سے کوئی مفر نہیں ہے، ورنہ جانبین کو نقصان اٹھاتے رہنا پڑے گا۔ حضرت امام ابویوسفؒ کے قول ہی کو مفتی بہ قرار دینا زیادہ مناسب ہوگا۔ عبارت ملاحظہ فرمائیے:

وَرَوَى أَبُو يُوسُفَ عَنْ أَبِيْ حَنِيْفَةَؒ: الصَّانِعُ لَا يُجْبَرُ عَلَى الْعَمَلِ بَلْ يَتَخَيَّرُ إِنْ شَاءَ فَعَلَ وَإِنْ شَاءَ لَمْ يَفْعَلْ، وَإِذَا أَتَى الصَّانِعُ بِالْمَصْنُوْعِ لَا يُجْبَرُ الْمُسْتَصْنِعُ عَلَى الْقَبُوْلِ بَلْ هُوَ بِالْخِيَارِ إِنْ شَاءَ قَبِلَ وَإِنْ شَاءَ لَمْ يَقْبَلْ ......

حضرت امام ابویوسفؒ امام ابوحنیفہؒ سے روایت کرتے ہیں کہ کاریگر کو عمل پر مجبور نہیں کیا جائے گا؛ بلکہ اس کو اختیار رہے گا، چاہے کرے اور چاہے نہ کرے اور جب کاریگر شرائط کے مطابق مال بنا کرکے لے آئے تو آرڈر دینے والے خریدار کو قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا؛ بلکہ اس کو اختیار ہے چاہے قبول کرلے اور چاہے قبول نہ کرے۔ اور امام ابویوسفؒ نے شروع

وَقَالَ أَبُويُوسُفَ أَوَّلًا: يُجبَرُ الْمُسْتَصْنِعُ دُوْنَ الصَّانِعِ، وَهُوَ رِوَايَةٌ عَنْ أَصْحَابِنَا، ثُمَّ رَجَعَ عَنْ هٰذَا وَقَالَ: لاَ خِيَارَ لِوَاحِدٍ مِّنْهُمَا، بَلْ يُجْبَرُ الصَّانِعُ عَلَى الْعَمَلِ، وَيُجْبَرُ الْمُسْتَصْنِعُ عَلَى الْقَبُوْلِ.

(الفتاوى التاتارخانية زكريا ٩/ ١٠٤، رقم: ١٣٧١٩)

میں یہ فرمایا تھا کہ آرڈر دینے والے خریدار کو قبول کرنے پر مجبور کیا جائے گا، صانع کو عمل پر مجبور نہیں کیا جائے گا، یہ ہمارے اصحاب کی ایک روایت ہے، پھر امام ابو یوسفؒ نے اس قول سے رجوع کر کے فرمایا کہ دونوں میں سے کسی ایک کو بھی اختیار نہیں ہے؛ بلکہ صانع (کاریگر) کو عمل پر مجبور کیا جائے گا اور آرڈر دینے والے (مستصنع) کو قبول کرنے پر مجبور کیا جائے گا۔

اور یہ حکم ملتقی الابحر کی ذیل کی عبارت سے بھی واضح ہوتا ہے:

وَهُوَ بَيْعٌ لَا عِدَةٌ، فَيُجْبَرُ الصَّانِعُ عَلٰى عَمَلِهٖ وَلَا يَرْجِعُ الْمُسْتَصْنِعُ عَنْهُ. (ملتقي الابحر مع مجمع الأنهر بيروت ٣/ ١٤٩)

اور وہ عقد بیع ہے وعدۂ بیع نہیں ہے؛ لہٰذا کاریگر کو عمل پر مجبور کیا جائے اور آرڈر دینے والے مستصنع کو اس عقد سے رجوع کا حق نہیں ہوگا۔

عقدِ استصناع میں مدت کی تعیین کا مسئلہ

عقدِ سَلَم میں مسلم فیہ (مبیع) کے سونپنے کے زمانہ اور مدت کی تعیین لازم ہے، مگر عقدِ استصناع میں زمانہ اور مدت کی تعیین کا مسئلہ مختلف فیہ ہے۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اگر مدت متعین کردی جائے، تو عقدِ استصناع عقدِ سلم میں تبدیل ہوجائے گا؛ لیکن حضرات صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ ایسی کوئی شرط مشروط نہیں ہے؛ اس لئے کہ عقدِ استصناع کا سارا مدار تعاملِ ناس اور عرف پر ہے اور جب تعاملِ ناس اور عرف میں عقدِ استصناع کے اندر مدت متعین کرنے کا سلسلہ جاری ہوجائے تو اس کا اعتبار کرنا ضروری ہوجائے گا؛ لہٰذا اگر عقدِ استصناع میں مبیع کو سونپنے کی مدت متعین کردی جائے تو وہ سلم میں تبدیل نہیں ہوگا؛ بلکہ بدستور معاملہ عقدِ استصناع کے طور پر باقی رہے گا؛ اس لئے عقدِ استصناع دونوں طرح جائز ہوگا کہ اگر مدت متعین کردی جاتی ہے تب بھی عقدِ استصناع ہی رہے گا اور مدت متعین نہ کرے تب بھی

استصناع ہی کے دائرہ میں رہے گا۔ اور دورِ حاضر میں استصناع کے معاملہ میں عام طور پر مدت متعین کرنے کا دستور ہے، تاکہ جانبین کے لوگ اس کی پابندی کی کوشش کریں اور زیادہ تاخیر کی وجہ سے آرڈر دینے والے کو نقصان نہ پہنچے اور اس زمانہ کے تعامل کے لحاظ سے صاحبینؒ کے قول کو ترجیح حاصل ہوگی۔

اس کو صاحب بدائع نے ان الفاظ کے ساتھ نقل فرمایا ہے:

وَمِنْهَا أَنْ لايَكُوْنَ فِيْهَا أَجَلٌ، فَإِنْ ضَرَبَ لِلْاسْتِصْنَاعِ أَجلاً صَارَ سَلَمًا (قوله) وَهٰذَا قَوْلُ أَبِي حَنِيْفَةَ، وَقَالَ أَبُوْيُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ: هٰذَا لَيْسَ بِشَرْطٍ وَهُوَ اسْتِصْنَاعٌ عَلٰى كُلِّ حَالٍ، ضَرَبَ فِيْهِ أَجلاً أَوْ لَمْ يَضْرِبْ. (بدائع الصنائع زكريا ٤/ ٩٤، كراچی ٥/ ٣، اسی طرح کی عبارت البحر الرائق زکریا دیوبند ٦/ ٢٨٥، كوئٹه ٦/ ١٧١، مبسوط سرخسي ١٢/ ٣٩، تبيين الحقائق ملتان ٤/ ١٢٤، زکریا ۴/ ۵۲۸ر میں موجود ہے)

اور ان شرائط میں سے یہ بھی ہے کہ استصناع کے اندر مدت متعین نہ ہو؛ لہٰذا اگر استصناع میں مدت متعین کردے گا، تو وہ سلم میں تبدیل ہوجائے گا اور یہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ شرط مشروط نہیں ہے اور یہ عقد ہر حال میں استصناع ہی رہے گا، اس میں مدت متعین کردی ہو یا نہ کی ہو۔

اور اس حکم کو ’’الفقہ الإسلامی‘‘ میں مزید واضح الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

وَقَالَ الصَّاحِبَانِ: لَيْسَ هٰذَا بِشَرْطٍ، وَالْعَقْدُ اسْتِصْنَاعٌ عَلٰى كُلِّ حَالٍ حُدِّدَ فِيْهِ أَجَلٌ أَوْ لَمْ يُحَدَّدْ؛ لِأَنَّ الْعَادَةَ جَارِيَةٌ بِتَحْدِيْدِ الْأَجَلِ فِي الاسْتِصْنَاعِ، فَيَكُوْنُ شَرْطًا صَحِيْحًا لِذٰلِكَ. (الفقه الإسلامي ٤/ ٣٩٦)

اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ ایسی کوئی شرط مشروط نہیں ہے اور عقد ہر حال میں استصناع کے طور پر باقی رہے گا، اس میں مدت متعین کردی ہو یا نہ کی ہو؛ اس لئے کہ عادت وعرف عقد استصناع میں مدت متعین کرنے کے بارے میں جاری ہوچکی ہے؛ لہٰذا شرعی طور پر یہ جائز اور صحیح ہوجائے گا۔

عقدِ استصناع میں طے شدہ مدت سے تاخیر کے نقصان کا عوض

عقدِ استصناع میں مال تیار کر کے پیش کرنے کی مدت کا تعین لازم اور ضروری نہیں ہے؛ بلکہ اس میں جانبین کو اختیار ہے کہ مدت متعین کریں، یا نہ کریں؛ لہٰذا اگر جانبین کی تراضی سے مدت متعین ہو جاتی ہے اور مال تیار کنندہ اس کی فراہمی میں طے شدہ وقت سے تاخیر کر دے، تو آرڈر دینے والے خریدار کو اختیار ہے کہ قیمت ادا کر کے اسے قبول کر لے، یا اس کو قبول کرنے سے انکار کر دے، تو اس بات کو یقینی بنانے کے لئے آپس کی تراضی سے معاملہ کے وقت یہ طے کر لیں کہ بائع مال تیار کر کے فراہم کر دینے میں اگر متعین وقت سے تاخیر کرے گا تو اس پر جرمانہ عائد ہوگا، جیسا کہ بین الاقوامی مارکیٹ میں اس طرح کی تاخیر کی صورت میں کِلم کاٹنے کا تعامل اور دستور جاری ہے، تو سوال یہ ہے کہ شریعت میں بھی اس طرح کسی تعزیری جرمانے کی گنجائش ہے یا نہیں؟ تو اس سلسلے میں مبسوط سرخسی میں مسئلہ اجارہ کی بحث کے تحت میں تاخیر کے نتیجہ میں کِلم کاٹنے کی شرط کو جائز قرار دیا ہے، چنانچہ حضرات فقہاء فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنے کپڑوں کو سلائی کے لئے کسی خیاط کو یہ کہہ کر کے کپڑا پیش کرتا ہے کہ اگر خیاط ایک دن میں یہ کپڑا تیار کر دے، تو اس کی اجرت سو روپیہ ہوگی اور اگر دو دن میں تیار کرتا ہے، تو اجرت سو روپیہ کے بجائے پچاس روپیہ ہو جائے گی، تو اس طرح کی تاخیر کی کِلم کاٹنا مسئلۂ اجارہ کے ذیل میں فقہاء نے جائز لکھا ہے، تو اس طرح سے عقد استصناع میں بھی مال کی قیمت کو فراہمی کے وقت کے ساتھ منسلک کیا جا سکتا ہے؛ لہٰذا اگر فریقین اس بات پر متفق ہو جائیں کہ فراہمی میں تاخیر کی صورت میں فی یوم یا فی ہفتہ قیمت میں سے متعین مقدار کم ہوتی جائے گی، تو ایسا کرنا شرعاً جائز ہوگا۔ اور اس زمانہ کے مفکر حضرت مولانا مفتی محمد تقی صاحب عثمانی مدظلہ نے بھی اس کو جائز لکھا ہے۔ ملاحظہ ہو ''اسلام اور جدید معاشی مسائل ٥/ ١٥٦''۔ اب فقہاء کی عبارت ملاحظہ فرمائیے:

لَوْ دَفَعَ إِلَيْهِ ثَوْبًا لِيَقْطَعَهُ قَمِيصًا، وَاشْتَرَطَ عَلَيْهِ إِنْ خَاطَهُ الْيَوْمَ فَلَهُ دِرْهَمٌ، وَإِنْ لَمْ يَفْرُغْ مِنْهُ الْيَوْمَ فَلَهُ نِصْفُ دِرْهَمٍ، عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ إِنْ خَاطَهُ الْيَوْمَ فَلَهُ دِرْهَمٌ، وَإِنْ لَمْ يَفْرُغْ مِنْهُ الْيَوْمَ فَلَهُ أَجْرُ مِثْلِهِ، لَا يَنْقُصُ عَنْ نِصْفِ دِرْهَمٍ وَلَا يُجَاوِزُ بِهِ دِرْهَمًا. وَقَالَ أَبُويُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ تَعَالٰى: وَهُوَ عَلَى مَااشْتَرَطَ إِذَا فَرَغَ مِنْهُ الْيَوْمَ فَلَهُ دِرْهَمٌ، وَإِنْ فَرَغَ مِنْهُ بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهُ نِصْفُ دِرْهَمٍ (إلى قوله) ثُمَّ رَجَعَ أَبُوحَنِيفَةَ فَقَالَ: الشَّرْطَانِ جَائِزَانِ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي يُوسُفَ وَمُحَمَّدٍ. (مبسوط سرخسي ۱۵/ ۹۹، ۱۰۰)

اور اگر درزی کو کوئی کپڑا یہ کہہ کر دیا ہے کہ اسے کاٹ کر قمیص بنا دے اور اس پر یہ شرط لگائی ہے کہ اگر اس کو آج سیکر تیار کر دے گا، تو اس کے لئے ایک درہم ہے اور اگر آج اس سے فارغ نہیں ہو پا تا ہے تو اس کے لئے نصف درہم ہوگا، تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اگر اس نے اس کو آج ہی سی کر کے تیار کر دیا ہے، تو اس کو ایک درہم ملے گا اور اگر آج اس سے فارغ نہیں ہو پایا ہے، تو اس کے لئے اس کے ہم مثل اجرت ہوگی، جو نصف درہم سے کم نہ ہوگی۔ اور ایک درہم سے تجاوز بھی نہیں کرے گی۔ اور امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ وہ معاملہ لگائی ہوئی شرط کے مطابق رہے گا کہ جب اس سے آج فارغ ہو جائے گا، تو اس کے لئے ایک درہم ہے۔ اور اگر اس کے بعد سی کر فارغ ہوتا ہے تو اس کو نصف درہم ملے گا، پھر امام ابوحنیفہؒ نے اپنے قول سے رجوع کر کے فرمایا کہ دونوں شرطیں جائز ہیں اور وہی امام ابو یوسفؒ اور امام محمد رحمہما اللہ کا قول ہے۔

مقالہ کا خلاصہ اور جوابات کا حاصل

(۱) عقدِ استصناع شئ معدوم پر منعقد ہوتا ہے اور یہ عقد شرعی اصول اور قیاس کے تناظر میں

شئ کے معدوم ہونے کی وجہ سے ناجائز ہونا چاہئے ؛لیکن شریعت نے اس عقد کو اصول اور قیاس سے مستثنیٰ کر کے ایک ضابطہ کے دائرہ میں رکھا ہے۔ اور وہ ضابطہ یہی ہے کہ جن چیزوں کے بارے میں لوگوں کے درمیان شئ معدوم پر عقدِ استصناع کا معاملہ کرنے کا عرف اور تعامل جاری ہو چکا ہو، ان تمام چیزوں میں عقدِ استصناع جائز اور درست ہے۔

(۲) عقدِ استصناع اور عقدِ سلم دونوں میں شئ مبیع معدوم ہوتی ہے، مگر فرق یہ ہے کہ عقد سلم میں مسلم فیہ (مبیع) کی جنس کی اشیاء کا حلول مدت تک بازاروں میں ہر وقت دستیاب ہونا لازم ہے، مگر عقد استصناع میں شئ (مبیع) کا بازاروں میں موجود ہونا لازم نہیں ہے۔ اور عقدِ سلم میں مجلس عقد میں رأس المال (ثمن اور قیمت) کا ادا کرنا لازم ہے۔ اور عقدِ استصناع میں لازم نہیں ہے، اسی طرح عقد سلم میں خیار شرط کا ثبوت نہیں ہوتا ہے؛ بلکہ بر وقت عقد لازم ہو جاتا ہے اور عقدِ استصناع میں لازم نہیں ہوتا۔ اور اسی طرح عقدِ سلم میں مسلم فیہ (مبیع) کا مثلی اور ذوات الامثال میں سے ہونا لازم ہے اور عقدِ استصناع میں شئ (مبیع) کا ذوات الامثال میں سے ہونا لازم نہیں، نیز عقدِ سلم ایسی چیزوں میں جائز ہے جن کا لوگوں کے درمیان تعامل ہے۔ اور ایسی چیزوں میں بھی جائز ہے جن کا تعامل نہیں ہے، اس کے برخلاف عقدِ استصناع صرف ایسی چیزوں میں جائز ہے جن میں عقدِ استصناع کا معاملہ کرنا لوگوں کے درمیان میں تعامل ہے اور جن میں تعامل نہیں ہے ان میں جائز نہیں ہے۔

(۳) معاملۂ استصناع عقدِ بیع ہے یا وعدۂ بیع؟ تو اس سلسلے میں امام حاکم شہید مروزیؒ، امام محمد بن سلمہؒ، امام صفارؒ، امام ابوالقاسمؒ، ناصر الدین سمرقندیؒ صاحبِ منثور وغیرہ کے نزدیک معاملہ استصناع عقد بیع نہیں ہے؛ بلکہ وعدۂ بیع ہے۔ اور حضرات جمہور کے نزدیک معاملۂ استصناع وعدۂ بیع نہیں ہے؛ بلکہ نفس بیع ہے، دونوں فریق کے دلائل مقالہ میں مفصل موجود ہیں۔

(۴) پہلے خریدار کا دوسرے خریدار کو اور اسی طرح دوسرے خریدار کا تیسرے خریدار کو نمونہ

اور ڈیزائن دکھا کر معاملۂ استصناع کے طور پر فروخت کرنا جائز اور درست ہے، تو ایسی صورت میں مالیاتی ادارہ عام طور پر درمیان کا خریدار ہوتا ہے، وہ اپنے کاریگروں سے مال بنوا کر خریدتا ہے، اور پھر اپنے بائروں کے ہاتھ نمونہ اور آرڈر کے مطابق فروخت کرتا ہے، اسی طرح بائر جس نے مالیاتی ادارہ سے معاملہ کیا ہے، تیار ہونے سے پہلے دوسروں کو وہی نمونہ دکھا کر کے استصناع کا معاملہ کرسکتا ہے؛ اس لئے کہ عقدِ استصناع کے جواز کا سارا مدار تعاملِ ناس پر ہے اور اسی طرح کا معاملہ کرنے کا ملکی اور بین الاقوامی مارکیٹوں میں تعامل ہو چکا ہے؛ اس لئے اس کے جواز میں کسی قسم کا تردد نہیں ہے۔

(۵) جس طرح چھوٹی چھوٹی منقول چیزوں میں معاملۂ استصناع جائز اور درست ہے، جیسا کہ جوتے، چپل، دھات کے برتنوں وغیرہ میں، اسی طرح بڑی بڑی منقول چیزوں میں بھی معاملۂ استصناع جائز اور درست ہے، مثلاً بحری جہاز، ہوائی جہاز، چھوٹی بڑی گاڑیاں اور ٹرین کے ڈبے وغیرہ، جب ایسی چیزوں میں سائز اور نمونہ وڈیزائن کے ساتھ آرڈر دے کر بنوانے کا تعامل ہو تو عقدِ استصناع کا معاملہ ایسی بڑی بڑی چیزوں میں بھی جائز اور درست ہے۔

(۶) جس طرح چھوٹی بڑی منقول اشیاء میں سائز اور نمونہ کے ساتھ آرڈر دے کر استصناع کا معاملہ جائز اور درست ہے، اسی طرح غیر منقول عقار میں بھی جائز اور درست ہے۔ تفصیل مقالہ میں موجود ہے۔

(۷) عقدِ استصناع میں بیعانہ کب ضبط کر سکتے ہیں؟ جب ڈیزائن اور سائز اور طے شدہ شرائط کے مطابق مال تیار ہو جائے اس کے بعد بلا کسی خامی کے مستصنع (آرڈر دینے والا خریدار) لینے سے مکر جائے، تو پیشگی دی ہوئی بیعانہ کی رقم ضبط کرنے کی گنجائش ہے۔

(۸) معاملۂ استصناع اجارہ کب بن سکتا ہے؟ اگر مالیاتی ادارہ عقد استصناع کا معاملہ کرتے وقت سارے مٹیریل کاریگر کو دے دے اور کاریگر اسی مٹیریل سے شرائط کے مطابق مال بنا کر پیش کر دے تو یہ معاملہ عقدِ استصناع سے بدل کر عقدِ اجارہ بن جائے گا۔

(۹) طے شدہ شرائط اور نمونہ کی خلاف ورزی پر نقصان کا بھگتان کس پر ہوگا؟ ایسی صورت میں نقصان کا بھگتان کاریگر کو برداشت کرنا پڑے گا، استصناع کی شکل میں اس نے اپنے مٹیریل سے جو مال بنایا ہے اور نمونہ اور ڈیزائن کے خلاف بنایا ہے، تو اس طرح مال کے خراب ہوجانے کا نقصان اسے خود برداشت کرنا پڑے گا۔ اور اگر مٹیریل مالیاتی ادارہ نے اپنی طرف سے پیش کردیا ہے، تو ایسی صورت میں مالیاتی ادارہ کو اختیار رہے کہ اپنے مٹیریل کے مثل کاریگر سے وصول کرلے اور بنا ہوا مال کاریگر کے پاس چھوڑ دے اور چاہے بنا ہوا مال اسی حالت میں قبول کرلے، اگر اس مال کی قیمت میں کوئی کمی نہیں آتی ہے، تو پوری اجرت ادا کردے۔ اور اگر مال کی قیمت میں کمی آتی ہے، تو اس مال کے وصول کے ساتھ ساتھ کمی کے بقدر نقصان کی تلافی اسی کی اجرت میں سے کاٹ لے۔

(۱۰) معاملۂ استصناع کو منسوخ کرنے کی شکلیں: اگر طے شدہ شرائط کے مطابق معاملۂ استصناع جانبین کے درمیان طے ہوجائے اور ابھی مال کی تیاری شروع نہیں ہوئی ہے، تو ابھی جانبین میں سے ہر ایک کو معاملہ منسوخ کرنے کا اختیار رہے۔ اور اگر طے شدہ شرائط کے مطابق معاملہ طے ہوچکا ہے، اور کاریگر نے اپنے مٹیریل کے ذریعہ سے مال کی تیاری شروع کردی ہے، مگر ابھی مال مکمل تیار نہیں ہوا ہے، تو ایسی صورت میں جمہور کے نزدیک آرڈر منسوخ کرنے کا اختیار ہے؛ لیکن حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک مال تیار ہوجانے کے بعد آرڈر کینسل کرنے کا حق نہیں ہے۔ اور اس سلسلے میں امام ابو یوسفؒ کا آخری قول یہی ہے کہ طے شدہ شرائط کے ساتھ عقد استصناع منعقد ہوجانے کے بعد یہ عقد لازم ہوجاتا ہے، جانبین میں سے کسی کو بھی معاملہ منسوخ کرنے کا حق نہیں ہے۔ اور عقد ہوجانے کے بعد کاریگر مال بنانے کا پابند ہوجائے گا اور مستصنع (آرڈر دینے والا) مال مصنوع (مبیع) کو قبول کرنے کا پابند ہوجائے گا۔ اور آج کے زمانہ میں امام ابو یوسفؒ کا قول ہی زیادہ راجح ہے۔

(۱۱) عقدِ استصناع میں مدت کی تعیین کا حکم کیا ہے؟ تو اس بارے میں راجح قول یہی ہے کہ

عقدِ استصناع میں مدت متعین نہ کرے، تب بھی جائز ہے۔ اور مدت متعین کردے تب بھی جائز ہے اور مدت متعین کرنے کی وجہ سے عقد استصناع سلم میں تبدیل نہیں ہوگا۔

(١٢) عقدِ استصناع میں طے شدہ مدت سے تاخیر کے نقصان کا عوض وصول کرنا جائز ہے یانہیں؟ عقدِ استصناع میں اگر جانبین کے درمیان اس طرح شرائط طے ہوجائیں کہ طے شدہ مدت کے اندر کاریگر مال تیار کر کے فراہم نہ کرے اور مالیاتی ادارہ نے جس خریدار سے آرڈر دے رکھا ہے وہ خریدار تاخیر کی وجہ سے طے شدہ قیمت میں کلم کاٹ کر کمی کرتا ہے، تو اس کمی کی تلافی کاریگر سے کی جائے گی، اگر بوقت عقد اس طرح کے شرائط طے ہوجائیں اور پھر کاریگر نے مال کی فراہمی میں تاخیر کردی ہے، تو یومیہ یا ہفتہ کے حساب سے کمی کے نقصان کی تلافی اس کے مال یا اس کی اجرت میں سے کرنے کی گنجائش ہے۔

و الله الموفق و المعين.

شبیر احمد قاسمی

خادم: دارالافتاء جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد (الہند)

٢/محرم الحرام ١٤٣٥ھ

١١/ باب بیع الوفاء

بیع الوفاء

سوال [٨٨٣٩]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کے پاس مکان بھی ہے اور دوکان بھی، مگر پیسہ کی سخت ضرورت ہے، کوئی شخص اس کو قرض بھی دینے کو تیار نہیں، زید اپنی دوکان فروخت کرنا بھی نہیں چاہتا۔ اور اگر قرض کے لئے دوکان کو رہن رکھ کر قرض لیتا ہے تو قرض دینے والا شرعاً دوکان مرہون سے فائدہ بالکل نہیں اٹھا سکتا ہے، تو ایسی تباہ کن حالت میں مالک دوکان (کتاب ایضاح النوادر ص: ٦٨-٦٩) پر جولکھا ہے: دوگواہوں کے روبرو بیع الوفاء، بیع الامانت، بیع الرہن کے تحت یہ معاملہ طے ہوا ہے کہ مجھے مبلغ تیس ہزار روپئے آپ دے دیں بطور قرض میں اس کے عوض اپنی دونوں دوکانیں آپ کے سپرد کرتا ہوں، جب میں قرض ادا کردوں گا تو اپنی دوکانیں واپس لے لوں گا، تو کیا شرعاً اس طریقے سے قرض دینے والا زید کی دوکانوں سے کرایہ وغیرہ سے فائدہ حاصل کرسکتا ہے یا نہیں؟ مکمل ومدلل جواب سے نوازیں مہربانی ہوگی، اس کے باوجود بھی کچھ اعتراض سامنے آرہے ہیں، اس لئے فتویٰ کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔

المستفتی: شمشاد احمد رام نگر، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر زید کو قرض حسنہ کے طور پر کوئی قرض دینے والا نہیں ہے اور وہ بہت سخت ضرورت مند ہے، تو ایسی صورت میں مشائخ سمرقند اور مشائخ بلخ اور مشائخ بخاری کے فتوی پر عمل کرنے کی گنجائش ہے۔ اور عقد کے وقت میں اس معاملہ کا نام قرض نہ رکھا جائے؛ بلکہ خریداری اور فروختگی کے الفاظ استعمال کریں، مالک دوکان اس طرح کہے کہ میں ٣٠ ر ہزار روپئے کے عوض یہ مکان یا دوکان بیع امانت اور بیع رہن کے طور پر آپ کو

دیتا ہوں اور جب میں آپ کی پوری رقم ادا کردوں گا تو آپ مکان مجھے واپس کردیں گے۔ اوراس درمیان آپ مکان یا دوکان سے فائدہ اٹھاتے رہیں گے۔ اور اس سلسلہ میں ایک ایگریمنٹ بھی تحریر کر کے رکھ لیں، تاکہ جانبین اس تحریر کے پابند رہیں۔

ومن مشايخ سمرقند من جعله بيعا جائزا مفيدا بعض أحكامه، منهم الإمام نجم الدين النسفي، فقال: اتفق مشايخنا في هذا الزمان، فجعلوه بيعا جائزا مفيدا بعض أحكامه، وهو الانتفاع به دون البعض، وهو البيع لحاجة الناس إليه ولتعاملهم فيه -إلى قوله- وقال صاحب النهاية: وعليه الفتوى.

(تبيين الحقائق، كتاب الإكراه، مكتبه إمداديه ملتان ٥/ ١٨٣-١٨٤، زكريا ديوبند ٦/ ٢٣٧)

ومن هذا القبيل بيع الأمانة، المسمى ببيع الوفاء جوزه مشايخ بلخ وبخارى توسعة. (الأشباه والنظائر، القاعدة الرابعة: المشقة تجلب التيسير، قديم ص: ١٣٠، جديد زكريا ١/ ٢٦٥-٢٣٦)

ومنها: الإفتاء بصحة بيع الوفاء حين كثر الدين على أهل بخارى، وهكذا بمصر وقد سموه بيع الأمانة، والشافعية يسمونه الرهن المعاد.

(الأشباه والنظائر القاعدة الخامسة: الضرر يزال، قديم، ص: ١٤٩، وهكذا ١٦١، جديد زكريا ١/ ٢٦٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٢٧/ رجب المرجب ١٤٢٥ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٧/ ٨٤٩٠)

بیع الوفاء کا حکم

سوال [٨٨٤٠]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: آج کل ممبئی اور بنگلور جیسے بڑے شہروں میں ہیوی ڈپازٹ یا مینٹیننس پر مکان لئے جاتے ہیں، جس میں مالک مکان کوڈپازٹ کے طور پر ایک بڑی رقم دی جاتی ہے اور بجائے

کرائے کے صرف مینٹیننس کی رقم ادا کرنی ہوتی ہے اور متعین مدت کے بعد ڈپازٹ کی رقم بغیر کمی بیشی کے واپس مل جاتی ہے، اس طرح مکان لینا ازروئے شریعت کیسا ہے؟

بعض علماء کے نزدیک مندرجہ بالا صورت جائز نہیں ہے۔ اور بعض کے نزدیک ڈپازٹ کی رقم کے ساتھ کرایہ بھی طے کرنا چاہئے، جن حضرات نے اس صورت کو ناجائز قرار دیا ہے ان کی دلیل مندرجہ ذیل ہے:

''کسی کو قرض دے کر بطور ضمانت اس کی کوئی منقولہ یا غیر منقولہ چیز قرض دہندہ اپنی تحویل میں لے لے، تاکہ اگر قرض لینے والا ادائے گی نہ کر سکے تو قرض دینے والا اسے فروخت کر کے اپنی رقم وصول کر سکے، اسے شرعاً رہن کہتے ہیں؛ لیکن اس دوران قرض دینے والا اس چیز سے کسی قسم کا نفع حاصل نہیں کر سکتا، اگر نفع حاصل کرے گا تو سود ہوگا۔ اور اس صورت مسئولہ میں مکانوں کو ہیوی ڈپازٹ پر دینے کی نوعیت بھی وہی ہے؛ لہٰذا یہ شخص مکان اپنی تحویل میں تو لے سکتا ہے، تاکہ ادائے گی کی ضمانت رہے؛ لیکن نفع حاصل کرنا جائز نہ ہوگا۔

اس فتویٰ پر چند سوالات پیدا ہوتے ہیں:

(۱) مالک مکان اگر اپنا مکان رہن رکھنا چاہے تو کیا کوئی اس شرط پر بڑی رقم دے گا کہ وہ اس مکان کو استعمال نہ کرے؟

(۲) کیا یہ ممکن ہے کہ کوئی ہیوی ڈپازٹ ادا کرے اور مکان استعمال نہ کرے، جب کہ اقرارنامہ میں ''اگریمنٹ'' استعمال کی اجازت درج کرائی جاتی ہے؟

(۳) کیا مالک مکان کی رضامندی اور اجازت سے مکان استعمال کرنا بھی سود میں داخل ہے؟

(۴) اگر بالفرض کوئی استعمال نہ کرنے والا ہو تو مکان کا مینٹیننس کون ادا کرے؟

(۵) کیا ڈپازٹ کی رقم متعین مدت میں واپس نہ ملے تو مکان فروخت کیا جا سکتا ہے؟

(۶) جو شخص کرایہ ادا کرنے کی استعداد نہیں رکھتا وہ کیا کرے؟

(۷) اگر ہیوی ڈپازٹ کے ساتھ کرائے کی رقم طے بھی کرنا چاہیں تو کس بنیاد پر کریں؟ اور

اس کا تناسب کیا ہو، جب کہ زیادہ ڈپازٹ تو کرایہ کم اور کم ڈپازٹ تو کرایہ زیادہ کا اصول چلن میں ہو؟ مثلاً زید نے چار لاکھ روپئے ڈپازٹ کے طور پر دیئے ہوں اور وہ ہر ماہ ٥١٠/ روپئے بلاناغہ مینٹیننس کے طور پر بھی ادا کررہا ہوں، اب زید کتنا کرایہ دے؟ وغیرہ

المستفتی: اسلم ملا

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جومعاملہ سوال نامہ میں درج ہے وہ بنیادی طور پر شرعاً جائز نہیں ہے۔ اور جن حضرات نے اس کو ناجائز کہا ہے اور ناجائز ہونے پر دلیلیں پیش کی ہیں، وہ اپنی جگہ درست ہیں؛ لیکن بعض فقہاء نے اس طرح کے معاملہ کو ''بیع الوفاء'' کے دائرہ میں داخل کرکے گنجائش قرار دی ہے۔ اور بیع الوفاء کو بیع الامانت اور بیع رہن بھی کہا جاتا ہے، انتہائی مجبوری کی حالت میں بیع الوفاء اور بیع الامانت کے جواز کی گنجائش قرار دی گئی۔ اور بیع الوفاء میں یہی شرط ہے کہ جتنے پیسے میں جائیداد خریدار کے ہاتھ میں دی جاتی ہے اتنے ہی پیسے میں اصل مالک کو واپس کیا جائے اور اس درمیان میں جس نے جائیداد لی ہے وہ جائیداد سے نفع حاصل کرسکتا ہے۔ اور جب مالک لیے ہوئے پیسہ واپس دے گا تو لینے والے پر لازم ہے کہ ان ہی پیسوں پر جائیداد واپس کرے اور اس معاملہ میں اگر پکی رجسٹری ہوجائے، تو واپسی کی شرائط کے ساتھ پکی رجسٹری ہونی چاہئے، ورنہ معمولی اسٹامپ پر کچی رجسٹری ہونی چاہئے، تاکہ مالک کو واپس لینے کے وقت میں کوئی دشواری پیش نہ آجائے۔

ومن مشايخ سمرقند من جعله بيعا جائزا مفيدا بعض أحكامه، منهم الإمام نجم الدين النسفي، فقال: اتفق مشايخنا في هذا الزمان، فجعلوه بيعا جائزا مفيدا بعض أحكامه، وهو الانتفاع به دون البعض، وهو البيع لحاجة الناس إليه ولتعاملهم فيه -إلى قوله- وقال صاحب النهاية: وعليه الفتوى.

(تبيين الحقائق، كتاب الإكراه، مكتبه إمداديه ملتان ٥/ ١٨٣-١٨٤، زكريا ديوبند ٦/ ٢٣٧)

ومن هذا القبيل بيع الأمانة، المسمى ببيع الوفاء جوزه مشايخ بلخ

وبخاری توسعة. (الأشباه والنظائر، القاعدة الرابعة: المشقة تجلب التيسر، قديم ص: ۱۳۰، جديد زكريا ۱/ ۲۳۵-۲۳۶)

ومنها: الإفتاء بصحة بيع الوفاء حين كثر الدين على أهل بخارى، وهكذا بمصر وقد سموه بيع الأمانة، والشافعية يسمونه الرهن المعاد.

(الأشباه والنظائر، القاعدة الخامسة: الضرر يزال، قديم، ص: ۱٤۹، وهكذا ۱٦۱، جديد زكريا ۱/ ۲٦۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/ جمادی الثانیہ ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۴۴۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۶/۲۲ھ

''بیع الوفاء'' کا جواز

سوال [۸۸۴۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مجھے دولاکھ روپئے کی فوری ضرورت ہے اور قرض ملنا دشوار ہے، تو کیا میں اپنی دو بیگہ زمین ایک صاحب ثروت کو یہ کہہ کر دے سکتا ہوں کہ تم یہ زمین اپنے استعمال میں رکھ لو، جب میرے پاس پیسوں کا انتظام ہوگا میں پیسہ ادا کرکے اپنی زمین واپس لے لوں گا، اس کے علاوہ کوئی اور چارہ کار نظر نہیں آرہا ہے، حکم شرعی سے مطلع فرمادیں عین نوازش ہوگی۔

المستفتی: مفتی سمیر عثمان آباد مہاراشٹر، استاذ مدرسہ فلاح دارین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس طرح کا معاملہ کرنا جائز نہیں ہے، ہاں البتہ سخت ضرورت کی وجہ سے سود سے بچنے کے لئے ''بیع الوفاء'' کی صورت اختیار کرنے کی گنجائش ہے۔ اور اس کی شکل یہ ہے کہ: صاحب ثروت سے یوں کہے کہ: یہ زمین اتنے پیسوں کے عوض میں تمہارے ہاتھ اس وقت تک کے لئے بیچ دیتا ہوں جب تک میرے پاس پیسوں کا

انتظام ہوجائے اور جب میرے پاس پیسوں کا انتظام ہوجائے گا، تو اتنے ہی پیسوں پر میرے ہاتھ واپس فروخت کرنا ہوگا، اس طرح ''بیع الوفاء'' کی شکل اختیار کرلی جائے، تو مجبوری میں اس کی گنجائش ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۳/ ۱۰۷، فتاوی خلیلیہ ۱/ ۳۹۵، انوار رحمت ص: ۲۱۹، ایضاح النوادر ۱/ ۷۳)

لا يحل له أن ينتفع بشيء منه بوجه من الوجوه، وإن أذن له الراهن؛ لأنه أذن له في الربا، لأنه يستوفي دينه كاملا، فتبقى له المنفعة فضلا، فيكون ربا، وهذا أمر عظيم. (شامي، كراچی ٦/ ٤٨٢، زكريا ١٠/ ٨٣)

ومن هذا القبيل بيع الأمانة، المسمى ببيع الوفاء جوزه مشايخ بلخ وبخارى توسعة. (الأشباه والنظائر، القاعدة الرابعة: المشقة تجلب التيسير، قديم ص: ١٣٠، جديد زكريا ١/ ٢٣٥-٢٣٦)

ومن مشايخ سمرقند من جعله بيعا جائزا مفيدا بعض أحكامه، منهم الإمام نجم الدين النسفي، فقال: إتفق مشايخنا في هذا الزمان، فجعلوه بيعا جائزا مفيدا بعض أحكامه، وهو الانتفاع به دون البعض، وهو البيع لحاجة الناس إليه ولتعاملهم فيه –إلى قوله– وقال صاحب النهاية: وعليه الفتوى.

(تبيين الحقائق، كتاب الإكراه، مكتبه إمداديه ملتان ٥/ ١٨٣-١٨٤، زكريا ديوبند ٦/ ٢٣٧)

ومنها: الإفتاء بصحة بيع الوفاء حين كثر الدين على أهل بخارى، وهكذا بمصر وقد سموه بيع الأمانة. (الأشباه والنظائر، القاعدة الخامسة: الضرر يزال، قديم، ص: ١٤٩، وهكذا، ص: ١٦١، جديد زكريا ١/ ٢٦٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳/ جمادی الثانیہ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۱۵۷۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۶/۲۳ھ

کیا ہندوستان میں عقودِ فاسدہ جائز ہیں؟

سوال [۸۸۴۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مسئلہ درپیش ہے۔ امید ہے کہ قرآن وحدیث اور فقہ کی روشنی میں حوالہ اور عبارت کے ساتھ جواب مرحمت فرمائیں گے۔

سوال: زید نے ایک زراعت کی زمین پچاس لاکھ روپئے کی غیر مسلم سے خریدی، پیسے دے دئے، رجسٹری بھی کرالی، اس شرط پر کہ جب غیر مسلم کے پاس پچاس لاکھ روپئے آویں گے تو غیر مسلم زید کو پیسے دے دیگا اور اپنی زمین واپس لے لے گا۔ اور جب تک پیسے نہیں دے گا وہاں تک ماہانہ زمین کا ۵۰۰۰۰/ ہزار روپئے کرایہ دے گا، زمین غیر مسلم کے قبضہ میں ہی ہے، رجسٹری اگرچہ زید کے نام کرادی، تو کیا اس طرح معاملہ کرنا درست ہے؟ تو کیا زید اس طرح غیر مسلم سے ماہانہ کرایہ لے سکتا ہے؟ کسی نے زید سے منع کیا، تو اس کا کہنا ہے کہ ہندوستان دارالحرب ہے، برائے کرم مدلل جواب عطا فرمائیے۔

سوال: زید نے غیر مسلم سے پچاس لاکھ روپئے میں اس شرط پر زمین خریدی کہ جب میرے پاس پیسے آویں گے تو یہ زمین پچاس لاکھ میں ہی تجھے مجھ کو لوٹانی پڑے گی، تو کیا اس شرط کے ساتھ خریدنا جائز ہے؟

سوال: غیر مسلم نے زید سے اس زمین کو ماہانہ پچاس ہزار روپئے کرایہ پر لے لی، حالانکہ اس علاقہ میں اتنی زمین کا کرایہ پچاس ہزار سالانہ چلتا ہے، تو کیا اس طرح کرایہ پر دینا جائز ہے؟

مسئلہ مذکورہ میں غیر مسلم نے زید کو زمین کا قبضہ دیا ہی نہیں ہے، صرف پیسے لے کر شرطیہ رجسٹری کرالی ہے، قبضہ غیر مسلم کا ہی ہے اور ماہانہ پچاس ہزار روپئے کرایہ دیتا ہے۔

المستفتی: محمد یونس

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ہندوستان کو دارالحرب کہہ کر عقودِ فاسدہ کو جائز کہنا

درست نہیں ہے؛ کیوں کہ دارالحرب میں بھی عقودِ فاسدہ جائز نہیں ہیں اور ہندوستان جمہوری ملک ہے، اس کو دارالحرب کہنا درست نہیں ہے۔ اب رہا مسئلہ زیر بحث یہ مسئلہ ''بیع الوفاء'' کے دائرہ میں شامل ہے۔ اور بیع الوفاء کے بارے میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے، فقہاء میں سے بعض جیسے امام ظہیر الدین صدر الشہید حسام الدین اور صدر السعید تاج الاسلام وغیرہ نے اس کو عقد فاسد قرار دیا ہے۔ اور اس کے برخلاف دوسرے فقہاء نے سودی قرض سے بچنے کے لئے حاجت ناس اور تعامل ناس کی وجہ سے اس کو جائز قرار دیا ہے، جیسا کہ مشائخ بلخ اور مشائخ بخاری اور مشائخ سمرقند وغیرہ نے اس کو جائز قرار دیا ہے۔ اور اسی کو مفتی بہ قرار دیا گیا ہے؛ لہٰذا مذکورہ معاملہ کی شرعاً گنجائش ہے، بس اتنی بات ہے کہ مشتری کو دوسرے کے ہاتھ فروخت کرنے کی اجازت نہیں ہوتی؛ لیکن مذکورہ جائیداد سے خود فائدہ اٹھا سکتا ہے، یا دوسرے کو کرایہ پر دے سکتا ہے۔ اور جس سے خریدا ہے اس کے ہاتھ بھی کرایہ پر دیا جا سکتا ہے؛ اس لئے کہ خریدار نے پچاس لاکھ روپئے کی بھاری رقم دے کر خریدا ہے، پھر اس کو پچاس ہزار روپئے ماہانہ کے حساب سے کرایہ پر دینے کی بھی گنجائش ہے، جب اس علاقے میں اس طرح کی جائیداد پچاس ہزار روپئے میں کرایہ پر دینا لوگوں کے درمیان متعارف ہے، اس میں کسی قسم کا غبن فاحش بھی نہیں ہے، جیسا کہ سوال نامہ میں خود اس کا ذکر موجود ہے۔ (مستفاد: انوار رحمت، ۲۱۷، فتاوی عثمانی ۳/ ۱۰۸)

ومن مشايخ بخارى من جعل بيع الوفاء كبيع المكره، منهم: الإمام ظهير الدين، والصدر الشهيد حسام الدين، والصدر السعيد تاج الإسلام، وصورته: أن يقول البائع للمشتري: بعت منک هذا العين بدين لک علي، على أني متى قضيت الدين فهو لي –إلى قوله– ومن مشايخ سمرقند من جعله بيعا جائزا مفيدا بعض أحكامه، منهم الإمام نجم الدين النسفي، فقال:

إتفق مشايخنا في هذا الزمان، فجعلوه بيعا جائزا مفيدا بعض أحكامه، وهو الانتفاع به دون البعض، وهو البيع لحاجة الناس إليه ولتعاملهم فيه -إلى قوله- وقال صاحب النهاية: وعليه الفتوى. (تبيين الحقائق، كتاب الإكراه، مكتبه إمداديه ملتان ٥/ ١٨٣-١٨٤، زكريا ديوبند ٦/ ٢٣٦-٢٣٧)

ومن هذا القبيل بيع الأمانة، المسمى ببيع الوفاء جوزه مشايخ بلخ وبخارى توسعة. (الأشباه والنظائر، قديم ص: ١٣٠)

ومنها: الإفتاء بصحة بيع الوفاء حين كثر الدين على أهل بخارى، وهكذا بمصر وقد سموه: بيع الأمانة، والشافعية يسمونه: الرهن المعاد.
(الأشباه والنظائر، قديم، ص: ١٤٩، وهكذا، ص: ١٦١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/ ذیقعدہ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱/۱۲/۱۱۷)

قرض کی واپسی تک زمین کو فروخت کرنے کا حکم

سوال [۸۸۴۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک آدمی کے پاس بہت سی زمین جائیداد ہے؛ لیکن نقد روپیہ پیسہ نہیں؛ حالانکہ پیسہ کی اس کو ضرورت ہے، تو وہ اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے ۱۰/ ہزار روپئے فی بیگہ اپنی زمین اس شخص کو دے دیتا ہے، جس سے پیسہ لینا ہوتا ہے، اس وقت تک کے لئے کہ جب تک یہ صاحب معاملہ کو روپئے واپس نہیں کرے گا، تو اس وقت تک وہ اس زمین سے فائدہ اٹھاتا رہے گا، تو اس طرح کا معاملہ سود کے دائرے میں آتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: عظمت علی آسام

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: روپئے کے عوض میں زمین کو رہن میں دینا، پھر مرتہن اس زمین سے روپئے واپس دینے تک فائدہ اٹھاتا رہے، تو یہ قرض کے اوپر سود لینا لازم ہوا جو قطعاً ناجائز او رحرام ہے، یہ دراصل معاملہ رہن ہے اور مرتہن کے لئے مال رہن سے فائدہ اٹھانا قرض کے عوض میں سود کے دائرہ میں داخل ہونے کی وجہ سے ناجائز اورحرام ہے، ہاں البتہ متأخرین فقہاء نے سود سے بچنے کے لئے انتہائی مجبوری میں ایک متبادل شکل جواز کی بتلائی ہے، اس کی شکل یہ ہے کہ: زمین کی تقریباً پوری قیمت لے کر کے پیسے والے کو زمین فروخت کردے اوراس میں شرط یہ لگائے کہ جب اتنے پیسے پر زمین والا خود خریدنا چاہے تو پیسے والے پر لازم ہے کہ اتنے ہی پیسے پر زمین واپس کردے۔ اوراس درمیان میں پیسے والا آدمی اس زمین سے فائدہ اٹھا سکتا ہے، اس کو شریعت میں ''بیع الوفاء'' اور ''بیع الامانت'' بھی کہا جاتا ہے، اس شکل کواختیار کئے بغیر پیسے والے کے لئے زمین سے فائدہ اٹھانا ہرگز ثابت نہیں۔

لأن المرتهن لا يجوز له الانتفاع بالرهن أصلا. (بدائع الصنائع، كتاب الرهن، فصل وأما حكم للرهن، زكريا ٥/ ٢١٠، قديم ٦/ ١٤٥)

ومن مشايخ سمرقند من جعله بيعا جائزا مفيدا بعض أحكامه، منهم الإمام نجم الدين النسفي، فقال: إتفق مشايخنا في هذا الزمان، فجعلوه بيعا جائزا مفيدا بعض أحكامه، وهو الانتفاع به دون البعض، وهو البيع لحاجة الناس إليه ولتعاملهم فيه –إلى قوله– وقال صاحب النهاية: وعليه الفتوى.

(تبيين الحقائق، كتاب الإكراه، مكتبه إمداديه ملتان ٥/ ١٨٣-١٨٤، زكريا ديوبند ٦/ ٢٣٧)

ومنها: الإفتاء بصحة بيع الوفاء حين كثر الدين على أهل بخارى، وهكذا بمصر وقد سموه: بيع الأمانة، والشافعية يسمونه: الرهن المعاد.

(الأشباه والنظائر، القاعدة الخامسة: الضرر يزوال، قديم، ص: ١٤٩، جديد زكريا ١/ ٢٦٧)

ومن هذا القبيل بيع الأمانة، المسمى ببيع الوفاء جوزه مشايخ بلخ وبخاری توسعة. (الأشباه والنظائر، القاعدة الرابعة: المشقة تجلب التيسير، قديم ص: ۱۳۰، جدید زکریا، ۱/ ۲۳۵-۲۳۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/ جمادی الثانیہ ۱۴۳۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۳۰۱۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۶/۶/۳۰ھ

رہن یا کرایہ پر رکھی ہوئی زمین سے فائدہ اٹھانے کی مختلف شکلیں

سوال [۸۸۴۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) ایک ضرورت مند شخص جسے غیر سودی قرض نہیں ملتا اور وہ سودی قرض لینا بھی نہیں چاہتا، تو شریعت میں اس کے لئے کیا متبادل شکل موجود ہے؟ کیا وہ اپنا سامان مثلاً زمین ومکان وغیرہ یہ کہہ کر کسی پیسے والے شخص سے معاملہ کرسکتا ہے کہ تم اتنے روپئے مجھے دے دو اور میری زمین سے اس وقت سے مکمل فائدہ اٹھاؤ جب تک کہ میں تمہارے پیسے واپس نہ کردوں، پھر جب میں تمہارے روپئے واپس کردوں گا تو تم میری زمین بھی واپس کردوگے، ہمارے شہر میں اس طرح کے معاملات بہت رائج ہیں، تقریباً ۵۰/ فیصد لوگ اس میں مبتلا ہیں، کیا یہ معاملہ از روئے شرع جواز کے دائرہ میں آتا ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو کن حالات میں، کن شرائط کے ساتھ؟ اور اگر شریعت میں اس کی گنجائش نہیں ہے تو اس کے اسباب ووجوہات کیا ہیں؟

(۲) دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ صورت بالا میں زمین والے ایک مدت متعینہ مثلاً ایک سال میں جمع شدہ رقوم میں سے صاحب حق کی رضامندی سے متعین تعداد مثلاً سو روپئے کاٹ لیتے ہیں اور عاقدین اس صورت کو ربا سے پاک سمجھتے ہیں، کیا اس طرح سے یہ معاملہ جائز ہوجائے گا یا نہیں؟

(۳) تیسرا مسئلہ جس میں ہمارے علاقہ کے تقریباً ۷۵ر فیصد لوگ مبتلا ہیں، وہ یہ ہے کہ صاحب زمین کسی کا شتکار کو اپنی زمین اس شرط پر دے کہ تم مجھے فی بیگہ مثلاً ۵رمن گندم دینا اور تمہیں اب اختیار ہے کہ جو چاہو اس میں زراعت کرو؛ لیکن وقت متعین پر ہمیں اتنا گندم ملنا چاہئے خواہ پیداوار ہو یا نہ ہو، کم ہو یا زیادہ، صاحب زمین کو اس سے کوئی مطلب نہیں، مگر اپنی رضا مندی سے یہ معاملہ کرتے ہیں، تو کیا شرعاً یہ جائز ہوگا یا ناجائز؟ اگر جائز ہے تو کن شرائط کے ساتھ اور اگر ناجائز ہے تو اس کے اسباب و وجوہات کیا ہیں؟ برائے مہربانی مذکورہ سوالات کے جوابات مرحمت فرما کر عند اللہ ماجور رہوں۔

المستفتی: مرشد عالم ارریہ (بہار)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ میں صاحب قرض کے قرض لینے کی تین شکلیں بیان کی گئی ہے:

(۱) صاحب زمین پیسے والے سے اس شرط پر پیسے لے کہ جب تک وہ پیسے واپس نہیں کرے گا اس وقت تک وہ زمین سے فائدہ اٹھاتا رہے گا، یہ شکل شرعی طور پر ناجائز ہے؛ اس لئے کہ یہ رہن کی شکل ہے اور رہن میں مرتہن کے لئے مال رہن سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں، یہ ’’**کل قرض جر نفعا**‘‘ کے تحت آ کر ناجائز اور حرام ہے، اگر صاحب زمین کو غیر سودی قرض کسی طرح نہیں ملتا ہے تو اس کے لئے انتہائی مجبوری میں فقہاء متأخرین نے ایک متبادل شکل ’’بیع الوفاء‘‘ کی پیش کی ہے اور اس کی صورت یہ ہے کہ صاحب زمین پیسے والے کے ہاتھ اس شرط کے ساتھ زمین فروخت کرے کہ جب اتنا پیسہ صاحب زمین پیسے والے کو واپس کردے گا جتنا کہ اس نے لیا ہے، تو پیسے والا صاحب زمین کے ہاتھ وہ زمین اتنے پیسہ میں فروخت کردے گا اور اس کے لئے بہتر شکل یہ ہے کہ اس معاملہ کے لئے کچا کاغذ بنالے، سرکاری رجسٹری نہ کرے، اس کو بیع الوفاء اور بیع الامانہ بھی کہا جاتا ہے، جیسا کہ حسب ذیل جزئیات سے واضح ہوتا ہے:

كل قرض جر نفعا حرام، فكره للمرتهن سكنى المرهونة بإذن الراهن. (الدر مع الرد، زكريا ٧/ ٣٩٥)

لا يحل له أن ينتفع بشيء منه بوجه من الوجوه وإن أذن له الراهن؛ لأنه أذن له في الربا؛ لأنه يستوى دينه كاملا فتبقى له المنفعة فضلا، فيكون ربا. (شامي، زكريا ١٠/ ٨٣)

وليس للمرتهن الانتفاع بالرهن باستخدام ولا للسكنى. (مجمع الأنهر ٤/ ٢٧٣، البحرالرائق ٦/ ٤٣٨)

ومن مشايخ سمرقند من جعله بيعا جائزا مفيدا بعض أحكامه، ومنهم الإمام نجم الدين النسفي، فقال: اتفق مشايخنا فى هذا الزمان، فجعلوه بيعا جائزا مفيدا بعض أحكام، وهذا الانتفاع به دون البعض، وهو البيع لحاجة الناس إليه ولتعاملهم فيه -إلى قوله- وقال صاحب النهاية: وعليه الفتوى. (زيلعي ٥/ ١٨٣)

ومن هذا القبيل بيع الأمانة المسمى ببيع الوفاء جوزه مشايخ بلخ توسعة. (الأشباه: ص: ١٣٠)

ومنها الإفتاء بصحة بيع الوفاء حين كثر الدين على أهل بخارى، وهكذا بمصر وقد سموه بيع الأمانة، والشافعية يسمونه الرهن المعاد.

(الأشباه والنظائر، ص: ١٤٩، ايضاح النوادر ٧١-٧٢، أنوار رحمت ٢١٨)

(۲) اور دوسری شکل سوال نامہ میں یہ پیش کی گئی ہے کہ صاحب زمین پیسے والے کے ہاتھ اپنی زمین اس شرط پر دے دے کہ لئے گئے پیسوں میں سے سالانہ یاماہانہ اتنی مقدار کرایہ میں کاٹ دئے جائیں گے، تو یہ شکل جائز ہے؛ لیکن کرایہ میں جو پیسہ کٹے گا اس میں غبن فاحش کی شکل نہیں ہونی چاہئے، اگر غبن فاحش ہے تو کم سے کم معاملہ مکروہ ہوگا۔

كل ما صلح ثمنا أي بدلا في البيع صلح أجرة؛ لأنها ثمن المنفعة.

(الدرالمختار مع الشامي، زكريا ٩/ ٥، كراچی ٦/ ٤، هندية ٤/ ٤١٢، جديد زكريا ٤/ ٤٤٢، شرح المجلة ١/ ٢٦٠، رقم المادة: ٤٦٣)

(٣) تیسری شکل یہ بیان کی گئی ہے کہ زمین کو بٹائی پر نہیں دیا جارہا ہے؛ بلکہ زمین کو کرایہ پر دیا جارہا ہے اور کرایہ داری کے ثمن میں پیسے بھی جائز ہیں اور غلہ اور دیگر ساز وسامان بھی دینا جائز ہے؛ لہٰذا متعین وقت پر متعین مقدار کے عوض میں زمین کو کرایہ پر دینا جائز ہے اور کرایہ پر لینے والے کو اختیار ہے، چاہے اس زمین پر کھیتی کرے یا ایسے ہی خالی چھوڑ کر جانور چرائے تو اس طرح زمین کو کرایہ پر دینا شرعاً جائز ہے، مگر یاد رکھیں کہ اس زمین کی پیداوار میں سے مخصوص مقدار کو کرایہ کے عوض میں قرار دینا جائز نہیں۔

وما صلح أن يكون ثمنا في البيع كالنقود والمكليل والموزون صلح أن يكون أجرة في الإجارة. (هندية ٤/ ٤١٢، جديد زكريا ٤/ ٤٤٢، الدرالمختار مع الشامي، زكريا ٩/ ٥، كراچی ٦/ ٤، شرح المجلة ١/ ٢٦٠)

ولو دفع غزلا لآخر لينسجه له بنصفه أو استأجر بغلا ليحمل طامه ببعضه أو ثورا ليطحن بره ببعض دقيقة فسدت في الكل؛ لأنه استأجره بجزء من عمله. (الدرالمختار كراچی ٦/ ٥٦، شامي زكريا ٩/ ٧٨، بزازية على الهندية ٥/ ٣٥، جديد زكريا ٢/ ٢١، البحرالرائق ٨/ ٤١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٢٢؍رجب ١٤٣٦ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٤١/ ١٢١٦٦)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
٢٢/٧/١٤٣٦ھ

بیع الوفاء کی شرعی حیثیت

نحمده ونصلي على رسوله الكريم، أما بعد:

اس مضمون کواس طریقہ سے پیش کرتے ہیں، اولاً بیع الوفاء کی وجہ تسمیہ اوراس کے اسماء، اس کے بعد بیع الوفاء کی حقیقت اور جواز کا خلاصہ اور مختصر نوٹ جومعتدل حکم تک ہے، پھر اس کے بعد بیع الوفاء کے بارے میں مفصل بحث سات اقوال کے ساتھ پیش کی گئی ہے، پھرآخر میں مبیع کے بارے میں چنداحکام پر مضمون ختم کیا گیا ہے۔

بیع الوفاء کے اسماء

اس عقدکوحسبِ ذیل ناموں سے موسوم کیا جاتا ہے:

(۱) بیع الوفاء (۲) بیع الامانت (۳) بیع الاطاعت (۴) بیع المعاملہ (۵) البیع الجائز (٦) بیع الرہن۔

(۱) **بيع الوفاء**: اس کوبیع الوفاء اس لئے کہا جاتا ہے کہ بائع اورمشتری کے درمیان اس عقد میں وفاداری کا معاہدہ ہوتا ہے کہ جس وقت بائع ثمن کولاکر واپس کردے گا تو مشتری معاہدہ کے موافق ایفائے وعدہ کے طور پر مبیع کو واپس کردے گا، اوراس عقد کے ناموں میں سے مشہورترین نام یہی ہے۔

(۲) **بيع الأمانة**: اس کا نام مصروغیرہ میں بیع الامانۃ کے نام سے مشہور ہے، اوراس کو بیع الامانۃ اس لئے کہا جاتا ہے کہ مبیع مشتری کے پاس بطورامانت رہتی ہے۔

(۳) **بيع الاطاعة**: ملک شام وغیرہ میں یہ بیع بیع الاطاعت کے نام سے موسوم اور مشہور ہے؛ اس لئے کہ اس عقد کے اندر اطاعت اور وفاداری پائی جاتی ہے کہ مشتری مبیع کے حق میں بائع کی اطاعت کرتا ہے اور بائع ثمن کے حق میں مشتری کی اطاعت کرتا ہے۔

(۴) **بيع المعاملہ**: بعض فقہاء نے اس کا نام بیع المعاملہ رکھا ہے، اوراس کی وجہ یہ

بیان کرتے ہیں کہ اس بیع کے اندر مشتری در پردہ اپنے قرض سے فائدہ اٹھاتا ہے؛ اس لئے کہ مشتری درحقیقت دائن اور قرض دینے والا ہے، اور اس قرض کے مقابلہ میں وہ مبیع سے فائدہ اٹھاتا ہے، اس لئے بعض فقہاء نے اس کا نام بیع المعاملہ رکھا ہے۔

(۵) **البیع الجائز**: بعض فقہاء نے اس کا نام ''البیع الجائز'' رکھا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس بیع کو ربا اور سود سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے صحیح اور جائز قرار دیا گیا ہے، اور مشتری کے لئے مبیع کا نفع کھانے اور استعمال کرنے کی گنجائش دی ہے۔

(۶) **بیع الرهن**: اس کی وجہ یہ ہے کہ مبیع مشتری کے پاس ایسی محفوظ رہتی ہے کہ جس طرح مرتہن مالِ رہن کو فروخت نہیں کرسکتا اور اس کی ملکیت کو منتقل نہیں کرسکتا، اسی طرح بیع الوفاء میں مشتری مبیع کو بیچ نہیں سکتا اور اس کی ملکیت کو منتقل نہیں کرسکتا۔ علماء شوافع نے اس کا نام ''بیع رہن'' اور ''الرہن المعاد'' رکھا ہے۔

یہ چھ نام ہمارے سامنے ہیں، حضراتِ فقہاء نے ان مختلف وجوہات کی بناء پر اپنے اپنے طور پر اس عقد کو مختلف ناموں سے موسوم کیا ہے اور ان ناموں کی وجہِ تسمیہ وہی ہے جو ہم نے آپ کے سامنے پیش کی ہے۔

عربی عبارات ملاحظہ فرمایئے:

وَبَیْعُ الْوَفَاءِ صُوْرَتُهُ أَنْ یَّبِیْعَهُ الْعَیْنَ بِأَلْفٍ عَلٰی الدَّیْنِ وَهٰذَا یَشْتَرِیْهِ أَنَّهُ إِذَا رَدَّ عَلَیْهِ الثَّمَنَ رَدَّ عَلَیْهِ الْعَیْنَ وَسَمَّاهُ الشَّافِعِیَّةُ الرَّهْنَ الْمُعَادَ وَیُسَمّٰی بِمِصْرَ بَیْعَ الْأَمَانَةِ وَبِالشَّامِ بَیْعَ

اور بیع الوفاء اس کی صورت یہ ہے کہ مشتری کے ہاتھ عینِ مبیع کو بیچے مثلاً ایک ہزار کے عوض میں اس شرط کے ساتھ کہ جب ثمن واپس کردے گا تو عینِ مبیع بھی واپس کردے گا، اور شافعیہ نے اس کا نام ''الرہن المعاد'' رکھا ہے، اہل مصر نے اس کا نام ''بیع الامانۃ'' رکھا ہے، اور اہل شام نے اس کا نام ''بیع الاطاعۃ'' رکھا

الإِطَاعَةِ (وَتَحْتَهُ فِي الشَّامِيَةِ) وَوَجْهُ تَسْمِيَتِهٖ بَيْعُ الْوَفَاءِ أَنَّ فِيْهِ عَهْداً بِالْوَفَاءِ مِنَ الْمُشْتَرِيْ بِأَنْ يَّرُدَّ الْمَبِيْعَ عَلَى الْبَائِعِ حِيْنَ رَدَّ الثَّمَنَ، وَبَعْضُ الْفُقَهَاءِ يُسَمِّيْهِ الْبَيْعَ الْجَائِزَ وَلَعَلَّهٗ مَبْنِيٌّ عَلىٰ أَنَّهٗ بَيْعٌ صَحِيْحٌ لِحَاجَةِ التَّخَلُّصِ مِنَ الرِّبَا حَتّٰى يَسُوْغَ لِلْمُشْتَرِيْ أَكْلُ رِيْعِهٖ وَبَعْضُهُمْ يُسَمِّيْهِ بَيْعَ الْمُعَامَلَةِ وَوَجْهُهٗ أَنَّ الْمُعَامَلَةَ رِبْحُ الدَّائِنِ لِيَنْتَفِعَ بِهٖ بِمُقَابَلَةِ دَيْنِهٖ (وَقَوْلُهٗ) بَيْعُ الْأَمَانَةِ وَجْهُهٗ أَنَّهٗ أَمَانَةٌ عِنْدَ الْمُشْتَرِيْ (وَقَوْلُهٗ) وَفِيْ بَعْضِهَا بَيْعُ الطَّاعَةِ وَهُوَ الْمَشْهُوْرُ الآنَ فِيْ بِلَادِنَا. (الدر المختار مع الشامی زکریا ٥٤٥/٧، کراچی ٢٧٦/٥)

ہے،اس کے نیچے شامی میں ہے کہ اس کا ’’بیع الوفاء‘‘ نام رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ اس عقد میں مشتری سے وفاداری کا عہد کیا جاتا ہے، بایں طور کہ مشتری مبیع کو واپس کردے گا جس وقت بائع ثمن واپس کردے گا، اور بعض فقہاء نے اس کا نام ’’البیع الجائز‘‘ اور ’’البیع الصحیح‘‘ رکھا ہے، اور شاید اس کا مدار اس بات پر ہے کہ یہ عقد بیع ربا سے خلاصی حاصل کرنے کے لئے صحیح اور جائز ہے، یہاں تک کہ مشتری کے لئے اس کا نفع کھانے کی گنجائش ہے اور بعض فقہاء نے اس کا نام ’’بیع المعاملۃ‘‘ رکھا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں دین سے نفع اٹھانے کا معاملہ پایا گیا اور یہ اس طور پر ہے کہ قرض دینے والے نے مبیع کو خریدا ہے؛ تاکہ اپنے دین کے مقابلہ میں اس مبیع سے نفع اٹھائے، اور ’’بیع الامانۃ‘‘ اس کا نام اس لئے ہے کہ مبیع مشتری کے پاس بطورِ امانت رہتی ہے اور بعض نسخوں میں ’’بیع الطاعۃ‘‘ ہے۔ علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے بلاد میں اس وقت یہی مشہور ہے۔

اورالاشباہ والنظائر میں ہے کہ:

وَمِنْ هٰذَا الْقَبِيْلِ بَيْعُ الْأَمَانَةِ الْمُسَمّٰى بِبَيْعِ الْوَفَاءِ جَوَّزَهٗ مَشَائِخُ بَلْخٍ وَبُخَارىٰ تَوْسِعَةً. (الاشباہ والنظائر قدیم ۱۳۰)

اوراسی قبیل سے ہے، بیع الامانۃ جو بیع الوفاء کے نام سے موسوم ہے، مشائخ بلخ اور مشائخ بخاریٰ نے لوگوں سے تنگی کو دور کرکے وسعت دیتے ہوئے اس کو جائز قرار دیا ہے۔

بیع الوفاء کی حقیقت

کوئی شخص صاحبِ ضرورت ہے اس کو روپیہ کی ضرورت ہے، اور کہیں سے ادھار بھی نہیں ملتا، اور اس کے پاس مکان یا دوکان یا زمین وغیرہ موجود ہے، اور اس کو رہن میں رکھ کر روپیہ حاصل کرنا چاہتا ہے، مگر رہن میں رکھنے کی صورت میں مرتہن اس سے فائدہ حاصل نہیں کرسکتا، اس لئے کوئی شخص رہن رکھ کر بھی قرض دینے پر تیار نہیں، اور صاحبِ جائداد اس ضرورت کی وجہ سے اپنی ہمیشہ کی جائیداد کو بالکلیہ فروخت کرنا بھی نہیں چاہتا، تو اس طرح حاجت مند کی ضرورت پوری کرنے کے لئے فقہاء نے عقد کی ایک نئی شکل نکالی ہے، اور وہ یہ ہے کہ مکان یا دوکان یا زمین وغیرہ صاحبِ ضرورت شخص اس طرح فروخت کرے کہ فروخت شدہ جائیداد مشتری کے پاس من کل الوجوہ امانت تو نہیں مگر مثل امانت کے ہوگی، کہ مشتری اس سے فائدہ تو اٹھا سکتا ہے مگر اس کو فروخت نہیں کرسکتا۔ اور فائدہ اٹھانے کا سلسلہ اس وقت تک باقی رہے گا جب تک بائع لی ہوئی رقم واپس نہ کردے، اور جب بائع رقم واپس کردے گا تو مشتری پر لازم ہوگا کہ اتنی ہی رقم لے کر جائیداد واپس کردے جتنی میں بائع نے مشتری کو دی تھی۔

علامہ ابن نجیم مصریؒ البحر الرائق اور علامہ فخر الدین زیلعیؒ تبیین الحقائق میں اس عقد کی نوعیت کو ان الفاظ میں نقل فرماتے ہیں:

وَصُوْرَتُهُ أَنْ يَّقُوْلَ الْبَائِعُ لِلْمُشْتَرِيْ بِعْتُ مِنْکَ هٰذَا الْعَيْنَ بِدَيْنٍ لَکَ عَلَيَّ عَلٰى أَنِّيْ مَتٰى قَضَيْتُ الدَّيْنَ فَهُوَ لِيْ أَوْ يَقُوْلَ الْبَائِعُ بِعْتُ هٰذَا بِكَذَا عَلٰى أَنِّيْ مَتٰى دَفَعْتُ الثَّمَنَ تَدْفَعُ الْعَيْنَ إِلَيَّ الخ.

(البحر الرائق كوئٹه ٦/ ١١، تبيين الحقائق إمداديه ملتان ٥/ ١٨٣، زكريا ٦/ ٢٣٧، البناية أشرفيه ١١/ ٤٥، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٤١، مصري قديم ٢/ ٤٣٠، ايضاح النوادر ٦٩/١)

اور اس کی شکل یہ ہوتی ہے کہ بائع مشتری سے یوں کہہ دے کہ میں تیرے ہاتھ یہ شئ اس قرض کے عوض فروخت کرتا ہوں جو تیرا میرے اوپر لازم ہے، اس شرط پر کہ جب میں قرض ادا کردوں گا تو وہ شئ میری ہوجائے گی، یا یوں کہہ دے کہ یہ شئ اتنے میں اس شرط کے ساتھ تیرے ہاتھ فروخت کرتا ہوں کہ جب میں ثمن واپس دے دوں گا تو وہ شئ مجھ کو واپس کردے گا۔

بیع الوفاء کا جواز

اس عقد کے جواز اور عدمِ جواز میں فقہاءِ متأخرین میں دو فریق ہوگئے:

فریقِ اول:

حضرت امام ظہیر الدین اور صدر الشہید اور تاج الاسلام وغیرہؒ نے شرطِ فاسد کی وجہ سے اس عقد کو فاسد قرار دیا ہے، اور امام ابوشجاعؒ، امام علی سغدیؒ اور قاضی ابوالحسن ماتریدیؒ وغیرہ نے اس عقد کو رہن کی طرح اور رہن کے حکم میں قرار دیا ہے، اور مرتہن کے لئے رہن سے انتفاع جائز نہیں ہے، اور بیع الوفاء میں مشتری مبیع سے فائدہ اٹھاتا ہے، اس لئے یہ عقد ان کے نزدیک جائز ہے۔

علامہ زیلعیؒ اس کو ان الفاظ سے نقل فرماتے ہیں:

مِنْهُمُ الإِمَامُ ظَهِيرُ الدِّينِ وَالصَّدْرُ الشَّهِيدُ حُسَامُ الدِّيْنِ وَالصَّدْرُ السَّعِيْدُتَاجُ الإِسْلاَمِ -إلى- فَجَعَلُوْهُ فَاسِداً بِاعْتِبَارِ شَرْطِ الْفَسْخِ (إِلٰى قَوْلِهٖ) وَمِنْهُمْ مَنْ جَعَلَهٗ رَهْناً مِنْهُمُ السَّيِّدُ الإِمَامُ أَبُو شُجَاعٍ وَالإِمَامُ عَلِي السُّغْدِيْ وَالإِمَامُ الْقَاضِيْ أَبُوْ الْحَسَنِ الْمَاتُرِيْدِیْ قَالُوْا: لَمَّا شُرِطَ عَلَيْهِ أَخْذُهٗ عِنْدَ قَضَاءِ الدَّيْنِ أَتیٰ بِمَعْنَی الرَّهْنِ (إِلٰى قَوْلِهٖ) فَإِذَا كَانَ رَهْناً لَا يَمْلِكُهٗ وَلَا يَنْتَفِعُ بِهٖ. (تبيين الحقائق، إمداديه ملتان ٥/ ١٨٣، زکریا ٦/ ٢٣٧)

فقہاء میں سے امام ظہیر الدین، صدر الشہید امام حسام الدینؒ اور صدر السعید تاج الاسلامؒ نے اس کو فسخ کی شرط کی وجہ سے عقد فاسد قرار دیا ہے۔ (زیلعیؒ فرماتے ہیں) اور فقہاء میں سے جن لوگوں نے اس کو رہن قرار دیا ہے ان میں سید امام ابوشجاعؒ اور امام علی سغدیؒ اور امام ابوالحسن ماتریدیؒ وغیرہ شامل ہیں، ان لوگوں نے کہا کہ جب قضاء دین کے وقت واپسی کی شرط لگائی ہے تو یہ عقد رہن کا معنی ادا کرتا ہے۔ پس جب رہن ثابت ہوگا تو مرتہن اس کا مالک نہ ہوگا، اور نہ ہی اس سے انتفاع جائز ہوگا۔

فریقِ ثانی:

مشائخ سمرقند اور مشائخ بلخ اور مشائخ بخاریٰ نے مفلسین اور حاجت مندوں کی ضرورت کو پیش نظر رکھتے ہوئے مذکورہ بیع الوفاء کو جائز قرار دیا ہے، اور امام نجم الدین نسفیؒ نے نقل کیا ہے کہ ان کے زمانہ کے تمام مشائخ نے متفق ہوکر اس معاملہ کو جائز قرار دیتے ہوئے بہت سے احکامِ بیع کے لئے مفید ثابت کیا ہے۔

اورصاحبِ نہایہ نے اس کے جواز کے قول کو مفتی بہ قرار دیا ہے، اور علامہ زین الدین ابن نجیم مصریؒ نے دیون کی کثرت کے زمانہ میں بیع الوفاء کی صحت وجواز پر فتویٰ کا حکم فرمایا ہے۔

وَمِنْ مَشَايِخِ سَمَرْقَنْدَ مَنْ جَعَلَهُ بَيْعًا جَائِزاً مُفِيْداً بَعْضَ أَحْكَامِهِ وَمِنْهُمُ الإِمَامُ نَجْمُ الدِّيْنِ النَّسَفِيُّ فَقَالَ اتَّفَقَ مَشَايِخُنَا فِيْ هٰذَا الزَّمَانِ فَجَعَلُوْهُ بَيْعاً جَائِزاً مُفِيْداً بَعْضَ أَحْكَامِهِ وَهُوَ الْاِنْتِفَاعُ بِهِ دُوْنَ الْبَعْضِ وَهُوَ الْبَيْعُ لِحَاجَةِ النَّاسِ إِلَيْهِ وَلِتَعَامُلِهِمْ فِيْهِ وَالْقَوَاعِدُ قَدْ تُتْرَكُ بِالتَّعَامُلِ، وَقَالَ صَاحِبُ النِّهَايَةِ وَعَلَيْهِ الْفَتْوىٰ.
(تبيين الحقائق إمداديه ملتان ۱۸۳/۵، زكريا ۲۳۷/۶، ایضاح النوادر ۷۱/۱)

اور مشائخ سمرقند میں سے وہ مشائخ بھی ہیں جو اس بیع کو جائز قرار دیتے ہیں، جو بعض احکامِ بیع کے لئے مفید ہے، اور ان میں سے امام نجم الدین نسفیؒ نے کہا کہ اس زمانہ کے مشائخ اس عقد کے جواز پر متفق ہیں، یہ عقد بعض احکام کو مفید ہے، مثلاً مبیع سے انتفاع حاصل کرنا اور بعض کو مفید نہیں (مثلاً فروختگی کے عدمِ جواز) اور یہ عقد لوگوں کی ضرورت اور تعامل کی وجہ سے جائز ہے اور صاحبِ نہایہ نے کہا ہے کہ اس کے جواز ہی پر فتویٰ ہے۔

اور علامہ ابن نجیم مصریؒ الاشباہ میں اس کے جواز کو ان الفاظ میں بھی نقل فرماتے ہیں:

وَمِنْ هٰذَا الْقَبِيْلِ بَيْعُ الْأَمَانَةِ الْمُسَمّٰى بِبَيْعِ الْوَفَاءِ جَوَّزَهُ مَشَايِخُ بَلْخٍ وَبُخَارىٰ تَوْسِعَةً الخ. (الاشباه والنظائر قديم ۱۳۰)

اور اسی قبیل میں سے بیع الامانت ہے، جس کو بیع الوفاء کہا جاتا ہے، اس کو مشائخ بلخ ومشائخ بخاریٰ نے لوگوں کے لئے وسعت دیتے ہوئے جائز قرار دیا ہے۔

وَمِنْهَا الإِفْتَاءُ بِصِحَّةِ بَيْعِ الْوَفَاءِ حِيْنَ كَثُرَ الدَّيْنُ عَلٰى أَهْلِ بُخَارىٰ وَهٰكَذَا بِمِصْرَ وَسَمُّوْهُ بَيْعَ الْأَمَانَةِ وَالشَّافِعِيَّةُ يُسَمُّوْنَهُ الرَّهْنَ الْمُعَادَ. (الأشباه والنظائر قديم ۱٤۹، انوار رحمت ۲۱۵-۲۱۹)

اور ان میں سے بیع الوفاء کی صحت پر فتویٰ ہے، جب اہلِ بخاریٰ پر دیون کا سلسلہ زیادہ ہوگیا تھا، اور اسی طرح مصر میں بھی جواز کا فتویٰ ہے اور اس کو بیع الامانۃ کہا جاتا ہے اور شافعیہ نے اس کا نام ''رہنِ معاد رکھا ہے۔

مناسب ومعتدل حکم

اب معلوم ہوا کہ بیع الوفاء کے جواز وعدمِ جواز میں فقہاء متأخرین اور اساطینِ امت کے مابین اختلاف واقع ہو چکا ہے، اور دونوں طرف ایسے ایسے فقہاء ہیں جن کے قول ورائے کو دلیل شرعی مانا جاتا ہے، اور لوگوں کی ضرورت اور تعاملِ ناس جواز کے قائلین کے موافق ہے۔ اور تعاملِ ناس اور عرف کو شرعی طور پر ''اَلثَّابِتُ بِالْعُرْفِ كَالثَّابِتِ بِالنَّصِّ'' (عقود رسم المفتی ۹۴) کے قاعدہ سے حجتِ شرعیہ کا درجہ بھی حاصل ہے۔ اور حضرت تھانوی قدس سرہ نے امداد الفتاویٰ میں فریقِ اول کے دلائل کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اصولاً عدمِ جواز کو ثابت کیا ہے، اور بوقتِ ضرورت فریقِ ثانی کے قول پر عمل کی اجازت دی ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۳/۱۰۷)

اور حضرت مولانا حافظ مفتی عبد اللطیف صاحب محدث سہارن پوریؒ نے فتاویٰ خلیلیہ میں بیع الوفاء کو جائز قرار دیتے ہوئے یہ شکل پیش فرمائی ہے کہ دستاویز لکھتے وقت بیع کو مطلق عن الشرط رکھا جائے، اور مبیع مع الشرط کی عبارت اور قید نہ لگائی جائے؛ تاکہ فقہاء متأخرین کے دونوں فریقوں کے قول پر عمل ثابت ہو جائے۔ (مستفاد: فتاویٰ خلیلیہ ۱/۳۹۵، ایضاح النوادر ۱/۳۷)

نیز حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے مایہ ناز شاگرد حضرت فخر الاسلام مولانا حافظ محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا فتوی بھی یہی ہے کہ جب بغیر نفع لئے کوئی شخص رہن لینے پر رضامند نہیں ہوتا ہے، تو ایسی صورت میں ربا سے بچنے کے لئے بیع الوفاء کا معاملہ جائز اور درست ہے، اگر مدت کی قید لگائی ہے تو ایسی صورت میں مدت پوری ہوجانے کے بعد بائع یعنی راہن کا حق اسی وقت ختم نہیں ہوگا؛ بلکہ اس کے بعد بھی اس کو لینے کا حق باقی رہے گا؛ البتہ اس مدت کے بعد مشتری کو مرتہن کی طرح یہ اختیار رہے گا کہ بائع کے نہ لینے کی صورت میں جائیداد کو فروخت کر کے اپنی رقم وصول کرلے۔ ملاحظہ ہو عکس احمد (سوانح حیات فخر الاسلام حضرت مولانا محمد احمد صاحب مہتمم خامس دارالعلوم دیوبند، ص:۴۵۲، مکتبہ حجۃ الاسلام اکیڈمی دارالعلوم وقف دیوبند)

حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانہ کے قابل اعتماد عالم اور فقیہ تھے، نظام حیدرآباد نے آپ کو وہاں کے مسند افتاء کی صدارت بھی عطا کی تھی، اس زمانہ میں جو فتاوی لکھے گئے ہیں ان میں سے حضرت والا کے اہم ترین چھپن فتاوی جو انتہائی مدلل ہیں عکس احمد میں ص:۳۷۶ سے ۴۶۳ تک میں نقل کئے گئے ہیں، ان میں مذکورہ فتوی تقریباً دو صفحہ پر مدلل طور پر موجود ہے۔

اس لئے ضرورت اور حاجتِ ناس کی وجہ سے مشائخِ سمرقند اور مشائخِ بلخ اور مشائخِ بخاری اور امام نجم الدین نسفیؒ اور صاحبِ نہایہ وغیرہم کے فتویٰ کے مطابق اس زمانہ میں بیع الوفاء کے جواز پر فتویٰ دینا اولیٰ اور انسب ہوگا۔

بیع الوفاء کے بارے میں مفصل بحث اور فقہاء کی آراء

بیع الوفاء کو فقہی نقطۂ نظر سے کس اصول اور ضابطہ کے دائرہ میں داخل کیا جائے؟ آیا اسے بیعِ صحیح کے دائرہ میں داخل کیا جائے یا بیعِ فاسد کے دائرہ میں یا رہن کے اصول وضابطہ کے دائرہ میں شمار کیا جائے یا بیع مکرہ کے ضابطہ میں داخل کیا جائے، یا اسے بیع اور رہن سے مرکب ایک الگ عقد قرار دیا جائے یا بیع صحیح اور بیع فاسد اور رہن تینوں سے مرکب ہوکر ایک مستقل عقد

قرار دیا جائے؟ تو اس سلسلہ میں فقہاءِ متأخرین کے مختلف نظریات اور مختلف اقوال پر غور کرنے کے بعد حضراتِ فقہاء کے سات فریق اور سات اقوال وآراء ہمارے سامنے ہیں، جن کو ترتیب وار یہاں پر درج کردیتے ہیں۔ ملاحظہ فرمایئے:

فریقِ اول بیع صحیح کے قائلین

مشائخ بلخ اور مشائخ بخاریٰ نے بیع الوفاء کے جواز پر فتویٰ جاری فرمایا ہے اور مشائخ سمرقند میں سے امام نجم الدین نسفیؒ وغیرہ فرماتے ہیں کہ بیع الوفاء کو لوگوں کی ضرورت اور اس میں تعامل کی وجہ سے بیع صحیح کے اصول وضابطہ کے دائرہ میں داخل کر کے صحیح قرار دیا جائے گا، اس لئے کہ زمانہ کے تمام مشائخ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ ایسی بیع ہے جو جائز ہے اور بہت سے احکامِ بیع کو محیط اور مفید ہے، اور لوگوں کی ضرورت کی وجہ سے اس عقد کو جائز اور صحیح قرار دیا گیا ہے، اور امام زیلعیؒ نے اسی کو مفتی بہ قرار دیا ہے۔ اور علامہ ابن نجیمؒ نے الاشباہ میں بیع الوفاء کے بیع صحیح ہونے اور اس کی صحت پر فتویٰ نقل فرمایا ہے؛ لہٰذا بیع الوفاء شرعی طور پر جائز اور درست ہے۔ حضراتِ فقہاء کی عبارات ملاحظہ فرمایئے:

وَمِنْ مَشَايِخِ سَمَرْقَنْدَ مَنْ جَعَلَهُ بَيْعاً جَائِزاً مُفِيْداً بَعْضَ أَحْكَامِهِ مِنْهُمُ الإِمَامُ نَجْمُ الدِّيْنِ النَّسَفِيُّ فَقَالَ اِتَّفَقَ مَشَايِخُنَا فِيْ هٰذَا الزَّمَانِ فَجَعَلُوْهُ بَيْعاً جَائِزاً مُفِيْداً بَعْضَ أَحْكَامِهِ وَهُوَ الْاِنْتِفَاعُ بِهِ دُوْنَ الْبَعْضِ

اور مشائخ سمرقند میں سے کچھ وہ حضرات ہیں جنہوں نے اس کو بیع صحیح اور بیع جائز کے دائرہ میں داخل کیا ہے، جو بیع کے بعض احکام کو مفید ہے، انہیں مشائخ میں سے امام نجم الدین نسفیؒ ہیں، پس وہ فرماتے ہیں کہ اس زمانہ کے مشائخ نے متفق ہو کر اس بیع کو جائز قرار دیا ہے جو عقد بیع کے بعض احکام کو مفید ہے، اور وہ اس بیع کے بعض منافع سے فائدہ اٹھانا ہے، بعض سے نہیں (جیسا کہ مشتری اس کو بیچ

وَهُوَ الْبَيْعُ لِحَاجَةِ النَّاسِ إِلَيْهِ وَلِتَعَامُلِهِمْ فِيْهِ وَالْقَوَاعِدُ قَدْ تُتْرَكُ بِالتَّعَامُلِ وَجُوِّزَ الْاِسْتِصْنَاعُ لِذٰلِكَ وَقَالَ صَاحِبُ النِّهَايَةِ وَعَلَيْهِ الْفَتْوىٰ.

(تبيين الحقائق إمداد ملتان ۱۸۳/۵، ۱۸۴، زكريا ۲۳۷/۶)

نہیں سکتا) اور لوگوں کو اس بیع کی ضرورت ہونے کی وجہ سے اور لوگوں کے اس میں تعامل ہونے کی وجہ سے اس بیع کو جائز قرار دیا گیا ہے، اور کبھی تعاملِ ناس کی وجہ سے قواعد وضوابط کو چھوڑ دیا جاتا ہے اور اسی وجہ سے بیعِ استصناع کو جائز قرار دیا گیا ہے اور صاحبِ نہایہ نے کہا کہ اس کے بیعِ صحیح ہونے پر ہی فتویٰ ہے۔

اور علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے بیع صحیح ہونے کو زیلعی کے حوالہ سے ان الفاظ کے ساتھ نقل فرمایا ہے، نیز علامہ ابن نجیم مصری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی طرح کے الفاظ نقل فرمائے ہیں۔ ملاحظہ فرمایئے:

أَنَّهُ بَيْعٌ صَحِيْحٌ يُفِيْدُ لِبَعْضِ أَحْكَامِهِ مِنْ حِلِّ الْاِنْتِفَاعِ بِهٖ إِلَّا أَنَّهُ لَا يَمْلِكُ بَيْعَهُ، قَالَ الزَّيْلَعِيُّ فِي الْإِكْرَاهِ وَعَلَيْهِ الْفَتْوىٰ. (شامی زكريا ۵۴٦/۷، كراچی ۲۷۷/۵، وهٰكذا فی البحر الرائق كوئٹه ۷/٦، زكريا ۱۲/٦)

بے شک یہ بیع صحیح ہے جو بیع کے بعض احکام کو مفید ہے، اس کے ذریعہ نفع کے حلال ہونے کی وجہ سے مگر یہ کہ مشتری اس کو بیچنے کا مالک نہیں ہوگا، زیلعی نے کتاب الاکراہ میں فرمایا ہے کہ اسی پر فتویٰ ہے۔

الاشباہ والنظائر میں اس طرح کے الفاظ سے نقل کیا گیا ہے:

وَمِنْ هٰذَا الْقَبِيْلِ بَيْعُ الْاَمَانَةِ الْمُسَمّٰى بَيْعُ الْوَفَاءِ جَوَّزَهُ

اور اسی قبیل سے بیع الأمانۃ ہے جو بیع الوفاء کے نام سے موسوم ہے، مشائخ بلخ اور مشائخ

مَشَايِخُ بَلْخٍ وَبُخَارىٰ تَوْسِعَةً. (الاشباہ والنظائر قدیم ۱۳۰)

بخاریٰ نے لوگوں سے تنگی دور کر کے وسعت دیتے ہوئے اس کو جائز قرار دیا ہے۔

اور الاشباہ والنظائر میں دوسری جگہ صاف الفاظ کے ساتھ مذکور ہے کہ بیع الوفاء کے بیع صحیح ہونے پر ہی فتویٰ ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:

وَمِنْهَا الإِفْتَاءُ بِصِحَّةِ بَيْعِ الْوَفَاءِ حِيْنَ كَثُرَ الدَّيْنُ عَلىٰ أَهْلِ بُخَارىٰ وَهٰكَذَا بِمِصْرَ وَقَدْ سَمُّوْهُ بَيْعَ الْأَمَانَةِ وَالشَّافِعِيَّةُ يُسَمُّوْنَهُ الرَّهْنَ الْمُعَادَ. (الاشباہ والنظائر قدیم ۱۴۹)

اسی قبیل میں سے بیع الوفاء کی صحت پر فتویٰ جاری کرنا ہے جس وقت اہل بخاریٰ پر دیون کی کثرت ہوگئی تھی اور ایسا ہی مصر میں ہوا ہے اور یقیناً اس کا نام مشائخ مصر نے بیع الأمانۃ رکھا ہے اور شوافع نے اس کا نام ''الرہن المعاد'' رکھا ہے۔

فریقِ ثانی بیع فاسد کے قائلین

امام ظہیر الدین ابوبکر محمد بن احمد البخاری اور امام شہاب الدین احمد الچلپی وغیرہ فرماتے ہیں کہ بیع الوفاء میں مقتضائے عقد کے خلاف شرطِ فاسد پائی جاتی ہے اس لئے بیع الوفاء کو بیع فاسد کے اصول وضوابط کے دائرہ میں داخل کیا جائے گا اور بائع کے ثمن اور دین کی واپسی کے موقع پر مبیع کی واپسی کو بیع فاسد کے اصول وضوابط کے مطابق واجب الاسترداد قرار دیا جائے گا؛ لہٰذا اس کا حکم تمام بیوعِ فاسدہ کے حکم کی طرح ہوگا، اس لئے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عقد بیع کے ساتھ شرط لگانے سے منع فرمایا ہے، اس کو حضراتِ فقہاء نے اس طرح کے الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

وَاخْتَارَهُ الإِمَامُ ظَهِيرُ الدِّينِ أَنَّهُ بَيْعٌ فَاسِدٌ فَلَوْ تَبَايَعَا ثُمَّ قَالَ أَحَدُهُمَا چون سیم آریم بیع بمن بازده فَقَالَ نَعَمْ لَا يَفْسُدُ الْبَيْعُ، أَمَّا لَوْ شَرَطَاهُ فِي الْبَيْعِ يَفْسُدُ. (بزازية زكريا جديد ۱/ ۲۵۱، وعلى هامش الهندية ٤/ ٤٠٧)

اسی کو امام ظہیر الدین نے اختیار فرمایا ہے بایں طور پر کہ یہ بیع فاسد ہے؛ لہٰذا اگر طرفین نے عقد کرلیا ہے پھران میں سے ایک نے کہا جب میں ثمن لاکر کے واپس کردوں گا تو میری مبیع مجھے واپس کردینا، دوسرے نے کہا جی ہاں! تو بیع فاسد نہیں ہوگی، بہر حال اگر دونوں نے عقد بیع میں اس کی شرط لگادی ہے تو بیع فاسد ہوجائے گی۔

وَالْأَصَحُّ عِنْدِيْ أَنَّهُ بَيْعٌ فَاسِدٌ يُوجِبُ الْمِلْكَ بَعْدَ الْقَبْضِ وَحُكْمُهُ حُكْمُ سَائِرِ الْبِيَاعَاتِ الْفَاسِدَةِ لِأَنَّهُ بَيْعٌ بِشَرْطٍ لَا يَقْتَضِيهِ الْعَقْدُ وَقَدْ نَهَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعٍ وَشَرْطٍ الخ. (حاشيه شلبى على تبيين الحقائق إمداديه ملتان ٥/ ١٨٤، زكريا ٦/ ٢٣٨)

اور زیادہ صحیح میرے نزدیک یہی ہے کہ بیع الوفاء بیع فاسد ہے جو قبضہ کے بعد ملکیت کو لازم کرتی ہے اور اس کا حکم تمام بیوعِ فاسدہ کی طرح ہے؛ اس لئے کہ یہ بیع ایسی شرط کے ساتھ مشروط ہے جس کا عقد تقاضہ نہیں کرتا، حالاں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع اور شرط سے منع فرمایا ہے۔

فریقِ ثالث بیع صحیح یا بیعِ فاسد کے قائلین

امام فخر الدین حسن بن منصور الاوزجندی وغیرہ نے فرمایا کہ بیع الوفاء رہن کے دائرہ میں داخل نہیں ہوسکتی؛ بلکہ صحیح بات یہی ہے کہ وہ عقدِ بیع ہی کے دائرہ میں داخل ہوگی؛ لہٰذا اگر صلبِ

عقد میں اس بات کی شرط لگائی ہے کہ ثمن کی واپسی پر مبیع بھی واپس ہو جائے گی تو صلبِ عقد میں مقتضائے عقد کے خلاف شرط لگانے کی وجہ سے بیع فاسد کے اصول وضوابط کے دائرہ میں داخل ہوگی، اس لئے حضراتِ صاحبین فرماتے ہیں کہ بیع الوفاء بیع فاسد کے اصول وضوابط کے دائرہ میں داخل ہے، اور اگر صلبِ عقد میں شرط نہیں لگائی ہے؛ بلکہ اولاً بغیر شرط کے عقد بیع وجود میں آجائے پھر اس کے بعد آپس کی تراضی سے اس بات کی شرط لگادی جائے کہ ثمن کی واپسی پر مبیع کی واپسی لازم ہو جائے گی تو ایسی صورت میں چوں کہ صلبِ عقد میں شرطِ فاسد نہیں پائی گئی ہے، اس لئے یہ عقد بیعِ صحیح کے اصول وضوابط کے دائرہ میں داخل ہوگا، اور وعدہ کے مطابق ثمن کی واپسی پر مبیع کا استرداد لازم ہو جائے گا، جیسا کہ فقہاء کی حسبِ ذیل عبارات سے واضح ہوتا ہے:

وَالصَّحِيحُ أَنَّ الْعَقْدَ الَّذِيْ جَرىٰ بَيْنَهُمَا إِنْ كَانَ بِلَفْظِ الْبَيْعِ لَا يَكُوْنُ رَهْناً ثُمَّ يُنْظَرُ إِنْ ذَكَرَا شَرْطَ الْفَسْخِ فِي الْبَيْعِ فَسَدَ الْبَيْعُ وَإِنْ لَمْ يَذْكُرَا ذٰلِكَ فِي الْبَيْعِ وَتَلَفَّظَا بِلَفْظِ الْبَيْعِ بِشَرْطِ الْوَفَاءِ أَوْ تَلَفَّظَا بِالْبَيْعِ الْجَائِزِ وَعِنْدَهُمَا هٰذَا الْبَيْعُ عِبَارَةٌ عَنْ عقد غَيْرِ لَازِمٍ فَكَذٰلِكَ وَلَفْظُهُ صَاحِبِ الْبَحْرِ فَالْبَيْعُ فَاسِدٌ وَإِنْ ذَكَرَا الْبَيْعَ بِلَا شَرْطٍ ثُمَّ شَرَطَاهُ عَلىٰ

اور صحیح یہی ہے کہ بے شک وہ ایسا عقد ہے جو متعاقدین کے درمیان میں جاری ہوا ہے، اگر لفظ بیع کے ساتھ عقد ہوا ہے تو وہ رہن نہیں ہوسکتا، پھر دیکھا جائے کہ اگر صلب عقد میں فسخ کی شرط کا ذکر کیا ہے تو بیع فاسد ہو جائے گی، اور اگر صلب عقد میں اس شرط کا ذکر نہیں کیا ہے اور دونوں نے لفظ بیع کا تلفظ وفا کی شرط کے ساتھ کیا ہے یا دونوں نے بیع جائز کے ساتھ تلفظ کیا ہے اور ایسی بیع کا نام حضراتِ صاحبینؒ کے نزدیک بیع غیر لازم ہے، تو بھی ایسا ہی حکم ہوگا اور صاحب بحر کے الفاظ یہ ہیں کہ ایسی صورت میں بیع فاسد

وَجْهِ الْمُوَاعِدَةِ جَازَ الْبَيْعُ وَلَزِمَ الْـوَفَاءُ وَقَدْ يَلْزَمُ الْوَعْدُ لِحَاجَةِ الـنَّـاسِ فِرَاراً مِنَ الرِّبَا. (قاضي خـان زكـريـا جـديد ٢/ ٩٩، وعلى هـامـش الهـنـدية ٢/ ١٦٥، تبيين الـحـقـائق، إمداديه ملتان ٥/ ١٨٤، زكريا ٦/ ٢٣٧، بزازية، زكريا جديد ١/ ٢٥١، وعـلـى هـامـش الهندية ٤/ ٤٠٦، البحرالرائق، كوئٹه ٦/ ٨، زكريا ٦/ ١٢)

ہوجائے گی اور اگر بغیر شرط کے دونوں نے عقد میں لفظ بیع کا ذکر کیا ہے، پھر اس کے بعد معاہدہ کے طور پر وفا کی شرط لگائی ہے تو بیع جائز اور صحیح ہوجائے گی اور وفا بھی لازم ہوجائے گی، اور کبھی سود سے راہِ فرار اختیار کرتے ہوئے لوگوں کی ضرورت کی وجہ سے وعدہ کا پورا کرنا لازم ہوجاتا ہے۔

فریقِ رابع رہن کے حکم کے قائلین

امام سید ابوشجاع اور امام ابوالحسن علی السغدی اور امام قاضی ابوالحسن الماتریدی اور ائمہ خوارزم اور خاتم المجتہدین مولانا سیف الدین عصبہ وغیرہ بیع الوفاء کو رہن کے اصول وضابطہ کے دائرہ میں داخل کرتے ہیں، اور اس کو رہن ہی تسلیم کرتے ہیں، بس فرق اتنا ہے کہ ائمہ خوارزم بعض شرائط کے ساتھ رہن تسلیم کرتے ہیں اور امام سیف الدین عصبہ علی الاطلاق اس کو رہن تسلیم کرتے ہیں، اسی طرح فتاویٰ قاضی خان میں ہے کہ امام ابوشجاع اور قاضی ابوالحسن علی سغدی بھی بیع الوفاء کو علی الاطلاق رہن کے اصول وضوابط کے دائرہ میں داخل کرکے اس کے اوپر رہن کے حکم کی طرح حکم لگاتے ہیں، چناں چہ ان کے نزدیک مشتری مبیع کا مالک نہیں ہوگا اور مبیع سے کسی قسم کا فائدہ اٹھانا مشتری کے لئے جائز نہیں ہوگا؛ البتہ رہن کی طرح مالک کی اجازت سے فائدہ اٹھانا جائز ہوسکتا ہے، اور رہن کی طرح مبیع کے ہلاک ہونے کی وجہ سے

دین بھی ساقط ہوجائے گا؛ لیکن ائمہ خوارزم اس کو تین باتوں میں سے ایک بات کے ساتھ مشروط کرتے ہیں:

(۱) بوقتِ عقد بیع مطلق رکھی جائے اور بوقتِ واپسی جب بائع ثمن لے کر حاضر ہوجائے گا تو مشتری بیع کو فسخ کرنے کے لئے کسی کو وکیل بنادے۔

(۲) بیعِ مطلق کے بعد اس بات پر معاہدہ ہوجائے کہ جب بائع ثمن لے کر آئے گا تو خود بخود بیع فسخ ہوجائے گی۔

(۳) عقد کے بعد مشتری اصل مال پر نفع کی شرط لگا دے تو ان تینوں صورتوں میں ائمہ خوارزم بیع الوفاء کو رہن کے درجہ میں قرار دیتے ہیں۔

اور یہ حضرات بیع الوفاء کو رہن کے حکم میں قرار دینے میں حسبِ ذیل نظائر پیش کرتے ہیں:

(۱) اس بیع میں مشتری کو مبیع کی فروختگی کا حق نہیں۔

(۲) مبیع کو دوسرے کے ہاتھ رہن میں رکھنے کا حق نہیں۔

(۳) مبیع اگر باغ ہے تو اس کے درختوں کو کاٹنے کا حق نہیں۔

(۴) مبیع اگر عمارت ہے تو منہدم کرنے کا حق نہیں۔

(۵) مشتری کے ہاتھ میں اگر مبیع ہلاک ہوجائے تو ثمن اور دین ساقط ہوجاتا ہے؛ لہٰذا بائع سے ثمن کی واپسی کا مطالبہ نہیں کرسکتا۔

(۶) اگر مبیع میں نقصان اور کمی آجائے تو رہن کی طرح ثمن اور دین طرفین کے درمیان نقصان کے تناسب سے تقسیم ہوجاتا ہے۔ (مستفاد: بزازیہ زکریا جدید ۱/۲۵۲، وعلی ہامش الہندیہ ۴/۴۰۹)

(۷) جس طرح معاملہ رہن میں مرتہن کے مالِ رہن کو دوسرے کے ہاتھ فروخت کردینے پر راہن کو یہ حق حاصل ہوجاتا ہے کہ بیع باطل کر کے مالِ رہن کو اپنے قبضہ میں لے لے، اسی

طرح بیع الوفاء میں بھی مشتری جب مبیع کو دوسرے کے ہاتھ فروخت کردے گا تو مالک کو یہ حق حاصل ہو جاتا ہے کہ بیعِ ثانی کو باطل کر کے مشتری ثانی سے مالِ مبیع اپنے قبضہ میں لے لے، ہاں البتہ یہ بات الگ ہے کہ مرتہن کو اپنے قرض کے وصول ہونے تک لوٹ کر مالِ رہن کو اپنے قبضہ میں لینے کا حق ہے، اسی طرح بیع الوفاء میں بھی مالک کے قبضہ میں پہنچ جانے کے بعد مشتری اول کو اپنے ثمن کے وصول ہونے تک مالک سے مالِ مبیع اپنے قبضہ میں لینے کا حق ہے۔ (بزازیہ زکریا جدید ا/ ۲۵۱، وعلی ہامش الہندیۃ ۴/ ۴۰۶، شامی زکریا ۷/ ۵۴۸، کراچی ۵/ ۲۷۸)

ان تمام نظائر کی وجہ سے ان حضرات نے اس کو رہن کے اصول وضابطہ کے دائرہ میں داخل کردیا ہے، اوران لوگوں کی رائے کے مطابق مشتری بائع کی اجازت کے بغیر مالِ مبیع سے کوئی فائدہ اٹھا نہیں سکتا۔ جوحسبِ ذیل عبارت سے واضح ہوتا ہے، ملاحظہ فرمائیے:

قَالَ أَكْثَرُ الْمَشَايِخِ مِنْهُمُ السَّيِّدُ الإِمَامُ أَبُوْ شُجَاعٍ وَالْقَاضِيُ الإِمَامُ أَبُو الْحَسَنِ عَلِي السُّغْدِيُ، حُكْمُهٗ حُكْمُ الرَّهْنِ لَا يَمْلِكُهُ الْمُشْتَرِيْ وَيَضْمَنُهُ الْمُشْتَرِيْ بِالْأَكْلِ مِنْ ثَمَرِهٖ وَلَا يُبَاحُ لَهُ الْاِنْتِفَاعُ وَلَا الْأَكْلُ إِلَّا بِإِبَاحَةِ الْمَالِكِ وَيَسْقُطُ الدَّيْنُ بِهَلَاكِهٖ إِذَا كَانَ بِهٖ وَفَاءً بِالدَّيْنِ وَلَا يَضْمَنُ الزِّيَادَةَ إِذَا هَلَكَ لَا بِصُنْعِهٖ

اکثر مشائخ نے کہا جن میں سید امام ابوشجاع اور قاضی امام ابوالحسن علی السغدی وغیرہ ہیں کہ اس بیع کا حکم رہن کے حکم کی طرح ہے، اس میں مشتری مبیع کا مالک نہیں ہوگا اور اس کے پھل کھانے کی وجہ سے مشتری اس کا ضامن ہو جائے گا، اور مشتری کے لئے مبیع سے انتفاع مباح نہیں ہے، اور نہ ہی اس میں سے کچھ کھانا جائز ہے، مگر مالک کی اجازت سے جائز ہے اور مبیع کی ہلاکت کی وجہ سے دین ساقط ہو جائے گا، جب مبیع دین کے

وَلِلْبَائِعِ أَنْ يَّسْتَرِدَّ إِذَا قَضَى الدَّيْنَ. (فتاویٰ قاضي خان جديد زكريا ٢/ ٩٩، وعلى هامش الهندية ١٦٥/٢، تبيين الحقائق إمداديه ملتان ٥/ ١٨٣، زكريا ٦/ ٢٣٧)

برابر ہو، اور زیادہ کا تاوان لازم نہیں ہوگا، جب مشتری کی تعدی اور لاپرواہی کے بغیر ہلاک ہوجائے اور بائع کو مبیع واپس لینے کا حق ہوگا جب دین ادا کردے۔

اور الجامع الوجیز میں حافظ الدین بزازیؒ نے ائمہ خوارزم کی رائے کو ان الفاظ کے ساتھ نقل فرمایا ہے، ملاحظہ فرمایئے:

وَاخْتَارَهُ أَئِمَّةُ خَوَارِزْمَ أَنَّهُ إِذَا أُطْلِقَ الْبَيْعُ لٰكِنْ وَكَّلَ الْمُشْتَرِيْ وَكِيْلاً بِفَسْخِ الْبَيْعِ إِذَا أَحْضَرَ الْبَائِعُ الثَّمَنَ أَوْ عَهِدَ عَلىٰ أَنَّهُ إِذَا أَوْفَاهُ فَسَخَ الْبَيْعُ وَالثَّمَنُ لَا يُعَادِلُ الْمَبِيْعَ وَفِيْهِ غَبَنٌ فَاحِشٌ أَوْ وَضَعَ الْمُشْتَرِيْ عَلىٰ أَصْلِ الْمَالِ رِبْحاً بِأَنْ وَضَعَ عَلىٰ مِائَةٍ عِشْرِيْنَ دِيْنَاراً فَرَهَنَ (إِلىٰ قَوْلِهٖ) وَاخْتَارَ خَاتَمُ الْمُجْتَهِدِيْنَ مَوْلَانَا سَيْفُ الدِّيْنِ الْعَصَبَةُ أَنَّهُ رَهْنٌ. (بزازية، زكريا جديد ١/ ٢٥١، على هامش الهندية ٤٠٧/٤)

جس کو ائمہ خوارزم نے اختیار فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ جب بیع کو مطلق رکھا جائے؛ لیکن جب بائع ثمن لے کر کے حاضر ہوجائے تو مشتری بیع کو فسخ کرنے کے لئے کسی کو وکیل بنادے یا بیع مطلق کے بعد اس بات پر معاہدہ ہوجائے کہ جب بائع ثمن لاکر پیش کردے گا تو عقد بیع خود بخود فسخ ہوجائے گا اور ثمن مبیع کے برابر نہ ہو اور اس میں غبن فاحش ہو یا مشتری عقد کے بعد اصل مال پر نفع کی شرط لگادے مثلاً ہر سو دینار پر بیس دینار نفع کا رہے گا، تو ان تمام صورتوں میں یہ عقد رہن کے حکم میں ہوگا، اور خاتم المجتہدین مولانا سیف الدین عصبہ نے اسی کو اختیار فرمایا ہے کہ وہ رہن ہی ہوگا۔

فریقِ خامس بیع المکرّہ کے حکم کے قائلین

مشائخ بخاریٰ میں سے امام صدر الشہید حسام الدین اور امام صدر السعید تاج الدین امام علاء الدین بدر اور صاحبِ ہدایہ وغیرہ فرماتے ہیں کہ بیع الوفاء بیع مکرہ کے اصول وضوابط کے دائرہ میں داخل ہوگی اور اس کو بیع فاسد قرار دینا صحیح نہیں ہے جیسا کہ امام ظہیر الدین بخاریؒ نے اس کو بیع فاسد بھی تسلیم کیا اور بیع مکرہ کے درجہ میں بھی قرار دیا جو کہ درست نہیں ہے؛ بلکہ بیع مکرہ کے اصول وضوابط کے دائرہ میں داخل کرنا زیادہ صحیح ہے، امام زیلعیؒ نے تبیین الحقائق میں امام ظہیر الدین بخاریؒ کو بیع مکرہ کے قائلین کی فہرست میں شمار فرمایا ہے، حالاں کہ وہ بیع فاسد کے قائلین کی فہرست میں شامل ہیں، اسی وجہ سے بزازیہ میں اس بات کو صاف واضح کردیا گیا ہے کہ بیع الوفاء بیع مکرہ کے اصول وضابطہ کے دائرہ میں داخل ہے، اس لئے بیع الوفاء بیع مکرہ کی طرح ہوگی۔

اور بیع فاسد کے اصول وضوابط میں داخل نہیں ہے؛ لہٰذا بیع الوفاء کا حکم بیع فاسد کی طرح نہیں ہوگا؛ بلکہ بیع مکرہ کی طرح ہوگا اور امام ظہیر الدین بخاری نے دونوں کو مخلوط کردیا ہے، اور امام علاء الدین بدرؒ فرماتے ہیں کہ جنہوں نے دونوں کو مخلوط کردیا ہے وہ درست نہیں ہے؛ اس لئے کہ دونوں کے شرائط وضوابط الگ الگ ہیں؛ لہٰذا بیع الوفاء واجب الاسترداد ہونے میں بیع مکرہ کی طرح ہوگی، بیع فاسد کی طرح نہیں۔ فقہاء کی عبارات ملاحظہ فرمائیے:

وَمِنْ مَشَايِخِ بُخَارىٰ مَنْ جَعَلَ بَيْعَ الْوَفَاءِ كَبَيْعِ الْمُكْرَهِ مِنْهُمُ الإِمَامُ ظَهِيرُ الدِّيْنِ وَالصَّدْرُ الشَّهِيدُ حُسَامُ الدِّيْنِ وَالصَّدْرُ السَّعِيْدُ تَاجُ الاسْلَامِ وَصُوْرَتُهُ

مشائخ بخاریٰ میں سے جنہوں نے بیع الوفاء کو بیع مکرہ کی طرح قرار دیا ہے ان میں سے امام ظہیر الدینؒ اور صدر الشہید حسام الدینؒ اور امام صدر السعید تاج الاسلامؒ (وغیرہ) ہیں، اور اس کی صورت یہ ہے کہ بائع مشتری سے

أَنْ يَّقُوْلَ الْبَائِعُ لِلْمُشْتَرِيْ بِعْتُ مِنْكَ هٰذَا الْعَيْنَ بِدَيْنٍ لَكَ عَلَيَّ عَلٰى أَنِّيْ مَتٰى قَضَيْتُ الدَّيْنَ فَهُوَ لِيْ فَجَعَلُوْهُ فَاسِداً بِاعْتِبَارِ شَرْطِ الْفَسْخِ عِنْدَ الْقُدْرَةِ عَلٰى إِيْفَاءِ الدَّيْنِ يُفِيْدُ الْمِلْكَ وَعِنْدَ اتِّصَالِ الْقَبْضِ بِهٖ وَيُنْقُضُ بَيْعُ الْمُشْتَرِيْ كَبَيْعِ الْمُكْرَهِ لِأَنَّ الْفَسَادَ بِاعْتِبَارِ عَدَمِ الرِّضَا فَكَانَ حُكْمُهُ حُكْمُ بَيْعِ الْمُكْرَهِ فِيْ جَمِيْعِ مَا ذَكَرْنَا. (تبيين الحقائق، إمداديه ملتان ٥/١٨٣، زكريا ٦/ ٢٣٧)

کہے کہ یہ چیز میں نے تمہارے ہاتھ تمہارے دین کے بدلہ میں بیچ دی ہے اس شرط پر کہ جب میں تمہارا قرض ادا کردوں گا تو وہ چیز میری ہوجائے گی، تو ان حضرات نے اس عقد کو دین کی ادائیگی پر قدرت کے وقت فسخ عقد کی شرط کا اعتبار کرتے ہوئے عقد فاسد قرار دیا ہے، جو اتصالِ قبضہ کے وقت ملکیت کا فائدہ دیتا ہے اور دوسرے کے ہاتھ مشتری کی بیع ٹوٹ جایا کرے گی جیسا کہ مکرہ کی بیع ٹوٹ جاتی ہے؛ اس لئے کہ عدمِ رضا کی وجہ سے اس میں فساد آیا ہے؛ لہٰذا بیع الوفاء کا حکم بیع مکرہ کے حکم میں ہوگا، ان تمام امور میں جو ہم نے ذکر کئے ہیں۔

اوراس حکم کو امام حافظ الدین بزازی نے ان الفاظ کے ساتھ نقل فرمایا ہے:

أَجَابَ عَلَاءُ الدِّيْنِ بَدْرٌ أَنَّهٗ لَا يَصِحُّ وَعَلٰى هٰذَا اخْتِيَارُ صَاحِبُ الْهِدَايَةِ وَأَوْلَادِهٖ وَمَشَائِخُ زَمَانِنَا وَعَلَيْهِ الْفَتْوٰى أَعْنِيْ لَا يَمْلِكُ الْمُشْتَرِيْ الْبَيْعَ مِنَ الْغَيْرِ كَمَا فِيْ بَيْعِ

امام علاء الدین بدر نے اس طرح سے جواب دیا ہے کہ یہ بیع صحیح نہیں ہے اور اسی کو صاحب ہدایہ اور ان کی اولاد اور ہمارے زمانہ کے مشائخ نے اختیار کیا ہے، اور اسی پر فتویٰ ہے یعنی مشتری دوسرے کے ہاتھ بیچنے کا مالک نہیں ہے۔ یہ ایسا ہے جیسا کہ بیع مکرہ میں

اَلْمُکْرَہِ لَا الْبَیْعِ الْفَاسِدِ بَعْدَ الْقَبْضِ.
(بزازیہ، زکریا جدید ۱/ ۲۵۱، وعلی ھامش الھندیة ۴/ ۴۰۸)

ہوتا ہے اور ایسا نہیں ہے جیسا کہ بیع فاسد میں قبضہ کے بعد ہوتا ہے۔

فریقِ سادس بیع اور رہن سے مرکب کے قائلین

امام فخر الدین زاہد وغیرہ نے اس عقد کو من وجہٍ بیع صحیح اور من وجہٍ رہن تسلیم کیا ہے، یعنی صلب عقد میں جب شرط کا ذکر نہ ہو تو مشتری کے حق میں بیع صحیح ہے اور مبیع کی آمدنی کا مشتری مالک ہوا کرے گا اور بائع کے حق میں یہ عقد رہن ہوگا اس لئے مشتری مبیع کے قبضہ اور اس کی ملکیت کو منتقل نہیں کرسکتا، نہ دوسرے کو بطورِ ہدیہ دے سکتا ہے اور نہ ہی دوسرے کو فروخت کرسکتا ہے، اور نہ ہی دوسرے کے ہاتھ میں رہن کے طور پر رکھ سکتا ہے اور جب بائع ثمن واپس کردے گا تو مشتری کو مبیع کی واپسی پر مجبور کیا جائے گا؛ لہٰذا بیع الوفاء من وجہٍ بیع صحیح کے اصول وضوابط کے دائرہ میں داخل ہوکر جائز ہوجائے گی اور من وجہٍ رہن کے اصول وضوابط کے دائرہ میں داخل ہوکر جائز ہوجائے گی، اور اس عقد کو زرافہ کی طرح دو چیزوں سے مرکب مانا جائے گا جیسا کہ زرافہ گردن کے اعتبار سے اونٹ کی طرح ہے اور پیروں کے اعتبار سے گائے اور بیل کی طرح ہے، اسی طرح اس عقد کا حال ہے کہ مشتری مبیع کی آمدنی کا مالک ہوجاتا ہے اور مشتری مبیع سے ہر طرح کا نفع اٹھا سکتا ہے، تو اس اعتبار سے بیع صحیح ہے اور دوسرے کے ہاتھ میں قبضہ کو منتقل نہیں کرسکتا اور دوسرے کو مالک نہیں بنا سکتا، اور ثمن کی واپسی پر مبیع کی واپسی لازم ہوجاتی ہے تو اس اعتبار سے یہ عقد رہن کی طرح ہے۔ فقہاء کی عبارت ملاحظہ فرمایئے:

اَلْقَوْلُ السَّادِسُ مَا اخْتَارَہُ الْبَعْضُ وَاخْتَارَہُ الْإِمَامُ الزَّاھِدُ أَنَّ الشَّرْطَ إِذَا لَمْ یُذْکَرْ فِی

قولِ سادس وہ ہے جس کو بعض فقہاء نے اختیار فرمایا ہے اسی کو فخر الدین زاہد نے پسند فرمایا ہے بایں طور پر کہ جب عقد بیع کے اندر

الْبَيْعِ نَجْعَلَهُ صَحِيحاً فِيْ حَقِّ الْمُشْتَرِيْ حَتّٰى مَلَكَ الْأَنْزَالَ وَرَهْناً فِي حَقِّ الْبَائِعِ فَلَمْ يَمْلِكِ الْمُشْتَرِيْ تَحْوِيْلَ يَدِهٖ وَمَلَكَهٗ إِلٰى غَيْرِهٖ وَأُجْبِرَ عَلَى الرَّدِّ إِذَا أَحْضَرَ الدَّيْنَ لِأَنَّهٗ كَالزِّرَافَةِ مُرَكَّبٌ مِنَ الْبَيْعِ وَالرَّهْنِ. (فتاوى بزازيه، زكريا جديد ۱/ ۲۵۱، وعلى هامش الهندية ٤/ ٤٠٨)

شرط کا ذکر نہ کیا ہو تو اس کو مشتری کے حق میں بیع صحیح قرار دیں گے؛ تاکہ مشتری مبیع کی آمدنی کا مالک ہو جائے اور بائع کے حق میں رہن قرار دیں گے؛ تاکہ مشتری مبیع پر قبضہ کر کے مبیع کی ملکیت کو دوسرے کی طرف منتقل کرنے کا مالک نہ ہو جائے اور مشتری کو مبیع کی واپسی پر مجبور کیا جائے گا جب بائع دین ثمن لا کر پیش کر دے؛ اس لئے کہ یہ عقد زرافہ کی طرح بیع اور رہن سے مرکب ہے۔

فریقِ سابع بیعِ صحیح اور بیعِ فاسد اور رہن تینوں سے مرکب کے قائلین

امام حافظ الدین بزازی وغیرہ فرماتے ہیں کہ بیع الوفاء کے اندر تین صفتیں موجود ہیں:

(۱) یہ بیع بیع تلجیہ کے مشابہ ہے، بیع تلجیہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بیع صحیح ہے اور صاحبین کے نزدیک صحیح نہیں ہے؛ لہٰذا امام ابوحنیفہؒ کے قول پر عمل کرتے ہوئے اس کے اوپر بیع صحیح کا حکم لگا دیا جائے گا؛ لہٰذا مشتری اس عقد کی مبیع سے فائدہ اٹھا سکتا ہے، اور حضراتِ صاحبینؒ کے قول پر عمل کرتے ہوئے اس کے بعض احکام کے اعتبار سے اس کے اوپر بیع فاسد کا حکم لگا دیا جائے گا کہ جس طریقہ سے مقتضائے عقد کے خلاف شرط کی وجہ سے بیع فاسد ہو جاتی ہے اسی طرح اس عقد کے اندر بھی واپسی کی شرط بیع فاسد کے اصول کے مطابق شرط فاسد ہے، اور ان لوگوں کے قول پر عمل کرتے ہوئے جنہوں نے بیع الوفاء کو رہن کی طرح قرار دیا ہے اس کے اوپر رہن کا حکم لگا دیا جائے گا کہ جس طریقہ سے مرتہن کو مالِ رہن دوسرے کے قبضہ میں دینے اور

دوسرے کو مالک بنانے کا حق نہیں ہوتا ہے، اسی طرح اس عقد کے اندر مشتری کو دوسرے کی ملکیت میں دینے کا حق نہیں ہے، اس لئے اس کے اوپر معاملہ رہن کا حکم لگا دیا جائے گا؛ لہٰذا بیع الوفاء تین قسم کے عقود سے مرکب ہے، بیع صحیح اور بیع فاسد اور رہن ان تینوں سے مرکب ہے، جیسا کہ ایک جانور جس کا نام زرافہ ہے تین قسم کے جانوروں کی صفتوں کے ساتھ وہ جانور متصف ہے کہ گردن کو دیکھا جائے تو اس کے اندر اونٹ کی صفت ہے اور پیروں کو دیکھا جائے تو اس کے اندر گائے اور بیل کی صفت ہے اور رنگ کو دیکھا جائے تو اس کے اندر چیتے کی صفت ہے تو جس طرح ایک جانور تین قسم کے جانوروں کی صفات کے ساتھ متصف ہو کر وجود میں آیا ہے اور اس طرح کا جانور وجود میں آنا صحیح اور درست ہے، اسی طرح بیع الوفاء بھی تین قسم کے عقود کی صفتوں کے ساتھ متصف ہو کر وجود میں آئی ہے۔ اور وجود میں آنا درست ہے اور اسی وجہ سے اس کو عقد صحیح اور عقد جائز ہی قرار دیا جائے گا اور جب اس عقد کے اندر یہ تینوں صفتیں موجود ہیں تو ان تینوں میں سے کس کو ترجیح دی جائے؟ تو بزازیہ میں ہے کہ بیع صحیح کے پہلو کو ترجیح دینا زیادہ بہتر اور اولیٰ ہے؛ اس لئے کہ اس کو بیع صحیح قرار دینے میں امام ابوحنیفہؒ کے قول کو ترجیح دینا ثابت ہوتا ہے، اور صاحب مذہب کے قول کو ترجیح دینا زیادہ اولیٰ اور بہتر ہوا کرتا ہے۔ عربی عبارت ملاحظہ فرمایئے:

قُلْتُ هٰذَا الْعَقْدُ مُرَكَّبٌ مِنَ الْعُقُوْدِ الثَّلاثَةِ كَالزِّرَافَةِ فِيْهَا صِفَةُ الْبَعِيْرِ وَالْبَقَرِ وَالنَّمِرِ جَوَّزَ لِحَاجَةِ النَّاسِ إِلَيْهِ بِشَرْطِ سَلامَةِ الْبَدَلَيْنِ لِصَاحِبِهِمَا (إِلٰى قَوْلِهِ) لِأَنَّهُ يُشْبِهُ بَيْعَ التَّلْجِئَةِ	میں کہتا ہوں یہ عقد عقودِ ثلاثہ سے مرکب ہے جیسا کہ زرافہ اس میں اونٹ، بیل اور چیتے کی صفت ہوتی ہے، اس کی طرف لوگوں کی ضرورت کی وجہ سے اس عقد کو جائز قرار دیا گیا ہے، متعاقدین کے لئے بدل کی سلامتی کی شرط کے ساتھ اور مصنف کا قول اس لئے کہ یہ عقد بیع تلجئہ کے مشابہ ہے، اور بے شک بیع

وَإِنَّهُ صَحِيحٌ عِنْدَهُ لا عِنْدَهُمَا فَأُعْطِيَ لَهُ حُكْمُ الصَّحِيحِ عَمَلاً بِقَوْلِهِ وَحُكْمُ الْفَاسِدِ فِيْ بَعْضِ الْأَحْكَامِ عَمَلاً بِقَوْلِهِمَا وَحُكْمُ الرَّهْنِ فِيْ بَعْضِ الْأَحْكَامِ عَمَلاً بِقَوْلِ النَّاسِ كَمَا ذَكَرْنَاهُ فِيمَا تَقَدَّمَ وَإِذَا وَقَعَ التَّرَدُّدُ فِيْ إِلْحَاقِهِ بِالْفَاسِدِ أَوِ الصَّحِيحِ فَإِلْحَاقُهُ بِالصَّحِيحِ أَوْلىٰ تَقْلِيلاً لِلْفَسَادِ وَتَرْجِيحاً لِقَوْلِ الإِمَامِ فَيُعْتَبَرُ الْمَذْكُوْرُ ثَمَناً لا الْمَأْخُوذُ. (فتاویٰ بزازية، زكريا جديد ۱/ ۲۵۲، وعلى هامش الهندية ٤/ ٤١٠، البحر الرائق كوئٹه ٦/ ١٢)

ترجمہ: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک صحیح ہے، صاحبین کے نزدیک صحیح نہیں؛ لہٰذا امام صاحب کے قول پر عمل کرتے ہوئے اس کو بیع صحیح کا حکم دیا جائے گا اور صاحبین کے قول پر عمل کرتے ہوئے بعض احکام میں بیع فاسد کا حکم دیا جائے گا اور دوسرے لوگوں کے قول پر عمل کرتے ہوئے بعض احکام میں رہن کا حکم دیا جائے گا جیسا کہ ماقبل میں دوسرے کا قول ہم نے ذکر کر دیا ہے اور جب اس کو بیع فاسد یا بیع صحیح کے ساتھ لاحق کرنے میں تردد واقع ہوگیا تو اس کو بیع صحیح کے ساتھ لاحق کرنا زیادہ بہتر ہوگا فساد کی کمی کو ثابت کرنے کے لئے اور امام ابوحنیفہؒ کے قول کو ترجیح دینے کے لئے؛ لہٰذا ذکر کی گئی چیز کو ثمن قرار دیا جائے گا نہ کہ ماخوذ اور مقبوض کو۔

مبیع کو کرایہ پر دینے کا حکم

بیع الوفاء میں مشتری مبیع کو کرایہ پر دے کر اس کی آمدنی حاصل کرسکتا ہے یا نہیں؟ تو اس سلسلہ میں یہ بات خوب ذہن نشین کرنے کی ضرورت ہے کہ بیع الوفاء کے بارے میں فقہاء

کے درمیان کافی اختلاف واقع ہوچکا ہے، جس کو ہم نے اس مقالہ کے اندر واضح کردیا ہے کہ بعض فقہاء نے بیع الوفاء کو رہن کے درجہ میں قرار دیا ہے اور بعض فقہاء نے بیع فاسد کے درجہ میں قرار دیا ہے اور بعض فقہاء نے بیع مکرہ کے درجہ میں قرار دیا ہے۔ اور ظاہر بات ہے کہ ان تمام صورتوں میں مشتری کی ملکیت نہیں ہوسکتی، اسی کی جانب علاء الدین حصکفیؒ اور علامہ شامیؒ کا رجحان ہے۔

اور اس کے برخلاف بعض فقہاء نے بیع الوفاء کو بیع صحیح کے درجہ میں قرار دیا ہے اور بعض فقہاء نے بیع صحیح اور رہن سے مرکب عقد قرار دیا ہے، اور ساتھ میں یہ فرمایا ہے کہ مشتری کے حق میں بیع صحیح ہے اسی لئے مشتری مبیع کی آمدنی اور پیداوار کا مالک ہوجائے گا اور بائع کے حق میں رہن ہے اس لئے مشتری مبیع کو بیچنے اور دوسرے کے ہاتھ رہن رکھنے کا مجاز نہ ہوگا، اور بعض فقہاء نے بیع صحیح اور رہن اور بیع فاسد تینوں سے مرکب زَرافہ کی طرح الگ سے ایک عقد تسلیم کیا ہے، اور بعض فقہاء نے تعاملِ ناس اور لوگوں کی ضرورت کی وجہ سے اس کو بیع صحیح کے درجہ میں قرار دیا ہے، ان تمام فقہاء کے قول کے مطابق بیع الوفاء صحیح اور جائز عقد ہے؛ لہٰذا ان سب حضرات کے نزدیک مشتری کے لئے مبیع سے فائدہ اٹھانے اور مبیع کے ذریعہ سے آمدنی حاصل کرنے کا حق ہے اور آمدنی کا ایک ذریعہ اجارہ اور کرایہ پر دینا بھی ہے، اس لئے ان تمام فقہاء کے نزدیک مشتری کے لئے مبیع کو بائع کے ہاتھ یا کسی دوسرے کے ہاتھ کرایہ پر دینا جائز ہے؛ لہٰذا اگر کھیتی کی زمین ہے تو مشتری اس زمین کو خود بائع کے ہاتھ میں یا کسی دوسرے کے ہاتھ میں کرایہ یا بٹائی پر دے کر نفع حاصل کرسکتا ہے، اور اگر عمارت ہے اس کو بھی کرایہ پر دے کر آمدنی حاصل کرسکتا ہے، اور متأخرین کا فتویٰ اسی پر جاری ہوچکا ہے کہ آمدنی مشتری کی ملکیت ہوگی؛ لہٰذا راجح یہی ہوگا کہ مبیع کو کرایہ پر دے کر اجرت حاصل کرنا مشتری کے لئے اس وقت تک جائز ہوگا جب تک بائع

ثمن دے کر مبیع کو واپس نہ لے گا، اس کو حضراتِ فقہاء نے اس طرح کے الفاظ سے نقل فرمایا ہے۔عبارت ملاحظہ فرمایئے:

وَإِنْ آجرَ الْمَبِيْعَ وَفَاءً مِنَ الْبَائِعِ مِمَّنْ جَعَلَهُ فَاسِداً قَالَ لَا تَصِحُّ الإِجَارَةُ (إِلٰى قَوْلِهٖ) وَمَنْ جَعَلَهُ رَهْناً كَذٰلِكَ لَمْ يَلْزَمِ الْبَائِعَ الْأَجْرُ، وَمَنْ أَجَازَهُ جَوَّزَ الإِجَارَةَ مِنَ الْبَائِعِ وَغَيْرِهٖ وَأَوْجَبَ الْأَجْرَ. (فتاویٰ بزازیہ، زکریا جدید ۱/ ۲۵۳، علی الهندية ٤/ ٤١٣، شامی زکریا ٧/ ٥٤٨، کراچی ٥/ ٢٧٨)

اور اگر مبیع کو بیع الوفاء میں بائع کے ہاتھ اجرت پر دیا ہے تو جن لوگوں نے اس کو بیع فاسد قرار دیا ہے تو انہوں نے کہا کہ اجارہ صحیح نہیں ہوگا اور جنہوں نے رہن قرار دیا ہے ان کے نزدیک ایسے ہی اجارہ صحیح نہ ہوگا اور بائع پر اجرت لازم نہ ہوگی اور جن لوگوں نے بیع الوفاء کو بیع صحیح قرار دیا ہے ان لوگوں نے مبیع کو بائع کے ہاتھ اور اس کے علاوہ کسی دوسرے کے ہاتھ میں کرایہ پر دینے کو بھی جائز قرار دیا ہے، اور اجرت بھی لازم ہو جائے گی۔

(وَقَوْلُهُ) وَذُكِرَ فِيْ الإِيْضَاحِ أَنَّ كُلَّ مَا يَصِحُّ بَيْعُهُ قَبْلَ قَبْضِهٖ تَجُوْزُ إِجَارَتُهُ وَمَا لَا فَلَا وَبَيْعُ الْعَقَارِ قَبْلَ الْقَبْضِ جَائِزٌ فَكَذٰلِكَ إِجَارَتُهُ. (فتاویٰ بزازیہ، زکریا جدید ۱/ ۲۵۳، وعلی هامش الهندية ٤/ ٤١٣)

اور ایضاح میں اس بات کا ذکر کیا گیا ہے کہ ہر وہ شئ جس کو قبضہ سے پہلے بیچنا جائز ہے اس کو اجارہ پر دینا بھی جائز ہے اور جس کو قبل القبض بیچنا صحیح نہیں اس کو اجارہ پر دینا بھی صحیح نہیں ہے اور عقار کی بیع قبضہ سے پہلے جائز ہے؛ لہٰذا اس کو کرایہ پر دینا بھی جائز ہو جائے گا۔

بیع الوفاء میں مبیع کی آمدنی کا حق دار کون؟

جب لوگوں کی ضرورت اور تعاملِ ناس کی وجہ سے بیع الوفاء کو جائز قرار دیا گیا ہے تو مشتری کے لئے مبیع کی واپسی تک اس سے فائدہ اٹھانے کا حق حاصل ہے اور مبیع سے جو آمدنی پیدا ہوگی وہ آمدنی بھی مشتری کی ملکیت میں ہوگی؛ لہٰذا اگر مبیع کے ذریعہ سے کچھ آمدنی حاصل ہوجائے یا مبیع عقار ہے اور کھیتی کی زمین ہے اس میں سے پیداوار حاصل ہوجائے تو وہ ساری کی ساری مشتری کی ملکیت میں ہوگی؛ لہٰذا اگر آمدنی اور پیداوار ضائع ہوجائے یا مشتری نے ضائع کردیا ہے تو اس کا تاوان بائع کے لئے مشتری پر لازم نہیں ہوگا، یہی فقہاء کا آخری قول ہے اور صاحبِ ہدایہ اور ان کی اولاد اور اس زمانہ کے مشائخ کا فتویٰ اسی پر جاری ہو چکا ہے۔ عبارت ملاحظہ فرمائیے:

اَلَّذِیْ اسْتَقَرَّ عَلَیْهِ فَتْوٰی صَاحِبِ الْهِدَایَةِ وَأَوْلَادِهٖ وَمَشَایِخِ الْعَهْدِ أَنَّ الْمِلْکَ یَثْبُتُ لِلْمُشْتَرِیْ فِیْ زَوَائِدِهٖ وَلَا یَضْمَنُهٗ بِالْإِتْلَافِ. (فتاویٰ بزازیه، زکریا جدید ۱/ ۲۵۲، وعلی هامش الهندیة ٤/ ٤١٠)

جس کے اوپر صاحب ہدایہ اور ان کی اولاد اور اس زمانہ کے مشائخ کا فتویٰ مسلسل جاری ہو چکا ہے وہ یہی ہے کہ بیع الوفاء میں مبیع کی پیداوار اور آمدنی میں مشتری کی ملکیت ثابت ہوجائے گی اور آمدنی کو ضائع اور ہلاک کردینے سے مشتری بائع کے لئے ضامن نہیں ہوگا۔

بیع الوفاء میں مبیع کے نقصان کی تلافی

اگر بیع الوفاء میں مشتری کے یہاں مبیع ہلاک ہوجائے تو ثمن کی ادائیگی ساقط ہوجاتی ہے؛ لیکن اگر مبیع ہلاک تو نہیں ہوئی ہے؛ لیکن اس میں نقصان آجائے تو اس نقصان کی تلافی کی کیا

شکل ہے؟ تو اس سلسلہ میں شرعی حکم یہ ہے کہ مبیع میں جتنا نقصان ہوا، دینِ ثمن میں سے اتنا مجریٰ ہوکر ساقط ہوجائے گا، مثال کے طور پر ایک ہزار روپیہ لے کر کے مبیع مشتری کے قبضہ میں دی گئی ہے اور مبیع کی قیمت پندرہ سو روپیہ ہے اور مبیع میں پانچ سو روپیہ قیمت کا نقصان ہوجائے تو ثمن میں سے پانچ سو روپیہ کی ادائیگی ساقط ہوجائے گی، اس کو حضراتِ فقہاء نے اس طرح کے الفاظ سے نقل فرمایا ہے، ملاحظہ ہو:

وَالَّذِیْ اسْتَقَرَّ عَلَیْہِ فَتْوَیٰ الْأَئِمَّةِ وَالْأَسَاتِذَةِ فِیْ مَسْئَلَةِ نُقْصَانِ الْمَبِیْعِ وَفَاءً سُقُوْطُ حِصَّةِ النُّقْصَانِ مِنْ مَالِ الْوَفَاءِ وَهُوَ الثَّمَنُ وَیُقَسَّمُ مَالُ الْوَفَاءِ عَلٰی قِیْمَةِ الْبَاقِیْ وَالْهَالِکِ فَیَسْقُطُ قِسْطُ الْهَالِکِ وَیَبْقٰی حِصَّةُ الْبَاقِیْ بَیَانُهٗ اشْتَرٰی دَاراً بِالْوَفَاءِ قِیْمَتُهَا تُسَاوِیْ أَلْفاً بِمِائَةٍ فَخَرِبَتُ الدَّارُ حَتّٰی صَارَتِ الْقِیْمَةُ خَمْسَ مِائَةٍ تَسْقُطُ مِنَ الثَّمَنِ خَمْسُوْنَ.

(فتاویٰ بزازیہ، زکریا جدید ۱/ ۲۵۳، وعلی هامش الهندیة ٤/ ۴۱۲)

بیع الوفاء میں مبیع کے نقصان کے مسئلہ میں اساتذہ اور ائمہ کا فتویٰ اس بات پر جاری ہوچکا ہے کہ مالِ وفاء یعنی ثمن میں سے نقصان کا حصہ ساقط ہوجائے گا اور ثمن وفاء مبیع کی باقی قیمت پر اور مبیع کے ہلاک شدہ پر تقسیم ہوجائے گا؛ لہٰذا ہلاک شدہ کا حصہ بائع کے اوپر سے ادا کرنا ساقط ہوجائے گا اور باقی کا حصہ باقی رہے گا، اس کی وضاحت یوں ہے کہ بیع الوفاء کے طور پر ایک مکان خریدا ہو جس کی قیمت ایک ہزار روپیہ کے برابر ہے اس کو سو روپیہ میں خریدا ہے پھر مکان منہدم ہوجائے یہاں تک کہ اس کی قیمت پانچ سو روپیہ رہ جائے تو ثمن میں سے پچاس روپیہ ساقط ہوجائیں گے۔

بیع الوفاء میں ثمن کی زکوٰۃ کون ادا کرے؟

یہاں یہ مسئلہ بھی اہمیت کا حامل ہے کہ مشتری کے قبضہ میں مبیع ہوتی ہے اور بائع کے قبضہ میں ثمن ہوتا ہے اور مبیع چوں کہ مالِ نمو نہیں ہوتی ہے، اس لئے مبیع کی زکوٰۃ لازم نہیں ہوتی؛ لیکن ثمن مالِ نمو ہوتا ہے، اسی لئے اس کے اوپر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے اور یہ مال فی الحال بائع کے قبضہ اور ملکیت میں ہے، اس اعتبار سے اس کی زکوٰۃ ادا کرنا بائع کے اوپر لازم ہوگا اور مشتری کے اوپر اس لئے اس کی زکوٰۃ ادا کرنا لازم ہے کہ اس نے ثمن کے بدل پر قبضہ کر رکھا ہے جس کی وجہ سے ثمن در پردہ اس کی ملکیت ہے اس لئے مشتری پر بھی اس کی زکوٰۃ ادا کرنا لازم ہو جائے گا، اور چوں کہ عقود وفسوخ میں یعنی عقد کے منعقد ہونے میں اور عقد کے فسخ ہو جانے میں نقود متعین نہیں ہوتے ہیں، اس لئے یہ نہیں کہا جائے گا کہ ایک مالِ متعین کی زکوٰۃ دو آدمیوں پر لازم آ رہی ہے؛ بلکہ لاعلی التعیین اتنے مال کی زکوٰۃ بائع کے اوپر بھی لازم ہے اور مشتری کے اوپر بھی لازم ہے جو فقہاء کی اس طرح کی عبارات سے واضح ہوتا ہے۔

وَزَكوٰةُ مَالِ الْوَفَاءِ عَلَى الْبَائِعِ لِأَنَّهُ مِلْكُهُ بِالْقَبْضِ وَعَلَى الْمُشْتَرِىْ أَيْضاً لِأَنَّهُ يُعَدُّ مَالاً لَهُ مَوْضُوْعاً عِنْدَ الْبَائِعِ لَيْسَ فِيْهِ زَكوٰةُ مَالٍ عَلٰى رَجُلَيْنِ لِأَنَّ النُّقُوْدَ لَا تَتَعَيَّنُ فِى الْعُقُوْدِ وَالْفُسُوْخِ وَعَلَيْهِ صَاحِبُ الْهِدَايَةِ وَالْإِمَامُ الْبَزْدَوِىُّ.

(فتاویٰ بزازیہ، زکریا جدید ۱/ ۲۵۳، وعلی هامش الهندية ٤/ ٤١٢)

بیع الوفاء کے مال ثمن کی زکوٰۃ بائع کے اوپر اس وجہ سے لازم ہوگی کہ قبضہ کی وجہ سے بائع اس کا مالک ہو چکا ہے اور مشتری کے اوپر بھی اس لئے واجب ہے کہ وہ مشتری ہی کا مال شمار ہوتا ہے جو بائع کے یہاں رکھا ہوا ہے اور اس میں ایک متعین مال کی زکوٰۃ کا ادا کرنا دو آدمیوں پر اس لئے لازم نہیں آتا ہے کہ عقود وفسوخ میں نقود یعنی ثمن متعین نہیں ہوا کرتا ہے، یہی صاحب ہدایہ اور امام بزدوی کی رائے ہے۔

بائع اور مشتری کا اختلاف

اگر بائع اور مشتری کے درمیان اس طرح اختلاف ہو جائے کہ دونوں میں سے ایک اس بات کا دعویٰ کرتا ہے کہ بیع قطعی ہو چکی ہے واپسی اور استرداد کا کوئی مسئلہ نہیں اور دوسرا اس بات کا دعویٰ کرتا ہے کہ بیع قطعی نہیں ہوئی؛ بلکہ بیع الوفاء کے طور پر عقد ہوا ہے؛ لہٰذا ثمن کی واپسی پر مبیع کا استرداد لازم ہے اور دونوں نے اپنے اپنے دعویٰ پر بینہ اور گواہ پیش کر دئے ہیں تو ایسی صورت میں کس کو ترجیح دی جائے؟ تو اس سلسلہ میں صاحبِ درِمختار فرماتے ہیں کہ استحساناً بیع الوفاء کے دعویٰ کرنے والے کے قول کو ترجیح دی جائے؛ لیکن اس کے نیچے شامی نے ملتقط کے حوالہ سے نقل فرمایا ہے کہ اولاً متأخرین نے بیع قطعی کے دعویٰ کرنے والے کے بینہ کو ترجیح دینے پر فتویٰ دیا ہے پھر اس کے بعد بیع الوفاء کے دعویٰ کرنے والے کے بینہ کے اولیٰ ہونے پر فتویٰ دیا ہے، اور اس کے اوپر استحسان کا نشان لگایا ہے، اس کے بعد یہ وضاحت نقل فرمائی ہے کہ اگر مشتری نے بیع قطعی کا دعویٰ کیا ہے کہ بیع مکمل ہو چکی ہے اب استرداد کا کوئی مسئلہ نہیں ہے اور بائع دعویٰ کرتا ہے کہ میں نے بیع الوفاء کے طور پر بیچا ہے تو ایسی صورت میں اگر دونوں نے بینہ پیش کیا ہے تو بائع کے گواہ کو ترجیح دی جائے گی اور اگر بینہ پیش نہیں کیا گیا؛ بلکہ دونوں کا محض دعویٰ ہے تو ایسی صورت میں بیع قطعی کے دعویٰ کرنے والے کے قول کو ترجیح دی جائے گی، ہاں البتہ اگر مبیع کے مقابلہ میں ثمن کی کمی پر واضح دلیل اور قرینہ موجود ہو تو ایسی صورت میں بیع الوفاء کے دعویٰ کرنے والے کے قول کو ترجیح ہو گی؛ تاکہ بائع غبن فاحش کے نقصان کا شکار نہ ہو تو حاصل یہ نکلا کہ گواہ نہ ہونے کی صورت میں اگر بیع الوفاء کا قرینہ موجود ہو مثلاً مبیع کے مقابلہ میں ثمن کی مقدار کم ہے تو ایسی صورت میں بائع کے قول کا اعتبار کر کے بیع الوفاء کا حکم صادر کر دیا جائے گا اور دونوں کو اس کا پابند بنایا جائے گا اور اگر کوئی قرینہ موجود نہیں ہے اور ثمن اور مبیع کے درمیان تناسب میں تفاوت نہیں ہے اور نہ ہی غبنِ فاحش لازم آ سکتا ہے تو ایسی صورت میں مشتری کے قول کا

اعتبار کر کے بیعِ قطعی کا حکم جاری کر دیا جائے گا۔ فقہاء کی عبارات ملاحظہ فرمائیے:

إِنَّ الْقَوْلَ لِمُدَّعِي الْوَفَاءِ اِسْتِحْسَاناً، وَلَوْ قَالَ الْبَائِعُ بِعْتُكَ بَيْعاً بَاتًّا فَالْقَوْلُ لَهُ إِلَّا أَنْ يَّدُلَّ عَلَى الْوَفَاءِ بِنُقْصَانِ الثَّمَنِ كَثِيْراً (وَتَحْتَهُ فِي الشَّامِيَةِ) قَوْلُهُ: هُنَّ اسْتِحْسَاناً يَقْتَضِيْ تَرْجِيْحَ مُدَّعِي الْوَفَاءِ فَيَنْبَغِيْ تَقْيِيْدُهُ بِقِيَامِ الْقَرِيْنَةِ (اِلٰى قَوْلِهٖ) وَإِنْ ادَّعٰى أَحَدُهُمَا بَيْعاً بَاتًّا وَالآخَرُ بَيْعَ الْوَفَاءِ وَأَقَامَ الْبَيِّنَةَ كَانُوْا يُفْتُوْنَ أَنَّ الْبَاتَّ أَوْلٰى ثُمَّ أَفْتَوْا أَنَّ بَيْعَ الْوَفَاءِ أَوْلٰى وَهٰذَا اِسْتِحْسَانٌ (إِلٰى قَوْلِهٖ) وَلَوْ قَالَ الْمُشْتَرِيْ اشْتَرَيْتُهُ بَاتًّا وَقَالَ الْبَائِعُ بِعْتُهُ بَيْعَ الْوَفَاءِ (إِلٰى قَوْلِهٖ) أَنَّ الْاِسْتِحْسَانَ فِي الْاِخْتِلَافِ فِي الْبَيِّنَةِ تَرْجِيْحُ بَيِّنَةِ الْوَفَاءِ وَفِي الاخْتِلَافِ فِي الْقَوْلِ تَرْجِيْحُ

بے شک استحسانا بیع الوفاء کے مدعی کا قول معتبر ہوگا اور اگر بائع نے کہا کہ میں نے تمہارے ہاتھ بیع قطعی کے طور پر بیچا ہے تو اس کا قول معتبر ہوگا؛ لیکن اگر بیع الوفاء پر ثمن کے کثیر نقصان کی وجہ سے دلالت کرنے والی کوئی دلیل ہو تو بیع الوفاء کا اعتبار ہوگا اس کے نیچے شامی میں ہے کہ یہاں استحسانا کا لفظ بیع الوفاء کے مدعی کے دعویٰ کی ترجیح کا تقاضا کرتا ہے؛ لہٰذا اس کو قیامِ قرینہ کے ساتھ مقید کرنا زیادہ مناسب ہے اور اگر دونوں میں سے ایک نے بیع قطعی کا دعویٰ کیا اور دوسرے نے بیع الوفاء کا اور دونوں نے بینہ قائم کر دیا تو فقہاء متأخرین اس بات پر فتویٰ دیتے تھے کہ بیع قطعی کی ترجیح کو اولیٰ قرار دیا جائے پھر اس کے بعد بیع الوفاء کی ترجیح کے اولیٰ ہونے پر فتویٰ دینے لگے اور بیع الوفاء کو ترجیح دینا مستحسن ہے اور اگر مشتری نے کہا کہ میں نے بیع الوفاء کے طور پر بیچا ہے تو ایسی صورت میں بینہ کے ساتھ میں اختلاف کی صورت میں مستحسن یہی ہے کہ بیع الوفاء کے بینہ کو ترجیح

قَوْلِ مُدَّعِي الْبَتَاتِ (إِلٰى قَوْلِهٖ) وَهُوَ كَوْنُ الْقَوْلِ لِمُدَّعِي الْبَتَاتِ بِمَا إِذَا لَمْ تُقِمِ الْقَرِيْنَةُ عَلٰى خِلَافِهٖ. (الدر المختار مع الشامي زكريا ۷/ ۵۵۰، شامي كراچي ۵/ ۲۷۹)

دی جائے اور بغیر بینہ کے قول میں اختلاف کی صورت میں بیع قطعی کے مدعی کے قول کو ترجیح دی جائے اور بیع قطعی کے مدعی کے قول کی ترجیح اس بات کے ساتھ مشروط ہے کہ جب اس کے خلاف پر کوئی قرینہ قائم نہ ہو۔

اورالاشباہ والنظائر کے حاشیہ حموی میں صاف الفاظ کے ساتھ بائع کے قول کو ترجیح دی گئی ہے کہ جب مشتری اور بائع کے درمیان اس طرح کا اختلاف ہوجائے کہ مشتری بیع قطعی کا دعویٰ کرے اور بائع بیع الوفاء کا دعویٰ کرے تو ایسی صورت میں بائع کے قول کا اعتبار کرکے اس معاملہ کو بیع الوفاء قرار دیا جائے گا؛ اس لئے کہ بیع قطعی ہونے کی صورت میں مشتری کا فائدہ ہے اور بائع کا نقصان ہے اور بیع الوفاء ہونے کی صورت میں کسی کا نقصان نہیں؛ کیوں کہ مشتری کو اپنا ثمن واپس مل جاتا ہے اور بائع کو اپنی مبیع واپس مل جاتی ہے۔

وَفِي الْفُصُوْلِ الْعِمَادِيَةِ إِذَا اخْتَلَفَ الْمُتَبَائِعَانِ فَقَالَ الْمُشْتَرِيُ اشْتَرَيْتُهٗ شِرَاءً بَاتًّا وَقَالَ الْبَائِعُ بَيْعَ الْوَفَاءِ فَإِنَّ الْقَوْلَ قَوْلُ الْبَائِعِ لِأَنَّ الْمُشْتَرِيَ يَدَّعِيْ زَوَالَ عَيْنِهٖ بِالْبَتَاتِ وَمُدَّعِي الْوَفَاءِ يُنْكِرُ الزَّوَالَ فَيَكُوْنُ الْقَوْلُ قَوْلَهٗ. (حاشيه الحموي على الأشباه قديم ۱۳۰)

فصولِ عمادیہ میں ہے کہ جب متبائعین میں اختلاف ہوجائے تو مشتری کہتا ہے کہ میں نے عقد لازم اور عقد قطعی کے طور پر خریدا ہے اور بائع کہتا ہے کہ بیع الوفاء کے طور پر میں نے بیچا (اورتم نے خریدا ہے) تو بائع کے قول کو ترجیح حاصل ہوگی؛ اس لئے کہ مشتری معاملہ قطعی کے ذریعہ سے عین مبیع کے زوال کا دعویٰ کرتا ہے اور بیع الوفاء کا مدعی زوال کا انکار کرتا ہے؛ لہٰذا اسی کے قول کا اعتبار ہوگا۔

شبیر احمد قاسمی
خادم الحدیث جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد (یو-پی)

۱۲/ باب الشفعة

اپنے پڑوس کو بتائے بغیر زمین فروخت کرنے کا حکم

سوال [۸۸۴۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ترکہ پدری سے حاصل شدہ ایک قطعہ زمین چار حصوں میں کر کے دو حقیقی بھائیوں میں تقسیم ہوگئی، بعدہ محمد دین صاحب نے ایک قطعہ اپنی زمین کے بیچنے کا خیال اب سے تین سال پہلے ظاہر کر دیا تھا، اس کے متعلق محمد دین نے اپنے حقیقی بھائی امام الدین سے کسی تیسرے شخص کی معرفت سودے بازی بھی کی، مگر محمد دین نے امام الدین کو بغیر بتائے دوسرے شخص کے ہاتھ معاملہ بیع کردیا، جب کہ محمد دین کی زمین دونوں جانب سے امام الدین کی زمین کے درمیان واقع ہے، جس کی صورت یہ ہے:

(۱)امام الدین	(۲) محمد الدین	(۳)امام الدین	(۴)محمد دین

اورخریدار بھی قریبی رشتہ دار ہیں،تو کیا امام الدین کوحق شفعہ حاصل ہے؟ اور بائع اور مشتری پر بھی کوئی ذمہ داری عائد ہوتی ہے؟

المستفتی: امام الدین، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں حق مبیع اور پڑوس کی بنیاد پر امام الدین کو مذکورہ جائیداد میں شفعہ کا حق حاصل ہے، بائع اور مشتری کو چاہئے کہ وہ اس کے شرعی حق کو ادا کریں۔

سمع أبا رافع، سمع النبي صلى الله عليه وسلم يقول: الجار أحق بسقبه. (سنن أبي داؤد، باب في الشفعة، النسخة الهندية، مكتبة البدر ۲/ ۴۹۶، دارالسلام، رقم: ۳۵۱۶، صحيح البخاري، باب عرض الشفعة على صاحبها قبل البيع،

النسخة الهندية ١/ ٣٠٠، رقم: ٢٢٠٣، ف: ٢٢٥٨، سنن الترمذي، باب ماجاء في الشفعة للغائب، النسخة الهندية ١/ ٢٥٣، دارالسلام، رقم: ١٣٦٩)

ثم له في حق المبيع الخ. ثم لجار ملاصق بابه في سكة أخرى. (التنوير مع الدرالمختار، كتاب الشفعة، زكريا ٩/ ٣٢٠-٣٢٢، كراچی ٦/ ٢٢٠-٢٢١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴ رصفر ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۳۸۸۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/۲/۲۴ھ

مکان میں شریک شفعہ کا مستحق ہے یا قبرستان؟

سوال [۸۸۴۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرا مکان دادالٰہی ہے، جس پر میں قابض ودخیل ہوں، جو قبرستان سے ملحق ہے، اس میں چند حصہ دار مختصر جزو کے مالک ہیں، کیا کوئی حصہ دار اپنا جزو قبرستان کے نام مجھے نہ دے کر بیع نامہ کرسکتا ہے اور میرے مکان کو جبراً توڑ کر قبرستان میں شامل کرنا اور قبور کا کھودنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: نعیم اللہ مغل پورہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آپ کے ساتھ جولوگ مکان میں شریک ہیں، وہ اگر اپنا حصہ فروخت کرنا چاہیں اور آپ خریدنا چاہیں، تو آپ ہی شرعی طور پر خریدنے کے حق دار ہوں گے۔ اور اگر آپ کو نہ دے کر قبرستان کو فروخت کردیا ہے، تو آپ کو اس کی خریداری ختم کرکے خریدنے کا حکم ہے۔

عن شريح قال: الخليط أحق من الشفيع، والشفيع أحق من سواه.

(مصنف عبدالرزاق، باب الشفعة بالجوار والخليط أحق، المجلس العلمي ٨/ ٧٨، رقم: ١٤٣٨٦)

عن هشام بن المغيرة قال: سمعت الشعبي يقول: قال رسول الله ﷺ: الشفيع أولى من الجار، والجار أولى من الجنب. (مصنف عبدالرزاق، باب الشفعة بالجوار والخليط أحق، المجلس العلمي ٨/ ٧٩، رقم: ١٤٣٩٠)

ليس للشريك في الطريق والشرب، والجار شفعة مع الخليط في الرقبة. (هداية، كتاب الشفعة، أشرفی ٤/ ٣٩٠)

وإذا بنى المشتري أو غرس، ثم قضى للشفيع بالشفعة فهو بالخيار إن شاء أخذها بالثمن وقيمة البناء والغرس، وإن شاء كلف المشتري قلعه.

(هداية، كتاب الشفعة، باب طلب الشفعة والخصومة فيها، أشرفي ٤/ ٤٠٠)

اور قبور کھودنے کی بات واضح کیجئے، اس کے بعد جواب دیا جائے گا۔ فقط واللہ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍محرم الحرام ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۸۱۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/۱/۱۱ھ

شریک فی حق المبیع کو شفعہ میں حق تقدم حاصل ہے

سوال [۸۸۴۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ثناء الرحمٰن اپنا مکان فروخت کررہے ہیں، جن کے دو بھائی بھی ہیں اور دیگر رشتہ دار بھی جو مکان سے کچھ دوری پر رہتے ہیں، ثناء الرحمٰن کے مکان سے متصل پچھم جانب محمد یوسف کا مکان ہے اور پورب جانب سیٹھ مشتاق احمد صاحب کا مکان ہے اور اتر جانب محمد اطہر کا مکان ہے (محمد اطہر اور ثناء الرحمٰن کا مکان پہلے ایک ہی تھا، پھر تقسیم ہوا اور دیوار ہی صرف حد فاصل کے طور پر ہے) محمد اطہر کے مکان کے کل پانی کی نکاسی ثناء الرحمٰن کے مکان کے اندر ہی سے ہے جو کہ تقسیم سے پہلے ہی سے پشتینی راستہ ہے، اب ثناء الرحمٰن صاحب اپنا مکان فروخت کررہے ہیں، تو حق شفعہ دور رہنے والے بھائیوں کو ہے یا بالواسطہ متصل رہنے والے محمد اطہر کو ہے؟

المستفتی: محمد اطہر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب ثناء الرحمٰن کے مکان کے اندر ہی سے محمد اطہر کے مکان کے کل پانی کی نکاسی ہوتی ہے، تو محمد اطہر ثناء الرحمٰن کے مکان میں شریک فی حق المبیع ہے؛ اس لئے دائیں بائیں کے پڑوس، تو محمد یوسف اور سیٹھ مشتاق کے مقابلہ میں محمد اطہر ہی کو ثناء الرحمٰن کے مکان میں حق شفعہ کا تقدم حاصل ہے؛ اس لئے اگر محمد اطہر، ثناء الرحمٰن کے مکان کو خریدنے کے لئے تیار ہے، تو محمد یوسف اور سیٹھ مشتاق احمد کو حق شفعہ حاصل نہیں ہوگا۔

عن الشعبي قال: الخليط أحق من الشفيع، والشفيع أحق من الجار، والجار أحق ممن سواه. (المصنف لابن أبي شيبة، البيوع والأقضية من كان يقضي بالشفعة للجار، موسسة علوم القرآن، جديد ۱۱/ ۵۳۸، رقم: ۲۳۷۲)

عن هشام بن المغيرة قال: سمعت الشعبي يقول: قال رسول الله ﷺ: الشفيع أولى من الجار، والجار أولى من الجنب. (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب البيوع والأقضية من كان يقضي بالشفعة للجار، موسسة علوم القرآن، جديد ۱۱/ ۵۳۷، رقم: ۲۳۷۲)

فدل ذلک علی أن الشفعة كما تستحق بالشركة في نفس المبيع تستحق بالشركة في الطريق، ولما استحقت بالشركة في الطريق، فبالشركة في حق آخر كالمسبل وغيره، كذلک لاشتراک العلة. (إعلاء السنن بيروت ۱۷/ ۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷ رمحرم الحرام ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۴۳۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۸/ ۱۱/ ۱۴۲۹ھ

دس ماہ کے بعد حق شفعہ کا دعویٰ کرنا

سوال [۸۸۴۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک قطعہ مکان کے چار بھائی وزیر بیگ، شبیر بیگ، صدیق بیگ، شاہد بیگ مالک تھے

اور برابر حصوں کے مالک تھے، اس میں سے ایک حصہ وزیر بیگ کا ان کے بھتیجے راشد بیگ ابن شاہد بیگ نے خریدلیا، پھر ١٠ر مہینہ کے بعد صدیق بیگ نے راشد بیگ پر حق شفعہ کا دعویٰ کر دیا تھا، اب صدیق بیگ کا انتقال ہو گیا، ان کے ورثاء مقدمہ چلا رہے ہیں، تو آپ سے دریافت یہ کرنا ہے کہ شرعاً وزیر بیگ کے اس مکان پر صدیق بیگ کا دعویٰ حق شفعہ کرنا اور پھر ان کے بیٹوں کا اسی پر مقدمہ چلانا جائز ہے یا نہیں؟ یا راشد بیگ نے جب خریدلیا اور دس ماہ تک کوئی حق شفعہ کا دعویٰ نہیں ہوا، تو اس کی خریداری صحیح ہوگی؟ شرعی حکم جو بھی ہو تحریر فرمائیں۔

المستفتی: راشد بیگ سنبھلی گیٹ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب راشد بیگ کے خرید لینے کے دس ماہ بعد تک صدیق بیگ نے خاموشی اختیار کی، تو اب اتنے ایام گذرنے کے بعد حق شفعہ ثابت نہ ہوگا؛ کیونکہ جس مجلس میں خریداری کا علم ہو جائے اسی مجلس میں حق شفعہ کا دعویٰ کر کے اپنے دعویٰ پر گواہ نہیں بناتا ہے تو بعد میں شرعی طور پر کوئی حق باقی نہیں رہتا ہے۔

وقال الشعبي: من بيعت شفعته وهو شاهد لا يغيرها فلا شفعة له.

(صحيح البخاري، باب عرض الشفعة على صاحبها قبل البيع، النسخة الهندية ١/ ٣٠٠)

إذا ترك الشفيع الإشهاد حين علم بالبيع وهو يقدر على ذلك بطلت شفعته. (هداية، كتاب الشفعة، باب ما تبطل به الشفعة، اشرفي ٤/ ٤٠٦، الدر مع الرد، كراچی ٦/ ٢٤٠، زكريا ٩/ ٣٤٠-٣٥٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٢/١١/١٤٢١ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٥/ ٦٩٢٩)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
٣/١١/١٤٢١ھ

ایک سال بعد حق شفعہ کا دعویٰ کرنا

سوال [٨٨٤٩]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: مرزا نذیر بیگ نے بوقت انتقال ۲۰۶ر گز زمین کا ایک مکان چھوڑا اور ورثاء میں چار لڑکے: وزیر بیگ، شبیر بیگ، صدیق بیگ، شاہد بیگ کو چھوڑا، بعد میں وزیر بیگ کا انتقال ہوا، اس کا ایک لڑکا افتخار بیگ تھا، افتخار بیگ کا بھی انتقال ہوگیا، اس کے بعد افتخار بیگ کے ورثاء سے اس کا حصہ شاہد بیگ کے لڑکے راشد بیگ نے خرید لیا۔ خریدے ہوئے ایک سال گذر جانے کے بعد صدیق بیگ نے حق شفعہ کا دعویٰ دائر کردیا ہے، تو کیا شریعت میں خرید کو ایک سال گذر جانے کے بعد صدیق بیگ کا حق شفعہ کا دعویٰ صحیح ہے یا نہیں؟ شریعت کا جو بھی حکم ہو تحریر فرمائیں عنایت ہوگی۔ فقط

المستفتی: شاہد بیگ، متصل سرائے پختہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایک سال گذر جانے کے بعد تک باوجود فروختگی کے علم کے حق شفعہ کا مطالبہ نہیں کیا ہے، یا قیمت زیادہ سمجھ کر زیادہ قیمت سے نہیں لیا ہے اور سال گذرنے کے بعد اب حق شفعہ کا دعویٰ کر رہا ہے، تو شرعاً یہ دعویٰ صحیح نہیں ہے۔ اور سال گذر جانے کے بعد صدیق بیگ کو حق شفعہ کے دعویٰ کا حق باقی نہیں رہا ہے؛ لہٰذا خرید شدہ حصہ کا مالک شرعاً شاہد بیگ کا لڑکا راشد بیگ ہو چکا ہے، اب اس میں کسی کا کوئی حق باقی نہیں رہا ہے۔

وقال الشعبي: من بيعت شفعته وهو شاهد لا يغيرها فلا شفعة له.

(صحيح البخاري، باب عرض الشفعة على صاحبها قبل البيع، النسخة الهندية ١/ ٣٠٠)

إذا علم الشفيع بالبيع اشهد في مجلسه ذلک على المطالبة اعلم أن الطلب على ثلاثة أوجه: طلب المواثبة: وهو أن يطلبها كما علم حتى لو بلغ الشفيع البيع ولم يطلب شفعته بطلت الشفعة. (هداية، كتاب الشفعة، باب طلب الشفعة، والخصومة، اشرفي ٤/ ٣٩٢، شامي، كراچی ٦/ ٢٢٤، زكريا ٩/ ٣٢٩-٣٣٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۷ر رمضان ۱۴۰۹ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/۱۴۰۰)

۱۳/ باب المزارعة

پندرہ کیلو تیل پر کھیتی کاشت کے لئے دینا

سوال [۸۸۵۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے اپنی سات بیگہ زمین میتھی کی کھیتی کرنے کے لئے بکر کو یہ کہہ کر دی کہ جب تیل نکلے تو اس میں سے مجھ کو تم پندرہ کلو تیل دینا اور کھیتی میں آنے والا خرچ سب تم کروگے اور پندرہ کلو تیل سے اوپر جو بھی ہوگا وہ سب تمہارا ہوگا، پھر بکر نے اس زمین میں آٹھ ہزار کی لاگت لگائی اور کھیتی کو محنت سے پالا، کھیتی کٹنے کے چند دن پہلے شدید بارش ہوگئی، جس سے تقریباً آدھی کھیتی پانی بھر کر سوکھ گئی اور خراب ہوگئی، پھر بکر باقی ماندہ کھیتی کو کاٹ کر اپنے ٹریکٹر ٹرالی سے لا رہا تھا کہ کھیت میں ٹریکٹر پھنس گیا، بمشکل تمام خالی ٹریکٹر ٹرالی نکلی اور کٹی بھری کھیتی اتارنی پڑی، پھر چند دن بعد ذرا موسم ٹھیک ہونے پر بکر اس کو بھرنے گیا تو ٹریکٹر پھر دلدل میں پھنس گیا اور بھری کھیتی اتار کر بمشکل تمام ایک دوسرے ٹریکٹر کی مدد سے ٹریکٹر ٹرالی نکلی، اس میں بکر اور اس کا بھائی زور لگاتے لگاتے بیہوش ہوگئے اور بیمار بھی پڑ گئے، بکر نے زید سے آکر کہہ دیا کہ اس کو لانے سے ہم تو عاجز آگئے آپ نکال سکو تو لاکر تیل نکال لو، آخر وہ کٹی پڑی کھیتی نہ نکل سکی اور خراب ہوگئی، اب صورت حال یہ ہے کہ زید بکر کو مجبور کر رہا ہے اور کہہ رہا ہے کہ میرا پندرہ کلو تیل دو اور بے ایمان بتا رہا ہے، اب پوچھنا یہ ہے کہ زید اور بکر کے درمیان اس طرح کھیتی کرنے کا معاہدہ ٹھیک ہوا تھا یا نہیں؟ اور بکر کے ذمہ وہ پندرہ کلو تیل دینا لازم ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد طاہر القادری افضل پور، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید اور بکر کے درمیان زمین کی پیداوار کے سلسلہ میں جو

معاملہ ہوا ہے، وہ از روئے شرع صحیح نہیں؛ اس لئے کہ عقد مزارعہ کے صحیح ہونے کے لئے کل پیداوار کا نصف یا ربع یا ایک تہائی یا دو تہائی کے حساب سے طے کرنا لازم ہوتا ہے، اس کے بغیر معاملہ فاسد ہو جاتا ہے، متعین طریقہ سے طے کرنا کہ پیداوار سے حاصل شدہ پندرہ کلو تیل مالک زمین لے گا اور بقیہ کھیتی کرنے والا صحیح نہیں۔ اور بٹائی کے معاملہ میں پیداوار کھیتی کرنے والے کے پاس امانت کے درجہ میں ہوتی ہے؛ لہٰذا مذکورہ صورت میں پیداوار کے ضائع ہونے میں بکر کے کسی عمل کا دخل نہیں تھا؛ اس لئے وہ پیداوار کا ضامن نہیں ہوگا۔ اور نہ ہی زید کو پندرہ کلو تیل دینا اس پر لازم ہوگا۔

عن حنظلة بن قيس الأنصاري، سمع رافع بن خديج قال: كنا أكثر أهل المدينة مزدرعا، كنا نكري الأرض بالناحية منها مسمى لسيد الأرض، قال: فمما يصاب ذلک وتسلم الأرض، ومما تصاب الأرض ويسلم ذلک، فنهينا، وأما الذهب والورق فلم يكن يومئذ. (صحيح البخاري، كتاب الحرث والمزارعة، النسخة الهندية ١/ ٣١٢، رقم: ٢٢٦٩، ف: ٢٣٢٧، صحيح مسلم، باب كراء الأرض بالذهب والورق، النسخة الهندية ٢/ ١٢، بيت الأفكار رقم: ١٥٤٨)

منها: أن يكون ذلک البعض من الخارج معلوم القدر من النصف أو الثلث أو الربع أو نحوه، ومنها: أن يكون جزءا شائعا من الجملة، حتى لو شرط لأحدهما قفزان معلومة لا يصح العقد. (هندية، كتاب المزارعة، الباب الأول، زكريا جديد ٥/ ٢٧٢، قديم ٥/ ٢٣٥)

وفي الدر: الغلة في المزارعة مطلقا ...... أمانة في يد المزارع ...... فلا ضمان عليه لو هلكت الغلة في يده بلا صنعه. (درمختار مع الشامي، كتاب المزارعة، زكريا ٩/ ٤٠٨، كراچی ٦/ ٢٨٢، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ١٤٧، مصري قديم ٢/ ٥٠٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم شعبان ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۶۸۸)

مزارعت میں مخصوص مقدار کی شرط لگانے کا حکم

سوال [۸۸۵۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارا ایک مکتب ہے، جس کی کئی بیگہ زمین ہے، کمیٹی والے ایک شخص کو ایک بیگہ زمین اس شرط پر دیتے ہیں کہ ہم دھان کے موسم میں دس من دھان لیں گے اور دھان اسی زمین کی پیداوار سے لیں گے۔ اور گیہوں کے موسم میں پانچ من گیہوں اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک بیگہ زمین میں کل دھان دس من نہیں ہو پاتا، تو کیا کمیٹی والے اس شخص سے تب بھی دس من دھان وصول کریں گے؟ اور کیا یہ صورت شرعاً جائز ہے، جب کہ یہ مخابرہ کی ایک شکل معلوم ہوتی ہے جو کہ شرعاً حرام ہے۔

المستفتی: محمد عبداللہ رشیدی، جامعہ اشاعت السنہ رام گنج، مغربی بنگال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زمین کو اس شرط پر دینا کہ دھان کے موسم میں دس من دھان اور گیہوں کے موسم میں پانچ من گیہوں اسی زمین کی پیداوار سے لئے جائیں گے، تو یہ معاملہ فاسد ہے، شرعاً جائز نہیں ہے؛ البتہ اس کے جواز کی یہ شکل ہوسکتی ہے کہ اس زمین کی پیداوار سے نصف یا ثلث یا ربع لیا جائے گا اور اس کو مخابرہ کی شکل کہنا درست نہیں ہے۔

عن حنظلة بن قيس الأنصاري، سمع رافع بن خديج قال: كنا أكثر أهل المدينة مزدرعا، كنا نكري الأرض بالناحية منها مسمى لسيد الأرض، قال: فمما يصاب ذلک وتسلم الأرض، ومما تصاب الأرض ويسلم ذلک، فنهينا، وأما الذهب والورق فلم يكن يومئذ. (صحيح البخاري، كتاب الحرث والمزارعة، النسخة الهندية ١/ ٣١٢، رقم: ٢٢٦٩، ف: ٢٣٢٧، صحيح مسلم، باب كراء الأرض بالذهب والورق، النسخة الهندية ٢/ ١٢، بيت الأفكار رقم: ١٥٤٨)

لا تصح المزارعة إلا على مدة معلومة، وأن يكون الخارج شائعا

بينهما، فإن شرطا لأحدهما قفزانا مسماة، فهي باطلة؛ لأن الأرض عساها لا تخرج إلا هذا المقدار. (هداية، كتاب المزارعة، أشرفي ٤/ ٤٢٦، مختصر القدوري، ص: ١٥٥، هندية، زكريا قديم ٥/ ٢٣٥، جديد ٥/ ٢٧٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/۵/۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۶۵۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۹/۵/۱۴۲۳ھ

ایک کا کھیت اور دوسرے کی محنت و بیج ہونے کی صورت کا حکم

سوال [۸۸۵۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بٹائی پر دینا یعنی ایک آدمی کا کھیت دوسرے آدمی کی محنت مزدوری بیج وغیرہ دونوں کے درمیان شامل ہو، تو کیا حکم ہے؟

المستفتی: محمد اطہر بن عبد الجلیل اررریہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بٹائی کی یہ مخصوص صورت کہ ایک آدمی کا کھیت ہو اور دوسرے آدمی کی محنت ومزدوری اور بیج وغیرہ میں دونوں شامل ہوں، شرعاً جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۳/۵۲۲)

دفع رجل أرضه إلى آخر على أن يزرعها بنفسه وبقره والبذر بينهما نصفان، والخارج بينهما كذلك فعملا على هذا، فالمزارعة فاسدة. (شامي، كتاب المزارعة، زكريا ٩/ ٤٠٦، كراچی ٦/ ٢٨١، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ١٤٤، مصري قديم ٢/ ٥٠١، المبسوط للسرخسي، دارالكتب العلمية بيروت ٢٣/ ٣٠)

اور اگر بیج کل کے کل کسی ایک کی طرف سے ہوں تو بٹائی کی یہ مذکورہ شکل شرعی طور پر جائز اور درست ہے۔

إن كان الأرض لواحد والعمل والبقر والبذر لواحد جازت. (هداية، كتاب المزارعة، اشرفى ٤/ ٤٢٦، مختصر القدوري، ص: ١٥٥، الدر مع الرد، زكريا ٩/ ٤٠١، كراچى ٦/ ٢٧٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳/۴/۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۷۶۱۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۳/۴/۱۴۲۳ھ

مزارعت میں خاص مقدار میں غلہ متعین کرنا

سوال [۸۸۵۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے بکر سے ایک قطعہ زمین کرایہ پر لیا اور ایک تیسرے شخص کے ساتھ مزارعت کا معاملہ کیا، بایں طور کے تم خود کھیتی کرو میں تم کو دانہ کھاد وغیرہ کچھ بھی نہیں دوں گا، تم صرف ہر فصل پر مجھ کو اتنی تعداد غلہ دے دینا، چاہے پیداوار کتنی بھی زیادہ ہو یا کم ہو تجھ کو اس سے کوئی سروکار نہیں، کیا اس طرح کا معاملہ شریعت مطہرہ میں جائز ہے؟

المستفتی: سعید احمد قاسمی ٹانڈہ بادلی، ضلع رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: یہ معاملہ شرعاً باطل ہے؛ کیوں کہ مزارعت میں کسی ایک فریق کے لئے غلہ کی خاص مقدار متعین کرنا جائز نہیں ہے۔

عن حنظلة بن قيس الأنصاري، سمع رافع بن خديج قال: كنا أكثر أهل المدينة مزدرعا، كنا نكري الأرض بالناحية منها مسمى لسيد الأرض، قال: فمما يصاب ذلك وتسلم الأرض، ومما تصاب الأرض ويسلم ذلك، فنهينا، وأما الذهب والورق فلم يكن يومئذ. (صحيح البخاري، كتاب الحرث والمزارعة، النسخة الهندية ١/ ٣١٢، رقم: ٢٢٦٩، ف: ٢٣٢٧، صحيح مسلم، باب كراء الأرض بالذهب والورق، النسخة الهندية ٢/ ١٢، بيت الأفكار رقم: ١٥٤٨)

لا تصح المزارعة إلا على مدة معلومة، وأن يكون الخارج شائعا بينهما، فإن شرطا لأحدهما قفزانا مسماة، فهي باطلة؛ لأن الأرض عساها لا تخرج إلا هذا المقدار. (هداية، كتاب المزارعة، أشرفي ٤/ ٤٢٦، مختصر القدوري، ص: ١٥٥، هندية، زكريا قديم ٥/ ٢٣٥، جديد ٥/ ٢٧٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۶/۶/۱۴۰۹ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۱۲۷۱)

پیسوں کے عوض میں زمین کو کرایہ پر دینا

سوال [۸۸۵۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کوئی شخص اپنی زمین اناج کے بدلے کرائے پر نہیں دیتا؛ بلکہ پیسوں کے بدلے کرائے پر دیتا ہے، مثلاً پانچ بیگہ زمین دھائی ہزار (۲۵۰۰) کے بدلے کرائے پر دیتا ہے، یہ جائز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: زمین کو پیسوں کے بدلے کرائے پر دینا مثلاً پانچ بیگہ زمین ڈھائی ہزار روپے کے بدلے کرائے پر دے تو جائز اور درست ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ ڈابھیل ۱۶/ ۵۵۹، میرٹھ ۲۵/ ۱۱۳)

ما صلح بدلا في البيع يصلح بدلا في الإجارة؛ لأن البدل في الإجارة ثمن المنفعة، وهي تابعة للعين، وما صلح بدلا عن الأصل صلح بدلا عن التبع. (شرح المجلة رستم باز، إتحاد ١/ ٢٦٠، رقم المادة: ٤٦٣)

وما صلح ثمنا في البيع صلح أجرة في الإجارة؛ لأن الأجرة بثمن المنفعة. (مجمع الأنهر، كتاب الإجارة، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ٥١٣، مصري

قديم ۲/ ۳٦۹، هندية زكريا قديم ٤/ ٤١٢، جديد ٤/ ٤٤٢، الدر مع الرد، كراچی ٦/ ٤، زكريا ۹/ ٥، البحرالرائق، زكريا ۸/ ٥٠٦، کوئٹه ۷/ ۲۹۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍ جمادی الاخریٰ ۱۴۳۵ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۳۴۱)

متعین غلہ کے عوض میں زمین کرایہ پر دینا

سوال [۸۸۵۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کسان اپنی کھیتی کی زمین کرائے پر دیتا ہے، مگر بٹائی کی شکل میں نہیں دیتا، کرائے کی شکل میں دیتا ہے اور کہتا ہے: ہمیں فصل میں فی بیگہ ایک کوئنٹل اناج چاہئے، چاہے تو کھیتی کریا نہ کر کہیں سے بھی اناج لا ہمیں اناج چاہئے، یہ جائز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زمین کو اس شرط پر کرائے پر دینا کہ ہمیں فی بیگہ ایک کوئنٹل اناج چاہئے، خواہ وہ اناج کوئی سا بھی کہیں سے بھی آیا ہو، اسی زمین سے دینے کی شرط نہ ہو، تو اس طرح کرائے پر زمین دینا جائز اور درست ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ ڈابھیل ۱۶/ ۳۵۹، محمودیہ میرٹھ ۲۵/ ۱۱۳)

يجوز استئجار الأرض للزارعة إن بين ما يزرع فيها، أو قال على أن يزرع فيها يشاء وللبناء والغرس، أو يقول له: ازرع فيها ما شئت كي لا يفضي إلى المنازعة. (البحرالرائق، كتاب الإجارة، باب ما يجوز من الإجارة وما يكون خلافا فيها، زكريا ۸/ ۱۷، كوئٹه ۸/ ۱۰، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ۳/ ۵۲۲، مصري قديم ۲/ ۳۸۹)

رجل استأجر أرضا بطعام ولم يسم أين يقبض الطعام، قال: هو جائز. (تاتارخانية، زكريا ۱۵/ ۹، رقم: ۲۱۹۲۵)

والحيلة في ذلک لمن أراد الجواز أن يشترط صاحب الحنطة قفيزا من الدقيق الجيد ولم يقل من هذه الحنطة، أو يشترط ربع هذه الحنطة من الدقيق الجيد؛ لأن الدقيق إذا لم يكن مضافا إلى حنطة بعينها يجب في الذمة والأجر كما يجوز أن يكون مشارا إليه يجوز أن يكون دينا في الذمة.

(هندية، كتاب الإجارة، الباب الخامس عشر، الفصل الثالث في قفيز الطحان، زكريا قديم ٤/ ٤٤٤، جديد ٤/ ٤٨٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٨؍ جمادی الاخریٰ ١٤٣٥ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ٤٠/١١٥٦٣)

غیر کی ملکیت میں لگایا گیا پودا کس کا ہوگا؟

سوال [٨٨٥٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے اپنی زمین سمجھ کر اس میں پودا لگایا اور پوری سینچائی سالہا سال کرتا رہا؛ لیکن زمین پیمائش کرنے پر زمین اور پودا سب بکر کے حصہ میں نکل رہا ہے، حالانکہ قبضہ اور پودے کی سینچائی زید نے کی ہے، ازروئے شرع پودا کس کو دیا جائے؟

المستفتی: محمد نعیم الدین جھگڑوا، دربھنگہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: درخت اور پودے کا اصل مالک وہی ہوتا ہے جس نے درخت لگایا ہو اور اس کی دیکھ بھال کی ہو؛ البتہ پیمائش کے بعد زمین جس کے حصہ میں نکلے گی وہی زمین کا مالک ہوگا اور زمین کے مالک کو زمین کی مناسب اجرت دلوائی جائے گی۔

(کفایت المفتی ٧/ ٣٤٧، جدید زکریا مطول ١١/ ٥٧٦، امداد الفتاوی ٣/ ٥٢٠)

حدثنا أبو جعفر الخطمي، قال: بعثني عمي أنا وغلاما له إلى سعيد

بـن الـمسيـب، قـال: قلنا له شيء: بلغنا عنک في المزارعة؟ قال: كان ابن عـمـر لا يـرى بهـا بأسا، حتى بلغه عن رافع بن خديج، حديث، فأتاه فأخبره رافع أن رسول الله صلى الله عليه وسلم أتى بني حارثة، فرأى زرعا في أرض ظهير، فـقـال: مـا أحسـن زرع ظهير، قالوا: ليس لظهير، قال: أليس أرض ظهير؟ قـالـوا: بـلـى، ولـكـنـه زرع فلان، قال: فخذوا زرعكم وردوا عليه النفقة، قال: رافع: فأخذنا زرعنا ورددنا إليه النفقة. (سنن أبي داؤد، البيوع، باب في التشديد ذلك، النسخة الهندية ٢/ ٤٨٣، دارالسلام، رقم: ٣٣٩٩)

وإذا فسـدت عـنـده، فإن سقى الأرض وكر بها ولم يخرج شيء فله أجر مثله لو البذر من رب الأرض، ولو منه فعليه أجر مثل الأرض، والخارج فـي الوجهين لرب الأرض. (شـامـي، كتـاب الـمزارعة، زكريا ٩/ ٣٩٨، كراچی ٦/ ٢٧٥، هداية، أشرفی ٤/ ٤٢٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ رجمادی الثانیہ ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۴۵۰۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۰/۶/۱۴۱۶ھ

❍ ❖ ❍

بحمد اللہ تمّ

فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّيْنِ

فتاویٰ قاسمیہ

منتخب فتاویٰ

حضرت مولانا مفتی شبیر احمد القاسمی

خادم الافتاء و الحدیث جامعہ قاسمیہ

مدرسہ شاہی مرادآباد، الہند

(جلد ۲۰)

المجلد العشرون

الشرکۃ، المضاربۃ، الربٰوا

بتمام انوعہا

۸۸۵۷ ——— ۸۸۵۶

ناشر

مکتبہ اشرفیہ، دیوبند، الہند

01336-223082

فتاویٰ قاسمیہ

صاحب فتاویٰ

حضرت مولانا مفتی شبیر احمد القاسمی

پہلا ایڈیشن محرم الحرام ۱۴۳۷ھ

ناشر

مکتبہ اشرفیہ، دیوبند، ضلع سہارنپور، الهند

01336-223082

ASHRAFI BOOK DEPOT

DEOBAND, SAHARANPUR, INDIA

Phone: 01336-223082

Mob. : 09358001571،08810383186

مکمل اجمالی فهرست ایک نظر میں

	رقم المسأله		عنوانات
المجلد الأول	١	١٧٢	مقدمة التحقيق، الإيمان والعقائد إلى باب ما يتعلق بالارواح.
المجلد الثاني	١٧٣	٥٥٧	بقية الإيمان والعقائد من باب الحشر إلى باب ما يتعلق بأهل الكتاب، التاريخ والسير، البدعات والرسوم.
المجلد الثالث	٥٥٨	١٠٠٥	بقية البدعات والرسوم من باب رسومات جنائز إلى رسومات نكاح، كتاب العلم إلي باب ما يتعلق بالكتابة.
المجلد الرابع	١٠٠٦	١٤١٥	بقية كتاب العلم من كتابة القرآن إلي باب الوعظ والنصيحة، الدعوة والتبليغ، السلوک والاحسان، الأدعية والأذكار.
المجلد الخامس	١٤١٦	١٩٣٥	الطهارة بتمام أبوابها، الصلوة من أوقات الصلوة إلى صفة الصلوة.
المجلد السادس	١٩٣٦	٢٤٥٧	الجماعة، المساجد، الإمامة.
المجلد السابع	٢٤٥٨	٢٩٦٤	بقية الصلوة من تسوية الصفوف إلي سجود التلاوة.
المجلد الثامن	٢٩٦٥	٣٤٢٣	بقية الصلوة من الذكر والدعاء بعد الصلوة، الوتر، ادراک الفريضة، السنن والنوافل، التراويح، صلوة المسافر.

المجلد التاسع	٣٤٢٤	٣٨٩٣	بقية الصلوة، صلوة المريض، الجمعة، العيدين، الجنائز إلي حمل الجنازة.
المجلد العاشر	٣٨٩٤	٤٤٠٤	بقية الجنائز من صلوة الجنائز إلي باب الشهيد، كتاب الزكوة.
المجلد الحادي عشر	٤٤٠٥	٤٨٧٣	بقية الزكوة، كتاب الصدقات، الصوم، بتمام أبوابها إلي صدقة الفطر.
المجلد الثاني عشر	٤٨٧٤	٥٣٤٨	كتاب الحج بتمام أبوابها، النكاح إلى باب نكاح المكره.
المجلد الثالث عشر	٥٣٤٩	٥٩٤٣	بقية النكاح إلي باب المهر.
المجلد الرابع عشر	٥٩٤٤	٦٤٦٢	الرضاع، الطلاق إلي باب الكناية.
المجلد الخامس عشر	٦٤٦٣	٦٩٠٢	بقية الطلاق، الرجعة، البائن، الطلاق بالكتابة، الطلاق الثلاث، الشهادة في الطلاق، الحلالة.
المجلد السادس عشر	٦٩٠٣	٧٤٠٢	بقية الطلاق، تعليق الطلاق، التفويض، الفسخ والتفريق، الظِهار، الإيلاء، الخلع، الطلاق على المال، العدة، النفقة، ثبوت النسب، الحضانة.
المجلد السابع عشر	٧٤٠٣	٧٨٦٧	الأيمان والنذور، الحدود، الجهاد، اللقطة، الامارة والسياسة، القضاء، الوقف إلي باب المساجد.
المجلد الثامن عشر	٧٨٦٨	٨٤٠٨	بقية الوقف من الفصل الثالث، المسجد القديم إلي مصلى العيد، والمقبرة. (قبرستان)

المجلد التاسع عشر	۸٤۰۹	۸۸۵٦	بقية الوقف، باب المدارس، كتاب البيوع، البيع الصحيح، الفاسد، المرابحة، الصرف، السلم، الوفاء، الشفعة، المزارعة.
المجلد العشرون	۸۸۵۷	۹۳۵۰	الشركة، المضاربة، الربوا بتمام أنواعها.
المجلد الحادي والعشرون	۹۳۵۱	۹۷۳۵	الديون، الوديعة، الأمانة، الضمان، الهبة، الإجارة.
المجلد الثاني والعشرون	۹۷۳٦	۱۰۲٤۵	الغصب، الرهن، الصيد، الذبائح بتمام أنواعها، الأضحية بتمام أنواعها، العقيقة، الحقوق، بأكثر أبوابها إلي باب حقوق الأقارب.
المجلد الثالث والعشرون	۱۰۲٤٦	۱۰۷۰۵	بقية الحقوق، الرؤيا، الطب والرقیٰ بتمام أنواعها، كتاب الحظر والإباحة إلي باب السابع، ما يتعلق باللحية.
المجلد الرابع والعشرون	۱۰۷۰٦	۱۱۲۰۵	بقية الحظر والإباحة، باب الأكل والشرب، الانتفاع بالحيوانات، الخمر، الدخان، الهدايا، الموالاة مع الكفار، المال الحرام، الأدب، اللهو، استعمال الذهب والفضة، كسب الحلال، الغناء، التصاوير.
المجلد الخامس والعشرون	۱۱۲۰٦	۱۱٦۰۰	الوصية، الفرائض بتمام أبوابها.
المجلد السادس والعشرون	۱	۱۱٦۰۰	فهارس المسائل

❖❖ ❍❖❍

فہرست مضامین

٢٦/ کتاب الشرکة والمضاربة

١/ باب شرائط الشرکة

مسئلہ نمبر		صفحہ نمبر
٨٨٥٧	تجارت میں فیصد طے کر کے شرکت کرنے کا حکم	٣٢
٨٨٥٨	شرکت میں نفع ونقصان کا تناسب	٣٤
٨٨٥٩	پانچ فیصد کے نفع پر شرکت کرنے کا حکم	٣٥
٨٨٦٠	منافع کا فیصدی لازم ہے	٣٦
٨٨٦١	منافع کی تقسیم طے شدہ فیصد کے مطابق کرنے کا حکم	٣٨
٨٨٦٢	بغیر پیسے دیئے کاروبار میں شرکت کا حکم	٤٠
٨٨٦٣	نقصان کی صورت میں شریکوں کو کس حساب سے پیسے لوٹائے جائیں؟	٤١
٨٨٦٤	ساجھے داری ختم کرتے وقت کونسی قیمت کا اعتبار ہوگا؟	٤٤
٨٨٦٥	شریک سے متعین نفع سے زیادہ رقم وصول کرنے کا حکم	٤٦
٨٨٦٦	مشترکہ کمائی کا مالک کون؟	٤٧
٨٨٦٧	ذاتی اور مشترک رقم سے خریدی گئی زمین کا مالک کون؟	٤٨
٨٨٦٨	مشترکہ روپئے سے بحالت شرکت خریدے ہوئے مکان کا حکم	٤٩

۸۸۶۹ گاڑی کی خرابی کا خرچہ مشترکہ رقم سے لینے کا حکم ۵۰

۸۸۷۰ شرکت کے معاملہ مین نفع کا مجہول ہونا ۵۲

۸۸۷۱ نفع زیادہ ہوتو آٹھ ہزاراور کم ہوتو سات ہزار پر شرکت کا حکم ۵۳

۸۸۷۲ مشترکہ کاروبار میں کسی شریک کے لئے الگ سے اجرت متعین کرنے کا حکم ۵۴

۸۸۷۳ شریک کے لئے نفع کے علاوہ عمل کی اجرت کا حکم ۵۶

۸۸۷۴ ایک شریک کا دوسرے کو اجارہ پر رکھنا ۵۷

۸۸۷۵ مسلم کا کافر ومشرک کے ساتھ مشترکہ تجارت کرنے کا حکم ۵۸

۸۸۷۶ مال حرام کے ساتھ شرکت کرنا ۵۹

۸۸۷۷ چندآدمیوں کا حلال وحرام مال سے تجارت میں شرکت کرنا ۶۰

۸۸۷۸ کسی ایک شریک کا دوران شرکت انتقال ہو جائے تو کیا حکم ہے؟ ۶۱

۸۸۷۹ شرکت ختم کرنے کے بعد مطالبہ کئے گئے کا حکم ۶۳

۸۸۸۰ شرکت میں رقم کی چوری کا ضمان کس پر؟ ۶۶

۸۸۸۱ شریک کا مال مشترک کوخریدنا ۶۷

۸۸۸۲ شریکین کے مال کی مقدار معلوم نہ ہوتو حصہ کا تناسب کیسے ہوگا؟ ۶۸

۸۸۸۳ شرکت مفاوضہ میں تساوی کی شرط کی وضاحت ۷۰

۸۸۸۴ مشروط شرکت کا حکم ۷۲

۸۸۸۵ مشترکہ کاروبار میں ہر شریک اپنے حصہ کے بقدر تصرف کا مختار ہے...... ۷۴

۸۸۸۶ مال مشترک میں سے کسی ایک شریک کا اپنے حصہ کوفروخت کرنے کا حکم ۷۵

۸۸۸۷ شرکت میں طے شدہ شرائط کی شرعی حیثیت ۷۶

۸۸۸۸ دوسرے کی زمین میں مکان بنانا اور کرایہ وصول کرنا ۷۸
۸۸۸۹ مشترکہ راستہ میں تعمیر کرنے کا حکم ۷۹
۸۸۹۰ مشترک راستہ میں دروازہ لگانے کا حکم ۸۰
۸۸۹۱ ایک مکان میں کم وبیش حصہ داروں کا مشترکہ مکان فروخت کرنے کا حکم ۸۱
۸۸۹۲ شرکت بالاموال کی ایک صورت ۸۲

۲/ باب شرکة العنان

۸۸۹۳ جدید تعمیر عمارت کے دو طریقوں کا حکم ۸۴
۸۸۹۴ شرکت عنان میں نقصان کو سرمایہ سے کم یا زیادہ فیصدی متعین کرنے کا حکم ۸۷
۸۸۹۵ چند لوگوں کا مل کر مشترکہ کاروبار کرنے کا حکم ۸۸
۸۸۹۶ فتوی ۳۴/۷/۶۳۲ سے متعلق دوسرا فتوی ۹۰
۸۸۹۷ شرکت عنان میں کسی ایک شریک کے الگ سے تجارت کرنے کا حکم ۹۴
۸۸۹۸ تجارتی کمپنیوں کے شیئرز کی خرید وفروخت کا حکم ۹۷
۸۸۹۸ باپ اور بیٹے کے مشترکہ کاروبار کا تحقیقی جائزہ ۹۹
- بڑے بیٹے کا باپ کے کاروبار کو آگے بڑھانے کی وجہ سے اپنی ملکیت کا دعویٰ کرنا........ ۹۹
- عیال اور فیملی کی حقیقت ۱۰۱
- بیٹے کا اپنا سرمایہ لگا کر باپ کے ساتھ کاروبار کرنا ۱۰۲
- باپ کی فیملی میں رہ کر باپ کی پونجی اور سرمایہ سے بیٹے کا کاروبار شروع کرنا ۱۰۵
- باپ کے سرمایہ میں بیٹوں کی شرکت کی شکلیں ۱۰۷
- بیٹے کا اپنے سرمایہ سے کمپنی قائم کرکے باپ کے نام کردینا ۱۱۵

- باپ کا اپنے سرمایہ سے سب بیٹوں کا کاروبار الگ الگ کرکے سرپرستی کرنا ۱۱۹
- مرحوم باپ کے متروکہ سرمایہ سے حاصل شدہ آمدنی کیسے تقسیم ہو؟ ... ۱۲۱
- کسی وارث کا والد کے متروکہ سرمایہ کو لےکر اپنا کوئی کاروبار کرنا ۱۲۸
- ابتداء معاملہ کی نوعیت واضح نہ ہونا اور بعد میں شرکت عنان ہونا ۱۳۲
- باپ اور بیٹوں کے مابین مشترکہ کاروبار کے بنیادی اصول ۱۳۴

۳/ باب شركة الوجوه

۸۸۹۹ باپ کی فیملی میں رہ کر مشترکہ کمائی کی تقسیم ۱۳۹

۸۹۰۰ والدصاحب کے زیر سایہ اولاد کاروبار کرے، تو مالک کون؟ ۱۴۰

۸۹۰۱ باپ بیٹے یکجا محنت سے کمائیں تو مالک کون؟ ۱۴۲

۸۹۰۲ کیا والدصاحب کے ساتھ شرکت کی بناء پر لڑکا تمام جائیداد کا مالک ہوگا؟ ۱۴۳

۸۹۰۳ والد کی فیملی میں رہ کر کمایا ہوا مال کس کی ملکیت ہے؟ ۱۴۶

۸۹۰۴ کیا بیٹے کی رقم سے خریدی گئی جائیداد والدصاحب کی ہی ملک ہوگی؟ ۱۴۸

۸۹۰۵ باپ کی فیملی میں رہتے ہوئے حاصل شدہ جائیداد میں دیگر ورثاء کا حق ۱۴۹

۸۹۰۶ والدصاحب کے ساتھ مل کر حاصل کردہ آمدنی میں سبھی ورثاء کا حق ہے ۱۵۰

۸۹۰۷ ایک ہی فیملی میں رہ کر خریدی گئی جائیداد کا حکم ۱۵۲

۸۹۰۸ باپ کی فیملی میں رہ کر کمائی گئی جائیداد کا حکم ۱۵۳

۸۹۰۹ فیملی کا رہن سہن الگ ہو، تو آپسی شرکت کا حکم ۱۵۷

۸۹۱۰ باپ کی موت کے بعد اولاد کا مشترکہ کاروبار ۱۵۸

۸۹۱۱ والدصاحب کی موت کے بعد مشترکہ کاروبار کی آمدنی کی تقسیم کا تناسب ۱۵۹

۸۹۱۲ والد کی دوکان میں شرکت اور منافع کی تقسیم کا حکم ۱۶۰
۸۹۱۳ فیملی کے نام خریدی گئی زمین میں تعمیر کے خرچہ کا تناسب ۱۶۲
۸۹۱۴ بھائیوں کی مشترکہ آمدنی کی شرعی تقسیم ۱۶۴
۸۹۱۵ بھائیوں کی مشترکہ کمائی سے خریدی گئی زمین کا حکم ۱۶۶
۸۹۱۶ مشترکہ زندگی میں ایک بھائی کے پیسے سے خریدی گئی زمین میں شرکت کا تناسب ۱۶۸
۸۹۱۷ مدد کی غرض سے کاروبار میں شریک کئے گئے بھائیوں کے حصہ کا تناسب ۱۶۹
۸۹۱۸ چھوٹے بھائی کا بڑے بھائی کی کل جائیداد میں شرکت کا دعویٰ کرنا ۱۷۱
۸۹۱۹ ترکہ کے منافع کی تقسیم کے تناسب کا طریقۂ کار ۱۷۶
۸۹۲۰ ایک بھائی کی جائیداد میں دوسرے بھائی شریک ہیں یا نہیں؟ ۱۷۷
۸۹۲۱ مشترکہ زمین میں ورثاء اور شریک کے حصہ کی تفصیل ۱۷۹

۴/ باب الشرکة الفاسدة

۸۹۲۲ کمپنیوں میں ممبری کی شرعی حیثیت ۱۸۱
۸۹۲۳ کمپنیوں کی ممبر سازی کا حکم ۱۸۲
۸۹۲۴ شیئرز میں بیمہ کی شکل ۱۸۵
۸۹۲۵ شیئرز کی بیع وشراء کا شرعی حکم ۱۸۶
۸۹۲۶ شیئرز کا شرعی حکم ۱۸۷
۸۹۲۷ شیئرز کی کون سی شکل جائز اور کون سی ناجائز؟ ۱۸۸
۸۹۲۸ شیئرز کی خرید وفروخت کی شرعی حیثیت ۱۹۰

۸۹۲۹ شیئرز کی خرید وفروخت کا حکم ۱۹۱
۸۹۳۰ شیئرز کی خرید وفروخت ۱۹۳
۸۹۳۱ شیئرز کی خرید وفروخت کرنا جائز ہے یا ناجائز؟ ۱۹۴
۸۹۳۲ شیئرز بازار کی خرید وفروخت ومنافع کا حکم ۱۹۵
۸۹۳۳ یونٹ ٹرسٹ گورنمنٹ آف انڈیا کا شیئرز ۱۹۶
۸۹۳۴ ایف آئی سی کمپنی کا ایجنٹ بننا اور تجارت میں شامل ہونا ۱۹۷
۸۹۳۵ شرکت کی ایک ناجائز شکل ۲۰۱
۸۹۳۶ شریکین میں سے نقصان صرف ایک شریک پر ہو، تو کیا حکم ہے؟ ۲۰۲
۸۹۳۷ ہر ماہ دو ہزار دینے پر شرکت کرنا ۲۰۴
۸۹۳۸ ایک شریک کا دوسرے پر احسان جتانا ۲۰۵

۵/ باب المضاربة

۸۹۳۹ مضاربت جائز اور سود حرام ہے ۲۰۷
۸۹۴۰ کسی ایک شریک کے انتقال ہونے کی صورت میں مضاربت کا حکم ۲۰۸
۸۹۴۱ مضاربت میں نفع ونقصان کے تناسب کا طریقۂ کار ۲۰۹
۸۹۴۲ مضاربت میں نفع ونقصان دونوں میں شرکت اور تعین کا حکم ۲۱۱
۸۹۴۳ مضاربت میں فیصد کی تعیین لازم ہے رقم کی نہیں ۲۱۲
۸۹۴۴ مضارب کی محض نفع میں شرکت کا حکم ۲۱۴
۸۹۴۵ دوسرے کی رقم سے مکان بنا کر فروخت کرنے اور منافع میں شرکت کا تناسب ۲۱۶
۸۹۴۶ پانچ فیصدی نفع پر زمین تلاش کر کے فروخت کرنا ۲۱۷

٨٩٤٧ دس فیصد کے منافع پر سرمایہ لگانا ٢١٨
٨٩٤٨ دو ہزار نفع کی شرط لگانا، عقد مضاربت میں داخل نہیں ٢١٩
٨٩٤٩ رب المال کا معاملہ ختم ہونے سے قبل رأس المال لینے کا حکم ٢٢١
٨٩٥٠ مضاربت ختم کرنے کے بعد مضارب سے نفع طلب کرنے کا حکم ٢٢٢
٨٩٥١ مضاربت کی ایک صورت ٢٢٣
٨٩٥٢ دوسرے سے رقم لے کر کوچنگ سینٹر قائم کر کے نفع برابر تقسیم کرنا ٢٢٥
٨٩٥٣ ایک کا پیسہ اور دوسرے کی محنت ہو، تو کیا حکم ہے؟ ٢٢٦
٨٩٥٤ دو ثلث اور ایک ثلث کے منافع پر شرکت کرنے کا حکم ٢٢٧
٨٩٥٥ عقد مضاربت کی دو شکلیں ٢٢٨
٨٩٥٦ مضاربت سے متعلق چند مسائل ٢٢٩

٢٧/ کتاب الربوا

١/ باب ما یتعلق بنفس الربوا

٨٩٥٧ سود کی لعنت ٢٣١
٨٩٥٨ کیا سود لینا اور دینا دونوں برابر ہیں؟ ٢٣٢
٨٩٥٩ سود ناجائز کیوں؟ ٢٣٢
٨٩٦٠ سود اور معاہدہ میں فرق ٢٣٤
٨٩٦١ سودی رقم سے خریدی گئی جائیداد کو پاک کرنے کا طریقہ ٢٣٥
٨٩٦٢ کیا دار الحرب میں سودی کاروبار جائز ہے؟ ٢٣٧

۸۹۶۳	دارالحرب میں حربیوں سے سود لینے کی ایک شرط	۲۳۷
۸۹۶۴	کیا ہندوستان میں سود کے جواز کی کوئی شکل ہے؟	۲۳۸
۸۹۶۵	ہندوستان کے دارالحرب ہونے اور اس میں سود لینے کا حکم	۲۴۸
۸۹۶۶	کیا ہندوستان میں بینک سے سود لینا جائز ہے؟	۲۵۰
۸۹۶۷	ہندوستانی کافروں سے سود لینے کا حکم	۲۵۱
۸۹۶۸	مسلمانوں کا ہندوستان میں سودی کاروبار کرنا	۲۵۴
۸۹۶۹	یوروپ میں قیام پذیر مسلمانوں کے لئے غیر مسلم سے سود لینا	۲۵۵
۸۹۷۰	ہندوستان میں رہتے ہوئے دارالحرب کے بینک سے سود لینا.......	۲۵۶
۸۹۷۱	بینک کے سود کا حکم	۲۵۶
۸۹۷۲	پیریس کا	۲۵۸
۸۹۷۳	اسپیک ایشیاء آن لائن کی شرعی حیثیت........................	۲۵۹
۸۹۷۴	یونٹ ٹرسٹ کا حکم	۲۶۲
۸۹۷۵	یونٹ ٹرسٹ کا حکم	۲۶۴
○	منجانب: دارالافتاء مدرسہ شاہی مرادآباد	۲۶۵
۸۹۷۶	ہنڈی	۲۶۵
۸۹۷۷	ربوا کی ایک صورت کا حکم	۲۶۷
۸۹۷۸	کیا ڈاکخانہ میں جمع شدہ رقم کے علاوہ بڑھی ہوئی رقم سود ہے؟	۲۷۱
۸۹۷۹	کیا ورثاء پر میت کے سودی قرض کو ادا کرنا لازم ہے؟	۲۷۲
۸۹۸۰	غیر سودی رفاہی ادارے اور سوسائٹیوں کا حکم اور طریقۂ کار کے سلسلہ میں ادارہ مباحث فقہیہ کی جانب سے چند سوالات اور ان کے جوابات......	۲۷۴

○ سوالات اور جوابات سودی معاملہ میں ابتلاء عام رفاہی اداروں کا قیام
اور اس کی ضرورت ۲۷۶
۸۹۸۱ پاس بک کی فروختگی کا جواز ۲۷۷
۸۹۸۲ رفاہی اداروں کے لئے عطایا اور صدقات میں حیلۂ تملیک کا حکم ۲۷۸
۸۹۸۳ اجرۃ الخدمت کا عدم جواز اور ضرورت کے درجات ۲۸۱
۸۹۸۴ سرمایہ کو تجارت میں لگانے کا حکم ۲۸۴
۸۹۸۵ (۷-۸) فارم اور معاہدہ نامہ کی فروختگی کے جواز پر پانچ دلیلیں ۲۸۶
۸۹۸۶ اشیاء مرہونہ کی اجرۃ الحفظ کا عدم جواز ۲۹۱
۸۹۸۷ اشیاء مرہونہ میں مضمون بالقرض سے زائد کی حفاظت کا کرایہ ۲۹۲
۸۹۸۸ مستقل امانت کی حفاظت کے کرایہ کا جواز ۲۹۳
۸۹۸۹ بیع الجا مکیہ اور میعادی چیک کی خریداری کا عدم جواز ۲۹۴
۸۹۹۰ فکس ڈپازٹ میں رکھنا اور اس سے ملنے والی رقم کا حکم ۲۹۶

۲ / باب البنوک

۸۹۹۱ بینک سے گرین کارڈ بنوانا کیسا ہے؟ ۲۹۸
۸۹۹۲ کریڈٹ کارڈ کی شرعی حیثیت ۲۹۹
۸۹۹۳ شیئرز اور بونڈر کا حکم ۳۰۱
۸۹۹۴ بونڈ کی اضافی رقم کی شرعی حیثیت ۳۰۲
۸۹۹۵ بینک کی ایک اسکیم کا حکم ۳۰۳
۸۹۹۶ بینکوں سے ملنے والی اضافی رقم کی شرعی حیثیت ۳۰۴
۸۹۹۷ بینک میں مسجد کا اکاؤنٹ کھولنے اور ملنے والے سود کی شرعی حیثیت .. ۳۰۶

۸۹۹۸ بینک سے ملنے والی اضافی رقم کا حکم ۳۰۷
۸۹۹۹ بینک سے ملنے والی اضافی رقم نکال لیں یا بینک میں ہی چھوڑ دیں.... ۳۰۸
۹۰۰۰ بینک کے سود کا حکم ۳۰۹
۹۰۰۱ سودی بینک میں سودی لین دین کے حساب کی ملازمت کا حکم ۳۱۱
۹۰۰۲ بینک کی ملازمت کی شرعی حیثیت ۳۱۲
۹۰۰۳ سودی نظام والے محکمہ کی ملازمت کرنے کا حکم ۳۱۴
۹۰۰۴ سودی فنڈ یا بینک کی ملازمت کا شرعی حکم ۳۱۵
۹۰۰۵ سودی کمپنی میں ملازمت کرنے والے کی تنخواہ حلال ہے یا حرام؟...... ۳۱۶
۹۰۰۶ بینک سے حاصل شدہ زائد رقم کا حکم ۳۱۸
۹۰۰۷ بینک میں جمع شدہ رقم کے سود کا حکم ۳۱۹
۹۰۰۸ سود حاصل کرنے کے لئے بینک میں رقم جمع کرنا ۳۲۰
۹۰۰۹ ایف ڈی ۳۲۲
۹۰۱۰ بینک میں ایف ڈی کرانا ۳۲۳
۹۰۱۱ فکس ڈپازٹ کرانے کا حکم ۳۲۴
۹۰۱۲ ایف ڈی کرانے اور اس پر ملنے والے روپئے کا حکم ۳۲۵
۹۰۱۳ کسی تنظیم کا فلاح و بہبود کے لئے رقم جمع کر کے سود حاصل کرنے کا حکم ۳۲۷
۹۰۱۴ یتیم بچوں کے مستقبل کی خاطر ایف ڈی کرانے کا حکم ۳۲۹
۹۰۱۵ فقراء کو سودی رقم دینے کی غرض سے بینک میں روپئے جمع کرنے کا حکم ... ۳۳۱
۹۰۱۶ بے سہارا شخص کو گذارے کے لئے بینک میں روپئے جمع کر کے سود

حاصل کرنے کا حکم ۳۳۲
۹۰۱۷ سودی رقم حاصل کرنے کی غرض سے بینک میں رقم جمع کرنے کا حکم .. ۳۳۳
۹۰۱۸ بیوہ عورت کا میراث کی رقم بینک میں رکھ کر سود حاصل کرنا ۳۳۴
۹۰۱۹ شادی کے لئے بینک میں سودی کھاتہ کھولنا........................ ۳۳۶
۹۰۲۰ بیٹی کے نام سے بینک میں جمع شدہ رقم کے سود کو شادی میں خرچ کرنا.. ۳۳۷
۹۰۲۱ زکوۃ کی رقم کی ایف ڈی کرانا ۳۳۸
۹۰۲۲ مدرسہ کی رقم کو فکس ڈپازٹ میں رکھنا ۳۳۹
۹۰۲۳ جمع شدہ رقم پر ساڑھے تین فیصد زائد ملنے والی رقم کا حکم ۳۴۰
۹۰۲۴ این آئی اے میں جمع شدہ رقم پر اضافی رقم کا حکم ۳۴۱
۹۰۲۵ کاروبار میں لمٹ کرانے پر سود دینا ۳۴۲
۹۰۲۶ پوسٹ میں کھاتہ کھلانے پر ملنے والی زائد رقم کا حکم ۳۴۳

۳/ مسلم فنڈ

۹۰۲۷ مسلم فنڈ کی ملازمت کی شرعی حیثیت ۳۴۵
۹۰۲۸ مسلم فنڈ کے خرچہ اخراجات کے لئے ایف ڈی کرانا ۳۴۶
۹۰۲۹ سودی کاروبار کرنے والے مسلم فنڈ میں ملازمت ۳۴۷
۹۰۳۰ مسلم فنڈ کا فارم کے نام پر قرضدار سے رقم وصول کرنا ۳۴۸
۹۰۳۱ سودی رقم سے ملازم کی تنخواہ.......................... ۳۵۱
۹۰۳۲ مسلم فنڈ میں قرض کی مدت پوری ہونے کے بعد دوبارہ فیس وصول کرنا .. ۳۵۲

۴/ باب کاروبار میں سودی شکلیں

٩٠٣٣	سودی کاروباری ملعون ہیں............................	٣٥٤
٩٠٣٤	سودی لین دین عقد تجارت ہے یا مضاربت؟	٣٥٥
٩٠٣٥	مسلمانوں کا ہندوؤں کے ساتھ سودی کاروبار کرنا..................	٣٥٦
٩٠٣٦	کاروبار میں لگی ہوئی سٹہ کی رقم کو پاک کرنے کا طریقہ	٣٥٦
٩٠٣٧	سٹے میں جیتی ہوئی رقم کاروبار میں لگانا	٣٥٧
٩٠٣٨	نفع میں رقم کی مقدار کو متعین کرنا	٣٥٨
٩٠٣٩	ایک لاکھ قیمت طے ہونے کے بعد ایک لاکھ بیس ہزار لینا	٣٥٩
٩٠٤٠	تاخیر کی وجہ سے قیمت زیادہ وصول کرنا	٣٦١
٩٠٤١	شیئرز بازار میں پیسہ لگانا	٣٦٢
٩٠٤٢	سودی کاروبار والے بینک اور کمپنی کا شیئرز خریدنا	٣٦٢
٩٠٤٣	شیئرز کی خرید وفروخت اور شیئرز کمپنی میں حصہ داری..............	٣٦٦
٩٠٤٤	سودی ادارہ کے شیئرز خریدنا	٣٦٧
٩٠٤٥	سودی لین دین والی کمپنی یا بینک سے شیئرز خریدنا	٣٦٨
٩٠٤٦	سودی بانڈ کی خرید وفروخت	٣٧٠
٩٠٤٧	اندراوکاش پتر کی بیع وشراء اور زائد رقم کا حکم	٣٧١
٩٠٤٨	نقد اور ادھار خریداری ایک ساتھ ہو تو؟	٣٧٢
٩٠٤٩	قسط وار اصل قیمت سے زائد قیمت میں گاڑی خریدنا	٣٧٣
٩٠٥٠	قسط وار (فائینینس) پر گاڑی کی خریداری کی متبادل شکل	٣٧٤
٩٠٥١	قسطوں پر گاڑی خریدنا	٣٧٦
٩٠٥٢	١٥ ر سو روپیہ یا ٣ ر ہزار میں گاڑی ملنے والی اسکیم کا حکم	٣٧٧

۹۰۵۳ فی سلی ہر مہینہ دو روپیہ زائد کی شرط سود ہے ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۳۸۰
۹۰۵۴ زندہ بکرے کو تول کر فروخت کرنا ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۳۸۱
۹۰۵۵ فنڈ میں زیور رکھ کر ماہانہ تین روپیہ بغیر عوض کے دینا ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۳۸۲
۹۰۵۶ آڑھت والوں کا ایک معاملہ (فائنانس) کا شرعی حکم ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۳۸۳
۹۰۵۷ کمپنی میں دس ہزار جمع کر کے بیس ہزار لینا ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۳۸۵
۹۰۵۸ پرائیویٹ کمپنی کا کم روپے لے کر کچھ مدت بعد زیادہ روپے دینا ۔۔۔۔۔ ۳۸۶
۹۰۵۹ کمپنی فینوسینل ہیلتھ کیر سروس میں شرکت ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۳۸۷
۹۰۶۰ کمپنیوں کی ممبر سازی کی شرعی حیثیت ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۳۸۹
۹۰۶۱ کمپنی سے دوکان کی خرید وفروخت کی ایک ناجائز شکل ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۳۹۱
۹۰۶۲ ممبر شپ بنانے میں انعام کا حکم ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۳۹۳
۹۰۶۳ بینک سے سود لینے کے مشابہ صورت کا حکم ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۳۹۴
۹۰۶۴ پگڑی میں سودی رقم دینا ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۳۹۶
۹۰۶۵ سودی لین دین کرنے والے بھائی کے ساتھ رہن سہن ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۳۹۷

۵/ باب پرائیویڈنٹ فنڈ

۹۰۶۶ ملازم کے لئے مالک کے واسطے سے آئی ہوئی سودی وغیر سودی رقم کا حکم ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۴۰۰
۹۰۶۷ ملازم کے بونس اور فنڈ کا حکم ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۴۰۱
۹۰۶۸ این ایس سی و بونس کا حکم ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۴۰۲
۹۰۶۹ بینک کے ملازم کے لئے پینشن کا پیسہ حلال ہے یا نہیں؟ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۴۰۴

۹۰۷۰ حکومت کا ملازم کے بارہ سو روپئے جی آر پی فنڈ میں جمع کر لینا ۴۰۵
۹۰۷۱ یکمشت ملنے والے فنڈ میں سود نہیں ہوتا ۴۰۶
۹۰۷۲ حکومت کا اصل معاوضہ پر اضافی رقم دینا سود نہیں ۴۰۷
۹۰۷۳ پرائیویڈنٹ فنڈ ۴۰۹
۹۰۷۴ پرائیویڈنٹ فنڈ کا حکم ۴۱۰
۹۰۷۵ پرائیویڈنٹ فنڈ کی شرعی حیثیت ۴۱۲
۹۰۷۶ پرائیویڈنٹ فنڈ میں زائد رقم کی حلت ۴۱۳
۹۰۷۷ ملازم کا اختیاری پرائیویڈنٹ فنڈ کٹوانا ۴۱۵
۹۰۷۸ دستور مدرسہ کے خلاف پرائیویڈنٹ فنڈ وصول کرنا ۴۱۶
۹۰۷۹ ملازم کے جمع شدہ فنڈ پر جو زائد رقم ملے اس پر اشکال وجواب ۴۱۷
۹۰۸۰ پینشن کی اصل رقم لینا جائز اور اضافی لینا حرام ہے.............. ۴۱۹
۹۰۸۱ گاڑی کے انشورنس اور پرائیویڈنٹ فنڈ کا حکم ۴۲۱

۶/ بیمہ کے احکام

۹۰۸۲ ایل آئی سی ایجنٹ بنا ۴۲۴
۹۰۸۳ جیون بیمہ کی کمپنی میں ملازمت کرنا ۴۲۵
۹۰۸۴ جیون بیمہ اور انشورنس کمپنی میں کام کرنے کا حکم ۴۲۷
۹۰۸۵ جیون بیمہ کمپنی کا ایجنٹ بننا ۴۲۹
۹۰۸۶ تکافل کی شرعی حیثیت ۴۳۱
۹۰۸۷ جیون بیمہ ۴۳۹
۹۰۸۷ لائف انشورنس ۴۴۳

۹۰۸۸	جیون بیمہ کا حکم	۴۴۵
۹۰۸۹	جیون بیمہ کرانے کا	۴۴۶
۹۰۹۰	جیون بیمہ کا شرعی حکم	۴۴۸
۹۰۹۱	کیا جیون بیمہ کرانا جائز ہے؟	۴۵۰
۹۰۹۲	جیون بیمہ کے بارے میں سبیل السلام حیدرآباد کے سیمینار کی تجویز کا شرعی حکم ..	۴۵۲
۹۰۹۳	جیون بیمہ کے جواز کی تجویز کا حکم	۴۵۴
۹۰۹۴	L.I.C. اور اس جیسی پالیسیوں کا حکم	۴۵۸
۹۰۹۵	بیمہ کی کون سی صورت جائز ہے؟	۴۶۱
۹۰۹۶	غیر مسلم ملک میں رہ کر L.I.C. کرانا	۴۶۲
۹۰۹۷	ٹیکس سے بچنے کے لئے L.I.C کرانا	۴۶۴
۹۰۹۸	جیون بیمہ کرانے والے کی امامت	۴۶۵
۹۰۹۹	انکم ٹیکس سے بچنے کے لئے بیمہ کرانے کی شرعی حیثیت	۴۶۶
۹۱۰۰	ظالمانہ ٹیکس سے بچنے کے لئے L.I.C. کی گنجائش	۴۶۸
۹۱۰۱	جبری ٹیکس سے بچنے کے لئے جیون بیمہ کرانا	۴۶۹
۹۱۰۲	جانی، مالی بیمہ کا حکم	۴۷۲
۹۱۰۳	دوکان کا بیمہ	۴۷۳
۹۱۰۴	چونے کی دوکان کا بیمہ کرانا	۴۷۴
۹۱۰۵	دوکان، مکان، کارخانہ وغیرہ کا انشورنس کرانا	۴۷۵
۹۱۰۶	انشورنس بیمہ و جیون بیمہ کا حکم	۴۷۷
۹۱۰۷	املاک یا زندگی کا بیمہ کرانا	۴۷۸
۹۱۰۸	جان و مال کا بیمہ کرانا کیسا ہے؟	۴۸۰

۹۱۰۹ ہیلتھ انشورنس ۴۸۲
۹۱۱۰ صحت کا بیمہ کرانا ۴۸۳
۹۱۱۱ طبی اعتبار سے جیون بیمہ کرانا ۴۷۵
۹۱۱۲ گاڑی کا انشورنس کروانا ۴۸۶
۹۱۱۳ انشورنس کی سودی رقم کا مصرف ۴۸۷
۹۱۱۴ ایل، آئی، سی، میں جمع شدہ رقم پر ملے سود کا مصرف ۴۸۸
۹۱۱۵ جیون بیمہ کے بدلے ملی رقم کو اپنی ضروریات میں صرف کرنا ۴۸۹
۹۱۱۶ بیمہ اور ایف، ڈی، میں ملنے والی زائد رقم کا حکم ۴۹۱
۹۱۱۷ لائف انشورنس اور ایف ڈی کی اضافی رقم رشوت میں دینا ۴۹۳
۹۱۱۸ پرائیویٹ بیمہ کمپنی کی سودی رقم حکومت کے ٹیکس میں دینا ۴۹۴
۹۱۱۹ L.I.C کی رقم جہیز میں دینا ۴۹۵
۹۱۲۰ بیمہ کی رقم شرعی وارثین استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟ ۴۹۶

۷/ باب القمار

۹۱۲۱ ہارنے والی ٹیم کا جیتنے والی ٹیم کو کھلانا پلانا ۴۹۸
۹۱۲۲ قرعہ اندازی کے ساتھ حج بیسی کا حکم ۴۹۹
۹۱۲۳ لاٹری کی حقیقت ۵۰۲
۹۱۲۴ لاٹری کی ایک شکل ۵۰۳
۹۱۲۵ لاٹری کی ایک ناجائز اور حرام صورت ۵۰۵
۹۱۲۶ مٹکے کی آمدنی کا کیا حکم ہے؟ ۵۰۶

۹۱۲۷ کمپنی والوں کا متعدد لوگوں سے روپئے لے کر یک مشت دوسرے
کوقرض دینا اور اس سے زائد رقم لینا ۵۰۷
۹۱۲۸ سٹہ لگانا کیسا ہے؟ ۵۰۸
۹۱۲۹ سٹہ کی رقم سے بنائے گئے مکان کو سٹہ باز کے لئے ایصال
ثواب میں دینا ۵۱۰
۹۱۳۰ سٹہ کا پیسہ اجرت وغیرہ میں لینا ۵۱۲
۹۱۳۱ جوا اور سٹہ کی رقم غریبوں پر صرف کرنا ۵۱۳
۹۱۳۲ تجارت کی نئی اسکیم اور قمار کی مہذب شکل ۵۱۳
۹۱۳۳ کمیٹی کی ایک شکل اور اس کا ۵۱۶
۹۱۳۴ لیس کا حکم ۵۱۷
۹۱۳۵ قرعہ اندازی کا حکم ۵۱۹

۸/ باب الرشوۃ

۹۱۳۶ ہندوستان میں رشوت لینے دینے کا حکم ۵۲۱
۹۱۳۷ دفع ظلم اور حق کی وصولیابی کے لئے ۵۲۲
۹۱۳۸ مجبوری میں رشوت دینا ۵۲۳
۹۱۳۹ مجبوراً رشوت دینے کا حکم ۵۲۵
۹۱۴۰ ناجائز جگہ پر سودی رقم رشوت دینا ۵۲۶
۹۱۴۱ مدت قیام بڑھا کر رشوت لینا ۵۲۸
۹۱۴۲ کرایہ دار کا بیس ہزار روپیہ لے کر مکان خالی کرنا ۵۲۹

۹۱۴۳ مالک مکان کا کرایہ دار کو رقم دینا رشوت میں داخل ہے ۵۳۰
۹۱۴۴ ٹھیکہ لینے کے لئے رشوت دینا ۵۳۱
۹۱۴۵ ڈونیشن ۵۳۲
۹۱۴۶ کالجوں میں لئے جانے والے ڈونیشن کی شرعی حیثیت ۵۳۷
۹۱۴۷ طلبہ کو رعایۃً پاس کرنے کے عوض روپیہ وصول کرنا ۵۳۸
۹۱۴۸ اسکول کی داخلہ اسکیم کی کچھ شکلوں کا حکم ۵۴۰
۹۱۴۹ ملازمت کے حصول کے لئے رشوت ۵۴۲
۹۱۵۰ رشوت دے کر سرکاری مدرسہ میں ملازمت حاصل ۵۴۳
۹۱۵۱ نوکری کے لئے رشوت دینا ۵۴۵
۹۱۵۲ سودی رقم بینک کے کارندوں کو رشوت میں دینا ۵۴۶
۹۱۵۳ بیرون ملک مال فروخت کرنے پر رشوت دینا ۵۴۷
۹۱۵۴ کام کو درست کرنے کے لئے حکام کو رشوت دینا ۵۴۸
۹۱۵۵ پردھان کا تحریری اجازت ومہر پر روپیہ لینا.................... ۵۴۹
۹۱۵۶ رشوت دیکر مشترکہ گرام سماج کی زمین حاصل کرنا ۵۵۱
۹۱۵۷ سرکاری ملازمین کا عوام سے سرکاری کام پر معاوضہ لینا ۵۵۲
۹۱۵۸ پیشکار کا فریقین سے رقم لینا.................... ۵۵۳
۹۱۵۹ دس بیس روپیہ دے کر پولیس سے چھٹکارا پانا ۵۵۴
۹۱۶۰ کچہری یا تحصیل میں پیش ہونے والے لوگوں سے رقم وصول کرنا ۵۵۵
۹۱۶۱ مقدمہ جیتنے والے کا بخوشی بابو وچپراسی کو رقم دینا ۵۵۷
۹۱۶۲ ڈاکیہ کا مدارس کے طلبہ سے رشوت لینا.................... ۵۵۹

۹۱۶۳ سودی رقم سرکاری افسران کو رشوت میں ۵۶۰
۹۱۶۴ مال حرام کو رشوت میں دینا ۵۶۱
۹۱۶۵ سودی رقم رشوت میں دینا ۵۶۲
۹۱۶۶ رشوت میں سودی رقم دینا ۵۶۳
۹۱۶۷ سودی رقم رشوت میں دینے کا حکم ۵۶۵
۹۱۶۸ سودی رقم رشوت میں دینے کی ممانعت ۵۶۶
۹۱۶۹ سودی رقم کو رشوت میں دینا ۵۶۷
۹۱۷۰ سودی رقم شادی، رشوت اور مقدمات میں خرچ کرنا ۵۶۹

۹/ باب سودی رقم کا مصرف

۹۱۷۱ بینک سے سودی رقم نکال کر کہاں صرف کریں؟ ۵۷۱
۹۱۷۲ بینک میں جمع شدہ رقم پر ملنے والے سود کو بینک سے نکال لیں ۵۷۲
۹۱۷۳ بینک سے ملے سود کو بلا نیت ثواب فقراء میں تقسیم کرنا ۵۸۳
۹۱۷۴ سودی رقم کا مصرف ۵۷۴
۹۱۷۵ سودی رقم کے مصارف کیا کیا ہیں؟ ۵۷۶
۹۱۷۶ بینک کی سودی رقم کا مصرف ۵۸۴
۹۱۷۷ بینک اور جیون بیمہ کے سود کا مصرف ۵۸۵
۹۱۷۸ سودی رقم کہاں خرچ کریں؟ ۵۸۷
۹۱۷۹ سودی رقم کہاں کہاں خرچ کر سکتے ہیں؟ ۵۸۹

فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ

فتاویٰ قاسمیہ

منتخب فتاویٰ

حضرت مولانا مفتی شبیر احمد القاسمی
خادم الافتاء و الحدیث جامعہ قاسمیہ
مدرسہ شاہی مرادآباد، الہند

(جلد ۱۹)

المجلد الثامن عشر

بقية الوقف باب المدارس، كتاب البيوع، البيع الصحيح الفاسد، المرابحه، الصرف، السلم، الاستصناع، الوفاء، الشفعة، المزارعة

۸۴۰۹ ——— ۸۸۵۶

ناشر
مکتبہ اشرفیہ، دیوبند، الہند
01336-223082

فتاویٰ قاسمیہ

صاحب فتاویٰ

حضرت مولانا مفتی شبیر احمد القاسمی

پہلا ایڈیشن محرم الحرام ۱۴۳۷ھ

ناشر

مکتبہ اشرفیہ، دیوبند، ضلع سہارنپور، الهند

01336-223082

ASHRAFI BOOK DEPOT

DEOBAND, SAHARANPUR, INDIA

Phone: 01336-223082

Mob. : 09358001571،08810383186

مکمل اجمالی فهرست ایک نظر میں

	رقم المسأله		عنوانات
المجلد الأول	١	١٧٢	مقدمة التحقيق، الإيمان والعقائد إلى باب ما يتعلق بالارواح.
المجلد الثاني	١٧٣	٥٥٧	بقية الإيمان والعقائد من باب الحشر إلى باب ما يتعلق بأهل الكتاب، التاريخ والسير، البدعات والرسوم.
المجلد الثالث	٥٥٨	١٠٠٥	بقية البدعات والرسوم من باب رسومات جنائز إلى رسومات نكاح، كتاب العلم إلي باب ما يتعلق بالكتابة.
المجلد الرابع	١٠٠٦	١٤١٥	بقية كتاب العلم من كتابة القرآن إلي باب الوعظ والنصيحة، الدعوة والتبليغ، السلوک والاحسان، الأدعية والأذكار.
المجلد الخامس	١٤١٦	١٩٣٥	الطهارة بتمام أبوابها، الصلوة من أوقات الصلوة إلى صفة الصلوة.
المجلد السادس	١٩٣٦	٢٤٥٧	الجماعة، المساجد، الإمامة.
المجلد السابع	٢٤٥٨	٢٩٦٤	بقية الصلوة من تسوية الصفوف إلي سجود التلاوة.
المجلد الثامن	٢٩٦٥	٣٤٢٣	بقية الصلوة من الذكر والدعاء بعد الصلوة، الوتر، ادراک الفريضة، السنن والنوافل، التراويح، صلوة المسافر.

المجلد التاسع	٣٤٢٤	٣٨٩٣	بقية الصلوة، صلوة المريض، الجمعة، العيدين، الجنائز إلي حمل الجنازة.
المجلد العاشر	٣٨٩٤	٤٤٠٤	بقية الجنائز من صلوة الجنائز إلي باب الشهيد، كتاب الزكوة.
المجلد الحادي عشر	٤٤٠٥	٤٨٧٣	بقية الزكوة، كتاب الصدقات، الصوم، بتمام أبوابها إلي صدقة الفطر.
المجلد الثاني عشر	٤٨٧٤	٥٣٤٨	كتاب الحج بتمام أبوابها، النكاح إلى باب نكاح المكره.
المجلد الثالث عشر	٥٣٤٩	٥٩٤٣	بقية النكاح إلي باب المهر.
المجلد الرابع عشر	٥٩٤٤	٦٤٦٢	الرضاع، الطلاق إلي باب الكناية.
المجلد الخامس عشر	٦٤٦٣	٦٩٠٢	بقية الطلاق، الرجعة، البائن، الطلاق بالكتابة، الطلاق الثلاث، الشهادة في الطلاق، الحلالة.
المجلد السادس عشر	٦٩٠٣	٧٤٠٢	بقية الطلاق، تعليق الطلاق، التفويض، الفسخ والتفريق، الظِهار، الإيلاء، الخلع، الطلاق على المال، العدة، النفقة، ثبوت النسب، الحضانة.
المجلد السابع عشر	٧٤٠٣	٧٨٦٧	الأيمان والنذور، الحدود، الجهاد، اللقطة، الامارة والسياسة، القضاء، الوقف إلي باب المساجد.
المجلد الثامن عشر	٧٨٦٨	٨٤٠٨	بقية الوقف من الفصل الثالث، المسجد القديم إلي مصلى العيد، والمقبرة. (قبرستان)

المجلد التاسع عشر	٨٤٠٩	٨٨٥٦	بقية الوقف، باب المدارس، كتاب البيوع، البيع الصحيح، الفاسد، المرابحة، الصرف، السلم، الوفاء، الشفعة، المزارعة.
المجلد العشرون	٨٨٥٧	٩٣٥٠	الشركة، المضاربة، الربوا بتمام أنواعها.
المجلد الحادي والعشرون	٩٣٥١	٩٧٣٥	الديون، الوديعة، الأمانة، الضمان، الهبة، الإجارة.
المجلد الثاني والعشرون	٩٧٣٦	١٠٢٤٥	الغصب، الرهن، الصيد، الذبائح بتمام أنواعها، الأضحية بتمام أنواعها، العقيقة، الحقوق، بأكثر أبوابها إلي باب حقوق الأقارب.
المجلد الثالث والعشرون	١٠٢٤٦	١٠٧٠٥	بقية الحقوق، الرؤيا، الطب والرقىٰ بتمام أنواعها، كتاب الحظر والإباحة إلي باب السابع، ما يتعلق باللحية.
المجلد الرابع والعشرون	١٠٧٠٦	١١٢٠٥	بقية الحظر والإباحة، باب الأكل والشرب، الانتفاع بالحيوانات، الخمر، الدخان، الهدايا، الموالاة مع الكفار، المال الحرام، الأدب، اللهو، استعمال الذهب والفضة، كسب الحلال، الغناء، التصاوير.
المجلد الخامس والعشرون	١١٢٠٦	١١٦٠٠	الوصية، الفرائض بتمام أبوابها.
المجلد السادس والعشرون	١	١١٦٠٠	فهارس المسائل

❖❖ ❍❖❍

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست مضامین

٢٤/ بقية كتاب الوقف

❐	٩/ باب المدارس	٣٢

مسئلہ نمبر **الفصل الأول: في المدارس** صفحہ نمبر

٨٤٠٩ کیا مدرسوں میں دین پڑھایا جاتا ہے سکھایا نہیں جاتا؟ ٣١
٨٤١٠ دینی مذہبی ادارہ کو رجسٹریشن کرانے کا حکم ٣٢
٨٤١١ مجلسِ عاملہ ومجلسِ شوریٰ ٣٦
٨٤١٢ مجلسِ شوریٰ کے اختیارات ٣٧
٨٤١٣ مدارسِ اسلامیہ میں طلبہ کی دیکھ بھال کے لئے کیمرہ لگانے کا حکم ٤١
٨٤١٤ ایک مدرسہ سے متعلق چند سوالات وجوابات ٤٣
٨٤١٥ مدارسِ اسلامیہ کے اصول کا ماخذ ٤٦
٨٤١٦ مدرسہ کے قوانین کا ماخذ ٤٧
٨٤١٧ مدارس کے اصول وضوابط کی شرعی حیثیت ٤٩
٨٤١٨ ضوابط برائے اساتذہ، تعزیرات وتعطیلات برائے طلبہ ٥٢
٨٤١٩ تعزیرات برائے طلبہ مدرسہ عربیہ امداد الاسلام ہرسولی ضلع مظفرنگر یوپی ٥٤
٨٤٢٠ ضوابط برائے مدرسہ عربیہ امداد الاسلام ہرسولی ضلع مظفرنگر ٥٥
٨٤٢٢ مدرسے کے من جملہ بچوں کی ضروریات مدزکوۃ سے پوری کرنے کا حکم .. ٥٨

۸۴۲۳	مدرسہ میں آمدہ غلہ میں اشیاء کی رسید دینے کا حکم	۶۰
۸۴۲۴	مدارس میں فیس لے کر تعلیم دینے کا حکم	۶۱
۸۴۲۵	طلبہ کا بلا اجازت مدرسہ کی چیزوں کو استعمال کرنے کا حکم	۶۲
۸۴۲۶	تعلیمی اوقات کے دوران طلبہ کو قرآن خوانی کے لئے بھیجنا	۶۳
۸۴۲۷	مدارس کے طلباء سے قرآن خوانی کرانا	۶۴
۸۴۲۸	لڑکیوں کا مدرسہ قائم کرنا	۶۵
۸۴۲۹	مدارسِ اسلامیہ میں غیر مسلم بچوں کو تعلیم دینے کا حکم	۶۵
۸۴۳۰	طلباء کو انعام میں ملنے والے روپیوں کا مالک کون؟	۶۶
۸۴۳۱	کیا پرانے مکتب میں تعلیمی سلسلہ کو جاری رکھنا ضروری ہے؟	۶۸

❏	**الفصل الثاني: في التولية**	۶۹

۸۴۳۲	طلبا کی تعلیمی کوتاہی پر مسئول کون ہے؟	۶۹
۸۴۳۳	موقوفہ جائیداد کو ذاتی ملکیت سمجھنے کا حکم	۷۰
۸۴۳۴	مہتمم صاحب کا مدرسہ کی زمین اپنے نام رجسٹری کروانے کا حکم	۷۰
۸۴۳۵	مدرسہ کے لئے خریدی گئی زمین کا شخصی بیع نامہ کرانا	۷۱
۸۴۳۶	احکام شریعت کا لحاظ نہ رکھنے والے مہتمم کا حکم	۷۳
۸۴۳۷	مہتمم سے متعلق سوال و جواب	۷۴
۸۴۳۸	مدارس اسلامیہ کے قوانین کی پابندی مہتمم و ملازم سب پر لازم ہے...	۷۶
۸۴۳۹	کیا ذمہ دارانِ مدرسہ اصول کے پابند ہیں؟	۷۹
۸۴۴۰	مدرسہ اور قبرستان کے نام چندہ لے کر اپنی ضروریات میں خرچ کرنے کا حکم	۸۰
۸۴۴۱	بچہ کے قاعدہ پورا ہونے پر مہتمم صاحب کا دعوت کا مطالبہ کرنا	۸۳
۸۴۴۲	مہتمم کے مدرسہ کی رقم اپنے کاروبار میں لگانے یا دوسرے کو قرض دینے کا حکم .	۸۵

	الفصل الثالث: في المدرسين	۸۶
۸۴۴۳	ذمہ دارانِ مدرسہ ومدرسین کے تعلق سے چند سوالات کے جوابات ..	۸۶
۸۴۴۴	مدرسہ کے مفاد کے پیش نظر کسی ملازم کو برطرف کرنا	۸۸
۸۴۴۵	مدرسہ کے صدر مدرس کے خلاف عوام کے انتشار کا حکم	۸۹
۸۴۴۶	اوقات مدرسہ میں مہتمم کی اجازت سے حوائج ضروریہ کے لئے جانا ..	۹۰
۸۴۴۷	مدرس کو دو وقت پڑھانے پر مجبور کرنا	۹۰
۸۴۴۸	مدرس سے مدرسہ کی رقم گھر سے چوری ہوگئی	۹۲
۸۴۴۹	مدرسین کا چرم قربانی وصول کرنے پر معاوضہ لینے کا حکم	۹۴
۸۴۵۰	مدارس کے ملازم اجیر بالعمل ہیں یا اجیر فی الوقت	۹۵
۸۴۵۱	شخص واحد کے ذمہ درس وتدریس اور امامت وغیرہ سپرد کرنا	۹۷
۸۴۵۲	کیا گاؤں کے مدرس پر مسجد کی امامت بلا اجرت واجب ہے؟	۹۹
۸۴۵۳	مدرس کو نابالغ طلبا کی امامت کا پابند بنانا	۱۰۰
۸۴۵۴	کیا مدرس کا بیماری میں چھٹی لے کر اپنے نجی کام سے جانا دھوکہ نہیں؟.	۱۰۱
۸۴۵۵	مکتب میں استاذ کا جمعراتی لینا	۱۰۲
۸۴۵۶	مدرس کے جمعراتی وصول کرنے کا حکم	۱۰۳
۸۴۵۷	طلبہ کی طرف سے معلم کو ملنے والے ہدیہ کا حکم	۱۰۴
۸۴۵۸	مدرسے میں بے پردہ معلّمہ کے تقرر کرنے کا حکم	۱۰۵
۸۴۵۹	اساتذہ کے لئے طلبا کو ملنے والے کنسیشن استعمال کرنے کا حکم	۱۰۶
۸۴۶۰	مدرسے کے کمروں میں مدرس کا فیملی کے ساتھ رہنا	۱۰۷
۸۴۶۱	مدرسین کے وسعت ونجی گھر ہونے کے باوجود مدرسہ کا گھر خالی نہ کرنے کا حکم	۱۰۸

۸۴۶۲ غیر صاحب نصاب مدرس کے لئے مدرسہ کا کھانا کھانا ۱۱۳
۸۴۶۳ مدرسین کے لئے ایصال ثواب کا کھانا کھانا ۱۱۴
۸۴۶۴ مدرسے کے ملازم کے علاج کی ذمہ داری کس پر ہے؟ ۱۱۶

□	**الفصل الرابع:**	۱۱۷

مدارس میں سرکاری اور غیر مسلم کا مال صرف کرنے کا حکم

۸۴۶۵ مدرسہ کو ایڈ کرانا ۱۱۷
۸۴۶۶ کیا ایڈ کے مدارس میں سرکاری قوانین کی پابندی لازم ہے ۱۱۸
۸۴۶۷ سرکار کی طرف سے آئے ہوئے رسد کو مدرسہ یا مسجد میں لگانے کا حکم ۱۲۰
۸۴۶۸ اسکولوں میں آمدہ سرکاری امداد کی بچی ہوئی رقم کا مصرف ۱۲۰
۸۴۶۹ اسکول کی تعمیر یا طلبہ کی خوراک سے بچی ہوئی رقم کا ہیڈ ماسٹر کا استعمال کرنا ۱۲۲
۸۴۷۰ امام باڑہ کے اوپر مدرسہ بنانے کا حکم ۱۲۳
۸۴۷۱ غیر کی زمین میں اس کی اجازت کے بغیر مدرسہ بنانے کا حکم ۱۲۵
۸۴۷۲ مالک کی اجازت کے بغیر اس کی زمین پر مدرسہ بنانا ۱۲۶
۸۴۷۳ مغصوبہ زمین پر مدرسہ بنانا ۱۲۸
۸۴۷۴ پریس کرنے پر پریس بیچ کر رقم مدرسہ میں لگانا ۱۳۱
۸۴۷۵ لیٹ فیس وصول کرنے کی شرعی حیثیت ۱۳۲
۸۴۷۶ مدرسہ کے لئے غیر مسلموں کا چندہ لینا ۱۳۳
۸۴۷۷ ہندو کی رقم کارِ خیر میں لگانا ۱۳۳
۸۴۷۸ مدرسہ کی تعمیر میں سودی رقم یا کافر کا پیسہ لگانا ۱۳۵
۸۴۷۹ طوائف کی زمین پر مدرسہ تعمیر کرنا ۱۳۷

❑	**الفصل الخامس : في التصرف**	١٣٨

٨٤٨٠ کیا کسی مدرسے کے دونام رکھنے سے وہ دومدرسے ہوجائیں گے؟ .. ١٣٨
٨٤٨١ مسجد مدرسہ بنانے سے متعلق چند سوالات کے جوابات ١٤٢
٨٤٨٢ کیا مدرسہ کی موقوفہ چیزوں میں غرض واقف لازم ہے؟............ ١٤٤
٨٤٨٣ مدارس میں قائم کردہ انجمن کی تقسیم کا حکم........................ ١٤٥
٨٤٨٤ چندہ کے پیسے سے بنی ہوئی عمارت میں اراکین مدرسہ کا کتبہ لگانا ١٥٠
٨٤٨٥ جلسہ کی بچی ہوئی رقم کا مصرف ١٥٢
٨٤٨٦ طلبہ سے لی گئی قیمت طعام کو مدرسہ کی تعمیر میں لگانا ١٥٣
٨٤٨٧ مدرسہ کی رقم سے امام ومؤذن کو وظیفہ دینے کا حکم ١٥٣
٨٤٨٨ انجمن کی رقم سے سرپرست انجمن کو ہدیہ دینا ١٥٤
٨٤٨٩ اسکول کے درجہ پنجم کے امتحان کا خرچ مدرسہ سے لینا................ ١٥٥
٨٤٩٠ مدرسہ کی رقم سے متعلقین کو ہدیہ دینے کا حکم ١٥٦
٨٤٩١ مدرسے کے فنڈ سے مہمان نوازی کرنا ١٥٧
٨٤٩٢ مدرسہ کی رقم سے چائے، بسکٹ اور مہمانوں کی ضیافت ١٥٧
٨٤٩٣ مدرسہ کی رقم سے تقریب میں گیٹ وغیرہ کی سجاوٹ ١٥٨
٨٤٩٤ مدرسے کی زمین میں اساتذہ وطلبہ کے لئے مسجد بنانا ١٥٩
٨٤٩٥ مدارس کی جمع شدہ رقم اپنی ضروریات میں صرف کرنا........................ ١٦٠
٨٤٩٦ خزانچی کا مدرسہ کی رقم اپنے استعمال میں لانا ١٦١
٨٤٩٧ مدرسہ کا روپیہ ذاتی معاملہ میں خرچ کرنا ١٦٢
٨٤٩٨ مدرسہ کے فون سے تبلیغی خبر کرنا ١٦٣

٨٤٩٩ مدرسے کی رقم بطور رشوت دینا ١٦٤

٨٥٠٠ مدرسہ کی رقم سرکاری اسکیم شروع کرانے کے لئے بطور رشوت دینا ... ١٦٦

❏	**الفصل السادس: اشیائے مدرسہ کی منتقلی کے احکام**	١٦٨

٨٥٠١ مدرسہ کی منتقلی سے متعلق چند سوالات کے جوابات ١٦٨

٨٥٠٢ مدرسہ کی آمدنی اسکول میں لگانا ١٧٠

٨٥٠٣ مسجد ومدرسہ کی مشترکہ رقم سے جنریٹر خریدنا ١٧١

٨٥٠٤ مسجد ومدرسہ کی رقم کو ایک دوسرے پر صرف کرنا ١٧٢

٨٥٠٥ مسجد ومدرسہ کا پانی ولائٹ خارج مسجد ومدرسہ کو دینا ١٧٣

٨٥٠٦ ایک مدرسہ کا غلہ دوسرے مدرسہ میں دینے کا حکم ١٧٤

٨٥٠٧ ایک مدرسہ کی رقم دوسرے مدرسہ میں لگانا ١٧٥

٨٥٠٨ مدرسہ بنانے کے نام پر وصول شدہ رقم کو دوسرے مدرسہ میں دینا ١٧٦

٨٥٠٩ ایک مدرسہ کی وقف شدہ اراضی کو دو مدرسوں پر تقسیم کرنا ١٧٨

٨٥١٠ مدرسہ کی رقم سے مدرسہ کی زمین میں مسجد تعمیر کرنا ١٨٠

❏	**الفصل السابع: في الإجارة**	١٨١

٨٥١١ مدرسے کی زمین میں ضروریاتِ مدرسہ کے لئے دوکان تعمیر کرنا...... ١٨١

٨٥١٢ مدرسہ کی رقم مسجد یا مسجد کی رقم مدرسہ کو بطور قرض دینا ١٨٣

٨٥١٣ مدرسہ کے تہہ خانہ میں آمدنی کی خاطر ’’کار پارکنگ‘‘ بنانا ١٨٤

٨٥١٤ مدرسہ میں ووٹ ڈالنے کی مشین لگانا ١٨٥

٨٥١٥ احاطۂ مدرسہ میں قربانی کرنے سے روکنا ١٨٦

٨٥١٦ مدرسہ کی عمارت اسکول کے لئے کرایہ پر دینا ١٨٧

۸۵۱۷	مدرسہ میں بارات رکانا	۱۸۸
۸۵۱۸	مدارس عربیہ کی بالائی منزل پر جونیر کی تعلیم دینا	۱۹۰
۸۵۱۹	گرام سماج کی زمین پر مدرسہ کی رقم سے دوکان بنانا	۱۹۱
۸۵۲۰	مسجد کے لئے مدرسہ سے قرض لینا	۱۹۲
۸۵۲۱	مدارس کی رقم تجارت کے لئے دینا	۱۹۳

☐	**الفصل الثامن: في المشاهرة**	۱۹۵

۸۵۲۲	کیا مہتمم مدرسین کے مقابلہ میں دوگنی تنخواہ لے سکتے ہیں؟..........	۱۹۵
۸۵۲۳	موجودہ دور میں تنخواہ میں زیادتی کا مطالبہ کرنا	۱۹۶
۸۵۲۴	شرط فاسد لگا کر تنخواہ بڑھانا	۱۹۸
۸۵۲۵	سائنس سے انٹر پاس اور ہندی کے مدرس کو گورنمنٹ سے تنخواہ دلانا .	۱۹۹
۸۵۲۶	مدرسہ کے ناظم کا مدرس کی تنخواہ نہ دینا	۲۰۰
۸۵۲۷	مقررہ تنخواہ سے کم دینے کا حکم	۲۰۲
۸۵۲۸	چندہ نہ کرنے کی صورت میں مدرس کو سابقہ تنخواہ نہ دینا..........	۲۰۳
۸۵۲۹	مقررہ وقت میں کام کرنے پر تنخواہ کا استحقاق اور کوتاہی پر برطرف کرنا	۲۰۵
۸۵۳۰	مدارس ومساجد کے ملازمین کا سرکاری تنخواہ لینا.................	۲۰۶
۸۵۳۱	پرائیویٹ فنڈ کا حکم	۲۰۷
۸۵۳۲	بلا اجازت مدرسے سے جانے والے کی تنخواہ کا حکم............	۲۰۸
۸۵۳۳	مدرس کی تقرری کے بعد بلاعوض نگرانی پر مجبور کرنے کا حکم	۲۱۰
۸۵۳۴	حج کو جانے والے مدرس کے لئے رخصت بالوضع کا حکم...........	۲۱۲
۸۵۳۵	گورنمنٹ سے روپیہ لے کر مدرسین کو تنخواہ دینا	۲۱۳
۸۵۳۶	بمد تعمیر رقم کو تنخواہ میں استعمال کرنا	۲۱۴

۸۵۳۷	غیر حاضری کی تنخواہ کا حکم	۲۱۶
۸۵۳۸	مدرس کے ایام مرض کی تنخواہ و مجلسِ شوریٰ کی شرعی حیثیت	۲۱۷
۸۵۳۹	علالت کے زمانہ کی تنخواہ	۲۱۹
۸۵۴۰	بیماری کے ایام میں گھر پر رہتے ہوئے تنخواہ لینے کا حکم	۲۲۱
۸۵۴۱	اطلاعی نوٹس ۱۵/ یوم قبل نہ دینے کی صورت میں تنخواہ کاٹ لینے کا حکم .	۲۲۲
۸۵۴۲	نصفِ شعبان میں معزول کی وجہ سے رمضان کی تنخواہ کے استحقاق کا مسئلہ	۲۲۳
۸۵۴۳	پندرہ شعبان کو معزول مدرس رمضان کی تنخواہ کا مستحق کب؟	۲۲۴
۸۵۴۴	اضافی رقم کے حقدار ملازم ہیں نہ کہ مستعفی؟	۲۲۵
۸۵۴۵	مستعفی کی ایک ماہ کی تنخواہ ضبط کرنے کا حکم	۲۲۷
۸۵۴۶	جمعہ کے دن کی تعطیل کو رخصت میں شمار کرنا....................	۲۲۹
۸۵۴۷	غیر حاضری کے ایام کو حاضری کے ایام کا بدل قرار دے کر تنخواہ وصول کرنا.	۲۳۰
۸۵۴۸	غیر عالم کا حکومت سے عالم کی تنخواہ لینا........................	۲۳۲
۸۵۴۹	غیر حاضری کے دن کی دستخط کر کے تنخواہ وصول کرنا	۲۳۳
۸۵۵۰	مدرس و امام کے لئے ایام تعطیل کی تنخواہ لینے کا حکم..............	۲۳۴
۸۵۵۱	سرکار سے مدرسین کا غیر حاضری کے ایام کی تنخواہ لینا...............	۲۳۶
۸۵۵۲	ایامِ رخصت کی تنخواہ کا مسئلہ	۲۳۷
۸۵۵۳	تعطیل کلاں میں تنخواہ کا استحقاق کب؟	۲۳۸
۸۵۵۴	مدرسہ کے ملازم کا ایام تعطیل کی تنخواہ لینا......................	۲۴۰
۸۵۵۵	تعطیل کلاں میں تنخواہ کا استحقاق	۲۴۱
۸۵۵۶	مدارسِ اسلامیہ میں ایامِ تعطیل کی تنخواہوں کا حکم	۲۴۳
۸۵۵۷	مدرسے کی چھٹیوں میں پڑھانے کی اجرت اور تعطیل کلاں کی تنخواہ کا حکم ..	۲۴۴
۸۵۵۸	رمضان کی تنخواہ کا حکم........................	۲۴۶

۲۵/ کتاب البیوع

□	۱/ باب البیع الصحیح	۲۴۸

۸۵۵۹ مالِ متقوم وغیر متقوم، بیع باطل اور فاسد کی تعریف ۲۴۸
۸۵۶۰ نیلامی کا حکم ۲۵۰
۸۵۶۱ امریکہ سے ٹیلی ویژن پر خرید وفروخت کا حکم ۲۵۰
۸۵۶۲ مسلمانوں کا غیر مسلموں سے خرید وفروخت کرنا ۲۵۲
۸۵۶۳ مشتری کا مبیع کو استعمال کرنے کے بعد فروخت کرنے کا حکم ۲۵۳
۸۵۶۴ کیا حرام مال میں تعدی پائی جاتی ہے؟ ۲۵۵
۸۵۶۵ زمین فروخت کرنے کے بعد رجسٹری نہ کرانا ۲۵۷
۸۵۶۶ خریدار کا بائع کی اولاد کو رجسٹری پر دستخط کرنے کے عوض کچھ دینے کا حکم .. ۲۵۹
۸۵۶۷ خریدار کا ادائے قیمت پر کمیشن کا مطالبہ ۲۶۰
۸۵۶۸ بیع میں کس جگہ کا اعتبار ہے؟ ۲۶۱
۸۵۶۹ مشترکہ طور پر سامان خریدنے کی صورت میں کس پر کتنی قیمت واجب ہے؟ ۲۶۲
۸۵۷۰ خریدار کا زمین خالی کرانے کے لئے چھپ کر فصل کاٹ لینا ۲۶۳
۸۵۷۱ فرضی بل کے ذریعہ سرکاری گرفت سے بچنا ۲۶۵
۸۵۷۲ حکومت کے قانون کے خلاف نیپال میں جا کر غلہ بیچنا ۲۶۶
۸۵۷۳ وکیل کا فعل موکل کے فعل کے حکم میں ہوتا ہے ۲۶۷
۸۵۷۴ فروختگی کا وکیل بنانا ۲۶۸
۸۵۷۵ بائع مبیع کی قیمت وکیل سے کم لے تو کیا حکم ہے؟ ۲۷۰
۸۵۷۶ مستحق نکل آنے والی زمین کا حکم ۲۷۱

٨٥٧٧ پریس والوں کا پوری قیمت وصول کر کے کچھ اشتہار کم دینا ٢٧٢
٨٥٧٨ سپلائیر کارخانہ دار سے سامان خرید کر دوکاندار کو کم قیمت میں فروخت کرنا . ٢٧٣
٨٥٧٩ مبیع کو انعام کے ساتھ فروخت کرنا ٢٧٥
٨٥٨٠ اسکیم کے تحت پنکھے کی خرید وفروخت ٢٧٦
٨٥٨١ عقد کے وقت ثمن میں جہالت نہ ہو تو عقد صحیح ہے؟ ٢٧٧
٨٥٨٢ پیکنگ شدہ ڈبوں کو وزن کئے بغیر خرید وفروخت کرنا ٢٧٨
٨٥٨٣ بنجر زمین کو آباد کرنا ٢٨٠
٨٥٨٤ سرکاری افتادہ زمین کی خرید وفروخت کی شرعی حیثیت ٢٨١
٨٥٨٥ کیا جلسہ کے موقع پر بالعوض کھانا کھانا بیع ہے؟ ٢٨٨
٨٥٨٦ مکمل قیمت کی وصولیابی سے قبل بیوہ کا اپنی زمین میں نماز سے روکنا . ٢٨٩
٨٥٨٧ مشتری اول کا پوری رقم دینے سے قبل مشتری ثانی کو فروخت کرنا ٢٩١
٨٥٨٨ جائیداد پر قبضہ کرنے سے پہلے مشتری کا بائع کو وکیل بالبیع بنانا ٢٩٢
٨٥٨٩ قبضہ سے پہلے زمین کی خرید وفروخت کا حکم ٢٩٣
٨٥٩٠ متعینہ بکنگ شدہ زمین کو منافع کے ساتھ فروخت کرنا ٢٩٤
٨٥٩١ قبضہ سے قبل زمین کو فروخت کرنا ٢٩٦
٨٥٩٣ ادھار خریدی ہوئی زمین میں مالک کی اجازت سے کھیتی کرنے کا حکم . ٢٩٨
٨٥٩٤ خرید وفروخت کی ایک شکل کا حکم ٢٩٩
٨٥٩٥ خریدار پر دین مہر ادا کرنا لازم نہیں اور فروختگی کے بعد ورثاء کو حق اعتراض نہیں . ٣٠١
٨٥٩٦ مکان کی فروختگی کی قیمت وصول ہونے کے بعد مالک کا کوئی حق باقی نہیں رہتا ٣٠٢
٨٥٩٧ والد کے مکان فروخت کرنے کے بعد اولاد کا دعویٰ معتبر نہیں ٣٠٣
٨٥٩٩ والدہ کا حالت صحت میں اپنی جائیداد بیچنا ٣٠٧
٨٦٠٠ بائع کا زمین پر قبضہ دینے کے بعد اس کے ورثاء کا بیچنے سے انکار کرنا . ٣٠٨

۸۶۰۱	کیا پھٹی بوریوں سے گرنے والی کھاد دوکان دار استعمال کرسکتا ہے؟	۳۰۹
۸۶۰۲	دوکان دار کا کم قیمت لینا	۳۱۰
۸۶۰۳	قصاب کا چرم قربانی بازاری بھاؤ سے کم قیمت پر خریدنا	۳۱۱
۸۶۰۴	زائد قیمت کے چاول کے ساتھ کم قیمت والے چاول بیچنا..........	۳۱۲
۸۶۰۵	کرایہ دار کے مکان خالی نہ کرنے پر اسی کے ہاتھ کم قیمت پر بیچنا	۳۱۳
۸۶۰۶	کتے کے جھوٹے آٹے کی بیع کا حکم........................	۳۱۴
۸۶۰۷	اولاد نے والد کے ساتھ رہ کر جو کمائی کی وہ کس کی ملک ہے؟	۳۱۵
۸۶۰۸	دودھ کی بالائی مشین کے ذریعہ نکال کر فروخت کرنا	۳۱۶
۸۶۰۹	فوٹو فریم بنا کر فروخت کرنا	۳۱۷
۸۶۱۰	غیر مسلم کو قرآن شریف فروخت کرنے کا حکم	۳۱۸
۸۶۱۱	آیاتِ قرآنیہ والے کلینڈر غیر مسلم کو فروخت کرنے کا حکم............	۳۱۹
۸۶۱۲	سرکار کی طرف سے بینڈ شدہ کتاب کی فروختگی کا حکم	۳۲۰
۸۶۱۳	مسلم شخص کا غیر مذہبی فوٹو کی کتابیں فروخت کرنا..................	۳۲۱
۸۶۱۴	لہو ولعب کی چیزیں بنانے اور بیچنے کا حکم	۳۲۲
۸۶۱۵	مانجھے کی آمدنی کا حکم	۳۲۳
۸۶۱۶	پوجا پاٹ اور نذر و نیاز میں استعمال ہونے والی اشیاء کی خرید وفروخت کا حکم	۳۲۳
۸۶۱۷	پوجا میں استعمال ہونے والے پیتل کے چراغ بنانا	۳۲۵
۸۶۱۸	گھنٹی، ترشول، اوم، چراغ وغیرہ آرڈر پر بنانا	۳۲۶
۸۶۱۹	مانع حمل دواؤں کی خرید وفروخت کا حکم	۳۲۷
۸۶۲۰	زمین کی بقیہ قیمت کی ادائیگی موجودہ وقت کے اعتبار سے ہوگی یا خرید کے؟	۳۲۸
۸۶۲۱	پھل آنے سے قبل بور آنے کے بعد باغوں کی خرید وفروخت	۳۲۹
۸۶۲۲	باغات کی فروختگی میں جواز کی متبادل شکل	۳۳۰

۸۶۲۳ زمین مع باغ ٹھیکہ پر دینا ۳۳۲
۸۶۲۴ باغ مع زمین ایک سال یا کئی سال کے لئے فروخت کرنا ۳۳۲
۸۶۲۵ کیروسین کی خرید وفروخت ۳۳۳
۸۶۲۶ راشن دوکان سے غلہ خریدنا ۳۳۵
۸۶۲۷ دوسروں کے کنکشن سے گیس لے کر زیادہ قیمت میں فروخت کرنا ۳۳۶
۸۶۲۸ گیس کی کالا بازاری کی شرعی حیثیت ۳۳۷
۸۶۲۹ 132 نمبر کا پلاٹ بیچ کر 131 نمبر کا پلاٹ دینا ۳۳۸
۸۶۳۰ گلوکوز کی خرید وفروخت کا حکم ۳۴۰
۸۶۳۱ چوری کا اڈا بنانے والے کو زمین فروخت کرنے کا حکم ۳۴۱
۸۶۳۲ ویزا کی خرید وفروخت ۳۴۱
۸۶۳۳ اخبار کی خریداری کی قیمت کو فیس قرار دینے کا حکم ۳۴۲
۸۶۳۴ ہوٹل والوں کا زیادہ قیمت میں کھانا فروخت کرنے کا حکم ۳۴۳
۸۶۳۵ قانوناً پابندی شدہ جنگلات سے لکڑیاں کاٹ کر لانا ۳۴۵
۸۶۳۶ سرکاری جنگلات کی لکڑیوں کی خرید وفروخت کا حکم ۳۴۶
۸۶۳۷ دریائی جانوروں کی بیع اور ان کے کھانے کا حکم ۳۴۷
۸۶۳۸ مردار کی ہڈی، دانت، سینگ، پٹھے کی خرید وفروخت کا حکم ۳۴۸
۸۶۳۹ مردار جانور کے کچے چمڑے اور ہڈی کی خرید وفروخت کا حکم ۳۴۹
۸۶۴۰ حلال جانوروں کے کون کون سے اعضاء کی تجارت جائز ہے؟ ۳۵۱
۸۶۴۱ مرغ وغیرہ جانوروں کو زندہ فروخت کرنے کا حکم ۳۵۱
۸۶۴۲ زندہ جانور تول کر بیچنا ۳۵۲
۸۶۴۳ مذبوحہ جانوروں کے اعضائے تناسل اور خون کی بیع کا حکم ۳۵۳
۸۶۴۴ سمندری کیکڑے کی خرید وفروخت کا حکم ۳۵۴

۸۶۴۵	کتے کی بیع کی شرعی حیثیت	۳۵۶
۸۶۴۶	انسانی وحیوانی فضلات کی خرید وفروخت کا حکم	۳۵۷
۸۶۴۷	بریلوی مسلک کے لوگوں کو زمین فروخت کرنے کا حکم	۳۵۸
□	۲/ باب الخیار	۳۶۰
۸۶۴۸	بیع کے تام ہونے کے بعد کسی ایک فریق کے بیع کو ختم کرنے کا حکم ...	۳۶۰
۸۶۴۹	عقد صحیح کے بعد واپسی پر مجبور کرنا	۳۶۲
۸۶۵۰	بیعانہ کی ادائے گی نہ کرنے پر کیا بیع کو ختم کیا جا سکتا ہے؟...........	۳۶۳
۸۶۵۱	مدت متعینہ پر ثمن کی ادائے گی نہ ہونے پر بائع کو خیار فسخ حاصل ہے .	۳۶۴
۸۶۵۲	مال میں نقص نکلنے پر کارخانہ دار پر ہرجانہ عائد کرنا	۳۶۶
۸۶۵۳	وقت پر قیمت ادا نہ کرنے کی وجہ سے معاملہ فسخ کرنا	۳۶۷
۸۶۵۴	بیع تام اور لازم ہونے کے بعد معاملہ منسوخ کرنے کا حکم	۳۶۹
۸۶۵۵	وعدہ کی خلاف ورزی پر سابقہ معاملہ ختم کردینے کا حکم	۳۷۰
□	۳/ باب العربون	۳۷۲
۸۶۵۶	بیعِ عربون	۳۷۲
۸۶۵۷	بیعانہ دے کر خرید وفروخت کرنے کا حکم	۳۷۳
۸۶۵۸	کیا دھوکہ سے اپنے نام بیع نامہ کرانے سے ملکیت ثابت ہو جائے گی	۳۷۴
۸۶۵۹	کیا ''امداد الفتاویٰ'' میں بیعانہ ضبط کرنے کا مسئلہ ہے؟............	۳۷۵
۸۶۶۰	زرِ بیعانہ کی واپسی کا حکم	۳۷۶
۸۶۶۱	بیعانہ کی واپسی لازم ہے	۳۷۷
۸۶۶۲	بیعانہ کی رقم ضبط کرنے کا حکم	۳۷۸

۸۶۶۳ بیعانہ کی واپسی پر زائد رقم لینا ۳۷۹
۸۶۶۴ بیعانہ کے بعد معاملہ ختم کرنے کا حکم ۳۸۱
۸۶۶۵ جائیداد کا بیعانہ دوسرے کو دے کر سوتیلے بیٹے کو فروخت کرنا ۳۸۲
۸۶۶۶ بائع کا بیعانہ کی رقم جمع کرنا اور مشتری کا ڈبل رقم لینا ۳۸۳
۸۶۶۷ معاملہ ختم ہونے کی صورت میں بیعانہ کی رقم کا حکم ۳۸۵
۸۶۶۸ بیعانہ کی ڈبل رقم واپس کرنا ۳۸۶
۸۶۶۹ خریداری میں دی گئی رقم کی واپسی میں دوگنی رقم لینا ۳۸۷

❐	۴/ باب البیع الفاسد، والباطل، والمکروہ	۳۹۰

۸۶۷۰ شرطِ فاسد کے ساتھ خرید وفروخت کی شرعی حیثیت ۳۹۰
۸۶۷۱ شروط فاسدہ کے ساتھ بیع کا معاملہ ۳۹۰
۸۶۷۲ بیع میں شرطِ فاسد لگانے کا حکم ۳۹۲
۸۶۷۳ بیع واجارہ بیک وقت شیٔ واحد میں کرنے کا حکم ۳۹۴
۸۶۷۴ معدوم کی بیع کا حکم ۳۹۶
۸۶۷۵ ’’بیع منابذہ‘‘ ۳۹۸
۸۶۷۶ کمیٹی کا خریدار سے متعینہ رقم سے زیادہ کا مطالبہ کرنا ۳۹۹
۸۶۷۷ دوسرے کی زمین فروخت کرنے کا حکم ۴۰۲
۸۶۷۸ دوسرے کی دوکان اپنی بنا کر فروخت کرنے کا حکم ۴۰۳
۸۶۷۹ دوسرے کی چیز بلا اجازت فروخت کرنے کا حکم ۴۰۴
۸۶۸۰ لون کے رکشے فروخت کرنے کا حکم ۴۰۶
۸۶۸۱ سامان نہ ملنے پر ۴۵/سو کی جگہ چھ ہزار لینے کا حکم ۴۰۸
۸۶۸۲ ۵۰۰/روپئے کا بل ۴۰۰/روپئے میں فروخت کرنا ۴۱۰

۸۶۸۳ پیمنٹ کی دوسونوے کی پرچی ۲۸۰ رمیں فروخت کرنا............. ۴۱۱
۸۶۸۴ ڈیڑھ روپئے فی اشتہار معاملہ طے کرنے کے بعد ایک روپئے میں چھپوانا. ۴۱۲
۸۶۸۵ دیوالی پر مسلمان کا آتش بازی کی اشیاء فروخت کرنا ۴۱۳
۸۶۸۶ گرین وے پشو پالن میں حصہ لینا.............................. ۴۱۴
۸۶۸۷ سودی رقم سے، جھوٹ بول کر یا کم تول کر تجارت کرنا ۴۱۶
۸۶۸۸ لاٹری کے پتے، تاش، لوڈو، کنچے، آتش بازی بیچنے کا حکم ۴۱۷
۸۶۸۹ غیر شرعی لباس کو سلنا اور فروخت کرنا کیسا ہے؟ ۴۱۸
۸۶۹۰ ہیروئن کی بیع وشراء.. ۴۱۹
۸۶۹۱ نشہ آور چیزوں کی خرید وفروخت کا حکم ۴۲۱
۸۶۹۲ شراب سے بنے ہوئے سرکہ کا استعمال وتجارت ۴۲۲
۸۶۹۳ اعضائے انسانی کی خرید وفروخت کا حکم ۴۲۴
۸۶۹۴ گوبر اور اس سے نکلے ہوئے دانے کی تجارت ۴۲۵
۸۶۹۵ مردار جانور کی ہڈی، کھال اور چربی فروخت کرنے کا حکم ۴۲۷
۸۶۹۶ میتہ بکریوں کی بیع اور اس کی آمدنی کا حکم ۴۲۸
۸۶۹۷ مردار جانوروں کے گوشت کی خرید وفروخت ۴۳۰
۸۶۹۸ جھٹکے کے بکرے کی آنت کی تجارت کا حکم ۴۳۱
۸۶۹۹ خون کی مصنوعات کی تجارت.................................. ۴۳۳
۸۷۰۰ خون کی بیع کا حکم ۴۳۴
۸۷۰۱ خون سے بنے مچھلیوں کے دانہ کی خرید وفروخت کا حکم ۴۳۷
۸۷۰۲ بیع سرطان کا حکم.. ۴۳۹
۸۷۰۳ خنزیر کے بالوں کے ساتھ دوسرے جانور کے بالوں سے برش بنانا .. ۴۴۰
۸۷۰۴ فحش کتابیں اور خنزیر کی چربی سے بنے چپس فروخت کرنے کا حکم ۴۴۱

۸۷۰۵	ادھیا پر بکری دینا	۴۴۲
۸۷۰۶	چار من غلہ پر زمین کاشتکاری کے لئے دینا	۴۴۳
۸۷۰۷	زمین کی فروختگی کی ایک شکل	۴۴۴
۸۷۰۸	زمین کی فروختگی کی ایک ناجائز شکل	۴۴۶
۸۷۰۹	قسطوار زمین کی خرید وفروخت کرنے والی کمپنی کا ممبر بننا	۴۴۷
۸۷۱۰	زمین کو فروخت کرنے کی ایک ناجائز شکل	۴۵۰
۸۷۱۱	پتنگ بنانا اور فروخت کرنا کیسا ہے؟	۴۵۲
۸۷۱۲	جانوروں کی تصاویر بنانا اوران کا کاروبار کرنا	۴۵۳
۸۷۱۳	پیتل کے ہاتھی گھوڑے وغیرہ بنانا	۴۵۴
۸۷۱۴	پیتل وغیرہ کی مورتی بنانا کیسا ہے؟	۴۵۵
۸۷۱۵	تانبا پیتل سے جانوروں کا مجسمہ بنانا	۴۵۶
۸۷۱۶	چوری کے سامان کی خرید وفروخت کا شرعی حکم	۴۵۸
۸۷۱۷	چوری کا مال خریدنا کیسا ہے؟	۴۶۰
۸۷۱۸	مال مسروق کی بیع وشراء کا حکم	۴۶۱
۸۷۱۹	چوری کی لکڑی کی خرید وفروخت اور عددوں کو تیار کرنے پر مزدوری لینا	۴۶۳
۸۷۲۰	باغات کی خرید وفروخت	۴۶۵
۸۷۲۱	بدو صلاح سے قبل پھلوں کی خرید وفروخت	۴۶۷
۸۷۲۲	بہارانبہ کی فصل کی خرید وفروخت	۴۶۹
۸۷۲۳	باغ خریدنے کی جائز اور ناجائز شکلیں	۴۷۰
۸۷۲۴	پھل آنے سے قبل باغات کی خرید وفروخت	۴۷۱
۸۷۲۵	پھل آنے سے قبل باغ کے بیع وشراء کی جائز اور ناجائز صورت	۴۷۳
۸۷۲۶	پھل آنے سے پہلے ان کی بیع کا حکم	۴۷۵

۸۷۲۷ پھل آنے سے پہلے فروخت کئے گئے باغوں کے پھلوں کا حکم ۴۷۷
۸۷۲۸ پھلوں کی فروختگی میں پہلا عقد فاسد ہونے کے بعد دیگر عقود کا صحیح ہو جانا.. ۴۷۹
۸۷۲۹ ''بیع عرایا'' کی تفسیر میں ائمہ حدیث اور فقہاء کا اختلاف ۴۸۰
۸۷۳۰ ایسے باغات کی خریداری کا حکم جن کی زمین میں کاشت نہیں ہوتی ... ۴۸۱
۸۷۳۱ کئی سال کے لئے باغات کو ٹھیکہ پر لینا ۴۸۲
۸۷۳۲ باغ کی فصل فروخت کرنے کا حکم ۴۸۳
۸۷۳۳ پانچ کوئنٹل آم کے عوض باغ فروخت کرنے کا حکم ۴۸۴
۸۷۳۴ بیس کوئنٹل آم پر باغ فروخت کرنے کا حکم ۴۸۵
۸۷۳۵ ''احتکار'' کا مطلب ۴۸۶
۸۷۳۶ احتکار کی ممانعت کا مصداق ۴۸۷
۸۷۳۷ بغرضِ تجارت ذخیرہ اندوزی کرنا ۴۸۸
۸۷۳۸ غلہ کی ذخیرہ اندوزی کر کے فروخت کرنے کا حکم ۴۸۹
۸۷۳۹ اناج اسٹاک کر کے رکھنے کا حکم ۴۹۰
۸۷۴۰ زیادتی ثمن کے لئے پہلے خریدار سے معاملہ ختم کرنے کا حکم ۴۹۱
۸۷۴۱ سرکاری باغ سے لکڑی چوری کر کے مکتب میں فروخت کرنا ۴۹۳
۸۷۴۲ جانتے ہوئے چوری کا سامان خریدنا مکروہ ۴۹۴
۸۷۴۳ پتنگ اور پٹاخوں کی تجارت کا حکم ۴۹۵
۸۷۴۴ تصویر والے کپڑوں کی تجارت ۴۹۶
۸۷۴۵ مصور زیورات کی خرید فروخت کی شرعی حیثیت ۴۹۷
۸۷۴۶ خنزیر کے برش میں لگنے والے دیگر آلات کا آرڈر لینا ۴۹۸
۸۷۴۷ نجش فی البیع کا حکم ۴۹۹

٥/باب حط الثمن وزيادته نقدا ونسيئة	٥٠١
٨٧٤٨ ادھار خرید وفروخت	٥٠١
٨٧٤٩ ادھار خرید وفروخت کا حکم	٥٠٢
٨٧٥٠ فائنس کا حکم	٥٠٣
٨٧٥١ ادھار پر مونجی کی فصل کسانوں سے خریدنے کا حکم	٥٠٤
٨٧٥٢ قسطوں پر سواری یا سامان کی خریداری	٥٠٥
٨٧٥٣ گڑ کی بھیلی بازار کی قیمت سے کم یا زیادہ قیمت پر بنانا	٥٠٦
٨٧٥٤ سوسائٹی سے کھاد خریدنے کا حکم	٥٠٩
٨٧٥٥ قیمت بڑھا کر ادھار فروخت کرنا	٥٠٩
٨٧٥٦ ادھار کی صورت میں مبیع کی قیمت بڑھانا	٥١٠
٨٧٥٧ کیش لے کر کم قیمت پر سامان بعد میں دینا	٥١١
٨٧٥٨ قیمت بڑھا کر قسطوار ادھار بیچنا	٥١٢
٨٧٥٩ ادھار ونقد کی صورت میں قیمت میں تفاوت کا حکم	٥١٣
٨٧٦٠ نقد وادھار کی وجہ سے قیمت میں کمی زیادتی کرنا	٥١٤
٨٧٦١ نقد وادھار معاملہ میں قیمت میں کمی بیشی کرنا	٥١٦
٨٧٦٢ نقد ٨٠/روپئے اور ایک ماہ کی ادھاری پر ٨٥/روپئے میں فروخت کرنا	٥١٧
٨٧٦٣ نقد اور ادھار کی صورت میں قیمتوں کے فرق کا حکم	٥١٨
٨٧٦٤ نقد اور ادھار کی قیمت میں فرق کرنا	٥١٩
٨٧٦٥ ادھار معاملہ میں کمی وبیشی کا حکم	٥٢٠
٨٧٦٦ نقد میں کم اور ادھار میں زائد روپئے لینا	٥٢١

❑	٦/ باب المرابحة	۵۲۳

۸۷٦۷ شرعاً نفع لینے کی حد کیا ہے؟ ۵۲۳
۸۷٦۸ دوگنے نفع پر فروخت کرنے کا حکم ۵۲۴
۸۷٦۹ سلنڈر بلیک کرنا ۵۲۵
۸۷۷۰ لون پر رکشہ لینے کی جائز شکل ۵۲۷
۸۷۷۱ کمیشن پر کتاب لاکر پوری قیمت میں فروخت کرنا ۵۲۸
۸۷۷۲ ایک روپئے کی چیز سو روپئے میں فروخت کرنا ۵۲۹
۸۷۷۳ بیس ہزار کا مال ۲۴؍ ہزار میں فروخت کرنے کا حکم ۵۳۰

❑	۷/ بيع التلجئة	۵۳۲

۸۷۷۴ ’’بيع تلجئه‘‘ کا مقصد ۵۳۲
۸۷۷۵ بیع تلجئہ ۵۳۳
۸۷۷٦ کسی کے نام سے خریدنے کا حکم ۵۳۵
۸۷۷۷ نام کردینے سے ملکیت کا حکم ۵۳۹
۸۷۷۸ محض نام کرنے سے ملکیت کا حکم ۵۴۱
۸۷۷۹ جائیداد نام کرنے سے ملکیت کا حکم ۵۴۳
۸۷۸۰ اولاد کے نام جائیداد خریدنے کا حکم ۵۴۵
۸۷۸۱ لڑکوں کے نام سے جائیداد خریدی تو وہ کس کی ملک ہوگی؟ ۵۴۹
۸۷۸۲ خوف کے سبب عارضی طور پر کسی کے نام جائیداد ۵۵۰
۸۷۸۳ غلطی سے دوسرے کے نام رجسٹری ہونے سے ملکیت کا حکم ۵۵۲
۸۷۸۴ مصلحتاً بڑے لڑکے کے نام بیع نامہ کرانے سے ملکیت کا حکم ۵۵۴

۸۷۸۵ انکم ٹیکس سے بچنے کی غرض سے کاروبار بیوی بچوں کے نام کرنے کا حکم ۵۵۵
۸۷۸۶ بیوی کے نام زمین کرانے سے ملکیت کا حکم ۵۶۰
۸۷۸۷ بیوی بچوں کے نام بیع نامہ کرانے سے ملکیت ثابت نہیں ہوتی ۵۶۱
۸۷۸۸ بیوی کے نام سے زمین خریدنا ۵۶۳
۸۷۸۹ بیوی کی دل جوئی کے لئے مکان اس کے نام سے خریدنے کا حکم ۵۶۴
۸۷۹۰ انکم ٹیکس سے بچنے کے لئے بیوی کے نام جائیداد کرنے کا حکم ۵۶۶
۸۷۹۱ بیوی کے نام مکان خریدنے سے کیا وہ مالک ہو جائے گی؟ ۵۶۷
۸۷۹۲ بیوی کے نام سے جائیداد خریدنے کا حکم ۵۶۹
۸۷۹۳ قانونی مصلحت کی بناپر بہن کے نام رجسٹری کرانے سے ملکیت کا حکم . ۵۷۰
۸۷۹۴ بڑے بھائی کے نام بیع نامہ ہونے کے باوجود دوسرا بھائی حق دار ۵۷۲

❐	۸/ باب الصرف	۵۷۵

۸۷۹۵ سونے کی ادھار بیع کا حکم ۵۷۵
۸۷۹۶ سونے اور چاندی کے زیورات کی ادھار خرید وفروخت کا حکم ۵۷۶
۸۷۹۷ سونے چاندی کی ادھار بیع وشراء کی شرعی حیثیت ۵۷۷
۸۷۹۸ قسطوں پر سونے چاندی کی خرید وفروخت کا حکم ۵۷۷
۸۷۹۹ سونے کو سونے کے عوض چاندی کو چاندی کے عوض کمی بیشی کے ساتھ فروخت کرنا ۵۷۸
۸۸۰۰ ۲۰/ ہزار کے زیورات ۲۴/ ہزار میں فروخت کرنے کا حکم ۵۸۰
۸۸۰۱ ریال کا تبادلہ اس سے کم مالیت کے سکوں سے کرنے کا حکم ۵۸۱
۸۸۰۲ دوملکوں کی کرنسیوں کے کمی بیشی کے ساتھ تبادلہ کا حکم ۵۸۲
۸۸۰۳ دوسو روپئے کے نوٹوں کے ہار کو تین سو روپئے میں بیچنا ۵۸۳
۸۸۰۴ بوسیدہ نوٹ کم قیمت میں فروخت کرنے کا حکم ۵۸۴

۸۸۰۵ ۹۵/روپۓ ریزگاری کا سو روپۓ سے تبادلہ کرنا ۵۸۵

۹/ باب السلم ۵۸۷

۸۸۰٦ بیع سلم کی تعریف اور شرائط ۵۸۷
۸۸۰۷ پیشگی رقم لے کر مبیع بعد میں دینا ۵۸۸
۸۸۰۸ پیشگی رقم لے کر مبیع کو فروخت کرنے کی چار شکلوں کا حکم ۵۸۹
۸۸۰۹ مال کے لئے آرڈر دے کر نہ لینے کا حکم ۵۹۱
۸۸۱۰ تاریخ اور کھیت متعین کئے بغیر فصل سے پہلے گیہوں خریدنا ۵۹۳
۸۸۱۱ فصل کاٹنے سے پہلے کاشتکار کو روپۓ دینے کا حکم ۵۹۴
۸۸۱۲ فصل کی کٹائی سے پہلے سو روپۓ کوئنٹل گیہوں خریدنا ۵۹۵
۸۸۱۳ بیع سلم میں مسلم فیہ کی مقدار کا متعین نہ ہونے کا حکم ۵۹٦
۸۸۱۴ بیع سلم کی ایک صورت ۵۹٦
۸۸۱۵ بیع سلم کی ایک جائز صورت ۵۹۷
۸۸۱٦ بیع سلم کا مشہور معاملہ ۵۹۸
۸۸۱۷ قیمت کی ادائے گی کے چھ ماہ بعد مال وصول کرنا ۵۹۹
۸۸۱۸ دھان پر پیسہ دینا ٦۰۱
۸۸۱۹ بیع سلم میں روپۓ کے عوض دھان لینے کی شرط کا حکم ٦۰۲
۸۸۲۰ قرض کی رقم کے عوض میں دھان لینا ٦۰۳
۸۸۲۱ بیع سلم میں روپۓ کے عوض دھان لینے کی شرط ٦۰۵
۸۸۲۲ ادھار معاملہ میں قیمت میں زیادتی اور بیع سلم سے متعلق ایک سوال .. ٦۰۵
۸۸۲۳ باغات کی فصل فروخت کرنے کی ایک شکل ٦۰۷

۶۰۹	۱۰/ باب الاستصناع	

۸۸۲۴ بیع استصناع ۶۰۹
۸۸۲۵ عقدِ استصناع کا مدار عرف وتعاملِ ناس پر ہے یا نصوص پر؟ ۶۱۳
۸۸۲۶ عقدِ استصناع اجارہ ہے یا بیع؟ ۶۱۵
۸۸۲۷ کئی واسطوں سے معاملہ استصناع ۶۱۶
۸۸۲۸ باہر کے بایر سے آرڈر لینے والے ایکسپورٹر کو صانع کہا جائے یا مستصنع؟ ۶۱۷
۸۸۲۹ غیر منقول اشیاء میں استصناع کا معاملہ ۶۱۸
۸۸۳۰ گاڑی وغیرہ بڑی چیزوں میں استصناع کا معاملہ ۶۱۹
۸۸۳۱ عقدِ استصناع کی شکل میں مکان، فلیٹ وغیرہ کا معاملہ ۶۲۰
۸۸۳۲ (صانع) کاریگر کو اجیر کب قرار دیا جائے؟ ۶۲۱
۸۸۳۳ ایک ماہ سے زیادہ مدت ہو تو کیا معاملہ استصناع سلم میں تبدیل ہو جاتا ہے؟ ۶۲۲
۸۸۳۴ عقدِ استصناع اجارہ کب ہوگا؟ ۶۲۴
۸۸۳۵ مدت متعینہ میں مال تیار نہ کرنے سے آرڈر کینسل کرنے کا حق ۶۲۵
۸۸۳۶ استصناع میں مال صانع کا ہو تو وہ بائع ہو جائے گا ۶۲۶
۸۸۳۷ مال کے لئے انکار پر پیشگی رقم کا ضبط کرنا ۶۲۷
۸۸۳۸ داخلی لوگوں نے مال کی تیاری میں تاخیر کردی، جس سے باہر کے خریدار نے آرڈر کینسل کردیا، تو نقصان کی تلافی کون کرے؟ ۶۲۸
لوکل اور بین الاقوامی مارکیٹ میں عقدِ استصناع کے مسائل ۶۳۰
معاملۂ استصناع کے جواز کا مدار تعاملِ ناس پر ۶۳۰
عقدِ استصناع اور عقدِ سلم کا فرق ۶۳۲
عقدِ استصناع بیع ہے یا وعدۂ بیع؟ ------------------------------ ۶۳۳

پہلے خریدار کا دوسرے خریدار کو دوسرے خریدار کا تیسرے خریدار کو
فروخت کرنے کا معاملہ ۶۳۵
چھوٹی منقول اشیاء کی طرح بڑی چیزوں میں استصناع کا معاملہ ۶۳۷
غیر منقول عقار میں استصناع کا معاملہ ۶۳۸
عقدِ استصناع میں بیعانہ ضبط کرنے کا حکم ۶۳۹
ضروری وضاحت ۶۴۲
معاملۂ استصناع اجارہ کب بن سکتا ہے؟ ۶۴۳
طے شدہ شرائط اور نمونہ کی خلاف ورزی پر نقصان کا بھگتان کس پر؟ .. ۶۴۵
استصناع کی شکل ۶۴۵
اجارہ کی شکل ۶۴۶
معاملۂ استصناع کو منسوخ کرنے کی شکلیں ۶۴۸
امام ابو یوسفؒ کے قول کی ترجیح ۶۵۱
عقدِ استصناع میں مدت کی تعیین کا مسئلہ ۶۵۳
عقدِ استصناع میں طے شدہ مدت سے تاخیر کے نقصان کا عوض ۶۵۵
مقالہ کا خلاصہ اور جوابات کا حاصل ۶۵۶

❐	۱۱ / باب بیع الوفاء	۶۶۱

۸۸۳۹ بیع الوفاء ۶۶۱
۸۸۴۰ بیع الوفاء کا حکم ۶۶۲
۸۸۴۱ ’’بیع الوفاء‘‘ کا جواز ۶۶۵
۸۸۴۲ کیا ہندوستان میں عقودِ فاسدہ جائز ہیں؟ ۶۶۷
۸۸۴۳ قرض کی واپسی تک زمین کو فروخت کرنے کا حکم ۶۶۹

۸۸۴۴ رہن یا کرایہ پر رکھی ہوئی زمین سے فائدہ اٹھانے کی مختلف شکلیں ... ۶۷۱
بیع الوفاء کی شرعی حیثیت ۶۷۵
بیع الوفاء کے اسماء ۶۷۵
بیع الوفاء کی حقیقت ۶۷۸
بیع الوفاء کا جواز ۶۷۹
معتدل اور مناسب حکم ۶۸۲
بیع الوفاء کے بارے میں مفصل بحث اور فقہاء کی آراء ۶۸۳
بیع صحیح کے قائلین ۶۸۴
بیع فاسد کے قائلین ۶۸۶
بیع صحیح یا بیع فاسد کے قائلین ۶۸۷
رہن کے حکم کے قائلین ۶۸۹
بیع المکرہ کے حکم کے قائلین ۶۹۳
بیع اور رہن سے مرکب کے قائلین ۶۹۵
بیع صحیح اور بیع فاسد اور رہن تینوں سے مرکب کے قائلین ۶۹۶
مبیع کو کرایہ پر دینے کا حکم ۶۹۸
بیع الوفاء میں مبیع کی آمدنی کا حق دار کون؟ ۷۰۱
بیع الوفاء میں مبیع کے نقصان کی تلافی ۷۰۱
بیع الوفاء میں ثمن کی زکوٰۃ کون ادا کرے؟ ۷۰۳
بائع اور مشتری کا اختلاف ۷۰۴

❐	۱۲/ باب الشفعة	۷۰۷

۸۸۴۵ اپنے پڑوس کو بتائے بغیر زمین فروخت کرنے کا حکم ۷۰۷

۸۸۴۶ مکان میں شریک شفعہ کا مستحق ہے یا قبرستان؟ ۷۰۸
۸۸۴۷ شریک فی حق المبیع کو شفعہ میں حق تقدم حاصل ہے ۷۰۹
۸۸۴۸ دس ماہ کے بعد حق شفعہ کا دعویٰ کرنا ۷۱۰
۸۸۴۹ ایک سال بعد حق شفعہ کا دعویٰ کرنا ۷۱۱

۱۳ / باب المزارعة ۷۱۳

۸۸۵۰ پندرہ کیلو تیل پر کھیتی کاشت کے لئے دینا ۷۱۳
۸۸۵۱ مزارعت میں مخصوص مقدار کی شرط لگانے کا حکم ۷۱۵
۸۸۵۲ ایک کا کھیت اور دوسرے کی محنت وبیج ہونے کی صورت کا حکم ۷۱۶
۸۸۵۳ مزارعت میں خاص مقدار میں غلہ متعین کرنا ۷۱۷
۸۸۵۴ پیسوں کے عوض میں زمین کو کرایہ پر دینا ۷۱۸
۸۸۵۵ متعین غلہ کے عوض میں زمین کرایہ پر دینا ۷۱۹
۸۸۵۶ غیر کی ملکیت میں لگایا گیا پودا کس کا ہوگا؟ ۷۲۰

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۲۴/ بقية كتاب الوقف

۹/ باب المدارس

الفصل الأول: في المدارس

کیا مدرسوں میں دین پڑھایا جاتا ہے سکھایا نہیں جاتا؟

سوال [۸۴۰۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں:
(۱) ایک شخص نے یہ کہا ہے کہ مدارس میں دین پڑھایا جاتا ہے، دین سکھایا نہیں جاتا اور دوسرے شخص نے بھی یہی کہا ہے کہ میں دیانت داری سے کہتا ہوں کہ مدرسوں میں دین نہیں سکھایا جاتا پڑھایا جاتا ہے، مدرسوں میں دین پڑھایا جاتا ہے۔کیا ان صاحب کی یہ بات صحیح ہے؟
(۲) حدیث شریف: ''**خیر کم من تعلم القرآن وعلمه**'' کا مصداق کیا مدارس نہیں ہیں؟ اگر مدرسہ والے یہ کہیں کہ اس حدیث کے مصداق ہم ہیں، تو یہ بات درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: عقیل الرحمٰن نہٹور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: (۱) شخص مذکور کا یہ جملہ کہ مدارس میں دین پڑھایا جاتا ہے سکھایا نہیں جاتا ناواقفیت پر مبنی ہے؛ کیوں کہ مدارسِ اسلامیہ میں تعلیم کے ساتھ ساتھ تربیت کا بھی انتظام ہوتا ہے۔
(۲) اس حدیث شریف کا صحیح مصداق مدارسِ اسلامیہ ہی ہیں، جن میں قرآن کریم کی تعلیم

اورتربیت دی جاتی ہے۔

ثم الخطاب عام لا يختص بالصحابة، ولو خص بهم فغيرهم بالطريق الأولىٰ، ولكن لا بد من تقييد التعلم والتعليم بالإخلاص. (بذل المجهود، كتاب الصلاة، باب في ثواب قراءة القرآن، دارالبشائر الإسلامية ٦/ ١٦٠، تحت رقم الحديث: ١٤٥٢)

والحاصل أنه إذا كان خيرا لكلام كلام الله، فكذلك خير الناس بعد النبيين من يتعلم القرآن ويعلمه، لكن لابد من تقييد التعلم والتعليم بالإخلاص. (مرقاة، كتاب فضائل القرآن، الفصل الأول، مكتبه إمداديه ملتان ٤/ ٣٣٣، حاشية ابن ماجة/ ١٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/۵/۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۴۴/۱۱۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۹/۵/۱۴۳۵ھ

دینی مذہبی ادارہ کو رجسٹریشن کرانے کا حکم

سوال [۸۴۱۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (الف) ایک مسئلہ ہے کہ جس کے مفصل احکام اصول فقہ کے مطابق علماء کرام نے بیان فرمائے اور تمام فقہی کتابوں میں اس کے اصول سے مستقل ابواب قائم فرمائے، ہندوستان میں موجودہ اوقاف بورڈوں کے قوانین وضوابط اسی پر مشتمل ہیں جو کہ خالص مسلمانوں کے لئے ہے۔

(ب) مگر رفاہ عام کے لئے قائم کردہ اداروں کے لئے سیکولر نظریات کی رعایت کرتے ہوئے ایک مشترکہ قانون سوسائٹی ایکٹ ۱۸۹۰ بھی ہے، جو کہ کسی مذہب کے لئے مخصوص نہیں ہے؛ بلکہ اس کے قواعد وضوابط مشترک ہیں اوران کے منتظمین بلاتخصیص مذہب وملت

مشترک ٹرسٹیان (سوسائٹی) کہلاتے ہیں، ٹرسٹ میں کوئی مخصوص مقصد ضروری نہیں ...... ٹرسٹ مستحق استفادہ ہوسکتا ہے۔

(ج) ٹرسٹ ہمیشہ ملکی قانون کے مطابق ہوتا ہے (جو بدلتے رہتے ہیں) ٹرسٹ میں جائیداد کی ملکیت ٹرسٹیان ودیعت کرتی ہے اور مودع قانونی طور پر اس کا مالک ہوتا ہے۔

(د) اور نا قابل تنسیخ ہونا ضروری نہیں، ٹرسٹ کی جائیداد ٹرسٹی فروخت کرسکتا ہے، غرض ٹرسٹ فقہ انگریزی کا تصور ہے، جب کہ وقف فقہ اسلامی کا ایک خاص مذہبی تصور ہے۔

(ہ) مذکورہ بالا ایکٹ ۱۸۶۰ کی دفعات کے مطالبہ سے پتہ چلتا ہے کہ اس سے حکومت اور افسران (غیر مسلم) کے انتظامی معاملات میں مداخلت کا قانونی جواز فراہم ہوتا ہے، ایکٹ مذکور کی دفعہ ۲۳/ کے تحت رجسٹرار کو سوسائٹی کے حسابات کی جانچ کرنے دیگر معاملات کی جانچ کرنے اور اپنی تحقیقات کے نتیجہ میں سوسائٹی کو بذریعہ عدالت تحصیل کرنے کا اختیار ہوتا ہے، دفعہ ۱۲/ کے تحت تحلیل شدہ سوسائٹی کی جائیداد حکومت کو دے دی جاتی ہے۔ ۹۲۰/ ضابطہ دیوانی کے تحت بلا تخصیص مذہب وملت ایک عام ہندوستانی۔

(ی) شہری حساب فہمی وغیرہ کی دادرسی کا حقدار ہو جاتا ہے، میری یقینی معلومات کے مطابق ایک اسی قسم کے درگاہ کے ہندو معتقدین نے بارہ بنکی عدالت میں دعویٰ دائر کیا، ان جزئیات کی روشنی میں دریافت طلب امر یہ ہے:

(۱) کسی دینی مذہبی ادارہ کا رجسٹریشن سوسائٹی ایکٹ ۱۸۶۰ کرانا فرض، واجب، سنت میں سے کونسا درجہ رکھتا ہے؟

(۲) جب کہ اس قسم کے رجسٹریشن کے نتیجہ میں اختلاف پیدا ہوکر فتنہ کی شکل اختیار کرلے، جس سے قوم وملت کے وقار کا خطرہ ہو، مسلمان دوگروہ میں منقسم ہوکر ایک دوسرے کی بے عزتی اور قتل وخون پر آمادہ ہوجائیں، تو ایسے کام کے اصرار کرنے پر کیا حکم ہے؟

(۳) ایسا کام کرنے والوں کے بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

(۴) اگر یہ صحیح و درست ہے تو منع کرنے یا اس سے اختلاف کرنے والے لوگوں کے بارے میں کیا حکم ہے؟

المستفتی: محمد اشفاق عالم، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: احقر نے جن بڑے اداروں کا رجسٹریشن ہو چکا ہے ان کے رجسٹریشن فائلوں کا بغور مطالعہ کیا ہے، ان میں جو شرائط و قیودات مندرج ہیں، ان میں سے کوئی شرط فقہ اسلامی کے خلاف نہیں ہے؛ بلکہ ساری شرائط و قیودات فقہ اسلامی کے موافق اور ادارے کے حق میں مفید و معاون ہیں؛ اس لئے ان میں کوئی تشویش کی بات نہیں۔

(الف) موجودہ دور میں مذہبی اداروں کا رجسٹریشن کرانا فقہ و اصول فقہ کے خلاف نہیں۔

(ب) بلا تخصیص مذہب مشترک ہو تو سکتے ہیں، مذہب کی تخصیص کرنا لازم و ضروری نہیں ہے؛ لیکن مذہب کی تخصیص بھی کر سکتے ہیں، جیسا کہ بعض بڑے اداروں کے رجسٹریشن فائلوں کے معائنہ کرنے پر صاف طور پر معلوم ہوا ہے کہ ان میں مذہبیت کی شرط بھی موجود ہے۔

(ج) جس کو آپ قانونی طور پر مالکیت سمجھ رہے ہیں وہ درست نہیں ہے؛ بلکہ وہ تصرفات کا ایک اختیار و اقتدار ہے، جس کا مقصد صرف دوسروں کو غلط تصرفات سے روکنا ہے، جس کو شریعت کی اصطلاح میں منتظمانہ تصرف کہا جاتا ہے، نہ کہ مالکانہ؛ اس لئے کہ مالکانہ تصرف میں ساری آمدنی کو آپس میں تقسیم کر کے ذاتی استعمال میں صرف کیا جا سکتا ہے اور منتظمانہ تصرف میں ذاتی اخراجات میں خرچ نہیں کیا جا سکتا؛ بلکہ قانونی طور پر جو تنخواہ متعین ہوتی ہے وہی وصول کی جا سکتی ہے، اس سے زائد ایک پیسہ بھی نہیں لیا جا سکتا، نیز رجسٹریشن شدہ اداروں میں تو مجلس شوریٰ (سوسائٹی منتظمہ) کو تنخواہ بھی نہیں ملتی ہے؛ بلکہ صرف میٹنگ میں شرکت کے وقت آمد و رفت کے اخراجات ملتے ہیں۔

(د) اگر چہ سوسائٹی ٹرسٹ کو فقہ انگریزی کا تصور تسلیم کر لیا جائے، مگر فقہ اسلامی کے خلاف

بھی نہیں ہے۔

(ہ) ۱۸۶۰ء سے ایک سوانتالیس سال کے عرصہ میں کسی رجسٹریشن شدہ مذہبی اداروں کو نہ حکومت نے اپنے قبضہ میں لیا ہے اور نہ ہی کوئی غیر مسلم کسی رجسٹر شدہ ادارے کا منتظم ومقتدر ہوا ہے، یہ محض ذہنی تصورات وتشویشات ہیں، جن کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

(ی) آپ نے جو بارہ بنکی کی عدالت کی نظیر پیش کی ہے اس کا فیصلہ اور نتیجہ اور پورے واقعہ کی تفصیل کی صحیح رپورٹ کے بعد غور کیا جا سکتا ہے، پھر بھی رجسٹریشن شدہ کوئی ادارہ ۱۲۹؍ سال کے عرصہ میں نہ حکومت کے قبضہ میں گیا اور نہ ہی غیر مسلم اس میں دخیل ہوئے۔

(۱) اس کا مدار ادارے کے ذمہ دار حضرات پر ہے، حالات کے اعتبار سے کبھی ذمہ داران پر واجب بھی ہوجاتا ہے۔ اور کبھی نہیں بھی ہوتا ہے۔

صاحب البيت أدرى بما فيه. (نخبة الفكر/٥)

(۲) اگر کسی صحیح کام پر اقدام کی وجہ سے دوسرے لوگ مسئلہ کی نزاکت پر غور کیے بغیر فتنہ وفساد پر اتر آئیں تو غلطی فتنہ کرنے والوں کی ہے، ان پر لازم ہے کہ خود کو فتنہ سے باز رکھ کر دوسروں کو فتنہ میں نہ مبتلا کریں۔

(۳) شرعی اعتبار سے رجسٹریشن کرانے والے حق پر ہیں؛ اس لئے ان پر شرعاً کوئی الزام نہیں۔

(۴) اختلاف کرنے والوں کو یا تو ۱۲۹؍ سال کے عرصہ میں واقع ہونے والے واضح نظائر پیش کرنے چاہئے یا اختلاف سے باز آجانا چاہئے؛ کیوں کہ رجسٹریشن کرانے میں کوئی شرعاً قباحت نہیں ہے، جو رجسٹریشن کے ہر پہلوں پر غور کرنے کے بعد پتہ چل سکتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ رمضان المبارک ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/۱۳۸۵)

مجلسِ عاملہ ومجلسِ شوریٰ

سوال [۸۴۱۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کسی مدرسہ یا مسجد کی کوئی مجلسِ شوریٰ ہو اور وہ کمیٹی یا مجلسِ شوریٰ کوئی فیصلہ شریعت کے خلاف دے دے، تو شریعت کی بات مانی جائے گی یا کمیٹی کی؟ دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ یہ کمیٹی اس مسجد یا مدرسہ کی بستی ہی میں سے ہونا ضروری ہے یا باہر کی کمیٹی بھی بنائی جا سکتی ہے؟ تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ اس کمیٹی نے جو مجلسِ عاملہ تیار کی ہے اس مجلسِ عاملہ کو ہر پانچ سال میں تبدیل کرنا ضروری ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں مسئلہ کو واضح فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں عین نوازش ہوگی۔ والسلام

المستفتی: محمد معروف ساکن ویر پور تھان، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مجلسِ شوریٰ یا کمیٹی شریعت کے خلاف فیصلہ کیسے دے سکتی ہے؟ اگر کوئی ایسا فیصلہ دیا ہے تو اس فیصلہ کو متعین کر کے واضح کریں کہ واقعی شریعت کے خلاف ہے اس کے بعد اس سلسلہ میں حکم شرعی لکھا جا سکتا ہے، مستفتی خود اپنے طور پر شریعت کے خلاف سمجھ رہا ہے۔ دوسرا مسئلہ یہ پوچھا گیا ہے کہ مجلسِ شوریٰ یا کمیٹی کا بستی میں سے ہونا ضروری ہے یا باہر کی بھی بنائی جا سکتی ہے؟ تو اس سلسلے میں شریعت میں کوئی تعیین نہیں ہے، چاہے بستی کے لوگوں کو بنائیں یا سب باہر کے لوگ ہوں، یا کچھ باہر کے اور کچھ مقامی ہوں، ہر طرح جائز ہے، جیسا کہ خود ہمارے مدرسہ شاہی میں مقامی بھی ہیں اور باہر کے بھی ہیں۔ تیسرا مسئلہ یہ پوچھا گیا ہے کہ اس کمیٹی نے جو مجلس عاملہ تیار کی ہے اس مجلس عاملہ کو ہر پانچ سال میں تبدیل کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ یہ مسئلہ اس مدرسہ یا مسجد کی کمیٹی کے اوپر موقوف ہے، چاہے ہر پانچ سال میں تبدیل کریں یا نہ کریں؛ اس لئے کہ مدارسِ اسلامیہ کے قوانین وضوابط آپس کی تراضی اور

مشورہ کے مطابق ہوتے ہیں، جس میں قرآن وحدیث کے نصوص کے خلاف کوئی عمل نہ ہوجو ذیل کی حدیث شریف سے واضح ہوتا ہے:

عن عمرو بن عوف المزني أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: الصلح جائز بين المسلمين إلا صلحا حرم حلالا، أو أحل حراما، والمسلمون على شروطهم، إلا شرطا حرم حلالا، أو أحل حراما. (سنن الترمذي، الأحكام، باب ما ذكر عن رسول الله ﷺ في الصلح بين الناس، النسخة الهندية ١/ ٢٥١، دار السلام، رقم: ١٣٥٢، المستدرك للحاكم، كتاب الأحكام، مكتبه نزار مصطفى الباز جديد ٧/ ٢٥٢٣، قديم ٤/ ١٠١، دار الكتب العلمية بيروت ٤/ ١١٣، رقم: ٧٠٥٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍شوال ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۲۵۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۱۰/۱۸ھ

مجلسِ شوریٰ کے اختیارات

سوال [۸۴۱۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کا تقرر تقریباً ۱۷؍سال قبل ایک ادارہ میں بحیثیت مدرس درجہ ناظرہ ہوا، ضابطہ کے تحت زید امور مفوضہ کی ادائیگی کرتا رہا، ناظم مدرسہ یا نائب مہتمم مدرسہ اپنے اختیار کے تحت مدرسہ کے دوسرے کام بھی زید سے لیتا تھا، جس کی وجہ سے آخری پانچ سال بحیثیت مدرس زید کی کارکردگی بہتر نہیں رہی اور زید کو خارجی کام نائب مہتمم مدرسہ زیادہ دیتا رہا، جس پر نائب مہتمم مدرسہ نے اپنے حکم نامہ مورخہ ۱۴۳۰/۵/۲۸ھ میں زید کو مدرس سے محرر تعلیمات میں عارضی طور پر منتقل کردیا، زید اس عہدے پر ۲۲؍ذیقعدہ ۱۴۳۱ھ تک بحسن وخوبی کام کرتا رہا، ۲۵؍شوال المکرّم ۱۴۳۱ھ کو نائب مہتمم مدرسہ نے زید کو ایک حکم نامہ فراہمی چندہ سے متعلق جاری کیا، زید نے حسب الحکم ۵؍ذیقعدہ ۱۴۳۱ھ کو مدرسہ ہٰذا کی ۲؍عدد رسید بک (جلد

نمبر: ۳۶۷، ۳۶۸) دفتر مالیات سے مع تصدیق نامہ چندہ حاصل کی، جن پر نائب مہتمم مدرسہ کے دستخط مع مہر وتاریخ کے ثبت ہیں۔ ۷/ ذیقعدہ ۱۴۳۱ھ سے سفر فراہمی چندہ شروع کیا، تصدیق نامہ زید کو ۵/ ذیقعدہ ۱۴۳۱ھ سے ۳۰/ ذی الحجہ ۱۴۳۱ھ تک جاری کیا گیا۔ اسی دوران مدرسہ مذکور جس میں زید ملازم ہے کی مجلسِ شوریٰ کا اجلاس، جو کہ نامور علماء وصلحاء علاوہ ایک فرد کے پر مشتمل ہے۔ ۱۹/ ذیقعدہ ۱۴۳۱ھ کو منعقد ہوا، شوریٰ کے اجلاس میں شوریٰ کے کسی رکن نے زید سے متعلق نائب مہتمم سے معلوم کیا کہ زید کہاں ہے؟ جس پر نائب مہتمم مدرسہ نے مجلسِ شوریٰ کو جواب دیا مجھے معلوم نہیں، پھر زید سے متعلق شوریٰ میں بحث ہوئی، ایک رکن نے زید پر خوب اعتراض کیے، نائب مہتمم مدرسہ خاموش بیٹھے سنتے رہے، یاد رہے یہ شوریٰ اس مذکورہ تاریخ میں مدرسہ مظاہر علوم کے امین عام حضرت اقدس الحاج سیدی محمد شاہد صاحب حفظہ اللہ تعالیٰ ''خلیفہ قلم حضرت شیخ الحدیث'' کی صدارت میں چل رہی تھی، آخر کار مدرسہ مظاہر علوم کے ذمہ دار اعلیٰ اور اس شوریٰ کے ایک مؤقر رکن نے شوریٰ کے سبھی حضرات کو خاموش کر کے نائب مہتمم مدرسہ سے صاف طور پر معلوم کیا، کیا زید کا آپ کو علم ہے کہ زید کہاں ہے؟ کیا زید کو آپ نے کسی اپنے یا مدرسہ کے ضروری کام سے تو نہیں بھیج رکھا ہے؟ یکے بعد دیگرے مکرر استفسار پر نائب مہتمم مدرسہ نے شوریٰ کو جواب دیا کہ دو چار روز پہلے ان کا فون آیا تھا کہ وہ مدھیہ پردیش میں چندہ کر رہا ہے، جب کہ زید اپنے سفر سے متعلق روزانہ نائب مہتمم مدرسہ، نائب مہتمم مالیات مدرسہ کو آگاہ کرتا رہا اور ان کے شاگردوں سے موبائل فون پر گفتگو کراتا رہا، اس پر شوریٰ کے اسی موقر رکن نے نائب مہتمم مدرسہ سے معلوم کیا کہ چندہ بھی آپ کی بغیر اجازت کے کر رہا ہے؟ اس کو کاپیاں کس نے دیں؟ کاغذات کہاں سے لئے وغیرہ؟ اس پر نائب مہتمم مدرسہ خاموشی اختیار کر گئے، آخر کار شوریٰ نے ۵/ ذیقعدہ ۱۴۳۱ھ سے غیر حاضر مان کر غیر حاضری کے الزام میں زید کی علیحدگی کا فرمان جاری کر دیا۔ ۲۲/ ذیقعدہ کو زید سفر سے واپس آیا اور سفر کا حساب وغیرہ مدرسہ کے تحویلدار کے حوالہ کیا۔ اور رجسٹری حاضری میں باضابطہ دستخط کے حساب سے فراغت کے بعد نائب مہتمم

مدرسہ نے تعلیمات کے محرر اعلیٰ کے ذریعہ زبانی پیغام پہنچایا کہ زید سے کہو وہ اپنا حساب کر کے چپ چاپ (خاموشی) سے مدرسہ سے چلے جائیں۔ زید کو یہ سن کر بہت رنج ہوا جو کہ ہر انسان کو ایسے وقت میں ہوا کرتا ہے۔ زید نے تحویلدار سے معلوم کیا، مہتمم مدرسہ سے معلوم کیا، مہتمم مدرسہ نے جواب دیا کہ نائب مہتمم مدرسہ نے جو رپورٹ مجلسِ شوریٰ میں رکھی، اس پر فیصلہ ہوگیا، میری یا مجلسِ شوریٰ کی کوئی غلطی نہیں، اس کے بعد زید نے نائب مہتمم سے معلوم کیا، نائب مہتمم مدرسہ حیلہ بازی کرنے لگے اور کہنے لگے کہ مجھے مجلسِ شوریٰ میں بولنے نہیں دیا گیا، زید نے سب کچھ ناظم مدرسہ نائب مہتمم مالیات کو بتلایا، زید کی گفتگو سن کر نائب مہتمم مہتمم مدرسہ سے ملے اور ان سے ایک مفتی صاحب کی موجودگی میں جو اسی مدرسہ میں ملازم ہیں بولے کہ وہ تو چندہ میں میں نے ہی بھیجا تھا، میرے یاد نہیں رہا، مہتمم مدرسہ نے اپنے نائب کی بات سن کر کہا کہ اب تو شوریٰ کا فیصلہ ہو گیا ہے، آپ کو شوریٰ میں ہی کہنا پڑے گا میں اکیلا اس کام کو نہیں کرسکتا، پھر ۲۳ر ذیقعدہ کو علی الصبح مہتمم مدرسہ، نائب مہتمم مدرسہ، نائب مہتمم مالیات اور شوریٰ کے ایک رکن کی دفتر مدرسہ میں ایک میٹنگ ہوئی، دوران میٹنگ زید پھر سے ان سب کے درمیان پہنچ گیا اور معلوم کیا کہ مجھے کس جرم کی سزا مل رہی ہے، یہ سب خاموش رہے، زید نے پھر معلوم کیا کہ جس وجہ سے اور جس تجویز پر مجلس شوریٰ نے علیحدگی کا فرمان جاری کیا ہے اس تجویز کو لکھ کر مجھے دے دو، تو مہتمم مدرسہ یوں گویا ہوئے کہ ہم نے بغیر تحریر کے رکھا تھا اور کوئی تحریر دئے بغیر الگ کررہے ہیں اور بس اب چلے جاؤ۔ اور مذکورہ چاروں حضرات مجھے نظر غیر سے دیکھنے لگے جیسے مجھے مار ہی ڈالیں گے اور ان چاروں حضرات نے تحویلدار مدرسہ کو حکم دیا کہ ان کی پانچ یوم کی تنخواہ دے کر ان کا حساب صاف کرو، حسب الحکم تحویلدار مدرسہ نے پانچ یوم کی تنخواہ مجھے دی اور رجسٹر قبض الوصول پر بغیر ٹکٹ لگائے میرے دستخط لئے، اس طریقہ سے میرے ۱۸ر یوم کی اجرت ذمہ داران مدرسہ نے رکھ لی اور تعلقی فرمان سے بڑی بے عزتی سے زید کو مدرسہ سے باہر کا راستہ دکھایا۔ اس سے پیشتر بھی انھیں نائب مہتمم مدرسہ نے تقریباً ۱۶ر آدمیوں کی مجلسِ شوریٰ میں غلط بیانی اور غلط

رپورٹ دے کر اور شوریٰ کو دھوکے میں رکھ کر مدرسین وملازمین کی عزت سے کھلواڑ کیا ہے، تو اس صورت میں:

(۱) کیا مجلسِ شوریٰ فریقین کی بغیر سنے اور نائب مہتمم کی رپورٹ پر مدرسین وملازمین کو الگ کرنے کا اختیار رکھتی ہے؟ کیا نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم، خلفائے راشدین، بزرگانِ دین کی کسی مجلس سے اس قسم کا کوئی ثبوت ملتا ہے؟ اور کیا کسی عالم، حافظ، قاری کی عزت سے کھلواڑ کرنا بروئے شرع جائز ہے؟

(۲) کیا ایسا شخص جو خود ہی تحریری یا زبانی کہہ کر اپنے مدرس یا ملازم کو کہیں بھیجے اور شوریٰ کے وہ علماء وصلحاء مجلسِ شوریٰ کے اجلاس میں کسی مدرس یا ملازم کے متعلق معلوم کریں تو نائب مہتمم کذب گوئی، دھوکہ دھڑی سے کام لے، کیا ایسے شخص کو ایسے مؤقر ادارے کا نائب مہتمم مدرسہ بنائے رکھنا شرعی روشنی میں جائز ہے؟

(۳) مجلسِ شوریٰ آئندہ اجلاس میں اپنے اس فیصلہ پر دوبارہ غور کرنے کی مجاز ہے یا نہیں؟ اور زید کی بحالی کا حکم صادر کرنے میں مجلسِ شوریٰ کو شرعی کوئی قباحت نہیں؟

(۴) زید ۷ ار سال قدیم مدرس وملازم ہے اور مدرسہ کو اپنا اوڑھنا بچھونا سمجھتا ہے اور زید نے کبھی نائب مہتمم مدرسہ کی حکم عدولی بھی نہیں کی ہے، تو ایسی صورت میں نائب مہتمم کا یہ سارا برتاؤ زید سے کرنا اخلاقاً شرعاً جائز ہے؟ نیز ذمہ دارانِ مدرسہ کو ۶ / ذیقعدہ ۱۴۳۱ھ سے ۲۳ / ذیقعدہ ۱۴۳۱ھ تک کی اجرت رکھنا مدرسہ یا ذمہ دارانِ مدرسہ کو جائز ہے؟ شریعت مطہرہ کی روشنی میں مع دلیل وحوالہ کے جواب سے مطلع فرمائیں، نوازش ہوگی۔

المستفتی: ابو حافظ محمد طلحہ بن محمد نسیم راوت، مقام سلیم پور گدا، ڈاکخانہ ساڈھولی قدیم، ضلع سہارنپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مدارسِ اسلامیہ کے اصول وضوابط حسب ذیل حدیث شریف پر مبنی ہیں:

عن عوف المزني أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: الصلح جائز بين المسلمين إلا صلحا حرم حلالا، أو أحل حراما، والمسلمون

على شروطهم، إلا شرطا حرم حلالا، أو أحل حراما. (سنن الترمذي، الأحكام، باب ما ذكر عن رسول الله ﷺ في الصلح بين الناس، النسخة الهندية ١/ ٢٥١، دارالسلام، رقم: ١٣٥٢، المعجم الكبير للطبراني، دارإحياء التراث العربي ١٧/ ٢٢، رقم: ٣٠)

اس حدیث شریف کی روشنی میں مدرسہ کے اصول وضوابط کی پابندی، امانت ودیانت کے ساتھ ہر ایک کے اوپر لازم ہے، اگر نائب مہتمم نے بددیانتی سے کام لیا ہے، تو اس کا گناہ ان ہی کے سر ہوگا، باقی سائل کے معاملہ کی جزئیات سے متعلق اسی مدرسہ کے ذمہ دار و دیانتدار علماء ہی کو غور کرنا چاہئے اور سب سے بڑی کمیٹی جس کو بالادستی حاصل ہے، وہ مجلسِ شوریٰ ہے اور مجلسِ شوریٰ تک صحیح رپورٹ پیش کرنے کی ذمہ داری مدرسہ کے ان ذمہ دار حضرات پر ہے جو شوریٰ میں رپورٹ پیش کرنے والے ہوتے ہیں، اگر ان کی طرف سے کوئی کمزوری ہے، جس کی وجہ سے مدرسہ یا کسی ملازم پر زد آسکتی ہے، تو اس کا گناہ ان ہی کے سر ہوگا۔ اور دیانتداری امانت داری اور کسی کی ہتک عزت سے متعلق ''المعجم الکبیر'' کی یہی حدیث شریف سب کے لئے سبق آموز ہے:

عن عبدالله بن مسعود –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله ﷺ: لا إيمان لمن لا أمانة له، ولا دين لمن لا عهد له، والذي نفس محمد بيده لا يستقيم دين عبد حتى يستقيم لسانه، ولا يستقيم لسانه حتى يستقيم قلبه، ولا يدخل الجنة من لا يأمن جاره بوائقه. (المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ١٠/ ٢٢٧، رقم: ١٠٥٥٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۵؍رجب ۱۴۳۲ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۴۶۳)	۱۵؍۷؍۱۴۳۲ھ

مدارسِ اسلامیہ میں طلبہ کی دیکھ بھال کے لئے کیمرہ لگانے کا حکم

سوال [۸۴۱۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: آج کل ایک کیمرہ رائج ہے، جس کو عام اجتماع گاہوں، مثلاً بڑے بڑے ہوٹلوں، ہسپتالوں، اسٹیشنوں، ہوائی اڈوں اور شہر کے چوراہوں وغیرہ پرنصب کیا جاتا ہے اوراس کا کنکشن چھوٹی بڑی اسکرین سے ہوتا ہے، جس کوکسی دفتر یا کاؤنٹر میں رکھا جاتا ہے، جہاں اس چھوٹی یا بڑی اسکرین پر کیمرہ کی زد میں آنے والے تمام افراد کی تصاویر نظر آتی ہیں اور اس کے ذریعہ متعلقہ اشخاص کی نقل وحرکت پر مکمل نظر رکھی جاتی ہے اور ایک متعینہ مدت تک اس نقل وحرکت کو ریکارڈ بھی کیا جاسکتا ہے، جسے بوقت ضرورت آن کرکے دیکھا جاسکتا ہے اور یہ چیز بظاہر چوری، خیانت، ایذارسانی اور ممکنہ خطرات سے حفاظت کا عمدہ سامان ہے، تواب سوال یہ ہے کہ اس کیمرہ کوکسی اسلامی درسگاہ ''مدرسہ یا جامعہ'' کی گذرگاہوں، گیلریوں، برآمدوں اور دارالاقامہ کے صحن وغیرہ میں نصب کرکے طلبہ کرام پر نظر رکھ کر متعلقہ فوائد حاصل کرنے اور ان کی لایعنی مصروفیات اور غیر قانونی حرکات پر کنٹرول کرنے کے ارادہ سے استعمال میں لانا شرعی نقطہ نظر سے کیا حکم رکھتا ہے۔ اوراس کے استعمال کی کہاں تک گنجائش ہے؟ امید ہے کہ تسلی بخش تفصیلی جواب عنایت فرماکر ممنون فرمائیں۔

المستفتی: محمد مشتاق ستپونی، خادم دارالعلوم سعادت دارین ستپونی بھروچ، گجرات

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس کیمرہ کا سوال نامہ میں ذکر ہے، مالی نقصان سے بچنے کے لئے دفع مضرت کے طور پر اس کی گنجائش ہے؛ لیکن مدارسِ اسلامیہ اور دینی درسگاہوں میں یہ کیمرہ لگانا کسی طرح مناسب نہیں ہے، اکابر ومشائخ کے طریقہ کے خلاف ہے۔ اور طلبہ کی اخلاقیات پر نظر رکھنے کے لئے اس قدر تجسس کے ہم مکلّف نہیں ہیں۔ اور مدارسِ اسلامیہ اور دینی درسگاہوں میں مالی نقصان اور حقوق العباد کے تلف ہونے کا ایسا خطرہ نہیں ہے، جس کے لئے ایسے تجسس کے کیمرے کے لگانے کی ضرورت ہو؛ لہٰذا مدارسِ اسلامیہ کوایسے کیمروں سے پاک رکھا جائے۔

وَلا تَجَسَّسُوا. الآية [حجرات: ۱۲]

الثابت بالضرورة يتقدر بقدرها. (قواعد الفقه أشرفي، ص: ٧٤، قاعده: ١٠٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶؍ ذیقعدہ ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۰۸۶۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۱۱/۲۶ھ

ایک مدرسہ سے متعلق چند سوالات وجوابات

سوال [۸۴۱۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے یہاں ''مدرسہ جامعہ اسلامیہ جلالیہ'' میں درجہ اول دینیات میں غیر مقامی طلبہ داخلہ لیتے ہیں، ان سے مزید کھانے کے لئے پانچ ہزار پانچ سو روپئے لئے جاتے ہیں اور ان بچوں کے سرپرست صاحبان کو یہ بتلایا جاتا ہے کہ آپ کا بچہ اگر مدرسہ سے چلا جائے تو پانچ ہزار پانچ سو روپئے آپ کو واپس نہیں کئے جائیں گے؛ اس لئے کہ اس سے مدرسہ میں طلبہ کی کمی ہوگی؛ کیوں کہ درجات کے اعتبار سے طلبہ کی تعداد متعین ہے، سرپرست صاحبان بھی اس وقت مان لیتے ہیں؛ لیکن بعد میں جب بچہ چلا جاتا ہے تو خوراکی کے نام پر جو رقم جمع کی تھی اسے مانگتے ہیں، مذکورہ صورت میں گارجین کو خوراکی کی رقم واپس کرنا ضروری ہے، جب کہ گارجین نے وعدہ کیا تھا کہ بچہ اگر چلا جائے تو رقم واپس نہیں لیں گے۔ دوسری صورت ہمارے یہاں یہ بھی ہے کہ ایک خصوصی مطبخ قیمتاً چلتا ہے، جس میں اہل ثروت حضرات کے بچے سالانہ نو ہزار روپئے جمع کرتے ہیں اور اپنا کھانا کھاتے ہیں، اس صورت میں بھی کبھی بچے چلے جاتے ہیں، ان بچوں کے سرپرست صاحبان بھی بوقت داخلہ وعدہ کرتے ہیں، بچے چلے جانے کی صورت میں روپئے واپس نہیں لیں گے؛ لیکن بعد میں کچھ لوگ مطالبہ کرتے ہیں، ایسی صورت میں یہ رقم شرعاً واپس کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

(ب) خوراکی کے نام پر جو رقم الگ سے لی جاتی ہے وہی رقم اگر داخلہ فیس کے ساتھ جوڑ کر

داخلہ فیس میں اضافہ کردیا جائے اور داخلہ فیس بجائے ۸۰۰؍ کے ۹۸۰؍ یا ۶۳۰۰؍ کردیا جائے اوراس صورت میں اگر بچہ چلا جائے تو رقم واپس نہیں کی جائے گی، تو کیا یہ شرعاً جائز ہے؟

(۲) ایک استاذ ایک مدرسہ میں پڑھاتے پڑھاتے بوڑھے کمزور اور بیمار ومعذور ہوگئے، اب پڑھانے سے معذور ہیں، ادھر پوری زندگی مدرسہ میں رہنے کی وجہ سے دوسرا کوئی ذریعہ معاش کا بھی گھر میں انتظام نہیں ہے، اب کیا اس حالت میں مدرسہ کی طرف سے ان کے لئے پنشن جاری کرنا یا ان کے لئے پنشن لینا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو کس فنڈ سے ان کو رقم دی جائے گی؟

المستفتی: ارکان حل وعقد جامعہ جلالیہ ہوجائی آسام، ہند

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حسب تحریر سوال جو رقم مدرسہ میں مقیم طلبہ کے سرپرستوں سے سال بھر کی خوراکی کے نام پر وصول کی جاتی ہے وہ رقم شرعاً طعام کے عوض میں ہے؛ لہٰذا درمیان سال میں اگر طالب علم چلا جاتا ہے، تو حساب لگا کر باقی ماندہ رقم سرپرستوں کو واپس کرنا ضروری ہے؛ کیوں کہ اب اس رقم کا کوئی مصرف نہیں رہا اور داخلہ کے وقت مدرسہ کے ذمہ داران اور طلبہ کے سرپرستوں کے درمیان یہ جو طے ہوا تھا کہ بیچ سال میں طالب علم کے چلے جانے کی صورت میں وہ رقم کی واپسی کے مطالبہ کے مجاز نہ ہوں گے، اس کا شرعاً کوئی اعتبار نہیں ہے؛ البتہ خوراکی کی رقم اگر داخلہ فیس میں منضم کرکے اصل داخلہ فیس میں اضافہ کردیا جائے تو اب ذمہ داران مدرسہ طالب علم کے درمیانی سال میں واپس چلے جانے کی صورت میں بقیہ رقم کی واپسی کے مکلّف نہ ہوں گے۔ اور نہ ہی سرپرست حضرات کو مطالبہ کا اختیار ہوگا؛ اس لئے کہ وہ پوری رقم داخلہ فیس ہی کے لئے متعین ہے اور منجانب مدرسہ اس کا داخلہ ہوچکا ہے۔

عن أبي حمید الساعدي أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: لا یحل لمسلم أن یأخذ مال أخیه بغیر حق. (مجمع الزوائد، باب الغصب وحرمة مال المسلم، دارالکتب العلمیة بیروت ٤/ ١٤١، رقم: ٦٨٥٩، مسند أحمد بن حنبل ٥/ ٤٢٥، رقم: ٢٣٠٠٣)

عن عبدالله بن عمرو بن عوف المزني عن أبيه، عن جده، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: الصلح جائز بين المسلمين إلا صلحا حرم حلالا، أو أحل حراما، والمسلمون على شروطهم، إلا شرطا حرم حلالا، أو أحل حراما. (سنن الترمذي، الأحكام، باب ما ذكر عن رسول الله ﷺ في الصلح بين الناس، النسخة الهندية ۱/ ۲۵۱، دارالسلام، رقم: ۱۳۵۲)

لو باع كاغذة بألف يجوز، ولا يكره. (فتح القدير، كتاب الكفالة، زكريا ديوبند ۷/ ۱۹۸، دارالفكر ۷/ ۲۱۲، كوئٹه ٦/ ۳۲٤، دارالحكام ۲/ ۳۰٤، الدر مع الرد، مطلب بيع العينة، كراچی ٥/ ۳۲٦، زكريا ۷/ ٦۱۳)

(۲) جب مدرسہ میں قانون وضابطہ یہ بن جائے کہ کمزور اور معذور مدرسین وملازمین کے لئے پنشن جاری کیا جائے گا، تو ایسی صورت میں اس ضابطہ کے مطابق مذکورہ مدرس کو منجانب مدرسہ پنشن دینا جائز اور درست ہے۔ اور بہتر یہ ہے کہ اخبارات اور کثیر الاشاعت رسائل میں اس ضابطہ کا اعلان کر دیا جائے، تاکہ لوگوں کو اس کا علم ہو جائے۔

وأما شرائط الصحة، فمنها: رضا المتعاقدين. (هندية، كتاب الإجارة، الباب الأول، زكريا جديد ٤/ ٤٤٠، قديم ٤/ ٤۱۱)

عن عبدالله بن عمرو بن عوف المزني عن أبيه، عن جده، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: والمسلمون على شروطهم، إلا شرطا حرم حلالا، أو أحل حراما. (المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ۱۷/ ۲۲، رقم: ۳۰، سنن الدارقطني، كتاب البيوع، دارالكتب العلمية بيروت ۳/ ۲۳، رقم: ۲۸٦۹)

والوكيل إنما يستفيد التصرف من الموكل، وقد أمره بالدفع إلى فلان فلا يملك الدفع إلى غيره. (شامي، كتاب الزكاة، زكريا ۳/ ۱۸۹، كراچی ۲/ ۲٦۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/ ذیقعدہ ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۲۱۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۹/ ۱۱/ ۱۴۳۱ھ

مدارسِ اسلامیہ کے اصول کا ماخذ

سوال [۸۴۱۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک ادارہ میں تمام اساتذہ کو مدعو کر کے روبرو تنخواہ دی گئی، ایک مدرس کو نہ صرف فراموش کیا گیا بلکہ پیمنٹ رجسٹر اس کے مکان پر پہنچایا گیا، ایک بالغ لڑکے کے ذریعہ، جب کہ مدرس ادارہ میں حاضر تھا، شرارتاً اس طرح کیا گیا، دس ذی الحجہ کو ناظم مدرسہ اور مدرس میں تو تو میں میں ہوگئی، پھر مدرس نے ٹرسٹ کے مطالبہ پر معافی نامہ پیش کر دیا، پھر بھی ناظم صاحب نے سبکدوش کرنے کا پلان بنالیا، ٹرسٹ کے سامنے کہتے ہیں: میں نے اکراماً تنخواہ ان کے گھر بھجوائی تھی، ناظم صاحب کا کہنا ہے کہ ادارہ پندرہ سو روپئے مکان کرایہ ایک ماہ کا آپ کو دے رہا ہے، پانچ سو روپئے میں اپنی جیب سے دے رہا ہوں، آپ مدرسہ کا مکان خالی کر دیں؟ تحقیقی فتویٰ مطلوب ہے۔

المستفتی: سید ذاکر علی اشاعتی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مدارسِ اسلامیہ کے قوانین وضوابط حسب ذیل حدیث شریف سے ثابت ہوتے ہیں کہ آپس میں جو معاملہ طے ہو جائے اسی پر پابند ہونا مدارس کے ذمہ دار اور ملازمین پر لازم ہے۔

عن عبداللہ بن عمرو بن عوف المزني أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: الصلح جائز بین المسلمین إلا صلحا حرم حلالا، أو أحل حراما، والمسلمون علی شروطهم، إلا شرطا حرم حلالا، أو أحل حراما.

(سنن الترمذي، الأحکام، باب ما ذکر عن رسول اللہ ﷺ في الصلح بین الناس، النسخة الهندیة ۱/ ۲۵۱، دار السلام، رقم: ۱۳۵۲، المستدرك للحاکم، کتاب الأحکام، مکتبه نزار مصطفی الباز جدید ۷/ ۲۵۲۳، قدیم ۴/ ۱۰۱، دار الکتب العلمیة ۴/ ۱۱۳، رقم: ۷۰۵۹)

اب رہی سوال نامہ میں جانبین کی ایک دوسرے کی شکایت کی باتیں، تو اس سلسلہ میں وہیں قریب کے بااثر علماء ومفتیان کرام سے رابطہ قائم کریں، اصل صورت حال کیا ہے اس کو پیش نظر رکھ کر وہاں کے علماء بہتر بات کہہ سکتے ہیں اور ہم اتنی دور رہ کر وہاں کی نزاکت کو نہیں سمجھ سکتے ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ ربیع الاول ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۰۹۸۶)

مدرسہ کے قوانین کا ماخذ

سوال [۸۴۱۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اجتماع مرکز ماہانہ میں بلانے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ متعلقہ شاخ کے جملہ رجسٹر جات جن میں اس شاخ کے متعلق پوری کارروائی درج ہوتی ہے، ان کا معائنہ مرکز میں ہوا کرتا ہے اور اس مقصد کے لئے مرکز میں بلایا جاتا ہے، تو اب اگر مرکز آنے کی صورت میں مدرسہ سے واپسی میں گھر جاتا ہے، تو ایک طرف کا کرایہ ملے گا۔ اور اگر گھر نہ جا کر مدرسہ واپس ہو جاتا ہے، تو دونوں طرف کا کرایہ ملے گا، کوئی مدرس اگر تاخیر کر کے آتا ہے، تو بھی کرایہ مل جاتا ہے۔ اور اگر اجتماع کی کارروائی ختم ہونے کے بعد حاضر ہوتا ہے، تو کرایہ نہیں ملتا ہے، مثلاً اگر شنبہ کی صبح کو اجتماع ہوتا ہے، تو جمعہ کو حاضری ضروری ہو جاتی ہے۔ اور اگر کسی وجہ سے جمعہ کی شام تک حاضر نہ ہو سکے تو سنیچر کی صبح تک وہ حاضر ہو جاتا ہے، تو پھر بھی رعایۃً کرایہ مل جاتا ہے؛ لیکن اگر اجتماع ختم ہونے کے بعد یا سنیچر کی دوپہر کے بعد آتا ہے تو کوئی بھی کرایہ نہیں ملے گا۔ اب ایسے حالات میں ایک مدرس شاخ سے بجائے مرکز آنے کے اپنے گھر چلا گیا، براہ راست مرکز نہیں آیا گھر سے اجتماع ختم ہونے کے بعد مرکز آگیا اور درس میں بھی جملہ کارروائی رجسٹر لے کر نہیں آیا جس کی بنا پر اس مدرس کو اپنی کارروائی رجسٹر کے لئے دوبارہ

مدرسہ جانا پڑا، تو ان دونوں سفروں میں سے کس سفر کا کرایہ اس کو مدرسہ سے ملے گا یا کچھ بھی نہیں ملے گا، مدرس صاحب کو معطل کردیا گیا جس کا حکم نامہ مرکز حاضر ہونے کے بعد دیا گیا، نیز ابھی بحالی بھی نہیں ہوئی ہے، یعنی مدرسہ واپسی کا حکم نہیں ملا ہے۔ بینوا توجروا

المستفتی: فیض الحسن ہردوئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مدارسِ اسلامیہ کے قوانین اور ضوابط ترمذی شریف اور دارقطنی کی اس حدیث شریف سے مستنبط ہوتے ہیں:

عن عبدالله بن عمرو بن عوف المزني أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: الصلح جائز بين المسلمين إلا صلحا حرم حلالا، أو أحل حراما، والمسلمون على شروطهم، إلا شرطا حرم حلالا، أو أحل حراما.

(سنن الترمذي، الأحكام، باب ما ذكر عن رسول الله ﷺ في الصلح بين الناس، النسخة الهندية ۱/ ۲۵۱، دارالسلام، رقم: ۱۳۵۲، سنن الدارقطني، كتاب البيوع، دارالكتب العلمية بيروت ۳/ ۲۳، رقم: ۲۸۶۹)

کہ مسلمان آپس میں جائز معاملہ میں جو شرائط طے کرلیں ان کی پابندی ہر ایک پر لازم ہوجاتی ہے، جیسا کہ مذکورہ حدیث سے واضح ہے؛ لہٰذا جب مذکورہ مدرسہ اور اس کے مرکز کے درمیان یہ قانون اور ضابطہ مقرر ہوچکا ہے کہ اجتماع کے موقع پر ذیل کے پانچ شرائط کی پابندی لازم ہے جو سوال نامہ سے سمجھ میں آرہے ہیں:

(۱) کارروائی رجسٹر مکمل لے کر کے مرکز میں پہنچنا۔

(۲) طے شدہ وقت کے اندر اندر پہنچنا۔

(۳) اگر مدرسہ سے طے شدہ وقت کے اندر مرکز میں پہنچ کر پھر کارروائی کے بعد مدرسہ لوٹ کر آیا ہے، تو مدرسہ دونوں طرف کا کرایہ دے گا۔

(۴) اگر ایاباً یا ذہاباً ایک دفعہ گھر ہوتے ہوئے آتا ہے یا جاتا ہے، تو مدرسہ ایک طرف کا کرایہ دے گا۔

(۵) آتے اور جاتے دونوں دفعہ گھر ہوکر جاتا ہے یا آتا ہے، تو مدرسہ کوئی کرایہ نہیں دے گا۔ یہ آپس کے قوانین اور شرائط ہیں، جن کی پابندی لازم ہے، سوال نامہ میں ذکر کردہ واقعہ کے مطابق مذکورہ مدرس نے طے شدہ شرائط میں سے جن کی پابندی سے کرایہ مل سکتا ہے کسی بھی شرط کی پابندی نہیں کی ہے؛ اس لئے مذکورہ مدرس کو مدرسہ کی جانب سے کوئی کرایہ نہیں ملے گا، پہلے سفر میں اس لئے نہیں ملے گا کہ ضابطہ نمبر ۲ رکی پابندی نہیں کی ہے۔ اور دوسرے سفر میں اس لئے نہیں ملے گا کہ ضابطہ نمبر ۱ رکی پابندی نہیں کی۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰ رجمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۶۹۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۵/۳۰ھ

مدارس کے اصول وضوابط کی شرعی حیثیت

سوال [۸۴۱۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) ایک ادارہ میں قانون بنایا گیا کہ اساتذہ گھنٹہ میں دس منٹ سے زائد تاخیر سے آئیں گے، تو ان کا پورا گھنٹہ غیر حاضری شمار ہوکر پورے گھنٹہ کی تنخواہ وضع کی جائے گی، اگرچہ اڑتالیس منٹ استاذ نے پڑھایا ہو۔

(۲) ایسے ہی جو ملازم پندرہ منٹ سے زائد تاخیر سے آئیں گے ان کے پورے چار گھنٹے غیر حاضر شمار ہوکر پورے چار گھنٹے کی تنخواہ وضع کی جائے گی، اگرچہ ملازم نے تین گھنٹے چالیس منٹ دفتر وغیرہ میں کام کیا ہو اور ڈیوٹی انجام دی ہو، مذکورہ بالا قانون کی شرعی حیثیت سے مطلع فرما کر ممنون فرمائیں، کیا مذکورہ قانون میں حق تلفی نہیں ہے؟

(۳) ایک ادارہ میں تقسیم کار اور مختلف امور کے الگ الگ شعبے ہیں، جس شعبہ میں جس ملازم کا تقرر جس خدمت پر طے ہوا اس کی خدمت مفوضہ کے علاوہ دوسرا کوئی کام انجام نہ دینے پر غیر حاضری شمار کر کے تنخواہ وضع کرنا شرعاً کیسا ہے؟ بینوا توجروا

المستفتی: حکیم محمد مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مدارسِ اسلامیہ کےقوانین وضوابط کا سارامدار ایک حدیث شریف پر ہے، جس کو ہم پہلے نقل کردیتے ہیں، اس کے بعد تینوں سوالات کے جوابات اسی حدیث شریف کی روشنی میں پیش کئے جائیں گے۔حدیث شریف یہ ہے:

عن عبدالله بن عمرو بن عوف المزني أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: الصلح جائز بين المسلمين إلا صلحا حرم حلالا، أو أحل حراما، والمسلمون على شروطهم، إلا شرطا حرم حلالا، أو أحل حراما.

(سنن الترمذي، الأحكام، باب ما ذكر عن رسول الله صلى الله عليه وسلم في الصلح بين الناس، النسخة الهندية ۱/ ۲۵۱، دارالسلام، رقم: ۱۳۵۲، المعجم الكبير للطبراني دار إحياء التراث العربي ۱۷/ ۲۲، رقم: ۳۰)

مسلمانوں کی آپسی تراضی سے ہر وہ صلح اور قانون جائز ہے جس سے قرآن وحدیث کے حرام کو حلال کرنا لازم نہ آتا ہو، اسی طرح ہر وہ شرط بھی ضابطہ اور قانون میں جائز ہے جس سے قرآن وحدیث کے قطعی حرام کو حلال، یا حلال کو حرام کرنا لازم نہ آتا ہو، اب سوالات کے جوابات ملاحظہ فرمائیے:

(۱) جب مدرسہ نے یہ قانون بنادیا ہے کہ دس منٹ کی تاخیر سے پورا گھنٹہ غیر حاضری میں شمار ہوا کرے گا تو مدرس کو یہ اختیار بھی حاصل ہوگیا کہ وہ گھنٹہ نہ پڑھائے اور دس منٹ کی تاخیر کے بعد رجسٹر پر دستخط کردے۔اور اگر رجسٹر پر دستخط کردیا گیا ہے اور پھر پورا گھنٹہ مدرس نےنہیں پڑھایا ہے او مدرسہ میں حاضر رہ کر کوئی کام نہیں کیا ہے،تو اس گھنٹے کی تنخواہ وضع کرلینا مدرسہ والوں کے لئے جائز ہے؛لیکن مدرسہ والوں کے لئے یہ جائز نہیں ہوگا کہ پورا گھنٹہ غیر حاضر قرار دیں اور پھر اس گھنٹہ میں کام بھی لیں جیسا کہ اوپر کی حدیث شریف سے یہ بات واضح ہوئی۔

(۲) جب پندرہ منٹ کی تاخیر ہوگئی ہے اور پندرہ منٹ سے زائد تاخیر ہوجائے تو پورے چار

گھنٹے کی غیر حاضری لگ جاتی ہے، تو مدرسہ والوں کے لئے غیر حاضری لگانا جائز ہے؛ لیکن شرط یہ ہے کہ اب مدرس کو بھی اختیار حاصل ہو جائے کہ یہ پورے چار گھنٹے مدرسہ میں کوئی کام نہ کرے، گویا ایک وقت کی مکمل غیر حاضری ہوگئی؛ لیکن اگر مدرسہ والے پندرہ منٹ سے زائد تاخیر کے بعد چار گھنٹہ کی تنخواہ وضع کرلیں اور کام بھی لیں یہ جائز نہیں ہے، صرف اتنا جائز ہے کہ اپنا قانون ایسا بنالیں کہ پندرہ منٹ سے زائد تاخیر کی صورت میں مدرس کو اختیار ہو جائے گا کہ مدرسہ میں رہے یا غیر حاضر رہے، ان گھنٹوں کی تنخواہ نہیں ملے گی، جیسا کہ اوپر کی حدیث شریف کے مضمون سے واضح ہوتا ہے۔

(۳) مدرسہ کے مدرسین اور ملازمین کے کار مفوضہ متعین ہونے کے ساتھ ساتھ قانون اور ضابطہ میں اگر یہ بات بھی ملحوظ رکھی گئی ہے کہ صبح کے چار گھنٹے یا شام کے دو گھنٹے کے درمیان اس کار مفوضہ کے علاوہ، ضرورت مدرسہ کی وجہ سے ذمہ دار مدرسہ دوسرا کام بھی لے سکتا ہے، مثلاً چار گھنٹے میں سے دو گھنٹے پڑھانے کے بعد ایک گھنٹہ دفتری کام کرنا ہے، پھر چوتھا گھنٹہ پڑھانا ہے یا ایک دو گھنٹے مدرسہ کی ضرورت سے متعلق میٹنگ میں بیٹھنا ہے، یا مدرسہ کی ضرورت سے متعلق آس پاس کے لوگوں سے ملاقاتیں کرنی ہیں، تو اس طرح کا قانون مذکورہ حدیث شریف کی رو سے جائز اور درست ہے، ہاں البتہ مدرسہ میں اگر دو ٹائم کی پابندی ہے، مثلاً صبح کو چار گھنٹے اور شام کو دو گھنٹے، ان کے علاوہ خارج میں کام کرنا مدرس کی ذمہ داری نہیں، تو اگر خارج میں کام کرنے پر پابند کیا جائے تو اس کے لئے الگ سے الاؤنس مقرر کرنا من جانب مدرسہ لازم ہے اور بغیر الاؤنس مدرس پر دباؤ ڈالنا ذمہ دار کے لئے اس قانون کی رو سے درست نہیں ہے، ہاں البتہ اگر کوئی ملازم یا مدرس بخوشی کام کرتا ہے تو وہ اس کی طرف سے ایثار اور تبرع ہے۔ اور اگر درجہ حفظ کے لئے مدرسہ نے شروع سے یہ قانون بنایا ہے کہ ان کو تین ٹائم کام کرنا پڑے گا، صبح سے دوپہر تک، شام کے ٹائم عصر تک، اس کے بعد مغرب اور عشاء کے درمیان کا وقت، تو ایسے مدرسین کو تینوں ٹائم کام کرنے کی تنخواہ ملتی ہے، اگر ان کے لئے الگ سے ضابطہ نہیں بنا ہے، تو پھر مغرب کے بعد طلبہ کی نگرانی کے لئے بٹھانے پر

منجانب مدرسہ ان کو الگ سے الاؤنس دینا لازم ہے۔ اور الاؤنس مدرسہ اپنی صواب دید پر متعین کرسکتا ہے، یہ ساری باتیں اوپر کی حدیث شریف سے ثابت ہوتی ہیں، اسی طرح اگر کسی ملازم کو پڑھانے کے لئے اور چندہ فراہم کرنے کے لئے مقرر کیا گیا ہے، تو یہ بھی مدرسہ کے ضابطہ کے مطابق جائز اور درست ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶ر جمادی الثانیہ ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۶۳۰/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۶/۱۶ھ

ضوابط برائے اساتذہ، تعزیرات وتعطیلات برائے طلبہ

سوال [۸۴۱۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) نماز باجماعت کی پابندی طلبہ سے زیادہ ضروری ہوگی۔

(۲) طلبہ کی نگرانی اور امر بالمعروف نہی عن المنکر کی ذمہ داری ہوگی۔

(۳) درجہ میں بیٹھنے کی ہیئت ایسی رکھنی ضروری ہوگی جس سے چستی اور رعب ظاہر ہو۔

(۴) درجہ میں بلا عذر کمر لگا کر بیٹھنے کی اجازت نہ ہوگی۔

(۵) تعلیمی اوقات میں دوسرے مدرس کے پاس جانے یا درجہ میں بیٹھے ہوئے کسی کے ساتھ باتوں میں لگنے کی اجازت نہ ہوگی۔

(۶) تعلیمی اوقات میں کتب بینی، خط نویسی کی بھی اجازت نہ ہوگی۔

(۷) طلبہ میں بجائے زجر وتنبیہ انسیت کا پیدا کرنا ضروری ہوگا۔

(۸) نیز طلبہ کے اندر کپڑے، جسم، درسگاہ وغیرہ کی صفائی کا جذبہ پیدا کرنے کے طریقے اختیار کرنا ضروری ہوگا۔

(۹) کسی کی واقعی غیر واقعی کسی کمزوری کا تذکرہ یا حکایت وشکایت کسی مدرس وغیر مدرس کے سامنے کرنے کی اجازت نہ ہوگی؛ البتہ صدر مدرسہ کو پیش کر دینا مناسب ہوگا۔

(۱۰) حسب صواب دید صدر و مہتمم کسی وقت درجہ بھی تبدیل کیا جاسکتا ہے۔
(۱۱) طلبہ سے خدمت لینے میں ان کی رضا ومناسبت کا لحاظ ضروری ہوگا۔
(۱۲) اوقات مدرسہ میں آنے والے مہمان کے لئے مدرسہ کی جانب سے ۱۰/منٹ مہمان نوازی کی اجازت ہوگی۔
(۱۳) ایک سال میں تعطیلات مقررہ کے علاوہ بیس یوم کی رخصت ہوگی، اس سے زیادہ غیر حاضری کی تنخواہ وضع کی جائے گی۔
(۱۴) مغرب وعشاء کے بعد طلبہ کی نگرانی ضروری ہوگی۔
(۱۵) درجہ میں ہر جدید کام کرنے کے لئے پہلے ذمہ دار سے مشورہ کرنا ضروری ہوگا۔
(۱۶) پندرہ روز سے پہلے گھر جانے کی اجازت نہ ہوگی۔
(۱۷) جمعرات میں دوپہر سے سنیچر کی دوپہر تک یا زائد سے زائد شام تک کی رخصت ہوگی۔
(۱۸) اوقات تعلیم میں جتنا وقت اپنے کام میں خرچ کیا جائے گا اس کی تنخواہ وضع کی جائے گی۔
(۱۹) وقتی ضرورت پر چھٹی مل جائے گی، مگر اس کا حساب ۲۰/ یوم کی رخصت میں لگے گا۔
(۲۰) مسلسل دس پندرہ یوم کی تعطیل مدرسہ کی جانب سے نہیں مل سکے گی، شادی کے موقع پر صرف ۴/۵/ یوم کی رخصت ملے گی۔
(۲۱) اگر کوئی استاذ درمیانی سال میں مدرسہ سے علیحدہ ہوگا تو اس کی اطلاع پندرہ روز پہلے دینا ضروری ہوگا، اگر بلا اطلاع الگ ہوگیا تو پندرہ یوم کی تنخواہ وضع کرلی جائے گی، اسی طرح اگر مدرسہ نے کسی استاذ کو بلا اطلاع علیحدہ کردیا تو اس کو پندرہ یوم کی تنخواہ مزید دی جائے گی۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: معلمین کے حق میں جو قوانین وضوابط مقرر کئے گئے ہیں، احقر حرفاً حرفاً ہر ایک سے متفق ہے، ماشاء اللہ اگر ان پر عمل ہو سکے تو مدرسہ طلبہ، استاذ، قوم سب کے حق میں فلاح ہی فلاح ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/شوال المکرّم ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۴۳۲/۲۵)

تعزیرات برائے طلبہ مدرسہ عربیہ امدادالاسلام ہرسولی ضلع مظفرنگر یوپی

سوال [۸۴۱۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) جماعت کی ایک رکعت چھوٹ جانے پر سب کے سامنے ہاتھ پر پانچ قمچی لگائی جائیں گی۔

(۲) ظہر کی پہلی سنت پہلے نہ پڑھنے پر مسجد کی شمالی دیوار سے جنوبی تک چار چکر مرغ بن کر لگانے ضروری ہوں گے۔

(۳) باہمی منازعت کی صورت میں دست درازی کرنے والے پر ایک کے عوض پچیس قمچی ماری جائیں گی۔

(۴) ایک گالی زبان سے نکالنے پر نفل کی چار رکعت ادا کرنی ہوگی۔

(۵) دس روپئے یا دس روپئے سے زائد کسی بھی سامان کی چوری کرنے کے ثبوت پر مدرسہ سے اخراج کردیا جائے گا۔

(۶) اگر دس روپئے سے کم چوری کی گئی تو (الف) فی روپیہ پانچ قمچی ہوں گی (ب) ضمان ہر صورت میں چور کے ذمہ ہوگا، جوکہ اسی وقت ادا کرنا ضروری ہوگا (ج) یہ سزا صاحب حق کے معاف کردینے سے بھی ساقط نہ ہوگی۔

(۷) تعطیلات مقررہ میں ایک کی بھی تاخیر معاف نہ ہوگی، دوروز کی تاخیر تک فی یوم دس قمچی ہوں گی اور تین روز کی غیر حاضری پر اخراج ہوجائے گا۔

(۸) وقتی تعطیل میں مقدار موجود سے زائد ایک دن پر دس قمچی ہوں گی۔

(۹) بیماری کی تعطیل میں اگر مسلسل بلا اطلاع دس روز تاخیر ہوگی تو اخراج ہوجائیگا۔

(۱۰) تندرستی کی حالت میں رخصت لی اور گھر جاکر بیمار ہوجائے تو ڈاکٹر کی تصدیق قابل قبول ہوگی۔

(۱۱) ہفتہ کے درمیان رخصت نہیں ملے گی، الا یہ کہ شدید بیماری یا گھر کسی پریشانی کی صحیح خبر

ملے۔

(۱۲) ایک مرتبہ اخراج کے بعد حسب صوابدید ارا کین مدرسہ دوسرے سال داخلہ ممکن ہوگا، اسی سال داخلہ کی صورت نہ ہوگی۔ فقط

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: طلبہ کی تعزیرات کے سلسلہ میں جوضوابط مقرر کئے ہیں سب سے احقر متفق ہے، البتہ جن میں قینچی کی سزا مقرر ہوئی ہے، ان کے ساتھ نوافل بھی مقرر ہو جائیں تو تربیت کے لئے زیادہ مناسب تھا، نیز نمبر ایک میں پانچ قینچی کے بجائے اگر دس مقرر کی جائے تو زیادہ اصلاح کی بات تھی، نیز مہذب ادارہ میں مہذب سزا مناسب ہے؛ اس لئے اگر مرغ بن کر چکر لگانے کے بجائے حسب مناسب نوافل مقرر کر دی جائیں تو زیادہ تربیت واصلاح کی امید ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍شوال المکرّم ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۴۳۳/۲۵)

ضوابط برائے مدرسہ عربیہ امداد الاسلام ہرسولی ضلع مظفر نگر

سوال [۸۴۲۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) تمام طلبہ کو نماز پنج گانہ باجماعت باہتمام تکبیر اولیٰ ادا کرنا ضروری ہوگا۔

(۲) لباس نیچے سے اوپر تک مطابق شرع سنت رکھنا ضروری ہوگا۔

(۳) غیبت واختلاط سے سخت پرہیز نہایت ضروری ہوگا۔

(۴) بدفعلی کے ثبوت یا ظہور پر یقیناً اخراج کر دیا جائے گا۔

(۵) سرقہ (چوری) کے ثبوت ملنے پر بھی اخراج کر دیا جائے گا۔

(۶) مدرسہ کے جملہ اساتذہ کا خصوصاً اور عامۃ المسلمین کا عموماً ادب واحترام ضروری ہوگا۔

(۷) وقتی طور پر جو اعلان کیا جائے اس کا احترام ضروری ہوگا۔
(۸) مدرسہ کے تعلیمی اوقات میں خصوصاً اور خارجی اوقات میں عموماً بستی کے اندر جانے سے پرہیز ضروری ہوگا۔
(۹) کسی بھی طالب علم کو مدرسہ سے متعلق کسی بھی واقعہ میں دخیل ہونے کا حق نہ ہوگا۔
(۱۰) تعطیلات مقررہ کے علاوہ پندرہ دن غیر حاضر ہونے سے مدرسہ آئندہ تعلیمی خدمت سے معذور رہے گا۔
(۱۱) ہر طالب علم کو ہر ماہ اپنے سر کے بال مشین سے صاف کرانا ضروری ہوگا۔
(۱۲) بالغ طلبہ کو نابالغ بچوں کے ساتھ تفریح کے لئے جانا ایک حجرہ میں رہنا قطعاً جائز نہ رکھا جائے گا۔
(۱۳) مدرسہ پر کسی بھی طالب علم کا کوئی حق مطالبہ نہ ہوگا۔
(۱۴) مدرسہ کے اصول کے مطابق بنے ہوئے کپڑے کم از کم دو جوڑی ہونا ضروری ہوگا۔
(۱۵) طلبہ کو کسی قسم کی جمعیت بنانے کا کوئی حق نہ ہوگا۔
(۱۶) ٹوپی پنج کلی یا دو پلی کے علاوہ دوسری نہیں چلے گی۔
(۱۷) اپنا لوٹا المونیم کا ہونا ضروری ہے۔
(۱۸) ایک ماہ سے پہلے چھٹی لینے کی اجازت نہ ہوگی، اس وقت بھی جمعرات کو دوپہر سے سنیچر کی دوپہر تک اجازت ہوگی۔
(۱۹) کسی وقتی حادثہ پر بھی چھٹی مل سکتی ہے، مگر مدرسہ کو واقعی ثبوت ملنا ضروری ہے۔
(۲۰) چھٹی کے وقت سے دو روز زائد ہوتے ہی نام خارج کر دیا جائے گا۔
(۲۱) روشنی کا انتظام اپنے پاس سے کرنا ضروری ہوگا، اس کے لئے دو روپے ماہانہ جمع کرنے ضروری ہوں گے۔
(۲۲) داخلہ فیس دس روپئے ہیں جو بلا طلب کئے پیش کر دینی چاہئے۔

(۲۳) قاعدہ، پارہ اور کلام پاک ناظرہ پڑھنے والوں کا مدرسہ میں امدادی داخلہ نہیں ہوگا۔
(۲۴) کوئی طالب علم اگر نصاب کے مطابق نہیں پڑھے گا یا پڑھنے میں سستی کرے گا تو اس کا نام خارج کردیا جائے گا۔
(۲۵) غیر امدادی داخلہ ہونے والے طلبہ کے کھانے کا انتظام مدرسہ کی جانب سے کیا جاسکتا ہے، خوراکی پچاس روپئے ماہانہ ہوگی ،جس میں چار ماہ کا خرچ داخل ہونے سے پہلے جمع کرنا ضروری ہوگا۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: امور شرعیہ دو قسموں میں منقسم ہیں: (۱) وہ امور جن کا تعلق بابِ احکام سے ہے، جن کے لئے شارع کی طرف سے بنیادی نصوص ہوتے ہیں (۲) وہ امور جن کا تعلق بابِ تربیت سے ہوتا ہے اور بابِ تربیت کا مدار نصوص پر نہیں ہوتا ہے؛ بلکہ حالات اور مربی اور مربی کے مزاج وصلاحیت پر مدار ہوتا ہے؛ اس لئے بابِ تربیت میں بہت سی ایسی چیزیں بھی جائز ہوتی ہیں جو بابِ احکام کے لحاظ سے ناجائز ہیں؛ اس لئے مذکورہ تمام ضوابط بابِ تربیت میں جائز ہیں؛ لیکن جن ضابطوں میں روپیہ پیسہ کی بات آتی ہے ان میں نادار طالبان علم کی تخصیص حتی الامکان ضروری ہے، مثلاً داخلہ فیس لوٹا جوڑے وغیرہ نیز غیر امدادی طلبہ پر چار ماہ کا خرچ پیشگی جمع کرنا لازم قرار دینا باقی تمام اصول ماشاء اللہ مناسب ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍شوال المکرم ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۴۳۴/۲۵)

سوال [۸۴۲۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے مدرسہ کے ضوابط برائے اساتذہ وطلبہ اور تعزیرات وتعطیلات جو مقرر کی گئی ہیں ان میں کوئی نمبر خلاف شرع تو نہیں؟ اگر ہے تو اس کی اصلاح وترمیم کی درخواست ہے۔

امید ہے کہ مزاج آپ کے بخیر ہوں گے۔فقط

نوٹ: تمام نقلوں کی واپسی کی ضرورت نہیں صرف آپ کا جواب ہمارے لئے کافی ہے۔

المستفتی: مہربان علی بڑوتوی خادم تعلیمات مدرسہ عربیہ امداد الاسلام ہرسولی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) معلمین کے حق میں جو ضوابط مقرر کئے گئے ہیں ان میں سے کوئی بھی شریعت کے خلاف نہیں ہے، ان میں مدرسہ، طلبہ، معلمین، عوام سب کے حق میں فلاح ہی فلاح ہے۔

(۲) طلبہ کی تعزیرات کے لئے جو قوانین مقرر کئے گئے ہیں باب تربیت میں ان کی گنجائش ہے؛ البتہ مہذب ادارہ میں مہذب سزا مناسب ہے؛ اس لئے نمبر۲ میں مرغ بن کر چکر لگانے کے بجائے اگر حسب مناسب نوافل مقرر کردی جائیں تو زیادہ اصلاح وبہتری کی بات ہوگی۔

(۳) طلبہ کے لئے جو قوانین مقرر کئے گئے ہیں، باب تربیت میں ان سب کی گنجائش ہے، البتہ جن ضابطوں میں مالی بھار طلبہ پر رکھا گیا ہے، ان میں نادار غریب طلبہ کے حق میں تخفیف ہونی چاہئے، لوٹا، جوڑا، داخلہ فیس وغیرہ میں ان کے ساتھ تخفیف ہونی چاہئے، نیز غیر امدادی طلبہ سے چار ماہ کا خرچ پیشگی لینے کی مصلحت احقر کو سمجھ میں نہیں آئی، ویسے آپس کی رضامندی سے جو معاملہ طے کرلیا جائے تو شرعاً وہ معاملہ درست ہے، خلاف شرع نہیں ہے۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/ شوال المکرّم ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۴۳۱/۲۵)

مدرسے کے من جملہ بچوں کی ضروریات مدّ زکوۃ سے پوری کرنے کا حکم

سوال [۸۴۲۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مدارسِ اسلامیہ میں جو طلبہ دور دراز سے تعلیم حاصل کرنے کے لئے آتے ہیں، ان

میں ہر طرح کے طلبہ ہوتے ہیں (مالدار، غرباء یتیم) اب ان کے لئے مدرسہ والے جو چندہ لاتے ہیں، اس چندہ میں زکوۃ، صدقات اورامداد وغیرہ سبھی مدات ہوتی ہیں، اب چندہ کی رقم مجموعی طور سے مذکورہ طلبہ پر صرف ہوسکتی ہے، جب کہ مذکورہ طلبہ میں دوسرے صوبوں کے بھی طلبہ ہیں، تفصیل سے جواب تحریر فرماکر کرم فرمائیں۔ والسلام

المستفتی: بندہ خدا ملی تال (نینی تال)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زکوۃ، صدقات اورامداد وغیرہم کی رقوم غرباء، یتیم ومساکین طلبہ کو دینا اوران کی ضروریات طعام ووظائف وغیرہ میں خرچ کرنا درست ہے، نیز ان طلبہ پر بھی خرچ کرنا درست ہے کہ جن کی ملکیت میں بقدر نصاب مال نہیں ہے، اگرچہ ان کے گھر پر مال موجود ہے؛ البتہ وہ غنی طلبہ کہ جن کی ملکیت میں نصاب سے زائد مال اور رقم ہے، راجح قول کے مطابق ان کو زکوۃ کی رقم دینا یامد زکوۃ سے خرچ کرنا جائز نہیں ہے؛ لیکن مدارس میں پڑھنے والے طلبہ میں ایک دو فیصد بھی ایسے طلبہ نہیں ہوتے ہیں کہ جن کے پاس نصاب کے بقدر ماں باپ سے ہٹ کر الگ سے پیسے ہوں۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۶/ ۲۵۵، امداد الفتاوی ۲/ ۱۸، احسن الفتاوی ۴/ ۲۵۲، ایضاح النوادر/ ۴۸)

والأوجه تقييده بالفقير، ويكون طلب العلم مرخصا لجواز سؤاله من الزكوة وغيرها، وإن كان قادرا على الكسب إذ بدونه لا يحل له السؤال. (فتاوى شامي، كتاب الزكوة، باب المصرف، زكريا ۳/ ۲۸٦، كراچی ۲/ ۳٤٠، الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۸/ ۳۳٦)

لا يجوز دفع الزكوة إلى من يملك نصابا، أي مال كان. (هندية، الباب السابع في المصارف، زكريا قديم ۱/ ۱۸۹، جديد ۱/ ۲٥۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/ محرم الحرام ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۴۳۳)

مدرسہ میں آمدہ غلہ میں اشیاء کی رسید دینے کا حکم

سوال [۸۴۲۳]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک دینی مدرسہ ہے، جس میں بیرونی طلبا مقیم ہیں، طلبا کا طعام مدرسہ کے مطبخ میں بنتا ہے، اکثر طلبا کا کھانا امدادی ہے، بعض کا غیر امدادی ہے، مدرسہ میں دوقسم کی رسید بک ہیں: ایک عام چندہ کرنے کی، دوسری رسیداشیاء کی ہے، جوغلہ وغیرہ مدرسہ میں آتا ہے اس کو اشیاء کی رسید دی جاتی ہے، اوراس کو مطبخ میں استعمال کیا جاتا ہے، گویا کہ اشیاء کی رسید کا مطلب یہ ہے کہ یہ مطبخ کی رسید ہے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ جوغیر امدادی طلبا طعام کی فیس جمع کرتے ہیں، ان کواشیاء کی رسید دی جائے یا عام چندہ کی رسید دے کراس رقم کو مین بیلنس میں جمع کیا جائے؟

المستفتی: مرغوب الرحمٰن، دھام پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ میں دوقسم کی رسیدوں کا ذکر ہے، ایک عام چندہ کی ہے۔ اورایک اشیاء کی ہے اور اشیاء کے بارے میں یہ شبہ ظاہر کیا گیا ہے کہ جوبھی اشیاء ہوں وہ مطبخ میں آئیں گی، یہ بات عمومی طور پر ہے؛ لیکن کبھی کبھی ایسی اشیاء بھی ہوتی ہیں جو مطبخ سے متعلق نہیں ہیں، مثلاً تعمیر کے موقع پر سریا، چوکہ، سیمنٹ وغیرہ چندہ میں آجائے تواس میں بھی اشیاء ہی کی رسید کاٹ کردی جاتی ہے؛ اس لئے غیر امدادی طلبہ کی فیس جمع کرنے میں کوئی بھی رسید کاٹ کر دینے میں کوئی حرج نہیں، بس اتنی بات ضروری ہے کہ مطبخ میں خوراکی کی قیمت متعین ہواوراس قیمت کی رسید کاٹ کر دے دی جائے۔ اور رسید کاٹنے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اتنے دنوں کی خوراکی کا پیسہ مدرسہ میں آگیا ہے۔ اور مدارس میں اس طرح کا تعامل اورعرف ہے؛ اس لئے اس میں کسی کواشکال نہیں ہونا چاہئے۔

المعروف كالمشروط. (الأشباه والنظائر، جديد ص: ٢٧٨)

المعروف بالعرف كالمشروط شرطا. (قواعد الفقه، أشرفي، ص: ١٢٥، رقم: ٣٣٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١٢/ربیع الثانی ١٤٣٦ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٤١/١١٨٩)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
١١/٤/١٤٣٦ھ

مدارس میں فیس لے کر تعلیم دینے کا حکم

سوال [٨٤٢٤]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مدارسِ اسلامیہ کے اندر درجہ حفظ یا درجہ عربی کے بچوں سے فیس لینا درست ہے، اس سے قرآن کا بیچنا تو لازم نہیں آئے گا؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم اپنے بچوں کو مدرسے میں اس لئے داخل نہیں کراتے کہ فیس نہیں لگتی اور اسکولوں میں ہر مہینہ فیس لگتی ہے؛ حالانکہ قرآن کا مرتبہ اس سے بہت بڑھا ہوا ہے، پھر بھی مدرسہ والے فیس نہیں لیتے۔ اور یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ حافظ لوگ صدقہ کا مال کھاتے ہیں، جس سے ہمارے بچوں پر اس کا اثر پڑے گا۔

المستفتی: نسیم احمد غازی پوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مدارسِ اسلامیہ میں طلبہ کو قرآن کریم اور دیگر دینی کتابوں کی تعلیم دے کر ان سے فیس وصول کرنا شرعاً جائز ہے۔ اور آج کل چوں کہ مدارس میں عموماً غریب اور نادار طلبہ ہوتے ہیں جو صدقات وخیرات وغیرہ کے مستحق ہوتے ہیں اور وہ تعلیم کی فیس ادا کرنے کے متحمل نہیں ہوتے ہیں؛ اس لئے مدارس میں ان سے تعلیمی فیس وصول نہیں کی جاتی ہے؛ لیکن اگر کسی مدرسہ میں تعلیمی فیس وصول کی جائے تو شرعاً اس کی اجازت ہے، اس کو قرآن کریم کا معاوضہ کہنا اور قرآن کی آیتوں کی فیس کہنا قطعاً درست نہیں؛ بلکہ تعلیم

دینے والے بچوں کے حبس وقت کی فیس اور تنخواہ ہے، جو فیسوں کے نام سے وصول کیا جاتا ہے، ورنہ قرآن کی آیتوں کی فیس کون ادا کرسکتا ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۱/۴۲۲)

قال في الهداية: وبعض مشايخنا استحسنوا الاستئجار على تعليم القرآن اليوم؛ لظهور التواني في الأمور الدينية، ففي الامتناع تضييع حفظ القرآن وعليه الفتوى. (شامي، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، مطلب تحرير مهم في عدم جواز الاستئجار على التلاوة والتهليل، زكريا ٩/ ٧٦، كراچی ٦/ ٥٥، هداية أشرفی ٣/ ٣٠٣، البناية، أشرفيه ديوبند ١٠/ ٢٨٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰/۳/۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۲۲۰)

طلبہ کا بلا اجازت مدرسہ کی چیزوں کو استعمال کرنے کا حکم

سوال [۸۴۲۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر کوئی طالب علم مدرسہ کے ذمہ داران کی اجازت کے بغیر کھانے کی کوئی چیز اٹھا کر کھالے تو اس کا مدلل حکم تحریر کیجئے۔

المستفتی: محمد ابو الکلام، مظفر نگر، متعلم مدرسہ شاہی مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مدرسہ کی جس چیز کا ذکر کیا جارہا ہے، اگر وہ چیز مدزکوۃ کی ہے، تو اس کے مستحقین میں مذکورہ طالب علم بھی ہے، اس نے جو چیز ذمہ داروں کی اجازت کے بغیر کھائی ہے، دیانۃً تو وہ چیز اس کے لئے حلال ہوئی؛ لیکن مدرسہ کے ذمہ داران اور مدرسہ کے نظام کے خلاف اس نے یہ عمل کیا ہے اور اس طرح کے اعمال کی بنا پر مدرسہ کا نظم ونسق باقی نہیں رہ سکتا؛ اس لئے کسی طالب علم کے لئے مدرسہ کے قانون اور نظام کی مخالفت کی بنا پر ذمہ داران کی اجازت کے بغیر از خود مدرسہ کی کسی چیز کے کھانے کی اجازت نہیں۔

وظاهره أن من له حظ في بيت المال بكونه فقيرا، أو عالما، أو نحو ذلك، ووجد ما مرجعه إلى بيت المال من أي بيت من البيوت الأربعة الآتية في آخر الجزية له أخذه ديانة بطريق الظفر في زماننا، ولا يتقيد أخذه بأن يكون مرجع المأخوذ إلى البيت الذي يستحق منه. (شامي، كتاب الجهاد، باب المغنم وقسمته، مطلب: فيمن له حق في بيت المال، وظفر بشيء من بيت المال زكريا ٦/ ٢٦٥، كراچی ٤/ ١٥٩، البحرالرائق، کوئٹه ٥/ ١١٨، زكريا ٥/ ٢٠٠، هندية زكريا قديم ١/ ١٩١، جديد ١/ ٢٥٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ر صفر المظفر ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۷۴۹۵)

تعلیمی اوقات کے دوران طلبہ کو قرآن خوانی کے لئے بھیجنا

سوال [۸۴۲۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مدرسہ کے تعلیمی وقت میں طلبہ کو قرآن خوانی کی دعوت میں بھیجنا کیسا ہے، جب کہ تعلیمی وقت میں قرآن خوانی کے لئے بھیجنے کی صورت میں تعلیم کا نقصان یقینی ہوتا ہے، اس سلسلے میں مدرسہ والوں کی کیا ذمہ داری ہے؟

المستفتی: راشد علی (کاتب) پیپلسانہ، ضلع مرادآباد (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ارباب مدرسہ کی اہم ذمہ داری یہی ہے کہ طلبہ کو ہر ایسی چیز اور امور سے محفوظ رکھیں جو ان کی تعلیم میں نقصان دہ ہوں، چاہے وہ امور فی نفسہٖ اچھے کیوں نہ ہوں، کیونکہ ان کے لئے تعلیم سے اہم کوئی چیز نہیں ہے، نیز موجودہ دور میں جن لوازمات کے ساتھ قرآن خوانی ہوتی ہے، اس کو بعض فقہاء نے ناجائز اور مکروہ قرار دیا ہے۔

من قال من المشايخ: قراءة القرآن بالجماعة جهرا ويسمى

بالفارسية سی پاره خوانده مکروه الخ. (نفع المفتي والسائل، ص: ١٢٤، المحيط البرهاني، المجلس العلمي ٧/ ٥١٣، رقم: ٩٤٥٢، الفتاوى التاتارخانية زكريا ١٨/ ٥٨، رقم: ٢٨٠٢٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۳۱۷۸)

مدارس کے طلباء سے قرآن خوانی کرانا

سوال [۸۴۲۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مدارس کے بچوں سے کلام پاک پڑھوانا کیا حکم رکھتا ہے؟

المستفتی: عبدالمعید قاسمی آزادنگر، ہلدوانی نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: فی نفسہٖ قرآن کریم کی تلاوت باعث خیر وبرکت ہے؛ لیکن اس زمانہ میں جو مدارس کے طلبہ کو تعلیمی وقت وغیرہ میں لے جاکر پڑھوایا جاتا ہے، اس میں بہت سی خرابیاں ہیں، مثلاً طلبہ کی تعلیم کا حرج وہاں جاکر کھانے پینے کا التزام وغیرہ، اس لئے مروجہ طریقہ سے گھروں میں لے جاکر پڑھوانا ممنوع اور بدعت سئیہ ہے۔

ومن قال من المشايخ: إن ختم القرآن بالجماعة جهرا ويسمى بالفارسية سي پاره خوانده مكروه. (المحيط البرهاني، كتاب الكراهية والاستحسان، الفصل الرابع، المجلس العلمي ٧/ ٥١٣، رقم: ٩٤٥٢، الفتاوى التاتارخانية زكريا ١٨/ ٥٨، رقم: ٢٨٠٢٣، نفع المفتي والسائل، ص: ١٢٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/ ربیع الاول ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۳۰۷۹)

لڑکیوں کا مدرسہ قائم کرنا

سوال [٨٤٢٨]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: خواتین کی بڑھتی ہوئی جہالت کو مٹانے کے لئے ایک شخص پورے پردہ وغیرہ کی رعایت کے ساتھ لڑکیوں کا مدرسہ کھولنا چاہتا ہے، جس میں اساتذہ کی اکثریت عورتوں کی ہوگی، مگر کچھ مرد بھی ہوں گے، جو پردہ کے اندر سے تعلیم دیں گے، تو اس کا یہ اقدام کیسا ہے؟

المستفتی: محمد محسن علی متعلم تکمیل ادب مدرسہ امدادیہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زنانہ مدارس کا کھولنا اور جاری کرنا اور لڑکیوں کے لئے وہاں تعلیم کے لئے جانا اور عورتوں کو ان کی صنف کے مناسب علوم وفنون سکھانا یہ تمام امور نہ یہ کہ صرف جائز ہیں؛ بلکہ مستحسن ہیں؛ لیکن لڑکیوں کے اسکول صرف لڑکیوں کے لئے مخصوص ہونے چاہئے تاکہ فتنہ کا احتمال باقی نہ رہے، جس کے لئے بہتر طریقہ یہ ہے کہ نیک کردار پاک دامن عورتوں کو تعلیم وتربیت کے لئے مقرر کیا جائے، اگر معلمات نہ مل سکیں، تو مجبوراً نیک اور صالح قابل اعتماد مردوں کو متعین کیا جائے۔ اور ان کی کڑی نگرانی رکھی جائے اور کسی بھی طرح بے پردگی بالکل نہ ہونے پائے، تو اس کی بھی گنجائش ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۲/ ۳۵-۳٦، جدید مطول ۲/ ۳۸۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۹/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۵ھ	احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۰۳۹)	۱۴۱۵/۵/۲۹ھ

مدارسِ اسلامیہ میں غیر مسلم بچوں کو تعلیم دینے کا حکم

سوال [٨٤٢٩]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: کیا اسلامی مدارس میں غیر مسلم ہندو بچوں کو ان کے والدین کی خواہش پر عربی تعلیم دینا درست ہے، جب کہ وہ مسلم بچوں کے مقابلہ میں صاف ستھرے ہو کر آئیں؟

المستفتی: سید اشرف علی شیر کوٹ بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اسلامی مدارس میں غیر مسلم ہندو بچوں کو ان کی خواہش کے مطابق داخل کر کے عربی تعلیم دینا درست ہے، جب کہ ان غیر مسلم بچوں کی نیت صاف ہو، علم حاصل کر کے مذہب اسلام پر اعتراض کرنے کی نیت نہ ہو۔ (مستفاد: کفایت المفتی ۲/ ۱۴، جدید مطول۲/ ۵۲۸)

وفي الخانية: من بحث القراء ة الحربي أو الذمي إذا طلب تعلم القرآن، والفقه، والأحكام يعلم رجاء أن يهتدي؛ لكن يمنع من مس المصحف إلا إذا اغتسل فلا يمنع. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، دارالكتاب ديوبند، ص: ١٤٣)

ويمنع النصراني من مسه، وجوزه محمد إذا اغتسل، ولا بأس بتعليمه القرآن والفقه عسى يهتدى. (شامي، كتاب الطهارة، مطلب يطلق الدعاء على ما يشمل الثناء، زكريا ١/ ٣٢١، كراچی ١/ ١٧٧، وهكذا في حلبي كبير سهيل اكيڈمي لاهور، ص: ٤٩٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۹؍ شعبان ۱۴۱۶ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۵۶۷)	۱۴۱۶/۸/۲۹ھ

طلباء کو انعام میں ملنے والے روپیوں کا مالک کون؟

سوال [۸۴۳۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کسی بچہ نے مقابلہ قراءت ونعت خوانی میں اول نمبر حاصل کیا، اس بچہ سے خوش ہو کر

مقابلہ کرانے والی کمیٹی نے بطور انعام ایک قرآن شریف اور -/500 روپئے نقد اور ایک دیوار گھڑی اور ایک سند بھی دی اور وہ بچہ اس وقت ہاپوڑ میں زیر تعلیم تھا اور وہیں سے مقابلہ کے لئے گیا تھا، جب سب انعام مل گیا تو مدرسہ والوں نے قرآن تو بچہ کو دے دیا؛ لیکن بقیہ مذکورہ سامان بچہ کو نہیں دیا اور مدرسہ والے یہ کہہ رہے ہیں کہ مدرسہ کی طرف سے بھیجا گیا تھا؛ لہٰذا سامان مدرسہ ہی لے گا، شریعت کی روشنی سے مدلل جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: محمد نذیر احمد مؤذن مدرسہ شاہی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دینی مدارس کی جانب سے جن بچوں کو قراءت وغیرہ کے مقابلہ ومظاہرہ کے لئے بھیجا جاتا ہے، اس سے یہ مقصود نہیں ہوتا ہے کہ بچے مدرسہ کے لئے آمدنی حاصل کر کے لائیں گے؛ بلکہ صرف بچہ کی ہمت افزائی اور مدرسہ کی شہرت مقصود ہوتی ہے اور انعام دینے والے بھی محض بچہ کی حوصلہ افزائی کی غرض سے خاص طور پر بچے کو دیتے ہیں، اگر یہ معلوم ہو جائے کہ بچے سے لے لیا جائے گا، تو بچے کو بھی نہیں دیں گے؛ اس لئے عرف میں جو کچھ بھی انعام بچے کو ملتا ہے وہ سب بچے کا حق ہے، جبراً یا دباؤ ڈال کر بچے سے لے لینا جائز نہیں ہے۔

عن أبي حميد الساعدي –رضي الله عنه– أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لا يحل لامرئ أن يأخذ مال أخيه بغير حقه، وذلک لما حرم الله مال المسلم على المسلم. (مسند أحمد بن حنبل ٥/ ٤٢٥، رقم: ٢٤٠٠٣)

عن أبي حرة الرقاشي عن عمه، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لا يحل مال امرئ مسلم إلا بطيب نفس منه. (شعب الإيمان للبيهقي، باب في قبض اليد عن الأموال المحرمة، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٣٨٧، رقم: ٥٤٩٢)

الثابت بالعرف كالثابت بالنص. (شرح عقود رسم المفتي، قديم، ص: ٩٤، قواعد الفقه أشرفي، ص: ٧٤، رقم: ١٠١)

لا يجوز لأحد أن يأخذ مال أحد بلا سبب شرعي. (قواعد الفقه أشرفي،

ص: ١١٠، رقم: ٢٦٩، شرح المجلة رستم اتحاد ١/ ٦٢، رقم المادة ٩٧، الموسوعة الفقهية الكويتية ٢١/ ١١٢، ٢٨/ ٢٦٤، ٣٧/ ٣٥٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم رمضان ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٢٦/ ١٩٣٨)

کیا پرانے مکتب میں تعلیمی سلسلہ کو جاری رکھنا ضروری ہے؟

سوال [۸۴۳۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے یہاں کی مسجد کو بنے ہوئے ۳۵؍ سال ہوگئے ہیں اور مکتب کو جو اسی مسجد کی ملکیت کی زمین میں ہے۔ ۲۷؍ سال ہوگئے، اب اس مکتب کی چھت کمزور ہوگئی ہے، تو مکتب چلانے والے ذمہ دار اور مہتمم مسجد کے متولی کی اجازت سے اس چھت کی مرمت یا تعمیر کر سکتے ہیں، تاکہ آئندہ بھی بچے وہاں تعلیم حاصل کر سکیں، یا اس مکتب کی زمین کو بھی مسجد میں شامل کرلیا جائے شرعی حکم کیا ہے؟

المستفتی: عبد الکریم راجہ غالب پور، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب ۲۷؍ سال سے مکتب قائم ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ متولی وواقف کی اجازت سے ہے؛ لہٰذا اس کو آئندہ کے لئے بھی باقی رکھ کر تعلیمی سلسلہ کو جاری رکھنا بلاتردد جائز ہوگا۔ اور کمزور چھت کی مرمت بھی متولی وغیرہ کی اجازت سے کر دینا جائز ہوگا۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۵/ ۲۳۷، ڈابھیل ۱۵/ ۵۹۷)

وسائر التصرفات لمن يتولى. (درمختار على الشامي، الوقف، مطلب لا يستبدل العامر إلا في أربع، زكريا ٦/ ٥٨٩، كراچی ٤/ ٣٨٨، الموسوعة الفقهية الكويتية ٤٤/ ١٣٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍ محرم الحرام ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ٦٩٩٩)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۱/۵ھ

الفصل الثاني: في التولية

طلبا کی تعلیمی کوتاہی پر مسئول کون ہے؟

سوال [٨٤٣٢]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: طلبہ قومی وملی امانت ہیں، ان کی تعلیم وتربیت میں دانستہ کوتاہی ہورہی ہے، عنداللہ مسئول کون ہوں گے؟ ان حالات کی روشنی میں مدرسہ کی ملازمت کا کیا حکم ہے؟ مفصل ومدلل جواب مرحمت فرمائیں۔

المستفتی: نبی حسن، خادم دار العلوم اررریہ بیرگاچھی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر طلبہ کی تعلیم وتربیت میں دانستہ کوتاہی ہورہی ہے تو اساتذہ عند اللہ مسئول ہوں گے۔ اور اگر اس کوتاہی میں ناظم مدرسہ یا مہتمم مدرسہ کا دخل ہے تو اللہ کے نزدیک وہی مسئول ہوگا؛ کیوں کہ مہتمم کے سامنے اساتذہ کا اختیار نہیں چلتا؛ البتہ مدرسے کی ملازمت آپ کے لئے ہر حال میں جائز ہے، انتظامی کوتاہی کے آپ ذمہ دار نہیں ہیں، اس کے ذمہ دار منتظمین حضرات ہیں، اللہ کے یہاں انہیں سے پوچھا جائے گا۔

عن ابن عمر – رضي الله عنه – عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: ألا! كلكم راع، وكلكم مسئول عن رعيته، فالأمير الذي على الناس راع، وهو مسئول عن رعيته. (مسلم شريف، باب فضيلة الإمام العادل، النسخة الهندية ٢/ ١٢٢، بيت الأفكار، رقم: ٨٢٩، صحيح البخاري، كتاب الجمعة، النسخة الهندية ١/ ١٢٢، رقم: ٨٨٣، ف: ٨٩٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١٦/ صفر ١٤٢٦ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٨٧٢/٣٧)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
١٤٢٦/٢/١٨ھ

موقوفہ جائیداد کو ذاتی ملکیت سمجھنے کا حکم

سوال [۸۴۳۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) اگر کوئی مہتمم مدرسہ یا متولی زبان سے تو ملکیت نہ کہتا ہو، مگر دل میں وقف دینی مدرسہ کو اپنی ذاتی ملکیت ہی سمجھتا ہو، تو اس کا کیا حکم ہے؟

(۲) اس کے برعکس زبان سے کچھ نہ کہتا ہو، مگر عملاً وقف کی جائیداد مدرسہ کی جائیداد کو اپنی ذاتی ملکیت سمجھتا ہو، تو اس کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: عبدالحق چندرہاں عمری الہ آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱-۲) دینی مدرسہ کی زمین اور جائیداد کو اپنی ملکیت قرار دینا یا اپنی ملکیت سمجھنا درست نہیں ہے؛ بلکہ مہتمم یا متولی کو اپنے آپ کو مدرسہ یا مسجد کا خادم سمجھنا چاہئے۔

لم يبق على ملك الواقف، ولا انتقل إلى ملك غيره بل صار على حكم ملك الله تعالىٰ الذي لا ملك فيه لأحد سواه. (شامي، الوقف، مطلب لو وقف على الأغنياء وحدهم لم يجز، زكريا ٦/ ٥٢١، كراچی ٤/ ٣٣٩، الفقه الإسلامي وأدلته، دارالفكر ١٠/ ٧٦٠١، هدى انٹر نيشنل ديوبند ٨/ ١٥٣، مجمع الأنهر دارالكتب العلمية بيروت ٢/ ٥٧١، مصري قديم ١/ ٧٤٠، هندية، زكريا قديم ٢/ ٣٥٠، جديد ٢/ ٣٤٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/۳/۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۲۱۶)

مہتمم صاحب کا مدرسہ کی زمین اپنے نام رجسٹری کروانے کا حکم

سوال [۸۴۳۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: دینی مدرسہ کی زمین وجائیداد کو اپنے ذاتی نام سے رجسٹری یا رجسٹریشن کرانا کیسا ہے؟ جس طرح لوگ اپنی زمین وجائیداد اور باغ وغیرہ اپنے نام بیع نامہ یا رجسٹری کراتے ہیں، اسی طرح زمین ومکان اپنے نام کرانا کیسا ہے؟ کیا مہتمم یا متولی اپنے نام کرا سکتا ہے یانہیں؟ اگر دانستہ یا غیر دانستہ طور پر اپنے نام رجسٹری یا بیع نامہ کرالیا ہوتو پھر اب کیا کرنا چاہئے ،اسے یوں ہی رہنے دیا جائے یارد کرائیں؟

المستفتی: عبدالحق چندوہاں عمری الہ آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مدرسہ کی زمین وجائیداد کو مہتمم یا ناظم مدرسہ کے لئے مدرسہ کے نام رجسٹری کرانا لازم اور ضروری ہے، اگر رجسٹری اپنے نام سے کرالی ہے تو اس کو مدرسہ یا مسجد کے نام سے دوبارہ رجسٹری کرالینا چاہئے۔

وینزع وجوبا لو الواقف فغیره بالأولیٰ غیر مامون (درمختار) وفي الشامیة: قال في الإسعاف: ولا یولی إلا أمین قادر بنفسه أو بنائبه؛ لأن الولایة مقیدة بشرط النظر، ولیس من النظر تولیة الخائن؛ لأنه یخل بالمقصود. (شامي، الوقف، مطلب في شروط المتولي زکریا ٦/ ٥٧٨، کراچی ٤/ ٣٨٠، الموسوعة الفقية الکویتیة ٤٤/ ٢٠٧، البحرالرائق، زکریا ٥/ ٣٧٨، کوئٹه ٥/ ٢٢٦، هندیة زکریا قدیم ٢/ ٤٠٨، جدید ٢/ ٣٨٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/ ربیع الاول ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۲۱۶/۳۸)

مدرسہ کے لئے خریدی گئی زمین کا شخصی بیع نامہ کرانا

سوال [۸۴۳۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک عمارت مدرسہ کے لئے خریدی گئی، یہ مدرسہ امداد العلوم محلّہ قریشیان کے نام سے

موسوم ہے، جو عرصہ پچاس سال سے دینی خدمت انجام دیتا چلا آرہا ہے، جس میں حفاظ فارغ ہوتے چلے آرہے ہیں، آج بھی اس مدرسہ میں معلمین حضرات حافظ وقاری دینی خدمت کوانجام دے رہے ہیں، وہ نئی عمارت جو مدرسہ کے پیسہ سے خریدی گئی، اس میں بھی عرصہ آٹھ سال سے دینی تعلیم بدستور چلی آرہی ہے، جگہ کی قلت کی وجہ سے یہ عمارت مدرسہ نے اپنی جیب خاص سے خریدی، اس میں بھی آٹھ سال سے بدستور دینی خدمت انجام دی جارہی ہے، اب یہ عمارت کسی نے وقف نہیں کی؛ بلکہ یہ عمارت مدرسہ نے صدقہ خیرات زکوۃ وچرم قربانی اور تمام ہی مدات سے بطور امداد خریدی، اب زید نے اس عمارت کو آٹھویں یا دسویں تک کرانے کے لئے بیع نامہ اپنے نام کرالیا ہے، جب کہ یہ عمارت مدرسہ کے پیسہ سے خریدی گئی تھی، اب اس مدرسہ کو بجائے مدرسہ کے جونیر ہائی اسکول کے نام سے موسوم کرلیا ہے، اب جب کہ جونیر ہائی اسکول کے نام سے بیع نامہ کرالیا ہے، تو پھر جب کبھی سرکاری پیسہ آنا شروع ہوگا تو پھر مدرسہ سے اس کا کچھ تعلق نہ رہے گا اور مدرسہ جو کہ دین کی بقا کا ذریعہ ہے بالکل ختم ہوجائے گا، تو کیا زید مدرسہ کے حق میں اچھا کررہا ہے یا برا؟ کیا زید کا شمار دین کے باغیوں میں ہوگا یا فرماں برداروں میں؟ اور زید نے یہ بیع نامہ بغیر قوم وملت کے مشورے کے خود اپنے نام کرالیا ہے، قوم وملت اس بیع نامہ کے خلاف ہے، ان تمام امر کا جواب دے کر ماجور ہوں۔

المستفتی: امیر حسین ٹھیکیدار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ عمارت جو مدرسہ کے لئے مدرسہ کے نام سے خریدی گئی تھی، اس کو زید کا اپنے نام سے بیع نامہ کرالینا سخت ترین خیانت اور غصب ہے، وہاں کے اہل حل وعقد اور بااثر لوگوں پر لازم ہے کہ ایسے خائن ذمہ دار کو فوری طور پر ذمہ داری سے سبکدوش کردیں، اس کا نام بیع نامہ سے خارج کردیں اور مدرسہ کی عمارت کی حفاظت کریں، مدرسہ کی کسی بھی عمارت کو کسی شخص کے نام کرنا جائز نہیں ہے۔

إن عزل القاضي للخائن واجب عليه. الخ (مجمع الأنهر، كتاب الوقف، دارالكتب العلمية بيروت ٢/ ٦٠٢، قديم ١/ ٧٦٢، شامي، زكريا ٦/ ٥٧٨، كراچی ٤/ ٣٨٠، البحر الرائق، زكريا ٥/ ٤١١، كوئٹه ٥/ ٢٤٥، بزازية، زكريا جديد ٣/ ١٣٤، وعلى هامش الهندية ٦/ ٢٥٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍محرم الحرام ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۶۴۲۲)

احکام شریعت کا لحاظ نہ رکھنے والے مہتمم کا حکم

سوال [۸۴۳۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے یہاں دینی مدرسہ میں جو مہتمم ہے وہ داڑھی نہیں رکھتا ہے، انگریزی لباس پہنتا ہے، اپنے گھر کی عورتوں کو بے پردہ رکھتا ہے، گھر میں ٹی وی رکھتا ہے، ہر وقت فلم وغیرہ دیکھتا ہے اور پہلے کسی دوسرے کالج میں پرنسپل رہا ہے اور وہاں پر غبن کیا ہے اور وہاں سے دو سال قبل ان ہی حرکتوں کی وجہ سے رٹائر کر دیا گیا ہے اور مستقل علماء دین کے ساتھ توہین آمیز گفتگو کرتا ہے، جب تک دوسرے مہتمم رہے ان کو ہر طرح پریشان کرتا رہا اور مجلسِ شوریٰ میں بہت سے دیندار پابند شریعت متبع سنت لوگ ہیں، تو کیا ایسے آدمی کو مہتمم بنانا درست ہے؟ اور مدرسہ کے حق میں دعا فرمایئے۔

المستفتی: محمد خالد معرفت اسعد الرحمٰن

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مدرسہ کا مہتمم اگر داڑھی کٹاتا ہو، اپنے گھر کی عورتوں کو بے پردہ رکھتا ہو، گھر میں ٹی وی رکھ کر فلمیں وغیرہ دیکھتا ہو اور بلا وجہ مدرسین اور اساتذہ کو پریشان کرتا ہو اور گالیاں دیتا ہو، تو ایسا مہتمم فاسق ہے، اس کو معزول کر دینا چاہئے اور جب

کہ شوریٰ میں اس کے علاوہ دوسرے حضرات پابند شریعت اور متبعین سنت موجود ہیں، تو ان ہی میں سے کسی کو مہتمم بنایا جائے، تاکہ مدرسہ کا نظام اور مقصد قیام تعلیم وتعلم کا سلسلہ باقی رہے۔

وینزع وجوبا لو الواقف. فغیرہ بالأولی غیر مامون أو عاجزا، أو ظهر به فسق، کشرب خمر ونحوه. (درمختار) وفي الشامیة: قوله: ”غیر مامون“ قال في الإسعاف: ولا یولي إلا أمین قادر بنفسه، أو بنائبه؛ لأن الولایة مقیدة بشرط النظر الخ. (درمختار مع الشامي، الوقف، مطلب في شروط المتولي زکریا ٦/ ٥٧٨، کراچی ٤/ ٣٨٠، البحرالرائق زکریا ٥/ ٤١١، کوئٹہ ٥/ ٢٤٥، بزازیة، زکریا جدید ٣/ ١٣٤، وعلی هامش الهندیة ٦/ ٢٥٣، مجمع الأنهر دارالکتب العلمیة بیروت ٢/ ٦٠٢، مصري قدیم ١/ ٧٦٢، الموسوعة الفقهیة الکویتیة ٤٤/ ٢٠٧)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ ررجب ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۲۸۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۹/۷/۱۴۲۰ھ

مہتمم سے متعلق سوال وجواب

سوال [۸۴۳۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کے گاؤں میں ایک مدرسہ ہے جو بریلوی حضرات کے قبضہ میں چل رہا ہے، اور مسلک اہل سنت (مسلک علماء دیوبند) کا کوئی مدرسہ نہ تھا، چند نوجوانوں نے جدوجہد کر کے رضا خانیوں سے مدرسہ چھین لیا اور مسلک دیوبند کے قبضہ میں آگیا، مدرسہ کی ایک کمیٹی بھی بنائی گئی، جس میں ہمارے گاؤں کے ایک صاحب ہیں جو مدرسہ فرقانیہ گونڈہ میں مدرس ہیں، ان کو مہتمم کے نام سے منتخب کیا گیا، مدرسہ چلنے لگا اور تعلیم بھی بہترین طریقہ سے

ہونے لگی، آمدنی کے وسائل بھی پیدا ہوگئے، مدرسہ صحیح ڈھنگ سے چلنے لگا، اس کے بعد مہتمم صاحب نے من مانی کرنا شروع کی، یہاں تک کہ کئی سال ہوگئے میٹنگ تک نہیں کی، کمیٹی کے لوگ کرتے رہے؛ لیکن کوئی توجہ نہ کی، آہستہ آہستہ تعلیم بالکل کمزور ہوگئی اور مہتمم صاحب کے اندر اقرباپروری بھی آگئی اور اپنے بہنوئی کو مدرس رکھ لیا جو پڑھانے لکھانے میں نہایت ہی نکمے تھے، ان کے آنے سے مدرسہ کی حالت اور زیادہ خراب ہوگئی، علاقہ سے بہت شکایتیں آنے لگیں، مدرسہ کے نائب مہتمم اور دیگر حضرات مہتمم صاحب کے پاس گونڈہ گئے کہ میٹنگ کرو؛ لیکن مہتمم صاحب نے بات سنی ان سنی کردی اور مدرسہ کا نظام بہت ہی زیادہ خراب ہوگیا، مہتمم صاحب کے بہنوئی صاحب نے مدرسین میں گروپ بندی کرنا شروع کردی، جس کی وجہ سے تعلیم اور زیادہ خراب ہوگئی، یہاں تک کہ مہتمم صاحب نے چوری چوری ایک کمیٹی بنائی، جس میں اپنے ایک بھائی کو صدر دوسرے کو سکریٹری اور خود مہتمم اور بقیہ بھائیوں اور بھتیجوں اور بہنوئی کو ممبر بنا کر کمیٹی فیض آباد سے رجسٹریشن کرالی، جب کچھ دنوں کے بعد علاقہ والوں کو پتہ چلا کہ حضرت مہتمم صاحب ایسی ٹیڑھی چال چلے ہیں، تو لوگ فیض آباد گئے تو رجسٹرار نے بتایا کہ مدرسہ رجسٹریشن ہو چکا ہے، اب مقدمہ دائر کرو تب شاید کچھ نکلے، ان لوگوں نے چونکہ کافی رشوت دے کر رجسٹریشن کرایا تھا، علاقہ والوں نے سرکاری مقدمہ دائر کرنا مناسب نہ سمجھا اور کچھ لوگ اکٹھا ہوئے کہ مہتمم صاحب سے کہا جائے کہ انہوں نے ایسا کام کیوں کیا ہے؟ لیکن وہ سامنے نہیں آئے اور مہتمم صاحب رات میں مدرسہ جا کر مدرسہ کا تالا توڑ کر مدرسہ کی روداد اور رسیدات، رجسٹر، بالٹی، ٹاٹ، پٹی وغیرہ سب اٹھا لے گئے اور مدرسہ کی رقم جو انہیں کے پاس سب جمع تھی سب لے لی اور دینے سے انکار کردیا۔ اور رجسٹریشن کے حساب سے پرانے مدرسہ کے نام سے دوسری جگہ چھپر رکھ کر اپنے گھر کے اپنے بہنوئی کے بچوں کو لے کر مدرسہ قائم کردیا اور پرانے مدرسہ والوں نے مقدمہ کرنا نامناسب سمجھ کر خدا کے بھروسہ پر مدرسہ کا نام تبدیل کر کے مدرسہ چلانا شروع کیا، اب یہ حضرات ایسی ہٹ دھرمی پر تلے ہیں کہ باہر جا کر پرانے معاونین کو روکتے ہیں کہ وہاں چندہ مت دو اور

تعاون نہ کرو، جس کی کئی شہادتیں موجود ہیں۔ اور اب بھی اسی کوشش میں لگے ہیں کہ کسی طریقہ سے یہ پرانا مدرسہ بند ہوجائے، پرانے مدرسہ کی عمارت پختہ عمارت ہے، رقبہ ستر ستر فٹ ہے؛ لہٰذا مہتمم صاحب کی کارستانیوں کو قرآن وحدیث کی روشنی میں بیان فرمائیں؛ کیوں کہ اس کا علاقہ والوں پر بہت برا اثر پڑا ہے، رضاخانی حضرات خوب مذاق اڑاتے ہیں اور جو لوگ رضاخانیت سے توبہ کرکے اس طرف آئے تھے وہ لوگ بہت برا اثر لے رہے ہیں، اس میں پورے مسلک کی بدنامی ہورہی ہے۔

المستفتی: محمد خان سراوستی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مہتمم صاحب کے لئے مدرسہ کی رقم، رسیدات، روداد اور رجسٹر وغیرہ دیگر سامان روکنا اور لے جانا اور سابقہ مدرسہ کے نام پر دوسرے مدرسہ کا نام رکھنا کسی بھی صورت میں جائز نہیں ہے؛ بلکہ تمام چیزوں کی واپسی لازم ہے؛ کیوں کہ ایک مدرسہ کی رقم یا دیگر اشیاء دوسرے مدرسہ میں صرف کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۶/ ۴۰۷، فتاوی محمودیہ قدیم ۱۰/ ۲۱۱، جدید ڈابھیل ۱۵/ ۴۷۲-۴۷۳)

ومن اختلاف الجهة ما إذا كان الوقف منزلين أحدهما للسكنى والآخر للاستغلال، فلا يصرف أحدهما للآخر، وهي واقعة الفتوى. (شامي، الوقف، مطلب في نقل القاضي المسجد ونحوه، زكريا ٦/ ٥٥١، كراچی ٤/ ٣٦١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍ جمادی الثانیہ ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۸۰۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۵؍ جمادی الثانیہ ۱۴۱۹ھ

مدارس اسلامیہ کے قوانین کی پابندی مہتمم وملازم سب پر لازم ہے

سوال [۸۴۳۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: (۱) مغربی یوپی کے بیشتر مدارس ومساجد میں مدرسین وملازمین اورمؤذنین وائمہ حضرات کومشاہرہ اتنا کم دیا جاتا ہے کہ اس میں ان کی زندگی کی اہم ضروریات بھی پوری نہیں ہو پاتیں، سخت دوڑ دھوپ اور جدوجہد کے بعد بھی یہ حضرات ضروریات زندگی کی فراہمی اور اہل وعیال کے حقوق ادا کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ حقوق العباد ادانہ کر پانے کی وجہ سے بعض اوقات معاشرہ میں سب کی بے توقیری اور اندرون خانہ حقارت آمیز رویہ کا سامنا کرنا پڑتا ہے، دیگر مراعات کا تو کیا ذکر، ان حضرات کو اکثر اضافی کاموں کا بھی کچھ عوض نہیں ملتا۔ از روئے شریعت ذمہ دارانِ مدارس ومساجد کا یہ عمل کیسا ہے؟ اور مدارس ومساجد کے ایسے ذمہ دار لوگ شریعت کی نظر میں کیا کہلانے کے مستحق ہیں؟

(۲) بعض مدارس میں حال یہ ہے کہ جب مدرسین وملازمین تنخواہ کا مطالبہ کرتے ہیں، تو ان کو رسید دے دی جاتی ہے کہ وہ چندہ کر کے اپنی تنخواہ خود وصول کرلیں، منتظمینِ مدرسہ کا یہ عمل کیسا ہے؟

(۳) اس تکلیف دہ صورتِ حال کا مناسب اور معقول حل کیا ہونا چاہئے؟

(۴) ضروریاتِ زندگی کی فراہمی، حقوق العباد کی ادائے گی اور گوناگوں حالات کے مقابلے کے لئے مدرسین وملازمین اورمؤذنین وائمہ حضرات کا مشاہرہ کتنا ہونا چاہئے؟

(۵) ہمارے حضرات علماء کرام جو یقیناً مذکورہ حضرات کی زبوں حالی سے واقف ہیں، وہ ان کے حق میں کوئی آواز کیوں نہیں اٹھاتے؟

(۶) مساجد میں ائمہ سے مسلسل کام لیا جاتا ہے اور ائمہ کو ضرورتاً ایک دو روز کے لئے کہیں جانا پڑتا ہے تو مسجدوں کے ذمہ داران ائمہ حضرات ہی کو اس کا پابند بناتے ہیں کہ وہ کسی نماز پڑھانے والے کا انتظام کریں، بعض اوقات کسی کا انتظام نہیں ہو پاتا تو اماموں کا جانا موقوف وناممکن ہو جاتا ہے۔

(۷) بعض مدارس میں مدرسین وملازمین کو کوئی چھٹی منجانب مدرسہ قطعاً نہیں دی جاتی، اگر کوئی بیمار ہو جائے یا ضرورت سے کہیں جانا پڑ جائے تو اس کی تنخواہ وضع کر لی جاتی ہے۔ کیا شرعاً یہ درست ہے؟

(۸) بعض مقامات پر مقتدی قربانی کی کھال بطور ہدیہ ائمہ کرام کو دے دیتے ہیں؛ لیکن اہل مدارس اس سے منع کرتے ہیں، کیا مدرسہ والوں کا یہ عمل از روئے شریعت جائز ہے؟

(۹) بعض مدارس والے یہ زیادتی کرتے ہیں کہ ابتداً ملازم ومدرس کو معمولی تنخواہ پر عارضی کہہ کر رکھ لیتے ہیں اور دو دو، ڈھائی ڈھائی سال گذر جاتے ہیں اور اسی طرح ان سے کام لیتے رہتے ہیں، نہ ان کی تنخواہ بڑھاتے ہیں، نہ ان کا استقلال منظور کرتے ہیں، منتظمینِ مدرسہ کے لئے ایسا کرنا کیسا ہے؟

(۱۰) بہت کم مساجد میں ائمہ کرام کے لئے رہائشی مکان کا نظم ہے، زیادہ تر مساجد کے ذمہ دار اور عوام اماموں کی ضرورت سے لاپرواہ اور غافل ہیں، وہ اس بات کا قطعاً خیال نہیں کرتے کہ امام اور مؤذن کے لئے مسجد کے قریب کسی مناسب رہائشی مکان کا نظم کردیں، اگرچہ اس میں امام اور مقتدی دونوں کو سہولت ہے۔ ایسا بھی نہیں ہے کہ وہ یہ انتظام نہیں کرسکتے؛ اس لئے کہ مساجد کی تزئین وبے جا آرائش پر نیز سردی گرمی سے حفاظت کے نام پر اور مسجدوں کے بلند میناروں اور گنبدوں پر پانی کی طرح پیسہ بہایا جاتا ہے، تو ایسی حالت میں اگر امام اہل محلّہ سے رہائشی مکان کی درخواست کرے تو امام کا یہ مطالبہ جائز ہے یا نہیں؟ اور اہل محلّہ کو اس کا نظم کرنا چاہئے یا نہیں؟ فقط

المستفتی: تنظیم برائے فلاح وبہبود ائمہ مساجد سہارنپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مساجد اور مدارسِ اسلامیہ کے قوانین اور آپس میں تقرر وعزل اور ملازمت سب چیزوں کا مدار اس حدیث پاک پر ہے۔

حدیث شریف ملاحظہ فرمائیے:

عن كثير بن عبدالله بن عمرو بن عوف المزني، عن أبيه، عن جده، أن رسول الله ﷺ قال: الصلح جائز بين المسلمين، إلا صلحا حرم حلالا أو أحل حراما، والمسلمون على شروطهم، إلا شرطا حرم حلالا أو أحل

حراما. (ترمذي شريف، الأحكام، باب ما ذكر عن رسول الله ﷺ في الصلح بين الناس، النسخة الهندية ١/ ٢٥١، دارالسلام، رقم: ١٣٥٢، سنن الدارقطني، كتاب البيوع، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ٢٣، رقم: ٢٨٦٩)

اس حدیث شریف کے پیشِ نظر مساجد ومدارس کے جو بھی قانون بنائے جاتے ہیں اور آپس کی تراضی سے ان قانون وضوابط کے مطابق تقرر ہو جائے، تو جانبین اسی کے پابند ہیں؛ لہٰذا جس مدرسہ میں جو بھی قانون بنایا جائے ذمہ داران اور ملازمین اسی کے پابند ہیں اور اسی قانون کی رو سے تنخواہ وظیفہ اور الاؤنس لینے اور دینے کا حکم ہوگا۔ اور یہ بات بھی ذہن میں رکھیں کہ ہر مدرسہ اور مسجد کا قانون ایک نہیں ہوتا؛ بلکہ الگ الگ ہوتا ہے اور اس حدیث شریف کی رو سے الگ الگ قانون بنانے کا حق ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍ ربیع الاول ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۰۰۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۸/ ۳/ ۱۴۳۴ھ

کیا ذمہ دارانِ مدرسہ اصول کے پابند ہیں؟

سوال [۸۴۳۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید مدرسہ اسلامیہ میں تین سال سے مسلسل مستقل طور پر تدریسی خدمات انجام دے رہا ہے، مدرسہ کے اصول کے مطابق پابندی سے کام کر رہا ہے، مدرسہ کا اصول یہ ہے کہ اگر کسی مدرس کو ہٹانا ہے تو اس کو ایک ماہ قبل مطلع کر دیا جاتا ہے کہ تم کو اگلے ماہ سے الگ کر دیا جائے گا۔ اور اگر علی الفور کسی مدرس کو ہٹانا ہوتا ہے تو اسے ایک ماہ پیشگی مشاہرہ دے کر الگ کر دیا جاتا ہے، تو سوال یہ ہے کہ مندرجہ بالا اصول کو چھوڑ کر کسی مدرس کو ہٹا دیا جائے، تو ہٹانے والا شخص عند اللہ وعند الناس وعند الرسول کیسا ہے؟ دلائل کے ساتھ لکھیں۔

المستفتی: محمد انیس چھپی ٹولہ پہانی، ہردوئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مدارسِ اسلامیہ کے اصول وضوابط کا مدار آقائے نامدار علیہ السلام کا ارشاد ہے:

عن كثير بن عبدالله بن عمرو بن عوف المزني، عن أبيه، عن جده، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: الصلح جائز بين المسلمين، إلا صلحا حرم حلالا أو أحل حراما، والمسلمون على شروطهم، إلا شرطا حرم حلالا أو أحل حراما. (المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ١٧/ ٢٢، رقم: ٣٠، ترمذي شريف، الأحكام، باب ما ذكر عن رسول الله ﷺ في الصلح بين الناس، النسخة الهندية ١/ ٢٥١، دارالسلام، رقم: ١٣٥٢) پر ہے۔

جب قانونی شرط یہی ہے کہ جب مدرس کو فوری طور پر ہٹایا جائے تو اس کو پیشگی ایک مہینہ کی تنخواہ دی جائے، اب اگر کسی مدرس کو فوری طور پر ہٹا دیا گیا ہے اور اس کو ایک مہینہ کی پیشگی تنخواہ نہیں دی گئی ہے، تو مدرسہ پر اس مدرس کی ایک مہینہ کی تنخواہ باقی ہے، وہ بہر حال اس مدرس کا حق ہے، مدرسہ پر لازم ہے کہ اس کا شرعی حق اس کے حوالہ کردے اور مدرسہ جس کے زیر انتظام چل رہا ہے اس کی طرف سے اگر ادائے گی میں کوتاہی ہے تو عنداللہ وہ شخص پکڑا جائے گا، پھر بھی مدرسہ کے اوپر اس مدرس کا حق بدستور باقی رہے گا، چاہے بیس سال کے بعد کیوں نہ ہو، اس کا حق اسے ملنا چاہئے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۶ ۳/ ۷۶۳۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۵/۵ھ

مدرسہ اور قبرستان کے نام چندہ لے کر اپنی ضروریات میں خرچ کرنے کا حکم

سوال [۸۴۴۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عرض حال یہ ہے کہ بحیثیت ایک عام آدمی ایک شرعی مشورہ مانگتا ہوں، آپ مہربانی

کرکے ناچیز کو مفید مشورے سے نوازیں، تاکہ اس کے ذریعہ ہمارے سماج میں مسلم نما درندے جو پھیلے ہیں، ان کا اصلی چہرہ سماج کو دکھا سکوں، میرے گاؤں گرام ماہرس ٹولہ، پوسٹ بھگوتی پور، وایہ رام پٹی، ضلع مدھوبنی، صوبہ بہار میں ایک کمیٹی بنی اور گاؤں والوں نے گاؤں کے خاص خاص آدمیوں کو خاص خاص عہدہ دیا اور تمام عہدہ داروں نے مسجد میں قرآن شریف ہاتھ میں لے کر قسم کھائی کہ ہر ممکن کوشش کریں گے غریبوں اور لاچاروں کے ساتھ انصاف ہوگا اور ایمانداری کے ساتھ مسجد و مدرسہ کو چلائیں گے، خاص عہدہ پر جن کو فائز کیا گیا وہ یہ ہیں: محمد عابد حسین صدر، محمد اسلام سردار نائب صدر اور سکریٹری حافظ محمد بھولی حسن سابق متعلم مدرسہ شاہی، نائب سکریٹری محمد اسرائیل۔ یہ لوگ بالا طبقہ کے لوگ ہوئے اور خزانچی محمد صابر اور محاسب منشی محمد شعیب، یہ کمزور طبقہ کے لوگ ہوئے، باقی ممبر لوگ دونوں طبقہ سے چن کر رکھے گئے، جب سے کمیٹی بنی بیرونی چندہ آنے لگا اور گاؤں سے بھی ماہانہ چندہ وصول ہونے لگا اور صرف ایک مدرس رکھ سکے اور پیسہ جو بھی باہر سے آتا وہ بحکم سکریٹری خزانچی کے پاس جمع نہ ہو کر صدر کے پاس جمع ہونے لگا، قبرستان کی رقم اور مدرسہ کی رقم صدر کے پاس جمع ہونے لگی، گاؤں پنچایت میں جو جرمانہ ہوتا ہے وہ بھی صدر کے پاس رہتا ہے، پہلے مسجد کے متولی دوسرے آدمی تھے، ان کو الزام لگا کر ہٹا دیا، اس کے بعد اپنی خواہش کے مطابق صدر سکریٹری نائب صدر کو مسجد کا متولی چنا گیا اور مسجد کی رقم نائب صدر محمد اسلام کے پاس رہنے لگی، جب کچھ لوگوں نے ان سے ان کے رویہ سے تنگ آکر حساب مانگا تو کافروں کے اکسانے پر آپس میں لڑ پڑے اپنے حصے کی خاطر جو فضول لڑائی تھی جس حصہ پر لڑے تھے وہاں پر اس کا کچھ نہیں ہے، بعد میں مقدمہ ہوگیا، اپنی ذاتی لڑائی میں جو روپیہ مسجد کا نائب صدر کے پاس تھا اور مدرسہ کا جو روپیہ صدر کے پاس تھا، مقدمہ میں دونوں نے خرچ کر دیا، جب تک پیسہ باقی رہا لڑتے رہے اور جب ختم ہوگیا، تو لوگوں کو جمع کر کے صلح کرنی چاہی؛ لیکن پنچ نے فیصلہ کیا کہ جب تک مسجد اور مدرسہ کا پیسہ جو ان لوگوں کے پاس ہے واپس نہ کر دیں فیصلہ نہیں ہوگا، انہوں نے پنچ سے وعدہ کیا کہ اگلی بیٹھک میں جمع کر دیں گے؛ لیکن

اس سے پہلے ایک خط معافی نامہ کا لکھا اور گاؤں والوں سے سائن کرانا شروع کیا، سب سے پہلا سائن نائب سکریٹری جنرل سکریٹری اور نائب صدر کا تھا کہ روپیہ معاف کردیا جائے، باقی پچاس سائن ڈپلیکیٹ کرا کے جمع کردیا، جب کہ گاؤں کی آبادی تین سو ہے، ان پنچوں نے آدمیوں کو بلانے کے لئے کہا جنہوں نے سائن کئے تھے، تو کسی کو بلاکر نہیں لائے، صدر نے صدارت کا عہدہ سنبھالنے کے بعد ظلم کی انتہا کردی اور جو وعدہ کیا تھا اس کے برعکس کیا، حضور والا سے گزارش ہے کہ ایسے لوگوں کے بارے میں ہماری شرعی عدالت کیا فیصلہ سناتی ہے؟ اوران کا ساتھ دینے والوں کے بارے میں علماء کیا فرماتے ہیں؟ مفید مشوروں سے نوازیں، مدرسہ حمایت الاسلام پوسٹ بھگوتی پور، ضلع مدھوبنی اگر اس مدرسے کی رسید لے کر کوئی پہنچے تو فوراً اسے گرفتار کرادیں؛ کیوں کہ اس سے وہ زمین خریدتے ہیں اور عیش کرتے ہیں، اس پیسہ سے مدرسہ کا کوئی بھلا نہیں ہوتا۔

المستفتی: آپ کا کفش بردار شرکت علی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: چندہ کا پیسہ اس کام میں صرف کرنا واجب ہے جس کام کے لئے لوگوں نے دیا ہے۔

شرط الواقف كنص الشارع، فيجب اتباعه. (شامي، الوقف، مطلب ما خالف شرط الواقف، فهو مخالف للنص، زكريا ٦/ ٧٣٥، كراچی ٤/ ٤٩٥)

شرط الواقف كنص الشارع في وجوب العمل به، وفي المفهوم والدلالة. (قواعد الفقه أشرفي، ص: ٨٥، رقم: ١٥٢)

ظاہر ہے کہ لوگوں نے اس روپیہ کو ناجائز مقامات اور آپسی لڑائی میں صرف کرنے کے لئے نہیں دیا؛ بلکہ مدرسے پر خرچ کرنے کے لئے دیا ہے، ارکان مدرسہ چندہ دینے والوں کے وکیل ہیں اور وکیل اگر موکل کی منشاء کے خلاف خرچ کرے تو خود وکیل ضامن ہوتا ہے؛ لہٰذا جن لوگوں نے ناجائز مقدمات اور آپسی لڑائی پر مدرسہ وقبرستان کا روپیہ صرف کردیا ہے، ان

پر ضروری ہے کہ اپنی جیب سے وہ روپیہ مدرسہ وقبرستان کو واپس کریں، وہ کسی کے معاف کرنے سے معاف نہیں ہوگا؛ اس لئے کہ یہ مدرسہ وقبرستان کی امانت ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۷/ ۹۹، جدید زکریا مطول ۱۰/ ۴۸۰)

الوكيل إذا خالف، إن خلافا إلى خير في الجنس كبع بألف درهم، فباعه بألف ومائة نفذ، ولو بمائة دينار لا ولو خيرا. (الدرمع الرد، كتاب الوكالة، باب الوكالة بالبيع والشراء، زكريا ٨/ ٢٥٦، كراچی ٥/ ٥٢١، الحكام شرح عزرا الأحكام ٢/ ٢٨٩)

ایسے لوگوں کو مدرسہ وقبرستان وغیرہ اوقاف کے ارکان بننے کا شرعاً کوئی حق نہیں ہے، ایسی حالت میں مسلمانوں کو چاہئے کہ دیندار وامانت دار لوگوں کو ارکان بنائیں۔

ولا يولي إلا أمين قادر بنفسه. (الدرمع الرد، الوقف، مطلب في شروط المتولي زكريا ٦/ ٥٧٨، كراچی ٤/ ٣٨٠، هندية، زكريا قديم ٢/ ٤٠٨، جديد ٢/ ٣٨٠، البحر الرائق، زكريا ٥/ ٣٧٨، كوئٹه ٥/ ٢٣٦، الموسوعة الفقهية الكويتية ٤٤/ ٢٠٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲ ؍رجب ۱۴۱۵ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۱۰۹)	۲ ؍۷ ؍۱۴۱۵ھ

بچہ کے قاعدہ پورا ہونے پر مہتمم صاحب کا دعوت کا مطالبہ کرنا

سوال [۸۴۴۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک بچہ ایک مدرسہ میں ایک استاذ کے پاس پڑھتا ہے، اس استاذ کا نظریہ یہ ہے کہ بچوں سے کسی طرح کی کوئی چیز نہ لی جائے، نہ دعوت کھائی جائے؛ کیوں کہ وہ کہتے ہیں کہ جب ہم مدرسہ سے تنخواہ لیتے ہیں تو بچوں سے استاذوں کو کچھ لینے کا حق نہیں، خصوصاً جب کہ بچہ کو دعوت کرنے پر یا کچھ ہدیہ دینے پر مجبور کیا جائے؛ لیکن اس مدرسہ کا ناظم ایک بچہ کے قاعدہ پورا ہونے پر اس کا ذہن بناتا ہے کہ تم ہماری دعوت کرو اور جب اس بچہ کے والد صاحب آتے ہیں

تو ان سے یہ ناظم دعوت کا مطالبہ کرتا ہے، بچہ کا والد دعوت منظور کر لیتا ہے، تو پھر ناظم کہتا ہے کہ ہمارے پاس تمہارے گھر جانے کی فرصت نہیں ہے؛ لہٰذا آپ یہاں پر ہی مرغی یا بطخ پہنچا دیں، چنانچہ باضابطہ ناظم مدرسہ اس بچہ کو بطخ لانے کے لئے چھٹی دیتا ہے اور وہ بطخ ناظم مذکور اپنے گھر پکوا کر کھا لیتا ہے، جب کھانا تیار ہو جاتا ہے تو مدرسہ کے ایک استاذ اور بچہ کے استاذ سے بھی کھانے کے لئے کہتا ہے؛ لیکن چونکہ یہ دونوں استاذ اس طرح زبردستی دعوت کھانے کے خلاف ہیں، اس لئے ناظم مدرسہ کی یہ لوگ دعوت قبول نہیں کرتے۔ سوال یہ ہے کہ ناظم مدرسہ کا اس طرح طلباء سے دعوت کھانا جائز ہے یا نہیں؟ ایسی دعوت کا کیا درجہ ہے؟

المستفتی: محمد صابر عمری کلاں، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کسی شخص سے دعوت کا مطالبہ کرنا اور اس کو مجبور کرنا جائز نہیں۔ حدیث میں آتا ہے:

عن أبي حرة الرقاشي، عن عمه، أن رسول الله ﷺ قال: لا يحل مال امرئ مسلم إلا بطيب نفس منه. (مسند أبي يعلى الموصلي، دارالكتب العلمية بيروت ۲/ ۹۱، رقم: ۱۵٦۷، سنن الدارقطني، كتاب البيوع، دارالكتب العلمية بيروت ۳/ ۲۲، رقم: ۲۸٦۳، مسند أحمد بن حنبل ۵/ ۷۲، رقم: ۲۰۹۷۱، مشكوة ۱/ ۲۵۵) کہ کسی کا مال بغیر اس کی دل کی خوشی کے لینا جائز نہیں۔ اور اگر صرف بچوں سے ہی یہ مطالبہ کیا جائے اور ان کے مال سے دعوت کھائی جائے تب بھی جائز نہیں۔

وأما ما يرجع إلى الواهب، فهو أن يكون الواهب من أهل الهبة، وكونه من أهلها أن يكون حرا، عاقلا، بالغا، مالكا للموهوب (إلى قوله) حتى لو كان صغيرا، أو مجنونا، أو لا يكون المالك للموهوب لا يصح. (هندية، كتاب الهندية، الباب الأول، زكريا جديد ٤/ ۳۹۵، قديم ٤/ ۳۷٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷ ربیع الاول ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ٦۰۹۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۸/ ۳/ ۱۴۲۰ھ

مہتمم کے مدرسہ کی رقم اپنے کاروبار میں لگانے یا دوسرے کو قرض دینے کا حکم

سوال [۸۴۴۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید جو اپنے مدرسہ کا مہتمم ہے، اگر مدرسہ کی رقم سے قرض لے کر اپنے کاروبار میں لگالے، تو اس کا کیا حکم ہے، اس سے جو منفعت ہوگی اس کا کیا حکم ہے؟ اور اگر دوسرے کو بطور قرض دینا چاہے، تو اس کا بھی حکم مدلل باحوالہ تحریر فرمائیں۔

المستفتی: مولانا خورشید انور صاحب، مولانا عبدالناصر صاحب

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مدرسہ کا مہتمم مدرسہ کی رقم کا مالک نہیں ہے؛ بلکہ امین ہے؛ اس لئے اس میں مالکانہ تصرف کرکے اس میں سے کسی کو قرض دینا یا بطور قرض لے کر ذاتی کاروبار میں لگانا ہرگز جائز نہیں ہے، یہ امانت میں زبردست خیانت ہے، اگر ایسا کرے گا تو خیانت کے گناہ کے ساتھ ساتھ وہ رقم ضمانت بن جائے گی اور مدرسہ کا مہتمم اب امین نہیں رہے گا؛ بلکہ ضامن بن جائے گا اور ضامن جب ضمان ادا کرے گا تو حاصل شدہ منفعت کا تصدق اس پر لازم نہ ہوگا؛ البتہ خیانت کا خطرناک گناہ کا وبال اس پر عائد ہوکر رہے گا۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ ۶/ ۵۲۶، ڈابھیل ۱۵/ ۵۰۴)

وليس للمودع حق التصرف والاسترباح في الوديعة. (المبسوط للسرخسي، كتاب الوديعة، دارالكتب العلمية بيروت ۱۱/ ۱۲۲)

ولا يجوز للقيم شراء شيء من مال المسجد لنفسه ولا البيع له، وإن كان فيه منفعة ظاهرة للمسجد -إلى- ليس للمتولي إيداع مال الوقف والمسجد إلا ممن في عياله، ولا إقراضه، فلو أقرضه ضمن. (البحرالرائق، كوئٹه ۵/ ۲۳۹، زكريا ۵/ ۴۰۱)

فإن خلطها المودع بماله حتى صار لا تتميز ضمنها؛ لأنه استهلاك، ثم لا سبيل للمودع عليها عند أبي حنيفة -رحمه الله-. (الجوهرة النيرة، إمداديه ملتان ۲/ ۲۷، دارالكتاب ديوبند ۲/ ۳۶) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱ر محرم الحرام ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۲۹۶۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۱/ ۱/ ۱۴۱۳ھ

الفصل الثالث: في المدرسين

ذمہ دارانِ مدرسہ و مدرسین کے تعلق سے چند سوالات کے جوابات

سوال [۸۴۴۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مدرسہ کی ایک باضابطہ بااختیار تقریباً بیس ارکان پر مشتمل کمیٹی ہے۔

(۱) کیا مدرسہ کے اساتذۂ کرام کو خود اپنی تنخواہ بڑھانے کا جواز ہے؟ اگر بغیر مہتمم مدرسہ اور بغیر کمیٹی کے مشورہ کے تنخواہ بڑھالی ہے اور وہ انہوں نے خود مدرسہ کے فنڈ سے ادا کرلی ہے، تو یہ بڑھائی ہوئی تنخواہ لوٹانا ضروری ہے یا نہیں؟

(۲) بغیر کمیٹی کے پاس گئے رمضان میں فراہمی چندہ کے عوض ڈبل تنخواہ خود اپنی مرضی سے ادا کرلی ہے یہ جائز ہے یا ناجائز؟

(۳) مہتمم مدرسہ اور ایک رکن شوریٰ نے ایک تجویز منظور کی، کیا ان دو کی منظور کردہ تجویز قابل عمل ہے یا نہیں، جب کہ ارکان شوریٰ کی تعداد تقریباً بیس ہے؟

(۴) کیا مہتمم مدرسہ کو بغیر کمیٹی کے مشورہ کے تنخواہ ملازمین بڑھانے کا جواز ہے یا نہیں؟

المستفتی: ارکان شوریٰ مدرسہ جامعہ علمیہ مسجد کہنہ ٹانڈہ بادلی، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) کمیٹی کے سرگرم اور بااختیار ہونے کی حالت میں اگرچہ اساتذہ کو خود اپنی تنخواہ بڑھانے کی اجازت نہیں ہے؛ لیکن اگر کمیٹی کے ارکان کسی استاذ یا مہتمم کو مکمل اختیار دے دیں اور وہ اپنے اختیارات کا استعمال کرتے ہوئے تنخواہ بڑھائیں اور ان کے اس عمل پر کمیٹی کے ارکان نکیر نہ کریں؛ بلکہ خاموش رہیں یا توثیق کریں، تو یہ اضافہ کرنا شرعاً جائز ہوگا۔ (مستفاد: محمودیہ قدیم ۱۲/ ۲۰۷، جدید ڈابھیل ۱۴/ ۱۲۸)

وسائر التصرفات لمن يتولى. (درمختار علی الشامي، الوقف، مطلب لا یستبدل العامر إلا في أربع، زکریا ٦/ ٥٨٩، کراچی ٤ / ٣٨٨، الموسوعة الفقهية الكويتية ٤٤ / ١٣٣)

والنائب مثل الأصيل. (درمختار على شامي، الوقف، مطلب فيما إذا شرط المعلوم مباشر الإمامة الخ- زكريا ٦/ ٦٣٢، كراچی ٤/ ٤٢٠، الموسوعة الفقهية الكويتية ٤٢، ٤٨)

(۲) رمضان کی ڈبل تنخواہ کے سلسلہ میں بھی وہی تفصیل ہے جو نمبر ایک میں لکھی گئی کہ اگر بااختیار مدرس نے یہ فیصلہ کیا اور بعد میں اس کی توثیق صراحتاً یا دلالۃً ہوگئی ہے، تو یہ مقرر کرنا درست ہے۔

وسائر التصرفات لمن يتولى. (درمختار على الشامي، الوقف، مطلب لا يستبدل العامر إلا في أربع، زكريا ٦/ ٥٨٩، كراچی ٤/ ٣٨٨، الموسوعة الفقهية الكويتية ٤٤/ ١٣٣)

والنائب مثل الأصيل. (درمختار على شامي، الوقف، مطلب فيما إذا شرط المعلوم مباشر الإمامة الخ- زكريا ٦/ ٢٣٢، كراچی ٤/ ٤٢٠، الموسوعة الفقهية الكويتية ٤٢، ٤٨)

(۳) اگر مذکورہ تجویز بعد میں دیگر اراکینِ شوریٰ منظور کریں تو وہ قابل عمل ہے۔

وسائر التصرفات لمن يتولى. (درمختار على الشامي، الوقف، مطلب لا يستبدل العامر إلا في أربع، زكريا ٦/ ٥٨٩، كراچی ٤/ ٣٨٨، الموسوعة الفقهية الكويتية ٤٤/ ١٣٣)

والنائب مثل الأصيل. (درمختار على شامي، الوقف، مطلب فيما إذا شرط المعلوم مباشر الإمامة الخ- زكريا ٦/ ٢٣٢، كراچی ٤/ ٤٢٠، الموسوعة الفقهية الكويتية ٤٢، ٤٨)

(۴) مہتمم کو اگر کمیٹی نے اختیار دے رکھا ہے، تو مہتمم کو اضافۂ تنخواہ کا فیصلہ کرنے کی شرعاً اجازت ہے۔

وسائر التصرفات لمن يتولى. (درمختار على الشامي، الوقف، مطلب لا يستبدل العامر إلا في أربع، زكريا ٦/ ٥٨٩، كراچی ٤/ ٣٨٨، الموسوعة الفقهية الكويتية ٤٤/ ١٣٣)

والنائب مثل الأصيل. (درمختار على شامي، الوقف، مطلب فيما إذا شرط المعلوم مباشر الإمامة الخ- زكريا ٦/ ٢٣٢، كراچی ٤/ ٤٢٠، الموسوعة الفقهية الكويتية ٤٢، ٤٨)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۲۲/۲/۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۷۰۶۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۲/۱۰ھ

مدرسہ کے مفاد کے پیشِ نظر کسی ملازم کو برطرف کرنا

سوال [۸۴۴۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) اکبر حسین بن عبدالکریم کو قومی مدرسہ کا عہدہ خزانچی دیا، اس سے جب حساب مانگا تو اس نے اولاً تو منع کیا کہ میں حساب نہیں دوں گا، مگر جب قوم اس کے سر ہوگئی، تو اس نے مجبوراً حساب دیا اور حساب ۱۹۸۱ء سے ۱۹۹۱ء تک دیا اور ایک ہی سیاہی اور ایک ہی قلم سے آمد اور خرچ کا دیا اور خرچ مع واؤچر کے نہیں دیا۔

(۲) اکبر حسین بن عبدالکریم نے اپنے والد مرحوم کو عرصہ دراز کے بعد مدرسہ کا متولی بنایا ۱۹۸۴ء میں جب کہ باپ مر چکا ہے ۱۹۳۷ء میں۔

(۳) اکبر حسین مدرسہ کو اپنی ملکیت بنانا چاہتا ہے اور لوگوں کے ساتھ بداخلاقی سے پیش آتا ہے۔ اور پولیس کو روپیہ بھر دیتا ہے اور ناجائز لوگوں کو ستاتا ہے اور عرصہ ۲۱/سال میں مدرسہ میں تعلیم بھی نہیں دی ہے۔

(۴) اکبر حسین بن عبدالکریم نے مدرسہ میں ایک طرف مسجد بنانے کے لئے چندہ اکٹھا کر کے تعمیر مسجد کا کام شروع کر دیا، اس نے اپنے ذاتی مفاد کو مدنظر رکھتے ہوئے اس پیسے کو دوکان میں صرف کر دیا اور مسجد مکمل نہیں بنائی، لوگوں نے کہا تو مارنے مرنے کے لئے تیار ہو گیا؛ لہٰذا ان تمام صورتوں میں شرعاً اس اکبر حسین پر کیا حکم لاگو ہوتا ہے۔ اور کیا مدرسہ کا کوئی عہدہ دیا جا سکتا ہے۔

المستفتی: سائل امجد علی کاشی پور، نینی تال (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر اکبر حسین کو مدرسہ میں رکھنا مدرسہ کے ذمہ دار حضرات مدرسہ کے مفاد کے خلاف سمجھتے ہیں، تو ان کو علیحدہ کرنے کا اختیار رہے۔ اور اگر مدرسہ کے مفاد کے خلاف نہیں ہے تو الگ کرنے سے اکبر حسین مظلوم ہوگا اور ذمہ دار حضرات ظلم کے مرتکب ہوں گے۔

عن ابن عباس – رضي الله عنه– قال: قال رسول الله ﷺ: لا ضرر ولا ضرار. (سنن ابن ماجة، الأحكام، باب من بنى في حقه ما يضر بجاره، النسخة الهندية ١/ ١٦٩، دارالسلام، رقم: ٢٣٤١، موطا إمام مالك، باب القضاء في المرفق، أشرفي ص: ٣١١، رقم: ٢٧٥٨)

لا عبرة بالتوهم. (قواعد الفقه أشرفي، ص: ١٠٧، رقم: ٢٥٤، الموسوعة الفقهية الكويتية ١٤/ ٢٠٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱رصفر ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۳۰۱۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۳/۲/۱۱ھ

مدرسہ کے صدر مدرس کے خلاف عوام کے انتشار کا حکم

سوال [۸۴۴۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک مولوی صاحب مدرسہ میں صدر مدرس کی حیثیت سے ہیں اور اس شخص کی وجہ سے مسلمانوں میں آپس میں انتشار وخلفشار ہے اور اس شخص سے یہاں کے عوام ومسلمان بدظن ہیں اور اس کی وجہ سے زبردست کشیدگی ہے، تو ایسے شخص کا مدرسہ میں رہنا ٹھیک ہے یا نہیں؟ اور یہاں کے مسلمان ان سے کہتے ہیں کہ تم یہاں سے چلے جاؤ تو بھی وہ جانے کے لئے تیار نہیں ہے، اگر یہ شخص یہاں سے نہ گیا تو مسلمانوں میں آپس میں خون ہوسکتا ہے، صحیح ومدلل جواب تحریر فرمائیں۔ فقط

المستفتی: ناظم تیاگی، محلّہ ستی رڑکی، سہارنپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یہ ذمہ داری اربابِ انتظام واہل شوریٰ کی ہے، کسی دوسرے شخص کے لئے اظہارِ رائے اس کے منصب سے خارج ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۷/ ۱۶۱، جدید مطول ۱۰/ ۴۷۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳رصفر ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۵۱۱)

اوقات مدرسہ میں مہتمم کی اجازت سے حوائج ضروریہ کے لئے جانا

سوال [۸۴۴۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں شعبۂ حفظ کا مدرس ہوں مدرسہ کے بالکل سامنے مدرسہ کے مکان میں میرے بچے رہتے ہیں، میں مہتمم صاحب کی اجازت سے روزانہ گھر جا کر استنجاء ووضو نماز چاشت مدرسہ کے تعلیمی وقت میں ادا کرتا ہوں، کیا میرے لئے یہ جائز ہے اور مہتمم صاحب کا اس طرح اجازت دینا جائز ہے؟ جواب سے نوازیں۔ والسلام

المستفتی: مجیب الرحمٰن

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: حسب تحریر سوال آپ کا اوقات مدرسہ میں مدرسہ کے قریب اپنے گھر جا کر حوائج ضروریہ سے فارغ ہونا اور وضو کر کے چاشت کی نماز پڑھنا شرعاً جائز ہے؛ کیوں کہ مہتمم صاحب کی اجازت کی بنا پر آپ کے مدرسہ کا عرف اس کی اجازت کا ہو گیا ہے اور ایسے مسائل کا مدار عرف پر ہوا کرتا ہے۔

الثابت بالعرف كالثابت بالنص. (قواعد الفقه، أشرفي، ص: ٧٤، رقم: ١٠١، مجموعة رسائل ابن عابدين ثاقب بكڈپو ١/ ٤٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲ رصفر ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۸۹۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۲/۱۴ھ

مدرس کو دو وقت پڑھانے پر مجبور کرنا

سوال [۸۴۴۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں حافظ فرید احمد مدرسہ عربیہ احیاء العلوم محلّہ ترک پٹی خیرآباد میں شعبۂ حفظ کا مدرس

ہوں، میرا کمیٹی سے طے تھا کہ میں صرف صبح کے وقت درسگاہ میں بیٹھوں گا، باقی وقت دوسرے حافظ نوشاد صاحب پڑھائیں گے، اب اس وقت ہمارے مدرسہ کی کمیٹی میں کچھ خلفشار ہے اور کمیٹی میں دو گروہ ہوگئے ہیں، اپنی بات منوانے کی غرض سے ہمارے منیجر حاجی محمد آفاق صاحب چاہتے ہیں کہ میں اب تینوں وقت مدرسہ میں تدریسی کام دیکھوں، جس کے بارے میں میں نے منع کردیا ہے، ہمارے صدر صاحب سکریٹری وخزانچی وغیرہ حضرات کا کہنا ہے، جب تک خلفشار دور نہیں ہوجاتا کوئی مدرس نہ تو نکالا جائے گا اور نہ ہی کسی سے کوئی زبردستی کی جائے گی۔ الحمدللہ مدرسین میں کوئی خلفشار نہیں ہے، جب میں نے منیجر صاحب کو تینوں وقت پڑھانے سے منع کیا، تو گذشتہ ۶؍ستمبر کوانہوں نے حفظ کی درسگاہ میں آکر کافی گالی گلوچ اور بدکلامی کی، درسگاہ میں ہم تین حافظ موجود تھے، حافظ معین الدین، حافظ نوشاد اور حفظ کے طلبہ کی موجودگی میں جب کہ قرآن کریم پڑھایا جارہا تھا، مجھ سے کہا کہ تمہیں میرے ساتھ تینوں اوقات میں مدرسہ آکر قوم لوط والا عمل کرنا ہوگا۔ اور اگر میری ماں زندہ ہوتی تو تمہیں ان کے اوپر تینوں وقت چڑھواتا وغیرہ، اس سے زیادہ کہنے سے قاصر ہوں۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایسے شخص کا کسی دینی ادارہ کا ذمہ دار بنے رہنا چاہئے جو قرآن وحافظ قرآن کی توہین کرے اور اس کے ساتھ کیسا برتاؤ کرنا چاہئے؟ اس کا اسلام سے کوئی رشتہ ہے یا نہیں؟ براہ کرم اسلامی تعلیمات کی روشنی میں جواب مرحمت فرماکر ملت اسلام کے کچھ افراد پر احسان فرمائیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مدرس کا منصب تدریس پر فائز ہونے سے پہلے یہ شرط لگانا کہ میں صرف ایک وقت پڑھاؤں گا جائز اور درست ہے۔ اور اس کے برخلاف مدرس کو اس سے زیادہ وقت پڑھانے پر مجبور کرنا درست نہیں ہے؛ البتہ اگر مدرس اپنی خوشی سے دوسرے وقت میں پڑھانے پر تیار ہوجائے تو اسے اس کا مکمل اختیار ہے؛ لیکن زائد وقت نہ پڑھانے پر اس کو گالم گلوچ کرنا یا اس کے حق میں نامناسب الفاظ استعمال کرنا یہ قطعاً غلط ہے، ایسے شخص کو

چاہئے کہ مدرس صاحب سے معافی مانگے اور اپنے اس غلط عمل پر توبہ واستغفار کرے؛ لیکن اگر مذکورہ شخص اپنی غلطی پر مصر ہوتو ایسا شخص فاسق ہوگا اور فاسق آدمی دینی ادارہ کا ذمہ دار بننے کا اہل نہیں، اس کے بجائے کسی متبع شریعت دیندار آدمی کو ذمہ دار بنانا چاہئے۔

قال عبدالله: قال النبي ﷺ: سباب المسلم فسوق، وقتاله كفر. (بخاري شريف، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم لا ترجعوا بعدي كفارا، النسخة الهندية ٢/ ١٠٤٨، رقم: ٦٧٩٧، ف: ٧٠٧٦)

وينزع وجوبا لو غير مأمون أو عاجزا أو ظهر به فسق، كشرب خمر ونحوه. (درمختار مع الشامي، الوقف، مطلب في شروط المتولي، زكريا ٦/ ٥٧٨، كراچی ٤/ ٣٨٠، البحرالرائق، زكريا ٥/ ٤١١، كوئٹه ٥/ ٢٤٥، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٢/ ٦٠٢، قديم ١/ ٧٦٢، بزازية زكريا جديد ٣/ ١٣٤، وعلى هامش الهندية ٦/ ٢٥٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍محرم الحرام ۱۴۳۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۱۸۰۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۶/۱/۳ھ

مدرس سے مدرسہ کی رقم گھر سے چوری ہوگئی

سوال [۸۴۴۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص مدرسہ میں مدرس ہے جس نے رمضان المبارک میں مدرسہ کے لئے مالیات کی وصولیابی کی، وصول کی ہوئی رقم اس کے پاس بطور امانت اس کے گھر میں رکھی ہوئی تھی، امانت کی حفاظت میں کوئی کمی نہیں کی اور نہ ہی اپنی ذاتی رقم میں اس امانت کو ملایا، وہ شخص کسی کام سے باہر چلا گیا اور اس کے بال بچے گھر پر ہی تھے، اس کی غیر موجودگی میں اس کے بڑے لڑکے جس کی عمر سترہ سال ہے نے نہ جانے کیسے سیف الماری کا تالا کھولا اور بیگ کی

چین توڑ کر امانت کی رقم جو اس کے پاس ساٹھ ہزار روپئے تھی اس میں سے چھیالیس ہزار پانچ سو لے کر فرار ہو گیا، یعنی چوری کی، اس شخص نے اپنے بیٹے کو بہت تلاشا ڈھونڈا؛ لیکن وہ نہ ملا تیسرے روز اس کے بیٹے کا فون اس کے بیٹے کے دوست کے پاس آیا تو اس کے دوست کے والد نے اس شخص کے بیٹے کو بہت سمجھایا اور والدین کے کچھ نہ کہنے کی اپنے اوپر ذمہ داری لی، تو اس کے بیٹے نے چوتھے روز دوست کے گھر شام کو آنے کا وعدہ کیا اور اس شخص کا بیٹا چوتھے روز دوست کے گھر پر آ گیا، جہاں اس کے بیٹے کے تایا کو بلا کر بات چیت ہوئی اور اس شخص کا بیٹا اپنے تایا کے ہمراہ گھر پر آ گیا، اس شخص کا بیٹا جو رقم چھیالیس ہزار پانچ سو روپئے لے گیا تھا، اس میں سے جو رقم اس کے بیٹے کے پاس سے وصول ہوئی وہ اڑتیس ہزار پانچ سو تھی، یعنی پوری رقم میں سے آٹھ ہزار روپیہ کم۔ مذکورہ صورت میں دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس شخص پر تاوان واجب ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد شاہد قاسمی سرائے خام، بریلی (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مدرسہ کی رقم وصول ہونے کے بعد وصول کنندہ کے لئے اپنے گھر پر رکھنے کا حق نہیں ہوتا، جب اس نے اپنے گھر پر رکھا ہے، تو اس کی ضمانت میں داخل ہو گیا، چاہے باہر کے چور آ کر چوری کرلیں یا گھر کے افراد میں سے کوئی یہ حرکت کر لے ہر حال میں پوری پوری رقم مدرسہ کو ادا کرنا اس کے اوپر لازم ہے، نیز اگر منجانب مدرسہ مدرسہ کی کمیٹی اور ذمہ دار نے مل کر کے مدرسہ کی رقم اس شخص کے پاس امانت میں رکھی ہے، پھر اس شخص کے بیٹے یا گھر کے افراد میں سے کوئی بھی فرد اس میں سے چوری کر لے، تو بھی اس کی مکمل ادائیگی اس شخص کے اوپر لازم ہے؛ اس لئے کہ گھر کے افراد میں سے کسی کا اس میں سے لے کر خرچ کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ اس نے خود یہ کام کیا ہو؛ اس لئے بہر صورت مدرسہ کی مکمل رقم مدرسہ کو واپس کرنا اس شخص پر لازم ہے، جیب خاص سے دے یا قرض لے کر دے یا کسی بھی طریقہ سے اسی کے ذمہ لازم ہے۔

عن الحسن، قال: إذا خالف المستودع غير ما أمر به ضمن، وإن كان فيه فضل فهو له بضمانه. (مصنف عبدالرزاق، البيوع، باب الوديعة، المجلس العلمي ۸/ ۱۸۳، رقم: ۱٤۸۰٦)

عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: ليس على المستعير غير المغل ضمان، ولا على المستودع غير المغل ضمان.

(سنن الدارقطني، كتاب البيوع، دارالكتب العلمية بيروت ۳/ ۳٦، رقم: ۲۹۳۹)

وللمودع أن يحفظها بنفسه وبعياله ...... ويشترط أن يكون من في عياله أمينا؛ لأنه لو دفع إلى زوجته، وهي غير أمينة، وهو عالم بذلك أو تركها في بيته الذي فيه ودائع الناس، وذهب فضاعت ضمن. الخ

(البحرالرائق، كتاب الوديعة، کوئٹہ ۷/ ۲۷٤، زکریا ۷/ ٤٦٥، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ۳/ ٤٦۹، قديم ۲/ ۳۳۹، الدر مع الرد، زکریا ۸/ ٤٥٦، کراچی ٥/ ٦٦٤)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۸ر شوال ۱۴۳۰ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۸۰۳)	۱۴۳۰/۱۰/۲۸ھ

مدرسین کا چرم قربانی وصول کرنے پر معاوضہ لینے کا حکم

سوال [۸۴۴۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک دینی مدرسہ میں عیدالاضحیٰ کے موقع پر مدرسین کو تعطیل نہیں دی جاتی ہے، بمشکل کسی سخت ضرورت کی وجہ سے مہتمم صاحب کسی مدرس کو گھر جانے کی اجازت دیتے ہیں بقرعید کے دنوں میں مدرسین سے چرم کی وصولی کا کام لیا جاتا ہے اور بقرعید کے ایام کے کام کی الگ سے کوئی تنخواہ متعین نہیں کی جاتی ہے، تدریسی خدمات پر مدرسین کی جو تنخواہ متعین ہے، اسی

حساب سے بقرعید کے دنوں کی تنخواہ ملتی ہے، مزید برآں مثلاً ہر چرم کی وصولی پر بطورِ انعام کے دس روپئے ملتے ہیں، تو کیا ایسے تنخواہ دار مدرس کے لئے ہر چرم کی وصولی پر دس روپئے انعام لینا شرعاً جائز ہے، یا یہ صورت غیر تنخواہ دار محض کمیشن پر چندہ کرنے یا چرم وصول کرنے والے کے حکم میں داخل ہے۔

المستفتی: محمد طاہر عفی عنہ دارالعلوم رحمانیہ ٹانڈہ بادلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قربانی کے موقع پر چرم قربانی کی وصولی مدرسین کے ذمہ لازم نہیں ہوتی ہے۔ اور یہ ایام چھٹی کے ہوتے ہیں اور جب چھٹی کے ایام میں مدرسین اپنی چھٹیوں سے فائدہ اٹھانے کے بجائے چرم قربانی کی وصولی پر محنت کریں تو ان کو فی چرم دس روپیہ پندرہ روپیہ محنتانہ کے طور پر لینا جائز اور درست ہے؛ اس لئے کہ اس محنت کا تعلق تنخواہ سے نہیں ہے۔

وشرطها كون الأجرة والمنفعة معلومتين. (درمختار، كتاب الإجارة، زكريا ۹/ ۷، كراچی ٦/ ٥)

ولا يصح حتى تكون المنافع معلومة، والأجرة معلومة. (هداية، أشرفي ۳/ ۲۹۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸؍ ذی الحجہ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۳۴۴)

مدارس کے ملازم اجیر بالعمل ہیں یا اجیر فی الوقت

سوال [۸۴۵۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) ہمارے مدارس عربیہ میں مدرسین ملازمین ومنتظمین اجیر فی الوقت ہیں یا اجیر بالعمل، یا اجیر بالعمل فی الوقت؟

(۲) اگرصرف اجیر فی الوقت ہیں تو منتظمین کونصاب وامور مفوضہ کی تکمیل کا مطالبہ ومؤاخذہ کرنا کیسا ہے؟

(۳) اگر اجیر بالعمل ہیں تو کیا منتظمین کی جانب سے اوقاتِ متعینہ کے علاوہ اوقات میں وہ اپنے امورِ مفوضہ کو پورا کرسکتا ہے؟ اور اوقاتِ متعینہ میں غیر حاضر رہنے یا نہ کرسکنے پر مؤاخذہ تو نہیں ہوگا؟ بینوا توجروا

المستفتی: مدیر ماہنامہ ندائے شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) مدارسِ اسلامیہ کا عرف اس زمانہ میں یہ ہے کہ ملازمین ومدرسین ومنظمین وقت مقررہ میں امورِ مفوضہ کی تکمیل کیا کریں اور یہی ضابطہ مقرر اور معروف ہے اور شریعت اسلامیہ میں اس طرح اجارہ اور ملازمت کا معاملہ کرنا جائز اور مشروع ہے؛ اس لئے مدارسِ اسلامیہ کے ملازمین اجیر بالعمل فی الوقت ہیں؛ لہٰذا عمل نہ کرنے اور وقت مقررہ میں حاضر نہ ہونے پر مقررہ ضابطہ کے مطابق مؤاخذہ جائز ہے، نیز عرف وشرط وضابطہ کی وجہ سے بوقت تقرری بغیر صراحت قانونی تعطیلات کے مستحق ہوجاتے ہیں۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۳/ ۳۴۸، ۳/ ۳۴۹، ۳/ ۳۵۶، فتاوی محمودیہ ۶/ ۳۱۱، ڈابھیل ۱۶/ ۵۷۲)

لأن المعروف كالمشروط. (الأشباه والنظائر قديم، ص: ١٥٢، المبسوط للسرخسي، دارالكتب العلمية بيروت ١٢/ ٥٤، ١٣/ ٧٩، ١٤/ ٣٦، البناية أشرفيه ٥/ ٤٨١، ٨/ ٢٤٥، ١١/ ٤٨٣، قواعد الفقه أشرفي، ص: ١٢٥، رقم: ٣٣٤)

الثابت بالعرف كالثابت بالنص. الخ (عقود رسم المفتي، قديم ص: ٩٥، قواعد الفقه أشرفي، ص: ٧٤، رقم: ١٠١)

(۲) صرف اجیر فی الوقت نہیں ہے؛ اس لئے شرائط وضوابط کے مطابق مطالبہ ومؤاخذہ کا حق ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۳/ ۳۴۹، ۳/ ۳۵۶)

اور اگر کسی مدرسہ میں کوئی ضابطہ بنا ہوا نہیں ہے، تو علاقہ کے مشہور اداروں کے عرف وشرائط کے مطابق عمل کرنا ہوگا۔

وإن شرط المعلم على المولى أن يعطيه في كل شهر كذا، ويقوم على غلامه في تعليم كذا، فهو جائز، وإذا لم يشترط كل واحد منهما شيئا فلما فرغ وتعلم قال المعلم لي الأجرة على رب العبد كذا، وقال سيد العبد: لي الأجرة على المعلم ينظر في ذلك إلى عرف تلك البلدة، فإن كان سيد العبد هو الذي يعطي، فالأجرة عليه، وإن كان المعلم هو الذي يعطي، فالأجرة على المعلم. الخ (البحرالرائق، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة كوئٹه ۸/ ۱۹، زکریا ۸/ ۳٤)

(۳) صرف اجیر بالعمل نہیں ہے؛ اس لئے اوقاتِ مقررہ پر غیر حاضری کی وجہ سے مؤاخذہ کا حق ہوگا۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۳/ ۳۴۹، ۳/ ۳۵۶)

اور اگر کسی ملازم کو مخصوص شرط پر رکھا ہے تو وہ اسی شرط کا پابند ہوگا۔ فقط واللہ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳/۵/۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۲۲۱۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۳/۱۰/۱۴۱۱ھ

شخص واحد کے ذمہ درس وتدریس اور امامت وغیرہ سپرد کرنا

سوال [۸۴۵۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: درس وتدریس وعظ ونصیحت، امامت، اذان یہ سب الگ الگ شعبہ ہیں، کیا ایک شخص کو ان امور کا پابند کیا جاسکتا ہے، جب کہ گذر اوقات اور بال بچوں کے اخراجات بھی ہوں؟

(۲) کیا امام اپنے ذاتی کام یا اور مجبوری سے چھٹی کرسکتا ہے؟

(۳) امام کے کل اخراجات کس کے ذمہ ہیں، جب کہ امام پردیسی ہو فی سبیل اللہ امامت کرتا ہو اور امام کی مالی حالت بھی کمزور ہو، ایسی صورت میں اہل محلّہ کیا کریں؟ ان کی کیا ذمہ داری ہے؟ امام شادی شدہ ہے، نوجوان ہے، تو کیا بیوی بچوں کے ساتھ رکھنے کا نظم وبند وبست مقتدیوں کے اوپر ہے؟

المستفتی: محمد ہارون، راجستھان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) مذکورہ امور سب الگ الگ شعبہ کی حیثیت رکھتے ہیں؛ لیکن اگر ایک شخص ان سب ذمہ داریوں کو تنہا ادا کرسکتا ہے، تو اس کے لئے اس کی گنجائش ہے اور امام کے ساتھ ساتھ اگر ان کاموں کی ذمہ داری کی شرط بھی لگائی گئی ہے۔ اور امام صاحب نے منظور کرلیا ہے، تو اس پر ان تمام امور کو انجام دینا لازم ہوگا۔ (مستفاد: کفایت المفتی ۳/۴۶)

عن عمرو بن عوف المزني، عن رسول اللّٰه ﷺ قال: المسلمون على شروطهم إلا شرطا حرم حلالا، أوأحل حراما. (المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ۷/ ۲۲، رقم: ۳۰)

(۲) امام اپنی ذاتی ضروریات کے لئے چھٹی لے سکتا ہے، مگر ان امور کی شرط لگا لینی چاہئے یا علاقہ میں ان کا عرف ہو۔

المعروف كالمشروط، فصار كأنه صرح به. (الأشباه والنظائر قديم/ ۱۵۶)

نیز ایام رخصت کی تنخواہ بھی امام کو ملنی چاہئے۔

فحيث كانت البطالة معروفة في يوم الثلاثاء والجمعة، وفي رمضان والعيدين يحل الأخذ. (شامي، الوقف، مطلب في استحقاق القاضي والمدرس الوظيفة في يوم البطالة، زكريا ٦/ ٥٦٨، كراچی ٤/ ٣٧٢، سكب الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٢/ ٥٨٩)

(۳) امام کے کل اخراجات خود امام کے ذمہ ہیں، ہاں البتہ امام کی تنخواہ کے ذمہ دار مسجد کے ذمہ دار حضرات ہوتے ہیں، وہ لوگ مسجد کے فنڈ میں سے ادا کریں گے۔

رزق القاضي من بيت المال. (درمختار، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره، زكريا ٩/ ٥٥٨، كراچی ٦/ ٣٨٩، المبسوط دارالكتب العلمية بيروت ١٦/ ١٠٢، الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٣/ ٣١٨)

امام جب ضرورت مند ہےتو وہ فی سبیل اللہ امامت کیوں کرے؟ وہ اپنی تنخواہ متعین کرلیا کرے،تاکہ کسی کے سامنے ہاتھ نہ پھیلانا پڑے۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸رصفر المظفر ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر:۳۳/۵۶۲۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۲/۸ھ

کیا گاؤں کے مدرس پر مسجد کی امامت بلا اجرت واجب ہے؟

سوال [۸۴۵۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بستی میں مدرسہ اسلامیہ ہے،جس میں غلہ کی سیر من کی آمدنی کے ساتھ ساتھ بستی کے چرم قربانی،فطرہ،زکوۃ وغیرہ بھی صرف ہوتا ہے،مدرسہ میں چار مدرس ہیں،انہیں کی تنخواہوں یا تعمیر میں جملہ رقم خرچ ہوتی ہے،مدرسہ میں بیرونی بچے بھی دس پندرہ رہتے ہیں،جو بستی میں گھروں میں کھانا کھاتے ہیں،مدرسہ کے مدرسین کی ذمہ داری مسجدوں میں نماز پڑھانا بھی ہے جبکہ نماز کی اجرت مدرسہ سے ملنے والی تنخواہ میں ہی مشروط ہے،علیحدہ مسجد سے کوئی وظیفہ نہیں ہے،معلوم کرنا یہ ہے کہ یہ شکل کہاں تک صحیح ہے؟

المستفتی: ظہیر احمد قاسمی،مدرسہ بدر العلوم گنگوار حسن پور،مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب گاؤں میں امامت کی شرط پر مدرس کا تقرر ہوتا ہے،تومدرس اس شرط کا پابند ہوگا۔اور اگر تقرر کے وقت امامت طے نہیں ہےتوامامت لازم نہیں ہے۔

ومن استأجر عبدا ليخدمه له أن يسافر به إلا أن يشترط ذلك. الخ

(هداية، كتاب الإجارات، باب إجارة العبد أشرفي ۳/ ۳۱۲، هندية، زكريا قديم ٤/ ٤٣٥، جديد ٤/ ٤٦٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۱۵/۳/۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر:۳۱/۴۹۴۳)

مدرس کونابالغ طلباء کی امامت کاپابند بنانا

سوال [۸۴۵۳]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید ایک مدرسہ میں مستقل مدرس ہے، اس مدرسہ میں بیرونی طلبہ بھی کافی تعداد میں ہیں، کوئی طالب علم پندرہ سال کی عمر کا نہیں پایا جاتا اور نہ ہی کسی دوسری صورت سے سن بلوغ کا اظہار ہوتا ہے، یعنی سب نابالغ ہیں، مدرسہ کے مہتمم نے زید کے اوپر یہ پابندی عائد کی ہے کہ تم مدرسہ میں ان طالب علموں کو نماز پڑھایا کرو، یعنی زید امام بنے اور سب نابالغ طالب علم اس کے مقتدی بن کر فرض نماز باجماعت مدرسہ ہی میں ادا کریں، اس صورت میں زید کی فرض نماز صحیح ہوگی اور جماعت کا ثواب ملے گا یا نہیں؟ مہتمم صاحب کی طرف سے زید پر ان نابالغ بچوں کی امامت کے لئے جبر کرنا شرعاً درست ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مسئولہ میں زید کی فرض نماز ادا ہو جائے گی اور جماعت کا ثواب بھی ملے گا، مگر مسجد میں نماز پڑھنے کے ثواب سے محروم ہو جائے گا، نیز مہتمم صاحب کا اس بات پر پابند کرنا درست نہیں ہے کہ مدرس مسجد چھوڑ کر یہیں نماز پڑھائے، اگر مدرس خود مسجد میں جا کر نماز پڑھنا چاہتا ہے تو اس پر رکاوٹ ڈالنے کی شرعاً اجازت نہیں ہے۔
(مستفاد: احسن الفتاوی ۳/ ۲۹۹)

والجماعة سنة مؤكدة للرجال، وأقلها اثنان واحد مع الإمام ولو مميزا. (وتحته في الشامية) أي ولو كان الواحد المقتدى صبيا مميزا، ويؤخذ منه أنه يحصل ثواب الجماعة باقتداء المتنفل بالمفترض؛ لأن الصبي متنفل. (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مطلب في تكرار الجماعة في المسجد زكريا ۲/ ۲۸۷، ۲۸۹، كراچی ۱/ ۵۵۲، ۵۵۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲/ ربیع الاول ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۵۱۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۳/۲ھ

کیا مدرس کا بیماری میں چھٹی لے کر اپنے نجی کام سے جانا دھوکہ نہیں؟

سوال [۸۴۵۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مدرس اپنے نجی کام سے باہر جاتے ہیں، چھٹی کا ان کو استحقاق نہیں ہے تو وہ میڈیکل سرٹیفیکٹ دے کر چلے جاتے ہیں، میڈیکل سرٹیفیکٹ میں ڈاکٹر صاحب نے آرام کا مشورہ دیا ہے، یہ مدرس ہزاروں میل دور سفر پر چلے جاتے ہیں، اس طرح ان ایام کی تنخواہ ان کے لئے حاصل کرنا جائز ہے یا نہیں؟ یہ مدرس حافظ، مولوی، عالم اور فاضل بھی ہیں، ان کا یہ کردار ایک مشہور زمانہ دارالعلوم کے لئے جہاں سے یہ فارغ التحصیل ہیں، بدنما داغ ہے یا نہیں؟ شریعت مطہرہ میں ایسے علماء کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: صابر رضا خان منیجر مدرسہ جامع العلوم، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر واقعی جعلی سرٹیفکٹ ہے تو دھوکہ دہی ہے جو جائز نہیں ہے۔ اور اگر جعلی سرٹیفکٹ نہیں ہے؛ بلکہ سرٹیفکٹ اپنی جگہ درست ہے اور بیماری کی حالت میں آدمی اپنے ذاتی کسی کام سے جا آسکتا ہے، جیسا کہ دنیا بھر میں بہت سے بیمار لوگ بھی اپنے ضروری اسفار کرتے ہیں اور ہلکے پھلکے کام بھی کرتے ہیں، تو ایسی صورت میں دھوکہ دہی نہیں ہے، رخصت علالت لینا بھی درست ہے اور جب مدرسہ میں رخصت علالت منجانب مدرسہ دینے کا قانون ہے تو ان ایام کی تنخواہ لینا بھی درست ہے۔

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– أن رسول الله ﷺ قال: ...... من غشنا فليس منا. (مسلم شريف، باب قول النبي ﷺ من غشنا فليس منا، النسخة الهندية ١/ ٧٠، بيت الأفكار، رقم: ١٠١)

عن عبدالله بن عمرو بن عوف المزني عن أبيه عن جده أن رسول الله ﷺ قال: الصلح جائز بين المسلمين، إلا صلحا حرم حلالا، أو أحل

حراما، والمسلمون على شروطهم، إلا شرطا حرم حلالا أو أحل حراما.
(سنن الترمذي، الأحكام، باب ما ذكر عن رسول الله ﷺ في الصلح بين الناس، النسخة الهندية ١/ ٢٥١، دارالسلام، رقم: ١٣٥٢، المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ١٧/ ٢٢، رقم: ٣٠، سنن الدارقطني، كتاب البيوع، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ٢٣، رقم: ٢٨٦٩، المستدرك، كتاب الأحكام، مكتبه نزار مصطفى الباز- ٧/ ٢٠٢٣، قديم ٤/ ١٠١، رقم: ٧٠٥٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۵۲۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۵/۱۴ھ

مکتب میں استاذ کا جمعراتی لینا

سوال [۸۴۵۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بعض جگہوں پر یہ رواج ہے کہ مکتب میں پڑھانے والا استاذ جمعراتی پیسے لیتا ہے، کیا یہ پیسے لینا جائز ہے؟ نیز نکاح پڑھانے کے بعد قاضی کو جو روپیہ ملتے ہیں اس کا بھی لینا جائز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب تقرر کے وقت یہ معلوم ہے کہ جمعرات میں کچھ ملتا ہے اس کی وجہ سے اس کم تنخواہ پر بھی استاذ تیار ہوجاتا ہے؛ اس لئے جمعراتی پیسہ اس کے لئے اس کا حق بھی ہے؛ اس کے لئے لینا جائز ہے، یہ اصل تنخواہ پر انعام اور تحفہ ہے، اس سے ملازمت کی ترغیب ہوتی ہے، ملازمت کی اصل تنخواہ نہیں ہے اور چونکہ نکاح پڑھانا مدرس کی ذمہ داری میں شامل نہیں ہے؛ اس لئے نکاح خوانی کی اجرت الگ سے لینے کی گنجائش ہے۔

وكل نكاح باشره القاضي وقد وجبت مباشرته عليه كنكاح الصغار، والصغائر، فلا يحل له أخذ الأجرة عليه، وما لم تجب مباشرته عليه حل له أخذ الأجرة عليه كذا في المحيط. الخ (عالمگيری، كتاب أدب القاضي، الباب الخامس عشر في أقوال القاضي، وما ينبغي، زكريا قديم ۳/ ۳۴۵، جديد ۳/ ۳۰٦، المحيط البرهاني، المجلس العلمي ۱۲/ ۲۳۲، ۲۳۳، رقم: ۱٤۲۹۹، الفتاوى التاتارخانية زكريا ۱۱/ ۱۱۹، رقم: ۱٥٦۳٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹ر صفر ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳٦/ ۷۹۳۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۲/۳۰ھ

مدرس کے جمعراتی وصول کرنے کا حکم

سوال [۸۴۵٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مکاتب کے اندر مدرسین حضرات جو جمعراتی پیسے وصول کرتے ہیں درست ہے یا نہیں؟ نیز بچوں سے کرناٹک کے علاقہ میں مسجد کی کمیٹی کی طرف سے نکاح خوانی کی فیس متعین ہوتی ہے، اس کی وضاحت یوں ہے کہ جب کسی مسجد کے امام کو کسی شادی میں نکاح خوانی کے لئے بلایا جاتا ہے، تو اس مسجد کی کمیٹی کی طرف سے لڑکا اور لڑکی کے والدین کو تین تین سو مجموعہ پانچ سو روپیہ کمیٹی کو ادا کرنے پڑتے ہیں، کیا یہ روپئے کمیٹی کے لئے لینا درست ہے؟ اور کمیٹی کے ان ہی روپیوں میں سے امام کو روپئے لینا جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر امام خود شادی والوں سے نکاح خوانی کی فیس مانگ لے تو کیا یہ روپیہ اس کے لئے درست ہوگا؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مکاتب کے اندر مدرسین حضرات جو بچوں سے جمعراتی وصول کرتے ہیں، وہ ان کے لئے لینا درست ہے؛ کیوں کہ مدرس کو تقرر کے وقت ہی معلوم

رہتا ہے کہ جمعرات کے روز بچوں کے ذریعہ اس کو کچھ ملے گا، اس کی وجہ سے وہ کم تنخواہ پر بھی راضی ہوجاتا ہے؛ اس لئے جمعراتی پیسہ اس کے لئے لینا جائز ہے۔ (مستفاد: عزیز الفتاوی/ ۷۵۸)

اور چونکہ نکاح پڑھانا مدرس کی ذمہ داری نہیں ہے؛ اس لئے نکاح خوانی کی اجرت اس کے لئے لینا جائز اور درست ہے، البتہ کمیٹی کی طرف سے نکاح خوانی کی فیس متعین کرنا درست نہیں ہے؛ بلکہ جو جتنا دے دے اتنا لے لینا چاہئے اور جس شخص (امام) نے نکاح پڑھایا ہے اس کے لئے نکاح خوانی کی اجرت لینا جائز ہے، اور کمیٹی کے لئے لینا درست نہیں ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۲/ ۳۷۰)

وكل نكاح باشره القاضي، وقد وجبت مباشرته عليه كنكاح الصغار والصغائر، فلا يحل له أخذ الأجرة عليه، وما لم تجب مباشرته عليه حل له أخذ الأجرة عليه. (هندية، كتاب أدب القاضي، الباب الخامس عشر في أموال القاضي، زكريا قديم ۳/ ۳٤٥، جديد ۳/ ۳۰٦، المحيط البرهاني، المجلس العلمي ۱۲/ ۲۳۲، ۲۳۳، رقم: ۱٤۲۹۹، الفتاوى التاتارخانية، زكريا ۱۱/ ۱۱۹، رقم: ۱٥٦۳٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍صفر ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۹۳۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۲/۱۹ھ

طلبہ کی طرف سے معلم کو ملنے والے ہدیہ کا حکم

سوال [۸۴۵۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک ادارہ میں ۱۶؍ معلم کام کرتے ہیں، اس میں ابتدائی تعلیم سے لے کر حفظ وتجوید تا شرح جامی کی تعلیم ہے، دس سال قبل اس ادارہ میں یہ قانون نافذ ہوا کہ جس معلم کو بھی طلبہ کی

طرف سے ہدیہ انعام واکرام ملے گا اس کو فنڈ میں جمع کیا جائے گا اور اخیر سال میں سب معلموں میں تقسیم کیا جائے گا، ان میں چند معلم ایسے ہیں جن کو ہدیہ یا انعام وغیرہ ملتا ہے، باقی ایسے ہیں جن کو بالکل انعام نہیں ملتا اور وہ چند معلموں کا انعام سب معلموں میں تقسیم ہوتا ہے، جس کی وجہ سے وہ معلم جن کو انعام ملتا ہے وہ دل میں کڑھتے ہیں ور ناخوش ہیں اور وہ چاہتے ہیں ہمیں علیحدہ کر دیا جائے، ہم اس فنڈ میں شریک نہیں ہیں، اب ان معلموں میں بھی کسی کو کم اور کسی کو زیادہ انعام اور ہدیہ ملتا ہے جو کہ سب میں شریک ہوتا ہے، یہاں تک کہ جو کوئی اشیاء جیسے کپڑے ملتے ہیں تو ان کو بھی فروخت کیا جاتا ہے جس کو وہ کپڑے ملتے ہیں وہ دل سے ناخوش ہے۔ اور اگر اس فنڈ سے کسی کو علیحدہ کر دیا جائے تو ہر معلم علیحدہ ہوگا جو انتشار کا باعث ہے، تو آپ تحریر فرمائیں شرعاً اس فنڈ میں جمع کرنا صحیح ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اس کے لئے کوئی صریح جزئیہ نظر سے نہیں گذرا؛ البتہ اگر طے شدہ قانون طلبہ اور معلمین سب کو معلوم ہے۔

تو ''**المسلمون عند شروطهم**''. (بخاري تحت ترجمة الباب أجر السمسرة، النسخة الهندية ١/ ٣٠٣) کے تحت جواز معلوم ہوتا ہے، مگر طلبہ سے ہدیہ لینا نامناسب عمل ہے، اس سے بہت سے مضر اثرات ظاہر ہوتے ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷ر رمضان المبارک ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۶۲۱)

مدرسے میں بے پردہ معلّمہ کے تقرر کرنا کا حکم

سوال [۸۴۵۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کیا مدارسِ اسلامیہ میں جہاں پر معلم حضرات تعلیم دیتے ہیں وہاں پر نوجوان

معلّمہ صاحبہ کا تقرر کرنا درست ہے، جب کہ معلّمہ صاحبہ آتے جاتے اور پڑھاتے وقت بھی بے پردہ رہتی ہوں، یعنی کہ سر پر ڈوپٹہ تک بھی نہ رکھتی ہوں، اگر معلّمہ صاحبہ کا تقرر کیا جائے تو کن شرائط کے ساتھ؟

المستفتی: محمد مسلم امروہوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسے مدارسِ اسلامیہ جن میں صرف لڑکیاں ہی تعلیم حاصل کرتی ہیں، وہاں بہتر یہ ہے کہ معلّمہ کا ہی تقرر کیا جائے، جب کہ وہ پابند شرع ہو۔ اور اگر مدرسہ ایسا ہے جس میں لڑکے تعلیم حاصل کرتے ہیں اور اکثر پڑھانے والے مرد ہیں، تو وہاں معلّمہ کے تقرر کرنے میں بہت سارے مفاسد ہیں، مثلاً بے پردگی نامحرم مردوں کے ساتھ اختلاط، بعض موقعوں پر تنہائی اور خلوت کا بھی موقع آسکتا ہے، آپس میں بے تکلفانہ بات چیت اور نامحرم مردوں کے ساتھ آمد ورفت وغیرہ کے بھی امکانات ہیں؛ اس لئے عورتوں کے لئے شرعاً ایسی ملازمت کی اجازت نہیں دی جاسکتی ہے۔ (مستفاد: فتاوی رحیمیہ قدیم ۱۰/ ۳۰۸، جدید ۱۰/۱۰۳-۹۰، فتاوی محمودیہ قدیم ۱۷/ ۲۳۵، ڈابھیل ۳/ ۳۸۹، فتاوی نظامیہ اندوریہ ۱/ ۴۳۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰/ ۶/ ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۵۸۳۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۳۰/ ۶/ ۱۴۱۹ھ

اساتذہ کے لئے طلباء کو ملنے والے کنسیشن استعمال کرنے کا حکم

سوال [۸۴۵۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مدارسِ دینیہ کے طلبہ کے لئے جو سرکار کی طرف سے کنسیشن فارم دیا جاتا ہے، کیا اس پر مدرسہ کے اساتذہ کرام سفر کرسکتے ہیں؟

المستفتی: منظور احمد اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سرکار نے صرف طلبہ کے لئے کنسیشن فارم دیا ہے، اساتذہ یا ملازمین کے لئے نہیں؛ اس لئے اساتذہ کرام وملازمین کے لئے اس پر سفر کرنا جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: امدادالفتاوی ۳/ ۴۴۵، ۴/ ۱۴۲، ۴/ ۱۴۶) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳/ ذی الحجہ ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۵۳۱)

مدرسے کے کمروں میں مدرس کا فیملی کے ساتھ رہنا

سوال [۸۴۶۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید ایک مدرسہ کا مدرس بھی ہے اور مسجد کا امام بھی اور اس کا نگراں بھی زید ہے، تو کیا زید کے لئے مدرسہ کے کمروں میں فیملی لے کر رہنا جائز ہے یا نہیں؟ بعض لوگ اشکال کرتے ہیں کہ مدرسے کے کمرے میں فیملی لے کر کیسے رہیں گے؟ واضح ہو کہ مدرسہ میں چار پانچ کمرے ہیں، مدرسے میں بیرونی طلبا بھی نہیں ہیں، گاؤں والے بچے پڑھ کر چلے جاتے ہیں، مدرسہ خالی رہتا ہے، تو کیا زید کے لئے مدرسے کے کمرے میں فیملی لے کر رہنا جائز اور گنجائش ہے یا نہیں؟ براہ کرم تفصیلی جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: محمد منظور عالم خوشحال پوری، مدرسہ کاشف العلوم

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مدرس کی ملازمت کے لئے مدرسہ کی طرف سے کمرہ یا مکان کا بھی معاملہ طے ہوا ہے یا کمیٹی وذمہ داران مدرسہ کی جانب سے بچوں واہلیہ کے رکھنے کی اجازت ہے، تو ایسی صورت میں مدرس کا اپنے بچوں واہلیہ کو مدرسہ کے کمرہ میں رکھنا شرعاً درست ہے، ہاں پردہ کا لحاظ رکھنا ضروری ہے، لوگوں کا اس سلسلہ میں اعتراض جہالت اور غلطی پر مبنی ہے۔ (مستفاد: محمودیہ قدیم ۱۴/ ۱۶۸، جدید ڈابھیل ۱۵/ ۵۲۰)

عن عبدالله بن عمرو بن عوف المزني، عن أبيه، عن جده أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: الصلح جائز بين المسلمين، إلا صلحا حرم حلالا، أو أحل حراما، والمسلمون على شروطهم، إلا شرطا حرم حلالا، أو أحل حراما.

(ترمذي، الأحكام، باب ما ذكر عن رسول الله صلى الله عليه وسلم في الصلح بين الناس، النسخة الهندية ۱/ ۲۵۱، دارالسلام، رقم: ۱۳۵۲، مشكوة شريف: ۲۵۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳ محرم الحرام ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۷۰۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۱/۲۳ھ

مدرسین کے وسعت ونجی گھر ہونے کے باوجود مدرسہ کا گھر خالی نہ کرنے کا حکم

سوال [۸۴۶۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک دینی مدرسہ جو کافی عرصہ سے دینی تعلیم کی خدمت میں مصروف ہے، اس ادارے کے ذمہ داران نے اس ادارے میں مامور مدرسین وملازمین کی پریشانی اور کم وسعتی کو سامنے رکھتے ہوئے ادارے کی مملوکہ اراضی میں مدرسین وملازمین کے لئے مکانات مہیا کر دیئے تھے، جس سے مدرسین وملازمین کو سکون اور یکسوئی کے ساتھ خدمت کا موقع فراہم ہوا، مدرسہ کی جانب سے سہولیات فراہمی کے ساتھ معمولی کرایہ بھی طے کر دیا گیا، جس کی ادائیگی ہوتی رہی، مزید کوئی دوسرا معاملہ یا عہد وپیمان نہ ہوا، آج تک ان مکانات میں رہنے والے مدرسین وملازمین ان مکانات کو ادارے کی ہی ملک سمجھتے ہیں؛ لیکن موجودہ صورت یہ ہے کہ ان میں سے بعض کو اللہ نے کافی وسعت سے نواز دیا ہے، وہ لوگ اسی بستی میں جہاں ادارہ قائم ہے یا تو اپنے نجی مکانات کے مالک ہیں یا مکان بنانے کی مکمل وسعت رکھتے ہیں، جب کہ ادارے کو مکانات کی ضرورت ہے، ایسے حالات میں چند امور دریافت طلب ہیں:

(۱) ادارے کا مدرسین وملازمین کو رہائش کے لئے مکان دینا یہ معاملہ شرعی اعتبار سے کس دائرے میں آئے گا؟

(۲) کیا وسعت وفراخی آنے یا اپنے نجی مکان کا مالک ہونے کے بعد ایسے لوگوں کا ادارے کے مکان میں قیام پذیر رہنا جب کہ ادارے کو ضرورت بھی ہے، شرعی اعتبار سے درست ہے؟

(۳) کیا ادارہ مکان کے انخلاء کے لئے کوئی دباؤ یا اصرار کا طریقہ اپنا سکتا ہے؟

(۴) کبھی کبھی ان مکانات پر قبضہ کی صورت بن جانے سے ان کی حفاظت کا مسئلہ بھی اٹھتا ہے، اس سلسلہ میں کیا پیش رفت کی جاسکتی ہے؟ مفید مشورہ مطلوب ہے، شرعی نقطہ نظر سے جواب عنایت فرما کر ممنون ہوں۔

المستفتی: عبدالمقتدر، محلّہ خانقاہ دیوبند

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) کوئی بھی ادارہ اپنے ماتحت ملازمین کے لئے رہائشی مکان مہیا کرتا ہے، اس میں دو باتیں پیش نظر رہتی ہیں: اولاً اس میں ادارہ کا فائدہ پیش نظر رہتا ہے، ملازمین کی فیملی کی رہائش کا انتظام نہ ہونے کی صورت میں ان کو ادارے کا کام چھوڑ کر بار بار اپنی فیملی اور بچوں کے حقوق کی ادائے گی اور ان کی خبر گیری کے لئے جانا پڑتا ہے، اس میں ادارہ کا نقصان ہوتا ہے، اس سے بچنے کے لئے ادارہ رہائشی مکانات کا انتظام کرتا ہے۔ دوسری یہ کہ ادارے کے پیش نظر یہ بات بھی ہوتی ہے کہ اس سے ملازم کو سہولیات فراہم ہوتی ہیں، جس سے اپنے بال بچوں کے متعلق بے فکر ہوکر کام کرنے میں جماؤ پیدا ہوجائے اور ملازم دلجمعی کے ساتھ ادارے کے کام میں لگ جائے۔ اور جب ملازم کی یہ ضرورت اپنے ذاتی مکان کے ذریعہ پوری ہوجائے تو ملازم کے اوپر لازم ہے کہ ادارے کا مکان رضا کارانہ طور پر خالی کردے اور ذاتی مکان میں رہائش اختیار کرلے، تاکہ ادارے کے دوسرے ضرورت مند ملازمین خالی کردہ مکانات سے ادارے کے واسطے سے اپنی ضرورت پوری کرسکیں۔ اور سوال میں یہ بھی پوچھا گیا ہے کہ یہ معاملہ شرعی اعتبار سے کس دائرہ میں آئے گا؟ واضح ہو کہ یہ معاملہ کرایہ دار کے دائرہ میں تو آتا ہے، مگر مطلقاً نہیں؛ بلکہ ضرورت پوری ہونے کی حد تک آتا ہے۔

قال في الأشباه: فيفرق بين اشتراط تقديم العمارة كل سنة والسكوت عنه، فإنه مع السكوت تقدم العمارة عند الحاجة إليها، ولا يدخر لها عند عدم الحاجة إليها، ومع الاشتراط تقدم عند الحاجة ويدخر لها عند عدمها. (شامي، كتاب الوقف، مطلب في قطع الجهات لأجل العمارة، زكريا ٦/ ٥٦٦، كراچی ٤/ ٣٧١)

(۲) جب ملازم کو اللہ تعالیٰ وسعت اور فراخی عطا فرما دے اور اپنا نجی مکان بنالے تو ملازم پر ضروری ہے کہ ادارے کا مکان خالی کر کے اپنے نجی مکان میں منتقل ہو جائے اور ذاتی رہائشی انتظام کے باوجود ادارے کا مکان خالی نہ کرنا جب کہ ادارے کو اپنے دوسرے ضرورت مند ملازمین کے لئے مکان کی ضرورت ہے، تو یہ قابض ملازمین کی طرف سے ناجائز قبضہ ہے، اس کو خالی کرانے میں ادارے کو اپنی طاقت کے استعمال کرنے کا حق ہے اور قابض ملازمین کے سخت گنہگار اور عند اللہ سخت پکڑ میں آنے کا خطرہ ہے۔

إذا مضت مدة الإجارة قلع البناء والغرس، وسلم الأرض إلى المؤجر فارغة؛ لأنه يجب عليه تسليمها إلى صاحبها غير مشغولة ببنائه وغرسه، وذلک بقلعهما في الحال؛ لأنهما ليس لهما حالة منتظرة ينتهيان إليها.

(تبيين الحقائق زكريا ٦/ ٩٦، مكتبه إمداديه ملتان ٥/ ١١٤)

وتصح إجارة أرض للبناء والغرس ...... مضت المدة قلعهما وسلمها فارغة لعدم نهايتهما إلا أن يغرم له الموجر قيمته، أي البناء والغرس مقلوعا. (درمختار مع رد المحتار زكريا ٩/ ٤١، كراچی ٦/ ٨٣، هندية، زكريا قديم ٤/ ٤٢٩، جديد ٤/ ٤٦٢)

عن سعيد بن زيد بن عمرو بن نفيل أن رسول الله ﷺ قال: من اقتطع شبرا من الأرض ظلما طوقه الله إياه يوم القيامة من سبع أرضين.

(مسلم شريف، كتاب المساقاة، باب تحريم الظلم وغصب الأرض، النسخة الهندية ٢/ ٣٢، بيت الأفكار رقم: ١٦١٠، بخاري شريف ١/ ٤٥٣، رقم: ٣٠٩١، ف: ٣١٩٥)

(۳) مدارسِ اسلامیہ کے قوانین وضوابط اس حدیث شریف کی روشنی میں بنائے جاتے ہیں۔ حدیث شریف ملاحظہ فرمایئے:

عن كثير بن عبدالله بن عمرو بن عوف المزني، عن أبيه، عن جده أن رسول الله ﷺ قال: الصلح جائز بين المسلمين، إلا صلحا حرم حلالا، أو أحل حراما، والمسلمون على شروطهم، إلا شرطا حرم حلالا، أو أحل حراما. (جامع الترمذي، الأحكام، باب ما ذكر عن رسول الله ﷺ في الصلح بين الناس، النسخة الهندية ١/ ٢٥١، دارالسلام، رقم: ١٣٥٢، طبراني ١٧/ ٢٢، رقم: ٣٠، سنن الدارقطني، كتاب البيوع، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ٢٣، رقم: ٢٨٦٩)

اس حدیث پاک کے پیش نظر ضرورت مند ملازمین کو جو رہائشی مکانات منجانب ادارہ دئے جاتے ہیں وہ وقتی ضرورت پوری کرنے کے لئے دئے جاتے ہیں، جب ان کی ضرورت ذاتی رہائشی مکانات یا کسی اور طریقہ سے پوری ہوجائے تو ان پر لازم اور ضروری ہے کہ ادارے کے مکانات کو رضا کارانہ طور پر خالی کر کے ادارے کے حوالہ کردیں اور از خود خالی نہ کرنے کی صورت میں ادارے کو دباؤ ڈالنے اور خالی کرانے پر اصرار کا حق ہے، پھر بھی خالی نہ کریں تو ادارے کو جہاں تک ہوسکے اپنی طاقت استعمال کرنے کا حق ہے، اگر کوئی ملازم ایسا مضبوط ہے کہ اس پر دباؤ ڈالنے کی صورت میں ادارے کو طرح طرح کے خطرات کا اندیشہ ہے، تو ایسی صورت میں وہ ملازم شرعاً غاصب اور ظالم شمار ہوگا اور عنداللہ سخت پکڑ میں آنے کا خطرہ ہے۔

عن كثير بن عبدالله بن عمرو بن عوف المزني، عن أبيه، عن جده أن رسول الله ﷺ قال: الصلح جائز بين المسلمين، إلا صلحا حرم حلالا، أو أحل حراما، والمسلمون على شروطهم، إلا شرطا حرم حلالا، أو أحل حراما. (جامع الترمذي، النسخة الهندية ١/ ٢٥١، دارالسلام، رقم: ١٣٥٢)

إذا مضت مدة الإجارة قلع البناء والغرس، وسلم الأرض إلى المؤجر

فـارغة؛ لأنـه يـجـب عليه تسليمها إلى صاحبها غير مشغولة ببنائه وغرسه، وذلک بـقـلـعهـمـا في الحال؛ لأنهما ليس لهما حالة منتظرة ينتهيان إليها.
(تبيين الحقائق، إمداديه ملتان ٥/ ١١٤، زكريا ٦/ ٩٦)

وتـصـح إجارة أرض للبناء والغرس …… مضت المدة قلعهما وسلمها فـارغة لـعـدم نهايتهما (وتحته في الشامية:) أي البناء والغرس إذ ليس لهما مدة معلومة. (الدرالمختار مع الشامي، کراچی ٦/ ٨٣، زكريا ٩/ ٤١)

(۴) جب ادارہ کو ملازمین کی طرف سے ان مکانات پر قبضہ کر لینے کا خطرہ ہوتو مکانات ملازمین کو ہندوستانی قانون کے مطابق ۱۱؍ مہینے کے اگریمنٹ کے ساتھ دینے چاہئیں اور ہر گیارہ مہینے پر نئے اگریمنٹ پر دستخط کرائے جائیں، جب یہ سلسلہ رہے گا تو آگے چل کر ملازمین کی نیت میں فتور نہیں آئے گا اور ادارہ جب چاہے خالی کرا سکتا ہے، اسی وجہ سے بہت سے فقہاء نے اوقاف کی جائیداد کو صرف ایک سال کے لئے کرایہ پر دینے کا مشورہ دیا ہے۔ اور بعض نے تین سال کی بھی اجازت دی ہے۔ اور مقصد یہی ہے کہ ادارہ کے حق میں جائیداد خطرہ میں نہ پڑ جائے۔

ومـنـها: بيان المدة في الدور والمنازل والحوانيت. (هندية، زكريا قديم ٤/ ٤١١، جديد ٤/ ٤٤٠)

وشـرطهـا كون الأجرة والمنفعة معلومتين؛ لأن جهالتهما تفضي إلى الـمـنـازعة، ويـعـلـم النفع ببيان المدة كالسكنى والزراعة. (الـدرالمختار مع الشامي، زكريا ٩/ ٧-٨، کراچی ٦/ ٦٥)

وكـان الـقـاضي الإمام أبو علي النسفي رحمه الله يفتي بأن المتولي لا ينبغي أن يؤاجر أكثر من ثلاث سنين. (هندية، زكريا ٢/ ٤١٩، تاتارخانية ٨/ ٦٩، رقم: المسألة: ١١٢٣٣، تبيين الحقائق، زكريا ٧٩، ١٨٠، إمداديه ملتان ٥/ ١٠٦)

فـإن كـان الـواقف شـرط أن لا يـؤاجر أكثر من سنة، فليس للقيم أن

يخالف شرطه ويؤاجرها أكثر من سنة. (تاتارخانية، زكريا ۸/ ٦۸، رقم: ۱۱۲۳۲)

روي عن الفقيه أبي جعفر رحمه الله أنه كان يقول في الوقف لا يؤاجر أكثر من سنة. (تاتارخانية ۸/ ٦۸، رقم: ۱۱۲۳۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍محرم الحرام ۱۴۳۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/۱۱۸۲۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۲/۱/۱۴۳۶ھ

غیر صاحب نصاب مدرس کے لئے مدرسہ کا کھانا کھانا

سوال [۸۴۶۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر کوئی مدرس صاحب نصاب نہ ہو، تو مدرسہ میں طلباء کے لئے پکا ہوا کھانا بغیر قیمت یا فیس ادا کئے ہوئے کھا سکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: زاہد الاسلام، مدرسہ رحمانیہ محمد نگر سہاگ پور، شہڈولی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مدرس خواہ صاحب نصاب ہو یا غیر صاحب نصاب، اگر بوقت ملازمت کھانا مدرسہ سے طے ہوا ہے جو کہ جزو تنخواہ ہے یا فیس ادا کر کے کھانا لیتا ہے بہرصورت مدرس کو مطبخ سے کھانا لینا درست ہے؛ لیکن اگر مدرس کی خورا کی منجانب مدرسہ جمع نہ ہوئی ہو یا فیس ادا کئے بغیر کھانا لے اور مطبخ میں زکوۃ کی رقم بلا تملیک صرف کی جاتی ہو تو ایسی صورت میں مدرس کو کھانا لینا درست نہ ہوگا۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۱۵/ ۲۸۵، جدید ڈابھیل ۱۵/۴۸۰، ۵۵۱)

اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَاكِيْنِ. الآية [التوبة: ٦۰]

مصرف الزكوة والعشر هو فقير. (شامي، كتاب الزكوة، باب المصرف، كراچی ۲/ ۳۳۹، زکریا ۳/ ۲۸۳)

(۲) معطی کی طرف سے زکوۃ کی رقم دو قسموں پر ہوتی ہے: (۱) مدِ زکوۃ کے نام سے علی الاطلاق زکوۃ کی رقم دی جاتی ہے، اس میں یہ تخصیص نہیں ہے کہ یہ پیسہ مستحقین پر کس طریقہ سے خرچ کیا جائے، ایسی صورت میں معطی کی طرف سے مدرسہ کے ذمہ دار یا سفراء کے ہاتھ میں پیسہ آتے ہی معطی کی زکوۃ ادا ہو جاتی ہے؛ اس لئے کہ سفراء اور مدرسہ کے ذمہ دار طلباء کے وکیل ہیں اور زکوۃ کے ایسے پیسے کو طباخ کی اجرت، آٹا پیسائی کی اجرت اور لکڑی کی خریداری وغیرہ میں صرف کرنا درست نہیں، ہاں البتہ ایسی چیز کی خریداری اس پیسے سے جائز ہے جس کی بقاء طلباء کے ہاتھوں میں کھانا پہنچنے تک رہتی ہے، جیسا کہ گوشت، دال، مسالا، آٹا وغیرہ۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۱۱/ ۱۱۵، جدید ڈابھیل ۹/ ۶۰۳)

هي تمليك خرج الإباحة جزء مال خرج المنفعة فلو أسكن فقيرا داره سنة ناويا لا يجزيه المال كما صرح به أهل الأصول ما يتمول ويدخر للحاجة، وهو خاص بالأعيان، فخرج به تمليك المنافع. (درمختار مع الشامي، كتاب الزكوة، كراچی ۲/ ۲۵۶، ۲۵۷، زكريا ۳/ ۱۷۱-۱۷۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰/ ۵/ ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۷۲۵۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱/ ۶/ ۱۴۲۲ھ

مدرسین کے لئے ایصال ثواب کا کھانا کھانا

سوال [۸۴۶۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مدرسہ میں مطبخ کا کھانا تیار ہوتا ہے، اس میں مدرسین وملازمین اور طلباء کا کھانا ایک ساتھ تیار کیا جاتا ہے، کبھی کبھی صدقہ کا مال یا ایصال ثواب کا کھانا بریانی وغیرہ آجاتی ہے، اب مدرسین جو مدرسہ کے مطبخ سے کھانا کھاتے ہیں، وہ بھی اس میں کھا سکتے ہیں یا نہیں؟ کیوں کہ جب کھانا آگیا تو مطبخ میں کھانا بنتا نہیں ہے، نیز مدرسہ کے ناظم صاحب کا کہنا ہے

کہ اگر علیحدہ کھانا بنے گا تو مدرسہ کا نقصان ہوتا ہے اور اس کھانے کا جو بستی سے آتا ہے، ہم کیا کریں گے اور وہ دلیل یہ دیتے ہیں کہ یہ صدقہ نافلہ ہے؛ کیوں کہ نیت ثواب کی ہوتی ہے اور طباخ بھی جلد کھانا بنانے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔

المستفتی: رحمت اللہ قاسمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایصال ثواب کا کھانا صدقہ ہے۔ اور صدقہ فقہاء کا حق ہے، اغنیاء کو صدقہ دینے سے صدقہ کا ثواب نہیں ملتا؛ لہٰذا اگر اساتذہ سرمایہ دار ہیں، تو ان کے لئے ایصال ثواب کا کھانا درست نہیں ہے؛ البتہ اگر صدقہ نافلہ کریں تو اس کا کھانا اساتذہ کے لئے درست ہوگا، خواہ صاحب نصاب ہوں یا نہ ہوں۔ سوال نامہ میں جس پریشانی کا ذکر ہے کہ الگ سے کھانا تیار کرنے میں مدرسے کا نقصان ہوگا، نیز طباخ بھی تیار نہیں ہوتے، تو اس صورت میں جواز کی صورت یہ ہے کہ مستحق طلبہ کھانا لے آئیں وہ اپنا کھانا اساتذہ کو اپنی خوشی سے کھلا دیں، تو اس کی گنجائش ہے، جیسا کہ حدیث بریرہ سے واضح ہوتا ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۴/ ۱۰۸، جدید زکریا مطول ۵/ ۱۷۵)

عن عائشة –رضي الله عنها– أنها أرادت أن تشتري بريرة للعتق ...... وأوتي النبي صلى الله عليه وسلم بلحم، فقلت: هذا ما تصدق به على بريرة، فقال: هو لها صدقة ولنا هدية. (صحيح البخاري، باب الصدقة على موالي أزواج النبي صلى الله عليه وسلم، النسخة الهندية ١/ ٢٠٢، رقم: ١٤٧١، ف: ١٤٩٣)

وأما بقية الصدقات المفروضة والواجبة (وقوله) فلا يجوز صرفها للغني (إلى قوله) خرج النفل عنها؛ لأن الصدقة على الغني هبة. (البحرالرائق، كتاب الزكوة، باب المصرف، دارالفكر بيروت ٢/ ٢٤٥، زكريا ٢/ ٤٢٧، كوئٹه ٢/ ٢٤٥)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/ صفر ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۷۱۹)

مدرسے کے ملازم کے علاج کی ذمہ داری کس پر ہے؟

سوال [۸۴۶۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کسی مدرسہ کا ملازم ہے جو درس وتدریس کا کام انجام دیتا ہے اور وہ با قاعدہ مدرسہ سے اپنی متعین تنخواہ لیتا ہے، اتفاقا وہ کسی سے ملاقات کرنے کے لئے کہیں چلا گیا، مدرسہ کے کام سے نہیں گیا، واپسی میں وہ شدید بیمار پڑ گیا یا اس کا ایکسیڈنٹ ہوگیا، تو کیا اس کے علاج ومعالجہ کی پوری ذمہ داری مدرسہ کے اوپر ہوگی یا کس کے اوپر ہوگی؟ جب کہ زید کے وارث مثلاً اس کا بھائی یا اس کا لڑکا اس کے پاس موجود ہے اور اس کے علاج کی کیا شکل ہوگی؟

المستفتی: ڈاکٹر عبدالکافی مہتمم جامعہ اخلاق العلوم چکر کی ملک، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مدرسہ کی رقم سے علاج کرنے کا حق نہیں ہے، ہاں البتہ علی الحساب لے کر بعد میں تنخواہ میں مجرا کرتے رہیں تو کوئی مضائقہ نہیں۔ اور تنخواہ اور منجانب مدرسہ مقرر کردہ دیگر وظائف کے علاوہ لینے کا حق نہیں ہے۔

لا يجوز لأحد أن يتصرف في ملك الغير بغير إذنه. الخ (قواعد الفقه، أشرفي ديوبند، ص: ۱۱۰)

لا يجوز التصرف في مال غيره بغير إذنه، ولا ولايته عليه. (الأشباه، كتاب الغصب، كراچی ۲/ ۹۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ ربیع الثانی ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/ ۳۴۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۸/ ۴/ ۱۴۱۴ھ

الفصل الرابع:

مدارس میں سرکاری اور غیر مسلم کا مال صرف کرنے کا حکم

مدرسہ کو ایڈ کرانا

سوال [۸۴۶۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) بعد آداب وتسلیمات کے خدمت اقدس میں عرض یہ ہے کہ مدرسہ جامعہ عربیہ اصلاح العلوم عرصہ سے دینی خدمات انجام دے رہا ہے، جس میں چار مدرس اور دو ٹیچر ایک عالم دو قاری اور ایک حافظ دینی خدمات انجام دے رہے ہیں، تعلیمی نصاب حافظہ، ناظرہ درجات پرائمری اول تا درجہ پنجم ہے۔

(۲) ہمارے گاؤں میں دوسرا مدرسہ ہدایت العلوم ملحق حضرت ناظم صاحب مدظلہ مجلس دعوۃ الحق ہردوئی بھی چل رہا ہے، وہ مدرسہ امسال رکنائز ہوگیا ہے، نیز امداد برائے وظائف طلبہ بھی ملتی ہے، اس وجہ سے اکثر طلباء مدرسہ ہدایت العلوم میں داخل ہورہے ہیں اور ہمارے مدرسہ اصلاح العلوم میں ابتدائی بچوں کی آمد پر کافی اثر پڑا، وظیفہ کی وجہ سے اکثر لوگ اپنے طلباء کو مدرسہ ہدایت العلوم میں داخل کررہے ہیں، موجودہ حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے اہم اراکین مدرسہ اصلاح العلوم کو گورنمنٹ سے رکنائز کرانا چاہتے ہیں، شرعاً کیسا ہے؟

(۳) نیز گورنمنٹ سے امداد برائے وظائف طلبہ ملتی ہے، اس کا لینا شرعاً کیسا ہے؟

المستفتی: اراکین مدرسہ اصلاح العلوم بڑاانواردہ غوث گنج، ہردوئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دینی مدارس اللہ تعالیٰ پر توکل اور عامۃ المسلمین کے تعاون سے چلتے ہیں، جن مدارس نے حکومت سے ایڈ اور وظائف لینا شروع کیا ہے وہ کبھی بھی آزاد مدارس سے آگے بڑھ کر ترقی نہیں کرپائے؛ اس لئے دینی مدارس کا حکومت سے ملحق

ہوکر وظائف حاصل کرنا روحانی ترقیات پر روک لگانا ہے؛ اس لئے حکومت سے ملحق کرنا مناسب نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَعَسَى اَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَكُمْ وَعَسَى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَكُمْ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ. [البقرة: ٢١٦] فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴/ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۲۴۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴/۴/۱۴۱۸ھ

کیا ایڈ کے مدارس میں سرکاری قوانین کی پابندی لازم ہے

سوال [۸۴۶۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید ایک سرکاری مدرسہ کا مدرس ہے اور اس کی تنخواہ تقریباً ۲۰/ ہزار روپیہ مہینہ ہے اور اب جبراً زید سے اور اس کے تمام ساتھیوں سے ہر مہینہ تنخواہ کا دس فیصد منیجر مدرسہ لیتا ہے، جو سالانہ تقریباً ۲۴/ ہزار روپیہ ہوتا ہے، جو ہم لوگ ظلم و جبر کی وجہ سے دیتے ہیں اور اس کے باوجود تعلیم کے بارے میں بھی کڑی محنت کرنی پڑتی ہے۔ اور اگر کوئی مدرس ۵/منٹ بھی دیر سے پہنچتا ہے، تو اسے غیر حاضر کر دیا جاتا ہے، ایسی صورت میں اگر کوئی شخص سفر حج کے لئے جائے تو مدرسہ اس کی تنخواہ نکال کر آدھی تنخواہ دے دیتا ہے اور آدھی مدرسہ کے نام پر لے لیتا ہے، یا پوری تنخواہ دے دیتا ہے یا اگر کوئی جماعت میں جانا چاہتا ہے تو مدرسہ والے اس کو بھیج دیتے ہیں اور اس کی تنخواہ اس کو دی جاتی ہے، کبھی پوری کبھی آدھی، تو کیا ان تمام حالتوں میں جبراً دی گئی رقم کو ہم ان کاموں کے لئے جوڑ سکتے ہیں یا ہمارا تنخواہ لے کر حج و جماعت کے لئے جانا درست ہوگا؟ جب کہ تنخواہ کٹوا دینے میں بڑی دقتیں قانونی اعتبار سے پیش آتی ہیں، قرآن وحدیث کی روشنی میں مفصل وضاحت فرمائیں۔

المستفتی: محمد عرفان پنتے پور، ضلع سیتاپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سرکاری مدرسہ میں منجانب حکومت طے کئے گئے ضوابط کی پابندی مینیجر اور اساتذہ سب پر لازم ہے؛ لہٰذا مینیجر کا جبراً اساتذہ کی تنخواہ سے ۱۰؍ فیصد حصہ کاٹ لینا شرعی نقطہ نظر سے جائز نہیں ہے، اسی طرح اساتذہ بھی شرعاً اتنے ہی دن کی تنخواہ لینے کے مجاز ہیں جتنے دن انہوں نے مدرسہ میں حاضر ہوکر باقاعدہ پڑھایا ہو، غیر حاضری کے ایام کی تنخواہ لینا جائز نہیں ہے، اسی طرح غیر حاضر رہنے کی صورت میں مینیجر کے ذریعہ لی گئی رقم کو اس کا عوض مان کر اس دن کی حاضری لگانا بھی شرعاً جائز نہیں ہے۔

وقال النبي صلی اللّٰه علیه وسلم: المسلمون عند شروطهم. (صحیح البخاري، تحت ترجمة الباب، باب أجر السمسرة، النسخة الهندية ۱/ ۳۰۳)

وأما شرائط الصحة، فمنها: رضا المتعاقدين. (هندية، كتاب الإجارة، الباب الأول، زكريا جديد ٤/ ٤٤٠، قديم ٤/ ٤١١)

والأجرة إنما تكون في مقابلة العمل. (شامي، كتاب النكاح، باب المهر، مطلب أنفق على معتدة الغير، زكريا ٤/ ٣٠٧، كراچی ٣/ ١٥٦)

ليس لأحد أن يأخذ مال غيره بلا سبب شرعي. (شرح المجلة رستم، مكتبه اتحاد ١/ ٦٢، رقم المادة: ٩٧، قواعد الفقه، ص: ١١٠، رقم: ٢٦٩، الموسوعة الفقهية الكويتية ٢١/ ١١٢)

عن أبي حميد الساعدي أن رسول اللّٰه ﷺ قال: لا يحل لمسلم أن يأخذ مال أخيه بغير حق. (مجمع الزوائد، باب الغصب وحرمة مال المسلم، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ١٧١) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللّٰہ عنہ
۱۹؍ ربیع الاول ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۳۳۹)

سرکار کی طرف سے آئے ہوئے رسد کو مدرسہ یا مسجد میں لگانے کا حکم

سوال [٨٤٦٧]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: سرکار کی طرف سے اسکول میں جو چاول اور گیہوں آتا ہے بچوں کے لئے اگر گاؤں کے سبھی لوگ مل کر اسی چاول کو مدرسہ یا مسجد میں لگانا چاہیں تو کیا یہ جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: شمس الحق، جھارکھنڈ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جن طلبہ کے لئے رسد آتا ہے، ان ہی کو دینا لازم ہے، مدرسہ یا مسجد والوں کو دینا جائز نہیں۔

إنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة. (شامي، الوقف، مطلب مراعاة غرض الواقفين واجبة، زكريا ٦/ ٦٦٥، كراچی ٤/ ٤٤٥)

ومن اختلاف الجهة، ما إذا كان الوقف منزلين أحدهما للسكنى والآخر للاستغلال، فلا يصرف أحدهما للآخر، وهي واقعة الفتوى. (شامي، الوقف، مطلب في نقل أنقاض المسجد ونحوه، زكريا ٦/ ٥٥١، كراچی ٤/ ٣٦١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٦ /رجب المرجب ١٤٢٢ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٥/ ٧٣٠٤)

اسکولوں میں آمدہ سرکاری امداد کی بچی ہوئی رقم کا مصرف

سوال [٨٤٦٨]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آج کل حکومت اسکولوں وغیرہ میں اس کی ضروریات کے لئے اسی طرح طلبہ

کی ضروریات کے لئے کافی بڑی مقدار میں رقم دیتی ہے، پھر اس رقم کے ذریعہ اسکولوں اور طلبہ دونوں کی ضروریات بحسن خوبی ادا ہونے کے بعد کافی رقم بچ جاتی ہے، تو اب سوال یہ ہے کہ اس بچی ہوئی رقم کو واپس کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ اگر نہیں، تو اس رقم کا مالک کون ہوگا؟ نیز واپسی کی صورت میں وہ رقم حکومت تک نہیں پہنچ پاتی ہے؛ بلکہ اس رقم کو پانے والے اس کا غلط استعمال کرتے ہیں، تو اب ایسی صورت میں رقم کا کیا کرنا چاہئے؟

المستفتی: عبدالعظیم، جگر کالونی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اسکول اور اسکولی طلبہ کی ضروریات پوری ہونے کے بعد بچی ہوئی فاضل رقم سرکار کو واپس کرنا ضروری ہے، اگر سرکار کو واپس کرنے میں سرکار کے خزانہ تک وہ رقم نہیں پہنچتی ہے، تو ایسی صورت میں اسکولی طلبہ پر اس فاضل رقم کو بطور وظیفہ اور کھانے وغیرہ کی شکل میں خرچ کر دینا ضروری ہے۔ اور اسکول کے ذمہ داروں کے لئے اپنی ذاتی استعمال میں لانا جائز نہ ہوگا؛ اس لئے کہ یہ ایک امانت ہے اور امانت کو اس جگہ پہنچانا لازم ہے جہاں کے لئے یہ امانت دی گئی ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمَانَاتِ اِلٰى اَهْلِهَا. [النساء: ٥٨]

ليس أداء الأمانة منحصرا في مال الوديعة ونحو ذلك بل كل حق لأحد على أحد أمانة يجب أدائه لأهله كما يدل عليه سبب نزول هذه الآية.

(تفسير مظهري، زكريا قديم ٢/ ١٤٨، جديد ٢/ ٣٦٤، تحت تفسير رقم الآية: ٥٨، من سورة النساء)

ولو فضل من الخشب ونحوه شيء فهو على وجهين: إن كان يقدر على أربابها يشاورهم القيم في ذلك، وإن كان لا يقدر على أربابها فللقيم أن يفعل به ما يرى، وفي جامع الجوامع: وما فضل من الخشب ونحوه جاز صرفه في قنطرة أخرى بجنبها بمشورة أربابها: أوقاف على قنطرة فيبس الوادي وصار الماء إلى شعبة أخرى من الأرض من تلك المحلة، واحتيج

إلى عمارة القنطرة للوادي الجديد، فهل يجوز صرف القنطرة الأولى إلى الثانية؟ إن كانت القنطرة الثانية للعامة، وليس هناك قنطرة أخرى للعامة أقرب إلى القنطرة الأولىٰ جاز. (الفتاوى التاتارخانية، زكريا ۸/ ۱۹۶، رقم: ۱۱٦۲۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/ربیع الاول ۱۴۳۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۹۶۰/۴۱)

اسکول کی تعمیر یا طلبہ کی خوراک سے بچی ہوئی رقم کو ہیڈ ماسٹر کا استعمال کرنا

سوال [۸۴۶۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) حکومت ہند کی طرف سے اسکول کے طلبہ کو متعینہ خوراک ملتی ہے کہ ہیڈ ماسٹر فی طالب علم اتنا کھانا یا اس کی رقم طالب علم کے حوالہ کرے گا۔ اور ان کا یہ بھی قانون ہے کہ کھانا صرف اس طالب علم کو دیں جو اسکول میں حاضر ہو ورنہ نہیں اور ظاہر ہے کہ جتنے طلبہ کا نام رجسٹر میں ہے سب نہیں آتے ہیں، جس کی وجہ سے ہر ماہ کافی مقدار میں خوراک بچ جاتی ہے، تو اب اس خوراک اور اس کی رقم کو کیا کریں؟ حکومت ہم سے اس کا مطالبہ بھی نہیں کرتی ہے، تو کیا ہیڈ ماسٹر اس میں تصرف کرسکتا ہے؟ اور اگر ان میں سے کچھ رقم دوسرے اساتذہ کو دیں تو کیا اس کے لئے یہ حلال ہے؟

(۲) اسی طرح حکومت اسکول کی عمارت بنانے کے لئے روپئے دیتی ہے، عمارت بنانے کے بعد کچھ رقم بچ جاتی ہے، تو کیا اس رقم میں بھی ہیڈ ماسٹر تصرف کرسکتا ہے؟ اور اگر دوسرے کو دے تو کیا یہ اس کے لئے حلال ہے؟ اگر اس طرح کے روپئے حرام ہیں، تو کیا سود کی ادائے گی میں یہ رقم دے سکتے ہیں؟

المستفتی: محمد فیاض عالم، ممبئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱)صورت مسئولہ میں طلبہ کی خوراکی کے بعد جو روپیہ بچ جاتا ہے، ہیڈ ماسٹر کے لئے اس کو اپنے استعمال میں لانا اور اپنے اوپر خرچ کرنا شرعاً جائز نہیں ہے؛ بلکہ ان بچے ہوئے پیسوں کو سرکار کو واپس کرنا یا پھر طلبہ ہی پر دوبارہ خرچ کرنا واجب ہے؛ اس لئے کہ ہیڈ ماسٹر سرکار کی طرف سے ان روپیوں کو خرچ کرنے کا وکیل ہے؛ لہٰذا حسب ہدایت خرچ کرنے کے بعد جو بچ جائے گا وہ اس کے قبضہ میں سرکاری امانت ہوگا، جس میں تصرف کرنے کی اسے اجازت نہیں؛ ہاں البتہ طلبہ کی خوراکی سے بچا ہوا پیسہ طلبہ ہی پر خرچ کرنے کی گنجائش ہے۔

قال في الشامية: وهنا الوكيل إنما يستفيد التصرف من الموكل، وقد أمره بالدفع إلى فلان، فلا يملك الدفع إلى غيره. (شامي، كتاب الزكوة، زكريا ۳/ ۱۸۹، كراچی ۲/ ۲۶۹)

والمال الذي قبضه الوكيل بقبض العين بحسب وكالته هو في حكم الوديعة بيد الوكيل. (شرح المجلة سليم رستم، اتحاد ۲/ ۷۸۴، رقم المادة: ۱٤٦۳، مستفاد: فتاوی محموديه جديد ۱٥/ ٥۷٥، امداد الفتاوی ٤/ ۱۳۹)

(۲) منجانب سرکار اسکول کی عمارت کی تعمیر کے لئے جو پیسہ آتا ہے، تعمیر کی تکمیل کے بعد اس میں سے بچا ہوا پیسہ حکومت کو واپس کر دینا واجب ہے، ہیڈ ماسٹر یا کسی اور کے لئے اس میں تصرف کرنا یا اسے خرچ کرنا جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ جدید ۱۵/ ۵۷۵، امداد الفتاوی ۴/ ۱۴۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۲۹/۲/۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۴۴۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۲/۶ھ

امام باڑہ کے اوپر مدرسہ بنانے کا حکم

سوال [۸۴۷۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: شہر اجل پور میں مسلمانوں کا امام باڑہ ہے، جو پورے سال دوسروں کے پاس کرایہ پر رہتا ہے؛ لیکن محرم الحرام کی یکم تاریخ سے ۱۰/ تاریخ تک کرایہ داروں سے خالی کرالیا جاتا ہے، علم اور سواری رکھنے کے لئے، باقاعدہ اس کی رجسٹرڈ کمیٹی ہے، یہ کمیٹی چاہتی ہے کہ دھیرے دھیرے یہ ساری خرافات ختم ہوں تو کمیٹی نے یہ فیصلہ کیا کہ اس عمارت کے اوپر ایک مدرسہ تعمیر کیا جائے اور اس میں بچوں کی دینی تعلیم کے لئے مدرس رکھے جائیں، تاکہ یہ خرافات بند ہوسکیں، آیا اس امام باڑہ کی جو سال بھر کرایہ کی آمدنی ہے اس میں سے مدرس کی تنخواہ دینا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: نسیم احمد قاسمی، مہاراشٹر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تعزیہ نکالنا امر معصیت ہے اور اس کے لئے امام باڑہ بنانا اور اسی کے نام سے وقف کرنا شرعی طور پر ناجائز اور باطل ہے؛ لہٰذا مذکورہ عمارتیں اور دوکانیں صرف کمیٹی والوں کے تحت جائیداد ہیں؛ لہٰذا کمیٹی والوں کے مشورہ سے ان عمارتوں اور دوکانوں کو مدرسہ کے تحت لانا اور اس کے اوپر باقاعدہ دینی مدرسہ بنانا جائز اور درست ہوگا، ایک چیز جو ناجائز کام میں چل رہی تھی وہ ایک دینی کام میں شامل ہوجائے گی۔ اور جو لوگ مدرسہ بنانے میں شامل ہوں گے وہ سب بہت بڑے اجر وثواب کے مستحق ہوں گے۔ اور دوکانوں کی آمدنی سے مدرسین کو تنخواہ دینا بھی جائز ہوگا۔

من شرائط الوقف: أن يكون قربة في ذاته، وعند التصرف، فلا يصح وقف المسلم على البيعة، والكنيسة، أو على فقراء أهل الحرب. الخ
(هندية، كتاب الوقف، الباب الأول، زكريا قديم ٢/ ٣٥٣، جديد ٢/ ٣٤٧، النهر الفائق، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ٣١٣)

ولا يصح وقف مسلم، أو ذمي على بيعة أما في المسلم فلعدم كونه قربة في ذاته، وأما في الذمي فلعدم كونه قربة عندنا وعنده. (الدر مع الرد،

الوقف، مطلب في وقف المرتد والكافر، زكريا ٦/ ٥٢٦، كراچی ٤/ ٣٤٢، الفقه الإسلامي وأدلته، دارالفكر ١٠/ ٧٦٤٠، هدى انٹر نيشنل ديو بند ٨/ ١٨٧-١٨٨)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍ربیع الثانی ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۷۷۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۶/۴/۱۴۱۷ھ

غیر کی زمین میں اس کی اجازت کے بغیر مدرسہ بنانے کا حکم

سوال [۸۴۷۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اب سے دس بارہ سال پہلے تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد میں نے ایک زمین میں مدرسہ قائم کیا، جب کہ دوسرے مدارس کے ذریعہ تعلیم کا معقول انتظام تھا، اور اب بھی ہے، یہ زمین بہت سارے لوگوں کی ہے، ان میں سے چند حضرات نے مدرسہ بنانے کی اجازت دے دی تھی؛ لیکن باقی حق دار اب تک اجازت نہ دے کر میری اس کارکردگی سے ناراض ہیں؛ لیکن کچھ رعب دار لوگ میرے ساتھ ہیں، اس وجہ سے وہ بیچارے مجھ سے اپنے حق کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتے اور مدرسہ کی تعمیر وتعلیم جاری ہے، اس صورت میں میرے لئے اس زمین میں تعمیر وتعلیم کا کیا حکم ہے؟ قرآن وسنت کی روشنی میں واضح فرمائیں، جس سے ہماری آخرت برباد نہ ہو، میں اس ادارے اور پراپرٹی کا خود ہی مالک ہوں۔

المستفتی: ابن خان ککرالہ، بدایوں

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب مدرسہ قائم ہو چکا اور اس زمین پر مدرسہ کے نام سے تعمیر ہو چکی، اب اس کو مدرسہ ہی باقی رکھنا لازم ہے، اطراف میں دوسرے مدارس کیوں نہ ہوں اور دوسروں کی زمین جو مدرسہ کی عمارت میں آچکی ہے، منجانب مدرسہ اس کی قیمت ادا

کردی جائے، اب مدرسہ بن جانے کے بعد یہ مسلمانوں کا قومی ادارہ بن چکا ہے، شرعاً آپ اس کے مالک نہیں ہیں، آپ کا مالکانہ تصرف کرنا جائز نہیں ہے، اگر آپ سے انتظام نہیں چل سکتا ہے، تو کسی تجربہ کار عالم دین کو منصب نظامت پر بٹھا دیجئے، اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو اطراف میں جو مدارس چل رہے ہیں، اس مدرسہ کو ان میں سے کسی اچھے مدرسہ کی شاخ بنا دیجئے اور اسی مدرسہ کے منتظمین کے اختیار میں دے دیجئے۔ اور آپ اس میں دخل اندازی نہ کریں، تاکہ مدرسہ صحیح طریقے سے چل سکے۔

فإذا تم ولزم لا يملك ولا يعار ولا يرهن. قال في الشامية: لا يملك: أي لا يكون مملوكا لصاحبه، ولا يملك: أي لا يقبل التمليك لغيره بالبيع ونحوه لاستحالة تمليك الخارج عن ملكه ولا يعار. (ردالمحتار شامي، الوقف، مطب مهم فرق أبو يوسف بين قوله موقوفة، زكريا ٦/ ٥٣٩، كراچی ٤/ ٣٥١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳ رمحرم الحرام ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۴۰۹)

مالک کی اجازت کے بغیر اس کی زمین پر مدرسہ بنانا

سوال [۸۴۷۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) کیا کسی کی زمین پر زمین کے مالک کی اجازت کے بغیر مدرسہ قائم کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو بلا اجازت کسی کی زمین پر مدرسہ قائم کرکے اس کو چلانے والے کے بارے میں حکم شرعی کیا ہے؟

(۲) ہم دو بھائی مسمیٰ راجا، وراہو، ابنا حاجی محمد عاقل (عقلو) کی تقریباً ۵۲ ربیگہ رقبہ کی زمین ہے، جس زمین کی ملکیت کا ثبوت شرعی وسماجی ہمارے پاس موجود ہے، ہماری اس ۵۲ ربیگہ والی رقبہ کی زمین میں سے تقریباً ۱۲ ربیگہ زمین پر ایک مدرسہ کے ناظم نے زبردستی قبضہ کرلیا

ہے، جس زمین پر مدرسہ کی ایک عمارت بھی بنوالی ہے اور مابقیہ زمین کو کھیتی کے طور پر استعمال کرر ہا ہے، کئی بار پٹواریوں کو بلوا کر ہم نے ناپ کروائی؛ لیکن مدرسہ کا ناظم اور اس کے کچھ دبنگ ساتھیوں نے پٹواریوں کو گالی گلوج دے کر بھگا دیا، آخر کار ۲۳/۳/۲۰۱۱ء کو صحیح طور پر زمین کی پیائش کی گئی، تو پیائش کرنے والے پٹواری نے ہماری زمین کی حد بندی کی اور حد بندی میں مدرسہ کی پوری بلڈنگ سوائے برآمدہ کے ہماری زمین ثابت ہوئی اور اس سے پہلے بھی کئی بار اس بات کی وضاحت کی گئی اور گاؤں کے لوگوں نے بھی کئی بار مدرسہ کے ناظم سے کہا کہ آپ اس غریب کی زمین سے مدرسہ کا قبضہ ہٹا لو؛ اس لئے کہ اس غریب کا ذریعۂ معاش کھیتی باڑی ہی ہے اور مدرسہ کے پاس مدرسہ کی نجی زمین بھی ہے، اس کے باوجود بھی ناظم اور اس کے حواری ہماری زمین سے اپنا قبضہ نہیں ہٹا رہے ہیں، ۱۹۹۴ء سے آج تک ہماری زمین پر زبردستی مدرسہ چلا رہے ہیں اور باقی بچی زمین پر کھیتی بھی کرر ہے ہیں، اب سوال یہ ہے کہ کیا اس طرح زبردستی کسی کی زمین پر قبضہ کر کے مدرسہ قائم کرنا اور اس کا چلانا جائز ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو زبردستی کسی کی زمین پر قبضہ کر کے مدرسہ قائم کرنے اور اس کے چلانے والے اور اس کی معاونت کرنے والے کے بارے میں حکم شرعی کیا ہے؟

المستفتی: محمد راہو وراجا ابنا حاجی محمد عاقل، عرف عقلو، ریتانی باڑمیر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کسی کی زمین پر مالک زمین کی اجازت کے بغیر قبضہ کرنا جائز نہیں۔ اور اگر کوئی ایسا کرتا ہے تو وہ شخص غاصب ہے، جس کے بارے میں حدیث شریف میں بڑی سخت وعید آئی ہے؛ لہٰذا اگر حقیقت میں زمین راجہ اور راہو ہی کے نام ہے تو ناظم مدرسہ کو اس پر قبضہ کر کے مدرسہ چلانے کا حق نہیں ہے اور مالکان زمین کو مدرسہ منہدم کر کے اس زمین کو اپنے تصرف میں لینے کا حق ہے؛ لہٰذا ناظم مدرسہ وہ زمین مالک زمین کو واپس کردے اور جو زمین شرع کے مطابق مدرسہ کی ہے اسی پر مدرسہ چلائے، ورنہ قیامت کے روز سخت باز پرس ہوگی۔

عن سالم، عن أبيه، قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم: من أخذ شيئا من الأرض بغير حقه، خسف به يوم القيامة إلى سبع أرضين. (صحيح البخاري، كتاب بدء الخلق، باب ماجاء في سبع أرضين، النسخة الهندية ١/ ٤٥٣، رقم: ٣٠٩٢، ف: ٣١٩٦، صحيح مسلم، باب تحريم الظلم وغصب الأرض وغيرها، النسخة الهندية ٢/ ٣٢، بيت الأفكار، رقم: ١٦١٠)

لا يجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي. (هندية، كتاب الحدود، فصل في التعزير، زكريا قديم ٢/ ١٦٧، جديد ٢/ ١٨١، قواعد الفقه أشرفي، ص: ١١٠، رقم: ٢٦٩، الدرمع الرد، زكريا ٦/ ١٠٦، كراچى ٤/ ٦١، البحر الرائق، زكريا ٥/ ٦٨، کوئٹه ٥/ ٤١)

ومن غصب أرضا، فغرس فيها أو بنى قيل له: اقلع البناء والغرس، وردها لقوله عليه السلام: ليس لعرق ظالم حق ...... فإن كانت الأرض تنقص بقلع ذلك فللمالك أن يضمن له قيمة البناء. (هداية، كتاب الغصب، أشرفي ٣/ ٣٧٩)

لا يجوز لأحد أن يتصرف في ملك غيره بلا إذنه، أو وكالة منه أو ولاية عليه، وإن فعل كان ضامنا. (شرح المجلة رستم باز، مكتبة اتحاد ١/ ٦١، رقم المادة: ٩٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۳۹۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۵/۴ھ

مغصوبہ زمین پر مدرسہ بنانا

سوال [۸۴۷۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک مسلمان کی زمین پر غیر مسلم نے قبضہ کر کے مسلمانوں کے ہی ہاتھ فروخت

کردی، خریدنے والے مسلمان یہ جانتے ہیں کہ یہ زمین اس غیر مسلم کی نہیں اور نہ ہی اس اکیلے مسلمان کی ہے جو حیات ہے؛ بلکہ اس زمین پر دو مرحوم اشخاص کا حق ہے، جن کی وراثت ان دونوں کی بیواؤں کو پہنچتی ہے، خریدنے والے اشخاص اتنی قدرت بھی رکھتے ہیں کہ اگر چاہیں تو غیر مسلم سے ان دونوں بیواؤں کا حق دلواسکیں، مگر یہ اشخاص غیر مسلم کو پوری رقم دے کر اس جگہ دینی مدرسہ بنا رہے ہیں، کیا ایسی غاصبانہ جگہ میں تدریس کا سلسلہ جائز ہوگا؟ کیا بچے ایسی جگہ تعلیم حاصل کر سکتے ہیں، چنانچہ قرآن وحدیث کی روشنی میں مع دلیل مندرجہ سوالات کے جوابات دینے کی زحمت گوارہ کریں، ایسی جگہ جو غاصبانہ ہو اور بچوں کے والدین کو معلوم ہو کہ یہ جگہ غاصبانہ ہے، تعلیم حاصل کرانا درست ہوگا یا نہیں؟ یہ جانتے ہوئے کہ یہ جگہ غیر مسلم کی نہیں بلکہ کسی دیگر فرد کی ہے اور اس میں دو بیواؤں کا حصہ ہے اور بیواؤں پر ظلم ہو رہا ہے، یہ اشخاص شریعت حقہ کی نظر میں گناہ کے مرتکب ہونے کی صورت میں کس سزا کے لائق ہیں؟ کیا ایسے مدرسہ میں بیٹھ کر علماء تعلیم دے سکتے ہیں؟ مزید اس بات کی بھی تشریح فرمادیں کہ جو لوگ حقدار کا حق دلوانے پر قادر ہوں اور نہ دلوائیں، ان کے لئے حدیث میں کیا وعید ہے؟ اور اگر دلوادیں تو کیا ثواب ہے ان لوگوں کے لئے؟

المستفتی: محمد عرفان گڑھی، سلیم پور، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جن لوگوں کو یہ معلوم ہے کہ مذکورہ زمین اس غیر مسلم بائع کی نہیں ہے؛ بلکہ غصب کردہ ہے، ان کے لئے وہ زمین خریدنا جائز نہیں ہے، اس میں مسجد یا مدرسہ بنانا اور اس میں تعلیم جاری رکھنا اس وقت تک ممنوع ہوگا جب تک اصل مالک کو راضی نہ کرلیا جائے اور مشتری کے لئے ضروری ہے کہ وہ زمین اس کے حق داروں کو لوٹا دے اور اپنا حق بائع سے وصول کرے۔ حدیث شریف میں مظلوم کی مدد کرنے اور ظالم کو ظلم سے روکنے کی تاکید آئی ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۳/ ۱۱۱، جدید زکریا مطول ۱۰/ ۳۳۶، فتاوی محمودیہ ۶/ ۲۸۰، ۶/ ۲۱۷)

وقال هشام: أنا أكره الصلاة فيه حتى يطيب أربابه، وأكره شراء المتاع من أرض غصب، أو حوانيت غصب. (البحرالرائق، كتاب الغصب، كوئٹه ٨/ ١١٥، زكريا ٨/ ٢٠٩، هندية، زكريا ٥/ ١٤٢، جديد ٥/ ١٦٦)

الحرام ينتقل، فلو دخل بأمان وأخذ مال حربي بلا رضاه وأخرجه إلينا ملكه وصح بيعه لكن لا يطيب له ولا للمشتري منه. (الدر المختار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد قبيل مطلب البيع الفاسد لا يطيب له، ويطيب للمشتري منه، زكريا ٧/ ٣٠٠، كراچی ٥/ ٩٨)

وفي الشامية: ولا للمشتري منه فيكون بشرائه منه مسيئا؛ لأنه ملكه بكسب خبيث، وفي شرائه تقرير للخبث، ويؤمر بما كان يؤمر به البائع من رده -إلى قوله- إن لم يرده يكره للمسلمين شراؤه منه؛ لأنه ملك خبيث بمنزلة المشتري فاسدا إذا أراد بيع المشتري بعد القبض يكره شراءه منه. (شامي، مطلب البيع الفاسد لا يطيب له ويطيب للمشتري منه، زكريا ٧/ ٣٠٠، ٣٠١، كراچی ٥/ ٩٨)

عن سمرة بن جندب قال: قال رسول الله ﷺ: من وجد عين ماله عند رجل فهو أحق به، ويتبع البيع من باعه. (سنن أبي داؤد، باب في الرجل يجد عين ماله عند رجل، النسخة الهندية ٢/ ٤٩٨، دارالسلام رقم: ٣٥٣١، سنن الدارقطني، كتاب البيوع، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ٢٤، رقم: ٢٨٧٤)

فهو أحق به أي من غصب مال أحد أو سرق، ثم باعه من آخر، فصاحب المال إن وجده في يد المشتري أخذه، ويرجع المشتري على البائع. (حاشية مشكوة شريف ١/ ٢٥٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم ربیع الاول ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۲۰۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱/ ۳/ ۱۴۱۸ھ

پریس کرنے پر پریس بیچ کر رقم مدرسہ میں لگانا

سوال [۸۴۷۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مدرسہ کے لڑکوں کے پاس بجلی کی پریس پکڑی گئی تو ذمہ دارانِ مدرسہ اس پریس کو بیچ کر اس کی رقم مدرسہ میں لگا سکتے ہیں؟

المستفتی: محمد عزیز مدرسہ اشرف العلوم لکھیم پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوالِ مذکور میں طالب علم سے جو بجلی کی پریس پکڑی گئی اس کو فروخت کر کے اس کی رقم مدرسہ میں لگانا جائز نہیں ہے۔ اور جس کی پریس ہے اس کو واپس کرنا لازم ہے؛ البتہ مدرسہ کے طلبہ کو مدرسہ کی بجلی بلا اجازت استعمال کرنا ناجائز ہے؛ لہٰذا اس نے مدرسہ کی قانون شکنی کی ہے، تو زیادہ سے زیادہ جو اس نے مدرسہ کی بجلی خرچ کی ہے اس کا معاوضہ لیا جا سکتا ہے۔

عن أبي حميد الساعدي، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لا يحل لامرئ أن يأخذ مال أخيه بغير حقه، وذلک لما حرم الله مال المسلم على المسلم.

(مسند أحمد بن حنبل ٥/ ٤٢٥، رقم: ٢٤٠٠٣)

قال: وعلى الغاصب رد العين المغصوبة، معناه مادام قائما لقوله عليه السلام: على اليد ما أخذت حتى ترد، وقال عليه السلام: لا يحل لأحد أن يأخذ متاع أخيه لاعبا ولا جادا، فإن أخذه فليرد عليه. (هداية، كتاب الغصب، أشرفي ٣/ ٣٧٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ رصفر المظفر ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۰۵۱)

لیٹ فیس وصول کرنے کی شرعی حیثیت

سوال [۸۴۷۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: طالبات کے مدرسہ میں تعطیلات کے ختم ہوجانے کے بعد تاخیر سے حاضر ہونے پر مدرسہ والوں کا ان بچیوں سے لیٹ فیس لینا جائز ہے، اگر جائز ہے تو کتنی مقدار تک لے سکتے ہیں؟ اور اس کا مصرف کیا ہے؟ کیا کسی سے کم اور کسی سے زیادہ لینے کی گنجائش ہے؟

المستفتی: محمد یاسر، گجرات

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: لیٹ فیس کے نام سے جو لیا جاتا ہے یہ تاخیر سے آنے کا جرمانہ ہے اور شرعاً اس طرح مالی جرمانہ لینا جائز نہیں ہے، ہاں البتہ اگر یہ انتظام کیا جائے کہ وقتی طور پر مالی جرمانہ ان سے وصول کرلیا جائے، تاکہ وہ آنے میں لیٹ نہ کریں اور سال کے آخر میں جس سے جتنا مالی جرمانہ لیا گیا ہے وہ ان کو واپس کردیا جائے تو گنجائش ہے، ورنہ جائز نہیں ہے۔

عند أبي یوسفؒ یجوز التعزیر للسطان بأخذ المال، وعندهما وباقي الأئمة الثلاثة لا یجوز، کذا فی فتح القدیر، ومعني التعزیر بأخذ المال علی القول به: إمساک شيء من ماله عنده مدة لینزجر، ثم یعیده الحاکم إلیه لا أن یأخذه الحاکم لنفسه، أو لبیت المال کما یتوهم الظلمة. (عالمگیري، کتاب الحدود، فصل في التعزیر، زکریا قدیم ۲/ ۱۶۷، جدید ۲/ ۱۸۱، البحر الرائق، زکریا ۵/ ۶۸، کوئٹه ۵/ ۴۱، الدرمع الرد، زکریا ۶/ ۱۰۶، کراچی ۴/ ۶۰-۶۱، الموسوعة الفقهیة الکویتیة ۳۷/ ۳۵۴) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴ محرم الحرام ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۰۹۱۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۱/۵ھ

مدرسہ کے لئے غیر مسلموں کا چندہ لینا

سوال [۸۴۷۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مدرسہ کے لئے غیر مسلموں کا یعنی ہندوؤں کا چندہ لے سکتے ہیں یا نہیں؟ جواب سے نوازیں مہربانی ہوگی۔

المستفتی: محمد آفاق میاں سرائے

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر یہ احتمال نہ ہو کہ کل کو اہل اسلام پر احسان رکھیں گے اور نہ یہ احتمال ہو کہ اہل اسلام ان کے ممنون ہوکر ان کے مذہبی شعائر میں شرکت یا ان کی خاطر سے اپنے شعائر میں مداہنت کرنے لگیں گے، تو اس شرط سے قبول کر لینا جائز ہے۔

(مستفاد: امداد الفتاوی ۲/۶۶۴)

وأما الإسلام فليس من شرطه، فصح وقف الذمي بشرط كونه قربة عندنا وعندهم. (البحرالرائق، كتاب الوقف، كوئٹه ٥/ ٨٩، زكريا ٥/ ٣١٦، الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٧/ ٣٢٢، هندية زكريا قديم ٢/ ٣٥٢، جديد ٢/ ٣٤٧، الدر مع الرد، زكريا ٦/ ٥٢٤، كراچی ٤/ ٣٤١)

وللمسلمين أن يقبلوا من الكافر إذا لم يكن في ذلک ضرر ديني، أو سياسي. (تفسير مراغی ٤/ ٧٤، بحواله محموديه ميرٹھ ٢٥/ ٤٨٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/ شعبان المعظم ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۳۰۳)

ہندو کی رقم کارِ خیر میں لگانا

سوال [۸۴۷۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کوئی جگہ ایسی ہے جہاں علم دین اٹھتا جارہا ہے اور لوگوں کو اس کی کچھ پرواہ نہیں، کوئی بھی امداد نہیں کرتا تو علم دین کو جاری کرنے کے لئے اور برقرار رکھنے کے لئے زکوۃ صدقات لے سکتے ہیں یا نہیں؟ اور پھر اس میں ہندو دس ہزار روپئے دینا چاہتے ہیں، تو کیا ہندو کی رقم چل سکتی ہے یا نہیں؟ کوئی صورت نکال کر تفصیلی جواب تحریر فرمائیں۔

المستفتی: محمد آفاق غفرلہ قاسمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صدقات، زکات کی رقوم کا پہلے کسی فقیر کو مالک بنادیا جائے، پھر فقیر مدرسہ وغیرہ کو دے دے، تو اس طرح حیلہ تملیک کے ساتھ جائز ہوگا۔

کما فی الدرالمختار: ویشترط أن یکون الصرف تملیکا لا إباحة.

(الدر مع الرد، کتاب الزکوة، باب المصرف، زکریا ۳/ ۲۹۱، کراچی ۲/ ۳٤٤، مصري ۲/ ۸٥)

اور ہندو کی رقم میں اگر یہ احتمال نہ ہو کہ کل کو اہل اسلام پر احسان رکھیں گے اور نہ یہ احتمال ہو کہ اہل اسلام ان کے ممنون ہو کر ان کے مذہبی شعائر میں شرکت یا ان کی خاطر سے اپنے شعائر میں مداہنت کرنے لگیں گے تو اس شرط کے ساتھ قبول کر لینا جائز ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۲/ ۶۶۴)

شرط وقف الذمي أن یکون قربة عندنا وعندهم، کالوقف علی الفقراء، أو علی مسجد القدس. (شامي، الوقف، مطلب قد یثبت الوقف بالضرورة، زکریا ٦/ ٥٢٤، کراچی ٤/ ٣٤١، الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٧/ ٢ ٣٢، هندية زكريا قديم ٢/ ٣٥٢، جديد ٢/ ٣٤٧)

وأما الإسلام فلیس من شرطه، فصح وقف الذمي بشرط کونه قربة عندنا وعندهم. (البحرالرائق، کتاب الوقف، زکریا ٥/ ٣١٦، کوئٹہ ٥/ ١٨٩)

وللمسلمین أن یقبلوا من الکافر إذا لم یکن في ذلک ضرر دیني، أو سیاسي.

(تفسیر المراغی ٤/ ٧٤، بحواله محمودیه میرٹھ ٢٥/ ٤٨٧) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵؍ شعبان المعظم ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۳۰۳)

مدرسہ کی تعمیر میں سودی رقم یا کافر کا پیسہ لگانا

سوال [۸۴۷۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مدرسہ خان العلوم دڑھیال کی رقومات بینک میں جمع کر کے حسب ضرورت نکال کر خرچ کی جاتی ہے، جمع شدہ رقومات پر سیونگ چالو کھاتہ میں حسب ضابطہ بینک سے سود ملتا ہے، اسی طرح اور فاضل رقم چھ مہینہ کی میعاد مدت کھاتے میں ڈال کر مذکورہ سود اور زیادہ ملتا ہے، اس وصول شدہ سود کو مدرسہ کی ضروریات پر صرف کر سکتے ہیں یا نہیں؟

فی الحال مدرسہ کی چہار دیواری باؤنڈری نہیں ہے، جس کی وجہ سے انتظامی اور حفاظتی پریشانیاں ہیں، خرچ زیادہ ہونے کی وجہ سے اصل رقم سے یہ کام ہونے کی کوئی صورت نظر نہیں آرہی ہے، وجہ ظاہر ہے کہ عموماً مدارس مسلسل مقروض ہورہے ہیں، اصل ضروریات کی تکمیل بھی نہیں ہوپاتی، اسی طرح بستی کا پانی جو مدرسہ سے متصلا گذرتا ہے نالہ خام ہونے کی وجہ سے مدرسہ میں داخل ہوتا رہتا ہے، اس نالے یا چہار دیواری پر بینک سے حاصل شدہ سود کی رقم خرچ کی جاسکتی ہے یا نہیں؟

(۲) مدرسہ ہذا کا رجسٹریشن ۲۵؍سال قبل ہوا تھا، اس کے بعد تجدید نہ ہوسکی، اب اس کی تجدید پر بیس ہزار روپئے کام میں آنا چاہتے ہیں، اس طرح کہ دس ہزار روپیہ متعلقہ آفیسر لیتا ہے، آٹھ ہزار روپیہ تاخیر اور تجدید کی سرکاری فیس ہے، دو ہزار روپیہ کاغذات کی تیاری کے ہیں، کیا یہ رقم بینک کے سود کی رقم میں سے دی جاسکتی ہے؟

(۳) ایک غیر مسلم اپنے کسی اعتقاد یا کسی اور وجہ سے بنا کسی دباؤ کے مدرسہ کو کچھ رقم دینا چاہتا ہے، کیا اس رقم کو مطبخ یا تعمیر یا دیگر ضروریات مدرسہ پر خرچ کر سکتے ہیں؟

المستفتی: محمد عثمان مفتاحی مدرسہ اسلامیہ خازن العلوم، دڑھیال، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) سودی اور حرام پیسے کا شرعی حکم یہ ہے کہ کسی بھی

عنوان سے اصل مالک کو واپس کردیا جائے، جیسا کہ سیل ٹیکس، انکم ٹیکس کے ذریعہ سرکاری پیسہ سرکاری بینک میں واپس ہوجائے، اگر یہ شکل نہ ہوسکے تو نہایت مجبور اور محتاج فقیر کو بغیر نیت ثواب دے دیا جائے؛ لہٰذا مدرسہ کی جانب سے بینک میں جمع شدہ رقم پر جو سود حاصل ہوگا اس کو مدرسہ کی کسی ضرورت میں خرچ کرنا جائز نہیں ہے؛ البتہ غریب طلبہ کو جوتا، چپل لے کردے دیا جائے تو اس کی گنجائش ہے۔

وأما إذا كان عند رجل مال خبيث، فإما إن ملكه بعقد فاسد، أو حصل له بغير عقد ولا يمكنه أن يرده إلى مالكه، ويريد أن يدفع مظلمته عن نفسه، فليس له حيلة إلا أن يدفعه إلى الفقراء. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، مكتبه سهارنپور، قديم ١/ ٣٧، دارالبشائر الإسلاميه ١/ ٣٥٩، تحت رقم الحديث: ٥٩، هندية، زكريا قديم ٥/ ٣٤٩، جديد ٥/ ٤٠٤، البحرالرائق، زكريا ٩/ ٣٦٩، كوئٹه ٨/ ٢٠١)

(۲) جو آٹھ ہزار روپیہ سرکاری فنڈ میں جمع ہوگا وہ سرکاری بینک کے سود کے پیسے سے دینا جائز ہے اور بقیہ چیزوں کے لئے سرکاری بینک کے سود کے پیسے سے دینا جائز نہیں ہے۔

وأما إذا كان عند رجل مال خبيث، فإما إن ملكه بعقد فاسد، أو حصل له بغير عقد ولا يمكنه أن يرده إلى مالكه، ويريد أن يدفع مظلمته عن نفسه، فليس له حيلة إلا أن يدفعه إلى الفقراء. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، مكتبه سهارنپور، قديم ١/ ٣٧، دارالبشائر الإسلاميه ١/ ٣٥٩، تحت رقم الحديث: ٥٩، الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٤/ ٢٤٦، الدر مع الرد، زكريا ٩/ ٥٥٣، كراچى ٦/ ٣٨٥، تبيين الحقائق، إمداديه ملتان ٦/ ٢٧، زكريا ٧/ ٦٠)

(۳) اگر کوئی غیر مسلم اپنی خوشی سے مدرسہ کے لئے چندہ دینا چاہتا ہے اور کسی مضرت کا اندیشہ نہیں ہے، تو اس کو مدرسہ کی ضروریات میں چاہے تنخواہوں میں یا تعمیر میں یا مطبخ یا کسی بھی ضرورت میں خرچ کرنا جائز ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ ۶/ ۲۴۹، ڈابھیل ۱۵/ ۶۲۱)

اختلف الفقهاء في وقف الذمي على المسجد، فذهب الجمهور إلى

صحته لعموم أدلة الوقف. (الموسوعة الفقهية ۳۷/ ۳۲۲، عالمگری، زکریا قدیم ۲/ ۳۵۳، جدید ۲/ ۳۴۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱؍شوال ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۱۴۹/۳۷)

طوائف کی زمین پر مدرسہ تعمیر کرنا

سوال [۸۴۷۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: طوائف نے ایک زمین ثواب جان کر دی ہے، کیا اس زمین پر مدرسہ کی بنیاد قائم کرنا درست ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: طوائف کی دی ہوئی زمین پر مدرسہ قائم کرنا جائز نہیں ہے؛ اس لئے کہ مدرسہ ایک خالص دینی ادارہ ہے اور اس میں حرام کمائی لگانا جائز نہیں ہے۔

رجل اكتسب مالا من حرام، ثم اشترى، فهذا على خمسة أوجه: أما إن دفع تلك الدراهم إلى البائع أولا، ثم اشترى منه بها أو اشترى قبل الدفع بها، ودفعها الخ. قال الكرخي في الوجه الأول والثاني: لا يطيب، وفي الثلاثة الأخيرة يطيب –إلى قوله– والفتوى الآن على قول الكرخي.

(شامی، کتاب البیوع، باب المتفرقات، مطلب إذا اكتسب حراما، ثم اشترى على خمسة أوجه، زکریا ۷/ ۴۹۰، کراچی ۵/ ۲۳۵، هندية زکریا قدیم ۳/ ۲۱۵، جدید ۳/ ۲۰۱)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/۵/۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴۸۴/۲۹)

الفصل الخامس: في التصرف

کیا کسی مدرسے کا دو نام رکھنے سے وہ دو مدرسے ہو جائیں گے؟

سوالات ذیل کے جوابات درکار ہیں، جواب دینے کی زحمت فرمائیں۔

سوال [۸۴۸۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: سیتاپور میں مدرسہ ملت نام کا ایک ادارہ ہے، جو تحفیظ القرآن اور عالمیت اور دینیات، اردو نیز ناظرہ قرآن پاک کے لئے قائم کیا گیا تھا، پہلے اس کی ذاتی عمارت نہیں تھی، ۱۲ر نومبر ۱۹۷۶ء کو میں نے ایک بوسیدہ عمارت مدرسہ ملت کے نام رجسٹری کرائی تھی، جس کو سنی سینٹرل آف یوپی بورڈ سے رجسٹرڈ کرالیا تھا، جس میں میرا نام بحیثیت ناظم درج ہے، چونکہ سیتاپور رسوماتِ بد کا مرکز تھا، دینی تعلیم کے لئے خاص کر مسلک دیوبند کے لئے اس کی فضاء مدرسہ کے حق میں نہیں تھی، بوجہ اضطرار (سرکار کے ہتھکنڈے) سے بچنے کی غرض سے ایک دوسرا ادارہ مدرسہ عربیہ ملیہ کے نام سے سرکار سے منظور کرالیا اس سے تنخواہوں کے لئے آسانی ہوگئی، امدادی تنخواہیں نام بنام مدرسین کے لئے آتی ہیں، اس کے علاوہ مدرسہ ملت کے بھی مدرسین ہیں، ان مدرسین کی تنخواہیں اور طلباء کا کھانا ہر ایک کے فرش، فروش، تعمیر بلڈنگ اور دیگر مصارف مسلمانوں سے ملنے والی رقومات سے پورے کئے جاتے ہیں، نیز حسب گنجائش وظائف طلباء مدرسہ ملیہ کے پاس پیسہ اور بلڈنگ نہیں ہے، وہ مدرسہ ملت کے طلبہ کی تعلیم میں لگے ہوئے ہیں اور مدرسہ ملت کی آمدنی نہایت قلیل ہے، جس کی وجہ سے بحسن وخوبی کام نہیں چل پا رہا ہے، اور بلڈنگ بھی کمزور ہے، اس کی مرمت کے لئے بھی رقم درکار ہے؛ اس لئے نیچی سطح کے ملازمین کے علاوہ کو بلا کر میں نے گزارش کی کہ جس طرح دوسرے مسلمانوں سے امداد ملتی ہے آپ لوگ بھی اسی طرح بلڈنگ کی مرمت کے لئے امداد کر دیں اور آپ لوگ باقاعدہ مشورہ کر کے بتا دیجئے؛ لیکن مثبت یا منفی جواب نہ ملنے پر میں نے بذریعہ تحریر مطالبہ کیا کہ آپ

لوگ بھی اپنی اپنی تنخواہوں میں سے پانچ پانچ دنوں کی تنخواہیں دے دیں، جب کہ آپ لوگ مدرسہ ملت سے کافی فائدہ اٹھاتے ہیں، اس کا بھی جواب نہیں ملا، میں سمجھتا ہوں کہ مسلمانوں کے اجتماعی کاموں کے لئے یا اہل حاجت مسلمانوں کی ضرورتوں کے لئے گنجائش والے مسلمانوں پر زکوۃ کے علاوہ بھی دینا ضروری ہے۔ حدیث پاک میں فرمایا ہے: ''إن في مال المرء لحق سوی الزکوۃ'' دینی اداروں کے لئے ایسے حضرات سے مطالبہ کرنا جو صاحب گنجائش ہیں اور مدرسہ سے فائدہ اٹھاتے ہیں، یعنی بجلی، پانی، فرش فروش وغیرہ، یہ مطالبہ اگر درست ہے، تو مطالبہ کیا جائے ورنہ تو میں اپنی بات واپس لے لوں۔ مدرسہ ملیہ عربیہ کے بعض مدرسین مدرسہ ملت کے لئے چندہ میں ہاتھ بٹاتے ہیں، ان علماء، حفاظ، مدرسین کو یہ بھی معلوم ہے کہ فقہ کا جزئیہ ہے کہ ''اگر زکوۃ سے مسلمانوں کی حوائج نہ پوری ہوں تو حسب ضرورت مسلمانوں سے رقم لی جاسکتی ہے''۔ والسلام

المستفتی: سائل ولی محمد ناظم مدرسہ ملت

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ میں صاف الفاظ میں اس کا ذکر ہے کہ دو مدرسے الگ الگ ہیں، ایک مدرسہ ملت ہے اور دوسرا مدرسہ ملیہ ہے۔ اور سوال نامہ میں اس انداز سے اس کو واضح کیا گیا ہے کہ مدرسہ ملت الگ ادارہ ہے اور مدرسہ ملیہ مستقل دوسرا ادارہ ہے۔ اور مدرسہ ملیہ کے نام حکومت سے ایڈ آتا ہے۔ اور مدرسہ ملت کے نام ایڈ نہیں آتا ہے، مگر اس میں سوال یہ ہے کہ دونوں ادارے الگ الگ ہوں اور ان کی عمارتیں مدرسین وملازمین اور طلبہ الگ الگ ہوں چاہے ناظم اور ذمہ دار ایک ہی کیوں نہ ہوں، مگر مختلف انداز سے معلوم کرنے کے بعد یہ پتہ چلا کہ دو ادارے مستقل الگ الگ نہیں ہیں، جن کے لئے دو عمارتیں الگ الگ ہوں اور ان کے ملازمین ومدرسین بھی الگ الگ ہوں، ایسا نہیں ہے؛ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ مدرسہ ملت کے نام سے اصل ادارہ ہے اور سارے ملازمین اسی میں کام کرتے ہیں، اور اسی عمارت پر وہی مدرسین وملازمین درس دیتے ہیں اور ایسا بھی نہیں ہے کہ مدرسہ ملت کے نام سے ایک وقت میں تعلیم ہوتی ہو اور مدرسہ ملیہ میں دوسرے وقت میں تعلیم

ہوتی ہوں؛ بلکہ شیٔ واحد ہے، الگ الگ دوشیٔ نہیں ہے؛ بلکہ مدرسہ ملت ہی کے لئے ذرا سا املا بدل کر حکومت سے ایڈ حاصل کرنے کے لئے فرضی نام مدرسہ ملیہ کا غذات میں اندراج ہے، جس کے نام سے ایڈ آتا ہے، تو اس طرح محض نام بدلنے کی وجہ سے شرعی طور پر الگ الگ دو ادارے نہیں ہو جائیں گے؛ بلکہ یہ ایک ہی ادارہ کے دو نام ہیں، جیسا کہ دارالعلوم دیوبند کے دو نام ہیں: (۱) مدرسہ اسلامیہ اور الجامعۃ الاسلامیہ۔ اور اب مدرسہ اسلامیہ کا نام مستعمل نہیں ہے، صرف دارالعلوم دیوبند ہی مستعمل ہے، اسی طرح مدرسہ شاہی کے دو نام ہیں: (۱) مرکز العلوم الاسلامیہ (۲) جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی، آج بھی دونوں نام موجود ہیں، اسی طرح مدرسہ ملت کے دو نام ہیں: (۱) مدرسہ ملت (۲) مدرسہ ملیہ۔ ہاں البتہ اتنا ہے کہ ایڈ والے مدرسہ میں دو قسم کے ملازمین و مدرسین ہوتے ہیں: (۱) وہ مدرسین و ملازمین جن کے نام سے ایڈ آتا ہے (۲) وہ مدرسین وملازمین جن کے نام سے ایڈ منظور نہیں ہے، جن کی تنخواہیں عوامی چندہ سے پوری ہوتی ہیں، تو اتنے فرق کی وجہ سے نہ دو ادارے الگ الگ شمار ہوں گے اور نہ ہی ایڈ والے مدرسین وملازمین ایک مستقل ادارہ کے شمار ہوں گے اور غیر ایڈ مدرسین وملازمین دوسرے ادارہ کے شمار ہوں گے؛ بلکہ سب ایک ہی ادارہ کے مدرسین وملازمین شمار ہوں گے، جیسا کہ ہندوستان کے ایڈ والے تمام مدارس کی یہی صورت حال ہے، ورنہ ہر ایڈ والے مدرسہ میں دو مدرسے شمار کئے جاسکتے ہیں اور ایسا ہے نہیں، اور اگر بالفرض جیسا کہ سوال نامہ میں دو الگ الگ مدرسہ ہونے پر زور دیا گیا ہے، اگر واقعہ ایسا ہی ہے اور مدرسہ ملیہ کے تمام مدرسین وملازمین مدرسہ ملت میں کام کرتے ہیں اور مدرسہ ملیہ کے نام سے حکومت سے ایڈ لیتے ہیں، تو یہ دھوکہ اور فریب ہے جو شرعاً جائز نہیں ہے اور نہ ہی سرکار کی طرف سے اس کی اجازت ہے۔

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– أن رسول الله ﷺ مر على صبرة من طعام –إلى– ثم قال: من غش فليس منا. (سنن الترمذي، البيوع، باب ماجاء في كراهية الغش في البيوع، النسخة الهندية ١/ ٢٤٥، دارالسلام، رقم: ١٣١٥)

عن ابن عمر –رضی الله عنه– قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: إذا جمع الله الأولین والآخرین یوم القیامة یرفع لکل غادر لواء، فقیل هذه غدرة فلان بن فلان. (مسلم شریف، باب تحریم الغدر، النسخة الهندیة ۲/ ۸۳، بیت الأفکار، رقم: ۱۷۳۵، صحیح البخاري، باب إثم الغدر للبر والفاجر، النسخة الهندیة ۱/ ۴۵۲، رقم: ۳۰۸۴، ف: ۳۱۸۸)

سوال نامہ میں دوسری بات یہ پوچھی گئی ہے کہ مدرسہ کے وہ ملازمین جن کو سرکار سے ایڈ ملتا ہے، ان کی تنخواہوں کا ایک حصہ مدرسہ میں تعاون کے نام سے لینا جائز ہے یا نہیں؟ چاہے وہ بطیب خاطر دینے کے لئے راضی نہ ہو، ذمہ دار مدرسہ تحریری طور پر دباؤ ڈال کر ان کی تنخواہوں کا ایک حصہ تعمیر مدرسہ کے نام سے لے سکتا ہے یا نہیں؟ تو اس سلسلہ میں شرعی حکم یہ ہے کہ کسی کے مال اور ملکیت کو زور وزبردستی یا دباؤ ڈال کر حاصل کرنا جائز نہیں ہے۔ اور سوال نامہ میں جو حدیث شریف پیش کی گئی ہے، وہ نفلی صدقہ خیرات کے بارے میں ہے، جس کے حصول کے لئے دباؤ ڈالنا اور نہ دینے کی صورت میں تحریری طور پر مطالبہ کر کے زور ڈالنا شرعاً جائز نہیں ہے۔ اور اس حدیث شریف میں صرف ترغیب مراد ہے جو دینا چاہے وہ دے اور جو نہ دینا چاہے اس پر زور ڈالنا جائز نہیں ہے۔

عن أبي هرة الرقاشي، عن عمه. أن رسول الله ﷺ قال: لا یحل مال امرئ مسلم إلا بطیب نفس منه. (شعب الإیمان للبیهقي، باب في قبض الید عن الأموال المحرمة، دارالکتب العلمیة بیروت ۴/ ۳۸۷، رقم: ۵۴۹۲، مسند أحمد بن حنبل ۵/ ۷۲، رقم: ۲۰۹۷۱، مسند أبي یعلی الموصلي، دارالکتب العلمیة بیروت ۲/ ۹۱، رقم: ۱۵۶۷)

لا یجوز لأحد من المسلمین أخذ مال أحد بغیر سبب شرعي. (هندیة، کتاب الحدود، فصل في التعزیر، زکریا قدیم ۲/ ۱۶۷، جدید ۲/ ۱۸۱، قواعد الفقه أشرفي دیوبند، ص: ۱۱۰، رقم: ۲۶۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍صفر المظفر ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۶۸۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۲/۵ھ

مسجد مدرسہ بنانے سے متعلق چند سوالات کے جوابات

سوال [۸۴۸۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: شہر امراؤتی مہاراشٹر میں ایک علاقہ جو پانچ مسلم کالونیوں پر مشتمل ہے، پیراڈائز کے نام سے موسوم ہے۔ ۱۹۹۲ء میں جگہ خرید کر ایک مدرسہ عربیہ کے نام سے عارضی عمارت کی شکل میں بنیاد رکھی گئی تب سے پنجوقتہ اذان ونماز کا عمل جاری ہے، ساتھ ہی دو وقت مقامی طلبہ وطالبات کے لئے دینی تعلیم کا انتظام ہے، فی الوقت رہائشی مکانات ۲۵۰/ سے کچھ زائد ہوگئے ہیں، مکانات کے تعمیری سلسلہ کو دیکھتے ہوئے اندازہ ہے کہ مستقبل قریب میں مکانات کی کل تعداد ۴۰۰/ تک ہو جائے گی، ان کالونیوں میں اکثر سرکاری ملازمین وآفیسر اور چند تاجر اور کاروباری حضرات رہتے ہیں، بڑھتی ہوئی آبادی کے پیش نظر مسجد ومدرسہ سے منسلک SF 3500 کا پلاٹ خریدا گیا، اس طرح مسجد ومدرسہ کا کل رقبہ تقریباً: SF 11000 فٹ ہے، جس کے مشرقی سمت میں بڑی شاہراہ ہے اور ”حی علی الصلاۃ“ اور ”حی علی الفلاح“ کی طرف بھی راستے ہیں، صرف مسجد کے سمت قبلہ مکانات ہیں، مسجد ومدرسہ کالونیوں کے درمیان واقع ہے، مسجد ومدرسہ کی انتظامیہ مع مصلیان مسجد کی دلی خواہش ہے کہ اس وسیع آراضی میں از سر نو مسجد ومدرسہ کی پختہ تعمیر اس انداز سے کی جائے کہ مسجد ومدرسہ کا انتظام چلانے کے لئے مستقل آمدنی کی شکل بھی نکل آئے جو سر دست احباب خیر کے ہر ماہ چندہ عطیات وغیرہ سے انجام پاتا ہے، اس لئے اکثر احباب کی رائے ہے کہ نئی تعمیر زیر زمین کے ساتھ ہو اور بیسمینٹ کا بڑا حصہ شادی خانہ اور دینی پروگرام کے استعمال کے لئے ہو، جس کے دونوں جانب کمروں کی تعمیر اس طرح ہو کہ طہارت خانہ بیت الخلاء وضو وغسل خانہ کا انتظام ہو، مصلیان مسجد کے لئے زیر زمین کے اوپری سطح پر بھی دونوں جانب طہارت خانہ، بیت الخلاء، وضو وغسل خانے علیحدہ تعمیر ہوں۔ اور کمروں کی بھی تعمیر ہو، جس میں سے مدرسہ کے کمروں کے علاوہ کمروں کو اسکول وکالج کے طلبہ کو کرائے پر دیا جائے، زیر زمین اور اوپری

سطح کے آمد وخروج کے گیٹ وراستے علیحدہ ہوں، تاکہ بدنظمی نہ ہو، انجینئر اور آرکیٹیکٹ کے پلان کے مطابق سرکاری وکارپوریشن کے قانونی ضابطے کے تحت راستوں سے لگ کر غیر تعمیر جگہ چھوڑنے پر اور کمروں کی تعمیری جگہ چھوڑ کر بھی مسجد کے لئے 4500 SF جگہ نماز کی ادائے گی کے لئے آسانی سے استعمال میں آسکتی ہے۔ درخواست ہے کہ اس مسئلہ کو مفصل ومدلل تحریر فرما کر ممنون فرمائیں۔

المستفتی: شریف الدین امام مسجد الصحابہ، نورنگر امراوتی، مہاراشٹر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مدرسہ کے نام سے شروع کی بنیاد رکھی گئی ہے، اس کے بعد سلسلہ بڑھتا چلا گیا، معاون وچندہ دہندگان نے دینی مدرسہ ہی کے نام سے چندہ اور عطیات دئے اور دیتے رہے؛ اس لئے اصل عمارت دینی مدرسہ ہی کے لئے ہونا لازم ہے۔ اور زیر زمین جو پروگرام رکھا گیا ہے وہ بھی مدرسہ کے ہی مفاد کے لئے ہونا لازم ہے۔ اور مدرسہ کی عمارت میں اسکول وکالج کے طلبہ کا رہنا چاہے کرایہ پر ہی کیوں نہ ہو اس سے فتنہ کا دروازہ کھلتا ہے؛ اس لئے اسکول کالج کے طلبہ کو کرایہ پر دینے کے لئے مدرسہ کی عمارت تیار کرنا خود مدرسہ کو خطرہ میں ڈالنا ہے؛ اس وجہ سے یہ پروگرام دینی مصلحت کے خلاف ہے؛ لہٰذا دینی ہی مدرسہ کے طلبہ کے قیام کے لئے کمروں کی تعمیر ہونی چاہئے، ہاں البتہ مدرسہ کی آمدنی کے لئے شادی خانہ کی جو بات کہی گئی ہے وہ بھی ایک فتنہ ہے؛ اس لئے کہ شادی خانہ میں بھی مردوں کے ساتھ عورتوں کی آمد ورفت بھی کثرت سے رہتی ہے جو آگے چل کر طلبہ ومدرسین کے لئے فتنہ کا سبب بن سکتا ہے؛ البتہ جب تک طلبہ کے قیام کا نظم نہ ہو اس وقت تک شادی کے واسطے یومیہ کرایہ پر دیا جاسکتا ہے، مثلاً دن بھر تعلیم ہو اور شام کو کرایہ پر دے دیا جائے، پھر صبح وہیں تعلیم ہو، اس طرح سے شادی کا کام بھی ہوتا رہے گا، جس سے مدرسہ کا فائدہ بھی ہوگا اور دینی تعلیم کا سلسلہ بھی جاری رہے گا، تو جائز ہوسکتا ہے۔ اور سائڈ میں جو غسل خانہ کی بات کہی گئی ہے، اسی طرح بیت الخلاء کی بات وہ درست ہے اور جو اوپر کے حصہ پر مسجد بنے گی اتنے حصہ پر مسجد بنانا

ضروری ہے، جتنے کے نیچے بیت الخلاء وغسل خانہ نہ آرہا ہو۔

لـو تبيـن أن الـمستأجر يخاف منه على رقبة الوقف يفسخه القاضي، ويـخرجه من يده. (شامي، كتاب الإجارة، باب فسخ الإجارة، مطلب فسق المستاجر ليس عذرا في الفسخ، زكريا ۹/ ۱۱۱، كراچی ٦/ ۸۱، مطلب في الأرض المحتكرة ومعني الاستحكار، زكريا ۹/ ٤٤، كراچی ٦/ ۳۳، الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٤/ ۲۰۰)

ومـا يـأتـي متنـا لا يفيد الجواز؛ لأن بيت الخلاء ليس من مصالحه. (تقريرات رافعي ملحق بالشامي زكريا ۲/ ۸۵، كراچی ۱/ ۸۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍ جمادی الثانیہ ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۸۸۵۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۶/۱۱ھ

کیا مدرسہ کی موقوفہ چیزوں میں غرض واقف لازم ہے؟

سوال [۸۴۸۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ محمد تقی صاحب مرحوم نے ایک قطعہ مکان واقع ڈھکیہ پیر ضلع مرادآباد میں ۸۱ء میں ایک دینی مدرسہ کے لئے یہ کہہ کر کہ اس میں قرآن پاک کی تعلیم مسلمان بچوں کو دی جاتی رہے، تاکہ اس کا اجر وثواب مجھے ملتا رہے اور آخرت میں میرے کام آئے، وہ قطعہ مکان حافظ عبد الحمید کی تحویل میں دے کر اس میں دینی مدرسہ قائم کرا دیا، اس وقت سے اب تک برابر اس میں مدرسہ فرقانیہ لطیف العلوم کے نام سے جاری ہے، محمد تقی صاحب مرحوم کا فروری ۸۷ء میں انتقال ہوگیا۔ موصوف اس سلسلہ میں کوئی تحریر نہیں لکھ سکے، اب موصوف کے شرعی ورثاء ان کی اہلیہ قدسیہ بیگم اور ان کے لڑکے محمد اقبال تقی نے ایک تحریر اسی سلسلہ میں لکھ کر دی کہ ہمارے مورث محمد تقی مرحوم نے یہ مکان مدرسہ کو دے دیا تھا۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ مرحوم کی طرف سے وقف علی الخیر سمجھا جائے گا یا نہیں؟ تفصیلی کاغذات ہم رشتہ ہیں، مطالعہ فرما کر جواب بالصواب سے نوازیں۔

المستفتی: حکیم محمد مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: رجسٹری کاغذات اورسوال نامہ کی عبارت سے واضح ہوتا ہے کہ محمد تقی صاحب مرحوم نے مذکورہ مکان خاص طور پر مدرسہ مذکورہ کی ملکیت میں دے دیا ہے؛ اس لئے شرعاً مذکورہ مکان مدرسہ کی ملکیت میں داخل ہو چکا ہے، اس میں مدرسہ مذکورہ کے مفاد کے خلاف کسی کو تصرف کا حق حاصل نہیں ہوسکتا ہے، نیز اس کی حفاظت کے لئے رجسٹریشن کرالینا بہتر ہوگا۔

ولو قال: وهبت داري للمسجد، أو أعطيتها له صح، ويكون تمليكا، فيشترط التسليم. (هندية، الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد وما يتعلق به، زكريا قديم ٢/ ٤٦٠، جديد ٢/ ٤١٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹ر ربیع الثانی ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۷۶۶۸)

مدارس میں قائم کردہ انجمن کی تقسیم کا حکم

سوال [۸۴۸۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عرض یہ ہے کہ ضلع بستی سرکاری طور پر دوحصوں میں تقسیم ہوگیا ہے، تو دارالعلوم دیوبند میں ضلع بستی کے طلبہ کی قائم کردہ انجمن تہذیب الکلام کی تقسیم کا مسئلہ پیدا ہوگیا، ابھی ہم لوگ اس سلسلہ میں غور وخوض کر ہی رہے تھے کہ چند طلبۂ عزیز نے ایک استفتاء اوراس کا جواب پیش کر کے درخواست کی کہ اس کے مطابق معاملہ کا فیصلہ کیا جائے، یہ صورت نہایت مناسب ہے کہ فقہ اسلامی کے مطابق معاملہ کا تصفیہ کیا جائے؛ لیکن استفتاء اوراس کے جواب میں چند تنقیح طلب جواب ہیں اوراسی لئے یہ تحریر پیش خدمت ہے۔ استفتاء میں یہ بات ذکر میں نہیں آسکی کہ تمام انجمنوں کے دستوراساسی میں یہ وضاحت ہوتی ہے کہ اس انجمن سے فلاں

ضلع یا فلاں صوبہ یا فلاں مدرسہ کے طلبہ استفادہ کرسکیں گے، چنانچہ طلبہ بدلتے رہتے ہیں اور انجمن اپنی جگہ قائم رہتی ہے، اسی طرح کی انجمنوں کو اصطلاحی وقف تو نہیں کہا جا سکتا؛ کیوں کہ ان پر وقف کی تعریف صادق نہیں آتی؛ لیکن یہ بات بالکل واضح ہے کہ انجمن یا اس کی املاک سے افراد انجمن کا تعلق ذاتی ملکیت کی طرح کا نہیں ہوتا؛ بلکہ ان کا باہمی تعلق اس طرح ہوتا ہے جیسے وقف کی املاک سے موقوف علیہ کا ہوتا ہے؛ اس لئے اس انجمن کا قریب ترین مقیس علیہ وہ اوقاف ہیں جن کا موقوف علیہ کسی خطہ کے فقراء وغیرہ کو قرار دیا گیا ہو، چونکہ استفتاء میں یہ وضاحت نہیں تھی؛ اس لئے جواب فتویٰ میں ذاتی املاک والے جزئیات کو مقیس علیہ قرار دے کر حکم بیان فرمایا گیا ہے۔

(۲) مندرجہ بالا وضاحت کے بعد اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ ان ذاتی ومشترک املاک میں تو عندالطلب تقسیم ضروری ہوتی ہے؛ لیکن وقف یا وقف جیسی عوامی املاک میں بھی تقسیم ضروری ہے، مثلاً کسی شخص نے کوئی جائیداد وقف کی اور اس میں تصریح کی کہ یہ فلاں ضلع کے طلبہ یا فقراء یا یتیموں کے لئے ہے، پھر وہ ضلع دو حصوں میں تقسیم ہوگیا تو کیا اس وقف کو دو حصوں میں تقسیم کرنا ضروری ہوگا؟

(۳) یا مثلاً واقف نے تصریح کی کہ یہ جائیداد فلاں مدرسہ کے لئے ہے، پھر وہ مدرسہ دو حصوں میں اس طرح تقسیم ہوگیا کہ ایک حصہ تو سابقہ نام سے قائم رہا اور دوسرا حصہ نئے نام سے موسوم ہوا، تو کیا اس وقف کو تقسیم کرنا ضروری ہوگا؟

(ب) اگر تقسیم کرنا ضروری نہیں ہے؛ بلکہ صرف جائز ہے یا جائز بھی نہیں ہے، تو کیا یہ صورت اختیار کرنا جائز ہوگا کہ وہ انجمن صرف انہیں طلبہ کے لئے خاص کردی جائے جو ضلع کی تقسیم کے بعد بھی سابقہ نام سے منسوب ہیں اور نوتشکیل شدہ ضلع کے طلبہ کی زیادہ سے زیادہ مدد کرکے ان کے لئے دوسری انجمن قائم کرادی جائے؟

المستفتی: حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب بستوی، مدرس دارالعلوم دیوبند

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مدارس میں طلبہ کی انجمنوں کی حیثیت شرعاً وقف کی ہے،

اگر چہ اموال منقولہ میں امام ابو یوسف ومحمد رحمہما اللہ کے درمیان اختلاف ہے؛ لیکن تمام متأخرین نے حضرت امام محمد رحمہ اللہ کے قول پر فتویٰ دیا ہے اور یہی مفتی بہ ہے، اسی پر امت کا عمل ہے؛ لہٰذا اسے وقف نہ کہنا درست نہیں ہے، نیز کتابیں ورقوم وغیرہ سب وقف ہیں، اس کے لئے چند عبارتیں معتبر کتب فقہ سے پیش کی جاتی ہیں:

(۱) **صح أيضا وقف كل منقول قصدا فيه تعامل للناس كفأس وقدوم بل ودراهم ودنانير، وفي الشامية: ولما جرى التعامل في زماننا في البلاد الرومية وغيرها في وقف الدراهم والدنانير دخلت تحت قول محمد المفتى به في وقف كل منقول فيه تعامل الخ.** (الدرالمختار مع الشامي، الوقف، مطلب في وقف المنقول قصدا، زكريا ٦/ ٥٥٥، كراچی ٤/ ٣٦٣، بزازية، زكريا جديد ٣/ ١٣٧، وعلى هامش الهندية قديم ٦/ ٢٥٩، البحرالرائق، كوئٹه ٥/ ٢٠٣، زكريا ٥/ ٣٣٨، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٢/ ٥٨٠، مصري قديم ١/ ٧٤٦)

(۲) **وجوز الفقيه أبو الليث وقف الكتب وعليه الفتوى.** (البحرالرائق، كتاب الوقف، كوئٹه ٥/ ٢٠٢، زكريا ٥/ ٣٣٨، قاضيخان زكريا جديد ٣/ ٢١٨، وعلى هامش الهندية ٣/ ٣١١، هندية زكريا قديم ٢/ ٣٦١، جديد ٢/ ٣٥٢، البناية قديم ٢/ ٩٩٥، أشرفيه ٧/ ٤٤٠)

(۳) **ومحمد يقول القياس قد يترک بالتعامل كما في الاستصناع وقد وجد التعامل في هذه الأشياء، وعن نصير بن يحيى أنه وقف كتبه إلحاقا بالمصحف، وهذا صحيح؛ لأن كل واحد يمسک للدين تعليما وتعلما وقراء ة، وأكثر فقهاء الأمصار على قول محمد. الخ** (هداية، كتاب الوقف، أشرفي ٢/ ٦٤٠، البناية، قديم ٢/ ٩٩٥، أشرفيه جديد ٧/ ٤٤٠، تبيين الحقائق، إمداديه ملتان ٣/ ٣٢٧، زكريا ٤/ ٢٦٥، بزازية، زكريا جديد ٣/ ١٣٧، وعلى هامش الهندية ٦/ ٢٥٩، البحرالرائق، كوئٹه ٥/ ٢٠٢، زكريا ٥/ ٣٣٨)

(٤) **وإن على طلبة العلم وجعل مقرها في خزانته التي في مكان**

كـذا، فـفـي جواز النقل تردد. (وفي الشامية:) ظاهره صحة الوقف عليهم؛ لأن الـغـالـب فيهـم الـفـقـر -إلـى قوله- وقد يقال: إن هذا مما يستوى في الانتفاع به الغني والفقير. الخ (الـدرالـمختار مع الشامي، الوقف، مطلب في حكم الـوقف عـلـى طـلبة الـعـلـم، زكريا ٦/ ٥٥٨- ٥٥٩، كراچی ٤/ ٣٦٦، منحة الخالق على البحر الرائق، کوئٹه ٥/ ٢٠٢، زكريا ٥/ ٣٣٨)

(٥) الـوقف عـلـى ثلاثة أوجه: إما للفقراء أو للأغنياء، ثم الفقراء أو يستوى فيه الفريقان، كرباط وخان ومقابر وسقايات، وقناطر ونحو ذلک، كـمسـاجـد وطواحين وطست لاحتياج الكل لذلک، وفي الشامية: وكذا مصاحف مساجد وكتب مدارس. الخ (الدرالمختار مع الشامي، الوقف، مطلب في وقف الراهن والمريض والمديون، زكريا ٦/ ٦٠٣، كراچی ٤/ ٣٩٩)

جب مذکورہ عبارات سے انجمن کی کتب ورقوم کا موقوفہ ہونا ثابت ہوگیا ہے، تو ضلع بستی کی قدیم حدود دائرہ کے اندر رہنے والے تمام طلبہ مذکورہ وقف میں شامل ہوں گے، اور ان سب کے لئے انتفاع کا حق مذکورہ انجمن کے ساتھ برابر طریقہ سے منسلک ہوگا، چاہے شہر بستی کے رہنے والے ہوں یا خلیل آباد کے یا سدھارتھ نگر کے یا مذکورہ ضلع کے کسی گاؤں یا دیہات کے رہنے والے ہوں، سب برابر کے حق دار ہوں گے، اور اب سرکاری طور پر تقسیم کی صورت میں بھی قدیم حدود کے تمام طلبہ کو انتفاع کا حق یکساں طور پر باقی رہے گا؛ لہٰذا ضلع کی حدود تقسیم ہونے کی وجہ سے ان کا ثابت شدہ حق باطل نہیں ہوگا، اگرچہ نام دوسرا رکھ دیا گیا، نفس نام کا کوئی اثر مرتب نہیں ہوتا ہے؛ بلکہ اغراض ومقاصد کا اثر ہوا کرتا ہے؛ لہٰذا ضلع کی حدود دو حصوں میں تقسیم ہوجانے پر دوسرے حصہ کا نیا نام رکھ دینے کی وجہ سے اس حصہ کے طلبہ اپنے حق سے محروم نہیں ہوں گے، اس لئے ضلع تقسیم ہوجانے کی وجہ سے اگر موقوفہ انجمن کا تقسیم ہونا مجبوراً لازم آجائے تو برابر طریقہ سے تقسیم کر دینا ضروری ہوگا اور حدود ضلع کے کسی ایک حصہ کے طلبہ کو دوسرے حصہ پر محض نام کے بدل جانے کی وجہ سے کوئی فضیلت وترجیح حاصل

نہیں ہوگی، جیسا کہ بزازیہ، شامی و بحر و عالمگیری کی عبارات ذیل سے وضاحت ہوتی ہے:

(۱) **إذا وقف كتبا وعين موضعها، فإن وقفها على أهل ذلك الموضع لم يجز نقلها منه لا لهم ولا لغيرهم، وظاهره أنه لا يحل لغير هم الانتفاع بها، وإن وقفها على طلبة العلم، فلكل طالب الانتفاع بها فى محلها. الخ** (شامي، الوقف، مطلب في نقل كتب الوقف من محلها، زكريا ٦/ ٥٥٩، كراچی ٤/ ٣٦٦)

(۲) **إذا وقف على طلبة علم بلدة كذا يجوز؛ لأن الفقر غالب فيهم، فكان الاسم منبئا عن الحاجة، والحاصل أنه متى ذكر مصرفا فيه نص على الفقراء والحاجة، فالوقف صحيح يحصون أم لا.** (البحرالرائق، كوئٹه ٥/ ١٩٩، زكريا ٥/ ٣٣٢)

(۳) **وقف على فقراء أقربائهم المقيمين في خوارزم، فانتقلوا إلى بلد آخر، إن كان مما يحصون لا تنقطع وظيفتهم، وإن لا يحصون تنقطع، ثم إن بقي هناك منهم أحد يصرف الكل إليه، وإن لم يكن صرف الكل إلى الفقراء، فلو رجعوا إلى خوارزم ثانيا يعود حقهم، وقال في الفتاوى: لا ينقطع حقهم مطلقا. الخ** (فتاوى بزازية، الوقف، الفصل السادس في الوقف على الفقراء، زكريا جديد ٣/ ١٤٩، وعلى هامش الهندية ٦/ ٢٧٨)

(٤) **ولو قال لقرابتي، وجيراني، ومو الي، والمساكين يضرب كل واحد من القرابة، وكل واحد من الجيران، وكل واحد من الموالي بسهم، والمساكين بأسرهم بسهم، كذا فى خزانة المفتين، ولو قال لقرابتي، وللمساكين، ضرب كل واحد من القرابة بسهم والمساكين بسهم. الخ** (فتاوى عالمگيرى، الباب الخامس، في ولاية الوقف، فصل في كيفية قسمة الغلة، زكريا قديم ٢/ ٤٢٨، ٤٢٩، جديد ٢/ ٣٩٢)

(۲) جی ہاں دو حصوں میں تقسیم کرنا واجب ہوگا، جیسا کہ عالمگیری کی عبارت نمبر ۴/ سے

واضح ہوتا ہے، نیز وقف علی الاولاد کا بھی یہی حکم ہے، جس کی تفصیل اپنی جگہ موجود ہے۔

(۳) اگر بغیر نفسانیت کے اضطراری طور پر مدرسہ کی تقسیم دوحصوں میں ہوجائے اور نام بھی دوہوجائیں، تو موقوفہ املاک بھی دوحصوں میں تقسیم ہوجائیں گی، جیسا کہ عالمگیری کی عبارت سے واضح ہوتا ہے، لیکن اشخاص کا تقسیم ہوجانا املاک کی تقسیم کومستلزم نہیں ہوتا ہے، جیسا کہ دارالعلوم وجامع مسجد دیوبند کا واقعہ ہے، نوتشکیل شدہ ضلع کے طلبہ کی زیادہ سے زیادہ مدد کرکے دوسری انجمن قائم کردینے سے ان طلبہ کا حق قدیم انجمن سے ساقط نہیں ہوگا؛ کیوں کہ غرض واقف کے تحت سب طلبہ داخل ہیں، جس کے خلاف کرنا جائز نہیں ہے۔اور موقوفہ انجمن کے ساتھ طلبہ کے جوحقوق منسلک ہیں وہ حقوق مجردہ میں سے ہیں، اس کا عوض دیناشرعاً درست نہیں ہے۔

إن مراعاة غرض الواقفين واجبة. الخ (شامي، الوقف، مطلب مراعاة غرض الواقفين واجبة، زكريا ٦/ ٦٦٥، كراچی ٤/ ٤٤٥)

الحقوق المجردة لا يجوز الاعتياض عنها، ومثالها: كحق الشفعة، فلو صالح عنه بمال بطلت ورجع به، ولو صالح المخيرة بمال لتختاره بطل ولا شيء لها، ولو صالح إحدى زوجتيه بمال تترك نوبتها لم يلزم ولا شيء لها. الخ (قواعد الفقه، أشرفي، ص: ٧٧-٧٨، رقم: ١١٨)

الحق متى ثبت لا يبطل بالتأخير ولا بالكتمان. (قواعد الفقه، أشرفي، ص: ٧٧، رقم: ١١٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ر جمادی الاخریٰ ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۲۷۸)

چندہ کے پیسے سے بنی ہوئی عمارت میں اراکین مدرسہ کا کتبہ لگانا

سوال [۸۴۸۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک زمین جس میں اس وقت مدرسہ قائم ہے، یہ اپنی گھونگھر وسوسائٹی کی ملکیت تھی، پھر

کام ٹھپ ہوجانے کی وجہ سے اس زمین کے خریدار بتیس آدمی ہوگئے، اوراب بتیس کی ملکیت ہے، جس میں مدرسہ سراج العلوم گڑھی مان خان جلیسر قائم ہے اور مدرسہ کا پچھلا حصہ گھونگھر وسوسائٹی کا ہی بنا ہوا ہے اوراب جوآگے کا حصہ برآمدہ تیار کیا گیا ہے، اس میں محلّہ کا چندہ اور شہر کا چندہ اور دیگر مختلف شہروں کے چندے سے تیار کیا گیا، اس حصہ میں مدرسہ کے اراکین کے نام کا پتھر لگنا کیسا ہے؟ جب کہ اب تک مدرسہ کے صدر گیٹ پر گھونگھر وکمیٹی کے نام کا پتھر بھی موجود ہے، مدرسہ کی زمین کی ملکیت گھونگھر وسوسائٹی کی ہے، ایسی حالت میں ان اراکین کمیٹی کے نام کا پتھر لگنا کیا ضروری تھا؟ وہ نام حسب ذیل ہیں:

عہدیداران	صدر مدرسہ عبدالرشید صاحب عرف گوپ
نائب	عبدالستار صاحب چھوٹے
سکریٹری	محمد حسن صاحب
خازن	جمال الدین صاحب
نائب	عبدالرشید صاحب
〃	عبدالجبار صاحب

ممبران کمیٹی: محمد خلیل، محمد ہارون، باب الدین، عبدالحسیب، محمد مشتاق، عبدالعزیز، محمد حنیف، عبدالغفار۔ اس کا جواب مدلّل ومفصل دینے کی زحمت گوارہ کریں، عین کرم ہوگا۔

المستفتی: صابر حسین عباسی، محلّہ گھڑی مان خان، جلیسر ٹاؤن، ضلع ایٹہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب اراکین وممبران مدرسہ کی ذاتی رقم سے مدرسہ کا مذکورہ حصہ نہیں بنایا گیا ہے؛ بلکہ عوامی چندے سے بنایا گیا ہے، تو اس حصہ کے پتھروں میں اراکین مدرسہ کے نام درج کردینا اور اراکین مدرسہ کی طرف منسوب کردینا ناجائز اور حرام ہے، سب اراکین مدرسہ سخت گنہگار رہوں گے۔ حدیث شریف میں ایسے لوگوں کا ٹھکانہ جہنم بتلایا گیا ہے:

عن أبي ذر –رضي الله عنه– أنه سمع رسول الله ﷺ يقول: ......

ومن ادعى ما ليس له، فليس منا، وليتبوأ مقعده من النار. (صحيح مسلم، الإيمان، باب بيان حال إيمان من رغب عن أبيه وهو يعلم، النسخة الهندية ١/ ٥٧، بيت الأفكار، رقم: ٦١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱؍ جمادی الثانیہ ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۲۸۸)

جلسہ کی بچی ہوئی رقم کا مصرف

سوال [۸۴۸۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: علاقائی جمعیۃ علماء کے تحت کرائے گئے جلسہ کے مصارف سے بچی ہوئی جلسہ کی مد کیا مدرسہ میں اس کا منتظم اپنی صوابدید پر خرچ کرسکتا ہے یا نہیں؟ جب کہ جلسہ میں اگر رقم کم پڑتی تو مدرسہ کی مد سے پوری کی جاتی، ویسے بھی جمعیۃ کی لائبریری کے لئے کتب وغیرہ کی فراہمی مدرسہ سے کی جاتی ہے، چونکہ دونوں کا انتظام تقریباً مشترک ہے۔

المستفتی: حمید الرحمٰن، ساکن رسول پور، پوسٹ امیر نگر، ضلع کھیری لکھیم پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یہ بچی ہوئی رقم چندہ دہندگان کی اجازت سے مدرسہ میں خرچ کرسکتے ہیں، جمعیۃ کی لائبریری کے کتب کی فراہمی مدرسہ کی مد سے درست نہیں ہے، الا یہ کہ چندہ دہندگان کو یہ معلوم ہو کہ دونوں کا انتظام اسی چندہ سے ہوگا تب جائز ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۱۲/ ۲۷۹، جدید ڈابھیل ۱۵/ ۱۶۷، فتاوی رحیمیہ قدیم ۸/ ۲۶۶، جدید زکریا ۹/ ۸۸، امداد الفتاوی ۲/ ۵۹۳، امداد المفتین / ۷۷۹)

أن الفتوى على أن المسجد لا يعود ميراثا، ولا يجوز نقله ونقل ماله إلى مسجد آخر. (شامي، مطلب فيما لو خرب المسجد أو غيره، زكريا ٦/ ٥٤٩، كراچی ٤/ ٣٥٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍ رجب ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۷۳۱۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۷/ ۷/ ۱۴۲۲ھ

طلبہ سے لی گئی قیمت طعام کومدرسہ کی تعمیر میں لگانا

سوال [۸۴۸۶]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مدرسہ میں کچھ امراء کے بچے تعلیم حاصل کررہے ہیں، وہ اپنے طعام پر مدرسہ کی طرف سے مقرر رقمیں جمع کرتے ہیں، کیاان رقوم کومدرسہ کی تعمیر پرخرچ کیا جاسکتا ہے یانہیں؟

المستفتی: بشیراحمد قاسمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جی ہاں ان کی طرف سے جمع شدہ رقم مدرسہ کی تعمیراور تنخواہ وغیرہ میں صرف کرسکتے ہیں؛ کیوں کہ وہ زکوۃ نہیں ہوئی۔

فیجوز لو بأمره، أي يجوز عن الزكاة على أنه تمليك منه، والدائن يقبضه لحكم النيابة عنه، ثم يصير قابضا لنفسه. (شامي، كتاب الزكاة، باب المصرف، زكريا ٣/ ٢٩٢، كراچی ٢/ ٣٤٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۳/۱۲/۱۴۱۵ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۲۵۸)	۳/۱۲/۱۴۱۵ھ

مدرسہ کی رقم سے امام ومؤذن کووظیفہ دینے کاحکم

سوال [۸۴۸۷]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کیامدرسہ کی رقم سے مسجد کی امامت ومؤذنی کاوظیفہ دے سکتے ہیں؟

المستفتی: نسیم احمد چلہ امروہہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگرمسجد مدرسہ کے تابع ہے اور مدرسہ کے مختلف شعبۂ

اخراجات میں سے ایک شعبہ مسجد بھی ہے،تو مدرسہ کی رقم سے امام ومؤذن کا وظیفہ جائز ہے۔ اوراگرتابع نہیں ہےتو جائزنہیں ہے۔

التابع تابع. (الأشباه، قديم: ١٨٣) **تابع اپنے لوازمات کےساتھ تابع ہوتا ہے۔**

اتحد الواقف والجهة، وقل مرسوم بعض الموقوف عليه بسبب خراب وقف أحدهما جاز للحاكم أن يصرف من فاضل الوقف الآخر عليه؛ لأنهما حينئذ كشيء واحد. (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الوقف، مطلب في انقاض المسجد ونحوه، كراچی ٤/ ٣٦٠، زكريا ٦/ ٥٥١، وكذا في البحرالرائق، كوئٹه ٥/ ٢١٦، زكريا ٥/ ٣٦٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیراحمد قاسمی عفااللہ عنہ
۲۸/۲/۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر:۲۹/ ۳۳۳۶)

الجواب صحیح:
احقرمحمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۸/۲/۱۴۱۴ھ

انجمن کی رقم سے سرپرست انجمن کو ہدیہ دینا

سوال [۸۴۸۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگرکسی مدرسہ میں مختلف انجمنیں قائم ہیں اوران کے اراکین اورسرپرست بھی ہیں اور سال کے آخر میں جہاں ہم طلبہ کی بذریعہ انعام حوصلہ افزائی کی جاتی ہے، وہیں سرپرست انجمن کی کافی محنت ہم طلبہ پر ہوتی ہے،تو کیا اراکین انجمن کی جانب سے سرپرست صاحب کو انجمن کی رقم سے بطور ہدیہ کے کچھ انعام مثلاً کتاب وغیرہ دینا چاہیں تو کیا دینا جائز ہے؟

المستفتی: محمد مظفرگڈاوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: انجمن کے بارے میں جتنے بھی امورعمل میں لائے جائیں وہ سارے کے سارے مدرسہ کے کسی بڑے مربی قسم کے استاذ کی ماتحتی میں ان ہی کے مشورہ سےعمل میں لائے جائیں۔اورسوال نامہ میں جن جن چیزوں سے متعلق سوال کیا

گیا ہے وہ سارے کام اس طرح کے اہم اساتذہ کی نگرانی اوران کے مشورہ اوران کے حکم کے مطابق عمل میں لانا چاہئے، اگر ہدیہ اورانعام کی بات آتی ہے،تو وہ بھی ان کے مشورہ کے بغیرعمل میں نہ لائی جائے۔

یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَطِیْعُوْا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْا الرَّسُوْلَ وَاُوْلِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ.

[سورة النساء، آیت: ٥٩]

وقال ابن کیسان: هم أولو العقل والرائ الذین یدبرون أمر الناس.

(قرطبي، دارالکتب العلمیة بیروت ٥/ ١٦٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰؍رجب ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۷۶۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۸/۵ھ

اسکول کے درجہ پنجم کے امتحان کا خرچ مدرسہ سے لینا

سوال [۸۴۸۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: درجہ پنجم کے امتحان کا خرچ جونیر میں داخلہ لینے کے لئے مدرسہ سے لینا جائز ہے یانہیں؟

المستفتی: ربیع الاسلام

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مدرسہ عربیہ میں دینی امداد یامال زکوۃ تملیک شدہ ہوتو اس مال سے جائز نہیں؛ کیوں کہ جونیر یونیورسٹی وغیرہ میں دینی چندہ دینا بھی جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۴/۲۷)

ویشترط أن یکون الصرف تملیکا، لا إباحة. (شامي، کتاب الزکوة، باب المصرف، زکریا ٣/ ٢٩١، کراچی ٢/ ٣٤٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ذی الحجہ ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۳۸۵)

مدرسہ کی رقم سے متعلقین کو ہدیہ دینے کا حکم

سوال [۸۴۹۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مدرسہ کی رقم سے دوست احباب کو ہدیہ دے سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: نبی حسن خادم دارالعلوم، ارریہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مدرسہ کی رقم اپنی ذاتی ملکیت نہیں ہے، ہدیہ تحفہ اپنی ذاتی ملکیت سے دیا جاتا ہے، ہاں البتہ جن حضرات کو مدرسہ کے مفاد کی غرض سے مدرسہ میں جلسہ جلوس یا امتحانات میں بلایا جاتا ہے، ان کو واپسی میں منجانب مدرسہ کچھ تحفہ ونذرانہ پیش کردیا جائے، تو اس کی گنجائش ہے؛ اس لئے کہ یہ ہدیہ تحفہ مدرسہ کا خرچ ہے، مگر دوستانہ طور پر دوست احباب کو دینا جائز نہیں، مدرسہ کی مالیات محتاط طریقہ سے خرچ کرنے میں ذمہ دارانِ مدرسہ ایک قسم کے امین کے درجہ میں ہے۔ (مستفاد: فتاوی رحیمیہ ۶/ ۷۸)

ولیس للمودع حق التصرف والاسترباح في الودیعة. (المبسوط، کتاب الودیعة، دارالکتب العلمیة بیروت ۱۱/ ۱۲۲)

الثامنة في وقف المسجد أیجوز أن یبنی من غلته منارة؟ قال في الخانیة: معزیا إلی أبي بکر البلخي إن کان ذلک من مصلحة المسجد بأن کان أسمع لهم فلا بأس به. (البحرالرائق، کتاب الوقف، کوئٹه ۵/ ۲۱۵، زکریا ۵/ ۳۶۰)

ویبدأ من غلته بعمارته، ثم ما هو أقرب لعمارته ...... کذلک إلی آخر المصالح. (الدر مع الرد، الوقف، مطلب یبدأ من غلة الوقف بعمارته، زکریا ٦/ ۵۵۹-۵٦۱، کراچی ٤/ ۳٦٦-۳٦۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ صفر ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۷۲۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۲/۱۸ھ

مدرسے کے فنڈ سے مہمان نوازی کرنا

سوال [۸۴۹۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کیا مدرسہ کے فنڈ سے مہتمم ضیافت کرسکتا ہے، چاہے ضیف سید ہو، تاجر ہو، عامی ہو، غیر عامی ہو، غریب ہو؟

المستفتی: عبداللہ عاصی، جامعہ اسلامیہ دارالعلوم قاضی باغ کاشی پور، اودھم سنگھ نگر، یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مدرسہ کو نفع کی توقع ہو اور چندہ دہندگان کی طرف سے صراحتاً یا دلالۃً اجازت اور رضامندی ہو، تو مہمانوں کی ضیافت مدرسہ کی جانب سے کرنا درست ہے، یا مدرسہ میں باضابطہ ضیافت کا الگ سے فنڈ ہو، تو اس فنڈ سے کرنا درست ہے، ورنہ ذمہ دار اپنی جیب سے خرچ کرے۔ (مستفاد: فتاوی رحیمیہ ۶/ ۸۷، جدید زکریا ۹/ ۹۶)

شرط الواقف كنص الشارع في وجوب العمل به، وفي المفهوم والدلالة. (قواعد الفقه، أشرفي، ص: ۸۵، رقم: ۱۵۲)

الثامنة في وقف المسجد أيجوز أن يبنى من غلته منارة؟ قال في الخانية: معزيا إلى أبي بكر البلخي إن كان ذلك من مصلحة المسجد بأن كان أسمع لهم فلا بأس به. (البحرالرائق، كتاب الوقف، كوئٹه ۵/ ۲۱۵، زكريا ۵/ ۳۶۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲/۳/۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۵۱۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲/۳/۱۴۲۱ھ

مدرسہ کی رقم سے چائے، بسکٹ اور مہمانوں کی ضیافت

سوال [۸۴۹۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: (۱) مدرسہ کی رقوم سے، چائے، بسکٹ، پان وغیرہ کھانا اور کھلانا درست ہے یا نہیں؟
(۲) کسی مہمان کی مہمان داری مدرسہ کی رقوم سے جائز ہوگی یا نہیں؟
المستفتی: بندہ محمد عبد اللطیف عفی عنہ، خادم مدرسہ مرکز العلوم، ڈاکخانہ بھیگا پور، ضلع کریم گنج، آسام

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) غالب یہ ہے کہ چندہ دہندگان کی طرف سے اس کی اجازت نہیں ہوتی ہے؛ اس لئے اپنے پاس سے خرچ کرنا لازم ہے۔
(۲) مخصوص مہمان جس کی ذات سے مدرسہ کو معتد بہ نفع کی توقع ہو تو درست ہے، ورنہ مہتمم واہل شوریٰ اپنے پاس سے خرچ کریں۔ (مستفاد: فتاوی رحیمیہ ۶/ ۷۸، جدید زکریا ۹/ ۹۶)

صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة. (شامي، الوقف، مطلب مراعاة غرض الواقفين واجبة، زكريا ٦/ ٦٦٥، كراچی ٤/ ٤٤٥)

شرط الواقف كنص الشارع في وجوب العمل به، وفي المهوم والدلالة. (قواعد الفقه، أشرفي، ص: ٨٥، رقم: ١٥٢)

الثامنة في وقف المسجد أيجوز أن يبنى من غلته منارة؟ قال في الخانية: معزيا إلى أبي بكر البلخي إن كان ذلک من مصلحة المسجد بأن كان أسمع لهم فلا بأس به. (البحر الرائق، كتاب الوقف، كوئٹه ٥/ ٢١٥، زكريا ٥/ ٣٦٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰؍ شوال ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۲۶۹)

مدرسہ کی رقم سے تقریب میں گیٹ وغیرہ کی سجاوٹ

سوال [۸۴۹۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کسی تقریب میں مدرسہ کی رقوم سے گیٹ وغیرہ کی سجاوٹ درست ہے یا نہیں؟
المستفتی: بندہ عبد اللطیف عفی عنہ، خادم مدرسہ مرکز العلوم، ڈاکخانہ بھیگا پور، ضلع کریم گنج، آسام

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مدرسہ کی رقوم سے استحکام جائز ہے، تزئین ناجائز ہے، ہاں اگر مدرسہ کو معتد بہ اور بین نفع کا یقین ہے تو گنجائش ہے، محض احتمال نفع کی صورت میں اپنے پاس سے گیٹ وغیرہ کا خرچ ادا کریں۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۲/۵۳۲)

الوكيل إنما يستفيد التصرف من الموكل، وقد أمره بالدفع إلى فلان فلا يملك الدفع إليه غيره. (شامي، كتاب الزكوة، زكريا ۳/ ۱۸۹، كراچی ۲/ ۲٦۹)

الثامنة في وقف المسجد أيجوز أن يبنى من غلته منارة؟ قال في الخانية: معزيا إلى أبي بكر البلخي إن كان ذلك من مصلحة المسجد بأن كان أسمع لهم فلا بأس به. (البحرالرائق، كتاب الوقف، كوئٹه ٥/ ۲۱٥، زكريا ٥/ ۳٦٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰ رشوال ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/۲۶۹)

مدرسے کی زمین میں اساتذہ وطلبہ کے لئے مسجد بنانا

سوال [۸۴۹۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک مدرسہ ہے، جس میں کوئی زمین مستقل مسجد کے لئے نہیں ہے، تو محض مدرسہ کی زمین میں طلبہ واساتذہ کے لئے مسجد بنائی جاسکتی ہے یا نہیں؟

المستفتی: ساجد انور، سیتامڑھی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مسجد کے لئے مستقل طور پر مدرسہ کے پاس الگ سے کوئی زمین نہیں؛ بلکہ مدرسہ کی ضروریات کے لئے مدرسہ ہی کی زمین ہے اور طلبہ واساتذہ کو نماز کے لئے مسجد کی سخت ضرورت ہے، تو ایسی صورت میں مدرسہ کے اندر مدرسہ کی زمین میں

مسجد بنانا مدرسہ کی شرعی ضرورت ہے؛ اس لئے مدرسہ کی ملکیت کی زمین میں طلبہ واساتذہ کے واسطے شرعی مسجد بنانا بلا تردد جائز اور درست ہے۔

وإن جعل شيء من الطريق مسجدا صح كعكسه يعني إذا بني قوم مسجدا، واحتاجوا إلى مكان ليتسع، فأدخلوا شيئا من الطريق ليتسع المسجد وكان ذلك لا يضر بأصحاب الطريق جاز ذلك، وكذا إذا ضاق المسجد على الناس وبجنبه أرض لرجل تؤخذ أرضه بالقيمة كرها لما روي عن الصحابة رضي الله عنهم لما ضاق المسجد الحرام أخذوا أرضين بكره من أصحابها بالقيمة، وزادوا في المسجد الحرام. (البحرالرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد، كوئٹه ٥/ ٢٥٥، زكريا ٥/ ٤٢٨، تبيين الحقائق، إمداديه ملتان ٣/ ٣٣١-٣٣٢، زكريا ٤/ ٢٧٣-٢٧٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/۴/۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۰۱۳/۳۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۲/۴/۱۴۲۴ھ

مدارس کی جمع شدہ رقم اپنی ضروریات میں صرف کرنا

سوال [۸۴۹۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مساجد ومدارس میں خصوصاً مدارس میں زکوۃ کی مد میں رقومات جمع کی جاتی ہیں، تو کیا زکوۃ میں دی گئی رقم کاروبار میں لگانے کے مجاز مدارس کے متولیان یا ذمہ داران ہوسکتے ہیں، یہ ادارہ اگر R.B.I میں رجسٹرڈ ہے، تو کس بنا پر یہ کہتے ہیں کہ غیر سودی ہے۔ اور اگر رجسٹرڈ نہیں ہے تو عوام کے روپیوں کی کیا گارنٹی ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مساجد ومدارس کی جو رقومات ان کے ذمہ داران کے

پاس جمع ہیں وہ ان کے پاس امانت ہیں؛ لہٰذا اس کو کاروبار میں لگانا جائز نہیں۔ (مستفاد: عزیز الفتاوی ۱/۳۶۱، فتاوی محمودیہ قدیم ۱۵/ ۲۸۸، ڈابھیل ۱۵/ ۵۰۵)

وليس للمودع حق التصرف والاسترباح في الوديعة. (المبسوط للسرخسي، كتاب الوديعة، دارالكتب العلمية بيروت ١١/ ١٢٢)

ومقتضى ما قاله أبوسعود أنه يقبل قوله في حق براء ة نفسه لا في حق صاحب الوظيفة؛ لأنه أمين فيما في يده، فيلزم الضمان في الوقف؛ لأنه عامل له، وفيه ضرر بالوقف. (شامي، الوقف، مطلب إذا كان الناظر مفسدا لا يقبل قوله بيمينه، كراچی ٤/ ٤٤٩، زكريا ٦/ ٦٧٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۱۴۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۹؍۵؍۱۴۲۰ھ

خزانچی کا مدرسہ کی رقم اپنے استعمال میں لانا

سوال [۸۴۹۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کے پاس مدرسہ کا فنڈ کمیٹی کی طرف سے رہتا ہے اور وہ مدرسہ کا خزانچی ہے، کیا خزانچی کے پاس زکوۃ وغیرہ کا پیسہ بغیر تملیک جمع کر سکتے ہیں؟ اور خزانچی مدرسہ کا پیسہ اپنے استعمال میں لاسکتا ہے یا نہیں؟ اگر تملیک شدہ رقم جمع ہے اور خزانچی امانت کے بطور نہیں رکھتا؛ بلکہ بطور قرض مدرسہ رکھتا ہے، تو وہ پیسہ اپنے استعمال میں یا کسی کو ادھار دے سکتا ہے یا نہیں؟
فقط والسلام

المستفتی: رحمت اللہ قاسمی، مدرسہ دارالعلوم جمعیت القریش ندائے السلام

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید جب مدرسہ کا خزانچی ہے، تو اس کے پاس مدزکوۃ کا

بھی پیسہ جمع ہوگا اور مدامداد کا بھی جمع ہوگا اور اس پر لازم ہے کہ مدزکوۃ اورصدقات واجبہ کا حساب الگ رکھے اور امداد وخیرات کا حساب الگ رکھے، اس کے پاس بغیر تملیک کے زکوۃ کا پیسہ بھی جمع ہوسکتا ہے اور امداد کا پیسہ بھی۔ اور یہ دونوں قسم کے پیسے بطورضمانت جمع ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ان میں سے کوئی پیسہ ادھر ادھر ہوگیا تو اس کا ذمہ دار زید ہی ہوگا اور وہ اپنی جیب سے پورا کرے گا، جب کہ پہلے ہی سے ذمہ داران مدرسہ کی طرف سے اس طرح ضمانت کی بات طے ہوگئی ہو تو زید اس کا پابندر ہے گا، نیز اس ضمانت کے باوجود جمع شدہ رقم نہ وہ اپنی ذات پر خرچ کرسکتا ہے نہ ہی دوسروں کو کمیٹی اور ذمہ داران مدرسہ کی اجازت کے بغیر دے سکتا ہے؛ بلکہ وہ امین ہونے کے ساتھ ساتھ ضامن بھی ہے، استعمال کی اجازت نہ ہونے کے اعتبار سے امانت ہے اور ضائع ہونے کی صورت میں تاوان دینے کے اعتبار سے ضمانت اور امانت مع الضمانت کا اکثر مدارس کے تحویل دار اور خزانچی کے ساتھ معاملہ ہوتا ہے اور اس طرح کے معاملات میں امانت میں ضمانت کی شرط لگانا ضرورت اور حالات کی وجہ سے جائز اور درست ہے۔ اور آج کل کے زمانے میں اس طرح کا معاملہ حالات کی وجہ سے ضرورت کے درجہ میں ہوگیا ہے، اس کے بغیر امانت محفوظ نہیں رہتی۔

والأصل فيه أن الشرط إذا كان مقيدا والعمل به ممكنا وجب مراعاته والمخالفة فيه توجب الضمان. (عناية مع فتح القدير، كتاب الوديعة، زكريا ۸/ ۵۱۹، کوئٹہ ۷/ ٤٦٠، دارالفكر ۸/ ٤٩٤-٤٩٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍صفر ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۷۱۹)

مدرسہ کا روپیہ ذاتی معاملہ میں خرچ کرنا

سوال [۸۴۹۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: ایک دینی ادارے سے متعلق بستی میں دو پارٹی ہیں، ایک مدرسہ سے مخالف، دوسری معاون، مع عملہ مدرسین مخالف پارٹی طرح طرح کی الزام تراشیاں معاون پارٹی پر کرتی رہتی ہے، اسی دوران مخالف پارٹی کے ایک شخص سے مدرسہ کے ایک مدرس سے گھریلو معاملہ میں جھگڑا ہو جاتا ہے اور یہ جھگڑا ان کے مدرسہ میں مدرس بننے سے پہلے چلا آرہا ہے؛ لہٰذا یہ مدرس صاحب اب اس جھگڑے کے مقدمہ میں مدرسہ کا روپیہ صرف کرتے ہیں، آیا مدرسہ کا روپیہ اپنے ذاتی معاملہ میں لگانا جائز ہے یا نہیں؟ جواب سے نوازیں گے۔

المستفتی: الطاف الرحمٰن، مدرسہ اختر العلوم بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: مدرس یا متعلقین مدرسہ کا اپنے ذاتی معاملہ و جھگڑے میں مدرسہ کا روپیہ خرچ کرنا ہرگز جائز نہیں ہے۔

إذ لا يجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي.

(شامي، کتاب الحدود، باب التعزير، زكريا ٦/ ١٠٦، کراچی ٤/ ٦١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱ر رمضان ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۹۷۰/۲۶)

مدرسہ کے فون سے تبلیغی خبر کرنا

سوال [۸۴۹۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مدرسہ کے فون سے تبلیغی خبر کرنا اور اپنے ذاتی کام میں استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: مدرسہ کے فون سے ذاتی خبر لینا دینا جائز نہیں اور تبلیغی خبر

امور دینیہ میں سے ہے، اگر مدرسہ تبلیغ سے بھی منسلک ہے، تو ایسے مدرسہ کے فون سے تبلیغی خبر کرنا جائز ہے؛ اس لئے کہ تبلیغی انتظام بھی ایسے مدرسہ میں مدرسہ ہی سے منسلک ہوتا ہے؛ اس لئے کہ یہ کام بھی مدرسہ کا ایک جزو ہے، جیسا کہ مدارس میں مختلف شعبے ہوتے ہیں، شعبہ نشر واشاعت شعبہ دعوت وتبلیغ، شعبہ تنظیم وترقی وغیرہ، اسی طرح تبلیغی دعوت کا سلسلہ بھی مدرسہ کا ایک شعبہ بن سکتا ہے۔

ويبدأ من غلته بعمارته، ثم ما هو أقرب لعمارته ...... كذلك إلى آخر المصالح. (الدر مع الرد، الوقف، مطلب يبدأ من غلة الوقف بعمارته، زكريا ٦/ ٥٥٩- ٥٦١، كراچی ٤/ ٣٦٦- ٣٦٨، الموسوعة الفقهية الكويتية ٤٤/ ١٨٨)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱/۱/۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۵۹۴۶)

مدرسے کی رقم بطور رشوت دینا

سوال [۸۴۹۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہم ایک مدرسہ کے بنیادی اراکین میں سے ہیں، ایک مرتبہ اس مدرسہ کا ایک طالب علم غائب ہوگیا، اس کے گھر والوں نے تلاش کرنے میں ناظم مدرسہ سے تعاون مانگا؛ لیکن ناظم نے کسی قسم کی معاونت سے انکار کردیا، گھر والوں نے ناظم کے خلاف اغوا کی رپورٹ درج کرادی، اخبار کے مطابق اس میں مدرسہ کا کوئی تذکرہ نہ تھا؛ بلکہ یہ شخص متعین پر کیس تھا، اس مقدمہ کے سلسلہ میں ناظم نے قریبی تھانہ میں تقریباً پچاس ہزار روپئے بطور رشوت کے خرچ کئے، مجلسِ شوریٰ نے اس رقم کو مدرسہ کی مد میں تسلیم کرلیا، اس فیصلہ سے آج تک مجھے تردد ہے کہ مدرسہ کی رقم کو بطور رشوت کے دینا جائز ہے یا نہیں؟ لیکن کثرت رائے کے مطابق

فیصلہ ہوگیا۔ واضح رہے کہ اس رپورٹ میں مدرسہ کا نام نہ تھا اور نہ ہی یہ تھا کہ یہ شخص مدرسہ کا ناظم ہے، آپ شریعت کی روشنی میں جواز یا عدم جواز کا فیصلہ فرما کر اطمینان قلب کا سامان فراہم کریں۔

المستفتی: منیر احمد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مدرسہ کا ذمہ دار طالب علم کی تعلیم اور تربیت کی ذمہ داری لیتا ہے، اس کی جسمانی اور ذاتی نفع نقصان کی ذمہ داری نہیں لیتا ہے اور ایسے حالات میں اگر بچہ غائب ہوگیا ہے، تو مدرسہ کے ذمہ دار کے اوپر اس کی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی ہے، صرف اتنی ذمہ داری ہوتی ہے کہ ماں باپ کو اطلاع کردے کہ تمہارا بچہ فلاں وقت سے غائب ہے۔ اور غائب شدہ بچہ کے ذمہ دار مدرسہ والے نہیں ہوتے ہیں؛ بلکہ اس کے ماں باپ اور اس کے سرپرست ہوتے ہیں، اس اعتبار سے مدرسہ کے ذمہ دار کا غائب شدہ بچہ کے سلسلہ میں دوڑ دھوپ نہ کرنے کی وجہ سے اس کے خلاف مقدمہ دائر کرنا شرعاً اور قانوناً درست نہیں ہے، اس کے باوجود ذمہ دار کے اوپر اغوا کا الزام لگا کر مقدمہ جو دائر کیا گیا ہے، اس میں اگرچہ مدرسہ کا نام کہیں سے کہیں تک نہیں ہے؛ لیکن ذمہ دار مدرسہ کو جو کچھ بھی دفاع کرنا پڑا وہ مدرسہ کا ذمہ دار ہونے کی وجہ سے کرنا پڑا ہے؛ اس لئے مدرسہ کے ارکانِ شوریٰ نے اگر اس کو محسوس کرکے ذمہ دار کی ذات پر یہ ذمہ داری ڈالنے کے بجائے مدرسہ پر ڈالی ہے تو اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔ اور اس کے لئے بہتر صورت یہ تھی کہ صاحب خیر حضرات سے اس کام کے لئے خصوصی تعاون کی گزارش کی جاتی اور یہ پیسے مخصوص حضرات اپنی طرف سے ادا کردیتے اور مدرسہ کے اوپر یہ بار نہ پڑتا۔

عن كثير بن عبدالله بن عمرو بن عوف المزني، عن جده، عن رسول الله ﷺ قال: الصلح جائز بين المسلمين، إلا صلحا حرم حلالا، أو أحل حراما، والمسلمون على شروطهم إلا شرطا حرم حلالا أو أحل حراما.

(ترمذي شريف، الأحكام، باب ما ذكر عن رسول الله ﷺ في الصلح بين الناس، النسخة الهندية ١/ ٢٥١، دارالسلام، رقم: ١٣٥٢، المستدرك، كتاب الأحكام، مكتبه نزار مصطفى الباز، جديد ٧/ ٢٥٢٣، قديم ٤/ ١٠١، رقم: ٧٠٥٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶ رصفر المظفر ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۴۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۶/ ۲/ ۱۴۳۵ھ

مدرسہ کی رقم سرکاری اسکیم شروع کرانے کے لئے بطور رشوت دینا

سوال [۸۵۰۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک مسئلہ دریافت طلب ہے جواب سے مطلع فرما کر احسان فرمائیں۔ یوپی گورنمنٹ سے ایک اسکیم شروع ہوئی ہے، گورنمنٹ سے منظور شدہ ہے، مدارس کے پرائمری سیکشن کے طلبہ کو فی کس ۱۴۴ر روپیہ بطور وظیفہ سالانہ دینے کی اس سلسلہ میں لاعلمی کی وجہ سے بھی اہل مدارس سے رشوت لی گئی، اس میں تعداد زائد وظیفہ لانے کے لئے ذمہ داروں نے خود لکھ دی، تاکہ زائد رقم ان کو مل جائے، بہر کیف اب احساس ہو رہا ہے کہ غلط کام ہو گیا، توبہ واستغفار کر رہے ہیں، آئندہ کے لئے احتیاط سے کام لیا جائے گا، اس کی تلافی کا جو طریقہ ہو اس سے مطلع فرما کر احسان فرمایا جائے، گورنمنٹ سے آئی ہوئی رقم کا لوٹانا اور بھی دشوار ہے آج کل کے ماحول میں اور اکگٹا ئز ڈ کاغذ بھی گم ہو گیا ہے، دوسرا ملنے کے بھی رشوت مانگ رہے ہیں، کیا کیا جائے؟

المستفتی: حامد علی، مدرسہ ارشاد العلوم ٹانڈہ، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: حدیث شریف میں جھوٹ اور دھوکہ دہی کی سخت مذمت آئی ہے۔

قال النبي صلى الله عليه وسلم: الخديعة في النار. (صحيح البخاري، تعليقات، باب النجش، ومن قال: لا يجوز ذلك البيع، النسخة الهندية ١/ ١٨٧)

اس کی تلافی کی صورت یہ ہوسکتی ہے کہ جو رقم رشوت میں دی ہے وہ اگر مدرسے کی رقم ہے تو رشوت دینے والے ذمہ داران اپنی جیب سے بطور تاوان اتنی رقم مدرسہ کے خزانہ میں جمع کردیں۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۱۴/۱۶۱، جدید ڈابھیل ۱۵/ ۵۲۵)

والأصل فيه: أن الشرط إذا كان مقيدا والعمل به ممكنا وجب مراعاته، والمخالفة فيه توجب الضمان. (عناية، كتاب الوديعة، زكريا ٨/ ٥١٩، كوئٹه ٧/ ٤٦٠، دارالفكر ٨/ ٤٩٤-٤٩٥)

اور سرکار کی طرف سے جو زائد رقم آتی ہے، اس کو سرکاری خزانہ میں واپس کردیں، لیکن اگر سرکاری خزانہ میں واپس کرنے کی صورت نہ بن سکے تو اس رقم کو فی کس ۱۴۴؍ روپیہ کے حساب سے آئندہ سال کے جلسہ میں تقسیم کردیں؛ کیوں کہ طلبہ ہی کے نام سے آیا ہوا پیسہ ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ، قدیم ۱۴/ ۱۴۱، جدید ڈابھیل ۱۵/۴/ ۵۷)

اس کے بعد پھر اپنی غلطی پر نادم ہوکر اللہ تعالیٰ سے توبہ واستغفار کرتے رہیں۔

وأما حكمها فوجوب الحفظ على المودع، وصيرورة المال أمانة في يده، ووجوب أدائه عند طلب مالكه. (هندية، كتاب الوديعة، الباب الأول، زكريا قديم ٤/ ٣٣٨، زكريا جديد ٣/ ٣٤٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍ شوال ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۴۴۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴؍ شوال ۱۴۱۸ھ

الفصل السادس:

اشیائے مدرسہ کی منتقلی کے احکام

مدرسہ کی منتقلی سے متعلق چند سوالات کے جوابات

سوال [۸۵۰۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک بستی میں ایک مکتب کے لئے بستی والوں کی رضا مندی سے چک بندی کے ایام میں ایک بیگہ سے کچھ اوپر زمین چھوڑی گئی۔ ۱۹۷۰ء میں مکتب کی بنیاد رکھی گئی، دو تین مدرس کام کرنے لگے، رفتہ رفتہ مکتب میں ترقی ہوتی رہی، ابتداء میں اہل بستی کے مشورہ سے مقامی ایک صاحب مہتمم بنائے گئے تھے، چند سال بعد ہی مدرس اول مولانا صاحب پر اعتماد ہونے کے باعث سب نے متفقہ طور پر مولانا صاحب کو مہتمم بنا دیا اور پورے اختیارات مہتمم صاحب کو دے دیئے، تدریجی طور پر مکتب ترقی کرتا رہا، اعتماد میں مزید اضافہ ہوا، تو کمیٹی بھی تحلیل کردی گئی، مکتب کی ترقی برابر جاری رہی، یہاں تک کہ مکتب مدرسہ بن گیا، شعبہ تحفیظ القرآن الکریم میں فضل الٰہی سے خاص خدمت ہونے لگی، عربی سال ششم تک تعلیم ہوگئی، فللّٰہ الحمد...... پورا عملہ قناعت پسند اور مخلص ہے، مدرسہ میں توسیع کی ضرورت محسوس کی گئی، تو برابر کی زمین خریدی گئی، اب مزید زمین برابر میں چاروں طرف نہیں ہے، طلبہ کا رجوع متقاضی ہے کہ مدرسہ بڑا ہو، ایک عالم صاحب نے لوگوں سے زمینی چندہ کی اپیل کی تو خوشی خوشی زمینداروں نے ایک ایک، دو دو بیگہ کاشت کی زمین چندہ میں دینے کا وعدہ کرلیا، اس طرح کافی زمین موعود ہوگئی، تاکہ بڑا مدرسہ بستی سے الگ تقریباً ڈیڑھ کلومیٹر کے فاصلہ پر بڑے روڈ کے قریب بنایا جائے اور قدیم مدرسہ کی عمارت کو مکتب مطبخ دفتر اور گودام کی حیثیت سے استعمال کیا جائے۔ چندہ دہندگان کو مطلع کردیا جائے کہ مدرسہ میں نام کی تبدیلی کے

ساتھ توسیع کی گئی ہے، اگر آپ قدیم نام سے بھی چندہ دیں گے تب بھی وہ جدید مدرسہ میں استعمال کیا جائے گا، اگر آپ کو یہ پسند نہیں تو چندہ نہ بھیجیں، آپ مختار ہیں، نیز پہلے عالم مہتمم صاحب چونکہ ضعیف ہوگئے، بیمار رہنے لگے، کئی بار فالج ہو چکا؛ اس لئے چاہتے ہیں دوسرے عالم شاب صالح کو مہتمم ناظم بنا دیں، تاکہ روز بروز ترقی ہوتی رہے، قدیم مہتمم صاحب بھی ان جوان صالح پر راضی ہیں، وہ جوان ہوس اقتدار نہیں رکھتے، بمشکل آمادہ ہوتے ہیں، یہ تفصیل جو عرض کی گئی ہے، شریعت مطہرہ اس بارے میں کیا کہتی ہے؟ فضل الٰہی سے اختلاف اور جھگڑے کا ہمارے یہاں دور تک بھی نام ونشان نہیں، طویل مدت میں کبھی بھی مدرسہ انتشار کا شکار نہیں ہوا۔ بحمد اللہ تعالیٰ۔

(۱) کیا مدرسہ کے نام اور مہتمم کی تبدیلی سے الگ الگ وقف کا حکم نہیں ہوگا؟

(۲) کیا قدیم مدرسہ کی عمارت، جدید مدرسہ کے مطبخ، دفاتر، کتب خانہ، مہمان خانہ وغیرہ میں استعمال کرنا اور قدیم مدرسہ کو جدید مدرسہ کے تابع بنانا درست ہوگا؟

(۳) جب اتنے فاصلہ پر جنگل میں مدرسہ بنے گا تو یقیناً چند سال میں وہاں مستقل بستی آباد ہوجائے گی، تو کیا وہ دوسری بستی کا مدرسہ نہیں کہلائے گا؟

المستفتی: محمد یونس

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) جتنی زمین مدرسہ کے لئے وقف ہے، اس کا حکم مدرسہ کے نام یا مہتمم کی تبدیلی سے الگ نہیں ہوگا؛ بلکہ ساری زمین ایک ہی مدرسہ کے ماتحت رہے گی۔

أراد المتولي إقامة غيره مقامه في حياته وصحته، إن كان له التفويض عاما صح. (درمختار مع رد المحتار، الوقف، مطلب للناظر أن يوكل غيره، زكريا ٦/ ٦٣٨، كراچى ٤/ ٤٢٥، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٢/ ٦٠٣، مصري قديم ١/ ٧٥٥)

(۲) قدیم مدرسہ کی عمارت کو ضرورت کے پیش نظر جدید مدرسہ کے دفاتر اور مطبخ وغیرہ کے

لئے استعمال کیا جا سکتا ہے،مگر بہتر یہ ہے کہ وہاں کوئی مکتب جاری رکھا جائے جو جدید مدرسہ کی ماتحتی میں چلتا ہو، نیز بستی والوں کی رضامندی اور ارباب حل وعقد کے مشورہ سے قدیم مدرسہ کو جدید مدرسہ کے تابع بنانا درست ہے۔

لأنـه قـال الشامي: مراعاة غرض الواقفين واجبة. الخ (شامي، الوقف، مطلب مراعاة غرض الواقفين واجبة، زكريا ٦/ ٦٦٥، كراچی ٤/ ٤٤٥)

(۳) مدارس دینیہ بستیوں کے تابع نہیں ہوتے؛ کیوں کہ مدارسِ اسلامیہ ساری امت کی امانت ہیں اور ساری امت ان کی ذمہ دار ہے؛ البتہ قرب وجوار والے حضرات مدرسہ کے ساتھ خیر خواہی اور تعاون کے زیادہ ذمہ دار ہیں؛ لہٰذا آئندہ کسی بستی کے وہاں آباد ہونے سے مقصود میں کوئی خلل نہیں ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/ ربیع الاول ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۰۸۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۸/ ۳/ ۱۴۲۰ھ

مدرسہ کی آمدنی اسکول میں لگانا

سوال [۸۵۰۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: آج بتاریخ ۲۵/ مارچ ۱۹۹۳ء کو ایک جنرل میٹنگ دونوں مدرسوں کے بارے میں پورے گاؤں کی پردھان جی کی بیٹھک پر دن کے ۱۲/ بجے ہونی شروع ہوئی، جس میں دونوں اسکولوں کے عہدیدار موجود تھے، جناب صدر صاحب مہتمم مدرسہ نے اپنی بات رکھی کہ ایسا راستہ اختیار کیا جائے کہ دونوں اسکول چلتے رہیں، سبھی گاؤں والوں کی رائے کے مطابق یہ طے پایا کہ مدرسہ تعلیم القرآن کو جو بازار اور گاؤں سے امدادی آمدنی ہوگی، اس کا ایک ۲/ ۱ جونیر ہائی اسکول کلیان پور کو دینی ہوگی، بقیہ آمدنی (۱) زکوۃ (۲) فطرہ (۳) چرم قربانی (۴) بیرونی چندہ، یہ چاروں آمدنی تعلیم القرآن میں لگائی جائیں گی، پرستاؤ کا سمرتھن سبھی گاؤں والوں نے کیا، یادداشت کے لئے چند کلمے لکھ

دئے ہیں: (۱) دونوں اسکول چندے سے چل رہے ہیں، سرکار سے ایڈ کسی اسکول کو نہیں ملتی؟ (۲) زید کہتا ہے کہ ایسا پرستاؤ کرنا ناجائز ہے۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مدرسہ تعلیم القرآن کی جو بھی آمدنی ہوگی، چاہے بازار یا گاؤں سے ہو یا باہر سے جونیر ہائی اسکول میں لگانا شرعاً جائز نہیں ہے، تمام آمدنی مدرسہ تعلیم القرآن ہی میں لگانا لازم ہوگا؛ اس لئے کہ لوگوں نے مدرسہ کے لئے دی ہے نہ کہ ہائی اسکول کے لئے۔

قال النبي صلى الله عليه وسلم: المسلمون عند شروطهم. (صحيح البخاري، كتاب الإجارة، باب أجر السمسرة، رقم الباب: ١٤، سنن الترمذي، الأحكام، باب ما ذكر عن رسول الله صلى الله عليه وسلم في الصلح بين الناس، النسخة الهندية ١/ ٢٥١، دارالسلام، رقم: ١٣٥٢)

المسلمون عند شروطهم. (قواعد الفقه، أشرفي ديوبند ١٢١)

زید کا کہنا صحیح اور شریعت کے مطابق ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۵۲۸۱/۳۳)

مسجد و مدرسہ کی مشترکہ رقم سے جنریٹر خریدنا

سوال [۸۵۰۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مسجد اور مدرسہ کے ذمہ دار دونوں نصف نصف روپئے ملاکر جنریٹر خریدنا چاہتے ہیں اور جنریٹر کا استعمال مدرسہ والوں کے حق میں زیادہ رہے گا اور مسجد کے استعمال میں کم، تو اس سلسلہ میں کیا حکم ہے؟

المستفتی: محمد رضوان مقبرہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسجد اور مدرسہ کی مشترکہ رقم سے جنریٹر خریدنا درست ہے؛ البتہ جب جنریٹر کا استعمال مدرسہ کے حق میں زیادہ ہے بالمقابل مسجد کے، تو تیل کی قیمت اور خرید میں اسی تناسب سے پیسہ ادا کرنا لازم ہوگا۔

أما إذا اختلف الواقف أو اتحد الواقف، واختلفت الجهة بأن بنى مدرسة ومسجدا وعين لكل وقفا، وفضل من غلة أحدهما لا يبدل شرط الواقف، وكذا إذا اختلف الواقف لا الجهة يتبع شرط الواقف.

(البحر الرائق، كتاب الوقف، كوئٹه ٥/ ٢١٦، زكريا ٥/ ٣٦٢، تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الوقف، مطلب في انقاض المسجد ونحوه، كراچی ٤/ ٣٦٠، زكريا ٦/ ٥٥١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍ ذیقعدہ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۲۸۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۷؍ ۱۱؍ ۱۴۳۴ھ

مسجد ومدرسہ کی رقم کو ایک دوسرے پر صرف کرنا

سوال [۸۵۰۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر کچھ لوگوں نے ایک زمین خریدی، اس میں مسجد ومدرسہ دونوں تعمیر کرنے کے ارادے سے اور دونوں کو ایک دوسرے کے تابع رکھنے کا ارادہ ہے، مسجد پہلے تعمیر ہو چکی ہے اور اب مدرسہ تعمیر ہو رہا ہے، تو کیا مسجد کا پیسہ مدرسہ میں اور مدرسہ کا پیسہ مسجد میں لگایا جاسکتا ہے؟ اور مسجد کے پیسوں کو مدرسین پر خرچ کیا جاسکتا ہے؟ نیز مدرسین میں بعض ناظرہ وغیرہ پڑھانے کے لئے ہیں اور بعض ہندی ماسٹر ہیں، تو کیا ماسٹروں پر بھی خرچ کیا جاسکتا ہے؟ جب کہ ہندی تعلیم دینی نہیں ہے۔ (احسن الفتاوی ٦/ ۴۴۶) سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر دونوں ایک دوسرے کے تابع ہوں تو خرچ کیا جاسکتا ہے، مدلل تحریر فرمائیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مدرسہ مسجد کے تابع ہے، یا مسجد مدرسہ کے تابع ہے اور لوگوں کو اس کا علم بھی ہے اور چندہ دینے والے مدرسہ میں نہ دینے کی صراحت بھی نہیں کرتے اور مسجد ومدرسہ دونوں کی رسید بھی ایک ہی ہے، تو اس رسید سے حاصل شدہ آمدنی مسجد ومدرسہ دونوں میں بلا امتیاز خرچ کرسکتے ہیں، اور ناظرہ قرآن پڑھانے والوں کی تنخواہ میں بھی دے سکتے ہیں اور اگر ضمنی طور پر ہندی پرائمری تک کی تعلیم دی جاتی ہے اور ایک دو ہی ماسٹر ہیں تو ان کی تنخواہ میں بھی وہ رقم خرچ کرسکتے ہیں۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۶/ ۴۴۶، فتاوی محمودیہ قدیم ۱۴/ ۱۴۸، جدید ڈابھیل ۱۵/ ۷۳)

اتحد الواقف والجهة وقل مرسوم بعض الموقوف عليه بسبب خراب وقف أحدهما، جاز للحاكم أن يصرف من فاضل الوقف الآخر عليه؛ لأنهما حينئذ كشيء واحد. (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الوقف، مطلب في انقاض المسجد ونحوه، كراچی ٤/ ٣٦٠، زكريا ٦/ ٥٥١، وكذا في البحر الرائق، زكريا ٥/ ٣٦٢، كوئٹه ٥/ ٢١٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳/۶/۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۸۸۷)

مسجد ومدرسہ کا پانی ولائٹ خارج مسجد ومدرسہ کو دینا

سوال [۸۵۰۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کسی مہتمم مدرسہ یا مسجد کو مسجد یا مدرسہ سے خارج مکان میں بجلی، پانی مدرسہ یا مسجد کی لائن میٹر سے دینے کا حق ہے یا نہیں؟ جب کہ خارج مکان میں خرچ ہونے والی بجلی یا پانی کا بل مسجد یا مدرسہ ہی ادا کرتا ہے، ایسا کرنا شرعاً کیا حکم رکھتا ہے؟

المستفتی: فرحت حسین، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مہتمم اور متولی واقف اور چندہ دہندگان کی طرف سے بحیثیت وکیل کے امین ہیں اور امین کے لئے امانت میں اس طرح مالکانہ تصرف خیانت ہے جو کہ حرام ہے؛ لہٰذا اس صورت میں یہ دونوں پانی وبجلی کے بل کے ضامن ہوں گے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۷/ ۹۹، جدید زکریا مطول ۱۰/ ۴۸۰، امداد الفتاوی ۲/ ۶۷۲)

عن أبي هريرة –رضی الله عنه– عن النبي ﷺ قال: آية المنافق ثلاث: إذا حدث كذب، وإذا وعد أخلف، وإذا أؤتمن خان. (صحيح البخاري، كتاب الإيمان، باب علامة المنافق ۱/ ۱۰، رقم: ۳۳)

ولو اشترى القيم بغلة المسجد ثوبا، ودفع إلى المساكين لا يجوز، وعليه ضمان. (هندية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر، الفصل الثاني زكريا قديم ۲/ ٤٦٢، جديد ۲/ ۳/ ٤۱۳، وكذا في فتاوى قاضي خان، جديد زكريا ۳/ ۲۰۸، وعلى هامش الهندية، زكريا ۳/ ۲۹۷)

الوكيل يقبض العين –إلى قوله– لأنه أمين محض. (هداية، كتاب الوكالة، باب الوكالة بالخصومة والقبض، أشرفي ديوبند ۳/ ۱۹٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍ رمضان ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۲۴۵)

ایک مدرسہ کا غلہ دوسرے مدرسہ میں دینے کا حکم

سوال [۸۵۰۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک مدرسہ کے سفیر اور استاذ ایک گاؤں میں غلہ کی وصولیابی کے لئے گئے اور غلہ اکٹھا کر کے ایک جگہ رکھ دیا اور صاحب مکان سے یہ کہہ کر چلے گئے کہ ہم اٹھا کر لے

جائیں گے، کئی مہینہ غلہ رکھا رہا، جب خراب ہونے لگا تو صاحب مکان نے مشورہ سے وہ غلہ ایک مدرسہ میں دے دیا، یہ سوچ کر کہ ضائع ہونے سے تو یہی اچھا ہے کہ مدرسہ میں دے دیا جائے، مدرسہ، مدرسہ سب ایک ہیں، چند مہینے کے بعد اس مدرسہ والے آئے اور معلوم ہوجانے پر کہ وہ غلہ فلاں مدرسہ میں دیا جاچکا ہے، صاحب مکان پر برس پڑے کہ یہ تم نے ناجائز کیا، جس مدرسہ کی نیت سے غلہ دیا تھا وہیں جانا چاہئے تھا، اس کے علاوہ میں استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔

المستفتی: ساکنان بستی بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صاحب مکان پر یہ لازم تھا کہ جس مدرسہ کے لئے غلہ جمع کیا گیا ہے، اس مدرسہ والوں کو اطلاع کر دیتا؛ اس لئے کہ یہ غلہ اس کے پاس بطور امانت تھا، اور اگر اطلاع کرنے کی کوئی شکل نہیں تھی اور اس کا کوئی ذریعہ نہیں تھا، جس کی وجہ سے مجبوراً غلہ دہندگان کے مشورہ سے دوسرے مدرسہ کو غلہ دے دیا ہے تو صحیح ہوا ہے، صاحب مکان پر کوئی تاوان لازم نہیں ہے۔

عن عمرو بن شعيب عن أبيه، عن جده، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: ليس على المستعير غير المغل ضمان، ولا على المستودع غير المغل ضمان. (سنن الدارقطني، البيوع، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ٣٦، رقم: ٢٩٣٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱ ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۲۶۸)

ایک مدرسہ کی رقم دوسرے مدرسہ میں لگانا

سوال [۸۵۰۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: ایک مدرسہ کی کچھ رقم ہے، تو کیا دوسرے مدرسہ میں ضرورت کے مطابق اس کو لگا سکتے ہیں یا نہیں؟ جس مدرسہ کی رقم ہے وہ جاری ہے اور پیسہ بچت میں ہے۔

المستفتی: رحمت اللہ قاسمی سنبھل، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر دوسرے مدرسہ کا انتظام اور مہتمم سب کچھ الگ الگ ہیں، تو بلا عوض خرچ کرنا درست نہیں؛ بلکہ بطور قرض لے کر خرچ کر سکتے ہیں اور بعد میں قرض ادا کرنا لازم ہوگا، ورنہ آپس میں اختلاف اور فتنہ کا خطرہ ہوجاتا ہے؛ البتہ اگر اول مدرسہ میں اس رقم کی بالکل ضرورت نہیں ہے نہ فی الحال ضرورت ہے اور نہ ہی بعد میں ضرورت ہوسکتی ہے، تب دوسرے مدرسہ میں لگانے کی اجازت ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ ۱۲/ ۳۸۳، ڈابھیل ۱۵/ ۷۳)

اتحد الواقف والجهة، وقل مرسوم بعض الموقوف عليه بسبب خراب وقف أحدهما، جاز للحاكم أن يصرف من فاضل الوقف الآخر عليه؛ لأنهما حينئذ كشيء واحد. (الدر مع الرد، الوقف، مطلب في نقل انقاض المسجد ونحوه، زكريا ٦/ ٥٥١، كراچی ٤/ ٣٦٠، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٢/ ٥٩٦، مصري قديم ١/ ٧٤٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲ ربیع الثانی ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۴۲۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۶/۴/۲۲ھ

مدرسہ بنانے کے نام پر وصول شدہ رقم کو دوسرے مدرسہ میں دینا

سوال [۸۵۰۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص محمد نعیم نے اپنی ذاتی رہائش کے لئے قطعہ زمین کا بیع نامہ کرایا، پھر اس بیع نامہ کے ذریعہ لوگوں سے یہ کہہ کر رقم وصول کی کہ یہ زمین میں نے مدرسہ کے لئے خریدی ہے؛ لہٰذا

لوگوں نے امدادی وزکاتی تعاون پیش کیا، اس شخص نے مزید دوآدمیوں کو یہ کہہ کر اپنے ساتھ شامل کرلیا کہ زمین برائے مدرسہ خریدلی گئی ہے، تم بھی مدرسہ جاری کرنے میں معاون ہوجاؤ، ایک نے شخص مذکور کو معتمد سمجھتے ہوئے اپنے تعلقات میں سے چند ہزار سے تعاون دیا، دوسرے شخص نے کہا کہ جب تک مدرسہ کی عمارت تیار نہ ہو تم اپنے مکان میں مدرسہ قائم کرالو، چنانچہ ایک نام تجویز کر کے اس کے مکان میں مدرسہ جاری کردیا گیا، دو یا چند ماہ کے بعد معلوم ہوا کہ نہ مدرسہ کی کوئی زمین ہے اور نہ آئندہ زمین ملنے کا امکان ہے، یہ سب سوانگ اس لئے رچایا گیا ہے کہ کسی طرح مکان کی تعمیر ہوجائے؛ لہٰذا جس شخص کے مکان میں مدرسہ جاری کیا گیا تھا، اس نے مکان خالی کرالیا، مدرسہ بند ہوگیا، جس شخص نے چند ہزار روپئے جو وصول کر کے دئے تھے وہ بھی اس فریب کاری سے عاجز آکر علیحدہ ہوگیا، اور اس نے بقیہ دونوں شخصوں سے کہہ دیا کہ اب جو رقم زکوۃ کی رہ گئی ہے وہ فلاں مدرسہ کو دے دی جائے، اور جو امدادی رقم ہے اس کو فلاں مسجد کے حوالہ کردی جائے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس رقم کو مدرسہ اور مسجد میں صرف کیا جاسکتا ہے، جب کہ اس رقم کو وصول کرنے کی کوئی صحیح بنیاد نہیں ہے؟ والسلام بینوا توجروا۔

المستفتی: محمد ذاکر سرائے کھجور، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: زکوۃ کی رقم کو ایسے مدارس میں زکوۃ کے نام سے دینا درست ہے جن میں زکوۃ کی رقم صحیح مصرف میں صحیح طریقے سے صرف کی جاتی ہے۔

وللوكيل أن يدفع لولده الفقير وزوجته لا لنفسه إلا إذا قال ربها ضعها حيث شئت. الخ (الدرالمختار، کتاب الزکوۃ، زکریا ۳/ ۱۸۸-۱۸۹، کراچی ۲/ ۲۶۹، البحرالرائق، کوئٹہ ۲/ ۲۱۱، زکریا ۲/ ۳۶۹)

اور امدادی رقم جن لوگوں سے لے کر جمع کی گئی ہے ان کی اجازت سے مسجد میں خرچ کرسکتے ہیں، ورنہ انہیں لوگوں کو واپس کردینا واجب ہے؛ کیوں کہ وہ رقم دینے والوں کی ملکیت سے خارج نہیں ہوئی ہے۔ (مستفاد: امدادالفتاوی ۲/ ۵۹۵)

عـن أبـي حرة الرقاشي –رضي الله عنه– عن عمه أن رسول الله ﷺ قـال: لايـحـل مال امرئ مسلم، إلا بطيب نفس منه. (مسنـد أبي يعلى الموصلي، دارالكتب العلمية بيروت ۲/ ۹۱، رقم: ۱۵٦۷، مسند أحمد بن حنبل ٥/ ۷۲، رقم: ۲۰۷٤۰)

لا يـحـل مـال امـرئ إلا بـطيـب نفس منه، أي بأمر أو رضا عنه. الخ (مرقاة، إمداديه ملتان ٦/ ۱۱۸)

لـو أن قوما بنوا مسجدا وفضل من خشبتهم شيء –إلى قوله– يكون الفاضل لهم يصنعون به ماشاؤوا. الخ (البحرالرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد، كوئٹه ٥/ ۲٥۱، زكريا ٥/ ٤۲۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۵؍صفر ۱۴۰۹ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۱۱۷)

ایک مدرسہ کی وقف شدہ اراضی کو دو مدرسوں پر تقسیم کرنا

سوال [۸۵۰۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہندہ نے بدرستگئ ہوش وحواس اپنی ایک اراضی کے لئے مرنے سے پہلے وصیت کی کہ میری یہ فلاں اراضی مدرسہ کو وقف ہے، چنانچہ مرحومہ کے انتقال کے بعد ورثاء نے وہ اراضی مدرسہ رحمانیہ کو وقف کردی اور ۱۹۷۰ء سے آج تک جس کو ۱۹؍برس کا عرصہ ہوگیا، مدرسہ رحمانیہ کا اس اراضی پر قبضہ ہے، اب مرحومہ کے وہی ورثاء چاہتے ہیں کہ اس اراضی کو دو مدرسوں پر تقسیم کردیں، ان دونوں مدرسوں میں سے ایک مدرسہ کا اس وقت جب مرحومہ کا انتقال ہوا تھا وجود بھی نہیں تھا، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ وقف شدہ اراضی جو مدرسہ رحمانیہ کی ملک بن چکی ہے اور ۱۹؍برس سے آج تک مدرسہ کی کاشت میں ہے، کیا مرحومہ کے ورثاء کو یہ حق ہے کہ مرحومہ کی اس وقف شدہ آراضی کو دوسرے مدرسہ کو تقسیم کرکے دے دیں؟

المستفتی: عبد السلام ناظم مدرسہ رحمانیہ، ٹانڈہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر بوقت وصیت دوسرے مدرسہ کی طرف منتقل کرنے کی شرط نہیں لگائی ہے اور ورثاء نے موصی کی وصیت کے مطابق مدرسہ رحمانیہ کو وقف کر کے متولی کے قبضہ میں دے دیا ہے، تو بالاتفاق وقف کامل ومکمل ہوکر مدرسہ رحمانیہ کی ملکیت میں مذکورہ آراضی داخل ہوچکی ہے، آئندہ ورثاء اور متولی وغیرہ کو جب تک مدرسہ رحمانیہ چلتا رہے گا کسی دوسرے مدرسہ وغیرہ کی طرف منتقل کرنے کا حق نہیں ہوگا، ورنہ غرض واقف کی مخالفت کی وجہ سے منتقل کرنے والے گنہگار رہوں گے۔

أنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة. (شامي، الوقف، مطلب مراعاة غرض الواقفين واجبة، زكريا ٦/ ٦٦٥، كراچی ٤/ ٤٤٥، کوئٹه ٣/ ٤٦٤)

ملک العين الموقوفة يزول عن ملک المالک بقضاء القاضي بلزوم الوقف من غير أن ينتقل إلى ملک أحد. الخ (البحر الرائق، کوئٹه ٥/ ١٩١، زكريا ٥/ ٣٢٠)

فإذا تم ولزم لا يملک ولا يملک ولا يعار. الخ وفي الشامي: والوقف لا يمكن تمليكه. الخ (الدرالمختار، زكريا ٦/ ٥٣٩، كراچی ٤/ ٣٥١، کوئٹه ٣/ ٤٠٢)

الملک يزول، أي ملک الواقف فيصير الوقف لازما للاتفاق على التلازم بين اللزوم والخروج عن ملكه. الخ (شامي، الوقف، مطلب شرائط الوقف معتبرة إذا لم تخالف الشرع، زكريا ٦/ ٥٢٧، كراچی ٤/ ٣٤٣، کوئٹه ٣/ ٣٩٥)

البتہ اگر موصی نے بوقت وصیت کوئی شرط لگائی ہے، تو اس کا حکم دوسرا ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/ جمادی الثانیہ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۷۶۷)

مدرسہ کی رقم سے مدرسہ کی زمین میں مسجد تعمیر کرنا

سوال [۸۵۱۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے مدرسہ میں مسجد نہیں تھی اور نماز کی پریشانی تھی، اس وجہ سے ہم نے مدرسہ کا ایک کمرہ توڑ کر مسجد کی تعمیر کرالی۔ اور ہم نے پیسہ نہ ہونے کی وجہ سے مجبوراً مدرسہ کا پیسہ استعمال کرلیا اب مسجد تعمیر ہوچکی ہے، اور نماز شروع ہوگئی ہے تو اس میں شرعاً کوئی قباحت تو نہیں ہے؟

المستفتی: عبدالصمد کاشی پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مدرسہ کی زمین پر مدرسہ کی رقم سے مسجد کی تعمیر شرعاً درست نہیں ہے؛ کیوں کہ زمین اور چندہ مدرسہ کے لئے وقف کیا گیا ہے۔ اور وقف تام ہونے کے بعد اس میں اس طرح کا تصرف جائز نہیں؛ لہٰذا زمین کی قیمت اور تعمیر پر خرچ ہوئی رقم مسجد کے چندہ سے مدرسہ میں لوٹانا ضروری ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۲/۴۷۴، جدید ڈابھیل ۱۵/۴۸۵)

یہ اس صورت میں ہے جب کہ مسجد کا نظام اور ذمہ داری مدرسہ والوں کے ہاتھ میں نہ ہو اور مسجد بھی خاص طور پر مدرسہ کی نہ ہو؛ بلکہ محلّہ والوں کی نماز کے لئے مسجد بنائی گئی ہو؛ لیکن اگر یہ مسجد مدرسہ میں بنی ہے اور مسجد ومدرسہ کے متولی ایک ہی ہیں اور آئندہ بھی دونوں کے اخراجات کی ذمہ داری ایک ہی پر ہو تو وہ مدرسہ ہی کی مسجد ہے، تو ایسی مسجد مدرسہ کی رقم سے مدرسہ کی زمین مین بنانا شرعاً جائز ہے؛ اس لئے کہ یہ مسجد بھی مدرسہ کی ضروریات کے دائرہ میں داخل ہے۔

وفي الدرالمختار: فإذا تم ولزم لا يملك، ولا يعار، ولا يرهن.

(الدرالمختار على الشامي، كتاب الوقف، زكريا ٦/ ٥٣٩، كراچی ٤/ ٣٥١، كوئٹه ٣/ ٤٠٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴ محرم الحرام ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۸۴۶۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۱/۲۵ھ

الفصل السابع: في الإجارة

مدرسے کی زمین میں ضروریاتِ مدرسہ کے لئے دوکان تعمیر کرنا

سوال [۱۱۸۵۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ضلع بجنور، قصبہ شیر کوٹ بستی میں قریب ۸۰-۹۰ سال پرانا مدرسہ قائم ہے، جس کی مستقل لمبی چوڑی عمارت ہے، اس عمارت میں نیچے کے حصے میں بھی کمرے ہیں اور اوپر بھی کمرے بنے ہیں، پورب کی طرف کی عمارت میں نیچے دوکانیں تعمیر ہیں، جن کا کرایہ مدرسہ ہی وصول کرتا ہے، پچھّم کی طرف بھی عمارت کے نیچے حصے میں دوکانیں تعمیر ہوئی ہیں، اوپر کے حصے میں لڑکیاں تعلیم حاصل کرتی ہیں، دکھن کی جانب نیچے کے حصے میں کمروں کے ۶-۷ دروازے صحن کی طرف کھلے ہوئے ہیں، مدرسہ کے صحن کی باؤنڈری بنی ہوئی ہے اور فرش صحن بھی، یہ مدرسہ بستی کے عالموں بزرگوں اور معزز لوگوں نے مل کر قائم کیا تھا، بستی کے معزز لوگ برابر اس کا انتظام کرتے چلے آرہے ہیں، مدرسہ کے قریب پہلے ایک چھوٹی مسجد قائم تھی جس کو بزرگوں نے دائیں بائیں بڑھا کر بستی کی جامع مسجد قائم کردی تھی، اب بھی یہ جامع مسجد ہی ہے، اس کی حد بندی بھی قائم کردی تھی، اس کے دروازے اور دیواریں پرانی قائم ہیں، اب جب کہ مدرسہ کی ایک لمبی چوڑی اوپر نیچے مستقل عمارت ہے اور دوکانیں بھی تعمیر ہیں، مدرسہ کی ضرورت کی وجہ سے مدرسہ کے ذمہ دار صحن میں دوکانیں تعمیر کرا کر اس کا کرایہ مدرسہ کے خرچ میں لگانا چاہتے ہیں، کچھ لوگ تنازعہ قائم کر کے اور مسجد کی ملکیت بتا کر تعمیر میں رکاوٹ ڈالنا چاہتے ہیں، اسی صحن سے جو دروازہ اوپر کی منزل پر جارہا ہے اس پر مدرسہ کا کمرہ بنا ہوا ہے، جس پر دار التحفیظ اور تجوید لکھا ہوا ہے، ایسی صورت میں کیا تعمیر میں رکاوٹ ڈالنا درست ہوگا؟ مدرسہ میں ضرورت کے مطابق برابر تعمیر کا سلسلہ چلا آرہا ہے، کسی کو آج تک تعمیر کے بارے میں کوئی اعتراض نہیں ہوا ہے۔

نوٹ: مدرسہ کے اسی صحن میں بزرگوں نے مسجد کی ضرورت کی وجہ سے پانی گرم کرنے کے

لئے سردیوں میں صرف کھوئی کے لئے ایک کولھولگوا دیا تھا، جب کہ یہ پورا صحن برابر بچوں کی تعلیم کے لئے استعمال ہوتا رہا ہے۔

المستفتی: احقر شمیم الحسن، سکریٹری مدرسہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد شیر کوٹ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ہمارے ہندوستان میں مکان اور دوکان وغیرہ جب کرایہ پر دئے جاتے ہیں تو کرایہ دار کو عملاً مالکانہ حیثیت حاصل ہو جاتی ہے، جب وقف شدہ زمین میں دوکان بنا کر کرایہ پر دے دی جائے گی تو وقف کے تقاضہ کے مطابق اس کی حیثیت مکمل طور پر باقی نہیں رہتی؛ بلکہ عملاً کرایہ داری کی ملکیت میں منتقل ہو جاتی ہے؛ اس لئے وقف شدہ میں دوکان یا مکان بنا کر کرایہ پر دینا درست نہیں، ہاں اس مسجد یا مدرسہ کی توسیع کر دی جائے یا طلبہ کے لئے قیام گاہ بنا دیا جائے تو وقف کا تقاضہ مکمل طور سے باقی رہتا ہے؛ اس لئے جائز ہے۔ اور یہ بھی یادرکھنا چاہئے کہ وقف کی حیثیت اور ہے اور وقف کی ملکیت کی حیثیت بالکل دوسری ہے، وقف کا مطلب یہ ہے کہ اس کو بیچنا اور اس کا تبادلہ کرنا جائز نہیں ہے۔ اور وقف کی ملکیت کا مطلب یہ ہے کہ وقف کی آمدنی کے لئے اس کو بیچنا اور منافع کی غرض سے اس کو تبدیل کرنا اور آمدنی کے لئے اس کو کرایہ پر دینا جائز ہے۔ اور مذکورہ زمین کے بارے میں یہ وقف کی ملکیت ہے یا خود وقف شدہ ہے، کوئی صراحت نہیں ہے؛ اس لئے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پوری زمین جس پر مسجد اور مدرسہ دونوں بنے ہوئے ہیں اور اس سے ملحقہ خالی زمین پوری کی پوری وقف ہے، نہ کہ وقف کی ملکیت ہے۔ اور وقف کی ملکیت ہونے کے لئے ثبوت ہونا چاہئے، نہ مسجد کے پاس اس سلسلہ میں کاغذی ثبوت ہے اور نہ ہی مدرسہ کے پاس؛ اس لئے یہ زمین وقف شدہ تسلیم کی جائے گی نہ کہ وقف کی ملکیت جس میں دوکانیں بنا کر کرایہ پر دینا درست نہ ہوگا۔ اور درسگاہ، کمرہ بنانا درست ہوگا؛ لہٰذا وقف شدہ زمین میں جو دوکانیں پہلے سے بن گئی ہیں، ان کو بھی مسجد اور مدرسہ میں شامل کر لینا چاہئے۔

قيـم المسجد إذا أراد أن يبنى حوانيت في حد المسجد، أو في فنائه لا يجوز. (الـفتـاوى التـاتـارخـانية، كـوئـٹـه ٥/ ٨٦٠، زكريا ٨/ ١٧٩٨، رقم: ١١٥٦٣، الـمـحيط البرهاني، المجلس العلمي ٩/ ١٣٧، رقم: ١١٣٨٢، هندية، زكريا قديم ٢/ ٤٦٢، جديد ٢/ ٤١٣، البحرالرائق، كوئٹه ٥/ ٢٤٩، زكريا ٥/ ٤١٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۰۸۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۶/۱۳ھ

مدرسہ کی رقم مسجد یا مسجد کی رقم مدرسہ کو بطور قرض دینا

سوال [۸۵۱۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مدرسہ کے روپیہ کو قرض کے طور پر لے کر مسجد میں اور مسجد کے روپئے کو قرضہ لے کر مدرسہ میں لگا سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: محمد افتخار بہرائچی، متعلم مدرسہ شاہی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر قرض وصول ہونے کا مکمل اعتماد ہو اور اس کے ضائع ہونے کا اندیشہ نہ ہو تو کمیٹی اور ذمہ داروں کے مشورہ سے مسجد کی رقم مدرسہ کو اور مدرسہ کی رقم مسجد کو بطور قرض دینے کی گنجائش ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ ۱/۴۹۱، ڈابھیل ۱۵/۴۷)

للمتولي إقراض مال المسجد بأمر القاضي. (شامي، كتاب القضاء، مطلب للقاضي اقراض مال اليتيم ونحوه، زكريا ٨/ ١١١، كراچی ٥/ ٤١٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍ جمادی الثانیہ ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۳۳۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۸/۶/۱۰ھ

مدرسہ کے تہہ خانہ میں آمدنی کی خاطر ''کار پارکنگ'' بنانا

سوال [۸۵۱۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مسجد سے متصل دینی مدرسہ (دارالاقامہ) کے لئے ایک صاحب خیر نے زمین خرید کر وقف کردی، جس پر فی الوقت تعمیری کام چل رہا ہے۔ مذکورہ مسجد کافی بڑی وسیع ہے، جمعہ اور ہفتہ واری تبلیغی اجتماع میں مجمع کثیر ہوتا ہے، مسجد کی انتظامی کمیٹی یہ چاہتی ہے کہ مدرسہ کی وقف شدہ زمین کا گراؤنڈ فلور (نچلا حصہ مسجد کے لئے چھوڑ دیا جائے، تاکہ اجتماعات اور جمعہ کے دن آئے ہوئے مصلیوں کو پارکنگ کی سہولت ہو۔ اور سڑک اور راستہ پر پارکنگ کی وجہ سے عوام کو تکلیف بھی نہ ہو۔ کیا مدرسہ کی انتظامی کمیٹی کو شرعاً اس بات کا حق ہوگا کہ وہ مدرسہ کی زمین کا نچلا حصہ پارکنگ کے لئے چھوڑ دے اور ہر ماہ اس پر کچھ اجرت لے لے، تاکہ مدرسہ کا کچھ فائدہ بھی ہوجائے اور مصلیوں اور عوام کو سہولت ہوجائے۔

ایسے ہی مدرسہ کا وضوخانہ، مسجد کے مصلیوں کے لئے استعمال کرنے کی اجازت ہوگی یا نہیں؟ شرعی اعتبار سے مدرسہ کی زمین مسجد کے کن کن کاموں میں استعمال ہوسکتی ہے؟ اور اس کی کیا صورتیں ہوسکتی ہیں؟ بینوا توجروا

المستفتی: محمد حنیف خان امام وخطیب جامع مسجد محمدی شاہ پورنگر وناظم مدرسہ الانصار شاہ پورنگر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب مذکورہ زمین مدرسہ ہی کے لئے وقف کی گئی ہے، تو وہ زمین مدرسہ کے مفاد میں ہی مستعمل ہونی ضروری ہے؛ لہٰذا اگر نیچے پارکنگ بنادیں اور ملکیت مدرسہ کی رہے اور اس سے مدرسہ کو کرایہ کے ذریعہ سے آمدنی ہو اور اوپر کی منزلوں میں مدرسہ کی توسیع ہوتی رہے، تو ایسا کرنا شرعاً جائز اور درست ہے؛ لیکن اس میں مدرسہ کی انتظامیہ کی رضامندی بھی لازم ہے۔

وإذا أراد أن يبني فيها بيوتا ليستغلها بالإجازة –إلى– إن كانت

أرض الوقف متصلة ببيوت المصر يرغب في استئجار بيوتها، وتكون غلة ذلك فوق غلة الأرض، والنخيل كان له ذلك. (الفتاوى التاتارخانية، الفصل السابع في تصرف القيم، كوئٹه ٥/ ٧٤٦، زكريا ٨/ ٦٣، رقم: ١١٢١٥، المحيط البرهاني، المجلس العلمي ٩/ ٢٤، رقم: ١١٠١٩، البحرالرائق، كوئٹه ٥/ ٢١٦، زكريا ٥/ ٣٦١، مجمع الضمانات ١/ ٣٣١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍ ذی قعدہ ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۰۸۵۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۹/ ۱۱/ ۱۴۳۳ھ

مدرسہ میں ووٹ ڈالنے کی مشین لگانا

سوال [۸۵۱۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارا مدرسہ اسلامیہ عربیہ موندھا ائمہ جو ایک طویل عرصہ سے خالص دینی تعلیم دیتا رہا ہے، اس میں نہ آج تک دینی تعلیم کے علاوہ کوئی تعلیم ہوئی ہے اور نہ سرکار سے آج تک اس کے لئے کوئی مدد لی گئی ہے، نیز یہ ہمارے گاؤں کے قبرستان کے احاطہ میں واقع ہے، اس صورت حال میں سیاسی انتخابات اس کے حدود میں کرانا جائز ہے یا نہیں؟ ہمیشہ کی روایت یہی رہی ہے کہ ووٹ سرکاری اسکول کی آراضی میں ڈالے جاتے تھے، یہ پہلی مرتبہ ہے کہ کچھ لوگ مدرسہ کے حدود میں ووٹ ڈلوانا چاہتے ہیں۔

المستفتی: مولانا مرغوب احمد، مہتمم مدرسہ اسلامیہ عربیہ موندھا ائمہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مدرسہ کا کوئی مفاد اس معاملہ میں وابستہ نہیں ہے، تو اہل مدرسہ سیاسی ذمہ داروں سے اپنا عذر پیش کر دیں کہ مدرسہ صرف دینی تعلیم گاہ ہے؛ اس لئے سیاسی انتخاب مدرسہ میں نہ کیا جائے، کسی دوسری جگہ اس کا انتظام کیا جائے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۱۲/ ۲۱۳، جدید میرٹھ ۲۳/ ۱۳۲)

شرط الواقف كنص الشارع في وجوب العمل به، وفي المفهوم والدلالة. (قواعد الفقه، أشرفي ص: ۸۵، رقم: ۱۵۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱؍ربیع الثانی ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۳۹۷۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۱/۴/۱۴۱۵ھ

احاطۂ مدرسہ میں قربانی کرنے سے روکنا

سوال [۸۵۱۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید ایک مدرسہ کا ذمہ دار ہے، بکر زید کے مدرسہ کا تعاون کرتا ہے اور اس مدرسہ میں سالہا سال سے ایک سلسلہ چلتا آرہا ہے، وہ یہ کہ ہر سال قربانی کے موقع پر لوگوں کو احاطہ مدرسہ میں قربانی کرنے کی اجازت دے کر منتظمین مدرسہ اہل قربانی سے مدرسہ کے مستحق طلبہ کے لئے چرم قربانی وصول کرتے ہیں، چنانچہ اس مرتبہ بکر اس مدرسہ کے احاطہ میں اپنے بیسیوں جانور قربانی کرنا چاہتا ہے؛ لیکن وہ چرم قربانی مدرسہ کو دینا نہیں چاہتا، اس پر زید نے بکر کو احاطہ مدرسہ میں قربانی کرنے سے منع کر دیا، اب پوچھنا یہ ہے کہ مذکورہ صورت میں زید کا بکر کو احاطہ مدرسہ استعمال کرنے کی اجازت نہ دینا شرعاً درست تھا یا نہیں؟

المستفتی: بندہ محمد فاروق ندوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید کا احاطہ مدرسہ میں بکر یا دیگر لوگوں کو قربانی کرنے سے منع کر دینا صحیح اور درست ہے؛ اس لئے کہ قربانی کی اجازت دینے میں مدرسہ کا کوئی فائدہ نہیں ہے اور پہلے جو اجازت دیتے تھے وہ اس وجہ سے تھا کہ مدرسہ کو کھال کا فائدہ ہوتا تھا، اور اب کھال کا فائدہ نہیں ہے؛ اس لئے اب اجازت نہ دینا صحیح ہے؛ کیوں کہ مدرسہ ذمہ دار کی ملکیت نہیں ہوتا ہے؛ بلکہ ذمہ دار مدرسہ کا منتظم ہوتا ہے۔ اور منتظم کے لئے ہر معاملہ میں مدرسہ کا فائدہ پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔

ویؤجر بأجر المثل، فلا یجوز بالأقل. (الدرالمختار مع رد المحتار، مطلب لا یصح ایجار الوقف بأقل من أجرة المثل، زکریا ٦/ ٦٠٨، کراچی ٤/ ٤٠٦، هندیة، زکریا قدیم ٢/ ٤١٩، جدید ٢/ ٣٨٧، مجمع الأنهر، دارالکتب العلمیة بیروت ٣/ ٥١٤، مصري قدیم ٢/ ٣٦٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷ ربیع الاول ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۰۱۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۷/۳/۱۴۳۴ھ

مدرسہ کی عمارت اسکول کے لئے کرایہ پر دینا

سوال [۸۵۱۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جامعہ عربیہ شمس العلوم کی عمارت جونیر ہائی اسکول کے لئے کرایہ پر دی جاسکتی ہے یانہیں؟ جب کہ چندہ دینے والوں نے دینی تعلیم کے لئے چندہ دیا تھا، کچھ درسگاہیں مستقل طور پر صرف ایک ایک آدمی نے قرآن حکیم کی تعلیم کے لئے تعمیر کرائیں، جن پر ان کے نام کی تختیاں بھی لگی ہوئی ہیں، جونیر ہائی اسکول متعلقہ مدرسہ شمس العلوم کو مدرسہ سے الگ کرنے کا فیصلہ مجلس شوریٰ مدرسہ ہذا نے کرلیا ہے، فی الوقت علیحدہ مستقل عمارت کا نظم دشوار ہے؛ لہٰذا ایسی صورت میں جونیر ہائی اسکول کو مدرسہ کی عمارت میں کرایہ پر لے کر چلایا جاسکتا ہے یانہیں؟ جب کہ بالغ لڑکے اور لڑکیاں مخلوط تعلیم حاصل کرتی ہیں؟

المستفتی: محمد یوسف قاسمی، خادم جامعہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب کہ چندہ دہندہ نے دینی تعلیم ہی کی شرط وغرض سے چندہ دیا ہے، یا درسگاہ بنادی ہے، تو ذمہ داران جامعہ عربیہ شمس العلوم پر واجب ہے کہ مذکورہ چندہ و درسگاہوں کو دینی تعلیم ہی میں استعمال کریں، اور غرض واقف کے خلاف جونیر ہائی

اسکول یا یونیورسٹی وغیرہ کی دنیاوی تعلیم کی اعانت اور کرایہ پر دینا ہرگز ہرگز جائز نہیں ہوگا، مدارس میں شریک ہونے والے سب گناہ کبیرہ اور خیانت کے مرتکب ہوں گے۔ اور جو نیر کو کرایہ پر دینے میں عمارتوں کے جامعہ کے ہاتھ سے نکلنے اور دیگر ناجائز فائدہ اٹھانے کا بھی سخت خطرہ ہے۔

القضاء بخلاف شرط الواقف، كالقضاء بخلاف النص لقول العلماء: شرط الواقف كنص الشارع. الخ (الأشباه والنظائر، قديم ص: ١٠٧، شامي، الوقف، مطلب في قولهم شرط الواقف كنص الشارع، زكريا ٦/ ٦٤٩، كراچی ٤/ ٤٣٣)

صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة. الخ (شامي، الوقف، مطلب مراعاة غرض الواقفين واجبة، كراچی ٤/ ٤٤٥، زكريا ٦/ ٦٦٥)

نیز بالغ لڑکے ولڑکیوں کی مخلوط تعلیم دنیاوی کے لئے کرایہ پر دینے میں اعانت علی المعصیہ ہونے کی وجہ سے خود چندہ دہندہ اور درسگاہ وعمارت بنوانے والے کو بھی اس کی اجازت نہیں ہے۔

لقوله تعالیٰ: وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ. [المائدة: ٢] فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱؍ ذیقعدہ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۸۲/۲۴)

مدرسہ میں بارات رکانا

سوال [۸۵۱۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک دینی مدرسہ ہے، جہاں قرآن کی تعلیم ہوتی ہے، حفظ وناظرہ کے بچے پڑھتے ہیں؛ لیکن کچھ مواقع ایسے آتے ہیں کہ بیاہ شادیوں میں مدرسہ کے اندر بارات کو ٹھہرایا جاتا ہے،

اس میں بارات کے لوگ غیر شرعی کام کرتے ہیں، جیسے جوتے سمیت اندر چلنا پھرنا، بیڑی سگریٹ پینا، جیتی گھٹکے کھانا، بے ہودہ باتیں کرنا، اندر بیٹھ کر تاش کھیلنا، ایک دوسرے کا فوٹو کھینچنا، کیا ایسی صورت میں بارات کو مدرسہ کے اندر ٹھہرانا درست ہوگا یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب تحریر فرمائیں، عین کرم ہوگا۔

المستفتی: امام مسجد عمران بیگ، مدرسہ ہذا

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حدود مدرسہ کے اندر وہ تمام منکرات جو سوال نامہ میں درج ہیں، مثلاً تاش کھیلنا، فوٹوں کھینچنا وغیرہ منکرات قابل نکیر ہیں، ایسی چیزوں سے مدرسہ کو پاک رکھنا ضروری ہے؛ لہٰذا جس بارات میں اس قسم کے خرافات ومنکرات ہوں، انہیں مدرسہ میں ٹھہرنے کی اجازت نہ دی جائے۔ اوراگر اس قسم کے خرافات نہ ہوں اورمدرسہ کے مصالح اس سے متعلق ہوں، نیز تعلیمی نقصان بھی نہ ہوتو اجازت ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۱۲/۲۱۳، جدید ڈابھیل ۱۵/۵۲۲)

عن جابر –رضي الله عنه– قال: نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن الصورة في البيت، ونهى أن يصنع ذلك. (ترمذی شریف، باب ماجاء في الصورة، النسخة الهندية ۱/ ۳۰۵، دارالسلام، رقم: ۱۷٤۹)

وعن ابن عباس –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من صور صورة عذبه الله حتى ينفخ فيها، يعني الروح، وليس بنافخ فيها. (ترمذي شريف، باب ماجاء في المصورين، النسخة الهندية ۱/ ۳۰۵، دارالسلام، رقم: ۱۷۵۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم جمادی الاولیٰ ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۳۵۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱/۵/۱۴۲۵ھ

مدارس عربیہ کی بالائی منزل پر جونیر کی تعلیم دینا

سوال [۸۵۱۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: دینی عربی مدرسہ جس کا قیام دینی تعلیم کے لئے ہوا تھا، جس میں ابتداء ہی سے درجہ پنجم تک پرائمری تعلیم بھی تھی، عرصہ دراز کے بعد اس میں جونیر کی تعلیم کے لئے کچھ پیسہ نرائن دت تیواری جی کے ذریعہ سرکاری طور پر لے کر چند کمرے مدرسہ کی تیسری منزل پر بنا دئے گئے ہیں اور جونیر کی تعلیم شروع کردی گئی ہے، ان حالات میں زکوۃ، صدقات وغیرہ کی رقم حیلۂ تملیک کے بعد مذکورہ تعلیمات پر خرچ کی جاسکتی ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد یوسف قاسمی جامعہ عربیہ شمس العلوم، کاشی پور، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ حالات میں جونیر کی تعلیم کے لئے زکوۃ وصدقات کی رقم کا حیلۂ تملیک کرنا شرعاً جائز نہیں ہوگا، اس میں شریک ہونے والے سب خائن اور گنہگار ہوں گے؛ کیوں کہ حیلۂ تملیک صرف خالص دینی امور میں شدت ضرورت کی بنا پر جائز قرار دیا گیا ہے اور جونیر دینی امور میں شامل نہیں ہے۔ اور پرائمری دینی مدارس کے تابع ہے اور جونیر مستقل ہے۔

فذهب علمائنا رحمهم الله أن كل حيلة يحتال بها الرجل لإبطال حق الغير، أو لإدخال شبهة فيه، أو لتمويه باطل، فهو مكروهة، وفي العيون، وفي جامع الفتاوى: لا يسعه ذلك. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الحيل، الفصل الأول، زكريا ١٠/ ٣١١، رقم: ١٤٨٤٥، هندية، زكريا قديم ٦/ ٣٩٠، جديد ٦/ ٣٩٣)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ر ذی الحجہ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۰۳۶)

گرام سماج کی زمین پر مدرسہ کی رقم سے دوکان بنانا

سوال [۸۵۱۹]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) ایک آراضی جوقبرستان سے ملحق ہے؛ لیکن قبرستان میں شامل نہیں ہے، جس کے مقدم میں روڈ ہے؛ لہٰذا دیگر شخص اس پر قابض بھی نہیں ہوسکتا ہے، جس سے کوڑی وغیرہ کا کام لیا جارہا تھا، آج تک نہ تو اس میں کوئی قبر بنائی گئی ہے اور نہ ہی اس میں کسی کو دفن کیا گیا ہے، بطور تحقیق معلوم ہوا کہ آراضی گرام سماج کی ہے، جس میں مدرسہ کی رقم سے مفاد مدرسہ کو مدنظر رکھتے ہوئے دوکانوں کی بنیاد اندازی کردی گئی ہے، تو یہ شریعت کی روشنی میں جائز ہے یا نہیں؟

(۲) اوراس بنیاد پر مدرسہ کی رقم سے دوکانوں کی تعمیر کر کے مدرسہ کی ملکیت میں شامل کرنا کیسا ہے؟ جائز ہے یا نہیں؟

(۳) اوراسی جگہ پر بطور چندہ دوکانوں کا تعمیر کرنا اوران دوکانوں کی آمدنی کو مدرسہ اور قبرستان میں خرچ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: شمشاد عالم، فیض العلوم موضع لانیا کھیڑ، پوسٹ بڈھن پور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قبرستان سے ملحق زمین جوقبرستان میں شامل نہیں ہے اور تحقیقات سے معلوم بھی ہوگیا ہے کہ یہ گرام سماج کی زمین ہے، تو ایسی زمین میں مدرسہ کی رقم سے دوکانوں کی جو بنیاد رکھی گئی ہے، ان کا جواز گرام سماج کی اجازت پر موقوف ہے؛ کیوں کہ گرام سماج اس کا مالک ہے؛ لہٰذا گرام سماج اگر اجازت دے دے تو جائز ہوگا، ورنہ نہیں۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۸/۴۶۱)

نیز مدرسہ کی رقم سے دوکانوں کی تعمیر کرنا اس وقت جائز ہوگا، جب کہ چندہ دہندگان کو کوئی اعتراض نہ ہو۔ اور گرام سماج کی اجازت بھی ہو۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۱۰/ ۲۳۶، جدید ڈابھیل ۱۵/ ۵۹۵)

پھر مدرسے کی آمدنی کے پیش نظر بطور چندہ دوکانوں کی تعمیر کرانا بھی گرام سماج کی اجازت پر موقوف ہوگا، اگر گرام سماج اجازت دے دے تو اس کی آمدنی مدرسہ اور قبرستان میں خرچ کرنا جائز ہوگا۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۸/ ۴۶۱)

عن أبي حرة الرقاشي، عن عمه، أن رسول الله ﷺ قال: لا يحل مال رجل مسلم لأخيه، إلا ما أعطاه بطيب نفسه. (السنن الكبرى للبيهقي، باب أهل البغي إذا فاؤا ...... دارالفكر ١٢/ ٣٥٢، رقم: ١٧٢٢٤)

الوكيل إنما يستفيد التصرف من الموكل، وقد أمره بالدفع إلى فلان، فلا يملك الدفع إلى غيره. (شامي، كتاب الزكوة، زكريا ٣/ ١٨٩، كراچی ٢/ ٢٦٩، شرح المجلة رستم، مكتبه اتحاد ٢/ ٤٧٧، رقم المادة: ١٤٥٧)

صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة. (شامي، الوقف، مطلب مراعاة غرض الواقفين واجبة۔ زكريا ٦/ ٦٦٥، كراچی ٤/ ٤٤٥)

شرط الواقف كنص الشارع في وجوب العمل به، وفي المفهوم والدلالة. (قواعد الفقه أشرفي، ص: ٨٥، رقم: ١٥٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳ محرم الحرام ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۴۱۵)

مسجد کے لئے مدرسہ سے قرض لینا

سوال [۸۵۲۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید ایک مسجد کا امام ہے اور مسجد کے اندر کام کرانے کی وجہ سے رقم مدرسہ سے بطور قرض لے کر وہ کام کرادیا، یا مدرسہ نے مسجد سے بطور قرض لے کر اینٹ یا روپیہ یا فرش یا دیوار وغیرہ میں صرف کردیا، تو اس صورت میں قرض لینا مسجد یا مدرسہ کو جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد عمران الحق، خادم معارف القرآن، گڑھی بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر قرض وصول ہونے کا اعتماد ہو ضائع ہونے کا احتمال نہ ہو تو منتظمہ کمیٹی کے مشورہ سے مسجد کے لئے مدرسہ سے قرض لینا اور مدرسہ کے لئے مسجد سے قرض لینا درست ہے، تنہا امام کو حق نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۱/۴۹۱، ڈابھیل ۱۵/۵۰۴)

للمتولي إقراض مال المسجد بأمر القاضي. (شامي، كتاب القضاء، مطلب للقاضي إقراض مال اليتيم و نحوه، زكريا ۸/ ۱۱۱، كراچی ۵/ ۴۱۷) **فقط واللہ** سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/ ذیقعدہ ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۸۴۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۱۱/۱۳ھ

مدارس کی رقم تجارت کے لئے دینا

سوال [۸۵۲۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک کمپنی شہر کی مساجد ومدارس کو دعوت دیتی ہے، کہ آپ ہماری کمپنی میں حصہ داری کریں، اگر آپ (مساجد ومدارس کے ذمہ دار) ہماری کمپنی میں ایک لاکھ روپیہ سرمایہ لگاتے ہیں، تو کمپنی دو ماہ کے بعد ہر ماہ ۷ سے ۸/ ہزار روپئے منافع کی شکل میں دے گی، جس کا معاہدہ سات سال کا ہوگا، سات سال تک کمپنی ۸/ ہزار، ۷/ ہزار روپئے مہینہ کے حساب سے تقریباً ۸۴/ ہزار سے ۹۶/ ہزار روپئے تک کا منافع ایک سال میں ادا کرے گی، اس طرح سات سال میں ۵/ لاکھ ۸۸/ ہزار سے ۶/ لاکھ ۷۲/ ہزار روپئے تک کمپنی مساجد ومدارس کو ادا کرے گی اور مدارس ومساجد کا ابتداء میں جمع کیا ہوا اصل سرمایہ اپنی جگہ قائم رہے گا، اور اگر ان سات سال میں کمپنی کو نقصان ہوتا ہے، تو وہ نقصان صرف کمپنی برداشت کرے گی، اس نقصان میں سے مساجد ومدارس کو کوئی نقصان برداشت نہیں کرنا پڑے گا، تو کیا اس طرح

مساجد ومدارس کا کسی تجارتی کاروبار میں سرمایہ لگا کر منافع کمانا درست ہے؟ شریعت کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں۔

المستفتی: مولوی محمد الطاف کرن احمد نگر، مہاراشٹر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مساجد ومدارس کی رقم متولی اور مہتمم کے پاس امانت ہوتی ہے اور امانت میں امین کی منشا کے خلاف تصرف کرنا جائز نہیں؛ لہٰذا مساجد ومدارس کی رقم تجارت کے لئے دے کر اس سے منافع حاصل کرنا جائز نہیں۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ ۱۵/ ۲۸۹، ڈابھیل ۱۵/۵۰۲)

ولا يجوز للقيم شراء شيء من مال المسجد لنفسه، ولا البيع له، وإن كان فيه منفعة ظاهرة للمسجد –إلى– ليس للمتولي إيداع مال الوقف والمسجد إلا ممن في عياله، ولا إقراضه، فلو أقرضه ضمن. (البحر الرائق، كتاب الوقف، كوئٹه ٥/ ٢٣٩، زكريا ٥/ ٤٠١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۱۷۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۵/۲۶ھ

الفصل الثامن: في المشاهرة (تنخواہ)

کیا مہتمم مدرسین کے مقابلہ میں دوگنی تنخواہ لے سکتے ہیں؟

سوال [۸۵۲۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کیا دور حاضر میں مہتمم مدرسہ مدرس اعلیٰ سے دوگنی تنخواہ لے سکتا ہے، جب کہ وہ دن رات مدرسہ کے لئے جدوجہد کرے؟

المستفتی: عبداللہ عاصی، جامعہ اسلامیہ دارالعلوم قاضی باغ کاشی پور، ادھم سنگ نگر (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مدرسہ کا مہتمم مطلقاً مدرس اعلیٰ سے دوگنی تنخواہ نہیں لے سکتا؛ بلکہ اپنے کام اور خدمت کے بقدر جتنا مجلس شوریٰ نے مقرر کردیا ہے اتنا ہی لے گا۔

عن عبدالله بن عمرو بن عوف المزني، عن أبيه، عن جده أن رسول الله ﷺ قال: الصلح جائز بين المسلمين إلا صلحا حرم حلالا، أو أحل حراما، والمسلمون على شروطهم، إلا شرطا حرم حلالا، أو أحل حراما. (سنن الترمذي، أبواب الأحكام، باب ما ذكر عن رسول الله ﷺ في الصلح بين الناس، النسخة الهندية ١/ ٢٥١، دارالسلام، رقم: ١٣٥٢، المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي بيروت ١٧/ ٢٢، رقم: ٣٠، سنن الدارقطني، كتاب البيوع، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ٢٣، رقم: ٢٨٦٩، المستدرك للحاكم، كتاب الأحكام، مكتبه نزار مصطفى الباز، بيروت ٧/ ٢٥٢٣، رقم: ٧٠٥٩، قديم ٤/ ١٠١)

إن للمتولي أجر مثل عمله، وفي الشامية: ليس للمتولي أخذ زيادة على ما قرره له الواقف. (درمختار مع الشامي، كتاب الوقف، مطلب فيما يسمى خدمة وتصديقا في زماننا، كراچی ٤/ ٤٥١، زكريا ٦/ ٦٧٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲/۳/۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۶۵۱۵/۳۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲/۳/۱۴۲۱ھ

موجودہ دور میں تنخواہ میں زیادتی کا مطالبہ کرنا

سوال [۸۵۲۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مساجد کے ائمہ کرام اور مدارس کے معلمین کرام ان بے چاروں کو امامت وتعلیم کے بعد اتنا وقت نہیں ملتا کہ وہ کچھ اور کر کے اپنے اخراجات کی تکمیل کرسکیں؛ کیوں کہ انہیں اپنے کام کی تنخواہیں بہت کم ملتی ہیں؛ لہٰذا وہ اپنے گذارے اور اہل خانہ کے اخراجات کے لئے کیا شکل اختیار کریں، اگر یہ لوگ تنخواہ میں اضافہ کی مانگ کریں تو لوگ ان کو بدنام کرتے ہیں کہ یہ اپنے منہ سے تنخواہ مانگتے ہیں، آج کل اس طرف سے بڑی غفلت برتی جارہی ہے، ہزار آٹھ سو روپیہ ماہانہ مشکل سے ملتا ہے، اس میں بھی ہفتہ دو ہفتہ کی تاخیر ہوجاتی ہے؛ لہٰذا شریعت کی رو سے آج کے اس مہنگائی کے زمانہ میں ان کی تنخواہ کیا ہونی چاہئے؟ شریعت کا اس بارے میں کیا حکم ہے؟ اس کے مدنظر عوام الناس ان حضرات کو رمضان المبارک میں نذرانہ وہدیہ دیتے ہیں، تاکہ اس قلیل اور کم تنخواہ کی بھرپائی ہوسکے، تاکہ یہ بے چارے بھی اپنے اور اپنے اہل وعیال کے اخراجات کو پورا کرسکیں اور اطمینان اور سکون کی زندگی گذار سکیں؛ لیکن نیم ملا نے نئے نئے فتوی لے کر اس کی بھی مخالفت کی؟

المستفتی: منجانب اتحاد المسلمین گھر کون، ایم پی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: موجودہ زمانہ کی گرانی اور مہنگائی سب کے سامنے ہے، ہزار بارہ سو روپیہ، دو ہزار روپیہ ضروریات زندگی کے کسی ایک پہلو کو پورا کرنے کے لئے کافی نہیں، جس کے گھر میں دو چار بچے ہوں تو ہزار بارہ سو روپیہ کا دودھ تو یہی بچے پی لیتے ہیں؛ اس لئے مہنگائی اور گرانی کے اعتبار سے مدارس کے تمام مدرسین، ملازمین اور ائمہ مساجد کی تنخواہیں بڑھنی لازمی ہے، نیز جو اساتذہ باصلاحیت، محنتی اور تجربہ کار ہیں، ان کی تنخواہیں دوسروں کے مقابلہ میں نمایاں طور پر زائد ہونی چاہئیں، مدارس اسلامیہ کے ذمہ داروں کو اس

معاملہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سنت کو اپنانا چاہئے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی طرح کا قانون بنایا تھا، ملاحظہ فرمائیے:

فلما توفي أبو بكر –رضي الله عنه– واستخلف عمر، فتحت عليه الفتوح، وجاء هم مال أكثر من ذلک، فقال: كان لأبي بكر –رضي الله عنه– في هذا المال رأي، ولي رأى آخر، رأي أبو بكر أن يقسم بالسوية، ورأيت أن أفضل المهاجرين والأنصار، ولا أجعل من قاتل رسول الله صلى الله عليه وسلم كمن قاتل معه، ففضل المهاجرين والأنصار، فجعل لمن شهد بدرا منهم خمسة آلاف، ومن كان له إسلام مع إسلامهم، إلا أنه لم يشهد بدرا أربعة آلاف أربعة آلاف، وللناس على قدر إسلامهم ومنازلهم.

(شرح معاني الآثار، كتاب وجوه الفيء، بيروت ۳/ ۲۲۸، رقم: ٥٣١٤)

فلما كان عمر بن الخطاب –رضي الله عنه– وجاء الفتوح فضل، وقال: لا أجعل من قاتل مع غير رسول الله ﷺ كمن قاتل، ففرض لأهل السوابق والقدم من المهاجرين والأنصار ممن شهد بدرا أو لم يشهد بدرا أربعة آلاف درهم، وفرض لمن كان إسلامه كإسلام أهل بدر دون ذلک أنزلهم على قدر منازلهم من السوابق انتهى. وفي القنية: من باب ما يحل للمدرس والمتعلم كان أبوبكر –رضي الله عنه– يسوى بين الناس في العطاء من بيت المال، وكان عمر –رضي الله عنه– يعطيهم على قدر الحاجة، والفقه، والفضل، والأخذ بما فعله عمر –رضى الله عنه– في زماننا أحسن. (الأشباه والنظائر، قديم ۱۸۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۶۵۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۵/۲۲ھ

شرط فاسد لگا کر تنخواہ بڑھانا

سوال [۸۵۲۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: گذشتہ ایام ہمارے مدرسہ کی مجلسِ شوریٰ کا اجلاس ہوا، اساتذۂ مدرسہ نے مجلسِ شوریٰ سے یہ درخواست کی کہ مسلسل بڑھتی ہوئی گرانی کے پیش نظر تنخواہوں میں اضافہ کیا جائے، اس درخواست پر شوریٰ نے یہ قرار داد منظور کی کہ اساتذہ کی تنخواہوں میں مبلغ ۳۰۰/روپئے کا اضافہ اس شرط پر کیا جاتا ہے کہ اساتذہ اپنی تنخواہوں کی دو تہائی رقم مدرسہ میں چندہ کر کے جمع کریں، مثلاً اگر کسی استاذ کی سالانہ تیس ہزار ہوتی ہے تو بیس ہزار روپئے جمع کرنا ضروری ہے، اس سے کم چندہ کرنے پر وہ اضافہ کی رقم کا مستحق نہیں ہوگا، جب کہ کسی مدرس کا تقرر چندہ کی شرط پر نہیں ہے؛ بلکہ صرف تعلیم وتدریس کے لئے ہے، نیز دستور مدرسہ میں چندہ کی ذمہ داری اربابِ انتظام کی ہے، تاکہ اساتذہ کی ذمہ داری صرف درس وتدریس رہے۔ آنجناب فرمائیں کہ یہ قرارداد از روئے شرع جائز ہے؟ اور کیا اساتذۂ مدرسہ مجلس شوریٰ سے یہ شرط ختم کرنے کی درخواست کر سکتے ہیں؟

المستفتی: اساتذہ مدرسہ رحمانیہ ٹانڈہ بادلی، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مدارسِ اسلامیہ کے قوانین وضوابط کا سارا مدار ذیل کی حدیث پاک پر ہے:

الصلح جائز بين المسلمين إلا صلحا حرم حلالا، أو أحل حراما، والمسلمون على شروطهم، إلا شرطا حرم حلالا، أو أحل حراما. (سنن الترمذي، أبواب الأحكام، باب ما ذكر عن رسول الله ﷺ في الصلح بين الناس، النسخة الهندية ۱/ ۲۵۱، دارالسلام، رقم: ۱۳۵۲، وهكذا في المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي بيروت ۱۷/ ۲۲، رقم: ۳۰، سنن الدارقطني، كتاب البيوع، دارالكتب

العلمية بيروت ٣/ ٢٣، رقم: ٢٨٦٩، المستدرك للحاكم، كتاب الأحكام، مكتبه نزار مصطفى الباز، بيروت ٧/ ٢٥٢٣، رقم: ٧٠٥٩، قديم ٤/ ١٠١)

اسی حدیث پاک سے دینی اداروں کے قوانین مستنبط ہوتے ہیں۔ سوال نامہ میں اساتذہ کی تنخواہوں میں اضافہ کو امر متردد فیہ کے ساتھ معلق اور مشروط کیا گیا ہے، یہ شرط فاسد ہے، مذکورہ حدیث شریف کی روشنی میں مدارس اسلامیہ کے قوانین مستنبط ہوتے ہیں؛ لیکن اس حدیث میں شرط فاسد اور ناجائز شرط لگانے کی ممانعت بھی موجود ہے؛ اس لئے مجلسِ شوریٰ نے تنخواہوں میں اضافہ کے لئے اساتذہ پر جو شرط رکھی ہے وہ ناجائز اور ممنوع شرط ہے، اسے ختم کرنا ضروری ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ ربیع الاول ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۲۹۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۶/ ۳/ ۱۴۲۵ھ

سائنس سے انٹر پاس اور ہندی کے مدرس کو گورنمنٹ سے تنخواہ دلانا

سوال [۸۵۲۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: گورنمنٹ نے ان دینی مدارس کے لئے جو گورنمنٹ سے منظور شدہ ہیں، ہر ایسے مدرسہ کے لئے ایک مدرس کی تنخواہ تین ہزار روپیہ ماہوار دینے کا اعلان کیا ہے، جو سائنس سے انٹر پاس ہو اور ہندی کا مدرس ہو، مذکورہ مدرس کو گورنمنٹ کی جانب سے تنخواہ دلانے میں کیا مضائقہ ہے؟ اگر مضائقہ ہے تو تفصیل سے روشنی ڈالیں۔

المستفتی: مہتمم مدرسہ ضیاء الاسلام ٹانڈہ رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اکابر دار العلوم اور مظاہر علوم اور اکابر شاہی کی ہدایت ہے کہ حکومت کی طرف سے کوئی تعاون نہ لیا جائے، اگر سرکاری تنخواہ کے ساتھ مدرس رکھا جائے گا تو بعد میں ممکن ہے کہ سرکار کی طرف سے مداخلت کا سلسلہ شروع ہو جائے، یہی مضائقہ

ہے، نیز ایک مضائقہ اور بھی ہے کہ سرکار کی طرف سے ایک مدرس کا اعلان ہے اور منجانب مدرسہ چار پانچ امیدوار کی شکل میں کھڑے ہیں، ان میں آپس میں اختلافات وتنازعات کا سلسلہ شروع ہوجائے ،بعض جگہ ایک جگہ کے امیدوار دو شخص ہوگئے اور دونوں کی برادری اور خاندانی دوفریق بن گئے اور ممبران شوریٰ میں بھی دوفریق ہوگئے ،جس کے نتیجہ میں ماحول میں ایک طوفان سابرپا ہوگیا، جانبین میں سخت گرما گرمی ہوگئی ،کئی مہینہ تک یہ سلسلہ جاری رہا، یہ دوسرا مضائقہ ہے؛ اس لئے منجانب سرکار تنخواہ دار ملازم مدرسہ میں نہ رکھا جائے۔ (مستفاد: امدادالمفتیین / ۱۰۱۹)

قال اللہ تعالیٰ: وَعَسَى اَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَكُمْ وَعَسَى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَكُمْ. [سورة البقرة، آيت: ۲۱۶] فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۵ / جمادی الاولیٰ ۱۴۲۵ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۳۸۵)	۱۴۲۵/۵/۲۵ھ

مدرسہ کے ناظم کا مدرس کی تنخواہ نہ دینا

سوال [۸۵۲۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید ایک مدرسہ کا ملازم ہے، مدرسہ کے ناظم کے پاس بجنور کے اجتماع میں جانے کے لئے چھٹی کی درخواست لے کر گیا، سات مہینے گذرنے کے بعد پہلی چھٹی کی درخواست ہے، جس پر ناظم مدرسہ نے سخت برہمی کا اظہار کیا، ناظم مدرسہ کی سخت کلامی سن کر زید نے اسی وقت استعفیٰ بھیج دیا، اب مدرسہ کے ذمہ زید کی آٹھ دن کی تنخواہ باقی ہے؟ ناظم مدرسہ نے تنخواہ دینے سے انکار کردیا ہے، از روئے شریعت بتائیے ،زید کی تنخواہ مدرسے کے ذمہ واجب ہے یانہیں؟ تنخواہ نہ دینے کی صورت میں ناظم مدرسہ سے قیامت کے دن باز پرس ہوگی یانہیں؟ اور یہ حقوق العباد میں داخل ہے یانہیں؟

المستفتی: رئیس احمد، دڑھیال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس مدرسہ سے متعلق سوال لکھا گیا ہے، اس مدرسہ کا قانون اور ضابطہ کیا ہے؟ معلوم ہوجاتا تو بہتر تھا، اگر اس مدرسہ میں ملازم کے رکھنے اور علیحدہ ہونے سے متعلق کوئی قانون اور ضابطہ پہلے سے بنا ہوانہیں تھا، تو مذکورہ ملازم سوال نامہ میں لکھی ہوئی آٹھ دنوں کی تنخواہ کا مستحق ہے، جن میں اس نے مدرسہ کی خدمت انجام دی ہے اور تنخواہ نہ دینے کی صورت میں ناظم مدرسہ سے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے دربار میں باز پرس ہوگی۔ اور اگر اس مدرسہ میں اس بارے میں کوئی قانون اور ضابطہ بنا ہوا ہے، تو اسی ضابطہ کے مطابق حکم شرعی ثابت ہوگا۔

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ألا ! لا تظلموا، ألا ! لا تظلموا، ألا ! لا تظلموا إنه لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه. (مسند أحمد بن حنبل ٥/ ٧٢، رقم: ٢٠٩٧١، دارقطني، البيوع، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ٢٢، رقم: ٢٨٦٣)

المسلمون على شروطهم، إلا شرطا حرم حلالا، أو أحل حراما. (ترمذي، أبواب الأحكام، باب ما ذكر عن رسول الله ﷺ في الصلح بين الناس، النسخة الهندية ١/ ٢٥١، دارالسلام، رقم: ١٣٥٢، المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي بيروت ١٧/ ٢٢، رقم: ٣٠، دارقطني، كتاب البيوع، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ٢٣، رقم: ٢٨٦٩، المستدرك للحاكم، كتاب الأحكام، مكتبه نزار مصطفى الباز، بيروت ٧/ ٢٥٢٣، رقم: ٧٠٥٩، قديم ٤/ ١٠١)

الأجير الخاص يستحق الأجرة إذا كان في مدة الإجارة حاضرا للعمل. (شرح المجلة، كتاب الإجارة، اتحاد بك ڈپو ديوبند ٦/ ٢٣٩، رقم: ٤٢٥)

الأجرة إنما تكون في مقابلة العمل. (شامي، كتاب النكاح، باب المهر، كراچی ٣/ ١٥٦، زكريا ٤/ ٣٠٧)

لا يجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي.

(شامي، کتاب الحدود، مطلب في التعزیر بأخذ المال، کراچی ٤/ ٦١، زکریا ٦/ ١٠٦، البحر الرائق، کوئٹه ٥/ ٤١، زکیا ٥/ ٦٨، هندیة، زکریا قدیم ٢/ ١٦٧، جدید ٢/ ١٨١)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۳۹۸/۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۵/۴ھ

مقررہ تنخواہ سے کم دینے کا حکم

سوال [۸۵۲۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک مدرس کے تقرر کے وقت مہتمم مدرسہ سے ماہانہ تنخواہ سولہ سو طے ہوتی ہے، پھر رجسٹر میں درج کرنے کی باری آتی ہے تو تنخواہ پندرہ سو روپیہ لکھی جاتی ہے، جب اعتراض کیا گیا تو جواب ملا کہ آپ کو تنخواہ سے مطلب ہے؟ چنانچہ یہ تنخواہ سال کے اختتام پر تیرہ سو رمضان کی ڈبل کے اعتبار سے وصول ہو جاتی ہے، پھر دوسرا سال گذر جانے کے بعد جب اس تنخواہ کا مطالبہ کیا جاتا ہے، تو مہتمم مدرسہ سے یہ جواب ملتا ہے کہ ہم چھوٹے ہیں، ہم نہیں دے سکتے جو رجسٹر میں موجود ہے وہی دے سکتے ہیں، اس کے علاوہ نہیں دے سکتے ،تو کیا اس صورت میں مدرس دو سال کی تنخواہ کا یا ایک سال کی تنخواہ کا مستحق ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد ارشاد قاسمی

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب آپس میں یہ شرط طے ہوگئی کہ سولہ سو روپیہ ماہانہ تنخواہ رہے گی، تو وہ مدرس سولہ سو روپیہ ماہوار کا مستحق ہے۔ اور جو مقدار اس میں رہ گئی ہے وہ مدرس کا حق ہے، اس کی ادائے گی ذمہ دارانِ مدرسہ پر لازم ہے؛ اس لئے کہ آپس کی طے شدہ شرائط کی پابندی حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق جانبین پر لازم ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۷/ ۲۸۴، فتاوی محمودیہ قدیم ۱۴/ ۱۶۴، جدید ڈابھیل ۱۵/ ۵۶۱)

المسلمون على شروطهم، إلا شرطا حرم حلالا، أو أحل حراما.

(ترمذي، أبواب الأحكام، باب ما ذكر عن رسول الله ﷺ في الصلح بين الناس، النسخة الهندية ١/ ٢٥١، دارالسلام، رقم: ١٣٥٢، وهكذا في البخاري، كتاب الإجارة، تحت ترجمة الباب، باب أجر السمسرة ١/ ٣٠٣، رقم الباب: ١٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍ ذی الحجہ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۹۶۹)

چندہ نہ کرنے کی صورت میں مدرس کو سابقہ تنخواہ نہ دینا

سوال [۸۵۲۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مدرسین حضرات دینی مدرسوں میں تعلیم دے رہے ہیں اور دیتے چلے آئے ہیں اور تعلیم دیتے رہیں گے؛ لہٰذا مدرس کو کمیٹی والے حضرات جب معلم کی حیثیت سے مدرسہ میں رکھتے ہیں تو مدرس سے کچھ شرائط رکھتے ہیں کہ ہماری یہ شرائط ہیں، مثلاً ٹائم کی پابندی کرنا یا چندہ کرنا یا کرانا، کہنا ضروری یہ ہے کہ کمیٹی والے حضرات نے مدرس کو رکھا جو شرائط اوپر کی عبارت میں درج ہیں وہ شرائط طے پائیں، ان شرائط میں مدرس صرف ایک شرط ادا کرسکا، چندہ کے بارے میں مدرس سے شروع میں پوچھا تھا کہ آپ کتنا چندہ کرسکیں گے؟ مدرس نے کہا تھا کہ میں صرف پینتالیس سو روپیہ کا چندہ کرسکتا ہوں، بہرحال مدرس نے صرف تعلیم ہی سہی وقت پر بچوں کو دیتے رہے، چندہ کسی مجبوری میں اگر نہ کرسکا یہاں تک کہ رمضان شریف میں ہر سال قرآن شریف نماز تراویح میں پڑھتا تھا، قرآن شریف بھی نہ پڑھا، کمیٹی نے مدرس کو رکھتے وقت یہ کہا تھا کہ اس وقت ہمارے پاس پیسہ نہیں ہے، رمضان میں چندہ ہوگا آپ کی تنخواہ مل جائے گی، کچھ آپ کریں گے اور کچھ ہم کریں، یا مدرس نے یہ بھی کہہ دیا کہ میں دس ہزار پندرہ ہزار کا چندہ دوں گا، وہ مجبوری میں ایسا گھرا کہ وہ چندہ بالکل نہ کرسکا، تو آیا اس

صورت میں مدرس کو تنخواہ کمیٹی دے یا نہ دے؟ کمیٹی کو تنخواہ روکنی جائز ہے یا ناجائز؟ مدرس کا دارومدار تنخواہ پر ہی ہے، چھ ماہ کی تنخواہ کمیٹی پر ہے، جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: محمد عمران سرسواں دوراہہ کاشی پور روڈ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بوقت تقرر یہ کہنا کہ اس وقت مدرسہ میں پیسہ نہیں ہے رمضان میں چندہ بھی کرنا پڑے گا، جیسا کہ سوال نامہ سے واضح ہے، ۴۵۰۰ رکی ہمت ظاہر کی ہے یہ بھی سوال سے واضح ہے اور اس طرح کے شرائط اکثر مدارس کے اندر مدرسین کے تقرر کے وقت لگائے جاتے ہیں؛ لیکن اس طرح کے شرائط باوجودیکہ مدارس اسلامیہ میں متعارف ہیں؛ لیکن مدارس اسلامیہ کے اندر یہ بھی متعارف ہے کہ اگر کوئی شخص خاص مجبوری یا پریشانی کی وجہ سے چندہ نہ کرسکے تو اس کی اصل تنخواہ نہیں کاٹی جاتی، ہاں البتہ مدرسہ میں پیسہ نہ ہونے کی صورت میں تنخواہوں کی ادائے گی میں تاخیر ہو جاتی ہے؛ اس لئے سوال نامہ میں درج کردہ صورت میں مدرس چندہ نہ کرنے کی وجہ سے تنخواہ سے محروم نہ ہوگا، وہ پوری تنخواہ کا مستحق ہے؛ البتہ مدرسہ میں پیسہ نہ ہونے کی صورت میں کچھ تاخیر ہوسکتی ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۷/۴/ ۲۸، امداد الفتاوی ۳/ ۳۶۱)

عن عبدالله بن عمرو بن عوف المزني، عن أبيه، عن جده أن رسول الله ﷺ قال: الصلح جائز بين المسلمين إلا صلحا حرم حلالا، أو أحل حراما، والمسلمون على شروطهم، إلا شرطا حرم حلالا، أو أحل حراما.

(سنن الترمذي، أبواب الأحكام، باب ما ذكر عن رسول الله ﷺ في الصلح بين الناس، النسخة الهندية ۱/ ۲۵۱، دارالسلام، رقم: ۱۳۵۲، المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي بيروت ۱۷/ ۲۲، رقم: ۳۰، سنن الدارقطني، كتاب البيوع، دارالكتب العلمية بيروت ۳/ ۲۳، رقم: ۲۸۶۹، المستدرك للحاكم، كتاب الأحكام، مكتبه نزار مصطفى الباز، بيروت ۷/ ۲۵۲۳، رقم: ۷۰۵۹، قديم ٤/ ۱۰۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳ ربیع الاول ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۷۱۱۶)

مقررہ وقت میں کام کرنے پر تنخواہ کا استحقاق اور کوتاہی پر برطرف کرنا

سوال [۸۵۲۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک دینی تعلیمی ادارہ جس کے بعض مدرسین کی تنخواہ حکومت دے رہی ہے۔ اور بعض مدرسین کی تنخواہ مجلس منتظمہ بذریعہ عوامی امداد ادا کرتی ہے۔ سرکار کے ذریعہ تنخواہ پانے والے مدرسین میں ایک حافظ بھی ہے، جو قرآن پاک کو بھلا چکا ہے، ادارہ کے ناظم نے بارہا کوشش کی کہ وہ قرآن پاک کو پھر سے یاد کرلے؛ لیکن حافظ مذکور مسلسل آٹھ سالوں سے قرآن پاک کو پھر سے یاد کرلینے کی مہلت لیتا رہا، پھر بھی وہ اپنی یادداشت کو بحال نہ کرسکا، نتیجتاً مروجہ حفظ بے جان ہوکر رہ گیا ہے اور حافظ کی پیداوار لمبی مدت سے بند ہے، جب کہ ہندوستان جیسے آفت زدہ ملک میں حافظ کی پیداوار بہت ضروری ہے اور ہمارا قصبہ اور علاقہ دیندار حافظ سے محروم ہی ہے۔

اب غور طلب بات یہ ہے کہ حکومت حافظ کے عہدہ کے لئے رقم دیتی ہے اور شخص مذکور حافظ رہا نہیں اور اپنے عہدہ کو چھوڑنے کے لئے قطعی تیار نہیں ہے، مدرسین کی تقرری اور برخواستگی کا کلی اختیار ادارہ کے ناظم انتظامیہ کو حاصل ہے، مذکورہ عہدہ کو خالی کراکر باصلاحیت حافظ کی بحالی کی غرض سے جب شخص مذکور کی برخواستگی کی کارروائی شروع کی جاتی ہے، تو لوگوں سے اپنی روزی روٹی کے لئے ہنگامہ کرواتا ہے اور ہتھیار اٹھانے کی دھمکی دیتا ہے، اس طرح دینی تعلیم کا ایک اہم شعبہ اس ادارہ میں زندہ نہیں ہو پا رہا ہے، تو کیا مذکورہ صورت میں حکومت کے ذریعہ حافظ کے عہدہ کے لئے ادارہ کو دی گئی رقم شخص مذکور کو دینا لینا شرعاً درست ہے؟

المستفتی: عبدالغفار سیتامڑی، بمعرفت سجاد حسین دارالعلوم دیوبند

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب وہ مفوضہ وقت میں کام کرے گا تو طے شدہ تنخواہ کا مستحق ہوجائے گا؛ لیکن ذمہ داری میں ناکامی کی صورت میں ذمہ داران مدرسہ کو برطرف

کرنے کا حق ہوسکتا ہے، مگر جب تک کام کرتا رہے گا تنخواہ مذکورہ کا مستحق رہے گا۔

عن عمرو بن يحيى المازني، عن أبيه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لا ضرر ولا ضرار. (موطا إمام مالك، كتاب القضاء، القضاء في المرفق، أشرفي ديوبند ٣١١)

لا يضر الرجل أخاه ابتداء ولا جزاء. الخ (الأشباه، قديم، ص: ١٣٩)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶ ررمضان ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۶۸۱)

مدارس ومساجد کے ملازمین کا سرکاری تنخواہ لینا

سوال [۸۵۳۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بہت سے اسکولوں، مدارس ومساجد کو تنخواہ سرکار دیتی ہے، اس کا لینا کیسا ہے؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ سرکار تو سود لیتی ہے، اور وہی سود تنخواہ میں ملا کر دیتی ہوگی، تو گویا سود لیا گیا پھر جب وہ اسکول و مدارس ومساجد والے اپنی واجبی ماہانہ تنخواہ لینے کے لئے متعلقہ سرکاری دفتر میں جاتے ہیں تو وہ ان سے رشوت لیتے ہیں، بغیر اس کے دیتے ہی نہیں، تو یہ رشوت دینا اور پھر اس میں سود کی رقم لینا جائز ہے یا نہیں؟ کوئی گنجائش ہے یا نہیں؟

المستفتی: قمر الدین، مدرسہ قاسمیہ عربیہ جامع مسجد نگینہ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سرکاری تنخواہ مساجد و مدارس کے لئے لینا اس وقت جائز ہے جب کہ سرکاران لوگوں پر اپنا تسلط وغلبہ نہ جمائے۔ اور اگر تنخواہ لینے کے لئے سرکاری دفتروں میں رشوت وغیرہ دینی پڑتی ہے تو ایسی صورت میں ارتکاب حرمت کی وجہ سے لینا جائز نہ ہوگا۔ اور آج کل مدارس ومساجد کا سرکار سے ملحق کرنا ہرگز مناسب نہیں ہے۔ (مستفاد: نظام الفتاوی ۲/ ۳۷۵)

عن عبدالله بن عمرو قال: لعن رسول الله ﷺ الراشي والمرتشي. (سنن أبي داؤد، كتاب القضاء، باب في كراهية الرشوة، النسخة الهندية ۲/ ۵۰۴، دارالسلام، رقم: ۳۵۸۰، مسند أحمد بن حنبل ۲/ ۱۶۴، رقم: ۶۵۳۲)

قال الفقيه أبو الليث: اختلف الناس في أخذ الجائزة من السلطان، قال بعضهم: يجوز ما لم يعلم أنه يعطيه من حرام، قال محمد رحمه الله تعالىٰ: وبه نأخذ ما لم نعرف شيئا حراما بعينه، وهو قول أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ وأصحابه. (هندية، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات، زكريا قديم ۵/ ۳۴۲، جديد ۵/ ۳۹۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/ ۳۴۷۵)

پرائیویٹ فنڈ کا حکم

سوال [۸۵۳۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید ایک مدرسہ میں ملازم ہے اور تنخواہ سرکار سے ملتی ہے۔ اور قانوناً دس فیصد پرائیویٹ فنڈ کٹتا ہے اور فنڈ میں جمع ہوتا ہے، پھر سرکار اس دس فیصد پر مزید اضافہ کر کے دیتی ہے؛ لیکن زید اپنے اختیار سے مزید بیس یا پچیس فیصد پرائیویٹ فنڈ کٹواتا ہے اور سرکار اس پر بھی مزید اضافہ کے ساتھ رقم واپس دیتی ہے، تو سوال یہ ہے کہ دس فیصد جو قانوناً کٹتا ہے اس کا کیا حکم ہے؟ اور اپنے اختیار سے جو زیادہ کٹواتا ہے، اس کا کیا حکم ہے؟ اور اس پر ملنے والی زائد رقم کا کیا حکم ہے؟ سود کے حکم میں داخل ہے یا نہیں؟ اور زید کا اپنے اختیار سے G.P.S زائد کٹوانا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد طارق، مئو

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مدرسہ کے ملازم کی تنخواہ سے جو دس فیصد پرائیویٹ فنڈ کے نام سے سرکار کاٹ کر اپنے پاس جمع کرتی ہے اور اس پر مزید اضافہ کر کے ریٹائرڈ ہوتے وقت دیتی ہے، یہ اضافہ شرعاً سود نہیں ہے؛ اس لئے اس کا لینا جائز ہے۔ اور اپنے اختیار سے جو کٹواتے ہیں، اس کی دو شکلیں ہیں:

(۱) تنخواہ کے پیسے اپنے اختیار سے قبضہ میں آنے کے بعد از خود داخل کرے، اس پر ملنے والا اضافہ سود ہے، وہ جائز نہیں ہے۔

(۲) دوسری شکل یہ ہے کہ تنخواہ میں سے وہ حصہ اس کے ہاتھ نہیں آیا تو ملنے والا اضافہ جائز ہے؛ اس لئے کہ اس کے قبضہ میں آنے سے پہلے پہلے وہ مالک ہی نہیں ہوا ہے؛ اس لئے اصل اور اضافی دونوں قسم کی رقم پرائیویٹ فنڈ کے ہی حکم میں ہے، اس وجہ سے جائز ہے۔

(مستفاد: امداد الفتاوی ۳/۱۵۲، پرائیویٹ فنڈ پر زکوۃ اور سود کا مسئلہ بحوالہ فتاوی عثمانی ۳/ ۳۰۷، ایضاح المسائل ص: ۱۰۷، کتاب المسائل ۲/ ۲۲۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۵)

بلا اجازت مدرسے سے جانے والے کی تنخواہ کا حکم

سوال [۸۵۳۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید ایک مدرسہ میں استاذ تھا، اس نے ایک سال کے لئے رخصت بالوضع طلب کی؛ لیکن مدرسہ نے اس کی رخصت منظور نہیں کی؛ لیکن زید بلا منظوری ہی اپنی ضرورت سے چلا گیا؛ البتہ اسی دوران زید نے اسی مدرسہ کے لئے تقریباً ۷۰۰۰۰/ ہزار روپئے کا چندہ کیا، جس میں سے بقول زید آٹھ ہزار ایک سو اٹھاسی روپئے وصول نہ ہوئے اور پینتیس ہزار

روپئے یہ کہہ کر واپس لے لئے کہ مجھے ان کی ضرورت ہے، جب حساب ہوگا اس وقت دیکھا جائے گا، بعد ازاں مزید ۱۴۰۰۰/ ہزار روپئے قرض لئے ، پھر جب اہل مدرسہ نے پینتیس ہزار روپئے کی واپسی کا مطالبہ کیا تو زید نے جواب دیا کہ ۲۴۰۰۰/ ہزار روپئے کا میرا انعام بنتا ہے۔اور گیارہ ہزار سفر خرچ کے ہیں جو چندہ کی وصولیابی میں ہوا ہے،اس طرح پینتیس ہزار روپئے کا مطالبہ میری جانب نہیں ہے؛لیکن زید سفر خرچ زبانی بیان کرتا ہے،تحریری طور پرنہیں دیتا، جب کہ مدرسہ کا تعامل سفر خرچ میں تحریری معتبر ہے،تا کہ رجسٹروں میں اندراج ہوسکے، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ:

(۱) زید کا بلا اجازت مدرسہ سے جانا اور چندہ کی رقم میں انعام کا نفاذ ومطالبہ کیا زید کے لئے شرعی طور پر درست ہے؟ پھر کیا مہتمم کے لئے اس انعامی رقم کا دینا اور زبانی سفر خرچ منظور کرنا شرعاً درست ہے؟ لہٰذا زید پینتیس ہزار روپئے کے مطالبہ کی نفی جس شکل میں کرتا ہے، کیا وہ قابل تسلیم ہے؟

(۲) آٹھ ہزار ایک سو اٹھاسی کی رقم کس پر واجب الاداء ہے،زید پر یا چندہ دہندگان پر جیسا کہ زید کہتا ہے کہ یہ رقم مجھے ابھی وصول نہیں ہوئی ہے؛لیکن زید اہل مدرسہ کو ان حضرات کا پتہ دینے پر آمادہ نہیں ہے؟

المستفتی: ڈاکٹر عبدالرؤف محلّہ دائم پورہ، ٹانڈہ، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب زید مدرسہ سے اجازت لئے بغیر ایک سال سے غائب ہوگیا، تو اس درمیان زید مدرسہ سے تنخواہ کا مستحق نہیں اور اس دوران جو اس نے ۷۰۰۰۰/ ہزار کا چندہ کیا ہے، وہ پوری رقم مدرسہ میں جمع کر دینا لازم ہے،اس کے بعد جتنے دن اس نے مدرسہ کا کام کیا ہے، اتنے دنوں تک کے لئے مدرسہ اس کو اجرت مثل دے گا اور اجرت مثل سے زائد کچھ بھی نہیں ملے گا، ہاں البتہ سارا پیسہ مدرسہ میں داخل ہونے کے بعد مدرسہ کی شوریٰ یا اس کے قائم مقام کمیٹی مدرسہ کی مصلحت ومفاد کو پیش نظر رکھ کر اس کی تنخواہ

کے ساتھ کچھ انعام بھی دے تو اس کی گنجائش ہے۔ لیکن شوریٰ و کمیٹی کی منظوری واجازت کے بغیر جائز نہیں ہے، نیز جب کہ زید اجازت ومنظوری کے بغیر سفر میں چلا گیا ہے، تو وہ سفر خرچ کا مستحق نہیں ہے، ہاں البتہ شوریٰ یا کمیٹی اپنے مشورہ سے کوئی مناسب خرچ مدرسہ کی مصلحت کی بنا پر متعین کرے، تو اس کی گنجائش ہوسکتی ہے؛ اس لئے کہ مدرسہ کے ضوابط وقوانین کا مدار عرف اور ان شرائط پر ہے جو شوریٰ و کمیٹی نے متعین کی ہیں۔

عن عمرو بن عوف المزني، عن أبيه، عن جده أن رسول الله ﷺ قال: الصلح جائز بين المسلمين إلا صلحا حرم حلالا، أو أحل حراما، والمسلمون على شروطهم، إلا شرطا حرم حلالا، أو أحل حراما. (سنن الترمذي، أبواب الأحكام، باب ما ذكر عن رسول الله ﷺ في الصلح بين الناس، النسخة الهندية ١/ ٢٥١، دارالسلام، رقم: ١٣٥٢، هكذا في البخاري، كتاب الإجارة، تحت ترجمة الباب، أجر السمسرة، النسخة الهندية ١/ ٣٠٣، رقم: الباب: ١٤)

(۲) اور زید کا آٹھ ہزار ایک سو اٹھاسی کے بارے میں یہ کہنا کہ اتنی رقم وصول نہیں ہوئی یہ زید کی تنخواہ اور کارکردگی میں سے کاٹ کر اس وقت تک روک لیا جائے گا، جب تک کہ وہ پیسہ لاکر داخل دفتر نہ کردے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ ذیقعدہ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۹۵۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۵/ ۱۱/ ۱۴۲۱ھ

مدرس کی تقرری کے بعد بلاعوض نگرانی پر مجبور کرنے کا حکم

سوال [۸۵۳۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید ایک مدرسہ میں مدرس ہے اور درجہ حفظ میں بچوں کو پڑھاتا ہے، جب کہ زید مغرب کے بعد اور عشاء کے بعد اور فجر سے پہلے فجر کے بعد نگرانی کبھی کبھی نہیں کرتا ہے اور

کبھی کرتا ہے۔ اور بکراس مدرسہ کا صدر مدرس ہے اور بار بار کہتا ہے کہ درجہ حفظ کے بچوں کے استاذ کو ان تینوں وقت کی پابندی ضروری ہے، جب کہ تقرر کے وقت ان تینوں وقت کی کوئی بات نہیں ہوئی ہے، اس پر زید کہتا ہے کہ میرا احسان ہے کہ یہ وقت مدرسہ میں دے رہا ہوں، ورنہ میری اس وقت کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے، بکر کا کہنا ہے کہ ان تینوں وقت کی پابندی ضروری ہے، زید کا کہنا ہے کہ میری یہ ذمہ داری نہیں ہے، اس مسئلہ میں مدرسہ کا کیا اصول ہے وضاحت فرمائیں؟ کیا زید کو ان تینوں اوقات کی پابندی ضروری ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد عبداللہ ٹھاکردوارہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جب تقرر کے وقت تینوں اوقات کی نگرانی کرنے کا کوئی تذکرہ اور صراحت نہیں ہے، تو ان اوقات کی نگرانی پر مجبور کرنا نا انصافی ہے اور ہمارے مدرسہ شاہی میں اصول یہ ہے کہ حفظ کے اساتذہ مغرب سے عشاء تک اور فجر کے بعد نگرانی کرتے ہیں؛ لیکن اس کا الگ سے انہیں معقول معاوضہ دیا جاتا ہے؛ اس لئے اگر آپ کے مدرسہ میں کوئی ایسا اصول نہیں ہے اور تینوں اوقات کی نگرانی بھی کرانا چاہتے ہیں، تو پھر آپ کو انہیں الگ سے الاؤنس دینا چاہئے اور مدارسِ اسلامیہ کے قوانین وضوابط کا دار ومدار درج ذیل حدیث پر ہے:

عن عبدالله بن عمرو بن عوف المزني، عن أبيه، عن جده أن رسول الله ﷺ قال: الصلح جائز بين المسلمين إلا صلحا حرم حلالا، أو أحل حراما، والمسلمون على شروطهم، إلا شرطا حرم حلالا، أو أحل حراما.

(سنن الترمذي، أبواب الأحكام، باب ما ذكر عن رسول الله ﷺ في الصلح بين الناس، النسخة الهندية ۱/ ۲۵۱، دارالسلام، رقم: ۱۳۵۲، المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي بيروت ۱۷/ ۲۲، رقم: ۳۰، سنن الدارقطني، كتاب البيوع، دارالكتب

العلمية بيروت ۳/ ۲۳، رقم: ۲۸۶۹، المستدرك للحاكم، كتاب الأحكام، مكتبه نزار مصطفى الباز، بيروت ۷/ ۲۵۲۳، رقم: ۷۰۵۹، قديم ٤/ ۱۰۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰؍صفر ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۹۱۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۱/۲/۱۴۲۴ھ

حج کو جانے والے مدرس کے لئے رخصت بالوضع کا حکم

سوال [۸۵۳۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص مدرسہ کا ملازم ہے اور فریضۂ حج کے لئے سفر میں جارہا ہے، اس صورت میں رخصت اس کو مدرسہ دے گا یا بالوضع رخصت استاذ لے گا، تفصیل کے ساتھ شریعت کی روشنی میں جواب مرحمت فرمادیا جائے۔

المستفتی: عبدالرحمٰن، ٹانڈہ رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایک دفعہ حج کو جانے کے لئے منجانب مدرسہ رخصت دینا متعارف ہے؛ اس لئے رخصت منجانب مدرسہ سمجھی جائے گی اور جن مدارس میں رخصت کی صراحت نہ ہو ان کو بھی عرف کی وجہ سے انہیں مدارس پر قیاس کیا جائے گا، جن میں منجانب مدرسہ حج فرض کی رخصت دی جاتی ہے؛ لہٰذا حج فرض کی رخصت کو رخصت بالوضع قرار نہ دیا جائے۔ اور مدارسِ اسلامیہ کے قوانین وضوابط اس حدیث سے مستنبط ہیں۔

عن عبداللّٰه بن عمرو بن عوف المزني، عن أبيه، عن جده أن رسول اللّٰه ﷺ قال: الصلح جائز بين المسلمين إلا صلحا حرم حلالا، أو أحل حراما، والمسلمون على شروطهم، إلا شرطا حرم حلالا، أو أحل حراما.

(سنن الترمذي، أبواب الأحكام، باب ما ذكر عن رسول اللّٰه ﷺ في الصلح بين الناس، النسخة الهندية ۱/ ۲۵۱، دارالسلام، رقم: ۱۳۵۲)

ومنها: البطالة في المدارس كأيام الأعياد ويوم عاشوراء، وشهر رمضان في درس الفقه لم أرها صريحة في كلامهم، والمسئلة على وجهين، فإن كانت مشروطة لم يسقط من المعلوم شيء، وإلا فينبغي أن يلحق ببطالة القاضي إمام يترك الإمامة لزيارة أقربائه في الرساتيق أسبوعا، أونحوه، أو لمصيبة، أو لاستراحة لا بأس به، ومثله عفو في العادة والشرع.

(الأشباه والنظائر، قديم ١ / ١٥٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/۱۱/۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۳۹۳/۳۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۸/۱۱/۱۴۲۲ھ

گورنمنٹ سے روپیہ لے کر مدرسین کو تنخواہ دینا

سوال [۸۵۳۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: حکومت تعلیمی امداد کے نام پر جو روپئے مدرسہ کو دیتی ہے اور جسے عرف عام میں ایڈ کہا جاتا ہے، اس کا لینا جائز ہے یا نہیں؟ اور کیا اس کے عدمِ جواز کی دلیل صرف یہ کہہ دینا کافی ہے کہ چونکہ یوپی کے مدارس ایڈ نہیں لیتے، مثلاً مدرسہ شاہی مرادآباد، مظاہر علوم سہارنپور، دارالعلوم دیوبند وغیرہ ایڈ نہیں لیتے؛ اس لئے ہمیں بھی لینا جائز نہیں ہے، جب کہ صحیح صورت حال یہ ہے کہ ایڈ لینے سے قبل ہمارے علاقہ کے مدارس میں اتنی قلیل اور معمولی تنخواہ ہوتی تھی جو کسی طرح بھی کافی اور تسلی بخش نہیں کہی جاسکتی، اس کے برعکس مذکورہ بالا مغربی مدارس میں اس وقت بھی تنخواہیں انتہائی مناسب اور اطمینان بخش ہوتی تھیں، جس کے سبب ایک مدرس ہر طرف سے فارغ البال ہوکر یکسوئی کے ساتھ کام کرتا، ادھر کچھ سالوں سے یہ مشرقی مدارس سرکار سے ایڈ لینے لگے ہیں، جس کے طفیل مدرسین کے اندر فرائض منصبی کو بحسن خوبی انجام دینے کے لئے ایک گونہ سکون میسر ہوگیا ہے اور بڑی حد تک دینی تعلیم کی

طرف سے پرانی بے توجہی دور ہوگئی ہے، لوگ شوق سے اپنے بچوں کو پڑھانے بھی لگے ہیں، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایڈ لینا، اسی طرح مدرسہ کے لئے مصرف میں خرچ کرنا اوراس سے مدرسین کو تنخواہ دینا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: ظہیرالحق نعمانی، کوپا گنج اعظم گڑھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگرحکومت مدرسہ میں کسی بھی وقت دخل نہ دینے کاوعدہ کرے اورارباب ِمدرسہ کوبھی اس بارے میں اطمینان ہو،تو گورنمنٹ سے ایڈ لینا اوراس کو تنخواہوں اوردوسری ضروریات میں صرف کرنادرست اورجائز ہے، ورنہ احتراز لازم ہے۔ (مستفاد: امدادالفتاوی ۴/ ۷۷، کفایت المفتی قدیم ۷/ ۱۰۱، جدیدزکریا مطول ۱۰/ ۴۷۹، فتاوی مظاہرعلوم ۱/۴۷۱، نظام الفتاوی ۲/۳۷۴)

قال الفقيه أبو الليث: اختلف الناس في أخذ الجائزة من السلطان، قال بعضهم: يجوز ما لم يعلم أنه يعطيه من حرام، قال محمد رحمه الله تعالىٰ: وبه نأخذ ما لم نعرف شيئا حراما بعينه، وهو قول أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ وأصحابه. (هندية، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر في الهدايا و الضيافات، زكريا قديم ٥/ ٣٤٢، جديد ٥/ ٣٩٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲/۵/۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۱۲۱۴)

بمدتعمیر رقم کوتنخواہ میں استعمال کرنا

سوال [۸۵۳۶]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک مدرسہ میں صدر مدرس اورمعاون صاحب نے ناظم مدرسہ کی اجازت کے

بغیر بمد تعمیر رقم کو تنخواہ میں استعمال کرلیا، ناظم صاحب کے استفسار پر ان لوگوں نے غلطی کا اقرار کیا، معافی کے طالب ہیں، ایسی صورت میں حکم شرعی کیا ہے؟ بینوا توجروا

المستفتی: فیض الحسن، ہردوئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر تعمیر کی رقم کو مد تنخواہ میں خرچ کردیا ہے، تو ایسی صورت میں مذکورہ صدر مدرس اور معاون کو تصرف میں خائن شمار کیا جائے گا؛ لیکن چونکہ مد تعمیر اور تنخواہ دونوں از قبیل امداد ہیں اور مذکورہ صدر مدرس اور معاون نے اپنی ذات میں خرچ نہیں کیا ہے؛ بلکہ ایک مصرف کی چیز کو دوسرے مصرف میں خرچ کرنے میں بد نظمی اور بد دیانتی کا ثبوت دیا ہے؛ اس لئے اپنی جیب سے تاوان ادا کرنا لازم نہ ہوگا، ہاں البتہ ناظم صاحب اور اعلیٰ ذمہ داروں کو انہیں صدارت اور معاونت سے سبکدوش کرنے کا حق ہے؛ لیکن جب وہ معافی کے طلب گار ہیں تو ''التائب من الذنب کمن لا ذنب له''. **الحدیث** (ابن ماجة، أبواب الزهد، باب ذکر التوبة، النسخة الهندية/ ٣١٣، دارالسلام، رقم: ٤٢٥٠) کی رو سے انہیں درگذر کردینا چاہئے، نیز یہ بھی لازم ہے کہ مد تنخواہ میں سے اتنی رقم جتنی تنخواہ میں خرچ کی گئی ہے مد تعمیر میں منتقل کردی جائے، تاکہ دینے والے کی غرض کے مطابق مقصد میں خرچ ہوسکے۔ ''البحر الرائق'' کی ذیل کی عبارت سے یہ مسئلہ مستفاد ہوتا ہے:

ولو جمع مالا لينفقه في بناء المسجد، فأنفق بعضه في حاجته، ثم رد بدله في نفقة المسجد لا يسعه أن يفعل ذلک، فإذا فعله وکان يعرف صاحبه ضمن له بدله، أو استاذنه في صرف عوضه في المسجد، وإن کان لا يعرفه، رفع الأمر إلى القاضي ليأمره بإنفاق بدله فيه، وإن لم يمكنه الرفع إليه قالوا: نرجوا له في الاستحسان الجواز إذا أنفق مثله في المسجد يخرج عن العهدة فيما بينه وبين الله تعالیٰ. (البحرالرائق، کتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد، زکریا ٥/ ٤٢٠، کوئٹه ٥/ ٢٥١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰ رجمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۶۹۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۳۰/۵/۱۴۲۱ھ

غیر حاضری کی تنخواہ کا حکم

سوال [۸۵۳۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عمر ایک مسجد میں امامت اور اسی مسجد میں مکتب میں مدرس ہے، تقریباً دوسال سے ذمہ دار مکتب ان کی تدریسی ذمہ داری سے مطمئن نہیں ہیں، گذشتہ شعبان میں سالانہ امتحان کے نتیجہ کے بعد مکتب کے مدرس کو علیحدہ کر دیا گیا، عمر (امام صاحب) اس کے بعد چالیس روز کے لئے جماعت میں چلے گئے اور عید کے بعد امام صاحب عمر نے اپنے دوبارہ مکتب میں مدرس ہونے کے لئے کچھ لوگوں کو ہموار کیا، لوگوں نے جب محسوس کیا کہ اگر ان کو مدرس نہ بنایا گیا تو ہم لوگوں میں اختلاف ہوجائے گا؛ لہٰذا امام صاحب عمر کو پھر نئی شرائط کے ساتھ مدرس کے طور پر تقرر کرلیا گیا؛ لیکن عمر امام صاحب تقریباً ڈیڑھ ماہ جو بقول ذمہ دار مکتب مکتب سے علیحدگی کے تئیں ان ایام کی تنخواہ کا مطالبہ کررہے ہیں، جب کہ مہتمم صاحب ان سے یہ کہہ رہے ہیں کہ میں تو ان کو شعبان میں علیحدہ کر چکا ہوں؛ لہٰذا دوبارہ تقرر کی مدت تک کی تنخواہ مکتب ادا نہیں کرے گا، اس تنخواہ کے سلسلہ میں کیا مسئلہ ہے؟ کیا ان کو دی جائے یا نہیں؟

المستفتی: امداد حسین ڈپٹی گنج، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مدارس، مکاتب، مساجد کی ملازمت کے شرائط آپس کی تراضی سے جو طے ہوجائیں وہی معتبر ہیں۔ اور ان کا ضابطہ اور اصول اس حدیث پاک سے ثابت ہے:

عن عبداللّٰه بن عمرو بن عوف المزني، عن أبيه، عن جده أن رسول اللّٰه ﷺ قال: الصلح جائز بين المسلمين إلا صلحا حرم حلالا، أو أحل حراما، والمسلمون على شروطهم، إلا شرطا حرم حلالا، أو أحل حراما.

(سنن الترمذي، أبواب الأحكام، باب ما ذكر عن رسول اللّٰه ﷺ في الصلح بين الناس، النسخة الهندية ١/ ٢٥١، دارالسلام، رقم: ١٣٥٢)

معلوم ہوا کہ یہ بات حدیث سے ثابت ہے۔ واضح رہے کہ مدرسہ سے مذکورہ امام کو علیحدہ کردیا گیا ہے، اس کے بعد وہ جماعت میں چلا گیا ہے، اور پھر نئی تقرری کے بعد جماعت میں جانے کے درمیان کی غیر حاضری کی مدت کی تنخواہ کا مطالبہ کرنا یہ ان کی طرف سے ناجائز مطالبہ ہے، ذمہ داران اس مدت کی تنخواہ دینے کے مکلّف نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲ رشوال ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۷۹۸)

مدرس کے ایام مرض کی تنخواہ ومجلسِ شوریٰ کی شرعی حیثیت

سوال [۸۵۳۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: گزارش خدمت عالیہ میں یہ ہے کہ ہمارے یہاں ایک دینی قومی مدرسہ ہے، ہم چاہتے ہیں کہ اس کا ایک دستور بن جائے جو خلاف شرع نہ ہو؛ اس لئے چند سوالات درج ذیل ہیں، ان کے کافی شافی شرعی احکام بتاکر عنداللہ ماجور ہوں۔ سوالات یہ ہیں:

(۱) مدرسہ کے کسی عامل کو اس کی بیماری کی وجہ سے غیر حاضری کے ایام کی تنخواہ کا شرعاً استحقاق ہوگا یا نہیں؟

(۲) متفقہ طور پر یا اکثریت سے کسی کو ایسے حالات کی تنخواہ دی جائے تو یہ شرعاً درست ہوگا یا نہیں؟

(۳) کہیں کہیں ایک مہینہ یا ڈیڑھ مہینہ کی تنخواہ دینے کا دستور بنایا تو یہ جائز ہوگا یا نہیں؟

(۴) مجلس شوریٰ کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

(۵) مالیات میں ان کو کہاں تک تصرف کا حق حاصل ہے؟

(۶) مجلس شوریٰ عنداللہ ماجور یا ماخوذ یا جوابدہ ہوگی یا نہیں؟

نوٹ:- حتی الامکان جلد جواب مل جائے تو عین نوازش ہوگی۔ گستاخی معاف فرمائیں۔

المستفتی: بندہ عبداللطیف، خادم مدرسہ مرکز العلوم، ضلع کریم گنج، آسام

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: (۱) مہتمم چندہ دہندگان کی طرف سے وکیل ہوتا ہےاور وکیل کوجس تصرف کی اجازت دی جائے اس میں تصرف کرسکتا ہے، اس کے علاوہ میں نہیں، اگر چندہ دہندگان کی طرف سے صراحتاً یا دلالۃً اختیار ثابت ہوجاتا ہےاورتقرر کے وقت ملازم کے ساتھ یہ شرط ٹھہرائی گئی ہے، تو ایام بیماری کی تنخواہ مہتمم کو دینا اور ملازم کو لینا دونوں جائز رہے گا، ورنہ نہیں۔ (مستفاد: امدادالفتاوی۳/۳۴)

(۲) سوال نمبر۱رکے جواب کی شرائط کےساتھ گنجائش ہے ورنہ نہیں۔

(۳) چندہ دہندگان کی رضا سے ایسا قانون بنالینا درست ہے۔

الوكيل إنما يستفيد التصرف من الموكل وقد أمره بالدفع إلى فلان فلا يملك الدفع إلى غيره. (شامي، كتاب الزكوة، مطلب في زكوة ثمن المبيع وفاء كراچى ٢/ ٢٦٩، زكريا ٣/ ١٨٩)

شرط الواقف كنص الشارع في وجوب العمل به، وفي المفهوم والدلالة. (قواعد الفقه، أشرفي ديوبند/ ٨٥، رقم: ١٥٢)

أنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة. (كتاب الوقف، مطلب مراعاة غرض الواقفين واجبة، كراچى ٤/ ٤٤٥، زكريا ٦/ ٦٦٥)

(۴) مجلسِ شوریٰ کو اقتدار اعلیٰ کی حیثیت حاصل ہے، تفسیر ''البحرالمحیط'' میں ''شاورہم فی الامر'' الآیۃ کے تحت لکھا ہے کہ شوریٰ شریعت اور دین کے قواعد اور بنیادی اصولوں میں سے ہے، جو امیر یا ذمہ دار اہل علم اور اہل دین سے مشورہ نہ لے اس کو معزول کرنا واجب ہے، یہ بالاتفاق مسئلہ ہے۔

(۵) مالیات میں جواب نمبر:۱رکی شرائط کے مطابق اختیار حاصل ہوگا۔

(۶) جواب نمبر۱رکی شرائط کی موافقت میں کوئی مواخذہ نہیں، مخالفت میں عنداللہ مواخذہ ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰رشوال ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۲۶۹)

علالت کے زمانہ کی تنخواہ

سوال [۸۵۳۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے یہاں مدرسہ میں فراہمی مالیہ کے سلسلہ میں اصول وضابطہ مدرسین کے لئے یہ ہے کہ اگر رمضان میں کوئی مدرس اطراف مدرسہ میں وصولی کا کام کرتا ہے، تو اپنی تنخواہ کا بارہ گنا کرنے پر ڈبل تنخواہ کا مستحق ہوتا ہے، مزید پر پانچ فیصد کا انعام اور غیر معروف جگہ پر ڈبل تنخواہ پانے کے لئے اپنی تنخواہ کا دس گنا کرنا لازمی ہے، مزید پر پانچ فیصد کا انعام، مدرسہ ہذا میں دو بھائی ملازم ہیں، دونوں بھائیوں نے اپنی محنت سے مدرسہ کا ایک میدان بنایا، اتفاق سے ایک سال رمضان میں ایک بھائی کی طبیعت شدید خراب ہوئی، سفر کرنا ممکن نہ رہا، تو مہتمم صاحب کے حکم سے دوسرے بھائی نے اپنے اور بھائی کے علاقہ میں مکمل کام کیا، مہتمم مدرسہ ہذا نے یہ حکم فرمایا کہ بیمار بھائی کے علاقہ میں آپ رسید انہیں کے نام سے بنائیں اور بقلم لکھ کر اپنا نام لکھ دیں، تاکہ تنخواہ وانعام ان بیمار بھائی کے نام پر چڑھے اور ان کو احساس نہ ہو؛ کیوں کہ علاقہ انہیں کا بنایا ہوا ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، بوقت حساب ایک پرانے مدرسہ کے ملازم محرر صاحب کا کہنا ہے کہ ایسا نہیں ہوگا؛ بلکہ جس نے کام کیا ہے صرف اس کو تنخواہ وانعام ملے گا، بیمار کو کچھ نہ ملے گا؛ کیوں کہ دونوں کو ملنے کی صورت میں ایک ہزار روپئے مدرسہ سے زائد جاتے ہیں۔ اور ایک کو ملنے کی صورت میں کم جاتے ہیں۔ بتلایئے محرر صاحب کا مہتمم صاحب کے سامنے یہ اشکال صحیح ہے، جب کہ یہ سب کچھ مہتمم صاحب کی صواب دید سے ہوا؟ اور شوریٰ کی طرف سے مہتمم صاحب بااختیار ہیں، شرعاً قانوناً معاملةً رہنمائی فرماکر ممنون فرمائیں۔

المستفتی: صدر مدرس محمد سلیمان مصباح الظفر، ڈھکہ حسن پور، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اکثر مدارسِ اسلامیہ کا یہ دستور ہے کہ بیمار ملازم کو اس کی

تنخواہ دی جاتی ہے؛ لہٰذا جو بھائی بیمار ہوگئے، ان کو مدرسہ کی جانب سے صرف تنخواہ ملے گی، مزید رقم یا انعام کچھ بھی نہیں ملے گا اور دوسرے بھائی جو پورا کام کئے ہیں ان کو تنخواہ مزید رقم اور انعام سب ملیں گے، اور بیمار بھائی کے علاقہ سے جتنی رقم لائے ہیں سب میں پانچ فیصد کے حساب سے اس کارکن بھائی کو ملے گا اور محرر صاحب کا یہ اشکال کہ بیمار بھائی کو تنخواہ پر مزید رقم اور انعام دینے پر مدرسہ کا پیسہ زائد جائے گا جس کا وہ مستحق نہیں بجا ہے، انعام اور مزید رقم صرف اسی شخص کو ملے گی جو رقم لایا ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۱۵/ ۲۶۵، جدید ڈابھیل ۱۵/ ۲۶۵)

إن العقد وقع على عملها فلا تستحق الأجر بعمل غيرها كمن استاجر أجيرا ليعمل بنفسه، فأمر غيره فعمل لم يستحق الأجرة. (بدائع الصنائع، كتاب الإجارة، باب استحقاق الأجرة، زكريا ديوبند ٤/ ٧١)

قال: الأجرة لا تجب بالعقد، وتستحق بإحدى معانى ثلاثة: إما بشرط التعجيل، أو بالتعجيل من غير شرط، أو باستيفاء المعهود عليه. (هداية، أشرفي ديوبند ٣/ ٢٩٤)

أمور المسلمين محمولة على الصلاح والسداد ما أمكن. (بدائع الصنائع، كتاب الصلح، فصل في الشرائط التي ترجع إلى المصالح، زكريا ٥/ ٥٢)

عن كثير بن عبدالله بن عمرو بن عوف المزني عن أبيه، عن جده أن رسول الله ﷺ قال: الصلح جائز بين المسلمين إلا صلحا حرم حلالا، أو أحل حراما، والمسلمون على شروطهم، إلا شرطا حرم حلالا، أو أحل حراما. (سنن الترمذي، أبواب الأحكام، باب ما ذكر عن رسول الله ﷺ في الصلح بين الناس، النسخة الهندية ١/ ٢٥١، دارالسلام، رقم: ١٣٥٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶ر جمادی الثانیہ ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۷۲۸۲)

بیماری کے ایام میں گھر پر رہتے ہوئے تنخواہ لینے کا حکم

سوال [۸۵۴۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید ایک ادارہ میں کام کرتا ہے اور مدت مدیدہ تک خدمات انجام دیتے رہے، مگر اب پیر میں چوٹ لگ جانے اور ہڈی ٹوٹ جانے کی وجہ سے کام سے معذور ہو گئے، جس کی وجہ سے ایک ماہ کی رخصت باتنخواہ حسب دستورادارہ ناظم ادارہ کی منظوری پر دی گئی، اس کے بعد دستور ادارہ کے مطابق مجلس شوریٰ نے دو ماہ کی رخصت باتنخواہ کی منظوری کا مشورہ دیا اوران کو دونوں مہینوں کی تنخواہ دی گئی، دستورادارہ میں شوریٰ کو اختیار ہے کہ کسی ملازم ادارہ کو بوجہ بیماری یا کسی معذوری کی بنا پر رخصت باتنخواہ کی منظوری کا مشورہ دے دے، مگر اس میں اس بات کی صراحت نہیں ہے کہ کتنی مدت تک ایسی منظوری دی جاسکتی ہے؛ لہٰذا دریافت طلب امر یہ ہے کہ از روئے شرع ایسے شخص کو جو ادارہ کے کارمفوضہ سے معذور ہو گیا ہو، کب تک رخصت با تنخواہ دی جاسکتی ہے؟ اور جو اس شخص کو تنخواہ دی گئی، اس کا دینا درست تھا یا نہیں؟

المستفتی: محمد عبدالرحمٰن، مجلس دعوۃ الحق ہردوئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آپ کے مدرسہ کا جو قانون ودستور ہے اس کے مطابق عمل ہوگا؛ لہٰذا جتنے ایام کی رخصت بیماری باتنخواہ دئے جانے کا قانون ہے یا مجلسِ شوریٰ جتنے ایام کی رخصت منظور کرے ان کی تنخواہ لینا شرعاً جائز اور درست ہے؛ اس لئے مجلسِ شوریٰ کے مشورہ سے پچھلی جو تنخواہ دی جا چکی ہے وہ شرعاً جائز اور درست ہے۔ اور آئندہ کے لئے مجلس شوریٰ جو درحقیقت مدارسِ اسلامیہ کے حق میں مجلسِ قانون ساز ہے، اس کے مشورہ کے مطابق عمل کرنا جائز ہوگا۔ اور مدارسِ اسلامیہ کے حق میں قوانین وضوابط، بخاری وترمذی کی اس حدیث شریف سے مستنبط ہوتے ہیں:

عن عبدالله بن عمرو بن عوف المزني عن أبيه، عن جده أن رسول

الله ﷺ قال: الصلح جائز بين المسلمين إلا صلحا حرم حلالا، أو أحل حراما، والمسلمون على شروطهم، إلا شرطا حرم حلالا، أو أحل حراما. (سنن الترمذي، أبواب الأحكام، باب ما ذكر عن رسول الله ﷺ في الصلح بين الناس، النسخة الهندية ١/ ٢٥١، دارالسلام، رقم: ١٣٥٢، صحيح البخاري، كتاب الإجارة، تحت باب أجر السمسرة ١/ ٣٠٣، رقم الباب: ١٤)

بخلاف ما إذا لم يقدر لكل يوم مبلغا، فإنه يحل له الأخذ، وإن لم يدرس فيهما للعرف. (شامي، كتاب الوقف، مطلب في استحقاق القاضي والمدرس الوظيفة في يوم البطالة، کراچی ٤/ ٣٧٢، زكريا ديوبند ٦/ ٥٦٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۶؍محرم الحرام ۱۴۲۲ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۷۰۰۸)	۶/۱/۱۴۲۲ھ

اطلاعی نوٹس ۱۵؍ یوم قبل نہ دینے کی صورت میں تنخواہ کاٹ لینے کا حکم

سوال [۸۵۴۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: آج کل مدارسِ عربیہ میں جو مدرسین دینی وملی خدمات انجام دیتے ہیں، اراکین مدرسہ کسی مدرس کو مدرسہ سے سبکدوش کرتے ہیں، تو اس مدرس کو بذریعہ نوٹس علیحدگی کم از کم ۱۵/ یوم یا ایک مہینہ قبل اطلاعی نوٹس دیتے ہیں، یا وہ خود علیحدہ ہوتا ہے، تو نوٹس برطرفی کا خود دیتا ہے، تاکہ اراکین انتظام کرلیں، اس کے برخلاف کرنے پر مدرسہ والے مدرس کی ۱۵؍ یوم یا ایک ماہ کی تنخواہ کاٹ لیتے ہیں (دیتے نہیں ہیں) یا مدرس کو ۱۵؍ یوم کی تنخواہ دیتے ہیں، اس صورت میں مدرس کو ۱۵؍ یوم یا ایک ماہ کی تنخواہ لینا یا کمیٹئ مدرسہ کا مدرس کی تنخواہ کاٹ لینا شرعاً درست ہے یا نہیں؟ اسی طرح اگر بغیر اطلاعی نوٹس دئے ہوئے علیحدہ ہوتا ہے یا علیحدہ کیا جاتا ہے، تو اس پر قانوناً چارہ جوئی کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: حافظ محمد شاکر، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب آج کل مدارس میں نوٹس علیحدگی کے سلسلہ میں ایک ماہ یا پندرہ دن پہلے اطلاع دینا مشروط اور معروف ہے تو قاعدہ ''المعروف کالمشروط'' کے ہونے کی وجہ سے ذمہ دارانِ مدرسہ کے لئے طے شدہ شرط کے مطابق تنخواہ کا دے دینا اور کاٹ لینا دونوں جائز ہے۔ (امداد الفتاوی ۳/ ۳۴۹، فتاوی محمودیہ قدیم ۱۲/۳ ۲۲، جدید ڈابھیل ۱۵/ ۵۳۲)

طے شدہ شرط کے خلاف قانونی چارہ جوئی جائز نہیں ہے؛ اس لئے کہ مدارس کے قوانین کا اعتبار عرف اور شرائط پر ہے؛ لہٰذا اسی کے مطابق عمل درآمد کرنا لازم ہوگا۔

الثابت بالعرف كالثابت بالنص. (رسم المفتي قديم ٣٨، قواعد الفقه، اشرفي ديو بند، ص: ٧٤، رسائل ابن عابدين، ثاقب بك ڈبو ديوبند ١/ ٤٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸؍ شعبان ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۱۶۴)

نصفِ شعبان میں معزولی کی وجہ سے رمضان کی تنخواہ کے استحقاق کا مسئلہ

سوال [۸۵۴۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک مدرس نے پورے تین سال ایک مدرسہ میں کام کیا، ہر رمضان المبارک کی تنخواہ کام پر ڈبل وصول کی، پھر تیسرے سال جب سالانہ امتحان ہو جاتا ہے، تو پندرہ شعبان کو معزولی کی اطلاع یہ کہہ کر دی جاتی ہے کہ آپ کے اندر خامی ہے، پھر پورے شعبان کی تنخواہ دی جاتی ہے، جب کہ مہتمم مدرسہ سے درمیان سال میں مدرس خود کہہ دیتا ہے کہ تحقیق کر لیجئے، پھر معزول ہو جانے کے بعد دوسرے مدرسہ میں کام شروع کر دیتا ہے، تو کیا مدرس شرع کے اعتبار سے رمضان کی سنگل تنخواہ کا مستحق ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد ارشاد قاسمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: پندرہ شعبان کو معزولی کی صورت میں رمضان کی تنخواہ بھی دینا اگر اس مدرسہ کے قانون میں ہے تو رمضان کی تنخواہ کا استحقاق ہے۔ اور اگر مدرسہ کے قانون میں نہیں ہے، تو رمضان کی تنخواہ کا استحقاق نہیں؛ اس لئے کہ مدارس اسلامیہ کے قوانین وضوابط کا مدارس آپس کی شرائط کے مطابق ہے جو حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے:

عن عبداللّٰہ بن عمرو بن عوف المزني أن رسول اللّٰہ ﷺ قال: –إلی قولہ– والمسلمون علی شروطهم، إلا شرطا حرم حلالا، أو أحل حراما.

(سنن الترمذي، أبواب الأحكام، باب ما ذكر عن رسول اللّٰہ ﷺ في الصلح بين الناس، النسخة الهندية ١/ ٢٥١، دارالسلام، رقم: ١٣٥٢، صحيح البخاري، كتاب الإجارة، تحت باب أجر السمسرة ١/ ٣٠٣، رقم الباب: ١٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍ ذی الحجہ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۶۹۷۰)

پندرہ شعبان کو معزول مدرس رمضان کی تنخواہ کا مستحق کب؟

سوال [۸۵۴۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک مدرس نے پورے تعلیمی سال از شوال تا شعبان پڑھایا، پھر سال کے اختتام پر جب سالانہ امتحان ہوجاتا ہے تو دس شوال تک کے دستخط تعطیل کئے جاتے ہیں، پھر پندرہ شعبان کو معزولی کی اطلاع دے کر پورے شعبان کی تنخواہ دی جاتی ہے، نیز اس سے قبل کام پر رمضان کی ڈبل تنخواہ اور نہ کرنے پر سنگل تنخواہ دی جاتی تھی، تو کیا اصول شرع کے اعتبار سے مدرس کو رمضان کی سنگل تنخواہ کے مطالبہ کا حق حاصل ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد ارشاد قاسمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شعبان سے دس شوال تک دستخط کرالینے کا قانون یا مصلحت کیا ہے، ہم کو سمجھ میں نہیں آیا؛ البتہ پندرہ شعبان کو معزولی کی اطلاع دے کر پورے شعبان کی تنخواہ دے دینا اگر وہاں کے قانون وضابطہ کے مطابق ہے، تو یہ جائز ہے۔ اور رمضان کی تنخواہ کے بارے میں اگر وہاں کا قانون یہ ہے کہ شعبان کے معزول شدہ ملازم کو رمضان کی بھی تنخواہ ملے گی تب تو اس قانون کے مطابق رمضان کی تنخواہ کا استحقاق ہے۔ اور اگر وہاں کا قانون ایسا نہیں ہے، یا قانون میں اس طرح کی صراحت نہیں ہے، تو ایسی صورت میں اس مدرس کو رمضان کی تنخواہ نہیں ملے گی؛ اس لئے کہ رمضان میں اس مدرس نے اپنا تقرر دوسرے مدرسہ میں کرالیا ہے، جیسا کہ استفتاء نمبر۲ر سے واضح ہے، ایسی صورت میں وہ حقیقتاً وحکماً دونوں اعتبار سے اس مدرسہ کا مدرس ہی نہیں رہا؛ اس لئے رمضان کی تنخواہ کا استحقاق بھی نہیں ہے۔

عن عبداللہ بن عمرو بن عوف المزني أن رسول اللہ ﷺ قال: الصلح جائز بين المسلمين إلا صلحا حرم حلالا، أو أحل حراما، والمسلمون على شروطهم، إلا شرطا حرم حلالا، أو أحل حراما. (سنن الترمذي، أبواب الأحكام، باب ما ذكر عن رسول اللہ ﷺ في الصلح بين الناس، النسخة الهندية ١/ ٢٥١، دارالسلام، رقم: ١٣٥٢، صحيح البخاري، كتاب الإجارة، تحت باب أجر السمسرة ١/ ٣٠٣، رقم الباب: ١٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍ ذی الحجہ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۶۹۷۱)

اضافی رقم کے حقدار ملازم ہیں نہ کہ مستعفی؟

سوال [۸۵۴۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: بارہ مدرسین جامعہ ہذا نے ایک درخواست تنخواہ کے اضافہ کے بارے میں انتظامیہ کو دی، ایک ماہ کے بعد پھر ایک درخواست دی کہ ہماری گرانی کو مدنظر رکھتے ہوئے اضافہ اگر سو روپیہ نہ کیا گیا تو ہم لوگ چھ صفر المظفر سے خدمت تعلیم سے قاصر رہیں گے، نائب مہتمم حاجی جمیل احمد صاحب نے کہا کہ تم لوگ تعلیم شروع کردو پرسوں تمہارا اضافہ جو کچھ کمیٹی کرے گی سامنے آجائے گا، مدرسین نے انکار کردیا اور کہا کہ جب نتیجہ سامنے آئے گا تب ہی کام کریں گے، حاجی صاحب نے یہ بھی کہا کہ اگر کام نہیں کروگے تو مشاہرہ کاٹوں گا، یہاں مدرسہ میں ہر سال اضافہ ہوتا ہے، اور اضافہ جب بھی ہو شوال سے شمار ہوکر اگلا پچھلا سب ملتا ہے، اضافہ پچاس روپیہ ہوا اور ان مشروط درخواست دہندگان کو چھ صفر المظفر سے الگ کردیا گیا، مدرسین کا کہنا ہے کہ ہم کو نتیجہ نو صفر کو سنایا گیا، ۹ رصفر تک تنخواہ مع اضافہ دے دی جائے، جو حکم شرع ہو مطلع کیا جائے، تاکہ اسی حساب سے مشاہرہ دے دیا جائے۔ فقط والسلام

المستفتی: محمد شفیع غفرلہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر مدرسین کا مشروطاً استعفیٰ ۶ رصفر کا ہے اور فیصلہ نامہ ۹ر صفر کو سنایا گیا ہے، تو اگر نو صفر تک مدرسین نے خدمت کی ہے تو شرعاً ان کو ۹ رصفر تک کی تنخواہ ملے گی۔ اور اگر خدمت نہیں کی ہے تو ان ایام کی تنخواہ کے حق دار نہیں ہیں۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۳/ ۳۴۸)

نیز مستعفی ہونے والے حضرات اضافہ کے مستحق نہیں ہیں؛ کیوں کہ جو اضافہ کیا جاتا ہے وہ آئندہ کام کرنے والوں کے لئے ہوتا ہے، اگرچہ پچھلا بھی ملتا ہو، نیز اضافہ جو کیا گیا وہ ان کی درخواست کے خلاف کیا گیا ہے؛ اس لئے یہ اضافہ شرعاً ان کے حق میں نہیں ہوگا۔

عن عبداللہ بن عمرو بن عوف المزني عن أبیه عن جده أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: الصلح جائز بین المسلمین إلا صلحا حرم حلالا، أو أحل حراما، والمسلمون علی شروطهم، إلا شرطا حرم حلالا، أو أحل حراما.

(سنن الترمذي، أبواب الأحكام، باب ما ذكر عن رسول الله ﷺ في الصلح بين الناس، النسخة الهندية ۱/ ۲۵۱، دارالسلام، رقم: ۱۳۵۲)

الأجرة إنما تكون بمقابلة العمل. (شامي، كتاب النكاح، باب المهر، كراچی ۳/ ۱۵٦، زكريا ٤/ ۳۰۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶/ صفر المظفر ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۲۱۴۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۶/ صفر المظفر ۱۴۱۱ھ

مستعفی کی ایک ماہ کی تنخواہ ضبط کرنے کا حکم

سوال [۸۵۴۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید ایک مدرسہ میں پڑھا رہا تھا، اس نے ایک سال کے بعد استعفیٰ دے دیا، جب استعفیٰ دیا تو ذمہ دارانِ مدرسہ نے یہ کہہ کر ایک ماہ کی تنخواہ ضبط کر لی کہ ہمارے ضابطے اور قانون میں یہ لکھا ہوا ہے کہ استعفیٰ دینے سے ایک ماہ قبل اطلاع ضروری ہے، ورنہ ایک ماہ تنخواہ نہیں دی جائے گی۔ اور اب استعفیٰ دیتے وقت قانونچہ کھول کر دکھایا بھی واقعی لکھا بھی ہے؛ لیکن زید کا کہنا ہے کہ حضور والا بندہ اس ضابطہ کا پابند اس وقت ہوسکتا جب آپ نے بوقت تقرری یہ سارے ضابطے سامنے رکھ دیتے، جس ضابطہ کا علم نہیں اس کا مکلّف نہیں، اگر اس کا علم ہوتا تو بجائے ذیقعدہ کے استعفیٰ دینے کے شوال ہی میں دیتا؛ کیوں کہ دوسری جگہ جانے کی بات رمضان ہی سے چل رہی تھی، آنجناب سے درخواست ہے کہ زید اس تنخواہ کا حقدار ہے یا نہیں؟ فتویٰ مطلوب ہے، ورنہ اسلاف واکابر کا تقویٰ سامنے ہے، جو بغیر تنخواہ کے بھی دینی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

المستفتی: محمد ارشد بیگ قاسمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مدارسِ اسلامیہ کے قوانین وضوابط اس حدیث

شریف کی رو سے صحیح اور درست ہیں: **عن كثير بن عبدالله بن عمرو بن عوف المزني عن أبيه عن جده أن رسول الله ﷺ قال: الصلح جائز بين المسلمين إلا صلحا حرم حلالا، أو أحل حراما، والمسلمون على شروطهم، إلا شرطا حرم حلالا، أو أحل حراما.** (سنن الترمذي، أبواب الأحكام، باب ما ذكر عن رسول الله ﷺ في الصلح بين الناس، النسخة الهندية ١/ ٢٥١، دارالسلام، رقم: ١٣٥٢)

اور دارالعلوم دیوبند، مدرسہ شاہی مرادآباد اور ان کے ذیلی مدارس جوان مدارس کے اصول پر چل رہے ہیں، ان سب میں یہ ضابطہ اور دستور موجود ہے کہ اگر کوئی مدرس یا ملازم مستعفی ہوکر جانا چاہتا ہے، تو ایک مہینہ پہلے اطلاع دے دے اور پوری تنخواہ اس کو مل جائے گی۔ اور اگر اچانک استعفیٰ دے کر جاتا ہے، تو ایک مہینہ کی تنخواہ روک لی جائے گی، اسی طرح اگر مدرسہ اچانک برطرف کردیتا ہے تو منجانب مدرسہ ایک مہینہ کی مزید تنخواہ مل جائے گی، تاکہ حدیث پاک ”لاضرر ولاضرار“ کی رو سے کسی کو نقصان نہ پہنچے، اور کسی بھی مدرسہ میں تقرری منظور کر لینے کا مطلب یہی ہے کہ اس کے سارے قوانین وضوابط کے ماتحت رہ کر ملازمت قبول کی گئی ہے؛ لہٰذا جب رمضان سے دوسری جگہ کی بات چیت چل رہی ہے اور اس کی کوئی اطلاع نہیں کی اور ذیقعدہ میں جاکر اچانک مستعفی ہوتا ہے، تو مدرسہ کو ضابطہ کے مطابق ایک مہینہ کی تنخواہ روک لینے کا حق ہے۔

عن عمرو بن يحيى المازني، عن أبيه، أن رسول الله ﷺ قال: لا ضرر ولا ضرار. (موطا إمام مالك، كتاب القضاء، القضاء في المرفق، أشرفي ديوبند/ ٣١١، سنن ابن ماجة، الأحكام، باب من بنى في حقه ما يضر بجاره، النسخة الهندية/ ١٦٩، دارالسلام، رقم: ٢٣٤١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷؍ ربیع الاول ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۵۱/۳۸)

جمعہ کے دن کی تعطیل کو رخصت میں شمار کرنا

سوال [۸۵۴۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید ایک دینی مدرسہ میں مدرس ہے، مدارس میں جمعہ کی تعطیل رہتی ہے، زید نے جمعرات کی رخصت اتفاقیہ طلب کی، مدرسہ کے مہتمم صاحب نے جمعرات وجمعہ دو دن کی رخصت لگائی، جب کہ زید مدرسہ میں جمعہ کی شام کو واپس آگیا اور ہفتہ کے دن صبح کو تدریسی فرائض انجام دیئے، مدرسہ میں زید کی جمعہ کے دن کسی قسم کی کوئی ذمہ داری بھی نہیں ہے، یا ہفتہ کو رخصت کی درخواست دلوائی اور جمعہ کے دن صبح سے مدرسہ سے سفر پر چلا گیا اور ہفتہ کی شام کو واپس آگیا، ان دونوں صورتوں میں جمعہ رخصت اتفاقیہ میں شامل کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: حسین سعدی، چلہ امروہہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مدارسِ اسلامیہ میں ہر جمعہ کو مدرسہ کی تعلیم وتدریس بند رہتی ہے؛ اس لئے جمعہ کے دن کی تعطیل مدارسِ اسلامیہ میں متعارف اور معروف ہے، اسی وجہ سے دارالعلوم دیوبند مظاہر علوم سہارنپور، مدرسہ شاہی مرادآباد اور ندوۃ العلماء لکھنو ان ام المدارس میں جمعہ کا دن تعطیل ہی میں شمار ہوتا ہے، اس دن مدرس پر کوئی پابندی نہیں رہتی ہے؛ اس لئے ان مدارس میں ضابطہ یہ ہے کہ اگر جمعرات کو ایک دن کی چھٹی لے کر جائیں تو حفظ وناظرہ کے مدرس کو جمعہ کی شام کو حاضر ہونا پڑتا ہے؛ اس لئے کہ جمعہ کی شام کو بچوں کی تعلیم ہوتی ہے اور درجہ عربی وفارسی کے مدرسین کو سنیچر کی صبح کو حاضر ہونا ضروری ہوتا ہے، ان کا کام سنیچر کی صبح سے شروع ہوتا ہے۔ اور اگر سنیچر کی رخصت لے رکھی ہے تو جمعہ کے دن کا کوئی محاسبہ نہیں ہوتا، ہر مدرس سنیچر کی چھٹی لے کر جمعہ کو جا سکتا ہے، اس میں ایک ہی دن کی رخصت شمار ہوتی ہے، اگر اس کے باوجود ذمہ دار کی طرف سے جمعہ کی رخصت بنائی جائے تو یہ بیجا سختی اور تعدی وظلم ہے۔ اور اگر جمعرات اور سنیچر کی رخصت لے رکھی ہے تو جمعہ بھی اس رخصت کے درمیان شامل ہوتا

ہے اور تین دن کی رخصت شمار ہوجائے گی۔ سوال نامہ میں یہ تیسری شکل نہیں ہے؛ لہٰذا جس مدرسہ سے متعلق سوال کیا جارہا ہے اگر یہ مدرسہ جواب میں ذکر کردہ ام المدارس کے تابع ہے اور ان ہی مدارس کے اصول پر چل رہا ہے، تو سوال نامہ میں ذکر کردہ دونوں صورتوں میں جمعہ کے دن کو شامل کرنا تعدی وظلم کے دائرہ میں شامل ہے۔ اور اگر مذکورہ مدرسہ ام المدارس کے اصولوں پر نہیں ہے اور اس مدرسہ کے الگ اصول وضوابط ہیں، تو ان کو تحریر کریں اس کے بعد ان کے اعتبار سے جواب لکھا جائے گا۔

عن عبدالله بن عمرو بن عوف المزني، عن أبيه، عن جده، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: الصلح جائز بين المسلمين –إلى قوله– والمسلمون على شروطهم، إلا شرطا حرم حلالا، أو أحل حراما. (سنن الترمذي، أبواب الأحكام، باب ما ذكر عن رسول الله ﷺ في الصلح بين الناس، النسخة الهندية ١/ ٢٥١، دارالسلام، رقم: ١٣٥٢)

أما لو شرط شرطا تبع، كحضور الدرس أياما معلومة في كل جمعة، فلا يستحق المعلوم إلا من باشر خصوصا إذا قال من غاب عن الدرس قطع معلومه، فيجب اتباعه. (شامي، كتاب الوقف، مطلب في الغيبة التي يستحق بها العزل عن الوظيفة وما لا يستحق، كراچی ٤/ ٤١٩، زكريا ٦/ ٦٣١)

المعروف بالعرف كالمشروط شرطا. (قواعد الفقه، أشرفی دیوبند، ص: ١٢٥)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم شعبان ۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۰۷۴/۳۸)

غیر حاضری کے ایام کو حاضری کے ایام کا بدل قرار دے کر تنخواہ اصول کرنا

سوال [۸۵۴۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: زید ایک سرکاری مدرسہ میں ملازم ہے، سرکاری تنخواہ پاتا ہے، سرکار کی طرف سے جن ایام میں چھٹی رہتی ہے، مدرسہ میں ان ایام میں پڑھائی ہوتی ہے، زید مدرسہ میں حاضر ہوکر درس دیتا ہے، اب زید کسی وجہ سے پڑھائی اور حاضری کے ایام میں غیر حاضر ہوجاتا ہے، تو کیا اس کے لئے جائز ہے کہ اس غیر حاضری کو ان ایام کا (جن میں سرکاری چھٹی تھی مگر اس نے مدرسہ میں حاضر ہوکر درس دیا تھا) بدل قرار دے کر اس غیر حاضری کے ایام میں رجسٹر حاضری میں دستخط کرے اور ان دنوں کی تنخواہ لے؟

المستفتی: محمد عبداللہ ساکن ڈھکیا، ضلع امروہہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر سوال کا مطلب یہ ہے کہ سرکاری چھٹی اتوار کو ہوتی ہے اور مدرسہ میں جمعہ کو چھٹی ہوتی ہے۔ اور سرکاری قانون کے اعتبار سے جمعہ کو حاضر رہنا اور مدرسہ کے ضابطے کے اعتبار سے اتوار کو حاضر رہنا چاہئے، چونکہ دینی مدرسہ کی تعلیم اتوار میں بند نہیں رہتی ہے؛ بلکہ جمعہ کو بند رہتی ہے، تو اس سلسلے میں اگر اربابِ مدرسہ نے اس بات پر اتفاق کر کے ضابطہ بنالیا ہے کہ اتوار کو تعلیم ہوا کرے گی اور جمعہ کو تعلیم نہیں ہوا کرے گی اور سرکار سے تنخواہ لینے کے لئے اتوار کے بدلے جمعہ کو دستخط ہوجایا کریں گے، ہفتہ میں کل چھ دن حاضری ہوجایا کرے گی، اور سرکار سے فی الجملہ ایک دن کی چھٹی اور چھ دن کی حاضری کی تنخواہ لی جائے گی، اس طرح اتفاق کر لینے سے مدرس کی تنخواہ جائز اور درست ہوجائے گی، جیسا کہ ایڈ کے مدارس میں ہوتا ہے، اس لئے کہ مدارسِ اسلامیہ کے قوانین وضوابط اس حدیث کے پیش نظر ہیں۔

الصلح جائز بين المسلمين –إلى قوله– والمسلمون على شروطهم، إلا شرطا حرم حلالا، أو أحل حراما. (سنن الترمذي، أبواب الأحكام، باب ما ذكر عن رسول الله ﷺ في الصلح بين الناس، النسخة الهندية ۱/ ۲۵۱، دارالسلام، رقم: ۱۳۵۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۲۹/۲/۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۴۷۳/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۲/۱۲ھ

غیرِ عالم کا حکومت سے عالم کی تنخواہ لینا

سوال [۸۵۴۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک دینی تعلیمی ادارہ جس کے بعض مدرسین کی تنخواہ حکومت دے رہی ہے۔ اور بعض مدرسین کی تنخواہ مجلس منتظمہ ادا کرتی ہے، سرکار کے ذریعہ تنخواہ پانے والے مدرسین میں ایک مولوی کے عہدہ پر کام کرنے والے ہیں، جو فاضل کی سندر کھتے ہیں، ان کی سند جعلی ہے، ان کے پاس علمی صلاحیت بھی نہیں ہے، مدرسہ کے ناظم نے عوامی رائے کے خلاف دوستی نبھانے کے لئے شخص مذکور کو مدرسہ میں بحال کیا، نتیجہ یہ ہے کہ مدرسہ میں درس وتدریس کے کام میں بہتری نہیں ہو پار رہی ہے، اب غور طلب بات یہ ہے کہ حکومت مولوی کے عہدہ کے لئے رقم دے رہی ہے اور شخص مذکور مولوی ہے نہیں، تو کیا مذکورہ صورت میں حکومت کے ذریعہ مولوی کے عہدہ کے لئے ادارہ کو دی گئی رقم شخص مذکور کو لینا شرعاً جائز ہے؟

المستفتی: سجاد حسین، دارالعلوم دیوبند

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اسلام میں دھوکہ بازی جائز نہیں ہے، مگر مولوی صاحب کو طے شدہ تنخواہ ایام کارکردگی کی ملنی چاہئے؛ البتہ دھوکہ دہی سے بچنے کے لئے ذمہ دار پر تنخواہ کی شرط کے افراد فراہم کرنا لازم ہے۔

عن عمرو بن يحيى المازني، عن أبيه، أن رسول الله ﷺ قال: لا ضرر ولا ضرار. (موطا إمام مالك، كتاب القضاء، القضاء في المرفق، أشرفي ديوبند/ ٣١١، سنن ابن ماجة، الأحكام، باب من بنى في حقه ما يضر بجاره، النسخة الهندية/ ١٦٩، دارالسلام، رقم: ٢٣٤١، الأشباه قديم: ١٣٩، جديد ١/ ٢٥٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶؍ رمضان ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۶۸۲)

غیر حاضری کے دن کی دستخط کر کے تنخواہ وصول کرنا

سوال [۹۴۸۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ زید اسکول سے غیر حاضر رہتا ہے اور دوسرے دن آکر گذشتہ کل کے دستخط کر دیتا ہے جو اس کے حاضر رہنے کی دلیل ہوتی ہے، اس کے ناجائز ہونے پر کوئی شک نہیں، کیا اس طرح کرنے سے اس کی تنخواہ میں حلت وحرمت یا اشتباہ کے اعتبار سے کچھ فرق پڑے گا۔ اور اگر وہ غیر حاضری ہی رہنے دیتا ہے، تو کیا پھر بھی اس کی تنخواہ متاثر ہوگی؛ اس لئے کہ تنخواہ پورے ایک مہینہ کی ملتی ہے۔

المستفتی: محمد فیاض عالم، مرکز المعارف ایجوکیشن اینڈ ریسرچ سینٹر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید کبھی کبھی اسکول سے غیر حاضر رہتا ہے اور دوسرے دن جا کر گذشتہ کل کے بھی دستخط کر دیتا ہے، تو اس کے لئے غیر حاضری کے ایام پر دستخط کے ذریعہ حاضری لگانا اور پھر ان ایام کی تنخواہ لینا جائز نہیں ہے، نیز دستخط کئے بغیر بھی ان ایام کی تنخواہ لینا جائز نہیں ہے؛ اس لئے کہ من جانب سرکار غیر حاضری کے ایام کی تنخواہ کا مستحق نہیں قرار دیا جاتا ہے۔

قال في الشامية: بخلاف غيرهما من أيام الأسبوع حيث لا يحل له أخذ الأجر عن يوم لم يدرس فيه مطلقا، سواء قدر له أجر كل يوم أو لا. (شامي، كتاب الوقف، مطلب في استحقاق القاضي والمدرس الوظيفة في يوم البطالة، كراچی ٤/ ٣٧٢، زكريا ٦/ ٥٦٨)

وقال عليه السلام: من غش فليس مني. (مسلم شريف، كتاب الإيمان، باب قول النبي صى الله عليه وسلم من غشنا فليس منا، النخسة الهندية ١/ ٧٠، بيت الأفكار، رقم: ١٠٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/ صفر ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۴۴۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۲/۵ھ

مدرس وامام کے لئے ایام تعطیل کی تنخواہ لینے کا حکم

سوال [۸۵۵۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص کسی دینی عربی مدرسہ میں مدرس ہو اور وہ کسی دوسری ریاست کا رہنے والا ہو، اگر وہ اپنے خاص کام کے لئے مدرسہ سے ایک ماہ کی چھٹی لے کر اپنے وطن جائے، اب وطن سے واپس آنے پر اس ماہ کی تنخواہ یہ مدرس لے سکتا ہے یا نہیں؟ یا اس ماہ کی چھٹی کی تنخواہ مدرسہ یا مدرسہ کے کارکنان حضرات اپنے پاس سے اس مدرس کو دے سکتے ہیں یا نہیں؟ شرعی حکم کیا ہے؟ یہی صاحب کسی مسجد میں امامت کرتے ہوں اور وہاں سے ایک ماہ کی چھٹی لے کر چلے جائیں، اوران کی غیر موجودگی میں اتنے وقت امامت کی ذمہ داری مؤذن صاحب نے نبھائی ہو تو ان حالات میں چھٹی میں گذر ہوئے ماہ کی تنخواہ امام صاحب کو دی جائے یا مؤذن صاحب کو ملنی چاہئے، شرعی حکم کیا ہے؟

المستفتی: محمد اعظم لال مسجد سرائے ترین سنبھل، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مساجد اور مدارس کے قوانین وضوابط کا مدار اس حدیث پاک پر ہے:

عن عبداللّٰه بن عمرو بن عوف المزني، عن أبيه، عن جده، أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: الصلح جائز بين المسلمين، إلا صلحا حرم حلالا، أو أحل حراما، والمسلمون على شروطهم، إلا شرطا حرم حلالا، أو أحل حراما. (سنن الترمذي، أبواب الأحكام، باب ما ذكر عن رسول اللّٰه ﷺ في الصلح بين الناس، النسخة الهندية ١/ ٢٥١، دارالسلام، رقم: ١٣٥٢)

اس حدیث میں اس کی وضاحت ہے کہ مسلمان اپنے معاملات میں ان شرائط وضوابط کے پابند ہیں جو معاملہ کرتے وقت آپس میں طے ہوتے ہیں اور جو مدارس ومساجد کے پہلے سے

بنے ہوئے قوانین وضوابط ہیں، امام ومدرس کو رکھتے وقت وہ خود بخود ان قوانین کے پابند ہوجاتے ہیں؛ لہٰذا اگر مذکورہ مدرسہ میں مدرس کو ایک مہینہ کی چھٹی ملتی ہے، تو پورے مہینے کی تنخواہ کا مستحق ہے۔ اور اگر پندرہ دن کی چھٹی ملتی ہے تو پورے مہینے میں سے پندرہ دن کی تنخواہ اس کو ملے گی باقی پندرہ دن کی تنخواہ وضع ہوجائے گی، اسی طریقہ سے جس مسجد میں امامت کرتے ہیں، اس کا تعامل اور اس مسجد کی طرف سے کیا مراعات ہیں، اس پر عمل کیا جائے گا، اگر کبھی مہینہ بھر امام کے غائب رہنے کی صورت میں تنخواہ وضع نہیں ہوئی ہے، تو امام کو مسجد سے جو ماہانہ ملتا تھا وہ ملنا چاہئے۔ اور امام کی عدم موجودگی میں موذن کا نماز پڑھا دینا اس کا عام رواج ہے، اس سے امام کی تنخواہ مؤذن کو نہیں ملتی ہے، اس طرح تبرعاً نماز پڑھانے کا تعامل مساجد کے اندر چل رہا ہے؛ اسی لئے امام کی تنخواہ مؤذن کو نہیں ملے گی۔

إمام يترك الإمامة لزيارة أقربائه في الرساتيق أسبوعا، أو نحوه، أو لمصيبة، أو لاستراحة لابأس به، ومثله عفو في العادة، والشرع وهذا مبني على القول بأن خروجه أقل من خمسة عشر يوما بلا عذر شرعي لا يسقط معلومه. (شامي، كتاب الوقف، مطلب فيما إذا قبض المعلوم وغاب قبل تمام السنة، شامي، كراچی ٤/ ٤١٨، زكريا ٦/ ٦٣٠)

إن النائب لا يستحق شيئا من الوقف؛ لأن الاستحقاق بالتقدير ولم يوجد ويستحق الأصيل الكل إن عمل أكثر السنة، وسكت عما يعينه الأصيل للنائب كل شهر في مقابلة عمله، والظاهر أنه يستحق لأنها إجارة.

(شامي، مطلب مهم في الاستنابة في الوظائف، كراچی ٤/ ٤٢٠، زكريا ٦/ ٦٣١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۰۲۶/۳۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۵/۶ھ

سرکار سے مدرسین کا غیر حاضری کے ایام کی تنخواہ لینا

سوال [۸۵۵۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بہار کے کچھ مدارس سرکار سے ملحق ہیں، ملحقہ مدارس کے اساتذہ مدرسہ میں تعلیم نہیں دیتے اور مدرسہ بھی اکثر نہیں جاتے ہفتہ میں مہینہ میں دو چار دن مدرسہ میں جاکر رجسٹر حاضری بنا لیتے ہیں اور فارم بھروا کر گاؤں گھر کے لڑکے لڑکیوں کا بورڈ سے امتحان دلواتے رہتے ہیں، عوام جب تعلیم پر زور دیتی ہے تو اساتذہ کہتے ہیں کہ ہم آپ لوگوں سے تنخواہ نہیں لیتے ہیں، ہمیں سرکار تنخواہ دیتی ہے، آپ کو کیا مطلب، بایں طور بورڈ کے مدرسہ میں تعلیم بالکل نہیں؛ بلکہ طلبہ بالکل نہیں ہیں، نہ گاؤں کے نہ باہر کے، کمرے سب خالی پڑے ہیں، جب کہ سرکار تعلیم دینے کے لئے تنخواہ دیتی ہے، بایں صورت بغیر کام کئے ہوئے صرف جھوٹی حاضری بھر کر تنخواہ لینا اور کھانا شرعاً درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد راشق الہدیٰ، ساکن لادھ کیسیا، سمستی پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سرکار کی جانب سے مدرسین کو تنخواہ پڑھانے کے عوض ملتی ہے؛ لہٰذا مدرسین جتنے دن حاضر ہوکر باقاعدہ بچوں کو پڑھائیں وہ صرف انہیں دنوں کی تنخواہ کے مستحق ہیں، غیر حاضری کے ایام کی حاضری لگا کر ان دنوں کی تنخواہ وصول کرنا جائز نہیں ہے۔

الأجرة لا تملک بنفس العقد، ولا يجب إيفاء ها إلا بعد استيفاء المنفعة. (تاتارخانية ۱۵/ ۱٤، برقم: ۲۱۹۵۰)

الأجرة إنما تكون بمقابلة العمل. (شامي، كتاب النكاح، باب المهر كراچی ۳/ ۱۵٦، زكريا ٤/ ۳۰۷)

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا يحل لمسلم أن يأخذ مال أخيه بغير حق. (مجمع الزوائد، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ۱۷۱)

عن أبي هريرة -رضي الله عنه- أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: من غشنا فليس منا. الحديث (صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم: من غشنا فليس منا، النسخة الهندية ١/ ٧٠، بيت الأفكار، رقم: ١٠١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/ ذی الحجہ ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۲۴۳)

ایامِ رخصت کی تنخواہ کا مسئلہ

سوال [۸۵۵۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے ایک مدرس سفر حج پر تشریف لے گئے ہیں، تقریباً دو ماہ مدرسہ سے رخصت پر رہیں گے، جب کہ تمام مدرسین وملازمین کی ایک ماہ کی رخصت اتفاقیہ و بیماری بھی منظور ہے، علاوہ ازیں موصوف کے سفر پر جانے کی وجہ سے ایک زائد مدرس کا بھی بندوبست کرنا پڑا ہے، اس سلسلے میں مسئلہ کیا ہے؟ ایام حج کی تنخواہ مدرسہ کو دینی ہوگی یا نہیں؟ یا جو بھی شریعت اسلامیہ کا حکم ہو تحریر فرمادیں۔

المستفتی: محمد طاہر القاسمی، مدرسہ احیاء العلوم صدیقیہ پٹلوکر سہارنپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: حج چونکہ اسلام کے اساسی اور بنیادی فرائض میں سے ہے؛ اس لئے اہم اور بڑے اداروں میں اس فریضہ کی ادائیگی کے لئے منجانب مدرسہ حج فرض کی ادائے گی کے نام سے ایک مرتبہ رخصت دی جاتی ہے، جیسا کہ دارالعلوم دیوبند اور مدرسہ شاہی وغیرہ کا دستور ہے۔ اور مدارس اسلامیہ کے قوانین وضوابط کا مدار اس حدیث شریف پر ہے کہ:

عن عمرو بن عوف المزني عن أبيه عن جده، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: الصلح جائز بين المسلمين ، إلا صلحا حرم حلالا، أو أحل حراما ، والمسلمون على شروطهم، إلا شرطا حرم حلالا، أو أحل حراما. (سنن الترمذي، أبواب الأحكام، باب ما ذكر عن رسول الله ﷺ في الصلح بين الناس، النسخة الهندية ۱/ ۲۵۱، دارالسلام، رقم: ۱۳۵۲)

اب آپ اپنے مدرسہ کے قوانین وضوابط دیکھیں کہ اس میں کیا حکم ہے؟ اگر سفر حج کے متعلق کوئی صراحت نہیں تو آئندہ کے لئے قانون بنانا چاہئے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰/ ذی الحجہ ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۸۶۲)

تعطیل کلاس میں تنخواہ کا استحقاق کب؟

سوال [۸۵۵۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص نے کسی مدرسہ میں تدریس کے لئے ملازمت طے کی، فرائض وتنخواہ اور جملہ امور سب مقرر ہوگئے، مدرس ابتدائے سال سے اپنے وقت پر کام میں لگ گیا، بعد چند ایام کچھ باتیں پیش آئیں، جن کے متعلق مہتمم اور مدرس میں کچھ گفت وشنید ہوئی، دوران گفتگو مدرس نے کہا کہ فلاں طریق کار میں معاہدے سے انحراف ہو رہا ہے، آپ اس پر عمل درآمد کریں اور کرائیں، مہتمم نے کہا کہ ابھی ہم آپ کو ایک سال تک آزمائیں گے، یعنی آپ کے مطالبات کا معاہدے کے مطابق حق بجانب ہونا ہم کو مسلم ہے، مگر ان کی تکمیل ایک سال بعد ہوگی، جب کہ قالاً یا حالاً آزمائش پر طے شدہ امور کو معلق کرنے کا کوئی اشارہ تک پہلے نہیں ہوا تھا، کیا اس طرح ایام عمل کے دوران بے گمان شرط لگانا اور طے شدہ امور کو غیر مذکور وغیر معہود شرائط پر معلق کرنا درست ہے، جب کہ مدرس خود مقامی باشندہ ہے اور چھوٹے بڑے ہر

ایک کومعلوم ہو، نیز اب مدرس اپنے تئیں یہ سوچ رہا ہے کہ جو وعدے ہوئے تھے نہ ہی پورے کئے گئے نہ آئندہ ان کی بظاہر کوئی توقع ہے، ان حالات میں وہ موجودہ تعلیمی سال (۵/شوال تا ۲۵/شعبان) کی مدت پوری کر کے تحریراً یا مشافہۃً مہتمم سے اپنی برطرفی کا اظہار کر دینا چاہتا ہے، واضح رہے کہ تعطیلات میں چندہ کی وصولی اس کے ذمہ لازم نہیں کی گئی تھی، یہ امر تاہنوز سب کو مسلم ہے، اس کو صرف شعبہ عربی وفارسی کی تاسیس اور اس کی مکمل نگرانی وذمہ داری کے لئے لایا گیا تھا، کیا وہ حسب دستور مدرسہ آئندہ امتحان سالانہ سے فراغت کے بعد دوبارہ کام پر لگنے سے ایک ماہ قبل اطلاع کر دے تو وہ رمضان کی تنخواہ کا شرعاً مستحق ہوگا یا نہیں؟ یعنی ایام تعطیل ایام تعلیم کے ساتھ ملحق اور ان کے تابع ہیں یا نہیں؟ اس تعلق سے کوئی بات اس سے قبل نفیاً یا اثباتاً ہوئی بھی نہیں ہے، بوضاحت مدلل جواب عنایت فرمائیں، کتب فقہیہ کے حوالوں سے جواب دیں۔

المستفتی: محمد عنایت اللہ چھتی بازار مہولی، کبیر نگر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) اگر صراحتاً سارے شرائط مقرر نہیں ہوئے؛ لیکن مدرسہ کے قواعد معروف ومدون ہیں، تو وہ بھی مثل مشروط کے ہیں، اب اگر ایک سال کی آزمائش قوانین مدرسہ میں سے ہے تو اس کی پابندی لازم ہے۔ (مستفاد: فتاوی رحیمیہ قدیم ۹/۳۰۴)

(۲) تعطیلات رمضان ایام تعلیم کے اس وقت تابع ہوں گی، جب کہ آئندہ سال بھی آپ اسی مدرسہ میں تدریسی خدمت انجام دیں؛ لیکن جب آپ کا ارادہ اس سال مدرسہ چھوڑ دینے کا ہے، تو اس صورت میں آپ رمضان کی تنخواہ کے مستحق نہ ہوں گے، یہی مدارس کے اندر معروف ومشروط ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۱۲/ ۲۲۶، جدید ڈابھیل ۱۵/ ۵۲۵، رحیمیہ قدیم ۹/ ۳۰۵، جدید زکریا ۹/۳۰۲)

لأن المعروف كالمشروط. (الأشباه والنظائر، قديم: ۱۵۲، جديد زكريا ۱/ ۲۷۸، المبسوط للسرخسي، دارالكتب العلمية بيروت ۱۲/ ۵٤، البناية أشرفيه ديوبند ۵/ ٤۸۱، قواعد الفقه أشرفي ۱۲۵، رقم: ۳۳٤)

فحيث كانت البطالة معروفة في يوم الثلثاء والجمعة، وفي رمضان والعيدين يحل الأخذ. (شامي، الوقف، مطلب في استحقاق القاضي والمدرس الوظيفة في يوم البطالة كراچی ٤/ ٣٧٢، زكريا ٦/ ٥٦٨، سكب الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٢/ ٥٨٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/ ۶/ ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۲۸۶)

مدرسہ کے ملازم کا ایام تعطیل کی تنخواہ لینا

سوال [۸۵۵۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید ایک دینی مدرسہ میں غیر مستقل ملازم ہے، ۶/ ذی الحجہ تک کام کرتا ہے، ۷/ ذی الحجہ سے تعطیل عیدالاضحیٰ ہو جاتی ہے، ۱۷/ ذی الحجہ کو مدرسہ کھلنے کے دن ۱۰/ بجے دفتر میں حاضر ہوکر رجسٹر حاضری مدرسین پر دستخط کر کے فوراً ہی چلا جاتا ہے، جب کہ مدرسہ کا وقت صبح ۸/ تا ۱۱/ بجے ہے۔ اور تعطیل کے بعد وقت پر حاضر ہونا لازم ہے، پھر ۱۸/ تا ۲۰/ ذی الحجہ کی رخصت بوضع تنخواہ حاصل کرتا ہے (مدرسہ میں غیر مستقل ملازم کو رخصت بوضع تنخواہ ہی کا حق ہے) ۲۱/ ذی الحجہ کو جمعہ پڑتا ہے اور پھر ۲۲/ ذی الحجہ کو استعفیٰ نامہ ارسال کر دیتا ہے۔ مطلوب یہ ہے کہ ۷/ ذی الحجہ تا ۲۱/ ذی الحجہ تنخواہ ذمہ داران مدرسہ پر واجب الاداء ہے یا نہیں؟ واضح رہے کہ مدرسہ میں ایام تعطیل کلاں کی تنخواہ غیر مستقل ملازم کو نہیں دی جاتی ہے، باقی ایام تعطیل کی تنخواہ دے دی جاتی ہے، بشرطیکہ مدرسہ کھلنے والے دن وقت پر حاضر ہوا ہو۔

المستفتی: نظام الحق، مہتمم ادارہ محمودیہ محمدی کھیری، لکھیم پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مدارسِ اسلامیہ کے قوانین اور ضوابط کا مدار ذیل کی حدیث پاک پر ہے:

الصلح جائز بين المسلمين، إلا صلحا حرم حلالا، أو أحل حراما، والمسلمون على شروطهم، إلا شرطا حرم حلالا، أو أحل حراما. (سنن الترمذي، أبواب الأحكام، باب ما ذكر عن رسول الله ﷺ في الصلح بين الناس، النسخة الهندية ۱/ ۲۵۱، دارالسلام، رقم: ۱۳۵۲)

اسی حدیث پاک سے دینی اداروں کے قوانین مستنبط ہوتے ہیں، آپ کے مدرسہ میں تحریری طور پر رخصت سے متعلق جو قانون دستور مدرسہ میں درج ہے، اسی کے مطابق عمل کرنا چاہئے، اگر ملازم ایام تعطیل کی تنخواہ کا مستحق ہوتا ہے، تو دینا چاہئے اور نہیں ہوتا ہے تو نہیں دینا چاہئے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰ر محرم الحرام ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۲۰۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۲/۱/۱۴۲۵ھ

تعطیل کلاں میں تنخواہ کا استحقاق

سوال [۸۵۵۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے گھر میں کوئی اولاد نہ تھی، ہم نے دوسری شادی کی اور منت مانی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے اولاد سے نواز دیا تو چلہ لگاؤں گا، الحمد للہ لڑکی بعدہ لڑکا، دونوں سے اللہ تعالیٰ نے نواز دیا، میں ایک مکتب میں مدرس ہوں، میں نے مہتمم صاحب سے اپنی منت کا تذکرہ کیا اور کہا کہ اگر آپ اجازت دیں تو میں اپنی منت پوری کرلوں، مہتمم صاحب نے اجازت مرحمت فرمادی اور میں نے چلہ پورا کرلیا، اب چلہ کے زمانہ کا مشاہرہ وجہ نزع بن گیا، مہتمم صاحب فرمارہے ہیں کہ چونکہ اولاد کے لئے آپ نے منت مانی ہے، بوضع مشاہرہ چلہ پورا کرنا چاہئے، اگر آپ نے مشاہرہ لے لیا تو وقت مدرسہ کا ہوجائے گا، آپ کی منت پوری نہ ہوگی، ہم چاہتے ہیں کہ مشاہرہ مجھے ملے؛ کیوں کہ چلہ میں جانے والوں کو مدرسہ مشاہرہ دیتا ہے؛

اس لئے آپ حضرات سے درخواست ہے کہ فیصلہ تحریر فرمادیں، کیا مجھے مشاہرہ لینا جائز ہے؟ اگر جائز ہوتو مطالبہ کروں ورنہ خاموش ہو جاؤں؟

المستفتی: محمد ملیح مدرس مدرسہ اسلامیہ دارالعلوم فرقانیہ، مہراج گنج

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مسئولہ صورت میں آپ کے مدرسہ ومکتب کا جو قانون وقاعدہ مروج ومشہور ہو اسی کے مطابق عمل ہوگا، بعض مدارس میں سالانہ کچھ ایام کی رخصت اتفاقیہ کا قانون ہوتا ہے، ان ایام کے بقدر رخصت لینے پر تنخواہ نہیں کاٹی جاتی، اگر آپ کے مدرسہ ومکتب میں یہ قانون ہے، تو ان ایام کے بقدر تنخواہ کا استحقاق ہے، اس سے زائد کا نہیں، نیز اس کے بعد تمام سال ضرورت پڑنے پر جو رخصت لی جائے گی اس رخصت کے ایام کی تنخواہ کا بھی استحقاق نہیں رہے گا۔ اور سوال نامہ میں جو مدرسہ کی جانب سے چلہ کی بات کہی گئی ہے تو چلہ میں جانے پر مشاہرہ اسی وقت ملے گا، جب کہ مدرسہ از خود اپنی خوشی سے بھیجے، اس میں نذر کا چلہ داخل نہیں ہوسکتا۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۳/ ۳۴۹، فتاوی رحیمیہ قدیم ۹/ ۳۰۳، فتاوی محمودیہ قدیم ۶/ ۳۱۱، جدید ڈابھیل ۱۵/ ۵۳۵، احسن الفتاوی ۷/ ۲۸۳)

بخلاف ما إذا لم يقدر لكل يوم مبلغا، فإنه يحل له الأخذ، وإن لم يدرس فيهما للعرف، بخلاف غيرهما من أيام الأسبوع حيث لا يحل له أخذ الأجر عن يوم لم يدرس فيه مطلقا، سواء قدر له أجر كل يوم أو لا. الخ

(شامي، كتاب الوقف، مطلب استحقاق القاضي والمدرس الوظيفة في يوم البطالة، كراچی ٤/ ٣٧٢، زكريا ٦/ ٥٦٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸؍ ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۶۳۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۹؍ ۴؍ ۱۴۲۱ھ

مدارسِ اسلامیہ میں ایامِ تعطیل کی تنخواہوں کا حکم

سوال [۸۵۵۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے یہاں ماضی قریب میں ایک ملکی ہنگامہ کی زد میں آکر دیگر ضروریات زندگی کے تعطلات کے ساتھ ساتھ مدارسِ اسلامیہ بھی بند ہوگئے، چنانچہ ہمارا مدرسہ ۲۵/ ذیقعدہ کو بالکل بند کردیا گیا، پھر ۳/ صفر کو کھولا گیا، اب بحمد اللہ بدستور تعلیم جاری ہے، ایام تعطیل کی تنخواہوں سے متعلق اختلاف واقع ہوا، مدرسین طالب ہیں اور ذمہ داران عدم عمل کی وجہ سے مانع ہیں، دستور اساسی میں اس بارے میں کوئی تصریح نہیں اور نہ ہی عقد اجارہ کے وقت کوئی بات طے شدہ ہے اور نہ ہی اطراف وجوانب کے مدارس میں کوئی قانون منضبط ہے؛ لہٰذا برائے کرم حسب شرع فیصلہ فرمادیں، نیز تنخواہ نہ ملنے کی صورت میں ذی الحجہ کے اندر جو ایام دستوری چھٹی کے ہیں، ان کی تنخواہ الگ ملے گی یا نہیں؟

المستفتی: سبحان اللہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مسئولہ میں چونکہ ملازمین ومدرسین کی جانب سے کوئی تعدی نہیں ہے، نیز عقد اجارہ کے وقت بھی کوئی بات طے نہیں ہوئی اور نہ ہی آپ کے مدرسہ کے دستور اساسی میں اس قسم کی کوئی بات موجود ہے، تو عرف کے مطابق وہ لوگ تنخواہ کے مستحق ہوں گے، اگرچہ آپ کے اطراف کے مدارس میں اس کے بارے میں کوئی قانون منضبط نہیں ہے؛ لیکن ہمارے یہاں مرادآباد میں ۱۹۸۰ء کے فساد کے موقع پر بڑے بڑے مدارس مثلاً مدرسہ شاہی، امدادیہ، جامع الہدیٰ وغیرہ تقریباً دو تین ماہ بند رہے؛ لیکن ملازمین ومدرسین کی تنخواہیں وضع نہیں کی گئیں؛ بلکہ برابر تنخواہیں دی گئیں، نیز ”امداد الفتاوی“ (۳/ ۳۴۹) سے یہی مستفاد ہوتا ہے۔ اور تقریباً تمام مدارس میں ایسا ہی دستور ہے۔

الثابت بالعرف كالثابت بالنص. (شرح عقود رسم المفتي، قديم ص: ۹۵،

قواعد الفقه، أشرفي ديوبند/ ٧٤، رسائل ابن عابدين، ثاقب بك ڈپو ديوبند/ ٤٤)

وقول الفقهاء: المعروف بالعرف كالمشروط شرطا. (قواعد الفقه، أشرفي ديوبند/ ١٢٥، إمداد الفتاوى ٣/ ٣٤٩)

نیز ذی الحجہ کے اندر جو ایام دستوری چھٹی کے ہیں، ان کی تنخواہ دینے کا چونکہ عام مدارس کا دستور ہے، جو بمنزلہ شرط کے ہے؛ لہٰذا اس کی تنخواہ کے ملازمین ومدرسین مستحق ہوں گے، اگر اہل چندہ کی رضا قالاً یا حالاً معلوم ہوجائے تو چندہ سے دیا جاسکتا ہے، ورنہ موجرا پنے پاس سے دے گا۔ اور عدم اشتراط کی صورت میں ان ایام کی تنخواہ کا استحقاق نہیں ہوگا۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۳/۳۴۸)

فحيث كانت البطالة معروفة في يوم الثلاثاء والجمعة، وفي رمضان والعيدين يحل الأخذ. (شامي، الوقف، مطلب في استحقاق القاضي والمدرس الوظيفة في يوم البطالة، كراچی ٤/ ٣٧٢، زكريا ٦/ ٥٦٨، سكب الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٢/ ٥٨٩)

لأن المعروف كالمشروط. (الأشباه قديم/ ١٥٢، جديد زكريا ١/ ٢٧٨، المبسوط للسرخسي، دارالكتب العلمية بيروت ١٢/ ٥٤، البناية، أشرفيه ديوبند ٥/ ٤٨١، قواعد الفقه، اشرفي ديوبند/ ١٢٥، رقم: ٣٣٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍ جمادی الثانیہ ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰۹۳/۳۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/۶/۲۹ھ

مدرسے کی چھٹیوں میں پڑھانے کی اجرت اور تعطیل کلاں کی تنخواہ کا حکم

سوال [۸۵۵۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) مدارسِ اسلامیہ میں انتظامیہ کمیٹی کی جانب سے کچھ چھٹی منظور ہوتی ہیں، جنہیں اتفاقیہ واحتیاجیہ کہا جاتا ہے، اگر کوئی مدرس وغیرہ منظور شدہ چھٹیوں سے زائد حاصل کر

لیتا ہے تو جزو زائد کی تنخواہ کاٹ لی جاتی ہے؛ لیکن اگر مدرس وغیرہ پوری چھٹیاں حاصل نہیں کر پاتا؛ بلکہ کچھ باقی رہ جاتی ہیں، تو بقایا کا مدرس کو کچھ نہیں دیا جاتا، آیا یہ طریقہ اسلامی تعلیمات وشرعی احکامات کے مطابق ہے کہ زائد ہونے پر رقم وضع کر لی جائے اور باقی باندہ کا کچھ نہ دیا جائے؟ کیا ناظم مدرسہ اپنے اس رویہ کے باعث حق العبد میں ماخوذ ہوگا یا نہیں؟

(۲) تعطیل کلاں کی تنخواہ کا حق دار مدرس کب ہوتا ہے؟ زید کا کہنا ہے کہ اگر مدرس سالانہ امتحان تک مدرسہ کی خدمت پر مامور رہتا ہے، تو وہ تعطیل کلاں کی تنخواہ کا حق دار ہوگا، ورنہ نہیں؛ لیکن خالد کا کہنا ہے کہ اگر مدرس تعلیمی سال کے نصف تک مدرسہ کی خدمت کرتا رہا تب بھی وہ آنے والی تعطیل کلاں کی تنخواہ کا واجبی حق دار ہے، صحیح قول کس کا ہے؟ واضح فرمائیے گا، اگر ارکان مدرسہ اس میں کوتاہی کریں تو کیا حکم ہے؟

المستفتی: محمد صابر خان، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مدارسِ اسلامیہ کے تمام قواعد وضوابط اس حدیث شریف سے مستنبط ہیں:

عن عبداللّٰہ بن عمرو بن عوف المزني، عن أبیه، عن جده، أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم قال: الصلح جائز بین المسلمین، إلا صلحا حرم حلالا، أو أحل حراما، والمسلمون علی شروطهم، إلا شرطا حرم حلالا، أو أحل حراما. (سنن الترمذي، أبواب الأحکام، باب ما ذکر عن رسول اللّٰہ ﷺ في الصلح بین الناس، النسخة الهندیة ۱/ ۲۵۱، دارالسلام، رقم: ۱۳۵۲)

اب اس حدیث شریف کی روشنی میں مذکورہ سوالات کے جوابات اس طرح ہوں گے کہ منظور شدہ چھٹیوں میں سے باقی رہنے پر کچھ نہ دینا اور زائد چھٹیوں پر تنخواہ وضع کر لینا آپ کے یہاں کے اداروں کے اصول وضوابط پر مبنی ہے، اگر وہاں کے اداروں میں منظور شدہ چھٹیوں میں باقی رہنے پر کچھ نہیں دیا جاتا اور زائد چھٹیوں پر تنخواہ وضع کر لی جاتی ہے، تو اسی پر عمل

ہوگا۔اور چھٹی باقی رہنے پر مدرس کو کسی طرح کا استحقاق نہ ہوگا۔اور اگر باقی چھٹیوں پر ان ایام کی تنخواہ دینے کا قانون ہے،تو ایسی صورت میں مدرس ان ایام کی تنخواہ کا شرعاً مستحق ہوگا۔ پہلی صورت میں نہ دینے پر ناظم مدرسہ حق العبد میں ماخوذ بھی نہ ہوگا۔اور دوسری صورت میں نہ دینے سے ذمہ دار اور ناظم حق العبد میں ماخوذ ہوگا۔

(۲) اگر تعطیل کلاں سے قبل مدرس کو مدرسہ سے علیحدہ نہیں کیا گیا،تو ایسی صورت میں مدرس تعطیل کلاں کی تنخواہ کا مستحق ہے؛ کیوں کہ مدارس اسلامیہ میں مدرسین کا تقرر مکمل سال کے لئے ہوتا ہے۔اور اگر مدرس کو تعطیل کلاں سے قبل مدرسہ سے علیحدہ کردیا گیا یا تقرر کے وقت اس بات کی وضاحت کردی گئی تھی کہ آپ کا اور ہمارا معاملہ صرف شعبان تک ہے، تو ایسی صورت میں مدرس تعطیل کلاں کی تنخواہ کا مستحق نہیں ہوگا؛ کیوں کہ آپس کی شرائط کی پابندی مسلمانوں پر لازم ہے۔

لأن أمور المسلمين محمول على الصلاح والسداد. (بدائع الصنائع، كتاب الصلح، فصل في الشرائط التي ترجع إلى المصالح، زكريا ديوبند ۵/ ۵۲) **فقط واللہ** سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر:۳۵/ ۷۲۸۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۶/۱۵ھ

رمضان کی تنخواہ کا حکم

سوال [۸۵۵۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ادارہ والے یا مدرسہ والے مدرسین وملازمین حضرات کو رمضان المبارک کی تعطیلات کی جو تنخواہ دیتے ہیں اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ جو حضرات مستعفی ہونا چاہتے ہیں وہ اس کے مستحق ہوں گے یا نہیں؟ اور ان کی تین شکلیں ہیں: (۱) ایک تو وہ حضرات ہیں جو شعبان میں مستعفی ہوتے ہیں (۲) وہ حضرات جو پندرہ رمضان یا ۲۵/ رمضان کو مستعفی ہونے کی اطلاع دیتے

ہیں (۳) وہ حضرات ہیں جو شوال میں ایک ہفتہ یا دو ہفتہ پڑھا کر رمضان کی تنخواہ لے کر اپنا استعفیٰ منظور کروائے بغیر چلے جاتے ہیں، یا تنخواہ لے کر تو نہیں جاتے مگر بغیر انتظامیہ کی منظوری کے دوسری جگہ جا کر خدمت میں لگ جاتے ہیں اور پھر رمضان کی تنخواہ کا مطالبہ فرماتے ہیں، حالانکہ مدرسہ کا قانون ہے کہ جن حضرات کو مستعفی ہونا ہے وہ ایک مہینہ قبل اطلاع دیں، تو اس صورت میں کون حضرات رمضان المبارک کی تنخواہ کے مستحق ہوسکتے ہیں؟

المستفتی: محمد عابد غلام محمد کیسر پوری، خادم مدرسہ مفتاح العلوم موڑ اسا، گجرات

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مدارسِ اسلامیہ کے قوانین وضوابط منقول اور منصوص نہیں ہیں، ہاں البتہ ترمذی شریف کی اس حدیث کی رو سے مدارس کے قوانین وضوابط صحیح اور درست ہیں، حدیث شریف یہ ہے:

عن عبداللہ بن عمرو بن عوف المزني، عن أبیه، عن جده، أن رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم قال: الصلح جائز بین المسلمین ، إلا صلحا حرم حلالا، أو أحل حراما، والمسلمون علی شروطهم، إلا شرطا حرم حلالا، أو أحل حراما. (سنن الترمذي، أبواب الأحکام، باب ما ذکر عن رسول اللہ ﷺ في الصلح بین الناس، النسخة الهندیة ۱/ ۲۵۱، دارالسلام، رقم: ۱۳۵۲)

اس حدیث شریف کی روشنی میں سارے قوانین جائز اور درست ہیں۔ سوال نامہ میں لکھی ہوئی تینوں شکلیں مدرسہ کے ذمہ دار سے معلوم کریں، ان کے یہاں جو دستور اور ضابطہ بنا ہوا ہے اس کے مطابق یہ تینوں شکلیں ضابطہ اور دستور کے کس کالم میں اترتی ہیں، دیکھ لیں، پھر ان ہی کالم کے مطابق ان شکلوں پر عمل کرنا چاہئے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶ ربیع الاول ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۱۰۰۰۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۶/ ۴/ ۱۴۳۱ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۲۵/ کتاب البیوع

۱/ باب البیع الصحیح

مالِ متقوم وغیر متقوم، بیع باطل اور فاسد کی تعریف

سوال [۸۵۵۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مال کی تعریف، نیز مالِ متقوم وغیر متقوم کی واضح تعریف کیا ہے؟ نیز بیع باطل وفاسد کی جامع مانع تعریف اور فرق دونوں کے درمیان کیا ہے؟ ان سب کو جامع مانع اور واضح الفاظ میں پیش فرمادیں۔

المستفتی: حسیب الرحمٰن گوری نواداِ، فرخ آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مال: اس کو کہتے ہیں جس کی طرف طبیعت کا میلان ہو اور بوقت ضرورت جمع کر کے رکھا جا سکتا ہو۔

المراد بالمال: ما يميل إليه الطبع، ويمكن إدخاره لوقت الحاجة.

(شامي، البيوع، مطلب في تعريف المال والملك والمتقوم، كراچی ٤/ ٥٠١، زكريا ٧/ ١٠، وهكذا في البحرالرائق، زكريا ٥/ ٤٣٠، كوئٹه ٥/ ٢٥٦، معجم لغة الفقهاء، كراچی ٣٩٦، الموسوعة الفقهية الكويتية ١٥/ ٢٧، ٣١/ ٦٠، ٣١/ ٢٧٩، ٣٦/ ٣١، الفقه الإسلامي وأدلته، هدى انٹرنيشنل ديوبند ٤/ ١١٢/ دارالفكر ٥/ ٣٣٠٥)

اور مالِ متقوم: اس کو کہتے ہیں جس سے مسلمان کو نفع اٹھانا ممکن ہو اور مسلمان کے لئے اس سے فائدہ اٹھانا جائز ہو۔

المتقوم: ما يمكن إدخاره مع الإباحة، فإن المتقوم هو المال المباح

الانتفاع به شرعا. (شامي، البيوع، مطلب في تعريف المال والملك والمتقوم، زكريا ۷/ ۱۰، ۲۳۵، كراچی ٤/ ٥٠١، ٥/ ٥٠، معجم لغة الفقهاء، كراچی ۳۹۷، الموسوعة الفقهية الكويتية ١٥/ ٢٧، ٣٦/ ٣٤، الفقه الإسلامي وأدلته، هدى انٹرنيشنل ديوبند ٤/ ١٢٥، دارالفكر ٥/ ٣٣٢١)

اور مالِ غیر متقوم: اس کو کہتے ہیں کہ مسلمان کے لئے جس سے فائدہ اٹھانا بالکل جائز نہیں ہوتا ہے اور اس کی بیع قطعاً باطل ہو جاتی ہے۔

وبطل بيع مال غير متقوم، أي غير مباح الانتفاع به، كخمر وخنزير. (درمختار، البيوع، باب البيع الفاسد، مطلب في تعريف المال زكريا ۷/ ۲۳۵، كراچی ٥/ ٥٠، زكريا ۷/ ۲٤١، ٢٤٢، كراچی ٥/ ٥٥، معجم لغة الفقهاء، كراچی ٣٩٧، الفقه الإسلامي وأدلته، هدى انٹرنيشنل ديوبند ٤/ ١٢٥، دارالفكر ٥/ ٣٣٢١)

نیز بیع باطل وہ ہے کہ جس کے صلب عقد میں فساد آیا ہو۔ اور بیع فاسد وہ ہے کہ صلب عقد میں تو فساد نہ آیا ہو؛ بلکہ خارج عقد اور صفات میں فساد آیا ہو، جیسا کہ جب مبیع میتہ یا خنزیر ہو تو رکن بیع یعنی عین مبیع میں فساد آیا ہے؛ اس لئے باطل ہے۔ اور دریا سے مچھلی پکڑنے سے قبل فروخت کرنا اور ہوا میں اڑتے پرندہ کو پکڑنے سے قبل فروخت کرنا اس میں عین مبیع میں فساد تو نہیں ہے، مگر خارج مبیع میں فساد ہے اور وہ مبیع کا غیر مقدور التسلیم ہونا ہے، اس لئے فاسد ہے۔

ظاهره أن الفاسد بيع السمک، وأنه يملک بالقبض، وفيه أن بيع ما ليس في ملكه باطل كما تقدم؛ لأنه بيع المعدوم، والمعدوم ليس بمال فينبغي أن يكون بيعه باطلا، وأن يكون الفاسد هو بيع العرض؛ لأنه مبيع من وجه، وإن دخلت عليه الباء. (شامي، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مطلب في البيع الفاسد، زكريا ۷/ ۲٤۸، كراچی ٥/ ٦٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸ر محرم الحرام ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۱۳۶)

نیلامی کا حکم

سوال [۸۵۶۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نیلامی میں بولی خرید وفروخت کرنا کیسا ہے؟

المستفتی: سید عادل حسن سید کالونی، جے پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نیلام سے خرید وفروخت کرنا شرعاً جائز ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۸/۳۷، جدید زکریا مطول ۱۱/۹۰، امداد الفتاوی ۳/۱۲۱)

عن أنس بن مالک، أن رسول اللّٰه ﷺ باع حلسا وقدحا، وقال: من يشترى هذا الحلس والقدح، فقال رجل: أخذتهما بدرهم، فقال النبي صلى اللّٰه عليه وسلم: من يزيد على درهم؟ من يزيد على درهم؟ فأعطاه رجل بدرهمين، فباعهما منه. (سنن الترمذي، البيوع، باب ماجاء في من يزيد، النسخة الهندية ١/ ٢٣١، دارالسلام، رقم: ١٢١٨، سنن أبي داؤد، كتاب الزكوة، النسخة الهندية ١/ ٢٣٢، دارالسلام، رقم: ١٦٤١، سنن النسائي، البيوع، النسخة الهندية ١/ ١٨٩، دارالسلام، رقم: ٤٥١٥) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲ رصفر ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۰۹۹)

امریکہ سے ٹیلی ویژن پر خرید وفروخت کا حکم

سوال [۸۵۶۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: آج کے جدید ترقی یافتہ دور میں ایک شخص امریکہ سے ٹیلی فون پر کہتا ہے، ہندوستانی

تاجر سے کہ آج سونے کا یہاں بھاؤ یہ ہے، بولو تم کو لینا ہے؟ ہندوستانی تاجر بولتا ہے کہ آپ کے بتلائے ہوئے بھاؤ پر میرا دو کیلو ہوگیا ہے، پھر کچھ ٹائم بعد یا ایک دو روز بعد وہ امریکی کہتا ہے کہ آج سونے کا بھاؤ یہ ہے تم کو لینا ہے، ہندوستانی تاجر کہتا ہے کہ میرے خریدے ہوئے سونے آپ کے بتائے ہوئے بھاؤ پر فروخت کردیں، یہ خرید وفروخت کیسی ہے یہ سونے کا ہی معاملہ نہیں ہے؛ بلکہ قریب قریب منقولی چیزیں اسی طرح سے بیچی اور خریدی جاتی ہیں، ابتلاء عام ہے اور اس میں کوئی جھگڑا نہیں ہے اور نہ سنا گیا ہے، ویسے یہ شکل وکیل کی سی ہوجاتی ہے؛ البتہ وکیل بول کر متعین نہیں کیا جاتا ہے؛ بلکہ ٹیلی فون پر اسی طرح گفتگو ہوتی ہے، جیسے لکھا گیا ہے۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: (۱) **ما إذا وكل رجلا غائبا، وأخبره رجل بالوكالة يصير وكيلا، سواء كان المخبر عدلا أو فاسقا، أخبره من تلقاء نفسه أو على سبيل الرسالة صدقه الوكيل في ذلك أو كذبه.** (فتاوى عالمگیری، کتاب الوکالة، الباب الأول زکریا قدیم ۳/ ٥٦١، جدید ۳/ ٤٧٧)

(۲) **والأصل فيه أن الجهالة اليسيرة تتحمل فى الوكالة كجهالة الوصف استحسانا؛ لأن مبنى التوكيل على التوسعة؛ لأنه استعانة.** (هداية، الوكالة، باب الوكالة بالبيع والشراء، أشرفي ۳/ ۱۸۱)

(۳) **الملك يثبت للموكل خلافه عن الوكيل ابتداء وهو الصحيح.** (عالمگیری قدیم ۳/ ٥٦٧، جدید ۳/ ٤٨٣)

(٤) **وإذا دفع الوكيل بالشراء الثمن من ماله وقبض المبيع فله أن يرجع به على الموكل؛ لأنه انعقدت -إلى قوله- فإن هلك المبيع في يده قبل حبسه هلك من مال الموكل ولم يسقط الثمن؛ لأن يده كيد الموكل.** (هداية، باب الوكالة بالبيع والشراء، أشرفي ۳/ ۱۸۲-۱۸۳)

مذکورہ عبارات سے حسب ذیل امور ثابت ہوتے ہیں: عبارت نمبر ار سے غائب شخص کو وکیل بنانا اور ٹیلی فون کی خبر کا معتبر ہونا مسئلہ وکالت میں ثابت ہوتا ہے۔

عبارت نمبر۲ر سے مسئلہ وکالت میں بمقابلہ بیع کے زیادہ جہالت برداشت کی جاتی ہے۔ عبارت نمبر۳، ۴ر سے وکیل کا اپنی طرف سے ثمن ادا کر کے مبیع پر قبضہ کر لینا اور موکل کے لئے ملکیت ثابت ہونا واضح ہوتا ہے، نیز نمبر ار سے وکیل بالشراء، وکیل بالبیع دونوں کا بحالت غیبوبت جائز ہونا ثابت ہوتا ہے؛ اس لئے مذکورہ دلائل کی روشنی میں بشرط عدم منازعت مذکورہ معاملہ جائز ہے، تاہم اس مسئلہ میں دوسرے مفتیان کرام کی طرف بھی رجوع کر لیجئے۔

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/شعبان المعظم ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۱۹۰۱)

مسلمانوں کا غیر مسلموں سے خرید وفروخت کرنا

سوال [۸۵۶۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید جو عالم اور مدبر ہے، مسلمانوں کو تلقین کرتا ہے کہ مسلم قوم کا بھلا اسی میں ہے کہ مسلمان جو چیز خریدیں مسلمان دوکانداروں سے ہی خریدیں، یہ بہت ضروری ہے، بکر جو سیاسی آدمی ہے، وہ کہتا ہے کہ ''اگر ایسا کیا گیا تو یہ بڑی غلطی ہوگی اور اس سے فرقہ واریت بڑھے گی، ہمارے بزرگوں نے اس طرح کی جو غلطیاں کی تھیں، ان کا نتیجہ ابھی تک مسلمان بھگت رہے ہیں، اس قسم کی مزید غلطیاں مسلمانوں کو لے ڈوبیں گی''۔ آپ سے گزارش ہے کہ اس بارے میں شریعت مطہرہ کی روشنی میں فیصلہ فرمائیں۔ علماء کو مسلمانوں کے ہر مسئلے میں رہنمائی فرمانا چاہئے، کیا ہمارے اکابر علماء نے اس بارے میں کوئی رائے دی ہے؟ اگر ہو تو حوالہ دے کر عند اللہ راہ صواب دکھائیں۔ بینوا توجروا

المستفتی: محمد ذکی ساکن محلّہ سیف خان سرائے سنبھل، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسلمانوں پر شرعاً یہ لازم نہیں ہے کہ وہ صرف مسلمان دوکانداروں ہی سے خریدا کریں؛ بلکہ اپنی ضرورت کی چیزیں بلا کراہت غیر مسلم دوکانداروں سے بھی خرید سکتے ہیں جو لوگ منع کرتے ہیں وہ بلا تحقیق منع کرتے ہیں۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۹۶/۳)

وكذا إسلام البائع ليس بشرط لانعقاد البيع ولا لنفاذه، ولا لصحته بالإجماع، فيجوز بيع الكافر وشراؤه -إلى قوله- ولنا عمومات البيع من غير فصل بين بيع العبد المسلم من المسلم، وبين بيعه من الكافر فهو على العموم. الخ (بدائع الصنائع، البيوع، فصل في شرائط ركن البيع، كراچی ۵/ ۱۳۵، زكريا ۴/ ۳۲۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵ رصفر ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۶۶۸)

مشتری کا مبیع کو استعمال کرنے کے بعد فروخت کرنے کا حکم

سوال [۸۵۶۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کی اسٹیل کی ایک دوکان ہے، جس میں وہ برتن وغیرہ بیچتے ہیں؛ لیکن کبھی کبھی ضرورت کے وقت عارضی طور پر ان برتنوں کو استعمال بھی کر لیتے ہیں، تو سوال یہ ہے کہ بیچتے وقت کیا زید پر یہ صراحت ضروری ہے کہ میں نے تھوڑا بہت استعمال کیا ہے؟ براہ کرام جواب سے نوازیں۔

المستفتی: عبد المجید کیرالا، متعلم جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید کا اپنی دوکان کے برتن استعمال کرنا اور اس کے بعد

خریدار کو صحیح صورت حال بتائے بغیر اس کو نیا برتن بتا کر فروخت کرنا شرعاً جائز نہیں ہے؛ اس لئے کہ مستعمل اشیاء کی قیمت بازار میں نئی اور غیر مستعمل چیزوں کے مقابلہ میں کم ہوتی ہے، نیز اس طرح فروخت کرنا ایک قسم کی دھوکہ دہی بھی ہے؛ لہٰذا صحیح صورت حال بتا کر ہی مستعمل برتنوں کو فروخت کرنا چاہئے۔

عن عقبة بن عامر قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: المسلم أخو المسلم، ولا يحل لمسلم باع من أخيه بيعا فيه عيب، إلا بينه له. (ابن ماجة، البيوع، باب من باع عيبا فليبينه، النسخة الهندية ١٦٢، دارالسلام، رقم: ٢٢٤٦، المستدرك للحاكم، كتاب البيوع، مكتبه نزار مصطفى الباز، جديد ٣/ ٨١٦، قديم ٢/ ٨/ رقم: ٢١٥٢)

لايحل كتمان العيب في مبيع أو ثمن؛ لأن الغش حرام. (شامي، البيوع، باب خيار العيب، مطلب في جملة ما يسقط به الخيار، زكريا ٧/ ٢٣٠، كراچی ٥/ ٤٧)

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– أن رسول الله صلى الله عليه وسلم مر برجل يبيع طعاما، فسأله كيف تبيع؟ فأخبره، فأوحى إليه أن أدخل يدك فيه، فأدخل يده فيه، فإذا هو مبلول، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم ليس منا من غش. (أبو داؤد شريف، البيوع، باب النهي عن الغش، النسخة الهندية ٢/ ٤٨٧، دارالسلام، رقم: ٣٤٥٢، وهكذا في صحيح مسلم، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم من غشنا فليس منا، النسخة الهندية ١/ ٧٠، بيت الأفكار، رقم: ١٠٢)

كل ما أوجب نقصان الثمن في عادة التجار، فهو عيب. (هداية، البيوع، باب خيار العيب، أشرفي ٣/ ٤٠، مختصر القدوري، ص: ٧٦، الموسوعة الفقهية الكويتية ١٥/ ٥٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶/۲/۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۹۱۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۶/۲/۱۴۳۱ھ

کیا حرام مال میں تعدی پائی جاتی ہے؟

سوال [۸۵۶۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: حضرات فقہاء کی تصریحات کے مطابق اگر کسی کی آمدنی حرام ہو تو اس سے مسلمانوں کو خرید وفروخت کا معاملہ کرنا ممنوع ہے، اس کے بالمقابل حضرت امام کرخیؒ کی تصریح کے مطابق حرام مال کی کسی جہت سے تعیین کے بغیر اگر کوئی چیز خریدی جائے تو اس چیز میں حرمت سرایت نہیں کرے گی اور اس کا استعمال جائز ہوگا۔ **كما في الشامية، و أيضا في فتاوى علماء نا العامة.**

سوال یہ ہے کہ امام کرخیؒ کی تصریح کے مطابق خرید کردہ شئ میں حرمت سرایت نہیں کرے گی، کیا مشتری جو حرام مال ادا کر رہا ہے اس سے بھی حرمت کی خباثت ختم ہو جائے گی، اگر نہیں تو بائع حاصل شدہ نفع مع اصل فروخت کردہ چیز کی قیمت کے ساتھ کیا کرے؟ دانستہ اور غیر دانستہ دونوں شکلوں کا حکم کیا یکساں ہوگا؟ نیز ہمارے شہر بمبئی میں اس سے بچنا بہت دشوار ہے، خصوصاً شوروم، بڑی دوکانیں، ہوٹلیں وغیرہ ان ہی حضرات سے آباد رہتے ہیں، خلاصی کی شکل کیا ہے؟

المستفتی: بندہ عبد الرشید عفی عنہ نعمانی، دار الافتاء والارشاد اندھری ایسٹ بمبئی، مہاراشٹر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب ایک مسلمان کے پاس حلال اور حرام دونوں مخلوط پیسے موجود ہیں اور وہ شخص خریداری کے وقت حرام یا حلال پیسے کی تعیین کئے بغیر پیسہ ادا کرتا ہے، تو وہ پیسہ بائع کے لئے اپنے مال کے عوض میں لینا بلا تردد جائز اور حلال ہے۔ اور بائع کے حق میں وہ پیسہ حلال ہے، اگر مشتری نے حرام پیسہ دیا ہے، تو گنہگار مشتری ہوگا بائع نہیں ہوگا، اب رہی یہ بات کہ حرام پیسہ کے عوض میں مشتری نے جو پاک مال خریدا ہے، اس میں بھی حرمت سرایت کر جائے گی یا نہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جب اس نے کسی قسم کی

صراحت کئے بغیر مطلقاً مال خریدا ہے اور پیسہ کی ادائے گی میں حرام مال دیا ہے، تو اس کی وجہ سے مشتری گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوگا؛ لیکن مشتری کے پاس جو مال آیا ہے، وہ اس کے لئے حلال ہے اور امام کرخیؒ ہی کے قول پر فتویٰ ہے۔ اور دوسری طرف بائع کے پاس اپنے حلال مال کے عوض میں جو بھی پیسہ حرام مال کی صراحت کے بغیر مطلقاً پہنچا ہے، وہ پیسہ بائع کے حق میں حلال ہوگا، اس لئے کہ اگر بائع کو مشتری کا حال معلوم نہیں ہے تو بلاتردد اس کے حق میں حلال ہے۔ اور اگر بائع کو مشتری کا حال معلوم ہے کہ اس کے پاس حلال وحرام دونوں طرح کا پیسہ ہے، تو مشتری نے جب حرام کی صراحت نہیں کی ہے؛ بلکہ بلا صراحت کے مطلقاً پیسہ پیش کر دیا ہے، تو ایسی صورت میں شریعت نے بائع کو اس کا مکلّف بنایا ہے کہ مشتری مسلمان ہے، اس نے اپنا حلال مال ہی دیا ہوگا؛ لہٰذا بائع کے حق میں وہ پیسہ حلال ہوگا، ہاں البتہ اگر مشتری پیسہ کی ادائے گی کے وقت اس کی صراحت کر دیتا ہے کہ میں آپ کو حرام اور خبیث پیسہ دے رہا ہوں تو بائع کے لئے اپنے حلال مال کے بدلہ میں اس کا پیسہ لینا جائز نہیں ہے، ایسی صورت میں اس پیسہ کی حرمت بائع کے حق میں بھی سرایت کر جائے گی، ورنہ بائع کے حق میں سرایت نہیں کرے گی۔

رجل اكتسب مالا من حرام، ثم اشترى فهذا على خمسة أوجه: إما إن دفع تلك الدراهم إلى البائع أولا، ثم اشترى منه بها، أو اشترى قبل الدفع بها ودفعها، أو اشترى قبل الدفع بها ودفع غيرها، أو اشترى مطلقاً ودفع تلك الدراهم، أو اشترى بدراهم أخر ودفع تلك الدراهم -إلى قوله- وقال الكرخيؒ: في الوجه الأول والثاني لا يطيب، وفي الثلاث الأخيرة يطيب، وقال أبوبكرؒ: لا يطيب في الكل، لكن الفتوىٰ الآن على قول الكرخيؒ دفعا للحرج عن الناس. (شامي، كتاب البيوع، باب المتفرقات، مطلب إذا اكتسب حراما، ثم اشترى على خمسة أوجه، زكريا ٧/ ٤٩٠، كراچی ٥/ ٢٣٥، وهكذا في الهندية، زكريا قديم ٣/ ٢١٥، جديد ٣/ ٢٠١)

أهدى إلى رجل شيئا أو أضافه إن كان غالب ماله من الحلال فلا بأس إلا أن يعلم بأنه حرام، فإن كان الغالب هو الحرام ينبغي أن لا يقبل الهدية، ولا يأكل الطعام إلا أن يخبره بأنه حلال ورثته أو استقرضته من رجل. (هندية، كتاب الكراهية والاستحسان، الباب الثاني عشر في الهدايا و الضيافات، زكريا قديم ٥/ ٣٤٢، جديد ٥/ ٣٩٦، وهكذا في البناية أشرفيه ديوبند ١٢/ ٢٠٩، المحيط البرهاني، المجلس العلمي ٨/ ٧٣، رقم: ٩٦١٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۷؍ ربیع الاول ۱۴۲۸ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۲۳۷)	۱۴۲۸/۳/۲۷ھ

زمین فروخت کرنے کے بعد رجسٹری نہ کرانا

سوال [۸۵۶۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہم نے تقریباً دو سال پہلے ایک جگہ جس کے مالک نجمی خاتون اور رئیس احمد تھے، خریدی، قیمت چھ لاکھ روپئے طے ہوئی، وہ ہم نے ساری کی ساری ادا کردی، آپسی مشورہ سے یہ بات طے پائی کہ رجسٹری بعد میں کرالیں گے، ثبوت کے طور پر ایک ایگریمنٹ لکھا گیا۔ ۱۲؍۱ اکتوبر ۲۰۱۰ء کو اس میں لکھا گیا کہ اب اس جگہ کے مالک محمد عاصم ہیں، ہم نے نجمی خاتون و رئیس احمد یہ جگہ چھ لاکھ روپئے میں انہیں بیچ دی ہے، اور ساری رقم وصول کرلی ہے، اب انہیں محمد عاصم کو اختیار ہے کہ یہ اپنے نام سے رجسٹری کرائیں یا کسی اور کے نام سے رجسٹری کرائیں، میں رجسٹری ان کو کردوں گا، یہ معاہدہ باقاعدہ ۱۰۰؍ روپئے کے اسٹامپ پر طے پایا۔ اب ہم نے اس جگہ کو بیچنے کی آواز لگائی ہے اور تقدیر سے ایک گراہک سے سات لاکھ ساٹھ ہزار میں سودا طے ہوگیا، اب جب ہم نے اس سودے کی اطلاع حاجی رئیس احمد کو دی کہ ہم نے اس جگہ کا سودا کرلیا ہے، آپ اس کی رجسٹری کرادیجئے، تو حاجی رئیس احمد نے برجستہ یہ کہا کہ مجھے ایک لاکھ روپئے دو میں جب رجسٹری کروں گا، پھر ہم نے ان سے بات کی کہ آپ رجسٹری کرادیں تو

انہوں نے یہ کہا کہ میں کسی کے نام کی رجسٹری نہیں کراؤں گا، میں تمہیں بیچ ہی نہیں رہا اور میں تمہیں فائدے کے ساتھ پیسے واپس کردوں گا، اس مکان پر قبضہ محمد عاصم کا ہے اور مکان کی چابیاں بھی محمد عاصم کے پاس ہیں۔ اب معلوم یہ کرنا ہے کہ شریعت کی رو سے اس جگہ کا مالک کون ہے؟ اگر وہ حاجی رئیس اس جگہ کو دوبارہ خریدنا چاہتے ہیں تو مجھے وہ فائدہ دیں جو میرا گراہک سے طے ہوگیا ہے، اس بارے میں شریعت کیا کہتی ہے؟

المستفتی: محمد عاصم، محلّہ تکیہ بدھاشاہ، کسرول، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں جب محمد عاصم نے نجمی خاتون اور رئیس احمد سے زمین خریدی اور محمد عاصم نے طے شدہ قیمت چھ لاکھ روپئے ادا کرکے اس پر قبضہ بھی کرلیا ہے، تو ایسی صورت میں مذکورہ زمین محمد عاصم کی ملکیت میں جائز طریقہ سے منتقل ہوگئی ہے؛ لہٰذا نجمی خاتون اور رئیس احمد کا کوئی واسطہ اس زمین کے ساتھ نہیں رہا ہے؛ اس لئے پکی رجسٹری کے وقت دستخط کے لئے بلانے پر وعدہ کے مطابق جاکر دستخط کردینا شرعی طور پر ان پر لازم ہے، الگ سے پیسہ مانگنا جائز نہیں ہے۔ اور اس طرح کا پیسہ لینا حرام کا پیسہ ہوگا۔

ولنا أن ركن البيع صدر من أهله مضافا إلى محله، فوجب القول بانعقاده. (هداية، كتاب البيوع، أشرفي ٣/ ٢١)

وإن ذكر البيع من غير شرط، ثم ذكر الشرط على وجه المواعدة جاز البيع، ويلزمه الوفاء بالوعد؛ لأن المواعدة قد تكون لازمة، فتجعل لازمة لحاجة الناس. (فتاوى قاضيخان، البيع، باب البيع الفاسد، فصل في الشروط المفسدة، زكريا جديد ٢/ ٩٩، وعلى هامش الهندية ٢/ ١٦٥، مجمع الضمانات ١/ ٢٤٣، شامي، مطلب في البيع بشرط فاسد، زكريا ٧/ ٢٨١، كراچی ٥/ ١٨٤، الموسوعة الفقهية الكويتية ٦/ ١٦٤، ٩/ ٢٤٧، ٤٤/ ٩٦)

إذا قبض البائع الثمن وهو مما يملك به، فإنه يكون إذنا بالقبض دلالة. (شامي، زكريا ٧/ ٢٨٧)

باع شيئا وخلى بينه وبين المشترى صار المشترى قابضا حتى لو هلك يهلك من ماله. (الفتاوى السراجية، ص: ٤٣٨)

وإذا قبض المشترى المبيع برضا بائعه صريحا أو دلالة ولم ينهه البائع، ملكه أي يملك عينه وهو الصحيح المختار، وإذا ملكه تثبت كل أحكام الملك، فيكون المشتري خصما لمن يدعيه، ولو باعه كان الثمن له.
(شامي، مطلب في الشرط الفاسد إذا ذكر بعد القعد أو قبله، زكريا ٧/ ٢٨٧، كراچی ٥/ ٨٨)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ ربیع الاول ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۶۴۸)

خریدار کا بائع کی اولاد کو رجسٹری پر دستخط کرنے کے عوض کچھ دینے کا حکم

سوال [۸۵۶۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرے والد صاحب کا ایک مکان تھا جو اب بھی ہے، انہوں نے اپنی زندگی میں آدھا مکان اپنے ایک ملنے والے کے ہاتھ بیچ دیا تھا، منہ زبانی طور پر جس کی کوئی لکھت پڑھت نہیں ہوئی تھی، اس مکان کو بیچے ہوئے لگ بھگ چوبیس سال ہوگئے، میرے والد کا انتقال بھی بائیس سال پہلے ہوگیا، میں اپنے گھر کی سب سے چھوٹی بیٹی ہوں؛ لہٰذا اب وہ رجسٹری کروا رہے ہیں اس مکان کی، میرے دستخط ہونے ہیں، میرا ان سے کوئی مطالبہ نہیں ہے، اگر وہ اپنی خوشی سے مجھے کچھ پیسے دینا چاہیں تو وہ میرے لئے جائز ہیں یا نہیں؟ ویسے میں بہت غریب ہوں اور پندرہ سال سے مستقل بیمار بھی ہوں، شریعت کے دائرے میں بتائیں ان سے پیسے لینا جائز ہے؟

المستفتیة: ثریا سخاوت کھاری کنواں، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آپ کے لئے ایمان داری اور دیانت داری کی بات یہ ہے کہ بلا کسی لالچ اور طمع کے رجسٹری پر دستخط کردیں نیت صحیح کی وجہ سے عنداللہ آپ کو اس کا اجر ملے گا اور اس دستخط کی وجہ سے آپ کی بیماری اور غربت کی وجہ سے اگر وہ اپنی جانب سے بخوشی بطور مدد کے کچھ دے دیں تو ان کی طرف سے ایک تبرع ہوگا۔

عن أبي سعيد الخدري –رضي الله عنه– عن النبي ﷺ قال: أيما مسلم كسا مسلما ثوبا على عرى، كساه الله من خضر الجنة، وأيما مسلم أطعم مسلما على جوع، أطعمه الله من ثمار الجنة، وأيما مسلم سقى مسلما على ظمأ، سقاه الله عز وجل من الرحيق المختوم. (أبو داؤد، باب في فضل سقى الماء، النسخة الهندية ۱/ ۲۳٦، دارالسلام، رقم: ٦۸۲)

لا يجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي.

(البحرالرائق، كتاب الحدود، فصل في التعزير، زكريا ٥/ ٦٨، كوئٹه ٥/ ٤١، شرح المجلة، رستم مكتبه اتحاد ١/ ٦٢، رقم المادة: ٩٧، قواعد الفقه، اشرفي، ص: ١١١، رقم: ٢٦٩، هندية، زكريا قديم ٢/ ١٦٧، جديد ٢/ ١٨١، شامي، زكريا ٦/ ١٠٦، كراچی ٤/ ٦١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳ ؍شعبان ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۲۳)

خریدار کا ادائے قیمت پر کمیشن کا مطالبہ

سوال [۸۵٦۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مال خریدنے کے سودے میں کسی خریدار نے یہ طے کیا کہ مال کی رقم ادا کرنے پر ہم ایک یا

دو فیصد کمیشن یا مدت لیں گے، تو اس طرح کا لین دین شرعی اعتبار سے کیسا ہوگا؟

المستفتی: محمود ابن جمال الدین جی تیلی، محلّہ تیلیان کا ڈرا، راجستھان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: خریدار کا قیمت ادا کرتے وقت کمیشن یا مدت لینے کا کیا مطلب ہے؟ بہر صورت جو آپس میں خریداری کا معاملہ کرتے وقت طے ہوا تھا، اسی طے شدہ معاملہ کے مطابق لین دین لازم ہے، اس کی خلاف ورزی جائز نہیں۔

عن عمرو بن عوف المزني عن أبيه عن جده، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: ...... والمسلمون على شروطهم، إلا شرطا حرم حلالا، أو أحل حراما. (سنن الترمذي، أبواب الأحكام، باب ما ذكر عن رسول الله ﷺ في الصلح بين الناس، النسخة الهندية ١/ ٢٥١، دارالسلام، رقم: ١٣٥٢)

وإذا حصل الإيجاب والقبول لزم البيع، ولا خيار لواحد منهما. (هداية، كتاب البيوع، اشرفي ٣/ ٢٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰؍ ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۳۰۵۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۰/۴/۱۴۳۲ھ

بیع میں کس جگہ کا اعتبار ہے؟

سوال [۸۵۶۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) دو شخصوں نے رامپور میں بیٹھ کر بریلی کی ایک زمین کے متعلق بیع وشراء کی اور فی گز کے اعتبار سے ثمن مقرر کیا؛ لیکن رامپور اور بریلی میں زمین کی پیائش کا گز مختلف ہے، یعنی رامپور کا گز ۳۳؍ انچ اور بریلی کا ۳۶؍ انچ کا ہے۔ دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ فروخت شدہ زمین کس گز سے ناپ کر دی جائے گی، بریلی کے گز سے یا رامپور کے گز سے؟

(۲) اگر بائع نے مشتری کورامپوری گز سے زمین کی پیائش کی اورمشتری نے رامپورو بریلی کے گز کے فرق کو نہ جانتے ہوئے رامپوری گز کے لحاظ سے ثمن ادا کیا،تو اب بائع کوزمین پوری کرنی واجب ہے، جب کہ فروخت شدہ زمین سے متصل بائع کی زمین موجود ہے، یا گز کے تفاوت سے جوزائدرقم پہنچی ہےاس کی واپسی ضروری ہے؟

(۳) اگر بائع نے مسئلہ جاننے کے بعد نہ زمین پوری کی اور نہ ہی زائدرقم واپس کی،تو اس کے لئے شرعی حکم کیا ہے؟

المستفتی: محمد فاروق رامپوری، مدرس مدرسہ عربیہ حیات العلوم پیرزادہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱-۲-۳) حضرات فقہاء نے ایسی شکل میں مکان عقد کا اعتبار کیا ہے۔ اور جب دونوں نے رامپور میں رہ کر عقد کیا ہے، تو رامپوری گز کا اعتبار کیا جائے گا، بشرطیکہ بوقت عقد رامپوری اور بریلی کے گز کا کوئی ذکر نہ کیا گیا ہو؛ لہٰذا مذکورہ صورت میں بائع کا رامپوری گز کے لحاظ سے زمین دینا اورمشتری کا اسی حساب سے ثمن ادا کرنا صحیح اور درست ہے۔

باع عينا من رجل بأصفهان بكذا من الدنانير، فلم ينقد الثمن حتى وجد المشتري ببجارى يجب عليه الثمن بعيار أصفهان، فيعتبر مكان العقد. الخ (شامي، البيوع، مطلب يعتبر الثمن في مكان العقد، زكريا ۷/ ۵۹، كراچی ٤/ ٥٣٦، الموسوعة الفقهية الكويتية ١٥/ ٤١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/ربیع الثانی ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/۳۱۴۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۹/۴/۱۴۱۳ھ

مشترکہ طور پر سامان خریدنے کی صورت میں کس پر کتنی قیمت واجب ہے؟

سوال [۸۵۶۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: میں نے ایک سامان نو روپیہ میں خریدا ہے، اس سامان میں تین آدمی ساجھی ہیں، ایک آدھے کا ساجھی ہے اور ایک تہائی کا اور ایک نوے حصہ کا، جس شخص سے سامان خریدا ہے، اس کو پیسہ دینا ہے، اب جو آدھے کا ساجھی ہے اس نے اپنے ساجھے کی پوری قیمت یعنی ساڑھے چار روپیہ دے دئے ہیں اور تہائی کے ساجھی نے بھی اپنے ساجھے کی پوری قیمت تین روپیہ دے دی ہے اور نویں حصہ کے ساجھی نے بھی اپنے نویں حصہ کا ایک روپیہ دے دیا ہے، پیسوں کا جوڑ ساڑھے آٹھ روپیہ ہوتا ہے، پچاس پیسہ کی کمی ہوتی ہے، کوئی ساجھی اپنے حصہ کی قیمت سے زیادہ پیسے دینے پر تیار نہیں ہے، احقر کو اس کے جواب سے نوازیں۔

المستفتی: حافظ ضیاء الاسلام، مدرس مدرسہ بدر العلوم گنگوار حسن پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب ساڑھے چار روپیہ آدھے کے ساجھی نے آدھا لے لیا اور ایک تہائی کے ساجھی نے اپنا ایک تہائی تین روپیہ میں لے لیا ہے اور نویں حصہ کے ساجھی نے ایک روپیہ میں اپنا نوا حصہ لے لیا ہے، تو کل پیسوں کا جوڑ ساڑھے آٹھ روپیہ ہوتا ہے اور پچاس پیسہ کا ذمہ داران تینوں میں سے کوئی نہ ہوگا اور سامان میں سے بھی تینوں کے حصہ میں ساڑھے آٹھ ہی جا سکتے ہیں باقی نصف حصہ سامان کا بھی باقی ہے؛ لہٰذا پچاس پیسہ اس پر واجب ہوگا جو نویں حصہ میں سے بچا ہوا نصف حصہ لینا چاہتا ہے۔ اور اگر یہ نصف کوئی نہیں لیتا ہے تو بائع کا ہے، نیز یہ خریداری میں داخل نہیں ہوا ہے۔ فقط واللہ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍صفر ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳۱۲/۲۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴/۲/۱۵ھ

خریدار کا زمین خالی کرانے کے لئے چھپ کر فصل کاٹ لینا

سوال [۸۵۷۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: ایک شخص نے دوسرے شخص سے ایک کھیت خریدا اور کھیت کی کل قیمت ادا کردیا؛ لیکن کھیت ایک تیسرے آدمی کے قبضہ میں تھا، جس کی اس میں فصل لگی ہوئی تھی، خریدار نے کھیت خالی کرانا چاہا؛ لیکن قابض شخص خالی نہیں کر رہا تھا، تو خریدار نے چند آدمیوں کے درمیان کہا کہ اس کھیت سے جو شخص جتنی فصل چاہے کاٹ لے جائے، پھر رات کو چھپ کر فصل خریدار نے کاٹ لی، تو فصل کٹوانا شرعاً کیسا ہے؟ کیا وہ خریدار اپنا کھیت خالی کرانے کے لئے ایسا کر سکتا ہے یا وہ شرعاً چوری کرنے والا ہوگا؟ اور فصل کاٹتے وقت بہت سے لوگ اس کے حمایتی تھے، اس میں ایک مولانا صاحب بھی تھے، تو کیا وہ لوگ بھی شرعاً گنہگار رہوں گے؟ اور مولانا صاحب کی امامت کیسی ہے؟

المستفتی: مولانا حامد علی نئی بازار، تمبور سیتاپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب خریدار نے وہ زمین بائع سے خرید لی تو خریدار اس زمین کا مالک ہوگیا؛ اس لئے فصل لگانے والے آدمی کو کھیت خریدار کے حوالہ کر دینا چاہئے تھا اور خریدار سے اس کی رقم وصول کر لینا چاہئے تھا، یا فصل لگانے والا کھیتی کاٹ کر زمین واپس کر دیتا، نیز خریدار کو اپنی زمین پر قبضہ کرنے کے لئے فصل لگانے والے پر دباؤ ڈالنا درست ہے؛ لیکن رات میں چھپ کر فصل کاٹنا درست نہیں ہے۔ اور جن لوگوں نے رات میں چھپ کر فصل کاٹنے کی حمایت کی ہے وہ گنہگار ہوئے، ان سب کو توبہ کرنا چاہئے اور مولانا کی امامت درست ہے۔

وكذا إذا كان فيها زرع؛ لأن ملك المشتري مشغول بملك البائع، فكان عليه تفريغه وتسليمه. (هداية، كتاب البيوع، أشرفي ۳/ ۲٦، تبيين الحقائق، إمداديه ملتان ٤/ ۱۱، زكريا ٤/ ۲۹۳، البحر الرائق، زكريا ٥/ ٥۰۱، كوئٹه ٥/ ۳۰۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱؍ شوال ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۱٦۴)

فرضی بل کے ذریعہ سرکاری گرفت سے بچنا

سوال [۸۵۷۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید امریکہ سے سامان منگاتا ہے اور سامان کی قیمت تحریر کے ذریعہ سے وہاں بھیجتا ہے، نقد رقم وہاں نہیں جاسکتی ہے اور اس چیز کا تحریری بل کے ذریعہ سے ہندوستان میں بیچنا ضروری ہے، اس کے بغیر وہ رقم امریکہ نہیں بھیج سکتا ہے، تو زید امریکہ سے سامان آجانے کے بعد ہی عمرو کو بغیر تحریری بل کے مثلاً دوسو روپیہ میں فروخت کیا اور دوسو روپیہ لے لئے؛ لیکن امریکہ رقم بھیجنے کے لئے بل ضروری ہے، تو زید نے خالد سے یوں کہا کہ تم مجھے فرضی دوسو روپیہ کا بل بنادو کہ میں نے تم کو دوسو روپیہ میں فلاں سامان فروخت کیا ہے، خالد نے فرضی دو سو روپیہ کا بل بنادیا، لیکن خالد دوسو روپیہ کا بل بنا کر زید سے ۲۵/ روپیہ لیتا ہے کہ میں بل کی وجہ سے انکم ٹیکس اور سیل ٹیکس ادا کروں گا، تو زید کا فرضی بل بنانے کی وجہ سے ۲۵/ روپیہ خالد کو دینا جائز ہے یا نہیں؟ مع الدلائل تحریر فرمائیں۔

المستفتی: محمد سعید پالنپوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس مسئلہ میں اولا یہ بات قابل تنقیح ہے کہ زید نے عمرو کو مال بیچتے وقت ہی اس سے بل کیوں نہیں بنوایا؟ اس میں کیا مصلحت ہے؟ اگر زید کو بل کی ضرورت تھی تو وہ عمرو ہی سے مال بیچتے وقت بل بنواتا؛ البتہ اگر اس طرح کا معاملہ ہوچکا ہے اور عمرو سے بل بنوانے میں دشواری ہے تو اپنے حق کی حفاظت اور نقصان سے بچنے کے لئے جعلی بل بنوانا بضرورت گنجائش ہوگی اور بل بنوانے والے نے اگر انکم ٹیکس کے عنوان سے زید سے رقم طلب کی تو زید کے لئے اس رقم کو دینا بھی درست ہوگا۔

لا بأس بالرشوة إذا خاف على دينه، تحته في الشامية عبارة المجتبى لمن يخاف، وفيه أيضا، دفع المال للسلطان الجائر لدفع الظلم عن نفسه

ومالہ ولاستخراج حق له، ليس برشوة، يعني في الدافع. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره، زكريا ۹/ ۶۰۷، كراچی ۶/ ۴۲۳-۴۲۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵ رشوال ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۲۰۱۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۵ رشوال ۱۴۱۰ھ

حکومت کے قانون کے خلاف نیپال میں جا کر غلہ بیچنا

سوال [۸۵۷۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہندوستان میں بہت سے حضرات ایسے ہیں جو ہندوستان میں رہ کر اپنا غلہ ہندوستان کے بجائے نیپال میں بیچتے ہیں؛ اس لئے کہ نیپال میں غلے کی قیمت زیادہ لگتی ہے اور مہنگا فروخت ہوتا ہے؛ لیکن انڈیا حکومت اس پر پابندی لگاتی ہے اور پولیس وغیرہ کے ذریعہ سے روکتی ہے، اس کے باوجود لوگ ان سے چھپ کر اپنے غلہ کی سپلائی نیپال ہی میں کرتے ہیں اور بعض حضرات پولیس والوں کو کچھ رقم دے دیتے ہیں، جس سے وہ خوش ہوکر اس کام کی اجازت دے دیتے ہیں۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا ان حضرات کا نیپال میں اپنا مال سپلائی کر کے نفع حاصل کرنا از روئے شرع درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: نیاز احمد متعلم مدرسہ شاہی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب ہندوستان میں نیپال کے مقابلہ میں غلہ کی افراط ہے اور غلہ کے مالک کو شرعاً یہ حق حاصل ہے کہ جہاں سے نفع زیادہ حاصل ہو اپنا غلہ وہیں لے جا کر فروخت کرے؛ اس لئے نیپال لے جا کر جنہوں نے زیادہ نفع حاصل کیا ہے وہ ان کے لئے بلاتردد حلال اور جائز ہے؛ البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ حکومت کے قوانین اور گرفت سے اپنے آپ کو محفوظ رکھنا بھی لازم ہے، اس کا خیال ضروری ہے۔

وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ. [البقرة: ١٩٥]

ولا يمنع الشخص من تصرفه في ملكه إلا إذا كان الضرر بجاره ضررا بينا، فيمنع من ذلك. (الدرالمختار مع الشامي، كتاب القضاء، باب كتاب القاضي إلى القاضي، مطلب اقتسموا دارا، وأراد كل منهم فتح باب لهم ذلك، زكريا ٨/ ١٥٢، كراچی ٥/ ٤٤٧)

القياس في جنس هذه المسائل أن من تصرف في خالص ملكه لا يمنع ولو أضر بغيره لكن ترك القياس في محل يضر بغيره ضررا بينا. (شامي، البيوع، باب المتفرقات، مطلب ربغ فی داره و تأذی الجیران، زکریا ٧/ ٤٩٢، کراچی ٥/ ٢٣٧) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم ربیع الاول ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۲۷۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۳/۴ھ

وکیل کا فعل موکل کے فعل کے حکم میں ہوتا ہے

سوال [۸۵۷۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید جو شہر لکھنؤ کا رہنے والا ہے، وہ دبئی کی شہزادیوں کا نوکر تھا، پھر زید کو اس پر مامور کیا گیا کہ وہ دبئی سے کپڑے لے کر بمبئی سے سلوا کر دے جو اس کی مزدوری ہوگی، اس کو دی جائے گی، چنانچہ ایک دفعہ ایسا ہوا کہ وہ دبئی سے کپڑا لے کر بمبئی آیا اور سلوا کر پیش کیا، تو ان شہزادیوں نے کہا: مہنگا سلوا کر لائے ہو اور تمہاری غلطی نہیں ہے، تم بمبئی کے تاجروں کے فریب میں آ گئے ہو، الغرض اس طرح اس کو روپئے نہ ملے اور سارا مال ان شہزادیوں نے منگوا لیا، تو اب تفصیل طلب مسئلہ یہ ہے کہ یہ روپئے کس کے ذمہ عائد ہوں گے؟ اور قرضدار کی موت کون مرے گا، زید یا شہزادیاں اور قصوروار کون ہوں گے؟ دلیل کی روشنی میں جواب سے نوازیں۔

المستفتی: حبیب احمد دبئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر سائل اپنے بیان میں سچا ہے تو زید شہزادیوں کی طرف سے محض وکیل ہے اور وکیل کا فعل موکل کے فعل کے حکم میں ہوتا ہے۔ اور مذکورہ صورت میں چونکہ زید شہزادیوں سے رقم وصول کرنے سے قاصر ہے؛ اس لئے قرض دار کی موت مرنے والی شہزادیاں ہی ہوں گی، جب کہ غبن فاحش نہ ہو۔

كما استفيد من الهداية: الوكيل بالشراء يجوز عقده بمثل القيمة وزيادة يتغابن الناس في مثلها. (هداية، كتاب الوكالة، باب الوكالة بالبيع والشراء، أشرفي ديوبند ٣/ ١٨٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/ محرم ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۲۹۸۳)

فروختگی کا وکیل بنانا

سوال [۸۵۷۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید اپنی ایک زمین بیٹی کے نام چھوڑ کر مرگیا، بیٹی نے بیچنے کی بھاگ دوڑ سے بچنے کے لئے زبانی طور پر بلا کسی شرط کے بھائی پر بھروسہ کر کے بھائی کو بیچنے کا اختیار دیا، تین سال قبل بھائی اس طور پر راضی ہوا کہ میں اس کو اپنے طور پر بیچ دوں گا اور تم کو پچاس ہزار روپیہ مل جائے گا، اس پر وہ راضی ہوگئی، اب بیٹی کو پیسہ کی ضرورت ہے اور بھائی نہ زمین بیچتا ہے اور نہ ہی پچاس ہزار روپیہ دیتا ہے، اس کا کہنا ہے کہ پچاس ہزار روپیہ زمین فروخت ہونے کے بعد ہی ملے گا، چاہے جس وقت فروخت ہو اور جس قیمت میں فروخت ہو، اب اس زمین کی قیمت پچاس ہزار سے کہیں زیادہ ہوگئی ہے، اب بھائی اس وجہ سے مؤخر کر رہا

ہے کہ قیمت اور بڑھ جائے اس میں اس کے بھائی کا نفع ہے، تو ایسی صورت میں دونوں بھائی بہنوں کے لئے کیا حکم ہے؟ جواب سے نوازیں۔

المستفتی: عبدالرؤف گونڈوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسا معاملہ کرنا درست ہے کہ فروختگی کی ذمہ داری سونپی جائے اور وہ یہ کہے کہ تم کو اتنا پیسہ دوں گا اور جتنے میں چاہوں فروخت کروں گا، گویا ایسا ہو گیا کہ پچاس ہزار روپئے میں وہ زمین بھائی نے خریدی ہے، اس کو بیچ کر جو زائد نفع حاصل ہوگا وہ بھائی کے لئے جائز ہوگا؛ لیکن گاہک ملنے کے بعد زیادہ تاخیر کی اجازت نہیں ہے، اگر بھائی زیادہ تاخیر کرتا جارہا ہے اور بہن کو پیسوں کی پریشانی ہے تو بہن کو حق ہے کہ زمین واپس لے لے، پھر از خود یا کسی غیر کے ذریعہ فروخت کرواکے اپنی ضرورت پوری کرلے، نیز مذکورہ معاملہ میں پچاس ہزار روپیہ دینے کی مدت صاف طور پر متعین نہیں ہے؛ اس لئے مدت کی جہالت اتنی برداشت کی جاسکتی ہے جتنے میں فریقین میں اختلاف نہ ہو، اور اتنی جہالت جس کی وجہ سے فریقین میں اختلاف پیدا ہو جائے عقد بیع میں جائز نہیں۔ اور یہاں زیادہ تاخیر کی جہالت اختلاف کا سبب بن گئی ہے؛ لہٰذا بھائی پر لازم ہے کہ بہن کی رضامندی سے فوری فروخت کردے۔ اور اگر فوری فروخت کرنا نہیں جانتا تو بہن کی زمین اس کے حوالہ کردے، ورنہ گنہگار ہوگا۔

ولو باع إلى هذه الآجال، ثم تراضيا بإسقاط الأجل قبل أن يأخذ الناس في الحصاد –إلى قوله– ولنا: أن الفساد للمنازعة وقد ارتفع قبل تقرره، وهذه الجهالة في شرط زائد لا في صلب العقد، فيمكن إسقاطه.

(هداية، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد ٣/ ٦١)

وقد يكون الفساد لمخافة تنازع، ولا يكون فيه شيء آخر يوجب الإثم، فذلک إن لم يقع فيه التنازع جاز عندي ديانة. (فيض الباري، كتاب

البيوع، باب من آجر أمر الأمصار على ما يتعارفون، مكتبة الرشيد، كوئٹه ۳/ ۲۵۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍رجب ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۸۸۹۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۷/۵ھ

بائع مبیع کی قیمت وکیل سے کم لے تو کیا حکم ہے؟

سوال [۸۵۷۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اسکوٹر پارٹس کی ایک کمپنی ہے، اس سے اگر کوئی عام شخص اسکوٹر خریدے تو اس کو پورے سو روپے میں دے گا، اور اگر اس کا خاص آدمی خریدے تو اس کو سو روپے کی رسید دے گا اور دس پرسینٹ چھوٹ ہوگی، اب اگر یہ خاص آدمی کسی عامی کا وکیل ہے اور اسکوٹر خرید کر موکل کے لئے لایا اور سو روپے کی رسید موکل کو دکھا کر پورے پیسہ لے لئے؛ لیکن موکل کو اس بات کی خبر نہیں ہوتی ہے کہ اس کو دس پرسینٹ کی چھوٹ ہے اور مجھ سے زیادہ لے رہا ہے۔ اور نہ اس کو (وکیل کو) ہاتھوں ہاتھ ملتا ہے؛ بلکہ ایک مدت متعینہ کے بعد کمپنی اس کو دس پرسینٹ کا حساب کر کے دے گی، تو بیع کی یہ صورت جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: مولوی عبدالواحد، معلم مدرسہ فیض التبلیغ جے، پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ میں درج شدہ صورت میں نفسِ عقدِ شراء اور عقدِ وکالت دونوں درست اور صحیح ہیں؛ لیکن وکیل سے رقم کی جو مقدار کی کمی کی گئی ہے وہ موکل کے حق میں ہوگی؛ لہٰذا وکیل کے لئے موکل سے سو روپے کی رسید دکھا کر سو روپئے اصول کرنا جائز نہیں ہوگا، وکیل پر واجب ہے کہ دس روپئے موکل کو واپس کر دے اور ۹۰؍روپئے وصول کرے، ورنہ دس روپئے وکیل کے لئے حرام ہوں گے۔

وإن حط البائع عن الوكيل بعض الثمن فإنه يحطه عن الموكل -إلى قوله- ولو وهب البائع بعض الثمن عن الوكيل يظهر ذلك في حق الموكل حتى لم يكن للوكيل أن يرجع على الموكل بذلك القدر. (هندية، كتاب الوكالة، قبيل الباب الثالث في الوكالة بالبيع، زكريا قديم ۳/ ۵۸۸، جديد ۳/ ۴۹۹، البحرالرائق، كوئٹه ۷/ ۱۵۵، زكريا ۷/ ۲۶۳، هكذا في الشامي، زكريا ۸/ ۲۵۰، كراچی ۵/ ۵۱۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ / جمادی الاخریٰ ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۲۵۴)

مستحق نکل آنے والی زمین کا حکم

سوال [۸۵۷۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے ایک زمین عمرو کو فروخت کی ۱۹۹۸ء میں۔ اور عمرو نے خرید کر رجسٹری کروائے بغیر اس زمین پر ایک مکان تعمیر کرلیا ۲۰۱۰ء میں جب حکومت سے سروے کیا گیا تو معلوم ہوا کہ وہ زمین زید کی نہیں؛ بلکہ اس کا آدھا حصہ حکومت کا ہے، جس پر راستہ آرہا ہے۔ اور آدھا حصہ ایک عیسائی کی زمین ہے اور زید کی زمین اس کے پڑوس میں ہے اور اس وقت عمرو کہہ رہا ہے کہ زید نے مجھے دھوکہ دیا ہے؛ اس لئے وہ مجھے زمین اور اس پر تعمیر شدہ مکان کی قیمت ادا کرے اور زید کہہ رہا ہے کہ مجھ سے غلط فہمی ہوگئی تھی، البتہ میں زمین کی قیمت واپس کروں گا، مکان کی نہیں، تو اب معلوم یہ کرنا ہے کہ زید عمرو کو زمین کی کون سی قیمت واپس کرے گا ۱۹۹۸ء کی یا ۲۰۱۰ء کی؟ اور زمین پر تعمیر شدہ مکان کی قیمت کا کون ذمہ دار ہے؟ نیز عمرو کا رجسٹری نہ کروانا اور تحقیق نہ کروانا بھی غلطی میں شمار ہوگا یا نہیں؟ جواب سے نوازیں۔

المستفتی: سید اللہ الغالب، مدرسہ عربیہ تعلیم القرآن اپہلی اندورا، چکمگلور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں زید پر زمین کی ۱۹۹۸ء کی قیمت عمرو کو لوٹانا واجب ہے، نیز مذکورہ زمین پر تعمیر کردہ مکان کی موجودہ قیمت بھی اسی کے ذمہ عمرو کو دینا لازم ہے۔اور عمرو رجسٹری اور تحقیق نہ کرنے کے باوجود دونوں قیمتوں کا مستحق رہے گا۔اور اس کی ایک متبادل شکل یہ بھی ہوسکتی ہے کہ زید عیسائی کو راضی کرکے اس زمین کی جو بھی قیمت بنتی ہو وہ قیمت عیسائی کو ادا کردے یا زید کی جو زمین ہے عیسائی کو وہی زمین تبادلہ میں دے دے، اور اس سلسلہ میں ایک سرکاری کاغذ بھی ایسا بنالیا جائے جس کی وجہ سے بعد میں کوئی نزاعی شکل نہ بن سکے۔

شری دارا وبنی فیها، فاستحقت رجع بالثمن وقیمة البناء مبنیا علی البائع إذا سلم النقض إلیه یوم تسلیمه، وتحته في الشامیة: متعلق بقیمة، فلو سکن فیه وانهدم بعضه أو زادت قیمته یرجع علیه بقیمة البناء یوم التسلیم. (شامي، کتاب البیوع، باب الاستحقاق، زکریا ۷/ ۴۴۹، کراچی ۵/ ۲۰۵)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۴؍رجب ۱۴۳۱ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۱۴۷)	۲۴/ ۷/ ۱۴۳۱ھ

پریس والوں کا پوری قیمت وصول کرکے کچھ اشتہار کم دینا

سوال [۸۵۷۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) زید کتابت اور چھپائی کا کام کرتا ہے اور جتنے اشتہار یا کتابچے وغیرہ قیمت مقررہ پر چھاپنے طے ہوتے ہیں ان سے دو چار یا آٹھ دس کم دیتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ اتنے عدد تو عام طور پر پریس میں خراب ہو ہی جاتے ہیں اور قیمت طے شدہ ہی لیتا ہے، تو کیا یہ فعل

اس کا درست ہے؟ اور اگر بعد میں جتنے اشتہار کم چھپتے ہیں ان کی قیمت واپس کردے، تو کیا یہ معاملہ درست ہوجائے گا؟

المستفتی: (مفتی) اسرار احمد نجیب آباد، بجنوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جی ہاں چھپائی میں کچھ کاغذ ضرور خراب ہوجاتے ہیں؛ اس لئے جتنی تعداد خراب ہوجائے اتنی کم دے کر پوری قیمت لینا پریس والوں کے لئے جائز ہے؛ اس لئے کہ خراب ہوجانا مشاہدہ میں ہے اور جتنے اشتہار کم چھپے ہیں ان کی قیمت واپس لینا اس شرط پر جائز ہے کہ جب اتنے خراب نہ ہوئے ہوں۔

عن ابن عباس –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله ﷺ: لا ضرر ولا ضرار. (سنن ابن ماجة، الأحكام، باب من بنى في حقه ما يضر بجاره، النسخة الهندية ١/ ١٦٩، دارالسلام، رقم: ٢٣٤١، المعجم الكبير للطبراني ٢/ ٨٦، رقم: ١٣٨٧، الأشباه، قديم: ١١٨، جديد زكريا ١/ ٢٥٠، قواعد الفقه ١٠٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶؍ ذیقعدہ ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۳۵۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۶/ ۱۱/ ۱۴۲۰ھ

سپلائر کا کارخانہ دار سے سامان خرید کر دوکاندار کو کم قیمت میں فروخت کرنا

سوال [۸۵۷۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک کارخانہ دار نے اپنے یہاں کا مال تیار کیا ہوا ایک سپلائر کے ہاتھ بیچ دیا، اس سپلائر نے خریدنے کے بعد وہ مال مارکیٹ میں جاکر ایک دوکاندار کے ہاتھ بیچ دیا، جتنے میں کارخانہ دار سے خریدا تھا اس سے پچاس روپئے کم میں بیچ دیا، اب کارخانہ دار کو اطلاع ملی کہ میرے یہاں کا مال مارکیٹ میں فلاں دوکاندار کو پچاس روپئے کم میں بیچا، وہ مال تقریباً ۲۰؍ یا ۲۵؍ ہزار عدد تھا، جس کے پچاس روپئے سے ۱۰؍ یا ۱۲؍ لاکھ روپئے بیٹھتے ہیں، اب کارخانہ دار دوکاندار کو

اپنے گھر بلاتا ہے اور آدمیوں کو بھی جمع کرتا ہے اور سب کے سامنے یہ کہتا ہے کہ اس دوکاندار نے ہمارا مال پچاس روپئے کم میں سپلایر سے خریدا ہے، اب یہ رقم ہمیں چاہئے، اس میں کافی لوگ جمع تھے، اب یہ فرمائیں علماء دین یہ کہ ۱۰/ یا ۱۲/ لاکھ روپئے کی رقم ان آدمیوں کا کارخانہ دار کو دلا نا جائز ہے یا نہیں؟ اور ان کا اس رقم کو لینا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: حاجی فرزند صاحب سرائے ترین سنبھل

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دوکاندار نے سپلایر سے خریدا ہے، دوکاندار کا معاملہ سپلایر سے ہے کارخانہ دار سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے، جیسا کہ سوال نامہ سے واضح ہو رہا ہے۔ اور سوال نامہ سے یہ بھی واضح ہے کہ کارخانہ دار نے دوکاندار سے کوئی معاملہ نہیں کیا ہوا ہے؛ بلکہ سارا معاملہ دوکاندار اور سپلایر کے درمیان میں ہے؛ اس لئے سپلایر نے جتنے میں دوکاندار کو دیا ہے، دوکاندار کو اتنے میں خریدنے کا حق ہے، اب اگر سپلایر نے کارخانہ دار سے ادھار خرید کر دوکاندار کے ہاتھ کم قیمت میں نقد بیچا ہے تو اس نقصان کا ذمہ دار سپلایر ہے، دوکاندار نہیں؛ اس لئے دوکاندار سے کسی قسم کے مطالبہ کا حق نہیں۔ اور سارا مطالبہ سپلایر سے ہوگا۔

الثمن المسمى هو الثمن الذي يسميه ويعينه العاقدان وقت البيع بالتراخي، سواء كان مطابقا بقيمته الحقيقية أو ناقصا عنها، أو زائدا عليها. (شرح المجلة، رستم مكتبه اتحاد ١/ ٧٣، رقم المادة: ١٥٣، مجلة الأحكام العدلية ١/ ٣٣، رقم المادة: ١٥٣)

يجوز للمشتري أن يزيد في الثمن، ويجوز للبائع أن يحط من الثمن، وأن يزيد في المبيع ويلتحق بأصل العقد، ويتعلق الاستحقاق بجميع ذلك. الخ (تبيين الحقائق، كتاب البيوع، باب التولية، زكريا ٤/ ٤٤٢، إمداديه ملتان ٤/ ٨٣، مختصر القدوري، باب المرابحة والتولية، ص: ٨١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳/ رجب ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۲۳/۴۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۳/۷/۱۴۳۴ھ

مبیع کو انعام کے ساتھ فروخت کرنا

سوال [۸۵۷۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عبدالحلیم تجارت کرتا ہے، جس میں کچھ ایسی صورتیں درپیش ہیں جو مشکل کا باعث ہیں، مثلاً میٹھی سپاری کا ایک پورا پیکٹ جس کی قیمت ۲۲/روپئے ہے، جس کے اندر ۶۰/ پاؤج ہوتے ہیں، میٹھی سپاری کے ہر پاؤج کی فروخت پچاس پیسے ہے، اس حساب سے پورے پیکٹ کے منافع ۸/روپئے ہیں، اس پیکٹ کی قیمت جتنی پہلے تھی اتنی ہی اب ہے؛ لیکن قبل ازیں پاؤج میں انعامات نہیں ہوتے تھے، مگر اب سپاری میں بغیر کسی کمی کے انعام کے طور پر کچھ چیزیں رکھ دی ہیں، مثلاً پنسل، قلم اور گھڑی، سائیکل وغیرہ اور کمپنی کی طرف سے یہ اعلان ہے کہ کمپنی صرف مال کے پیسے لے رہی ہے اور انعام فری میں دئے جارہے ہیں، کیا ایسی حالت میں ان جیسی اشیاء کی خرید وفروخت شریعت کی رو سے جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: عبدالحلیم مجاشاہ قلندر لہرپور، سیتاپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب کمپنی کی طرف سے یہ اعلان ہے کہ وہ صرف سپاری کی پیکٹ کے پیسے لے رہی ہے اور انعامات اپنی جیب خاص سے دے رہی ہے، تو ایسی صورت میں یہ بیع جائز ہوگی؛ لیکن ایسے معاملہ میں کسی حد تک قمار کا شبہ رہتا ہے؛ اس لئے یہ معاملہ کم سے کم کراہت تنزیہی کے درجے میں ہوگا؛ البتہ اگر خریدنے والے کی نیت صرف انعام حاصل کرنا ہو اور سپاری کی خریداری ضمنی طور پر ہو تو پھر یہ شکل جائز نہ ہوگی۔ (مستفاد: جواہر الفقہ، قدیم ۲/ ۳۴۵، جدید زکریا ۴/ ۵۲۶، جدید فقہی مسائل ۴/ ۲۷۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱/رجب ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۴۵۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۲/۷/۱۴۲۵ھ

اسکیم کے تحت پنکھے کی خرید وفروخت

سوال [۸۵۸۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک سوال پیش خدمت ہے، جس کے لئے فتویٰ عنایت کریں کہ کام کرنے کے لئے کہاں تک گنجائش ہے، اگر اس کام میں مسئلہ کے مطابق رخصت ہوتو تحریر فرمائیں کام یہ ہے کہ ہم بجلی سے چلنے والے پنکھے جن کی قیمت مبلغ چار سو پانچ روپیہ فی عدد ہوتی ہے، ایک اسکیم کے تحت پانچ روپیہ روزانہ جمع کر کے ۸۰/ دن میں کل چار سو پانچ روپیہ فیس ممبری وصول کرتے ہیں، اپنی اس اسکیم کے مطابق ہفتہ یا پندرہ دن میں ایک عدد پنکھا بطور انعام بذریعہ قرعہ اندازی کسی بھی ایک ممبر کو دے دیتے ہیں، یہ سلسلہ اسکیم مکمل ہونے تک چلتا رہتا ہے، اسکیم کی مدت مکمل ہونے پر تمام ممبران کو پنکھے دے دیئے جاتے ہیں، دوران اسکیم بھی اگر ممبر کو ضرورت ہوتو نصف رقم جمع ہوجانے کے بعد بھی پنکھا دے دیا جاتا ہے (یہ بات تعلقات اور بھروسہ پر مبنی ہے، جو قیمت اسکیم میں رکھی گئی ہے، وہی قیمت نقد پنکھے کی بھی ہے، حق کسی کا نہیں مارا جاتا، قسط جمع کرنے کے بعد روزانہ خاص محنت بھی کی جاتی ہے۔

المستفتی: منور علی، شیر کوٹ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: متعدد وجوہ سے یہ اسکیم ناجائز اور حرام ہے (۱) یہ عقود شرعیہ میں سے کسی میں بھی پوری طرح داخل نہیں، نہ بیع میں نہ سلم میں، نہ ہبہ میں، نہ شرکت میں۔ (۲) جو رقم قسطوں میں جمع ہوتی ہے وہ تمام ممبران کی مساوی ملکیت ہے، قرعہ اندازی میں تمام ممبران کی ملکیت کا بلا معاوضہ ایک شخص کو مالک بنایا جاتا ہے۔ (۳) دیگر ممبران راضی بھی نہیں ہوتے اور ہوں تو مجبوراً؛ کیوں کہ ہر ایک کی تمنا ولالچ رقم جمع کرنے میں یہی ہے کہ قرعہ میں میرا نام نکل آئے اور یہ امر متردد فیہ ہے جو شرعاً قمار میں داخل ہے۔ (۴) شرکت میں اس لئے داخل نہیں کہ اس میں نفع ونقصان میں سب کا برابر شریک ہونا شرط ہے جو یہاں

نہیں ہے؛ لہٰذا یہ معاملہ ہرگز ناجائز ہے۔ (مستفاد: فتاوی رحیمیہ، قدیم ۶/ ۱۴۲، جدید زکریا ۹/ ۴۶۶، کفایت المفتی قدیم ۸/۱۲۲، جدید زکریا مطول ۱۱/ ۱۰۷-۱۰۸، امداد الفتاوی زکریا ۴/ ۱۶۲، فتاوی محمودیہ، قدیم ۴/ ۲۵۴، جدید ڈابھیل ۱۶/ ۳۳۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍محرم الحرام ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۴۲۶)

عقد کے وقت ثمن میں جہالت نہ ہو تو عقد صحیح ہے؟

سوال [۸۵۸۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کا کسی غیر مسلم سے کاروبار چلتا ہے، اس طرح کہ مثلاً زید نے کسی غیر مسلم کو کوئی چیز فروخت کی، دو سو روپئے قیمت طے ہوئی؛ لیکن وہ غیر مسلم یوں کہتا ہے کہ ان غیر مسلموں کے یہاں مدت دراز سے یہی قانون بنا ہوا ہے، اگر نقد روپیہ لوگے تو ۲۵؍ پرسینٹ رقم کم ملے گی۔ اور اگر ایک ماہ بعد لوگے تو بیس پرسینٹ کم رقم ملے گی۔ اور دو ماہ بعد لوگے تو دس پرسینٹ کم ملے گی اور تین ماہ بعد لوگے تو پانچ پرسینٹ کم ملے گی، تو زید نے یہ طے کرلیا کہ ایک ماہ بعد ۲۰؍ پرسینٹ کم پر دے دیں، یہ معاملہ طے ہوگیا؛ لیکن وہ غیر مسلم ایک ماہ پورا ہونے پر رقم نہیں دیتا ہے، مطالبہ پر یوں کہتا ہے کہ دو ماہ پورے ہونے پر ۱۰؍ پرسینٹ کم پر لے لینا، تو اس طرح مدت کے بڑھ جانے پر زید کے لئے دس پرسینٹ بڑھا کر لینا جائز ہے یا نہیں؟ حالانکہ اس نے ۲۰؍ پرسینٹ کم پر معاملہ طے کیا تھا اور اس طرح کا معاملہ بھی درست ہے یا نہیں؟ مع الدلائل بحوالہ کتب تحریر فرمائیں۔

المستفتی: محمد سعید، پالن پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مذا میں اگر عقد کے وقت ثمن میں کوئی

جہالت نہ تھی اور یہ بات طے کر لی گئی تھی کہ ایک مہینہ بعد بائع کو اتنی رقم دی جائے گی، تو یہ معاملہ درست اور منعقد ہو گیا، البتہ اگر مشتری وقت پر ثمن نہ ادا کرے تو مزید مہلت دینے کی وجہ سے طے شدہ ثمن سے زیادہ لینا درست نہ ہوگا؛ بلکہ اتنی ہی رقم لی جائے گی جتنی ابتداء عقد میں طے ہوئی تھی، یہ بات یاد رہے کہ فیصدی کے ذریعہ اس طرح رقم طے کرنا کہ اصل ثمن مجہول رہے جائز نہیں ہے؛ اس لئے اس طرح کا معاملہ کرتے وقت اس نکتہ کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

قال في النهر: ولو كان البدل مثليا، فباعه به وبعشرة، أي عشر ذلك المثلي، فإن كان المشترى يعلم جملة ذلك صح وإلا، فإن علم في المجلس خير وإلا فسد. (شامي، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، زكريا ٧/ ٣٥٢-٣٥٣، كراچی ٥/ ١٣٥، النهر الفائق، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ٤٥٦، تبيين الحقائق، مكتبه إمداديه ملتان ٤/ ٧٤، زكريا ٤/ ٤٢٤)

كل قرض جر نفعا فهو ربا حرام. (قواعد الفقه، أشرفي، ص: ١٠٢، رقم: ٢٣٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵ رشوال ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۲۰۱۱)

پیکنگ شدہ ڈبوں کی وزن کئے بغیر خرید وفروخت کرنا

سوال [۸۵۸۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آج کل مارکیٹوں میں جو بیوعات ہوتی ہیں، ان کی مختلف صورتیں ہیں: ایک صورت تو یہ ہے کہ مشتری ایک کیلو یا دو کیلو کی پیکٹ خریدتا ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ مشتری خرید وفروخت مجازفتہ کرتا ہے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ دوکاندار مشتری کے کسی وکیل کے سامنے اشیاء تولتا ہے، ان تمام صورتوں میں اگر دوکاندار مشتری کے سامنے اشیاء نہ بھی تولے تو بھی اس کے جواز میں کسی کو کوئی کلام نہیں۔

چوتھی صورت یہ ہے کہ مشتری دوکاندار کو ایک چٹ دے دیتا ہے جس کے مطابق دوکاندار اشیاء تول کر مشتری کے گھر بھجوا دیتا ہے، جس میں مشتری کی جانب سے کوئی وکیل بھی نہیں ہوتا اور مشتری وزن کا اعادہ نہیں کرتا ہے۔

پانچویں صورت یہ ہی ہے کہ مشتری جب دوکان جاتا ہے تو دوکاندار نے پہلے سے اشیاء تول کر رکھی ہوتی ہیں اور سابقہ وزن کی بنیاد پر مشتری اشیاء لے لیتا ہے اور وزن کا اعادہ نہ دوکان میں کرتا ہے نہ گھر جا کر کرتا ہے، حالانکہ ''بہشتی زیور'' میں اس طرح کے اشیاء کے استعمال کرنے کو ناجائز لکھا ہے۔ اور تمام متون سے بھی یہی بات سمجھ میں آتی ہے۔ اب پوچھنا یہ ہے کہ آخری دو صورتیں اگر واقعی ناجائز ہیں تو کیا ان کے جواز کی کوئی صورت ہو سکتی ہے یا نہیں؟ کیوں کہ آج کل اس طرح کی بیوعات میں تو عوام وخواص مبتلا ہیں۔ از راہ کرم جواب با صواب سے مطلع فرما کر ثواب دارین حاصل کریں۔ جزاک اللہ

المستفتی: محمد بن احمد حسین پٹنی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مشتری کے سامنے کیل کرنا اور تولنا یا مشتری کا گھر لا کر کے کیل کرنا اور تولنا اس صورت میں لازم ہوتا ہے کہ جب خریدار کو بائع اور دوکاندار پر اعتماد نہ ہو اور آج کل کے زمانہ میں کیل کی ہوئی چیزیں اور تلی ہوئی چیزیں جو پیکنگ شدہ خرید وفروخت ہوتی ہیں، ان پر اعتماد ہوتا ہے؛ اس لئے مشتری کے سامنے تولنا یا کیل کرنا یا مشتری کا گھر لا کر کے تولنا یا کیل کرنا لازم نہیں ہے۔ اور ''بہشتی زیور'' میں جو لکھا ہوا ہے، اسی طرح تمام متون میں جو لکھا ہوا ہے، ان سب کا مدار اسی پر ہے کہ جب مشتری کو بائع پر اعتماد نہ ہو یا مفضی الی المنازعت ہو اور یہاں نہ کوئی عدم اعتماد ہے اور نہ مفضی الی المنازعت ہے۔ اور

سوال نامہ میں جتنی شکلیں رائج شدہ لکھی گئی ہیں وہ سب جائز ہیں۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۳/ ۴۹۹-۴۹۷، انوار رحمت، ص:۲۸۱، جامع الفتاوی ۳/ ۱۵۸)

فالذي يتبين أن المشتري إن اعتمد على كيل البائع جاز له أكله بدون إعادة الكيل، سواء كان بحضرته أو بغيبته. (فيض الباري ۳/ ۲۲۰)

وقيد بقوله: ”غير الدراهم والدنانير“ ...... كبيع التعاطي، فإنه لا يحتاج في الموزونات إلى وزن المشتري ثانيا؛ لأنه صار بيعا بالقبض بعد الوزن، قنيه وعليه الفتوى، خلاصة، عبارة البحر: وهذا كله في غير بيع التعاطي أما هو فقال في القنية: ولا يحتاج الخ، وظاهر قوله، وهذا كله أنه لا يتقيد بالموزونات بل التعاطي في المكيلات والمعدودات كذلك.

(شامي، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، مطلب في تصرف البائع في المبيع قبل القبض، زكريا ۷/ ۳۷۳، كراچی ۵/ ۱۵۰، قديم ص: ۱۵٤)

فصل في تعارض العرف مع الشرع، فإذا تعارضا قدم عرف الاستعمال. (الأشباه والنظائر، زكريا ص: ۲۷٤، قديم: ۱۵٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/ ذیقعدہ ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۰۸۵۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۱/ ۱۱/ ۱۴۳۳ھ

بنجر زمین کو آباد کرنا

سوال [۸۵۸۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک زمین جو کہ نہر کے کنارے ہے، جو بنجر پڑی ہوئی تھی، زید نے اس کو اپنے نام پٹواری سے کرالیا، کچھ قیمت دے کر، واضح رہے کہ وہ زمین کسی کی ملکیت میں نہیں تھی، اب معلوم یہ کرنا ہے کہ آیا شرعی اعتبار سے اس پر زید کی ملکیت درست ہے؟

المستفتی: عبد الرحمٰن سول لائن، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بنجر زمین جس پر کسی کی ملکیت نہ ہو اسے جب کوئی شخص آباد کرلے اور آباد کرنے کے بعد حکومت کی اجازت سے اپنے نام کاغذات بنالے، تو وہ زمین اس کی ملکیت ہو جاتی ہے۔ اور بورڈ کی طرف سے جو علاقہ کا پٹواری ہوتا ہے، اس پٹواری کے ذریعہ سے اگر نام کرالیا جائے تو وہ صحیح اور درست ہو جاتا ہے؛ لہٰذا سوال نامہ میں زید نے جو زمین آباد کر کے پٹواری کے ذریعہ اپنے نام کروالیا ہے وہ شرعی طور پر درست ہے، زید اس کا مالک ہے۔

عن عائشة –رضي الله عنها– عن النبي ﷺ قال: من أعمر أرضا ليست لأحد فهو أحق، قال عروة: قضى به عمر في خلافته. (صحيح البخاري، كتاب الحرث والمزارعة، باب من أحيى أرضا مواتا، النسخة الهندية ١/ ٣١٤، رقم: ٢٢٧٧، ف: ٢٣٣٥)

فالملك في الموات يثبت بالإحياء بإذن الإمام عند أبي حنيفة، وعندهما يثبت بنفس الإحياء وإذن الإمام ليس بشرط. (بدائع الصنائع، كتاب الأراضي، زكريا ٥/ ٢٨٤، إمداديه ملتان ٦/ ١٩٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱ محرم الحرام ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۶۴۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۱/۲۱ھ

سرکاری افتادہ زمین کی خرید وفروخت کی شرعی حیثیت

سوال [۸۵۸۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ممبئی کی آراضی سے متعلق ویسے تو بہت سے مسائل ہیں، فی الحال شخصی ملکیت والی آراضی سے متعلق حکم شرعی مطلوب ہے۔ چنانچہ ممبئی کے بعض علاقوں میں متعین شخص یا چند افراد (کمپنی) کی بڑی بڑی آراضی ہیں، سرکاری ریکارڈ میں ان کے مالک ہونے کے تمام

ثبوت وشواہد موجود ہیں، قانوناً ان کے خلاف کسی کا دعویٰ بھی نہیں ہے؛ لیکن ان آراضی کا حال یہ ہے کہ فی الحال ان پر سیکڑوں بلکہ بعض جگہ ہزاروں مکانات تعمیر ہو چکے ہیں، جن میں ہر قوم و مذہب کی ہزاروں فیملیاں رہائش پذیر ہیں، اور بہت سی جگہ مسجد، مدرسہ اور مکاتب بھی قائم ہیں۔ موجودہ صورت حال کے اسباب مختلف ہو سکتے ہیں؛ البتہ ان میں ایک بڑا اور ظاہری سبب یہ ہے کہ پرکھوں، باپ داداؤں کی زمینیں تھیں اور اکثر و بیشتر بے قیمت تھیں؛ لہٰذا ان کی طرف توجہ نہیں تھی؛ بلکہ بہت سے لوگوں کو تو حکومت کی طرف سے بتایا گیا تو انہیں پتہ چلا کہ یہ ساری زمین ان کے آباء واجداد کی تھیں اور اب وہ ان کے مالک ہیں، چنانچہ خالی زمینیں دیکھ کر آہستہ آہستہ لوگ قبضہ کرنے لگے اور بستیاں بس گئیں۔ اور بعض جگہ ایسا ہوا کہ بغرض حفاظت دربان اور واچ مین رکھے گئے تھے، انہوں نے مالکوں کی غفلت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے معمولی معمولی رقم لے کر لوگوں کو جھونپڑے بنانے کی اجازت دے دی۔ اور اس طرح یہ دربان لکھپتی کروڑ پتی بن گئے اور خالی زمینیں بستیوں میں تبدیل ہو گئیں، چونکہ اس قسم کی جھوپڑ پٹیاں، سیاستدانوں کے لئے بڑی اہمیت رکھتی ہیں، کیوں کہ عموماً یہی لوگ ووٹ دینے جاتے ہیں، سیاسی جلسوں میں شریک ہوتے ہیں، ورنہ امیر طبقہ بلکہ اب تو متوسط طبقہ بھی عموماً ان جھمیلوں میں نہیں پڑتا، اس لئے ایسی بستیوں میں بنیادی ضروریاتِ زندگی لائٹ، پانی وغیرہ فراہم کردی جاتی ہیں۔ اور کبھی کبھار راستہ کی اصلاح و مرمت ہوتی رہتی ہے۔ ان میں اکثروں کے راشن کارڈ نہیں بن پاتے؛ البتہ کچھ لوگ غلط سلط معلومات کی بنیاد پر راشن کارڈ بنا لیتے ہیں، جو عموماً اصلی نہیں ہوتے؛ بلکہ نقلی ہوتے ہیں، ان کے پاس مکانات کے فوٹو پاس نہیں ہوتے، ان کے ایڈریس پر بہت سے اہم سرکاری دستاویزات بھی نہیں بن پاتے ہیں۔ الغرض حکومت کی نگاہ میں بھی یہ لوگ حقیقی مالکان کی حیثیت نہیں رکھتے؛ لیکن ان کو ہٹانا بہت مشکل ہوتا ہے؛ کیوں کہ ساری سیاسی جماعتیں اور ہیومن رائٹس کی تنظیمیں، غریبوں کے حقوق کی جنگ لڑنے کھڑی ہو جاتی ہیں، یہی وجہ ہے کہ بسا اوقات مالکان، سیاستدانوں اور افسروں سے سازباز کر کے کسی بہانے بستی میں آگ لگوا دیتے ہیں، تاکہ ان کی زمینیں خالی ہو جائیں، اب تک اس طرح کے کئی واقعات رونما ہو چکے ہیں۔

الغرض ان حالات سے نمٹنے کے لئے حکومت مہاراشٹر نے ایک اسکیم پاس کی ہے، جس کو S.R.A اسکیم کہتے ہیں۔ حکومت کا مقصد اس اسکیم سے قابضین اور مالکان دونوں کو فائدہ پہنچانا ہے، چنانچہ قابضین کو مکان مل جائے گا اور مالکان کی اراضی خالی ہوکران کے قبضہ میں آجائے گی؛ البتہ اس اسکیم سے متعلق کچھ ضوابط اور چند شرائط ہیں، وہ حسب ذیل ہیں:

(۱) S.R.A اسکیم میں اسی شخص کو فلیٹ مل سکتا ہے جس کے پاس ۱۹۹۵ء سے پہلے کا کوئی بھی سرکاری ثبوت اس مکان سے متعلق موجود ہو، مثلاً لائٹ بل ہو یا فوٹو پاس ہو وغیرہ۔ ۱۹۹۵ء کے بعد سے رہائش پذیروں کو اس اسکیم سے فلیٹ نہیں مل سکتا۔

(۲) اگر رہائشی مکان ہے تو خواہ وہ کتنا ہی بڑا ہو یا کتنا ہی چھوٹا ہو، اس کے بدلہ میں 269 اسکوائر فٹ ہی کا مکان ملے گا۔ واضح رہے کہ پہلے 225 اسکوائر فٹ کا قانون تھا، جواب بدل کر بڑھ گیا ہے۔

(۳) اگر دوکان ہے تو اگر 100 اسکوائر فٹ کی ہے تو بدلہ میں بلڈنگ کے اندر 100 اسکوائر فٹ کی دوکان ملے گی۔ اور اگر 100 اسکوائر فٹ سے بڑی ہے، خواہ کتنی ہی بڑی ہوتو اسے 225 اسکوائر فٹ کی دوکان ملے گی۔

واضح رہے کہ مالکان آراضی کو اپنی آراضی باقاعدہ S.R.A اسکیم میں پاس کروانی ہوتی ہے جس کے لئے وقت اور مال دونوں بڑی مقدار میں خرچ ہوتا ہے، بغیر پاس کرائے یہ کام نہیں ہوسکتا۔

خلاصہ یہ ہے کہ مالکان آراضی کو لاکھوں روپئے خرچ کرکے S.R.A اسکیم میں اپنی زمین پاس کروانی ہوتی ہے، پھر جتنے بھی قابضین ہیں سب کو ضابطہ کے مطابق مکانات اور دوکانیں مفت دینی ہوتی ہیں، ان سب کے لئے بلڈنگیں تعمیر کرنے کے بعد جو زمین خالی بچ جائے وہ مالکان کو ملتی ہے؛ البتہ اس کے عوض میں حکومت کی طرف سے مالکانِ آراضی کو F.S.I بڑھ کر ملتی ہے، مثلاً اگر مکمل خالی زمین پر ایک لاکھ اسکوائر فٹ کا کام قانوناً ہوسکتا تھا؛ لیکن S.R.A اسکیم کی وجہ سے زمین کا کچھ حصہ کم ہوگیا، تو اس کے بدلہ حکومت ایک لاکھ اسکوائر فٹ کے بجائے دو لاکھ

اسکوائر فٹ بنانے کی اجازت دیتی ہے، اس طرح کافی حد تک تلافی ہو جاتی ہے؛ لیکن بہر حال اس طرح بھی مالکین پر کافی بوجھ آتا ہے اور مجبوراً اور بادلِ نخواستہ مکانات بنا کر دینے پڑتے ہیں۔ اور بعض تو ہمت ہی نہیں کر پاتے؛ کیوں کہ ان جھونپڑے والوں کو دینے کے لئے اتنی مقدار میں بلڈنگیں بنانی پڑیں گی کی ان کی تعمیر پر کروڑوں روپئے کی لاگت آئے گی، جس کی وہ ہمت نہیں کر پاتے اور بالآخر زمین یونہی پڑی رہتی ہے۔

الغرض مسطورہ بالا تفصیلات کی روشنی میں درج ذیل سوالات کے جوابات مطلوب ہیں:

(۱) کیا شخصی ملکیت کی زمین پر قبضہ کر کے مکان ودوکان بنانا جائز ہے؟ اس طرح سے تعمیر شدہ مساجد ومدارس اور مکاتب قرآنیہ کا کیا حکم ہے؟

(۲) کیا شخصی ملکیت کی زمین پر قابض اول سے خریدنے کی اجازت ہے، اسی طرح دوسرے تیسرے نمبر پر خریدنے کا کیا حکم ہے؟ نیز ان جیسے مکانات اور دوکانوں سے حاصل ہونے والے منافع کا کیا حکم ہے؟

(۳) اگر قابض یا خریدار، امام مسجد ہو، خواہ وہ اس میں رہائش پذیر ہو، یا کرائے پر دے کر کے کرایہ حاصل کر رہا ہو، اور باوجود علم کے اس سے باز نہ آتا ہو، تو اس کی امامت کا کیا حکم ہے؟

(۴) S.R.A ڈیولپمینٹ اسکیم کے تحت ملنے والے مکانات لینا جائز ہے یا ناجائز؟

نوٹ:- واضح رہے کہ ایسی زمینوں پر بسے ہوئے اکثر لوگوں کے پاس رہنے کے لئے یہی مکان ہوتا ہے؛ اس لئے ان لوگوں کی بازآبادکاری کے لئے حکومت کی S.R.A اسکیم ہے، اگر چہ بہت سے لوگوں نے بڑی جگہیں بھی قبضہ میں کر رکھی ہیں اور اس پر تعمیرات کر کے اچھی خاصی آمدنی حاصل کر رہے ہیں۔ فقط والسلام

المستفتی: عبد الرشید عفی عنہ نعمانی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ہندوستان کی جائیداد، ان کی نوعیت اور ان کی حیثیت سے متعلق کافی غور وخوض کرنے کے بعد یہ بات سامنے آئی ہے کہ ہندوستان کی جائیداد جن

پر مالکان کے علاوہ دوسروں کا قبضہ ہے، وہ کل تین قسموں پر ہیں: (۱) صحرائی جائیداد: ۱۹۴۷ء سے پہلے انگریزی حکومت نے یہ قانون بنایا تھا کہ جس جائیداد پر کسی کسان نے ۱۲؍سال تک تسلسل کے ساتھ کھیتی کی ہو کسان اس زمین کا مالک ہو جائے گا، مگر یہ قانون لازمی اور جبری نہیں تھا؛ بلکہ اختیاری تھا، اس بارے میں اس زمانہ کے علماء نے یہ فتوی صادر کیا تھا کہ چونکہ زمین پر حکومت کے استیلاء اور تغلب کے ذریعہ سے قبضہ نہیں ہوتا ہے؛ بلکہ کسان کو مالک بننے کا ایک اختیاری قانون ہے۔ اور کسان اگر مالک کو واپس کر دے اور مالک اپنی ملکیت میں رکھے تو کسان و مالک پر قانونی طور پر کوئی دار و گیر نہیں ہے؛ اس لئے سرکاری قانون کے باوجود شرعاً کسان ان زمینوں کے مالک نہیں ہوں گے، ان کو دوسروں کے ہاتھ فروخت کرنے کا حق نہیں ہے، جیسا کہ ''امداد الفتاوی'' وغیرہ میں اس کی صراحت موجود ہے، پھر ۱۹۴۷ء سے دوسرا دور آیا جس میں انگریزی حکومت کے خاتمہ کے بعد کانگریس کا راج آیا ہیں۔ اور کانگریس راج آنے کے بعد صرف تین سال نہیں گزر پائے تھے کہ ۱۹۵۰ء میں کانگریس نے خاتمہ زمینداری کا اعلان کیا، جس میں حکومت ہند نے زمینداروں کی زمینوں پر استیلاء اور تغلب حاصل کر لیا اور ساری زمینیں زمینداروں سے لے کر کسانوں کو دے دیں، کسی کو معمولی کوڑیوں کا معاوضہ بھی دیا اور کسی کو نہیں دیا، گویا کہ حکومت نے جبر یہ طور پر زمینداروں کی زمینوں پر استیلاء حاصل کر کے کسانوں کو مالک بنا دیا، اس بارے میں علماء کا فتویٰ یہ جاری ہوا کہ سرکار کے استیلاء اور تغلب کے ذریعہ سے کسانوں کو جو جائیدادیں ملی ہیں، اس سے کسان ان زمینوں کے مالک بن چکے ہیں۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ ڈابھیل ۱۷/ ۱۷۸-۱۸۰، میرٹھ ۲۵/ ۳۵۱-۳۵۴)

اس وضاحت کے بعد اصل سوال کا جواب حسب ذیل تفصیل سے واضح ہوگا وہ زمینیں جن کے بارے میں مالکوں کی طرف سے کوئی روک تھام نہیں ہے، یا ایسی افتادہ زمین جن کے مالکوں کا اتا پتا نہیں ہے، یا سرکاری افتادہ زمین ہے، یا کسی شہر اور آبادی کے متصل بہتے دریا

نے کاٹ کر کے ایک طرف کی زمین کو دوسری طرف پہنچا دیا ہے، تو ایسی زمینوں پر غریب لوگوں کا قبضہ ہوتا چلا جاتا ہے اور چھوٹے چھوٹے مکانات کا سلسلہ شروع ہوجاتا ہے اور غریبوں کے اس طرح کے قبضہ پر نہ مالکوں کی طرف سے کوئی روک ٹوک ہوتی ہے، نہ سرکار کی طرف سے کوئی پابندی ہوتی ہے اور آہستہ آہستہ ایسی جگہ آباد ہو کر شہر کی طرح گلی کوچوں کی شکل اختیار کرلیتی ہے، نیز ایسا بھی ہوتا ہے کہ چالاک قسم کے لوگ اس طرح کی زمینوں پر پہلے اپنا قبضہ جمالیتے ہیں، اس کے بعد جو غریب لوگ بسنے والے ہوتے ہیں، ان کے ہاتھوں میں معمولی پیسوں میں فروخت کردیتے ہیں اور فروختگی کا کوئی ذیلی کاغذ بھی بنالیتے ہیں، پھر اس میں سرکاری طور پر میونسپلٹی کی سڑکیں بن جاتی ہیں اور بجلی پانی کا انتظام بھی سرکار کی طرف سے ہوجاتا ہے، پھر اس کے بعد وہاں کے بسنے والوں کے لئے ذیلی کاغذات تیار ہوجاتے ہیں، اور مسلم آبادی ہو تو اس میں مسجدیں بھی بن جاتی ہیں اور مسجد کا رجسٹریشن بھی ہوجاتا ہے، جیسا کہ ہمارے مرادآباد میں جامع مسجد سے متصل دریا کے کنارے پر لاکھوں کی آبادی اسی طرح بسی ہوئی ہے اور اس میں متعدد مسجدیں بھی بن گئی ہیں اور اسی طرح بمبئی میں دسیوں مقامات پر اس طرح کی آبادیاں بسی ہوئی ہیں، اور بھی دیگر شہروں میں اس طرح کی نوعیت کی آبادیاں بکثرت ہیں اور ایسی آبادیوں کو اکھاڑ کر ختم کرنا نہ مالکوں کے بس کی بات ہے اور نہ ہی حکومت ان کے بارے میں خاص توجہ دیتی ہے، اب اس طرح کی آبادیوں پر سرکار کا تغلب دو طرح کا ہوتا ہے:

(۱) اگر سرکاری افتادہ زمین ہے جن پر ان غریبوں نے قبضہ کر رکھا ہے اور سرکار کو وہاں اپنا کوئی ترقیاتی پروگرام چلانا ہے، تو ان پر تغلب حاصل کر کے وہاں کے بسنے والوں کو بے گھر کر کے اپنے قبضہ میں لے کر سرکار اپنا کام کرتی ہے۔

(۲) بعض سرکاری افتادہ زمین جن پر غریبوں کا قبضہ ہے یا ان زمینوں کا کوئی مالک ہے جن کی طرف سے اب تک کوئی روک تھام نہیں ہوئی اور سرکار نے روڈ بنا دیا ہے، بجلی پانی کا انتظام کردیا ہے، اور وہاں کے بسنے والوں کو سرکاری طور پر تسلیم کرلیا ہے اور وہاں کی مردم

شماری کر کے سرکاری طور پر وہاں کے لوگوں سے الیکشن کے زمانے میں ووٹ بھی لیا جاتا ہے، تو گویا کہ اگر سرکاری زمین ہے، تو سرکار نے ان غریبوں کو عملاً ان زمینوں کا مالک بنا دیا ہے۔ اور اگر ان زمینوں کا کوئی مالک رہا ہو تو سرکار نے اس عمل کے ذریعہ سے مالکوں کی زمین پر تغلب حاصل کرلیا ہے۔ اور تغلب حاصل کر کے وہاں کے بسنے والوں کو ان زمینوں کا مالک بنا دیا ہے، تو ایسی صورت میں خاتمہ زمینداری کے بعد کسانوں کو جس درجہ کی زمینوں کی ملکیت حاصل ہوگئی ہے، اسی درجہ کی ان جگہوں پر بسنے والوں کو بھی اپنے اپنے قبضہ کی زمینوں پر ملکیت حاصل ہوچکی ہے اور ان آبادیوں میں جو مسجدیں بن چکی ہیں، ان مسجدوں کو شرعی حیثیت حاصل ہوجائے گی۔ احقر نے یہ تحریر اپنی سمجھ کے اعتبار سے لکھی ہے، اس لئے دوسرے علماء سے بھی اس سلسلے میں رابطہ قائم کرنا مناسب ہوگا۔ اور احقر نے جن جزئیات کے پیش نظر مذکورہ حکم لکھا ہے ان میں سے چند جزئیات حسب ذیل ہیں:

إن الاستيلاء عبارة عن الإقتدار على محل مطلقا على وجه يتمكن من الانتفاع في الحال، ومن الإدخار في المآل والاقتدار بهذه الصفة لا تكون إلا بعد الإحراز، ثم بعد إحرازهم ارتفعت العصمة، فورد الاستيلاء حينئذ على مال مباح لا على مال محظور –إلى قوله– فإن قلت: لا نسلم أن المال مباح بأصل الخلقة، قلت: هو مباح لقوله تعالى: ﴿خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا﴾ (البناية، باب استيلاء الكفار، اشرفيه ۷/ ۱۸۸، نعميه ۹/ ۲۴۴)

قال أبوحنيفة، ومالك رحمهما الله: الكفار إذا استولت على أموال المسلمين ملكوها. (تفسير مظهري، زكريا ۹/ ۲۴۰)

ولو استولى أهل الحرب على أموالنا وأحرزوها بدارهم ملكوها عندنا. (هندية، الباب الخامس في استيلاء الكفار، زكريا جديد۲/ ۲۴۱، قديم ۲/ ۲۲۵)

أما المال غير المعصوم، فإنه يجوز الاستيلاء عليه، وإن كان مملوكا. (الموسوعة الفقهية الكويتية ٤/ ١٥٨)

وإن غلبوا على أموالنا وأحرزوها بدارهم ملكوها. (شامي، زكريا ٦/ ٢٦٧، كراچی ٤/ ١٦٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷؍ربیع الاول ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۰۰۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۷/۳/ ۱۴۳۴ھ

کیا جلسہ کے موقع پر بالعوض کھانا کھانا بیع ہے؟

سوال [۸۵۸۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مہتمم صاحب مدرسہ کے سالانہ جلسہ کے موقع پر لوگوں کی دعوت کر کے ان کے لئے کھانا تیار کرتے ہیں، دعوت نامہ کا ماحصل یہ ہے کہ: جناب............فلاں تاریخ کو فلاں مدرسہ کا سالانہ جلسہ کیا جا رہا ہے، آپ اس جلسے میں تشریف لا کر مدرسہ کو زیادہ سے زیادہ امداد دے کر جلسہ کو کامیاب بنانے میں مدد فرمائیں، اتنے بجے شروع ہو کر اتنے بجے ختم ہوگا، جلسہ کے دن جلسہ گاہ کو چاروں طرف سے گھیر کر گیٹ میں کاؤنٹر بنا کر آنے والوں سے پیسہ لیا جاتا ہے، جب اختتام جلسہ کا وقت قریب ہو جاتا ہے، تو ایک منادی ندا کرتا ہے کہ جن لوگوں نے کاؤنٹر سے رسید حاصل نہیں کی ہے، اب حاصل کر لیں، کھانے کا وقت قریب آ گیا ہے۔ (یعنی رسید حاصل کئے بغیر نہیں کھا سکتا) اب سوال یہ ہے کہ اس صورت واقعہ کو اصطلاح فقہاء میں کیا کہا جائے گا؟ ''للہ'' تو نہیں کیوں کہ کھانے کے عوض روپئے حاصل کر رہے ہیں، اور روپئے کے عوض کھانا کھا رہے ہیں، تو معلوم ہوا کہ یہ بیع ہے، مہتمم صاحب نے تمول مال کے لئے تجارت کا ایک نیا طریقہ ایجاد کیا ہے، مگر اس میں قابل غور ایک بات ہے کہ بیع کے صحیح ہونے کے لئے مبیع اور ثمن کا مقدار معلوم ہونا شرط ہے، وہ یہاں مفقود ہے؛ اس لئے معاملہ صحیح نہیں ہوا، نیز حاصل شدہ روپیہ حلال نہیں ہوا، آپ مفتیان کرام کی خدمت میں عرض کیا جاتا ہے کہ اس مسئلہ کے متعلق تحقیق سے فتویٰ تحریر فرمائیں۔

المستفتی: ابوالکلام، محمد عبدالرشید

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ میں جس دعوت نامہ کا ماحصل پیش کیا گیا ہے، اس میں امداد کا لفظ مذکور ہے، جس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ ذمہ دار کی طرف سے کھانے کا انتظام ان ہی لوگوں کے لئے ہے جو مدرسہ کوامداد پیش کریں گے۔ اور جو لوگ امداد پیش نہیں کریں گے ان کے لئے کھانے کا نظم منجانب مدرسہ نہیں کیا گیا ہے، اب اگر تعاون کی مقدار مساوی نہ ہو؛ بلکہ ہر ایک اپنے صوابدید پر جو دینا چاہے دیدے تو اسے بیع وشراء سے تعبیر نہیں کیا جائے گا اور اگر سب کے تعاون کی مقدار مساوی ہو تو پھر اس کو بیع وشراء سے تعبیر کیا جائے گا۔ رہی بات جہالت مبیع کی تو عرف ورواج کی بنا پر یہ جائز ہے، کتب فقہ میں اس کی نظیر موجود ہے۔

ویخرج على هذا كثير من السائل في عصرنا، فقد جرت العادة في بعض الفنادق الكبيرة، أنهم يضعون أنواعا من الأطعمة في قدور كبيرة، ويخيرون المشتري في أكل ماشاء بقدر ماشاء، ويأخذون ثمنا واحدا معينا من كل أحد، فالقياس أن لا يجوز البيع لجهالة الأطعمة المبيعة وقدرها؛ ولكنه يجوز؛ لأن الجهالة يسيرة غير مفضية إلى النزاع، وقد جرى بها العرف والتعامل. (تكملة فتح الملهم، كتاب البيوع، البيع بالتعاطي، أشرفيه ديوبند ١/ ٣٢٠، وهكذا نووي على مسلم ٢/ ٢) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸ر محرم الحرام ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۶۵۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۹/۱/۱۴۲۶ھ

مکمل قیمت کی وصولیابی سے قبل بیوہ کا اپنی زمین میں نماز سے روکنا

سوال [۸۵۸۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہم نے ایک مسجد کی جگہ ایک بیوہ سے خریدی اور یہ طے کیا کہ ایک مہینے کے بعد پورے

پیسے دے دیں گے اور کچھ پیسے پہلے دے دیئے اور اس وقت اس کی اجازت سے وہاں نماز پڑھنے لگے؛ لیکن ہم لوگ بجائے ایک مہینے کے دو مہینے تک وہاں نماز پڑھتے رہے اور دو مہینے کی مہلت اور لے لی گئی۔ اور وہاں نماز پڑھتے رہے اور چھوٹی چھوٹی دیواریں بنادی گئیں، اب وہ عورت پھر پیسے لینے آئی؛ لیکن ابھی تک اس کے پیسے نہیں دیئے۔ اور اب پانچ سال گذر چکے ہیں اور پیسے نہیں دیئے ہیں اور وہ عورت برابر یہی کہتی ہے کہ یہاں نماز مت پڑھو۔ اور گالیاں وغیرہ بکتی ہے، ایسی حالت میں اس جگہ نماز پڑھی جائے یا نہ پڑھی جائے ،اور نماز ہوگی یا نہیں؟ جواب بالتفصیل اور باصواب سے نوازیں۔

المستفتی: عبداللہ مقام کربلا، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ میں درج شدہ صورت میں مذکورہ جگہ پر نماز پڑھنا اس وقت تک غیر مقبول اور مکروہ تحریمی ہوگی جب تک بیوہ عورت کو زمین کی پوری قیمت ادا نہ کردیں۔

قال تاج الشريعة: أما لو أنفق في ذلك مالا خبيثا، ومالا سببه الخبيث والطيب فيكره؛ لأن الله تعالى لا يقبل إلا الطيب، فيكره تلويث بيته بمالا يقبل. الخ (شامي، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة، مطلب كلمة لا بأس دليل على أن المستحب غيره الخ۔ کوئٹہ ۱/ ۴۸۷، کراچی ۱/ ۶۵۸، زکریا ۲/ ۴۳۱)

ومدرسة السليمانية في دمشق ...... والوقف يثبت بالشهرة، فتلك المدرسة خولف في بناء ها شرط وقف الأرض الذي هو كنص الشارع، فالصلاة فيها مكروهة تحريما فى قول وغير صحيحة له في قول آخر. الخ (شامي، كتاب الصلاة، مطلب في الصلاة في الأرض المغصوبة، کوئٹہ ۱/ ۲۸، کراچی ۱/ ۳۸۶، زكريا ۲/ ۴۵)

الضرر يزال، ومنها لو غصب أرضا فبنى فيها أو غرس، فإن كانت قيمة الأرض أكثر قلعها وردت وإلا ضمن له قيمتها. (الأشباه والنظائر، قديم ۱۴۴)

نیز مذکورہ بیوہ کو ہر وقت حق ہے کہ قیمت وصول کرنے کی غرض سے وہاں نماز پڑھنے سے روک دے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/رجب ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۸۱۰)

مشتری اول کا پوری رقم دینے سے قبل مشتری ثانی کو فروخت کرنا

سوال [۸۵۸۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے بکر سے زمین خریدنے کے متعلق بات چیت کی اور زید نے بکر کو بیعانہ دیا، زمین کی قیمت ۲۰/لاکھ میں سے ۵/لاکھ دے دیا، چار مہینے کے وقت کے ساتھ اس مدت کے دوران ایک تیسرے شخص نے اس زمین کو خریدنا چاہا، تو کیا زید تیسرے شخص کو وہ زمین نفع کے ساتھ فروخت کرسکتا ہے؛ حالانکہ زید نے بکر کو پوری قیمت ادا نہیں کی اور اس مدت کے دوران بکر زید سے اپنی زمین واپس لے سکتا ہے؟

المستفتی: محمد فاروق، راجونگر، منڈولی، دہلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: زید نے جب بکر سے ایجاب وقبول کے ساتھ خرید لیا ہے اور بیعانہ کے طور پر کچھ رقم بھی دے دی ہے، تو ایسی صورت میں زید مشتری اول کے لئے پوری رقم پیمنٹ کرنے سے پہلے مذکورہ زمین کو نفع کے ساتھ بیچنا اور فروخت کرنا درست ہے اور اس مدت کے دوران بکر کو زید سے اپنی زمین واپس لینے کا حق نہیں ہے۔

أن يكون الثمن حالا، فإن كان مؤجلا فلا يثبت حق الحبس؛ لأنه سقط بالتأخير. (الفقه الإسلامي وأدلته، الهدى ديوبند ٤/ ١٧٨، تاتارخانية، زكريا ٨/ ٢٤٢، رقم: ١١٧٧٨)

وإذا حصل الإيجاب والقبول لزم البيع، ولا خيار لواحد منهما إلا

من عيب أو عدم رؤية. (تاتارخانية، زكريا ديوبند ٨/ ٢٢٢، رقم: ١١٧١٤، هداية، كتاب البيوع، اشرفي ديوبند ٣/ ٢٠/ الجوهرة النيرة، إمداديه ملتان ١/ ٢٢٦، دارالكتاب ديوبند ١/ ٢٢٠، ملتقى الأبحر، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ١٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍ربیع الثانی ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۰۵۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۶/۴/۱۴۳۴ھ

جائیداد پر قبضہ کرنے سے پہلے مشتری کا بائع کو وکیل بالبیع بنانا

سوال [۸۵۸۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے خالد سے کہا کہ مجھے زمین کی ضرورت ہے اور میں آپ کے توسط سے زمین خریدنا چاہتا ہوں، خالد نے ایک تیسرے شخص بنام بکر سے ایک اراضی سولہ سورو پیہ بیگہ کے حساب سے خریدی اور خریدتے وقت بکر سے کہہ دیا کہ یہ زمین میری ہوگئی، اب اگر اس کو کوئی تیسرا شخص تم سے خریدے تو تم اس کو فروخت کر دینا اور جو نفع ہوگا وہ میرا ہوگا، اب خالد نے وہ زمین زید کو خریدنے کے لئے توجہ دلائی اور زید نے اس کو بکر سے ۱۹؍سورو پیہ بیگہ کے عوض خریدا، اب یہ ۳؍سورو پیہ بیگہ کا نفع جو ہے، وہ خالد لینا چاہتا ہے، جب کہ خالد بکر سے خریدتے وقت نہ تو کوئی بیعانہ دیا اور نہ ہی زمین کا کوئی پیسہ بطور ثمن ادا کیا، تو کیا خالد کو اس طرح درمیان میں نفع لینا حلال ہے اور خالد کا یہ فعل کیسا ہے؟

المستفتی: محمد حنیف فتح پور، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: خالد کا بکر سے زمین خرید کر پھر بکر کو زید کے ہاتھ فروخت کرنے کا وکیل بنانا اور بکر کا ۱۶؍سو کی زمین کو آپس کی تراضی سے ۱۹؍سورو پئے میں زید کے ہاتھ فروخت کر دینا اور تین سورو پئے کا نفع خالد کا اپنی ملکیت کر لینا جائز اور درست ہے اور اس موقع پر اگر خالد نے کوئی جھوٹ بولا ہے تو اس کا گناہ الگ سے ہوگا۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۱/ ۲۶)

ویجوز بیع العقار قبل القبض عند أبي حنیفة وأبي یوسف –رحمهما الله.
(هداية، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، أشرفي ديوبند ۳/ ۷٤، تاتارخانية، زكريا ۸/ ۲٦٦، رقم: ۱۱۸٦۲)

وأما بیع الأعیان غیر المنقولة قبل قبضها کبیع الأرض والضیاع، والنخیل، والدور، ونحو ذلک من الأشیاء الثابتة التي لا یخشی هلاکها، فإنه یصح. (كتاب الفقه على المذاهب الأربعة، كتاب البيع، مبحث التصرف في المبيع قبل قبضه، دارالفكر بيروت ۲/ ۲۳٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍ جمادی الثانیہ ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۰/۴۰۴۸)

قبضہ سے پہلے زمین کی خرید وفروخت کا حکم

سوال [۸۵۸۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید زمین کی خرید وفروخت کا معاملہ کرتا ہے، جس کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ وہ زمین کے مالک کے پاس جا کر معاملہ طے کرتا ہے کہ مثلاً ایک بیگہ زمین ایک لاکھ روپیہ میں طے کرتا ہے اور یہ قیمت اس کو ادا نہیں کرتا؛ بلکہ وہ اس دوران دوسرا گاہک تلاش کر کے ڈیڑھ لاکھ روپے میں اس کو بیچ دیتا ہے اور زمین کے مالک سے رجسٹری اسی کے نام کرا دیتا ہے، اب اس کے بعد زید مشتری سے ڈیڑھ لاکھ روپئے لے کر ایک لاکھ بائع کو دے دیتا ہے اور پچاس ہزار خود رکھ لیتا ہے، تو اب کیا زید کے لئے یہ پچاس ہزار روپئے کا منافع لینا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد حاکم چاند پوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید کا قبضہ سے پہلے زمین کو فروخت کر دینا جائز اور

درست ہے؛ اس لئے کہ زمین مکان وغیرہ اشیائے غیر منقولہ ہیں اور ایسی اشیاء اور جائیداد کی خرید وفروخت مکمل ہونے کے لئے ایجاب وقبول کے ساتھ سودا اور معاملہ طے کر لینا کافی ہے، باقاعدہ وہاں جاکر اپنا سامان ڈال دینا، یا چہار دیواری وغیرہ بنا دینا لازم نہیں؛ لہٰذا معاملہ طے ہوجانے کے بعد خریدار کے لئے دوسرے کے ہاتھ فروخت کرنا اور اس پر نفع حاصل کرنا جائز اور درست ہے۔ (مستفاد: انوار رحمت/۲۶۳-۲۶۴)

ویجوز بیع العقار قبل القبض. (هداية، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، اشرفي ديوبند ٣/ ٧٤، تاتارخانية زكريا ٨/ ٢٦٦، رقم: ١١٨٦٢)

أما بيع الأعيان غير المنقولة قبل قبضها كبيع الأرض، والضياع والنخيل، والدور، ونحو ذلك من الأشياء الثابتة التي لا يخشى هلاكها، فإنه يصح. (الفقه على المذاهب الأربعة، كتاب البيع، مبحث التصرف في المبيع قبل قبضه، دارالفكر بيروت ٢/ ٢٣٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/۶/۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۸۸۶۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۳/۶/۱۴۲۶ھ

متعینہ بکنگ شدہ زمین کو منافع کے ساتھ فروخت کرنا

سوال [۸۵۹۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں ایک اچھی کمپنی میں اونچے عہدہ پر فائز تھا، تنخواہ بھی اچھی خاصی تھی، کچھ رقم جمع ہونے پر میں نے اپنا ایک ذاتی مکان رہنے کا سوچ کر بکنگ کروایا، فی الوقت ماں باپ کے ساتھ رہتا ہوں، بکنگ میں آدھی رقم بھر دی ہے، کام شروع ہونے پر قسطوں میں رقم بھرنی تھی، اچانک پچھلے مہینے ایک ایسے (موذی مرض) میں مبتلا ہوگیا کہ مجھے مجبوراً ملازمت چھوڑنی پڑی، اب آمدنی کا کوئی ذریعہ نہیں اور اس موذی مرض کا خرچ تقریباً چار لاکھ رقم ہاتھ میں نہ ہونے پر قرض لینا پڑا (بغیر سودی)۔

مجبوراً وہ مکان جس کا کام شروع نہیں ہوا، اگر اسے بیچتا ہوں تو بھری ہوئی رقم سے زیادہ پیسے آرہے ہیں، تو کیا شرعی اعتبار سے مجھے منافع لینے کا حق ہے، ابھی فی الوقت میں کافی پریشان ہوں، گھر اور بیماری کے خرچ سے۔

اگر بالفرض اچھی حالت میں بھی لوگ ایسا کاروبار کرتے ہیں جس کے بکنگ کے وقت کم دام ہوتے ہیں۔ اور اگر کام شروع ہوتا ہے تو دام بڑھ جاتا ہے، اس طرح اگر کاروبار کریں تو شرعی اعتبار سے اس کی گنجائش ہے؟ دونوں سوالوں کی نوعیت الگ ہے، برائے کرم مفصل جواب دیں۔ عین نوازش ہوگی۔

المستفتی: معرفت مولانا محمد اشفاق صاحب چیتا کیمپ، ممبئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: جس زمین کو آپ نے اپنے نام سے بکنگ کرالیا ہے اور اس جگہ کی با قاعدہ تعیین بھی ہوگئی ہے، اور آپ نے قسطوں میں رقم بھی بھرنی شروع کردی ہے، تو اس جگہ پر آپ کو مالکانہ حقوق حاصل ہوگئے ہیں؛ اس لئے اس زمین پر تعمیر کا کام شروع ہو یا نہ ہو بہر صورت آپ کے لئے اس زمین کو منافع کے ساتھ فروخت کرنے کی شرعاً اجازت ہے۔

ويجوز بيع العقار قبل القبض عند أبي حنيفة وأبي يوسف –إلى قوله– ولهما أن ركن البيع صدر من أهله في محله ولا غرر فيه؛ لأن الهلاک في العقار نادر بخلاف المنقول، والغرر المنهي عنه غرر انفساخ العقد، والحديث معلول به عملا بدلائل الجواز. (هداية، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، اشرفي ديوبند ۳/ ۷۴)

إذا اشترى دارا أو عقارا فوهبها قبل القبض من غير البائع يجوز عند الكل، ولو باع يجوز في قول أبي حنيفة وأبي يوسف. (تاتارخانية، زكريا ۸/ ۲۶۶، رقم: ۱۱۸۶۲)

وأما بيع الأعيان غير المنقولة قبل قبضها كبيع الأرض والضياع،

والنخيل، والدور، ونحو ذلك من الأشياء الثابتة التي لا يخشى هلاكها، فإنه يصح. (الفقه على المذاهب الأربعة، كتاب البيع، مبحث التصرف في المبيع قبل قبضه، دارالفكر بيروت ٢/ ٢٣٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍ جمادی الثانیہ ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۳۴۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۸/۶/۲۵ھ

قبضہ سے قبل زمین کوفروخت کرنا

سوال [۸۵۹۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں ایک اچھی کمپنی میں اونچے عہدہ پر فائز تھا، تنخواہ بھی اچھی خاصی تھی، کچھ رقم جمع ہونے پر میں نے اپنا ایک مکان رہنے کا سوچ کر بکنگ کروایا، فی الوقت ماں باپ کے ساتھ رہتا ہوں، بکنگ میں آدھی رقم بھر دی ہے، کام شروع ہونے پر قسطوں میں رقم بھرنی تھی، اچانک پچھلے مہینے ایک ایسے موذی مرض میں مبتلا ہوگیا کہ مجھے مجبوراً ملازمت بھی چھوڑنی پڑی، اب آمدنی کا کوئی ذریعہ نہیں اور اس موذی مرض کا خرچ تقریباً چار لاکھ رقم ہاتھ میں نہ ہونے پر قرض لینا پڑا (بغیر سودی)

مجبوراً وہ مکان جس کا کام شروع نہیں ہوا، اگر اسے بیچتا ہوں تو بھری ہوئی رقم سے زیادہ پیسے آرہے ہیں، تو کیا شرعی اعتبار سے مجھے منافع لینے کا حق ہے، ابھی فی الوقت میں کافی پریشان ہوں، گھر اور بیماری کے خرچ سے۔

اگر بالفرض اچھی حالت میں بھی لوگ ایسا کاروبار کرتے ہیں جس کے بکنگ کے وقت کم دام ہوتے ہیں۔ اور اگر کام شروع ہوتا ہے تو دام بڑھ جاتا ہے، اس طرح اگر کاروبار کریں تو شرعی اعتبار سے اس کی گنجائش ہے؟ دونوں سوالوں کی نوعیت الگ ہے، برائے کرم مفصل جواب دیں۔ عین نوازش ہوگی۔

المستفتی: یعقوب کولسہ والا، میمن کالونی ممبئی، جوگیشوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بیع کے صحیح ہونے کے لئے مبیع کا موجود اور مقدور التسلیم ہونا شرط ہے۔

وبيع ما ليس في ملكه لبطلان بيع المعدوم، وماله خطر العدم (قوله لبطلان بيع ...... إذ من شرط المعقود عليه أن يكون موجودا مالا متقوما مملوكا في نفسه...... يكون مقدور التسليم. (درمختار مع الشامي، زكريا ٧/ ٢٤٦، كراچی ٥/ ٥٨)

لہٰذا یہ دونوں صورتیں بیع کی نہیں ہیں، وعدۂ بیع ہے اور وعدۂ بیع سے بیع مکمل نہیں ہوتی۔ اور جو رقم پیشگی جمع کی ہے اس کی حیثیت بیعانہ کی رقم کی ہے، جس کا حکم یہ ہے کہ صرف اتنی رقم کا لینا جائز ہوگا جتنی جمع کی، زائد رقم لینا درست نہیں، دونوں صورتوں میں حکم یہی ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ: العبد شعیب احمد بستوی غفرلہ	الجواب صحیح: مقصود
مظاہر علوم سہارنپور ۲۵/ ۵/ ۱۴۲۸ھ	۲۵/ ۵/ ۱۴۲۸ھ

محترم المقام جناب حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم   السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

استفتاء کا جواب حضرت والا نے عنایت فرمایا تھا؛ لیکن مستفتی نے مظاہر علوم سہارنپور سے فتوی منگایا جو بالکل حضرت کے جواب سے مختلف ہے، حضرت والا سے مکرر رجوع کرتے ہیں، ساتھ ہی مظاہر علوم کا فتویٰ ارسال خدمت ہے، اس فتوے کی حیثیت کسی خاص صورت سے ہے؟ امید کہ حضرت والا زحمت فرما کر خلجان کو دور فرما کر مشکور فرمائیں، تضاد کو رفع فرمائیں۔

سوال [۸۵۹۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں ایک اچھی کمپنی میں اونچے عہدہ پر فائز تھا، تنخواہ بھی اچھی خاصی تھی، کچھ رقم جمع ہونے پر میں نے اپنا ایک مکان رہنے کا سوچ کر بکنگ کروایا، فی الوقت ماں باپ کے ساتھ رہتا ہوں، بکنگ میں آدھی رقم بھردی ہے، کام شروع ہونے پر قسطوں میں رقم بھرنی تھی، اچانک پچھلے مہینے ایک ایسے موذی مرض میں مبتلا ہوگیا کہ مجھے مجبوراً ملازمت چھوڑنی پڑی،

اب آمدنی کا کوئی ذریعہ نہیں اوراس موذی مرض کاخرچ تقریباً چار لاکھ رقم ہاتھ میں نہ ہونے پر قرض لینا پڑابغیر سودی۔

مجبوراًوہ مکان جس کا کام شروع نہیں ہوا،اگراسے بیچتاہوں تو بھری ہوئی رقم سے زیادہ پیسے آرہے ہیں،تو کیا شرعی اعتبار سے مجھے منافع لینے کا حق ہے،ابھی فی الوقت میں کافی پریشان ہوں،گھر خرچ اور بیماری کے خرچ سے۔

اگر بالفرض اچھی حالت میں بھی لوگ ایسا کاروبار کرتے ہیں جس کے بکنگ کےوقت کم دام ہوتے ہیں۔اوراگر دام شروع ہوتا ہےتو دام بڑھ جاتا ہے،اس طرح اگر کاروبار کریں تو شرعی اعتبار سے اس کی گنجائش ہے؟ دونوں سوالوں کی نوعیت الگ ہے برائے کرم مفصل جواب دیں۔عین نوازش ہوگی۔

المستفتی: یعقوب کولسہ والا،میمن کالونی ممبئی،جوگیشوری

محترمی مزاج گرامی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آنجناب کا سوال اورمظاہر کا لکھا ہوا فتوی اورمدرسہ شاہی کا لکھا ہوا جواب سب پرنظر ثانی کی گئی،اورہم نے اس سلسلے میں مرادآباد اوردہلی میں ذکر کردہ معاملات کی شکلیں اختیار کرنے والوں سے متعلق بڑے بڑے پلاٹنگ کرنے والوں سے رابطہ قائم کرکے اس کی مختلف صورتیں اورشکلیں معلوم کی ہیں،ہمارے جواب کے ذیل میں جس شکل اورنوعیت کے متعلق حکم شرعی لکھا گیا ہے وہ الحمدللہ صحیح ہے۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍شعبان ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر:۳۸/ ۹۴۰۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۲۸/۸/۱۴ھ

ادھارخریدی ہوئی زمین میں مالک کی اجازت سے کھیتی کرنے کا حکم

سوال [۸۵۹۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: عامر کے پاس ایک زمین ہے، اب اس زمین کو عامر سے خالد نے تین لاکھ کے عوض میں خرید لیا؛ لیکن خالد نے عامر کو تین لاکھ کے بجائے ڈھائی لاکھ روپیہ پیمنٹ میں دے دیا اور پچاس ہزار روپئے روک لئے اور عامر نے اس ایک بیگہ زمین میں سے آدھا بیگہ نام کرادی خالد کے اور آدھا بیگہ رہنے دی؛ حالانکہ اس نصف بیگہ کے کچھ پیسے جا چکے ہیں، کچھ باقی ہیں، اب عامر نے خالد کو پوری زمین استعمال کے لئے دے دی ہے، تو کیا خالد کے لئے اس پوری زمین پر عامر کی اجازت سے کھیتی کرنا جائز ہے، جب کہ خالد نے ابھی کچھ پیسے نہیں دیئے ہیں؟

المستفتی: محمد عمر نیو ممبئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب تین لاکھ روپئے میں پوری زمین خرید لی ہے اور آدھے کی رجسٹری کردی اور باقی آدھے بیگہ کی رجسٹری کو پچاس ہزار کی ادائے گی کی وجہ سے موقوف رکھا گیا ہے؛ لیکن اس کا بھی قبضہ دے کر استعمال کی اجازت دے دی گئی ہے، تو خریدار کے لئے پوری زمین کو استعمال کرنا اس سے فائدہ اٹھانا بلا شبہ جائز اور درست ہے۔

فإن كان مؤجلا فلا يثبت حق الحبس؛ لأنه سقط بالتأجيل. (الفقه الإسلامي وأدلته، القسم الثالث العقود حق حبس المبيع أو احتباسه، هدى انٹر نيشنل ديوبند ٤/ ١٧٨)

وإن كان الثمن مؤجلا لم يكن له حق الحبس. (تاتارخانية، زكريا ديوبند ٨/ ٢٤٢، رقم: ١١٧٧٧) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲ ربیع الاول ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۰۱۸)

خرید وفروخت کی ایک شکل کا حکم

سوال [۸۵۹۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: زید کو ایک لاکھ روپیہ کی ضرورت ہے، عمرو اس کو قرض اس طرح دیتا ہے کہ ایک لاکھ روپیہ نقد کے بجائے ایک لاکھ روپیہ کی کوئی چیز دے گا اور وہ چیز ڈیڑھ لاکھ میں زید کو فروخت کرے گا اور زید ایک سال میں ڈیڑھ لاکھ روپیہ عمرو کو لوٹائے گا، تو کیا یہ سود ہے؟ کیا اس طرح کا حیلہ درست ہے؟

المستفتی: محمد زبیر، احمد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ میں جو طریقہ بیان کیا گیا ہے، وہ ہیر پھیر کا ہے۔ اور چیز کی فروختگی کی ظاہری شکل جو بیان کی گئی ہے وہ شکل تجارت کی ہے کہ زید کو عمرو نے قرض نہیں دیا؛ بلکہ شریعت کے مطابق عمرو نے زید کے ہاتھ سامان فروخت کیا ہے اور عمرو کو اختیار ہے کہ ایک لاکھ روپیہ کی قیمت کی چیز ڈیڑھ لاکھ میں فروخت کرے۔ اور سوال نامہ میں جو یہ کہا گیا ہے کہ زید ڈیڑھ لاکھ روپیہ لوٹا دے گا؛ اس لئے نہیں کہ زید نے ڈیڑھ لاکھ روپئے لئے؛ بلکہ ڈیڑھ لاکھ روپئے سامان کے عوض میں اس کی قیمت لوٹائے گا، اور اس طرح ادھار میں زیادہ قیمت کے ساتھ سامان کا فروخت کرنا جائز ہے۔

أن يأتي الرجل المحتاج إلى آخر ويستقرضه عشرة دراهم، ولا يرغب المقرض في الإقراض طمعا في فضل لايناله بالقرض، فيقول: لا أقرضك، ولكن أبيعك هذا الثوب إن شئت باثنى عشر درهما، وقيمته في السوق عشرة ليبيعه في السوق بعشرة، فيرضى به المستقرض، فيبيعه كذلك، فيحصل لرب الثوب درهمان، وللمشتري قرض عشرة...... قال في الفتح: ولا كراهة فيه إلا خلاف الأولى. (شامي، كتاب البيوع، باب الصرف، مطلب في بيع العينه، كراچی ٥/ ٢٧٣، زكريا ٧/ ٥٤١، هندية، كتاب البيوع، الباب العشرون في البياعات المكروهة، زكريا قديم ٣/ ٢٠٨، جديد ٣/ ١٩٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/۱۱/۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۱۴۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۳/۱۱/۱۴۲۷ھ

خریدار پر دین مہر ادا کرنا لازم نہیں اور فروختگی کے بعد ورثاء کو حق اعتراض نہیں

سوال [۸۵۹۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسماۃ مقصود النساء نے اپنے بیٹے کی شادی کے وقت زرمہر معجّل مبلغ دوسوروپیہ زبانی اقرار دی، محمد جان نے زرمہر مبلغ دوسوروپیہ بذریعہ دستاویز اقرارنامہ ۲۶/ جولائی ۱۹۱۲ء کو دو ثلث کوٹھہ محمد جان نے ۱۹۶۱ء میں انواری بیگم، کشوری بیگم کو فروخت کردیا تھا، جو مہر شوہر پر واجب الاداء ہیں۔ دریافت طلب مسئلہ ہے:

(۱) اگر ورثاء رفیع النساء یہ مہر طلب کریں تو؟ (۲) آیا خریدار پر دین مہر ادا کرنا واجب ہے؟ (۳) نیز محمد جان نے جس وقت یہ دو ثلث کوٹھہ فروخت کیا تو ان کی اولاد جوان تھی، کسی نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔ فریدالدین پر مہر ادا کرنا واجب ہے کہ نہیں؟

المستفتی: یوسف خان، محلّہ چاہ غوری، امروہہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب خریدار نے مبیع کا ثمن ادا کردیا ہے، تو خریدار سے احمد جان اور اس کے ورثاء وغیرہ کا کوئی تعلق نہیں رہا، نیز دین مہر خریدار پر لازم نہیں ہے؛ بلکہ شوہر کا چھوڑا ہوا مال ہو تو اس میں سے ادا کیا جائے گا، اگر مال نہیں ہے، تو کسی اور پر واجب نہیں ہوگا؟ نیز جب بوقت فروختگی جوان اولاد تھی، انہوں نے اس وقت دعویٰ نہیں کیا ہے، اب اتنی طویل مدت گذرنے اور مشتری کے تصرف کے بعد دعویٰ کا شرعاً کوئی اعتبار نہیں۔

لو باع عقارا وابنه أو امرأته حاضرة تعلم به وتصرف المشتري فيه زمانا، ثم ادعى الابن أنه ملكه؛ ولم يكن ملك أبيه وقت البيع اتفق مشايخنا على أنه لا تسمع مثل هذه الدعوة. الخ (البحرالرائق، كتاب الخنثى، مسائل شتى، كوئٹه ٨/ ٤٨٣، زكريا ٩/ ٣٥٤، تبيين الحقائق، إمداديه ملتان ٦/ ٢٢٢، زكريا

دیوبند ۷/ ٤٥٦، مجمع الأنهر، دارالکتب العلمیة بیروت ٤/ ٤٨٣، قدیم ۲/ ۷۳۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/ ذی قعدہ ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۳۵۸)

مکان کی فروختگی کی قیمت وصول ہونے کے بعد مالک کا کوئی حق باقی نہیں رہتا

سوال [۸۵۹۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: محمد جان ولد احمد بخش، محلّہ چاہ غوری امروہہ نے ایک کوٹھہ منجملہ ایک مکان جس میں ۱۹/ کڑی اور آگے کھپریل پڑی تھی، تقریباً ایک دس گز مربع یہ مکان محمد جان نے مسما تان کشوری بیگم، انوری بیگم کو بتاریخ ۱۱/ ۱۰/ ۱۶، جلد نمبر ۱/ جلد نمبر ۹۲۲، صفحہ نمبر: ۳۹۷/ ۳۹۱/ پر اندراج ہے، مبلغ چار سو روپیہ میں فروخت کردیا، بوقت فروختگی محمد جان کی اولاد محمد نبی، محمد شیبہ، نسیم، فاطمہ جوان تھے، خریداری کے بعد دونوں مسما تان نے علیحدہ علیحدہ کوٹھے کی شکل میں دو کوٹھری بنوالیں، اب ہوتا یہ ہے کہ اس میں سے ایک کوٹھی نصف حویلی مسماۃ انوری بیگم نے ۱۸/ ۵/ ۸۲/ سکندری خاتون زوجہ یوسف خان کو مبلغ: ۴۵۰۰/ روپئے میں قطعی بیعانہ فروخت کردیا، اس کے بعد نصف حصہ مسماۃ کشوری بیگم نے تاریخ ۸/ ۹/ ۱۲ کو مبلغ: ۲۰۰۰/ روپئے میں سکندری خاتون کو قطعی بیعانہ فروخت کردیا، محمد جان یہ مکان ۱۹۶۱ء میں فروخت کرنے کے بعد تقریباً ۱۹۷۸ء میں مرگئے تھے۔ دریافت طلب مسئلہ ہے: (۱) محمد جان جو مکان ۶۱/ ۱۰/ ۱۷ کو فروخت کیا اور بعد میں انوری بیگم کشوری بیگم نے سکندری خاتون کو فروخت کیا، اس مکان میں سے محمد جان کی لڑکی نسیم فاطمہ سکندری خاتون سے تہائی طلب کرتی رہی ہے، آیا شرعاً سکندری خاتون کو اس میں سے تہائی دینا چاہئے یا نہیں؟

المستفتی: محمد یوسف خان محلّہ چاہ غوری، امروہہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مذکورہ واقعہ کے سلسلے میں رمضان المبارک میں بہت

واضح سوال نامہ آیا تھا، نیز بہت سے مفتیان کرام کے دئے ہوئے جوابات بھی منسلک تھے، جو ہمارے رجسٹر میں درج ہیں، یہاں سے ۲۳ر رمضان المبارک ۱۴۰۷ھ میں سوال نامہ، اور اقرار نامہ کے مطابق مدلل ومبرہن جواب دیا جاچکا ہے، جس کا ۲۳/ ۲۵۴ ہے، پھر ۱۲ر محرم الحرام ۱۴۰۸ھ میں سائل کی طلب پر اقرار نامہ کی موافقت وانطباق کی تائید میں تصدیق نامہ بھی لکھا جاچکا ہے، جس کا ۲۳/ ۴۴۴ ہے، وہ سب کاغذات سامنے رکھے جائیں تو مزید فتویٰ کی ضرورت نہیں، تاہم موجود سوال نامہ زیادہ واضح بھی نہیں ہے، شرعی حکم یہی ہے کہ جب محمد جان نے مذکورہ مکان فروخت کردیا اور اس کا ثمن بھی وصول کرلیا تو بعد میں خود محمد جان اور اس کے ورثاء میں سے نسیم، فاطمہ وغیرہ کسی کو کسی طرح بھی اس مکان سے حصہ داری کا دعویٰ کرنا شرعاً ناجائز اور حرام ہے۔

فإذا حصل الإيجاب والقبول لزم البيع. (الجوهرة النيرة، كتاب البيوع، ملتان ١/ ٢٢٦، دارالكتاب ديوبند ١/ ٢٢٠، هداية، أشرفي ديوبند ٣/ ٢٠، تاتارخانية زكريا ٨/ ٢٢٢، رقم: ١١٧١٤)

وفي البناية: مع شرط النفاذ وهو الملك أو الولاية لزم البيع، ولا خيار لواحد. الخ (بناية شرح هداية، قديم ٣/ ١١، جديد أشرفيه ديوبند ٨/ ١١)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵ر محرم الحرام ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۴۶۸)

والد کے مکان فروخت کرنے کے بعد اولاد کا دعویٰ معتبر نہیں

سوال [۸۵۹۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مقصود النساء زوجہ احمد بخش ساکن امروہہ محلّہ چاہ غوری دوسو ستر گز میں ایک مکان چھوڑ کر مر گئی، اولاد میں مقصود النساء نے ایک لڑکا محمد جان اور ایک لڑکی صابرہ خاتون

چھوڑیں، اب ہوتا یہ ہے کہ محمد جان نے اپنے بڑے لڑکے کی شادی میں اپنی بہو انوری بیگم بنت فضل کریم خان کے نام ۶-۱۴۱ر گز زمین اور حویلی کا نصف حصہ مبلغ پانچ سو روپیہ میں بیعانہ کردیا، اس کے بعد تیس گز زمین سرپرست نابالغ محمد شبیہ کا بن کر محمد جان نے اسرار الحق کو .... 1.9.47 کے بذریعہ بیعانہ سے مساۃ انوری بیگم زوجہ محمد نبی نے اور محمد جان نے اپنی زمین ساڑھے گیارہ گز ملا کر یہ بھی اسرار الحق کو...... 10.1.50 میں بیعانہ کردیا، اس کے بعد انوری بیگم زوجہ محمد نبی نے نصف حصہ حویلی 10.9.47 کے مالکانہ حقوق سے یہ بھی اسرار الحق کو 18.12.50 میں بیعانہ کردیا، اب یہ جائیداد فروخت کرنے کے بعد ایک سو دس ۱۱۰ گز جگہ تقریباً رہ گئی جس کو محمد جان نے کشوری بیگم انوری بیگم بنت فرحت اللہ کے ہاتھ بذریعہ بیعانہ مبلغ چار سو روپیہ میں جس کا بہی ۱ر جلد: ۹۲۲ صفحہ نمبر ۳۹۱/۳۹۲ اندراج رجسٹری ہے فروخت کردیا، اس میں سے ۵۵ر گز جگہ انوری بیگم زوجہ محمد شیبہ سے 18.5.82 کو بذریعہ بیعانہ مبلغ چار ہزار پانچ سو روپیہ میں سکندری خاتون نے خرید لی، ۵۵ر گز جگہ مساۃ کشوری بیگم زوجہ محمد نبی سے 12.9.86 کو بذریعہ بیعانہ مبلغ ۱۲۰۰۰ر روپیہ میں سکندری خاتون نے خرید لی، نیز اس میں ایک ایک کوٹھہ دونوں مساتان کا بنا ہوا ہے، صابرہ خاتون نے اپنی اولاد میں شیدا علی رضا علی مرتضی علی انوری بیگم، کشوری بیگم ولد فرحت اللہ چھوڑیں، محمد جان تقریباً 1978 میں مر گئے تھے، اور صابرہ خاتون تقریباً 1980 میں مر گئیں تھیں۔

دریافت طلب مسئلہ یہ ہے: (۱) صابرہ خاتون کی اولاد سکندری خاتون سے صابرہ خاتون کی تہائی کا حق مانگ رہی ہے، سکندری خاتون نے جو مساتان انوری بیگم وکشوری بیگم سے محمد جان کا فروخت کیا ہوا مکان جو 1961 کے بیعانہ کے ذریعہ سے سکندری خاتون نے خرید کیا ہے، کیا اس میں سے شرعی طور صابرہ خاتون کے ورثاء کو تہائی ملے گی یا نہیں؟

(۲) اسرار الحق صاحب نے جو مکان بذریعہ بیعانہ محمد جان سے 18.1250-10. 47-711-150 میں خرید کیا ہے اور یہ مکان پورا ایک تھا، تو اس میں سے اسرار الحق کو بھی تہائی دینی پڑے گی یا صرف سکندری خاتون کو ہی یہ تہائی دینی پڑے گی شرعی طور پر؟

المستفتی: یوسف چاہ غوری، امروہہ

سوال [۸۵۹۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بوقت انتقال مسماۃ مقصود النساء نے تقریبا دوسوسترہ گز زمین بنا ہوا ایک منزل مکان واقع محلّہ چاہ غوری امروہہ میں چھوڑا۔ اور مرتے وقت دو اولا دلڑکا محمد جان اور لڑکی صابرہ خاتون چھوڑیں، محمد جان نے یہ مکان قسطوں میں فروخت کردیا، صابرہ خاتون بوقت فروختگی اپنی تہائی کی دعویدار نہیں ہوئیں اور کبھی زندگی میں بھی اظہار نہیں کیا، اب یہ مکان جب کہ محمد جان نے کسی کوفروخت کیا اور جن لوگوں نے یہ مکان محمد جان سے خریدا تھا، انہوں نے کسی دوسرے اشخاص کوفروخت کردیا،اب صابرہ خاتون کی اولا دصابرہ خاتون کے مرنے کے بعد صابرہ خاتون کی تہائی طلب کررہی ہے، اولا دصابرہ خاتون کے نام شیدا علی، رضا علی، مرتضی علی، افسری بیگم، انوری بیگم، کشوری بیگم۔ دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ محمد جان تقریبا۱۹۷۵ء اور صابرہ خاتون ۱۹۸۰ء میں مرگئے۔ (۱) آیا ان کوتہائی دی جائے گی یانہیں؟ یہ تہائی کیا خریدار پر واجب الاداء ہے؟ (۲) محمد جان نے یہ مکان کسی کوفروخت کیا اوران خریداروں نے دوسرے اشخاص کوفروخت کردیا۔

المستفتی: یوسف خان چاہ غوری، امروہہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مختلف وجوہ کی بناپر صابرہ خاتون کی اولاد ورثاء کا دعوی قضاءً مسموع نہیں ہوگا۔ (۱) محمد جان نے زندگی بھر مالکانہ تصرف کرتے ہوئے مختلف قسطوں میں فروخت کرڈالا اور صابرہ خاتون نے باوجود بلا جبر وخوف کے دعویٰ نہیں کیا، یہاں تک کہ محمد جان کا انتقال ہوگیا، تو بعد کا دعویٰ شرعاً مسموع نہیں ہوگا۔

رجل تصرف في أرض زمانا، ورجل أخر يرى تصرفه فيها، ثم مات المتصرف ولم يدع الرجل حال حياته، لا تسمع دعواه بعد وفاته. الخ

(شامي، كوئٹه ٥/ ٥٢٤، كراچى ٦/ ٧٤٢، زكريا ١٠/ ٤٦٧-٤٦٨)

(۲) صابرہ خاتون مدعیہ نے جب اپنی زندگی میں مطالبہ نہیں کیا، تو ان کی وفات کے بعد ورثاء کا دعویٰ شرعاً مسموع نہیں ہوگا۔

وفی الحامدیة عن الولوالجیة: رجل تصرف زمانا في أرض، ورجل آخر یری الأرض والتصرف ولم یدع ومات علی ذلک لم تسمع بعد ذلک دعوی ولده، فترک علی ید المتصرف. الخ (شامي، کتاب الخنثی مسائل شتی، مطبوعه کوئٹه ٥/ ٥٢٤، کراچی ٦/ ٧٤٢، زکریا ١٠/ ٤٦٨)

(۳) جب بوقت فروختگی اعزہ واقارب سکوت اختیار کریں اور کسی قسم کا اقدام نہ کریں، تو بعد کا دعویٰ مسموع نہیں ہوگا۔

باع عقارا أو حیوانا أو ثوبا وابنه وامرأته أو غیرهما من أقاربه حاضر یعلم به، ثم ادعی الابن مثلا أنه ملکه لا تسمع دعواه. (الدرالمختار، کوئٹه ٥/ ٥٢٤، کراچی ٦/ ٧٤٢، زکریا ١٠/ ٤٦٧-٤٦٨، البحرالرائق، کوئٹه ٨/ ٤٨٣، زکریا ٩/ ٣٥٤، تبیین الحقائق، إمدادیه ملتان ٦/ ٢٢٢، زکریا دیوبند ٧/ ٤٥٦، مجمع الأنهر، دارالکتب العلمیة بیروت ٤/ ٤٨٣، قدیم ٢/ ٧٣٩)

(۴) اگر اجنبی بھی بوقت بیع وتسلیم مبیع خاموش رہے اور مشتری خرید کر اپنا تصرف شروع کردے، تو بعد کا دعوی قابل قبول نہیں ہوتا اور اسی پر فتویٰ بھی ہے۔

الأجنبي سکوته ولو جارا لا یکون رضا إلا إذا سکت الجار وقت البیع والتسلیم، وتصرف المشتري فیه زرعا وبناء، فحینئذ لا تسمع دعواه علی ما علیه الفتوی قطعا للأطماع الفاسدة. الخ (الدرالمختار، کوئٹه ٥/ ٥٢٥، کراچی ٦/ ٧٤٣، زکریا ١٠/ ٤٦٩-٤٧٠)

(۵) سوال نامہ سے ظاہر ہورہا ہے کہ صابرہ خاتون نے بوقت بیع جبر وتشدد نہ ہونے کے باوجود کسی طرح کی پیشکش نہیں کی، جس کو ہبہ سکوتی بالقرائن کی دلیل قرار دیا جاسکتا ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۳/ ۴۶۹)

(۶) بیعانہ واقرار نامہ میں صاف وضاحت موجود ہے کہ ہر قسم کے موانع سے پاک وصاف ہے، جس کی تفصیل بیعانہ میں موجود ہے؛ لہٰذا ان تمام وجوہات کی بنا پر صابرہ خاتون کے ورثاء کا دعویٰ مخدوش اور غیر مسموع ہوگا۔ بالفرض اگر واقع میں صابرہ خاتون کا

حق تھا اور وہ مظلوم رہی ہے، جس کا کوئی ثبوت نہیں ہے، تو آخرت میں ملے گا، دنیا میں ورثاء کو دعویٰ کا حق نہیں ہوگا۔

قالوا: إن الحق لا يسقط بالتقادم كما في قضاء الأشباه، فلا تسمع الدعوى في هذه المسائل مع بقاء الحق للآخرة. الخ (شامي، مطبوعه كوئٹه ٥/ ٥٢٤، كراچی ٦/ ٧٤٣، زكريا ١٠/ ٤٦٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍صفر ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۳۵)

والدہ کا حالت صحت میں اپنی جائیداد بیچنا

سوال [۸۵۹۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہماری والدہ کا ایک مکان ہے، وہ فروخت ہو رہا ہے، ہمارے والد صاحب بھی حیات ہیں اور ایک ہم سے چھوٹا بھائی ہے اور چار بہنیں حیات ہیں، والدہ اس مکان کی قیمت میں سے ہمیں کچھ بھی دینا نہیں چاہتیں، تو کیا میں حق دار ہوں یا نہیں؟ شرعاً اولاد کو اس طرح محروم کردینا کیسا ہے؟

المستفتی: محمد ساجد شمسی، گوکل داس انٹر کالج طویلہ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر آپ کی والدہ بحالت صحت وہوش وحواس صحیح ہونے کی حالت میں فروخت کر رہی ہیں اور اس کی رقم کو اپنی مرضی سے کہیں بھی خرچ کر دیتی ہیں تو شرعاً آپ کی والدہ کو اختیار ہے۔

المالک هو المتصرف في الأعيان المملوكة كيف شاء. (بيضاوي، رشيديه دهلي ١/ ٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍شعبان ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۴۲۲)

بائع کا زمین پر قبضہ دینے کے بعد اس کے ورثاء کا بیچنے سے انکار کرنا

سوال [۸۶۰۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے ایک پلاٹ خریدا، جس کا بیعانہ کرالیا اور پھر دوسرا پلاٹ اسی سے متصل اسی مالک سے خریداا وراصل مالک بکر نے اس پر قبضہ بھی کرادیا، یعنی اس کی حد بندی کرادی اس خرید وفروخت کا تحریری شکل میں کوئی ثبوت نہیں، ہاں بکر کے کچھ قریبی رشتہ دار جو اس ملکیت میں بھی شامل تھے، ان کو معلوم تھا کہ بکر نے یہ پلاٹ بھی زید کو دے دیا ہے، ابھی زید نے مکمل روپیہ ادا نہیں کیا تھا کہ بکر کا انتقال ہوگیا، انتقال کے بعد جب زید روپیہ لے کر بکر کی بیوی کے پاس پہنچا (کیوں کہ اولاد نہیں ہے) تو بکر کی بیوی نے کہہ دیا کہ ہم پلاٹ نہیں دیں گے، اب سوال یہ ہے کہ کیا اگر کچھ روپیہ بکر کی زندگی میں دے دیا گیا تھا، تو پلاٹ پر کس کا حق ہے؟ اور اگر اس پلاٹ کا روپیہ بالکل نہیں پہنچا تو کیا حکم ہے؟ یا اگر زید کے پاس گواہ ہیں، تو کیا مسئلہ ہوگا، اگر گواہ نہیں ہیں تو کیا مسئلہ ہوگا، بکر نے جو حد بندی کرائی تھی وہ آج بھی باقی ہے اور اسی شکل میں موجود ہے، جواب تحریر فرمادیں۔

المستفتی: محمد شاکر لکھیم پوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مسئولہ میں جب زید اور بکر میں ایجاب وقبول ہوگیا اور مالک بکر نے زید کو زمین پر قبضہ بھی دلادیا، تو اب زید زمین کا مالک بن گیا، خواہ اس نے پوری رقم بکر کو ادا کی ہو یا نہ کی ہو اور زمین بکر کی ملکیت سے نکل گئی؛ لہٰذا بکر کی وفات کے بعد اس کی بیوی کا یہ کہنا کہ ہم پلاٹ نہیں دیں گے بدمعاملگی وبدعہدی ہوگی؛ لہٰذا بقیہ پیسہ وصول کرکے رجسٹری کرادینی چاہئے، ورنہ بدمعاملگی ووعدہ خلافی کا گناہ ہوگا۔

إذا حصل الإیجاب والقبول لزم البیع. (هدایة، کتاب البیوع، أشرفي دیوبند ۳/ ۲۰/ الجوهرة النیرة، إمدادیه ملتان ۱/ ۲۲۶، دارالکتاب دیوبند ۱/ ۲۲۰،

تاتارخانية زكريا ٨/ ٢٢٢، رقم: ١١٧١٤، ملتقى الأبحر دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ١٠)

وفي الهندية: إذا استوفى الثمن وسلم المبيع أو سلم بغير قبض الثمن الخ ليس له أن يسترده ليحبسه بالثمن. (هندية، الباب الرابع في حبس المبيع بالثمن الخ، زكريا قديم ٣/ ١٥، جديد ٣/ ١٨)

ولا يشترط القبض بالبراجم؛ لأن معنى القبض هو التمكين والتخلي وارتفاع الموانع عرفا وعادة وحقيقة. (بدائع الصنائع، زكريا ٤/ ٣٤٢)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۳ ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۵۷۸)	۲۳/۴/۱۴۲۹ھ

کیا پھٹی بوریوں سے گرنے والا کھاد دوکان دار استعمال کرسکتا ہے؟

سوال [۸۶۰۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کھاد کی دوکان میں بہت سی بوریوں کے پھٹ جانے سے کھاد گرتا ہے اور بوریوں کے سلنے سے بھی کھاد گرتا ہے، جب دوکان بھاری جاتی ہے، تو دس بیس کیلو ہر قسم کا کھاد ملا کر جمع ہوجاتا ہے، تو اس کھاد کا استعمال صاحب دوکان کے لئے جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد ابوبکر، فیض آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر خریدار کو وزن کرکے دیا جاتا ہے تو جمع شدہ کھاد شرعاً دوکاندار کی ملکیت ہے جو عبارت ذیل سے مستفاد ہے:

إذا اجتمع للدهانين ما يقطر من الأوعية في إنائه، فإن كان يسيل من خارج الأوعية يطيب له؛ لأنه ليس للمشتري؛ لأن ما انفصل عنها لا يدخل

البيع، وإن سال من الداخل، أو من الداخل والخارج جميعا، أو لا يعلم ينظر . الخ (البحرالرائق، كتاب اللقطة، كوئٹه ٥/ ١٥٣، زكريا ديوبند ٥/ ٢٥٧، هندية، زكريا قديم ٢/ ٢٩٣، جديد ٢/ ٣٠٢، فتاوى قاضي خان، جديد زكريا ٣/ ٢٨٢، وعلى هامش الهندية، زكريا ٣/ ٣٩٣، تاتارخانية، زكريا ٧/ ٤٢٠، رقم: ١٠٧٩٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۷۱۸)

دوکان دار کا کم قیمت لینا

سوال [۸۶۰۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص بازار میں کچھ خریداری کرنے کے واسطے گیا اور اس نے مثلاً ایک سو روپیہ کا سودا خریدا، تو دوکاندار نے اسے ایک روپیہ واپس کردیا، یعنی ننانوے روپئے کاٹے، ایک روپئے کی چھوٹ کردی، تو اس چھوٹ کو کیا کہیں گے، یہ ایک روپیہ چھوٹ کا جائز بھی ہے یا نہیں؟ اسی طرح اگر کوئی ایک ہزار روپیہ کا سودا خریدے تو اسے دوکاندار دس روپیہ چھوٹ کر دیتا ہے، چاہے وہ ادھار خریدے چاہے نقد، بہت سے لوگ اسے سود اور بیاج کہتے ہیں، کیا یہ صحیح ہے؟ برائے مہربانی اس کا جواب مکمل ومدلل ومفصل نوازیں، عین نوازش ہوگی۔

المستفتی: محمد آصف ہلدوانی، پان بھنڈار لین ۷؍ آزاد نگر، ضلع نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: سوال نامہ میں درج شدہ طریقے سے بیچنے والے کا ثمن میں کمی کردینا شرعاً جائز اور درست ہے، وہ سود نہیں ہے۔

ويجوز للبائع أن يزيد للمشتري في المبيع، ويجوز أن يحط عن الثمن . الخ (هداية، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، اشرفي ديوبند ٣/ ٧٥)

والحط منه، أي صح حط البائع بعض الثمن ولو بعد هلاک المبیع. **الخ** (مجمع الأنهر، باب المرابحة والتولية، فصل في بيان البيع قبل قبض المبيع، قديم ٣/ ٨١، جديد دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ١١٥، درمختار كراچی ٥/ ١٥٤، زكريا ٧/ ٣٧٩)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰/ رجب المرجب ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۲۰/۲۴)

قصاب کا چرم قربانی بازاری بھاؤ سے کم قیمت پر خریدنا

سوال [۸۶۰۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بقرعید کے موقع پر چرم قربانی میں ایسا ہوتا ہے کہ، جولوگ قربانی کرنے والے ہوتے ہیں، ان سے قریشی حضرات جو مزدوری پر گوشت نکالنے والے ہوتے ہیں، اپنی مزدوری کم طے کرتے ہیں، اس لالچ میں کہ اس قربانی کے جانور کا چمڑا تھوڑے روپئے میں مالک لوگوں سے خرید لیں گے باوجود کہ ان قریشیوں کو پتہ ہوتا ہے کہ اس چمڑے کی قیمت زیادہ ہے؛ لیکن قربانی کرنے والوں سے تھوڑے پیسے میں خرید لیتے ہیں، جس سے غریب محتاج اور مدارس دینیہ کا بہت بڑا نقصان ہوتا ہے، آیا چمڑا اس طرح خریدنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد احمد ٹھاکردوارہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب مالک کم پیسہ میں فروخت کررہا ہے، تو قصاب کو کم پیسہ میں لینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

البيع ينعقد بالإيجاب والقبول إذا كانا بلفظى الماضي. (وقوله:) رضيت بكذا، وأعطيتک بكذا. الخ (هداية، كتاب البيوع، أشرفي ديوبند ٣/ ١٨،

الجوهرة النيرة، إمداديه ملتان ١/ ٢٢٥، دارالكتاب ديوبند ١/ ٢١٩، تاتارخانية، زكريا ٨/ ٢١٢-٢١٣، رقم: ١١٦٧٢-١١٦٧٣، ملتقى الأبحر، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ٤)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍ذی الحجہ ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۷۷۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۵/ ۱۲/ ۱۴۱۴ھ

زائد قیمت کے چاول کے ساتھ کم قیمت والے چاول بیچنا

سوال [۸۶۰۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے عمر کو دس کوئنٹل چاول بیچے، جس میں ایک کوئنٹل کی قیمت ۹۰۰؍روپئے ہیں، اور عمر نے ان دس کوئنٹل چاولوں کے اندر پانچ کوئنٹل چاول ملائے جن کی قیمت پانچ سو روپئے کوئنٹل ہے اور زید کو چاول فروخت کرتے وقت یہ بھی معلوم ہے کہ عمر ان چاولوں کو ملا کر بیچے گا، تو کیا زید کے لئے یہ چاول بیچنا صحیح ہے یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں مفصل ومدلل جواب تحریر فرمائیں۔ فقط

المستفتی: ظہیر الاسلام، متعلم مدرسہ رحمانیہ ٹانڈہ بادلی، ضلع رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید کا عمر کے ہاتھ یہ جانتے ہوئے فروخت کرنا کہ وہ اس چاول میں ردی قسم کا چاول ملا کر اعلیٰ قسم کا ظاہر کرکے فروخت کرے گا، تو یہ زید کے لئے شرعاً جائز ہے، زید پر کوئی الزام نہیں؛ بلکہ گنہگار عمر ہی ہوگا؛ کیوں کہ فاعل مختار عمر ہے نہ کہ زید۔

ولا معصية فيه وإنما المعصية بفعل المستاجر وهو مختار، فينقطع نسبته عنه. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، زكريا ٩/ ٥٦٢، كراچی ٦/ ٣٩٢)

إذا اجتمع المباشر والمتسبب أضيف الحكم إلى المباشر. الخ
(الأشباه والنظائر، قديم، ص: ۲۳۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲ر رجب المرجب ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/۱۳۳۶)

کرایہ دار کے مکان خالی نہ کرنے پر اسی کے ہاتھ کم قیمت پر بیچنا

سوال [۸۶۰۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید، بکر کا مکان کرایہ پر لیتا ہے اور یہ شرط طے پاتی ہے، کہ جب آپ کو ضرورت ہوگی تو خالی کردوں گا، چند سال بعد جب بکر زید سے مکان خالی کرنے کو کہتا ہے تو بکر دو تین سال بعد خالی کرنے کو کہتا ہے اور عذر یہ کرتا ہے کہ میں نے زمین لے لی ہے، اس کو بنالوں گا پھر آپ کا مکان خالی کردوں گا؛ لیکن اس میعاد کے بعد بھی وہ خالی نہیں کرتا اور مکان مالک کا انتقال ہوجاتا ہے، اس کے بعد اس کے وارث پھر مکان خالی کرنے کو کہتے ہیں اور زید خالی کرنے کو راضی نہیں ہوتا۔ اور مجبوراً اس کے وارث اس مکان کو بیچنے کا ارادہ کرتے ہیں؛ لیکن کوئی گاہک اس کو اس حال کے ساتھ کہ اس میں کرایہ دار کا قبضہ ہے، راضی نہیں ہوتا اس وجہ سے مجبوراً مکان زید ہی کے ہاتھ فروخت کرنا پڑتا ہے اور قیمت بھی قبضہ کے دباؤ میں اصل قیمت سے کافی کم طے ہوتی ہے، اس حال میں یہ خرید وفروخت کیسا ہے؟ شریعت کی روشنی میں مطلع فرمائیں، عین نوازش ہوگی۔

المستفتی: مختار حسین مقبرہ روڈ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اس طرح دباؤ میں آکر اگر کرایہ دار کے ہاتھ کم قیمت میں فروخت کرتا ہے تو شرعاً خرید وفروخت صحیح ہوجائے گی؛ لیکن کرایہ دار سخت ترین گنہگار بھی ہوگا؛ اس لئے کہ اس نے غیر کی ملکیت کو اس کی مرضی کے خلاف بکوایا ہے۔

عن عمر بن يحيى المازني عن أبيه، أن رسول الله ﷺ قال: لا ضرر

ولا ضرار. (مؤطا إمام مالك، كتاب القضاء، القضاء في الرفق، أشرفی دیوبند/ ۳۱۱)

لا ضرر ولا ضرار. الخ (قواعد الفقه، أشرفي ديوبند ۱۰٦، شرح المجلة، اتحاد بك ڈپو دیوبند ۱/ ۲۹، المادة: ۱۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ رصفر ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۵۵۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۰/ ۲/ ۱۴۱۲ھ

کتے کے جھوٹے آٹے کی بیع کا حکم

سوال [۸٦۰٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کتے نے آٹے کو جھوٹا کر دیا، اب اس آٹے کو بیچ کر اس روپیہ سے دوسرا آٹا یا اور کوئی چیز خرید کر کھانا جائز ہے یا نہیں؟ نیز کتے کا جھوٹا فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: تجمل حسین مدھوبنی، متعلم مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جہاں پر کتے نے منہ لگایا وہاں سے الگ کر کے باقی آٹا کھانے کے کام میں لگانا جائز اور درست ہے۔ اور جس حصہ پر منہ لگایا ہے، اس کو فروخت کر کے اس کے پیسہ سے دوسرا آٹا خرید کر کھانا بھی جائز ہے، مگر احتیاط کی بات یہ ہے کہ خریدار سے بتلا دے کہ خود کھانے کے علاوہ دوسرے کام میں لائے۔

المخلوط من العذرة بالتراب بمنزلة زيت خالطته النجاسة حيث يجوز بيعه والانتفاع به كالاستصباح ونحوه. الخ (بناية، كتاب الكراهية، فصل في البيع، قديم ٤/ ٢٥٦، جديد أشرفيه ديوبند ١٢/ ٢٠١، شامي، زكريا ٩/ ٥٥٢، كراچی ٦/ ٣٥٨، الموسوعة الفقهية الكويتية ٤٠/ ١٠٢، المحيط البرهاني، المجلس العلمي بيروت ٨/ ١٠٢، رقم: ٩٦٨٧، تاتارخانية، زكريا ١٨/ ٢٣٥، رقم: ٢٨٦١٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱ رمحرم ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۸۳۳)

اولاد نے والد کے ساتھ رہ کر جو کمائی کی وہ کس کی ملک ہے؟

سوال [۸۶۰۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں ایک مکان کا مالک تھا، اس مکان کو میرے دو لڑکوں نے میری مرضی سے فروخت کردیا اور اس پیسہ سے دوسرا مکان دونوں لڑکوں نے اپنے نام سے خرید لیا، اب اس مکان میں میرا اور میری بیوی ولڑکی کا حصہ نکلتا ہے؟ از روئے شرع تحریر فرمائیں، نیز باپ بیٹے سب ایک ساتھ رہتے تھے اور سب باپ کے زیر تحت تھے۔

المستفتی: حمید اللہ سنبھل، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب دونوں لڑکے آپ کے زیر تحت رہ کر کام کرتے ہیں، تو آپ کی اور دونوں کی ساری کمائی شرعاً آپ کی ملکیت میں ہوگی، اگرچہ لڑکوں نے خریدتے وقت اپنا نام کرالیا ہو شرعاً اس میں آپ کے بعد آپ کے تمام ورثاء کا حق شامل ہوگا۔ اور زندگی میں آپ خود مالک ہیں۔

والأب وابنه يكتسبان في صنعة واحدة ولم يكن لهما شيء، فالكسب كله للأب إن كان الابن في عياله؛ لكونه معينا له. الخ (شامي، كتاب الشركة، فصل في الشركة الفاسدة، مطلب اجتهاد في دار واحدة واكتسبا الخ، كراچی ٤/ ٣٢٥، زكريا ٦/ ٥٠٢، هندية، الباب الرابع في شركة وجوه وشركة الأعمال، زكريا قديم ٢/ ٣٢٩، جديد ٢/ ٣٣٢)

إذا عمل رجل في صنعة هو وابنه الذي في عياله فجميع الكسب لذلک الرجل، وولده يعد معينا له، وكذا إذا أعانه ولده الذى في عياله عند غرسه شجرة، فتلک الشجرة للأب لا يشاركه ولده فيها. (شرح المجلة، اتحاد بكڈپو ديو بند ٢/ ٤٧١، رقم: ١٣٩٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶ ربیع الاول ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۶۰۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۶/ ۳/ ۱۴۱۲ھ

دودھ کی بالائی مشین کے ذریعہ نکال کر فروخت کرنا

سوال [٨٦٠٨]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے یہاں دودھ میں سے بالائی نکالنے کا کاروبار ہے، اس کی صورت یہ ہے کہ دودھ والے ہمارے پاس اپنا دودھ لے کر آتے ہیں اور ہم اس دودھ سے مشین کے ذریعہ بالائی نکال لیتے ہیں۔ اور اس کی قیمت دودھ والوں کو ادا کردیتے ہیں، اس کے بعد وہ لوگ اپنا دودھ واپس لے جاتے ہیں اور وہ لوگ اس دودھ کو کسی بھی طرح استعمال کریں اس سے ہمیں کوئی مطلب نہیں، تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ آیا اس طرح بالائی نکال کر اس کو فروخت کرنا یا اور کوئی مکھن وغیرہ بنا کر فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: زاہد علی ولد محمد جابر علی ہوٹل والے بڑی مسجد کے پاس محلّہ کھتاڑی رامنگر، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: دودھ کی بالائی مال متقوم اور مال مرغوب فیہ ہے، اس کو مشین کے ذریعہ الگ کر کے خریدنا اور فروخت کرنا شرعاً جائز اور درست ہے، اس میں کوئی گناہ نہیں ہے۔

ما من شأنه أن ترغب إليه النفس، وهو المال. البيع لغة مبادلة شيء مرغوب فيه بمثله. الخ (شامی، کتاب البیوع، مطلب في تعريف المال والملك، کراچی ٤/ ٥٠٢، زکریا دیوبند ٧/ ١١-١٢)

ہاں البتہ دودھ والوں پر لازم ہے کہ بالائی نکالے ہوئے دودھ کو فروخت کرتے وقت خریدار کے سامنے صاف طور پر ظاہر کردیں کہ اس دودھ میں سے بالائی نکال لی گئی ہے۔ اور اگر دودھ والے بوقت فروختگی اس کا اظہار نہ کریں تو عنداللہ سخت گنہگار اور دھوکہ باز ثابت ہوں گے۔ اور خریدار کو واپس کرنے اور رجوع بالنقصان کا حق حاصل ہوگا۔

عن أبي هريرة -رضي الله عنه- قال: نهى رسول الله ﷺ عن بيع الغرر. الحديث (مسلم شريف، كتاب البيوع، باب بطلان بيع الحصاة والبيع الذي فيه غرر، النسخة الهندية ٢/ ٢، بيت الأفكار، رقم: ١٥١٣)

عن عقبة بن عامر –رضي الله عنه– قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول: المسلم أخو المسلم، ولا يحل لمسلم باع من أخيه بيعا فيه عيب إلا بينه له. (سنن ابن ماجة، أبواب التجارات، باب من باع عيبا فليبينه، النسخة الهندية/ ١٦٢، دارالسلام، رقم: ٢٢٤٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍شعبان ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۲۳۲۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲/۸/۱۴۱۱ھ

فوٹو فریم بنا کر فروخت کرنا

سوال [۸۶۰۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: فریم بنانا جائز ہے یا نہیں؟ چونکہ اگر میں یہ کام کرنا چاہوں تو ہر طرح کے اچھے برے یعنی فوٹو وغیرہ بھی لوگ فریم کرائیں گے، اس کے بارے میں تشفی کرنی ہے۔ فقط

المستفتی: محمد تحسین سہس پوری، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر آپ کا ارادہ فوٹو کی خصوصیت کا نہیں ہے یا صرف جائز چند چیزوں کے لئے ہے، تو "**الأمور بمقاصدها**" کے تحت یہ کام جائز ہے، بعد میں جو لوگ جائز کام میں استعمال کریں ان کے لئے جائز اور جو ناجائز کام میں استعمال کریں ان کے لئے ناجائز، آپ پر کوئی گناہ نہیں۔

القاعدة الثانية: الأمور بمقاصدها...... وذكر قاضيخان في فتواه: أن بيع العصير ممن يتخذ خمرا إن قصد به التجارة فلا يحرم، وإن قصد به لأجل التخمير حرم، وكذا غرس الكرم على هذا. الخ (الأشباه والنظائر قديم، ص: ٥٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍صفر ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/۴۹۳)

غیر مسلم کو قرآن شریف فروخت کرنے کا حکم

سوال [۸۶۱۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: قرآن پاک کو کبھی کبھی ہندو فروخت کرتا ہے اور وہ پاک ہے یا ناپاک ہے، کچھ نہیں کہا جاسکتا ہے؛ لہٰذا اس کے بارے میں شرعی مسئلہ کیا ہے؟ حدیث وقرآن کی روشنی میں وضاحت فرمائیں۔اور مسلم پرسنل لاء کی طرح اس پر بھی عمل ہو جائے تو بہت اچھا ہوگا۔

المستفتی: محمد طاہر انصاری، گرام وپوسٹ بڑامدن

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر غیر مسلم تاجر قرآن کریم کی عظمت اپنے دل میں رکھتا ہو اور قرآن کریم کو غسل یا وضو کرکے پکڑتا ہو، ورنہ غلاف سے پکڑتا ہو تو اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہے،اس کو امام محمدؒ نے جائز قرار دیا ہے۔

قال الله تعالى: لَا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ. [الواقعة: ۷۹]

ويمنع النصراني (في الشامية، في بعض النسخ: الكافر) من مسه وجوزه محمد إذا اغتسل. الخ (درمختار مع الشامي، كتاب الطهارة، قبيل باب المياه، كوئٹه ١/ ١١٩، كراچی ١/ ١٧٨، زكريا ديوبند ١/ ٣٢١)

لا يمس المصحف (الكافر) ما لم يغتسل، وهذا قول محمد. (حلبي كبير، أشرفيه ديوبند/ ٤٩٧)

لیکن قرآن کریم کو بے حرمتی سے محفوظ رکھنا ہم پر ضروری ہے؛اس لئے جب بھی بے حرمتی کا خطرہ ہوگا تو کافر کو اس سے روکا جائے گا اور مسلم پرسنل لاء کو بھی اس وقت آواز اٹھانی ہوگی۔

عن عبدالله بن عمر -رضي الله عنه- عن رسول الله ﷺ أنه كان ينهى أن يسافر بالقرآن إلى أرض العدو مخافة أن يناله العدو. الحديث. وتحته في الشرح: فيه النهي عن المسافرة بالمصحف إلى أرض الكفار

للعلة المذكورة في الحديث، وهي خوف أن ينالوه فينتهكوا حرمته.

(صحيح مسلم مع الشرح، كتاب الأمارة، باب النهي أن يسافر بالمصحف إلى أرض الكفار، النسخة الهندية ۲/ ۱۳۱، بيت الأفكار، رقم: ۱۸٦۹)

والحاصل: مما سبق أن وقوع المصحف بأيدى الكفار إنما يمنع منه إذا خيف منهم إهانته، أما إذا لم يكن مثل هذا الخوف فلابأس بذلك.

(تكملة فتح الملهم، مسألة تعليم الكافر القرآن، أشرفيه ديوبند ۳/ ۳۸٦)

وتكره المسافرة بالقرآن الكريم إلى دارالحرب صونا عن وقوعه في أيدي الكفرة واستخفافه. (البحرالرائق، باب الحيض، كوئٹه ۱/ ۲۰۲، زكريا ۱/ ۳۵۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍رمضان المبارک ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۲۲۷)

آیاتِ قرآنیہ والے کیلنڈر غیر مسلم کوفروخت کرنے کا حکم

سوال [۸٦۱۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: گزارش خدمت عالیہ میں یہ ہے کہ کیلنڈر کے اندر جو کلام پاک کی آیت لکھ کر اسکو ہندو اور مسلمان دونوں فروخت کرتے ہیں، اس کو اس طرح فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر ناجائز ہے تو اس پر بھی کیوں نہیں مسلم پرسنل لاء کی طرح پابندی لگائی جاتی، حضور والا سے گزارش ہے کہ جلد از جلد جواب سے نوازیں گے۔

المستفتی: محمد طاہر انصاری پوسٹ بڑامدن

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: اگر غیر مسلم کے دل میں قرآن کریم کی عظمت ہو اور اس کی طرف سے اس بات کا اطمینان ہو کہ وہ اس کی بے ادبی اور بے حرمتی نہیں کرے گا، اور وہ

غسل یا وضو کر کے پکڑتا ہے، تو اس کے لئے اس کی گنجائش ہے۔ اور غیر مسلم کا غسل و وضو شرعاً معتبر ہے، جب کہ ارکان غسل و وضو ادا کر کے غسل یا وضو کرے۔

كما في البحر: لعدم اشتراط النية في الوضوء، لايبطل وضوءه. الخ

(البحرالرائق، كتاب الطهارة، باب التيمم، كوئٹه ١/ ١٥١، زكريا ١/ ٢٦٤)

اور کیلنڈر وغیرہ میں آیات کا حصہ زیادہ ہو تو بھی مسلم وغیر مسلم سب کے چھونے کے لئے طہارت ضروری ہے۔

كما في الشامي: الأظهر والأحوط القول الثالث، أي كراهته في التفسير دون غيره لظهور الفرق، فإن القرآن في التفسير أكثر منه في غيره، وذكره فيه مقصود استقلالا لا تبعا فشبهه بالمصحف أقرب من شبهه بقية الكتب. الخ (شامي، كتاب الطهارة، قبيل باب المياه، نعمانيه ١/ ١١٩، كراچى ١/ ١٧٧، زكريا ديوبند ١/ ٣٢٠) **فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍رمضان ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۲۲۷)

سرکار کی طرف سے بینڈ شدہ کتاب کی فروختگی کا حکم

سوال [۸۶۱۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں کتابوں کا کاروبار کرتا ہوں، جس میں کچھ کتابیں ایسی ہیں جن کو ہمارے ملک میں بیچنے کی اجازت نہیں۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا میں ان کتابوں کو بلیک کر سکتا ہوں؟

المستفتی: محمد عمران ارشد میرٹھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: بلیک کرنے سے آمدنی حرام نہیں ہوتی؛ لیکن جان ومال کے تحفظ کے خاطر ایسے کاروبار کا نہ کرنا ہی بہتر ہے۔

قال الله تعالىٰ: وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ. [البقرة: ١٩٥]

طاعة الإمام فيما ليس بمعصية فرض. (درمختار، كتاب الجهاد، باب البغاة، مطلب في وجوب طاعة الإمام، زكريا ٦/ ٤١٦، كراچی ٤/ ٢٦٤)

أن الرجل يمنع من التصرف في ملكه إذا كان تصرفه يضر بجاره ضررا فاحشا؛ لأن درء المفاسد عن جاره أولى من جلب المنافع لنفسه.
(شرح المجلة، اتحاد بکڈپو دیو بند ١/ ٣٢، رقم المادة: ٣٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴ ؍ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۰۱۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۴/۱۴ھ

مسلم شخص کا غیر مذہبی فوٹو کی کتابیں فروخت کرنا

سوال [۸۶۱۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: دریافت طلب امر یہ ہے کہ مسلمان دوکاندار اپنی دوکان پر غیر مذہبی کتابیں جن میں فوٹو بھی ہوں فروخت کرسکتا ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا

المستفتی: قاری حسیب الرحمٰن سیوہارہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر فوٹو کی بیع مقصود نہ ہوتو غیر مذہبی کتابوں کی فروختگی میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی، قدیم ۹/ ۲۳۵، جدید زکریا مطول ۱۱/ ۱۱۲)

إنما تحصل المعصية بفعل فاعل مختار –إلى قوله– وإنما المعصية بفعل المستاجر وهو مختار، فينقطع نسبته عنه فصار كبيع الجارية ممن لايستبرئها أو يأتيها من دبر، وبيع الغلام من لوطي. الخ (شامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، زكريا ٩/ ٥٦٢، كراچی ٦/ ٣٩٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱ ؍ربیع الاول ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۷۱۹)

لہوولعب کی چیزیں بنانے اور بیچنے کا حکم

سوال [۸۶۱۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) وہ تمام اشیاء جو مسلمان بچے لہوولعب کے طور پر استعمال کرتے ہیں، ان کا بنانا اور خریدنا کیسا ہے؟ مثلاً پتنگ، ڈمرو وغیرہ حرام ہے یا مکروہ یا حلال؟

(۲) وہ تمام اشیاء جو غیر مسلموں کے بچے بطور لہوولعب استعمال کرتے ہیں، ان کا بنانا کیسا ہے؟ مثلاً گھنٹی ہے جو غیر مسلم کے بچے استعمال کرتے ہیں، ان کا بنانا درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: جمیل احمد قاسمی، بستوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ اشیاء کا بنانا اور ان کی تجارت اور خرید وفروخت حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جائز ہے؛ اس لئے کہ معصیت کا تعلق فاعل مختار کے فعل کے ساتھ ہوا کرتا ہے، اور حضرت امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک تعاون علی المصعیۃ کی وجہ سے ناجائز ہے۔

قال اللّٰہ تعالی: وَتَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوَی وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَی الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ. [المائدۃ: ۲]

وجاز تعمیر کنیسۃ وحمل خمر ذمي بنفسه، أو دابته بأجر، وتحته في الشامية: إنما تحصل المعصية بفعل فاعل مختار. الخ (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، زكريا ۹/ ۵۶۲، كراچی ۶/ ۳۹۱)

من حمل لذمي خمرا بأجر طاب له عنده، وعندهما يكره للإعانة.

(الدرالمنتقى، كتاب الكراهية، قديم ۲/ ۵۲۹، جديد دارالكتب العلمية بيروت ۴/ ۱۸۶-۱۸۷)

لہٰذا احتیاط اس میں ہے کہ ان چیزوں سے اپنے آپ کی حفاظت کریں۔

(۲) تعاون علی المصعیۃ کی وجہ سے درست نہیں ہے۔ کما مر۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵ رمحرم الحرام ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۲۰۹۳)

مانجھے کی آمدنی کا حکم

سوال [۸۶۱۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید مانجھے کا کام کرتا ہے، آیا مانجھے کی کمائی جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر اس کمائی کے پیسہ سے زید ولیمہ کرے یا نذر ونیاز کرے تو اس کے یہاں کھانا جائز ہے یا نہیں؟ اور اس کا نذر ونیاز کرنا قبول بارگاہ ہوگا یا نہیں؟

المستفتی: لیاقت حسین فلاح عام سوسائٹی بلاری، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: مانجھے فی نفسہ ممنوع نہیں؛ البتہ مانجھے کے ڈورے سے جو امر ممنوع کا ارتکاب کرے گا وہی گنہگار رہوگا؛ اس لئے مانجھے کی آمدنی حرام نہ ہوگی۔

إنما تحصل المعصية بفعل فاعل مختار. الخ (شامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، زكريا ۹/ ۵٦۲، كراچی ٦/ ۳۹۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸ رمحرم الحرام ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۵۱۴۰/۳۳)

پوجا پاٹ اور نذر ونیاز میں استعمال ہونے والی اشیاء کی خرید وفروخت کا حکم

سوال [۸۶۱٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ۱۹۰۵ء میں ہمارے پرنانا نے ایک دوکان، قرآن دینی کتابیں عطر وغیرہ کی کھولی، پھر اس دوکان کو ہمارے نانا جو سند یافتہ وکیل ہیں، انہوں نے سنبھالا وکالت کا عہدہ؛ اس لئے قبول نہیں کیا کہ اس میں جھوٹ بولنا پڑے گا، دوکان میں آہستہ آہستہ شرک وبدعات کی چیزیں یعنی مندروں میں مورتیوں کے پوجا پاٹ کے لئے استعمال ہونے والی اشیاء (ہلدی،

گنگوتم، سندور، گلاب وغیرہ) اسی طرح درگاہوں اور تعویذات، منتروں کے لئے استعمال کی جانے والی چیزوں (ڈوریاں، تختیاں وغیرہ) کی بھی خرید وفروخت شروع ہوئی، اس وقت دوکان نانا کے بیٹوں (ماموں) کے ہاتھ میں ہے، تجارت بڑھ گئی ہے، تقریباً ۱۵/آدمی کام کرتے ہیں، اصل تجارت اس وقت دوکان میں شرک وبدعات کے لئے استعمال ہونے والی چیزیں ہی ہیں، قرآن، دینی کتابیں، عطر وغیرہ کی تجارت بھی ہے، مگر برائے نام بہت کم، معلوم یہ کرنا ہے کہ ایسی دوکان چلانا جس سے شرک وبدعات کوتقویت پہنچتی ہو (جب کہ یہی ایک دوکان ہی ذریعہ معاش نہیں؛ بلکہ دوسری اچھی تجارت کپڑے کی بھی ہے؛ اس سے اچھی آمدنی ہورہی ہے، ایسی دوکان کا چلانا کیسا ہے؟ کیا دوکان کے کاروبار کو بند کردیں، دوسری تجارت کریں جو بھی شریعت کا حکم ہو تحریر فرمادیں۔

المستفتی: محمد طارق، رحمت پالہ ویلور، تمل ناڈو

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ میں جن چیزوں کی فروختگی کا ذکر کیا گیا ہے وہ چیزیں دوسرے کاموں میں بھی آسکتی ہیں؛ لہٰذا ان چیزوں کا فروخت کرنا فی نفسہٖ جائز اور درست ہے۔ اور دوکانوں سے خرید کر جو لوگ غلط جگہ استعمال کریں گے وہ خود گنہگار ہوں گے۔ اور جو لوگ غلط جگہ استعمال نہ کرکے صحیح اور جائز جگہ استعمال کریں گے، ان پر کوئی گناہ نہ ہوگا؛ اس لئے بیچنے والے تاجروں پر کوئی وبال نہیں اور سارا وبال غلط استعمال کرنے والوں کے سر پر ہوگا۔ اور مذکورہ دوکانوں کی آمدنی جائز اور درست ہوگی، ہاں اگر دوکاندار خود غلط جگہ استعمال کرنے میں شریک ہوتا ہے اور دوسروں کو ترغیب دیتا ہے، تو دوکاندار بھی گنہگار ہوگا، مگر پیسہ بہرحال حلال ہوگا۔

لایکره بیع الزنانیر من النصراني والقلنسوة من المجوسي؛ لأن ذلک إذلال لهما. (شامي، کتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغیره، زکریا ۹/ ۵۶۲، کراچی ۶/ ۳۹۲، هندیة، زکریا قدیم ۵/ ۳٤٦، جدید ۵/ ٤۰۱، مجمع الأنهر،

مصري قديم ۲/ ۵۳۰، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ۱۸۸، تبيين الحقائق، مكتبه إمداديه ملتان ٦/ ۲۹، زكريا ۷/ ٦٤-٦٥)

وجاز بيع عصير عنب ممن يعلم أنه يتخذه خمرا؛ لأن المعصية لا تقوم بعينه بل بعد تغيره. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره، زكريا ۹/ ٥٦٠- ٥٦١، كراچی ٦/ ۳۹۱، تبيين الحقائق، زكريا ۷/ ٦٣، إمداديه ملتان ٦/ ۲۹، الأشباه والنظائر، قديم، ص: ٥٣)

وجاز إجارة بيت بسواد الكوفة ...... لا بغيرها على الأصح ...... ليتخذ بيت نار، أو كنيسة، أو بيعة، أو يباع فيه الخمر، وتحته في الشامية: هذا عنده أيضا؛ لأن الإجارة على منفعة البيت، ولهذا يجب الأجر بمجرد التسليم، ولا معصية فيه، وإنما المعصية بفعل المستاجر، وهو مختار، فينقطع نسبته عنه. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره، زكريا ۹/ ٥٦٢، كراچی ٦/ ۳۹۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲رشعبان ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۶۹۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۸/۲ھ

پوجا میں استعمال ہونے والے پیتل کے چراغ بنانا

سوال [۸۶۱۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے یہاں شہر میں پیتل کے ظروف کا کاروبار ہوتا ہے، چراغ بھی پیتل کے بنائے جاتے ہیں، یہ چراغ عموماً ہندو صاحبان اپنی پوجا کے کام میں لاتے ہیں، کبھی کبھی ان سے چراغاں یا آرائش کا کام بھی لیا جاتا ہے، یہ تحریر فرمائیے کہ پیتل کے چراغ بنا کر فروخت کرنا جائز ہے یا ناجائز؟ چراغوں کے کام سے کمائی ہوئی دولت حلال ہوگی یا حرام؟

المستفتی: حکیم محمد مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر پوجا کے علاوہ دوسرے جائز کام میں بھی مستعمل ہوتا ہے اور محض اپنی تجارت کی غرض سے فروخت کیا جاتا ہے، تو ''**الأمور بمقاصدها**'' کے تحت تجارت اور آمدنی دونوں حلال ہوں گی۔ اور اگر پوجا کرنے والوں ہی کے لئے بنایا جاتا ہے اور فروخت کیا جاتا ہے، تو اعانت علی المعصیت کی بنا پر ناجائز ہوگا۔

وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ. [المائدة: ۲]

الأمور بمقاصدها، وتحته في الأشباه: أن بيع العصير ممن يتخذه خمرا إن قصد به التجارة، فلا يحرم وإن قصد به لأجل التخمير حرم. الخ

(الأشباه والنظائر، قديم ۵۳، وهكذا في الشامي، زكريا ۹/ ۳۶۱، كراچی ۶/ ۳۹۱، تبيين الحقائق، إمداديه ملتان ۶/ ۲۹، زكريا ۷/ ٦٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍ ربیع الثانی ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۱۸۷)

گھنٹی، ترشول، اوم، چراغ وغیرہ آرڈر پر بنانا

سوال [۸۶۱۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید ایک کارخانہ دار ہے اور پیتل کے سامان کا کارخانہ ہے، اس وقت کارخانہ میں جو آرڈر ہے، اس میں غیر مسلموں کے پوجا پاٹ کے عدد کا آرڈر ہے، جیسے گھنٹی، ترشول، اوم، چراغ وغیرہ، اس میں کسی میں بھی کسی جاندار کی تصویر نہیں ہے، تو اس طرح کے یہ سامان بنانا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: انور خورشید نئی بستی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: گھنٹی مندروں کے علاوہ دوسری جگہ بھی استعمال ہوتی

ہے؛ اس لئے ان کی عبادت کے ساتھ خاص نہیں ہے، اسی طرح ترشول، ان کی عبادت کی چیز نہیں ہے؛ بلکہ ان کے اپنے پاس رکھنے کا شعار ہے اور چراغ بھی ان کے ساتھ خاص نہیں ہے، کہیں بھی استعمال ہوسکتا ہے؛ اس لئے ان چیزوں کا بنانا اور ان کی تجارت جائز اور درست ہے۔ اور اوم ان کی مذہبی شعار ہے اور ان کے یہاں اوم ایسا ہے جیسا کہ ہمارے یہاں بسم اللہ، اس کو نہ بنانا بہتر ہے، اگر اس کو بنا کر قیمت لیتے ہیں تو قیمت بالکل حرام نہیں ہے؛ بلکہ مکروہ ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۷/ ۳۰۹)

وجاز تعمير كنيسة، قال في الشامية: قال في الخانية: ولو آجر نفسه ليعمل في الكنيسة ويعمرها لابأس به؛ لأنه لا معصية في عين العمل.

(شامي، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره، زكريا ۹/ ۵۶۲، كراچى ۶/ ۳۹۲، فتاوى قاضى خان، زكريا جديد ۲/ ۲۰۵، وعلى هامش الهندية ۲/ ۳۲۴، الموسوعة الفقهية الكويتية ۳۸/ ۱۵۸، المحيط البرهاني، المجلس العلمي ۸/ ۷۰، رقم: ۹۶۰۷، الفتاوى التاتارخانية، زكريا ۱۸/ ۱۶۷، رقم: ۲۸۳۷۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/ رجب ۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۰۵۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۲/ ۷/ ۱۴۲۷ھ

مانع حمل دواؤں کی خرید وفروخت کا حکم

سوال [۸۶۱۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کوئی ایسی گولی یا کیپسول جو اسقاط حمل کے لئے استعمال کی جاتی ہو اس کا فروخت کرنا شرعاً جائز ہے کہ نہیں؟ مفصل جواب سے آگاہ کریں۔

المستفتی: نعیم الدین محلہ مذکھڑی دانوں کوٹھی والی مسجد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر یہ گولی بنانے والے اور تجارت کرنے والے کا مقصد صرف یہی ہے کہ بوقت شدت ضرورت کام آسکے، مثلاً حمل کی وجہ سے عدت یا شیر خوار بچہ کی ہلاکت کا خطرہ ہے اور حمل میں جان پڑنے سے قبل استعمال کی جاتی ہے، تو ''الأمـــــور بمقاصدها'' (قواعد الفقه، أشرفي، ص: ٦٢، رقم: ٥١) کے تحت بنانا اور استعمال کرنا اور تجارت کرنا سب جائز ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۳/۱۱۷)

لیکن اگر بدکار زنا کار عورتوں کے کام کے لئے ہے یا اکثر خریدار رنڈیاں ہوتی ہیں، تو تعاون علی المعصیت کی وجہ سے بنانا تجارت کرنا اور خریدنا سب حرام ہے۔

قوله تعالى: وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ. [المائدة: ٢]

لیکن پیسہ حلال رہے گا؛ کیوں کہ پیسہ مال کا بدلہ ہے۔ فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللّٰہ عنہ
۲؍محرم الحرام ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/۶ ۴۵)

زمین کی بقیہ قیمت کی ادائیگی موجودہ وقت کے اعتبار سے ہوگی یا خرید کے؟

سوال [۸۶۲۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: محمد آصف نے ایک زمین بیچی جو کہ سوا چار بیگہ تھی، عبد الرب صاحب نے خریدی، مگر قیمت صرف چار بیگہ کی ادا کی ہے اور باقی کے بارے میں کہا تھا کہ دے دیں گے، مگر ۲۲؍سال کا عرصہ ہوگیا، کئی بار مطالبہ کے بعد اب وہ قیمت دینے پر راضی ہوگئے ہیں؛ اس لئے دریافت یہ کرنا ہے کہ بقیہ قیمت ۲۲؍سال پہلے کے اعتبار سے لی جائے گی یا یہ کہ موجودہ بھاؤ کے اعتبار سے؟۔ دوسرا سوال یہ ہے کہ عبد الرب نے ۲۲؍سال تک جو زمین جوتی ہے اور اس سے غلہ حاصل کیا ہے، یہ کس کا تھا؟ اب ۲۲؍سال کے غلہ کی قیمت اصول کرنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد آصف جگر کالونی مسجد، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ میں جوصورت بیان کی گئی ہے، اس میں عبدالرب کے لئے ۲۲/سال پہلے کی قیمت کے حساب سے اس زمین کا روپیہ دینا ہوگا، جس کا ابھی تک روپیہ ادانہیں کیا ہے، موجودہ زمانہ میں زمین کی جو قیمت ہے اس کے اعتبار سے نہیں دیا جائے گا اور جو کچھ عبدالرب نے زمین سے غلہ حاصل کیا ہے وہ سب عبدالرب کا ہی مانا جائے گا؛ البتہ عبدالرب پر ۲۲/سال تک زمین کے اس حصہ کا جس کی قیمت ادانہیں کی ہے کرایہ ادا کرنا لازم ہوگا۔ اور یہ کرایہ وہاں کے عرف اور معیار کے اعتبار سے ہوگا، اس کی وجہ یہ ہے کہ مالک زمین کی طرف سے بدستور مطالبہ جاری رہا اور اس نے زمین کی قیمت ادانہیں کی؛ بلکہ قیمت ادا کئے بغیر اس کی جتائی کرتا رہا۔

وحاصل ما مر أنه على قول أبي يوسف المفتى به لا فرق بين الكساد والانقطاع، والرخص، والغلاء في أنه تجب قيمتها يوم وقع البيع. (شامي، كتاب البيوع، مطلب مهم في أحكام النقود إذا كسدت أو انقطت، زكريا ۷/ ۵۵-۵۶، كراچی ٤/ ۵۳٤)

ومن بنى أو غرس في أرض غيره بغير إذنه، أمر بالقلع والرد ...... ولو زرعها يعتبر العرف، فإن اقتسموا الغلة أنصافا أو أرباعا اعتبر، وإلا فالخارج للزارع، وعليه أجر مثل الأرض. (درمختار على الشامي، كتاب الغصب، زكريا ۹/ ۲۸۳-۲۸٤، كراچی ٦/ ۱۹٤-۱۹۵، تنقيح الفتاوى الحامدية ۲/ ۱۵٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/صفر ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۶۲۲/۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۲/۱۶ھ

پھل آنے سے قبل بور آنے کے بعد باغوں کی خرید وفروخت

سوال [۸۶۲۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: ہمارے یہاں امرود اور آم کے باغ ہیں، ان کو پھل آنے سے پہلے بیچ دیا جاتا ہے اور ہم اس انتظار میں رہتے ہیں کہ پھل آئے تو خریدیں، جب تک سب باغ پک جاتے ہیں اور کچھ باغات ایسے ہیں کہ ان کے ساتھ دوسری کھیتی بھی کر سکتے ہیں، ان دونوں باغوں میں سے کونسا باغ کس وقت اور کس حالت میں خریدنا اور بیچنا جائز ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں مسئلہ کو مدلل فرمائیں۔

المستفتی: منجانب اہل ککرالہ، بدایوں

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: پھل آنے سے قبل بور آنے کے بعد درختوں کو اوراق سمیت خرید لیا جائے تو جائز ہے، اس سے قبل جائز نہیں؛ لہٰذا بور آنے سے قبل نہ خریدا کریں اور درختوں کو مع زمین کے کرایہ پر لینے کو بعض فقہاء نے منع فرمایا ہے۔

والحيلة في جوازه باتفاق المشايخ: أن يبيع الكمثرى أول ما تخرج مع أوراق الشجر، فيجوز فيها تبعا للأوراق. الخ (شامي، كتاب البيوع، مطلب في بيع الثمر والزرع والشجر مقصودا، زكريا ۷/ ۸۵، كراچی ٤/ ٥٥٥، مجمع الأنهر، مصري قديم ۲/ ۱۷، دارالكتب العلمية بيروت ۳/ ۲٦، البحر الرائق، زكريا ٥/ ٥٠٢، كوئٹه ٥/ ٣٠١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰/ ۱۲/ ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۵۰٦٦)

باغات کی فروختگی میں جواز کی متبادل شکل

سوال [۸٦۲۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے یوپی میں باغات کو دو سال کے لئے فروخت کیا جاتا ہے، اور یہ پیسوں کے عوض

ہوتا ہے، تو باغات میں پھل آنے سے پہلے پہلے ان کی فروختگی جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز نہیں تو اس کی متبادل شکل کیا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: باغات کے پھلوں کو پھل آنے سے قبل فروخت کرنا جائز نہیں ہے، یہ معاملہ شرعی طور پر فاسد ہوتا ہے، اور اس کے جواز کی متبادل شکل یہ ہے کہ صرف پھلوں کا معاملہ نہ کیا جائے؛ بلکہ زمین سمیت پورے باغ کا معاملہ کیا جائے، مثلاً ایک سال دو سال کے لئے زمین سمیت باغ کرائے پر دے دیا جائے اور کرایہ دار کو یہ حق حاصل ہو کہ وہ باغ کی زمین میں کچھ بو کر فائدہ اٹھائے اور مالک کا اس میں کوئی حق نہ ہوگا۔ (مستفاد: انوار رحمت ۱۷۹-۱۸۰)

عن جابر بن عبدالله –رضي الله عنه– قال: نهى رسول الله ﷺ عن المحاقلة، والمزابنة، والمعاومة. الحديث (صحيح مسلم، البيوع، باب النهي عن المحاقلة والمزابنة، النسخة الهندية ۲/ ۱۱، بيت الأفكار، رقم: ۱۵۳٦)

أما النهي عن المعاومة: وهو بيع السنين، فمعناه أن يبيع ثمرة الشجرة عامين، أو ثلاثة، أو أكثر، فيسمى بيع المعاومة، وبيع السنين، وهو باطل بالإجماع؛ ولأنه بيع غرر؛ لأنه بيع معدوم ومجهول، وغير مقدور على تسليمه. (نووي ۲/ ۱۰)

إن استأجر أرضا على أن يكربها أو يزرعها أو يسقيها وزرعها صح؛ لأنه شرط يقتضيه العقد، وهو ملائم له فلا يفسد العقد. (البحرالرائق، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، كوئٹه ۸/ ۲٤، زكريا ۸/ ٤۳، وهكذا في الدر مع الرد، زكريا ۹/ ۸۲، كراچی ٦/ ٦۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍ ربیع الاول ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۴۵۹)

زمین مع باغ ٹھیکہ پر دینا

سوال [۸۶۲۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کی ملکیت میں کاشت کا کھیت ہے، جس میں آم کا باغ ہے، باغ میں آم بھی آتے ہیں، زید اس کھیت کو واسطے کاشتکاری معہ آم کے باغ کے کسی کو ۲-۳؍ سال کے لئے ٹھیکے پر دینا چاہتا ہے۔ اور ۲-۳؍ سال کی رقم بھی پہلے ہی لینا چاہتا ہے، برائے کرم بتائیں بیع درست ہونے کی صورت کیا ہوگی؟ جواب مرحمت فرمائیں۔

المستفتی: عبدالحمید راعینی، ساہنپور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زمین ٹھیکہ پر لے لینا درست ہے، اس کے بعد جو پھل آئیں گے، وہ بھی درست ہوں گے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ ۴/۴/۱۷۱، ڈابھیل ۱۶/ ۵۸۱)

إذا استأجر أرضا على أن يكر بها، ويزرعها، أو يسقيها ويزرعها صح؛ لأنه شرط يقتضيه العقد، وهو ملائم له فلا يفسد العقد. (البحرالرائق، کتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، زکریا ۸/ ۴۳، کوئٹہ ۸/ ۲۴، الدر مع الرد، زکریا ۹/ ۸۲، کراچی ۶/ ۶۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍۷؍۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۲۴۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۹؍۷؍۱۴۲۰ھ

باغ مع زمین ایک سال یا کئی سال کے لئے فروخت کرنا

سوال [۸۶۲۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک باغ ہے چھ بیگہ کا، وہ باغ جوان ہے، بہار آئی ہے؛ لیکن ہم باغوں کا کام نہیں

کرتے؛اس لئے باغوں میں بیماری بہت زیادہ ہوتی ہے،تھوڑی سے لاپرواہی سے تمام باغ خراب ہوجاتا ہے،ایسی صورت میں ان لوگوں کو جو باغوں کا کام کرتے ہیں، ان کو دوسال کے لئے بہار مع زمین بیچ سکتے ہیں یانہیں؟ زمین کسی قدر کاشت کے قابل ہے؟

المستفتی: مرادالدین چودھریان،سہسپور،بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ صورت میں دوسال کے لئے باغ کی بہار مع زمین کے بیچ سکتے ہیں،جب کہ خریدنے والے کواس باغ کی زمین میں مکمل طریقہ سے تصرف کرنے کا اختیار دے دیا جائے، نیز لوگوں کے تعامل اور ابتلائے عام کی وجہ سے مع زمین کے ایک سال یاچندسال کے لئے فروخت کرنے کی گنجائش ہوگی۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۱/۴۷)

ومن استأجر أرضا على أن يكر بها، ويزرعها، ويسقيها، فهو جائز.

(هداية، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، أشرفي ٣/ ٣٠٦، البحرالرائق، زكريا ٨/ ٤٣، كوئٹه ٨/ ٢٤، شامي، زكريا ٩/ ٨٢، كراچی ٦/ ٦٠)

وفي القنية: استأجر أرضا سنة على أن يزرع فيها ماشاء، فله أن يزرع فيها زرعين ربيعيا أو خريفيا. (البحرالرائق، كتاب الإجارة، باب مايجوز من الإجارة، ومـا يكون خلافا فيها، كوئٹه ٨/ ١٠، زكريا ٨/ ١٨، هندية، زكريا قديم ٤/ ٤٧١، جديد ٤/ ٥١١) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴/ربیع الاول ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۲۲۴)

کیروسین کی خرید وفروخت

سوال [۸۶۲۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرا کاروبار مٹی کا تیل (کیروسین) کا ہے، میں ایک ماہ میں ایک لاکھ سے دو لاکھ تک کا

کیروسین فروخت کرتا ہوں، مجھے لیٹر میں تین سے چار روپئے نفع ملتا ہے، یہ کیروسین فروخت کرنا سرکاری قانون کی رو سے سرکاری گناہ بنتا ہے، میں سرکاری افسروں کو ہر ہفتہ میں ڈیڑھ دو لاکھ روپئے کے قریب بطور رشوت دیتا ہوں، اس کاروبار میں جو نفع کماتا ہوں، اس میں سے غرباء اور ضرورت مندوں کو بھی دیتا ہوں اور اپنے خرچ میں بھی لاتا ہوں، میں یہ کیروسین سرکاری راشن کی دوکانوں سے بلیک (کالا بازاری) میں سے لاتا ہوں، کیا میرے لئے ایسا کاروبار کرنا جو قانوناً گناہ ہے، شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: نثار احمد گودھرا

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اس کام میں جو بھی منافع ملتا ہے وہ منافع بہر حال حلال ہے؛ لیکن سرکاری قانون کی خلاف ورزی کرکے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا جائز نہیں، اسی طرح اس کام کو چالو رکھنے کے لئے رشوت دینے کا سلسلہ جاری کرنا بھی جائز نہیں ہے۔

قال الله تعالىٰ: وَلَا تُلْقُوا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ. [البقرة: ١٩٥]

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم الراشي والمرتشي في الحكم. (ترمذي، باب ماجاء في الراشي والمرتشي في الحكم، النسخة الهندية ١/ ٢٤٨، دارالسلام، رقم: ١٣٣٦، مسند البزار، مكتبة العلوم والحكم ١٥/ ٢٣٥، رقم: ٨٦٧٣)

المالک هو المتصرف في ملكه كيف شاء. (بيضاوي، مكتبه رشيد/٧)

كل يتصرف في ملكه ماشاء. (شرح المجلة، رستم مكتبه اتحاد ١/ ٦٥٤، رقم: ١١٩٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍صفر ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۲۷۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۲/۲/۱۴۳۲ھ

راشن دوکان سے غلہ خریدنا

سوال [۸۶۲۶]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کنٹرول کی دوکانوں پر غلہ چینی وغیرہ کا جوراشن تقسیم ہوتا ہے، دوکاندار ایسا کرتے ہیں کہ یہ کہہ کر کہ راشن ختم ہوگیا ہے، اس کو علیحدہ فروخت کرتے ہیں، بعض کو کنٹرول ریٹ پر اور بعض کو زائد قیمت پر اس کا خریدنا کیسا ہے؟ اس خرید وفروخت میں مسلم وغیر مسلم دونوں برابر ہیں، یا غیر مسلم سے خرید سکتے ہیں؟ اور مسلمان دوکاندار سے اس راشن کا خریدنا جائز نہیں؟

المستفتی: نورالعابدین، راجستھان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کنٹرول سے کوٹہ لینے والا ڈیلر جب اپنے پیسے دے کر خریدلیتا ہے، تو شرعاً ان اشیاء کا خود مالک ہوجاتا ہے؛ اس لئے عوام کو تقسیم کرنے کے بعد اگر کچھ بچ جاتا ہے یا کسی کے نہ لینے کی وجہ سے رہ جاتا ہے، تو ڈیلر کے لئے اس زائد کو قیمت یا کنٹرول ریٹ میں فروخت کرنا اور دوسروں کے لئے اس کا خریدنا بلا کراہت جائز ہے؛ البتہ قانونی جرم ہو تو احتیاط لازم ہے۔ اور اگر حق دار عوام کو نہ دے کر بلیک میں فروخت کرتا ہے، تو دھوکہ بازی اور خیانت اور قانونی جرم کی وجہ سے ڈیلر گنہگار ہوگا اور خریدنے والا تعاون علی المعصیت کی وجہ سے گنہگار ہوگا؛ البتہ عقد بیع بہر حال منعقد ہوجائے گا۔

قولہ تعالی: وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ. [المائدة: ۲]

قال اللّٰہ تعالیٰ: وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ. [البقرة: ۱۹۵]

فإن سعّر، فباع الخباز بأكثر مما سعر، جاز بيعه. (هندية، كتاب البيوع، الباب العشرون، فصل في الاحتكار، زكريا قديم ۳/ ۲۱٤، جديد ۳/ ۲۰۰) **فقط واللہ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۴/ ۶/ ۱۴۱۳ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/ ۳۲۲۶)

دوسروں کے کنکشن سے گیس لے کرزیادہ قیمت میں فروخت کرنا

سوال [۸۶۲۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زیدرسوئی گیس کا کاروبار کرتا ہے، کاروبار کی شکل یہ ہے کہ اس کا اپنا ذاتی کنکشن صرف ایک ہے؛ لیکن اس نے اس کے علاوہ کچھ کنکشن ایسے جمع کر رکھے ہیں جن کے ذریعہ گیس ایجنسی سے گیس لاتا ہے اور ذخیرہ جمع کر کے ان سلنڈروں کو ایجنسی کی قیمت سے بہت زیادہ بڑھا کر فروخت کرتا ہے۔ اور جب گیس نہیں ملتا ہے تو ضرورت منداس سے اس کی ہی قیمتوں میں خریدتے ہیں، تو کیا زید کے لئے ایسی خرید وفروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: شمس الحق مدرسہ عربیہ لطیفیہ لالباغ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید کے لئے دوسروں کے کنکشن جمع کر کے گیس ایجنسی سے گیس لے کر اس کو مہنگے دام میں فروخت کرنا فی نفسہ جائز ہے اور اس کی کمائی حلال ہے؛ لیکن چونکہ اس طرح فروخت کرنا حکومت کے قانون کے خلاف ہے، اس سے اپنے آپ کو خطرہ میں ڈالنا لازم آتا ہے، اور شریعت ایسے کام کی اجازت نہیں دیتی ہے، جس سے عزت وآبرو خطرہ میں پڑنے کا اندیشہ ہو۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ. [البقرة: ١٩٥]

عن حذيفة –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله ﷺ: لا ينبغي للمؤمن أن يذل نفسه، قالوا: وكيف يذل نفسه؟ قال: يتعرض من البلاء لما لا يطيق. (سنن الترمذي، أبواب الفتن، النسخة الهندية ٢/ ٥١، دارالسلام، رقم: ٢٣٥٤)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۵۵۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۹/۴/۱۴۲۹ھ

گیس کی کالا بازاری کی شرعی حیثیت

سوال [۸۶۲۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: گیس کی کالا بازاری زوروں پر ہے، دو ایڈریس پر گیس باٹلے خریدے جاتے ہیں، جب کہ ضرورت صرف ایک گیس باٹلے کی ہوتی ہے اور دوسرا باٹلہ خریدی کی رقم سے زیادہ قیمت پر فروخت کردیا جاتا ہے۔ اور حکومت کے نزدیک یہ بلیک مارکیٹ جرم عظیم ہے، اکثر مسلمانوں کے دیندار گھرانے اس میں ملوث ہیں، کہتے ہیں کہ ہمیں کتنی ضرورت ہے، اس کی فکر مت کرو، ہم نئے اور پرانے ایڈریس پر جتنے بھی باٹلے خرید رہے ہیں وہی فروخت بھی کررہے ہیں، ایسا نہیں ہے کہ بغیر روپیوں کے حاصل کرتے ہیں؛ لہٰذا یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ دوکاندار خرید وفروخت کے بعد نفع کماتا ہے، حضرت مفتی صاحب سے پوچھنا ہے کہ زائد از ضرورت گیس کے باٹلے خریدنے میں ملک کے غریب لوگوں کی حق تلفی نہیں ہے؟ کیا ایسا کرنا درست ہے؟

المستفتی: محمد رضوان قاسمی، سورت

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شخص واحد کا دو ایڈریس پر گیس باٹلہ (سلنڈر) سرکار سے حاصل کرنا جب کہ ضرورت صرف ایک سے پوری ہوجاتی ہے اور دوسرے کو نفع کے ساتھ فروخت کردینا حکومت کے قانون کی خلاف ورزی ہے، جس سے اجتناب ضروری ہے؛ لیکن اس کی بیع صحیح ہوجاتی ہے۔ اوراس سے حاصل ہونے والا نفع حلال ہے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ. [البقرة: ۱۹۵]

إن المسلم يجب عليه أن يطيع أميره في أمور مباحة. (تكملة فتح الملهم، أشرفيه ۳/ ۳۲٤)

طاعة الإمام فيما ليس بمعصية واجبة. (شامي، الصلاة، باب العيدين،

مطلب تجب طاعة الإمام فيما ليس بمعصية، زكريا ٣ / ٥٣، كراچی ٢/ ١٧٢)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۴۹۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۲؍۴؍۱۴۳۵ھ

132 نمبر کا پلاٹ بیچ کر 131 نمبر کا پلاٹ دینا

سوال [۸۶۲۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک پلاٹ جس کا نمبر 132 ہے، بتدریج (۱) اسحاق (۲) مقصود (۳) سلیمان (۴) عاصم اور (۵) وسیم تک خرید وفروخت ہوتا ہوا پہنچا، وسیم نے یہ پلاٹ عاصم سے -/4,50,000 روپے میں خریدا، جو دلالوں کے ذریعہ پلاٹ کی جگہ پر خریدا -/2,20,000 روپئے نقد ادا کردئے گئے (یہ پلاٹ 132 تقریبا دو لاکھ سے بڑھتا ہوا اب -/4,50,000 روپئے تک پہنچا، اب ۲، ۳، ۴؍ پارٹیوں نے یہ پلاٹ 132 نمبر کے نام سے ہی فروخت کیا اور قریب -/2,50,000 روپئے نفع چڑھ گیا۔

اب مسئلہ یہ ہے کہ وہ پلاٹ 132 جو خرید وفروخت ہو چکا تھا، 131 نمبر کا نکلا، اسحاق کہہ رہا ہے کہ 132 تو میرا پلاٹ ہے، اب مقصود بعد کی پارٹیاں سلیمان، عاصم سے یہ کہہ رہا ہے کہ تم کو 131 پلاٹ لینا ہو تو لو ورنہ آپ پرانے ریٹ کے روپئے واپس لے جاؤ، جس سے اس کو تو اور بھی فائدہ ہو جائے گا، مگر سلیمان اور عاصم یہ پلاٹ 132 نمبر دکھا کر فروخت کر کے منافع اچھا حاصل کر کے وسیم کو بیچ چکے ہیں اور وسیم نے 132 خریدا ہے، پر اس کے گلے میں 131 ڈالا جا رہا ہے، جو کم قیمت کا ہے اور وسیم کو لینا بھی نہیں ہے، حال یہ ہے کہ اسحاق اب وہ پلاٹ 132 فروخت بھی کرنا چاہتا ہے، ان تمام صورتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے شریعت میں اس مسئلہ کا کیا حکم ہے؟ ان تمام پارٹیوں کے لئے، ان تمام کے بیچ کی خرید وفروخت کیسی

ہے؟ ان تمام سودوں کا کیا حکم ہے؟ وسیم کے علاوہ سب کے سب 132 کے نام سے فروخت کرکے نفع لے گئے، وہ کیسا ہے؟ ۲، ۳، ۴/ والی پارٹیاں مل کر 132 خرید کر وسیم کو دلا دیں تو کیسا ہے؟ وسیم اگر دلالوں سے تقاضہ کرتا ہے کہ میں نے 132 خریدا ہے، تو آپ مجھے 132 دو اور دلال وسیم کو کہہ سن کر 132 دلا دیتے ہیں، تو وہ کیسا ہے؟

المستفتی: وقار احمد درگاہی، گودھرا، گجرات

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب پلاٹ ۱۳۲ کے بارے میں معاہدہ طے ہوا ہے، تو بیچنے والے پر پلاٹ نمبر ۱۳۲/ ہی دینا لازم ہے۔ اور پلاٹ نمبر ۱۳۲/ کی جگہ پر پلاٹ نمبر ۱۳۱/ کا پیش کرنا معاہدہ شکنی ہے، جو ناجائز ہے؛ اس لئے کہہ سن کر جس پلاٹ کے بارے میں طے ہوا تھا اور بعد کے خریداروں نے اسی کو بیچا ہے، بائع کے اوپر اس بات پر دباؤ ڈالا جائے کہ اسی کی رجسٹری کرادے۔

وأما شرائط الصحة –إلی قوله– ومنها: أن یکون المبیع معلوما والثمن معلوما علما یمنع من المنازعة –إلی قوله– وأما أحکام، فالأصل له الملک في البدلین لکل منهما في بدل …… والتابع وجوب تسلیم المبیع والثمن. (البحر الرائق، کتاب البیوع، زکریا ٥/ ٤٣٦، کوئٹہ ٥/ ٢٦٠-٢٦١، هندیة، زکریا قدیم ٣/ ٣، جدید ٣/ ٦)

وأما الثالث وهو شرائط الصحة –إلی قوله– ومعلومیة المبیع ومعلومیة الثمن بما یرفع المنازعة. (شامي، زکریا ٧/ ١٥، کراچی ٤/ ٥٠٥، الموسوعة الفقهیة الکویتیة ١٣/ ٤٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱/ صفر المظفر ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۰۹۶۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۱/ ۲/ ۱۴۳۴ھ

گلوکوز کی خرید وفروخت کا حکم

سوال [۸۶۳۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے یہاں ایک ''شئ گلوکوز'' نام کی جو کہ سیال بھی ہے اور پاؤڈر ٹائپ میں بھی ہے، کئی دوکانوں میں فروخت ہوتی ہے، جس کا استعمال ہمارے یہاں عموماً نقلی دودھ بنانے میں ہوتا ہے اور بمشکل تمام 20% بچوں کے کھائے جانے والے چاکلیٹ یا دوسری چیزوں میں استعمال ہوتا ہے، دودھ والے حضرات یہ دونوں قسم کی گلوکوز یعنی سیال اور پاؤڈر اور ڈالڈا گھی اور کاسٹک سوڈا ہمارے یہاں سے خرید کر نقلی دودھ بناتے ہیں اور ڈیری والوں کو دھوکہ سے بیچتے ہیں، اس میں دورائے نہیں کہ وہ دودھیا حضرات دوسروں کو دھوکہ دیتے ہیں؛ لیکن ہمارا مذکورہ چیزوں کو بیچنا کوئی دھوکہ نہیں، ڈالڈا گھی تو ہر جگہ ملتا ہے، کاسٹک سوڈا بھی ہر دوکان پر ملتا ہے، اسی طرح گلوکوز بیچنے والے بھی کئی دوکاندار ہوتے ہیں۔ مسئلہ دریافت طلب یہ ہے کہ ہمارے لئے تو اس کا بیچنا کوئی گناہ نہیں، مگر مسئلہ یہ ہے کہ اس کے ذریعہ سے دودھیا حضرات نقلی دودھ بنا کر دوسروں کو دھوکہ دیتے ہیں، کیا ہم بھی اس دھوکہ میں شریک ہیں؟

المستفتی: مولوی ظہیر احمد، مدرسہ انوار العلوم جویا، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آپ کے لئے مذکورہ چیزوں کا بیچنا شرعاً جائز ہے اور آپ دھوکہ دینے والوں میں شمار نہیں ہوں گے، جیسا کہ ''درمختار'' کی اس عبارت سے مستفاد ہوتا ہے:

وجاز بيع عصير عنب ممن يعلم أنه يتخذه خمرا؛ لأن المعصية لا تقوم بعينه، بل بعد تغيره. (الدرمع الرد، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره، زكريا ۹/ ٥٦٠- ٥٦١، كراچی ٦/ ٣٩١، تبيين الحقائق، زكريا ٧/ ٦٤، إمداديه ملتان ٦/ ٢٩، الأشباه والنظائر، قديم، ص: ٥٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ر جمادی الثانیہ ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۹۰۲/۳۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۷/۶/۱۰ھ

چوری کا اڈا بنانے والے کو زمین فروخت کرنے کا حکم

سوال [۸۶۳۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کیا ایسے شخص کو اپنی زمین یا پلاٹ فروخت کرنا درست ہے جس سے یہ اندیشہ ہو کہ وہ اس جگہ کو چوری کا اڈا بنا کر استعمال کرے گا؟

المستفتی: جمیل احمد، ایم پی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اپنی زمین یا پلاٹ کسی کے بھی ہاتھ فروخت کرنا جائز ہے؛ البتہ محلّہ والوں کی خیرخواہی اور تقویٰ کی بات یہ ہے کہ چوروں کے ہاتھ بیچنے کے بجائے اچھے آدمیوں کے ہاتھ فروخت کیا جائے۔

عن تميم الداري –رضي الله عنه– أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: الدين النصحية، قلنا: لمن؟ قال: لله، ولكتابه، ولرسوله، ولأئمة المسلمين، وعامتهم. (مسلم شريف، باب بيان أن الدين النصيحة، النسخة الهندية ١/ ٥٤، بيت الأفكار، رقم: ٥٥)

وكذا إسلام البائع ليس بشرط لانعقاد البيع، ولا لنفاذه، ولا لصحته بالإجماع، فيجوز بيع الكافر وشراءه. (بدائع، البيوع، فصل في شرائط ركن البيع، كراچی ٥/ ١٣٥، زكريا ٤/ ٣٢١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱/۷/۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۸۸۸۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۴/۷/۱۴۲۶ھ

ویزا کی خرید وفروخت

سوال [۸۶۳۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: کوئی شخص حکومت سے اجازت لے کر دوکان کرتا ہے، جس میں اس شخص کو چار ویزے ملتے ہیں، مذکورہ شخص دو ویزہ مبلغ چھ چھ ہزار درہم میں فروخت کر دیتا ہے، خریدار یہاں آکر اپنا کام یا دوسری جگہ نوکری کرتا ہے، تو کیا یہ پیسہ اس کے لئے جائز ہوگا؟ واضح رہے کہ یہاں اس طرح اکثر لوگ ویزا بیچتے ہیں، اگر ان سے پوچھئے تو کہتے ہیں: دوکان کا خرچ کفیل کا خرچ تو نکالنا پڑتا ہے، یہ ویزا تین سال کا ہوتا ہے، تین سال کے بعد اگر وہ شخص تجدید کرے تو کچھ پیسہ لے کر تجدید کر دیتے ہیں، اس مدت میں اس سے کوئی خرچ نہیں لیا جاتا۔

المستفتی: حبیب اللہ تاج شاہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حکومت کی جانب سے دوکان کرنے والوں کو جو ویزا ملتا ہے، وہ ان کا حق ہے، وہ اس کو چاہیں تو بیچ سکتے ہیں۔ اور اس کی آمدنی کا استعمال کرنا بھی جائز ہوگا، بشرطیکہ اس کام کو کرنے میں عزت پر کوئی آنچ نہ آتی ہو؛ کیوں کہ یہ ایک خلاف قانون کام ہے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۱/۴۳، امداد الفتاویٰ ۴/۵۸۰)

فإنهم قالوا: يجوز أخذ العوض على وجه الإسقاط للحق، ولا ريب أن الفارغ يستحق المنزول به استحقاقا خاصا. (شامي، كتاب البيوع، مطلب في العرف الخاص والعام، زكريا ٧/ ٣٦، كراچی ٤/ ٥٢٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲ ؍ ربیع الاول ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۶۹۳)

اخبار کی خریداری کی قیمت کو فیس قرار دینے کا حکم

سوال [۸۶۳۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے یہاں اخباروں، ماہنامہ رسالوں میں کچھ دینی سوالات اور معمہ آتے

ہیں اوران کو بغیرادائیگی فیس صرف صحیح جواب اوردرست کرنے پرادارہ انعام دیتا ہے، بندہ نے ان کے متعلق ''فتاویٰ محمودیہ، جواہر الفقہ، امداد الفتاویٰ'' وغیرہ کتب میں دیکھا، جس سے یہ بات سمجھ میں آئی کہ وہ معمہ جات جس میں حل کرنے والے کو فیس ادا کرنی پڑے، پھر درست حل پر انعام ملے یہ سود وقمار ہے؛ لیکن اگر حل کرنے والے کو کچھ فیس ادا نہ کرنی پڑے اور صحیح ودرست پر انعام کا مستحق ہوجائے تو یکطرفہ صورت قمار کی نہیں ہے؛ لیکن اگر ان اخباری اور ماہنامہ کے معموں کے متعلق غور کیا جائے تو یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ ظاہری طور پر ان معموں کے حل کرنے کی فیس نہیں لی جاتی؛ لیکن ان اخبار اور ماہنامہ رسالوں کو بیچ کر حل کرنے والا ان کو خرید کر دوسرے طریقہ سے فیس ادا کرتا ہے؛ اس لئے کہ ان معموں کے حل کے شرائط میں سے ایک شرط یہ ہوتی ہے کہ اصل کتاب کی ٹوکن ہی پر جوابات اور خالی جگہ پر کی جائے، اس کی زیروکس کرکے اگر حل بھیجا جائے تو وہ قابل اعتناء نہ ہوگا، تو اس شرط کی وجہ سے ہر معمہ بھیجنے والے کو وہ رسالہ یا اخبار خریدنا پڑتا ہے، اس طرح ان اخباری اور ماہنامہ رسالوں کے معموں میں بھی دوسرے طریقہ سے فیس لی یا ادا کی جاتی ہے، ناچیز کے اس خلجان کو دفع فرمائیں۔

المستفتی: محمد قاسم جھلرہ بجنور یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: رسالہ یا اخبار خریدنے کی جو قیمت ہے اس کو فیس قرار دینا احقر کی سمجھ میں نہیں آتا؛ کیوں کہ رسالہ یا اخبار کی جو قیمت دی جاتی ہے وہ تو خود اس اخبار اور رسالہ کی مناسب قیمت ہے؛ البتہ اگر مناسب قیمت سے زیادتی ہوتی ہے تو فیس شمار ہوسکتی ہے؛ اس لئے احقر کی سمجھ سے بالاتر ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۳/۱۱/۱۴۱۵ھ	احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۲۱۶)	۲۳/۱۱/۱۴۱۵ھ

ہوٹل والوں کا زیادہ قیمت میں کھانا فروخت کرنے کا حکم

سوال [۸۶۳۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: بنگال کے بعض مقامات پر بس والے ہوٹلوں پر بس روکتے ہیں اور مسافران ہوٹلوں پر کھانا کھاتے ہیں، مشروبات پیتے ہیں اور عام ریٹ سے ہوٹل والے زیادہ رقم لیتے ہیں، جب کہ ڈرائیور بس کا عملہ یا ان کا مہمان بھی کھانے میں شریک ہوتا ہے اور ان سے رقم نہیں لی جاتی، تو اس میں دو باتیں دریافت طلب ہیں: (۱) آیا یہ کھانا ڈرائیور اور دیگر عملہ کے لئے حلال ہے یا حرام؟ (۲) کیا ہوٹل والے کے لئے زیادہ رقم لینا جائز ہے؟

المستفتی: عبدالعزیز قاسمی، تھانہ برہان الدین، ضلع بھول بنگال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مسئولہ میں یہ کھانا ڈرائیور اور بس کے دیگر عملہ کے لئے حلال ہے؛ کیوں کہ یہ کھانا احسان کے بدلے میں کھلایا جاتا ہے۔

فإذا أحسن الناس، فأحسن معهم. (صحیح البخاري، الأذان، باب إمامة المفتون والمبتدع تعليقاء النسخة الهندية ١/ ٩٦، مصنف عبدالرزاق، المجلس العلمي ١/ ٥٢٠، رقم: ١٩٩١)

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– يخبرهم بذلک عن النبي صلی اللہ علیہ وسلم قال: إذا كفى أحدكم خادمه طعامه حره ودخانه، فليأخذ بيده، فليقعده معه، فإن أبى فليأخذ لقمة، فليطعمه إياها. (ترمذي، باب ما جاء في الأكل مع المملوك والعيال، النسخة الهندية ٢/ ٦-٧، رقم: ١٨٥٣، مسند أحمد بن حنبل ٢/ ٢٩٩، رقم: ٧٩٦٨، مسند البزار، مكتبة العلوم والحكم ١٥/ ٣٢١، رقم: ٨٦٦٤)

(۲) ہوٹل والے اپنی چیز کے مالک ہیں؛ اس لئے ان کو حق بنتا ہے کہ وہ زیادہ رقم پر اپنی اشیاء کو فروخت کریں اور یہ ان کے لئے جائز ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۱۳/ ۲۴۹)

والمالک هو المتصرف في الأعيان المملوكة كيف شاء من الملک. (بيضاوي، مكتبه رشيد/ ٧)

كل يتصرف في ملكه ماشاء. (شرح المجلة رستم، مكتبه اتحاد ديوبند ١/ ٦٥٤، رقم المادة: ١١٩٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍جمادی الثانیہ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۶۷۴۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۶/۹ھ

قانوناً پابندی شدہ جنگلات سے لکڑیاں کاٹ کرلانا

سوال [۸۶۳۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے علاقہ میں جنگلات کی دوقسمیں ہیں: ایک تو وہ ہیں جن پر سرکاری آدمی متعین ہیں، دوسرے وہ ہیں جن پر سرکاری آدمی متعین نہیں ہیں، لوگ دونوں جنگلات سے لکڑیاں کاٹ کر لاکر فروخت کرتے ہیں، تو ان دونوں جنگلات سے لکڑیاں کاٹ کر خریدنے اور فروخت کرنے میں کیا حکم ہوگا؟

المستفتی: مفتی عتیق الرحمٰن، مدرسہ اسلامیہ، ناگپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جنگل کی چیزیں ملکیت عامہ مباحہ ہوتی ہیں، ان سے لکڑیاں کاٹ کر فروخت کرنا اور خریدنا سب درست ہے۔

والحطب في ملك رجل ليس لأحد أن يحتطبه بغير إذنه، وإن كان غير ملك فلا بأس به، ولا يضر نسبته إلى قرية أو جماعة ما لم يعلم أن ذلك ملك لهم. (شامي، كتاب إحياء الموات، فصل الشرب، زكريا ١٠/ ١٦، كراچى ٦/ ٤٤٠)

البتہ جن جنگلات پر قانوناً پابندی لگی ہوئی ہو اور سرکاری لوگ متعین ہوں، تو چونکہ کسی حکومت کے تحت رہنے میں اس کے قانون کی پابندی بھی لازم ہوتی ہے اور اس کے خلاف کرنے میں قانونی چوری ہوتی ہے، جس سے عزت ومال دونوں کا خطرہ ہوتا ہے؛ اس لئے قانوناً پابندی شدہ جنگلات سے لکڑیاں کاٹ کرلانا کراہت سے خالی نہیں ہوگا۔ (مستفاد: فتاوی احیاء العلوم، ص: ۲۵۰، فتاوی محمودیہ قدیم ۱۳/ ۳۵۴، جدید ڈابھیل ۱۶/ ۱۴۸)

قال اللّٰه تعالىٰ: وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ. [البقرة: ١٩٥]

عن حذيفة –رضي اللّٰه عنه– قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه

وسلم: لا ينبغي للمومن أن يذل نفسه، قالوا: وكيف يذل نفسه؟ قال: يتعرض من البلاء لما لايطيق. (سنن الترمذي، أبواب الفتن، النسخة الهندية ۲/ ۵۰، ۵۱، دارالسلام، رقم: ۲۲۵۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍جمادی الثانیہ ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۴۰۶۴)

سرکاری جنگلات کی لکڑیوں کی خرید وفروخت کا حکم

سوال [۸۶۳۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے اطراف واکناف میں لکڑی ساگون کے جنگلات ہیں اور وہ دو طرح کے ہیں، ایک تو وہ ہیں جن پر سرکاری آدمی متعین ہیں یا سرکار نے تاروں وغیرہ کے ذریعہ احاطہ کر رکھا ہے۔ اور دوسرے وہ ہیں جن پر نہ سرکاری آدمی متعین ہے اور نہ ہی کسی قسم کا احاطہ، تو اگر کوئی آدمی خفیہ طور پر اس کی لکڑیاں کاٹ کر لائے اور فروخت کرے، تو اس کا فروخت کرنا اور لینا شرعاً کیسا ہے؟ یاد رہے کہ دوسری قسم کا جنگل اگرچہ اس کا سرکار نے احاطہ نہیں کیا ہے اور نہ ہی آدمی متعین ہے؛ لیکن جنگل سے ملحق شہر کی پولیس کو اس کی اطلاع ہوجائے تو پولیس اس پر سرزنش کرتی ہے۔

المستفتی: مفتی عتیق الرحمٰن صاحب

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگرچہ ایسے جنگلات سے لکڑیاں لاکر فروخت کر کے جو پیسہ حاصل ہوگا وہ حلال ہے، مگر اپنے آپ کو خطرہ میں ڈالنا بھی شرعاً ممنوع ہے؛ اس لئے: ﴿وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ﴾ [البقرة: ۱۹۵] کے تحت داخل ہوکر ممنوع وناجائز ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳/۱۱/۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۴۲۱۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۳/۱۱/۱۴۱۵ھ

دریائی جانوروں کی بیع اور ان کے کھانے کا حکم

سوال [۸۶۳۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بعض علاقوں میں گھونگھا، سیپی، کیکڑا، کچھوے اور کچھوا کے انڈے کی تجارت ہوتی ہے، تو ان دریائی جانوروں کی بیع کرنا اور کھانا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: مولانا شہیر الدین مغربی بنگال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دریائی جانوروں میں سے سوائے مچھلی کے کسی جاندار کا کھانا درست نہیں۔ اور سوال میں ذکر کردہ جانور مچھلی میں داخل نہیں ہیں۔

ولا يوكل من حيوان الماء إلا السمك. الخ (هداية، كتاب الذبائح، فصل فيما يحل أكله وما لا يحل، أشرفی ٤/ ٤٤٢، المبسوط للسرخسي، دارالكتب العلمية بيروت ١١/ ٢٤٨، مختصر القدوري، ص: ٢٢٦)

البتہ ان جانوروں سے انتفاع کیا جاتا ہے، مثلاً کیکڑے کو جلا کر شہد میں ملا کر پرانی کھانسی کے لئے استعمال کرنا بہت مفید ہے۔ اور سیپی سے چونا بنایا جاتا ہے؛ لہٰذا ان کی بیع درست ہے، اور اس کا پیسہ بھی حلال ہے۔

والصحيح أنه يجوز بيع كل شيء ينتفع به. (هندية، كتاب البيوع، الباب التاسع، الفصل الرابع زكريا قديم ٣/ ١١٤، جديد ٣/ ١١٥)

أن جواز البيع يدور مع حل الانتفاع. (الفتاوى التاتارخانية ٨/ ٣٤٠، رقم: ١٢١٢٥، المحيط البرهاني، المجلس العلمي ٩/ ٣٣٢، رقم: ١١٩٩٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۰۷۵)

مردار کی ہڈی، دانت، سینگ، پٹھے کی خرید وفروخت کا حکم

سوال [۸۶۳۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مردار کی ہڈی اور مردار کا بال اور مردا کی سینگ اور پٹھے وغیرہ پاک ہیں یا ناپاک؟ ان اشیاء کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟ اسی طرح ان کی تجارت بھی جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: نیاز احمد فاروقی، حلال ٹرسٹ جمعیۃ العمار ہند

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مردار کے وہ تمام اجزاء پاک اور قابل انتفاع ہیں، جن میں خون نہ ہو؛ لہٰذا مردار جانور کی سینگ، ہڈی، دانت، کھر، بال، پٹھے وغیرہ یہ سب کے سب قابل انتفاع ہیں، ان سب چیزوں کی تجارت اور ان کا پیسہ جائز اور حلال ہے۔ اور ان کو جانوروں کے غذا کی شکل دے کر جانوروں کو کھلانا بھی بلا شبہ جائز ہے۔

لا بيع جلود الميتة قبل الدباغ، ويجوز بعده وينتفع به، ويباع عظمها وينتفع به، وكذا عصبها، وقرنها، وصوفها، وشعرها، ووبرها، وكذا عظم الفيل خلافا لمحمد، وتحته في مجمع الأنهر: المختار قولهما. (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، جديد ۳/ ۸۵)

اور بدائع کی عبارت اور زیادہ واضح ہے، ملاحظہ فرمائیے:

أما الأجزاء التي لا دم فيها، فإن كانت صلبة كالقرن، والعظم، والسن، والحافر، والخف، والظلف، والشعر، والصوف، والعصب، والأنفحة الصلبة، فليست بنجسة عند أصحابنا. (بدائع الصنائع، كتاب الطهارة، فصل في حكم الميتة، زكريا ۱/ ۱۹۹، كراچی ۱/ ۶۳، الموسوعة الفقهية الكويتية ۴۰/ ۷۴)

اور ''تاتارخانیۃ'' کی عبارت ملاحظہ فرمائیے:

أما شعر الميتة، وعظمها، وصوفها، وقرنها فلا بأس بالانتفاع بها،

وبيع ذلك كله جائز، وقوله: أما العصب ففيه روايتان في رواية جاز الانتفاع به وبيعه. (تاتارخانية، كتاب البيوع، الفصل السابع في بيع المحرمات، زكريا ٨/ ٣٤٢، رقم: ١٢١٣٣، محيط البرهاني، كتاب البيوع، الفصل السادس في ما يجوز بيعه وما لايجوز، جديد بيروت ٩/ ٣٣٤، رقم: ١١٩٩٨، كوئٹه ٧/ ٣٠٧، هندية، كتاب البيوع، الباب التاسع فيما يجوز بيعه وما لايجوز، الفصل الخامس، مطلب في بيع المحرمات، زكريا وكوئٹه ٣/ ١١٥، جديد زكريا ٣/ ١١٦)

عن ابن عباس -رضي الله عنه- قال: سمعت رسول الله ﷺ: قال: قل لا أجد فيما أوحي إلي محرما على طاعم يطعمه ألا كل شيء من الميتة حلال إلا ما أكل منها، فأما الجلد، والقرن، والشعر، والصوف، والسن، والعظم، فكل هذا حلال؛ لأنه لا يذكي. (سنن داراقطني ١/ ٤٣، رقم: ١١٧)

اورشامی کی عبارت ملاحظہ فرمائیے:

شعر الميتة، وعظمها، وعصبها على المشهور وحافرها، وقرنها الخالية عن الدسومة، وفي الشامية: قيد للجميع كما فى القهستاني. (شامي، كتاب الطهارة، باب المياه، مطلب في أحكام الدباغة، زكريا ١/ ٣٥٩، كراچى ١/ ٢٠٦)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/۱۱/۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۸۱۲/۴۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۲/۱۱/۱۴۳۵ھ

مردار جانور کے کچے چمڑے اور ہڈی کی خرید وفروخت کا حکم

سوال [۸۶۳۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مردار جانور کا چمڑا کچا ہوتو اس کی ہڈی کا خریدنا بیچنا درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: رحمت اللہ قاسمی سنبھل، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مردار کی کھال تازہ اور کچی حالت میں فروخت کرنا جائز نہیں ہے۔ اور سوکھ جانے کے بعد وہ پاک ہو جاتی ہے؛ اس لئے خشک ہونے کے بعد اس کا فروخت کرنا جائز اور درست ہے۔ اور مردار کی ہڈی جس پر چکناہٹ اور تری ہو تو اس کی خرید وفروخت جائز نہیں ہے۔ اور اگر ہڈی پر تری اور چکناہٹ نہیں ہے، تو اس کی خرید وفروخت جائز ہے۔ (مستفاد: فتاوی دار العلوم ۱۴/ ۳۷۰)

عن ابن عباس –رضي الله عنه– في قوله عز وجل: ﴿قُلْ لَا اَجِدُ فِيْ مَا اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ يَطْعَمُهُ﴾ قال: الطاعم: الأكل فأما السن، والقرن، والعظم، والصوف، والشعر، والوبر، والعصب، فلا بأس به؛ لأنه يغسل، وقال شبابة إنما حرم من الميتة مايوكل منها، وهو اللحم، فإما الجلد والسن، والعظم، والشعر، والصوف فهو حلال. (سنن داراقطني، دارالكتب العليمة بيروت ۱/ ۴۲، رقم: ۱۱۲)

لا يتنجس من الميتة عشرة أشياء: الشعر، والصوف، والوبر، والريش، والحافر، والقرن، والظفر، والظلف، والعظم، والعصب إذا لم يكن عليه دسومة، ولا لحم ولا دود. وفي الذخيرة: وأما العصب ففيه روايتان: في رواية: جاز الانتفاع به، وبيعه؛ لأنه طاهر. وفي الظهيرية: قال أبوحنيفة رحمه الله: لا بأس بالانتفاع بحافر الميتة، وظلفها، وعظمها. وفي الملتقط: عظام الفيل بعد ما جف طاهرة يجوز بيعها. (تاتارخانية ۱/ ۴۴۶، رقم: ۱۱۵۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/ شعبان ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۹۹۵)

حلال جانوروں کے کون کون سے اعضاء کی تجارت جائز ہے؟

سوال [۸۶۴۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بھینس، بیل، بکری کے جسم کی کون کون سی چیز کی تجارت کر سکتے ہیں؟ جیسے کہ ان تینوں جانوروں کے پیٹ میں پتا ہوتا ہے، اس کے پانی کی تجارت دیگر ملکوں میں ہوتی ہے، پتے کا پانی اس کو ابال کر خشک کیا جاتا ہے، اس میں کیا گنجائش ہے؟ واضح فرمائیے۔

المستفتی: محمد ظریف قریشی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر حلال جانور کو جائز طریقہ سے ذبح کیا گیا ہو تو اس کے سارے اعضاء پاک ہیں اور اس کی تجارت جائز ہے؛ البتہ اس کا دم سائل حرام ہے اور اس کی تجارت بھی جائز نہیں ہے۔ اور اس کے پتے، مثانہ، بچہ دانی، ذکر اور غدود اور خصیتین وغیرہ کھانا مکروہ ہے؛ لیکن تجارت ان کی بھی جائز ہے؛ اس لئے کہ ان چیزوں کو بطور دوا اور علاج کے استعمال کرنے کی گنجائش ہے۔

والحاصل أن جواز البيع يدور مع حل الانتفاع. (شامي، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مطلب في بيع دودة القرمز، زكريا ۷/ ۲۶۰، كراچی ۵/ ۶۹، الموسوعة الفقهية الكويتية ۹/ ۱۵۵، ۱۷/ ۲۸۱، مجمع الأنهر، مصري قديم ۲/ ۱۰۸، دارالكتب العلمية بيروت ۳/ ۱۵۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ رشعبان ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۷۸۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۸/۷ھ

مرغ وغیرہ جانوروں کو زندہ فروخت کرنے کا حکم

سوال [۸۶۴۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: آج کل جورواج چل پڑا ہے کہ مرغ کو زندہ ہی حالت میں بیچتے خریدتے ہیں، اس طرح کی خریداری از روئے شرع مباح ہے یا حرام؟ اگر ناجائز وحرام ہے، تو کیوں؟ کیا اس سلسلے میں قرآن وسنت یا کتب فقہ میں کوئی صراحت موجود ہے؟ کیا اس طرح بیچنا خریدنا اور کھانا سب حرام ہے؟ کیا اس سلسلے میں کوئی واضح شرعی ضابطہ موجود ہے کہ کون سی چیز کس طرح اور کس پیمانے سے بیچی جائے؟ برائے کرم صاف مفصل واضح مدلل جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: اظہار الحق، مبارک پور، اعظم گڑھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مرغ کو زندہ حالت میں روپیہ پیسے کے عوض میں فروخت کرنا بلا کراہت جائز اور درست ہے، چاہے گن کر فروخت کیا جائے یا تول کر ہر طرح جائز ہے، اس میں ناجائز ہونے کی کوئی علت نہیں، اسی طرح گائے، بھینس، بکری، مچھلی وغیرہ تمام حلال جانوروں کو زندہ حالت میں پیسوں کے عوض میں تول کر اور شمار کر کے ہر طرح سے فروخت کرنا جائز اور درست ہے۔

وقال محمد: إن كان بغير جنسه كلحم البقر، بالشاة الحية جاز كيفما كان. الخ (شامي، كتاب البيوع، باب الربا، زكريا ٧/ ٤١٥، كراچى ٥/ ١٨٠، حاشية چلپى مكتبه إمداديه ملتان ٤/ ٩١، زكريا ٤/ ٤٦٠)

قال أبو حنيفة وأبو يوسف يجوز بيع اللحم بالحيوان؛ لأن الحيوان وهو بيع موزون بغير موزون. الخ (أوجز المسالك، قديم ٥/ ١٠٥، جديد دارالقلم)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸؍ صفر ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۶۹۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۸/ ۲/ ۱۴۱۷ھ

زندہ جانور تول کر بیچنا

سوال [۸۶۴۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: جانور کو زندہ تول کر خرید سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: محمد اقبال شمسی طویلہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زندہ جانور کو روپئے پیسے کے عوض تول کر بیچنا جائز اور درست ہے؛ کیوں کہ اس زمانے میں وزن اور تول سے زندہ جانوروں کی خرید فروخت ہونے لگی ہے، اس بنا پر معمولی جہالت نزاع کا سبب نہیں ہوتی؛ لہٰذا بیع درست ہے۔
(مستفاد: احسن الفتاوی دہلی ۶/ ۴۹۷، ایضاح المسائل/ ۱۵۸)

كما استفاد من هذه العبارة، كما لو باعه بالأثمان وإن باعه بحيوان بغير مأكول اللحم جاز في ظاهر قول أصحابنا، وهو قول عامة الفقهاء، وفي المحلى: قال أبوحنيفة وأبويوسف: يجوز بيع اللحم بالحيوان؛ لأن الحيوان ليس من مال الربو، وهو بيع موزون بغير موزون. (أوجز المسالك ٥/ ١٠٥، فتح القدير، دارالفكر، مصرى قديم ٧/ ٢٧، كوئٹه ٦/ ١٦٧، زكريا ٧/ ٢٥، شامي، زكريا ٧/ ٤١٥، كراچى ٥/ ١٨٠، حاشية چلپى، إمداديه ملتان ٤/ ٩١، زكريا ٤/ ٤٦٠)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍ جمادی الثانیہ ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۱۸۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۶/۵ھ

مذبوحہ جانوروں کے اعضائے تناسل اور خون کی بیع کا حکم

سوال [۸۶۴۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مذبوحہ جانوروں کے اعضاء تناسل اور ان کے خون کی بیع جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے، تب تو صحیح، ورنہ بجائے ضائع کرنے کے دینی خدمات یا عوام کے مصارف ضروریہ میں کیا خرچ کرنا درست ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حلال جانوروں کے اجزاء میں سے جن اجزاء کا کھانا ممنوع ہے، وہ دو قسموں پر ہیں: (۱) وہ اجزاء جن کا استعمال حرام ہے، جیسا کہ دم مسفوح اس کی حرمت نص قطعی سے ثابت ہے، نہ اس کا کھانا جائز ہے اور نہ ہی اس کی خرید وفروخت جائز ہے، اس کو بیچ کر جو پیسہ آتا ہے وہ بھی حرام ہے۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ. [المائدة: ۳]

(۲) دوسری قسم وہ اجزاء جن کے استعمال کی ممانعت دلیل ظنی سے ثابت ہے، یعنی خبر واحد سے جیسے ذکر، خصیتین، قبل، غدود، مثانہ اور پتہ۔

وأما بيان ما يحرم أكله من أجزاء الحيوان المأكول، فالذي يحرم أكله منه سبعة الدم المسفوح، والذكر، والأنثيان، والقبل، والغدة، والمثانة، والمرارة، والمروي عن أبي حنيفة أنه قال: الدم حرام، وأكره الستة أطلق اسم الحرام على الدم المسفوح، وسمى ماسواه مكروها. (بدائع الصنائع، كتاب الذبائح، والصيود ما يستحب في الزكوة، زكريا ٤/ ١٩٠، كراچی ٥/ ٦١)

ان چیزوں کا کھانا تو مکروہ ہے؛ لیکن ان چیزوں کی خرید وفروخت اس لئے جائز ہے کہ یہ چیزیں کھانے کے علاوہ بطور علاج استعمال ہوسکتی ہیں؛ اس لئے ان کی بیع بھی جائز اور پیسہ بھی حلال ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۶۵۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۷/۵/۱۴۲۱ھ

سمندری کیکڑے کی خرید وفروخت کا حکم

سوال [۸۶۴۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: حنفیوں کے لئے سمندر کا کیکڑا فروخت کرنا کیسا ہے، جائز ہے یا نہیں؟ جو لوگ اس کو فروخت کرتے ہیں، وہ اس پیسہ کے مالک ہوتے ہیں یا نہیں؟ نیز ان کے گھر کا کھانا کھانا اور ان سے تعلق رکھنا درست ہے یا نہیں؟ مدلل جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: رضاء الکریم قاسمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: حنفیہ کے نزدیک کیکڑے کو کھانے کے لئے بیچنا اور خریدنا جائز نہیں ہے؛ لیکن اگر اس کا استعمال دوائیوں میں ہوتا ہے جیسا کہ معتبر اطباء سے معلوم ہوا ہے کہ کیکڑے کی کھال کا استعمال پھیپھڑے کی دوائیوں میں ہوتا ہے، تو ایسی صورت میں اس کو بیچنا اور خریدنا جائز ہے۔ اور مالک بیچنے کی وجہ سے اس پیسہ کا مالک ہوجائے گا، اور اس کی دعوت وغیرہ قبول کرنا بھی جائز ہے۔

الحاصل أن جواز البيع يدور مع حل الانتفاع. وفي الشامية: يجوز بيع الحيات إذا كان ينتفع بها للأدوية وما جاز الانتفاع بجلده أو عظمه، أي من حيوانات البحر أو غيرها. (شامي، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مطلب في بيع دودة القرمز، زكريا ۷/ ۲٦۰، كراچی ۵/ ٦۹، الموسوعة الفقهية الكويتية ۹/ ۱۵۵، ۱۷/ ۲۸۱، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ۳/ ۱۵۱، مصري قديم ۲/ ۱۰۸)

ولو دعي إلى دعوة، فالواجب أن يجيبه إلى ذلک، وإنما يجب عليه أن يجيبه إذا لم يكن هناک معصية ولا بدعة. (عالمگيري، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات، زكريا قديم ۵/ ۳۴۳، جديد ۵/ ۳۹۷)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍ جمادی الثانیہ ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۷۷۰۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۶/۱۶ھ

کتے کی بیع کی شرعی حیثیت

سوال [۸۶۴۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک حنفی عالم جو اپنے آپ کو دارالعلوم دیوبند کی طرف منسوب کرتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ حنفی مسلک قرآن وحدیث سے بہت دور ہے، یہی وجہ ہے کہ پورے خلیج میں ڈھونڈ نے سے ایک حنفی بھی نہیں ملے گا۔ ''ہدایہ'' میں لکھا ہے کہ کتا فروخت کرنا جائز ہے، ایسے بہت سے واقعات ہیں۔

المستفتی: شفیع احمد الاعظمی، بحرین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس حنفی عالم کا سوال نامہ میں ذکر کیا گیا ہے اور جو اپنے آپ کو دارالعلوم دیوبند کی طرف منسوب کرتے ہیں اور اوپر سے اس جہالت کا بھی اظہار کرتے ہیں کہ حنفی مسلک قرآن وحدیث سے بہت دور ہے، اور اس پر یہ تنزیہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ ''ہدایہ'' میں لکھا ہے کہ کتا فروخت کرنا جائز ہے، تو اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ وہ صرف کرتا پائجامہ والے عالم ہیں؛ اس لئے یہ شخص نہ حنفی مسلک سے واقفیت رکھتا ہے اور نہ ہی حدیث رسول سے واسطہ ہے؟ کیا صحیح حدیث شریف میں اس بات کا ثبوت نہیں ہے کہ کلب معلم کو فروخت کرنا جائز اور درست ہے۔ حدیث شریف ملاحظہ فرمائیں۔

حدثنا أبوبكر النيسابوري، نا إسحاق بن الجراح، نا الهيثم بن جميل، ح وحدثنا عثمان بن أحمد الدقاق، نا محمد بن أحمد بن الوليد بن برد، نا الهيثم بن جميل، نا حماد بن سلمة، عن أبي الزبير، عن جابر قال: نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن ثمن الكلب والسنور، إلا كلب صيد. (سنن الدارقطني، كتاب البيوع، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ٦١، رقم: ٣٠٤٩)

حدثنا محمد بن القاسم بن زكريا، نا أبو كريب، محمد بن العلاء، نا سويد بن عمرو، عن حماد بن سلمة، عن أبي الزبير، عن جابر قال: نهى

رسول الله صلى الله عليه وسلم عن ثمن السنور والكلب، إلا كلب صيد.

(سنن الدارقطني، كتاب البيوع، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ٦١، رقم: ٣٠٥٠)

عن جابر بن عبدالله أن رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن ثمن الكلب والسنور، إلا كلب صيد. (نسائي شريف، البيوع، باب بيع الكلب، النسخة الهندية ٢/ ٢٣٠، دارالسلام، رقم: ٤٦٦٨)

قال الحافظ في الباري: أخرجه النسائي بإسناد رجاله ثقات. (فتح الباري، البيوع، باب ثمن الكلب، أشرفيه ٤/ ٥٣٦، دارالفكر ٤/ ٤٢٧)

نیز بعض متعدد روایات میں کھیتی کے کتے کی فروختگی کا جواز بھی ثابت ہے؛ لیکن ان روایات کی صحت میں محدثین نے کلام کیا ہے، اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے کتے کا پیسہ حلال قرار دیا ہے اور اس پر کسی جاہل کو اشکال ہے تو اس کا اشکال اسی کو مبارک ہو، نیز یاد رکھئے کہ حنفی مسلک کے مسائل کے لئے احادیث شریفہ ڈھونڈی جائیں تو انشاء اللہ ہر ایک مسئلہ کے موافق حدیث رسول مل جائے گی، چاہے دلالۃ ہو یا اشارۃ یا اقتضاء ہو۔ فقط واللہ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲ رصفر ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۲۰/۵۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۲/۲۴ھ

انسانی وحیوانی فضلات کی خرید وفروخت کا حکم

سوال [۸۶۴۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: موجودہ زمانہ میں انسانی اور حیوانی فضلہ کا استعمال بطور کھاد ہوتا ہے۔ اور اس سے گیس بھی پیدا کی جاتی ہے؛ لہٰذا ایسی صورت میں انسانی وحیوانی فضلات کی خرید وفروخت جائز ہے یا نہیں؟ دونوں کا حکم الگ الگ ہے یا ایک ہے؟ جواب تحریر فرمادیں۔

المستفتی: کلیم احمد حسن پور، امروہہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: خالص انسانی فضلات کی خرید وفروخت کرنا مکروہ ہے، اور اگر وہ راکھ یا مٹی وغیرہ کے ساتھ مخلوط ہو اور وہ غالب ہو تو بلا کراہت جائز ہے۔ اور حیوانی فضلات کی خرید وفروخت بہر حال بلاکراہت جائز ہے۔

کره بيع العذرة رجيع الآدمي خالصة لا يكره بل يصح بيع السرقين، أي الزبل، ثم قال: وصح بيعها مخلوطة بتراب أو رماد غلب عليها في الصحيح. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره، فصل في البيع، زكريا ۹/ ۵۵۲، كراچی ٦/ ٣٨٥، البناية، أشرفيه ١٢/ ٢٠١، الموسوعة الفقهية الكويتية ٤٠/ ١٠٢، المحيط البرهاني، المجلس العلمي ٨/ ١٠٢، رقم: ٩٦٨٧، الفتاوى التاتارخانية، زكريا ١٨/ ٢٣٥، رقم: ٢٨٦١٥، هندية، زكريا قديم ٣/ ١١٦، جديد ٣/ ١١٧، أحسن الفتاوى ٦/ ٣٢١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۰۴۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۵/ ۵/ ۱۴۲۴ھ

بریلوی مسلک کے لوگوں کو زمین فروخت کرنے کا حکم

سوال [۸۶۴۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہم نے گاؤں میں ایک دو بیگہ آراضی خریدی، اس زمین کو بریلوی مسلک کے لوگ ہم سے خرید کر ایک مدرسہ تعمیر کرنا چاہتے ہیں، جب کہ اس جگہ کے برابر میں ایک دیوبندی مسلک کا مدرسہ بھی ہے، تو ایسی صورت میں ہم اپنی زمین کو ان حضرات کے ہاتھوں فروخت کر سکتے ہیں؟ جو بھی حکم شرعی ہو واضح فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

المستفتی: فہیم انور قریشی، محلّہ اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: خرید وفروخت ایک اختیاری عمل ہے جو چاہے، بیچ سکتا ہے اور جو چاہے خرید سکتا ہے؛ لیکن جب آپ کو پہلے سے یہ بات نظر آرہی ہے کہ بریلوی مسلک کے لوگ یہاں ادارہ قائم کریں گے جس کی وجہ سے خوش عقیدہ دیوبندی مسلک کے ادارہ کے ساتھ ٹکراؤ اور مسلسل فتنہ کا ایک دروازہ کھل جائے گا جو دونوں طرف کے لوگوں کے لئے بے چینی اور بے قراری کا سبب ہوگا؛ اس لئے وہ زمین کسی دیوبندی مسلک کے آدمی کے ہاتھ فروخت کرنا زیادہ بہتر ہے۔

وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ. [البقرة: ۲۱۷]

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن الشيطان قد أيس أن يعبده المصلون في جزيرة العرب، ولكن في التحريش بينهم. (مسلم، كتاب صفة المنافقين، باب تحريش الشيطان ۲/ ۳۷٦، بيت الأفكار، رقم: ۲۸۱۲)

لكل واحد منهم أن يتصرف في حصته كيف ماشاء. (شرح المجلة رستم باز، اتحاد ديوبند ۱/ ٦٤۳، رقم: ۱۱٦۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳/ جمادی الثانیہ ۱۴۳۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۳۰۰۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۳/ ۶/ ۱۴۳۶ھ

۲ / باب الخیار

بیع کے تام ہونے کے بعد کسی ایک فریق کے بیع کو ختم کرنے کا حکم

سوال [۸٦۴۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مرحوم عبدالمنان خان کھرگون ایم پی نے اپنی زندگی میں شیخ حمید اسلام پور مہاراشٹر کو اپنی کھیتی کی زمین (قابل زراعت وپیداوار) ۸/۱ ایکٹر۴/ڈسمل جو۱۹۹۸ء میں مبلغ تین لاکھ ۳۲/ ہزارروپئے میں فروخت کی۔ مذکورہ رقم کی ادائے گی کی شکل فریقین میں اتفاق رائے سے اس طرح طے کی گئی پچاس ہزارروپئے ۱۵/ جون ۱۹۹۸ء کو، پھر ایک لاکھ روپئے یکم اگست ۱۹۹۸ء کو اور ایک لاکھ ۲۵/ ہزارروپئے یکم جنوری ۱۹۹۹ء کو یہ کل -/2,75,000 ہوئے باقی بچے -/57,000 روپئے، یہ رجسٹری ہوجانے کے بعد ادا کئے جائیں گے۔

غور طلب مسئلہ یہ ہے کہ -/2,75,000 روپئے یکم جنوری ۱۹۹۹ء تک ادا کرنے چاہئے تھے، مگر فروری ۲۰۰۰ء تک شیخ حمید نے صرف -/2,15,000 روپئے ہی ادا کئے ہیں اور باقی -/60,000 ساٹھ ہزار ابھی تک ادا نہیں کئے ہیں، تو ایسی صورت میں جب کہ ساٹھ ہزار کو ۱۲/ ۱۳/ سال کا طویل عرصہ گذر گیا ہے، تو کیا عبدالمنان مرحوم کے لڑکے شیخ حمید سے ساٹھ ہزار کا معاوضہ لے سکتے ہیں؛ کیوں کہ شیخ حمید نے وعدے کے مطابق ۱۹۹۹ء تک -/2,75,000 روپئے ادا نہیں کئے ہیں، زمین کی پوری قیمت ادا کئے بغیر ۱۲-۱۳/ سال سے اس زمین کی پیداوار حاصل کررہا ہے؛ لہٰذا عبدالمنان کے لڑکوں کو یا تو اس کا معاوضہ ملنا چاہئے یا پھر سودا کینسل کرنے کا اختیار رہنا چاہئے، شرعاً کیا حکم ہے؟

المستفتی: قیصر محمود خان کھرگون

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عبدالمنان کا شیخ حمید کو اپنی زمین بغیر کسی شرط کے ثمن

مؤجل کے ساتھ بیچ دینا اور شیخ حمید کا بائع کی اجازت سے اس پر قبضہ کر لینے سے وہ زمین اس کی ملکیت میں داخل ہوگئی، اب شیخ عبدالمنان کے لڑکوں کو مبیع کے کچھ ثمن کی ادائے گی نہ ہونے پر اس بیع کو تنہا اپنی طرف سے فسخ کرنے کا اختیار نہ ہوگا؛ بلکہ وہ صرف مابقیہ قیمت کے حقدار ہوں گے جس کی ادائے گی کے لئے شیخ حمید پر دباؤ ڈالا جائے گا۔ اور اگر دباؤ کے باوجود ساٹھ ہزار روپئے ادانہیں کرتا ہے تو پھر عبدالمنان کے لڑکوں کو عقد کے فسخ کرنے کا اختیار حاصل ہوجائے گا۔

إذا حصل الإيجاب والقبول لزم البيع. (تاتارخانية ۸/ ۲۲۲، رقم: ۱۱۷۱٤، هداية، كتاب البيوع، أشرفي ديوبند ۳/ ۲۰، الجوهرة النيرة، إمداديه ملتان ۱/ ۲۲٦، دارالكتاب ديوبند ۱/ ۲۲۰، ملتقى الأبحر، دارالكتب العلمية بيروت ۳/ ۱۰)

وللبائع حق حبس المبيع لاستيفاء الثمن إن كان الثمن حالا، وإن كان الثمن مؤجلا لم يكن له حق الحبس، وإذا استوفى الثمن وسلم المبيع أو سلم بغير قبض الثمن وبعضه مؤجل، أو قبض المشتري بإجازة البائع لفظا أو قبضه وهو يراه، ولا ينهاه ليس له أن يسترده ليحبسه بالثمن.

(تاتارخانية ۸/ ۲٤۲، رقم: ۱۱۷۷۸، الفقه الإسلامی وأدلته، هدى انٹرنیشنل ديوبند ٤/ ۱۷۸)

لأن أحد المتعاقدين لا ينفرد بالفسخ كمالا ينفرد بالعقد. (هداية، كتاب القضاء، باب التحكيم، مسائل شتى، اشرفيه ديوبند ۳/ ۱٤۷)

لأنه لما تعذر استيفاء الثمن من المشتري، فات رضا البائع، فيستبد بفسخه. الخ (هداية، أشرفی ديوبند ۳/ ۱٤۷، البحرالرائق، كوئٹه ۷/ ۳٦، زكريا ۷/ ٦۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍رجب ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۱۹۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۶/۷/۱۴۳۴ھ

عقد صحیح کے بعد واپسی پر مجبور کرنا

سوال [۸۶۴۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید اپنی زمین فروخت کرر ہا تھا، عمرو دوآدمیوں کو لے کر زید کے پاس آیا اور زید سے زمین کا سودا کرنا شروع کیا، زید نے اس کی قیمت پانچ ہزارروپیہ فی بیگہ خام کم ازکم بتائی، عمرو کے ساتھ اس کا لڑکا بھی تھا جو عاقل وبالغ ہے، عمرو نے اس کی قیمت ساڑھے تین ہزارروپیہ فی بیگہ خام لگائی، کچھ دن خاموشی رہی، اس کے بعد سے عمرو کے لڑکے نے پونے چار ہزارروپیہ فی بیگہ خام لگائی، اس کے بعد زید نے ہنس کر کہا کہ بیٹا تمہارے بس کی نہیں، پھر تقریباً پندرہ منٹ خاموشی رہی، عمرو کے ساتھ جو دوآدمی آئے تھے، ان میں سے ایک نے کہا کہ دونوں فریق کیوں خاموش ہوگئے؟ اس کے بعد زید نے ان دونوں آدمیوں کو اختیارات دے دئے، جن کو عمرو لے کر آیا تھا کہ تم کو کل اختیار ہے، چاہے جتنے میں طے کردو، پھر خاموشی رہی، کچھ دیر بعد عمرو نے بھی ان دونوں ہی آدمیوں کو اختیار دے دیا، اس کے بعد پیسے کا لین دین شروع ہوگیا اور اگلے ہی روز سے زید نے زمین عمرو کے قبضہ میں دے دی، کچھ دنوں بعد جب عمرو پاکستان جانے لگا تو زید سے یہ کہہ کر گیا کہ میرے لڑکے سے پیسے لینے کی کوشش کرنا، یہ پیسہ دینا نہیں چاہتا ہے، زید نے جب لڑکے سے پیسوں کو کہا تو آج کل کرتا رہا اور اس طرح دو مہینے عمرو کا لڑکا زید کو دھوکہ دیتا رہا، عمرو کے پاکستان سے آنے پر زید نے یہ واقعہ من وعن عمرو سے دوہرایا، جس پر عمرو نے خاموشی اختیار کی اور کوئی جواب نہیں دیا، اس کے بعد عمرو نے لوگوں سے یہ کہنا شروع کیا کہ زید مجھ کو زمین دینا نہیں چاہتا اور اس بات کو خوب شہرت دی، اس کے بعد لوگوں نے زید سے معلوم کیا، زید نے لوگوں سے کہا کہ یہ غلط ہے، جو لوگ ثالث ہیں وہ مجھے جو حکم دیں گے میں اس کا پابند رہوں گا، عمرو نے ان ثالثوں سے ایک مرتبہ بھی یہ نہیں کہا کہ فیصلہ دو اور زمین لکھوا دو، بلکہ زید کی تحقیر وتذلیل میں مستقل لگ گیا، کچھ دنوں کے بعد ان ثالثوں میں سے ایک آدمی کو

لے کرعمروزید کے پاس آیااور کہا کہ مجھے کسی قیمت پرزمین نہیں لینی ہے، میرا اجورو پیہ ہے وہ واپس کر دو، ان حالات میں اس زمین کی پیداوار عمرو نے کھائی، اس کے لئے شرعی حکم کیا ہے؟ اوراس پیدوار کا شرعی حکم کیا ہے؟

المستفتی: عبداللطیف قاسمی، قبصہ اکبرآباد، ضلع بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ حالات میں اگرفسادِعقد کی کوئی علت نہیں ہےاور نہ ہی زمین میں کوئی عیب سابق موجود ہے، عمرو کے لئے زید کو مجبور کر کے زمین واپس کرنا شرعاً جائز نہیں ہے؛ بلکہ عمرو پر واجب ہے کہ وعدہ کے مطابق زمین کی رقم ادا کرے۔

وإذا حصل الإيجاب والقبول لزم البيع، ولا خيار لواحد منهما إلا من عيب، أو عدم رؤية. الخ (هداية، كتاب البيوع، أشرفي ديوبند ٣/ ٢٠، الجوهرة النيرة، إمداديه ملتان ١/ ٢٢٦، دارالكتاب ديوبند ١/ ٢٢٠، تاتارخانية، زكريا ٨/ ٢٢٢، رقم: ١١٧١٤، ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ١٠-١١)

اورعمرو جب اس زمین کی پیداوار استعمال کر چکا ہے تو اب زمین کا واپس کرنا ہرگز درست نہیں ہے۔

باع كرما وسلمه، فأكل ………… (الدرالمختار، قبيل باب المرابحة والتولية، كراچی ٥/ ١٣٢، زكريا ٧/ ٣٤٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍ذیقعدہ ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۵۲۲/۲۵)

بیعانہ کی ادائے گی نہ کرنے پر کیا بیع کو ختم کیا جا سکتا ہے؟

سوال [۸۶۵۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: فدوی نے اپنی زمین کا سودہ ایک ہندو سے مبلغ دو لاکھ دس ہزار روپئے میں کیا تھا،

مورخہ: ۱/ ۷/ ۲۰۰۹ء کو اور اس نے فدوی کو ایڈوانس ایک لاکھ سڑسٹھ ہزار پانچ سو روپے دیئے، باقی رقم اس نے بیعانہ پر دینے کو کہا تھا، تاہم اس نے بیعانہ نہیں کروایا، بیع نامہ کی مدت ٦/ ماہ رکھی تھی، نہ اس نے رقم ادا کی اور اب اس معاملہ کو تقریباً تین سال تین ماہ گذر چکے ہیں، اب زمین کی قیمت سات لاکھ روپئے ہے، اس نے جو رقم ایڈوانس دی تھی، فدوی نے اس کو زمین جوتنے کی اجازت دے دی تھی، براہ کرم جواب تحریر فرمائیں۔

المستفتی: لیاقت حسین اعجاز نگر بریلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب بیع نامہ کی مدت چھ مہینے تھی اور چھ مہینے کی مدت گذر جانے کے بعد بھی اس نے بیع نامہ نہیں کیا ہے اور اسی پر تین سال سے زیادہ عرصہ گذر گیا ہے، تو ایسی صورت میں آپ کو بیع فسخ کر کے اس کا پیسہ اس کو دے کر اپنی زمین واپس لینے کا حق ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۵/ ۵۰٦)

فإذا عزم البائع على ترك الخصومة، تم الفسخ …… ولأنه لما تعذر استيفاء الثمن من المشتري، فات رضا البائع، فيستبد بفسخه.

(هداية، كتاب القضاء، باب التحكيم، مسائل شتى، اشرفيه ديوبند ٣/ ١٤٦، البحر الرائق، زكريا ٧/ ٦١، كوئٹه ٧/ ٣٦)

فيستبد بفسخه لفوات شرط البيع، وهو التراضي. (فتح القدير، زكريا ٧/ ٣٠٩، كوئٹه ٦/ ٤١٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳/ ذی الحجہ ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۰۸۷۹)

مدت متعینہ پر ثمن کی ادائے گی نہ ہونے پر بائع کو خیار فسخ حاصل ہے

سوال [۸٦۵۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: زید نے اپنی زمین خالد کوفروخت کی اور زید نے کہا کہ یہ زمین اس لئے فروخت کررہا ہوں کہ مجھے دوسری جگہ زمین خریدنی ہے، اگرآپ ایک مہینے کے اندر پوری رقم ادا کرسکتے ہیں، تو یہ زمین لیجئے، اگرآپ ایک مہینہ کے اندر رقم ادانہیں کرسکیں گے تو میں دوسری جگہ زمین نہیں خریدسکوں گا، تو خالد نے کہا کہ میں ایک مہینہ کے اندر پوری رقم ادا کردوں گا اور آدھی رقم زید کو دی اور وہ پڑھانے کے لئے باہر چلے گئے، بار باران کواطلاع بھی دی گئی؛ لیکن اس نے رقم ایک مہینہ کے اندر نہیں دی۔ اور زید نے یہ شرط لگادی تھی؛ لیکن اس نے رقم ایک مہینے کے اندر نہیں دی۔ اور زید نے یہ شرط لگادی تھی کہ اگر وہ زمین خرید نہیں سکا تو یہ زمین میں آپ کو نہیں دوں گا؛ اس لئے کہ یہ زمین فروخت کرنے کا مقصد دوسری زمین خریدنی ہے۔ اور خالد نے یہ رقم دس مہینے کے بعد ادا کی اور وہ زمین بھی زید کے ہاتھ سے نکل چکی ہے۔ اور خالد نے جو بقیہ رقم ادا کی تھی وہ زید کے بھائی کو دی تھی، زید کو نہیں دی تھی، تو کیا اس صورت میں خالد کو رقم لوٹائی جائے گی یا زمین لکھی جائے گی، جیسا کہ زید نے یہ شرط لگائی تھی کہ ایک مہینہ کے اندر پوری رقم ادا کرسکتے ہیں، تو آپ لیجئے ورنہ آپ کو میں زمین نہیں دوں گا۔

المستفتی: حافظ محمد اشفاق، بھاگلپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ میں درج کردہ صورت میں بیع مکمل منعقد نہیں ہوئی۔ اور بیع تام نہ ہونے کی وجہ سے زید کو اختیار ہے کہ رقم واپس کرکے اپنی زمین اپنے پاس رکھ لے۔

عن سليمان بن البرصاء قال: بايعت ابن عمر بيعا، فقال لي: إن جاء تنا نفقتنا إلى ثلاث ليال، فالبيع بيعنا، وإن لم تأتنا نفقتنا إلى ذلك فلا بيع بيننا وبينك، ولك سلعتك. (المحلى بالآثار، كتاب البيوع، دارالكتب العلمية بيروت ٧/ ٢٦٥، إعلاء السنن، دارالكتب العلمية بيروت ١٤/ ٥٧، رقم: ٤٦٢١)

فإن اشترى شخص شيئا على أنه أي المشتري إن لم ينقد ثمنه إلى

ثـلاثة أيـام فـلا بيع صح إستحسانا، خلافا لزفر فلو لم ينقد في الثلاث فسد (وفـي الشـامية) هذا لو بقي المبيع على حاله. (الـدر مع الشامي، كتاب البيوع، بـاب خيار الشرط، مطلب خيار النقد، كراچی ٤/ ٥٧١، زكريا ٧/ ١١٧، مجمع الأنهر، دارالـكتـب الـعلمية بيروت ٣/ ٣٦، هداية، أشرفي ديو بند ٣/ ٣٠، تاتارخانية، زكريا ٩/ ٥٣، رقم: ١٢٦٩١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍شعبان ۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۰۹۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۷؍۸؍۱۴۲۷ھ

مال میں نقص نکلنے پر کارخانہ دار پر ہرجانہ عائد کرنا

سوال [۸۶۵۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں نے یہاں کی ایک ایکسپورٹ کرنے والی فرم کو ایک سیمپل بنا کر دیا، اس کا آرڈر میرے پاس منظور ہوکر آ گیا اور میرے اور ایکسپورٹ پارٹی کے درمیان ریٹ طے ہوگئے اور میں نے آرڈر کا نصف حصہ بنا کر دے دیا، میں نے اپنی بقایا رقم مبلغ تین لاکھ ۵۷؍ ہزار روپیہ کا مطالبہ کیا، تو یہاں کی ایکسپورٹ پارٹی یہ کہہ رہی ہے کہ آپ نے مال خراب دیا تھا؛ اس لئے میری غیر ملکی پارٹی بطور ہرجانہ کاٹ رہی ہے جو کہ میں آپ کے روپیہ میں سے مجری کروں گا، کیا یہ اقدام جائز ہے یا ناجائز ہے؟ جب کہ انہوں نے مال لیتے وقت ایک ایک عدد کی چیکنگ کی تھی اور جو مال میں نقص تھا اس کی پھر میں نے مرمت کرا کر مال کو دوبارہ ٹھیک کر کے واپس کیا، اب وہ میرا ایک لاکھ پچھتر ہزار روپیہ بطور ہرجانہ کاٹ رہے ہیں، یہ جائز ہے کہ نہیں؟

المستفتی: محمد عرفان محلّہ طویلہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر آپ نے ایک ایک مال چیک کرا کے دیا ہے اور

ایکسپورٹر نے چیک کرکے لیا ہے اور پورے اطمینان کے بعد مال دوسرے ملک میں امپورٹ کے پاس پہنچنے کے بعد مال میں خرابی نکلی ہے تو اس کے ذمہ دار شرعی طور پر آپ نہیں ہیں؛ بلکہ اس کا ذمہ دار ایکسپورٹر ہی ہوگا؛ لہٰذا ایسی صورت میں ایکسپورٹر آپ سے ہرجانہ (کلیم) لینے کا حقدار نہیں ہے۔

وعلمت أن بيع المشتري للمعيب حبس للمبيع سواء علم بالعيب أو لم يعلم، فلا يمكنه الرد بعد ذلک. الخ (فتح القدير، كتاب البيوع، باب خيار العيب، زكريا ٦/ ٣٦٢، كوئٹه ٦/ ٣٨)

ولا يرجع بائعه على بائعه؛ لأنه صار بالبيع حابسا للمبيع. الخ (كفاية مع الفتح كوئٹه ٦/ ٣٨، زكريا ٦/ ٣٦٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم ذیقعدہ ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۴۹۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱/۱۱/۱۴۱۸ھ

وقت پر قیمت ادا نہ کرنے کی وجہ سے معاملہ فسخ کرنا

سوال [۸٦۵۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک صاحب سے میں نے ۸/ لاکھ پچاس ہزار روپئے میں مکان خریدا، جن میں سے ۲/ لاکھ ۱۰/ ہزار روپئے باقی رکھے، جس کی مدت متعین ہوگئی، مجھے ایک تاجر سے ۴۰/ لاکھ روپئے لینے تھے کہ اچانک اس کی بیوی کو کینسر ہوگیا اور وہ روپئے مجھے نہ دے سکا اور میں مالک مکان کو وقت مقررہ پر پیسے نہ دے سکا، جس کی بنا پر مالک مکان بہت ناراض ہوا اور زبردستی مجھ سے ایک عہد نامہ لکھوایا کہ اگر آئندہ چھ مہینے میں مجھے میری باقی رقم ۲/ لاکھ ۱۰/ ہزار لوٹا دی تب تو ٹھیک ہے ورنہ تمہاری دی ہوئی رقم ٦/ لاکھ ۴۰/ ہزار میں سے ایک روپیہ بھی تم کو نہیں دوں گا۔ اور مکان بھی واپس لے لوں گا اور میری اجازت کے بغیر کسی کو مکان بیچ بھی

نہیں سکتے، اب یہ چھ مہینے کی مدت بھی پوری ہونے والی ہے اور میرے پاس انتظام نہیں ہو پایا، میں نے سوچا کہ مکان بیچ دوں اور اس سے پیچھا چھڑالوں، جب مالک مکان کو پتہ چلا تو کہتا ہے کہ منافعہ میں سے آدھا منافع اگر مجھے دوتب بیچ سکتے ہو ورنہ عہد نامہ کے مطابق تجھ پر کیس کردوں گا، تو مالک مکان کی یہ شرطیں کہاں تک درست ہیں، میں اگر مکان بیچوں تو کیا واقعی وہ آدھے منافع کا حق دار ہے؟ فی الحال مکان پر میرا قبضہ ہے، میں مکان میں رہتا ہوں، مکان کا ٹیکس میرے نام سے آتا ہے، لائٹ کا بل بھی میرے نام سے آتا ہے۔

المستفتی: محمد سلمان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں جب کہ بیع کا معاملہ مکمل ہو چکا ہے اور مشتری نے مبیع زمین پر قبضہ اور دخل لے لیا ہے، تو اب اگر وقت پر قیمت ادا نہ کرنے کی وجہ سے فریقین کی رضامندی سے اس معاملہ کو فسخ کیا جائے تو حکم یہ ہوگا کہ مشتری خالی مکان بائع کے حوالہ کرے اور بائع وصول کردہ پوری رقم کو مشتری کو واپس کرے، معاملہ فسخ ہونے کی صورت میں اس ادا کردہ رقم کو ضبط کرنے کی شرط قطعاً حرام ہے اور خلاف شریعت جبریہ معاہدہ کا کوئی اعتبار نہیں، نیز جب تک معاملہ فسخ نہ ہو مشتری اس جگہ کو اپنی مرضی سے کسی بھی شخص کے ہاتھ فروخت کرنے کا اختیار رکھتا ہے اور اس میں جو بھی منافع ہوں وہ خود ہی اس کا مالک ہوگا، بائع اس منافع میں سے کسی بھی حصہ کا حق دار نہیں۔ الغرض خلاصہ یہ ہے کہ بائع مقررہ قیمت سے ایک روپیہ بھی زائد لینے کا مطالبہ کسی صورت میں نہیں کرسکتا؛ البتہ رقم مقررہ وقت پر ادا نہ ہونے کی شکل میں وہ معاملہ فسخ کرنے کی بات کرسکتا ہے؛ لیکن اس صورت میں بھی اسے آمدہ رقم میں سے کوئی حصہ ضبط کرنے کی اجازت نہ ہوگی۔

الإقالة جائزة في البيع بمثل الثمن الأول، فإن شرط أكثر منه أو أقل، فالشرط باطل ويرد مثل الثمن الأول. (هداية، كتاب البيوع، باب الإقالة، أشرفي ديوبند ٣/ ٦٩)

فلو شرط فيها أي الإقالة أكثر من الثمن الأول، أو خلاف الجنس بطل الشرط، ولزم الثمن الأول عند الإمام؛ لأن الإقالة فسخ و هو لا يكون إلا على الثمن الأول، فيصير ذلک الشرط فاسدا ولغوا دون الإقالة لما مرّ إن الإقالة لا تفسد بالشرط الفاسد. (مجمع الأنهر، دارالکتب العلمية بيروت ۳/ ۱۰۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/ ۷/ ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۷۱۴)

بیع تام اور لازم ہونے کے بعد معاملہ منسوخ کرنے کا حکم

سوال [۸۶۵۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک جائیداد (نشست گاہ) واقع محلّہ کٹکوئی چاند پور، ضلع بجنور جس کا رقبہ تقریباً تیس گز ہے جو کہ ترکہ پدری جناب حکیم سید ابن حسن صاحب مرحوم سے چاروں بھائیوں کو وراثت میں پہنچی، والدین کے انتقال کے بعد چاروں بھائیوں کی باہمی رضا مندی سے یہ طے پایا کہ جائیداد قلیل ہونے کی وجہ سے اس کو تقسیم کرکے ہر حصہ قابل تعمیر نہ رہے گا؛ لہٰذا اس کی قیمت اسی ہزار روپئے قائم کرکے طے پایا کہ اس کو کسی ایک بھائی کو دے دیا جائے، خرید نے والا بھائی ان تینوں بھائیوں کو ان کے حصہ کی قیمت ادا کردے اور جائیداد مذکورہ کو اپنے نام کرالے؛ لہٰذا سب سے بڑے بھائی سے چھوٹے احمد اشرف نے اس کو لینا اور تینوں بھائیوں نے اس کو دینا قبول کیا، بڑے بھائی غلام غوث نے احمد اشرف سے دس ہزار نقد لے لیا، دس ہزار باقی رہا، اس کے چار سال بعد بڑے بھائی کا انتقال ہوگیا، باقی چھوٹے دونوں بھائیوں نے بھی اپنے حصہ کی رقم بیس بیس ہزار روپئے اپنے خریدار بھائی سے وصول کرلی؛ البتہ بڑے بھائی مرحوم کے دس ہزار روپئے اب بھی باقی ہیں، کیا بڑے بھائی مرحوم کی اہلیہ یا ان کی کسی اولاد کو اس فیصلہ کے منسوخ کرنے کا شرعاً حق حاصل ہے، جو فیصلہ بڑے بھائی مرحوم کر گئے ہیں، اس تحریر کے مطابق شریعت کا کیا فیصلہ ہے؟

المستفتی: احمد اشرف جیلانی محلّہ کٹکوئی چاند پور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب چاروں بھائیوں نے مل کر آپسی رضامندی کے ساتھ مذکورہ معاملہ طے کرلیا تھا، تو اب اسی پر قائم رہنا لازم ہے، بڑے بھائی کے انتقال کے بعد ان کی اہلیہ یا دیگر وارث کو مذکورہ معاملہ منسوخ کرنے کا شرعاً حق نہیں ہے؛ بلکہ یہ معاملہ لازم اور تام ہو چکا ہے؛ اس لئے اسی پر قائم رہنا ضروری ہے، ہاں البتہ جو دس ہزار روپیہ باقی ہے وہ بلا تاخیر ادا کر دینا چاہئے۔

وإذا حصل الإيجاب والقبول لزم البيع، ولا خيار لواحد منهما إلا من عيب، أو عدم رؤية. (هداية، كتاب البيوع، أشرفي ديوبند ٣/ ٢٠، الجوهرة النيرة، إمداديه ملتان ١/ ٢٢٦، دارالكتاب ديوبند ١/ ٢٢٠، ملتقى الأبحر، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ١٠، تاتارخانية، زكريا ٨/ ٢٢٢، رقم: ١١٧١٤)

وإن كان كل واحد منهما يستضر لصغره لم يقسمها إلا بتراضيهما ...... وتجوز بتراضيهما؛ لأن الحق لهما، وهما أعرف بشأنهما. (هداية مع فتح القدير، كتاب القسمة، فصل فيما يقسم وما لايقسم، زكريا ٩/ ٤٤٥، كوئٹه ٨/ ٣٥٧) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶؍ صفر ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۶۸۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۲/۸ھ

وعدہ کی خلاف ورزی پر سابقہ معاملہ ختم کر دینے کا حکم

سوال [۸۶۵۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہم لوگ ایک خاندان کے افراد ہیں، آج سے تقریباً ۱۵؍ سال قبل ہمارے درمیان جائیداد کا بٹوارہ ہوا، اس سے پہلے ہم سب لوگ مشترک مکان میں رہتے تھے، کسی کے پاس کم اور کسی کے پاس اس کے حصہ رسد سے زیادہ تھا، ایک قطعہ مکان جو فریق ثانی کے قبضہ میں تھا، جس کی قیمت اس وقت اڑتالیس ہزار روپیہ مانی گئی تھی، اس میں سے -/26,750 روپئے فریق ثانی

کا حصہ تھا اور باقی -/21,250 روپئے کا ہمارا (فریق اول) کا حصہ تھا؛ لہٰذا طے ہوا کہ فریق ثانی دو چار روز میں فریق اول کے حصہ کی قیمت -/21,250 روپئے نقد ادا کردے، تو فریق اول اپنے حق سے دست بردار ہوجائے گا، باہمی طور پر یہ بات طے ہوگئی؛ لیکن فریق ثانی نے مقررہ رقم کی ادائے گی کافی عرصہ تک باوجود تقاضہ کے نہیں کی ۷-۸/سال بعد فریق ثانی نے صرف دس ہزار -/10,000 روپیہ دینا چاہا جو فریق اول نے لینے سے انکار کردیا اور معاملہ معلق رہا، اب فریق اول کہتا ہے کہ چونکہ فریق ثانی نے طے شدہ معاملہ کے خلاف کیا ہے؛ لہٰذا وہ معاملہ ختم ہوگیا، اب فریق ثانی مکان مذکورہ مشترکہ کے میرے حصہ کی رقم موجودہ بازار بھاؤ سے ادا کرے اور اس عرصہ کے استعمال کا کرایہ ادا کرے، یا پھر اپنے حصہ کی قیمت فریق اول سے لےکر مکان اس کے سپرد کرے، جس کے لئے فریق ثانی تیار نہیں ہے۔

المستفتی: ذکرالرحمٰن، محلّہ گلشہید، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر سائل کا سوال واقع کے مطابق ہے، اور فریق ثانی نے طے شدہ وعدہ کے مطابق فریق اول کا حق ادا نہیں کیا ہے، تو فریق اول کو سابقہ معاملہ شرعاً ختم کردینے کا حق ہے، نیز فریق اول کا یہ مطالبہ بھی صحیح ہے کہ فریق ثانی اپنے حصہ کی قیمت فریق اول سے وصول کر کے اپنے حصہ سے دست بردار ہوجائے۔

عن عمرو بن يحيى المزني، عن أبيه أن رسول الله ﷺ قال: لا ضرر ولا ضرار. (موطا إمام مالك، كتاب القضاء، القضاء في المرفق، أشرفي ديوبند/ ٣١١)

قوله عليه السلام: لا ضرر ولا ضرار. الحديث، لا يضر الرجل أخاه ابتداءًا ولا جزاء. الخ (الأشباه، قديم/ ١٣٩، قواعد الفقه، أشرفی دیو بند/ ١٠٦، شرح المجلة رستم باز اتحاد دیو بند ١/ ٢٩، رقم المادة: ١٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ٦٦٥٨)

۳/ باب العربون

بیعِ عربون

سوال [۸۶۵۶]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بیع عربون (بیعانہ) کے جواز کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عمل سے کتب احادیث میں کوئی روایت موجود ہوتو بحوالہ نقل فرما کر ممنون ومشکور فرمائیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بیع عربون کے جواز کے متعلق روایات کتب حدیث میں موجود ہیں۔ حضرت نافع بن عبدالحارث اور حضرت عمرؓ کا واقعہ ذیل میں ملاحظہ فرمائیے:

حدثنا ابن عيينة عن عمرو عن عبدالرحمن بن فروخ أن نافع بن عبدالحارث اشترى دار السجن من صفوان بن أمية بأربعة آلاف درهم، فإن رضي عمر فالبيع له، وإن عمر لم يرض، فأربع مئة لصفوان. (مصنف لابن أبي شيبة، مؤسسة علوم القرآن بيروت ١١/ ٦٧٢، رقم: ٢٣٦٦٢)

واشترى نافع بن عبدالحارث دارا للسجن بمكة من صفوان بن أمية على أن عمر رضي بالبيع، فالبيع بيعه، وإن لم يرض عمر فلصفوان أربع مائة دينار، وسجن ابن الزبير بمكة. (بخاري شريف، كتاب الخصومات، باب الربط والحبس في الحرم ١/ ٣٢٧، رقم الباب: ٨)

عن زيد بن أسلم أن النبي ﷺ أحل العربان في البيع. (مصنف لابن أبي شيبة، مؤسسة علوم القرآن بيروت ١١/ ٦٧١، رقم: ٢٣٦٥٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶/ ذیقعدہ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۳۱۸)

بیعانہ دے کر خرید وفروخت کرنے کا حکم

سوال [۸٦۵۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: خالد کاروبار اس طرح کرتا ہے کہ مثلاً زمین ایک لاکھ روپئے کی خرید کر بیعانہ دے کر لی اور طے کر دیا کہ ایک لاکھ روپئے ایک ماہ یا دو ماہ میں ادا کر دوں گا۔ اور پھر اسی زمین کو ۱۵؍دن میں ڈیڑھ لاکھ کی بیچ کر وہ ایک لاکھ روپئے ادا کر دئے، کیا اس طرح کاروبار کرنا صحیح ہے؟ عاقل کا کہنا ہے کہ یہ صحیح نہیں ہے؛ کیوں کہ یہ بیع قبل القبض ہے جو صحیح نہیں، صحیح جواب سے نوازیں۔

المستفتی: مجیب الرحمٰن

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حسب تحریر سوال خالد نامی شخص کا بیعانہ دے کر زمین اس شرط کے ساتھ خریدنا کہ میں ایک دو ماہ میں قیمت ادا کر دوں گا اور اس کے بعد اس زمین کو کچھ زائد نفع کے ساتھ غیر کو بیچ کر اس روپیہ سے زمین کی قیمت ادا کرنا اور اس طرح کاروبار کرنا شرعاً درست ہے اور عاقل کا اس خرید وفروخت کو بیع قبل القبض قرار دینا صحیح نہیں؛ اس لئے کہ زمین کی خرید وفروخت میں حکماً قبضہ موجود ہے۔

قال أبو حنيفة وأبو يوسف: يمنع بيع قبل القبض في سائر المنقولات، ويجوز في العقار الذي لا يخشى هلاكه. (تكمله فتح الملهم، كتاب البيوع، باب بطلان بيع المبيع قبل القبض، أشرفيه ديوبند ١/ ٣٥١)

للمشتري أن يبيع المبيع من آخر قبل قبضه إن كان عقارا. (شرح المجلة رستم باز ١/ ١٢٨، رقم المادة: ٢٥٣، مكتبه اتحاد ديوبند)

ويجوز بيع العقار قبل القبض عند أبي حنيفة وأبي يوسف. (هداية، باب المرابحة والتولية، أشرفى ديوبند ٣/ ٧٤، تاتارخانية زكريا ٨/ ٢٦٦، رقم: ١١٨٦٢،

الفقه على المذاهب الأربعة، مبحث التصرف في المبيع قبل قبضه، دارالفكر بيروت ٢/ ٢٣٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/۲/۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۸۹۳/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴/۲/۱۴۳۱ھ

کیا دھوکہ سے اپنے نام بیع نامہ کرانے سے ملکیت ثابت ہوجائے گی

سوال [۸۶۵۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرے شوہر نے ایک پلاٹ ذاتی آمدنی سے خریدا تھا اور پوری قیمت سوسائٹی کو ادا کردی تھی؛ لیکن بیع نامہ نہیں ہوا تھا، میرے شوہر کے شہید ہونے کے بعد خسر نے میرے بڑے لڑکے فہیم الدین سے بہانہ سے اس کی رسید حاصل کر کے بیع نامہ کرالیا، جب کہ وعدہ فہیم کے نام کرانے کا کیا تھا، تو اس پلاٹ کے مالک میرے خسر ہیں یا میں؟ اور میرا شرعاً اس میں کتنا حق ہے؟ جب کہ خسر نے شوہر کے انتقال کے بعد لوگوں کو گواہ بنا کر پلاٹ پر نسیم کی ملک ہونے کا اقرار کیا تھا، جواب سے مطلع فرمائیں۔

المستفتية: نرگس جہاں، ہمشیرہ حاجی محمد انصار، ڈھوتی کھار، آگرہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جب نسیم مرحوم نے اپنی ذاتی آمدنی سے پلاٹ خریدا ہے تو وہ پلاٹ ان کی ملک ہے، ان کے والد نے دھوکہ دے کر پلاٹ کے کاغذات میں اپنے نام جو بیع نامہ کرالیا ہے، اس سے شرعاً وہ اس پلاٹ کے مالک نہ ہوں گے؛ بلکہ یہ نسیم مرحوم ہی کی ملک ہے؛ لہٰذا ان کے انتقال کے بعد وہ پلاٹ شرعی وارثین میں بطور ترکہ تقسیم ہوگا۔ (مستفاد: امداد المفتیین ۲/ ۸۹۰)

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا يأخذن أحدكم متاع أخيه

لاعبا ولا جادا. الحديث (سنن أبي داؤد، كتاب الأدب، باب من يأخذ الشيء من مزاح، النسخة الهندية ۲/ ۶۸۳، دارالسلام، رقم: ۵۰۰۳)

عن عبدالله بن السائب بن يزيد عن أبيه عن جده قال: قال رسول الله ﷺ: لا يأخذ أحدكم عصا أخيه لاعبا أو جادا، فمن أخذ عصا أخيه فليردها إليه. (سنن الترمذي، أبواب الفتن، باب ماجاء لا يحل مسلم أن يردع مسلما، النسخة الهندية ۲/ ۳۹، دارالسلام، رقم: ۲۱۶۰، شامي، كتاب الغصب، مطلب في رد المغصوب وفيما لو أبى المالك قبوله، كراچی ۶/ ۱۸۲، زكريا ۹/ ۲۶۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۴؍ جمادی الاولی ۱۴۲۱ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۶۳۹)	۱۴۲۱/۵/۵ھ

کیا ''امدادالفتاوی'' میں بیعانہ ضبط کرنے کا مسئلہ ہے؟

سوال [۸۶۵۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کیا حضرت تھانویؒ نے ''امدادالفتاوی'' میں بیعانہ ضبط کرنے سے متعلق کوئی فتویٰ تحریر کیا ہے؟ اگر کیا ہے تو اس کو وضاحت سے تحریر فرمایئے۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: حضرت تھانویؒ نے ''امدادالفتاوی'' جدید ۳/۱۴۲ پر اپنے ایک فتوی میں بیعانہ کی رقم کو ضبط کرنے کی اجازت دی ہے۔ سوال کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک شخص نے دانت بنانے والے سے دانت بنوائے اور بطور بیعانہ کے اس کو رقم پیشگی دے دی اور وہ شخص دانت بنا چکا؛ البتہ اس میں کچھ نقص رہ گیا، اس دوران اس شخص کا انتقال ہوگیا، تو اب یہ شخص یہ رقم بیعانہ واپس کرے گا یا نہیں؟ چنانچہ اس کے جواب میں حضرت فرماتے ہیں: میرے نزدیک جب وہ بنے ہوئے دانت لے چکا اور وہ موافق فرمائش کے تھے اور ایسی

خفیف کمی جو عرف کے موافق ہو، موافقت فرمائش کے خلاف نہیں ہے، تو وہ بیع کامل ہوگئی اور بنانے والا دانت کا مالک ہوگیا، اس لئے بنانے والا بقیہ دام کا مستحق ہے۔ اور بقیہ کا وہ مطالبہ کرے گا۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۳/۱۴۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶/۳/۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۴۶۲/۴۰)

زرِ بیعانہ کی واپسی کا حکم

سوال [۸٦٦٠]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: خرید وفروخت کے وقت جب کہ قیمت متعین ہوجاتی ہے اور خریدار کے پاس فی الحال مکمل قیمت موجود نہیں ہے، تو خریدار اسی مجلس میں آئندہ مکمل قیمت دینے کا وعدہ کرتا ہے اور بات کو معتبر اور پختہ بنانے کے لئے زر بیعانہ کے نام پر کچھ روپے دیتا ہے، اب اگر خود مشتری کی جانب سے یہ معاملہ فسخ کیا گیا تو سامان کا مالک زر بیعانہ والی رقم واپس نہیں کرتا اور اپنے لئے حلال سمجھتا ہے، کیا یہ جائز ہے؟

المستفتی: محمد اشتیاق نواز قاسمی، بھاگلپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: معاملہ چاہے مشتری کی طرف سے فسخ ہوجائے یا بائع کی طرف سے ہرحال میں بیعانہ کی رقم مشتری کو واپس دے دینا بائع پر لازم ہے۔ اور بائع کے لئے وہ رقم حلال نہیں ہے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۱/۷۷)

عن عمرو بن شعیب، عن أبیه، عن جده أن النبي صلی اللہ علیه وسلم نهی عن بیع العربان، قال أبو عبداللہ: العربان: أن یشتري الرجل دابة بمائة دینار، فیعطیه دینارین عربونا، فیقول: إن لم أشتر الدابة فالدیناران لک.

الحديث (ابن ماجة شريف، أبواب التجارات، باب بيع العربان، النسخة الهندية ١/ ١٥٨، دارالسلام، رقم: ٢١٩٣، سنن أبي داؤد، كتاب البيوع، باب في العربان، النسخة الهندية ٢/ ٤٩٤، دارالسلام، رقم: ٣٥٠٢)

ويرد العربان إذا ترك العقد على كل حال بالاتفاق. (بذل المجهود يحيى سهارنپور ٤/ ٢٨٧، دارالبشائر الإسلاميه بيروت ١١/ ٢٢١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹رشعبان ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۴۱۵۲)

بیعانہ کی واپسی لازم ہے

سوال [۸۶۶۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے ایک مکان خریدنے کے لئے عمر سے سودا کیا اور کچھ رقم بطور بیعانہ دے کر ایک مدت مثلاً تین ماہ یا چھ ماہ رجسٹری کرنے کے لئے طے کرلی، مدت پوری ہونے سے پہلے زید نے عمر سے کہا کہ میں مکان نہیں لے سکوں گا؛ لہٰذا کچھ دن بعد زید نے عمر سے اپنی بیعانہ کی رقم واپس مانگی تو عمر نے کہا کہ وہ رقم مسجد کو دے دی۔

(الف) کیا عمر کو زید کی رقم مسجد کو دینا درست ہے یا نہیں؟

(ب) کیا رقم زید کو واپس ملنی چاہئے یا نہیں؟

(ج) بیعانہ کی رقم واپس نہ کرنے پر عمر معاوضہ دار رہے گا یا نہیں؟

المستفتی: محمد شفیق جگر کالونی، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب زید نے مکان لینے سے انکار کردیا ہے، تو عمر پر لازم ہے کہ بیعانہ کی رقم زید کو واپس کردے اور مسجد کو جو رقم عمر نے دی ہے اس کا ذمہ دار عمر خود ہے، اور وہ پیسہ عمر کا اپنی جیب سے دینا شمار ہوگا۔ اور زید سے لی ہوئی رقم واپس کرنا لازم ہے۔

عن عمرو بن شعيب، عن أبيه، عن جده أن النبي صلى الله عليه وسلم نهى عن بيع العربان، قال أبو عبدالله: العربان: أن يشتري الرجل دابة بمائة دينار، فيعطيه دينارين عربونا، فيقول: إن لم أشتر الدابة فالديناران لک.

الحديث (ابن ماجة شريف، أبواب التجارات، باب بيع العربان، النسخة الهندية ١/ ١٥٨، دارالسلام، رقم: ٢١٩٣، سنن أبي داؤد، كتاب البيوع، باب في العربان، النسخة الهندية ٢/ ٤٩٤، دارالسلام، رقم: ٣٥٠٢)

ويرد العربان إذا ترک العقد على كل حال بالاتفاق. (بذل المجهود يحيى سهارنپور ٤/ ٢٨٧، دارالبشائر الإسلاميه بيروت ١١/ ٢٢١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍ جمادی الثانیہ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۱۴۳)

بیعانہ کی رقم ضبط کرنے کا حکم

سوال [۸۶۶۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں نے اپنی ایک چیز مثلاً زمین فروخت کی اس رقم سے کوئی دوسرا کام کرنا تھا، عمرو نے وہ زمین خریدنے کی بات کی، قیمت طے ہوگئی اور یہ وعدہ ہوگیا کہ دس دن بعد ۴/۱ قیمت ادا کروں گا اور ایک ماہ بعد کل قیمت ادا کر کے بیعانہ لکھا لے گا، یہ بات طے ہونے کے بعد عمرو نے مبلغ دو ہزار روپئے زید کو بیعانہ کے طور پر دے دیئے جو کہ ایک طرح کی ضمانت ہوتی ہے بات کی پختگی کے لئے، بات طے ہونے کے بعد زید نے دوسرے خریداروں کو منع کردیا کہ ہماری زمین فروخت ہوگئی؛ لیکن عمرو نے وعدہ خلافی کی اور حسب وعدہ نہ تو دس دن میں ۴/۱ قیمت ادا کی نہ ایک ماہ بعد کل قیمت ادا کی، نہ بیعانہ کرایا، عمرو کے اس عمل سے زید کا نقصان یہ ہوا کہ وہ جو کام اس رقم سے کرنا چاہتا تھا وہ نہیں کرسکا اور اشیاء کی قیمت بڑھنے اور گرانی ہوجانے کی وجہ سے زید کو ہی وہ کام زیادہ مہنگا اور زیادہ قیمت میں ملا، وعدہ کی مدت نکلنے کے بعد اور مزید انتظار کے بعد زید

نے اپنی وہ زمین دوسرے شخص کوفروخت کردی، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اپنے نقصان کے بدلے میں زید عمرو کے دو ہزار روپئے جوبطور بیعانہ آئے تھے ضبط کرسکتا ہے یانہیں؟ یا اس بیعانہ کی رقم کوواپس کرنا ضروری ہے؟ جواب عالی سے مطلع فرمائیں۔

المستفتی: محمد عمیر کاس گنج

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: وقت معینہ پر رقم ادا نہ کرنے کی بناء پر فروخت کرنے والے کے لئے عقد ختم کرنے کا حق ہے، مگر عقد ختم کرنے کے بعد دئے ہوئے بیعانہ کوضبط کر لینا جائز نہیں ہے، اس کوواپس کردینا لازم ہے۔

أن النبي صلی اللّٰہ علیہ وسلم نہی عن بیع العربان، قال أبو عبداللّٰہ: العربان: أن یشتري الرجل دابۃ بمائۃ دینار، فیعطیہ دینارین عربونا، فیقول: إن لم أشتر الدابۃ فالدیناران لک. الحدیث (ابن ماجۃ شریف، أبواب التجارات، باب بیع العربان، النسخۃ الہندیۃ ۱/ ۱۵۸، دارالسلام، رقم: ۲۱۹۳، سنن أبي داؤد، کتاب البیوع، باب في العربان، النسخۃ الہندیۃ ۲/ ۴۹۴، دارالسلام، رقم: ۳۵۰۲)

ویرد العربان إذا ترک العقد علی کل حال بالاتفاق. (بذل المجہود مکتبہ یحیی سہارنپور ۴/ ۲۸۷، دارالبشائر الإسلامیہ بیروت ۱۱/ ۲۲۱) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللّٰہ عنہ
۲۸؍ محرم ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۶۰۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۸؍۱؍۱۴۱۹ھ

بیعانہ کی واپسی پر زائد رقم لینا

سوال [۸۶۶۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے بکر سے ایک آراضی بذریعہ عمر مبلغ ایک لاکھ دس ہزار روپیہ میں خرید لی اور مبلغ پانچ ہزار روپیہ کا بیعانہ بذریعہ عمر دلاکر آراضی کا سودا بالکل پکا طے پا گیا، نیز جس دن

بیعانہ دیا گیا اسی دن کے لئے بیعانہ ہونا بھی طے پا گیا، رجسٹری شدہ مگر کچھ دیر کے بعد بکر عمر کے پاس آتا ہے اور کہتا ہے کہ مذکورہ آراضی میں نے کسی دوسرے شخص کو مبلغ ایک لاکھ بیس ہزار روپئے میں فروخت کردی ہے، تم اپنا بیعانہ واپس لے لو، عمر نے منع کیا، بات بڑھتی دیکھ کر کچھ لوگ اکٹھا ہوگئے اور صورت حال معلوم کرنے کے بعد لوگوں نے کہا کہ اس طرح سودا ختم کئے جانے پر بیعانہ کا دوگنا روپئے واپس کیا جاتا ہے، اس پر بکر نے عمر کو مبلغ دس ہزار روپئے واپس کردئے، یعنی پانچ ہزار روپئے زائد واپس کئے اور یہ زائد روپئے اس وقت عمر کے پاس ہی بطور امانت کے ہیں، عمر یہ چاہتا ہے کہ یہ روپئے بکر کو ہی دئے جائیں، جب کہ زید کا کہنا ہے کہ یہ روپئے مجھے ملنے چاہئیں، تو ایسی صورت میں عمر کو یہ روپئے کس کو دینے چاہئیں؟ کیوں کہ علماء حضرات سے سنا ہے کہ اس طرح کا لین دین سود کہلاتا ہے، جو کہ ناجائز ہے، اگر عمر یہ روپئے زید کو دیتا ہے، تو کیا عمر بھی گنہگار ہوگا؟ اور آخرت میں ایسے شخص کے بارے میں کیا وعید آئی ہے؟ برائے کرم تفصیل سے روشنی ڈال کر جواب مرحمت فرمائیں، تاکہ حق والے کو حق مل جائے۔

المستفتی: عبدالحمید راعینی، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بیعانہ کی واپسی پر جو زائد رقم بائع بکر سے وصول کی گئی ہے، وہ بکر کو واپس کردی جائے، اس کا لینا جائز نہیں۔

لا یجوز لأحد من المسلمین أخذ مال أحد بغیر سبب شرعي.

(شامي، کتاب الحدود، مطلب في التعزیر بأخذ المال، کراچی ٤/ ٦١، زکریا ٦/ ١٠٦، هندیة زکریا قدیم ٢/ ١٦٧، جدید ٢/ ١٨١، البحرالرائق، کوئٹه ٥/ ٤١، زکریا ٥/ ٦٨، قواعد الفقه، أشرفی دیو بند/ ١١٠، رقم: ٢٦٩، الموسوعة الفقهیة ٢١/ ١١٢)

البتہ بکر نے معاملہ طے ہوجانے کے بعد جو دھوکہ دیا ایسا کرنا جائز نہیں، بکر اس سے گنہگار ہوا؛ لہٰذا بکر پر توبہ واستغفار ضروری ہے۔

اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فَاُولٰٓئِکَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ. الآية [النساء: ١٧] فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍۷؍۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۲۴۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۹؍۷؍۱۴۲۰ھ

بیعانہ کے بعد معاملہ ختم کرنے کا حکم

سوال [۸۶۶۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں نے اپنے مکان کا ایک آدمی سے سودا کیا تھا، میں نے چھ ماہ کا ٹائم دیا تھا، اس چھ ماہ میں تقاضہ کرنے پر میری بقایا رقم اس نے نہیں دی، جس کو تقریباً ڈیڑھ سال کا عرصہ ہوگیا، ڈیڑھ سال کے عرصہ سے برابر تقاضہ کر رہا ہوں، میں اب اپنا معاملہ بقایا رقم نہ دینے کی صورت میں ختم کرنا چاہتا ہوں جو انہوں نے دئے ہیں وہ رقم واپس کر کے اپنی جائیداد واپس لینا چاہتا ہوں، کیا یہ میرے لئے جائز ہے؟

المستفتی: صباحت علی ولد صفایت علی، محلّہ تمبا کو والان، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر خریدار وقت مقررہ پر بقیہ رقم ادا کرے تو فروخت کرنے والے کو مطالبہ کے باوجود رقم ادا کرنے پر عقد فسخ کرنے کا حق ہوگا۔ اور سوال نامہ سے واضح ہوتا ہے کہ بجائے چھ ماہ کے ڈیڑھ سال مہلت دی گئی ہے؛ اس لئے آپ کو معاملہ فسخ کر کے حاصل شدہ رقم واپس کر کے اپنی جائیداد واپس لینے کا حق ہے۔

إذ الحاجة مست إلى الانفساخ عند عدم النقد تحرزا عن المماطلة في الفسخ. الخ (هداية، كتاب البيوع، باب خيار الشرط، أشرفى ديوبند ٣/ ٣٠)

فإذا عزم البائع على ترك الخصومة، تم الفسخ ...... ولأنه لما تعذر

استیفاء الثمن من المشتري فات رضا البائع، فیستبد بفسخه. (هداية، القضاء، بـاب التحكيم، مسائل شتى، أشرفي ديوبند ۳/ ۱٤٦-۱٤۷، البحرالرائق، كوئٹه ۷/ ۳٦، زكريا ۷/ ٦۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸؍شعبان ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۱۹۲۹)

جائیداد کا بیعانہ دوسرے کو دے کر سوتیلے بیٹے کو فروخت کرنا

سوال [۸٦٦۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: روشن اختر نے اپنی دولڑکیوں کے جائیداد کے حصہ کا معاہدۂ بیع کچھ رقم پیشگی لے کر بیعانہ کے طور پر میرے نام کر دیا تھا، معاہدۂ بیع کے وقت لڑکیوں کی عمر ۱۲؍سال اور ۱۴؍سال کی تھی، آٹھ سال بعد لگ بھگ روشن اختر نے اسی حصہ کا بیعانہ اپنے سوتیلے بیٹے انتخاب کے نام کرادیا، معاہدۂ بیع کے وقت روشن اختر کے پاس اپنی لڑکیوں کے پالن پوسن تعلیم وغیرہ کے لئے کوئی اثاثہ نہیں تھا، تو میرے نام معاہدۂ بیع کرنے کے بعد سوتیلے بیٹے کو بیعانہ کر دینا کیسا ہے؟ کیا اس پر لازم ہے کہ بعد والے بیعانہ کو ختم کر کے پہلے والے خریدار کے نام بیعانہ کرائے، شرعی حکم کیا ہے؟

المستفتی: اقبال انور تمبا کو والان، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: روشن اختر نے اپنی لڑکیوں کی جائیداد کا آپ کے نام جو بیعانہ کیا ہے، یہ ایک طرح کا وعدۂ بیع ہے، نہ کہ بیع، روشن اختر کو وعدۂ بیع پورا کرنا چاہئے تھا، وعدہ پورا نہ کرنے کی وجہ سے وہ گنہگار ہوگی اور روشن اختر کا اپنے سوتیلے بیٹے انتخاب عالم کے نام بیعانہ کر کے فروخت کرنا درست ہوگا۔ اور روشن اختر پر اس بیع کو ختم کرنا لازم اور ضروری

نہیں ہے؛ کیوں کہ یہ بیع مکمل ہوگئی ہے، جوفریقین کی رضامندی کے بغیرختم نہیں کی جاسکتی، اور پہلے معاہدہ کی وجہ سے وہ صرف گنہگار ہوگی۔

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله ﷺ: آية المنافق ثلاث: إذا حدث كذب، وإذا وعد أخلف، وإذا اؤتمن خان. (ترمذي شريف، أبواب الإيمان، باب ماجاء في علامة المنافق، النسخة الهندية ٢/ ٩١، دارالسلام، رقم: ٢٦٣١، صحيح البخاري، كتاب الإيمان، باب علامة المنافق ١/ ١٠، رقم: ٣٣)

وإذا حصل الإيجاب والقبول لزم البيع، ولا خيار لواحد منهما.
(هداية، كتاب البيوع، أشرفي ديوبند ٣/ ٢٠، تاتارخانية، زكريا ٨/ ٢٢٢، رقم: ١١٧١٤، الجوهرة النيرة، إمداديه ملتان ١/ ٢٢٦، دارالكتاب ديوبند ١/ ٢٢٠، ملتقى الأبحر، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ١٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍رجب ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۱۲۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۸؍۷؍۱۴۲۴ھ

بائع کا بیعانہ کی رقم جمع کرنا اور مشتری کا ڈبل رقم لینا

سوال [۸۶۶۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کو کسی آدمی نے زمین خریدنے کی غرض سے دو لاکھ روپئے ایڈوانس بیعانہ کے طور پر دیا۔ اور روپئے دیتے وقت یہ عہد ہوا جو کاغذ پر لکھا گیا کہ اگر میں فلاں تاریخ تک آپ سے زمین نہیں لیتا ہوں، تو میرے یہ دو لاکھ روپئے آپ نہیں دیں گے، اور نہ ہی میں اس کا حق دار ہوں گا، اور اگر آپ مجھے فلاں تاریخ تک زمین نہیں لکھتے ہیں تو میں آپ سے دو لاکھ روپئے کا چار لاکھ روپئے لوں گا۔ اور وہ تاریخ نکل گئی جس تاریخ کا معاہدہ ہوا تھا، دوسری بات یہ ہے کہ مشتری نے بائع کو کورٹ تک دوڑایا، کورٹ سے اس کے پاس نوٹس آیا تو وہ کورٹ میں حاضر ہوا؛ لیکن جب بات چلی تو وکیل نے بھی کہا کہ جب کاغذ بن گیا ہے، تو اس کا مشتری

حقدار نہیں ہے، اس کے بعد پھر بھی وہ زمین لینے کے لئے پہلی والی رقم دو لاکھ کے ساتھ تیار ہے اس صورت میں بائع کیا کرے؟ اب اس زمین کو دوسرا بھی لینے کے لئے تیار ہے جو کہ اس سے زیادہ رقم دے رہا ہے، اب بائع اس صورت میں کیا کرے کہ پہلے مشتری کو جو دو لاکھ ایڈوانس دیا تھا اس کو دے یہ دو لاکھ روپئے کو جوڑ کر یا اس کے علاوہ پھر دوبارہ اس سے پوری رقم لی جاوے، یا زمین کسی اور کے معرفت بیچ دے؟

المستفتی: محمد سعود شہزادہ باغ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جائیداد کی خریداری کے لئے معاہدہ نامہ اور اقرار نامہ لکھتے وقت مشتری کی جانب سے جو پیشگی روپئے دئے جاتے ہیں اس کا دینا جائز ہے، کیونکہ یہ رجسٹری کے وقت محسوب ہو جاتا ہے؛ لیکن اگر کسی وجہ سے مشتری وقت مقررہ پر خرید نہ سکے، تو بیعانہ کی رقم بائع ضبط کرلے اور بائع اس کو حلال سمجھ کر استعمال کرنے لگے، اسی طرح وقت مقررہ پر رجسٹری کرانے سے بائع گریز کرنے لگے یا بیچنے سے انکار کردے تو جتنی رقم بائع کے یہاں جمع ہوئی ہے اس کی دوگنی رقم مشتری کو دینی پڑ جائے تو جانبین کی یہ دونوں شرطیں شرعی طور پر ناجائز ہیں؛ بلکہ مشتری نے جتنی رقم جمع کی ہے ہر حال میں خریداری نہ ہونے یا بائع کے نہ بیچنے کی صورت میں اتنی ہی رقم مشتری کو واپس کردینا واجب ہوتا ہے، نہ فروخت کرنے والے کے لئے اس رقم کا ضبط کرنا جائز ہے اور نہ ہی مشتری کے لئے اور نہ بیچنے کی صورت میں ڈبل رقم وصول کرنا جائز ہوگا۔ (مستفاد: ایضاح النوادر/۷۷)

أن النبي صلى الله عليه وسلم نهى عن بيع العربان، قال أبو عبدالله: العربان: أن يشتري الرجل دابة بمائة دينار، فيعطيه دينارين عربونا، فيقول: إن لم أشتر الدابة فالديناران لك. الحديث (ابن ماجة شريف، أبواب التجارات، باب بيع العربان، النسخة الهندية ١/١٥٨، دارالسلام، رقم: ٢١٩٣، سنن أبي داؤد، كتاب البيوع، باب في العربان، النسخة الهندية ٢/٤٩٤، دارالسلام، رقم: ٣٥٠٢)

ويـرد العربان إذا ترك العقد على كل حال بالاتفاق. (بذل المجهود يحيى سهارنپور ٤/ ٢٨٧، دارالبشائر الإسلاميه بيروت ١١/ ٢٢١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍ جمادی الثانیہ ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۶۴۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۶/۲۴ھ

معاملہ ختم ہونے کی صورت میں بیعانہ کی رقم کا حکم

سوال [۸۶۶۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زاہد نے ایک زمین فروخت کی، مثلاً پچاس ہزار روپئے میں معاملہ کرتے وقت مشتری نے دس ہزار روپئے دئے اور کہا کہ مابقیہ رقم رجسٹری کے وقت ادا کردوں گا یا بعد میں، جب آپ کہیں، مگر چندہ ماہ بعد مشتری نے زمین خریدنے سے انکار کردیا کہ زمین نہیں لوں گا، دس ہزار روپئے جو معاملہ کرتے وقت دئے تھے، وہ واپس کردو، زاہد نے کہا زمین نہیں لوگے تو روپئے واپس نہیں ہوں گے؛ اس لئے کہ ہم دونوں کے عرف میں معاملہ کے وقت کی ادا شدہ رقم معاملہ کے فسخ کی صورت میں واپس نہیں ہوتی؛ اس لئے اب روپئے نہیں ملیں گے، صورت مذکورہ کا شرعاً کیا حکم ہے؟ عرف عام کا رواج جو مشتری اور بائع کے علاقہ میں ہے، جس کا اوپر بھی تذکرہ کردیا ہے، اس کی شرع میں کچھ حیثیت ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عرف عام کی وجہ سے تخصیص نص تو جائز ہے، مگر ترک نص جائز نہیں ہے۔ اور بیعانہ واپس نہ کرنے کی صورت میں ترک نص لازم آرہا ہے؛ اس لئے ایسا عرف جائز نہیں ہے۔ اور بیعانہ دس ہزار روپئے واپس کرنا لازم ہوگا۔ نص حدیث میں واپسی کی صراحت ہے:

أن النبي ﷺ نهى عن بيع العربان، قال أبو عبدالله: العربان: أن

يشتري الرجل دابة بمائة دينار، فيعطيه دينارين عربونا، فيقول: إن لم أشتر الدابة فالديناران لك. الحديث (ابن ماجة شريف، أبواب التجارات، باب بيع العربان، النسخة الهندية ١/ ١٥٨، دارالسلام، رقم: ٢١٩٣، سنن أبي داؤد، كتاب البيوع، باب في العربان، النسخة الهندية ٢/ ٤٩٤، دارالسلام، رقم: ٣٥٠٢، حجة الله البالغة ٢/ ١٠٨)

ويرد العربان إذا ترك العقد على كل حال بالاتفاق. (بذل المجهود يحيى سهارنپور ٤/ ٢٨٧، دارالبشائر الإسلاميه بيروت ١١/ ٢٢١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ ربیع الاول ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۶۵۸)

بیعانہ کی ڈبل رقم واپس کرنا

سوال [۸۶۶۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص اپنا مکان یا زمین فروخت کرنا چاہتا ہے، اور اس نے اس کے متعلق دوسرے شخص سے بات چیت کی اور بیعانہ بھی لے لیا، پھر اس کے بعد اس کو بیچنے کا ارادہ ترک کردیا، تو کیا وہ شخص بیعانہ ڈبل واپس کرسکتا ہے، جب کہ اس میں ربو کی بو محسوس ہوتی ہے؟

المستفتی: محمد فاروق، راجونگر، منڈولی، دہلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب ایجاب وقبول ہوگیا اور ساتھ میں بیعانہ کے طور پر پیشگی کچھ رقم بھی دے دی گئی ہے، تو بیچنے والے کے لئے بعد میں سابقہ معاہدہ کے مطابق زمین مشتری کے حوالے کرنے سے مکر جانا ناجائز اور سخت وعدہ خلافی ہے، حدیث میں ایسی وعدہ خلافی اور دھوکہ دھڑی کی سخت وعید آئی ہے، تاہم اگر معاملہ فسخ کرے، تو بیعانہ جتنا دیا گیا ہے، اتنا ہی واپس ہوگا اس کا دوگنا دینا اور لینا سود اور ناجائز ہے۔

آية المنافق ثلاث: إذا حدث كذب، وإذا وعد أخلف، وإذا أؤتمن

خان. (ترمذي شريف، أبواب الإيمان، باب ماجاء في علامة المنافق، النسخة الهندية ۲/ ۹۱، دارالسلام، رقم: ۲٦۳۱)

عن أبي هريرة -رضي الله عنه- أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: -إلى قوله- من غشنا فليس منا. (مسلم شريف، كتاب الإيمان، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم: من غشنا فليس منا، النسخة الهندية ۱/ ۷۰، بيت الأفكار، رقم: ۱۰۱)

عن عمرو بن شعيب، عن أبيه، عن جده أنه قال: نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن بيع العربان، قال مالك: وذلک فيما نرى -والله أعلم- أن يشتري الرجل العبد، أو يتكارى الدابة، ثم يقول: أعطيک دينارا على أني إن تركت السلعة، أو الكراء فما أعطيتک لک. (سنن أبي داؤد، كتاب البيوع، باب في العربان، النسخة الهندية ۲/ ٤۹٤، دارالسلام، رقم: ۳۵۰۲)

قلت: ويرد العربان إذا ترک العقد على كل حال بالإتفاق. (بذل المجهود، قديم دارالبشائر الإسلاميه ۱۱/ ۲۲۱)

لأن الربوا عرفه الحنفية بأنه فضل خال عن عوض بمعيار شرعي مشروط لأحد المتعاقدين في المعاوضة. (الموسوعة الفقهية ۲۲/ ۵۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹۵۱/۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۴/۱۶ھ

خریداری میں دی گئی رقم کی واپسی میں دوگنی رقم لینا

سوال [۸٦٦۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: خالد نے حامد سے ایک زمین خریدی، جس کی دوتہائی رقم ادا کردی گئی، جب کہ ایک تہائی

رقم کا زمین کی رجسٹری کے موقع پر ادا کرنا طے ہوا؛ لیکن حامد نے دھوکہ سے ایسی زمین فروخت کی جس کے وہ خود مالک نہ تھے، دس ماہ تک رجسٹریشن کے لئے ٹال مٹول کرتے رہے، تحقیق پر پتہ چلا کہ وہ خود اس زمین کے مالک نہیں ہیں؛ لہٰذا حامد سے ہر روز مطالبہ کیا گیا تو انہوں نے کہا کہ میں دوسری زمین دیتا ہوں، دو چار زمینیں اور دکھلائیں؛ لیکن وہ بھی متنازع فیہ تھیں، خالد نے لینے سے انکار کیا، اس طرح دو تین ماہ اور گذر گئے، اس وقت تک اس زمین کی قیمت جس کو خالد نے خریدا تھا، کئی گنا بڑھ چکی تھی، اب خالد نے حامد سے کہا کہ جو زمین آپ نے ہمیں بیچی ہے وہ خود آپ خرید لیں اور آج کی بازار کی قیمت سے کچھ کم ادا کردیں، مختلف مجالس میں طویل بحث کے بعد یہ طے پایا کہ خالد اصل رقم بیس لاکھ روپئے جو ادا کرچکا تھا پر مزید بیس لاکھ روپئے ملا کر دے دیں گے۔ (یعنی جملہ چالیس لاکھ روپئے) یہ فیصلہ ہوگیا، اس فیصلے کے بعد رقم وصول کرنے میں بڑی دشواری پیش آئی، بہر حال تین سال کے عرصہ میں مختلف قسطوں میں انیس لاکھ پچاس ہزار روپئے خالد نے وصول کئے، اصل رقم میں ابھی پچاس ہزار روپے وصول ہونا باقی ہے؛ لیکن حامد نے اپنی زمین خالد سے چالیس لاکھ روپے میں خریداری کی (یعنی بیس لاکھ زائد رقم اصل بیس لاکھ پر دینے کا وعدہ کیا) وہ رقم اب دینے سے یہ کہہ کر انکار کر رہے ہیں کہ یہ رقم تمہارے لئے جائز نہیں ہے؛ اس لئے کہ تمہاری رقم صرف بیس لاکھ روپے ہے، اس پر جو بھی رقم زائد خالد لے گا وہ سود ہوگا، اس لئے میں خالد ان مذکورہ تفصیلات کی روشنی میں معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ از روئے شرع یہ زائد رقم میرے لئے جائز ہے یا ناجائز ہے؟

المستفتی: امداداللہ راجہ پوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زمین کی خریداری میں دی گئی رقم کے ساتھ جو شرط لگائی گئی کہ رقم کی واپسی کے ساتھ دوگنے واپس ہوں گے، یہ ناجائز شرط ہے؛ لہٰذا اصل رقم جو بیس لاکھ ہے، اس کے اوپر جو کچھ بھی زائد واپس ہوگا وہ سود ہے، لینے والے کے حق میں وہ پیسہ

حرام ہے؛ لہٰذا خالد کو صرف بیس لاکھ واپس ملے گا اور بیس لاکھ پر زائد حاصل کرنا سود اور حرام ہے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ا/ ۷۸)

أن النبي صلى الله عليه وسلم نهى عن بيع العربان، قال أبو عبدالله: العربان: أن يشتري الرجل دابة بمائة دينار، فيعطيه دينارين عربونا، فيقول: إن لم أشتر الدابة فالديناران لک. الحديث (ابن ماجة شريف، أبواب التجارات، باب بيع العربان، النسخة الهندية ١/ ١٥٨، دارالسلام، رقم: ٢١٩٣، سنن أبي داؤد، كتاب البيوع، باب في العربان، النسخة الهندية ٢/ ٤٩٤، دارالسلام، رقم: ٣٥٠٢)

قلت: ويرد العربان على كل حال بالإتفاق. (بذل المجهود، قديم دارالبشائر الإسلاميه ١١/ ٢٢١)

لأن الربوا عرفه الحنفية بأنه فضل خال عن عوض بمعيار شرعي مشروط لأحد المتعاقدين فى المعاوضة. (الموسوعة الفقهية ٢٢/ ٥٠) **فقط** واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲ رشعبان ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۶۹۰/۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۸/۲ھ

❁❁❁

۴/ باب البيع الفاسد، والباطل، والمكروه

شرطِ فاسد کے ساتھ خرید وفروخت کی شرعی حیثیت

سوال [۸۶۷۰]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک چیز کی قیمت بازاری بھاؤ کے اعتبار سے ۲۹۰/روپئے ہے، اس وقت زید نے وہ چیز ۳۰۰/روپیہ کے اعتبار سے خریدی اس شرط پر کہ آئندہ فروخت کرنے پر اس میں جو نفع ہوگا وہ میرا اور جو نقصان ہوگا وہ بائع کا۔ دریافت یہ کرنا ہے کہ اس طرح کی بیع وشراء جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: ذبیح الرحمٰن چاند پوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: سوال نامہ میں ذکر کردہ شرط شرعاً شرطِ فاسد ہے؛ اس لئے ایسا معاملہ شرعا جواز کے دائرہ میں داخل نہیں ہوتا؛ لہٰذا مسلمانوں کا اس طرح معاملہ کرنا جائز نہیں ہے۔

كل شرط لا يقتضيه العقد، وفيه منفعة لأحد العاقدين أو للمعقود عليه وهو من أهل الاستحقاق يفسده. الخ (هداية، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، أشرفي ۳/ ۵۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴/رمضان ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۴۳۶)

شروط فاسدہ کے ساتھ بیع کا معاملہ

سوال [۸۶۷۱]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے بکر سے ایک قطعہ زمین اس شرط ووعدہ کر کے خریدی کہ میں اس زمین میں اینٹ

کا بھٹہ لگاؤں گا، اس میں تمہاری آدھی شرکت رہے گی۔ اور اس زمین میں دیگر ترقیاتی کام کروں گا جس سے تمہاری بھی ترقی وفائدہ ہوگا، نیز اگر اس زمین کو نفع سے بیچوں گا تو اصل قیمت خرید سے جتنی زیادہ کی بکے گی اس اضافہ اور نفع میں ہماری تمہاری نصف نصف شرکت رہے گی، ان شرائط اور وعدے اور امیدیں دلا کر زید نے بکر سے زمین نصف قیمت میں طے کرلی، یعنی اس وقت مثلاً چار ہزار روپیہ فی کس قیمت کی زمین دو ہزار روپیہ فی کس میں خرید لی، بکر نے اس امید وشرط پر کہ اگر میری زمین کچھ عرصہ بعد زیادہ قیمت میں بکے گی تو آدھا نفع ملے گا، یا تجارت وکاروبار ہوگا، تو اس نفع میں شرکت رہے گی، اس وقت آدھی قیمت میں اس زمین کا زید کے نام بیع نامہ کردیا؛ لیکن زید نے وعدوں کے مطابق اس زمین میں نہ بھٹہ لگایا اور نہ ہی کوئی ترقیاتی کام حسب وعدہ کیا اور نہ اس زمین کو بیچ کر نفع کی نصف رقم دینے کو تیار ہے؛ بلکہ قانونی پختگی وبیع نامہ کرانے کے بعد خود کو مستقل مالک کہتا ہے، نہ تجارت میں بکر کو شریک کرنا چاہتا ہے اور نہ قیمت کے اضافہ ونفع میں حسب وعدہ نصف منافع دینے کو تیار ہے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ جس شرط کے ساتھ بکر نے زید کو نصف قیمت پر زمین دی تھی، اس شرط ووعدہ کو پورا نہ کرنے کی شکل میں بکر اس زمین کی پوری قیمت زید سے وصول کرنے کا شرعاً حق دار ہے یا نہیں؟ اور کیا کسی طرح آدھی رقم وصول کرسکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: عبدالرحمٰن خان قاسمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مسئولہ میں زید کا بکر سے شرط کے ساتھ زمین کی بیع کا جو معاملہ ہوا وہ تمام شرائط باطل ہیں اور وہ شروط فاسدہ میں سے ہیں، ایسی شرائط کے ساتھ بیع جائز نہیں ہوتی؛ کیوں کہ خرید وفروخت میں ایسی شرط لگانا جو متعاقدین میں سے کسی ایک کے لئے نفع مند ہو شرط فاسد کہلاتی ہے؛ لہٰذا اس میں بائع کو یہ حق ہے کہ وہ بیع کو فسخ کرکے مذکورہ زمین کو مشتری سے واپس لے لے اور مشتری کے لئے بھی لازم ہے کہ بلا کسی چوں چرا کے اس زمین کو واپس کردے۔

عن سعید بن زید –رضي الله عنه– أن رسول الله ﷺ قال: من اقتطع

شبرا من الأرض ظلما طوقه الله إياه يوم القيامة من سبع أرضين. (مسلم شريف، باب تحريم الظلم وغصب الأرض وغيرها، النسخة الهندية ۲/ ۳۲، بيت الأفكار، رقم: ۱٦۱۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ رجب ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ٦۸۵۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۳/ ۷/ ۱۴۲۱ھ

بیع میں شرطِ فاسد لگانے کا حکم

سوال [۸٦۷۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے خالد سے ایک زمین دس لاکھ روپئے میں خریدی، دو لاکھ روپئے زید نے خالد کو دے دیئے، باقی آٹھ لاکھ روپئے کے بارے میں خالد نے زید کو یہ سہولت دی کہ آپ یہ آٹھ لاکھ روپئے ۲۰۱۵ء تک یعنی پانچ سال کے اندر اندر ادا کر دینا، چاہے تھوڑا تھوڑا کر کے چاہے یکبارگی دونوں بخوشی اس بیع اور معاملہ پر رضامند ہوگئے، پھر خالد جو بائع ہے، یوں کہتا ہے کہ اگر آپ نے یعنی زید نے اگر پانچ سال کے اندر اندر یہ آٹھ لاکھ کی رقم ادا نہیں کی اور زید پھر منع کرنے لگے کہ میں زمین نہیں لیتا مجھ سے آٹھ لاکھ کی رقم ادا نہیں ہو پا رہی ہے، تو خالد کہتا ہے کہ میں پانچ سال کے بعد زمین کی جو قیمت ہوگی وہ قیمت لگاؤں گا؛ کیوں کہ پانچ سال تک میری زمین آپ کو بیچنے کی وجہ سے بیکار پڑی رہی اور اس قیمت کو میں آپ کی دی ہوئی دو لاکھ کی رقم سے وضع کرلوں گا، خالد کی اس بات پر زید رضامند ہوگیا۔ معلوم یہ کرنا ہے کہ کیا خرید وفروخت کی یہ شکل درست ہے، خالد کا یہ شرط لگانا اور زید کا اس پر رضامند ہو جانا درست ہے؟ شرعاً جو فیصلہ ہو تحریر فرمائیں۔

المستفتی: جلال الدین کملائی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال میں خرید وفروخت سے متعلق جو معاملہ لکھا گیا ہے وہ جائز نہیں ہے؛ اس لئے کہ اس معاملہ کو اس بات پر معلق کیا گیا ہے کہ پانچ سال میں اگر

زید بقیہ آٹھ لاکھ روپیہ ادا نہ کرسکے تو زمین کی طے شدہ قیمت (دس لاکھ روپیہ) باقی نہیں رہے گی؛ بلکہ پانچ سال کے بعد مذکورہ زمین کی جو قیمت ہوگی وہی قیمت ادا کرنی ہوگی اور وہ قیمت مجہول ہے؛ لہٰذا یہ معاملہ بیع فاسد اور واجب الاسترداد ہے اور جو دو لاکھ روپیہ ادا کیا گیا ہے اس کو پورا کا پورا واپس کرنا لازم ہوگا۔ اور پانچ سال کے بعد اگر طرفین آپسی رضامندی سے نئے سرے سے دوسرا معاملہ کرتے ہیں، تو اس کی اجازت ہے۔

عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده أن النبي ﷺ نهى عن بيع وشرط. الخ (مجمع الزوائد، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٨٥، نصب الرأية ٤/ ٤٣، المعجم الأوسط، دارالفكر ٣/ ٢١١، رقم: ٤٣٦١)

والأثمان المطلقة لا تصح إلا أن تكون معروفة القدر والصفة ...... هذه الجهالة تفضي إلى المنازعة، وكل جهالة هذه صفتها تمنع الجواز هذا هو الأصل. (هداية، كتاب البيوع، اشرفي ٣/ ٢٠-٢١)

عن عمرو بن عوف المزني، عن أبيه، عن جده، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: -إلى- والمسلمون على شروطهم، إلا شرطا حرم حلالا، أو أحل حراما. (سنن الترمذي، أبواب الأحكام، باب ما ذكر عن رسول الله ﷺ في الصلح بين الناس، النسخة الهندية ١/ ٢٥١، دارالسلام، رقم: ١٣٥٢، المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ١٧/ ٢٢، رقم: ٣٠)

عن أبي حميد الساعدي، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لا يحل لامرئ أن يأخذ مال أخيه بغير حقه، وذلك لما حرم الله مال المسلم على المسلم. (مسند أحمد بن حنبل ٥/ ٤٢٥، رقم: ٢٤٠٠٣، مجمع الزوائد، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ١٧١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/ ذی قعدہ ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۲۲۰)

بیع واجارہ بیک وقت شئ واحد میں کرنے کا حکم

سوال [۸۶۷۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: سمرن نامی ایک کمپنی ہے جو فارم والے کو مرغی کا بچہ دیتی ہے، بچہ کا بھاؤ بیس روپیہ پچاس پیسہ طے کرتی ہے، چاہے بازار میں اس سے کم بھاؤ ہو یا زیادہ ہو اور ساتھ میں اس بچہ کے متعلق دوائی کا خرچ اور دانہ وغیرہ تمام خرچ کمپنی کے ذمہ ہوتا ہے۔ اور فارم والے کا فارم پانی لائٹ اور محنت ہوتی ہے، کمپنی کی طرف سے فارم والے کو اس کی محنت کی اجرت دے دی جاتی ہے، مگر اس کے لئے چند شرائط ہوتی ہیں، جو مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) مرغی کے ایک کلو وزن کے ساتھ دانہ ایک کیلو ۸۵/ گرام استعمال ہونا چاہئے اور لوگوں کا تجربہ یہ ہے کہ اتنی مقدار دانے میں مرغی کا وزن ایک کیلو ہو جاتا ہے، دانہ کی مقدار طے کر دینے کی وجہ یہ ہے کہ اگر چھوٹ دے دی جائے تو بعض فارم والے دانہ کی چوری کر کے بازار میں بیچ دیتے ہیں۔

(۲) اگر مرغی کا ایک کلو وزن ۴۸/ روپیہ ۲۵/ پیسے تک ہوا تو فارم والے کو ہر کیلو پر ۳/ روپیہ ۸۰/ پیسہ اجرت ملے گی۔ اور اگر اس سے کم خرچ میں تیار ہوا تو ہر ایک روپیہ کم خرچ ہونے پر مزید ۳۰/ پیسہ اجرت ملے گی۔ اور اگر ۴۸/ روپیہ ۲۵/ پیسہ سے زیادہ خرچ لگ گیا تو ہر ایک روپیہ زائد ہونے پر ۳۰/ پیسہ کم ہو جائے گا۔

(۳) پھر اگر کمپنی کو مارکیٹ میں ایک کیلو کا بھاؤ ۵۵/ روپیہ سے زائد ملا تو ہر ایک کلو پر کمپنی مزید ۱۰/ پیسہ انعام دے گی۔

(۴) مال اٹھاتے وقت جس قدر مرغیاں ہوں گی، فقط ان ہی کی اجرت ملے گی، اگر کسی وجہ سے کچھ مرغیاں مرگئی تو مری ہوئی مرغیوں کی اجرت نہیں ملے گی، چاہے مال اٹھانے کے ایک گھنٹہ قبل ہی مری ہوں۔

سوال یہ ہے کہ مذکورہ بالا طریقہ پر کمپنی کے ساتھ معاملہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر جائز نہیں ہے تو جواز کی کیا شکل ہے؟

المستفتی: مولانا مجاہد ڈینڈ رولوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ پر بار بار غور کیا گیا اور بعض مرغی فارم چلانے والوں سے براہ راست تبادلہ خیال کیا گیا، تو معلوم ہوا کہ اس طرح کا معاملہ مرغی فارم چلانے والے کو بھی سمجھ میں نہیں آیا۔ اور بیس روپیہ پچاس پیسے ہر بچہ کی قیمت شمار کی گئی اور ایک مہینہ یا پینتیس دن تک ان کی دیکھ ریکھ پرورش کرنے کے لئے تین روپیہ تیس پیسہ فی بچہ اجرت طے کی گئی، تو سب سے تضادیوں پیش آیا کہ شروع میں بیع کی بات سمجھ میں آرہی ہے اور آخر میں اجارہ کی بات سمجھ میں آتی ہے۔ اور بیع واجارہ بیک وقت شئ واحد میں جائز نہیں ہے۔ اور اس میں کچھ شرائط مجہول اور متردد فیہ لگائی گئی ہیں:

(۱) اگر مرغی کا ایک کیلو وزن ۴۸/ روپیہ ۲۰/ پیسہ تک ہوا تو فارم والے کو ہر کیلو پر ۳/ روپیہ ۸۰/ پیسے اجرت ملے گی۔ اور اگر اس سے کم خرچ میں تیار ہوا تو کم خرچ ہونے پر ۳۰/ پیسہ مزید اجرت ملے گی۔ اور اگر ۴۸/ روپیہ ۲۵/ پیسہ سے زائد خرچ لگ گیا تو ہر روپیہ زائد ہونے پر ۳۰/ پیسہ کم ہو جائیں گے۔ اور پھر کمپنی کو مارکیٹ میں ایک کیلو کا بھاؤ ۵۵/ روپیہ سے زائد ملا تو کمپنی فی کیلو پر دس پیسہ انعام دے گی، یہ سب امر متردد فیہ ہیں، جن کی وجہ سے یہ معاملہ شرعاً جائز نہیں ہے۔

عن عبداللّٰہ بن مسعود –رضی اللّٰہ عنہ– قال: نهى رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم عن صفقتين في صفقة. (مسند أحمد بن حنبل ۱/ ۳۹۸، رقم: ۳۷۸۲، مسند البزار، مكتبة العلوم والحكم ۵/ ۳۸٤، رقم: ۲۰۱۷)

ومنها: أن يكون المبيع معلوما، والثمن معلوما علما يمنع من المنازعة، فالمجهول جهالة مفضية إليها غير صحيح. (البحرالرائق،

كتاب البيوع، كوئٹه ٥/ ٢٦٠، زكريا ٥/ ٤٣٦، هندية، زكريا قديم ٣/ ٣، جديد ٣/ ٦، شامي، زكريا ٧/ ١٥، كراچی ٤/ ٥٠٥، الموسوعة الفقهية الكويتية ١٣/ ٤٣)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍جمادی الاولیٰ ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۶۸۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۵/۷ھ

معدوم کی بیع کا حکم

سوال [۸۶۷۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: آج کل ایک کمپنی ایم سی ایکس کے نام سے زور شور سے چل رہی ہے، اس کا پورا نام ''میلٹی کمودیٹی ایکسچینج'' ہے اس کا ہیڈ کواٹر بمبئی میں ہے اور اس کی آفسیں پورے ملک میں پھیلی ہوئی ہیں۔ اور ان تمام برانچ آفسوں میں کمپنی کے افراد متعین ہیں اور ہر آفس میں کمپیوٹر بھی لگا ہوا ہے، اس کا کام یہ ہوتا ہے کہ ملکی اور بین الاقوامی مارکیٹوں میں اشیاء کا بھاؤ کیا ہے وہ اپنے کمپیوٹر میں انٹرنیٹ کے ذریعہ سے درج کروالیتا ہے، مثلاً سونا، چاندی، تابنا، پیتل، گیہوں، چاول، پیپل منٹ کا تیل وغیرہ مختلف اشیاء کا ملکی اور بین الاقوامی بھاؤ معلوم کر کے کمپیوٹر اسکرین پر درج کردیا جاتا ہے۔ اور کمپنی کے پاس ان اشیاء میں سے کوئی چیز نہیں ہوتی ہے اور نہ ہی یہ کمپنی کسی چیز کی مالک ہوتی ہے، بس اس کا کام صرف اتنا ہے کہ دنیا بھر کی چیزوں کا بھاؤ اپنی اسکرین پر درج کردے۔ اور دوسرا کام یہ ہوتا ہے کہ اپنے ورکروں کے ذریعہ سے اور اپنی برانچ آفسوں کے ذریعہ سے عام لوگوں کو اس کمپنی میں شرکت کی دعوت دیتی ہے۔ اور اس کی شرکت کی شکل یہ ہے کہ کم سے کم پندرہ ہزار روپئے پہلی بار آفس میں جمع کریں اور یہ طے کر کے جمع کریں کہ کمپیوٹر اسکرین میں مختلف اشیاء کا جو بھاؤ آرہا ہے پندرہ ہزار روپئے میں ان میں سے کوئی چیز زبانی خریدلیں کہ جو پندرہ ہزار روپئے ہم نے

آپ کو دیا ہے، اس کی ہم مثلاً چاندی خرید لیتے ہیں، مثلاً اس وقت ڈیڑھ کلو چاندی پندرہ ہزار روپئے میں مل سکتی ہے اور اسکرین میں چاندی کا بھاؤ آیا ہے کہ دس ہزار روپئے کلو ہے، تو ہم وہیں بیٹھے بیٹھے آفس میں جس آدمی کو پندرہ ہزار روپے دیتے ہیں اس سے ہم یہ کہہ دیں کہ ہم نے آپ سے ڈیڑھ کلو چاندی خرید لی اور وہ اسکرین اسی طرح گھومتی رہے گی، حالاں کہ اس کے پاس چاندی نہیں ہے اور نہ ہی اس کی ملکیت میں ہے، اور مثلاً شام کو چاندی گیارہ ہزار روپئے بن گئی ہے تو ہمارے ڈیڑھ کلو کی قیمت ساڑھے سولہ ہزار بن گئی ہے، ہم اسی وقت آفس کے ذمہ دار سے یہ کہہ کر کے ساڑھے سولہ ہزار روپئے لے سکتے ہیں کہ ہم نے آپ کے ہاتھ چاندی بیچ دی ہے، ہمیں ساڑھے سولہ ہزار روپئے دے دو، اسی طرح اگر چاندی کا بھاؤ گھٹ گیا ہے، تو وہ ہمیں اتنا گھٹا کر دے گا جتنا بھاؤ گھٹ گیا ہے، یہی اس اسکیم اور کمپنی کا خلاصہ ہے، حالاں کہ کمپنی کے پاس نہ تو چاندی موجود ہے اور نہ ہی کمپنی اس کی مالک ہے، بس صرف بین الاقوامی یا ملکی قیمت اس کی اسکرین پر آتی رہتی ہے، تو کیا شریعت میں اس طرح کی تجارت اور لین دین جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد قربان، خادم مدرسہ فیض العلوم، تھانہ بٹن رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب یہ کمپنی کسی چیز کی مالک نہیں ہے اور نہ ہی کوئی چیز اس کے پاس موجود ہے اور نہ کمپنی کا ارادہ خریدکر ان اشیاء کو اپنی ملکیت میں لانے کا ہے اور نہ ہی کمپنی حقیقی مالک اور خریدار کے درمیان مذکورہ اشیاء کے فروخت کروانے اور خریدوانے کا حقیقی معنی میں واسطہ ہے؛ بلکہ یہ ایسا ہے جیسے ہاتھی کے دانت ہیں دکھانے کے اور ہیں کھانے کے لئے دوسرے ہیں، اس لئے ایسا معاملہ شریعت میں شروع سے آخر تک جائز نہیں ہے۔

عن حكيم بن حزام –رضي الله عنه– قال: نهاني رسول الله ﷺ أن أبيع ماليس عندي. (سنن الترمذي، البيوع، باب ماجاء في كراهية بيع ما ليس عندك، النسخة الهندية ١/ ٢٣٣، دارالسلام، رقم: ١٢٣٣)

وبيع ما ليس في ملكه لبطلان بيع المعدوم وماله خطر العدم (درمختار) وفي الشامية: قوله: لبطلان بيع المعدوم: إذ من شرط المعقود عليه أن يكون موجودا مالا متقوما مملوكا في نفسه، وأن يكون ملك البائع فيما يبيعه لنفسه، وأن يكون مقدور التسليم. (شامي، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مطلب الآدمي مكرم شرعا ولو كافرا، زكريا ٧/ ٢٤٦، كراچی ٥/ ٥٨-٥٩، البحرالرائق، زكريا ٥/ ٤٣٥، كوئٹه ٥/ ٢٦٠، بدائع الصنائع، زكريا ٤/ ٣٣٩، كراچی ٥/ ٤٦، الموسوعة الفقهية الكويتية ٩/ ١٥٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹ر محرم الحرام ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۱۵۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۹/۱/۱۴۲۸ھ

’’بیع منابذہ‘‘

سوال [۸۶۷۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک کام یہاں ہوتا ہے کہ کئی آدمی مل کر ایک جگہ روپیہ جمع کراتے ہیں، پھر وہ انعام کے طور پر قرعہ اندازی کرتے ہیں اور اس میں کسی کے نام کولر، کسی کے نام ریڈیو، کسی کے ٹیلی ویزن، کسی کے اسکوٹر، کسی کے کپڑا دھونے کی مشین نکلتی ہے، کئی چھوٹے بڑے انعام اوروں کے بھی نکلتے ہیں، ایسی صورت میں یہ سب کام جائز ہے یا ناجائز؟

المستفتی: حاجی ماسٹر علی محمد جھن جھنوں، راجستھان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مذکورہ معاملہ اور اسکیم بیع منابذہ اور بیع القاء الحجر ہونے کی وجہ سے ناجائز اور باطل ہے، جس کو شریعت نے قطعی طور پر حرام قرار دیا ہے۔

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– أن رسول الله صلى الله عليه وسلم

نهى عن الملامسة والمنابذة. (صحيح مسلم، البيوع، باب إبطال بيع الملامسة والمنابذة، النسخة الهندية ۲/ ۱، بيت الأفكار، رقم: ۱۵۱۱)

ولا يجوز البيع بإلقاء الحجر، والملامسة، والمنابذة. (هداية، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، أشرفي ۳/ ۳۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍رجب المرجب ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۳۳۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۱/۷/۱۴۲۲ھ

کمیٹی کا خریدار سے متعینہ رقم سے زیادہ کا مطالبہ کرنا

سوال [۸۶۷۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے شہر کھرگون میں عامۃ المسلمین کی ایک منتخب کمیٹی (جماعت اصلاح المسلمین) ہے، جو قومی وملی خدمات انجام دیتی ہے، مذکورہ جماعت شہر میں مکاتب بھی چلاتی ہے، قوم وملت کے مفاد کو مدنظر رکھتے ہوئے اصلاحات کرنا اور وقت اور موقع کی نزاکت کے اعتبار سے قوم وملت کی صحیح رہنمائی کرنا وغیرہ اس جماعت کے اہم مقاصد ہیں۔

جماعت کو اپنے دینی، قومی وملی پروگرام منعقد کرنے کے لئے ایک جماعت خانہ (بڑے ہال) کی اشد ضرورت تھی، اس اہم ضرورت کی تکمیل کے لئے جماعت نے باتفاق رائے یہ طے کیا کہ جماعت کے پاس جو کھیت ہے اس میں پلاٹ کاٹ دئے جائیں اور آسان قسطوں پر عام غریب مسلمانوں کو فروخت کردیئے جائیں اور اس سے حاصل ہونے والی رقم سے جماعت خانہ تعمیر کیا جائے، تاکہ بے گھر غریب مسلمانوں کو گھر مل جائیں اور جماعت خانہ کی تعمیر بھی انجام پذیر ہوسکے گی۔

آج سے تقریباً ۱۸؍سال قبل جماعت نے اپنے کھیت میں ۲۳۷؍ پلاٹ کاٹے تھے مختلف قسم کے مختلف سائز کے پلاٹ کاٹے اور مسلمانوں کو فروخت کردئے، مثلاً -/18,000

-/6,000 -/8,000 -/10,000 آسان قسطوں پر فروخت کئے شروع میں قسطیں جمع کرواتے رہیں، مگر جماعت کی باڈی ہر تین سال میں بدلتے چینج ہونے کی وجہ سے قسطوں کا جمع کرنے اور کروانے کا سلسلہ ختم ہوگیا، نتیجہ یہ ہوا کہ کچھ ہی لوگوں کی قسطیں پوری جمع ہوسکیں اور اکثر قسطیں باقی رہ گئیں، کسی کی کم تو کسی کی زیادہ۔

پلاٹ کے خریداروں نے کئی مرتبہ جماعت کے صدر، سکریٹری سے درخواست کی کہ ہماری قسطیں جمع کرلی جائیں اور پلاٹ کی رجسٹری کروادی جائے؛ لیکن کسی بھی صدر نے اس پر سنجیدگی سے غور نہیں کیا، تادم تحریر صرف ۱۴-۱۵ / پلاٹوں کی رجسٹری ہی ہوسکی ہے۔

ماضی کی طرح موجودہ باڈی سے بھی پلاٹ کے خریداروں نے درخواست کی کہ قسطیں جمع کرکے رجسٹری کروادی جائے اور ہمارے پلاٹوں پر ہمیں قبضہ دیا جائے، الحمدللہ موجودہ باڈی نے ہماری درخواست کو قبول کرتے ہوئے ایک میٹنگ بلائی، مگر استغفر اللہ جماعت نے ایک بے جا اور بے تکا فیصلہ لے کر پلاٹ کے خریداروں کو بہت ہی مایوس کیا ہے۔

زیادہ تفصیل میں نہ جاتے ہوئے عرض ہے کہ جماعت نے یہ فیصلہ لیا ہے کہ چونکہ پلاٹوں اور زمین کی قیمت آسمان چھو رہی ہے؛ اس لئے فی الحال زمین کے جو بھاؤ اور ریٹ چل رہے ہیں اس اعتبار سے پلاٹ کی قیمت ادا کی جائے، جماعت کے اس فیصلہ کے مطابق مثلاً -/6,000 کے پلاٹ کی قیمت ایک لاکھ روپے -/8,000 والے کی قیمت ڈیڑھ لاکھ روپے -/10,000 اور -/18,000 والے کی ۲ / ڈھائی تین لاکھ روپے اب ادا کرنی ہوگی۔ عرض یہ ہے کہ پلاٹ کی قیمت کئی گنا اضافے کے ساتھ ادا کرنی ہوگی، جب ہی پلاٹ پر قبضہ ہوسکے گا، اور تعجب تو یہ ہے کہ جماعت اس اضافی رقم کو امداد اور تعاون کا لبادہ پہنا کر قوم کو لبھا رہی ہے اور قوم کو اپنی بات منوا کر اپنے فیصلہ کو برقرار رکھنے میں مصروف ہے۔ اور کہتی ہے کہ یہ اضافی رقم امداد ہے، جس سے قوم کے کام انجام دئے جائیں گے۔

جماعت کے اس فیصلے سے عوام میں کافی بے چینی اور انتشار کی صورت حال پیدا ہوگئی ہے، دن بدن ٹکراؤ کے حالات بن رہے ہیں۔ غور طلب امر یہ ہے کہ:

(۱) ۱۸؍سال قبل جماعت نے جو پلاٹ فروخت کئے تھے، اس کی قیمت آج کئی گنا ہوگئی ہے، تو کیا جماعت کو شرعاً حق ہے کہ وہ موجودہ قیمت پر خریداروں سے رقم وصول کریں؟
(۲) جماعت اس اضافی رقم کو امداد کا نام دے رہی ہے، تو شرعی نقطہ نظر سے یہ امداد ہوگی اور امداد لینے کا یہ طریقہ کس زاویے سے درست ہے؟ جتنی جلدی ممکن ہو تسلی و تشفی بخش جواب قرآن وحدیث کی روشنی میں عنایت فرما کر ممنون ومشکور فرمائیں، نوازش ہوگی۔

المستفتی: عبدالرشید انصاری کھرگون

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں اٹھارہ سال پہلے جو پلاٹ جس قیمت پر فروخت ہوئے تھے، کمیٹی کے لئے اس متعینہ رقم سے زیادہ وصول کرنا جائز نہیں ہے، ہاں البتہ اگر پوری رقم ادا کرنے کے لئے ایک مدت متعین ہوچکی تھی اور اس وقت پر ادائیگی نہیں کی گئی تو ایسی صورت میں کمیٹی کے لئے گذشتہ عقد کو ختم کرکے ازسرنو کسی بھی رقم پر فروخت کرنا درست ہوگا۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۶/ ۵۰۶)

ولأنہ لما تعذر استیفاء الثمن من المشتري فات رضا البائع، فیستبد بفسخہ. (ھدایۃ آخرین، کتاب القضاء، باب التحکیم، أشرفي ۳/ ۱۴۷، البحرالرائق، کوئٹہ ۷/ ۳۶، زکریا ۷/ ۶۱)

إذا تبایعا علی أن یؤدی المشتري الثمن في وقت کذا وإن لم یؤدہ فلا بیع بینھما صح البیع –إلی قولہ– إذا لم یؤد المشتري الثمن في المدۃ المتعینۃ کان البیع الذي فیہ خیار النقد فاسدا، ولکل من العاقدین فسخہ، إذا بقي المبیع علی حالہ. (شرح المجلۃ رستم، مکتبہ اتحاد ۱/ ۱۶۶، رقم المادۃ: ۳۱۳-۳۱۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍جمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۱۰۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۳/۵/۱۴۳۴ھ

دوسرے کی زمین فروخت کرنے کا حکم

سوال [۸۶۷۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں نے ایک مکان تقریباً پندرہ وبیس سال پہلے اپنے ماموں سے خریدا تھا، جس میں ایک زینہ آمد ورفت کا ہے جوکہ میرے استعمال میں ہے، مگر اب آ کر مجھ پر واضح ہوا ہے کہ وہ زینہ پڑوسی کے آنچک میں بنا ہوا ہے، ان کے اور پڑوسی کے بیچ میں مقدمہ بازی بھی ہوئی تھی، جس کے تصفیہ میں یہ لکھا ہے کہ ان کو زینہ کا حق تصرف حاصل تھا، نہ کہ ملکیت آج وہ وہ جگہ میرے استعمال میں ہے، کیا ان کو وہ جگہ بیچنے کا حق تھا؟

(۲) اب جب کہ وہ مکان میری ملکیت ہے اور مجھے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کو اس جگہ کا صرف حق تصرف تھا، حق ملکیت نہیں تو وہ جگہ میرے لئے جائز ہے اگر نہیں تو کیا کرنا چاہئے؟

المستفتی: کرامت علی ۲۴ / پرگنہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جب وہ زمین پڑوسی کی ہے اور اس کا آپ کے ماموں کو استعمال کے لئے دینا آپ پر ایک احسان ہے، آپ کے ماموں کو فروخت کرنے کا حق نہیں ہے؛ اگر فروخت کردیا ہے تو پڑوسی کو اپنا حق واپس لے لینے کا حق ہے۔

عن أبي حميد الساعدي، أن رسول الله ﷺ قال: لا يحل لامرئ أن يأخذ مال أخيه بغير حقه، وذلک لما حرم الله مال المسلم على المسلم.

(مسند أحمد بن حنبل ۵/ ۴۲۵، رقم: ۲۴۰۰۳)

عن أبي حرة الرقاشي، عن عمه، أن رسول الله ﷺ قال: لا يحل مال رجل مسلم لأخيه، إلا ما أعطاه بطيب نفسه. (السنن الكبرى للبيهقي، باب أهل البغي إذا فاؤا، دارالفكر ۱۲/ ۳۵۲، رقم: ۱۷۲۲۴)

لا يجوز لأحد أن يتصرف في ملک الغير بغير إذنه. الخ. لا يجوز لأحد أن يأخذ مال أحد بلا سبب شرعي. الخ (قواعد الفقه، أشرفي، ص: ۱۱۰،

رقم: ۲٦۹ - ۲۷۰، شرح المجلة رستم، مکتبه اتحاد ۱/ ٦۱-٦۲، رقم المادة: ۹٦-۹۷)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ رجب ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۱۳/۳۵۱۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۳؍۷؍۱۴۱۴ھ

دوسرے کی دوکان اپنی بنا کر فروخت کرنے کا حکم

سوال [۸٦۷۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کے والد احمد نبی خان ولد عبد الغنی خان نے ایک قطعہ دوکان اپنے انتقال کے بعد چھوڑی۔ اور زید کے والد مرحوم کے زید سمیت دو لڑکے، دو لڑکیاں، چار بچے تھے، جو اس دوکان کے شرعاً مالک ہوگئے تھے، اس کے بعد زید کے چچا نیاز احمد خان ولد عبد الغنی خاں نے زید سمیت چاروں بہن بھائی سے یہ کہہ کر کہ تم کو دوکان سے زیادہ آمدنی ہوجاوے گی، میں دوکان کو دوبارہ تعمیر کرا کر دے دوں اور جب تک میرا لگا ہوا تعمیر میں روپیہ وصول ہوگا دوکانوں کا کرایہ اس وقت تک میں وصول کرتا رہوں گا، جب تک میرا لگا ہوا پیسہ کل وصول ہوگا اس کے بعد کرایہ داروں سے کرایہ آپ لوگوں کو دلوا دوں گا، ہم چاروں نے ان کو اپنا چچا سمجھتے ہوئے اجازت دے دی، تعمیری کام شروع ہوگیا، اسی دوران ہم کو معلوم ہوا کہ چچا نے خود کو مالک بتا کر نقشہ بنوایا ہے، تب ہم نے ان سے معلوم کیا تب انہوں نے یہ کہا کہ میں تمہارا چچا ہوں، تم اگر چاہو تو میں تم کو اقرار نامہ کرا دوں؛ لہٰذا انہوں نے چاروں کے مالک رہنے کا اقرار نامہ لکھا دیا جو کہ زید کے پاس موجود ہے؛ لیکن چچا نے ان دوکانوں کو اپنی بیٹی رخسانہ کو بیچ دیا، جب کہ وہ مالک ہی نہیں تھے، اب چچا کا انتقال ہوگیا ہے، ایسی صورت میں کون مالک ہوا؟

المستفتی: راحت جان جامع مسجد روڈ مغل پورہ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر ایسا واقعہ ہے جیسا کہ سوال نامہ میں درج ہے، تو اس دوکان کا مالک نیاز احمد نہیں ہے اور نہ ہی اس کو فروخت کرنے کا حق ہے؛ بلکہ احمد نبی خان کی مذکورہ اولاد ہی مالک ہوں گی اور انہیں کو قبضہ دے دینا لازم ہوگا۔ اور ان کے چچا نیاز احمد خان کا فروخت کرنا صحیح نہیں ہے؛ البتہ چچا نے جتنا خرچ کیا وہ لے سکتا ہے۔

عن أبي حرة الرقاشي، عن عمه، أن رسول الله ﷺ قال: لا يحل مال امرئ مسلم إلا بطيب نفس منه. (شعب الإيمان للبيهقي، باب في قبض اليد عن الأموال المحرمة، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٣٨٧، رقم: ٥٤٩٢)

لا يجوز لأحد أن يأخذ مال أحد بلا سبب شرعي. الخ (قواعد الفقه، أشرفي، ص: ١١٠، رقم: ٢٦٩، شرح المجلة رستم، مكتبه اتحاد ١/ ٦٢، رقم المادة: ٩٧، هندية، زكريا قديم ٢/ ١٦٧، جديد ٢/ ١٨١، مجلة الأحكام العدلية ١/ ٢٧، رقم: ٩٧)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸؍ شوال ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۴۷۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۱۰/۲۸ھ

دوسرے کی چیز بلا اجازت فروخت کرنے کا حکم

سوال [۸۶۷۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید ایک پتھر کی کان کا مالک ہے، عمرو خریدار نے ۲۰؍ روپیہ کے حساب سے کٹ سائز کے پیسے ادا کردئے اور زید نے قبول کرتے ہوئے کہا کہ کان سے پتھر نکلتے ہی اس کو کٹ سائز کے اعتبار سے کٹوا کر اور اس کی ٹائلیں بنا کر آپ کے حوالہ کردوں گا، اب جب پتھر کان سے باہر آتا ہے، تو زید بجائے اس کی ٹائلیں بنانے کے دوسرے شخص بکر کے ہاتھوں دوگنی

قیمت میں بیچتا ہے (قطع نظر اس سے کہ بکر کو اس پتھر کے بکے ہوئے ہونے کا علم تھا یا نہیں) اور زید عمرو مشتری اول کو کہتا ہے کہ ۲۵/ روپیہ کے اعتبار سے تمہارا حصہ رکھ کر پر وفٹ سمیت تمہیں دے دوں گا اور باقی منافع میں رکھوں گا، تو کیا زید کا مشتری اول عمرو کی اجازت سے پتھر کو بیچنا اور اسکوائرفٹ ۵/ روپیہ کا منافع عمرو کو دے کر باقی خود رکھنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر بحکم شرع زید کے لئے منافع رکھنا جائز نہیں ہو تو عمرو نے جو پر وفٹ ۵/ روپیہ کا منافع لیا ہے وہ اس کے لئے حلال رہے گا یا نہیں؟

المستفتی: محمد رمضان، مکرانوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: طے شدہ عقد کے مطابق وہ پتھر عمرو ہی کی ملکیت ہے؛ لہٰذا عمرو کی ملکیت کی چیزوں کو زید نے اس کی اجازت کے بغیر جو فروخت کیا ہے، اس کی تلافی کی دو شکلیں ہیں: پہلی شکل یہی ہے کہ جتنے میں فروخت کیا ہے وہ سارا پیسہ عمرو کے حوالہ کر دے، ہاں البتہ اس میں زید عمرو سے اتنا مطالبہ کر سکتا ہے کہ فروخت کرنے کے محنتانہ کے طور پر کچھ اجرت زید کو مل جائے یہ بھی عمرو کی طرف سے تبرع ہوگی، لازم نہیں ہوگی۔ دوسری شکل یہ ہے کہ عمرو کے جو پتھر زید نے فروخت کر دیئے ہیں بعینہٖ اسی صفت اور اسی معیار کے اتنے پتھر زید عمرو کے حوالہ کر دے، چاہے اسی کان میں سے یا دوسری جگہ سے خرید کر۔

عن أبي حرة الرقاشي، عن عمه، أن رسول الله ﷺ قال: لا يحل مال امرئ مسلم إلا بطيب نفس منه. (مسند أبي يعلى الموصلي، دارالكتب العلمية بيروت ٢/ ٩١، رقم: ١٥٦٧، مسند أحمد بن حنبل ٥/ ٧٢، رقم: ٢٠٩٧١، سنن الدار قطني، كتاب البيوع، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ٢٢، ٢٨٦٢-٢٨٦٣)

ليس لأحد أن يأخذ مال غيره بلا سبب شرعي. (شرح المجلة رستم، مكتبه اتحاد ديوبند ١/ ٦٢، رقم المادة: ٩٧)

وإن أخذه ولو على ظن أنه ملكه وجب عليه رده علينا، إن كان قائما

وإلا فيضمن قيمته إن كان قيما، ومثله إن كان مثليا. (شرح المجلة رستم، مكتبه اتحاد ديوبند ١/ ٦٢، رقم المادة: ٩٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵؍ ربیع الثانی ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۶۶۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۵/ ۴/ ۱۴۳۳ھ

لون کے رکشہ فروخت کرنے کا حکم

سوال [۸۶۸۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) میں ایک رکشہ ایجنٹ ہوں، نیا رکشہ لون کروا کر بیچ سکتا ہوں یا نہیں؟ خریدنے والا ایمان والا ہو یا غیر ایمان والا؟

(۲) اگر خریدنے والا غیر ایمان والا ہے اور جس کے نام پر لون کر رہے ہیں وہ بھی غیر ایمان والا ہو تو اس کو لون کروا کر دینا جائز ہے یا نہیں؟

(۳) نیا رکشہ اگر کیش میں ایک لاکھ دس ہزار میں پڑتا ہے، اس میں انکم ٹیکس کی پروبلم ہونے کی وجہ سے لوگ لون کی ہی مانگ کرتے ہیں، تو ایسی صورت میں لون کروا سکتے ہیں یا نہیں؟ (۴) جس رکشہ پر لون پہلے سے موجود ہو تو وہ رکشہ خرید کر بیچ سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: محمد عمران یونس پٹھان نمبر ۱۰۱ ر بھوانی پیٹھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: (۱) لون پر رکشہ لینے میں تین شکلیں نکلتی ہیں: ایک شکل تو ناجائز اور دو شکلیں جائز ہیں:

(۱) ناجائز شکل: خریدنے والا اگر کمپنی سے از خود ایک لاکھ روپیہ میں رکشہ خریدے اور اس کی قیمت بینک ادا کرے، لیکن بینک خریدار سے ایک لاکھ پانچ ہزار روپیہ وصول کرے، تو یہ خریدار کا بینک کو پانچ ہزار روپیہ مزید دینا ناجائز اور حرام ہے۔ اور یہ سود میں داخل ہے۔

عن فضالة بن عبيد صاحب النبي ﷺ أنه قال: كل قرض جر منفعة فهو وجه من وجوه الربا. (السنن الكبرى للبيهقي، البيوع، باب كل قرض جر منفعة فهو ربا، دارالفكر ٨/ ٢٧٦، رقم: ١١٠٩٢)

عن إبراهيم قال: كل قرض جر منفعة فهو ربا. (المصنف لابن أبي شيبة، البيوع، من كره كل قرض جر منفعة، موسسة علوم القرآن جديد ١٠/ ٦٤٨، رقم: ٢١٠٧٨)

كل قرض جر نفعا فهو حرام. (شامي، البيوع، باب المرابحة والتولية، مطلب كل قرض جر نفعا حرام، زكريا ٧/ ٣٩٥، كراچی ٥/ ١٦٦)

(۲) بیع مرابحہ کی شکل: جو جواز کے دائرہ میں آتی ہے، یہ ہے کہ بینک خریدار کے ساتھ اپنے کسی آدمی کو بھیج دے اور بینک کا آدمی بینک کے لئے ہی ایک لاکھ روپیہ میں کمپنی سے سودا کرے، تو وہ گاڑی بینک کی ہوجائے گی، پھر بینک خریدار کو ایک لاکھ پانچ ہزار روپے میں فروخت کردے، تو یہ شکل شرعاً جائز ہے۔

عن أبي بحر عن شيخ لهم، قال: رأيت على علي رضى الله عنه إزارا غليظا، قال: اشتريت بخمسة دراهم، فمن أربحني فيه درهما بعته إياه.

(السنن الكبرى للبيهقي، البيوع، باب المرابحة، دارالفكر ٨/ ٢٢٩، رقم: ١٠٩٤٤)

المرابحة بيع بمثل الثمن الأول، وزيادة ربح (إلى قوله) جائز. (عالمگيري، زكريا قديم ٣/ ١٦٠، جديد ٣/ ١٥٦، معجم لغة الفقهاء، كراچی، ص: ٤٢٠، المحيط البرهاني، المجلس العلمي ١٥/ ١٨٣، رقم: ١٢٧٢٩)

(۳) وکالت کی شکل: یہ بھی جواز کے دائرہ میں آتی ہے کہ بینک خریدار کو اپنا وکیل بنادے، پھر وہی شخص رکشہ کو کمپنی سے خرید کر بینک کے حوالہ کردے، پھر بینک اس رکشہ کو ایک لاکھ پانچ ہزار روپیہ میں فروخت کردے، تو یہ صورت بھی شرعاً جائز ہے۔ اور اخیر کی ان دو صورتوں کے مطابق اگر بینک سے رکشہ کا لون کرایا جائے تو درست ہے، ورنہ نہیں۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۳/ ۱۳۵، انوار رحمت، ص: ۲۱۲، ایضاح النوادر ۱/ ۱۰۷)

(۲) اگر خریدنے والا غیر مسلم ہو اور جس کے نام لون کرایا جائے وہ بھی غیر مسلم ہو، تو ایسی صورت میں ان کے حق میں یہ معاملہ درست ہے۔ اور آپ کے لئے لون کرانا جب کہ خرید نے والا اور بینک کے تمام ذمہ دار غیر مسلم ہیں، تو جائز اور درست ہے۔

فهذا عمر قد أجاز لأهل الذمة ببيع الخمر والخنازير، وأجاز للمسلمين أخذ أثمانها. (إعلاء السنن، البيوع، باب حرمة بيع الخمر والخنزير والأصنام، دارالكتب العلمية بيروت ١٤/ ١٣٥، كراچی ١٤/ ١١٢، أنوار رحمت/ ١٩٤)

(۳) انکم ٹیکس کی مجبوری ہے، تو ایسی صورت میں مرابحہ اور وکالت کی شکلیں اختیار کریں جو جواب نمبر ۱/ کی شکل نمبر ۲/ اور نمبر ۳/ میں موجود ہے۔

(۴) اگر لون کرتے وقت لون کی صراحت کردی گئی ہو تو کوئی دھوکہ دہی نہیں ہے، مگر ایک سودی معاملہ میں شامل ہونے کی بنا پر گنہگار ہوگا۔

عن جابر –رضي الله عنه– قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم آكل الربو ومؤكله، وكاتبه، وشاهديه، وقال: هم سواء. (مسلم شريف، باب لعن أكل الربا وموكله، النسخة الهندية ٢/ ٢٧، بيت الأفكار، رقم: ١٥٩٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶/ رجب ۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۰۴۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۶/ ۷/ ۱۴۲۷ھ

سامان نہ ملنے پر ۴۵/ سو کی جگہ چھ ہزار لینے کا حکم

سوال [۸۶۸۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید پتھر کی کان کا مالک ہے، عمرو نے زید کی کان میں جمے ہوئے پتھر کا ناپ چوک کرتے ہوئے کہا کہ میں یہ پتھر -/4,500 میں خریدتا ہوں اور پیسے دے دئے، زید نے قبول کرتے ہوئے کہا کہ اگر میں نے یہ پتھر وقت مقررہ پر آپ کے حوالہ نہ کیا تو آپ کو

-/6,000 روپیہ دے دوں گا، دھیان رہے کہ ایک پتھر جو کان میں جما ہوا ہوتا ہے، اس کو باہر آنے میں تقریباً دو تین مہینہ لگ ہی جاتے ہیں اور باہر آنے کے بعد وہی پتھر جو جمے ہوئے ہونے کی حالت میں -/4,500 کا تھا، چھ ہزار یا سات ہزار میں بکتا ہے، ان ہی باتوں کو ذہن میں رکھتے ہوئے، زید نے خود ہی کہا تھا کہ اگر میں نے وقت مقررہ پر آپ کے حوالہ نہ کیا تو میں آپ کو ۶۰۰۰ ؍ ہزار روپئے دے دوں گا، تو کیا عمرو کا ۴۵۰۰ ؍روپئے دے کر ۶۰۰۰ ؍روپئے لینا شرعاً درست ہے یا نہیں؟ جب کہ عمر نے ۴۵۰۰ ؍روپئے کے اوپر کا جو منافع ہے، ڈیڑھ یا دو ہزار اس کو حاصل کرنے کے لئے ہی زید کو تین مہینہ پہلے ۴۵۰۰ ؍ روپئے دیئے تھے۔

المستفتی: محمد رمضان مکرانوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) سوال میں ذکرکردہ صورت میں عمرو کے دیئے ہوئے ۴۵۰۰ ؍روپئے کے بدلے ۶۰۰۰ ؍روپئے لینے میں ۱۵۰۰ ؍روپئے سود ہوجائیں گے، اور نقصان سے بچنے کی شکل یہ ہے کہ طے شدہ پتھر ہی وصول کرلیں۔ (احسن الفتاوی ۶/ ۴۸۱، آپ کے مسائل اوران کا حل ۶/۱۶۴)

فإن تعذر عليه الأداء زادوا في الحق والأجل، فهذا هو الربى الذي كانوا في الجاهلية يتعاملون به. (تفسير كبير ٧/ ٩١)

كان الرجل إذا حل ماله على صاحبه يقول المطلوب للطالب: زدني في الأجل، وأزيدک على مالک، فإذا فعل ذلک قيل لهم هذا ربا، قالوا: سواء علينا إن زدنا في أول البيع أو عند محل المال فهما، سواء فأكذ بهم الله تعالىٰ، فقال: ﴿واحل الله البيع وحرم الربوا﴾ (الدرالمنثور، تحت رقم الآية: ٢٧٥ من سورة البقرة، دارالكتب العلمية بيروت ١/ ٦٤٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵ ؍ربیع الثانی ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۶۶۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۴/۲۵ھ

۵۰۰/روپئے کا بل ۴۰۰/روپئے میں فروخت کرنا

سوال [۸۶۸۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے اپنا غلہ ان شرطوں پر فروخت کیا فی کوئنٹل -/2,200 روپئے نقد -/1,700 روپئے -/500 روپئے دوقسطوں میں ملیں گے۔ -/500 روپئے ملنے میں دیر ہوگئی، زید کو ضرورت پڑی پیسوں کی تو زید نے -/500 روپئے کا بل بیچ دیا، حارث نے زید کے غلہ کا بل -/400 روپئے میں خریدا، حارث کا کم قیمت میں بل خریدنا یعنی -/500 روپئے کا بل -/400 روپئے میں خریدنا شریعت کی نظر میں کیسا ہے؟

المستفتی: سید اشرف علی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید کا غلہ فروخت کرنے کے بعد پانچ سو روپئے ملنے میں تاخیر ہونے کی بنا پر پانچ سو روپئے کا بل چار سو روپئے میں فروخت کرنا، میعادی چیک کی بیع اور بیع الجامکیہ کے مرادف ہو کر ناجائز وحرام ہوگا۔ اور بیع الجامکیہ کی صورت یہ ہے کہ حکومت کا ملازم یا صاحب وظیفہ جس کو منجانب حکومت مقررہ میعاد پر تنخواہ یا وظیفہ ملتا ہے، وہ کبھی وقت مقررہ سے پہلے ضرورت کی وجہ سے کم پیسے میں اپنی تنخواہ یا وظیفہ فروخت کر دیتا ہے اور خریدار وقت مقررہ پر صاحب وظیفہ کے نام سے پورا وظیفہ وصول کر لیتا ہے، تو حضرات فقہاء نے اس طرح کی خرید وفروخت کو ناجائز اور حرام کہا ہے؛ اس لئے زید کے لئے قبل از وقت کم قیمت میں اپنا بل فروخت کرنا ربا اور سود کی وجہ سے جائز نہ ہوگا۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۱/ ۳۶)

إن بیع الصک والبراءۃ والجامکیة إنما لا یجوز. (إعلاء السنن، کراچی ۱۴/ ۲۴۴، کتاب البیوع، بیع الصك والبراءۃ والجامکیة والنوط، دارالکتب العلمیة بیروت ۱۴/ ۲۸۷)

وأفتى المصنف ببطلان بيع الجامكية. (درمختار مع الشامي، البيوع، مطلب في بيع الجامكية، زكريا ۷/ ۳۳، كراچی ٤/ ٥١٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍رجب ۱۴۳۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۸۸۸۳)

پیمنٹ کی دوسونوے کی پرچی ۲۸۰؍ میں فروخت کرنا

سوال [۸۶۸۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: سرکار نے بینکوں کے لئے ایک کپڑا تیار کرنے کے لئے دیا ہے، جس کو جنتا جوڑا کہتے ہیں، اس کو سرکار اپنے طور پر سینٹر قائم کرکے خریدتی ہے، اس کا سرکاری بھاؤ -/34/5 روپے ہے؛ لیکن اس کا پیمنٹ ۲۲-۳۰؍ دن یا اس سے کم وزیادہ وقت میں آتا ہے۔ زید نے ۲۰؍ جوڑے میٹر پر جمع کئے، جس کی قیمت ۵۹۵؍ روپئے ہیں، سینٹر کے سوت کے چار میٹر ملے، جس کی قیمت ۴۰۰؍ روپئے ہوئی، زید کو وہاں سے پرچی ملی، جس میں ۲۹۵؍ روپئے ملنے باقی ہیں، زید اپنی اس پرچی کو خالو کو ۲۸۰؍ میں اس لئے فروخت کردیتا ہے کہ پیمنٹ کئی ہفتہ بعد آئے گا، خالد اس لئے خرید لیتا ہے کہ اس کو دس روپئے کا نفع ہوجائے گا، کیا اس طرح کی خرید وفروخت شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: عثمان غنی داؤد کاندی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اس طرح معاملہ شرعاً جائز نہیں ہے، ہاں البتہ گناہ سے بچنے کے لئے حیلہ کیا جاسکتا ہے کہ زید خالد سے ۲۸۰؍ روپئے بنام قرض لے لے اور خالد سے کہہ دے کہ فلاں تاریخ کو اس پرچی کے ذریعہ فلاں سینٹر سے ۲۹۰؍ روپئے وصول کرکے لے آنا، تو اس میں سے ۲۸۰؍ روپئے قرض کا ہوگا اور دس روپئے اس کام کی مزدوری میں تم کو ملے گا۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۳/ ۱۶۹)

ڈیڑھ روپئے فی اشتہار معاملہ طے کرنے کے بعد ایک روپئے میں چھپوانا

سوال [۸٦٨۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے بکر سے یہ کہا کہ تم جلسہ کے اشتہار چھپوا دو تو بکر بولا کہ ایک اشتہار ڈیڑھ روپئے کا پڑے گا، اس نے کہا ٹھیک ہے چھپوا دو، بکر نے چھپوا دئے، اشتہار ایک روپئے کا پڑا، تو بکر کا اب اس سے ایک اشتہار کا ڈیڑھ روپئے وصول کرنا کیسا ہے؟ نیز اگر بکر کچھ روپئے بطور بیعانہ کے جمع کروالے تو یہ نفع جائز رہے گا یا نہیں؟ جب کہ بکر ان روپیوں کو بطور امانت الگ رکھ لے اور اپنی رقم صرف کرے، یا اگر اس کی بھی رقم ملا دے تو یہ معاملہ و نفع جائز رہے گا یا نہیں؟

المستفتی: محمد اویس کاسگنج، ایٹہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید کے بکر سے کہنے پر کہ تم جلسے کا اشتہار چھپوا دو بکر نے کہا کہ ڈیڑھ روپئے میں ایک اشتہار پڑے گا، گویا کہ زید اور بکر کے درمیان یہ معاملہ طے ہو گیا کہ فی اشتہار ڈیڑھ روپئے کے اعتبار سے زید بکر کو دے گا، چاہے زید نے فی اشتہار کچھ بھی خرچ کیا ہو نفع ونقصان کا ذمہ دار زید ہے۔ اور ڈیڑھ روپئے میں دینے کا ذمہ دار بکر ہے؛ لہٰذا اشتہار تیار کر کے زید کو حوالہ کرنے سے پہلے وہ سب اشتہار ضائع ہو جائے یا چوری ہو جائے تو سارا بھگتان بکر کے ذمہ لازم ہے؛ اس لئے اس درمیان میں جو کچھ بھی نفع ہو گا وہ سب بکر کا حق ہے، اور پھر زید کے حوالے کر دینے کے بعد پوری ذمہ داری زید کے اوپر آئے گی، نیز بیع نامہ کے طور پر جمع شدہ رقم خواہ الگ رکھے یا اس رقم کو اشتہار کی چھپائی میں صرف کرے، بہر صورت منافع یعنی فی اشتہار ڈیڑھ روپئے لینا درست ہے۔ (ایضاح النوادر ۱/۲۳)

وبدونه فيما فيه تعامل كخف وقمقمة، وطست صح بيعا لا عدة. (تنوير الأبصار، وتحته في الشامية) ثم ينعقد عند الفراغ بيعا بالتعاطي.

(شامي، كتاب البيوع، باب السلم، مطلب في الاستصناع، زكريا ٧/ ٤٧٥، كراچی

۵/ ۲۲٤، الفقه الإسلامي وأدلته، دارالفكر ٥/ ٣٦٤٣، ھدی انٹر نیشنل دیوبند ٤/ ٣٩٢)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍صفر ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۷۲۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۲/۲۹ھ

دیوالی پر مسلمان کا آتش بازی کی اشیاء فروخت کرنا

سوال [۸٦٨۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: دیوالی کے موقع پر کیا ایک مسلمان آتش بازی کے سامان کو بطور تجارت فروخت کرسکتا ہے؟

المستفتی: فردوس برگونہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دیوالی کے موقع پر جو آتش بازی وغیرہ کا سامان فروخت کیا جاتا ہے، اس کی تجارت کو فقہاء کرام نے مکروہ ممنوع لکھا ہے، اس سے بچنا ضروری ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ میرٹھ ۲۴/ ۱٦٦)

عن أبي أمامة قال: قال النبي ﷺ إن الله عز وجل بعثني هدى ورحمة للعالمين، وأمرني بمحق المعازف، والمزامير، والأوثان، والصلب، وأمر الجاهلية –إلى– لا يحل بيعهن ولا شراؤهن، ولا التجارة فيهن، وثمنهن حرام. (مسند أبي داؤد الطيالسي، دارالكتب العلمية بيروت ١/ ٦٣٥–٦٣٦، رقم: ١٢٣٠، المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ٨/ ١٩٦، رقم: ٧٨٠٣، مسند أحمد بن حنبل ٥/ ٢٥٧، ٢٦٨، رقم: ٢٢٥٧١–٢٢٦٦٣)

ونظيره كراهة بيع المعازف؛ لأن المعصية تقام بها عينها. (شامي، كتاب الجهاد، باب البغاة، مطلب في كراهة بيع ما تقوم المعصية بعينه، زكريا ٦/ ٤٢٠، كراچی ٤/ ٢٦٨)

بيع المزامير يكره. (البحرالرائق، كوئٹه ٥/ ١٤٣، زكريا ٥/ ٢٤٠)

ما قامت المعصية بعينه يكره بيعه تحريما وإلا فتنزيها. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره، زكريا ٩/ ٥٦١، كراچی ٦/ ٣٩١، مطلب في كراهية بيع ما تقوم المعصية بعينه، زكريا ٦/ ٤٢٠، كراچی ٤/ ٢٦٨، الموسوعة الفقهية الكويتية ٩/ ٢١٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲ محرم الحرام ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۵۸۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۲/۱/۱۴۳۳ھ

گرین وے پشو پالن میں حصہ لینا

سوال [۸٦٨٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) ہماری ایک کمپنی (گرین وے پشو پالن) ہے، اس میں اگر کوئی شخص مثلاً ۶۰۰ ۴ر روپئے دیتا ہے، تو اس کو دو طرح سے نفع ملتا ہے، فارم ہاؤس سے اور دوسرے اپنے منافع سے، وہ اس طرح کہ ہم جانتے ہیں کہ بکری ہر چھ ماہ میں بیاہتی ہے، سال میں چار بچے دیتی ہے، ہم اس میں سے پچھتر فیصد رکھ لیتے ہیں اور ۲۵ ر فیصد دیتے ہیں، اس طرح تین بکرے ہم رکھ لیتے ہیں اور ایک بکرا یا چھیالیس سو روپئے اس شخص کو دیتے ہیں، جب تک اس کی بکری یا بکری کے بچوں میں سے کوئی بکری رہے گی اس کو ہر سال ایک بکرا ملتا رہے گا۔

(۲) کمپنی دوسرا نفع اپنی آمدنی سے دیتی ہے، جب کمپنی کی آمدنی دوگنی ہوتی ہے، تو وہ آپ کے مقرر حصہ کو دوگنا کر دیتی ہے، مثلاً کمپنی کے پاس سولوگ ہوں گے، یعنی سو بکریاں فارم ہاؤس چلی جائیں گی تو وہ حساب کرے گی، تو وہ سولوگوں کو کچھ نہیں دے گی، جب کمپنی دوسری بار دوسولوگوں پر حساب کرے گی، تو پہلے والے سولوگوں کو چالیس چالیس روپئے فی آدمی دے گی، اسی طرح ہر دفعہ دوگنی تعداد ہونے پر نفع دوگنا کرتی رہے گی۔

المستفتی: سید یاور علی نگینہ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال میں کمپنی کے کاروبار کی جوصورت بیان کی گئی ہے کہ آدمی ۴۶۰۰ روپئے جمع کرے اوراس قیمت کی بکری لےکر کمپنی پالتی ہے، جب وہ سال میں بچہ دےتو اس میں کا ایک چوتھائی پیسہ دینے والے کا اور بقیہ تین چوتھائی کمپنی لیتی ہے، یہ شرکت ناجائز ہے؛ بلکہ اس صورت میں کمپنی کوصرف اجرت ملے گی اور روپئے دینے والے کو بکری اوراس کے بچے ملیں گے؛اس لئے کہ اس میں تردد کی وجہ سے قمار کا شبہ ہے، اسی طرح دوسری صورت جس میں کمپنی اپنے متعین ممبروں کے دوگنے ہونے پرمنافع دیتی ہے، اس میں بھی قمار کا شبہ ہے؛ کیوں کہ جتنے ممبر ایک سال میں بنے اتنے دوبارہ بننا ضروری نہیں ہے؛ اس لئے کمپنی کا یہ نفع بھی جائز نہیں ہے۔(مستفاد:فتاوی محمودیہ ڈابھیل ۱۶/۶۰۳)

والربح في الشركة الفاسدة بقدر المال ولا عبرة بشرط الفضل، فلو كل المال لأحدهما، فللآخر أجر مثله كما لو دفع دابّته لرجل ليؤجرها، والآجر بينهما، فالشركة فاسدة، والربح للمالك وللآخر أجر مثله.

(درمختار مع الشامي، كتاب الشركة، مطلب يرجح القياس، زكريا ٦/ ٥٠٣، كراچی ٤/ ٣٢٦)

وعلى هذا إذا دفع البقرة إلى إنسان بالعلف ليكون الحادث بينهما نصفين فما حدث، فهو لصاحب البقرة، ولذلک الرجل مثل العلف الذي علفها وأجر مثله فيما قام عليها. الخ (عالمگيري، الباب الخامس في الشركة الفاسدة، زكريا قديم ٢/ ٣٣٥، جديد ٢/ ٣٣٦، حاشية چلپی مكتبه إمداديه ملتان ٤/ ٤٩، زكريا ٤/ ٣٧٣، الدر مع الرد، زكريا ٦/ ٥٠٤، كراچی ٤/ ٣٢٧)

وحقيقة القمار تمليک المال على المخاطرة، وهو أصل فى بطلان عقود التمليكات الواقعة على الأخطار. (أحكام القرآن للجصاص، سهيل اكيڈمي لاهور ٢/ ٤٦٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍رجب المرجب ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر:۳۸/۹۶۷۴)

سودی رقم سے، جھوٹ بول کر یا کم تول کر تجارت کرنا

سوال [۸۶۸۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کچھ لوگ کہتے ہیں کہ بینکوں سے سود پر روپئے لے کر کاروبار کرنا، ملاوٹ کرکے، جھوٹ بول کر، کم تول کر، ٹیکس چوری کرکے کاروبار کرنے والوں کی بھی روزی حرام ہے، پھر خنزیر کے بال کے برش بنانے والوں کی روزی کیوں حرام ہے؟ کیا دونوں ایک زمرے میں آتے ہیں؟ یعنی دونوں کی روزی ایک ہی جنس کی ہوگی یا نہیں؟

المستفتی: احسان علی صدیقی، اصغر منزل شیر کوٹ بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: سود کی رقم جھوٹ بول کر غیر سے حاصل کردہ مال حرام ہے۔

صرح الفقهاء بأن من اكتسب مالا بغير حق، فإما أن يكون كسبه بعقد فاسد، كالبيوع الفاسدة، والاستئجار على المعاصي والطاعات، أو بغير عقد، كالسرقة، والغصب، والخيانة، والغلول، ففي جميع الأحوال المال الحاصل له حرام عليه. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارنپور قديم ١/ ٣٧، دارالبشائر الإسلاميه بيروت ١/ ٣٥٩، رقم: ٥٩، الدر مع الرد، زكريا ٩/ ٥٥٣، كراچى ٦/ ٣٨٥، تبيين الحقائق، إمداديه ملتان ٦/ ٢٧، زكريا ٧/ ٦٠، البحرالرائق، زكريا ٩/ ٣٦٩، كوئٹه ٨/ ٢٠١، هندية، زكريا قديم ٥/ ٤٩، جديد ٥/ ٤٠٤، الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٤/ ٢٤٦)

انکم ٹیکس اور مکان ٹیکس وغیرہ شرعاً جبری ٹیکس ہیں، اگر جھوٹ بول کر یا کسی اور ترکیب سے ٹیکس کی چوری سے جو رقم محفوظ ہو جائے وہ حلال ہوگی۔

الكذب مباح لإحياء حقه، ودفع الظلم عن نفسه. (الدرالمختار، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره، زكريا ٩/ ٦١٢، كراچى ٦/ ٤٢٧)

اور خنزیر کے بالوں کا پیسہ حرام ہے۔

کالبیوع الفاسدة، والاستئجار علی المعاصي والطاعات، أو بغیر عقد، کالسرقة، والغصب، والخیانة، والغلول، ففي جمیع الأحوال المال الحاصل له حرام علیه. (بذل المجهود، کتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارنپور قدیم ۱/ ۳۷، دارالبشائر الإسلامیه بیروت ۱/ ۳۶۹، رقم: ۵۹)

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/ ذی الحجہ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۰۲۹)

لاٹری کے پتے، تاش، لوڈو، کنچے، آتش بازی بیچنے کا حکم

سوال [۸۶۸۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آیا لاٹری کے پتے بیچنا، کنچے گولی بیچنا، تاش، لوڈو، آتش بازی بیچنا، ان چیزوں کو بیچنا یا استعمال کرنا قرآن وحدیث کی روشنی میں جائز ہے یا ناجائز؟

المستفتی: محمد منظور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ چیزوں کی فروختگی ناجائز ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَيَتَّخِذَهَا هُزُوًا اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ. [لقمان: ٦]

وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ. [المائدة: ٢]

البتہ پیسہ حلال رہے گا، نیز اس کا استعمال کرنا اور ان سے کھیل بھی ناجائز اور حرام ہے۔

أن الملاهي کلها حرام. (درمختار، کتاب الحظر والإباحة، کوئٹه ٥/ ٢٤٥، کراچی ٦/ ٣٤٨، زکریا ٩/ ٥٠٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴/ صفر ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۵۱۳)

غیر شرعی لباس کوسلنا اور فروخت کرنا کیسا ہے؟

سوال [۸۶۸۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مومن کے لئے غیر ملکی یا مغربی لباس جیسے کوٹ، پتلون، جیکٹ، جنس کولہوں سے اونچی اور آدھی آستین والی مردانی شرٹ عورتوں کے لئے بلاوز، چولی، میکسی، فراک، غرارے، شرارے، آدھی آستین کے یا مونڈھے اور بغل صاف طور پر محسوس ہوتے ہوں اور گلے کھلے ہوئے ہونے کے باعث پستان بھی نظر آتے ہوں، ان کی کاٹ چھانٹ، سلائی، خرید وفروخت کیسی ہے؟ اور پہننا کیسا ہے؟

مندرجہ بالا قراش تراش کے نابالغ بچوں کے لباسوں کی کٹائی، سلائی، یا سلے ہوئے لاکر ریڈی میڈ ملبوسات کی خرید وفروخت شرعاً کیا حکم رکھتی ہے؟

المستفتی: حبیب الرحمٰن انصاری متصل علی مسجد، شیر کوٹ، ضلع بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: وہ لباس جو اغیار کا شعار ہے، اس کا استعمال مسلمانوں کے لئے تشبہ کی وجہ سے ناجائز اور ممنوع ہے۔

عن ابن عمر –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله ﷺ: من تشبه بقوم فهو منهم. (سنن أبي داؤد، اللباس، باب في لبس الشهرة، النسخة الهندية ۲/ ۵۶۹، دارالسلام، رقم: ۴۰۳۱)

اگر مذکورہ لباس مغربی یہود ونصاریٰ کا شعار ہے تو اس کا استعمال ناجائز ہے، اسی طرح جو لباس بدن اور ستر کی حفاظت نہ کر سکے اس کا استعمال بھی ناجائز ہے، نیز عورتوں کے لباس میں غرارہ، شرارہ وغیرہ جہاں تک احقر کے علم میں ہے یہود ونصاریٰ کا لباس نہیں ہے؛ بلکہ ہندوستان میں غیر مسلم ومسلم عورتیں سب استعمال کرتی ہیں، ہاں البتہ شرفاء کا لباس نہیں سمجھا جاتا ہے؛ اس لئے اس میں بظاہر کوئی قباحت نہیں ہے؛ البتہ بلاوز عام طور پر ساڑی کے ساتھ

ہی استعمال ہوتا ہے وہ ستر کی حفاظت نہیں کرتا ہے؛ اس لئے اس کا استعمال ناجائز ہے۔ اور اگر چولی کے اوپر باقاعدہ قمیص پہنی ہے تو جائز ہے۔ اور اگر فراک مغربی لباس ہے بالغ لڑکیوں کے لئے استعمال جائز نہیں ہے، اسی طرح آدھی آستین کا لباس اور ایسا لباس کہ جس سے پستان وغیرہ نمایاں نظر آجائے ناجائز ہے۔ وہ ''**نساء کاسیات عاریات**'' کی وعید کے اندر داخل ہوں گے۔ حدیث شریف ملاحظہ فرمائیے:

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله ﷺ: صنفان من أهل النار ...... ونساء كاسيات عاريات، مميلات مائلات رؤوسهن كأسنمة البخت المائلة، لايدخلن الجنة، ولا يجدن ريحها، وإن ريحها ليوجد من مسيرة كذا وكذا. (صحيح مسلم، كتاب اللباس والزينة، باب النساء الكاسيات، النسخة الهندية ۲/ ۲۰۵، بيت الأفكار، رقم: ۲۱۲۸)

اور ایسے فساق کا لباس بنانے والا درزی فعل مکروہ کا مرتکب ہوتا ہے۔

أو خياطا أمره أن يتخذ له ثوبا على زي الفساق يكره له أن يفعل؛ لأنه سبب التشبه بالمجوس والفسقة. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره، زكريا ۹/ ۵۶۲، كراچی ۶/ ۳۹۲، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ۴/ ۱۸۸، مصري قديم ۲/ ۵۳۰، تبيين الحقائق، إمداديه ملتان ۶/ ۲۹، زكريا ۷/ ۶۵)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ر محرم ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۲۹۸۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۹/۱/۱۴۱۳ھ

ہیروئن کی بیع وشراء

سوال [۸۶۹۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: ہیروئن (HEROIN) کی بیع وشراء، اس کا استعمال اور اس کی آمدنی کے شرعی احکام کیا ہے؟ ہیروئن کے باقی تمام احکام بالتفصیل مدلل ارشاد فرمائیں۔

المستفتی: جامعہ اسلامیہ مدینۃ العلوم، بردوان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ہیروئن کی بیع وشراء ناجائز اور حرام ہے اور اسے حرام قرار دینے ہی میں احتیاط ہے؛ چونکہ اس کی تھوڑی سی مقدار بھی نشہ آور ہوتی ہے؛ اس لئے اس کا استعمال بھی حرام ہوگا، اس سے حاصل ہونے والی آمدنی بھی ناجائز اور حرام ہوگی۔

عن جابر بن عبدالله –رضي الله عنه– أن رسول الله ﷺ قال: ما أسكر كثيره فقليله حرام. (سنن الترمذي، باب ماجاء أسكر كثيره فقليله حرام، النسخة الهندية ۲/ ۸، دارالسلام، رقم: ۱۸۶۵، سنن النسائي، تحريم كل شراب أسكر كثيره، النسخة الهندية ۲/ ۲۷۷، دارالسلام، رقم: ۵۶۰۷، سنن أبي داؤد، باب ماجاء في السكر، النسخة الهندية ۲/ ۵۱۸، دارالسلام، رقم: ۳۶۸۱، مسند أحمد بن حنبل ۲/ ۹۱، رقم: ۵۶۴۸)

قلت القليل المسكر والقليل الغير المسكر بينهما فرق، كما قال الشيخ المحدث الفقيه رشيد أحمد الكنكوهي في تقريره الكوكب الدري تحت حديث ما أسكر كثيره فقليله حرام: وإنما يحتاج إلى أمثال هذه التاويلات لما ثبت من بعض الصحابة شرب أمثالها، فعلم بفعلهم أن النهي ليس مطلقا، ويمكن أن يقال في الرواية وهو ما أسكر كثيره: أن الكثير والقليل كلاهما مسكران، إلا أن الكثير أكثر إسكارا من القليل، فالقليل حينئذ قسمان: قليل مسكر، وقليل غير مسكر، والموضوع في الحديث هو القليل الأول دون الثاني، فكان المعنى أن القليل المسكر حرام، وإن قل إسكاره فبقي القليل الغير المسكر غير حله، وهذا التاويل جاز في قوله عليه الصلاة والسلام: كل مسكر حرام. (الكوكب الدري ۲/ ۱۲)

أن محل البيع هو المال، وإنه اسم لما يباح الانتفاع به حقيقة وشرعا، ولم يوجد فلا يكون مالا، فلا يجوز بيعها كبيع الخمر. (بدائع الصنائع، كتاب الأشربة، أحكام الخمر، زكريا ٤/ ٢٨٢، كراچی ٥/ ١١٥)

عن يحيى النخعي قال: سأل قوم ابن عباس عن بيع الخمر وشرائها والتجارة فيها، فقال: أمسلمون أنتم؟ قالوا: نعم، قال: فإنه لا يصلح بيعها ولا شرائها، ولا التجارة فيها. (صحيح مسلم، باب إباحة النبيذ الذي لم يشتد ولم يصر مسكرا، النسخة الهندية ٢/ ١٦٨، بيت الأفكار، رقم: ٢٠٠٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵ ؍ربیع الاول ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۰۳۲/۴۰)

نشہ آور چیزوں کی خرید وفروخت کا حکم

سوال [۸۶۹۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بھانگ، افیم اور ہیروئین وغیرہ نیز نشہ آور اشیاء کی تجارت اور خرید وفروخت اور کاروبار وغیرہ پر حکومتیں سخت رویہ اختیار کرتے ہوئے دو سال کی سزا دیتی ہیں، شریعت وسنت ہماری اس بارے میں کیا رہنمائی کرتی ہے؟ شرعاً یہ سزا درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: سید معین نواز، رانچی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شراب کی تجارت حرام ہے، اس کے علاوہ دیگر نشہ آور چیزوں کی تجارت مکروہ ہے۔ اور حکومتی قانون کی خلاف ورزی کرکے اپنی جان خطرے میں ڈالنا قطعاً جائز نہیں ہے۔

وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ. [البقرة: ١٩٥]

عن يحيى النخعي قال: سأل قوم ابن عباس عن بيع الخمر وشرائها

والتجارة فيها، فقال: أمسلمون أنتم؟ قالوا: نعم، قال: فإنه لا يصلح بيعها ولا شرائها، ولا التجارة فيها. (صحيح مسلم، باب إباحة النبيذ الذي لم يشتد ولم يصر مسكرا، النسخة الهندية ٢/ ١٦٨، بيت الأفكار، رقم: ٢٠٠٤)

عن زيد بن أسلم، عن عبدالرحمن بن وعلة السبئيّ، من أهل مصر، أنه سأل عبدالله بن عباس عما يعصر من العنب، فقال ابن عباس: إن رجلا أهدى لرسول الله صلى الله عليه وسلم راوية خمر، فقال له رسول الله صلى الله عليه وسلم: هل علمت أن الله قد حرمها؟ قال: لا فسار إنسانا، فقال له رسول الله صلى الله عليه وسلم: بم سارر ته؟ فقال: أمرته ببيعها، فقال: إن الذي حرم شربها حرم بيعها. (صحيح مسلم، باب تحريم بيع الخمر، النسخة الهندية ٢/ ٢٢، بيت الأفكار، رقم: ١٥٧٩)

وصح بيع غير الخمر ...... ثم إن البيع، وإن صح لكنه يكره. (شامي، كتاب الأشربة، زكريا ١٠/ ٣٥، كراچی ٦/ ٤٥٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱/۸/۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۷۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴/۸/۱۴۳۲ھ

شراب سے بنے ہوئے سرکہ کا استعمال وتجارت

سوال [۸۶۹۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ گیہوں اور پھلوں سے اخذ کر کے جو سرکہ تیار کیا جاتا ہے، اسے مارکیٹ میں ''وائن ویلیگر'' یا شراب کے سرکہ کے نام سے فروخت کیا جاتا ہے، اس کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: نیاز احمد فاروقی، حلال ٹرسٹ جمعیۃ علماء ہند

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: گیہوں، دھان، پھل اور سبزی وغیرہ سے اخذ کرنے

سے جو سرکہ تیار کیا جاتا ہے، چاہے اس کو شراب کے سرکہ کے نام سے فروخت کیا جاتا ہو بلا شبہ جائز اور حلال ہے؛ اس لئے کہ کوئی بھی سرکہ ایسا نہیں ہے کہ اس کی اصل ماہیت پر شراب کا مرحلہ نہ گزرا ہو، یعنی پہلے شراب بنتی ہے، پھر اس شراب سے سرکہ بنتا ہے۔ حدیث وفقہ سے اس کا حلال ہونا ثابت ہے۔

عن عائشة – رضي الله عنها – أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: نعم الإدام الخل. (مسلم شريف، باب فضيلة الخل والتأدم به، النسخة الهندية ٢/ ١٨٢، بيت الأفكار، رقم: ٢٠٥١، مسند الدارمي، دارالمغني ٢/ ١٣٠٢، رقم: ٢٠٩٣)

إن النجاسة لما استحالت وتبدلت أوصافها ومعانيها خرجت عن كونها نجاسة؛ لأنها اسم لذات موصوفة، فتنعدم بانعدام الوصف، وصارت كالخمر إذا تخللت. (بدائع، كتاب الطهارة، الدباغة، زكريا ١/ ٢٤٣، كراچی ١/ ٨٥)

وكذا الخمر تصير خلا، فعلم أن استحالة العين تستتبع زوال الوصف. (غنية المستملي شرح منية المصلي، أشرفيه ١٨٩)

ولا يرد طهارة الخمر بانقلابها خلا ...... لأن عين الشيء حقيقته، وحقيقة الخمر ...... ذهبت وخلفتها أخرى، وإنما يرد ذلک لو قلنا ببقاء حقيقة الخمر ...... مع الحكم بطهارتها. (شامي، كتاب الطهارة، باب الأنجاس، مطلب في العفو عن طين الشارع، زكريا ١/ ٥٣٦، كراچی ١/ ٣٢٨)

لأن العصير لا يتخلل إلا بعد التخمر غالبا، فلو لم نقل بالطهارة لربما تعذر الخمر وهو حلال إجماعا. (نهاية المحتاج ٢/ ٢٣٠، بحواله جديد فقهي تحقيقات ١٠/ ١٣٩)

إذا تخللت الخمر بنفسها بغير قصد التخليل يحل ذلک الخل بلا خلاف بين الفقهاء؛ لقوله عليه الصلاة والسلام: نعم الإدام الخل. (الموسوعة الفقهية الكويتية ٥/ ٢٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/ ذیقعدہ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۶۹۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۱۱/۸ھ

اعضائے انسانی کی خرید وفروخت کا حکم

سوال [۸۶۹۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) ہر انسان کے سینہ کے اندر دو کیڈنی رہتی ہے (گوشت کے دو ٹکڑے) ان دونوں کا فانکشن ایسا ہے کہ کسی وجہ سے اگر ایک بیکار ہو جاتی ہے تو ایک کیڈنی سے انسان زندہ رہ سکتا ہے؛ البتہ کمزور ہو جاتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ کسی انسان کی اگر دونوں کیڈنی بیکار ہو جائے تو اس آدمی کو بچانے کے لئے میں اپنی ایک کیڈنی اس کو ہدیہ کر سکتی ہوں؟

(۲) ایسی حالت میں اگر اس آدمی کو روپئے کے بدلے کیڈنی فروخت کر دوں تو اس کا کیا حکم ہے؟ میں نے ان سے روپئے کی بات نہیں کی؛ بلکہ شکریہ کے طور پر اس نے روپئے مجھے دے دیا ہے، تو کیا میں اس روپئے کو استعمال کر سکتی ہوں؟

المستفتیة: آمنہ خاتون، ساکن سونا گاچھی، بردوان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: انسان کا کوئی عضو انسان کی ملک نہیں ہے؛ بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے امانت وودیعت ہے؛ لہٰذا مالکانہ طور پر نہ کسی کو ہدیہ میں دے سکتے ہیں اور نہ بالقیمت بیچ سکتے ہیں اور نہ ہی وہ قیمت اس کے لئے حلال ہے، خواہ شکریہ کے طور پر وہ رقم ملی ہو؛ بلکہ اس رقم کا واپس کرنا ضروری ہے۔ (مستفاد: جواہر الفقہ ۲/ ۴۹، جدید زکریا ۷/ ۱۷۰، فتاوی رحیمیہ قدیم ۶/ ۲۸۶، جدید زکریا ۱۰/ ۱۷۰)

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْ آدَمَ. [سورة الإسراء، آيت: ٧٠]

الانتفاع بأجزاء الآدمي لم يجز، قيل: للنجاسة، وقيل: للكرامة هو الصحيح. (هندية، الباب الثامن عشر في التداوي والمعالجات، زكريا قديم ٥/ ٣٥٤، جديد ٥/ ٤٠٩، هداية أشرفی ١/ ٤١، الموسوعة الفقهية الكويتية ٢٨/ ٣٤٥)

فكما لا يجوز التداوي بشيء من الآدمي الحي إكراما له. (شرح السير الكبير بحواله جواهر الفقه ۲/ ۵۱، جديد زكريا ۷/ ۶۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۷/ رجب ۱۴۱۵ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۱۲۳)

گوبر اور اس سے نکلے ہوئے دانے کی تجارت

سوال [۸۶۹۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جانوروں کے بڑے بڑے مذبح ہیں، وہاں بڑی مقدار میں گوبر ہوتا ہے، آج کل گوبر بھی فروخت ہوتا ہے، نیز گوبر کو مشینوں کے ذریعہ چھان کر اس میں سے دانہ وغیرہ نکالا جاتا ہے، جسے جانور کے لئے بنائی جانے والی اغذیہ میں استعمال کیا جاتا ہے، کیا گوبر کی تجارت کرنا خواہ وہ کھاد کے لئے ہو یا جانور کی غذا کے لئے، یا کسی اور مصرف کے لئے شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: نیاز احمد فاروقی، حلال ٹرسٹ جمعیۃ علماء ہند

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: گوبر کی خرید وفروخت راجح اور مفتی بہ قول کے مطابق جائز اور درست ہے۔ اور اس کا پیسہ بھی بلا شبہ جائز اور حلال ہے، جیسا کہ ذیل کے جزئیہ سے واضح ہوتا ہے:

قال الإتقاني: ولنا أن السرقين مال فجاز بيعه كسائر الأموال، وإنما قلنا: أنه مال؛ لأن المال ما ينتفع به، ويتمول، أي يدخر لوقت الحاجة، وقد تمول المسلمون السرقين وانتفعوا به من غير نكير من أحد من السلف. (حاشية چلپي على التبيين، كتاب الكراهية، فصل في البيع، زكريا ۷/ ۵۷، إمداديه ملتان ۶/ ۲۶)

''البحرالرائق'' کی عبارت ملاحظہ فرمایئے:

کره بيع العذرة لا السرقين؛ لأن المسلمين يتمولون السرقين، وانتفعوا به في سائر البلاد والأمصار من غير نكير، فإنهم يلقونه في الأراضي لاستكثار الربيع. (البحرالرائق، كتاب الكراهية، فصل في البيع، زكريا ٨/ ٣٦٥، كوئٹه ٨/ ١٩٩، تبيين الحقائق، إمداديه ملتان ٦/ ٢٦، زكريا ٧/ ٥٧، المحيط البرهاني، المجلس العلمي ٨/ ١٠٢، رقم: ٩٦٨٦)

''مجمع الانہر'' کی عبارت ملاحظہ فرمایئے:

جاز بيع السرقين مطلقا في الصحيح عندنا لكونه مالا منتفعا به لتقوية الأرض في الإنبات. (مجمع الأنهر، كتاب الكراهية، فصل في البيع، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٢١١، مصري ٢/ ٥٤٦)

''شامی'' کی عبارت ملاحظہ فرمایئے:

أجازوا بيع السرقين للانتفاع به –إلى– لأنه مال يضمن به، وهو المفتى به. (شامي، كتاب الطهارة، باب الأنجاس، مطلب في حكم الصيغ والاستخضاب بالصبغ والحناء النجسين، زكريا ١/ ٥٣٨، كراچی ١/ ٣٣٠)

''ہندیہ'' کی عبارت ملاحظہ فرمایئے:

يجوز بيع السرقين والبعر والانتفاع به، كما في الزاهدي. (هندية، الباب التاسع، الفصل الخامس، زكريا قديم ٣/ ١١٦، جديد ٣/ ١١٧)

(۲) نیز گوبر کو مشینوں سے صاف کرکے دانہ وغیرہ نکال کر جانوروں کی غذا کے طور پر استعمال کرنا بھی بلاشبہ جائز ہے، جب کہ اس میں کسی قسم کی بدبو وغیرہ باقی نہ رہے، یہ ایسا ہے جیسا کہ گیہوں وغیرہ نجاست میں گر جائیں تو انہیں دھوکر صاف کرکے استعمال کرنے کی گنجائش ہوتی ہے، اس کو ''بنایہ شرح ہدایہ'' میں ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

الحنطة المتنجسة قبل أن تنتفخ تغسل ثلاثا وتوكل إذا لم يبق لها رائحة ولا طعم. (بناية شرح هداية، أشرفيه ١/ ٧٤١)

(۲) اور ”فتاوی تاتارخانیہ“ اور ”المحیط البرہانی“ میں مزید وضاحت کے ساتھ نقل فرمایا ہے، ملاحظہ فرمائیے:

إذا أصابت الحنطة الخمر إلا أنها لم تنتفخ من الخمر فغسلت ثلاثا ولا يوجد لها طعم ولا رائحة ذكر في بعض المواضع عن أبي يوسف أنه لابأس بأكلها. (فتاوى تاتارخانية ١/ ٤٥٦، رقم المسألة: ٩١١٩، المحيط البرهاني، المجلس العلمي ١/ ٣٨٣، رقم: ٧٨٩)

الحنطة تغير بالماء النجس ...... على قياس أبي يوسف فيطهر بالغسل ثلاثا، والتجفيف في كل مرة. (خلاصة الفتاوى أشرفيه ديوبند ١/ ٤١)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/ ذیقعدہ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۶۹۶)

مردار جانور کی ہڈی، کھال اور چربی فروخت کرنے کا حکم

سوال [۸۶۹۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مردار جانوروں کی ہڈی اور کھال وچربی کی خرید وفروخت کیسی ہے؟

المستفتی: عبدالمعید قاسمی، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مردہ جانور کی کھال کو دباغت سے پہلے بیچنا جائز نہیں ہے، دباغت کے بعد بیچنا جائز ہے اور ہڈی میں چونکہ دباغت نہیں دی جاتی؛ اس لئے مردہ جانوروں کی ہڈی کو بغیر دباغت کے بیچنا جائز ہے۔

وإن لم يكن مدبوغا ولا مذبوحا لا ينعقد بيعه؛ لأنه إذا لم يدبغ ولم

یذبح بقیت رطوبات المیتة فیه، فکان حکمه حکم المیتة -إلی- ولهذا یطهر الجلد بالدباغ حتی یجوز بیعه لزوال الرطوبة عنه، ولا رطوبة في هذه الأشیاء فلا تکون حراما. (بدائع الصنائع، کتاب البیوع، حکم عظم الخنزیر والآدمي، زکریا ٤/ ٣٣٣، کراچی ٥/ ١٤٢)

وأما عظم المیتة فیجوز بیعها. (بدائع زکریا ٤/ ٣٣٣، کراچی ٥/ ١٤٢)

لیکن مردہ جانوروں کی چربی کا استعمال اوراس سے بنے ہوئے گھی کا استعمال اورخرید وفروخت جائزنہیں ہے، ہاں البتہ اس کی ماہیت تبدیل کرکے صابون وغیرہ بنالیاجائے تو اس کا استعمال درست ہے۔ (مستفاد: ایضاح المسالک/۱۴۲، ایضاح المسائل/ ۱۴۷، کفایت المفتی ۲/ ۲۷۹، جدید مطول ۳/ ۴۴۰)

عن ابن عباس -رضي الله عنه- قال: رأیت رسول الله ﷺ جالسا عند الرکن، قال: فرفع بصره إلی السماء فضحک، فقال: لعن الله الیهود ثلاثا، إن الله حرم علیهم الشحوم فباعوها وأکلوا أثمانها، وإن الله إذا حرم علی قوم أکل شيء حرم علیهم ثمنه. (سنن أبي داؤد، البیوع، باب في ثمن الخمر والمیتة، النسخة الهندیة ٢/ ٤٩٣، دارالسلام، رقم: ٣٤٨٨)

وعبارة المجتبی جعل الدهن النجس في صابون یفتی بطهارته؛ لأنه تغیر والتغیر یطهر عند محمد، ویفتي به للبلوی. (شامي، کتاب الطهارة، باب الأنجاس، زکریا ١/ ٥١٩، کراچی ١/ ٣١٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍ربیع الاول ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۵۵۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۳/۱۸ھ

میتہ بکریوں کی بیع اوراس کی آمدنی کا حکم

سوال [۸۶۹۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: ہماری چالیس بکریاں گاڑی میں آرہی تھیں، ۳۵؍بکریاں گاڑی میں دب کر مرگئیں، ان ۳۵؍بکریوں کو ہم نے غیرقوم میں فروخت کردیا، اس سے ۴۵۰۰؍سوروپئے بنے، بیوپاری کا سارا روپیہ ادا کردیا، یہ رقم ہمارے پاس الگ رکھی ہوئی ہے، ہماری مسجد کے برابر میں دو کمریں ہیں جوٹوٹی پھوٹی حالت میں ہیں، جن میں بچے وغیرہ پڑھتے ہیں، یہ پیسہ ان کمروں کی تعمیر میں کام آسکتا ہے یانہیں؟ مسجد کے چاروں طرف دیوار میں کام آسکتا ہے کہ نہیں، یہ پیسہ ہمارے کس مد میں کام آسکتا ہے؟ آپ سے گزارش ہے کہ آپ ہمیں اس بات کا خلاصہ بتادیں، تاکہ ہم اپنے پاس سے یہ رقم جلد سے جلد ادا کردیں، جس کام میں بھی ہو جیسے کام آسکتی ہے آپ ہمیں فوراً جواب لکھ کر بھیج دیں، ہم اپنا پتہ لفافہ اس خط کے ساتھ بھیج رہے ہیں، امید کہ آپ جلد سے جلد ہمیں اس بات کا جواب دیں گے۔

المستفتی: رحمت اللہ خان نصیب اللہ خان مرچنٹ گراؤنڈ مقام و پوسٹ گڑور، ضلع الموڑ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسجد ومدرسہ میں پاک وحلال مال لگانا لازم ہے، مذکورہ بکریوں کی رقم حرام ہے، ان کا پیسہ مسجد ومدرسہ میں اوراس کی ضروریات میں لگانا جائز نہیں ہوگا۔

جابر بن عبدالله –رضي الله عنه– يقول: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم عام الفتح وهو بمكة: إن الله ورسوله حرم بيع الخمر والميتة، والخنزير، والأصنام، فقيل له عند ذلک: أرأيت شحوم الميتة، فإنه يدهن بها السفن، ويدهن بها الجلود، ويستصبح بها الناس؟ قال: لا، هن حرام، ثم قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: قاتل الله اليهود، إن الله حرم عليهم الشحوم، فأجملوه، ثم باعوه، فأكلوا ثمنه. (سنن ابن ماجة، البيوع، باب ما لا يحل بيعه، النسخة الهندية، ص: ۱۵۷، دارالسلام، رقم: ۲۱۶۷)

البيع بالميتة والدم باطل. (هداية ۳/ ۲۳)

أما لو أنفق في ذلک مالا خبيثا ومالا سببه الخبيث والطيب فيكره؛

لأن الله تعالیٰ لا یقبل إلا الطیب. (شامي، کراچی ١/ ٦٥٨، مطلب کلمة لا بأس دلیل علی أن المستحب غیره؛ لأن البأس الشدة، شامي زکریا ٢/ ٤٣١)

مذکورہ رقم کو بلانیت ثواب فقراء کو دینا لازم ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ رشعبان ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۱۹۲۰)

مردار جانوروں کے گوشت کی خرید وفروخت

سوال [۸۶۹۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مردہ حلال وحرام جانوروں کا گوشت پہلے گدھ کھاجایا کرتے تھے، اب ادھر گدھ ناپید ہے، گوشت سڑ گل کر فضا کو مسموم کردیتا ہے؛ اس لئے زید اس گوشت کو فروخت کردیتا ہے، غیر مسلم خریدار بذریعہ مشین پیس کر اس گوشت کو مچھلیوں کی خوراک بنا دیتا ہے، جس سے مچھلیوں کی نشوونما غیر معمولی طور پر بڑھ جاتی ہے، ایسا کاروبار زید کے لئے درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: عبدالحمید قاسمی، ناظم مدرسہ اسلامیہ کانکی نارہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید کے لئے مردار جانوروں کے گوشت کی فروختگی کا کاروبار ناجائز اور حرام ہے اور اس کا پیسہ بھی حرام ہے، خواہ غیر مسلم ہی سے فروخت کرے، اگر فضا مسموم ہونے کی وجہ سے غیر مسلم کو گوشت دینے کی ضرورت ہے، تو مفت میں دے دیا جائے، اس کی قیمت نہ لی جائے؛ لہٰذا مردار کے گوشت کا کاروبار کرنا قطعاً جائز نہیں ہے۔ اور اس کا پیسہ بھی حلال نہیں ہے۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ. [المائدة: ٣]

عن ابن عباس –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: لعن الله الهیود، حرمت علیهم الشحوم، فباعوها وأکلوها أثمانها،

وإن الله عـز وجل إذا حرم على قوم أكل شيء حرم عليهم ثمنه. (مسند أحمد بن حنبل ١/ ٢٩٤، رقم: ٢٦٧٨، ١/ ٢٤٧، رقم: ٢٢٢١)

وبطل بيع ما ليس بمال، كالدم والميتة. (شرح تنوير مع الشامي، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مطلب في تعريف المال، زكريا ٧/ ٢٣٥، كراچی ٥/ ٥٠)

وكذا بيع الميتة والدم، والحر باطل؛ لأنها ليست أموالا، فلا تكون محلا للبيع. (هداية، أشرفي، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، اشرفي ٣/ ٤٩) **فقط واللہ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲ / جمادی الاولیٰ ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۳۸۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۱/۵/۱۴۲۵ھ

جھٹکے کے بکرے کی آنت کی تجارت کا حکم

سوال [٨٦٩٨]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جھٹکے سے ذبح کئے ہوئے جانور کی آنت کی تجارت کر سکتے ہیں یا نہیں؟ جیسے: جھٹکے کے بکرے کی کھال پر نمک لگا کر تجارت کرتے ہیں، اسی طرح سے بکری کی آنت پر نمک لگا کر رکھ دیں، اس کا پانی خشک ہونے پر اس کو دھو کر اس کی صفائی کر کے تجارت کر سکتے ہیں یا نہیں؟ کبھی کسی زمانہ میں شاہی مسجد میں ہم نے پوچھا تھا تو گنجائش بتلائی تھی، قریب ۳۵/ یا ۴۰/ سال کا عرصہ گذر گیا؛ لہٰذا کوئی گنجائش ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد ظریف قریشی، اصالت پورہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جھٹکے کے جانور مردار کے حکم میں ہیں اور مردار کے سارے اعضاء ناپاک ہوتے ہیں۔ اور ان کی تجارت جائز نہیں ہوتی ہے؛ البتہ جو اعضاء دباغت کے ذریعہ سے پاک کر کے خارجی استعمال کے لائق ہوتے ہیں، ان کی دباغت کے

بعد خارجی استعمال کے لئے تجارت جائز ہے، مثلاً کھال دباغت کے بعد پاک تو ہوجاتی ہے؛ لیکن کھانے کے لائق نہیں ہوتی؛ بلکہ خارجی استعمال کے لائق ہوتی ہے، اس کی تجارت جائز ہے، اسی طرح اوجھڑی دباغت کے بعد برتن اور مشکیزہ کے طور پر استعمال کے لائق ہوسکتی ہے، اس کو بھی اگر دباغت کے ذریعہ بالکل سکھا کر برتن یا مشکیزہ بنالیا جائے اور مشکیزہ کے طور پر استعمال کے لائق ہو تو اس کی بھی تجارت جائز ہے؛ لیکن سوال نامہ میں مردار کی آنتوں کی دباغت کی بات نہیں ہے؛ بلکہ آنتوں کو دوسری جگہ کھانے کے استعمال میں لانے کے لئے سپلائی کیا جاتا ہے اور سڑنے سے حفاظت کے لئے نمک وغیرہ کا استعمال کیا جاتا ہے، اور یہ دباغت کے دائرہ میں داخل نہیں ہے؛ اس لئے یہ ناپاک ہی رہیں گی؛ لہٰذا اس طرح مردار کی آنتوں کی تجارت جائز نہیں ہے۔

عن ابن عباس –رضي الله عنه– قال: رأيت رسول الله ﷺ جالسا عند الركن، قال: فرفع بصره إلى السماء فضحك، فقال: لعن الله اليهود ثلاثا، إن الله حرم عليهم الشحوم فباعوها وأكلوا أثمانها، وإن الله إذا حرم على قوم أكل شيء حرم عليهم ثمنه. (سنن أبي داؤد، البيوع، باب في ثمن الخمر والميتة، النسخة الهندية ۲/ ۴۹۳، دارالسلام، رقم: ۳۴۸۸)

وكذا لو أصلح المثانة ودبغها وجعل فيها اللبن أو السمن جاز، وكذا الكرش، وكل ما يمنع عن الفساد، ويخرج عن حد الأكل، فهو دباغ كان ذلك بالتراب أو الشمس ونحوهم. (قاضيخان، كتاب الطهارة، فصل في النجاسة التي نصيب الثوب، زكريا جديد ۱/ ۱۸، وعلى هامش الهندية ۱/ ۲۵)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍شعبان ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۷۷۲/۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۸/۶ھ

خون کی مصنوعات کی تجارت

سوال [۸۶۹۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جانوروں کے خون کی مصنوعات اوران کی تجارت جائز ہے یانہیں؟

المستفتی: نیاز احمد فاروقی حلال ٹرسٹ جمعیۃ علماء ہند

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جانوروں کے خون کی تجارت جائز نہیں ہے؛ اس لئے کہ نص قطعی سے دمِ مسفوح کی حرمت ثابت ہے۔ آیت کریمہ ملاحظہ فرمایئے:

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ. [المائدة: ۳]

قُلْ لَا اَجِدُ فِيْ مَا اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ يَطْعَمُهُ اِلَّا اَنْ يَكُوْنَ مَيْتَةً اَوْ دَمًا مَسْفُوْحًا. [سورة الأنعام، آیت: ۱٤٥]

البتہ خون کی مصنوعات جن میں تبدیل ماہیت ہوکر دم سائل کا رنگ وبومزہ اورسیلانیت ختم ہوکر اس کی شکل بدل کرشئ جامد اورشئ آخر بن جائے، تو انقلابِ ماہیت کی وجہ سے پاک ہوجاتی ہیں، پھراس کی تجارت وغیرہ بھی جائز ہوجاتی ہے، اس کے لئے بدائع کی عبارت ملاحظہ فرمایئے:

إن النجاسة لما استحالت وتبدلت أوصافها ومعانيها خرجت عن كونها نجاسة؛ لأنها اسم لذات موصوفة، فتنعدم بانعدام الوصف.

(بدائع، كتاب الطهارة، الدباغة، كراچی ۱/۸۵، زكريا ۱/ ۲٤۳، الفقه الإسلامي وأدلته، هدى انٹر نيشنل ديوبند ۱/ ۱۰۰)

''فتح القدیر'' اور ''غنیۃ المستملی'' میں اس طرح کی عبارت ہے، ملاحظہ فرمایئے:

إن استحالة العين تستتبع زوال الوصف المرتب عليها. (فتح القدير

زكريا ١/ ٢٠٢، دارالفكر ١/ ٢٠١، الموسوعة الفقهية ٣/ ٢١٣، ٢٩/ ١٠٨، غنية المستملي أشرفيه، ص: ١٨٩)

اس سلسلے میں شامی کی عبارت اس طرح ہے:

لا يرد طهارة ...... الدم بصيرورته مسكا؛ لأن عين الشيء حقيقته، وحقيقة الخمر والدم ذهبت وخلفتها أخرى، وإنما يرد ذلك لو قلنا ببقاء حقيقة الخمر والدم مع الحكم بطهارتها. (شامي، كتاب الطهارة، باب الأنجاس، مطلب في العفو عن طين الشارع، زكريا ١/ ٥٣٦، كراچی ١/ ٣٢٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/ ذیقعدہ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۱۶۹۵)

خون کی بیع کا حکم

سوال [۸۷۰۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ شہر بمبئی میں ہم قریش برادری کے درمیان ایک مسئلہ درپیش ہے، ہم لوگ آپ سے اس کی معلومات حاصل کرنا چاہتے ہیں، اس سے پہلے کہ ہم لوگ اپنا مسئلہ رکھیں پہلے آپ اطمینان سے ہماری مشکلات کو ایک نظر دیکھ لیجئے جو مندرجہ ذیل ہیں: ہم لوگ بمبئی کارپوریشن کے ماتحت کام کرتے ہیں، گونڈی دیونار میں ایک مذبح کارپوریشن نے بنوایا ہے، ہماری برادری کے لوگ ہندوستان کے کونے کونے سے جانور لاتے ہیں، ان کو لانے کے لئے ہم لوگوں کو جو دقتیں ہوتی ہیں وہ ہم ہی لوگ جانتے ہیں، اسٹیٹ اسٹیٹ میں لاری کے کرایہ کے علاوہ چنگی جو حکومت کا حق ہے، وہ دیتے ہیں، ہمارے پاس لائسنس ہے، اس کے لئے رشوت دینی پڑتی ہے، اگر نہ دیں تو پریشانی ہوتی ہے، جانور مر جانے کا ڈر لگتا رہتا ہے: اس لئے رشوت دینی پڑتی ہے، وہاں سے نکلے تو راستہ میں آرٹی او پکڑتے ہیں، ان کو بھی رشوت

دینی پڑتی ہے۔ اب سوال یہ ہوتا ہے کہ آپ کے پاس لاری پرمٹ ہے، تو آپ کیوں دیتے ہیں؛ اس لئے دینا پڑتا ہے کہ گاڑی پرمٹ صرف نو جانوروں کا ہوتا ہے، اگر نو جانور لائیں گے تو لاری کا کرایہ ان جانوروں پر زیادہ ہوجاتا ہے؛ اس لئے اس میں جانور زیادہ لاتے ہیں، اگر جانور زیادہ نہ لائیں تو جانور کی قیمت بڑھ جائے گی، تو جانور نہیں بکے گا، جتنے وہاں بچتے بچاتے نکلے تو گارے ہتھیار مل جاتے ہیں، وہ تو لاری ہی روک لیتے ہیں، جانور پکڑ لیتے ہیں، لاری کھالی کرواکر جانور نکال دیتے ہیں، ہم لوگ پولیس کی مدد مانگتے ہیں، پولیس آتی ہے مدد کرتی ہے، مگر ان لوگوں کا کچھ نہیں کرتی ہے، کہتی ہے کہ وہ بھی ٹھیک کرتے ہیں جیسے جیسے کرکے جانور پکڑتے ہیں اس میں بھی کبھی جانور گم ہوجاتے ہیں، وہ ہمارا نقصان ہوجاتا ہے، پولیس آتی ضرور ہے، مگر رشوت لے کر آتی ہے نہ دیں تو وہ کیوں آتی، اگر نہ دیں تو معلوم پڑا کہ جانور سب غائب ہوگئے، تو وہ دینا بھی ضروری ہوجاتا ہے۔ (مرتا کیا نہ کرتا) چلئے وہاں سے نکلے تو بمبئی کے چنگی خانہ پر آئے وہاں پر بھی یہی ہوتا ہے، چنگی بھریئے، کاغذ لیجئے، پھر سب سے پہلے کاغذ والا چپراسی رشوت لیتا ہے، وہاں سے نکلے تو خاکی ڈریس بلو ڈریس پٹری والے میونسپلٹی والے اسٹاف آر ٹی او والے واٹریس والے سب چنگی خانہ کے ناکہ ہی پر ملتے ہیں، اس لئے ان لوگوں کو بھی دینا ہی پڑتا ہے، کیوں کہ جانور کئی گھنٹوں سے لاری میں بند رہتے ہیں، وہ لوگ جب حیران کرتے ہیں تو ہم لوگوں کو ڈر لگتا ہے کہیں اندر ہی اندر ایک دو جانور مر نہ جائیں؛ اس لئے ہم پر ضروری ہوجاتا ہے کہ ان لوگوں کو کچھ کھلائیں، کہنے کو تو لائسنس ہے، دیونار میں جانور کاٹتے ہیں، مگر حکومت ہم لوگوں کی کوئی سپورٹ بھی نہیں کرتی ہے، پھر ہم لوگ گورنمنٹ سے پرمیشن یافتہ آدمی ہوتے ہیں۔ خیر جیسے تیسے کرکے ہماری گاڑی دیونار کے گیٹ پر آتی ہے، معلوم پڑتا ہے کہ ستیہ گرہ والے مورچہ لگا کر بیٹھے ہیں، گاڑی اندر ہونے نہیں دیتے ہیں، پھر یہاں پر بمبئی پولیس کی ضرورت ہوتی ہے، ان لوگوں کو بلوایا جاتا ہے، وہ آتے ہیں، ان کو پکڑتے ہیں، پولیس چوکی لے جاتے ہیں، جب ہماری گاڑی اندر ہوتی ہے، یہاں پر بھی وہی بات پولیس والوں کو ہم قریش برادری کی طرف

سے ہفتہ بندھا ہوا ہے، وہ ہر ہفتہ ہم لوگ جمع کر کے چوکی میں بھجوا دیتے ہیں، اگر نہ دیں تو مصیبت ہوتی ہے۔ جیسے وہاں سے نکلے دیونار کے اندر داخل ہوگئے، یہاں بھی مصیبت ہے، سب سے پہلے گیٹ پر جانوروں کی پاؤتی بنوائی جاتی ہے، ان کا ٹیکس ادا کیا جاتا ہے، اس کے علاوہ رشوت بھی دی جاتی ہے، جانور اگر تندرست وخوبصورت ہوا تو وہ لوگ پاس ہی نہیں کرتے؛ اس لئے ان کو بھی دینا ضروری ہے اور دیا جاتا ہے۔ خیر وہ اندر آ گیا، بازار لگا ہوا ہوتا ہے، اب آپ اندازہ لگائیے کہ جانور پر کتنا وزن ہوجاتا ہے، جانور کی خرید وفروخت چالو ہوجاتی ہے، اگر جانور کم آئیں تو جانور مہنگے بکتے ہیں، زیادہ آ گئے تو سستے بکتے ہیں، اس میں بیوپاریوں کا نفع نقصان ہوتا ہے، اسی طرح کاٹنے والوں کو بھی ہوتا ہے، یہ سب رہی ہماری مصیبت جس کا ہم نے مختصر حال بیان کردیا ہے، آپ آگے سمجھ سکتے ہیں، اب ہم آتے ہیں اپنے اصل مقصد کی طرف:

ہم قریش برادری بہت دنوں سے کارپوریشن لڑ رہے تھے، خون کے بارے میں جس میں ہم لوگ جیت گئے ہیں، دیونار میں جو جانور ذبح کئے جاتے ہیں، ان کا خون کارپوریشن لیتی ہے اور اس کو فروخت کردیتی ہے، جس کی سالانہ انکم ۱۵۰۰۰۰۰/ لاکھ کے قریب ہے، ہم سب سمجھتے ہیں کہ یہ خون ہمارے لئے حرام ہے، اس کا پیسہ بھی حرام ہے، مگر اتنی بڑی رقم ہم حکومت کو چھوڑنا نہیں چاہتے ہیں، جب کہ حکومت ہم لوگوں کو اتنا پریشان کرتی ہے اور مصیبت میں اتنا روپئے اس کو دے دیا جائے، جب کہ ہم لوگ یہ کیس جیت گئے ہیں، اب ان روپیوں کو کس کام میں لایا جائے، یہی آپ سے معلوم کرنا چاہتے ہیں، برائے کرم تشفی بخش جواب سے نواز کر عنداللہ ماجور ہوں۔ والسلام

المستفتی: حاجی محمد میاں قدرت اللہ قریشی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: خون کا فروخت کرنا مسلمانوں کے لئے حرام اور بیع شرعاً باطل ہے۔ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ. [المائدة: ۳]

بطل بيع ما ليس بمال، كالدم المسفوح، والميتة. (تنوير مع الدر، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مطلب في تعريف المال، زكريا ۷/ ۲۳۵، كراچی ۵/ ۵۰)

اورفروخت کر کے جو رقم ہاتھ میں آتی ہے اس کا استعمال حرام ہے، اس کو بلانیت ثواب صدقہ کردینا واجب ہے۔ اور جبری رشوت میں دینا ہے تو حیلہ تملیک کے بعد دی جاسکتی ہے۔

صرح الفقهاء بأن من اكتسب مالا بغير حق، فإما أن يكون كسبه بعقد فاسد، كالبيوع الفاسدة، والاستئجار على المعاصي والطاعات، أو بغير عقد، كالسرقة، والغصب، والخيانة، والغلول، ففي جميع الأحوال المال الحاصل له حرام عليه، ولكن إن أخذه من غير عقد -إلى قوله- يجب عليه أن يتصدق بمثل تلك الأموال على الفقراء. (وقوله) وأما إذا كان عند رجل مال خبيث، فإما إن ملكه بعقد فاسد، أو حصل له بغير عقد ولا يمكنه أن يرده إلى مالكه ويريد أن يدفع مظلمته عن نفسه، وليس له حيلة إلا أن يدفعه إلى الفقراء. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارنپور قديم ۱/ ۳۷، دارالبشائر الإسلاميه بيروت ۱/ ۳۶۹، رقم: ۵۹، وهكذا في الهندية، زكريا قديم ۵/ ۳۴۹، جديد ۵/ ۴۰۴، شامي، زكريا ۹/ ۵۵۳، كراچی ۶/ ۳۸۵، البحر الرائق، زكريا ۹/ ۳۶۹، كوئٹه ۸/ ۲۰۱، تبيين الحقائق، إمداديه ملتان ۶/ ۲۷، زكريا ۷/ ۶۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ شوال ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۲۰۱۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۳؍ شوال ۱۴۱۰ھ

خون سے بنے مچھلیوں کے دانہ کی خرید وفروخت کا حکم

سوال [۸۷۰۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: دورِ حاضر میں خون سے گولی بنائی جاتی ہیں، چاہے وہ خون بیل کا ہو یا بھینس کا یا بکری کا اور وہ خون سے بنی ہوئی گولی مچھلیوں کو کھلائی جاتی ہیں، تو اس خون سے بنی گولی کی تجارت جائز ہے یا نہیں؟ اگر نہیں ہے تو کیوں؟

المستفتی: محمد عزیز الرحمٰن مغربی بنگال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: گائے، بیل، بھینس اور بکری کے خون سے بنی ہوئی گولیاں جن مچھلیوں کو کھلائی جاتی ہیں وہ مچھلیاں بلا کراہت جائز اور حلال ہیں۔ دمِ مسفوح کی تجارت ناجائز اور حرام ہے؛ لیکن اگر بطور کھاد اس کو استعمال کرنے کے لئے تجارت کی جائے تو اس کی گنجائش ہے، جیسا کہ سرقین اور انسان کے براز کی تجارت کھاد کے طور پر جائز ہے۔

سئل علي بن أحمد ويوسف بن محمد عن السمكة إذا أخذت وأرسلت في الماء النجس، فكبرت فيه؟ فقال: لا بأس بأكلها للحال.

(التاتارخانية ١٨/ ٤٩٢، رقم: ٢٩٧١٠)

ولا يحل حيوان مائي إلا السمك الذي مات بآفة ولو متولدا في ماء نجس. (وتحته في الشامية) فلا بأس بأكلها للحال لحله بالنص وكونه يتغذى بالنجاسة لا يمنع حله. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الذبائح، زكريا ٩/ ٤٤٤، كراچی ٦/ ٣٠٦)

كره بيع العذرة لا السرقين، وقال الشافعي رحمه الله: لا يجوز بيع السرقين أيضا؛ لأنه نجس العين، فلا يكون مالا فلا يجوز بيعه كالعذرة وجلد الميتة قبل الدبغ، ولنا أن المسلمين تمولوا السرقين، وانتفعوا به في سائر البلدان والأعصار من غير نكير، فإنهم يلقونه في الأراضى لاستكثار الربيع، بخلاف العذرة؛ لأن العادة لم تجر بالانتفاع بها، وإنما ينتفع بها

مخلوطة برماد وتراب غالب عليها بالإلقاء في الأرض، فحينئذ يجوز بيعها، والصحيح عن أبي حنيفة أن الانتفاع بالعذرة الخالصة جائز. (تبيين الحقائق، إمداديه ملتان ٦/ ٢٦، زكريا ٧/ ٥٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍ربیع الاول ۱۴۳۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۱۹۸۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۶/۴/۴ھ

بیع سرطان کا حکم

سوال [۸۷۰۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بیع سرطان ازروئے شرع متین جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: خدا بخش گوبند پور، ۲۴؍ پرگنہ مغربی بنگال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگرچہ فقہ کی بعض جزئیات سے بیع سرطان کا عدم جواز معلوم ہوتا ہے؛ لیکن وہاں پر کلیہ بھی موجود ہے کہ جو چیز دوا کے لئے منتفع ہو اس کی خرید وفروخت جائز ہے۔ اور کیکڑے کی پشت دواؤں میں استعمال ہوتی ہے؛ لہٰذا اس کی بیع جائز ہوگی؛ البتہ کھانا جائز نہیں ہے۔

ويجوز بيع جميع الحيوانات سوى الخنزير، وهو المختار. (هندية، البيوع، الباب التاسع، الفصل الرابع في بيع الحيوانات، زكريا قديم ٣/ ١١٤، جديد ٣/ ١١٥)

يجوز بيع الحيات إذا كان ينتفع بها للأدوية، وما جاز الانتفاع بجلده أو عظمه، أي من حيوانات البحر أو غيرها. (شامي، مطلب في بيع دودة القرمز، زكريا ٧/ ٢٦٠، كراچی ٥/ ٦٨)

فالحاصل أن جواز البيع يدور مع حل الانتفاع. (شامي، زكريا ٧/ ٢٦٠،

کراچی ٥/ ٦٨، الفتاوى التاتارخانية، زكريا ٨/ ٣٤٠، رقم: ١٢١٢٥، المحيط البرهاني، المجلس العلمي ٩/ ٣٣٢، رقم: ١١٩٩٣، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ١٥١، مصري قديم ٢/ ١٠٨، الموسوعة الفقهية الكويتية ٩/ ١٥٥، ١٧/ ٢٨١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱/۲/۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۶۰۱۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱/۲/۱۴۲۰ھ

خنزیر کے بالوں کے ساتھ دوسرے جانور کے بالوں سے برش بنانا

سوال [۸۷۰۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ خنزیر (سور) کے بالوں کا برش بنانا اس صورت میں کہ اس میں گائے، بھینس، گھوڑا وغیرہ کے بالوں کی آمیزش بھی ہو یا کثیر مقدار خنزیر کے بال کے علاوہ دوسرے بالوں کی ہو، تو ازروئے شرع حرام ہے یا حلال؟

المستفتی: احسان علی صدیقی، اصغر منزل، شیر کوٹ بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: خنزیر کے بال نجس العین ہیں، شدت ضرورت نہ ہونے کی وجہ سے دوسرے جانوروں کے بالوں کی آمیزش کے ساتھ بھی خنزیر کے بالوں سے برش وغیرہ بنانا حرام ہے۔ اور تیار کردہ برش وغیرہ شرعاً ناپاک ہوگا۔

وأما الخنزير فشعره، وعظمه، وجميع أجزائه نجسة. (البحرالرائق، كتاب الطهارة، زكريا ١/ ١٩١، كوئٹه ١/ ١٠٧، هداية، أشرفي ٣/ ٣٩، مجمع الأنهر مصري قديم ١/ ٣٢، دارالكتب العلمية بيروت ١/ ٥١)

وشعر الميتة غير الخنزير على المذهب (تحته في الشامية) أي على قول أبي يوسف الذي هو ظاهر الرواية أن شعره نجس، وصححه في

البدائع، ورجحه في الاختيار. (الدر مع الرد، كتاب الطهارة، باب المياه، مطلب في أحكام الدباغة، زكريا ١/ ٣٥٩، ٣٦٠، كراچی ١/ ٢٠٦، بدائع الصنائع، زكريا ٤/ ٣٣٣، كراچی ٥/ ١٤٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵؍ ذی الحجہ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۰۲۹)

فحش کتابیں اور خنزیر کی چربی سے بنے چپس فروخت کرنے کا حکم

سوال [۸۷۰۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کچھ لوگ اپنی دوکانوں میں برہنہ تصویروں والی کتابیں، خنزیر کے خوشبو والے آلو کے چپس اور دوسری چیزیں جو مسلمان کے لئے حلال نہیں ہے فروخت کرتے ہیں۔

المستفتی: محمد ساجد قاسمی، بجنوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: برہنہ تصویروں کو رکھنا اور فروخت کرنا سخت معصیت ہے، اس کا ترک کرنا لازم ہے، خنزیر کا کوئی بھی جز وفروخت کرنا جائز نہیں، اس کا پیسہ بھی حلال نہیں ہے، مسلمانوں کو اس قسم کی حرکات سے باز رہنا لازم ہے۔

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– أن رسول الله ﷺ قال: إن الله حرم الخمر وثمنها، وحرم الميتة وثمنها، وحرم الخنزير وثمنه. (سنن أبي داؤد، باب في ثمن الخمر والميتة، النسخة الهندية ٢/ ٤٩٣، دارالسلام، رقم: ٣٤٨٥، المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ١١/ ١٥٢، رقم: ١١٣٣٥، سنن الدار قطني، كتاب البيوع، دارالكتب العليمة بيروت ٣/ ٧، رقم: ٢٧٩٢، المعجم الأوسط، دارالفكر ١/ ٤٦، رقم: ١١٦)

وأما بيع الخمر والخنزير ان قوبل بالدين كالدراهم والدنانير، فالبيع باطل.

(هداية، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، أشرفی دیوبند ۳/ ٤٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/محرم ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۱۰٦)

ادھیا پر بکری دینا

سوال [۸۷۰۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے بکر کو ایک بکری خرید کر دی، تاکہ بڑھے (یعنی زیادہ ہو) اور اگر بچہ دے گی تو اس میں دونوں کا آدھا حصہ ہوگا، زید کے لئے ایسا کرنا شریعت کے اعتبار سے کیسا ہے؟ جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: علی مرتضی قاسمی، دارالشفاء اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ میں جو شکل بتائی گئی ہے، اس کو عوام میں ادھیا پر دینے کا معاملہ کہا جاتا ہے۔ زید کا اس طرح معاملہ کرنا شرعاً جائز نہیں ہے؛ کیوں کہ یہ اجارۂ فاسدہ ہے۔ اور اگر زید نے اس طرح کا معاملہ کرلیا ہے اور بچہ بھی پیدا ہوگیا ہے، تو وہ جانور اور بچہ بھی زید کی ملکیت میں شمار ہوں گے۔ اور زید پر بکر کو چارہ کی قیمت اور جو بکری پالنے کی عام طور پر اجرت ہوتی ہے اس کا دینا واجب ہوگا؛ البتہ حضرات فقہاء نے جواز کی ایک شکل بتلائی ہے کہ مالک جانور کی مناسب قیمت لگا کر نصف حصہ پرورش کرنے والے کے ہاتھ فروخت کردے، پھر اس کی قیمت معاف کردے، تو ایسی صورت میں جانور دونوں کے درمیان مشترک ہوجائے گا؛ اس لئے اس کی نسل وآمدنی بھی دونوں کے درمیان نصف نصف ہونے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر/ ۱۱۵)

وعلى هذا إذا دفع البقرة إلى إنسان بالعلف ليكون الحادث بينهما نصفين، فما حدث فهو لصاحب البقرة، ولذلك الرجل مثل العلف الذي علفها وأجر مثله فيما قام عليها، والحيلة في ذلك أن يبيع نصف البقرة من ذلك الرجل بثمن معلوم حتى تصير البقرة وأجناسها مشتركة بينهما فيكون الحادث منها على الشركة. (هندية، كتاب الشركة، الباب الخامس في الشركة الفاسدة، زكريا قديم ٢/ ٣٣٥، جديد ٢/ ٣٣٦، حاشية چلپى، مكتبه إمداديه ملتان ٤/ ٤٩، زكريا ٤/ ٣٧٣)

وعلى هذا دفع البقرة بالعلف ليكون الحادث بينهما نصفين، فما حدث فهو لصاحب البقرة وللآخر مثل علفه وأجر مثله. (شامي، كتاب الشركة، مطلب يرجح القياس، زكريا ٦/ ٥٠٤، كراچى ٤/ ٣٢٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم صفر ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۶۱۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱/۲/۱۴۳۳ھ

چار من غلہ پر زمین کاشتکاری کے لئے دینا

سوال [۸۷۰۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص اپنی زمین اس شرط پر دیتا ہے کہ مثلاً چار من غلہ دے دو اور یہ زمین میں کاشتکاری فلاں مہینے تک کرتا ہے، اس میں جتنا بھی غلہ پیدا ہو جائے وہ تمہارا ہے، کیا ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد شمیم اختر ارریاوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال میں جو شکل مذکور ہے وہ قطعاً ناجائز ہے۔ اور جواز کی شکل یہ ہے کہ پیداوار کی تقسیم حصہ کے اعتبار سے طے کریں، اس طرح کہ دونوں کو نصف

نصف ملے گا، ایک کوایک تہائی اور دوسرے کودو تہائی ملے گا۔ (مستفاد: فتاوی رحیمیہ قدیم ۳۱۲/۹، جدید زکریا ۳۱۰/۹)

وأن يكون الخارج شائعا بينهما تحقيقا لمعنى الشركة، فإن شرطا لأحدهما قفزانا مسماة فهي باطلة؛ لأن به تنقطع الشركة؛ لأن الأرض عساها لا تخرج إلا هذه القدر، وصار كاشتراط دراهم معدودة لأحدهما في المضاربة. (هداية، كتاب المزارعة، أشرفي ديوبند ٤/ ٤٢٦)

ہاں ایک شکل یہ ہے کہ غلہ کے بجائے روپئے کے عوض معاملہ کیا جائے تو اس کی گنجائش ہے۔

قال: سألت رافع بن خديج عن كراء الأرض بالذهب والورق، فقال: لابأس به. (مسلم شريف، كتاب البيوع، باب كراء الأرض، النسخة الهندية ٢/ ١٣، بيت الأفكار، رقم: ١٥٤٧، صحيح البخاري، كتاب الحرث والمزارعة، باب كراء الأرض بالذهب والفضة، رقم: ٢٢٨٨، ف: ٢٣٤٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍رجب ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۲۷۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۴؍۷؍۱۴۲۰ھ

زمین کی فروختگی کی ایک شکل

سوال [۸۷۰۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں نے اپنی زمین حامد کے ہاتھ فروخت کردی، خرید نے والے حامد کے دریافت کرنے پر کہ زمین جو میں نے آپ سے خریدی ہے، وہ کس طرف ہے، آپ اس کی تعیین کردیں، میں نے حامد کو نقشہ دے کر کہا کہ کہیں ہوگی، تم پٹواری کے ذریعہ اسے تلاش کرلو، چنانچہ حامد نے پٹواری کے ذریعہ زمین تلاش کی، مگر اس کی تعیین نہیں ہوسکی، گو مجھے

یقین تھا کہ زمین اسی موضع میں ہے، ابھی زمین کی تعیین نہیں ہوسکی تھی کہ اسی درمیان میں میرے ہی مشورہ سے حامد نے مذکورہ زمین خالد کے ہاتھ فروخت کردی، واضح رہے کہ حامد نے مذکورہ زمین اپنی ایک متعین زمین کے ساتھ فروخت کی ہے، جب خالد نے زمین کی تعیین چاہی تو حامد نے اپنی متعین زمین کی تو تعیین کردی، مگر مذکورہ زمین کے بارے میں وہی جواب دیا جو میں نے حامد کو دیا تھا، یعنی یہیں کہیں ہوگی ،تم نقشہ لو اور پٹواری کے ذریعہ اس کی تعیین کرالو۔ عرض یہ ہے کہ حامد نے جو مجہول زمین مجھ سے خریدی وہ بیع تام ہوئی کہ نہیں اور جو بیع حامد نے خالد کو کی اس کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: محمد زبیر عباسی جنرل اسٹور، چوک گونڈہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مسئولہ میں عقد اول اور عقد ثانی دونوں ناتمام ہیں؛ اس لئے کہ دونوں میں مشتری کے حق میں مبیع مجہول ہے اور اس طرح جہالت کہ جس کی وجہ سے مبیع کو مشتری کے ضمان میں منتقل کرنا اور مشتری کے لئے اس میں تصرف کرنا ممکن نہ ہو جائز نہیں ہے، اس سے بیع منعقد نہیں ہوتی۔

وإن لم يذكر الحدود ولم يعرفه المشتري ...... وجهل المشتري يمنع (بزازية، كتاب البيوع، الفصل الثالث في ما يجوز بيعه وما لايجوز جديد زكريا ١/ ٢٣٥، وعلى هامش الهندية زكريا ٤/ ٣٧٢)

إذ لم يعلم أن العشرة من أي جانب من الدار، فيكون مجهولا جهالة تفضي إلى المنازعة. (عناية شرح هداية، دارالفكر بيروت ٦/ ٢٧٥، كوئٹه ٥/ ٤٧٩، زكريا ٦/ ٢٥٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/محرم الحرام ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۱۲۱)

زمین کی فروختگی کی ایک ناجائز شکل

سوال [۸۷۰۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں نے اپنی زمین حامد کے ہاتھ فروخت کردی، خریدنے والے حامد کے دریافت کرنے پر یہ زمین جو میں نے آپ سے خریدی ہے وہ کس طرف ہے؟ آپ اس کی تعیین کردیں، میں نے حامد کو نقشہ دے کر کہا کہ یہیں کہیں ہوگی، تم پٹواری کے ذریعہ اسے تلاش کرلو، چنانچہ حامد نے پٹواری کے ذریعہ زمین تلاش کی، مگر اس کی تعیین نہیں ہوسکی، گو مجھے یقین تھا کہ زمین اسی موضع میں ہے، ابھی زمین کی تعیین نہیں ہوسکی تھی کہ اسی درمیان میں میرے ہی مشورہ سے حامد نے مذکورہ زمین خالد کے ہاتھ فروخت کردی، واضح رہے کہ حامد نے مذکورہ زمین اپنی ایک متعین زمین کے ساتھ فروخت کی ہے، جب خالد نے زمین کی تعیین چاہی تو حامد نے اپنی متعین زمین کی تو تعیین کردی، مگر مذکورہ زمین کے بارے میں وہی جواب دیا جو میں نے حامد کو دیا تھا، یعنی یہیں کہیں ہوگی، تم نقشہ لو اور پٹواری کے ذریعہ اس کی تعیین کرالو۔ عرض یہ ہے کہ حامد نے جو مجہول زمین مجھ سے خریدی وہ بیع تام ہوئی کہ نہیں اور جو بیع حامد نے خالد کو کی اس کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: مولانا محمد یحییٰ صاحب، استاذ شعبہ عربی مدرسہ فرقانیہ، گونڈہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ صورت میں چونکہ نفس بیع متعین نہیں ہے، کہ وہ کہاں واقع ہے، تاکہ مشتری اس کو اپنے ضمان میں لے کر تصرف کرسکے، اسی طرح اس نے جو فروخت کیا ہے، اس میں بھی ایسی جہالت ہے کہ بائع کے لئے مشتری کے ضمان میں دینا اور مشتری کے لئے اس میں تصرف کرنا ممکن نہیں ہے؛ اس لئے آپ کا حامد کے ہاتھ فروخت کرنا اور حامد کا خالد کے ہاتھ فروخت کرنا دونوں معاملہ ناجائز اور فاسد ہے۔ اور واجب الاسترداد ہے؛ البتہ حامد نے جو اپنی متعین زمین فروخت کی ہے، اس کی قیمت الگ سے لگائی جائے تو درست ہوسکتا ہے۔

اشترى أرضا وذكر حدودها لا ذرعها طولا وعرضا جاز، وإذا عرف المشتري الحدود لا الجيران يصح، وإن لم يذكر الحدود ولم يعرفه المشتري يمنع. (بزازية، كتاب البيوع، الفصل الثالث فيما يجوز بيعه وما لا يجوز، جديد زكريا ١/ ٢٣٥، وعلى هامش الهندية، زكريا ٤/ ٣٧٢، شامي، مطلب ما يبطل الإيجاب سبعة، كراچی ٤/ ٥٢٩، زكريا ٦/ ٤٩)

إذ لم يعلم أن العشرة من أي جانب من الدار، فيكون مجهولا جهالة تفضي إلى المنازعة. (عناية مع الفتح، دارالفكر بيروت ٦/ ٢٧٥، کوئٹه ٥/ ٤٧٩، زكريا ٦/ ٢٥٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/ ذی الحجہ ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۵۰۶۴)

قسطوار زمین کی خرید وفروخت کرنے والی کمپنی کا ممبر بننا

سوال [۸۷۰۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک کمپنی ہے جو زمینوں کی خرید وفروخت کرتی ہے اور وہ لوگوں کو اپنا ممبر بنا کر ایک متعین رقم قسط وار وصول کرتی ہے، پورا ہو جانے کے بعد اس کو وہ زمین موعود دی جاتی ہے، اگر وہ نہ لینا چاہے تو اس کی قیمت لگا کر رقم دی جاتی ہے، ظن غالب نفع کا ہوتا ہے۔

دوسری اسکیم یہ ہوتی ہے کہ جو ممبران کمپنی کے لئے ایجنٹ کا کام کرتے ہیں، ان کو کمیشن دیتی ہے اور ایجنٹ نے جن لوگوں کو ایجنٹ بنایا ہے، ان کی ممبر سازی پر بھی اول کو کمیشن دیتی ہے، جو سب متعین ہوتا ہے، اسی طرح سلسلہ وار سلسلہ الی غیر النہایہ چلتا رہتا ہے، جسے ''نیٹ ورک'' سسٹم کہا جاتا ہے۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ میں ذکر کردہ صورت کے مطابق مذکورہ کمپنی کا

لوگوں کو اپنا ممبر بنا کر متعینہ زمین قسطوں پر فروخت کرنا اور تمام اقساط کی ادائے گی کے بعد زمین موعود خریدار کے حوالہ کرنا اس حد تک معاملہ ازروئے شرع جائز ہے۔

البيع مع تأجيل الثمن وتقسيطه صحيح. (شرح المجلة رستم باز، اتحاد ديوبند ١/ ١٢٥، رقم المادة: ٢٤٥)

ولو لم يكن الأجل مشروطا في العقد ولكنه منجم معتاد قيل: لا بد من بيانه؛ لأن المعروف كالمشروط. (هداية، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، قديم ٣/ ٥٨، جديد أشرفي ديوبند ٣/ ٧٤)

وللبائع حبس المبيع إلى قبض الثمن ولو بقي منه درهم. (شامي، مطلب في حبس المبيع لقبض الثمن الخ، كراچی ٤/ ٥٦١، زكريا ٧/ ٩٣)

لیکن معاملہ کی دوسری صورت کہ قسطوں کی ادائے گی کے بعد اگر خریدار کسی وجہ سے زمین نہ لینا چاہے تو اسے زمین کی قیمت لگا کر رقم دی جاتی ہے، وضاحت طلب ہے چنانچہ اگر معاملہ اور ایجاب وقبول کے وقت کاغذی کارروائی کرتے ہوئے اس بات کی صراحت کی جاتی ہے کہ اگر قسطوں کی ادائے گی کے بعد تم زمین نہ لینا چاہو تو تمہیں اس کی موجودہ قیمت واپس مل جائے گی اور اس شرط کے ساتھ معاملہ طے ہوتا ہے، تو اس طرح معاملہ کرنا شرعاً جائز نہیں ہے؛ لیکن اگر اس کا مطلب یہ ہے کہ ایجاب وقبول کے وقت اس کی صراحت نہ ہو؛ بلکہ مطلق معاملہ کیا جائے، پھر بعد میں خریدار کسی وجہ سے زمین نہ لینا چاہے تو اس کی ضرورت ومجبوری کا خیال کرتے ہوئے قسطوار جتنی رقم ادا کی جا چکی ہے اتنی رقم خریدار کو واپس کردیں اور زمین اپنی ملکیت میں رکھیں، تو یہ معاملہ اقالہ میں داخل ہوکر درست ہوجائے گا۔ اور اگر ادا شدہ قسطوں کا لحاظ نہ کرتے ہوئے موجودہ قیمت کا اعتبار کرکے وہ زمین خریدار سے خرید لی جائے تو یہ بھی جائز ہے؛ اس لئے کہ یہ ازسر نو خرید وفروخت کا معاملہ ہے۔

أخرج الطبراني حديثا طويلا طرفه هذا: حدثني عمر بن شعيب عن أبيه عن جده، أن النبي صلى الله عليه وسلم نهى عن بيع وشرط. (معجم

الأوسط، دارالفكر بيروت ۳/ ۲۱۱، رقم: ٤٣٦١، مجمع الزوائد، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٨٥، نصب الراية، كراچى ٤/ ١٧)

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله ﷺ: من أقال مسلما، أقاله الله عثرته يوم القيامة. (ابن ماجة، أبواب التجارات، باب الإقالة، النسخة الهندية/ ١٥٩، دارالسلام، رقم: ٢١٩٩، سنن أبي داؤد، كتاب البيوع، باب فضل الإقالة، النسخة الهندية ٢/ ٤٩٠، دارالسلام، رقم: ٣٤٦٠)

الإقالة جائزة في البيع بمثل الثمن، فإن شرط أكثر منه أو أقل، فالشرط باطل ويرد مثل الثمن الأول. (هداية أشرفى ٣/ ٦٩)

زاد في الموسوعة الفقهية: سواء كانت الإقالة قبل القبض أو بعده، وسواء كان المبيع منقولا أو غير منقول. (الموسوعة الفقهية ٥/ ٣٢٧)

كل شرط لا يقتضيه العقد وفيه منفعة لأحد المتعاقدين أو للمعقود عليه وهو من أهل الاستحقاق يفسده. (هداية، كراچى ٥/ ١١٦،أشرفي ديوبند ٣/ ٥٩)

وإذا حصل الإيجاب والقبول لزم البيع، ولا خيار لواحد منهما. (هداية، كراچى ٥/ ٦، أشرفي ديوبند ٣/ ٢٠، الجوهرة النيرة، إمداديه ملتان ١/ ٢٢٦، دارالكتاب ديوبند ١/ ٢٢٠، تاتارخانية، زكريا ٨/ ٢٢٢، رقم: ١١٧١٤)

(۲) ممبر سازی کی اجرت میں تفصیل یہ ہے کہ جو ایجنٹ براہ راست لوگوں کو کمپنی کا ممبر بناتے ہیں، اس کے عوض میں جو متعین اجرت انہیں ملتی ہے، یہ کمپنی سے جوڑنے کے عمل کی اجرت ہے، جو جائز ہے؛ لیکن ایجنٹ نے جن لوگوں کو ممبر بنایا ہے ان کے ذریعہ ممبر سازی پر اول ایجنٹ کو کمیشن دینا جائز نہیں؛ اس لئے کہ ان لوگوں نے جو محنت کی ہے اس میں پہلے ایجنٹ کی محنت شامل نہیں ہے؛ اس لئے شریعت اس صورت میں اول کو بلا محنت اجرت لینے کی اجازت نہیں دیتی؛ بلکہ یہ محنت کنندگان کا حق ہے۔

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا يحل لمسلم أن يأخذ مال

أخيه بغير حق. (مجمع الزوائد، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ١٧١، مسند أحمد بن حنبل ٥/ ٤٢٥، رقم: ٢٤٠٠٣)

سئل محمد بن سلمة عن أجرة السمسار، فقال: أرجو أنه لا بأس به.

(شامي، كتاب الإجارة، مطلب في أجرة الدلال، زكريا٩/ ٨٧، كراچی ٦/ ٦٣)

لا يجوز لأحد أن يأخذ مال أحد بلا سبب شرعي. (شامي، كتاب الحدود، مطلب في التعزير بأخذ المال، زكريا ٦/ ١٠٦، كراچی ٤/ ٦١، البحرالرائق، كوئٹه ٥/ ٤١، زكريا ٥/ ٦٨، هندية زكريا قديم ٢/ ١٦٧، جديد زكريا ٢/ ١٨١، قواعد الفقه ص: ١١٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰؍صفر ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۹۱۲/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۳/۲ھ

زمین کو فروخت کرنے کی ایک ناجائز شکل

سوال [۱۰۷۸۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک کمپنی جس کا نام ''پیس گرین فوریسٹ لمٹیڈ'' (P.G.F) ہے، اپنے گراہک سے زمین فروخت کرنے کا معاہدہ کرتی ہے، اور اس کے بعد گراہک سے قسطوار پانچ سال چھ سال سات سال یا نو سال تک یا جتنا وقت بھی معاہدہ میں طے ہوتا ہے، اس وقت تک روپئے وصول کرتی ہے، مثال کے طور پر کمپنی اپنے کسی گراہک سے معاہدہ کرتی ہے کہ پچاس گز زمین خریدنے کے لئے گراہک چھ سال تک ماہوار قسط کے ذریعہ ہر مہینہ کمپنی کے پاس دوسو روپئے جمع کرے گا، چھ سال مکمل ہونے پر کل جمع رقم ۱۴۴۰۰؍ روپئے ہوگی، معاہدہ کرتے وقت کمپنی نے ایک بات واضح کر دی تھی کہ گراہک چھ سال تک ۱۴۴۰۰؍ روپئے جمع کرنے کے بعد اگر زمین لینے کا خواہش مند نہیں ہے، تو کمپنی واپس اس زمین کو ۲۰۴۰۰؍ روپئے میں خریدنے کے لئے تیار رہے گی؛ لہٰذا محترم اس مسئلہ میں فرمائیں کہ اس صورت میں گراہک کو جو ۶۰۰۰؍

روپئے کا فائدہ ہورہا ہے، وہ جائز اور حلال ہے یا ناجائز اور حرام ہے؟ کمپنی نے اپنا کاروبار چلانے کے لئے الگ الگ عہدوں پر آدمی فائز کررکھے ہیں جو گراہکوں سے رقم وصول کرنے کے بعد کمپنی کے خزانہ میں جمع کرتے ہیں اوران کی وصول کی گئی رقم میں سے کمپنی ان کے عہدوں کے حساب سے ان کو کمیشن دیتی ہے، کمپنی میں کام کرنے کے بعد آمدنی کا واحد ذریعہ یہی ہے؛ لہٰذا حضرت اس مسئلہ میں بھی فرمائیں کہ ایسی کمپنی میں کام کرنا اوراس سے حاصل شدہ آمدنی کو استعمال کرنا حلال ہے یا حرام؟

یہ واضح رہے کہ کمپنی کے لاکھوں گراہک ہیں، جن سے رقم وصول کرکے کمپنی بڑے پیمانے پر اپنا کاروبار چلاتی ہے، کمپنی زمین پر پیڑ لگاتی ہے، اورلکڑی کا کاروبار کرتی ہے، کاشتکاری کرتی ہے، کھیتی کے لئے بیج تیار کرتی ہے، کھاد بناتی ہے اور کئی مختلف کاروبار کرتی ہے اور جو آمدنی ہوتی ہے اس میں سے ہی اپنے گراہکوں کو اور کام کرنے والوں کو فائدہ پہنچاتی ہے، ان تمام صورتوں میں ایسی کمپنی سے وابستہ ہوکر نفع حاصل کرنا کیسا ہے؟ اور یہ بات کمپنی نے معاہدہ کے وقت واضح کردی تھی کہ زمین پر قبضہ اسی وقت دیا جائے گا جب کہ کمپنی کو طے شدہ رقم پوری ادا کردی جائے گی۔

المستفتی: محمد آصف کندرکی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کمپنی کا قانون چہ ہندی اور انگلش دونوں میں شائع شدہ ہے اور قانونچہ سے یہ بات واضح ہوچکی ہے کہ اس میں کئی خرابیاں ہیں:

(۱) اگر سال میں ایک دو قسط کسی وجہ سے ادا نہ کرسکے تو ۱۵؍ فیصد سود کے ساتھ اس کو پورا کرنا لازم ہوگا، تو اس سے معلوم ہوا کہ اس میں سودی شرط موجود ہے۔ اور اگر اس درمیان میں قسطیں پوری ہونے سے پہلے پہلے کسی ممبر کا انتقال ہوجائے تو اس کے پسماندگان کو ۱۵۰؍ فیصد کے حساب سے معاوضہ دیا جائے گا، تو یہ شکل جیون بیمہ کی ہوئی، اس میں سود کے ساتھ ’’شبہۃ القمار‘‘ بھی ہے، اس طرح کی باطل اور فاسد شرائط کی بنا پر قسطوں پر زمین خریدنا جائز نہیں ہے۔ اور سوال نامہ میں ان باطل اور فاسد شرائط کا ذکر موجود نہیں ہے؛ اس لئے سوال

ناقص اور غیر واضح ہے۔ اور سوال میں ان باطل شرائط کا ذکر بھی آنا چاہئے تھا؛ لہٰذا ان شرائط کی بناپر مذکورہ کمپنی سے قسطوں پر زمین خریدنا جائز نہیں ہے۔

قال الله تعالیٰ: وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا. [البقرة: ۲۷۵]

یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّیْطَانِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ. [المائدة: ۹۰]

عن جابر -رضي الله عنه- قال: لعن رسول الله ﷺ آكل الربو ومؤكله وكاتبه، وقال: هم سواء. (مسلم شريف، كتاب المساقاة المزارعة، باب الربا، النسخة الهندية ۲/ ۲۷، بيت الأفكار، رقم: ۱۵۸۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/ رجب ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۷۷۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۳/ ۷/ ۱۴۲۳ھ

پتنگ بنانا اور فروخت کرنا کیسا ہے؟

سوال [۸۷۱۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: پتنگ کی فروختگی اور اس کا بنانا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: مولانا حفظ الرحمٰن مدیر ندائے شاہی ونائب مہتمم مدرسہ شاہی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: پتنگ بنانا اور فروخت کرنا تعاون علی المعصیت کی وجہ سے ناجائز ہے۔

لقوله تعالى: وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ. [المائدة: ۳] فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲/ ربیع الثانی ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۱۸۳)

جانوروں کی تصاویر بنانا اوران کا کاروبار کرنا

سوال [۸۷۱۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص کا پیتل کے جانوروں کا کاروبار ہے، وہ پیتل کے کتے، بلی، اونٹ، ہاتھی، سور، پرندے وغیرہ بناتا ہے۔

المستفتی: عبد القدیر، شاہی مسجد مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جاندار کی تصویروں اور مورتیوں کی تجارت اعانت علی المعصیت کی بنا پرنا جائز ہے۔

لقوله تعالى: وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ. [المائدة: ۲]

جاندار کی تصویر اور مورتی بنانا حرام اور کبیرہ گناہ ہے۔

تصوير صورة الحيوان أشد التحريم، وهو من الكبائر. (عمدة القاري، دارإحياء التراث العربي بيروت ۲۲/ ۷۰، زكريا ديوبند ۱۵/ ۱۲٤)

وفي الحديث: قال عبدالله: سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول: إن أشد الناس عذابا عند الله المصورون. (صحيح البخاري، كتاب اللباس، باب عذاب المصورين يوم القيامة ۲/ ۸۸۰، رقم: ۵۷۱۷، ف: ۵۹۵۰، صحيح مسلم، كتاب اللباس والزينة، باب تحريم صورة الحيوان، النسخة الهندية ۲/ ۲۰۱، بيت الأفكار، رقم: ۲۱۰۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵ ربیع الاول ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۱۵۹)

پیتل کے ہاتھی گھوڑے وغیرہ بنانا

سوال [۸۷۱۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ شہر مرادآباد میں جیسا کہ آپ کو معلوم ہے پیتل کی صنعت اور اس میں جیسا بیرون ملک سے آرڈر ملتا ہے، اس کو بنایا جاتا ہے، مثلاً ایک آرڈر آیا ہے جس میں ہاتھی، گھوڑے، بلی، کتے وغیرہ کو اس نے مانگا ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ ان ہاتھی وغیرہ (جاندار) کو بنانا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ باحوالہ جواب باشرع عنایت فرمائیں۔

المستفتی: عبیدالرحمٰن پیرزادہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ناجائز اور حرام ہے، عنداللہ سخت ترین عذاب الٰہی کا مستحق ہوگا، مسلمانوں کو ایسا آڈر واپس اور مسترد کرنا واجب ہے۔

عن عبدالله بن مسعود –رضي الله عنه– قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: إن أشد الناس عذابا عند الله المصورون.

(صحيح البخاري، كتاب اللباس، باب عذاب المصورين يوم القيامة ٢/ ٨٨٠، رقم: ٥٧١٧، ف: ٥٩٥٠، صحيح مسلم، كتاب اللباس والزينة، باب تحريم صورة الحيوان، النسخة الهندية ٢/ ٢٠١، بيت الأفكار، رقم: ٢١٠٩، مشكوة شريف ٢/ ٣٨٥)

عن ابن عباس –رضي الله عنه– قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول: كل مصور في النار يجعل بكل صورة صورها نفسا، فتعذبه في جهنم. (مسلم شريف، النسخة الهندية ٢/ ٢٠٢، بيت الأفكار، رقم: ٢١١٠، مشكوة شريف ٢/ ٣٨٥)

ان احادیث کے تحت محدثین نے حیوانات کی تصویر کشی کو سخت حرام اور گناہ کبیرہ لکھا ہے۔

وهذه الأحاديث صريحة في تحريم تصوير الحيوان، وأنه غليظة التحريم. (نووي ٢/ ٢٠١، هكذا عمدة القاري، دار إحياء التراث العربي بيروت ٢٢/ ٢٠،

زکریا دیوبند ۱۵/ ۱۲٤، مرقاة، باب التصاویر، إمدادیه ملتان ۸/ ۳۳۰، أشعة اللمعات ۳/ ۵۹۳)

قال أصحابنا وغيرهم: تصوير صورة الحيوان حرام أشد التحريم، وهو من الكبائر. (عمدة القاري، دار إحياء التراث العربي بيروت ۲۲/ ۷۰، زكريا ديوبند ۱۵/ ۱۲٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۱۳/۱۷)

پیتل وغیرہ کی مورتی بنانا کیسا ہے؟

سوال [۸۷۱۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کا ایک پیتل کا کارخانہ ہے، جس میں جانور وغیرہ کی مورتی بنائی جاتی ہیں، تو اس طرح بنانا جائز ہے یا نہیں؟ مفصل جواب تحریر فرمائیں۔

المستفتی: احسان الرحمٰن محلّہ لال مسجد، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں جانوروں کی صورت اور تصویر بنانے والے کو سخت ترین عذاب دیا جائے گا؛ لہٰذا جانور بنوانے والے اور بنانے والے سب حرام وگناہ کبیرہ اور سخت عذاب الٰہی کے مستحق ہوں گے۔

عن عبدالله بن مسعود –رضي الله عنه– قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: إن أشد الناس عذابا عند الله المصورون. (صحيح مسلم، كتاب اللباس والزينة، باب تحريم صورة الحيوان، النسخة الهندية ۲/ ۲۰۱، بيت الأفكار، رقم: ۲۱۰۹، صحيح البخاري، كتاب اللباس، باب عذاب المصورين يوم القيامة ۲/ ۸۸۰، رقم: ۵۷۱۷، ف: ۵۹۵۰)

عن ابن عباس –رضى الله عنه– قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول:

كل مصور في النار يجعل بكل صورة صورها نفسا، فتعذبه في جهنم. (مسلم شريف، النسخة الهندية ٢/ ٢٠٢، بيت الأفكار، رقم: ٢١١٠، مشكوة شريف ٢/ ٣٨٥)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷ر محرم ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۱۰۶۹)

تانبا پیتل سے جانوروں کا مجسمہ بنانا

سوال [۸۷۱۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) زید پیتل کے برتنوں کا کاروبار کرتا ہے اور اپنا مال بیرون ملک سپلائی کرتا ہے، اس کے گاہک یہودی اور نصرانی ہیں، اس کے گاہک ہاتھی، شیر، ہرن اور دوسرے جانور پیتل کے منگوانا چاہتے ہیں۔

(۲) زید کا کوئی اپنا مال بنانے کا کارخانہ ابھی نہیں ہے، زید دوسرے کارخانہ داروں سے کورا مال لے کر صرف اپنی نگرانی میں پالش چاندی اور پیکنگ کر کے مال روانہ کرتا ہے؛ لیکن اگر یہ جانور سپلائی نہیں کرتا تو اس کا گاہک جانور کسی دوسرے سے ضرور خریدے گا اور اس کے ساتھ ہی زید کا دوسرا مال بھی؛ کیوں کہ دوسرے سپلائر اس گاہک کو توڑنے کی کوشش کر رہے ہیں، اس طرح زید کے گاہک کا چھوٹ جانے کا اندیشہ ہے۔

(۳) چونکہ زید کا اپنا کوئی کارخانہ نہیں ہے؛ لیکن دوسرے تاجر جانور اور تصویریں بناتے ہیں، کیا ان سے خرید کر مجبوراً خود ہی سپلائی کرسکتا ہے اور اس سے جو نفع حاصل ہوگا اس کا کیا حکم ہے؟

(۴) کیا زید جانوروں کے آرڈر حاصل کرنے کے بعد کسی دوسرے کو آرڈر ٹرانسفر دے دے، دلوا دے، زید کا تعلق صرف آرڈر دلوانے سے ہوگا، ایسی صورت میں جزوی رقم جو بطور

نفع کے حاصل ہو،تو اس کا لینا اور اپنی ضروریات میں شرعاً استعمال کرنا کیسا ہوگا؟
(۵) جزوی رقم یا منافع کا کوئی دوسرا استعمال شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ براہ کرم جواب حدیث سے اور سنت کی روشنی میں مطلع فرمائیں۔

المستفتی: اکرام باری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: تانبا، پیتل وغیرہ دھات سے ہاتھی، شیر، ہرن دوسرے جانوروں کا مجسمہ بنانا اور بنوانے سے عنداللہ سخت ترین عذاب کا مستحق ہونا ہے۔

عن عبدالله بن مسعود –رضي الله عنه– قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: إن أشد الناس عذابا عند الله المصورون.
(صحيح مسلم، كتاب اللباس والزينة، باب تحريم صورة الحيوان، النسخة الهندية ۲/ ۲۰۱، بيت الأفكار، رقم: ۲۱۰۹، صحيح البخاري، كتاب اللباس، باب عذاب المصورين يوم القيامة ۲/ ۸۸۰، رقم: ۵۷۱۷، ف: ۵۹۵۰، مشكوة ۲/ ۳۸۵)

اللہ تعالیٰ آخرت میں ایسے لوگوں کو اس طرح عذاب دیتے رہیں گے اور کہتے رہیں گے کہ اس میں جان ڈال دو اور وہ جان نہ ڈال سکیں گے۔

من صور صورة عذب وكلف أن ينفخ فيها، وليس بنافخ. (صحيح البخاري، باب بلا ترجمة ۲/ ۸۸۱، رقم: ۵۷۲۹، ف: ۵۹۶۳، مشكوة ۲/ ۳۸۶)

اور پالش کرنے والا بھی مستحق عذاب ہوگا، اب اپنا گاہک چھوٹ جانے اور آخرت کے عذاب میں خود ہی تناسب دیکھا جا سکتا ہے۔

(۴) عمل تجارت حرام نہیں ہے، مگر تعاون علی المعصیت ہونے کی وجہ سے کراہت کے درجے میں ہوگا۔ اور تجارت کے منافع حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بلا کراہت حلال ہیں؛ اس لئے کہ اصل شئ فی نفسہٖ مال ہے اور حضرت امام یوسف ومحمدؒ کے نزدیک مکروہ ہیں؛ اس لئے کہ معصیت کے تعاون کے ساتھ نفع حاصل کیا گیا ہے۔

ومثله في الشامي: لو آجره دابة لينقل عليها الخمر أو آجره نفسه

لیرعی له الخنازیر یطیب الأجر عنده و عندهما یکره. (شامي، کتاب الحظر والإباحة، فصل في البیع، زکریا ۹/ ۵٦۲، کراچی ٦/ ۳۹۲، تبیین الحقائق، إمدادیه ملتان ٦/ ۲۹، زکریا دیوبند ۷/ ٦٤، مجمع الأنهر، دارالکتب العلمیة بیروت ٤/ ۱۸۸، قدیم ۲/ ۵۳۰)

(۴-۵) آرڈر دلوانے والا دلال کے حکم میں ہوگا۔ اور دلال کی اجرت جس طرح دیگر معاملات میں حلال ہے، اسی طرح یہاں بھی حلال ہوگی؛ اس لئے کہ اصل معاملہ کا تعلق دلال سے نہیں ہوتا ہے؛ بلکہ ایکسپوٹر اور ایمپورٹر کے ساتھ ہوتا ہے۔

سئل محمد بن سلمة عن أجرة السمسار، فقال: أرجو أنه لا بأس به. (شامي، کتاب الإجارة، مطلب في أجرة الدلال، زکریا ۹/ ۸۷، کراچی ٦/ ٦۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍ جمادی الثانیہ ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۵۰۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۲/ ۶/ ۱۴۱۴ھ

چوری کے سامان کی خرید وفروخت کا شرعی حکم

سوال [۸۷۱٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص پرانی گاڑیوں کی مرمت کا کام کرتا ہے، کہ پرانی ایکسیڈنٹل گاڑیاں خریدتا ہے، تو اس گاڑی کو ٹھیک کرنے میں کبھی کھڑکی کی ضرورت پڑتی ہے اور کبھی چھت کی ضرورت پڑتی ہے، تو اگر گاڑی کے ان پارٹس کو ایجنسی سے خریدیں تو یہ چیزیں پرانی گاڑی کے پیسوں کے بمقابلہ ٦۰؍ فیصد مہنگی ہوتی ہیں؛ اس لئے ان چیزوں کو کباڑی کی دوکان سے خرید لیتے ہیں، جہاں سے پرانے سامان بہت سستے مل جاتے ہیں اور اس طرح گاڑی کی مرمت کرنے میں بچت اچھی ہوتی ہے؛ البتہ کباڑی کی دوکان جہاں سے ہم پارٹس خریدتے ہیں تو وہاں جو گاڑیاں کاٹی جاتی ہیں وہ عموماً چوری کی ہوتی ہیں اور کچھ گاڑیاں خرید کر بھی کاٹی جاتی ہیں؛ لہٰذا

ہم جوبھی سامان کباڑی کی دوکان سے خریدیں گے اس میں غالب گمان چوری کا ہے اور مغلوب اوراحتمال اس بات کا بھی ہے کہ وہ خریدی ہوئی گاڑی کا پارٹ ہے،تو کیااس احتمال کی وجہ سے مطلقاً پارٹس خریدنا جائز ہوسکتا ہے؟ اورلوگ جواز کی دلیل میں یہ بات پیش کرتے ہیں کہ جس طرح شراب کی بوتلوں کوخریدنا اور پھراس کو بیچنا جائز ہے، جب کہ اس میں ظن غالب یہی ہے کہ اس میں دوبارہ شراب بھری جاتی ہے؛ لیکن احتمال اس بات کا بھی ہے کہ اس میں تیل وغیرہ بھرا جائے۔ حضرت والا سے گزارش ہے کہ دلائل کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں، اللہ تعالیٰ آپ کو اپنی شایان شان اجر عظیم عطا فرمائے اور آپ کی عمر میں برکت دے۔ آمین

المستفتی: مولانا محمد طارق صاحب نعمانی، قصبہ جویا

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جن دوکانوں کے بارے میں یقین سے معلوم ہے کہ چوری کا مال ہے یا ظن غالب یہی ہے کہ چوری کا مال یہاں بکتا ہے،تو وہاں سے مذکورہ سامان خریدنا خریدار کے لئے جائز نہیں ہے، اگر سستے کے لالچ میں وہاں سے خریدے گا تو چوری کے گناہ میں خریدار بھی شامل ہوجائے گا۔اورجن دوکانوں کے بارے میں یقین ہے یا ظن غالب ہے کہ یہاں چوری کا سامان نہیں بکتا ہے،وہاں سے خریدنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اورشراب کی بوتلوں پر اس مسئلے کو قیاس کرنا درست نہیں ہے؛ اس لئے کہ شراب کی بوتلیں چوری کی نہیں ہوتی ہیں اور یہاں مسئلہ چوری کا ہے۔

قال علیه السلام: من اشتری سرقة وهو یعلم أنها سرقة، فقد شرک في عارها، وإثمها. (شعب الإیمان، دارالکتب العلمیة بیروت ٤/ ٣٨٩، رقم: ٥٥٠٠، المصنف لابن أبي شیبة، جدید موسسة العلوم القرآن بیروت ١١/ ٣٣٨، رقم: ٢٢٤٩٥، فیض القدیر ١١/ ٥٦٥٤، رقم: ٨٤٤٣، بحواله محمودیه ڈابهیل ١٦/ ٨٦)

والحاصل أنه إن علم أرباب الأموال وجب رده علیهم، وإلا فإن علم

عين الحرام لا يحل له. (شامي، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مطلب فيمن ورث مالا حراما، كراچی ۵/ ۹۹، زكريا ۷/ ۳۰۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍ ربیع الاول ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۰۱۷)

چوری کا مال خرید نا کیسا ہے؟

سوال [۸۷۱۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ناجائز طریقہ سے حاصل شدہ مال کا خریدنا واستعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟ مثلاً چوری کا مال یا ایسا کوئی مال جس کے متعلق ہم جانتے ہیں کہ یہ غلط طریقہ سے آیا ہے، جیسے آج کل آم وغیرہ کے باغات عموماً خلاف شرع انداز پر بیچے جاتے ہیں، لوگ دس دس بیس بیس سال آگے تک کے لئے فصل خرید لیتے ہیں اور پھر وہ مارکیٹ میں آکر فروخت ہوتے ہیں، تو اس طرح کے اموال کی خرید وفروخت میں شرعاً کیا قباحت ہے؟

المستفتی: محمد الیاس، کٹک اریسہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: چوری کا مال خریدنا ہرگز جائز نہیں ہے، اگر خرید چکا ہے تو واپس کردینا لازم ہے۔ اور اگر اصل مالک معلوم ہوجائے تو اس کے حوالہ کردینا چاہئے، اگر وہ فروخت کرنے پر تیار ہوجائے تو اس سے معاملہ کرسکتے ہیں۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۱۱/ ۲۸۰، جدید ڈابھیل ۱۶/ ۸۶)

قال عليه السلام: من اشترى سرقة وهو يعلم أنها سرقة، فقد شرك في عارها، وإثمها. (شعب الإيمان، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٣٨٩، رقم: ٥٥٠٠، المصنف لابن أبي شيبة، جديد موسسة العلوم القرآن بيروت ١١/ ٣٣٨، رقم: ٢٢٤٩٥)

والحاصل أنه إن علم أرباب الأموال وجب رده عليهم، وإلا فإن علم عين الحرام لا يحل له. (شامي، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مطلب فيمن ورث مالا حراما، كراچی ۵/ ۹۹، زكريا ۷/ ۳۰۱)

اور بیع فاسد سے حاصل شدہ مال پر جب مشتری بائع کی اجازت سے قبضہ کرلیتا ہے تو شرعاً مشتری مالک ہوجاتا ہے، بس رفع فساد کے لئے واپسی لازم ہوتی ہے؛ اس لئے دوسرے لوگوں کو اس سے خریدنا جائز ہوجاتا ہے اور پھر اس کے بعد واپسی بھی شرعاً لازم نہیں ہوا کرتی ہے۔

وإذا قبض المشتري المبيع في البيع الفاسد بأمر البائع، وفي العقد عوضان كل واحد منهما مال ملك المبيع ولزمته قيمته -إلى قوله- ولكل واحد من المتعاقدين فسخه رفعا للفساد. (وقوله) فإن باعه المشتري نفذ بيعه؛ لأنه ملكه، فملك التصرف فيه وسقط حق الاسترداد لتعلق حق العبد بالثاني، ونقض الأول لحق الشرع. (هداية، باب البيع الفاسد، فصل في أحكامه، اشرفي ديوبند ۳/ ٦٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍صفر ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۳۰۱۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۳/۲/۱۱ھ

مال مسروق کی بیع وشراء کا حکم

سوال [۸۷۱۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بہت سے حضرات اون کا کام کرتے ہیں (یہ اون نہیں بلکہ ریشمی اون ہے) اون کی چادریں بنا کر فروخت کرتے ہیں، یہی ان کا کاروبار ہے؛ لیکن معلوم ہوا کہ وہ اون جو آتی ہے وہ نمبر دو کا مال ہے؛ کیوں کہ نمبر ایک کی اگر اون لاکر اس کا کچھ بھی مال تیار کر کے فروخت کریں تو اس میں فائدہ نہیں ہے، نمبر دو کی ہی اون کا مال بناتے ہیں، تو فائدہ ہے، نمبر دو کی تفصیل یہ ہے کہ لدھیانہ میں یہ مال بنتا ہے اور وہیں اس کی رنگائی ہوتی ہے، رنگائی کے

بڑے بڑے کارخانہ ہیں، کوئنٹلوں مال رنگا جاتا ہے، رنگنے والے اس مال میں سے جو کسی کا رنگنے کے واسطے مال آیا ہے؛ کیوں کہ وہ سوکھا مال ہوتا ہے، جب رنگائی کر کے وہ مال واپس کرتے ہیں تو اس میں سے کچھ مال اپنے پاس رکھ لیتے ہیں، یہ تو چوری کرتے ہیں، اس طرح سے کوئنٹلوں مال جمع کر کے اس کو فروخت کر دیتے ہیں، ان کا یہ رویہ ہے کہ یہ بڑے بڑے کارخانہ والے سب ہی غیر مسلم ہیں۔ اور اگر کوئی مسلمان بھی رنگنے کے واسطے مال دے تو اس میں سے بھی رکھنا ضروری ہے، یعنی یہ ان کا پیشہ ہے، رنگوانے والوں کو بھی خوب معلوم ہے کہ یہ ایسا کرتے ہیں، اب اس مال کو مسلمان یا غیر مسلم خرید کر دوسروں کو بیچتے ہیں، ہمارے یہاں ایسا کاروبار بہت چل رہا ہے، یہ کاروبار کرنا کیسا ہے؟ کچھ اگر گنجائش ہو تو جواب سے مطلع کریں، اس اون کا تیار کیا ہوا مال لے کر فروخت کرنا یا لے کر جمع کر کے رکھنا کیسا ہے؟ اور اس کو بکری کے اوقات میں ہی بیچنا جیسے کہ گرمیوں میں استعمال جاتا ہے، سردیوں میں کچھ مہنگا ہو جاتا ہے، اکثر لینے والے ایسا کرتے ہیں، شرعاً یہ کیسا ہے؟

المستفتی: حافظ اشرف علی سہسپور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر آپ براہ راست فیکٹری سے مال خرید رہے ہیں اور مال کے متعلق قطعی علم نہیں ہے کہ یہ چوری کا ہے تو ایسے مال کی خرید وفروخت جائز ہے، نیز ایسے مال کو خرید کر کے جمع کرنا، پھر اسے اس کے موسم میں فروخت کرنا جب کہ آپ کے جمع کرنے سے دوسروں کو کوئی تنگی پیش نہ آتی ہو، تو درست ہے، یہ شکل احتکار میں شامل نہیں ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۳/ ۱۹)

وإن اشترى في ذلك المصر، وحبسه ولا يضر بأهل المصر لا بأس به.

(هندية، كتاب البيوع، الباب العشرون في البياعات المكروهة، فصل في الاحتكار، زكريا قديم ٣/ ٢١٣، جديد ٣/ ٢٠٠، درمختار مع الشامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، كراچی ٦/ ٣٩٨، زكريا ٩/ ٥٧١، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٢١٣، هداية مع فتح القدير، كوئٹه ٨/ ٤٩١، زكريا ١٠/ ٦٩)

البتہ اگر آپ کو تحقیق سے معلوم ہو جائے کہ یہ مال چوری کا ہے تو ایسے مال کی خرید وفروخت شرعاً ناجائز ہے۔ (مستفاد: فتاوی رحیمیہ قدیم ۶/ ۲۸۳، جدید زکریا ۱۰/ ۲۲۱، محمودیہ قدیم ۱۱/ ۲۸۰، جدید ڈابھیل ۱۶/ ۸۶)

قال عليه السلام: من اشترى سرقة وهو يعلم أنها سرقة، فقد شرك في عارها، وإثمها. (شعب الإيمان، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٣٨٩، رقم: ٥٥٠٠، المصنف لابن أبي شيبة، جديد موسسة العلوم القرآن بيروت ١١/ ٣٣٨، رقم: ٢٢٤٩٥)

قال: هي لي ظلمني فلان وغصبها مني، فأخذتها منه لا ينبغي للسامع أن يشترى منه؛ لأن الغصب أمر مستنكر. (هندية، كتاب الكراهية، الباب الأول، الفصل الثاني في العمل بخير الواحد في المعاملات، زكريا قديم ٥/ ٣١١، جديد ٥/ ٣٥٩، البحرالرائق، فصل في البيع، كوئٹه ٨/ ٢٠٠، زكريا ٨/ ٣٦٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۲۱/۶/۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۷۶۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۶/۱۴ھ

چوری کی لکڑی کی خرید وفروخت اور عددوں کو تیار کرنے پر مزدوری لینا

سوال [۸۷۱۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (الف) ہمارے شہر میں لکڑی میں صنعت کاری کا کام ہوتا ہے، مختلف قسم کی لکڑیاں آتی ہیں، ان کو چیر کران کا عدد تیار ہوتا ہے، پھر اس کو فنیشن وغیرہ کرکے تھیلی اور ڈبہ میں پیک کرکے باہر بھیجا جاتا ہے، ان ہی لکڑیوں میں ایک لکڑی نمبر دو کی آتی ہے، جو کہ گورنمنٹ کی ہوتی ہے۔ اور چوری سے کاٹ کرلائی جاتی ہے، اور چوری ہی سے بکتی ہے، چوری ہی سے چیری جاتی ہے، پکڑے جانے پر جرمانہ بھی ہوتا ہے اور بے عزتی بھی ہوتی ہے اور یہ لکڑی مناسب قیمت پر ملتی ہے، تو کیا اس لکڑی کو خریدنا جائز ہے یا نہیں؟ بعض لوگ ایسا کرتے

ہیں کہ اس کے کٹے ہوئے عدد ڈبہ یا تھیلی میں پیک تیار مال خرید لیتے ہیں، جب کہ خریدنے والے کو یقینی یہ بات معلوم ہے کہ یہ مال اسی چوری کی لکڑی کا ہے؛ لیکن ایسا خریدنے میں پکڑے جانے کا اور رسوائی کا خطرہ کم ہوتا ہے، تو ایسا مال خریدنا معلوم ہوتے ہوئے جائز ہے یا ناجائز ہے؟

(ب): نیز اسی لکڑی کے عددوں کو تیار کرنے پر مزدوری لینا کیسا ہے؟

المستفتی: حافظ فرید احمد نگینہ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: الف: جس لکڑی کے بارے میں یہ یقین ہو کہ وہ چوری کی ہے جیسا کہ سوال میں ہے، تو ایسی لکڑی کو خریدنا اور بیچنا دونوں ناجائز ہے۔

إن علم أن العين التي يغلب على الظن أنهم أخذوها من الغير بالظلم قائمة وباعوه في الأسواق، فإنه لا ينبغي شراءه منهم، وإن تداولته الأيدي. (طحطاوي على الدر، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، كوئٹه ٤/ ١٩٢)

ب: چوری کی لکڑی کے عددوں کو تیار کرنے پر مزدوری لینا جائز ہے؛ کیوں کہ یہ اپنے کام کی اجرت ہے، چوری میں شرکت نہیں ہے۔

ولو آجر نفسه ليعمل في الكنيسة ويعمرها لا بأس به؛ لأنه لا معصية في عين العمل. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، كراچی ٦/ ٣٩٢، زكريا ٩/ ٥٦٢)

ولأبي حنيفة وأبي يوسف وكسر الحطب ...... بإيقاع الفعل على المحل بالتجافي، ولكن الكل فيه سواء في صفة الحل شرعاً، فلهذا جاز الاستئجار عليه. (مبسوط سرخسي، دارالكتب العلمية بيروت ١٦/ ٤٠)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲/۱/۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۴۰۶)

باغات کی خرید وفروخت

سوال [۸۷۲۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: آم کے باغ کی فصل کو پھول یا پھل آنے سے قبل ہی ایک سال، دو سال یا اور زیادہ عرصہ کے لئے فروخت کیا جائے، پچھلے طویل عرصے سے ہم اپنے باغ کی فصل اسی طرح فروخت کرتے آئے ہیں کہ ماہ ستمبر، اکتوبر میں دو سال کی فصل فروخت کردی جاتی تھی، جب کہ پھول اور پھل فروری کے مہینے میں نکلتے ہیں، اگرچہ یہ علم تھا کہ اس طرح کی فروخت شرعی طور پر جائز نہیں ہے؛ لیکن چونکہ دستور اور رواج اس طرح کا ہے؛ اس لئے بدرجہ مجبوری اسے فروخت کیا جاسکتا ہے؛ لیکن کسی کتاب کے مطالعہ کے دوران یہ علم ہوا کہ اس طرح کی بیع ناجائز ہے اور اس کی آمدنی حرام ہے، چنانچہ ہم نے ارادہ کیا کہ اس بار ہم اس طرح فروخت نہیں کریں گے۔ جو صاحب ہر سال ہمارے باغ کی فصل لیا کرتے تھے وہ پچاس ہزار روپئے نقد لے کر آئے بطور بیعانہ اور کہا کہ پہلے سال کی فصل سے پہلے ایک لاکھ اور دوسرے سال کی فصل سے پہلے ایک لاکھ یعنی کل ملا کر ڈھائی لاکھ روپئے دو سال کی فصل کے لئے ادا کریں گے؛ لیکن ہم نے انہیں سختی سے منع کردیا کہ اب ہم اس طرح فصل نہیں فروخت کریں گے۔ چنانچہ ہم نے باغ کی دیکھ بھال خود شروع کردی اور جتائی، صفائی، تلائی، کھاد وآب پاشی اور کٹر ون اور بیماریوں کی روک تھام کے لئے دواؤں کا چھڑکاؤ وغیرہ کروایا، جس پر تقریباً -/81,000 (اکیاسی ہزار روپے) خرچ کئے۔ اور فروری اور مارچ میں پھول اور پھل بننے کے بعد اسے فروخت کرنے کا ارادہ کیا، بہت لوگوں سے رابطہ کیا؛ لیکن سب نے ایک ہی جواب دیا کہ دو سال کے لئے دیں گے جیسا کہ دستور ہے، تو لے سکتے ہیں ورنہ نہیں، مجبوراً اپریل کے آخر میں صرف -/20,000 (بیس ہزار روپے) میں اس سال کی فصل فروخت ہوئی، اس طرح پہلے سال کی فصل میں ایک لاکھ تیس ہزار کم ملے اور مبلغ اکیاسی ہزار روپے اپنے پاس سے خرچ کئے، جب کہ بصورت دیگر یہ خرچ خریدار کے ذمہ ہوتا ہے۔

اب موجودہ فصل کے اختتام پر پھر وہی حالات درپیش ہوں گے، اگلے دو سال کی فصل کی فروخت کے لئے، ایسی صورت حال میں ہمیں کیا کرنا چاہئے کہ ہم شرعی احکامات کی خلاف ورزی کے مرتکب نہ ہوں اور ہمیں مالی طور پر خسارہ بھی نہ برداشت کرنا پڑے۔

نیز یہ کہ ماضی میں جو سالہا سال تک ہم سے غلطی سرزد ہوتی رہی اور اس آمدنی کو ہم اپنے استعمال میں لاتے رہے، تو اس کے کفارہ کی کیا صورت ہوسکتی ہے؟ از راہ کرم مفصل اور مدلل جواب تحریر فرما کر ممنون ومشکور فرمائیں اور عنداللہ ماجور ہوں۔ فقط

المستفتی: بذل الرحمٰن فاروقی، قصبہ ڈھکہ تحصیل حسن پور، جے پی نگر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ شروع سے آخر تک پڑھا گیا ہے، باغ کی خرید وفروخت کا جو دستور چلا آرہا ہے، وہ شرعی طور پر جائز نہیں ہے، اس کے لئے متبادل شکل یہی ہے کہ باغ کی فروختگی کے ساتھ مع زمین کے دو سال کے لئے معاملہ طے کیا جائے کہ جس میں خریدار کو اس باغ کے دائرہ میں کسی بھی چیز کے کاشت کرنے کی اجازت ہو اور باغ کے بیچ بیچ میں جو خالی جگہ ہو اس میں جو چیز بھی پیدا ہوسکتی ہے خریدار ان جگہوں میں کوئی بھی چیز بو کر پیداوار حاصل کرسکے، اس طرح زمین سمیت دو سال کے لئے فروخت کردیا جائے اور کھیتی کے ساتھ باغ کی دیکھ ریکھ کر کے اس کے پھلوں سے بھی فائدہ اٹھائے، ایسی شکل اختیار کرنا جائز ہے؛ لہٰذا آئندہ سے آپ اس طرح معاملہ کرسکتے ہیں اور پچھلے سالوں میں جو معاملہ کیا گیا ہے اس سے اللہ سے توبہ کرلیں، اللہ پاک بندوں کی توبہ قبول کرتے ہیں۔

(مستفاد: ایضاح النوادر، ص:۴۷، انوار رحمت، ص:۱۸۰)

عن جابر بن عبدالله – رضي الله عنه– قال: نهى النبي ﷺ عن بيع الثمار حتى يبدو صلاحها. (صحيح البخاري، الزكوة، باب من باع ثماره أو نخله ١/ ٢٠١، رقم: ١٤٦٥، ف: ١٤٨٧، صحيح مسلم، البيوع، باب النهي عن بيع الثمار قبل بدو صلاحها، النسخة الهندية ٢/ ٧، بيت الأفكار، رقم: ١٥٣٤، سنن أبي داؤد، البيوع،

باب بیع الثمار قبل أن یبدو صلاحها، النسخة الهندیة ۲/ ۴۷۸، دارالسلام، رقم: ۳۳۶۷)

ومن استاجر أرضا علی أن یکربها ویزرعها ویسقیها فهو جائز.

(هدایة، کتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، اشرفی دیو بند ۳/ ۳۰۶، البحرالرائق، کوئٹه ۸/ ۲۴، زکریا ۸/ ۴۳، درمختار مع الشامي، کراچی ۶/ ۶۰، زکریا ۹/ ۸۲)

وإن استأجر دارا سنة بعشرة دراهم جاز، وإن لم یبین قسط کل شهر من الأجرة. (هدایة، أشرفي دیوبند ۳/ ۳۰۲)

قال الله تعالیٰ: ﴿إِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فَاُولٰٓئِكَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا﴾.

[النساء: ۱۷] فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍ شعبان ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۷۸)

بدوصلاح سے قبل پھلوں کی خرید وفروخت

سوال [۸۷۲۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرے ایک عزیز نے باغ کی بہار اس کے مول (پھول) پر ہی فروخت کردی، بغیر دریافت کئے، جب کہ شرعی حیثیت سے خرید وفروخت ناجائز ہے، میں اپنے حصہ کی رقم کو کس مد میں خرچ کروں؟

(۱) اس کو اپنے خرچ میں کروں یا نہیں؟ اگر کی جائے تو کس طرح؟

(۲) مکان کی مرمت میں ہوسکتی ہے یا نہیں؟

(۳) اس کے علاوہ جس مد میں خرچ ہوسکتی ہو تحریر فرمائیں، تاکہ اس وقت کی پکڑ سے محفوظ رہوں، اس کے لئے جو شرعی حیثیت ہو تحریر فرمائیں۔ فقط

المستفتی: محمد حنیف لاجپت نگر، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ میں درج شدہ صورت میں جانبین پر واجب ہے کہ عقد کو فسخ کر کے مشتری ثمن واپس کر لے اور مالک باغ واپس کرے، نہ مالک کو ثمن میں تصرف جائز ہے اور نہ مشتری کو باغ میں تصرف جائز؛ اس لئے مذکورہ رقم باغ کا مالک واپس کر کے مشتری کو لوٹانے کے علاوہ کوئی اور شکل نہیں، جب باغ میں پھل ظاہر ہو جائے تو دوبارہ عقد شرعی کر سکتے ہیں۔

عن جابر بن عبدالله –رضي الله عنه– قال: نهى النبي ﷺ عن بيع الثمار حتى يبدو صلاحها. (صحيح البخاري، الزكوة، باب من باع ثماره أو نخله ١/ ٢٠١، رقم: ١٤٦٥، ف: ١٤٨٧، صحيح مسلم، البيوع، باب النهي عن بيع الثمار قبل بدو صلاحها، النسخة الهندية ٢/ ٧، بيت الأفكار، رقم: ١٥٣٤، سنن أبي داؤد، البيوع، باب بيع الثمار قبل أن يبدو صلاحها، النسخة الهندية ٢/ ٤٧٨، دارالسلام، رقم: ٣٣٦٧)

منها: أن يكون موجودا فلا ينعقد بيع المعدوم (وقوله) وكذا بيع الثمر والزرع قبل ظهوره؛ لأنهما معدوم، وإن كان بعد الطلوع جاز. (بدائع الصنائع، كتاب البيوع، فصل وأما الذي يرجع على المعقود عليه، كراچی ٥/ ١٣٨، زكريا ٤/ ٣٢٦)

وقوله: روى عن النبي عليه الصلاة والسلام، أنه نهى عن بيع الثمار قبل بدو صلاحها. الخ (بدائع الصنائع، كراچی ٥/ ١٣٨، زكريا ٤/ ٣٢٦)

صرح الفقهاء بأن من اكتسب مالا بغير حق، فإما أن يكون كسبه بعقد فاسد كالبيوع الفاسدة –إلى قوله– ففي جميع الأحوال المال الحاصل له حرام عليه (وقوله) يجب عليه أن يرده على مالكه. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، مطبع سهارنپور ١/ ٣٧، دارالبشائر الإسلاميه بيروت ١/ ٣٥٩، تحت رقم الحديث: ٥٩) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللّٰہ عنہ
۱۹؍ رجب ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۸۱۸)

بہارانبہ کی فصل کی خرید وفروخت

سوال [۸۷۲۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: باغ بہارانبہ کی فصل قبل فصل آنے سے بیچنا جائز ہے یا نہیں؟ کیا اس آمدنی سے حج بیت اللہ کا سفر کرنا درست ہوگا؟

المستفتی: راشد نگم قاضی سرائے

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: فصل آنے سے پہلے باغات کے پھل بیچنا ناجائز ہے؛ البتہ آم وغیرہ چونکہ اس کے پھل ایک مرتبہ میں نہیں پکتے؛ لہٰذا ان کو بعض پھل آنے کے بعد فروخت کرنا جائز ہے اور ناجائز اور حرام طریقہ سے حاصل کردہ مال سے حج واجب نہیں ہوتا ہے؛ لیکن حج کر لے تو ادا ہو جاتا ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۳/۱۰۲، احسن الفتاوی ۶/۴۸۶)

عن جابر بن عبدالله –رضي الله عنه– قال: نهى النبي ﷺ عن بيع الثمار حتى يبدو صلاحها. (صحيح البخاري، الزكوة، باب من باع ثماره أو نخله ١/ ٢٠١، رقم: ١٤٦٥، ف: ١٤٨٧، صحيح مسلم، البيوع، باب النهي عن بيع الثمار قبل بدو صلاحها، النسخة الهندية ٢/ ٧، بيت الأفكار، رقم: ١٥٣٤، سنن أبي داؤد، البيوع، باب بيع الثمار قبل أن يبدو صلاحها، النسخة الهندية ٢/ ٤٧٨، دارالسلام، رقم: ٣٣٦٧)

بيع الثمار قبل الظهور لا يصح إتفاقا، فإن باعها بعد أن تصير منتفعا بها يصح. (الهندية، كتاب البيوع، الباب التاسع في ما يجوز بيعه وما لا يجوز، زكريا قديم ٣/ ١٠٦، جديد ٣/ ١٠٧، الدر المختار، كتاب البيوع، مطلب في بيع الثمر والزرع والشجر مقصودا، كراچی ٤/ ٥٥٥، زكريا، ٧/ ٨٥)

ولو برز بعضها دون بعض لا يصح في ظاهر المذهب، وأفتى الحلواني بالجواز، وتحته في الشامية: فحيث تحققت الضرورة هنا أيضا

أمكن الحاقة بالمسلم للضرورة. (شامي، کراچی ٤/ ٥٥٥-٥٥٦، زکریا ٧/ ٨٥-٨٦)

لا يجب بالمال الحرام لكن لو حج به جاز. (مجمع الأنهر، كتاب الحج، قديم ١/ ٢٦١، جديد دارالكتب العلمية بيروت ١/ ٣٨٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍ جمادی الثانیہ ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۳۵۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۶/۲۷ھ

باغ خریدنے کی جائز اور ناجائز شکلیں

سوال [۸۷۲۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص نے پھل آنے سے پہلے ہی باغ خریدا۔ شکل نمبر۱؍ پھول ابھی نہیں آیا ہے۔ شکل نمبر۲؍ پھول آچکا ہے، یا پھل تو آچکا ہے؛ لیکن نہایت چھوٹے چھوٹے ہیں، جو کسی کام میں نہیں آسکتے، لوگ ایسا کرتے ہیں؛ اس لئے عرض ہے کہ مذکورہ دونوں شکلیں شریعت کی رو سے جائز ہے یا ناجائز۔ اور جواز کی کیا صورت ہوسکتی ہے؟

المستفتی: افسر علی خان بلند شہری، معرفت ظفر دارک بدایوں

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: (۱) باغ کی ایسی فصل کو خریدنا جس میں ابھی درخت پر پھول بھی نہیں آیا ہے، یا صرف پھول آچکا ہے درست نہیں ہے؛ اس لئے کہ یہ شئ معدوم کی بیع کے دائرہ میں داخل ہو کر ناجائز اور باطل ہے۔ (فتاوی رشیدیہ قدیم ۴۹۸، جدید زکریا ۴۷۶)

عن جابر بن عبدالله –رضي الله عنه– قال: نهى النبي ﷺ عن بيع الثمار حتى يبدو صلاحها. (صحيح البخاري، الزكوة، باب من باع ثماره أو نخله ١/ ٢٠١، رقم: ١٤٦٥، ف: ١٤٨٧، صحيح مسلم، البيوع، باب النهي عن بيع الثمار قبل بدو صلاحها، النسخة الهندية ٢/ ٧، بيت الأفكار، رقم: ١٥٣٤)

فلم ينعقد بيع المعدوم وماله خطر العدم كالحمل واللبن في الضرع والثمر قبل ظهوره. (شامي، كتاب البيوع، مطلب شرائط البيع أنواع أربعة، كراچی ٤/ ٥٠٥، زكريا ٧/ ١٥)

أما قبل الظهور فلا يصح إتفاقا. (شامي، مطلب في بيع الثمر والزرع والشجر مقصودا، زكريا ٧/ ٨٥، كراچی ٤/ ٥٥٥، هندية قديم ٣/ ١٠٦، جديد ٣/ ١٠٧)

(۲) دوسری شکل یہ ہے کہ معاملہ طے ہوچکنے کے بعد دوبارہ خریدار مالک سے یہ اجازت لے لے کہ پکنے تک کے لئے ہمارے پھل آپ کے درخت پر رہیں گے اور مالک زبانی اجازت دے دے، تب پکنے تک کے لئے جائز ہے۔

ولو اشتراها مطلقا وتركها بإذن البائع طاب له الفضل. (هداية، اشرفي ديو بند ٣/ ٢٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍ جمادی الاخریٰ ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۴۸۳/۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۴/۷/۱۴۲۵ھ

پھل آنے سے قبل باغات کی خرید وفروخت

سوال [۸۷۲۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے یہاں قصبہ ککرالہ ضلع بدایوں میں امرودوں کی فصل بہت زیادہ ہوتی ہے۔ اور ایک سال میں امرودوں کی دو فصلیں آتی ہیں اور دونوں فصلیں پھل آنے سے پہلے ہی بک جاتی ہیں۔ دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ یہ خرید وفروخت جائز ہے یا نہیں؟ کچھ پرہیز گار لوگ پھل آنے کے انتظار میں رہتے ہیں؛ لیکن تب تک سب باغ فروخت ہوجاتے ہیں، اس حال میں ہم لوگ کیا کریں؟ جب کہ ہمارے یہاں یہی کاروبار ہے، تو پھل آنے سے پہلے بیچنا کیسا ہے؟ خریدنے والا گنہگار رہے یا نہیں؟

المستفتی: ابن علی خان جامعہ مرا کیٹ، بدایوں

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: پرہیزگار لوگ جو عمل کرتے ہیں وہ صحیح ہے، شریعت اسلامی میں باغات میں پھل آنے سے قبل ان کی فصل فروخت کرنا ناجائز اور بیع فاسد ہے؛ اس لئے کہ یہ شئ معدوم کی بیع ہے، جو کہ شرعاً جائز نہیں ہے۔ اور پھل آنے سے قبل فروختگی کے جواز کی یہ شکل ہوسکتی ہے کہ چھ ماہ یا سال بھر کے لئے باغات مع زمین کے کرایہ پر دے دئے جائیں اور اس درمیان میں لینے والے کو یہ اختیار بھی دیا جائے کہ زمین میں کوئی چیز بو کر اس کی پیداوار سے فائدہ اٹھائے اور ساتھ ساتھ باغ میں جو پھل آئے گا وہ بھی کرایہ دار کی ملکیت میں ہوجائے گا۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۱/۷۴)

عن جابر بن عبدالله –رضي الله عنه– قال: نهى النبي صلى الله عليه وسلم عن بيع الثمار حتى يبدو صلاحها. (صحيح البخاري، الزكوة، باب من باع ثماره أو نخله ۱/ ۲۰۱، رقم: ۱٤٦٥، ف: ۱٤۸۷، صحيح مسلم، البيوع، باب النهي عن بيع الثمار قبل بدو صلاحها، النسخة الهندية ۲/ ۷، بيت الأفكار، رقم: ۱٥۳٤)

ومن استأجر أرضا على أن يكربها ويزرعها ويسقيها فهو جائز. (هداية، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، اشرفي ديو بند ۳/ ۳۰٦، البحرالرائق، كوئٹه ۸/ ۲٤، زكريا ۸/ ٤۳، درمختار مع الشامي، كراچى ٦/ ٦۰، زكريا ۹/ ۸۲)

نیز پھل آنے کے بعد فروخت کرنے میں بھی معاملہ طے ہوجانے کے بعد مالک اپنی زبان سے یہ کہہ دیا کرے کہ میں آپ کو پھلوں کے پکنے تک کے لئے درختوں پر چھوڑ دینے کی اجازت دیتا ہوں۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۱/۷۵)

ولو اشتراها مطلقا وتركها بإذن البائع طاب له الفضل. (هداية، اشرفي ديو بند ۳/ ۲۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍رمضان المبارک ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۵۸۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴/۹/۸ھ

پھل آنے سے قبل باغ کی بیع وشراء کی جائز اور ناجائز صورت

سوال [۸۷۲۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) ہم اپنی زمین جس میں باغ ہے؛ لیکن کچھ نہ کچھ اس میں پیدا ہوسکتا ہے، اجرت پر دینا چاہتے ہیں، مثلاً بیس بیگہ زمین مع باغ ایک سال کے لئے پندرہ ہزار روپئے میں اور کچھ جنس آم دو کوئنٹل فصل میں طے کرتے ہیں، الحمد للہ باغ میں پھل خوب آتا ہے، کیا اس طرح معاملہ کرنا جائز ہے؟

(۲) یا دوسری شکل پھل آنے سے قبل معاملہ طے کرلیا، مثلاً پندرہ ہزار میں اور کچھ آم دو کوئنٹل، جب کہ یہ بیع درست نہیں ہے۔ اور جب پھل بن کر تیار ہوگیا اس وقت اس سے کہا کہ وہ بیع درست نہیں تھی؛ اس لئے اب ہم دو ہزار روپئے کم کرکے تیرہ ہزار میں معاملہ کرتے ہیں، جس کی حقیقت صرف ایک حیلہ کی ہے، کیا یہ شکل جواز کے لئے صحیح ہے؟

المستفتی: غیاث الدین، مرادآبادی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) جس زمین میں باغ لگا ہوا ہے، اس کو ایک سال کے لئے مع باغ پندرہ ہزار روپئے کرایہ پر دینا جس میں مشتری کو اس درمیان باغ کے پھلوں کے ساتھ ساتھ زمین میں پیداوار وغیرہ کے ذریعہ فائدہ حاصل کرنے کا مکمل اختیار ہو شرعاً درست ہے؛ اس لئے کہ اس صورت میں اصل عقد اور معاملہ زمین کی کرایہ داری کا ہے اور باغ اس کے تابع ہے۔ اور پندرہ ہزار روپئے کے ساتھ بائع کی طرف سے دو کوئنٹل آم کی بات جزوِ ثمن وقیمت کے درجہ میں ہوکر اس وقت جائز ہے، جب کہ اس باغ کے آم ہونے کی شرط نہ لگائی جائے؛ بلکہ مشتری کو اختیار رہے کہ وہ کہیں سے بھی دے اور آم کی نوع وقسم بھی متعین کرلی جائے (مثلاً چوسہ، دسہری وغیرہ) ہونا، تاکہ جھگڑے وغیرہ کی نوبت نہ آئے، تو ایسی صورت میں دو کوئنٹل آم کی بات درست ہے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۱/ ۵۷، فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۱/ ۲۸۶، جدید ڈابھیل ۱۶/ ۷۰۱)

ومن استأجر أرضا على أن يكربها ويزرعها ويسقيها فهو جائز. (هداية، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، اشرفی دیوبند ۳/ ۳۰۶، البحرالرائق، کوئٹه ۸/ ۲٤، زکریا ۸/ ٤۳، درمختار مع الشامي، کراچی ٦/ ٦۰، زکریا ۹/ ۸۲)

ولا يجوز أن يبيع ثمرة، ويستثنى منها أرطالا معلومة. (هداية، أشرفي ديوبند ۳/ ۲۷)

وكل شرط لا يقتضيه العقد وفيه منفعة لأحد المتعاقدين …… يفسده. (هداية، أشرفی دیوبند ۳/ ٥۹)

(۲) پھل آنے سے قبل فصل کوفروخت کرنا جائز نہیں ہے؛ اس لئے کہ یہ شئ معدوم کی بیع ہے، جوشرعاً درست نہیں ہے، نیز سوال میں ذکرکردہ حیلہ اس وقت درست ہے جب کہ پہلے سابقہ عقد فاسد کومکمل ختم کردیا جائے اوراس کوختم کرنا لازم ہے، اس کے بعد از سرنو فصل کا معاملہ کریں، اب جس مقدار پر جانبین رضا مند ہو جائیں اس پر فروخت کرنا جائز ہے؛ لیکن اگرصرف بائع کی طرف سے تیرہ ہزار کی بات ہواور مشتری کومنظور نہ ہو یا مشتری کی طرف سے ہواور بائع کومنظور نہ ہو، تو یہ بیع تراضی کے نہ ہونے کی وجہ سے درست نہ ہوگی۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۱/ ۷۵)

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَأْكُلُوْا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّا اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ. [النساء: ۲۹]

فلم ينعقد بيع المعدوم وماله خطر العدم كالحمل …… والثمر قبل ظهوره. (شامي، البيوع، مطلب شرائط البيع، أنواع أربعة، کراچی ٤/ ٥۰٥، زکریا ۷/ ۱٥)

إن التراضي من الجانبين لا يدل عليه الإيجاب وحده بل هو مع القبول. (شامي، مطلب القبول قد يكون بالفعل، وليس من صور التعاطي، کراچی ٤/ ٥۰۷، زکریا ۷/ ۱۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/ ربیع الثانی ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۷۱۷۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۴/۱۸ھ

پھل آنے سے پہلے ان کی بیع کا حکم

سوال [۸۷۲۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: آج کل عام آموں کی یا ان پھلوں کی جن کی بیع پھل کے آنے سے پہلے ہی ہو جاتی ہے، تو ایسے پھلوں کی بیع جائز ہے یا نہیں؟ اور ان پھلوں کو خریدیں یا نہیں؟ دوسری بات یہ ہے کہ اگر مالک بیع مجہول کرے اور بیع مجہول کرتے وقت کچھ ڈالی اپنے لئے متعین کرلے کہ ہم کو اتنے من آم دینے ہیں، اب مالک بطور ہدیہ لائے یا خود استعمال کرے، تو جائز ہے یا نہیں؟ نیز ایک صاحب یہ کہتے ہیں کہ اب تقریباً ننانوے فیصد بیع مجہول ہے؛ لہٰذا بازار کے آم بھی استعمال کرنا جائز نہیں۔ ''للأ کثر حکم الکل''۔

اور ایک بات یہ ہے کہ جو پھل بازار میں آئے اور متعین طور پر معلوم ہے کہ ان کی بیع ناجائز ہے، مثلاً کسی رشتہ دار کا ہے، یا ہم آم وغیرہ خریدنے کے لئے ایسے باغ میں جائیں جن کے بارے میں متعین طور پر معلوم ہو کہ اس کی بیع ناجائز ہوتی تو ایسے آموں کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: حافظ محمد فرحت تجوید القرآن، بلندشہر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: کئی کئی سال پہلے فصل فروخت کر دینا جائز نہیں ہے؛ اس لئے کہ یہ شئ معدوم کی بیع ہے، جو کہ ناجائز ہے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۱/ ۷۵)

عن جابر بن عبدالله –رضي الله عنه– قال: نهى النبي صلى الله عليه وسلم عن بيع الثمار حتى يبدو صلاحها. (صحيح البخاري، الزكوة، باب من باع ثماره أو نخله ۱/ ۲۰۱، رقم: ۱٤٦٥، ف: ۱٤۸۷)

فلم ينعقد بيع المعدوم وماله خطر العدم كالحمل، واللبن في الضرع، والثمر قبل ظهوره. (شامي، كتاب البيوع، مطلب شرائط البيع، أنواع أربعة، زكريا ۷/ ۱۵، كراچی ٤/ ۵۰۵)

ہاں البتہ اگر باغ مع زمین کئی سال کے لئے کرایہ پر لے لیتا ہے وراس میں کھیتی کرتا ہے، تو باغ زمین کے تابع ہوکر عقد کے اندر داخل ہوجائے گا، پھر اس میں دیکھ ریکھ اور پھلوں کی پرورش کرکے پھل حاصل کرتا ہے، تو اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہے؛ اس لئے کہ اصل عقد زمین کی کرایہ داری کا ہے، باغ اس کے تابع ہے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۱/ ۷۵)

ومن استاجر أرضا على أن يكربها ويزرعها ويسقيها فهو جائز. (هداية، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، اشرفي ديوبند ۳/ ۳۰٦، البحرالرائق، كوئٹه ۸/ ۲٤، زكريا ۸/ ٤۳، درمختار مع الشامي، كراچی ٦/ ٦۰، زكريا ۹/ ۸۲)

اوراگر بائع کچھ آموں کی مقدار کواس طرح متعین کرتا ہے کہ فصل کی جتنی قیمت ہے اس کے علاوہ اتنے من آم بھی دینا پڑے گا، خواہ وہ آم کی کوئی بھی قسم ہو، تو ایسی صورت میں آم جزو ثمن میں داخل ہوکر جائز ہوجائے گا۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۱۱/ ۲۸٦، جدید ڈابھیل ۱٦/ ۱۰۱)

اوراگر اسی باغ کا آم ہونا متعین کرے تو یہ جائز نہیں ہے۔

وكل شرط لا يقتضيه العقد وفيه منفعة لأحد المتعاقدين ...... فسد. (هداية، أشرفي ديوبند ۳/ ٥۹)

ولا يجوز أن يبيع ثمرة، ويستثنى منها أرطالا معلومة. (هداية، أشرفي ديوبند ۳/ ٥۹)

باغات کی جوخرید وفروخت ہوتی ہے وہ عام طور پر پھل آنے سے پہلے ایک دوسال کے لئے ہوتی ہے اوراس طرح کا عقد شرعاً عقد فاسد ہے، جوکہ واجب الاسترداد ہے؛ لیکن پھر باغبان سے جوتھوک بھاؤ کے خریدار ہوتے ہیں ان کا عقد شرعاً صحیح اور درست ہے، اس کے بعد بازاروں، منڈیوں میں جوپھل آتے ہیں تو وہ جائز عقد کے بعد آتے ہیں، پھر اس کے بعد بازاروں منڈیوں میں جوخرید وفروخت کرتے ہیں وہ تمام صحیح اور درست ہے؛ اس لئے بازاروں سے پھلوں کوخرید کرکھانا بلاتردد جائز اور درست ہے۔

فإن باعه المشتري نفذ بيعه؛ لأنه ملكه فملك التصرف فيه، وسقط

حق الاسترداد، ولتعلق حق العبد بالثاني، ونقض الأول لحق الشرع، وحق العبد مقدم لحاجته؛ ولأن الأول مشروع بأصله دون وصفه، والثاني مشروع بأصله ووصفه (وتحته في البناية) وإذا باعه المشتري ليس للبائع إبطاله، وعلى المشتري القيمة أو المثل إن كان مثليا، ويطيب ذلک الملک للثاني؛ لأنه ملكه بعقد صحيح. (بناية، باب البيع الفاسد، فصل في أحكامه، قديم ٣/ ١١٣، جديد أشرفيه ٨/ ٢٠٣، فتح القدير، دارالفكر بيروت ٦/ ٤٦٦، كوئٹه ٦/ ٩٨، زكريا ديوبند ٦/ ٤٢٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۷۰۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۸/ ۵/ ۱۴۲۱ھ

پھل آنے سے پہلے فروخت کئے گئے باغوں کے پھلوں کا حکم

سوال [۸۷۲۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: باغات جواب عام طور پر پھل آنے سے پہلے گویا پتوں پر خریدے گئے ہوں، ان کی اس فروخت کے باعث ان کے آم کا کھانا جائز ہے یا ناجائز حرام ہے، یا کراہت، کراہت ہے، تو تحریمی یا تنزیہی؟

المستفتی: مولوی محمد ظریف قاسمی، امام جامع مسجد میوادہ نوادہ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر بور اور پھل آنے سے قبل باغ فروخت کیا جائے جیسا کہ ہمارے ہندوستان کے اکثر علاقوں میں رائج ہے، تو اس طرح باغ کے پھلوں کو فروخت کرنا شرعاً جائز نہیں ہے؛ اس لئے کہ جانبین میں سے ہر ایک کے ذہن میں یہ بات ہوتی ہے کہ اصل عقد اس پھل پر ہو رہا ہے کہ جس کے پیدا ہونے کی امید ہے۔ اور ایسی مبیع کا وجود

لازم اور شرط ہے؛ اس لئے ناجائز اور بیع فاسد ہوجاتی ہے، ہاں البتہ اس کی متبادل شکل یہ ہوسکتی ہے کہ زمین مع پیڑوں کے ایک سال یا دوسال کے لئے کرایہ پر دے دے، پھر اس درمیان باغ کی زمین میں سبزی وغیرہ کوئی بھی چیز بودے اور پیڑوں کی خدمت بھی کرتا رہے، تو ایسی صورت میں کھیتی اور باغ کے پھل سب خریدار کے لئے جائز ہوجائیں گے۔ (مستفاد: انوار رحمت/۱۸۰)

عن جابر بن عبدالله –رضي الله عنه– قال: نهى النبي صلى الله عليه وسلم عن بيع الثمار حتى يبدو صلاحها. (صحيح البخاري، الزكوة، باب من باع ثماره أو نخله ۱/ ۲۰۱، رقم: ۱٤٦٥، ف: ۱٤۸۷)

ومن استاجر أرضا على أن يكربها ويزرعها ويسقيها فهو جائز. (هداية، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، اشرفی دیوبند ۳/ ۳۰٦، البحرالرائق، کوئٹہ ۸/ ۲٤، زکریا ۸/ ٤۳، درمختار مع الشامي، کراچی ٦/ ٦۰، زکریا ۹/ ۸۲)

وفي القنية: استأجر أرضا سنة على أن يزرع فيها ماشاء فله أن يزرع فيها زرعين ربيعيا و خريفيا. (البحرالرائق، باب مايجوز من الإجارة وما يكون خلافا فيها، کوئٹہ ۸/ ۱۰، زکریا ۸/ ۱۸، هندية زكريا قديم ٤/ ٤۷۱، جديد ٤/ ۵۱۱)

نیز اگر متبادل شکل اختیار نہیں کی ہے اور عقد فاسد کا معاملہ ہوجانے کے بعد باغ والوں سے جب دوسرے لوگ خرید کر بازار میں لاکر فروخت کریں گے، تو عام لوگوں کے لئے ان سے خرید کر کھانا جائز اور حلال ہے، یعنی پہلا عقد فاسد ہوا۔ اور یہ بعد میں جو سلسلہ وار ایک دوسرے سے خریداری ہوئی ہے وہ جائز ہے۔

فإن باعه المشتري بالشراء الفاسد نفذ بيعه؛ لأنه ملكه فملك التصرف فيه، وسقط حق الاسترداد لتعلق حق العبد بالثاني، ونقض الأول لحق الشرع، وحق العبد مقدم لحاجته؛ (هداية، أشرفي ديوبند ۳/ ٦۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍رجب ۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۰۶۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴؍۷؍۱۴۲۷ھ

پھلوں کی فروختگی میں پہلا عقد فاسد ہونے کے بعد دیگر عقود کا صحیح ہو جانا

سوال [۸۷۲۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر پھلوں کی فروختگی کا معاملہ ہو چکا ہے اور یہ عقد فاسد ہوا ہے، اب اس عقد کے بعد خریدار نے پھلوں کو توڑ کر قبضہ کرلیا اور مالک بن گیا اس کے بعد باغ والے نے آڑھت والوں کے ہاتھ آموں کو فروخت کردیا، تو سوال یہ ہے کہ آڑھت والوں کے ہاتھ جو معاملہ ہوا ہے، یہ فاسد ہے یا یہ عقد صحیح ہو چکا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مشتری نے جب عقد فاسد میں پھلوں کو توڑ کر قبضہ کرلیا تو وہ ان کا مالک بن گیا؛ لہٰذا اب اگر یہ کسی دوسرے کو یہ پھل بیچے گا تو یہ عقد صحیح ہوگا اور اس کے بعد جتنے عقد ہوں گے تیسرا، چوتھا عقد سب صحیح ہوں گے۔

فإن باعه، أي باع المشتري ما اشتراه شراء فاسدا بيعا صحيحا نفذ بيعه؛ لأنه ملكه فملك التصرف فيه، وسقط حق البائع الأول في الاسترداد. (فتح القدير، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، فصل في أحكامه، اشرفي ٦/ ٤٢٧، دارالفكر بيروت ٦/ ٤٦٦، كوئٹه ٦/ ٩٨)

فإن باعه المشتري نفذ بيعه؛ لأنه ملكه، فملك التصرف فيه.

(هداية، أشرفي ديوبند ٣/ ٦٥، بناية نعميه أشرفيه ديو بند ٨/ ٢٠٣)

يكره للمشتري أن يتصرف فيما اشترى شراء فاسدا بتمليك وانتفاع، فإن تصرف فيه كالبيع أو ما أشبه ذلك نفذ تصرفه ولم ينفسخ.

(تاتارخانية، زكريا ٨/ ٤٥٤، رقم: ١٢٤٧٧) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴/۸/۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۴۷۶)

’’بیع عرایا‘‘ کی تفسیر میں ائمہ حدیث اور فقہاء کا اختلاف

سوال [۸۷۲۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ’’عرایہ‘‘ کے کیا معنی ہیں؟ اور ’’عرایا‘‘ کی تفسیر میں ائمہ محدثین کا اور فقہاء کا کیا اختلاف ہے اور اس پر فریقین کے دلائل اس کے جواب کیا ہیں؟

المستفتی: مولانا الطاف الرحمٰن صاحب مدرس مدرسہ امداد الغرباء رام نگر، ضلع پورنیہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حضرات محدثین عام طور پر ’’عرایا‘‘ کی تین تفسیریں مذاہب کے اعتبار سے پیش کرتے ہیں:

(۱) حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کچھ لوگ فقیر نادار تھے، جن کے پاس تو کھجوریں خرید نے کے لئے پیسہ نہیں تھا، مگر کھانے کو جی چاہتا تھا، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی شکایت کی گئی تو بیت المال سے ان کو خشک کھجور ملتی تھی، اس کے بدلے میں اندازہ کر کے تازہ کھجور خریدنے کے لئے اجازت دے دی جو ابھی درخت پر ہے؛ لیکن یہ معاملہ پانچ وسق (ساڑھے دس کنٹل) سے زائد میں نہ ہو؛ لہٰذا امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک عرایا بیع کی قسم میں سے ہے۔

(۲) حضرت امام مالکؒ کے نزدیک یہ ہے کہ کسی کے باغ میں دوسرے شخص کے صرف ایک یا دو درخت ہوں اور اہل مدینہ کی عادت تھی کہ موسم میں بیوی بچوں کو باغ میں لے کر جا کر فروکش ہو جاتے تھے اب جس کے ایک دو درخت ہیں اس کی آمد ورفت صاحب باغ کی عورتوں کی ایذا وتکلیف کا باعث بن جاتی تھی؛ اس لئے صاحب باغ یہ کہہ دیتا کہ تمہارے درخت پر جو تازہ کھجور ہے اس کے عوض میں مجھ سے خشک خرما لے جاؤ اور یہاں مت آیا کرو؛ لہٰذا امام مالک کے نزدیک بھی عرایا بیع کی قسم سے ہے۔

(۳) امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کے نزدیک ’’عریہ‘‘ بمعنی عطیہ کے ہے، موسم میں جن کے

پاس باغ و پیسہ نہ ہوتے ان کو اہل باغ ایک دو درخت بطور عطیہ دے دیا کرتے، اور جب موہوب لہ کے آنے جانے پر واہب کو ایذا ہوتی تو واہب وعدہ سے بچنے کے لئے درخت کی تازہ کھجور کے بدلہ میں خشک کھجور فروخت کر دیتے؛ لہٰذا امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک بیع نہیں بلکہ ہبہ اور عطیہ ہے۔ دلائل اور تفصیل ''بذل المجہود'' میں ملاحظہ ہوں: (بذل المجهود، كتاب البيوع، باب في العرايا، مطبع سهارنپور ٤/ ٢٤٩، دارالبشائر الإسلاميه بيروت ١١/ ٦١، فيض الباري، كوئٹه ٣/ ٢٤٤، هداية، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد أشرفي ديوبند ٣/ ٥٣، عويصات ٢/ ١٢٧) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍ ربیع الثانی ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۶۳۸)

ایسے باغات کی خریداری کا حکم جن کی زمین میں کاشت نہیں ہوتی

سوال [۸۷۳۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے یہاں عام طور سے آم کے باغوں کی خرید وفروخت دو سال یا تین سال کے لئے پیشگی ہوتی ہے اور باغ کا مالک اس شخص کو جس نے باغ خریدا ہے، باغ کی زمین میں کاشت کرنے کی بھی اجازت دیتا ہے؛ لیکن حقیقت یہ ہے کہ باغ کے خریدنے والے اصل میں باغ خریدتے ہیں؛ اس لئے کہ بہت سے باغ ایسے ہوتے ہیں کہ ان میں کاشت نہیں ہوتی، آیا ایسی صورت میں ان باغوں کی خرید وفروخت کرنا درست ہے یا نہیں مطلع فرمائیں کرم ہوگا۔ فقط والسلام

المستفتی: احقر سلیم الدین غفرلہ، خادم جامع مسجد سہسپور، ضلع بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر دو سال یا تین چار سال کے لئے باغ خریدا ہے اور

باغ کی زمین اس لائق ہے کہ با ضابطہ اس میں کھیتی کی جاسکتی ہے، تو مالک باغ سے مستقل زمین کو کرایہ پر لینے کی گفتگو کی جائے اور ساتھ میں یہ بھی طے کرلیا جائے کہ پیڑ کی پیداوار کرایہ دار کی ہوگی تو ایسی صورت میں دو تین سال کے لئے زمین اور پیڑ کو کرایہ پر لینے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔ اور اگر باغ کی زمین کھیتی کے قابل نہیں ہے، تو پھر زمین میں کھیتی کی شرط لگانا بے فائدہ ہے۔

ومن استاجر أرضا على أن يكربها ويزرعها ويسقيها فهو جائز.

(هداية، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، اشرفی دیو بند ۳/ ۳۰۶، البحرالرائق، کوئٹه ۸/ ۲٤، زکریا ۸/ ٤۳، درمختار مع الشامي، کراچی ٦/ ٦۰، زکریا ۹/ ۸۲)

وإن استاجر دارا سنة بعشرة دراهم جاز، وإن لم يبين قسط كل شهر من الأجرة. (هداية، أشرفي ديوبند ۳/ ۳۰۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷ ربیع الثانی ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۳۴۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۴/۲۷ھ

کئی سال کے لئے باغات کو ٹھیکہ پر لینا

سوال [۸۷۳۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے علاقہ میں اکثر باغات کئی کئی سال کے ٹھیکہ پر لوگ خرید لیتے ہیں، جتنے سالوں کے لئے باغ خریدا تھا وہ مدت پوری ہوجانے پر باغ کے مالک کو باغ واپس مل جاتا ہے۔ معلوم یہ کرنا ہے کہ اس طرح کئی کئی سال کے ٹھیکہ پر باغات کی خرید وفروخت جائز ہے یانہیں؟ اگر جائز نہیں ہے، تو اس طرح کے باغات کے پھل کھانا ناجائز ہے یانہیں؟ صحیح صورت حال خرید وفروخت کی کیا ہے؟

المستفتی: عبدالرشید قاسمی سیڈھا، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: باغات کی خریداری کا مقصد پیدا ہونے والے پھلوں کی خریداری ہے اور یہ شئ معدوم کی خریداری ہوتی ہے؛ اس لئے حضرات فقہاء نے اس کو بیع فاسد میں شمار کیا ہے؛ البتہ باغبان کے ہاتھوں سے آڑھت والوں کا خریدنا اور پھر آڑھت والوں سے بازار والوں کا خریدنا یہ سب بلاتردد جائز اور درست ہے، اس میں کراہت بھی نہیں ہے۔

فإن باعه المشتري نفذ بيعه؛ لأنه ملكه فملك التصرف فيه، وسقط حق الاسترداد لتعلق حق العبد بالثاني، ونقض الأول لحق الشرع، وحق العبد مقدم لحاجته؛ (هداية، أشرفي ديوبند ٣/ ٦٤)

اورکئی سال کے لئے باغات کی خریداری کے جواز کے لئے متبادل شکل یہ ہے کہ مع زمین کے لے لے اور اس درمیان میں باغبان اس زمین میں کوئی بھی چیز بو کر کے فائدہ اٹھالے تو ایسی صورت میں تبعاً اس درمیان پیڑوں میں جو کچھ پھل پیدا ہوسکتا ہے وہ باغبان کے لئے حلال ہوجائے گا، اس طریقہ سے کئی سالوں کی خریداری کا مسئلہ جواز کے دائرے میں آسکتا ہے۔ (مستفاد: انوار رحمت، ص:۱۸۰)

ومن استأجر أرضا على أن يكربها ويزرعها ويسقيها فهو جائز.

(هداية، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، اشرفی دیوبند ٣/ ٣٠٦، البحرالرائق، کوئٹه ٨/ ٢٤، زكريا ٨/ ٤٣، درمختار مع الشامي، کراچی ٦/ ٦٠، زكريا ٩/ ٨٢) **فقط واللہ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/۱۰/۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۱۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۹/۱۰/۱۴۲۷ھ

باغ کی فصل فروخت کرنے کا حکم

سوال [۸۷۳۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: میں اپنے باغ آم وامرود، ناشپاتی، لیمو، بیل وغیرہ ان فصلوں کو دوسال کے لئے فروخت کر دیتا ہوں۔ اور ہمارے علاقہ میں خریدار اسی طرح لیتے ہیں، امسال واسطہ نہیں پڑا، لیتے میں ان میں سے ہر قسم کی ڈالی بھی طے کر لیتا ہوں۔

المستفتی: محمد عقیل خان غازی آبادی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس طرح سے باغوں کی بیع جائز نہیں۔ صحیح طریقہ یہ ہے کہ زمین کو ٹھیکہ پر لے لیا جائے، اس کے بعد جو پھل ہوں گے وہ بھی جائز ہوں گے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۴/۱۷۴، جدید ڈابھیل ۱۶/۱۰۱)

عن جابر بن عبدالله -رضي الله عنه- قال: نهى النبي صلى الله عليه وسلم عن بيع الثمار حتى يبدو صلاحها. (صحيح البخاري، الزكوة، باب من باع ثماره أو نخله ١/ ٢٠١، رقم: ١٤٦٥، ف: ١٤٨٧)

بيع الثمار قبل الظهور لا يصح إتفاقا، فإن باعها بعد أن تصير منتفعا بها يصح. (الهندية، كتاب البيوع، الباب التاسع في ما يجوز بيعه وما لا يجوز، الفصل الثاني زكريا قديم ٣/ ١٠٦، جديد ٣/ ١٠٧، الدر المختار، كتاب البيوع، مطلب في بيع الثمر والزرع و الشجر مقصودا، كراچی ٤/ ٥٥٥، زكريا، ٧/ ٨٥) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۲۰/۲/۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۶۰۳۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۲/۱۹ھ

پانچ کوئنٹل آم کے عوض باغ فروخت کرنے کا حکم

سوال [۸۷۳۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مالکان باغ بہار باغ لینے والے سے یہ طے کر لیتے ہیں کہ پوری فصل میں پانچ کوئنٹل

آم ہمارے یہاں پہنچانے ہیں، بہار باغ خریدار یومیہ آم پہنچا کر پوری فصل میں پانچ کوئنٹل آم طےشدہ پورا کرتا ہے، مالکان باغ کا اس طرح سے آم طے کرنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: اقبال احمد، شیرکوٹ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مالکان باغ کا خریداروں سے اس طرح آم طے کر کے لینا جائز نہیں ہے؛ البتہ اگر کسی خاص اور معین درخت کو بوقت خرید وفروخت الگ کرلیا جائے تو اس کے جواز میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (مستفاد: امدادی الفتاوی ۳/ ۹۸)

ولا يجوز أن يبيع ثمرة ويستثني منها أرطالا معلومة، خلافا لمالك بخلاف ما إذا باع واستثنى نخلا معينا؛ لأن الباقي معلوم بالمشاهدة. (هداية، كتاب البيوع، اشرفي ديوبند ۳/ ۲۷، عناية مع الفتح، دارالفكر بيروت ٦/ ۲۹۱، كوئٹه ٥/ ٤۹۲، زكريا ٦/ ۲٦۹، الجوهرة النيرة، إمداديه ملتان ۱/ ۲۳۱، دارالكتاب ديوبند ۱/ ۲۲٥، تاتارخانية، زكريا ۸/ ۳۹۳، رقم: ۱۲۲۷۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶/ جمادی الاولی ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۷۳۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۵/۶ھ

بیس کوئنٹل آم پر باغ فروخت کرنے کا حکم

سوال [۸۷۳۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: باغ مالک فصل لینے والے سے یہ طے کر لیتے ہیں کہ بہار سے فصل میں بیس کوئنٹل آم مثلاً ہمارے گھر پہنچائے، اب فصل لینے والا روزانہ تھوڑے تھوڑے آم دے کر طے شدہ آم پورے کرتا ہے، تو کیا مالک فصل سے آم متعین کر کے فصل لینے والے سے آم گھر منگا سکتا ہے؟ یہ شکل جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: حاجی ضمیر احمد شیرکوٹ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مالکان باغ کا خریداروں سے اس طرح آم طے کر کے لینا جائز نہیں ہے؛ البتہ اگر کسی خاص اور معین درخت کو بوقت بیع الگ کرلیا جائے تو اس کے جواز میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (مستفاد: إمداد الفتاوی ۳/۹۵)

ولا يجوز أن يبيع ثمرة ويستثنى منها أرطالا معلومة، خلافا لمالک بخلاف ما إذا باع واستثنى نخلا معينا؛ لأن الباقي معلوم بالمشاهدة. (هداية، كتاب البيوع، اشرفی دیوبند ۳/ ۲۷، فتح القدير، دارالفكر بيروت ٦/ ۲۹۱، کوئٹہ ٥/ ٤٩٢، زكريا ٦/ ٢٦٩، الجوهرة النيرة، إمداديه ملتان ١/ ٢٣١، دارالکتاب دیوبند ۱/ ۲۲٥، تاتارخانية، زكريا ٨/ ٣٩٣، رقم: ١٢٢٧٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍رجب ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۵۸۴۷)

’’احتکار‘‘ کا مطلب

سوال [۸۷۳۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ’’احتکار‘‘: حاجت شدید ہونے پر لفظ حالت شدید کن حالات میں استعمال کیا گیا ہے؟ (۱) اپنی حاجت (۲) قحط سالی (۳) سرکاری غلہ پر پابندی (۴) یا غرباء کی روزمرہ کی حاجات شدیدہ ہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ’’احتکار‘‘ کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کوئی شخص غلہ کو اپنے گودام میں اسٹاک کر کے رکھے اور غلہ بازار میں بالکل نایاب ہو اور وہ شخص پھر بھی اپنا غلہ گودام نہیں کھولتا ہے، تو اس کو احتکار کہتے ہیں۔ اور اگر وہی غلہ بازار میں سستا یا مہنگا دستیاب ہے، تو اس

شخص کا اپنے گودام میں مہنگا ہونے تک رکھنا احتکار نہیں ہے، جس کی شریعت میں ممانعت آئی ہےاور اس میں دارالحرب، دارالاسلام اور جمہوریت کا کوئی فرق نہیں ہے۔

الاحتكار هو افتعال من حكر أي حبس، والمراد حبس الأقوات متربصا للغلاء. (حاشية: ٦ على الهداية، كتاب الكراهية، فصل في البيع، اشرفی دیوبند ٤/ ٤٧٠، حاشيه نووی على المسلم، كتاب المساقاة والمزارعة، باب تحريم الاحتكار فی الأقوات ٢/ ٣١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۳/ ذیقعدہ ۱۴۲۵ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۶۰۴)	۱۴۲۵/۱۱/۱۳ھ

احتکار کی ممانعت کا مصداق

سوال [۸۷۳۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عوام الناس میں معروف ومشہور ہے کہ چالیس دن سے زائد غلہ کا اسٹاک کرنا منع ہے، کیا یہ درست ہے؟ اس کا ثبوت شریعت مطہرہ سے مل سکتا ہے؟ اس کا حکم خاص مواقع پر ہے یا خاص ملک کے لئے ہے؟

المستفتی: شرف الدین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عوام الناس میں جو مطلقاً ممانعت کی شہرت ہوگئی ہے وہ درست نہیں ہے؛ بلکہ اس کی صورت یہ ہے کہ جب غلہ مارکیٹ میں دستیاب ہو، جب چاہے مارکیٹ سے خرید کر ضرورت پوری کی جاسکتی ہے، تو ایسے حالات میں اگر کوئی شخص مہنگا ہونے پر بیچنے کے لئے ذخیرہ اندوزی کرتا ہے، تو بلا کراہت جائز ہے، یہ احتکار کے دائرہ میں داخل نہیں۔ اور اگر کسی نے ذخیرہ اندزی کرکے رکھ لیا ہے اور مارکیٹ منڈیوں میں غلہ ختم ہوگیا

ہے اور ختم ہونے کے باوجود یہ شخص اپنا اسٹاک جاری نہیں کرتا ہے، تو یہ شرعاً احتکار کی ممانعت میں داخل ہے، جو شریعت میں جائز نہیں ہے۔

وإن اشترى في ذلك المصر وحبسه ولا يضر بأهل المصر لا بأس به، كذا في التاتارخانية. (عالمگيري، كتاب البيوع، الباب العشرون في البياعات المكروهة، فصل في الاحتكار، زكريا قديم ٣/ ٢١٣، جديد ٣/ ٢٠٠، درمختار مع الشامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، كراچی ٦/ ٣٩٨، زكريا ٩/ ٥٧١، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٢١٣، تاتارخانية زكريا ٩/ ٤١٤، رقم: ١٣٧٥٤)

وقال أبو يوسف: كل ما أضر بالعامة حبسه فهو احتكار. (هداية، أشرفی ديوبند ٤/ ٤٧٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۷۲۲۸)

بغرضِ تجارت ذخیرہ اندوزی کرنا

سوال [۸۷۳۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ذخیرہ اندوزی بغرضِ تجارت اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ ہماری معلومات کے مطابق اس غرض سے ذخیرہ کیا جائے کہ قلت کے وقت اشیاء زیادہ منافع سے فروخت کی جائیں، اس کا شرعی حکم واضح کیجئے۔

المستفتی: مولوی محمد الطاف احمد نگر، مہاراشٹر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر بستی میں یہ اشیاء بکثرت موجود ہیں اور اس شخص کے خریدنے سے کوئی تنگی پیش نہیں آئی اور موسم ختم ہوجانے پر ان کو گراں فروخت کرتا ہے، تو یہ جائز ہے، اس پر کوئی گناہ نہیں ہے۔

وإن اشترى في ذلک المصر وحبسه ولا يضر بأهل المصر لا بأس به، كذا في التاتارخانية ناقلا عن التجنيس. (عالمگيري، كتاب البيوع، الباب العشرون في البياعات المكروهة، فصل في الاحتكار، زكريا قديم ۳/ ۲۱۳، جديد ۳/ ۲۰۰، درمختار مع الشامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، كراچی ٦/ ۳۹۸، زكريا ۹/ ۵۷۱، مجمع الأنهر، كتاب الكراهية، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ۲۱۳، تاتارخانية زكريا ۹/ ٤١٤، رقم: ١٣٧٥٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۶/۵/۱۴۲۰ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۶۱۷۲)	۲۶/۵/۱۴۲۰ھ

غلہ کی ذخیرہ اندوزی کر کے فروخت کرنے کا حکم

سوال [۸۷۳۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید ہمیشہ موسم ارزاں میں غلے وغیرہ خرید کر اسٹاک کر لیتا ہے، پھر کچھ مہینوں کے بعد یعنی موسم گراں میں نفع کی زیادتی کے ساتھ فروخت کر دیتا ہے، ایسا کرنا مسئلہ کی رو سے کیسا ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب سے نوازیں۔

المستفتی: محمد اقبال صدیقی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر زید غلہ سستا خرید کر ذخیرہ اندوزی کرتا ہے اور اہل شہر کو اس کی وجہ سے کوئی پریشانی لاحق نہیں ہوتی ہے، تو پھر زید کا یہ عمل جائز ہے، ورنہ جائز نہیں۔

عن عمر بن الخطاب -رضي الله عنه- قال: قال رسول الله ﷺ: الجالب مرزوق، والمحتكر ملعون. (سنن ابن ماجة، التجارات، باب الحكرة والجلب، النسخة الهندية ١/ ١٥٦، دارالسلام، رقم: ٢١٥٣)

ويكره الاحتكار في أقوات الآدميين والبهائم إذا كان ذلك في بلد يضر الاحتكار بأهله، وكذلك التلقي، فأما إذا كان لا يضر فلا بأس به.

(هداية، كتاب الكراهية، فصل في البيع، أشرفی ديوبند ٤/ ٤٧٠، البحرالرائق، زكريا ديوبند ٨/ ٣٧٠، كوئٹه ٨/ ٢٠١، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٢١٣، شامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، كراچی ٦/ ٣٩٨، زكريا ٩/ ٥٧١، تاتارخانية، زكريا ٩/ ٤١٤، رقم: ١٣٧٥٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۳۰۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۵/۲۲ھ

اناج اسٹاک کر کے رکھنے کا حکم

سوال [۸۷۳۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک آدمی نے ۱۰۰؍ روپئے من چاول یا کوئی چیز اس ارادہ سے خرید کر رکھی ہے کہ کچھ دنوں کے بعد ۱۵۰؍ روپئے من فروخت کرے گا، کیا ایسا کرنا درست ہے؟ کیا اس صورت میں غریب محتاج کوستانا متصور ہوگا یا نہیں؟ مہربانی فرما کر جواب عنایت فرمادیں۔

المستفتی: محمد جسیم الدین محلّہ برولان، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر پورے علاقہ میں وہ چیز بالکل نایاب ہوجائے تو ناجائز ہے، حکام کو زبردستی فروخت کروانا جائز ہے، اگر عام لوگوں کو نقصان نہیں پہنچتا ہے تو جائز ہے، اگر جمع کر کے رکھنے والا مال فروخت کرنے کے باوجود بھاؤ میں کوئی خاص زیادتی نہیں کرتا ہے، تو غریب محتاج کوستانا نہیں سمجھا جائے گا۔

عن عمر بن الخطاب -رضي الله عنه- قال: قال رسول الله ﷺ:

الجالب مرزوق، والمحتكر ملعون. (سنن ابن ماجة، التجارات، باب الحكرة والجلب، النسخة الهندية ١/ ١٥٦، دارالسلام، رقم: ٢١٥٣)

وكره احتكار قوت البشر، كتين وعنب، ولوز، والبهائم كتبن وقت في بلد يضر بأهله. (الدرالمختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، كراچی ٦/ ٣٩٨، زكريا ٩/ ٥٧١)

وإذا رفع إلى القاضي هذا الأمر يأمر المحتكر ببيع ما فضل عن قوته وقوة أهله على اعتبار السعة في ذلك، وينهاه عن الاحتكار، فإن رفع إليه مرة أخرى حبسه وعزره على ما يرى زجرا له، ودفعا للضرر عن الناس. (هداية، كتاب الكراهية، فصل في البيع، أشرفي ديوبند ٤/ ٤٧١، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٢١٣، تاتارخانية، زكريا ٩/ ٤١٥، رقم: ١٣٧٥٦)

وإن اشترى في ذلك المصر وحبسه، ولا يضر بأهل المصر لا بأس به. (هندية، كتاب البيوع، الباب العشرون فصل في الاحتكار، زكريا قديم ٣/ ٢١٣، جديد ٣/ ٢٠٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍ شعبان ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۸۳۷)

زیادتی ثمن کے لئے پہلے خریدار سے معاملہ ختم کرنے کا حکم

سوال [۸۷۴۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) زید نے اپنی زمین فروخت کرنے کا معاملہ ایک غیر مسلم خریدار سے طے کیا تھا؛ لیکن محض قانونی رکاوٹوں کی وجہ سے بیع کی تکمیل نہیں ہوسکی؛ چونکہ زید پر قرض کا بہت بار ہوگیا تھا، اس کی فوری ادائیگی کے لئے زمین بیچنا چاہتا تھا، بیع کی تکمیل میں کافی وقت لگ گیا اور قرض کا بار زید پر اور بڑھ گیا، اب صورت حال یہ ہے کہ پہلے زمین کی جو قیمت طے

ہوئی تھی اس رقم میں اب کل قرض کی ادائے گی بھی نہیں ہوسکتی، ادھر قرض خواہوں کی طرف سے بھی سخت تقاضہ ہے، اب ایک دوسرا خریدار ہے جو پہلے طے شدہ قیمت سے زیادہ رقم دے رہا ہے، جس میں پورے قرض کی ادائے گی ہوجائے گی؛ لہٰذا اگر پہلے خریدار سے معاملہ ختم کر کے دوسرے خریدار کو زمین دے دی جائے تو شرعاً اس کی گنجائش ہوسکتی ہے، پہلے خریدار کا تو کوئی نقصان نہیں ہوگا، اگر زید ایسا نہیں کرتا تو کئی قرض خواہوں کا قرض ادا کرنے کی کوئی شکل نہیں ہے۔اوران تقاضوں سے ذلت وپریشانی کا بھی سخت خطرہ ہے، نیز کھانے پینے کے گذارے کے لئے بھی زید کے پاس کوئی اور ذریعہ نہیں ہے، بالکل اضطراری کیفیت وحالت میں پہلے معاملہ کو ختم کر کے دوسرے خریدار سے معاملہ کرنا چاہتا ہے، اس کے متعلق شرعی حکم سے مطلع فرمائیں۔

(۲) اگر کوئی شخص ایسا معاملہ کر چکا ہے، تو اب اس کی تلافی کی کیا شکل ہوسکتی ہے؟

المستفتی: عبدالرحمٰن

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: (۱) اگر زید کا معاملہ اس غیر مسلم کے ساتھ طے ہوچکا ہے اوراس کا معاہدہ بھی ہوچکا ہے، پھر زیادہ قیمت میں دوسرے کے ہاتھ بیچنے کے لئے اس غیر مسلم سے بدعہدی کرنا شرعاً جائز نہیں ہے اور بدعہدی کی وجہ سے زید گناہ گار ہوگا، ہاں البتہ زیادہ قیمت دینے کے لئے وہ غیر مسلم ازخود راضی ہوجاتا ہے، تو بدعہدی کا گناہ نہیں ہوگا۔

عن ابن عمر -رضي الله عنه- قال: سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول: لكل غادر لواء ينصب بغدرته. (بخاري، كتاب الجزية والموادعة ۱/ ۴۵۲، رقم: ۳۰۸۴، ف: ۳۱۸۸)

والصلح بعد الشراء (درمختار) وفي الشامي: وقيده في القنية بأن يكون الثاني أكثر ثمنا من الأول أو أقل أو بجنس آخر، وإلا فلا يصح.

(شامي، كتاب الصلح ۸/ ۴۱۷، زكريا ديوبند كراچی ۵/ ۶۳۶)

(۲) اگر کسی شخص نے ایسا معاملہ کرلیا ہے تو اس کی تلافی کی یہی شکل ہے کہ جس کے ساتھ

اس طرح کی بدعہدی کر لی ہے، اس کو کسی بھی طریقے سے راضی کر کے اس سے معافی تلافی کر لے۔

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من كانت له مظلمة لأخيه من عرضه أو شيء، فليتحلله منه اليوم قبل أن لا يكون دينار ولا درهم، إن كان له عمل صالح أخذ منه بقدر مظلمته، وإن لم يكن له حسنات أخذ من سيئات صاحبه، فحمل عليه. (بخاري، كتاب المظالم، باب من كانت له مظلمة عند الرجل ۱/ ۳۳۱، رقم: ۲۳۸۵، ف: ۲٤٤۹، مشكوة ۲/ ٤۳٥)

إن كانت المعصية لحق آدمي فلها ركن رابع، وهو التحلل من صاحب ذلك الحق. (شرح النووي على مسلم، كتاب التوبة ۲/ ۳٥٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/ رجب ۱۴۳۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۷۷۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۵/ ۷/ ۱۴۳۰ھ

سرکاری باغ سے لکڑی چوری کر کے مکتب میں فروخت کرنا

سوال [۸۷۴۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) لوگ سرکاری باغ سے لکڑی چوری کر کے بیچ رہے ہیں اور ایسی لکڑی کو خرید کر کے لوگ پنجگانہ اور اسلامی مکتب میں استعمال کرتے ہیں، تو اس میں نماز اور تعلیم جائز ہوگی یا نہیں؟

(۲) چوری کا مال جان بوجھ کر اور نہ جان بوجھ کر خریدنا کیسا ہے؟

المستفتی: نور الزماں آسامی مدرس جامعہ اسلامیہ محمودیہ بنگال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: (۱-۲) سرکاری باغات جن کی منجانب حکومت حفاظت ہوتی ہے، ان کے درختوں کی لکڑی چوری کر کے بیچنا شرعاً جائز نہیں ہے۔ اور چوروں سے جان بوجھ کر کے ایسی لکڑیاں خرید کر مدارس اور مکاتب میں ٹپائی وغیرہ کی شکل میں استعمال کرنا بھی جائز

نہیں ہے، ہاں البتہ اگر خریدنے والوں کو چوری کا علم نہیں ہے، تو ایسی حالت میں لکڑیوں کو خرید کر مدارس اور مکاتب کے استعمال میں کوئی گناہ نہیں ہے؛ بلکہ گناہ چور کے اوپر ہوگا۔

قال عليه السلام: من اشترى سرقة وهو يعلم أنها سرقة، فقد شرك في عارها، وإثمها. (شعب الإيمان، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٣٨٩، رقم: ٥٥٠٠، المصنف لابن أبي شيبة، جديد موسسة العلوم القرآن بيروت ١١/ ٣٣٨، رقم: ٢٢٤٩٥)

بخلاف الأشجار؛ لأن الكلأ مالا ساق له، والأشجار لها ساق فلا تدخل فيه حتى جاز بيعها إذا نبتت في أرضه. (عالمگيري، كتاب البيوع، الباب التاسع فيما يجوز بيعه وما لايجوز، الفصل الثاني في بيع الثمار، زكريا قديم ٣/ ١١٠، جديد ٣/ ١١١)

ويدخل في الكلأ جميع أنواع ما ترعاه المواشي رطبا كان أو يابسا، بخلاف الأشجار؛ لأن الكلأ مالا ساق له، والشجر لها ساق فلا تدخل فيه حتى يجوز بيعها إذا نبتت في أرضه لكونها ملكه. (البحر الرائق، باب البيع الفاسد، زكريا ٦/ ١٢٧، كراچی ٦/ ٧٨، شامي، كراچی ٥/ ٦٦، زكريا ٧/ ٢٥٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم رجب ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۷۲۶۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱/ ۷/ ۱۴۲۲ھ

جانتے ہوئے چوری کا سامان خریدنا مکروہ

سوال [۸۷۴۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص یہ جانتے ہوئے کہ یہ سامان چوری کا ہے، پھر اس کو خریدتا ہے تو کیا یہ چوری کا سامان جاننے کے باوجود خریدنا جائز ہے، جب کہ کچھ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ اس میں کوئی حرج نہیں، صحیح مسئلہ کیا ہے؟ واضح فرمادیں، عین نوازش ہوگی۔

المستفتی: محمد اسحاق بیر پور تھان، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس چیز کے متعلق یہ معلوم ہے کہ یہ چوری کی ہے تو اس کے خریدار کو حدیث شریف میں چوری میں شریک ہونے والا بتایا گیا ہے۔ اور جو لوگ یہ کہہ رہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے وہ غلط ہے۔ حدیث شریف ملاحظہ فرمائیے:

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– عن النبي ﷺ قال: من اشترى سرقة وهو يعلم أنها سرقة، فقد شرك في عارها، وإثمها. (شعب الإيمان، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٣٨٩، رقم: ٥٥٠٠، المصنف لابن أبي شيبة، جديد موسسة العلوم القرآن بيروت ١١/ ٣٣٨، رقم: ٢٢٤٩٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ رشوال ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۱۶۸۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۱۰/۲۹ھ

پتنگ اور پٹاخوں کی تجارت کا حکم

سوال [۸۷۴۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) مسلمان کے لئے حلال پتنگ، پٹاخے کی تجارت جائز ہے یا نہیں؟ اوران روپیوں کا استعمال مسلمان کے لئے حلال ہے یا نہیں؟

(۲) اگر مسلمان تاجر سے پتنگ یا پٹاخے کوئی غیر مسلم خریدے تو کیا حکم ہے؟ مع حوالہ تحریر فرمائیں۔

المستفتی: محمد قاسم گجراتی، شریک دارالافتاء مدرسہ ہٰذا

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱-۲) پتنگ اور پٹاخے کی تجارت تعاون علی المعصیت کی وجہ سے مکروہ ہیں۔ اوراس سے حاصل شدہ روپئے حضرت امام ابوحنیفہ کے نزدیک حلال اور پاک ہیں۔ اور امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک مکروہ ہے؛ کیوں کہ فساد دونوں میں

مشترک ہے اور اس زمانہ میں فتویٰ اور عمل حضرات صاحبین کے قول پر ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۴/۲۴۳)

قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ [المائدة: ٢]

ومستفاد من الدر المنتقى: ومن حمل لذمي خمرا بأجر طاب له عند الإمام، وعندهما يكره للإعانة. (الدر المنتقى، كتاب الكراهية، فصل في الكسب، دار الكتب العلمية بيروت ٤/ ١٨٨، قديم ٢/ ٥٣٠، شامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، كراچی ٦/ ٣٩٢، زكريا ٩/ ٥٦٢، تبيين الحقائق، إمداديه ملتان ٦/ ٢٩، زكريا ديو بند ٧/ ٦٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/محرم الحرام ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۲۰۸۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۱/۱/۸ھ

تصویر والے کپڑوں کی تجارت

سوال [۸۷۴۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید ٹی شرٹ اور ریڈی میڈ کپڑوں وغیرہ کی تجارت کرتا ہے، جس میں مختلف قسم کی تصویریں بنی ہوئی ہیں، ان کپڑوں کی تجارت کرنا کیسا ہے؟

المستفتی: حشمت الحق متعلم مدرسہ امدادیہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: فی نفسہ تصویر بنانا تو قطعاً حرام ہے، اور کپڑوں میں عام طور پر جو تصویریں بنی ہوئی ہیں، ان کی وجہ سے ان کپڑوں میں نماز پڑھنا تو ممنوع ہے، مگر ان کپڑوں کا پیسہ حرام نہیں ہے؛ اس لئے کہ اس کی فروختگی سے مقصود مالیت ہوتی ہے، تصویر نہیں؛ اس لئے ایسے کپڑوں کی بیع جائز ہے، مگر چونکہ اس میں تعاون علی المعصیت بھی ہے؛ اس لئے اس کی بیع مکروہ ہوگی۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۱/۸۲، ایضاح المسائل/ ۱۵۶)

وكذا أيضا تستفاد من عبارة آتية وجاز بيع عصير عنب ممن يعلم أنه يتخذه خمرا؛ لأن المعصية لا تقوم بعينه، بل بعد تغيره، وقيل: يكره لإعانته على المعصية. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، زكريا ۹/ ۵۶۰-۵۶۱، كراچی ٦/ ۳۹۱، البحرالرائق، كتاب الكراهية، فصل في البيع، زكريا ۸/ ۳۷۱، كوئٹه ۸/ ۲۰۲، هداية، أشرفي ديو بند ٤/ ٤٧٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍جمادی الاولی ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۳۸۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۵/۱۲ھ

مصور زیورات کی خرید فروخت کی شرعی حیثیت

سوال [۸۷۴۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایسے زیورات کی تجارت جس میں بتوں اور مورتیوں کی تصویر ہو، جائز ہے یا نہیں؟ اور اس کی آمدنی حلال ہے یا حرام؟ مدلل ومفصل جواب دیں۔

المستفتی: حبیب الرحمٰن، کلکتہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسے زیورات کی تجارت کرنا جس میں بتوں اور مورتیوں کی تصویر ہو، مسلمان کے لئے سخت مکروہ ہے؛ لیکن اس سے حاصل ہونے والی آمدنی حرام نہیں کہلائے گی؛ البتہ تعاون علی المعصیت کی وجہ سے کراہت کے دائرہ میں آئے گی۔

(مستفاد: ایضاح النوادر، ص: ۸۳)

ما قامت المعصية بعينه يكره بيعه تحريما، وإلا فتنزيها. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، كراچی ٦/ ۳۹۱، زكريا ۹/ ۵٦۱)

إن ما قامت المعصية بعينه يكره بيعه، وما لا فلا. (البحرالرائق، كتاب السير، باب البغاة، زكريا ۵/ ۲٤۰، كوئٹه ۵/ ۱٤۳)

ولو كانت من خشب أو صفر جاز اتفاقا فيما يظهر لإمكان الانتفاع بها. (شامي، كتاب البيوع، باب المتفرقات، كراچی ٥/ ٢٢٦، زكريا ٧/ ٤٧٨، الموسوعة الفقهية الكويتية ١٢/ ١٢٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍ربیع الثانی ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر:۳۹/۱۰۶۶۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۴/۱۸ھ

خنزیر کے برش میں لگنے والے دیگر آلات کا آرڈر لینا

سوال [۸۷۴۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: خنزیر کے برش بنانے والوں کا وہ سامان جو برش سے متعلق ہے، جیسا کہ لکڑی کا دستہ، ٹین کے فول، رنگ یا اس کے ڈلیہ تیار کر کے دینا ان کے آرڈر کو لے کر اجرت لینا کیسا ہے؟

المستفتی: احسان علی صدیقی اصغر منزل شیر کوٹ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر آلات وسامان بنانے والوں کا واحد مقصد خنزیر کے بالوں کے کام کے لئے ہے، تو اعانت علی المعصیت کی وجہ سے مکروہ ہے۔

ولا تكره إجارة بيت بالسواد ليتخذ بيت نار أو كنيسة، أو بيعة أو يباع فيه الخمر عنده، وعندهما يكره؛ لأنه إعانة على المعصية –إلى قوله– ويكره في المثل إجماعا. (ملتقى الأبحر، كتاب الكراهية، فصل في البيع قديم ٢/ ٥٢٩، جديد، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ١٨٦، الدرالمختار كراچی ٦/ ٣٩٢، باب البيع)

اگر بنانے والوں کا واحد مقصد یہ نہیں ہے؛ بلکہ دوسرے کاموں میں بھی یہ آلات مستعمل ہوتے ہیں، تو بلا کراہت جائز ہے۔

كما استفاده من الشامي: ولو آجر نفسه ليعمل في الكنيسة ويعمرها لا بأس به؛ لأنه لا معصية في عين العمل، وحمل خمر ذمي (وقوله) وله أن

الإجارة على الحمل وهو ليس بمعصية، ولا سبب لها، وإنما تحصل المعصية بفعل فاعل مختار، وليس الشرب من ضرورات الحمل؛ لأن حملها قد يكون للإراقة أو التخييل. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، زكريا ۹/ ۵۶۲، كراچی ۶/ ۳۹۱-۳۹۲، مجمع الأنهر، قديم ۲/ ۵۳۰، جديد دارالكتب العلمية بيروت ۴/ ۸۷، فتاوى قاضي خان زكريا جديد ۲/ ۲۰۵، وعلى هامش الهندية زكريا ۲/ ۳۲۴، الموسوعة الفقهية الكويتية ۳۸/ ۱۵۸، المحيط البرهاني، المجلس العلمي بيروت ۸/ ۷۰، رقم: ۹۶۰۷، تاتارخانية، زكريا ۱۸/ ۱۶۷، رقم: ۲۸۳۷۹)

ولو وقع في ماء قليل نجسه –إلى قوله– وفي زماننا استغنوا عنه أي فلا يجوز استعماله لزوال الضرورة الباعثة للحكم بالطهارة. (شامي، كتاب الطهارة، مطلب في أحكام الدباغة، كراچی ۱/ ۲۰۶، زكريا ۱/ ۳۶۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵؍ ذی الحجہ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۰۲۹)

نجش فی البیع کا حکم

سوال [۸۷۴۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک گاؤں کے چند افراد کا یہ پیشہ ہے کہ دیہاتوں یا شہروں میں جانوروں کی بیع وشراء کے لئے بازار لگتے ہیں، یہ پیشہ ور لوگ ان بازاروں میں جاکر بیل وغیرہ خریدتے ہیں یا اپنے گھروں سے لے جاتے ہیں، اور اپنے ہی ساتھیوں میں سے ایک شخص کو جانوروں کو فروخت کے لئے متعین کردیتے ہیں اور باقی ساتھی اسی جگہ گھومتے پھرتے رہتے ہیں، اور جب کوئی شخص ان بیلوں کو یا جانوروں کو خریدنے آتا ہے، تو باقی ساتھیوں میں سے اس جانور کی قیمت ایک شخص نے زیادہ کرکے لگائی، مثلاً اگر اس کی قیمت سو ہے تو پانچ سو لگائے اور وہ لوگ جو اس جانور کو خریدنے کے لئے کھڑے تھے وہ دھوکہ کھاکر اس بیل کی قیمت پانچ سو یا کچھ کم کرکے دینے

کے لئے تیار ہوجاتے ہیں۔اور وہ بیل والے کے ساتھ قیمت اور بڑھا کر یعنی ساڑھے پانچ سو میں خریدنے کے لئے تیار ہوجاتے ہیں،تو وہ شخص جس کے یہ لوگ ساتھی ہیں، کہتے ہیں کہ میں تمہیں بیل نہیں دے سکتا؛ کیوں کہ تم قصائی ہو، اس کو ذبح کردو گے، میں اسے اپنے کسان بھائیوں کو دوں گا، تو یہ کھڑے ہوئے کسان یہ دھوکہ کھا کر جب قصائی ساڑھے پانچ سو دے رہا ہے،تو کچھ کم کرا کے یا اتنے ہی میں اسے کیوں نہ لیں، پھر یہ کسان لوگ ساڑھے پانچ سو یا چار سو میں خرید لیتے ہیں،اب جو نفع ملتا ہے اس کو یہ سب ساتھی مل کر تقسیم کر لیتے ہیں اور اسی سے گزر بسر کرتے ہیں۔کیا یہ پیشہ اختیار کرنا درست ہے؟ مفصل تحریر فرمائیں عین کرم ہوگا۔

المستفتی: کلیم اللہ سیتا پوری، متعلم جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس طرح کی فروختگی شرعاً مکروہ تحریمی ہے؛ کیوں کہ یہ سخت دھوکہ دہی ہے؛ لیکن پیشہ حلال ہوگا، دھوکہ دہی کی بنا پر گنہگار رہوں گے۔(مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۴/۱۷۰، جدید ڈابھیل ۱۷/۶۲۰)

نهى رسول الله ﷺ عن النجش. (بخاري، كتاب البيوع باب النجش ۱/ ۲۸۷، رقم: ۲۰۹۵، ف: ۲۱۴۲)

لاتفعلوا ذلک وسبب ذلک إيقاع رجل فيه بأزيد من الثمن وهو خداع، والخداع قبيح جاور هذا البيع فكان مكروها. (عناية مع فتح القدير، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، فصل فيما يكره، دارالفكر بيروت ۶/ ۴۷۶، زكريا ۶/ ۴۳۶، كوئٹه ۶/ ۱۰۶، درمختار كراچی ۵/ ۱۰۱، زكريا ۷/ ۳۰۵، البحرالرائق، كوئٹه ۶/ ۹۹، زكريا ۶/ ۱۶۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم ذیقعدہ ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۴۷۰)

۵/ باب حط الثمن وزيادته نقدا ونسيئة

ادھار خرید وفروخت

سوال [۸۷۴۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: گاؤں کے کچھ آدمیوں نے مل کر ایک کمیٹی قائم کی اور کمیٹی والے ایک کوئنٹل چاول دیتے ہیں اور تین مہینہ کے بعد دو ہزار روپئے لیتے ہیں، کیا یہ معاملہ جائز ہے؟ بینوا توجروا

المستفتی: سعید الرحمٰن بھنگنا ماری انچلک دینی تعلیمی بورڈ آسام

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: شریعت میں ادھار خرید وفروخت جائز اور درست ہے؛ لہٰذا ایک کوئنٹل چاول کی ادھار خرید وفروخت اس طرح طے ہو جائے کہ تین مہینے کے بعد دو ہزار روپئے قیمت ادا کریں گے جائز اور درست ہے۔

عن عائشة –رضي الله عنها– أن النبي ﷺ اشترى طعاما من رجل يهودي إلى أجل ورهنه درعا من حديد. (صحيح البخاري، البيوع، باب شراء النبي صلى الله عليه وسلم بالنسيئة، النسخة الهندية ۱/ ۲۷۷، رقم: ۲۰۲۱، ف: ۲۰۶۸)

عن ابن عباس –رضي الله عنه– قال: قدم رسول الله ﷺ المدينة وهم يسلفون بالثمر السنتين والثلاث، فقال رسول ﷺ: من أسلف في شيء ففي كيل معلوم، ووزن معلوم إلى أجل معلوم. (صحيح البخاري، كتاب السلم، باب السلم في وزن معلوم، النسخة الهندية ۱/ ۲۹۹، رقم: ۲۱۸۸، ف: ۲۲۴۰)

ويجوز البيع بثمن حال ومؤجل إذا كان الأجل معلوما. (هداية، كتاب البيوع، أشرفى ۳/ ۲۱، مختصر القدوري/ ۷۱، البناية، أشرفيه ۸/ ۱۶، اللباب ۲/ ۶)

وصح بثمن حال وهو الأصل، ومؤجل إلى معلوم لئلا يفضي إلى النزاع. (شامي، مطلب فى الفرق بين الأثمان والمبيعات، زكريا ۷/ ۵۲، كراچى ۴/ ۵۳۱، مجمع

الأنهر، دار الکتب العلمیة ۳/ ۱۳، مصري قدیم ۲/ ۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۰۸۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱/ ۶/ ۱۴۳۱ھ

ادھار خرید وفروخت کا حکم

سوال [۸۷۴۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے علاقہ شہر بنگلور میں اسٹارٹ منٹ کی لوگ تجارت کرتے ہیں، اس کی شکل یہ ہے کہ عید کے موقع پر کپڑے اور دیگر ضروریات روزانہ کی پیش آمدہ اشیاء چاول وغیرہ گھروں کے پاس گاڑی میں لے کر آتے ہیں، پھر وہ لوگ مارکیٹ سے کچھ زائد رقم پر مبیع کو قرض کے طور پر دے دیتے ہیں، آخر میں جتنا سامان خریدا ہے اس کو ایک کارڈ میں قیمت لکھ کر دے کر ہر ہفتہ یا روزانہ کچھ کچھ رقم لیتے ہیں، مثلاً ۵۰۰؍ کا سامان یا تو ہر ہفتہ ۵۰؍ روپے روزانہ ۱۰؍ روپئے دینا ہوتا ہے، اگر کوئی قسط میں نہ دے تو مزید مہلت دیتے ہیں، یعنی جتنی مبیع خریدتے وقت قیمت لکھی اتنا ہی لیتے ہیں، زائد کچھ نہیں لیتے، تو کیا یہ شرعاً جائز ہے؛ کیوں کہ اکثر عورتیں اپنے خاوندوں کے پیسے کو اپنے پاس رکھ کر اس طرح قرض لیا کرتی ہیں، تاکہ ہاتھ میں روپئے رہیں، حضرت والا اس کا شرعی حکم بیان کر کے باعث ممنون ہوں مہربانی ہوگی۔

المستفتی: مفتی حسن قادری رائے چوٹی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال میں ذکر کردہ صورت قسطوں پر خرید فروخت ہے، جو شرعاً جائز اور درست ہے۔

البیع مع تأجیل الثمن وتقسیطه صحیح –إلی– یلزم أن تکون المدة معلومة في البیع بالتأجیل والتقسیط إذا عقد البیع علی تأجیل الثمن إلی

كذا يوما أو شهرا. (شرح المجلة، رستم مكتبه اتحاد ۱/ ۱۲۴-۱۲۵، رقم المادة: ۲۴۵-۲۴۶)

ويصح البيع بثمن حال، وهو الأصل، وبثمن مؤجل ولا يثبت الأجل إلا بالشرط ما لم يكن ربويا بأجل معلوم. (الدر المنتقى، كتاب البيوع، دارالكتب العلمية بيروت ۳/ ۱۳/ قديم ۲/ ۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۵۴۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۹/۵/۱۴۳۵ھ

فائننس کا حکم

سوال [۸۷۵۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید ایک گاڑی فائننس کرانا چاہتا ہے، جس میں زید کو اس وقت گاڑی کی قیمت میں سے ۳۵/ فیصد رقم جمع کرنی ہوگی اور باقی ۶۵/ فیصد رقم ۶/ فیصد بیاج کی در سے چار سال میں قسط وار ادا کرنی ہوگی۔ اور زید اس گاڑی کو کرایہ پر چلائے گا اور جو رقم آمد ہوگی وہ اور اس میں کچھ اور رقم اپنے پاس سے ڈال کر قسط جمع کرے گا۔ اور اگر ایسا نہیں کرتا ہے تو گورنمنٹ کو اتنی رقم کے ٹیکس کے کاغذات اور معلومات چاہئے کہ اتنی رقم کہاں سے آئی اور اس کا ٹیکس جمع کیا یا نہیں؟ تو اس طرح گاڑی فائننس کرانا درست ہے یا نہیں؟ جو اس سے آمد ہوگی وہ جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: انور خوشید نئی بستی، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس میں جواز اور عدم جواز کا مدار تحریری معاہدہ پر ہے۔ اور تحریری معاہدہ اس طرح لکھا جائے، مثلاً گاڑی کی قیمت ۲/ لاکھ لکھی گئی ہے اور قسطوار ادائے گی میں ڈھائی لاکھ کر دیا گیا اور پچاس ہزار بیاج لکھا گیا، تو اس طرح جائز نہیں، اس کو پچاس ہزار سود دینا لازم ہے، جو باعث لعنت ہے۔ اور اگر تحریری معاہدہ اس طرح لکھا جائے

کہ گاڑی کی کل ادائے گی ڈھائی لاکھ روپئے ہے، جس کی قسط باندھ دی گئی ہے، جس کی ادائے گی دوسال میں ہوگی، تو یہ جائز اور درست ہے، چاہے گاڑی کی قیمت ۲/لاکھ ہی کیوں نہ ہو، ایسی صورت میں یہ سمجھا جائے گا کہ گاڑی ڈھائی لاکھ میں ملی۔ (مستفاد: انوار رحمت/ ۲۱۲، ایضاح النوادر ا/ ۱۰۹)

البيع مع تأجيل الثمن وتقسيطه صحيح -إلى- يلزم أن تكون المدة معلومة في البيع بالتأجيل والتقسيط إذا عقد البيع على تأجيل الثمن إلى كذا يوما أو شهرا. (شرح المجلة، رستم مكتبه اتحاد ١/ ١٢٤-١٢٥، رقم المادة: ٢٤٥-٢٤٦)

البيع لأجل أو بالتقسيط أجاز الشافعية والحنفية والمالكية والحنابلة والجمهور بيع الشيء في الحال لأجل أو بالتقسيط بأكثر من ثمنه النقدي إذا كان العقد مستقلا بهذا النحو، ولم يكن فيه جهالة بصفقة أو بيعة من صفقتين أو بيعتين ...... جاز البيع، وإن ذكر في المساومة سعران سعر للنقد وسعر للتقسيط، ثم تم البيع في نهاية المساومة تقسيطا. (الفقه الإسلامي وأدلته، هدى انٹرنيشنل ديوبند ٤/ ٢٤٢، دارالفكر ٥/ ٣٤٦١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/رجب ۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۰۵۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۲/۷/۱۴۲۷ھ

ادھار پر مونجی کی فصل کسانوں سے خریدنے کا حکم

سوال [۸۷۵۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اس وقت مونجی کی فصل کٹنے کے بعد اناج گھر میں آ گیا، تجار حضرات نے اس شرط پر معاملہ شروع کردیا کہ اس وقت اناج کی قیمت ۴۰۰/روپئے ہے، پانچ ماہ کے بعد ہم تم کو ۶۰۰/روپئے اضافہ کے ساتھ دیں گے، خواہ اس وقت بھاؤ جو بھی ہو، پھر پانچ

ماہ بعد وہ اس زائد رقم کے ساتھ خرید کر لے جاتا ہے؛ لہٰذا اس شرط پر خرید وفروخت کرنا درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد فاروق شریف نگر، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مسئولہ میں یہ عقد بیع نہیں ہے؛ بلکہ ایک معاہدہ ہے، اور اس طرح معاہدہ کرنا اور پانچ ماہ بعد اضافہ کے ساتھ خریدنا درست ہے؛ کیوں کہ پانچ ماہ بعد جو لین دین ہوگا وہی اصل عقد ہوگا۔

ويجوز للمشتري أن يزيد للبائع في الثمن. (هداية، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، فصل أشرفي ۳/ ۷۵، مختصر القدوري ۸۱، البناية، أشرفيه ۸/ ۲۵٤، الموسوعة الفقهية الكويتية ۹/ ۲۹)

زيادة البائع في المبيع والمشتري في الثمن، وحط البائع من الثمن بعد العقد يلتحقان بأصل العقد، فكان العقد وقع على ما حصل بعد الزيادة والحط. (شرح المجلة رستم، مكتبه اتحاد ۱/ ۱۳۳، رقم المادة: ۲۵۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ شعبان ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۹۷۳/۳۲)

قسطوں پر سواری یا سامان کی خریداری

سوال [۸۷۵۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: قسطوں پر سواری یا سامان لینے کا شرعی حکم کیا ہے، جب کہ ایسا کرنے میں بظاہر سود کی شکل نظر آتی ہے؟

المستفتی: زوار احمد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قسطوں پر سواری اور سامان کی بیع اس شرط پر جائز ہے کہ اس میں سود کا معاملہ نہ ہو اور کتنی قسطوں میں اور کتنی مدت میں رقم ادا کرے گا اس کو بھی متعین کرلیا جائے اور جتنی مقدار تمام قسطوں کی بیع کی ہے، خریداری کے وقت میں اسی کی مقدار کی رقم متعین کرلی جائے، مثلاً اگر دوسال میں کل ادائے گی دو لاکھ روپئے کی ہوتی ہے، تو شروع ہی سے گاڑی اور سامان کی قیمت دو لاکھ لگائی جائے اور وقت پر قیمت ادا کرنے کی کوشش کی جائے بس یہی صورت بیع بالتقسیط کی صحیح ہے، باقی تمام شکلیں ناجائز ہیں۔

البيع مع تأجيل الثمن وتقسيطه صحيح. (شرح المجلة، رستم مكتبه اتحاد ١/ ١٢٤ رقم المادة: ٢٤٥)

البيع لأجل أو بالتقسيط أجاز الشافعية والحنفية والمالكية والحنابلة والجمهور بيع الشيء في الحال لأجل أو بالتقسيط بأكثر من ثمنه النقدي إذا كان العقد مستقلا بهذا النحو، ولم يكن فيه جهالة بصفقة أو بيعة من صفقتين أو بيعتين ...... جاز البيع، وإن ذكر في المساومة سعران سعر للنقد وسعر للتقسيط، ثم تم البيع في نهاية المساومة تقسيطا. (الفقه الإسلامي وأدلته، هدى انٹرنیشنل دیوبند ٤/ ٢٤٢، دارالفكر ٥/ ٣٤٦١) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍رجب ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۹۰۱/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۹/۷/۱۴۲۶ھ

گڑ کی بھیلی بازار کی قیمت سے کم یا زیادہ قیمت پر بنانا

سوال [۸۷۵۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) ہمارے یہاں عموماً گڑ کا کاروبار ہوتا ہے، اکتوبر سے مارچ تک گڑ کے کارخانے چلتے ہیں اور اپریل میں کارخانے بند ہوجاتے ہیں، مارچ میں عموماً گڑ کا بھاؤ کم ہوتا

ہے اور جولائی میں گڑ اکثر مہنگا ہو جاتا ہے، زید نے دو ہزار بھیلی سترہ روپئے کے بھاؤ سے ڈالی ہیں، اب بکر ان بھیلیوں کا خریدار ہے، بکر کا کہنا ہے کہ میں جون کی پہلی کو بیس روپئے کے بھاؤ سے پیسہ ادا کر دوں گا، بکر کا یہ بھی کہنا ہے کہ جولائی تک اگر زید روک سکتا ہے تو جولائی میں جو بھی بھاؤ ہوگا اس سے دو روپئے فی بھیلی کے حساب سے زائد پیسہ دوں گا۔

(۲) گڑ کا کارخانہ چلنے سے پہلے یعنی ستمبر میں کارخانہ والے کچھ رقم بیوپاریوں سے لے لیتے ہیں کہ ہم اس بھاؤ کی بھیلی تمہیں مارچ میں بنادیں گے، مثلاً بھیلی کا بھاؤ بیس روپئے ہوتا ہے اور فریقین آپس میں مشورہ کر کے پندرہ روپئے کے بھاؤ سے سودا کر لیتے ہیں، تو کیا ایسا کرنا جائز ہے؟ ایسا بھی ہوتا ہے کہ کارخانہ والے یہ کہہ کر بھی سودا کرتے ہیں کہ مارچ میں جو بھی بھاؤ ہوگا اس سے دو روپئے کم میں ہم بھیلی بنادیں گے۔

المستفتی: محمد جاوید قاسمی، مدرسہ مفتاح العلوم ڈڑھیال، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کسی چیز کو نقد بیچنے پر کم قیمت لینا اور ادھار بیچنے پر زیادہ قیمت لینا اس وقت جائز ہے، جب کہ مجلس عقد میں قیمت کی مقدار اور ادائے قیمت کی میعاد متعین کر لی جائے، مذکورہ صورت میں چونکہ یہ دونوں شرطیں موجود ہیں؛ اس لئے بیع درست ہو جائے گی۔

ألا یری! أنه یزاد في الثمن لأجل الأجل. (هدایة، کتاب البیوع، باب المرابحة والتولیة، اشرفي ۳/ ۷٤، المحیط البرهاني، المجلس العلمي ۱۰/ ۱۸۷، رقم: ۱۲۷۳۸، مجمع الأنهر، دارالکتب العلمیة بیروت ۳/ ۱۱۲، مصري قدیم ۲/ ۷۸، شرح المجلة رستم مکتبه اتحاد ۱/ ۱۱٤-۱۱۵، رقم المادة: ۲٤۵-۲٤٦)

اور جولائی میں جو بھاؤ ہوگا اس پر دو روپئے زائد فی بھیلی دینے کے حساب سے معاملہ کرنا جہالت ثمن کی وجہ سے جائز نہیں ہے؛ اس لئے کہ ایسی صورت میں جولائی میں کیا بھاؤ ہوگا،

یقین کے ساتھ کسی کو معلوم نہیں ہے؛ اس لئے یہ شکل جائز نہیں ہے۔

رجل باع على أنه بالنقد بكذا، وبالنسيئة بكذا، وإلى شهر بكذا، وإلى شهرين بكذا لم يجز. (عالمگیري، الباب العاشر: الشروط التي تفسد البيع والتي لا تفسده، زكريا قديم ٣/ ١٣٦، جديد ٣/ ١٣٧)

ستمبر میں کارخانے والے بیوپاریوں سے یہ کہہ کر پیسہ لیں کہ مارچ میں عام طور سے بیس روپئے کا بھاؤ ہوتا ہے، پیشگی پیسہ دینے پر ۱۵؍ روپئے فی بھیلی ستمبر میں پیشگی روپئے دے کر معاملہ طے کرلیا جائے اور مارچ ادا کئے گئے روپئے کے بدلے میں فی بھیلی ۱۵؍ روپئے کے حساب سے وصول کرنا بیع سلم کے دائرے میں داخل ہوکر جائز ہے، جب کہ ستمبر میں مجلس عقد میں پیسہ کی ادائے گی ہوچکی ہے؛ لیکن ایسا کرنا جائز نہیں ہے کہ پیشگی پیسہ لے کر یہ کہہ دے کہ مارچ میں جو بھی بھاؤ ہوگا اس سے دو روپئے کم میں بھیلی بنا دیں گے؛ اس لئے کہ ثمن کی جہالت کی وجہ سے مسلم فیہ میں بھی جہالت آجاتی ہے، اس لئے یہ شکل جائز نہیں ہے۔

وتحقيقه أن جهالة قدر رأس المال تستلزم جهالة المسلم فيه؛ لأن المسلم إليه ينفق رأس المال شيئا فشيئا، وربما يجد بعض ذلك زيوفا ولا يستبدله في مجلس الرد، فيبطل العقد بقدر ما رده، فإذا لم يكن مقدار رأس المال معلوما لا يعلم في كم انتقص السلم أو في كم بقي، وجهالة المسلم فيه مفسدة بالإتفاق، فكذا ما يستلزمها. (عناية على فتح القدير، كتاب البيوع، باب السلم، زكريا ٧/ ٨٨، دارالفكر ٧/ ٩١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍ صفر ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۲۵۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۲/۱۶ھ

سوسائٹی سے کھاد خریدنے کا حکم

سوال [۸۷۵۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہم لوگ سرکاری سوسائٹی سے جو کھاد لیتے ہیں وہ نقد نہیں ملتا ہے، ادھار دیتے ہیں۔ اور سرکار اس ادھار پر تھوڑا سا بیاز لیتی ہے اور سوسائٹی میں اچھا کھاد اور چھوٹ بھی ملتی ہے۔ اور اگر وہی کھاد بازار سے لیتے ہیں تو وہ خراب ہوتا ہے اور بازار والے کھاد میں ملاوٹ بھی ہوتی ہے اور مہنگا بھی ملتا ہے، اس صورت میں ہم لوگ کیا سوسائٹی سے کھاد لے سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: حمید اللہ عیسیٰ پور، فرخ آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مذکورہ صورت بیع نسیئہ (ادھار خریداری) کی ہے، جس میں ادھار کی وجہ سے قیمت میں اضافہ ہوتا ہے، جب کہ مدت متعین ہو اور سائل کو اس کا بیاج سمجھنا درست نہیں ہے۔

وأما الأئمة الأربعة وجمهور الفقهاء والمحدثين فقد أجازوا البيع، والبيع المؤجل بأكثر من سعر النقد. (بحوث قضايا فقهية معاصرة ٥/ ٧، بحواله انوار رحمت ٢٣٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲ ربیع الاول ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۰۱۶)

قیمت بڑھا کر ادھار فروخت کرنا

سوال [۸۷۵۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے ۵۰۰/روپئے کوئنٹل کے حساب سے ۱۰۰/من چاول کا اسٹاک کیا، اب وہ

زید مذکور عمرو کے ہاتھ سے پانچ ماہ کی ادھاری پر آٹھ سو روپئے کے عوض میں فروخت کرتا ہے، حال یہ ہے کہ لینے والا کبھی وقت معینہ پر روپئے دیتا ہے اور کبھی وقت غیر معینہ کے بعد، تو کیا ایسا کاروبار زید کے لئے درست ہے یا نہیں؟ جب کہ زید ایک عالم اور مفتی ہے؟

المستفتی: شاکر حسین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب مدت متعین ہے، تو مذکورہ معاملۂ بیع جائز اور درست ہے، اگر چہ وقت مقررہ پر روپئے ادا نہ ہوتا ہو، بس صرف عقد کے وقت میں مدت متعین کر لینا شرط ہے۔

ويجوز البيع بثمن حال ومؤجل إن كان الأجل معلوما. (هداية، كتاب البيوع، أشرفي ٣/ ٢١، مختصر القدوري، ص: ٧١، شامي، زكريا ٧/ ٥٢، كراچی ٤/ ٥٣١، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ١٣/ مصري قديم ٢/ ٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳ رشوال ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۳۶۷۳)

ادھار کی صورت میں مبیع کی قیمت بڑھانا

سوال [۸۷۵۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہم نے ایک تاجر کو ایک لاکھ روپئے کا آرڈر دیا، ایک لاکھ روپئے کی مال کی تیاری میں سات فیصد خرچ آتا ہے۔ اور ہم اس کو دس فیصد خرچ دے رہے ہیں، اس شرط پر کہ ہم اس کو ایک ماہ کے بعد پیمنٹ کریں گے، کیا یہ شرط بیع وشراء میں جائز ہے، یا بیع فاسد ہے؟

المستفتی: سمیع اللہ محلّہ بھٹی اسٹریٹ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ طریقہ سے بیع وشراء درست ہے، نیز ادھار کی صورت میں خرچ میں اضافہ کرکے دینا بھی جائز ہے۔

ألا یری! أنه یزاد في الثمن لأجل الأجل. (هدایة، کتاب البیوع، باب المرابحة والتولیة، أشرفي ۳/ ۷٤، المحیط البرهاني، المجلس العلمي ۱۰/ ۱۸۷، رقم: ۱۲۷۳۸، مجمع الأنهر، دارالکتب العلمیة بیروت ۳/ ۱۱۲، مصري قدیم ۲/ ۷۸)

وإن شرط الأجل في الثمن، والثمن دین، فإن کان الأجل معلوما جاز البیع. (عالمگیري، الباب العاشر في الشروط التي تفسد البیع والتي لا تفسده، زکریا قدیم ۳/ ۱٤۲، جدید ۳/ ۱٤۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ ذیقعدہ ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۷۲۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۳؍۱۱؍۱۴۱۴ھ

کیش لے کر کم قیمت پر سامان بعد میں دینا

سوال [۸۷۵۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص نے ایک اسکیم چلائی ہے، جس میں اس نے چند چیزیں رکھی ہیں اور بازاری قیمت سے بہت کم قیمت پر لوگوں کو دے رہا ہے، مثال کے طور پر بجلی کا پنکھا بازار میں سات سو روپئے کا ہے وہ ۲۴۰؍ روپئے کا اپنی اسکیم میں دے رہا ہے، الگ سے دس پرسینٹ کمیشن لیتا ہے، تو کیا ایسی چیز کا خریدنا جائز ہے یا نہیں؟

نوٹ: روپئے جمع کرنے کے ۲۰؍ دن بعد وہ آئیٹم دیتا ہے، اور روپئے جمع کرتے وقت دس فیصد کمیشن لیتا ہے، آپ تفصیل سے جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: حکیم مولوی محمد شاہد صاحب لائن نمبر: ۱۳، آزاد نگر، ہلدوانی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: فیصدی اور پرسینٹ کی قید کے ساتھ ناجائز ہے؛ لیکن اگر یوں کرلیا جائے کہ پورے پنکھے کی قیمت ۲۴۰ر کے بجائے ۲۶۴ر قرار دی جائے، یا یوں کرلیا جائے کہ بوقت عقد مشتری بطور انعام خوشی سے فیصدی کی قید لگائے بغیر ۲۴ر روپئے مزید دے دیا کرے تو گنجائش ہے۔ اور یہ دس فیصد یا دس پرسینٹ نہیں سمجھا جائے گا؛ بلکہ مبیع کی اصل قیمت سمجھی جائے گی۔

ويجوز للمشتري أن يزيد للبائع في الثمن –إلى قوله– فالزيادة والحط يلتحقان بأصل العقد عندنا. (هداية، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، أشرفي ۳/ ۷۵، مختصر القدوري، ص: ۸۱، الموسوعة الفقهية الكويتية ۹/ ۲۹، شرح المجلة رستم، مكتبه اتحاد ۱/ ۱۳۳، رقم المادة: ۲۵۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹رذی الحجہ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۰۲۱)

قیمت بڑھا کر قسطوار ادھار بیچنا

سوال [۸۷۵۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: قسطوں پر زیادہ رقم دے کر کوئی چیز خرید سکتے ہیں، جب کہ نقد پر کم قیمت لگ رہی ہو؟

المستفتی: محمد زوار مال پوری، جے پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قسطوں پر خریداری کے وقت اگر تمام قسطیں متعین ہوجائیں اور ہر ایک قسط کی مقدار بھی معلوم ہوجائے اور ادائے گی کی مدت بھی متعین ہوجائے، تو اس طرح قسطوں پر خریداری شرعاً جائز ہے، چاہے نقد کے مقابلہ میں قسطوں کی

شکل میں رقم کی مقدار کتنی ہی بڑھ جائے اس کی وجہ سے شرعی طور پر خریداری میں کوئی خرابی لازم نہیں آتی۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۳/۲۰)

البيع مع تاجيل الثمن وتقسيطه صحيح …… يلزم أن تكون المدة معلومة في البيع بالتأجيل والتقسيط. (شرح المجلة رستم، مكتبه اتحاد ١/ ١٢٤-١٢٥، رقم المادة: ٢٤٥-٢٤٦، مجلة الأحكام العدلية، كراچی ١/ ٥٠، رقم المادة: ٢٤٥-٢٤٦)

ولو لم يكن الأجل مشروطا في العقد، لكنه منجم معتاد كعادة بعض البلاد يشترون بنقد ويسلمون الثمن بعد شهر، إما جملة أو منجما قيل: لا بد من بيانه؛ لأن المعروف كالمشروط. (عناية مع الفتح، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، كوئٹه ٦/ ١٣٤، دارالفكر ٦/ ٥٠٩، زكريا ٦/ ٤٦٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶/۵/۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۷۶۴۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۹/۵/۱۴۲۳ھ

ادھار ونقد کی صورت میں قیمت میں تفاوت کا حکم

سوال [۸۷۵۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: رائی کے کھیت والے نے تیل والے کو رائی دی، جس پر میل مالک کہتا ہے: اگر دو مہینہ کے بعد پیسہ لوگے تو ۵۰۰/ روپئے کوئنٹل اور اگر ۶/ مہینہ کے بعد لوگے تو ۶۰۰/ روپئے کوئنٹل اور ایک سال بعد لوگے تو ایک ہزار روپئے کوئنٹل کے حساب سے پیسے ملیں گے، تو کیا یہ سود ہے؟

المستفتی: محمد زبیر احمد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: رائی کے کھیت والے نے جس وقت میل مالک کو رائی دی

اسی وقت دو مہینے چھ مہینے یا ایک سال ان میں سے کوئی ایک مدت حتمی طور پر متعین کرلی ہے، تو جائز ہے، اگر ادائے گی میں کچھ تاخیر بھی ہو جائے تو اس متعینہ رقم پر اضافہ نہیں ہوسکتا۔

وأما البطلان فيما إذا قال: بعتكه بألف حالا، وبألفين إلى سنة، فلجهالة الثمن. (فتح القدير، كتاب البيوع، دارالفكر ٦/ ٢٦٢، زكريا ٦/ ٢٤٣، كوئٹه ٥/ ٤٦٩، الموسوعة الفقهية الكويتية ٢/ ٣٨)

وصح بثمن حال وهو الأصل، ومؤجل إلى أجل معلوم. (شامي، كتاب البيوع، مطلب في الفرق بين الأثمان والمبيعات، زكريا ٧/ ٥٢، كراچی ٤/ ٥٣١، هداية، أشرفي ٣/ ٢١، مختصر القدوري، ص: ٧١، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ١٣، مصري قديم ٢/ ٨)

رجل باع على أنه بالنقد بكذا وبالنسيئة بكذا، وإلى شهر بكذا، وإلى شهرين بكذا لم يجز. (عالمگيري، الباب العاشر في الشروط التي تفسد البيع، والتي لا تفسده، زكريا قديم ٣/ ١٣٦، جديد ٣/ ١٣٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍ ذیقعدہ ۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۱۴۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۳؍۱۱؍۱۴۲۷ھ

نقد وادھار کی وجہ سے قیمت میں کمی زیادتی کرنا

سوال [۸۷۶۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے پاس دو شخص کچھ خریدنے کے لئے آئے، ایک نقد دوسرا ادھار، تو ہم نقد والے کو جو بھاؤ ہے اسی میں دیتے ہیں اور ادھار خریدنے والے کو بھاؤ بڑھا کر دیتے ہیں۔

المستفتی: شمس الدین علی پور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نقد اور ادھار کی وجہ سے قیمت میں کمی زیادتی شرعاً وعرفاً درست ہے، مثلاً کوئی تاجر ایک چیز نقد ایک روپے میں اور ادھار دو روپے میں دیتا ہے، تو

اس میں کوئی حرج نہیں ہے؛ لیکن شرط یہ ہے کہ خرید وفروخت کرتے وقت قیمت کی مقدار اور ادائے قیمت کی مدت متعین کر لی جائے، مثلاً تاجر یہ کہے کہ میں یہ چیز ایک ماہ کے لئے دو روپئے میں ادھار دے رہا ہوں۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۳/ ۲۰، محمودیہ قدیم ۱۳/ ۳۳۲، جدید اشرفیہ ۱۶/ ۱۵۲، کفایت المفتی قدیم ۸/ ۴۰، جدید زکریا ۸/ ۵۲، جدید زکریا مطول ۱۱/ ۱۳۵، رحیمیہ قدیم ۹/ ۲۵۲، جدید زکریا ۹/ ۱۹۸)

ألا يرى! أنه يزاد في الثمن لأجل الأجل. (هداية، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، اشرفي ۳/ ۷٤، المحيط البرهاني، المجلس العلمي ۱۰/ ۱۸۷، رقم: ۱۲۷۳۸، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ۳/ ۱۱۲، مصري قديم ۲/ ۷۸، هندية زكريا قديم ۳/ ۱٤۲، جديد ۳/ ۱٤۲)

لیکن اس میں یہ صورت کہ اگر ایک ماہ میں قیمت ادا کرو تو دو روپئے اور تین ماہ میں ادا کرو تو تین روپئے، اس طرح جہالت کے ساتھ یہ معاملہ کرنا شرعاً جائز نہیں ہوگا؛ بلکہ عقد کے وقت میں جو قیمت طے ہوگئی ہر حال میں اتنی ہی قیمت ملے گی، خواہ زیادہ سے زیادہ تاخیر ہی کیوں نہ ہو۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۳/ ۲۰، رحیمیہ ۹/ ۲۵۲)

رجل باع على أنه بالنقد بكذا، وبالنسيئة بكذا، وإلى شهر بكذا، وإلى شهرين بكذا، لم يجز كذا فى الخلاصة. (هندية، الباب العاشر في الشروط التي تفسد البيع، والتي لا تفسده، زكريا ۳/ ۱۳٦، جديد ۳/ ۱۳۷، وهكذا في فتح القدير، زكريا ٦/ ۲٤۳، دارالفكر ٦/ ۲٦۲، كوئٹه ٥/ ٤٦۹، الموسوعة الفقهية الكويتية ۲/ ۳۸)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ٦٦٦٥)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۵/۲۰ھ

نقد وادھار معاملہ میں قیمت میں کمی بیشی کرنا

سوال [۸۷۶۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کی پرچون کی دوکان ہے، اگر کوئی شخص اس سے نقد سامان خریدتا ہے، تو اسے کم پیسوں پر دیتا ہے اور جو قیمت فوراً ادا نہیں کرتا ہے اسے قیمت بڑھا کر دیتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ میں جس دوکان سے سامان لاتا ہوں، اگر اس کو بروقت روپئے سامان کے نہیں ادا کرتا ہوں تو وہ مجھ سے ان روپیوں پر سود لیتا ہے، تو اس کو میں اسی سے ادا کروں گا، اپنی جیب سے میں سود ادا نہیں کروں گا، تو سوال یہ ہے کہ ادھار دینے والے کو سامان کی قیمت بڑھا کر دینا اور اپنے سے اوپر بڑی دوکان کو سود دینا شرعاً کیسا ہے؟ مدلل ومفصل جواب مطلوب ہے۔

المستفتی: محمد اخلاق، خوشحال گنجی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مسئولہ میں نقد وادھار میں قیمت کی کمی وزیادتی تو جائز ہے، مثلاً کوئی تاجر ایک چیز نقد لینے والے کو ایک روپئے میں دیتا ہے اور وہی چیز ادھار لینے والے کو دو روپئے میں دے، تو اس میں مضائقہ نہیں، مگر اس کے جواز کے لئے شرط یہ ہے کہ مجلس عقد میں قیمت کی مقدار اور ادائے قیمت کی میعاد مقرر کرلی جائے، بڑی دوکان والوں کے لئے چھوٹی دوکان والوں سے سود لینا جائز نہیں۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۸/۴۰، جدید زکریا ۸/۵۲، جدید زکریا مطول ۱۱/ ۱۳۵، فتاوی رحیمیہ قدیم ۹/۲۵۲، جدید زکریا ۹/ ۱۹۸، فتاوی محمودیہ قدیم ۱۳/۳۳۲، جدید ۱۶/۱۵۲)

ألا یری! أنه یزاد في الثمن لأجل الأجل. (هدایة، کتاب البیوع، باب المرابحة والتولیة، اشرفي ۳/ ۷٤، المحیط البرهاني، المجلس العلمي ۱۰/ ۱۸۷، رقم: ۱۲۷۳۸، مجمع الأنهر، دارالکتب العلمیة بیروت ۳/ ۱۱۲، مصري قدیم ۲/ ۷۸، هندیة زکریا قدیم ۳/ ٤۲۱، جدید ۳/ ۱٤۲)

رجل باع علی أنه بالنقد بکذا، وبالنسیئة بکذا، وإلی شهر بکذا،

وإلى بشهرين بكذا، لم يجز. (هندية، الباب العاشر في الشروط التي تفسد البيع، والتي لا تفسده، زكريا ۳/ ۱۳٦، جديد ۳/ ۱۳۷، وهكذا في فتح القدير، زكريا ٦/ ۲٤۳، دارالفكر ٦/ ۲٦۲، کوئٹه ٥/ ٤٦۹، الموسوعة الفقهية الكويتية ۲/ ۳۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۶۶۴۴)

نقد ۸۰؍روپئے اور ایک ماہ کی ادھاری پر ۸۵؍روپئے میں فروخت کرنا

سوال [۸۷۶۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عمرو کاروباری آدمی ہے، اپنے یہاں مال تیار کرکے فروخت کرتا ہے، جس میں اس کا اصول یہ ہے کہ اگر کوئی خریدار نقد خریدے تو ۸۰؍روپئے کلو اور ایک ماہ کے ادھار پر ۸۵؍روپئے کلو اور دو ماہ کے ادھار پر ۹۰؍روپئے کلو فروخت کرتا ہے، جو کہ بظاہر استحصال ہے، کیا ایسا کرنا جائز ہے؟ اور کیا مذکورہ صورت ربوا میں داخل نہیں؟

المستفتی: مولانا شمیم احمد، مولانا والی مسجد تمبا کو والان، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ صورت میں نقد اور ادھار کے اندر قیمت کی کمی وزیادتی تو جائز ہے، مگر اس کے جواز کے لئے شرط یہ ہے کہ مجلس عقد میں قیمت کی مقدار اور ادائے قیمت کی میعاد متعین کر لی جائے۔ اور اگر احتمالی صورت بیان کر کے عقد کرے تو جائز نہیں۔

رجل باع على أنه بالنقد بكذا، وبالنسيئة بكذا، وإلى شهر بكذا، وإلى بشهرين بكذا، لم يجز، كذا في الخلاصة. (هندية، الباب العاشر في الشروط التي تفسد البيع، والتي لا تفسده، زكريا ۳/ ۱۳٦، جديد ۳/ ۱۳۷، وهكذا في فتح القدير، زكريا ٦/ ۲٤۳، دارالفكر ٦/ ۲٦۲، کوئٹه ٥/ ٤٦۹، الموسوعة الفقهية الكويتية ۲/ ۳۸)

اور مذکورہ صورتیں ربوا میں داخل نہیں بشرطیکہ ان صورتوں میں میعاد ختم ہونے کے بعد مزید اضافہ نہ کیا جاتا ہو۔

ألا يرى! أنه يزاد في الثمن لأجل الأجل. (هداية، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، اشرفي ٣/ ٧٤، المحيط البرهاني، المجلس العلمي ١٠/ ١٨٧، رقم: ١٢٧٣٨، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ١١٢، مصري قديم ٢/ ٧٨، هندية زكريا قديم ٣/ ١٤٢، جديد ٣/ ١٤٢)

ويزاد في الثمن لأجله إذا ذكر الأجل بمقابلة زيادة الثمن قصدا، فاعتبر مالا في المرابحة. (شامي، قبيل مطلب في الكلام على الرد بالغبن الفاحش، زكريا ٧/ ٣٦٢، كراچی ٥/ ١٤٢، البحرالرائق، كوئٹه ٦/ ١١٥، زكريا ٦/ ١٩١)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶ ربیع الثانی ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۱۲۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۶/۴/۱۴۲۰ھ

نقد اور ادھار کی صورت میں قیمتوں کے فرق کا حکم

سوال [۸۷۶۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) کہ گیہوں ۸۰۰/روپئے کوئنٹل ملتا ہے، زید بکر کو ایک کوئنٹل گیہوں اس شرط پر دیتا ہے کہ اگر تم ایک ماہ بعد دوگے تو اسی ریٹ کی قیمت تم کو دینا ہوگی، جب کہ ایک ماہ بعد ۷۰۰/روپئے کوئنٹل گیہوں ملتا ہے، تو کیا زید کا اس طرح بیع کرنا اور اس بھاؤ پر دینا درست ہے یا نہیں؟ (۲) زید بکر کو ایک کوئنٹل گیہوں ادھار اس شرط پر دیتا ہے کہ ۱۲۰۰/روپئے لوں گا، جب کہ ابھی ۱۰۰۰/روپئے کوئنٹل گیہوں ملتا ہے، کیا زید کا ادھار دینے کی وجہ سے زیادہ قیمت لینا درست ہے یا نہیں؟ ربوا تو نہیں؟

المستفتی: محمد منصور عالم

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ دونوں صورتوں میں اس طرح کی خرید وفروخت کرنا جائز ہے، بشرطیکہ بوقت خرید فروخت متعاقدین بیع کے مؤجل ہونے یا نہ ہونے کی تعیین کرکے ایک ثمن پر متفق ہوجائیں۔ اور اگر متعاقدین تأجیل بیع وعدم تأجیل بیع اور تعیین ثمن یا عدم تعیین ثمن کا فیصلہ کرنے سے قبل جدا ہوجائیں، تو اس صورت میں بیع جائز نہ ہوگی، نیز متعاقدین کے مابین جو قیمت طے ہوجائے وہی معتبر ہے، خواہ مارکیٹ میں کوئی اور قیمت ہو؛ لہٰذا بائع مبیع کو مارکیٹ ریٹ پر دے یا مارکیٹ ریٹ پر نہ دیتے ہوئے اپنے متعین کردہ ریٹ پر دے، بہر صورت بیع جائز ہے۔

لأن للأجل شبها بالمبيع، ألا يرى! أنه يزاد في الثمن لأجل الأجل.

(هداية، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، اشرفي ٣/ ٧٤، البحرالرائق، كوئٹه٦/ ١١٥، زكريا ٦/ ١٩١، المحيط البرهاني، المجلس العلمي ١٠/ ١٨٧، رقم: ١٢٧٣٨، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ١١٢، مصري قديم ٢/ ٧٨، هندية زكريا قديم ٣/ ١٤٢، جديد ٣/ ١٤٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸ / محرم الحرام ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۵۹۷۶)

نقد اور ادھار کی قیمت میں فرق کرنا

سوال [۸۷۶۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کی پرچون کی دوکان ہے، نقد سودا پانچ روپے میں ایک کلو دیتا ہے اور ادھار آٹھ یا سات روپے میں ایک کلو دیتا ہے، تو زید کا نقد اور ادھار میں قیمت کا یہ فرق کرنا درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: عبد اللہ مقبرہ دوئم کیت والی مسجد، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ادھار کی وجہ سے قیمت زیادہ لینا اور نقد کی صورت میں قیمت کم لینا جائز اور درست ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۳/۳۳۳، جدید اشرفیہ ۱۶/۱۵۲)

ألا یری! أنه یزاد في الثمن لأجل الأجل. (هداية، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، اشرفي ٣/ ٧٤، شامی، زكريا ٧/ ٣٦٢، كراچی ٥/ ١٤٢، البحر الرائق، كوئٹه ٦/ ١١٥، زكريا ٦/ ١٩١، المحيط البرهاني، المجلس العلمي ١٠/ ١٨٧، رقم: ١٢٧٣٨، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ١١٢، مصري قديم ٢/ ٧٨)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴/۵/۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۴۰۲۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۴/۵/۱۴۱۵ھ

ادھار معاملہ میں کمی وبیشی کا حکم

سوال [۸۷۶۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: لوگ ایسے معاملہ کرتے ہیں کہ تم مجھ سے اس وقت چاول لے جاؤ، اس وقت پندرہ روپئے کے حساب سے لوں گا اگرچہ اس وقت بیس روپئے کیوں نہ ہو۔

المستفتی: محمد اطہر بن عبد الجلیل، ارریہ بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بعض لوگوں کا اس طرح معاملہ کرنا کہ اس وقت چاول لے جاؤ اور اس وقت مثلاً اگہن کے مہینہ میں پندرہ روپئے کے حساب سے چاول لوں گا تو یہ ادھار کی شکل ہے۔ اور ادھار میں کمی زیادتی جائز نہیں ہے۔ اور یہاں ادائے گی کے وقت میں کمی زیادتی لازم آرہی ہے؛ اس لئے جائز نہیں ہے۔ اور اس کے جواز کی صرف یہی شکل

ہے کہ اس وقت تم ایک کوئنٹل چاول لے جاؤ اور اگہن کے مہینہ میں تمہیں ایک ہی کوئنٹل چاول دینے پڑیں گے، چاہے اس وقت چاول کی قیمت کچھ بھی ہو، اس سے کوئی سروکار نہیں۔

وأما بيع المكيل المطعوم بجنسه متفاضلا، وبيع الموزون المطعوم بجنسه متفاضلا –إلى– فلا يجوز بالإجماع. (بدائع الصنائع، كتاب البيوع، مسائل الربا، زكريا ٤/ ٤٠٣، كراچی ٥/ ١٨٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/ ربیع الثانی ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۶۱۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۷/۴/۱۴۲۳ھ

نقد میں کم اور ادھار میں زائد روپئے لینا

سوال [۸۷۶۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک آدمی سلی کا کاروبار اس طرح کرتا ہے کہ نقد ۹۰/ روپئے کلو اور ادھار ۹۲/ روپئے کلو دیتا ہے؛ لیکن اگر ادھار مال کے پیسے ایک ماہ بعد بھی دئے جائیں تب بھی ۹۲/ روپئے کلو کے ہی پیسے لیتا ہے۔ اور دوسرا آدمی اس طرح کاروبار کرتا ہے کہ نقد مال ۹۰/ روپئے کلو اور ادھار ۹۲/ روپئے کلو؛ لیکن ادھار کے ساتھ ساتھ وقت مقرر کرتا ہے، کہ اگر ایک ہفتہ کے اندر پیسے دے دو تب تو یہی قیمت ہے؛ لیکن اگر ایک ہفتہ سے ایک دن بھی آگے بڑھ گیا تو ۹۳/ روپئے کے حساب سے پیسہ لیتا ہے، تو حضرت والا سے درخواست ہے کہ دونوں آدمیوں میں سے کس کا کاروبار جائز ہے اور کس کا حرام؟

المستفتی: مجیب الرحمٰن حیاتی محلہ پیرزادہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سلی کی خریداری میں اس طرح کا معاملہ کرنا کہ نقد ۹۰/

روپئے فی کلواور ادھار ۹۲ روپئے فی کلو ہے؛ لیکن ادھار مال کے پیسے مدت معینہ سے ایک مہینہ تاخیر سے بھی دئے جائیں تب بھی ۹۲ روپئے فی کلو ہی رہے گا، تو اس طرح کا معاملہ شرعی طور پر جائز اور درست ہے، ادائے گی میں تاخیر کی وجہ سے مزید کوئی پیسہ زائد لینا شرعاً جائز نہیں ہے۔

ويزاد في الثمن لأجله إذا ذكر الأجل بمقابلة زيادة الثمن قصدا. (البحرالرائق، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، كوئٹه ٦/ ١١٥، زكريا ٦/ ١٩١، شامي، زكريا ٧/ ٣٦٢، كراچی ٥/ ١٤٢)

ألا يرى! أنه يزاد في الثمن لأجله. (هداية، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، اشرفي ٣/ ٧٤، المحيط البرهاني، المجلس العلمي ١٠/ ١٨٧، رقم: ١٢٧٣٨، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ١١٢، مصري قديم ٢/ ٧٨، هندية زكريا قديم ٢/ ١٤٢، جديد ٢/ ١٤٢)

اور دوسری شکل کہ نقد خریداری میں ۹۰ روپئے فی کلو اور ایک ہفتہ یا ایک مہینہ کی ادھار خریداری میں ۹۲ روپئے فی کلو؛ لیکن اس میں ادائے گی میں ایک دن بھی تاخیر ہو جائے تو ۹۳ روپئے فی کلو تو یہ معاملہ قطعاً جائز نہیں ہے، تاخیر کے عوض میں پیسہ بڑھانا زمانہ جاہلیت کے سود کے مرادف ہے۔

وإن تعذر عليه الأداء زادوا في الحق والأجل، فهذا هو الربى الذي كانوا في الجاهلية يتعاملون به. (تفسير كبير ٧/ ٩١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷ر محرم الحرام ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۶ ۳ /۳۰ ۷۴۳)

۶/ باب المرابحة

شرعاً نفع لینے کی حد کیا ہے؟

سوال [۸۷۶۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: خرید وفروخت پر کتنا نفع لینا بائع کے لئے درست ہے؟ ہمارے چوڑی کا کاروبار ہوتا ہے، بسا اوقات ٹرک میں مال آنے کی وجہ سے چوڑی کے بہت سے بنڈل ٹوٹ جاتے ہیں، جس سے ہمارا بہت سارا نقصان ہوجاتا ہے، ہم اس نقصان کی تلافی کے لئے چوڑیوں کی قیمت میں اضافہ کرکے فروخت کرتے ہیں، جس سے نقصان کی تلافی ہوجائے، حتی کہ بسا اوقات چوڑیوں کی اصلی قیمت سے زیادہ نفع لیتے ہیں، مثلاً سو روپئے کا ایک بنڈل آیا، ہم نے اس کو تین سو روپئے میں یا ڈھائی سو روپئے میں بیچا، تو کیا ایسا کرنا شرعاً درست ہے اور اتنا نفع لینے کی گنجائش ہے؟ اگر نہیں تو پھر کتنا نفع لے سکتے ہیں؟

المستفتی: محمد عزیز فتح پور، چوڑی بازار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: چیزوں کی خرید وفروخت میں نفع لینے کی مقدار شرعاً متعین نہیں ہے، دوگنی قیمت میں بھی بیچنا جائز ہے اور لینے والوں کو لینے اور نہ لینے میں اختیار ہے؛ البتہ بیچنے والے کو جھوٹ سے احتراز لازم ہے کہ خریدنے والے کے سامنے یہ نہ کہا کرے کہ ہم نے اتنے میں خریدا ہے؛ بلکہ اگر مشتری کے سامنے کہنے کی ضرورت پڑ جائے تو خریدار کے سامنے خرچ اور نقصان سب ملا کر کریوں کہا کرے کہ ہم کو اتنے کی پڑ گئی ہے اور یہ نہ کہے کہ اتنے میں خریدی ہے۔

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– أن رسول الله ﷺ قال: من حمل علينا السلاح، فليس منا، ومن غشنا فليس منا. (صحيح مسلم، الإيمان، باب من غشنا فليس منا، النسخة الهندية ۱/ ۷۰، بيت الأفكار، رقم: ۱۰۱)

عن ابن عمر –رضي الله عنه– أن النبي ﷺ قال: إذا كذب العبد تباعد عنه الملک میلا من نتن ما جاء به. (سنن الترمذي، باب ماجاء في الصدق والکذب، النسخة الهندیة ۲/ ۱۸، دارالسلام، رقم: ۱۹۷۲)

عن أنس بن مالک –رضي الله عنه– عن النبي ﷺ قال: أکبر الکبائر: الإشراک بالله، وقتل النفس، وعقوق الوالدین، وقول الزور، أو قال: وشهادة الزور. (صحیح البخاري، التفسیر، باب قول اللّٰه تعالیٰ: ﴿ومن احیاها﴾ النسخة الهندیة ۲/ ۱۰۱۵، رقم: ٦٦٠٦، ف: ٦٨٧١، صحیح مسلم، باب بیان الکبائر وأکبرها، النسخة الهندیة ۱/ ٦٤، بیت الأفکار، رقم: ۸۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/ ذی الحجہ ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۰۸۹۷)

دوگنے نفع پر فروخت کرنے کا حکم

سوال [۸۷٦۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص نے ایک چیز کو پچیس روپئے میں خریدا ہے اوراس کو دوگنی قیمت میں بیچتا ہے، تو کیا دوگنی قیمت میں بیچنا جائز ہے؟

المستفتی: جلال الدین پاکبڑہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفیق: نفع لینے کی کوئی حد متعین نہیں ہے، جتنا لینا چاہے لے سکتا ہے، بشرطیکہ گاہک کو دھوکہ نہ دے۔ (فتاوی رشیدیہ ۵۵۷، جدید مبوب ۵۴۰)

الثمن المسمی: هو الثمن الذي یسمیه ویعینه العاقدان وقت البیع بالتراضي سواء کان مطابقا لقیمته الحقیقیة أو ناقصا عنها أو زائدا علیها.

(شرح المجلة رستم، مکتبه اتحاد دیوبند ۱/ ۷۳، رقم المادة: ۱۵۳)

المرابحة بيع بمثل الثمن الأول وزياة ربح ...... والكل جائز. (هندية، الباب الرابع عشر في المرابحة والتولية والوضيعة، زكريا جديد ۳/ ۱۵٦، قديم ۳/ ۱٦۰، المبسوط للسرخسي، دارالكتب العلمية بيروت ۲۲/ ۷۸، الفقه الإسلامي وأدلته، دارالفكر ٥/ ۳٦۰۰، هدى انٹر نيشنل ديوبند ٤/ ۳٥۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/۴/۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/۳۴۴۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۸/۴/۱۴۱۴ھ

سلنڈر بلیک کرنا

سوال [۸۷٦۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: گیس کمپنیوں نے کچھ عرصہ سے قانون بنایا ہے کہ بیس دن سے پہلے گیس نہیں ملے گا، نیز کھانے پینے کے ہوٹل اور دوکانوں کے لئے ایک نیا سلنڈر بنایا ہے، جس میں گیس بیس کلو ہوتی ہے اور قیمت گھر والے سلنڈر سے دوگنی ہوتی ہے، اب مثلاً زید کا سلنڈر چالیس دن چلتا ہے تو زید کمپنی کے ضابطہ کے مطابق دو سلنڈر لے کر ایک خود رکھ لیتا ہے، دوسرا ہوٹل والے کو سلنڈر کی متعینہ قیمت سے کچھ زائد رقم لے کر بیچ دیتا ہے، تو اس طرح زید کا گیس اور مٹی کا تیل کچھ قیمت زیادہ لے کر فروخت کرنا جس کو اصطلاح میں ''بلیک'' کرنا کہتے ہیں جائز ہے یا نہیں؟ نیز ہوٹل والوں کا اس طرح گیس لینا صحیح ہے یا نہیں؟ ہوٹل والے مجبور ہیں؛ کیوں کہ ہوٹلوں کا گیس جیسا کہ ذکر کیا گیا مہنگا اور کم ہے۔ واضح ہو کہ اس طرح سلنڈر بلیک کرنا گیس کمپنی کی نظر میں جرم ہے؟

المستفتی: محمد زبیر مظاہری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: زید سلنڈر اور تیل خرید نے کے بعد اس کا مالک بن چکا

ہے اور مالک کو اپنی چیز فروخت کرنے کا حق ہے، جس قیمت پر چاہے فروخت کرے؛ لیکن اس کا لحاظ بھی ضروری ہے کہ یہ خلاف قانون ہے، تو پھر ہتک عزت کا خطرہ ہے اور ہتک عزت سے بچنا بھی ضروری ہے؛ اس لئے اس کا لحاظ رکھنا بھی ضروری ہے؛ لیکن اگر ہتک عزت سے بچ کر اس کام میں نفع حاصل کرلیا ہے، تو وہ نفع جائز اور حلال ہے۔

قال اللہ تعالیٰ: وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ. [البقرة: ١٩٥]

عن عروة هو البارقي أن النبي صلى الله عليه وسلم أعطاه دينارا يشترى له به شاة، فاشترى له به شاتين، فباع إحداهما بدينار، فجاء بدينار وشاة، فدعا له بالبركة في بيعه، فكان لو اشترى التراب لربح فيه. (بخاري شريف، كتاب المناقب، النسخة الهندية ١/ ٥١٤، رقم: ٣٥١٣، ف: ٣٦٤٢)

عن ابن عمر -رضي الله عنه- قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا ينبغي لمؤمن أن يذل نفسه قيل: يا رسول الله! وكيف يذل نفسه؟ قال: أن يتعرض من البلاء لما لا يطيق. (المعجم الكبير للبطراني، دار إحياء التراث العربي ١٢/ ٣١٢، رقم: ١٣٥٠٧، مسند البزار، مكتبة العلوم والحكم ٧/ ٢١٨، رقم: ٢٧٩٠، سنن الترمذي، أبواب الفتن، النسخة الهندية ٢/ ٥١، دارالسلام رقم: ٢٢٥٤، سنن ابن ماجة، باب قول الله تعالى: ﴿ياأيها الذين آمنوا عليكم انفسكم﴾ النسخة الهندية ١/ ٢٩٠، دارالسلام، رقم: ٤٠١٦)

ولو باع شيئا مرابحة إن كان الثمن مثليا كالمكيل والموزون جاز البيع إذا كان الربح معلوما سواء كان الربح من جنس الثمن الأول أم لم يكن. (عالمگيري، كتاب البيوع، الباب الرابع عشر في المرابحة والتولية والوضيعة، زكريا قديم ٣/ ١٦٠، جديد ٣/ ١٥٦-١٥٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ ؍رجب ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۳۶۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۷؍۷؍۱۴۲۸ھ

لون پر رکشہ لینے کی جائز شکل

سوال [۸۷۷۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے یہاں آٹو رکشہ چلتے ہیں، اب پچھلے ڈیڑھ سال سے گورنمنٹ نے قانون بنا دیا ہے کہ اب صرف ایس این جی (گیس سے چلنے والے رکشے) ہی چلیں گے، یہ رکشہ بہت مہنگا ہونے کے سبب آدمی اسے خرید نہیں سکتا، رکشہ ایک لاکھ پندرہ ہزار کا ہے، اب مثلاً زید کے پاس پندرہ ہزار روپئے ہیں وہ بینک میں گیا تو بینک نے اس سے کہا کہ تم اپنے پسند کا رکشہ خرید لو ہم تم کو ایک لاکھ کا لون بشکل چیک دیتے ہیں؛ لہٰذا بینک نے ایک لاکھ کا چیک دے دیا اور زید رکشہ لے آیا، اب زید کو ایک لاکھ روپئے چار سال میں ادا کرنے ہیں اور مزید پچیس ہزار بھی ادا کرنے ہیں، تو کیا زید کا مذکورہ عمل جائز ہے یا نہیں؟ واضح ہو کہ اگر زید چاہے کہ چار سال کے بجائے دو سال میں رقم ادا کرے تو بینک اس کو قبول نہیں کرتے۔

المستفتی: محمد زبیر مظاہری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آٹو رکشہ خریدنے کے لئے بینک سے مذکورہ طریقہ سے لون لینا پھر اس لون کے پیسہ سے کمپنی سے آٹو رکشہ خرید لیا جائے تو جب تک بینک کا قرضہ مع سود کے ادا نہ کر دیا جائے اس وقت تک سود کی وعید میں شامل رہے گا، مگر سود کھانے کی وعید نہ ہوگی؛ بلکہ سود دینے کی وعید ہوگی۔

عن جابر –رضی اللّٰہ عنہ– قال: لعن رسول اللّٰہ ﷺ آکل الربو ومؤکلہ، وکاتبہ، وشاهدیہ، وقال: هم سواء. (صحیح مسلم، باب لعن أکل الربو وموکلہ، النسخة الهندیة ۲/ ۲۷، بیت الأفکار، رقم: ۱۵۹۸، سنن أبي داؤد، باب في آکل الربا وموکلہ، النسخة الهندیة ۲/ ۴۷۳، دارالسلام، رقم: ۳۳۳۳)

اوراس وعید اور لعنت سے بچنے کے لئے متبادل شکل یہ ہے کہ بینک جو ایک لاکھ روپئے کا چیک

کاٹ کر دیتا ہے وہ آٹو رکشہ کی کمپنی کو بینک کا آدمی دے دے اور یہ شخص بینک کے توسط سے کمپنی سے آٹو رکشہ نکلوالے، تو ایسی صورت میں یہ ہوگا کہ بینک نے ایک لاکھ میں آٹو رکشہ کمپنی سے خرید کر ایک لاکھ پچیس ہزار روپئے میں اس شخص کے ہاتھ ادھار فروخت کیا جو چار سال میں ادا ہوگا۔ یہ بیع مرابحہ کی ایک جائز شکل ہے، جس کا اختیار کرنا شرعاً جائز ہے۔

المرابحة بمثل الثمن الأول وزيادة ربح -إلى قوله- جائز.

(عالمگيري، كتاب البيوع، الباب الرابع عشر في المرابحة والتولية والوضيعة، زكريا جديد ٣/ ١٥٦، قديم ٣/ ١٦٠، المحيط البرهاني، المجلس العلمي ١٠/ ١٨٣، رقم: ١٢٧٢٩، بدائع الصنائع، زكريا ٤/ ٤٦١، كراچی ٥/ ٢٢٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍رجب ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۳۵۹/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۸/۷/۳ھ

کمیشن پر کتاب لاکر پوری قیمت میں فروخت کرنا

سوال [۸۷۷۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: پرائمری اسکول میں کورس کی کتابیں کمیشن پر لاکر اسکول میں بچوں سے پوری قیمت لینا کیسا ہے؟ شریعت کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: محمد نصیر الدین نور پور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کورس کی کتابیں کمیشن پر لاکر بچوں کو پوری قیمت پر فروخت کرنا جائز ہے؛ اس لئے کہ جو شخص کمیشن پر کتابیں لاتا ہے، وہ اس کا اپنا معاملہ ہے اور پوری قیمت پر نفع کے ساتھ فروخت کرنا اس کا تجارتی نفع ہے جو شرعاً جائز ہے۔

بيع المرابحة: وهو مبادلة المبيع بمثل الثمن الأول وزيادة ربح

معين. (الفقه الإسلامي وأدلته، هدى انٹر نیشنل دیوبند ٤/ ٣٥٧، دارالفكر ٥/ ٣٦٠٠، بدائع الصنائع، زكريا ٤/ ٤٦١، كراچی ٥/ ٢٢٠)

المرابحة نقل ما ملكه بالعقد الأول بالثمن الأول مع زيادة ربح.

(هداية، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، أشرفي ٣/ ٧٠، مختصر القدوري، ص: ٨٠)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍صفر المظفر ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۶۴۹۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۲/۱۶ھ

ایک روپئے کی چیز سو روپئے میں فروخت کرنا

سوال [۸۷۷۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مسئلہ یہ ہے کہ مارکیٹ میں دوکاندار لاکھوں روپئے کا مال خریدتے ہیں اور بیچتے ہیں، کیا دوکاندار روپئے کا مال سو روپئے میں بیچے یا سو روپئے کا مال روپئے میں خریدے تو علماء کرام یہ فرمائیں کہ یہ سو کا مال روپئے میں خریدنا یا روپئے کا مال سو میں بیچنا یہ دوکاندار کے لئے جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: حاجی فرزند صاحب محلہ سرائے ترین، سنبھل

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بائع اور مشتری میں سے ہر ایک کو اختیار رہتا ہے کہ آپسی رضا مندی سے روپئے کی چیز سو روپئے میں بیچے یا خریدے، اسی طرح سو روپئے کا مال روپئے میں بیچے یا خریدے؛ لہٰذا بیچنے والے بیوپاری اور دوکان دار کے درمیان جو بھی طے ہوجائے اس پر بیچنا اور دوکان دار کے لئے خریدنا بلاتردد جائز ہے۔

الثمن المسمى: هو الثمن الذي يسميه ويعينه العاقدان وقت البيع

بالتراضي، سواء كان مطابقا لقيمته الحقيقية، أو ناقصا عنها، أو زائدا عليها. (شرح المجلة رستم، مكتبه اتحاد ديوبند ١/ ٧٣، رقم المادة: ١٥٣)

يجوز للمشتري أن يزيد في الثمن، ويجوز للبائع أن يحط من الثمن، وأن يزيد في المبيع ويلتحق بأصل العقد، ويتعلق الاستحقاق بجميع ذلک. (تبيين الحقائق، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، زكريا ٤/ ٤٤٢، إمداديه ملتان ٤/ ٨٣، هداية، أشرفي ٣/ ٧٥، مختصر القدوري، ص: ٨١، الموسوعة الفقهية الكويتية ٩/ ٢٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ رجب ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۲۰۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۳/۷/۱۴۳۴ھ

بیس ہزار کا مال ۲۴؍ ہزار میں فروخت کرنے کا حکم

سوال [۸۷۷۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں محمد سراج بن محمد حنیف بالا پور ضلع آکولہ برتنوں کا بیوپاری ہوں، اور میری مالی حیثیت اچھی ہے، مجھ سے بہت سارے لوگ ہفتہ واری مال ادھاری سے لیتے ہیں، تو میں ان سے واضح طور پر بتا دیتا ہوں کہ مثلاً میں دوکان سے -/20,000 (بیس ہزار روپئے) میں خریدوں گا اور تمہیں -/24,000 (چوبیس ہزار روپئے) میں دوں گا، اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ میں اس خریدار کو اپنے ساتھ مارکیٹ لے جاتا ہوں، پھر وہ خریدار اپنے پسند کا سامان پسند کر لیتا ہے اور پھر میں اپنے نام سے بل بنوا تا ہوں۔ اور وہ سامان اس کے حوالہ (خریدار کے) کرتا ہوں، پھر -/1,000 (ایک ہزار روپئے) ہفتہ اس سے وصول کرتا ہوں، آیا یہ صورت لین دین کی جائز ہے یا نہیں؟ یہ سود میں تو داخل نہیں ہے؟

المستفتی: محمد سراج بالا پور آکولہ، مہاراشٹر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: یہ بیع مرابحہ ہے، شرعاً اس طرح کی خرید وفروخت جائز ودرست ہے۔

عن أبي بحر عن شيخ لهم، قال: رأيت على علي -رضى الله عنه- إزارا غليظا، قال: اشتريت بخمسة دراهم فمن أربحني فيه درهما، بعته إياه. (السنن الكبرى للبيهقي، البيوع، باب المرابحة، دارالفكر ٨/ ٢٢٩، رقم: ١٠٩٤٤، دارالحديث القاهرة ٥/ ٦٩٧، رقم: ١٠٧٩٤)

المرابحة بيع بمثل الثمن الأول والزيادة. (الفتاوى التاتارخانية، الفصل السادس عشر في بيع المرابحة، زكريا ٩/ ٢٢١، رقم: ١٣١٨٣، المحيط البرهاني، المجلس العلمي ١٠/ ١٨٣، رقم: ١٢٧٢٩، هندية، زكريا قديم ٣/ ١٦٠، جديد ٣/ ١٥٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴ رمضان المبارک ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۲۴۹)

○❖○

۷/ باب التلجئة

"بیع تلجئه" کا مقصد

سوال [۸۷۷۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں نے اپنے والد کی موجودگی میں کپڑے کا کام شروع کیا جس میں کسی طرح کی کوئی مدد میرے والد نے یا بھائیوں نے نہیں کی، بفضلہ تعالیٰ کاروبار میں ترقی ہوتی چلی گئی؛ حتی کہ میں نے ایک مکان اپنی ذاتی کمائی سے والد کی حیات میں خریدا، اس وقت کاروبار میں تیزی سے اتار چڑھاؤ ہوتا تھا، میں نے سوچا کہ خدانخواستہ کبھی مندی آگئی اور مکان بیچنے کی نوبت آگئی تو میرے ساتھ ساتھ میرے بھائی بھی بے گھر ہوجائیں گے۔ اور اگر میرے ساتھ ساتھ بھائیوں کا نام بھی ہوگا تو میں مکان بیچنے سے رک جاؤں گا، یہ سوچ کر میں نے مکان میں بھائیوں کا نام بھی داخل کروایا، اس وقت والد صاحب نے کہا بھی کہ جب سب تیرا ہی ہے تو کسی کا نام داخل مت کرو؛ لیکن میں نے مذکورہ بات کو مدنظر رکھتے ہوئے بھائیوں کا نام بھی داخل کروالیا، اب میرا چھوٹا بھائی کہتا ہے کہ جب کاغذات میں میرا نام ہے، تو مکان میں میرا حصہ ہے، اور میں اپنا حصہ لے کر رہوں گا، حالانکہ میں نے مذکورہ وجہ سے بھائیوں کا نام ڈلوایا تھا، کسی بھائی کو مکان ہدیہ نہیں دیا اور نہ ہی نام ڈلواتے وقت ہدیہ کی نیت تھی، نیت صرف یہ تھی اگر مکان صرف میرے نام پر ہوگا تو تنگی کے وقت میں بیچ دوں گا، تو میرے ساتھ ساتھ میرے بھائی بھی بے گھر ہوجائیں گے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا واقعی مذکورہ وجہ کی بنا پر بھی بھائی کا نام داخل کرنے پر وہ مکان کا حقدار ہے؟ جب کہ بڑے بھائی کہتے ہیں کہ تو نے اپنی محنت سے کما کر سب لیا تھا؛ لہٰذا سب تیرا ہی ہے، تو جب کہے گا ہم مکان خالی کردیں گے، اگر بھائیوں کا حق مکان میں ہے، تو کس کو کتنا ملے گا، ہم تین بھائی ہیں؟

المستفتی: عبدالرشید، احمد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سائل نے سوال نامہ میں بھائیوں کے نام ڈالنے کی جو صورت ذکر فرمائی ہے وہ ''بیع التلجئہ'' کی حدود میں داخل نہیں ہوئی؛ کیوں کہ بیع التلجئہ حکومت یا کسی دشمن یا کسی طاقتور کی طرف سے خطرہ کی بنا پر ہوا کرتی ہے؛ اس لئے یہی سمجھا جائے گا کہ بھائیوں کو بھی مکان میں شریک کرنا مقصد ہے؛ لہٰذا اس میں رجسٹری کے مطابق ان کا بھی حق ہوگا۔

والتلجئة إنما تكون عن إضطرار. (شامي، كتاب البيوع، باب الصرف، مطلب في مبيع التلجئة، زكريا ديوبند ٧/ ٥٤٢، كراچی ٥/ ٢٧٣)

بيع التلجئة: البيع الصوري أن يضطر لإظهار عقد وإبطان غيره مع إرادة ذلک الباطن كأن يظهر بيع داره لابنه لئلا يستولي عليها السلطان.

(معجم لغة الفقهاء، كراچی، ص: ١١٣، قواعد الفقه، أشرفي ٢١٣، معجم المصطلحات والألفاظ الفقهية، دارالفضيلة ١/ ٤٠٥، الموسوعة الفقهية الكويتية ٩/ ٦٢) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍ شوال ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۷۱۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۲؍ ۱۰؍ ۱۴۲۹ھ

بیع تلجئہ

سوال [۸۷۷۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: نذیر احمد ایک سنی مسلمان ہے، اس کی بیوی سے اس کے دولڑکے اور چار لڑکیاں ہیں، نذیر احمد نے اپنی کمائی سے اور اپنے پیسے سے ہلدوانی لائن نمبر: ۱ر محلّہ پنجو پورہ میں زمین کا ایک قطعہ (پلاٹ) خریدا، جس میں ٹین کی چھت کی صرف ایک کوٹھری بنی ہوئی ہے اور اس کوٹھری کے آس پاس صحن کے طور پر کچھ خالی زمین تھی، نذیر احمد نے یہ سب جگہ اپنے ہی پیسے

سے خریدی تھی، اس کے خریدنے میں نذیر احمد کی بیوی مشتری بیگم کا کوئی پیسہ نہیں تھا، مگر نذیر احمد کو چونکہ اپنی بیوی سے بہت محبت تھی؛ اس لئے پیار میں دلداری کی خاطر اس زمین کا بیع نامہ میں نے اپنی بیوی کے نام لکھوادیا تھا، مگر اس کو مالک نہیں بنایا تھا، اس کے بعد نذیر احمد نے اس زمین میں نئے طریقہ سے دومنزلہ مکان تعمیر کیا، اس مکان کی تعمیر میں بھی کل روپیہ صرف نذیر احمد ہی کا خرچ ہوا اوراس کی بیوی مشتری بیگم کا تعمیر میں بھی کوئی پیسہ نہیں لگا، اس مکان کی تعمیر کے بعد مشتری بیگم اپنے شوہر اور بچوں کے ساتھ اس مکان میں رہتی رہی اور پھر کئی سال کے بعد مشتری بیگم کا یکم مئی ۱۹۷۷ء کو انتقال ہوگیا، انتقال سے دو مہینے پہلے یکم مارچ ۱۹۷۷ء کو مشتری بیگم نے اس مذکورہ مکان کے بارے میں ایک وصیت نامہ لکھوادیا، جس میں اس نے کھل کر یہ اقرار کیا ہے اور صاف صاف یہ بات لکھوائی ہے کہ پختہ دومنزلہ مکان جس کا نگر پالیکا نمبر ۳۸۰۵/ ہے، اور جو لائن نمبر: امحلّہ پنچو پورہ ہلدوانی میں ہے، ضلع نینی تال میں واقع ہے، اس مکان کی تعمیر میں اور اس مکان کی جگہ خریدنے میں میرا کوئی پیسہ خرچ نہیں ہوا ہے؛ بلکہ اس کے خریدنے اور تعمیر کرانے میں سارا پیسہ میرے شوہر نذیر احمد نے اپنی کمائی کا لگایا ہے، پیار اور محبت کی وجہ سے صرف بیع نامہ میرے نام لکھوادیا تھا، اس مکان کے اصلی مالک میرے شوہر نذیر احمد ہی ہیں، میں مالک نہیں ہوں۔

مشتری بیگم کے انتقال کے بعد نذیر احمد نے اس دومنزلہ مکان پر ایک سہ منزلہ اپنے پیسے سے اور بھی بنالیا ہے، نذیر احمد کے دو لڑکے: انیس احمد اور رئیس احمد جو مشتری بیگم ہی سے ہیں، یہ دونوں اپنے باپ نذیر احمد سے بدسلوکی اور بدزبانی کرتے ہیں، اس کے ساتھ والد جیسا اچھا سلوک نہیں کرتے، روزانہ شراب پی کر آتے ہیں اور گالی گلوچ کرتے ہیں اور اس مذکورہ مکان کو اپنی ماں کا بتا کر اسمیں اپنا حصہ مانگتے ہیں، جب کہ اصل اور حقیقت یہ ہے کہ اس مکان کی مالک ان کی ماں نہیں تھی، تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ:

(۱) اس صورت میں اس مکان کا اصل مالک صرف نذیر احمد ہی ہے یا اس کی بیوی مشتری بیگم؟

(۲) لڑکوں کا یہ مطالبہ کرنا کہ یہ ہماری ماں کا مکان ہے، ماں کی طرف سے اس میں ہمارا حق

ہے، یہ مطالبہ کرنا شرعاً غلط اور بے بنیاد اور باپ پر ظلم ہے یا نہیں؟

المستفتی: نذیر احمد ولد اللہ بخش، لائن نمبرا رمحلّہ آزادنگر، ہلدوانی نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس طرح نام کردینے کو شریعت کی اصطلاح میں بیع التلجئۃ کہا جاتا ہے۔ اور اس میں جس کے نام کیا جاتا ہے وہ شرعاً مالک نہیں ہوتا؛ اس لئے مذکورہ صورت میں مسمی نذیر احمد کی بیوی مذکورہ زمین وکوٹھری وغیرہ کسی چیز کی شرعاً مالک نہیں ہوتی ہے، اور نہ ہی بعد کے تعمیر کردہ مکان کے کسی حصہ کی مالک ہوتی؛ لہٰذا پوری زمین ومکان سب مسمی نذیر احمد ہی کی ملکیت میں ہیں، اس میں مسماۃ مشتری بیگم کے لڑکے اور دوسرے ورثاء کو مطالبہ کا کوئی حق شرعاً حاصل نہیں ہوسکتا۔

وبيع التلجئة ويأتي متنا في الإقرار، وهو أن يظهر عقدا وهما لايريدانه يلجأ إليه لخوف عدو، وهو ليس ببيع في الحقيقة، بل كالهزل –إلى قوله– ولو تبايعا في العلانية إن اعترفا ببنائه على التلجئة، فالبيع باطل لاتفاقهما أنهما هزلا به. (الدالمختار، كتاب البيوع، باب المصرف، مطلب في بيع التلجئة زكريا ٧/ ٥٤٢، كراچی ٥/ ٢٧٣، بدائع الصنائع كراچی ٥/ ١٧٦، زكريا ٤/ ٣٨٩، المبسوط للسرخسي، دارالكتب العلمية بيروت ٢٤/ ١٢٢، هندية زكريا قديم ٣/ ٢٠٩، جديد ٣/ ١٩٦، قواعد الفقه أشرفي، ص: ٢١٣، الفقه الإسلامي و أدلته، هدى انٹرنيشنل ديوبند ٤/ ١٢٧-١٢٨، دارالفكر ٥/ ٣٣٢٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍رجب المرجب ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/۱۳۲۴)

کسی کے نام سے خریدنے کا حکم

سوال [۸۷۷۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: مسماۃ بشیرن مرحومہ زوجہ جناب عبدالسلام مرحوم صاحب ساکن مرادآباد محلّہ اصالت پورہ اسماعیل روڈ ایک قطعہ مکان کچا غرب رویہ واقع اسماعیل روڈ اصالت پورہ مرادآباد کی تنہا مالک وقابض بذریعہ بیع نامہ بالعوض دین مہر چلی آرہی تھی، انہوں نے اپنے انتقال پر سات پسران دو دختران چھوڑے، مسماۃ بشیرن مرحومہ کاروباری سلسلہ کی وجہ سے مع اہل وعیال کے شہر جالنہ مہاراشٹر میں ہی مقیم رہی۔ ۱۹۷۰ء سے قبل مسماۃ بشیرن مرحومہ مرادآباد اپنے بھائی اللہ بخش مرحوم ودیگر رشتہ داروں کے یہاں آئیں، انہوں نے اپنے بھائی اللہ بخش مرحوم کو مکان مذکورہ کی تعمیر کرانے کے لئے روپئے دے کر تعمیر شروع کروادی، تعمیر کے بعد بھائی اللہ بخش مرحوم نے بہن بشیرن مرحومہ کو بتایا کہ تمہارے مکان کی مکمل تعمیر کرانے میں میرے پاس سے بھی -/5,000 روپئے لگ گئے ہیں، جس پر مسماۃ بشیرن مرحومہ نے کہا کہ یہ -/5,000 روپئے میں جالنہ پہنچ کر بھجوا دوں گی، اس پر بھائی اللہ بخش مرحوم نے کہا کہ زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں ہے، پتہ نہیں زندگی رہی یا نہ رہی آپ یادداشت بطور میرے -/5,000 روپئے کی ایک تحریر لکھ دو؛ لہٰذا اللہ بخش مرحوم بھائی نے اپنی بہن مسماۃ بشیرن مرحومہ کو لے جاکر کچھ کاغذوں پر دستخط وانگوٹھے لگانے کے بعد بہن سے کہا: آپ جاکر -/5,000 روپئے بھیج دوگی تب یہ کاغذ واپس کردوں گا یا پھاڑ دوں گا، مسماۃ بشیرن مرحومہ مکان مذکورہ میں کرایہ دار رکھوانے کے بعد جالنہ چلی گئیں۔

کچھ ہی عرصہ بعد مسماۃ بشیرن مرحومہ بہن نے اپنے لڑکے ولڑکی کی شادی کرنے کے لئے مرادآباد آکر بھائی اللہ بخش مرحوم سے اپنے مکان کے کرایہ دار سے مکان خالی کرنے کے لئے کہا کہ مجھے بچوں کی شادی اپنے مکان مذکورہ سے کرنی ہے، بھائی اللہ بخش مرحوم مکان خالی کرانے کی بات سن سن کر ٹال مٹول کرتے رہے، مزید رشتہ داروں کے ذریعہ کہنے پر اللہ بخش مرحوم بھائی نے کہا کہ میں نے بشیرن مرحومہ سے -/5,000 روپئے قرض کے بعوض تحریر کے بجائے بیع نامہ بحق اپنی زوجہ مسماۃ فاطمہ مرحومہ رجسٹری کرلیا تھا، جس سے میری بیوی مکان کی مالک ہوگئی، یہ سن کر مسماۃ بشیرن مرحومہ کے پسر محمد طاہر نے کچہری جاکر

کاغذات وغیرہ کا معائنہ کرا کرنقل حاصل کر کے قانونی کارروائی کی تیاری شروع کی، مزید مسماۃ بشیرن مرحومہ کی طرف سے بیع نامہ منسوخی کا دعویٰ دائر کر دیا، اس طرح سے کئی مقدمات شروع ہوگئے، جن کا کل خرچ و پیروی تنہا محمد طاہر نے اپنے نجی سرمایہ سے کی جو مقدمات کئی سال تک چلتے رہے، کئی سالوں کے بعد محلّہ کے چند معزز اشخاص نے مقدمات کے اخراجات وفریقین کی پیسے کی بربادی پر غور کرتے ہوئے دونوں فریقین کی رضا مندی سے یہ فیصلہ کیا؛ چونکہ اللہ بخش مرحوم اپنی بہن مسماۃ بشیرن مرحومہ کا مکان کا بیع نامہ اپنی زوجہ مسماۃ فاطمہ مرحومہ کے نام کرا چکے ہیں اور مسماۃ فاطمہ مرحومہ زوجہ اللہ بخش مرحوم مذکورہ مکان کے برابر کے رقبہ کا مین روڈ کا حصہ حال ہی میں مبلغ: -/30,000 روپئے میں فروخت کر چکی ہیں؛ اس لئے پچھلے حصہ کے عوض میں محمد طاہر پسر بشیرن مرحومہ -/27,000 روپئے مسماۃ فاطمہ مرحومہ کو ادا کریں گے اور بیع نامہ اقراری مسماۃ فاطمہ مرحومہ منسوخ ہوکر مقدمہ میں فیصلہ کی درخواست دی جائے گی، مسماۃ بشیرن مرحومہ نے اپنے موجودہ پسران سے -/27,000 روپئے ادا کرنے کے لئے کہا، اس پر موجودہ پسران نے جواب دیا کہ ہمارے پاس روپئے کا انتظام بالکل نہیں ہے، اس کے بعد مسماۃ بشیرن مرحومہ نے اپنے پسر محمد طاہر سے کہا کہ کسی بیٹے نے مقدمہ میں کبھی کوئی روپئے خرچ نہیں کیا اور نہ ہی اپنا وقت کچہری میں لگایا، اب تک کافی روپئے مقدموں میں تیرا خرچ ہوگیا اور مقدمات میں وقت بھی تو نے ہی لگایا؛ لہٰذا -/27,000 روپئے بھی تو ہی ادا کر دے، محمد طاہر نے والدہ مسماۃ بشیرن مرحومہ کے حکم بموجب کچھ روپئے کاروبار میں سے نکال کر اور کچھ زیور نکال کر کل -/27,000 روپئے کا انتظام کر کے مومانی مسماۃ فاطمہ مرحومہ و ماموا للہ بخش مرحوم کو -/27,000 روپئے بھی ادا کر دیئے، اس کے بعد والدہ مسماۃ بشیرن مرحومہ نے اپنے پسر محمد طاہر سے کہا کہ مکان تو نے ہی خریدا ہے، تو اس کا مالک ہے، میں یہ نہیں چاہتی کہ تو مکان اپنے پیسے سے خریدے اور مالک سب بنیں، اکیلا منہ میرا گور میں جائے گا، قیامت کے دن اللہ کو میں کیا جواب دوں گی؟ تو مکان کی لکھت بھی اپنے نام کرالے؛ لہٰذا محمد طاہر نے بیع نامہ کے خرچ سے بچنے

کے لئے مقدمہ میں ہی فیصلہ کی درخواست لگا کر مقدمہ ختم کرادیا، مکان مذکورہ میں محمد طاہر مع اہل وعیال اپنی سکونت کررہا ہے۔

مجھلے گاؤں مہاراشٹر میں مسماۃ بشیرن مرحومہ نے اپنے پسر ابوالکلام کے بچہ کی شادی کے موقع پر اپنے پسران ابوالکلام محمد شمشاد، محمد نوشاد، محمد طاہر کی موجودگی میں مکان مذکورہ کا ذکر کرتے ہوئے محمد طاہر کے تنہا مالک ہونے کی تصدیق کی، مسماۃ بشیرن مرحومہ نے اپنی موت سے چار پانچ دن قبل بھی اپنے پوتے التمش پسر محمد طاہر سے بھی کہا کہ مکان مذکورہ تیرے والد کا ہے۔

محمد نسیم پسر بشیرن مرحومہ اورنگ آباد کی شادی مرادآباد میں ہونے کے موقع پر محمد طاہر نے یہ سوچ کر کہ مکان پر کڑیا پڑی ہیں، اس کو دوبارہ تعمیر کرادوں؛ کیوں کہ شادی کے موقع پر مہمان بھی دیگر شہروں سے آئیں گے؛ لہٰذا مکان مذکورہ کی دوبارہ تعمیرات و بھائی محمد نسیم کی شادی کی تیاری بھی ساتھ ساتھ شروع ہوگئی، محمد نسیم نے اورنگ آباد سے من جملہ ۶۰؍ ہزار روپئے بھیجے، جب کہ شادی میں -/65,000 روپئے کا خرچ محمد طاہر نے کیا، مزید مکان کی کل تعمیرات محمد طاہر نے اپنے سرمایہ سے کی۔

برائے کرم قرآن وحدیث کی روشنی میں مندرجہ بالا حالات کے مدنظر حسب ذیل سوال کے جواب سے آگاہ فرمائیں:

(۱) کیا پسر محمد طاہر مکان مذکورہ کا تنہا مالک بذریعہ والدہ مسماۃ بشیرن مرحومہ ہے؟

(۲) کیا مسماۃ بشیرن مرحومہ کے کسی دیگر وارثوں کو کوئی شرعی حق مکان مذکورہ میں کسی قسم کا یا اس کو فروخت کرنے یا آپس میں ایک دوسرے کو دینے کا پہنچتا ہے؟

المستفتی: محمد طاہر قریشی، اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ کی تفصیل بغور پڑھی گئی، اس کا حاصل یہ نکلا کہ پورا مکان حاصل کرنے میں مکمل رقم محمد طاہر نے اپنے ذاتی پیسے سے ادا کی ہے اور اسی نے اپنے ذاتی پیسے سے پورا مکان واپس خرید لیا ہے؛ اس لئے اس کے نام رجسٹری بیعنامہ کا

انتظام کیا گیا؛ لیکن اس نے رجسٹری خرچ بچانے کے لئے مقدمہ کے ذریعہ اپنے نام ڈگری کرالی ہے، جو بیع نامہ رجسٹری کے قائم مقام ہوجاتا ہے، اوراس نے جو کچھ کیا ہے مکان کی مالک بشیرن کے حکم سے کیا ہے، توایسی صورت میں محمد طاہر ہی تنہا اس کا مالک ہوگا، کسی دیگر وارثین کا اس سے حق متعلق نہ ہوگا۔

الآثار المرتبة على البيع أولا: انتقال الملك يملك المشترى المبيع، ويملك البائع الثمن ويكون ملك المشتري للبيع بمجرد عقد البيع الصحيح، ولا يتوقف على التقابض. (الموسوعة الفقهية ۹/ ۳٦)

ففي قبض العقار تكفي التخلية –إلى قوله– لكن لو أذن البائع للمشتري بقبض الدار والمتاع صح التسليم. (الموسوعة الفقهية ۹/ ٤١)

وحكمه (البيع) فثبوت الملك في المبيع للمشتري، وفي الثمن للبائع إذا كان البيع باتا. (عالمگيري، كتاب البيوع، الباب الأول، زكريا قديم ۳/ ۳، جديد ۳/ ٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۰۸۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۴/۵/۱۴۳۴ھ

نام کردینے سے ملکیت کا حکم

سوال [۸۷۷۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک باپ کی چھ اولادیں ہیں، تین لڑکے، تین لڑکیاں اور ماں باپ، بیت اللہ شریف اس سال حج کے لئے جارہے ہیں، والد کا بہت بڑا شوروم ہے، والد نے سب سے بڑے لڑکے کو کاروبار دیا اور لڑکے نے کاروبار کو برباد کیا اور ماں باپ کا نافرمان ہوگیا اور پارٹیوں کا کافی قرض ہوگیا ہے، باپ نے بہت بڑے لڑکے کو سمجھایا، رشتہ داروں نے سمجھایا

وہ برابری نافرمانی کررہا ہے اوراس کی شادی میں جوخرچ ہوا سسرال والوں کا وہ باپ پر دباؤ ڈالتا ہے اورنوٹس بھجواتا ہے اورخودشراب پیتا ہے اورکافی بینک کا روپیہ قرض ہے اور باپ کی جتنی بھی جائیداد ہے اس جائیداد میں بڑے لڑکے کا نام اورایک چھوٹے لڑکے کا نام پڑا ہوا ہے اور بڑے لڑکے نے دھوکہ دے کر ماں باپ کے کاغذوں پر دستخط کرا کے بینک سے قرض لیا، اب اس صورت میں بڑے لڑکے نے کروڑوں روپئے برباد کیئے، اب بینک کا قرض بڑا لڑکا دینے کا حق دار ہوگا یا باپ ہوگا؟ اورجتنی بھی جائیداد ہے وہ سب باپ نے کما کر بنائی اور صرف بڑے لڑکے کا نام اور چھوٹے لڑکے کا نام ڈلوا دیا، اپنی جائیداد میں اور وہ قرض ادا کرنے سے انکار کررہا ہے، تواس صورت میں جواس کا نام باپ کی جائیداد میں پڑا ہوا ہے تو کیا وہ جائیداد شرعی طور پر بڑے لڑکے کی ہوگی یا باپ کی ہوگی؟ اورقرض بینک کا لڑکا ادا کرے اپنے حصہ سے یا باپ؟ اورابھی دولڑکوں کی شادی باقی ہے، پوری باپ کی جائیداد میں نام دو لڑکوں کا پڑ جانے سے رجسٹری میں تو کیا اس صورت میں شرعی طور پر دونوں لڑکے مالک ہوں گے؟ یا پوری جائیداد باپ کی ہوگی؟ اور بڑا لڑکا شوروم پر قبضہ کیئے ہوئے ہے اورایک مکان پر قبضہ کیئے ہوئے ہے، جب کہ شوروم میں دو بھائیوں کا نام ہے اورمکان میں باپ کا نام اور ماں کا نام ہے، اور ماں بہت بیمار رہتی ہے، حال تک نہیں پوچھتا ہے، کافی ماں باپ کو دکھ ہے، تو ایسی صورت میں باپ چاہتا ہے کہ میری دنیا وآخرت میں کوئی پکڑ نہ ہوتو شریعت کی روشنی میں مسئلہ کی واضح طور پروضاحت کردی جائے شکرگزار رہوں گا۔

المستفتی: محمداسلام ولدعلی احمدمرحوم

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب تک باپ باحیات ہے، پوری جائیداد کا مالک تن تنہا باپ ہی ہے، محض نام کردینے کی وجہ سے بڑالڑکا اور چھوٹا لڑکا اس کی جائیداد کے مالک نہیں ہوتے ، باپ پر لازم ہے کہ سبھی اولاد کے ساتھ برابری کا معاملہ کرے، ورنہ عنداللہ سخت گنہگار ہوگا اور بڑے لڑکے نے جوشوروم اورگھر پر قبضہ جمارکھا ہے، وہ شرعاً ناجائز اور حرام ہے۔ احادیث مبارکہ میں اس پر سخت وعید آئی ہے۔ اور بڑے لڑکے نے دھوکہ دے

کر باپ کے دستخط سے بینک سے جو قرض اٹھایا ہے اس کی ادائے گی بھی اسی پر واجب ہے نہ کہ باپ پر، آخر باپ اتنا غافل کیوں ہے کہ اس کے دستخط کی وجہ سے کروڑوں روپئے کی بربادی ہو رہی ہے؟

وبيع التلجئة هي ما ألجئى إليه الإنسان بغير اختياره، وذلك أن يخاف الرجل السلطان، فيقول لآخر: أني أظهر أني بعت داري منك، وليس ببيع في الحقيقة، وإنما هو تلجئة. (شامي، كتاب البيوع، باب الصرف، مطلب في بيع التلجئة، زكريا ۷/ ۵٤۲، كراچی ٥/ ۲۷۳، معجم لغة الفقهاء، كراچی، ص: ۱۱۳، قواعد الفقه أشرفي ۲۱۳، معجم المصطلحات والألفاظ الفقهية، دارالفضيلة ۱/ ٤۰٥، الموسوعة الفقهية الكويتية ۹/ ٦۲، الفقه الإسلامي وأدلته، هدى انٹرنیشنل دیوبند ٤/ ۱۲۷-۱۲۸، دارالفكر ٥/ ۳۳۲٥، بدائع الصنائع، زكريا ٤/ ۳۸۹، كراچی ٥/ ۱۷٦، المبسوط للسرخسي، دارالكتب العلمية بيروت ۲٤/ ۱۲۲، هندية زكريا قديم ۳/ ۲۰۹، جديد ۳/ ۱۹٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰ر شوال ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۲۷۲/۴۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۱۰/۳۰ھ

محض نام کرنے سے ملکیت کا حکم

سوال [۸۷۷۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میری والدہ کلثوم بیگم کو میری دادی موتی بیگم نے بوقت میری والدہ کے نکاح کے اپنے مکان کو ۳ر سہام پر تقسیم کیا، جو کہ کل مکان ۲۰۰ر میٹر کا ہے، ۳ر سہام میں سے ایک سہام میری والدہ کے مہروں میں لکھ دیا، کلثوم بیگم کے چار لڑکے عبدالودود خان، عبدالمعبود، عبدالرؤف، عبدالشہود خان۔ اور ایک لڑکی مشہودی بیگم ہوئی میرے بھائی عبدالرؤف کی شادی کے موقع پر وہ ایک سہام میری والدہ نے عبدالرؤف کی بیوی کے دین مہر میں لکھا اور

زبانی انہوں نے بتلایا کہ اس کی ملکیت سب بچوں کی ہے جو حصہ عبدالرؤف خان کا اس میں نکلتا ہے وہی ان کی بیوی کے دین مہر میں منتقل ہوگا اور باقی اور بچے حصہ رسد کے مالک ہوں گے؛ کیوں کہ اس وقت کوئی تقسیم نامہ نہیں ہوا تھا، اب میری والدہ کا انتقال ہوگیا، عبدالرؤف خان اس حصہ کو اپنا پورا بتلاتے ہیں؛ کیوں کہ میری والدہ نے دین مہروں میں کیا ہے؟ شریعت کی رو سے اور بہن بھائی اس سہام میں سے حق دار ہوتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: عبدالودود فیض گنج مشرق مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر آپ کی والدہ نے صراحت کے ساتھ یہ بات کہہ دی ہے کہ نام تو پورے سہام کو کیا جارہا ہے، مگر اس میں سے عبدالرؤف خان کی بیوی دین مہر میں صرف عبدالرؤف کے حصہ کے بقدر کی مالک ہوسکتی ہے، گویا دین مہر میں صرف عبدالرؤف خان کے حصہ کے بقدر شامل ہوسکتا ہے، بقیہ دیگر اولاد کو اپنے اپنے حصہ کے بقدر ملے گا۔ اور یہ بات آپ کی والدہ نے شرعی گواہوں کے سامنے کہی ہے۔ اور گواہوں سے والدہ کی یہ بات ثابت ہوئی ہے تو محض نام کردینے سے رؤف خان کی بیوی پورے کی مالک نہ ہوگی؛ بلکہ اس میں سب وارثین کا حق ہوگا اور یہ عقد تلجئہ کے مرادف ہوگا۔

وبيع التلجئة وهو أن يظهر عقدا وهما لا يريدانه يلجأ إليه، وتحته في الشامية: وليس ببيع في الحقيقة، وإنما هو تلجئة ويشهد على ذلك.

(درمختار مع الشامي، كتاب البيوع، باب الصرف، مطلب في بيع التلجئة، زكريا ۷/ ۵٤۲، كراچی ۵/ ۲۷۳، هندية زكريا قديم ۳/ ۲۰۹، جديد ۳/ ۱۹٦، المبسوط للسرخسي، دارالكتب العلمية بيروت ۲٤/ ۱۲۲، بدائع الصنائع، زكريا ٤/ ۳۸۹، كراچی ۵/ ۱۷٦قواعد الفقه أشرفي ۲۱۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/۲/۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/ ۲۳۱۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۵/۲/۱۴۱۴ھ

جائیداد نام کرنے سے ملکیت کا حکم

سوال [۹۷۷۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کا انتقال ہو گیا ورثاء میں پانچ لڑکے اور دو لڑکیاں ہیں، میت نے متفرق جائیدادیں چھوڑیں، ایک جائیداد کی رجسٹری میں سب کا نام ہے، حتی کہ لڑکیوں کا بھی بھائیوں کے برابر حصہ ہے، دوسری جائیداد میں بعض لڑکوں کا نام ہے، لڑکیوں کا نہیں، اسی طرح تیسری اور چوتھی جائیداد میں بھی بعض کا نام ہے، بعض کا نہیں، رجسٹری میں لڑکیوں کا نام نہ لکھنے کی بابت جب میت سے پوچھا گیا تھا تو انہوں نے کہا تھا کہ لڑکیوں کے پاس سسرالی جائیداد کافی ہے؛ اس لئے انہیں ضرورت نہیں۔ واضح رہے کہ یہ تقسیم محض کاغذی تھی، میت کی وفات سے قبل اولاد کا نہ تو اس پر کسی طرح کا قبضہ تھا اور نہ ہی ان کو کسی تصرف کا اختیار تھا، خرید وفروخت اور دیگر تمام امور میں میت خود مختار تھا، اب سوال یہ ہے کہ یہ ہبہ تام ہوا یا نہیں؟ اور مورث کی وفات کے بعد جائیداد کی تقسیم رجسٹری میں لکھائے گئے ناموں کے اعتبار سے ہوگی یا شرعی حصوں کے مطابق؟

المستفتی: محمد نصیر الدین، متعلم دار العلوم دیوبند

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جائیداد کے اولاد کے نام کر دینے کے بارے میں اولاد و شکلیں ہیں: (۱) جائیداد خریدی جارہی ہے اور خریدتے وقت اولادوں میں سے بعض یا کل کے نام سے خریدی جائے اور اس وجہ سے اولاد کے نام سے خریدی جارہی ہے تا کہ قانونی پیچیدگیوں سے حفاظت ہو اور مقصد یہ نہیں ہے کہ اولاد کی ملکیت میں دے دی جائے، اس کو بیع تلجئہ کہا جاتا ہے۔ ایسی صورت میں نام کر دینے کے باوجود اولاد مالک نہیں ہوتی؛ بلکہ مالک خریدنے والے ماں باپ ہی ہوتے ہیں، جیسا کہ درمختار، شامی، مجمع الانہر وغیرہ کی عبارات اس سلسلہ میں واضح ہیں۔ اور اگر خریدتے وقت قانونی پیچیدگیوں سے حفاظت

مقصد نہیں ہے؛ بلکہ انہیں اولادوں کی ملکیت میں دینے کے واسطے انہیں کے نام سے خریدی جارہی ہے، تو یہ بیع تلجیہ کے دائرہ میں داخل نہیں ہے؛ بلکہ اس مقصد سے خرید کر نام کردینے کی صورت میں اولادان جائیدادوں کی مالک ہوجاتی ہے۔

دوسری شکل یہ ہے کہ جائیداد پہلے ہی سے باپ یاماں کی ملکیت میں ہوتی ہے اور ماں باپ یہی چاہتے ہیں کہ اپنی زندگی ہی میں اولاد کے نام منتقل کرکے ان کو مالک بنادیں، اگر اس مقصد کے لئے اولاد کے نام رجسٹری کردی گئی ہے، تو ایسی صورت میں اولاد کے نام رجسٹری کرکے قانونی قبضہ سے دستبردار ہوجانے سے اولاد مالک ہوجاتی ہے اور اولاد کے حق میں قانونی قبضہ حاصل ہوجاتا ہے اور ملک تام حاصل ہونے کے لئے قانونی قبضہ کافی ہے۔ اور جائیداد اور عقار ہونے کی وجہ سے قبضہ حقیقی لازم نہیں، قبضہ حکمی کافی ہے۔ اور قانونی قبضہ قبضہ حکمی ہے اور قانونی قبضہ کے بعد شخص آخر رکاوٹ نہیں بن سکتا، یہی فقہاء کا بنیادی نقطہ ہے۔

ثم لا خلاف بين أصحابنا في أن أصل القبض يحصل بالتخلية في سائر الأموال. (بدائع الصنائع، كتاب البيوع، تفسير التسليم والقبض، زكريا ٤/ ٤٩٨، كراچی ٥/ ٢٤٤)

اتفق الفقهاء على أن قبض العقار يكون بالتخلية والتمكين من اليد والتصرف، فإن لم يتمكن منه بأن منعه شخص آخر من وضع يده عليه، فلا يعتبر التخلية قبضا، كما اشترط الحنفية أن يكون العقار قريبا، فإن كان بعيدا فلا تعتبر التخلية قبضا، وهو رأى الصاحبين؟ وظاهر الرواية والمعتمد في المذهب خلافا لأبي حنيفة. (الموسوعة الفقهية ٣٢/ ٢٥٩)

ولو باع ضيعة في الصحراء وسلمها إليه، فإن كانت قريبة عنه بحيث يتصور فيه القبض الحقيقي في الحال يكون قبضا وإلا فلا، والناس عنه غافلون، وهو الصحيح، وظاهر الرواية. (الحموي على الأشباه كراچی ١/ ٣٢٧)

اس کے بعد اولاد کا باپ کی سرپرستی میں رہنا اور باپ کے حکم کے ماتحت میں چلنا اور باپ کا

اپنے اختیارات چلاتے رہنا اور اولاد کا اس پر اعتراض نہ کرنا محض از قبیل تعظیم ہے، از قبیل تملیک نہیں ہے۔ اور اسی کا عرف اور تعامل جاری ہے، نیز اگر باپ اولاد کے اختیار کے بغیر رجسٹری شدہ جائیداد کو اپنے نام کرانا چاہے تو قانوناً نہیں کراسکتا، پورا اختیار اولاد کو حاصل ہو جاتا ہے۔ سوال نامہ میں جن جائیدادوں کے اولادوں کے نام رجسٹری کر دینے کا ذکر ہے، وہ از قبیل بیع تلجئہ نہیں ہے؛ بلکہ از قبیل تملیک رجسٹری ہے، اس کی دلیل خود سوال نامہ میں موجود ہے کہ جب میت سے لڑکیوں کے نام نہ لکھنے کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا تھا کہ لڑکیوں کے پاس سسرالی جائیداد کافی ہے، یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ مذکورہ رجسٹری از قبیل تلجئہ نہیں ہے؛ بلکہ از قبیل تملیک ہے، ہاں البتہ یہ بات دوسری ہے کہ باپ نے اولاد کے ساتھ یکسانیت کا معاملہ نہیں کیا، بعض کو دیا اور بعض کو نہیں دیا، اسکی وجہ سے باپ گنہگار ہوگا؛ لیکن باپ کی طرف سے تملیک صحیح ہوگئی؛ لہٰذا مرحوم کی وفات کے بعد جو جائیداد جس کے نام سے رجسٹری کی گئی ہے، وہی اس کا مالک ہوگا، اس کے بعد مابقیہ جائیداد اور ترکہ تمام شرعی ورثاء کے درمیان حصص شرعی کے اعتبار سے تقسیم ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ ربیع الاول ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۱۹۲/۳۸)

اولاد کے نام جائیداد خریدنے کا حکم

سوال [۸۷۸۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک صاحب جن کے ایک بیوی سے چار لڑکے ہیں، جن کی عمر گذشتہ وقت میں سات برس سے لے کر بارہ برس کی تھی، ان کے والد نے ایک پلاٹ قریب دس بیگہ کا دہلی روڈ پر ان چاروں کے نام سے خریدا، اس پلاٹ کو خرید کئے ہوئے تقریباً ۲۵ سال ہوگئے، ان کے والد نے اپنے دوسرے لڑکوں کے نام سے بھی جائیداد کی خرید وفروخت کی اور اب بھی

کرتے رہتے ہیں، اس پلاٹ کوقریب پانچ سال قبل ایم ڈی اے نے قبضہ میں لے لیا، ایم ڈی اے سے ان کے والد نے مقدمہ بازی اپنے خرچ سے کی، جس میں تقریباً تین لاکھ روپئے خرچ ہوئے، اس پلاٹ کی دیکھ بھال والد کے ذمہ تھی اوراس کی کاشت وغیرہ کی جو کچھ بھی آمدنی آتی تھی وہ والد کے پاس ہی آتی تھی۔ اور یہ پلاٹ بھی والد ہی کے قبضہ ودخل میں تھا، ان چاروں لڑکوں کی پرورش تعلیم وتربیت والد ہی نے کی ہے، ان لوگوں کی شادی بیاہ بھی والد نے اپنے خرچ سے کی ہیں، اب چاروں بیوی بچے والے ہیں، کچھ عرصہ قبل ان کے والد نے ان چاروں کودولاکھ روپئے فی کس یہ کہہ کردئے کہ تم لوگ میری مرضی وکہنے پرعمل نہیں کرتے ہواور ہر بات میں اپنی من مانی کرتے ہو؛ لہٰذاان روپئے سے جوبھی کاروبارتم لوگ اپنی مرضی سے کرنا چاہتے ہوکرلو۔

ایم ڈی اے سے مقدمہ بازی تقریباً چارسال رہی اور بالآخرایم ڈی اے پربہتر لاکھ روپئے کی ڈگری ہوئی ایم ڈی نے اس ڈگری کے خلاف ہائی کورٹ الہ آباد میں اپیل کردی جوکہ چل رہی ہے، اس کی پیروی وخرچ وغیرہ ان لوگوں کے والد ہی کررہے ہیں، ان چاروں کواس کا پتہ نہ پہلے معلوم تھااورنہ اب ہے، اب والد نے حتی الامکان کوشش کرکے ساڑھے سترہ لاکھ روپئے ایم ڈی سے جمع کرادیا اور واؤچر بنوا کر بڑے لڑکے کودلوادیا، روپئے ملتے ہی ان چاروں لڑکوں نے آپس میں سازباز کی کہ کسی طرح سے یہ روپئے والدکونہ دے کرخود ہڑپ کرلئے جائیں؛ لہٰذاان چاروں نے اپنے بیوی بچوں کوبھی شامل کرکے یہ پلان بنایا کہ آپس میں جھگڑے کاناٹک کیاجائے، بہرحال جب ان کے والد آفس سے فارغ ہوکراپنے کمرے میں آئے تویہ چاروں معہ اپنی بیوی بچوں کے پلان کے مطابق کمرے میں آئے اورآتے ہی جھگڑاشروع کردیا، جب ان کے والد نے ان کوخاموش کرکے یہ معلوم کیا کہ کیا معاملہ ہے؟ تم لوگ آپس میں جھگڑاکس بات پرکررہے ہو؟ توتین لڑکوں نے کہا کہ یہ ہمارابڑا بھائی ہم کو ہمارے روپئے نہیں دیتا، ہم اس کومارڈالیں گے، والد نے اس پرسوچا کہ روپئے ان کے قبضہ میں ہیں اوریہ لوگ بدنیت ہوگئے ہیں، پھربھی والد نے ان تینوں سے کہا کہ تم کواورتمہارے

بڑے بھائی کو روپئے سے کیا مطلب؟ یہ روپئے تو میرے ہیں تمہارے پاس امانت میری ہے اور مجھے یہ روپئے تم کو دینا چاہئے، والد نے یہ بھی کہا کہ میرے دیگر دوسرے لڑکے ہیں ان کے نام سے بھی خرید وفروخت میں کرتا ہوں، جب بھی کسی پلاٹ وغیرہ کی رقم آتی ہے تو وہ لڑکے یہی کہتے ہیں کہ یہ زمین آپ نے ہی خریدی ہے، اس کا ہم سے کوئی تعلق نہیں ہے اور وہ رقم بھی میرے ہی پاس رہتی ہے، لڑکے نہیں لیتے۔

(۲) آپ سے درخواست ہے کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں فتویٰ صادر فرمائیں کہ یہ روپئے جو ان چاروں لڑکوں نے بدنیتی سے ہڑپ کئے ہیں، اگر یہ واپس نہیں کرتے ہیں، تو قیامت کے دن یہ لوگ عذاب کے حق دار ہوں گے یا نہیں؟ جب کہ اس پلاٹ کی خریداری میں ان کا ایک پیسہ بھی نہیں ہے۔

المستفتی: اختر جہاں گلشہید مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: خط کشیدہ عبارات سے واضح ہوتا ہے کہ والد نے مذکورہ جائیداد سوال نامہ میں ذکر کردہ لڑکوں کے نام سے تو خریدی ہے، مگر ان کو باقاعدہ قبضہ دے کر مالک نہیں بنایا، جیسا کہ والد کا اس کی دیکھ بھال اور مقدمہ کے سلسلہ میں بھاگ دوڑ اور اس کے اخراجات وغیرہ خود اپنی طرف سے کرنے سے صاف واضح ہو رہا ہے، اور اس طرح پر کسی کے نام سے خریدنے کو شریعت میں بیع التلجئہ کہا جاتا ہے۔ اور اس طریقہ پر خریداری میں جن کے نام سے خریدا جاتا ہے وہ شرعی طور پر مالک نہیں ہوتے؛ بلکہ مالک وہی ہوتا ہے جو از خود خریدتا ہے؛ اس لئے مذکورہ جائیداد شرعی طور پر والد ہی کی ملکیت میں داخل ہے، جن لڑکوں کے نام سے خریدی ہے وہ اس جائیداد اور اس کی قیمت کے مالک نہیں ہیں؛ لہٰذا ایم ڈی اے کی طرف سے جو رقم ملی ہے اور جو کچھ آئندہ ملنے والی ہے وہ سب کی سب والد ہی کی ملکیت ہے، ان میں مذکورہ لڑکوں کا شرعی طور پر کوئی حق نہیں ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۳/۳۶)

وبيع التلجئة ويأتي متنا في الإقرار، وهو أن يظهر عقدا وهما

لایریدانه یلجأ إلیه لخوف عدو، وهو لیس ببیع في الحقیقة، بل کالهزل .
(الدرالمختار مع الرد، کتاب البیوع، باب المصرف، مطلب في بیع التلئجة زکریا ۷/ ۵٤۲، کراچی ۵/ ۲۷۳، هندیة زکریا قدیم ۳/ ۳۰۹، جدید ۳/ ۱۹٦، المبسوط للسرخسي، دارالکتب العلمیة بیروت ۲٤/ ۱۲۲، بدائع الصنائع زکریا ٤/ ۳۸۹، کراچی ۵/ ۱۷٦، الفقه الإسلامي وأدلته، هدی انٹرنیشنل دیوبند ٤/ ۱۲۷-۱۲۸، دارالفکر ۵/ ۳۳۲۵، الموسوعة الفقهیة الکویتیة ۹/ ٦۲، قواعد الفقه أشرفي، ص: ۲۱۳، معجم لغة الفقهاء، کراچی، ص: ۱۱۳، معجم المصطلحات والألفاظ الفقهیة، دارالفضیلة ۱/ ٤۰۵)

اوراگر مذکورہ لڑکے حیلہ بازی کرکے یاوالد کوایذااورتکلیف پہنچاکران رقوم میں سےکوئی بھی رقم ہڑپ کرلیں گے، تو وہ سب لڑکے عند اللہ سخت گنہگار رہوں گےاور قیامت کے دن سخت ترین عذاب کے مستحق ہوں گے۔اور بہت ممکن ہے کہ دنیا میں بھی تنگدستی کی سزا بھگتنی پڑے۔حدیث میں آیاہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا مندی والد کی رضامندی میں ہے۔اوراللہ تعالیٰ کی ناراضگی والدکی ناراضگی پر ہے۔

قال رسول الله ﷺ: رضی الرب في رضی الوالد، وسخط الرب في سخط والد. الحدیث. (ترمذي شریف ۲/ ۱۲)

ایک ضروری نوٹ:- اسی مسئلہ کے بارے میں ہمارے دارالافتاء سے۹؍رمضان المبارک ۱۴۱۵ھ کومہتاب عالم،خورشید عالم،آفتاب عالم،منظورعالم کے نام سے جوجواب حاصل کیا گیا ہےوہ اس قید سے مقید ہے کہ اگر باپ نےلڑکوں کوقبضہ دےکر مالک بنادیاہے،تب لڑکے مالک ہیں،اب اس سوال سےمعلوم ہواکہ واقعہ اس کے برعکس اور برخلاف ہے؛ اس لئے آج کا لکھا ہوا جواب ہی قابل عمل ہے۔نیز ۱۹؍رمضان کالکھا ہوا جواب اوراس کی وضاحت بھی ساتھ میں منسلک ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیراحمدقاسمی عفااللہ عنہ
۱۶/۱۰/۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر:۳۱/۶/۴۱۷)

لڑکوں کے نام سے جائیداد خریدی تو وہ کس کی ملک ہوگی؟

سوال [۸۷۸۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عرصہ سے زید ایک کرایہ کے مکان میں رہتا تھا، مکان مالک نے اس سے مکان خالی کرنے کو کہا، تو یہ بات طے ہوئی کہ یا تو آپ ۵۰۰۰۰/روپئے دے دیں یا لے لیں، طے یہ ہوا کہ مکان مالک مذکورہ رقم دے کر کرایہ دار کو مکان فروخت کرنے پر راضی ہوگیا، کرایہ دار کے پاس ادا کرنے کے لئے پیسہ نہیں تھے؛ اس لئے اس مقبوضہ مکان میں سے کچھ زمین فروخت کر کے چالیس ہزار روپئے دے دیئے اور دس ہزار روپئے زید کے دو لڑکوں نے ادا کئے اور مکان زید کے دو لڑکوں کے نام رجسٹری ہوگیا۔ دریافت طلب یہ امر ہے کہ باقی بھائی بہنوں اور زید کی بقیہ اولاد کو اس مکان میں سے حصہ ملے گا یا نہیں؟۔

المستفتی: صادق حسین منصوری، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مذکورہ جائیداد خریدتے وقت جن لڑکوں نے دس ہزار روپئے ادا کئے ہیں وہ زید ہی کے ساتھ اس کی فیملی میں رہ چکے ہیں، تو صرف نام کر دینے سے ملکیت ان لڑکوں کی ثابت نہ ہوگی؛ بلکہ پوری ملکیت شرعاً زید کو حاصل ہوگی اور زید کے مرنے کے بعد زید کے تمام ورثاء اس میں شرعی حصوں کے حق دار ہوں گے۔

الأب وابنه يكتسبان في صنعة واحدة ولم يكن لهما شيء، فالكسب كله للأب إن كان الابن في عياله؛ لكونه معينا له. (شامي، كتاب الشركة، مطلب اجتمعا في دار واحدة واكتسبا ولا يعلم التفاوت فهو بينهما بالسوية، زكريا ٦/ ٥٠٢، كراچی ٤/ ٣٢٥، تنقيح الفتاوى الحامدية ٢/ ١٨)

نیز کسی مصلحت سے اولاد میں سے کسی کے نام کر دینے سے جس کے نام کیا جائے وہ مالک

نہیں ہوتا ہے، نیز اگر روپئے دینے والے لڑکے باپ سے الگ تھے تب بھی ان لڑکوں کے لئے ملکیت ثابت نہ ہوگی؛ بلکہ دس ہزار قرض باپ پر اور باپ کی موت کے بعد ورثاء پر ثابت ہوسکتا ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی زکریا ۳/ ۳۸۰)

وبيع التلجئة ويأتي متنا في الإقرار، وهو أن يظهر عقدا وهما لا يريدانه يلجأ إليه لخوف عدو، وهو ليس ببيع في الحقيقة، بل كالهزل.

(الدرالمختار مع الرد، كتاب البيوع، باب الصرف، مطلب في بيع التلجئة زكريا ۷/ ۵٤۲، كراچی ۵/ ۲۷۳، هندية زكريا قديم ۳/ ۲۰۹، جديد ۳/ ۱۹٦، المبسوط للسرخسي، دارالكتب العلمية بيروت ۲٤/ ۱۲۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍ربیع الثانی ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۳۱۵۰)

خوف کے سبب عارضی طور پر کسی کے نام جائیداد

سوال [۸۷۸۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک جائیداد رہائش پذیر اب ۲۹؍سال قبل کسی مصلحت کی بنا پر (یعنی والد صاحب بہت زیادہ مقروض ہوگئے تھے، جائیداد پر حملہ ہونے کا خطرہ تھا؛ اس لئے چچا کے نام ۲-۳ سال کے لئے کردی تھی، میرے والد حاجی مشیت اللہ مرحوم نے اپنے حقیقی بھائی شمس الدین مرحوم کے نام بیچ کر کے رجسٹری کردی تھی اور زبانی طے تھا کہ ۲-۳ سال کے بعد واپس کرنی ہوگی، دونوں فریق اقراری تھے، ۲-۳ سال گذر جانے پر قول وقرار کے مطابق میرے والد صاحب نے اپنی مملوکہ جائیداد واپس لینے کی مانگ کی، چچا نے واپس کرنے سے صاف انکار کردیا۔ ۱۹۶۵ء میں میرے والد مرحوم حاجی مشیت اللہ صاحب کا انتقال ہوگیا، ہم پانچ بھائی چار بہنیں ہیں، سب کے سب شادی شدہ اور حیات ہیں، والد صاحب کے زمانہ سے

اسی آراضی میں مقیم ہیں اور قابض ہیں، نام اس طرح ہیں: انوری بیگم، عبدالوحید، عبدالباری، عبدالسلام، شرافت جہاں بیگم، ریاست علی، عابدہ شاہین، زاہدہ شاہین، خورشید عالم۔

نوٹ:- عبدالوحید الگ مکان میں کرایہ پر رہتے ہیں، ایک بھائی ریاست علی لاہور منتقل ہوگئے ہیں، تین بھائی عبدالباری، عبدالسلام، خورشید عالم اسی مکان میں مقیم ہیں۔ کل آراضی ۴۱۸ رمربع گز ہے، نصف حصہ پر تین منزلہ عمارت ہے اور نصف حصہ میں کھپریل ۱۷ء میں ہم بھائیوں کے بہت زیادہ اصرار پر میرے چچا شمس الدین نے اپنی اولاد کے لئے ۱۳۷ر مربع گز روک کر بقیہ حصہ ۲۸۱ رمربع گز کی ہم تین بھائیوں کے نام وصیت نامہ اور رجسٹری کردی ہے، ۸۰ء میں چچا محترم شمس الدین صاحب کا بھی انتقال ہوگیا ہے۔

الف: اس عمارت میں شرعاً بہن بھائیوں کا حق نکلتا ہے یا نہیں؟ اگر حق نکلتا ہے تو کتنا؟

ب: قانونی طور پر وصیت نامہ کے مطابق ہم تین بھائی عبدالباری، عبدالسلام، خورشید عالم مالک بنتے ہیں، تو ہم بھائیوں میں کس طرح تقسیم ہوگی؟

المستفتی: منجانب خورشید عالم، حاجی مشیت اللہ مرحوم، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر آپ کے والد مرحوم نے دشمن سے حفاظت ہی کی غرض سے چھوٹے بھائی شمس الدین کے نام کردی تھی، تو شمس الدین اس کا مالک نہیں ہوا۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۳/ ۳۷-۳۸)

بيع التلجئة: البيع الصوري، أن يضطر لإظهار عقد وإبطان غيره مع إرادة ذلک الباطن، كأن يظهر بيع داره لابنه لئلا يستولى عليها السلطان.

(معجم لغة الفقهاء، کراچی، ص: ۱۱۳)

بيع التلجئة: هو العقد الذى يباشره إنسان عن ضرورة ويصير كالمدفوع إليه، صورته: أن يقول الرجل لغيره: أبيع داري منک بكذا في الظاهر ولا يكون بيعا في الحقيقة، ويشهد على ذلک وهو

نوع من الهزل. (قواعد الفقه، أشرفي ص: ۲۱۳، معجم المصطلحات والألفاظ الفقهية، دارالفضيلة بيروت ۱/ ۴۰۵)

لہٰذا وہ حاجی مشیت اللہ کی ملکیت ہے، ان کے مرنے کے بعد ان کی اولاد اس کی حق دار ہوگی، صرف تین بھائیوں کے متعلق وصیت نامہ اس لئے صحیح نہیں ہے کہ شمس الدین خود مالک نہیں ہے؛ بلکہ مشیت اللہ مرحوم کی سب اولاد باپ کی پوری ملکیت میں برابر کی شریک ہوں گی۔

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/ ذی الحجہ ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۳۹۰)

غلطی سے دوسرے کے نام رجسٹری ہونے سے ملکیت کا حکم

سوال [۸۷۸۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک باغ کی زمین تقریباً آٹھ آدمیوں کے درمیان مشترک تھی، جن کے نام یہ ہیں: (۱) شہاب الدین (۲) الحسن (۳) ابن حسن (۴) شفیق (۵) مستا (۶) اسرار دو کا نام مجھے فی الوقت یاد نہیں ہے؛ لیکن غلطی سے مذکورہ زمین رجسٹری دوسرے آٹھ آدمیوں کے نام ہوگئی، جن کے نام یہ ہیں: (۱) ہادیہ (۲) حسن (۳) شہادت (۴) صابر (۵) نایاب (۶) اسد۔ ان میں سے بھی دو نام یاد نہیں ہیں، پھر دونوں فریق کے درمیان لگ بھگ ۲۵/ سال سے مقدمہ چل رہا ہے، آخر میں وہ لوگ مقدمہ جیت گئے، جن کے نام غلطی سے رجسٹری ہوگئی تھی، اور جو لوگ اصل مالک تھے وہ ہار گئے، اس کے بعد اصل مالکوں میں سے دو شخص: (۱) الحسن (۲) شفیق اور دو نئے آدمی: (۱) منا (۲) ثمر جھیل نے مل کر مذکورہ زمین ان شرکاء سے خریدی جن کے نام غلطی سے رجسٹری ہوگئی تھی؛ البتہ ان میں سے شہادت نے اپنے حصہ کی زمین فروخت نہ کی؛ بلکہ اپنے حصہ پر قابض رہے، مذکورہ مسئلہ کا قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

نوٹ:- مذکورہ زمین جب مؤخر الذکر چار شخصوں: (۱) الحسن (۲) شفیق (۳) منا (۴) ثمر جھیل نے خریدی، تو بقیہ اصل مالک کو اس معاملہ میں آگاہ کئے بغیر خریدی۔

المستفتی: محمد آصف، ممتاز، آفتاب ہائی وے علی گڑھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اول الذکر آٹھ افراد کی زمین اگر غلطی سے مؤخر الذکر آٹھ افراد کے نام رجسٹری ہوگئی ہے، تو مؤخر الذکر آٹھ افراد شرعاً مذکورہ زمین کے ہرگز مالک نہیں بن سکتے ہیں، وہ زمین شرعاً اول الذکر آٹھ افراد کی ہے، ان کی ملکیت سے وہ زمین نہیں نکلی، اگر مقدمہ مؤخر الذکر آٹھ افراد نے جیت لیا تو ان پر واجب ہے کہ جن کی زمین ہے ان کو واپس کردیں۔

عن أبي حميد الساعدي، أن رسول الله ﷺ قال: لا يحل لامرئ أن يأخذ مال أخيه بغير حقه، وذلك لما حرم الله مال المسلم على المسلم.

(مسند أحمد بن حنبل ٥/ ٤٢٥، رقم: ٢٤٠٠٣)

لا يجوز لأحد أن يأخذ مال أحد بلا سبب شرعي. (قواعد الفقه، أشرفي، ص: ١١٠، رقم: ٢٦٩، هندية زكريا قديم ٢/ ١٦٧، جديد ٢/ ١٨١، الموسوعة الفقهية الكويتية ٢١/ ١١٢، ٢٨/ ٢٦٤، ٣٧/ ٣٥٤)

اور مؤخر الذکر افراد کے مقدمہ جیتنے کی بنا پر مذکورہ زمین فروخت کرنا ہرگز درست نہیں ہے۔ اور نئے جن دو افراد نے زمین خریدی ہے، ان پر پورا کا پورا واپس کردینا واجب ہے۔ اور اصل مالکوں میں سے جن دو افراد نے خریدی ہے، ان پر اپنے حصہ کے بقدر قبضہ کرکے بقیہ واپس کردینا واجب ہے۔ نیز اپنے حصہ کی رقم واپس لینا بھی ان کا حق ہے، اسی طرح نئے دونوں افراد کے لئے زمین واپس کرتے ہوئے اپنی رقم واپس لینے کا حق ہے۔ نیز شہادت پر بھی قبضہ شدہ زمین اصل مالکان کو واپس کردینا لازم ہے۔

لا يجوز لأحد أن يتصرف في ملك الغير بغير إذنه. (قواعد الفقه،

أشرفي، ص: ۱۱۰، رقم: ۲۷۰، شرح المجلة رستم، اتحاد ۱/ ۲ ٦، رقم المادة: ۹۷)
نیز مؤخر الذکر پر مذکورہ زمین کی رقم استعمال کرنا شرعاً حرام ہے۔

صرح الفقهاء بأن من اكتسب مالا بغير حق، فإما أن يكون كسبه بعقد فاسد، كالبيوع الفاسدة -إلى- أو بغير عقد، كالسرقة، والغصب، والخيانة، والغلول، ففي جميع الأحوال المال الحاصل له حرام عليهم -إلى- ولكن إن أخذه من غير عقد ولم يملكه يجب عليه أن يرده على مالكه إن وجد المالك. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارنپور ۱/ ۳۷، دارالبشائر الإسلامية ۱/ ۳۵۹، تحت رقم الحديث: ۵۹، هندية زكريا قديم ۵/ ۳٤۹، جديد ۵/ ٤۰٤، تبيين الحقائق، مكتبة إمداديه ملتان ٦/ ۲۷، زكريا ۷/ ٦۰)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍شوال المکرم ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۴۴۳/۲۵)

مصلحتاً بڑے لڑکے کے نام بیع نامہ کرانے سے ملکیت کا حکم

سوال [۸۷۸۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص نے مکان خریدا اور اپنے بڑے لڑکے کے نام کردیا اور اس کا بیع نامہ قانوناً کردیا، مگر زبانی بڑے لڑکے کو وصیت کردی کہ میرے مرنے کے بعد اپنے سب بھائی بہن کو حصہ دے دینا، اگر بڑا لڑکا باپ کے مرنے کے بعد اس زبانی وصیت سے منحرف ہوکر انکار کردے اور کہے کہ میرے باپ نے قانوناً مکان مجھے دیا ہے میں کسی کو نہیں دوں گا ایسی صورت میں شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے؟ اور بیٹی کا باپ کی جائیداد میں کتنا حصہ ہے؟

المستفتی: امینہ بیگم، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: قانوناً مصلحتاً بڑے لڑکے کے نام بیع نامہ کردینے کی وجہ سے بڑا لڑکا اس کا شرعاً مالک نہیں ہوا ہے؛ بلکہ اس میں حسب وصیت سب ورثاء حق دار ہوں گے۔(مستفاد: امداد الفتاوی زکریا۳/ ۳۷)

وبيع التلجئة ويأتي متنا في الإقرار، وهو أن يظهر عقدا وهما لايريدانه يلجأ إليه لخوف عدو، وهو ليس ببيع في الحقيقة، بل كالهزل .

(الدرالمختار مع الرد، كتاب البيوع، باب المصرف، مطلب في بيع التلجئة زكريا ۷/ ۵۴۲، كراچى ۵/ ۲۷۳، قواعد الفقه أشرفي، ص: ۲۱۳، الموسوعة الفقهية الكويتية ۹/ ۶۲، هندية، زكريا قديم ۳/ ۳۰۹، جديد ۳/ ۱۹۶)

نیز بیٹی کو بیٹے کے مقابلہ میں آدھا ملے گا۔

يُوصِيكُمُ اللّٰهُ فِيٓ اَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ. [النساء: ۱۱] فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/محرم ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۰۸۷)

انکم ٹیکس سے بچنے کی غرض سے کاروبار بیوی بچوں کے نام کرنے کا حکم

سوال [۸۷۸۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مستفتی کاروبار کا بانی بھی ہے اور اس نے جملہ بنیادی سرمایہ بھی لگایا ہے۔ اور ۱۹۴۷ء سے تا ایں یوم تقریباً پینتالیس سال تک مسلسل کاروبار میں مصروف کار بھی ہے اور شروع سے اخیر تک جملہ معاملات میں اس کی مرضی واختیار کو دخل بھی رہا ہے، سوائے مختصر اوقات کے جب کہ وہ اور اس کی زوجہ شدید طور سے علیل ہوگئے تھے، اس نے اپنا سارا وقت

کاروبار میں صرف کیا ہے اور اخراجات میں بھی اس نے اپنی ذات پر کوئی نمایاں رقم صرف نہیں کی ہے اور فرزندان میں سے کسی ایک فرد نے مسلسل محنت کے علاوہ ایک پیسہ سرمایہ کی شکل میں نہیں لگایا ہے، ایسی صورت میں مذکورہ بالا حالات کی بنا پر کاروبار متعلقہ کا مستفتی مالک ہے یا نہیں؟ جب کہ مستفتی نے اپنے پورے کاروبار کو اپنے چار فرزندان اور بیوی کے نام انکم ٹیکس سے بچنے کے لئے کر دیا تھا۔

(۲) اگر دفعہ ایک کا جواب اثبات میں ہو تو فرزندان میں سے کوئی جو رقومات مذکورہ کاروبار سے بلا اجازت مستفتی نکال کر اپنے بچوں کے تصرف میں لے آیا ہے، اس کا یہ فعل جائز ہے یا ناجائز؟ اور وہ اس کی واپسی کا ذمہ دار ہے یا نہیں؟

(۳) اگر فرزندان میں سے کوئی فرزند کوئی شئ مثلاً گاڑی وغیرہ بلا اجازت مستفتی کاروبار مذکور کی منفعت سے حاصل کر کے اپنے استعمال میں لا رہا ہے اور اس کے استعمال میں کاروبار کی جو رقم صرف ہو رہی ہے، اس کا یہ فعل شرع کی روشنی میں کیا حیثیت رکھتا ہے؟

(۴) فرزندان میں سے جس کے یا جن کے قبضہ میں یا تحویل میں کاروبار سے متعلق جو رقومات یا دیگر اشیاء کسی بھی شکل میں اور کسی بھی جگہ موجود ہیں، تو وہ شرعاً مستفتی کی امانت ہیں اور فرزند یا فرزندان متعلقہ اس کو بحیثیت امین مستفتی کے حق میں منتقل کرنے کے یا اس کو واپس کرنے کے ذمہ دار ہیں یا نہیں؟

(۵) علماء کی رائے میں جب فرزندان کے جملہ اخراجات و دیگر ضروریات بشمول شادیاں وغیرہ پر تصرف کی کفالت شروع سے اخیر تک کاروبار مذکور سے ہوتی رہی ہے، تو فرزندان میں سے کوئی حق المحنت کا بھی حق دار نہیں ہے، کیا علماء کی یہ رائے صحیح اور درست ہے؟

(٦) فرزندان اول و دوئم نے جو علیحدہ کاروبار اپنے یا اپنے بیٹوں کے نام سے بلا اجازت مستفتی کرایا ہے اور اس کے پس پشت مستفتی کے کاروبار مذکور کا سرمایہ ہے، وہ دونوں کاروبار اور اس سے جو منفعت حاصل ہوئی ہے وہ مستفتی کے کاروبار کا جزو متصور ہوگا یا نہیں؟ اور وہ جزو مستفتی کے حق میں منتقل یا اس کو ادا کرنے کے فرزندان متعلقہ یا اس کے بیٹے ذمہ دار ہیں یا نہیں؟

(۷) جیسا کہ دفعہ نمبر: ۵ میں عرض کیا گیا ہے، علماء کی رائے میں فرزندان حق المحنت کے بھی مستحق نہیں ہیں، تاہم اگر کسی زاویہ نظر سے مستفتی کے فرزندان بطور حق المحنت منفعت کے کسی جزو کے حق دار ہیں بھی تو فرزندان مذکور میں سے وہ صرف اس کاروبار کے منفعت کے کسی جزو کے حق دار ہیں، جس میں انہوں نے کام کیا ہے یا جملہ فرزندان مجموعی طور سے جملہ کاروبار کے نفع ونقصان کے حق دار یا ذمہ دار ہیں، ہر کاروبار کے نفع ونقصان کا حساب وکتاب علیحدہ علیحدہ مرتب ہوتا رہا ہے۔

(۸) زکوۃ کے سلسلہ میں فرزندان کی جانب سے مستفتی کی ہدایت پر عدم تعمیل کی صورت میں مستفتی شرعی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہو جائے گا یا نہیں؟

المستفتی: عین الحسن نمبر: ۳۰ ؍رانی لچھمی بائی مارگ الگن روڈ کانٹن منیٹ، کانپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) اگر انکم ٹیکس سے حفاظت کی غرض سے مستفتی نے فرزندوں اور بیوی کے نام کاروبار کر دیا ہے اور پھر کاروبار کے جملہ معاملات میں سائل کی مرضی واختیار کا بھی دخل رہا ہے، تو ایسی شکل کو شریعت میں بیع تلجئہ کہا جاتا ہے۔ اور بیع تلجئہ میں جن لوگوں کے نام کیا جاتا ہے وہ لوگ شئ مبیع کے مالک نہیں ہوا کرتے ہیں؛ بلکہ شئ بحالہ اصل مالک کی ملکیت میں رہ جاتی ہے؛ اس لئے سوال نامہ کی درج شدہ شکل میں جمیع کاروبار کا مستفتی خود مالک ہے۔ اور فرزندان اور بیوی کی ملکیت میں کاروبار کا کوئی جزو داخل نہ ہوگا۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۳/ ۳۱)

وبيع التلجئة: وهو أن يظهر عقدا وهما لايريدانه يلجأ إليه لخوف عدو، وهو ليس ببيع في الحقيقة، بل كالهزل. (الدرالمختار مع الرد، كتاب البيوع، باب الصرف، مطلب في بيع التلجئة زكريا ۷/ ۵٤۲، كراچی ۵/ ۲۷۳، هندية، زكريا قديم ۳/ ۳۰۹، جديد ۳/ ۱۹٦، بدائع الصنائع زكريا ٤/ ۳۸۹، كراچی ۵/ ۱۷٦)

بيع التلجئة: البيع الصوري أن يضطر لإظهار عقد وإبطان غيره مع

إرادة ذلک الباطن کأن یظهر بیع داره لابنه لئلا یستولي علیها السلطان. (معجم لغة الفقهاء، کراچی، ص: ۱۱۳، قواعد الفقه، أشرفي ۲۱۳، معجم المصطلحات والألفاظ الفقهیة، دارالفضیلة ۱/ ۴۰۵)

اوراگر بالفرض کاروبار میں باپ کی محنت بہت کم شامل رہی ہے، یا بالکل نہیں رہی، مگر باپ کے زیر تحت کاروبار چل رہا ہے، تب بھی سارے کاروبار اور منافع کا تنہا باپ ہی مالک ہوگا۔

الأب وابنه یکتسبان في صنعة واحدة ولم یکن لهما شيء، فالکسب کله للأب إن کان الابن في عیاله؛ لکونه معینا له. (شامي، کتاب الشرکة، مطلب اجتمعا في دار واحدة واکتسبا ولا یعلم التفاوت فهو بینهما بالسویة، زکریا ۶/ ۵۰۲، کراچی ۴/ ۳۲۵، تنقیح الفتاوی الحامدیة ۲/ ۱۸)

(۲) جب ایک ساتھ ایک فیملی میں مستفتی کے زیر تحت فرزندان رہے ہیں اور فرزندان اپنا وقت باپ کے کاروبار میں لگا رہے ہیں، تو اس درمیان میں سب کے اخراجات کا ذمہ دار مستفتی (باپ) ہی رہا ہے؛ لہٰذا اس دوران باپ نے ان کے بال بچوں کے کماحقہ اخراجات ادا نہیں کئے ہیں، تو بلا اجازت اپنے معیار زندگی کی ضرورت کے بقدر لے کر بال بچوں میں خرچ کرنا جائز تھا۔ حدیث میں اس کی اجازت آئی ہے:

عن عائشة – رضي الله عنه – قالت: دخلت هند بنت عتبة امرأة أبي سفیان – رضي الله عنه – علی رسول الله ﷺ، فقالت: یا رسول الله! إن أبا سفیان رجل شحیح، لا یعطیني من النفقة ما یکفیني، ویکفي بنيّ إلا ما أخذت من ماله بغیر علمه، فهل علي في ذلک من جناح، فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم: خذي من ماله بالمعروف ما یکفیک، ویکفي بنیک. (مسلم شریف، باب قضیة هند، النسخة الهندیة ۲/ ۷۵، بیت الأفکار، رقم: ۱۷۱۴)

(۳) مذکورہ کاروبار سے بلا اجازت جو گاڑی خریدی ہے شرعاً وہ گاڑی خریدنے والے کی ملکیت میں داخل نہ ہوگی؛ بلکہ مستفتی (باپ) ہی اس کا مالک ہوگا، جیسا کہ جواب نمبر: ۱ کی عبارت نمبر: ۲؍ سے واضح ہوتا ہے۔

وبيـع التـلـجئة : وهو أن يظهر عقدا وهما لايريدانه يلجأ إليه لخوف عـدو، وهـو لـيـس ببيـع في الحقيقة، بل كالهزل . (الـدرالـمـختار مع الرد، كتاب البيـوع، بـاب الـمـصرف، مطلب في بيع التلئجة زكريا ٧/ ٥٤٢، كـراچی ٥/ ٢٧٣، هندية، زكريا قديم ٣/ ٣٠٩، جديد ٣/ ١٩٦ ، بدائع الصنائع زكريا ٤/ ٣٨٩، كراچی ٥/ ١٧٦)

بيـع التـلـجئة: البيع الصوري أن يضطر لإظهار عقد وإبطان غيره مع إرادة ذلک البـاطـن كأن يظهر بيع داره لابنه لئلا يستولي عليها السلطان.

(مـعـجم لغة الفقهاء، كراچی ،ص: ١١٣، قواعد الفقه، أشرفي ٢١٣، معجم المصطلحات والألفاظ الفقهية، دارالفضيلة ١/ ٤٠٥)

(۴) جی ہاں یہ سب رقوم مستفتی کوواپس کردینالازم ہے۔

(۵) جی ہاں علماء کی مذکورہ رائے درست اورصحیح ہے۔

(٦) فرزنداول ودوئم نے جوکاروباراپنے اوراپنے فرزندوں کے نام سے الگ قائم کئے ہیں اوراس کا رأس المال اورسرمایہ پہلا کاروبار ہے،جس کا مالک مستفتی ہے،تو اس میں دو صورتیں سامنے آتی ہیں:

(۱)فرزندان دوئم نے یہ کاروبار باپ کی فیملی اور زیرتحت رہ کرقائم کیاہے،توایسی صورت میں ان کے قائم کردہ کاروباربھی مستفتی ہی کی ملکیت میں ہوگا اوراس میں باپ کی وفات کے بعد تمام ورثاءحق دارہوں گے۔

(۲) مذکورہ فرزندان نے باپ سے الگ ہوکرقائم کیا ہے،تو ایسی صورت میں قائم کردہ کاروبار کے مالک وہی فرزندان ہوں گے؛ البتہ اس میں مذکورہ فرزندوں نے باپ کے کاروبارسے جورأس المال اورسرمایہ لے کرلگایاہے،اس کا تاوان ادا کرنا لازم ہوسکتاہے، اس سے زیادہ نہیں۔

(۸) اگرسنین ماضیہ کی زکوۃ حساب لگا کرنہیں دی گئی ہےاوراس سے سبکدوش ہوناچاہتاہے، توتخمینہ لگا کرکچھ زائددے دیں۔(مستفاد:فتاوی دارالعلوم ٦/ ١٤٨)

جب کاروبار میں مستفتی کا اختیار رہا ہے تو مستفتی پر لازم ہے کہ تمام مال میں سے تخمینہ لگا کر سنین ماضیہ کی لازم شدہ زکوۃ ادا کردے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۳۱۹۸)

بیوی کے نام زمین کرانے سے ملکیت کا حکم

سوال [۸۷۸٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص نے اپنے لئے زمین خریدی اور اپنی ہی ملکیت کی وضاحت کرتے ہوئے اپنی بیوی کے نام رجسٹری کرائی اور بعد رجسٹری کے بیوی اپنی ملکیت کو ثابت کرتی ہے، جب کہ شوہر انکار کرتا ہے، تو حکم شرع کیا ہے؟ آیا رجسٹری کو اصل ملک مانیں گے یا شوہر کی ملکیت مانیں گے کہ شوہر نے اپنے لئے ہی خریدا ہے؟ ایسی وضاحت مطلوب ہے جس سے یقین محکم حاصل ہو جائے۔

المستفتی: محمد عمران، کٹیہاری، بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس صورت میں جب کہ شوہر نے اپنے ہی پیسے سے اپنے لئے زمین خریدی ہے اور کسی مصلحت سے بیوی کے نام کرادی تو محض نام کرانے سے وہ زمین بیوی کی ملکیت نہیں ہوتی ہے؛ بلکہ خریدی ہوئی چیز زمین شوہر ہی کی ملکیت ہوگی اور اس کو شریعت کی اصطلاح میں ''بیع التلجئۃ'' کہا جاتا ہے؛ اس لئے کہ کسی کے نام محض رجسٹری کرا دینے سے وہ زمین اس کی نہیں ہو جاتی، جب تک کہ حقیقتاً اس کو مالک بنانے کی نیت سے اس کے قبضہ میں نہ دے دی جائے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۳/ ۳٦-۳۷، فتاوی محمودیہ قدیم ٦/ ۲۸۰، جدید اشرفیہ ۱٦/ ۳۹)

وبيع التلجئة : وهو أن يظهر عقدا وهما لايريدانه يلجأ إليه لخوف عدو، وهو ليس ببيع في الحقيقة، بل كالهزل . (الدرالمختار مع الرد، كتاب البيوع، باب المصرف، مطلب في بيع التلئجة زكريا ۷/ ۲ ٥٤، كراچی ٥/ ۲۷۳، هندية، زكريا قديم ۳/ ۳۰۹، جديد ۳/ ۱۹٦ ، بدائع الصنائع زكريا ٤/ ۳۸۹، كراچی ٥/ ۱۷٦، المبسوط للسرخسي، دارالكتب العلمية بيروت ۲٤/ ۱۲۲)

بيع التلجئة: هو العقد الذى يباشره إنسان عن ضرورة ويصير كالمدفوع إليه، صورته: أن يقول الرجل لغيره: أبيع داري منك بكذا في الظاهر ولا يكون بيعا في الحقيقة، ويشهد على ذلک وهو نوع من الهزل. (قواعد الفقه، أشرفي ص: ۲۱۳، معجم المصطلحات والألفاظ الفقهية، دارالفضيلة بيروت ۱/ ٤۰٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ رجمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۱۳۰)

بیوی بچوں کے نام بیع نامہ کرانے سے ملکیت ثابت نہیں ہوتی

سوال [۸۷۸۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: حافظ عبدالحمید صاحب نے ایک بیع نامہ اپنے دولڑکوں: عبدالباری (اس وقت عمر ۱۲ رسال) وعبدالہادی (اس وقت عمر ۲ رسال) کے نام کرایا تھا، جس کا پیسہ انہوں نے ہی دیا تھا، بعد میں ان کے مزید لڑکے پیدا ہوئے، شرعی طور پر وہ جائیداد جن کے نام ہے، ان کی مانی جاوے گی یا حافظ عبدالحمید (پدر جنہوں نے روپیہ خرچ کیا تھا) کی مانی جاوے گی؟ نیز حافظ عبدالحمید صاحب نے اپنے زمانہ حیات میں بھی کبھی یہ نہیں کہا کہ یہ جائیداد میں نے عبدالباری یا عبدالہادی ہی کے لئے خریدی ہے اور نہ یہ کہا کہ یہ جائیداد میں انہیں کو دیتا

ہوں، یعنی ہبہ بھی نہیں کیا، نیز خریداری کے وقت جائیداد خام تھی، بعد میں کچھ جائیداد حافظ عبدالحمید ہی نے اپنے پیسے سے تعمیر کرائی اور کچھ جائیداد عبدالہادی ودیگرلڑکوں نے تعمیر کرائی اوراس میں تمام لڑکے سکونت پذیر رہے، عبدالباری صاحب نے دیگر مکان خرید کر تعمیر کرلیا اوروہ اسی میں سکونت رکھتے ہیں، اس خریدی ہوئی جائیداد سے سکونت ترک کردی، عبدالباری صاحب کا انتقال ہوگیا، ان کے بچے اس جائیداد میں سکونت پذیر ہیں، عبدالباری صاحب کا یہ کہنا ہے کہ یہ جائیداد ہمارے باپ نے اپنے پیسے سے خریدی تھی، ہم اس وقت نابالغ تھے، ہمارا کوئی پیسہ بھی والدصاحب کے پاس جمع نہیں تھا؛ اس لئے یہ جائیدادتمام بھائیوں کی ہے، عبدالہادی مرحوم نے یاان کے بچوں نے عبدالباری جیسے الفاظ کبھی نہ کہے، وہ اس معاملہ میں خاموش رہے، مکرر یہ ہے کہ حافظ عبدالحمید صاحب بھی اپنی حیات میں یہی کہتے رہے کہ یہ جائیدادمیرے سب بچوں کی ہے۔

المستفتی: محمد یعقوب ومحمد فاروق، پسران حافظ عبدالحمید صاحب مرحوم، باغ بہادرگنج، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شریعت اسلامی میں بیوی یا بچے کے نام بیعانہ کرانے کی وجہ سے ملکیت ثابت نہیں ہوتی ہے؛ بلکہ ملکیت اصل مالک کی باقی رہتی ہے؛ اس لئے مذکورہ صورت میں عبدالحمید نے جس زمین کا بیع نامہ اپنے لڑکے عبدالباری وعبدالہادی کے نام کرایا ہے، وہ عبدالحمید کی ملکیت سے خارج نہیں ہوئی ہے؛ اس لئے اس میں شرعاً عبدالحمید کے تمام ورثاء کا حق وابستہ ہوگا۔ اور کسی کومحروم کرنا جائز نہ ہوگا۔ (مستفاد: امدادالفتاوی ۳/ ۳۷،۳/ ۳۹)

وبيع التلجئة : وهو أن يظهر عقدا وهما لايريدانه يلجأ إليه لخوف عدو، وهو ليس ببيع في الحقيقة، بل كالهزل . (الدرالمختار مع الرد، كتاب البيوع، باب الصرف، مطلب في بيع التلجئة زكريا ٧/ ٥٤٢، كراچی ٥/ ٢٧٣، هندية، زكريا قديم ٣/ ٢٠٩، جديد ٣/ ١٩٦، كتاب البيوع، الباب العشرون في البياعات المكروهة والأرباح الفاسدة، بدائع الصنائع زكريا ٤/ ٣٨٩، كراچی ٥/ ١٧٦، المبسوط

لـلسـرخسي، دارالكتب العلمية بيروت ٢٤/ ١٢٢، الفقه الإسلامي و أدلته، هدى انٹرنيشنل ديو بند ٤/ ١٢٧-١٢٨، دارالفكر ٥/ ٣٣٢٥، الموسوعة الفقهية الكويتية ٩/ ٦٢)

بيـع التـلـجئة: البيع الصوري أن يضطر لإظهار عقد وإبطان غيره مع إرادة ذلک البـاطـن كأن يظهر بيع داره لابنه لئلا يستولي عليها السلطان.

(معجم لغة الفقهاء، كراچی، ص: ١١٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳/ ربیع الاول ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۵۸۶)

بیوی کے نام سے زمین خریدنا

سوال [۸۷۸۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں نے ۱۹۹۰ء میں کبیر نگر رامپور روڈ ریلوے کراسنگ کے نیچے مرادآباد میں دو مکان M.D.A. سے خریدے، ایک اپنے نام ایک اپنی بیوی کے نام، جس کی کل رقم میں نے اپنی جیب سے ادا کی، بیوی کے نام مکان خریدنے کا مقصد بیوی کو مالک بنانا نہیں تھا؛ بلکہ میں سرکاری آدمی تھا، اس لئے ان کے نام مجبوراً لینا پڑا، میں نے دونوں مکان ایک خاتون کو بیوی اور اپنے دستخط کرا کر کچہری میں مختارنامہ کردیا، مکانوں کی رقم ابھی پوری ملی بھی نہیں، بیوی نے میرے ایک دوست جو مکانوں کے بکوانے میں شامل تھے، ان کو ایک پرچہ لکھا تھا کہ یہ مکان میں نے اپنی جیب سے خریدا ہے، جب ان سے کہا گیا کہ رسیدیں اور دستخط دکھاؤ، تو ان کے پاس کوئی جواب نہیں ہے، براہ کرم یہ بتائیں کیا بیوی کو دی جانے والی رقم جائز ہوگی؟

المستفتی: سید اقتدار علی جگر کالونی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر کسی مصلحت کی بنا پر آپ نے اپنی بیوی کے نام سے

مکان خریدا اور یہ مقصد نہیں تھا کہ بیوی کو حقیقی مالک بنانا ہے؛ بلکہ سرکاری اور قانونی پریشانیوں سے بچنے کے لئے یا بیوی کو خوش کرنے کے لئے اس کے نام سے جائیداد خرید لی، تو اس سے شرعی طور پر بیوی جائیداد کی مالک نہیں ہوگی، اس طرح نام کر کے خریداری کو شریعت کی اصطلاح میں ''بیع تلجئہ'' کہا جاتا ہے۔ اور ایسی بیع میں جس کے نام سے خریدا جاتا ہے وہ مالک نہیں ہوتا ہے؛ بلکہ جو خریدتا ہے وہی اصل مالک ہوا کرتا ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۳/ ۳۹)

والإقرار بالبيع تلجئة هي أن يلجئك أن تأتي أمرا باطنه على خلاف ظاهره (وتحته في الشامية) كما لا يجوز بيع التلجئة لا يجوز الإقرار بالتلجئة بأن يقول لآخر: إني أقر لك في العلانية بمال وتواضعا على فساد الإقرار لا يصح إقراره حتى لا يملكه المقر له. (الدر مع الرد، كتاب الإقرار، باب الاستثناء وما فى معناه، زكريا ٨/ ٣٧٧-٣٧٨، كراچى ٥/ ٦٠٨)

بيع التلجئة: البيع الصوري أن يضطر لإظهار عقد وإبطان غيره مع إرادة ذلك الباطن كأن يظهر بيع داره لابنه لئلا يستولي عليها السلطان. (معجم لغة الفقهاء، كراچى، ص: ١١٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍ رجب ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۸۸۹۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۹/ ۷/ ۱۴۲۶ھ

بیوی کی دل جوئی کے لئے مکان اس کے نام سے خریدنے کا حکم

سوال [۸۷۸۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: محمود نے ایک مکان اپنی بیوی اختری بیگم کے نام سے خریدا اور اسی کے نام رجسٹری کرائی، محمود کے اس وقت تین لڑکے اور سات لڑکیاں ہیں، دو لڑکیاں شادی شدہ ہیں، ایک بڑے لڑکے نے اپنی شادی خود کر لی ہے۔ اور ایک چھوٹے بھائی کو قتل بھی کر چکا ہے، دیگر بھائی بہنوں کے ساتھ بھی ظلم وزیادتی کرتا رہتا ہے، پھر اپنی والدہ کو بہلا کر آدھے مکان

(جو میں نے بیوی کے نام سے خریدا تھا) کا اپنے نام بیع نامہ کروالیا، میں نے بیوی سے جب معلومات ہونے پر پوچھا کہ ایسا کیوں کیا؟ تو اس نے کہا مجھے دھمکی دی تھی تو:

(۱) دریافت یہ کرنا ہے کہ بیوی نے جو آدھا مکان بڑے لڑکے کے نام بیع نامہ کر دیا ہے، وہ بڑے لڑکے کا ہو گیا یا نہیں؟

(۲) کیا اس طرح صرف ایک لڑکے کے نام آدھا مکان کر دینے سے بیوی گنہگار ہوگی یا نہیں؟ یا سب کو برابر دینا چاہئے؟

(۳) بڑے لڑکے کا ماں باپ کے ساتھ اور بھائی بہنوں کے ساتھ ظلم وزیادتی کرنا شرعاً کیسا ہے؟ اس کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: محمود حسین پیرزادہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کسی مصلحت کی بنا پر مثلاً بیوی کی دلجوئی یا کسی قانون سے حفاظت کے لئے شوہر کا اپنے پیسے سے بیوی کے نام سے جائیداد خریدنے سے شرعی طور پر بیوی جائیداد کی مالک نہیں ہوتی؛ بلکہ مالک شوہر ہی ہوا کرتا ہے۔ اور اس طرح کی خرید وفروخت کو بیع تلجیہ کہا جاتا ہے؛ لہٰذا مذکورہ صورت میں محمود کی بیوی اختری بیگم اس مکان کی مالک ہی نہیں ہوئی؛ بلکہ مالک محمود ہی ہے؛ لہٰذا بعد میں اختری بیگم کے دستخط کے ذریعہ سے محمود کی اجازت کے بغیر بڑے لڑکے کے نام اس کا بیع نامہ کر دینا شرعی طور پر درست نہیں ہوا؛ اس لئے محمود کو حق ہے کہ اس بیع نامہ اور رجسٹری کو ختم کرا کر مکان اپنی ملکیت میں واپس لے لے، پھر محمود کی مرضی ہے چاہے اپنے پاس رکھے اور چاہے کسی اور کے تصرف میں رکھے، اس میں سوال نامہ کے تینوں اجزاء کا جواب واضح ہو گیا۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۳/ ۳۷، فتاوی محمودیہ قدیم ٦/ ۲۸۰، جدید اشرفیہ ۳۹/۱٦)

وبیع التلجئة: وهو أن يظهر عقدا وهما لايريدانه يلجأ إليه لخوف

عدو، وهو ليس ببيع في الحقيقة، بل كالهزل. (الدرالمختار مع الرد، كتاب البيوع، باب المصرف، مطلب في بيع التلئجة زكريا ٧/ ٥٤٢، كراچی ٥/ ٢٧٣، هندية، زكريا قديم ٣/ ٣٠٩، جديد ٣/ ١٩٦ ، بدائع الصنائع زكريا ٤/ ٣٨٩، كراچی ٥/ ١٧٦، المبسوط للسرخسي، دارالكتب العلمية بيروت ٢٤/ ١٢٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١٩ر محرم الحرام ١٤٢٣ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٦/ ٧٤٤٥)

انکم ٹیکس سے بچنے کے لئے بیوی کے نام جائیداد کرنے کا حکم

سوال [٨٧٩٠]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کو اپنے والد کے ترکہ میں سے ٨٨ر گز کا مکان ملا جس میں سے اس نے چوتھائی حصہ اپنی بیوی کے نام لکھ دیا، کچھ عرصہ بعد زید نے ١٧٥ر گز کا ایک مکان خریدا، مکان خریدنے کے بعد زید کے یہاں انکم ٹیکس کا چھاپا لگا، زید کے وکیل نے مشورہ دیا کہ تم یہ سب مکان اپنی بیوی کے نام کردو، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا، کچھ عرصہ بعد زید کی بیوی کا انتقال ہوگیا، مرحومہ نے ٦ر لڑکیاں اور ٤ر لڑکے چھوڑے۔ دریافت یہ کرنا ہے کہ مذکورہ جائیداد میں زید کا اور بچوں کا شرع کی رو سے کیا حق ہے؟

المستفتی: عبدالستار بھٹی اسٹریٹ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: کسی مصلحت یا قانون سے حفاظت کے لئے شوہر اپنی بیوی کے نام جائیداد کردے، تو بیوی مالک نہیں ہوتی؛ اس لئے جب زید نے انکم ٹیکس سے بچنے کے لئے اپنا ایک سو پچھتر گز کا مکان وقتی طور سے بیوی کے نام کردیا، تو بیوی اس کی مالک نہیں ہوئی؛ بلکہ مالک بدستور زید ہی ہے؛ لہٰذا بیوی کے مرجانے کے بعد اس کے ورثاء میں

مذکورہ ایک سو پچھتر گز کے مکان کی تقسیم نہیں ہوگی؛ کیوں کہ اس جائیداد کا مالک زید ہے۔اور یہ صورت بیع التلجئہ کے تحت ہے؛ لیکن زید نے جو دوسرے اٹھاسی گز مکان میں سے چوتھائی حصہ اپنی بیوی کو دے کر مالک بنا دیا تو بیوی اس کی مالک ہوگئی؛ لہٰذا بیوی کے مرنے کے بعد اب چوتھائی حصہ میں جس کی وہ مالک تھی جائیداد تقسیم ہوگی۔(مستفاد: امداد الفتاوی ۳/ ۳۷، فتاوی محمودیہ ٦/ ۲۸۰، جدید اشرفیہ ۱٦/ ۳۹)

وبيع التلجئة : وهو أن يظهر عقدا وهما لايريدانه يلجأ إليه لخوف عدو، وهو ليس ببيع في الحقيقة، بل كالهزل. (الدرالمختار مع الرد، كتاب البيوع، مطلب بيع التلجئة، زكريا ٧/ ٥٤٢، كراچی ٥/ ٢٧٣، وهكذا في الفقه الإسلامي وأدلته، هدى انٹر نيشنل ديوبند ٤/ ١٢٧-١٢٨، دارالفكر ٥/ ٣٣٢٥، الموسوعة الفقهية الكويتية ٩/ ٢٩٦، هندية، زكريا قديم ٣/ ٣٠٩، جديد ٣/ ١٩٦، معجم لغة الفقهاء، كراچی ص: ١١٣، قواعد الفقه أشرفی، ص: ٢١٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم صفر ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳٦/ ۷۴۸۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱/ ۲/ ۱۴۲۳ھ

بیوی کے نام مکان خریدنے سے کیا وہ مالک ہوجائے گی؟

سوال [۸۷۹۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں نے اپنا مکان ۱۹۵۰ء میں اپنی بیوی کے نام سے خریدا تھا، میرے پانچ بیٹے اور ایک بیٹی ہے، سبھی حیات ہیں۔ مکان خریدنے کے وقت دس سال بعد میرے بڑے لڑکے نے مکان کو مبلغ:-/1,000 میں گروی رکھ دیا، جس کو تین سال بعد میرے تیسرے لڑکے نے چھڑا لیا، مکان چھڑانے کے بعد اب کچھ سالوں سے وہ یہ کہتا ہے کہ میں نے اس مکان کا آدھا حصہ اپنی ماں سے اپنے نام کرا رکھا ہے، اور وہ مکان کے آدھے حصہ پر قابض بھی ہے،

باقی آدھا حصہ تم چاروں بھائیوں کا ہے اور میرا بھی ہے، میرے سبھی لڑکوں اور بیٹی کی شادی ہوچکی ہے، جس وقت میرے بڑے لڑکے نے مکان گروی کاروبار کے لئے رکھا تھا، اس وقت میرے چھوٹے دونوں بیٹے بہت چھوٹے تھے جو کہ اب شادی شدہ ہیں اور وہ اس مکان کے بقیہ آدھے حصے میں رہتے ہیں جو کہ انہوں نے اپنے پیسے سے بنوایا ہے، میرے ان دونوں چھوٹے بیٹوں کو میرے بڑے لڑکے بہت پریشان کرتے ہیں، میری آپ سے گزارش ہے کہ اس مکان کو شرعاً کس طرح تقسیم کیا جائے؟

کل آراضی پچاسی گز ہے اور لڑکوں کے نام مندرجہ ذیل ہیں: (١) اشتیاق حسین (٢) اشفاق حسین (٣) مختار حسین (٤) ممتاز حسین (٥) انتظار حسین، ایک لڑکی زاہدہ خاتون۔

المستفتی: مشتاق حسین، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر آپ نے اپنے ذاتی پیسہ سے بیوی کے نام سے خریدا ہے، تو شرعاً اس طرح بیوی کے نام سے خریدنے سے بیوی مالک نہیں ہوئی؛ اس لئے شرعاً مذکورہ مکان کے آپ ازخود مالک ہیں، آپ کے مرنے پر آپ کے تمام ورثاء اس مکان میں بطور وارث شریک ہوں گے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ٣/ ٣٧-٣٩)

اور اس طرح خریداری کو بیع التلجئہ کہا جاتا ہے اور اس میں ملکیت اسی کی ثابت ہوتی ہے جو خریدتا ہے اور اپنا پیسہ ادا کرتا ہے۔

وبيع التلجئة: وهو أن يظهر عقدا وهما لايريدانه يلجأ إليه لخوف عدو، وهو ليس ببيع في الحقيقة، بل كالهزل. (الدرالمختار مع الرد، كتاب البيوع، باب الصرف، مطلب بيع التلجئة، زكريا ٧/ ٥٤٢، كراچی ٥/ ٢٧٣، وهكذا في الهندية، زكريا قديم ٣/ ٢٠٩، جديد ٣/ ١٩٦، بدائع الصنائع، زكريا ٤/ ٣٨٩، كراچی ٥/ ١٧٦، معجم المصطلحات والألفاظ الفقهية، دارالفضيلة ١/ ٤٠٥، قواعد الفقه، أشرفي، ص: ٢١٣، معجم لغة الفقهاء، كراچی ص: ١١٣)

نیز اگر جس وقت مذکورہ مکان کو رہن میں رکھا گیا تھا اور پھر چھڑوایا گیا تھا، اس وقت رہن میں رکھنے والے اور چھڑانے والے دونوں لڑکے آپ کے زیر تحت رہے ہیں، تو شرعاً دونوں کو آپ کی طرف سے بطور وکیل معین کے کام کرنے والے سمجھے جائیں گے اور سارا تصرف شرعاً آپ کی ملکیت میں ہوا ہے۔

الأب وابنه يكتسبان في صنعة واحدة ولم يكن لهما شيء، فالكسب كله للأب إن كان الابن في عياله؛ لكونه معينا له. (شامي، كتاب الشركة، مطلب اجتمعا في دار واحدة واكتسبا ولا يعلم التفاوت فهو بينهما بالسوية، زكريا ٦/ ٥٠٢، كراچی ٤/ ٣٢٥، تنقيح الفتاوى الحامدية ٢/ ١٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶ر ربیع الثانی ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/۲۶۴۴)

بیوی کے نام سے جائیداد خریدنے کا حکم

سوال [۸۷۹۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: گلزار احمد نے ۱۹۴۸ء میں مسماۃ رئیسہ خاتون سے شادی کی اور اپنے روپیوں سے آراضی مسماۃ رئیسہ خاتون کے نام سے خریدی، بعدہ گلزار احمد نے دوسری شادی مسماۃ صابرہ خاتون سے کی، جنہوں نے اپنے خرچ سے افتادہ آراضی میں مکان بنوایا، جس کے بعد رئیسہ خاتون کا انتقال ہوگیا، جنہوں نے بعد اپنی وفات چار لڑکے: رئیس احمد، ظہیر احمد عرف بھولا، انیس احمد، حسین احمد اور ایک لڑکی مسماۃ شاکرہ خاتون اور شوہر گلزار احمد چھوڑے، جو بقید حیات ہیں، نیز آراضی افتادہ پر مکان بنوانے والی مسماۃ صابرہ خاتون بھی بقید حیات ہیں، جس کی بھی دو لڑکیاں ہیں، گلبہار اور ناظمہ خاتون اور چار لڑکے: ذوالفقار احمد، گلشاد احمد، دلشاد احمد اور رخسار احمد شوہر موصوف گلزار احمد سے ہیں، ایسی صورت میں مناسب فتویٰ بروئے

شریعت دے کر ممنون فرمائیں کہ تعمیر شدہ مکان میں کیسے کتنا کتنا حق پہنچتا ہے؟ عین نوازش ہوگی۔

المستفتی: گلزار محمد گوئیاں باغ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: محض بیوی کے نام جائیداد وآراضی خرید نے سے بیوی شرعاً مالک نہیں ہوتی؛ اس لئے مذکورہ آراضی کا مالک گلزار احمد ہی ہوگا۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۳/ ۳۷، ۳/ ۳۹)

وبيع التلجئة : وهو أن يظهر عقدا وهما لايريدانه يلجأ إليه لخوف عدو، وهو ليس ببيع في الحقيقة، بل كالهزل. (الدرالمختار مع الرد، كتاب البيوع، باب الصرف، مطلب بيع التلئجة، زكريا ٧/ ٥٤٢، كراچی ٥/ ٢٧٣، كوئٹه ٤/ ٢٧٣، هندية، زكريا قديم ٣/ ٢٠٩، جديد ٣/ ١٩٦)

لہٰذا فی الحال اس کی تقسیم کی بھی ضرورت نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴ ر صفر ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۵۱۸)

قانونی مصلحت کی بناپر بہن کے نام رجسٹری کرانے سے ملکیت کا حکم

سوال [۸۷۹۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص نے جو کہ اپنے بہنوئی کا پارٹنر بھی ہے، اس نے ذاتی طور پر اپنے لئے ایک جگہ خریدی اور اس جگہ کو اپنی بیوی اور بہن کے نام سے اس لئے کرالیا کہ اس میں سرکاری اور قانونی طور پر کوئی مصلحت تھی اور یہ بھی کہا کہ اس زمین میں نفع کا دس فیصد اپنی بہن کو دوں گا، اس مذکورہ بیان وسچائی پر گواہ بھی موجود ہیں، اس کے باوجود کچھ دنوں کے بعد اس شخص کے بھانجے اس زمین میں اپنی ماں کی پارٹنری کا مطالبہ کرتے ہیں، کیا ان لوگوں کے

لئے اس طرح کا دعویٰ کرنا درست ہے؟

المستفتی: محمد ارشد اشتیاق، متعلم مدرسۃ الجنۃ، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ذاتی طور پر اپنے پیسہ سے خریدتے وقت قانونی پیچیدگی سے بچنے کے لئے بیوی یا بہن کے نام رجسٹری کرنے کی وجہ سے خریدار کی ملکیت سے الگ نہیں ہوتا ہے اور ایسی خریداری کو بیع تلجئہ کہا جاتا ہے، جس میں شرعی طور پر وہ لوگ مالک نہیں ہوتے ہیں، جن کا نام رجسٹری میں درج کر دیا جاتا ہے۔ اور شرعی طور پر مالک وہی ہوتا ہے جس نے اپنے پیسہ سے خریدا ہو؛ لیکن سوال نامہ میں ساتھ ہی یہ بھی لکھا ہے کہ ''اس کے منافع سے دس فیصد دیں گے''۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ زمین کے دس فیصد میں مالک بنانا مقصود ہے؛ اس لئے بہن یا بہن کے بچوں کا دس فیصدی کا مطالبہ کرنا اس تحریر کی روشنی میں درست ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۳/۳۱)

وبيع التلجئة هي ما ألجئ إليه الإنسان بغير اختياره، وذلک أن يخاف الرجل السلطان، فيقول لآخر: أني أظهر أني بعت داري منک، وليس ببيع في الحقيقة، وإنما هي تلجئة. (شامي، كتاب البيوع، باب الصرف، مطلب في بيع التلجئة، زكريا ۷/ ۵٤۲، كراچی ٥/ ۲۷٤)

عن أبي يوسفؒ في رجلين قالا: ما اشترينا من شيء فهو بيننا نصفان، فهو جائز. (تاتارخانية، زكريا ۷/ ٤۷۰، برقم: ۱۰۹۰۹)

شركة الملک لا تبطل أي لا يبطل الاشتراک فيها بل يبقى المال مشتركا بين الحي وورثة الميت. (شامي، كتاب الشركة، مطلب يرجح القياس، زكريا ٦/ ٥٠٤، كراچی ٤/ ۳۲۷)

ووجوب أدائه عند طلب مالكه، وشرعية الإيداع إن الله يأمركم أن تؤدوا الأمانات إلى أهلها. (مجمع الأنهر، كتاب الوديعة، دارالكتب العلمية بيروت

۳/ ٤٦٧، مصري قديم ۲/ ۳۳۸، هندية، زكريا قديم ٤/ ۳۳۸، جديد ٤/ ۳٤۹)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶؍شوال ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۴۹۲/۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۱۰/۲۶ھ

بڑے بھائی کے نام بیع نامہ ہونے کے باوجود دوسرا بھائی حق دار

سوال [۸۷۹۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرے بڑے بھائی محمد مہربان اور میں محمد فرقان نے مل کر ایک پلاٹ ۷۰؍گز لگ بھگ تھا، گنگا سرن بھٹنا گر ایڈوکیٹ سے خرید کیا تھا، معاہدہ کے وقت اس کی کل قیمت ۱۱۰۰۰؍ روپئے طے ہوئی۔ مالک کو -/5000 روپئے دے کر معاہدہ کرلیا تھا، جس میں -/3000 روپئے بڑے بھائی نے اور -/2000 روپئے میں نے دیئے تھے، ہم دونوں بھائیوں میں آپس میں بہت میل تھا اور مجھے اپنے بڑے بھائی پر پورا بھروسہ تھا؛ اس لئے معاہدہ میں صرف بڑے بھائی کا نام ہی لکھوادیا گیا؛ کیوں کہ بڑے بھائی کو رہنے کی پریشانی تھی اور ان کی مالی حالت بہت کمزور تھی؛ اس لئے عارضی طور پر چاردیواری کرا کر میں نے اوپر ٹین شیڈ ڈلوادیا تھا، جس میں -/3000 روپئے خرچ ہوا تھا، جو میں نے اپنے پاس سے دیئے، اس کے علاوہ -/1600 روپئے ان کو ضرورت پڑنے پر دیئے تھے؛ لہٰذا جس وقت اس کا مختار نامہ ہوا بھائی نے مجھ سے روپیوں کے لئے کہا، تو میں نے ان سے کہا کہ میرے آپ کے پاس -/6600 روپئے پہنچ چکے، آپ اس میں سے میرے حصے کے روپئے جمع کردیں؛ کیوں کہ -/11000 کل قیمت کے آدھے -/5500 روپئے ہوتے ہیں، اس طرح میرے حصہ کی آدھی سے زیادہ قیمت ان کے پاس پہنچ چکی تھی۔

بہرکیف آپسی بھروسہ کی وجہ سے مختار نامہ میں بڑے بھائی کا نام لکھوا دیا تھا؛ کیوں کہ بڑے

بھائی برابراس میں رہتے رہے ہیں، میں کرایہ کے مکان پر رہتا تھا، اس درمیان میں مکان مالک نے مجھ سے مکان خالی کرنے کے لئے کہا، تو مجھے اس کی فکر ہوئی، میں نے بڑے بھائی سے مشورہ کیا، تو انہوں نے کہا یہ زمین آدھی تمہاری ہے، اس پر اپنا مکان بناؤ اور رہو؛ کیوں کرایہ دیتے ہو، میری بڑی بہن اور چچا وغیرہ سے بھی میرے بڑے بھائی نے کہا کہ محمد فرقان سے کہو کہ کیوں پریشان ہوتا ہے، اب اس کی زمین موجود ہے، تو اس میں مکان بنوا کر رہے، پھر میں نے اپنے زیور وغیرہ فروخت کر کے اور کچھ قرض لیکر اس جگہ پر -/75,000 روپئے خرچ کئے، پہلے بڑے بھائی کے لئے نیچے کا لینٹر ڈلوایا اس کے بعد اپنے رہنے کے لئے اوپر کمرہ بنوایا، اس کے بعد وہاں رہنے لگا، بڑے بھائی کے بھروسہ کی وجہ سے میں نے کسی قسم کی کوئی بھی تحریر نہ تو گنگاسرن سے لی اور نہ ہی بڑے بھائی سے اب تک حاصل کی، اب جب کہ بڑے بھائی کے بار بار اصرار کرنے پر میں نے اپنا کافی روپیہ اس جگہ پر لگا دیا، بڑے بھائی مجھ سے یہ کہتے ہیں کہ اس میں تمہارا کچھ نہیں، یہ ساری زمین میرے نام ہے، میں اس معاملہ کو عدالت میں لے جانا نہیں چاہتا، کوئی شرعی تصفیہ اس میں چاہتا ہوں، اس زمین کے بارے میں میرے چچا جناب عثمان صاحب اور میرے سب سے بڑے بھائی محمد عمران کو بھی معلوم ہے، اور میرے بڑے بہنوئی علی حسین مرحوم نے ساری کارروائی اس زمین کی خریداری وغیرہ کی کرائی تھی، میری بڑی بہنیں بھی یہ بات جانتی ہیں۔ آپ مجھے شرعی مشورہ دیں، مجھے کیا کرنا ہے؟

المستفتی: محمد فرقان، لال باغ نئی آبادی، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب دونوں بھائیوں نے مشترکہ طور پر خریدا ہے اور پیسے بھی دونوں بھائیوں کے خرچ ہوئے ہیں اور سوال نامہ کے اعتبار سے ایک بھائی کے اوپر پانچ ہزار پانچ سو روپئے آئے ہیں، جب چھوٹے بھائی نے پانچ ہزار پانچ سو کے بجائے چھ ہزار چھ سو دے دیئے تو گیارہ سو روپئے زیادہ پہنچے اور ایسے حالات میں بڑے

بھائی پر بھروسہ واعتماد کی بنا پر بیع نامہ میں صرف بڑے بھائی کے نام ڈال دینے کی وجہ سے تنہا وہ مالک نہیں ہوگا؛ بلکہ مالک دونوں بھائی برابر کے ہیں۔ اور نیز بڑے بھائی کا یہ کہنا کہ اس میں آدھی زمین تمہاری ہے، اس پر تم اپنا مکان بناؤ یہ بھی اس بات کا ثبوت ہے کہ بڑا بھائی بھی آدھا حصہ چھوٹے بھائی کا تسلیم کرتا تھا اور پھر چھوٹے بھائی کا اس کے اوپر پچھتر ہزار روپئے خرچ کر کے تعمیر کروانا اور اس تعمیر کے لئے بڑے بھائی کی طرف سے ترغیب دینا یہ مشترکہ ہونے کا ثبوت ہے؛ لہٰذا اب بڑے بھائی کا محض اس وجہ سے انکار کر دینا کہ بیع نامہ میں صرف میرا ہی نام پڑا ہے، جائز نہیں ہے؛ بلکہ دونوں کا حق برابر کا ہے۔ اور پھر تعمیر میں جو خرچ ہوا ہے، اس کے ذمہ دار بھی دونوں برابر کے ہوں گے، محض بیع نامہ میں نام ڈلوانے سے پورا مکان بڑے بھائی کی ملکیت میں نہیں ہوسکتا۔ (مستفاد: امداد المفتیین /۸۹۰، احسن الفتاوی ۶/۴۰۰، امداد الفتاوی ۳/ ۳۸)

وبيع التلجئة : وهو أن يظهر عقدا وهما لايريدانه يلجأ إليه لخوف عدو، وهو ليس ببيع في الحقيقة، بل كالهزل. (درمختار، كتاب البيوع، باب الصرف، مطلب بيع التلئجة، زكريا ۷/ ۵٤۲، كراچی ۵/ ۲۷۳، هندية، زكريا قديم ۳/ ۲۰۹، جديد ۳/ ۱۹٦، المبسوط للسرخسي، دارالكتب العلمية بيروت ۲٤/ ۱۲۲، بدائع الصنائع، زكريا ٤/ ۳۸۹، كراچی ۵/ ۱۷٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍ جمادی الثانیہ ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۷۳۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲/ ۷/ ۱۴۲۳ھ

❑❖❑

۸/ باب الصرف

سونے کی ادھار بیع کا حکم

سوال [۸۷۹۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کے پاس پندرہ ہزار -/15,000 روپئے کی رقم تھی، جس سے وہ اپنی ایک عزیزہ کی شادی کے لئے سونا خرید کر رکھنا چاہتا تھا؛ کیوں کہ سونے کی قیمتیں بہت تیزی سے بڑھ رہی تھیں، اس وقت بکر کو کاروبار کے سلسلہ میں رقم کی ضرورت تھی، بکر نے زید سے کہا کہ تم مجھے پندرہ ہزار روپئے ابھی دیدو اور سونے کی قیمت جو بھی ہو ایک سال بعد میں تمہیں دو تولہ سونا دے دوں گا، زید اور بکر کا اس طرح کا معاملہ کرنا درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: حکیم محمد مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سونے کی بیع کرنسی کے عوض میں ادھار جائز ہے؛ اس لئے پندرہ ہزار روپئے کے بدلے سونے کی ادھار بیع درست ہوگئی؛ لہٰذا وعدہ کے مطابق مقررہ وقت پر پندرہ ہزار روپئے کے عوض میں دو تولہ سونا دینا جائز ہے۔

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: المسلمون علی شروطھم.

(ترمذي، الأحكام، باب ما ذكر عن رسول الله صلى الله عليه وسلم في الصلح بين الناس، النسخة الهندية ١/ ٢٥١، دارالسلام، رقم: ١٣٥٢، المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي، بيروت ١٧/ ٢٢، رقم: ٣٠، سنن الدارقطني البيوع، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ٢٣، رقم: ٢٨٦٩، المستدرك للحاكم، مكتبه نزار مصطفى الباز بيروت ٧/ ٢٥٢٣، رقم: ٧٠٥٩، قديم ٤/ ١٠١)

سئل الحانوتي عن بيع الذهب بالفلوس نسيئة، فأجاب بأنه يجوز إذا

قبض أحد البدلین. (شامي، کتاب البیوع، باب الربا، مطلب في استقراض الدراہم عددا، کراچی ۵/ ۱۸۰، زکریا ۷/ ۴۱۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰؍ ربیع الاول ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۳۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۶/ ۴/ ۱۴۳۲ھ

سونے اور چاندی کے زیورات کی ادھار خرید وفروخت کا حکم

سوال [۸۷۹۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) کیا چاندی اور سونے کی یا پھر چاندی اور سونے کے زیورات کی ادھار خرید وفروخت قطعی ناجائز ہے؟ (۲) کیا چاندی اور سونے کے زیورات کی ادھار خرید وفروخت ایک معینہ مدت کے لئے جائز ہے؟

المستفتی: ماسٹر افتخار احمد علوی، چوہان بانگر، دہلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ملک میں رائج نوٹوں اور سکوں کے ذریعہ سونے چاندی اور ان کے زیورات کی ادھار خرید وفروخت شرعاً جائز ہے؛ لیکن اگر سونے کے بدلے سونے یا چاندی کے بدلے چاندی کو خریدا جائے یا بیچا جائے تو اس وقت ادھار خرید وفروخت ناجائز ہوگی۔

سئل الحانوتي عن بیع الذہب بالفلوس نسیئۃ، فأجاب بأنہ یجوز إذا قبض أحد البدلین. (شامي، کتاب البیوع، باب الربا، مطلب في استقراض الدراہم عددا، زکریا ۷/ ۴۱۴، کراچی ۵/ ۱۸۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍ ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۲۵۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۳/ ۴/ ۱۴۲۸ھ

سونے چاندی کی ادھار بیع وشراء کی شرعی حیثیت

سوال [۸۷۹۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: سونے چاندی کی ادھار بیع وشراء جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد افتخار سیندھولی، شاہجہاں پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سونے چاندی کی ادھار بیع وشراء جائز ہے۔

وإن اشترى خاتم فضة أو خاتم ذهب فيه فص، أو ليس فيه فص بكذا فلسا وليست الفلوس عنده، فهو جائز تقابضا قبل التفرق، أولم يتقابضا؛ لأن هذا بيع وليس بصرف. (عالمگيري، كتاب الصرف، الباب الثاني، الفصل الثالث في بيع الفلوس، زكريا قديم ۳/ ۲۲٤، جديد ۳/ ۲۰۹، المبسوط للسرخسي، دارالكتب العلمية بيروت ١٤/ ٢٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳ر محرم الحرام ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۴۲۵)

قسطوں پر سونے چاندی کی خرید وفروخت کا حکم

سوال [۸۷۹۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: سونا چاندی قسطوں پر خریدنا جائز ہے یا نہیں؟ مثلاً زید نے عمر کے پاس سے رقم لے کر سونا خریدا اور پھر عمر کو اتنی رقم قسطوں پر ادا کرے، تو ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد زبیر مظاہری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سونا چاندی خریدنا چونکہ بیع صرف میں داخل ہے اور بیع

صرف میں مبیع اور ثمن پر عاقدین کا مجلس میں قبضہ کرنا ضروری ہے۔ اور قسطوں پر خرید نے سے ثمن ادھار ہوتا ہے۔ اور مشتری بعد میں تھوڑا تھوڑا ثمن ادا کرتا ہے؛ اس لئے سونا چاندی قسطوں پر خریدنا جائز نہیں۔

ویشترط عدم التأجيل، والخيار، والتقابض بالبراجم لا بالتخلية قبل الافتراق، وفي الشامي: أي افتراق المتعاقدين بأبدانهما، والتقييد بالعاقدين يعم المالكين والنائبين، وتقييد الفرقة بالأبدان يفيد عموم اعتبار المجلس، وهو شرط بقائه صحيحا على الصحيح. (شامي، كتاب البيوع، باب الصرف، كراچی ٥/ ٢٥٧-٢٥٨، زكريا ٧/ ٥٢١، سكب الأنهر في شرح ملتقى الأبحر، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ١٦١، تاتارخانية، زكريا ١٠/ ٤-٥، رقم: ١٣٨٧٨)

ہاں البتہ کسی سے رقم بطور قرض لے لی جائے اور اس سے نقد سونا خرید لیا جائے اور قرض کی رقم قسطوں پر ادا کی جائے جس پر کوئی سود نہ ہو تو جائز ہے اور درست ہے۔

﴿وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ﴾ الآية. المراد به الإمهال والتأخير. (روح المعاني، سورة البقرة، تحت رقم الآية: ٢٨٠، زكريا ديوبند ٣/ ٨٧)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍رجب ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۳۶۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۸/۷/۱۴۲۸ھ

سونے کو سونے کے عوض چاندی کو چاندی کے عوض کمی بیشی کے ساتھ فروخت کرنا

سوال [۸۷۹۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میری ایک چاندی سونے کی دوکان ہے، اس میں بہت سے گراہک ایسے آتے ہیں جو پرانے زیورات لے کر آتے ہیں، بعض دفعہ وہ پرانے زیورات ٹوٹے پھوٹے ہوتے ہیں اور بعض دفعہ ٹوٹے نہیں ہوتے؛ لیکن پرانے ہوتے ہیں، جن کو گلا کر ہم نئے

زیورات بنواتے ہیں، آپ کو معلوم ہوگا سونے چاندی کے جو زیورات بنتے ہیں وہ خالص سونا چاندی سے نہیں بن سکتے، ہر جوڑ پر ٹانکا دوسری کئی دھاتوں کو ملا کر ایک دھات بنتی ہے، جس کے ذریعہ لگتا ہے، مثلاً دس گرام کا کوئی زیور ہے، تو ایک گرام اس میں ٹانکا والی دھات ہوتی ہے، اسی وجہ سے جب ہم خریدتے ہیں تو اس چاندی یا سونے کے علاوہ والی دھات کو گھٹا کر اصل چاندی کی قیمت دیتے ہیں، یا کوئی زیور دیتے ہیں، اسی طرح جب مال فروخت کرتے ہیں، تو اس میں بھی ٹانکا والی دھات چاندی سونے کے علاوہ موجود ہوتی ہے؛ لیکن جتنے وزن کا پورا زیور ہوتا ہے، اتنی ہی چاندی یا سونے کی قیمت لیتے ہیں، ٹانکا والی دھات کو گھٹا کر قیمت نہیں لیتے ،اسی کو کردا سے تعبیر کیا جاتا ہے، واضح رہے کہ ہر چاندی اور سونا میں کتنی دھات ٹانکے والی ہوتی ہے، اس کو ہم ایک پتھر (کسوٹی) کے ذریعہ پتہ لگا لیتے ہیں، اسی حساب سے کردا کاٹتے ہیں، تو دریافت یہ کرنا ہے کہ اس طرح کردا کاٹ کر پرانی چاندی سونے کے بدلہ میں نئے زیورات دینا یا رقم دینا درست ہے یا نہیں؟ یا شریعت نے کوئی دوسری شکل بتائی ہو تو وہ تحریر فرمادیں۔

المستفتی: محمد اعلم، سیتاپور (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کردا کاٹ کر چاندی کو چاندی کے بدلہ میں یا سونے کو سونے کے بدلہ میں لین دین کرنا کمی زیادتی کے ساتھ جائز نہیں ہے؛ البتہ اگر کردا کاٹ کر لینے میں عوض میں روپئے دیا جائے اور دینے میں روپئے لیا جائے تو جائز ہوسکتا ہے۔

فإن باع فضة بفضة، وذهبا بذهب لا يجوز إلا مثلا بمثل، وإن اختلفت في الجودة والصياغة (وقوله) وإن باع الذهب بالفضة جاز التفاضل لعدم المجانسة. (هداية، كتاب الصرف، أشرفي ٣/ ١٠٤) **فقط واللہ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ ذیقعدہ ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۲۰۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۵/۱۱/۱۴۱۵ھ

۲۰/ ہزار کے زیورات ۲۴/ ہزار میں فروخت کرنے کا حکم

سوال [۸۸۰۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بہت سارے لوگ مجھ سے ادھاری میں سونا (زیورات) مانگتے ہیں، میں ان سے بھی واضح طور پر کہہ دیتا ہوں کہ دوکان سے میں مثلاً: -/20,000 روپئے کا سونا خریدوں گا اور تمہیں -/24,000 (چوبیس ہزار روپئے) میں دوں گا، اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ میں سونا خریدکران کے حوالہ کردیتا ہوں، اور ہر ہفتہ -/1,000 (ایک ہزار روپئے) وصول کرتا ہوں، یہ صورت جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد سراج بالاپورآ کولہ، مہاراشٹر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: روپئے، پیسے، فلوس کی طرح ثمن عرفی ہیں، ثمن حقیقی نہیں۔ اور سونا چاندی کو فلوس کے عوض میں ادھار فروخت کرنا اور ادھار خریدنا جائز اور درست ہے؛ اس لئے روپئے پیسے اور کرنسی کے عوض میں بھی ادھار خرید وفروخت شرعاً جائز ہے؛ لہٰذا سوال نامہ میں جو شکل لکھی ہے وہ شرعاً جائز اور درست ہے، جو فقہاء کی عبارات سے واضح ہوتا ہے:

وإذا اشترى الرجل فلوسا بدراهم، ونقد الثمن ولم تكن الفلوس عند البائع، فالبيع جائز؛ لأن الفلوس الرائجة ثمن كالنقود، وقد بينا أن حكم العقد في الثمن وجوبها ووجودها معا، ولا يشترط قيامها في ملك بائعها لصحة العقد كما لا يشترط ذلك في الدراهم والدنانير -إلى- وبيع الفلوس بالدراهم ليس بصرف. (المبسوط للسرخسي بيروت ١٤/ ٢٤، هندية، كتاب الصرف، الباب الثاني، الفصل الثالث في بيع الفلوس، زكريا قديم ٣/ ٢٢٤، جديد ٣/ ٢٠٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴/ رمضان المبارک ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۲۴۹)

ریال کا تبادلہ اس سے کم مالیت کے سکوں سے کرنے کا حکم

سوال [۸۸۰۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) سعودی وغیرہ میں گاڑی وغیرہ کی پارکنگ کے لئے ریال سکے کی شکل میں درکار ہوتے ہیں؛ لیکن بہت مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ ریال نوٹ کی شکل میں ہوتا ہے، سکہ حاصل کرنے کے لئے نوٹ دے کر سکہ کم لینا پڑتا ہے، تو کیا اس طریقہ سے تبادلہ شرعاً درست ہے یا نہیں؟ سود کی تعریف تو اس پر صادق نہیں آرہی ہے۔

(۲) جیسے اپنے یہاں ہندوستان میں لوگوں کو ریزگاری روپیوں کی ضرورت ہوتی ہے، مثلاً ہوٹل والوں کو پھیری کرنے والے کو ۱۰۰/ کا نوٹ دے کر ۹۵/ روپئے ریزگاری نکال لیتے ہیں، ایسا کرنا شرعاً کیا حکم رکھتا ہے؟

المستفتی: محمد راشد فتح پوری، متعلم جامعہ عربیہ معراج العلوم چیتا کیمپ، ممبئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱-۲) ریال ہوں یا ہندوستانی نوٹ ان کا تبادلہ اگر اسی ملک کے سکوں سے کیا جائے تو ریال کی مالیت کے بقدر سکے سے تبادلہ لازم ہے، اسی طرح ہندوستانی سو روپئے کے نوٹ کا سو روپئے کے سکے سے تبادلہ لازم ہے۔ اور ۹۰/ روپئے کے سکوں سے تبادلہ ناجائز ہے، اسی طرح ریال کا تبادلہ اس سے کم مالیت کے سکوں سے جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: فقہی مقالات زمزم بک ڈپو ۳۱، ومسائل سود/ ۱۷۵)

علة القدر مع الجنس فإن وجدا حرم الفضل والنساء، وإن عدما حلا، وإن وجد أحدهما حل الفضل، وحرم النساء. (درمختار مع الشامي، باب الربا، کراچی ٥/ ١٧٢، زکریا ٧/ ٤٠٣-٤٠٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/ ربیع الاول ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۰۱۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۷/ ۳/ ۱۴۳۴ھ

دوملکوں کی کرنسیوں کے کمی بیشی کے ساتھ تبادلہ کا حکم

سوال [۸۸۰۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: سعودی ریال کے پانچ سو روپئے کے نوٹ کی قیمت فی الحال -/57000 روپئے ہے، ایک شخص نے دوسرے شخص سے پانچ سو کا نوٹ -/6,000 میں اس لئے لیا ہے کہ وہ رقم تین چار ماہ کے بعد ادا کرے گا، یعنی اصل قیمت اول الذکر سے زیادہ قیمت صرف رقم تاخیر سے ادا کرنے کی وجہ سے رکھی ہے، قیمت ادا کرنے کا وقت مقرر ہو چکا ہے، اس معاملہ میں نرخ ایک ہی رہا یہ نہیں کہا کہ ادھار لوگے تو زیادہ قیمت کا ہے اور نقد میں اس قیمت کا بلکہ صرف ایک بھاؤ ہی طے کرلیا گیا ہے کہ چار ماہ کے بعد رقم ادا کردی جائے گی اور قیمت -/6,000 ادا کی جائے گی، تو یہ معاملہ جائز ہوگا یا نہیں؟

المستفتی: عبدالولی ولد حاجی عبدالکریم شیر کوٹ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دو مختلف ملکوں کی کرنسیاں ثمن حقیقی نہیں؛ بلکہ ہر ایک ملک کی کرنسی مستقل طور پر ثمن عرفی ہے؛ لہٰذا قدر وجنس کے مختلف ہونے کی وجہ سے کمی زیادتی اور ادھار دونوں طرح کا تبادلہ جائز ہے؛ البتہ فی الحال ایک جانب سے قبضہ کرنا لازم ہے، جو عام طور پر ہوتا ہے؛ اس لئے سعودی ریال کا ہندوستانی رقم کے ساتھ ہر طرح کی کمی زیادتی کے ساتھ تبادلہ جائز ہے، بس شرط یہ ہے کہ ایک جانب سے قبضہ ہو جائے، خواہ پانچ سو ریال کو پانچ ہزار سات سو میں لیا جائے جو سرکاری بھاؤ یا مارکیٹ کا بھاؤ ہے، یا پانچ سو ریال کو چھ ہزار میں لیا جائے، دونوں طرح جائز ہے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۱۲۳، احسن الفتاوی ۷/ ۱۰۰)

إن الأوراق النقدية ثمن عرفي ليست ثمنا حقيقيا، والربا يجري في الثمن الخلقي الذاتي إذ في الأوراق النقدية من مختلف الدولة ينفي القدر والجنس، أما الجنس فظاهر لاختلاف الدولة، وأما القدر لأنها ليست من جنس الأثمان الخلقية بل عرفية، فيجوز التفاضل والنسيئة إلا أن القبض على أحد البدلين ضروري لئلا يقع في بيع الكالي بالكالي. (التبيان في زكوة الأثمان، بحواله مجله فقه اكيڈمي ٤/ ٥٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/۷/۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۲/۶۲۷)

دوسو روپئے کے نوٹوں کے ہار کو تین سو روپئے میں بیچنا

سوال [۸۸۰۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میری دوکان جنرل اسٹور کی ہے، میں نوٹوں کا ہار بیچتا ہوں اور نوٹوں کی گڈی خرید کر لاتا ہوں، دوسو روپئے والی گڈی دوسو ۲۷۰/ روپئے کی لاتا ہوں اور ہار اپنے ہاتھ سے بناتا ہوں، تین سو روپئے کا بیچتا ہوں، قرآن وحدیث کی روشنی میں بتائیں کہ یہ صحیح ہے یا غلط؟

المستفتی: نیاز محمد مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دوسو روپئے کی گڈی دوسوستر میں خریدنا جائز نہیں ہے، یہ شرعی طور پر سودی کاروبار میں داخل ہوگا اور دوسو کے نوٹوں کے ہار کو تین سو روپئے میں فروخت کرنا جائز ہے؛ اس لئے کہ دوسو روپئے تو ہار کے دوسو کے عوض میں ہوگا اور باقی سو روپئے ہار کی بیل وغیرہ کے عوض میں ہوگا۔

عن ابن عباس –رضي الله عنه– حديث طويل وطرفه: فقال:

ردوه لا حاجة لي فيه، التمر بالتمر، والحنطة بالحنطة، والشعير بالشعير، والذهب بالذهب، والفضة بالفضة، يدا بيد عينا بعين، مثلا بمثل، فمن زاد فهو ربا. الحديث. (المستدرك للحاكم، البيوع، جديد دارالبشائر الإسلاميه، بيروت ٣/ ٨٦٢، قديم ٢/ ٤٣، رقم: ٢٢٨٢)

ولا يجوز بيع الزيتون بالزيت، والسمسم بالشيرج حتى يكون الزيت والشيرج أكثر مما في الزيتون، والسمسم فيكون الدهن بمثله، والزيادة بالثجير. (هداية، كتاب البيوع، باب الربا، اشرفي ديوبند ٣/ ٨٥، ملتقى الأبحر، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ١٢٦-١٢٧، الجوهرة النيرة، إمداديه ملتان ١/ ٢٦١، دارالكتاب ديوبند ١/ ٢٥٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲ / ربیع الاول ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۹۱۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۲/ ۳/ ۱۴۱۵ھ

بوسیدہ نوٹ کم قیمت میں فروخت کرنے کا حکم

سوال [۸۸۰۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جب نوٹ بوسیدہ ہوجاتا ہے یا پھٹ جاتا ہے، تو سو کا پھٹا ہوا نوٹ ستر یا اسی روپئے میں چلتا ہے، بتلایئے یہ جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: قمر الدین قاسمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر ملکی کرنسی پھٹ جانے کی وجہ سے مارکیٹ میں اس کی حیثیت عرفیہ گھٹ جائے اور اس روپئے سے کوئی دوسری چیز خریدی نہ جاسکتی ہو کوئی تاجر لینے کے لئے تیار نہ ہو، تو اگر بآسانی بینک میں دے کر نئی اور صحیح کرنسی حاصل کی جاسکتی ہو تو کم

قیمت میں فروخت کرنا جائز نہ ہوگا؛ لیکن اگر آسانی کے ساتھ بینک سے صحیح کرنسی حاصل نہیں کی جاسکتی ہے؛ بلکہ پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑے تو گویا کہ علاقہ میں اس کی حیثیت عرفیہ گھٹ گئی ہے اور چونکہ یہ ثمن عرفی ہے، اس کی ثمنیت کا مدار عرف پر ہے، تو جس قدر اس کی حیثیت گھٹ جائے گی اسی قدر کم پیسے میں اس کو فروخت کرنا جائز ہوگا، مگر اس میں شرط یہ ہے کہ معاملہ اور لین دین دست بدست ہو؛ اس لئے کہ اس کی حیثیت عرفیہ گھٹ جانے کی وجہ سے اگرچہ مختلف القدر ہو گیا ہے؛ لیکن فی الجملہ کسی حد تک یعنی سرکاری سطح پر ثمنیت باقی ہونے کی وجہ سے اتحاد جنسیت باقی ہے۔ (ایضاح النوادر ۱/۱۲۲)

فلا يجوز مبادلة الأوراق النقدية بجنسها متفاضلة، ويجوز إذا كانت متماثلة، والمماثلة ههنا أيضا تكون بالقيمة لا بالعدد، كما في الفلوس، فيجوز أن يباع ورق نقدي قيمته عشر روبيات، بعشرة أوراق قيمة كل واحد روبية واحدة، ولا يجوز أن يباع الأول بأحد عشر ورقا من الثانية.

(تكمله فتح الملهم، كتاب البيوع، باب الصرف، وبيع الذهب بالورق نقدا، أشرفيه ديوبند ۱/ ۵۹۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰/ ذیقعدہ ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۱۹۶)

۹۵/ روپئے ریز گاری کا سو روپئے سے تبادلہ کرنا

سوال [۸۸۰۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عام طور سے ہوٹل یا دوکان والوں کو ریز گاری اور کھلے ہوئے روپیوں اور سکوں کی ضرورت ہوتی ہے؛ اس لئے وہ نوٹ کا ریز گاری سے تبادلہ کرتے ہیں؛ لیکن کمی زیادتی کے ساتھ مثلاً سو کا نوٹ دیا، تو ریز گاری والا صرف ۹۰/ روپئے یا ۹۵/ روپئے

بمشکل ریز گاری دے گا، کیا اس طریقہ سے زرمبادلہ کمی بیشی کے ساتھ درست ہے؟ علت ربوا کا تحقق ہے یا نہیں؟

المستفتی: ابواسامہ قاسمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سو روپئے کا نوٹ دے کر ۹۰ یا ۹۵/ روپئے کی ریز گاری دینے میں صراحتاً سود کا تحقق ہوتا ہے؛ اس لئے کمی بیشی کے ساتھ اس طرح کا معاملہ کرنا حرام وناجائز ہے۔ (مستفاد: عزیز الفتاوی، ص: ۶۴۴)

ومن أعطى صيرفيا درهما، وقال: أعطني بنصفه فلوسا وبنصفه نصفا إلا حبة جاز البيع في الفلوس، وبطل فيما بقي عندهما، وعلى قياس قول أبي حنيفة –رحمه الله– بطل في الكل. (هداية، كتاب الصرف، أشرفي ۳/ ۱۱۰، البناية، أشرفيه ۸/ ۴۱۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۸۱۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۱/۶/۱۴۱۹ھ

۹/ باب السلم

بیع سلم کی تعریف اور شرائط

سوال [۸۸۰۶]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ''بیع سلم'' کیا ہے؟اس کی شرطیں تحریر فرمادیں، نیز یہ شرط کہ مسلم فیہ موجود ہو اس سے کیا مراد ہے؟ کہاں موجود ہونا ضروری ہے، مجلس عقد میں یا بائع کے پاس گھر میں یا بازار میں؟

المستفتی: محمد انوار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اصطلاح فقہ میں بیع سلم اس کو کہا جاتا ہے کہ پہلے روپے دے کر غلہ کا نرخ معین کر کے ٹھہرالیا جائے۔

وشرعا بيع آجل، وهو المسلم فيه بعاجل وهو رأس المال. (شامي، كتاب البيوع، باب السلم، كراچی ٥/ ٢٠٩، زكريا ٧/ ٤٥٤)

بیع سلم کے صحیح ہونے کے لئے مندرجہ ذیل شرائط کا لحاظ رکھنا ضروری ہے:

(۱) غلہ کی جنس بیان کردی جائے کہ گیہوں ہے یا جو۔

(۲) نوع بیان کردی جائے کہ غلہ کس قسم کی زمین کا ہوگا۔

(۳) صفت بیان کردی جائے کہ عمدہ ہوگا یا گھٹیا۔

(۴) مقدار بیان کردی جائے کہ کتنا غلہ لینا ہے۔

(۵) مدت معین کرلی جائے۔

(۶) جس قدر غلہ لینا ہو اس کی پوری قیمت کا روپیہ جو ان کے باہمی طے شدہ نرخ سے متعین ہوتا ہے، پہلے ہی یعنی بوقت عقد دے دیا جائے۔

(۷) غلہ کس جگہ پر حوالہ کیا جائے گا اس کو بھی معین کرلیا جائے۔ اور جس قسم کے غلہ کی بات

چیت ہوتی ہے، اس کو ’’مسلم فیہ‘‘ کہتے ہیں، اس کا مارکیٹ میں یا علاقہ میں پوری مدت کے زمانہ میں کہیں نہ کہیں دستیاب ہونا ضروری ہے۔

ولا يصح السلم عند أبي حنيفة إلا بسبع شرائط: جنس معلوم، كقولنا: حنطة، أو شعير، ونوع معلوم، كقولنا سقية أو نجسية، وصفة معلومة، كقولنا: جيد أو ردي، ومقدار معلوم، كقولنا: كذا كيلا بمكيال معروف، أو كذا وزنا وأجل معلوم، ومعرفة مقدار رأس المال إذا كان يتعلق العقد على مقداره كالمكيل والموزون والمعدود، وتسمية المكان الذي يوفيه فيه إذا كان له حمل ومؤنة. (هداية، باب السلم، أشرفی دیوبند ۳/ ۹۵، الجوهرة النيرة، إمداديه ملتان ۱/ ۲٦٦، دارالکتاب دیوبند ۱/ ۲۵۹، درمختار کراچی ۵/ ۲۱٤، تا ۲۱٦، زکریا دیوبند /۷/ ٤٦۱ تا ٤٦٤)

ولا يجوز السلم حتى يكون المسلم فيه موجودا من حين العقد إلى حين المحل. (هداية، أشرفی دیوبند ۳/ ۹۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۲۵/۶/۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۴۲۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۶/۲۵ھ

پیشگی رقم لے کر مبیع بعد میں دینا

سوال [۸۸۰۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک مسلمان کا دوسرے کو فصل سے پیشگی رقم دینا اس شرط کے ساتھ کہ بھاؤ بازار کا فصل آنے پر کچھ بھی ہو، مگر اس وقت جو بھاؤ مقرر ہو رہا ہے اسی بھاؤ میں جنس کو دینا ہوگا، کیا اس طرح سے خریداری کرنا شرعاً صحیح ہے؟ اور جانبین کے بارے میں کیا حکم ہے؟

المستفتی: محمد یعقوب علی موضع چوہا نگلہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر عقد مجلس میں رقم پر قبضہ ہو چکا ہے اور فصل میں غلہ دینے کے لئے بات طے ہوگئی ہے کہ وہ کس قسم کا غلہ ہوگا اس کی صفت ومقدار وغیرہ بیان کردی ہے اور فی الحال آپس میں بھاؤ بھی مقرر کرلیا ہے، تو یہ شرعاً بیع سلم ہے، جو کہ جائز ہے، اس میں کسی قسم کی قباحت نہیں ہے۔

ولا يصح السلم عند أبي حنيفة إلا بسبع شرائط: جنس معلوم، كقولنا: حنطة، أو شعير، ونوع معلوم، كقولنا سقية أو نجسية، وصفة معلومة، كقولنا: جيد أو ردي، ومقدار معلوم، كقولنا: كذا كيلا بمكيال معروف، أو كذا وزنا وأجل معلوم، ومعرفة مقدار رأس المال إذا كان يتعلق العقد على مقدار كالمكيل والموزون والمعدود، وتسمية المكان الذي يوفيه فيه إذا كان له حمل ومؤنة. (هداية، باب السلم، أشرفی ديوبند ۳/ ۹۵، الجوهرة النيرة، إمداديه ملتان ۱/ ۲٦٦، دارالكتاب ديوبند ۱/ ۲۵۹، درمختار كراچی ۵/ ۲۱٤، تا ۲۱٦، زكريا ديوبند / ۷/ ٤٦۱ تا ٤٦٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ ؍ربیع الاول ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۱۷۵)

پیشگی رقم لے کر مبیع کو فروخت کرنے کی چار شکلوں کا حکم

سوال [۸۸۰۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عوام الناس میں یہ طریقہ رائج ہے کہ کسان تجار سے پیشگی رقم لے کر اپنی کھیتی باڑی کے کام میں صرف کرتے ہیں اور تجار سے ایک نرخ مقرر کر لیتے ہیں کہ بازار میں جو بھاؤ ہو مگر ہم تم کو ۵۰۰؍روپئے کوئنٹل گندم دیں گے، یا بازاری نرخ سے سو روپئے کم میں گندم دیں گے،

گندم کی نوع وجنس مقام سب کچھ مقرر ہو جاتا ہے، اس طرح پیشگی رقم دے کر کم نرخ میں کیل گندم دینا یا بھٹے والے طے کر لیتے ہیں کہ رقم پیشگی دے دو، جب بھٹہ کی نکاسی ہوگی تو پیشگی رقم دینے والے کو ۲۰۰ ر فی ہزار کم اینٹ دی جائے گی، یا بھینس والے دودھ کے خریدار سے پیشگی رقم لے لیں کہ جب بھینس بیائے گی تو تم کو دودھ عام قیمت سے دو روپئے کم فی کیلو دیا جائے گا، یہ شکلیں جواز کی ہیں یا نہیں؟

المستفتی: حاجی ضمیر احمد شیر کوٹ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) سوال میں چار شکلیں ذکر کی گئی ہیں: (۱) کسان سے پانچ سو روپئے فی کوئنٹل پر بات متعین ہوگئی ہے، یہ شکل بیع سلم کے دائرہ میں داخل ہو کر جائز ہوگئی۔

(۲) فصل کے زمانہ میں فصل کا جو بھی بھاؤ ہوگا اس سے سو روپئے کم میں دیا جائے گا، یہ شکل غلہ کی قیمت صحیح طور پر متعین نہ ہونے کی وجہ سے جائز نہ ہوگی۔

(۳) بھٹہ کی نکاسی کے وقت میں ایک ہزار اینٹ دوسو روپئے فی ہزار کم کی شرط بھی جائز نہیں ہے؛ اس لئے کہ نکاسی کے وقت میں ایک ہزار اینٹ کی قیمت کتنی ہوگی یہ اس معاملہ کے وقت متعین نہیں ہے، ہاں البتہ اگر یوں معاملہ کیا جاتا کہ بھٹہ کی نکاسی کے وقت میں بارہ سو اینٹ کی قیمت کا جو اندازہ ہو سکتا ہے اس اندازہ سے کم کر کے ایک ہزار اینٹ کی قیمت اسی وقت متعین کر لی جائے تب جائز ہو سکتا ہے۔

(۴) یہ شکل بھی دودھ کی قیمت صحیح طور پر متعین نہ ہونے کی وجہ سے جائز نہیں ہے؛ اس لئے کہ دودھ لینے کے زمانہ میں عام قیمت کیا ہوگی وہ آج معلوم نہیں ہے۔

وجملة الشروط جمعوها في قولهم إعلام رأس المال، وتعجيله، وإعلام المسلم فيه، وتأجيله، وبيان مكان الإيفاء والقدرة على تحصيله، فإن أسلم مائتي درهم في كرّ حنطة مائة منها دين على المسلم إليه ومائة

نـقـد، فـالسـلـم في حصة الدين باطل لفوات القبض، ويجوز في حصة النقد لاستـجما ع شرائطه. الخ (هـداية، كتـاب البيوع، باب السلم، أشرفي ديوبند ۳/ ۹۷، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ۳/ ۱٤٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۷/رجب ۱۴۱۹ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۵۸۴۷)

مال کے لئے آرڈر دے کر نہ لینے کا حکم

سوال [۸۸۰۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ضروری گزارش یہ ہے کہ ایک شخص ثمین یورپ کے کسی ملک میں رہتا ہے، دوسرا شخص ہندوستانی ہے ثمین نے ہم سے پانچ لاکھ روپئے کا سامان تیار کرنے کے لئے کہا اور ایک لاکھ روپئے نقد دیئے، ہم نے آرڈر لے لیا اور ایک لاکھ روپئے بھی لے لئے، ہم نے ہندوستان میں مال تیار کروالیا، اب ہم نے مال کی تیاری کے بعد ثمین سے کہا کہ اپنا مال منگوا لیجئے مال تیار ہے، مال کی تیاری کے بعد ثمین کہتا ہے کہ کسی مجبوری میں مال نہیں لوں گا، میرا ایک لاکھ روپئے واپس بھیج دیجئے، ادھر ہم ایک لاکھ سے زائد رقم لگا کر تقریباً پانچ لاکھ کا مال تیار کروا چکے ہیں، ایسے میں دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا ہم ثمین کو وہ ایک لاکھ روپئے کی رقم واپس کرنے کے مکلّف ہیں؟ اگر ایسا ہے تو پھر ہم تو اس سے زائد رقم مال کی تیاری میں خرچ کر چکے ہیں، اس نقصان کی تلافی کا کون ذمہ دار ہوگا؟ اور کیا صورت ہوگی؟ اور اگر واپسی کے مکلّف نہیں ہیں تب پھر مال مصنوع کا کون مالک ہوگا؟ اگر ہم ہی مالک ہے تو کیا اس کو دوسرے کے ہاتھ فروخت کرنے کا اختیار ہے؟ تشفی بخش جواب مطلوب ہے۔

المستفتی: مظاہر حسین، مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب پانچ لاکھ کا مال تیار کرنے کے لئے پیشگی ایک لاکھ

روپئے دے کر آرڈر فائنل کردیا ہے اور اسی کے مطابق ہندوستان میں مال تیار کروالیا ہے، اس کے بعد یورپ والا شخص مال لینے سے معذرت خواہی کررہا ہے، تو ایسی صورت میں تیار شدہ مال نہ بھیجنے سے تیار کرنے والے کا بڑا نقصان ہوسکتا ہے؛ اس لئے اس کو یہ حق ہے کہ یورپ والے شخص کو مال لینے پر مجبور کرے۔ اور اگر وہ لینے کے لئے کسی طرح تیار نہیں ہے، تو وصول شدہ ایک لاکھ روپئے میں سے نقصان کے بقدر تلافی نقصان کے لئے لے سکتا ہے۔ اور بقیہ روپئے واپس کردینا ضروری ہوگا۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ زکریا ۳/۱۴۱)

لا خيار لهما أما الصانع فلما ذكرنا أولا، وأما المستصنع فلأن الصانع أتلف ماله بقطع الصرم وغيره ليصل إلى بدله، فلو ثبت له الخيار تضرر الصانع؛ لأن غيره لا يشتريه بمثله، ألا ترى! أن الواعظ إذا استصنع منبرا ولم يأخذه فالعامي لا يشتريه أصلا. (عناية مع الفتح، باب السلم قبيل مسائل نشوره، كوئٹه ٦/ ٢٤٤، زكريا ديوبند ٧/ ١٠٩)

إذا أتى الصانع بالمستصنع على الصفة المشروطة روي عن أبي يوسف إنه لازم في حقهما حتى لا خيار لأحدهما لا للصانع ولا للمستصنع أيضا، إن في إثبات الخيار للمستصنع إضرارا بالصانع؛ لأنه قد أفسد متاعه، وأتى بالمستصنع على الصفة المشروطة، فلو ثبت له الخيار لتضرر به الصانع فيلزم دفعا للضرر عنه. (بدائع الصنائع، باب حكم الاستصناع، زكريا ديوبند ٤/ ٤٤٤)

عن أبي يوسف أنه لا خيار لواحد منهما، أما الصانع فلما ذكرنا، وأما المستصنع فلأن في إثبات الخيار له إضرارا بالصانع فربما لا يرغب فيه غيره. (تبيين الحقائق، إمداديه ملتان ٤/ ١٢٤، زكريا ديوبند ٤/ ٥٢٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍ ذیقعدہ ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۳۹۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۱۱/۱۷ھ

تاریخ اور کھیت متعین کئے بغیر فصل سے پہلے گیہوں خریدنا

سوال [۸۸۱۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عبدالرحیم نے فصل سے پہلے سو روپئے کوئنٹل گیہوں کے لئے روپئے پہلے ہی ادا کردئے، تاریخ کوئی مقرر نہیں کی کہ کب تک گیہوں لینا ہے اور کس کھیت کا گیہوں لینا ہے، صرف گیہوں طے کئے، اس طرح پہلے روپئے دے کر اور بھاؤ بازار سے کم شرح پر گیہوں طے کرنا عبدالرحیم کے لئے جائز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یہ بیع سلم کی صورت ہے اور بیع سلم کے جواز کے لئے چند شرطیں لازم ہیں جن کے بغیر صحیح نہیں ہوسکتی:

(۱) جس چیز کی بیع کی جارہی ہے اس کی جنس معلوم ہونا (۲) اس کی قسم معلوم ہونا (۳) اس کی صفت معلوم ہونا (۴) اس کی مقدار معلوم ہونا (۵) ادائے گی کی مدت معلوم ہونا (۶) نرخ معلوم ہونا (۷) ادائے گی کی جگہ معلوم ہونا۔ صورت مذکورہ میں شرط نمبر: ۲، ۳، ۵، ۷ مفقود ہیں؛ اس لئے ناجائز ہے۔

وشرطه بيان الجنس، والنوع، والصفة، والقدر، والأجل، وأقله شهر، وقدر رأس المال في المكيل والموزون والمعدود، ومكان الإيفاء فيما له حمل من الأشياء. (كنز الدقائق مع البحر، كتاب البيوع، باب السلم، كوئٹه ٦/ ١٦٠، زكريا ٦/ ٢٦٥، درمختار كراچى ٥/ ٢١٤-٢١٦، زكريا ديوبند ٧/ ٤٦١-٤٦٤، الفقه على المذاهب الأربعة، دارالفكر بيروت ٢/ ٣٠٤، بدائع الصنائع، كراچى ٥/ ٢٠٧، زكريا ديوبند ٤/ ٤٤٠، هداية أشرفي ديو بند ٣/ ٩٥)

لہٰذا دوبارہ شرائط مذکورہ کے مطابق عقد کرنا لازم ہوگا یا فسخ کردیں۔ فقط واللہ سبحانہ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲ ربیع الاول ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۵۸۶)

فصل کاٹنے سے پہلے کاشتکار کو روپئے دینے کا حکم

سوال [۸۸۱۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: فصل کاٹنے سے پہلے ایک امام کا کاشتکاروں کو اس شرط پر روپئے دینا اور یہ کہنا کہ بازاری ریٹ جو بھی نکلے اس سے ہمیں کوئی مقصد نہیں ہے، بازاری ریٹ سے پچاس روپئے کم میں مال لوں گا، اگر اس طرح کوئی امام تجارت کرے تو اس امام کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟

المستفتی: ابودرداء، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: یہ بیع سلم ہے، جس کے شرائط میں یہ ہے کہ معاملہ طے کرتے وقت بھاؤ متعین کرلیا جائے اور مذکورہ صورت میں بھاؤ متعین نہیں ہوا ہے، جس کی وجہ سے قیمت مجہول ہوگئی ہے؛ لہٰذا قیمت مجہول ہونے کی وجہ سے یہ معاملہ ناجائز ہے، ممکن ہے امام صاحب نے ایسا معاملہ عدم علم کی وجہ سے کیا ہو ان کو بتا دیا جائے کہ معاملہ کے وقت بھاؤ متعین کرلینا اور آپس کی رضامندی سے جو بھی ریٹ متعین ہو جائے اس کے مطابق عمل کرنا جائز ہے، چاہے بازاری بھاؤ سے بہت ہی کم کیوں نہ ہو۔ اور امام صاحب اگر سابقہ معاملہ سے باز آجائیں اور آئندہ ایسا معاملہ نہ کریں، تو ان کے پیچھے نماز بلا کراہت جائز اور درست ہوگی۔ (فتاوی محمودیہ ۶/ ۲۸۱، جدید ڈابھیل ۱۶/ ۲۰۴، ایضاح النوادر ۱/ ۲۲)

ولا يصح السلم عند أبي حنيفة إلا بسبع شرائط (إلى قوله) ومعرفة رأس المال. (هداية، كتاب البيوع، باب السلم أشرفي ديوبند ۳/ ۹۵، كنز الدقائق مع البحر كوئٹه ٦/ ١٦٠، زكريا ٦/ ٢٦٥، درمختار كراچى ٥/ ٢١٤-٢١٦، زكريا ٧/ ٤٦١-٤٦٤، الفقه على مذاهب الأربعة، دارالفكر بيروت ٢/ ٣٠٤، بدائع الصنائع، كراچى ٥/ ٢٠٧، زكريا ٤/ ٤٤٠)

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۸۰۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۷/۵/۲ھ

فصل کی کٹائی سے پہلے سو روپئے کوئنٹل گیہوں خریدنا

سوال [۸۸۱۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عبداللہ صاحب فصل سے پہلے لوگوں کو سو روپئے کوئنٹل گیہوں یا دھان پر پیسے دیتے ہیں، یعنی ایک مہینے پہلے پیسے دیتے ہیں اور فصل میں اناج وصول کرتے ہیں، یہ پیسے دینا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: عبدالمجید ہدایت پور، ضلع بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: یہ شرعاً بیع سلم ہے، جو شرعاً جائز ہے۔

فالسلم عقد يثبت به الملك في الثمن عاجلا، وفي المثمن آجلا.

(عالمگيري، كتاب البيوع، الباب الثامن عشر في السلم، زكريا قديم ٣/ ١٧٨، جديد ٣/ ١٧١)

وقوله: وأما بيان حكم السلم فهو ثبوت الملك لرب السلم في المسلم فيه مؤجلا بمقابلة ثبوت الملك في رأس المال المعين، أو الموصوف معجلا للمسلم إليه. (فتاوى عالمگيري، زكريا قديم ٣/ ١٨١، جديد ٣/ ١٧٣، درمختار كراچى ٥/ ٢٠٩، زكريا ٧/ ٤٥٥)

اس میں یہ لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ ایک کوئنٹل گیہوں کس قسم کا ہے؟ کب ادا کرے گا؟ بوقت معاملہ عادل کے سامنے تحریر بھی کر لینا چاہئے، تاکہ بعد میں کوئی اختلاف نہ پیدا ہو۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳ رصفر ۱۴۸۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۵۴۲/۲۳)

بیع سلم میں مسلم فیہ کی مقدار کا متعین نہ ہونے کا حکم

سوال [۸۸۱۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: خریدار نے کسان سے پیشگی رقم اس شرط پر لی یا دی کہ فصل کے موقع پر جو بھی بازار کا بھاؤ ہوگا، اس سے کچھ کم پر لوں گا، تو کیا یہ صورت جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: نصیر احمد قاسمی بھاگلپوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اس میں مسلم فیہ کی مقدار متعین نہ ہونے کی وجہ سے بیع جائز نہ ہوگی۔

وشروطه: أي شروط صحته التي تذكر في العقد سبعة: بيان جنس، ونوع، وصفة، وقدر -إلى- وبيان قدر رأس المال. (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب البيوع، باب السلم، كراچی ٥/ ٢١٤-٢١٥، زكريا ٧/ ٤٦١، ٤٦٢، هداية أشرفي ديوبند ٣/ ٩٥، هندية، زكريا قديم ٣/ ١٧٩، جديد ٣/ ١٧٢) **فقط** واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ رصفر المظفر ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۴۴/۲۴)

بیع سلم کی ایک صورت

سوال [۸۸۱۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: فصل آنے سے پہلے ایک شخص ۱۵۰/ روپئے فی کوئنٹل کے حساب سے کسی مجبور انسان کو اس شرط پر دیتا ہے کہ جب فصل آئے تو مجھ کو غلہ دے دینا، جب کہ فصل میں سرکاری ریٹ

۲۲۰/دوسوبیس روپئے فی کوئنٹل پہلے ہی معلوم ہو چکا ہے، تو کیا اس طرح پیشگی روپئے دے کر معاملہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ فقط

المستفتی: نسیم احمد، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مسئولہ شرعا بیع سلم میں داخل ہے اور بیع سلم کا مطلب یہی ہے کہ پیسہ والا مالدار شخص پیسوں سے مجبور شخص کو اس شرط پر پیسہ دے دے کہ فصل پر طے شدہ معاہدہ کے مطابق غلہ حاصل کرے، چاہے طے شدہ معاہدہ میں غلہ کی قیمت فصل کے بھاؤ کے بنسبت بہت کم کیوں نہ ہو اور اس طرح معاہدہ اور معاملہ کرنا قرآن وحدیث سے ثابت ہے۔

عن ابن عباس –رضي الله عنه– قال: قدم رسول الله ﷺ المدينة وهم يسلفون بالثمر السنتين والثلاث، فقال رسول الله ﷺ: من أسلف في شيء ففي كيل معلوم، ووزن معلوم إلى أجل معلوم. (صحيح البخاري، كتاب السلم ١/ ٢٩٩، رقم: ٢١٨٨، ف: ٢٢٤٠، صحيح مسلم، كتاب المساقاة، باب السلم، النسخة الهندية ٢/ ٣١، بيت الأفكار، رقم: ١٦٠٤)

السلم عقد مشروع بالكتاب وهو آية المداينة ...... قوله عليه السلام: من أسلم منكم فليسلم في كيل معلوم، ووزن معلوم إلى أجل معلوم. (هداية، كتاب البيوع، باب السلم، اشرفی دیوبند ٣/ ٩١) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/ربیع الاول ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۱۷۸/۲۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۱/۳/۲۷ھ

بیع سلم کی ایک جائز صورت

سوال [۸۸۱۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: ہماری طرف عام طور سے لوگ پیشگی رقم اس شرط پر لیتے ہیں، مثلاً دھان کا موسم ہے تو پیشگی رقم لے لی اور یہ طے کرلیا کہ اس وقت آپ کو ساٹھ ستر روپئے من دھان دوں گا۔

المستفتی: نصیر احمد قاسمی، بھاگلپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر معاملہ اس طرح پر کیا جاتا ہے کہ مثلاً ساٹھ روپئے اس وقت وصول کرلئے جائیں اور ایک یا دو ماہ کے بعد فصل کے موقع پر ایک من دھان دیا جائے گا تو یہ شرعاً بیع سلم ہے اور جائز ہے۔

ولا يصح السلم عند أبي حنيفة إلا بسبع شرائط: جنس معلوم، كقولنا: حنطة، أو شعير، ونوع معلوم، كقولنا سقية أو نجسة، وصفة معلومة، كقولنا: جيد أو ردي، ومقدار معلوم، كقولنا: كذا كيلا بمكيال معروف. الخ (هداية، كتاب البيوع، باب السلم، أشرفی دیو بند ۳/ ۹۵، كنز الدقائق مع البحر، كوئٹه ٦/ ١٦٠، زكريا ٦/ ٢٦٥، درمختار كراچی ٥/ ٢١٤، زكريا ديو بند / ٧/ ٤٦١، بدائع الصنائع، كراچی ٥/ ٢٠٧، زكريا ديوبند ٤/ ٤٤٠)

وفي الهندية: الرابع: أن يكون معلوم القدر بالكيل أو الوزن. (فتاوی عالمگيري زكريا قديم ٣/ ١٧٩، جديد ٣/ ١٧٢) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللّٰہ عنہ
۲۹ رصفر ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۱۴۴)

بیع سلم کا مشہور معاملہ

سوال [۸۸۱۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید ایک کاشتکار ہے، اسے کچھ روپیوں کی ضرورت ہے، اس نے ایک تاجر سے معاملہ کیا کہ وہ اسے پانچ ہزار روپئے دے دے غلہ کی فصل آنے پر وہ اسے پانچ کوئنٹل غلہ دے دے گا،

چاہے اس وقت غلہ کا بھاؤ کچھ بھی ہو، تو کیا اس طرح کا معاملہ کرنا شرعاً درست ہے؟

المستفتی: رکن الدین پاکبڑہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ میں ذکرکردہ معاملہ بیع سلم کا معاملہ ہے۔ اور اس طرح رقم دے کر وقت مقررہ پر متعین مقدار غلہ لینا شرعاً جائز اور درست ہے، غلہ کی وصولیابی کے دن اس کی موجودہ قیمت کا کوئی اعتبار نہیں۔

أخرج البخاري عن ابن عباس –رضي الله عنه– حديثا طويلا طرفه هذا: من سلف في تمر فليسلف في كيل معلوم، ووزن معلوم. (الحديث) وأخرج أيضا تعليقا عن ابن عمر –رضي الله عنه– قال: لا بأس بالطعام الموصوف بسعر معلوم إلى أجل معلوم. (بخاري، كتاب السلم، باب السلم في كيل معلوم ۱/ ۲۹۸، رقم: ۲۱۸۷، ف: ۲۲۳۹، باب السلم إلى أجل معلوم ۱/ ۳۰۰، رقم الباب: ۷، صحيح مسلم، كتاب المساقاة، باب السلم، النسخة الهندية ۲/ ۳۱، بيت الأفكار، رقم: ۱۶۰٤)

بيع السلم: هو شرعاً بيع أجل، وهو المسلم فيه بعاجل وهو رأس المال. (شامي، كتاب البيوع، باب السلم، كراچی ۵/ ۲۰۹، زكريا ۷/ ٤۵٤، هندية، زكريا قديم ۱۷۸، جديد ۳/ ۱۷۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۹۹۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۴/۶ھ

قیمت کی ادائے گی کے چھ ماہ بعد مال وصول کرنا

سوال [۸۸۱۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید لوہے کا کاروبار کرتا ہے، خالد نے لوہے کا سریا خریدنے کے لئے تین ہزار روپے

کوئنٹل کے حساب سے پیسے جمع کئے اور سریا کون سی کمپنی کا ہوگا، کتنے سوت کا ہوگا سب باتیں طے ہوگئیں اور چھ مہینے کے بعد لینا طے ہوگیا۔ اور ایک بات یہ طے ہوئی کہ اگر چھ مہینے کے بعد سریے کی قیمت چار ہزار روپے کوئنٹل بھی ہوگئی تب بھی تین ہزار روپئے کوئنٹل ہی کے حساب سے لین دین ہوگا، اس کے ساتھ زید جو بائع ہے، اس نے خالد سے کہا: اگر چھ مہینے کے بعد سریے کی قیمت تین ہزار سے کم ہوگئی، تو میں آپ سے کم ہی کے پیسے لوں گا، اس پر معاملہ طے ہوگیا، معلوم یہ کرنا ہے، کیا یہ معاملہ بیع وشراء کا درست ہے؟

المستفتی: سعید احمد امام مسجد کاشی واڑی پونہ، مہاراشٹر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ میں مذکورہ معاملہ خرید وفروخت کی ایک قسم بیع سلم کا معاملہ ہے اور بیع سلم میں رأس المال یعنی قیمت کا متعین اور حتمی ہونا ضروری ہوتا ہے۔ اور ذکر کردہ صورت میں فریقین کے درمیان قیمت کی حتمی تعیین نہیں ہوئی؛ بلکہ یہ طے قرار پایا ہے کہ چھ مہینے بعد مال کی سپردگی کے وقت اگر اس کی قیمت مقرر کردہ قیمت سے کم ہوگئی ہو تو خریدار خالد کو اسی کے حساب سے قیمت ادا کرنی ہوگی۔ اور اسی شرط کے ساتھ معاملہ ہوا، بریں بنا یہ معاملہ قیمت کی عدم تعیین اور جہالت کے سبب ناجائز قرار دیا جائے گا؛ البتہ اگر اس طرح کی شرط نہ لگائی ہو بلکہ صرف یہ طے ہوا ہو کہ تین ہزار روپئے فی کوئنٹل ادا کردیا جائے اور مال کی سپردگی کے وقت اس کی جو کچھ بھی قیمت ہو اس کا اعتبار نہ کیا جائے، تو یہ معاملہ جائز اور درست ہوگا۔

يشترط بيان قدر رأس المال. (كنز الدقائق، كتاب البيوع، باب السلم، درمختار كراچی ٥/ ٢١٥، زكريا ٧/ ٤٦٢، هداية، أشرفي ديوبند ٣/ ٩٥)

شرطه: بيان قدر رأس المال إذا كان العقد يتعلق على مقداره. (تبيين الحقائق، إمداديه ملتان ٤/ ١١٦، زكريا ٤/ ٥١٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۲۲۰)

دھان پر پیسہ دینا

سوال [۸۸۱۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: دھان پر پیسہ دینا اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ ستمبر، اکتوبر کے مہینے میں ہمارے یہاں مزدور لوگ مزدوری نہ ملنے کی وجہ سے مالداروں سے قرض لینے جاتے ہیں، تو وہ کہتے ہیں کہ قرض اس شرط پر دوں گا کہ ابھی پچاس روپئے لے جاؤ دو ماہ بعد جب دھان کی فصل کٹے گی تو ایک من دھان لوں گا، حالانکہ جس وقت روپئے دے رہا ہے اس وقت ایک من دھان کی قیمت ۳۰۰/ روپئے ہے۔ اور جس وقت دھان لے گا اس وقت بھی کم از کم ایک من دھان ۱۵۰/ روپئے کا ہوگا، یعنی قرض کے اس پچاس روپئے کا دھان کی قیمت سے کچھ بھی برابری نہیں ہے؛ لیکن بیچارے غریب لوگ مجبوراً لیتے ہیں، تو کیا یہ معاملہ شرعاً جائز ہے؟ ہمارے علاقہ میں یہ سودی معاملہ مشہور ہے۔

المستفتی: محمد عبداللہ رشیدی جامعہ اشاعت سنیہ رام گنج، مغربی بنگال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یہ بیع سلم کی شکل ہے کہ مزدور نے مالدار سے پچاس روپئے اس شرط پر لئے کہ دھان کی فصل آنے پر وہ ایک من دھان اس مالدار کو دے گا، تو یہ شرعاً جائز اور درست ہے۔ اور علاقہ والوں کا اس کو سودی معاملہ کہنا شرعی مسئلہ سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔

وشرطه: قبض رأس المال قبل أن يتفرقا؛ لأن السلم ينبئ عن أخذ عاجل بآجل، وذلك بالقبض قبل الافتراق. (البحرالرائق، كتاب البيوع، باب السلم، كوئٹه ٦/ ١٦٢، زكريا ٦/ ٢٧١، هداية، أشرفي ديوبند ٣/ ٩٦، درمختار، كراچی ٥/ ٢١٦، زكريا ٧/ ٤٦٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۶۵۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۵/۹ھ

بیع سلم میں روپئے کے عوض دھان لینے کی شرط کا حکم

سوال [۸۸۱۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) گیہوں کے سلسلہ میں ہم لوگ یہ کاروبار کرتے ہیں کہ ہم نے کسی سے کہا کہ ہمیں پچاس ہزار روپئے دے دو، ہم تمہیں اس کے عوض میں گیہوں دے دیں گے، مثلاً ۵۰۰/ روپئے کے حساب سے ۱۰۰/کوئنٹل گیہوں دیں گے، پھر بعض دفعہ گیہوں کے ریٹ کم زیادہ ہوتے ہیں، تو روپئے لینے والا دیتے وقت گیہوں کی جو قیمت (ریٹ) ہوتے ہیں اسی حساب سے دیتا ہے، تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

(۲) اس مسئلہ میں ایک بات یہ بھی دریافت طلب ہے کہ اگر گیہوں دے تو ۱۰۰/کوئنٹل جو طے ہیں، اتنے ہی دینے پڑیں گے، یا ادائے گی کے وقت جو ریٹ ہوں گے اس کے حساب سے پچاس ہزار روپئے کے گیہوں کم یا زیادہ دے سکتے ہیں؟

(۳) اور اگر روپئے لینے والا گیہوں ادا نہ کرکے صرف ادائے گی کے وقت ریٹ لگا کر ۱۰۰/ کوئنٹل کی رقم ادا کرے جو پچاس ہزار سے کم بھی ہوسکتی ہے، زیادہ بھی ہوسکتی ہے، تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: شرف الدین ہیبت پور، جویا، جے پی نگر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر روپیوں کا معاملہ کرتے وقت مجلس عقد میں گیہوں وغیرہ کی مقدار نیز ان کا وصف ادائے گی کا مقام بیان کردیا جائے تو یہ معاملہ شرعاً بیع سلم کے دائرہ میں داخل ہوکر جائز ہوتا ہے۔ اور اگر معاملہ کے وقت مذکورہ شرائط واضح نہ ہوں، تو پھر معاملہ درست نہ ہوگا؛ لہٰذا سوال نامہ میں جو شقیں لکھی گئیں ہیں ان میں سے جس شق میں یہ بات مذکور ہے کہ آپ ہم کو پچاس ہزار روپئے دے دو ہم آپ کو سو کوئنٹل گیہوں دیں گے، یہ معاملہ بیع سلم کے دائرہ میں داخل ہوکر جائز ہوگا، ادائے گی کے وقت گیہوں کا بھاؤ کم وزیادہ

کچھ بھی ہو اس کا اعتبار نہیں ہے، سوکوئنٹل ہی ادا کرنے ہوں گے، باقی جو شقیں سوال نامہ میں درج ہیں ان میں سے کوئی بھی شق شرعاً جائز نہیں ہے۔

عن ابن عباس –رضي الله عنه– قال: قدم رسول الله ﷺ المدينة وهم يسلفون بالثمر السنتين والثلث، فقال رسول الله ﷺ: من أسلف في شيء ففي كيل معلوم، ووزن معلوم إلى أجل معلوم. (صحيح البخاري، كتاب السلم ١/ ٢٩٩، رقم: ٢١٨٨، ف: ٢٢٤٠، صحيح مسلم، كتاب المساقاة، باب السلم، النسخة الهندية ٢/ ٣١، بيت الأفكار، رقم: ١٦٠٤، سنن الترمذي، أبواب البيوع، باب ماجاء في السلف في الطعام والتمر، النسخة الهندية ١/ ٢٤٥، دارالسلام، رقم: ١٣١١)

هو جائز في الميكلات والموزونات لقوله عليه السلام: من أسلم منكم فليسلم في كيل معلوم، ووزن معلوم إلى أجل معلوم. (هداية، كتاب البيوع، باب السلم، أشرفي ديوبند ٣/ ٩٢، درمختار، كراچی ٥/ ٢٠٩، زكريا ٧/ ٤٥٥، البحرالرائق، كوئٹه ٦/ ١٥٥، زكريا ٦/ ٢٥٩، مجمع الأنهر، قديم ٢/ ٩٧، جديد دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ١٣٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ ؍ جمادی الثانیہ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۷۹۹)

قرض کی رقم کے عوض میں دھان لینا

سوال [۸۸۲۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید عمر سے ۳۰۰؍ روپئے قرض لینا چاہتا ہے، عمر یہ شرط رکھتا ہے کہ آپ ان ۳۰۰؍ کے بدلہ ایک کوئنٹل دھان دے دینا جب کہ قرض کے وقت دونوں فریق کو معلوم ہے کہ دھان کا سرکاری بھاؤ پانچ سو روپئے ہے۔ اور جب دھان ادا کرنے ہوں گے، اس وقت بھی پانچ سو

روپئے کوئنٹل کا بھاؤ ہے، تو دریافت یہ کرنا ہے کہ اس طرح قرض کے بدلہ ایک کوئنٹل دھان متعین کرنا، جب کہ وہ قرض پر لی ہوئی رقم سے زائد قیمت کے ہیں، تو یہ شریعت کی روشنی میں جائز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: سوال میں مذکور معاملہ بیع سلم کے دائرہ میں داخل ہوکر اس وقت جائز ہوسکتا ہے جب کہ معاملہ کرتے وقت دھان کا وصف مثلاً باسمتی، ہنسراج، سرجو باون، سرجو ۴۹/نیز ادائے گی کا مقام وغیرہ بیان کردیا جائے، اگر یہ شرائط عقد کے وقت واضح نہ ہوں، تو پھر یہ معاملہ جائز نہ ہوگا۔

عن ابن عباس –رضي الله عنه– قال: قدم رسول الله ﷺ والناس يسلفون، فقال لهم رسول الله صلى الله عليه وسلم: من أسلف فلا يسلف إلا في كيل معلوم، ووزن معلوم. (صحيح مسلم، كتاب المساقاة، باب السلم، النسخة الهندية ٢/ ٣١، بيت الأفكار، رقم: ١٦٠٤، صحيح البخاري، كتاب السلم ١/ ٢٩٨، رقم: ٢١٨٧، ف: ٢٢٤٠، سنن الترمذي، أبواب البيوع، باب ماجاء في السلف في الطعام والتمر، النسخة الهندية ١/ ٢٤٥، دارالسلام، رقم: ١٣١١)

هو جائز في الميكلات والموزونات لقوله عليه السلام: من أسلم منكم فليسلم في كيل معلوم، ووزن معلوم إلى أجل معلوم. (هداية، كتاب البيوع، باب السلم، أشرفي ديوبند ٣/ ٩٢، درمختار، كراچی ٥/ ٢٠٩، زكريا ٧/ ٤٥٥، البحرالرائق، كوئٹه ٦/ ١٥٥، زكريا ٦/ ٢٥٩، مجمع الأنهر، قديم ٢/ ٩٧، جديد دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ١٣٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۷۷۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۶/۱۹ھ

بیع سلم میں روپئے کے عوض دھان لینے کی شرط

سوال [٨٨٢١]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے عمر سے پانچ ہزار روپئے کی رقم طلب کی اور اس کے عوض فصل کا دھان پانچ سو روپئے فی کوئنٹل کے حساب سے دس کوئنٹل دھان دینے پر اپنی رضامندی ظاہر کی، اور اس پر دونوں میں اتفاق ہوگیا، جب کہ ابھی دھان بویا جارہا ہے اور فصل آنے میں تین یا چار ماہ باقی ہیں، اس طرح یہ بیع قرآن وحدیث کی روشنی میں جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد الیاس نگلیا عاقل، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: یہ شرعی طور پر بیع سلم ہے جو جائز اور درست ہے۔

وجملة الشروط جمعوها في قولهم: إعلام رأس المال، وتعجيله، وإعلام المسلم فيه، وتأجيله، وبيان مكان الإيفاء، والقدرة على تحصيله.

(هداية، كتاب البيوع، باب السلم، أشرفي ديوبند ٣/ ٩٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٢٠ر ربیع الاول ١٤١٩ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٣/ ٥٦٨٦)

ادھار معاملہ میں قیمت میں زیادتی اور بیع سلم سے متعلق ایک سوال

سوال [٨٨٢٢]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (١) گیہوں کی قیمت پانچ روپئے ہے، بکر نے زید سے چھ مہینے کے ادھار پر گیہوں خریدے، زید نے بکر کو اس شرط پر گیہوں دیئے کہ آپ کو آٹھ سو روپئے کے دام دینے ہوں گے، یہ معاملہ شریعت کی رو سے جائز ہے یا نہیں؟

(٢) بکر نے زید سے آٹھ سو روپئے کے حساب سے ادھار گیہوں خریدے، زید نے اس شرط پر گیہوں دیئے کہ آپ کو تین سو روپئے کے حساب سے مونجی دینی ہوگی، بکر نے اس شرط کو منظور کرلیا؛ حالاں کہ فصل آنے پر مونجی کا بھاؤ پانچ روپئے کو ہے، تو اس طرح بیع کرنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: شمس الدین علی پور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: (١) مسئولہ صورت میں خرید وفروخت کا اس طرح ادھار معاملہ کرنا جائز ہے؛ اس لئے کہ ادھار کی وجہ سے قیمت میں زیادتی کرنا شرعاً وعرفاً درست ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ٨/ ٤٠، جدید زکریا مطول ١١/ ١٣٤-١٣٦، امداد الفتاوی ٣/ ٢٠، محمودیہ قدیم ١٣/ ٣١٣، جدید ڈابھیل ١٦/ ١٥١، رحیمیہ قدیم ٩/ ٢٥٢-٢٥٤، جدید زکریا ٩/ ١٩٦)

ألا يرى! أنه يزاد في الثمن لأجل الأجل. (هداية، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، اشرفی دیوبند ٣/ ٧٤، البحرالرائق، کوئٹہ ٦/ ١١٤، زكريا ٦/ ١٩٠، شامي، زكريا ٧/ ٣٦١، كراچی ٥/ ١٤٢)

(٢) فی نفسہ خرید وفروخت کا سوال میں ذکر کردہ معاملہ فاسد ہے؛ البتہ اگر خرید وفروخت کا معاملہ کرتے وقت تمام گیہوں کی مقدار اور اس کا پیسہ متعین ہوجائے، پھر اس پوری مقدار میں سے تین سو روپئے کے حساب سے فصل میں فی کوئنٹل مونجی وصول کرنے کی بات اسی مجلس میں طے ہوجائے، تو ایسی صورت میں اس کو بدل سلم قرار دے کر بیع سلم کے دائرہ میں داخل کرکے جائز کہا جاسکتا ہے۔

عن ابن عباس -رضي الله عنه- قال: قدم رسول الله ﷺ والناس يسلفون، فقال لهم رسول الله صلى الله عليه وسلم: من أسلف فلا يسلف إلا في كيل معلوم، ووزن معلوم. (صحيح مسلم، كتاب المساقاة والمزارعة، باب السلم، النسخة الهندية ٢/ ٣١، بيت الأفكار، رقم: ١٦٠٤)

هو جائز في الميكلات والموزونات لقوله عليه السلام: من أسلم

منكم فليسلم في كيل معلوم، ووزن معلوم إلى أجل معلوم. (هداية، كتاب البيوع، باب السلم، أشرفي ديو بند ۳/ ۹۲، درمختار، كراچی ۵/ ۲۰۹، زكريا ۷/ ۴۵۵، البحر الرائق، كوئٹه ۶/ ۱۵۵، زكريا ۶/ ۲۵۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ رجمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۶۶۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۵/۲۰ھ

باغات کی فصل فروخت کرنے کی ایک شکل

سوال [۸۸۲۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) زید نے اپنے آم کے باغ کی فصل کو اس شرط پر فروخت کیا کہ قیمت کے علاوہ خریدار زید کو دو کوئنٹل آم ۵/ روپئے فی کلو کے حساب سے دے گا۔

(۲) یا دوسری صورت میں کل قیمت کے علاوہ دو کوئنٹل آم خریدار مالک باغ زید کو دے گا، ان دونوں صورتوں میں کون سی صورت جائز ہے؟ برائے کرم تحریری جواب سے مطلع فرمائیں۔

المستفتی: محمد اکبر امام علی مسجد شیر کوٹ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: باغات کی فصل فروخت کرنے کی بہت سی شکلیں ہیں، ان میں سے بعض شکلیں جائز ہیں۔ اور بعض شکلیں ناجائز ہیں۔ سوال نامہ میں جس شکل کا ذکر ہے، اگر یہ جواز کی شکل ہے، تو اس میں فصل کی فروختگی کے ساتھ دو کوئنٹل آم پانچ روپئے فی کلو کے حساب سے لینے کی جو بات کہی گئی ہے، اگر یہ معاملہ اس طرح ہوا ہے کہ فصل کی قیمت الگ سے متعین ہو چکی ہے، پھر الگ سے بائع اور مشتری کے درمیان یہ معاملہ طے ہوا ہے کہ مشتری چونکہ باغ والا بن چکا ہے، پانچ روپئے فی کلو کے حساب سے دو کوئنٹل آم مالک باغ کے ہاتھ فروخت کرنے کی بات طے ہوگئی اور آم کی قسم بھی بیان کردی گئی ہے، دیسی ہے،

دسہری ہے، یا چوسہ ہے وغیرہ اور مالک نے دو کوئنٹل آم کی قیمت معاملہ کے وقت نقد ادا کر دی ہے اور آم کے بارے میں یہ شرط نہیں لگائی ہے کہ اسی باغ میں سے دینا ہوگا؛ بلکہ کہیں سے بھی دے سکتا ہے، تو ایسی صورت میں دو کوئنٹل آم کا معاملہ بیع سلم کے دائرہ میں داخل ہو کر جائز ہو جائے گا اور جو شرائط اوپر ذکر کی گئی ہیں، اگر یہ شرائط معاملہ میں موجود نہیں ہیں، تو یہ شکل جائز نہ ہوگی۔

عن ابن عباس –رضي الله عنه– قال: قدم رسول الله ﷺ والناس يسلفون، فقال لهم رسول الله صلى الله عليه وسلم: من أسلف فلا يسلف إلا في كيل معلوم، ووزن معلوم. (صحيح مسلم، كتاب المساقاة والمزارعة، باب السلم، النسخة الهندية ٢/ ٣١، بيت الأفكار، رقم: ١٦٠٤)

هو جائز في الميكلات والموزونات لقوله عليه السلام: من أسلم منكم فليسلم في كيل معلوم، ووزن معلوم إلى أجل معلوم. (هداية، كتاب البيوع، باب السلم، أشرفي ديوبند ٣/ ٩٢، البحرالرائق، كوئٹه ٦/ ١٥٥، زكريا ٦/ ٢٥٩)

(۲) یہ صورت اس طرح جائز ہے کہ فصل کی قیمت جو متعین کی گئی ہے۔ اور ساتھ میں مالک کو دو کوئنٹل آم دینے کی شرط لگائی ہے، تو دو کوئنٹل آم جزو ثمن بن جائے گا؛ لہٰذا دو کوئنٹل آم اور وہ قیمت جو فریقین کے درمیان طے ہوتی ہے دونوں مل کر فصل کی قیمت بن گئی ہے؛ اس لئے یہ صورت شرعاً معتبر و جائز ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۱۱/ ۲۸۶، جدید ڈابھیل ۱۶/ ۱۰۱)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸؍ ربیع الاول ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۵۲۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۹؍۳؍۱۴۲۱ھ

۱۰/ باب الاستصناع

بیع استصناع

سوال [۸۸۲۴]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) شہر مالیگاؤں میں کپڑوں کے بنکروں اور بیوپاریوں نیز سوت کے بیوپاریوں کے درمیان ایک طریقۂ تجارت رائج ہے، جسے ’’فارورڈ ڈیلیوری‘‘ یعنی مستقبل میں مال فراہم کرنے کا طریقہ، اس طرز تجارت میں ہوتا یہ ہے کہ آج مثلاً ۲۵؍ جون کو بنکر اور کپڑے کا بیوپاری دونوں آپس میں مستقبل کی کسی تاریخ پر سودا طے کرتے ہیں، اس طور پر کہ بنکر، بیوپاری کو (مثلاً) کپڑے کی ایک سو گانٹھ فلاں تاریخ تک تیار کرکے دے گا، کپڑے کی کوالیٹی، قیمت اور مقدار وغیرہ سب اسی وقت متعین کرلیا جاتا ہے، مدت بسا اوقات متعین کی جاتی ہے اور بعض مرتبہ طے نہیں کی جاتی، اس صورت میں بیوپاری بنکر کو خام مال نہیں دیتا اور نہ ہی پیشگی (ایڈوانس یا ڈپازٹ کے طور پر) کچھ رقم دیتا ہے؛ بلکہ بنکر کو خود ہی خام مال حاصل کرکے آرڈر کے مطابق تیار مال دینا ہوتا ہے، یہ خام مال بنکر کے پاس کبھی موجود ہوتا ہے اور کبھی موجود نہیں ہوتا، خام مال موجود نہ ہونے کی صورت میں بنکر کو یہ مال بازار سے ’’فارورڈ ڈیلیوری‘‘ ہی کی صورت میں سوت کے بیوپاری سے خریدنا پڑتا ہے اور بیوپاری کے آرڈر کے مطابق بنکر حسب سہولت مال تیار کرکے کئی قسطوں میں دیتا ہے، بیوپاری جب مال وصول کرتا ہے، تو اس کو جانچتا ہے، اگر کپڑے کی کوالیٹی وغیرہ طے شدہ شرائط کے مطابق ہوتی ہیں تو جتنی مقدار میں مال اس کو پہنچتا ہے، اتنے مال کا پیسہ وہ طے شدہ قیمت کے مطابق چیک یا نقد کی صورت میں ادا کردیتا ہے، بیوپاری جس وقت مال وصول کرتا ہے، تو وہ اس موقع پر طے شدہ قیمت کے مطابق ہی اس مال کا پیسہ دیتا ہے، چاہے اس زمانہ میں اس مال کی بازاری قیمت طے شدہ قیمت کی بہ نسبت بہت گھٹ گئی ہو یا بہت بڑھ گئی ہو۔ اس کے برعکس اگر وہ مال آرڈر اور طے

شدہ شرائط کے مطابق نہ ہو اور اس میں عیب وغیرہ ہو، تو وہ اس مال کو رد کر دیتا ہے، چنانچہ بنکر کو ازسرنو مال تیار کر کے دینا پڑتا ہے، اور جس مال کو بیوپاری نے رد کر دیا ہے، اسے بنکر کو مجبوراً کم داموں میں نقصان کے ساتھ بازار میں فروخت کرنا پڑتا ہے۔

(۲) کبھی بازار کا بھاؤ اچھا ہو تو بنکر آرڈر سے زیادہ مال تیار کرتا ہے اور دوسرے بیوپاریوں کو اپنی قیمت میں وہ مال دے کر زیادہ نفع حاصل کر لیتا ہے، اس صورت میں یہ بنکر جس بیوپاری سے مستقبل کی تاریخوں میں سودا کر چکا ہوتا ہے، اس کو یا تو معاہدہ کے مطابق مال دے نہیں پاتا یا اگر دیتا ہے، تو مقررہ مقدار سے کم دیتا ہے۔

(۳) اور کبھی ایسا موقع بھی آتا ہے کہ بیوپاری اپنے آرڈر کے مطابق مال لینے سے انکار کر دیتا ہے، یعنی بنکر اس بیوپاری کو جتنی مدت میں مال کی جو مقدار دینے کا پابند ہوتا اس قدر مال تیار ہونے اور مدت پوری ہونے سے پہلے ہی بیوپاری اس معاہدہ کو منسوخ کر دیتا ہے، اس صورت میں اگر اس تیار مال کی قیمت بازار میں اچھی ہو یا وہی قیمت ہو جو دونوں کے درمیان طے ہوئی تھی، تو ٹھیک۔ اور اگر اس قیمت سے کم میں اسے فروخت کرنا پڑے تو بعض بنکر اس کمی کی تلافی کا مطالبہ (ڈیفرینس کے نام سے) بیوپاری سے کرتا ہے اور بیوپاری کو اس کا ضمان اس تلافی اور ڈیفرینس کے نام پر دینا پڑتا ہے، بعض بنکر اس ڈیفرینس کو چھوڑ بھی دیتے ہیں۔

مذکورہ بالا تینوں صورتوں میں وضاحت طلب امر یہ ہے کہ:

(۱) یہ کاروبار بیع کی کس قسم سے تعلق رکھتا ہے؟

(۲) اس کاروبار کو ''استصناع'' کا عنوان دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

(۳) استصناع کے صحیح ہونے کی شرطیں کیا ہیں؟ اور اس کاروبار میں استصناع کی تمام شرطیں پائی جاتی ہیں یا نہیں؟

(۴) استصناع میں جن باتوں کا ہونا ضروری ہے، ان میں سے اگر کوئی ایک شرط نہ پائی جائے تو اس وقت کیا حکم ہوگا؟

(۵) ''فارورڈ ڈیلیوری'' کے مذکورہ بالا طریقہ کے مطابق کپڑے اور سوت کی خرید وفروخت کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

(٦) معاہدہ کی مدت میں ایک جگہ بیوپاری سے ملے ہوئے مال کے آرڈر سے زیادہ مقدار میں مال تیار کرنا اور اسے کسی اور بیوپاری کے ہاتھوں زیادہ منافع کے ساتھ فروخت کرنا، تاکہ نفع زیادہ حاصل ہو اور جس بیوپاری سے معاہدہ ہے، اس کو معاہدہ کی مدت میں مال نہ دینا یا طے شدہ مقدار سے کم مال دینے کا شرعاً کیا حکم ہے؟ اس طریقہ سے حاصل ہونے والا نفع حلال ہوگا یا حرام؟

(٧) بیوپاری اگر اپنے آرڈر کا پورا مال لینے سے انکار کردے اور مدت پوری ہونے سے پہلے معاہدہ کو توڑ دے، تو پھر وہ مال کم قیمت میں فروخت ہونے کی صورت میں بیوپاری سے اس فرق کی رقم بطور ڈیفرینس لی جاسکتی ہے یا نہیں؟ فقط والسلام- **بینوا بالکتاب والسنة توجروا إن شاء الله تعالیٰ-**

المستفتی: الحاج محمد ایوب، مالیگاؤں

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: سوال نامہ میں ذکر کردہ طریقۂ تجارت میں بیع استصناع کی شکل معلوم ہوتی ہے۔ اور بیع استصناع کے صحیح ہونے کے لئے مبیع کی جنس ونوعیت اور مقدار وصف کا اس طرح معلوم ہونا شرط ہے کہ مبیع مکمل طور پر متعین ہوجائے؛ لہٰذا سوال میں ذکر کردہ طریقۂ تجارت کے مطابق معاملہ کرنا شرعاً صحیح اور درست ہے۔

إنما جاز الاستصناع فيما للناس فيه تعامل إذا بين وصفا على وجه يحصل التعريف. (هندية، كتاب البيوع، الباب التاسع عشر، مطلب الاستصناع، زكريا قديم ٣/ ٢٠٧، جديد ٣/ ١٩٥)

أما صورة الاستصناع فهي أن يقول إنسان لصانع من خفاف أو صفار أو غيرهما: إعمل لي خفا، أو آنية من أديم، أو نحاس من عندك بثمن كذا، ويبين نوع ما يعمل، وقدره، وصفته، فيقول الصانع: نعم. (بدائع الصنائع، كتاب الاستصناع، كراچی ٥/ ٢، زكريا ديوبند ٤/ ٩٣)

أما شرائط جوازه: فمنها: بيان جنس المصنوع، ونوعه، وقدره، وصفته؛ لأنه لا يصير معلوما بدونه. (بدائع الصنائع، زكريا ديوبند ٤/ ٩٤)

صانع کا مال تیار کر کے مستصنع یعنی بیوپاری کے علاوہ دوسرے کے ہاتھ فروخت کرنا شرعاً درست ہے؛ اس لئے کہ وہ اسی کا مال ہے، وہ اپنا مال کسی کے بھی ہاتھ فروخت کرسکتا ہے؛ لیکن اس نئے آرڈر دینے والے کے ساتھ وعدہ خلافی اور دھوکہ کا معاملہ کیا ہے؛ اس لئے وہ سخت گنہ گار ہوگا۔

عن عبدالله قال: قال رسول الله ﷺ: لا دين لمن لا عهد له، والذي نفس محمد بيده لا يستقيم دين عبد حتى يستقيم لسانه، ولا يستقيم لسانه حتى يستقيم قلبه. (المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي بيروت ١٠/ ٢٢٧، رقم: ١٠٥٥٣)

فيجبر الصانع على عمله، ولا يرجع الآمر عنه. (الدرالمختار، مطلب في الاستصناع زكريا ٧/ ٤٧٥، كراچى ٥/ ٢٢٤)

وأما بعد الفراغ من العمل قبل أن يراه المستصنع، فكذلك حتى كان للصانع أن يبيعه ممن شاء. (بدائع الصنائع، زكريا ٤/ ٩٤، هندية، زكريا قديم ٣/ ٢٠٨، جديد ٣/ ١٩٥، هداية أشرفي ديوبند ٣/ ١٠١)

(۳) بیوپاری کے لئے مدت پوری ہونے سے پہلے معاملہ کو ختم کرنے کا حق ہے اور اس وقت نقصان کی صورت میں کاریگر کے لئے بیوپاری پر کوئی ضمان لازم نہ ہوگا؛ لیکن اس میں کاریگر کو نقصان ہو رہا ہے اور بیوپاری کی طرف سے وعدہ خلافی اور دھوکہ بھی ہے؛ اس لئے بیوپاری سخت گنہگار ہوگا۔

عن عبدالله قال: قال رسول الله ﷺ: لا دين لمن لا عهد له، والذي نفس محمد بيده لا يستقيم دين عبد حتى يستقيم لسانه، ولا يستقيم لسانه حتى يستقيم قلبه. (المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي بيروت ١٠/ ٢٢٧، رقم: ١٠٥٥٣)

فيجبر الصانع على عمله، ولا يرجع الآمر عنه. (الدرالمختار، مطلب في الاستصناع زكريا ٧/ ٤٧٥، كراچی ٥/ ٢٢٤)

مذکورہ بالاتحریر میں سوال کے اندرذکر کردہ تمام شقوں کے جوابات آگئے ہیں؛ اس لئے ہرشق کو الگ الگ لکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیراحمدقاسمی عفااللہ عنہ
٢٦/محرم الحرام ١٤٣١ھ
(الف فتویٰ نمبر:٣٨/ ٩٨٦٧)

الجواب صحیح:
احقرمحمدسلمان منصورپوری غفرلہ
٢٦/١/١٤٣١ھ

عقدِاستصناع کامدارعرف وتعاملِ ناس پرہے یانصوص پر؟

سوال [٨٨٢٥]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عقدِاستصناع کامدارنصوص پرہے یاعرف وتعامل ناس پر؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: عقدِاستصناع کامدارعرف اورتعاملِ ناس پرہے،نصوص پرنہیں ہے؛ بلکہ نصوص سے اصول حاصل کیا گیاہے۔اورحضورصلی اللہ علیہ وسلم کے انگوٹھی بنوانے کی حدیث سے اصول مل گیاہے۔

عن نافع أن عبدالله –رضي الله عنه– حدثه أن النبي صلى الله عليه وسلم اصطنع خاتما من ذهب، وجعل فصه في بطن كفه إذا لبسه، فاصطنع خواتيم من ذهب فرقي المنبر، فحمد الله وأثنى عليه، فقال: إني كنت اصطنعته، وإني لا ألبسه فنبذه، فنبذ الناس، وقال جويرية: ولا أحسبه إلا قال في يده اليمنى. (بخاری شریف ٢/ ٨٧٣، رقم: ٥٦٤٧)

عن أنس بن مالك –رضى الله عنه– قال: اصطنع رسول الله صلى الله عليه وسلم خاتما، فقال: إنا قد اصطنعنا خاتما، ونقشنا فيه نقشا فلا

ينقش أحد عليه. (مسند أحمد ٣/ ١٠١، رقم: ١٢٠١٢، السنن الكبرى للنسائي، دارالكتب العلمية بيروت ٥/ ٤٥٦، رقم: ٩٥٤٥)

ولكنا جوزناه إستحسانا للتعامل الراجع إلى الإجماع العمليّ من لدن رسول الله صلى الله عليه وسلم إلى اليوم بلا نكير، والتعامل بهذه الصفة أصل مندرج في قوله صلى الله عليه وسلم: لا تجتمع أمتي على ضلالة. (فتح القدير، كتاب البيوع، باب السلم، كوئٹه ٦/ ٢٤٢، زكريا ٧/ ١٠٧)

جاز لأن الناس تعاملوه في سائر الأعصار من غير نكير، فكان إجماعا منهم على الجواز. (بدائع الصنائع زكريا ٤/ ٤٤٤)

أما الاستصناع فبالتعامل ومخصوص مما فيه تعامل. (البحرالرائق، كوئٹه ٦/ ١٧١، مكتبه دارالكتاب ٦/ ٢٨٥)

أما الاستصناع: فللإجماع الثابت بالتعامل من لدن النبي إلى يومنا هذا، وهو من أقوى الحجج. (تبيين الحقائق، زكريا ٤/ ٥٢٦، إمداديه ملتان ٤/ ١٢٣)

وجه الاستحسان الإجماع الثابت بالتعامل، فإن الناس في سائر الأعصار تعارفوا الاستصناع فيما فيه تعامل من غير نكير، والقياس يترك بمثله كدخول الحمام. (عناية مع فتح القدير، مكتبه أشرفيه ٧/ ١٠٨، كوئٹه ٦/ ٢٤٢، الموسوعة الفقهية ٣/ ٣٢٩)

عن أنس بن مالك –رضي الله عنه– قال: اصطنع رسول الله صلى الله عليه وسلم خاتما فقال: إنا قد اصطعنا خاتما ونقشنا فيه نقشا فلا ينقش أحد عليه. (السنن الكبرى للنسائي، دارالكتب العلمية بيروت ٥/ ٤٤٦، رقم: ٩٥٥٤، مسند أحمد ٣/ ١٠١، رقم: ١٢٠١٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۴۳۴/۱۲/۲۷ھ

(الف خاص فتویٰ نمبر: ۱۳۴۴/۴۰)

عقدِ استصناع اجارہ ہے یا بیع؟

سوال [۸۸۲٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بیع استصناع بوقت عقد بیع ہے، یا معاہدہ بیع یا اجارہ، قولِ راجح کیا ہے؟ تحریر فرمائیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: صحیح اور راجح قول کے مطابق معاملہ استصناع کی حیثیت بیع کی ہے، استصناع معاہدہ بیع یا اجارہ نہیں ہے۔

ثم هو بيع عند عامة مشايخنا، وقال بعضهم: هو عدة وليس بسديد؛ لأن محمد ذكر القياس والاستحسان في جوازه، وذكر القياس والاستحسان لا يليق بالعدات، وكذا ثبت خيار الرؤية للمستصنع وأنه خصائص البيوع. (بدائع الصنائع، كتاب البيوع، حكم الاستصناع، زكريا ديوبند ٤/ ٤٤٤)

واختلفوا فى جوازه هل هو بيع أو عدة؟ والصحيح أنه بيع لا عدة، وهو مذهب عامة مشايخنا، وكان الحاكم الشهيد يقول: هو مواعدة ينعقد العقد بالتعاطي، وجه العامة: أنه سماه في الكتاب بيعا، وأثبت فيه خيار الرؤية. (عناية مع فتح القدير، أشرفيه ديوبند ٧/ ١٠٨، كوئٹه ٦/ ٢)

صح الاستصناع بيعا لاعدة على الصحيح. (شامي، زكريا ٧/ ٤٧٥، كراچی ٥/ ٢٢٤)

اختلف المشايخ فيه، فقال بعضهم: هو مواعدة وليس ببيع، وقال بعضهم: هو بيع لكن للمشتري فيه خيار، وهو الصحيح. (الموسوعة الفقهية بيروت ٣/ ٣٢٦)

والصحيح الراجح في المذهب الحنفي: أن الاستصناع بيع للعين المصنوعة لا لعمل الصانع فهو ليس وعدا ببيع ولا إجارة على العمل. (الفقه

الإسلامي وأدلته، هدی انٹرنیشنل دیوبند ٤/ ٣٩٢، تاتارخانية زكريا ٩/ ٤٠٠، رقم: ١٣٧١٧، تبيين الحقائق، إمداديه ملتان ٤/ ١٢٣، زكريا ديوبند ٤/ ٥٢٧، مجمع الأنهر، فقيه الأمت ٣/ ١٥٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲/۱۲/۱۴۳۴ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۳۲۵)

کئی واسطوں سے معاملہ استصناع

سوال [۸۸۲۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ معاملۂ استصناع میں مستصنع (مشتری) نے براہ راست صانع (بائع) کوآرڈر نہیں دیا؛ بلکہ درمیان میں کئی واسطے ہیں، مثلاً مرادآباد میں یہ معاملہ بہت زیادہ ہوتا ہے کہ ایکسپورٹر نے بایر سے آرڈر لیا، پھر داخلی لوگوں کو مال بنانے کا آرڈر دیا اور جس کارخانہ دار کوآرڈر دیا اس نے اپنے بعد کے لوگوں کوآرڈر دیا، درحقیقت صانع کم ازکم دوسرے یا تیسرے نمبر پر ہوتا ہے اوراس صانع سے اس کے خریدار نے لیا، اس سے ایکسپورٹر نے اوراس نے لے کر باہر کے بایر کو دیا، تو یہ کئی واسطوں سے عقد استصناع جائز ہے یانہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: معاملۂ استصناع میں مستصنع اور صانع کے درمیان اگر کئی واسطے ہوں تب بھی استصناع صحیح اور درست ہو جاتا ہے؛ کیوں کہ صحت استصناع کا مدار عرف وعادت پر ہے۔ اور بالواسطہ استصناع کا عرف عام ہے؛ لہٰذا مرادآباد میں جو عقد استصناع کی شکل رائج ہے، وہ بلاشبہ جائز اور درست ہے۔

الثابت بالعرف كالثابت بالنص. (رسم الفتي ١٧٦)

استعمال الناس حجة يجب العمل بها. (شرح المجلة رستم باز مكتبة اتحاد ديو بند ١/ ٣٥، المادة: ٣٧)

العادة تجعل حكما إذا لم يوجد التصريح بخلافه. (الفوائد البهية ١٩٣)

العادة محكمة. (شرح المجلة، اتحاد ١/ ٣٤، المادة: ٣٦)

يجوز فيما فيه تعامل لافيما لا تعامل فيه. (عناية مع فتح القدير، أشرفيه ٧/ ١٠٨، كوئٹه ٦/ ٢٤٣)

للاستصناع شروط هي: أن يكون مما جرى فيه التعامل بين الناس. (الموسوعة الفقهية ٣/ ٣٢٨، بيروت) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳/ ۱۲/ ۱۴۳۴ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۳۲۶)

باہر کے بایر سے آرڈر لینے والے ایکسپورٹر کو صانع کہا جائے یا مستصنع؟

سوال [۸۸۲۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے باہر کے بایر سے آرڈر لیا جس میں اس نے یہ وعدہ کیا کہ ۳/ ماہ کے اندر اندر مال بنوا کر پیش کردوں گا، پھر زید نے کارخانہ دار بکر کو آرڈر دیا کہ اس نمونہ کا بنا کر کے دینا ہے اور بکر نے اپنی لیور کے ذریعہ اس کا مال بنا کر دیا، تو ایسی صورت میں بایر بہر حال مستصنع ہے اور بکر جس نے مال بنا کر دیا ہے وہ صانع ہے، تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ زید کیا ہے، کیا زید کو صانع کہا جائے گا یا مستصنع کہا جائے گا؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید جس نے بایر سے آرڈر لیا اور کارخانہ دار بکر کو آرڈر دیا، اس کو من وجہ (مشتری) مستصنع اور من وجہ (بائع) صانع دونوں کہا جائے گا؛ اس لئے کہ یہ بایر کے لئے صانع ہے اور کارخانہ دار بکر کے لئے مستصنع ہے، جیسے کہ بیع سلم میں کوئی شخص کسی دوسرے

سے کوئی چیز خرید وفروخت کرے تو اس کو بائع اور مشتری دونوں کہا جاتا ہے۔

وهو في اصطلاح الفقهاء: طلب العمل من الصانع في شيء مخصوص، وينعقد الاستصناع بالإيجاب والقبول من المستصنع والصانع ويقال للمشتري مستصنع، وللبائع صانع، وللشيء مصنوع. (الفقه الإسلامي وأدلته، هدى انٹرنیشنل دیوبند ٤/ ٣٩١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۳۴/۱۲/۲۷ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۴۳۶)

غیر منقول اشیاء میں استصناع کا معاملہ

سوال [۸۸۲۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ استصناع کا معاملہ منقول اشیاء میں ثابت ہے، اب سوال یہ ہے کہ غیر منقول اشیاء عقار میں بھی معاملہ استصناع جائز ہے یا نہیں؟ مثلاً مکانات بنانے کے لئے آرڈر دیا جائے اور بلڈر شرائط کے مطابق مکان بنا کر دے دے تو یہ معاملہ استصناع کے دائرے میں ہو کر جائز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: چونکہ استصناع کا مدار تعامل ناس اور عرف وعادت پر ہے اور اس جدید دور میں غیر منقول اشیاء میں بھی استصناع کا عرف عام ہے؛ لہٰذا غیر منقول اشیاء میں بھی معاملہ استصناع بلا شبہ جائز ہے اور آڈر پر مکان اور فلیٹ وغیرہ بنوانا یہ سب معاملہ استصناع کے دائرے میں ہو کر جائز ہوگا۔ (مستفاد: چند اہم عصری مسائل/ ۲۸۳)

ثم انتشر الاستصناع إنتشارا واسعا في العصر الحديث، ولم يقتصر الأمر على الصناعات المختلفة ما دام يمكن ضبطها بالمقاييس

والمواصفات المتنوعة، وإنما يشمل أيضا إقامة المباني وتوفير المساكن المرغوبة. (الفقه الإسلامي وأدلته، هدى انٹرنیشنل دیوبند ٤/ ٤٠٢)

كل شيء تعومل استصناع يصح فيه الاستصناع على الإطلاق. (شرح المجلة رستم باز، مطبع اتحاد ديوبند ١/ ٢٢٠، مادة: ٢٨٩)

يجب أن يعلم بأن الاستصناع جائز في كل ماجرى التعامل فيه. (تاتارخانية، زكريا ٩/ ٤٠٠، رقم: ١٣٧١٦)

للاستصناع شروط هي: أن يكون مما جرى فيه التعامل بين الناس. (الموسوعة الفقهية بيروت ٣/ ٣٢٨، بدائع، زكريا ٤/ ٤٤٤، عناية مع فتح القدير أشرفيه ٧/ ١٠٨، کوئٹه ٦/ ٢٤٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱/۱/۱۴۳۵ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۳۵۳)

گاڑی وغیرہ بڑی چیزوں میں استصناع کا معاملہ

سوال [۸۸۳۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جوتا، چپل، برتن وغیرہ جیسی چھوٹی اشیاء کے بارے میں معاملۂ استصناع نصوص سے ثابت ہے، سوال یہ ہے کہ آج کے زمانے میں بڑی چیزوں مثلاً ٹرک، گاڑی وغیرہ میں بھی استصناعت ہوتی ہے، تو کیا ایسی بڑی چیزوں میں بھی معاملۂ استصناع جائز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: معاملۂ استصناع کا مدار تعامل ناس اور عرف وعادت پر ہے، بریں بناء جن چیزوں میں بھی استصناع کا عرف ہوگا، اس میں معاملۂ استصناع جائز ہوگا، خواہ وہ چیزیں چھوٹی ہوں یا بڑی؛ لہٰذا آج کے زمانے میں جو گاڑی وغیرہ میں استصناعت جاری ہے بلاشبہ جائز اور درست ہے۔

منها: أن يكون ما للناس فيه تعامل كالقلنسوة، والخف، والآنية ونحوها، فلا يجوز فيما لا تعامل لهم فيه. (بدائع الصنائع، كتاب البيوع، حكم الاستصناع، زكريا ديوبند ٤/ ٤٤٤)

كل شيء تعومل استصناع يصح فيه الاستصناع على الإطلاق. (شرح المجلة رستم باز، مطبع اتحاد ديو بند ١/ ٢٢٠، مادة: ٢٨٩)

ولأنه يجوز فيما فيه تعامل لا فيما لا تعامل فيه. (عناية مع فتح القدير، أشرفيه ديو بند ٧/ ١٠٨، كوئٹه ٦/ ٢٤٣)

للاستصناع شروط هي: أن يكون مما يجرى فيه التعامل بين الناس. (الموسوعة الفقهية بيروت ٣/ ٣٢٨، بدائع، زكريا ٤/ ٤٤٤، عناية مع فتح القدير أشرفيه ٧/ ١٠٨، كوئٹه ٦/ ٢٤٣)

يجب أن يعلم بأن الاستصناع جائز في كل ماجرى التعامل فيه. (تاتارخانية، زكريا ٩/ ٤٠٠، رقم: ١٣٧١٦)

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/۱۲/۱۴۳۴ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۰۶۷)

عقدِ استصناع کی شکل میں مکان، فلیٹ وغیرہ کا معاملہ

سوال [۸۸۳۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مسئلہ یہ ہے کہ فلیٹ وغیرہ کا باضابطہ نقشہ، نمونہ، سائز سب کچھ ہوتا ہے، پھر اس کا آرڈر دیا جاتا ہے، پھر تیاری کے بعد لین دین بھی وعدہ کے مطابق ہوجاتا ہے، تو یہ معاملہ استصناع میں داخل ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: جب فلیٹ وغیرہ کا نقشہ، نمونہ، سائز سب کچھ دکھا کر کے آرڈر دیا گیا، پھر وعدہ کے مطابق لین دین بھی ہو گیا تو یہ معاملہ استصناع کے دائرہ میں داخل ہو کر جائز ہے۔

ومن أبرز الأمثلة والتطبيقات لعقد الاستصناع بيع الدور، والمنازل، والبيوت السكنية على الخريطة ضمن أوصاف محددة. (الفقه الإسلامي وأدلته، هدى انٹر نيشنل ديوبند ٤/ ٤٠٢)

ولا يصح السلم فيما لا يمكن ضبطه بالوصف كالدور، والعقارات، والجواهر، واللآلي، والجلود، والخشب لتفاوت آحادها تفاوتا فاحشا في المالية، أما الاستصناع فيصح في الأمرين إذا تعامل الناس به. (الفقه الإسلامي وأدلته، هدى انٹر نيشنل ديوبند ٤/ ٤٠١)

ولا يجوز فيما لا تعامل فيه للناس كالثياب لعدم المجوّز، وفيما فيه تعامل إنما يجوز إذا أمكن إعلامه بالوصف ليمكن التسليم. (هداية، مكتبة الأمين، كتاب البيوع، باب السلم ٣/ ١٠١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۳۴/۱۲/۲۷ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/۴۴/۱۱۳۴۴)

(صانع) کاریگر کو اجیر کب قرار دیا جائے؟

سوال [۸۸۳۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: صانع کو اجیر کب قرار دیا جائے گا، جب کہ معاملے کی دو شکلیں ہو سکتی ہیں: (۱) سارا مال اور عمل صانع کی طرف سے ہوں (۲) سارا مال مستصنع کی طرف سے ہو اور صانع نمونہ کے

مطابق مال تیار کر کے دے دے، تو سوال یہ ہے کہ دونوں صورتوں میں یہ معاملہ اجرت کا ہوگا یا بیع کا؟ اگر اجرت کا ہے تو اجیر خاص کا ہے یا اجیر مشترک کا؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب مال مستصنع کا ہو اور عمل صانع کا ہو، تو یہ عقدِ اجارہ ہوگا، عقدِ استصناع نہیں ہوگا اور اس صورت میں عمل کرنے والا اجیر قرار دیا جائے گا اور وہ اجیر مشترک ہوگا۔ (مستفاد: اسلام اور جدید معاشی مسائل ۵/ ۱۵۵-۱۵۶)

فإذا كانت العين من المستصنع لا من الصانع، فإن العقد يكون إجارة لا استصناعا. (الفقه الإسلامي و أدلته، هدى انٹرنيشنل ديوبند ٤/ ٣٩١)

والاستصناع أن يكون العين والعمل من الصانع، فأما إذا كان العين من المستصنع لا من الصانع يكون إجارة ولا يكون استصناعا. (تاتارخانية، زكريا ١٥/ ٣٤٧، رقم: ٢٣٣٢٣)

شرطه: أن تكون العين والعمل من الصانع، فإن كانت العين من المستصنع كان العقد إجارة. (شرح المجلة، إتحاد ١/ ٦٩، مادة: ١٢٤)

حتى لو كان العين من المستصنع كان إجارة لا استصناعا. (مجمع الأنهر، فقيه الأمت ٣/ ١٤٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/ ذی الحجہ ۱۴۳۴ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۳۴۸)

ایک ماہ سے زیادہ مدت ہو تو کیا معاملہ استصناع سلم میں تبدیل ہوجاتا ہے؟

سوال [۸۸۳۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ معاملہ استصناع اگر ایک ماہ اس سے زیادہ کی مدت کے لئے ہو تو وہ معاملہ استصناع باقی رہے گا یا سلم ہوجائے گا؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: چونکہ معاملۂ استصناع کا مدار عرف اور تعامل ناس پر ہے اور عرف میں ایک ماہ اور اس سے زائد کے لئے بھی استصناع کا معاملہ کرنا رائج ہے؛ لہٰذا ایک ماہ یا زیادہ کی تحدید کی بنا پر یہ معاملہ سلم نہ ہوگا؛ بلکہ استصناع ہی باقی رہے گا۔

وخالف في ذلک أبو یوسف ومحمد إذ أن العرف عندهما جری بضرب الأجل في الاستصناع، والاستصناع إنما جاز للتعامل، ومن مراعاة التعامل بین الناس، رأي الصاحبین: أن الاستصناع قد تعورف فیه علی ضرب الأجل فلا یتحول إلی السلم بوجود الأجل. (الموسوعة الفقهیة ۳/ ۳۲۹)

وقال الصاحبان: لیس هذا بشرط، والعقد استصناع علی کل حال حدد فیه أجل أو لم یحدد؛ لأن العادة جاریة بتحدید الأجل في الاستصناع، فیکون شرطا صحیحا لذلک، وهذا القول هو المتفق مع ظروف الحیاة العملیة، وحاجات الناس. (الفقه الإسلامي وأدلته، هدی انٹر نیشنل دیوبند ٤/ ۳۹٦)

وقالا: الأول: أي ما فیه تعامل استصناع؛ لأن اللفظ حقیقة للاستصناع فیحافظ علی قضیته، ویحمل الأجل علی التعجیل بخلاف مالا تعامل فیه؛ لأنه استصناع فاسد، فیحمل علی السلم الصحیح. (شامي، مطلب الاستصناع کراچی ٥/ ۲۲٤، زکریا ۷/ ٤۷٤)

وقال أبو یوسف ومحمد: إنه لا یصیر سلما بل یبقی استصناعا، وهذا في استصناع للناس فیه تعامل. (محیط البرهاني، کوئٹه ۸/ ۲٥۷، المجلس العلمي بیروت ۱۰/ ۳٦٦، رقم: ۱۳۰٤۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۳۵/۲/۵ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۱۱۴۲۳/۴۰)

عقدِ استصناع اجارہ کب ہوگا؟

سوال [۸۸۳۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: آپ نے شروع میں جمہور کا قول نقل کیا ہے کہ استصناع کا معاملہ نہ اجارہ ہے نہ معاہدہ؛ بلکہ نفس بیع ہے، تو اس صورت میں اجیر خاص یا اجیر مشترک کی مثال پیش کی جاسکتی ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جمہور کا قول عقدِ استصناع کے بیع ہونے کا اس صورت میں ہے، جب سارا سامان اور عمل صانع کا ہو، اس صورت میں اجیر خاص یا اجیر مشترک کی مثال پیش نہیں کی جاسکتی؛ لیکن اگر سامان مستصنع کا ہو اور عمل صانع کا ہو، تو اجیر مشترک کی مثال پیش کرنا درست ہے۔

الاستصناع: أن يكون العين والعمل من الصانع. (تاتارخانية، زكريا ١٥/ ٣٤٧، رقم: ٢٣٣٢٣)

إن الاستصناع بيع للعين المصنوعة لا لعمل الصانع، فهو ليس وعدا ببيع، ولا إجارة على العمل. (الفقه الإسلامي وأدلته، هدى انٹر نيشنل ديوبند ٤/ ٣٩٢)

الصحيح أنه يجوز بيعا لا عدة. (هداية مع فتح القدير، كتاب البيوع، باب السلم، كوئٹه ٦/ ٢٤٢، زكريا ديوبند ٧/ ١٠٨)

شرطه: أن تكون العين والعمل من الصانع، فإن كانت العين من المستصنع كان العقد إجارة. (شرح المجلة رستم باز، مطبع إتحاد ديوبند ١/ ٦٩، مادة: ١٢٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۳۴/۱۲/۲۹ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۳۴۹)

مدت متعینہ میں مال تیار نہ کرنے سے آرڈر کینسل کرنے کا حق

سوال [۸۸۳۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مستصنع نے نمونہ بتلا کر کے آرڈر دیا اور صانع نے اس کی شرائط کے مطابق آرڈر لے لیا اور اس کی مدت متعین ہوگئی، اس کے بعد اگر مدت کے اندر اندر مال تیار کر کے صانع مستصنع کے حوالہ نہیں کر پایا، تو ایسی صورت میں مستصنع کو مدت کے ختم ہونے پر آرڈر کینسل کرنے کا حق ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفیق: صورت مسئولہ میں صانع شرائط کے مطابق مقررہ مدت میں مال تیار کر کے مستصنع کے حوالہ نہ کر سکے، تو ایسی صورت میں مستصنع (مشتری) کو آرڈر کینسل کرنے کا حق ہے۔

إذا انعقد الاستصناع فليس لأحد العاقدين الرجوع، وإذا لم يكن المصنوع على الأوصاف المطلوبة المبينة كان المستصنع مخيرا. (مجلة الأحكام، ص: ٧٦، بحواله كتاب الفتاوى ٥/ ٢٣٩)

وإذا حددت مدة لتقديم المصنوع، فانقضت دون أن يفرغ الصانع منه ويسلمه، فالظاهر أن يتخير المستصنع بين الانتظار والفسخ كما هو المقرر في عقد السلم. (الفقه الإسلامي وأدلته، هدى انٹر نیشنل دیوبند ٤/ ٣٩٦)

ولا يجبر المستصنع على إعطاء الدراهم وإن شرط تعجيله؛ لأن الإجارة في الأجرة شراء ما لم يره كان له أن يفسخ العقد ولا يعطى البدل.

(المحيط البرهاني، كوئٹه ٨/ ٢٥٦-٢٥٧، المجلس العلمي بيروت ١٠/ ٣٦٦، رقم: ١٣٠٤٦)

إذا تعذر تسليم المسلم فيه عند المحل، إما لغيبة المسلم إليه أو عجزه عن التسليم حتى عدم المسلم فيه، أو لم تحمل الثمار تلك السنة،

فالسلم بالخيار بين أن يصبر إلى أن يوجد فيطالب به، وبين أن يفسخ العقد ويرجع بالثمن إن كان موجودا أو بمثله إن كان مثليا وإلا قيمته. (المغني لابن قدامة بيروت ٤/ ١٩٦، رقم: ٣٢٢٩، بدائع الصنائع، زكريا ٤/ ٤٤٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۳۴/۱۲/۲۸ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۳۴۵)

استصناع میں مال صانع کا ہو تو وہ بائع ہو جائے گا

سوال [۸۸۳۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: استصناعت کے معاملے میں صانع اجیر مشترک قرار دیا جائے گا یا اجیر خاص؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: معاملہ استصناع میں جب مال اور عمل دونوں صانع کے ہوں، تو اس صورت میں صانع کو بائع قرار دیا جائے گا، اجیر مشترک یا اجیر خاص قرار نہیں دیا جائے گا؛ کیوں کہ اجیر کا صرف عمل ہوتا ہے عین نہیں ہوتا۔

يقال للمشتري: مستصنع، وللبائع صانع، وللشيء مصنوع. (الفقه الإسلامي وأدلته، هدى انٹرنیشنل دیوبند ٤/ ٣٩١)

صح الاستصناع بيعا لا عدة. (شامي، باب السلم، مطلب في الاستصناع، زكريا ٧/ ٤٧٥، كراچى ٥/ ٢٢٤، هداية أشرفي ديوبند ٣/ ١٠٠)

الاستصناع أن يكون العين والعمل من الصانع. (تاتارخانية، زكريا ١٥/ ٣٤٧، رقم: ٢٣٣٢٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۳۴/۱۲/۲۹ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۳۵۰)

مال کے لئے انکار پر پیشگی رقم کا ضبط کرنا

سوال [۸۸۳۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: استصناعت کے معاملہ میں اگر خریدار نے پیشگی کچھ رقم بطور بیعانہ کے دیدی اور شرائط کے مطابق صانع نے مال تیار کر دیا، مگر اب مستصنع لینے سے انکار کرتا ہے، تو کیا اس صورت میں اس پیشگی رقم کو ضبط کرسکتا ہے یا نہیں؟ جب کہ شرائط میں یہ طے تھا کہ مال نہ لینے کی صورت میں پیشگی رقم ضبط ہو جائے گی۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: استصناعت کے معاملہ میں خریدار نے پیشگی رقم دی تھی اور یہ شرط لگائی تھی کہ مال نہ لینے کی صورت میں صانع کو یہ رقم ضبط کرنے کا حق ہوگا، اب جب مال تیار ہونے کے بعد خریدار مال لینے سے انکار کرتا ہے تو چونکہ اس میں صانع کا کافی پیسہ لگ چکا ہے اور مال نہ بکنے میں اس کا ضرر اور نقصان ہے؛ اس لئے نقصان کے بقدر اس پیشگی رقم میں سے ضبط کرسکتا ہے۔ (مستفاد: اسلام اور جدید معاشی مسائل ۴/۱۶۱)

إذا أتى الصانع بالمستصنع على الصفة المشروطة. روي عن أبي يوسف رحمه الله إنه لازم في حقهما حتى لا خيار لأحدهما لا للصانع ولا للمستصنع أيضا أن في إثبات الخيار للمستصنع إضرار بالصانع؛ لأنه قد أفسد متاعه، وفرى جلده وأتى بالمستصنع على الصفة المشروطة، فلو ثبت له الخيار لتضرر به الصانع، فيلزم دفعا للضرر عنه. (بدائع الصنائع، باب حكم الاستصناع، زكريا ٤/ ٤٤٤)

عن أبي يوسف أنه لا خيار لواحد منهما، أما الصانع فلما ذكرنا، وأما المستصنع فلأن في إثبات الخيار له إضرار بالصانع فربما لا يرغب فيه غيره. (تبيين الحقائق، إمداديه ملتان ٤/ ١٢٤، زكريا ديوبند ٤/ ٥٢٨)

والعربون في البيع هو أن يشتري السلعة فيدفع إلى البائع درهما أو

غيره على أنه إن أخذ السلعة احتسب به من الثمن، وإن لم يأخذ فذلك للبائع يقال: عربون وأربون وعربان وأربان قال أحمد: لا بأس به، وفعله عمر رضي الله عنه وعن ابن عمر أنه أجازه، قال ابن سيرين: لا بأس به.

(المغني بيروت ٤/ ١٦٠، رقم: ٣١٢٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۹/۱۲/۱۴۳۴ھ

(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۳۵۱)

داخلی لوگوں نے مال کی تیاری میں تاخیر کردی، جس سے باہر کے خریدار نے آرڈر کینسل کردیا، تو نقصان کی تلافی کون کرے؟

سوال [۸۸۳۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر مشتری ایسے وقت میں آرڈر کینسل کردے جس وقت بائع نے مال کی تیاری میں لاکھوں روپئے خرچ کردیا ہے، تو ایسی صورت میں اس کے نقصان کا بھگتان کون کرے گا؟ کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ وعدہ کے مطابق مال بھیجنا لازم ہوتا ہے اور وقت کے اندر تیار نہ ہونے کی وجہ سے ایکسپورٹر مارکیٹ سے اسی نمونہ کا تیار شدہ مال زیادہ قیمت کا خرید کر کے روانہ کردیتا ہے، تاکہ اس کی طرف سے وعدہ خلافی نہ ہو اور جو مال تیار ہوا ہے، اس کے لئے کوئی دوسرا گراہک نہیں ملتا، تو ایسی صورت میں بائع کا نقصان ہوجاتا ہے، تو اس نقصان کی تلافی تاخیر کرنے والوں سے کرائی جاسکتی ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب مال کی تیاری میں تاخیر کی وجہ سے بائع نے اسی نمونہ کا مال مارکیٹ سے خرید کر مشتری کے پاس روانہ کردیا اور اس آرڈر دئے گئے مال کا کوئی دوسرا گراہک نہیں ملا جس کی وجہ سے بائع کا لاکھوں کا نقصان ہوگیا، تو ایسی صورت میں اس نقصان

کی تلافی بائع ان داخلی لوگوں سے وصول کرسکتا ہے جنہوں نے مال بنانے میں تاخیر کی ہے، یا داخلی لوگوں کو تیار شدہ مال واپس کردے اور نقصان داخلی لوگ خود برداشت کریں۔

إما إذا كانت المنفعة المعقود عليها هي إنجاز عمل من الأعمال كالبناء والخياطة ونحوهما، فإن الضمان يختلف بحسب صفة العامل وهو الأجير في اصطلاحهم؛ لأنه إما أن يكون أجيرا خاصا أو مشتركا أي عاما. (الموسوعة الفقهية بيروت ٢٨/ ٢٥٥)

تعدى الأجير هو أن يعمل عملا أو يتصرف تصرفا مخالفين لأمر الموجر صراحة كان أو دلالة لزمه الضمان. (شرح المجلة رستم باز، إتحاد ديوبند ١/ ٣٢٦، مادة: ٦٠٨)

الأجير المشترک يضمن الضرر والخسار الذي تولد عن فعله وصنعه إن كان بتعديه وتقصيره أو لم يكن. (شرح المجلة رستم باز، إتحاد ديوبند ١/ ٣٣٠، مادة: ٦١١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/۱۲/۱۴۳۴ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۳۴۶)

لوکل اور بین الاقوامی مارکیٹ میں عقدِ استصناع کے مسائل

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ أَمَّا بَعْد!

آج کے زمانہ میں عقدِ استصناع کا معاملہ عالمی سطح پر وسیع تر ہو چکا ہے، مقامی اور لوکل مارکیٹوں سے تجاوز کر کے ممالک بعیدہ تک عقدِ استصناع کا تجارتی معاملہ پھیل چکا ہے، اس لئے موضوع کی اہمیت اور اس میں پیدا ہونے والے نئے مسائل کی وجہ سے اس نوع کی تجارت کے بعض جزئی مسائل وضاحت طلب ہیں، اسی کے تناظر میں یہ مضمون پیش خدمت ہے۔

عقدِ استصناع کا معاملہ خود صاحبِ شریعت پیغمبر انسانیت ﷺ نے کیا ہے، جو اس حدیث شریف میں صراحت کے ساتھ ثابت ہے۔ حدیث شریف ملاحظہ فرمایئے:

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: اصْطَنَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَاتَمًا، فَقَالَ: إِنَّا قَدِ اصْطَنَعْنَا خَاتَمًا وَنَقَشْنَا فِيْهِ نَقْشًا فَلا يَنْقُشُ أَحَدٌ عَلَيْهِ. (مسند أحمد، ۳/ ۱۰۱، رقم: ۱۲۰۱۲، السنن الكبرى للنسائي ۵/ ۴۵۶، رقم: ۹۵۴۵)

حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے معاملہ استصناع کے طور پر انگوٹھی بنوائی ہے، پھر آپ نے فرمایا کہ بے شک ہم نے ایک انگوٹھی بنانے کا آرڈر دیا ہے اور اس میں ایک خاص نقش بنوایا ہے؛ لہٰذا کوئی شخص اس جیسا نقش نہ بنوائے۔

معاملۂ استصناع کے جواز کا مدار تعامل ناس پر

استصناع کا معاملہ ایسی شئ کا عقد ہے جو شئ معدوم ہوتی ہے، عقد کے وقت اس شئ کا خارج میں کوئی وجود نہیں ہوتا ہے۔ اور شرعی ضابطہ اور اصول کے مطابق ایسی شئ کی خرید وفروخت جائز اور مشروع نہیں ہوتی ہے، جس شئ کا خارج میں کوئی وجود نہ ہو؛ اس لئے اصول اور ضابطہ

کے مطابق استصناع کا معاملہ جائز نہیں ہونا چاہئے ،مگر شریعت نے تعاملِ ناس اور لوگوں کی ضرورت کی وجہ سے عقد استصناع کو اصول وضوابط سے مستثنیٰ کر کے جائز قرار دیا ہے؛ اس لئے استصناع کا معاملہ ہر ایسے امور اور ایسی اشیاء میں جائز ہوگا جن اشیاء کو آرڈر دیکر بنوانے کا لوگوں کے درمیان تعارف اور تعامل ہو چکا ہو اور ایسی اشیاء میں جائز نہیں ہوگا جن اشیاء کو آرڈر دے کر تیار کروانے کا لوگوں کے درمیان تعامل نہ ہو، اس کو حضرات فقہاء نے اس طرح کے الفاظ سے بیان فرمایا ہے۔ اس کو عنایہ میں ان الفاظ کے ساتھ نقل فرمایا ہے:

يَجُوزُ اسْتِحْسَانًا وَالْقِيَاسُ يَقْتَضِي عَدَمَ جَوَازِهِ لِأَنَّهُ بَيْعُ الْمَعْدُومِ وَقَدْ نَهَى النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم عَنْ بَيْعِ مَا لَيْسَ عِنْدَ الإِنْسَانِ (إلى قوله) وَجْهُ الاسْتِحْسَانِ الإِجْمَاعُ الثَّابِتُ بِالتَّعَامُلِ، فَإِنَّ النَّاسَ فِي سَائِرِ الأَعْصَارِ تَعَارَفُوا الاسْتِصْنَاعَ فِي مَا فِيهِ تَعَامُلٌ مِنْ غَيْرِ نَكِيرٍ، وَالْقِيَاسُ يُتْرَكُ بِمِثْلِهِ (وقوله) وَلِأَنَّهُ يَجُوزُ فِيمَا فِيهِ تَعَامُلٌ لَا فِيمَا لَا تَعَامُلَ فِيهِ. (عناية مع فتح القدير زكريا ديوبند ٧/ ١٠٨، كوئٹه ٦/ ٢٤٢، دالفكر ٧/ ١١٦)

استصناع کا معاملہ استحساناً جائز ہے اور قیاس اس کے عدم جواز کا مقتضی ہے؛ اس لئے کہ یہ معاملہ شئ معدوم کی بیع کا ہے اور یقیناً حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی چیز کے بیچنے سے منع فرمایا ہے جو انسان کے پاس نہ ہو۔ اور استحساناً جواز کی دلیل ایسا اجماع ہے جو تعاملِ ناس سے ثابت ہے؛ اس لئے کہ بے شک لوگ ہر زمانہ میں ایسی چیزوں میں بلانکیر استصناع کا معاملہ کرنے کو متعارف جانتے ہیں، جن چیزوں میں معاملہ کرنے کا تعامل ہو چکا ہو اور اس جیسے تعامل کی وجہ سے قیاس کو چھوڑ دیا جاتا ہے۔ اور مصنف کا قول: بے شک معاملۂ استصناع ان چیزوں میں جائز ہے جن میں معاملہ کرنے کا تعامل ہے اور ان چیزوں میں جائز نہیں ہے جن میں تعامل نہیں ہے۔

اسی کو امام زیلعیؒ نے ’’تبیین الحقائق‘‘ میں ان الفاظ کے ساتھ نقل فرمایا ہے:

وَأَمَّا الاِسْتِصْنَاعُ فَلِإِجْمَاعِ الثَّابِتِ بِالتَّعَامُلِ مِنْ لَدُنْ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم إِلٰى يَوْمِنَا هٰذَا، وَهُوَ مِنْ أَقْوَى الْحُجَجِ. (تبيين الحقائق ملتان ٤/ ١٢٣، زكريا ٤/ ٥٣٦، هكذا في البدائع زكريا ديوبند ٤/ ٩٣، كراچی ٥/ ٣، مبسوط سرخسي ١٢/ ١٣٨)

اور بہر حال استصناع کا معاملہ اس اجماع کی وجہ سے مشروع ہے، جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے لے کر ہمارے اس زمانہ تک تعاملِ ناس کے ذریعہ سے ثابت ہے اور یہ قوی ترین حجت شرعیہ میں سے ہے۔

عقدِ استصناع اور عقدِ سلم کا فرق

عقدِ استصناع اور عقدِ سلم میں کیا فرق ہے؟ اس سلسلے میں کتب فقہ میں کافی تفصیلات موجود ہیں اور دونوں عقد اس بات میں مشترک ہیں کہ دونوں میں شئ معدوم کی بیع ہوتی ہے اور تعاملِ ناس اور ضرورت کی وجہ سے ان دونوں عقدوں میں شئ معدوم کی خرید وفروخت کی اجازت دی گئی ہے۔ اور دونوں عقدوں میں سے ہر ایک میں ثمن کا متعین ہونا اور مبیع کی جنس کا متعین ہونا اور اس کی قسم کا متعین ہونا اور اس کی مقدار اور صفت کا متعین ہونا لازم ہے، ورنہ عقد فاسد ہو جائے گا۔ چند امور میں دونوں عقد کے درمیان فرق ہے:

(۱) عقدِ سلم میں رأس المال یعنی ثمن اور قیمت کا مکمل طور پر نقدا دا کرنا لازم ہو جاتا ہے اور مجلسِ عقد میں ثمن پر قبضہ کرنا بھی لازم ہو جاتا ہے، اس کے برخلاف عقد استصناع میں ثمن اور قیمت کا پیشگی ادا کرنا لازم نہیں ہے؛ جانبین کی تراضی سے جیسا طے ہو جائے ویسا ہی عمل کرنا جائز ہے، چاہے ساری قیمت پیشگی ادا کر دے یا کچھ پیشگی ادا کر دے، باقی بعد میں ادا کر دے، یا کچھ بھی ادا نہ کرے؛ بلکہ مبیع کی وصولی کے وقت میں ادا کرے، تو یہ ہر طرح سے جائز ہے۔ (شرح المجلۃ رستم باز ا/۲۲۱، رقم المادۃ: ۳۹۱، الفقہ الإسلامی وأدلتہ ۴/ ۳۹۹)

(۲) عقدِ سَلَم میں خیارِ شرط کا ثبوت نہیں ہوتا ہے؛ بلکہ عقد کے وقت سے لازم ہو جاتا

ہے،اس میں کسی کو خیار نہیں ہوتا ہے۔ اور عقدِ استصناع غیر لازم ہوتا ہے،اس میں عقد کے بعد عمل سے پہلے خیار ثابت ہوتا ہے۔

(۳) عقدِ سَلَم میں جنس مسلم فیہ جس کو مبیع کہا جاتا ہے، اسی قسم کی اشیاء کا بازار کے اندر ہر زمانہ میں موجود ہونا لازم ہے اور عقدِ استصناع میں شئ مصنوع کی قسم کی اشیاء کا بازار میں ہر وقت موجود ہونا لازم نہیں ہے۔

(۴) عقدِ سَلَم میں مسلم فیہ کا ازقبیل ذوات الامثال ہونا لازم ہے اور اس کے برخلاف عقدِ استصناع میں ذوات الامثال ہونا لازم نہیں ہے؛ بلکہ مبیع ذوات القیم بھی ہوسکتی ہے،جب کہ ایسی شئ میں معاملہ کرنے کا لوگوں کے درمیان تعامل ہو۔

(۵) عقدِ سَلَم ایسی چیزوں میں جائز ہے جن کا لوگوں کے درمیان میں تعامل ہے اور ایسی چیزوں میں بھی جائز ہے جن کا لوگوں میں تعامل نہیں ہے، اس کے برخلاف عقدِ استصناع صرف ایسی چیزوں میں جائز ہے جن میں معاملہ کرنے کا لوگوں کے درمیان میں تعامل ہے اور ایسی چیزوں میں جائز نہیں ہے جن کا لوگوں میں تعامل نہیں ہے۔ یہ پوری تفصیل ”الفقہ الاسلامی وادلتہ ۴/۳۹۹ سے ۴۰۱“ تک کے اندر موجود ہے۔

عقدِ استصناع بیع ہے یا وعدۂ بیع ؟

معاملۂ استصناع کے بارے میں غور طلب بات یہ ہے کہ جب آرڈر دینے والا مال کا نمونہ اور سائز دکھا کر مال بنانے کیلئے آرڈر دیتا ہے اور صانع اور کاریگر طے شدہ معاہدہ کے مطابق آرڈر قبول کرلیتا ہے تو یہ معاملہ عقدِ بیع ہے یا وعدۂ بیع ہے؟ تو اس سلسلے میں مسلکِ حنفی کے فقہاء کے درمیان اختلاف ہے، چناں چہ اس بارے میں دو فریق ہیں:

فریقِ اول: حضرت امام حاکم شہید مروزیؒ، امام محمد بن سلمہؒ، امام صفّارؒ۔ صاحبِ منثور امام ابوالقاسم ناصر الدین سمرقندیؒ وغیرہ نے اس طرح کے معاملہ کا نفسِ بیع ہونے سے انکار کیا ہے۔ اور انہوں نے یہ ثابت فرمایا ہے کہ یہ بیع نہیں ہے؛ بلکہ آئندہ چل کر عقدِ بیع کرنے

کا معاہدہ اور وعدہ ہے؛ لہٰذا استصناع کا معاملہ طے ہوجانے کے بعد جانبین میں سے ہر ایک کو معاملہ ختم کرنے کا حق ہوگا۔ اور عقد بیع اس وقت منعقد ہوگا کہ جب صانع (کاریگر) طے شدہ شرائط کے مطابق مال تیار کر کے خریدار کو پیش کردے، اس کو حضرات فقہاء نے ان الفاظ کے ساتھ نقل فرمایا ہے:

ثُمَّ اخْتَلَفَ الْمَشَايِخُ أَنَّهُ مُوَاعَدَةٌ أَوْ مُعَاقَدَةٌ؟ فَالْحَاكِمُ الشَّهِيدُ وَالصَّفَّارُ وَمُحَمَّدُ بْنُ سَلَمَةَ وَصَاحِبُ الْمَنْثُورِ مُوَاعَدَةٌ، وَإِنَّمَا يَنْعَقِدُ عِنْدَ الْفَرَاغِ بَيْعًا بِالتَّعَاطِي، وَلِهٰذَا كَانَ لِلصَّانِعِ أَنْ لا يَعْمَلَ وَلا يُجْبَرُ عَلَيْهِ بِخِلافِ السَّلَمِ، وَلِلْمُسْتَصْنِعِ أَنْ لايَقْبَلَ مَا يَأْتِي بِهِ وَيَرْجِعُ عَنْهُ وَلا تَلْزَمُ الْمُعَامَلَةُ.

(فتح القدير زكريا ٧/ ١٠٨، كوئٹه ٦/ ٢٤٢، دارالفكر ٧/ ١١٦، البحر الرائق، زكريا ٦/ ٢٨٤، كوئٹه ٦/ ١٧١، الفاظ کے فرق کے ساتھ مجمع الأنهر بيروت ٣/ ١٤٩، مبسوط سرخسي ١٢/ ١٣٩، تبيين الحقائق ملتان ٤/ ١٢٣، زكريا ٤/ ٥٢٧)

پھر مشائخ کے درمیان اس بارے میں اختلاف ہے کہ استصناع کا معاملہ وعدۂ بیع ہے یا عقدِ بیع ہے؟ تو حاکم شہیدؒ، امام صفارؒ، محمد بن سلمہؒ اور صاحبِ منثورؒ وغیرہ فرماتے ہیں کہ وعدۂ بیع ہے اور یقیناً عقد بیع منعقد ہوگی مال کی تیاری کے بعد لین دین کے وقت۔ اور اسی وجہ سے کاریگر کو اس بات کا اختیار رہے کہ وہ مال نہ بنائے اور نہ ہی اس پر جبر کیا جاسکتا ہے، برخلاف معاملۂ سلم کے اور مستصنع (آرڈر دینے والے) کے لئے اس بات کی گنجائش ہے کہ جو مال بنا کر لائے اسے قبول نہ کرے اور اس معاملہ سے رجوع کرلے اور معاملہ ان دونوں کے درمیان میں لازم نہیں ہوتا ہے۔

فریق ثانی: جمہور فقہاء کے نزدیک معاملۂ استصناع وعدۂ بیع نہیں ہے؛ بلکہ نفسِ عقدِ بیع ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ امام محمدؒ نے استصناع کے اندر قیاس اور استحسان دونوں کو ذکر فرمایا ہے اور قیاس واستحسان وعدہ میں جاری نہیں ہوتے ہیں، نیز اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ معاملۂ استصناع ایسی چیزوں میں جائز ہے جن میں معاملہ کرنے کا لوگوں کے درمیان میں تعامل ہے اور جن چیزوں میں تعامل نہیں ہے اس میں استصناع جائز نہیں ہے، اس کو صاحبِ

عنایہ نے ان الفاظ کے ساتھ نقل فرمایا ہے:

وَالصَّحِيحُ أَنَّهُ بَيْعٌ لَاعِدَةٌ وَهُوَ مَذْهَبُ عَامَّةِ مَشَايِخِنَا. (عنايه مع فتح القدير زكريا ديوبند ٧/ ١٠٨، كوئٹه ٦/ ٢٤٢، دارالفكر ٧/ ١١٦)

اور صحیح یہی ہے کہ معاملۂ استصناع عقدِ بیع ہے نہ کہ وعدۂ بیع، یہی ہمارے عامۃ المشائخ کا مذہب ہے۔

اور اس کو تبیین الحقائق میں ان الفاظ کے ساتھ نقل فرمایا ہے:

ثُمَّ فِي الصَّحِيحِ أَنَّ الاسْتِصْنَاعَ يَجُوزُ بَيْعًا (إلى قوله) وَجْهُ قَوْلِ الْجُمْهُورِ أَنَّ مُحَمَّدًا سَمَّاهُ شِرَاءً، وَذَكَرَ فِيهِ الْقِيَاسَ وَالاسْتِحْسَانَ، وَفَصَلَ بَيْنَ مَافِيهِ تَعَامُلٌ وَمَا لَاتَعَامُلَ فِيهِ. (تبيين الحقائق ملتان ٤/ ١٢٣، زكريا ٤/ ٥٢٧)

پھر صحیح یہی ہے کہ معاملۂ استصناع عقدِ بیع بن کر کے جائز ہے اور جمہور کے قول کی دلیل یہ ہے کہ امام محمدؒ نے معاملۂ استصناع کا نام خرید وفروخت رکھا ہے اور اس میں قیاس اور استحسان دونوں کو ذکر کیا ہے اور جن چیزوں میں تعامل ناس ہے ان کے درمیان اور جن چیزوں میں تعامل ناس نہیں ہے ان کے درمیان میں فرق بیان فرمایا ہے۔

پہلے خریدار کا دوسرے خریدار کو دوسرے خریدار کا تیسرے خریدار کو فروخت کرنے کا معاملہ

عقدِ استصناع کے جواز کا سارا مدار عرف وعادت اور تعاملِ ناس پر ہے اور عقدِ استصناع میں شئ معدوم ہی کی خرید وفروخت ہوتی ہے اور مبیع کا فی الحال وجود ہی نہیں ہوتا ہے، جب کہ عقدِ سلم میں بوقت عقد اگر چہ مبیع معدوم ہوتی ہے؛ لیکن تسلسل کے ساتھ بازاروں اور مارکیٹوں میں مدت پوری ہونے تک مبیع کا دستیاب ہونا لازم ہے اور اس کے برخلاف عقدِ استصناع میں شئ مصنوع (مبیع) کا تسلسل کے ساتھ مارکیٹ میں پایا جانا بھی لازم نہیں ہے، بس عقدِ استصناع کے لئے صرف اتنا کافی ہے کہ سائز، نمونہ اور ڈیزائن کے ساتھ آرڈر دیکر لوگوں کے درمیان معاملہ کرنے کا تعامل جاری ہوجائے اور بوقت عقد مبیع کا وجود میں ہونا لازم نہیں ہے؛

اس لئے مالیاتی ادارہ کے لئے ایسا کرنا جائز ہے کہ وہ اپنے لئے نمونہ اور سائز اور ڈیزائن وغیرہ کی شرائط کے ساتھ مال بنوانے کا آرڈر لے لے اور اسی ڈیزائن اور نمونہ کی شرائط کے ساتھ وہ مالیاتی ادارہ اپنے ماتحت کاریگروں کو مال بنوانے کا آرڈر دے دے اور اس میں اپنے منافع کی شرح کی رعایت رکھے اور اسی طرح جس بائع اور خریدار نے مالیاتی ادارہ کو آرڈر دیا ہے وہ اپنے منافع کی رعایت کرتے ہوئے سائز، نمونہ اور ڈیزائن دکھا کر اپنے خریدار کے ساتھ استصناع کا معاملہ کرے، اسی طرح دوسرے خریدار بھی اپنے نفع کی رعایت کرتے ہوئے تیسرے خریدار سے نمونہ اور ڈیزائنوں کی شرائط کے ساتھ معاملۂ استصناع کرتے جائیں۔ اور سارے ڈیزائن اور نمونہ اور طے شدہ شرائط کاغذوں میں درج ہوں تو اس طرح کا معاملہ بلاشبہ جائز اور درست ہے کیوں کہ اس طرح معاملہ کرنے کا تعامل لوگوں کے درمیان جاری ہو چکا ہے؛ اس لئے کہ معاملۂ استصناع میں دو چیزیں بنیادی ہوتی ہیں:

(۱) معاملہ کرنے کا عرف اور تعامل لوگوں کے درمیان میں جاری ہو۔

(۲) جس شئ پر معاملہ کیا جاتا ہے وہ شئ وجود میں نہیں ہوتی ہے؛ بلکہ معدوم ہوتی ہے اور یہاں پر یہ دونوں بنیادی چیزیں موجود ہیں؛ اس لئے اس طرح کا معاملہ شرعاً جائز اور درست ہے۔

یہ حکم حضرات فقہاء نے اس طرح کے الفاظ سے بیان فرمایا ہے، ملاحظہ فرمائیے:

يَجُوزُ اسْتِحْسَانًا وَالْقِيَاسُ يَقْتَضِي عَدَمَ جَوَازِهِ لِأَنَّهُ بَيْعُ الْمَعْدُومِ (قوله) وَجْهُ الاسْتِحْسَانِ الإِجْمَاعُ الثَّابِتُ بِالتَّعَامُلِ، فَإِنَّ النَّاسَ فِي سَائِرِ الأَعْصَارِ تَعَارَفُوا الاسْتِصْنَاعَ فِي مَا فِيهِ تَعَامُلٌ مِنْ غَيْرِ نَكِيرٍ، وَالْقِيَاسُ يُتْرَكُ بِمِثْلِهِ. (عنايه مع فتح القدير على الهداية زكريا ديوبند ۷/ ۱۰۸، كوئٹه پاكستان ۶/ ۲۴۲، دارالفكر ۷/ ۱۱۶)

اور عقد استصناع استحساناً جائز ہے اور قیاس اس کے عدم جواز کا تقاضہ کرتا ہے؛ اس لئے کہ یہ شئ معدوم کی بیع ہے اور استحساناً جواز کی وجہ وہ اجماع ہے جو تعاملِ ناس سے ثابت ہے؛ اس لئے کہ بے شک لوگوں میں ہر زمانہ میں ان چیزوں میں عقدِ استصناع بلا کسی نکیر کے متعارف رہا ہے، جن میں عقدِ استصناع کا تعامل ہو اور اس جیسے تعاملِ ناس کی وجہ سے قیاس کو چھوڑ دیا جاتا ہے۔

’’الفقہ الاسلامی میں یہ بات وضاحت سے ذکر کی گئی ہے کہ عقد استصناع میں مبیع کا مارکیٹوں میں موجود ہونا بھی لازم نہیں ہے۔

وَيُشْتَرَطُ فِي عَقْدِ السَّلَمِ عِنْدَ الْحَنَفِيَّةِ كَوْنُ جِنسِ الْمُسْلَمِ فِيْهِ (الْمَبِيْع) مَوْجُوْدًا فِي الأَسْوَاقِ بِنَوْعِهِ وَصِفَتِهِ مِنْ وَقْتِ الْعَقْدِ إِلٰى وَقْتِ حُلُوْلِ أَجَلِ التَّسْلِيْمِ (قوله) وَلَا يُشْتَرَطُ ذٰلِكَ فِي عَقْدِ الاسْتِصْنَاعِ. (الفقه الإسلامي ٤/ ٤٠١)

اور حنفیہ کے نزدیک عقدِ سلم میں مسلم فیہ (مبیع) کا اپنی جنس اور صفت کے ساتھ عقد کے وقت سے سونپنے کے زمانہ تک بازاروں اور مارکیٹوں میں موجود ہونا شرط ہے اور عقدِ استصناع میں یہ شرط نہیں ہے۔

چھوٹی منقول اشیاء کی طرح بڑی چیزوں میں استصناع کا معاملہ

جس طرح جوتا، چپل، اوانی، برتن اور گھریلو اشیاء کو استصناع کے طور پر آرڈر دے کر بنوانا جائز ہے، اسی طرح استصناع کا معاملہ بڑی بڑی منقول چیزوں میں بھی جائز اور درست ہے، مثلاً بحری جہاز، ہوائی جہاز، چھوٹی بڑی گاڑیاں اور ٹرین کے ڈبے وغیرہ جب ایسی چیزوں میں سائز، نمونہ اور ڈیزائن کے ساتھ آرڈر دے کر بنوانے کا تعامل ہو تو عقد استصناع کا معاملہ ایسی بڑی بڑی چیزوں میں بھی جائز اور درست ہو جائے گا۔

اس کو الفقہ الاسلامی میں ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا گیا ہے:

ثُمَّ انْتَشَرَ الاسْتِصْنَاعُ انْتِشَارًا وَاسِعًا فِي الْعَصْرِ الْحَدِيْثِ، فَلَمْ يُعَدّ مَقْصُوْرًا عَلٰى صِنَاعَةِ الْأَحْذِيَةِ وَالْجُلُوْدِ وَالنَّجَّارَةِ وَالْمَعَادِنِ وَالْأَثَاثِ الْمَنْزِلِيِّ مِنْ مَفْرُوْشَاتٍ وَغَيْرِهَا مِنَ الْخَزَائِنِ

پھر استصناع کا معاملہ دورِ حاضر میں وسیع تر ہو کر پھیلتا چلا گیا؛ لہٰذا جوتے، چپل، چمڑے کی اشیاء، بڑھئی کی اشیاء، دھات کی اشیاء اور لوگوں کے صندوق، صوفے، کرسیاں، لا کر بچھونے اور گھریلو سامان وغیرہ کے دائرہ

وَالْمَقَاعِدِ وَالْمَسَانِدِ وَالصَّنَادِيْقِ، وَإِنَّمَا شَمُلَ صِنَاعَاتٍ مُتَطَوِّرَةٍ وَمُهِمَّةٍ جِدًّا فِي الْحَيَاةِ الْمُعَاصِرَةِ كَالطَّائِرَاتِ وَالسُّفُنِ وَالسَّيَّارَاتِ وَالْقِطَارَاتِ وَغَيْرِهَا، مِمَّا أَدَّى إِلٰى تَنْشِيْطِ الْحَرَكَةِ الصِّنَاعِيَّةِ.

(الفقه الإسلامي ٤/ ٤٠٢)

میں محدود کر کے شمار نہیں کیا جائے گا؛ بلکہ یقینی طور معاملۂ استصناع دور حاضر میں بہت زیادہ اور ترقی یافتہ مصنوعات کو بھی شامل ہے، جیسا کہ ہوائی جہاز، بحری جہاز، گاڑیاں، ٹرین کے ڈبے وغیرہ، جو صنعتی سرگرمیوں کی ترقی کو شامل ہیں۔

غیر منقول عقار میں استصناع کا معاملہ

جس طرح چھوٹی بڑی منقول اشیاء میں نمونہ کے ساتھ آرڈر دے کر استصناع کا معاملہ جائز اور درست ہوتا ہے، اسی طرح جب غیر منقول عقار کو نمونہ اور سائز کے ساتھ آرڈر دے کر بنوانے کا لوگوں کے درمیان عرف اور تعامل جاری ہو جائے تو ایسی صورت میں غیر منقول عقار میں بھی استصناع کا معاملہ جائز اور درست ہو جائے گا؛ نمونہ اور نقشہ تیار کر کے عمارت، مکانات، فلیٹ وغیرہ کا بنوانا بھی معاملۂ استصناع کے دائرہ میں داخل ہو کر جائز اور درست ہو جائے گا اور آج کے زمانہ میں بڑے شہروں میں نقشہ اور نمونہ کے مطابق فلیٹ بنوایا جاتا ہے، کتنے کمرے، کس سائز کے کمرے، کتنے بیت الخلاء ہوں گے، کتنے غسل خانہ ہوں گے اور ان کا سائز کیا ہوگا اور کچن کتنا بڑا ہوگا؟ ان سب چیزوں کی تفصیل کے ساتھ جب فلیٹ بنانے کا آرڈر دیا جائے اور اسی کے مطابق جب فلیٹ تیار ہو جائے تو یہ معاملہ استصناع کے دائرہ میں داخل ہو کر جائز اور درست ہو جائے گا، اسی طرح چھوٹے شہروں میں پلاٹنگ کا سلسلہ جاری ہے، پھر ان پلاٹوں میں نقشہ اور نمونہ کے مطابق عمارت بنانے کا، مکان بنانے کا آرڈر دیا جاتا ہے، تو یہ بھی معاملۂ استصناع کے دائرہ میں داخل ہو کر جائز ہو جائے گا۔ اس کو ''الفقہ الاسلامی'' میں اس طرح کے الفاظ کے ساتھ نقل کیا گیا ہے:

وَإِنَّمَا يَشْمُلُ أَيْضًا إِقَامَةَ الْمَبَانِي وَتَوْفِيرَ الْمَسَاكِنِ الْمَرْغُوبَةِ، وَقَدْ سَاعَدَ كُلُّ ذٰلِكَ فِي التَّغَلُّبِ عَلٰى اَزْمَةِ الْمَسَاكِنِ، وَمِنْ أَبْرَزِ الْأَمْثِلَةِ وَالتَّطْبِيْقَاتِ لِعَقْدِ الاسْتِصْنَاعِ بَيْعُ الدُّوْرِ وَالْمَنَازِلِ وَالْبُيُوْتِ السَّكْنِيَةِ عَلَى الْخَرِيْطَةِ ضِمْنَ أَوْصَافٍ مُحَدَّدَةٍ. (الفقه الإسلامي ٤/ ٤٠٢)

اور بے شک عقدِ استصناع مکانات کی تعمیر کرنے اور پسندیدہ رہائش کے حاصل کرنے کو بھی شامل ہے اور یقیناً یہ سب کے سب رہائشی بحران پر غلبہ حاصل کرنے میں معاون ہیں اور عقدِ استصناع کو عملی تشکیل دینے اور اس کی مثالوں کو عام کرنے میں نقشوں کے مطابق متعین اوصاف کے ضمن میں رہائشی کمروں اور گھروں اور مکانوں کی خرید وفروخت بھی شامل ہے۔

عقدِ استصناع میں بیعانہ ضبط کرنے کا حکم

معاملۂ استصناع چونکہ وسیع ترین دائرہ میں پھیلا ہوا ہے، مقامی اور ملکی دائرہ میں وسیع ہونے کے ساتھ ساتھ ممالکِ بعیدہ کے ساتھ بھی بین الاقوامی مارکیٹ میں استصناع کا معاملہ عام ہو چکا ہے اور ایسے حالات میں جب خریدار صانع کو آرڈر دیتا ہے، تو بسا اوقات ایسی بھی نوبت آجاتی ہے کہ نمونہ، سائز اور ڈیزائن دکھا کر آرڈر کا معاملہ مکمل ہو جاتا ہے اور بائع آرڈر اور طے شدہ شرائط کے مطابق مال تیار کر لیتا ہے، اس کے بعد خریدار بسا اوقات لینے سے مکر جاتا ہے، جس سے صانع اور بائع کو خطیر رقم کا نقصان اٹھانا پڑتا ہے، تو اس نقصان اور خطرہ سے بچنے کے لئے صانع (آرڈر لینے والا) مستصنع (آرڈر دینے والا) سے بطور بیعانہ کے پیشگی متعین رقم کا مطالبہ کرتا ہے اور اس میں یہ شرط لگاتا ہے کہ اگر مستصنع (آرڈر دینے والا) بعد میں لینے سے انکار کر دے تو بائع (آرڈر لینے والا) بیعانہ کی پیشگی رقم ضبط کر لے گا، اس کو شرعی اصطلاح اور لغت میں ''عربون'' کے الفاظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ (بذل المجہود بیروت ۱۱/ ۲۲۱، مکتبہ مظاہر العلوم قدیم ۴/ ۲۸۷)

اب یہاں زیرِ بحث مسئلہ یہ ہے کہ استصناع کے معاملہ میں پیشگی رقم جو بطور بیعانہ لی جاتی ہے، طے شدہ شرائط کے مطابق مال تیار ہوجانے کے بعد خریدار کے لینے سے انکار کرنے پر صانع (آرڈر لینے والے) کے لئے وہ رقم شرائط کے مطابق ضبط کر کے اپنے استعمال میں لانا جائز ہے یا نہیں؟ تو اس بارے میں حنفیہ اور جمہور کے نزدیک شرعی حکم یہ ہے کہ بیعانہ کی رقم ضبط کرنا جائز نہیں ہے؛ اس لئے کہ شریعت میں مالی جرمانہ لینا جائز نہیں ہے؛ لیکن حضرت امام احمد بن حنبلؒ، امام سعید بن المسیبؒ، امام محمد بن سیرینؒ وغیرہ کے نزدیک بیعانہ ضبط کرنا شرائط کے مطابق جائز اور درست ہے اور مال تیار کرنے والے کے لئے اس رقم کا استعمال بھی جائز ہے اور اس سلسلے میں امام احمد بن حنبلؒ، حضرت عمرؓ کا فیصلہ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا فتوی دلیل میں پیش کرتے ہیں، اب حنفی مسلک کے علماء کو عصرِ حاضر کی بین الاقوامی تجارت پر نظر رکھتے ہوئے غور کرنا ہے کہ عقدِ استصناع کا سارا مدار عرف اور تعاملِ ناس پر ہے اور مقامی، ملکی، بین الاقوامی مارکیٹ میں خطرہ اور نقصان سے بچنے کے لئے پیشگی رقم لینے اور خریدار کی طرف سے انکار کی صورت میں پیشگی دی ہوئی رقم ضبط کرنے کا تعامل اور تعارف ہو چکا ہے، تو اس تعامل ناس کے پیش نظر امام احمد بن حنبلؒ وغیرہ کے قول پر عمل کرنا جائز ہوگا یا نہیں؟ تو اس بارے میں دورِ حاضر کے مفکر حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ کی رائے بھی یہی ہے کہ تعاملِ ناس اور ضرورت کی بناء پر ''عربون'' (بیعانہ) کی رقم امام احمد بن حنبلؒ وغیرہ کے قول پر عمل کرتے ہوئے ضبط کرنے کی گنجائش ہے اور جہاں ضرورت نہ ہو وہاں جمہور کے قول پر عمل کیا جائے گا؛ اسی لئے احقر کی رائے بھی یہی ہے کہ تعاملِ ناس کی وجہ سے عقدِ استصناع میں عربون (بیعانہ) کی رقم خریدار کے مبیع کو رد کرنے کی صورت میں ضبط کرنے کی گنجائش ہوگی۔ حنفی مسلک کے علماء سے گزارش ہے کہ مسئلہ کے اسی نقطہ پر غور فرمائیں، اگر سارے علماء ایک بات پر متفق ہوجاتے ہیں تو بہتر ہوگا؛ لہٰذا ایسی صورت میں آرڈر دے کر فلیٹ اور مکان بنوانے میں یا چھوٹی چیزیں بھاری تعداد میں بنوانے کی صورت میں عربون (بیعانہ) کا مسئلہ انتہائی قابل غور ہے۔ (مستفاد اسلام اور جدید معاشی مسائل ۴/ ۱۶۱، ۱۶۲)

اس کے جواز سے متعلق حسبِ ذیل دلائل ملاحظہ فرمائیے: مغنی ابن قدامہ میں اس کو ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا گیا ہے:

وَالْعَرَبُوْنُ فِي الْبَيْعِ هُوَ أَنْ يَشْتَرِىَ السِّلْعَةَ فَيَدْفَعُ إِلَى الْبَائِعِ دِرْهَمًا أَوْ غَيْرَهُ عَلٰى أَنَّهُ إِنْ أَخَذَ السِّلْعَةَ احْتُسِبَ بِهٖ مِنَ الثَّمَنِ، وَإِنْ لَمْ يَأْخُذْهَا فَذٰلِكَ لِلْبَائِعِ ...... قَالَ أَحْمَدُ: لَا بَأْسَ بِهٖ وَفَعَلَهُ عُمَرُ، وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّهُ أَجَازَهُ، وَقَالَ ابْنُ سِيْرِيْنَ: لَا بَأْسَ بِهٖ، وَقَالَ سَعِيْدُ بْنُ الْمُسَيِّبِ وَابْنُ سِيْرِيْنَ: لَا بَأْسَ إِذَا كَرِهَ السِّلْعَةَ أَنْ يَرُدَّهَا وَيَرُدَّ مَعَهَا شَيْئًا. (المغني ٤/ ١٦٠)

عقدِ بیع میں عربون (بیعانہ) وہ اس طرح سے ہے کہ مشتری سامان کی خریداری کا معاملہ کرکے بائع کو درہم (روپیہ) وغیرہ اس شرط پر دے دے کہ اگر سامان لے گا تو یہ روپیہ ثمن میں شمار ہوجائے گا اور اگر سامان (مبیع) نہیں لیتا ہے تو یہ بیعانہ کی رقم بائع کے لئے ہوجائے گی۔ امام احمدؒ نے فرمایا کہ اس طرح کا معاملہ کرنے میں کوئی حرج نہیں اور اس کو حضرت عمرؓ نے بھی کیا ہے اور ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے اس کی اجازت دی ہے۔ اور امام محمد بن سیرینؒ نے فرمایا کہ اس طرح کا معاملہ کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ اور امام سعید بن المسیبؒ اور ابن سیرینؒ نے کہا کہ جب مشتری سامان لینے سے انکار کرکے رد کردے تو اس کے ساتھ کوئی چیز بھی رد کرنے کے ساتھ واپس دے تو کوئی حرج نہیں ہے۔

اس بارے میں حسبِ ذیل روایات ان کی طرف سے پیش کی جاتی ہیں:

عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَحَلَّ الْعُرْبَانَ فِي الْبَيْعِ. (المصنف لابن أبي شيبة ١١/ ٦٧١، رقم: ٢٣٦٥٦، ٢٣٦٦١)

زید بن اسلم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع میں عربان (بیعانہ) کو حلال رکھا ہے۔

عَنُ عَبُدِالرَّحمٰنِ بُنِ فَرُّوُخٍ أَنَّ نَافِعَ بُنَ عَبُدِالُحَارِثِ اشُتَرَی دَارَ السِّجُنِ مِنُ صِفُوَانَ بُنِ أُمَيَّةَ بِأَرُبَعَةِ آلَافِ دِرُهَمٍ، فَإِنُ رَضِيَ عُمَرُ ؓ فَالُبَيُعُ لَهُ، وَإِنُ عُمَرُ ؓ لَمُ يَرُضَ، فَأَرُبَعُ مِائَةٍ لِصَفُوَانَ ؓ.

(المصنف لابن أبي شيبة ١١/ ٦٧٢، رقم: ٢٣٦٦٦)

عبدالرحمٰن بن فروخ کہتے ہیں کہ نافع بن عبدالحارث نے صفوان بن امیہ سے اس شرط پر قید خانہ کا گھر چار ہزار درہم میں خریدا کہ اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس عقد پر راضی ہوجائیں، تو مبیع ان کے لئے ہے اور اگر حضرت عمرؓ راضی نہ ہوں تو صفوان بن امیہ کے لئے چار سو درہم ہوں گے۔

اور بخاری کے ترجمۃ الباب میں اس روایت کو ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے:

وَاشُتَرَى نَافِعُ بُنُ عَبُدِالُحَارِثِ دَارًا لِلسِّجُنِ بِمَكَّةَ مِنُ صَفُوَانَ بُنِ أُمَيَّةَ عَلٰى إِنُ عُمَرُ ؓ رَضِيَ بِالُبَيُعِ فَالُبَيُعُ بَيُعُهُ، وَإِنُ لَمُ يَرُضَ عُمَرُ ؓ فَلِصَفُوَانَ ؓ أَرُبَعُ مِائَةِ دِيُنَارٍ.

(بخاري شريف ١/ ٣٢٧)

نافع بن عبدالحارث نے قید خانہ کے لئے مکہ مکرمہ میں ایک گھر صفوان بن امیہ سے اس شرط پر خریدا کہ اگر حضرت عمرؓ بیع پر راضی ہوجائیں تو عقد بیع اسی طرح قائم رہے گا اور اگر حضرت عمرؓ راضی نہ ہوں تو صفوان بن امیہ کے لئے چار سو دینار ہیں۔

ضروری وضاحت

اس مسئلہ میں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ ہم نے جو بیعانہ کی رقم ضبط کرنے کی گنجائش کی طرف رجحان ظاہر کیا ہے وہ صرف عقدِ استصناع کے دائرہ میں محدود ہے اور ملکی اور بین الاقوامی مارکیٹ میں آرڈر دے کر مال بنوانے اور مال ایکسپورٹ کرنے اور ایمپورٹ کرنے کا معاملہ عقدِ استصناع کے ساتھ متعلق ہوتا ہے، اور اس میں آرڈر کینسل کرنے کی صورت میں آرڈر لینے والے کا بھاری نقصان ہوجاتا ہے اور اس نقصان کی تلافی بیعانہ کی رقم کے ذریعہ سے جہاں تک ممکن ہوکرنے کی گنجائش ہے، مثلاً بائع نے دیگر ممالک کے خریدار سے

بیس لاکھ روپئے کا مال طے شدہ شرائط کے مطابق ایکسپورٹ کرنے کا معاملہ طے کرلیا ہے اور بیعانہ کے طور پر کچھ رقم پیشگی وصول کر لی ہے اور اس نے بیس لاکھ روپیہ کا مال تیار کرلیا ہے اس کے بعد باہر کے بایر (خریدار) نے آرڈر کینسل کردیا، تو ایسی صورت میں بائع نے مال کی تیاری میں جو بھاری رقم خرچ کی ہے، اس کا بھاری نقصان بائع کے سر پڑتا ہے، تو ایسے بڑے نقصان سے بچنے کیلئے عربون (بیعانہ) کی پیشگی رقم ضبط کرنے کے علاوہ اس کے پاس کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے، اسی طرح اندرون ملک میں بھی کثرت کے ساتھ ایسے واقعات پیش آتے رہتے ہیں اور بائع کو نقصان بھگتنا پڑ جاتا ہے، اس طرح کے نقصانات کے پیشِ نظر حضرت امام احمد بن حنبلؒ وغیرہ کے قول پر عمل کی گنجائش قرار دی جارہی ہے اور یہ بات بھی یاد رکھیں کہ اندرونِ ملک میں زمین کی خریداری اور پلاٹ کی خریداری، تیار شدہ مکان کی خریداری میں جو بیعانہ پیش کیا جاتا ہے، مشتری بعد میں لینے سے مکر جائے اور لینے سے انکار کردے تو بیعانہ کی رقم مکمل طور پر واپس کردینا بائع کے اوپر لازم اور ضروری ہے؛ اس لئے کہ یہ عقود عقدِ استصناع کے دائرہ میں داخل نہیں ہیں، نیز ایسے معاملات میں مشتری کے انکار کرنے کی صورت میں بائع کا عمومی طور پر کوئی نقصان نہیں ہوتا۔ اور پھر بھی اگر کسی کو نقصان ہوجاتا ہے اور پھر اس طرح کے نقصان کا سلسلہ عام ہونے کا خطرہ ہے، تو اس سے بچنے کے لئے حضرت مفتی شفیع صاحب عثمانیؒ نے امداد المفتیین میں ایک حیلہ نقل فرمایا ہے اور وہ حیلہ یہ ہے کہ ظاہری حالات کے اعتبار سے بائع بیعانہ کی رقم ضبط کرلے؛ لیکن خفیہ طور پر کسی بھی حیلہ سے مشتری کے پاس وہ رقم پہنچادے، مثلاً کسی دوسرے کے واسطے سے بطورِ ہدیہ یا ہبہ واپس کردے، یا ایک مدت کے گذر جانے کے بعد بطور تحفہ وغیرہ کے عنوان سے واپس کردے، ملاحظہ فرمائیے (امداد المفتیین کراچی ۲/۸۴۳)

معاملۂ استصناع اجارہ کب بن سکتا ہے؟

استصناع کا معاملہ مال اور سامان کے اعتبار سے دو طرح سے وجود میں آتا ہے:

(۱) مال بنانے کا سامان، اوزار اور عمل یہ سب کے سب کاریگر کے ذمہ ہوں گے، ایسی صورت میں یہ معاملۂ استصناع حاکم شہیدؒ وغیرہ کے قول کے مطابق وعدۂ بیع ہے اور عامۃ المشائخ اور جمہور کے نزدیک عقد بیع ہے، جس کو استصناع کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے، اس کو معاملۂ اجارہ میں کسی نے بھی داخل نہیں کیا (جیسا کہ اس کی تفصیل عقدِ استصناع بیع ہے یا وعدۂ بیع ہے کے عنوان کے ذیل میں مفصل طور پر آچکی ہے)

(۲) مال تیار کرنے کا سامان اور مٹیریل خریدار کی طرف سے ہو اور کاریگر کا کام صرف یہی ہے کہ طے شدہ شرائط کے مطابق مال بنا کر تیار کردے اور اس میں اس کو اپنی طرف سے کوئی سامان نہیں لگانا ہے، تو ایسی صورت میں استصناع کی یہ شکل عقد بیع یا معاہدۂ بیع نہیں رہے گی؛ بلکہ استصناع کی شکل میں اجارہ بن جائے گی۔ اور صانع (کاریگر) اجیر مشترک بن جائے گا اور آرڈر دینے والا مستصنع مستاجر بن جائے گا۔ اس سلسلے میں حضرات فقہاء کی عبارات ملاحظہ فرمایئے، اس کو فتاویٰ تاتارخانیہ میں ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا گیا ہے:

وَالْاسْتِصْنَاعُ أَنْ يَكُوْنَ الْعَيْنُ وَالْعَمَلُ مِنَ الصَّانِعِ، فَأَمَّا إِذَا كَانَ الْعَيْنُ مِنَ الْمُسْتَصْنِعِ لَا مِنَ الصَّانِعِ يَكُوْنُ إِجَارَةً وَلَا يَكُوْنُ اسْتِصْنَاعًا. (تاتارخانية، زكريا ١٥/ ٣٤٧، رقم: ٢٣٣٢٣)

استصناع کی شکل یہ ہے کہ عین (مال کا سامان) اور عمل دونوں کاریگر کی طرف سے ہو، پس بہرحال جب سامان مستصنع (آرڈر دینے والے) کی طرف سے ہو، کاریگر کی طرف سے نہ ہو، تو یہ معاملہ اجارہ بن جائے گا اور بیع استصناع باقی نہیں رہے گا۔

اور ''شرح المجلہ'' میں اس کو ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا گیا ہے:

وَشَرْطُهُ أَنْ يَكُوْنَ الْعَيْنُ وَالْعَمَلُ مِنَ الصَّانِعِ، فَإِنْ كَانَتِ الْعَيْنُ مِنَ الْمُسْتَصْنِعِ كَانَ الْعَقْدُ إِجَارَةً. (شرح المجلة ١/ ٦٩)

اور استصناع کی شرط یہی ہے کہ سامان اور عمل دونوں کاریگر کی طرف سے ہو؛ لہٰذا اگر سامان مستصنع (آرڈر دینے والے) کی طرف سے ہو تو عقد اجارہ بن جائے گا۔

بین الاقوامی تجار جن کی فیکٹریاں بڑی اور وسیع ہوتی ہیں، ان کے یہاں یہی شکل زیادہ پیش آتی ہے، وہ لوگ باہر سے خام مال ایمپورٹ کرکے لاتے ہیں اور کارخانہ دار اور کاریگروں کو اپنی ہی فیکٹری میں ٹھیکہ پر رکھتے ہیں اور اسی فیکٹری میں ہی کاریگروں کو ایکسپوٹر نمونہ اور سائز دکھا کر مال بنانے کا آرڈر دیتے ہیں اور کچا مال بھی اپنی طرف سے ان کو دیتے ہیں، پھر ٹھیکہ دار اپنے کاریگروں کے ذریعہ سے اسی خام مال کو گلا کر طے شدہ شرائط کے مطابق مال کا آرڈر تیار کرکے ایکسپوٹر کو پیش کرتے ہیں، پھر ایکسپوٹر اس مال کی پیکنگ وغیرہ کرکے اپنے خریداروں کو ایکسپورٹ کرتے ہیں، تو ایسی صورت میں ان بڑے تاجروں کے یہاں اپنے کاریگروں سے مال بنوانے کا معاملہ اجارہ ہی کا ہوگا، بیع یا معاہدہ بیع کا نہیں ہوگا، ہاں البتہ ایکسپوٹر اور اس کے خریدار کے درمیان میں بیع استصناع کا معاملہ جاری رہے گا۔

طے شدہ شرائط اور نمونہ کی خلاف ورزی پر نقصان کا بھگتان کس پر؟

طے شدہ شرائط اور نمونہ کی خلاف ورزی کی دو شکلیں ہوسکتی ہیں:

(۱) استصناع کی شکل خریدار نے بائع کو نمونہ اور سائز پیش کردیا اور مال بنانے کے لئے سارے شرائط جانبین میں طے ہوگئے، اس کے بعد کاریگر نے اپنے مٹیریل کے ذریعہ سے مال بنا کر تیار کردیا ہے، مگر جو مال تیار کردیا ہے وہ نمونہ اور شرائط کے خلاف ہے، ایسی صورت میں مشتری کو اختیار رہے کہ مال قبول کرے یا واپس کردے اور واپسی کی صورت میں جو بھی نقصان ہوگا، اس کا پورا بھگتان کاریگر کو اٹھانا پڑے گا، آرڈر دینے والا خریدار نقصان کا ذمہ دار نہیں ہوگا۔ اس کو شرح مجلہ رستم باز میں مادہ ۳۹۲ رمیں ان الفاظ کے ساتھ نقل فرمایا ہے:

وَإِذَا لَمْ يَكُنِ الْمَصْنُوْعُ عَلَى الْأَوْصَافِ الْمَطْلُوْبَةِ الْمُبَيَّنَةِ كَانَ الْمُسْتَصْنِعُ مُخَيَّرًا لِفَوَاتِ الْوَصْفِ الْمَرْغُوْبِ فِيْهِ. (شرح المجلة ١/ ٢٢١، رقم: ٣٩٢، الفقه الإسلامي ٤/ ٣٩٨)

اور جب بنا ہوا مال طے شدہ اور واضح اوصاف کے مطابق نہ ہو تو آرڈر دینے والے خریدار کو ایسے پسندیدہ اوصاف کے نہ ہونے کی وجہ سے اختیار حاصل ہوگا، جس کی شرط اس میں لگائی گئی تھی۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ مطلوبہ شرائط اور نمونہ کے مطابق مال نہ بنانے کی وجہ سے مستصنع (آرڈر دینے والے خریدار) کوصرف اتنا اختیار ہوگا کہ وہ مال لینے سے انکار کردے اوراس مال کے بنانے میں کاریگر کی محنت وغیرہ کےنقصان کا بھگتان خود کاریگر برداشت کرے گا اورخریدارکو اس مال سے متوقع منافع میں جو نقصان ہوا ہے اس نقصان کی تلافی کاریگر سےنہیں کرسکتا۔

(۲) اجارہ کی شکل ایکسپوٹر نے کاریگراور ٹھیکیدارکونمونہ کےمطابق مال بنانے کے لئے مٹیر یل اورخام مال اپنی طرف سے پیش کردیا ہے،تو دوصورتیں ہوسکتی ہیں:

(۱) ٹھیکیدار اور کاریگر نے مال تیار کرنے میں نمونہ اور شرائط کی خلاف ورزی کی ہے،تو ایسی صورت میں ٹھیکیدار اور کاریگر خام مال اور مٹیر یل کا ضامن ہوگا کہ مٹیر یل جیسا آیا تھا ویسا ہی اسی کے ہم مثل واپس کردے گا اور آرڈر دینے والے ایکسپوٹر کا جو مال خراب ہوا ہے وہ ٹھیکیدار اور کاریگر کومل جائے گا اورمحنتانہ کا جونقصان ہوا ہے اس کا بھگتان ٹھیکیدار اور کاریگر کو برداشت کرنا پڑے گا اوراس نقصان میں آرڈر دینے والا ایکسپوٹر شریک نہیں ہوگا۔

اس کوصاحبِ بدائع نے اس طرح کے الفاظ کےساتھ نقل فرمایا ہے:

فَإِنْ سَلَّمَ إِلٰى حَدَّادٍ حَدِيْدًا لِيَعْمَلَ لَهُ إِنَاءً مَعْلُوْمًا بِأَجْرٍ مَعْلُوْمٍ، أَوْ جِلْدًا إِلٰى خِفَافٍ لِيَعْمَلَ لَهُ خُفًّا مَعْلُوْمًا بِأَجْرٍ مَعْلُوْمٍ، فَذٰلِكَ جَائِزٌ، وَلَا خِيَارَ فِيْهِ؛ لِأَنَّ هٰذَا لَيْسَ بِاسْتِصْنَاعٍ بَلْ هُوَ اسْتِئْجَارٌ فَكَانَ جَائِزًا، فَإِنْ عَمِلَ كَمَا أَمَرَ اسْتَحَقَّ الْأَجْرَ، وَإِنْ فَسَدَ

پس اگر لوہا وغیرہ دھات کے کاریگر کو لوہے کی دھات سونپ دی ہے، تا کہ اس کے لئے متعین اجرت کے عوض میں متعین برتن بنا کردے، یا جوتا موزہ کے کاریگر کو چمڑا سونپ دیا ہے،تا کہ اس کے لئے متعین اجرت کے بدلہ میں متعین شرائط کے مطابق جوتا موزہ بنا کر تیار کردے، تو ایسا معاملہ جائز ہے اوراس میں کسی قسم کا خیار نہیں ہے؛ اس لیے کہ یہ عقد استصناع نہیں ہے؛ بلکہ وہ اجارہ بن کر کے جائز ہوگیا ہے؛ لہٰذا اگر حکم کے مطابق مال بنا دیا ہے،تو طے شدہ اجرت کا مستحق ہوجائے گا اور اگر مال کو بگاڑ دیا ہے، تو آرڈر دینے والے

فَلَهُ أَنْ يُضَمِّنَهُ حَدِيْدًا مِثْلَهُ؛ لِأَنَّهُ لَمَّا أَفْسَدَهُ، فَكَأَنَّهُ أَخَذَ حَدِيْدًا لَهُ وَاتَّخَذَ مِنْهُ آنِيَةً مِنْ غَيْرِ إِذْنِهِ، وَالإِنَاءُ لِلصَّانِعِ؛ لِأَنَّ الْمَضْمُونَاتِ تُمْلَكُ بِالضَّمَانِ. (بدائع زکریا دیوبند ۹۶/۴، کراچی ۴/۵)

کے لئے اسی کے ہم مثل لوہے کی دھات کا تاوان وصول کرنا جائز ہے، اس لئے کہ جب کاریگر نے اسے بگاڑ دیا ہے، تو گویا کہ کاریگر نے اس کے لوہے کی دھات لے کر اس دھات سے اس کی اجازت کے بغیر برتن بنا دیا ہے اور برتن کاریگر کو مل جائے گا؛ اس لئے کہ بنے ہوئے برتن کا ضمان اور تاوان کے بدلہ میں کاریگر مالک ہو جاتے ہیں۔

(۲) دوسری صورت اجارہ کی شکل میں یہ ہو سکتی ہے کہ ایکسپوٹر اور مالیاتی ادارہ نے مال بنانے کے لئے سارا مٹیریل اپنی طرف سے کاریگر کو دیا ہے اور کاریگر نے مال بنانے میں نمونہ، سائز اور ڈیزائن کی خلاف ورزی کی ہے کہ مال کا ڈیزائن خراب کر دیا، یا مال کو چھوٹا بڑا کر دیا، تو ایسی صورت میں مالیاتی ادارہ کے ذمہ دار ایکسپوٹر وغیرہ کو یہ اختیار حاصل ہے کہ بنا ہوا مال اسی حالت میں کاریگر کو دے دے اور اپنے دیئے ہوئے مٹیریل کے ہم مثل مٹیریل اس سے وصول کر لے، یا تیار شدہ وہی مال قبول کر لے، اگر مال کی قیمت میں کوئی فرق نہیں آیا ہے، تو اس کو پوری اجرت ادا کر دے؛ لیکن اگر مال خراب بنانے کی وجہ سے مال کی قیمت گھٹ گئی ہے، تو جتنی گھٹی ہے اتنے نقصان کی تلافی کاریگر کی اجرت میں سے وصول کر لے۔ یہ حکم مبسوط سرخسی کی اس عبارت سے واضح ہوتا ہے:

وَلَوْ أَسْلَمَ غَزْلًا إِلٰى حَائِكٍ لِيَنْسَجَ لَهُ سَبْعًا فِي أَرْبَعٍ، فَحَاكَهُ أَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ أَوْ أَصْغَرَ فَهُوَ بِالْخِيَارِ إِنْ شَاءَ ضَمَّنَهُ مِثْلَ غَزْلِهٖ وَسَلَّمَ لَهُ الثَّوْبَ، وَإِنْ

اور اگر کپڑا بننے والے کو سوت اور دھاگا پیش کر دیا ہے، تاکہ اس کے لئے چار بائی سات طول وعرض میں کپڑا بنا کر دے، تو کپڑا بننے والے نے اس سے بڑا بنا دیا، یا اس سے چھوٹا تو آرڈر دینے والے کو اختیار ہے کہ اگر چاہے اپنے دیئے ہوئے سوت اور دھاگے کے ہم

شَاءَ أَخَذَ ثَوْبَهُ وَأَعْطَاهُ الْأَجْرَ إِلَّا فِي النُّقْصَانِ؛ فَإِنَّهُ يُعْطِيهِ الْأَجْرَ بِحِسَابِ ذٰلِكَ وَلَا يُجَاوِزُ بِهِ مَا سَمَّى. (مبسوط سرخسي ۱۵/ ۸۶)

مثل تاوان میں وصول کرلے اور بنا ہوا کپڑا بننے والے کو دے دے اور اگر چاہے تو اسی کپڑے کو لے کر اس کی اجرت ادا کردے، الا یہ کہ قیمت کا نقصان ہو جائے تو بے شک وہ اس نقصان کو مجری کر کے اجرت دے گا۔ اور اس میں متعین قیمت سے تجاوز نہیں کرے گا۔

معاملۂ استصناع کو منسوخ کرنے کی شکلیں

نمونہ، سائز اور طے شدہ شرائط کے مطابق فریقین کے درمیان استصناع کا معاملہ طے ہو جانے کے بعد پھر اس معاملہ کو جانبین میں سے کسی ایک کی طرف سے فسخ کر کے ختم کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ تو اس کی تین شکلیں پیش آسکتی ہیں:

شکل (۱): طے شدہ شرائط کے مطابق معاملۂ استصناع جانبین کے درمیان طے ہو جانے کے بعد ابھی مال بنانے کی تیاری شروع نہیں ہوئی ہے، تو اس حالت میں جانبین میں سے کسی کو بھی معاملہ منسوخ کرنے کا اختیار ہے، ایسی صورت میں کسی کا کوئی نقصان نہیں ہوتا ہے، اس کو حضرات فقہاء نے اس طرح کے الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

وَأَمَّا صِفَةُ الاسْتِصْنَاعِ فَهِيَ: أَنَّهُ عَقْدٌ غَيْرُ لَازِمٍ قَبْلَ الْعَمَلِ فِي الْجَانِبَيْنِ جَمِيعًا بِلَا خِلَافٍ حَتّٰى كَانَ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا خِيَارُ الامْتِنَاعِ قَبْلَ الْعَمَلِ. (بدائع الصنائع زكريا ٤/ ٩٥، كراچی ٥/ ٣)

جانبین کے درمیان عمل سے پہلے بالاتفاق عقد غیر لازم ہے، یہاں تک کہ مال کی تیاری سے پہلے دونوں میں سے ہر ایک کے لئے معاملہ کو ختم کرنے کا اختیار ہے۔

شکل (۲): مال بنانے کی تیاری شروع ہو گئی ہے، مگر ابھی مال نمونہ کے مطابق مکمل تیار نہیں ہو پایا ہے، تو ایسی صورت میں خریدار کو معاملہ ختم کرنے کا اختیار ہے یا نہیں؟ اس سلسلے میں

جمہور کی رائے یہی ہے کہ چوں کہ آرڈر دینے والے خریدار کے نمونہ کے مطابق ابھی مال تیار نہیں ہوا ہے؛ اس لئے آرڈر کینسل کر دینے کا خریدار کو اختیار رہے گا۔ اس کو صاحب بدائع نے ان الفاظ کے ساتھ نقل فرمایا ہے:

إِذَا قَطَعَ الْجِلْدَ وَلَمْ يَعْمَلْ فَقَالَ الْمُسْتَصْنِعُ: لَا أُرِيْدُ لِأَنَّا لَا نَدْرِيْ أَنَّ الْعَمَلَ يَقَعُ عَلَى الصِّفَةِ الْمَشْرُوْطَةِ أَوْ لَا فَلَمْ يَكُنِ الامْتِنَاعُ مِنْهُ إِضْرَارًا بِصَاحِبِهٖ، فَثَبَتَ الْخِيَارُ. (بدائع الصنائع زكريا ٤/ ٩٦، كراچی ٥/ ٤)

جب چمڑے کو جوتا یا موزہ بنانے کے لئے کاٹ لیا ہے اور ابھی بنایا نہیں ہے، تو آرڈر دینے والے خریدار نے کہا: میں لینے کا ارادہ نہیں رکھتا؛ اس لئے کہ ہم نہیں جانتے ہیں کہ تمہارا کام ہمارے طے شدہ شرائط کے مطابق ہو پائے گا یا نہیں؟ لہٰذا اس حالت میں لینے سے منع کر دینا اپنے فریق کو نقصان پہنچانے کے مرادف نہیں ہوگا؛ اس لئے اس کو فسخ کا اختیار حاصل ہوگا۔

شکل (۳): طے شدہ شرائط اور نمونہ کے مطابق مال تیار ہو چکا ہے اب مکمل تیار ہو جانے کے بعد یہ معاملہ ختم کرنے کا اختیار ہو سکتا ہے یا نہیں؟ تو ایسی صورت میں اگر مال مکمل تیار کر کے کاریگر نے آرڈر دینے والے مشتری کے پاس پیش کر دیا ہے اس کے بعد کاریگر معاملہ ختم کر کے مال واپس لے جانا چاہے، تو کسی کے نزدیک بھی واپس لے جانا جائز نہیں ہے، مگر اختلاف اس بارے میں ہے کہ آرڈر دینے والے خریدار کو ایسی حالت میں واپس کر دینے کا اختیار رہے یا نہیں؟ تو جمہور احناف کے نزدیک ایسی صورت میں بھی آرڈر دینے والے خریدار کو خیار رؤیت حاصل رہے گا، چنانچہ خریدار مال دیکھنے کے بعد یہ کہہ کر واپس کر سکتا ہے کہ اگر چہ طے شدہ شرائط اور نمونہ کے مطابق مال بن گیا ہے؛ لیکن مال مجھے پسند نہیں ہے میں نہیں لوں گا، یہ قول ظاہر الروایہ کے مطابق ہے؛ لیکن حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک مال تیار ہونے سے پہلے پہلے عقد غیر لازم رہتا ہے اور مال مکمل تیار ہو جانے کے بعد یہ عقد خود بخود لازم ہو جاتا ہے اور آرڈر دینے والے مشتری کو خیار رویت حاصل نہیں ہوگا؛

اس لئے کہ ایسی حالت میں مشتری کو اگر خیار رؤیت کے نام سے اختیار دیا جائے اور وہ مال لینے سے انکار کردے تو بائع (کاریگر) کو بڑا نقصان ہوسکتا ہے اور شریعت چھوٹے نقصان کے مقابلے میں بڑے نقصان سے بچنے کو اہمیت دیتی ہے؛ اس لئے خریدار پر لازم ہوجائے گا کہ مال کو واپس نہ کرے اور بلا کسی اڑچن لگائے اس کو قبول کر لے، اس کو حضرات فقہاء نے اس طرح کے الفاظ سے نقل فرمایا ہے۔ بدائع کی عبارت ملاحظہ فرمائیے:

فَأَمَّا إِذَا أَحْضَرَ الصَّانِعُ الْعَيْنَ عَلَى الصِّفَةِ الْمَشْرُوطَةِ فَقَدْ سَقَطَ خِيَارُ الصَّانِعِ وَلِلْمُسْتَصْنِعِ الْخِيَارُ؛ لِأَنَّ الصَّانِعَ بَائِعٌ مَا لَمْ يَرَهُ فَلا خِيَارَ لَهُ، وَأَمَّا الْمُسْتَصْنِعُ فَمُشْتَرِي مَا لَمْ يَرَهُ، فَكَانَ لَهُ الْخِيَارُ (إلى قوله) هٰذَا جَوَابُ ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَؒ وَأَبِي يُوسُفَؒ وَمُحَمَّدٍؒ، وَرُوِيَ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَؒ أَنَّ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا الْخِيَارُ، وَرُوِىَ عَنْ أَبِي يُوسُفَ: أَنَّهُ لا خِيَارَ لَهُمَا، وَجْهُ رِوَايَةِ أَبِي يُوسُفَ أَنَّ الصَّانِعَ قَدْ أَفْسَدَ مَتَاعَهُ وَقَطَعَ جِلْدَهُ وَجَاءَ بِالْعَمَلِ عَلَى الصِّفَةِ

اور بہر حال جب کاریگر سامان کو طے شدہ شرائط کے مطابق بنا کر پیش کردے تو کاریگر کا اختیار ختم ہوجائے گا اور آرڈر دینے والے خریدار کو اختیار باقی رہے گا؛ اس لئے کہ کاریگر ایسی چیز کا بیچنے والا ہے جس کو اس نے نہیں دیکھا ہے (پھر بنا کر تیار کرنے کے بعد) اس کے لئے خیار ثابت نہیں ہوگا اور بہر حال آرڈر دینے والا خریدار ایسی چیز کا خریدنے والا ہے جس کو اس نے دیکھا نہیں ہے؛ اس لئے اس کو خیار رؤیت حاصل ہوگا، یہ ظاہر الروایہ کا جواب ہے جو امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ سے مروی ہے۔ اور امام ابوحنیفہؒ سے ایک روایت یہ ہے کہ دونوں میں سے ہر ایک کو اختیار حاصل ہوگا اور امام ابو یوسفؒ سے ایک روایت یہ ہے کہ دونوں میں سے کسی کو بھی فسخ کا اختیار حاصل نہیں ہوگا۔ اور امام ابو یوسفؒ کی روایت کی وجہ یہ ہے کہ کاریگر نے اپنا

الْمَشْرُوْطَةِ فَلَوْ كَانَ لِلْمُسْتَصَنِعِ الامْتِنَاعُ مِنْ أَخْذِهِ لَكَانَ فِيهِ إِضْرَارٌ بِالصَّانِعِ.

(بدائع الصنائع زكريا ديوبند ٤/ ٩٥، ٩٦، كراچی ٥/ ٣، ٤)

سامان مال بنانے کے لئے توڑ دیا اور چمڑا کاٹ دیا اور اس کے بعد طے شدہ شرائط کے مطابق مال بنا کر تیار کرلیا ہے، پھر اگر آرڈر دینے والا خریدار اس کو لینے سے انکار کردیگا تو کاریگر کو بڑا نقصان پہنچ جائے گا۔

اوراسی کو عنایہ میں اس طرح کے الفاظ سے نقل کیا گیا ہے:

وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ لا خِيَارَ لَهُمَا، أَمَّا الصَّانِعُ فَلِمَا ذَكَرَنا أَوَّلًا، وَأَمَّا الْمُسْتَصْنِعُ فَلأن الصَّانِعَ أَتْلَفَ مَالَهُ بِقَطْعِ الصَّرْمِ وَغَيْرِهِ لِيَصِلَ إِلَى بَدَلِهِ، فَلَوْ ثَبَتَ لَهُ الْخِيَارُ تَضَرَّرَ الصَّانِعُ؛ لِأَنَّ غَيْرَهُ لا يَشْتَرِيهِ بِمِثْلِهِ، أَلَا تَرَى! أَنَّ الْوَاعِظَ إِذَا اسْتَصْنَعَ مِنْبَرًا وَلَمْ يَأْخُذْهُ فَالْعَامِيُّ لا يَشْتَرِيهِ أَصْلاً.

(عناية مع فتح القدير زكريا ديوبند ٧/ ١٠٩، كوئٹه پاكستان ٦/ ٢٤٢، دارالفكر ٧/ ١١٦)

اور امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ دونوں میں سے کسی کو فسخ کا اختیار نہیں ہے، بہر حال صانع کو اس لئے نہیں ہے کہ جو ہم نے شروع میں ذکر کیا ہے اور بہر حال آرڈر دینے والے خریدار کو اس لئے اختیار حاصل نہیں ہے کہ کاریگر نے اپنا مال چمڑا وغیرہ کاٹنے کے ذریعہ سے خراب کردیا ہے، تاکہ اس کا بدل (قیمت) حاصل کرلے؛ لہٰذا اگر خریدار کے لئے اختیار ثابت ہوجائے تو کاریگر کو نقصان پہنچ جائے گا؛ اس لئے کہ اس خریدار کے علاوہ دوسرا آدمی اس جیسی چیز خریدتا نہیں ہے، کیا نہیں دیکھتے ہو کہ بے شک خطیب نے جب منبر بنوا کر اس کو نہیں لیا تو عام آدمی اسے بالکل نہیں خریدے گا۔

امام ابو یوسفؒ کے قول کی ترجیح

امام ابو یوسفؒ کے قول کے مطابق عقدِ استصناع بیع لازم ہے اور جب نمونہ اور شرائط کے مطابق مال تیار ہوجائے اس کے بعد اگر آرڈر دینے والے خریدار کو مال قبول نہ کرنے کا اختیار دیا جائے، تو کاریگر کا زبردست نقصان ہوسکتا ہے اور بلا کسی شرعی وجہ کے کاریگر کو اتنے بڑے نقصان کا مکلّف شریعت نہیں بناتی؛ اسی لئے حضرت امام ابو یوسفؒ کے قول کو راجح قرار

دیا جائے اور آرڈر دینے والے خریدار پر لازم کر دیا جائے کہ اس کو قبول کرنے کا پابند ہوجائے۔ اور خیار رؤیت استعمال کرنے کا حق اس کو حاصل نہیں ہوگا، اسی کو مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ نے بھی ''اسلام اور جدید معاشی مسائل ۵/ ۱۵۵'' میں واضح فرما کر ترجیح دی ہے؛ اسی لئے امام ابویوسفؒ کی رائے کو ترجیح دینے میں علماء متفق ہوجائیں تو زیادہ بہتر ہوگا۔ نیز فتاویٰ تاتارخانیہ میں اس بات کی صراحت موجود ہے کہ امام ابویوسفؒ شروع میں امام ابوحنیفہؒ کی طرح اس بات کے قائل تھے کہ عقدِ استصناع عقد غیر لازم ہے؛ لہٰذا معاملہ ہوجانے کے بعد فریقین میں سے ہر ایک کو اختیار رہے گا، چاہے عقد کو باقی رکھے یا ختم کردے، اس کے بعد امام ابویوسفؒ نے اپنے اس قول سے رجوع کر کے فرمایا کہ صانع پر جبر نہیں کیا جاسکتا اور مستصنع کو قبول کرنے پر مجبور کیا جائے گا، پھر اس کے بعد امام ابویوسفؒ نے اپنے اس قول سے بھی رجوع کر کے فرمایا کہ استصناع کا معاملہ منعقد ہوجانے کے بعد عقد لازم ہوجائے گا اور جانبین میں سے کسی کو بھی مسترد کرنے کا حق نہیں ہوگا؛ بلکہ کاریگر کو عمل پر مجبور کیا جائے گا اور آرڈر دینے والے خریدار کو مبیع کے قبول کرنے پر مجبور کیا جائے گا۔ اور آج کے زمانہ میں حضرت امام ابویوسفؒ کے اس قول سے کوئی مفر نہیں ہے، ورنہ جانبین کو نقصان اٹھاتے رہنا پڑے گا۔ حضرت امام ابویوسفؒ کے قول ہی کو مفتی بہ قرار دینا زیادہ مناسب ہوگا۔ عبارت ملاحظہ فرمائیے:

وَرَوَى أَبُو يُوسُفَ عَنْ أَبِيْ حَنِيفَةَؒ: الصَّانِعُ لَا يُجْبَرُ عَلَى الْعَمَلِ بَلْ يَتَخَيَّرُ إِنْ شَاءَ فَعَلَ وَإِنْ شَاءَ لَمْ يَفْعَلْ، وَإِذَا أَتَى الصَّانِعُ بِالْمَصْنُوعِ لَا يُجْبَرُ الْمُسْتَصْنِعُ عَلَى الْقَبُوْلِ بَلْ هُوَ بِالْخِيَارِ إِنْ شَاءَ قَبِلَ وَإِنْ شَاءَ لَمْ يَقْبَلْ ......

حضرت امام ابویوسفؒ امام ابوحنیفہؒ سے روایت کرتے ہیں کہ کاریگر کو عمل پر مجبور نہیں کیا جائے گا؛ بلکہ اس کو اختیار رہے گا، چاہے کرے اور چاہے نہ کرے اور جب کاریگر شرائط کے مطابق مال بنا کر کے لے آئے تو آرڈر دینے والے خریدار کو قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا؛ بلکہ اس کو اختیار ہے چاہے قبول کر لے اور چاہے قبول نہ کرے۔ اور امام ابویوسفؒ نے شروع

وَقَالَ أَبُويُوسُفَ أَوَّلًا: يُجبَرُ الْمُسْتَصْنِعُ دُونَ الصَّانِعِ، وَهُوَ رِوَايَةٌ عَنْ أَصْحَابِنَا، ثُمَّ رَجَعَ عَنْ هٰذَا وَقَالَ: لاَ خِيَارَ لِوَاحِدٍ مِّنْهُمَا، بَلْ يُجْبَرُ الصَّانِعُ عَلَى الْعَمَلِ، وَيُجْبَرُ الْمُسْتَصْنِعُ عَلَى الْقَبُولِ.

(الفتاوى التاتارخانية زكريا ۹/ ۱ ۰ ٤، رقم: ۱۳۷۱۹)

میں یہ فرمایا تھا کہ آرڈر دینے والے خریدار کو قبول کرنے پر مجبور کیا جائے گا، صانع کو عمل پر مجبور نہیں کیا جائے گا، یہ ہمارے اصحاب کی ایک روایت ہے، پھر امام ابو یوسفؒ نے اس قول سے رجوع کر کے فرمایا کہ دونوں میں سے کسی ایک کو بھی اختیار نہیں ہے؛ بلکہ صانع (کاریگر) کو عمل پر مجبور کیا جائے گا اور آرڈر دینے والے (مستصنع) کو قبول کرنے پر مجبور کیا جائے گا۔

اور یہ حکم ملتقی الابحر کی ذیل کی عبارت سے بھی واضح ہوتا ہے:

وَهُوَ بَيْعٌ لَا عِدَةٌ، فَيُجْبَرُ الصَّانِعُ عَلٰى عَمَلِهٖ وَلَا يَرْجِعُ الْمُسْتَصْنِعُ عَنْهُ. (ملتقي الابحر مع مجمع الأنهر بيروت ۳/ ۱٤۹)

اور وہ عقد بیع ہے وعدۂ بیع نہیں ہے؛ لہٰذا کاریگر کو عمل پر مجبور کیا جائے اور آرڈر دینے والے مستصنع کو اس عقد سے رجوع کا حق نہیں ہوگا۔

عقدِ استصناع میں مدت کی تعیین کا مسئلہ

عقدِ سَلم میں مسلم فیہ (مبیع) کے سونپنے کے زمانہ اور مدت کی تعیین لازم ہے، مگر عقدِ استصناع میں زمانہ اور مدت کی تعیین کا مسئلہ مختلف فیہ ہے۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اگر مدت متعین کردی جائے، تو عقدِ استصناع عقدِ سلم میں تبدیل ہو جائے گا؛ لیکن حضرات صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ ایسی کوئی شرط مشروط نہیں ہے؛ اس لئے کہ عقدِ استصناع کا سارا مدار تعامل ناس اور عرف پر ہے اور جب تعاملِ ناس اور عرف میں عقدِ استصناع کے اندر مدت متعین کرنے کا سلسلہ جاری ہو جائے تو اس کا اعتبار کرنا ضروری ہو جائے گا؛ لہٰذا اگر عقدِ استصناع میں مبیع کو سونپنے کی مدت متعین کردی جائے تو وہ سلم میں تبدیل نہیں ہوگا؛ بلکہ بدستور معاملہ عقدِ استصناع کے طور پر باقی رہے گا؛ اس لئے عقدِ استصناع دونوں طرح جائز ہوگا کہ اگر مدت متعین کردی جاتی ہے تب بھی عقدِ استصناع ہی رہے گا اور مدت متعین نہ کرے تب بھی

استصناع ہی کے دائرہ میں رہے گا۔ اور دورِ حاضر میں استصناع کے معاملہ میں عام طور پر مدت متعین کرنے کا دستور ہے، تاکہ جانبین کے لوگ اس کی پابندی کی کوشش کریں اور زیادہ تاخیر کی وجہ سے آرڈر دینے والے کو نقصان نہ پہنچے اور اس زمانہ کے تعامل کے لحاظ سے صاحبینؒ کے قول کو ترجیح حاصل ہوگی۔

اس کو صاحب بدائع نے ان الفاظ کے ساتھ نقل فرمایا ہے:

وَمِنْهَا أَنْ لايَكُوْنَ فِيهَا أَجَلٌ، فَإِنْ ضَرَبَ لِلْاسْتِصْنَاعِ أَجَلاً صَارَ سَلَمًا (قوله) وَهٰذَا قَوْلُ أَبِي حَنِيْفَةَ، وَقَالَ أَبُوْيُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ: هٰذَا لَيْسَ بِشَرْطٍ وَهُوَ اسْتِصْنَاعٌ عَلٰى كُلِّ حَالٍ، ضَرَبَ فِيْهِ أَجَلاً أَوْ لَمْ يَضْرِبْ. (بدائع الصنائع زكريا ٤/ ٩٤، كراچی ٥/ ٣، اسی طرح کی عبارت البحر الرائق زکریا دیوبند ٦/ ٢٨٥، كوئٹہ ٦/ ١٧١، مبسوط سرخسی ١٢/ ٣٩، تبيين الحقائق ملتان ٤/ ١٢٤، زکریا ۴/۵۲۸ رمیں موجود ہے)

اور ان شرائط میں سے یہ بھی ہے کہ استصناع کے اندر مدت متعین نہ ہو؛ لہٰذا اگر استصناع میں مدت متعین کردے گا، تو وہ سلم میں تبدیل ہوجائے گا اور یہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ اور امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ شرط مشروط نہیں ہے اور یہ عقد ہر حال میں استصناع ہی رہے گا، اس میں مدت متعین کردی ہو یا نہ کی ہو۔

اور اس حکم کو ''الفقہ الإسلامی'' میں مزید واضح الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

وَقَالَ الصَّاحِبَانِ: لَيْسَ هٰذَا بِشَرْطٍ، وَالْعَقْدُ اسْتِصْنَاعٌ عَلٰى كُلِّ حَالٍ حُدِّدَ فِيْهِ أَجَلٌ أَوْ لَمْ يُحَدَّدْ؛ لِأَنَّ الْعَادَةَ جَارِيَةٌ بِتَحْدِيْدِ الْأَجَلِ فِي الاسْتِصْنَاعِ، فَيَكُوْنُ شَرْطًا صَحِيْحًا لِذٰلِكَ. (الفقه الإسلامي ٤/ ٣٩٦)

اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ ایسی کوئی شرط مشروط نہیں ہے اور عقد ہر حال میں استصناع کے طور پر باقی رہے گا، اس میں مدت متعین کردی ہو یا نہ کی ہو؛ اس لئے کہ عادت وعرف عقد استصناع میں مدت متعین کرنے کے بارے میں جاری ہوچکی ہے؛ لہٰذا شرعی طور پر یہ جائز اور صحیح ہوجائے گا۔

عقدِ استصناع میں طے شدہ مدت سے تاخیر کے نقصان کا عوض

عقدِ استصناع میں مال تیار کر کے پیش کرنے کی مدت کا تعین لازم اور ضروری نہیں ہے؛ بلکہ اس میں جانبین کو اختیار ہے کہ مدت متعین کریں، یا نہ کریں؛ لہٰذا اگر جانبین کی تراضی سے مدت متعین ہو جاتی ہے اور مال تیار کنندہ اس کی فراہمی میں طے شدہ وقت سے تاخیر کر دے، تو آرڈر دینے والے خریدار کو اختیار ہے کہ قیمت ادا کر کے اسے قبول کر لے، یا اس کو قبول کرنے سے انکار کر دے، تو اس بات کو یقینی بنانے کے لئے آپس کی تراضی سے معاملہ کے وقت یہ طے کر لیں کہ بائع مال تیار کر کے فراہم کر دینے میں اگر متعین وقت سے تاخیر کرے گا تو اس پر جرمانہ عائد ہوگا، جیسا کہ بین الاقوامی مارکیٹ میں اس طرح کی تاخیر کی صورت میں کلم کاٹنے کا تعامل اور دستور جاری ہے، تو سوال یہ ہے کہ شریعت میں بھی اس طرح کسی تعزیری جرمانے کی گنجائش ہے یا نہیں؟ تو اس سلسلے میں مبسوط سرخسی میں مسئلہ اجارہ کی بحث کے تحت میں تاخیر کے نتیجہ میں کلمِ کاٹنے کی شرط کو جائز قرار دیا ہے، چنانچہ حضرات فقہاء فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنے کپڑوں کو سلائی کے لئے کسی خیاط کو یہ کہہ کر کے کپڑا پیش کرتا ہے کہ اگر خیاط ایک دن میں یہ کپڑا تیار کر دے، تو اس کی اجرت سو روپیہ ہوگی اور اگر دو دن میں تیار کرتا ہے، تو اجرت سو روپیہ کے بجائے پچاس روپیہ ہو جائے گی، تو اس طرح کی تاخیر کی کلم کاٹنا مسئلۂ اجارہ کے ذیل میں فقہاء نے جائز لکھا ہے، تو اس طرح سے عقد استصناع میں بھی مال کی قیمت کو فراہمی کے وقت کے ساتھ منسلک کیا جا سکتا ہے؛ لہٰذا اگر فریقین اس بات پر متفق ہو جائیں کہ فراہمی میں تاخیر کی صورت میں فی یوم یا فی ہفتہ قیمت میں سے متعین مقدار کم ہوتی جائے گی، تو ایسا کرنا شرعاً جائز ہوگا۔ اور اس زمانہ کے مفکر حضرت مولانا مفتی محمد تقی صاحب عثمانی مدظلہ نے بھی اس کو جائز لکھا ہے۔ ملاحظہ ہو''اسلام اور جدید معاشی مسائل ۵/ ۱۵۶''۔ اب فقہاء کی عبارت ملاحظہ فرمائیے:

لَوْ دَفَعَ إِلَيْهِ ثَوْبًا لِيَقْطَعَهُ قَمِيصًا، وَاشْتَرَطَ عَلَيْهِ إِنْ خَاطَهُ الْيَوْمَ فَلَهُ دِرْهَمٌ، وَإِنْ لَمْ يَفْرُغْ مِنْهُ الْيَوْمَ فَلَهُ نِصْفُ دِرْهَمٍ، عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَؒ إِنْ خَاطَهُ الْيَوْمَ فَلَهُ دِرْهَمٌ، وَإِنْ لَمْ يَفْرُغْ مِنْهُ الْيَوْمَ فَلَهُ أَجْرُ مِثْلِهِ، لَا يَنْقُصُ عَنْ نِصْفِ دِرْهَمٍ وَلَا يُجَاوِزُ بِهِ دِرْهَمًا. وَقَالَ أَبُويُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ تَعَالٰى: وَهُوَ عَلَى مَااشْتَرَطَ إِذَا فَرَغَ مِنْهُ الْيَوْمَ فَلَهُ دِرْهَمٌ، وَإِنْ فَرَغَ مِنْهُ بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهُ نِصْفُ دِرْهَمٍ (إلى قوله) ثُمَّ رَجَعَ أَبُوحَنِيفَةَؓ فَقَالَ: الشَّرْطَانِ جَائِزَانِ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي يُوسُفَؒ وَمُحَمَّدٍؒ. (مبسوط سرخسي ۱۵/ ۹۹، ۱۰۰)

اور اگر درزی کو کوئی کپڑا یہ کہہ کر دیا ہے کہ اسے کاٹ کر قمیص بنا دے اور اس پر یہ شرط لگائی ہے کہ اگر اس کو آج سی کر تیار کر دے گا، تو اس کے لئے ایک درہم ہے اور اگر آج اس سے فارغ نہیں ہو پاتا ہے تو اس کے لئے نصف درہم ہوگا، تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اگر اس نے اس کو آج ہی سی کر کے تیار کر دیا ہے، تو اس کو ایک درہم ملے گا اور اگر آج اس سے فارغ نہیں ہو پایا ہے، تو اس کے لئے اس کے ہم مثل اجرت ہوگی، جو نصف درہم سے کم نہ ہوگی۔ اور ایک درہم سے تجاوز بھی نہیں کرے گی۔ اور امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ وہ معاملہ لگائی ہوئی شرط کے مطابق رہے گا کہ جب اس سے آج فارغ ہو جائے گا، تو اس کے لئے ایک درہم ہے۔ اور اگر اس کے بعد سی کر فارغ ہوتا ہے تو اس کو نصف درہم ملے گا، پھر امام ابوحنیفہؒ نے اپنے قول سے رجوع کر کے فرمایا کہ دونوں شرطیں جائز ہیں اور وہی امام ابو یوسفؒ اور امام محمد رحمہما اللہ کا قول ہے۔

مقالہ کا خلاصہ اور جوابات کا حاصل

(۱) عقدِ استصناع شئ معدوم پر منعقد ہوتا ہے اور یہ عقد شرعی اصول اور قیاس کے تناظر میں

شئ کے معدوم ہونے کی وجہ سے ناجائز ہونا چاہئے ؛ لیکن شریعت نے اس عقد کو اصول اور قیاس سے مستثنیٰ کر کے ایک ضابطہ کے دائرہ میں رکھا ہے۔ اور وہ ضابطہ یہی ہے کہ جن چیزوں کے بارے میں لوگوں کے درمیان شئ معدوم پر عقدِ استصناع کا معاملہ کرنے کا عرف اور تعامل جاری ہو چکا ہو، ان تمام چیزوں میں عقدِ استصناع جائز اور درست ہے۔

(۲) عقدِ استصناع اور عقدِ سلم دونوں میں شئ مبیع معدوم ہوتی ہے، مگر فرق یہ ہے کہ عقدِ سلم میں مسلم فیہ (مبیع) کی جنس کی اشیاء کا حلول مدت تک بازاروں میں ہر وقت دستیاب ہونا لازم ہے، مگر عقد استصناع میں شئ (مبیع) کا بازاروں میں موجود ہونا لازم نہیں ہے۔ اور عقدِ سلم میں مجلس عقد میں رأس المال (ثمن اور قیمت) کا ادا کرنا لازم ہے۔ اور عقدِ استصناع میں لازم نہیں ہے، اسی طرح عقدِ سلم میں خیار شرط کا ثبوت نہیں ہوتا ہے ؛ بلکہ بر وقت عقد لازم ہو جاتا ہے اور عقدِ استصناع میں لازم نہیں ہوتا۔ اور اسی طرح عقدِ سلم میں مسلم فیہ (مبیع) کا مثلی اور ذوات الامثال میں سے ہونا لازم ہے اور عقدِ استصناع میں شئ (مبیع) کا ذوات الامثال میں سے ہونا لازم نہیں، نیز عقدِ سلم ایسی چیزوں میں جائز ہے جن کا لوگوں کے درمیان تعامل ہے۔ اور ایسی چیزوں میں بھی جائز ہے جن کا تعامل نہیں ہے، اس کے برخلاف عقدِ استصناع صرف ایسی چیزوں میں جائز ہے جن میں عقدِ استصناع کا معاملہ کرنا لوگوں کے درمیان میں تعامل ہے اور جن میں تعامل نہیں ہے ان میں جائز نہیں ہے۔

(۳) معاملۂ استصناع عقدِ بیع ہے یا وعدۂ بیع؟ تو اس سلسلے میں امام حاکم شہید مروزیؒ، امام محمد بن سلمہؒ، امام صفارؒ، امام ابوالقاسمؒ، ناصر الدین سمرقندیؒ صاحبِ منشور وغیرہ کے نزدیک معاملہ استصناع عقد بیع نہیں ہے؛ بلکہ وعدۂ بیع ہے۔ اور حضرات جمہور کے نزدیک معاملۂ استصناع وعدۂ بیع نہیں ہے؛ بلکہ نفس بیع ہے، دونوں فریق کے دلائل مقالہ میں مفصل موجود ہیں۔

(۴) پہلے خریدار کا دوسرے خریدار کو اور اسی طرح دوسرے خریدار کا تیسرے خریدار کو نمونہ

اور ڈیزائن دکھا کر معاملۂ استصناع کے طور پر فروخت کرنا جائز اور درست ہے، تو ایسی صورت میں مالیاتی ادارہ عام طور پر درمیان کا خریدار ہوتا ہے، وہ اپنے کاریگروں سے مال بنوا کرخریدتا ہے،اور پھراپنے بائروں کے ہاتھ نمونہ اورآرڈر کے مطابق فروخت کرتا ہے،اسی طرح بائرجس نے مالیاتی ادارہ سے معاملہ کیا ہے، تیار ہونے سے پہلے دوسروں کو وہی نمونہ دکھا کر کے استصناع کا معاملہ کرسکتا ہے؛ اس لئے کہ عقدِ استصناع کے جواز کا سارا مدار تعاملِ ناس پر ہےاوراسی طرح کا معاملہ کرنے کا ملکی اور بین الاقوامی مارکیٹوں میں تعامل ہو چکا ہے؛اس لئے اس کے جواز میں کسی قسم کا تردد نہیں ہے۔

(۵) جس طرح چھوٹی چھوٹی منقول چیزوں میں معاملۂ استصناع جائزاور درست ہے،جیسا کہ جوتے، چپل، دھات کے برتنوں وغیرہ میں،اسی طرح بڑی بڑی منقول چیزوں میں بھی معاملۂ استصناع جائز اور درست ہے،مثلاً بحری جہاز، ہوائی جہاز،چھوٹی بڑی گاڑیاں اورٹرین کے ڈبے وغیرہ،جب ایسی چیزوں میں سائز اورنمونہ وڈیزائن کے ساتھ آرڈر دے کر بنوانے کا تعامل ہوتو عقدِاستصناع کا معاملہ ایسی بڑی بڑی چیزوں میں بھی جائزاور درست ہے۔

(۶) جس طرح چھوٹی بڑی منقول اشیاء میں سائزاورنمونہ کے ساتھ آرڈر دے کراستصناع کا معاملہ جائزاوردرست ہے،اسی طرح غیرمنقول عقار میں بھی جائزاوردرست ہے۔تفصیل مقالہ میں موجود ہے۔

(۷) عقدِاستصناع میں بیعانہ کب ضبط کرسکتے ہیں؟ جب ڈیزائن اورسائز اور طے شدہ شرائط کے مطابق مال تیار ہوجائے اس کے بعد بلا کسی خامی کے مستصنع (آرڈر دینے والا خریدار) لینے سے مکر جائے ،تو پیشگی دی ہوئی بیعانہ کی رقم ضبط کرنے کی گنجائش ہے۔

(۸) معاملۂ استصناع اجارہ کب بن سکتا ہے؟ اگر مالیاتی ادارہ عقداستصناع کا معاملہ کرتے وقت سارے مٹیریل کاریگرکودے دےاورکاریگراسی مٹیریل سے شرائط کے مطابق مال بنا کرپیش کردے تو یہ معاملہ عقدِ استصناع سے بدل کرعقدِ اجارہ بن جائے گا۔

(۹) طے شدہ شرائط اور نمونہ کی خلاف ورزی پر نقصان کا بھگتان کس پر ہوگا؟ ایسی صورت میں نقصان کا بھگتان کاریگر کو برداشت کرنا پڑے گا، استصناع کی شکل میں اس نے اپنے مٹیریل سے جو مال بنایا ہے اور نمونہ اور ڈیزائن کے خلاف بنایا ہے، تو اس طرح مال کے خراب ہوجانے کا نقصان اسے خود برداشت کرنا پڑے گا۔ اور اگر مٹیریل مالیاتی ادارہ نے اپنی طرف سے پیش کردیا ہے، تو ایسی صورت میں مالیاتی ادارہ کو اختیار رہے کہ اپنے مٹیریل کے مثل کاریگر سے وصول کرلے اور بنا ہوا مال کاریگر کے پاس چھوڑ دے اور چاہے بنا ہوا مال اسی حالت میں قبول کرلے، اگر اس مال کی قیمت میں کوئی کمی نہیں آتی ہے، تو پوری اجرت ادا کردے۔ اور اگر مال کی قیمت میں کمی آتی ہے، تو اس مال کے وصول کے ساتھ ساتھ کمی کے بقدر نقصان کی تلافی اسی کی اجرت میں سے کاٹ لے۔

(۱۰) معاملۂ استصناع کو منسوخ کرنے کی شکلیں: اگر طے شدہ شرائط کے مطابق معاملۂ استصناع جانبین کے درمیان طے ہوجائے اور ابھی مال کی تیاری شروع نہیں ہوئی ہے، تو ابھی جانبین میں سے ہر ایک کو معاملہ منسوخ کرنے کا اختیار رہے۔ اور اگر طے شدہ شرائط کے مطابق معاملہ طے ہوچکا ہے، اور کاریگر نے اپنے مٹیریل کے ذریعہ سے مال کی تیاری شروع کردی ہے، مگر ابھی مال مکمل تیار نہیں ہوا ہے، تو ایسی صورت میں جمہور کے نزدیک آرڈر منسوخ کرنے کا اختیار ہے؛ لیکن حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک مال تیار ہوجانے کے بعد آرڈر کینسل کرنے کا حق نہیں ہے۔ اور اس سلسلے میں امام ابو یوسفؒ کا آخری قول یہی ہے کہ طے شدہ شرائط کے ساتھ عقد استصناع منعقد ہوجانے کے بعد یہ عقد لازم ہوجاتا ہے، جانبین میں سے کسی کو بھی معاملہ منسوخ کرنے کا حق نہیں ہے۔ اور عقد ہوجانے کے بعد کاریگر مال بنانے کا پابند ہوجائے گا اور مستصنع (آرڈر دینے والا) مال مصنوع (مبیع) کو قبول کرنے کا پابند ہوجائے گا۔ اور آج کے زمانہ میں امام ابو یوسفؒ کا قول ہی زیادہ راجح ہے۔

(۱۱) عقدِ استصناع میں مدت کی تعیین کا حکم کیا ہے؟ تو اس بارے میں راجح قول یہی ہے کہ

عقدِ استصناع میں مدت متعین نہ کرے، تب بھی جائز ہے۔ اور مدت متعین کردے تب بھی جائز ہے اور مدت متعین کرنے کی وجہ سے عقد استصناع سلم میں تبدیل نہیں ہوگا۔

(۱۲) عقدِ استصناع میں طے شدہ مدت سے تاخیر کے نقصان کا عوض وصول کرنا جائز ہے یانہیں؟ عقدِ استصناع میں اگر جانبین کے درمیان اس طرح شرائط طے ہوجائیں کہ طے شدہ مدت کے اندر کاریگر مال تیار کرکے فراہم نہ کرے اور مالیاتی ادارہ نے جس خریدار سے آرڈر دے رکھا ہے وہ خریدار تاخیر کی وجہ سے طے شدہ قیمت میں کلم کاٹ کر کمی کرتا ہے، تو اس کمی کی تلافی کاریگر سے کی جائے گی، اگر بوقت عقد اس طرح کے شرائط طے ہوجائیں اور پھر کاریگر نے مال کی فراہمی میں تاخیر کردی ہے، تو یومیہ یا ہفتہ کے حساب سے کمی کے نقصان کی تلافی اس کے مال یا اس کی اجرت میں سے کرنے کی گنجائش ہے۔

والله الموفق والمعين.

شبیر احمد قاسمی

خادم: دارالافتاء جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد (الهند)

۲/محرم الحرام ۱۴۳۵ھ

١١/ باب بیع الوفاء

بیع الوفاء

سوال [٨٨٣٩]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کے پاس مکان بھی ہے اور دوکان بھی، مگر پیسہ کی سخت ضرورت ہے، کوئی شخص اس کو قرض بھی دینے کو تیار نہیں، زید اپنی دوکان فروخت کرنا بھی نہیں چاہتا۔ اور اگر قرض کے لئے دوکان کو رہن رکھ کر قرض لیتا ہے تو قرض دینے والا شرعاً دوکان مرہون سے فائدہ بالکل نہیں اٹھا سکتا ہے، تو ایسی تباہ کن حالت میں مالک دوکان (کتاب ایضاح النوادر ص: ٦٨-٦٩) پر جو لکھا ہے: دو گواہوں کے روبرو بیع الوفاء، بیع الامانت، بیع الرہن کے تحت یہ معاملہ طے ہوا ہے کہ مجھے مبلغ تیس ہزار روپئے آپ دے دیں بطور قرض میں اس کے عوض اپنی دونوں دوکانیں آپ کے سپرد کرتا ہوں، جب میں قرض ادا کردوں گا تو اپنی دوکانیں واپس لے لوں گا، تو کیا شرعاً اس طریقے سے قرض دینے والا زید کی دوکانوں سے کرایہ وغیرہ سے فائدہ حاصل کرسکتا ہے یا نہیں؟ مکمل ومدلل جواب سے نوازیں مہربانی ہوگی، اس کے باوجود بھی کچھ اعتراض سامنے آرہے ہیں، اس لئے فتویٰ کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔

المستفتی: شمشاد احمد رام نگر، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر زید کو قرض حسنہ کے طور پر کوئی قرض دینے والا نہیں ہے اور وہ بہت سخت ضرورت مند ہے، تو ایسی صورت میں مشائخ سمرقند اور مشائخ بلخ اور مشائخ بخاری کے فتوی پر عمل کرنے کی گنجائش ہے۔ اور عقد کے وقت میں اس معاملہ کا نام قرض نہ رکھا جائے؛ بلکہ خریداری اور فروختگی کے الفاظ استعمال کریں، مالک دوکان اس طرح کہے کہ میں ٣٠/ ہزار روپئے کے عوض یہ مکان یا دوکان بیع امانت اور بیع رہن کے طور پر آپ کو

دیتا ہوں اور جب میں آپ کی پوری رقم ادا کردوں گا تو آپ مکان مجھے واپس کردیں گے۔ اوراس درمیان آپ مکان یا دوکان سے فائدہ اٹھاتے رہیں گے۔ اور اس سلسلہ میں ایک ایگریمنٹ بھی تحریر کر کے رکھ لیں، تا کہ جانبین اس تحریر کے پابند رہیں۔

ومن مشايخ سمرقند من جعله بيعا جائزا مفيدا بعض أحكامه، منهم الإمام نجم الدين النسفي، فقال: اتفق مشايخنا في هذا الزمان، فجعلوه بيعا جائزا مفيدا بعض أحكامه، وهو الانتفاع به دون البعض، وهو البيع لحاجة الناس إليه ولتعاملهم فيه -إلى قوله- وقال صاحب النهاية: وعليه الفتوى.

(تبيين الحقائق، كتاب الإكراه، مكتبه إمداديه ملتان ٥/ ١٨٣-١٨٤، زكريا ديوبند ٦/ ٢٣٧)

ومن هذا القبيل بيع الأمانة، المسمى ببيع الوفاء جوزه مشايخ بلخ وبخارى توسعة. (الأشباه والنظائر، القاعدة الرابعة: المشقة تجلب التيسير، قديم ص: ١٣٠، جديد زكريا ١/ ٢٦٥-٢٣٦)

ومنها: الإفتاء بصحة بيع الوفاء حين كثر الدين على أهل بخارى، وهكذا بمصر وقد سموه بيع الأمانة، والشافعية يسمونه الرهن المعاد.

(الأشباه والنظائر القاعدة الخامسة: الضرر يزال، قديم، ص: ١٤٩، وهكذا ١٦١، جديد زكريا ١/ ٢٦٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍رجب المرجب ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۴۹۰)

بیع الوفاء کا حکم

سوال [۸۸۴۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: آج کل ممبئی اور بنگلور جیسے بڑے شہروں میں ہیوی ڈپازٹ یا مینٹینس پر مکان لئے جاتے ہیں، جس میں مالک مکان کو ڈپازٹ کے طور پر ایک بڑی رقم دی جاتی ہے اور بجائے

کرائے کے صرف مینٹیننس کی رقم ادا کرنی ہوتی ہے اور متعین مدت کے بعد ڈپازٹ کی رقم بغیر کمی بیشی کے واپس مل جاتی ہے، اس طرح مکان لینا از روئے شریعت کیسا ہے؟

بعض علماء کے نزدیک مندرجہ بالا صورت جائز نہیں ہے۔ اور بعض کے نزدیک ڈپازٹ کی رقم کے ساتھ کرایہ بھی طے کرنا چاہئے، جن حضرات نے اس صورت کو ناجائز قرار دیا ہے ان کی دلیل مندرجہ ذیل ہے:

''کسی کو قرض دے کر بطور ضمانت اس کی کوئی منقولہ یا غیر منقولہ چیز قرض دہندہ اپنی تحویل میں لے لے، تاکہ اگر قرض لینے والا ادائے گی نہ کر سکے تو قرض دینے والا اسے فروخت کر کے اپنی رقم وصول کر سکے، اسے شرعاً رہن کہتے ہیں؛ لیکن اس دوران قرض دینے والا اس چیز سے کسی قسم کا نفع حاصل نہیں کر سکتا، اگر نفع حاصل کرے گا تو سود ہوگا۔ اور اس صورت مسئولہ میں مکانوں کو ہیوی ڈپازٹ پر دینے کی نوعیت بھی وہی ہے؛ لہٰذا یہ شخص مکان اپنی تحویل میں تو لے سکتا ہے، تاکہ ادائے گی کی ضمانت رہے؛ لیکن نفع حاصل کرنا جائز نہ ہوگا۔

اس فتویٰ پر چند سوالات پیدا ہوتے ہیں:

(۱) مالک مکان اگر اپنا مکان رہن رکھنا چاہے تو کیا کوئی اس شرط پر بڑی رقم دے گا کہ وہ اس مکان کو استعمال نہ کرے؟

(۲) کیا یہ ممکن ہے کہ کوئی ہیوی ڈپازٹ ادا کرے اور مکان استعمال نہ کرے، جب کہ اقرارنامہ میں ''اگریمنٹ'' استعمال کی اجازت درج کرائی جاتی ہے؟

(۳) کیا مالک مکان کی رضا مندی اور اجازت سے مکان استعمال کرنا بھی سود میں داخل ہے؟

(۴) اگر بالفرض کوئی استعمال نہ کرنے والا ہو تو مکان کا مینٹیننس کون ادا کرے؟

(۵) کیا ڈپازٹ کی رقم متعین مدت میں واپس نہ ملے تو مکان فروخت کیا جا سکتا ہے؟

(۶) جو شخص کرایہ ادا کرنے کی استعداد نہیں رکھتا وہ کیا کرے؟

(۷) اگر ہیوی ڈپازٹ کے ساتھ کرائے کی رقم طے بھی کرنا چاہیں تو کس بنیاد پر کریں؟ اور

اس کا تناسب کیا ہو، جب کہ زیادہ ڈپازٹ تو کرایہ کم اور کم ڈپازٹ تو کرایہ زیادہ کا اصول چلن میں ہو؟ مثلاً زید نے چار لاکھ روپئے ڈپازٹ کے طور پر دیئے ہوں اور وہ ہر ماہ ۵۱۰/ روپئے بلاناغہ مینٹینس کے طور پر بھی ادا کر رہا ہوں، اب زید کتنا کرایہ دے؟ وغیرہ

المستفتی: اسلم ملا

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو معاملہ سوال نامہ میں درج ہے وہ بنیادی طور پر شرعاً جائز نہیں ہے۔ اور جن حضرات نے اس کو ناجائز کہا ہے اور ناجائز ہونے پر دلیلیں پیش کی ہیں، وہ اپنی جگہ درست ہیں؛ لیکن بعض فقہاء نے اس طرح کے معاملہ کو ''بیع الوفاء'' کے دائرہ میں داخل کر کے گنجائش قرار دی ہے۔ اور بیع الوفاء کو بیع الامانت اور بیع رہن بھی کہا جاتا ہے، انتہائی مجبوری کی حالت میں بیع الوفاء اور بیع الامانت کے جواز کی گنجائش قرار دی گئی۔ اور بیع الوفاء میں یہی شرط ہے کہ جتنے پیسے میں جائیداد خریدار کے ہاتھ میں دی جاتی ہے اتنے ہی پیسے میں اصل مالک کو واپس کیا جائے اور اس درمیان میں جس نے جائیداد لی ہے وہ جائیداد سے نفع حاصل کر سکتا ہے۔ اور جب مالک لیے ہوئے پیسہ واپس دے گا تو لینے والے پر لازم ہے کہ ان ہی پیسوں پر جائیداد واپس کرے اور اس معاملہ میں اگر پکی رجسٹری ہو جائے، تو واپسی کی شرائط کے ساتھ پکی رجسٹری ہونی چاہئے، ورنہ معمولی اسٹامپ پر کچی رجسٹری ہونی چاہئے، تاکہ مالک کو واپس لینے کے وقت میں کوئی دشواری پیش نہ آجائے۔

ومن مشايخ سمرقند من جعله بيعا جائزا مفيدا بعض أحكامه، منهم الإمام نجم الدين النسفي، فقال: اتفق مشايخنا في هذا الزمان، فجعلوه بيعا جائزا مفيدا بعض أحكامه، وهو الانتفاع به دون البعض، وهو البيع لحاجة الناس إليه ولتعاملهم فيه –إلى قوله– وقال صاحب النهاية: وعليه الفتوى.

(تبيين الحقائق، كتاب الإكراه، مكتبه إمداديه ملتان ٥/ ١٨٣-١٨٤، زكريا ديوبند ٦/ ٢٣٧)

ومن هذا القبيل بيع الأمانة، المسمى ببيع الوفاء جوزه مشايخ بلخ

وبخاری توسعة. (الأشباه والنظائر، القاعدة الرابعة: المشقة تجلب التيسر، قديم ص: ۱۳۰، جديد زكريا ۱/ ۲۳۵-۲۳۶)

ومنها: الإفتاء بصحة بيع الوفاء حين كثر الدين على أهل بخارى، وهكذا بمصر وقد سموه بيع الأمانة، والشافعية يسمونه الرهن المعاد. (الأشباه والنظائر، القاعدة الخامسة: الضرر يزال، قديم، ص: ۱۴۹، وهكذا ۱۶۱، جديد زكريا ۱/ ۲۶۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۲/ جمادی الثانیہ ۱۴۳۲ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۴۴۲)	۱۴۳۲/۶/۲۲ھ

''بیع الوفاء'' کا جواز

سوال [۸۸۴۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مجھے دو لاکھ روپئے کی فوری ضرورت ہے اور قرض ملنا دشوار ہے، تو کیا میں اپنی دو بیگہ زمین ایک صاحب ثروت کو یہ کہہ کر دے سکتا ہوں کہ تم یہ زمین اپنے استعمال میں رکھ لو، جب میرے پاس پیسوں کا انتظام ہوگا میں پیسہ ادا کرکے اپنی زمین واپس لے لوں گا، اس کے علاوہ کوئی اور چارہ کار نظر نہیں آرہا ہے، حکم شرعی سے مطلع فرمادیں عین نوازش ہوگی۔

المستفتی: مفتی سمیر عثمان آباد مہاراشٹر، استاذ مدرسہ فلاح دارین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس طرح کا معاملہ کرنا جائز نہیں ہے، ہاں البتہ سخت ضرورت کی وجہ سے سود سے بچنے کے لئے ''بیع الوفاء'' کی صورت اختیار کرنے کی گنجائش ہے۔ اور اس کی شکل یہ ہے کہ: صاحب ثروت سے یوں کہے کہ: یہ زمین اتنے پیسوں کے عوض میں تمہارے ہاتھ اس وقت تک کے لئے بیچ دیتا ہوں جب تک میرے پاس پیسوں کا

انتظام ہوجائے اور جب میرے پاس پیسوں کا انتظام ہوجائے گا، تو اتنے ہی پیسوں پر میرے ہاتھ واپس فروخت کرنا ہوگا، اس طرح ''بیع الوفاء'' کی شکل اختیار کرلی جائے، تو مجبوری میں اس کی گنجائش ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۳/ ۱۰۷، فتاوی خلیلیہ ۱/ ۳۹۵، انوار رحمت ص:۲۱۹، ایضاح النوادر ۱/ ۷۳)

لا يحل له أن ينتفع بشيء منه بوجه من الوجوه، وإن أذن له الراهن؛ لأنه أذن له في الربا، لأنه يستوفى دينه كاملا، فتبقى له المنفعة فضلا، فيكون ربا، وهذا أمر عظيم. (شامي، كراچی ٦/ ٤٨٢، زكريا ١٠/ ٨٣)

ومن هذا القبيل بيع الأمانة، المسمى ببيع الوفاء جوزه مشايخ بلخ وبخارى توسعة. (الأشباه والنظائر، القاعدة الرابعة: المشقة تجلب التيسير، قديم ص: ١٣٠، جديد زكريا ١/ ٢٣٥-٢٣٦)

ومن مشايخ سمرقند من جعله بيعا جائزا مفيدا بعض أحكامه، منهم الإمام نجم الدين النسفي، فقال: إتفق مشايخنا في هذا الزمان، فجعلوه بيعا جائزا مفيدا بعض أحكامه، وهو الانتفاع به دون البعض، وهو البيع لحاجة الناس إليه ولتعاملهم فيه -إلى قوله- وقال صاحب النهاية: وعليه الفتوى.

(تبيين الحقائق، كتاب الإكراه، مكتبه إمداديه ملتان ٥/ ١٨٣-١٨٤، زكريا ديوبند ٦/ ٢٣٧)

ومنها: الإفتاء بصحة بيع الوفاء حين كثر الدين على أهل بخارى، وهكذا بمصر وقد سموه بيع الأمانة. (الأشباه والنظائر، القاعدة الخامسة: الضرر يزال، قديم، ص: ١٤٩، وهكذا، ص: ١٦١، جديد زكريا ١/ ٢٦٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ جمادی الثانیہ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۱۵۷۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۶/۲۳ھ

کیا ہندوستان میں عقودِ فاسدہ جائز ہیں؟

سوال [٨٨٤٢]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مسئلہ درپیش ہے۔ امید ہے کہ قرآن وحدیث اورفقہ کی روشنی میں حوالہ اورعبارت کے ساتھ جواب مرحمت فرمائیں گے۔

سوال: زید نے ایک زراعت کی زمین پچاس لاکھ روپئے کی غیر مسلم سے خریدی، پیسے دے دئے، رجسٹری بھی کرالی، اس شرط پر کہ جب غیر مسلم کے پاس پچاس لاکھ روپئے آویں گےتو غیر مسلم زید کو پیسے دے دیگا اوراپنی زمین واپس لے لےگا۔ اور جب تک پیسے نہیں دے گا وہاں تک ماہانہ زمین کا ٥٠٠٠٠/ ہزارروپئے کرایہ دے گا، زمین غیر مسلم کے قبضہ میں ہی ہے، رجسٹری اگرچہ زید کے نام کرادی، تو کیا اس طرح معاملہ کرنا درست ہے؟ تو کیا زید اس طرح غیر مسلم سے ماہانہ کرایہ لے سکتا ہے؟ کسی نے زید سے منع کیا، تو اس کا کہنا ہے کہ ہندوستان دارالحرب ہے، برائے کرم مدلل جواب عطا فرمایئے۔

سوال: زید نے غیر مسلم سے پچاس لاکھ روپئے میں اس شرط پر زمین خریدی کہ جب میرے پاس پیسے آویں گے تو یہ زمین پچاس لاکھ میں ہی تجھے مجھ کو لوٹانی پڑے گی، تو کیا اس شرط کے ساتھ خریدنا جائز ہے؟

سوال: غیر مسلم نے زید سے اس زمین کو ماہانہ پچاس ہزار روپئے کرایہ پر لے لی، حالانکہ اس علاقہ میں اتنی زمین کا کرایہ پچاس ہزار سالانہ چلتا ہے، تو کیا اس طرح کرایہ پر دینا جائز ہے؟

مسئلہ مذکورہ میں غیر مسلم نے زید کو زمین کا قبضہ دیا ہی نہیں ہے، صرف پیسے لے کر شرطیہ رجسٹری کرالی ہے، قبضہ غیر مسلم کا ہی ہے اور ماہانہ پچاس ہزار روپئے کرایہ دیتا ہے۔

المستفتی: محمد یونس

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ہندوستان کو دارالحرب کہہ کر عقودِ فاسدہ کو جائز کہنا

درست نہیں ہے؛ کیوں کہ دار الحرب میں بھی عقودِ فاسدہ جائز نہیں ہیں اور ہندوستان جمہوری ملک ہے، اس کو دار الحرب کہنا درست نہیں ہے۔ اب رہا مسئلہ زیر بحث یہ مسئلہ ’’بیع الوفاء‘‘ کے دائرہ میں شامل ہے۔ اور بیع الوفاء کے بارے میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے، فقہاء میں سے بعض جیسے امام ظہیر الدین صدر الشہید حسام الدین اور صدر السعید تاج الاسلام وغیرہ نے اس کو عقد فاسد قرار دیا ہے۔ اور اس کے برخلاف دوسرے فقہاء نے سودی قرض سے بچنے کے لئے حاجت ناس اور تعامل ناس کی وجہ سے اس کو جائز قرار دیا ہے، جیسا کہ مشائخ بلخ اور مشائخ بخاری اور مشائخ سمرقند وغیرہ نے اس کو جائز قرار دیا ہے۔ اور اسی کو مفتی بہ قرار دیا گیا ہے؛ لہٰذا مذکورہ معاملہ کی شرعاً گنجائش ہے، بس اتنی بات ہے کہ مشتری کو دوسرے کے ہاتھ فروخت کرنے کی اجازت نہیں ہوتی؛ لیکن مذکورہ جائیداد سے خود فائدہ اٹھا سکتا ہے، یا دوسرے کو کرایہ پر دے سکتا ہے۔ اور جس سے خریدا ہے اس کے ہاتھ بھی کرایہ پر دیا جا سکتا ہے؛ اس لئے کہ خریدار نے پچاس لاکھ روپئے کی بھاری رقم دے کر خریدا ہے، پھر اس کو پچاس ہزار روپئے ماہانہ کے حساب سے کرایہ پر دینے کی بھی گنجائش ہے، جب اس علاقے میں اس طرح کی جائیداد پچاس ہزار روپئے میں کرایہ پر دینا لوگوں کے درمیان متعارف ہے، اس میں کسی قسم کا غبن فاحش بھی نہیں ہے، جیسا کہ سوال نامہ میں خود اس کا ذکر موجود ہے۔ (مستفاد: انوار رحمت، ۲۱۷، فتاویٰ عثمانی ۳/ ۱۰۸)

ومن مشايخ بخاری من جعل بيع الوفاء كبيع المكره، منهم: الإمام ظهير الدين، والصدر الشهيد حسام الدين، والصدر السعيد تاج الإسلام، وصورته: أن يقول البائع للمشتري: بعت منک هذا العين بدين لک علي، على أني متى قضيت الدين فهو لي –إلى قوله– ومن مشايخ سمرقند من جعله بيعا جائزا مفيدا بعض أحكامه، منهم الإمام نجم الدين النسفي، فقال:

إتفق مشايخنا في هذا الزمان، فجعلوه بيعا جائزا مفيدا بعض أحكامه، وهو الانتفاع به دون البعض، وهو البيع لحاجة الناس إليه ولتعاملهم فيه -إلى قوله- وقال صاحب النهاية: وعليه الفتوى. (تبيين الحقائق، كتاب الإكراه، مكتبه إمداديه ملتان ٥/ ١٨٣-١٨٤، زكريا ديوبند ٦/ ٢٣٦-٢٣٧)

ومن هذا القبيل بيع الأمانة، المسمى ببيع الوفاء جوزه مشايخ بلخ وبخارى توسعة. (الأشباه والنظائر، قديم ص: ١٣٠)

ومنها: الإفتاء بصحة بيع الوفاء حين كثر الدين على أهل بخارى، وهكذا بمصر وقد سموه: بيع الأمانة، والشافعية يسمونه: الرهن المعاد.

(الأشباه والنظائر، قديم، ص: ١٤٩، وهكذا، ص: ١٦١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/ ذیقعدہ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱/۱۲/۱۱۷)

قرض کی واپسی تک زمین کو فروخت کرنے کا حکم

سوال [۸۸۴۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک آدمی کے پاس بہت سی زمین جائیداد ہے؛ لیکن نقد روپیہ پیسہ نہیں؛ حالانکہ پیسہ کی اس کو ضرورت ہے، تو وہ اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے ۱۰/ ہزار روپئے فی بیگہ اپنی زمین اس شخص کو دے دیتا ہے، جس سے پیسہ لینا ہوتا ہے، اس وقت تک کے لئے کہ جب تک یہ صاحب معاملہ کو روپئے واپس نہیں کرے گا، تو اس وقت تک وہ اس زمین سے فائدہ اٹھاتا رہے گا، تو اس طرح کا معاملہ سود کے دائرے میں آتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: عظمت علی آسام

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: روپئے کے عوض میں زمین کو رہن میں دینا، پھر مرتہن اس زمین سے روپئے واپس دینے تک فائدہ اٹھاتا رہے،تو یہ قرض کے اوپر سود لینالازم ہوا جوقطعاً ناجائزاورحرام ہے، یہ دراصل معاملہ رہن ہے اورمرتہن کے لئے مال رہن سے فائدہ اٹھانا قرض کے عوض میں سود کے دائرہ میں داخل ہونے کی وجہ سے ناجائزاورحرام ہے، ہاں البتہ متأخرین فقہاء نے سود سے بچنے کے لئے انتہائی مجبوری میں ایک متبادل شکل جواز کی بتلائی ہے،اس کی شکل یہ ہے کہ: زمین کی تقریباً پوری قیمت لےکر کے پیسے والےکو زمین فروخت کردے اوراس میں شرط یہ لگائے کہ جب اتنے پیسے پر زمین والاخودخریدنا چاہےتو پیسے والے پر لازم ہے کہ اتنے ہی پیسے پر زمین واپس کردے۔اوراس درمیان میں پیسے والا آدمی اس زمین سے فائدہ اٹھاسکتا ہے، اس کوشریعت میں''بیع الوفاء'' اور''بیع الامانت'' بھی کہا جاتا ہے،اس شکل کواختیار کئے بغیر پیسے والے کے لئے زمین سے فائدہ اٹھاناہرگز ثابت نہیں۔

لأن المرتهن لا يجوز له الانتفاع بالرهن أصلا. (بدائع الصنائع، كتاب الرهن، فصل وأما حكم للرهن، زكريا ٥/ ٢١٠، قديم ٦/ ١٤٥)

ومن مشايخ سمرقند من جعله بيعا جائزا مفيدا بعض أحكامه، منهم الإمام نجم الدين النسفي، فقال: إتفق مشايخنا في هذا الزمان، فجعلوه بيعا جائزا مفيدا بعض أحكامه، وهو الانتفاع به دون البعض، وهو البيع لحاجة الناس إليه ولتعاملهم فيه –إلى قوله– وقال صاحب النهاية: وعليه الفتوى.

(تبيين الحقائق، كتاب الإكراه، مكتبه إمداديه ملتان ٥/ ١٨٣-١٨٤، زكريا ديوبند ٦/ ٢٣٧)

ومنها: الإفتاء بصحة بيع الوفاء حين كثر الدين على أهل بخارى، وهكذا بمصر وقد سموه: بيع الأمانة، والشافعية يسمونه: الرهن المعاد.

(الأشباه والنظائر، القاعدة الخامسة: الضرر يزوال، قديم، ص: ١٤٩،جديد زكريا ١/ ٢٦٧)

ومـن هـذا الـقبيل بيع الأمانة، المسمى ببيع الوفاء جوزه مشايخ بلخ وبخارى توسعة. (الأشباه والنظائر، القاعدة الرابعة: المشقة تجلب التيسير، قديم ص: ۱۳۰، جديد زكريا، ۱/ ۲۳۵-۲۳۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ / جمادی الثانیہ ۱۴۳۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۳۰۱۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۶/۶/۳۰ھ

رہن یا کرایہ پر رکھی ہوئی زمین سے فائدہ اٹھانے کی مختلف شکلیں

سوال [۸۸۴۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) ایک ضرورت مند شخص جسے غیر سودی قرض نہیں ملتا اور وہ سودی قرض لینا بھی نہیں چاہتا، تو شریعت میں اس کے لئے کیا متبادل شکل موجود ہے؟ کیا وہ اپنا سامان مثلاً زمین ومکان وغیرہ یہ کہہ کر کسی پیسے والے شخص سے معاملہ کرسکتا ہے کہ تم اتنے روپئے مجھے دے دو اور میری زمین سے اس وقت سے مکمل فائدہ اٹھاؤ جب تک کہ میں تمہارے پیسے واپس نہ کردوں، پھر جب میں تمہارے روپئے واپس کردوں گا تو تم میری زمین بھی واپس کردوگے، ہمارے شہر میں اس طرح کے معاملات بہت رائج ہیں، تقریباً ۵۰ / فیصد لوگ اس میں مبتلا ہیں، کیا یہ معاملہ از روئے شرع جواز کے دائرہ میں آتا ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو کن حالات میں، کن شرائط کے ساتھ؟ اور اگر شریعت میں اس کی گنجائش نہیں ہے تو اس کے اسباب ووجوہات کیا ہیں؟

(۲) دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ صورت بالا میں زمین والے ایک مدت متعینہ مثلاً ایک سال میں جمع شدہ رقوم میں سے صاحب حق کی رضامندی سے متعین تعداد مثلاً سو روپئے کاٹ لیتے ہیں اور عاقدین اس صورت کو ربا سے پاک سمجھتے ہیں، کیا اس طرح سے یہ معاملہ جائز ہوجائے گا یا نہیں؟

(۳) تیسرا مسئلہ جس میں ہمارے علاقہ کے تقریباً ۷۵ رفیصد لوگ مبتلا ہیں، وہ یہ ہے کہ صاحب زمین کسی کاشتکار کو اپنی زمین اس شرط پر دے کہ تم مجھے فی بیگہ مثلاً ۵ رمن گندم دینا اور تمہیں اب اختیار ہے کہ جو چاہو اس میں زراعت کرو؛ لیکن وقت متعین پر ہمیں اتنا گندم ملنا چاہئے خواہ پیداوار ہو یا نہ ہو، کم ہو یا زیادہ، صاحب زمین کو اس سے کوئی مطلب نہیں، مگر اپنی رضامندی سے یہ معاملہ کرتے ہیں، تو کیا شرعاً یہ جائز ہوگا یا ناجائز؟ اگر جائز ہے تو کن شرائط کے ساتھ اور اگر ناجائز ہے تو اس کے اسباب ووجوہات کیا ہیں؟ برائے مہربانی مذکورہ سوالات کے جوابات مرحمت فرما کر عنداللہ ماجور رہوں۔

المستفتی: مرشد عالم ارریہ (بہار)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ میں صاحب قرض کے قرض لینے کی تین شکلیں بیان کی گئی ہے:

(۱) صاحب زمین پیسے والے سے اس شرط پر پیسے لے کہ جب تک وہ پیسے واپس نہیں کرے گا اس وقت تک وہ زمین سے فائدہ اٹھاتا رہے گا، یہ شکل شرعی طور پر ناجائز ہے؛ اس لئے کہ یہ رہن کی شکل ہے اور رہن میں مرتہن کے لئے مال رہن سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں، یہ ’’**کل قرض جر نفعا**‘‘ کے تحت آکر ناجائز اور حرام ہے، اگر صاحب زمین کو غیر سودی قرض کسی طرح نہیں ملتا ہے تو اس کے لئے انتہائی مجبوری میں فقہاء متأخرین نے ایک متبادل شکل ’’بیع الوفاء‘‘ کی پیش کی ہے اور اس کی صورت یہ ہے کہ صاحب زمین پیسے والے کے ہاتھ اس شرط کے ساتھ زمین فروخت کرے کہ جب اتنا پیسہ صاحب زمین پیسے والے کو واپس کردے گا جتنا کہ اس نے لیا ہے، تو پیسے والا صاحب زمین کے ہاتھ وہ زمین اتنے پیسہ میں فروخت کردے گا اور اس کے لئے بہتر شکل یہ ہے کہ اس معاملہ کے لئے کچا کاغذ بنالے، سرکاری رجسٹری نہ کرے، اس کو بیع الوفاء اور بیع الامانہ بھی کہا جاتا ہے، جیسا کہ حسب ذیل جزئیات سے واضح ہوتا ہے:

كل قرض جر نفعا حرام، فكره للمرتهن سكنى المرهونة بإذن الراهن. (الدر مع الرد، زكريا ٧/ ٣٩٥)

لا يحل له أن ينتفع بشيء منه بوجه من الوجوه وإن أذن له الراهن؛ لأنه أذن له في الربا؛ لأنه يستوى دينه كاملا فتبقى له المنفعة فضلا، فيكون ربا. (شامي، زكريا ١٠/ ٨٣)

وليس للمرتهن الانتفاع بالرهن باستخدام ولا للسكنى. (مجمع الأنهر ٤/ ٢٧٣، البحرالرائق ٦/ ٤٣٨)

ومن مشايخ سمرقند من جعله بيعا جائزا مفيدا بعض أحكامه، ومنهم الإمام نجم الدين النسفي، فقال: اتفق مشايخنا فى هذا الزمان، فجعلوه بيعا جائزا مفيدا بعض أحكام، وهذا الانتفاع به دون البعض، وهو البيع لحاجة الناس إليه ولتعاملهم فيه -إلى قوله- وقال صاحب النهاية: وعليه الفتوى.

(زيلعي ٥/ ١٨٣)

ومن هذا القبيل بيع الأمانة المسمى ببيع الوفاء جوزه مشايخ بلخ توسعة. (الأشباه: ص: ١٣٠)

ومنها الإفتاء بصحة بيع الوفاء حين كثر الدين على أهل بخارى، وهكذا بمصر وقد سموه بيع الأمانة، والشافعية يسمونه الرهن المعاد.

(الأشباه والنظائر، ص: ١٤٩، ايضاح النوادر ٧١- ٧٢، أنوار رحمت ٢١٨)

(٢) اور دوسری شکل سوال نامہ میں یہ پیش کی گئی ہے کہ صاحب زمین پیسے والے کے ہاتھ اپنی زمین اس شرط پر دے دے کہ لئے گئے پیسوں میں سے سالانہ یا ماہانہ اتنی مقدار کرایہ میں کاٹ دیئے جائیں گے، تو یہ شکل جائز ہے؛ لیکن کرایہ میں جو پیسہ کٹے گا اس میں غبن فاحش کی شکل نہیں ہونی چاہئے، اگر غبن فاحش ہے تو کم سے کم معاملہ مکروہ ہوگا۔

كل ما صلح ثمنا أي بدلا في البيع صلح أجرة؛ لأنها ثمن المنفعة.

(الدرالمختار مع الشامي، زكريا ۹/ ٥، كراچی ٦/ ٤، هندية ٤/ ٤١٢، جديد زكريا ٤/ ٤٤٢، شرح المجلة ١/ ٢٦٠، رقم المادة: ٤٦٣)

(۳) تیسری شکل یہ بیان کی گئی ہے کہ زمین کو بٹائی پر نہیں دیا جارہا ہے؛ بلکہ زمین کو کرایہ پر دیا جارہا ہے اور کرایہ داری کے ثمن میں پیسے بھی جائز ہیں اور غلہ اور دیگر ساز وسامان بھی دینا جائز ہے؛ لہٰذا متعین وقت پر متعین مقدار کے عوض میں زمین کو کرایہ پر دینا جائز ہے اور کرایہ پر لینے والے کو اختیار ہے، چاہے اس زمین پر کھیتی کرے یا ایسے ہی خالی چھوڑ کر جانور چرائے تو اس طرح زمین کو کرایہ پر دینا شرعاً جائز ہے، مگر یاد رکھیں کہ اس زمین کی پیداوار میں سے مخصوص مقدار کو کرایہ کے عوض میں قرار دینا جائز نہیں۔

وما صلح أن يكون ثمنا في البيع كالنقود والمكليل والموزون صلح أن يكون أجرة في الإجارة. (هندية ٤/ ٤١٢، جديد زكريا ٤/ ٤٤٢، الدرالمختار مع الشامي، زكريا ٩/ ٥، كراچی ٦/ ٤، شرح المجلة ١/ ٢٦٠)

ولو دفع غزلا لآخر لينسجه له بنصفه أو استأجر بغلا ليحمل طامه ببعضه أو ثورا ليطحن بره ببعض دقيقة فسدت في الكل؛ لأنه استأجره بجزء من عمله. (الدرالمختار كراچی ٦/ ٥٦، شامي زكريا ٩/ ٧٨، بزازية على الهندية ٥/ ٣٥، جديد زكريا ٢/ ٢١، البحرالرائق ٨/ ٤١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/ رجب ۱۴۳۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۲۱۶۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۲/ ۷/ ۱۴۳۶ھ

بیع الوفاء کی شرعی حیثیت

نحمده و نصلي على رسوله الكريم، أما بعد:

اس مضمون کواس طریقہ سے پیش کرتے ہیں، اولاً بیع الوفاء کی وجہ تسمیہ اوراس کے اسماء، اس کے بعد بیع الوفاء کی حقیقت اور جواز کا خلاصہ اور مختصر نوٹ جومعتدل حکم تک ہے، پھر اس کے بعد بیع الوفاء کے بارے میں مفصل بحث سات اقوال کے ساتھ پیش کی گئی ہے، پھر آخر میں مبیع کے بارے میں چند احکام پر مضمون ختم کیا گیا ہے۔

بیع الوفاء کے اسماء

اس عقد کو حسبِ ذیل ناموں سے موسوم کیا جاتا ہے:

(۱) بیع الوفاء (۲) بیع الامانت (۳) بیع الاطاعت (۴) بیع المعاملہ (۵) البیع الجائز (۶) بیع الرہن۔

(۱) **بیع الوفاء**: اس کو بیع الوفاء اس لئے کہا جاتا ہے کہ بائع اور مشتری کے درمیان اس عقد میں وفاداری کا معاہدہ ہوتا ہے کہ جس وقت بائع ثمن کو لاکر واپس کردے گا تو مشتری معاہدہ کے موافق ایفائے وعدہ کے طور پر مبیع کو واپس کردے گا، اوراس عقد کے ناموں میں سے مشہورترین نام یہی ہے۔

(۲) **بیع الأمانة**: اس کا نام مصروغیرہ میں بیع الامانۃ کے نام سے مشہور ہے، اوراس کو بیع الامانۃ اس لئے کہا جاتا ہے کہ مبیع مشتری کے پاس بطور امانت رہتی ہے۔

(۳) **بیع الاطاعة**: ملک شام وغیرہ میں یہ بیع بیع الاطاعت کے نام سے موسوم اور مشہور ہے؛ اس لئے کہ اس عقد کے اندر اطاعت اور وفاداری پائی جاتی ہے کہ مشتری مبیع کے حق میں بائع کی اطاعت کرتا ہے اور بائع ثمن کے حق میں مشتری کی اطاعت کرتا ہے۔

(۴) **بیع المعاملہ**: بعض فقہاء نے اس کا نام بیع المعاملہ رکھا ہے، اوراس کی وجہ یہ

بیان کرتے ہیں کہ اس بیع کے اندر مشتری در پردہ اپنے قرض سے فائدہ اٹھاتا ہے؛ اس لئے کہ مشتری درحقیقت دائن اور قرض دینے والا ہے، اور اس قرض کے مقابلہ میں وہ مبیع سے فائدہ اٹھاتا ہے، اس لئے بعض فقہاء نے اس کا نام بیع المعاملہ رکھا ہے۔

(۵) **البیع الجائز**: بعض فقہاء نے اس کا نام ''البیع الجائز'' رکھا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس بیع کو ربا اور سود سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے صحیح اور جائز قرار دیا گیا ہے، اور مشتری کے لئے مبیع کا نفع کھانے اور استعمال کرنے کی گنجائش دی ہے۔

(٦) **بیع الرھن**: اس کی وجہ یہ ہے کہ مبیع مشتری کے پاس ایسی محفوظ رہتی ہے کہ جس طرح مرتہن مالِ رہن کو فروخت نہیں کرسکتا اور اس کی ملکیت کو منتقل نہیں کرسکتا، اسی طرح بیع الوفاء میں مشتری مبیع کو بیچ نہیں سکتا اور اس کی ملکیت کو منتقل نہیں کرسکتا۔ علماء شوافع نے اس کا نام ''بیع رہن'' اور ''الرہن المعاذ'' رکھا ہے۔

یہ چھ نام ہمارے سامنے ہیں، حضراتِ فقہاء نے ان مختلف وجوہات کی بناء پر اپنے اپنے طور پر اس عقد کو مختلف ناموں سے موسوم کیا ہے اور ان ناموں کی وجہِ تسمیہ وہی ہے جو ہم نے آپ کے سامنے پیش کی ہے۔

عربی عبارات ملاحظہ فرمایئے:

وَبَيْعُ الْوَفَاءِ صُوْرَتُهُ أَنْ يَّبِيْعَهُ الْعَيْنَ بِأَلْفٍ عَلىٰ الدَّيْنِ وَهٰذَا يَشْتَرِيْهِ أَنَّهُ إِذَا رَدَّ عَلَيْهِ الثَّمَنَ رَدَّ عَلَيْهِ الْعَيْنَ وَسَمَّاهُ الشَّافِعِيَّةُ الرَّهْنَ الْمُعَادَ وَيُسَمّٰى بِمِصْرَ بَيْعَ الْأَمَانَةِ وَبِالشَّامِ بَيْعَ

اور بیع الوفاء اس کی صورت یہ ہے کہ مشتری کے ہاتھ عینِ مبیع کو بیچے مثلاً ایک ہزار کے عوض میں اس شرط کے ساتھ کہ جب ثمن واپس کردے گا تو عینِ مبیع بھی واپس کردے گا، اور شافعیہ نے اس کا نام ''الرہن المعاذ'' رکھا ہے، اہل مصر نے اس کا نام ''بیع الامانۃ'' رکھا ہے، اور اہل شام نے اس کا نام ''بیع الاطاعۃ'' رکھا

الإِطَاعَةِ (وَتَحْتَهُ فِيْ الشَّامِيَةِ) وَوَجْهُ تَسْمِيَتِهٖ بَيْعُ الْوَفَاءِ أَنَّ فِيْهِ عَهْداً بِالْوَفَاءِ مِنَ الْمُشْتَرِيْ بِأَنْ يَّرُدَّ الْمَبِيْعَ عَلَى الْبَائِعِ حِيْنَ رَدَّ الثَّمَنَ، وَبَعْضُ الْفُقَهَاءِ يُسَمِّيْهِ الْبَيْعَ الْجَائِزَ وَلَعَلَّهٗ مَبْنِيٌّ عَلىٰ أَنَّهٗ بَيْعٌ صَحِيْحٌ لِحَاجَةِ التَّخَلُّصِ مِنَ الرِّبَا حَتّٰى يَسُوْغَ لِلْمُشْتَرِيْ أَكْلُ رِيْعِهٖ وَبَعْضُهُمْ يُسَمِّيْهِ بَيْعَ الْمُعَامَلَةِ وَوَجْهُهٗ أَنَّ الْمُعَامَلَةَ رِبْحُ الدَّائِنِ لِيَنْتَفِعَ بِهٖ بِمُقَابَلَةِ دَيْنِهٖ (وَقَوْلُهٗ) بَيْعُ الْأَمَانَةِ وَجْهُهٗ أَنَّهٗ أَمَانَةٌ عِنْدَ الْمُشْتَرِيْ (وَقَوْلُهٗ) وَفِيْ بَعْضِهَا بَيْعُ الطَّاعَةِ وَهُوَ الْمَشْهُوْرُ الْآنَ فِيْ بِلَادِنَا. (الدر المختار مع الشامی زکریا ۵۴۵/۷، کراچی ۲۷۶/۵)

ہے،اس کے نیچے شامی میں ہے کہ اس کا ”بیع الوفاء“ نام رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ اس عقد میں مشتری سے وفاداری کا عہد کیا جاتا ہے، بایں طور کہ مشتری مبیع کو واپس کردے گا جس وقت بائع ثمن واپس کردے گا، اور بعض فقہاء نے اس کا نام ”البیع الجائز“ اور ”البیع الصحیح“ رکھا ہے، اور شاید اس کا مدار اس بات پر ہے کہ یہ عقد بیع ربا سے خلاصی حاصل کرنے کے لئے صحیح اور جائز ہے، یہاں تک کہ مشتری کے لئے اس کا نفع کھانے کی گنجائش ہے اور بعض فقہاء نے اس کا نام ”بیع المعاملۃ“ رکھا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں دین سے نفع اٹھانے کا معاملہ پایا گیا اور یہ اس طور پر ہے کہ قرض دینے والے نے مبیع کو خریدا ہے؛ تاکہ اپنے دین کے مقابلہ میں اس مبیع سے نفع اٹھائے، اور ”بیع الامانۃ“ اس کا نام اس لئے ہے کہ مبیع مشتری کے پاس بطورِ امانت رہتی ہے اور بعض نسخوں میں ”بیع الطاعۃ“ ہے۔ علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے بلاد میں اس وقت یہی مشہور ہے۔

اورالاشباہ والنظائرمیں ہے کہ:

وَمِنْ هٰذَا الْقَبِيْلِ بَيْعُ الْأَمَانَةِ الْمُسَمّٰى بِبَيْعِ الْوَفَاءِ جَوَّزَهٗ مَشَائِخُ بَلْخِ وَبُخَارىٰ تَوْسِعَةً. (الاشباہ والنظائر قدیم ۱۳۰)

اور اسی قبیل سے ہے، بیع الامانۃ جو بیع الوفاء کے نام سے موسوم ہے، مشائخ بلخ اور مشائخ بخاریٰ نے لوگوں سے تنگی کو دور کرکے وسعت دیتے ہوئے اس کو جائز قرار دیا ہے۔

بیع الوفاء کی حقیقت

کوئی شخص صاحبِ ضرورت ہے اس کو روپیہ کی ضرورت ہے، اور کہیں سے ادھار بھی نہیں ملتا، اور اس کے پاس مکان یا دوکان یا زمین وغیرہ موجود ہے، اور اس کو رہن میں رکھ کر روپیہ حاصل کرنا چاہتا ہے، مگر رہن میں رکھنے کی صورت میں مرتہن اس سے فائدہ حاصل نہیں کرسکتا، اس لئے کوئی شخص رہن رکھ کر بھی قرض دینے پر تیار نہیں، اور صاحبِ جائداد اس ضرورت کی وجہ سے اپنی ہمیشہ کی جائیداد کو بالکلیہ فروخت کرنا بھی نہیں چاہتا، تو اس طرح حاجت مند کی ضرورت پوری کرنے کے لئے فقہاء نے عقد کی ایک نئی شکل نکالی ہے، اور وہ یہ ہے کہ مکان یا دوکان یا زمین وغیرہ صاحبِ ضرورت شخص اس طرح فروخت کرے کہ فروخت شدہ جائیداد مشتری کے پاس من کل الوجوہ امانت تو نہیں مگر مثل امانت کے ہوگی، کہ مشتری اس سے فائدہ تو اٹھا سکتا ہے مگر اس کو فروخت نہیں کرسکتا۔ اور فائدہ اٹھانے کا سلسلہ اس وقت تک باقی رہے گا جب تک بائع لی ہوئی رقم واپس نہ کردے، اور جب بائع رقم واپس کردے گا تو مشتری پر لازم ہوگا کہ اتنی ہی رقم لے کر جائیداد واپس کردے جتنی میں بائع نے مشتری کو دی تھی۔

علامہ ابن نجیم مصریؒ البحر الرائق اور علامہ فخر الدین زیلعیؒ تبیین الحقائق میں اس عقد کی نوعیت کو ان الفاظ میں نقل فرماتے ہیں:

وَصُوْرَتُهُ أَنْ يَّقُوْلَ الْبَائِعُ لِلْمُشْتَرِيْ بِعْتُ مِنْکَ هٰذَا الْعَيْنَ بِدَيْنٍ لَکَ عَلَيَّ عَلٰى أَنِّيْ مَتٰى قَضَيْتُ الدَّيْنَ فَهُوَ لِيْ أَوْ يَقُوْلَ الْبَائِعُ بِعْتُ هٰذَا بِكَذَا عَلٰى أَنِّيْ مَتٰى دَفَعْتُ الثَّمَنَ تَدْفَعُ الْعَيْنَ إِلَيَّ الخ.

(البحر الرائق كوئٹه ٦/ ١١، تبيين الحقائق إمداديه ملتان ٥/ ١٨٣، زكريا ٦/ ٢٣٧، البناية أشرفيه ١١/ ٤٥، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٤١، مصري قديم ٢/ ٤٣٠، ايضاح النوادر ٦٩/١)

اور اس کی شکل یہ ہوتی ہے کہ بائع مشتری سے یوں کہہ دے کہ میں تیرے ہاتھ یہ شئ اس قرض کے عوض فروخت کرتا ہوں جو تیرا میرے اوپر لازم ہے، اس شرط پر کہ جب میں قرض ادا کردوں گا تو وہ شئ میری ہوجائے گی، یا یوں کہہ دے کہ یہ شئ اتنے میں اس شرط کے ساتھ تیرے ہاتھ فروخت کرتا ہوں کہ جب میں ثمن واپس دے دوں گا تو وہ شئ مجھ کو واپس کردے گا۔

بیع الوفاء کا جواز

اس عقد کے جواز اور عدمِ جواز میں فقہاءِ متأخرین میں دو فریق ہوگئے :

فریقِ اول:

حضرت امام ظہیر الدین اور صدر الشہید اور تاج الاسلام وغیرہؒ نے شرطِ فاسد کی وجہ سے اس عقد کو فاسد قرار دیا ہے، اور امام ابوشجاعؒ، امام علی سغدیؒ اور قاضی ابوالحسن ماتریدیؒ وغیرہ نے اس عقد کو رہن کی طرح اور رہن کے حکم میں قرار دیا ہے، اور مرتہن کے لئے رہن سے انتفاع جائز نہیں ہے، اور بیع الوفاء میں مشتری مبیع سے فائدہ اٹھاتا ہے، اس لئے یہ عقد ان کے نزدیک جائز ہے۔

علامہ زیلعیؒ اس کو ان الفاظ سے نقل فرماتے ہیں:

مِنْهُمُ الإِمَامُ ظَهِيرُ الدِّيْنِ وَالصَّدْرُ الشَّهِيْدُ حُسَامُ الدِّيْنِ وَالصَّدْرُ السَّعِيْدُ تَاجُ الإِسْلَامِ -إلى- فَجَعَلُوْهُ فَاسِداً بِاعْتِبَارِ شَرْطِ الْفَسْخِ (إلٰى قَوْلِهٖ) وَمِنْهُمْ مَنْ جَعَلَهُ رَهْناً مِنْهُمُ السَّيِّدُ الإِمَامُ أَبُو شُجَاعٍ وَالْإِمَامُ عَلِي السُّغْدِيُ وَالإِمَامُ الْقَاضِيُ أَبُوْ الْحَسَنِ الْمَاتُرِيْدِيُ قَالُوْا: لَمَّا شُرِطَ عَلَيْهِ أَخْذُهٗ عِنْدَ قَضَاءِ الدَّيْنِ أَتىٰ بِمَعْنَى الرَّهْنِ (إلٰى قَوْلِهٖ) فَإِذَا كَانَ رَهْناً لَا يَمْلِكُهٗ وَلَا يَنْتَفِعُ بِهٖ. (تبيين الحقائق، إمداديه ملتان ٥/ ١٨٣، زكريا ٦/ ٢٣٧)

فقہاء میں سے امام ظہیر الدین، صدر الشہید امام حسام الدینؒ اور صدر السعید تاج الاسلامؒ نے اس کو فسخ کی شرط کی وجہ سے عقد فاسد قرار دیا ہے۔ (زیلعیؒ فرماتے ہیں) اور فقہاء میں سے جن لوگوں نے اس کو رہن قرار دیا ہے ان میں سید امام ابوشجاعؒ اور امام علی سغدیؒ اور امام ابوالحسن ماتریدیؒ وغیرہ شامل ہیں، ان لوگوں نے کہا کہ جب قضاء دین کے وقت واپسی کی شرط لگائی ہے تو یہ عقد رہن کا معنی ادا کرتا ہے۔ پس جب رہن ثابت ہوگا تو مرتہن اس کا مالک نہ ہوگا، اور نہ ہی اس سے انتفاع جائز ہوگا۔

فریقِ ثانی:

مشائخ سمرقند اور مشائخ بلخ اور مشائخ بخاریٰ نے مفلسین اور حاجت مندوں کی ضرورت کو پیش نظر رکھتے ہوئے مذکورہ بیع الوفاء کو جائز قرار دیا ہے، اور امام نجم الدین نسفیؒ نے نقل کیا ہے کہ ان کے زمانہ کے تمام مشائخ نے متفق ہوکر اس معاملہ کو جائز قرار دیتے ہوئے بہت سے احکامِ بیع کے لئے مفید ثابت کیا ہے۔

اورصاحبِ نہایہ نے اس کے جواز کے قول کومفتی بہ قرار دیا ہے، اورعلامہ زین الدین ابن نجیم مصریؒ نے دیون کی کثرت کے زمانہ میں بیع الوفاء کی صحت وجواز پر فتویٰ کا حکم فرمایا ہے۔

وَمِنْ مَشَايِخِ سَمَرْقَنْدَ مَنْ جَعَلَهُ بَيْعًا جَائِزاً مُفِيْداً بَعْضَ أَحْكَامِهِ وَمِنْهُمُ الإِمَامُ نَجْمُ الدِّيْنِ النَّسَفِيُّ فَقَالَ اِتَّفَقَ مَشَايِخُنَا فِيْ هٰذَا الزَّمَانِ فَجَعَلُوْهُ بَيْعاً جَائِزاً مُفِيْداً بَعْضَ أَحْكَامِهِ وَهُوَ الْاِنْتِفَاعُ بِهِ دُوْنَ الْبَعْضِ وَهُوَ الْبَيْعُ لِحَاجَةِ النَّاسِ إِلَيْهِ وَلِتَعَامُلِهِمْ فِيْهِ وَالْقَوَاعِدُ قَدْ تُتْرَكُ بِالتَّعَامُلِ، وَقَالَ صَاحِبُ النِّهَايَةِ وَعَلَيْهِ الْفَتْوىٰ. (تبيين الحقائق إمداديه ملتان ۱۸۳/۵، زکریا ۲۳۷/٦، ایضاح النوادر ۷۱/۱)

اورمشائخ سمرقند میں سے وہ مشائخ بھی ہیں جو اس بیع کو جائز قرار دیتے ہیں، جو بعض احکامِ بیع کے لئے مفید ہے، اوران میں سے امام نجم الدین نسفیؒ نے کہا کہ اس زمانہ کے مشائخ اس عقد کے جواز پر متفق ہیں، یہ عقد بعض احکام کومفید ہے، مثلاً مبیع سے انتفاع حاصل کرنا اوربعض کومفید نہیں (مثلاً فروختگی کے عدمِ جواز) اور یہ عقد لوگوں کی ضرورت اورتعامل کی وجہ سے جائز ہے اور صاحبِ نہایہ نے کہاہے کہ اس کے جواز ہی پرفتویٰ ہے۔

اورعلامہ ابن نجیم مصریؒ الاشباہ میں اس کے جواز کوان الفاظ میں بھی نقل فرماتے ہیں:

وَمِنْ هٰذَا الْقَبِيْلِ بَيْعُ الْأَمَانَةِ الْمُسَمّٰى بِبَيْعِ الْوَفَاءِ جَوَّزَهُ مَشَايِخُ بَلْخٍ وَبُخَارىٰ تَوْسِعَةً الخ. (الاشباه والنظائر قدیم ۱۳۰)

اوراسی قبیل میں سے بیع الامانت ہے، جس کو بیع الوفاء کہا جاتا ہے، اس کومشائخ بلخ ومشائخ بخاریٰ نے لوگوں کے لئے وسعت دیتے ہوئے جائز قرار دیا ہے۔

وَمِنْهَا الإِفْتَاءُ بِصِحَّةِ بَيْعِ الْوَفَاءِ حِيْنَ كَثُرَ الدَّيْنُ عَلٰى أَهْلِ بُخَارىٰ وَهٰكَذَا بِمِصْرَ وَسَمُّوْهُ بَيْعَ الْأَمَانَةِ وَالشَّافِعِيَّةُ يُسَمُّوْنَهُ الرَّهْنَ الْمُعَادَ. (الأشباه والنظائر قديم ١٤٩، انوار رحمت ٢١٥-٢١٩)

اور ان میں سے بیع الوفاء کی صحت پر فتویٰ ہے، جب اہلِ بخاریٰ پر دیون کا سلسلہ زیادہ ہوگیا تھا، اور اسی طرح مصر میں بھی جواز کا فتویٰ ہے اور اس کو بیع الامانۃ کہا جاتا ہے اور شافعیہ نے اس کا نام ''رہنِ معاد'' رکھا ہے۔

مناسب ومعتدل حکم

اب معلوم ہوا کہ بیع الوفاء کے جواز وعدمِ جواز میں فقہاء متأخرین اور اساطینِ امت کے مابین اختلاف واقع ہو چکا ہے، اور دونوں طرف ایسے ایسے فقہاء ہیں جن کے قول ورائے کو دلیل شرعی مانا جاتا ہے، اور لوگوں کی ضرورت اور تعاملِ ناس جواز کے قائلین کے موافق ہے۔ اور تعاملِ ناس اور عرف کو شرعی طور پر ''اَلثَّابِتُ بِالْعُرْفِ کَالثَّابِتِ بِالنَّصِّ'' (عقود رسم المفتی ۹۴) کے قاعدہ سے حجتِ شرعیہ کا درجہ بھی حاصل ہے۔ اور حضرت تھانوی قدس سرہ نے امداد الفتاویٰ میں فریقِ اول کے دلائل کو پیش نظر رکھتے ہوئے اصولاً عدمِ جواز کو ثابت کیا ہے، اور بوقتِ ضرورت فریقِ ثانی کے قول پر عمل کی اجازت دی ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۳/۱۰۷)

اور حضرت مولانا حافظ مفتی عبد اللطیف صاحب محدث سہارن پوریؒ نے فتاویٰ خلیلیہ میں بیع الوفاء کو جائز قرار دیتے ہوئے یہ شکل پیش فرمائی ہے کہ دستاویز لکھتے وقت بیع کو مطلق عن الشرط رکھا جائے، اور مبیع مع الشرط کی عبارت اور قید نہ لگائی جائے؛ تاکہ فقہاء متأخرین کے دونوں فریقوں کے قول پر عمل ثابت ہو جائے۔ (مستفاد: فتاویٰ خلیلیہ ۱/۳۹۵، ایضاح النوادر ۱/۳۷)

نیز حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے مایہ ناز شاگرد حضرت فخر الاسلام مولانا حافظ محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا فتوی بھی یہی ہے کہ جب بغیر نفع لئے کوئی شخص رہن لینے پر رضامند نہیں ہوتا ہے، تو ایسی صورت میں ربا سے بچنے کے لئے بیع الوفاء کا معاملہ جائز اور درست ہے، اگر مدت کی قید لگائی ہے تو ایسی صورت میں مدت پوری ہو جانے کے بعد بائع یعنی راہن کا حق اسی وقت ختم نہیں ہوگا؛ بلکہ اس کے بعد بھی اس کو لینے کا حق باقی رہے گا؛ البتہ اس مدت کے بعد مشتری کو مرتہن کی طرح یہ اختیار رہے گا کہ بائع کے نہ لینے کی صورت میں جائیداد کو فروخت کر کے اپنی رقم وصول کر لے۔ ملاحظہ ہو عکس احمد (سوانح حیات فخر الاسلام حضرت مولانا محمد احمد صاحب مہتمم خامس دارالعلوم دیوبند، ص: ۴۵۲، مکتبہ حجۃ الاسلام اکیڈمی دارالعلوم وقف دیوبند)

حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانہ کے قابل اعتماد عالم اور فقیہ تھے، نظام حیدر آباد نے آپ کو وہاں کے مسند افتاء کی صدارت بھی عطا کی تھی، اس زمانہ میں جو فتاوی لکھے گئے ہیں ان میں سے حضرت والا کے اہم ترین چھپن فتاوی جو انتہائی مدلل ہیں عکس احمد میں ص: ۳۷۶ سے ۴۶۳ تک میں نقل کئے گئے ہیں، ان میں مذکورہ فتوی تقریباً دو صفحہ پر مدلل طور پر موجود ہے۔

اس لئے ضرورت اور حاجتِ ناس کی وجہ سے مشائخِ سمرقند اور مشائخ بلخ اور مشائخِ بخاری اور امام نجم الدین نسفیؒ اور صاحبِ نہایہ وغیرہم کے فتویٰ کے مطابق اس زمانہ میں بیع الوفاء کے جواز پر فتویٰ دینا اولیٰ اور انسب ہوگا۔

بیع الوفاء کے بارے میں مفصل بحث اور فقہاء کی آراء

بیع الوفاء کو فقہی نقطۂ نظر سے کس اصول اور ضابطہ کے دائرہ میں داخل کیا جائے؟ آیا اسے بیعِ صحیح کے دائرہ میں داخل کیا جائے یا بیعِ فاسد کے دائرہ میں یا رہن کے اصول وضابطہ کے دائرہ میں شمار کیا جائے یا بیع مکرہ کے ضابطہ میں داخل کیا جائے، یا اسے بیع اور رہن سے مرکب ایک الگ عقد قرار دیا جائے یا بیع صحیح اور بیع فاسد اور رہن تینوں سے مرکب ہو کر ایک مستقل عقد

قرار دیا جائے؟ تو اس سلسلہ میں فقہاءِ متأخرین کے مختلف نظریات اور مختلف اقوال پر غور کرنے کے بعد حضراتِ فقہاء کے سات فریق اور سات اقوال وآراء ہمارے سامنے ہیں، جن کو ترتیب وار یہاں پر درج کردیتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے:

فریقِ اول بیع صحیح کے قائلین

مشائخ بلخ اور مشائخ بخاریٰ نے بیع الوفاء کے جواز پر فتویٰ جاری فرمایا ہے اور مشائخ سمرقند میں سے امام نجم الدین نسفیؒ وغیرہ فرماتے ہیں کہ بیع الوفاء کو لوگوں کی ضرورت اور اس میں تعامل کی وجہ سے بیع صحیح کے اصول وضابطہ کے دائرہ میں داخل کرکے صحیح قرار دیا جائے گا، اس لئے کہ زمانہ کے تمام مشائخ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ ایسی بیع ہے جو جائز ہے اور بہت سے احکامِ بیع کو محیط اور مفید ہے، اور لوگوں کی ضرورت کی وجہ سے اس عقد کو جائز اور صحیح قرار دیا گیا ہے، اور امام زیلعیؒ نے اسی کو مفتی بہ قرار دیا ہے۔ اور علامہ ابن نجیمؒ نے الاشباہ میں بیع الوفاء کے بیع صحیح ہونے اور اس کی صحت پر فتویٰ نقل فرمایا ہے؛ لہٰذا بیع الوفاء شرعی طور پر جائز اور درست ہے۔ حضراتِ فقہاء کی عبارات ملاحظہ فرمائیے:

وَمِنْ مَشَايِخِ سَمَرْقَنْدَ مَنْ جَعَلَهُ بَيْعاً جَائِزاً مُفِيْداً بَعْضَ أَحْكَامِهِ مِنْهُمُ الإِمَامُ نَجْمُ الدِّيْنِ النَّسَفِيُّ فَقَالَ اِتَّفَقَ مَشَايِخُنَا فِيْ هٰذَا الزَّمَانِ فَجَعَلُوْهُ بَيْعاً جَائِزاً مُفِيْداً بَعْضَ أَحْكَامِهِ وَهُوَ الْاِنْتِفَاعُ بِهِ دُوْنَ الْبَعْضِ

اور مشائخ سمرقند میں سے کچھ وہ حضرات ہیں جنہوں نے اس کو بیع صحیح اور بیع جائز کے دائرہ میں داخل کیا ہے، جو بیع کے بعض احکام کو مفید ہے، انہیں مشائخ میں سے امام نجم الدین نسفیؒ ہیں، پس وہ فرماتے ہیں کہ اس زمانہ کے مشائخ نے متفق ہوکر اس بیع کو جائز قرار دیا ہے جو عقد بیع کے بعض احکام کو مفید ہے، اور وہ اس بیع کے بعض منافع سے فائدہ اٹھانا ہے، بعض سے نہیں (جیسا کہ مشتری اس کو بیچ

وَهُوَ الْبَيْعُ لِحَاجَةِ النَّاسِ إِلَيْهِ وَلِتَعَامُلِهِمْ فِيْهِ وَالْقَوَاعِدُ قَدْ تُتْرَكُ بِالتَّعَامُلِ وَجُوِّزَ الْاِسْتِصْنَاعُ لِذٰلِكَ وَقَالَ صَاحِبُ النِّهَايَةِ وَعَلَيْهِ الْفَتْوىٰ.

(تبيين الحقائق إمداد ملتان ١٨٣/٥، ١٨٤، زكريا ٢٣٧/٦)

نہیں سکتا) اور لوگوں کو اس بیع کی ضرورت ہونے کی وجہ سے اور لوگوں کے اس میں تعامل ہونے کی وجہ سے اس بیع کو جائز قرار دیا گیا ہے، اور کبھی تعاملِ ناس کی وجہ سے قواعد وضوابط کو چھوڑ دیا جاتا ہے اور اسی وجہ سے بیعِ استصناع کو جائز قرار دیا گیا ہے اور صاحبِ نہایہ نے کہا کہ اس کے بیعِ صحیح ہونے پر ہی فتویٰ ہے۔

اور علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے بیع صحیح ہونے کو زیلعی کے حوالہ سے ان الفاظ کے ساتھ نقل فرمایا ہے، نیز علامہ ابن نجیم مصری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی طرح کے الفاظ نقل فرمائے ہیں۔ ملاحظہ فرمایئے:

أَنَّهُ بَيْعٌ صَحِيْحٌ يُفِيْدُ لِبَعْضِ أَحْكَامِهٖ مِنْ حِلِّ الْاِنْتِفَاعِ بِهٖ إِلَّا أَنَّهُ لَا يَمْلِكُ بَيْعَهُ، قَالَ الزَّيْلَعِيُّ فِي الْإِكْرَاهِ وَعَلَيْهِ الْفَتْوىٰ. (شامی زكريا ٥٤٦/٧، كراچی ٢٧٧/٥، وهٰكذا فی البحر الرائق كوئٹه ٧/٦، زكريا ١٢/٦)

بے شک یہ بیع صحیح ہے جو بیع کے بعض احکام کو مفید ہے، اس کے ذریعہ نفع کے حلال ہونے کی وجہ سے مگر یہ کہ مشتری اس کو بیچنے کا مالک نہیں ہوگا، زیلعی نے کتاب الاکراہ میں فرمایا ہے کہ اسی پر فتویٰ ہے۔

الاشباہ والنظائر میں اس طرح کے الفاظ سے نقل کیا گیا ہے:

وَمِنْ هٰذَا الْقَبِيْلِ بَيْعُ الْاَمَانَةِ الْمُسَمّٰى بَيْعُ الْوَفَاءِ جَوَّزَهُ

اور اسی قبیل سے بیع الأمانۃ ہے جو بیع الوفاء کے نام سے موسوم ہے، مشائخ بلخ اور مشائخ

مَشَایِخُ بَلْخٍ وَبُخَارىٰ تَوْسِعَةً. (الاشباہ والنظائر قدیم ۱۳۰)

بخاریٰ نے لوگوں سے تنگی دور کر کے وسعت دیتے ہوئے اس کو جائز قرار دیا ہے۔

اور الاشباہ والنظائر میں دوسری جگہ صاف الفاظ کے ساتھ مذکور ہے کہ بیع الوفاء کے بیع صحیح ہونے پر ہی فتویٰ ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:

وَمِنْهَا الإِفْتَاءُ بِصِحَّةِ بَيْعِ الْوَفَاءِ حِيْنَ كَثُرَ الدَّيْنُ عَلٰى أَهْلِ بُخَارىٰ وَهٰكَذَا بِمِصْرَ وَقَدْ سَمُّوْهُ بَيْعَ الْأَمَانَةِ وَالشَّافِعِيَّةُ يُسَمُّوْنَهُ الرَّهْنَ الْمُعَادَ. (الاشباہ والنظائر قدیم ۱۴۹)

اسی قبیل میں سے بیع الوفاء کی صحت پر فتویٰ جاری کرنا ہے جس وقت اہل بخاریٰ پر دیون کی کثرت ہوگئی تھی اور ایسا ہی مصر میں ہوا ہے اور یقیناً اس کا نام مشائخ مصر نے بیع الأمانۃ رکھا ہے اور شوافع نے اس کا نام ''الرہن المعاد'' رکھا ہے۔

فریقِ ثانی بیع فاسد کے قائلین

امام ظہیر الدین ابوبکر محمد بن احمد البخاری اور امام شہاب الدین احمد الچلپی وغیرہ فرماتے ہیں کہ بیع الوفاء میں مقتضائے عقد کے خلاف شرطِ فاسد پائی جاتی ہے اس لئے بیع الوفاء کو بیع فاسد کے اصول وضوابط کے دائرہ میں داخل کیا جائے گا اور بائع کے ثمن اور دین کی واپسی کے موقع پر مبیع کی واپسی کو بیع فاسد کے اصول وضوابط کے مطابق واجب الاسترداد قرار دیا جائے گا؛ لہٰذا اس کا حکم تمام بیوعِ فاسدہ کے حکم کی طرح ہوگا، اس لئے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عقد بیع کے ساتھ شرط لگانے سے منع فرمایا ہے، اس کو حضراتِ فقہاء نے اس طرح کے الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

وَاخْتَارَهُ الإِمَامُ ظَهِيرُ الدِّيْنِ أَنَّهُ بَيْعٌ فَاسِدٌ فَلَوْ تَبَايَعَا ثُمَّ قَالَ أَحَدُهُمَا چون سیم آریم بیع بمن بازده فَقَالَ نَعَمْ لَا يَفْسُدُ الْبَيْعُ، أَمَّا لَوْ شَرَطَاهُ فِي الْبَيْعِ يَفْسُدُ. (بزازية زكريا جديد ١/ ٢٥١، وعلى هامش الهندية ٤/ ٤٠٧)

اسی کو امام ظہیر الدین نے اختیار فرمایا ہے بایں طور پر کہ یہ بیع فاسد ہے؛ لہٰذا اگر طرفین نے عقد کرلیا ہے پھر ان میں سے ایک نے کہا جب میں ثمن لاکر کے واپس کردوں گا تو میری مبیع مجھے واپس کردینا، دوسرے نے کہا جی ہاں! تو بیع فاسد نہیں ہوگی، بہر حال اگر دونوں نے عقد بیع میں اس کی شرط لگادی ہے تو بیع فاسد ہوجائے گی۔

وَالْأَصَحُّ عِنْدِيْ أَنَّهُ بَيْعٌ فَاسِدٌ يُوْجِبُ الْمِلْكَ بَعْدَ الْقَبْضِ وَحُكْمُهُ حُكْمُ سَائِرِ الْبِيَاعَاتِ الْفَاسِدَةِ لِأَنَّهُ بَيْعٌ بِشَرْطٍ لَا يَقْتَضِيْهِ الْعَقْدُ وَقَدْ نَهَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعٍ وَشَرْطٍ الخ. (حاشيه شلبى على تبيين الحقائق إمداديه ملتان ٥/ ١٨٤، زكريا ٦/ ٢٣٨)

اور زیادہ صحیح میرے نزدیک یہی ہے کہ بیع الوفاء بیع فاسد ہے جو قبضہ کے بعد ملکیت کو لازم کرتی ہے اور اس کا حکم تمام بیوعِ فاسدہ کی طرح ہے؛ اس لئے کہ یہ بیع ایسی شرط کے ساتھ مشروط ہے جس کا عقد تقاضہ نہیں کرتا، حالاں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع اور شرط سے منع فرمایا ہے۔

فریقِ ثالث بیع صحیح یا بیعِ فاسد کے قائلین

امام فخر الدین حسن بن منصور الاوزجندی وغیرہ نے فرمایا کہ بیع الوفاء رہن کے دائرہ میں داخل نہیں ہوسکتی؛ بلکہ صحیح بات یہی ہے کہ وہ عقدِ بیع ہی کے دائرہ میں داخل ہوگی؛ لہٰذا اگر صلبِ

عقد میں اس بات کی شرط لگائی ہے کہ ثمن کی واپسی پر مبیع بھی واپس ہو جائے گی تو صلبِ عقد میں مقتضائے عقد کے خلاف شرط لگانے کی وجہ سے بیع فاسد کے اصول وضوابط کے دائرہ میں داخل ہوگی، اس لئے حضراتِ صاحبین فرماتے ہیں کہ بیع الوفاء بیع فاسد کے اصول وضوابط کے دائرہ میں داخل ہے، اور اگر صلبِ عقد میں شرط نہیں لگائی ہے؛ بلکہ اولاً بغیر شرط کے عقد بیع وجود میں آ جائے پھر اس کے بعد آپس کی تراضی سے اس بات کی شرط لگا دی جائے کہ ثمن کی واپسی پر مبیع کی واپسی لازم ہو جائے گی تو ایسی صورت میں چوں کہ صلبِ عقد میں شرطِ فاسد نہیں پائی گئی ہے، اس لئے یہ عقد بیعِ صحیح کے اصول وضوابط کے دائرہ میں داخل ہوگا، اور وعدہ کے مطابق ثمن کی واپسی پر مبیع کا استرداد لازم ہو جائے گا، جیسا کہ فقہاء کی حسبِ ذیل عبارات سے واضح ہوتا ہے:

وَالصَّحِيحُ أَنَّ الْعَقْدَ الَّذِيْ جَرىٰ بَيْنَهُمَا إِنْ كَانَ بِلَفْظِ الْبَيْعِ لَا يَكُوْنُ رَهْناً ثُمَّ يُنْظَرُ إِنْ ذَكَرَا شَرْطَ الْفَسْخِ فِي الْبَيْعِ فَسَدَ الْبَيْعُ وَإِنْ لَمْ يَذْكُرَا ذٰلِكَ فِي الْبَيْعِ وَتَلَفَّظَا بِلَفْظِ الْبَيْعِ بِشَرْطِ الْوَفَاءِ أَوْ تَلَفَّظَا بِالْبَيْعِ الْجَائِزِ وَعِنْدَهُمَا هٰذَا الْبَيْعُ عِبَارَةٌ عَنْ عقد غَيْرِ لَازِمٍ فَكَذٰلِكَ وَلَفْظَةُ صَاحِبِ الْبَحْرِ فَالْبَيْعُ فَاسِدٌ وَإِنْ ذَكَرَا الْبَيْعَ بِلَا شَرْطٍ ثُمَّ شَرَطَاهُ عَلٰى

اور صحیح یہی ہے کہ بے شک وہ ایسا عقد ہے جو متعاقدین کے درمیان میں جاری ہوا ہے، اگر لفظ بیع کے ساتھ عقد ہوا ہے تو وہ رہن نہیں ہوسکتا، پھر دیکھا جائے کہ اگر صلب عقد میں فسخ کی شرط کا ذکر کیا ہے تو بیع فاسد ہو جائے گی، اور اگر صلب عقد میں اس شرط کا ذکر نہیں کیا ہے اور دونوں نے لفظ بیع کا تلفظ وفا کی شرط کے ساتھ کیا ہے یا دونوں نے بیع جائز کے ساتھ تلفظ کیا ہے اور ایسی بیع کا نام حضراتِ صاحبینؒ کے نزدیک بیع غیر لازم ہے، تو بھی ایسا ہی حکم ہوگا اور صاحب بحر کے الفاظ یہ ہیں کہ ایسی صورت میں بیع فاسد

وَجْهِ الْمُوَاعِدَةِ جَازَ الْبَيْعُ وَلَزِمَ الْوَفَاءُ وَقَدْ يَلْزَمُ الْوَعْدُ لِحَاجَةِ النَّاسِ فِرَاراً مِنَ الرِّبَا. (قاضي خان زكريا جديد ٢/ ٩٩، وعلى هامش الهندية ٢/ ١٦٥، تبيين الحقائق، إمداديه ملتان ٥/ ١٨٤، زكريا ٦/ ٢٣٧، بزازية، زكريا جديد ١/ ٢٥١، وعلى هامش الهندية ٤/ ٤٠٦، البحرالرائق، كوئٹه ٦/ ٨، زكريا ٦/ ١٢)

ہو جائے گی اور اگر بغیر شرط کے دونوں نے عقد میں لفظ بیع کا ذکر کیا ہے، پھر اس کے بعد معاہدہ کے طور پر وفا کی شرط لگائی ہے تو بیع جائز اور صحیح ہو جائے گی اور وفا بھی لازم ہو جائے گی، اور کبھی سود سے راہِ فرار اختیار کرتے ہوئے لوگوں کی ضرورت کی وجہ سے وعدہ کا پورا کرنا لازم ہو جاتا ہے۔

فریقِ رابع رہن کے حکم کے قائلین

امام سید ابوشجاع اور امام ابوالحسن علی السغدی اور امام قاضی ابوالحسن الماتریدی اور ائمہ خوارزم اور خاتم المجتہدین مولانا سیف الدین عصبہ وغیرہ بیع الوفاء کو رہن کے اصول وضابطہ کے دائرہ میں داخل کرتے ہیں، اور اس کو رہن ہی تسلیم کرتے ہیں، بس فرق اتنا ہے کہ ائمہ خوارزم بعض شرائط کے ساتھ رہن تسلیم کرتے ہیں اور امام سیف الدین عصبہ علی الاطلاق اس کو رہن تسلیم کرتے ہیں، اسی طرح فتاویٰ قاضی خان میں ہے کہ امام ابوشجاع اور قاضی ابوالحسن علی سغدی بھی بیع الوفاء کو علی الاطلاق رہن کے اصول وضوابط کے دائرہ میں داخل کر کے اس کے اوپر رہن کے حکم کی طرح حکم لگاتے ہیں، چناں چہ ان کے نزدیک مشتری مبیع کا مالک نہیں ہوگا اور مبیع سے کسی قسم کا فائدہ اٹھانا مشتری کے لئے جائز نہیں ہوگا؛ البتہ رہن کی طرح مالک کی اجازت سے فائدہ اٹھانا جائز ہوسکتا ہے، اور رہن کی طرح مبیع کے ہلاک ہونے کی وجہ سے

دین بھی ساقط ہوجائے گا؛ لیکن ائمہ خوارزم اس کو تین باتوں میں سے ایک بات کے ساتھ مشروط کرتے ہیں:

(۱) بوقتِ عقد بیع مطلق رکھی جائے اور بوقتِ واپسی جب بائع ثمن لے کر حاضر ہوجائے گا تو مشتری بیع کو فسخ کرنے کے لئے کسی کو وکیل بنادے۔

(۲) بیعِ مطلق کے بعد اس بات پر معاہدہ ہوجائے کہ جب بائع ثمن لے کر آئے گا تو خود بخود بیع فسخ ہوجائے گی۔

(۳) عقد کے بعد مشتری اصل مال پر نفع کی شرط لگادے تو ان تینوں صورتوں میں ائمہ خوارزم بیع الوفاء کو رہن کے درجہ میں قرار دیتے ہیں۔

اور یہ حضرات بیع الوفاء کو رہن کے حکم میں قرار دینے میں حسبِ ذیل نظائر پیش کرتے ہیں:

(۱) اس بیع میں مشتری کو مبیع کی فروختگی کا حق نہیں۔

(۲) مبیع کو دوسرے کے ہاتھ رہن میں رکھنے کا حق نہیں۔

(۳) مبیع اگر باغ ہے تو اس کے درختوں کو کاٹنے کا حق نہیں۔

(۴) مبیع اگر عمارت ہے تو منہدم کرنے کا حق نہیں۔

(۵) مشتری کے ہاتھ میں اگر مبیع ہلاک ہوجائے تو ثمن اور دین ساقط ہوجاتا ہے؛ لہٰذا بائع سے ثمن کی واپسی کا مطالبہ نہیں کرسکتا۔

(۶) اگر مبیع میں نقصان اور کمی آجائے تو رہن کی طرح ثمن اور دین طرفین کے درمیان نقصان کے تناسب سے تقسیم ہوجاتا ہے۔ (مستفاد: بزازیہ زکریا جدید ۱/ ۲۵۲، وعلی ہامش الہندیہ ۴/ ۴۰۹)

(۷) جس طرح معاملہ رہن میں مرتہن کے مالِ رہن کو دوسرے کے ہاتھ فروخت کردینے پر راہن کو یہ حق حاصل ہوجاتا ہے کہ بیع باطل کر کے مالِ رہن کو اپنے قبضہ میں لے لے، اسی

طرح بیع الوفاء میں بھی مشتری جب مبیع کو دوسرے کے ہاتھ فروخت کردے گا تو مالک کو یہ حق حاصل ہوجاتا ہے کہ بیعِ ثانی کو باطل کرکے مشتری ثانی سے مالِ مبیع اپنے قبضہ میں لے لے، ہاں البتہ یہ بات الگ ہے کہ مرتہن کو اپنے قرض کے وصول ہونے تک لوٹ کر مالِ رہن کو اپنے قبضہ میں لینے کا حق ہے، اسی طرح بیع الوفاء میں بھی مالک کے قبضہ میں پہنچ جانے کے بعد مشتری اول کو اپنے ثمن کے وصول ہونے تک مالک سے مالِ مبیع اپنے قبضہ میں لینے کا حق ہے۔ (بزازیہ زکریا جدید ۱/ ۲۵۱، وعلی ہامش الہندیہ ۴/ ۴۰۶، شامی زکریا ۷/ ۵۴۸، کراچی ۵/ ۲۷۸)

ان تمام نظائر کی وجہ سے ان حضرات نے اس کو رہن کے اصول وضابطہ کے دائرہ میں داخل کردیا ہے، اوران لوگوں کی رائے کے مطابق مشتری بائع کی اجازت کے بغیر مالِ مبیع سے کوئی فائدہ اٹھانہیں سکتا۔ جوحسبِ ذیل عبارت سے واضح ہوتا ہے، ملاحظہ فرمایئے:

قَالَ أَكْثَرُ الْمَشَايِخِ مِنْهُمُ السَّيِّدُ الإِمَامُ أَبُوْ شُجَاعٍ وَالْقَاضِي الإِمَامُ أَبُو الْحَسَنِ عَلِي السُّغْدِيُ، حُكْمُهُ حُكْمُ الرَّهْنِ لا يَمْلِكُهُ الْمُشْتَرِيُ وَيَضْمَنُهُ الْمُشْتَرِيُ بِالأَكْلِ مِنْ ثَمَرِهٖ وَلا يُبَاحُ لَهُ الاِنْتِفَاعُ وَلَا الْأَكْلُ إِلَّا بِإِبَاحَةِ الْمَالِكِ وَيَسْقُطُ الدَّيْنُ بِهَلاكِهٖ إِذَا كَانَ بِهٖ وَفَاءً بِالدَّيْنِ وَلَا يَضْمَنُ الزِّيَادَةَ إِذَا هَلَكَ لا بِصُنْعِهٖ

اکثر مشائخ نے کہا جن میں سید امام ابوشجاع اور قاضی امام ابوالحسن علی السغدی وغیرہ ہیں کہ اس بیع کا حکم رہن کے حکم کی طرح ہے، اس میں مشتری مبیع کا مالک نہیں ہوگا اور اس کے پھل کھانے کی وجہ سے مشتری اس کا ضامن ہوجائے گا، اور مشتری کے لئے مبیع سے انتفاع مباح نہیں ہے، اور نہ ہی اس میں سے کچھ کھانا جائز ہے، مگر مالک کی اجازت سے جائز ہے اور مبیع کی ہلاکت کی وجہ سے دین ساقط ہوجائے گا، جب مبیع دین کے

وَلِلْبَائِعِ أَنْ يَّسْتَرِدَّ إِذَا قَضَى الدَّيْنَ. (فتاویٰ قاضي خان جديد زكريا ٢/ ٩٩، وعلى هامش الهندية ١٦٥/٢، تبيين الحقائق إمداديه ملتان ٥/ ١٨٣، زكريا ٦/ ٢٣٧)

برابر ہو، اور زیادہ کا تاوان لازم نہیں ہوگا، جب مشتری کی تعدی اور لاپرواہی کے بغیر ہلاک ہوجائے اور بائع کو مبیع واپس لینے کا حق ہوگا جب دین ادا کردے۔

اور الجامع الوجیز میں حافظ الدین بزازیؒ نے ائمہ خوارزم کی رائے کو ان الفاظ کے ساتھ نقل فرمایا ہے، ملاحظہ فرمایئے:

وَاخْتَارَهُ أَئِمَّةُ خَوَارِزْمَ أَنَّهُ إِذَا أُطْلِقَ الْبَيْعُ لٰكِنْ وَكَّلَ الْمُشْتَرِيْ وَكِيْلاً بِفَسْخِ الْبَيْعِ إِذَا أَحْضَرَ الْبَائِعُ الثَّمَنَ أَوْ عَهِدَ عَلٰى أَنَّهُ إِذَا أَوْفَاهُ فَسَخَ الْبَيْعُ وَالثَّمَنُ لَا يُعَادِلُ الْمَبِيْعَ وَفِيْهِ غَبَنٌ فَاحِشٌ أَوْ وَضَعَ الْمُشْتَرِيْ عَلٰى أَصْلِ الْمَالِ رِبْحاً بِأَنْ وَضَعَ عَلٰى مِائَةِ عِشْرِيْنَ دِيْنَاراً فَرَهَنَ (إِلٰى قَوْلِهٖ) وَاخْتَارَ خَاتَمُ الْمُجْتَهِدِيْنَ مَوْلَانَا سَيْفُ الدِّيْنِ الْعَصَبَةُ أَنَّهُ رَهْنٌ. (بزازية، زكريا جديد ١/ ٢٥١، على هامش الهندية ٤٠٧/٤)

جس کو ائمہ خوارزم نے اختیار فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ جب بیع کو مطلق رکھا جائے؛ لیکن جب بائع ثمن لے کر کے حاضر ہوجائے تو مشتری بیع کو فسخ کرنے کے لئے کسی کو وکیل بنادے یا بیع مطلق کے بعد اس بات پر معاہدہ ہوجائے کہ جب بائع ثمن لاکر پیش کردے گا تو عقد بیع خود بخود فسخ ہوجائے گا اور ثمن مبیع کے برابر نہ ہو اور اس میں غبن فاحش ہو یا مشتری عقد کے بعد اصل مال پر نفع کی شرط لگادے مثلاً ہر سو دینار پر بیس دینار نفع کا رہے گا، تو ان تمام صورتوں میں یہ عقد رہن کے حکم میں ہوگا، اور خاتم المجتہدین مولانا سیف الدین عصبہ نے اسی کو اختیار فرمایا ہے کہ وہ رہن ہی ہوگا۔

فریقِ خامس بیع المکرّہ کے حکم کے قائلین

مشائخ بخاریٰ میں سے امام صدر الشہید حسام الدین اور امام صدر السعید تاج الدین امام علاء الدین بدر اور صاحبِ ہدایہ وغیرہ فرماتے ہیں کہ بیع الوفاء بیع مکرہ کے اصول وضوابط کے دائرہ میں داخل ہوگی اور اس کو بیع فاسد قرار دینا صحیح نہیں ہے جیسا کہ امام ظہیر الدین بخاریؒ نے اس کو بیع فاسد بھی تسلیم کیا اور بیع مکرہ کے درجہ میں بھی قرار دیا جو کہ درست نہیں ہے؛ بلکہ بیع مکرہ کے اصول وضوابط کے دائرہ میں داخل کرنا زیادہ صحیح ہے، امام زیلعیؒ نے تبیین الحقائق میں امام ظہیر الدین بخاریؒ کو بیع مکرہ کے قائلین کی فہرست میں شمار فرمایا ہے، حالاں کہ وہ بیع فاسد کے قائلین کی فہرست میں شامل ہیں، اسی وجہ سے بزازیہ میں اس بات کو صاف واضح کر دیا گیا ہے کہ بیع الوفاء بیع مکرہ کے اصول وضابطہ کے دائرہ میں داخل ہے، اس لئے بیع الوفاء بیع مکرہ کی طرح ہوگی۔

اور بیع فاسد کے اصول وضوابط میں داخل نہیں ہے؛ لہٰذا بیع الوفاء کا حکم بیع فاسد کی طرح نہیں ہوگا؛ بلکہ بیع مکرہ کی طرح ہوگا اور امام ظہیر الدین بخاری نے دونوں کو مخلوط کر دیا ہے، اور امام علاء الدین بدرؒ فرماتے ہیں کہ جنہوں نے دونوں کو مخلوط کر دیا ہے وہ درست نہیں ہے؛ اس لئے کہ دونوں کے شرائط وضوابط الگ الگ ہیں؛ لہٰذا بیع الوفاء واجب الاسترداد ہونے میں بیع مکرہ کی طرح ہوگی، بیع فاسد کی طرح نہیں۔ فقہاء کی عبارات ملاحظہ فرمایئے:

وَمِنْ مَشَايِخِ بُخَارىٰ مَنْ جَعَلَ بَيْعَ الْوَفَاءِ كَبَيْعِ الْمُكْرَهِ مِنْهُمْ الإِمَامُ ظَهِيْرُ الدِّيْنِ وَالصَّدْرُ الشَّهِيْدُ حُسَامُ الدِّيْنِ وَالصَّدْرُ السَّعِيْدُ تَاجُ الاسْلَامِ وَصُوْرَتُهُ

مشائخ بخاریٰ میں سے جنہوں نے بیع الوفاء کو بیع مکرہ کی طرح قرار دیا ہے ان میں سے امام ظہیر الدینؒ اور صدر الشہید حسام الدینؒ اور امام صدر السعید تاج الاسلامؒ (وغیرہ) ہیں، اور اس کی صورت یہ ہے کہ بائع مشتری سے

أَنْ يَّقُوْلَ الْبَائِعُ لِلْمُشْتَرِيْ بِعْتُ مِنْكَ هٰذَا الْعَيْنَ بِدَيْنٍ لَكَ عَلَيَّ عَلٰىٓ أَنِّيْ مَتٰى قَضَيْتُ الدَّيْنَ فَهُوَ لِيْ فَجَعَلُوْهُ فَاسِداً بِاعْتِبَارِ شَرْطِ الْفَسْخِ عِنْدَ الْقُدْرَةِ عَلٰى اِيْفَاءِ الدَّيْنِ يُفِيْدُ الْمِلْكَ وَعِنْدَ اتِّصَالِ الْقَبْضِ بِهٖ وَيُنْقُضُ بَيْعُ الْمُشْتَرِيْ كَبَيْعِ الْمُكْرَهِ لِأَنَّ الْفَسَادَ بِاعْتِبَارِ عَدَمِ الرِّضَا فَكَانَ حُكْمُهٗ حُكْمُ بَيْعِ الْمُكْرَهِ فِيْ جَمِيْعِ مَا ذَكَرْنَا. (تبيين الحقائق، إمداديه ملتان ۵/۱۸۳، زکریا ٦/ ۲۳۷)

کہے کہ یہ چیز میں نے تمہارے ہاتھ تمہارے دین کے بدلہ میں بیچ دی ہے اس شرط پر کہ جب میں تمہارا قرض ادا کردوں گا تو وہ چیز میری ہوجائے گی، تو ان حضرات نے اس عقد کو دین کی ادائیگی پر قدرت کے وقت فسخ عقد کی شرط کا اعتبار کرتے ہوئے عقد فاسد قرار دیا ہے، جو اتصالِ قبضہ کے وقت ملکیت کا فائدہ دیتا ہے اور دوسرے کے ہاتھ مشتری کی بیع ٹوٹ جایا کرے گی جیسا کہ مکرہ کی بیع ٹوٹ جاتی ہے؛ اس لئے کہ عدمِ رضا کی وجہ سے اس میں فساد آیا ہے؛ لہٰذا بیع الوفاء کا حکم بیع مکرہ کے حکم میں ہوگا، ان تمام امور میں جو ہم نے ذکر کئے ہیں۔

اور اس حکم کو امام حافظ الدین بزازی نے ان الفاظ کے ساتھ نقل فرمایا ہے:

أَجَابَ عَلَاءُ الدِّيْنِ بَدْرٌ أَنَّهٗ لَا يَصِحُّ وَعَلٰى هٰذَا اخْتِيَارُ صَاحِبُ الْهِدَايَةِ وَأَوْلَادِهٖ وَمَشَائِخُ زَمَانِنَا وَعَلَيْهِ الْفَتْوٰى أَعْنِيْ لَا يَمْلِكُ الْمُشْتَرِيْ الْبَيْعَ مِنَ الْغَيْرِ كَمَا فِيْ بَيْعِ

امام علاء الدین بدر نے اس طرح سے جواب دیا ہے کہ یہ بیع صحیح نہیں ہے اور اسی کو صاحب ہدایہ اور ان کی اولاد اور ہمارے زمانہ کے مشائخ نے اختیار کیا ہے، اور اسی پر فتویٰ ہے یعنی مشتری دوسرے کے ہاتھ بیچنے کا مالک نہیں ہے۔ یہ ایسا ہے جیسا کہ بیع مکرہ میں

الْمُكْرَهِ لَا الْبَيْعِ الْفَاسِدِ بَعْدَ الْقَبْضِ. (بزازیہ، زکریا جدید ۱/ ۲۵۱، وعلی هامش الهندية ٤٠٨/٤)

ہوتا ہے اور ایسا نہیں ہے جیسا کہ بیع فاسد میں قبضہ کے بعد ہوتا ہے۔

فریقِ سادس بیع اور رہن سے مرکب کے قائلین

امام فخر الدین زاہد وغیرہ نے اس عقد کو من وجہٍ بیع صحیح اور من وجہٍ رہن تسلیم کیا ہے، یعنی صلب عقد میں جب شرط کا ذکر نہ ہو تو مشتری کے حق میں بیع صحیح ہے اور مبیع کی آمدنی کا مشتری مالک ہوا کرے گا اور بائع کے حق میں یہ عقد رہن ہوگا اس لئے مشتری مبیع کے قبضہ اور اس کی ملکیت کو منتقل نہیں کرسکتا، نہ دوسرے کو بطورِ ہدیہ دے سکتا ہے اور نہ ہی دوسرے کو فروخت کرسکتا ہے، اور نہ ہی دوسرے کے ہاتھ میں رہن کے طور پر رکھ سکتا ہے اور جب بائع ثمن واپس کردے گا تو مشتری کو مبیع کی واپسی پر مجبور کیا جائے گا؛ لہٰذا بیع الوفاء من وجہٍ بیع صحیح کے اصول وضوابط کے دائرہ میں داخل ہوکر جائز ہوجائے گی اور من وجہٍ رہن کے اصول وضوابط کے دائرہ میں داخل ہوکر جائز ہوجائے گی، اور اس عقد کو زرافہ کی طرح دو چیزوں سے مرکب مانا جائے گا جیسا کہ زرافہ گردن کے اعتبار سے اونٹ کی طرح ہے اور پیروں کے اعتبار سے گائے اور بیل کی طرح ہے، اسی طرح اس عقد کا حال ہے کہ مشتری مبیع کی آمدنی کا مالک ہوجاتا ہے اور مشتری مبیع سے ہر طرح کا نفع اٹھا سکتا ہے، تو اس اعتبار سے بیع صحیح ہے اور دوسرے کے ہاتھ میں قبضہ کو منتقل نہیں کرسکتا اور دوسرے کو مالک نہیں بنا سکتا، اور ثمن کی واپسی پر مبیع کی واپسی لازم ہوجاتی ہے تو اس اعتبار سے یہ عقد رہن کی طرح ہے۔ فقہاء کی عبارت ملاحظہ فرمایئے:

اَلْقَوْلُ السَّادِسُ مَا اخْتَارَهُ الْبَعْضُ وَاخْتَارَهُ الإِمَامُ الزَّاهِدُ أَنَّ الشَّرْطَ إِذَا لَمْ يُذْكَرْ فِي

قولِ سادس وہ ہے جس کو بعض فقہاء نے اختیار فرمایا ہے اسی کو فخر الدین زاہد نے پسند فرمایا ہے بایں طور پر کہ جب عقد بیع کے اندر

الْبَیْعِ نَجْعَلَهٗ صَحِیْحاً فِیْ حَقِّ الْمُشْتَرِیْ حَتّٰی مَلَکَ الْأَنْزَالَ وَرَهْناً فِيْ حَقِّ الْبَائِعِ فَلَمْ یَمْلِکِ الْمُشْتَرِیْ تَحْوِیْلَ یَدِهٖ وَمَلَکَهٗ إِلٰی غَیْرِهٖ وَأُجْبِرَ عَلَی الرَّدِّ إِذَا أَحْضَرَ الدَّیْنَ لِأَنَّهٗ کَالزِّرَافَةِ مُرَکَّبٌ مِنَ الْبَیْعِ وَالرَّهْنِ. (فتاوی بزازیه، زکریا جدید ١/ ٢٥١، وعلی هامش الهندیة ٤/ ٤٠٨)

شرط کا ذکر نہ کیا ہوتو اس کو مشتری کے حق میں بیع صحیح قرار دیں گے؛ تاکہ مشتری مبیع کی آمدنی کا مالک ہوجائے اور بائع کے حق میں رہن قرار دیں گے؛ تاکہ مشتری مبیع پر قبضہ کرکے مبیع کی ملکیت کو دوسرے کی طرف منتقل کرنے کا مالک نہ ہوجائے اور مشتری کو مبیع کی واپسی پر مجبور کیا جائے گا جب بائع دین ثمن لاکر پیش کردے؛ اس لئے کہ یہ عقد زرافہ کی طرح بیع اور رہن سے مرکب ہے۔

فریقِ سابع بیعِ صحیح اور بیعِ فاسد اور رہن تینوں سے مرکب کے قائلین

امام حافظ الدین بزازی وغیرہ فرماتے ہیں کہ بیع الوفاء کے اندر تین صفتیں موجود ہیں:

(١) یہ بیع بیع تلجئہ کے مشابہ ہے، بیع تلجئہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بیع صحیح ہے اور صاحبین کے نزدیک صحیح نہیں ہے؛ لہٰذا امام ابوحنیفہؒ کے قول پر عمل کرتے ہوئے اس کے اوپر بیع صحیح کا حکم لگادیا جائے گا؛ لہٰذا مشتری اس عقد کی مبیع سے فائدہ اٹھاسکتا ہے، اور حضراتِ صاحبینؒ کے قول پر عمل کرتے ہوئے اس کے بعض احکام کے اعتبار سے اس کے اوپر بیع فاسد کا حکم لگادیا جائے گا کہ جس طریقہ سے مقتضائے عقد کے خلاف شرط کی وجہ سے بیع فاسد ہوجاتی ہے اسی طرح اس عقد کے اندر بھی واپسی کی شرط بیع فاسد کے اصول کے مطابق شرط فاسد ہے، اور ان لوگوں کے قول پر عمل کرتے ہوئے جنہوں نے بیع الوفاء کو رہن کی طرح قرار دیا ہے اس کے اوپر رہن کا حکم لگادیا جائے گا کہ جس طریقہ سے مرتہن کو مالِ رہن دوسرے کے قبضہ میں دینے اور

دوسرے کو مالک بنانے کا حق نہیں ہوتا ہے، اسی طرح اس عقد کے اندر مشتری کو دوسرے کی ملکیت میں دینے کا حق نہیں ہے، اس لئے اس کے اوپر معاملہ رہن کا حکم لگا دیا جائے گا؛ لہٰذا بیع الوفاء تین قسم کے عقود سے مرکب ہے، بیع صحیح اور بیع فاسد اور رہن ان تینوں سے مرکب ہے، جیسا کہ ایک جانور جس کا نام زرافہ ہے تین قسم کے جانوروں کی صفتوں کے ساتھ وہ جانور متصف ہے کہ گردن کو دیکھا جائے تو اس کے اندر اونٹ کی صفت ہے اور پیروں کو دیکھا جائے تو اس کے اندر گائے اور بیل کی صفت ہے اور رنگ کو دیکھا جائے تو اس کے اندر چیتے کی صفت ہے تو جس طرح ایک جانور تین قسم کے جانوروں کی صفات کے ساتھ متصف ہوکر وجود میں آیا ہے اور اس طرح کا جانور وجود میں آنا صحیح اور درست ہے، اسی طرح بیع الوفاء بھی تین قسم کے عقود کی صفتوں کے ساتھ متصف ہوکر وجود میں آئی ہے۔ اور وجود میں آنا درست ہے اور اسی وجہ سے اس کو عقد صحیح اور عقد جائز ہی قرار دیا جائے گا اور جب اس عقد کے اندر یہ تینوں صفتیں موجود ہیں تو ان تینوں میں سے کس کو ترجیح دی جائے؟ تو بزازیہ میں ہے کہ بیع صحیح کے پہلو کو ترجیح دینا زیادہ بہتر اور اولیٰ ہے؛ اس لئے کہ اس کو بیع صحیح قرار دینے میں امام ابوحنیفہؒ کے قول کو ترجیح دینا ثابت ہوتا ہے، اور صاحب مذہب کے قول کو ترجیح دینا زیادہ اولیٰ اور بہتر ہوا کرتا ہے۔ عربی عبارت ملاحظہ فرمائیے:

قُلْتُ هٰذَا الْعَقْدُ مُرَكَّبٌ مِنَ الْعُقُوْدِ الثَّلاثَةِ كَالزِّرَافَةِ فِيْهَا صِفَةُ الْبَعِيْرِ وَالْبَقَرِ وَالنَّمِرِ جَوَّزَ لِحَاجَةِ النَّاسِ إِلَيْهِ بِشَرْطِ سَلامَةِ الْبَدَلَيْنِ لِصَاحِبِهِمَا (إلٰى قَوْلِهِ) لِأَنَّهُ يُشْبِهُ بَيْعَ التَّلْجِئَةِ	میں کہتا ہوں یہ عقد عقودِ ثلاثہ سے مرکب ہے جیسا کہ زرافہ اس میں اونٹ، بیل اور چیتے کی صفت ہوتی ہے، اس کی طرف لوگوں کی ضرورت کی وجہ سے اس عقد کو جائز قرار دیا گیا ہے، متعاقدین کے لئے بدل کی سلامتی کی شرط کے ساتھ اور مصنف کا قول اس لئے کہ یہ عقد بیع تلجئہ کے مشابہ ہے، اور بے شک بیع

وَإِنَّهُ صَحِيْحٌ عِنْدَهُ لَا عِنْدَهُمَا فَأُعْطِيَ لَهُ حُكْمُ الصَّحِيْحِ عَمَلاً بِقَوْلِهِ وَحُكْمُ الْفَاسِدِ فِيْ بَعْضِ الْأَحْكَامِ عَمَلاً بِقَوْلِهِمَا وَحُكْمُ الرَّهْنِ فِيْ بَعْضِ الْأَحْكَامِ عَمَلاً بِقَوْلِ النَّاسِ كَمَا ذَكَرْنَاهُ فِيْمَا تَقَدَّمَ وَإِذَا وَقَعَ التَّرَدُّدُ فِيْ إِلْحَاقِهِ بِالْفَاسِدِ أَوِ الصَّحِيْحِ فَإِلْحَاقُهُ بِالصَّحِيْحِ أَوْلىٰ تَقْلِيْلاً لِلْفَسَادِ وَتَرْجِيْحاً لِقَوْلِ الْإِمَامِ فَيُعْتَبَرُ الْمَذْكُوْرُ ثَمَناً لَا الْمَأْخُوْذُ. (فتاویٰ بزازية، زكريا جديد ۱/ ۲۵۲، وعلى هامش الهندية ٤/ ٤١٠، البحر الرائق كوئٹه ٦/ ١٢)

ترجمہ: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک صحیح ہے، صاحبین کے نزدیک صحیح نہیں؛ لہٰذا امام صاحب کے قول پر عمل کرتے ہوئے اس کو بیع صحیح کا حکم دیا جائے گا اور صاحبین کے قول پر عمل کرتے ہوئے بعض احکام میں بیع فاسد کا حکم دیا جائے گا اور دوسرے لوگوں کے قول پر عمل کرتے ہوئے بعض احکام میں رہن کا حکم دیا جائے گا جیسا کہ ماقبل میں دوسرے کا قول ہم نے ذکر کر دیا ہے اور جب اس کو بیع فاسد یا بیع صحیح کے ساتھ لاحق کرنے میں تردد واقع ہوگیا تو اس کو بیع صحیح کے ساتھ لاحق کرنا زیادہ بہتر ہوگا فساد کی کمی کو ثابت کرنے کے لئے اور امام ابوحنیفہؒ کے قول کو ترجیح دینے کے لئے؛ لہٰذا ذکر کی گئی چیز کو ثمن قرار دیا جائے گا نہ کہ ماخوذ اور مقبوض کو۔

مبیع کو کرایہ پر دینے کا حکم

بیع الوفاء میں مشتری مبیع کو کرایہ پر دے کر اس کی آمدنی حاصل کرسکتا ہے یا نہیں؟ تو اس سلسلہ میں یہ بات خوب ذہن نشین کرنے کی ضرورت ہے کہ بیع الوفاء کے بارے میں فقہاء

کے درمیان کافی اختلاف واقع ہو چکا ہے، جس کو ہم نے اس مقالہ کے اندر واضح کر دیا ہے کہ بعض فقہاء نے بیع الوفاء کو رہن کے درجہ میں قرار دیا ہے اور بعض فقہاء نے بیع فاسد کے درجہ میں قرار دیا ہے اور بعض فقہاء نے بیع مکرہ کے درجہ میں قرار دیا ہے۔ اور ظاہر بات ہے کہ ان تمام صورتوں میں مشتری کی ملکیت نہیں ہوسکتی، اسی کی جانب علاء الدین حصکفیؒ اور علامہ شامیؒ کا رجحان ہے۔

اور اس کے برخلاف بعض فقہاء نے بیع الوفاء کو بیع صحیح کے درجہ میں قرار دیا ہے اور بعض فقہاء نے بیع صحیح اور رہن سے مرکب عقد قرار دیا ہے، اور ساتھ میں یہ فرمایا ہے کہ مشتری کے حق میں بیع صحیح ہے اسی لئے مشتری مبیع کی آمدنی اور پیداوار کا مالک ہو جائے گا اور بائع کے حق میں رہن ہے اس لئے مشتری مبیع کو بیچنے اور دوسرے کے ہاتھ رہن رکھنے کا مجاز نہ ہوگا، اور بعض فقہاء نے بیع صحیح اور رہن اور بیع فاسد تینوں سے مرکب زَرافہ کی طرح الگ سے ایک عقد تسلیم کیا ہے، اور بعض فقہاء نے تعاملِ ناس اور لوگوں کی ضرورت کی وجہ سے اس کو بیع صحیح کے درجہ میں قرار دیا ہے، ان تمام فقہاء کے قول کے مطابق بیع الوفاء صحیح اور جائز عقد ہے؛ لہٰذا ان سب حضرات کے نزدیک مشتری کے لئے مبیع سے فائدہ اٹھانے اور مبیع کے ذریعہ سے آمدنی حاصل کرنے کا حق ہے اور آمدنی کا ایک ذریعہ اجارہ اور کرایہ پر دینا بھی ہے، اس لئے ان تمام فقہاء کے نزدیک مشتری کے لئے مبیع کو بائع کے ہاتھ یا کسی دوسرے کے ہاتھ کرایہ پر دینا جائز ہے: لہٰذا اگر کھیتی کی زمین ہے تو مشتری اس زمین کو خود بائع کے ہاتھ میں یا کسی دوسرے کے ہاتھ میں کرایہ یا بٹائی پر دے کر نفع حاصل کرسکتا ہے، اور اگر عمارت ہے اس کو بھی کرایہ پر دے کر آمدنی حاصل کرسکتا ہے، اور متأخرین کا فتویٰ اسی پر جاری ہو چکا ہے کہ آمدنی مشتری کی ملکیت ہوگی؛ لہٰذا راجح یہی ہوگا کہ مبیع کو کرایہ پر دے کر اجرت حاصل کرنا مشتری کے لئے اس وقت تک جائز ہوگا جب تک بائع

ثمن دے کر مبیع کو واپس نہ لے گا، اس کو حضراتِ فقہاء نے اس طرح کے الفاظ سے نقل فرمایا ہے۔عبارت ملاحظہ فرمایئے:

وَإِنْ آجَرَ الْمَبِيْعَ وَفَاءً مِنَ الْبَائِعِ مِمَّنْ جَعَلَهُ فَاسِداً قَالَ لَا تَصِحُّ الإِجَارَةُ (إِلٰى قَوْلِهِ) وَمَنْ جَعَلَهُ رَهْناً كَذٰلِكَ لَمْ يَلْزَمِ الْبَائِعَ الأَجْرُ، وَمَنْ أَجَازَهُ جَوَّزَ الإِجَارَةَ مِنَ الْبَائِعِ وَغَيْرِهِ وَأَوْجَبَ الأَجْرَ. (فتاویٰ بزازیه، زکریا جدید ۱/ ۲۵۳، علی الهندیة ٤/ ٤١٣، شامی زکریا ٧/ ٥٤٨، کراچی ٥/ ٢٧٨)

اور اگر مبیع کو بیع الوفاء میں بائع کے ہاتھ اجرت پر دیا ہے تو جن لوگوں نے اس کو بیع فاسد قرار دیا ہے تو انہوں نے کہا کہ اجارہ صحیح نہیں ہوگا اور جنہوں نے رہن قرار دیا ہے ان کے نزدیک ایسے ہی اجارہ صحیح نہ ہوگا اور بائع پر اجرت لازم نہ ہوگی اور جن لوگوں نے بیع الوفاء کو بیع صحیح قرار دیا ہے ان لوگوں نے مبیع کو بائع کے ہاتھ اور اس کے علاوہ کسی دوسرے کے ہاتھ میں کرایہ پر دینے کو بھی جائز قرار دیا ہے، اور اجرت بھی لازم ہو جائے گی۔

(وَقَوْلُهُ) وَذُكِرَ فِي الإِيْضَاحِ أَنَّ كُلَّ مَا يَصِحُّ بَيْعُهُ قَبْلَ قَبْضِهِ تَجُوْزُ إِجَارَتُهُ وَمَا لَا فَلَا وَبَيْعُ الْعَقَارِ قَبْلَ الْقَبْضِ جَائِزٌ فَكَذٰلِكَ إِجَارَتُهُ. (فتاویٰ بزازیه، زکریا جدید ۱/ ۲۵۳، وعلی هامش الهندیة ٤/ ٤١٣)

اور ایضاح میں اس بات کا ذکر کیا گیا ہے کہ ہر وہ شئ جس کو قبضہ سے پہلے بیچنا جائز ہے اس کو اجارہ پر دینا بھی جائز ہے اور جس کو قبل القبض بیچنا صحیح نہیں اس کو اجارہ پر دینا بھی صحیح نہیں ہے اور عقار کی بیع قبضہ سے پہلے جائز ہے؛ لہٰذا اس کو کرایہ پر دینا بھی جائز ہو جائے گا۔

بیع الوفاء میں مبیع کی آمدنی کا حق دار کون؟

جب لوگوں کی ضرورت اور تعاملِ ناس کی وجہ سے بیع الوفاء کو جائز قرار دیا گیا ہے تو مشتری کے لئے مبیع کی واپسی تک اس سے فائدہ اٹھانے کا حق حاصل ہے اور مبیع سے جو آمدنی پیدا ہوگی وہ آمدنی بھی مشتری کی ملکیت میں ہوگی؛ لہٰذا اگر مبیع کے ذریعہ سے کچھ آمدنی حاصل ہو جائے یا مبیع عقار ہے اور کھیتی کی زمین ہے اس میں سے پیداوار حاصل ہو جائے تو وہ ساری کی ساری مشتری کی ملکیت میں ہوگی؛ لہٰذا اگر آمدنی اور پیداوار ضائع ہو جائے یا مشتری نے ضائع کر دیا ہے تو اس کا تاوان بائع کے لئے مشتری پر لازم نہیں ہوگا، یہی فقہاء کا آخری قول ہے اور صاحبِ ہدایہ اور ان کی اولاد اور اس زمانہ کے مشائخ کا فتویٰ اسی پر جاری ہو چکا ہے۔ عبارت ملاحظہ فرمائیے:

اَلَّذِیْ اسْتَقَرَّ عَلَیْهِ فَتْوٰی صَاحِبِ الْهِدَایَةِ وَأَوْلَادِهٖ وَمَشَایِخِ الْعَهْدِ أَنَّ الْمِلْکَ یَثْبُتُ لِلْمُشْتَرِیْ فِیْ زَوَائِدِهٖ وَلَا یَضْمَنُهٗ بِالإِتْلَافِ. (فتاویٰ بزازیه، زکریا جدید ۱/ ۲۵۲، وعلی هامش الهندیة ٤/ ٤١٠)

جس کے اوپر صاحب ہدایہ اور ان کی اولاد اور اس زمانہ کے مشائخ کا فتویٰ مسلسل جاری ہو چکا ہے وہ یہی ہے کہ بیع الوفاء میں مبیع کی پیداوار اور آمدنی میں مشتری کی ملکیت ثابت ہو جائے گی اور آمدنی کو ضائع اور ہلاک کر دینے سے مشتری بائع کے لئے ضامن نہیں ہوگا۔

بیع الوفاء میں مبیع کے نقصان کی تلافی

اگر بیع الوفاء میں مشتری کے یہاں مبیع ہلاک ہو جائے تو ثمن کی ادائیگی ساقط ہو جاتی ہے؛ لیکن اگر مبیع ہلاک تو نہیں ہوئی ہے؛ لیکن اس میں نقصان آ جائے تو اس نقصان کی تلافی کی کیا

شکل ہے؟ تو اس سلسلہ میں شرعی حکم یہ ہے کہ مبیع میں جتنا نقصان ہوا، دینِ ثمن میں سے اتنا مجریٰ ہوکر ساقط ہوجائے گا، مثال کے طور پر ایک ہزار روپیہ لے کر کے مبیع مشتری کے قبضہ میں دی گئی ہے اور مبیع کی قیمت پندرہ سو روپیہ ہے اور مبیع میں پانچ سو روپیہ قیمت کا نقصان ہوجائے تو ثمن میں سے پانچ سو روپیہ کی ادائیگی ساقط ہوجائے گی، اس کو حضراتِ فقہاء نے اس طرح کے الفاظ سے نقل فرمایا ہے، ملاحظہ ہو:

وَالَّذِیْ اسْتَقَرَّ عَلَیْهِ فَتْوٰی الأَئِمَّةِ وَالْأَسَاتِذَةِ فِیْ مَسْئَلَةِ نُقْصَانِ الْمَبِیْعِ وَفَاءً سُقُوْطُ حِصَّةِ النُّقْصَانِ مِنْ مَالِ الْوَفَاءِ وَهُوَ الثَّمَنُ وَیُقَسَّمُ مَالُ الْوَفَاءِ عَلٰی قِیْمَةِ الْبَاقِیْ وَالْهَالِکِ فَیَسْقُطُ قِسْطُ الْهَالِکِ وَیَبْقٰی حِصَّةُ الْبَاقِیْ بَیَانُهٗ اشْتَرٰی دَاراً بِالْوَفَاءِ قِیْمَتُهَا تُسَاوِیْ أَلْفاً بِمِائَةٍ فَخَرِبَتْ الدَّارُ حَتّٰی صَارَتِ الْقِیْمَةُ خَمْسَ مِائَةٍ تَسْقُطُ مِنَ الثَّمَنِ خَمْسُوْنَ.

(فتاویٰ بزازیه، زکریا جدید ۱/ ۲۵۳، وعلی هامش الهندیة ٤/٢/ ٤١)

بیع الوفاء میں مبیع کے نقصان کے مسئلہ میں اساتذہ اور ائمہ کا فتویٰ اس بات پر جاری ہوچکا ہے کہ مالِ وفاء یعنی ثمن میں سے نقصان کا حصہ ساقط ہوجائے گا اور ثمن وفاء مبیع کی باقی قیمت پر اور مبیع کے ہلاک شدہ پر تقسیم ہوجائے گا؛ لہٰذا ہلاک شدہ کا حصہ بائع کے اوپر سے ادا کرنا ساقط ہوجائے گا اور باقی کا حصہ باقی رہے گا، اس کی وضاحت یوں ہے کہ بیع الوفاء کے طور پر ایک مکان خریدا ہو جس کی قیمت ایک ہزار روپیہ کے برابر ہے اس کو سو روپیہ میں خریدا ہے پھر مکان منہدم ہوجائے یہاں تک کہ اس کی قیمت پانچ سو روپیہ رہ جائے تو ثمن میں سے پچاس روپیہ ساقط ہوجائیں گے۔

بیع الوفاء میں ثمن کی زکوٰۃ کون ادا کرے؟

یہاں یہ مسئلہ بھی اہمیت کا حامل ہے کہ مشتری کے قبضہ میں مبیع ہوتی ہے اور بائع کے قبضہ میں ثمن ہوتا ہے اور مبیع چوں کہ مالِ نمو نہیں ہوتی ہے، اس لئے مبیع کی زکوٰۃ لازم نہیں ہوتی؛ لیکن ثمن مالِ نمو ہوتا ہے، اسی لئے اس کے اوپر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے اور یہ مال فی الحال بائع کے قبضہ اور ملکیت میں ہے، اس اعتبار سے اس کی زکوٰۃ ادا کرنا بائع کے اوپر لازم ہوگا اور مشتری کے اوپر اس لئے اس کی زکوٰۃ ادا کرنا لازم ہے کہ اس نے ثمن کے بدل پر قبضہ کر رکھا ہے جس کی وجہ سے ثمن در پردہ اس کی ملکیت ہے اس لئے مشتری پر بھی اس کی زکوٰۃ ادا کرنا لازم ہوجائے گا، اور چوں کہ عقود وفسوخ میں یعنی عقد کے منعقد ہونے میں اور عقد کے فسخ ہوجانے میں نقود متعین نہیں ہوتے ہیں، اس لئے یہ نہیں کہا جائے گا کہ ایک مالِ متعین کی زکوٰۃ دو آدمیوں پر لازم آرہی ہے؛ بلکہ لاعلی التعیین اتنے مال کی زکوٰۃ بائع کے اوپر بھی لازم ہے اور مشتری کے اوپر بھی لازم ہے جو فقہاء کی اس طرح کی عبارات سے واضح ہوتا ہے۔

وَزَكوٰةُ مَالِ الْوَفَاءِ عَلَى الْبَائِعِ لِأَنَّهُ مِلْكُهُ بِالْقَبْضِ وَعَلَى الْمُشْتَرِىْ أَيْضاً لِأَنَّهُ يُعَدُّ مَالاً لَهُ مَوْضُوْعاً عِنْدَ الْبَائِعِ لَيْسَ فِيْهِ زَكوٰةُ مَالٍ عَلٰى رَجُلَيْنِ لِأَنَّ النُّقُوْدَ لَا تَتَعَيَّنُ فِى الْعُقُوْدِ وَالْفُسُوْخِ وَعَلَيْهِ صَاحِبُ الْهِدَايَةِ وَالإِمَامُ الْبَزْدَوِىُّ.

(فتاویٰ بزازیه، زکریا جدید ۱/ ۲۵۳، وعلی هامش الهندیة ٤/ ٤١٢)

بیع الوفاء کے مال ثمن کی زکوٰۃ بائع کے اوپر اس وجہ سے لازم ہوگی کہ قبضہ کی وجہ سے بائع اس کا مالک ہو چکا ہے اور مشتری کے اوپر بھی اس لئے واجب ہے کہ وہ مشتری ہی کا مال شمار ہوتا ہے جو بائع کے یہاں رکھا ہوا ہے اور اس میں ایک متعین مال کی زکوٰۃ کا ادا کرنا دو آدمیوں پر اس لئے لازم نہیں آتا ہے کہ عقود وفسوخ میں نقود یعنی ثمن متعین نہیں ہوا کرتا ہے، یہی صاحب ہدایہ اور امام بزدوی کی رائے ہے۔

بائع اور مشتری کا اختلاف

اگر بائع اور مشتری کے درمیان اس طرح اختلاف ہوجائے کہ دونوں میں سے ایک اس بات کا دعویٰ کرتا ہے کہ بیع قطعی ہوچکی ہے واپسی اور استرداد کا کوئی مسئلہ نہیں اور دوسرا اس بات کا دعویٰ کرتا ہے کہ بیع قطعی نہیں ہوئی؛ بلکہ بیع الوفاء کے طور پر عقد ہوا ہے؛ لہٰذا ثمن کی واپسی پر مبیع کا استرداد لازم ہے اور دونوں نے اپنے اپنے دعویٰ پر بینہ اور گواہ پیش کر دئے ہیں تو ایسی صورت میں کس کو ترجیح دی جائے؟ تو اس سلسلہ میں صاحبِ درِمختار فرماتے ہیں کہ استحساناً بیع الوفاء کے دعویٰ کرنے والے کے قول کو ترجیح دی جائے؛ لیکن اس کے نیچے شامی نے ملتقط کے حوالہ سے نقل فرمایا ہے کہ اولاً متأخرین نے بیع قطعی کے دعویٰ کرنے والے کے بینہ کو ترجیح دینے پر فتویٰ دیا ہے پھر اس کے بعد بیع الوفاء کے دعویٰ کرنے والے کے بینہ کے اولیٰ ہونے پر فتویٰ دیا ہے، اور اس کے اوپر استحسان کا نشان لگایا ہے، اس کے بعد یہ وضاحت نقل فرمائی ہے کہ اگر مشتری نے بیع قطعی کا دعویٰ کیا ہے کہ بیع مکمل ہوچکی ہے اب استرداد کا کوئی مسئلہ نہیں ہے اور بائع دعویٰ کرتا ہے کہ میں نے بیع الوفاء کے طور پر بیچا ہے تو ایسی صورت میں اگر دونوں نے بینہ پیش کیا ہے تو بائع کے گواہ کو ترجیح دی جائے گی اور اگر بینہ پیش نہیں کیا گیا؛ بلکہ دونوں کا محض دعویٰ ہے تو ایسی صورت میں بیع قطعی کے دعویٰ کرنے والے کے قول کو ترجیح دی جائے گی، ہاں البتہ اگر مبیع کے مقابلہ میں ثمن کی کمی پر واضح دلیل اور قرینہ موجود ہو تو ایسی صورت میں بیع الوفاء کے دعویٰ کرنے والے کے قول کو ترجیح ہوگی؛ تاکہ بائع غبن فاحش کے نقصان کا شکار نہ ہو تو حاصل یہ نکلا کہ گواہ نہ ہونے کی صورت میں اگر بیع الوفاء کا قرینہ موجود ہو مثلاً مبیع کے مقابلہ میں ثمن کی مقدار کم ہے تو ایسی صورت میں بائع کے قول کا اعتبار کرکے بیع الوفاء کا حکم صادر کر دیا جائے گا اور دونوں کو اس کا پابند بنایا جائے گا اور اگر کوئی قرینہ موجود نہیں ہے اور ثمن اور مبیع کے درمیان تناسب میں تفاوت نہیں ہے اور نہ ہی غبنِ فاحش لازم آسکتا ہے تو ایسی صورت میں مشتری کے قول کا

اعتبار کر کے بیعِ قطعی کا حکم جاری کر دیا جائے گا۔ فقہاء کی عبارات ملاحظہ فرمائیے:

إِنَّ الْقَوْلَ لِمُدَّعِي الْوَفَاءِ اِسْتِحْسَاناً، وَلَوْ قَالَ الْبَائِعُ بِعْتُکَ بَيْعاً بَاتًّا فَالْقَوْلُ لَهُ إِلَّا أَنْ يَدُلَّ عَلَى الْوَفَاءِ بِنُقْصَانِ الثَّمَنِ كَثِيراً (وَتَحْتَهُ فِي الشَّامِيَةِ) قَوْلُهُ: هُنَّ اسْتِحْسَاناً يَقْتَضِي تَرْجِيحَ مُدَّعِي الْوَفَاءِ فَيَنْبَغِي تَقْيِيدُهُ بِقِيَامِ الْقَرِيْنَةِ (إِلٰى قَوْلِهِ) وَإِنْ ادَّعٰى أَحَدُهُمَا بَيْعاً بَاتًّا وَالآخَرُ بَيْعَ الْوَفَاءِ وَأَقَامَ الْبَيِّنَةَ كَانُوْا يُفْتُوْنَ أَنَّ الْبَاتَّ أَوْلٰى ثُمَّ أَفْتَوْا أَنَّ بَيْعَ الْوَفَاءِ أَوْلٰى وَهٰذَا اِسْتِحْسَانٌ (إِلٰى قَوْلِهِ) وَلَوْ قَالَ الْمُشْتَرِيُ اشْتَرَيْتُهُ بَاتًّا وَقَالَ الْبَائِعُ بِعْتُهُ بَيْعَ الْوَفَاءِ (إِلٰى قَوْلِهِ) أَنَّ الْاِسْتِحْسَانَ فِي الْاِخْتِلَافِ فِي الْبَيِّنَةِ تَرْجِيحُ بَيِّنَةِ الْوَفَاءِ وَفِي الاخْتِلَافِ فِي الْقَوْلِ تَرْجِيحُ

بے شک استحسانا بیع الوفاء کے مدعی کا قول معتبر ہوگا اور اگر بائع نے کہا کہ میں نے تمہارے ہاتھ بیع قطعی کے طور پر بیچا ہے تو اس کا قول معتبر ہوگا؛ لیکن اگر بیع الوفاء پر ثمن کے کثیر نقصان کی وجہ سے دلالت کرنے والی کوئی دلیل ہو تو بیع الوفاء کا اعتبار ہوگا اس کے نیچے شامی میں ہے کہ یہاں استحسانا کا لفظ بیع الوفاء کے مدعی کے دعویٰ کی ترجیح کا تقاضا کرتا ہے؛ لہٰذا اس کو قیامِ قرینہ کے ساتھ مقید کرنا زیادہ مناسب ہے اور اگر دونوں میں سے ایک نے بیع قطعی کا دعویٰ کیا اور دوسرے نے بیع الوفاء کا اور دونوں نے بینہ قائم کر دیا تو فقہاء متأخرین اس بات پر فتویٰ دیتے تھے کہ بیع قطعی کی ترجیح کو اولیٰ قرار دیا جائے پھر اس کے بعد بیع الوفاء کی ترجیح کے اولیٰ ہونے پر فتویٰ دینے لگے اور بیع الوفاء کو ترجیح دینا مستحسن ہے اور اگر مشتری نے کہا کہ میں نے بیع الوفاء کے طور پر بیچا ہے تو ایسی صورت میں بینہ کے ساتھ میں اختلاف کی صورت میں مستحسن یہی ہے کہ بیع الوفاء کے بینہ کو ترجیح

قَوْلِ مُدَّعِي الْبَتَاتِ (إِلٰى قَوْلِهٖ) وَهُوَ كَوْنُ الْقَوْلِ لِمُدَّعِي الْبَتَاتِ بِمَا إِذَا لَمْ تُقِمِ الْقَرِيْنَةُ عَلٰى خِلَافِهٖ. (الدر المختار مع الشامي زكريا ۷/ ۵۵۰، شامي كراچی ۵/ ۲۷۹)

دی جائے اور بغیر بینہ کے قول میں اختلاف کی صورت میں بیع قطعی کے مدعی کے قول کو ترجیح دی جائے اور بیع قطعی کے مدعی کے قول کی ترجیح اس بات کے ساتھ مشروط ہے کہ جب اس کے خلاف پر کوئی قرینہ قائم نہ ہو۔

اورالاشباہ والنظائر کے حاشیہ حموی میں صاف الفاظ کے ساتھ بائع کے قول کو ترجیح دی گئی ہے کہ جب مشتری اور بائع کے درمیان اس طرح کا اختلاف ہوجائے کہ مشتری بیع قطعی کا دعویٰ کرے اور بائع بیع الوفاء کا دعویٰ کرے تو ایسی صورت میں بائع کے قول کا اعتبار کرکے اس معاملہ کو بیع الوفاء قرار دیا جائے گا؛ اس لئے کہ بیع قطعی ہونے کی صورت میں مشتری کا فائدہ ہے اور بائع کا نقصان ہے اور بیع الوفاء ہونے کی صورت میں کسی کا نقصان نہیں؛ کیوں کہ مشتری کو اپنا ثمن واپس مل جاتا ہے اور بائع کو اپنی مبیع واپس مل جاتی ہے۔

وَفِي الْفُصُوْلِ الْعِمَادِيَةِ إِذَا اخْتَلَفَ الْمُتَبَائِعَانِ فَقَالَ الْمُشْتَرِيْ اشْتَرَيْتُهٗ شِرَاءً بَاتًّا وَقَالَ الْبَائِعُ بَيْعَ الْوَفَاءِ فَإِنَّ الْقَوْلَ قَوْلُ الْبَائِعِ لِأَنَّ الْمُشْتَرِيَ يَدَّعِيْ زَوَالَ عَيْنِهٖ بِالْبَتَاتِ وَمُدَّعِي الْوَفَاءِ يُنْكِرُ الزَّوَالَ فَيَكُوْنُ الْقَوْلُ قَوْلَهٗ. (حاشيه الحموى على الأشباه قديم ۱۳۰)

فصولِ عمادیہ میں ہے کہ جب متبائعین میں اختلاف ہوجائے تو مشتری کہتا ہے کہ میں نے عقد لازم اور عقد قطعی کے طور پر خریدا ہے اور بائع کہتا ہے کہ بیع الوفاء کے طور پر میں نے بیچا (اور تم نے خریدا ہے) تو بائع کے قول کو ترجیح حاصل ہوگی؛ اس لئے کہ مشتری معاملہ قطعی کے ذریعہ سے عین مبیع کے زوال کا دعویٰ کرتا ہے اور بیع الوفاء کا مدعی زوال کا انکار کرتا ہے؛ لہٰذا اسی کے قول کا اعتبار ہوگا۔

شبیر احمد قاسمی
خادم الحدیث جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد (یو-پی)

۱۲/ باب الشفعة

اپنے پڑوس کو بتائے بغیر زمین فروخت کرنے کا حکم

سوال [۸۸۴۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ترکہ پدری سے حاصل شدہ ایک قطعہ زمین چار حصوں میں کر کے دو حقیقی بھائیوں میں تقسیم ہوگئی، بعدہ محمد دین صاحب نے ایک قطعہ اپنی زمین کے بیچنے کا خیال اب سے تین سال پہلے ظاہر کردیا تھا، اس کے متعلق محمد دین نے اپنے حقیقی بھائی امام الدین سے کسی تیسرے شخص کی معرفت سودے بازی بھی کی، مگر محمد دین نے امام الدین کو بغیر بتائے دوسرے شخص کے ہاتھ معاملہ بیع کردیا، جب کہ محمد دین کی زمین دونوں جانب سے امام الدین کی زمین کے درمیان واقع ہے، جس کی صورت یہ ہے:

(۱)امام الدین	(۲) محمد الدین	(۳)امام الدین	(۴)محمد دین

اورخریدار بھی قریبی رشتہ دار ہیں، تو کیا امام الدین کوحق شفعہ حاصل ہے؟ اور بائع اور مشتری پر بھی کوئی ذمہ داری عائد ہوتی ہے؟

المستفتی: امام الدین، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں حق مبیع اور پڑوس کی بنیاد پر امام الدین کو مذکورہ جائیداد میں شفعہ کا حق حاصل ہے، بائع اور مشتری کو چاہئے کہ وہ اس کے شرعی حق کو ادا کریں۔

سمع أبا رافع، سمع النبي صلى الله عليه وسلم يقول: الجار أحق بسقبه. (سنن أبي داؤد، باب في الشفعة، النسخة الهندية، مكتبة البدر ٢/ ٤٩٦، دارالسلام، رقم: ٣٥١٦، صحيح البخاري، باب عرض الشفعة على صاحبها قبل البيع،

النسخة الهندية ١/ ٣٠٠، رقم: ٣٢٠٣، ف: ٢٢٥٨، سنن الترمذي، باب ماجاء في الشفعة للغائب، النسخة الهندية ١/ ٢٥٣، دارالسلام، رقم: ١٣٦٩)

ثم له في حق المبيع الخ. ثم لجار ملاصق بابه في سكة أخرى. (التنوير مع الدرالمختار، كتاب الشفعة، زكريا ٩/ ٣٢٠-٣٢٢، كراچی ٦/ ٢٢٠-٢٢١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴/صفر ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۳۸۸۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/۲/۲۴ھ

مکان میں شریک شفعہ کا مستحق ہے یا قبرستان؟

سوال [۸۸۴۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرا مکان دادالٰہی ہے، جس پر میں قابض ودخیل ہوں، جو قبرستان سے ملحق ہے، اس میں چند حصہ دار مختصر جزو کے مالک ہیں، کیا کوئی حصہ دار اپنا جزو قبرستان کے نام مجھے نہ دے کر بیع نامہ کر سکتا ہے اور میرے مکان کو جبراً توڑ کر قبرستان میں شامل کرنا اور قبور کا کھودنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: نعیم اللہ مغل پورہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آپ کے ساتھ جو لوگ مکان میں شریک ہیں، وہ اگر اپنا حصہ فروخت کرنا چاہیں اور آپ خریدنا چاہیں، تو آپ ہی شرعی طور پر خریدنے کے حق دار ہوں گے۔ اور اگر آپ کو نہ دے کر قبرستان کو فروخت کر دیا ہے، تو آپ کو اس کی خریداری ختم کر کے خریدنے کا حکم ہے۔

عن شريح قال: الخليط أحق من الشفيع، والشفيع أحق من سواه.

(مصنف عبدالرزاق، باب الشفعة بالجوار والخليط أحق، المجلس العلمي ٨/ ٧٨، رقم: ١٤٣٨٦)

عن هشام بن المغيرة قال: سمعت الشعبي يقول: قال رسول الله ﷺ: الشفيع أولى من الجار، والجار أولى من الجنب. (مصنف عبدالرزاق، باب الشفعة بالجوار والخليط أحق، المجلس العلمي ۸/ ۷۹، رقم: ۱۴۳۹۰)

ليس للشريک في الطريق والشرب، والجار شفعة مع الخليط في الرقبة. (هداية، كتاب الشفعة، أشرفي ۴/ ۳۹۰)

وإذا بنى المشتري أو غرس، ثم قضى للشفيع بالشفعة فهو بالخيار إن شاء أخذها بالثمن وقيمة البناء والغرس، وإن شاء كلف المشتري قلعه.

(هداية، كتاب الشفعة، باب طلب الشفعة والخصومة فيها، أشرفي ۴/ ۴۰۰)

اور قبور کھودنے کی بات واضح کیجئے، اس کے بعد جواب دیا جائے گا۔ فقط واللہ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍محرم الحرام ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۸۱۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/۱/۱۱ھ

شریک فی حق المبیع کو شفعہ میں حق تقدم حاصل ہے

سوال [۸۸۴۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ثناء الرحمٰن اپنا مکان فروخت کررہے ہیں، جن کے دو بھائی بھی ہیں اور دیگر رشتہ دار بھی جو مکان سے کچھ دوری پر رہتے ہیں، ثناء الرحمٰن کے مکان سے متصل پچھم جانب محمد یوسف کا مکان ہے اور پورب جانب سیٹھ مشتاق احمد صاحب کا مکان ہے اور اتر جانب محمد اطہر کا مکان ہے (محمد اطہر اور ثناء الرحمٰن کا مکان پہلے ایک ہی تھا، پھر تقسیم ہوا اور دیوار ہی صرف حد فاصل کے طور پر ہے) محمد اطہر کے مکان کے کل پانی کی نکاسی ثناء الرحمٰن کے مکان کے اندر ہی سے ہے جو کہ تقسیم سے پہلے ہی سے پشتینی راستہ ہے، اب ثناء الرحمٰن صاحب اپنا مکان فروخت کررہے ہیں، تو حق شفعہ دور رہنے والے بھائیوں کو ہے یا بالواسطہ متصل رہنے والے محمد اطہر کو ہے؟

المستفتی: محمد اطہر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفیق: جب ثناء الرحمٰن کے مکان کے اندر ہی سے محمد اطہر کے مکان کے کل پانی کی نکاسی ہوتی ہے، تو محمد اطہر ثناء الرحمٰن کے مکان میں شریک فی حق المبیع ہے؛ اس لئے دائیں بائیں کے پڑوس، تو محمد یوسف اور سیٹھ مشتاق کے مقابلہ میں محمد اطہر ہی کو ثناء الرحمٰن کے مکان میں حق شفعہ کا تقدم حاصل ہے؛ اس لئے اگر محمد اطہر، ثناء الرحمٰن کے مکان کو خریدنے کے لئے تیار ہے، تو محمد یوسف اور سیٹھ مشتاق احمد کو حق شفعہ حاصل نہیں ہوگا۔

عن الشعبي قال: الخليط أحق من الشفيع، والشفيع أحق من الجار، والجار أحق ممن سواه. (المصنف لابن أبي شيبة، البيوع والأقضية من كان يقضى بالشفعة للجار، موسسة علوم القرآن، جديد ۱۱/ ۵۳۸، رقم: ۲۳۷۲)

عن هشام بن المغيرة قال: سمعت الشعبي يقول: قال رسول الله ﷺ: الشفيع أولى من الجار، والجار أولى من الجنب. (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب البيوع والأقضية من كان يقضى بالشفعة للجار، موسسة علوم القرآن، جديد ۱۱/ ۵۳۷، رقم: ۲۳۷۲)

فدل ذلک علی أن الشفعة كما تستحق بالشركة في نفس المبيع تستحق بالشركة في الطريق، ولما استحقت بالشركة في الطريق، فبالشركة في حق آخر كالمسبل وغيره، كذلک لاشتراک العلة. (إعلاء السنن بيروت ۱۷/ ۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍ محرم الحرام ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۴۳۲/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۸/۱۱/۱۴۲۹ھ

دس ماہ کے بعد حق شفعہ کا دعویٰ کرنا

سوال [۸۸۴۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک قطعہ مکان کے چار بھائی وزیر بیگ، شبیر بیگ، صدیق بیگ، شاہد بیگ مالک تھے

اور برابر حصوں کے مالک تھے، اس میں سے ایک حصہ وزیر بیگ کا ان کے بھتیجے راشد بیگ ابن شاہد بیگ نے خریدلیا، پھر ١٠/مہینہ کے بعد صدیق بیگ نے راشد بیگ پر حق شفعہ کا دعویٰ کر دیا تھا، اب صدیق بیگ کا انتقال ہو گیا، ان کے ورثاء مقدمہ چلا رہے ہیں، تو آپ سے دریافت یہ کرنا ہے کہ شرعاً وزیر بیگ کے اس مکان پر صدیق بیگ کا دعویٰ حق شفعہ کرنا اور پھر ان کے بیٹوں کا اسی پر مقدمہ چلانا جائز ہے یا نہیں؟ یا راشد بیگ نے جب خریدلیا اور دس ماہ تک کوئی حق شفعہ کا دعویٰ نہیں ہوا، تو اس کی خریداری صحیح ہوگی؟ شرعی حکم جو بھی ہو تحریر فرمائیں۔

المستفتی: راشد بیگ سنبھلی گیٹ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: جب راشد بیگ کے خرید لینے کے دس ماہ بعد تک صدیق بیگ نے خاموشی اختیار کی، تو اب اتنے ایام گذرنے کے بعد حق شفعہ ثابت نہ ہوگا؛ کیونکہ جس مجلس میں خریداری کا علم ہو جائے اسی مجلس میں حق شفعہ کا دعویٰ کر کے اپنے دعویٰ پر گواہ نہیں بناتا ہے تو بعد میں شرعی طور پر کوئی حق باقی نہیں رہتا ہے۔

وقال الشعبي: من بيعت شفعته وهو شاهد لا يغيرها فلا شفعة له.

(صحيح البخاري، باب عرض الشفعة على صاحبها قبل البيع، النسخة الهندية ١/ ٣٠٠)

إذا ترك الشفيع الإشهاد حين علم بالبيع وهو يقدر على ذلك بطلت شفعته. (هداية، كتاب الشفعة، باب ما تبطل به الشفعة، اشرفي ٤/ ٤٠٦، الدر مع الرد، كراچی ٦/ ٢٤٠، زكريا ٩/ ٣٤٠-٣٥٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٢/١١/١٤٢١ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٥/ ٦٩٢٩)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
٣/١١/١٤٢١ھ

ایک سال بعد حق شفعہ کا دعویٰ کرنا

سوال [٨٨٤٩]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: مرزا نذیر بیگ نے بوقت انتقال ۲۰۶؍گز زمین کا ایک مکان چھوڑا اور ورثاء میں چار لڑکے: وزیر بیگ، شبیر بیگ، صدیق بیگ، شاہد بیگ کو چھوڑا، بعد میں وزیر بیگ کا انتقال ہوا، اس کا ایک لڑکا افتخار بیگ تھا، افتخار بیگ کا بھی انتقال ہوگیا، اس کے بعد افتخار بیگ کے ورثاء سے اس کا حصہ شاہد بیگ کے لڑکے راشد بیگ نے خرید لیا۔ خریدے ہوئے ایک سال گذر جانے کے بعد صدیق بیگ نے حق شفعہ کا دعویٰ دائر کردیا ہے، تو کیا شریعت میں خرید کو ایک سال گذر جانے کے بعد صدیق بیگ کا حق شفعہ کا دعویٰ صحیح ہے یا نہیں؟ شریعت کا جو بھی حکم ہو تحریر فرمائیں عنایت ہوگی۔ فقط

المستفتی: شاہد بیگ، متصل سرائے پختہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایک سال گذر جانے کے بعد تک باوجود فروختگی کے علم کے حق شفعہ کا مطالبہ نہیں کیا ہے، یا قیمت زیادہ سمجھ کر زیادہ قیمت سے نہیں لیا ہے اور سال گذرنے کے بعد اب حق شفعہ کا دعویٰ کررہا ہے، تو شرعاً یہ دعویٰ صحیح نہیں ہے۔ اور سال گذر جانے کے بعد صدیق بیگ کو حق شفعہ کے دعویٰ کا حق باقی نہیں رہا ہے؛ لہٰذا خرید شدہ حصہ کا مالک شرعاً شاہد بیگ کا لڑکا راشد بیگ ہو چکا ہے، اب اس میں کسی کا کوئی حق باقی نہیں رہا ہے۔

وقال الشعبي: من بيعت شفعته وهو شاهد لا يغيرها فلا شفعة له.

(صحيح البخاري، باب عرض الشفعة على صاحبها قبل البيع، النسخة الهندية ١/ ٣٠٠)

إذا علم الشفيع بالبيع اشهد في مجلسه ذلک على المطالبة اعلم أن الطلب على ثلاثة أوجه: طلب المواثبة: وهو أن يطلبها كما علم حتى لو بلغ الشفيع البيع ولم يطلب شفعته بطلت الشفعة. (هداية، كتاب الشفعة، باب طلب الشفعة، والخصومة، اشرفي ٤/ ٣٩٢، شامي، كراچی ٦/ ٢٢٤، زكريا ٩/ ٣٢٩-٣٣٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷؍رمضان ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/۱۴۰۰)

۱۳/ باب المزارعۃ

پندرہ کیلو تیل پر کھیتی کاشت کے لئے دینا

سوال [۸۸۵۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے اپنی سات بیگہ زمین میتھی کی کھیتی کرنے کے لئے بکر کو یہ کہہ کر دی کہ جب تیل نکلے تو اس میں سے مجھ کو تم پندرہ کلو تیل دینا اور کھیتی میں آنے والا خرچ سب تم کروگے اور پندرہ کلو تیل سے اوپر جو بھی ہوگا وہ سب تمہارا ہوگا، پھر بکر نے اس زمین میں آٹھ ہزار کی لاگت لگائی اور کھیتی کو محنت سے پالا، کھیتی کٹنے کے چند دن پہلے شدید بارش ہوگئی، جس سے تقریباً آدھی کھیتی پانی بھر کر سوکھ گئی اور خراب ہوگئی، پھر بکر باقی ماندہ کھیتی کو کاٹ کر اپنے ٹریکٹر ٹرالی سے لا رہا تھا کہ کھیت میں ٹریکٹر پھنس گیا، بمشکل تمام خالی ٹریکٹر ٹرالی نکلی اور کٹی بھری کھیتی اتارنی پڑی، پھر چند دن بعد ذرا موسم ٹھیک ہونے پر بکر اس کو بھرنے گیا تو ٹریکٹر پھر دلدل میں پھنس گیا اور بھری کھیتی اتار کر بمشکل تمام ایک دوسرے ٹریکٹر کی مدد سے ٹریکٹر ٹرالی نکلی، اس میں بکر اور اس کا بھائی زور لگاتے لگاتے بیہوش ہوگئے اور بیمار بھی پڑ گئے، بکر نے زید سے آکر کہہ دیا کہ اس کو لانے سے ہم تو عاجز آگئے آپ نکال سکو تو لاکر تیل نکال لو، آخر وہ کٹی پڑی کھیتی نہ نکل سکی اور خراب ہوگئی، اب صورت حال یہ ہے کہ زید بکر کو مجبور کر رہا ہے اور کہہ رہا ہے کہ میرا پندرہ کلو تیل دو اور بے ایمان بتا رہا ہے، اب پوچھنا یہ ہے کہ زید اور بکر کے درمیان اس طرح کھیتی کرنے کا معاہدہ ٹھیک ہوا تھا یا نہیں؟ اور بکر کے ذمہ وہ پندرہ کلو تیل دینا لازم ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد طاہر القادری افضل پور، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید اور بکر کے درمیان زمین کی پیداوار کے سلسلہ میں جو

معاملہ ہوا ہے، وہ از روئے شرع صحیح نہیں؛ اس لئے کہ عقد مزارعہ کے صحیح ہونے کے لئے کل پیداوار کا نصف یا ربع یا ایک تہائی یا دو تہائی کے حساب سے طے کرنا لازم ہوتا ہے، اس کے بغیر معاملہ فاسد ہو جاتا ہے، متعین طریقہ سے طے کرنا کہ پیداوار سے حاصل شدہ پندرہ کلو تیل مالک زمین لے گا اور بقیہ کھیتی کرنے والا صحیح نہیں۔ اور بٹائی کے معاملہ میں پیداوار کھیتی کرنے والے کے پاس امانت کے درجہ میں ہوتی ہے؛ لہٰذا مذکورہ صورت میں پیداوار کے ضائع ہونے میں بکر کے کسی عمل کا دخل نہیں تھا؛ اس لئے وہ پیداوار کا ضامن نہیں ہوگا۔ اور نہ ہی زید کو پندرہ کلو تیل دینا اس پر لازم ہوگا۔

عن حنظلة بن قيس الأنصاري، سمع رافع بن خديج قال: كنا أكثر أهل المدينة مزدرعا، كنا نكري الأرض بالناحية منها مسمى لسيد الأرض، قال: فمما يصاب ذلك وتسلم الأرض، ومما تصاب الأرض ويسلم ذلك، فنهينا، وأما الذهب والورق فلم يكن يومئذ. (صحيح البخاري، كتاب الحرث والمزارعة، النسخة الهندية ١/ ٣١٢، رقم: ٢٢٦٩، ف: ٢٣٢٧، صحيح مسلم، باب كراء الأرض بالذهب والورق، النسخة الهندية ٢/ ١٢، بيت الأفكار رقم: ١٥٤٨)

منها: أن يكون ذلك البعض من الخارج معلوم القدر من النصف أو الثلث أو الربع أو نحوه، ومنها: أن يكون جزءا شائعا من الجملة، حتى لو شرط لأحدهما قفزان معلومة لا يصح العقد. (هندية، كتاب المزارعة، الباب الأول، زكريا جديد ٥/ ٢٧٢، قديم ٥/ ٢٣٥)

وفي الدر: الغلة في المزارعة مطلقا ...... أمانة في يد المزارع ...... فلا ضمان عليه لو هلكت الغلة في يده بلا صنعه. (درمختار مع الشامي، كتاب المزارعة، زكريا ٩/ ٤٠٨، كراچی ٦/ ٢٨٢، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ١٤٧، مصري قديم ٢/ ٥٠٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم شعبان ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۶۸۸)

مزارعت میں مخصوص مقدار کی شرط لگانے کا حکم

سوال [۸۸۵۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارا ایک مکتب ہے، جس کی کئی بیگہ زمین ہے، کمیٹی والے ایک شخص کو ایک بیگہ زمین اس شرط پر دیتے ہیں کہ ہم دھان کے موسم میں دس من دھان لیں گے اور دھان اسی زمین کی پیداوار سے لیں گے۔ اور گیہوں کے موسم میں پانچ من گیہوں اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک بیگہ زمین میں کل دھان دس من نہیں ہو پاتا، تو کیا کمیٹی والے اس شخص سے تب بھی دس من دھان وصول کریں گے؟ اور کیا یہ صورت شرعاً جائز ہے، جب کہ یہ مخابرہ کی ایک شکل معلوم ہوتی ہے جو کہ شرعاً حرام ہے۔

المستفتی: محمد عبداللہ رشیدی، جامعہ اشاعت السنہ رام گنج، مغربی بنگال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زمین کو اس شرط پر دینا کہ دھان کے موسم میں دس من دھان اور گیہوں کے موسم میں پانچ من گیہوں اسی زمین کی پیداوار سے لئے جائیں گے، تو یہ معاملہ فاسد ہے، شرعاً جائز نہیں ہے؛ البتہ اس کے جواز کی یہ شکل ہوسکتی ہے کہ اس زمین کی پیداوار سے نصف یا ثلث یا ربع لیا جائے گا اور اس کو مخابرہ کی شکل کہنا درست نہیں ہے۔

عن حنظلة بن قيس الأنصاري، سمع رافع بن خديج قال: كنا أكثر أهل المدينة مزدرعا، كنا نكري الأرض بالناحية منها مسمى لسيد الأرض، قال: فمما يصاب ذلک وتسلم الأرض، ومما تصاب الأرض ويسلم ذلک، فنهينا، وأما الذهب والورق فلم يكن يومئذ. (صحيح البخاري، كتاب الحرث والمزارعة، النسخة الهندية ١/ ٣١٢، رقم: ٢٢٦٩، ف: ٢٣٢٧، صحيح مسلم، باب كراء الأرض بالذهب والورق، النسخة الهندية ٢/ ١٢، بيت الأفكار رقم: ١٥٤٨)

لا تصح المزارعة إلا على مدة معلومة، وأن يكون الخارج شائعا

بينهما، فإن شرطا لأحدهما قفزانا مسماة، فهي باطلة؛ لأن الأرض عساها لا تخرج إلا هذا المقدار. (هداية، كتاب المزارعة، أشرفي ٤/ ٤٢٦، مختصر القدوري، ص: ١٥٥، هندية، زكريا قديم ٥/ ٢٣٥، جديد ٥/ ٢٧٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۲۳/۵/۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۶۵۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۵/۱۹ھ

ایک کا کھیت اور دوسرے کی محنت و بیج ہونے کی صورت کا حکم

سوال [۸۸۵۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بٹائی پر دینا یعنی ایک آدمی کا کھیت دوسرے آدمی کی محنت مزدوری بیج وغیرہ دونوں کے درمیان شامل ہو، تو کیا حکم ہے؟

المستفتی: محمد اطہر بن عبد الجلیل ارریہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بٹائی کی یہ مخصوص صورت کہ ایک آدمی کا کھیت ہو اور دوسرے آدمی کی محنت ومزدوری اور بیج وغیرہ میں دونوں شامل ہوں، شرعاً جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۳/ ۵۲۲)

دفع رجل أرضه إلى آخر على أن يزرعها بنفسه وبقره والبذر بينهما نصفان، والخارج بينهما كذلك فعملا على هذا، فالمزارعة فاسدة. (شامي، كتاب المزارعة، زكريا ٩/ ٤٠٦، كراچی ٦/ ٢٨١، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ١٤٤، مصري قديم ٢/ ٥٠١، المبسوط للسرخسي، دارالكتب العلمية بيروت ٢٣/ ٣٠)

اور اگر بیج کل کے کل کسی ایک کی طرف سے ہوں تو بٹائی کی یہ مذکورہ شکل شرعی طور پر جائز اور درست ہے۔

إن كان الأرض لواحد والعمل والبقر والبذر لواحد جازت. (هداية، كتاب المزارعة، اشرفی ٤/ ٤٢٦، مختصر القدوري، ص: ١٥٥، الدر مع الرد، زكريا ٩/ ٤٠١، كراچی ٦/ ٢٧٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳/۴/۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۷۶۱۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۳/۴/۱۴۲۳ھ

مزارعت میں خاص مقدار میں غلہ متعین کرنا

سوال [۸۸۵۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے بکر سے ایک قطعہ زمین کرایہ پر لیا اور ایک تیسرے شخص کے ساتھ مزارعت کا معاملہ کیا، بایں طور کے تم خود کھیتی کرو میں تم کو دانہ کھاد وغیرہ کچھ بھی نہیں دوں گا، تم صرف ہر فصل پر مجھ کو اتنی تعداد غلہ دے دینا، چاہے پیداوار کتنی بھی زیادہ ہو یا کم ہو تجھ کو اس سے کوئی سروکار نہیں، کیا اس طرح کا معاملہ شریعت مطہرہ میں جائز ہے؟

المستفتی: سعید احمد قاسمی ٹانڈہ بادلی، ضلع رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: یہ معاملہ شرعاً باطل ہے؛ کیوں کہ مزارعت میں کسی ایک فریق کے لئے غلہ کی خاص مقدار متعین کرنا جائز نہیں ہے۔

عن حنظلة بن قيس الأنصاري، سمع رافع بن خديج قال: كنا أكثر أهل المدينة مزدرعا، كنا نكري الأرض بالناحية منها مسمى لسيد الأرض، قال: فمما يصاب ذلک وتسلم الأرض، ومما تصاب الأرض ويسلم ذلک، فنهينا، وأما الذهب والورق فلم يكن يومئذ. (صحيح البخاري، كتاب الحرث والمزارعة، النسخة الهندية ١/ ٣١٢، رقم: ٢٢٦٩، ف: ٢٣٢٧، صحيح مسلم، باب كراء الأرض بالذهب والورق، النسخة الهندية ٢/ ١٢، بيت الأفكار رقم: ١٥٤٨)

لا تصح المزارعة إلا على مدة معلومة، وأن يكون الخارج شائعا بينهما، فإن شرطا لأحدهما قفزانا مسماة، فهي باطلة؛ لأن الأرض عساها لا تخرج إلا هذا المقدار. (هداية، كتاب المزارعة، أشرفي ٤/ ٤٢٦، مختصر القدوري، ص: ١٥٥، هندية، زكريا قديم ٥/ ٢٣٥، جديد ٥/ ٢٧٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/۶/۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۲۷۱/۲۴)

پیسوں کے عوض میں زمین کو کرایہ پر دینا

سوال [۸۸۵۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کوئی شخص اپنی زمین اناج کے بدلے کرائے پر نہیں دیتا؛ بلکہ پیسوں کے بدلے کرائے پر دیتا ہے، مثلاً پانچ بیگہ زمین دھائی ہزار (۲۵۰۰) کے بدلے کرائے پر دیتا ہے، یہ جائز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زمین کو پیسوں کے بدلے کرائے پر دینا مثلاً پانچ بیگہ زمین ڈھائی ہزار روپئے کے بدلے کرائے پر دے تو جائز اور درست ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ ڈابھیل ۱۶/ ۵۵۹، میرٹھ ۲۵/ ۱۱۳)

ما صلح بدلا في البيع يصلح بدلا في الإجارة؛ لأن البدل في الإجارة ثمن المنفعة، وهي تابعة للعين، وما صلح بدلا عن الأصل صلح بدلا عن التبع. (شرح المجلة رستم باز، إتحاد ١/ ٢٦٠، رقم المادة: ٤٦٣)

وما صلح ثمنا في البيع صلح أجرة في الإجارة؛ لأن الأجرة بثمن المنفعة. (مجمع الأنهر، كتاب الإجارة، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ٥١٣، مصري

قديم ٢/ ٣٦٩، هندية زكريا قديم ٤/ ٤١٢، جديد ٤/ ٤٤٢، الدر مع الرد، كراچی ٦/ ٤، زكريا ٩/ ٥، البحرالرائق، زكريا ٨/ ٥٠٦، كوئٹه ٧/ ٢٩٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍ جمادی الاخریٰ ۱۴۳۵ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۳۴۱)

متعین غلہ کے عوض میں زمین کرایہ پر دینا

سوال [۸۸۵۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کسان اپنی کھیتی کی زمین کرائے پر دیتا ہے، مگر بٹائی کی شکل میں نہیں دیتا، کرائے کی شکل میں دیتا ہے اور کہتا ہے: ہمیں فصل میں فی بیگہ ایک کوئنٹل اناج چاہئے، چاہے تو کھیتی کریا نہ کر کہیں سے بھی اناج لا ہمیں اناج چاہئے، یہ جائز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زمین کو اس شرط پر کرائے پر دینا کہ ہمیں فی بیگہ ایک کوئنٹل اناج چاہئے، خواہ وہ اناج کوئی سا بھی کہیں سے بھی آیا ہو، اسی زمین سے دینے کی شرط نہ ہو، تو اس طرح کرائے پر زمین دینا جائز اور درست ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ ڈابھیل ۱۶/ ۳۵۹، محمودیہ میرٹھ ۲۵/ ۱۱۳)

يجوز استئجار الأرض للزارعة إن بين ما يزرع فيها، أو قال على أن يزرع فيها يشاء وللبناء والغرس، أو يقول له: ازرع فيها ما شئت كي لا يفضي إلى المنازعة. (البحرالرائق، كتاب الإجارة، باب ما يجوز من الإجارة وما يكون خلافا فيها، زكريا ٨/ ١٧، كوئٹه ٨/ ١٠، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ٥٢٢، مصري قديم ٢/ ٣٨٩)

رجل استأجر أرضا بطعام ولم يسم أين يقبض الطعام، قال: هو جائز. (تاتارخانية، زكريا ١٥/ ٩، رقم: ٢١٩٢٥)

والحيلة في ذلک لمن أراد الجواز أن يشترط صاحب الحنطة قفيزا من الدقيق الجيد ولم يقل من هذه الحنطة، أو يشترط ربع هذه الحنطة من الدقيق الجيد؛ لأن الدقيق إذا لم يكن مضافا إلى حنطة بعينها يجب في الذمة والأجر كما يجوز أن يكون مشارا إليه يجوز أن يكون دينا في الذمة.

(هندية، كتاب الإجارة، الباب الخامس عشر، الفصل الثالث في قفيز الطحان، زكريا قديم ٤/ ٤٤٤، جديد ٤/ ٤٨٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/ جمادی الاخریٰ ۱۴۳۵ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۵۶۳)

غیر کی ملکیت میں لگایا گیا پودا کس کا ہوگا؟

سوال [۸۸۵۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے اپنی زمین سمجھ کر اس میں پودا لگایا اور پوری سینچائی سالہا سال کرتا رہا؛ لیکن زمین پیمائش کرنے پر زمین اور پودا سب بکر کے حصہ میں نکل رہا ہے، حالانکہ قبضہ اور پودے کی سینچائی زید نے کی ہے، ازروئے شرع پودا کس کو دیا جائے؟

المستفتی: محمد نعیم الدین جھگڑوا، دربھنگہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: درخت اور پودے کا اصل مالک وہی ہوتا ہے جس نے درخت لگایا ہو اور اس کی دیکھ بھال کی ہو؛ البتہ پیمائش کے بعد زمین جس کے حصہ میں نکلے گی وہی زمین کا مالک ہوگا اور زمین کے مالک کو زمین کی مناسب اجرت دلوائی جائے گی۔

(کفایت المفتی ۷/ ۳۴۷، جدید زکریا مطول ۱۱/ ۵۷۶، امداد الفتاوی ۳/ ۵۲۰)

حدثنا أبو جعفر الخطمي، قال: بعثني عمي أنا وغلاما له إلى سعيد

بن المسيب، قال: قلنا له شيء: بلغنا عنک في المزارعة؟ قال: كان ابن عمر لا يرى بها بأسا، حتى بلغه عن رافع بن خديج، حديث، فأتاه فأخبره رافع أن رسول الله صلى الله عليه وسلم أتى بني حارثة، فرأى زرعا في أرض ظهير، فقال: ما أحسن زرع ظهير، قالوا: ليس لظهير، قال: أليس أرض ظهير؟ قالوا: بلى، ولكنه زرع فلان، قال: فخذوا زرعكم وردوا عليه النفقة، قال: رافع: فأخذنا زرعنا ورددنا إليه النفقة. (سنن أبي داؤد، البيوع، باب في التشديد ذلك، النسخة الهندية ۲/ ٤٨٣، دارالسلام، رقم: ٣٣٩٩)

وإذا فسدت عنده، فإن سقى الأرض وكر بها ولم يخرج شيء فله أجر مثله لو البذر من رب الأرض، ولو منه فعليه أجر مثل الأرض، والخارج في الوجهين لرب الأرض. (شامي، كتاب المزارعة، زكريا ٩/ ٣٩٨، كراچی ٦/ ٢٧٥، هداية، أشرفی ٤/ ٤٢٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰؍ جمادی الثانیہ ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۴۵۰۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۶/۶/۲۰ھ

بحمداللہ تعالیٰ

فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّيْنِ

فتاویٰ قاسمیہ

منتخب فتاویٰ

حضرت مولانا مفتی شبیر احمد القاسمی
خادم الافتاء و الحدیث جامعہ قاسمیہ
مدرسہ شاہی مرادآباد، الہند

(جلد ۱۹)

المجلد الثامن عشر

بقية الوقف باب المدارس، كتاب البيوع، البيع الصحيح الفاسد، المرابحه، الصرف، السلم، الاستصناع، الوفاء، الشفعة، المزارعة

۸۴۰۹ ——— ۸۸۵۶

ناشر
مکتبہ اشرفیہ، دیوبند، الہند
01336-223082

فتاویٰ قاسمیہ

صاحب فتاویٰ

حضرت مولانا مفتی شبیر احمد القاسمی

بحق صاحبِ فتاوی شبیر احمد القاسمی 09412552294

بحق مالک مکتبہ اشرفیہ دیوبند 09358001571

01336-223082 08810383186

پہلا ایڈیشن محرم الحرام ۱۴۳۷ھ

ناشر

مکتبہ اشرفیہ، دیوبند، ضلع سہارنپور، الهند

01336-223082

ASHRAFI BOOK DEPOT

DEOBAND, SAHARANPUR, INDIA

Phone: 01336-223082

Mob. : 09358001571،08810383186

مکمل اجمالی فہرست ایک نظر میں

	رقم المسأله		عنوانات
المجلد الأول	١	١٧٢	مقدمة التحقيق، الإيمان والعقائد إلى باب ما يتعلق بالارواح.
المجلد الثاني	١٧٣	٥٥٧	بقية الإيمان والعقائد من باب الحشر إلى باب ما يتعلق بأهل الكتاب، التاريخ والسير، البدعات والرسوم.
المجلد الثالث	٥٥٨	١٠٠٥	بقية البدعات والرسوم من باب رسومات جنائز إلى رسومات نكاح، كتاب العلم إلي باب ما يتعلق بالكتابة.
المجلد الرابع	١٠٠٦	١٤١٥	بقية كتاب العلم من كتابة القرآن إلي باب الوعظ والنصيحة، الدعوة والتبليغ، السلوک والاحسان، الأدعية والأذكار.
المجلد الخامس	١٤١٦	١٩٣٥	الطهارة بتمام أبوابها، الصلوة من أوقات الصلوة إلى صفة الصلوة.
المجلد السادس	١٩٣٦	٢٤٥٧	الجماعة، المساجد، الإمامة.
المجلد السابع	٢٤٥٨	٢٩٦٤	بقية الصلوة من تسوية الصفوف إلي سجود التلاوة.
المجلد الثامن	٢٩٦٥	٣٤٢٣	بقية الصلوة من الذكر والدعاء بعد الصلوة، الوتر، ادراک الفريضة، السنن والنوافل، التراويح، صلوة المسافر.

المجلد التاسع	٣٤٢٤	٣٨٩٣	بقية الصلوة، صلوة المريض، الجمعة، العيدين، الجنائز إلي حمل الجنازة.
المجلد العاشر	٣٨٩٤	٤٤٠٤	بقية الجنائز من صلوة الجنائز إلي باب الشهيد، كتاب الزكوة.
المجلد الحادي عشر	٤٤٠٥	٤٨٧٣	بقية الزكوة، كتاب الصدقات، الصوم، بتمام أبوابها إلي صدقة الفطر.
المجلد الثاني عشر	٤٨٧٤	٥٣٤٨	كتاب الحج بتمام أبوابها، النكاح إلى باب نكاح المكره.
المجلد الثالث عشر	٥٣٤٩	٥٩٤٣	بقية النكاح إلي باب المهر.
المجلد الرابع عشر	٥٩٤٤	٦٤٦٢	الرضاع، الطلاق إلي باب الكناية.
المجلد الخامس عشر	٦٤٦٣	٦٩٠٢	بقية الطلاق، الرجعة، البائن، الطلاق بالكتابة، الطلاق الثلاث، الشهادة في الطلاق، الحلالة.
المجلد السادس عشر	٦٩٠٣	٧٤٠٢	بقية الطلاق، تعليق الطلاق، التفويض، الفسخ والتفريق، الظِهار، الإيلاء، الخلع، الطلاق على المال، العدة، النفقة، ثبوت النسب، الحضانة.
المجلد السابع عشر	٧٤٠٣	٧٨٦٧	الأيمان والنذور، الحدود، الجهاد، اللقطة، الامارة والسياسة، القضاء، الوقف إلي باب المساجد.
المجلد الثامن عشر	٧٨٦٨	٨٤٠٨	بقية الوقف من الفصل الثالث، المسجد القديم إلي مصلى العيد، والمقبرة. (قبرستان)

المجلد التاسع عشر	٨٤٠٩	٨٨٥٦	بقية الوقف، باب المدارس، كتاب البيوع، البيع الصحيح، الفاسد، المرابحة، الصرف، السلم، الوفاء، الشفعة، المزارعة.
المجلد العشرون	٨٨٥٧	٩٣٥٠	الشركة، المضاربة، الربوا بتمام أنواعها.
المجلد الحادي والعشرون	٩٣٥١	٩٧٣٥	الديون، الوديعة، الأمانة، الضمان، الهبة، الإجارة.
المجلد الثاني والعشرون	٩٧٣٦	١٠٢٤٥	الغصب، الرهن، الصيد، الذبائح بتمام أنواعها، الأضحية بتمام أنواعها، العقيقة، الحقوق، بأكثر أبوابها إلي باب حقوق الأقارب.
المجلد الثالث والعشرون	١٠٢٤٦	١٠٧٠٥	بقية الحقوق، الرؤيا، الطب والرقیٰ بتمام أنواعها، كتاب الحظر والإباحة إلي باب السابع، ما يتعلق باللحية.
المجلد الرابع والعشرون	١٠٧٠٦	١١٢٠٥	بقية الحظر والإباحة، باب الأكل والشرب، الانتفاع بالحيوانات، الخمر، الدخان، الهدايا، الموالاة مع الكفار، المال الحرام، الأدب، اللهو، استعمال الذهب والفضة، كسب الحلال، الغناء، التصاوير.
المجلد الخامس والعشرون	١١٢٠٦	١١٦٠٠	الوصية، الفرائض بتمام أبوابها.
المجلد السادس والعشرون	١	١١٦٠٠	فهارس المسائل

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست مضامین

۲۴/ بقية كتاب الوقف

□	٩/ باب المدارس	٣٢

مسئلہ نمبر — صفحہ نمبر

الفصل الأول: في المدارس

٨٤٠٩ کیا مدرسوں میں دین پڑھایا جاتا ہے سکھایا نہیں جاتا؟ ٣١

٨٤١٠ دینی مذہبی ادارہ کو رجسٹریشن کرانے کا حکم ٣٢

٨٤١١ مجلسِ عاملہ ومجلسِ شوریٰ ٣٦

٨٤١٢ مجلسِ شوریٰ کے اختیارات ٣٧

٨٤١٣ مدارسِ اسلامیہ میں طلبہ کی دیکھ بھال کے لئے کیمرہ لگانے کا حکم ٤١

٨٤١٤ ایک مدرسہ سے متعلق چند سوالات وجوابات ٤٣

٨٤١٥ مدارسِ اسلامیہ کے اصول کا ماخذ ٤٦

٨٤١٦ مدرسہ کے قوانین کا ماخذ ٤٧

٨٤١٧ مدارس کے اصول وضوابط کی شرعی حیثیت ٤٩

٨٤١٨ ضوابط برائے اساتذہ، تعزیرات وتعطیلات برائے طلبہ ٥٢

٨٤١٩ تعزیرات برائے طلبہ مدرسہ عربیہ امداد الاسلام ہرسولی ضلع مظفر نگر یوپی ٥٤

٨٤٢٠ ضوابط برائے مدرسہ عربیہ امداد الاسلام ہرسولی ضلع مظفر نگر ٥٥

٨٤٢٢ مدرسے کے من جملہ بچوں کی ضروریات مدزکوۃ سے پوری کرنے کا حکم .. ٥٨

۸۴۲۳	مدرسہ میں آمدہ غلہ میں اشیاء کی رسید دینے کا حکم	۶۰
۸۴۲۴	مدارس میں فیس لے کر تعلیم دینے کا حکم	۶۱
۸۴۲۵	طلبہ کا بلا اجازت مدرسہ کی چیزوں کو استعمال کرنے کا حکم	۶۲
۸۴۲۶	تعلیمی اوقات کے دوران طلبہ کو قرآن خوانی کے لئے بھیجنا	۶۳
۸۴۲۷	مدارس کے طلباء سے قرآن خوانی کرانا	۶۴
۸۴۲۸	لڑکیوں کا مدرسہ قائم کرنا	۶۵
۸۴۲۹	مدارسِ اسلامیہ میں غیر مسلم بچوں کو تعلیم دینے کا حکم	۶۵
۸۴۳۰	طلباء کو انعام میں ملنے والے روپیوں کا مالک کون؟	۶۶
۸۴۳۱	کیا پرانے مکتب میں تعلیمی سلسلہ کو جاری رکھنا ضروری ہے؟	۶۸

الفصل الثاني: في التولية ۶۹

۸۴۳۲	طلبا کی تعلیمی کوتاہی پر مسئول کون ہے؟	۶۹
۸۴۳۳	موقوفہ جائیداد کو ذاتی ملکیت سمجھنے کا حکم	۷۰
۸۴۳۴	مہتمم صاحب کا مدرسہ کی زمین اپنے نام رجسٹری کروانے کا حکم	۷۰
۸۴۳۵	مدرسہ کے لئے خریدی گئی زمین کا شخصی بیع نامہ کرانا	۷۱
۸۴۳۶	احکام شریعت کا لحاظ نہ رکھنے والے مہتمم کا حکم	۷۳
۸۴۳۷	مہتمم سے متعلق سوال وجواب	۷۴
۸۴۳۸	مدارس اسلامیہ کے قوانین کی پابندی مہتمم وملازم سب پر لازم ہے...	۷۶
۸۴۳۹	کیا ذمہ دارانِ مدرسہ اصول کے پابند ہیں؟	۷۹
۸۴۴۰	مدرسہ اور قبرستان کے نام چندہ لے کر اپنی ضروریات میں خرچ کرنے کا حکم	۸۰
۸۴۴۱	بچہ کے قاعدہ پورا ہونے پر مہتمم صاحب کا دعوت کا مطالبہ کرنا	۸۳
۸۴۴۲	مہتمم کے مدرسہ کی رقم اپنے کاروبار میں لگانے یا دوسرے کو قرض دینے کا حکم .	۸۵

□	**الفصل الثالث: في المدرسين**	۸۶
۸۴۴۳	ذمہ دارانِ مدرسہ ومدرسین کے تعلق سے چند سوالات کے جوابات ..	۸۶
۸۴۴۴	مدرسہ کے مفاد کے پیش نظر کسی ملازم کو برطرف کرنا	۸۸
۸۴۴۵	مدرسہ کے صدر مدرس کے خلاف عوام کے انتشار کا حکم	۸۹
۸۴۴۶	اوقات مدرسہ میں مہتمم کی اجازت سے حوائج ضروریہ کے لئے جانا ..	۹۰
۸۴۴۷	مدرس کو دو وقت پڑھانے پر مجبور کرنا	۹۰
۸۴۴۸	مدرس سے مدرسہ کی رقم گھر سے چوری ہوگئی	۹۲
۸۴۴۹	مدرسین کا چرم قربانی وصول کرنے پر معاوضہ لینے کا حکم	۹۴
۸۴۵۰	مدارس کے ملازم اجیر بالعمل ہیں یا اجیر فی الوقت	۹۵
۸۴۵۱	شخص واحد کے ذمہ درس وتدریس اور امامت وغیرہ سپرد کرنا	۹۷
۸۴۵۲	کیا گاؤں کے مدرس پر مسجد کی امامت بلا اجرت واجب ہے؟	۹۹
۸۴۵۳	مدرس کو نابالغ طلبا کی امامت کا پابند بنانا	۱۰۰
۸۴۵۴	کیا مدرس کا بیماری میں چھٹی لے کر اپنے نجی کام سے جانا دھوکہ نہیں؟.	۱۰۱
۸۴۵۵	مکتب میں استاذ کا جمعراتی لینا	۱۰۲
۸۴۵۶	مدرس کے جمعراتی وصول کرنے کا حکم	۱۰۳
۸۴۵۷	طلبہ کی طرف سے معلم کو ملنے والے ہدیہ کا حکم........................	۱۰۴
۸۴۵۸	مدرسے میں بے پردہ معلّمہ کے تقرر کرنے کا حکم	۱۰۵
۸۴۵۹	اساتذہ کے لئے طلبا کو ملنے والے کنسیشن استعمال کرنے کا حکم	۱۰۶
۸۴۶۰	مدرسے کے کمروں میں مدرس کا فیملی کے ساتھ رہنا	۱۰۷
۸۴۶۱	مدرسین کے وسعت ونجی گھر ہونے کے باوجود مدرسہ کا گھر خالی نہ کرنے کا حکم	۱۰۸

۸۴۶۲ غیر صاحب نصاب مدرس کے لئے مدرسہ کا کھانا کھانا ۱۱۳
۸۴۶۳ مدرسین کے لئے ایصال ثواب کا کھانا کھانا ۱۱۴
۸۴۶۴ مدرسے کے ملازم کے علاج کی ذمہ داری کس پر ہے؟............ ۱۱۶

❑	**الفصل الرابع:**	۱۱۷

مدارس میں سرکاری اور غیر مسلم کا مال صرف کرنے کا حکم

۸۴۶۵ مدرسہ کو ایڈ کرانا ۱۱۷
۸۴۶۶ کیا ایڈ کے مدارس میں سرکاری قوانین کی پابندی لازم ہے ۱۱۸
۸۴۶۷ سرکار کی طرف سے آئے ہوئے رسد کو مدرسہ یا مسجد میں لگانے کا حکم ۱۲۰
۸۴۶۸ اسکولوں میں آمدہ سرکاری امداد کی بچی ہوئی رقم کا مصرف ۱۲۰
۸۴۶۹ اسکول کی تعمیر یا طلبہ کی خوراک سے بچی ہوئی رقم کا ہیڈ ماسٹر کا استعمال کرنا ۱۲۲
۸۴۷۰ امام باڑہ کے اوپر مدرسہ بنانے کا حکم ۱۲۳
۸۴۷۱ غیر کی زمین میں اس کی اجازت کے بغیر مدرسہ بنانے کا حکم ۱۲۵
۸۴۷۲ مالک کی اجازت کے بغیر اس کی زمین پر مدرسہ بنانا ۱۲۶
۸۴۷۳ مغصوبہ زمین پر مدرسہ بنانا ۱۲۸
۸۴۷۴ پریس کرنے پر پریس بیچ کر رقم مدرسہ میں لگانا ۱۳۱
۸۴۷۵ لیٹ فیس وصول کرنے کی شرعی حیثیت ۱۳۲
۸۴۷۶ مدرسہ کے لئے غیر مسلموں کا چندہ لینا ۱۳۳
۸۴۷۷ ہندو کی رقم کارِ خیر میں لگانا ۱۳۳
۸۴۷۸ مدرسہ کی تعمیر میں سودی رقم یا کافر کا پیسہ لگانا ۱۳۵
۸۴۷۹ طوائف کی زمین پر مدرسہ تعمیر کرنا ۱۳۷

الفصل الخامس: في التصرف ۱۳۸

۸۴۸۰ کیا کسی مدرسے کے دونام رکھنے سے وہ دو مدرسے ہو جائیں گے؟ .. ۱۳۸
۸۴۸۱ مسجد مدرسہ بنانے سے متعلق چند سوالات کے جوابات ۱۴۲
۸۴۸۲ کیا مدرسہ کی موقوفہ چیزوں میں غرض واقف لازم ہے؟............ ۱۴۴
۸۴۸۳ مدارس میں قائم کردہ انجمن کی تقسیم کا حکم............ ۱۴۵
۸۴۸۴ چندہ کے پیسے سے بنی ہوئی عمارت میں اراکین مدرسہ کا کتبہ لگانا ۱۵۰
۸۴۸۵ جلسہ کی بچی ہوئی رقم کا مصرف ۱۵۲
۸۴۸۶ طلبہ سے لی گئی قیمت طعام کو مدرسہ کی تعمیر میں لگانا ۱۵۳
۸۴۸۷ مدرسہ کی رقم سے امام ومؤذن کو وظیفہ دینے کا حکم............ ۱۵۳
۸۴۸۸ انجمن کی رقم سے سرپرست انجمن کو ہدیہ دینا............ ۱۵۴
۸۴۸۹ اسکول کے درجہ پنجم کے امتحان کا خرچ مدرسہ سے لینا............ ۱۵۵
۸۴۹۰ مدرسہ کی رقم سے متعلقین کو ہدیہ دینے کا حکم ۱۵۶
۸۴۹۱ مدرسے کے فنڈ سے مہمان نوازی کرنا ۱۵۷
۸۴۹۲ مدرسہ کی رقم سے چائے، بسکٹ اور مہمانوں کی ضیافت ۱۵۷
۸۴۹۳ مدرسہ کی رقم سے تقریب میں گیٹ وغیرہ کی سجاوٹ ۱۵۸
۸۴۹۴ مدرسے کی زمین میں اساتذہ وطلبہ کے لئے مسجد بنانا ۱۵۹
۸۴۹۵ مدارس کی جمع شدہ رقم اپنی ضروریات میں صرف کرنا............ ۱۶۰
۸۴۹۶ خزانچی کا مدرسہ کی رقم اپنے استعمال میں لانا ۱۶۱
۸۴۹۷ مدرسہ کا روپیہ ذاتی معاملہ میں خرچ کرنا ۱۶۲
۸۴۹۸ مدرسہ کے فون سے تبلیغی خبر کرنا ۱۶۳

۸۴۹۹ مدرسے کی رقم بطور رشوت دینا ۱۶۴
۸۵۰۰ مدرسہ کی رقم سرکاری اسکیم شروع کرانے کے لئے بطور رشوت دینا ... ۱۶۶

❐	الفصل السادس: اشیائے مدرسہ کی منتقلی کے احکام	۱۶۸

۸۵۰۱ مدرسہ کی منتقلی سے متعلق چند سوالات کے جوابات ۱۶۸
۸۵۰۲ مدرسہ کی آمدنی اسکول میں لگانا ۱۷۰
۸۵۰۳ مسجدو مدرسہ کی مشترکہ رقم سے جنریٹر خریدنا ۱۷۱
۸۵۰۴ مسجدو مدرسہ کی رقم کوایک دوسرے پر صرف کرنا ۱۷۲
۸۵۰۵ مسجدو مدرسہ کا پانی ولائٹ خارج مسجد ومدرسہ کو دینا ۱۷۳
۸۵۰۶ ایک مدرسہ کا غلہ دوسرے مدرسہ میں دینے کا حکم ۱۷۴
۸۵۰۷ ایک مدرسہ کی رقم دوسرے مدرسہ میں لگانا ۱۷۵
۸۵۰۸ مدرسہ بنانے کے نام پر وصول شدہ رقم کو دوسرے مدرسہ میں دینا ۱۷۶
۸۵۰۹ ایک مدرسہ کی وقف شدہ اراضی کو دو مدرسوں پر تقسیم کرنا ۱۷۸
۸۵۱۰ مدرسہ کی رقم سے مدرسہ کی زمین میں مسجد تعمیر کرنا ۱۸۰

❐	الفصل السابع: في الإجارة	۱۸۱

۸۵۱۱ مدرسے کی زمین میں ضروریاتِ مدرسہ کے لئے دوکان تعمیر کرنا...... ۱۸۱
۸۵۱۲ مدرسہ کی رقم مسجد یا مسجد کی رقم مدرسہ کو بطور قرض دینا ۱۸۳
۸۵۱۳ مدرسہ کے تہہ خانہ میں آمدنی کی خاطر ’’کار پارکنگ‘‘ بنانا ۱۸۴
۸۵۱۴ مدرسہ میں ووٹ ڈالنے کی مشین لگانا ۱۸۵
۸۵۱۵ احاطۂ مدرسہ میں قربانی کرنے سے روکنا ۱۸۶
۸۵۱۶ مدرسہ کی عمارت اسکول کے لئے کرایہ پر دینا ۱۸۷

۸۵۱۷	مدرسہ میں بارات رکانا	۱۸۸
۸۵۱۸	مدارس عربیہ کی بالائی منزل پر جونیر کی تعلیم دینا	۱۹۰
۸۵۱۹	گرام سماج کی زمین پر مدرسہ کی رقم سے دوکان بنانا	۱۹۱
۸۵۲۰	مسجد کے لئے مدرسہ سے قرض لینا	۱۹۲
۸۵۲۱	مدارس کی رقم تجارت کے لئے دینا	۱۹۳

☐	**الفصل الثامن: في المشاهرة**	۱۹۵

۸۵۲۲	کیا مہتمم مدرسین کے مقابلہ میں دوگنی تنخواہ لے سکتے ہیں؟	۱۹۵
۸۵۲۳	موجودہ دور میں تنخواہ میں زیادتی کا مطالبہ کرنا	۱۹۶
۸۵۲۴	شرط فاسد لگا کر تنخواہ بڑھانا	۱۹۸
۸۵۲۵	سائنس سے انٹر پاس اور ہندی کے مدرس کو گورنمنٹ سے تنخواہ دلانا	۱۹۹
۸۵۲۶	مدرسہ کے ناظم کا مدرس کی تنخواہ نہ دینا	۲۰۰
۸۵۲۷	مقررہ تنخواہ سے کم دینے کا حکم	۲۰۲
۸۵۲۸	چندہ نہ کرنے کی صورت میں مدرس کو سابقہ تنخواہ نہ دینا	۲۰۳
۸۵۲۹	مقررہ وقت میں کام کرنے پر تنخواہ کا استحقاق اور کوتاہی پر برطرف کرنا	۲۰۵
۸۵۳۰	مدارس ومساجد کے ملازمین کا سرکاری تنخواہ لینا	۲۰۶
۸۵۳۱	پرائیویٹ فنڈ کا حکم	۲۰۷
۸۵۳۲	بلا اجازت مدرسے سے جانے والے کی تنخواہ کا حکم	۲۰۸
۸۵۳۳	مدرس کی تقرری کے بعد بلاعوض نگرانی پر مجبور کرنے کا حکم	۲۱۰
۸۵۳۴	حج کو جانے والے مدرس کے لئے رخصت بالوضع کا حکم	۲۱۲
۸۵۳۵	گورنمنٹ سے روپیہ لے کر مدرسین کو تنخواہ دینا	۲۱۳
۸۵۳۶	بمد تعمیر رقم کو تنخواہ میں استعمال کرنا	۲۱۴

۸۵۳۷	غیر حاضری کی تنخواہ کا حکم	۲۱۶
۸۵۳۸	مدرس کے ایام مرض کی تنخواہ و مجلسِ شوریٰ کی شرعی حیثیت	۲۱۷
۸۵۳۹	علالت کے زمانہ کی تنخواہ	۲۱۹
۸۵۴۰	بیماری کے ایام میں گھر پر رہتے ہوئے تنخواہ لینے کا حکم	۲۲۱
۸۵۴۱	اطلاعی نوٹس ۱۵/ یوم قبل نہ دینے کی صورت میں تنخواہ کاٹ لینے کا حکم .	۲۲۲
۸۵۴۲	نصفِ شعبان میں معزول کی وجہ سے رمضان کی تنخواہ کے استحقاق کا مسئلہ	۲۲۳
۸۵۴۳	پندرہ شعبان کو معزول مدرس رمضان کی تنخواہ کا مستحق کب؟	۲۲۴
۸۵۴۴	اضافی رقم کے حقدار ملازم ہیں نہ کہ مستعفی؟	۲۲۵
۸۵۴۵	مستعفی کی ایک ماہ کی تنخواہ ضبط کرنے کا حکم	۲۲۷
۸۵۴۶	جمعہ کے دن کی تعطیل کو رخصت میں شمار کرنا	۲۲۹
۸۵۴۷	غیر حاضری کے ایام کو حاضری کے ایام کا بدل قرار دے کر تنخواہ وصول کرنا.	۲۳۰
۸۵۴۸	غیر عالم کا حکومت سے عالم کی تنخواہ لینا	۲۳۲
۸۵۴۹	غیر حاضری کے دن کی دستخط کر کے تنخواہ وصول کرنا	۲۳۳
۸۵۵۰	مدرس و امام کے لئے ایام تعطیل کی تنخواہ لینے کا حکم	۲۳۴
۸۵۵۱	سرکار سے مدرسین کا غیر حاضری کے ایام کی تنخواہ لینا...............	۲۳۶
۸۵۵۲	ایامِ رخصت کی تنخواہ کا مسئلہ	۲۳۷
۸۵۵۳	تعطیل کلاں میں تنخواہ کا استحقاق کب؟	۲۳۸
۸۵۵۴	مدرسہ کے ملازم کا ایام تعطیل کی تنخواہ لینا......................	۲۴۰
۸۵۵۵	تعطیل کلاں میں تنخواہ کا استحقاق	۲۴۱
۸۵۵۶	مدارسِ اسلامیہ میں ایامِ تعطیل کی تنخواہوں کا حکم	۲۴۳
۸۵۵۷	مدرسے کی چھٹیوں میں پڑھانے کی اجرت اور تعطیل کلاں کی تنخواہ کا حکم ..	۲۴۴
۸۵۵۸	رمضان کی تنخواہ کا حکم	۲۴۶

۲۵/ کتاب البیوع

❑	۱/ باب البیع الصحیح	۲۴۸

۸۵۵۹ مالِ متقوم وغیر متقوم، بیع باطل اور فاسد کی تعریف ۲۴۸
۸۵۶۰ نیلامی کا حکم ۲۵۰
۸۵۶۱ امریکہ سے ٹیلی ویژن پر خرید وفروخت کا حکم ۲۵۰
۸۵۶۲ مسلمانوں کا غیر مسلموں سے خرید وفروخت کرنا ۲۵۲
۸۵۶۳ مشتری کا مبیع کو استعمال کرنے کے بعد فروخت کرنے کا حکم ۲۵۳
۸۵۶۴ کیا حرام مال میں تعدی پائی جاتی ہے؟ ۲۵۵
۸۵۶۵ زمین فروخت کرنے کے بعد رجسٹری نہ کرانا ۲۵۷
۸۵۶۶ خریدار کا بائع کی اولاد کو رجسٹری پر دستخط کرنے کے عوض کچھ دینے کا حکم .. ۲۵۹
۸۵۶۷ خریدار کا ادائے قیمت پر کمیشن کا مطالبہ ۲۶۰
۸۵۶۸ بیع میں کس جگہ کا اعتبار ہے؟ ۲۶۱
۸۵۶۹ مشترکہ طور پر سامان خریدنے کی صورت میں کس پر کتنی قیمت واجب ہے؟ ۲۶۲
۸۵۷۰ خریدار کا زمین خالی کرانے کے لئے چھپ کر فصل کاٹ لینا ۲۶۳
۸۵۷۱ فرضی بل کے ذریعہ سرکاری گرفت سے بچنا ۲۶۵
۸۵۷۲ حکومت کے قانون کے خلاف نیپال میں جا کر غلہ بیچنا.............. ۲۶۶
۸۵۷۳ وکیل کا فعل موکل کے فعل کے حکم میں ہوتا ہے.................. ۲۶۷
۸۵۷۴ فروختگی کا وکیل بنانا ۲۶۸
۸۵۷۵ بائع مبیع کی قیمت وکیل سے کم لے تو کیا حکم ہے؟ ۲۷۰
۸۵۷۶ مستحق نکل آنے والی زمین کا حکم ۲۷۱

۸۵۷۷	پریس والوں کا پوری قیمت وصول کر کے کچھ اشتہار کم دینا	۲۷۲
۸۵۷۸	سپلائر کارخانہ دار سے سامان خرید کر دوکاندار کو کم قیمت میں فروخت کرنا .	۲۷۳
۸۵۷۹	مبیع کو انعام کے ساتھ فروخت کرنا	۲۷۵
۸۵۸۰	اسکیم کے تحت پنکھے کی خرید وفروخت..................	۲۷۶
۸۵۸۱	عقد کے وقت ثمن میں جہالت نہ ہوتو عقد صحیح ہے؟	۲۷۷
۸۵۸۲	پیکنگ شدہ ڈبوں کو وزن کئے بغیر خرید وفروخت کرنا	۲۷۸
۸۵۸۳	بنجر زمین کو آباد کرنا........................	۲۸۰
۸۵۸۴	سرکاری افتادہ زمین کی خرید وفروخت کی شرعی حیثیت	۲۸۱
۸۵۸۵	کیا جلسہ کے موقع پر بالعوض کھانا کھانا بیع ہے؟	۲۸۸
۸۵۸۶	مکمل قیمت کی وصولیابی سے قبل بیوہ کا اپنی زمین میں نماز سے روکنا .	۲۸۹
۸۵۸۷	مشتری اول کا پوری رقم دینے سے قبل مشتری ثانی کو فروخت کرنا	۲۹۱
۸۵۸۸	جائیداد پر قبضہ کرنے سے پہلے مشتری کا بائع کو وکیل بالبیع بنانا	۲۹۲
۸۵۸۹	قبضہ سے پہلے زمین کی خرید وفروخت کا حکم	۲۹۳
۸۵۹۰	متعینہ بکنگ شدہ زمین کو منافع کے ساتھ فروخت کرنا	۲۹۴
۸۵۹۱	قبضہ سے قبل زمین کو فروخت کرنا	۲۹۶
۸۵۹۳	ادھار خریدی ہوئی زمین میں مالک کی اجازت سے کھیتی کرنے کا حکم .	۲۹۸
۸۵۹۴	خرید وفروخت کی ایک شکل کا حکم	۲۹۹
۸۵۹۵	خریدار پر دین مہر ادا کرنا لازم نہیں اور فروختگی کے بعد ورثاء کو حق اعتراض نہیں .	۳۰۱
۸۵۹۶	مکان کی فروختگی کی قیمت وصول ہونے کے بعد مالک کا کوئی حق باقی نہیں رہتا	۳۰۲
۸۵۹۷	والد کے مکان فروخت کرنے کے بعد اولاد کا دعویٰ معتبر نہیں	۳۰۳
۸۵۹۹	والدہ کا حالت صحت میں اپنی جائیداد بیچنا	۳۰۷
۸۶۰۰	بائع کا زمین پر قبضہ دینے کے بعد اس کے ورثاء کا بیچنے سے انکار کرنا .	۳۰۸

۸۶۰۱	کیا پھٹی بوریوں سے گرنے والی کھاد دوکان دار استعمال کرسکتا ہے؟	۳۰۹
۸۶۰۲	دوکان دار کا کم قیمت لینا	۳۱۰
۸۶۰۳	قصاب کا چرم قربانی بازاری بھاؤ سے کم قیمت پر خریدنا	۳۱۱
۸۶۰۴	زائد قیمت کے چاول کے ساتھ کم قیمت والے چاول بیچنا..........	۳۱۲
۸۶۰۵	کرایہ دار کے مکان خالی نہ کرنے پر اسی کے ہاتھ کم قیمت پر بیچنا	۳۱۳
۸۶۰۶	کتے کے جھوٹے آٹے کی بیع کا حکم..........................	۳۱۴
۸۶۰۷	اولاد نے والد کے ساتھ رہ کر جو کمائی کی وہ کس کی ملک ہے؟	۳۱۵
۸۶۰۸	دودھ کی بالائی مشین کے ذریعہ نکال کر فروخت کرنا	۳۱۶
۸۶۰۹	فوٹو فریم بنا کر فروخت کرنا	۳۱۷
۸۶۱۰	غیر مسلم کو قرآن شریف فروخت کرنے کا حکم	۳۱۸
۸۶۱۱	آیاتِ قرآنیہ والے کلینڈر غیر مسلم کو فروخت کرنے کا حکم............	۳۱۹
۸۶۱۲	سرکار کی طرف سے بینڈ شدہ کتاب کی فروختگی کا حکم	۳۲۰
۸۶۱۳	مسلم شخص کا غیر مذہبی فوٹو کی کتابیں فروخت کرنا..............	۳۲۱
۸۶۱۴	لہو ولعب کی چیزیں بنانے اور بیچنے کا حکم	۳۲۲
۸۶۱۵	مانجھے کی آمدنی کا حکم	۳۲۳
۸۶۱۶	پوجا پاٹ اور نذر ونیاز میں استعمال ہونے والی اشیاء کی خرید وفروخت کا حکم	۳۲۳
۸۶۱۷	پوجا میں استعمال ہونے والے پیتل کے چراغ بنانا	۳۲۵
۸۶۱۸	گھنٹی، ترشول، اوم، چراغ وغیرہ آرڈر پر بنانا	۳۲۶
۸۶۱۹	مانع حمل دواؤں کی خرید وفروخت کا حکم	۳۲۷
۸۶۲۰	زمین کی بقیہ قیمت کی ادائیگی موجودہ وقت کے اعتبار سے ہوگی یا خرید کے؟	۳۲۸
۸۶۲۱	پھل آنے سے قبل بور آنے کے بعد باغوں کی خرید وفروخت	۳۲۹
۸۶۲۲	باغات کی فروختگی میں جواز کی متبادل شکل	۳۳۰

۸۶۲۳	زمین مع باغ ٹھیکہ پر دینا	۳۳۲
۸۶۲۴	باغ مع زمین ایک سال یا کئی سال کے لئے فروخت کرنا	۳۳۲
۸۶۲۵	کیروسین کی خرید وفروخت	۳۳۳
۸۶۲۶	راشن دوکان سے غلہ خریدنا	۳۳۵
۸۶۲۷	دوسروں کے کنکشن سے گیس لے کر زیادہ قیمت میں فروخت کرنا	۳۳۶
۸۶۲۸	گیس کی کالا بازاری کی شرعی حیثیت	۳۳۷
۸۶۲۹	132 نمبر کا پلاٹ بیچ کر 131 نمبر کا پلاٹ دینا	۳۳۸
۸۶۳۰	گلوکوز کی خرید وفروخت کا حکم	۳۴۰
۸۶۳۱	چوری کا اڈا بنانے والے کو زمین فروخت کرنے کا حکم	۳۴۱
۸۶۳۲	ویزا کی خرید وفروخت	۳۴۱
۸۶۳۳	اخبار کی خریداری کی قیمت کو فیس قرار دینے کا حکم	۳۴۲
۸۶۳۴	ہوٹل والوں کا زیادہ قیمت میں کھانا فروخت کرنے کا حکم	۳۴۳
۸۶۳۵	قانوناً پابندی شدہ جنگلات سے لکڑیاں کاٹ کرلانا	۳۴۵
۸۶۳۶	سرکاری جنگلات کی لکڑیوں کی خرید وفروخت کا حکم	۳۴۶
۸۶۳۷	دریائی جانوروں کی بیع اور ان کے کھانے کا حکم	۳۴۷
۸۶۳۸	مردار کی ہڈی، دانت، سینگ، پٹھے کی خرید وفروخت کا حکم	۳۴۸
۸۶۳۹	مردار جانور کے کچے چمڑے اور ہڈی کی خرید وفروخت کا حکم	۳۴۹
۸۶۴۰	حلال جانوروں کے کون کون سے اعضاء کی تجارت جائز ہے؟	۳۵۱
۸۶۴۱	مرغ وغیرہ جانوروں کو زندہ فروخت کرنے کا حکم	۳۵۱
۸۶۴۲	زندہ جانور تول کر بیچنا	۳۵۲
۸۶۴۳	مذبوحہ جانوروں کے اعضائے تناسل اور خون کی بیع کا حکم	۳۵۳
۸۶۴۴	سمندری کیکڑے کی خرید وفروخت کا حکم	۳۵۴

٨٦٤٥ کتے کی بیع کی شرعی حیثیت ٣٥٦
٨٦٤٦ انسانی وحیوانی فضلات کی خرید وفروخت کا حکم ٣٥٧
٨٦٤٧ بریلوی مسلک کے لوگوں کو زمین فروخت کرنے کا حکم ٣٥٨

٣٦٠	٢/ باب الخیار	❐

٨٦٤٨ بیع کے تام ہونے کے بعد کسی ایک فریق کے بیع کو ختم کرنے کا حکم ... ٣٦٠
٨٦٤٩ عقد صحیح کے بعد واپسی پر مجبور کرنا ٣٦٢
٨٦٥٠ بیعانہ کی ادائے گی نہ کرنے پر کیا بیع کو ختم کیا جا سکتا ہے؟ ٣٦٣
٨٦٥١ مدت متعینہ پر ثمن کی ادائے گی نہ ہونے پر بائع کو خیار فسخ حاصل ہے . ٣٦٤
٨٦٥٢ مال میں نقص نکلنے پر کارخانہ دار پر ہرجانہ عائد کرنا ٣٦٦
٨٦٥٣ وقت پر قیمت ادا نہ کرنے کی وجہ سے معاملہ فسخ کرنا ٣٦٧
٨٦٥٤ بیع تام اور لازم ہونے کے بعد معاملہ منسوخ کرنے کا حکم ٣٦٩
٨٦٥٥ وعدہ کی خلاف ورزی پر سابقہ معاملہ ختم کردینے کا حکم ٣٧٠

٣٧٢	٣/ باب العربون	❐

٨٦٥٦ بیعِ عربون ٣٧٢
٨٦٥٧ بیعانہ دے کر خرید وفروخت کرنے کا حکم ٣٧٣
٨٦٥٨ کیا دھوکہ سے اپنے نام بیع نامہ کرانے سے ملکیت ثابت ہوجائے گی ٣٧٤
٨٦٥٩ کیا ''امداد الفتاوی'' میں بیعانہ ضبط کرنے کا مسئلہ ہے؟............ ٣٧٥
٨٦٦٠ زرِ بیعانہ کی واپسی کا حکم ٣٧٦
٨٦٦١ بیعانہ کی واپسی لازم ہے ٣٧٧
٨٦٦٢ بیعانہ کی رقم ضبط کرنے کا حکم ٣٧٨

۸۶۶۳	بیعانہ کی واپسی پر زائد رقم لینا	۳۷۹
۸۶۶۴	بیعانہ کے بعد معاملہ ختم کرنے کا حکم	۳۸۱
۸۶۶۵	جائیداد کا بیعانہ دوسرے کو دے کر سوتیلے بیٹے کو فروخت کرنا	۳۸۲
۸۶۶۶	بائع کا بیعانہ کی رقم جمع کرنا اور مشتری کا ڈبل رقم لینا	۳۸۳
۸۶۶۷	معاملہ ختم ہونے کی صورت میں بیعانہ کی رقم کا حکم	۳۸۵
۸۶۶۸	بیعانہ کی ڈبل رقم واپس کرنا	۳۸۶
۸۶۶۹	خریداری میں دی گئی رقم کی واپسی میں دوگنی رقم لینا	۳۸۷

❐	۴/ باب البیع الفاسد، والباطل، والمکروہ	۳۹۰

۸۶۷۰	شرطِ فاسد کے ساتھ خرید وفروخت کی شرعی حیثیت	۳۹۰
۸۶۷۱	شروط فاسدہ کے ساتھ بیع کا معاملہ	۳۹۰
۸۶۷۲	بیع میں شرطِ فاسد لگانے کا حکم	۳۹۲
۸۶۷۳	بیع واجارہ بیک وقت شئ واحد میں کرنے کا حکم	۳۹۴
۸۶۷۴	معدوم کی بیع کا حکم	۳۹۶
۸۶۷۵	''بیع منابذہ''	۳۹۸
۸۶۷۶	کمیٹی کا خریدار سے متعینہ رقم سے زیادہ کا مطالبہ کرنا	۳۹۹
۸۶۷۷	دوسرے کی زمین فروخت کرنے کا حکم	۴۰۲
۸۶۷۸	دوسرے کی دوکان اپنی بنا کر فروخت کرنے کا حکم	۴۰۳
۸۶۷۹	دوسرے کی چیز بلا اجازت فروخت کرنے کا حکم	۴۰۴
۸۶۸۰	لون کے رکشے فروخت کرنے کا حکم	۴۰۶
۸۶۸۱	سامان نہ ملنے پر ۴۵/سو کی جگہ چھ ہزار لینے کا حکم	۴۰۸
۸۶۸۲	۵۰۰/روپئے کا بل ۴۰۰/روپئے میں فروخت کرنا	۴۱۰

۸۶۸۳ پیمنٹ کی دوسونوے کی پرچی ۲۸۰؍ میں فروخت کرنا............... ۴۱۱
۸۶۸۴ ڈیڑھ روپئے فی اشتہار معاملہ طے کرنے کے بعد ایک روپئے میں چھپوانا . ۴۱۲
۸۶۸۵ دیوالی پر مسلمان کا آتش بازی کی اشیاء فروخت کرنا ۴۱۳
۸۶۸۶ گرین وے پشو پالن میں حصہ لینا.............................. ۴۱۴
۸۶۸۷ سودی رقم سے، جھوٹ بول کر یا کم تول کر تجارت کرنا ۴۱۶
۸۶۸۸ لاٹری کے پتے، تاش، لوڈو، کنچے، آتش بازی بیچنے کا حکم ۴۱۷
۸۶۸۹ غیر شرعی لباس کو سلنا اور فروخت کرنا کیسا ہے؟ ۴۱۸
۸۶۹۰ ہیروئن کی بیع وشراء.. ۴۱۹
۸۶۹۱ نشہ آور چیزوں کی خرید وفروخت کا حکم ۴۲۱
۸۶۹۲ شراب سے بنے ہوئے سرکہ کا استعمال وتجارت ۴۲۲
۸۶۹۳ اعضائے انسانی کی خرید وفروخت کا حکم ۴۲۴
۸۶۹۴ گوبر اور اس سے نکلے ہوئے دانے کی تجارت ۴۲۵
۸۶۹۵ مردار جانور کی ہڈی، کھال اور چربی فروخت کرنے کا حکم ۴۲۷
۸۶۹۶ میتہ بکریوں کی بیع اور اس کی آمدنی کا حکم ۴۲۸
۸۶۹۷ مردار جانوروں کے گوشت کی خرید وفروخت ۴۳۰
۸۶۹۸ جھٹکے کے بکرے کی آنت کی تجارت کا حکم ۴۳۱
۸۶۹۹ خون کی مصنوعات کی تجارت...................................... ۴۳۳
۸۷۰۰ خون کی بیع کا حکم ۴۳۴
۸۷۰۱ خون سے بنے مچھلیوں کے دانہ کی خرید وفروخت کا حکم ۴۳۷
۸۷۰۲ بیع سرطان کا حکم... ۴۳۹
۸۷۰۳ خنزیر کے بالوں کے ساتھ دوسرے جانور کے بالوں سے برش بنانا .. ۴۴۰
۸۷۰۴ فحش کتابیں اور خنزیر کی چربی سے بنے چپس فروخت کرنے کا حکم ۴۴۱

۸۷۰۵ ادھیا پر بکری دینا ۴۴۲
۸۷۰۶ چار من غلہ پر زمین کاشتکاری کے لئے دینا ۴۴۳
۸۷۰۷ زمین کی فروختگی کی ایک شکل ۴۴۴
۸۷۰۸ زمین کی فروختگی کی ایک ناجائز شکل ۴۴۶
۸۷۰۹ قسطوار زمین کی خرید وفروخت کرنے والی کمپنی کا ممبر بننا ۴۴۷
۸۷۱۰ زمین کو فروخت کرنے کی ایک ناجائز شکل ۴۵۰
۸۷۱۱ پتنگ بنانا اور فروخت کرنا کیسا ہے؟ ۴۵۲
۸۷۱۲ جانوروں کی تصاویر بنانا اور ان کا کاروبار کرنا ۴۵۳
۸۷۱۳ پیتل کے ہاتھی گھوڑے وغیرہ بنانا ۴۵۴
۸۷۱۴ پیتل وغیرہ کی مورتی بنانا کیسا ہے؟ ۴۵۵
۸۷۱۵ تانبا پیتل سے جانوروں کا مجسمہ بنانا ۴۵۶
۸۷۱۶ چوری کے سامان کی خرید وفروخت کا شرعی حکم ۴۵۸
۸۷۱۷ چوری کا مال خریدنا کیسا ہے؟ ۴۶۰
۸۷۱۸ مال مسروق کی بیع وشراء کا حکم ۴۶۱
۸۷۱۹ چوری کی لکڑی کی خرید وفروخت اور عددوں کو تیار کرنے پر مزدوری لینا ۴۶۳
۸۷۲۰ باغات کی خرید وفروخت ۴۶۵
۸۷۲۱ بدوصلاح سے قبل پھلوں کی خرید وفروخت ۴۶۷
۸۷۲۲ بہار انبہ کی فصل کی خرید وفروخت ۴۶۹
۸۷۲۳ باغ خریدنے کی جائز اور ناجائز شکلیں ۴۷۰
۸۷۲۴ پھل آنے سے قبل باغات کی خرید وفروخت ۴۷۱
۸۷۲۵ پھل آنے سے قبل باغ کے بیع وشراء کی جائز اور ناجائز صورت ۴۷۳
۸۷۲۶ پھل آنے سے پہلے ان کی بیع کا حکم ۴۷۵

۸۷۲۷ پھل آنے سے پہلے فروخت کئے گئے باغوں کے پھلوں کا حکم ۴۷۷
۸۷۲۸ پھلوں کی فروختگی میں پہلا عقد فاسد ہونے کے بعد دیگر عقود کا صحیح ہو جانا.. ۴۷۹
۸۷۲۹ ''بیع عرایا'' کی تفسیر میں ائمہ حدیث اور فقہاء کا اختلاف ۴۸۰
۸۷۳۰ ایسے باغات کی خریداری کا حکم جن کی زمین میں کاشت نہیں ہوتی ... ۴۸۱
۸۷۳۱ کئی سال کے لئے باغات کو ٹھیکہ پر لینا ۴۸۲
۸۷۳۲ باغ کی فصل فروخت کرنے کا حکم ۴۸۳
۸۷۳۳ پانچ کوئنٹل آم کے عوض باغ فروخت کرنے کا حکم ۴۸۴
۸۷۳۴ بیس کوئنٹل آم پر باغ فروخت کرنے کا حکم ۴۸۵
۸۷۳۵ ''احتکار'' کا مطلب ۴۸۶
۸۷۳۶ احتکار کی ممانعت کا مصداق ۴۸۷
۸۷۳۷ بغرضِ تجارت ذخیرہ اندوزی کرنا ۴۸۸
۸۷۳۸ غلہ کی ذخیرہ اندوزی کر کے فروخت کرنے کا حکم ۴۸۹
۸۷۳۹ اناج اسٹاک کر کے رکھنے کا حکم ۴۹۰
۸۷۴۰ زیادتی ثمن کے لئے پہلے خریدار سے معاملہ ختم کرنے کا حکم ۴۹۱
۸۷۴۱ سرکاری باغ سے لکڑی چوری کر کے مکتب میں فروخت کرنا ۴۹۳
۸۷۴۲ جانتے ہوئے چوری کا سامان خریدنا مکروہ ۴۹۴
۸۷۴۳ پتنگ اور پٹاخوں کی تجارت کا حکم ۴۹۵
۸۷۴۴ تصویر والے کپڑوں کی تجارت ۴۹۶
۸۷۴۵ مصور زیورات کی خرید فروخت کی شرعی حیثیت ۴۹۷
۸۷۴۶ خنزیر کے برش میں لگنے والے دیگر آلات کا آرڈر لینا ۴۹۸
۸۷۴۷ نجش فی البیع کا حکم ۴۹۹

❑	۵/ باب حط الثمن وزيادته نقدا ونسيئة	۵۰۱

۸۷۴۸ ادھار خرید وفروخت ۵۰۱
۸۷۴۹ ادھار خرید وفروخت کا حکم ۵۰۲
۸۷۵۰ فائنس کا حکم ۵۰۳
۸۷۵۱ ادھار پر مونجی کی فصل کسانوں سے خریدنے کا حکم ۵۰۴
۸۷۵۲ قسطوں پر سواری یا سامان کی خریداری ۵۰۵
۸۷۵۳ گڑ کی بھیلی بازار کی قیمت سے کم یا زیادہ قیمت پر بنانا ۵۰۶
۸۷۵۴ سوسائٹی سے کھاد خریدنے کا حکم ۵۰۹
۸۷۵۵ قیمت بڑھا کر ادھار فروخت کرنا ۵۰۹
۸۷۵۶ ادھار کی صورت میں مبیع کی قیمت بڑھانا ۵۱۰
۸۷۵۷ کیش لے کر کم قیمت پر سامان بعد میں دینا ۵۱۱
۸۷۵۸ قیمت بڑھا کر قسطوار ادھار بیچنا ۵۱۲
۸۷۵۹ ادھار ونقد کی صورت میں قیمت میں تفاوت کا حکم ۵۱۳
۸۷۶۰ نقد وادھار کی وجہ سے قیمت میں کمی زیادتی کرنا ۵۱۴
۸۷۶۱ نقد وادھار معاملہ میں قیمت میں کمی بیشی کرنا ۵۱۶
۸۷۶۲ نقد ۸۰/روپئے اور ایک ماہ کی ادھاری پر ۸۵/روپئے میں فروخت کرنا ۵۱۷
۸۷۶۳ نقد اور ادھار کی صورت میں قیمتوں کے فرق کا حکم ۵۱۸
۸۷۶۴ نقد اور ادھار کی قیمت میں فرق کرنا ۵۱۹
۸۷۶۵ ادھار معاملہ میں کمی وبیشی کا حکم ۵۲۰
۸۷۶۶ نقد میں کم اور ادھار میں زائد روپئے لینا ۵۲۱

□	٦/ باب المرابحة	۵۲۳

۸۷٦۷ شرعاً نفع لینے کی حد کیا ہے؟ ۵۲۳
۸۷٦۸ دوگنے نفع پر فروخت کرنے کا حکم ۵۲۴
۸۷٦۹ سلنڈر بلیک کرنا ۵۲۵
۸۷۷۰ لون پر رکشہ لینے کی جائز شکل ۵۲۷
۸۷۷۱ کمیشن پر کتاب لاکر پوری قیمت میں فروخت کرنا ۵۲۸
۸۷۷۲ ایک روپئے کی چیز سو روپئے میں فروخت کرنا ۵۲۹
۸۷۷۳ بیس ہزار کا مال ۲۴/ ہزار میں فروخت کرنے کا حکم ۵۳۰

□	۷/ بيع التلجئة	۵۳۲

۸۷۷۴ ''بیع تلجئہ'' کا مقصد ۵۳۲
۸۷۷۵ بیع تلجئہ ۵۳۳
۸۷۷٦ کسی کے نام سے خریدنے کا حکم ۵۳۵
۸۷۷۷ نام کردینے سے ملکیت کا حکم ۵۳۹
۸۷۷۸ محض نام کرنے سے ملکیت کا حکم ۵۴۱
۸۷۷۹ جائیداد نام کرنے سے ملکیت کا حکم ۵۴۳
۸۷۸۰ اولاد کے نام جائیداد خریدنے کا حکم ۵۴۵
۸۷۸۱ لڑکوں کے نام سے جائیداد خریدی تو وہ کس کی ملک ہوگی؟ ۵۴۹
۸۷۸۲ خوف کے سبب عارضی طور پر کسی کے نام جائیداد ۵۵۰
۸۷۸۳ غلطی سے دوسرے کے نام رجسٹری ہونے سے ملکیت کا حکم ۵۵۲
۸۷۸۴ مصلحتاً بڑے لڑکے کے نام بیع نامہ کرانے سے ملکیت کا حکم ۵۵۴

۸۷۸۵ انکم ٹیکس سے بچنے کی غرض سے کاروبار بیوی بچوں کے نام کرنے کا حکم ۵۵۵
۸۷۸۶ بیوی کے نام زمین کرانے سے ملکیت کا حکم ۵۶۰
۸۷۸۷ بیوی بچوں کے نام بیع نامہ کرانے سے ملکیت ثابت نہیں ہوتی ۵۶۱
۸۷۸۸ بیوی کے نام سے زمین خریدنا ۵۶۳
۸۷۸۹ بیوی کی دل جوئی کے لئے مکان اس کے نام سے خریدنے کا حکم ۵۶۴
۸۷۹۰ انکم ٹیکس سے بچنے کے لئے بیوی کے نام جائیداد کرنے کا حکم ۵۶۶
۸۷۹۱ بیوی کے نام مکان خریدنے سے کیا وہ مالک ہوجائے گی؟ ۵۶۷
۸۷۹۲ بیوی کے نام سے جائیداد خریدنے کا حکم ۵۶۹
۸۷۹۳ قانونی مصلحت کی بناپر بہن کے نام رجسٹری کرانے سے ملکیت کا حکم . ۵۷۰
۸۷۹۴ بڑے بھائی کے نام بیع نامہ ہونے کے باوجود دوسرا بھائی حق دار ۵۷۲

۸/ باب الصرف ۵۷۵

۸۷۹۵ سونے کی ادھار بیع کا حکم ۵۷۵
۸۷۹۶ سونے اور چاندی کے زیورات کی ادھار خرید وفروخت کا حکم ۵۷۶
۸۷۹۷ سونے چاندی کی ادھار بیع وشراء کی شرعی حیثیت ۵۷۷
۸۷۹۸ قسطوں پر سونے چاندی کی خرید وفروخت کا حکم ۵۷۷
۸۷۹۹ سونے کو سونے کے عوض چاندی کو چاندی کے عوض کمی بیشی کے ساتھ فروخت کرنا ۵۷۸
۸۸۰۰ ۲۰/ ہزار کے زیورات ۲۴/ ہزار میں فروخت کرنے کا حکم ۵۸۰
۸۸۰۱ ریال کا تبادلہ اس سے کم مالیت کے سکوں سے کرنے کا حکم ۵۸۱
۸۸۰۲ دوملکوں کی کرنسیوں کے کمی بیشی کے ساتھ تبادلہ کا حکم ۵۸۲
۸۸۰۳ دوسو روپئے کے نوٹوں کے ہار کو تین سو روپئے میں بیچنا ۵۸۳
۸۸۰۴ بوسیدہ نوٹ کم قیمت میں فروخت کرنے کا حکم ۵۸۴

٨٨٠٥ ٩٥/روپئے ریزگاری کا سوروپئے سے تبادلہ کرنا ٥٨٥

٩ / باب السلم ٥٨٧

٨٨٠٦ بیع سلم کی تعریف اور شرائط ٥٨٧
٨٨٠٧ پیشگی رقم لے کر مبیع بعد میں دینا ٥٨٨
٨٨٠٨ پیشگی رقم لے کر مبیع کو فروخت کرنے کی چار شکلوں کا حکم ٥٨٩
٨٨٠٩ مال کے لئے آرڈر دے کر نہ لینے کا حکم ٥٩١
٨٨١٠ تاریخ اور کھیت متعین کئے بغیر فصل سے پہلے گیہوں خریدنا ٥٩٣
٨٨١١ فصل کاٹنے سے پہلے کاشتکار کو روپئے دینے کا حکم ٥٩٤
٨٨١٢ فصل کی کٹائی سے پہلے سو روپئے کوئنٹل گیہوں خریدنا ٥٩٥
٨٨١٣ بیع سلم میں مسلم فیہ کی مقدار کا متعین نہ ہونے کا حکم ٥٩٦
٨٨١٤ بیع سلم کی ایک صورت ٥٩٦
٨٨١٥ بیع سلم کی ایک جائز صورت ٥٩٧
٨٨١٦ بیع سلم کا مشہور معاملہ ٥٩٨
٨٨١٧ قیمت کی ادائے گی کے چھ ماہ بعد مال وصول کرنا ٥٩٩
٨٨١٨ دھان پر پیسہ دینا ٦٠١
٨٨١٩ بیع سلم میں روپئے کے عوض دھان لینے کی شرط کا حکم ٦٠٢
٨٨٢٠ قرض کی رقم کے عوض میں دھان لینا ٦٠٣
٨٨٢١ بیع سلم میں روپئے کے عوض دھان لینے کی شرط ٦٠٥
٨٨٢٢ ادھار معاملہ میں قیمت میں زیادتی اور بیع سلم سے متعلق ایک سوال .. ٦٠٥
٨٨٢٣ باغات کی فصل فروخت کرنے کی ایک شکل ٦٠٧

❐	۱۰/ باب الاستصناع	۶۰۹

۸۸۲۴ بیع استصناع ۶۰۹
۸۸۲۵ عقدِ استصناع کا مدار عرف وتعاملِ ناس پر ہے یا نصوص پر؟ ۶۱۳
۸۸۲۶ عقدِ استصناع اجارہ ہے یا بیع؟ ۶۱۵
۸۸۲۷ کئی واسطوں سے معاملہ استصناع ۶۱۶
۸۸۲۸ باہر کے بایرسے آرڈر لینے والے ایکسپورٹر کو صانع کہا جائے یا مستصنع؟ ۶۱۷
۸۸۲۹ غیر منقول اشیاء میں استصناع کا معاملہ ۶۱۸
۸۸۳۰ گاڑی وغیرہ بڑی چیزوں میں استصناع کا معاملہ ۶۱۹
۸۸۳۱ عقدِ استصناع کی شکل میں مکان، فلیٹ وغیرہ کا معاملہ ۶۲۰
۸۸۳۲ (صانع) کاریگر کو اجیر کب قرار دیا جائے؟ ۶۲۱
۸۸۳۳ ایک ماہ سے زیادہ مدت ہو تو کیا معاملہ استصناع سلم میں تبدیل ہو جاتا ہے؟ ۶۲۲
۸۸۳۴ عقدِ استصناع اجارہ کب ہوگا؟ ۶۲۴
۸۸۳۵ مدت متعینہ میں مال تیار نہ کرنے سے آرڈر کینسل کرنے کا حق ۶۲۵
۸۸۳۶ استصناع میں مال صانع کا ہو تو وہ بائع ہو جائے گا ۶۲۶
۸۸۳۷ مال کے لئے انکار پر پیشگی رقم کا ضبط کرنا ۶۲۷
۸۸۳۸ داخلی لوگوں نے مال کی تیاری میں تاخیر کردی، جس سے باہر کے خریدار نے آرڈر کینسل کردیا، تو نقصان کی تلافی کون کرے؟ ۶۲۸
لوکل اور بین الاقوامی مارکیٹ میں عقدِ استصناع کے مسائل ۶۳۰
معاملۂ استصناع کے جواز کا مدار تعاملِ ناس پر ۶۳۰
عقدِ استصناع اور عقد سلم کا فرق ۶۳۲
عقدِ استصناع بیع ہے یا وعدۂ بیع؟ ------------------------------ ۶۳۳

پہلے خریدار کا دوسرے خریدار کو دوسرے خریدار کا تیسرے خریدار کو
فروخت کرنے کا معاملہ ۶۳۵
چھوٹی منقول اشیاء کی طرح بڑی چیزوں میں استصناع کا معاملہ ۶۳۷
غیر منقول عقار میں استصناع کا معاملہ ۶۳۸
عقدِ استصناع میں بیعانہ ضبط کرنے کا حکم ۶۳۹
ضروری وضاحت ۶۴۲
معاملۂ استصناع اجارہ کب بن سکتا ہے؟ ۶۴۳
طے شدہ شرائط اور نمونہ کی خلاف ورزی پر نقصان کا بھگتان کس پر؟ .. ۶۴۵
استصناع کی شکل ۶۴۵
اجارہ کی شکل ۶۴۶
معاملۂ استصناع کو منسوخ کرنے کی شکلیں ۶۴۸
امام ابو یوسفؒ کے قول کی ترجیح ۶۵۱
عقدِ استصناع میں مدت کی تعیین کا مسئلہ ۶۵۳
عقدِ استصناع میں طے شدہ مدت سے تاخیر کے نقصان کا عوض ۶۵۵
مقالہ کا خلاصہ اور جوابات کا حاصل ۶۵۶

❑	۱۱ / باب بیع الوفاء	۶۶۱

۸۸۳۹ بیع الوفاء ۶۶۱
۸۸۴۰ بیع الوفاء کا حکم ۶۶۲
۸۸۴۱ ’’بیع الوفاء‘‘ کا جواز ۶۶۵
۸۸۴۲ کیا ہندوستان میں عقودِ فاسدہ جائز ہیں؟ ۶۶۷
۸۸۴۳ قرض کی واپسی تک زمین کو فروخت کرنے کا حکم ۶۶۹

۸۸۴۴ رہن یا کرایہ پر رکھی ہوئی زمین سے فائدہ اٹھانے کی مختلف شکلیں ... ۶۷۱
بیع الوفاء کی شرعی حیثیت ۶۷۵
بیع الوفاء کے اسماء ۶۷۵
بیع الوفاء کی حقیقت ۶۷۸
بیع الوفاء کا جواز ۶۷۹
معتدل اور مناسب حکم ۶۸۲
بیع الوفاء کے بارے میں مفصل بحث اور فقہاء کی آراء ۶۸۳
بیع صحیح کے قائلین ۶۸۴
بیع فاسد کے قائلین ۶۸۶
بیع صحیح یا بیع فاسد کے قائلین ۶۸۷
رہن کے حکم کے قائلین ۶۸۹
بیع المکرہ کے حکم کے قائلین ۶۹۳
بیع اور رہن سے مرکب کے قائلین ۶۹۵
بیع صحیح اور بیع فاسد اور رہن تینوں سے مرکب کے قائلین ۶۹۶
مبیع کو کرایہ پر دینے کا حکم ۶۹۸
بیع الوفاء میں مبیع کی آمدنی کا حق دار کون؟ ۷۰۱
بیع الوفاء میں مبیع کے نقصان کی تلافی ۷۰۱
بیع الوفاء میں ثمن کی زکوٰۃ کون ادا کرے؟ ۷۰۳
بائع اور مشتری کا اختلاف ۷۰۴

❐	۱۲/ باب الشفعة	۷۰۷

۸۸۴۵ اپنے پڑوس کو بتائے بغیر زمین فروخت کرنے کا حکم ۷۰۷

۸۸۴۶ مکان میں شریک شفعہ کا مستحق ہے یا قبرستان؟ ۷۰۸
۸۸۴۷ شریک فی حق المبیع کو شفعہ میں حق تقدم حاصل ہے ۷۰۹
۸۸۴۸ دس ماہ کے بعد حق شفعہ کا دعویٰ کرنا ۷۱۰
۸۸۴۹ ایک سال بعد حق شفعہ کا دعویٰ کرنا ۷۱۱

۱۳ / باب المزارعة	۷۱۳

۸۸۵۰ پندرہ کیلو تیل پر کھیتی کاشت کے لئے دینا ۷۱۳
۸۸۵۱ مزارعت میں مخصوص مقدار کی شرط لگانے کا حکم ۷۱۵
۸۸۵۲ ایک کا کھیت اور دوسرے کی محنت و بیج ہونے کی صورت کا حکم ۷۱۶
۸۸۵۳ مزارعت میں خاص مقدار میں غلہ متعین کرنا ۷۱۷
۸۸۵۴ پیسوں کے عوض میں زمین کو کرایہ پر دینا ۷۱۸
۸۸۵۵ متعین غلہ کے عوض میں زمین کرایہ پر دینا ۷۱۹
۸۸۵۶ غیر کی ملکیت میں لگایا گیا پودا کس کا ہوگا؟ ۷۲۰

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۲۴/ بقیة کتاب الوقف

۹/ باب المدارس

الفصل الأول: في المدارس

کیامدرسوں میں دین پڑھایا جاتا ہے سکھایا نہیں جاتا؟

سوال [۸۴۰۹]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں:
(۱) ایک شخص نے یہ کہا ہے کہ مدارس میں دین پڑھایا جاتا ہے، دین سکھایا نہیں جاتا اور دوسرے شخص نے بھی یہی کہا ہے کہ میں دیانت داری سے کہتا ہوں کہ مدرسوں میں دین نہیں سکھایا جاتا پڑھایا جاتا ہے، مدرسوں میں دین پڑھایا جاتا ہے۔ کیا ان صاحب کی یہ بات صحیح ہے؟
(۲) حدیث شریف: ''**خیر کم من تعلم القرآن وعلمه**'' کا مصداق کیا مدارس نہیں ہیں؟ اگر مدرسہ والے یہ کہیں کہ اس حدیث کے مصداق ہم ہیں، تو یہ بات درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: عقیل الرحمٰن نہٹور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) شخص مذکور کا یہ جملہ کہ مدارس میں دین پڑھایا جاتا ہے سکھایا نہیں جاتا ناواقفیت پر مبنی ہے؛ کیوں کہ مدارسِ اسلامیہ میں تعلیم کے ساتھ ساتھ تربیت کا بھی انتظام ہوتا ہے۔
(۲) اس حدیث شریف کا صحیح مصداق مدارسِ اسلامیہ ہی ہیں، جن میں قرآن کریم کی تعلیم

فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّيْنِ

فتاویٰ قاسمیہ

منتخب فتاویٰ

حضرت مولانا مفتی شبیر احمد القاسمی

خادم الافتاء و الحدیث جامعہ قاسمیہ

مدرسہ شاہی مرادآباد، الہند

(جلد ۲۲)

المجلد الثانی والعشرون

الغصب، الرهن، الصيد، الذبائح بتمام انواعها

الاضحية بتمام انواعها، العقيقة، الحقوق باكثر

ابوابها إلى باب حقوق الاقارب

۹۷۳۶ ——— ۱۰۲۴۵

ناشر

مکتبہ اشرفیہ، دیوبند، الہند

01336-223082

مکمل اجمالی فہرست ایک نظر میں

	رقم المسأله		عنوانات
المجلد الأول	١	١٧٢	مقدمة التحقيق، الإيمان والعقائد إلى باب ما يتعلق بالارواح.
المجلد الثاني	١٧٣	٥٥٧	بقية الإيمان والعقائد من باب الحشر إلى باب ما يتعلق بأهل الكتاب، التاريخ والسير، البدعات والرسوم.
المجلد الثالث	٥٥٨	١٠٠٥	بقية البدعات والرسوم من باب رسومات جنائز إلى رسومات نكاح، كتاب العلم إلي باب ما يتعلق بالكتابة.
المجلد الرابع	١٠٠٦	١٤١٥	بقية كتاب العلم من كتابة القرآن إلي باب الوعظ والنصيحة، الدعوة والتبليغ، السلوک والاحسان، الأدعية والأذكار.
المجلد الخامس	١٤١٦	١٩٣٥	الطهارة بتمام أبوابها، الصلوة من أوقات الصلوة إلى صفة الصلوة.
المجلد السادس	١٩٣٦	٢٤٥٧	الجماعة، المساجد، الإمامة.
المجلد السابع	٢٤٥٨	٢٩٦٤	بقية الصلوة من تسوية الصفوف إلي سجود التلاوة.
المجلد الثامن	٢٩٦٥	٣٤٢٣	بقية الصلوة من الذكر والدعاء بعد الصلوة، الوتر، ادراک الفريضة، السنن والنوافل، التراويح، صلوة المسافر.

المجلد التاسع	٣٤٢٤	٣٨٩٣	بقية الصلوة، صلوة المريض، الجمعة، العيدين، الجنائز إلي حمل الجنازة.
المجلد العاشر	٣٨٩٤	٤٤٠٤	بقية الجنائز من صلوة الجنائز إلي باب الشهيد، كتاب الزكوة.
المجلد الحادي عشر	٤٤٠٥	٤٨٧٣	بقية الزكوة، كتاب الصدقات، الصوم، بتمام أبوابها إلي صدقة الفطر.
المجلد الثاني عشر	٤٨٧٤	٥٣٤٨	كتاب الحج بتمام أبوابها، النكاح إلى باب نكاح المكره.
المجلد الثالث عشر	٥٣٤٩	٥٩٤٣	بقية النكاح إلي باب المهر.
المجلد الرابع عشر	٥٩٤٤	٦٤٦٢	الرضاع، الطلاق إلي باب الكناية.
المجلد الخامس عشر	٦٤٦٣	٦٩٠٢	بقية الطلاق، الرجعة، البائن، الطلاق بالكتابة، الطلاق الثلاث، الشهادة في الطلاق، الحلالة.
المجلد السادس عشر	٦٩٠٣	٧٤٠٢	بقية الطلاق، تعليق الطلاق، التفويض، الفسخ والتفريق، الظِهار، الإيلاء، الخلع، الطلاق على المال، العدة، النفقة، ثبوت النسب، الحضانة.
المجلد السابع عشر	٧٤٠٣	٧٨٦٧	الأيمان والنذور، الحدود، الجهاد، اللقطة، الامارة والسياسة، القضاء، الوقف إلي باب المساجد.
المجلد الثامن عشر	٧٨٦٨	٨٤٠٨	بقية الوقف من الفصل الثالث، المسجد القديم إلي مصلى العيد، والمقبرة. (قبرستان)

المجلد التاسع عشر	٨٤٠٩	٨٨٥٦	بقية الوقف، باب المدارس، كتاب البيوع، البيع الصحيح، الفاسد، المرابحة، الصرف، السلم، الوفاء، الشفعة، المزارعة.
المجلد العشرون	٨٨٥٧	٩٣٥٠	الشركة، المضاربة، الربوا بتمام أنواعها.
المجلد الحادي والعشرون	٩٣٥١	٩٧٣٥	الديون، الوديعة، الأمانة، الضمان، الهبة، الإجارة.
المجلد الثاني والعشرون	٩٧٣٦	١٠٢٤٥	الغصب، الرهن، الصيد، الذبائح بتمام أنواعها، الأضحية بتمام أنواعها، العقيقة، الحقوق، بأكثر أبوابها إلي باب حقوق الأقارب.
المجلد الثالث والعشرون	١٠٢٤٦	١٠٧٠٥	بقية الحقوق، الرؤيا، الطب والرقىٰ بتمام أنواعها، كتاب الحظر والإباحة إلي باب السابع، ما يتعلق باللحية.
المجلد الرابع والعشرون	١٠٧٠٦	١١٢٠٥	بقية الحظر والإباحة، باب الأكل والشرب، الانتفاع بالحيوانات، الخمر، الدخان، الهدايا، الموالاة مع الكفار، المال الحرام، الأدب، اللهو، استعمال الذهب والفضة، كسب الحلال، الغناء، التصاوير.
المجلد الخامس والعشرون	١١٢٠٦	١١٦٠٠	الوصية، الفرائض بتمام أبوابها.
المجلد السادس والعشرون	١	١١٦٠٠	فهارس المسائل

فہرست عناوین

مسئلہ نمبر	۳۲ کتاب الغصب	صفحہ

۹۷۳۶	کاغذ میں ناحق اندراج کرانے کی شرعی حیثیت	۳۲
۹۷۳۷	بڑے بھائی نے چھوٹے بھائی کے مکان کو اپنے نام کرالیا	۳۳
۹۷۳۸	دعا تعویذ کرا کے دو بھائی کی زمین پر قبضہ کرنے کا حکم	۳۴
۹۷۳۹	بھانجے کی جائیداد پر ماموں کا ناحق قبضہ	۳۵
۹۷۴۰	دوسرے کی زمین ہڑپنے کا حکم	۳۷
۹۷۴۱	دوسروں کی زمین پر ناحق قبضہ کا حکم	۳۸
۹۷۴۲	بیوی سے زبردستی اس کا زیور لینا	۳۹
۹۷۴۳	سالے کی چیز اس کی اجازت کے بغیر لینا.....................	۳۹
۹۷۴۴	بھائی کی اجازت کے بغیر اس کا حصہ فروخت کرنا................	۴۰
۹۷۴۵	مشترکہ زمین پر کسی ایک شریک کے تنہا قبضہ کرنے کا حکم	۴۱
۹۷۴۶	کرایہ دار کا مطالبہ کے باوجود دوکان خالی نہ کرنا اور نفع کا حکم	۴۳
۹۷۴۷	کرایہ دار کا مکان خالی نہ کرنا ظلم اور گناہ ہے	۴۸
۹۷۴۸	چوری کی بجلی کرایہ پر لینا........................	۴۹
۹۷۴۹	سرکاری زمین میں مکان تعمیر کرنا	۵۰
۹۷۵۰	کسی شخص کی مقبوضہ سرکاری زمین کو خفیہ طور پر اپنے نام کرانے کا حکم	۵۲
۹۷۵۱	سرکار کی طرف سے بھائی کو دی گئی زمین پر بہن کا قبضہ	۵۳
۹۷۵۲	جنگلات کی لکڑیاں سرکاری اجازت کے بغیر استعمال کرنا	۵۴
۹۷۵۳	انجانے میں دوسرے کی زمین میں لگائے گئے درخت کا حکم	۵۵
۹۷۵۴	غاصب کے مال سے اپنے حصہ کی مقدار وصول کرنا	۵۶

۹۷۵۵	دوسرے کی زمین پر مکان تعمیر کرلیا تو اب کیا کرے؟	۵۷
۹۷۵۶	ایک شخص نے دوسرے کی زمین زبردستی جوت لی تو کیا کرے؟	۵۸
۹۷۵۷	دوسرے کی مملوکہ زمین پر عرس کے لیے مزار تعمیر کرنا	۶۰
۹۷۵۸	غیر کی آراضی میں اس کی اجازت کے بغیر قبریں بنانا اور مردے دفن کرنا	۶۱
۹۷۵۹	تعزیہ رکھنے کے لیے کسی کا گھر چھیننا	۶۲
۹۷۶۰	ناجائز طریقہ سے حاصل شدہ زمین سے انتفاع اور صدقہ وخیرات کرنا	۶۳
	۳۳ کتاب الرهن	**۶۵**
۹۷۶۱	زمین کو رہن پر رکھنا	۶۵
۹۷۶۲	والد کے رہن میں رکھے ہوئے مکان کو لڑکا چھڑالے تو کیا حکم ہے؟	۶۶
۹۷۶۳	رہن بالدرک باطل کیوں؟ جبکہ کفالت بالدرک باطل نہیں؟	۶۷
۹۷۶۴	شئ مرہون کے چھڑانے میں لگی رقم سے زائد رقم وصول کرنا	۶۹
۹۷۶۵	شئ مرہونہ کے حفاظت کی اجرت	۷۰
۹۷۶۶	مرتہن کے پاس شئ مرہون ضائع ہوجائے تو کیا حکم ہے؟	۷۱
	دارالعلوم دیوبند کا جواب	۷۱
۹۷۶۷	جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد کا جواب	۷۲
۹۷۶۸	شئ مرہون کی ہلاکت کے ضمان میں کس وقت کی قیمت کا اعتبار ہوگا؟	۷۴
۹۷۶۹	مرتہن مرہونہ سونے کو فروخت کردے تو کس قیمت سے واپس کریگا	۷۷
۹۷۷۰	گروی رکھی زمین سے نفع اٹھانا	۷۹
۹۷۷۱	ارض مرہونہ سے فائدہ اٹھانے کی شرط	۸۰
۹۷۷۲	مرہون زمین میں راہن ومرتہن کا غلہ پیدا کرنا	۸۱
۹۷۷۳	مرتہن کا شئ مرہون سے فائدہ اٹھانا	۸۲
۹۷۷۴	مسلم فنڈ کا تین مہینے زیور رکھنے کے عوض رقم وصول کرنا	۸۳

۹۷۷۵	ارض مرہونہ سے استفادہ کی متبادل شکل	۸۴
۹۷۷۶	زمین سے فائدہ اٹھانے کی شرط پر قرض لینا	۸۵
۹۷۷۷	ارض مرہونہ سے فائدہ اٹھانا	۸۶
۹۷۷۸	ارض مرہونہ سے فائدہ اٹھانے کا حیلہ	۸۷
۹۷۷۹	ارض مرہونہ سے فائدہ اٹھانے کی شکل	۸۹
۹۷۸۰	شئ مرہون سے نفع اٹھانے کا عدم جواز	۹۰
۹۷۸۱]	گروی رکھے ہوئے مکان کو چھڑانے کے بعد کون مالک ہوگا؟	۹۱

٣٤ كتاب الصيد ۹۳

۹۷۸۲	شکار کا مسنون طریقہ	۹۳
۹۷۸۳	بندوق کے شکار کا شرعی حکم	۹۴
۹۷۸۴	چھری پھینکنے سے ٹڈی کی حلت اور نیچے پھینکنے سے مچھلی کی حلت کا حکم	۹۵
۹۷۸۵	غیر مسلم کے گولی مارنے کے بعد مسلم کا شرعی طریقہ سے ذبح کرنا ..	۹۶
۹۷۸۶	دوا کے ذریعہ مچھلی پکڑنا یا کچی مچھلی کھانا کیسا ہے؟	۹۷
۹۷۸۷	جھینگر، چھوٹی مچھلی وغیرہ لگا کر بڑی مچھلی کا شکار کرنا........................	۹۸
۹۷۸۸	جالی پھندا لگا کر جانور اور گھیسا سے مچھلی کے شکار کا حکم	۹۹
۹۷۸۹	زندہ جانور کو کانٹے میں پھنسا کر مچھلی کا شکار کرنا	۱۰۰
۹۷۹۰	سیلاب سے آئی ہوئی مچھلیوں کو پکڑنا	۱۰۱
۹۷۹۱	زندہ مینڈک، چوہیہ، کانٹے میں پھنسا کر مچھلی کا شکار کرنا	۱۰۲
۹۷۹۲	نیل گائے کا شکار کرتے وقت دماغ پھاڑ ڈالنا	۱۰۳
۹۷۹۳	گھر کی حفاظت کے لیے کتا پالنا	۱۰۴
۹۷۹۴	جانی مالی حفاظت کی غرض سے کتا پالنا	۱۰۵
۹۷۹۵	شکاری کتے کا ہرن کو مار ڈالنا	۱۰۶

۹۷۹۶ مسلمان کے لیے خنزیر کے شکار کی صورت میں قیمت لینے کا حکم ۱۰۷

۹۷۹۷ ایذا پہنچانے والی چیونٹیوں کو مارنا ۱۰۹

۹۷۹۸ شوقیہ کتا پالنا کیسا ہے؟ ۱۱۰

۳۵ کتاب الذبائح

(۱) باب شرائط الذبح و سننه و آدابه ۱۱۲

۹۷۹۹ ذبح کرنے کا مسنون طریقہ ۱۱۲

۹۸۰۰ بسم اللہ پڑھ کر ذبح کرنا ۱۱۳

۹۸۰۱ کیا بوقت ذبح بسم اللہ واللہ اکبر کہنا مکروہ ہے؟.............. ۱۱۴

۹۸۰۲ بسم اللہ کے علاوہ اللہ کے اسماء حسنیٰ اور حمد وثنا کے ذریعہ ذبح کرنا.... ۱۱۶

۹۸۰۳ قربانی اور عقیقہ کے مشترک جانور میں دعاؤں کی ترتیب کیا ہو؟ ۱۱۶

۹۸۰۴ بڑے جانور کو بیٹھے بیٹھے ہی قربان کردینے کا حکم ۱۱۷

۹۸۰۵ قربانی کے جانور کی تین ٹانگیں باندھ کر گرانا.............. ۱۱۸

۹۸۰۶ اونٹ کو لٹا کر ذبح کرنے کے بجائے نحر کرنا ۱۱۹

۹۸۰۷ اونٹ کی گردن تین جگہ سے کاٹنا ممنوع.............. ۱۲۰

۹۸۰۸ ذبح میں کتنی نسوں کا کٹ جانا لازم ہے؟ ۱۲۱

۹۸۰۹ دو آدمیوں نے ذبح کیا تین نسوں میں سے ایک یا دو بغیر بسم اللہ کے کاٹیں . ۱۲۲

۹۸۱۰ حلقوم اور مری کٹ جانا اور دونوں شہ رگوں میں سے اکثر کا کٹ جانا لازم.... ۱۲۴

۹۸۱۱ گردن کے اوپر سے مذبوحہ جانور کا شرعی حکم ۱۲۴

۹۸۱۲ بوقت ذبح غیر مسلم کا جانوروں کو پکڑنا ۱۲۵

۹۸۱۳ میتہ کس کو کہتے ہیں؟ ۱۲۶

۹۸۱۴ ٹڈی اور مچھلی بغیر ذبح کے حلال ہیں یا حرام؟ ۱۲۶

۹۸۱۴ مذبوحہ جانور کو الٹا لٹکانا ۱۲۷

۹۸۱۶ مذبوحہ جانور کو ٹھنڈا ہونے تک چھوڑے رکھنا ۱۲۸
۹۸۱۷ گابھن گائے ذبح کرنا ۱۲۹
۹۸۱۸ ذبح شدہ گائے کے پیٹ سے بچہ نکلے تو کیا کریں؟ ۱۳۰
۹۸۱۹ مسلم شرابی کا ذبیحہ حلال ہے یا نہیں؟ ۱۳۰
۹۸۲۰ شیعوں کے ہاتھ کا ذبیحہ حلال ہے یا حرام؟ ۱۳۱
۹۸۲۱ بیمار گائے کا گوشت کھانا ۱۳۲
۹۸۲۲ مرغی کو بلی کے منھ سے چھڑا کر فوراً ذبح کرنا ۱۳۳
۹۸۲۳ کنویں میں افتادہ بھینس کا ذبح ۱۳۴
۹۸۲۴ مرغ کے پر چھڑانے کے لیے گرم پانی میں ڈالنا ۱۳۵
۹۸۲۵ بجلی کرنٹ کا شاٹ لگا کر ذبح کرنا ۱۳۵
۹۸۲۶ مشینی ذبح ۱۳۷
۹۸۲۷ چار پانچ مرغیوں پر ایک ساتھ صرف ایک مرتبہ چھری پھیرنا ۱۳۸
مشینی ذبح کا شرعی حکم ۱۳۹
ذبح کی حقیقت ۱۴۰
ذبح کے اقسام وشرائط ۱۴۰
(۱) ذبح اختیاری ۱۴۰
اختیاری ذبح کے شرائط ۱۴۱
(۲) ذبح اضطراری ۱۴۳
ذبح اضطراری کے اقسام ۱۴۳
مشینی ذبیحہ ۱۴۵
مسائل ذبح اور شرعی اصول ۱۴۸
درمیان میں شئ بے اختیاری کا واسطہ ۱۴۹
قانونی مجبوری ۱۵۰

	مشین سے صرف مرغ ذبح ہوتا ہے	۱۵۰
	حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب دامت برکاتہم کا فتویٰ	۱۵۱
	حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب کا رجوع	۱۵۲
	(۲) باب ما أهل لغير الله	۱۵۴
۹۸۲۸	سائبہ کا گوشت مسلمانوں کے لیے کب حلال ہے؟	۱۵۴
۹۸۲۹	مندروں اور مزاروں پر چھوڑے جانے والے جانوروں کا حکم	۱۵۵
۹۸۳۰	بزرگوں کے نام پر چھوڑے ہوئے بکرے کو ذبح کرنا	۱۵۶
۹۸۳۱	مہمان نوازی کے طور پر جانور ذبح کرنا....................	۱۵۷
۹۸۳۲	صدقہ کی بکری میں کفار کا طریقہ اختیار کرنے کا حکم	۱۵۸
۹۸۳۳	کاروبار میں برکت کے لیے بکرا ذبح کرنا........................	۱۵۹
۹۸۳۴	بیماری کے لیے بکرا ذبح کرنا....................................	۱۶۰
۹۸۳۵	بیماری کا بکرا	۱۶۱
۹۸۳۶	مکان کی تعمیر پر بکرا ذبح کرنا	۱۶۳
۹۸۳۷	پیر یا دیوتا کے نام پر نیاز دیئے گئے جانور کا گوشت کھانا..............	۱۶۴
۹۸۳۸	غیر اللہ کے نام پر ذبح شدہ مذبوحہ کا کھانا	۱۶۴
۹۸۳۹	اللہ کے نام پر منت یا صدقہ کا جانور ذبح کرنا	۱۶۵
	۳۶ كتاب الاضحية	
	(۱) باب : قربانی کے مسنون اعمال	۱۶۷
۹۸۴۰	قربانی کرنے والے کا بال و ناخن وغیرہ نہ کٹوانا فقیر کے لیے یہ حکم نہ ہونا ...	۱۶۷
۹۸۴۱	قربانی کے دن کس کی قربانی سے گوشت کھانا افضل؟..................	۱۶۸
۹۸۴۲	کیا عورت کا بھی اپنے ہاتھ سے قربانی کرنا افضل ہے؟	۱۶۹

٩٨٤٣ قربانی کرنے والے کے ہر بال یا قربانی کے جانور کے ہر بال کے برابر ثواب ملے گا؟ ١٧٠

(٢) باب في أيام الأضحية و وقتها و قضائها ١٧١

٩٨٤٤ قربانی کے ایام تین ہیں یا چار؟ ١٧١

٩٨٤٥ قربانی تین ہی دن کیوں کی جاتی ہے؟ ١٧٢

٩٨٤٦ یوم النحر وایام التشریق کی وضاحت ١٧٢

٩٨٤٧ کیا دسویں ذی الحجہ سے قبل قربانی ہوسکتی ہے؟ ١٧٣

٩٨٤٨ دس ذی الحجہ کی مغرب کے بعد قربانی کرنا ١٧٤

٩٨٤٩ پہلے دن کسی عذر کی بنا پر نماز عید الاضحیٰ نہ پڑھی گئی ہو تو قربانی کب کریں؟ ... ١٧٦

٩٨٥٠ قربانی کرنے کا وقت ١٧٧

٩٨٥١ نماز عید سے پہلے قربانی کرنے کا حکم ١٧٨

٩٨٥٢ نمازِ عید سے قبل قربانی کرنے سے وجوب ساقط نہیں ہوگا ١٧٩

٩٨٥٣ نماز عید سے قبل قربانی اور اس کی قضا کا طریقہ ١٨٠

٩٨٥٤ پندرہ سو کی آبادی والے گاؤں میں نمازِ عید سے قبل قربانی کرنے کا حکم ١٨١

٩٨٥٥ قصبہ کے باشندوں کا نماز عید سے پہلے گاؤں کے قریب جا کر قربانی کرنے کا حکم ١٨٢

٩٨٥٦ قصبات میں نمازِ عید سے قبل قربانی ١٨٣

٩٨٥٧ بڑے گاؤں میں نماز عید سے پہلے قربانی کرنے کا حکم ١٨٤

٩٨٥٨ ہندوستان میں رہنے والے کا سعودیہ میں قربانی کرانا ١٨٦

٩٨٥٩ سعودیہ میں رہنے والے کی قربانی ہندوستان میں ٩/ ذی الحجہ کو کرنا ١٨٧

٩٨٦٠ سعودیہ کی دس ذی الحجہ کو ہندوستان میں رہنے والے کی قربانی درست نہیں ١٨٩

٩٨٦١ سعودیہ کے رہنے والے کی قربانی ہندوستان میں ١٢/ ذی الحجہ کو...... ١٩٠

٩٨٦٢ قربانی میں مقام ذبح کا اعتبار ہے یا مقام مالک کا؟ ١٩٢

۹۸۶۳	قربانی کرنے میں مکان اضحیہ کا اعتبار ہے یا مکان مضحی کا؟	۱۹۵
۹۸۶۴	قربانی میں کس جگہ کا اعتبار ہے مقام ذبح یا مقام مالک؟	۱۹۹
۹۸۶۵	مقام مرسل اور مقام اضحیہ دونوں جگہ سبب وجوب ضروری ہے	۲۰۱
۹۸۶۶	”قربانی میں مقام ذبح کا اعتبار ہے یا مقام مالک کا“ سے متعلق چند فتاوی...	۲۰۳
	دارالعلوم دیوبند کا جواب	۲۰۴
	دارالافتاء مدرسہ شاہی مرادآباد کا جواب	۲۰۵
۹۸۶۷	قربانی میں مکانِ ذبح کا اعتبار ہے یا مکان مالک کا؟ مفصل فتویٰ ..	۲۰۸
۹۸۶۸	دارالعلوم کراچی پاکستان کا فتویٰ	۲۰۹
	فتویٰ منجانب دارالافتاء جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد	۲۱۳
	فتویٰ منجانب دارالافتاء جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد	۲۱۷
۹۸۶۹	قربانی میں کس جگہ کا اعتبار ہے؟	۲۱۷
	دارالعلوم دیوبند کا فتویٰ	۲۱۸
	فتویٰ مدرسہ شاہی	۲۱۹
۹۸۷۰	کیا تاریخ کے اختلاف کے باوجود وکیل قربانی کرسکتا ہے؟	۲۲۱
	قربانی کا سبب نفس وجوب وقت ہے یا نصاب؟	۲۲۲
	ذبح کے قربت بننے اور قربت باقی رہنے اور درست ہونے میں کس کے مقام کا اعتبار ہے؟	۲۲۴
	ایک غلط فہمی کا ازالہ	۲۲۶
	شہری اور دیہاتی کے حق میں قربانی کا وقتِ ادا کب شروع ہوتا ہے؟ ...	۲۲۷
	اور شہر اور دیہات میں قربانی کا وقتِ ادا کب شروع ہوتا ہے؟	۲۲۷
	قربانی کے وقت ادا شروع وختم ہونے میں کس کے مقام کا اعتبار ہے؟	۲۲۸
	مضبوط دلیل کا جائزہ	۲۲۹

	لمحۂ فکریہ	۲۳۳
	ایک اور غلط فہمی یا مغالطہ	۲۳۳
	قربانی کا جواز مفاسد پر مشتمل ہے	۲۳۴
	دفع شبہات	۲۳۵
	عدم قائل بالفصل	۲۳۷
	خلاصہ بحث	۲۳۷
	تصدیق: مفتی حبیب الرحمٰن خیر آبادی مفتی دار العلوم دیو بند	۲۳۸
	دار الافتاء مدرسہ شاہی مراد آباد کا جواب	۲۴۰
۹۸۷۱	جس کی طرف سے قربانی کی جائے اس کا نام لینا ضروری نہیں	۲۴۲
۹۸۷۲	قربانی کی قضا میں بڑے جانور کا حصہ صدقہ کرنے کا حکم	۲۴۳
۹۸۷۳	کتابچہ ''مسائل قربانی'' کے ایک مغالطہ کا حل	۲۴۴
۹۸۷۴	قصاب کے گھر جانور مرنے سے قربانی ادا نہ ہوگی	۲۴۵
۹۸۸۵	وکیل قربانی کرنا بھول گیا	۲۴۶
۹۸۷۶	غفلت کی بناء پر قربانی نہیں کی تو کیا حکم ہے؟	۲۴۸
۹۸۷۷	قربانی وعقیقہ کا جانور اگر ضائع ہو جائے تو کیا حکم ہے؟	۲۴۸
۹۸۷۸	ایام اضحیہ کے بعد گم شدہ جانور مل جانے پر اسی کا تصدق لازم	۲۴۹
۹۸۷۹	جانور گم ہو جانے پر دوسرے کی قربانی کر دی پھر گم شدہ مل گیا تو کیا کرے؟ ..	۲۵۰
۹۸۸۰	تیسرے دن قربانی نہ کر سکا تو قیمت کا تصدق لازم	۲۵۲
۹۸۸۱	بعد تصدق گم شدہ جانور ایام قربانی کے بعد مل گیا	۲۵۳
۹۸۸۲	بڑے جانور کے حصہ کے ذریعہ قربانی کی قضاء کرنے کا حکم	۲۵۴
۹۸۸۳	ایام قربانی گذر جانیکے بعد بڑے جانور کے ساتویں حصہ کی قیمت کا صدقہ ...	۲۵۵
۹۸۸۴	قربانی کے حصہ کی قیمت مدرسہ میں دینا	۲۵۶

	(۳) باب من يجب عليه الأضحية ومن لا يجب	۲۵۷
۹۸۸۵	قربانی کس پرواجب ہے؟	۲۵۷
۹۸۸۶	قربانی واجب نہ ہونے کے باوجو قربانی کرنے کا حکم	۲۵۸
۹۸۸۷	قربانی کے وجوب کی شرط	۲۵۸
۹۸۸۸	صاحب نصاب پر ہر سال قربانی کا لزوم اورسات کی تحدید کا حکم ...	۲۵۹
۹۸۸۹	جائیداد کی پیداوار بقدر نصاب ہو تو قربانی واجب ہے یا نہیں؟	۲۶۰
۹۸۹۰	کیا چھ ہزار کی مالیت رکھنے والے شخص پر قربانی واجب ہے؟	۲۶۱
۹۸۹۱	بےنمازی کی قربانی کا حکم	۲۶۲
۹۸۹۲	داڑھی کٹانے والے کی قربانی صحیح ہے یا نہیں؟	۲۶۳
۹۸۹۳	غریب پر کس جانور کی قربانی لازم ہے؟	۲۶۴
۹۸۹۴	کیا آٹو رکشہ کرایہ پر لگانے والے پر قربانی واجب ہے؟	۲۶۵
۹۸۹۵	ذمہ دارانِ مدرسہ کا مدرسہ سے قرض لے کر قربانی کرنا............	۲۶۶
۹۸۹۶	جس کا عقیقہ نہ ہوا ہو اس کی طرف سے قربانی کرنا	۲۶۷
۹۸۹۷	جس نے عقیقہ نہ کیا ہو، کیا وہ قربانی میں حصہ لے سکتا ہے؟	۲۶۸
۹۸۹۸	قربانی میں دی ہوئی رقم بچ جائے یا گھٹ جائے تو کیا کریں؟	۲۶۸
۹۸۹۹	صاحب نصاب اپنی طرف سے قربانی کرے یا والدین کی طرف سے؟ ...	۲۷۰
۹۹۰۰	شوہر کے صاحب نصاب ہونے کی وجہ سے بیوی پر قربانی وغیرہ کا حکم	۲۷۱
۹۹۰۱	شوہر کا اپنی طرف سے قربانی نہ کر کے بیوی کی طرف سے کرنے حکم	۲۷۲
۹۹۰۲	صاحب نصاب کا اپنی طرف سے قربانی نہ کر کے میت کی طرف سے قربانی کرنا	۲۷۳
۹۹۰۳	مرحوم والد کی طرف سے کی گئی قربانی سے واجبی قربانی ساقط	۲۷۴
۹۹۰۴	دوسرے کی طرف سے قربانی کرنے سے اپنا واجب ساقط نہ ہوگا...	۲۷۶

۹۹۰۵ کیا صاحب نصاب پر ہر سال قربانی واجب ہے؟ ۲۷۶
۹۹۰۶ جس پر قربانی واجب ہے اس کا دوسرے کی طرف سے قربانی کرنا .. ۲۷۷
۹۹۰۷ غریب کے قربانی کی نیت سے خریدے ہوئے جانور کا حکم ۲۷۸
۹۹۰۸ فقیر کا پورے جانور کی قربانی کی نیت کرنا ۲۷۹
۹۹۰۹ میت کی طرف سے واجبی قربانی کرنے میں کسی اور کو شریک کرنے کا حکم ... ۲۸۰
۹۹۱۰ بالغ اولاد کی طرف سے قربانی کرنا ۲۸۱
۹۹۱۱ کیا مالدار کی غریب لڑکی پر قربانی واجب ہے؟ ۲۸۲
۹۹۱۲ شوہر کے صاحب نصاب ہونے کی وجہ سے بیوی پر قربانی کے وجوب کا حکم .. ۲۸۲
۹۹۱۳ مشترکہ خاندان کے بالغ غیر مستطیع کی قربانی کس پر واجب؟ ۲۸۳
۹۹۱۴ باپ بیٹے کا مال مشترک ہو تو قربانی کس پر؟................... ۲۸۴
۹۹۱۵ بیٹے باپ کے ساتھ کاروبار میں شریک ہوں تو بیٹوں پر قربانی واجب ہے یا نہیں؟.................................. ۲۸۵
۹۹۱۶ صاحب نصاب پر قربانی نہ کرنے کی وجہ سے کیا واجب ہے؟ ۲۸۶
۹۹۱۷ غیر موجود شخص کی طرف سے قربانی کرنا...................... ۲۸۷
۹۹۱۸ غلطی سے زید نے بکر کا جانور قربانی میں ذبح کردیا ۲۸۷
۹۹۱۹ ناقص مکان اور وطن کا مکان حاجت اصلیہ میں داخل ہے یا نہیں؟ ... ۲۸۹
ایک ضروری وضاحت ۲۹۰
پہلا مسئلہ.................................. ۲۹۱
دوسرا مسئلہ ۲۹۴
ذاتی مکان کا ہونا انسان کی بنیادی ضرورت ہے ۲۹۶
کیا کرایہ کے مکان سے سکونت کی ضرورت پوری ہو جاتی ہے؟.... ۲۹۹
ایک شبہ کا ازالہ.............................. ۳۰۲
خلاصہ بحث................................. ۳۰۴
تنبیہ ۳۰۴

۹۹۲۰ صاحب نصاب ہونے کے لیے کیا کاشت کی زمین کا اعتبار ہے؟ .. ۳۰۷

(۴) باب التضحية عن الغير ۳۰۹

۹۹۲۱ زندہ اور مردہ دونوں کی طرف سے قربانی کا جواز ۳۰۹

۹۹۲۲ ”وقد صح أن رسول الله ﷺ ضحى بكبشين أحدهما عن نفسه“ حدیث کا مطلب ۳۱۰

۹۹۲۳ حضور پاک ﷺ کی طرف سے قربانی............ ۳۱۱

۹۹۲۴ مردے کی طرف سے قربانی کرنا ۳۱۲

۹۹۲۵ میت کی طرف سے قربانی کا حکم ۳۱۲

۹۹۲۶ ایک حصہ چار مرحومین اور امت محمدیہ کی طرف سے کرنا............ ۳۱۴

۹۹۲۷ ایک حصہ قربانی متعدد اموات کی طرف سے کرنا ۳۱۵

۹۹۲۸ نفلی قربانی کر کے سب کو ثواب پہنچانا ۳۱۶

۹۹۲۹ بڑے جانور میں تین لوگوں کا مل کر ایک حصہ میت کی طرف سے قربانی کرنیکا حکم ۳۱۷

۹۹۳۰ چند آدمیوں کا ایک دنبہ حضور ﷺ کی طرف سے قربانی کرنا............ ۳۱۸

۹۹۳۱ ایک قربانی پوری امت محمدیہ کی طرف سے کرنے کا حکم............ ۳۱۸

(۵) باب الشركة في الأضحية ۳۲۱

۹۹۳۲ اجتماعی قربانی............ ۳۲۱

۹۹۳۳ اجتماعی قربانی میں نیت کا حکم............ ۳۲۲

۹۹۳۴ بڑے جانور میں عین قربانی کے وقت شریک ہونا ۳۲۳

۹۹۳۵ دو، تین یا چار افراد ایک بڑے جانور میں برابر شریک ہو سکتے ہیں؟ .. ۳۲۳

۹۹۳۶ بڑے جانور میں صرف پانچ یا دو آدمیوں کا قربانی کرنا............ ۳۲۴

۹۹۳۷	ایک جانور کے چھ شرکاء کا ساتویں حصہ میں برابر کا شریک ہونا ؟ ...	۳۲۵
۹۹۳۸	قربانی کے جانور میں آٹھ لوگوں کا شرکت کرنا	۳۲۷
۹۹۳۹	سات سوافراد کی طرف سے لاعلی التعیین سو بڑے جانور کی قربانی ..	۳۲۸
۹۹۴۰	پانچ بڑے جانوروں میں ۳۵ر لوگوں کا حضور ﷺ کی طرف سے قربانی کرنے کا حکم	۳۲۹
۹۹۴۱	سوآدمیوں کی طرف سے لاعلی التعیین سو بکرے قربان کردینا	۳۳۱
۹۹۴۲	نائی کی شرکت کے ساتھ دوسرے شرکاء کی قربانی بلا کراہت درست ...	۳۳۲
۹۹۴۳	سات شرکاء میں سے ایک کا پیسہ سود یا صدقہ کا ہے	۳۳۳
۹۹۴۴	بینک کے ملازم کو قربانی میں شریک کرنے کا حکم	۳۳۴
۹۹۴۵	مالداروں کے ساتھ فقیروں کی قربانی	۳۳۶
۹۹۴۶	سات شرکاء میں سے کسی کی نیت گوشت خوری کی ہو تو کیا حکم ہے؟ .	۳۳۷
۹۹۴۷	گوشت خوری کی نیت تھی مگر ذبح سے قبل قربانی کی نیت کرلی	۳۳۸
۹۹۴۸	مختلف جہات کی نیت ایک جانور میں کرنے کا حکم	۳۳۹
۹۹۴۹	بڑے جانور کی قربانی میں مختلف جہات کا حکم	۳۴۰
۹۹۵۰	ایک شخص نے بڑے جانور میں واجب، نفلی قربانی، عقیقہ کی نیت کی ہو تو ؟...	۳۴۱
۹۹۵۱	شخص واحد کا بڑے جانور میں جہات متعددہ کی نیت کرنا	۳۴۲
۹۹۵۲	بڑے جانور میں شخص واحد کی طرف سے متعدد جہات قربت کی نیت	۳۴۴
۹۹۵۳	بڑے جانور میں ایک نے واجب، دو نے نذر، ایک نے مرحوم اور ایک نے نفلی قربانی کی نیت کی تو؟	۳۴۹
۹۹۵۴	واجب قربانی میں نفلی قربانی کی نیت کرنا	۳۵۰
۹۹۵۵	بڑے جانور میں قربانی کرنے والوں کے ساتھ عقیقہ کرنے والے کی شرکت کا حکم	۳۵۱

۹۹۵۶ قربانی کے جانور میں عقیقہ کا حصہ لینا ۳۵۲
۹۹۵۷ قربانی کے جانور میں عقیقہ کرنے کا حکم ۳۵۳
۹۹۵۸ قربانی کے جانور میں عقیقہ کا حصہ لینا ۳۵۴
۹۹۵۹ قربانی کے جانور میں ولیمہ کا حصہ لینا ۳۵۵
۹۹۶۰ ایک بڑے جانور میں قربانی ،صدقہ، نذر وغیرہ کی نیت کرنا ۳۵۶
۹۹۶۱ غریب شریک کا درمیان سے نکل جانے کا حکم ۳۵۷
۹۹۶۲ فقیر نے قربانی کا بکرا خریدنے کے بعد فروخت کردیا اور بڑے جانور میں حصہ لے لیا ۳۵۸
۹۹۶۳ سات شرکاء میں سے دو فقیر ہیں اور جانور گم ہو کر ملا ہی نہیں تو کیا کریں؟ ... ۳۵۹
۹۹۶۴ بڑے جانور میں غیر مسلم کی شرکت ۳۶۰
۹۹۶۵ مابقیہ رقم غرباء کو دینے کا وکیل بنانا ۳۶۱

(۶) باب: قربانی کے جانور اور ان کی عمروں کا بیان ۳۶۳

۹۹۶۶ بھینس کی قربانی جائز ہے یا نہیں؟ ۳۶۳
۹۹۶۷ گائے کی قربانی کا شرعی حکم ۳۶۴
۹۹۶۸ خصی کی قربانی ۳۶۵
۹۹۶۹ خصی بکرے کی قربانی ۳۶۶
۹۹۷۰ ایک بکرا ایک فرد کی طرف سے اور گائے بھینس، اونٹ سات کی طرف سے . ۳۶۷
۹۹۷۱ ایک بڑے جانور کو ایک آدمی تنہا اپنی طرف سے قربان کردے تو؟.. ۳۶۸
۹۹۷۲ بڑے جانور میں سات، اور چھوٹے میں ایک کا حکم زندہ اور مردہ دونوں کیلئے ... ۳۶۹
۹۹۷۳ ۷/۸ ماہ کے فربہ بکرے کی قربانی درست ہے یا نہیں؟ ....
۹۹۷۴ کیا تیرہویں ذی الحجہ کو پیدا ہونے والے بکرے کی آئندہ سال قربانی درست ہے؟ ۳۷۱

۹۹۷۵ بغیر دانتے ایک سالہ بکرے کی قربانی ۳۷۲
۹۹۷۶ کیا ایک موٹھ سے بڑی سینگ کا جانور دوسال کا ہے؟ ۳۷۳
۹۹۷۷ بڑے جانور کی عمر کتنی ہو؟ ۳۷۳
۹۹۷۸ بڑے جانور کی عمر دوسال ہونا ضروری ہے یا چار دانت ۳۷۴
۹۹۷۹ اُونا جانور کی قربانی ۳۷۶
۹۹۸۰ فقیر نے بنیت قربانی ایک سال سے کم عمر کا بکرا خریدلیا ۳۷۷
۹۹۸۱ قربانی کی نیت سے پالے گئے جانور کی ہی قربانی واجب ہے یا دوسرے کی بھی؟ ۳۷۸
۹۹۸۲ قربانی کی نیت سے پالے ہوئے جانور کی قربانی کا حکم ۳۷۹
۹۹۸۳ کیا بنیت قربانی خریدنے سے جانور متعین ہو جاتا ہے؟ ۳۸۰
۹۹۸۴ متعینہ جانور دوسرے کے نام سے ذبح کرنا ۳۸۱
۹۹۸۵ دودھ دوہنے اور قربانی کی نیت سے خریدے گئے جانور کا حکم ۳۸۲
۹۹۸۶ قربانی کی نیت سے خریدے گئے بکرے کو عقیقہ کے لیے رکھنے کا حکم .. ۲۸۴
۹۹۸۷ فقیر کا ایامِ نحر سے قبل خرید کردہ جانور کو بدلنا ۳۸۴
۹۹۸۸ ایام نحر میں فقیر کا خریدے ہوئے جانور کو بدلنا ۳۸۸
۹۹۸۹ قربانی کے ارادے سے خریدے گئے جانور کی جگہ دوسرے جانور کی قربانی کرنا ۳۸۹
۹۹۹۰ عیدگاہ میں قربانی کرنا ۳۹۰
۹۹۹۱ قربانی کے جانور پر کفن رکھ کر ذبح کرنا ۳۹۱
۹۹۹۲ ناجائز اور حرام رقم سے قربانی کرنا ۳۹۲
۹۹۹۳ شیعوں سے قربانی کا جانور خریدنا ۳۹۲

۹۹۹۴ قربانی کے جانور کو ذریعۂ آمدنی بنانا ۳۹۳

(۷) باب ما یکون عیبا فی الأضحیة...... ۳۹۶

۹۹۹۵ کون سا عیب مانع قربانی ہے؟ ۳۹۶
۹۹۹۶ کیا ادھیا پر دی ہوئی بکری کے بچوں کی قربانی درست ہے؟ ۳۹۷
۹۹۹۷ بٹائی پر دی ہوئی بکری کے بچہ کی قربانی ۳۹۸
۹۹۹۸ ادھیا پر پالنے والے کا مالک کے بکری کی قربانی کرنے کا حکم ۳۹۹
۹۹۹۹ ادھیا پر دیئے ہوئے جانور کے بچوں کی قربانی کا حکم ۴۰۰
۱۰۰۰۰ ادھیا پر دی ہوئی بکری سے پیدا شدہ بچہ کی قربانی ۴۰۲
۱۰۰۰۱ مخنث اور خنثیٰ بکرے کی قربانی ۴۰۳
۱۰۰۰۲ خنثیٰ جانور کی قربانی کیوں ممنوع؟ ۴۰۴
۱۰۰۰۳ باؤلے جانور کی قربانی ۴۰۵
۱۰۰۰۴ بانجھ جانور کی قربانی ۴۰۶
۱۰۰۰۵ بانڈھے جانور کی قربانی ۴۰۷
۱۰۰۰۶ دواءً شراب پلائے گئے جانور کی قربانی ۴۰۸
۱۰۰۰۷ بازاری ٹیکس کی رسید کٹائے بغیر خریدشدہ جانور کی قربانی کا حکم ۴۰۹
۱۰۰۰۸ دودھ پیتے بچہ والی گائے کی قربانی ۴۱۰
۱۰۰۰۹ گابھن جانور کی قربانی یا عقیقہ کرنا ۴۱۰
۱۰۰۱۰ چوروں سے خریدے ہوئے جانور کی قربانی ۴۱۲
۱۰۰۱۱ چوری کا چارہ کھانے والے جانور کی قربانی ۴۱۴
۱۰۰۱۲ امریکن اور جرسی گائے کی قربانی ۴۱۵
۱۰۰۱۳ دوسرے کے کھیت سے چرنے والے جانوروں کی قربانی ۴۱۶
۱۰۰۱۴ عورت کا دودھ پینے والے بکرے کی قربانی ۴۱۶

۱۰۰۱۵	قربانی کا بکرا تبدیل کرنا	۴۱۷
۱۰۰۱۶	سڑکوں پر پھرنے والے سانڈ کی قربانی	۴۱۸
۱۰۰۱۷	ناک میں ناتھ والے جانور کی قربانی	۴۱۹
۱۰۰۱۸	عنین جانور کی قربانی کا حکم	۴۲۰
۱۰۰۱۹	بیمار جانور کی قربانی کا حکم	۴۲۲
۱۰۰۲۰	بیمار جانور کی قربانی	۴۲۳
۱۰۰۲۱	ہتھیلی سے بڑے زخم والے جانور کی قربانی	۴۲۳
۱۰۰۲۲	جس بکرے کا نیچے کا ہونٹ چھوٹا ہو اس کی قربانی کا حکم	۴۲۵
۱۰۰۲۳	جو جانور ایک آنکھ سے نہیں دیکھتا اس کی قربانی	۴۲۵
۱۰۰۲۴	جس جانور کی ثلث سے زیادہ بینائی چلی گئی اس کی قربانی	۴۲۶
۱۰۰۲۵	کان کٹے جانور کی قربانی	۴۲۸
۱۰۰۲۶	جس جانور کے دانت نہیں اس کی قربانی	۴۲۹
۱۰۰۲۷	دم کٹے جانور کی قربانی	۴۳۰
۱۰۰۲۸	مذبح تک جاسکنے والے مریض بکرے کی قربانی	۴۳۱
۱۰۰۲۹	تین پیروں سے چلنے والے جانور کی قربانی	۴۳۲
۱۰۰۳۰	بدکنے والے جانور کی ٹانگ کاٹ دی کیا اس کی قربانی درست ہے؟	۴۳۳
۱۰۰۳۱	اسکوٹر سے ٹکر کھا کر جانور کی ایک ٹانگ ٹوٹ گئی تو کیا کریں؟	۴۳۴
۱۰۰۳۲	جانور قربانی کے لیے گراتے وقت ٹانگ ٹوٹ کر عیب دار ہو گیا	۴۳۵
۱۰۰۳۳	جس جانور کو کتے نے کاٹ لیا ہو اس کی قربانی	۴۳۷
۱۰۰۳۴	جس جانور کے کولہے گراتے وقت اتر گئے اس کی قربانی	۴۳۷
۱۰۰۳۵	ایک خصیہ والے بکرے کی قربانی کا حکم	۴۳۸
۱۰۰۳۶	جس جانور کا خصیہ پیدائشی طور پر نہ ہو اس کی قربانی	۴۳۹

۱۰۰۳۷ جس بکرے کا عضوتناسل ایک دوانچ پیچھے ہو اس کی قربانی کا حکم ... ۴۴۰
۱۰۰۳۸ جس جانور کے پیدائشی طور پر سینگ نہ ہو اس کی قربانی ۴۴۱
۱۰۰۳۹ سینگ ٹوٹے جانور کی قربانی ۴۴۲
۱۰۰۴۰ خول اترے ہوئے جانور کی قربانی کا حکم ۴۴۳
۱۰۰۴۱ جس جانور کے سینگ کیمیکل کی بناپر اندر ہی رہ گئے ہوں اس کی قربانی ... ۴۴۴
۱۰۰۴۲ سینگ نیچے لٹکے ہوئے اور ہلنے والے جانور کی قربانی ۴۴۵
۱۰۰۴۳ قدرتی طور پر ایک تھن والی بکری کی قربانی ۴۴۵
۱۰۰۴۴ گائے یا بھینس کے چار تھنوں میں سے دو نہ ہوں تو اس کی قربانی ... ۴۴۶
۱۰۰۴۵ دو تھن والی گائے کی قربانی ۴۴۷
۱۰۰۴۶ دو تھن والی بھینس کی قربانی ۴۴۸
۱۰۰۴۷ تین تھن والے جانور کی قربانی ۴۴۹
۱۰۰۴۸ گائے یا بھینس کے دو تھنوں سے دودھ نہیں نکلتا تو اس کی قربانی ۴۵۰
۱۰۰۴۹ ایک تھن سوکھے ہوئے بکری کی قربانی ۴۵۰

(۸) باب فی مصرف جلد الأضحیة ۴۵۲

۱۰۰۵۰ چرم قربانی ۴۵۲
۱۰۰۵۱ چرم قربانی کا مصرف ۴۵۴
۱۰۰۵۲ چرم قربانی کہاں دیں؟ ۴۵۵
۱۰۰۵۳ چرم قربانی کا مصرف اور تملیک کا طریقہ ۴۵۶
۱۰۰۵۴ چرم قربانی کی رقم کہاں کہاں دی جاسکتی ہے؟ ۴۵۷
۱۰۰۵۵ کھال کا معاملہ قصاب کے حوالہ کرنا ۴۵۸
۱۰۰۵۶ شریک قصاب کا شرکاء سے اجرت لینا کیسا ہے؟ ۴۵۹
۱۰۰۵۷ قربانی کا جانور ذبح ہونے سے قبل کھال کی رسید کاٹ لینا ۴۶۱

۱۰۰۵۸	قربانی کی کھال گم ہو جائے تو کیا حکم ہے؟	۴۶۱
۱۰۰۵۹	قربانی کی کھال گم ہونے کی صورت میں کیا کریں؟	۴۶۲
۱۰۰۶۰	قربانی کی کھال کو بعینہٖ اپنے استعمال میں لانا یا مالدار کو دینا	۴۶۳
۱۰۰۶۱	چرم قربانی یا اس کی رقم کے استعمال کا حکم	۴۶۴
۱۰۰۶۲	قربانی کی کھال سے چھلنی، مشک یا ڈول بنانا	۴۶۵
۱۰۰۶۳	گوشت لے جانے والوں کا ہڈی کو فروخت کرنے کا حکم	۴۶۶
۱۰۰۶۴	ڈاکٹر کا فی کھال پاسنگ کے نام سے ۲۵ روپئے لینا	۴۶۷
۱۰۰۶۵	میونسپلٹی والوں نے چرم قربانی جبراً لے لی تو کیا حکم ہے؟	۴۶۸
۱۰۰۶۶	چرم قربانی کا پیسہ قبرستان کی چہار دیواری میں لگانا	۴۶۹
۱۰۰۶۷	قصاب کو اجرت میں کھال دینا	۴۷۰
۱۰۰۶۸	قربانی کی کھال فروخت ہو جانے کے بعد قیمت کا تصدق لازم ...	۴۷۱
۱۰۰۶۹	مدارس والوں کا قربانی کے جانور گاؤں بھیجنا	۴۷۲
۱۰۰۷۰	چرم قربانی کی رقم سے مسلمانوں کی حفاظت کے لیے ہتھیار خریدنا ...	۴۷۳
۱۰۰۷۱	چرم قربانی کا پیسہ فنڈ میں جمع کر کے وقتاً فوقتاً ضرورتمندوں کو دینا ...	۴۷۴
۱۰۰۷۲	چرم قربانی کی رقم سے میت کی چارپائی خریدنا	۴۷۴
۱۰۰۷۳	چرم قربانی کی رقم سے غرباء کو رضائی بنوا کر دینا	۴۷۵
۱۰۰۷۴	چرم قربانی کی رقم مسجد کی ضروریات میں صرف کرنا	۴۷۶
۱۰۰۷۵	چرم قربانی کی رقم سے مسجد و مدرسہ کا گیٹ بنانا	۴۷۸
۱۰۰۷۶	چرم قربانی کی رقم مسجد میں لگانا	۴۷۹
۱۰۰۷۷	کھال کا پیسہ مدرسہ یا مسجد کی تعمیر میں لگانا	۴۷۹
۱۰۰۷۸	مسجد کی ضروریات میں خرچ کرنے کیلئے متولی کو چرم قربانی ہدیہ کرنا	۴۸۰
۱۰۰۷۹	چرم قربانی کی رقم امام صاحب کو دینا	۴۸۱

۱۰۰۸۰	چرم قربانی کی قیمت سے مدرسہ تعمیر کرنا	۴۸۲
۱۰۰۸۱	چرم قربانی کی قیمت مدرسہ کی تعمیر میں استعمال کرنا	۴۸۳
۱۰۰۸۲	چرم قربانی کی رقم سے مدرسہ کے برتن اور تپائی خریدنا	۴۸۳
۱۰۰۸۳	چرم قربانی کی رقم مدرس کو تنخواہ میں دینا	۴۸۵
۱۰۰۸۴	طالب علم کو چرم قربانی کی رقم دینا	۴۸۶
۱۰۰۸۵	چرم قربانی کی رقم اپنے طالب علم بیٹے کو دینے کا حکم	۴۸۶
۱۰۰۸۶	کیا مدرسہ کو دی گئی کھال کی رقم طالب علم استعمال کرسکتا ہے؟	۴۸۷
۱۰۰۸۷	چرم قربانی کی رقم مکتب میں صرف کرنا	۴۸۸
۱۰۰۸۸	چرم قربانی کی رقم مکتب کی تعمیر میں لگانا	۴۸۹
۱۰۰۸۹	چرم قربانی غنی کو بطور ہدیہ دینے کے بعد فروخت کروا کر روپیہ مکاتب میں لگانا	۴۹۰
۱۰۰۹۰	گائے رون کا حکم	۴۹۱
۱۰۰۹۱	سماج والوں کا دوثلث قربانی کا گوشت جمع کر کے غریبوں میں تقسیم کرنے کا حکم	۴۹۲
۱۰۰۹۲	کیا چرم قربانی کے روپیہ سے جنازہ کی چوکی بنوائی جاسکتی ہے؟	۴۹۳
۱۰۰۹۳	گائے رون کا شرعی حکم	۴۹۴
۱۰۰۹۴	اضحیہ منذورہ کا گوشت کھانا جائز اور ذبیحہ منذورہ کا جائز نہیں	۴۹۵
۱۰۰۹۵	فقیر اپنی قربانی کا گوشت خود بھی اور مالدار کو بھی کھلاسکتا ہے	۴۹۶
۱۰۰۹۶	مرحوم کی طرف سے کی گئی قربانی کے گوشت کا مصرف	۴۹۷
۱۰۰۹۷	قربانی کے وکیل کو گوشت پر ہر طرح سے اختیار	۴۹۸
۱۰۰۹۸	ایام نحر میں فقیر کے خریدے ہوئے جانور کا گوشت خود اور غنی کا کھانا ...	۴۹۹
۱۰۰۹۹	قربانی کا گوشت کس حساب سے تقسیم کریں؟	۵۰۰

۱۰۱۰۰	قربانی کے گوشت کی تقسیم کا طریقہ	۵۰۱
۱۰۱۰۱	ایک حصہ دار کو اس کے حصہ سے زیادہ گوشت دینا	۵۰۲
۱۰۱۰۲	گوشت کو وزن کر کے تقسیم کرنا	۵۰۳
۱۰۱۰۳	قربانی کے گوشت کو تول کر تقسیم کرنا	۵۰۴
۱۰۱۰۴	قربانی کا گوشت تول کر تقسیم کرنے کا حکم	۵۰۵
۱۰۱۰۵	قربانی کا گوشت تول کر اور اندازے سے تقسیم کرنا...........	۵۰۶
۱۰۱۰۶	قربانی کی کھال اور گوشت کا حکم فروختگی میں یکساں	۵۰۸
۱۰۱۰۷	قربانی کے گوشت کو شادی میں کھلانا	۵۰۹
۱۰۱۰۸	قصاب کا جانوروں کی ہڈیاں اور پوٹری لے جانے کا حکم	۵۱۰
۱۰۱۰۹	قربانی کی ہڈیاں اور سینگ فروخت کرنا اور قیمت کا تصدق	۵۱۱
۱۰۱۱۰	جانور کی چربی سے صابن بنا کر خود استعمال کرنا	۵۱۲
۱۰۱۱۱	قربانی کی ہڈی نمک سے بدلنا	۵۱۲
۱۰۱۱۲	قربانی کے جانور کی ہڈی کتے کو ڈالنا	۵۱۳
۱۰۱۱۳	قربانی کا گوشت غیر مسلم کو دینا	۵۱۴
۱۰۱۱۴	قربانی کا گوشت مسلم یا غیر مسلم کے ہاتھ فروخت کرنا	۵۱۴
۱۰۱۱۵	قربانی کے جانوروں کے خون کی رقم مدرسہ یا مسافر خانہ میں لگانا...	۵۱۵
	۳۷ کتاب العقیقه	**۵۱۷**
۱۰۱۱۶	عقیقہ کا مقصد اور ثبوت	۵۱۷
۱۰۱۱۷	عقیقہ کا شرعی حکم	۵۱۷
۱۰۱۱۸	عقیقہ مسنون ہے یا واجب؟	۵۱۹
۱۰۱۱۹	کیا عقیقہ صرف لڑکے کے لیے مسنون ہے؟	۵۱۹
۱۰۱۲۰	بچہ پیدا ہونے کے وقت کے مسنون اعمال	۵۲۰

۱۰۱۲۱ عقیقہ کے وقت بال کے برابر چاندی صدقہ نہ کرسکا تو؟ ۵۲۲
۱۰۱۲۲ دوسال میں کیے گئے عقیقہ میں بالوں کی مقدار چاندی کے تصدق کا حکم ۵۲۳
۱۰۱۲۳ عقیقہ کا مسنون طریقہ ۵۲۴
۱۰۱۲۴ عقیقہ کا وقت اور طریقہ ۵۲۵
۱۰۱۲۵ عقیقہ کب کیا جائے؟ نیز عقیقہ کے بکروں کا الگ الگ جگہ پر ذبح کرنا ۵۲۶
۱۰۱۲۶ بلوغ کے بعد عقیقہ اور سر منڈانے کا حکم ۵۲۸
۱۰۱۲۷ بچہ کا عقیقہ کب کریں؟ ۵۲۸
۱۰۱۲۸ کیا پانچویں دن عقیقہ کرنے سے سنت ادا ہو جائے گی؟ ۵۲۹
۱۰۱۲۹ تاریخ پیدائش یاد نہ ہو تو عقیقہ کب کریں؟ ۵۳۰
۱۰۱۳۰ عقیقہ کون کرے؟ ۵۳۱
۱۰۱۳۱ اپنا عقیقہ خود کرنا ۵۳۲
۱۰۱۳۲ کیا شوہر بیوی کا عقیقہ کرسکتا ہے؟ ۵۳۳
۱۰۱۳۳ عقیقہ کے جانور کی شرطیں ۵۳۴
۱۰۱۳۴ عقیقہ میں کون کون سے جانور ذبح کیے جاسکتے ہیں؟ ۵۳۵
۱۰۱۳۵ شراء کے وقت کی نیت معتبر ہے نہ کہ ذبح کے وقت کی ۵۳۶
۱۰۱۳۶ کیا عقیقہ کا جانور خریدنے سے متعین ہو جاتا ہے؟ ۵۳۷
۱۰۱۳۷ کسی عذر کی بناء پر عقیقہ کے جانور کو بیچنا ۵۳۸
۱۰۱۳۸ ایک بھینس میں سات عقیقہ کرنا ۵۳۹
۱۰۱۳۹ قربانی کے علاوہ دنوں میں عقیقہ کا حکم ۵۳۹
۱۰۱۴۰ غیر مستطیع شخص کا کٹرہ میں یا شادی میں کئی بچیوں کا عقیقہ ۵۴۰
۱۰۱۴۱ ولیمہ کے لیے لائے گئے جانور میں عقیقہ کی نیت کرنا ۵۴۲
۱۰۱۴۲ ولیمہ کے ساتھ عقیقہ کرنا ۵۴۳
۱۰۱۴۳ ایام قربانی کے علاوہ ایک بڑے جانور میں چند بچوں کا عقیقہ ۵۴۳
۱۰۱۴۴ بڑے جانور میں ایک ساتھ دو لڑکیوں کا عقیقہ کرنا ۵۴۴

۱۰۱۴۵ عقیقہ میں لڑکے کی طرف سے دو اور لڑکی کی طرف سے ایک حصہ .. ۵۴۵
۱۰۱۴۶ عقیقہ کے گوشت کا حکم ۵۴۶
۱۰۱۴۷ کیا عقیقہ کا گوشت دادا، دادی اور ماں، باپ نہیں کھا سکتے؟ ۵۴۷
۱۰۱۴۸ عقیقہ میں گوشت پکا کر کھلانے کا حکم ۵۴۷
۱۰۱۴۹ عقیقہ کا کھانا کون لوگ کھا سکتے ہیں؟ ۵۴۸
۱۰۱۵۰ عقیقہ سے متعلق چند سوالات کے جوابات ۵۴۹
۱۰۱۵۱ نومولود کے کان میں اذان دینا مشروع ہے ۵۵۲
۱۰۱۵۲ نومولود کے کان میں اذان واقامت کا طریقہ ۵۵۳
۱۰۱۵۳ نومولود بچہ کے کان میں اذان دینے کا طریقہ ۵۵۴
۱۰۱۵۴ بچہ کے کان میں اذان واقامت کیسے کہیں؟ ۵۵۵
۱۰۱۵۵ کیا بچہ کے کان میں اذان غسل سے قبل دے سکتے ہیں؟ ۵۵۶
۱۰۱۵۶ بچوں کے کان میں اذان وتکبیر تاخیر سے دینا ۵۵۸
۱۰۱۵۷ پیدائش کے کئی سالوں کے بعد اذان دینے سے کیا سنت ادا ہو جائیگی؟ ۵۵۸
۱۰۱۵۸ آٹھ سال کے بعد بچہ کے کان میں اذان دینا ۵۵۹
۱۰۱۵۹ عورت کا نومولود بچے کے کان میں اذان دینا ۵۶۰
۱۰۱۶۰ عورت کی ختنہ کا حکم ۵۶۱
۱۰۱۶۱ مختون پیدا شدہ بچے کی ختنہ کا حکم ۵۶۲
۱۰۱۶۲ ختنہ نہ کرانے والا کیا مستحق عذاب ہے؟ ۵۶۳
۱۰۱۶۳ کیا عقیقہ میں متعین جانور ذبح کرنا لازم ہے؟ ۵۶۴

۳۸ کتاب الحقوق

(۱) باب ما یتعلق بنفس الحق ۵۶۵

۱۰۱۶۴ حق کی واپسی کا شرعی حکم ۵۶۵

۱۰۱۶۵	حقدار کو اس کا حق لوٹانا واجب ہے	۵۶۶
۱۰۱۶۶	اپنا حق دوسرے سے وصول کرنا	۵۶۷
۱۰۱۶۷	حقدار اپنا اپنا حصہ نہ لیں تو کیا حکم ہے؟	۵۶۹
۱۰۱۶۸	مالی حقوق کے اثبات کے لیے شرعی شہادت کا لزوم	۵۷۱
۱۰۱۶۹	مال جس کے قبضہ میں ہو اس کی ملکیت مانی جائے گی	۵۷۷
۱۰۱۷۰	مظلوم کا حق ضائع نہیں ہوگا	۵۷۸
۱۰۱۷۱	حق تلفی کرنے کا حکم	۵۷۹
۱۰۱۷۲	اپنی ملکیت میں تصرف کرنے کا حکم	۵۷۹
۱۰۱۷۳	سالوں سے جاری نالی کو مالک زمین کا بند کروانا	۵۸۱
۱۰۱۷۴	مالک کا اپنی زمین میں راستہ بنانے سے روکنے کا حکم	۵۸۲
۱۰۱۷۵	جائیداد بیچنے پر لڑکوں کا اعتراض کرنا	۵۸۳
۱۰۱۷۶	مالک کا کنویں کی زمین کو اپنے استعمال میں لانا	۵۸۴
۱۰۱۷۷	قانون کے تحت جو حقوق ہیں وہ خود بخود لازم ہو جاتے ہیں	۵۸۶
۱۰۱۷۸	تنگ دست ہو جانے کی صورت میں ادائے حقوق کی شکل	۵۸۷
۱۰۱۷۹	صلوٰۃ الحاجۃ پڑھ کر اللہ سے حقوق العباد معاف کرانے کا حکم	۵۸۸
۱۰۱۸۰	کسی وجہ سے ایک ہزار روپیہ بینک میں رہ جائے تو کیا حکم ہے؟ ...	۵۸۹
۱۰۱۸۱	گرام سماج کی زمین پر مکان بنانے کا حکم	۵۹۰
۱۰۱۸۲	ایک امام صاحب سے متعلق چند سوالات کے جوابات	۵۹۲
	(۲) باب حقوق الوالدین	۵۹۶
۱۰۱۸۳	ماں باپ اور اولاد کے ایک دوسرے پر کیا حقوق ہیں؟	۵۹۶
۱۰۱۸۴	باپ کے حقوق بیٹوں پر	۵۹۸
۱۰۱۸۵	والد کے ذمہ بیٹوں کے کتنے حقوق ہیں	۵۹۹

۱۰۱۸۶	بیٹی پر والد کے حقوق کیا کیا ہیں؟	۶۰۱
۱۰۱۸۷	ماں کی خدمت کس کے سپرد ہے لڑکوں یا لڑکیوں کے؟	۶۰۳
۱۰۱۸۸	ماں کی خدمت کی وجہ سے نکاح نہ کرنے کا حکم	۶۰۴
۱۰۱۸۹	قوانین شریعت میں والدین کے حکم پر پابندی کا لزوم	۶۰۵
۱۰۱۹۰	کیا ماں کا نان ونفقہ اولاد پر ضروری ہے؟	۶۰۷
۱۰۱۹۱	کیا نادار والدین کا خرچہ اولاد کے ذمہ واجب ہے؟	۶۰۹
۱۰۱۹۲	کمزور والدین اور بھائی بہن کا خرچہ بھی واجب ہے	۶۱۰
۱۰۱۹۳	اولاد کا والد کے ساتھ بدکلامی اور مار پیٹ کرنا	۶۱۱
۱۰۱۹۴	والدین کے ساتھ ہر حال میں حسن سلوک لازم	۶۱۲
۱۰۱۹۵	والد کے فاسد العقیدہ ہونے کے باوجود ان کا احترام ضروری	۶۱۴
۱۰۱۹۶	باپ کی شان میں گستاخی، اور نافرمان اولاد کو محروم کرنا	۶۱۵
۱۰۱۹۷	والد صاحب کی نافرمانی و بے عزتی کرنا اور ان کے مال پر قبضہ کرنا	۶۱۷
۱۰۱۹۸	والدین کی ناراضگی میں عبادات کی قبولیت کا حکم	۶۱۸
۱۰۱۹۹	گستاخ لڑکا اپنے والد کے انتقال کے بعد اپنی گستاخی کا ازالہ کیسے کرے؟	۶۲۰
۱۰۲۰۰	مطلقہ کو ساتھ نہ رکھ کر دوسری شادی کرنے پر اولاد کی ناراضگی	۶۲۱
۱۰۲۰۱	والد صاحب کے کہنے پر بیوی کو طلاق دیں یا نہ دیں؟	۶۲۲
۱۰۲۰۲	ماں و بہنوں کے دباؤ سے بیوی کو طلاق دینا	۶۲۴
۱۰۲۰۳	والدین کو راضی کرنے کیلئے بیوی کو مارنے اور طلاق دینے کی شرعی حیثیت	۶۲۵
۱۰۲۰۴	والدین کا دوسری بیوی کو طلاق دینے پر مجبور کرنا	۶۲۷
۱۰۲۰۵	حصول رزق کی خاطر والدین کو چھوڑنا	۶۲۷
۱۰۲۰۶	اولاد پر والد کا خرچ غرباء پر صدقہ کرنے سے مقدم اور لازم	۶۲۸
۱۰۲۰۷	تمام اولاد پر والد کی ضروریات کا خرچ دینا واجب	۶۲۹
۱۰۲۰۸	والد کے قرض کا مطالبہ اولاد سے کرنے کی شرعی حیثیت	۶۳۰

۱۰۲۰۹	کیا باپ اپنی اولاد کو دیئے ہوئے قرض کا مطالبہ کرسکتا ہے؟	۶۳۲
۱۰۲۱۰	لڑکے کا والد کی اجازت کے بغیر ان کا مال خفیہ طریقے سے لینے کا حکم ...	۶۳۳
۱۰۲۱۱	باپ کی زندگی میں اس کی جائیداد میں اولاد کا حق نہیں	۶۳۴
۱۰۲۱۲	والد کی فیملی میں رہ کر کمائی گئی جائیداد کا مالک کون؟	۶۳۵
۱۰۲۱۳	زندگی میں والد کے مکان میں لڑکوں کا کوئی حق نہیں	۶۳۷
۱۰۲۱۴	باپ کو قتل کی دھمکی اور مار پیٹ کرنے والے کا باپ کی جائیداد میں حصہ	۶۳۸
۱۰۲۱۵	والدہ نے اپنی کمائی سے مکان تعمیر کرایا تو اس میں لڑکا حقدار ہے یا نہیں؟ ...	۶۳۹
۱۰۲۱۶	والد کو مکان کے لیے بطور قرض دی ہوئی رقم سے کیا لڑکا مکان کا مالک ہو جائے گا؟	۶۴۰
۱۰۲۱۷	کیا بیٹے بہو پر ساس سسر کا نفقہ لازم ہے؟	۶۴۳
۱۰۲۱۸	اولاد کی جائیداد میں والدین کا حق	۶۴۵
۱۰۲۱۹	بھائی اور والدہ کا اولاد کا حق مارنا	۶۴۶
	(۳) باب حقوق الأقارب	**۶۴۸**
۱۰۲۲۰	اہل خانہ کے حقوق کی ترتیب............................	۶۴۸
۱۰۲۲۱	یتیم بچوں کی کفالت کا حق	۶۴۹
۱۰۲۲۲	نابالغ بچوں کے مال کو ماں کا فروخت کرنا	۶۵۰
۱۰۲۲۳	بیوہ اور یتیم بچوں کے مکان پر قبضہ کرنا	۶۵۰
۱۰۲۲۳	شریعت اسلامی میں متبنیٰ کو بیٹا تسلیم کیا جاتا ہے یا نہیں؟	۶۵۱
۱۰۲۲۴	متبنیٰ سے متعلق چند سوالات کے جوابات	۶۵۳
۱۰۲۲۵	مرحوم کے نام سے آنے والے رسالے کس کی ملکیت ہوں گے؟ ..	۶۵۵
۱۰۲۲۶	بہن کے بھائی پر کتنے حقوق ہیں؟	۶۵۶
۱۰۲۲۷	بعض ورثاء کا اپنی جائیداد پر دوسرے وارث کو قبضہ دینا..........	۶۵۷

۱۰۲۲۸	ہر بھائی اپنی ملکیت میں خود مختار ہے	۶۵۹
۱۰۲۲۹	ایک بھائی کا دوسرے بھائی کی اجازت کے بغیر اس کی بجلی استعمال کرنے کا حکم	۶۶۰
۱۰۲۳۰	بھائی کا بہنوں کے حقوق دبا کر رکھنے اور ان کو محروم کرنے کا حکم	۶۶۲
۱۰۲۳۱	بڑے بھائی کا چھوٹے بھائی کی کمائی سے فائدہ اٹھانا	۶۶۴
۱۰۲۳۲	ایک بھائی کا دوسرے کو جائیداد سے محروم کرنا	۶۶۶
۱۰۲۳۳	ایک بھائی کا دوسرے بھائی کی آمدنی میں حق	۶۶۷
۱۰۲۳۴	بھائی کے مکان پر قبضہ کرنے کی کوشش کرنا	۶۶۸
۱۰۲۳۵	لڑکے کی کمائی میں کیا اس کے بھائیوں کا حق ہوگا	۶۷۰
۱۰۲۳۶	گھر کا چھجہ سڑک پر نکال سکتے ہیں یا نہیں؟	۶۷۱
۱۰۲۳۷	کیا میکہ والوں کو اپنی لڑکی اور اس کی اولاد کے خرچہ کے مطالبہ کا حق ہے؟ ...	۶۷۲
۱۰۲۳۸	دو منزلہ مکان کی تقسیم	۶۷۳
(۴)	**باب النفقة**	۶۷۵
۱۰۲۳۹	کئی سالوں سے معلق بیوی کے نان ونفقہ کا حکم	۶۷۵
۱۰۲۴۰	ناشزہ، والدہ، بہن اور چھوٹے بھائی کے نفقہ کا حکم	۶۷۶
(۵)	**باب الحضانة**	۶۸۰
۱۰۲۴۱	کیا نافرمان بالغ لڑکیوں کے نان ونفقہ کی ذمہ داری والد پر ہے ...	۶۸۰
۱۰۲۴۲	وضع حمل کا خرچ اور بچہ کے نان ونفقہ کا حکم	۶۸۱
۱۰۲۴۳	نابالغ لڑکیوں کا خرچ اور شادی باپ پر لازم ہے نہ کہ بالغ لڑکوں کا	۶۸۳
۱۰۲۴۴	میکہ میں رہنے والی بیوی کا خرچ شوہر پر لازم نہیں	۶۸۵
۱۰۲۴۵	الگ رہنے والی بیوی کا ۱۲/۱۴/سالہ بچوں کا خرچ شوہر سے وصول کرنا	۶۸۶

۳۲　کتاب الغصب

کاغذ میں ناحق اندراج کرانے کی شرعی حیثیت

سوال [۹۷۳۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کی زمین ہے اس نے ۲۵؍سال قبل مکان تعمیر کروایا تھا، بغل میں اور سامنے اپنی کچھ زمین چھوڑ رکھی تھی، بکر نے رشوت دے کر زید کی زمین کو چکروڈ میں خفیہ طور پر تبدیل کرادیا جس کی کسی کو کانوں کان خبر نہ تھی کہ بکر نے کیا کیا ہے، امسال جون ۱۹۹۸ء زید نے اپنی بقیہ زمین پر تعمیر کے لیے بنیاد کھودنی چاہی تو بکر مع خاندان جھگڑا فساد کرنے پر اتر آیا، علاقہ کے لوگ اور گرام پردھان وغیرہ اکٹھا ہوئے سب نے کہا کہ یہ زمین زید کی ہے، چکبندی کے زمانہ میں کبھی یہاں چکروڈ کا تذکرہ نہ ہوا تھا اور بکر نے خود چکروڈ کی چکبندی کے زمانہ میں مخالفت کی تھی لیکن اب بکر زبردستی قبضہ کرنے پر آمادہ ہے جبکہ علاقہ والے متفقہ طور پر کہہ رہے ہیں اور گرام پردھان بھی، کہ زمین زید ہی کی ہے؛ لیکن بکر نے حکام کو رشوت دے کر فرضی مقدمہ میں زید کو کھڑا کردیا ہے، لہٰذا مندرجہ بالا دونوں سوالات کے جوابات قرآن وحدیث کی روشنی میں بیان فرمائیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جھوٹا دعویٰ کر کے زید کی زمین عدالت میں ناحق اندراج کرانے اور اس پر غاصبانہ قبضہ کر لینے کے باوجود زمین زید کی ملکیت سے خارج نہیں ہوئی، بلکہ اس طرح ناحق کسی کی زمین دبا لینے پر حدیث شریف میں سخت ترین وعید آئی ہے۔

أن سعید بن زید قال سمعت رسول اللّٰہ ﷺ یقول: من ظلم من الأرض شیئا طوقه من سبع أرضین. (بخاری شریف، کتاب المظالم، باب أثم من ظلم شیئا من الأرض ۱/۳۳۲، رقم: ۲۳۸۸، ف: ۲۴۵۲، ابو داؤد شریف، کتاب الأدب، باب من یاخذ الشیئ من مزاح، النسخة الهندیة ۲/۶۸۳، دار السلام رقم: ۵۰۰۳، صحیح

مسلم، كتاب المساقات والمزارعة، باب تحريم الظلم و غصب الأرض، النسخة الهندية ۳۲/۲، بيت الأفكار رقم: ۱۶۱۰، مشكوٰة شريف ٢٥٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍ جمادی الثانیہ ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۸۰۵)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۶/۶ھ

بڑے بھائی نے چھوٹے بھائی کے مکان کو اپنے نام کرالیا

سوال [۹۷۳۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص امیر قریشی نے ایک مکان خریدا اس کے بعد اس کو کچھ روپیوں کی ضرورت ہوئی، تو اس نے اس مکان کو رہن پر رکھ دیا، پھر جب اس کے پاس روپئے ہوگئے تو اس نے اپنے بڑے بھائی بندن کو روپئے دیئے اور کہا کہ رہن پر رکھا ہوا مکان چھڑا لینا تو اس نے اس روپئے سے مکان چھڑا کر اپنے نام کرلیا، پھر ایک تہائی اپنے چھوٹے بھائی امیر قریشی کے نام وصیت کی اس کے بعد اس کا انتقال ہوگیا تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ وہ شخص بندن اس مکان کا مالک ہوا یا نہیں؟ اور اس کی وصیت نافذ ہوگی یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر امیر قریشی نے اپنے بڑے بھائی بندن کو رہن چھڑا لینے کے لیے وکیل بنا کر بھیجا ہے اور بندن نے بجائے رہن چھڑانے کے مالک مکان امیر قریشی کی مرضی کے خلاف اپنے نام کرالیا ہے تو بندن شرعاً غاصب ہے، اور اس غصب کی وجہ سے بندن مذکورہ مکان کا مالک نہیں ہوا ہے، اس پر لازم تھا کہ امیر کو واپس کردیتا اور اس کی موت کے بعد اس کے ورثاء پر لازم ہے کہ امیر کو پورا مکان واپس کردیں اور جب مالک نہیں ہوا تو وصیت بھی نافذ نہیں ہوگی۔

عن عبد الله بن السائب بن يزيد عن أبيه عن جده أنه سمع النبي ﷺ يقول: لا يأخذن أحدكم متاع أخيه لاعبا و لا جادا، وقال سليمان: لعبا

و لا جدا، ومن أخذ عصا أخيه فليردها. (سنن أبی داؤد، كتاب الأدب، باب من يأخذ الشيئ من مزاح، النسخة الهندية ۲/ ٦٨٣، دار السلام رقم: ٥٠٠٣، سنن الترمذی، الفتن، باب ماجاء لا يحل لمسلم أن يروع مسلما الخ، النسخة الهندية ۲/ ۳۹، دار السلام رقم: ۲۲٤۹)

لقوله عليه السلام: لايحل لأحدكم أن يأخذ مال أخيه لاعبا ولاجادا و إن أخذه فليرده عليه الخ. (شامی، كتاب الغصب، مطلب فی رد المغصوب وفيما لو أبی المالك، زكريا ۹/ ۲٦٦، كراچی ٦/ ۱۸۲، هدايه اشرفی ديو بند ۳/ ۳۷۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰؍ ذی الحجہ ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۵۰۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۱/۱۲/۳۰ھ

دعا تعویذ کرا کے دو بھائی کی زمین پر قبضہ کرنے کا حکم

سوال [۹۷۳۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جناب مولانا فضل الرحمٰن صاحب نے اپنے بھائی کو دعا تعویذ کھلا پلا کر دماغ خراب کرکے اس کی ساری زمین وجائیداد بھی لے لی اوراس کے ساتھ ساتھ شرک کروایا ہے جوشرک کروایا ہے اس میں پورا حصہ لیا ہے، جو روپیہ لگا وہ سب انہوں نے دیا، کیا شرک کروانے پر شرعاً کوئی حکم ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: بشرط صحت واقعہ صورت مسئولہ میں مالک زمین کو ایسے تعویذ کھلا پلا کر جس سے اس کا ذہنی توازن برقرار نہیں رہا اس کی زمین وجائیداد پر قبضہ کرلینا اوراپنے نام بیع نامہ کرالینا ناجائز وحرام ہے؛ بلکہ مذکورہ شخص مظلوم ہے، اس کی زمین سے کسی قسم کا فائدہ حاصل کرنا جائز نہیں ہے بلکہ اس کو واپس کرنا ضروری ہے۔

عن أبی حرة الرقاشی عن عمه أن رسول الله ﷺ قال: لا يحل مال امرئ مسلم إلا بطيب نفس منه. (شعب الإيمان للبيهقی، دار الكتب العلمية بيروت

٣٨٧/٤، رقم: ٥٤٩٢، السنن الكبرىٰ للبيهقي دار الفكر بيروت ٥٠٦/٨، رقم: ١١٧٤٠)

نیز اس طرح کے تعویذات جو انسانی ذہنوں کو ماؤف کردیں سحر کے حکم میں ہیں اور سحر ناجائز وحرام ہے۔

عن أبی هريرة عن النبی ﷺ قال: اجتنبوا السبع الموبقات، قالوا: يا رسول الله! وماهن قال: الشرک بالله والسحر الخ. (صحیح البخاری، كتاب الوصايا، باب قول الله تعالىٰ: إن الذين يأكلون اموال اليتٰمى ظلما الخ، النسخة الهندية ٣٨٨/١، رقم: ٢٦٨٥، ف: ٢٧٦٦)

السحر حرام بلا خلاف بين أهل العلم. (شامی، كتاب الجهاد، مطلب: فی الساحر والزنديق، زكريا ٣٨١/٦، كراچی ٢٤٠/٤)

اور صورت مذکورہ میں جو شرک وغیرہ کروایا گیا اس سے توبہ کرنا اور تجدید اسلام ضروری اور لازم ہے۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ لا يَغْفِرُ اَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَشَآءُ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰى اِثْمًا عَظِيْمًا. [النساء: ٤٨] ﴾ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵۰۳/۳۱)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴/۶/۱۶ھ

بھانجے کی جائیداد پر ماموں کا ناحق قبضہ

سوال [۹۷۳۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری والدہ کا انتقال ہوگیا اس کے بعد والد کا بھی انتقال ہوگیا، بوقت انتقال ہم لوگ یعنی میں محمد عمران گیارہ سال کا تھا اور ایک مجھ سے بڑی بہن تھی، ہم دونوں کی پرورش ماموں کے حق میں آئی، انہوں نے میرے والد والدہ کا سامان، جائیداد جس میں سونا، چاندی، پیتل اور تانبا وغیرہ سبھی تھا، اپنے قبضہ میں لے لیا، اور کہا کہ ہم ان دونوں کی پرورش کریں گے،

اس کے بعد بہن کی شادی ماموں نے کی اور وہ فرماتے ہیں کہ میں نے سب کچھ تمہاری بہن کی شادی میں خرچہ کردیا، اور بہن بھی اس بات کی مقر ہے کہ ماموں نے مجھے چڑھایا ہے، تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ ہمارے والد والدہ کے مال وجائیداد کے کیا مالک ماموں تھے؟ ان کو دینا پڑے گا یا نہیں؟ اس میں ہمارا حق ہے یا نہیں؟ ماں باپ کے ترکہ سے مجھے کچھ بھی نہیں ملا، کیا شرعاً ماموں پر لازم ہے کہ وہ مجھے میرا حق دیں؟

المستفتی: محمد عمران لالباغ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آپ کو شرعاً اپنے والدین کے ترکہ میں سے شرعی حق حاصل ہے، اور کل ترکہ کو تین حصوں میں تقسیم کرکے دو حصے آپ (محمد عمران) کو اور ایک حصہ آپ کی بہن کو ملے گا اور آپ کے ماموں کو صرف حفاظت کا حق تھا اس میں تصرف کا حق نہیں تھا، لہٰذا جو بھی چیز ترکہ میں سے تھی اس میں سے آپ کو دو تہائی اور آپ کی بہن کو ایک تہائی حصہ ملے گا، لہٰذا جو اشیاء موجود ہیں، ان کو بعینہٖ آپ حاصل کرسکتے ہیں، اور جو بعینہٖ موجود نہیں ہیں ان کا تاوان آپ کے ماموں پر لازم ہوگا، کیونکہ ماموں کو آپ کے حصہ کا مال نہ آپ کی بہن کو دینے کا حق تھا اور نہ ہی اس میں مالکانہ تصرف کا۔

عن أبی حرة الرقاشی عن عمه أن رسول الله ﷺ قال: لا يحل مال امرئ مسلم إلا بطيب نفس منه. (شعب الإيمان للبيهقی، دار الكتب العلمية بيروت ٣٨٧/٤، رقم: ٥٤٩٢، السنن الكبریٰ للبيهقی دار الفكر بيروت ٥٠٦/٨، رقم: ١١٧٤٠)

لايجوز لأحد أن يتصرف فی ملک الغير بغير إذنه. (قواعد الفقه اشرفی ديوبند ص: ١١٠، الأشباه، كتاب الغصب، كراچی ٩٨/٢)

يبيع الأب لأن له ولاية التصرف لا الأم، ولا بقية أقاربه. (الدر المختار باب النفقة زكريا ٣٦٧/٥، كراچی ٦٣١/٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍ربیع الاول ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۵۹۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۲/۳/۲۲ھ

دوسرے کی زمین ہڑپنے کا حکم

سوال [۹۷۴۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں افسری اور میری بہن جعفری نے مل کر ایک بیگہ زمین خریدی جو تقریباً ایک ہزار گز ہے میں نے دوسو روپیہ دیئے تھے، میری بہن نے ڈیڑھ سو روپیہ دیئے تھے، پھر بیعنامہ کے وقت جعفری نے کل ایک بیگہ ایک ہزار گز اپنے نام بیعنامہ کرالیا، میرا نام بھی نہیں ڈلوایا اور یہ کہتی رہی کہ میں تمہارے ساتھ دھوکہ نہیں کروں گی، پھر اس نے ایک ہزار گز میں سے مجھے دوسو گز دی اور خود آٹھ سو گز لے لی، میں نے اپنی زمین پر مکان بھی بنالی تھا، اب وہ کہتی ہے کہ تم کو صرف ۲۵؍گز دوں گی، اور سب میری ہے تو آپ سے دریافت یہ کرنا ہے کہ اس ایک ہزار گز میں سے شرعاً ہمارا کتنا حق بنتا ہے، جبکہ ہم نے دوسو روپیہ دیئے تھے، اور اس جعفری نے ڈیڑھ سو دیئے تھے، شریعت کا فیصلہ تحریر فرمادیں، نوازش ہوگی۔

المستفتی: افسری خاتون، محلّہ پی اے سی نیا گاؤں مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آپ کی بہن جعفری کا یہ کہنا کہ مذکورہ زمین میں سے تم کو پچیس گز دوں گی، یہ سراسر ظلم وزیادتی ہے، حدیث شریف میں اس پر سخت وعید آئی ہے، بلکہ سوال نامہ کے مطابق ہزار گز زمین میں سے دوسو روپیہ کے تناسب سے افسری کو ۷/۳-۵۷۱ گز اور ڈیڑھ سو روپیہ کے تناسب سے جعفری کو ۷/۴-۴۲۸ گز زمین ملے گی، اس کے خلاف کرنا جائز نہیں ہے، اگر اس کے خلاف کرے گی تو جعفری گنہگار ہوگی، اور قیامت کے دن سات زمینوں اور سات آسمانوں کا طوق اس کو پہننا پڑے گا۔

عن سعید بن زید بن عمرو بن نفیل أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: من اقتطع شبرا من الأرض ظلماً طوقه اللّٰه إیاہ یوم القیامة من سبع أرضین. (مسلم شریف، کتاب المساقات والمزارعة، باب تحریم الظلم وغصب الأرض، النسخة الهندیة ۲/۳۲، بیت الأفکار، رقم: ۱۶۱۰، صحیح البخاری، کتاب المظالم، باب إثم من ظلم شیئا من الأرض، النسخة الهندیة ۱/۳۳۲، رقم: ۲۳۸۸، ف: ۲۴۵۲، سنن أبی داؤد، کتاب الأدب، باب من

يأخذ الشيئ من مزاح، النسخة الهندية ۲/ ۳ ۶۸، دار السلام رقم: ۳ ۰ ۰ ۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴ر ربیع الاول ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۵۴۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۳/۱۴ھ

دوسروں کی زمین پر ناحق قبضہ کا حکم

سوال [۹۷۴۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اللہ عز وجل اور آپ کے رسول اللہ ﷺ کا کیا فرمان ہے ان لوگوں کے متعلق جو دوسروں کی زمینوں پر ناجائز قبضہ کر کے اپنی ملک بنا لیتے ہیں؟

المستفتی: مسٹر ریاست علی ترمذی قدیری، بابریاب، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جو لوگ دوسروں کی زمین اور جائیداد پر ناجائز قبضہ جما کر مالکانہ تصرف کرتے ہیں ان کے لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں سخت ترین وعید نازل فرمائی ہے، ان کے ساتھ آخرت میں سخت خطرناک اور سنگین معاملہ ہوگا۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا، وَمَنْ يَفْعَلْ ذَٰلِكَ عُدْوَانًا وَظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيهِ نَارًا وَكَانَ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا. (النساء: ۲۹)

ترجمہ: اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کے مال وجائیداد کو ناجائز اور حق تلفی کر کے نہ کھاؤ، ہاں البتہ آپسی رضامندی اور خریداری کے ساتھ کھا سکتے ہو اور آپس میں خونریزی مت کرو، بے شک اللہ تمہارے ساتھ رحم کا معاملہ کرنے والا ہے، اور قرآن وحدیث کے باوجود اگر کوئی شخص ظلم وتعدی سے کسی کا مال ناحق لے لے تو عنقریب اس کو جہنم میں ڈالا جائے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷ر ربیع الثانی ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۲۱۸۶)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۱/۴/۷ھ

بیوی سے زبردستی اس کا زیور لینا

سوال [۹۷۴۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے والد نے ہماری امی کو دو زیور کان اور ناک کے دیے تھے، پھر انہوں نے دوسری شادی کرلی اور وہ زیورات لے لیے تھے، اب ہماری امی کو نانی نے کچھ چاندی کے زیورات دیے تھے جس میں سے کچھ بیچ کر نانی کا علاج ومعالجہ ہوا، کچھ بچے ہیں ان کے بارے میں بھی ہمارے والد کہتے ہیں کہ مجھے دو ورنہ گھر سے نکال دیں گے، اس سے پہلے بھی کئی دفعہ گھر سے نکال چکے ہیں، تو آپ سے دریافت یہ کرنا ہے کہ نانی کے دیئے ہوئے زیور زبردستی مانگنا شرعاً کیسا ہے؟ اور اپنی بیوی کو بار بار گھر سے نکال دینا اور کھانا خرچہ نہ دینا شرعاً کیسا ہے؟ شرعی حکم کیا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو زیور آپ کی نانی نے آپ کی والدہ کو دیا ہے وہ والدہ کی ذاتی ملکیت ہے، آپ کے والد صاحب کے لیے اسے زبردستی ان سے لینا قطعاً جائز نہیں ہے۔

عن أبی حرة الرقاشی عن عمه أن رسول الله ﷺ قال: لا يحل مال امرئ مسلم إلا بطيب نفس منه. (شعب الإيمان للبيهقي، دار الكتب العلمية بيروت ٣٨٧/٤، رقم: ٥٤٩٢، السنن الكبرىٰ للبيهقي دار الفكر بيروت ٥٠٦/٨، رقم: ١١٧٤٠)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱؍ ذی قعدہ ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۶۰۹)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۱/۱۱/۱۴۲۵ھ

سالے کی چیز اس کی اجازت کے بغیر لینا

سوال [۹۷۴۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: اگر مفتی محمد ہارون قاسمی اپنے سالے کی کوئی چیز بغیر اس کی اجازت کے لیں تو اس کا کیا حکم ہے؟ جواب سے نوازیں۔

المستفتی: عبداللہ خاں محلّہ نت گنجا بازار، ملاواں ہردوئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مفتی محمد ہارون کو یہ معلوم ہے کہ سالے کی چیز لینے سے وہ ناراض نہ ہوگا بلکہ خوش ہونے کی امید ہے تو مفتی محمد ہارون گنہگار نہ ہوں گے اور اگر سالے کو معلوم ہونے پر ناراض ہونے کا خطرہ ہے تو لینا جائز نہ ہوگا۔

عن أبی حرة الرقاشی عن عمه أن رسول الله ﷺ قال: لا یحل مال امرئ مسلم إلا بطیب نفس منه. (شعب الإیمان للبیهقی، دار الکتب العلمیة بیروت ۳۸۷/٤، رقم: ٥٤٩٢، السنن الکبریٰ للبیهقی دار الفکر بیروت ٥٠٦/٨، رقم: ١١٧٤٠)

لایجوز لأحد أن یتصرف فی ملک الغیر بغیر إذنه. (قواعد الفقه، اشرفی دیوبند ص: ١١٠، الأشباه کراچی ٩٨/٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍رمضان المبارک ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸۵۰/۲۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۲/۹/۲۳ھ

بھائی کی اجازت کے بغیر اس کا حصہ فروخت کرنا

سوال [۹۷۴۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے اپنے بھائی کی کچھ جائیداد بھائی کی رضامندی کے بغیر فروخت کردی، اس طرح کیا وہ غاصب نہ ہوا؟

المستفتی: محمد ارشد نگم قاضی سرائے

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دوسرے کے مال میں اس کی اجازت کے بغیر

تصرف کرنا جائز نہیں اوراحادیث میں اس کی وعید آئی ہے لہٰذا وہ غاصب اور سخت گنہگار ہے، اور یہ گناہ محض توبہ کر لینے سے معاف نہیں ہوجاتا، کیونکہ اس کا تعلق حقوق العباد سے ہے۔

عن سعيد بن زيد بن عمرو بن نفيل أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: من اقتطع شبرا من الأرض ظلما طوقه الله إياه يوم القيامة من سبع أرضين. (مسلم شريف، كتاب المساقات والمزارعة، باب تحريم الظلم وغصب الأرض، النسخة الهندية ٢/ ٣٢، بيت الأفكار، رقم: ١٦١٠، صحيح البخاري كتاب المظالم، باب إثم من ظلم شيئا من الأرض، النسخة الهندية ١/ ٣٣٢، رقم: ٢٣٨٨، ف: ٢٤٥٢، سنن أبي داؤد، كتاب الأدب، باب من يأخذ الشيئ من مزاح، النسخة الهندية ٢/ ٦٨٣، دار السلام رقم: ٥٠٠٣)

لا يجوز التصرف من مال غيره بلا إذنه ولا ولايته. (الدر المختار، كتاب الغصب، مطلب: فيما يجوز من التصرف بمال الغير الخ، كراچی ٦/ ٢٠٠، زكريا ٩/ ٢٩١، الأشباه كراچی ٢/ ٩٨، قواعد الفقه، اشرفی دیوبند ص: ١١٠، الموسوعة الفقهية الكويتية ٢٨/ ٢٩٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍ جمادی الثانیہ ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۳۵۵)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۶/۲۷ھ

مشترکہ زمین پر کسی ایک شریک کے تنہا قبضہ کرنے کا حکم

سوال [۹۷۴۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: والد صاحب کی متروکہ جائیداد میں ایک حصہ پر کچھ مکان تعمیر تھا، اور اس کے برابر میں تھوڑی زمین خالی پڑی ہوئی تھی، مذکورہ جائیداد ہم دو بھائی، محمد نعیم ومحمد یوسف کے درمیان تقسیم ہونی تھی، جس کی صورت یہ ہوئی کہ تعمیر شدہ مکان آدھا آدھا ان دونوں بھائیوں کے درمیان تقسیم ہوگیا اس کے بعد محمد یوسف نے محمد نعیم کے حصہ سے تقریباً ۷؍فٹ زمین راستہ سے نکلنے کے لیے بلا معاوضہ لے لی، جبکہ ان کے مکان کے قریب میں مین روڈ موجود تھا، اس کے بعد محمد نعیم نے اپنا مکان از سر نو تعمیر کیا پھر محمد یوسف نے تعمیر کیا، اور اپنی

چھت بوقت تعمیر محمد نعیم کی دیوار پر رکھنا چاہتے تھے، محمد نعیم نے بلا معاوضہ دیوار پر چھت رکھنے سے منع کر دیا، اور معاوضہ طلب کیا تو محمد یوسف نے معاوضہ دینے سے انکار کرتے ہوئے اپنی چھت محمد نعیم کی دیوار پر نہیں رکھی، اس کے بعد محمد یوسف نے خالی زمین جس میں نصف حصہ محمد نعیم کا بھی تھا، اس پر اپنا قبضہ کرلیا، محمد نعیم کو نہ زمین دی اور نہ معاوضہ دیا، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ:(۱) محمد یوسف نے محمد نعیم کے مکان سے جو راستہ لیا ہے تو کیا محمد نعیم اپنے اس حصے کا معاوضہ لینے کا حقدار ہے یا نہیں؟

(۲) کیا محمد یوسف محمد نعیم کی دیوار پر بلا معاوضہ چھت رکھنے کا حقدار تھا یا نہیں؟

(۳) محمد یوسف نے خالی پڑی ہوئی زمین جس میں محمد نعیم کا آدھا حصہ تھا اس پر قبضہ کرلیا تو محمد نعیم کو اس کا معاوضہ یا آدھی زمین لینے کا حق ہے یا نہیں؟ تفصیلاً لکھئے۔

نوٹ: جو راستہ محمد یوسف نے لیا ہے اس میں محمد نعیم کی شرکت نہیں ہے بلکہ ان کا راستہ علیحدہ ہے البتہ اس میں محمد نعیم نے بند نالی بنوائی تھی جس کو محمد یوسف نے توڑ کر پھینک دیا۔

المستفتی: مولانا نعیم الدین صاحب ضلع بستی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: محمد یوسف کے لیے محمد نعیم کے مکان کا حصہ جس میں اس نے بند نالی بنا رکھی تھی، اس کو توڑ کر اپنے ذاتی راستہ میں شامل کرنا جائز نہیں ہے، محمد نعیم کو شرعی طور پر اس کا معاوضہ ملنا چاہیے، نیز مشترکہ زمین جس میں دونوں برابر کے حصہ دار ہیں اس پر تنہا محمد یوسف کا قبضہ جما لینا جائز نہیں ہے، اس کے آدھے حصے کا حقدار محمد نعیم ہے، لہٰذا محمد نعیم کو نصف زمین یا اس کی قیمت دیدینا لازم ہے، ورنہ محمد یوسف سخت ترین ظالم ہوگا اور عند اللہ سخت ترین عذاب کا مستحق ہوگا۔

من أخذا شبرا من الأرض بغير حقه طوقه في سبع أرضين يوم القيامة الحديث. (مسلم شريف، كتاب المساقاة والمزارعة، باب تحريم المظالم و غصب الأرض، النسخة الهندية ۲/ ۳۲، بيت الأفكار رقم: ۱۶۱۰، صحيح البخاري، كتاب المظالم باب من أثم من ظلم شيئا من الأرض، النسخة الهندية ۱/ ۳۳۲، رقم: ۲۳۸۸، ف:

۲٤٥٢، معجم کبیر للطبرانی، دار إحیاء التراث العربی ۱۲/ ۱٦٣، رقم: ۱۲۹۲۱)

اور جہاں تک محمد نعیم کی دیوار پر چھت رکھنے کی بات ہے اس میں محمد نعیم کی طرف سے اخلاقاً اجازت ہوئی تو وہ مستحق ثواب ہوگا، لیکن اگر وہ اجازت نہیں دیتا ہے تو اس پر اس کو مجبور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

لایمنع جار جاره أن یغرز خشبة فی جداره و تحته فی فتح الباری: اشتراط إذن المالک فإن امتنع لم یجبر و هو قول الحنفیة الخ. (فتح الباری، کتاب المظالم، باب لا یمنع جار جاره، دار إحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۳۲، اشرفیه دیو بند ۵/ ۱۳۹، تحت رقم الحدیث ۲٤٦٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳/ صفر المظفر ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۶۳۳)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۲/۱۳ھ

کرایہ دار کا مطالبہ کے باوجود دوکان خالی نہ کرنا اور نفع کا حکم

سوال [۹۷۴۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: احقر نے آپ کی خدمت میں چند روز قبل دو فتوے ارسال کیے تھے، ان میں سے ایک کرایہ دار کے مطالبہ کے باوجود دوکان خالی نہ کرنے اور اس میں سامانِ فروخت کرتے رہنے کے سلسلے میں لکھا تھا کہ جو آج تک نفع کمایا وہ اس کرایہ دار کے لیے گندہ، خبیث اور حرام مال ہوگا، اس کی دلیل میں بندہ نے مجمع الأنہر ۴/ ۸۱ کی بھی عبارت پیش کی تھی، اس کا آخری جزء یہ تھا:

و (یأخذ) الغاصب (رأس ماله) ...... (ویتصدق بالفضل) عند الطرفین ...... (وعند أبی یوسف لا یتصدق) أی بالباقی لأن الزیادة حصلت فی ضمانه وملکه ولهما أنه صار ملکا له ملکا خبیثا و حراما لخبث السبب وهو التصرف فی ملک الغیر.

آپ نے اس عبارت کا کوئی جواب نہیں دیا، کہ آیا طرفین رحمہما اللہ کا قول مفتیٰ بہ ہے یا

نہیں؟ اب اس دلیل مذکور کے علاوہ مزید دلائل حدیث شریف، محدثین اور فقہاء کرام کے اقوال سے قلمبند کرتا ہوں، پھر آپ تحریر فرمائیں کہ ان دلائل کا کیا مطلب ہے؟ اور مفتی بہ قول کیا ہے؟

دلائل

(۱) **قال رسول الله ﷺ من زرع في أرض قوم بغير إذنهم فليس له من الزرع شيئ وله نفقته.** (رواه أبو داؤد، رقم: ۳٤۰۳)

قال الشيخ مولانا خليل احمد رحمه الله تعالىٰ "فمعنى قوله "ليس له من الزرع شيئ" أي لا يحل له من الزرع شيئ ، لأنه حصل له بطريق غصب الأرض. (بذل المجهود، باب في زرع الأرض بغير إذن صاحبها ۱۱/۱۰۸، مطبوعه دار البشائر الإسلامية)

(۲) **وكان ينبغي أن يتصدق بما زاد على ما ضمن عندهما لا بالغلة كلها كمافي المسألة الأولىٰ.** (تبيين الحقائق زكريا، كتاب الغصب ٦/٣٢١)

(۳) شیخ الاسلام حضرت مفتی تقی عثمانی دامت برکاتہم اپنی معروف کتاب درس ترمذی ۴/۳۱۰ "**باب ما جاء من زرع في أرض قوم بغير إذنهم**" کے ذیل میں فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص دوسرے کی زمین میں اس کی اجازت کے بغیر کاشت کرتا ہے تو اول وہ زمین کو غصب کرنے کا گناہگار ہوگا، دوسرے اس مسئلہ پر صاحب ارض کے لیے ضمان نقصان ہوگا، تیسرے جو پیداوار حاصل ہوگی وہ اگر چہ اس کی ملکیت ہوگی، لیکن ملک خبیث ہوگی، اس پیداوار سے انتفاع اس کے لیے طیب نہ ہوگا، البتہ نفقہ کے بقدر طیب ہوگا، پھر آگے مفتی صاحب نے حنفیہ کی دلیل ذکر کی، پھر قیاس کا تقاضہ اور پھر حدیث باب کا جواب دیا کہ "لیس لہ من الزرع شیٔ" اس کا مطلب یہ ہے کہ اس پیداوار سے انتفاع اس کے لیے جائز نہیں، طیب نہیں، اگر چہ وہ اس کی ملکیت میں آگئی ہے، آپ نے ذخیرہ کی جو عبارت بحر الرائق کے حوالہ سے ذکر فرمائی ہے اس سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ غاصب نے ارض مغصوبہ میں جو کھیتی کی ہے وہ اس کی ملکیت ہے، لیکن وہ

ملکیت کیسی ہے؟ آیا خبیث، حرام یا حلال؟ یہ معلوم نہیں ہو رہا ہے بلکہ اس کی وضاحت مجمع الانہر وغیرہ کتب سے ہو رہی ہے کہ وہ ملکیت ''ملکاً خبیثاً وحراماً'' ہے۔(۸۱/۴)

آپ نے یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ وہ آمدنی واجب التصدق نہیں، جبکہ آپ کی ذکر کردہ بحرالرائق کی عبارت سے تقریباً ۱۸ر سطر نیچے لکھا ہے:

وفي الكافي: ويأخذ الغاصب رأس ماله أي البذر و ما أنفق و ماغرم من النقصان و يتصدق بالفضل و هذا عند أبي حنيفة و محمد، و عند الثاني لا يتصدق. (البحر الرائق زكريا ۲۰۳/۹)

اوراسی کتاب کے دوصفحہ بعد یہ لکھا ہے:

وكان ينبغي أن يتصدق بما زاد على ما ضمن عندهما لا بالغلة كلها كما في المسألة الأولىٰ. (البحر الرائق زكريا ۲۰۵/۹ كتاب الغصب)

حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک بھی وہ نفع واجب التصدق اس وقت نہ ہوگا جبکہ غاصب نے ضمان ادا کر دیا ہو اور اگر ضمان ادا نہ کرے تو وہ نفع واجب التصدق ہوگا۔

وقال أبو يوسف رحمة الله لايتصدق به لأن المنهي ربح مالم يضمن وهو قد ضمن. (الكفاية على الهداية ص: ۹،مع البحر الرائق زكريا ص: ۹۳)

اس عبارت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کرایہ دار مالک دوکان کی مرضی کے مطابق یا اس جیسی دوکان کے کرایہ کے مطابق کرایہ ادا نہیں کرتا بلکہ سالہائے سال سے بہت مختصر کرایہ ادا کرتا ہے جبکہ مالک دوکان بار بار کہہ چکا کہ کرایہ بڑھاؤ ورنہ دوکان خالی کرو، تو یہ نہ دوکان خالی کرتا ہے اور نہ کرایہ بڑھاتا ہے اور اگر خالی بھی کرتا ہے تو بقیہ مناسب کرایہ ادا نہیں کرتا جیسا کہ عصر حاضر میں ہو رہا ہے بلکہ برعکس کرایہ دار مالک سے خالی کرنے کے پیسے مانگتا ہے، تو ان شکلوں میں حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک بھی وہ نفع واجب التصدق ہوگا، یہ جو کچھ بندہ نے لکھا ہے اگر اس میں کچھ خامی ہو تو بحوالہ کتب اصلاح فرمادیں، اصح اور مفتی بہ قول کی نشاندہی فرمائیں، احسان عظیم ہوگا۔

المستفتی: عبدالقادر قاسمی، خادم دارالافتاء اشرفیہ سعدالعلوم چاندپور بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حضرت مولانا مفتی عبدالقادر صاحب، ۳۰/ جمادی الثانیہ ۱۴۳۳ھ کو لکھا ہوا جواب جو مدرسہ شاہی مرادآباد کے دارالافتاء سے جاری ہوا ہے اس جواب سے متعلق آنجناب کا بھیجا ہوا والا نامہ موصول ہوا، اور اس میں تحریر کردہ تمام جزئیات ودلائل پر خوب اچھی طرح غور کیا گیا، پھر یہاں سے لکھے ہوئے جواب پر بھی غور کیا گیا، بالآخر اس نتیجہ پر پہنچے کہ ہمارے یہاں سے لکھا ہوا جواب اپنی جگہ بدستور صحیح اور درست ثابت ہوا ہے، اور اس جواب میں اصل مسئلہ سے متعلق شامی زکریا ۹/ ۱۱۵، شرح المجلۃ ۱/ ۲۶۴ رقم: ۴۷۲ سے نقل کردہ جزئیات بھی جواب کے مطابق صحیح ہیں، اور اس کے بعد آخر میں شامی زکریا ۹/ ۲۸۵ اور البحر الرائق کوئٹہ ۸/ ۱۱۱ کے جزئیات اس مسئلہ میں بے موقعہ نقل کیے گئے ہیں، اور ان جزئیات کے نقل کرنے میں ہم سے غلطی ہوئی ہے، اس لیے اس مسئلہ سے متعلق ان جزئیات کو نقل کرنے کے بارے میں ہم رجوع کا اعلان کرتے ہیں کہ یہ دونوں جزئیات اس مسئلہ سے متعلق نہیں ہیں، اور ان دونوں جزئیات کو چھوڑ کر لکھا ہوا اصل جواب اور اوپر کے دونوں جزئیات اپنی جگہ صحیح اور درست ہیں، اور آخر کے دونوں جزئیات کی وجہ سے آنجناب کو اتنے سارے جزئیات نقل کر کے پیش کرنے کا موقع ملا، جو اصل مسئلہ سے متعلق نہیں، اور ایسے ہی دو جزئیہ احقر نے بھی خواہ مخواہ نقل کر دیئے، جو اصل مسئلہ سے متعلق نہیں۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ دوکان ومکان اور اسی طرح کسی بھی عمارت کی کرایہ داری اور کھیتی کی زمین کی کرایہ داری کا مسئلہ بالکل الگ الگ ہے، ایک کو دوسرے پر قیاس نہیں کیا جا سکتا، اور دونوں مسئلوں کا حکم بھی الگ الگ ہے، کیونکہ کرایہ کی عمارت میں سے کوئی چیز پیدا نہیں ہوتی، بلکہ باہر سے خارجی اشیاء کو لا کر کے اس جگہ پر بیچا جاتا ہے، اس میں کبھی نفع بھی ہو سکتا ہے، گھاٹا بھی ہو سکتا ہے، اور کھیتی کی زمین ایسی نہیں ہے بلکہ اس میں بیج بونے کے بعد زمین خود پیداوار اگا کر دیتی ہے، اس لیے دونوں میں بہت بڑا فرق ہے، اور فقہاء کرام نے دونوں کے لیے الگ الگ جزئیات پیش کیے ہیں، آنجناب نے جتنے بھی جزئیات اپنی تحریر میں پیش

کیے ہیں وہ سب کے سب کھیتی کی پیداوار سے متعلق ہیں، اور زیر بحث مسئلہ کھیتی کی پیداوار سے متعلق نہیں ہے، بلکہ کرایہ کی دوکان سے متعلق ہے، جس کے جزئیات اسی کے موافق فقہ کی کتابوں میں موجود ہیں، اس کا حکم شرعی یہی ہے کہ کرایہ داری کی مدت ختم ہونے کے بعد باقی جتنے عرصہ تک اس دوکان کو قبضہ میں رکھ کر اس میں تجارت کر کے نفع حاصل کرے گا وہ سارا نفع کرایہ دار کے لیے حلال ہے، اور اس عرصہ کا کرایہ مالک کے لیے اس کے اوپر لازم ہے، اور اس عرصہ کا مثلی کرایہ جو ان دنوں کا مناسب اور صحیح ہوسکتا ہے وہ ادا کرنا کرایہ دار پر لازم ہے۔

استاجر دارا أو حماما أو أرضا شهرا فسكن شهرين هل يلزمه أجر الثاني إن معدا للاستغلال؟ نعم و إلا لا . (شامی، كتاب الإجارة، باب فسخ الاجارة كراچی ٦/٨٤، زكريا ٩/١١٥)

لو آجر دارا شهرا بمائة فسكنها المستاجر شهرين لزمه الأجر المسمى عن الشهر الأول و أجر المثل عن الشهر الثاني إذا كانت الدار معدة للاستغلال. (شرح المجلة، اتحاد دیو بند ١/٢٦٤، رقم المادة: ٤٧٢)

إذا استأجر الرجل من أخر دارا، وفي الفتاوىٰ الخلاصة: أو حماما شهرا فسكنها شهرين فعليه أجر الشهر الأول –إلى قوله– و ذكر في بعض الروايات أنه يجب عليه الأجر في الشهر الثاني أيضا. (تاتارخانية زكريا ١٥/٥٨، رقم: ٢٢١٥١)

إذا سكن بعد الموت أو بعد انقضاء المدة فلا أجر عليه قبل الطلب و إذا سكن بعد الطلب فعليه الأجر لما سكن بعد الطلب سواء كان في الشهر الأول أو في الشهر الثاني. (المحيط البرهاني كوئٹه ٩/١٣٧، المجلس لعلمي ١١/٢٨٣، رقم: ١٣٦٩٤)

غصب حانوتا فعمل و ربح طاب له الربح؛ لأنه حصل بالتجارة. (تاتارخانية زكريا ١٦/٥٣٩، رقم: ٢٦٠٣٧)

غصب حانوتا و اتجر فيه وربح يطيب الربح كذا في "الوجيز" لكردري. (هنديه كتاب الغصب، الباب الثامن زكريا قديم ٥/١٤٢، جديد ٥/١٦٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/ جمادی الثانیہ ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۷۳۱)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۶/۲۱ھ

کرایہ دار کا مکان خالی نہ کرنا ظلم اور گناہ ہے

سوال [۹۷۴۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں ایک قطعہ مکان دو منزلہ کی مالکہ کامل ہوں، اس مکان کا اوپری حصہ میں نے اپنی ضرورت کے لیے عدالت سے خالی کرا کر اپنی دختر کلدن کے واسطے رہائش بنا کسی لالچ وطمع اور بغیر کسی رقم کے لیے اور بغیر کرایہ طے کیے ہوئے دیدیا اور میرا ارادہ نیچے کی منزل بھی خالی کرا کر اپنے کسی بچے کو دے دینے کا ہے، اور یہ کام میں اپنی زندگی ہی میں کرنا چاہتی ہوں چونکہ زندگی مستعار ہے، اور ایک لمحہ کا بھی بھروسہ نہیں ہے، لیکن نیچے کے مکان میں جو صاحب رہتے ہیں بطور کرایہ داری کے تقریباً چودہ سال سے رہتے ہیں وہ مکان مذکور کو خالی کرنے پر تیار نہیں ہیں اور آمادۂ مقدمہ بازی ہیں، مجبوراً میں نے عدالت سے رجوع کیا ہے ایسی حالت میں کرایہ دار موصوف بغیر مالکہ کی رضا مندی کے مکان مذکورہ بالا میں شرعاً رہنے کے مستحق ہیں یا نہیں؟

المستفتیہ: نواب بیگم مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مالک جب کرایہ داری ختم کر کے اپنا مکان واپس لینا چاہے تو کرایہ دار پر لازم اور ضروری ہے کہ مکان خالی کر کے مالک کو واپس کردے ورنہ کرایہ دار شدید ظلم اور معصیت کا مرتکب ہوگا، اور مالک کی بغیر مرضی کے مکان میں رہنا جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۳/۲۵۷، جدید زکریا ۹/۲۸۵)

وللمؤجر بيعها اليوم وتبطل الإجارة به يفتىٰ الخ. (الدر المختار كتاب الإجارة كوئٹه ۵/۴، كراچی ۶/۶، زكريا ۹/۸)

(وقوله) والفتوىٰ على أنه يجوز البيع وتبطل الإجارة المضافة. (شامي قبيل كتاب المكاتب، كراچی ۶/۹۶، زكريا ۹/۱۳۲، كوئٹه ۵/۶۶، حاشية چلپي على التبيين، امداديه ملتان ۵/۱۴۸، زكريا ۶/۱۶۵، مجمع الأنهر قديم ۲/۳۶۹، دار

الکتب العلمیۃ بیروت ۳/ ۵۱۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم رجب المرجب ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۸۷۷)

چوری کی بجلی کرایہ پر لینا

سوال [۹۷۴۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید سلائی کا کام کرتا ہے اس کا اپنا میٹر بھی ہے، زید نے دوسری لائن بھی لے رکھی ہے جو کرایہ کی ہے، جہاں سے کرایہ پر زید نے بجلی لے رکھی ہے وہ بتی چوری کی ہے، اس چوری کی بتی کو زید کرایہ پر استعمال کرسکتا ہے یا نہیں؟ اگر اس کی اجازت نہیں ہے تو زید کیا کرے؟ ضرورت کے بقدر ایک لائن تو آتی نہیں، ایسی حالت میں زید کرایہ پر وہ بتی حاصل کرسکتے ہیں یا نہیں؟ اور اتنی گنجائش نہیں ہے کہ زید جنریٹر وغیرہ کا انتظام کرسکتا ہو، قرآن و حدیث کی روشنی میں مدلل جواب تحریر فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔

المستفتی: محمد نعیم بڑا احاطہ اصالت پورہ مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یہ جانتے ہوئے کہ یہ بجلی چوری کی ہے زید کے لیے استعمال کرنا جائز نہیں ہے، اس کے بجائے کوئی جائز طریقہ اختیار کرے ان شاء اللہ اسی میں برکت ہوگی۔ (مستفاد: آپ کے مسائل اوران کا حل قدیم ۶/ ۵۱، جدید زکریا ۷/۴، فتاویٰ محمودیہ قدیم ۶/ ۳۴۸، جدید ڈابھیل ۱۸/ ۴۳۷)

عن أبی ہریرۃ عن النبی ﷺ أنہ قال: من اشتریٰ سرقۃ و ہو یعلم أنہ سرقۃ فقد شرک فی عارہا و إثمہا. (المستدرک للحاکم، مکتبہ نزار مصطفی الباز بیروت ۳/ ۸۵۲، رقم: ۲۲۵۳، المنصف لابن أبی شیبۃ، مؤسسۃ علوم القرآن بیروت ۱۱/ ۳۳۶، رقم: ۲۲۴۹۵، شعب الإیمان، دار الکتب العلمیۃ بیروت ۴/ ۳۸۹، رقم: ۵۵۰۰)

أما لو رأى المكاس مثلا يأخذ من أحد شيئا من المكس ثم يعطيه آخر ثم يأخذ من ذلک الآخر آخر فهو حرام. (شامی، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد، مطلب الحرمة تتعد، کراچی ۵/ ۹۸، زکریا ۷/ ۳۰۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍ شعبان المعظم ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۴۰۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۹/ ۸/ ۱۴۱۸ھ

سرکاری زمین میں مکان تعمیر کرنا

سوال [۹۷۴۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ممبئی میں ایک شخص نے حسب معمول سرکاری زمین پر قابض ہو کر ایک کمرہ بنالیا اسے دیکھ کر کچھ متعلقین نے کہا کہ ہمیں بھی یہاں کمرہ بنوادیں، اس شخص نے کہا میرا فی کمرہ اتنا خرچ آیا ہے، اتنی رقم تم دیدو تمہارے کمرے بھی بن جائیں گے، لوگوں نے رقمیں دیں، لہٰذا کمرے بھی بنے، ابھی تکمیل ہونے ہی والی تھی کہ سرکاری عملہ آگیا، اور اس نے سارے کمروں کو مسمار کردیا، اور تمام سامان تعمیری جو لاکھوں روپیوں کا تھا مع زمین کے اپنی تحویل میں لے لیا، اس کے بعد ایک شخص آیا اس نے کہا میں تمہیں زمین کا قبضہ مع سامان دلاسکتا ہوں اور کاغذات بھی بنوادیتا ہوں، اس میں اتنی اتنی رقمیں خرچ ہوں گی، جو لاکھوں میں تھی، مشورہ کیا تو لوگ راضی ہو گئے، رقم دیدی گئی، مگر وہ شخص بھی دھوکہ باز نکلا اور رقم لے کر بیٹھ گیا، کچھ کر کے نہ دیا، صورت مذکورہ میں کیا یہ رقم جو لوگوں کی تھی شرعی اعتبار سے سائل پر واجب الأدا ہوگی؟ جبکہ زمین کی نوعیت اور تعمیر سے سبھی واقف تھے، خیال رہے کہ اس میں سائل کو کوئی منافع کمانا مقصد نہیں تھا۔

المستفتی: قاری حسین احمد ممبئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سرکاری زمین پر سرکار کی باضابطہ اجازت کے بغیر تعمیر کرنا درست نہیں تھا، اور بعد میں سرکاری عملہ کا آکر عمارت کو مسمار کر کے زمین کو قبضہ میں لینا ان کا حق تھا۔

عن سعید بن عمرو بن نفیل أن رسول الله ﷺ قال: من اقتطع شبراً من الأرض ظلماً طوقه الله إیاه یوم القیامة من سبع أرضین. (مسلم شریف، کتاب المساقات والمزارعة، باب تحریم الظلم وغصب الأرض، النسخة الهندیة ۳۲/۲، بیت الأفکار رقم: ۱۶۱۰، صحیح البخاری، کتاب المظالم، باب إثم من ظلم شیئا من الأرض، النسخة الهندیة ۳۳۲/۱، رقم: ۲۳۸۸، ف: ۲۴۵۲، سنن أبی داؤد، کتاب الأدب، باب من یأخذ الشیئ من مزاح، النسخة الهندیة ۶۸۳/۲، دار السلام رقم: ۵۰۰۳)

غصب من آخر دارا أو أرضا فبنی فیها أو زرع فیها زرعا فقلع صاحبها الزرع و هدم البناء لایضمن. (هندیه، کتاب الغصب، الباب الثانی، زکریا قدیم ۱۲۵/۵، جدید ۱۴۶/۵)

ومن بنی أو غرس فی أرض غیره بغیر إذنه أمر بالقلع والرد. (شامی کراچی ۱۹۴/۶، زکریا ۲۸۳/۹)

پھر اس کے بعد اسلم نامی آدمی کا زمین اور عملہ کی واپسی کی ذمہ داری کا پیسہ لینا اور پیسہ لے کر بیٹھ جانا اس کی طرف سے دھوکہ دہی ہے، شرعی طور پر اس پر لازم ہے کہ جس سے جتنا جتنا پیسہ لیا ہے اتنا اتنا سب کو واپس کردے، یا سرکار سے اس زمین کی منظوری کرادے۔

عن أبی حمید الساعدی أن رسول الله ﷺ قال: لایحل لمسلم أن یأخذ مال أخیه بغیر حق. (مجمع الزوائد، دار الکتب العلمیة بیروت ۱۷۱/۴، مسند أحمد بن حنبل ۴۲۵/۵، رقم: ۲۴۰۰۳)

لایجوز لأحد من المسلمین أخذ مال أحد بغیر سبب شرعی. (شامی، کتاب الحدود، مطلب: فی التعزیر بأخذ المال، کراچی ۶۱/۴، زکریا ۱۰۶/۶، البحر الرائق کوئٹہ ۴۱/۵، زکریا ۶۸/۵، هندیه زکریا قدیم ۱۶۷/۲، جدید ۱۸۱/۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍صفر المظفر ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۸۸۲/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۲/۷ھ

کسی شخص کی مقبوضہ سرکاری زمین کوخفیہ طور پر اپنے نام کرانے کا حکم

سوال [۹۷۵۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے ایک دوکان پر اپنی تجارت کو جاری کیا جو واقعی حکومت کی جگہ ہے کیونکہ وہ نالہ کے کنارے پر ہے، ایک شخص نے اس کو اپنے نام کرالیا تھا، زید نے اس زمین کو نواب کے دور کی تاریخ ڈلوا کر اپنے نام کرالیا گویا کہ زید کے نام سے پہلے ہوئی اور دوسرے فریق کے نام بعد میں اب دریافت یہ کرنا ہے کہ اس پر شرعی اعتبار سے ملکیت کس کی ہے، شرعی دلائل سے مدلل فرمائیں؟

المستفتی: عبدالرحمٰن سول لائن رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب شروع ہی سے زید کا قبضہ چلا آرہا ہے اور حکومت نے زید ہی کو اجازت دے رکھی ہے اور دوسرے نے خفیہ طور پر اپنے نام کرالیا ہے، اس کا یہ عمل درست نہیں ہے، اور اس کی کاٹ کے لیے زید نے دوسرا خفیہ ہتھکنڈہ استعمال کیا کہ اس سے پہلے کی تاریخوں سے اپنے نام کرالیا تو اس معاملہ میں دونوں آدمی جھوٹے ہیں اس لیے دونوں میں سے کسی ایک کے بھی عمل کو صحیح نہیں کہا جائے گا، ہاں البتہ اگر زید نے حکومت کی اجازت سے تجارت شروع کی ہوتی پھر کوشش کرکے اپنے نام بھی کرالیا ہوتا تو یہ صحیح اور درست ہوجاتا۔

إن أذن له الإمام في ذٰلك و لو تركها بعد الإحياء و زرعها غيره فالأول أحق بها في الأصح. (تنویر الأبصار مع الشامی، کتاب احیاء الموات، کراچی ٦/، زکریا ١٠/٥، هندیه زکریا قدیم ٣٨٦/٥، جدید ٤٤٣، تبیین الحقائق، امدادیه ملتان ٣٥/٦، زکریا ٧٨/٧) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱؍محرم الحرام ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۶۴۰/۳۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۱/۲۱ھ

سرکار کی طرف سے بھائی کو دی گئی زمین پر بہن کا قبضہ

سوال [۹۷۵۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید ایک معذور اور مفلس شخص ہے اس کی ایک بہن فاطمہ ہے جو مالی حیثیت سے ٹھیک ہے اب سرکار کی طرف سے کچھ زمین غریبوں اور معذوروں کو دی جاتی ہے ان کی مفلسی کی وجہ سے فاطمہ اپنے بھائی زید (جو مفلس ومعذور اور مستحق زمین ہے) کے نام سے وہ زمین لے لیتی ہے حالانکہ فاطمہ زمین کی مستحق نہیں ہے اور زید اپنے نام سے زمین دلانے پر راضی بھی ہے، اور سرکاری کارروائی مکمل کرانے میں جو خرچ ہوتا ہے اس کو فاطمہ ہی برداشت کرتی ہے، اور سرکاری کارروائی مکمل ہونے سے پہلے اور فاطمہ کو قبضہ دینے سے پہلے زید اور فاطمہ کے مابین جھگڑا ہو جاتا ہے جس کی بنا پر زید اپنے نام پر دلانے والی زمین کو اسے دینے سے انکار کر دیتا ہے اور اپنے قول سے رجوع کر لیتا ہے اور سرکاری کاروائی مکمل کرانے میں فاطمہ نے جو خرچ برداشت کیا تھا، زید اسے بھی فاطمہ کو واپس دینے پر راضی ہو جاتا ہے، لیکن فاطمہ نے زمین پر جبراً قبضہ کر لیا اس کے بعد زید کا انتقال ہو جاتا ہے، انتقال کے بعد زید کے ورثاء فاطمہ سے اس مقبوضہ زمین کا مطالبہ کرتے ہیں، آیا ان کا مطالبہ کرنا شریعت کی روشنی میں جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد شہزاد بجنوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: غریبوں کے لیے سرکار کی طرف سے دی جانے والی زمین میں سے زید مفلس غریب کے نام سے سرکار نے جو زمین دی ہے اس کا مالک صرف زید ہی ہے اور زید کے جتنے بھی شرعی ورثاء ہیں وہ سب اس میں حصہ شرعی کے حساب سے شریک ہوں گے، اور فاطمہ کا قبضہ اس زمین پر غاصبانہ ہے، لہٰذا فاطمہ پر یہ زمین زید کے ورثاء کو واپس کرنا لازم ہے۔

عن سعید بن زید بن عمرو بن نفیل أن رسول اللہ ﷺ قال: من أخذ شبرا من الأرض ظلما فإنه یطوقه یوم القیامة من سبع أرضین. (مسلم شریف، کتاب

المساقات والمزارعة، باب تحريم الظلم وغصب الأرض، النسخة الهندية ٢/ ٣٢، بيت الأفكار رقم: ١٦١٠، صحيح البخارى، كتاب المظالم، باب إثم من ظلم شيئا من الأرض، النسخة الهندية ١/ ٣٣٢، رقم: ٢٣٨٨، ف: ٢٤٥٢، سنن أبى داؤد، كتاب الأدب، باب من يأخذ الشيئ من مزاح، النسخة الهندية ٢/ ٦٨٣، دار السلام رقم: ٥٠٠٣، مشكوٰة المصابيح ص: ٢٥٥)

عن عبد الله بن عمر عن النبى ﷺ قال: الكبائر: الإشراک بالله واليمين الغموس. ...... (صحيح البخارى، الأيمان والنذور، باب اليمين الغموس، النسخة الهندية ٢/ ٩٨٧، رقم: ٦٤١٩، ف: ٦٦٧٥)

عن جابر قال قال رسول الله ﷺ لا يحل لمسلم أن يأخذ مال أخيه بغير حق . (مجمع الزوائد، دار الكتب العلمية بيروت ٤/ ١٧١، مسند أحمد بن حنبل ٥/ ٤٢٥، رقم: ٢٤٠٠٣)

التركة ما بقى بعد الموت من ماله صافيا عن تعلق حق الغير بعينه.
(دليل الوارث على هامش السراجى ص: ٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍ ذی قعدہ ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۲۲۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۱۱/۲۹ھ

جنگلات کی لکڑیاں سرکاری اجازت کے بغیر استعمال کرنا

سوال [۹۷۵۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہم لوگ جنگل میں رہتے ہیں اور جنگل کی لکڑی کاٹنے کا حکم نہیں ہے، مگر پھر بھی ہم ان کو جلاتے ہیں اور چارپائی بھی بناتے ہیں اور بہت سے کام کرتے ہیں، تو کیا اس لکڑی کا پکا ہوا کھانا درست ہوگا اور اس چارپائی پر لیٹنا درست ہوگا یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جنگلات کی لکڑیاں حکومت کی اجازت کے بغیر لا

کر استعمال کرنا جائز نہیں ہے، البتہ ان سے تیار کردہ کھانا اور چارپائی وغیرہ کا استعمال مباح ہے، لیکن ایسا عمل کرنا جس سے عزت وآبرو کو خطرہ لاحق ہو شرعاً درست نہیں۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۸/ ۱۲۵، فتاویٰ محمودیہ قدیم ۶/ ۳۵۳، جدید ڈابھیل ۱۸/ ۴۲۳)

بخلاف الأشجار لأن الكلأ ما لا ساق له والأشجار لها ساق فلا تدخل فيه حتى جاز بيعها إذا نبت في أرضه. (هنديه، كتاب البيوع، الباب التاسع، قبيل الفصل الثالث، زكريا قديم ۳/ ۱۱۰، جديد ۳/ ۱۱۱، شامي، باب البيع الفاسد، مطلب: استثناء الحمل في العقود على ثلاث مراتب، زكريا ۷/ ۲۵٦، كراچی ٥/ ٦٦، البحر الرائق كوئٹه ٦/ ۷۸، زكريا ٦/ ۱۲۷)

لايجوز التصرف في مال غيره بلا إذنه. (در مختار، كتاب الغصب، مطلب: فيما يجوز من التصرف بمال الغير، كراچی ٦/ ۲۰۰، زكريا ۹/ ۲۹۱، الأشباه كراچی ۲/ ۹۸، قواعد الفقه اشرفي ديو بند ص: ۱۱۰، الموسوعة الفقهية ۲۸/ ۲۹٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰؍ رجب المرجب ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۸۲۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۰/ ۷/ ۱۴۲۱ھ

انجانے میں دوسرے کی زمین میں لگائے گئے درخت کا حکم

سوال [۹۷۵۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص کی زمین تھی لیکن اس کو معلوم نہیں تھا کہ یہ زمین میری ہے، بلکہ یہ معلوم تھا کہ یہ زمین چیتو نامی غیر مسلم کی ہے اور اس نے الکھی نامی شخص کو ہبہ کر دیا ہے اور اس نے زمین میں آم کے درخت بھی لگا لیے اور برابر اس سے فائدہ اٹھاتا رہا ہے، تقریباً بیس سال کے بعد جب زمین کی پیمائش ہوئی اور نقشہ سامنے رکھا گیا تو معلوم ہوا کہ یہ زمین نجیب احمد صاحب کی ہے تو اب اس کا کیا حکم ہے؟ وہ درخت کس کے ہوں گے، نجیب احمد صاحب ان درختوں کو بغیر کسی چیز کے دیئے لے سکتے ہیں، یا نہیں؟ جبکہ الکھی اس سے مسلسل فائدہ

اٹھاتا رہاہےاس کے پھلوں،لکڑیوں اور زمین سے، اگر ان درختوں کے بدلے کوئی چیز دینی پڑے تو پھر اس نے اتنے دنوں تک جو فائدہ اٹھایا ہے، اس کا کیا حکم ہوگا؟ عندالشرع ان درختوں کا لینا کیسا ہے؟ وہ درخت کس کے ہوں گے، بالتفصیل مع دلائل تحریر فرمائیں گے۔

المستفتی: نجیب احمد صاحب ضلع بہرائچ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مسئولہ صورت میں چیتو نامی غیر مسلم شخص ہی ان درختوں کا مالک ہے، نجیب احمد کا ان درختوں کو بلا معاوضہ لینا شرعاً درست نہیں، البتہ سالوں سے جو اس غیر مسلم نے زمین پر مالکانہ قبضہ کر رکھا تھا، اس کا کرایہ نجیب احمد کے لیے وصول کرنا شرعا درست ہے۔

عن سعيد بن زيد عن النبي ﷺ قال: من أحى أرضا ميتة فهي له وليس لعرق ظالم حق، وعن محمد بن المثنى قال: سألت أبا الوليد الطيالسي عن قوله ”وليس لعرق ظالم حق“ فقال: العرق الظالم الغاصب الذي يأخذ ماليس له، قلت: هو الرجل الذي يغرس في أرض غيره قال: هو ذاك. (سنن الترمذي، الأحكام، باب ما ذكر في أرض إحياء الموات، النسخة الهندية ۱/۲۵۶، دار السلام، رقم: ۱۳۹۴-۱۳۹۶)

ومن غرس في أرض غيره بغير إذنه أمر بالقلع – وعليه أجر مثل الأرض. (در مختار على شامي، كتاب الغصب، كراچی ۶/۱۹۴، زكريا ۹/۲۸۳، جامع الفصولين ۲/۱۵۹، هدايه اشرفی ديوبند ۳/۳۷۹، مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ۴/۸۷، تبيين الحقائق، امداديه ملتان ۵/۲۲۹، زكريا ديوبند ۶/۳۲۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/ ذیقعدہ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۹۵۷)

غاصب کے مال سے اپنے حصہ کی مقدار وصول کرنا

سوال [۹۷۵۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: میرے مکان میں ایک شخص ۱۸/سال قبل میری اجازت کے بغیر قابض ہوگیا اب کسی طرح اس مکان کا قبضہ مجھ کو مل گیا، اس مکان میں اس شخص کا کچھ سامان رہ گیا ہے جس کی مالیت میرے کرایہ سے جو آج سے ۱۸/سال پہلے کسی شرعی پیسے سے کم تھی، اس سے بھی کم ہے، کیا میں اس سامان کو کرایہ میں مجریٰ سمجھ کر اپنے استعمال میں لاسکتا ہوں، شرعاً کیا حکم ہے؟

المستفتی: مُنن محلّہ نئی سڑک مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر باوجود مطالبہ کے آپ کا کرایہ ادا نہ کرے تو حاکم کی اجازت سے مجریٰ کر لینا درست ہے۔ (مستفاد: حاشیہ امداد الفتاویٰ ۳/ ۴۴۶، کفایت المفتی قدیم ۸/۱۶۳، جدید زکریا مطول ۱۱/ ۱۵۹)

إن عدم جواز الأخذ من خلاف الجنس كان في زمانهم لمطاوعتهم في الحقوق والفتویٰ اليوم على جواز الأخذ عند القدرة من أی مال كان لا سيما في ديارنا لمدواتهم العقوق. (شامی، كتاب الحجر، مطبوعه كوئٹه ۵/ ۱۰۵، كراچی ۶/ ۱۵۱، زكريا ۹/ ۲۲۱، كفاية السرقة ۳/ ۲۲۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴/جمادی الثانیہ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۶۲۴۷)

دوسرے کی زمین پر مکان تعمیر کرلیا تو اب کیا کرے؟

سوال [۹۷۵۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کسی کی زمین پر زبردستی مکان بنالیا گیا ہے تو ایسی صورت میں صاحب زمین اپنی زمین پر کیسے قبضہ کرے گا؟ مدلل تحریر کریں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب غاصب زمین پر قبضہ کرکے مکان بنائے تو

صاحب زمین کے لیے زمین پر قبضہ کرنے کی دوصورتیں ہیں ایک صورت یہ ہے کہ وہ غاصب کو مکان توڑ کر زمین خالی کرنے کا حکم دے دوسری صورت یہ ہے کہ اس سے صلح کرے اور مکان کو باقی رکھ کر غاصب کو مکان کے ملبے کی رقم دیدے۔ (مستفاد: محمودیہ ڈابھیل ۱۷/۱۴۴، میرٹھ ۲۶/۲۸)

عن سعيد بن زيد عن النبي ﷺ قال: من أحى أرضا ميتة فهي له وليس لعرق ظالم حق، وعن محمد بن المثنى قال: سألت أبا الوليد الطيالسي عن قوله "وليس لعرق ظالم حق" فقال: العرق الظالم الغاصب الذي يأخذ ماليس له، قلت: هو الرجل الذي يغرس في أرض غيره قال: هو ذاك. (سنن الترمذي، الأحكام، باب ما ذكر في أرض إحياء الموات، النسخة الهندية ۱/۲۵۶، دار السلام رقم: ۱۳۹٤-۱۳۹٦)

إن كان المغصوب أرضا فبنى الغاصب فيها بناء يؤمر بقلعها و رد الأرض. (شرح المجلة رستم باز اتحاد ديوبند ۱/۵۰۲، ماده نمبر ۹۰٦)

من غصب أرضا فغرس فيها أو بنى قيل له اقلع البناء والغرس و ردها...... فإن كانت الأرض تنقص بقلع ذٰلك فللمالك أن يضمن له قيمة البناء و قيمة الغرس مقلوعا ويكونان له لأن فيه نظراً لهما ودفع الضرر عنهما. (هدايه، كتاب الغصب، فصل فيما يتغير بفعل الغاصب، اشرفى، ۳/۳۷۹، شامى، كتاب الغصب، كراچى ٦/۱۹٤، زكريا ۹/۲۸٤، مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ٤/۸۷، تبيين الحقائق، زكريا ديو بند ٦/۳۲۹، امداديه ملتان ۵/۲۲۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍ربیع الاول ۱۴۳۵ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۴۵۵)

ایک شخص نے دوسرے کی زمین زبردستی جوت لی تو کیا کرے؟

سوال [۹۷۵٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کسی شخص نے دوسرے شخص کی زمین پر اس کی اجازت کے بغیر زمین کو جوت کر کھیتی کا غلہ بودیا، اور اسی غلہ سے پیداوار ہوگئی اب سرکاری دباؤ کے ذریعہ سے اسی درمیان صاحب زمین کو زمین پر قبضہ مل گیا تو اب مذکورہ صورت میں کھیت کا غلہ کس کو ملے گا اور کھیتی کرنے والے کو کیا ملے گا؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب مالک زمین نے اپنی زمین پر قبضہ کرلیا تو وہ بلا اجازت کھیتی کرنے والے کو کھیتی کاٹنے کا حکم دے سکتا ہے اور زبردستی کھیتی کرنے والے پر مالک زمین کو اتنی مدت کا زمین کا کرایہ دینا لازم ہے، یہ حکم قضاء ہے لیکن اگر یہ دونوں مصالحت کریں اور مالک زمین کھیتی کو رکھ لے اور غاصب کو اس کھیتی میں خرچ ہونے والی رقم ادا کردے تو جائز ہے۔

عن رافع بن خديج أن النبي ﷺ قال من زرع في أرض قوم بغير إذنهم فليس له من الزرع شيئ و له نفقته. (ترمذی شریف، أبواب الأحكام، باب ماجاء من زرع في أرض قوم بغير إذنهم، النسخة الهندية ۱/۲۵۳، دار السلام رقم: ۱۳۶۶)

ما حصل من الزرع فهو لصاحب البذر و عليه أجرة الأرض من يوم غصبها إلى يوم التفريغ. (هامش الترمذی، ابواب الأحكام، باب ما جاء من زرع فی أرض قوم بغير إذنهم، رقم الحاشية: ۲۵۳/۱۵)

مذهب الجمهور: أن الزرع لمن زرع فيها و لصاحب الأرض المؤنة والأجرة. (التقرير للترمذی ص:۳۹)

من زرع فی أرض قوم بغير إذنهم قال أبو حنيفة أن الزرع تبع البذر فإذا زرع فی أرض مغصوبة فالغاصب له الخارج بملك خبيث و عليه كراء الأرض. (العرف الشذی ۱/۲۵٤)

فحكم القضاء أنه إن أدرك الزرع فهو للغاصب و عليه ضمان نقصان الأرض. (اعلاء السنن، كتاب الغصب، باب الزرع فی الأرض المغصوبة، کراچی ۳۲۹/۱٦، دار الكتب العلمية بيروت ۳۹۱/۱٦)

ينبغی أن يحمل الحديث على حكم المصالحة ويقال أنه ﷺ قضى

بهٰذا الحکم علی وجه المصالحة لکونه أنفع الفریقین. (إعلاء السنن، کراچی ١٦/٣٢٩، دار الکتب العلمیة بیروت ١٦/٣٩١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٢؍ربیع الاول ١٤٣٥ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ٤٠/١١٤٥٦)

دوسرے کی مملوکہ زمین پر عرس کے لیے مزار تعمیر کرنا

سوال [٩٧٥٧]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں نے ٧؍جنوری ١٩٧٥ء کو محمد شاہ رحمت شاہ اور ننھے شاہ سے ١٦٥ گز مربع آراضی خریدی تھی، جس کا بیع نامہ منسلک ہے، آراضی کے متصل پچھّم جانب چاہ پختہ میونسپل بورڈ کا ہے اور اس سے متصل ایک مزار ہے اس آراضی کی ١٠٠ گز زمین میں نے بیچ دی تھی، اور تقریباً ٦٥؍گز زمین باقی ہے، جس پر مجاور مزار نے ١٩٧٨ء سے غاصبانہ قبضہ کر رکھا ہے اور چاہ پختہ کے لیے میونسپل بورڈ سے مزار کے نام پر اجازت لے لی ہے اور اس پر عرس کے لیے مکان بنانا چاہتا ہے، جس میں میری آراضی بھی آرہی ہے، اور میں دینا نہیں چاہتا۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس طرح میری ملکیت کی زمین پر قبضہ غاصبانہ کر لینا اور اس کو مزار کے لیے مکان میں شامل کرنا جائز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوالنامہ میں درج شدہ صورت میں آپ کی مرضی کے بغیر آپ کی مملوکہ آراضی پر مجاور مزار کا قبضہ غاصبانہ کر کے ذاتی یا عرس کے لیے مکان تعمیر کرنا ناجائز اور حرام ہے، مجاور مزار پر واجب ہے کہ آپ کی زمین کو واپس کر دے ورنہ عنداللہ سخت ترین دردناک عذاب کا مستحق ہوگا۔

عن سعید بن زید بن عمرو بن نفیل أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: من أخذ شبراً من الأرض ظلما فإنه یطوقه یوم القیامة من سبع أرضین. (مسلم شریف، کتاب

المساقات والمزارعة، باب تحريم الظلم وغصب الأرض، النسخة الهندية ٢/٣٢، بيت الأفكار رقم: ١٦١٠، صحيح البخاري كتاب المظالم، باب إثم من ظلم شيئا من الأرض، النسخة الهندية ١/٣٣٢، رقم: ٢٣٨٨، ف: ٢٤٥٢، سنن أبي داؤد، كتاب الأدب، باب من يأخذ الشيئ من مزاح، النسخة الهندية ٢/٦٨٣، دار السلام رقم: ٥٠٠٣، مشكوٰة شريف ١/٢٥٤)

الغصب (إلى قوله) أنه حرام محرم على الغاصب ذٰلك و حكمه وجوب رد المغصوب إن كان قائما الخ. (البحر الرائق، كتاب الغصب، كوئٹه ٨/١٠٨، زكريا ٨/١٩٦، هكذا الدر المنتقى قديم ٢/٤٥٥، جديد دار الكتب العلمية بيروت ٤/٧٨ مجمع الأنهر قديم ٢/٤٥٥، جديد دار الكتب العلمية بيروت ٤/٧٨، هكذا في الهندية زكريا قديم ٤/١١٩، جديد ٥/١١٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰؍رجب المرجب ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۹۵۷)

غیر کی آراضی میں اس کی اجازت کے بغیر قبریں بنانا اور مردے دفن کرنا

سوال [۹۷۵۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرا ذاتی مکان تھا لوگوں نے وہ مکان مجھے اکیلا سمجھ کر میری غیر موجودگی میں بالکل مسمار کردیا، اور سب محلے والوں نے سازش کرکے چند فرضی قبریں بنادیں، اب آئندہ اس میں مردے دفن کرنے کا باقاعدہ پروگرام ہے تو کیا کسی کی آراضی میں کسی مسلمان کو بغیر اس کی اجازت کے دفن کرنا جائز ہے، نیز اگر اس میں زبردستی دفن کردیا جائے تو پولیس کی مدد سے اس قبر کو اکھاڑ کر اس مردے کو کہیں اور دفن کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد یاسین پہلوان، مغل پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اسلامی شریعت میں کسی کی زمین میں مالک کی

اجازت اوراس کی مرضی کے بغیر مردہ دفن کرنا جائز نہیں ہے، اور دفن کرنے والے شرعاً غاصب ہیں، اور مالک کو اختیار ہے کہ مردہ کے ادب کو ملحوظ رکھتے ہوئے قبر سے نکال کر دوسری جگہ منتقل کرا دے اوراگر ورثاء منتقل نہ کریں اور نہ ہی مالک زمین کو منتقل کرنے دیتے ہیں تو ایسے حالات میں مالک زمین کو اختیار رہے کہ قبر کی زمین کو برابر کرکے اپنے استعمال میں لائے، نیز بصورت مجبوری پولیس کی مدد سے بھی یہ کام کیا جا سکتا ہے۔

إذا دفن الميت في أرض غيره بغير إذن مالكها، فالمالك بالخيار إن شاء أمر بإخراج الميت و إن شاء سوى الأرض وزرع فيها الخ. (فتاویٰ عالمگیری، باب الجنائز، الفصل السادس، زکریا قدیم ۱/۱۶۷، جدید ۱/۲۲۸، تبيين الحقائق امدادیه ملتان ۱/۲۴۶، زكريا ديوبند ۱/۵۸۸، در مختار الشامي كراچی ۲/۲۳۸، زکریا دیوبند ۳/۱۴۵، البحر الرائق زکریا ۲/۳۴۱، کوئٹه ۲/۱۹۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍صفر المظفر ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۵۶۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۲/۲/۲۹ھ

تعزیہ رکھنے کے لیے کسی کا گھر چھیننا

سوال [۹۷۵۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ خالد کے گھر میں تعزیہ رکھا جاتا ہے اب اس کو معلوم ہوا تعزیہ کے حرام ہونے کے بارے میں اور جس وقت تعزیہ رکھنے کی اجازت دی تھی تو اس وقت خالد کے پاس گھر زائد تھے، لیکن اب اس کے پاس گھروں کی کمی ہے تو اس نے تعزیہ رکھنے سے لوگوں کو منع کیا تو گاؤں والے لوگ اس کا ایک گھر چھین لینا چاہتے ہیں تو کیا خالد کو اپنا گھر بچانے کے لیے اور ان لوگوں کو تعزیہ رکھنے کے لیے دوسری جگہ خرید کر دینا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: علی احمد رامپوری، متعلم مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اپنا حق بچانے کے لیے دوسری جگہ خرید کر دینا جائز ہوگا،

اس زمین میں جولوگ نا جائزاورخلاف شرع حرکات کرنے والے ہوں گے، وہ لوگ گنہگار رہوں گے، زمین خرید کردینے والے پرکوئی گناہ نہیں ہوگا، کیونکہ شرعاً یہ صلح عن الانکار ہے جوجائز ہے۔

الصلح على ثلاثة أضرب: صلح مع إقرار، و صلح مع سكوت، وهو لا يقر المدعى عليه ولاينكر و صلح مع إنكار و كل ذٰلک جائز لإطلاق قوله تعالىٰ "الصلح خير" (إلى قوله) **لأن المدعى يأخذه عوضا عن حقه فى زعمه وهذا مشروع والمدعى عليه يدفعه لدفع الخصومة عن نفسه وهذا مشروع أيضا إذا المال و قاية الأنفس ودفع الرشوة لدفع الظلم أمر جائز.** (هدايه، كتاب الصلح، اشرفى ديوبند ۲۲۹/۳، مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ۴۲۳/۳)

وكما استفاد عن عبارة الشامى ولو آجر نفسه ليعمل فى الكنيسة و يعمرها لا بأس به لأنه لا معصية فى عين العمل. (شامى، كتاب الحظر والإباحة، فصل فى البيع، كراچى ۳۹۱/۶، زكريا ۵۶۲/۹)

فلو ادى مجرىٰ فى دار أو مسيلا على سطح أو شربا فى نهر فأقر أو أنكر ثم صالحه على شئ معلوم الخ. (شامى، كتاب الصلح، كراچى ۶۳۰/۵، زكريا ديوبند ۴۰۸/۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶رصفر المظفر ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۳۶/۲۴)

ناجائز طریقہ سے حاصل شدہ زمین سے انتفاع اورصدقہ وخیرات کرنا

سوال [۹۷۶۰]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جوزمین ناجائز طریقہ سے حاصل کی گئی ہواس کی پیداوار سے کھانا یاکسی طرح کا فائدہ اٹھانا یاکرانا مثلاً اس زمین کی پیداوار اور جواس شخص کے قبضہ میں ہے کسی شخص کوبطور امداد دینا جائز ہے یانہیں؟ اوراس کی پیداوار کا کیاحکم ہے؟ جائز ہے یانہیں؟ اوراس سے

صدقہ وخیرات کر سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: محمد شفیع بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جس کی زمین ہے اس کو واپس کر دینا واجب ہے، مالک کی بلا اجازت اس کی پیداوار سے کھانا، فائدہ اٹھانا، اور بنیت ثواب اس میں سے صدقہ وخیرات کرنا یا کسی کو بطور امداد دینا سب ناجائز ہے، بلکہ اصل مالک کو واپس کرنا واجب ہے، مگر مالک تک رسائی کی کوئی شکل نہ ہو تو بلانیت ثواب فقراء کو دیدینا لازم ہے، اپنے تصرف میں لانا جائز نہیں ہے۔

صرح الفقهاء بأن من اكتسب مالا بغير حق فإما أن يكون كسبه بعقد فاسد كالبيوع الفاسدة، والاستئجار على المعاصي، والطاعات أو بغير عقد كالسرقة والغصب والخيانة والغلول ففي جميع الأحوال المال الحاصل له حرام عليه ولكن إن أخذه من غير عقد ولم يملكه يجب عليه أن يرده على مالكه إن وجد المالك (إلى قوله) لايمكنه أن يرده إلى مالكه و يريد أن يدفع مظلمته عن نفسه فليس له حيلة إلا أن يدفعه إلى الفقراء. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، مكتبه يحيىٰ سهارنپور ١/٣٧، دار البشائر الاسلاميه بيروت ١/٣٥٩، تحت رقم الحديث: ٥٩)

اوراس مال سے صدقہ وخیرات کرنے سے ثواب نہیں مل سکتا۔

فيلزم عليه أن يدفعه إلى الفقراء ولكن لا يريد بذٰلک الأجر والثواب ولكن يريد دفع المعصية عن نفسه. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، مكتبه يحيىٰ سهارنپور ١/٣٧، دار البشائر الاسلاميه بيروت ١/٣٦٠، تحت رقم الحديث: ٥٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١٦/ جمادی الاولی ١٤٠٨ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٢٣/ ٦٦٨)

۳۳ کتاب الرهن

زمین کو رہن پر رکھنا

سوال [۹۷۶۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے یہاں عام رواج ہے کہ کسی ضرورت کے موقع پر اپنی زمین بطور رہن دوسرے کو دیدیتے ہیں اور قرض لے کر اپنی ضروریات میں استعمال کرتے ہیں اور جب روپئے کا انتظام ہو جاتا ہے تو روپئے واپس دے کر زمین اپنے قبضہ میں کر لیتے ہیں، اس دوران مرتہن زمین سے فائدہ اٹھاتا رہتا ہے، کھیتی کرتا ہے، تو کیا ایسی صورت میں یہ طریقہ درست ہے؟ اور مرتہن کا فائدہ اٹھانا یا مدت متعینہ تک کے لیے زمین کو رکھنا یا جب کھیتی کھڑی ہو اس وقت زمین واپس کر سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: عبداللہ مدھوبنی متعلم مدرسہ شاہی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ضرورت کی وجہ سے اپنی زمین دوسرے کو رہن کے طور پر دینا اور اس سے قرض لینا جائز ہے اور قرض کی ادائیگی کے بعد اپنی زمین کو واپس بھی لے سکتا ہے، لیکن مرتہن کے لیے مرہونی زمین سے نفع اٹھانا جائز نہیں ہے۔

عن فضالة بن عبيد صاحب النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال: كل قرض جر منفعة فهو وجه من وجوه الربا. (السنن الكبرىٰ للبيهقي، البيوع، باب كل قرض جر منفعة فهو ربا، دار الفكر ۸/۲۷٦، رقم: ۱۱۰۹۲)

عن علي رضي الله عنه قال كل قرض جر منفعة فهو ربا. (كنز العمال، الدين والسلم، دار الكتب العلمية بيروت ٦/۹۹، رقم: ۱۵۵۱۲، جامع الأحاديث الكبير للسيوطي ٦/٤۳۸، رقم: ۱۵۸۲۱)

لایحل للمرتهن أن ینتفع بشیئ منه بوجه من الوجوه و إن أذن له الراهن لأنه أذن له فی الربا. (شامی، کتاب الرهن، زکریا ١٠/٨٣، کراچی ٦/٤٨٢، مطلب: کل قرض جر نفعا حرام، زکریا ٧/٣٩٥، کراچی ٥/١٦٦، مجمع الأنهر مصری قدیم ٢/٥٨٨، دار الکتب العلمیة بیروت ٤/٢٧٣، ٢٧٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٢٨/ربیع الثانی ١٤٢٦ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٧/٨٧٩٥)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
٢٨/٤/١٤٢٦ھ

والد کے رہن میں رکھے ہوئے مکان کو لڑکا چھڑا لے تو کیا حکم ہے؟

سوال [٩٧٦٢]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک صاحب ماسٹر نذیر احمد مرحوم ایک سو چھبیس گز کے ایک مکان کے مالک تھے، انہوں نے اپنی ضرورت سے اس مکان کو ١٩٣٦ء میں ساہوکار کے پاس رہن رکھ دیا، بعد کو ان کا انتقال ہوگیا، ان کے وارثوں کی تفصیل یہ ہے کہ عبد اللطیف، عبد السلام دو لڑکے، مسماۃ اختری بیگم ایک لڑکی اور ایک اپنی بیوہ مسماۃ امیر اُیہ کل چار وارث چھوڑے، مکان میں سب کی رہائش تھی، ١٩٤٣ء میں عبد السلام نے ساہوکار کا تمام روپیہ مع سود کے ادا کر دیا، ساہوکار نے کاغذ کی پشت پر لکھ دیا کہ میں نے اپنا روپیہ وصول کر کے کاغذ عبد السلام کو واپس کر دیا، لڑکی شادی کے بعد اپنے گھر چلی گئی تھی، بعد ازاں عبد السلام نے اسی ١٢٦/ گز کے کل مکان کو ١٩٧٥ء میں اپنی بیوی مسماۃ جمیلہ بیگم کو ہبہ زبانی وتحریری کر دیا، اب ١٩٨٨ء میں اس مکان کے صرف ٤٤/ گز کو اپنا حصہ مان کر ایک دیگر شخص کو فروخت کر دیا، اور رجسٹری کروالی، جمیلہ بیگم کا کہنا ہے کہ مکان سب میرا ہے، عبد السلام ہبہ کے منکر ہیں، جبکہ کاغذ پر جو دستخط ہیں انہیں کے ہیں، درج ذیل سوال کا جواب مطلوب ہے۔

کیا عبد السلام کل مکان کے مالک تھے، کیا یہ صرف انہیں کا ترکہ تھا؟

المستفتی: عبد القیوم انصاری مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اپنے پیسے سے باپ کا رہن چھڑانے کی وجہ سے عبد السلام پورے مکان کے مالک نہیں بن سکتے ہیں بلکہ اس مکان میں تمام ورثاء کا حق ہے البتہ رہن چھڑانے میں جو رقم خرچ ہوئی ہے ورثاء سے اپنے اپنے حصہ کے بقدر منہا کر کے لے سکتے ہیں صرف پورے مکان میں ۲/۲۰-۴۴ گز عبد السلام کو مل سکتا ہے مابقیہ دوسرے ورثاء کا حق ہے۔

ولو قضى الولد دين أبيه وأفتك الرهن لم يكن متبرعا ويرجع بجميع ما قضى على أبيه لأنه مضطر إلى قضاء الدين (إلى قوله) فكان له أن يرجع عليه بما قضى الخ. (بدائع الصنائع، كتاب الرهن، کراچی ١٣٦/٦، زكريا ١٩٦/٥، هنديه زكريا قديم ٤٣٢/٥، جديد ٤٨٩/٥)

لايبطل الرهن بموت الراهن و لابموت المرتهن ولا بموتهما ويبقى الرهن رهناً عند الورثة. (الدر مع الرد، كتاب الرهن، قبيل فصل فى مسائل متفرقة، زكريا ١٤٢/١٠، کراچی ٥٢٠/٦، هنديه زكريا قديم ٤٣٨/٥، جديد ٤٩٤/٥، تنقيح الفتاوىٰ الحامدية دار الكتب العلمية ٢٣٨/٢، لسان الحكام ٣٧٥/١، مجمع الضمانات ١٠٤/١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳ر صفر المظفر ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۱۰۸)

رہن بالدرک باطل کیوں؟ جبکہ کفالت بالدرک باطل نہیں؟

سوال [۹۷۶۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ رہن بالدرک جائز نہیں ہے اس کے ناجائز ہونے کی وجہ کیا ہے؟ اس کے برخلاف کفالت بالدرک جائز ہے، اس کے جواز کی کیا وجہ ہے؟ واضح فرمائیے۔

المستفتی: ذاکر اللہ میسور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: رہن بالدرک کی صورت یہ ہوتی ہے کہ بائع نے مشتری کوکوئی چیز فروخت کی اور مشتری کے حوالہ کر دی، لیکن مشتری کوخوف ہے کہ اس کا کوئی مستحق نہ نکل آئے تو اس لیے اس نے بائع سے ثمن کے عوض کوئی چیز رہن رکھ لی، اور رہن کا مقصد یہ ہے کہ مبیع کے استحقاق کے وقت اس شئ مرہون سے ثمن کا ضمان حاصل کرلے، یہ رہن بالدرک ہے جس کوفقہاء کرام نے باطل قرار دیا ہے، اوراس کے بطلان کی وجہ یہ ہے کہ رہن ادائیگی کو پختہ کرنے کے لیے ہوتا ہے لیکن کسی چیز کے وجوب اور ثبوت سے پہلے اس چیز کی ادائیگی ممکن نہیں ہے، اس لیے رہن بالدرک شرعاً باطل ہے اس کے برخلاف کفالت بالدرک جائز ہے، اس کے جواز کی وجہ یہ ہے کہ کفالت مطالبہ کو لازم کرنے اور افعال کو لازم کرنے کے لیے ہوتا ہے، مطالبہ اور افعال کا زمانۂ مستقبل پر معلق کرنا اور منسوب کرنا جائز ہے، جیسا کہ صوم منذور اور صلاۃ منذورہ کا زمانۂ مستقبل پر معلق کرنا درست ہے اسی طرح کفالت بالدرک بھی جائز اور درست ہے۔

قال: والرهن بالدرک باطل، والكفالة بالدرک جائزة، والفرق أن الرهن للاستيفاء ولا استيفاء قبل الوجوب وإضافة التمليک إلى زمان فى المستقبل لا تجوز. (هدایه، کتاب الرهن، اشرفی ٤/٥٢٧، بنایه اشرفیه دیوبند ١٢/٥٠١)

صورته: أن يبيع شيئا ويسلمه إلى المشترى فيخاف المشترى أن يستحقه أحد فيأخذ من البائع رهنا بالثمن. (هامش الهداية اشرفی دیوبند ٤/٥٢٧)

يراد به ضمان الثمن عن استحقاق المبيع. (البناية اشرفيه ١٢/٥٠١)

والكفالة بالدرک جائزة ...... أما الكفالة فلالتزام المطالبة والتزام الأفعال يصح مضافا إلى المآل كما فى الصوم والصلاة ولهذا تصح الكفالة. (هدايه اشرفى ٤/٥٢٧) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍شعبان المعظم ۱۴۳۴ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۲۳۷)

شئ مرہون کے چھڑانے میں لگی رقم سے زائدرقم وصول کرنا

سوال [۹۷۶۴]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مسمی یعقوب علی نے چندہ بیگم سے ایک مکان بذریعہ رجسٹری خرید کیا، جس میں شرط یہ تھی کہ ۵؍سال کے بعدمکان واپس کردیا جائے، اب ۲۲؍سال کے بعد چندہ بیگم یہ چاہتی ہیں کہ یہ مکان انہیں واپس مل جائے، تو یعقوب علی نے یہ شرط لگائی کہ پانچ سال کا عرصہ کم کرکے ۱۷؍سال کا ۳۰۰؍روپیہ ماہوار کے حساب سے چندہ بیگم سے مکان کا کرایہ وصول کرکے ان کے نام رجسٹری کرسکتا ہوں، واضح رہے کہ ۲۲؍سال کے عرصہ کے درمیان چندہ بیگم اس مکان سے فائدہ اٹھاتی رہیں کچھ فروخت کیااور کچھ کرایہ داری وغیرہ پردیااور اسی وقت سے اب تک رہائش بھی اختیار کررکھی ہے، اوراس وقت بھی مکان اونچی پوزیشن پر ہے، شرعی مسئلہ تحریرفرمائیں کہ یعقوب علی کرایہ وصول کرسکتے ہیں یانہیں، یاجواز کی کیاشکل ہوسکتی ہے؟

نوٹ: یہ مکان ایک بنئے کے پاس رہن تھا یعقوب علی نے بنئے سے اس کی رقم ادا کرکے اپنے نام رجسٹری کروالیاتھااور چندہ بیگم نے رجسٹری کردی تھی۔

المستفتی: محمدیعقوب علی محلّہ مغل پورہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوالنامہ کے نوٹ سے معلوم ہوا کہ یعقوب علی صاحب نے چندہ بیگم سے باقاعدہ خریدانہیں ہے بلکہ اس رہن کے مکان جس کو چھڑانے سے چندہ بیگم عاجز ہوگئی تھی، یعقوب علی نے چندہ بیگم کی اجازت سے اس کو اپنے نام سے چھڑوالیا تھا، لہٰذا اب شرعی حکم یہ ہوگا کہ یعقوب علی نے جتنی رقم دے کر رہن کا مکان چھڑایا ہے اتنی ہی رقم چندہ بیگم سے وصول کرکے مکان چندہ بیگم کے حوالہ کرسکتا ہے اورسوالنامہ میں جو۳۰۰؍سوروپیہ ماہانہ کا طریقہ لکھاہے وہ شرعاً غلط ہے۔

ولو أن الراهن عجز عن فكاك الرهن فقضى المعير دين الراهن كان للمعير ان يرجع على الراهن بقدر ما سقط من الدين عند الهلاك ولايرجع

بأكثر من ذلك. (فتاویٰ قاضی، خان، کتاب الرهن فصل فيمن يرهن مال الغير، زكريا جديد ٤٥١/٣، وعلى هامش الهندية ٦٠٤/٣، مجمع الضمانات ٦٧/١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٢٨/ربیع الاول ١٤١٤ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٢٩/ ٢٣٨٥)

شئ مرہونہ کے حفاظت کی اجرت

سوال [٩٧٦٥]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جدید اسلامی بیت المال یا مسلم فنڈ میں زیور رکھ کر قرض دیا جاتا ہے اور زیور کی رکھوالی اور حفاظت کے بدلے معمولی اجرت لی جاتی ہے تو کیا یہ اجرت لینا جائز ہے اگر جائز ہے تو کیا اس طرح کے ادارے کچھ لوگ کمیٹی بنا کر تنہا تجارت کے طور پر چلا سکتے ہیں، جس میں غریب عوام کا بھی فائدہ ہو اور ادارہ چلانے والے کو بھی فائدہ پہنچے؟

المستفتی: وکیل احمد نگینہ بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: (۱) گروی رکھی اشیاء کی حفاظت کی اجرت ظاہر روایت کے مطابق لینے کی گنجائش ہے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ١/١٧١)

وأجرة البيت الذى يحفظ فيه الرهن على المرتهن وكذلك أجرة الحافظ والراعى (إلى قوله) وهذا فى ظاهر الرواية. (هدايه، كتاب الرهن، اشرفى ٥٢٣/٤)

وعن أبى يوسف أن كراء الماوىٰ على الراهن بمنزلة النفقة. (هدايه، كتاب الرهن، اشرفى ٥٢٣/٤)

(۲) اس طرح کے ادارے تجارت وغیرہ کی غرض سے چلانے کی اجازت نہیں ہے البتہ اگر مسلمانوں کو سودی لین دین سے بچانے اور ان کو فائدہ پہنچانے کی غرض سے چلائے جائیں تو اس کی اجازت ہے، اور مسئولہ صورت میں چونکہ سودی لین دین سے بچانا مقصود

نہیں، بلکہ تجارت مقصود ہے، اس لیے ایسے اداروں کے قیام کی شرعاً اجازت نہیں ہے۔

عن فضالة بن عبيد صاحب النبي ﷺ أنه قال: كل قرض جر منفعة فهو وجه من وجوه الربا. (السنن الكبرىٰ للبيهقي، البيوع، باب كل قرض جر منفعة فهو ربا، دار الفكر ۲۷٦/۸، رقم: ۱۱۰۹۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵؍رجب المرجب ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ٦٨٥٦)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۵؍۷؍۱۴۲۱ھ

مرتہن کے پاس شئ مرہون ضائع ہوجائے تو کیا حکم ہے؟

سوال [۹۷٦٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نے ایک شخص سے بطورِ قرض پچاس ہزار روپئے لیے اور اس کے عوض اپنی بیوی کے زیورات جو تقریباً گیارہ تولے سونے کے تھے، ان کے پاس رکھ دیئے، کچھ سال بعد ہمارے اور ان کے درمیان یہ بات ہوئی کہ آپ کے روپئے دے کر میں اپنے زیورات واپس لینا چاہتا ہوں، تو ان صاحب نے کہا کہ زیورات کو میں نے تلاش کیا، مگر مل نہیں رہے ہیں، اور اب پرانے حساب سے اپنے زیورات کے روپئے لے لو جبکہ اس وقت سونے کا بھاؤ ساڑھے چار ہزار روپئے تولہ تھا تو کیا ان کا قول وعمل درست ہے؟ جبکہ میں اپنا سونا لینا چاہتا ہوں، جواب سے سرفراز فرمائیں۔

المستفتی: عبدالسلام لکڑی کا احاطہ اصالت پورہ مرادآباد

دارالعلوم دیوبند کا جواب

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آپ (راہن) کا مطالبہ درست ہے، وہ صاحب (مرتہن) اگر زیورات مل جائیں تو زیورات دیدیں اور ظاہر ہے کہ اس صورت میں تو

کوئی نزاع ہی نہیں اگر زیورات مرہونہ نہیں ملتے تو سونے کی موجودہ (بوقت ادائیگی) قیمت کو محسوب کر کے ادائیگی کریں۔

فتاویٰ محمودیہ میں ہے کہ جس وقت رہن کا معاملہ ختم کیا جارہا ہے، اس وقت کی قیمت کا اعتبار ہوگا ......اگر زیور ڈوب گیا اور رہن ختم کر دیا گیا تو اس کی موجودہ قیمت لازم ہوگی۔ (مستفاد محمودیہ ۲۰/ ۱۴۰)

وفی شرح المجلة الودیعة متی وجب ضمانها فإن كانت من المثليات تضمن بمثلها وإن كانت من القيميات تضمن بقيمتها يوم لزوم الضمان.

(شرح المجلة، رستم اتحاد ۱/ ٤٤٦، رقم: المادة: ۸۰۳) **فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: محمود الحسن بلندشہری غفرلہ، دارالعلوم دیوبند
۱۸/۱۱/۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۷۵۵)

الجواب صحیح
فخر الاسلام عفی عنہ
حبیب الرحمٰن عفا اللہ عنہ

جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد کا جواب

[۹۷۶۷]:

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سائل نے سوالنامہ میں جو واقعہ ذکر فرمایا ہے اس کو شریعت میں معاملۂ رہن کہا جاتا ہے اور اردو میں ”گروی رکھنے کا معاملہ“ کہا جاتا ہے، یعنی اپنا سامان زیور یا کوئی دوسری اشیاء گروی میں رکھ کر بطور قرض پیسہ لیا اور جب قرض کا پیسہ واپس ہو جائے گا تو گروی میں رکھی ہوئی چیز واپس ہو جائے گی اور اس طرح کے رہن کا معاملہ پیش آجانے کے بعد اگر گروی میں رکھی ہوئی چیز ہلاک ہو جائے یا ڈوب جائے یا چوری ہو جائے یا ضائع ہو جائے تو ایسی صورت میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ تو اس سلسلے میں کتب فقہ میں اس حکم کی صراحت موجود ہے کہ اس کا حکم یہ ہے کہ جس دن وہ شئ یعنی زیورات رکھ کر پیسہ لیا گیا ہے اس دن کی قیمت کا اعتبار رہوگا، لہٰذا سائل نے جو واقعہ لکھا ہے اس واقعہ میں جس وقت گیارہ تولہ

سونا گروی میں رکھ کر پچاس ہزار روپئے بطور قرض لیے تھے، اس وقت سونے کی جو قیمت تھی اس قیمت کے اعتبار سے حساب لگانے کا حکم ہے اور سائل کی تحریر کے مطابق گروی رکھتے وقت سونے کا بھاؤ ساڑھے چار ہزار روپئے فی تولہ تھا، تو اس حساب سے گیارہ تولہ کی قیمت ساڑھے انچاس ہزار بیٹھتی ہے، اور سائل کے کہنے کے مطابق جس شخص کے پاس سونا رکھا تھا اس کے ہاتھ سے سونا ضائع ہو چکا ہے، لہٰذا اس کے دیئے ہوئے پچاس ہزار کے قرض میں سے ساڑھے انچاس ہزار سونے کی قیمت میں مجریٰ ہو جائے گا قرض لینے والے کے اوپر پانچ سو روپئے واپس کرنا لازم ہوگا، اس حکم کی صراحت فتاویٰ کی مشہور کتاب فتاویٰ تاتارخانیہ، فتاویٰ عالمگیری، اور محیط برہانی میں صاف الفاظ کے ساتھ موجود ہے، ملاحظہ فرمایئے:

لو هلك المرهون في يد المرتهن أو في يد العدل ينظر إلى قيمته يوم القبض و إلى الدين فإن كان قيمته مثل الدين سقط الدين بهلاكه و إن كان قيمته أكثر من الدين سقط الدين وهو في الفضل أمين وإن كانت قيمته قل من الدين سقط من الدين قدر قيمة الرهن و يرجع المرتهن على الراهن بفضل الدين، و في الكافي: بيانه إذا رهن ثوبا قيمته عشرة بعشرة فهلك عند المرتهن سقط دينه فإن كان قيمة الثوب خمسة يرجع المرتهن على الراهن بخمسة أخرىٰ وإن كانت قيمته خمسة عشر فالفضل أمانة عندنا و عند زفر رحمه الله يرجع الراهن على المرتهن بخمسة لأن الرهن عنده مضمون بالقيمة. (فتاویٰ تاتارخانية زكريا ١٨/ ٥٢٧، رقم: ٢٩٨٨٣-٢٩٨٨٤، المحيط البرهاني، المجلس العلمي ١٨/ ٧١، رقم: ١٨٠٢٥، هنديه زكريا قديم ٥/ ٤٤٧، جديد ٥/ ٥٠٢)

سائل نے جو دارالعلوم دیوبند کا جواب سوالنامہ کے ساتھ پیش کیا ہے اس کو بھی دیکھ لیا گیا ہے اس جواب میں معاملہ ودیعت اور مسائل غصب سے متعلق ایک عبارت سے استدلال کر کے یوم الأداء اور یوم لزوم کی قیمت کا اعتبار کرنے کو لکھا گیا ہے اور یہاں سائل کے مسئلہ کا تعلق مسئلہ ودیعت اور مسئلہ غصب سے نہیں ہے بلکہ مسئلہ رہن سے متعلق ہے اور سائل کے مسئلہ کے مطابق مسئلہ رہن کا حکم صراحت کے ساتھ ہم نے عبارت میں لکھ دیا ہے، لہٰذا ہم کو دار

العلوم دیوبند کے جواب سے اتفاق نہیں ہو سکا، شئ مرہون چونکہ پہلے ہی دن سے مضمون ہوجاتی ہے اس لیے دار العلوم دیوبند کے جواب میں جو عربی عبارت لکھی گئی ہے اس پر غور کیا جائے تو وہ عبارت بھی ہمارے ہی فتویٰ کی تائید میں ہوجاتی ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍ربیع الثانی ۱۴۳۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۷۵۵)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۸/۴/۱۴۳۰ھ

شئ مرہون کی ہلاکت کے ضمان میں کس وقت کی قیمت کا اعتبار ہوگا؟

سوال [۹۷۶۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: تقریباً ۲۲/۲۳؍سال قبل زید نے عمر کے پاس کچھ سونے کے زیورات رکھ کر پچاس ہزار قرض کا مطالبہ کیا دونوں کے درمیان نہ ادائیگی کی مدت متعین ہوئی، اور نہ اس کی بابت کوئی تحریر لکھی گئی، عمرو نے وہ زیورات اپنے بھائی خالد کو دے دیئے، اور پچاس ہزار کی رقم خالد سے زید کو دلوادی، عرصہ دراز تک زید نے قرض کی رقم زیورات سے زائد ہونے کی بناء پر عمر سے کوئی مطالبہ ہی نہ کیا، جس کی بنا پر یہ معاملہ عمرو کے ذہن سے نکل گیا اور نہ اس دوران کبھی عمرو نے اپنے بھائی خالد سے اس کا تذکرہ کیا یہاں تک کہ خالد نے اپنا سابقہ مکان چھوڑ کر دوسرے مکان میں رہائش اختیار کرلی اور زید نے نہ تو اس معاملہ کی یاددہانی کرائی اور نہ کبھی رقم کی ادائیگی کے متعلق کوئی تذکرہ کیا، اب ۲۰۰۹ء میں خالد کو ایک دوسرے مکان میں رہتے ہوئے بھی ایک عرصہ ہوگیا، اور سونے کی قیمت بھی سترہ ہزار روپئے تولہ ہوگئی یعنی زیورات کی قیمت مقدار قرض سے بڑھ گئی، اب زید خالد سے کہتا ہے کہ اپنے پچاس ہزار روپئے لو اور ہمارے ۱۱؍تولہ سونے کے زیورات واپس کردو جبکہ خالد کو نہ تو زیورات کی مقدار کا کوئی علم ہے اور نہ عمر وکو، زید کی یاددہانی پر خالد نے ان زیورات کو انتھک تلاش کیا لیکن وہ نہ مل سکے، اور خالد حلفیہ یہ بات کہتا ہے کہ مجھے ذرہ برابر بھی یہ بات نہیں یاد رہی کہ عمر نے زید کے زیورات میرے پاس رکھوا کر مجھ سے پچاس ہزار روپئے دلوائے ہیں، البتہ طویل عرصہ کے بعد جبکہ زیورات کی رقم مقدار قرض سے کئی گنا

زیادہ ہوگئی، زید کی یاددہانی پر کچھ کچھ یاد آیا اور تلاش بسیار کے باوجود وہ امانت نہ مل سکی، ایسا لگتا ہے کہ وہ امانت گھریلو پرانے زیورات کے ساتھ فروخت ہوگئی ہو کیونکہ ۲۰۰۶ء میں پرانے زیورات فروخت ہوئے تھے اب ایسی صورت میں دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا خالد شرعی اعتبار سے موجودہ سونے کی قیمت کے اعتبار سے رقم کی ادائیگی کرے گا یا اس پر کوئی ادائیگی لازم نہیں ہوگی؟ شریعت کے مطابق جواب دے کر عنداللہ ماجور ہوں۔

المستفتی: سعود عالم گلشہید مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ۲۲/۲۳ رسال پہلے جو زیور گروی میں رکھا گیا ہے اور اس کے عوض میں پچاس ہزار روپئے قرض لیے گئے اور طویل مدت تک قرض کی واپسی نہیں ہوسکی، اور اس درمیان میں مذکورہ زیورات ہلاک ہو گئے یا فروخت ہو چکے ہیں تو ایسی صورت میں ۲۲/۲۳ رسال بعد اس زیور کی جو قیمت بنتی وہ قیمت نہیں ملے گی ، بلکہ جس وقت گروی رکھا جارہا تھا اس وقت کی جو قیمت ہے اسی قیمت کا اعتبار ہوگا، ہاں البتہ اگر معلوم ہو جائے کہ کس دن وہ زیورات فروخت کیے گئے ہیں تو اس دن کی جو قیمت بنتی ہے اس قیمت کا بھی اعتبار کیا جا سکتا ہے، لہٰذا اگر ۲۰۰۶ء میں یہ زیور بیچا گیا ہے تو ۲۰۰۶ء میں اس کی جو قیمت بنتی ہے اس میں سے پچاس ہزار روپیہ روک کر باقی زائد روپیہ قرض دار کو واپس کردینا لازم ہے اور ۲۰۰۶ء کے بعد سونے کی قیمت مزید بڑھ جانے کی وجہ سے قرض دار کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ جتنے کا سونا فروخت کیا گیا ہے اس سے زیادہ کا مطالبہ کرے، عربی عبارت ملاحظہ فرمائیں: گروی رکھنے کے دن کی قیمت کے اعتبار کی عبارتیں ملاحظہ فرمائیں:

وإذا استهلک المرتهن الرهن أو أتلفه بتعد أو تقصير من جهته ضمن قيمته إن كان قيميا و مثله إن كان مثليا والمعتبر قيمته يوم قبضه.

(الفقه الاسلامی و أدلته، هدی انٹر نیشنل دیوبند ١٦٠/٥، دار الفكر ٤٣٠٧/٦)

واحترز بهذا عن استهلاک المرتهن حيث يجب عليه قيمته يوم قبض وكذٰلک إذا هلک بدون الاستهلاک يعتبر قيمته يوم القبض لا يوم

الهـلاک قـولـه فـإنـه يـعتبـر قيـمتـه يوم القبض و سواء فی ذٰلک الهلاک والاستهلاک. (حاشية چلپی، کتاب الرهن زکريا ١٨٦/٧، امداديه ملتان٦/٨٧)

بخلاف ضمانه على المرتهن تعتبر قيمته يوم القبض –إلى– والمضمون مـن جـنسـه حـقه استوفىٰ المرتهن منه دينه و رد الفضل على الراهن إن كان فيه فضل. (مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ٤/٢٩٦، مصرى قديم ٢/٦٠٥)

وقيمة الرهن معتبرة يوم قبضه الخ. (الفقه الحنفى و أدلته دار الكتب العلمية بيروت ٢/١٠٣)

وإنـمـا قيـد بـقـولـه عـلـى هذا المستهلک احترازا عن استهلاک المرتهن، فإن عليه قيمته يوم قبضه. (البناية، كتاب الرهن، اشرفيه ١٣/٢٦، حاشية الطحطاوى على الدر كوئٹه ٤/٢٤٨)

فروختگی کے دن کی قیمت کی عبارتیں ملاحظہ فرمائیں:

قـال الشـامـى: أقول يمكن حمل مافى الأشباه على ما إذا استهلكه المرتهن ولـذا قـال الـرملى بعد كلام: وأنت إذا أمعنت النظر ظهر لک الفرق بين الهلاک والاستهلاک فقطعت فى صورة الهلاک بأن المعتبر قيمته يوم القبض وفى صورة الاستهلاک يوم الهلاک. (شامى، كتاب الرهن زكريا ١٠/٨١، كراچى ٦/٣٨٠)

ووجـب عليه الباقى بالإتلاف وهو قيمته يوم التلف. (مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ٤/٢٩٦، مصرى قديم ٢/٦٠٥)

قـال بـعـض الـفـضـلاء: و أنـت إذا أمنعت النظر فى كلام الزيلعى و غيره قـطعت بأنه فى صورة الهلاک تعتبر القيمة يوم القبض و فى صورة الاستهلاک يوم الهلاک. (الحموى مع الأشباه، كراچى الفن الثالث ٢/٢٢١) *فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم*

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٣٠ ر رجب المرجب ١٤٣٤ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٤٠/١١٢٠٨)

مرتہن مرہونہ سونے کو فروخت کردے تو کس قیمت سے واپس کرے گا

سوال [۹۷۶۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے بکر کے پاس ۱۹۹۰ء میں گیارہ تولہ سونا گروی رکھ کر پچاس ہزار روپیہ قرض لیا اور اس زمانہ میں سونے کا بھاؤ ڈیڑھ ہزار روپیہ تولہ تھا، اس کے بعد زید لوٹ کر واپس نہیں آیا، اس لیے کہ گیارہ تولہ سونے کی قیمت اس زمانے میں پچاس ہزار روپیہ سے بہت ہی کم تھی، پھر ۲۰۰۶ء میں تقریباً سولہ سال کے بعد بکر نے وہ سونا فروخت کردیا اس لیے کہ اس سونے کا مالک کون ہے؟ یہ بھی یاد نہیں رہا اور اس وقت گیارہ تولہ سونے میں سے ٹانکے کاٹ کر جو پیسے ملے ہیں وہ لگ بھگ بہتر ہزار چھ سو روپئے ہیں، پھر زید ۲۰۰۹ء میں تقریباً ۱۹/سال بعد جب سونے کی قیمت ۱۷/۱۸/ ہزار روپیہ ہوگئی تو زید آکر مطالبہ کرتا ہے کہ پچاس ہزار روپئے لے لو اور ہمارا گیارہ تولہ سونا دیدو، بکر کہتا ہے کہ تو نے ۱۹/سال تک پیسہ واپس نہیں کیا اس پیسے سے فائدہ اٹھالیا اور ہم نے تیرا اتا پتہ نہ ہونے کی وجہ سے سولہ سال تک انتظار کرنے کے بعد وہ گیارہ تولہ سونا فروخت کردیا، اور اس میں سے ہمیں تقریباً ۷۲/ ہزار روپیہ ملا ہے، لہٰذا تیرا صرف ۲۲/ ہزار چھ سو روپیہ بنتا ہے، لہٰذا ۲۲/ ہزار چھ سو روپیہ لے اور چلا جا مگر زید اس بات پر بضد ہے کہ میں سونا ہی لوں گا جبکہ اس کا سونا ۲۰۰۶ء میں فروخت ہو چکا ہے اب شریعت کی رو سے مفتی صاحب بتلایئے کہ زید کو سونا ہی ادا کرنا لازم ہے یا اس کا سونا جو ۷۲/ ہزار چھ سو روپیہ میں بکا ہے اسی کا مستحق ہے، جس میں سے پچاس ہزار روپیہ قرضہ میں مجریٰ ہو گئے اور اب ۲۲/ ہزار چھ سو روپیہ دینے سے ۷۲/ ہزار چھ سو روپئے پورے ہوجاتے ہیں اس لیے مفتی صاحب دلائل کی روشنی میں حکم شرعی واضح فرمادیں، اور قرضہ کی ادائیگی کی کوئی مدت متعین نہیں ہوتی جب پیسہ لاکر واپس دیں تب شئ مرہون واپس کردیں گے۔

المستفتی: شاہ زماں گل شہید مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب زید بکر کے پاس گیارہ تولہ سونا گروی رکھ کر

پچاس ہزار روپئے قرض لے کر گیا اور ۱۹۹۰ء تک تقریباً سولہ سال گزر جانے تک قرض کا پیسہ واپس لے کر نہیں آیا ہے اور بکر نے سولہ سال کے بعد گیارہ تولہ سونے کے زیورات ۲۰۰۶ء کے بھاؤ کے حساب سے ۲۷/ ہزار چھ سو روپیہ میں بیچ دیے ہیں، تو اس رقم میں سے پچاس ہزار روپیہ بکر کو اپنے پاس قرض کے عوض روک لینے کا حق ہے، اور بقیہ ۲۲/ ہزار چھ سو روپیہ زید کو واپس کر دینا لازم ہے، اور ۲۰۰۶ء کے بعد سونے کی قیمت مزید بڑھ جانے کی وجہ سے زید کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ جتنے میں سونا فروخت کیا گیا ہے اس سے زیادہ قیمت کا مطالبہ کرے، یا گیارہ تولہ سونا جو فروخت ہو چکا ہے اسی سونے کا مطالبہ کرے، بلکہ شرعی طور پر زید کو صرف ۲۲/ ہزار چھ سو روپیہ کے مطالبہ کا حق ہے اس سے زائد کا مطالبہ کرنا شرعی طور پر جائز نہیں ہے؛ بلکہ اکثر فقہاء نے یہی لکھا ہے کہ زید کو اس دن کے سونے کی قیمت لینے کا حق ہے جس دن گروی میں رکھا تھا یعنی ۱۹۹۰ء کی قیمت کا، مگر بعض فقہاء نے اس کی بھی گنجائش دی ہے کہ جس دن سونا فروخت ہو چکا ہے اس دن کی قیمت کا حساب لگایا جائے، لہٰذا زید کو نہ گیارہ تولہ سونے کے حساب سے مطالبہ کرنے کا حق ہے اس لیے کہ سونا فروخت ہو چکا ہے اور نہ ہی ۲۰۰۹ء کی قیمت کے اعتبار سے مطالبہ کا حق ہے، یوم القبض کی عبارت ملاحظہ فرمایئے:

وإذا استهلك المرتهن الرهن أو أتلفه بتعد أو تقصير من جهته ضمن قيمته إن كان قيميا و مثله إن كان مثليا والمعتبر قيمته يوم قبضه.

(الفقه الاسلامی و أدلته، هدی انٹر نیشنل دیوبند ٥/١٦٠، دار الفکر ٦/٤٣٠٧)

واحترز بهذا عن استهلاك المرتهن حيث يجب عليه قيمته يوم قبض و كذلك إذا هلك بدون الاستهلاك يعتبر قيمته يوم القبض لا يوم الهلاك قوله فإنه يعتبر قيمته يوم القبض و سواء في ذلك الهلاك والاستهلاك. (حاشية چلپی، کتاب الرهن، زکریا ٧/١٨٦، امدادیه ملتان ٦/٨٧)

بخلاف ضمانه على المرتهن تعتبر قيمته يوم القبض –إلى– والمضمون من جنسه حقه استوفى المرتهن منه دينه و رد الفضل على الراهن إن كان فيه فضل. (مجمع الأنهر، دار الکتب العلمية بيروت ٤/٢٩٦، مصری قدیم ٢/٦٠٥)

وقيمة الرهن معتبرة يوم قبضه فإن تصرف المرتهن فيه ببيع أو إجارة أو إعادة أو رهن و نحوه ضمنه بجميع قيمته. (الفقه الحنفی و أدلته، دار الكتب العلمية بيروت ۲/۱۰۳)

والواجب على هذاالمستهلک احترازا عن استهلاک المرتهن، فإن عليه قيمته يوم قبضه. (البناية، كتاب الرهن، اشرفيه ۲۶/۱۳، حاشية الطحطاوی علی الدر كوئٹه ۲۴۸/۴)

فروختگی کے دن کی قیمت کی عبارتیں ملاحظہ فرمائیں:

قال الشامی: أقول يمكن حمل مافی الأشباه على ما إذا استهلكه المرتهن ولذا قال الرملی بعد كلام: وأنت إذا أمعنت النظر ظهر لک الفرق بين الهلاک والاستهلاک فقطعت فی صورة الهلاک بأن المعتبر قيمته يوم القبض وفی صورة الاستهلاک يوم الهلاک. (شامی، كتاب الرهن، زكريا ۸۱/۱۰، كراچی ۳۸۰/۶)

ووجب عليه الباقی بالإتلاف وهو قيمته يوم التلف. (مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ۲۹۶/۴، مصری قديم ۶۰۵/۲)

قال بعض الفضلاء: و أنت إذا أمنعت النظر فی كلام الزيلعی و غيره قطعت بأنه فی صورة الهلاک تعتبر القيمة يوم القبض و فی صورة الاستهلاک يوم الهلاک. (الحموی مع الأشباه، كراچی الفن الثالث ۶۲۱/۲) **فقط** واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍ جمادالاولیٰ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۱۲۶)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۵/۲۲ھ

گروی رکھی زمین سے نفع اٹھانا

سوال [۹۷۷۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک کسان دو بیگھے زمین تین ہزار روپیہ میں ایک سال کے لیے رہن رکھنا چاہتا ہے جس کے بدلے دو کوئنٹل باسمتی دھان اور دو کوئنٹل گیہوں دینا چاہتا ہے، تو ایسا کرنا جائز

ہے یا نہیں؟ اور ایک سال پورا ہونے کے بعد مجھے اپنے تین ہزار روپیہ واپس کرنے ہیں؟

المستفتی: ریاض الدین سرائے مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زمین گروی رکھنے والے کے لیے اس زمین سے نفع اٹھانا جائز نہیں ہے، اس کا نفع زمین والے کسان کا حق ہے، پیسہ دینے والے کو صرف گروی لینے کا حق ہوتا ہے کہ اگر مقروض پیسہ ادا نہ کر سکے تو زمین بیچ کر اپنا پیسہ وصول کر سکے، اس لیے آپ کا مذکورہ معاملہ شرعی طور پر جائز نہیں ہے۔

لايحل للمرتهن أن ينتفع بشيئ منه بوجه من الوجوه و إن أذن له الراهن لأنه اذن له فی الربا لأنه يستوفی دينه كاملا فتبقى له المنفعة فضلا فتكون ربا وهذا أمر عظيم. (شامی، کتاب الرهن، زکریا ۱۰/۸۳، کراچی ۶/۴۸۲، مطلب: کل قرض جر نفعا حرام، زکریا ۷/۳۹۵، کراچی ۵/۱۶۶، مجمع الأنهر، مصری قدیم ۲/۵۸۸، دار الکتب العلمیة بیروت ۴/۲۷۳، ۲۷۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ رصفر المظفر ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۱۹۶)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۲/۲۹ھ

ارض مرہونہ سے فائدہ اٹھانے کی شرط

سوال [۱۰۷۷۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص کو کچھ پیسوں کی ضرورت پڑی لیکن کسی نے بھی اس شخص کو پیسے نہیں دیئے، اس نے مجبور ہو کر ایک شخص کو اپنی زمین گروی رکھی، جس میں یہ بات طے پائی کہ تم مجھے ایک ہزار روپئے دیدو اور میری زمین لے لو، چھ مہینے کے بعد تمہارے ایک ہزار روپئے واپس کر دوں گا، تو آپ مجھے زمین واپس کر دینا تو کیا زمین کو گروی رکھنا جائز ہے یا نہیں؟ شرعی حکم تحریر فرمائیں۔

المستفتی: سعید احمد ڈھنگیر پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوالنامہ میں قرض لے کر زمین کو گروی رکھنے کی جو شکل بیان کی گئی ہے وہ جائز نہیں ہے کیونکہ مالک زمین کو جو اس نے روپیہ قرض دیا ہے اس کی وصولیابی کی اعتماد کے لیے اس نے زمین کو رہن میں لیا ہے تاکہ اگر وہ روپیہ نہ دے سکے تو زمین بیچ کر اپنا قرض وصول کیا جا سکے، لیکن اس درمیان روپے دینے والا زمین سے جو فائدہ حاصل کرے گا وہ شرعاً جائز نہیں ہے، اس لیے یہ معاملہ شرعاً فاسد ہے، ہاں البتہ اس کے جواز کی یہ شکل ہو سکتی ہے کہ قرض دینے والا اس زمین کی ہر فصل کے لیے کرایہ متعین کر دے اور جو قرض مالک زمین نے لے رکھا ہے اس قرض میں سے کرایہ مجریٰ ہوتا رہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۱/ ۳۱۵، جدید ڈابھیل ۲/ ۱۳۵، امداد الفتاویٰ ۳/ ۴۰۴)

لایحل للمرتهن أن ينتفع بشيئ منه بوجه من الوجوه و إن أذن له الراهن لأنه أذن له فى الربا. (شامی، کتاب الرهن، زكريا ١٠/ ٨٣، كراچی ٦/ ٤٨٢، مطلب: كل قرض جر نفعاحرام، زكريا ٧/ ٣٩٥، كراچی ٥/ ١٦٦، مجمع الأنهر، مصری قديم ٢/ ٥٨٨، دار الكتب العلمية بيروت ٤/ ٢٧٣، ٢٧٤)

و ليس للمرتهن أن ينتفع بالرهن لابالاستخدام و لا سكنىٰ و لا لبس. (هدايه، كتاب الرهن، اشرفى ٤/ ٥٢٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵ رجمادی الاولیٰ ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۶۲۱)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۵/۵ھ

مرہون زمین میں راہن ومرتہن کا غلہ پیدا کرنا

سوال [۹۷۷۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے اپنی زمین بکر کو دس ہزار روپے میں گروی پر دی، پھر بکر نے زید سے کہا کہ اس زمین کی کاشت تم کرو اور جو غلہ پیدا ہوگا اس میں کا آدھا غلہ ہمارا اور آدھا غلہ تمہارا ہوگا، بکر نے زید سے کہا کہ جب ہم کو پورا روپیہ واپس کرو گے تو تم اپنی زمین کی کاشت کا پورا غلہ لے لینا، کیا ایسا کرنا جائز ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مرتہن کا شئ مرہون سے نفع حاصل کرنا ناجائز ہے، لہٰذا جو زمین زید نے بکر کے پاس گروی رکھی ہے اسی زمین کو بکر کا زید کو اس شرط پر بٹائی پر دینا کہ اس کی پیداوار کا آدھا حصہ ہمارا ہوگا اور آدھا تمہارا ہوگا اس طرح کا معاملہ کرنا ناجائز ہے کیونکہ اس صورت میں بکر کا شئ مرہون سے نفع حاصل کرنا لازم آتا ہے جو ناجائز ہے۔
(مستفاد: احسن الفتاویٰ زکریا ۸/ ۴۹۵، امداد الفتاویٰ زکریا ۳/ ۴۶۱)

لایحل للمرتهن أن ینتفع بشیئ منه بوجه من الوجوه و إن أذن له الراهن لأنه إذن له فی الربا لأنه یستوفیٰ دینه کاملا فتبقی له المنفعة فضلا فتکون ربا وهذا أمر عظیم. (شامی، کتاب الرهن، زکریا ۱۰/۸۳، کراچی ۶/۴۸۲، مطلب: کل قرض جر نفعا حرام، زکریا ۷/۳۹۵، کراچی ۵/۱۶۶، مجمع الأنهر، مصری قدیم ۲/۵۸۸، دار الکتب العلمیة بیروت ٤/۲۷۳، ۲۷٤)

ثم رأیت فی جواهر الفتاویٰ إذا کان مشروطا صار قرضا فیه منفعة وهو ربا. (شامی، کتاب الرهن، زکریا ۱۰/۸۳، کراچی ٦/۴۸۲، مطلب: کل قرض جر نفعا حرام، زکریا ۷/۳۹۵، کراچی ٥/۱٦٦، مجمع الأنهر، مصری قدیم ۲/۵۸۸، دار الکتب العلمیة بیروت ٤/۲۷۳، ۲۷٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳/ ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۵۷۹)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۳/ ۴/ ۱۴۲۹ھ

مرتہن کا شئ مرہون سے فائدہ اٹھانا

سوال [۹۷۷۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے خالد سے کچھ روپیہ قرض لیا اور اس کے عوض خالد نے زید کی زمین لی، اس شرط پر کہ جب زید روپیہ واپس کردے گا تو خالد زمین واپس کردے گا، اور زمین زید کو

واپس مل جائے گی، تو اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ خالد کے لیے رہن کی زمین سے فائدہ اٹھانا کیسا ہے؟ اور شرعاً اس معاملہ کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: محمد غفران گونڈوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: خالد کے لیے زید کو قرض دے کر قرض کی واپسی تک اس کی زمین کو رہن میں لے کر اس سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں ہے، ہاں البتہ زمین کا کرایہ متعین کر دیا جائے، اور وہ کرایہ قرض کے روپیہ میں سے کٹتا جائے تو یہ جائز ہے یا الگ سے اس کا کرایہ متعین کر لیا جائے، چاہے اس کی مقدار کم زیادہ کچھ بھی ہو، تب بھی جائز ہے۔

(مستفاد: فتاویٰ محمودیہ جدید ڈابھیل ۲۰/۱۳۴)

ایسی صورت میں رہن کا معاملہ ختم ہو جائے گا اور اجارہ کا معاملہ ہو جائے گا۔

ولیس للمرتهن الانتفاع بالرهن لأن حق المرتهن الحبس إلى أن يستوفي دينه دون الانتفاع. (مجمع الأنهر، كتاب الرهن، دار الكتب العلمية بيروت ٢٧٣/٤ مصرى قديم ٥٨٧/٢)

كل قرض جر نفعاً حرام فكره للمرتهن، سكنى المرهونة بإذن الراهن. (الدر المختار، مطلب: كل قرض جر نفعا حرام زكريا ٣٩٥/٧، كراچى ١٦٦/٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍محرم الحرام ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۸۵۲/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۱/۱۶ھ

مسلم فنڈ کا تین مہینے زیور رکھنے کے عوض رقم وصول کرنا

سوال [۹۷۷۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مسلم فنڈ، زیور رہن رکھ کر قرض دیتا ہے اور ۳؍مہینے کی مدت مقرر کرتا ہے اور اس

۳؍مہینے زیور رکھنے پر کچھ پیسے لیتا ہے اگر متعینہ مدت تک قرض ادانہیں ہو پاتا تو پھر ۳؍مہینے کی مدت بڑھا کر پھر ۳؍مہینے کا چارج لیتا ہے کیا یہ طریقہ مسلم فنڈ کا صحیح ہے، اگر صحیح نہیں ہے تو صحیح طریقہ تحریر فرما دیجئے، تاکہ مسلم فنڈ والوں کو بتا دیا جائے۔

المستفتی: عبدالرشید سیڈھا بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسلم فنڈ والوں کا تین مہینے زیور رہن رکھنے کے عوض رقم وصول کرنا شرعاً درست نہیں ہے، اس لیے کہ زیور کی حفاظت کرنا مسلم فنڈ والوں پر ضروری ہے، کیونکہ مسلم فنڈ مرتہن کے درجہ میں ہے، اور مرتہن پر مال رہن کی حفاظت لازم ہے۔

ولو استقرض دراهم و سلم حماره إلى المقرض ليستعمله إلى شهرين حتى يوفيه دينه أو داره ليسكنها فهو بمنزلة الإجارة الفاسدة. (شامی، کتاب الرهن، زکریا ۱۰/ ۸۷، کراچی ٦/ ٤٨٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍شعبان المعظم ۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۱۳۴)

ارض مرہونہ سے استفادہ کی متبادل شکل

سوال [۹۷۷۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: سود بھرنا، یعنی ایک آدمی کا کھیت ہے، دوسرا آدمی اس کھیت کو لیتا ہے جو کھیت لے رہا ہے وہ اس کو روپیہ دیتا ہے، جب کھیت والا اس سے اپنی زمین لینا چاہتا ہے تو اس کو پورا روپیہ واپس کرنا پڑتا ہے، جب اس کو پورا روپیہ مل جاتا ہے تب وہ کھیت چھوڑتا ہے اسی کے درمیان اس زمین کو بوتا ہے اور فائدہ اٹھاتا ہے، اور اگر کوئی یہ چاہتا ہے کہ میں نے اس کو اپنی زمین دی ہے اور اس سے روپیہ لیا ہے، اب میرے پاس روپیہ ہوگیا ہے تم روپیہ لے کر میری زمین واپس دیدو اس پر وہ کہتا ہے کہ بھائی آپ سے زمین لی روپیہ دیا، جب تک اس زمین

سے ایک فصل نہ لےلوں اس وقت تک نہیں دیتا؟

المستفتی: محمد اطہر بن عبد الجلیل ارریہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: سود بھرنے کی جو شکل لکھی گئی ہے، یہ قرضہ لےکر زمین کو رہن رکھنے کی شکل ہے، مالک زمین کو جو پیسہ قرض میں دیا گیا ہے اس کی وصولیابی کے اعتماد کے لیے زمین رہن میں ہے، اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اگر قرض وصول نہ کر سکے تو زمین بیچ کر اپنا قرض وصول کیا جا سکے، لیکن اس درمیان زمین سے فائدہ حاصل کرنا مرتہن کے لیے جائز نہیں ہے، اس لیے یہ معاملہ شرعاً فاسد ہے، اس کے جواز کی صرف یہ شکل ہو سکتی ہے کہ مرتہن اس زمین کا ہر فصل کے لیے کرایہ متعین کردے، اور جو قرضہ مالک زمین نے لے رکھا ہے اس قرضہ سے کرایہ مجریٰ ہوتا جائے، اس کے بغیر یہ جائز نہیں ہو سکتا ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۱/۳۱۵، جدید ڈابھیل ۲۰/۱۳۵)

لايحل للمرتهن أن ينتفع بشيئ منه بوجه من الوجوه و إن أذن له الراهن لأنه أذن له فى الربا. (شامي، كتاب الرهن، زكريا ١٠/٨٣، كراچى ٦/٤٨٢، مطلب: كل قرض جر نفعاحرام، زكريا ٧/٣٩٥، كراچى ٥/١٦٦، مجمع الأنهر، مصرى قديم ٢/٥٨٨، دار الكتب العلمية بيروت ٤/٢٧٣، ٢٧٤)

وليس للمرتهن أن ينتفع بالرهن لا باستخدام و لا سكنىٰ ولا لبس. (هدايه، كتاب الرهن، اشرفى ٤/٥٢٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍ ربیع الثانی ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۷۶۱۱)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۴/۲۳ھ

زمین سے فائدہ اٹھانے کی شرط پر قرض لینا

سوال [۹۷۷٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک ایکڑ زمین ایک سال کے لیے آٹھ ہزار روپیہ میں اٹھتی ہے لیکن زمین

والے کو بیس ہزار روپیہ کی ضرورت ہے وہ بات چیت کرتا ہے کہ مجھے بیس ہزار روپیہ دیدو، میری ایک ایکڑ زمین میں ایک سال تک تم کاشت کرو میں تمہیں ایک سال میں بیس ہزار روپیہ واپس کردوں گا، اور اپنی زمین لے لوں گا، اس صورت کو کاشت کار جائز نہ سمجھتے ہوئے صاحب زمین کو پانچ سو روپیہ چھوڑ دیتا ہے بتلائیے یہ صورت جائز ہوگی یا نہیں؟

المستفتی: قمر الدین قاسمی معرفت مولانا عبد الناصر صاحب

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر ایک ایکڑ زمین ایک سال تک کے لیے آٹھ ہزار روپیہ میں دیدی جاتی ہے تو آٹھ ہزار روپیہ لے کر زمین کو ایک سال تک کے لیے دینا جائز ہے، مگر ان میں سے کوئی پیسہ پھر واپس نہ ہوگا اب ایک سال کے درمیان کرایہ دار کو کچھ بھی بونے کا حق ہوگا، لیکن جو صورت سوالنامہ میں ہے کہ بیس ہزار روپیہ میں ایک سال کے لیے زمین دے کر بیس ہزار روپیہ ادھار لیا گیا اور سال گذرنے پر بیس ہزار روپیہ واپس کرنے کے بعد زمین واپس ہوگی یہ قطعا جائز نہیں ہے اس لیے کہ بیس ہزار روپیہ قرض ہوا اور قرض دینے والے نے قرض دے کر ایک سال تک زمین سے فائدہ اٹھایا یہ **''کل قرض جر نفعا''** کے قاعدہ کے تحت داخل ہوکر ناجائز اور حرام ہے اور بعد میں پانچ سو روپیہ چھوڑ دینے سے وہ جائز نہیں ہوگا، کیونکہ معاملہ شروع ہی سے فاسد ہو چکا ہے۔

عن فضالة بن عبيد صاحب النبي ﷺ أنه قال: كل قرض جر منفعة فهو وجه من وجوه الربا. (السنن الكبریٰ للبيهقي، البيوع، باب كل قرض جر منفعة فهو ربا، دار الفكر ۸/۲۷۶، رقم: ۱۱۰۹۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍ ذیقعدہ ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۱۸۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۱۱/۴ھ

ارض مرہونہ سے فائدہ اٹھانا

سوال [۹۷۷۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: زید نے بکر سے پانچ ہزار روپیہ لیا اور بکر کو زید نے ایک بیگہ زمین اس کے عوض میں دی اور اس سے یہ کہا کہ جب تک میں پانچ ہزار روپیہ واپس نہ کردوں آپ اس کی پیدا وار کھاتے رہیں اور اس کھیت کو جس طرح چاہیں استعمال کریں، جب میں تمہارے روپئے واپس کردوں گا، تو تم میرے حوالے وہ کھیت کردینا اس صورت میں شریعت کی رو سے اس طرح کا تبادلہ روپئے کے عوض صحیح ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد حبیب الرحمٰن بھاگلپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: پانچ ہزار روپیہ قرض دے کر مقروض کی ایک بیگھہ زمین جو بطور رہن ہے اس سے پیداوار وغیرہ کے ذریعہ نفع اٹھانا جائز نہیں اور یہ شرعاً سود ہے جس کا لین دین مسلمانوں کے لیے ناجائز اور حرام ہے، لہٰذا از روئے شرع مذکورہ تبادلہ جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۳/۴۵۴)

لایحل للمرتهن أن ينتفع بشيئ منه بوجه من الوجوه و إن أذن له الراهن لأنه أذن له فی الربا لأنه يستوفیٰ دينه كاملا فتبقى له المنفعة فضلا فتكون ربا وهذا أمر عظيم. (شامی، كتاب الرهن، زكريا ١٠/٨٣، كراچی ٦/٤٨٢، مطلب: كل قرض جر نفعا حرام، زكريا ٧/٣٩٥، كراچی ٥/١٦٦، مجمع الأنهر، مصری قديم ٢/٥٨٨، دار الكتب العلمية بيروت ٤/٢٧٣، ٢٧٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲/ربیع الاول ۱۴۲۲ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۷۰۸۸)

ارض مرہونہ سے فائدہ اٹھانے کا حیلہ

سوال [۹۷۷۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے اپنی ایک بیگھہ زمین خالد کو دو سال کے لیے ایک ہزار روپیہ کی شرط

پر دیدی پھر دو سال گذر نے کے بعد زید نے خالد کو ایک ہزار روپیہ دے کر زمین واپس لے لی تو خالد کے لیے اس زمین میں دو سال تک پیداواری کرنا اور غلہ کو اپنے مصرف میں لانا جائز ہے یا نہیں یا سود کے حکم میں داخل ہو جائے گا۔

المستفتی: صغیر الدین دیناجپور مدرسہ شاہی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں خالد کے لیے اس زمین سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں۔

لأن المرتهن لايجوز له الانتفاع. (بدائع الصنائع، كتاب الرهن، زكريا ٥/ ٢١٠، كراچی ٦/ ١٤٥، شامی زكريا ١٠/ ٨٣، كراچی ٦/ ٤٨٢، هدايه اشرفی ٤/ ٥٢٢)

البتہ بیع الامانۃ کے طور پر اس کی صورت نکل سکتی ہے، یعنی جتنے روپئے میں زمین کو رہن رکھا اتنے ہی روپئے میں زبانی طور پر یہ عقد کرلیا جائے کہ اتنے روپئے میں مرتہن کے ہاتھ اس طور پر فروخت کردے، کہ جب بھی زمین والا اتنے روپیہ مہیا کر کے مرتہن کو پیش کرے گا، تو دوبارہ اتنے روپئے میں مالک کے ہاتھ فروخت کردے گا، البتہ رجسٹری کا معاملہ اس میں نہ کرے لہٰذا اس طرح سے دونوں کی ضرورت بلا کسی نقصان کے پوری ہو جائے گی۔

وصورته أن يقول البائع للمشترى بعت منک هذا العين بدين لک على أنى متى قضيت الدين فهو لى أويقول البائع بعتک هذا بكذا على أنى متى دفعت لک الثمن تدفع العين إليَّ. (البحر الرائق، كتاب البيوع، باب خيار الشرط، كوئٹه ٦/ ٧، زكريا ٦/ ١١، شامی زكريا ٧/ ٥٤٦، كراچی ٥/ ٢٧٦، هنديه زكريا قديم ٣/ ٢٠٩، جديد ٣/ ١٩٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍محرم الحرام ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۷۰۱۹)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۱/۸ھ

ارض مرہونہ سے فائدہ اٹھانے کی شکل

سوال [۹۷۷۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک آدمی نے اپنی ایک بیگہ زمین کسی کے پاس دو ہزار روپیہ کے عوض رہن رکھی، اور کہا تم میری زمین سے نفع حاصل کرتے رہو جب میں تمہارا دو ہزار روپیہ واپس کروں گا تب میری زمین میرے حوالہ کرنا تو کیا اس طرح رہن رکھنا درست ہے۔

المستفتی: امین الحق آسامی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زمین رہن رکھ کر دو ہزار قرضہ لینے کے لیے یہ شرط لگانا کہ قرضہ کی وصولی تک آپ زمین سے فائدہ ونفع حاصل کرتے رہیں، یہ معاملہ شرعاً جائز نہیں اور نہ ہی قرض دینے والے کے لیے رہن شدہ زمین سے فائدہ حاصل کرنا شرعاً درست ہے۔

لأن المرتهن لايجوز له الانتفاع. (بدائع الصنائع، کتاب الرهن، زکریا ۵/ ۲۱۰، کراچی ٦/ ١٤٥، شامی زكريا ١٠/ ٨٣، کراچی ٦/ ٤٨٢، هدايه اشرفی ٤/ ٥٢٢)

البتہ اس کے جواز کی شکل بیع الامانت کی ہوسکتی ہے اور بیع الامانت کا مطلب یہ ہے کہ جتنے روپیہ میں زمین کو رہن رکھا جائے اتنے میں زبانی عقد کرلیا جائے کہ اتنی رقم میں مرتہن کے ہاتھ اس شرط پر فروخت کردے کہ جب بھی زمین والا اتنا پیسہ مہیا کر کے زمین لینے والے کو پیش کردے گا تو اس پیسہ میں مالک کے ہاتھ دوبارہ فروخت کردے گا، اس معاملہ میں رجسٹری وغیرہ نہ کرائے تو اس طرح سے دونوں کا مقصود پورا ہو جائے گا کہ دو ہزار قرضہ زمین کی قیمت کے نام سے مل گیا اور روپیہ دینے والے کو زمین سے نفع اٹھانے کا موقع بھی مل گیا اور جب دو ہزار کا انتظام کر کے قرض خواہ کو واپس کرے گا تو زمین بھی واپس مل جائے گی۔

وصورته أن يقول البائع للمشتری بعت منک هذا العين بدين لک علی أنی متی قضيت الدين فهو لی. (البحر الرائق، کتاب البيوع، باب خيار الشرط،

کوئٹه ٦/۷، زکریا ٦/١١، شامی زکریا ٥٤٦/٧، کراچی ٥/٢٧٦، هندیه زکریا قدیم ٢٠٩/٣، جدید ١٩٦/٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍محرم الحرام ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۷۰۰۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۱/۷ھ

شئ مرہون سے نفع اٹھانے کا عدم جواز

سوال [۹۷۸۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے کاروباری ضرورت کے لیے بکر سے ایک بڑی رقم تین سال کے لیے بطور قرض لی، اور تین سال کے لیے اپنے ذاتی مکان کے مالکانہ حقوق بکر کو دیدئے، لیکن بکر اس مکان کو کرایہ پر دینا چاہتا ہے، زید نے بکر سے کرایہ کی رقم طے کرکے وہ مکان اس وقت تک کے لیے لے لیا جب تک وہ بکر کی ملکیت میں ہے تین سال کے اندر زید نے تھوڑی تھوڑی کرکے رقم ادا کردی اور ہر ماہ مکان کا کرایہ بھی ادا کرتا رہا، آخر میں رقم ادا ہونے پر مالکانہ حقوق اور مکان کے کاغذات واپس لے لیے، اس طرح کا قرض لینا اور کرایہ کی رقم ادا کرنا جائز ہے یا نہیں، شرعی جواب سے مطلع فرمائیں۔

المستفتی: صدر علی بردوانی مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: بطور قرض رقم لینے کا مطلب یہ ہے کہ یہ معاملہ شرعاً رہن کا معاملہ ہے، اور معاملۂ رہن میں مرتہن کے لیے شئ مرہون سے کسی طرح بھی نفع اٹھانا جائز نہیں ہے، اس لیے صورت مذکورہ میں بکر مذکورہ مکان کو بطور امانت محفوظ رکھ سکتا ہے، اس میں رہائش اختیار کرنا یا کسی کو کرایہ پر دے کر کرایہ وغیرہ کے نام سے کوئی رقم حاصل کرنا بکر کے لیے حلال نہیں ہے، بلکہ زید کو واپس کردینا واجب ہے۔

ولو أعار المرتهن من الراهن أو آجره أو أودعه كان للمرتهن أن

یسترده و الإجارة باطلة. (قاضیخان، کتاب الرهن، فصل فی الانتفاع بالرهن، زکریا جدید ۳/ ٤٤٨، وعلی هامش الهندیة ۳/ ٦٠٢)

وإن آجر بأمر الراهن بطل الرهن والأجر للراهن. (فتاویٰ بزازیه زکریا جدید ۳/ ۳۷، وعلی هامش الهندیة ٦/ ۷۲)

لایحل للمرتهن أن ینتفع بشيء منه بوجه من الوجوه و إن أذن له الراهن لأنه أذن له فی الربا لأنه یستوفیٰ دینه کاملا فتبقی له المنفعة فضلا فتکون ربا وهذا أمر عظیم. (شامی، کتاب الرهن، زکریا ۱۰/ ۸۳، کراچی ٦/ ٤٨٢، مطلب: کل قرض جر نفعاحرام، زکریا ۷/ ۳۹۵، کراچی ٥/ ١٦٦، مجمع الأنهر، مصری قدیم ۲/ ۵۸۸، دار الکتب العلمیة بیروت ٤/ ۲۷۳، ۲۷٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/ ذیقعدہ ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۴۷۴)

گروی رکھے ہوئے مکان کو چھڑانے کے بعد کون مالک ہوگا؟

سوال [۹۷۸۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حاجی چھوٹن کا انتقال ہوا بوقت انتقال انہوں نے ورثاء میں زوجہ انوری بیگم لڑکا مختار احمد، لڑکی نور جہاں بیگم کو چھوڑا، اس کے بعد لڑکے مختار احمد کا انتقال ہوا، بوقت انتقال ماں انوری بیگم تین لڑکے: استفسار احمد، امتیاز احمد، جاوس اور تین لڑکیاں: میسر جہاں، قیصر جہاں، منی اور اپنی زوجہ اخلاصی بیگم کو چھوڑا حاجی چھوٹن نے اپنے انتقال کے وقت ایک مکان چھوڑا وہ مکان گروی رکھا ہوا تھا، حاجی چھوٹن کے انتقال کے بعد زوجہ انوری بیگم اور لڑکا مختار احمد اور لڑکی نور جہاں بیگم کے نام وہ مکان واپس لیا گیا اور تمام پیسے زوجہ انوری بیگم نے ادا کیے، تو اب شرعی نقطۂ نظر سے وہ مکان کس طرح تقسیم ہوگا؟

نوٹ: مختار احمد کی زوجہ اخلاصی بیگم کو مختار احمد نے اپنی حیات میں ہی طلاق دیدی تھی، لیکن

اب وہ زبردستی اسی مکان میں رہتی ہے اور اپنا حصہ مانگتی ہے، اور مختار احمد کی مذکورہ اولاد بھی اسی اخلاصی بیگم سے ہے اور زوجہ انوری بیگم اپنا حصہ بیٹی نور جہاں کو ہبہ کرنا چاہتی ہے تو کیا ہبہ کر سکتی ہے؟

المستفتی: انوری بیگم، پکا باغ گل شہید مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بشرط صحت سوال وبعد ادائے حقوق ما تقدم وعدم موانع ارث مرحوم چھوٹن کا ترکہ ان کے شرعی ورثاء میں حسب ذیل نقشہ کے مطابق تقسیم ہوگا۔

چھوٹن میت

زوجہ	لڑکا	لڑکی
اندری بیگم	مختار احمد	نور جہاں
۱/۳	۷/۱۴	۷
۸۱		

توافق بالنصف

مختار احمد میت

زوجہ	ماں	لڑکا	لڑکا	لڑکا	لڑکی	لڑکی	لڑکی
خلاصی بیگم محروم	۱/۹	۱۰/۷۰	۱۰/۷۰	۱۰/۷۰	۵/۳۵	۵/۳۵	۵/۳۵

کل مکان ۶۴۸ سہام میں تقسیم ہو کر ہر وارث کو اتنا ملے گا جو اس کے نیچے درج ہے، اگر انوری بیگم نے اپنی خوشی سے تمام پیسے ادا کیے ہیں تو اس کا عوض نہیں ملے گا اور اگر تمام ورثاء کی اجازت سے ادا کیے تو جتنے پیسے انوری بیگم نے ادا کیے ہیں وہ اس کو مکان کی قیمت سے علیحدہ ملیں گا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱/ ربیع الثانی ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۶۱۴)

٣٤ كتاب الصيد

شکار کا مسنون طریقہ

سوال [۹۷۸۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جن جانوروں کا گوشت حلال ہے ان کے شکار کا مسنون طریقہ کیا ہے؟

المستفتی: محمد اقبال شمسی ہاؤس، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جن جانوروں کا گوشت حلال ہے ان کے شکار کے بہت سے مسنون اور شرعی طریقے ہیں، ان میں تیر، کلب، باز، چیتا، معلم وغیرہ کے ذریعہ شکار کرنا ہے، ان کو بسم اللہ پڑھ کر شکار پر چھوڑا جائے، اگر یہ شکار کو اس طرح زخمی کر دے کہ آپ کے پہنچنے سے پہلے ہی شکار زخم کی وجہ سے مر جائے تو اس کا کھانا حلال ہوگا، اور اگر شکاری نے شکار کو پکڑ لیا یا تیر دھار دار کی طرف سے شکار کو نہیں لگا تو ایسی صورت میں شرعی طریقہ پر ذبح کیے بغیر اس کا کھانا جائز نہ ہوگا۔ (مستفاد: محمودیہ قدیم ۱۱/ ۵۳۷، ۱۴/ ۳۵۴، ۶/ ۳۱۹، جدید ڈابھیل ۱۷/ ۲۱۷، ۲۱۵)

﴿**قال الله تعالىٰ: يَسْأَلُوْنَكَ مَاذَا أُحِلَّ لَهُمْ قُلْ أُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبَاتُ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ فَكُلُوْا مِمَّا أَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوْا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ.**﴾ [المائدة: ٤]

فالصيد هو الحيوان المتوحش الممتنع عن الآدمي مأكولا أو غير مأكول. (هنديه، كتاب الصيد، الباب الأول، زكريا قديم ٥/٤١٧، جديد ٥/٤٧٤، هدايه، اشرفي ديوبند ٤/٥٠١، شامي، زكريا ١٠/٤٦، كراچی ٦/٤٦١، البحر الرائق، كوئٹه ٨/ ٢٢٠، زكريا ٨/٤٠٦، تاتارخانية زكريا ١٨/٤٤٤، رقم: ٢٩٥٣٣)

ويجوز الاصطياد بكلب المعلم والفهد والبازى وسائر الجوارح المعلمة. (هدايه اشرفي ديوبند ٤/٥٠٢، شامي زكريا ١٠/٤٨، كراچی ٦/٤٦٣، البحر الرائق

کوئٹه ٨/ ٢٢٠، زكريا ٨/ ٤٠٦، تاتارخانية ١٨/ ٤٦٦، رقم: ٢٩٦٠٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٨/ جمادی الاولیٰ ١٤٢٢ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٥/ ٧٢١١)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
١٠/٥/١٤٢٢ھ

بندوق کے شکار کا شرعی حکم

سوال [٩٧٨٣]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کسی شخص نے بسم اللہ پڑھ کر بندوق سے شکار کیا اور خون بھی نکلا، بغیر ذبح کیے ہوئے مرگیا تو اس کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: فضل الرحمٰن مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: خون نکلنے کے باجود بغیر ذبح کیے ہوئے گولی کا شکار کھانا حلال نہیں ہوتا ہے اس لیے کہ گولی درحقیقت دھار اور نوک سے ذبح نہیں کرتی، بلکہ اپنی قوت مدافعت کے ذریعہ توڑتی اور کوٹتی چلی جاتی ہے اور جو خون گولی سے نکلا ہے وہ چوٹ کا ہوتا ہے کاٹ کا نہیں ہوتا۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ٨/ ٢٦٠، جدید زکریا مطول ١١/ ٦٠٠، فتاویٰ احیاء العلوم ١٨/ ٢٤٠، امداد الفتاویٰ ٣/ ٢١٩)

عن ابن عمر: أنه كان لا يأكل ما أصابت البندقة والحجر. (مصنف ابن أبي شيبة، الصيد في البندقة والحجر يرمى به فيقتل، مؤسسة علوم القرآن بيروت ١٠/ ٤٠٨، رقم: ٢٠٠٨٧)

وقال ابن عمر في المقتولة بالبندقة: تلك الموقوذة، وكرهه سالم والقاسم ومجاهد وإبراهيم وعطاء والحسن. (صحيح البخاري، الذبائح والصيد، باب صيد المعراض ٢/ ٨٢٣)

لايحل صيد بندقة والحجر والمعراض والعصا وما أشبه ذٰلك وإن جرح. (شامي، كتاب الصيد زكريا ديوبند ١٠/ ٦٠، كراچي ٦/ ٤٧١)

ولا یوکل ما أصابه البندقة فمات بها لأنها تدق و تکسر، و لاتجرح فصار کالمعراض. (هدایه اشرفی دیوبند ٥١١/٤، تبیین الحقائق امدادیه ملتان ٥٩/٦، زکریا دیوبند ١٢٩/٧، هندیه زکریا قدیم ٤٢٥/٥، جدید ٤٨٢/٥، تاتارخانیة زکریا ٤٧٥/١٨، رقم: ٢٩٦٤١)

بندوق آلۂ جارحہ (قاطعہ) نہیں ہے بلکہ آلہ مکرہ اور مدقہ ہے۔

لأنها تدق و تکسر ولا تجرح فصار کالمعراض. (هدایه اشرفی دیوبند ٥١٢/٤)

والبندقیة لاتجرح. (تبیین الحقائق امدادیه ملتان ٥٩/٦، زکریا دیوبند ١٢٩/٧، الجوهرة النیرة امدادیه ملتان ٢٧٣/٢، دار الکتاب دیوبند ٢٦٠/٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/ ربیع الثانی ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۷۷۶/۲۵)

چھری اوپر پھینکنے سے ٹڈی کی حلت اور نیچے پھینکنے سے مچھلی کی حلت کا حکم

سوال [۹۷۸۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مچھلی اور ٹڈی بغیر ذبح کیے ہوئے کیوں حلال ہیں؟ اس کے بارے میں ایک شخص کہتا ہے کہ کسی نے چھری اوپر کو پھینکی تو ٹڈی حلال ہوگئی اور نیچے کو پھینکی تو مچھلی حلال ہوگئی اس کا یہ کہنا مناسب ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوالنامہ میں جو باتیں مذکور ہیں وہ سب بے اصل اور بے بنیاد ہیں بلکہ اس سلسلے میں اصل حضور اکرم ﷺ کا فرمان ہے کہ آپ نے فرمایا کہ ہمارے لیے ٹڈی اور مچھلی بغیر ذبح کیے ہوئے حلال ہیں اور یہی حلت کی دلیل ہے اس طرح کی روایت متعدد کتب حدیث میں موجود ہے۔

أحلت لنا المیتتان والدمان المیتتان الحوت والجراد والدمان الکبد والطحال. (مشکوٰة شریف ص: ٣٦١)

نیز باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَهُوَ الَّذِيْ سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا أي وهو السمك.

(جلالین، سورۂ نحل: ۱۴، مکتبہ رشیدیہ دهلی ۱/۲۱٦، روح المعانی زکریا دیوبند ۸/۱٦۵)

اور مچھلی اور ٹڈی دیگر جانوروں کی طرح نہیں ہیں ان میں دم مسفوح نہیں ہوتا اور دم مسفوح کی وجہ سے ذبح کی ضرورت ہوا کرتی ہے، اور مچھلی کے اندر خون جیسی جو چیز نظر آتی ہے وہ محض رطوبت ہے خون نہیں، لہٰذا اس وجہ سے بھی مچھلی اور ٹڈی بغیر ذبح کیے ہوئے حلال ہیں۔ (مستفاد: معارف القرآن اشرفی دیوبند۳/ ۲۸، ۵/ ۳۲۵، فتاویٰ رحیمیہ قدیم٦/ ۳۳۷، جدید زکریا ۱۰/۳/۷، محمودیہ قدیم۱۳/ ۴۳۵، جدیدڈابھیل۱۸/ ۲۰۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴ ؍رجب المرجب ۱۴۲۱ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۳۵/۶۸۱٦)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۴؍۷؍۱۴۲۱ھ

غیر مسلم کے گولی مارنے کے بعد مسلم کا شرعی طریقہ سے ذبح کرنا

سوال [۹۷۸۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے چند ساتھی جانور یعنی ہرن وغیرہ کا شکار کرتے ہیں، ان میں غیر مسلم بھی ہیں لیکن بندوق غیر مسلم لڑکا ہی چلاتا ہے، جانور کے گولی غیر مسلم ہی مارتا ہے پھر اس جانور کو ہمارے مسلم ساتھی شرعی طریقہ سے ذبح کرتے ہیں، کیا یہ ذبیحہ حلال ہے؟ کیا غیر مسلم کے بندوق چلانے سے اس پر کوئی فرق تو نہیں پڑے گا؟

المستفتی: محمد اکرم سیڈھا بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب شکار اس حالت میں پکڑا جائے کہ اس میں زندگی باقی ہے تو اس کے حلال ہونے کے لیے ذبح شرط ہے اور ذبح بھی مسلمان کے ہاتھ سے بسم اللہ پڑھ کر ہونا لازم ہے اس سے پہلے پہلے غیر مسلم نے اس کو مار کر کمزور کر دیا ہو تو

اس کا اعتبار نہیں بلکہ بوقت ذبح کا اعتبار ہے، اس لیے مسلمان جب اپنے ہاتھ سے ذبح کرتے ہیں تو شکار حلال ہوگا۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۷/ ۳۸۷)

فإن أدركه الرامي أو المرسل حيا ذكاه وجوبا فلو تركها حرم والحياة المعتبرة هنا أي في الصيد ما يكون فوق ذكاة المذبوح. (در مختار مع الشامي، كتاب الصيد، كراچی ٦/ ٤٦٩، زكريا ديوبند ١٠/ ٥٥)

ولو أن قوما من المجوس دعوا سهامهم فأقبل الصيد نحو مسلم (إلى قوله) إن كان سهم المجوس لم يقع على الأرض حتى رماه المسلم لم يحل أكله إلا أن يدركه المسلم و يذكيه فحينئذ يحل لأنهم أعانوه في الرمي دون حقيقة الذكاة ولا معتبر بالرمي مع وجود حقيقة الذكاة. (هنديه زكريا قديم ٥/ ٤٢٦، جديد ٥/ ٤٨٢، ٤٨٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸ ربیع الاول ۱۴۳۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۷۵۴)

دوا کے ذریعہ مچھلی پکڑنا یا کچی مچھلی کھانا کیسا ہے؟

سوال [۹۷۸٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (الف) بڑے تالاب میں دوا ڈال کر مچھلی پکڑنا کیسا ہے نیز تالاب میں دوا ڈالنے کی وجہ سے جو مچھلی خود بخود مر کر اوپر آجاتی ہے اس کا کھانا حلال ہے یا حرام؟

(ب) اور کچی مچھلی یا گوشت کھانا کیسا ہے؟

المستفتی: ہارون رشید کرناٹکی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) جب مچھلی شکار کرنے کے دوسرے ذرائع موجود ہیں تو دوا کے ذریعہ شکار کرنا جائز نہیں ہے، اس لیے کہ تالاب میں دوا ڈالنے کی

صورت میں جو بالکل معمولی مچھلیاں ہیں ابھی انڈے سے نکلی ہیں، جو انسان کے کام میں نہیں آتیں، وہ سب بھی مر جائیں گی، تو بلاضرورت ایسی مچھلیوں کو اس طرح ضائع کر دینا لازم آئے گا، جس کی شرعاً اجازت نہیں۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۴/۲۶۳)

وحرقهم لكن جواز التحريق و التغريق مقيد إلى قوله بما إذا لم يتمكنوا من الظفر بهم بدون ذلك بلا مشقة عظيمة فإن تمكنوا بدونها فلايجوز.

(شامی، کتاب الجهاد مطلب فی أن الكفار مخاطبون ندبا، کراچی ٤/١٢٩، زکریا ٦/٢١٠)

(ب) اور جو مچھلیاں دوا کی وجہ سے مر کر اوپر آ گئی ہیں ان کا کھانا حلال ہے۔

(مستفاد: احسن الفتاویٰ ۷/۳۹۰)

إلقاء شيئ و كان يعلم أنها تموت منه قال في المنع أو أكلت شيئا ألقاه في الماء لتأكله فماتت منه وذلك معلوم (إلى قوله) جميع ما ذكر وهو الأصل في الحل.

(شامی، کتاب الذبائح، کراچی ٦/٣٠٧، زکریا ٩/٤٤٥، طحطاوی علی الدر کوئٹه ٤/١٥٧)

(ج) طبی نقصان نہ ہونے کی صورت میں کچی مچھلی یا گوشت کھانا فی نفسہ حلال ہے مگر انسانی معدہ ایسی چیزوں کا متحمل نہیں ہوتا اور یہ بھی شریعت کا حکم ہے کہ ایسی چیز نہ کھائی جائے جو صحت کے لیے نقصان دہ ثابت ہو، اگر کسی شخص کا معدہ برداشت کر لیتا ہے تو اس کے کھا لینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۹ ر جمادی الثانیہ ۱۴۲۰ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۶۱۹۹)	۱۴۲۰/۶/۹ھ

چھینگر، چھوٹی مچھلی وغیرہ لگا کر بڑی مچھلی کا شکار کرنا

سوال [۹۷۸۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) چھینگر اور تیلغی از قسم مکوڑا ہے مچھلی پکڑنے والے کانٹے میں لگا کے مچھلی کا شکار کرتے ہیں حکم کیا ہے؟

(۲) چھوٹی زندہ مچھلی کانٹے میں لگا کے سطح آب پر چلائی جاتی ہے اور بڑی مچھلی اس طرح کانٹے میں پھنس جاتی ہے دوسری شکل مچھلی کو سڑا کے شکار کرنا ہے، الگ الگ حکم تحریر فرمائیں؟

(۳) سیپ کے اندر جو گوشت ہوتا ہے اسکو کانٹے میں لگا کے مچھلی پکڑی جاتی ہے نیز شراب آمیز مصالحہ اور گائے بھینس، بکری وغیرہ کی تلی سے مچھلی کا شکار کرنا کیسا ہے؟

المستفتی: عبدالکریم آسامی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ تینوں قسم کی اشیاء اور جانوروں سے مچھلی کا شکار جائز ہے، مگر شرط یہ ہے کہ زندہ جانور کو کانٹے میں نہ لگایا جائے، بلکہ پہلے اس کو جان سے ماردیا جائے اس کے بعد مردہ چیز کو کانٹے میں لگا کر شکار کیا جائے، زندہ جانور کو اس طرح تکلیف دینا سخت گناہ ہے۔

أن رسول اللہ ﷺ لعن من اتخذ شيئا فيه روح غرضا. (مسلم، کتاب الصيد والذبائح، باب النهى عن صبر البهائم، النسخة الهندية ۱۵۳/۲، بيت الأفكار رقم: ۱۹۵۸) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
۱۵؍شوال المکرم ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۴۹۹۶)

جالی پھندا لگا کر جانور اور گھیسا سے مچھلی کے شکار کا حکم

سوال [۹۷۸۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جالی اور پھندا لگا کر پرندوں کا یا دیگر حلال جانوروں کا شکار کرنا اسی طرح کانٹے میں گھیسا لگا کر مچھلی کا شکار کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جال اور پھندے سے پرندوں اور حلال جانوروں کا شکار کرنا جائز ہے، اسی طرح کانٹے میں گھیسا لگا کر مچھلی شکار کرنا جائز ہے لیکن

گھیسے کو کانٹے میں لگانے سے پہلے ماردیا جائے اورمردہ حالت میں لگایا جائے۔(مستفاد: امدادالفتاویٰ ۳/ ۵۵۷، فتاویٰ محمودیہ قدیم ۵/ ۱۲۹، جدید ڈابھیل ۱۷/ ۲۱۸)

عن ابن عباس أن النبی ﷺ قال: لاتتخذوا شیئا فیه الروح غرضا.

(صحیح مسلم، کتاب الصید والذبائح، باب النهی عن صبر البهائم، النسخة الهندیة ۲/ ۱۵۳، بیت الأفکار رقم: ۱۹۵۸)

أن من نصب شبکة فتعقل بها صید ملکه صاحب الشبکة. (عالمگیری، کتاب الصید، الباب الثانی، زکریا قدیم ۵/ ۴۱۷، جدید ۵/ ۴۷۴، شامی کراچی ۶/ ۴۶۲، زکریا ۱۰/ ۴۷، تاتارخانیة زکریا ۱۸/ ۴۵۳، رقم: ۲۹۵۵۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍ جمادی الاخریٰ ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۴۳۵)

زندہ جانور کو کانٹے میں پھنسا کر مچھلی کا شکار کرنا

سوال [۹۷۸۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہم لوگ اکثر مچھلی کے شکار میں جاتے ہیں، شکار میں ایک قسم کا سمندری کیڑا زندہ کانٹے میں لگاتے ہیں، ایک دوست پاکستان سے آیا، اس نے بتایا یہ حرام ہے، جاندار کو کانٹے میں لگاتے ہو اس طرح تکلیف پہنچانا حرام ہے، ہم لوگ پریشان ہو گئے کیونکہ چار پانچ سال سے ہم لوگ ایسے ہی شکار کھیلتے چلے آرہے ہیں؟

المستفتی: حبیب اللہ تاج شارجہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زندہ جانور (کیڑا) کو کانٹے میں پھنسا کر شکار کرنا جائز نہیں ہے، اس لیے کہ اس میں تعذیب حیوان ہے، ہاں اس کو مار کر کانٹے میں پھنسا کر شکار کرنا جائز ہے۔(مستفاد: فتاویٰ رشیدیہ قدیم ۵۹۶، جدید زکریا ۵۸۸)

عن سعيد بن جبير قال: إن رسول الله ﷺ لعن من اتخذ شيئا فيه الروح غرضا. (صحيح مسلم، كتاب الصيد والذبائح، باب النهى عن صبر البهائم، النسخة الهندية ۲/۱۵۳، بيت الأفكار رقم: ۱۹۵۸)

ويكره تعليم البازي بالصيد الحی يأخذه ويعذبه ولا بأس بأن يعلم بالمذبوح كذا فی المحيط. (هنديه، كتاب الكراهية، الباب الحادی والعشرون، زكريا قديم ۵/۳۶۳، جديد ۵/۴۱۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍ربیع الاول ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۶۹۳)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۳/۲۲ھ

سیلاب سے آئی ہوئی مچھلیوں کو پکڑنا

سوال [۹۷۹۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے یہاں کا عام رواج ہے کہ جو ندی سیلاب سے بھرتی ہے اور سیلاب ہی کے ذریعہ اس میں مچھلی آتی ہے تو آس پاس کے لوگ اس ندی کے خریدار سے مفت میں سالن اور ترکاری کے نام پر مچھلی لے کر کھاتے ہیں، اور ندی کا مالک عام رواج کا خیال کر کے دیتا ہے، نہ کہ دلی خوشی سے تو کیا مفت کی مچھلی کھانا جائز ہے؟

المستفتی: محمد اشتیاق نور قاسمی بھاگلپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سیلاب سے آئی ہوئی مچھلیوں کو پکڑنا ہر شخص کے لیے جائز ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۳/۵۳۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍شعبان المعظم ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۴۱۵۲)

زندہ مینڈک، چوہیہ، کانٹے میں پھنسا کر مچھلی کا شکار کرنا

سوال [۹۷۹۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) درج ذیل جانوروں کے ذریعہ شکار ماہی کرنا کیسا ہے، (۱) گھیسا (۲) مینڈک (۳) چوہیہ زندہ، مردہ گھیسا کا کیا حکم ہے؟

(۲) مینڈک یا مینڈک کی زندہ یا مردہ کانٹے میں لگا کر سطح آب پر چھپکی دیتے ہیں یہ شکل ہے، شکار کرنے کی، اس کا حکم کیا ہے؟

(۳) زندہ یا مردہ چوہیہ، مچھلی پکڑنے والے کانٹے میں لگا کے مچھلی پکڑتے ہیں، حکم کیا ہے؟ مدلل جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: محمد اعظم نانگل سوتی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱-۲-۳) گھیسا، مینڈک اور چوہیہ جب زندہ ہوں تو ان کو کانٹے میں لگا کر اس سے مچھلی شکار کرنا جائز نہیں، شریعت میں زندہ جانوروں کو عذاب وتکلیف دینے کی ممانعت وارد ہے، لہٰذا ان کو مار کر یا جو مرے ہوئے ہوں، ان کے ذریعہ شکار کرنا چاہئے اور ان چیزوں کے ذریعہ شکار کردہ مچھلی بلاشبہ حلال وجائز ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۳/ ۵۵۷)

عن سعيد بن جبير قال: إن رسول الله ﷺ لعن من اتخذ شيئا فيه الروح غرضا. (صحيح مسلم، كتاب الصيد والذبائح، باب النهي عن صبر البهائم، النسخة الهندية ۲/ ۱۵۳، بيت الأفكار رقم: ۱۹۵۸)

ويكره تعليم البازي بالصيد الحي يأخذه ويعذبه ولا بأس بأن يعلم بالمذبوح كذا في المحيط. (هنديه، كتاب الكراهية، الباب الحادى والعشرون، زكريا قديم ۵/ ۲۶۳، جديد ۵/ ۴۱۸)

ولايكره أكل الدجاج المخلى و إن كان يتناول النجاسة لأنه لا يغلب عليه

أكل النجاسة. (هنديه كتاب الذبائح، الباب الثانی، زكريا قديم ٥/٢٩٠، جديد ٥/٣٣٤)

وقتل النملة قيل لا بأس به مطلقا ...... ويكره إلقاؤه في الماء. (البحر الرائق، كتاب الكراهية، فصل البيع، کوئٹہ ٨/٢٠٤، زکریا ٨/٣٧٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳/شعبان المعظم ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۴۹۷۴)

نیل گائے کا شکار کرتے وقت دماغ پھاڑ ڈالنا

سوال [۹۷۹۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: نیل گائے کا شکار اس طرح سے کرنا کہ ایک جانب جال لگا کر اور بقیہ سب جانب سے بھگاتے ہیں جب وہ نیل گائے اس جال میں پھانسی کے پھندے کی طرف اپنی گردن پھانس لیتی ہے تو یہ شکاری حضرات اس کے پھنسنے کی حالت میں اتنے ڈنڈے اور لاٹھیاں مارتے ہیں کہ بعض مرتبہ اس کی آنکھیں باہر نکل آتی ہیں اور دماغ پھٹ جاتا ہے، یہ سب عمل اس کو قابو میں لانے کے لیے کرتے ہیں، پھر اس کے بعد ذبح کر کے کھاتے ہیں تو ایسا کر کے کھانا کیسا ہے، یہ ایک شکل ہے دوسری شکل یہ ہے کہ اس کو ذبح کر کے دوری اور مجبوری کی وجہ سے مثلاً ندی کے اس پار شکار کیا اب اس کو اس پار لانے کے لیے ذبح کی ہوئی نیل گائے ندی کے پانی میں ڈال کر بہاتے ہوئے چلے آتے ہیں، جب اپنے گاؤں کے قریب آجاتے ہیں تو اس کو نکال کر آپس میں تقسیم کر کے اس کو کھاتے ہیں، تو ایسا کر کے کھانا یا لاٹھی ڈنڈوں سے مار کر کھانا کیسا ہے؟ حرام، حلال، جائز ناجائز، مکروہ تحریمی یا تنزیہی ہے؟

المستفتی: عبدالسلام غوث گنج ہردوئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: شکار کو قابو میں لانے کے لیے لاٹھیوں اور ڈنڈوں وغیرہ سے مارنا جائز ہے، لیکن اس طرح مارنا کہ بلا وجہ جانور کو ایذاء اور تکلیف پہنچے

جائز نہیں ہے، کیونکہ شکار کی حلت منصوص ہے، اور جب اسے ذبح کرلیا گیا تو اس کا کھانا بلا کراہت جائز ہے، یہ ایذاء اس کی حلت پر اثر انداز نہیں ہوگی۔

إن لهـذه البهـائـم أوابـد كأوابد الوحش وما فعل منها هذا فافعلوا به مثل هـذا أى الجرح والقتل، والظاهر أن السهم أصاب المقتل فمعنى حبسه أى قتله ويحتمل أنه لم يصب المقتل فحينئذ معنى قوله حبسه كفه عن الشرود –إلى– فإن الـمتوحش إذا ند يكون فى حكم الصيد فإذا أخذ وفيه الحياة المستقرة لم يبق فى حكم الصيد فلا يحل بالذكاة الاضطرارية بل يلزم ذبحه وإلا حرم أكله.

(بـذل الـمـجهود فى حل أبى داؤد، كتاب الضمايا، باب الذبيحة بالمروة، مكتبه يحى سهارنپور ٤/ ٨٠، دار البشائر الإسلامية بيروت ٩/ ٥٨٢ تحت رقم الحديث ٢٨٢١)

دوسری شکل میں جب باضابطہ جانور ذبح کے بعد دریا میں ڈال دیا جائے تو جائز ہے، دریا میں ڈالنے سے اس کے اندر کوئی کراہت نہیں آئے گی، ہاں اگر بقدر حیات جان باقی ہو اس وقت دریا میں ڈال دیا جائے تو پھر اس کا کھانا حرام ہے۔

ألا تـرىٰ أنـه لـو وقع فى الماء وهو لهذه الحالة لا يحرم كما إذا وقع بـعـد مـوته لأن موته لايضاف إليه. (البـحـر الـرائق، كتاب الصيد، زكريا ٨/ ٤١٢، كوئٹه ٨/ ٢٢٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۲۶/ محرم الحرام ۱۴۲۱ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۶۴۶۳/۳۴)	۱۴۲۱/۱/۲۶ھ

گھر کی حفاظت کے لیے کتا پالنا

سوال [۹۷۹۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اپنے گھر یا دوکان کی حفاظت کے لیے کتا پال سکتے ہیں یا نہیں؟ جبکہ میرا گھر گاؤں کے کنارے پر ہے اور چوروں اور ڈاکوؤں کا خطرہ لگا رہتا ہے۔

المستفتی: ارشد خان شاہد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: احادیث میں کتا پالنے کی سخت ممانعت آئی ہے جہاں کتا ہوتا ہے وہاں رحمت کے فرشتے نہیں آتے ہیں۔

لاتدخل الملائكة بيتا فيه كلب و لا تصاوير. (بخاری شریف، کتاب اللباس، باب التصاوير ۲/ ۸۸۰، رقم: ۵۷۱۶، ف: ۵۹۴۹)

اسی طرح دوسری حدیث میں آیا ہے:

من اقتنى كلبا إلا كلب ماشية أو ضاري، نقص من عمله كل يوم قيراطان. (مسلم شريف كتاب المساقاة والمزارعة، باب الأمر يقتل الكلاب النسخة الهندية ۲/ ۲۱، بيت الأفكار رقم: ۱۵۷۴)

اس حدیث شریف میں کچھ کتوں کا استثناء بھی کیا گیا ہے اور علماء نے ضرورت شدیدہ کے وقت کتا پالنے کی اجازت بھی دی ہے، مگر وہ کتے بھی دخول ملائکہ سے مانع ہیں۔

قال النووی: والأظهر أنه عام فی كل كلب و كل صورة و أنهم يمتنعون من الجميع لإطلاق الأحاديث. (شرح نووی علی هامش مسلم، کتاب اللباس والزينة، باب تحريم تصوير صورة الحيوان، ۲/ ۲۰۰، مرقاة شرح مشکوٰة، باب التصاوير امداديه ملتان ۸/ ۳۲۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶/ جمادی الاولی ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۱۸۶)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۶/۴ھ

جانی مالی حفاظت کی غرض سے کتا پالنا

سوال [۹۷۹۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: چوروں اور ڈاکو سے مامون ومحفوظ رہنے کے واسطے اپنے گھر میں کتا پال سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: ایم، زیڈ، شاہد خان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر واقعی چوروں کا شدید خوف ہے اور کتا پالنے سے جان و مال کی حفاظت ممکن ہو تو ایسی صورت میں کتا پالنے کی گنجائش ہے، لیکن آج کل کے زمانے میں ایسی ضرورت کا وجود ناپید ہے، جس کی وجہ سے کتا پالنے کی گنجائش ہو، اس لیے کتا پالنے والے اپنے حالات کو دیکھ کر خود اپنی خیر منائیں۔ (مستفاد: محمودیہ قدیم ۶/۳۷۲، ۶/۳۶۵، ۱۷/۳۶۵، جدید ڈابھیل ۱۹/۴۷۱، ۱۸/۲۶۵، ۲۶۷)

وفی الأجناس لاینبغی أن یتخذ کلبا إلا أن یخاف من اللصوص أو غیرهم ویجب أن یعلم بأن اقتناء الکلب لأجل الحرس جائز شرعاً. (هندیه، کتاب الکراهیة، الباب الحادی والعشرون، زکریا قدیم ۵/۳۶۱، جدید ۵/۴۱۶، تاتارخانیة زکریا ۱۸/۲۲۳، رقم: ۲۸۵۸۰)

وأما اقتناء الکلاب فمذهبنا أنه یحرم اقتناء الکلب بغیر حاجة ویجوز اقتنائه للصید وللزرع وللماشیة وهل یجوز لحفظ الدور والدروب ونحوها الخ. (شرح المسلم للنووی، کتاب المساقاة والمزارعة، باب الأمر بقتل الکلاب ۲/۲۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۷۲۴۳)

شکاری کتے کا ہرن کو مارڈالنا

سوال [۹۷۹۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) زید نے شکار کے لیے ایک کتا پالا، زید اس کو لے کر جنگل گیا اور شکار پر نظر پڑتے ہی بسم اللہ پڑھ کر زنجیر سے کتا کھول کر ہرن کے پیچھے چھوڑ دیا، کتے نے ہرن کو جان سے مار ڈالا، صورت مسئولہ میں کیا اس ہرن کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ زید نے گھر کی حفاظت کے لیے ایک کتا پالا اس کتے کو بسم اللہ

پڑھ کر کسی ہرن کے پیچھے چھوڑ دیا، کتے نے ہرن کو دبوچ کر مار ڈالا تو اس ہرن کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد عباس قاسم رام جی والا بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) زید نے شکار کے لیے جو کتا پال رکھا ہے اس کتے کو شکار کی تربیت دی گئی ہو اور اس پر مکمل اعتماد ہو چکا ہو کہ اب یہ کتا شکاری بن چکا ہے، اور یہ کوئی بھی شکار کو مارنے کے بعد اس میں سے نہیں کھاتا ہے بلکہ مالک کے پاس لاکر پیش کر دیتا ہے اگر اس طرح تربیت یافتہ کتا ہے اور اس کو بسم اللہ پڑھ کر ہرن پر چھوڑ دیا ہے اور اس نے ہرن کو جان سے مار دیا ہے اور ہرن میں سے کچھ نہیں کھایا تو ایسی صورت میں حضور اکرم ﷺ کے ارشاد کے مطابق وہ ہرن حلال ہے، لیکن اگر کتا مکمل تربیت یافتہ نہیں ہے تو ہرن حلال نہیں ہے۔

عن عائذ الله بن عبد الله أنه سمع أبا ثعلبة الخشني قال: قلت: يا رسول الله إنا أهل صيد فقال إذا أرسلت كلبك و ذكرت اسم الله عليه فأمسك عليك فكل، قلت و إن قتل، قال و إن قتل. (ترمذی شريف، أبواب الصيد، باب ماجاء ما يؤكل من صيد الكلب، النسخة الهندية ١ / ٢٧١، دار السلام رقم: ١٤٦٤)

(۲) جو کتا گھر کی حفاظت کے لیے پالا گیا ہے اور اس کو شکار کی تربیت نہیں دی گئی ہے پھر اس کو بسم اللہ پڑھ کر ہرن پر چھوڑ دیا ہے اور اس نے ہرن کو مار ڈالا ہے تو وہ ہرن حلال نہیں ہے، یہ بات سوال (۱) میں آچکی ہے فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/رجب المرجب ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۳۷۹/۳۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۸/۷/۱۷ھ

مسلمان کے لیے خنزیر کے شکار کی صورت میں قیمت لینے کا حکم

سوال [۹۷۹۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: زید غیر مسلم مزدوروں کے ساتھ جنگل میں کام کررہا تھا، اسی درمیان وہاں ایک خنزیر آگیا، مزدوروں نے یہ سمجھا کہ یہ غیر مسلموں میں سے کسی کی ملک نہیں ہے بلکہ جنگلی ہے، لہٰذا اسے مار کر گوشت تقسیم کیا، لیکن زید کو انہوں نے گوشت کے بجائے اس کے حصہ کی قیمت دی اور کہا کہ تمہارے مذہب میں اس کا گوشت کھانا جائز نہیں ہے، زید نے قیمت لے کر استعمال کرلی، تو کیا زید کا قیمت لے کر استعمال کرنا درست ہے، اور بعد میں یہ معلوم ہونے پر کہ وہ خنزیر جنگلی نہیں تھا بلکہ گاؤں میں سے کسی کا تھا، اس کی قیمت بھی ادا کرنی پڑی، تو کیا زید کو بھی اس کی قیمت ادا کرنی ہوگی؟، یہ ضرور بتلایا جائے کہ اپنے حصہ کی قیمت استعمال کرنے سے ایمان میں تو کوئی خرابی نہیں آئی؟

المستفتی: محمد فہیم صفدر گنج، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب بعد میں یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ وہ خنزیر کسی غیر مسلم کی ملکیت تھا تو لی ہوئی قیمت کا واپس کرنا زید کے اوپر واجب ہے، اور زید نے خنزیر بیچا نہیں ہے، بلکہ خنزیر کا پورا قبضہ غیر مسلموں کے ہاتھوں میں رہا ہے، اور انہوں نے اس کو خنزیر سے حصہ دینے کے بجائے حصہ کی قیمت کے نام سے پیسہ دیا ہے اور انہوں نے خود اس بات کی وضاحت کردی ہے کہ تمہارے لیے اس کا گوشت کھانا جائز نہیں ہے اس لیے ہم تمہیں پیسے دے رہے ہیں اور اس میں ایسا بھی نہیں ہے کہ ایک حصہ پر قبضہ کرکے زید نے اسے غیر مسلموں کے ہاتھ بیچا ہو بلکہ غیر مسلموں نے اپنے گمان کے مطابق اس کو ایک مقدار پیسہ دیا ہے، اور بعد میں غیر مسلموں کے عقیدے اور گمان کے مطابق پوری قیمت واپس کرنی پڑی اس لیے زید کو بھی جس سے پیسہ لیا تھا اس کو پیسہ واپس کرنا ضروری ہوگا، اور خنزیر کو غیر مملوک جنگل کا جانور سمجھ کر اس کی قیمت جو زید نے استعمال کی ہے اس کی وجہ سے اس کے ایمان میں کوئی فرق نہیں آئے گا، مگر پھر بھی توبہ واستغفار کرلینا چاہیے۔

إن بلالا قال لعمر بن الخطاب رضی الله عنه إن عمَّالک یأخذون الخمر والخنازیر فی الخراج فقال لاتاخذوها منهم، ولکن ولوهم ببیعها وخذوا أنتم من الثمن. (اعلاء السنن، کتاب البیوع، أبواب البیوع الفاسدة، باب حرمة

بيع الخمر، دار الكتب العلمية بيروت ١٤/ ١٣٤، كراچى ١٤/ ١١١)

فهذا عمر قد أجاز لأهل الذمة بيع الخمر والخنازير و أجاز للمسلمين أخذ أثمانها فى الجزية والخراج وذلك بمحضر من الصحابة ولم ينكر عليه منكر. (اعلاء السنن، دار الكتب العلمية بيروت ١٤/ ١٣٥، كراچى ١٤/ ١١٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍ ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۰۳۳)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۵/ ۴/ ۱۴۳۱ھ

ایذا پہنچانے والی چیونٹیوں کو مارنا

سوال [۹۷۹۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرا ایک کمرہ ہے جس میں کالی کیڑی (چیونٹی) اتنی زیادہ تعداد میں نکلتی ہیں کہ ساری چھت اور ساری دیواروں پر چیونٹیاں ہی چیونٹیاں نظر آتی ہیں، کمرے میں بیٹھنا اور سونا مشکل ہوجاتا ہے ایسی صورت حال میں کئی بار کمرہ چھوڑ کر باہر نکلنا پڑا، لیکن ٹھنڈک اور ایک بالکل چھوٹے بچے کے ساتھ نکلنا مشکل تھا اس وجہ سے وہ جب بھی نکلیں دوائی ماردی، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ابھی اور باقی ہیں اب اگر چیونٹی اور نکلتی ہیں تو میں کیا کروں، اور جو چیونٹیاں ماردی گئی ہیں ان کے بارے میں میرے لیے شریعت کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: محمد معین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جن چیونٹیوں کی وجہ سے آپ کو گھر چھوڑ کر باہر نکلنا پڑتا ہے، ان کو مارنے میں کوئی گناہ نہیں، مگر جو بلوں کے اندر ہیں ان کو مارنا جائز نہیں، بہتر یہی ہے کہ کمرہ کو خوب صاف رکھا جائے اور جہاں سوراخ ہو اس کو بند کردیا جائے، ایذاء پہنچانے والی کو مارنے کی گنجائش ہے، اور ایذاء نہ پہنچانے والی کو مارنا ممنوع ہے۔

عن أبی هريرة أن النبی ﷺ قال: نزل نبی من الأنبياء تحت الشجرة فلدغته نملة فأمر بجهازه فأخرج من تحتها ثم أمر بها فأحرقت فأوحیٰ الله إليه فهلا نملة واحدة. (مسلم، كتاب قتل الحيات وغيرها، باب النهی عن قتل النمل، النسخة الهندية ۲/۲۳٦، بيت الأفكار رقم: ۲۲٤۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/ ذی الحجہ ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۵۴۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۲/۲۱ھ

شوقیہ کتا پالنا کیسا ہے؟

سوال [۹۷۹۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں شوق میں کتا پال سکتا ہوں یا نہیں؟ کتا پالنے سے ہمارے گھر میں رحمت کے فرشتے آئیں گے یا نہیں؟ کیا میں کتے کی تجارت کرسکتا ہوں؟

المستفتی: محمد جاوید کارخانہ دار، تحصیل اسکول

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: شوقیہ کتا پالنا جائز نہیں ہے، اور جس کے گھر میں شوقیہ کتا ہو اس کے گھر میں رحمت کے فرشتے نہیں آتے اور شوقیہ کتے کی تجارت بھی جائز نہیں ہے، حدیث پاک میں آیا ہے کہ اس کی تجارت اور اس کا پیسہ ناپاک اور خبیث ترین پیشہ ہے۔

عن عوف بن أبی جحيفة رضؓ **قال: ...... نهی النبی ﷺ عن ثمن الكلب و ثمن الدم.** (صحيح البخاری، باب مو كل الربا، النسخة الهندية ۱/۲۸۰، رقم: ۲۰۳۹، ف: ۲۰۸٦)

عن أبی مسعود الأنصاري رضؓ **أن النبی ﷺ نهی عن ثمن الكلب و مهر البغی و حلوان الكاهن.** (صحيح البخاری، باب ما جاء في كسب البغي والإماء، النسخة الهندية ۱/۳۰۵، رقم: ۲۲۲۷، ف: ۲۲۸۲)

عن رافع بن خديج رضؓ **عن رسول الله ﷺ قال: ثمن الكلب خبيث و**

مهر البغي خبيث. (صحيح مسلم، باب تحريم ثمن الكلب، النسخة الهندية ٢/ ١٩، بيت الأفكار رقم: ١٥٦٨)

نیز حنبلی مسلک کے علماء نے لکھا ہے: کلب معلم کی تجارت بھی ناجائز اور حرام ہے۔

و بيع الكلب باطل و إن كان معلما لايختلف المذهب في أن بيع الكلب باطل أى كلب كان. (المغنى لابن قدامه، دار الكتب العلمية بيروت ٤/ ١٧١)

و طائفة ذهبت إلى تحريم أثمان ما لايحل الانتقام به منها و إباحة أثمان غيرها وهو مذهب أبى حنيفة و أصحابه هو أولىٰ القولين بالقياس. (إعلاء السنن، باب النهى عن بيع الكلب، كراچى ١٤/ ٤٣٠، اعلاء السنن بيروت ١٤/ ٤٩٢)

ويدل لـذٰلك أن النهى إنما يتناول الكلاب التى لا نفع فيها. (حاشية چلپى على تبيين الحقائق، كتاب البيوع، باب المتفرقات، زكريا ٤/ ٥٣٠، امداديه ملتان ٤/ ١٢٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ ربیع الثانی ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۹۶۶)

۳۵ کتاب الذبائح

۱ باب شرائط الذبح وسننه و آدابه

ذبح کرنے کا مسنون طریقہ

سوال [۹۷۹۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بوقت ذبح جانور کو دائیں پہلو پر لٹایا جائے یا بائیں پہلو پر، صحیح اور مسنون طریقہ کون سا ہے؟ اور حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام نے بوقت ذبح حضرت اسماعیل علیہ السلام کو کس پہلو پر لٹایا تھا؟

المستفتی: محمد عثمان القاسمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) ذبح کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ جانور کو بوقت ذبح بائیں پہلو پر روبقبلہ لٹایا جائے اور اپنا دایاں پیر اس کے شانے پر رکھے۔ (مستفاد: مسائل قربانی وعقیقہ ص:۴۵)

واتفقوا على أن اضجاعها يكون على الجانب الأيسر فيضع رجله على الجانب الأيمن. (حاشية أبو داؤد شريف، النسخة الهندية ۲/۳۸٦)

(۲) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو بوقت ذبح اس طرح کروٹ پر لٹایا تھا کہ پیشانی کا ایک کنارہ زمین سے چھونے لگا، لغت کے اعتبار سے یہی تفسیر راجح ہے، اسی لیے حضرت حکیم الامت نے کروٹ پر لٹانے سے ترجمہ کیا ہے بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ اوندھے منہ زمین پر لٹایا تھا تاکہ بیٹے کے چہرے کو دیکھ کر جوش پدری غالب نہ آسکے، بہر حال اول حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سیدھا لٹایا تھا، پھر حضرت اسماعیل علیہ السلام کے کہنے پر چہرے کے بل کروٹ سے لٹایا تھا۔ (مستفاد: معارف القرآن مطبوعہ دہلی ۷/۴٦۱)

وتـلـه أی صـرعـه علی الأرض للجبين قال ابن عباس أضجعه علی جنبه علی الأرض والجبهة بين الجنبين. (تفسير مظهری زكريا ديوبند قديم ۸/۱۲۹-۱۳۰، جديد ۸/۸۵، تحت تفسير رقم الآية ۱۰۳ من سورة الصافات) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

كتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸ر محرم الحرام ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۶۵۵/۳۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۱/۱۹ھ

بسم اللہ پڑھ کر ذبح کرنا

سوال [۹۸۰۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر کوئی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہہ کر ذبح کرے تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: مزمل الحق

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اللہ پاک کے جس نام سے ذبح کریں ذبیحہ درست ہے، لہٰذا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہنے سے ذبیحہ درست ہے اور کھانا بھی جائز ہے، لیکن مستحب طریقہ یہ ہے کہ بسم اللہ اللہ اکبر کہے:

﴿**فَكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ بِآيَاتِهِ مُؤْمِنِيْنَ.** [الأنعام: ۱۱۸]﴾

عن أنس قال: ضحی النبی ﷺ بكبشين أملحين أقرنين، ذبحهما بيده، وسمی وكبر، ووضع رجله علی صفاحهما. (صحيح البخاری، باب التكبير عند الذبح، النسخة الهندية ۲/۸۳۵، رقم: ۵۳۵۰، ف: ۵۵٦۵، صحيح مسلم، باب استحباب استحسان التضحية ...... النسخة الهندية ۲/۱۵۵ بيت الأفكار رقم: ۱۹٦٦)

والشرط فی التسمية هو الذكر الخالص بأی اسم كان مقرونا بصفة كألله أكبر أو أجل أو أعظم. (شامی، كتاب الذبائح، زكريا ۹/۴۳۷، كراچی ٦/۳۰۱)

وإن قال بسم الله الرحمن الرحيم فهو حسن. (شامی زكريا ۹/۴۳۸،

کراچی ۶/۲/۰۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳/ربیع الثانی ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۴/۶۰۷)

کیا بوقت ذبح بسم اللہ واللہ اکبر کہنا مکروہ ہے؟

سوال [۹۸۰۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: آپ کا رسالہ ندائے شاہی ماہ دسمبر ۲۰۰۷ء کا زیر نظر آیا جس میں آپ نے قربانی سے متعلق چند مسائل تحریر فرمائے تھے، صفحہ ۴۶ پر یہ مسئلہ لکھا ہے کہ بوقت ذبح بسم اللہ واللہ اکبر کہنا مکروہ ہے، اس کے برخلاف مشکوٰۃ شریف کے صفحہ ۱۲۷/ پر حضرت انسؓ سے مروی ہے جو کہ متفق علیہ روایت ہے:

عن أنس قال: ضحى رسول ﷺ بكبشين أملحين أقرنين، ذبحهما بيده، وسمى و كبر، ووضع رجله على صفاحهما ويقول بسم الله والله أكبر.

اور صفحہ ۱۲۸ پر احمد، ابوداؤد اور ترمذی کی دوسری حدیث ہے:

ذبح بيده وقال بسم الله والله أكبر اللهم هذا عني و عمن لم يضحي من أمتي.

ان دونوں حدیثوں میں بسم اللہ واللہ اکبر واؤ کے ساتھ ہے، جبکہ آپ نے واؤ کے ساتھ مکروہ بتلایا ہے، بظاہر آپ کے مسئلہ اور مذکورہ احادیث میں تضاد ہے۔

ازراہ کرم دونوں میں تطبیق کی شکل تحریر فرما کر ارسال فرمائیں؟

المستفتی: محمد عبداللہ قاسمی، پرنس میڈیکل اسٹور، گندیوڑ، چھٹمل پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: آنجناب نے مشکوٰۃ شریف کے حوالے سے جو حدیث شریف نقل فرمائی ہے وہ صحیح اور درست ہے اور اسی طرح ابو داؤد، ترمذی اور مسلم شریف وغیرہ اکثر کتب حدیث میں واؤ کے ساتھ موجود ہے اس لیے واؤ کے ساتھ تسمیہ کو مکروہ کہنا واقعی خلجان کا باعث ہے، لیکن احقر نے یہ مسئلہ حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب جو دارالعلوم دیوبند کے سب سے اول اور پہلے مفتی تھے، اور اپنے زمانہ کے مفتی اعظم کہلاتے

تھے، ان کے فتویٰ سے نقل کر کے اسی کا حوالہ دیا ہے، اور ان سے بھی اس مسئلہ پر اشکال کیا گیا تھا، اس کا جواب انہوں نے تقریباً دو صفحہ میں مدلل پیش کیا ہے جو عزیز الفتاویٰ ۶۹۹ر میں موجود ہے، نیز درمختار کی عبارت میں بھی واؤ کے ساتھ مکروہ لکھا ہے، ملاحظہ فرمائیں:

المستحب أن يقول بسم الله ألله أكبر بلا واو و كره بها لأنه يقطع فور التسمية. (در مختار مع الشامي، كتاب الذبائح، زكريا ٤٣٧/٩، كراچی ٣٠١/٦)

اور ایسی ہی عبارت ہدایہ کی شرح عینی میں بھی ہے:

وذكر شمس الأئمة الحلواني ويستحب أن يقول بسم الله الله أكبر بدون الواو. (البناية شرح هداية اشرفيه ٥٤٩/١١)

اور ہدایہ کے حاشیہ میں بھی اسی طرح واؤ کے ساتھ مکروہ لکھا ہے، اور عالمگیری میں بھی واؤ کے ساتھ مکروہ لکھا ہے، ملاحظہ ہو:

قال البقالي: المستحب أن يقول بسم الله الله أكبر بدون الواو و مع الواو يكره لأن الواو يقطع فور التسمية. (عالمگيری، كتاب الذبائح، الباب الأول، زكريا قديم ٢٨٨/٥، جديد ٣٣٢/٥)

حضرات فقہاء نے واؤ کے ساتھ اس لیے مکروہ یا خلاف اولیٰ لکھا ہے کہ واؤ کی وجہ سے بسم اللہ اللہ اکبر کے کلمہ کے درمیان فصل واقع ہوجاتا ہے، آنجناب کی طرف سے توجہ دلانے پر احادیث شریفہ کی مختلف کتابیں اس موضوع پر دیکھنے کا اتفاق ہوا تقریباً سب میں واؤ کے ساتھ ہے اور نصب الرایہ میں مستدرک حاکم کے حوالہ سے بغیر واؤ کے ایک حدیث نقل کی گئی ہے، مگر مستدرک کی حدیث ۷۵۷۱ر میں براہ راست دیکھ لیا گیا ہے، تو اس میں بھی واؤ کے ساتھ مذکور ہے، اس لیے آئندہ کی اشاعت میں ان شاء اللہ اس کی اصلاح کردی جائے گی، اور واؤ کے ساتھ کو جن فقہاء نے مکروہ کہا ہے وہ واقعی خلجان کا باعث ہے، اس لیے احقر خود بھی اب واؤ کے ساتھ مکروہ یا خلاف اولیٰ نہیں سمجھتا، بلکہ جس طرح بغیر واؤ کے مستحب یا مسنون ہے ایسا ہی واؤ کے ساتھ بھی مسنون ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ر محرم الحرام ۱۴۲۹ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۹۴۱۵/۳۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۱/۶ھ

بسم اللہ کے علاوہ اللہ کے اسماء حسنیٰ اور حمد وثنا کے ذریعہ ذبح کرنا

سوال [۹۸۰۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ''الحمد للہ سبحان اللہ'' کہہ کر کسی نے ذبح کیا تو کیا اس سے بھی ذبیحہ حلال ہو جائے گا یا نہیں؟ مدلل تحریر کریں؟

المستفتی: محمد شعیب مانپور مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ''الحمد للہ، سبحان اللہ'' پڑھ کر جانور کو ذبح کرنے سے بھی ذبیحہ حلال ہو جاتا ہے، بشرطیکہ اس میں تسمیہ کی نیت بھی کی ہو۔

﴿فَكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ إِنْ كُنْتُمْ بِآيَاتِهِ مُؤْمِنِيْنَ. [الأنعام: ١١٨]﴾

ولو سبح أو حمد الله أو كبر يريد به التسمية على الذبيحة تحل، وإن لا فلا؛ لأن هذه الألفاظ كناية عن التسمية والكناية إنما تقوم مقام الصريح بالنية. (البحر الرائق، كتاب الذبائح، زكريا ٨/٣٠٧، كوئٹه ٨/١٦٨، هنديه زكريا قديم ٥/٢٨٥، جديد ٥/٣٣٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶/ ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۲۸۱)

قربانی اور عقیقہ کے مشترک جانور میں دعاؤں کی ترتیب کیا ہو؟

سوال [۹۸۰۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: قربانی اور عقیقہ کے مشترک جانور میں دعاؤں کی کیا ترتیب رہے گی، اور یہ ادعیہ کس وقت پڑھیں؟

المستفتی: محب الرحمٰن قاسمی سرائے سنبھل

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دعا پڑھنا واجب نہیں ہے بلکہ بسم اللہ اللہ اکبر واجب ہے، لیکن اگر دعا پڑھنی ہے تو جو دعا عقیقہ میں پڑھی جاتی ہے اور جو قربانی میں پڑھی جاتی ہے دونوں کو پڑھ کر پھر تسمیہ پڑھ کر ذبح کردیں، ترتیب میں جس کو چاہے مقدم کرسکتے ہیں۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ ۲/۹۵، جدید زکریا ۱/۲۵، محمودیہ قدیم ۴/۲۹۶، جدید ڈابھیل ۱۷/۵۱۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ذی الحجہ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۱۰۱۶)

بڑے جانور کو بیٹھے بیٹھے ہی قربان کردینے کا حکم

سوال [۹۸۰۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ سات افراد نے مل کر قربانی کے لیے ایک بڑا جانور ایامِ اضحیہ سے قبل خریدا، قربانی کے دن نماز عید کے بعد ذبح کے لیے اس کو اٹھانے کی بہت کوششیں ہوئیں لیکن وہ کسی طرح اٹھا نہیں، بیٹھا ہی رہا، مجبوراً لوگوں نے بنیت قربانی وہیں ذبح کردیا، یہ نہیں معلوم کہ جانور بیمار ہوگیا تھا اس کو ٹھنڈک لگ گئی تھی، یا کوئی اور بات تھی، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ:

(۱) ایسے جانور کی قربانی درست ہوئی یا نہیں؟

(۲) اس میں شریک ہونے والے امیر وغریب کا حکم یکساں ہے یا الگ الگ؟

المستفتی: ابوالمکارم المعروفی مئو

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کبھی کبھار ایسا ہوتا ہے کہ جانور کو پتہ چل جاتا ہے کہ اب مجھے ذبح کیا جائے گا تو جانور ڈر کی وجہ سے بیٹھ جاتا ہے اور اٹھانے میں بہت مشکل پیش آتی ہے لہٰذا اگر جانور بظاہر صحیح سالم ہے تو اس کی قربانی درست ہوگئی، خواہ تمام شرکاء مالدار ہوں، یا کچھ مالدار اور کچھ غریب ہوں، سب کی قربانی ادا ہوگئی۔

أما ما يرجع إلى محل التضحية فنوعان: أحدهما سلامة المحل عن العيوب الفاحشة فلاتجوز العمياء والمريضة البين مرضها. (بدائع، كتاب التضحية، باب محل التضحية، زكريا ٤/ ٢١٤، كراچی ٥/ ٧٥) **فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
۱۴؍ ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۵۷۰)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۴/۱۴ھ

قربانی کے جانور کی تین ٹانگیں باندھ کر گرانا

سوال [۹۸۰۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کہتا ہے کہ قربانی کے جانور کی تین ٹانگیں باندھ کر گرانا مسنون ہے، عمرو کہتا ہے کہ اس کا ثبوت کہاں ہے؟ مفتی صاحب سے گزارش ہے کہ کتابوں کے حوالہ سے اس کا جواب تحریر فرمائیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: قربانی کے جانور کو اس طرح ذبح کرنا چاہیے جس میں اسے کم سے کم تکلیف ہو، تین ٹانگیں باندھ کر گرانے میں راحت ہے اس لیے یہ طریقہ مندوب ومستحب ہوسکتا ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ ۱۰/ ٦٩)

احقر کو اس کے متعلق کوئی جزئیہ صراحت سے نہیں ملا مگر روایات سے اس کا مفہوم سمجھ میں آتا ہے۔

عن شداد بن أوس قال: ثنتان حفظتهما عن رسول الله ﷺ قال: كتب عليكم الإحسان على كل شيئ، فإذا قتلتم فأحسنوا القتلة وإذا ذبحتم فأحسنوا الذبح وليحد أحدكم شفرته فليرح ذبيحته. (صحيح مسلم، الصيد والذبائح، باب الأمر بإحسان الذبح، النسخة الهندية ٢/ ١٥٢، بيت الأفكار رقم: ١٩٥٥)

المراد بالإحسان فى طريق القتل و هيئته وهو عام فى كل قتل من الذبح والقصاص والحدود وغيرها. (تكملة فتح الملهم، الصيد والذبائح، باب

الأمر بإحسان الذبح، اشرفیہ ۳/ ۵٤۰)

ویستحب أن یوجهها إلی القبلة ویشد قوائمها. (تاتارخانیة زکریا ۳۹۷/۱۷، رقم: ۲۷٦۲۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/ ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۲۹۴)

اونٹ کولٹا کر ذبح کرنے کے بجائے نحر کرنا

سوال [۹۸۰٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اونٹ کو کیسے ذبح کیا جائے؟ اور کس جگہ پر چھری پھیری جائے؟ اس کی کتنی نسوں کا کٹ جانا لازم ہے؟

المستفتی: عبداللہ مدھوبنی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اونٹ میں نحر مسنون ہے اور نحر کے بجائے لٹا کر ذبح کرنا ترک سنت کی وجہ سے مکروہ ہے، نحر کا طریقہ یہ ہے کہ کھڑے کھڑے اونٹ کی گردن کے نچلے حصے میں ''بسم اللہ'' پڑھ کر نیزہ یا چھری ماری جائے جس سے ساری رگیں کٹ جائیں اور دم مسفوح نکل جائے۔

عن زیاد بن جبیر، أن ابن عمر، أتی علی رجل وهو ینحر بدنته بارکة، فقال: ابعثها قیاما مقیدة، سنة نبیکم صلی اللہ علیہ وسلم. (صحیح مسلم، باب استحباب نحر الإبل قیاما معقولة النسخة الهندیة ۴۲٤/۱، بیت الأفکار رقم: ۱۳۲۰، صحیح البخاری، باب نحر الإبل المقیدة النسخة الهندیة ۲۳۱/۱ رقم: ۱٦۸۲، ف: ۱۷۱۳)

عبد الرحمن بن سابط، أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم و أصحابه کانوا ینحرون البدنة معقولة الیسریٰ قائمة علی ما بقی من قوائمها. (سنن أبی داؤد، باب

کیف تنحر البدن النسخة الهندية ۲/۱٤٦، دار السلام رقم: ۱۷٦۷)

وسن نحر الإبل و إنما كان هذا الفعل مسنونا لأنه هذا المنقول عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال تعالىٰ: فصل لربک و انحر، والنحر قطع العروق فی أسفل العنق عند الصدر. (البحر الرائق کتاب الذبائح زکریا ۸/۳۱۲، کوئٹہ ۸/۱۷۱)

هو قطع عروق الإبل الكائنة فی أسفل عنقها عند صدورها. (الموسوعة الفقهية الكويتية ٤۰/۱۲۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ر ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۲۹۱)

اونٹ کی گردن تین جگہ سے کاٹنا ممنوع

سوال [۹۸۰۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: یہاں ہندوستان میں اونٹ کی گردن پر تین جگہ سے چھری پھیری جاتی ہے اس کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: محمد اشتیاق نور قاسمی بھاگلپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اونٹ کی گردن تین جگہ سے کاٹنا جائز نہیں ہے، اس میں جانور کو زیادہ تکلیف ہوتی ہے، بلکہ اس کا نحر کرنا ہی زیادہ بہتر ہے۔

عن شداد بن أوس قال: ثنتان حفظتهما عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: كتب عليكم الإحسان على كل شيئ، فإذا قتلتم فأحسنوا القتلة وإذا ذبحتم فأحسنوا الذبح وليحد أحدكم شفرته فليرح ذبيحته. (صحيح مسلم، الصيد والذبائح، باب الأمر بإحسان الذبح، النسخة الهندية ۲/۱٥۲، بيت الأفكار رقم: ۱۹٥٥)

أما الإساءة فلأنه زاد فی ألمها زيادة لايحتاج إليها فی الذكاة فيكره ذلک. (بدائع الصنائع، کتاب الذبائح، زکریا ٤/۱٥٦، کراچی ٥/٤۲، ہندیہ

زکریاقدیم ٥/٢٨٨، جدید ٥/٣٣٢، هدایه اشرفی ٤/٤٣٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۲۸۱)

ذبح میں کتنی نسوں کا کٹ جانا لازم ہے؟

سوال [۹۸۰۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کسی شخص نے ''بسم اللہ اللہ اکبر'' کہہ کر بکرے کو ذبح کیا اور اس نے تین رگیں کاٹ دی تھیں، تین رگیں کاٹنے کے بعد اس سے چھری قصاب نے لے لی، یا اس نے دیدی پھر باقی رگ قصاب نے بغیر بسم اللہ پڑھے کاٹ دی، تو کیا اس کا گوشت کھانا حلال ہوگا یا حرام؟ مدلل تحریر کریں۔

المستفتی: محمد شعیب مانپور مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جانور کے گلے میں چار نسیں ہوتی ہیں (۱) حلقوم: جس کو نرخرہ بھی کہتے ہیں، اسی سے سانس آتا جاتا ہے، (۲) مری جس کے اندر کھانے اور پینے کا راستہ ہوتا ہے، (۳-۴) دائیں بائیں کی شاہ رگیں ہیں، حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ان چار نسوں میں سے ذبح کے صحیح ہونے کی لیے لاعلی التعیین تین نسوں کا کٹ جانا کافی ہے اسی کو حضرت تھانویؒ نے امداد الفتاویٰ ۳/ ۵۳۷ میں تحریر فرمایا ہے اور حضرات صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک حلقوم اور مری کا کٹ جانا لازم ہے، اور اس کے بعد دونوں شاہ رگوں میں سے کسی ایک کا کٹ جانا کافی ہے، اور امام محمد رحمۃ اللہ کا ایک قول یہ ہے کہ حلقوم اور مری کٹ جانے کے بعد دونوں شاہ رگوں میں سے ہر ایک کا اکثر حصہ کٹ جانا بھی لازم ہے اور اس کو اصح الجوابات سے تعبیر کیا گیا ہے اور اسی میں احتیاط بھی ہے اسی لیے امام محمدؒ کے قول کے مطابق ہی مسئلہ بتا دینا زیادہ صحیح ہے۔

إذا قطع الحلقوم والمرئی والودجین فقد أتم الذکاة ...... اختلفت الروایات فی تفسیر ذٰلک روی الحسن عن أبی حنیفة وهو قول أبی یوسف الأول أنه إذا قطع الثلاث من الأربعة أی ثلث ما قطع فقد قطع الأکثر ثم رجع أبو یوسف عن هذا وقال: یشترط قطع الحلقوم والمرئی و أحد الودجین و عن محمد رحمة الله أنه یعتبر قطع الأکثر عن کل واحد من هذه الأشیاء الأربعة و عنه أیضا إذا قطع الحلقوم والمرئی والأکثر من کل الودجین یحل ومالا فلا قال مشائخنا رحمهم الله وهو أصح الجوابات. (تاتارخانية زکریا ۱۷/۳۹۳، رقم: ۲۷۶۰۸)

فعند أبی حنیفة إذا قطع أکثر الأوداج وهو ثلاثة منها أی ثلاثة کانت و ترک واحدا یحل وقال أبو یوسفؒ: لا یحل حتی یقطع الحلقوم والمرئی وأحد العرقین، وقال محمدؒ: لا یحل حتی یقطع من کل واحد من الأربعة أکثره. (بدائع الصنائع زکریا ۴/۱۵۷، کراچی ۵/۴۱)

والعروق التی تقطع فی الذکاة أربعة ...... فإن قطع کل الأربعة حلت الذبیحة وإن قطع أکثرها فکذٰلک عند أبی حنیفة رحمه الله، وقالا: لابد من قطع الحلقوم والمرئی و أحد الودجین والصحیح قول أبی حنیفة رحمه الله لما أن للأکثر حکم الکل، وعن محمد رحمه الله إذا قطع الحلقوم والمرئی والأکثر من کل ودجین یحل و مالا فلا وقال مشائخنا رحمهم الله: وهو أصح الجوابات.

(هندیه، کتاب الذبائح، زکریا قدیم ۵/۲۸۷، جدید۵/۳۳۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍رجب المرجب ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/۱۱۵۹۵)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۸؍۷؍۱۴۳۵ھ

دوآدمیوں نے ذبح کیا تین نسوں میں سے ایک یا دو بغیر بسم اللہ کے کاٹیں

سوال [۹۸۰۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: جانور ذبح کرتے وقت ایک آدمی نے بسم اللہ پڑھ کر چھری چلادی اور تین نسوں میں سے ایک نس کاٹ دی پھر دوسرے نے چھری لے لی، اور دوسرے نے بسم اللہ نہیں پڑھی تو یہ جانور حلال ہے یا نہیں؟ اور اگر پہلے شخص نے بسم اللہ پڑھ کر دو نسیں کاٹ دیں اور دوسرے نے بغیر بسم اللہ کے تیسری نس کاٹی تو کیا حکم ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جانور ذبح کرتے وقت ذابح کے معاون پر بھی بسم اللہ پڑھنا واجب ہے، اگر کسی ایک نے بھی بسم اللہ نہیں پڑھی تو ذبیحہ حلال نہ ہوگا اور ذبح کرتے وقت تین رگوں کا کٹنا ضروری ہے؛ لہٰذا مذکورہ دونوں صورتوں میں ذبیحہ حلال نہ ہوگا، کیونکہ دوسرے آدمی نے تیسری رگ کٹنے سے پہلے چھری لے لی ہے، اور بسم اللہ بھی نہیں پڑھی ہے۔ (مستفاد: محمودیہ ڈابھیل ۱۷/۲۴۳)

رجل أراد أن يضحى فوضع صاحب الشاة يده على السكين مع يد القصاب حتى تعاونا على الذبح قال الشيخ الإمام يجب على كل واحد منهما التسمية حتى لو ترك أحدهما التسمية لايجوز. (هنديه، كتاب الأضحية، الباب السابع فى التضحية عن الغير، زكرياقديم ٥/٣٠٤، جديد ٥/٣٥٠)

إذا قطع الحلقوم والمرئى والأكثر من كل ودجين يؤكل و مالا فلا.

(شامى، كتاب الذبائح، زكريا ٩/٤٢٦، كراچى ٦/٢٩٥)

وعن محمد إذا قطع الحلقوم والمرئى والأكثر من كل ودجين يحل و مالا فلا، قال مشائخنا: وهو أصح الجوابات. (هنديه، كتاب الذبائح، زكريا قديم ٥/٢٨٧، جديد ٥/٣٣٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍ ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۱۱۲۸۰/۴۰)

حلقوم اور مری کٹ جانا اور دونوں شہ رگوں میں سے اکثر کا کٹ جانا لازم

سـوال [۹۸۱۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کسی شخص نے "بسم اللہ اللہ اکبر" کہہ کر بکرے کو ذبح کیا، اور اس نے تین رگیں کاٹ دی تھیں، تین رگیں کاٹنے کے بعد اس سے چھری قصاب نے لے لی، یا اس نے دیدی، پھر باقی رگ قصاب نے بغیر بسم اللہ پڑھے کاٹ دیں تو کیا اس کا گوشت کھانا حلال ہوگا یا حرام؟ مدلل تحریر کریں۔

المستفتی: محمد شعیب مان پور مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجـواب وبالله التوفيق: جب ذابح نے بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر تین رگیں کاٹ دیں، تو اگر حلقوم مری دونوں رگیں کٹ گئیں اور بقیہ رگوں میں سے ہر ایک میں سے اکثر حصہ کٹ گیا ہو تو جانور حلال ہوگا ورنہ نہیں۔

أصح الأجوبة في الأكثر عنه إذا قطع الحلقوم والمرئي والأكثر من كل ودجين يؤكل وما لا فلا. (شامي، كتاب الذبائح، زكريا ٩/٤٢٦، كراچی ٦/٢٩٥، هنديه زكريا قديم ٥/٢٨٧، جديد ٥/٣٣٠، بدائع الصنائع زكريا ٤/١٥٧، كراچی ٥/٤١، الفتاویٰ التاتارخانية زكريا ١٧/٣٩٣، رقم: ٢٧٦٠٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶/ ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۲۸۱)

گردن کے اوپر سے مذبوحہ جانور کا شرعی حکم

سـوال [۹۸۱۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کسی نے بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر عمداً کسی جانور کو گردن کے اوپر سے ذبح کیا تو

اس کا کھانا جائز ہوگا یا نہیں؟

المستفتی: محمد عباس لکھیم پوری، متعلم مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر گردن کے اوپر کی جانب سے ذبح کرتا ہے اور جان نکلنے سے پہلے ذبح کی رگ کٹ جاتی ہے تو ذبح صحیح اور جانور حلال ہوگا البتہ اس طرح ذبح کرنے میں جانور کو زیادہ تکلیف ہوتی ہے اس لیے یہ فعل مکروہ اور خلاف سنت ہے۔

وإن ذبح الشاة من قفاها فبقيت حية حتى قطع العروق حل لتحقق الموت بما هو ذكاة ويكره لأن فيه زيادة الألم من غير حاجة. (هدايه، كتاب الذبائح، اشرفی ٤/ ٤٣٩، الفتاویٰ التاتارخانية زكريا ١٧/ ٣٩٣، رقم: ٢٧٦٠٩، المحيط البرهانی، المجلس العلمی ٨/ ٤٤٩، رقم: ١٠٧٥٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵؍ ربیع الثانی ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۶۵۷)

بوقت ذبح غیر مسلم کا جانوروں کو پکڑنا

سوال [۹۸۱۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بعض مرتبہ جانور طاقتور ہوتا ہے اس کو جب ذبح کرنے کے لیے لٹاتے ہیں تو غیر مسلم بھی ہاتھ سے پکڑتے ہیں، مگر ذبح ہم لوگ ہی کرتے ہیں، کیا غیر مسلم کے بوقت ذبح جانور پکڑنے سے ذبیحہ پر کوئی اثر تو نہیں پڑے گا؟

المستفتی: محمد اکرم سیڈھا بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ذبح میں اعتبار چھری چلانے والے کا ہے اگر مسلمان بسم اللہ پڑھ کر چھری چلاتا ہے تو جانور حلال ہوگا چاہے پکڑنے والا مسلمان ہو یا کافر۔

المسلم إذا ذبح فأمر المجوسی السکین بعد الذبح لم یحرم ولو ذبح المجوسی و أمر المسلم بعده لم یحل. (الفتاویٰ التاتارخانیة زکریا ۱۷/ ۳۹۱، رقم: ۲۷۶۰۱، هندیه زکریا قدیم ۵/۲۸۷، جدید ۵/ ۳۳۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍ربیع الاول ۱۴۳۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۷۵۴)

میتہ کس کو کہتے ہیں؟

سوال [۹۸۱۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: شریعت میں میتہ کس کو کہتے ہیں؟

المستفتی: محمد عباس لکھیم پوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو جانور شریعت کے متعین کردہ ذبح کے بغیر مرجائے وہ میتہ ہے۔

الذکاة شرط حل الذبیحة لقوله تعالیٰ: إلا ما ذکیتم الخ. (هدایه، کتاب الذبائح، اشرفی ۴/ ۴۳۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵؍ربیع الثانی ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۶۵۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۲/۴/۲۵ھ

ٹڈی اور مچھلی بغیر ذبح کے حلال ہیں یا حرام؟

سوال [۹۸۱۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ٹڈی اور مچھلی بغیر ذبح کے حلال کب سے ہیں، تخلیق کے وقت سے یا حضور ﷺ

کے زمانہ سے، یہ دونوں مردے حلال کیوں؟ حکمت کیا ہے؟

المستفتی: انوارالحق امام بڑی مسجد ہنومان گڈھ راجستھان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے پہلے کے احکام کے ہم مکلّف نہیں ہیں، بلکہ ہم اس کے مکلّف ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے جسے حلال کہا ہے اسے حلال سمجھیں اور جسے حرام کہا ہے، اسے حرام جانیں، ٹڈی اور مچھلی کو بغیر ذبح کے حلال بتلایا ہے اس لیے اسے ہم حلال سمجھتے ہیں اور بلا ذبح کے کھاتے ہیں، حضور ﷺ سے پہلے کے زمانہ کی بات ہم کو معلوم نہیں ہے۔

عن ابن عمر رضی الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: أحلت لنا ميتتان و دمان، فأما الميتتان: فالحوت والجراد، وأما الدمان: فالكبد والطحال. (مسند أحمد بن حنبل ۲/۹۸، رقم: ۵۷۲۳، سنن ابن ماجه، باب الكبد والطحال، النسخة الهندية ۲/۲۳۸، دار السلام رقم: ۳۳۱۴، سنن الدار قطني، كتاب الأشربة وغيرها، دار الكتب العلمية بيروت ۴/۱۸۴، رقم: ۴۶۸۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم ذیقعدہ ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۸۵۸۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱/۱۱/۱۴۲۵ھ

مذبوحہ جانور کو الٹا لٹکانا

سوال [۹۸۱۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جانور کے ذبح کرنے کے بعد دونوں پاؤں میں موٹی زنجیر لگا کر الٹا اوپر لٹکانا صحیح ہے یا نہیں؟ کیونکہ پاؤں کی جانب ہلکا ہوتا ہے، الٹا دھڑ وزن دار ہوتا ہے؟

المستفتی: محمد جاوید قریشی، باندرہ ممبئی ویسٹ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جانور ذبح کرنے کے بعد رسی یا زنجیر کے ذریعہ

لٹکانا ٹھنڈا ہونے کے بعد بلا کراہت جائز ہے، چونکہ کراہت کی علت ایذاء پہنچانا ہے اور ٹھنڈا ہونے کے بعد یہ علت نہیں پائی جاتی ہے اس لیے جائز ہے اور ٹھنڈا ہونے سے پہلے یہ علت پائی جاتی ہے، اس لیے مکروہ ہے۔

ویکره أن یجر ما یرید ذبحه بر جله إلی المذبح و أن تنخع الشاة قبل أن تبرد یعنی تسکن من الاضطراب و بعده لا ألم فلا یکره النخع و السلخ. (هدایه، کتاب الذبائح، اشرفی ٤/٤٣٩، شامی زکریا ٩/٤٢٧، کراچی ٦/٢٩٦، هندیه زکریا قدیم ٥/٢٨٨، جدید ٥/٣٣٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍ ذیقعدہ ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۸۱۱)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۴/۱۱/۱۴۳۳ھ

مذبوحہ جانور کو ٹھنڈا ہونے تک چھوڑے رکھنا

سوال [۹۸۱۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جانور، بھینس، گائے یا اونٹ کو ذبح کرنے کے بعد کتنی دیر تک خون نکلنے کے لیے چھوڑنا چاہیے، کوئی وقت کی قید ہے، یا نہیں؟ ذبح کرنے کے بعد کتنی دیر تک چھوڑنا چاہیے؟

المستفتی: محمد جاوید قریشی باندرہ ممبئی ویسٹ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جانور کو ذبح کرنے کے بعد اتنی دیر تک چھوڑ دیا جائے کہ وہ ٹھنڈا ہو جائے اور حرکت بند ہو جائے، ٹھنڈا ہونے سے پہلے کھال اتارنے اور صاف کرنے وغیرہ کو فقہاء حضرات نے مکروہ لکھا ہے۔

عن شداد بن أوس قال: ثنتان حفظتهما عن رسول الله صلی الله علیه وسلم قال: کتب علیکم الإحسان علی کل شيء، فإذا قتلتم فأحسنوا القتلة وإذا ذبحتم فأحسنوا الذبح ولیحد أحدکم شفرته فلیرح ذبیحته. (صحیح مسلم، الصید والذبائح، باب الأمر بإحسان الذبح، النسخة الهندیة ٢/١٥٢، بیت الأفکار رقم: ١٩٥٥)

وكره كل تعذيب بلا فائدة مثل قطع الرأس والسلخ قبل أن تبرد. (الدر المختار، كتاب الذبائح، زكريا ٩/٤٢٧، كراچى ٦/٢٩٦، هدايه اشرفى ٤/٤٣٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴/ ذی قعدہ ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۸۱۱)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۱۱/۴ھ

گابھن گائے ذبح کرنا

سوال [۹۸۱۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک گائے ذبح کرنے کے لیے خرید کرلائی گئی تو کچھ لوگ کہتے ہیں کہ یہ گائے گابھن ہے اور کچھ کہتے ہیں کہ گائے گابھن نہیں ہے، لوگوں میں اختلاف ہوگیا پھر گائے کو ذبح کیا گیا تو ذبح کرنے کے بعد پیٹ سے بچہ نکلا تو اس بچہ کے ضائع ہونے کی وجہ سے ذبح کرنے والا شخص گنہگار ہوگا یا نہیں؟ اور بچہ کا کیا ہوگا؟

المستفتی: صغیر الدین دیناجپوری مدرسہ شاہی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: گائے کو ذبح کرنے کے بعد اگر بچہ زندہ نکلے تو اس کو بھی ذبح کردیا جائے گا، اور اگر چاہے تو پالا بھی جاسکتا ہے، مردہ نکلے تو اس کو پھینک دے، دونوں صورتوں میں گائے کے گوشت کا استعمال جائز اور درست ہے، ذبح کرنے والے پر کوئی گناہ نہ ہوگا۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۲/۸۳، ۹/۳۲۴، جدید زکریا ۱۰/ ۲۷)

فإن خرج من بطنها ولد حيٌّ يفعل بالولد ما يفعل بالأم. (عالمگيرى، الباب السادس فى بيان ما يستحب فى الأضحية والانتفاع، زكريا قديم ٥/٣٠٢، جديد ٥/٣٤٨، شامى زكريا ٦/٣٢٢، زكريا ٩/٤٦٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/ محرم الحرام ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۷۰۱۹)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۱/۱۲ھ

ذبح شدہ گائے کے پیٹ سے بچہ نکلے تو کیا کریں؟

سوال [۹۸۱۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے یہاں قصائی نے ایک گائے کاٹی، اس کے پیٹ میں بچہ نکلا تو لوگوں نے اس گائے کا گوشت نہیں خریدا، اور یوں کہہ دیا کہ یہ حرام ہے، اور یہ جو بچہ نکلا ہے اس کو بھی ذبح کردیا جائے یا نہیں؟

المستفتی: صغیرالدین مدرسہ شاہی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: گائے کو ذبح کرنے کے بعد اگر بچہ زندہ نکلے تو اس کو ذبح کردے اور اگر بچہ مردہ نکلے تو ذبح کیے بغیر اس کو پھینک دے، اور دونوں صورتوں میں گائے کا گوشت بلا کراہت جائز ودرست ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۲/۸۳، جدید زکریا ۱۰/ ۲۷)

فإن خرج من بطنها ولد حيّ يفعل بالولد ما يفعل بالأم. (عالمگیری، الباب السادس فی بیان ما یستحب فی الأضحیة والانتفاع، زکریا قدیم ٥/ ٣٠٢، جدید ٥/ ٣٤٨، شامي زکریا ٦/ ٣٢٢، زکریا ٩/ ٤٦٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍محرم الحرام ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۷۰۴۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۱/۲۳ھ

مسلم شرابی کا ذبیحہ حلال ہے یا نہیں؟

سوال [۹۸۱۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مسلم شرابی بحالت نشہ بغیر بسم اللہ پڑھے اگر ذبح کرے کیونکہ وہ نشہ میں ہے اس لیے بسم اللہ نہیں پڑھی تو کیا یہ ذبیحہ حلال ہوگا اور اگر مسلم شرابی بحالت نشہ بسم اللہ پڑھ لے تو کیا حکم ہے؟

المستفتی: محمد اکرم سیڈھا بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صبی لا یعقل، مجنون اور سکران کا ذبیحہ حلال

نہیں ہے، لیکن اگر شرابی اس حالت میں ہے کہ وہ مسلمان ہے اور ہوش باقی ہے اور بسم اللہ پڑھ کر ذبح کرے تو ذبیحہ حلال ہو جائے گا۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ جدید ڈابھیل ۱۷/۲۲۷)

﴿فَكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ بِآيَاتِهِ مُؤْمِنِيْنَ. [الأنعام: ۱۱۸]﴾

لا تـؤكـل ذبيـحة الـصبى الذى لايعقل والمجنون والسكران الذى لا يعقل لكن فى التبيين: ولو سمى ولم تحضره النية صح. (شامی، کتاب الذبائح، زكريا ۹/ ۴۳۰، كراچى ۶/۲۹۷، تبيين الحقائق امداديه ملتان ۵/ ۲۸۸، زكريا ۶/ ۴۵۲)

فـمـنهـا أن يـكـون عـاقـلا فـلا تؤكل ذبيحة المجنون والصبى الذى لايعقـل فـإن كـان الـصبـى يـعـقـل الذبح ويقدر عليه تؤكل ذبيحته وكذا السكران. (هنديه زكريا قديم ۵/ ۲۸۵، جديد ۵/ ۳۲۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/ربیع الاول ۱۴۳۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۷۵۴)

شیعوں کے ہاتھ کا ذبیحہ حلال ہے یا حرام؟

سوال [۹۸۲۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: شیعہ کے ہاتھ کے ذبح کیے ہوئے جانور کا گوشت کھانا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: شفیع احمد اعظمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: غالی شیعہ جو صدیق اکبرؓ اور عمر فاروقؓ کی شان میں مغلظات بکتے ہیں اسی طرح فرقۂ اثنا عشریہ اور فرقہ اسماعیلیہ کے ہاتھ کا ذبیحہ حلال نہیں، بلکہ حرام ہے، اور جو شیعہ فی زماننا ہندوستان میں ہیں وہ سب غالی شیعہ ہیں ان کا ذبیحہ بھی حرام ہے؛ کیونکہ ان سب کے خارج از اسلام اور مرتد ہونے پر تمام علماء اسلام کا اجماع ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۱/ ۲۷۶، جدید زکریا مطول ۱/ ۴۳۵، فتاویٰ مظاہر علوم ۱/۲۱۳، امداد

الفتاویٰ ۴/۱۴۱ ۵، مجموعۃ الفتاویٰ ۲/۳۹۶، ۱/۳۳۰)

عن الحسن بن محمد ابن الحنفية قال: كتب رسول الله ﷺ إلى مجوس هجر يعرض عليهم الإسلام فمن أسلم قبل منه ومن أبى ضربت عليهم الجزية على أن لاتؤكل لهم ذبيحة، ولاتنكح لهم امرأة هذا مرسل وإجماع أكثر الأمة عليه يؤيده. (السنن الكبرىٰ للبيهقي، الضحايا، باب ماجاء في ذبيحة المجوس، دار الفكر ١٤/ ٢٢١، رقم: ١٩٧٠٨)

فلاتؤكل ذبيحة أهل الشرك والمرتد؛ لأنه لايقر على الدين الذى إنتقل اليه. (فتاویٰ عالمگیری، کتاب الذبائح، زکریا قدیم ٥/ ٢٨٥، جدید ٥/ ٣٢٨، زکریا ٩/ ٤٣١، ٤٣٢، کراچی ٦/ ٢٩٨، کوئٹه ٥/ ٢٠٩، ھدایه اشرفی ٤/ ٤٣٤) **فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
۲۶ رذی الحجہ ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۵۸۰)

بیمار گائے کا گوشت کھانا

سوال [۹۸۲۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر کوئی جانور کسی وجہ سے بیمار ہے اور مرنے کے قریب ہے تو اس کو ذبح کر کے اس کا گوشت کھانا کیسا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بیمار جانور کو اگر ذبح کر دیا جائے تو اس کا گوشت کھانا حلال اور درست ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۲/ ۸۳، جدید زکریا ۱۰/ ۲۷)

عن ابن عمر: أن امرأة كانت ترعى لآل كعب بن مالك غنما بسلع، فخافت على شاة منها أن تموت، فأخذت حجرا فذبحتها به وإن ذلك ذكر لرسول الله ﷺ فأمرهم بأكلها. (سنن الدارمی، باب ما یجوز به

الـذبـح، دار الـمغنى ٢/١٢٥٥، رقم: ٢٠١٤، صحيح البخارى، باب انهر الدم من القصب والمروة والحديد، النسخة الهندية ٢/٨٢٧، رقم: ٥٢٨٧، ف: ٥٥٠١)

ذبـح شـاة مريضة حلت. (شـامـى، كتـاب الـذبائح، زكريا٩/٤٤٧، كراچی ٦/٣٠٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ جمادی الثانی ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۷۲۴۷)

مرغی کو بلی کے منھ سے چھڑا کر فوراً ذبح کرنا

سوال [۹۸۲۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مرغی کو بلی کے منھ سے چھڑا کر فوراً ذبح کرلیا، خون نکلا، لیکن حرکت محسوس نہیں ہوئی تو اسے کھانا کیسا ہے؟

المستفتی: محمد سالم محلّہ بھٹی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مرغی کو بلی سے چھڑانے کے بعد فوراً ذبح کرتے وقت اسی طرح خون نکلتا ہو جیسے زندہ صحیح مرغی ذبح کرتے وقت نکلتا ہے تو اس کا کھانا جائز ہے، اگرچہ اس کی حرکت کا احساس نہ ہو۔

عـن أبى مرة، مولى عقيل أنه وجد شاة لهم تموت فذبحها فتحركت قـال: فسألت زيد بن ثابت فقال: إن الميتة لتتحرک، قال: وسأل أبا هريرة فـقـال: كـلهـا إذا طـرفت عينها أو تـحـركت قائمة من قوائهما. (مصنف عبد الرزاق، المناسك، باب ذكاة البهيمة وهى تتحرك، المجلس العلمى ٤/٤٩٩، رقم: ٨٦٣٦)

ذبح شاة مريضة فتحركت أو خرج الدم كما يخرج من الحى حلت وإلا لا إن لـم يـدر حيـاته عند الذبح وإن علم حياته حلت مطلقا وفى شرح

الطحاوی خروج الدم لا یدل علی الحیاۃ إلا إذا کان یخرج من الحی عند الإمام وھو ظاھر الروایۃ. (شامی، کتاب الذبائح، زکریا ۹/۴۴۷، کراچی ۶/۳۰۸، مجمع الأنھر، مصری قدیم ۲/۵۱۵، دار الکتب العلمیۃ بیروت ۴/۱۶۴، تبیین الحقائق امدادیہ ملتان ۵/۲۹۷، زکریا ۶/ ۴۷۱- ۴۷۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ جمادی الاول ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۰۴۴)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۵/۱۶ھ

کنویں میں افتادہ بھینس کا ذبح

سوال [۹۸۲۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بھینس کنویں میں گر جائے تو اس کے ذبح کرنے کا کیا طریقہ ہوگا؟

المستفتی: عبد الحمید بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: بھینس وغیرہ اگر کنویں میں گر جائے اور شرعی طور پر اسے ذبح کرنا مشکل ہو تو کہیں بھی بسم اللہ پڑھ کر اس کے ایسا زخم لگا دیا جائے جس سے خون بہہ جائے تو کافی ہے۔

عن عبایۃ بن رفاعۃ عن جدہ رافع قال: کنا مع النبی ﷺ فی سفر، فند بعیر من الإبل، قال: فرماہ رجل بسھم فحبسہ، قال: ثم قال: إن لھا أوابد کأوابد الوحش، فما غلبکم منھا فاصنعوا بہ ھٰکذا الحدیث. (صحیح البخاری، الذبائح والصید، باب إذا ند بعیر لقوم، النسخۃ الھندیۃ ۲/ ۸۳۲، رقم: ۵۳۲۹، ف: ۵۵۴۴)

وما توحش من النعم فذکاتہ العقر والجرح وکذا ما تردیٰ من النعم فی بئر ووقع العجز عن ذکاۃ الاختیار. (ھدایہ، کتاب الذبائح، اشرفی ۴/۴۳۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹/ رجب المرجب ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۲۴۹)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۷/۹ھ

مرغ کے پر چھڑانے کے لیے گرم پانی میں ڈالنا

سوال [۹۸۲۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: یہاں مرادآباد میں بعض دوکانوں پر مرغ کو ذبح کرکے اس کے پر کو چھڑانے کے لیے گرم پانی میں ڈال دیتے ہیں، کیا ایسا کرنے سے اس مرغ کا گوشت پاک وحلال ہے یا نہیں؟ مدلل تحریر فرمائیں

المستفتی: کریم بخش مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفیق: مرغ کو ذبح کرنے کے بعد اگر کھولتے ہوئے پانی میں اتنی دیر تک چھوڑے رکھے جس سے اس کی اندرونی نجاست کا اثر گوشت میں آجائے تو اس کا کھانا جائز نہیں ہے، اور اگر گرم پانی میں ڈالتے ہی فوراً گرمی کا اثر اس کے پیٹ کی نجاست تک پہنچنے سے پہلے پہلے باہر نکال لیا ہے تو وہ بلا کراہت حلال ہے، اس لیے کہ نجاست کے اثرات گوشت میں منتقل نہیں ہوئے۔

ولو ألقيت دجاجة حال الغليان فى الماء قبل أن يشق بطنها لنتف الريش أو كرش قبل الغسل لايطهر أبدا. (كبيرى لاهور پاكستان ٢٠٥، شامى، كتاب الطهارة، باب الأنجاس، زكريا ١/٥٤٤، كراچى ١/٣٣٤، مجمع الأنهر، مصرى قديم ١/٦١، دار الكتب العلمية بيروت ١/٩١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹/ جمادی الاولی ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۰۳۶)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۵/۹ھ

بجلی کرنٹ کی شاٹ لگا کر ذبح کرنا

سوال [۹۸۲۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بڑے بڑے سلیٹر ہاؤس میں جانور کو بجلی کے ہلکے کرنٹ کے ذریعہ سے سن کیا

جاتا ہے جسے اسٹنگ کہتے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ اس طرح اسٹنگ کے ذریعہ سے جانور کوسن کرکے ذبح کرنا غیر شرعی امر ہے یا شرعاً جواز کے کسی دائرے میں شامل ہے؟

المستفتی: نیاز احمد فاروق، حلال ٹرسٹ، جمعیۃ علماء ہند

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جانور کو ذبح کرنے سے پہلے بجلی کا شاٹ لگا کر بے دم اور بے بس بنا دینا یا کلی طور پر بے ہوش کر دینا غیر شرعی عمل ہے جو کہ مکروہ ہے، اس لیے کہ یہ ذبح سے پہلے زندہ جانور کو تکلیف پہنچانے کی ایک شکل ہے جس کو شریعت میں ممنوع قرار دیا گیا ہے، البتہ جانور کو قابو میں رکھنے کے لیے اس طرح کی کوئی معمولی شکل اختیار کی جائے تو اس کی گنجائش ہے، جیسا کہ جانور کو ذبح کرنے سے پہلے رسی سے باندھ کر گرانے میں بھی جانور کو تکلیف ہوتی ہے، جس کو شریعت نے جائز قرار دیا ہے، مگر بے ہوش کرنے والا شاٹ لگانا مکروہ ہے اور ذبح کرنے کا جو شرعی طریقہ ہے اس کو وحشیانہ قرار دینا غلط ہے۔

(مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل ۱۷/ ۲۶۱، میرٹھ ۲۶/ ۱۵۶، قاموس الفقہ ۳/ ۴۵۶)

(۱) اس مسئلہ سے متعلق ہندیہ اور ہدایہ کی عبارت ملاحظہ فرمائیے:

والحاصل أن كل ما فيه زيادة الألم إليه في الذكاة مكروه. (هنديه، كتاب الذبائح، الباب الأول، زكريا قديم ٥/ ٢٨٨، جديد ٥/ ٣٣٢، هدايه اشرفى ٤/ ٤٣٩)

(۲) درمختار کی عبارت سے بھی یہ مسئلہ واضح ہوتا ہے ملاحظہ فرمائیے:

وندب إحداد شفرته قبل الإضجاع، وكره بعده كالجر برجلها إلى المذبح . (در مختار مع الشامى، كتاب الذبائح، كراچى ٦/ ٢٩٦، زكريا ٩/ ٤٢٧)

(۳) حدیث پاک میں بھی ذبح سے قبل تکلیف پہنچانے سے ممانعت آئی ہے ملاحظہ فرمائیے:

عن ابن عباس رضی اللہ عنہ أن رجلا أضجع شاة يريد أن يذبحها وهو يحد شفرته، فقال له النبى صلی اللہ علیہ وسلم: أتريد أن تميتها موتات، هلا حددت شفرتک قبل أن تضجعها. (مستدرك حاكم، مكتبه نزار مصطفىٰ الباز ٧/ ٢٦٩٦، رقم: ٧٥٦٣)

عن شداد بن أوس قال: ثنتان حفظتهما عن رسول الله ﷺ قال: كتب عليكم الإحسان على كل شيئ، فإذا قتلتم فأحسنوا القتلة وإذا ذبحتم فأحسنوا الذبح وليحد أحدكم شفرته فليرح ذبيحته. (صحيح مسلم، الصيد و الذبائح، باب الأمر بإحسان الذبح، النسخة الهندية ۲/ ۱۵۲، بيت الأفكار رقم: ۱۹۵۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/ ذی قعدہ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۱۶۹۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۱۱/۸ھ

مشینی ذبح

سوال [۹۸۲۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) دوسو، ایک سو، پچاس، پانچ سو جانوروں کو بیک وقت ذبح کرنے کے لیے ایک آدمی بسم اللہ پڑھ کر مشین کو دبا دیتا ہے کیا ایسے ذبح کرنا صحیح ہے یا نہیں؟ حلال ہوا یا نہیں؟

(۲) اگر جانور کا پورا دھڑ کٹ گیا تو اس صورت میں اس کا گوشت کھا سکتے ہیں؟ حلال ہوا یا نہیں؟

المستفتی: محمد جاوید قریشی باندرہ ویسٹ ممبئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: (۱-۲) سوالنامہ میں مشینی ذبیحے سے متعلق دو سوال ہیں، ایک سوال میں سو، پچاس سے لے کر پانچ سو جانوروں کو ایک دفعہ بٹن دبا کر ذبح کر دیا جاتا ہے، دوسرے سوال میں اس بات کا ذکر ہے کہ مشینی ذبیحہ میں دھڑ کٹ جاتا ہے اس کے بارے میں وضاحت یہ ہے کہ مشینی ذبیحہ سے متعلق سیمینار بھی ہو چکا ہے اور احقر نے بھی ان سیمیناروں میں شرکت کی ہے، اور احقر کا تفصیلی مقالہ ''انوار رحمت'' کا جزو بن کر شائع ہو چکا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ مشینی ذبیحہ کی جتنی شکلیں ہیں ان میں کوئی شکل جواز کے دائرے میں داخل نہیں ہوتی، اس لیے مشینی ذبیحات سے احتراز کرنا چاہیے۔ (مستفاد:

انوار رحمت ۳۶۹ تا ۳۸۳، فقہی مقالات ۴/۲۵۳ تا ۲۶۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍ ذیقعدہ ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۸۱۱)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۴؍۱۱؍۱۴۳۳ھ

چار پانچ مرغیوں پر ایک ساتھ صرف ایک مرتبہ چھری پھیرنا

سوال [۹۸۲۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: آج کل تقریبات میں جس مرغی کا گوشت استعمال کیا جاتا ہے اس کو اکثر ذبح کرنے والے صرف ایک بار گردن پر چھری پھیر کر ڈرم میں ایک پر ایک پھینکے جاتے ہیں، دوسرا شخص اس کی پوست اتار کر ٹکڑے کرتا جاتا ہے، تڑپتی حالت میں، اس کا بھی کوئی اعتبار نہیں کہ وہ کلمہ بھی چھری پھیرتے وقت پڑھتا ہے یا نہیں؟ کیونکہ اس کو چار پانچ مرغیاں ایک ساتھ کاٹنی ہیں؟

المستفتی: ماسٹر عبدالحق، خادم دینی لائبریری مدرسہ احیاء العلوم ہلدوانی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مرغی ذبح کرنے کی جو صورتیں سائل نے سوالنامہ میں نقل فرمائی ہیں ان میں تین باتیں قابل توجہ ہیں:

(۱) ایک آدمی ذبح کر کے ڈرم میں ڈالتا ہے اور دوسرا آدمی تڑپتی ہوئی حالت میں کھال اتار کر بوٹیاں بناتا ہے، ایسی صورت میں اس کے حلال ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے لیکن ان کا یہ عمل سنت کے خلاف ہے، کہ تڑپتی ہوئی حالت میں کھال اتار کر بوٹیاں بنائی جائیں، یہ ایک قسم کی وحشیانہ حرکت ہے، مگر اس حرکت کی وجہ سے جانور کے حلال ہونے میں کوئی فرق نہیں آتا ہے۔

﴿**فَكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ بِآيَاتِهِ مُؤْمِنِيْنَ.** [الأنعام: ١١٨]﴾

وتحل ذبيحة مسلم. (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر، كتاب الذبائح، دار الكتب العلمية بيروت ٤/١٥٣، مصرى قديم ٢/٥٠٧)

وكره قطع الرأس والسلخ قبل أن تبرد ...... إذ هو عذاب فوق العذاب. (ملتقى

الأبحر مع مجمع الأنهر، كتاب الذبائح، دار الكتب العلمية بيروت ١٥٩/٤، مصری قديم ٥١٢/٢)

(۲) دوسری بات یہ ہے کہ کلمہ بھی ہر ایک پر پڑھتا ہے یا نہیں اس کا اعتبار نہیں، یہ ایک مسلمان کے بارے میں سوء ظن ہے اور اس سوء ظن کے مطابق قائم رہنا مناسب نہیں ہے بلکہ مناسب یہی ہے کہ ان لوگوں سے تحقیق کر لی جائے کہ ہر مرغی پر بسم اللہ اللہ اکبر پڑھتے ہیں یا نہیں؟

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ﴾. [الحجرات: ١٢]

عن أبي هريرة رضؓ قال: قال رسول الله ﷺ: إياكم والظن فإن الظن أكذب الحديث. (بخاری شریف، كتاب الأدب، باب قوله يايها الذين آمنوا اجتنبوا كثيرا من الظن، النسخة الهندية ٨٩٦/٢، رقم: ٥٨٣١، ف: ٦٠٦٦، صحيح مسلم، باب تحريم الظن، والتجسس...... النسخة الهندية ٣١٦/٢، بيت الأفكار رقم: ٢٥٦٣، مشكوٰة شريف ص:٤٢٧)

(۳) تیسری بات یہ ہے کہ چار پانچ مرغیوں پر ایک ساتھ چھری پھیرنا بجائے خود ایک غیر تحقیقی بات ہے کیونکہ متعدد مرغیوں پر ایک ساتھ چھری پھیرنا یہ ایک مشکل کام ہے اس لیے سائل کے لیے مناسب ہے کہ براہ راست جا کر مشاہدہ کرے کہ چار پانچ مرغیوں پر واقعی ایک ساتھ چھری پھیری جاتی ہے یا نہیں؟ محض سنی سنائی باتوں کو حقیقت کی شکل دینا غیر مناسب بات ہے۔

عن أبي هريرة رضؓ قال: قال رسول الله ﷺ: كفى بالمرء كذبا أن يحدث بكل ما سمع. (صحيح مسلم، مقدمة، النسخة الهندية ٨/١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/ ذیقعدہ ۱۴۳۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۸۲۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۰/۱۱/۲۸ھ

مشینی ذبح کا شرعی حکم

مشینی ذبح اس وقت دنیا میں ایک عالمگیر مسئلہ بن گیا ہے، بین الاقوامی مارکیٹوں میں مشینی ذبح کا مرغ ملتا ہے، اور اس مسئلہ کو علماء نے موضوع بحث بنا لیا ہے، اور یہ جائز ہے یا

نہیں؟ اس کا شرعی حکم واضح ہونا لازم ہے، اس لیے یہ تحقیقی مضمون مسلمانوں کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے تاکہ مسلمان مشینی ذبیحہ سے احتراز واحتیاط کریں۔

﴿وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنسَكًا لِيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُم مِّن بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ. [الحج: ٣٤]﴾

ترجمہ: ہر امت کے واسطے ہم نے قربانی مقرر کردی ہے کہ اللہ کے نام پر ذبح کریں، ان چوپایوں کو جو اللہ نے ان کو عطا کیے۔

﴿لَن يَنَالَ اللَّهَ لُحُومُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا وَلَٰكِن يَنَالُهُ التَّقْوَىٰ مِنكُمْ. [الحج: ٣٧]﴾

ترجمہ: اللہ کو نہیں پہنچتا ان کا گوشت اور نہ ہی ان کا خون، لیکن اس کو تمہارے دل کا تقویٰ پہنچتا ہے۔

ذبح کی حقیقت

ذبح کے معنی لغت میں قطع الاوداج (یعنی گردن کی شہ رگ کے کاٹنے کے ہیں) اور اصطلاحِ شرع میں ذبح کے معنی جانور کے حلقوم اور شہ رگ کو ایک ساتھ بسم اللہ پڑھ کر کاٹ دینے کے ہیں، اور ذبح کے لیے ذکوٰۃ لفظ بھی بکثرت استعمال ہوتا ہے، اور ذکوٰۃ کا لفظ جب کتاب الطہارۃ میں بولا جاتا ہے تو اس سے مراد طاہر اور پاک ہونا ہوتا ہے، جیسا کہ حدیث میں آیا ہے ”ذکاۃ الارض یبسہا“ اور جب ”ذ“ سے کتاب الذبائح میں بولا جاتا ہے تو شرعی طریقہ سے جانور کو ذبح کرنے کے معنی میں ہوتا ہے۔

ذبح کے اقسام وشرائط

ذبح کی دو قسمیں ہیں: (۱) ذبح اختیاری۔

(۲) ذبح اضطراری، دونوں کی تفصیل الگ الگ طور پر پیش کی جاتی ہے۔

(۱) ذبح اختیاری

ذبح اختیاری کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جانور کو آسانی کے ساتھ لٹا کر اس کے گلے پر بسم

اللہ پڑھ کر چھری چلادی جائے، اور اس کے حلقوم اور ودجان یعنی دونوں شہ رگ کٹ جائیں، یا اونٹ وغیرہ کو کھڑے کھڑے نحر کر دیا جائے، اور نحر کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اونٹوں کی تمام رگوں کا تعلق گردن کی ایک جگہ پر ہوتا ہے، اور کھڑے کھڑے اس جگہ پر چھری پھیر دی جائے یہ ذبح اختیاری کے دائرے میں داخل ہے۔

وهی اختيارية و اضطرارية: فالأول الجرح فيما بين اللبة واللحيين.
(البحر الرائق کراچی ۱۶۷/۸، زکریا ۳۰۵/۸)

اختیاری ذبح کے شرائط

(۱) بوقت ذبح بسم اللہ پڑھنا، صحت ذبح کے لیے قرآن کریم کے اندر شرط قرار دیا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿**فَكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ بِاٰيَاتِهِ مُؤْمِنِيْنَ.** [الأنعام: ۱۱۸]﴾

لہٰذا اگر بسم اللہ نہ پڑھی جائے تو وہ ما اہل لغیر اللہ کے تحت داخل ہو کر ناجائز وحرام ہو جائیگا۔

(۲) ایسے آلۂ جارحہ کا ہونا کہ جس کے ذریعہ سے محل ذبح سے خون جاری ہو جائے اس کو فقہاء نے اس عبارت سے نقل فرمایا ہے۔

وأما شرطها فأربعة: الأول: آلة قاطعة جارحة. (البحر الرائق زکریا ۳۰۵/۸، کوئٹہ ۱۶۷/۸)

ترجمہ: بہر حال ذبح کی شرائط چار ہیں، ان میں سے پہلی شرط آلۂ ذبح یعنی چھری جو تیز ہو کاٹنے والی ہو اور زخم کرنے والی ہو۔

(۳) ذابح کا اعتقادی یا ادعائی طور پر صاحب ملت ہونا، اس کو فقہاء نے ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

والثاني أن يكون ممن له ملة حقيقة كالمسلم أو ادعاء كالكافر.
(البحر الرائق زکریا ۳۰۵/۸، کوئٹہ ۱۶۷/۸)

ترجمہ: اور دوسری شرط یہ ہے کہ ذبح کرنے والا ایسے انسانوں میں سے ہو جس کا حقیقت میں کوئی دین وشریعت ہو، جیسے کہ مسلمان یا ایسا انسان ہو جو کسی دین کا دعویٰ کرتا ہو جیسا کہ کافر یہودی یا عیسائی۔

(۴) ذبح کرنے والے کا عاقل ہونا، بالغ ہونا شرط نہیں ہے، لہٰذا نابالغ سمجھدار بچے کا ذبیحہ صحیح اور حلال ہوگا، اور وہ بچہ جو سمجھ دار نہیں ہے اس کا ذبیحہ اور مجنون کا ذبیحہ حلال نہیں ہوگا، حضرات فقہاء نے اس کو ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

فمنها أن يكون عاقلا فلا تؤكل ذبيحة المجنون والصبى الذى لايعقل فإن كان الصبى يعقل الذبح ويقدر عليه تؤكل ذبيحته. (هنديه زكريا قديم ٥/ ٢٨٥، جديد ٥/ ٣٢٨، بدائع الصنائع زكريا ٤/ ١٦٤، كراچى ٥/ ٤٥)

ترجمہ: پس ان میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ ذبح کرنے والا عاقل سمجھ دار ہو، لہٰذا مجنون اور ایسے بچے کا ذبیحہ کھانا جائز نہ ہوگا جو سمجھ دار نہ ہو، پھر اگر ایسا ہو کہ جو سمجھ دار ہو اور صحیح طریقہ سے ذبح کرنے پر قدرت رکھتا ہو تو اس کے ذبیحہ کا کھانا جائز ہوگا۔

(۵) محل ذبح یعنی ایسا جانور ہونا جو کلی طور پر یا جزئی طور پر ذبح کے ذریعہ سے قابل انتفاع ہو، اور کلی طور پر قابل انتفاع ہونے کا مطلب یہ ہے کہ حلال ماکول اللحم جانور ہو تو اس کا گوشت بھی حلال اور چمڑا بھی پاک ہے، اور جزئی طور پر قابل انتفاع ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ذبح شرعی کے بعد اس کا گوشت حلال نہیں ہے، مگر اس کا چمڑا قابل انتفاع ہے، جیسا کہ جب غیر ماکول اللحم جانور کو شرعی طور پر ذبح کرلیا جائے، اس کو حضرات فقہا نے ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے۔

وكون المحل من المحللات إما من كل وجه كماكول اللحم أو من وجه كغيره وهو ما يباح الانتفاع بجلده وشعره. (البحر الرائق زكريا ٨/ ٣٠٥، كوئٹه ٨/ ١٦٧)

ترجمہ: اور محل ذبح یعنی جانور کا حلال جانوروں میں سے ہونا، یا تو کلی طور پر حلال و پاک ہو جیسا کہ حلال و ماکول اللحم جانور یا جزوی طور پر پاک ہو، جیسا کہ غیر ماکول اللحم جانور اس کو ذبح کرنے کے بعد اس کی کھال اور بال قابل انتفاع اور مباح ہے۔

ان شرائط میں سے اگر ایک شرط بھی نہ پائی جائے تو شرعی ذبح کے دائرہ میں داخل نہ ہوگا۔

(۲) ذبح اضطراری

ذبح اضطراری کا مطلب یہ ہے کہ جب ذبح اختیاری پر قدرت نہ ہو،اور کسی طرح اس پر کامیابی نہ ہوسکے تو جانور کے بدن کے کسی بھی حصہ میں ایسا زخم کردیا جائے جس سے خون جاری ہوجائے، اور ذبح اختیاری پر قدرت ہوتے ہوئے ذبح اضطراری کو اختیار کرے گا تو شرعی طور پر ذبح درست نہ ہوگا،اور جانور بھی حلال نہ ہوگا،اس کو حضرات فقہاء نے ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

الثاني الجرح في أي موضع كان من البدن وهذا كالبدل عن الأول لأنه لايصار إليه إلا عند العجز عن الأول. (البحر الرائق زکریا ۸/۳۰۶، کوئٹہ ۸/۱۶۷)

ترجمہ: ذبح کی دوسری قسم جانور کے بدن میں سے کسی بھی جگہ پر زخم کردینا اور یہ ذبح اختیاری کا بدل ہے،اس لیے کہ ذبح اضطراری کی طرف حلیت منتقل نہیں ہوسکتی،مگر اول یعنی ذبح اختیاری سے عاجز ہونے کے وقت۔

ذبح اضطراری کے اقسام

ذبح اضطراری کی تین قسمیں نصوص سے ثابت ہیں:

(۱) جانور بدک جائے اور کسی طرح انسان کے قابو میں نہ آئے،یا جنگلی جانور ہرن وغیرہ ہو تو ایسی صورت میں ذبح اضطراری جائز ہوجاتا ہے،یعنی بدن کے کسی بھی حصہ پر زخم کردیا جائے۔

عن أبي العشراء عن أبيه قال: قلت يا رسول الله! أما يكون الذكاة إلا في الحلق واللبة قال لو طعنت في فخذها لأجزأك. (سنن النسائی، تھانوی ۲/۲۰۶، اشرفی ۲/۱۸۲،دار السلام رقم: ۴۴۱۳)

ترجمہ: حضرت ابوالعشراء اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے کہا یا رسول اللہ! کیا حلق اور لبہ کے علاوہ کسی اور جگہ بھی ذبح ہوسکتا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ بدکے ہوئے جانور یا جنگلی جانور کے پیر یا ران میں زخم کردو،تو تیرے لیے جائز اور کافی ہوگا۔

(۲) آلہ جارحہ کے ذریعہ ذبح اضطراری اختیار کیا جائے، مثلاً تیر وغیرہ سے بسم اللہ پڑھ کر جانور کو مارا جائے، اور تیر جانور کو زخمی کردے، اور تیر مارنے والے کے قبضہ میں آنے سے پہلے پہلے اس کی روح نکل جائے تو ایسی صورت میں تیر کا زخم بھی ذبح کے قائم مقام ہوجاتا ہے، اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ حضور کو مال غنیمت میں کچھ اونٹ حاصل ہوئے، ان میں ایک اونٹ بدک گیا تو صحابہ کرامؓ نے تیر مار کر اسے روکوالیا تو حضور ﷺ نے اسی کو ذبح قرار دیا، اور حضور ﷺ نے فرمایا: جو تمہارے تیر کے ذریعہ سے زخمی ہوجائے اس کو کھالیا کرو، اور جس میں تیر الٹا پڑجائے اور زخم نہ ہو تو اس کو نہ کھایا جائے، حضرت عدی بن حاتمؓ نے حضور سے کہا یا رسول اللہ:

إنا نرمي بالمعراض قال ما خرق فكل وما أصاب بعرضه فلا تأكل.

(سنن الترمذی، النسخة الهندية ١/٢٧١، دار السلام رقم: ١٤٦٥، صحيح البخاری، النسخة الهندية ٢/٨٢٣، رقم: ٥٢٦٤، ف: ٥٤٧٧)

ترجمہ: بیشک ہم تیروں سے شکار کو مارتے ہیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شکار کو تیر نے زخمی کردیا ہو وہ حلال ہے کھاؤ جس کو تیر کی چوڑائی یا پشت لگ جائے اسے مت کھاؤ۔

(۳) شکاری جانوروں کے ذریعہ سے جانور کا شکار کیا جائے، اور چھوڑتے وقت بسم اللہ پڑھ کر چھوڑا جائے تو ایسی صورت میں اگر جانور کو شکاری جانور زخمی کردے اور اس سے خون نکل آئے اور مالک کے قبضہ میں آنے سے پہلے پہلے زندہ نہ رہے تو اس کا کھانا جائز ہے، اور اگر زندہ رہے تو اس کا ذبح کرنا لازم ہوجاتا ہے، حضور ﷺ نے شکاری کتوں کے شکار کردہ جانوروں کے حلال ہونے کو ان الفاظ سے ارشاد فرمایا ہے:

إذا أرسلت كلبك و ذكرت اسم الله عليه فأمسك عليك فكل، قلت: و إن قتل قال: وإن قتل. (سنن الترمذی النسخة الهندية ١/٢٧١، دار السلام رقم: ١٤٦٤)

ترجمہ: جب تم اپنے تربیت یافتہ شکاری کتے کو بسم اللہ پڑھ کر شکار پر چھوڑ دو پھر وہ شکار کو تمہارے لیے پکڑ کر روک لے تو تم اسے کھاؤ اس پر میں نے کہا کہ اگرچہ جان سے مار دے تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ اگرچہ جان سے ماردے تب بھی کھا سکتے ہو۔

مشینی ذبیحہ

ذبح اختیاری میں دو چیزیں بہت زیادہ اہمیت کی حامل ہیں: (۱) چھری چلاتے وقت طاقت صرف کرنا (۲) چھری چلاتے وقت بسم اللہ پڑھنا۔اور یہ دونوں امور شخص واحد سے صادر ہونا لازم ہیں۔

لہٰذا اگر چھری پر طاقت لگانے والا اور چلانے والا ایک شخص ہو، اور تسمیہ پڑھنے والا کوئی دوسرا شخص ہو تو جانور حلال نہیں ہوگا، اسی طریقہ سے ذبح اضطراری میں بھی دو چیزیں بہت زیادہ اہمیت کی حامل ہیں:

(۱) آلہ جارحہ استعمال کرتے وقت، اور اسی طریقہ سے شکاری کتے یا پرندہ کے چھوڑتے وقت بسم اللہ پڑھنا۔

(۲) آلہ جارحہ کا جانور کو زخمی کر کے خون نکال دینا، یا شکاری کتے یا پرندہ کا جانور کو زخمی کر کے خون نکال دینا۔

یہ دونوں چیزیں ذبح اضطراری میں لازم اور مشروط ہیں، ان میں سے اگر ایک چیز بھی نہ پائی جائے تو جانور حلال نہیں ہوگا، اب اس کے بعد مشینی ذبیحہ کی حقیقت اور اس کے فلسفہ پر غور کرنا ہے۔

غور طلب بات یہ ہے کہ مشینی ذبیحہ ذبح اختیاری کے دائرہ میں داخل ہے یا ذبح اضطراری کے دائرہ میں، تو اس سلسلے میں ماقبل میں ذبح کے شرائط کے ذیل میں فقہی جزئیات سے ثابت کیا گیا ہے کہ ذبح اضطراری اس وقت جائز ہے جبکہ ذبح اختیاری پر کسی طرح قدرت حاصل نہ ہو سکے، مگر جب ذبح اختیاری پر کسی طرح بھی کامیابی حاصل ہو جائے تو ذبح اضطراری کا طریقہ اختیار کرنا ہرگز جائز نہیں ہے تو ہم نے مشینی ذبیحہ کے فلسفہ پر غور کر کے دیکھا تو اس کے اندر ایسی کوئی شرعی مجبوری نہیں ہے جس کی وجہ سے ذبح اضطراری کو اختیار کیا جائے اس لیے کہ ذبح اختیاری کو طلب کرنے کے لیے جو اعذار اور مجبوریاں ہوتی ہیں وہ یہاں پر مفقود ہیں، اور اس سے مانع کوئی سبب اور وجہ بھی یہاں موجود نہیں ہے، محض اس وجہ

سے کہ جانوروں کی زیادہ تعداد ذبح کرنے میں دیر زیادہ لگے گی، اس لیے ذبح اختیاری کو چھوڑ کر اضطراری کو اختیار کیا جائے، یہ قابل قبول عذر نہیں ہے، کیونکہ اگر مختصر وقت میں کثیر تعداد میں جانور ذبح کرنا ہے تو اتنی تعداد میں مزدور اور افراد بھی مہیا ہو سکتے ہیں، اس لیے مشینی ذبیحہ میں ذبح اضطراری کا طریقہ اختیار کرنا ہرگز جائز نہ ہوگا، حضرات فقہاء نے اس قسم کے مضامین کو بہت واضح الفاظ میں نقل فرمایا ہے، ذبح اضطراری کے بارے میں فرمایا:

وهذا كالبدل عن الأول لأنه لايصار إليه إلا عند العجز عن الأول، وإنما كان كذٰلك لأن الأول، أبلغ في إخراج الدم من الثاني فلايترك إلا بالعجز عنه ويكتفي بالثاني للضرورة. (البحر الرائق زكريا ٣٠٦/٨، كوئٹه ١٦٧/٨)

ترجمہ: اور یہ اول یعنی ذبح اختیاری کا بدل ہے، اس لیے کہ اس ذبح اضطراری پر عمل جائز نہیں ہے، مگر ذبح کی پہلی قسم یعنی ذبح اختیاری سے عاجز ہونے کے وقت اور یقیناً حکم شرعی ایسا ہی ہے، اس لیے کہ ذبح کی پہلی شکل اخراجِ دم میں دوسری شکل کے مقابلے میں زیادہ مفید اور مؤثر ہے، لہٰذا پہلی شکل کو بغیر مجبوری کے چھوڑا نہیں جائے گا، اور ضرورت کی وجہ سے دوسری شکل کافی ہے۔

اب اس عبارت پر غور کر کے دیکھیے تو معلوم ہوگا کہ عجز کا لفظ طاقت جسمانی سے ناکام ہونے کے لیے بولا جاتا ہے، اور عذر کا لفظ عام ہے، اور یہاں ذبح اضطراری کو اختیار کرنے کے لیے طاقت جسمانی سے ناکامی کا کوئی سوال نہیں بلکہ محض یہ مقصد ہے کہ کم وقت کے اندر کثیر تعداد میں جانور ذبح ہو جائیں، یہ دفع مضرت نہیں ہے، جس کی وجہ سے امر ممنوع مباح ہو جائے، بلکہ یہ جلب منفعت ہے، اور جلب منفعت کے لیے امر ممنوع مباح نہیں ہوتا، اس لیے مشینی ذبیحہ میں ذبح اضطراری کا طریقہ اختیار کرنا جائز نہ ہوگا، اور مشینی ذبیحہ کا ذبح اختیاری کے دائرے سے خارج ہونا معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے، کیونکہ ۱۰/۱۵ رفیصد مشینی ذبیحہ میں ایسا ہوتا ہے کہ گلے میں چھری لگنے کے بجائے پیٹ میں چھری لگ جاتی ہے اور کسی کے سر پر چھری لگ جاتی ہے اور کسی کے منھ پر چھری لگ جاتی ہے، یہ سارے کے سارے اسباب اور وجوہات اس کی واضح دلیل ہیں کہ مشینی ذبیحہ ذبح اختیاری کے دائرہ میں داخل نہیں ہے، لہٰذا مشینی ذبیحہ کی جتنی

شکلیں ہیں ان میں سے کوئی شکل ذبح اختیاری کے دائرے میں داخل نہیں ہوگی۔

مشینی ذبیحہ سے متعلق ایک سوال یہ کیا جاتا ہے کہ صرف بٹن دبا دیا جاتا ہے کہ بقیہ سارا کام مشین اور بجلی کی قوت سے ہوتا ہے، اور ذبح اختیاری میں یہ شرط ہے کہ جو بسم اللہ پڑھے گا اسی کی طاقت وقوت سے چھری چلے، اور بٹن دبانے کا مطلب یہ ہے کہ چھری پر کوئی شخص ہاتھ میں لے کر بسم اللہ پڑھ دے، اور بسم اللہ پڑھ کر دوسرے کے ہاتھ میں دیدے اور دوسرا بلا بسم اللہ کے اپنی قوت سے چھری چلا دے اور اس طرح کرنا ذبح اختیاری میں جائز نہیں ہے، اور ذبح اختیاری پر قوت ہونے کی وجہ سے ذبح اضطراری کی مذکورہ تمام صورتیں جو مشینی ذبح کے نتیجہ میں پیدا ہوتی ہیں ان میں سے کسی بھی صورت میں جانور حلال نہیں ہوگا، جس کی تفصیل ہم ابھی بیان کر چکے ہیں، اور اسی طریقہ سے مشینی چھری چلتے وقت بغل میں کھڑے ہو کر صرف بسم اللہ پڑھنا کافی نہیں، کیونکہ بسم اللہ پڑھنے والے کی قوت کا کوئی دخل نہیں، لہٰذا یہ بھی جائز نہیں۔

اور ایک سوال یہ بھی کیا جاتا ہے کہ چھری کے ہینڈل پر ہاتھ رکھ کر بسم اللہ پڑھتا ہے اور چھری چلنے میں ہاتھ رکھنے والے کی کوئی قوت نہیں ہوتی، بلکہ ساری کی ساری قوت مشین اور بجلی کی ہوتی ہے، لہٰذا یہ شکل بھی دائرہ جواز میں نہیں آسکتی۔

اور ایک سوال یہ بھی کیا جاتا ہے کہ جانور کے حلق کی نلکی میں چھری رکھ کر اس کو چیر دیا جاتا ہے یہ بھی ذبح اختیاری کے دائرہ میں داخل نہیں ہے، اس لیے کہ اس ذبح میں حلقوم تو کاٹا جاتا ہے، مگر دونوں جانب کے ودجان یعنی شہ رگ نہیں کاٹے جاتے، اور صحتِ ذبح کے لیے ودجان کا کاٹا جانا شرط ہے، لہٰذا یہ ذبح بھی دائرہ جواز میں نہیں آسکتا۔

اور ایک سوال یہ بھی کیا جاتا ہے کہ ذبح سے قبل بجلی شاٹ کے ذریعہ سے نیم بیہوش کر دیا جاتا ہے، اس کے بعد مشین کے ذریعہ سے اس پر چھری چلائی جاتی ہے اس کے اندر دو ضرر یہاں ہیں:

(۱) ذبح سے قبل جانور کو نیم بے ہوش کر دینا یہ بھی ایک وحشیانہ حرکت ہے۔

(۲) اس کے بعد جانور پر مشینی چھری چلانا جو انسانی قوت سے نہیں چلتی ہے، بلکہ مشین اور بجلی کی قوت سے چلتی ہے اس میں انسانی قوت کا کوئی دخل نہیں ہوتا ہے، اس لیے ان دونوں خرابیوں کی وجہ سے مشینی ذبیحہ کا یہ طریقہ بھی جائز نہیں ہوگا۔

مسائل ذبح اور شرعی اصول

مسائل ذبح میں تین اصولوں کو پیش نظر رکھنا نہایت ضروری ہے ان کے بغیر مسائل ذبح میں مغالطہ واقع ہوسکتا ہے

اصول(۱): ذبح کی دو قسمیں ہیں: (۱) ذبح اختیاری (۲) ذبح اضطراری

ذبح اختیاری کا مطلب یہ ہے کہ جانور ذابح کے اختیار اور قابو میں ہے اور جانور کو لٹا کر سنت طریقے سے اپنے ہاتھ سے گلے پر چھری پھیر دی جائے۔

اور ذبح اضطراری کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جانور ذابح کے اختیار سے باہر ہے تو ذابح کی طاقت اور قابو سے باہر ہونے کی وجہ سے اس کو سنت طریقہ سے ذبح کرنا لازم نہیں ہوتا ہے بلکہ بسم اللہ پڑھ کر کسی بھی جگہ پر زخم کر کے خون بہا دیا جائے، چاہے ہتھیار اور اوزار کے ذریعہ سے ہو یا شکاری جانور کے ذریعہ سے۔

اصول(۲): ذبح اختیاری میں یہ شرط ہے کہ ذابح خود بسم اللہ پڑھ کر ذبح کرے اور اگر ذابح کے ساتھ کوئی دوسرا شخص تعاون کے لیے ہاتھ لگا دیتا ہے تو معین پر بھی بسم اللہ پڑھنا لازم ہوتا ہے، ورنہ جانور حلال نہ ہوگا۔

نیز اگر ذابح نے بسم اللہ پڑھ کر ذبح کر دیا ہے لیکن ساری رگیں کٹنے سے رہ جائیں اور دوسرا آدمی جا کر بغیر بسم اللہ کے بقیہ رگ کاٹ دیتا ہے یا کسی دھاردار چیز پر جانور خود جا کر گرنے کی وجہ سے اس کی گردن کٹ کر الگ ہو جاتی ہے تو ایسی صورت میں وہ جانور حلال نہیں ہوگا اس لیے کہ بقیہ رگوں کے کاٹنے میں اصل ذابح کا کوئی دخل نہیں ہے۔

اصول(۳): ذبح اضطراری میں جانور کے حلال ہونے کے لیے شرط یہ ہے کہ ذبح اختیاری کو اختیار کرنے کی کوئی صورت نہ بن سکے، اگر ذبح اختیاری کا امکان ہو تو ذبح اضطراری جائز نہیں ہے، لہٰذا ذبح اضطراری میں جانور کے حلال ہونے کے لیے شرط یہ ہے کہ جانور ذابح کے قبضہ اور اختیار سے خارج ہو، لہٰذا اگر جانور ذابح کے قبضہ اور اختیار میں

داخل ہوگا تو ذبح اضطراری کے طریقہ سے جانور حلال نہیں ہوسکے گا، حاصل یہ ہے کہ ذبح اضطراری کا پورا مدار جانور کا ذابح کے قبضے اور اختیار سے خارج ہونے پر ہے۔

اب دیکھنا ہے کہ مشینی ذبح ذبح اختیاری میں داخل ہے یا اضطراری میں تو ظاہر ہے کہ مشینی ذبح کا وہ طریقہ جس میں ذابح بسم اللہ پڑھ کر صرف بٹن دبا دیتا ہے، باقی سارا کام مشین اور بجلی کی طاقت سے ہوتا ہے، اس میں جانور بہر حال ذابح کے قبضہ اور اختیار کے دائرہ میں داخل رہتا ہے، لہٰذا مشینی ذبح ذبح اضطراری کے دائرہ میں داخل نہیں ہوسکتا، لازمی طور پر ذبح اختیاری میں داخل ہوگا، اور ذبح اختیاری میں اصول (۲) کی رعایت شرط ہے، اور اصول (۲) کی رو سے مشینی ذبح میں ذبح اختیاری کے شرائط مفقود ہیں گویا کہ مشینی ذبح اس کے مرادف ہے کہ بسم اللہ پڑھ کر ذابح نے ذبح کی ابتداء کی اس کے بعد ذابح نے اپنے اختیار سے جانور کو رگوں کے کاٹنے سے پہلے پہلے چھوڑ دیا ہے اور وہ جانور پریشان ہوکر غیر اختیاری طور پر کسی دھار دار چیز پر گر پڑا جس کی وجہ سے اس کی گردن کٹ کر دو ٹکڑے ہو جائیں تو ایسی صورت میں یہ جانور کسی کے نزدیک حلال نہیں ہے تو اسی طرح مشینی ذبح کے مذکورہ طریقہ سے بھی جانور حلال نہیں ہوسکتا۔

درمیان میں شئ بے اختیاری کا واسطہ

یہ جو کہا جاتا ہے کہ ذابح کا فعل اور نتیجۂ فعل کے درمیان اگر شئ بے اختیاری کا واسطہ ہو تو نتیجۂ فعل کو فعل ذابح کی طرف منسوب کیا جاتا ہے، یہ اصول ذبح اضطراری میں تو صحیح اور مطابق ہوتا ہے مگر ذبح اختیاری میں صحیح نہیں ہوتا، اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر ذبح اختیاری میں ذابح نے بسم اللہ پڑھ کر گلے پر چھری چلا دی ہے، اور حلق کٹ گیا ہے، مگر ودجان کٹنے سے رہ گئی ہیں اور ذابح نے جانور کو بالقصد چھوڑ دیا ہے، اتفاق سے جانور اس جگہ کسی دھار دار چیز پر گر پڑا یا اوپر سے کوئی دھار دار چیز گر پڑی تو ان تمام صورتوں میں جانور حلال نہیں ہوتا بلکہ حرام ہو جاتا ہے، حالانکہ ان میں شئ بے اختیاری کا فعل ہے، اس کے باوجود نتیجۂ فعل کو ذابح

کی طرف منسوب نہیں کیا جارہا ہے، نیز اگر اس صورت میں ذابح نے دوبارہ جاکر بغیر بسم اللہ کے بقیہ رگ کاٹ دی ہیں تب بھی جانور حرام ہے، اس لیے ذبح اختیاری میں مشینی ذبح کو داخل کر کے جائز قرار دینے کی کوئی شکل نہیں نکل سکتی۔

قانونی مجبوری

قانونی مجبوری کا عذر بھی درست نہیں ہوسکتا، اس لیے کہ ہندوستان اور پورے ایشیاء کے اندر مسئلہ ذبح میں کسی قسم کی قانونی مجبوری نہیں ہے، اور رہے مغربی ممالک تو مغربی ممالک میں بھی قانونی مجبوری عذر نہیں بن سکتی، اس لیے کہ وہاں پر یہ قانون ہرگز نہیں ہے کہ ہاتھ سے ذبح کرنا حکومت کی طرف سے ممنوع ہو، البتہ قانوناً صرف اس کی ممانعت ہے کہ جہاں چاہے جس جگہ چاہے ذبح کیا جائے، بلکہ ذبح کے لیے مخصوص مقامات متعین کیے گئے ہیں انہیں مقامات کے حدود میں ذبح کیے جاسکتے ہیں، ان کے باہر نہیں، اور ایسے قوانین ہر بڑے شہر میں ہوتے ہیں، تاکہ خونوں کی گندگیاں ہر جگہ منتشر نہ ہوجائیں، اور ایسے مخصوص مقامات میں ہاتھ کے ذریعہ سے روزانہ ہزاروں کی تعداد میں جانور سہولت کے ساتھ ذبح کیے جاسکتے ہیں، اس کی مثال منیٰ کا مذبح ہے کہ ڈھائی روز کے اندر دسیوں ہزار جانور ہاتھ سے ذبح کیے جاتے ہیں، اور کسی حاجی کی قربانی بھیڑ اور ازدحام کی وجہ سے اس مدت کے اندر باقی نہیں رہتی، اس لیے قانونی مجبوری بھی ایسا عذر نہیں ہے جس کی وجہ سے امر ممنوع کو جائز قرار دیا جاسکے، ورنہ سالوں پہلے منیٰ میں مشینی ذبح کا سلسلہ جاری ہوجانا چاہیے تھا، حالانکہ بلاکسی پریشانی کے منیٰ میں تمام حاجیوں کی قربانی شرعی طریقہ سے ہاتھوں سے ذبح ہوجاتی ہے۔

مشین سے صرف مرغ ذبح ہوتا ہے

یہاں یہ بات بھی ناظرین کو عجیب معلوم ہوگی کہ مشینی ذبیحہ سے متعلق لمبی بحث ہورہی ہے، اور فقہ اکیڈمی کے سیمینار میں سینکڑوں علماء نے اس موضوع پر مختلف انداز سے مقالات لکھے ہیں۔

حالانکہ مشینوں سے صرف مرغ ذبح کیا جاتا ہے، چوپائے ذبح نہیں ہوتے اور کافی تعداد میں مقالہ نگار حضرات نے چوپائے کو بھی موضوع بحث کے دائرہ میں داخل کر کے کافی عرق ریزی فرمائی ہے۔

چوپایوں کو صرف اتنا کیا جاتا ہے کہ ایک بہت بڑی پلیٹ جو بجلی سے چل کر آتی جاتی ہے، دس دس، بیس بیس جانوروں کو ایک ساتھ پلیٹ پر لایا جاتا ہے پھر یہ پلیٹ ان جانوروں کو لے کر گہرے گڈھے کے اوپر پہنچ جاتی ہے، اور جانور اس میں پہنچنے کے بعد بدحواس ہو جاتے ہیں پھر اس میں آدمی پہنچ کر اپنے ہاتھ سے جانوروں کے گلے میں باضابطہ ہاتھ سے چھری پھیر دیتے ہیں، اس لیے مشینی ذبح کو چوپایوں اور بڑے جانوروں کے لیے موضوع بحث بنانے کی ضرورت نہیں، بلکہ موضوع بحث صرف مرغ کو بنایا جانا چاہیے، احقر نے اس طرح کی حقیقت کا خود مشاہدہ کیا ہے۔

حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب دامت برکاتہم کا فتویٰ

فقہ اکیڈمی کی طرف سے سوالنامہ میں بطور دلیل حضرت مفتی نظام الدین صاحب دامت برکاتہم کا فتویٰ اور اس پر فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ دامت برکاتہم کی تصدیق کو مشینی ذبح کے جواز کے لیے دلیل میں پیش کیا گیا تھا، اور واقعتاً ان دونوں حضرات نے مشینی ذبح کی مذکورہ صورت کو اپنے اس فتویٰ میں جائز قرار دیا تھا، جو نظام الفتاویٰ ۱/۳۴۰ میں شائع بھی ہو گیا تھا، مگر ان دونوں حضرات نے صاف لفظوں میں ۱۱/ربیع الثانی ۱۴۱۶ھ میں مفتیانِ کرام اور علماء کرام کے ایک مجمع میں اس فتویٰ سے رجوع کا اعلان فرما دیا ہے، نیز باقاعدہ تحریری طور پر صاف لفظوں میں رجوع فرما لیا ہے، اور دونوں حضرات کے رجوع کی تحریر دارالافتاء دارالعلوم دیوبند کی مہر کے ساتھ احقر کے پاس بھی موجود ہے، نیز اس کی فوٹو کاپی بہت سے علماء کے پاس بھی موجود ہے، اس لیے ان دونوں حضرات کے مذکورہ فتویٰ کو جواز کی دلیل میں پیش کرنا درست نہ ہوگا۔

لہٰذا مشینی ذبح کی مذکورہ صورت جواز کے دائرہ میں آنے کے لیے کوئی شکل نظر نہیں

آتی، اس لیے مشینی ذبح قطعاً جائز نہ ہوگا۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب کا رجوع

حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب دامت برکاتہم اور حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ دامت فیوضہم کے رجوع کا فتویٰ بعینہ یہاں نقل کردینا مناسب معلوم ہوتا ہے، ملاحظہ فرمایئے:

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

کیا فرماتے ہیں علماء دین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ:

آج کل مشینی ذبیحہ کا یہ طریقہ رائج ہونے جارہا ہے کہ بسم اللہ اللہ اکبر پڑھ کر بٹن دبادیا جائے باقی جانور کے گلے پر چھری کا چلنا اور رگوں کا کاٹ دینا اور چھری کا جانور کے گلے تک پہنچنا سب بجلی کی طاقت سے ہوتا ہے، بٹن دبانے کے علاوہ ذابح کا کوئی دخل نہیں ہوتا، حالانکہ اس طرح کی ضرورت بھی نہیں محسوس ہوتی، کیونکہ منیٰ میں دوڈھائی دن کے اندر ہزاروں اونٹ ذبح ہوتے ہیں پھر بھی مشینی ذبح کا یہ طریقہ وہاں اختیار نہیں کیا گیا اور ڈھائی دن کی مدت میں اتنے جانور ذبح ہوجاتے ہیں، اور اونٹوں کا ذبح منیٰ میں ایک جگہ ہوتا ہے ایک ساتھ دس دس جانور کو ایک پلیٹ میں کھڑا کرکے گڈھے کے پاس لے جاتے ہیں اور ایک آدمی اپنے ہاتھ سے بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر چھری چلاتا ہے جس کا خاکسار نے بچشم خود مشاہدہ کیا ہے، حضرت اقدس استاذی حضرت مفتی نظام الدین صاحب دامت برکاتہم نے نظام الفتاویٰ جلد اول صفحہ ۳۴ میں بٹن دباکر ذبح کرنے کے مذکورہ بالا طریقہ کو جائز قرار دیا ہے حضرت سے درخواست ہے کہ اس مسئلہ پر نظر ثانی فرمالیں۔ فقط

شبیر احمد عفا اللہ عنہ

خادم دارالافتاء مدرسہ شاہی مرادآباد

۵؍ربیع الثانی ۱۴۱۶ھ

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

حضرت مفتی شبیر احمد صاحب مفتی جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد ثقہ ومعتمد شخص ہیں، خود مشاہدہ کر کے فرماتے ہیں تو احقر اپنے سابق فتویٰ سے رجوع کرتا ہے، احقر کو معلومات اس سے زائد نہیں ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

العبد نظام الدین
مفتی دارالعلوم دیوبند
۱۱؍ربیع الثانی ۱۴۱۶ھ

حضرت مفتی نظام الدین صاحب نے اپنے فتویٰ سے رجوع فرمالیا ہے، اس لیے احقر بھی رجوع کرتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

املاہ: العبد محمود عفی عنہ
دارالعلوم دیوبند
۱۱؍ربیع الثانی ۱۴۱۶ھ

بقلم:
ابوالقاسم نعمانی غفرلہ
۱۱؍ربیع الثانی ۱۴۱۶ھ

۲ باب ما أهل لغير الله

سائبہ کا گوشت مسلمانوں کے لیے کب حلال ہے؟

سوال [۹۸۲۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مثلاً کسی ہندو نے دیوی دیوتاؤں کے نام بھینس کی جنس سے کٹڑے کے کان کاٹ کر چھوڑ دیا، آگے چل کر بھینسہ (بجار) ہو گیا، کافی دنوں کے بعد پاگل سا ہو گیا، جو عام طور پر انسانوں کا جان لیوا بن گیا، ہندوؤں نے عاجز آکر مسلمانوں سے کہا کہ اس بھینسہ کو پکڑ کر مار ڈالو، مسلمان لڑکوں نے دوڑ بھاگ کر کے پکڑ لیا اور ذبح کر کے کھا گئے، تو براہ کرم قرآن وحدیث کی روشنی میں مدلل جواب دیں کہ از روئے شرع اس طرح کے جانور کا گوشت کھانا حلال ہے، یا حرام؟ نیز اگر حرام ہے تو جس کسی نے عمداً یا سہواً کھا لیا تو کون سے گناہ کا مرتکب ہوا اور اس کے ازالہ کی صورت کیا ہوگی؟

المستفتی: محی الدین ضلع پورنیہ بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دیوی دیوتاؤں کے نام بھینس یا بیل کے کان کاٹ کر جو چھوڑ دیا جاتا ہے جیسا کہ سڑکوں پر سانڈ پھرتے ہیں یہ مالک کی ملکیت سے نہیں نکلتے وہ سائبہ کے حکم میں ہیں؛ اس لیے مالک کو انہیں فروخت کرنے اور ہبہ کرنے کا بھی حق باقی رہتا ہے، لہٰذا مالک کی اجازت سے مسلمانوں کا ایسے جانور کا ذبح کر کے کھانا جائز ہے، اب سوالنامہ میں جس ہندو نے مسلمان کو اسے مار کر استعمال کی اجازت دی ہے اگر وہی مالک ہے تو مسلمان لوگوں کے لیے اس کو ذبح کر کے کھانا جائز ہے۔ (مستفاد: امداد المفتیین ۹۳۵، امداد الفتاویٰ ۴/ ۹۹، احسن الفتاویٰ ۱/ ۵۲، معارف القرآن کلاں ۱/ ۳۶۷-۳۶۸، ۳/ ۲۴۶، تفسیر شیخ الہند ۱۶۵)

﴿مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنۢ بَحِيرَةٍ وَلَا سَآئِبَةٍ وَلَا وَصِيلَةٍ وَلَا حَامٍ. [المائدة: ۱۰۳]﴾

وروی البخاری عن سعید بن المسیب قال...... والسائبة التی کانو یسیبونها لآلهتهم ولا یحمل علیها شیئ. (بخاری شریف، التفسیر باب ما جعل الله من بحیرة و لا سائبة ...... النسخة الهندیة ۲/۶۶۵، رقم: ٤٤٣۷، ف: ٤٦٢٣، تفسیر مظهری زکریا قدیم ۳/۱۹٤، جدید ۳/ ۲۲۰، تفسیر خازن ۱/٤۹٥)

ولم یرد حقیقة الجعل لأن الکل خلقه و تقدیره. (فتح الباری، کتاب التفسیر باب ما جعل الله من بحیرة و لا سائبة، اشرفیه ۸/ ۳٦۰، دار الفکر ۸/۲۸۳، تحت رقم الحدیث ٤٦٢٤، مکتبه دار البیان، قاهره ۸/۱۳۳)

من سیب دابته فلایزول ملکه عنها. (الموسوعة الفقهیة الکویتیة ۲٤/۱۱۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/رجب المرجب ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۷۴۱)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۷/۷/۱۴۲۳ھ

مندروں اور مزاروں پر چھوڑے جانے والے جانوروں کا حکم

سوال [۹۸۲۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جو گائیں بھینسیں یا کوئی بھی جانور، دیوی شوالہ دیوتا کے نام پر چھوڑتے ہیں پھر وہ بڑا ہو جاتا ہے، اس کو مندر کے پجاری فروخت کرتے ہیں تو کیا اس کو یعنی اسی بکرے کو جس کو مندر کے نام پر چڑھایا گیا تھا کوئی مسلمان خرید کر قربانی کر سکتا ہے؟ اس کا کھانا مسلمان کے لیے جائز ہے؟

المستفتی: جمیل اختر عثمانی، کھادروالا مظفر نگر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ جانور ما اہل بہ لغیر اللہ میں داخل نہیں ہے بلکہ بحیرہ اور سائبہ میں داخل ہے کہ محض بتوں اور مزارات کے نام پر چھوڑ دینے سے اس طرح کے جانوروں میں حلت وحرمت سرایت نہیں کرتی ہے اور نہ ہی وہ ملکِ مالک سے خارج ہوتے ہیں، لہٰذا جب مالک

سے خرید کر قربانی کی جائے یا مالک کے موہوب لہ سے خرید کر قربانی کی جائے تو شرعاً ان جانوروں کی قربانی جائز اور صحیح ہو جائے گی، اور اگر عرف میں مندر کے پجاریوں اور مزارات کے مجاوروں کے لیے ہبہ نہیں ہوتے ہیں تو مالک غیر کے تعلق ہونے کی وجہ سے پجاریوں اور مجاوروں سے خرید کر قربانی جائز نہیں ہوگی۔ (مستفاد: فتاویٰ عبدالحی ۲/ ۹۰، امداد الفتاویٰ ۴/ ۹۸، ۵/ ۳۵۹، معارف القرآن اشرفی دیوبند ۱/ ۳۹۸)

من سیب دابته فلایزول ملکه عنها. (الموسوعة الفقهية الكويتية ٢٤/ ١١١)

فلایزول ملکه فی الوجهین کمن سیب دابته. (المبسوط دار الكتب العلمية بيروت ١٢/ ٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵ر شعبان المعظم ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۱۹۰۲)

بزرگوں کے نام پر چھوڑے ہوئے بکرے کو ذبح کرنا

سوال [۹۸۳۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بزرگوں کے نام بکرے، مرغ چھوڑنا کیسا ہے اور ان کا کھانا کیسا ہے؟

المستفتی: گلزار احمد سہارنپوری امام مسجد جھاڑی ضلع سیکر راجستھان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یہ فعل حرام وباعث گناہ کبیرہ ہے، اور وہ بکرا مالک کی ملکیت سے خارج نہیں ہوتا ہے، اس کو اللہ کا نام لے کر ذبح کرنے میں اگر مالک سے دوبارہ اجازت لی جائے تو کھانا جائز ہے، ورنہ بحکم غصب ناجائز ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۴/ ۹۸)

من سیب دابته فلایزول ملکه عنها. (الموسوعة الفقهية الكويتية ٢٤/ ١١١، وهكذا في المبسوط للسرخسي دار الكتب العلمية بيروت ١٢/ ٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳ر ذی قعدہ ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۲۰۳۳)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۳/ ۱۱/ ۱۴۱۰ھ

مہمان نوازی کے طور پر جانور ذبح کرنا

سوال [۹۸۳۱]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگرکوئی مسلمان اللہ کا نام لےکرکسی جانورکوذبح کرے بطور مہمان نوازی کےتو کیا اس میں شرک شامل ہوگا یانہیں؟

المستفتی: مرسلین مدنا پوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگرکسی مہمان کی آمد پرجانورذبح کیاجاتا ہے تاکہ مہمان کواس جانور کا گوشت کھلایا جائے تو اس طرح کھلانا اورتواضع کے ارادے سے جانورذبح کرنا جائز اوردرست ہے، مثلاً اگرکسی گھر میں مرغ موجود ہے، مہمان کی آمد کی اطلاع ملنے پرجلدی سے مرغ ذبح کرکےاس کی بوٹیاں بناکرکھانا تیارکیا جائے اسی طرح اسی ارادہ سے بکراذبح کرکے کھانا تیارکیا جائےتواس میں کوئی قباحت نہیں ہے، ہاں البتہ اگرکسی بڑے شخص کی تعظیم اسی میں سمجھی جارہی ہےاورکھلانا مقصدنہیں بلکہ اس کی عظمت میں جانور ذبح کررہاہے، اوراس ذبح کے اندرنہ آنے والےکوکھلانامقصودہوااورنہ خودکھانامقصدہو بلکہ جانورذبح کرناہی اس کی عظمت اوراعزازسمجھا گیاہوتویہ جانورحلال نہیں بلکہ میتۃ کے حکم میں ہوگا، اس لیےکہ یہ "مَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ (مائدہ: ۳)" میں داخل ہوگیا۔

ولو ذبح للضيف لايحرم لأنه سنة الخليل وإكرام الضيف إكرام الله تعالىٰ والفارق أنه إن قدمها ليأكل منها كان الذبح لله تعالىٰ والمنفعة للضيف أو للوليمة أو للربح وإن لم يقدمها ليأكل منها بل يدفعها لغيره كان لتعظيم غير الله فتحرم (وقبله) ذبح لقدوم الأمير و نحوه كواحد من العظماء يحرم لأنه أهل به لغير الله. (شامی مع در مختار، كتاب الحظر و الإباحة، باب الاستبراء وغيره، كراچی ٦/٣٠٩، زكريا ٩/٤٤٩)

سمعت أباحامد يقول: سألت أبا عاصم العامرى وكان تلميذا له عن رجل

ذبح للضيف شاة و ذكر الله فقال: يحل أكله. (تاتارخانية ۱۷/ ۳۹۰، رقم: ۲۷۵۹٦)

ولو ذبحه لأجل قدوم الأمير أو قدوم واحد من العظماء و ذكر اسم الله فقال: يحرم أكله لأنه ذبحها لأجله تعظيما له. (الفتاویٰ التاتارخانية زكريا ۱۷/ ۳۹۰، رقم: ۲۷۵۹۷)

وكذا لو سمى و ذبح لقدوم الأمير أو غيره من العظماء لايحل لأنه ذبح تعظيما له لا لله تعالىٰ بخلاف ما إذا ذبح للضيف فإنه لله تعالىٰ. (مجمع الأنهر، كتاب الذبائح، دار الكتب العلمية بيروت ٤/ ١٥٥، مصرى قديم ٢/ ٥٠٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ　　الجواب صحیح
۷/ ربیع الاول ۱۴۳۴ھ　　احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۰۹۹۲)　　۷/ ۳/ الاول ۱۴۳۴ھ

صدقہ کی بکری میں کفار کا طریقہ اختیار کرنے کا حکم

سوال [۹۸۳۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میری طبیعت اکثر خراب ہوجایا کرتی ہے، میری زوجہ نے ایک کالے رنگ کا بکرا منگایا، اس کے سارے جسم پر میرا ہاتھ پھرایا گیا اور مکان کے اس حصہ میں بکرا کو گھمایا پھرایا گیا جہاں خصوصاً میرا اٹھنا بیٹھنا رہتا ہے، اس کے بعد اسے ذبح کرادیا گیا اور اس کا گوشت نادار لوگوں میں تقسیم کرادیا گیا، اور مجھے یہ باور کرایا گیا کہ کوئی بلا پریشان کررہی ہے اور یہ فعل رد بلا ہے، آسمان سے جو بلا آتی ہے اسے یہ گوشت یا یہ فعل آسمان ہی کی طرف واپس کردے گا، اور یہ بھی کہ یہ فعل ہمارے مذہب اسلام کے مطابق ہے، برعکس اس کے میری تجویز کچھ اس طرح ہے کہ بکرے والی رقم کو کسی ایسے دینی مدرسہ کو دیدیا جائے جس میں بیرونی طلباء تعلیم حاصل کرتے ہوں، یا گندم خرید لیا جائے اور اسے مستحق لوگوں میں تقسیم کرادیا جائے، یا آلو چاول کی ایک یا دو دیگ بنا کر غرباء اور نادار لوگوں کو کھانا کھلادیا جائے، میرا خیال ہے کہ بکرے کا گوشت پکانے میں نادار لوگوں کو زیر باری خرچ کی ہوگی، تو کیا میری تجویز بیگم کے فعل سے بہتر ہے یا اگر دونوں تجاویز بہتر ہیں تو افضل کیا ہے؟

المستفتی: جمیل احمد ابن بشیر مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آپ کی بیگم کا تجویز کردہ طریقہ کفار اور اغیار کا طریقہ ہے اسلامی طریقہ نہیں ہے، ایسے بکروں کا گوشت غریبوں اور نادارلوگوں کے لیے بھی کھانا جائز نہیں اور اس کا گوشت مردار کے حکم میں ہے۔(مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۸۷، ڈابھیل ۹/۱۸۰، ایضاح المسائل ۱۳۸)

اور آپ کی تجویز کردہ تمام صورتیں شرعاً جائز اور مناسب ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱ر شعبان المعظم ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۱۵۵)

کاروبار میں برکت کے لیے بکرا ذبح کرنا

سوال [۹۸۳۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کاروبار میں برکت اور پریشانی دور کرنے کے لیے دو بکرے خریدے تاکہ اس کو ذبح کرکے غرباء ومساکین میں تقسیم کریں، رواج ہے کہ اس گوشت کو گھر کے افراد نہیں کھاتے، پھر بعد میں ارادہ ہوا کہ ان کی قربانی کریں تو کیا یہ جائز ہے یا نہیں؟ اور دوبارہ دوسرے خرید کر کے ان کی جگہ تقسیم کروں تو اس کا کیا حکم ہوگا؟

نیز دو بکروں کے خریدتے وقت کسی قسم کی نذر و منت کی نیت نہیں کی تھی؟

المستفتی: محمد انیس محلّہ فیل خانہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر محض بطور شکر اور خیر و برکت کے لیے ذبح کرنا مقصود ہے تو اس میں دو صورتیں ہیں ایک صورت یہ ہے کہ محض ذبح اور خون بہانے ہی کو باعث قربت سمجھا جائے، شرعاً اس طرح ذبح کرنا اور کسی کو کھلانا جائز نہیں ہے۔(مستفاد: امداد الفتاویٰ ۳/۵۷۰)

دوسری صورت یہ ہے کہ ذبح کرنا مقصود نہیں ہے بلکہ فقراء ومساکین کو کھلانا اور کچھ عطیہ عطا کرنا مقصود ہے جو قصائی کی دوکان سے لے کر بھی پورا ہوسکتا ہے، تو اس صورت میں

خریدشدہ دونوں بکروں کوقربانی کے لیے رکھ سکتے ہیں اورقصائی کی دوکان سے گوشت لے کر فقراء کوکھلادیں یاپیسہ دیدیں۔

دوبارہ بکرے خریدنے کی ضرورت نہیں بلکہ نہ خریدنا ہی بہتر اوراولیٰ ہوگا۔(مستفاد: امدادالفتاویٰ ٥٧٠)فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیر احمد عفا اللہ عنہ
٢١رذی قعدہ ١٤٠٩ھ
(الف فتویٰ نمبر:١٤٩٦/٢٥)

بیماری کے لیے بکرا ذبح کرنا

سوال [٩٨٣٤]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص نے منت مانی کہ میرا بچہ اگر بیماری سے شفایاب ہوگیاتو جان کے بدلہ جان دوں گا،منت میں نہ تو بکرے کا نام لیانہ کسی بڑے جانور کا اللہ کے فضل وکرم سے بچہ شفایاب ہوگیا۔

اب دریافت یہ کرنا ہے کہ کیا بکرا ذبح کرکے غریبوں میں تقسیم کرنے سے ذمہ ساقط ہو جائے گا، کیا بکراایک سال کا ہوناضروری ہے اگر چھ سات مہینہ کا ہوتو درست ہوگا یانہیں؟، کیا بکرا کسی مدرسہ یا مستحق زکوٰۃ ہی کودیناضروری ہے یاکسی مسجد میں بھی دیاجاسکتاہے،جان کے بدلہ جان دوں اس طرح کے الفاظ سے نذر ماننا صحیح ہے یانہیں؟ اگرنہیں تواگرکسی نے انہی الفاظ سے نذر مان لی تواس کا کیا کفارہ ہے براہ کرم چاروں جزوخصوصاً چوتھے جزو کا جواب تسلی بخش عنایت فرمائیں۔

المستفتی: ضیاءالرحمٰن قاسمی،مسجد کلیان،اہڑیان خانپور بلندشہر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جان کے بدلے جان دینے کی منت ماننا شرعاً جائز نہیں ہے اور نہ ایسی منت معتبر ہوتی ہے اور نہ ہی ایسی منت کو پورا کرنا لازم ہے،لہٰذا شفایابی کے بعد بکرا ذبح کرنا یاکسی اورجانور کا ذبح کرنا درست نہ ہوگا، ہاں البتہ بہتر شکل یہ ہے کہ ایک سال کے بکرے کی قیمت روپئے کی شکل میں نادارفقیروں ومسکینوں میں تقسیم کردیں تاکہ آپ کو

بھی تسلی ہوجائے اور صحت وتندرستی کا شکریہ ادا ہوجائے اور غریبوں کا فائدہ ہوجائے یہ صدقہ آپ پر واجب ولازم نہیں ہے، بلکہ امر مستحب ہے جو بطور مشورہ بتایا گیا ہے، اسی سے چاروں سوالوں کے جوابات کا مقصد سامنے آگیا۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۳/۵۷۰، ایضاح المسائل ۱۳۹)

ولو قال إن برئت من مرضی هٰذا ذبحت شاة أو عليَّ شاة أذبحها فبرئ لا يلزمه شيئ لأن الذبح ليس من جنسه فرض بل واجب كالأضحية فلا يصح. (شامی، کتاب الأيمان، زكريا ٥/٥٢٣، كراچی ٣/٧٣٩، ٣٤٠، حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح، دار الكتاب ديوبند ١/٦٩٤، هنديه زكريا قديم ٢/٦٦، جديد ٢/٧٢، البحر الرائق كوئٹه ٤/٢٩٦، زكريا ٤/٤٩٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ر صفر المظفر ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۹۳۵)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۲/۲۰ھ

بیماری کا بکرا

سوال [۹۸۳۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) بعض جگہوں پر رواج ہے کہ مدرسہ اسلامیہ میں لوگ زندہ بکرا یا ذبح کیا ہوا بکرا مقیم طلبہ کے لیے بھیجتے ہیں، اور یہ صدقہ ہوتا ہے کیا اس کو اساتذہ کرام بھی کھا سکتے ہیں جبکہ ان کا کھانا بھی مدرسہ سے طے ہے؟

(۲) اس بکرے اور گوشت کا اکثر وبیشتر حال یہ ہے کہ مریض کے اوپر اتار کر یا مریض کا اس پر ہاتھ پھرا کر یا مریض کی چارپائی کے پائے سے ایک دو دن باندھ کرلاتے ہیں؟

(۳) یا کوئی نئی مشین لگاتا ہے تو اس کے سامنے ذبح کر کے یا بھٹہ شروع کرتا ہے تو جس جگہ آگ لگائی جائے گی اس جگہ بکرا ذبح کر کے اور خون بھٹہ پر چڑھا دیتا ہے پھر گوشت طلبہ کے لیے مدرسہ میں بھیج دیا جاتا ہے یا گھر پر پکا کر کھلا دیا جاتا ہے تو کیا ایسے گوشت کو طلبہ اور مدرسین کے لیے کھانا از روئے شرع جائز ہے؟

(۴) یہ صورتیں ”وما ذبح علی النصب“ کے تحت تو نہیں آتیں؟

(۵) اگر کسی مدرسہ کا منتظم ایسا گوشت طلبہ اور مدرسین کو کھلائے تو طلبہ یا مدرسین اس کے کھانے سے گنہگار تو نہیں ہوں گے؟ اور ناظم مدرسہ کا یہ فعل از روئے شرع کیسا ہے؟

المستفتی: محمد ساجد قاسمی مدرسہ فیض العلوم منجھولی بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) اگر صدقہ سے مراد نذر کا بکرا ہے تو اس کا گوشت صرف طلبہ کے لیے جائز ہے، صاحب نصاب مدرسین وملازمین کے لیے اس کا گوشت کھانا جائز نہیں ہے، اگرچہ ان کا کھانا منجانب مدرسہ ہی کیوں نہ ہو۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۱۱/۱۱۰)

وهو مصرف أيضا لصدقة الفطر والكفارة والنذر. (شامی، کتاب الزکوٰۃ، باب المصرف، زکریا ۳/۲۸۳، کراچی ۲/۳۳۹)

(۲) یہ عقیدہ اہل ہنود کا ہے اس طرح کا جانور فقیروں کے لیے بھی حلال نہیں ہے، اہل مدارس کو اس طرح کے جانوروں کا گوشت واپس کر دینا چاہیے، حضرت تھانویؒ نے امداد الفتاویٰ میں اس کو ناجائز لکھا ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۳/۵۷۰، ایضاح المسائل ۱۳۹)

(۳) ایسے جانور کا گوشت فقیروں وغریبوں کے لیے ناجائز اور حرام ہے، یہ جانور میتۃ کے حکم میں ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۴/۵۷۰، ایضاح المسائل ۱۳۹، فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۰/۸۴، جدید ڈابھیل ۱/۳۳۱)

(۴) اگر ایسا جانور ہے جس کو ذبح کر کے اس کا خون بھٹہ یا بنیاد میں ڈال دیا گیا ہے اگرچہ گھروں میں پکا کر ہی کھلایا جائے اس کا کھانا جائز نہیں ہے، یہ ”**ما ذبح علی النصب**“ کی طرح حلال نہیں ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۴/۵۷۰ فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۰/۸۴، جدید ڈابھیل ۱/۳۳۱)

(۵) مسئلہ معلوم ہو جانے کے بعد اس کے کھانے اور کھلانے سے باز آجانا چاہیے اور مدرسہ کے منتظمین کو چاہیے کہ ایسا گوشت واپس کر دیں اور گوشت لانے والوں کو مسئلہ سمجھا دیا کریں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍ جمادی الثانیہ ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۴۴۹۰)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۶/۶/۱۵ھ

مکان کی تعمیر پر بکرا ذبح کرنا

سوال [۹۸۳۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص نے مکان بنایا اور اس نے ایک بکرا صدقہ کیا، اس کو ذبح کرا کر مدرسہ میں پورا گوشت مع سری پائے، گردہ کلیجہ وغیرہ بھیج دیا، نیز قیمت چرم بکرا مبلغ پچیس روپیہ بھی مدرسہ کو دیدیئے، کیا اس گوشت کو مدرسہ میں طلبہ کے علاوہ جو حضرات صاحب نصاب ہیں وہ بھی کھا سکتے ہیں یا نہیں؟ نیز جس نے صدقہ کیا اس نے اپنے گھر کے خرچ کے لیے کچھ نہیں رکھا جیسا کہ قربانی کے گوشت سے خود بھی کھاتے اور رکھتے ہیں، برائے کرم مسئلہ مندرجہ بالا سے از روئے شرع مطلع فرما کر مشکور فرمائیں۔

المستفتی: عبدالرشید تحویلدار مدرسہ شاہی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوالنامہ میں مکان بنانے پر بکرا ذبح کرنے کی تین صورتیں ہوسکتی ہیں: (۱) پہلے سے منت یہ مان رکھی تھی کہ اگر بآسانی یہ مکان بن گیا تو اللہ کے نام پر بکرا ذبح کر کے مساکین کو کھلاؤں گا، تو ذبح کرنا درست ہے اس کا گوشت صرف فقراء کھا سکتے ہیں، خود یا مالدار نہیں کھا سکتے ہیں۔

(۲) منت نہیں مانی گئی بلکہ مکان بآسانی بن جانے پر بطور شکریہ غریبوں کو کھلانے کے لیے ذبح کیا ہے تو اس کا گوشت خود اور مالدار اور فقراء سب کو کھلا سکتے ہیں اس کی علامت یہ ہے کہ بکرا خود ذبح کیے بغیر کسی دوسری جگہ سے گوشت حاصل کر کے کھلانے میں مقصود میں کوئی فرق نہ پڑتا ہو۔

(۳) مقصود فقراء کو کھلانا نہ ہو بلکہ ذبح کرنا ہی مقصود ہو، امداد یا کھلانا مقصد نہ ہو تو اس طرح ذبح کر کے خود کھانا اور مالدار کو یا مساکین وفقراء کو بھی کھلانا جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: امدادالفتاویٰ ۳/۵۷۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱؍رمضان المبارک ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۸۸۸)

پیر یا دیوتا کے نام پر نیاز دیئے گئے جانور کا گوشت کھانا

سوال [۹۸۳۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر کوئی شخص کسی جانور کو کسی پیر صاحب یا دیوتا کے نام سے نیاز دیتا ہے تو اس گوشت کو کھانا کیسا ہے؟

المستفتی: قمر الدین بریاہی بازار سہرسہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اس طرح نیاز دینا حرام ہے اس کا گوشت وغیرہ کھانا سب ناجائز اور حرام ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۱/۲۱۱، جدید زکریا مطول ۱/۲۵۳، امداد الفتاویٰ ۴/ ۹۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱/ جمادی الاول ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۶۷۶)

غیر اللہ کے نام پر ذبح شدہ مذبوحہ کا کھانا

سوال [۹۸۳۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: غیر اللہ کے نام پر بہت سے کھانے پکاتے ہیں مثال کے طور پر جیسے نیاز ان سب کا کھانا جائز ہے یا ناجائز؟ میں نے بہت سے مدارس کے طلباء کو دیکھا ہے کہ بچے دعوت میں جاتے ہیں اور علماء کرام بھی ان بچوں کو بھیجتے ہیں، کیا ان کے لیے غیر اللہ کا کھانا حلال ہے؟

المستفتی: محمود محمدی جل گاؤں مہاراشٹر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر غیر اللہ کے نام سے ذبح کر کے کھانا کھلاتے ہیں تو ایسا کھانا شرعاً حرام اور ناپاک ہے اس کا کھانا کسی کے لیے بھی جائز نہیں ہے۔ (مستفاد:

کفایت المفتی قدیم ۱/ ۲۱۱، جدید زکریا مطول ۱/ ۲۳۴، امداد الفتاویٰ ۲/ ۵۵۳)

اور اگر اللہ کے نام سے ذبح کرے اور اس کا ثواب کسی بزرگ کی روح کو بخش دے تو یہ جائز ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/ ۵۵۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳/ رجب المرجب ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۲۷۶۸)

اللہ کے نام پر منت یا صدقہ کا جانور ذبح کرنا

سوال [۹۸۳۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اللہ کے نام پر یا منت یا صدقہ پر جو جانور بکرا یا بھیڑ ذبح کیا جائے اس کا گوشت کیا خود ذبح کرنے والا استعمال کرسکتا ہے اور کھال وغیرہ کی قیمت کیا کرے، یا صرف فقراء ومساکین کو گوشت تقسیم کردیا جائے؟

المستفتی: اعجاز احمد پیر غیب زکریا ہاؤس مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سوالنامہ میں جانور ذبح کرنے کی تین صورتیں مذکور ہیں اللہ کے نام پر بطور شکریہ کے ذبح کرنے کی دو صورتیں ہیں:

(۱) محض بطور شکریہ کے فقراء ومساکین کو کھلانا اور مدد کرنا مقصود ہو، جانور ذبح کرنا مقصود نہ ہو، اور بغیر ذبح کیے دوکان سے گوشت خرید کر کھلانے میں بھی مقصود میں کوئی فرق نہ پڑتا ہو، تو ذبح کرکے فقراء ومساکین کو کھلانا اور خود کھانا بھی جائز ہے۔

(۲) مقصود کھلانا اور امداد کرنا نہیں بلکہ ذبح کرنا ہی مقصود ہے، اور جانور کے بغیر مقصود میں فرق سمجھا جاتا ہے تو اس طرح جانور ذبح کرنا اور کھانا اور دوسروں کو کھلانا سب ناجائز ہے، اس کو ترک کرنا لازم ہے، بلکہ ایسی صورت میں جانور ذبح کیے بغیر روپیہ پیسہ وغیرہ سے صدقہ وخیرات کردیا کریں۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۳/ ۵۷۰)

(۲) منت کے جانور کا گوشت خود کھانا جائز نہیں بلکہ فقراء کو کھلانا ضروری ہے، اور مالداروں کو کھلانا ناجائز ہے، اور اس کی کھال بھی فقراء کا حق ہے، اس کی قیمت خود استعمال کرنا جائز نہیں۔

مـصرف الزكاة (إلى قوله) وهو أيضا مصرف لصدقة الفطر والكفارة والـنذر وغير ذٰلک من الصدقات الواجبة. (شامی، کتاب الزکوٰۃ، باب مصرف الزکاۃ، زکریا ۳/۲۸۳، کراچی ۲/۳۳۹، مصری ۲/۷۹)

(۳) صدقہ سے مراد نذر کا جانور ہے، تو خود یا مالداروں کو کھلانا جائز نہیں ہے اور اگر اس سے مراد نفلی صدقہ ہے تو خود بھی کھا سکتا ہے اور مالداروں کو بھی کھلا سکتا ہے، لیکن فقراء کو کھلانا زیادہ بہتر اور اولیٰ ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ دار العلوم ۱۲/ ۱۴۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳ ؍ ربیع الثانی ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۶۴۹/۲۳)

٣٦ كتاب الأضحية

(١) باب: قربانی کے مسنون اعمال

قربانی کرنے والے کا بال وناخن وغیرہ نہ کٹوانا فقیر کے لیے یہ حکم نہ ہونا

سوال [٩٨٤٠]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہم نے سنا ہے کہ بقرعید کا چاند دیکھنے کے بعد بال، ناخن وغیرہ کٹوانا مکروہ ہے، یہ حکم صرف قربانی کرنے والوں کے حق میں ہے یا غریب فقیر جو قربانی نہیں کرے گا اس کے لیے بھی ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جو شخص قربانی کا ارادہ رکھتا ہو اس کے لیے مستحب ہے کہ عشرۂ اولیٰ ذی الحجہ میں قربانی سے پہلے بال اور ناخن وغیرہ نہ کٹوائے، اور جو شخص غریب وفقیر ہے اور قربانی کا ارادہ نہیں رکھتا ہے تو اس کے لیے یہ مستحب نہیں ہے بلکہ اس کے لیے بال وغیرہ کٹوانا درست ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ زکریا ١٠/ ٣١، فتاویٰ دار العلوم ١٥/ ٥٢٠، کتاب الفتاویٰ ٤/ ١٦٦، احسن الفتاویٰ ٧/ ٤٩٧)

عن أم سلمة قالت: قال رسول الله ﷺ: إذا دخلت العشر و أراد أحدكم أن يضحي فلايمس من شعره و بشره شيئا وفي رواية: فلايأخذن شعرا ولا يقلمن ظفرا. (صحيح مسلم، باب نهي من دخل عليه عشر ذي الحجة وهو مريد التضحية ...... النسخة الهندية ٢/ ١٦٠، بيت الأفكار رقم: ١٩٧٧)

أقول: نهى النبي ﷺ من أراد التضحية عن قلم الأظفار و قص الشعر في العشر الأول، والنهي محمول عندنا على خلاف الأولىٰ. (إعلاء السنن، باب ما يندب للمضحي في عشر ذي الحجة، كراچي ١٧/ ٢٦٨، دار الكتب العلمية بيروت ١٧/ ٢٩١، تحت رقم الحديث ٥٦٠١)

وقال الشامي: بعد نقل هذا الحديث: هذا محمول على الندب دون الوجوب بالإجماع. (شامي، باب العيدين، مطلب: في إزالة الشعر والظفر في ذي

الحجة، زكريا ۳/ ٦٦، كراچی ۲/ ۱۸۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱ر ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۲۹۳)

قربانی کے دن کس کی قربانی سے گوشت کھانا افضل؟

سوال [۹۸۴۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عیدالاضحیٰ کے دن جو قربانی کے گوشت ہی کا کھانا سب سے افضل ہے، اس سے مراد اپنی قربانی کا گوشت ہے، یا کسی کی بھی قربانی کے گوشت سے ابتداء کرلی تو افضلیت مل جائے گی؟

المستفتی: عبدالرشید قاسمی سیڈھا بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عیدالاضحیٰ کو جس شخص کو قربانی کرنی ہوتی ہے اس کے لیے اپنی قربانی کے گوشت سے کھانے کی ابتداء کرنا افضل اور بہتر ہے یہی حدیث سے بھی ثابت ہے، اور جن لوگوں کو قربانی نہیں کرنا ہے، ان کے لیے بھی کھانے کی ابتداء کسی کی بھی قربانی کے گوشت سے کرنا افضل اور بہتر ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل ۱۷/ ۴۸۵)

عن بريدة أن النبی صلى الله عليه وسلم كان لايخرج يوم الفطر حتى يطعم، وكان لايأكل يوم النحر شيئا حتى يذبح فيأكل من أضحيته. (سنن الدار قطنی، كتاب العيدين، دار الكتب العلمية بيروت ۲/ ۳٤، رقم: ۱٦۹۹، مسند أحمد بن حنبل ٥/ ۳٥۳، رقم: ۲۳۳۷۲)

الأكل من أضحية التطوع والواجب غير المنذور سنة لما ثبت عن النبی صلى الله عليه وسلم فی حديث بريدة رضی الله عنه أنه صلى الله عليه وسلم كان لايخرج يوم الفطر حتى يطعم وكان لايأكل يوم النحر شيئا حتى يذبح فيأكل من أضحيته. (إعلاء السنن، باب التصدق بلحوم الأضاحی وغيرها، كراچی ۱۷/ ۲٦۷، دار الكتب العلمية بيروت ۱۷/ ۲۸۹، تحت رقم الحديث ٥٦۰۰)

وهی أحكام الأضحىٰ لكن هنا يؤخر الأكل ...... و أطلقه فشمل من

لایضحی. (البحر الرائق، باب صلاۃ العیدین، زکریا ۲/ ۲۸٤، کوئٹہ ۲/ ۱٦۳)

ویندب تاخیر أکله عنها وإن لم یضح فی الأصح. (الدر المختار، باب العیدین، مطلب: لایلزم من ترک المستحب ثبوت الکراهة، زکریا ۳/ ٦۰، کراچی ۲/ ۱۷٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰/ ذی الحجہ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۳۵۳)

کیا عورت کا بھی اپنے ہاتھ سے قربانی کرنا افضل ہے؟

سوال [۹۸۴۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مضحی کے لیے اپنے ہاتھ سے اپنی قربانی کا جانور ذبح کرنا افضل ہے، تو اسی طرح اگر عورت ذبح کرنا جانتی ہو اور اس کو ذبح کرنے کی ہمت بھی ہو تو اس کے لیے ذبح کرنا افضل ہوگا یا نہیں؟

المستفتی: محمد قاسم گودھروی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر کوئی عورت ٹھیک طرح ذبح کرنا جانتی ہو اور ذبح کی جگہ پر پردہ وغیرہ کا معقول نظم ہو تو عورت کے لیے بھی اپنے ہاتھ سے اپنی قربانی کا جانور ذبح کرنا مستحب ہوگا۔ (مستفاد: بہشتی زیور حصہ سوم ۳۸، کتاب الفتاویٰ ۴/ ۱۹۷)

وندب أن یذبح بیده إن علم ذلک. (الدر المختار، کتاب الأضحیة، زکریا ۹/ ٤۷٤، کراچی ٦/ ۳۲۸)

المستحب هو أن یذبح أضحیته بیده إن کان یحسن الذبح. (البنایه اشرفیه ۱۲/ ٦۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/ جمادی الثانیہ ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۱۰۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۶/۲۲ھ

قربانی کرنے والے کے ہر بال یا قربانی کے جانور کے ہر بال کے برابر ثواب ملے گا؟

سوال [۹۸۴۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید داڑھی منڈواتا ہے اور انگریزی بال کٹواتا ہے، عید الاضحیٰ کا چاند نظر آنے سے ایک دن پہلے حجامت بنوالیتا ہے، اس کے بعد قربانی کرکے بعد میں حجامت بنواتا ہے، کیا اس کو بھی ہر بال کے بدلے ایک نیکی کا ثواب ملے گا؟

المستفتی: عبدالحمید انصاری، قصبہ پاکبڑہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قربانی کرنے والے کے ہر بال کے مقابلہ میں نیکی کا حکم نہیں ہے، بلکہ قربانی کا جانور جس کو ذبح کیا جاتا ہے اس کے ہر بال کے بدلہ میں ایک نیکی ملتی ہے، داڑھی منڈانے کا گناہ الگ ہے اور قربانی کا ثواب الگ ہے، اور خلوص سے جو بھی قربانی کرتا ہے اس کو قربانی کے جانور کے ہر بال کے بدلے میں ایک نیکی کا ثواب ملے گا۔

عن النبی ﷺ أنه قال: في الأضحية لصاحبها بكل شعرة حسنة. (سنن للترمذی، الأضاحی، باب ما جاء فی فضل الأضحية، النسخة الهندية ١/ ١٨٠، دار السلام رقم: ١٤٩٣، سنن ابن ماجه، باب ثواب الأضحية، النسخة الهندية ٢/ ٢٢٦، دار السلام رقم: ٣١٢٧، المعجم الكبير للطبرانی، دار إحياء التراث العربی بيروت ٥/١٩٧، رقم: ٥٠٧٥، المستدرك للحاكم، مكتبه نزار، مصطفىٰ الباز بيروت ٤/ ١٣٠٢، قديم ٢/ ٣٨٩، رقم: ٣٤٦٧، مسند أحمد بن حنبل ٤/ ٣٦٨، رقم: ١٩٤٩٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍ جمادی الثانیہ ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۱۰۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۶/۲۲ھ

۲ باب في أيام الأضحية ووقتها و قضائها

قربانی کے ایام تین ہیں یا چار؟

سوال [۹۸۴۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قربانی کتنے روز کرنی چاہیے، ہم لوگ تین روز کرتے ہیں اور غیر مقلدین حدیث سے چار دن ثابت کرتے ہیں، آپ صحیح جواب دیں۔

المستفتي: زبیر عالم تجویدی، قصبہ دڑھیال رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ہم بھی صحیح اور معتبر احادیث شریفہ سے قربانی کے تین دن ثابت کرتے ہیں اور ہم اہل سنت والجماعت جن روایات سے تین دن قربانی ثابت کرتے ہیں وہ زیادہ واضح اور صریح ہیں اور وہ لوگ جن روایات سے ثابت کرتے ہیں چار دن کے لیے لفظ اربعہ ایام کہیں نہیں آیا ہے، ہم ثلاثۃ ایام کے لفظ کے ساتھ ثابت کرتے ہیں، چند روایات حسب ذیل ہیں:

عن عبد الله بن عمر قال: الأضحىٰ يومان بعد يوم الأضحىٰ. (مؤطا امام مالك، كتاب الضحايا، اشرفی دیوبند ۱۸۸)

عن عبد الله بن عمر رضى الله عنهما كان يقول: الأضحىٰ يومان بعد يوم الأضحىٰ. (السنن الكبرىٰ للبيهقى، قديم ۹/۲۹۷، جديد دار الفكر بيروت ۱۴/۲۴۸، رقم: ۱۹۷۹۳)

عن ابن عباسؓ قال: أيام النحر ثلاثة أيام (الحديث). (إعلاء السنن، باب أن الأضحية يومان بعد يوم الأضحىٰ، كراچى ۱۷/۲۳۵، دار الكتب العلمية بيروت ۱۷/۲۵۶)

عن سليمان ابن موسىٰ أنه قال: النحر ثلاثة أيام فقال مكحول: صدق. (السنن الكبرىٰ قديم ۹/۲۹۷، جديد دار الفكر بيروت ۱۴/۲۴۸، رقم: ۱۹۷۹۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷؍ محرم الحرام ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۲۹۸۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۳/۱/۱۷ھ

قربانی تین ہی دن کیوں کی جاتی ہے؟

سوال [۹۸۴۵]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: قربانی تین ہی دن کیوں کی جاتی ہے، تین دن کی تخصیص کیوں ہے؟

المستفتی: نعیم الدین سیتامڑھی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قربانی کے ایام کے بارے میں اہل ظاہر کے نزدیک محرم کا چاند دیکھنے تک جائز ہے، اور حضرت امام شافعی کے نزدیک چار دن قربانی جائز ہے، مگر حضرت امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام احمد بن حنبل اور امام سفیان ثوری وغیرہ کے نزدیک صرف تین دن جائز ہے اس کے بعد جائز نہیں ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس بارے میں جتنی روایات مروی ہیں ان میں سے سب سے صحیح اور معتبر روایت تین دن والی ہے، اس لیے تین ہی دن جائز ہے، اس کے بعد جائز نہیں اس کی تفصیل (بنایہ شرح ہدایہ، کتاب الأضحیۃ قدیم ۴/ ۶۷، جدید اشرفیہ دیوبند۱۲/ ۲۶) میں موجود ہے اور مختلف روایات (اعلاء السنن باب أن الاضحیۃ یومان بعد یوم الاضحیٰ کراچی ۱۷/ ۲۳۶، دارالکتب العلمیۃ بیروت ۱۷/ ۲۵۷) میں ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۳۵۲)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۶/۱۷ھ

یوم النحر وایام التشریق کی وضاحت

سوال [۹۸۴۶]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) یوم النحر ماہ ذی الحجہ میں کون سے دن کو کہتے ہیں؟

(۲) ایام تشریق کسے کہتے ہیں اور کتنے ہوتے ہیں، اور کون کون سی تاریخ میں ایام

تشریق ہوتے ہیں۔

المستفتی: سعید دانش ٹانڈہ رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: (۱) یوم النحر ماہ ذی الحجہ کی دسویں تاریخ کو کہا جاتا ہے، اور ایام النحر دسویں، گیارھویں اور بارھویں تاریخوں کو کہا جاتا ہے۔

وأيام النحر ثلاثة و أيام التشريق ثلاثة والكل يمضي بأربعة أولها نحر لا غير. (هدايه مع البناية، كتاب الأضحية قديم ٤/١٧٨، جديد اشرفيه ديوبند ١٢/٣٠)

(۲) ایام تشریق تین دن ہیں: گیارھویں، بارھویں اور تیرھویں ذی الحجہ، تو معلوم ہوا کہ گیارھویں اور بارھویں تاریخ ایام النحر اور ایام تشریق دونوں میں داخل ہیں۔

وأيام النحر ثلاثة و أيام التشريق ثلاثة، والكل يمضي بأربعة أولها نحر لا غير، يعني غير تشريق و آخرها تشريق لا غير يعني و آخر أيام الأربعة تشريق من غير نحر والمتوسطان وهما الحادي عشر والثاني عشر من الشهر نحر و تشريق فيساويان في يومين ويشابهان في يومين. (بنايه قديم ٤/١٧٨، جديد اشرفيه ديوبند ١٢/٣٠، فتح القدير، باب صلاة العيدين، فصل في تكبيرات التشريق، دار الفكر بيروت ٢/٨١، كوئٹه ٢/٨٤، زكريا ٢/٧٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۱۵/ ذیقعدہ ۱۴۱۴ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۷۰۸)	۱۴۱۴/۱۱/۱۵ھ

کیا دسویں ذی الحجہ سے قبل قربانی ہو سکتی ہے؟

سوال [۹۸۴۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ذی الحجہ کے مہینے میں اگر قربانی کے جانور کو بیماری کی وجہ سے ۱۰/ تاریخ سے پہلے ہی ذبح کرلے اور گوشت تین حصہ کرلے اور سب حق ادا کرے تو یہ قربانی درست ہے یا نہیں؟

میرا ایک ہی بکرا تھا وہ بیمار ہوگیا، مرنے کے قریب ہوگیا اس لیے میں بہت پریشان تھا تو ایک مولانا صاحب سے کہا کہ ایسی ایسی بات ہے تو مولانا صاحب نے کہا بکرا لاؤ، ذبح کردو، قربانی ہوگئی، کیونکہ ذی الحجہ کا چاند ہو چکا ہے اور تمہارا واجب ادا ہوگیا تو کیا شرعاً یہ قربانی درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد دلشاد ڈھرکی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: قربانی کا وقت ذی الحجہ کی دسویں تاریخ کی صبح صادق سے شروع ہوتا ہے اس سے قبل قربانی کا وقت ہی نہیں ہوتا، اور وقت آنے سے قبل قربانی صحیح نہیں ہوتی، لہٰذا اگر آپ نے دسویں ذی الحجہ کی صبح صادق سے قبل ذبح کردیا ہے تو قربانی درست نہیں ہوئی، مذکورہ مولانا صاحب کی بات صحیح نہیں۔

وأما الذي يرجع إلى التضحية فهو أنها لا تجوز قبل دخول الوقت لأن الوقت كما هو شرط الوجوب فهو شرط جواز إقامة الواجب كوقت الصلاة فلا يجوز لأحد أن يضحي قبل طلوع الفجر الثاني من اليوم الأول من أيام النحر. (بدائع الصنائع، كتاب التضحية، فصل و أما ما بيان يرجع إلى وقت التضحية زكريا ٤/٢١١، تاتارخانية زكريا ١٧/٤١٦، رقم: ٢٧٦٨٧)

وأول وقتها أي أول وقت تضحية الأضحية بعد فجر النحر. (مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ٤/١٦٩، هدايه اشرفی ديوبند ٤/٤٤٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴ر محرم الحرام ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۰۹۵)

دس ذی الحجہ کی مغرب کے بعد قربانی کرنا

سوال [۹۸۴۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: قربانی کا جانور نویں ذی الحجہ کو بیمار ہو جائے اور اتنا بیمار ہو جائے کہ دس تاریخ کی

صبح تک روکنا ممکن نہ ہوتو اگر اس کی قربانی دس تاریخ شروع ہوتے ہی متصلاً مغرب کے بعد کردی جائے تو کیا اس کی قربانی ہوگی یا نہیں؟

المستفتی: محمد جنید لکھیم پوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قربانی کا وقت دس ذی الحجہ کی طلوع صبح صادق سے شروع ہوتا ہے اس لیے مسئولہ صورت میں جانور کے بیمار ہونے کی وجہ سے دس ذی الحجہ کی مغرب کے بعد جانور کو ذبح کرنے سے قربانی ذمہ سے ساقط نہیں ہوئی بلکہ قربانی کا وجوب اس کے ذمہ بدستور باقی ہے اب قربانی تو نہیں ہوسکتی اس کی تلافی کی یہی شکل ہے کہ ایک اوسط درجہ کا بکرا جو قربانی کے لائق ہو اس کی قیمت فقیروں کو صدقہ کردے۔

وأما الذی یرجع إلی وقت التضحیة فهو أنها لاتجوز قبل دخول الوقت لأن الوقت کما هو شرط الوجوب فهو شرط جواز إقامة الواجب کوقت الصلاة فلا یجوز لأحد أن یضحی قبل طلوع الفجر الثانی من الیوم الأول من أیام النحر. (بدائع الصنائع، کتاب التضحیة، فصل و أما بیان ما یرجع إلی وقت التضحیة، زکریا ٤/٢١١، تاتارخانیة زکریا ١٧/٤١٦، رقم: ٢٧٦٨٧)

وأول وقتها أی أول وقت تضحیة الأضحیة بعد فجر النحر. (مجمع الأنهر، دار الکتب العلمیة بیروت ٤/١٦٩، هدایه اشرفی دیوبند ٤/٤٤٥)

ولایجوز التضحیة فی اللیلة الأولیٰ من أیام النحر، ویجوز فی اللیلة الثانیة والثالثة، فلم یجعل اللیلة الأولیٰ هنا تبعا للنهار إنما جعلها تبعا لنهار ماض، وفی سائر الأوقات جعل اللیل تبعا للنهار الآتی من أیام النحر، إنما جعل ذٰلک رفقا بالناس حتی لایفوتهم الحج لو وفقوا فی اللیلة الأولیٰ من یوم النحر. (تاتارخانیة زکریا ١٧/٤١٩، رقم: ٢٧٦٩٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍محرم الحرام ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۷۸۷۳)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۱/۹ھ

پہلے دن کسی عذر کی بنا پر نمازِ عید الاضحیٰ نہ پڑھی گئی ہو تو قربانی کب کریں؟

سوال [۹۸۴۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جس طرح عذر کے پائے جانے کی صورت میں عیدین کی نماز دوسرے دن پڑھنے کا حکم ہے تو کیا ایسی صورت میں عید الاضحیٰ کے موقعہ پر قربانی نماز پر موقوف ہوگی یا پہلے ہی دن قربانی کی جاسکتی ہے، جبکہ عذر کے پائے جانے کی بنا پر عید الاضحیٰ کی نماز پہلے دن نہیں پڑھی گئی؟

المستفتی: عبد اللہ مدرسہ فرقانیہ گونڈہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: عید الاضحیٰ کی نماز اگر کسی عذر کی بنا پر پہلے دن نہیں پڑھی جاسکی تو زوال کے بعد قربانی کرسکتے ہیں، اس سے پہلے قربانی کرنا جائز نہ ہوگا۔

(مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۴/ ۳۰۷، جدید ڈابھیل ۱۷/ ۴۵۳)

وأول وقتها بعد الصلاة إن ذبح في مصر (إلى قوله) وبعد مضى وقتها لو لم يصلوا لعذر. (شامی، كتاب الأضحية، كراچی ۶/ ۳۱۸، زكريا ۹/ ۴۶۰)

ولو لم يصل الإمام العيد في اليوم الأول، أخروا التضحية إلى الزوال، ثم ذبحوا، ولاتجزئهم التضحية مالم يصل الإمام العيد في اليوم الأول إلا بعد الزوال فحينئذ يجوز لخروج وقتها. (تبيين الحقائق امداديه ملتان ۶/ ۴ زكريا ديوبند ۶/ ۴۷۷، الدر المنتقى، دار الكتب العلمية بيروت ۴/ ۱۶۹، تاتارخانية زكريا ۱۷/ ۴۱۸، رقم: ۲۷۶۹۱، طحطاوی علی المراقی، باب العیدین قدیم ص: ۲۹۴، جدید دار الکتاب دیو بند ص: ۵۳۸) **فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
۷/ ذی الحجہ ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۵۳۰)

قربانی کرنے کا وقت

سـوال [۹۸۵۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: قربانی بعد نماز کریں یا قبلِ نماز عیدالاضحیٰ؟

المستفتی: مظاہرحسن پورنوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الـجـواب وبالله التوفيق: جہاں نماز واجب ہوتی ہے وہاں نماز عیدالاضحیٰ سے قبل قربانی جائز نہیں ہے، اگر وہاں کسی ایک جگہ نماز عید ہو جائے تو وہاں ان لوگوں کی بھی قربانی جائز ہو جائے گی، جنہوں نے ابھی اپنی نماز ادا نہیں کی ہے۔

عـن أنـس بن مالـك قال: قال النبي ﷺ: من ذبح قبل الصلاة فإنما ذبـح لـنفسه، ومن ذبح بعد الصلاة فقد تم نسكه و أصاب سنة المسلمين. (صحيح البخاری، الأضاحی، باب سنة الأضحية، ۲/ ۸۳۲، رقم: ۵۳۳۱، ف: ۵۵۴۶)

أول وقتهـا بـعد الصلاة إن ذبح فی مصر أی بعد أسبق صلاة عيد. (در مختار، كتاب الأضحية، كراچی ۶/ ۳۱۸، زكريا ۹/ ۴۶۰، تاتارخانية زكريا ۱۷/ ۴۱۶، رقم: ۲۷۶۸۷، هدايه اشرفی ديوبند ۴/ ۴۴۵، مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ۴/ ۱۶۹)

ولـو ضـحـى بـعـد مـا صـلـى أهـل المسجد ولم يصل أهل الجبانة أجزأه استـحسانا، لأنها صلاة معتبرة حتى لو اكتفوا بها أجزأتهم. (شامی، كراچی ۶/ ۳۱۸، زكريا ۹/ ۴۶۰، تبيين الحقائق زكريا ديوبند ۶/ ۴۷۷، امداديه ملتان ۶/ ۴، مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ۴/ ۱۷۰، البحر الرائق زكريا ۸/ ۳۲۲، كوئٹه ۸/ ۱۷۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ رمحرم الحرام ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۵۵۸۴/۳۳)

نمازعید سے پہلے قربانی کرنے کا حکم

سوال [۹۸۵۱]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک گاؤں جس کی آبادی ۲۰یا ۲۵ / ہزار کے لگ بھگ ہےاور کچھ کم وبیش ہے اس میں پہلے سے جمعہ وعیدین کی نماز ہوتی ہےتو کیاایسے گاؤں میں عید کی نماز سے قبل قربانی کرنا جائز ہے یانہیں؟ اگرکوئی نمازعید سے پہلےقربانی کرےتو اس کا کیاحکم ہے؟ نیز ایک ایسا گاؤں جس میں تقریباً ۳۰۰۰ / ہزار ووٹ ہیں، کیااس میں نمازعید سے قبل قربانی کرنا جائز ہے کہ نہیں، وہاں ضروریاتِ سامان مہیا ہیں، اس گاؤں کی آبادی کتنی ہونی چاہیے، شرط کیا ہےجس میں نمازعید سے پہلےقربانی کرنا جائزنہیں ہے؟

المستفتی: انیس الرحمٰن معصوم پور مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ۲۵/۲۰ / ہزار کی آبادی شرعی طور پرشہراور بڑے قصبہ کےحکم میں ہےاسی طرح جس گاؤں میں ۳۰۰۰ / ووٹ ہیں وہ بھی بڑے قصبہ کےحکم میں ہےان دونوں قسم کی آبادی میں جمعہ فرض ہے، اوراسی طرح عیدین کی نماز بھی واجب ہے،ان دونوں قسم کی آبادیوں میں عید کی نماز سے پہلےقربانی جائزنہیں ہے،لہٰذا اگرکوئی شخص نماز سے پہلے وہاں قربانی کردےگا تو عید کی نماز کے بعد دوبارہ قربانی کرنالازم ہوگا۔

عن أنس بن مالک قال: قال النبی ﷺ: من ذبح قبل الصلاۃ فإنما ذبح لنفسه، ومن ذبح بعد الصلاۃ فقد تم نسکه و أصاب سنة المسلمين.

(صحیح البخاری، الأضاحی، باب سنة الأضحية ۲/ ۸۳۲، رقم: ۵۳۳۱، ف: ۵۵۴۶)

ولایجوز لأهل الأمصار الذبح حتی یصلی الإمام العید. (هدایه، کتاب الأضحية، اشرفی دیوبند ۴/ ۴۴۵، تاتارخانية زکریا ۱۷/ ۴۱۶، رقم: ۲۷۶۸۷، مجمع الأنهر، دار الکتب العلمية بيروت ۴/ ۱۶۹)

نیز یہ بات بھی یادرکھنی ہے کہ قربانی کرنے والوں کواپنی نماز پڑھنالازم نہیں ہے؛

بلکہ پوری آبادی میں کہیں بھی نماز عید ہوگئی ہے تو اس آبادی کے ان لوگوں کے لیے بھی قربانی جائز ہوجاتی ہے، جنہوں نے اپنی نماز ابھی ادا نہ کی ہو۔

ولـو ضـحـیٰ بعد ما صلی أهل المسجد ولم یصل أهل الجبانة أجزأه استـحسـانـا لأنها صلاة معتبرة. (شامی کراچی ٦/٣١٨، زکریا ٩/٤٦٠، تبیین الحقائق امدادیه ملتان ٦/٤، زکریا دیوبند ٦/٤٧٧، مجمع الأنهر، دار الکتب العلمية بیروت ٤/١٧٠، البحر الرائق کوئٹه ٨/١٧٥، زکریا ٨/٣٢٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۷۶۱)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۱/۵/۱۴۱۹ھ

نمازِ عید سے قبل قربانی کرنے سے وجوب ساقط نہیں ہوگا

سوال [۹۸۵۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) مسجد میں عید کی نماز سے پہلے فجر کے فوراً بعد قربانی کرنا درست ہے یا نہیں؟

(۲) اگر کسی نے قربانی کرلی، عید کی نماز سے پہلے، تو کیا حکم ہے؟ قربانی ہوئی یا نہیں؟ اگر نہیں ہوئی تو کیا کریں؟ اور بعد میں نماز پڑھتا ہے عیدگاہ جاکر یا مسجد میں؟ تو کیا حکم ہوگا؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: (۱-۲) عید کی نماز سے پہلے جن لوگوں نے قربانی کی ہے، ان کی قربانی صحیح نہیں ہوئی، ان پر عید کی نماز کے بعد دوبارہ قربانی واجب ہوگی۔

فـقـال النبی ﷺ: من ذبح قبل الصلاة فلیست تلک الأضحیة إنما الأضحية ما ذبح بعد الصلاة. (المعجم الأوسط، دار الفکر ٦/٣٨٥، رقم: ٩١٤٩)

عـن جندب، قال ﷺ: یوم النحر، ثم خطب ثم ذبح، فقال: من ذبح قبـل أن یـصـلـی، فـلیـذبـح أخریٰ مکانها، ومن لم یذبح، فلیذبح باسم الله. (صحیح البخاری، باب کلام الإمام والناس في خطبة العید، النسخة الهندیة ١/١٣٤، رقم:

۹۷۵، ف: ۹۸۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲ر محرم الحرام ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۴۲۱)

نماز عید سے قبل قربانی اور اس کی قضاء کا طریقہ

سوال [۹۸۵۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) ایسی بستی جس میں پانچ ہزار سے زائد ووٹ ہیں اور آٹھ نو مسجدیں ہیں جن میں نماز جمعہ ادا کی جاتی ہے، سرکاری ہسپتال، صرافہ، پردھان روڈ، تین عیدگاہیں جن میں عیدین کی نماز ادا کی جاتی ہے نیز جمعہ بھی ہوتا ہے، ڈاکخانہ اور ہفتہ میں تین بازار لگتے ہیں۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایسی بستی میں دس ذی الحجہ کو فجر کے بعد نماز عید ادا کرنے سے پہلے کسی نے قربانی کر لی تو یہ قربانی ادا ہو جائے گی یا اسے دوسری قربانی کرنا واجب ہوگا؟

(۲) نیز اس صورت میں ایام قربانی گذرنے کے بعد معلوم ہوا کہ قربانی درست نہیں ہوئی تو غیر ایام نحر میں اس کی ادائیگی کی کیا صورت ہوگی؟

المستفتی: شریف احمد رتن پوری کلاں مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) جس بستی میں پانچ ہزار سے زائد ووٹ ہیں اس کی مردم شماری بچے بوڑھے مسلم غیر مسلم سب ملا کر دس ہزار سے کم نہ ہوگی، ایسی آبادی شرعی طور پر شہر کے حکم میں ہوتی ہے، وہاں نماز عید الاضحیٰ سے قبل قربانی درست نہیں ہے، اگر کسی نے نماز سے قبل قربانی کر لی ہے تو اس پر نماز کے بعد دوسری قربانی کرنا لازم ہے۔

عن أنس بن مالک قال: قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: من ذبح قبل الصلاۃ فإنما ذبح لنفسہ، ومن ذبح بعد الصلاۃ فقد تم نسکہ و أصاب سنۃ المسلمین.

(صحیح البخاری، الأضاحی، باب سنۃ الأضحیۃ ۲/۸۳۲، رقم: ۵۳۳۱، ف: ۵۵۴۶)

أنه شرط للمصري تقديم الصلاة عليها فعدم الجواز لفقد الشرط.
(شامي، كتاب الأضحية، كراچی ٦/٣١٨، زكريا ٩/٤٦٠، هدايه اشرفي ديوبند ٤/٤٤٥)

(۲) ایام نحر گذر جانے کے بعد اس کی ادائیگی کی شکل یہ ہے کہ سال بھر کا ایک بکرا صدقہ کردے یا اس کی قیمت فقراء میں اسی نیت سے صدقہ کردے۔

وإن كان من لم يضح غنيا ولم يوجب على نفسه شاة بعينها تصدق بقيمة شاة اشترىٰ أو لم يشتر. (عالمگیری، زكريا قديم ٥/٢٩٦، جديد ٥/٣٤٢)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍محرم الحرام ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۵۷۳)

پندرہ سو کی آبادی والے گاؤں میں نمازِ عید سے قبل قربانی کرنے کا حکم

سوال [۹۸۵۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کے گاؤں میں دو مسجدیں ہیں، اور ایک عیدگاہ بھی ہے، دونوں مسجدوں میں علیحدہ علیحدہ جمعہ بھی ہوتا ہے، ایک مسجد میں عیدین کی نماز بھی ہوتی ہے جس طرح عیدگاہ میں ہوتی ہے، جبکہ گاؤں کی کل آبادی چھوٹے بڑے سب ملا کر پندرہ سو سے کم ہی کم ہے، کہ زید کے گاؤں کے لوگ عیدگاہ ومسجد کی نماز سے قبل صبح صادق ونماز فجر کے بعد قربانی کے جانور ذبح کردیتے ہیں، کیا ان کی قربانی مسلک حنفی کے نزدیک درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: رئیس احمد واہل بستی، چودھر پور رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوالنامہ سے واضح ہوا کہ مذکورہ گاؤں کی کل آبادی مردم شماری کے حساب سے پندرہ سو سے بھی کم ہے، یہ گاؤں شرعاً دیہات ہے، بڑے گاؤں اور قصبہ کے حکم میں نہیں ہے اس لیے اس گاؤں میں جمعہ اور عیدین جائز نہیں ہے، اور جمعہ پڑھنے

والوں پرظہر کی فرضیت باقی رہ جائے گی اور وہاں چونکہ عید کی نماز شریعت اسلامی کی رو سے مشروع نہیں ہے،اس لیے صبح صادق کے بعد قربانی کے جانورکو ذبح کرنا جائز ہے۔

وعبارة القهستاني: تقع فرضا في القصبات والقرىٰ الكبيرة التي فيها أسواق. (شامی، باب الجمعة، کراچی ۲/ ۱۳۸، زکریا ۳/ ٦)

وفيما ذكرناه إشارة إلى أنه لايجوز في الصغيرة التي ليس فيها قاض و منبر (إلى قوله) ألا ترىٰ أن في الجواهر: لو صلوا في القرىٰ لزمهم أداء الظهر. (شامی زکریا ۳/ ۷، کراچی ۲/ ۱۳۸)

وقد قال قاضيخان: فأما أهل السواد والقرىٰ والرباط عندنا يجوز لهم التضحية بعد طلوع الفجر. (شامی، كتاب الأضحية، کراچی ٦/ ۳۱۸، تاتارخانية زكريا ۱۷/ ٤١٦، رقم: ۲۷٦۸۷، مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ٤/ ١٦٩، هدايه اشرفی ديوبند ٤/ ٤٤٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍محرم الحرام ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۰۹۲۲)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۱/۳ھ

قصبہ کے باشندوں کا نماز عید سے پہلے گاؤں کے قریب جا کر قربانی کرنے کا حکم

سوال [۹۸۵۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارا گاؤں سیڈھا ہے بڑی بستی ہے جمعہ اور عیدین ہوتی ہے، قربانی ہمارے گاؤں میں عید کی نماز سے پہلے جائز نہیں ہے عرصہ دراز سے ہمارے گاؤں والے ایسا کرتے ہیں کہ قریب ہی میں ایک گاؤں دوگھری ہے، چھوٹی سی بستی ہے ہم سیڈھے والے اس گاؤں کے جنگل اور کھیت میں پہنچ کر یعنی اپنے گاؤں کی حدود سے نکل کر عید سے پہلے اپنی قربانی کر لیتے ہیں، زید کہتا ہے کہ یہ قربانی درست نہیں ہے، بلکہ دوگھری گاؤں کی آبادی میں قربانی کرنا ضروری ہے، قابل استفتاء یہ ہے کہ بڑے گاؤں یا قصبہ والے کو اگر عید سے پہلے اپنی قربانی کرنی ہو تو وہ

چھوٹے گاؤں کے اندر ہی پہنچ کر یا اس گاؤں کے قریب کسی کھیت وغیرہ میں پہنچ کر قربانی کر سکتا ہے جیسا کہ سیڑھے کے لوگ ایک عرصہ سے ایسے ہی اپنی قربانی کرتے چلے آرہے ہیں؟

المستفتی: عبد الرشید قاسمی سیڑھا بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سیڑھا گاؤں جو قصبہ کے حکم میں ہے اس کے باشندوں کے لیے موضع دوگھری کے پاس جاکر عید سے قبل قربانی کرنا جائز ہے اور گاؤں کی آبادی کے اندر ذبح کرنا لازم نہیں ہے، بلکہ قصبہ سیڑھے کے حدود سے سے باہر لے جانا کافی ہے۔

ثم المعتبر فی ذٰلک مکان الأضحیة حتی لو کانت فی السواد والمضحی فی المصر یجوز کما انشق الفجر ولو کان علی العکس لایجوز إلا بعد الصلاة، وحیلة المصری إذا أراد التعجیل أن یبعث بها إلی خارج المصر فیضحی بها کما طلع الفجر. (هدایه، کتاب الأضحیة، اشرفی دیوبند ٤/٤٤٦، تبیین الحقائق امدادیه ملتان ٦/٤، زکریا دیوبند ٦/٤٧٧، البنایه فی شرح الهدایة، اشرفیه دیوبند ١٢/ ٢٤، مجمع الأنهر، دار الکتب العلمیة بیروت ٤/١٧٠، تاتارخانیة زکریا ١٧/٤٢٢، رقم: ٢٧٧٠٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ر صفر المظفر ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/۳۳۲۳)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۰/۲/۱۴۱۴ھ

قصبات میں نمازِ عید سے قبل قربانی

سوال [۹۸۵۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کے گاؤں کی قربانی عمر کے گاؤں میں ہوتی ہیں اور عمر کے گاؤں کی آبادی تیرہ ہزار کی ہے، جس میں دس گیارہ مسجدیں بھی ہیں اور سات آٹھ گاؤں کی قربانی اور عیدین کی نماز بھی وہیں ہوتی ہے، کیا زید کے گاؤں والوں کو عمر کے مذکورہ گاؤں میں عید الاضحیٰ کی

نماز سے پہلے قربانی کرنا درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد عمران بجنوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس کی آبادی تیرہ ہزار ہو وہ قصبات اور قریۂ کبیرہ میں داخل ہے اس میں جمعہ اور عیدین ادا کرنا واجب ہے، وہاں عید کی نماز سے قبل قربانی صحیح نہیں ہوگی، چاہے قربانی کرنے والے وہاں کے ہوں یا دوسری جگہ کے۔

تقع فرضا فی القصبات والقریٰ الکبیرة التی فیها أسواق. (شامی باب الجمعة کراچی ۲/ ۱۳۸، زکریا ۳/ ۶)

ویعتبر فی الذبح مکان الأضحیة لا مکان الرجل فی المصر.

(الجوهرة النیرة کتاب الأضحیة امدادیه ملتان ۲/ ۴۳۰، دار الکتاب دیوبند ۲/ ۲۶۹)

ثم المعتبر فی ذٰلک مکان الأضحیة حتی لوکانت فی السواد والمضحی فی المصر تجوز. (هدایه اشرفی دیوبند ۴/ ۴۴۶، تبیین الحقائق امدادیه ملتان ۶/ ۴، زکریا دیوبند ۶/ ۴۷۷، البنایة فی شرح الهدایة اشرفیه دیوبند ۱۲/ ۲۴، مجمع الأنهر، دار الکتب العلمیة بیروت ۴/ ۱۷۰، تاتارخانیة زکریا ۱۷/ ۴۲۲، رقم: ۲۷۷۰۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲/ ذی الحجہ ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۳۸۱)

بڑے گاؤں میں نماز عید سے پہلے قربانی کرنے کا حکم

سوال [۹۸۵۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کا بڑا گاؤں ہے، جس میں شرعاً جمعہ ہوتا ہے، ہر سال عیدین کی نماز اپنی مسجد میں پڑھ لیا کرتے تھے، کچھ لوگ یا اکثر لوگ پڑوس کے گاؤں کی عیدگاہ میں چلے جاتے تھے، قربانی اپنی مسجد میں نماز عید ہو جانے کے بعد ہی کرتے تھے، اس سال زید کے پورے گاؤں کے لوگ

عیدالاضحیٰ کی نماز پڑوس کے گاؤں کی عیدگاہ میں پڑھنے چلے گئے اور اپنی مسجد میں نماز عید نہیں پڑھی معلوم یہ کرنا ہے کہ قربانی زید کے گاؤں کے لوگ اپنی بستی میں فجر کی نماز کے بعد کر سکتے ہیں یانہیں، یا جہاں پر گاؤں کے لوگ نماز عید پڑھنے گئے ہیں اس نماز عید کے بعد قربانی کریں، جبکہ ایک دوسری عیدگاہ پڑوس ہی کے ایک بڑے گاؤں کی بھی ہے اس میں نماز عید اور پہلے ہوگئی لیکن زید کے گاؤں والوں نے نماز دوسری عیدگاہ میں پڑھی تو شرعاً کون سی عیدگاہ کی نماز ہونے کے بعد زید کے گاؤں والوں کو قربانی کرنا درست ہوگا، زید کے گاؤں میں کوئی عیدگاہ نہیں ہے؟

المستفتی: عبدالرشید قاسمی، سیڈھا بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوالنامہ کی تحریر کے مطابق زید کا گاؤں ایسا بڑا گاؤں ہے جس میں جمعہ وعیدین کی نماز جائز اور مشروع ہے، ایسا بڑا گاؤں شرعاً قصبہ کے حکم میں ہے، اس میں فجر کی نماز کے بعد نماز عید سے پہلے قربانی جائز نہیں ہے، اگر قربانی کر دی جائے تو وہ صرف گوشت خوری میں شمار ہوگی، اس سے قربانی کا فریضہ ادا نہیں ہوگا، مگر جب اس گاؤں کے لوگ عیدگاہ نہ ہونے کی وجہ سے دوسرے گاؤں کی عیدگاہ میں نماز عید پڑھنے کے لیے جاتے ہیں تو جس گاؤں کی عیدگاہ میں یہ لوگ نماز عید پڑھتے ہیں اس عیدگاہ میں نماز پڑھنے کے بعد ہی زید کے گاؤں میں قربانی درست ہوگی، ہاں البتہ پڑوس کے گاؤں کی عیدگاہ میں عید کی نماز پہلے ہوتی ہے اور زید کے گاؤں کا کوئی بھی فرد پڑوس کے گاؤں کی عیدگاہ کی نماز میں شریک ہوتا ہے تو اس کی نماز کے بعد زید کے گاؤں میں قربانی درست ہوجائے گی اور اگر پڑوس کی عیدگاہ میں کوئی بھی فرد نماز پڑھنے کے لیے نہ جائے تو پھر اس عیدگاہ کا اعتبار ہوگا جس میں اس گاؤں کے سب لوگوں نے نماز عید پڑھی ہو۔

حدثنا الأسود بن قیس سمعت جندب ابن سفیان البجلیؓ قال: شهدت النبی ﷺ یوم النحر فقال ﷺ: من ذبح قبل الصلاة فلیعد مکانها أخریٰ ومن لم یذبح فلیذبح. (بخاری شریف، کتاب الأضاحی، باب من ذبح قبل الصلاة أعاده ۲/ ۸۳۴، رقم: ۵۳۴۷، ف: ۵۵۶۲)

فأول وقتها فی حق المصری والقروی طلوع الفجر إلا أنه شرط للمصری تقديم الصلاة عليها. (شامی، کتاب الأضحية، زكريا ۹/ ٤٦٠، کراچی ٦/ ۳۱۸)

وقت الأضحية يدخل بطلوع الفجر من يوم النحر إلا أنه لايجوز لأهل الأمصار الذبح حتى يصلى الإمام العيد. (هدايه اشرفی ديوبند ٤/ ٤٤٥، بدائع زكريا ٤/ ١٩٨، هنديه زكريا قديم ٥/ ٢٩٥، جديد ٥/ ٣٤١)

ولو كانت الأضحية فی المصر لم يصح قبل صلاة العيد فإن صلى فی أحد المسجدين إما فی مسجد الجبانة أو فی مسجد الجامع ثم ذبح جاز. (فتاویٰ سراجیه ص: ٣٨٧-٣٨٨)

إن كان يصلی فی المصر فی موضعين ...... إذا صلى أهل أحد المسجدين أيهما كان جاز ذبح الأضاحی. (بدائع الصنائع زكريا ديوبند ٤/ ٢١١، مجمع الأنهر دار الكتب العلمية بيروت ٤/ ١٧٠، در مختار مع الشامی زكريا ٩/ ٤٦٠، كراچی ٦/ ٣١٨، تاتارخانية زكريا ١٧/ ٤١٩، رقم: ٢٧٦٩٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰؍ ذی الحجہ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۳۵۲)

ہندوستان میں رہنے والے کا سعودیہ میں قربانی کرانا

سوال [۹۸۵۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہندوستان میں رہنے والا شخص سعودیہ میں اپنی قربانی کرادے تو کیا حکم ہے، جبکہ ہندوستان میں ابھی اس پر قربانی کا وقت ہی نہیں آیا، کیونکہ سعودیہ میں ایک تاریخ عموماً آگے رہتی ہے؟

المستفتی: ممتاز احمد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ہندوستان میں رہنے والا شخص اگر سعودیہ میں

اپنی قربانی کرائے تو جب تک ہندوستان میں سبب وجوب یعنی دسویں ذی الحجہ کی صبح صادق نہ ہوجائے اس وقت تک سعودیہ میں اس کی واجب قربانی ادا نہ ہوگی، کیونکہ مالک قربانی پر اس وقت تک قربانی واجب ہی نہیں ہوتی ہے جب تک کہ اس کے یہاں دسویں ذی الحجہ کی صبح صادق نہ ہوجائے۔ (انوار رحمت ص:۳۹۱، کتاب المسائل ۲/۳۰۱)

وأما الذی یرجع إلی وقت التضحیة فهو أنها لاتجوز قبل دخول الوقت لأن الوقت کما هو شرط الوجوب فهو شرط جواز إقامة الواجب کوقت الصلاة فلا یجوز لأحد أن یضحی قبل طلوع الفجر الثانی من الیوم الأول من أیام النحر.

(بدائع الصنائع، کتاب التضحیة، فصل و أما بیان ما یرجع إلی وقت التضحیة، زکریا ٤/ ٢١١)

وأما وقت الوجوب فأیام النحر فلا تجب قبل دخول الوقت لأن الواجبات المؤقتة لاتجب قبل أوقاتها کالصلاة والصوم و نحوهما و أیام النحر ثلاثة یوم الأضحیٰ وهو الیوم العاشر من ذی الحجة والحادی عشر و الثانی عشر و ذٰلک بعد طلوع الفجر فی الیوم الأول إلی غروب الشمس من الثانی عشر ...... فإذا طلع الفجر من الیوم الأول فقد دخل وقت الوجوب فتجب عند استجماع شرائط الوجوب. (بدائع الصنائع، فصل فی وقت الوجوب، زکریا ٤/ ١٩٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ محرم الحرام ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۴۱۱)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۵/ ۱/ ۱۴۳۵ھ

سعودیہ میں رہنے والے کی قربانی ہندوستان میں ۹؍ ذی الحجہ کو کرنا

سوال [۹۸۵۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید سعودی عرب میں رہتا ہے، اس نے ہندوستان میں اپنی قربانی کے لیے اپنے رشتہ دار کو اطلاع کردی، اور سعودی عرب میں جب ۱۰؍ ذی الحجہ ہوتی ہے تو ہندوستان میں ۹؍

ذی الحجہ ہوتی ہے تو ہندوستان میں اس کی قربانی ۹؍ذی الحجہ کو درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد احمد مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: سعودیہ کی ۱۰؍ذی الحجہ جو ہندوستان کی ۹؍ذی الحجہ ہوتی ہے تو زید کی قربانی ہندوستان میں، ہندوستان کی ۹؍ذی الحجہ کو کرنا جائز نہیں ہے، اس لیے کہ اگرچہ مالک جانور کے یہاں دس ذی الحجہ ہوگئی ہو مگر مقام اضحیہ میں دس ذی الحجہ نہیں آئی ہے اور صحت قربانی کے لیے مقام اضحیہ میں بھی دس ذی الحجہ کا ہونا لازم ہوتا ہے اور وہ یہاں مفقود ہے۔ (مستفاد: انوار رحمت ۳۹۴، کتاب المسائل ۲/۳۰۱)

ولو كان هو فى مصر وقت الأضحية وأهله فى مصر آخر فكتب إلى الأهل وأمرهم بالتضحية فى ظاهر الرواية يعتبر مكان الأضحية. (خانية، كتاب الأضحية، فصل فى صفة الأضحية، جديد زكريا ۳/۲۴۳، وهلى هامش الهندية زكريا ۳/۳٤٥)

أن الرجل إذا كان فى مصر و أهله فى مصر آخر فكتب إليهم ليضحوا عنه فإنه يعتبر مكان التضحية. (هنديه زكريا قديم ٥/۲۹٦، جديد ٥/۳٤۲)

وأول وقتها أى أول وقت تضحية الأضحية بعد فجر النحر و لكن لاتذبح فى المصر قبل صلاة العيد و هذا الشرط لمن تجب عليه صلاة العيد (إلى قوله) ثم المعتبر فى ذٰلك مكان الأضحية حتى لو كان فى السواد والمضحى فى المصر يجوز من انشقاق الفجر وعلى عكسه لايجوز إلا بعد الصلاة. (مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت٤/۱٦۹)

وإنما يعتبر فى هذا مكان الشاة لامكان من عليه هٰكذا ذكر محمد عليه الرحمة فى النوادر وقال: إنما أنظر إلى محل الذبح ولا أنظر إلى موضع المذبوح عنه وهٰكذا روى الحسن عن أبى يوسف يعتبر المكان الذى يكون فيه الذبح ولايعتبر المكان الذى يكون فيه المذبوح عنه و إنما كان كذٰلك لأن الذبح هو القربة فيعتبر مكان فعلها لامكان المفعول عنه. (بدائع زكريا ٤/۲۱۳)

والمعتبر مكان الأضحية لامكان المضحى. (بزازيه جديد زكريا ١٥٦/٣، وعلى هامش الهندية زكريا ٢٨٩/٦)

ثم المعتبر فى ذٰلک مكان الأضحية حتى لو كانت فى السواد والمضحى فى المصر يجوز كما انشق الفجر ولو كان على العكس لايجوز إلا بعد الصلاة. (هدايه، الأمين كتابستان ٤٤٧/٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶/ ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۳۱۸)

سعودیہ کی دس ذی الحجہ کو ہندوستان میں رہنے والے کی قربانی درست نہیں

سوال [۹۸۶۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: خالد حج کو جارہا تھا، بکر جو ہندوستان میں رہتا ہے، اس نے خالد سے کہا کہ مکہ میں قربانی کرنے کا زیادہ ثواب ہے، اس لیے میری طرف سے بھی مکہ میں قربانی کردینا، اور قربانی کی رقم بھی دیدی، اب خالد نے مکہ میں ۱۰/ ذی الحجہ کو اپنی قربانی کے ساتھ بکر کی طرف سے بھی قربانی کردی جبکہ اس دن ہندوستان میں ۹/ ذی الحجہ ہی تھی تو بکر کی طرف سے یہ قربانی درست ہوئی یا نہیں؟

المستفتی: محمد دلشاد ڈھرکی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صحتِ قربانی کے لیے قربانی کے وجوب کا پایا جانا ضروری ہے، لہٰذا مذکورہ صورت میں بکر کی طرف سے قربانی درست نہ ہوگی اس لیے کہ جب خالد نے ۱۰/ ذی الحجہ کو سعودیہ میں قربانی کی اس وقت ہندوستان میں ۹/ ذی الحجہ تھی اور ۹/ ذی الحجہ کو بکر پر قربانی واجب نہیں ہوئی، لہٰذا جب سبب وجوب نہیں پایا گیا تو قربانی بھی درست نہ ہوگی۔ (مستفاد: کتاب المسائل ۳۰۰/۲)

وأما الذى يرجع إلى وقت التضحية فهو أنها لاتجوز قبل دخول الوقت

لأن الـوقت كما هو شرط الوجوب فهو شرط جواز إقامة الواجب كوقت الصلاة فـلا يـجوز لأحد أن يضحى قبل طلوع الفجر الثانى من اليوم الأول من أيام النحر.
(بدائع الصنائع، كتاب التضحية، فصل و أما بيان ما يرجع إلى وقت التضحية، زكريا ٤/ ٢١١)

أما وقت الوجوب فأيام النحر فلاتجب قبل دخول الوقت لأن الواجبات المؤقتة لاتجب قبل أوقاتها كالصلاة والصوم ونحوهما. (بدائع زكريا ٤/ ١٩٨)

وسببها الوقت وهو أيام النحر. (مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ٤/ ١٦٦)

أن سبب وجوب الأضحية الوقت وهو أيام النحر. (فتح القدير زكريا ٩/ ٥١٩، كوئٹه ٨/ ٤٢٥، دار الفكر بيروت ٩/ ٥٠٦)

وسببها الوقت وهو أيام النحر وتحته فى الشامية: والدليل على سببية الوقت امتناع التقديم عليه كامتناع تقديم الصلاة. (شامی زكريا ٩/ ٤٥٣، كراچی ٦/ ٣١٢-٣١٣)

وإنما اشترط ...... الوقت وهو أيام النحر لأنها مختصة بها. (تبيين الحقائق امداديه ملتان ٦/ ٣، زكريا ٦/ ٤٧٤-٤٧٥، البحر الرائق كراچی ٨/ ١٧٣، زكريا ٨/ ٣١٧، تاتارخانية زكريا ١٧/ ٤٠٤، رقم: ٢٧٦٤٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶/ ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۳۲۰)

سعودیہ کے رہنے والے کی قربانی ہندوستان میں ۱۲/ ذی الحجہ کو

سوال [۹۸۶۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید سعودی عرب میں رہتا ہے وہاں کی ۱۳/ ذی الحجہ کو ہندستان میں ۱۲/ ذی الحجہ ہوتی ہے تو زید کی قربانی ہندوستان میں ۱۲/ ذی الحجہ کو جائز ہے یا نہیں جبکہ سعودیہ میں اس دن ۱۳/ ذی الحجہ ہے؟

المستفتی: محمد جنید لکھیم پوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صحت قربانی کے لیے مقام قربانی میں ایام نحر کا پایا جانا ضروری ہے، لہٰذا صورت مسئولہ میں زید جو سعودی عرب میں رہتا ہے اس کی قربانی یہاں ہندوستان میں ۱۲/ ذی الحجہ کو درست ہے، اس لیے کہ ہندوستان میں یوم نحر موجود ہے، مثلاً اگر زید اس دن ہوائی جہاز سے ہندوستان آجاتا ہے تو اس کے لیے اس دن ہندوستان میں اپنی قربانی کرنا بلاشبہ جائز ہے تو اسی طرح اس کے وکیل کے لیے بھی بلاشبہ جائز ہے۔ (مستفاد: انوار رحمت ص: ۲۹۴)

وإن كان الرجل فى مصر و أهله فى مصر آخر فكتب إليهم أن يضحوا عنه روى عن أبى يوسف أنه اعتبر مكان الذبيحة. (بدائع الصنائع كتاب التضحية، فصل فى بيان ما يرجع إلى وقت التضحية، زكريا ٤/٢١٣)

والمعتبر مكان الأضحية لا مكان المضحى. (بزازيه جديد زكريا ٣/١٥٦، وعلى هامش الهندية ٦/٢٨٩)

ثم المعتبر فى ذلك مكان الأضحية حتى لو كانت فى السواد والمضحى فى المصر يجوز كما انشق الفجر ولو كان على العكس لايجوز إلا بعد الصلاة. (هدايه، الأمين كتابستان ٤/٤٤٦)

ولو كان هو فى مصر وقت الأضحية و أهله فى مصر آخر فكتب إلى الأهل، وأمرهم بالتضحية فى ظاهر الرواية: يعتبر مكان الأضحية. (خانيه جديد زكريا ٣/٢٤٣، وعلى هامش الهندية زكريا ٣/٣٤٥)

أن الرجل إذا كان فى مصر و أهله فى مصر آخر فكتب إليهم ليضحوا عنه فإنه يعتبر مكان التضحية. (هنديه زكريا قديم ٥/٢٩٦، جديد ٥/٣٤٢)

وأول وقتها أى أول وقت تضحية الأضحية بعد فجر النحر لكن لاتذبح فى المصر قبل صلاة العيد وهذا الشرط لمن تجب عليه صلاة العيد (إلى قوله) ثم المعتبر فى ذلك مكان الأضحية حتى لوكان فى السواد والمضحى فى المصر يجوز من انشقاق الفجر وعلى عكسه لايجوز إلا

بعد الصلاۃ. (مجمع الأنهر، فقیه الأمت ٤/١٦٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/ ذی قعدۃ ۱۴۳۴ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۳۲۱)

قربانی میں مقام ذبح کا اعتبار ہے یا مقام مالک کا؟

سوال [۹۸۶۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک آدمی ایسے ملک میں ہے کہ وہاں عید الاضحیٰ کا دن آیا نہیں مگر اس کی قربانی کا جانور جس ملک میں ہے وہاں عید کا دن ہے تو اس دن یہ قربانی ادا نہیں ہوگی، اس مسئلہ کی تفصیل ماہنامہ ندائے شاہی جنوری ۲۰۰۵ء ص: ۴۱ پر اور مفتی شبیر صاحب مدظلہ کی کتاب انوار رحمت کے ص: ۲۸۶ پر آچکی۔

(۱) مگر گذشتہ بقرعید کو اس کے علاوہ صورت مسئلہ سے واسطہ پڑا وہ اس طرح کہ مثلاً کویت میں ۱۰/ ذی الحجہ بدھ کو تھی، اور ان کی قربانی کا آخری دن جمعہ تھا، یعنی ۱۲/ ذی الحجہ تھی اور ہندوستان میں جمعہ کے دن ۱۰/ ذی الحجہ تھی، عید کا پہلا دن تھا (دو دن کا فرق تھا) کویت والوں کے قربانی کے جانور ہندوستان میں تھے، مہاراشٹر کی مختلف جگہوں سے معلوم کیا جانے لگا کہ ہم جمعہ کے دن یعنی ۱۰/ ذی الحجہ کو مقامی قربانیوں اور کھالوں کے جمع کرنے میں انتہائی منہمک رہیں گے، تو کیا ہم کویت والوں کی قربانی اپنی ۱۱/ ذی الحجہ بروز سنیچر کر سکتے ہیں یا نہیں؟ جبکہ کویت میں قربانی کا وقت ختم ہو چکا ہوگا وہاں ۱۳/ ذی الحجہ ہوگی۔

کویت والوں کے قربانی کے جانور عام طور پر تو نفل کی مد والے ہوتے ہیں، مگر ضروری نہیں ان کے ذاتی وجوب والے بھی ہو سکتے ہیں، آئندہ بھی ایسا سابقہ پڑ سکتا ہے تو کیا دونوں طرح کی قربانی کویت کی ۱۳ اور یہاں کی ۱۱/ ذی الحجہ کو کی جا سکتی ہے یا نہیں، جواب عنایت فرمائیں کہ اس موقع پر فون سے مفتی صاحبان کی طرف بندہ نے رجوع کیا جس میں مدرسہ شاہی کے مفتیان کرام بھی تھے مگر سب حج میں تھے الا ما شاء اللہ۔

(۲) ہندکا حاجی حج میں ہے اورصورت مسئلہ اوپر والی ہے تو کیااس حاجی کی ذاتی مال والی قربانی وہاں کی ۱۳/ ذی الحجہ اور یہاں ہند کی ۱۱/ ذی الحجہ کو ہوسکتی ہے یا نہیں؟

المستفتی: عبداللہ مہاراشٹر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سعودی عرب امارت اورکویت وغیرہ میں قمری مہینہ ہندوستان کے مقابلہ میں ایک دن پہلے شروع ہو جاتا ہے، اگر کویت والوں نے ہندوستان کے دوست کے پاس اپنی قربانی کا پیسہ بھیج دیا ہے اور کویت میں ذی الحجہ کی تیرہویں تاریخ جب ہوئی تو اس دن ہندوستان میں ۱۱/ویں یا ۱۲اویں تاریخ ہے تو ایسی صورت میں ہندوستان کی ۱۱ویں ۱۲ویں ذی الحجہ کوکویت والوں کی قربانی ہندوستان میں کرنا جائز اور درست ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ قربانی میں تین شرطیں لازم ہیں:

(۱) قربانی کے واجب ہونے کے لیے جس کی طرف سے قربانی کی جارہی ہے، اس کا صاحب نصاب ہونا۔

(۲) صاحب نصاب پر ایام نحر کا شروع ہو جانا اور ایام نحر دسویں ذی الحجہ کی صبح صادق سے شروع ہوکر ۱۲/ویں ذی الحجہ کے غروب پر ختم ہوجاتے ہیں، اور دسویں ذی الحجہ کی صبح صادق ہوتے ہی صاحب نصاب پر قربانی واجب ہوچکی ہے، اور یہ وجوب بارہویں تاریخ گزرجانے کے بعد بھی ذمہ میں باقی رہتا ہے۔

(۳) جہاں قربانی کی جارہی ہے وہاں بوقت قربانی دسویں ذی الحجہ کی صبح صادق ہو چکی ہو، اور بارہویں ذی الحجہ کی غروب سے پہلے پہلے تک وقت باقی رہتا ہے، اور شہر میں قربانی شہر کی کسی بھی جگہ عید کی نماز ہو جانے کے بعد جائز ہے، اور اگر عید کی نماز شہر میں کہیں بھی نہیں ہوئی ہے تو شہر میں قربانی جائز نہیں۔

لہٰذا کویت کی تیرہویں تاریخ میں کویت والوں کی قربانی ہندوستان کی ۱۱/اور ۱۲اویں تاریخ میں کرنا جائز ہے، اس لیے کہ مقام اضحیہ میں قربانی کا وقت باقی ہے۔

قال فی البدائع: وأما وقت الوجوب فأيام النحر فلا تجب قبل دخول

الوقت لأن الواجبات المؤقتة لا تجب قبل أوقاتها كالصلاة و الصوم و نحوهما و أيام النحر ثلاثة يوم الأضحىٰ و هو اليوم العاشر من ذى الحجة و الحادى عشر و الثانى عشر و ذٰلک بعد طلوع الفجر من اليوم الأول إلى غروب الشمس من الثانى عشر ...... فإذا طلع الفجر من اليوم الأول فقد دخل وقت الوجوب فتجب عند استجماع شرائط الوجوب ثم لجواز الأداء بعد ذٰلک شرائط آخر. (بدائع الصنائع، كتاب التضحية، فصل فى وقت الوجوب زكريا ١٩٨/٤)

ويعتبر مكان المذبوح لا مكان المالك..... ولو كان هو فى مصر وقت الأضحية و أهله فى مصر آخر فكتب إلى الأهل و أمرهم بالتضحية، فى ظاهر الرواية: يعتبر مكان الأضحية. (خانيه جديد زكريا ٢٤٣/٣، وعلى هامش الهندية زكريا ٣٤٥/٣)

وفى البحر: وأما شرائط أدائها فمنها الوقت فى حق المصرى بعد صلاة الإمام والمعتبر مكان الأضحية لا مكان المضحى وسببها طلوع فجر يوم النحر. (البحر الرائق زكريا ديوبند ٣١٧/٨، كوئٹه ١٧٣/٨)

(٢) اگر ہندوستان کا حاجی مکہ مکرمہ میں ہے اور مکہ میں ذی الحجہ کی ۱۳؍تاریخ ہے، اور اسی دن ہندوستان میں ذی الحجہ کی ۱۱؍ یا ۱۲؍ تاریخ ہے تو اس حاجی کی مال والی قربانی ہندوستان میں ہندوستان کی ۱۱؍یا۱۲؍تاریخ میں کرنا جائز ہے، جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے۔

ويعتبر مكان المذبوح لا مكان المالك ولو كان هو فى مصر وقت الأضحية و أهله فى مصر آخر فكتب إلى الأهل و أمرهم بالتضحية فى ظاهر الرواية يعتبر مكان الأضحية. (خانية جديد زكريا ٢٤٣/٣، وعلى هامش الهندية زكريا ٣٤٥/٣)

والمعتبر مكان الأضحية لا مكان المضحى. (البحر الرائق زكريا ديوبند ٣١٧/٨، كوئٹه ١٧٣/٨) **فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
۱۴؍محرم الحرام ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۴۲۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۱/۱۴ھ

قربانی کرنے میں مکان اضحیہ کا اعتبار ہے یا مکان مضحی کا؟

سوال [۹۸۶۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے یہاں قربانی سے متعلق ایک تنازعہ کھڑا ہوگیا ہے اس سلسلے میں حضرت والا سے تحقیق مطلوب ہے، مسئلہ یہ ہے کہ قربانی کرنے میں جانور کی جگہ کا اعتبار ہوگا یا ذبح کرنے والے کی جگہ کا فتاویٰ رحیمیہ ۹/۳۱۴ اور مسائل قربانی ۱۵۹ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ قربانی کی جگہ کا اعتبار ہے جبکہ پاکستان سے حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کے فتویٰ کی ایک کاپی ارسال خدمت ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ذابح کے مکان کا اعتبار ہوگا، واضح رہے کہ اس فتویٰ کی زیروکس کافی ناقص ہی دستیاب ہے؟

المستفتی: مولانا محمد اسحاق ٹوپیاپانولی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اس مسئلہ میں تین چیزوں کو الگ الگ سمجھنا لازم ہے:

(۱) سبب وجوب یعنی قربانی واجب ہونے کا سبب، یہ قربانی کا وقت ہے جو یوم النحر کی طلوع صبح صادق سے شروع ہوکر بارھویں تاریخ کے غروب آفتاب تک رہتا ہے۔

(۲) شرط وجوب یعنی قربانی واجب ہونے کی شرط، آزاد مسلمان کا مالک نصاب ہونا۔

(۳) شرط ادا یعنی مالک نصاب پر قربانی کے ایام اور وقت داخل ہونے کی وجہ سے قربانی واجب ہوجاتی ہے، پھر اس کے قربانی ادا کرنے کے لیے ایک مزید شرط ہے، وہ یہ ہے کہ شہری آدمی کے لیے نماز عیدالاضحیٰ کی ادائیگی لازم ہے، یہی شہری کے لیے ادائیگی کی شرط ہے، مگر یہ شرط دیہاتی پر لاگو نہیں ہوتی، اور شرط ادا میں مکان اضحیہ کا اعتبار ہے، مکان مضحی کا اعتبار نہیں۔

لہٰذا جہاں جانور رہوگا وہاں کا اعتبار ہوگا اور جہاں مالک ہو وہاں کا اعتبار نہیں، یہ مسئلہ صرف تیسری شرط کے اعتبار سے ہے اور پہلی اور دوسری شرط کے وجوب کے بغیر تیسری شرط کا تصور ہی نہیں ہوسکتا؛ لہٰذا سب سے پہلے اول شرط یعنی دونوں جگہ قربانی کے زمانہ کا آنا لازم

ہے، پھر شرط ثانی یعنی زمانۂ قربانی میں مسلمان کا مالک نصاب ہونا، ان دونوں شرطوں کے ایک ساتھ پائے جانے کے بعد تیسری کا مسئلہ سامنے آتا ہے اور تیسری شرط ایک خصوصی اور جزوی شرط ہے، عمومی اور کلی نہیں، صرف شہری کے ساتھ یہ شرط لگی ہوئی ہے، دیہاتی کے ساتھ نہیں؛ لہٰذا شہری اور دیہاتی کے اعتبار سے مکان اضحیہ کا اعتبار ہوگا، مکان مضحی کا اعتبار نہیں ہے اور مسائل قربانی میں مسامحت ہوگئی ہے، کہ اس میں تیسری شرط کو سبب وجوب یعنی پہلی شرط کے درجہ میں لے جاکر لکھا گیا ہے، جو درست نہیں ہے، اور ساتھ میں ہدایہ، درمختار اور شامی کے تین جزئیہ بھی نقل کیے ہیں ان تینوں جزئیات کا تعلق تیسری شرط کے ساتھ ہے، پہلی شرط کے ساتھ نہیں ہے، ان جزئیات کو اس مسئلہ سے متعلق سمجھنے میں مسامحت ہوگئی ہے اور بہشتی زیور اور فتاویٰ محمودیہ کا مسئلہ اپنی جگہ صحیح اور درست ہے۔

اب اصل مسئلہ کا جواب یہ ہے کہ مکان اضحیہ کا اعتبار کرنا اس وقت درست ہے کہ جب مالک اضحیہ کے یہاں شرط یعنی سبب وجوب جو کہ قربانی کے ایام ہیں (دسویں ذی الحجہ سے بارہویں ذی الحجہ کا درمیانی زمانہ) دونوں جگہ پایا جانا لازم ہے، اس لیے اگر ہندوستان کا آدمی سعودی عرب قربانی کا پیسہ بھیج دیتا ہے اور وہاں ہندوستان سے ایک دن پہلے قربانی کا دن شروع ہوجاتا ہے ہندوستان میں ابھی قربانی کا زمانہ شروع نہیں ہوا ہے، اب اگر مالک قربانی ہندوستان میں اسی دن مرجاتا ہے تو اس پر قربانی واجب ہی نہیں ہوئی حالانکہ مکان اضحیہ میں جہاں قربانی ہونی ہے وہاں پر وقت ہوچکا تھا، لہٰذا اضحیہ اور مکان مالک دونوں جگہ قربانی کا سبب وجوب یعنی دسویں ذی الحجہ کی صبح صادق کا ہونا شرط ہے اور شہر میں قربانی ہو رہی ہے تو شہر میں کسی جگہ نماز عید الاضحیٰ کا ہوجانا بھی شرط ہے۔

اس اصول سے دارالعلوم کراچی کا فتویٰ صحیح ہے، مگر اس میں ایک مثال میں مسامحت ہوگئی، لکھا ہے کہ جب پاکستان میں صبح ساڑھے چھ بج رہے ہیں اس وقت برطانیہ میں رات کا ڈیڑھ بج رہا ہوتا ہے، لہٰذا اگر ایک آدمی برطانیہ میں رہ رہا ہے اور وہ اپنی قربانی پاکستان میں کراتا ہے تو جب تک برطانیہ میں یوم نحر کی صبح صادق طلوع نہ ہو اس وقت تک اس کا جانور

پاکستان میں ذبح کرنا درست نہیں، یہ مثال اس لیے درست نہیں کہ دنیا میں مہینے کی ابتداء سعودی عرب اور اس کے اطراف سے ہوتی ہے اور برطانیہ میں اس دن قمری ماہ کی ابتدا ہو جاتی ہے، جس دن سعودیہ میں ہوتی ہے اور ہندو پاک میں اس کے ایک یوم کے بعد ہوتی ہے، لہٰذا سعودیہ اور برطانیہ میں سبب وجوب ہمیشہ پہلے پایا جاتا ہے اس کے بعد ہی ہند و پاک میں قربانی ہوتی ہے اس کے علاوہ دارالعلوم کراچی کا فتویٰ مع بقیہ مثالوں کے صحیح ہے۔

اب عربی جزئیات ملاحظہ فرمایئے: (۱) سبب وجوب یعنی قربانی کے ایام کا مکان مضحی میں پایا جانا ضروری ہے۔

وأما الذی یرجع إلی وقت التضحیة فهو أنها لاتجوز قبل دخول الوقت لأن الوقت کما هو شرط الوجوب فهو شرط جواز إقامة الواجب کوقت الصلاة فلا یجوز لأحد أن یضحی قبل طلوع الفجر الثانی من الیوم الأول من أیام النحر ویجوز بعد طلوعه سواء کان من أهل المصر أو من أهل القری غیر أن للجواز فی حق أهل المصر شرطا زائدا وهو أن یکون بعد صلاة العید لایجوز تقدیمها عندنا. (بدائع الصنائع، کتاب التضحیة، فصل و أما بیان ما یرجع إلی وقت التضحیة، زکریا ٤/ ٢١١)

(٢) وأما وقت الوجوب فأیام النحر فلا تجب قبل دخول الوقت لأن الواجبات المؤقتة لاتجب قبل أوقاتها کالصلاة والصوم و نحوهما و أیام النحر ثلاثة یوم الأضحیٰ وهو الیوم العاشر من ذی الحجة والحادی عشر و الثانی عشر و ذٰلک بعد طلوع الفجر من الیوم الأول إلی غروب الشمس من الثانی عشر ...... فإذا طلع الفجر من الیوم الأول فقد دخل وقت الوجوب فتجب عند استجماع شرائط الوجوب ثم لجواز الأداء بعد ذٰلک شرائط آخر نذکرها فی مواضعها إن شاء الله. (بدائع الصنائع، فصل فی وقت الوجوب، زکریا ٤/ ١٩٨، مجمع الأنهر قدیم ٢/ ٥١٦، جدید دار الکتب العلمیة بیروت ٤/ ١٦٦)

(۳) **وسببهـا الوقت وهو أيام النحر.** (مجمع الأنهر قديم ۲/۵۱٦، جديد دار الكتب العلمية بيروت ٤/١٦٦)

(۴) **أن سبـب وجـوب الأضحية الوقت وهو أيام النحر.** (فتح القدير زكريا ديوبند ۹/۵۱۹، كوئٹه ۸/٤۲۵، دار الفكر بيروت ۹/۵۰٦)

شرط وجوب: یعنی قربانی واجب ہونے کی شرط یعنی آزاد مسلمان مقیم کا مالک نصاب ہونا اس کے متعلق عبارتیں ملاحظہ فرمایئے:

(۱) **وإنـمـا تـجـب عـلى حر مسلم مقيم موسر.** (مـجـمع الأنهر قديم ۲/۵۱٦، جديد دار الكتب العلمية بيروت ٤/١٦٦)

(۲) **قـال: الأضـحية واجبة عـلـى كـل حـر مسلم مقيم موسر فی يوم الاضحیٰ.** (فتح القدير زكريا ديوبند ۹/۵۱۹، كوئٹه ۸/٤۲۵، دار الفكر بيروت ۹/۵۰٦)

(۳) **ولهـا شـرائـط وجـوب ...... فـالأول كـونــه مـقيما موسرا من أهل الأمصار والقرىٰ والبوادی، والإسلام شرط.** (البحر الرائق كوئٹه ۸/۱۷۳، زكريا ديوبند ۸/۳۱۷)

(۴) **فتـجـب التـضحية على حر مسلم مقيم موسر بمصر أو قرية أو بادية.** (تنوير الأبصار مع الشامی زكريا ۹/٤۵۷، كراچی ٦/۳۱۵)

شرط ادا: یعنی قربانی کا فریضہ ادا کرنے کی شرط:

(۱) **وأمـا شـرائـط أدائها فمنها الوقت فی حق المصری بعد صلاة الإمام والـمـعتبر مكان الأضحية لا مكان المضحی و سببها طلوع فجر يوم النحر و ركنها ذبح ما يجوز ذبحه.** (البحر الرائق كوئٹه ۸/۱۷۳، زكريا ديوبند ۸/۳۱۷)

(۲) **وأول وقتهـا أی أول وقـت تضحية الأضـحية بعد فجر النحر لكن لا تذبح فی المصر قبل صلاة العيد، وهذا الشرط لمن تجب عليه صلاة العيد ثـم الـمعتبر فی ذٰلک مكان الأضحية حتی لو كان فی السواد و المضحی فی الـمـصر يجوز من انشقاق الفجر على عكسه لايجوز إلا بعد الصلاة.** (مجمع

الأنهر قديم ٢/ ٥١٦، جديد دار الكتب العلمية بيروت ٤/ ١٦٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍ ربیع الاول ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۹۸۰)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۳/۱۴ھ

قربانی میں کس جگہ کا اعتبار ہے مقام ذبح یا مقام مالک؟

سوال [۹۸۶۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے ایک عزیز عمر سعودیہ میں رہتے ہیں اس سال وہاں بقرعید ہندوستان سے دو روز قبل ہوئی تھی، اور وہ کسی وجہ سے اپنے یہاں کے اعتبار سے تیسرے روز بھی قربانی نہیں کرا سکے، وقت گذر جانے کے بعد ان کو احساس ہوا تو انہوں نے اپنے گھر ہندوستان میں فون کیا کہ میری قربانی یہاں نہیں ہوسکی ہے وہاں ابھی ایک روز باقی ہے، لہٰذا میری قربانی وہاں کی بارہ تاریخ میں کرادی جائے، چنانچہ گھر والوں نے ہندوستان کے اعتبار سے ۱۲؍ ذی الحجہ میں ان کی قربانی کردی، جبکہ ان کے یہاں ایام نحر گذرے ہوئے دو روز ہوگئے، آیا ان کی جانب سے قربانی درست ہوئی یا نہیں؟ زید نے اس سلسلے میں اپنے یہاں ایک مفتی صاحب سے رجوع کیا تو انہوں نے کہا کہ قربانی نہیں ہوگی، کیونکہ قربانی تین دن کے ساتھ منصوص ہے، تو جب عمر کے یہاں ایام نحر گذر گئے تو اب اس کے ذمہ تصدق واجب ہے، راشد نے کہا کہ قربانی میں مکان اضحیہ کا اعتبار ہے، مکان مالک کا اعتبار نہیں ہے اور استدلال میں فقہ کی ایک عبارت پیش کی "**والمعتبر في مكان الأضحية**" تو مفتی صاحب نے کہا "**والمعتبر في مكان الاضحية**" اس کا تعلق ایک ملک اور علاقہ کے شہر اور دیہات سے ہے کہ دونوں جگہ نفس وجوب ساتھ ہی ساتھ ہے اور شہری کے ساتھ بنص حدیث یہ ایک قید زائد ہے، کہ عید کی نماز سے پہلے قربانی نہیں کرسکتا اور دیہاتی اس قید سے مستثنیٰ ہے، لہٰذا "والمعتبر فی مکان الاضحیۃ" سے دور دراز ملکوں کے احکام پر استدلال کرنا درست نہیں ہوگا، آپ سے درخواست ہے کہ صحیح صورت مدلل تحریر فرما کر شکریہ کا موقع دیں؟

المستفتی: محمد عثمان غنی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس مسئلہ میں چار چیزوں کو الگ الگ سمجھنا لازم ہے، اس کے بعد اصل مسئلہ آسانی سے سمجھا جا سکتا ہے۔

(۱) قربانی کا سبب وجوب: یہ قربانی کا وقت ہے جو یوم النحر کی طلوع صبح صادق سے شروع ہوکر بارہویں تاریخ کی غروب آفتاب تک رہتا ہے۔

(۲) شرط وجوب: یعنی قربانی واجب ہونے کی شرط، آزاد مسلمان کا مالک نصاب ہونا۔

(۳) شرط ادا یعنی مالک نصاب پر قربانی کے ایام اور وقت داخل ہونے کی وجہ سے قربانی کرنا واجب ہو جانا، لہٰذا وقت سے قبل جائز نہیں۔

(۴) شہری آدمی کی قربانی شہر میں کسی بھی جگہ نماز عیدالاضحیٰ کی ادائیگی کے بعد میں ہونا۔

یہ شرط صرف شہر والوں پر لازم ہے، دیہاتی پر لاگو نہیں ہوتی، اور شرط ادا میں مکان اضحیہ کا اعتبار ہے، مکان مالک کا اعتبار نہیں، ہاں البتہ مکان مالک میں قربانی کرنے کا زمانہ اور ایام آ چکے ہوں اور اس کے بعد مکان اضحیہ میں قربانی کرنے کا زمانہ موجود ہو، تو اس وقت مکان اضحیہ کا اعتبار ہوگا۔

لہٰذا جب سعودی عرب میں تیرہویں ذی الحجہ ہو اور اسی دن ہندوستان میں بارہویں ذی الحجہ ہو تو سعودیہ میں مقیم شخص کی قربانی ہندوستان میں ہندوستان کی بارہویں ذی الحجہ کو جائز ہو جائے گی، اور ہندوستان میں مقیم شخص کی قربانی ہندوستان کی بارہویں کو سعودیہ میں سعودیہ کی تیرہویں تاریخ کو جائز نہیں ہے اس لیے کہ مکان اضحیہ میں قربانی کا زمانہ ختم ہو چکا ہے اور سوالنامہ میں پہلی صورت ہے کہ سعودیہ کی تیرہویں کو ہندوستان میں بارہویں ذی الحجہ ہے اور مکان اضحیہ میں قربانی کا زمانہ باقی ہے اس لیے ہندوستان کی بارہ ذی الحجہ کو سعودیہ میں مقیم شخص کی قربانی جائز ہے۔

وأما الذی یرجع إلی وقت التضحیة فهو أنها لاتجوز قبل دخول الوقت لأن الوقت کما هو شرط الوجوب فهو شرط جواز إقامة الواجب

كوقت الصلاة فلا يجوز لأحد أن يضحى قبل طلوع الفجر الثانى من اليوم الأول من أيام النحر ويجوز بعد طلوعه سواء كان من أهل المصر أو من أهل القرى غير أن للجواز فى حق أهل المصر شرطا زائدا وهو أن يكون بعد صلاة العيد لايجوز تقديمها عليه عندنا. (بدائع الصنائع، كتاب التضحية، فصل و أما بيان ما يرجع إلى وقت التضحية زكريا ٤/ ٢١١)

وأما وقت الوجوب فأيام النحر فلا تجب قبل دخول الوقت وأول وقتها أى أول وقت تضحية للأضحية بعد فجر النحر لكن لاتذبح فى المصر قبل صلاة العيد وهذا الشرط لمن تجب عليه صلاة العيد ثم المعتبر فى ذٰلک مكان الأضحية حتى لو كان فى السواد والمضحى فى المصر يجوز من انشقاق الفجر وعلى عكسه لايجوز إلا بعد الصلاة. (مجمع الأنهرقديم ٢/ ٥١٦، جديد دار الكتب العلمية بيروت ٤/ ١٦٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۳ر ذی قعدہ ۱۴۲۹ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۷۲۳/۳۸)	۱۴۲۹/۱۱/۳ھ

مقام مرسل اور مقام اضحیہ دونوں جگہ سبب وجوب ضروری ہے

سوال [۹۸۶۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ صدیوں سے یہ دستور چلا آ رہا ہے کہ قربانی کے موقع پر لوگ قربانی کی رقم بیرونی مما لک انڈیا، پاکستان، بنگلہ دیش بھیجتے ہیں اوران کی طرف سے قربانی وہاں کی جاتی ہے، یہاں تک کہ بڑے بڑے مدارس ہندو پاک میں بقرعید کے موقع پر کٹرے وغیرہ کاٹے جاتے ہیں، جنوبی افریقہ، برطانیہ،لندن اورامریکہ وغیرہ والوں کی طرف سے اس پر نہ کسی کا انکارتھا نہ نکیر۔

اب کچھ علماء حضرات کی تحقیق کی روسے اگر بیرونی مما لک میں جہاں وہ قربانی کی رقم بھیج دیتے ہیں ان میں بقرعید ایک یا دو دن قبل واقع ہو، مرسل کے مقام سے تو مرسل کی

طرف سے قربانی ادانہیں ہوتی، ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ ابھی مرسل پر قربانی کا سبب وجوب یعنی عید کا دن شروع ہی نہیں ہوا، جب اس کے وطن میں قربانی کے ایام ابھی شروع نہ ہوئے تو ان کی طرف سے قربانی کرنا اضحیہ واجبہ کے لیے صحیح نہیں، لہٰذا چاہیے کہ ایسے دن میں قربانی کی جائے کہ مرسل کے ہاں ایام قربانی بھی ہوں۔

دوسری طرف دیگر اہل علم حضرات نے اس جدید تحقیق کا رد کیا ہے، یہ حضرات کہتے ہیں کہ مقام اضحیہ کا اعتبار ہے نہ کہ من علیہ الاضحیۃ کا مقام، نیز قربانی عبادت مالیہ کے قبیل سے ہے، جس طرح کہ زکوٰۃ وصدقۃ الفطر، اور مؤخر الذکر دونوں عبادتیں قبل از وقت وجوب ادا کی جاسکتی ہیں تو اضحیہ میں بھی یہی حال ہوگا، صرف اتنی بات ضروری ہے کہ ایام قربانی ہوں مرسل الیہم کے یہاں اگر ایام قربانی داخل ہوگئے تو یہ کافی ہے؟

المستفتی: احقر محمد شعیب جنوبی افریقہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: قربانی کی صحت ادائیگی کے لیے مقام مرسل اور مقام اضحیہ دونوں جگہ سبب وجوب یعنی ایام قربانی کا وجود ضروری ہے، جیسا کہ نماز کے لیے سبب وجوب وقت کا پایا جانا ضروری ہے کیونکہ سبب وجوب کے پائے جانے سے پہلے عبادت کو انجام نہیں دیا جاسکتا، اور مقام اضحیہ کا اعتبار اس وقت ہے جب بوقت قربانی مرسل اور مرسل الیہ دونوں کے مقام میں ایام قربانی کا وجود ہو اس کے پیش نظر مسئولہ صورت کا جواب یہ ہے کہ جنوبی افریقہ، برطانیہ اور امریکہ وغیرہ والوں کی طرف سے ہندوستان، پاکستان، بنگلہ دیش میں کی جانے والی قربانی درست ہے، کیونکہ سبب وجوب یعنی ایام قربانی کا وجود سعودی عرب، جنوبی افریقہ، برطانیہ اور امریکہ میں پہلے پایا جاتا ہے، اور ہندوستان، پاکستان اور بنگلہ دیش میں بعد میں ہوتا ہے، اس لیے کہ مہینہ کی ابتداء یعنی چاند دیکھنے کی ابتداء سعودی عرب سے شروع ہوتی ہے، اس کے بعد سلسلہ وار مغربی ممالک سے ہوتے ہوئے ہندوستان و پاکستان میں بعد میں ہوتی ہے، اور سوالنامہ میں جو اشکال پیش کیا گیا ہے وہ اشکال اس وقت بجا ہوتا جب قربانی کے پیسے ہندوستان و پاکستان والے سعودی عرب، یا

جنوبی افریقہ، برطانیہ وغیرہ بھیجتے اور واقعہ ایسا نہیں ہے بلکہ اس کے برعکس ہے اس لیے مغربی ممالک سے ہندوستان، پاکستان میں قربانی کا جو پیسہ بھیجا جاتا ہے ان کی قربانی ہندوستان و پاکستان کے قربانی کے ایام میں بلاتر دد جائز اور درست ہے، اس لیے کہ پیسہ بھیجنے والوں کے یہاں قربانی کے ایام اس سے پہلے شروع ہو چکے ہوں گے، زکوٰۃ اور صدقہ فطر بھی سبب وجوب سے پہلے ادا نہیں ہوتے، اور زکوٰۃ میں سبب وجوب مالک نصاب ہونا ہے، اور وہ سال گزرنے سے پہلے پایا جاتا ہے، اور حولان حول سبب وجوب نہیں بلکہ وجوب ادا ہے، اسی طرح صدقہ فطر میں شرط وجوب رمضان ہے اور وجوب ادا یوم الفطر کے دن سے شروع ہوتا ہے، اور قربانی میں سبب وجوب صرف مالدار ہونا نہیں ہے بلکہ سرمایہ دار کا ایام قربانی پالینا سبب وجوب ہے اس لیے ایام قربانی سے پہلے پہلے قربانی کسی حال میں جائز نہیں، لہٰذا قربانی کے مسئلہ کو اس سلسلے میں زکوٰۃ اور صدقہ فطر پر قیاس کرنا درست نہیں۔

وأما الذی یرجع إلی وقت التضحیة فهو أنها لاتجوز قبل دخول الوقت لأن الوقت كما هو شرط الوجوب فهو شرط جواز إقامة الواجب كوقت الصلاة فلا يجوز لأحد أن يضحى قبل طلوع الفجر الثانی من اليوم الأول من أيام النحر ويجوز بعد طلوعه سواء كان من أهل المصر أو من أهل القرى غير أن للجواز فی حق أهل المصر شرطا زائدا وهو أن يكون بعد صلاة العيد لايجوز تقديمها عليه عندنا. (بدائع الصنائع، كتاب التضحية، فصل و أما بيان ما يرجع إلی وقت التضحية، زكريا ٤/ ٢١١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍ رجب المرجب ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۴۹۲)

”قربانی میں مقام ذبح کا اعتبار ہے یا مقام مالک کا“ سے متعلق چند فتاویٰ

سوال [۹۸۶۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ ماہنامہ ندائے شاہی جنوری ۲۰۰۵ء کے شمارہ میں قربانی کے وجوب ادا کے وقت سے متعلق آپ کا تحقیقی وتفصیلی فتویٰ شائع ہوا تھا جس کو پڑھ کر احقر کو مسرت ہوئی، آپ محترم نے سبب وجوب، وقت وجوب، شرائط وجوب اور شرائط ادا کی روشنی میں مسئلہ کی عمدہ اور دلنشیں وضاحت فرمائی تھی، اب چند روز قبل دارالعلوم دیوبند کے دارالافتاء کی جانب سے حضرت مولانا مفتی محمد ظفیر الدین صاحب دامت برکاتہم کا لکھا ہوا ایک فتویٰ نظر سے گذرا جو آپ کے جواب کے معارض ومخالف ہے، احقر نے مناسب سمجھا کہ آپ محترم کو اس سے مطلع کروں اور اس کی نقل بھی آپ کو ارسال کروں تاکہ آپ محترم دارالعلوم دیوبند کے فتویٰ میں اور آپ کے جواب میں کھلا ہوا جو تعارض ہے اس کا مطالعہ کرکے اس مسئلہ کی مزید علمی وتحقیقی وضاحت فرمائیں۔

امید ہے کہ آپ محترم اس مسئلہ کے متعلق جس کی عملی ضرورت ہر سال اور ہمیشہ پیش آنے والی ہے، مذکورہ تعارض ختم ہو، اس کی سعی جمیل فرمائیں گے، تاکہ امت اختلاف و انتشار کا شکار نہ ہو، اور آئندہ اگر یہ تعارض ہو تو احقر کو بھی اس سے مطلع فرمائیں گے، باقی سب خیریت ہے، دعاؤں کی درخواست ہے۔

المستفتی: مفتی محمد اسماعیل بن محمد ابراہیم بھڈکودروی، بھروچ کنتھاریہ گجرات

دارالعلوم دیوبند کا جواب

سوال: باہر ممالک سے قربانی کے لیے ہندوستان میں اپنے رشتہ دار اور اعزاء و اقارب کے یہاں عیدالاضحیٰ کے موقعہ پر افریقہ، لندن، امریکہ، فرانس وغیرہ سے کا غذ اور فون کے ذریعہ کہتے ہیں کہ بکریوں یا سات حصہ والے جانوروں کی قربانی کرنا، تو ان لوگوں کی طرف سے ہم لوگ یہاں پر جس دن عیدالاضحیٰ ہوتی ہے اس دن عید کی نماز کے بعد بکریوں یا سات حصہ والے جانوروں کی قربانی کرتے ہیں، دس، گیارہ، بارہ، تین دن تو شریعت کے اعتبار سے یہ صحیح ہے یا نہیں، اس کا تفصیلی جواب مع حوالہ تحریر فرمائیں؟

دوسرے ملک والے ہندوستان کو قربانی کرنے کے لیے وکیل بناتے ہیں تو اب قربانی کرنے

میں وکیل کے ایام قربانی کا اعتبار ہوگا یا جن حضرات کی قربانی ہیں ان کے ایام قربانی کا اعتبار ہوگا؟

المستفتی: محمد اسماعیل

الجواب هو الموفق: قربانی جہاں کی جاتی ہے اس کا اعتبار ہوتا ہے، لہٰذا ہندوستان میں قربانی ہوگی تو اسی ملک کی تاریخ ۱۰/۱۱/۱۲/ ذی الحجہ کا اعتبار ہوگا، اور انہیں تاریخوں میں قربانی کی جائے گی، افریقہ، لندن وغیرہ ملکوں کا اعتبار نہ ہوگا۔

الجواب صحیح کفیل الرحمٰن	الجواب صحیح حبیب الرحمٰن عفا اللہ عنہ	کتبہ: محمد ظفیر الدین غفرلہ مفتی دار العلوم دیوبند

دارالافتاء مدرسہ شاہی مرادآباد کا جواب

بخدمت عالیہ حضرت اقدس مولانا مفتی محمد اسماعیل صاحب بھڈ گودھروی دامت برکاتہم

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: امید ہے کہ مزاج گرامی بخیر وعافیت ہوں گے، اور یہ خاکسار آنجناب کی دلی دعاؤں اور بفضلہ تعالیٰ بخیر وعافیت ہے، آنجناب کا والا نامہ دار العلوم دیوبند کے فتویٰ کے ساتھ کچھ عرصہ پہلے موصول ہوا تھا، اور اسی وقت حضرت مولانا مفتی محمد سلمان صاحب کو بھی دکھا دیا تھا، اور یہ سوچا تھا کہ جب کبھی دار العلوم دیوبند میں حاضری کی سعادت ہوگی تو دار الافتاء خود حاضر ہوکر مفتیانِ دار العلوم سے اس جواب کا مطلب زبانی طور پر بھی معلوم کر لیتا اور دار العلوم کا جواب حضرت الاستاذ مولانا مفتی ظفیر الدین صاحب مدظلہ العالی کے قلم سے لکھا ہوا ہے، سائل کے سوال میں دو گوشے تھے:

(۱) افریقہ، امریکہ، لندن، فرانس وغیرہ کی طرف سے قربانی کے لیے ہندوستان کے رشتہ داروں کو وکیل بنا دیا جائے تو ہندوستان والے اپنے یہاں ایام قربانی یعنی دسویں ذی الحجہ سے ۱۲ ذی الحجہ تک قربانی کر سکتے ہیں یا نہیں؟

(۲) دوسرا گوشہ یہ تھا کہ دوسرے ملک والے ہندوستان والوں کو قربانی کرنے کا

وکیل بناتے ہیں تو ایام قربانی میں مقامِ قربانی کا اعتبار ہے یا مقام وکیل کا؟

حضرت الاستاذ مفتی ظفیر الدین صاحب مدظلہ نے دونوں گوشوں کا جواب ایک ساتھ دیا ہے کہ ہندوستان میں قربانی ہوگی تو اسی ملک کی تاریخ کا اعتبار ہوگا، اس جواب میں غور کیا جائے تو دو پہلو نکل سکتے ہیں: (۱) جیسا سوال ہے ویسا ہی جواب، یعنی سوال میں افریقہ، لندن، امریکہ، فرانس وغیرہ میں رہنے والے لوگوں کی طرف سے قربانی ہندوستان میں کی جارہی ہے ظاہر بات ہے کہ جن ممالک کا ذکر سوالنامہ میں ہے ان ممالک میں دسویں ذی الحجہ ہندوستان کے بعد نہیں ہوتا، دنیا کی تاریخ میں ایسا کبھی نہیں ملے گا کہ دسویں ذی الحجہ پہلے ہندوستان میں ہو جائے اور بعد میں ان ممالک میں ہو بلکہ اس کے برعکس ہوسکتا ہے کہ دسویں ذی الحجہ پہلے ان ممالک میں ہو اور ہندوستان میں بعد میں ہو، تو جواب کے اس پہلو کے اعتبار سے حضرت الاستاذ مفتی ظفیر الدین صاحب کا جواب سوال کے مطابق ہے، اور واقع کے مطابق بھی ہے۔

اور اس خاکسار کا جواب ندائے شاہی جنوری ۲۰۰۵ء میں شائع ہوا ہے اس کے مطابق بھی ہے اور یہی اصل ہے...... اور دوسرا پہلو یہ ہے اور یہی جواب کا مطلب بھی ہے کہ علی الاطلاق اسی جگہ کا اعتبار ہے جس جگہ قربانی ہوتی ہو تو ایسی صورت میں سعودی عرب، افریقہ، مراکش، لندن، فرانس، امریکہ وغیرہ کی طرف سے ہندوستان والوں کو قربانی کا وکیل بنا دیا جائے اور ہندوستان والے اپنے یہاں کی دسویں ذی الحجہ سے قربانی شروع کردیں تو چونکہ موکل، مضحی اور مالک کے یہاں دسویں ذی الحجہ پہلے ہو چکی ہے اس لیے مقام اضحیہ کا اعتبار ہوگا اور قربانی بھی ہندوستان والوں کی دسویں ذی الحجہ کے اعتبار سے درست ہو جائے گی اور دارالعلوم کا فتویٰ اس اعتبار سے بھی سوال کے مطابق ہو جائے گا نیز مقام اضحیہ کا یوں بھی اعتبار ہو جاتا ہے کہ اگر مالک اور مضحی کے یہاں بارہویں ذی الحجہ ہو اور جہاں قربانی کی جارہی ہے وہاں تیرہویں ذی الحجہ ہو تو مقام اضحیہ کا اعتبار کرکے قربانی کو صحیح قرار دیا جائے گا اس لیے کہ سبب وجوب دونوں جگہ پہلے پایا جا چکا ہے، ہاں البتہ اگر اس کے برعکس ہو جائے کہ ہندوستان والے افریقہ، لندن، امریکہ، سعودی عرب والوں کو قربانی کا وکیل بنائیں مثلاً کوئی ہندوستانی یہ چاہتا ہے کہ اپنی قربانی حرم مکی کے حدود میں کرادے۔

چنانچہ کسی حاجی کے ہاتھ قربانی کا پیسہ یہ کہہ کر روانہ کر دیتا ہے کہ میری قربانی حدودِ حرم میں کر دینا تاکہ مجھے زیادہ ثواب مل جائے، پھر وہ حاجی دسویں ذی الحجہ کو اپنے ہدی کی قربانی کے ساتھ ہندوستانی کی بھی قربانی کر دیتا ہے تو ہندوستانی کی قربانی درست نہ ہوگی، کیونکہ ہندوستان میں ابھی نویں ذی الحجہ ہے اس لیے اس کے اوپر ابھی قربانی واجب ہی نہیں ہوئی۔

اس کی مثال یوں سمجھئے کہ ہندوستان کے جس آدمی نے وکیل بنایا ہے وہ اگر ہندوستان میں نویں ذی الحجہ کو مر جاتا ہے تو اس کے اوپر قربانی کا وجوب ہی باقی نہیں رہتا حالانکہ اسی دن حرم شریف میں دسویں ذی الحجہ ہے تو اس پہلو کے اعتبار سے حضرت الاستاذ مفتی ظفیر الدین صاحب کے جواب کے بارے میں ان سے براہ راست گفتگو کرنے کا ارادہ تھا لیکن مصروفیت زیادہ ہونے کی وجہ سے از خود اب تک سفر نہیں کر سکا، اور آنجناب کا ٹیلیفون میں بھی تقاضہ آ گیا تو اس لیے دارالافتاء کے ایک طالب علم کو احقر کے جواب کی نقل لے کر دارالعلوم دیوبند روانہ کیا گیا چنانچہ دارالعلوم دیوبند اور مظاہر علوم سہارنپور کے مفتیان کرام نے پوری تحریر کا مطالعہ کر کے احقر کے جواب کی تصدیق کر دی ہے اور اس تصدیق کا مطلب یہ ہے کہ دارالعلوم کے جواب میں احقر نے جو مختلف گوشے متعین کیے ہیں ان میں سے آخری گوشہ میں شبہ تھا مگر مفتیان دارالعلوم دیوبند کے احقر کے جواب کی تصدیق کر دینے سے وہ شبہ بھی دور ہو گیا، اب آنجناب کی خدمت عالیہ میں تمام تحریرات پیش ہیں، اور ساتھ میں یہ گذارش بھی ہے کہ احقر کی تحریر جو آنجناب کو لکھی جا رہی ہے کہ اس کو ہمارے نقل فتویٰ کے ساتھ منسلک رکھا جائے اور منسلک کر کے تمام تحریرات دارالعلوم دیوبند اور مظاہر علوم سہارنپور بھی روانہ فرما دیں تاکہ وہاں کے مفتیان کرام بھی ہمارے اور آنجناب کے درمیان گفتگو سے آگاہ ہو جائیں اور اصل مسئلہ کے بارے میں باخبر ہو جائیں۔

نیز حضرت اقدس قابل احترام مفتی احمد صاحب خانپوری مدظلہ کی خدمت میں بھی تمام کاغذات کی فوٹو کاپی روانہ کر دی جائے تاکہ وہ بھی ان تمام کاغذات سے واقف ہو جائیں ان کی ایک تحریر مفتی محمد سلمان صاحب کے واسطے سے احقر کو دیکھنے کو ملی، ان کی خدمت میں بشرط

سہولت سلام بھی پیش فرمادیں، حضرت مفتی عبداللہ صاحب اورحضرت اقدس مولانا اسماعیل منوبری صاحب مہتمم مدرسہ کنتھاریہ کی خدمت میں بھی سلام ودعاء کی درخواست فرمادیں، نیز حضرت مفتی احمد صاحب دیولہ کی خدمت میں بھی سلام ودعاء کی گذارش ہے۔

نوٹ: اگر مناسب معلوم ہوتو یہ تمام تحریریں بنگلور کے سیمینار میں ساتھ لے چلئے، حضرت مفتی ظفیر الدین صاحب دامت برکاتہم سے مزید کوئی بات معلوم کرنی ہوتو ان سے براہ راست معلوم کیا جا سکےاور احقر کی شرکت کی بھی امید ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

طالب دعا: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ ؍ربیع الاول ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۷۵۱)

قربانی میں مکانِ ذبح کا اعتبار ہے یا مکان مالک کا؟ مفصل فتویٰ

سوال [۹۸۶۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: معلوم یہ کرنا ہے کہ قربانی کرنے میں جہاں جانور ہے وہاں کا اعتبار ہے، یا جہاں پر قربانی کرنے والا ہے وہاں کا اعتبار ہے، اختری بہشتی زیور حصہ سوم ۳۷؍ پر جہاں جانور رہے وہاں کا اعتبار کیا ہے، ایسے ہی فتاویٰ محمودیہ ۴/ ۳۰۷، فتاویٰ رحیمیہ ۹ /۳۱۴ پر درج ہے، اور فتاویٰ رحیمیہ میں یوں درج ہے:

سوال: بھائی عبدالرشید نے مدراس سے یہاں حیدرآباد میں قربانی کرنے کولکھا ہے وہاں عید پیر کو ہے اور یہاں اتوار کو، توان کی قربانی ہم یہاں اتوار کو کر سکتے ہیں یا نہیں؟ یا پیر کو کرنا ہوگی؟

الجواب: قربانی کا جانور جس جگہ ہو اس جگہ کا اعتبار ہوتا ہے، قربانی کرنے والے کی جگہ کا اعتبار نہیں ہوتا، عربی حوالوں کے بعد مفتی عبدالرحیم صاحب لکھتے ہیں کہ صورت مسئلہ میں عبدالرشید بھائی نے مدراس سے آپ کو حیدرآباد میں اپنی قربانی کرنے کے لیے لکھا ہے اور مدراس میں پیر کو عید الاضحیٰ ہے اور آپ کے یہاں اتوار کو تو آپ بلاتکلف ان کی قربانی اتوار کو کر سکتے ہیں ان کی قربانی صحیح ہو جائے گی۔ فقط واللہ اعلم بالصواب

لیکن رسالہ البلاغ کراچی میں فتاویٰ رحیمیہ والی صورت مسئلہ کا جواب دوسرا دیا گیا ہے اور اس پر مفتیان کرام کی مہریں ودستخط موجود ہیں، جس پر تاریخ ۱۵/۸/۱۴۲۰ھ درج ہے، آپ اس بارے میں کیا فتویٰ دیتے ہیں، برائے مہربانی مطلع کریں تا کہ مسئلہ کی اچھی طرح وضاحت ہو جائے، اس استفتاء کے ساتھ رسالہ''البلاغ'' کی اس مسئلہ سے متعلق زیروکس بھی روانہ کررہا ہوں۔

المستفتی: عبدالسلام پونوی، آکولہ مہاراشٹر

دارالعلوم کراچی پاکستان کا فتویٰ

سوال [۹۸٦۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جو پاکستانی پاکستان میں رہ رہا ہواور وہ اپنی قربانی مثلاً افغانستان میں کراتا ہو اور افغانستان میں عید ایک دن قبل ہو جائے جیسا کہ عموماً ایسا ہی ہوتا ہے اور اس کا جانور وہاں پر پہلے دن ذبح ہو جائے تو یہ قربانی شرعاً معتبر ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد عبداللہ کراچی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: قربانی کے نفس وجوب کا سبب وقت ہے جو کہ یوم نحر کی طلوع صبح صادق سے شروع ہوکر بارہویں تاریخ کے غروب آفتاب تک ہے اور غنی یعنی مالک نصاب ہونا یہ شرطِ وجوب ہے اور مثلاً شہری کے حق میں قربانی کا نماز عید کے بعد انجام دینا یہ شرطِ ادا ہے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ یوم نحر کی طلوع صبح صادق سے پہلے قربانی کا سرے سے وجوب ہی نہیں ہوتا جیسا کہ نماز ہے کہ وقت نماز داخل ہونے سے پہلے نماز فرض ہی نہیں ہوتی، لہٰذا اگر کسی نے وقت داخل ہونے سے پہلے نماز ادا کی تو فرض ادا نہیں ہوگا، اسی طرح اگر کسی نے یوم نحر سے پہلے قربانی کی یا کرائی تو وہ بھی شرعاً معتبر نہیں ہوگی، فقہاء کرام کی وہ عبارات جن سے صراحتًا یا دلالۃً یہ معلوم ہوتا ہے کہ قربانی میں مکان اضحیہ کا اعتبار ہے ان عبارت کا تعلق اداء سے ہے اور قربانی کے سلسلہ میں اداء میں بلاشبہ مکانِ اضحیہ کا اعتبار ہوتا ہے:

(۱) شہری آدمی اگر اپنا جانور دیہات بھیج دے اور خود وہ شہر میں ہے تو یہ جانور دیہات میں اگر طلوع فجر کے ساتھ ہی ذبح ہوا تو بھی یہ قربانی شرعاً معتبر ہوگی، اگر چہ ابھی اصل قربانی کنندہ کے شہر میں نماز عید نہ ہوئی ہو۔

(۲) مسئلہ (۱) کے برعکس اگر دیہاتی آدمی اپنا جانور شہر کو بھیج دے اور خود وہ دیہات میں ہے تو یہ جانور شہر میں اگر طلوع فجر کے ساتھ ذبح ہوا تو قربانی شرعاً معتبر نہیں ہوگی حالانکہ اصل ذبح کرانے والے کے یہاں عید کی نماز واجب ہی نہیں۔

(۳) زید خود کراچی میں ہے اور اس کے اہل وعیال پشاور میں ہیں وہ اپنے گھر والوں کو خط لکھتا ہے کہ پشاور میں میری طرف سے قربانی کے طور پر بکرا مثلاً ذبح کریں، چنانچہ وہ لوگ ذبح کر لیتے ہیں تو اس کے معتبر ہونے یا نہ ہونے میں پشاور میں نماز عید ادا ہونے یا نہ ہونے کا اعتبار ہوگا نہ کہ کراچی کا جہاں قربانی کرانے والا یعنی زید رہ رہا ہے، ان تمام مثالوں کا تعلق ادا سے ہے، اس سے معلوم ہوا کہ اداء میں مکانِ اضحیہ کا اعتبار ہے لیکن یاد رکھنا چاہئے کہ اداء کا اعتبار اس وقت ہوگا جب اس عمل کا پہلے سے مکلّف کے ذمہ نفس وجوب ہو چکا ہو جیسا کہ شروع میں مذکور ہوا، کیونکہ وجوب سے قبل اداء کا اعتبار نہیں، اور نفس وجوب کا تعلق ذمہ مکلّف سے ہوتا ہے اور ذمہ کا محل مکلّف ہے، مال نہیں، لہٰذا نفس وجوب میں مکلّف (فاعل) کے فعل کا اعتبار ہوگا اور نفس وجوب کا سبب یوم نحر ہے، جیسا کہ گذشتہ صفحہ میں مذکور ہوا، لہٰذا نفس وجوب میں یہ دیکھا جائے گا کہ جہاں مضحی (قربانی کرنے یا کرانے والا) رہ رہا ہے وہاں یوم النحر ہو چکا ہے یا نہیں، اگر یوم نحر ہو چکا ہے تو نفس وجوب ہو گیا اب دیگر شرائط کے پائے جانے کی صورت میں خود قربانی کرے یا اس کی اجازت سے دوسرا کوئی آدمی کرے دونوں صورتوں میں یہ قربانی شرعاً ادا ہو جائے گی، لیکن مضحی جہاں رہ رہا ہے وہاں یوم نحر اگر نہیں ہوا ہے تو جس طرح اس وقت یہ خود قربانی نہیں کرسکتا اسی طرح اس کی طرف سے کوئی اور بھی قربانی نہیں کرسکتا، اگر چہ وکیل (دوسرا شخص) کے شہر یا ملک میں یوم نحر شروع ہو چکا ہو۔

اس تفصیل سے یہ بات بالکل صاف طور پر معلوم ہوگئی کہ اگر کوئی شخص مثلاً پاکستان

میں رہ رہا ہے اور وہ اپنی قربانی مثلاً افغانستان میں کراتا ہے تو نفس وجوب کے وقت میں پاکستان کا اعتبار ہوگا، لہٰذا اگر افغانستان میں پاکستان سے ایک دن پہلے عیدالاضحیٰ ہوئی اور اس پاکستانی کا جانور افغانستان میں پہلے دن ذبح ہوا، تو یہ قربانی شرعاً معتبر نہیں ہوگی، اس لیے دوسرے ممالک میں قربانی کرنے والوں پر واجب ہے کہ وہ اپنے وکیلوں کو اس بات کا پابند بنائیں کہ ہمارے جانور کو اس دن ذبح کریں جس دن ہمارے یہاں بھی ایام نحر میں سے کوئی دن ہو، مذکورہ بالا اصول سے ضمناً ایک اور مسئلہ کا حکم بھی معلوم ہوا اور وہ یہ کہ مثلاً برطانیہ کا وقت پاکستان کے وقت سے پانچ گھنٹہ پیچھے ہے، مثلاً جب پاکستان میں صبح ساڑھے چھ بج رہے ہوتے ہیں تو اس وقت برطانیہ میں رات کا ڈیڑھ بج رہا ہوتا ہے، لہٰذا اگر آدمی برطانیہ میں رہ رہا ہے اور وہ اپنی قربانی پاکستان میں کراتا ہے تو جب تک برطانیہ میں یوم نحر کی صبح صادق طلوع نہ ہو، اس وقت تک اس کا جانور پاکستان میں ذبح کرنا درست اور معتبر نہیں۔

لأن نفس الوجوب لم يتحقق فی ذمته كما مر فی فتح القدير: أن سبب وجوب الأضحية الوقت وهو أيام النحر والغنی شرط الوجوب. (فتح القدير، كتاب الاضحية، دار الفكر بيروت ٩/٥٠٦، كوئٹه ٨/٤٢٥، زكريا ديوبند ٩/٥١٩)

وفی البدائع: أما شرئط الوجوب ...... الغنی لما روی عن رسول الله صلى الله عليه وسلم السعة وهی الغنی. (بدائع الصنائع قديم ٥/٦٤، جديد زكريا ديوبند ٤/١٩٦)

وفی الهندية: وأما شرائط الوجوب منها اليسار وهو ما يتعلق به وجوب صدقة الفطر. (هنديه زكريا قديم ٥/٢٩٢، جديد ٥/٣٣٦)

وفی رد المحتار: فأول وقتها فی حق المصری والقروی طلوع الفجر إلا أنه شرط للمصری تقديم الصلاة عليها فعدم الجواز لفقد الشرط لا لعدم الوقت. (شامی كراچی ٦/٣١٨، زكريا ديوبند ٩/٤٦٠)

وفی البدائع: وأما الذی يرجع إلى وقت التضحية فهو أنها لاتجوز قبل دخول الوقت لأن الوقت كما هو شرط الوجوب فهو شرط جواز إقامة الواجب كوقت الصلاة فلا يجوز لأحد أن يضحی قبل طلوع الفجر الثانی

مـن الیـوم الأول مـن أیـام الـنـحر ویجوز بعد طلوعه. (بدائع الصنائع، کتاب التضحیة، فصل و أما بیان ما یرجع إلی وقت التضحیة، زکریا ٤/ ٢١١)

وفیـه: فـإذا طـلـع الـفـجـر مـن الیوم الأول فقد دخل وقت الوجوب فتجب عند استجماع شرائط الوجوب ثم لجواز الأداء بعد ذٰلک شرائط آخر نذکرها فی موضعها إن شاء الله تعالیٰ. (بدائع الصنائع زکریا ٤/ ١٩٨)

وفـی الـخـانیة: ویـعتبر مکان المذبوح لامکان المالک وفی صدقة الـفـطـر یعتبر مکان المولیٰ لامکان العبید. (خانیة جدید زکریا ٣/ ٢٤٣، وعلی هامش الهندیة زکریا ٣/ ٣٤٥)

وفیـه: ولـو کـان هـو فـی مـصر وقت الأضحیة و أهله فی مصر آخر فـکـتـب إلـی الأهـل و أمـرهـم بـالـتـضـحیة فـی ظاهر الروایة یعتبر مکـان الأضحیة. (خانیه جدید زکریا ٣/ ٢٤٣، وعلی هامش الهندیة زکریا٣/ ٣٤٥)

وفـی الـدر الـمـختار: ویقوم فی البلد الذی المال فیه، وفی الشامیة: فـلـو بـعث عبدا للتجارة فی بلد آخر یقوم فی البلد الذی فیه العبد بحر. (البحر الرائق زکریا دیوبند ٣/ ٣١٠، در مختار کتاب الزکاة، باب زکاة الغنم، کراچی ٢/ ٢٨٦)

وفـی رد الـمـحتار: ویعتبر فی الزکاة مکان المال فی الروایات کلها واختـلف فـی صـدقة الفطر کما یأتی. (شـامـی بـاب الـمصرف، کراچی ٢/ ٣٥٣، زکریا ٣/ ٣٠٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ ۱۴۲۰/۸/۱۶ھ	عصمت اللہ عصمہ اللہ دارالافتاء دارالعلوم کراچی ۱۴۲۰/۸/۱۵ھ	الجواب صحیح محمد رفیع عثمان عفا اللہ عنہ ۱۴۲۰/۸/۱۵ھ
الجواب صحیح محمد عبداللہ عفی عنہ ۱۴۲۰/۸/۲۱ھ	الجواب صحیح بندہ عبدالرؤف غفرلہ ۱۴۲۰/۸/۲۰ھ	الجواب صحیح محمد عبدالمنان عفی عنہ ۱۴۲۰/۸/۲۱ھ
الجواب صحیح محمد کمال الدین راشدی ۱۴۲۰/۸/۲۲ھ	الجواب صحیح اصغر علی درانی ۱۴۲۰/۸/۲۲ھ	

فتویٰ منجانب دارالافتاء جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس مسئلہ میں تین چیزوں کو الگ الگ سمجھنا لازم ہے:

(۱) سبب وجوب یعنی قربانی واجب ہونے کا سبب، یہ قربانی کا وقت ہے جو یوم النحر کی طلوع صبح صادق سے شروع ہوکر بارھویں تاریخ کے غروب آفتاب تک رہتا ہے۔

(۲) شرط وجوب یعنی قربانی واجب ہونے کی شرط، آزاد مسلمان کا مالک نصاب ہونا۔

(۳) شرط ادا یعنی مالک نصاب پر قربانی کے ایام اور وقت داخل ہونے کی وجہ سے قربانی واجب ہوجاتی ہے، پھر اس کے قربانی ادا کرنے کے لیے ایک مزید شرط ہے، وہ یہ ہے کہ شہری آدمی کے لیے نماز عید الاضحیٰ کی ادائیگی لازم ہے، یہی شہری کے لیے ادائیگی کی شرط ہے، مگر یہ شرط دیہاتی پر لاگو نہیں ہوتی، اور شرط ادا میں مکان اضحیہ کا اعتبار ہے، مکان مضحی کا اعتبار نہیں، لہٰذا جہاں جانور ہوگا وہاں کا اعتبار ہوگا اور جہاں مالک ہو وہاں کا اعتبار نہیں، یہ مسئلہ صرف تیسری شرط کے اعتبار سے ہے اور پہلی اور دوسری شرط کے وجوب کے بغیر تیسری شرط کا تصور ہی نہیں ہوسکتا؛ لہٰذا سب سے پہلے اول شرط یعنی دونوں جگہ قربانی کے زمانہ کا آنا لازم ہے، پھر شرط ثانی یعنی زمانۂ قربانی میں مسلمان کا مالک نصاب ہونا، ان دونوں شرطوں کے ایک ساتھ پائے جانے کے بعد تیسری کا مسئلہ سامنے آتا ہے اور تیسری شرط ایک خصوصی اور جزوی شرط ہے، عمومی اور کلی نہیں، صرف شہری کے ساتھ یہ شرط لگی ہوئی ہے، دیہاتی کے ساتھ نہیں؛ لہٰذا شہری اور دیہاتی کے اعتبار سے مکان اضحیہ کا اعتبار ہوگا، مکان مضحی کا اعتبار نہیں ہے اور مسائل قربانی میں مسامحت ہوگئی ہے، کہ اس میں تیسری شرط کو سبب وجوب یعنی پہلی شرط کے درجہ میں لے جا کر لکھا گیا ہے، جو درست نہیں ہے، اور ساتھ میں ہدایہ، درمختار اور شامی کے تین جزئیہ بھی نقل کیے ہیں ان تینوں جزئیات کا تعلق تیسری شرط کے ساتھ ہے، پہلی شرط کے ساتھ نہیں ہے، ان جزئیات کو اس مسئلہ سے متعلق سمجھنے میں مسامحت ہوگئی ہے

اور بہشتی زیور اور فتاویٰ محمودیہ کا مسئلہ اپنی جگہ صحیح اور درست ہے۔

اب اصل مسئلہ کا جواب یہ ہے کہ مکان اضحیہ کا اعتبار کرنا اس وقت درست ہے کہ جب مالک اضحیہ کے یہاں شرط یعنی سبب وجوب جو کہ قربانی کے ایام ہیں (دسویں ذی الحجہ سے بارہویں ذی الحجہ کا درمیانی زمانہ) دونوں جگہ پایا جانا لازم ہے، اس لیے اگر ہندوستان کا آدمی سعودی عرب قربانی کا پیسہ بھیج دیتا ہے اور وہاں ہندوستان سے ایک دن پہلے قربانی کا دن شروع ہو جاتا ہے ہندوستان میں ابھی قربانی کا زمانہ شروع نہیں ہوا ہے، اب اگر مالک قربانی ہندوستان میں اسی دن مر جاتا ہے تو اس پر قربانی واجب ہی نہیں ہوئی حالانکہ مکان اضحیہ میں جہاں قربانی ہونی ہے وہاں پر وقت ہو چکا تھا، لہٰذا اضحیہ اور مکان مالک دونوں جگہ قربانی کا سبب وجوب یعنی دسویں ذی الحجہ کی صبح صادق کا ہونا شرط ہے اور شہر میں قربانی ہو رہی ہے تو شہر میں کسی جگہ نماز عید الاضحیٰ کا ہو جانا بھی شرط ہے، اس اصول سے دار العلوم کراچی کا فتویٰ صحیح ہے، مگر اس میں ایک مثال میں مسامحت ہوگئی، لکھا ہے کہ جب پاکستان میں صبح ساڑھے چھ بج رہے ہیں اس وقت برطانیہ میں رات کا ڈیڑھ بج رہا ہوتا ہے۔

لہٰذا اگر ایک آدمی برطانیہ میں رہ رہا ہے اور وہ اپنی قربانی پاکستان میں کراتا ہے تو جب تک برطانیہ میں یوم نحر کی صبح صادق طلوع نہ ہو اس وقت تک اس کا جانور پاکستان میں ذبح کرنا درست نہیں، یہ مثال اس لیے درست نہیں کہ دنیا میں مہینے کی ابتداء سعودی اور اس کے اطراف سے ہوتی ہے اور برطانیہ میں اس دن قمری ماہ کی ابتدا ہو جاتی ہے، جس دن سعودیہ میں ہوتی ہے اور ہند و پاک میں اس کے ایک یوم کے بعد ہوتی ہے، لہٰذا سعودیہ اور برطانیہ میں سبب وجوب ہمیشہ پہلے پایا جاتا ہے اس کے بعد ہی ہند و پاک میں قربانی ہوتی ہے اس کے علاوہ دار العلوم کراچی کا فتویٰ مع بقیہ مثالوں کے صحیح ہے۔

اب عربی عبارتوں کے ساتھ جزئیات ملاحظہ فرمائیے: (۱) سبب وجوب یعنی قربانی کے ایام مکان مضحی میں پایا جانا ضروری ہے۔

وأما الذی یرجع إلی وقت التضحیة فهو أنها لاتجوز قبل دخول

الـوقـت لأن الـوقـت كما هو شرط الوجوب فهو شرط جواز إقامة الواجب كـوقت الصلاة فلا يجوز لأحد أن يضحى قبل طلوع الفجر الثانى من اليوم الأول مـن أيـام الـنـحـر ويجوز بعد طلوعه سواء كان من أهل المصر أو من أهـل الـقـرى غيـر أن للجواز فى حق أهل المصر شرطا زائدا وهو أن يكون بـعـد صـلاة العيد لايجوز تقديمها عليه عندنا . (بـدائع الصنائع، كتاب التضحية، فصل و أما بيان ما يرجع إلى وقت التضحية زكريا ٤/ ٢١١)

(۲) **وأمـا وقـت الوجوب فأيام النحر فلا تجب قبل دخول الوقت لأن الـواجبـات الـمـؤقتة لاتـجـب قبل أوقاتها كالصلاة والصوم و نحوهما و أيام النحر ثلاثة: يوم الأضحىٰ وهو اليوم العاشر من ذى الحجة والحادى عشر و الثـانـى عشـر و ذٰلک بـعد طلوع الفجر من اليوم الأول إلى غروب الشمس مـن الثانى عشر ...... فإذا طلع الفجر من اليوم الأول فقد دخل وقت الوجوب فتـجـب عـنـد استجماع شرائط الوجوب ثم لجواز الأداء بعد ذٰلک شرائط آخـر نـذكرها فى مواضعها إن شاء الله.** (بـدائـع الـصنائع، فصل فى وقت الوجوب، زكريا ٤/١٩٨، مجمع الأنهر قديم ٢/٥١٦، جديد دار الكتب العلمية بيروت ٤/١٦٦)

(۳) **وسببهـا الوقت وهو أيام النحر.** (فتـح القدير زكريا ديو بند ٩/٥١٩، كوئٹه ٨/٤٢٥، دار الفكر بيروت ٩/٥٠٦)

(۴) **أن سبب وجوب الأضحية الوقت وهو أيام النحر.** (مجمع الأنهر قديم ٢/٥١٦، جديد دار الكتب العلمية بيروت ٤/١٦٦)

شرط وجوب: یعنی قربانی واجب ہونے کی شرط یعنی آزاد مسلمان مقیم کا مالک نصاب ہونا اس کے متعلق عبارتیں ملاحظہ فرمایئے:

(۵) **وإنـمـا تجب على حر مسلم مقيم موسر** . (فتـح القدير زكريا ديو بند ٩/٥١٩، كوئٹه ٨/٤٢٥، دار الفكر بيروت ٩/٥٠٦)

(۶) **قـال: الأضـحية واجبة عـلـى كل حر مسلم مقيم موسر فى يوم**

الاضحیٰ. (البحر الرائق کوئٹه ۱۷۳/۸، زکریا دیو بند ۳۱۷/۸)

(۷) **ولها شرائط وجوب كونه مقيما موسرا من أهل الأمصار والقرىٰ والبوادى والإسلام شرط.** (فتح القدير زكريا ديوبند ۵۱۹/۹، کوئٹه ۴۲۵/۸، دار الفكر بيروت ۵۰۶/۹)

(۸) **فتجب التضحية على حر مسلم مقيم موسر بمصر أو قرية أو بادية.** (تنوير الأبصار مع الشامى زكريا ۴۵۷/۹، کراچی ۳۱۵/۶)

شرط ادا: یعنی قربانی کا فریضہ ادا کرنے کی شرط:

(۹) **وأما شرائط أدائها فمنها الوقت فى حق المصرى بعد صلاة الإمام والمعتبر مكان الأضحية لا مكان المضحى و سببها طلوع فجر يوم النحر و ركنها ذبح ما يجوز ذبحه.** (البحر الرائق کراچی ۱۷۳/۸، زکیا دیو بند ۳۱۷/۸)

(۱۰) **وأول وقتها أى أول وقت تضحية الأضحية بعد فجر النحر لكن لا تذبح فى المصر قبل صلاة العيد، وهذا الشرط لمن تجب عليه صلاة العيد ثم المعتبر فى ذٰلک مكان الأضحية حتى لو كان فى السواد و المضحى فى المصر يجوز من انشقاق الفجر على عكسه لايجوز إلا بعد الصلاة.** (مجمع الأنهر قديم ۵۱۶/۲، جديد دار الكتب العلمية بيروت ۱۶۹/۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍صفر المظفر ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۲۶۷/۳۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۲/۲۳ھ

جواب صحیح اور درست ہے اور محقق ہے۔

الجواب صحیح
العبد محمد طاہر عفا اللہ عنہ
دار الافتاء مظاہر علوم سہارنپور
۲؍ربیع الاول ۱۴۲۶ھ

الجواب صحیح
محمد ظفیر الدین
مفتی دار العلوم دیو بند
۳؍ربیع الثانی ۱۴۲۶ھ

الجواب صحیح
حبیب الرحمٰن عفا اللہ عنہ
مفتی دار العلوم دیو بند
۱۴۲۶/۸/۱۵ھ

فتویٰ منجانب دارالافتاء جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: آنجناب کی ارسال کردہ تحریر کو جو مسئلہ قربانی سے متعلق ہے از اول تا آخر پڑھا گیا، سنا گیا، احقر نے بھی اور مفتی محمد سلمان صاحب نے بھی اچھی طرح تحریر کے دونوں پہلوؤں پر غور کیا اس کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے کہ اس کے جواب میں نئی تحریر لکھنے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ اس موضوع سے متعلق دارالعلوم کراچی اور مدرسہ شاہی کا جواب جو پہلے آچکا ہے وہی پیش کردیا جائے، نیز دارالعلوم دیوبند کا ایک مختصر جواب جس میں دو پہلوؤں کا احتمال تھا اس کے متعلق حضرت مولانا مفتی محمد اسماعیل صاحب بھڈکودروی مفتی دارالعلوم کنتھاریہ کے استفسار کا جواب بھی شامل کرکے آنجناب کی خدمت میں روانہ کردیا جائے، نیز ملاقات کے موقع پر مفتی محمد اسماعیل صاحب اور بہت سے علماء اور مفتیان کرام نے مدرسہ شاہی کے فتویٰ اور وضاحتی بیان پر اطمینان کا اظہار فرمایا ہے وہ پوری تحریر آنجناب کی خدمت میں پیش کی جارہی ہے، اس سے ان شاءاللہ تعالیٰ آنجناب کو اطمینان ہوجائے گا اور مدرسہ شاہی کے جواب پر دارالعلوم دیوبند اور مظاہر علوم سہارنپور کی تصدیق اور مہر بھی شامل ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۲۶۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۲۵/۵/ ۱۴۲۶ھ

قربانی میں کس جگہ کا اعتبار ہے؟

سوال [۹۸۶۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نے ایک استفتاء آپ کی خدمت میں ارسال کیا تھا جس کا حاصل یہ تھا کہ

سعودیہ میں مقیم شخص کے لیے سعودیہ اور ہندوستان دونوں جگہ قربانی کے ایام ہونا ضروری ہے یا صرف مکان اضحیہ میں ایام نحر ہونا کافی ہے، جناب والا کے فتویٰ سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں جگہ قربانی کے ایام ہونا ضروری نہیں بلکہ اگر سعودیہ میں قربانی کے ایام گذر گئے ہوں اور ہندوستان میں ایام نحر باقی ہوں تو سعودیہ میں مقیم شخص کی قربانی ہندوستان میں ہوسکتی ہے، مسئلہ کی نزاکت کے پیش نظر مذکورہ استفتاء احقر نے دارالعلوم بھی بھیجا تھا، دارالعلوم کا جواب ہے کہ سعودیہ اور ہندوستان دونوں جگہ قربانی کا دن ہونا ضروری ہے، اگر سعودیہ میں قربانی کے دن گذر چکے ہیں اور ہندوستان میں قربانی کے ایام باقی ہیں تو سعودیہ میں مقیم شخص کی قربانی ہندوستان میں نہ ہوگی، غور فرمانے کے لیے دارالعلوم کا فتویٰ ارسال خدمت ہے۔

المستفتی: محمد عثمان اعظمی

دارالعلوم دیوبند کا فتویٰ

کیا فرماتے ہیں علماء دین مسئلہ ذیل کے بارے میں:

زید کے اعزاء و اقارب سعودیہ عربیہ میں رہتے ہیں، عام طور سے سعودیہ میں ہندوستان سے ایک روز یا دو روز قبل عیدیں ہوتی ہیں، دریافت طلب امر یہ ہے کہ اگر سعودیہ میں مقیم شخص وہاں کے ایام نحر گذرنے کے بعد اپنی قربانی ہندوستان میں کرادے جبکہ یہاں ابھی ایام نحر باقی ہیں تو کیا سعودیہ میں مقیم شخص کی قربانی اس صورت میں صحیح ہوگی؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق: مذکورہ صورت میں سعودیہ میں مقیم شخص کی قربانی صحیح نہ ہوگی، صحیح جب ہوگی جبکہ سعودیہ میں بھی قربانی کا دن ہو اور ہندوستان میں بھی قربانی کا دن ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

كتبہ: حبیب الرحمٰن عفا اللہ عنہ
مفتی دارالعلوم دیوبند
۸رشوال ۱۴۲۹ھ

الجواب صحیح: زین الاسلام قاسمی
مفتی دارالعلوم دیوبند
۸رشوال ۱۴۲۹ھ

فتویٰ مدرسہ شاہی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سعودیہ میں مقیم شخص اپنے یہاں ایامِ نحر گذرنے کے بعد ۱۳؍ذی الحجہ کو ہندوستان میں کسی شخص کو اپنی قربانی کا وکیل بنادے جبکہ ہندوستان میں ایامِ نحر باقی ہیں، ۱۲؍ذی الحجہ ہے اور ہندوستان میں ۱۲؍ذی الحجہ کو اس کی قربانی کردی جائے تو یہ قربانی صحیح اور درست ہوجائے گی؛ کیونکہ یہاں پر تین باتوں پر توجہ دینا نہایت ضروری ہے:

(۱) سببِ وجوب (۲) ادائے وجوب (۳) قربانی کے ایام میں اصل قربانی ہی کرنا۔

سببِ وجوب: مالدار شخص پر قربانی کے ایام کا آنا، اس میں مکان مالک کا اعتبار ہے، یعنی مکان مالک میں قربانی کے ایام آچکے ہوں۔

ادائے وجوب: قربانی کے ایام کا پایا جانا، اور اس میں مکان اضحیہ کا اعتبار ہے۔

قربانی کے ایام میں اصل قربانی ہی کرنا ہے: بدرجہ مجبوری ایام فوت ہونے کی وجہ سے بدل میں تصدق واجب ہوتا ہے؛ لہٰذا اگر دنیا میں کہیں بھی ایامِ نحر باقی ہوں اور وہاں آسانی کے ساتھ قربانی کرائی جاسکتی ہو تو بجائے تصدق کے قربانی ہی کرانا چاہیے، کیونکہ وہی اصل ہے، اصل پر قدرت کے باوجود بدل کی ادائیگی نہیں ہوتی، لہٰذا اگر ہندوستان میں ۱۲؍تاریخ کو وکیل بنا کر قربانی کرادی جائے تو جائز ہے کیونکہ ادائیگی کا وقت مکان اضحیہ میں موجود ہے، اور سبب وجوب کا زمانہ مکان مالک میں آچکا ہے، یعنی جہاں پر مالک ہے وہاں قربانی کا زمانہ آچکا ہے، اگرچہ آنے کے بعد وقت نکل چکا ہے، اس لیے کہ مالک کے اوپر قربانی کے ایام آنے کے بعد اب قربانی کرنے کے لیے قربانی کی جگہ کا اعتبار ہوتا ہے کہ جہاں بھی قربانی ہو وہاں پر قربانی کا زمانہ موجود ہونا لازم ہے، اور مذکورہ سوال میں ذکر کردہ واقعہ میں ہندوستان میں جب قربانی کی جارہی تھی اس وقت ہندوستان میں قربانی کے ایام موجود تھے، سائل کی طرف سے پیش کردہ دونوں جوابوں کو بار بار دیکھا گیا ہم نے جو جواب لکھا تھا اس کی تائید میں جزئیات اور فقہی عبارات ملتی ہیں، اور دارالعلوم دیوبند کے جواب کی تائید میں ہم کو کوئی صریح جزئیہ نہیں مل سکا، اس لیے دارالعلوم دیوبند کے جواب سے ہم کو اتفاق نہیں ہوسکا،

نیز جو فقہی عبارت اور جزئیات ہمارے سامنے ہیں ان کی روشنی میں دار العلوم دیوبند یا ہندوستان کے دیگر مدارس میں سعودیہ عربیہ، مصر، افریقہ، اور انگلینڈ والوں کی طرف سے بھیجی ہوئی قربانی ہندوستان کے تیسرے دن بھی جائز ہے، اگر چہ قربانی کے پیسے بھیجنے والوں کے یہاں تیسرا دن گذر چکا ہو، جزئیات ملاحظہ ہوں:

ولو كان هو في مصر وقت الأضحية وأهله في مصر آخر فكتب إلى الأهل و أمرهم بالتضحية، في ظاهر الرواية: يعتبر مكان الأضحية. (خانية، كتاب الأضحية، فصل في صفة الأضحية جديد زكريا ٣/٢٤٣، على هامش الهندية زكريا ٣/٣٤٥)

روى فيها: أن الرجل إذا كان في مصر و أهله في مصر آخر فكتب إليهم أن يضحوا عنه فإنه يعتبر مكان الذبيحة. (المحيط البرهاني، مكتبه رشيديه كوئٹه ٦/٤٧٧، المجلس العلمي بيروت ٨/٤٦٤، رقم: ١٠٨٠٩)

وإنما يعتبر في هذا مكان الشاة لا مكان من عليه هكذا ذكر محمد رحمه الله في النوادر وقال: إنما أنظر إلى محل الذبح ولا أنظر إلى موضع المذبوح عنه، وهكذا روى الحسن عن أبي يوسف رحمه الله يعتبر المكان الذي يكون فيه الذبح ولا يعتبر المكان الذي يكون فيه المذبوح عنه وإنما كان كذٰلك لأن الذبح هو القربة فيعتبر مكان فعلها لا مكان المفعول عنه وإن كان الرجل في مصر وأهله في مصر آخر فكتب إليهم أن يضحوا عنه روى عن أبي يوسف أنه اعتبر مكان الذبيحة. (بدائع الصنائع فصل في بيان ما يرجع إلى وقت التضحية، زكريا ٤/٢١٣)

والمعتبر مكان الأضحية لامكان من عليه. (در مختار شامي زكريا ٩/٤٦١)

إن الرجل إذا كان في مصر و أهله في مصر آخر فكتب إليهم ليضحوا عنه فإنه يعتبر مكان التضحية. (هنديه زكرياقديم ٥/٢٩٦، جديد ٥/٣٤٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶ محرم الحرام ۱۴۳۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۷۳۳/۳۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۶/۱/۱۴۳۰ھ

کیا تاریخ کے اختلاف کے باوجود وکیل قربانی کرسکتا ہے؟

(۹۸۷۰) (دلائل کی روشنی میں)

پچھلے چندسالوں سے قربانی کے دومسئلے موضوع بحث بن گئے ہیں:

(۱) مؤکل کے مکان پر قربانی کا وقت شروع نہیں ہوا ہے، اور وکیل کے مکان پر قربانی کا وقت شروع ہو چکا ہے۔

(۲) مؤکل کے مکان پر قربانی کا وقت ختم ہو چکا ہے اور وکیل کے مکان پر قربانی کا وقت موجود ہے۔

ان دونوں مسئلوں میں وکیل کا اپنے مؤکل کی طرف سے قربانی کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اس کے بارے میں تین نقطہائے نظر پائے جاتے ہیں:

(۱) پہلے مسئلہ میں درست نہیں اور دوسرے مسئلے میں درست ہے۔

(۲) دونوں مسئلوں میں درست ہے۔

(۳) دونوں مسئلوں میں درست نہیں ہے۔

حیرت انگیز بات یہ ہے کہ پہلے نقطۂ نظر والے جن دلائل سے صرف ایک مسئلہ میں جواز ثابت کرتے ہیں، انہیں دلائل سے دوسرے نقطۂ نظر والے دونوں مسئلوں میں جواز ثابت کرتے ہیں، اور انہیں دلائل سے تیسرے نقطہ نظر والے دونوں مسئلوں میں عدم جواز ثابت کرتے ہیں، اس لیے اتنی بات تو طے ہے کہ دلائل ایک ہی نقطۂ نظر کی تائید کر سکتے ہیں، سب کی تائید نہیں، بالفاظ دیگر ایک ہی نقطۂ نظر درست ہوسکتا ہے، سب نہیں، اب وہ کون سا ہے، ہم اس تک رسائی کی کوشش کرتے ہیں، لیکن مطلوب تک رسائی مندرجہ ذیل امور کی تعیین پر موقوف ہے، لہٰذا پہلے ان کی تعیین کرتے ہیں۔

(۱) قربانی کا سبب نفس وجوب، وقت ہے یا نصاب؟

(۲) ذبح کے قربت بننے اور قربت باقی رہنے اور درست ہونے میں کس کے مقام کا اعتبار ہے؟

(۳) شہری اور دیہاتی کے حق میں قربانی کا وقتِ ادا کب شروع ہوتا ہے؟ اور شہر اور دیہات میں قربانی کا وقت ادا کب شروع ہوتا ہے؟

(۴) قربانی کے وقتِ ادا، شروع وختم ہونے میں کس کے مقام کا اعتبار ہے؟

قربانی کا سبب نفس وجوب وقت ہے یا نصاب؟

قربانی کا نفس وجوب مکرر ثابت ہوتا ہے اور نفس وجوب کا تکرار، سبب نفس وجوب کے تکرار سے ثابت ہوتا ہے، لہٰذا سبب نفس وجوب ایسی چیز ہونی چاہیے جس میں تکرار ہو اور وہ وقت ہی ہوسکتا ہے نہ کہ نصاب قربانی، کیونکہ نصاب قربانی میں مال نامی ہونے کی شرط نہ ہونے کی وجہ سے اس میں تکرار ہے ہی نہیں۔

ولایشترط فیه النماء لا بالتجارة ولابالحول. (شرح العنایة مع فتح القدیر ۲/۲۸۸)

اور نصاب زکوٰۃ میں صفت نمو ہی کی وجہ سے تکرار ثابت ہوتا ہے اور صدقۂ فطر کا سبب نفس وجوب جو کہ رأس ہے اس میں بھی فقہاء نے تقدیراً تکرار ثابت کیا ہے، تاکہ نفس وجوب کا تکرار ہوسکے۔

فإن الوصف لأجله كان الرأس موجبا وهو المؤنة يتجدد بمضى الزمان كما أن النماء الذى لأجله كان المال سببا للوجوب يتجدد بتجدد الحول. (المحرر فی اصول الفقه للسرخسی ۱/۷۸)

حاصل یہ کہ جب قربانی کا نفس وجوب مکرر ثابت ہوتا ہے تو سبب نفس وجوب ایسی چیز ہونی چاہیے جس میں تکرار ہو اور وہ بالیقین وقت ہی ہے نہ کہ نصاب قربانی اور فقہاء کی صراحت بھی موجود ہے۔

إن سبب وجوب الأضحية الوقت وهو أيام النحر والغناء شرط الوجوب. (تكملة فتح القدير، كتاب الأضحية، دار الفكر بيروت ۹/۵۰۶، كوئٹه ۸/۴۲۵، زكريا ديوبند ۹/۵۱۹)

اورغنا یعنی ملک نصاب سبب نفس وجوب نہیں، بلکہ شرط نفس وجوب ہے، اسی لیے سبب نفس وجوب یعنی ایام نحر ہی میں غنا کا اعتبار ہے ان سے پہلے نہیں۔

هـذه قربة موقتة فيعتبر الغنى في وقتها. (بـدائـع الصنائع، فصل فى شرائط الوجوب زكريا ديوبند ٤/١٩٦)

بالفرض اگر قربانی کا سبب نفس وجوب ملک نصاب کو تسلیم کرلیں، تو یہ ممکن بھی نہیں، اس لیے کہ مکلّف پر ملک نصاب کی وجہ سے یوم نحر سے پہلے ہی قربانی کا نفس وجوب ہوجائے گا، لیکن مکلّف کے لیے یوم نحر کی آمد سے پہلے قربانی ادا کرنا درست نہ ہوگا، حالانکہ نفس وجوب کے لیے جواز ادا لازم ہے، یعنی جب مکلّف پر کسی عبادت کا نفس وجوب ہوتا ہے، تو اس کے لیے عبادت کی ادائیگی جائز ہوجاتی ہے اگر چہ وجوب ادا نہ ہوا ہو، جیسے ملک نصاب سے زکوٰۃ کا نفس وجوب ہوجاتا ہے، تو مالک نصاب بنتے ہی زکوٰۃ کی ادائیگی درست ہوجاتی ہے اگر چہ وجوب ادا حولانِ حول پر ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ فقہاء نے حج میں وقت کو اصح قول کے مطابق نفس وجوب کی شرط قرار دیا ہے، کذا فی الفتح، والبحر، والدرالمختار، والشامی والطحطاوی علی المراقی والبدائع، شریعت میں اس کی کوئی نظیر نہیں کہ مکلّف پر کسی عبادت کا نفس وجوب ہوجائے اور جواز ادا متعین وقت کی آمد پر موقوف ہو، کیونکہ جواز ادا نفس وجوب کے لوازمات میں سے ہے۔

لـمـا صـار الجزء الأول سببا أفاد الوجوب بنفسه و أفاد صحة الأداء لكنه لم يوجب الأداء للحال (قوله أفاد صحة الأداء) لأن الوجوب لما ثبت كـان جـواز الأداء من ضروراته على ما عليه عامة الفقهاء و المتكلمين، فإن الوجوب يفيد جواز الأداء عندهم. (كشف الأسرار عن اصول البزدوى ١/٣١٧ - ٣١٨، باب تقسيم المامور به فى حكم الوقت)

حاصل یہ کہ مضحی کے مقام پر یوم نحر کی آمد سے پہلے قربانی کا نفس وجوب ہوتا ہی نہیں، اور نفس وجوب سے پہلے عبادت کی ادائیگی جائز نہیں۔

ذبح کے قربت بننے اور قربت باقی رہنے اور درست ہونے میں کس کے مقام کا اعتبار ہے؟

(۱) ذبح کا قربت بننا یعنی جانور کو ذبح کرنا عبادت بن جائے اور قربانی کا نفس وجوب ہی ذبح کا قربت بنا ہے، وجہ اس کی یہ ہے کہ مضحی پر یوم نحر سے پہلے ذبح واجب نہیں تھا، اس لیے ذبح اس کے لیے قربت بھی نہیں تھا، لیکن جب مضحی پر یوم نحر کی آمد سے قربانی کا نفس وجوب ہوا اور جانور ذبح کرنا واجب ہوا تو ذبح اس کے لیے قربت بھی بن گیا، پس ثابت ہوا کہ مضحی کے مقام پر یوم نحر کی آمد سے ذبح قربت بنتا ہے، مقام اضحیہ کا اس میں کوئی دخل نہیں ہے۔

(۲) ذبح کا قربت باقی رہنا، جب مضحی کے مقام پر یوم نحر کی آمد سے ذبح قربت بن گیا، تو جب تک مضحی کے مقام پر وقت قربانی باقی رہے گا اور اس پر ذبح واجب رہے گا، تب تک ذبح اس کے لیے قربت رہے گا اور جس وقت مضحی کے مقام پر وقت قربانی ختم ہو جائے اور اس پر قربانی کی قضا یعنی صدقہ کرنا واجب ہو جائے، ذبح واجب نہ رہے تو ذبح اس کے لیے قربت بھی نہ رہے گا، بلکہ صدقہ قربت بن جائے گا، اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ ذبح قربت موقتہ ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ ذبح کے قربت بننے میں جس کے مقام کا اعتبار ہو، اس کے قربت باقی رہنے میں بھی اسی کے مقام کا اعتبار ہو، دوسری وجہ یہ ہے کہ مضحی پر قربانی کی قضا واجب ہونا یعنی ذبح واجب نہ رہنا اور ذبح کا قربت ہونا، یعنی ذبح کا واجب ہونا دونوں میں منافات ہے، اس لیے قربانی کی قضا واجب ہونا اور ذبح کا قربت ہونا دونوں کبھی جمع نہیں ہو سکتے ہیں، حاصل یہ کہ ذبح کے قربت بننے اور قربت باقی رہنے میں صرف مضحی کے مقام کا اعتبار ہے، اس میں مقام اضحیہ کا مطلقاً کوئی دخل نہیں، بلکہ ذبح کے قربت بننے اور قربت باقی رہنے میں جانور کے مقام کا اعتبار کرنا خود جانور ہی کو مکلّف بنا دینا ہے، یہی وجہ ہے کہ کسی دلیل سے ذبح کے قربت بننے اور قربت باقی رہنے میں مقام اضحیہ کا معتبر ہونا ثابت نہیں، اور نہ ثابت کیا جا سکتا ہے، اور نہ فقہاء نے اس سے بحث کی ہے کہ ذبح کے قربت بننے اور قربت باقی رہنے میں کس کے مقام کا اعتبار ہے؟ اور نہ تو اس کی کوئی ضرورت تھی، عدم ضرورت کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ ذبح

کے قربت بننے اور قربت باقی رہنے کا تعلق صرف مضحی سے ہے، اضحیہ سے اس کا کوئی تعلق نہیں، لہٰذا اس سلسلے میں کوئی اشتباہ تھا ہی نہیں کہ ضابطہ بیان کرنے کی ضرورت لاحق ہو، دوسری وجہ یہ کہ قربانی کے نفس وجوب ہی سے ذبح کا قربت بننا محقق ہوتا ہے، اور قربانی کی قضا واجب ہوتے ہی ذبح کا قربت ہونا ختم ہو جاتا ہے اور قربانی کے نفس وجوب اور وجوب قضا میں مضحی کے مقام کا معتبر ہونا مسلم ہے، پھر ذبح کے قربت بننے اور قربت باقی رہنے میں کس کے مقام کا اعتبار ہے؟ یہ سوال ہی کب پیدا ہوتا ہے؟ کہ اس سلسلے میں کوئی ضابطہ ذکر کیا جائے۔

(۳) ذبح کا درست ہونا یعنی قربت کی صحت، جب مضحی کے لیے ذبح قربت ہو (اس کے مقام پر ایام نحر موجود ہوں) اور اس کے لیے عبادت جانور ذبح کرنے میں ہو، تو اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ قربت کی صحت یعنی ذبح کے درست ہونے میں کس کے مقام کا اعتبار ہے؟ مضحی کے یا اضحیہ کے؟ کیونکہ ذبح قربت کا تعلق مضحی واضحیہ دونوں سے ہے، یعنی ذبح کے قربت بننے اور قربت باقی رہنے کا تعلق مضحی سے ہے اور ذبح کا محل اضحیہ ہے، اور بسا اوقات مضحی کے لیے ذبح کے قربت ہونے کی صورت میں بھی مضحی واضحیہ میں سے ایک مقام پر وقت ادا موجود ہوتا ہے اور دوسرے کے مقام پر وقت ادا موجود نہیں ہوتا ہے جیسے ایک شہر میں ہو اور دوسرا دیہات میں ہو۔

لہٰذا ضرورت پیش آئی ایک ایسے ضابطے کی جس سے بآسانی معلوم ہو جائے کہ قربت کی صحت میں کس کے مقام پر وقت ادا موجود ہونا ضروری ہے؟ تو فقہاء کرام نے ضابطہ بیان کر دیا کہ قربت کی صحت میں مقام اضحیہ اور مقام فاعل کا اعتبار ہے، یعنی صرف مقام اضحیہ میں وقت ادا موجود ہونا ضروری ہے، مقام مضحی میں وقت ادا موجود ہونا ضروری نہیں، کیونکہ مضحی کے مقام پر ایام نحر موجود ہونے کی وجہ سے ذبح اس کے لیے قربت ہے اور اس قربت کی ادائیگی جانور ذبح کرنے میں ہے، اب صرف فعل ذبح یعنی قربت کی ادا باقی ہے، جس کا تعلق صرف اضحیہ سے ہے اور جس کو تنہا وکیل بھی انجام دے سکتا ہے، پھر مضحی کے مقام پر وقت ادا موجود ہونے کی کیا ضرورت ہے؟ اور اگر مضحی کے مقام پر ایام نحر موجود نہ

ہوں (خواہ آئے ہی نہ ہوں یا ختم ہو گئے ہوں) تو اس کے لیے ذبح قربت نہیں، قربانی کی ادا درست نہیں، پھر ادا کی صحت کا مسئلہ اور اس کی صحت میں کس کے مقام کا اعتبار ہے؟ یہ سوال ہی سرے سے ختم ہو جاتا ہے، حاصل یہ کہ قربانی کے ادا وقضا ہونے کا تعلق صرف موکل کے مقامی وقت سے ہوتا ہے، البتہ قربانی کے ادا ہونے کی صورت میں صرف صحت ادا کا تعلق وکیل کے مقامی وقت سے ہوتا ہے اگر بذریعہ وکیل قربانی کروائے۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

ضابطہ صرف یہ ہے کہ صحت ادائے قربانی کے لیے مقام اضحیہ میں وقت ادا موجود ہونا ضروری ہے، مضحی کے مقام پر وقت ادا موجود ہونا ضروری نہیں، لیکن فقہاء نے یہ کہیں نہیں لکھا ہے کہ مضحی کے مقام پر ایام نحر کا موجود ہونا ضروری نہیں، یہی وجہ ہے کہ کسی دلیل سے یہ ثابت نہیں، مگر اس کے باوجود مضحی کے مقام پر وقت ادا کے موجود ہونے کے ضروری ہونے کی نفی سے مضحی کے مقام پر ایام نحر کے موجود ہونے کے ضروری ہونے کی نفی ذہن نشیں کر لی ہے، یعنی وقت ادا اور ایام نحر میں تساوی کی نسبت سمجھ لی گئی ہے، حالانکہ دونوں کے درمیان عموم و خصوص مطلق کی نسبت ہے، یوم نحر عام مطلق ہے اور وقت ادا خاص مطلق ہے، لہٰذا ہر یوم نحر کے پورے وقت کا مقام کے اعتبار سے وقت ادا ہونا ضروری نہیں، جیسے شہر میں نماز عید سے پہلے کا وقت یوم نحر ہے، وقت ادا نہیں، البتہ مقام کے اعتبار سے ہر وقت ادا کا یوم نحر ہونا ضروری ہے، تو گویا فقہاء نے مضحی کے مقام پر خاص مطلق یعنی وقت ادا کے موجود ہونے کے ضروری ہونے کی نفی کی ہے، لیکن عام مطلق یعنی یوم نحر کے موجود ہونے کے ضروری ہونے کی نفی سمجھ لی گئی ہے، حالانکہ خاص کی نفی سے عام کی نفی ثابت نہیں ہوسکتی، لہٰذا مضحی کے مقام پر یوم نحر کا موجود ہونا تو ضروری ہے اور اسی بات کے پیش نظر نہ رہنے کی وجہ سے موضوع بحث دونوں مسئلوں کے بارے میں تین نقطہائے نظر پیدا ہو گئے ہیں۔

☆☆☆

شہری اور دیہاتی کے حق میں قربانی کا وقتِ ادا کب شروع ہوتا ہے؟ اور شہر اور دیہات میں قربانی کا وقتِ ادا کب شروع ہوتا ہے؟

ہر شخص کے لیے خواہ شہری ہو یا دیہاتی اس کے مقام پر یوم نحر کی صبح ہوتے ہی اس کے حق میں وقت ادا شروع ہوجاتا ہے، خود شہری اور دیہاتی کے حق میں وقت ادا کی ابتداء وانتہاء میں کوئی فرق نہیں، دونوں کے لیے مکمل تین دن وقت ادا ہے، ایام نحر کا ایک لمحہ بھی ایسا نہیں کہ جس میں شہری کے حق میں وقت ادا نہ ہو، یہی وجہ ہے کہ شہری شہر میں رہتے ہوئے بھی نماز عید سے پہلے دیہات میں کسی کو وکیل بنا کر قربانی کراسکتا ہے، اگر شہری کے حق میں نماز عید سے پہلے وقت ادا شروع نہ ہوتا، تو وہ جس طرح شہر میں قربانی نہیں کرسکتا ہے، اسی طرح وہ دیہات میں بھی قربانی نہ کرسکتا۔

فلايجوز لأحد أن يضحى قبل طلوع الفجر الثانى من اليوم الأول من أيـام النحر ويجوز بعد طلوعه سواء كان من أهل المصر أو من أهل القرىٰ.

(بدائع، فصل فى بيان ما يرجع إلى وقت التضحية دار الكتاب ديوبند ٤/ ٢١١)

البتہ شہر ودیہات میں وقت ادا شروع ہونے میں فرق ہے، شہر میں نماز عید کے بعد وقت ادا شروع ہوتا ہے جبکہ دیہات میں یوم نحر کی صبح ہوتے ہی وقتِ ادا شروع ہوجاتا ہے، پس ہر شخص خواہ شہری ہو یا دیہاتی اگر شہر میں قربانی کرنا چاہتا ہے تو وہ نمازِ عید سے پہلے قربانی نہیں کرسکتا، قربانی نہ کرسکنے کی وجہ یہ نہیں کہ مضحی کے حق میں وقت ادا موجود نہیں، بلکہ مضحی کے حق میں تو وقت ادا موجود ہے، لیکن وہ جس مقام پر قربانی کرنا چاہتا ہے (شہر) اس میں وقت ادا موجود نہیں، اور اگر مضحی خواہ شہری ہو یا دیہاتی، دیہات میں قربانی کرنا چاہتا ہے تو وہ صبح ہوتے ہی قربانی کرسکتا ہے، اور وقت ادا ختم ہونے میں شہر ودیہات میں کوئی فرق نہیں، دونوں جگہ ایک ساتھ ۱۲؍ذی الحجہ کے غروب ہوتے ہی وقت ادا ختم ہوجاتا ہے اور چونکہ شہری عموما شہر میں قربانی کرتا ہے اور دیہاتی عموماً دیہات میں قربانی کرتا ہے، اس لیے یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ شہری کے لیے وقت ادا نماز عید کے بعد شروع ہوتا ہے اور دیہاتی کے لیے وقت ادا

یوم نحر کی صبح ہوتے ہی شروع ہوتا ہے، ورنہ حقیقت وہی ہے جو سابق میں ذکر کی گئی۔

قربانی کے وقت ادا شروع وختم ہونے میں کس کے مقام کا اعتبار ہے؟

قربانی کے وقت ادا شروع وختم ہونے میں صرف مضحی کے مقام کا اعتبار ہے، اس میں مقام اضحیہ کا کوئی دخل نہیں، اور فقہاء نے اس کی تصریح بھی کردی ہے، چنانچہ ملک العلماء علامہ کاسانیؒ قربانی کا وقت بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

وأما الذى يرجع إلى وقت التضحية فهو أنها لاتجوز قبل دخول الوقت لأن الوقت كما هو شرط الوجوب فهو شرط جواز إقامة الواجب كوقت الصلاة فلا يجوز لأحد أن يضحى قبل طلوع الفجر الثانى من اليوم الأول من أيام النحر ويجوز بعد طلوعها. (بدائع الصنائع، كتاب التضحية،، فصل و أما بيان ما يرجع إلى وقت التضحية، زكريا ٤/ ٢١١)

فإذا خرج الوقت تحول الواجب من الإراقة إلى التصدق. (بدائع الصنائع، فصل فى كيفية الوجوب، زكريا ٤/ ٢٠٠)

مذکورہ دونوں عبارتوں میں مضحی کے مقام میں دخول وقت اور مضحی کے مقام سے خروج مراد ہے، لہٰذا ثابت ہوا کہ دخول وقت ادا اور خروج وقت ادا میں صرف مضحی کے مقام کا اعتبار ہے، اس سلسلے میں مقام اضحیہ کا مطلقاً کوئی اعتبار نہیں، یہی وجہ ہے کہ جب مقام مضحی میں وقت قربانی موجود ہو اور مقام اضحیہ میں وقت قربانی ختم ہوجائے تو بالاتفاق وقت ادا ختم ہونے میں مقام اضحیہ کا اعتبار نہیں، وقتِ قربانی کے آغاز واختتام کے بارے میں مقام اضحیہ کے معتبر ہونے کی تصریح تو دور کی بات ہے، کتب فقہ میں جس موقع پر وقت ادا شروع وختم ہونے کو فقہاء نے بیان کیا ہے وہاں مقام اضحیہ کا تذکرہ تک نہیں، اور یہ بات عقل سے بھی سمجھ میں آتی ہے کہ وقت ادا مکلّف کو عبادت کی ادائیگی کے لیے دیا جاتا ہے کہ فلاں وقت سے فلاں وقت کے اندر ہی عبادت کو انجام دیدیا جائے، تو کیا یہ ممکن ہے کہ ایک مکلّف انسان کے ایک اہم فریضہ کی

ادائیگی کا وقت جانور کے گاؤں میں وقتِ ادا شروع ہونے سے شروع ہو اور جانور کے گاؤں میں وقتِ ادا ختم ہونے سے ختم ہو؟ ہاں یہ تو ہوسکتا ہے کہ انسان کے فریضہ کی ادا کا محل جانور ہو، تو فریضہ کی ادائیگی کے وقت، جانور کے مقام پر وقت ادا موجود ہونا ضروری ہو۔

ولا سبيل إلى التقرب بالإراقة بعد خروج الوقت لما قلنا انتقل الواجب. (بدائع الصنائع زكريا ٢٠٣/٤، كراچی ٦٨/٥)

اس عبارت میں نکرہ نفی کے تحت لاکر مضحی کے مقام سے خروج وقت اور تحول واجب کے بعد ذبح کے قربت ہونے اور ادائے عبارت کے درست ہونے کی تمام راہوں کو فقہاء نے مسدود کردیا ہے، اب مضحی کے لیے اپنے مقام پر رہتے ہوئے ذبح کے ذریعہ عبادت ادا کرنے کی کوئی صورت ہی نہیں، الا یہ کہ خود مضحی سفر کرکے مقام اضحیہ، جہاں وقت قربانی موجود ہے، پہنچ جائے، تو وہ اضحیہ کے مقامی باشندوں کے حکم میں ہوجائے گا، ذبح اس کے لیے قربت بن جائے گا، اور اس کے حق میں وقت ادا لوٹ آئے گا، اب اس کے لیے قضائے قربانی جائز ہی نہیں نہ اصالۃً نہ نیابۃً جیسے سورج کے غروب ہونے کے بعد لوٹ آنے سے وقت عصر لوٹ آتا ہے۔

فلو غربت ثم عادت هل يعود الوقت؟ الظاهر نعم. (الدر المختار، كتاب الصلاة، مطلب: لو ردت الشمس بعد غروبها، كراچی ٣٦٠/١، زكريا ديوبند ١٦/٢)

لیکن موکل کے اپنے مقام، جہاں وقت قربانی ختم ہوگیا ہے، پر رہتے ہوئے مقام اضحیہ میں کسی کو وکیل بنانے سے اس کے حق میں وقت ادا کا لوٹ آنا اور ذبح کا قربت بن جانا یعنی ذبح کا واجب ہوجانا نہ تو درست ہے اور نہ تو کسی دلیل سے ثابت ہے، کما مر تفصیلہ، مذکورہ تفصیل سے حقیقت تو واضح ہوچکی ہے کہ تیسرا نقطۂ نظر (دونوں مسئلوں میں عدم جواز) ہی درست ہے، لیکن مزید شرح صدر کے لیے دلائل میں غور کرتے ہیں۔

مضبوط دلیل کا جائزہ

موضوع بحث دونوں مسئلوں کے بارے میں پیش کیے جانے والے دلائل کا مدار بظاہر دو

باتوں پر ہے، ذبح کا قربت ہونا اور جانور کا اضحیہ ہونا لیکن درحقیقت ان کا مدار صرف ایک ہی بات ”ذبح کے قربت“ ہونے پر ہے، کیونکہ مضحی کے لیے ذبح کے قربت ہونے کی صورت میں جانور اضحیہ ہوتا ہے اور ذبح کے قربت نہ ہونے کی صورت میں جانور اضحیہ نہیں ہوتا ہے، اب ان دلائل میں غور کرتے ہیں جن سے تینوں نقطہائے نظر والوں نے استدلال کیا ہے کہ وہ کس نقطۂ نظر کی تائید کرتے ہیں اور کس کا نقطۂ نظر ان سے ثابت ہوتا ہے، بلکہ تمام دلائل میں بھی غور کرنے کی ضرورت نہیں، صرف ایک ہی دلیل کا جائزہ لیتے ہیں جو ہر نقطۂ نظر کی سب سے مضبوط دلیل شمار کی جاتی ہے جس سے دوسرے دلائل کا حال بھی خود بخود واضح ہوجائے گا، وہ مضبوط دلیل یہ ہے:

إن القربة فی الذبح والقربات المؤقتة یعتبر فی حق فاعلها لا فی حق المفعول عنه. (بدائع الصنائع زکریا ٤/٢١٣)

یہاں ایک بات قابل توجہ ہے کہ فقہاء نے یہ دلیل اور دیگر دلائل جن سے استدلال کیا جاتا ہے شہری اور دیہاتی کے مسئلہ میں بیان فرمائی ہیں، اس لیے شہری اور دیہاتی کے مسئلہ کی مکمل نوعیت پیش نظر رکھ کر ہی ان کا صحیح مفہوم و مصداق متعین کیا جاسکتا ہے، لہٰذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بارے میں کچھ تفصیل درج کی جائے:

(۱) دیہات شہر کے تابع ہوتے ہیں، ایام نحر دونوں جگہ ایک ساتھ شروع اور ختم ہوتے ہیں، جیسا کہ فقہاء نے بھی اس کی صراحت کردی ہے۔

ودخول الوقت لا یختلف فی حق أهل الأمصار والقریٰ وإنما یختلفون فی وجوب الصلاة فلیس علی أهل القریٰ صلاة العید. (المبسوط للسرخسی، دار الکتب العلمیة بیروت ١٢/ ١٠)

(۲) شہری اور دیہاتی کے مسئلہ میں مضحی اور اضحیہ کے مکان میں اختلاف کی صورت میں کوئی ایسی صورت ممکن ہی نہیں کہ اضحیہ کے مقام پر وقت ادا موجود ہو اور مضحی کے مقام پر یوم نحر موجود نہ ہو، لہٰذا اضحیہ کے مقام پر جب بھی وقت ادا موجود ہوگا تو مضحی کے مقام پر بھی ضرور یوم نحر موجود ہوگا، اس سلسلے میں کسی ضابطہ کی ضرورت ہی نہیں، البتہ یہ صورت ممکن ہے کہ مضحی کے مقام پر وقت ادا موجود نہ اور اضحیہ کے مقام پر وقت ادا موجود ہو یا اس کے

برعکس، پس مضحی کے مقام کے وقتِ ادا اور اضحیہ کے مقام کے وقت ادا میں عموم وخصوص مطلق کی نسبت ہے، کبھی مضحی کے مقام کا وقت ادا عام مطلق اور اضحیہ کے مقام کا وقت ادا خاص مطلق ہوتا ہے اور کبھی اس کے برعکس، لہٰذا مضحی اور اضحیہ کے مقام کے وقت ادا میں اختلاف ہی کی وجہ سے ضابطہ بیان کرنے کی ضرورت پیش آئی ہے۔

إنما يعتبر في هذا مكان الشاة لا مكان من عليه. (بدائع الصنائع زكريا ٤/ ٢١٣)

اس ضابطہ کا مقصد صرف مضحی کے مقام میں وقت ادا کے موجود ہونے کے ضروری ہونے کی نفی ہے، لیکن مضحی کے مقام پر یوم نحر کے موجود ہونے کے ضروری ہونے کی نفی مقصود نہیں، اور یہ نفی مقصود بھی کیسے ہوسکتی ہے؟ جبکہ شہری اور دیہاتی کے مسئلے میں یہ ممکن بھی نہیں۔

(۳) شہری اور دیہاتی کے مسئلہ میں مضحی کے مقام اور اضحیہ کے مقام میں وقت ادا ختم ہونے میں کوئی اختلاف نہیں، لہٰذا یہ ممکن نہیں کہ اضحیہ کے مقام پر وقت ادا موجود ہو اور مضحی کے مقام پر وقت ادا ختم ہوگیا ہو یا اس کے برعکس، حاصل یہ کہ فقہاء نے مضحی اور اضحیہ دونوں کے مقام پر ایام نحر موجود ہونے کی صورت ہی میں صرف وقت ادا کے اختلاف کو پیش نظر رکھ کر مقام اضحیہ کے معتبر ہونے کا ضابطہ وضع کیا ہے، یہ ضابطہ ایام نحر میں اختلاف کی صورت کے لیے ہے ہی نہیں۔

اب مضبوط دلیل میں غور کرتے ہیں، اس کا پہلا جملہ "**إن القربة في الذبح**"، منطقی اعتبار سے صغریٰ ہے اور "والقربات المؤقتة" کبریٰ ہے اور نتیجہ محذوف ہے، اس قیاس میں حداوسط یعنی علت قربت ہے، اور ذبح کے لیے حداوسط یعنی قربت کی علت سے مقام فاعل کے وقت کے معتبر ہونے کا حکم ثابت کیا ہے اور یہ بات مسلم ہے کہ نتیجہ کی صحت صغریٰ اور کبریٰ کی صحت پر موقوف ہوتی ہے، دلیل کا صغریٰ ہے "**إن القربة في الذبح**"، یعنی عبادت ذبح کرنے میں ہے اور عبادت ذبح کرنے میں اسی وقت ہوسکتی ہے جب کہ خود ذبح کرنا بھی فی الحال عبادت ہو، شہری اور دیہاتی کے مسئلہ کے اعتبار سے صغریٰ بالکل درست ہے، کیونکہ مؤکل خواہ شہری ہو یا دیہاتی اس کے مقام پر ایام نحر موجود ہونے کی وجہ سے اس کے لیے ذبح قربت ہے، اور اس کے لیے عبادت جانور ذبح کرنے میں ہے، صدقہ کرنے میں نہیں، اور کبریٰ کی صحت کے بارے میں تو کس کو کلام ہوسکتا ہے؟ وہ تو ہے ہی قاعدۂ کلیہ، پس جب

شہری اور دیہاتی کے مسئلہ میں صغریٰ و کبریٰ صحیح ہے، تو نتیجہ یعنی ذبح کے قربت ہونے کی صورت میں مقام فاعل کے وقت کا معتبر ہونا بھی بالکل درست ہے۔

یہ دلیل قربانی کے ہر اس مسئلہ کی دلیل بن سکتی ہے جس میں اس دلیل کا صغریٰ درست ہو، اور ہمارے موضوع بحث دونوں مسئلوں میں اس دلیل کا صغریٰ ہی درست نہیں ہے، پہلے مسئلہ میں صغریٰ درست نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ مؤکل کے مقام پر یوم نحر نہ آنے کی وجہ سے اس پر قربانی کا نفس وجوب نہیں ہوا ہے، یعنی ذبح اس کے لیے قربت نہیں بنا ہے، ابھی اس کے لیے قربت جانور ذبح کرنے میں نہیں ہے، لہٰذا صغریٰ کاذب ہے، اور دوسرے مسئلہ میں صغریٰ درست نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ جب مؤکل کے مقام پر ایام نحر ختم ہو جانے کی وجہ سے اس پر قربانی کی قضا (صدقہ کرنا) واجب ہوگئی، ذبح واجب نہ رہا، تو اب ذبح مؤکل کے لیے قربت نہ رہا اور وہ من علیہ الاضحیہ بھی نہ رہا، بلکہ من علیہ الصدقہ ہوگیا اور اس کی طرف سے ذبح کیا جانے والا جانور بھی اضحیہ نہ رہا، پس دوسرے مسئلہ میں بھی صغریٰ کاذب ہے، لہٰذا ذبح کے لیے مقام فاعل کا اعتبار کر کے موضوع بحث کسی ایک مسئلہ میں بھی قربانی کا جواز ثابت کرنا درست نہیں، بلکہ بلا دلیل ہے۔

موضوع بحث دونوں مسئلوں میں یا صرف ایک مسئلہ میں قربانی کا جواز اس وقت ثابت ہوتا جبکہ قیاس میں حد اوسط یعنی علت ”یعتبر وقتھا“ ہوتی اور حکم قربت ہوتا، اور ذبح کے لیے مقام فاعل میں وقت ادا موجود ہونے کے واسطے سے قربت نہ ہونے کا حکم ثابت کیا جاتا، حالانکہ ”یعتبر وقتھا الخ“ قیاس میں حد اوسط یعنی علت نہیں ہے، کیونکہ وہ مکرر نہیں ہے، لیکن اس کے باوجود ”یعتبر وقتھا“ کو حد اوسط یعنی علت سمجھ کر ذبح کے لیے مقام فاعل میں وقت ادا موجود ہونے کے واسطے سے قربت ہونے کا حکم ثابت کر کے دونوں مسئلوں میں یا ایک میں جواز ثابت کیا ہے (حکم کو علت اور علت کو حکم بنا کر جواز ثابت کیا ہے) جو درست نہیں ہے، بلکہ فقہاء نے قربت کو علت اور مقام فاعل کے وقت کے معتبر ہونے کو حکم بنایا تھا اور ذبح کے لیے قربت کی علت سے مقام فاعل کے وقت کے معتبر ہونے کا حکم ثابت کیا تھا، پس گویا قیاس تو ذبح کے لیے قربت ہونے کے واسطے سے مقام فاعل کے وقت کے معتبر ہونے کا حکم ثابت کر رہا ہے۔

یہ دلیل تیسرے نقطہ نظر کو ثابت کر رہی ہے کہ جب موکل کے لیے اس کے مقام پر ایام نحر موجود نہ ہونے کی وجہ سے ذبح قربت نہیں، اس کے لیے عبادت ذبح کرنے میں نہیں، تو پھر مقام فاعل کے وقت کا اعتبار بھی نہیں، اگرچہ وہاں وقت ادا موجود ہو، کیونکہ ذبح کے لیے قربت کی علت سے مقام فاعل کے وقت کے معتبر ہونے کا حکم ثابت تھا، پس جب علت یعنی قربت ہی معدوم ہے تو حکم یعنی مقام فاعل کے وقت کا معتبر ہونا بھی معدوم ہوگا، ''لأن الحکم یدور مع العلۃ'' حاصل یہ ہے کہ جب مضبوط دلیل سے بھی کسی ایک مسئلہ میں جواز ثابت نہ ہوا تو دوسرے دلائل کا حال بھی واضح ہے، لہٰذا تیسرا نقطۂ نظر ہی بالکل درست، دلائل کے اعتبار سے مضبوط اور تمام فقہی عبارت اس کی تائید میں ہیں، لیکن اس کے باوجود جو حکم تھا اس کو علت اور جو علت تھی اس کو حکم بنا کر دونوں مسئلوں میں یا صرف ایک مسئلہ میں جواز ثابت کیا گیا ہے۔ فیا للعجب

لمحۂ فکریہ

مضبوط دلیل کا کبریٰ ''والقربات المؤقتۃ الخ'' قاعدۂ کلیہ ہے یعنی مقام فاعل کے وقت کا معتبر ہونا یہ قربانی کی کوئی تخصیص نہیں، بلکہ تمام قربات موقتہ کا حکم ہے، پس کیا کوئی ایسی قربت موقتہ ہے کہ جس کا موکل پر نفس وجوب نہ ہوا ہو، یا وقت ادا فوت ہونے کی وجہ سے قضا واجب ہو جاتی ہو، اس کے باوجود وکیل اپنے مقام پر وقت قربت موجود ہونے کی وجہ سے اس کو ادا (قضا نہیں) کرسکتا ہو؟ اگر نہیں، تو پھر قربانی کی کیا خصوصیت ہے؟ کہ وکیل کو یہ اختیار حاصل ہو گیا کہ اتنا بڑا کارنامہ انجام دے سکے یعنی موکل کی قضا شدہ غیر معقولہ عبادت کو بصورت ادا بجالائے یا غیر واجب شدہ عبادت کو قبل الوجوب ہی ادا کر دے۔

ایک اور غلط فہمی یا مغالطہ

یہاں دو چیزوں میں فرق کرنا ضروری ہے:

(۱) ثبوت شئ یعنی کسی چیز کا ثابت ہونا۔

(۲)صحت شئ یعنی شئ کا درست ہونا۔

پہلے کوئی چیز ثابت ہوتی ہے پھر وہ صحیح اور درست ہوتی ہے، ذبح کا ادائے قربانی یعنی قربت ہونا ثبوت شئ ہے اور ذبح کا ادائے قربانی ہونا ثابت ہو جانے کے بعد اس کا درست ہونا یہ صحت شئ ہے، قائلین جواز صحت شئ کے دلائل سے ثبوت شئ اور صحت شئ یعنی قربت اور صحت دونوں کو ثابت کرتے ہیں جبکہ اہل علم پر یہ بات مخفی نہیں کہ صحت شئ کے دلائل ثبوت شئ کے لیے کافی نہیں، مانعین جواز کا کہنا ہے کہ جب مؤکل کے مقام پر ایام نحر موجود نہ ہوں تو وکیل کا مؤکل کی طرف سے جانور ذبح کرنا ادائے قربانی یعنی قربت ہے ہی نہیں، لہٰذا یہاں قربانی کا جواز صرف صحت ادا کے دلائل اور ضابطے بیان کرنے سے ثابت نہیں ہوسکتا ہے، بلکہ موضوع بحث دونوں مسئلوں میں پہلے ذبح کا ادائے قربانی یعنی قربت کا ہونا دلائل سے ثابت کرنے کی ضرورت ہے اور اس کا قربت ہونا کسی دلیل سے ثابت نہیں، بلکہ ذبح کا قربت نہ ہونا دلیل سے ثابت ہے، اور وہ دلیل یہ ہے کہ اگر یہاں ذبح ادائے قربانی یعنی قربت ہوتا تو دوسرے مسئلہ میں قضا واجب اور درست نہ ہوتی۔

ومنها أن لا يقوم غيرها مقامها حتى لو تصدق بعين الشاة أو قيمتها في الوقت لايجزيه عن الأضحية لأن الوجوب تعلق بالإراقة، والأصل أن الوجوب إذا تعلق بفعل معين أنه لايقوم غيره مقامه. (بدائع الصنائع، كتاب الأضحية، زكريا ٤/ ٢٠٠)

قربانی کا جواز مفاسد پر مشتمل ہے

پہلے مسئلے میں عدم جواز کے سلسلے میں بہت کچھ لکھا جا چکا ہے مزید لکھنے کی ضرورت نہیں، البتہ دوسرے مسئلہ میں قربانی کا جواز مندرجہ ذیل مفاسد پر مشتمل ہے: (۱) وقت ادا: ایک مرتبہ شروع ہوکر ایک ہی مرتبہ ختم ہوتا ہے، اس کے باوجود وقت ادا کا دو مرتبہ ختم ہونا لازم آئے گا، ایک مرتبہ وقت ادا ختم ہوگا مضحی کے مقام پر جس سے قضا واجب ہوگی، اور دوسری مرتبہ وقت ادا ختم ہوگا مقام اضحیہ میں جس سے ادا درست نہ رہے گی کیا یہ ممکن ہے؟

(۲) اگر وقت ادا ختم ہونے میں صرف مقام اضحیہ کا اعتبار کیا جائے تو لازمی طور پر وجوب قضا میں بھی صرف مقام اضحیہ کا اعتبار ہوگا، کیونکہ وقت ادا ختم ہوتے ہی قضا واجب ہوتی ہے، لہٰذا جب مؤکل کے مقام پر وقت قربانی موجود ہو اور اضحیہ کے مقام پر وقت قربانی ختم ہوگیا، تو مؤکل پر قضائے قربانی واجب ہوجانی چاہیے، حالانکہ کوئی وجوب قضا بلکہ جواز قضا کا بھی قائل نہیں۔

(۳) موقف جواز کے لحاظ سے مؤکل پر نہ ادا واجب ہے اور نہ قضا واجب ہے، بلکہ مؤکل کو اختیار ہے کہ ادا و قضا میں سے جو چاہے انجام دے، متعین طور پر کوئی ایک واجب نہیں، تو کیا شریعت میں اس کی کوئی نظیر ہے کہ مکلّف کو بیک وقت قضا و ادا میں سے جو چاہے انجام دینے کا اختیار ہو؟

(۴) مؤکل نے مقام اضحیہ میں کسی کو وکیل بنا کر قربانی ادا کی اور مؤکل کے مقام پر دوسرا شخص قضا کرتا ہے، موقف جواز کے لحاظ سے دونوں کی ادا و قضا درست ہے، پس ایک ہی مقام پر رہتے ہوئے بیک وقت ایک شخص کا ادا اور دوسرے شخص کا قضا کرنا لازم آئے گا تو کیا یہ ممکن ہے اور اس کی کوئی نظیر نہیں؟

(۵) خود مؤکل بیک وقت ادا و قضا پر قادر ہوجائے گا، حالانکہ یہ محال ہے۔

(۶) وقت قربت کا شروع و ختم ہونا غیر اختیاری شئ ہے اس میں بندے کے اختیار کو کوئی دخل نہیں، لیکن اگر ہم وقت ادا شروع و ختم ہونے میں مقام اضحیہ کا اعتبار کریں تو یہ بندے کی اختیاری چیز بن جائے گی۔

(۷) موکل بیک وقت نیابۃً ادا و قضا دونوں پر قادر ہوجائیگا، کیا یہ درست ہے؟

(۸) وقت ادا موجود ہونے کے باوجود درمیان میں قضا کا واجب ہونا لازم آئے گا، کیا یہ محال نہیں ہے؟

حاصل یہ کہ مجوزین کی طرف سے المعتبر مکان الاضحیۃ کا جو مفہوم پیش کیا جارہا ہے بالفرض اگر وہی فقہاء کی مراد ہوتا تو مندرجہ بالا مفاسد لازم نہ آتے۔

دفع شبہات

(۱) ”انما یعتبر فی ھذا مکان الشاۃ لا مکان من علیه اور المعتبر فی

ذٰلک مکان الأضحیة" وغیرہ میں ھذا اور ذٰلک کا مشار الیہ صرف نماز عید سے پہلے قربانی کا جواز یا عدم جواز ہے، مطلقاً جواز یا عدم جواز مراد نہیں جیسا کہ ان کا سیاق وسباق اس پر دال ہے۔

(۲) حجاج کرام کے ذریعہ مکہ مکرمہ میں قربانی کروانے والے کے تعامل سے استدلال تام نہیں، وجہ اس کی یہ ہے کہ اگر واجب قربانی کروانے کا تعامل ہوتا تو فقہاء ضرور اس مسئلے کو بیان کرتے، کیونکہ "المعتبر فی ذٰلک مکان الاضحیۃ" ضابطہ کی وضاحت کے لیے اس کا ذکر اہم تھا، نہ کہ شہری اور دیہاتی کے مسئلہ کا، حالانکہ تمام کتب فقہ ساکت ہیں، جبکہ فقہاء نے بعض فرضی مسائل بھی بیان کردیئے ہیں، لہٰذا اگر کتب فقہیہ میں اس قسم کا کوئی تذکرہ یا قصہ ملے تو اس کو زیادہ سے زیادہ نفلی قربانی پر محمول کیا جائے گا، جس سے فراغ ذمہ مقصود نہیں ہوتا، لیکن واجب قربانی مراد لینے کے لیے معتبر و مضبوط دلیل کی ضرورت ہے جو موجود نہیں۔

(۳) دوسرے مسئلہ میں قربانی ناجائز کہنے کی صورت میں یہ شبہ کہ بیرون ملک باشندوں کی قربانی ہندوستان میں ہوتی ہے، لہٰذا حرج وتنگی لازم آئے گی، درست نہیں، اولاً اس لیے کہ سب جگہ ایام نحر کے ایک یا دو دن مشترک ہوتے ہیں، مضحی کے مقامی وقت کا لحاظ آسان ہے اگر کرنا ہو، ثانیاً بالفرض اگر کچھ حرج بھی ہو تو کیا یہ حرج شرعاً معتبر بھی ہے؟ جبکہ مؤکل خود اپنے مقام پر اور قرب وجوار میں، بلکہ ہندوستان میں بھی بسہولت وقت کے اندر قربانی کرسکتا ہے۔

(۴) یہ شبہ کہ اگر قربانی کو ناجائز کہا جائے تو وکیل پریشانی میں مبتلا ہو جائے گا اور اس کو یہ معلوم کرنا پڑے گا کہ مؤکل کے مقام پر وقت موجود ہے یا نہیں؟ اس کے جواب میں صرف اتنی بات عرض ہے کہ مؤکل کی قربانی میں وکیل کے حرج اور پریشانی کا شرعاً کوئی اعتبار بھی ہے؟ کہ جس کی رعایت ضروری ہو؟

(۵) دوسرے مسئلہ میں قربانی کے جواز کو ثابت کرنے کے لیے حج عن الغیر فرضاً کو پیش کرنا ایک مغالطہ کہا جائے گا، کیونکہ مؤکل پر حج کی ادائیگی واجب ہے، اور اس کی ادائیگی کا وقت پوری زندگی ہے، مؤکل جب بھی حج کرے گا ادا ہی شمار ہوگا پس مؤکل پر حج کی ادائیگی واجب ہے، اور وکیل بھی ادا کر رہا ہے، اور قربت موقتہ (حج بھی من وجہ موقت ہے)

کی ادائیگی میں فاعل یعنی وکیل کے مقام کا معتبر ہونا مسلم ہے، اور قربانی کے دوسرے مسئلہ میں مؤکل پر قضا یعنی صدقہ واجب ہے اور وکیل ادا یعنی ذبح کررہا ہے، لہٰذا دونوں میں بہت بڑا فرق ہے، یہ قیاس مع الفارق ہے، حاصل یہ کہ جواز کی کوئی قابل ذکر دلیل نہیں ہے اور جس حرج کا تذکرہ کیا جاتا ہے وہ بھی قابل اعتبار نہیں، کیونکہ وہ اپنی مرضی کے مطابق قربانی نہ کرسکنے کا حرج ہے یا صرف ایک فون کرنے کو بھی حرج میں داخل مانا ہے۔

عدم قائل بالفصل

موضوع بحث دونوں مسئلوں میں قائل بالفصل ہونا درست ہی نہیں، اگر پہلے مسئلے میں قربانی کو ناجائز کہا جائے تو لازمی طور پر دوسرے مسئلے میں بھی قربانی کا عدم جواز ثابت ہو جائے گا، کیونکہ عبادت کی ادائیگی جس طرح وقت سے پہلے درست نہیں اسی طرح وقت ادا ختم ہونے کے بعد بھی درست نہیں اور جب پہلے مسئلہ میں وقت ادا شروع ہونے میں مضحی کے مقام کا اعتبار کیا تو لازمی طور پر دوسرے مسئلہ میں بھی وقت ادا ختم ہونے میں مضحی کے مقام کا اعتبار ہوگا، اور اگر دوسرے مسئلہ میں قربانی کو جائز کہا جائے تو لازمی طور پر پہلے مسئلہ میں بھی قربانی کا جواز ثابت ہو جائے گا، کیونکہ جب صرف مقام اضحیہ میں وقت ادا موجود ہونے سے مؤکل کے حق میں بھی وقت ادا موجود رہ سکتا ہے، تو پہلے مسئلہ میں بھی صرف مقام اضحیہ میں وقت ادا شروع ہونے سے مؤکل کے حق میں بھی وقت ادا شروع ہوسکتا ہے، دونوں میں فصل کی کوئی وجہ نہیں، اور وقت ادا شروع ہونے سے نفس وجوب بھی خود بخود ہو جائے گا، حاصل یہ ہے کہ جب پہلے مسئلہ میں تقریباً سب کے نزدیک عدم جواز مسلم ہے تو دوسرے مسئلہ میں بھی عدم جواز مسلم ہونا چاہیے ورنہ آدھا تیتر اور آدھا بٹیر والا مسئلہ بن جائے گا۔

خلاصہ بحث

تیسرا نقطۂ نظر یعنی دونوں مسئلوں میں عدم جواز ہی دلائل کے اعتبار سے درست ہے،

لہٰذا صحت ادائے قربانی کے لیے مضحی واضحیہ دونوں کے مقام پر ایام نحر کا موجود ہونا تو بہر حال ضروری ہے، البتہ وقتِ ادا کا صرف مقام اضحیہ میں موجود ہونا ضروری ہے، مضحی کے مقام پر موجود ہونا ضروری نہیں، بالخصوص اراقۃ الدم یعنی قربانی کا قربت ہونا، موقت ہونا، غیر معقول ہونا، اس کے ادا وقضا کے طریقہ کا مختلف ہونا، ان میں سے ہر چیز احتیاط در احتیاط کی متقاضی ہے، جب کہ کوئی قابل ذکر دلیل بھی نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب

احقر: محمد سلمان قاسمی پالنپوری
مفتی مدرسہ جامعہ خلیلیہ ماہی، شمالی گجرات

الجواب صحیح	الجواب صحیح: حبیب الرحمٰن عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
وقار علی غفرلہ	مفتی دار العلوم دیوبند	زین الاسلام قاسمی
معین مفتی دار العلوم دیوبند	۱۰؍ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ	نائب مفتی دار العلوم دیوبند

تصدیق: مفتی حبیب الرحمٰن خیرآبادی مفتی دار العلوم دیوبند

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قربانی کے موضوع پر ۸؍صفحات پر مشتمل آپ کا لکھا ہوا فتویٰ پڑھا، ماشاء اللہ آپ نے بڑے سلیقے کے ساتھ اور مدلل جواب لکھا ہے، یقیناً آپ کو دلائل مہیا کرنے میں غیر معمولی مشقت ومحنت اٹھانی پڑی ہوگی، مگر آپ اپنی محنت میں کامیاب وبامراد ہیں، مسئلہ بھی صحیح لکھا ہے اور دلائل بھی صحیح لکھے ہیں۔

احقر آپ کے لکھے ہوئے فتویٰ کی تصدیق وتائید کرتا ہے، اور آپ کی اصابت رائے پر مبارکباد پیش کرتا ہے، اللہ تعالیٰ آپ کو بہت بہت جزاء خیر عطا فرمائے اور آپ کی رہنمائی سے امت کو زیادہ سے زیادہ نفع پہنچائے۔ آمین

المصدق
حبیب الرحمٰن عفا اللہ عنہ
مفتی دار العلوم دیوبند
۱۰؍ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ

مکرم ومحترم حضرت مولانا مفتی شبیراحمد صاحب زیدمجدہم العالی
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ مزاج گرامی بعافیت ہوں گے!

دیگر عرض ہے کہ قربانی کے دو مسئلے جو ارسال کردہ مضمون میں درج ہیں، پچھلے چند سالوں سے موضوع بحث بنے ہوئے ہیں جن کی عملی ضرورت ہر سال اور ہمیشہ پیش آنے والی ہے، ان کے بارے میں تین نقطہائے نظر پائے جاتے ہیں:

(۱) پہلے میں عدم جواز، دوسرے میں جواز۔

(۲) دونوں میں جواز۔

(۳) دونوں میں عدم جواز۔

اور حیرت انگیز بات یہ ہے کہ ہر فریق کے مستدلات وہی ہیں جو تقریباً دوسرے کے ہیں، ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں صرف ایک ہی نقطۂ نظر درست ہوسکتا ہے سب نہیں، اب وہ کون سا ہے؟ احقر نے اپنی بساط علمی کے مطابق کتب فقہ کی طرف مراجعت کی اور تینوں نقطہائے نظر کے دلائل میں غور کرکے صحیح نقطہ نظر تک پہنچنے کی سعی کی تھی، اور نتیجۂ تحقیق، برائے تحقیق دارالعلوم دیوبند بھیجا تھا، الحمد اللہ دارالعلوم دیوبند کے مفتیان کرام نے اس کی تصدیق وتائید کردی ہے، امید ہے کہ آپ محترم بھی اس کو بنظر تحقیق وتنقید ملاحظہ فرما کر اپنی تحقیق وموقف سے مطلع فرمائیں گے، واضح رہے کہ اس مضمون کے ارسال کا مقصد کسی کے فتویٰ کی تردید یا مخالفت نہیں، بلکہ مقصود صرف اور صرف یہ ہے کہ صحیح نقطہ نظر منقح اور واضح ہوکر سامنے آجائے، تاکہ فتاویٰ میں تعارض اور امت میں انتشار پیدا نہ ہو، قوی توقع ہے کہ جواب سے محروم نہیں فرمائیں گے، اخیر میں دعا کی درخواست ہے۔

احقر محمد سلمان پالنپوری

مفتی مدرسہ جامعہ خلیلیہ ماہی، شمالی گجرات

نوٹ: اگر ارسال کردہ مضمون آپ محترم کی رائے کے مطابق ہوتو اسی پر تصدیق

کے دستخط اور دارالافتاء کی مہر لگا کر روانہ فرمائیں تو عین کرم ہوگا، اور اگر حضرت کی تحقیق کے خلاف ہو تو استدلالی غلطی بھی واضح فرمائیں، تاکہ مزید غور وخوض اور نظر ثانی کی جا سکے، اور صحیح نتیجہ تک پہنچنے میں مدد ملے، گجرات کے ایک بڑے مشہور مفتی صاحب جو میرے محسن بھی ہیں اور اہم مسائل میں اکثر میں ان کی طرف رجوع کرتا ہوں، انہوں نے آپ کے پاس یہ مضمون بھیجنے کا حکم فرمایا ہے، لہٰذا یہ ارسال کردہ مضمون ان کے حکم کی تعمیل بھی ہے، اور تحقیق مسئلہ بھی مطلوب ہے، دیوبند کے مفتیان کرام کی تصدیق اگرچہ احقر کے شرح صدر کے لیے کافی ہے، لیکن مسئلہ کی نزاکت اور اس میں اختلاف کو دیکھتے ہوئے بڑے بڑے مفتیان کرام جو مرجع کی حیثیت رکھتے ہیں ان کی تصدیق وتائید کی ضرورت محسوس ہوتی ہے، تاکہ یہ سب کے لیے باعث اطمینان ہو، اور انتشار ختم ہو جائے۔ **اللهم أرنا الحق حقا و ارزقنا اتباعه و ارنا الباطل باطلا و ارزقنا اجتنابه.** (آمین)

دارالافتاء مدرسہ شاہی مرادآباد کا جواب

قربانی کے موضوع پر آنجناب کا مفصل مکتوب موصول ہوا جس میں فقہی دلائل کے ساتھ ساتھ منطقی اسلوب اور منطقی دلائل کے ذریعہ سے مسئلہ قربانی کو اجاگر کیا گیا ہے، اور آپ کے مکتوب گرامی کے ساتھ ساتھ مولانا رشید احمد فریدی کی بھی دو مفصل تحریریں موصول ہوئیں ان کی ایک تحریر اکیس صفحات پر مشتمل ہے، جو لگ بھگ ڈیڑھ سال پہلے بار بار یہاں آچکی ہے جس کا جواب دینا ضروری نہیں سمجھا گیا، شروع میں ایک آدھ دفعہ مختصراً جواب دیا گیا تھا جو حضرت مولانا مفتی محمد سلمان صاحب منصور پوری کے قلم سے جاری کیا گیا تھا، اور ان کی دوسری تحریر ۹ رصفحات پر مشتمل ہے جس کا حاصل سیمینار کے شرکاء اور ذمہ داروں سے ناراضگی اور خفگی ہے، ان دونوں تحریروں کا جواب دینا ہم نے ضروری نہیں سمجھا، چونکہ آنجناب کی تحریر میں دلائل، محنت اور سوجھ بوجھ غالب ہے اس لیے آپ کی تحریر پر توجہ دینا مناسب سمجھا گیا، اب آنجناب کی تحریر سے جو باتیں سمجھی گئی ہیں وہ یہ ہیں کہ مسئلہ کی کل چار شکلیں ہیں:

(۱) مؤکل یعنی مضحی کے مکان پر ایام نحر شروع نہیں ہوئے اور وکیل اور اضحیہ کے مکان پر ایام نحر شروع ہو گئے تو آنجناب نے اس شکل میں عدم جواز کو ثابت فرمایا ہے، احقر بھی اس بارے میں آنجناب کی تائید کرتا ہے، کہ ایسی صورت میں موکل کی طرف سے قربانی درست نہیں ہوگی۔

(۲) مکان مضحی اور مکان اضحیہ دونوں میں ایام نحر موجود ہیں تو ایسی صورت میں آنجناب کی مفصل تحریر میں دیہات اور شہر کے مسئلہ میں دلائل کے تحت جواز کو ثابت کیا گیا ہے اس مسئلہ میں بھی احقر آنجناب کی تائید کرتا ہے۔

(۳) مکان مضحی میں ایام نحر شروع ہو چکے ہیں مگر مکان اضحیہ اور مکانِ وکیل میں ایام نحر ابھی شروع نہیں ہوئے اس مسئلہ کے بارے میں بھی آنجناب کی تحریر سے احقر نے یہ سمجھا کہ جائز نہیں ہے اور اس کے بارے میں بھی احقر آنجناب کی تائید کرتا ہے۔

(۴) مکان مضحی میں ایام نحر شروع ہو کر گذر چکے یعنی بارہویں ذی الحجہ گذر چکی ہے اور مکان اضحیہ و مکان وکیل میں بارہویں ذی الحجہ ابھی شروع نہیں ہوئی یا شروع ہو چکی ہے تو ایسی صورت میں چونکہ مکان مضحی میں ایام نحر گذر چکے ہیں اس لیے قضا کے علاوہ کوئی شکل نہیں ہے اور جو چیز مؤکل ادا نہیں کر سکتا وکیل کیسے ادا کر سکے گا، یہ آنجناب کے دلائل اور تحریر کا حاصل ہے، اس چوتھی شکل کے بارے میں آنجناب سے گذارش کی جاتی ہے کہ آپ کے دلائل میں اس بات کو خوب واضح کیا گیا ہے کہ جس کی ادائیگی مؤکل کے لیے ممکن نہیں وہ وکیل ادا نہیں کر سکتا اور جس کی ادائیگی مؤکل کے لیے ممکن ہے وہ وکیل بھی ادا کر سکتا ہے، آنجناب کے منطقی دلائل اور اسلوب کے بارے میں ایک بات ذہن میں آرہی ہے وہ پیش خدمت ہے غور فرمایا جائے کہ پوری دنیا میں قمری مہینہ کی ابتداء سعودی عرب سے ہوتی ہے کیونکہ دنیا میں سب سے پہلے رؤیت ہلال سعودی عرب میں ہوتی ہے اس کے بعد سلسلہ وار پوری دنیا میں جاری ہوتی ہے، اس لیے سعودی عرب اور ہندوستان کے درمیان ہمیشہ کم از کم ایک دن کا آگے پیچھے رہنا ہوتا ہے کہ سعودیہ میں ایک دن پہلے اور ہندوستان میں ایک دن بعد اور کبھی دو دن بعد بھی ہوتا ہے، اور ہر سال یہ واقعہ پیش آتا رہتا ہے کہ بعض حجاج کرام

شروع کے جہازوں سے چلے جاتے ہیں اور مکۃ المکرّمہ میں مقیم رہتے ہیں اور سرمایہ دار اور مقیم ہونے کی وجہ سے ان کے اوپر بقرعید کی قربانی بھی لازم ہوتی ہے اور انہوں نے بقرعید کی قربانی ہندوستان میں اپنے گھر پر کرنے کا انتظام کردیا اور ان کی واپسی کا جہاز سعودیہ میں بارہویں ذی الحجہ گذر کر رات میں ہے، اور وہ سعودیہ کی تیرہویں ذی الحجہ کی صبح کو ہندوستان پہنچ جاتے ہیں جبکہ ہندوستان میں ابھی بارہویں ذی الحجہ شروع ہوئی ہے۔

تو معلوم ہوا کہ بارہویں ذی الحجہ کے غروب کے بعد سعودیہ والوں کے یہاں ایام قربانی ختم ہو چکے ہیں اور سعودیہ میں قضا کے علاوہ کوئی شکل نہیں ہے لیکن جس پر ایام قربانی ختم ہو چکے تھے اور قضاء کے علاوہ کوئی شکل نہیں تھی وہی آدمی ہندوستان آگیا، اور اس کو ادائے قربانی کا زمانہ مل گیا ہے تو کیا اس کی طرف سے وکیل سعودیہ کی تیرہویں تاریخ اور ہندوستان کی بارہویں تاریخ میں قربانی کردے تو درست ہوسکتی ہے یا نہیں؟ نیز منطقی دلائل کے اعتبار سے مؤکل کے لیے امکان ادا کافی ہے یا نہیں؟ اسی طرح ایک شخص تبوک میں رہتا ہے اس نے اپنی قربانی کا انتظام ہندوستان میں اپنے دوستوں کے حوالہ کردیا ہے وہ سعودیہ کی بارہویں ذی الحجہ گذر جانے کے بعد رات میں ہندوستان آسکتا ہے اس کے لیے امکان ادا مکمل محفوظ ہے تو کیا اس کی طرف سے ہندوستان کی بارہویں تاریخ میں قربانی کی جائے تو ادا ہوسکتی ہے یا نہیں؟ آنجناب سے گذارش ہے کہ مسئلہ کے اس گوشہ پر منطقی اسلوب سے نظر ثانی فرمائیں، اس گوشہ کے علاوہ آنجناب کی بقیہ پوری تحریر کی ہم تائید کرتے ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم جمادی الثانیہ ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۰۸۳)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۶/۱ھ

جس کی طرف سے قربانی کی جائے اس کا نام لینا ضروری نہیں

سوال [۹۸۷۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: بکر اپنی اہلیہ کے نام سے قربانی کی دعا پڑھنے کے وقت اہلیہ کے نام کے ساتھ شوہر کا نام لے یا اہلیہ کے والد کا یا دونوں میں سے کسی کا بھی لے سکتا ہے؟

المستفتی: محمد احمد مدرسہ بشیریہ بھوجپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس کی طرف سے قربانی ہوتی ہے اس کا نام لینا ضروری نہیں ہے، قربانی نام لیے بغیر بھی ہو جاتی ہے، صرف نیت کافی ہے۔

وأما ركنها فذبح ما يجوز ذبحه في الأضحية بنية الأضحية في أيامها لأن ركن الشيء ما يقوم به ذلك الشيء والأضحية إنما تقوم بهٰذا الفعل.

(عالمگیری، کتاب الأضحية، زكريا قديم ٥/٢٩١، جديد ٥/٣٣٦) فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۶۲۰۴)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۶/۱۶ھ

قربانی کی قضا میں بڑے جانور کا حصہ صدقہ کرنے کا حکم

سوال [۹۸۷۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: قربانی واجب تھی، لیکن قربانی نہ کر سکا، ایام قربانی گذرنے کے بعد قیمت صدقہ کرنا چاہتا ہے، تو کون سے جانور کی قیمت صدقہ کرے؟ اگر بڑے جانور کے ایک حصہ کی قیمت صدقہ کر دے تو صحیح ہے یا نہیں؟

المستفتی: عبدالرشید مدرسہ مرادیہ مظفرنگر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قربانی کے قابل متوسط درجہ کی بھیڑ یا بکری کی قیمت صدقہ کرنا واجب ہے، سبع بقر کی قیمت کا تصدق کافی نہیں، اس لیے کہ قربانی سے مراد اراقۂ دم ہے جس میں شرکت متصور نہیں اور گائے وغیرہ میں شرکت ایام نحر میں خلاف قیاس تھی

بعد میں وجوب قیمت کو اس پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔

قال الحصكفيؒ: ولو تركت التضحية ومضت أيامها تصدق بها حية ناذر فاعل تصدق لمعينة ولو فقيرا، وقال الشامي: قوله ومضت أيامها قيد به لما في النهاية: إذا وجبت بإيجابه صريحا أو بالشراء لها فإن تصدق بعينها في أيامها فعليه مثلها مكانها لأن الواجب عليه الإراقة و إنما ينتقل إلى الصدقة إذا وقع اليأس عن التضحية بمضى أيامها و إن لم يشتر مثلها حتى مضت أيامها تصدق بقيمتها لأن الإراقة إنما عرفت قربة في زمان مخصوص. (شامی، كتاب الأضحية، كراچی ٦/ ٣٢٠، زكريا ٩/ ٤٦٣)

وقال العلامة الحصكفي: وتصدق بقيمتها غني شراها أو لا، لتعلقها بذمته بشرائها أولا، فالمراد بالقيمة قيمة شاة. (درمختار كراچی ٦/ ٣٢١، زكريا ديوبند ٩/ ٤٦٥)

من وجبت عليه الأضحية فلم يضح حتى مضت أيام النحر ...... فقد وجب عليه التصدق بقيمة شاة. (بدائع الصنائع، فصل في كيفية الوجوب، زكريا ديوبند ٤/ ٢٠٣)

وإن كان من لم يضح غنيا ولم يوجب على نفسه شاة بعينها تصدق بقيمة شاة اشترىٰ أو لم يشتر. (هنديه زكريا قديم ٥/ ٢٩٦، جديد ٥/ ٣٤٢) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
۲۹؍ ربیع الاول ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۰۹۳)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۳/۲۹ھ

کتابچہ ’’مسائل قربانی‘‘ کے ایک مغالطہ کا حل

سوال [۹۸۷۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے یہاں قریۂ کبیرہ کی قربانی لوگ فجر کی نماز پڑھ کر نماز عید سے پہلے پہلے ایک چھوٹے گاؤں میں لے جاکر کرلیتے ہیں، جس کو علماء کرام نے صحیح بتایا ہے، لیکن آپ کے ایک اردو کتابچہ ’’احکام قربانی‘‘ کو پڑھ کر سب لوگ تشویش میں پڑ گئے، اس میں لکھا ہے کہ

شہری کی قربانی دیہات میں صبح صادق سے پہلے پہنچنا ضروری ہے، ورنہ قربانی نہیں ہوگی، دار العلوم دیوبند کے مفتیان کرام کا فتویٰ بھی یہ ہے کہ ہم کو اس بارے میں کوئی جزئیہ نہیں ملا کہ صبح صادق سے پہلے جانور کا دیہات میں پہنچنا ضروری ہے، آں محترم سے اس جزئیہ کا حوالہ مع تفصیل درکار ہے، تاکہ بستی والوں کی تشویش دور کی جاسکے؟

المستفتی: عبدالرشید قاسمی سیڑھا بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسائل قربانی میں یہ جولکھا گیا کہ جانور کا صبح صادق سے قبل دیہات پہنچ جانا لازم ہے اس قید میں مغالطہ ہوا ہے، صبح صادق سے قبل نہیں بلکہ نماز عید سے قبل پہنچ جانا لازم ہے، آئندہ ان شاءاللہ تعالیٰ کتاب سے یہ قید نکال دی جائے گی۔

وحيلة المصرى إذا أراد التعجيل أن يبعث بها إلى خارج المصر فيضحى بها كما طلع الفجر. (هدايه، كتاب الأضحية، اشرفى ديو بند ٣/ ٤٤٦)

وإذا أراد المصرى أن يتعجل له اللحم فى يوم الأضحىٰ، فينبغى أن يأمر بإخراج الأضحية إلى بعض هذه القصور فيضحى هناك قبل الصلاة، فيجوز اعتباراً لمكان الأضحية. (تاتارخانية زكريا ١٧/ ٤٢٢، رقم: ٢٧٧٠٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/ ذی قعدہ ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۶۱۴)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۱۱/۲۱ھ

قصاب کے گھر جانور مرنے سے قربانی ادا نہ ہوگی

سوال [۹۸۷۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کسی شخص نے قصائی سے بھینسا اس شرط پر خریدا کہ کل قربانی کر دینا، سو روپئے پیشگی معاملہ طے ہونے پر دیدیئے، قبل از وقت بھینسا قصائی کے گھر پر مرگیا تو قربانی دوسری کرنی ہوگی یا نہیں؟ اور قصائی قیمت پانے کا حقدار رہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد اسحاق نولگڑھ راجستھان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: قربانی کا جانور قصائی کے گھر مرجانے کی وجہ سے قربانی ادا نہیں ہوئی، لہٰذا دوسری قربانی لازم ہے۔

إذا اشتریٰ من آخر دابة علی أن یعلفها فالبیع جائز وکذٰلک إذا قال علی أن ینحرها . (هندیه کتاب البیوع، الباب العاشر فی الشروط التی تفسد البیع زکریا قدیم ۳/۱۳۵، جدید ۳/۱۳۶)

إذا اشتریٰ شاة للأضحیة وهو مؤسر ثم أنها ماتت ...... فی أیام النحر یجب علیه أن یضحی بشاة أخریٰ. (بدائع الصنائع، کتاب التضحیة، فصل فی کیفیة الوجوب، زکریا دیوبند ٤/۱۹۹، تاتارخانیة زکریا دیوبند ۱۷/٤٥٨ رقم: ۲۷۸۲۲، هدایه اشرفی دیوبند ٤/٤٤٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍ صفر المظفر ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۶۰۳۱)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۲/۱۴ھ

وکیل قربانی کرنا بھول گیا

سوال [۹۸۸۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص قربانی کے دنوں میں قربانی کراتا ہے، امسال ایسا ہوا کہ جن حضرات نے قربانی کے حصوں کی رقمیں اپنے ناموں کے ساتھ بھیجی تھیں، قربانی کرنے والا ان کے حصوں کی قربانی کرانا ہی بھول گیا، تو مؤکل بھی بے قصور ہے اور وکیل بھی سبب نسیان کی بناء پر بے قصور ہے؟

حضرت مفتی صاحب سے درخواست ہے کہ مؤکلین کی قربانی درست ہے؟ اگر درست نہیں ہے تو انہیں کرنا کیا ہے؟ جو بھی درست مسئلہ ہو تحریر فرما دیں۔

المستفتی: محمد رضوان القاسمی سورت گجرات

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: قربانی کی ذمہ داری لینے والا حقوق اللہ اور حقوق العباد میں مالی حقوق دونوں چیزوں کی ذمہ داری لیتا ہے اور اتنی بڑی ذمہ داری لینے کے بعد مؤکلین کی طرف سے قربانی کرنا بھول جانا وکیل کی طرف سے انتہائی لاپرواہی اور غفلت ہے اس لیے ساری ذمہ داری وکیل کے سر رہے گی، اور سوالنامہ میں سائل کا یہ کہنا درست نہیں ہے کہ وکیل بے قصور ہے اور مؤکلین بھی بے قصور ہیں، اور وکیل کے اوپر امانت داری اور دیانت داری کے اعتبار سے یہ لازم ہے کہ مؤکلین کا ایک ایک پیسہ واپس کردے، اور ایماندارانہ طور پر مؤکلین کو واضح کردے کہ قربانی نہیں ہوسکی اور قربانی نہ ہونے کی وجہ بھی بتادے تاکہ مؤکلین اپنی فوت شدہ قربانی کی تلافی ازخود کرسکیں، اور اگر الگ الگ سے الگ الگ حصے آئے ہیں تو ہر ایک حصہ کے بدلے میں ایک بکرا یا اس کی قیمت صدقہ کرنا لازم ہوجائے گی، لیکن اگر ایک جگہ سے سات حصے کی بات آئی ہے تو ایک بڑا جانور یا اس کی قیمت صدقہ کرسکتے ہیں۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۸/ ۲۲۵- ۲۲۶، جدید زکریا ۸/ ۲۰۸، جدید زکریا مطول ۱۲/ ۱۲۷)

ولو تركت التضحية ومضت أيامها تصدق بها حية (در مختار) لوقوع اليأس عن التقرب بالإراقة و إن تصدق بقيمتها أجزأه أيضا لأن الواجب هنا التصدق بعينها وهذا مثله فيما هو المقصود. (شامی، کتاب الأضحية، زكريا ديوبند ٩/ ٤٦٣، كراچی ٦/ ٣٢٠)

ومنها أنها تقضى إذا فاتت عن وقتها ثم قضائها قد يكون ...... بالتصدق بعين الشاة حية وقد يكون بالتصدق بقيمة الشاة. (هنديه، الباب الأول، زكريا قديم ٥/ ٢٩٤، جديد ٥/ ٣٣٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱ر صفر المظفر ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۴۴۵)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۲/۲۱ھ

غفلت کی بناء پر قربانی نہیں کی تو کیا حکم ہے؟

سوال [۹۸۷۶]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: قربانی کے دن گذر گئے اور صاحب نصاب کسی غفلت کی وجہ سے قربانی نہیں کرسکا اب وہ اس کی قیمت صدقہ کرنا چاہتا ہے تو کیا وہ بڑے جانور کے ساتویں حصہ کی قیمت مثلاً ۳۰۰ ر روپیہ صدقہ کرے یا پورے جانور کی قیمت صدقہ کرنا ضروری ہے؟

المستفتی: مولانا عبد الماجد مبارک نگر، مہاراشٹر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: صاحب نصاب اگر کسی وجہ سے ایام قربانی میں قربانی نہ کرسکا حتی کہ ایام قربانی گذر گئے تو اس پر قربانی کے لائق متوسط درجہ کی بھیڑ یا بکری کی قیمت کا صدقہ کرنا واجب ہے، بڑے جانور کے ساتویں حصہ کی قیمت صدقہ کرنا کافی نہ ہوگا۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۷/۴۸۰)

وإن كان لم يوجب على نفسه ولا اشترىٰ وهو موسر حتى مضت أيام النحر تصدق بقيمة شاة تجوز في الأضحية . (بدائع الصنائع، كتاب التضحية، فصل في كيفية الوجوب، زكريا ديوبند ٤/٢٠٣، هنديه زكريا قديم ٥/٢٩٦، جديد ٥/٣٤٢)

ولو تركت التضحية ومضت أيام النحر تصدق ...... بقيمتها غنى شراها أو لا لتعلقها بذمته بشرائها أولا، والمراد بالقيمة قيمة شاة تجزئ فيها وتحته في الشامي قيمة شاة وسط. (در مختار مع الشامي، كتاب الأضحية، زكريا ديوبند ٩/٤٦٣ تا ٤٦٥، كراچی ٣٢٠- ٣٢١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ر صفر المظفر ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۷۵۰۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۲/۹ھ

قربانی وعقیقہ کا جانور اگر ضائع ہو جائے تو کیا حکم ہے؟

سوال [۹۸۷۷]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: قربانی وعقیقہ کا جانور اگر راستہ میں ضائع ہو جائے تو کیا حکم ہے؟ کیا صاحب جانور پر یہ قربانی وعقیقہ دوبارہ ضروری ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: قربانی اور عقیقہ میں اصل مقصد اِراقت دم ہوتا ہے اس لیے اگر قربانی اور عقیقہ کا جانور گم ہو جائے اور صاحب جانور مالدار ہے یا ہلاک ہو جائے تو دوسرا اس کے بدلے میں کرنا لازم ہوتا ہے۔

إذا ماتت المشتراة للتضحية على موسر مكانها أخرىٰ. (هدايه، كتاب الأضحية، اشرفي ديوبند ٤/٤٤٨، تاتارخانية زكريا ١٧/٤٥٨، رقم: ٢٧٨٢٢)

إذا اشترىٰ شاة للأضحية وهو موسر ثم إنها ماتت أو سرقت أو ضلت في أيام النحر أنه يجب عليه أن يضحى بشاة أخرىٰ. (بدائع الصنائع زكريا ديوبند ٤/١٩٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/ذی قعدہ ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸۹۲/۲۸)

ایام اضحیہ کے بعد گم شدہ جانور مل جانے پر اسی کا تصدق لازم

سوال [۹۸۷۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایام قربانی میں کسی کا جانور گم ہوگیا اور تیسرا دن گذرنے تک نہیں ملا، بلکہ تین چار دن کے بعد ملا اور یہ شخص سرمایہ دار ہے تو اب یہ شخص اسی جانور کا صدقہ کرے گا یا اس کی قیمت صدقہ کرے گا؟

المستفتی: محمد عمر بجنوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جب اس مالدار شخص کا جانور ایام قربانی گذرنے کے بعد مل گیا تو اس شخص پر عین اسی جانور کا تصدق لازم ہے، اس کی قیمت صدقہ کرنے کا

اس کو اختیار نہیں ہے۔(مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم جدید ۱۵/ ۵۱۵)

أقول: ذكر في البدائع: أن الصحيح أن الشاة المشتراة للأضحية إذا لم يضح بها حتى مضى الوقت يتصدق الموسر بعينها حية كالفقير بلا خلاف بين أصحابنا. (شامي، كتاب الأضحية، زكريا ٩/ ٤٦٥، كراچی ٦/ ٣٢١)

ولو سرقت أضحية فلم يجدها حتى مضت أيام النحر فعليه أن يتصدق بها إذا وجدها ولا يذبحها فإذا ذبحها وتصدق بلحمها جاز. (خلاصة الفتاویٰ اشرفیه ٤/ ٣١٢)

لأن الأصل في الأموال التقرب بالتصدق بها لا بالإتلاف وهو الإراقة إلا أنه نقل إلى الإراقة مقيدا في وقت مخصوص (إلى قوله) فإذا مضى الوقت عاد الحكم إلى الأصل وهو التصدق بعين الشاة سواء كان معسرا أو موسرا. (بدائع الصنائع زكريا ٤/ ٢٠٢)

فإن كان قد أوجب التضحية على نفسه بشاة بعينها فلم يضحها حتى مضت أيام النحر فيتصدق بعينها حية سواء كان موسرا أو معسرا. (هنديه زكريا قديم ٥/ ٢٩٤، جديد ٩ ٣٣٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۲۸۵)

جانور گم ہوجانے پر دوسرے کی قربانی کردی پھر گم شدہ مل گیا تو کیا کرے؟

سوال [۹۸۷۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: سات آدمی نے مل کر ایک بڑا جانور خریدا، ان میں سے چار نے نفلی قربانی کا ارادہ کیا اور واجب قربانی کا ارادہ نہیں کیا، ان کی واجب قربانی کسی اور جانور میں ہے اور بقیہ تین آدمیوں نے اپنی واجب قربانی کی نیت کی بارہویں تاریخ کی شام کو قربانی کرنی تھی، اتفاق سے شام کو وہ جانور گم ہوگیا اور کسی اور جانور کی قربانی کا وقت نہیں رہا اور ان میں سے ہر ایک آدمی سرمایہ دار ہے، کوئی فقیر نہیں ہے، ایام نحر گذرنے کے بعد وہ جانور مل گیا تو نفلی قربانی

کرنے والوں کی قربانی کا کیا حکم ہے؟ اور واجب قربانی کرنے والوں کا کیا حکم ہے؟ کیونکہ نفلی قربانی کرنے والوں پر قربانی لازم نہیں تھی، انہوں نے اپنی واجب قربانی الگ کردی تھی، اب نفلی والے اپنے اپنے حصوں کی قیمت وصول کرلیں تو واجب قربانی والے کیا کریں؟

المستفتی: عبدالرشید قاسمی، سیڑھا بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جن لوگوں نے نفلی قربانی کے لیے حصہ لیا ہے اور واجب قربانی دوسرے جانور میں کر چکے ہیں ان کے لیے اپنے اپنے حصوں کی قیمت وصول کرکے اپنے استعمال میں لانا جائز ہے، کیونکہ ان پر اس جانور کی قربانی کی قضا لازم نہیں ہے، اور واجب قربانی کرنے والوں کو اپنے اپنے حصوں کی قیمت کا صدقہ کرنا لازم ہے، لہٰذا جب گم شدہ جانور مل گیا تو اس کو فروخت کرکے اس کی قیمت تناسب کے ساتھ تقسیم کرکے وہی عمل کریں جو اوپر بیان کیا گیا ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم جدید۱۵/ ۵۱۵)

ضلت أو سرقت فاشتریٰ أخریٰ ثم وجدها ...... وإن ذبح الأولیٰ جاز ...... إن وجبت عن یسار فکذا الجواب. (در مختار علی الشامی، کتاب الأضحیة کراچی ٦/٣٢٣، زکریا ٩/٤٦٧)

اشتریٰ شاتین للأضحیة فضاعت إحداهما فضحی بالثانیة ثم وجدها فی أیام النحر أو بعد أیام النحر فلا شیئ علیه. (تاتارخانیة زکریا ١٧/٤٥٨، رقم: ٢٧٨٢٠)

وقالوا: إن أدائها فی وقتها بإراقة الدم وقضائها بعد مضی وقتها بالتصدق بعینها أو بقیمتها. (فتح القدیر اشرفی ٩/٥٢٠، کوئٹه ٨/٤٢٦)

اشتریٰ شاة لیضحی بها فلم یفعل حتی مضت أیام النحر تصدق بها حیة فإن باعها تصدق بثمنها. (هندیه، الباب الرابع فیما یتعلق بالمکان والزمان، زکریا قدیم ٥/٢٩٧، جدید ٥/٣٤٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱ر ذی الحجہ ۱۴۳۴ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۳۲۳)

تیسرے دن قربانی نہ کرسکا تو قیمت کا تصدق لازم

سوال [۹۸۸۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص پر قربانی واجب ہے، اس نے یہ سوچا کہ تیسرے دن قربانی کریں گے، اتفاق سے تیسرے دن اس کا جانور گم ہوگیا اور اس کی تلاش میں تیسرے دن کا سورج غروب ہوگیا لیکن وہ ہاتھ نہ آیا تو اب یہ شخص کیا کرے؟

المستفتی: ممتاز احمد سیتاپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب تیسرے دن کے غروب تک اس شخص کا جانور نہ ملا جس کی بناء پر یہ شخص قربانی نہ کرسکا تو ایسی صورت میں اس پر اس جانور کی قیمت کا صدقہ کرنا واجب ہوگا۔ (مستفاد: فتاویٰ دار العلوم جدید ۱۵/۵۱۴، احسن الفتاویٰ زکریا ۷/۲۸۰)

من وجبت عليه الأضحية فلم يضح حتى مضت أيام النحر فقد وجب عليه التصدق بقيمة شاة. (بدائع كتاب التضحية فصل فى كيفية الوجوب زكريا ٤/٢٠٣)

أن الموسر إذا اشترىٰ شاة للأضحية فى أول يوم النحر ولم يضح حتى مضت أيام النحر ثم افتقر كان عليه أن يتصدق بعينها أو بقيمتها. (البحر الرائق زكريا ٨/٣١٨، كراچى ٨/١٧٤، فتح القدير زكريا ٩/٥٢١، كوئٹه ٨/٤٢٧)

وإنما ينتقل إلى الصدقة إذا وقع اليأس عن التضحية بمضى أيامها. (شامى زكريا ٩/٤٦٣، كراچى ٦/٣٢٠)

لو اشترىٰ شاة للأضحية عن نفسه أو عن ولده فلم يضح حتى مضت أيام النحر كان عليه أن يتصدق بتلك الشاة أو بقيمتها. (خانية، جديد زكريا ٣/٢٤٣، وعلى هامش الهندية زكريا ٣/ ٣٤٦، وكذا فى الفتاوىٰ التاتارخانية ١٧ /٤٢٣، رقم: ٢٧٧٠٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/ ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۳۱۰)

بعد تصدق گم شدہ جانور ایام قربانی کے بعد مل گیا

سوال [۹۸۸۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کسی شخص کا ایام قربانی میں جانور گم ہوگیا اور ایام قربانی کے گزرنے کے تقریباً ایک ہفتہ بعد ملا، اور یہ شخص پہلے ہی صدقہ کرچکا تو اب جانور ملنے کے بعد اس کو بھی صدقہ کرنا پڑے گا یا نہیں؟

المستفتی: محمد احمد مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: صورت مذکورہ میں ایام قربانی کے ایک ہفتہ بعد گم شدہ جانور مل گیا لیکن وہ پہلے ہی صدقہ کرچکا تو ایسی صورت میں جانور ملنے کے بعد اس کا تصدق لازم نہیں بلکہ اس کو اپنے کسی بھی کام میں لاسکتا ہے۔ (مستفاد: کتاب الفتاویٰ ۴/۱۶۴، فتاویٰ دارالعلوم جدید ۱۵/۵۱۵)

ولو اشترىٰ شاتين للأضحية فضاعت إحداهما فضحى بالثانية ثم وجدها في أيام النحر فلا شيئ عليه. (البحر الرائق، كتاب الأضحية زكريا ۹/۳۲۱، كوئٹه ۸/۱۷۵)

وإن ضحى بالثانية أجزأه وسقطت عنه الأضحية وليس عليه أن يضحي بالأولىٰ؛ لأن التضحية بها لم تجب بالشراء بل كانت الأضحية واجبة في ذمته بمطلق الشاة فإذا ضحى بالثانية فقد أدى الواجب بها. (بدائع الصنائع زكريا ۴/۱۹۹)

رجل اشترىٰ شاة بدينار فضلت واشترىٰ الشاة الأخرىٰ بدينارين وذٰلک قيمتها وضحى بها ثم وجد الأولىٰ لم يلزمه التضحية بالتي وجدها. (تاتارخانية زكريا ۱۷/۴۵۹، رقم: ۲۷۸۲۳)

ولو أن رجلا اشترىٰ شاة للأضحية فضلت ثم اشترىٰ شاة أخرىٰ ثم وجد الأولىٰ قبل أن يذبح الثانية كان له الخيار إن شاء ضحى الأولىٰ و إن شاء ضحى الثانية ولو أنه ضحى الثانية ثم وجد الأولىٰ هل عليه أن يضحي الأولىٰ ...... إن كان غنيا لايجب عليه. (خانية جديد زكريا ۳/۲۴۵، وعلى هامش الهندية زكريا ۳/۳۴۸)

فقير اشترىٰ أضحية فسرقت فاشترىٰ أخرىٰ مكانها ثم وجد الأولىٰ

ضحى بهما ولو كان غنيا ضحى بواحدة منهما. (فتاویٰ سراجیه، مکتبه اتحاد ص: ۳۸٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/ ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۳۱۹)

بڑے جانور کے حصہ کے ذریعہ قربانی کی قضاء کرنے کا حکم

سوال [۹۸۸۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: قربانی قضا ہونے کی صورت میں عام کتب فقہ وفتاویٰ میں متوسط جانور کی قیمت کا صدقہ لکھا ہوا ہے، تو کیا بڑے جانور کے ساتویں حصہ کی قیمت کا صدقہ کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد قاسم گودھروی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: قربانی قضا ہونے کی صورت میں متوسط درجہ کے بڑے جانور کے ساتویں حصہ کے صدقہ کے متعلق صریح جزئیہ نہیں ملا، البتہ بکری صدقہ کرنے کے متعلق جزئیہ کی صراحت ہے، اس لیے متوسط درجہ کی بکری کی قیمت صدقہ کردینی چاہیے۔

ولو تركت التضحية ومضت أيام النحر تصدق بقيمتها غنى شراها أولا لتعلقها بذمته بشرائها أولا، والمراد بالقيمة قيمة شاة تجزئ فيها (در مختار) وفي الشامية تحت قوله: فالمراد بالقيمةالخ، قال القهستاني: أو قيمة شاة وسط. (در مختار مع الشامي، كتاب الأضحية، زكريا ٩/ ٤٦٣- ٤٦٥، كراچی ٦/ ٣٢٠- ٣٢١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/ جمادی الثانیہ ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۱۱۳)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۲/ ۶/ ۱۴۳۱ھ

ایام قربانی گذر جانے کے بعد بڑے جانور کے ساتویں حصہ کی قیمت کا صدقہ

سوال [۹۸۸۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: قربانی کے ایام گذر جانے کے بعد قربانی کے جانور کی قیمت کا صدقہ کر دینا واجب ہے، لیکن اگر اس صورت میں بکرے کی قیمت کا اعتبار کر کے صدقہ کیا جائے تو تقریباً دو ہزار روپئے لگتے ہیں، اس لیے کہ بکرا مہنگا ہے اور اگر کسی بڑے جانور کے ساتویں حصہ کی قیمت کا اعتبار کر کے صدقہ کیا جائے تو پانچ سو روپئے لگتے ہیں، اب آپ وضاحت فرمائیں کہ ایام قربانی گذر جانے کے بعد ہر دو صورت میں فراغ ذمہ ہو جائے گا، یا ایک بکرے کی قیمت کا صدقہ کرنا واجب ہوگا، یا اعتبار کسی ایک جانور کی قیمت کا ہوگا، یا کسی بڑے جانور کے ساتویں حصہ کی قیمت کا صدقہ کر دینا بھی کافی ہے؟

المستفتی: ضیاء الرحمٰن بابر پور شاہدرہ دہلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: فقہاء نے صدقہ کرنے میں شاۃ یا قیمت شاۃ کی قیمت لگائی ہے اس لیے بڑے جانور کے ساتویں حصہ یا اس کی قیمت کافی نہ ہوگی؛ کیونکہ قربانی میں مکمل جانور مد تقرب میں ہونا لازم ہے اور ساتویں حصہ یا اس کی قیمت کے تصدق میں بقیہ حصوں کا تقرب نہ ہونے کی وجہ سے اشکال لازم ہے۔

صار قيمة شاة صالحة دينا في ذمته يتصدق بها متى وجدها. (هنديه، كتاب الأضحية، الباب الأول في تفسيرها وركنها وصفتها، زكريا قديم ٥/٢٩٣، جديد ٥/٣٣٩، بدائع الصنائع زكريا ديوبند ٤/٢٠٣، شامي كراچي ٦/٣٢٠، زكريا ٩/٤٦٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍ذی قعدہ ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۵۰۴)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۱۱/۴ھ

قربانی کے حصہ کی قیمت مدرسہ میں دینا

سوال [۹۸۸۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے یہاں ذبیحہ نہیں ہوتا ہے اس وجہ سے دوسرے گاؤں میں قربانی کرنے کو راس لے جاتے ہیں جس میں بہت دقت و پریشانی ہوتی ہے، دوسرے گوشت کی بھی بہتات ہوجاتی ہے، اس صورت میں اگر کوئی آدمی اپنے حصہ کی قیمت کسی بڑے مدرسہ جیسے شاہی، مدرسہ حیات العلوم، یعنی جن مدارس میں درس نصابی کی مکمل تعلیم ہوتی ہے، دیدے، تو اس کی قربانی ادا ہوجائے گی یا نہیں؟ مثلاً ایک راس ایک ہزار روپئے کی ملتی ہے اس ایک ہزار کے ساتویں حصہ کی قیمت مذکورہ مدرسہ میں دیدیں تو قربانی ادا ہوجائے گی یا نہیں؟

المستفتی: عبدالکریم تاج پورہ بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر آپ اپنی قربانی کے حصہ کی قیمت مذکورہ بالا مدرسہ میں کسی ذمہ دار کو دے کر وکیل بنادیں کہ میری طرف سے قربانی کردیں اور وہ آپ کی طرف سے وکیل بن کر جانور خرید کر قربانی کردے تو قربانی ادا ہوجائے گی۔

ولـو ذبح عن غيره بأمره جاز. (شامی، کتاب الأضحية، کراچی ٦/٣٣٥، زکریا دیوبند ٩/٤٨٣، فتاویٰ قاضی خان جدید زکریا ٣/٢٥١، وعلی هامش الهندية زکریا ٣/٣٥٥)

ومـنها أن تجزئ فيها النيابة فيجوز للإنسان أن يضحى بنفسه وبغيره بإذنه. (بدائع الصنائع، فصل فی کیفیة الوجوب، کراچی ٥/٦٧، زکریا ٤/٢٠٠، هندیه زکریا قدیم ٥/٢٩٤، جدید ٥/٣٣٩) **فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
یکم رجب المرجب ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۳۰۶/۲۴)

۳ باب من یجب علیه الأضحیة ومن لا یجب

قربانی کس پرواجب ہے؟

سوال [۹۸۸۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: قربانی کس پرواجب ہوتی ہے؟

المستفتی: انور جمال، محلّہ بھٹی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسا آزاد شخص جو ایامِ قربانی میں بقدر نصاب مال، روپیہ پیسہ، سونا چاندی یا مالِ تجارت یا ضرورت سے زائد ساز وسامان کا مالک ہو، ایسے شخص پر قربانی واجب ہے۔ (مستفاد: کتاب المسائل ۲/۲۲۰)

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله ﷺ: من وجد سعة فلم يضح فلا يقربن مصلانا. (مسند أحمد بن حنبل ۳۲۱/۳، رقم: ۸۲۵۶)

وأما شرائط الوجوب: منها اليسار، وهو ما يتعلق به وجوب صدقة الفطر (إلى قوله) والموسر في ظاهر الرواية: من له مأتا درهم أو عشرون ديناراً أو شيء يبلغ ذٰلك سوىٰ مسكنه و متاع مسكنه ومركوبه وخادمه في حاجته التي لا يستغني عنها. (هنديه، كتاب الأضحية، زكريا قديم ۲۹۲/۵، جديد ۳۳۶/۵-۳۳۷، المحيط البرهاني، المجلس العلمي ۴۵۵/۸، رقم: ۱۰۷۷۶، الفتاوىٰ التاتارخانية زكريا ۴۰۵/۱۷، رقم: ۲۷۶۴۹، شامي زكريا ۴۵۳/۹، كراچی ۳۱۲/۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍ذی الحجہ ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۵۵۳/۳۹)

قربانی واجب نہ ہونے کے باوجو قربانی کرنے کا حکم

سوال [۹۸۸۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر میں صرف اپنا حصہ ہی کروں اور اپنی بیوی کی طرف سے نہ کروں تو ایک حصہ قربانی نہ کرنے کا گنہگار کون ہوگا؟

المستفتی: محمد اسماعیل، سلیم پور، سہس پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: اگر آپ کی بیوی صاحب نصاب نہیں ہے تو اس پر قربانی واجب نہیں ہے اور اس کی طرف سے قربانی نہ کرنے سے نہ آپ پر گناہ ہوگا اور نہ آپ کی بیوی پر۔

وأما شرائط الوجوب: منها اليسار، وهو ما يتعلق به وجوب صدقة الفطر. (هـنـديه، كتاب الأضحية، زكريا قديم ٥/ ٢٩٢، جديد ٥/ ٣٣٦- ٣٣٧، جواهر الفقه قديم ١/ ٤٤٨، جديد زكريا ٦/ ٢٧٠، المحيط البرهاني، المجلس العلمي ٨/ ٤٥٥، رقم: ١٠٧٧٦، الفتاویٰ التاتارخانية زكريا ١٧/ ٤٠٥، رقم: ٢٧٦٤٩، شامي زكريا ٩/ ٤٥٣، كراچی ٦/ ٣١٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳ر محرم الحرام ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۰۸۰)

قربانی کے وجوب کی شرط

سوال [۹۸۸۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کے چار بیٹے ہیں اور ہر ایک کی اولاد بھی ہے، اور چاروں بیٹے زید کے ساتھ مالک نصاب ہیں؛ لیکن سب ایک فیملی میں زید کے ساتھ رہتے ہیں، اب جواب طلب مسئلہ یہ ہے کہ زید اگر قربانی کا جانور خرید کر قربانی کرے تو کیا چاروں بیٹوں کی طرف سے قربانی

ساقط ہوجائے گی جبکہ اس جانور میں ان کو شریک نہیں کیا گیا، یا ان سے قربانی ساقط ہونے کے لیے ان کو الگ الگ شریک کرنا اور نام لینا لازم ہوگا؟ مدلل تحریر فرمائیں۔

المستفتی: اشرف الہدیٰ بیر بھومی، مغربی بنگال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید کے چاروں لڑکے جو باپ کی فیملی میں رہتے ہیں ان کی کمائی اور آمدنی باپ کی ملکیت ہوا کرتی ہے، لیکن اگر باپ نے اجازت دے رکھی ہے کہ جو جتنا کمائے وہ اپنے پاس اپنی ملکیت میں الگ رکھے تو ایسی صورت میں لڑکوں کے پاس جب نصاب کے بقدر یا اس سے زائد پیسے ہوں تو ہر ایک پر اپنی اپنی قربانی الگ سے کرنا واجب ہوگا، باپ کا اپنی طرف سے ایک قربانی کرنے سے ان لڑکوں کا فریضہ ادا نہ ہوگا۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۱۹۳/۸، جدید زکریا مطول ۱۶۶/۶)

عن ابن عمر أنه كان لا يضحى عن حبل، ولكن كان يضحى عن ولده الصغار والكبار، ويعق عن ولده كلهم. (مصنف عبد الرزاق، المناسك، باب الضحايا، المجلس العلمى ٤/ ٣٨٠، رقم: ٨١٣٦)

فتجب التضحية على حر مسلم مقيم مؤسر عن نفسه. (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الأضحية، ياسر نديم ٢/ ٢٣١)

ولو ضحى عن أولاده الكبار و زوجته لايجوز إلا بإذنهم. (شامى، كتاب الأضحية، زكريا ٩/ ٤٥٧، كراچى ٦/ ٣١٥، بزازيه زكريا جديد ٣/ ١٦٠، وعلى هامش الهندية ٦/ ٢٩٥، قاضيخان زكريا جديد ٣/ ٢٤٣ وعلى هامش الهندية ٣/ ٣٤٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ ؍ رجب المرجب ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۴۹۸/۳۷)

صاحب نصاب پر ہر سال قربانی کا لزوم اور سات کی تحدید کا حکم

سوال [۹۸۸۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ ایک شخص نے سات قربانیاں دے دی ہیں، اب آئندہ اس کو اور قربانیاں دینے کی ضرورت ہے یا نہیں؟ ادھر ہمارے ایریے میں سات قربانیاں دینا زندگی میں حد رکھی ہے؟

المستفتی: غلام حسین، مدرس رام نگر، ضلع اودھم سنگھ نگر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زندگی بھر ہر سال قربانی واجب ہے، جب تک نصاب کے بقدر مال موجود ہے۔

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله ﷺ: من وجد سعة فلم يضح فلا يقربن مصلانا. (مسند أحمد بن حنبل ۳/۳۲۱، رقم: ۸۲۵۶)

ويشترط في وجوبها اليسار لأنها حق في مال يجب على وجه القربة كالزكاة. (الجوهرة النيرة، كتاب الأضحية، مكتبه امداديه ملتان ۲/۲۸، دار الكتاب ديوبند ۲/۲٦۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴ر محرم الحرام ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/۴۳۲۲)

جائیداد کی پیداوار بقدر نصاب ہو تو قربانی واجب ہے یا نہیں؟

سوال [۹۸۸۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرا ۲۲ر سال کا لڑکا ہے اور کالج میں پڑھتا ہے، اس کے پاس بیس بیگھے زمین ہے، تو اس پر قربانی واجب ہے یا نہیں؟

المستفتی: زوجہ عبد الکریم خاں مرحوم، محلّہ مغل پورہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مذکورہ زمین کی پیداوار بقرعید کے دن نصاب کے برابر ہو جائے تو قربانی واجب ہوگی اور اگر بقدر نصاب نہ ہو تو قربانی واجب نہیں ہے۔

ولـو كانت له دور و حوانيت للغلة وهي لاتكفي عياله فهو من الفقراء، وعلـى هذا الكرم والآراضي إذا كانت غلتها لاتكفي. (البناية باب صدقة الفطر، اشرفيه ۴۸۲/۳، مجمع الأنهر مصرى قديم ۲۲۷/۱، دار الكتب العلمية بيروت ۳۳۵/۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰/ ذی قعدہ ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۰۴۰/۲۶)

کیا چھ ہزار کی مالیت رکھنے والے شخص پر قربانی واجب ہے؟

سوال [۹۸۹۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک صاحب کے پاس دو مکان ہیں، ایک میں خود رہتے ہیں، دوسرا خالی پڑا رہتا ہے، کبھی کرایہ پر دیتا ہے، لیکن اس کے پاس نقد پیسہ یا زیور نہیں ہے، پانچ چھ ہزار کی مالیت کا سامان ہے، کیا اس پر قربانی واجب ہے؟

المستفتی: امیر احمد ممبئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جومکان خالی پڑا ہوا ہے کبھی کبھی اس کو کرایہ پر دیتا ہے وہ اس کی آمدنی کا ذریعہ ہے، کبھی کرایہ پر دینے کا مطلب یہ ہے کہ جب مناسب پیسہ ملتا ہوگا تب کرایہ پر دیتا ہوگا، اور ذریعہ آمدنی پر زکوٰۃ اور صدقہ فطر واجب نہیں ہوتے اور قربانی اس پر واجب ہوتی ہے، جس پر صدقۂ فطر واجب ہو اور آج کے زمانہ میں پانچ چھ ہزار کا سامان قربانی کے نصاب کو نہیں پہنچتا ہے، لہٰذا مذکورہ شخص پر قربانی واجب نہیں ہے۔

وإن كـان لـه عـقـار و مستغلات ملك اختلف المشايخ المتأخرون (إلـى قـولـه) وأبو علي الدقاق وغيره اعتبروا الدخل. (هنديه، كتاب الأضحية، الباب الأول، زكريا قديم ۲۹۲/۵، جديد ۳۳۷/۵، الفتاویٰ التاتارخانية زكريا ۴۰۶/۱۷،

رقم ١٢٧٦٥١، المحيط البرهانی، المجلس العلمی ٨/٤٥٥، رقم: ١٠٧٧٨)

وفـی الـفتـاویٰ الـعتابية: وفی حق صاحب المستغلات يعتبر الفضل على قوت شهر. (الفتاویٰ التاتارخانية كوئٹه ٢/٤١٨ زكريا ٣/٤٥٤، رقم: ٤٨٣٤)

وذكـر فی الفتاویٰ فيمن له حوانيت و دور للغلة لكن غلتها لا تكفيه ولـعياله أنه فقير. (شـامـی، كتـاب الزكاة، باب المصرف، قبيل مطلب: فی جهاز المرأة هل تصير به غنية، زكريا ٣/٢٩٦، كراچی ٢/٣٤٨)

فـالـغـنـی فی الأضحية ما هو الغنی فی صدقة الفطر. (قـاضيخان زكريا جديد ٣/٢٤٢، وعلى هامش الهندية ٣/٣٤٤) **فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
۲۱؍ صفر المظفر ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۸۹۲/۳۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۲/۲۱ھ

بے نمازی کی قربانی کا حکم

سـوال [۹۸۹۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بے نمازی کی قربانی کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: زوجہ عبدالکریم خاں مرحوم، مغل پورہ مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: قربانی اس صورت میں واجب ہوتی ہے جبکہ وہ بقرعید کے دن مالک نصاب ہو، وجوب قربانی کے لیے عدالت اور پابند صوم وصلاۃ ہونا مشروط نہیں ہے۔

وشـرائـطهـا: الإسـلام والإقامة واليسار الذی يتعلق به وجوب صدقة الفطر.

(الدر المختار، كتاب الاضحية، زكريا ٩/٤٥٢-٤٥٣، كراچی ٦/٣١٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰؍ ذی قعدہ ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۰۴۰/۲۶)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۰/۱۱/۳۰ھ

داڑھی کٹوانے والے کی قربانی صحیح ہے یانہیں؟

سوال [۹۸۹۲]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کسی شخص کوبقرعید کی قربانی کرنی ہے اوراس شخص نے بھول کراپنی داڑھی بنوالی توکیااس کی قربانی صحیح ہوجائے گی یانہیں؟

المستفتی: محمد مستقیم مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ایک مشت سے کم ڈاڑھی منڈوانا یاکٹوانا کسی شخص کے لیے جائز نہیں ہے، اس کا بہت بڑا گناہ ہوتا ہے، حدیث شریف سے ثابت ہے، اس کا گناہ مستقل ہے، مگراس کی وجہ سے قربانی میں کوئی خلل نہیں ہوتا،قربانی جائز ہوجائے گی۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۷/۲۰۴)

عن ابن عمر رضی الله عنه عن النبی صلی الله علیه وسلم قال: احفوا الشوارب واعفوا اللحیٰ. (صحیح مسلم، باب خصال الفطرة، النسخة الهندية ١/٢٩، بيت الأفكار رقم: ٢٥٩)

وأما الأخذ منها وهی دون ذٰلک کما یفعله بعض المغاربة و مخنثة الرجال فلم یبحه أحد. (الدر المختار، باب ما يفسد الصوم وما لا يفسد، مطلب: فی الأخذ من اللحية، زکريا ٣/٣٩٨، كراچی ٢/٤١٨)

قال النووی نقلاً عن المذاهب: فقال أبو حنیفة لایکره. (شرح النووی علی مسلم، النسخة الهندية ٢/١٦٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹/ذی الحجہ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر:۳۳/۵۵۳۷)

غریب پر کس جانور کی قربانی لازم ہے؟

سوال [۹۸۹۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بڑے جانور کے سات شریکوں میں سے ایک شریک غریب ہے اور جانور گم ہو گیا ہے تو سب نے مل کر دوسرا خرید لیا، اب پہلا جانور مل گیا، دوسرے مالدار شرکاء پہلے جانور کی قربانی نہیں کرتے، تو کیا غریب پر اس پہلے جانور کی قربانی واجب ہوگی؟

المستفتی: عبدالحمید، نورتن پوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: غریب پر دونوں جانوروں کی قربانی واجب ہوگی، البتہ اگر اس نے دوسرا جانور خریدتے وقت یہ نیت کی ہو کہ پہلا جانور جو گم ہو گیا اس کی جگہ پر خریدتا ہوں تو ایک قربانی واجب ہوگی؛ اس لیے فقیر پر ضروری ہے کہ پہلے جانور میں سے اپنے حصہ کی قیمت شرکاء سے وصول کر کے صدقہ کر دے پھر اس جانور میں فقیر کا کچھ حق نہیں رہے گا، شرکاء کی ملک ہو جائے گا۔

وفی فتاویٰ سمرقند: الفقیر إذا اشتریٰ شاۃ للأضحیۃ فسرقت فاشتریٰ مکانہا ثم وجد الأولیٰ فعلیہ أن یضحی بہما، ولو ضلت فلیس علیہ أن یشتری أخریٰ مکانہا. (البحر الرائق، کتاب الأضحیۃ، زکریا ۸/ ۳۲۰، کوئٹہ ۸/ ۱۷۵، الفتاویٰ تاتارخانیۃ زکریا ۱۷/ ۴۱۳، رقم: ۲۷۶۷۴، المحیط البرہانی، المجلس العلمی ۸/ ۴۵۹، رقم: ۱۰۷۹۰-۱۰۷۹۱)

رجل اشتریٰ أضحیۃ وأوجبہا فضلت ثم اشتریٰ أخریٰ، فأوجبہا ثم وجد الأولیٰ إن کان أوجب الثانیۃ بلسانہ فعلیہ أن یضحی بہما، وإن أوجبہا بدلا عن الأولیٰ فعلیہ أن یذبح أیہما شاء، ولم یفصل بین الفقیر والغنی. (البحر الرائق زکریا ۸/ ۳۲۰، کوئٹہ ۸/ ۱۷۵) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/ ربیع الاول ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۰۹۳)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۹/ ۳/ ۱۴۲۰ھ

کیا آٹو رکشہ کرایہ پر لگانے والے پر قربانی واجب ہے؟

سوال [۹۸۹۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کے پاس دو آٹو رکشہ ہیں دونوں کرایہ پر چلا رکھے ہیں، ان کے کرایہ پر ہی گذر بسر ہے، کیا زید پر قربانی واجب ہے؟ کیا آٹو رکشہ کی مالیت کو دیکھتے ہوئے قربانی کا وجوب آئے گا؟

المستفتی: امیر محمد، وارد حال ممبئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ صورت میں آٹو رکشہ حوائج اصلیہ اور آلات آمدنی میں داخل ہے، اس کی آمدنی کا اعتبار ہوگا، اس کی مالیت کا اعتبار نہ ہوگا، لہٰذا آٹو رکشہ کے علاوہ دیگر سامان وغیرہ نصاب کے بقدر موجود ہیں تو اس شخص پر قربانی واجب ہوگی ورنہ نہیں۔

وإن كان له عقار و مستغلات ملك اختلف المشايخ المتأخرون (إلى قوله) وأبو على الدقاق وغيره اعتبروا الدخل. (هنديه، كتاب الأضحية، الباب الأول، زكريا قديم ٥/ ٢٩٢، جديد ٥/ ٣٣٧، الفتاوىٰ التاتارخانية زكريا ١٧/ ٤٠٦، رقم ٢٧٦٥١، المحيط البرهانى، المجلس العلمى ٨/ ٤٥٥، رقم: ١٠٧٧٨)

وفى الفتاوىٰ العتابية: وفى حق صاحب المستغلات يعتبر الفضل على قوت شهر. (الفتاوىٰ التاتارخانية كوئٹه ٢/ ٤١٩ زكريا ٣/ ٤٥٤، رقم: ٤٨٣٤)

من له متاع فاضل عن حاجته الأصلية مقدار ما يساوى مأتى درهم إلا أنه ليس للتجارة فإنه لايحل له أخذ الزكاة وتجب عليه الأضحية. (الفتاوىٰ التاتارخانية زكريا ٣/ ٢١٥ رقم: ٤١٦٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍ صفر المظفر ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۸۹۲/۳۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۲/۲۱ھ

ذمہ دارانِ مدرسہ کا مدرسہ سے قرض لے کر قربانی کرنا

سوال [۹۸۹۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: سات آدمیوں نے مدرسہ کے ذمہ دار سے ٹیلی فون پر اپنے اپنے حصے بک کرالیے اور رقم جمع نہیں کی، مدرسہ والوں نے مدرسہ کی رقم سے جانور خرید کر قربان کر دیا، اس کے بعد ساتوں شرکاء نے اپنے اپنے حصے کے پیسے ادا کئے، تو ایسی صورت میں کیا ساتوں شرکاء کی قربانی درست ہوگئی، نیز ذمہ دارانِ مدرسہ کا مدرسہ کے پیسے سے جانور خرید کر قربانی کرنا درست ہے؟ نیز اگر وہ جانور مرجاتا تو اس کا تاوان کس پر لازم آتا؟

المستفتی: محمد تعظیم القاسمی، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جن سات آدمیوں نے مدرسہ کے ذمہ داران کو ٹیلیفون پر اپنے اپنے حصے کی قربانی کرنے کی اجازت دی ہے اور ذمہ داران نے ان کے یہاں سے پیسہ آنے سے پہلے مدرسہ سے بطور قرض پیسہ لے کر ان کی طرف سے قربانی کر دی، اور بعد میں وہ پیسہ وصول ہو گیا ہے تو ایسی صورت میں ان سب کی قربانی تو درست ہو گئی ہے، لیکن مدرسے سے مذکورہ شرکاء کے لیے جو قرض لیا گیا ہے وہ عمل ذمہ دارانِ مدرسہ کے لیے مکروہ ہے؛ اس لیے اس میں احتیاط ضروری ہے، ہاں البتہ ذمہ داران اگر اپنی جیب سے بطور قرض دے کر قربانی کر دیں، تو کوئی مضائقہ نہیں۔

وإذا دفع الوكيل بالشراء الثمن من ماله من غير صريح إذن الموكل وقبض المبيع فله أن يرجع به على الموكل لوجود الإذن دلالة؛ لأن الحقوق لما كانت إلى العاقد وقد علمه المؤكل يكون راضياً بدفعه.

(اللباب فی شرح الكتاب، كتاب الوكالة، دار الكتب العلمية بيروت ۲/۱۴۳)

وفی البحر: قال فی جامع الفصولیین: ليس للمتولی إيداع مال الوقف والمسجد إلا ممن فی عياله ولا إقراضه فلو أقرضه ضمن وكذا المستقرض.

(البحر الرائق كتاب الوقف كوئٹه ٥/٢٣٩، زكريا ٥/٤٠١، تنقيح الفتاویٰ الحامدية دار الكتب العلمية بيروت ١/٢٢٩، مجمع الضمانات ١/٣٣٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍صفر المظفر ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۴۳۹)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۲/۵ھ

جس کا عقیقہ نہ ہوا ہو اس کی طرف سے قربانی کرنا

سوال [۹۸۹٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جس شخص کا عقیقہ نہیں ہوا ہے تو کیا اس شخص کے نام سے قربانی درست ہے یا نہیں؟ تفصیل سے مطلع فرمائیں۔

المستفتی: محمد منظور الحق، سمستی پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مسئولہ میں جس شخص کا عقیقہ نہیں ہوا ہے اس کی طرف سے قربانی کرنا درست ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۸/۲٦۳، جدید زکریا مطول ۱۲/ ۱۵۹)

نیز عقیقہ مستحب ہے واجب نہیں، قربانی واجب ہے، نیز عقیقہ قربانی کی شرائط میں سے بھی نہیں ہے۔

عن معمر عن قتادة قال: من لم يعق عنه أجزأته أضحيته. (مصنف عبد الرزاق، المجلس العلمي ٤/٣٣١، رقم/ ٧٩٦٧)

وذكر محمدؒ في العقيقة: فمن شاء فعل ومن شاء لم يفعل، وهذا يشير إلى الإباحة. (عالمگيری، كتاب الكراهية الباب الثاني والعشرون، زكريا قديم ٥/٣٦٢، جديد ٥/٤١٨، الموسوعة الفقهية الكويتية ٢٦/١٠٧، بدائع الصنائع كراچی ٥/٦٩، زكريا ديوبند ٤/٢٠٤، شامی كراچی ٦/٣٢٦، زكريا ٩/٤٧٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍جمادی الثانیہ ۱۴۱٦ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۴۷۵)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱٦/٦/۸ھ

جس نے عقیقہ نہ کیا ہو، کیا وہ قربانی میں حصہ لے سکتا ہے؟

سوال [۹۸۹۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جس شخص نے عقیقہ نہ کیا ہو، کیا وہ قربانی میں حصہ لے سکتا ہے؟

المستفتی: عابد حسین، محمود پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: لے سکتا ہے، بلکہ اگر مالک نصاب ہے تو حصہ لینا واجب ہے۔

عن أبی هريرة -رضی الله عنه- قال: قال رسول الله ﷺ: من وجد منكم سعة فلم يضح فلا يقربن مصلانا. (سنن الدار قطنی، الأشربة،باب الصيد والذبائح والأطعمة، دار الكتب العلمية بيرت ٤/١٨٩، رقم: ٤٧١٧)

عن معمر عن قتادة قال: من لم يعق عنه أجزأته أضحيته. (مصنف عبد الرزاق، المجلس العلمی ٤/٣٣١، رقم: ٧٩٦٧)

ذبح حيوان مخصوص بنية القربة فی وقت مخصوص، و شرائطها الإسلام والإقامة واليسار الذی يتعلق به وجوب صدقة الفطر. (تنوير الأبصار مع الدر، كتاب الأضحية، كوئٹه ٥/٢١٩، زكريا ٩/٤٥٢-٤٥٣، كراچی ٦/٣١٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/ ذی قعدہ ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/۲/۳۷۲)

قربانی میں دی ہوئی رقم بچ جائے یا گھٹ جائے تو کیا کریں؟

سوال [۹۸۹۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عوام مدارس کے سفراء کو اپنی طرف سے قربانی کرنے کے لیے رقم دیتے ہیں، بعد میں

ایسا اتفاق پیش آتا ہے کہ بعض کی قربانی کرنے کے بعد کچھ رقم بچ جاتی ہے اور بعض کی کم رہ جاتی ہے، تو کیا اس صورت میں بچے ہوئے روپیوں سے دوسرے کی کمی پوری کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر ناجائز ہے تو اس کمی کو مدرسہ پوری کرے یا سفیر؟ لیکن دونوں اس پر تیار نہ ہوں تو پھر اس کے لیے کیا شکل اختیار کی جائے؟ اس لیے کہ ان لوگوں کا پتہ معلوم نہیں کہ بعد میں اس رقم کا مطالبہ کر لیا جائے؟

المستفتی: سعید احمد قاسمی، ٹانڈہ رام پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر واقعی ایسا واقعہ پیش آتا ہے تو بہت سخت خطرناک طریقہ ہے، سفراء پر پورا پتہ لکھنے کی پابندی لگانا ضروری ہے، مذکورہ صورت میں اگر کسی کی رقم سے قربانی کا مکمل ایک حصہ پورا نہیں ہوتا ہے اور اس کو کسی جانور میں اس حالت میں شریک کر لیا جائے تو اس جانور میں شریک ہونے والے دوسرے شرکاء میں سے کسی کی قربانی صحیح نہیں ہوگی، کیونکہ جب کسی ایک شریک کی قربانی صحیح نہیں ہوتی ہے تو تمام شرکاء کی قربانی بیکار ہو جاتی ہے، نیز جن لوگوں کی رقم ہے ان کی قربانی کے بعد کچھ رقم بچ جائے وہ ان کو واپس لوٹا دینا واجب ہے، اگر واپسی کی کوئی صورت ہی نہ ہو، تو زائد رقم کا فقراء پر صدقہ کر دینا لازم ہوگا۔

ولو لأحدهم أقل من سبع لم يجز عن أحد. (الدر المختار، کتاب الأضحية، زکریا ۹/۴۵۷، کراچی ۶/۳۱۵-۳۱۶)

وكذا إذا كان نصيب أحدهم أقل من سبع بدنة لا يجوز عن الكل؛ لأن بعضه إذا خرج عن كونه قربة خرج كله. (البحر الرائق، کتاب الأضحية، کوئٹہ ۸/۱۷۴، زکریا ۸/۳۱۹)

لأن الزيادة هناک بدل ملک الموکل فتکون له، أی لأن الزيادة عوض ملک الآمر فلايجوز أن يستحقه الوكيل إلا بإذن الموكل ولا بغير إذنه. (البناية اشرفيه ۹/۲۴۶)

ورد بأن الدرهم ملک الموکل فتکون الزيادة بدل ملكه. (العناية علی هامش فتح القدير، دار الفكر ۸/۴۴، زکریا ۸/۴۸، کوئٹہ ۷/۴۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۱۲۷۱)

صاحب نصاب اپنی طرف سے قربانی کرے یا والدین کی طرف سے؟

سوال [۹۸۹۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) ہم نے ایک بکرا پالا، اس میں ہم پہلے والدین کے نام کی قربانی کریں یا پہلے اپنے نام کی اور دوسرا بکرا پالنے کی ہمارے پاس گنجائش نہیں ہے، اس کے لیے کیا فرماتے ہیں؟

(۲) اگر ہم بھینس میں حصہ لے رہے ہیں تو وہ سات سال میں پورا ہوگا یا ایک حصہ میں پورا ہوگیا؟

المستفتی: محمد دانش، اصالت پورہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) پہلے آپ پر قربانی کرنی واجب ہے، اس کے بعد گنجائش ہو تو والدین کی طرف سے قربانی کر سکتے ہیں، اگر والدین نے وصیت نہیں کی ہے اور نہ ان کے ترکہ کے ثلث میں گنجائش ہے، تو والدین کی طرف سے قربانی واجب نہیں، اپنی طرف سے واجب ہے۔

عن أبی هريرة –رضی اللّٰه عنه– قال: قال النبی ﷺ: من كان له مال فلم يضح فلا يقربن مصلانا، وقال مرة: من وجد سعة فلم يذبح فلا يقربن مصلانا. (المستدرك للحاكم، أضاحی، قديم ٤/ ٢٣٢، مكتبه نزار مصطفىٰ الباز جديد ٧ ٢٦٩٧، رقم: ٧٥٦٥ - ٧٥٦٦)

الأضحية واجبة على كل حر مسلم مقيم موسر فی يوم الأضحىٰ عن نفسه. (هدايه، كتاب الأضحية، اشرفی ٤/ ٤٤٣، قدوری ص: ٢٢٨، شامی زكريا ٩/ ٤٥٢ - ٤٥٣، كراچی ٦/ ٣١٢)

(۲) اگر بھینس میں حصہ لیا جائے تو جائز ہے، مگر زندگی بھر ہر سال قربانی کرنی واجب ہے، چاہے بھینس میں حصہ لیا کریں یا بکرا کیا کریں، جبکہ آپ مال نصاب کے مالک

ہیں، لوگوں کا جوعقیدہ ہے کہ بھینس میں حصہ لینے میں سات سال میں فریضہ مکمل ہو جاتا ہے، آئندہ قربانی کرنا واجب نہیں ہے غلط ہے، بلکہ موسر مالدار پر ہر سال قربانی کرنا واجب ہے۔

عن أبی هريرة – رضی الله عنه – قال: قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: من كان له مال فلم يضح فلا يقربن مصلانا، وقال مرة: من وجد سعة فلم يذبح فلا يقربن مصلانا. (المستدرك للحاكم، أضاحی، قديم ٤/٢٣٢، مكتبه نزار مصطفیٰ الباز جديد ٧ ٢٦٩، رقم: ٧٥٦٥ - ٧٥٦٦)

الأضحية واجبة على كل حر مسلم مقيم موسر في يوم الأضحیٰ عن نفسه. (هدايه، كتاب الأضحية، اشرفی ٤/٤٤٣، قدوری ص: ٢٢٨، شامی زكريا ٩/٤٥٢ - ٤٥٣، كراچی ٦/٣١٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ر ذی الحجہ ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۷۴۶)

شوہر کے صاحب نصاب ہونے کی وجہ سے بیوی پر قربانی وغیرہ کا حکم

سوال [۹۹۰۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں یعنی محمد اسماعیل شریعت کے حساب سے مالدار شخص ہوں، میرے اوپر زکوٰۃ فرض ہے، اس لیے قربانی بھی واجب ہوتی ہے، میری ایک بیوی ہے، ہندوستانی رواج کے مطابق وہ میرے ہی ساتھ رہتی ہے، اس کی اپنی کوئی جائیداد نہیں ہے، اس کا جو کچھ بھی جہیز ہے وہ میرے پاس ہے، اور گھر کے استعمال میں آرہا ہے، اور وہ بھی اپنے آپ کو مالدار سمجھتی ہے، جیسا کہ ہندوستانی دستور ہے کہ شوہر اگر مالدار ہو تو بیوی بھی اپنے کو مالدار اور اگر شوہر غریب ہو تو بیوی بھی اپنے کو غریب سمجھتی ہے، اب مجھے آپ سے یہ مسئلہ دریافت کرنا ہے کہ: جس طرح مجھ پر قربانی واجب ہے اس طرح سے میری بیوی پر قربانی واجب ہے یا نہیں؟ کیونکہ وہ میرے ساتھ ہی اپنے کو مالدار سمجھتی ہے؟

المستفتی: محمد اسماعیل، سلیم پور، سہسپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر آپ کی بیوی کے پاس پرسنل طور پر، ذاتی زیور یا دیگر رقم بقدر نصاب نہیں ہے تو اس پر قربانی واجب نہیں ہے، اگر چہ وہ اپنے کو آپ کے ساتھ مالدار سمجھتی ہو۔

ولم تجب إلا بملك النصاب فدل أن وجوبها بالقدرة الميسرة؛ لأن اشتراط النصاب لاينافي وجوبها بالممكنة. (البحر الرائق، كتاب الأضحية، كوئٹه ۸/۱۷٤، زكريا ۸/۳۱۹)

وأما شرائط الوجوب أى شرائط الأضحية منها اليسار، وهو ما يتعلق به وجوب صدقة الفطر دون ما يتعلق به وجوب الزكاة. (فتاویٰ عالمگیری، كتاب الأضحية، زكريا قديم ٥/۲۹۲، جديد ٥/۳۳٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳ر محرم الحرام ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۱۰۸۰)

شوہر کا اپنی طرف سے قربانی نہ کر کے بیوی کی طرف سے کرنے کا حکم

سوال [۹۹۰۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر شوہر اپنا حصہ نہ کر کے بیوی کا حصہ کرے تو اس کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: محمد اسماعیل، قصبہ سہس پور، سیوہارہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: شوہر پر اپنی قربانی ادا کرنا واجب ہے اگر بیوی کی طرف سے قربانی کر کے اپنی طرف سے قربانی نہ کرے تو شوہر سخت گنہگار ثابت ہوگا اور قربانی کا وجوب اس پر باقی رہ جائے گا۔

عن أبي هريرة -رضي الله عنه- قال: قال رسول الله ﷺ: من وجد

سعة فلم يضح فلا يقربن مصلانا. (مسند أحمد بن حنبل ٣/٣٢١، رقم: ٨٢٥٦)

وليس على الرجل أن يضحي عن أولاده الكبار و امرأته. (قاضيخان، كتاب الأضحية، زكريا جديد ٣/٢٤٣، وعلى هامش الهندية ٣/٣٤٥، شامي زكريا ٩/٤٥٧، كراچي ٦/٣١٥، بزازيه زكريا جديد ٣/١٦٠، وعلى هامش الهندية ٦/٢٩٥، هنديه زكريا قديم ٥/٢٩٢، جديد ٥/٣٣٦)

ومن وجد سعة ولم يضح فلا يقربن مصلانا، هذا وعيد يلحق بترك الواجب. (مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ٤/١٦٦، مصری قدیم ٢/٥١٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم صفر المظفر ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۱۰۹۵)

صاحب نصاب کا اپنی طرف سے قربانی نہ کر کے میت کی طرف سے قربانی کرنا

سوال [۹۹۰۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص کے پاس ایک ہی جانور رہے اور وہ اس جانور کو مردہ کے نام پر قربانی کرنا چاہتا ہے، اور خود صاحب نصاب ہونے کے باوجود اپنے نام پر قربانی نہیں کرتا، تو کیا اس کی یہ قربانی درست ہے؟ اور مردہ کے نام کی قربانی کے گوشت کا حکم زندہ لوگوں کی قربانی کے گوشت کی طرح ہے یا کچھ فرق ہے؟

المستفتی: شاہد جمال، مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ شخص کے پاس ایک ہی جانور رہے اور صاحب نصاب ہونے کی وجہ سے خود اس پر قربانی واجب ہے، تو یہ شخص میت کی طرف سے قربانی نہیں کرے گا، بلکہ اپنی طرف سے قربانی کرنا لازم ہے، البتہ بعض فقہاء نے لکھا ہے کہ ایسی صورت میں میت کی طرف سے قربانی نہ ہوگی بلکہ خود قربانی کرنے والے کی طرف سے

واجب قربانی ادا ہو جائے گی۔

تجب علی حر مسلم عن نفسه. (تنویر الأبصار، کتاب الأضحیة، زکریا ۹/ ٤٥٧، کراچی ٦/ ۳۱٥)

وإن تبرع بها عنه له الأکل لأنه یقع علی ملک الذابح، والثواب للمیت، ولهذا لو کان علی الذابح واحدة سقطت عنه أضحیته کما فی الأجناس. (شامی، کتاب الأضحیة، زکریا ۹/ ٤٨٤، کراچی ٦/ ۳۳٥) **فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
۱۳؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۰۵۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۵/۱۳ھ

مرحوم والد کی طرف سے کی گئی قربانی سے واجبی قربانی ساقط ہوگی یا نہیں؟

سوال [۹۹۰۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید اپنی واجب قربانی اگر اپنے والد مرحوم یا کسی دوسرے کے نام سے کر دے تو زید سے قربانی ساقط ہوگی یا نہیں؟ ایک مفتی صاحب سے اس سلسلے میں گفتگو ہوئی تو انہوں نے کہا کہ ہم مرحوم والد یا میت کی طرف سے کرنے کی صورت میں سقوطِ اضحیہ کا فتویٰ دیتے ہیں، رہا زندہ کی طرف سے تو ساقط نہیں ہوگی، اس سلسلے میں انہوں نے شامی اور عالمگیری کی عبارت پیش کی، لیکن بندہ نے ان سے کہا کہ دونوں صورتوں میں سقوطِ اضحیہ کا قول مناسب نہیں معلوم ہوتا ہے، کیونکہ اشباہ کے قاعدہ کے مطابق تزاحم کی موجودگی میں نیت ضروری ہے اور یہاں نیت نہیں پائی گئی، سقوط کا قول کرنا درست نہیں ہونا چاہیے، اس سلسلے میں موجودہ مفتیان کرام کا رجحان کیا ہے؟

المستفتی: شمس الرحمٰن الاعظمی، اعظم گڈھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید پر جو قربانی واجب ہے اگر وہ قربانی اپنی جانب سے کرے اور والد صاحب کو ثواب پہنچانے کی نیت کرے تب تو زید سے قربانی کا

فریضہ ساقط ہو جائے گا، دوسری قربانی کرنے کی ضرورت نہیں، شامی اور عالمگیری کی عبارت کا محمل بھی یہی ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۸/ ۲۱۸، جدید ڈابھیل ۱۷/ ۳۳۰)

وإن تبرع بها عنه له الأكل لأنه يقع على ملك الذابح والثواب للميت؛ ولهذا لو كان على الذابح واحدة سقطت عنه أضحيته. (شامی، كتاب الأضحية، زكريا ٩/ ٤٨٤، كراچی ٦/ ٣٣٥)

اور اگر قربانی اپنی جانب سے نہیں کر رہا ہے بلکہ والد محترم کی جانب سے کر رہا ہے تو زید کے ذمہ سے فریضہ ساقط نہ ہوگا، اور یہ واجب کا تارک ہو کر گنہگار ہوگا۔

وهي واجبة على حر موسر عن نفسه لأنه أصل في الوجوب عليه.

(مجمع الأنهر، كتاب الأضحية، دار الكتب العلمية بيروت ٤/ ١٦٦، مصرى قديم ٢/ ٥١٦)

اور زندہ کی طرف سے قربانی کا مسئلہ: تو اگر غیر کی اجازت سے قربانی کی ہے تب تو غیر کی قربانی ادا ہو جائے گی، اور یہ اجازت اور حکم صراحتاً بھی ہو سکتا ہے، دلالۃً بھی اور معمول کے مطابق بھی، مثلاً زید کی قربانی ہمیشہ اس کا وہ بھائی کرتا ہے جو اس سے دور رہتا ہے، اور زید کی جانب سے یہ اجازت پہلے ہی سے ملی ہوئی ہے، اب اس سال نئی اجازت لازم نہیں، بلکہ معمول کے مطابق قربانی کر دی گئی تو قربانی درست ہوگی جبکہ زید بھی اس بھروسے پر رہتا ہو کہ میرا بھائی میری قربانی کر دے گا۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۷/ ۵۴۱)

ولو ضحى عن أولاده الكبار و زوجته لايجوز إلا بإذنهم. (شامی، كتاب الاضحية، زكريا ٩/ ٤٥٧، كراچی ٦/ ٣١٥، بزازيه زكريا جديد ٣/ ١٦٠، وعلى هامش الهندية ٦/ ٢٩٥، قاضيخان زكريا جديد ٣/ ٢٤٣، وعلى هامش الهندية ٣/ ٣٤٥)

اور اگر بغیر اجازت قربانی کی ہے جس میں نہ تو دلالۃً نہ صراحتاً اجازت ہو اور نہ معمول کے مطابق قربانی ہوئی ہو تو اب غیر کی جانب سے کی ہوئی قربانی ادا نہ ہوگی۔

إن فعل بغير أمرهم أو بغير أمر بعضهم لاتجوز عنه ولا عنهم في قولهم جميعاً. (هنديه زكريا قديم ٥/ ٣٠٢، زكريا جديد ٥/ ٣٤٨)

اس طرح سے قربانی کرنے کی صورت میں دیگر شرکاء کی قربانی بھی درست نہ ہوگی۔

لایجوز عن أحدهم. (مجمع الأنهر قدیم ۲/ ۵۱۷، دار الکتب العلمیة بیروت ۴/ ۱۶۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷؍محرم الحرام ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۸۶۵۲)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۱/۱۹ھ

دوسرے کی طرف سے قربانی کرنے سے اپنا واجب ساقط نہ ہوگا

سوال [۹۹۰۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کے ذمہ قربانی واجب ہے زید اپنی طرف سے قربانی نہ دے کر کسی دوسرے کی طرف سے خواہ دوسرا زندہ ہو یا مردہ قربانی دیدے، تو کیا زید کے ذمہ سے واجب ساقط ہو جائے گا؟

المستفتی: محمد غفران غفرلہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جی نہیں، زید کے اوپر اپنی طرف سے قربانی کرنا واجب ہے، دوسرے کی طرف سے کرنے سے پہلے اپنا واجب ساقط نہ ہوگا۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۸/ ۲۲۲، جدید زکریا مطول ۱۲/ ۱۰۳)

وإنما تجب علی حر مسلم مقیم موسر عن نفسه؛ لأنه أصل فی الوجوب علیه. (مجمع الأنهر، کتاب الأضحیة، دار الکتب العلمیة بیروت ۴/ ۱۶۷، مصری قدیم ۲/ ۵۱۶، هدایه اشرفی ۴/ ۴۴۳-۴۴۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍ربیع الاول ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۳۰۷۰)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۳/۳/۱۵ھ

کیا صاحب نصاب پر ہر سال قربانی واجب ہے؟

سوال [۹۹۰۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: زید اہل نصاب ہے، اس پر قربانی واجب ہے، زید نے پہلے سال قربانی اپنے نام کی کردی، زید نے دوسرے سال اپنے باپ یاماں یا اولاد کے نام سے کی لیکن اپنے نام سے نہیں کی اور وہ ہر سال یہی کرتا ہے، تو زید کا واجب اس طرح سے ادا ہو گیا یا اس کو ہر سال اپنے نام سے کرنا ہوگی؟

المستفتی: بشیر احمد نرولی، نئی بستی، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید پر صاحب نصاب ہونے کی وجہ سے ہر سال اپنی جانب سے قربانی کرنا واجب ہے، اس طرح ماں باپ یا اولاد کے نام سے قربانی کرنے سے زید کے ذمہ سے واجب ادا نہ ہوگا، اور ہر سال واجب کا تارک ہونے کی وجہ سے گنہگار ہوگا۔ (مستفاد: مسائل قربانی ص:۱۴، فتاویٰ محمودیہ قدیم ۴/ ۲۸۸، جدید ڈابھیل ۱۷/ ۳۱۱)

لأنه أصل في الوجوب عليه. (مجمع الأنهر، كتاب الأضحية، دار الكتب العلمية بيروت ٤/ ١٦٧، مصرى قديم ٢/ ٥١٦، هدايه اشرفى ٤/ ٤٤٣-٤٤٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍محرم الحرام ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ٦٤٢٩)

جس پر قربانی واجب ہے اس کا دوسرے کی طرف سے قربانی کرنا

سوال [۹۹۰٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید پر قربانی واجب ہے، مگر کسی سال اپنے مرنے والے والدین کے نام سے کردیتا ہے، کسی سال اپنی بیوی کے نام سے کردیتا ہے، کسی سال اپنے کسی چھوٹے بچے یا بڑے بچے کے نام سے کردیتا ہے، کسی سال اپنے نام سے کرلیتا ہے، معلوم یہ کرنا ہے کہ جب قربانی زید پر واجب ہے، اور زید دوسروں کے نام سے قربانی کررہا ہے، تو کیا زید کے ذمہ سے اس طرح قربانی کا وجوب باقی رہے گا، یا اتر جائے گا اور زید کو ثواب ملے گا، یا نہیں؟ یا جن کے نام سے قربانی کی ہے ان کی طرف سے ہی قربانی ہو کر ان کو ہی ثواب ملے گا،

ہمارے علاقے میں یہ رواج بعض جگہوں پر ہے، اس لیے وضاحت سے تحریر فرمادیں؟

المستفتی: امیر احمد ممبئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس شخص پر خود قربانی واجب ہے اس کے لیے اپنی طرف سے قربانی کرنا لازم ہے، اس کے بعد اگر گنجائش ہو تو مرحوم والدین اور بیوی بچوں کی طرف سے کرسکتا ہے، ابتداءً ہی غیر کی جانب سے قربانی کرنے کی صورت میں واجب قربانی ادا نہ ہوگی، لہٰذا مذکورہ شخص نے جب اپنی طرف سے قربانی نہیں کی ہے تو ایام قربانی گذر جانے کے بعد ایک قربانی کا پیسہ صدقہ کرنا اس پر لازم ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ جدید ڈابھیل ۱۷/۳۳۰)

وتجب على كل حر مسلم موسر مقيم عن نفسه، وقوله عن نفسه لأنه أصل في الوجوب عليه. (البحر الرائق، كتاب الأضحية، زكريا ۸/۳۱۸-۳۱۹، كوئٹه ۸/۱۷۳-۱۷٤)

ولو تركت التضحية ومضت أيامها –إلى قوله– وتصدق بقيمتها غني شراها أو لا. (الدر مع الرد، كتاب الأضحية، كراچی ٦/۳۲۰-۳۲۱، زكريا ۹/٤٦۳ تا ٤٦٥)

وقضاؤها بعد مضي وقتها بالتصدق بعينها أو بقيمتها. (فتح القدير، كتاب الاضحية، دار الفكر ۹/۵۰۷، زكريا ۹/۵۲۰، كوئٹه ۸/٤۲٦) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍صفر المظفر ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۸۹۲)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۸/۲/۱۴۳۱ھ

غریب کے قربانی کی نیت سے خریدے ہوئے جانور کا حکم

سوال [۹۹۰۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: شمیم احمد نامی ایک شخص نے ایک بکری کا بچہ (بکرا) چھوٹا سا خریدا اور خریدتے وقت یہ نیت کی کہ میں اس بچہ کو پال کر پوری عمر ہو جانے پر اس کی قربانی کروں گا، اب وہ بچہ بڑا پوری عمر کا ہو چکا ہے، شمیم احمد یہ چاہتے ہیں کہ میں اس بکرے کو فروخت کر کے کسی جانور میں

حصہ کرلوں اور باقی ماندہ رقم اپنے کسی دوسرے کام میں صرف کرلوں، کیونکہ شمیم کی مالی حالت اس وقت کافی کمزور ہے اور اس وقت بھی مالی حالت کمزور ہی تھی جبکہ قربانی کی نیت سے وہ بچہ خریدا تھا، شریعت مطہرہ کی روشنی میں جواب دیں کہ شمیم احمد اس بکرے کو فروخت کرکے کسی جانور میں حصہ لے کر باقی ماندہ رقم اپنے کسی دوسرے مصرف میں خرچ کرسکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: شمیم احمد، گڑھی سلیم پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: غریب اور فقیر قربانی کی نیت سے جو جانور خریدتا ہے اس کے اوپر اسی جانور کی قربانی واجب ہے۔ (مستفاد: مسائل قربانی ص:۲۴)

وأما الذی یجب علی الفقیر دون الغنی فالمشتری للأضحیة إذا کان المشتری فقیرا بأن اشتریٰ فقیر شاة ینوی أن یضحی بها. (بدائع الصنائع، کتاب التضحیة، زکریا ۱۹۲/٤، کراچی ٦۲/٥، هندیه زکریا قدیم ۲۹۱/٥، جدید ۳۳٦/٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍شعبان المعظم ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۱۴۳/۳۷)

فقیر کا پورے جانور کی قربانی کی نیت کرنا

سوال [۹۹۰۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ذاکر نے ایک بھینس پال رکھی تھی پھر اس کو قربانی کرنے کی نیت کرلی، پوری کی پوری اپنی ہی جانب سے، حالانکہ ذاکر ایسا شخص ہے کہ جس پر ایک بھی قربانی واجب نہیں تھی، مالک نصاب نہ ہونے کی وجہ سے اور ذاکر کے والدین نے اس طرح کا کوئی لفظ نہیں کہا تھا، کہ میں پورا حصہ اپنی طرف سے کروں گا، لیکن ذاکر کو اس کا مالک بنادیا تھا، اور ذاکر نے پوری کی پوری اپنے اور اپنے گھر والوں کی طرف سے نیت کرلی تھی، پھر اس کے بعد بقرعید کے قریب کچھ لوگ اس سے بھینس میں حصہ کے لیے کہنے لگے تو پانچ حصے ذاکر نے دوسرے

لوگوں کو دے دئے، اوران سے پیسے حاصل کر لیے اور گذشتہ بقرعید میں اس بھینس کی قربانی ہوچکی ہے، لہٰذا اس شکل میں ان لوگوں کے اوپر شریعت کے کیا احکام نافذ ہوں گے؟

المستفتی: محمد ذاکر بہرائچی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب ذاکر فقیر نے پورا جانور اپنی جانب سے قربانی کے لیے متعین کرلیا تو پورے جانور کی اپنی طرف سے قربانی کرنی لازم تھی، کسی کو اس میں شریک کرنا جائز نہیں تھا، مگر جب اس نے دیگر پانچ افراد کو شریک کرلیا تو پورے جانور کی قربانی اسی کی طرف سے ہوگی، جن پانچ افراد کو شریک کیا ان کے حصوں کا تاوان ذاکر فقیر پر لازم ہوگا۔

وإن كان فقيراً معسراً فقد أوجب بالشراء فلايجوزأن يشرك فيها، وكذا لو أشرك فيها ستة بعد ما أوجبها لنفسه لم يسعه لأنه أوجبها كلها لله تعالىٰ، و إن أشرك جاز ويضمن ستة أسباعها. (هنديه، كتاب الأضحية، الباب الثامن فيما يتعلق بالشركة في الضحايا، زكريا قديم ٣٠٤/٥، جديد ٣٥١/٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/ ذیقعدہ ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۸۵۳/۳۶)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۱۱/۱۷ھ

میت کی طرف سے واجبی قربانی کرنے میں کسی اور کو شریک کرنے کا حکم

سوال [۹۹۰۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کسی مرحوم کے نام قربانی کرنا جبکہ ان پر قربانی فرض تھی، اور موت ہوگئی یا وصیت کی ہو تو کسی اور کو ثواب میں شامل کرنے میں کیا کوئی حرج ہے؟

المستفتی: عبدالرشید بانکوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: میت پر قربانی فرض ہونے کی صورت میں یا اس

کی قربانی کی وصیت کو پورا کرنے کے لیے کسی اور کو ثواب میں شامل کرنا جائز نہیں۔ (مستاد: فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۲/۸۶، جدید زکریا ۱۰/۲۶)

اور اس قربانی کے گوشت وغیرہ کو صدقہ کردینا واجب ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۲/۸۶، جدید زکریا ۱۰/۲۶)

وعن ميت أى لو ضحىٰ عن ميت وارثه بأمره ألزمه بالتصدق بها وعدم الأكل منها. (شامی، كتاب الأضحية، زكريا ۹/٤٨٤، كراچی ٦/٣٣٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶ر جمادی الثانیہ ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۵۱۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۶/۶/۲۶ھ

بالغ اولاد کی طرف سے قربانی کرنا

سوال [۹۹۱۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: یہ بتلائیں کہ مثال کے طور پر گھر کا مالک والد ہے اور اس کے اوپر قربانی کا وجوب ہوگیا ہے، تو اگر والد چاہے کہ میں ایک دو ماہ کے لیے اپنے لڑکے کو گھر کا مالک بنا کر اس کی جانب سے قربانی کردوں تو آیا درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: ثناء اللہ پرتا پگڈھی، متعلم مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: محض باپ کے چندروز کے لیے اپنے لڑکے کو گھر کا مالک بنادینے کی وجہ سے لڑکا گھر کی دولت کا شرعاً مالک نہ ہوگا بلکہ مالک باپ ہی رہے گا، اس لیے باپ کے اوپر سے قربانی ساقط نہ ہوگی، ہاں البتہ لڑکے کی اجازت سے باپ بخوشی لڑکے کے نام سے بھی قربانی کردینا چاہے تو شرعاً اس کی اجازت ہے، اور ساتھ ساتھ باپ کو اپنی قربانی کرنا واجب ہے۔

ولو ضحىٰ عن أولاده الكبار وزوجته لايجوز إلا بإذنهم. (شامی، كتاب

الأضحية، زكريا ٩/٤٥٧، كراچی ٦/٣١٥، بزازيه زكريا جديد ٣/١٦٠، وعلى هامش الهندية ٦/٢٩٥، قاضيخان زكريا جديد ٣/٢٤٣، وعلى هامش الهندية ٣/٣٤٥) **فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
۹/ربیع الاول ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/۲۵۷۹)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۲/۳/۹ھ

کیا مالدار کی غریب لڑکی پر قربانی واجب ہے؟

سوال [۹۹۱۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ۱۴/سال کی لڑکی ہے اس کے نام تو جائیداد نہیں ہے، مگر اس کے والدین کے پاس بہت زیادہ مال ہے تو اس لڑکی کی طرف سے قربانی واجب ہے یا نہیں؟

المستفتی: زوجہ عبدالکریم خاں، محلّہ مغل پورہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسی بالغہ لڑکی جس کی ملکیت میں بقدر نصاب مال بقرعید کے دن نہ ہوتو اس پر قربانی واجب نہیں ہے۔

وشرائطها الإسلام والإقامة واليسار الذى يتعلق به وجوب صدقة الفطر. (الدر المختار، كتاب الأضحية، زكريا ٩/٤٥٢-٤٥٣، كراچی ٦/٣١٢، هدايه اشرفی ٤/٤٤٣، مختصر القدوری ص: ٢٢٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰/ذی قعدہ ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۲۰۴۰)

شوہر کے صاحب نصاب ہونے کی وجہ سے بیوی پر قربانی کے وجوب کا حکم

سوال [۹۹۱۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: ہمارے ہندوستان میں زیادہ تر شوہر ہی پوری جائیداد کا مالک ہوتا ہے اور بیوی کی مالیت بھی اسی کے قبضہ میں رہتی ہے، چاہے وہ زیور ہو یا کاشت کی زمین اس حالت میں قربانی شوہر و بیوی دونوں میں سے کس پر واجب ہے؟

المستفتی: محمد اسماعیل، قصبہ سیوہارہ، ضلع بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر بیوی کی ملکیت میں بقدر نصاب زیور وغیرہ ہوتو بیوی پر قربانی واجب ہے، اگرچہ زیورات ودیگر مالیت شوہر ہی کے قبضہ میں کیوں نہ ہو۔

وأما شرائطها منها اليسار وهو ما يتعلق به وجوب صدقة الفطر (إلى قوله) وملك نصاباً تجب عليه الأضحية (إلى قوله) وجميع ما ذكرنا من الشرائط يستوي فيه الرجل والمرأة. (هندية، كتاب الأضحية، زكريا جديد ۵/۳۳٦، قديم ۵/۲۹۲، شامی زكريا ۹/۴۵۳، كراچی ٦/۳۱٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱/ صفر المظفر ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۱۰۹۵)

مشترکہ خاندان کے بالغ غیر مستطیع کی قربانی کس پر واجب؟

سوال [۹۹۱۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص کے چار لڑکے ہیں جو کہ بالغ ہیں اور صاحب نصاب ہیں، باپ اور لڑکوں کی کمائی مشترک کر کے گھر کے اخراجات پورے کیے جاتے ہیں، تو کیا ایک ہی حصہ قربانی کافی ہے، یا پانچ الگ الگ حصے قربانی میں لگانا ضروری ہے۔

المستفتی: عبدالمعید غفرلہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مذکورہ شخص کے چار لڑکے اس کی فیملی میں

شامل ہیں توان لڑکوں کی آمدنی سب کی سب باپ کی ملکیت ہے، البتہ اگر باپ کی اجازت سے لڑکوں کے پاس الگ الگ اتنا پیسہ موجود ہے، جو حد نصاب کو پہنچ جاتا ہے تو ایسی صورت میں باپ پر اوران چاروں لڑکوں پر الگ الگ قربانی کرنا لازم ہے، لیکن اگرلڑکوں کے پاس الگ الگ بقدر نصاب ملکیت نہیں ہے تو صرف باپ کے اوپر قربانی لازم ہے، لڑکوں پر نہیں ہے، اب سوال نامہ میں اگرلڑکوں کو پہلی شق کے اعتبار سے صاحب نصاب کہاجارہا ہے توان پر قربانی واجب ہے، جیسا کہ جواب میں لکھا ہے اوراگر معاملہ دوسری شق کی طرح ہے اور مسئلہ نہ سمجھنے کی وجہ سے ان کوصاحب نصاب کہہ دیا گیا ہے تو شرعاً وہ صاحب نصاب نہیں ہیں۔

وليس عليه أن يضحى عن أولاده الكبار و زوجته إلا بإذن. (حاشية الطحطاوی علـى الدر كوئٹه ٤ /٦١، قاضيخان زكريا جديد ٣ /٢٤٣، وعلى هامش الهندية ٣/٣٤٥، بزازيه زكريا جديد ٣ /١٦٠، وعلى هامش الهندية ٦/٢٩٥، شامی زكريا ٩ /٤٥٧، كراچی ٦/٣١٥)

فتجب التضحية على حر مسلم مقيم موسر . (تنوير الأبصار مع الدر، كراچی ٦/٣١٢، زكريا ٩ /٤٥٢-٤٥٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفااللہ عنہ

۱۲رمحرم الحرام ۱۴۲۰ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۵۹۵۴)

باپ بیٹے کا مال مشترک ہوتو قربانی کس پر؟

سوال [۹۹۱۴]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر باپ بیٹاایک ہی میں ہوں، مال الگ الگ نہ ہوتو کیااگر مال نصاب کی حدکو پہنچ جائے تو قربانی باپ بیٹے پر ہوگی یاصرف باپ پر یا بیٹے پر؟

المستفتی: جمیل احمد عفااللہ عنہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسی صورت میں قربانی صرف باپ پرواجب

ہوگی، بیٹے پرنہیں، جبکہ بیٹے کے پاس باپ سے الگ کوئی مال بقدر نصاب نہیں ہے، البتہ باپ اپنی خوشی سے کردے تو بیٹے پر احسان اور تبرع ہوگا، کیونکہ سارے مال کا مالک باپ ہے۔

الأب و ابنه يكتسبان في صنعة واحدة ولم يكن لهما شيئ فالكسب كله للأب إن كان الإبن في عياله لكونه معيناً له . (شامی، کتاب الشركة، مطلب: اجتمعا في دار واحدة واكتسبا...... زكريا ٦/٢ ٥٠، كراچی ٤/٣٢٥، هنديه زكريا قديم ٣٢٩/٢، جديد ٢ ٣٣٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/ ذی الحجہ ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۲۰۷۱)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۰/۱۲/۲۹ھ

بیٹے باپ کے ساتھ کاروبار میں شریک ہوں تو بیٹوں پر قربانی واجب ہے یا نہیں؟

سوال [۹۹۱۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہم پانچ بھائی ہیں، تمام شادی شدہ ہیں، اور والدین کے ساتھ اکٹھا رہتے ہیں، تمام برادران جو کماتے ہیں والد صاحب کو دے دیتے ہیں، صرف جیب خرچ اپنے پاس رکھتے ہیں تو اس صورت میں ہم پر قربانی واجب ہوتی ہے یا نہیں؟ اب تک والدین اپنی قربانی کرتے ہیں اور ہم نہیں کرتے؛ لیکن اس دفعہ ہم شش و پنج میں پڑ گئے ہیں، کیونکہ، والد صاحب کے پاس تقریباً چالیس ہزار روپیہ کا سرمایہ ہے، برائے کرم از روئے شرع ہمارے لیے کیا حکم ہے؟ والدین کا قربانی کرنا کافی ہے یا ہم بھی کریں؟ نیز ہمارے پاس سونا یا چاندی یا نقد روپیہ یا مال تجارت کچھ نہیں ہے، اور جو کچھ بھی ہے سب والد صاحب کی ملکیت میں ہے، تو ایسی صورت میں کیا حکم ہے؟

المستفتی: ضیاء الرحمٰن، سلیم مسجد چوہان نگر، دہلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب آپ لوگ اپنے والد کی فیملی میں ہیں اور جو کچھ سرمایہ ہے سب والد کی تحویل میں ہے، تو ایسی صورت میں سارے سرمایہ کے مالک والد

صاحب ہیں انہیں پر قربانی واجب ہوگی، آپ لوگوں پر واجب نہیں ہے۔

الأب و ابـنه يكتسبان فى صنعة واحدة ولم يكن لهما شيئ فالكسب كله للأب إن كان الإبن فى عياله لكونه معينا له . (شامی، كتاب الشركة، مطلب: اجتمعا فى دار واحدة واكتسبا...... زكريا ٦/٢ ٥٠، كراچی ٣٢٥/٤، هنديه زكريا قديم ٣٢٩/٢، جديد ٣٣٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

كتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم ذی قعدہ ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۴۹۳)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱/۱۱/۱۴۱۸ھ

صاحب نصاب پر قربانی نہ کرنے کی وجہ سے کیا واجب ہے؟

سوال [۹۹۱۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید صاحب نصاب ہے اس پر قربانی کرنا واجب ہے، مگر اتنی استطاعت نہیں ہے کہ تنہا ایک جانور کی قربانی کر سکے، البتہ جانور میں ایک حصہ لے سکتا ہے، مگر باوجود کوشش کے جانور میں اس کو حصہ نہ مل سکا اور قربانی کرنے کے ایام ختم ہوگئے اور وہ قربانی کرنے سے محروم رہ گیا، اس صورت میں اس کا یہ واجب ازروئے شرع کس طرح ادا ہو؟ ازروئے شرع جواب سے مستفید فرمائیں۔

المستفتی: عزیز الرحمٰن، رحمٰن منزل محلّہ قانون، گویان مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر زید صاحب نصاب ہے اور ایام قربانی میں قربانی نہیں کی ہے تو اس پر سال بھر کی ایک بکری یا بکرے کی قیمت صدقہ کرنا لازم ہے۔

وتصدق بقيمتها غنى شراها أولا لتعلقها بذمته بشرائها أولا فالمراد بالقيمة قيمة شاة تجزئ فيها. (الدر المختار، كتاب الأضحية، كراچی ٣٢١/٦، زكريا ٤٦٥/٩)

إن كـان مـن لـم يـضـح غـنياً ولم يوجب على نفسه شاة بعينه تصدق بقيمة الشاة اشترىٰ أو لم يشتر. (عـالـمـگيرى، كتاب الأضحية، الباب الرابع فيما

يتعلق بالمكان والزمان، زكريا قديم ٥/٢٩٦، جديد ٥/٣٤٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲ رصفر المظفر ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۲۱۳۶)

غیر موجود شخص کی طرف سے قربانی کرنا

سوال [۹۹۱۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص نے اپنے ساتھی سے کہا کہ تم جب قربانی کا جانور خریدو تو میرے لیے بھی دو حصہ اس میں رکھ لینا، اس کے ساتھی نے ایک جانور خرید لیا اور اپنے ساتھی کے لیے دو حصہ کی نیت کرلی، مگر جب جانور ذبح کیا گیا تو جس کے دو حصہ متعین کیے گئے تھے، وہ موجود نہیں تھا تو کیا اس غیر حاضر شخص کی جانب سے ان دو حصوں کی قربانی ادا ہوگی یا نہیں؟ تسلی بخش جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: قاری محمد میاں جان محلّہ سرائے گیٹ رام پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جی ہاں غیر موجود شخص کی جانب سے قربانی ہوجاتی ہے، جبکہ اس نے اجازت دے دی ہو۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۴/۳۳۲، جدید ڈابھیل ۱۷/۳۲۰)

ولو ذبح أضحية غيره عن المالك بغير أمره صريحا يقع عن المالك.

(هنديه، الباب السابع فى التضحية عن الغير، زكريا قديم ٥/ ٣٠٢، جديد ٥/٣٤٨، مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ٤/١٧٥، مصرى قديم ٢/ ٥٢٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲ رصفر المظفر ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۱۲۸)

غلطی سے زید نے بکر کا جانور قربانی میں ذبح کردیا

سوال [۹۹۱۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: زید قربانی کے لیے ایک جانور خریدلایا اور بکر بھی قربانی کے لیے اپنا ایک جانور خریدلایا، نماز عیدالاضحیٰ کے بعد زید نے قصائی سے کہا: کہ میرے جانور کی قربانی کردو، قصائی نے زید کے جانور کے بجائے بکر کے جانور کی قربانی کردی، تو یہ کس کی طرف سے قربانی ہوگی، یا قربانی ہوئی ہی نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید اور بکر نے قربانی کے لیے ایک ایک جانور خریدا اور قصائی نے بعد نماز عیدالاضحیٰ غلطی سے زید کے جانور کے بجائے بکر کے جانور کی قربانی کردی تو یہ قربانی درست ہوجائے گی اور یہ قربانی بکر کی طرف سے ہوگی نہ کہ زید کی طرف سے اور یہ قصائی دلالۃً بکر کی طرف سے وکیل ہوگا۔ (مستفاد: محمودیہ ڈابھیل ۱۷/ ۴۹۹)

ولو غلط إثنان وذبح کل شاة صاحبه عن نفسه صح استحساناً فیکون کل واحد وکیلاً عن الآخر دلالةً. (در مختار مع الشامی، کتاب الأضحية، زکریا ۹/ ٤٧٦، کراچی ٦/ ٣٢٩)

ولو غلط و ذبح کل أضحیة صاحبه صح ولا یضمنان، وهذا استحسان ووجهه أنه تعینت للذبح لتعینها للأضحیة حتی وجب علیه أن یضحی بها بعینها فی أیام النحر، یکره أن یبدل بها غیرها فصار المالک مستعیناً بمن یکون أهلا للذبح فصار مأذوناً له دلالة. (تبیین الحقائق، کتاب الأضحية، زکریا ٦/ ٤٨٧، امدادیه ملتان ٦/ ٩)

ولو ذبح أضحیة غیره بغیر أمره جاز استحسانا للإذن دلالة. (مجمع الأنهر، دار الکتب العلمیة بیروت ٤/ ١٧٥، مصری قدیم ٢/ ٥٢٢)

رجل دعا قصاباً لیضحی له، فضحی القصاب عن نفسه فهو عن الآمر. (هندیه، الباب السابع فی التضحیة عن الغیر، زکریا قدیم ٥/ ٣٠٣، جدید ٥/ ٣٤٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/ ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۳۲۰)

ناقص مکان اور وطن کا مکان حاجت اصلیہ میں داخل ہے یا نہیں؟

سوال [۹۹۱۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: قربانی کے دو مسئلے قابل توجہ ہیں:

(۱) ایک شخص جائے ملازمت میں فیملی کے ساتھ ذاتی یا کرایہ یا آجر کے دیئے ہوئے مکان میں سکونت پذیر ہے، اور اس کا اپنے وطن میں بھی ایک ذاتی مکان ہے، اور وہ عید، بقرعید اور تعطیلات میں وہاں جا کر قیام بھی کرتا ہے، سال میں کئی بار سکونت کی ضرورت پیش آتی ہے۔

(۲) ایک شخص کرایہ کے مکان میں سکونت پذیر ہے، اس کا ذاتی مکان نہیں ہے، اس نے اپنی تنخواہ یا آمدنی میں سے کچھ رقم پس انداز کر کے ذاتی مکان تعمیر کرنے کے لیے پلاٹ خریدا، یا پلاٹ خرید کر کچھ تعمیر بھی کر دی، لیکن تعمیر ناقص ہے، وہ مکان قابل رہائش نہیں بنا ہے اور اس کے پاس کچھ رقم بھی نہیں ہے کہ باقی کام مکمل کر سکے، تو کیا پہلے مسئلے میں وطن کا مکان اور دوسرے مسئلے میں پلاٹ یا ناقص تعمیر کردہ مکان، حاجت اصلیہ میں داخل ہے یا نہیں؟ کیا وہ مانع اخذ زکوٰۃ اور موجب قربانی وصدقۂ فطر ہے؟ اور کیا اس کی وجہ سے استطاعتِ حج ثابت ہوگی؟

عموماً یہ سمجھا جاتا ہے کہ حاجت اصلیہ میں صرف وہ چیزیں داخل ہیں جن کی انسان کو ضرورت ہو، اور زیر استعمال بھی ہوں، حالانکہ انسان کی بنیادی ضرورت کی چیزیں حاجات اصلیہ ہیں، خواہ ملکیت میں ہو یا نہ ہوں، پس اگر یہ ملکیت میں ہیں اور قابل استعمال بھی ہیں، تو ان کا زیر استعمال ہونا ضروری ہے، ورنہ عدم استعمال کی وجہ سے فاضل شمار ہوں گی، اور جن فقہی عبارات سے زیر استعمال ہونا ضروری معلوم ہوتا ہے وہ صرف اسی صورت میں ہے، اور اگر یہ قابل استعمال نہیں ہیں، اور انسان ان کو قابل استعمال بنانے کی فکر اور کوشش میں ہے، تو بھی یہ حاجت اصلیہ میں داخل ہیں، فقہاء نے اس صورت سے کہیں تعرض نہیں کیا ہے، اور عدم تعرض کی وجہ آگے آرہی ہے، اور اگر ان کو یوں ہی چھوڑے رکھا ہے، ان کو قابل استعمال بنانے کی فکر اور کوشش نہیں کرتا ہے تو یہ فاضل شمار ہوں گی، اور اگر یہ چیزیں کسی کی ملکیت میں نہ ہوں، تو بھی یہ اس کی حاجات اصلیہ

ہیں، بنیادی ضرورتیں پوری کرنے کے لیے ملکیت میں ان کے ہونے کی ضرورت ہے، لیکن ان کا حاجات اصلیہ میں سے ہونا حج ، قربانی وصدقۂ فطر کے وجوب سے مانع نہ ہوگا، کیونکہ ابھی ان چیزوں میں رقم صرف نہیں ہوئی ہے، وہ چیزیں ملکیت میں موجود نہیں ہیں۔

ایک ضروری وضاحت

فقہاء نے ایک زائد مکان کو فاضل قرار دے کر اس کی قیمت کا غنا میں اعتبار کیا ہے۔

وما زاد على الدار الواحدة ...... يعتبر في الغنیٰ. (بزازيه على الهندية ۱/ ۲۲۷)

اور یہ فقہاء کے زمانہ کے عرف وعادت کے لحاظ سے ہے، کیونکہ ان کے زمانے میں جدید تیز رفتار ذرائع ابلاغ ومواصلات کے فقدان کی وجہ سے عام طور پر لوگ مستقل رہائش ایک ہی بستی یا شہر میں رکھتے تھے، اور دوسرے شہر میں تجارت یا اور کسی ضرورت سے جاتے تھے تو بحیثیت مسافر کے جاتے تھے، پھر جب ضرورت پوری ہو جاتی تھی، تو وہاں سے کوچ کر کے اپنے وطن کی طرف لوٹ آتے تھے، اور کبھی ایسا ہوتا تھا کہ اپنے وطن کو ترک کر کے کسی دوسری جگہ جا کر آباد ہو جاتے تھے، اس کو وطن بنا لیتے تھے، اپنے وطن سابق سے ایسا تعلق کہ سال کے درمیان آمد ورفت ہو، نہیں رکھتے تھے، پس جب فقہاء کے زمانہ میں عموماً سکونت ایک ہی شہر یا بستی میں ہوتی تھی، تو ایک شہر میں رہائش کی ضرورت عادۃً ایک مکان سے پوری ہو جاتی ہے، ایک شہر میں عادتاً لوگ ایک ہی مکان میں رہتے ہیں، اگر مکان چھوٹا اور تنگ ہو، تو عموماً یہ کیا جاتا ہے کہ چھوٹے مکان کو فروخت کر دیتے ہیں یا کرایہ پر دے دیتے ہیں اور دوسرا بڑا مکان خریدتے ہیں، یا کرایہ پر لیتے ہیں، لیکن رہائش ایک ہی مکان میں رکھتے ہیں، چھوٹے اور بڑے دونوں مکان میں بیک وقت رہائش اختیار نہیں کرتے ہیں، فقہاء نے اپنے زمانے کے اسی عرف وعادت کے تناظر میں یہ بات کہی ہے کہ ایک سے زائد مکان فاضل ہے، چنانچہ المحیط البرہانی میں اس کی صراحت بھی موجود ہے:

ويعتبر ما زاد على الدار الواحدة في العادة. (المحيط البرهانی ۲/ ۲۸۵)

یہ عبارت تصریح کررہی ہے کہ ایک سے زائد مکان کو فاضل کہنا عادۃً عدم حاجت کی وجہ سے تھا، اس لیے نہیں کہ سکنیٰ کی ضرورت ہر شخص کے حق میں ایک مکان سے پوری ہو جاتی ہے، ایک سے زائد مکان کا بہر صورت فاضل نہ ہونا مسلم بھی ہے، جیسے کسی شخص کی دو بیویاں اور دو مکان ہیں، ہر بیوی کو ایک مکان میں ٹھہرایا ہے، تو سب دونوں مکان کو حاجت اصلیہ میں داخل مانتے ہیں۔

عرض کیا جا چکا ہے کہ پہلے زمانہ میں عام طور پر لوگ ایک ہی جگہ کو اپنی مستقل قیام گاہ بناتے تھے، لیکن موجودہ دور میں معاشی دوڑ دھوپ میں اضافہ، معاشی وسائل ومواقع کے پھیلاؤ اور ذرائع مواصلات میں ترقی کی وجہ سے ایک نئی صورت حال پیدا ہوگئی ہے کہ بہت سے لوگ ملازمت وغیرہ کے لیے اپنے وطن اصلی سے تعلق باقی رکھتے ہوئے کسی اور جگہ اقامت اختیار کر لیتے ہیں، اور ان کا سال کا زیادہ تر حصہ اسی مقام پر گذرتا ہے، عید، بقرعید اور تعطیلات میں اپنے وطن کی طرف جاتے ہیں، پھر لوٹ آتے ہیں، فقہاء نے قرآن وحدیث کو سامنے رکھتے ہوئے انسان کی جائے رہائش کی درجہ بندی کی ہے اور اسے تین حصوں میں تقسیم کیا ہے، وطن اصلی، وطن اقامت اور وطن سکنیٰ، اس کے باوجود عصر حاضر میں جائے ملازمت اور موضع ارتزاق کے وطن اقامت یا وطن اصلی میں داخل ہونے کے سلسلے میں دور حاضر کے اکابرین اور مفتیان کرام کے درمیان اختلاف خود یہ بتا رہا ہے کہ جائے ملازمت میں قیام کی نوعیت و حیثیت، وطن اقامت میں قیام کی نوعیت سے مختلف ہے، ورنہ یہ اختلاف نہ ہوتا۔

پہلا مسئلہ

اگر کوئی شخص جائے ملازمت میں فیملی کے ساتھ ذاتی یا کرایہ یا آجر کے دیے ہوئے مکان میں سکونت پذیر ہے، اس کا اپنے وطن میں بھی ایک ذاتی مکان ہے، اور وہ عید، بقرعید اور تعطیلات میں وہاں جا کر قیام کرتا ہے، سال میں کئی بار وطن میں جانے اور اپنے مکان میں سکونت کی ضرورت پیش آتی ہے، تو یہ دونوں مکان اس کی حاجت اصلیہ میں داخل ہوں گے، اگر اس کے پاس ان مکانات کے علاوہ دوسرا فاضل مال بقدر نصاب موجود نہیں ہے تو اس پر

نہ قربانی اور نہ صدقۂ فطر واجب ہے اور نہ حج فرض ہے، وجہ اس کی یہ ہے کہ فقہاء نے ''**فاضل عن سکناہ**'' اور ''**دار لایسکنھا**'' کو موجب قربانی وصدقہ فطر اور مانع اخذ زکوٰۃ قرار دیا ہے، بشرطیکہ اس کی قیمت بقدر نصاب ہو، اور فقہاء نے ایک سے زائد مکان کو جو فاضل کہا ہے وہ ان کے زمانہ کے عرف وعادت اور طرز معاشرت کی وجہ سے عدم حاجت کی بنا پر تھا، جیسا کہ اس کی تفصیل سابق میں گذر چکی ہے، کتب فقہ میں یہ صراحت موجود ہے، کہ فاضل وہ مکان ہے جس میں سکونت نہ کی جائے، اور جس میں آدمی رہتا ہے، جس مکان کی سکونت کے لیے ضرورت ہے، وہ حاجت اصلیہ میں داخل ہے۔

وإذا كان له دار لايسكنها ويؤاجرها أو لايؤاجرها يعتبر قيمتها في الغنىٰ وكذا إذا سكنها وفضل عن سكناه شيئ يعتبر فيه قيمة الفاضل في النصاب. (بزازیه على الهندية ١/ ٢٢٧، جديد زكريا مطول ١/ ٧١)

ودار لايحتاج إلى سكنها فإن كان محتاجاً إلى ما ذكرنا حاجة أصلية فهو فقيريحل دفع الزكاة إليه. (فتح القدير زكريا ٢/ ٢٦٦، كوئٹه ٢/ ٢٠٢)

فلا تثبت الاستطاعة بدار يسكنها ...... وتثبت الاستطاعة بدار لايسكنها. (البحر الرائق ٢/ ٣١٣)

فقہاء نے کہیں یہ تصریح نہیں کی ہے کہ کسی کے دو مکان ہوں اور دونوں میں رہائش کی ضرورت ہو، اور رہائش رکھتا بھی ہو، تو بھی دوسرا مکان حاجت اصلیہ سے زائد ہے، ہاں یہ صراحت موجود ہے کہ کسی کے دو مکان ہوں، ایک میں وہ سکونت پذیر ہے اور دوسرے میں سکونت نہیں کرتا، تو دوسرا مکان فاضل ہے۔

ولو كان له دارإن يسكن في إحداهما ولا يسكن في الأخرىٰ تعتبر قيمة الثانية. (مجمع الأنهر ١/ ٣٢٩)

اسی طرح کا مسئلہ بزازیہ میں بھی ہے:

ولو كان في دار باجارة فاشترىٰ أرضاً بنصاب و بنى فيها منزلاً يسكنه لزمت. (بزازیه على الهندية ٦/ ٢٨٧، جديد زكريا مطول ٣/ ١٥٥)

بزازیہ کے جزئیہ سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص کرایہ کے مکان میں سکونت پذیر تھا اور اس کے پاس بقدر نصاب مال تھا جس سے زمین خرید کر سکونت کے لیے مکان بنایا، لیکن ابھی تک اس میں رہائش اختیار نہیں کی ہے، تو یہ مکان فاضل شمار ہوگا اور اس پر قربانی واجب ہوگی، کیونکہ مکان قابل استعمال ہونے کے باوجود زیر استعمال نہیں ہے، اور اگر کرایہ کا مکان ترک کر کے ذاتی بنائے ہوئے مکان میں سکونت پذیر ہو چکا ہے تو کوئی اس کو فاضل نہیں کہہ سکتا ہے۔

کسب معاش انسان کی بنیادی ضرورت ہے، اسی لیے اس کے تمام وسائل و ذرائع خواہ کاشتکاری کے لیے بیل اور ہل ہوں یا دیگر پیشہ وروں کے آلات واوزار یا دوکان وغیرہ سب کو کسب معاش کی ضرورت کے تحت حاجت اصلیہ میں شمار کیا گیا ہے، عصر حاضر میں جائے ملازمت پر رہائش کے لیے مکان کا ہونا، کسب معاش کے لیے ضرورت کی حیثیت اختیار کر چکا ہے، اور جائے ملازمت میں سکونت کی ضرورت، وطن کے مکان سے پوری نہیں ہوسکتی ہے، اور نہ وطن میں سکونت کی ضرورت جائے ملازمت کے مکان سے پوری ہوسکتی ہے اور وطن اصلی ترک کر کے موضع ملازمت کو وطن اصلی بنا دینا، نہ تو شرعاً ضروری ہے اور نہ ہی ہر ایک کے لیے آسان ہے، بلکہ اب تو وطن اصلی کو وطن بنائے رکھنا بچند وجوہ ضروری سا ہو گیا ہے، پس جب ملازم کو سال میں دو جگہوں میں سکونت کی ضرورت ہے اور یہ ضرورت دو مکانوں ہی سے پوری ہوسکتی ہے، تو دونوں مکان حاجت اصلیہ میں داخل ہوں گے، اور کسی چیز کے حاجت اصلیہ میں داخل ہونے کے لیے اس کا پورے سال استعمال میں آنا بھی ضروری نہیں؛ بلکہ سال کے بعض حصے میں اس کی ضرورت پیش آنا اور استعمال میں آنا کافی ہے۔

ولـو كـان له دار فيها بيتان شتوی و صيفی و فرش شتوی وصيفی لم يكن بها غنياً. (الفتاویٰ الهندية زكريا قديم ٥/٢٩٣، زكريا جديد ٥/٣٣٨)

وحـلت لمن له كسوة الشتاء لايحتاج إليها فی الصيف. (البحر الرائق كوئٹه٢/٢٤٥، زكريا ٢/٤٢٧)

فاضلاً عن حاجته فی جميع السنة هٰكذا فی الزاهدی. (الفتاویٰ الهندية زكريا قديم ١/١٨٩، زكريا جديد مطول ١/٢٥١)

فقہاء نے یہ بھی لکھا ہے کہ حاجت اصلیہ میں تقدیر نہیں کہ اتنی مقدار مثلاً ایک مکان حاجت اصلیہ میں داخل ہو اور اس سے زائد بہر صورت خواہ سکونت کے لیے اس کی ضرورت ہو یا نہ ہو، فاضل ہو، بلکہ کفایت کا اعتبار ہے۔

قال فی المراقی: والمعتبر فیها الکفایة لا التقدیر. (حاشیة الطحطاوی علی المراقي ص: ۷۲۳)

اس لیے جس کو سکونت کے لیے دو مکان کی ضرورت ہے اس کے لیے دو مکان بھی حاجت اصلیہ میں داخل ہوں گے، اور جس کو سکونت کے لیے ایک مکان کا کچھ حصہ کافی ہے، تو اس کے لیے ایک مکان کا باقی حصہ بھی فاضل ہوگا۔

ولو کان له دار واحدة وفضلت عن سکناه شيء یعتبر الفاضل إن کانت قیمته نصاباً. (مجمع الأنهر ۱/ ۳۳٤)

نیز ایسا بھی نہیں ہے کہ وہ کم سے کم مقدار جو حاجت پوری کرنے کے لیے انتہائی ناگزیر ہو، اتنی ہی مقدار حاجت اصلیہ میں داخل ہو، اور باقی فاضل ہو، بلکہ جتنی مقدار حاجت میں مشغول ہو، وہ سب حاجت اصلیہ میں داخل ہے۔

فلایعتبر فی الحاجة قدر ما لا بد منه. (بدائع الصنائع ۲/ ۲۹۸)

مذکورہ تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اس مسئلہ میں دونوں مکان حاجت اصلیہ میں داخل ہیں، کسی کو فاضل قرار نہیں دیا جائے گا، لہٰذا مذکور شخص پر نہ قربانی واجب ہے اور نہ صدقۂ فطر، بشرطیکہ اس کے پاس دوسرا فاضل مال بقدر نصاب موجود نہ ہو، اور اس پر حج بھی فرض نہیں۔

دوسرا مسئلہ

اگر کوئی شخص کرایہ کے مکان میں سکونت پذیر ہے، اس کا ذاتی مکان نہیں ہے، اس نے اپنی تنخواہ یا آمدنی میں سے کچھ رقم پس انداز کی اور اس رقم سے مکان تعمیر کرنے کے لیے پلاٹ خریدا، یا پلاٹ خرید کر کچھ تعمیر بھی کردی، لیکن تعمیر ناقص ہے، وہ مکان قابل رہائش نہیں بنا ہے،

اوراس کے پاس مزید کچھ رقم بھی نہیں ہے کہ باقی کام مکمل کر سکے، تو کیا یہ پلاٹ یا ناقص تعمیر کردہ مکان جس کی قیمت نصاب سے زائد ہے، فاضل شمار کر کے موجب قربانی وصدقۂ فطر اور مانع اخذ زکوٰۃ قرار دیا جائے گا یا نہیں؟ اور کیا اس کی وجہ سے استطاعت حج ثابت ہوگی یا نہیں؟

اس کا جواب بھی ظاہر ہے کہ جب سکنیٰ انسان کی بنیادی ضرورت ہے، اور مذکورہ شخص نے پس انداز کردہ رقم اسی بنیادی ضرورت میں استعمال کی ہے، اس لیے یہ اس کی حاجت اصلیہ میں داخل ہے، رہ گیا یہ شبہ کہ کسی چیز کا حاجت اصلیہ میں داخل ہونے کے لیے اس کا زیر استعمال ہونا ضروری ہے، اور یہ زیر استعمال نہیں ہے، لہٰذا یہ حاجت اصلیہ میں داخل نہ ہونی چاہیے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ کسی چیز کا قابل استعمال ہونے کے باوجود استعمال میں نہ آنا، اس کے حاجت اصلیہ میں داخل ہونے سے مانع ہے اور یہ اس کے فاضل ہونے کی علامت ہے، البتہ کسی ضروری چیز کا نا قابل استعمال ہونے کی وجہ سے استعمال میں نہ آنا، اس کے حاجت اصلیہ میں داخل ہونے سے مانع نہیں، اور نہ یہ اس کے فاضل ہونے کی علامت ہو سکتی ہے، کیونکہ زیر استعمال نہ ہونا، عدم حاجت کی وجہ سے نہیں، بلکہ مجبوراً نا قابل استعمال ہونے کی وجہ سے ہے، چنانچہ احسن الفتاویٰ میں غیر آباد زمین کے مانع اخذ زکوٰۃ ہونے کی تفصیل کے بارے میں فتویٰ موجود ہے:

سوال: ایک عیال دار عالم دین جو کہ دینی تعلیم کا کام لوجہ اللہ کرتا ہے اس کی زمین تو ہے، لیکن قابل کاشت جو حصہ ہے وہ نفقۂ عیال کے لیے کافی نہیں، ہاں مجموعہ زمین یعنی قابل کاشت وغیر قابل کاشت کی قیمت پندرہ بیس ہزار روپئے ہو جاتی ہے، آیا ایسے عالم دین کو زکوٰۃ لینا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: اگر غیر آباد زمین آباد ہونے کے بعد صرف بقدر کفایت ہی رہے گی تو زکوٰۃ لے سکتے ہیں اور اگر قدر کفایت سے زائد ہوگی اور زائد حصہ کی قیمت بقدر نصاب ہو، تو یہ مانع اخذ زکوٰۃ ہے۔ (احسن الفتاویٰ ۴/ ۲۹۶)

مذکورہ فتویٰ سے معلوم ہوا کہ کسی چیز کا حاجت اصلیہ میں داخل ہونے کے لیے زیر استعمال ہونا اس وقت ضروری ہے جبکہ وہ قابل استعمال ہو، لیکن اگر کوئی ضروری چیز نا قابل

استعمال ہونے کی وجہ سے زیر استعمال نہ ہو، تو یہ حاجت اصلیہ میں داخل ہونے سے مانع نہیں ہے، جیسا کہ غیر آباد اور غیر قابل کاشت زمین کو جو فی الحال زیر استعمال نہیں، اور اس وقت اس سے ضرورت پوری نہیں ہورہی ہے، اس کے باوجود اس کو حاجت اصلیہ میں شمار کیا ہے، بشرطیکہ آباد ہونے کے بعد بقدر کفایت رہے۔

اگر کسی شخص نے نقد رقم اپنی واقعی اور بنیادی ضرورت کی خاطر جمع کررکھی ہے مثلاً: رہائش کا گھر نہیں ہے، ابھی اس ضرورت کی تکمیل ہونے نہ پائی تھی کہ اس سے پہلے اس پر سال پورا ہوجاتا ہے تو کیا اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی؟ اور یہ رقم حاجت اصلیہ میں شمار کی جائے گی، اس سلسلے میں فقہاء کے اقوال مختلف ہیں، محقق ابن نجیم شرح المجمع لابن الملک سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

فإذا كان له دراهم مستحقة ليصرفها إلى تلك الحوائج صارت كالمعدومة ...... فقد صرح بأن من معه دراهم و أمسكها بنية صرفها إلى حاجته الأصلية لاتجب الزكاة إذا حال الحول وهي عنده. (البحر الرائق ۲/۲۰۶)

یہ قول مفتی بہ ہے یا نہیں؟ یہاں اس سے بحث مقصود نہیں، بلکہ صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ جب بنیادی ضرورت کے لیے جو رقم جمع کررکھی ہے، ابھی صرف بھی نہیں کی ہے، اس کو بھی بعض فقہاء نے حاجت اصلیہ میں شمار کیا ہے، پس اگر وہ رقم بنیادی ضرورت میں استعمال کردی جائے تو ظاہر ہے کہ اس کے لیے حاجت اصلیہ میں مشغول ہونے کے بارے میں کسی فقیہ کا اختلاف نہ رہے گا، چنانچہ جواہر الفقہ ۷/۷۰ پر فقہاء کرام کی بیان کردہ جزئیات کے پیش نظر دراہم ودنانیر کے حاجت اصلیہ میں مشغول ہونے کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ دراہم ودنانیر کو ایسی چیز میں صرف کیا جائے جو انسان کی بنیادی ضرورت کے کام آتی ہے، اور ظاہر ہے کہ مکان انسان کی بنیادی ضرورت سکنیٰ کے کام آتا ہے؛ لہٰذا اس میں صرف کردہ رقم بھی حاجت اصلیہ میں مشغول ہے۔

ذاتی مکان کا ہونا انسان کی بنیادی ضرورت ہے

انسان اپنے معاش میں کچھ بنیادی ضرورتوں یعنی روٹی، کپڑا، رہائشی مکان، گھریلو

سامان، سواری، خادم وغیرہ کامحتاج ہوتا ہے، جن کے بغیر زندگی گذارنا دشوار ہے، فقہاء نے ان ہی چیزوں کوجن سے انسان کی بنیادی ضرورتیں پوری ہوتی ہیں، حاجات اصلیہ قرار دیا ہے۔

لأن هذه الأشياء من الحوائج اللازمة التي لابد للإنسان منها.

(شامی، کتاب الزکاۃ ۳/٢٦٦)

ان کو حاجت اصلیہ میں داخل کرنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ اگر یہ چیزیں کسی کی ملکیت میں موجود ہوں اور زیر استعمال ہوں، تو ان کی قیمت خواہ کتنی ہی ہو اس کی وجہ سے وہ غنا ثابت نہ ہوگا جس کی وجہ سے زکوٰۃ لینا حرام اور قربانی وصدقۂ فطر واجب ہوتا ہے اور نہ ہی ان کی قیمت کی وجہ سے استطاعت حج ثابت ہوگی، اگر یہ چیزیں ملکیت کی نہ ہوں بلکہ اجارہ یا اعارہ کی ہوں، تو ان کو حاجت اصلیہ میں داخل کرنے کا کوئی فائدہ نہیں، کیونکہ جب یہ شخص ان کا مالک ہی نہیں ہے، تو ان کی قیمت کی وجہ سے غنا حرمت اخذ زکوٰۃ اور غنا موجب قربانی و صدقہ فطر وغیرہ کے ثابت ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہے، کہ ان کو حاجت اصلیہ میں داخل کرنے کی ضرورت پیش آئے، رہ گیا کرایہ تو اگر وہ واجب ہو چکا ہے تو وہ دین میں داخل ہے، اور رہ گیا یہ شبہ کہ اجارہ اور اعارہ کے مکان کو حاجت اصلیہ میں داخل کرنے کا فائدہ یہ ہے کہ اس کی وجہ سے دوسرے ذاتی مکان کا فاضل ہونا ثابت ہوگا، تو اس کا جواب یہ ہے کہ دوسرے ذاتی مکان کا فاضل ہونا، اجارہ یا اعارہ کے مکان کی وجہ سے نہیں، بلکہ صرف عدم سکونت کی وجہ سے ثابت ہوتا ہے، جیسا کہ کتب فقہ میں جا بجا اس کی تصریح موجود ہے۔

بس کیا یہ ممکن ہے کہ بنیادی ضرورت کی چیزیں اگر کسی کی ملکیت میں موجود ہوں، تو ان کا ہونا تو اس شخص کے لیے ضروری ہو اور وہ اس کی حاجت اصلیہ میں داخل ہوں، اور اگر یہ چیزیں اسی شخص کی ملکیت میں موجود نہ ہوں اور وہ ان کی تحصیل کے لیے رقم صرف کرتا ہے تو جب تک وہ چیزیں قابل استعمال بن کر اس کے زیر استعمال نہ آجائیں، تب تک وہ چیزیں اس کے لیے ضروری نہ ہوں اور اس کی حاجت اصلیہ میں داخل نہ ہوں؟ ہرگز نہیں، حاصل یہ کہ حاجت اصلیہ کے ذیل میں ذکر کردہ چیزوں سے ذاتی اور ملکیت کی چیزیں مراد ہیں، پس ذاتی رہائش کا مکان

ہونا انسان کی بنیادی ضرورت ہے، اب ظاہر ہے کہ جب تک کسی شخص کا ذاتی مکان نہ بن جائے تب تک مجبوراً وہ کسی نہ کسی مکان میں سکونت اختیار کرے گا اور مجبوراً اجارہ یا اعارہ کے مکان میں سکونت پذیر ہونے سے سکونت کی ضرورت کا پورا ہونا نہیں کہا جا سکتا ہے، کیونکہ سکنیٰ انسان کی بنیادی اور دائمی ضرورت ہے جس کے لیے ذاتی مکان کی حاجت ہے، لہٰذا اگر کسی شخص کا ذاتی مکان نہیں ہے، اور وہ اس کی تعمیر میں رقم صرف کرتا ہے تو وہ رقم بھی حاجت اصلیہ میں مشغول ہے، اگر چہ وہ فی الحال قابل استعمال نہ بنا ہو، کیونکہ جب اس کو قابل استعمال بنائے گا تب ہی تو استعمال کر سکے گا، اس سے پہلے کیسے استعمال کر سکتا ہے؟ محض عدم استعمال کی وجہ سے اس کو حاجت اصلیہ سے خارج کر دینا دانش مندی نہیں ہے، بلا شبہ فقہاء نے حاجت اصلیہ میں داخل اشیاء کو عدم استعمال کی وجہ سے فاضل قرار دیا ہے، لیکن وہ اسی وقت ہے جبکہ وہ قابل استعمال ہوں، جیسا کہ اس کا حوالہ ''ایک شبہ کا ازالہ'' کے عنوان کے تحت آ رہا ہے۔

یہاں یہ بات قابل توجہ ہے کہ فقہاء نے حاجت اصلیہ کے ذیل میں جن چیزوں کا تذکرہ کیا ہے، ان میں مکان کے علاوہ باقی سب چیزیں بنی بنائی تیار قابل استعمال مل جاتی ہیں، اور اکثر لوگ بھی تیار ہی خریدتے ہیں، اگر کوئی ان کو بذات خود بنائے، تو بھی زیادہ وقت درکار نہیں، حاجت اصلیہ میں مکان ایسی چیز ہے جس کو لوگ تیار بھی خریدتے ہیں اور اکثر خود بھی بنواتے ہیں، فقہاء کے زمانہ میں چونکہ طرز معاشرت سادہ تھا، اس لیے ان کے مکان بھی عموماً کچے اور سادہ ہوتے تھے، مکان کی تعمیر کے لیے کچھ دن یا مہینہ کافی ہو جایا کرتا تھا، کیونکہ پانی کی لائن، گٹر لائن، اور لائٹ فٹنگ وغیرہ کئی جھمیلے تھے ہی نہیں جو آج مکان کا ایک ضروری حصہ بن چکے ہیں، لہٰذا مکان کی تعمیر کے لیے سال دو سال کی لمبی مدت درکار نہیں ہوتی تھی جیسا کہ اب درکار ہے، اسی لیے فقہاء نے اس مسئلہ سے کہیں تعرض ہی نہیں کیا ہے کہ اگر کسی شخص کا ذاتی مکان نہیں ہے اور وہ کرایہ کے مکان میں سکونت پذیر ہے اور اس نے ذاتی مکان کی تعمیر شروع کی، لیکن ابھی وہ قابل سکونت نہیں بنا ہے، اور قربانی، عید الفطر یا حج کا وقت آ گیا، تو یہ حاجت اصلیہ میں داخل ہوگا یا فاضل شمار ہوگا؟ عصر حاضر میں مہنگائی، معاشرت اور طرز تعمیر

کے پیش نظر مکان تعمیر کرنا پیسوں کا پانی کرنے کے مترادف ہے، بلکہ پیسوں کا پانی کردینے کے باوجود معمار اور مزدوروں کی بدعنوانیوں، وعدہ خلافیوں اور وقت پر کام نہ کرنے کی وجہ سے آنکھوں میں پانی آجاتا ہے، اور اپنی مٹی پلید ہوجاتی ہے، مزدوری پیٹ بھر کر لینے کے باوجود اس شان سے کام کرتے ہیں کہ گویا مفت میں کام کرکے ہم پر احسان کررہے ہیں، ہفتے کا کام مہینے میں اور مہینے کا کام کئی مہینوں میں مشکل سے پورا کرتے ہیں، آج کل پیسے والوں کو مکان بناتے بناتے کم از کم سال تو لگ ہی جاتا ہے، تو وہ ملازم اور قلیل آمدنی والا طبقہ جس کو مکان بنانے کے لیے پیسوں کا پانی کرنے سے پہلے خون کا پانی کرنا ہوتا ہے اور کما کما کر کچھ رقم پس انداز کرکے مکان بنانا پڑتا ہے، اگر اس کو مکان بناتے بناتے دو تین سال بلکہ اس سے بھی زیادہ مدت بیت جائے تو کوئی تعجب کی بات نہیں، اس مدت میں پلاٹ یا ناقص تعمیر کردہ مکان کو فاضل قرار دینے کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ طبقہ اس کو فروخت کرکے حج کرلے، مکان نہ بنائے، کیونکہ اس طبقہ کی اکثریت اپنی زندگی میں دونوں کی استطاعت نہیں رکھتی ہے۔

کیا کرایہ کے مکان سے سکونت کی ضرورت پوری ہوجاتی ہے؟

کرایہ کے مکان میں سکونت پذیر ہونے والے کے بارے میں یہ کہنا کہ کرایہ کے مکان سے اس کی سکونت کی ضرورت پوری ہوچکی ہے، اب سکونت کے لیے ذاتی مکان کی حاجت نہیں، لہٰذا ذاتی مکان تعمیر کرنے کے لیے خریدا ہوا پلاٹ یا ناقص تعمیر کردہ مکان اس کی حاجت اصلیہ سے زائد ہے، نہ تو درست ہے اور نہ ہی فقہی عبارت سے اس کی تائید ہوتی ہے، اور وجہ اس کی یہ ہے کہ جیسے خادم اور سواری حاجت اصلیہ میں داخل ہیں، پس اگر کسی شخص کے پاس خادم رکھنے اور سواری خریدنے کے لیے روپئے نہ ہوں جس کی وجہ سے بجائے خادم کے خود کام کرتا ہے اور سواری نہ ہونے کی وجہ سے پیدل چل کر اپنی حاجتیں پوری کرتا ہے، تو اس شخص کے بارے میں یہ کہنا کہ اس کی ضرورت خود کام کرنے اور پیدل چل کر کام کرنے سے پوری ہورہی ہے؛ لہٰذا اب اس کو خادم اور سواری کی ضرورت نہیں ہے، درست نہیں۔ کیونکہ یہ

شخص بدرجۂ مجبوری خادم اور سواری نہ ہونے کی وجہ سے مشقت برداشت کرکے اپنا کام چلا رہا ہے، اس کو ضرورت کا پورا ہونا نہیں کہا جاسکتا ہے، اسی طرح کرایہ کے مکان میں سکونت پذیر ہونے والا بدرجۂ مجبوری ذاتی مکان نہ ہونے کی وجہ سے بہ مشقت بادل ناخواستہ کرایہ کے مکان میں رہ رہا ہے، اس کو سکونت کی ضرورت کا پورا ہونا نہیں کہا جاسکتا ہے، بلکہ ابھی بھی اس کو سکونت کے لیے ذاتی مکان کی ضرورت ہے، کیونکہ ذاتی مکان میں جو بےفکری، فارغ البالی اور چین وسکون حاصل ہوتا ہے وہ کرایہ کے مکان میں کہاں میسر ہوسکتا ہے؟ کرایہ کے مکان میں دن گذارنے والا قرار وفرار کی حالت کے درمیان دائر رہتا ہے۔

جو ٹوٹی ہوئی جھونپڑی بے دخل ہو ☆ بھلی اس محل سے جہاں کچھ دخل ہو

اسی لیے وہ اس عرصہ میں اپنے دل میں ضیق اور تنگی محسوس کرتا ہے اور صحیح معنی میں ہر وقت اس فکر میں غرق رہتا ہے کہ کسی طرح میرا ذاتی مکان بن جائے، تا کہ دردر پھرنے کی مصیبت اور محتاجی کی زندگی سے نجات مل جائے، چنانچہ وہ اپنی حاجت اصلیہ یعنی روٹی کپڑا وغیرہ میں بھی تنگی و ترشی کے ساتھ گذر بسر کرکے ذاتی مکان بنانے کے لیے اپنی تنخواہ یا آمدنی سے ہر ماہ کچھ رقم پس انداز کرتا ہے اور ذاتی مکان کی تعمیر میں صرف کرتا ہے اور جب تک ذاتی مکان بنا کر اس میں سکونت پذیر نہیں ہو جاتا ہے تب تک سکون کا سانس نہیں لیتا ہے، گویا وہ خود بھی کرایہ کے مکان سے سکونت کی ضرورت ہو جانے کے حق میں نہیں ہے، حاجت اصلیہ میں حاجت کا بروقت موجود ہونا ضروری ہے، اور کرایہ کے مکان میں سکونت پذیر ہونے والا ذاتی مکان اس لیے نہیں بنا رہا ہے کہ آئندہ کسی زمانہ میں اگر کرایہ کا مکان نہ ملے تو رہائش کے کام آئے گا، بلکہ وہ اس لیے بنا رہا ہے کہ ذاتی مکان بنتے ہی کرایہ کا مکان ترک کرکے اس میں سکونت پذیر ہو جائے تا کہ دردر پھرنے کی مصیبت سے نجات مل جائے اور وہ چین وسکون حاصل ہو جائے جو کرایہ کے مکان میں میسر نہیں، اگر ذاتی مکان آج تیار ہو جائے تو آج ہی اس میں سکونت پذیر ہو جائے، لہٰذا ذاتی مکان کی حاجت بروقت موجود ہے، جب انسان اپنی بنیادی ضرورت سکنیٰ کے بارے میں بےفکر ہو جائے تو کہا جائے گا کہ اس کی سکنیٰ کی ضرورت پوری ہوگئی، حالانکہ کرایہ کے مکان میں سکونت پذیر

ہونے والا اپنی بنیادی حاجت سکنیٰ کے بارے میں صحیح معنی میں ہر وقت متفکر رہتا ہے، بلکہ عملی طور پر بھی ہر ممکن کوشش کرتا ہے، ملازم اور مزدور طبقہ کی اکثریت ایسی ہے جو مرحلہ وار کئی قسطوں میں زندگی بھر میں خدا خدا کرکے بہ مشکل ایک مکان تعمیر کر پاتی ہے، اب ظاہر ہے کہ وہ ملازم جس کی تنخواہ چار پانچ ہزار روپئے کے قریب ہے، کئی کی تو اتنی بھی نہیں ہوتی، چندماہ میں مکان کھڑا کر دینا اس کے بس میں نہیں، لہٰذا جب کچھ رقم جمع ہوجائے گی تو پلاٹ خریدے گا، پھر کچھ رقم جمع ہوگی تو بنیادیں رکھے گا، اور دیواریں کھڑی کرے گا، پھر کچھ رقم جمع ہونے پر چھت ڈالے گا۔

بسا اوقات مکان کی تعمیر مکمل کرتے کرتے کئی سال گذر جاتے ہیں، اس مدت میں اس کو اگر فاضل ہی قرار دیا جائے تو اس پر قربانی وصدقہ فطر واجب ہوگا، انتہائی پریشانی میں ہونے کے باوجود مستحق زکوٰۃ بھی نہ ہوسکے گا، بلکہ حج بھی فرض ہو جائے گا، اس کو فروخت کرکے حج کرنا لازم ہوگا، پس اگر یہ غریب اپنی اس کل کائنات کو فروخت کرکے حج کا فریضہ ادا کرلے، تو اس کا مکان بنانے کا خواب تو ادھورا ہی رہ جائے گا اور اپنی باقی زندگی میں دوبارہ مکان بنانے کی سکت نہ رکھ سکے گا، اور زندگی بھر مکان بنانے کی فکر اس کو ستاتی رہے گی اور مکان بنانے کی حسرت دل میں لے کر قبر میں چلا جائے گا، اور اگر اس کو فروخت کرکے حج نہ کرے تو حج نہ کرنے کے وبال کے ساتھ دنیا سے رخصت ہوگا۔

کرایہ کے مکان میں در در پھرنے میں جو پریشانی اور مصیبت ہے اس کا صحیح اندازہ اسی شخص کو ہوسکتا ہے جو اس مصیبت سے دوچار رہے، یا رہ چکا ہے، اب تو حال یہ ہوگیا ہے کہ بڑے شہروں کو تو چھوڑیئے چھوٹے دیہاتوں میں بھی کرایہ کا مکان ملنا مشکل ہو رہا ہے، اور جب مالک کرایہ کا مکان خالی کرواتا ہے تو کرایہ دار کے پیروں تلے سے زمین کھسک جاتی ہے اور بے چارہ دوسرے مکان کی جستجو میں لوگوں کی خوشامد کرتا ہوا مارا مارا پھرتا ہے، پھر مکان کا پورا اثاثہ ادھر سے ادھر کرنا یہ بھی دردسر ہے، بالخصوص جبکہ حاجت اصلیہ میں حاجت اور استعمال سے مراد اضطراری نہیں، بلکہ نفس حاجت ہے، تو کیا ان افکارِ پریشان اور حالات کے باوجود یہ کہنا درست ہوسکتا ہے کہ کرایہ کے مکان سے سکونت کی ضرورت پوری ہوجاتی

ہے، ذاتی مکان کی ضرورت نہیں، اس لیے ذاتی مکان بنانے کے لیے خریدا ہوا پلاٹ یا ناقص تعمیر کردہ مکان اس کی حاجت اصلیہ سے زائد ہے؟ جبکہ سکونت کی ضرورت کا کرایہ کے مکان سے پورا ہو جانا اور اب ذاتی مکان کی تعمیر کا فاضل ہونا، اسی طرح کسی ضروری چیز کا حاجت اصلیہ میں داخل ہونے کے لیے اس کا بہر صورت (قابل استعمال ہو یا نہ ہو) زیر استعمال ہونا کسی فقہی عبارت سے ثابت بھی نہیں، ہاں قابل استعمال ہونے کی صورت میں بلاشبہ زیر استعمال ہونا ضروری ہے، البتہ اگر کوئی شخص ذاتی مکان بنانے پر قادر ہے، اس کے باوجود ذاتی مکان نہیں بناتا ہے، اپنی آمدنی ذاتی مکان کی تعمیر میں صرف نہیں کرتا ہے بلکہ بہ رضا ورغبت کرایہ کے مکان میں سکونت پذیر ہے، تو ایسے شخص کے بارے میں یہ کہنا بجا ہے کہ کرایہ کے مکان سے اس کی سکونت کی ضرورت پوری ہو چکی ہے ورنہ ذاتی مکان کے بارے میں متفکر ہوتا، اور اپنی آمدنی اس میں صرف کرتا، جیسے ذاتی مکان ہونے کے باوجود اس میں سکونت اختیار نہ کرنا عدم حاجت کی علامت ہے، لیکن ہر کرایہ دار پر یہ تیر چلانا کہ کرایہ کے مکان سے اس کی سکنیٰ کی ضرورت پوری ہو چکی ہے درست نہیں ہے۔

ایک شبہ کا ازالہ

مکان بنانے کے لیے خریدے ہوئے پلاٹ یا ناقص تعمیر کردہ مکان کے فاضل ہونے کے سلسلے میں بزازیہ کے ایک جزئیہ سے شبہ پیدا ہوسکتا ہے اور وہ جزئیہ یہ ہے:

ولو كان في دار بإجارة فاشترىٰ أرضاً بنصاب و بنى فيها منزلاً يسكنه لزمت. (بزازيه على الهندية ٦/٢٨٧)

اس جزئیہ میں ذاتی مکان کے فاضل ہونے کے سلسلے میں دو احتمال ہیں:

(۱) پہلا احتمال یہ ہے کہ ذاتی مکان کے فاضل ہونے کی وجہ اجارہ کے مکان سے سکونت کی ضرورت پوری ہو جانا ہے۔

(۲) دوسرا احتمال یہ ہے کہ ذاتی مکان کے فاضل ہونے کی وجہ قابل سکونت ہونے کے

باوجود عدم سکونت ہے، یعنی جب ذاتی مکان قابل رہائش بن چکا ہے اس کے باوجود اس کو استعمال نہ کرنا اور کرایہ کے مکان ہی میں سکونت پذیر رہنا، اس کے فاضل ہونے کی علامت ہے، اب سوال یہ ہے کہ یہاں کون سا احتمال مراد ہے؟ اور فاضل ہونے کی کون سی وجہ درست ہے؟

تو اس کا جواب یہی ہوسکتا ہے کہ فقہی عبارت سے جس احتمال اور وجہ کی تائید ہوتی ہو وہی احتمال مراد اور وجہ درست ہے، اور فقہی عبارت سے پہلے احتمال کی تائید نہیں ہوتی ہے، کسی جزئیہ سے سکونت کی ضرورت کا کرایہ کے مکان سے پورا ہوجانا اور ذاتی مکان کا اس کی وجہ سے فاضل ہونا ثابت نہیں، لہٰذا پہلا احتمال مراد نہیں ہوسکتا ہے، البتہ دوسرے احتمال کی فقہی عبارات سے تائید ہوتی ہے، اس لیے دوسرا احتمال اور وجہ ہی درست ہے، چنانچہ بدائع الصنائع میں ہے:

وذكر ابن شجاع أنه إذا كانت له دار لايسكنها ولايؤاجرها ومتاع لا يمتهنه وعبد لايستخدمه وجب عليه أن يبيعه ويحج به وحرم عليه أخذ الزكاة إذا بلغ نصاباً لأنه إذا كان كذٰلك كان فاضلاً عن حاجته. (بدائع الصنائع ۲/۲۹۸)

اس عبارت سے دو باتیں معلوم ہوئیں: (۱) اس عبارت میں ذاتی مکان کے فاضل ہونے کی وجہ، عدم سکونت بتائی ہے، نہ کہ سکونت کی ضرورت کا اجارہ یا اعارہ یا اور کسی مکان سے پورا ہوجانا، حالانکہ دار غیر مسکونہ کا مالک کسی نہ کسی مکان میں سکونت پذیر ہوگا۔

(۲) فقہاء نے کوئی بھی ضروری چیز جو قابل استعمال ہے اس کے زیر استعمال نہ ہونے کو فاضل ہونے کی علامت قرار دیا ہے، چنانچہ فتاویٰ رحیمیہ میں بھی اس کے متعلق فتویٰ موجود ہے:

سوال: جس کے پاس ایک ہی مکان ہو، لیکن اس میں خود نہیں رہتا ہے کرایہ پر دے رکھا ہے اور وہ خود کرایہ کے گھر میں رہتا ہے، تو قربانی کے متعلق مالداری میں اس گھر کی قیمت کا اعتبار کیا جائے گا؟

جواب: اپنا گھر چاہے کرایہ پر دیا ہو یا مفت یا خالی پڑا ہو، اور خود دوسرے مکان میں کرایہ پر رہتا ہے یا مفت، ہر ایک صورت میں قربانی اور فطرہ کے متعلق مالداری میں اس مکان کی قیمت کا اعتبار ہوگا، کیونکہ یہ مکان فی الحال حاجت اصلیہ سے زائد ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ بترتیب جدید ۱۰/۳۱)

لہٰذا اگر کوئی ضروری چیز قابل استعمال نہ ہونے کی وجہ سے زیر استعمال نہ ہو، تو اس کو فاضل نہیں کہا جاسکتا ہے، کیونکہ استعمال میں نہ آنا عدم حاجت کی وجہ سے نہیں، بلکہ مجبوراً نا قابل استعمال ہونے کی وجہ سے ہے، پس اس کے استعمال میں نہ آنے کو فاضل ہونے کی علامت کیسے قرار دیا جاسکتا ہے؟ جبکہ استعمال میں نہ آنے کی معتبر وجہ (نا قابل استعمال ہونا) موجود ہے۔

خلاصہ بحث

سکونت کی ضرورت کا ایک مکان سے پورا ہو جانا اور ایک سے زائد مکان کا بہر صورت خواہ سکونت کے لیے اس کی ضرورت ہو یا نہ ہو، فاضل ہونا، اسی طرح سکونت کی ضرورت کا کرایہ کے مکان سے پورا ہو جانا، اور ذاتی مکان کے لیے خریدے ہوئے پلاٹ یا ناقص تعمیر کردہ مکان کا فاضل ہونا کسی فقہی عبارت سے ثابت نہیں، بلکہ اس کے فاضل نہ ہونے کی تائید فقہی عبارات سے ہوتی ہے، بالخصوص جبکہ حاجت اصلیہ میں حاجت سے مراد اضطراری نہیں، بلکہ نفس حاجت ہے، وجوب اضحیہ کا مدار چونکہ قدرت ممکنہ پر ہے، اس لیے جس طرح اس میں زیادہ توسیع منشاء شارع اور تصریحات فقہاء کے خلاف ہے، اسی طرح حاجت اصلیہ میں داخل اشیاء کو فاضل قرار دینا بھی منشاء شارع اور تصریحاتِ فقہاء کے مطابق نہیں، افراط وتفریط سے بچ کر راہِ اعتدال پر گامزن ہونا ضروری ہے، حاصل یہ ہے کہ پہلے مسئلے میں وطن کا مکان بھی اور دوسرے مسئلے میں مکان بنانے کے لیے خریدا ہوا پلاٹ یا ناقص تعمیر کردہ مکان بھی حاجت اصلیہ میں داخل ہے، لہٰذا مذکورہ شخص کے پاس اس کے علاوہ بقدر نصاب فاضل مال موجود نہ ہو، تو اس پر قربانی وصدقہ فطر واجب نہیں، اور حج بھی فرض نہیں، بلکہ وہ مستحق زکوٰۃ ہے۔

تنبیہ

ممکن ہے کہ اس مضمون سے کچھ لوگ اپنا مکان زکوٰۃ کی رقم سے عمدہ سے عمدہ بنانے کا جواز سمجھ لیں، اس لیے اس کا سد باب ضروری ہے، تو اس سلسلے میں دو باتیں عرض ہیں:

(۱) مستحقین زکوٰۃ کو یہ بات فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ شریعت نے مفت خوری، گدا گری اور سوال کرنے کی مذمت بیان کرکے ہاتھ کی کمائی کھانے اور خود کفیل بننے کا حکم، بلکہ دوسروں کے پاس سے لینے والا بننے کے بجائے خود دینے والا بننے کی فضیلت بیان فرمائی ہے، اور زکوٰۃ کو مال کا میل بتایا ہے، لہٰذا زکوٰۃ کا مال بوقت ضرورت بقدر ضرورت ہی اپنی حاجت روائی میں صرف کرنا چاہیے، زکوٰۃ کی رقم سے اگر کوئی محتاج اپنا مکان اعتدال کے ساتھ بنائے تو کوئی بری بات نہیں، لیکن زکوٰۃ وصول کرکر کے بے محابا تعمیر میں صرف کرنا اور شاہانہ خرچ کرکے مالداروں کے مکانوں جیسا عالیشان مکان تعمیر کرنا بے مروتی اور بے غیرتی ہے، اس سے احتراز چاہیے۔

(۲) معطین زکوٰۃ اس بے اعتدالی کا تنہا ایک ہاتھ سے سد باب کر سکتے ہیں اور یہ ان کی ذمہ داری بھی بنتی ہے، اور وہ اس طرح کہ کفایت شعار واقعی ضرورت مندوں ہی کو زکوٰۃ دیں، تاکہ مقصدِ زکوٰۃ کی تکمیل کے ساتھ ساتھ خود بھی زیادہ اجر وثواب کے مستحق ہوں، نیز مال زکوٰۃ سے شاہانہ خرچ بے جا صرف اور بے اعتدالیاں جیسی برائیوں کا بآسانی سد باب بھی ہو جائے۔

لیکن کچھ لوگوں کی بے اعتدالیوں کے سد باب کے لیے یہ تو نہیں کیا جا سکتا ہے کہ واقعی مستحقین زکوٰۃ کی ایک بڑی تعداد کو ہی غیر مستحق قرار دے دیا جائے، بلکہ ان پر حج، قربانی وصدقہ فطر بھی واجب کر دیا جائے، ورنہ بڑی تعداد حرج میں مبتلا ہو جائے گی، جبکہ اس کا بآسانی سد باب ممکن بھی ہے۔ (کمامر)

هذا ما ظهر لي إلى الآن، والله تعالیٰ اعلم بالصواب

احقر محمد سلمان قاسمی پالنپوری

مفتی مدرسہ جامعہ خلیلیہ ماہی شمالی گجرات

حضرت مولانا مفتی محمد سلمان صاحب پالن پوری .... مدظلہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آنجناب کی ارساد کردہ تحریر جو دس صفحہ پر مشتمل ہے، موصول ہوئی اور اس دس صفحہ پر مختصر سے دو مسئلے ہیں: (۱) کوئی ملازم شخص جائے ملازمت میں فیملی کے ساتھ ذاتی یا کرائے کے مکان

یا کسی کے مفت دیئے ہوئے مکان میں رہائش اختیار کرتا ہواور اس کا ذاتی مکان اپنے وطن میں ہوتوایسی صورت میں اس کے وطن اصلی کا مکان حاجت اصلیہ سے فاضل سمجھا جائے گا یا نہیں؟

(۲) ایک شخص کرائے کے مکان میں رہتا ہواور اس کا ذاتی کوئی مکان نہ ہواور اس نے اپنی تنخواہ سے یا کسی طرح کی آمدنی کے پیسہ سے ذاتی مکان کی غرض سے پلاٹ خرید کر ڈال دیا ہو یا اس پلاٹ میں ناقص تعمیر کردی ہو جو ابھی قابل رہائش نہیں ہے، دونوں مسئلوں سے متعلق جناب والا کا دس صفحہ پر تحریر کردہ جواب پڑھا گیا ہے جس میں تقریباً ایک ڈیڑھ گھنٹہ صرف ہوا، حالانکہ دونوں مسئلوں کا جواب ایک صفحہ کے اندر آسانی کے ساتھ ہضم کر سکتے ہیں، اس لیے جناب والا سے گذارش ہے کہ آئندہ اگر تحریر بھیجیں تو اس کا خلاصہ اور حاصل لکھ کر روانہ فرمائیں، جو ایک ڈیڑھ صفحہ سے زائد نہ ہو، اس لیے کہ ہمارے یہاں ناقل فتاویٰ کو مکمل نقل کرنا پڑتا ہے، آنجناب کی تحریر تین چار گھنٹہ میں بھی مشکل سے نقل ہوسکتی ہے، اس لیے ہمارے دار الافتاء میں مفتیان کرام کے درمیان مشورہ ہوا ہے کہ آنجناب سے گذارش کی جائے کہ اتنی لمبی تحریر جس میں ضرورت سے زائد مثالیں اور نظائر لکھی جاتی ہیں نہ بھیجا کریں، اس لیے کہ یہاں کے دار الافتاء میں ہر وقت استفتاء اور سوالات کا ہجوم رہتا ہے، نہ مفتیوں کے پاس اتنی لمبی تحریر پڑھنے کا وقت ہوتا ہے اور نہ ہی نقل کرنے والے اتنی لمبی تحریر رجسٹر میں نقل کر سکتے ہیں، اس لیے بار بار گذارش ہے کہ اتنی طویل تحریر روانہ کرنے کی زحمت نہ فرمائیں۔

اب اس کے بعد آنجناب کی تحریر سے متعلق ہم یہ سمجھتے ہیں کہ پہلے مسئلے میں اس کے وطن کا مکان حاجت اصلیہ میں شامل ہے، حاجت اصلیہ سے فاضل نہیں ہے، اور اسی طرح دوسرے مسئلے میں بھی خریدا ہوا پلاٹ یا ناقص تعمیر کردہ پلاٹ حاجت اصلیہ سے فاضل نہیں ہے، وہ بھی حاجت اصلیہ میں داخل ہے، لہٰذا دونوں شخص اگر ایسے ہیں کہ ان کے پاس وطن کے مکان یا ناقص تعمیر شدہ مکان کے علاوہ بقدر نصاب مال نہیں ہے تو ان پر قربانی اور صدقہ فطر واجب نہیں ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۸؍شعبان المعظم ۱۴۳۱ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۲/۱۰۱۷)	۱۴۳۱/۸/۸ھ

صاحب نصاب ہونے کے لیے کیا کاشت کی زمین کا اعتبار ہے؟

سوال [۹۹۲۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) اگر کسی کے پاس رہائشی مکان کے علاوہ ایک اور بھی مکان ہے، جس کو بچوں کی شادی کے بعد ان کی ملک میں دے دینا ہے، مگر ابھی خالی پڑا ہوا ہے؟

(۲) ایسے ہی کاشت کار کے پاس دو بیگہ کاشت کی آراضی ہے جس کی قیمت دس بارہ ہزار روپئے، اس وقت کے اعتبار سے ہوتی ہے، صاحب زکوٰۃ نہیں ہے، مگر اس کی قیمت مقرر کرنے پر نصاب کو پہنچ جاتی ہے، تو ایسے عالم میں فطرہ اور قربانی ان دونوں پر واجب ہوگی یا نہیں، جواب بحوالۂ کتب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: محمد شفیع غفرلہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) اگر زائد مکان کسی قسم کے استعمال میں نہیں ہے، اور نہ ہی اس کو کرایہ پر دے رکھا ہے بلکہ صرف خالی پڑا ہوا ہے، تو اگر اس مکان کی قیمت نصاب کے بقدر ہو تو قربانی اور صدقہ فطر واجب ہے۔ (مستفاد: بہشتی زیور ۳/۳۴)

وكدار لا تكون للسكنىٰ ولا للتجارة، ولو كان له دار واحدة يسكنها وفضلت عن سكناه يعتبر الفاضل إن كانت قيمته نصابا . (مجمع الأنهر، كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر، دار الكتب العلمية بيروت ۱/۳۳٤، مصرى قديم ۱/۲۲٦)

اور اگر زائد مکان کرایہ پر دے رکھا ہے اور اس سے آمدنی حاصل کر کے گذارا کرتا ہے، تو وہ اسباب کے حکم میں ہے، اس کی آمدنی میں نصاب کا اعتبار کیا جائے گا، بقدر نصاب ہو تو قربانی وفطرہ واجب ہے، ورنہ نہیں۔

ولو كانت له دور وحوانيت للغلة وهى لا تكفى عياله فهو من الفقراء . (مجمع الأنهر، كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر، دار الكتب العلمية بيروت ۱/۳۳٥،

مصری قدیم ۱/۲۲۷، البنایه اشرفیه دیوبند ۳/۴۸۲)

(۲) کاشت کی زمین کی قیمت نصاب میں شامل نہیں ہوگی؛ کیونکہ وہ گذارہ کے اسباب میں سے ہے، ہاں البتہ اس کی پیداوار میں نصاب کا اعتبار ہوگا، اگر پیداوار عید و بقرعید کے دن بقدر نصاب ہے تو قربانی وفطرہ واجب ورنہ نہیں۔

وعلى هذا الكرم والأرض ولايعتبر ما قيمته لصاحب من قوت شهر بلا خلاف عندنا. (مجمع الأنهر، باب صدقة الفطر، دار الكتب العلمية بيروت ۱/۳۳۵، مصری قدیم ۱/۲۲۷، البنایه اشرفیه دیوبند ۳/۴۸۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم ذی الحجہ ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۲۰۴۴)

٤ باب التضحية عن الغير

زندہ اور مردہ دونوں کی طرف سے قربانی کا جواز

سوال [۹۹۲۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہم نے سنا ہے کہ آدمی اپنی واجب قربانی بھی کرسکتا ہے اور اپنے زندہ اور مرحوم عزیزوں کی طرف سے بھی نفلی قربانی بھی کرسکتا ہے، اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر سو جانور قربان کیے، کچھ اپنی طرف سے کچھ اپنی امت کی طرف سے تو کیا خلفائے راشدین یا صحابہ کرامؓ سے بھی یہ عمل ثابت ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو کتبِ حدیث کے حوالے کے ساتھ جواب تحریر فرمادیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم سے ابھی اپنی قربانی کے ساتھ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اور اپنے مرحومین کی طرف سے قربانی کرنا ثابت ہے، چنانچہ حضرت علیؓ نے ہمیشہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے قربانی فرمائی ہے، اسی طرح زندہ عزیزوں کی طرف سے قربانی کرنا بھی ثابت ہے، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اپنے بچوں کی طرف سے قربانی کیا کرتے تھے۔

عن حنش قال: رأيت علياً رضـ يضحي بكبشين فقلت له: ما هذا؟ فقال: إن رسول الله صلى الله عليه وسلم أوصاني أن أضحي عنه فأنا أضحي عنه. (أبوداؤد شريف، كتاب الضحايا، باب الأضحية عن الميت، النسخة الهندية ٢/٣٨٥، دار السلام رقم: ٢٧٩٠، سنن الترمذي، أبواب الأضاحي، باب في الأضحيةبكبش، النسخة الهندية ١/٢٧٥، دار السلام رقم: ١٤٩٤، مجمع الزوائد، كتاب الأضاحي، باب فيمن أوصىٰ بأن يضحى عنه، دار الكتب العلمية بيروت ٤/٢٣، المستدرك للحاكم مكتبه نزار مصطفىٰ الباز بيروت ٤/٢٥٥، رقم: ٧٧٥٦)

عن نافع عن ابن عمر رضـ أنه كان لايضحي عن حبل ولكن كان يضحي

عـن ولـده الصغار والكبار، ويعق عن ولده كلهم. (المصنف عبد الرزاق، المجلس العلمي بيروت، كتاب المناسك، باب الضحايا ٤/ ٣٨٠، رقم: ٨١٣٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍ ذی الحجہ ۱۴۳۴ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۳۲۵)

''وقد صح أن رسول الله ﷺ ضحى بكبشين أحدهما عن نفسه''

حدیث کا مطلب

سوال [۹۹۲۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: پیغمبر علیہ الصلاۃ نے اس طرح قربانی دی ہے، ''**وقد صح أن رسول الله ﷺ ضحى بكبشين أحدهما عن نفسه والآخر عمن لم يذبح من أمته**'' اس حدیث پاک کا مطلب کیا ہے، پوری امت کی طرف سے قربانی فرمائی، یا قربانی تو اپنی طرف سے دی اور اس کا ثواب ''**عمن لم يذبح من أمته**'' کو ہدیہ کر دیا، اگر نا گوار نہ ہو تو برائے مہربانی امداد الفتاویٰ ۵/ ترجیح الراجح کا مطالعہ فرما کر مسئلہ کی توضیح فرمادیں، ان اطراف میں کچھ لوگوں میں اختلاف ہو گیا ہے، صحیح مسئلہ سمجھنا ہے، شبہات کو دور کرنا ہے۔

المستفتی: محمد غفران غفرلہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ حدیث شریف میں حضور ﷺ کا مقصود امت کی طرف سے قربانی کرنا نہیں ہے، بلکہ جنہوں نے قربانی نہیں کی ہے ان کو قربانی کے ثواب میں شریک کرنا مقصود ہے، تفصیل امداد الفتاویٰ ۳/ ۵۷۳ تا ۵۷۴ میں موجود ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍ ربیع الاول ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۳۰۷۰)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۵/ ۳/ ۱۴۱۳ھ

حضور پاک ﷺ کی طرف سے قربانی

سوال [۹۹۲۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عرض یہ ہے چھ افراد نے مل کر ایسے جانور کی قربانی کی جس میں سات حصہ ہوسکتے ہیں، چھ حصے چھ افراد نے لے لیے اور ساتواں حصہ کئی افراد نے یا چھ افراد نے ہی مشترک طور پر حضرت محمد ﷺ کے لیے لے لیا، اس مذکورہ بالا شکل میں قربانی درست ہو جائیگی، یا نہیں؟ کیا اس طرح مشترک طور پر حضرت محمد ﷺ کے لیے حصہ لینا جائز ہے یا نہیں؟ حضور پاک ﷺ کے لیے جو حصہ لیا وہ قربانی ہی کا لیا؟

المستفتی: عبداللہ مدھوبنی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: چھ آدمی مل کر ساتواں حصہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے قربانی کر دیں تو شرعاً جائز اور درست ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۴/ ۲۸۸، جدید ڈابھیل ۱۷/ ۴۰۵، فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۲/ ۹۰، جدید زکریا ۱۰/ ۵۷)

وإن مات أحد السبعة المشتركين فى البدنة، وقال الورثة: اذبحوا عنه وعنكم صح عن الكل استحسانا لقصد القربة من الكل. (الدر المختار، كتاب الأضحية، كراچی ٦/ ٣٢٦، زكريا ديوبند ٩/ ٤٧١، تبيين الحقائق امداديه ملتان ٦/ ٧، زكريا ديوبند ٦/ ٤٨٤، البحر الرائق كوئٹه ٨/ ١٧٧، زكريا ديوبند ٨/ ٣٢٥، مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ٤/ ١٧٣، هنديه زكريا قديم ٥/ ٣٠٥، جديد ٥/ ٣٥٢، تاتارخانية زكريا ١٧/ ٤٥٣، رقم: ٢٧٨٠٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/ ربیع الثانی ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۶۵۲)

مردے کی طرف سے قربانی کرنا

سوال [۹۹۲۴]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگرکسی مردے کے نام سے قربانی کی جائے تو قربانی اس مردہ کے نام سے جائزہے یانہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں مع حوالہ اس فتویٰ کا جواب تحریرفرمائیں۔

المستفتی: محمد یوسف ضلع پورنیہ بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جی جائز ہے۔(مستفاد: امدادالفتاویٰ ۳/۵۳۲، کفایت المفتی قدیم ۸/۲۲۲، جدید زکریا مطول ۱۲/۱۰۲، فتاویٰ محمودیہ قدیم ۴/ ۲۸۸، جدید ڈابھیل ۱۷/ ۳۲۵،فتاویٰ رشیدیہ قدیم ص: ۴۵۶،جدیدزکریاص:۵۳۷،فتاویٰ خلیلیہ ص:۲۲۲)

من ضحى عن الميت يصنع كما يصنع في أضحية نفسه من التصدق والأكل والأجر للميت والملك للذابح. (شامي، كتاب الأضحية، كراچی ۶/ ۳۲۶، زكريا ديوبند ۹/ ۴۷۲، فتاوىٰ بزازيه جديد زكريا ۳/ ۱۶۰، وعلى هامش الهندية زكريا ۶/ ۲۹۵، تاتارخانية زكريا ۱۷/ ۴۴۴، رقم: ۲۷۷۷۱، فتاوىٰ قاضيخان جديد زكريا ۳/ ۲۴۸، وعلى هامش الهندية زكريا ۳/ ۳۵۲، البحر الرائق كوئٹه ۳/ ۵۹، زكريا ۳/ ۱۰۵، مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ۴/ ۱۷۳، هدايه اشرفى ديوبند ۴/ ۴۴۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفااللہ عنہ
۴؍ذی الحجہ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۹۹۹)

میت کی طرف سے قربانی کاحکم

سوال [۹۹۲۵]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میت کی طرف سے قربانی کرنے کا کیاحکم ہے؟ میت کوثواب پہنچتا ہے یانہیں اور

ہمیں کیا ثواب ملتا ہے؟

المستفتی: زوجہ عبد الکریم خاں مرحوم محلہ مغل پورہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: میت کی طرف سے قربانی کرنا جائز ہے اور میت کو اس کا پورا ثواب مل جاتا ہے اور قربانی کرنے والے کو بھی پورا ثواب مل جائے گا۔ (ان شاء اللہ)

عن أبی هريرة أن رسول الله ﷺ كان إذا أراد أن يضحی اشتری كبشين عظيمين سمينين أقرنين أملحين موجوءين فذبح أحدهما عن أمته لمن شهد لله بالتوحيد وشهد له بالبلاغ وذبح الآخر عن محمد وعن آل محمد ﷺ. (سنن ابن ماجه، الأضاحی، باب أضاحی رسول الله ﷺ، النسخة الهندية ٢/٢٢٥-٢٢٦، دار السلام رقم: ٣١٢٢)

لأن الموت لايمنع التقرب عن الميت بدليل أنه يجوز أن يتصدق عنه ويحج عنه وقد صح أن رسول الله ﷺ ضحی بكبشين أحدهما عن نفسه والآخر عمن لم يذبح من أمته وإن كان منهم من قد مات قبل أن يذبح. (شامی، كتاب الأضحية، كراچی ٦/٣٢٦، زكريا ٩/ ٤٧١)

سئل عمن يضحی عن الميت قال: يصنع به كما يصنع بأضحيته ...... فقيل له أتصير عن الميت قال: الأجر للميت والملك للمضحی وبه قال سلمة و ابن مقاتل وأبو مطيع. (تاتارخانية زكريا ١٧/ ٤٤٤، رقم: ٢٧٧٧١، فتاویٰ قاضيخان جديد زكريا ٣/ ٢٤٨، وعلی هامش الهندية زكريا ٣/ ٣٥٢)

الأفضل لمن يتصدق نفلا أن ينوی لجميع المومنين والمؤمنات لأنه تصل إليهم ولا ينقص من أجره شيئ. (شامی، كتاب الحج، باب الحج عن الغير مطلب: فی إهداء ثواب الأعمال للغير، زكريا ديوبند ٣/ ١٠، كراچی ٢/ ٥٩٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۳۰/ ذی قعدہ ۱۴۱۰ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۲۰۴۰)

ایک حصہ چار مرحومین اور امت محمدیہ کی طرف سے کرنا

سوال [٩٩٢٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کے خاندان کے چار افراد مرحوم ہو چکے ہیں، زید قربانی کررہا ہے ایک اپنے نام پر دوسرا حصہ چاروں مرحومین کے نام پر تو کیا ایک حصہ میں چند مرحومین کے نام سے قربانی درست ہوسکتی ہے یا نہیں؟ اور پھر ان چاروں کے ساتھ ثواب میں امت محمدیہ کو بھی شریک کرتا ہے تو ان چاروں کی طرف سے قربانی ہو جائے گی؟

المستفتی: رشید احمد بانکوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جی ہاں ایک حصہ چاروں کے ایصال ثواب کے لیے ان کے نام سے کرنا جائز ہے، نیز تمام امت محمدیہ کو بھی ثواب میں شریک کر لینا جائز ہے، اور یہ چونکہ نفلی قربانی ہے اس لیے ان چاروں کی طرف سے صحیح ہو جائے گی اور وہ حصہ بہر حال ذابح کی ملکیت ہے، مرحومین کے لیے ثواب ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ٣/٥٧٢)

عن أبی هريرة أن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم كان إذا أراد أن يضحی اشتری كبشين عظيمين سمينين أقرنين أملحين موجوء ين فذبح أحدهما عن أمته لمن شهد لله بالتوحيد وشهد له بالبلاغ و ذبح الآخرعن محمد و عن آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم. (سنن ابن ماجه، الأضاحی باب أضاحی رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم النسخة الهندية ٢/٢٢٥-٢٢٦، دار السلام رقم: ٣١٢٢)

لأن الموت لايمنع التقرب عن الميت بدليل أنه يجوز أن يتصدق عنه ويحج عنه وقد صح أن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم ضحی بكبشين أحدهما عن نفسه والآخر عمن لم يذبح من أمته و إن كان منهم من قد مات قبل أن يذبح. (شامی، كتاب الأضحية، كراچی ٦/٣٢٦، زكريا ٩/ ٤٧١)

سئل عمن یضحی عن المیت قال:یصنع به کما یصنع بأضحیته ...... فقیل له أتصیر عن المیت قال: الأجر للمیت والملک للمضحی وبه قال سلمة و ابن مقاتل وأبو مطیع. (تاتارخانیة زکریا ۱۷/ ٤٤٤، رقم: ۲۷۷۷۱، فتاویٰ قاضیخان جدید زکریا ۳/ ۲٤۸، وعلی هامش الهندیة زکریا ۳/ ۳۵۲) **فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
۲۵؍محرم الحرام ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۳۰۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۶/۱/۲۵ھ

ایک حصۂ قربانی متعدد اموات کی طرف سے کرنا

سوال [۹۹۲۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک حصہ قربانی متعدد مردوں کی طرف سے دینا درست ہے یا نہیں؟ مثلاً ایک دنبہ ہے اس کی قربانی بہت سے مردوں کی طرف سے کردی جائے، ذبح کرکے یہ دعا پڑھے ’’**اللّٰهم تقبله من زید، عمر، بکر، خالد**‘‘ اس طرح قربانی درست ہوگی؟

المستفتی: محمد غفران غفرلہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جی ہاں ایک دنبہ یا بکرا یا بڑے جانور کا ایک حصہ متعدد مردوں کی طرف سے بطور قربانی دیا جائے تو صحیح اور درست ہے، حضرت تھانویؒ نے کسی زمانہ میں عدم جواز کا فتویٰ صادر فرمایا تھا لیکن ایک سال کے بعد اس فتویٰ سے رجوع کرکے جواز کا اعلان کردیا ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۳/ ۵۷۳)

عن أبی هریرة أن رسول الله ﷺ کان إذا أراد أن یضحی اشتری کبشین عظیمین سمینین أقرنین أملحین موجوءین فذبح أحدهما عن أمته لمن شهد لله بالتوحید وشهد له بالبلاغ و ذبح الآخر عن محمد و عن آل محمد ﷺ. (سنن ابن ماجه، الأضاحی، باب أضاحی رسول الله ﷺ، النسخة الهندیة ۲/ ۲۲۵-۲۲٦، دار السلام رقم: ۳۱۲۲)

لأن الموت لايمنع التقرب عن الميت بدليل أنه يجوز أن يتصدق عنه ويحج عنه وقد صح أن رسول الله ﷺ ضحى بكبشين أحدهما عن نفسه والآخر عمن لم يذبح من أمته و إن كان منهم من قد مات قبل أن يذبح.

(شامی کتاب الأضحية كراچی ٦/ ٣٢٦، زكريا ٩/ ٤٧١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍ ربیع الاول ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۳۰۷۰)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۵/ ۳/ ۱۴۱۳ھ

نفلی قربانی کر کے سب کو ثواب پہنچانا

سوال [۹۹۲۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کسی کے نام پر قربانی کرنا اور دیگر حضرات کو ثواب میں شامل کرنے کا کیا معنی اور مطلب ہے؟

المستفتی: عبد الرشید بانکوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: کسی میت کے نام نفلی قربانی کر کے دوسروں کو ثواب پہنچانے کا مطلب یہ ہے کہ کسی ایک میت کے لیے قربانی کر کے دوسروں کو بھی ثواب میں شامل کرنا جائز ہوگا۔

عن أبي هريرة أن رسول الله ﷺ كان إذا أراد أن يضحي اشترى كبشين عظيمين سمينين أقرنين أملحين موجوءين فذبح أحدهما عن أمته لمن شهد لله بالتوحيد وشهد له بالبلاغ و ذبح الآخر عن محمد و عن آل محمد ﷺ. (سنن ابن ماجه، الأضاحي، باب أضاحي رسول الله ﷺ، النسخة الهندية ٢/ ٢٢٥-٢٢٦، دار السلام رقم: ٣١٢٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍ جمادی الثانیہ ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۵۱۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۲/ ۶/ ۱۴۱۶ھ

بڑے جانور میں تین لوگوں کا مل کر ایک حصہ میت کی طرف سے قربانی کرنیکا حکم

سوال [۹۹۲۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک بڑے جانور میں ۶/ حصے دوسرے لوگوں کے ہوں، اور ایک حصہ تین لوگ مل کر کسی میت کی طرف سے لے لیں تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

نوٹ: جواب دینے سے قبل احسن الفتاویٰ اور فتاویٰ محمودیہ پر بھی ایک نظر ڈالیں، نیز جس پہلو میں زیادہ احتیاط ہو تحریر فرمائیں۔

المستفتی: عبدالسلام رحمت نگر سہارنپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر کسی بڑے جانور میں چند لوگ مشترکہ طور پر ایک حصہ کسی میت کے لیے لیں اور اس قربانی کا ثواب اسے پہنچائیں تو یہ جائز اور درست ہے۔

وإن مات أحد السبعة المشتركين في البدنة، وقال الورثة: اذبحوا عنه وعنكم صح عن الكل استحسانا لقصد القربة من الكل. (الدر المختار، كتاب الأضحية، كراچی ۳۲۶/٦، زكريا ديوبند ٤٧١/٩، تبيين الحقائق امداديه ملتان ٧/٦، زكريا ديوبند ٤٨٤/٦، البحر الرائق كوئٹه ١٧٧/٨، زكريا ديوبند ٣٢٥/٨، مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ١٧٣/٤، هنديه زكريا قديم ٣٠٥/٥، جديد ٣٥٢/٥، تاتارخانية زكريا ٤٥٣/١٧، رقم: ٢٧٨٠٧)

نوٹ: سوالنامہ میں درج کردہ نوٹ میں فتاویٰ محمودیہ اور احسن الفتاویٰ کے حوالہ سے جو بات لکھی گئی ہے، وہ مقام ہمارا دیکھا ہوا ہے، صاحب احسن الفتاویٰ کی تحریر کا جواب صاحب فتاویٰ محمودیہ نے دے رکھا ہے اور حضرت فقیہ الامت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی نور اللہ مرقدہ کا فتویٰ صاحب احسن الفتاویٰ کے ذکر کردہ مسئلہ کے مقابلہ میں زیادہ صحیح اور معتبر ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ ذی قعدہ ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۲۱۱)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۵/۱۱/۱۴۳۱ھ

چندآدمیوں کا ایک دنبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے قربانی کرنا

سوال [۹۹۳۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ظفر کے کمرہ میں چار آدمی رہتے ہیں، عید الاضحیٰ کے موقع پر آپس میں یہ بات طے ہوئی کہ تھوڑا تھوڑا پیسہ جمع کر کے ایک دنبہ لے کر حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی فرد واحد کے نام سے قربانی کردیں، تو یہ قربانی جائز ہوگی یا نہیں؟

المستفتی: شفیع احمد بحرین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جائز اور درست ہوجاتی ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۳/۵۷۳، فتاویٰ محمودیہ قدیم ۴/۲۸۸، جدید ڈابھیل ۱۷/۴۰۵)

وإن مات أحد السبعة المشتركين فى البدنة، وقال الورثة: اذبحوا عنه وعنكم صح عن الكل استحسانا لقصد القربة من الكل. (الدر المختار، كتاب الأضحية، كراچى ٦/٣٢٦، زكريا ديوبند ٩/٤٧١، تبيين الحقائق امداديه ملتان ٦/٧، زكريا ديوبند ٦/٤٨٤، البحر الرائق كوئٹه٨/١٧٧، زكريا ديوبند ٨/٣٢٥، مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ٤/١٧٣، هنديه زكريا قديم ٥/٣٠٥، جديد ٥/٣٥٢، تاتارخانية زكريا ١٧/٤٥٣، رقم: ٢٧٨٠٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵ر صفر المظفر ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/۱۶۴۳)

ایک قربانی پوری امت محمدیہ کی طرف سے کرنے کا حکم

سوال [۹۹۳۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: قربانی کے لیے ایک جانور اور بڑے جانوروں میں ایک حصہ فی کس ادائے

واجب کے لیے ضروری ہے، کیا اس طرح نفلی قربانی میں بھی حکم ہے، اگر شخص واحد ایک جانور یا ایک حصہ پوری امت محمدیہ یا تمام صحابہ کی طرف سے کر دے تو اس کے ثواب میں سب کی شرکت ہوگی یا نہیں؟ اور اس قربانی کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: عبداللہ مدرسہ فرقانیہ گونڈہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: شخص واحد اگر ایک جانور یا ایک حصہ کی قربانی چند اشخاص یا پوری امت محمدیہ علی صاحبہا الصلاۃ والسلام کی طرف سے کرتا ہے تو اس میں تمام لوگوں کی شرکت ہوتی ہے، اور اس کا ثواب سب کو پہنچتا ہے اور اس طرح قربانی صحیح ہو جاتی ہے۔

(مستفاد: مسائل قربانی ۲۸، فتاویٰ محمودیہ قدیم ۴/ ۲۸۸، ۱۴/ ۳۳۶، جدید ڈابھیل ۱۷/ ۴۰۴-۴۰۵)

عن أبي هريرة أن رسول الله ﷺ كان إذا أراد أن يضحي اشترى كبشين عظيمين سمينين أقرنين أملحين موجوءين فذبح أحدهما عن أمته لمن شهد لله بالتوحيد وشهد له بالبلاغ و ذبح الآخر عن محمد و عن آل محمد ﷺ. (سنن ابن ماجه، الأضاحي، باب أضاحي رسول الله ﷺ، النسخة الهندية ۲/ ۲۲۵-۲۲۶، دار السلام رقم: ۳۱۲۲)

لأن الموت لا يمنع التقرب عن الميت بدليل أنه يجوز أن يتصدق عنه ويحج عنه وقد صح أن رسول الله ﷺ ضحى بكبشين أحدهما عن نفسه والآخر عمن لم يذبح من أمته و إن كان منهم من قد مات قبل أن يذبح. (شامي، كتاب الأضحية، كراچی ۶/ ۳۲۶، زكريا ۹/ ۴۷۱)

وإن مات أحد السبعة المشتركين فى البدنة، وقال الورثة: اذبحوا عنه وعنكم صح عن الكل استحسانا لقصد القربة من الكل. (الدر المختار، كتاب الأضحية، كراچی ۶/ ۳۲۶، زكريا ديوبند ۹/ ۴۷۱، تبيين الحقائق امداديه ملتان ۶/ ۷، زكريا ديوبند ۶/ ۴۸۴، البحر الرائق كوئٹه ۸/ ۱۷۷، زكريا ديوبند ۸/ ۳۲۵، مجمع

الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ٤/١٧٣، هنديه زكريا قديم ٥/٣٠٥، جديد ٥/٣٥٢، تاتارخانية زكريا ١٧/٤٥٣، رقم: ٢٧٨٠٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/ذی الحجہ ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۵۳۰)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۷/۱۲/۱۴۱۸ھ

۵ باب الشرکة فی الأضحیة

اجتماعی قربانی

سوال [۹۹۳۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کیا اجتماعی قربانی جائز ہے، جبکہ صاحب قربانی کو نہ اپنے جانور کا علم ہے اور نہ ہی اپنے جانور کی قیمت کا علم ہے؟

المستفتی: حنیف اندوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اجتماعی قربانی دوطرح سے ہوسکتی ہے(۱) سات آدمی بڑے جانور میں شریک ہوکر قربانی کردیں، سات آدمی برابر پیسہ دیکر سات بکرے اکٹھے لے آئیں، اور کس کا جانور کونسا ہے؟ یہ متعین کیے بغیر ذبح کردیں، تو اس طرح قربانی جائز اور درست ہے۔

اشتریٰ سبعة نفر سبع شیاه بینهم، ولم یسم لکل واحد منهم شاة بعینها فضحوا بها کذٰلک، فالقیاس أن لایجوز وفی الاستحسان یجوز. (هندیه، کتاب الأضحیة، الباب الثامن فیما یتعلق بالشرکة فی الضحایا، زکریا قدیم ۳۰٦/۵، جدید ۳۵۳/۵)

(۲) دوسری شکل یہ ہے کہ ایک شخص کے پاس مختلف لوگوں نے اپنی اپنی قربانی کے لیے پیسہ بھیج دیا اور وہ شخص سب کی طرف سے وکیل بن کر سب کی قربانی کی نیت سے بڑا جانور خرید لے یا ان لوگوں کی تعداد کے مطابق چھوٹے جانور خرید لے، پھر ان سب کی طرف سے تعیین کیے بغیر ان کی طرف سے قربانی کی نیت سے سب جانوروں کو ذبح کردے، تو اس طرح سے بھی سب کی طرف سے قربانی جائز اور درست ہوجاتی ہے، لہٰذا مدارس میں مختلف لوگوں کی جو اجتماعی قربانی ہوتی ہے، وہ بلاشبہ جائز اور درست ہے، اسی طرح اگر صرف خریداری کے وقت ہر ایک کا جانور متعین ہوجائے کہ فلاں جانور فلاں کے لیے پھر اس کے بعد ذبح کے وقت ان کی طرف

سے نیت کیے بغیر صرف بسم اللہ پڑھ کر حلال کر دینے سے قربانی درست ہو جاتی ہے۔

ومنها أن تجزئ فيها النيابة فيجوز للإنسان أن يضحي بنفسه و بغيره بإذنه. (بدائع الصنائع، كتاب التضحية، فصل في كيفية الوجوب، زكريا ٤/ ٢٠٠، كراچی ٥/ ٦٧، هنديه زكريا جديد ٥/ ٣٣٩، قديم ٥/ ٢٩٤)

وأما الضحايا فلا بد فيها من النية لكن عند الشراء لا عند الذبح. (الأشباه والنظائر، قديم ١/ ٤٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵ ربیع الاول ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۵۲۳)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری
۱۵/ ۳/ ۱۴۲۹ھ

اجتماعی قربانی میں نیت کا حکم

سوال [۹۹۳۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کیا اجتماعی قربانی میں بوقت ذبح نام لینا ضروری ہے یا صرف نیت کافی ہے؟

المستفتی: حنیف اندوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اجتماعی قربانی میں بوقت ذبح نام لینا ضروری نہیں ہے، صرف خریدتے وقت نیت کر لینا کافی ہے، اور اگر خریدتے وقت نیت نہیں کی ہے تو بوقت ذبح نیت کر لینا بھی کافی ہے۔

وأما الضحايا فلا بد فيها من النية لكن عند الشراء لا عند الذبح.

(الأشباه والنظائر قديم ص: ٤٠ وهكذا في الهندية زكريا قديم ٥/ ٢٩٤، جديد ٥/ ٣٤٠، مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ٤/ ١٧٥، مصري قديم ٢/ ٥٢٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵ ربیع الاول ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۵۲۳)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۵/ ۳/ ۱۴۲۹ھ

بڑے جانور میں عین قربانی کے وقت شریک ہونا

سوال [۹۹۳۴]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص اپنے گھر والوں کے لیے ایک قربانی کا جانور خرید کر لایا اور عین قربانی کے وقت ایک دوسرا شخص شامل ہونا چاہتا ہے؟ تو کیا حکم ہے؟

المستفتی: فروغ احمد کشن گنج

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: گھر والوں میں سے جن پر قربانی واجب ہے، ان سب کے حصوں کے بعد بھی ایک دو حصے فاضل ہیں تو ذبح سے پہلے پہلے ان فاضل حصوں میں دوسروں کو شامل کرلینا جائز ہے، کوئی مضائقہ نہیں۔

عن جابر –رضي الله عنه– قال: نحرنا بالحديبية مع رسول الله ﷺ البدنة عن سبعة والبقرة عن سبعة. (مسند أحمد بن حنبل ۳/ ۲۹٤، رقم: ١٤١٧٣ – ١٤٢٧٨ – ١٥١٠٩ – ١٥١١١)

لأن المراد أنها تجزئ عن سبعة بنية القربة من كل منهم. (شامی، کتاب الأضحية، زكريا ۹/ ٤٥٧، کراچی ٦/ ٣١٦، مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ٤/ ١٦٨، مصری قدیم ٢/ ٥١٧، بدائع الصنائع زكريا ٤/ ٢٠٧، کراچی ٥/ ٧١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم ذی الحجہ ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۲۴۴)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/۱۲/۱ھ

دو، تین یا چار افراد ایک بڑے جانور میں برابر شریک ہوسکتے ہیں؟

سوال [۹۹۳۵]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک بڑا جانور دو شخص کے درمیان برابر تقسیم یا تین کے درمیان برابر تقسیم یا چار یا

پانچ کے درمیان برابر تقسیم کے بارے میں مدلل جواب تحریر فرمائیں؟

المستفتی: محمد صابر غفرلہ، خادم مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایک بڑے جانور میں دو آدمی، تین آدمی، چار آدمی، پانچ آدمی، چھ آدمی بھی شریک ہوسکتے ہیں، سات آدمی کا ہونا ضروری نہیں ہے، لہٰذا اگر دو آدمی برابر برابر تقسیم کرلیں یا تین آدمی مل کر قربانی کردیں تو یہ جائز اور درست ہے۔

ولو كانت البدنة بين اثنين نصفان يجوز في الأصح؛ لأن نصف السبع يكون تبعا لثلاثة أسباع. (تبيين الحقائق، كتاب الأضحية، امداديه ملتان ٦/٤، زكريا ٦/٤٧٦)

ويجوز ذٰلك عن سبعة أو أقل من ذٰلك (إلى قوله) ولا شك في جواز بدنة أو بقرة عن أقل من سبعة بأن اشترك اثنان أو ثلاثة، أو أربعة، أو خمسة أو ستة في بدنة أو بقرة؛ لأنه لما جاز السبع فالزيادة أولىٰ. (بدائع الصنائع، كتاب التضحية، زكريا ٤/٢٠٧، كراچی ٥/٧١، مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ٤/١٦٨، مصری قديم ٢/٥١٧) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍ذی الحجہ ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/۱۵۳۰)

بڑے جانور میں صرف پانچ یا دو آدمیوں کا قربانی کرنا

سوال [۹۹۳۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) کہ قربانی کے لیے ایک بڑا جانور خریدا گیا اس میں پانچ آدمی حصہ دار ہیں ابھی پورے سات حصے مکمل نہیں ہوئے تھے، اور آخر تک بقیہ دو حصوں کے لیے کوئی تیار نہ ہوسکا، پھر اس جانور کی قربانی انہیں پانچ لوگوں کی طرف سے کردی گئی۔

اب دریافت یہ کرنا ہے کہ پانچ لوگوں کی طرف سے اس پورے جانور کی قربانی صحیح

ہوئی یا نہیں؟ جبکہ اس میں ابھی دو حصے متعین نہیں ہوئے تھے؟

(۲) اسی طرح اگر ایک بڑا جانور دو آدمیوں نے برابر برابر رقم دے کر خریدا اور دونوں نے سات حصے متعین نہ کرکے اپنے اپنے ناموں سے قربانی کردی، تو شرعاً یہ قربانی درست ہوگی یا نہیں؟

المستفتی: سید محمد ضیاء الاسلام سہارنپوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر پانچ آدمیوں نے برابر برابر قیمت دے کر پورے جانور کی قربانی کردی ہے تو سب کی طرف سے قربانی صحیح ہوگی اور جانور بجائے سات حصے کے پانچ کا ہوجائے گا۔

وتجوز عن ستة و خمسة أو أربعة أو ثلاثة لأنه لما جاز عن سبعة فما دونها أولىٰ. (البحر الرائق، كتاب الأضحية، كوئٹه ۸/۱۷٤، زكريا ۸/۳۱۹، مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ٤/۱٦۸، مصرى قديم ۲/۵۱۷، تبيين الحقائق امداديه ملتان ٦/٤، زكريا ٦/٤۷٦، هنديه زكريا قديم ۵/۳۰٤، جديد ۵/۳۵۱، هدايه اشرفى ٤/٤٤٤)

(۲) اسی طرح سات حصے والے بڑے جانور کو صرف دو آدمی مل کر برابر برابر قیمت دے کر اپنی طرف سے قربانی کردیں تب بھی جائز ہے۔

ولو كانت البدنة بين اثنتين نصفين تجوز فى الأصح. (هدايه كتاب الأضحية، اشرفى ٤/٤٤۵، تبيين الحقائق امداديه ملتان ٦/٤، زكريا ٦/٤۷٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰ر محرم الحرام ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۶۳۹۸)

ایک جانور کے چھ شرکاء کا ساتویں حصہ میں برابر کا شریک ہونا؟

سوال [۹۹۳۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ عیدالاضحیٰ کے موقع پر چھ افراد نے ایک جانور بھینس کٹڑا وغیرہ مبلغ ۶۰۰ر سو روپیہ سے خریدا، اور چھ کے چھ نے اس جانور میں برابر کی شرکت کے ساتھ قربانی کر دی، یعنی ہر ایک نے سو سو روپئے ادا کیے، ساتویں حصے کا کوئی تذکرہ نہیں، گوشت برابر تقسیم کر دیا، تو کیا تمام چھ افراد کی قربانی درست ہوئی یا نہیں؟ اس صورت میں ساتواں حصہ ناقص رہا، جو چھ جگہ تقسیم ہو گیا جبکہ قربانی میں کوئی حصہ ناقص نہ ہونا چاہیے؟

المستفتی: محمد صابر خادم مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بڑے جانور میں چھ افراد شریک ہوکر ہر ایک مستقل ایک ایک حصہ لے کر ساتواں حصہ میں سب کا برابر شریک ہوجانا درست اور جائز ہے، اس سے کسی کی قربانی پر کسی قسم کا اثر مرتب نہ ہوگا، سب کی قربانی صحیح ہو جائے گی، کیونکہ ساتواں حصہ اگر چہ مستقل حصہ نہیں ہے لیکن مستقل حصوں کے تابع ہوکر فی الجملہ تقرب الی اللہ میں داخل ہے۔

وتجوز عن ستة أو خمسة أو أربعة أو ثلاثة ذكره محمد في الأصل، لأنه لما جاز عن سبعة فما دونها أولىٰ. (البحر الرائق، كتاب الأضحية، كوئٹه ۱۷٤/۸، زكريا ۳۱۹/۸، مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ١٦٨/٤، مصرى قديم ٥١٧/٢، بدائع الصنائع، زكريا ٢٠٧/٤، كراچى ٧١/٥، تبيين الحقائق امداديه ملتان ٣/٦، زكريا ٤٧٦/٦، شامى زكريا ٤٥٧/٩، كراچى ٣١٦/٦، هدايه اشرفى ٤٤٤/٤، هنديه زكريا قديم ٣٠٤/٥، جديد ٣٥١/٥)

لأن ذٰلک النصف وإن لم يصر أضحية؛ لكنه صار قربة تبعاً للأضحية، وكم من شيئ ثبت ضمناً ولا يثبت قصداً وله نظائر كثيرة؛ منها إذا ضحى شاة فخرج من بطنها جنين حي، فإنه يجب عليه أن يضحيها وإن لم تجز أضحيته ابتداءً. (البناية اشرفيه ١٩/١٢، قديم ١٧٣/٤) **فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
۲ر ذی الحجہ ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۵۳۰/۳۵)

قربانی کے جانور میں آٹھ لوگوں کا شرکت کرنا

سوال [۹۹۳۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک بڑے جانور کے اندر غلطی سے آٹھ حضرات شریک ہوگئے اور سب کی طرف سے اس بڑے جانور کو قربان کردیا گیا، جب گوشت تقسیم کرنے کا نمبر آیا تو اس وقت معلوم ہوا کہ شرکاء آٹھ ہوگئے ہیں، اگر ان آٹھ شرکاء میں سے اس وقت کوئی ایک شریک علاحدہ ہوجائے اور اس کے پیسے واپس کردیے جائیں تو باقی سات شرکاء کی طرف سے قربانی درست ہوسکتی ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد انور حسین، نوگاؤں، آسام

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آٹھ آدمی کی شرکت میں اگر یکے بعد دیگرے علی الترتیب پیسے جمع کیے ہیں اور سات آدمی مکمل ہونے کے بعد آخر میں آٹھویں آدمی نے پیسے جمع کیے ہیں تو ایسی صورت میں آخر میں جس سے پیسے جمع کیے گئے ہیں اس کی طرف سے قربانی درست نہیں ہوئی ہے، کیونکہ اس کی شرکت ہی درست نہیں ہوئی ہے، اس لیے آٹھویں کو چھوڑ کر بقیہ ساتوں کی قربانی درست ہوگئی اور اگر بغیر ترتیب کے آٹھ آدمی شریک ہوگئے ہیں اور آخر میں کس کے پیسے جمع ہوئے ہیں، اس کا پتہ ہی نہیں ہے بلکہ آٹھ آدمیوں نے شریک ہوکر ایک جانور خریدلیا ہے، بعد میں پتہ چلا کہ سات کے بجائے آٹھ کی طرف سے قربانی ہوئی ہے تو ایسی صورت میں کسی کی بھی قربانی درست نہیں ہوئی ہے۔

والبقر والبعير يجزئ عن سبعة إذا كانوا يريدون به وجه الله تعالىٰ، والتقدير بالسبع يمنع الزيادة ولايمنع النقصان ...... ولو اشترىٰ بقرة يريد أن يضحى بها ثم أشرك فيها ستة يكره ويجزيهم (إلى قوله) إلا أن يريد حين اشتراها أن يشركهم فيها فلا يكره و إن فعل ذلك قبل أن يشريها كان أحسن. (عالمگیری، الباب الثامن فيما يتعلق بالشركة فى الضحايا، زكريا قديم ٥/٣٠٤، جديد ٥/٣٥١)

وإذا كان الشركاء فى البدنة أو البقرة ثمانية لم يجزهم لأن نصيب أحدهم

أقل من السبع. (عالمگیری، الباب الثامن فیما یتعلق بالشرکة فی الضحایا زکریا قدیم ۳۰۵/۵، جدید ۳۵۲/۵، البحر الرائق کوئٹه ۱۷٤/۸، زکریا ۳۱۹/۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍صفر المظفر ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۹۷۶/۴۰)

سات سو افراد کی طرف سے لاعلی التعیین سو بڑے جانور کی قربانی

سوال [۹۹۳۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مغربی ممالک سے مختلف لوگوں نے ہندوستان کے مدرسے میں قربانی کے لیے پیسے بھیجے، مدرسے والوں نے سب کی فہرست تیار کی، جس میں سات سو حصے جمع ہوگئے، اب مدرسے والوں نے ان سات سو لوگوں کی طرف سے قربانی کے لیے لم سم سو بڑے جانور خریدے، اس میں یہ تعین نہیں ہوا کہ کس جانور میں کس کا حصہ ہے، تو مدرسے والوں نے سو جانور خرید کر ان سات سو کی طرف سے قربانی کردی ہے، تو سب کی قربانی درست ہوگئی یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مدرسے والوں نے ان سات سو کی طرف سے سو بڑے جانور خرید کر لاعلی التعیین ایک ایک حصہ سب کی طرف سے نیت کر کے کردیا تو سب کی قربانی درست ہوگئی۔

اشتریٰ کل واحد منهم شا ة للأضحية، أحدهم بعشرة والآخر بعشرين والآخر بثلاثين وقيمة كل واحدة مثل ثمنها فاختلطت حتی لایعرف كل واحد منهم شاته بعينها واصطلحوا علی أن يأخذ كل واحد منهم شاة فيضحی بها أجزأتهم. (هنديه، الباب الثامن فيما يتعلق بالشركة فی الضحايا، زكريا قديم ۳۰۵/۵، جديد ۳۵۲/۵، شامی كراچی ۳۲۷/٦، زكريا ٤۷۲/۹)

اشتریٰ سبعة نفر سبع شياه بينهم ولم يسم لكل واحد منهم شاة بعينها

فضحوا بها كذٰلك فالقياس أن لايجوز، وفي الاستحسان يجوز. (هنديه، كتاب الأضحية، الباب الثامن فيما يتعلق بالشركة في الضحايا، زكريا قديم ٥/٣٠٦، جديد ٥/٣٥٣)

وعلى هذا إذا غلط رجلان فذبح كل واحد منهما أضحية صاحبه عن نفسه أنه يجزئ كل واحد منهما أضحية عنه استحسانا. (بدائع الصنائع، كتاب التضحية، زكريا ٤/٢٠١، كراچی ٥/٦٧، هدايه اشرفی ٤/٤٥١، هنديه زكريا قديم ٥/٣٠٢، جديد ٥/٣٤٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/۱۲/۱۴۳۴ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: (۴۰/۱۱۳۴۰)

پانچ بڑے جانوروں میں ۳۵/لوگوں کا حضور ﷺ کی طرف سے قربانی کرنے کا حکم

سوال [۹۹۴۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے علاقہ میں ایک مدرسہ ہے جس کے زیر انتظام بڑے جانوروں کی قربانی ہوتی ہے، مدرسہ کی طرف سے عید الاضحیٰ کے موقعہ پر تخمینہ لگا کر اعلان کر دیا جاتا ہے کہ بڑے جانور میں فی حصہ قربانی کا اتنا صرفہ ہوگا، مختلف حضرات اپنے اور متعلقین کے لیے قربانی کا وکیل بنا کر متعینہ رقم مدرسہ کو ادا کرتے ہیں، بعض حضرات حضور ﷺ اور دیگر انبیاء اور اولیاء کی طرف سے قربانی کا بھی وکیل بناتے ہیں ذمہ داران مدرسہ کا یہ طریقہ ہے کہ جس ترتیب سے نام آتے ہیں وہ اسی ترتیب سے سات سات ناموں کے لیے ایک ایک جانور متعین کرتے چلے جاتے ہیں لیکن ایک نام سے ہونے والی متعدد قربانیوں کو ترتیب سے ہٹا کر ایک ساتھ کر لیتے ہیں، مثلاً حضور ﷺ کی طرف سے قربانی کے لیے ۳۵/ حصے آئے تو یہ قربانیاں اندراج کی ترتیب سے نہ کر کے ایک ساتھ پانچ جانور قربان کر دیتے ہیں، گذشتہ کئی سالوں سے یہ معمول جاری تھا، لیکن اس سال بعض احباب نے یہ شبہ پیش کیا کہ اس صورت میں حضور ﷺ کی طرف سے صرف پانچ قربانیاں منعقد ہوتی ہیں، ۳۵/نہیں، اور آپ کو ۳۵/

قربانیوں کا وکیل بنایا گیا ہے اس لیے یا تو آپ ۳۵؍ جانور قربان کریں یا ایک جانور میں ایک ایک حصہ حضور ﷺ کا رکھیں، اس سے ۳۵؍ قربانیاں بھی ادا ہو جائیں گی، اور جن قربانیوں میں حضور ﷺ کے حصہ کی شرکت ہو جائے گی وہ عند اللہ زیادہ مقبول ہوں گی، برائے مہربانی وضاحت فرمائیں کہ پہلے سے جاری طریقہ پر قربانی کرنے میں مؤکلین کی منشاء کے مطابق ۳۵؍ قربانیاں ادا ہوں گی یا نہیں؟ بہر صورت بہتر شکل کیا ہوگی؟

مزید ایک بات کی وضاحت فرمائیں کہ جانوروں کی کثرت کی وجہ سے یہ بہت مشکل ہوتا جا رہا ہے کہ ہر ہر جانور پر ذبح کرنے والا ناموں کی پرچی لے کر کھڑا رہے، اور ذبح کے بعد سارے نام لیا کرے، تو کیا اس بات کی گنجائش ہے کہ دل میں نیت کر لے کہ وکلاء نے جن لوگوں کے نام دیئے ہیں ان میں سے سات افراد کی طرف سے یہ قربانی کر رہا ہوں، اور زبانی تمام نام نہ لے؟

المستفتی: عبد الرحمٰن بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ فی السوال صورت میں پانچ بڑے جانوروں میں بلا شبہ ۳۵؍ قربانیاں حضور پاک ﷺ کے نام سے درست ہو جاتی ہیں، اس لیے کہ ایک بڑے جانور میں سات حصے کرنا شرعاً درست ہے، لہٰذا پانچ جانوروں میں پینتیس آدمیوں کی طرف سے حضور پاک ﷺ کے نام سے حصے کرنا بلا شبہ درست ہے، اور جو لوگ اس کو ناجائز کہتے ہیں ان کی بات درست نہیں ہے، سوالنامہ میں دوسرا جزئیہ پوچھا گیا ہے کہ ذبح کے وقت ہر ایک حصہ دار کا نام لینا ضروری ہے یا صرف دل میں نیت کرنا کافی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جانور خریدتے وقت جن جن لوگوں کے نام متعین کر لیے جاتے ہیں وہی کافی ہو جاتا ہے وہ جانور انہیں ناموں کے ساتھ متعین سمجھا جاتا ہے، پھر ذبح کرتے وقت سب کا نام لینے کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ صرف نیت کر لینا کافی ہے، اور بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر ذبح کر دیا جائے۔

ذبح المشتراة لها بلا نية الأضحية جازت اكتفاء بالنية عند الشراء.

(عالمگیری، کتاب الأضحية، الباب الثاني في وجوب الأضحية بالنذر وما هو في معناه، زكريا قديم ٥/٢٩٤، جديد ٥/٣٤٠، مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ٤/١٧٥، مصري قديم ٢/٥٢٢)

وأما الضحايا فلا بد فيها من النية لكن عند الشراء لا عند الذبح. (الأشباه والنظائر قديم ص: ٤٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷؍ربیع الاول ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۰۱۲)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۳/۱۷ھ

سوآدمیوں کی طرف سے لاعلی التعیین سوبکرے قربان کردینا

سوال [۹۹۴۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مدرسے میں سوآدمیوں نے قربانی کا پیسہ بھیجا، مدرسے والوں نے سوبکرے خرید کران کی طرف سے قربان کردے، یہ متعین نہیں کیا کہ کونسا بکرا کس کی طرف سے ہے، اس صورت میں ان سب کی قربانی درست ہوگئی یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مدرسہ میں سوآدمیوں نے قربانی کے لیے پیسے بھیجے، مدرسے والوں نے سوبکرے خرید کر لاعلی التعیین ان کی طرف سے قربان کردیئے تو سب کی قربانی درست ہوگئی۔

اشترىٰ سبعة نفر سبع شياه بينهم ولم يسم لكل واحد منهم شاة بعينها فضحوا بها كذٰلك، فالقياس أن لايجوز وفي الاستحسان يجوز. (هنديه، كتاب الأضحية، الباب الثامن فيما يتعلق بالشركة في الضحايا، زكريا قديم ٥/٣٠٦، جديد ٥/٣٥٣)

لو اختلطت الغنم فضحى كل واحد واحدة ورضوا بذٰلك جاز. (هنديه، الباب الثامن فيما يتعلق بالشركة في الضحايا، زكريا قديم ٥/٣٠٦، جديد ٥/٣٥٣، شامي كراچي ٦/٣٢٩، زكريا ٩/٤٧٧، بدائع الصنائع زكريا ٤/٢٠١، كراچي ٥/٦٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍ذی الحجہ ۱۴۳۴ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۳۳۷)

نائی کی شرکت کے ساتھ دوسرے شرکاء کی قربانی بلا کراہت درست

سوال [۹۹۴۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: قربانی کے جانور کے شرکاء میں اگر کوئی نائی ہو جو داڑھی بھی مونڈتا ہو تو اس کی وجہ سے اس جانور کی قربانی میں کوئی فرق آئیگا یا نہیں؟

المستفتی: عبداللہ مدرسہ فرقانیہ گونڈہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صاحبین کے اصول کے مطابق تعاون علی المعصیت کی وجہ سے نائی کی کمائی مکروہ تنزیہی ہے اور مکروہ تنزیہی حلال کے قریب قریب ہوتا ہے، اور حضرت امام ابوحنیفہؒ کے اصول کے مطابق بلا کراہت حلال ہے۔

لہٰذا جس جانور میں نائی کی شرکت ہو اس جانور کی قربانی میں کوئی فرق نہیں آئے گا، بلکہ تمام شرکاء کی قربانی بلا شبہ درست ہو جائے گی۔

كراهة تنزيهية ما كانت إلى الحل أقرب وهى تقابل ترك السنة.

(لغة الفقهاء ص: ۳۷۹)

إذا استاجر رجلا لينحت له طنبورا أو بربطا ففعل يطيب له الأجر إلا أنه يأثم فى الإعانة على المعصية. (تاتارخانية زكريا ۱۵/۱۳۱، رقم: ۲۲۴۳۷)

ويكره له أن يستاجر امرأة حرة أو أمة ليستخدمها و يخلو بها لقوله صلى الله عليه وسلم: لايخلون رجل بامرأة ليس منها بسبيل فإن ثالثهما الشيطان ولأنه لا يأمن من الفتنة على نفسه أو عليها إذا خلا بها ولكن هذا النهى لمعنى من غير العقد فلا يمنع صحة الإجارة وجوب الأجر إذا عمل كالنهى عن البيع وقت النداء. (المبسوط للسرخسى، دار الكتب العلمية بيروت ۱۶/۵۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲ ر صفر المظفر ۱۴۳۵ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۴۴۷)

سات شرکاء میں سے ایک کا پیسہ سود یا صدقہ کا ہے

سوال [۹۹۴۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: سات آدمیوں نے مل کر ایک بڑا جانور قربانی کے لیے خریدا، ان سات میں سے ایک کا پیسہ سود کا ہے، اور ایک کا سٹے کا ہے تو ایسی صورت میں اس پورے جانور کی قربانی کا کیا حکم ہے؟ سود اور سٹے داروں کی قربانی کا کیا حکم ہے؟ ان کے حرمت کی خباثت کی نحوست دوسرے شرکاء کے حصوں میں پہنچے گی یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سات آدمیوں نے قربانی کے لیے جو بڑا جانور خریدا ہے جس میں سود اور سٹے کا پیسہ شامل ہے تو ایسی صورت میں اولاً جس کا پیسہ سود کا ہے، اور جس کا سٹے کا ہے، ان کی قربانی درست نہ ہوگی، نیز ان کی حرمت کی خباثت کی وجہ سے سارے شرکاء کی قربانی صحیح نہ ہوگی۔ (مستفاد: جامع الفتاویٰ ۴/ ۲۷۷، کفایت المفتی زکریا ۱۹۰، جدید زکریا مطول ۱۲/ ۹۶، احسن الفتاویٰ ۷/ ۵۰۳)

ولـو ذبـحـوهـا بلا إذن الورثة لم يجزهم لأن بعضها لم يقع قربة وإن كـان شـريک الستة نـصـرانيـا أو مريدا اللحم لم يجز عن واحد منهم لأن الإراقة لا تتجزأ. (شامی، کتاب الأضحية، زكريا ۹/ ٤٧٢، كراچی ٦/ ٣٢٦)

وكـذا إذا كـان عبدا أو مدبرا يريد الأضحية لأن نيته باطلة لأنه ليس مـن أهـل هـذه الـقـربة فكان نصيبه لحما فمنع الجواز أصلا. (شـامی، کتاب الأضحية، كراچی ٦/ ٣٢٦، زكريا ٩/ ٤٧٢)

أو كـان شـريک السبـع مـن يـريد اللحم أو كان نصرانيا و نحو ذلک لايـجوز للآخرين. (هـنـديـه، البـاب الثـامـن فيـمـا يتعلق بالشركة في الضحايا، زكريا قديم ٥/ ٣٠٤، جديد ٥/ ٣٥١، فتاویٰ سراجیه اتحاد ص: ٣٨٦)

وفـي الـكـافـي: وإن كان شريک الستة نصرانيا أو رجلا يريد اللحم لم يجز عن واحد منهم. (فتاویٰ تاتارخانية زكريا ١٧/ ٤٥٤، رقم: ٢٧٨١١)

وفي الكافي: ولو ذبحها الباقون بغير إذن الورثة لايجزيهم لأنه لم يقع بعضها قربة لعدم الإذن منهم فلم يقع الكل قربة ضرورة عدم التجزئ.

(تاتارخانية زكريا ۱۷/٤٥٤، رقم: ۲۷۸۰۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۱/ ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ

(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۳۱۱)

بینک کے ملازم کو قربانی میں شریک کرنے کا حکم

سوال [۹۹۴۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے یہاں ایک صاحب بینک میں ملازم ہیں جو تنخواہ ملتی ہے اسی پر ان کا گذران ہے، انہوں نے قربانی کے جانور میں حصہ لیا، معلوم یہ کرنا ہے کہ اس ملازم کی قربانی درست ہے؟ اور اس کے ساتھ جن بقیہ چھ حصہ داروں نے شرکت کی تھی، ان کی قربانی درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: عبدالرشید قاسمی سیڑھا بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: احسن الفتاویٰ میں بینک میں ملازمت کرنے والے کی تنخواہ اور اجرت کو بالکل ناجائز کہا ہے، اور اس کے ساتھ شریک ہوکر قربانی کرنے والوں میں سے کسی کی بھی قربانی درست نہ ہوگی، اس مسئلے کے لکھنے کے بعد انہوں نے دلیل میں جو جزئیات پیش کیے ہیں، وہ اس مسئلہ کے موافق نہیں ہیں، کیونکہ جزئیات میں جو نظائر پیش کیے گئے ہیں وہ غیر مسلم، یہودی اور نصرانی کے ساتھ قربانی میں شرکت سے متعلق ہیں، اور غیر مسلم، یہودی اور نصرانی کی قربانی شرعی طور پر صحیح نہیں ہوتی ہے، اس لیے ان کی پیش کردہ دلیل اور مسئلہ ہمارے حلق سے نیچے نہیں اترتا۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ زکریا ۷/ ۵۰۳)

بلکہ اس کے خلاف دلیل اور نظائر ہمارے سامنے ہیں، مثلاً اگر کسی شخص نے دوسرے کو اپنی دیوار پر تصویر بنانے کے لیے اجرت پر لیا تو تصویر بنانے کا کام اس کے لیے ناجائز اور

مکروہ ہے، مگر حق المحنت کی وجہ سے اجرت اس کے لیے جائز ہے، اسی طرح کسی مسلمان کو، کوئی غیر مسلم مندر بنانے کے لیے اجرت پر لائے، اور مسلمان، مندر یا گردوارہ یا عیسائیوں کا چرچ بنا دے تو اس مسلمان کے لیے حق المحنت کی وجہ سے اجرت حلال اور جائز ہے، نیز غیر مسلم نے کسی مسلمان کو خنزیر چرانے کے لیے اجرت پر لیا، اور مسلمان خنزیر چرالے، تو خنزیر چرانا تو اس کے لیے جائز نہیں، لیکن حق المحنت کی وجہ سے اس کی اجرت اس کے لیے جائز ہے، نیز شراب بنانے والا، شراب نچوڑنے والا، بیچنے والا، اس کی خدمت کرنے والا، ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے والا، سب مستحق لعنت اور گنہگار ہوتے ہیں، لیکن شراب ڈھو کر لے جانے والے کے لیے اپنی حق المحنت اور اجرت لینا امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بلا کراہت جائز ہے، اور صاحبین کے نزدیک کراہت کے ساتھ جائز ہے۔

اسی طرح حضور ﷺ نے سود لینے والے، سود دینے والے، اس کا حساب و کتاب لکھنے والے اور اس کا گواہ بننے والے پر لعنت فرمائی ہے، اس لیے بینک کے ملازم کے لیے سودی حساب و کتاب کا لکھنا باعث لعنت اور باعث گناہ ہے، لیکن اس ملازمت کی تنخواہ، حق المحنت کی وجہ سے مذکورہ دلائل کی روشنی میں اس کے لیے حرام نہیں ہونی چاہیے، بلکہ حلال اور جائز ہوگی، اس لیے ہم بینک کے ملازم کی تنخواہ کو جائز سمجھتے ہیں، اور اس کے ساتھ قربانی میں شرکت بھی جائز سمجھتے ہیں، جن نظائر کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے وہ ذیل میں ملاحظہ فرمائیے:

عن محمد: رجل استاجر رجلا ليصور له صورا أو تماثيل الرجال في بيت أو فسطاط فإني أكره ذٰلک و أجعل له الأجر ...... وقوله ...... ولو استاجر الذمي مسلما ليبني له بيعة أو كنيسة جاز ويطيب له الأجر كذا في المحيط. (هنديه كتاب الإجارة، الباب السادس عشر في مسائل الشيوع في الإجارة، زكريا قديم ٤/٤٥٠، جديد ٤/٤٨٦، الفتاویٰ التاتارخانية زكريا ١٥/١٣٠، رقم: ٢٢٤٣١، ١٥/١٣١، رقم: ٢٢٤٣٨)

وفي الشامية: وعلى هذا الخلاف لو آجره دابته لينقل عليها الخمر أو أجره نفسه ليرعى له الخنازير يطيب له الأجر عنده و عندهما يكره ......

وقوله ...... أو خياطا أمره أن يتخذ له ثوبا على زى الفساق يكره له أن يفعل لأنه سبب التشبه بالمجوس والفسقة. (شامی، کتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره، فصل فی البيع زكريا ٥٦٢/٩، كراچی ٣٩٢/٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲ ربیع الاول ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۴۸۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۳/۲ھ

مالداروں کے ساتھ فقیروں کی قربانی

سوال [۹۹۴۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: سات آدمیوں نے مل کر ایک بڑا جانور خریدا، ان میں سے ۲ر آدمی فقیر ہیں جن کے اوپر قربانی واجب نہیں ہے، تو ایک ہی جانور کے اندر سرمایہ داروں کے ساتھ ۲ر فقیروں کی قربانی درست ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صحت قربانی کے لیے قربت شرط ہے، خواہ قربت کی جہت میں اختلاف ہی کیوں نہ ہو، لہٰذا مسئولہ صورت میں سرمایہ داروں کے ساتھ فقیروں کی قربانی بھی درست ہے، جبکہ سب کی نیت قربت کی ہو۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۱۵/۵۵۴)

ولو أرادوا القربة أي الأضحية أو غيرها من القرب أجزأهم و سواء كانت القربة واجبة أو تطوعاأو وجب على البعض دون البعض سواء اتفقت جهات القربة أو اختلفت. (هنديه، الباب الثامن فيما يتعلق بالشركة فى الضحايا، زكريا قديم ٣٠٤/٥، جديد ٣٥١/٥)

ووجهه أن البقرة تجوز عن سبعة لكن من شرطه أن يكون قصد الكل القربة و إن اختلفت جهاتها كالأضحية والقران والمتعة عندنا لاتحاد المقصود وهو القربة. (هدايه، كتاب الأضحية، اشرفى ٤٤٩/٤)

ولـو أرادوا القربة الأضحية أو غيرها من القرب أجزأهم سواء كانت القـربة واجبة أو تـطـوعا أو وجبت على البعض دون البعض وسواء اتفقت جهـات الـقربة أو اختلفت بأن أراد بعضهم الأضحية وبعضهم جزاء الصيد وبعـضهـم هـدى الإحصار وبعضهم كفارة شيئ أصابه فى إحرامه وبعضهم هدى التطوع وبعضهم دم المتعة والقران وهذا قول أصحابنا الثلاثة. (بدائع زكريا ٤/ ٢٠٩، كراچى ٥/ ٧١، حاشيه چلپى امداديه ملتان ٦/٨، زكريا ٦/٤٨٥)

ولـو كـان بـعض الشركاء صغيرا أو أم ولد بأن ضحى عن الصغير أبوه و عـن أم الـولـد مـولاهـا وإن لـم يـجـب عليهما جاز لأن كلها وقعت قربة. (تبيين الحقائق، زكريا ٦/٤٨٥، امداديه ملتان ٦/٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴/ ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۳۱۴)

سات شرکاء میں سے کسی کی نیت گوشت خوری کی ہو تو کیا حکم ہے؟

سوال [۹۹۴۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: سات آدمیوں میں سے ایک نے قربانی کی نیت نہیں کی ہے بلکہ گوشت کی نیت کی ہے اور وہ جانور خرید کر لایا گیا، اگر اس شخص نے ذبح ہو جانے کے بعد تک قربانی کی نیت نہیں کی، تو یہ قربانی ہوئی یا نہیں؟ اور اگر ذبح کے بعد نیت کی تو کیا حکم ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بڑے جانور میں حصہ لینے والے سبھی شرکاء کا قربت وعبادت کی نیت کرنا لازم ہے، لہٰذا سات شرکاء میں سے اگر کسی نے گوشت کی نیت کی اور ذبح ہو جانے کے بعد تک قربانی کی نیت نہیں کی یا ذبح ہونے کے بعد نیت کی تو قربانی کسی کی بھی درست نہ ہوگی۔

وإن كان أحدهم يريد اللحم لم يجز عن واحد منهم. (تاتارخانية زكريا ۱۷/۴۵۰، رقم: ۲۷۷۹۳)

أو كـان شـريک السبع من يريد اللحم أو كان نصرانيا ونحو ذٰلک لايجوز للآخرين أيضا. (هـنـديه، الباب الثامن فيما يتعلق بالشركة فى الضحايا، زكريا قديم ۵/۳۰۴، جديد ۵/۳۵۱، سراجيه، مكتبه اتحاد ۱/۳۸۶)

وإن كـان شـريک الستة نصرانيا أو مريدا اللحم لم يجز عن واحد. (در مختار مع الشامى، كتاب الأضحية، زكريا ۹/۴۷۲، كراچى ۶/۳۲۶)

فـلـو أراد أحـدهم بنصيبه اللحم ...... لايجوز عن واحد منهم. (ملتقى الأبحر، دارالكتب العلمية بيروت ۴/۱۶۸، مصرى قديم ۲/۵۱۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۳۲۰)

گوشت خوری کی نیت تھی مگر ذبح سے قبل قربانی کی نیت کرلی

سوال [۹۹۴۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: سات آدمیوں میں سے دو نے گوشت خوری کی نیت کی تھی، لیکن ذبح سے پہلے انہوں نے قربانی کی نیت کرلی، تو قربانی ہوئی یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: سات شرکاء میں سے دو نے پہلے گوشت خوری کی نیت کی تھی، لیکن ذبح سے پہلے ان دونوں نے قربانی کی نیت کرلی تو ایسی صورت میں سب کی قربانی درست ہوجائے گی، اس لیے کہ اعتبار آخری نیت کا ہوتا ہے، اور جب اخیر میں انہوں نے ذبح سے پہلے قربانی کی نیت کرلی تو سب کی قربانی درست ہوجائے گی۔ (مستفاد: انوار مناسک ص: ۵۱۲)

أو سبع البقرة بأن اشترک مع ستة فى بقرة أو بعير وكل يريد القربة وهو من

أهلها. (مجمع الأنهر، كتاب الأضحية، دار الكتب العلمية بيروت ١٦٨/٤، مصرى قديم ٥١٧/٢)

إن البقرة تجوز عن سبعة إذا كانوا يريدون وجه الله. (هنديه جديد ٣٥١/٥، قديم ٣٠٤/٥)

إن البدنة تجزئ عن سبعة بنية القربة من كل منهم. (شامی، زكريا ٤٥٧/٩، كراچی ٣١٦/٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۱۱۳۱۲/۴۰)

مختلف جہات کی نیت ایک جانور میں کرنے کا حکم

سوال [۹۹۴۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ سات آدمیوں نے مل کر بڑا جانور قربانی کے لیے خریدا، ان میں سے دو آدمیوں نے اپنی واجب قربانی کی نیت کی، اور دو نے نذر کی قربانی کی نیت کی، ایک نے مرحوم والد کی طرف سے قربانی کی نیت کی، اور ایک نے اپنی نفلی قربانی کی نیت، کی تو ایسی صورت میں مختلف قسم کی قربانیوں کی نیت ایک جانور میں جائز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: چونکہ سب کی نیت تقرب الی اللہ کی ہے اس لیے مختلف جہات کی نیت کرنے والوں میں سے ہر ایک کی قربانی درست ہوگئی۔

ولو أرادوا القربة الأضحية أو غيرها من القرب أجزأهم سواء كانت القربة واجبة أو تطوعا أو وجبت على البعض دون البعض، وسواء اتفقت جهات القربة أو اختلف بأن أراد بعضهم الأضحية، وبعضهم جزاء الصيد، وبعضهم هدى الإحصار، وبعضهم كفارة شيئ أصابه فى إحرامه، وبعضهم هدى التطوع، وبعضهم دم المتعة والقران ...... ولنا أن الجهات وإن اختلفت صورة فهى فى

الـمـعـنـى واحـد؛ لأن الـمـقـصـود من الكل التقرب إلى الله عز شأنه. (بـدائع، كتاب التضحية، زكريا ٤/ ٢٠٩، كراچی ٥/ ٧١، هنديه زكريا قديم ٥/ ٣٠٤، جديد ٥/ ٣٥١)

والإبـل والبـقـر يـجـوز عـن سبعة إذا أراد الكل القربة اختلفت جهة القوبة أو اتحدت. (قاضيخان زكريا جديد ٣/ ٢٤٦، وعلى هامش الهندية ٣/ ٣٤٩)

ولـو نـوىٰ بـعـض الشـر كـاء الأضـحية وبعضهم هدى المتعة، وبعضهم هدى القران، وبعضهم جزاء الصيد، وبعضهم دم العقيقة، جاز عن الكل في ظاهر الرواية، عن محمد في النوادر كذلک. (تاتارخانية زكريا ١٧/ ٤٥٢، رقم: ٢٧٨٠٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹/ ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۱۱۲۹۱/۴۰)

بڑے جانور کی قربانی میں مختلف جہات کا حکم

سوال [۹۹۴۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے بنگال میں یہ عام دستور ہے کہ لوگ ایک ساتھ مل کر ایک گائے میں تین چار شخص قربانی کرتے ہیں، اب ایک شخص نے ایک ہی گائے میں اپنی طرف سے قربانی، عقیقہ، دم جنایت، دم شکر، نفلی قربانی وغیرہ کی نیت کی، تو سوال یہ ہے کہ مذکورہ شخص کی قربانی مختلف جہات کے ساتھ ایک ہی گائے میں درست ہے یا نہیں؟ اگر اس طرح سے نیت کر کے قربانی کر لی تو کونسی جہت ادا ہوگی؟ وضاحت کے ساتھ مع حوالہ جواب تحریر فرمائیں۔

المستفتی: مفتی فخر الدین قاسمی مغربی بنگال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایک گائے یا بھینس میں سات حصے ہو سکتے ہیں اور بجائے سات آدمی کے تین یا چار آدمی برابر حصہ داری کے ساتھ بھی ایک گائے یا بھینس میں شریک ہو سکتے ہیں، نیز اسی طرح ایک ہی شخص ایک گائے میں اپنی طرف سے قربانی کا

حصہ ایک عقیقہ کا حصہ ایک دم جنایت کا حصہ ایک دم شکر کا حصہ ایک نفلی قربانی کا حصہ کرسکتا ہے، چاہے یہ قربت مختلف جہات کی کیوں نہ ہو تب بھی جائز ہے۔

وتجوز عن ستة أو خمسة أو أربعة أو ثلاثة ذكره في الأصل لأنه لما جاز عن سبعة فما دونها أولىٰ. (البحر الرائق، كتاب الأضحية، زكريا ٨/ ٣٢٥، كوئٹه ٨/ ١٧٨)

سواء اتفقت جهات القربة أو اختلفت بأن أراد بعضهم الأضحية، وبعضهم جزاء الصيد، وبعضهم هدى الإحصار، وبعضهم كفارة عن شيئ أصابه في إحرامه، وبعضهم هدى التطوع، و بعضهم دم المتعة أو القرآن وهذا قول أصحابنا الثلاثة رحمهم الله تعالىٰ و كذٰلك إن أراد بعضهم العقيقة عن ولد وُلد له من قبل كذا ذكر محمدفي نوادر الضحايا. (هنديه، الباب الثامن فيما يتعلق بالشركة في الضحايا، زكريا قديم ٥/ ٣٠٤، جديد ٥/ ٣٥١) **فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
۴/ ذی الحجہ ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۰۸۸۱)

ایک شخص نے بڑے جانور میں واجب، نفلی قربانی، عقیقہ کی نیت کی ہوتو؟

سوال [۹۹۵۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک بڑے جانور میں ایک ہی شخص واجب قربانی کے ساتھ دیگر چھ حصوں میں سے بعض عقیقہ اور بعض نفلی قربانی کی نیت کرسکتا ہے یا نہیں؟ اس سلسلے میں مفتی رشید احمد صاحب لدھیانویؒ کیا فرماتے ہیں؟ اور مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ کیا فرماتے ہیں؛ نیز مفتی بہ قول تحریر کیجئے۔

المستفتی: عبداللہ لدھیانوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایک شخص بڑے جانور میں مختلف جہات کی نیت کرسکتا ہے یا نہیں؟ اس کو مفتی رشید صاحبؒ نے ناجائز لکھا ہے مگر حضرت فقیہ الامت مفتی

محمود صاحبؒ نے اس کو جائز لکھا ہے اور جواز کا قول ہی زیادہ صحیح اور مفتی بہ ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ زکریا ۳/۵۳۲، فتاویٰ دار العلوم ۱۵/۵۵۲)

لو ذبح بدنة عن أضحية و متعة و قران مع اختلاف جهة قربتهم جاز عندنا لاتحاد المقصود وهو القربة. (مجمع الأنهر، كتاب الأضحية، دار الكتب العلمية بيروت ٤/١٧٣، مصرى قديم ٢/٥٢١، هدايه اشرفى ٤/٤٤٩، بدائع الصنائع زكريا ٤/٢٠٩، كراچى ٥/٧١، الفتاوىٰ التاتارخانية زكريا ١٧/٤٥٢، رقم: ٢٧٨٠٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴/ ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۲۹۲)

شخص واحد کا بڑے جانور میں جہات متعددہ کی نیت کرنا

سوال [۹۹۵۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: فتاویٰ محمودیہ ۱۷/ ۲۵۱ پر فتویٰ ہے جس میں اشرف المدارس کراچی کے فتویٰ کا جواب دیا ہے، کیا یہ جواب درست ہے؟ جبکہ ص ۲۵۵ پر تحریر ہے کہ اگر ایک شخص ایک گائے خریدتے وقت جہات متعددہ تقرب کی نیت کرلے تو اس کا حکم صراحتاً کتب فقہ میں نہیں ملا اس سے اوپر مفتی بہ قول میں پورا جانور قربان کرنے میں ایک ہی قربانی کا حصہ ہونا مذکور ہے، احسن الفتاویٰ ۷/ ۵۴۳ پر رسالہ ''گائے کی قربانی'' میں ایک شخص کے دو حصے ہیں، اس کا بھی مطالعہ فرمالیں تو بہتر ہو، خاص کر رسالہ کے اخیر صفحہ کا مطالعہ ہو تو اور بہتر ہوگا، اس میں یہ ہے کہ تحریر مذکور کے بعد بندہ نے حضرت مفتی محمود حسن صاحب کی خدمت میں لکھا کہ ملتقی الابحر کے جزئیہ میں ''ذبح'' صیغہ مجہول ہے اس لیے اس سے استدلال تام نہیں، اس کے جواب میں مفتی صاحب نے تحریر فرمایا کہ ''ملتقی الابحر کا جزئیہ اگر بصیغۂ مجہول ہو تو اس سے صراحتاً شخص واحد کی طرف سے تعدد جہات پر استدلال قوی نہیں ہوگا''، اسی صفحہ کے ختم پر ہے، غرض کہ اب تک متعدد واجبات کی صحت کے بارے میں بھی کوئی صریح جزئیہ نہیں ملا اور تزاحم

النفل بالواجب تو اس سے بھی ابعد ہے اس کا جواز کیسے ثابت ہوگا؟

المستفتی: نور محمد جھنجھانوی مظفرنگر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حضرت مفتی رشید احمد صاحب مدظلہ العالی کی رائے کا مدار اس پر ہے کہ حدیث شریف کو اپنے مورد پر رکھا جائے مگر حدیث شریف بھی تو اپنی جگہ مطلق ہے، اس میں علی الاطلاق سات حصوں اور سات افراد کی طرف سے جواز کی قربانی کا ذکر ہے نہ ان ساتوں کا ازقبیل واجب ہونا ذکر ہے، اور نہ ہی ازقبیل تطوع ہونا اور نہ ہی واجب وتطوع کے اختلاط کی ممانعت ہے البتہ فقہاء کی عبارات صاف اور واضح نہیں ہیں؛ بلکہ فقہاء کی عبارات سے جواز تزاحم النفل بالواجب اور عدم جواز دونوں پہلوؤں کی طرف ذہن منتقل ہوتا ہے اس لیے عدم جواز پر زور دینا سمجھ میں نہیں آتا اس لیے کہ خود ائمہ اربعہ نے اس مسئلہ کو قیاسی ثابت کرکے کافی اختلاف کیا ہے، اس کی تفصیل اوجز المسالک قدیم ۴/ ۳۰۱ تا ۳۰۲، جدید دارالقلم بیروت ۱۰/ ۲۵۸ تا ۲۶۰ میں دیکھی جاسکتی ہے۔ حدیث شریف یہ ہے:

عن جابر بن عبد الله قال كنا نتمتع في عهد رسول الله ﷺ نذبح البقرة عن سبعة والجزور عن سبعة نشترك فيها. (أبوداؤد شريف، باب في البقر والجزور عن كم تجزئ، النسخة الهندية ۲/ ۳۸۸ دار السلام رقم: ۲۸۰۷)

اب حدیث شریف میں اشتراک بالکل مطلق ہے اس میں تزاحم النفل بالواجب کے عدم جواز کی بات کرنا صرف قائل کی اپنی رائے ہے، لہٰذا دوسروں کا اس کے خلاف پہلو کو اختیار کرنا ممنوع کیوں ہو، لہٰذا ہم ''فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۷/ ۲۵۵، جدید ڈابھیل ۱۷/ ۴۱۰'' کے فتویٰ کی رو سے حدیث کا مفہوم مناسب سمجھ کر جائز کہتے ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ شوال المکرّم ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۴۸۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۱۰/۳ھ

بڑے جانور میں شخص واحد کی طرف سے متعدد جہات قربت کی نیت

سوال [۹۹۵۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) کہ کتاب ''مسائل قربانی وعقیقہ'' کے صفحہ ۱۵/ پر مسئلہ ہے کہ ایک بڑے جانور میں قربانی کے ساتھ اگر کوئی اپنے بچے کے عقیقہ کا حصہ لینا چاہے تو قربانی وعقیقہ دونوں جائز ہیں، عالمگیری اور شامی مع جلد وصفحہ کے ساتھ لکھا ہے، اس سے یہ معلوم ہورہا ہے کہ واحد شخص واجب قربانی کے ساتھ نفلی حصہ قربانی کا جمع کرسکتا ہے لیکن شامی وعالمگیری کہہ رہی ہے: **أراد بعضهم الأضحية وبعضهم جزاء الصيد.**

''عالمگیری ۵/۳۰۴، عالمگیری اردو ۴۶۹'' پر ہے اور اگر سب نے قربانی کا ارادہ کیا یا قربانی کے سوا دوسری قربت کا قصد کیا تو سب کی مراد ادا ہوجائے گی، خواہ یہ قربت واجب ہو یا نفلی یا بعض نے واجب اور بعض نے نفل ادا کی ہو اور خواہ جہات قربت ایک ہی ہوں یا مختلف ہوں، جیسے بعض نے ہدی احصار کا اور بعض نے احرام میں کسی جرم کے کفارہ کا اور بعض نے ہدی تطوع کا اور بعض نے دم متعہ یا قران کا ارادہ کیا اور یہ ہمارے اصحاب ثلاثہ کا قول ہے، اسی طرح اگر بعض نے اپنے فرزند کے عقیقہ کا جو بیشتر پیدا ہوا ہے، قصد کیا تو بھی جائز ہے، ایسا ہی امام محمدؒ نے نوادر الضحایا میں ذکر کیا اور اگر کسی نے ولیمہ کا یعنی نکاح کی ضیافت کا قصد کیا تو یہ صورت مذکور نہیں ہے مگر چاہیے کہ جائز ہووے، اور امام ابوحنیفہؒ سے ایک روایت ہے کہ انہوں نے جہات قربت مختلف ہونے کی صورت میں شرکت کو مکروہ فرمایا ہے، اور امام اعظم سے یہ بھی مروی ہے کہ اگر یہ اشتراک ایک ہی نوعِ قربت میں ہو تو مجھے زیادہ پسند ہے اور ایسا ہی امام ابو یوسفؒ نے فرمایا ہے اس اردو عبارت سے اور بندہ نے مدرسہ مرادیہ میں شامی کی عبارت اور اس کا ترجمہ حاصل کیا تھا، یہی معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے لوگ عقیقہ وغیرہ وغیرہ کے حصے اس بڑے جانور میں لے سکتے ہیں، واحد شخص کا ایک جانور میں واجب حصہ کے ساتھ نفلی حصہ جمع کرنا ثابت نہیں معلوم ہوتا۔

(۲) ’’احسن الفتاویٰ جلد ہفتم ۴۹۸‘‘ پر گائے میں جتنے مالک ہوتے ہیں اس میں حصے بھی صرف اتنے ہی ہوتے ہیں ایسے ہی مذکورہ کتاب کے ۵۴۱ پر ہے، البتہ اگر کسی نے گائے میں اپنے حصہ کے ساتھ غیر کی طرف سے نفل قربانی یا عقیقہ کا حصہ رکھا تو چونکہ یہ شخص ان سب حصوں کا خود مالک ہے، اس لیے قول راجح پر اس کے سب حصوں کو ملا کر اس کی ایک ہی قربانی شمار ہوگی۔

’’عالمگیری اردو ۴۵۹، سوال ۱۸‘‘ پر ہے، اور مشائخ نے باہم اختلاف کیا ہے کہ بدنہ افضل ہے یا ایک بکری سو بعضے مشائخ نے فرمایا کہ اگر بکری کی قیمت بہ نسبت بدنہ کے زیادہ ہو تو بکری افضل ہے، کیونکہ بکری پوری فرض ہوگی، اور بدنہ کا ساتواں حصہ فرض ہوگا اور باقی نفل ہوگا، اور شیخ امام ابوبکر محمد بن الفضل نے فرمایا کہ بدنہ افضل ہے کیونکہ اس میں بہ نسبت بکری کے گوشت زیادہ ہوتا ہے اور یہ جو مشائخ نے کہا کہ بدنہ کا باقی حصہ نفل ہوگا سو ایسا نہیں ہے بلکہ جب ایک ہی شخص نے قربانی کی تو پورا فرض ہوگا اور اس کو نماز کی قرأت کے ساتھ مشابہ کیا ہے کہ اگر نماز میں صرف اسی قدر قرأت پر اقتصار کیا جس سے نماز جائز ہو جاتی ہے یعنی تین آیت پر تو جائز ہے، لیکن اگر اس سے زیادہ پڑھی تو سب فرض ہوگی، اس موقع پر کتاب ’’ایضاح المسالک ۴۲ تا ۴۳‘‘ سے کچھ عبارت نقل کر دوں شاید کام میں آوے، مگر مقلد محض کے لیے ایسے مسائل میں عالم محقق کی تقلید جائز نہیں ہے بلکہ اپنے امام کے قول راجح اور قول مفتی بہ پر عمل کرنا لازم ہے، ایک بڑا جانور اگر ایک ہی شخص قربانی کریگا تو حصہ ایک ہی واجب کا ادا ہوگا، اسی طرح اسی کتاب ’’احسن الفتاویٰ جلد ۷‘‘ کے ختم پر حضرت مفتی صاحبؒ کا ارشاد نقل فرما رہے ہیں، ’’ملتقی الابحر‘‘ کا جزئیہ اگر بصیغہ مجہول ہو تو اس سے صراحتاً شخص واحد کی طرف سے تعدد جہات پر استدلال قوی نہیں ہوگا، حضرت مفتی صاحب گنگوہیؒ کے نزدیک ’’لو ذبح بدنة‘‘ صیغۂ مجہول ہونا معلوم ہوتا ہے۔

اسی کتاب کے ص: ۵۴۷ پر ہے، مزید یہ کہ تعدد اشخاص کی صورت میں لحم واجب التصدق ہے یعنی اراقۃ میں سنین ماضیہ کی نیت غیر معتبر اور لحم میں معتبر ہے، مگر شخص واحد کی صورت میں وجوب تصدق مذکور نہیں، اس فرق سے خوب واضح ہو گیا کہ تعدد نیت کا اعتبار

نہیں ورنہ تو واحد شخص کی صورت میں بھی لحم واجب التصدق ہوتا؟

المستفتی: حافظ نور محمد جھنجھانوی مظفرنگر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: متعدد افراد کی طرف سے مختلف جہات سے تقرب کی نیت ہو تو حضرت امام ابوحنیفہؒ کے دو قول ہیں:

(۱) قول مشہور جو ظاہر الروایہ ہے اس کے مطابق بلا کراہت تعدد جہات کے ساتھ قربانی جائز ہے اسی کو حضرات صاحبین نے اختیار فرمایا ہے اور اسی کو فقہاء نے

هذا قول أصحابنا الثلاثة. (بدائع کراچی ۵/۷۲، زکریا ۴/۲۰۹)

سے ذکر فرمایا ہے، اور اسی پر فتویٰ ہے۔

(۲) حضرت امام صاحب کا قول غیر مشہور جس کو روی یا قیل سے بیان کیا جاتا ہے کہ متعدد افراد کی طرف سے متعدد جہات کے تقرب کی نیت ہو تو مکروہ ہے اور پسندیدہ یہی ہے کہ تعدد جہات نہ ہو اور اسی کے موافق امام زفرؒ کا قول ہے یا ان کا قول اس سے بھی سخت ہے:

وقال زفر لايجوز إلاإذا اتفقت جهات القربة. (بدائع کراچی ۵/۷۲، زکریا ۴/۲۰۹)

مگر حضرت امام صاحب کے اس قول پر فتویٰ نہیں ہے اور امام ابو یوسفؒ کی بھی ایک روایت اسی طرح ہے جس پر اعتماد نہیں کیا گیا، اب غور فرمایئے کہ فقہاء کے ان اقوال میں شخص واحد کی طرف سے تعدد جہات سے تقرب کی نیت سے قربانی کا حکم کہاں بیان کیا گیا ہے کہیں بھی مذکور نہیں ہے بلکہ بالکل خاموشی ہے اس لیے اس حکم کو امام صاحب کے قول مشہور اور قول مفتی بہ کے ساتھ شامل کرنا ہوگا اور قول غیر مشہور کے ساتھ لاحق کرنا درست نہ ہوگا، کیونکہ قول مشہور کی موجودگی میں غیر مشہور کو مقیس علیہ بنانا درست نہیں ہے اسی وجہ سے شخص واحد کی طرف سے واجب قربانی نفل قربانی، عقیقہ وغیرہ کو جائز کہا جاتا ہے، اب آنجناب سے گذارش ہے کہ ایضاح المسالک کی عبارت دوبارہ ملاحظہ فرمائیں، مقلد محض پر لازم ہے کہ مقلد محقق کے تفرد کو اختیار نہ کرے بلکہ امام صاحبؒ کے مذہب اور قول مشہور کو اختیار کرے تو کیا قول مشہور کی موجودگی میں قول ضعیف کو اختیار کرسکتا ہے بلکہ قول مشہور ہی کو

اختیار کرنا ہوگا، لہٰذا آنجناب کا ایضاح المسالک کی عبارت سے اپنا استدلال پیش کرنا درست نہ ہوگا اور شخص واحد کی طرف سے متعدد جہات کے تقرب کی نیت سے قربانی وغیرہ جائز ہوگی۔

آنجناب جن عبارات سے شخص واحد کی طرف سے جہات مختلف کی نیت سے عدم جواز پر استدلال کرنا چاہتے ہیں ان سے استدلال تام نہیں ہوتا اس لیے کہ وہ تمام عبارات اشخاص متعددہ کی صورت میں ہیں، ملاحظہ فرمائیں:

ولو أرادوا القربة الأضحية أو غيرها من القرب اجزأهم سواء كانت القربة واجبة أو تطوعاً أو وجبت على البعض دون البعض وسواء اتفقت جهات القربة أو اختلفت بأن أراد بعضهم الأضحية وبعضهم جزاء الصيد وبعضهم هدى الإحصار وبعضهم كفارة شيئ أصابه فى إحرامه وبعضهم هدى التطوع وبعضهم دم المتعة والقران وهذا قول أصحابنا الثلاثة وقال زفر لايجوز إلا إذا اتفقت جهات القربة بأن كان الكل بجهة واحدة ...... وكذٰلك إن أراد بعضهم العقيقة عن ولد ولد له من قبل لأن ذٰلك من جهة التقرب ...... كذا ذكره محمد فى نوادر الضحايا، ولم يذكر ما إذا أراد أحدهم الوليمة وهى ضيافة التزوج وينبغى أن يجوز ...... وروى عن أبى حنيفةؒ كره الاشتراك عند اختلاف الجهة وروى عنه أنه قال لوكان هٰذا من نوع واحد لكان أحب إلى وهكذا قال أبو يوسفؒ. (بدائع الصنائع، كتاب التضحية، فصل شرائط جواز إقامة الواجب، كراچی قديم ٥/٧١-٧٢، زكريا ٤/٢٠٩، هنديه زكريا قديم ٥/٣٠٤، جديد ٥/٣٥١، شامی زكريا ٩/٤٧٣، كراچی ٦/٣٢٦)

ان عبارات پر غور فرمائیں، معلوم ہو جائے گا کہ شخص واحد کی طرف سے تعدد جہات کے جواز وعدم جواز سے متعلق کوئی لفظ نہیں ہے، بلکہ بالکل خاموشی ہے اور آنجناب کے استدلال میں یہی عبارات ہیں، لہٰذا استدلال تام نہیں، وہی کہنا ہوگا جو اوپر ہم نے لکھا ہے، اور آنجناب نے احسن الفتاویٰ سے بھی استدلال فرمایا ہے اور احسن الفتاویٰ میں استدلال کی کل کائنات دو عبارتیں ہیں اور دونوں استدال میں ناتمام ہیں:

(۱) **ولو ضحى بالكل فالكل فرض كأركان الصلاة.** (در مختار زكريا

۹/ ۴۸۲، کراچی ۶/ ۳۳۳)

واضح ہو کہ اس عبارت سے صاحب درمختار یہ کہنا چاہتے ہیں کہ کوئی مالدار شخص ایک بڑا جانور قربانی کرتا ہے اور اس میں اس نے اپنی واجب قربانی کے ساتھ نفل قربانی وغیرہ کی کوئی نیت کی تو پورا جانور صرف ایک قربانی شمار ہوگی، ایسا نہ ہوگا کہ ساتواں حصہ واجب کی طرف سے ہو جائے اور باقی چھ حصے خود بخود بلا نیت کے نفل قربانی ہو جائیں اس لیے کہ فعل واحد میں تعدد کے لیے نیت شرط ہے، ہاں البتہ فعل متعدد ہوں تو اس میں نیت کی ضرورت نہیں بلکہ بلا نیت ایک فعل واجب قربانی کی طرف سے ہو جائے گا اور دوسرا فعل نفل کی طرف سے ہو جائیگا، لہٰذا اگر مالدار بلا نیت دو بکری قربان کرے گا تو ایک واجب کی طرف سے اور دوسری نفل قربانی ہو جائے گی، لہٰذا صاحب احسن الفتاویٰ کا اس عبارت سے شخص واحد کی طرف سے تعدد جہات کے عدم جواز پر استدلال تام نہیں ہے، پوری عبارت ملاحظہ فرمائیں جو علامہ شامی نے اس کے نیچے درج فرمائی ہے:

الظاهر أن المراد لو ضحى ببدنة يكون الواجب كلها لا سبعها بدليل قوله في الخانية ولو أن رجلا موسرا ضحى ببدنة عن نفسه خاصة كان الكل أضحية واجبة عند عامة العلماء وعليه الفتوىٰ ...... لو ضحى الغنى بشاتين فالزيادة تطوع عند عامة العلماء...... لعل وجه الفرق أن التضحية بشاتين تحصل بفعلين منفصلين وإراقة دمين فيقع الواجب إحداهما فقط والزائدة تطوع بخلاف البدنة فإنها بفعل واحد ما وإراقة واحدة فيقع كلها واجبا. (شامی زکریا ۹/ ۴۸۲، کراچی ۶/ ۳۳۳)

(۲) ولو ذبح ببدنة عن أضحية و متعة وقران لإتحاد المقصود وهو القربة. (ملتقى الأبحر، دار الكتب العلمية بيروت ۴/ ۱۷۳، مصری قدیم ۲/ ۵۲۱)

اس میں ذبح کے صیغۂ مجہول ہونے پر کوئی دلیل نہیں بلکہ اس کے بعد متصلاً صیغۂ معروف ”**و يأكل من لحم أضحية ذبح**“ کے صیغۂ معروف ہونے پر دلیل ہے، لہٰذا صیغۂ مجہول کہہ کر عدم جواز پر استدلال تام نہیں، بلکہ صیغۂ معروف قرار دیکر جواز ہی پر

استدلال تام ہوتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷؍ ربیع الاول ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۶۸۰)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۳/۱۸ھ

بڑے جانور میں ایک نے واجب، دو نے نذر، ایک نے مرحوم، اور ایک نے نفلی قربانی کی نیت کی تو؟

سوال [۹۹۵۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: سات آدمیوں نے مل کر ایک بڑا جانور قربانی کے لیے خرید ا ان میں سے دو آدمیوں نے اپنی واجب قربانی کی نیت کی، دو نے نذر کی قربانی، ایک نے مرحوم والد کی طرف سے قربانی اور ایک نے اپنی نفلی قربانی کی نیت کی، ایسی صورت میں مختلف قسم کی قربانیاں ایک جانور میں جائز ہیں یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: چونکہ شرکت کرنے والوں میں سب کی نیت تقرب الی اللہ کی ہے اس لیے مختلف جہات کی نیت کرنے کے باوجود سوالنامہ میں درج کردہ سب طرح کے لوگوں میں سے ہر ایک کی قربانی درست ہوگئی۔

ولو أرادوا القربة الأضحية أو غيرها من القرب اجزأهم سواء كانت القربة واجبة أو تطوعاً أو وجبت على البعض دون البعض وسواء اتفقت جهات القربة أو اختلفت بأن أراد بعضهم الأضحية وبعضهم جزاء الصيد وبعضهم هدى الإحصار وبعضهم كفارة شيئ أصابه فى إحرامه وبعضهم هدى التطوع. (بدائع الصنائع، كتاب التضحية، فصل شرائط جواز إقامة الواجب، كراچی قديم ٧١/٥- ٧٢، زكريا ٢٠٩/٤، هنديه زكريا قديم ٣٠٤/٥، جديد ٣٥١/٥،

شامی زکریا ۴۷۳/۹، کراچی ۳۲۶/۶)

وإن نوى بعض الشركاء التطوع وبعضهم أضحية العام الماضى صار دينا عليه وبعضهم الواجبة عن عامه ذٰلک جاز الكل. (تاتارخانية زكريا ۴۵۲/۱۷، رقم: ۲۷۸۰۲)

قد علم أن الشرط قصد القربة من الكل ...... وشمل ما لو كانت القربة واجبة على الكل أو البعض اتفقت جهاتها أو لا، كأضحية وإحصار و جزاء صيد و حلق ومتعة وقران ...... لأن المقصود من الكل القربة. (شامی، كتاب الأضحية، زکریا ۴۷۲/۹، کراچی ۳۲۶/۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵ رمحرم الحرام ۱۴۳۵ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۴۱۵)

واجب قربانی میں نفلی قربانی کی نیت کرنا

سوال [۹۹۵۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص اپنی واجب قربانی کے ساتھ میت کی طرف سے ایک حصہ ایک جانور میں رکھ سکتا ہے؟

المستفتی: عبدالجبار لکھیم پوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: ایک بڑے جانور میں اپنی واجب قربانی کے حصہ کے ساتھ اپنے کسی مرحوم عزیز کی طرف سے حصہ رکھنا بلاشبہ جائز اور درست ہے۔

(مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل ۴۰۸/۱۷-۴۰۹)

وإن مات أحد السبعة المشتركين فى البدنة وقالت الورثة اذبحوا عنه وعنكم صح عن الكل لقصد القربة عن الكل. (شامی، كتاب الأضحية، زکریا ۴۷۱/۹، کراچی ۳۲۶/۶، البنايه اشرفيه ۴۹/۱۲، هنديه زكريا قديم ۳۰۵/۵، جديد ۳۵۱/۵)

واختلفوا فی البقرة قال بعض العلماء يقع سبعها فرضا والباقی تطوعا.
(شامی، کتاب الأضحية، زکریا ۹/٤٦٦، کراچی ٦/٣٢٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ ذی قعدہ ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۲۱۱)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۵/۱۱/۱۴۳۱ھ

بڑے جانور میں قربانی کرنے والوں کے ساتھ عقیقہ کرنے والے کی شرکت کا حکم

سوال [۹۹۵۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: قربانی کے ایک جانور میں چھ حصہ دار ہیں، پانچ حصہ دار قربانی کی نیت سے حصہ لیے ہوئے ہیں، اور چھٹا شخص ایک حصہ قربانی کے لیے اور ایک حصہ بنیت عقیقہ لیتا ہے، تو کیا اس طرح ایک جانور میں متعدد جہات قربت جائز ہے، جبکہ صاحب احسن الفتاویٰ نے اس شکل کو ناجائز بتایا ہے، اور محمودیہ میں جائز لکھا ہے، اس میں درست قول کی تعیین فرمائیں؟

المستفتی: مفتی محمد سمیر عثمان آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قربانی کے جانور میں چھ حصے قربانی کے اور ایک حصہ عقیقہ کا رکھنا جائز اور درست ہے، اور احسن الفتاویٰ اور فتاویٰ محمودیہ میں سے فتاویٰ محمودیہ میں جو مسئلہ لکھا ہوا ہے وہی صحیح ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۳/۵۳۲، فتاویٰ دار العلوم ۱۵/۵۶۴، فتاویٰ رحیمیہ کراچی ۴/۲۷، جدید زکریا ۱۰/۲۷، آپ کے مسائل اور ان کا حل ۵/۴۸۳، کتاب المسائل ۲/۳۴۰)

وكذا لو أراد بعضهم العقيقة عن ولد قد ولد له من قبل لأن ذلك جهة التقرب بالشكر على نعمة الولد. (شامی، کتاب الأضحية، زکریا ۹/٤٧٢، کراچی ٦/٣٢٦)

ولو أرادوا القربة الأضحية أو غيرها من القرب أجزأهم سواء كانت القربة واجبة أو تطوعا أو وجب على البعض دون البعض (الى قوله) وكذلك إن أراد بعضهم العقيقة عن ولد له. (هنديه، الباب الثامن فيما يتعلق

بالشركة في الضحايا، زكريا قديم ٥/ ٣٠٤، جديد ٥/ ٣٥١، بدائع الصنائع زكريا ٤/ ٢٠٩، كراچی ٥/ ٧١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍صفر المظفر ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۴۳۱)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۲/۲۲ھ

قربانی کے جانور میں عقیقہ کا حصہ لینا

سوال [۹۹۵٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید مالک نصاب ہے اور خالد نصاب کی تعداد کا مالک نہیں اور یہ دونوں بجائے اپنی قربانی کرنے کے اپنے لڑکے یا لڑکی کا عقیقہ کرتے ہیں، تو کیا ان دونوں کا عقیقہ کرنا درست ہے؟ اور قربانی نہ کرنا درست ہے؟ جواب مع الدلیل عنایت فرمائیں۔

المستفتی: محمد عرفان غفرلہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر یہ دونوں بڑے جانور میں اپنے لڑکوں کی طرف سے عقیقہ کا ارادہ رکھتے ہیں تو ان کا عقیقہ اور دوسروں کی قربانی صحیح اور درست ہوجائیگی اور الگ الگ بکرے سے عقیقہ کیا تب بھی درست ہے۔

لأن المقصود عن الكل القربة وكذا بعضهم العقيقة عن ولد له من قبل لأن ذلك جهة التقرب بالشكر على نعمة الولد. (شامی، کتاب الأضحية، زكريا ٩/ ٤٧٢، كراچی ٦/ ٣٢٦، هنديه زكريا قديم ٥/ ٣٠٤، جديد ٥/ ٣٥١، بدائع الصنائع زكريا ٤/ ٢٠٩، كراچی ٥/ ٧١)

البتہ اگر ان دونوں حضرات نے اپنی قربانی نہیں کی ہے تو زید جو صاحب نصاب ہے قربانی نہ کرنے کی وجہ سے گنہگار ہوگا، اس لیے کہ صاحب نصاب پر قربانی کرنا واجب ہے اور خالد جو صاحب نصاب نہیں ہے، وہ قربانی نہ کرنے کی وجہ سے گنہگار نہیں ہوگا۔

ومنها اليسار وهو ما يتعلق به وجوب صدقة الفطر دون ما يتعلق به وجوب الزكاة (إلى قوله) وملك نصابا تجب عليه الأضحية. (فتاویٰ عالمگیری، کتاب الأضحية، الباب الأول، زکریا قدیم ۵/ ۲۹۲، جدید ۵/ ۳۳۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍ رجب المرجب ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۲۲۸۵)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۵؍۷؍۱۴۱۱ھ

قربانی کے جانور میں عقیقہ کرنے کا حکم

سوال [۹۹۵۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کے گھر والوں نے قربانی کا جانور خریدا جس میں سے زید کے والد نے چار حصہ لیے، اس میں سے ایک حصہ اپنے لیے اور ایک حصہ بیوی کے لیے، بقیہ دو حصے زید کے جدین مرحوم کے لیے متعین کیے، بقیہ تین حصے میں سے دو حصے چچا کے لیے اور تیسرا حصہ تیسرے چچا نے لے لیا، مگر اپنی فرضیت کی ادائیگی کے بجائے عقیقہ کی نیت کر لی تو زید نے کہا کہ عقیقہ ترک کر کے فرضیت ادا کریں یا تیرے والد نے دادا، دادی کے لیے جو حصہ لیا ہے ان میں سے ایک آپ لے لیں تا کہ عقیقہ اور فرضیت دونوں ادا ہو جائیں اور ایک ہی حصہ میں دادا اور دادی کو بھی شریک کریں تو پھر قربانی کے وقت رسول اللہ ﷺ کو بھی شامل کیا تو ائمہ اربعہ میں سے کن کے یہاں قربانی ہوئی اور کن کے یہاں نہیں، جبکہ بعض نے مذکورہ مسئلہ شافعیہ کی طرف منسوب کیا ہے، حنفیہ کے یہاں ہوئی یا نہیں، اگر نہیں ہوئی تو پھر ادائیگی کی کیا شکل ہوگی؟

المستفتی: عبدالرشید بانکوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قربانی کے جانور کے اندر بعض لوگ عقیقہ کی نیت کریں اور بعض قربانی کی یا ایصال ثواب کی بہر صورت قربانی صحیح ہو جائے گی، شرط یہ ہے کہ سب شرکاء کی نیت قربت خداوندی ہو اور ثواب کے اندر رسول اللہ ﷺ کو بھی شامل کرنا

درست ہے، جن لوگوں پر قربانی واجب تھی وہ لوگ اپنی قربانی ترک کر کے عقیقہ یا دوسروں کو ایصال ثواب کے لیے ان کی طرف سے قربانی کریں گے تو ان پر اپنی قربانی نہ کرنے کا گناہ ہوگا۔(مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۲/ ۸۰، جدید زکریا ۱۰/ ۲۵)

ولو أرادوا القربة الأضحية أو غيرها من القرب أجزأهم سواء كانت القربة واجبة أو تطوعاً أو وجبت على البعض دون البعض وسواء اتفقت جهات القربة أو اختلفت بأن أراد بعضهم الأضحية وبعضهم جزاء الصيد وبعضهم هدى الإحصار (إلى قوله) وكذلک إن أراد بعضهم العقيقة عن ولد له من قبل (هنديه، كتاب الأضحية، الباب الثامن فيما يتعلق بالشركة في الضحايا، زكريا قديم ٥/ ٣٠٤، جديد ٥/ ٣٥١، شامي زكريا ٩/ ٤٧٢، كراچی ٦/ ٣٢٦، بدائع الصنائع زكريا ٤/ ٢٠٩، كراچی ٥/ ٧١) **فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۲۶/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۶ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۵۱۷)	۱۴۱۶/۶/۲۶ھ

قربانی کے جانور میں عقیقہ کا حصہ لینا

سوال [۹۹۵۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: سات آدمیوں نے مل کر قربانی کے لیے ایک بڑا جانور خریدا ان سات میں سے ایک شخص بچہ کے عقیقہ کا حصہ لینا چاہتا ہے تو قربانی میں عقیقہ کا حصہ لینا کیسا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: قربانی کے جانور میں عقیقہ کا حصہ لینا جائز ہے، اس لیے کہ عقیقہ بھی قربت میں داخل ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۷/ ۵۳۶، محمودیہ ڈابھیل ۱۷/ ۵۱۵، محمودیہ میرٹھ ۲۶/ ۴۱۱ تا ۴۱۴، باقیات فتاویٰ رشیدیہ ۲۳۷)

ولو نوى بعض الشركاء الأضحية وبعضهم هدى المتعة وبعضهم دم

العقيقة لولد ولد له في عامه ذٰلك جاز عن الكل في ظاهر الرواية.
(تاتارخانية زكريا ١٧/ ٤٥٢، رقم: ٢٧٨٠٣)

وكذا لو أراد بعضهم العقيقة عن ولد قد ولد له من قبل لأن ذٰلك جهة التقرب بالشكر على نعمة الولد. (شامی، كتاب الأضحية، زكريا ٩/ ٤٧٢، كراچی ٦/ ٣٢٦)

ولو أرادوا القربة الأضحية أو غيرها من القرب اجزأهم سواء كانت القربة واجبة أو تطوعاً أو وجبت على البعض دون البعض وسواء اتفقت جهات القربة أو اختلفت بأن أراد بعضهم الأضحية وبعضهم جزاء الصيد وبعضهم هدى الإحصار. (بدائع الصنائع، كتاب التضحية، فصل شرائط جواز إقامة الواجب، كراچی ٥/ ٧١-٧٢، زكريا ٤/ ٢٠٩، هنديه زكريا قديم ٥/ ٣٠٤، جديد ٥/ ٣٥١، شامی زكريا ٩/ ٤٧٣، كراچی ٦/ ٣٢٦، تبيين الحقائق زكريا ٦/ ٤٨٤-٤٨٥، امداديه ملتان ٦/ ٨)

ويستوى إن كان قصدهم جميعا التضحية أو قصد بعضهم قربة أخرىٰ.
(المبسوط للسرخسی، دار الكتب العلمية بيروت ١٢/ ١٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۳۱۵)

قربانی کے جانور میں ولیمہ کا حصہ لینا

سوال [۹۹۵۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: چار آدمیوں نے مل کر ایک بڑا جانور خریدا تین آدمیوں نے کہا کہ ہمیں قربانی کا حصہ لینا ہے، چوتھا آدمی یہ کہتا ہے کہ بیٹے کا ولیمہ ہے، ہم ولیمہ کے لیے بقیہ ۴؍ حصہ لیں گے، ایک شخص نے ولیمہ کے لیے چار حصہ لے لیے تو باقی شرکاء کی قربانی درست ہوگی یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایک ہی شخص نے قربانی کے جانور میں ۴؍ حصہ

ولیمہ کے لے لیے، تو اس سے دیگر شرکاء کی قربانی پر کوئی اثر نہ پڑے گا بلکہ تمام شرکاء کی قربانی صحیح ہو جائے گی؛ کیونکہ ولیمہ بھی فی الجملہ تقرب الی اللہ ہی ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۷/ ۵۳۶، محمودیہ ڈابھیل ۱۷/ ۴۲۲، محمودیہ میرٹھ ۲۶/ ۳۳۴)

ولـم يـذكـر الـوليـمة ولكن ينبغي أن تجوز لأنها تقام شكراً لله على نعمة النكاح، وردت بها السنة فإذا قصد بها الشكر إو إقامة السنة فقد أراد القربة . (شامی، كتاب الأضحية، زكريا ۹/ ۴۷۲، كراچی ٦/ ۳۲٦)

ولـم يذكر ما إذا أراد أحدهم الوليمة وهي ضيافة التزويج و ينبغى أن يـجـوز لأنهـا إنـمـا تـقام شكراً لله على نعمة النكاح . (تبيين الحقائق زكريا ٦/ ٤٨٥، امداديه ملتان ٦/ ٨، هنديه زكريا قديم ٥/ ٣٠٤، جديد ٥/ ٣٥١، بدائع الصنائع زكريا ٤/ ٢٠٩، كراچی ٥/ ٧١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/ ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۳۲۱)

ایک بڑے جانور میں قربانی، صدقہ، نذر وغیرہ کی نیت کرنا

سوال [۹۹٦۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بڑے جانور میں قربانی کے سات حصہ ہوتے ہیں تو اگر کوئی شخص ایک حصہ صدقہ کا، دوسرا شخص ایک حصہ نذر کا لینا چاہے تو دوسروں کی قربانی درست ہوگی یا نہیں؟

المستفتی: محمد زبیر مظاہری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بڑے جانور میں سات حصے ہو سکتے ہیں، اور حنفی مسلک میں، راجح اور مفتی بہ قول یہی ہے کہ ساتوں حصے کسی بھی جہت سے تقرب الی اللہ کے ہوں، لہٰذا اگر شرکاء میں سے کوئی قربانی کا حصہ لیتا ہے اور کوئی نذر کا حصہ لیتا ہے اور کوئی نفلی قربانی

کا حصہ لیتا ہے اور کوئی عقیقہ کا حصہ لیتا ہے، تو یہ تمام حصے کسی نہ کسی جہت سے رضائے الٰہی اور تقرب الی اللہ کی قبیل سے ہیں، اس لیے سب کی طرف سے حصے صحیح ہو جائیں گے، لیکن افضل اور بہتر یہ ہے کہ جہت کا اختلاف نہ ہو، مگر فریضہ سب کی طرف سے ہر اعتبار سے صحیح ہو جائے گا۔

إن الدماء أنواع ثلاثة (إلى قوله) فالأول دم الأضحية نفلا كان أو واجبا منذوراً كان أو واجبا متبدأً. (بدائع الصنائع، كتاب التضحية، زكريا ٢٢٣/٤، ٢٢٤، كراچی ٨٠/٥)

ولو أرادوا القربة الأضحية أو غيرها من القرب أجزأهم سواء كانت القربة واجبة أو تطوعاً أو وجبت على البعض دون البعض وسواء اتفقت جهات القربة أو اختلفت بأن أراد بعضهم الأضحية وبعضهم جزاء الصيد وبعضهم هدى الإحصار وبعضهم كفارة شيئ أصابه في إحرامه وبعضهم هدى التطوع وبعضهم دم المتعة والقران وهذا قول أصحابنا الثلاثة. (بدائع كراچی ٧١/٥-٧٢، زكريا ٢٠٩/٤، هنديه زكريا قديم ٣٠٤/٥، جديد ٣٥١/٥، شامی زكريا ٤٧٢/٩، كراچی ٣٢٦/٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱؍رجب المرجب ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۳۷۱/۳۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۸/۷/۲۱ھ

غریب شریک کے درمیان سے نکل جانے کا حکم

سوال [۹۹۶۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: سات افراد نے مشترکہ طور پر قربانی کے لیے ایک جانور خریدا ان شرکاء میں امیر غریب دونوں طرح کے لوگ تھے، اس کے بعد ایک غریب جس پر قربانی واجب نہیں تھی، علاحدہ ہو گیا، اب سوال یہ ہے کہ:

(الف) بقیہ شرکاء کسی دوسرے شخص (امیر وغریب) کو شامل کر کے قربانی کر سکتے ہیں یا نہیں؟ یا اسی کو شریک کرنا ضروری ہے؟

(ب) اگرکسی کوشامل کیے بغیر بقیہ چھ افراد قربانی کرلیں تو کیا قربانی درست ہوگئی؟

المستفتی: ابوالمکارم المعروفی مئو

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قربانی کے جانور میں شریک افراد میں سے اگرکوئی غریب شخص علاحدہ ہوتا ہے تو اس کی وجہ سے دوسرے شرکاء کی قربانی بھی درست نہ ہوگی، لہٰذا اسی کوشریک کرنا ضروری ہے، اس کی جگہ کسی دوسرے امیر یا غریب کوشریک کرنا کافی نہیں، نیز اگراس کی جگہ کسی کوشامل کیے بغیر بقیہ چھ شرکاء اس جانور کی قربانی کرلیں تو بھی کسی کی قربانی درست نہ ہوگی۔ (مستفاد: کفایت المفتی ۸/ ۲۰۶، جدید زکریا مطول ۱۲/ ۹۸-۹۹)

فإما إذا کان فقیراً فلا یجوز له أن یشرک فیها لأنه أوجبها علی نفسه بالشراء للأضحیة فتعینت للوجوب فلا یسقط عنه ما أوجبه علی نفسه.

(بدائع الصنائع، کتاب التضحیة، زکریا ٤/ ۲۱۰، کراچی ٥/ ۷۲ دار الکتب العلمیة بیروت ٦/ ۳۰۷، البنایه اشرفیه ۱۲/ ۲۱، شامی کراچی ٦/ ۳۱۷، زکریا ۹/ ٤٥۹، هندیه زکریا قدیم ٥/ ۳۰٤، جدید ٥/ ۳٥۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍ ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۵۷۰)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۴/۱۴ھ

فقیر نے قربانی کا بکرا خریدنے کے بعد فروخت کردیا اور بڑے جانور میں حصہ لےلیا

سوال [۹۹۶۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: فقیر نے قربانی کے لیے جو بکرا خریدا ہے وہ اس کو بیچ کرکسی بڑے جانور میں حصہ لینا چاہتا ہے اور اس بکرے کی قیمت حصہ کی قیمت سے زیادہ ہے، مثلاً بکرا تین ہزار کا ہے اور حصہ دو ہزار کا ہے، اور ایک ہزار جو اس کے پاس بچ رہے ہیں ان کو اپنی ضروریات میں خرچ کرنا چاہتا ہے ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: فقیر کے لیے قربانی کا بکرا بیچ کر کسی بڑے جانور میں حصہ لینا جائز نہیں ہے، بلکہ اسی بکرے کی قربانی لازم ہے، لیکن اگر بیچ دیا تو مکروہ ہوگا، اور جو زائد قیمت ہے اس کو اپنے استعمال میں نہیں لاسکتا ہے، اس کا صدقہ کرنا واجب ہے۔

أما الذی یجب علی الفقیر دون الغنی فالمشتری للأضحیة. (هندیه، کتاب الأضحیة، زکریا قدیم ٥/ ٢٩١، جدید ٥/٣٣٦، بدائع الصنائع کراچی ٥/٦٢، زکریا ٤/ ١٩٢)

رجل اشتریٰ شاة للأضحیة و أوجبها بلسانه، ثم اشتریٰ أخریٰ جاز له بیع الأولی فی قول أبی حنیفة و محمد، وإن کانت الثانیة شرا من الأولیٰ، وذبح الثانیة، فإنه یتصدق بفضل ما بین القیمتین؛ لأنه لما أوجب الأولیٰ بلسانه فقد جعل مقدار مالیة الأولیٰ لله تعالیٰ، فلایکون له أن یستفضل لنفسه شیئا، ولهذا یلزمه التصدق بالفضل. (هندیه، کتاب الأضحیة، الباب الثانی فی وجوب الأضحیة بالنذر، زکریا قدیم ٥/٢٩٤، جدید ٥/٣٣٩، بدائع الصنائع زکریا ٤/ ٢٠٠، کراچی ٥/٦٦) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹رذی قعدہ ۱۴۳۴ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۱۱۲۱۰/۴۰)

سات شرکاء میں سے دو فقیر ہیں اور جانور گم ہوکر ملا ہی نہیں تو کیا کریں؟

سوال [۹۹۶۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: سات آدمیوں نے مل کر ایک بڑا جانور قربانی کے لیے خریدا، ان میں دو آدمی فقیر ہیں، ان پر قربانی واجب نہیں، عید الاضحیٰ کے روز وہ جانور غائب ہوگیا، ایام قربانی گذر گئے اس کا اب تک پتہ نہیں چلا، اب معلوم یہ کرنا ہے کہ ان فقیروں کی قربانی کا کیا حکم ہوگا، اور

سرمایہ داروں کی قربانی کا کیا حکم ہوگا؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مالدار اور فقیروں نے مل کر قربانی کے لیے جو جانور خریدا تھا، وہ عید کے روز گم ہوگیا اور ایام نحر گذرنے پر بھی نہیں ملا، اس کے بارے میں حکم یہ ہے کہ مالداروں سے قربانی ساقط نہیں ہوتی ہے، ان پر دوسرے جانور کی قربانی لازم ہے، اس صورت میں ایام نحر گذرنے کی وجہ سے مالداروں پر جانور کی قیمت کا صدقہ کرنا واجب ہوگا۔ اور فقیروں پر کوئی چیز لازم نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ دار العلوم ۱۵/۵۱۴)

إن المنذور لو هلكت أو ضاعت تسقط التضحية بسبب النذر غير أنه إن كان موسرا تلزمه أخرىٰ بإيجاب الشرع ابتداءاً لا بالنذر، ولو معسرا لا شيئ عليه أصلا. (شامی، كتاب الأضحية، زكريا ۹/۴۷۱، كراچی ٦/۳۲۵-۳۲٦)

إذا اشترىٰ شاة للأضحية وهو موسر ثم إنها ماتت أو سرقت أو ضلت في أيام النحر أنه يجب عليه أن يضحي بشاة أخرىٰ ...... ولو اشترىٰ شاة للأضحية وهو معسر ...... ثم ضلت فلا شيئ عليه ولا يجب عليه شيئ آخر. (بدائع الصنائع زكريا ٤/۱۹۹-۲۰۰، كراچی ٥/٦٦)

الفقير إذا اشترىٰ أضحية فضلت فليس عليه أن يشتري مكانها أخرىٰ ولو كان غنيا فعليه ذٰلك. (تاتارخانية زكريا ۱۷/٤۱۳، رقم: ۲۷٦۷٤) فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/ ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۳۱۲)

بڑے جانور میں غیر مسلم کی شرکت

سوال [۹۹٦۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کسی مسلمان نے کسی غیر مسلم کے بیل کو پالا اور جب بیل قربانی کے لائق ہوگیا تو

غیر مسلم نے کہا میری طرف سے اس کی قربانی کردو اور مسلمان چاہتا ہے کہ میں نے اس کو پالا ہے میں اپنے بچہ کا نام ڈال دوں، تو کیا ایک قربانی میں مسلم اور غیر مسلم دونوں شریک ہو سکتے ہیں؟ پھر اس کا گوشت مسلمان کھا سکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: قسمت علی بردوان مغربی بنگال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: غیر مسلم کی طرف سے قربانی معتبر نہیں ہے، اور قربانی کے اندر تمام شرکاء کا نفس قربانی میں شریک ہونا لازم اور ضروری ہے، اسی لیے قربانی کے بڑے جانور میں غیر مسلم کی شرکت درست نہیں ہے، اس کی شرکت کی وجہ سے مسلمانوں کی قربانی درست نہیں ہے۔

وإن كان شريك الستة نصرانيا أو مريدا اللحم لم يجز عن واحد منهم لأن الإراقة لا تتجزأ. (شامی، کتاب الأضحية، زکریا ۹/ ۴۷۲، کراچی ۶/ ۳۲۶، ہندیہ زکریا جدید ۵/ ۳۵۱، قدیم ۵/ ۳۰۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍ جمادی الاول ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۲۹۴)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۸/۵/۱۵ھ

مابقیہ رقم غرباء کو دینے کا وکیل بنانا

سوال [۹۹۶۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک صاحب نے مجھے کئی قربانی کرانے کے لیے پیسے دیئے تھے، قربانی کرادی گئی لیکن اس میں سے کچھ رقم بچ گئی، تو رقم دینے والے کو بتا دیا گیا کہ اتنی رقم بچ گئی ہے اس کا کیا کرنا ہے، اس پر انہوں نے کہا ضرورتمندوں کو دیدیں، تو دریافت کرنا ہے کہ:

(۱) کیا اس پیسے سے کسی ضرورت کی جگہ پر نل لگوا سکتے ہیں؟

(۲) غریب بستی میں شادی بیاہ کے موقع پر کھانے پکانے کے برتن خرید کردے سکتے ہیں؟

(۳) کسی غریب کو بکری خرید کر پالنے کے لیے دے سکتے ہیں؟

(۴) یا کسی مدرسہ کی ضرورت میں دے سکتے ہیں؟

(۵) کسی غریب بچے کو کورس کی کتابیں خرید کر دے سکتے ہیں یا نہیں؟ شرعی حکم کیا ہے؟

المستفتی: حکیم شمیم الدین جھبو کا نالہ مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حسب تحریر سوال رقم دہندہ نے آپ کو مابقیہ رقم غریب اور نادار لوگوں کو دینے کا وکیل بنایا ہے، بریں بنا آپ پر لازم ہے کہ آپ وہ رقم براہ راست کسی غریب کے ہاتھ میں دیدیں یا بکری یا کورس کی کتابیں نیز اسی طرح کی دیگر ضروریات کی چیزیں خرید کر حاجت مند لوگوں کو ان کا مالک بنادیں، تاہم بعینہٖ رقم خیرات کرنا ہی افضل ہے۔

الوكيل إنما يستفيد التصرف من الموكل وقد أمره بالدفع إلى فلان فلا يملك الدفع إلى غيره. (شامی، کتاب الزکاۃ، زکریا ۳/۱۸۹، کراچی ۲/۲٦۹)

لايجوز لأحد أن يتصرف فى ملك غيره بلا إذنه و بلا وكالة منه أو ولاية عليه وإن فعل كان ضامنا. (الأشباه ۲/٤٤، شرح المجلة رستم اتحاد ۱/٦۱، رقم المادة: ۹٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم جمادی الاولیٰ ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۰۴۴/۳۹)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۵/۱ھ

٦ باب: قربانی کے جانور اور ان کی عمروں کا بیان

بھینس کی قربانی جائز ہے یا نہیں؟

سوال [٩٩٦٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: غیر مقلدین کا کہنا ہے کہ بھینس کی قربانی جائز نہیں، جبکہ ائمۂ اربعہ کے نزدیک گائے کی طرف بھینس کی قربانی بھی جائز ہے، گزارش ہے کہ بھینس کی قربانی کے تعلق سے کوئی حدیث مع حوالہ تحریر کریں، نیز فقہ کی کتابوں سے بھی حوالے پیش کریں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: بھینس کی قربانی بلاشبہ جائز اور درست ہے، اور اس کی قربانی حضور ﷺ نے کیوں نہیں کی، اس پر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ عرب کی سرزمین میں بھینس زندہ نہیں رہ سکتی تھی، اور آج بھی یہی حال ہے اور جہاں بھینس زندہ رہتی ہے، وہاں تک آپ ﷺ کے زمانے میں اسلام نہیں پہنچ سکا، بلکہ صحابہؓ کے آخری دور اور تابعین کے زمانے میں ان علاقوں میں اسلام پہنچا جن میں بھینس زندہ رہتی ہے، چنانچہ جب ان علاقوں میں اسلام پہنچ گیا تو اجلۂ تابعین میں امام حسن بصریؒ وغیرہ نے ”الجواميس بمنزلة البقر“ کے الفاظ کے ذریعہ حکم شرعی بیان فرما دیا ہے، ذیل میں عبارات ملاحظہ فرمائیے:

عن الحسن أنه كان يقول: الجواميس بمنزلة البقر. (مصنف ابن أبي شيبة، كتاب الزكاة في الجواميس تعد في الصدقة، مؤسسة علوم القرآن ٦٥/٧، رقم: ١٠٨٤٨)

مصنف عبد الرزاق کی لمبی روایت کا مختصر حصہ ملاحظہ ہو:

وتحسب الجواميس مع البقر. (مصنف عبد الرزاق، باب البقر، المجلس العلمي بيروت ٢٤/٤، رقم: ٦٨٥١)

الجاموس نوع من البقر بدليل أنه يضم ذٰلك إلى الغنم والبقر في

باب الزكاة. (بدائع الصنائع، كتاب التضحية، زكريا ٤/٢٠٥، كراچی ٥/٦٩)

ويجزئ الجاموس فى الأضحية عن سبعة. (تاتارخانية زكريا ١٧/٤٣٤، رقم: ٢٧٧٤٢)

الـجـاموس يجوز فى الضحايا والهدايا استحسانا. (خلاصة الفتاویٰ، اشرفی ديـوبند ٤/٣١٤، البحر الرائق زكريا ٨/٣٢٤، كوئٹه ٨/١٧٧، قاضيخان زكريا جديد ٣/٢٤٥، وعلى هامش الهندية ٣/٣٤٨، بزازيه زكريا جديد ٣/١٥٧، وعلى هامش الهندية ٦/٢٨٩)

يـجـوز التضحية بالجاموس عن سبعة هو المختار. (فتاویٰ سراجية، اتحاد ص: ٣٨٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/ ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۳۲۱)

گائے کی قربانی کا شرعی حکم

سوال [۹۹۶۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: گاؤ پرستی کے اس ملک میں گائے کا ذبیحہ ممنوع ہے، پھر بھی بعض مسلم آبادی والے خطے میں بلا روک ٹوک گائے کا ذبیحہ ہوتا ہے، نیز بعض وہ ہندوستانی خطے جہاں ہندوؤں کی کثیر آبادی ہے، ایسی جگہوں پر کچھ مسلمان رہتے ہیں وہ چوری چھپے گائے کا ذبیحہ کرتے رہتے ہیں، یہاں صرف دریافت یہ کرنا ہے کہ ایسے ماحول ومعاشرے میں عید قربانی کے موقع سے اگر کوئی بندۂ خدا چوری چھپے گائے کی قربانی پیش کرتا ہے تو اس کی شرعی حیثیت کیا ہوگی؟ ڈرے، سہمے اور ملک کے قوانین کی بندشوں کو توڑتے ہوئے گائے کی قربانی پیش کرنا کیسا ہے؟ کیا اس قسم کی قربانی سے قربانی کی روحانیت متأثر نہیں ہوتی؟ مفصل اور مدلل وضاحت فرمائیں۔

المستفتی: ابوحارث عثمانی علی گنج ضلع ایٹہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: گائے کا ذبیحہ شرعی نقطۂ نظر سے بلاشبہ جائز ہے

اور گائے کی قربانی کرنے کی صورت میں قربانی کرنا بلا کراہت درست ہو جاتی ہے، حکومت کے قانون کی وجہ سے اس کی روحانیت پر کوئی اثر نہیں پڑتا، نیز گائے کے ذبیحہ سے ممانعت، مداخلت فی الدین ہے، اور حکومت کو مداخلت فی الدین کا اختیار نہیں ہے، لیکن گائے کا ذبیحہ قانونی اعتبار سے بہت بڑا جرم تصور کیا جاتا ہے، اس لیے مسلمانوں کو اپنی عزت وآبرو کی تحفظ کی خاطر گائے کے ذبیحہ سے باز رہنا چاہیے، اس لیے کہ گائے کے بجائے بھینس اور کٹڑے کے ذریعہ سے مسلمانوں کی قربانی اور دوسری ضروریات کا بدل بآسانی حاصل ہو جاتا ہے۔ (مستفاد: امداد المفتیین ۲/۹۶۳)

قال الله تعالیٰ: **وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ.** (البقرة: ۱۹۵)

عن حذيفة –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله ﷺ: ليس للمؤمن أن يذل نفسه، قالوا: يا رسول الله! وكيف يذل نفسه؟ قال: يتعرض من البلاء لما لا يطيق. (مسند البزار، مكتبه العلوم والحكم ۷/۲۱۸، رقم: ۲۷۹۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍صفر المظفر ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۱۸۷۸)

خصی کی قربانی

سوال [۹۹۶۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: قربانی کے جانوروں میں خصی بکرے کی قربانی ہوتی ہے جبکہ بکرے کا خصی ہونا ہی ایک نقص ہے، بعض آدمی اعتراض کرتے ہیں کہ یہ فیملی پلاننگ کی قسم ہے، جبکہ فیملی پلاننگ حرام ہے علماء کے نزدیک، تو خصی بکرے کا کیا جواز ہے؟ اس کا بھی شرعی دلیل سے جواب عنایت فرمائیں۔

ہمارے یہاں پر اس مسئلہ پر لوگوں میں بحث چل رہی ہے اس لیے مجھے معلومات کی ضرورت پیش آئی۔

المستفتی: گل بہار عالم کشن گنج

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جانوروں میں خصی ہونا شریعت اسلامی میں عیب نہیں ہے، البتہ انسانوں کے حق میں عیب ہے، اور جانور میں زینت اور خوبصورتی کا ذریعہ ہے اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خصی جانوروں کی خود قربانی فرمائی ہے۔

عن جابرؓ قال: ذبح النبی ﷺ یوم الذبح کبشین أقرنین أملحین موجوءین. (سنن أبی داؤد، الضحایا، باب ما یستحب من الضحایا، النسخة الهندیة ۲/ ۳۸۶، دار السلام رقم: ۲۷۹۵، مشکوٰة شریف ۱/ ۱۲۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍ ربیع الاول ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۵۹۵)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۲/۳/۱۶ھ

خصی بکرے کی قربانی

سوال [۹۹۶۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) ایک بکرا خصی کرایا گیا وہ پورے طور پر خصی نہ ہوسکا یعنی ایک فوطہ نکل گیا اور ایک باقی رہ گیا ہے، ویسے اس کی قوتِ مردانہ بھی ختم ہوگئی ہے، لہٰذا ایسے بکرے کی قربانی کرنا جائز ہوگی یا نہیں؟ مدلل تحریر فرمائیں۔

(۲) اور اس بکرے کو قربانی کے نام سے رکھا گیا ہے اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ اگر اس کی قربانی جائز نہ ہو تو اس کی قیمت کا دوسرا بکرا خرید کر قربانی کرنا واجب ہوگی یا نہیں؟

المستفتی: محمد اسلم مانیا والا ضلع بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: خصی کرنا شرعاً عیب نہیں ہے، اس لیے ایسے جانور کی قربانی بلا کراہت جائز اور درست ہے، نیز حضور ﷺ نے خود خصی جانور کی قربانی فرمائی ہے۔

عن جابرؓ قال: ذبح النبی ﷺ یوم الذبح کبشین أقرنین أملحین

موجوء ین. (سنن أبی داؤد، الضحایا، باب ما یستحب من الضحایا، النسخة الهندیة ۲/ ۳۸٦، دار السلام رقم: ۲۷۹۵، مشکوٰة شریف ۱/ ۱۲۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰/ شوال المکرّم ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۲۸۴۷)

ایک بکرا ایک فرد کی طرف سے اور گائے بھینس، اونٹ سات کی طرف سے

سوال [۹۹۷۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک بکرے کو ایک ہی حصہ میں قرار دیا گیا ہے، متعدد افراد کی طرف سے جائز نہیں ہے، یہ کس روایت سے ثابت ہے، اور گائے یا بدنہ کی قربانی سات آدمی کی طرف سے جائز ہے؟ اس سلسلے میں کتابوں کے حوالے سے جواب عنایت فرمائیں، نوازش ہوگی۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بدنہ اور گائے کی قربانی سات افراد کی طرف سے جائز ہے اور بکرے کی قربانی صرف ایک فرد کی طرف سے جائز ہے، متعدد افراد کی طرف سے جائز نہیں ہے۔

وقال بعض أهل العلم لا تجزئ الشاة إلا عن نفس واحدة وهو قول عبد الله بن المبارک، وغیره من أهل العلم. (ترمذی شریف، باب ماجاء أن الشاة الواحدة تجزئ عن أهل البیت، النسخة الهندیة ۱/ ۲۷۷، تحت رقم الحدیث ۱۵۰۵)

عن أبی سعید قال: کان النبی ﷺ یضحی بکبش أقرن فحیل، ینظر فی سواد، ویأکل فی سواد، ویمشی فی سواد. (أبو داؤد شریف، باب ما یستحب من الضحایا، النسخة الهندیة ۲/ ۳۸٦، دار السلام رقم: ۲۷۹٦)

عن ابن عباس أن النبی ﷺ أتاه رجل فقال: إن علی بدنة، وأنا موسر بها، ولا أجدها فأشتریها فأمره النبی ﷺ أن یبتاع سبع شیاه فیذبحهن.

(سنن ابن ماجه، باب کم یجزئ من الغنم عن البدنة، النسخة الهندیة ۲/ ۲۲٦، دار السلام

رقم: ٣١٣٦، مسند أحمد بن حنبل ١/١١٣-٣١٢، رقم: ٢٨٤٠-٢٨٥٣)

عن جابر بن عبد الله أنه قال: نحرنا مع رسول الله ﷺ بالحديبية البدنة عن سبعة والبقرة عن سبعة. (ترمذی شريف، الأضحية، باب ماجاء فی الاشتراك فی الأضحية، النسخة الهندية ١/٢٧٦، دار السلام رقم: ١٥٠٢، صحيح مسلم، باب الاشتراك فی الهدی ...... النسخة الهندية ١/٤٢٤، بيت الأفكار رقم: ١٣١٨، مؤطا إمام محمد مكتبه فيصل رقم: ٢٨٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳ر ذی الحجہ ۱۴۳۴ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۳۲۸)

ایک بڑے جانور کو ایک آدمی تنہا اپنی طرف سے قربان کردے تو؟

سوال [۱۰۷۹۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حدیث وفقہ میں ہے کہ بڑے جانور میں سات آدمی شریک ہوسکتے ہیں، کیا بڑا جانور جس میں سات حصے ہوسکتے ہیں، ایک آدمی کی طرف سے ہوسکتا ہے یا نہیں؟ کیا اس میں افضلیت کا پہلو رہے گا؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بڑے جانور کی قربانی جس میں سات آدمی شریک ہوسکتے ہیں، ایک آدمی تنہا اپنی طرف سے پورا جانور کردے تو افضل اور زیادہ بہتر ہے۔

ولو أن رجلا موسرا أو امرأة موسرة ضحى بدنة عن نفسه خاصة كان الكل أضحية واجبة عند عامة العلماء وعليه الفتوىٰ. (خانيه، كتاب الأضحية، فصل فيما يجوز فی الضحايا ومالا يجوز، زكريا جديد ٣/٢٤٦، وعلى هامش الهندية ٣/٣٥٠)

ويجوز ذٰلک عن سبعة أو أقل من ذٰلک، ولا شک فی جواز بدنة أو بقرة عن أقل من سبعة بأن اشترک اثنان أو ثلاثة أو أربعة أو خمسة أو ستة فی بدنة أو بقرة لأنه

لما جاز السبع فالزيادة أولىٰ. (بدائع الصنائع، كتاب التضحية، زكريا ٤/٢٠٧، كراچی ٥/٧١)

بـدنة تـجوز عن واحد أيضا ...... ويجوز اشتراک أقل من سبعة، قال العيـنـي في شرح الكنز: وتجوز عن ستة أو خمسة أو أربعة أو ثلاثة، ذكره مـحـمـد فـي الأصل لأنه لما جاز عن السبعة فمن دونه أولىٰ. (مـجمع الأنهر، كتاب الأضحية، دار الكتب العلمية بيروت ٤/١٦٨، مصری قديم ٢/٥١٧)

ويجزئ عما دون سبعة بالأولىٰ. (شامی، كتاب الأضحية، زكريا ٩/٤٥٧، كراچی ٦/٣١٦)

ومـاقـالوا: إن البدنة تكون بعضها نفلا فليس كذٰلک بل إذا ذبحت عن واحد كان كلها فرضا. (خـانيه، فصل فيما يجوز في الضحايا و مالا يجوز، زكريا جديد ٣/٢٤٦، وعلى هامش الهندية ٣/٣٤٩) **فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
۵/ ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۳۳۸)

بڑے جانور میں سات، اور چھوٹے میں ایک کا حکم، زندہ اور مردہ دونوں کیلئے

سـوال [۹۹۷۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بڑے جانور کی قربانی میں سات آدمی تک شریک ہو سکتے ہیں اور دنبہ خصی چھوٹے جانور میں ایک ہی حصہ ہوسکتا ہے، یہ مسئلہ احیاء واموات کے لیے مساوی ہے یا کچھ فرق ہے؟

المستفتي: محمد غفران غفرلہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الـجـواب وبـالله التوفيق: جی ہاں! یہ مسئلہ احیاء اور اموات میں مساوی ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۳/ ۵۳۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ ربیع الاول ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۳۰۷۰)

۷/۸/ ماہ کے فربہ بکرے کی قربانی درست ہے یا نہیں؟

سوال [۹۹۷۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) ایک بکرا عمر تقریباً ۷/ یا ۸/ ماہ ہے وہ دانتا ہوا نہیں ہے، لیکن دیکھنے میں تندرست اور سال بھر کا معلوم ہوتا ہے اس بکرے کی قربانی کر سکتے ہیں یا نہیں؟

(۲) اگر بکرا اگلے سال کی قربانی کی نیت سے لیا تو اس کی اس سال قربانی کر سکتے ہیں یا نہیں؟ جب کہ اس کی عمر ایک سال ہے؟

المستفتی: ڈاکٹر محمد نسیم

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) سال بھر سے کم عمر کے بکرے کی قربانی جائز نہیں ہے اگر چہ تندرست ہی کیوں نہ ہو اس لیے مذکورہ بکرے کی قربانی درست نہ ہوگی۔
(مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۳/ ۱۸۰، جدید ۱۰/ ۴۷)

(۲) اگر سال پورا ہو چکا ہے تو اس سال بھی اس کی قربانی جائز اور درست ہے، اس لیے کہ اس میں مانع قربانی نہیں ہے۔

عن جابر –رضی الله عنه– قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لاتذبحوا إلا مسنة إلا أن يعسر عليكم فتذبحوا جذعة من الضأن. (صحيح مسلم، باب سن الأضحية، النسخة الهندية ۲/ ۱۵۵، بيت الأفكار رقم: ۱۹۶۳)

ويشترط الكامل، فلايجوز الناقص سواء كان النقصان من حيث السن أو من حيث الذات. (قاضيخان، كتاب الأضحية، فصل فيما يجوز في الضحايا ومالايجوز، زكريا جديد ۳/ ۲٤٥، وعلى هامش الهندية ۳/ ۳٤۹)

ويجزئ في الأضحية الثني، فصاعدا من كل شيئ، ولايجزئ ما دون ذٰلك من كل شيئ ...... والثني من الغنم الذي تم عليه سنة. (المحيط البرهاني،

المجلس العلمی ۸/ ٦٦ ٤، رقم: ۱۰۸۱۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹/ ذی الحجہ ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۲۹۱۸)

کیا تیرہویں ذی الحجہ کو پیدا ہونے والے بکرے کی آئندہ سال قربانی درست ہے؟

سوال [۹۹۷۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر تیرہویں ذی الحجہ کو بکری کا بچہ پیدا ہوا تو کیا آئندہ سال اس کی قربانی کر سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: نثار احمد بستوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر ۱۳/ ذی الحجہ کو پیدا ہوا ہے تو وہ آئندہ سال ایام قربانی میں پورے سال کا نہیں ہوگا، اور سال پورے ہونے سے ایک آدھ یوم کی کمی کی وجہ سے بھی قربانی درست نہیں ہوتی ہے، اس لیے مذکورہ صورت میں آئندہ سال مذکورہ بچہ کی قربانی درست نہ ہوگی۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۳/ ۵٦۸)

عن جابر –رضی الله عنه– قال: قال رسول الله ﷺ: لاتذبحوا إلا مسنة. (سنن أبی داؤد، باب ما یجوز من السن فی الضحایا، النسخة الهندیة ۱/ ۳۸٦، دار السلام رقم: ۲۷۹۷، المکتب الإسلامي ٤/ ۲۹٤، رقم: ۲۹۱۸)

وتقدیر هذه الأسنان لما قلنا، یمنع النقصان ولا یمنع الزیادة حتی لو ضحی بأقل من ذٰلک شیئا لایجوز. (عالمگیری، کتاب الأضحیة، الباب الخامس فی بیان محل إقامة الواجب، زکریا قدیم ۵/ ۲۹۷، جدید ۵/ ۳٤۳، بدائع الصنائع کراچی ۵/ ۷۰، زکریا ٤/ ۲۰٦)

ویشترط الکامل، فلایجوز الناقص سواء کان النقصان من حیث السن أو من حیث الذات. (قاضیخان، کتاب الأضحیة فصل فیما یجوز فی الضحایا

ومالا یجوز، زکریا جدید ۳/ ۲٤٥، وعلی هامش الهندیة ۳/ ۳٤۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
ا؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۲۲۴۷)

بغیر دانتے ایک سالہ بکرے کی قربانی

سوال [۹۹۷۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بکرا ایک سال کا ہے لیکن دانت نہیں ہیں تو کیا قربانی کر سکتے ہیں؟

المستفتی: محمد فراز بڑی مسجد بلندشہر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر واقعتاً بکرا ایک سال کا ہے اور آپ کو حتمی طور پر معلوم ہے کہ بکرے کی عمر ایک سال ہے تو اس کی قربانی شرعاً درست ہے، دانت پر قربانی کی صحت کا مدار نہیں ہے، بلکہ صحت کا مدار عمر پر ہے، دانت عمر معلوم کرنے کی احتیاطی طور پر ایک علامت ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۸/ ۲۳۷، جدید زکریا مطول ۱۲/ ۸۵، احسن الفتاویٰ ۷/ ۵۲۰، محمودیہ قدیم ۴/ ۳۱۵، جدید ڈابھیل ۱۷/ ۳۶۲)

وصح حول من الشاة فلو ضحی بسن أقل لایجوز و بأکبر یجوز.
(شامی، کتاب الأضحیة، زکریا ۹/ ٤٦٦، کراچی ٦/ ۳۲۲)

و تقدیر هذه الأسنان بما قلنا، لمنع النقصان لا لمنع الزیادة حتی لو ضحی بأقل من ذٰلک سنا لایجوز، ولو ضحی بأکثر من ذٰلک سنا یجوز و یکون أفضل. (بدائع الصنائع، کتاب التضحیة، زکریا ٤/ ۲۰٦، کراچی ٥/ ۷۰، هندیه زکریا قدیم ٥/ ۲۹۷، جدید ٥/ ۳٤۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸؍ ذی الحجہ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۹۵۴)

کیا ایک موٹھ سے بڑی سینگ کا جانور دوسال کا ہے؟

سوال [۹۹۷۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مدارس کے علماء کہتے ہیں کہ اگر ایک موٹھ سے بڑی سینگ ہو تو جانور دوسال کا مانا جائے گا، اس کی حقیقت کیا ہے؟

المستفتی: حنیف اندور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایک موٹھ سے بڑی سینگ کا ہونا جانور کے دوسال ہونے کے لیے علامت کی جو بات کہی گئی ہے وہ ہم کو معلوم نہیں، یہ جانوروں سے متعلق تجربہ رکھنے والے بتائیں گے، حضراتِ فقہاء نے سینگوں کے اوپر کوئی مدار نہیں رکھا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍ ربیع الاول ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۵۲۳)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۵/۳/۱۴۲۹ھ

بڑے جانور کی عمر کتنی ہو؟

سوال [۹۹۷۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) گائے، بیل، بھینس، بھینسا دوسال کا ہونا ضروری ہے؟ اس سے کم عمر کے جانور کی قربانی درست نہ ہوگی، اب وضاحت طلب امر یہ ہے کہ گائے، بیل، بھینس، بھینسا دو سال کے کب ہوتے ہیں، اس کی علامت کیا ہے؟ بحوالہ مدلل کریں۔

(۲) بڑے جانور میں دوسال کا تعین قصائی کے کہنے پر ہوگا یا نہیں؟ کیونکہ قصائی بیچوان ہوتا ہے، اور اس کا کہنا ہے کہ میں تو بیچوان ہوں، مجھے جو جتنی رقم دے گا اس کے حساب سے مال دوں گا، اس میں عمر کا کوئی تعلق نہیں ہے؛ اس صورت میں عمر کا تعین کس طرح ہو؟

المستفتی: حنیف اندور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) گائے، بیل، بھینس وغیرہ بڑے جانور کی عمر دو سال مکمل ہونا لازم ہے، دو سال سے کم کے جانور کی قربانی جائز نہیں ہے، اور چھوٹے جانور بکری، بھیڑ وغیرہ کی عمر ایک سال پوری ہونا لازم اور ضروری ہے، اور عمر پوری ہونے کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ جانور دونتا ہوا ہو، اس کی وجہ یہ ہے کہ عمر پوری ہونے سے پہلے جانور دونتا نہیں ہوتا، بلکہ عمر پوری ہونے کے بعد دونتا ہونے لگتا ہے تو اس سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ دونتا ہونے سے پہلے بھی عمر پوری ہوسکتی ہے، لہٰذا اگر مالکِ جانور باوثوق طریقہ سے کہتا ہے کہ عمر پوری ہوگئی اور دیکھنے سے بھی عمر پوری معلوم ہوتی ہے تو ایسی صورت میں میں جانور کی عمر پوری تسلیم کرلی جائے گی، اور بہتر بات یہ ہے کہ اگر جانور دونتا ہوا نہیں ہے تو اس سلسلے میں تجربہ کار آدمی کو دکھا دیا جائے اور وہ بتا دے کہ اس کی عمر پوری ہوگئی ہے اور دیکھنے میں بھی عمر پوری معلوم ہوتی ہے اور مالک بھی پوری عمر بتلاتا ہے تو پھر اس کا اعتبار کرلیا جائے گا اور اس کی قربانی بلاتردد جائز ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۸/ ۲۳۷، جدید زکریا مطول ۱۲/ ۸۵، جواہر الفقہ قدیم ۱/ ۴۴۹، جدید زکریا ۶/ ۳۲۵)

(۲) بڑے جانور میں دو سال کا تعین صرف قصائی کے کہنے سے نہ ہوگا، بلکہ دیکھنے میں بھی جانور دو سال کا معلوم ہوتا ہو اور دو ایک تجربہ کار آدمی بھی کہتے ہوں کہ اس کی عمر پوری ہوگئی ہے، یہ اس وقت ہے جبکہ جانور اونا ہو، لیکن اگر جانور دونتا ہے تو پھر مزید تحقیق کی ضرورت نہیں، اس لیے کہ عمر پوری ہونے کے بعد ہی جانور دونتا ہوتا ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۸/ ۲۳۷، جدید زکریا مطول ۱۲/ ۸۵، جواہر الفقہ قدیم ۱/ ۴۴۹، جدید زکریا ۶/ ۳۲۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۱۵/ ربیع الاول ۱۴۲۹ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۵۲۳/۳۸)	۱۴۲۹/۳/۱۵ھ

بڑے جانور کی عمر دو سال ہونا ضروری ہے یا چار دانت

سوال [۹۹۷۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ ایک عالم صاحب کا کہنا ہے کہ بڑے جانور کی عمر دو سال ہونا ضروری ہے اور اس میں چار دانت ہونا یہ علامت ہے، دو سال کے ہونے کی، لہٰذا اگر کسی بیل کی عمر دو سال ہو گئی ہے لیکن یا تو اس کے دانت ابھی آئے نہیں یا آ کر سب ٹوٹ گئے یا کچھ ٹوٹ گئے اور جانور چارہ کھا سکتا ہے تو اس کی قربانی درست ہے؟

المستفتی: محمد زبیر مظاہری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اصل حکم یہ ہے کہ گائے اور بھینس کی قربانی کے لیے دو سال کی عمر پوری ہونا لازم ہے، دانتوں پر مدار نہیں ہے، ہاں عام طور پر گائے اور بھینس کے دو سال پورے ہونے سے پہلے مادر زاد دانت ٹوٹتے نہیں، بلکہ دو سال پورے ہونے کے بعد مادر زاد دانت ٹوٹ جاتے ہیں اور نئے دانت نکلتے ہیں، اس کو دونتا کہا جاتا ہے، اگر جانور دونتا ہوتا ہے تو اس کی عمر پوری ہونا یقینی ہو جاتی ہے، اس لیے دونتا جانور کی تلاش ہوتی ہے، لہٰذا اگر کسی نے اپنے گھر جانور پال رکھا ہے، اور دو سال جانور کی عمر پوری ہو چکی ہے تو اس کے دانت دیکھنے کی ضرورت نہیں اور بازار سے جو جانور خریدا جاتا ہے اس کا دانت اس لیے دیکھا جاتا ہے کہ عمر پوری ہونے کے بارے میں یقینی معلوم نہیں اور دانت کے ذریعہ یقین ہو جاتا ہے نیز اگر جانور کے دانت اکثر یا سب ٹوٹ جاتے ہیں، مگر بدستور چرنے پر قادر ہے، تو وہ عیب دار نہیں ہے اور اس کی قربانی بلاتردد جائز ہے۔

وأما الهتماء وهي التي لا أسنان لها فإن كانت ترعى وتعتلف جازت وإلا فلا. (بدائع الصنائع، كتاب التضحية، باب محل التضحية، زكريا ٤/٢١٥، كراچی ٥/٧٥، المبسوط، دارالكتب العلمية بيروت ١٢/١٧، هدايه اشرفی ٤/٤٤٨)

ولايجوز بالهتماء التي لا أسنان لها إن كانت لا تعتلف وإن كانت تعتلف جاز هو الصحيح. (البحر الرائق، كتاب الأضحية، كوئٹه ٨/١٧٦، زكريا ٨/٣٢٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱ رجب المرجب ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۳۷۱/۳۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۱/۷/۱۴۲۸ھ

اُونا جانور کی قربانی

سوال [۹۹۷۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: خالد نے ایک بکرا قربانی کے لیے خریدا، بعد میں پتہ چلا کہ وہ اُونا ہے، دونتا نہیں تو اس بکرے کی قربانی جائز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: خالد کے اس بکرے کی عمر ایک سال ہے تو اس کی قربانی بلا شبہ درست ہے، خواہ وہ دونتا ہو یا نہ ہو، اس لیے کہ صحت قربانی کے لیے بکرے کا ایک سال کا ہونا ضروری ہے، دونتا ہونا ضروری نہیں، بلکہ دونتا ہونا سال بھر کا ہونے کی علامت ہے، کہ اکثر بکرا سال بھر کا ہونے کے بعد ہی دونتا ہوتا ہے۔

فلا يجوز شيئ مما ذكرنا من الإبل والبقر والغنم عن الأضحية إلا الثنى من كل جنس والثنى من الغنم إبن سنة. (هنديه، كتاب الأضحية، الباب الخامس فى بيان محل إقامة الواجب، زكريا قديم ٥/٢٩٧، جديد ٥/٣٤٣)

ويجزئ فى الأضحية الثنى فصاعدا من كل شيئ ...... والثنى من الغنم الذى تم له سنة. (تاتارخانية زكريا ١٧/٤٢٥، رقم: ٢٧٧١٣-٢٧٧١٤)

وصح الثنى فصاعدا من الثلاثة والثنى هو ابن خمس من الإبل و حولين من البقر والجاموس و حول من الشاة. (در مختار مع الشامى، كتاب الأضحية، زكريا ٩/٤٦٦، كراچى ٦/٣٢٢)

ويجزئ فى الأضحية الثنى فصاعدا من كل شيئ ...... والثنى من الغنم الذى تم عليه سنة و طعن فى الثانية. (المحيط البرهانى رشيديه ٦/٤٧٨، المجلس العلمى ٨/٤٦٦ رقم: ١٠٨١٣)

وأما سنه: فلايجوز شيئ مما ذكرنا من الإبل والبقر والغنم من الأضحية إلا الثنى من كل جنس ...... وأما معانى هذه الأسماء فقد ذكر

القدوری أن الفقهاء قالوا الجذع من الغنم ابن ستة أشهر والثنی منه ابن سنة. (بدائع الصنائع زکریا ٤/ ٢٠٦، کراچی ٥/ ٧٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍ ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۲۹۴)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۱/ ۱۱/ ۱۴۳۴ھ

فقیر نے بنیت قربانی ایک سال سے کم عمر کا بکرا خرید لیا

سوال [۹۹۸۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: فقیر نے بقرعید کے زمانہ میں قربانی کے ارادے سے ایک بکرا خریدا وہ بکرا نابالغ ہے، اور پوری عمر کا نہیں ہے، قربانی کے شرائط پر نہیں اترتا ہے تو ظاہر بات ہے کہ اس کی قربانی درست نہیں ہوگی تو اب فقیر اس جانور کا کیا کرے؟ اور فقیر کے قربانی کے جانور خریدنے سے عملی نذر منعقد ہو جاتی ہے یہاں شرائط پر نہ اترنے کی وجہ سے عملی نذر منعقد ہوگئی یا نہیں؟

المستفتی: مولانا عبد الناصر مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس مسئلہ سے متعلق بعینہٖ صریح جزئیہ دستیاب نہیں ہوسکا لیکن اس سے متقارب اور مؤید جزئیات حاصل ہوگئے ان جزئیات کا خلاصہ یہ ہے کہ جب فقیر نے قربانی کی نیت سے بکرا خرید لیا ہے اور وہ بکرا ایام قربانی تک عمر اور جسامت کے لحاظ سے کمسن اور نابالغ ہے اس عمر کا جانور قربانی میں شرعاً درست نہیں تو ایسی صورت میں بھی فقیر کی طرف سے نذر فعلی منعقد ہوگئی ہے اس جانور کو کسی اور کام میں لینا اس فقیر کے لیے جائز نہیں ہوگا اور نہ ہی ایام قربانی میں اس کو ذبح کرنا درست ہوگا بلکہ ایام قربانی گذر جانے کے بعد وہ جانور بعینہٖ غریبوں کو صدقہ کردینا لازم ہوگا، جزئیات ملاحظہ ہوں:

إن الشراء للأضحية ممن لا أضحية عليه يجری مجریٰ الإيجاب وهو النذر بالتضحية عرفا لأنه إذا اشتریٰ للأضحية مع فقره فالظاهر أنه

یضحی فیصیر کأنه قال جعلت هذه الشاة أضحیة. (بدائع الصنائع، کتاب التضحیة، زکریا ۱۹۲/٤، کراچی ٦۲/٥)

ثم قضائها قد یکون بالتصدق بعین الشاة وقد یکون بالتصدق بقیمة الشاة فإن کان أوجب التضحیة علی نفسه بشاة بعینها فلم یضحها حتی مضت أیام النحر یتصدق بعینها حیة، وکذٰلک المعسر إذا اشتریٰ شاة لیضحی بها فلم یضح حتی مضت الوقت لأن الشراء للأضحیة من الفقیر کالنذر بالتضحیة. (بدائع الصنائع زکریا ۲۰۲/٤، کراچی ٦۸/٥، هندیه زکریا قدیم ۲۹٤/٥، جدید ۳۳۹/٥)

ولو ترکت التضحیة ومضت أیامها تصدق بها حیة ناذر لمعینة. (در مختار مع الشامی، کتاب الأضحیة، زکریا ٤٦۳/۹، کراچی ۳۲۰/٦)

فإن کان أوجب علی نفسه أو کان المضحی فقیر وقد اشتریٰ شاة بنیة الأضحیة فلم یفعل حتی مضت أیام النحر تصدق بها حیة. (عالمگیری، الباب الرابع فیما یتعلق بالمکان والزمان، زکریا قدیم ۲۹٦/٥، جدید ۳٤۲/٥، الموسوعة الفقهیة الکویتیة ٤٥/۳٤، بدائع الصنائع کراچی ٦۸/٥، زکریا ۲۰۲/٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍صفر المظفر ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۲۸۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۲/۲۷ھ

قربانی کی نیت سے پالے گئے جانور کی ہی قربانی واجب ہے یا دوسرے کی بھی؟

سوال [۹۹۸۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کیا یہ بات صحیح ہے کہ وہ جانور جس کو قربانی کی نیت سے خریدا ہو، جس پر نویں ذی الحجہ قائم ہوگئی اس کی قربانی واجب ہے چاہے غریب کا ہو یا مالدار کا، نویں ذی الحجہ سے پہلے اگر کوئی غریب بنیت قربانی جانور خرید ے تو اس پر وجوب نہ ہوگا، لہٰذا وہ نویں تاریخ سے پہلے بنیت قربانی جانور خرید کر فروخت کرسکتا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مالدار نے بنیت قربانی خریدا ہے تو وہی جانور قربان کرنا واجب نہ ہوگا اور اگر غریب نے بنیت قربانی خریدا ہے تو اسی جانور کی قربانی کرنا واجب ہوگا۔

وأما الذی یجب علی الفقیر دون الغنی فالمشتری للأضحیة إذا کان المشتری فقیرا، بأن اشتریٰ فقیر شاة ینوی أن یضحی بها. (بدائع الصنائع، کتاب التضحیة، کراچی ۶۲/۵، زکریا ۱۹۲/۴، هندیه زکریا قدیم ۲۹۱/۵، جدید ۳۳۶/۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰؍صفر المظفر ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۲۲/۲۴)

قربانی کی نیت سے پالے ہوئے جانور کی قربانی کا حکم

سوال [۹۹۸۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر کسی جانور کو ابتدائے سال ہی سے بنیت قربانی پالا گیا ہو تو اسی جانور کی قربانی واجب ہوگی یا اس کو فروخت کرکے دوسرا جانور بھی قربان کیا جاسکتا ہے، غریب ومالدار کے فرق کو ملحوظ رکھتے ہوئے جواب عنایت فرمائیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مالدار نے بنیت قربانی خرید کر پالا ہے تو فروخت کرکے دوسرا جانور قربان کرسکتا ہے، اور اگر غریب نے بنیت قربانی خریدا ہے تو فروخت کرنا جائز نہ ہوگا، بلکہ اسی جانور کی قربانی واجب ہوگی، اور اگر جانور گھر کا ہے یا بوقت خریداری قربانی کی نیت نہیں تھی، اور بعد میں قربانی کی نیت سے چارا کھلانا شروع کیا ہے تو مالدار وفقیر دونوں کے لیے فروخت کرکے دوسرا جانور قربان کرنا جائز ہے۔

وأما الذی یجب علی الفقیر دون الغنی فالمشتری للأضحیة إذا کان

الـمشتـرى فـقيرا، بأن اشترىٰ فقير شاة ينوى أن يضحى بها (إلى قوله) وإن كـان غـنـيـا لايـجب عليه بالشراء شيئ بالاتفاق (وقوله) ولو كان فى ملك انسـان شاة فـنـوىٰ أن يـضـحـى بهـا أو اشترىٰ شاة ولم ينو الأضحية وقت الشـراء ثـم نـوىٰ بـعـد ذٰلک أن يضحى بها لايجب عليه سواء كان غنيا أو فقيرا لأن النية لم تقارن الشراء فلا تعتبر. (بدائع الصنائع، كتاب التضحية، زكريا ٤/١٩٢-١٩٣، هنديه زكريا قديم ٥/٢٩١، جديد ٥/٣٣٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ / صفر المظفر ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۱۲۲)

کیا بنیت قربانی خریدنے سے جانور متعین ہوجاتا ہے؟

سوال [۹۹۸۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایام اضحیہ میں قربانی کا جانور بنیت قربانی خریدنے سے قربانی کے لیے متعین ہوتا ہے یا ایام اضحیہ سے قبل خریدنے سے بھی متعین ہوجاتا ہے؟

المستفتی: ابوالمکارم المعروفی مئو

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: غریب شخص قربانی کی نیت سے قربانی کا جانور ایام اضحیہ سے پہلے خریدے یا ایام اضحیہ کے اندر خریدے بہرصورت وہ جانور قربانی کے لیے متعین ہوجاتا ہے اور مالدار شخص کے قربانی کی نیت سے جانور خریدنے سے وہ جانور متعین نہیں ہوتا خواہ ایام اضحیہ سے پہلے خریدے یا ایام اضحیہ کے اندر خریدے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۷/۵۲۹، فتاویٰ نظامیہ ص: ۳۳۹)

وأمـا الـذى يجب على الفقير دون الغنى فالمشترى للأضحية إذا كان الـمشتـرى فـقيـرا، بـأن اشتـرىٰ فـقير شاة ينوى أن يضحى بها وإن كان غنيا لاتجب عليه بشراء شيئ بالاتفاق. (بدائع الصنائع، كتاب التضحية، كراچی ٥/٦٢،

زکریا ۱۹۲/٤، هندیه زکریا قدیم ۲۹۱/٥، جدید ۳۳۲/٥) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
۱۲/ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۰ ۹۵۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۲/۴/۱۴۲۹ھ

متعینہ جانور دوسرے کے نام سے ذبح کرنا

سوال [۹۹۸۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید وبکر نے قصائی سے دو بھینسے مع اجرت ذبح کسی قیمت پر خریدے اور مقرر کردیا کہ یہ میری طرف سے قربانی ہوگی، مگر بوقت ذبح قصائی نے بکر کا بھینسا زید کے لیے ذبح کردیا، مالک کو جب معلوم ہوا تو اس نے اپنا مقرر کردہ ذبح کرایا، اگر مالک راضی ہو جائے تو کیا اس کی قربانی صحیح ہوگئی؟ اور اگر راضی نہیں جیسے معلوم ہونے پر اپنا مقرر کردہ ذبح کرایا تو بکر کی قربانی کا کیا حکم ہوگا؟ اگر قربانی نہیں ہوئی تو یہ تاوان کس پر ہوگا؟

المستفتی: محمد اسحاق نولگڑھ راجستھان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید وبکر نے قصائی سے جو دو بھینسے خرید کر اپنا اپنا بھینسا قربانی کیلئے مقرر کردیا اور قصائی نے بکر کا مقرر کردہ بھینسا زید کیلئے ذبح کردیا تو وہ بکر کی طرف سے قربانی ہوگئی، اور زید کا اپنا مقرر کردہ بھینسا ذبح کرانا بھی درست ہوگیا لہٰذا دونوں کی قربانی صحیح ہوگئی۔

ولو غلط اثنان وذبح کل شاة صاحبه یعنی عن نفسه ...... فیکون کل واحد وکیلا عن الآخر دلالة. (شامی، کتاب الأضحیة، زکریا ٤٧٦/٩، کراچی ٣٢٩/٦)

أنه لو اشتراها بینة الأضحیة فذبحها غیره بلا إذن فإن أخذها مذبوحة ولم یضمنه أجزأته وإن ضمنه لا تجزیه. (الأشباه کراچی ٣٢/١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴/صفر المظفر ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۳۱ ۶۰)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴/۲/۱۴۲۰ھ

دودھ دوہنے اور قربانی کی نیت سے خریدے گئے جانور کا حکم

سوال [۹۹۸۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (الف) زید نے سال کے شروع میں ایک گائے اس نیت سے خریدی کہ عید الاضحیٰ کے دن آنے تک اس کے دودھ وغیرہ سے فائدہ حاصل کرتا رہے گا، اس وقت تک اگر یہ جانور اللہ نے زندہ رکھا تو قربانی بھی اسی جانور کی کرے گا، تو اس طرح سال کے شروع یا عید الاضحیٰ سے چند دن پہلے ایسی مشترک نیت سے جانور خریدنا اور فائدہ حاصل کرتے رہنا اور پھر اسی کی قربانی کرنا درست ہے یا نہیں؟

(ب) نیز قربانی کے دن سے پہلے اگر کوئی ضرورت پیش آجائے تو تقریب میں اس جانور کو ذبح یا فروخت کر کے اس کا پیسہ استعمال کرنا درست ہے یا نہیں؟

(ج) اگر قربانی کا جانور قربانی سے پہلے بیمار ہو جائے تو کیا حکم ہے؟

المستفتی: محمد ہارون رشید کرناٹک

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (الف) زید اگر مالدار ہے اور دودھ دوہنے اور قربانی کی نیت سے جانور خریدتا ہے تو اس طرح خریدنا اور اس طرح خریدے ہوئے جانور سے بلاضرورت کسی قسم کا نفع حاصل کرنا مکرہ ہے، کیونکہ مالدار ہونے کی وجہ سے یہ جانور اس کے حق میں ایسا متعین تو نہیں ہوتا کہ اسی کا ذبح کرنا واجب ہوگا مگر اتنی تعیین ضروری ہو جاتی ہے کہ بلاضرورت اس کو بدلنا یا اس سے نفع حاصل کرنا مکروہ ہو جاتا ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۸/۲۱۴، جدید زکریا مطول ۱۲/۱۲۴)

وأما المشتراة من المؤسر للأضحية فلا بأس أن يحلبها و يجز صوفها. (بدائع الصنائع، كتاب التضحية، زكريا ٤/ ٢٢٠، كراچی ٥/٧٨، هنديه زكريا قديم ٥/ ٣٠١، جديد ٥/ ٣٤٧)

والصحيح: المؤسر والمعسر في حلبها و جز صوفها سواء في الكراهة. (هنـديـه، كتاب الأضحية، الباب السادس في بيان ما يستحب في الأضحية والانتفاع بها، زكريا جديد ٥/ ٣٤٧، قديم ٥/ ٣٠١)

اور اگر وہ غریب ہے تو اس کے لیے ایسی مشترکہ نیت سے جانور خریدنا اور ذبح سے پہلے اس سے کسی قسم کا فائدہ اٹھانا ہر حال میں مکروہ ہے، کیونکہ اس کے حق میں بنیت قربانی خریدا ہوا جانور قربانی کے واسطے متعین ہوکر نذر کے حکم میں ہوجاتا ہے اور ہر حال میں اس پر اسی کی قربانی واجب ہے۔

ولو اشتریٰ شاة للأضحية يكره أن يحلبها أو يجز صوفها فينتفع به لأنه عينها للقربة فلا يحل له الانتفاع بجزء من أجزائها قبل إقامة القربة بها كما لا يحل له الانتفاع بلحمها، إذا ذبح قبل وقتها. (فتاویٰ عالمگیری، کتاب الأضحية، الباب السادس فی بيان ما يستحب فی الأضحية والانتفاع بها، زكريا قديم ٥/ ٣٠٠، جديد ٥/ ٣٤٧، بدائع الصنائع زكريا ٤/ ٢١٩، كراچی ٥/ ٧٨)

(ب) ایام قربانی سے پہلے اگر کوئی ضرورت شدیدہ پیش آجائے تو مالدار کے لیے بنیت قربانی خریدے ہوئے جانور کو ذبح کرنا یا بیچ کر اس کا پیسہ استعمال کرنا بلاکراہت جائز ہے، بشرطیکہ اس کے بدلے میں دوسرے جانور کی قربانی کی نیت ہو اور غریب کے لیے کسی حال میں بھی قربانی سے قبل انتفاع جائز نہیں۔

إن المشتراة للأضحية متعينة للقربة إلى أن يقام غيرها مقامها. (شامی، كتاب الأضحية، زكريا ٩/ ٤٧٦، كراچی ٦/ ٣٢٩، بدائع الصنائع كراچی ٥/ ٧٨، زكريا ٤/ ٢٢٠)

(ج) قربانی سے پہلے اگر وہ جانور اتنا بیمار ہوجائے کہ قربانی کے قابل نہ رہے تو مالک اگر مالدار ہے تو اس پر اس کے بدلے میں دوسرے جانور کی قربانی واجب ہے اور اگر وہ فقیر ہے تو اس پر اسی جانور کی قربانی واجب ہے۔

ولو اشتریٰ أضحية وهی صحيحة العين ثم أعورت عنده وهو مؤسر (إلی قوله) لا تجزی عنه وعليه مكانها أخریٰ بخلاف الفقير وفی موضع: وفی حق المعسر تجوز علی كل حال. (هنديه، كتاب الأضحية، الباب الخامس فی بيان محل إقامة الواجب، زكريا قديم ٥/ ٢٩٩، جديد ٥/ ٣٤٥، بدائع الصنائع كراچی ٥/ ٧٦، زكريا ٤/ ٢١٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۱۶/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۰ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۲۱۱)	۱۴۲۰/۶/۱۷ھ

قربانی کی نیت سے خریدے گئے بکرے کو عقیقہ کے لیے رکھنے کا حکم

سوال [۹۹۸۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک بکرا قربانی کے لیے خریدا مگر اس بکرے کو عقیقہ کے لیے رکھ لیا اور کسی بڑے جانور میں قربانی کا ایک حصہ لے لیا تو کیا ایسا کرنا صحیح اور درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد صلاح الدین نو ہٹہ سہرسا بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر آپ اس قدر سرمایہ دار ہیں کہ آپ پر قربانی کرنا واجب ہے اور اس واجب کی ادائیگی کے لیے آپ نے بکرا خریدا ہے تو ایسی صورت میں آپ کو اختیار ہے چاہے اس بکرے کو قربانی کے لیے رکھیں یا عقیقہ کے لیے ارادہ کریں یا اسے بیچ دیں، اور پھر واجب قربانی کی ادائیگی کے لیے کسی بڑے جانور میں حصہ لے لیں اس طرح کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

ووجهه أن نية التعيين قارنت الفعل وهو الشراء فأوجبت تعيين المشترى للأضحية إلا أن تعيينه للأضحية لا يمنع جواز التضحية بغيرها. (بدائع الصنائع، کتاب التضحية، باب كيفية الوجوب، زكريا ٤/٢٠٢، کراچی ٥/٦٨)

إذا اشترىٰ شاة ينوى بها الأضحية ففى هذا الوجه فى ظاهر الرواية لاتصير أضحية مالم يوجبها بلسانه. (تاتارخانية زكريا ١٧/٤١٢، رقم: ٢٧٦٧١)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/ ذی قعدہ ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۵۲۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۱۱/۱۷ھ

فقیر کا ایامِ نحر سے قبل خرید کردہ جانور کو بدلنا

سوال [۹۹۸۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ اگر فقیر نے ایامِ نحر سے پہلے قربانی کے ارادے سے کوئی جانور خریدا ہو پھر اس کا ارادہ بدل جائے کہ اس جانور کو بیچ کر دوسرا جانور اس کے بدلے میں لے کر قربانی کر دے تو اس کے لیے ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

اسی طرح اگر فقیر خریدنے کے بعد پچھتانے لگے اور یہ ارادہ کرلے کہ اسے بیچ کر اس کا پیسہ گھر کی ضرورت میں استعمال کروں گا تو ایسا کرنا فقیر کے لیے جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد یعقوب غازی آبادی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: فقیر نے جو جانور ایامِ نحر سے پہلے قربانی کے ارادے سے خریدا ہے اب اس جانور کو اس کے لیے بدلنا جائز ہے یا نہیں؟ اسی طرح خریدنے کے بعد پچھتانے لگے تو اسے بیچ کر اس کا پیسہ اپنی ضرورت میں استعمال کرنا چاہے تو ایسا کرسکتا ہے یا نہیں؟ تو یہ بات قابل غور ہے، اس کے بارے میں فتاویٰ دارالعلوم قدیم ۲۰۷، عزیز الفتاویٰ میں مفتی عزیز الرحمٰن صاحب کا فتویٰ یہ ہے کہ اگر ایامِ نحر سے پہلے فقیر نے قربانی کے ارادے سے جانور کو خریدا ہے تو اس کا بدل دینا جائز ہے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ ایام نحر سے پہلے خریدنے کی وجہ سے فقیر کے اوپر نہ اس کی قربانی واجب ہوئی اور نہ ہی فقیر کی طرف سے خریدنے کی وجہ سے نذر منعقد ہوئی، لہٰذا اس فقیر کے لیے اس کا بدلنا بھی جائز ہوا اور یہ بھی جائز ہوا کہ اس جانور کو بیچ کر اس کا پیسہ اپنی ذاتی ضروریات میں خرچ کرے، حضرتؒ نے اس کے جواز میں شامی کی یہ عبارت دلیل کے طور پر پیش فرمائی ہے:

ووقع في التاتارخانية: التعبير بقوله شراها لها أيام النحر وظاهره أنه لو شراها لها قبل لاتجب. (شامی، کتاب الأضحية، زکریا ۹/ ٤٦٥، کراچی ٦/ ٣٢١)

حضرت کے زمانہ میں فتاویٰ تاتارخانیہ طبع ہوکر شائع نہ ہوسکا تھا، اس لیے حضرت مفتی صاحبؒ اصل کی طرف مراجعت نہ کرسکے، اور اب الحمد للہ فتاویٰ تاتارخانیہ مکمل شائع ہوکر عام ہو چکا ہے، اس لیے اصل کی طرف مراجعت ضروری ہے، فتاویٰ تاتاخانیہ کی اصل عبارت ملاحظہ فرمائیے:

وفـی الـعتـابية: المختار أن الفقير لو اشتراها بنية التضحية فی أيام النحر تـصيـر التضحية واجبة فی حقه وإن لم يقل بلسانه شيئا فی جواب ظاهر الرواية هذا اختيار الصدر الشهيد وعليه الفتویٰ. (تاتارخانية زكريا ١٧/ ٤١٢، رقم: ٢٧٦٦٩)

اس عبارت میں اس بات کو واضح کیا گیا ہے کہ فقیر نے ایامِ نحر میں قربانی کی نیت سے کوئی جانور خرید لیا ہے تو اس کی قربانی اس کے اوپر واجب ہو جاتی ہے اگر چہ اس نے اپنی زبان سے قربانی کی صراحت نہ کی ہو اور یہی مفتی بہ قول ہے، اب اس عبارت پر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ ایامِ نحر میں خریدنے کی صورت میں فقیر کے حق میں وہ جانور اضحیہ منذورہ بن جاتا ہے، جس بناء پر نہ اس کے لیے اسے بدلنا جائز ہے اور نہ ہی اس کو بیچ کر کے اس کا پیسہ اپنی ضرورت میں خرچ کرنا جائز ہے، اور حضرت مفتی صاحب نے آگے کی جو عبارت شامی سے نقل فرمائی ہے کہ:

وظاهره: أنه لو اشتراها لها قبلها لاتجب.

یہ عبارت فتاویٰ التاتارخانیہ میں نہیں ہے، بلکہ علامہ شامی نے تاتارخانیہ کی عبارت سے مفہوم مخالف کے طور پر اپنی طرف سے لکھا ہے، اس لیے ایام نحر سے پہلے خرید کردہ جانور سے متعلق صراحت کے ساتھ کسی بھی فقہ کی عبارت میں موجود نہیں ہے، ہاں البتہ فتاویٰ تاتارخانیہ اور محیط برہانی میں شمس الائمہ سرخسی اور شمس الائمہ حلوانی اور زعفرانی کے حوالہ سے یہ بات صراحت کے ساتھ موجود ہے کہ فقیر نے اگر قربانی کی نیت سے قربانی کا جانور خرید لیا ہے تو قربانی کی نیت سے خریدنے کی وجہ سے اس کے اوپر اس جانور کی قربانی واجب نہیں ہے، اور اگر زبان سے صراحت کر دی ہے کہ میں اس کی قربانی کروں گا تب قربانی کرنا واجب ہوتا ہے، تو ان فقہاء کرام کی صراحت کے مطابق جب اس کی قربانی کرنا واجب نہ ہوا تو اس کا بدلنا بھی جائز ہوا، اور اس کو بیچ کر اس کا پیسہ اپنی ضرورت میں استعمال کرنا فقیر کے لیے جائز ہو جائے گا اور اس میں ان فقہاء کی طرف سے ایام قربانی سے پہلے یا ایام قربانی کے درمیان میں خریدنے کی کوئی صراحت نہیں بلکہ مطلق ہے، لیکن چونکہ آگے عتابیہ کے حوالہ سے ایامِ قربانی میں خریدنے کی صراحت آرہی ہے، اس لیے اس مطلق حکم کو ایام قربانی سے پہلے

خریدے جانے پر محمول کیا جانا ممکن ہے، اوراس کے برخلاف ایام قربانی سے پہلے یا ایام قربانی کے درمیان کی قید کے بغیر شیخ الاسلام خواہر زادہؒ اور امام طحاویؒ کے حوالہ سے نقل فرمایا ہے کہ فقیر نے جو جانور قربانی کے ارادے سے خریدا ہے اس کے خریدتے ہی فقیر کے اوپر اس کی قربانی واجب ہو جاتی ہے، لہٰذا فقیر کی طرف سے وہ جانور اضحیہ منذورہ ہو گیا اب ایام قربانی میں متعین طور پر اس جانور کی قربانی کرنا لازم ہو جائیگا۔

اب اس تفصیل کے بعد یہ بات واضح ہوگئی کہ ایام نحر سے پہلے فقیر نے جو قربانی کی نیت سے جانور خریدا ہے اس کی قربانی اس کے اوپر واجب ہونے میں تردد اور شک واقع ہو چکا ہے، حتمی طور پر اس کے وجوب کی بات نہیں کہی جاسکتی، اس لیے کہ حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب اور علامہ شامیؒ دونوں عظیم الشان شخصیت ہیں، ان دونوں کی رائے اس بارے میں یہی ہے کہ ایام نحر سے پہلے فقیر کا خریدا ہوا جانور اضحیہ منذورہ نہیں ہوتا ہے اس کو بدلنا بھی جائز ہے، اور جب بدلنا جائز ہے تو اس کو بیچ کر ان پیسوں کو اپنی ضرورت میں خرچ کرنا بھی جائز ہوگا، مگر احتیاط اسی میں ہے کہ حتی الامکان فقیر اس جانور کو بدلنے یا بیچنے کا ارادہ نہ کرے البتہ کوئی مجبوری ہو تو بات الگ ہے۔

اس کے بدلنے اور اس کو بیچ کھانے کے بارے میں فقیر کی حوصلہ افزائی نہ کی جائے، اب الفتاویٰ التاتارخانیۃ اور المحیط البرہانی کی عبارت ملاحظہ فرمایئے:

وإن كان المشترى فقيرا، ذكر شيخ الاسلام خواهرزاده في شرح كتاب الأضحية إن في ظاهر رواية أصحابنا تصير واجبة الأضحية، وروى الزعفراني عن أصحابنا أنها لا تصير واجبة و إلى هذا أشار شمس الأئمة السرخسي رحمه الله في شرحه و ذكر شمس الأئمة الحلواني في شرحه: أن في ظاهر رواية أصحابنا لاتصير واجبة الأضحية وذكر الطحاوي في مختصره أنها تصير واجبة وأما إذا صرح بلسانه وقت الشراء أنه اشتراها ليضحي بها فقد ذكر شمس الأئمة الحلواني أنها تصير واجبة ذكره

الزعفرانی فی أضاحیه. (الفتاویٰ التاتارخانیة زکریا ۱۷/ ۴۱۱، رقم: ۲۷۶۶۸، المحیط البرهانی، المجلس العلمی ۷/ ۲۵۹، رقم: ۱۰۷۸۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍ ذی قعدہ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۱۷۴۵)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۴/۱۱/۱۴۳۵ھ

ایامِ نحر میں فقیر کا خریدے ہوئے جانور کو بدلنا

سوال [۹۹۸۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص غریب اور فقیر ہے اس نے ایامِ اضحیہ میں قربانی کی نیت سے ایک جانور خریدا ہے تو کیا اس کے لیے اس جانور کو بدلنا جائز ہے یا نہیں؟ اسی طرح اگر وہ جانور خرید کر پچھتاتا ہے اور یہ سوچتا ہے کہ قربانی نہیں کروں گا اور اس جانور کو بیچ کر اس کا پیسہ اپنی ضرورت میں لگائیں گے، تو کیا ایسا کرنا اس شخص کے لیے جائز ہے؟

المستفتی: محمد یعقوب غازی آبادی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: فقیر نے جو جانور ایامِ اضحیہ میں قربانی کی نیت سے خریدا ہے، اس کے لیے اس جانور کی قربانی واجب ہوگئی ہے اب اس کا بدلنا اس کے لیے جائز نہیں ہے، اسی طرح اگر خدانخواستہ وہ جانور گم ہوجائے یا ہلاک ہوجائے تو اس کی جگہ پر دوسرے جانور کی قربانی فقیر کے اوپر لازم نہیں ہے، اسی طرح اگر اس کا ارادہ بدل جائے کہ قربانی نہیں کرنی ہے بلکہ جانور کو بیچ کر پیسہ اپنی ضرورت میں استعمال کریں گے تو ایسا کرنا بھی اس کے لیے جائز نہیں ہے، اس لیے کہ قربانی کی نیت سے جانور خریدنے کے بعد اس کے لیے نذر کے درجے میں ہوگیا، لہٰذا وہ جانور اضحیۂ منذورہ ہوگیا اس کی قربانی ہر حال میں لازم ہے، اس کو بیچ کر اس کا پیسہ استعمال میں لانا جائز نہیں۔

وفی العتابیة: المختار أن الفقیر لو اشتراها بنیة التضحیة فی أیام النحر

تصیر التضحیة واجبة فی حقه وإن لم یقل بلسانه شیئا فی جواب ظاهر الروایة هذا اختیار الصدر الشهید وعلیه الفتویٰ. (تاتارخانیة زکریا ۱۷/۴۱۲، رقم: ۲۷۶۶۹)

وفیه أیضا الفقیر إذا اشتریٰ أضحیة فضلت فلیس علیه أن یشتری مکانها أخریٰ ولو کان غنیا فعلیه ذلک. (الفتاویٰ التاتارخانیة ۱۷/۴۱۲، رقم: ۲۷۶۷۴)

إن کان معسرا فاشتریٰ شاة للأضحیة فهلکت فی أیام النحر أو ضاعت سقطت عنه لیس علیه شیئ آخر لما ذکرنا أن الشراء من الفقیر للأضحیة بمنزلة النذر فإذا هلکت فقد هلک محل إقامة الواجب فیسقط عنه ولیس علیه شیئ آخر. (بدائع الصنائع، کتاب التضحیة، فصل فی کیفیة الوجوب، زکریا ۴/۱۹۹، کراچی ۵/۶۶) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴ / ذی قعدہ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۴۲/۱۱۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۱۱/۲۴ھ

قربانی کے ارادے سے خریدے گئے جانور کی جگہ دوسرے جانور کی قربانی کرنا

سوال [۹۹۸۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص مالدار ہے، اس نے ایام نحر سے پہلے یا ایام نحر میں قربانی کی نیت سے ایک جانور خریدا اور بعد میں اس کا ارادہ بدل گیا کہ اس جانور کو بیچ کر دوسرا جانور اس کی جگہ پر ذبح کریں گے تو اس کے لیے جانور کا بدلنا جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر جائز ہے تو کیونکر جائز ہے؟ اور اگر ناجائز ہے تو کیوں ناجائز ہے؟

المستفتی: عبداللہ لاالباغ مرد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: صاحب نصاب آدمی کے لیے قربانی کی نیت سے خریدے ہوئے جانور کو بدلنا جائز اور درست ہے، چاہے ایام نحر سے پہلے خریدا ہو یا ایام نحر

کے درمیان میں خریدا ہو ہر صورت میں جائز ہے، لیکن اتنی بات لازم ہے کہ دوسرا جانور پہلے جانور کے برابر ہو یا اس سے بہتر ہو اور پہلے جانور کے مقابلہ میں کمزور اور گھٹیا جانور سے بدلنا جائز نہیں، اگر پہلے جانور سے دوسرا جانور کمزور ہے اور اس کی قیمت بھی کم ہے تو جتنی قیمت کم ہے اتنی قیمت کا صدقہ کرنا لازم ہو جائے گا۔

إذا اشتریٰ أضحية و باعها حتی جاز البيع فی ظاهر رواية أصحابنا: ثم قال اشتری مثلها وضحی بها فإن كانت الثانية مثل الأولیٰ أو خيرا منها جاز ولايلزمه شيئ آخر وإن كانت الثانية شرا من الأولیٰ فعليه أن يتصدق بفضل القيمتين. (الفتاویٰ التاتارخانية زكريا ۱۷/ ٤١٤، رقم: ۲۷٦۸۷، المحيط البرهانی، المجلس العلمی ٨/ ٤٦٠، رقم: ۱۰۷۹۲)

فإذا اشتریٰ أضحية ثم باعها فاشتریٰ مثلها فلا باس بذٰلک ...... والأصل فيه ماروی أن النبی ﷺ دفع دينارا إلی حكيم بن حزام رضـ ليشتری له شاة للأضحية فاشتریٰ شاة ثم باعها بدينارين ثم اشتریٰ شاة بدينار وجاء بالشاة والدينار إلی رسول الله ﷺ فأخبره بذٰلک فقال ﷺ: بارک الله فی صفقتک أما الشاة فضح بها وأما الدينار فتصدق به فقد جوز رسول الله ﷺ – بيعه مااشتراها للأضحية وإن كانت الثانية شرا من الأولیٰ وقد كان أوجب الأولیٰ فتصدق بالفضل فيما بين القيمتين. (المبسوط للسرخسی، دار الكتب العلمية بيروت ۱۲/ ۱۳) **فقط** واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍ ذی قعدہ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۱۷۴۱)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۱۱/۲۴ھ

عیدگاہ میں قربانی کرنا

سوال [۹۹۹۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: ذبح کے لیے جگہ میسر نہ ہونے کی صورت میں کیا قربانی کے جانور کوعیدگاہ میں ذبح کرنا درست ہے؟

المستفتی: سخاوت حسین مرادآبادی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر قربانی کے لیے کوئی دوسری جگہ ہی نہ ہوتو شدت ضرورت کی بنا پر اس کی گنجائش ہے۔

المشقة تجلب التيسير. (الأشباه والنظائر ۱/۱۲۵)

البتہ دم مسفوح کو وہاں سے صاف کردینا ضروری ہے، کیونکہ عیدگاہ کی تنظیف و تطییب کا اہتمام رکھنا ہی اولیٰ ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/ ۶۵۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/ ربیع الثانی ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۶۵۱)

قربانی کے جانور پر کفن رکھ کر ذبح کرنا

سوال [۹۹۹۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بکر کا کہنا ہے کہ قربانی کے جانوروں پر کفن رکھ کر قربانی کرنا، ادب ہے، اچھا ہے، بہتر ہے، لہٰذا شرعاً بکر پر کیا حکم ہوگا؟

المستفتی: بشیرالدین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قربانی کے جانور پر کفن رکھ کر قربانی کا ثبوت کسی حدیث اور کتب فقہ میں نہیں ہے، ہاں البتہ بوقت قربانی، قربانی کے جانور پر قدم رکھ کر قربانی کرنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور بکر کا دعویٰ بلا دلیل ہے۔

عن أنس رضی اللہ عنہ أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم كان يضحى بكبشين أملحين أقرنين، ويضع رجله

علی صفحتهما ویذبحهما بیده (بخاری شریف، باب وضع القدم علی صفح الذبیحة، النسخة الهندیة ۲/۸۳۵، رقم: ۵۳۴۹، ف: ۵۵٦٤، صحیح مسلم، الأضاحی، باب استحباب استحسان التضحیة و ذبحهما مباشرة بلا توکیل، النسخة الهندیة ۲/۱۵۵، بیت الأفکار رقم: ۱۹٦٦) **فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
۱۴؍محرم الحرام ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۵۲۵)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۲/۱/۱۴ھ

ناجائز اور حرام رقم سے قربانی کرنا

سوال [۹۹۹۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ناجائز اور حرام پیسے سے قربانی کرے تو کیا فریضۂ قربانی ادا ہو جائے گا اس میں کسی قسم کی کراہت تو نہیں؟

المستفتی: فصیح احمد مدھوبنی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ناجائز اور حرام پیسے سے قربانی کا فریضہ ادا نہیں ہوگا۔

غصب شاة فضحی بها عن نفسه لاتجزیه لعدم الملک. (شامی، کتاب الأضحیة، زکریا ۹/۴۷۸، کراچی ٦/ ۳۳۱، البنایه ۱۲/ ٦۳،بدائع الصنائع کراچی ۵/٧٦، زکریا ٤/٢١٧، الموسوعة الفقهیة الکویتیة ۵/۸۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰؍جمادی الثانیہ ۱۴۲٦ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۸۱٦)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲٦/٦/۲۰ھ

شیعوں سے قربانی کا جانور خریدنا

سوال [۹۹۹۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: شیعوں سے قربانی کا جانور خرید کر قربانی کرنا کیسا ہے؟ نیز ان کے یہاں کھانا پینا ازروئے شرع کیا حیثیت رکھتا ہے؟

المستفتی: ابوالمکارم المعروفی، مئو

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: قربانی کا جانور شیعوں سے، غیر مسلموں سے ہر قوم سے خریدنا جائز ہے، البتہ شیعوں کے یہاں کھانے پینے سے احتیاط رکھنا چاہیے تاکہ ان کے ساتھ موالات اور دوستی کا سلسلہ شروع نہ ہو، اور نفس کھانا پینا حرام نہیں۔

﴿**قال الله تعالىٰ: لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكَافِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ.** [آل عمران: ٢٨]﴾

لا بأس بأن يكون بين المسلم والذمي معاملة إذا كان لابد منه .

(هنديه، كتاب الكراهية، الباب الرابع عشر فى أهل الذمة والأحكام التى تعود إليهم، زكريا قديم ٥/٣٤٨، جديد ٥/٤٠٢)

ولم يذكر محمدؒ الأكل مع المجوسى وغيره من أهل الشرك أنه هل يحرم أم لا؟ حكى عن الحاكم الإمام عبد الرحمن الكاتب أنه ان ابتلى به المسلم مرة أو مرتين فلا بأس به وأما الدوام عليه فيكره. (هنديه، كتاب الكراهية، الباب الرابع عشر فى أهل الذمة والأحكام التى تعود إليهم، زكريا قديم ٥/٣٤٧، جديد ٥/٤٠١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۵۷۰)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۲۹/۴/۱۲ھ

قربانی کے جانور کو ذریعۂ آمدنی بنانا

سوال [۹۹۹۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: ایک شخص نے ایک بڑا جانور بنیت قربانی مثال کے طور پر چار ہزار میں خریدا، اور دوسرے لوگوں کو قربانی کے لیے چار ہزار سات سو روپئے کے حساب سے شریک کیا، واضح رہے کہ اس شخص کا ارادہ بوقت خریداری خود اس میں شریک ہونے کا اور دوسرے چھ افراد کو شریک کرنے کا تھا تو:

(الف) اس کے لیے ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(ب) اس جانور کی قربانی شرعاً درست ہوگی یا نہیں؟

(ج) اگر قیمت خرید بتا کر شریک کرے تو کیا حکم ہے؟ اگر قیمت خرید بتائے بغیر شریک کرے تو کیسا ہے؟

(د) اگر بنیت تجارت خریدا ہے اور بعد میں مذکورہ طریقہ پر کسی کو شریک کرتا ہے تو اس کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: ابوالمکارم المعروفی مئو

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قربانی کی نیت سے جانور چار ہزار میں خرید کر سات سو کے نفع کے ساتھ سینتالیس سو کے حساب سے دوسرے لوگوں کو اس میں شریک کرنا جائز نہیں، اس لیے کہ قربانی کے جانور کو ذریعۂ آمدنی بنانا اور اس سے نفع اٹھانا جائز نہیں، البتہ اس جانور کی قربانی درست ہو جائے گی، اور جو زائد پیسے لیے ہیں اسے دوسرے شرکاء کو واپس کرنا ضروری ہے، ہاں اگر جانور کو تجارت کی نیت سے چار ہزار میں خریدا ہو تو سات سو کے نفع کے ساتھ سینتالیس سو کے حساب سے لوگوں کو اس میں شریک کرنا جائز ہے۔

إن المشتراة للأضحية متعينة للقربة إلى أن يقام غيرها مقامها فلا يحل الانتفاع بها مادامت متعينة. (بدائع الصنائع، كتاب التضحية، مايستحب قبل التضحية وعندها وبعدها، زكريا ٤/ ٢٢٠، كراچى ٥/ ٧٨، دار الكتب العلمية بيروت ٦/ ٣٢١، شامى زكريا ٩/ ٤٧٦، كراچى ٦/ ٣٢٩)

إذا ثمنه بما قام عليه وبفضل مؤنة ...... ثم باعه مرابحة على تلك القيمة جاز.

(شامی، کتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، زکریا ۷/ ۳۵۰، کراچی ۵/ ۱۳٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍ ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۵۷۰)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۴/۱۴ھ

٧ باب مایکون عیبا فی الأضحیة ومالایکون عیبا

کون سا عیب مانع قربانی ہے؟

سوال [٩٩٩٥]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ معلم الحجاج میں لکھا ہے کہ اگر بکری کے دو تھن میں سے ایک تھن سوکھ جائے اور اس سے دودھ نہ نکلے تو ایسے جانور کی قربانی جائز نہیں، اسی طرح گائے وغیرہ چار تھن والے جانور کے دو تھن سوکھ جائیں اور ان سے دودھ نہ نکلے تو ایسے جانور کی بھی قربانی جائز نہیں، لیکن اگر جانور کی عمر زیادہ ہونے کی وجہ سے اس کے کسی بھی تھن سے دودھ نہ نکلے بلکہ سارے تھن سوکھ جائیں اور یہ دودھ نہ نکلنا کسی خاص وجہ یا بیماری کی وجہ سے نہیں ہے تو ایسی صورت میں اس جانور کو عیب دار شمار نہیں کیا جائیگا، تو مفتی صاحب سے گذارش ہے کہ آخر کیا وجہ ہے کہ بکری کے تھن اور گائے وغیرہ کے دو تھن سوکھ جانے کی وجہ سے اس کی قربانی جائز نہیں ہوتی؟ اس کے برخلاف بکری کے دو تھن اور گائے وغیرہ کے چاروں تھن سوکھ جانے کی صورت میں قربانی کیوں جائز ہے؟ مدلل طور پر اس سوال کا جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: مولانا خلیل اللہ مقیم مکہ مکرمہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قربانی میں حکم شرعی یہی ہے کہ جانور عیب دار نہ ہو اور عیب سے ایسا عیب مراد ہے جو فطری طور پر نہ ہو بلکہ بعد میں کسی خاص وجہ یا بیماری کی وجہ سے پیدا ہوگیا ہو تو ایسے عیب سے پاک ہونا لازم ہے، لہٰذا دو تھن والے مادہ جانور کے ایک تھن سے دودھ نکلے اور دوسرے تھن سے دودھ نہ نکلے بلکہ سوکھ جائے، اسی طرح چار تھن والے مادہ جانور کے دو تھن سوکھ جائیں اور ان سے دودھ نہ نکلے تو یہ ایسا عیب ہے جس کی وجہ سے قربانی جائز نہیں لیکن اگر مادہ جانور ایسا ہو جو فطری طور پر بانجھ ہو اور اس کے سارے تھن سوکھے ہوئے ہوں اسی طرح وہ جانور جس کی زیادہ عمر کی وجہ سے سارے تھن سوکھ گئے ہوں

اور کسی سے بھی دودھ نہ نکلتا ہوتو ایسے جانور کی قربانی بلاشبہ جائز اور درست ہے، اس لیے کہ یہ ایسا عیب نہیں ہے کہ جو بعد میں عارض ہوا ہو، جس کی وجہ سے اس جانور کی قربانی جائز نہ ہوتی ہو، لہٰذا اگر جانور دودھ دینے کے لائق ہو مگر کسی بیماری کی وجہ سے اس کے تھن سوکھ گئے ہوں تو اس کی قربانی جائز نہیں اور معلم الحجاج کی عبارت کا بھی یہی مطلب ہے، جیسا کہ فقہی جزئیات سے واضح ہوتا ہے، ملاحظہ فرمائیے:

وذكر فيها جواز التي لاينزل لها لبن من غير علة. (شامی، كتاب الأضحية، كراچی ٦/ ٣٢٥، زكريا ٩/ ٤٧٠، خلاصة الفتاوىٰ، اشرفی دیوبند ٤/ ٣٢١)

يجوز العاجزة عن الولادة لكبر سنها والتي بها كي والتي لاينزل لها لبن من غير علة. (هنديه زكريا قديم ٥/ ٢٩٧، جديد ٥/ ٣٤٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ذی الحجہ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۱۷۸۵)

کیا ادھیا پر دی ہوئی بکری کے بچوں کی قربانی درست ہے؟

سوال [۹۹۹۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے اپنی بکری پالنے کے لیے اس شرط پر خالد کو دی کہ تم اس بکری کو کھلاؤ پلاؤ، اس کے بعد جو بچہ پیدا ہوگا اس میں آدھا آدھا ہوگا اس کے بعد اس بکری سے دو بچے مذکر پیدا ہوئے تو ایک زید کا ہوا اور ایک خالد کا تو زید نے اپنے حصہ والے بکرے کو قربانی کے لیے چھوڑ دیا تو اس قسم کے بکرے کی قربانی درست ہے یا نہیں اور ایک شخص صاحب نصاب نہیں ہے اس نے اس قسم کی قربانی کر لی، تو اس کے لیے کیا حکم ہے؟ وہی قربانی اس کے لیے کافی ہے یا کوئی اور دوسرا کرے گا؟ اس قسم کی قربانی لوگوں میں بہت رائج ہے؟

المستفتی: نذیر احمد نیپال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس طرح کا معاملہ اجارۂ فاسدہ ہونے کی وجہ

سے جائز نہیں ہے اور نہ ہی ایسے معاملات سے حاصل شدہ جانور کی قربانی جائز ہوگی، ہاں البتہ فقہاء نے اس طرح کے معاملہ جائز ہونے کے لیے ایک حیلہ لکھا ہے کہ مالک جانور اس کی مناسب قیمت لگا کر نصف جانور لینے والے کے ہاتھ فروخت کردے تو جانور دونوں کے مابین مشترک ہوجائے گا، پھر اس کے بعد مشتری کو قیمت معاف کردے، اس کے بعد آدھے آدھے کا معاملہ دونوں کے درمیان صحیح ہوجائے گا اور حاصل شدہ جانور کی قربانی بھی جائز ہو جائے گی۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۱/ ۱۱۵)

دفع بقرة إلى رجل على أن يعلفها ومايكون من اللبن والسمن بينهما انصافا، فالإجارة فاسدة ...... والحيلة فى جوازه أن يبيع نصف البقرة منه بثمن ويبرئه عنه ثم يأمر باتخاذ اللبن والمصل فيكون بينهما. (هنديه، كتاب الإجارة، الباب الخامس عشر، الفصل الثالث، زكريا قديم ٤/ ٤٤٥، جديد ٤/ ٤٨١، فتاویٰ قاضی خان جديد زكريا ٢/ ٢١٠، وعلى هامش الهندية زكريا ٢/ ٣٣٠، فتاویٰ بزازيه جديد زكريا ٢/ ٢١-٢٢، وعلى هامش الهندية زكريا ٥/ ٣٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/ ذی قعدہ ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۵۰۳۹)

بٹائی پر دی ہوئی بکری کے بچہ کی قربانی

سوال [۹۹۹۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص نے ایک بکری بٹائی پر دی، اور دوسرے شخص نے آدھے حصہ پر لیا ہے، تھوڑے دن کے بعد اس بکری کے دو بچہ ہوئے، ایک نر اور ایک مادہ، تو اس نے نر قربانی کے لیے رکھا ہے تو وہ قربانی دونوں کی ہوگی یا کس کی ہوگی؟ جس نے پرورش کی ہے اس کی یا جس کی بکری ہے یا دونوں کی ہوگی، مع دلائل جواب تحریر فرمائیں۔

المستفتی: عبد الغفور سنبھلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس طرح بٹائی پر دینا جائز نہیں ہے، بکری اور اس کے بچے سب اصل مالک کی ملکیت ہیں، بٹائی پر دینے والے کو اپنے عمل کی اجرت اور اس گھاس کی قیمت ملے گی، جس کو اس نے اپنے کھیت وغیرہ سے کاٹ کر کھلایا ہے، اس کی قربانی اصل مالک کی طرف سے ادا ہوسکتی ہے، چرانے والے کی طرف سے قربانی ادا نہیں ہوگی۔(مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۴/۲۶۰، جدید ڈابھیل ۱۶/۵۹۴)

دفع بقرة إلى رجل على أن يعلفها ومايكون من اللبن والسمن بينهما انصافا، فالإجارة فاسدة وعلى صاحب البقرة للرجل أجر قيامه وقيمة علفه إن علفها من علف هوملكه لا ما سرحها فى المرعىٰ. (هنديه، كتاب الإجارة، الباب الخامس عشر، الفصل الثالث، زكريا قديم ٤/٤٤٥، جديد ٤/٤٨١، فتاوىٰ قاضى خان جديد زكريا ٢/٢١٠، وعلى هامش الهندية زكريا ٢/٣٣٠، فتاوىٰ بزازيه جديد زكريا ٢/٢١-٢٢، وعلى هامش الهندية زكريا ٥/٣٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸؍ ذی قعدہ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۹۹۳)

ادھیا پر پالنے والے کا مالک کے بکری کی قربانی کرنے کا حکم

سوال [۹۹۹۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہم نے دوسرے کی ایک بکری پالی تھی، اس سے دو بچے پیدا ہوئے، کچھ دنوں کے بعد وہ بچے بڑے ہوگئے، ایک ایک کرکے دونوں آدمیوں نے تقسیم بھی کرلیا، اس کی ہم قربانی کرسکتے ہیں یا نہیں اور جس کی بکری تھی وہ قربانی کرسکتا ہے یا نہیں؟ لیکن ہم قربانی کرنے کی حیثیت رکھتے ہیں؟

المستفتی: اہل اللہ دانیال پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ادھیا پر بکرا پالنے والے کے حق میں ناجائز ہے، پالنے

والےکو پالنے کی اجرت ملے گی، جانور اصل مالک کی ملکیت میں ہوگا،اس لیے مالک کے لیےاس کی قربانی جائز ہے۔(مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۴/۲۶۰، جدید ڈابھیل ۱۶/۵۹۴، اصلاح الرسوم ص: ۱۴۳)

دفع بقرة إلى رجل على أن يعلفها ومايكون من اللبن والسمن بينهما انصافا، فالإجارة فاسدة وعلى صاحب البقرة للرجل أجر قيامه وقيمة علفه إن علفها من علف هو ملكه لا ما سرحها في المرعىٰ. (هنديه، كتاب الإجارة، الباب الخامس عشر، الفصل الثالث، زكريا قديم ٤/٤٤٥، جديد ٤/٤٨١، فتاوىٰ قاضی خان جديد زكريا ٢/٢١٠، وعلى هامش الهندية زكريا ٢/٣٣٠، فتاوىٰ بزازيه جديد زكريا ٢/٢١-٢٢، وعلى هامش الهندية زكريا ٥/٣٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍رجب المرجب ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۱۸۷۵)

ادھیا پر دیئے ہوئے جانور کے بچوں کی قربانی کا حکم

سوال [۹۹۹۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے اپنی بکری ادھیا پر پرورش کے لیے خورشید کو دی، بعدہٗ بکری نے دو بچے دیئے، اور دونوں نے طے شدہ بات کے مطابق ایک ایک بچہ تقسیم کرکے لے لیا، اب زید بکری کا مالک اپنے حصہ کے بچہ کو اپنے لیے حلال سمجھ کر اس کی قربانی دیتا ہے، آیا بکری کے مالک زید کے لیے اس بچہ کی قربانی بلا کسی شرط کے مطلقاً جائز اور درست ہے، یا اس بچہ میں کسی قسم کا خبث ہے؟

ہمارے گاؤں میں کتب فتاویٰ کے نہ ہونے کی وجہ سے لوگ حضرت اقدس مولانا اشرف علی تھانویؒ کی کتاب بہشتی زیور کے مسائل کو مفتی بہ سمجھ کر اس پر عمل کرتے ہیں جس میں یہ ہے کہ ''مسئلہ ۳۹'' اگر کوئی جانور کسی کو حصہ پر دیا ہے تو یہ جانور پرورش کرنے والے کی ملک نہیں ہوا بلکہ اصل مالک کا ہی ہے، اس لیے اگر کسی نے اس پالنے والے سے خرید کر قربانی کردی تو قربانی نہیں ہوئی، اگر ایسا جانور خریدنا ہو تو اصل مالک سے جس نے حصہ پر دیا ہے خرید لیں۔(بہشتی زیور طبع جدید جسیم بکڈپو جامع مسجد دہلی ص: ۱۶۳)

لیکن ایک صاحب دو سال سے یہ بتارہے ہیں کہ بکری کے مالک کی قربانی بھی جائز اور درست نہیں ہورہی ہے اور اب تک ان تمام لوگوں کی قربانی جو ایک مدت دراز سے بغیر اجرت ادا کئے کرتے آئے ہیں نہیں ہوئی، اور قربانی کے درست ہونے کی شرط یہ ہے کہ پرورش کرنے والے کو پہلے اس کی اجرت ادا کردے کیونکہ اس معاملہ کا تعلق اجارۂ فاسدہ سے ہے، نیز بہشتی زیور کے مسائل مفتی بہ نہیں ہیں، اور میں جو کچھ بیان کررہا ہوں وہی فتاویٰ محمودیہ، فتاویٰ رحیمیہ، عالمگیری، شامی اور بدائع کے اندر بھی موجود ہے؟

المستفتی: حافظ اشتیاق احمد بھاگلپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ادھیا پر دیئے ہوئے جانور مالک کی ملکیت ہیں اور جو بچہ مالک کے پاس آیا ہوا ہے وہ بھی مالک کی ملکیت ہے، اس لیے اس بچہ میں قربانی کے شرائط پائے جانے کے بعد اس بچہ کی قربانی مالک کے لیے بلاشبہ جائز ہے اور یہی مسئلہ بہشتی زیور، فتاویٰ محمودیہ، فتاویٰ عالمگیری، اور بدائع الصنائع وغیرہ میں موجود ہے، اور یہی بات صحیح ہے، اور بہشتی زیور کے مسائل مفتی بہ ہیں، اور بکر کے لیے اس کی قربانی اس وقت تک درست نہیں جب تک کہ معاملہ فاسدہ کو درست نہ کرلے اور معاملہ فاسدہ کو درست کرنے کی شکل یہ ہے کہ ادھیا پر لینے والے کو مالک کی طرف سے پرورش کی اجرت دی جائے اور بچہ نہ دیا جائے اور بچہ کی قیمت لگا کر کے ادھیا پر لینے والے کے ہاتھ فروخت کردے اور پھر مالک قیمت کو معاف کردے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل ۱۶/ ۵۹۸، بہشتی زیور ۳/ ۴۱)

وعلى هذا إذا دفع البقرة بالعلف ليكون الحادث بينهما نصفين فما حدث فهو لصاحب البقرة وللآخر مثل علفه وأجر مثله. (رد المحتار، كتاب الشركة، فصل في الشركة الفاسدة، مطلب: يرجع القياس، زكريا ٦/ ٥٠٤، كراچی ٤/ ٣٢٧، عالمگيری، الباب الخامس عشر، الفصل الثالث، زكريا قديم ٤/ ٤٤٥، جديد ٤/ ٤٨١، تاتارخانية زكريا ٧/ ٥٠٥، رقم: ١١٠١٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰؍ محرم الحرام ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۰۹۴۴)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۰/ ۱/ ۱۴۳۴ھ

ادھیا پر دی ہوئی بکری سے پیدا شدہ بچہ کی قربانی

سوال [۱۰۰۰۰]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے ایک شخص سے ایک بکری اس شرط پر لی کہ اس سے جتنے بچے پیدا ہوں گے ان کا آدھا زید کو ملے گا اور آدھا مالک کو اور اصل بکری مالک کو واپس کردی جائے گی۔

اب سوال یہ ہے (۱) کہ یہ معاملہ ازروئے شرع درست ہے یا نہیں؟

(۲) اگر فتویٰ عدم جواز پر ہو تو جواز کی کیا شکل ہوگی؟

(۳) ایسے معاملہ سے حاصل کردہ بکری کی قربانی کرنا درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: حبیب اللہ شعبۂ افتاء مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: (۱) اس طرح کا معاملہ اجارۂ فاسدہ ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے۔

(۲) جواز کی صورت یہ ہے کہ مالک جانور کی مناسب قیمت لگا کر نصف حصہ پرورش کرنے والے کے ہاتھ فروخت کردے، پھر قیمت معاف کردے، تو ایسی صورت میں جانور دونوں کے درمیان مشترک ہوجائے گا اور جانور کے بچے وآمدنی وغیرہ نصف نصف تقسیم کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہوگا۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ا/ ۱۱۵)

(۳) ایسے معاملہ سے حاصل کردہ بکری کی قربانی مالک کے لیے جائز اور درست ہے، البتہ پرورش کرنے والے (مستاجر) کے لیے جائز اور درست نہیں۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۳/ ۶۰۲)

دفع بقرة إلى رجل على أن يعلفها ومايكون من اللبن والسمن بينهما انصافا، فالإجارة فاسدة (إلى قوله) والحيلة في جوازه أن يبيع نصف البقرة منه بثمن ويبرئه عنه ثم يأمر باتخاذ اللبن والمصل فيكون بينهما. (هندية، كتاب الإجارة، الباب الخامس عشر، الفصل الثالث، زكريا قديم ٤/ ٤٤٥، جديد ٤/ ٤٨١،

فتاویٰ قاضی خان جدید زکریا ۲/ ۲۱۰، وعلی هامش الهندیة زکریا ۲/ ۳۳۰، فتاویٰ بزازیه جدید زکریا ۲/ ۲۱-۲۲، وعلی هامش الهندیة زکریا ۵/ ۳۷) **فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
۹؍شعبان المعظم ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۴۱۴۴)

مخنث اور خنثیٰ بکرے کی قربانی

سوال [۱۰۰۰۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مخنث اور خنثیٰ بکرے کی قربانی جائز ہے یا نہیں؟ اگر ان کو بغیر قربانی کے ذبح کرکے کھایا جائے تو ان کا گوشت جائز ہے یا نہیں؟ دونوں مسئلوں کو مدلل واضح فرمائیں۔

المستفتی: مقصود احمد قاسمی مدرسہ فیضان القرآن بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: خنثیٰ کی قربانی ناجائز اور مخنث کی جائز ہے، کیونکہ مخنث وہ ہوتا ہے جو حقیقت میں مذکر ہوتا ہے مگر مادہ پر قادر نہیں ہوتا ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۳/۱۵۱)

لاتجوز التضحية بالشاة الخنثیٰ. (هنديه، كتاب الأضحية، الباب الخامس في بيان محل إقامة الواجب، زكريا قديم ۵/۲۹۹، جديد ۵/ ۳۴۵)

ويجوز المجبوب العاجز عن الجماع. (هنديه زكريا قديم ۵/۲۹۷، جديد ۵/ ۳۴۳، بزازيه جديد زكريا ۳/ ۱۵۹، وعلى هامش الهندية زكريا ۶/۳۲۵، شامي زكريا ۹/ ۴۷۰، كراچی ۶/۳۲۵)

اور فقہاء نے خنثیٰ جانور کی قربانی کے عدم جواز کی علت یہ بیان کی ہے کہ اس کا گوشت پکنے میں گلتا نہیں، لہٰذا اگر گوشت گل جاتا ہے اور پکنے میں کوئی دشواری نہ ہو تو اس کی قربانی بلا تردد جائز ہے، جیسا کہ شامی اور ہندیہ کے حاشیہ میں اس کی وضاحت موجود ہے۔

لاتجوز التضحية بالشاة الخنثیٰ لأن لحمها لاينضج وتحته في الحاشية:

وبهـذا التعـليل اندفع ما أورده ابن وهبان من أنها لا تخلوا إما أن تكون ذكرا أو أنثـىٰ وعـلى كل تجوز. (هـنـديـه، كتـاب الأضـحية، البـاب الـخامس فى بيان محل إقامة الواجب، زكريا قديم ٢٩٩/٥، جديد ٥/ ٣٤٥، شامي كراچى ٣٢٥/٦، زكريا ٤٧٠/٩)

قربانی کے علاوہ گوشت خوری سب کی جائز ہے۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍رجب المرجب۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر:۲۴/ ۸۱۵)

خنثیٰ جانور کی قربانی کیوں ممنوع؟

سوال [۱۰۰۰۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: خنثیٰ یعنی ہجڑے جانور کی قربانی کا کیا حکم ہے؟ جبکہ وہ ہر اعتبار سے تندرست ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: خنثیٰ جانور کی قربانی جائز نہیں،فقہاء نے اس کے عدم جواز کی علت گوشت نہ گلنا بیان کی ہے،لہٰذا علت معدوم ہوتو حکم بدل جائیگا،اگر گوشت آسانی سے گل جائے تو خنثیٰ جانور کی قربانی میں بھی کوئی حرج نہیں۔

ولا بـالـخـنثىٰ لأن لحمها لاينضج شرح وهبانية، وتحته فى الشامية وبهذا التعـليل اندفع ما أورده ابن وهبان من أنها لاتخلو إما أن تكون ذكرا أو أنثىٰ وعلى كل تجوز. (در مختار مع الشامي، كتاب الأضحية، كراچى ٣٢٥/٦، زكريا ٤٧٠/٩)

لاتجوز التضحية بالشاة الخنثىٰ لأن لحمها لاينضج . (هـنـديه، كتاب الأضحية، الباب الخامس فى بيان محل إقامة الواجب، زكريا قديم ٢٩٩/٥، جديد ٥/ ٣٤٥)

ولا بالخنثىٰ لأن لحمها لاينضج. (مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ١٧٢/٤)

من المسلّم لدى الفقهاء إن الحكم يدور على العلة وجودا و عدما فإن وجدت العلة ثبت الحكم وإن انعدمت العلة انتفى الحكم. (المصباح فى رسم المفتى،

المبحث الأول، تغير الحكم بتغير العلة، مكتبه اتحاد ديوبند ص: ٤٩٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴/ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۲۹۵)

باؤلے جانور کی قربانی

سوال [۱۰۰۰۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: قربانی کے لیے ایک جانور خریدا وہ جانور باؤلا نکلا، کسی پر بھی حملہ کردیتا ہے، ایسے حملہ کرنے والے جانور کی قربانی جائز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: باؤلے جانور کی قربانی جائز ہے، بشرطیکہ وہ چارہ وغیرہ چرلیتا ہو، لیکن اگر وہ اس حد تک باؤلا ہو کہ چر بھی نہ سکتا ہو تو اس کی قربانی جائز نہیں۔

ويضحى بالجماء والثولاء أى المجنونة إذا لم يمنعها من السوم والرعى وإن منعها لاتجوز التضحية بها. (شامى، كتاب الأضحية، كراچى ٦/٣٢٣، زكريا ٩/٤٦٨)

وتجوز الثولاء وهى المجنونة إلا إذا كان ذٰلك يمنعها عن الرعى والاعتلاف لاتجوز؛ لأنه يفضى إلى هلاكها فكان عيبا فاحشا. (بدائع الصنائع زكريا ٤/٢١٦)

ويجوز أن يضحى بالثولاء وهى المجنونة، هٰذا إذا كانت تعتلف لأنه لايخل بالمقصود، وأما إذا كانت لاتعتلف لاتجزيه. (هدايه اشرفى ٤/٤٤٨)

عن الحسن قال: لابأس أن يضحى بالثولاء. (إعلاء السنن، كراچى ١٧/٢٥٥، دار الكتب العلمية بيروت ١٧/٢٧٨، رقم: ٥٥٩٧)

وتجوز الثولاء وهى المجنونة إلا إذا كان ذٰلك يمنع الرعى والاعتلاف فلاتجوز. (هنديه زكريا جديد ٥/٣٤٤، قديم ٥/٢٩٨)

ولابـأس بالخصى والثولاء وهى المجنونة إذا كانت سمينة. (تاتارخانية زكريا ۱۷/۴۲۶، رقم: ۲۷۷۱۵، تبيين الحقائق امداديه ملتان ۶/۵، زكريا ديوبند ۶/۴۷۹)

تـجـزئ الـجـرباء والثولاء يعنى المجنونة إذا كانت سمينة ولم يكن بها ما يمنعها الرعى. (فتاویٰ سراجية ص: ۳۸۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۸/ ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ

(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۲۸۹)

بانجھ جانور کی قربانی

سوال [۱۰۰۰۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بانجھ جانور کی قربانی جائز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بانجھ جانور کی قربانی بھی جائز اور درست ہے۔

يـجـوز الـمـجبـوب الـعاجز عن الجماع والتى بها السعال والعاجزة عن الولادة لكبر سنها. (هـنـديه، كتاب الأضحية، الباب الخامس فى بيان محل إقامة الواجب، قديم زكريا ۵/۲۹۷، جديد زكريا ۵/۳۴۳)

تجوز التضحية بالمجبوب العاجز عن الجماع والتى بها سعال والعاجزة عن الولادة لكبر سنها. (شامى، كتاب الأضحية، كراچى ۶/۳۲۵، زكريا ۹/۴۷۰)

ويجوز ...... العاجزة عن الولادة لكبر سنها. (بزازيه جديد زكريا ۳/۱۵۹، وعلى هامش الهندية زكريا ۶/۲۹۳، خلاصة الفتاویٰ اشرفى ديوبند ۴/۳۲۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۲/ ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ

(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۲۹۲)

بانڈھے جانور کی قربانی

سوال [۱۰۰۰۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بانڈھے جانور کی قربانی جائز ہے یا نہیں؟ یعنی وہ جانور جس کی ٹانگ درست نہیں ہے، بلکہ ٹیڑھا میڑھا ہے اور پیروں کو چوڑائی میں پھیلا کر چلتا ہے اسے بانڈھا کہا جاتا ہے۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بانڈھے جانور کی قربانی درست ہے، اس لیے کہ اس کے پیر اگر چہ درست نہیں ہوتے اور یہ ٹیڑھا میڑھا چلتا ہے لیکن چونکہ چاروں پیروں سے چل لیتا ہے اور چل کر قربان گاہ تک بھی پہنچ سکتا ہے اور ایسا جانور جو چاروں پیر زمین پر رکھ کر کے چل لیتا ہو تو اس کی قربانی درست ہوتی ہے، لہٰذا اس بانڈھے جانور کی بھی قربانی درست ہوگی۔

عن علي عنه: أنه سئل عن البقرة؟ فقال: عن سبعة قال: مكسورة القرن؟ قال: لاتضرك، قال: العرجاء؟ قال: إذا بلغت المنسك. (السنن الكبرىٰ للبيهقي، دار الفكر بيروت ١٤/٢٠٠، رقم: ١٩٦٤٠، سنن الترمذي، الأضاحي، النسخة الهندية ١/٢٧٦، دار السلام رقم: ١٥٣٩)

العرجاء التي لا تمشي إلى المنسك أي التي لايمكنها المشي برجلها العرجاء إنما تمشي بثلاث قوائم حتى لو كانت تضع الرابعة على الأرض وتستعين بها جاز. (شامي، كتاب الأضحية، زكريا ٩/٤٦٨، كراچی ٦/٣٢٣)

والعرجاء إذا كانت تمشي فلابأس بها، وإذا كانت لا تقوم ولا تمشي لاتجوز. (تاتارخانية ١٧/٤٢٦، رقم: ٢٧٧١٦)

والعرجاء: البين عرجها؛ وهي التي لاتقدر أن تمشي برجلها إلى المنسك. (هنديه زكريا قديم ٥/٢٩٧، جديد ٥/٣٤٣)

كذا العرجاء إذا مشت على رجلها إلى المنسك. (فتاوىٰ سراجية ص: ٣٨٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۳۱۱)

دواءً شراب پلائے گئے جانور کی قربانی

سوال [۱۰۰۰٦]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے یہاں ایک بیل نے زہر کھالیا، لوگوں نے بتایا کہ اس کوشراب پلائی جائے تو ٹھیک ہو جائے گا، چنانچہ شراب پلائی گئی تو وہ صحیح ہو گیا تو کیا اس جانور کی قربانی درست ہے اور شراب پلاکر علاج کرانا کیسا ہے؟

المستفتی: عمران ارریاوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں بقدر ضرورت جانور کودواءً شراب پلانے کی گنجائش ہے، البتہ اس جانور کی قربانی اس وقت درست ہے کہ جب اس کی غذا بدل جائے، اور شراب کے آثار اس کے گوشت سے بالکل ختم ہو جائیں، فقہاء نے اس کے لیے بیس دن کی مدت مقرر کی ہے، اس لیے ۲۰/۲۵/دن تک پاک وصاف چارہ کھلایا جائے، اس کے بعد اس کی قربانی بلاکراہت درست ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل ۱۷/۳۹۲)

فإن كانت إبلا تمسك أربعين يوما حتى يطيب لحمها والبقر عشرين وللغنم عشرة. (شامی، کتاب الاضحية، زكريا ديوبند ٩/ ٤٧٠، كراچى ٦/٣٢٥، هنديه زكريا قديم ٥/٢٩٨، جديد ٥/٣٤٤)

لو أن مريضا أشار إليه الطبيب بشرب الخمر روى عن جماعة من أئمة بلخ أنه ينظر: إن كان يعلم يقينا أنه يصح حل له التناول. (هنديه، كتاب الكراهية، الباب الثامن عشر، جديد زكريا ٥/ ٤١٠، قديم ٥/٣٥٥، تاتارخانية زكريا ١٨/ ٢٠٠، رقم: ٢٨٥٠٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/ربیع الثانی ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۷۲۴۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۴/۸ھ

بازاری ٹیکس کی رسید کٹائے بغیر خرید شدہ جانور کی قربانی کا حکم

سوال [۱۰۰۰۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں قربانی کا جانور لینے گیا تھا قربانی کا جانور طے کرلیا، معلوم ہوا کہ ٹھیکیدار موقعہ سے فائدہ اٹھا کر پچاس روپئے کے بجائے ایک سو پچاس روپئے رسید کا کرایہ وصول کررہا تھا، خریدار یعنی میں نے بازار سے ہٹ کر فروخت کنندہ کو قربانی کے جانور کی قیمت دے کر بنا رسید کٹائے جانور لے کر چلا آیا، تو قربانی پر کوئی اثر ہوا یا نہیں؟

المستفتی: محمد شہزاد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جانور فروخت کرنے والا اپنے جانور کا مکمل مالک ہے، چاہے بازار میں فروخت کرے چاہے بازار سے ہٹ کر دوسری جگہ فروخت کرے اسی طرح خریدار اپنے پیسہ کا پورا مالک ہے اور وہ اپنے پیسہ سے قربانی کا جانور چاہے بازار سے خریدے، چاہے بازار سے ہٹ کر کسی بھی جگہ سے خریدے، اس کو پورا اختیار ہے، اس لیے مذکورہ سوال میں بازار سے ہٹ کر مالک نے جو بیچا ہے اور خریدار نے جو خریدا ہے وہ بلاشبہ جائز اور درست ہے، اور خریدار کی قربانی میں کسی قسم کی کمی نہیں آئی۔

والمالک هو المتصرف فی الأعیان المملوکة کیف شاء. (تفسیر بیضاوی، کتب خانه رشیدیه دهلی پاره: ۱، ص: ۷)

کل یتصرف فی ملکه کیف شاء. (شرح المجلة رستم باز، اتحاد دیوبند ۱/ ٦٥٤، رقم المادة: ۱۱۹۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹ر محرم الحرام ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳٦/ ۷۴۳۴)

دودھ پیتے بچہ والی گائے کی قربانی

سوال [۱۰۰۰۸]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جس گائے کا دودھ پیتا بچہ ہوکیا اس کی قربانی درست ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: دودھ دینے والے جانور کی قربانی فی نفسہ جائز ہے،لیکن اس کے دودھ پیتے بچے کے ضائع ہونے خطرہ ہوتو قربانی تو جائز ہے لیکن بہتر اور مناسب نہیں۔

عن مغيرة بن خذف العبسي قال: كنا مع عليؓ بالرحبة فجاء رجل من همدان يسوق بقرة معها ولدها، فقال: إني اشتريتهاأضحى بها و إنها ولدت قال: فلاتشرب من لبنها إلا فضلا عن ولدها، فإذا كان يوم النحر فانحرها هي وولدها عن سبعة. (سنن الكبرىٰ للبيهقي، دار الفكر بيروت ۲۲۹/۱۴، رقم: ۱۹۷۲۹)

عن أبي هريرةؓ قال: خرج رسول الله ﷺ: في ساعة (إلى قوله) فقال النبي ﷺ: لاتذبحن ذات در فذبح لهم عناقا. (ترمذی، أبواب الزهد، باب ما جاء في معيشة أصحاب النبي ﷺ، النسخة الهندية ۶۲/۲، دار السلام رقم: ۲۳۶۹، صحيح مسلم، كتاب الأشربة، باب جواز استتباعه غيره إلى دار من يثق برضاه بذلك، النسخة الهندية ۱۷۷/۲ بيت الأفكار رقم: ۲۰۳۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲ر محرم الحرام ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۵۸۴/۳۹)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۱/۱۲ھ

گابھن جانور کی قربانی یا عقیقہ کرنا

سوال [۱۰۰۰۹]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) اگر بکری یا بقرہ کے پیٹ میں بچہ ہے اس کا علم تمام قرائن سے ظاہر ہے کہ

ان مذکورہ جانوروں کے پیٹ میں بچہ ہے تو آیاان جانوروں کی قربانی وعقیقہ و ذبح کر کے کھانا درست ہے یانہیں؟ اورآیا کہ محض شک ہوکہ ان کے پیٹ میں بچہ ہے یانہیں؟ توان کا کیاحکم ہے؟ آیاقربانی وعقیقہ یاذبح کرکےکھانادرست ہے یانہیں؟

(۲) اوراگرقربانی کرنے کے بعداچانک بچہ نکل آیا کچھ نہیں معلوم تھا کہ پیٹ میں بچہ ہے یانہیں ہےتو کیااس کی قربانی میں کچھ حرج لازم آئیگایانہیں؟ اور بچہ زندہ بھی رہ گیااور بڑا بھی ہوگیاتو آیااس کوصدقہ وغیرہ کردیاجائے گایااس کواستعمال کرنادرست ہوجائے گا؟

المستفتی: ثناءاللہ پرتاپگڈھی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) اگرقربانی یاعقیقہ کے جانور کے پیٹ سے زندہ بچہ نکلے تو بچہ کوبھی ماں کی طرح ذبح کردیاجائے اورماں اور بچہ دونوں کا گوشت کھانا شرعاً جائزاورحلال ہے۔(مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۴/۳۱۲، جدید ڈابھیل ۱۷/۳۵۴)

عن علی قال: البقرة عن سبعة قلت: فإن ولدت؟ قال: إذبح ولدها معها. (سنن الترمذی، الأضاحی، باب فی الضحية بعضباء القرن والأذن، النسخة الهندية ۱/۲۷٦، دار السلام رقم: ۱۵۰۳)

فإن خرج من بطنها حيا فالعامة أنه يفعل به ما يفعل بالأم. (شامی، کتاب، الأضحية، کراچی ٦/۳۲۲، زکریا ۹/٤٦۷، هنديه زکریا قديم ۵/۳۰۱، جدید ۵/۳٤۸، تاتارخانية زکریا ۱۷/٤٤۳، رقم: ۲۷۷٦۵

اوراگر بچہ کوذبح نہیں کیا گیااورایام قربانی گذرجائیں تو بچہ کوصدقہ کرنالازم ہے۔

فإن لم يذبحه حتى مضت أيام النحر يتصدق به حيا. (شامی، کتاب الأضحية، کراچی ٦/۳۲۲، زکریا ۹/٤٦۷، هنديه زکریا قديم ۵/۳۰۱، جديد ۵/۳٤۸، تاتارخانية زکریا ۱۷/٤٤۳، رقم: ۲۷۷٦٦)

نیز گابھن جانورذبح کرناشرعاً مکروہ ہےلیکن قربانی اورعقیقہ درست ہوجاتے ہیں۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۸/۲٦۲، جدیدزکریامطول ۱۲/۱٦۲)

ویکره ذبح الشاة إذا تقارب ولادتهالأنه یضیع ما فی بطنها. (البحر الرائق، کتاب الذبائح، قبیل فصل فیما یحل و مالایحل، کوئٹه ۸/۱۷۱، زکریا ۸/۳۱۲– ۳۱۳، شامی کراچی ۳۰٤/٦، زکریا ٤٤١/۹، هندیه زکریا قدیم ٥/۲۷۸، جدید ٥/۳۳۱، خلاصة الفتاویٰ اشرفی دیوبند ۳۰۷/٤، فتاویٰ قاضیخان جدید زکریا ۳/۲٦۱، وعلی هامش الهندیة زکریا ۳/۳٦۷)

(۲) قربانی صحیح ہوگی اور اس پر کوئی جرم بھی شرعاً نہیں ہے، صرف مکروہ فعل ہوا، اور بچہ کا صدقہ کردینا واجب ہے۔

فإن لم یذبحه حتی مضت أیام النحر یتصدق به حیا. (شامی کتاب الأضحیة کراچی ٦/۳۲۲، زکریا دیوبند ۹/٤٦۷، هندیه زکریا قدیم ٥/۳۰۱، جدید ٥/۳٤۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ر ربیع الاول ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۵۷۹)

چوروں سے خریدے ہوئے جانور کی قربانی

سوال [۱۰۰۱۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بعض لوگ جو جانوروں کی تجارت کرتے ہیں وہ چوری کا مال بھی خرید کر لاتے ہیں اور اس کی شکل یہ ہوتی ہے کہ جو لوگ چوری کرتے ہیں وہ ڈیرہ ڈال کر جنگل میں رہتے ہیں اور جن جانوروں کی چوری کرتے ہیں، وہ جانور یا تو جنگل چرنے جاتے ہیں یا جنگل میں رہتے ہیں، یہ کرتے یہ ہیں کہ ان کو ہنکا کر اپنے ڈیروں پر لے جاتے ہیں یہ خریدار وہاں پہنچتے ہیں، اور معاملہ طے کرتے ہیں وہ رقم لے کر ان تاجروں کو گاڑی بھروا دیتے ہیں، تاجر لوگ یہاں آکر ان کو فروخت کرتے ہیں، قربانی کرنے والے حضرات بھی ان جانوروں کو خرید لیتے ہیں، دریافت یہ کرنا ہے کہ اس طرح لائے ہوئے جانوروں کی قربانی درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد عارف، محلّہ حاجی پورہ رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اس طرح چوری کرکے جانور فروخت کرنا حرام ہے اور اس کا پیسہ بھی اس کے لیے ناجائز ہے، اب رہی بات ایسے جانور خریدنے والے کی، تو اگر خریدار کو یہ معلوم نہیں ہے کہ جانور چوری کا ہے تو اس کے لیے جانور خریدنا اور اس کی قربانی کرنا جائز اور درست ہے، لیکن اگر اس کو معلوم ہے کہ یہ جانور چوری کا تو پھر ایسے جانور کا خریدنا جائز نہیں ہے، اور نہ ہی اس کی قربانی درست ہے، اور نہ اس کا گوشت کھانا جائز ہے، بلکہ ایسی صورت میں اس پر دوبارہ قربانی کرنا لازم اور ضروری ہوگا۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۸/ ۱۸۱، جدید زکریا مطول ۱۱/۳۲۷-۳۲۷، امدادالفتاویٰ ۳/ ۵۵۰، فتاویٰ رشیدیہ قدیم ۴۸۵، جدید زکریا ۴۷۷، احسن الفتاویٰ ۶/ ۵۲۷)

عن أبی هريرة عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم: أنه قال: من اشتریٰ سرقة وهو يعلم أنها سرقة فقد شرك فی عارها و إثمها. (المستدرك للحاكم، مكتبه نزار مصطفیٰ الباز بيروت ۳/ ۸۵۲، رقم: ۲۲۵۳، المصنف لابن أبی شيبة، مؤسسة علوم القرآن بيروت ٤/ ۳۸۹، رقم: ۵۵۰۰)

ومن باع ملك غيره ثم اشتراه و سلم إلى المشترى لم يجز ويكون باطلا فاسدا ...... ولو كان المشترى من الغاصب باعه ثم أجاز المالك البيع الأول لاينفذ بيع المشترى. (فتاویٰ عالمگيريه، كتاب البيوع، الباب التاسع، الفصل الثالث، زكريا قديم ۳/ ۱۱۱، جديد ۳/ ۱۱۲)

وفی الدر المختار: الحرمة تتعدد مع العلم بها وفی الشامی: مثلاً يأخذ من أحد شيئا من المكس ثم يعطيه آخر ثم يأخذ من ذلك الآخر آخر فهو حرام. (الدر المختار مع الشامی، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد مطلب: الحرمة تتعدد، كراچی ۵/ ۹۸، زكريا ۷/ ۳۰۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم محرم الحرام ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۴۱۱)

چوری کا چارہ کھانے والے جانور کی قربانی

سوال [۱۰۰۱۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جس جانور کو چوری سے سرکاری پیڑ کے پتے یا کسی کے کھیت میں چوری سے کھلایا یا پلایا پھر اسی جانور کا عقیقہ یا قربانی کی جائے تو ایسے جانور کا گوشت کھانا کیسا ہے؟

المستفتی: جرار احمد قاسمی بھنڈیہ سیتاپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سرکاری پیڑ کے جو پتے کھلائے، اگر وہ پتے سرکار کے قیمتی ہیں تو پتہ کھلانے کی وجہ سے مالک گنہگار ہوگا، اور اگر ان پتوں کی سرکار کے یہاں کوئی قیمت نہیں ہے تو مالک گنہگار بھی نہیں ہوگا، دوسروں کے کھیت سے جانور کو چوری سے جو کھلایا پلایا گیا ہے تو جتنا کھلایا ہے، اتنے کا تاوان جانور کے مالک کے اوپر لازم ہوجائے گا، مگر وہ جانور یا اس کے گوشت کے حلال ہونے میں کوئی فرق نہیں آئیگا، جانور اور اس کا گوشت ہر حال میں حلال ہے، دوسروں کے مال کھلانے کی وجہ سے جانور کے مالک کے اوپر اس کا تاوان واجب ہوتا ہے، لہٰذا ایسے جانور کی قربانی یا عقیقہ شرعاً جائز اور درست ہے، اور اس کا گوشت بھی حلال ہے۔

وإن انفلتت الدابة وأتلفت زرعا فلا ضمان علی مالکها لیلا کان أو نهارا عند أبی حنیفةؒ. (معارف السنن أبواب الزکاة، باب ماجاء أن العجماء جرحها جبار، اشرفیه دیوبند ۵/ ۲٤۰)

ولو أن بقارا رعیٰ بقرا فی أجمة مملوکة لإنسان فلیس له ذٰلک وهو ضامن لما رعیٰ. (بدائع الصنائع، کتاب الأراضی، فصل فی أرض الموات، زکریا ۵/ ۲۸۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵ رمحرم الحرام ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۶۶۳/۳۷)

امریکن اور جرسی گائے کی قربانی

سوال [۱۰۰۱۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: امریکن گائے جس کے متعلق یہ مشہور ہے کہ وہ خنزیر کے مادہ منویہ سے پیدا ہوتی ہے کیا اس کا دودھ وگوشت استعمال کر سکتے ہیں اور اس کی قربانی ہوسکتی ہے یا نہیں؟ اور دیسی گائے کو مشینوں کے ذریعہ جرسی گائے بناتے ہیں اس کا کیا حکم ہے؟ اس کی قربانی کر سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: ریاست علی بدایونی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: امریکن گائے کا دودھ وگوشت کا استعمال کرنا جائز ہے، اور اسی طرح جرسی گائے کا بھی دودھ وگوشت استعمال کرنا جائز ہے، اور اس کی قربانی بھی جائز ہے۔

والمتولد بين الأهلي والوحشي يتبع الأم. (الدر المختار، كتاب الأضحية، زكريا ٩/٤٦٦، كراچی ٦/٣٢٢)

وفي المتولد بين الوحشي والأهلي يعتبر الأم إن كانت وحشية لاتجزئ في الأضحية وإن كانت الأم أهلية تجزئ. (تاتارخانية زكريا ١٧/٤٣٣، رقم: ٢٧٧٣٩، هنديه زكريا قديم ٥/٢٩٧، جديد ٥/٣٤٣)

قال في البدائع: فلو نزا ثور وحشي على بقرة أهلية فولدت ولدا يضحى به دون العكس لأنه ينفصل عن الأم وهو حيوان متقوم تتعلق به الأحكام، ومن الأب ماء مهين ولذا يتبع الأم في الرق الحرية. (شامی، كتاب الأضحية، زكريا ٩/٤٦٦، كراچی ٦/٣٢٢، بدائع الصنائع زكريا ديوبند ٤/٢٠٣) **فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍رجب المرجب ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۵۳۳)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۷/۳ھ

دوسرے کے کھیت سے چرنے والے جانوروں کی قربانی

سوال [۱۰۰۱۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: وہ جانور جو آزاد چھوڑ دیئے جاتے ہیں یا چرائے جاتے ہیں اور چرانے والے کھڑے دیکھا کرتے ہیں کہ جانور دوسرے کے کھیت میں یا غلہ کے ڈھیر میں کھا رہا ہے، اور انجانے بنے کھڑے رہتے ہیں، تو اگر ایسے جانور کی قربانی کی جائے تو اس جانور کا گوشت استعمال کرنا کیسا ہے؟

المستفتی: جرار احمد قاسمی بھنڈیہ ضلع سیتاپور یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دوسرے کے کھیت میں بالقصد چرایا ہے تو جتنا چرایا ہے اتنے کا تاوان جانور کے مالک کے اوپر واجب ہو جائیگا، مگر خود جانور یا اس کے گوشت کے حلال ہونے میں کوئی فرق نہیں آئیگا، اور اس کی قربانی بھی بلاتردد جائز ہے۔

رجل أرسل حماره فدخل زرع إنسان و أفسده إن أرسله و ساقه إلى الزرع بأن كان خلفه كان ضامنا. (عالمگیری، کتاب الجنایات، الباب الثانی عشر فی جنایة البهائم، زکریا قدیم ٦/٥٢، جدید ٦/٦٢، تاتارخانیة زکریا ١٩/٢٩٠، رقم: ٣١٤٩٩، فتاویٰ قاضیخان جدید زکریا ٣/٣٣٣، وعلی هامش الهندیة زکریا ٣/٤٥٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸؍ محرم الحرام ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۶۷۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۱/۲۸ھ

عورت کا دودھ پینے والے بکرے کی قربانی

سوال [۱۰۰۱۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک عورت نے اپنے گھر کے بکری کے بچے یعنی خصی بکرے کو بیس دن خود اپنے پستان سے دودھ پلایا ہے اور امسال اسی بکرے کی بقرعید میں قربانی کرنا چاہتی ہے تو

کیا حکم ہے؟ جائز ہے یا نہیں؟ کیا کرنا چاہیے؟

المستفتی: ریاض الدین گودھنا ضلع سیتاپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: عورت کا دودھ پینے کی وجہ سے بکری کے بچہ کی حلیت میں کوئی فرق نہیں آتا ہے، بعد میں پتے اور گھاس وغیرہ کھا کر غذاء بدل جانے کی وجہ سے دودھ کا اثر ختم ہو چکا ہے، اس لیے اس کی قربانی میں کوئی تردد نہیں ہونا چاہیے۔

قال أصحابنا في جدي ارتضع بلبن خنزير حتى كبر إنه لايكره أكله لأن لحمه لايتغير ولاينتن ...... لأنه بمنزلة الجلالة . (بدائع الصنائع، كتاب الذبائح، فصل فی بيان ما يكره من الحيوانات، كراچی ۵/۴۰، زكريا ديوبند ۴/۱۵۴، هنديه زكريا قديم ۵/۲۹۰، جديد ۵/۳۳۴، الجوهرة النيرة امداديه ملتان ۲/۲۸۱، دار الكتاب ديوبند ۲/۲۶۷، فتاویٰ قاضيخان جديد زكريا ۳/۲۵۴، وعلى هامش الهندية زكريا ۳/۳۵۹، در مختار، كتاب الحظر والإباحة ۶/۳۴۱، زكريا ۹/۴۹۱، ۴۹۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/ ذیقعدہ ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۴۶۱)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۱/۱۱/۲۷ھ

قربانی کا بکرا تبدیل کرنا

سوال [۱۰۰۱۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بکری سے دو بچوں کا تولد ہوا، ایک کچھ ایام کے بعد خصی کر دیا گیا، دوسرے کو بوجہ کمزوری خصی نہ کیا جا سکا، بلکہ ثانی الذکر کے بارے میں صاحب نصاب نے یہ نیت کر لی کہ اس کو ایام قربانی کے آنے پر قربان کر دوں گا، اب وہ بکرا کافی فربہ ہو گیا ہے جس کی وجہ سے وہ کافی پریشان کرتا ہے، ارادہ اب ہو رہا ہے کہ اس کو فروخت کر کے دوسرا خرید لیا جائے کیا یہ تبدیلی درست ہے؟ اور اس نیت کی وجہ سے یہ قربانی کیا ضروری ہو گئی ہے؟ اگر غریب ایسا کرتا ہے تو کیا

پھر بھی یہی حکم ہوتا ہے یا غیر؟

المستفتی: محمد صراحت حسین قاسمی بھگوان بچھرایوں، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دوسرا بکرا قیمت وفربہ کے اعتبار سے برابر یا فائق ہے تو بتدیلی جائز ہے، اگر زبان سے کہہ کر اپنے اوپر نذر کی طرح لازم نہیں کرلیا تھا تو اس میں غنی وغریب دونوں برابر ہیں، ورنہ اس کی قربانی لازم ہوگی۔

وكان في ملك إنسان شاة فنوىٰ أن يضحي بها أو اشترىٰ شاة ولم ينو الأضحية وقت الشراء ثم نوىٰ بعد ذلك أن يضحي بها لايجب عليه سواء كان غنيا أوفقيرا. (بدائع الصنائع، كتاب التضحية، كراچی ٥/٦٢، زكريا ٤/١٩٣، هنديه زكريا قديم ٥/٢٩١، جديد ٥/٣٣٦، فتاوىٰ قاضيخان جديد زكريا ٣/٢٤٤، وعلى هامش الهندية زكريا ٣/٣٤٦، شامی کراچی ٦/٣٢١، زكريا ٩/٤٦٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۲۰؍رجب المرجب ۱۴۰۹ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۳۳۳/۲۵)	۱۴۰۹/۷/۲۰ھ

سڑکوں پر پھرنے والے سانڈ کی قربانی

سوال [۱۰۰۱۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: سڑکوں پر پھرنے والا جو سانڈ ہے وہ ما اہل لغیر اللہ میں شامل ہے یا سائبہ کے حکم میں ہے، وہ مالک کی ملکیت میں باقی رہتا ہے یا مالک کی ملکیت سے نکل جاتا ہے، اس کی قربانی کرنا کیسا ہے؟

المستفتی: نبیر الدین دیناج پوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سڑکوں پر پھرنے والا سانڈ ما اہل لغیر اللہ میں شامل نہیں ہے، بلکہ وہ سائبہ کے حکم میں ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنۡ بَحِيۡرَةٍ وَ لاسَائِبَةٍ الخ.

اللہ نے سائبہ وغیرہ کو کوئی حیثیت نہیں دی ہے، لہٰذا اس نذر کا کوئی اعتبار نہ ہوگا، اور وہ جانور مالک کی ملکیت پر علی حالہ باقی رہے گا، یہی حکم سڑکوں پر پھرنے والے سانڈ کا ہے، یہ مالک کی ملکیت سے نہیں نکلے گا، مالک سے اجازت لے کر اس کو ذبح کرنا حلال اور جائز ہے۔ (غیر مقلدین کے ۵۶/اعتراضات کے جوابات ۱۳۴، امداد المفتیین ۹۳۶، امداد الفتاویٰ ۴/۱۰۰، کفایت المفتی ۸/ ۲۲۹، جدید زکریا مطول ۱/ ۲۳۱ محمودیہ ڈابھیل ۱/ ۳۲۸)

لہٰذا مالک سے خرید کر اس کی قربانی بھی جائز ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۴/ ۹۹)

ومن هٰهنا علم أن البقرة المنذورة للأولياء كما هو الرسم في زماننا حلال طيب لأنه لم يذكر اسم غير الله عليها وقت الذبح وإن كانوا ينذرونها. (تفسيرات احمديه، سورة بقرة آيت : ۱۷۳ اشرفيه ديو بند ص: ٤٢)

إن بدل المتقرب نيته قبل ذبح البقرة وقصد التقرب بإراقة دمها إلى الله تعالىٰ وتاب عن ماصدر منه من قصد التقرب إلى غيره تعالىٰ ثم ذبحها إلى الله تعالىٰ حلت البقرة وحل أكلها. (كفايت المفتى جديد زكريا ٨/٢٣٣، جديد زكريا مطول ١/٢٤١)

وما ذبح على النصب المعنى والنية فيها تعظيم النصب لا أن الذبح غير جائز. (تفسير قرطبى، سورة المائدة تحت تفسير الآية: ٣، دار الكتب العلمية بيروت ٦/٣٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴/ ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۳۱۲)

ناک میں ناتھ والے جانور کی قربانی

سوال [۱۰۰۱۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قربانی کے جانور جن کی ناک میں ناتھ پڑا ہوا ہوتا ہے، قابو میں کرنے کے

لیے ناتھ ناک میں ڈال دیتے ہیں، لہٰذا اس کی قربانی جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: عبدالستار نچھرایوں ضلع مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسے جانور کی قربانی بلا کراہت جائز ہے، یہ شرعاً عیب نہیں ہے۔

کل عیب یزیل المنفعة علی الکمال أو الجمال علی الکمال یمنع الأضحیة ومالایکون بھذہ الصفة لایمنع. (عالمگیری، کتاب الأضحیة، الباب الخمس، زکریا قدیم ٥/٢٩٩، جدید ٥/٣٤٥، تاتارخانیة زکریا دیوبند ١٧/٤٣١، رقم: ٢٧٧٣٣، حاشیة چلپی علی التبیین امدادیہ ملتان ٦/٦، زکریا دیو بند ٦/٤٨٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ محرم الحرام ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۶۱۰/۲۵)

عنین جانور کی قربانی کا حکم

سوال [۱۰۰۱۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہماری ریاست جموں کشمیر میں جنگلی بیل جس کو یاک Yak کہتے ہیں اور کشمیری زبان میں اسے زمبسہ کہا جاتا ہے، یہ جنگل میں رہنے کو زیادہ پسند کرتا ہے، اگر چہ پہاڑی علاقے کے لوگوں کے اسے پالنے کی وجہ سے وہ جانور اب پالتو بن گیا ہے، پھر اس کی نسل جب مطلوب ہوتی ہے تو اس کو گائے سے جفتی کرائی جاتی ہے جس کے نتیجے میں بھینسر نام کی نسل آتی ہے لیکن اس بھینسر کی کوئی نسل نہیں ہوتی، (چلتی) اس لیے کہ وہ جفتی پر قادر ہی نہیں ہوتا، حالانکہ اس کے تمام اعضاء بظاہر صحیح سالم نظر آتے ہیں، اور یہ جانور بڑا فربہ ہوتا ہے، تو اب یہ سوال یہ ہے کہ ''یاک'' کی اس نسل بھینسر کی قربانی کرنا درست ہے یا نہیں؟ جبکہ وہ لا ولد ہے، اور یہاں کے کچھ لوگ اسے مخنث اور عنین قرار دیتے ہیں، تو کیا عنین

جانور کی قربانی کی جاسکتی ہے، یا نہیں؟ مدلل ومفصل جواب سے نواز کر مشکور فرمائیں۔

المستفتی: غلام احمد آخون ضلع ڈوڈہ جموں وکشمیر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: پالتو گائے سے پیدا شدہ جانور کی قربانی شرعاً جائز اور درست ہے، خواہ نر پالتو ہو یا وحشی ہو، کیونکہ جانوروں میں نسل کا اعتبار ماں سے ہوتا ہے، لہٰذا سوالنامہ میں مذکور بھینسر کی پیدائش جبکہ پالتو گائے سے ہوتی ہے تو اس کی قربانی بلا تردد جائز اور درست ہوگی اور اس کے جفتی پر قادر نہ ہونے اور لاولد ہونے کی بنا پر قربانی کے جواز پر کوئی اثر نہیں ہوگا، البتہ اگر بھینسر کی ماں وحشی ہو تو اس کی قربانی درست نہ ہوگی۔

(مستفاد: احسن الفتاویٰ ۷/ ۵۲۱، امداد الفتاویٰ ۳/ ۵۵۹)

والمتولد بين الأهلي والوحشي يتبع الأم. (الدر المختار، كتاب الأضحية، زكريا ۹/ ٤٦٦، كراچي ٦/ ۳۲۲، تاتارخانية زكريا ۱۷/ ٤۳۳، رقم: ۲۷۷۳۹، هنديه زكريا قديم ٥/ ۲۹۷، جديد ٥/ ۳٤۳)

ولايجوز في الأضاحي شيئ من الوحشي فإن كان متولداً من الوحشي والأنسي فالعبرة للأم فإن كانت أهلية تجوز وإلا فلا، حتى لو كانت البقرة وحشية والثور أهليا لم تجز. (عالمگيري زكريا قديم ٥/ ۲۹۷، جديد ٥/ ۳٤۳، تاتارخانية زكريا ۱۷/ ۳۳۱، رقم: ۲۷۷۳۹)

تجوز التضحية بالمجبوب العاجز عن الجماع والتي بها سعال والعاجزة عن الولادة لكبر سنها. (شامي كراچي ٦/ ۳۲٥، زكريا ۹/ ٤۷۰، هنديه زكريا قديم ٥/ ۲۹۷، جديد ٥/ ۳٤۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ شعبان المعظم ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۸۹۳۱)

بیمار جانور کی قربانی کا حکم

سوال [۱۰۰۱۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے قربانی کی نیت سے ایک بکرا خریدا، ابھی بقرعید کے دن دور ہیں، اور جانور کی گردن میں ایک گانٹھ بھی ظاہر ہوگئی ہے جس کی وجہ سے لوگوں نے دیکھ کر کہا کہ غدود نہیں بلکہ یہ گانٹھ جان لیوا بھی ہوسکتی ہے، اب زید نے اس بکرے میں صدقہ کی نیت کرلی ہے، لہٰذا مفتیان حضرات سے مشورہ ہے کہ شریعت کی روشنی میں اس بکرے کو بقرعید کے علاوہ صدقہ میں ذبح کرسکتے ہیں یا نہیں؟ زید نصاب کا مالک ہے فقیر نہیں ہے؟

المستفتی: محمد یامین کچاباغ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید جب صاحب نصاب ہے تو قربانی کی نیت سے جس جانور کو پالا ہے اور اس میں بیماری کا خطرہ ہے تو اس جانور کو بدلنے کا اختیار ہے، چاہے اس کو بیچ کر کے اس کے پیسے کو اپنے کام میں لائے یا ذبح کر کے کھالے یا صدقہ کردے، ہر طرح کا اختیار ہے لیکن بقرعید کے زمانہ میں دوسرے جانور کی قربانی لازم ہو جائے گی۔

ولو اشتریٰ أضحیة وهي صحیحة العین ثم أعورت عنده و هو موسر أو قطعت أذنها كلها أو ألیتها أو ذنبها أو انكسرت رجلها فلم تستطع أن تمشي لاتجزئ عنه وعلیه مكانها أخریٰ بخلاف الفقیر. (عالمگیری، کتاب الأضحیة، الباب الخامس، زکریا قدیم ۵/۲۹۹، جدید ۵/۳۴۵)

ولو اشتراها سلیمة ثم تعیبت بعیب مانع فعلیه إقامة غیرها مقامها إن كان غنیا، وإن كان فقیرا أجزأه ذلك. (درمختار کراچی ۶/۳۲۵، زکریا ۹/۴۷۱، تاتارخانیة زکریا ۱۷/۴۳۲، رقم: ۲۷۷۳۵، مجمع الأنهر، دار الكتب العلمیة بیروت ۴/۱۷۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍ جمادی الاول ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۲۷۶/۳۸)

بیمار جانور کی قربانی

سوال [۱۰۰۲۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بیمار جانور کی قربانی جائز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر جانور میں بیماری معمولی ہو تو اس کی قربانی جائز ہے اور اگر زیادہ بیمار ہو کہ اس کا مرض نمایاں ہو تو اس کی قربانی درست نہیں۔ (مستفاد: محمودیہ میرٹھ ۲۶/ ۲۹۳، ڈابھیل ۱۷/ ۳۸۸)

عن البراء بن عازب رفعه قال: لايضحى بالعرجاء بين ضلعها، ولا بالعوراء بين عورها، ولا بالمريضة بين مرضها (سنن الترمذي، الأضاحي، باب مالايجوز من الأضاحي، النسخة الهندية ١/ ٢٧٥، دار السلام رقم: ١٤٩٧)

وأما الذي يرجع إلى محل التضحية فنوعان: أحدهما سلامة المحل عن العيوب الفاحشة فلاتجوز المريضة البين مرضها. (بدائع الصنائع، كتاب التضحية، زكريا ٤/ ٢١٤)

ولاتجوز المريضة البين مرضها. (هنديه جديد زكريا ٥/ ٣٤٣، قديم ٥/ ٢٩٧)

ولا المريضة البين مرضها. (شامي كراچی ٦/ ٣٢٣، زكريا ٩/ ٤٦٨) **فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
۲۴/ ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۳۱۳)

ہتھیلی سے بڑے زخم والے جانور کی قربانی

سوال [۱۰۰۲۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے قربانی کا ایک جانور خریدا، بعد میں ٹریکٹر سے ٹکر کھا کر اس کی کھال

چھل گئی، جس کی وجہ سے گوشت نمایاں طور پر نظر آرہا ہے، اوراس میں سے خون بھی نکلا ہے، تو اس کی قربانی جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ اس کے بقیہ اعضاء صحیح سالم ہیں اور وہ زخم ہتھیلی سے بڑا ہے۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ٹریکٹر سے ٹکر کھانے کی وجہ سے جس جانور کی کھال چھل گئی اور گوشت نمایاں طور پر نظر آرہا ہے اوراس میں سے خون بھی نکلا ہے تو اس کی قربانی جائز نہیں، فقہاء کرام نے اس سلسلے میں یہ ضابطہ نقل کیا ہے کہ اگر قربانی کے جانور میں کوئی عیب فاحش پیدا ہو جائے تو قربانی نہیں ہوگی اور عیب یسیر میں قربانی جائز ہو جائے گی، لہٰذا اگر مذکورہ زخم کی وجہ سے اس کا گوشت متأثر ہو چکا ہو تو جائز نہیں، اور اگر اس کا گوشت متأثر نہیں ہوا ہے تو اس کی قربانی جائز ہے۔

والأصل فيه أن العيب الفاحش مانع واليسير غير مانع لأن الحيوان قلما ينجو عن يسير العيب واليسير مالا أثرله فی لحمها. (عنايه مع الفتح، كتاب الأضحية، زكريا ديو بند ٩/٥٢٧، كوئٹه ٨/٤٣٣، دار الفكر بيروت ٩/٥١٤)

وكل عيب يزيل المنفعة على الكمال أو الجمال على الكمال يمنع الأضحية ومالايكون بهذه الصفة لايمنع. (تاتارخانية زكريا ١٧/٤٣١، رقم: ٢٧٧٣٣، حاشيه چلپی، تبيين الحقائق ، امداديه ملتان ٦/٦، زكريا ٦/٤٨٢)

وفی الخانية: ويشترط الكمال فلا يجوز الناقص سواء كان النقصان من حيث السن أو من حيث الذات. (تاتارخانية ١٧/٤٢٧، رقم: ٢٧٧١٨)

اعلم أن الكل لايخلو عن عيب والمستحب أن يكون سليما عن العيوب الظاهرة فما جوزها هنا جوز مع الكراهة كما فی المضمرات. (شامی زكريا ٩/٤٦٨، كراچی ٦/٣٢٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۴؍ ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ

(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۳۱۴)

جس بکرے کا نیچے کا ہونٹ چھوٹا ہو اس کی قربانی کا حکم

سوال [۱۰۰۲۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک بکرے کا نیچے کا ہونٹ اوپر کے ہونٹ سے کافی چھوٹا ہو تو اس کی قربانی کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: ممتاز احمد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسا بکرا کہ جس کے نیچے کا ہونٹ اوپر کے ہونٹ کے مقابلہ میں چھوٹا ہو اور اس کے چرنے اور کھانے میں پریشانی نہ ہوتی ہو تو وہ شرعی طور پر عیب دار نہیں ہے، اس لیے اس کی قربانی جائز ہے۔

فإن كانت ترعى و تعتلف جاز وإلا فلا. (هنديه، كتاب الأضحية، الباب الخامس، زكريا قديم ٥/٢٩٨، جديد ٥/٣٤٤، تاتارخانية زكريا ديوبند ١٧/٤٢٨، رقم: ٢٧٧٢٢، بدائع الصنائع زكريا ديوبند ٤/٢١٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۲۳؍محرم الحرام ۱۴۳۵ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۴۱۱/۴۰)	۲۵؍۱؍۱۴۳۵ھ

جو جانور ایک آنکھ سے نہیں دیکھتا اس کی قربانی

سوال [۱۰۰۲۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک جانور قربانی کے لیے خریدا، وہ ایک آنکھ سے دیکھتا نہیں ہے، اس کی قربانی جائز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس جانور کی ایک آنکھ خراب ہوگئی، اس سے دیکھتا ہی نہیں، اور وہ صرف ایک آنکھ سے دیکھتا ہے، ایسے جانور کی قربانی جائز نہیں ہے۔

عن البراء بن عازب قال: سمعت رسول الله ﷺ -إلى- يقول: لايجوز من الضحايا العوراء البين عورها، والعرجاء البين عرجها (سنن النسائی، الضحايا، باب العجفاء، النسخة الهندية ۲/ ۱۷۹، دار السلام رقم: ٤٣٧٦، سنن الترمذی، الأضاحی، باب مالا يجوز من الأضاحی، النسخة الهندية ۱/ ۲۷۵، دار السلام رقم: ۱٤۹۷)

ولايجزئ العمياء ولا العوراء وهی ذاهبة إحدى العينين بكماله. (المحيط البرهانی، المجلس العلمی بيروت ٤٦٦/۸، رقم: ۱۰۸۱۵، کوئٹہ ٤٧٨/٦، تاتارخانية زكريا ٤٢٦/١٧، رقم: ٢٧٧١٨)

ولا بالعمياء والعوراء. (شامی، کتاب الأضحية، زکریا ٤٦٨/٩، کراچی ٣٢٣/٦)

لاتجزئ من الضحايا أربع: العوراء البين عورها. (بدائع الصنائع زکریا ٢١٤/٤)

ولايضحى بالعوراء، وفي الهامش: العوراء: لايبصر بعين واحد. (هدايه اشرفی ديوبند ٤٤٧/٤)

ولو ذهب عينها الواحدة ...... أنه لايجوز. (خانيه جديد زكريا ٢٤٩/٣، وعلى هامش الهندية زكريا ٣٥٢/٣، تبيين الحقائق امداديه ملتان ٥/٦، زكريا ديو بند ٤٧٩/٦)

ولا العوراء البين عورها. (فتاوىٰ سراجيه اتحاد ١/ ٣٨٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ ذیقعدہ ۱۴۳۴ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۱۱۳۰۹/۴۰)

جس جانور کی ثلث سے زیادہ بینائی چلی گئی اس کی قربانی

سوال [۱۰۰۲۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک جانور قربانی کے لیے خریدا گیا، اس کی ایک آنکھ میں روشنی کم ہے، تو روشنی کتنی کم ہونے سے قربانی پر اثر پڑے گا، اور جانور کی آنکھوں کی روشنی کا پتہ کیسے لگایا جائے گا؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ایسا جانور جس کی ایک آنکھ کی روشنی ایک تہائی یا

اس سے کم چلی گئی ہو اس کی قربانی درست ہے، لیکن جس کی بینائی تہائی سے زیادہ چلی گئی ہو اس کی قربانی جائز نہیں، کتنی بینائی گئی ہے اس کا پتہ اس طرح لگایا جائیگا کہ جانور کو دو ایک دن چارہ نہ دیا جائے، جب وہ شدید بھوکا ہو جائے تو اس کی وہ آنکھ بند کر دی جائے جس کی بینائی کم ہے اور صحیح روشنی والی آنکھ کھلی رکھی جائے، اور دور سے چارہ جانور کے قریب لایا جائے، جہاں سے جانور کو چارہ نظر آ جائے وہاں نشانی لگا دی جائے، پھر اس کی وہ آنکھ کھول دی جائے اور پوری روشنی والی آنکھ بند کر دی جائے اور اسی طرف سے پھر دھیرے دھیرے چارہ جانور کے قریب لایا جائے اور جہاں سے جانور کو چارہ نظر آ جائے وہاں پر نشانی لگا دی جائے، پھر ان دونوں نشانوں کے درمیانی فاصلے کو ناپا جائے، اگر یہ فاصلہ پہلے والے نشان کا نصف ہے تو آنکھ کی نصف بینائی کم ہے اور اگر یہ فاصلہ ثلث ہے تو ثلث بینائی کم ہے، مثلاً: صحیح آنکھ سے جانور نے تیس میٹر دور سے چارہ دیکھ لیا اور دوسری آنکھ سے جس کی بینائی کم ہے ۲۰؍میٹر سے دیکھا تو درمیان میں ۱۰؍میٹر کا فاصلہ ہے جو پہلی دوری یعنی ۳۰؍کا ثلث ہے، لہٰذا اس جانور کی آنکھ کی ثلث بینائی کم ہوگئی ہے۔

ولو ذهب بعض هذه الأعضاء دون بعض من الأذن والألية والذنب والعين، ذكر في ”الجامع الصغير“ إن كان الذاهب كثيرا يمنع جواز التضحية، وإن كان يسيرا لايمنع، واختلف أصحابنا بين القليل والكثير فعن أبي حنيفة أربع روايات، والصحيح: أن الثلث ومادونه قليل و مازاد عليه كثير، وعليه الفتوىٰ. (هنديه، كتاب الأضحية، الباب الخامس، زكريا قديم ٢٩٧/٥، جديد ٣٤٤/٥)

ولا مقطوع أكثر الأذن أو العين أى التى ذهب أكثر نورعينها (در مختار) واختلف أصحابنا في الفاصل بين القليل والكثير فعن أبي حنيفة أربع روايات، والصحيح: أنه الثلث و مادونه قليل وما زاد عليه كثير، وعليه الفتوىٰ. (شامی زکریا دیوبند ٤٦٨/٩، کراچی ٣٢٣/٦)

وإذا ذهب بعض العين الواحدة ...... إن كان الذاهب قليلا لايمنع جواز الأضحية، وإن كان كثيرا يمنع ...... وتكلموا في الحد الفاصل بين

القليل والكثير ...... والصحيح أن الثلث ومادونه قليل، ومازاد عليه كثير وعليه الفتوىٰ. (تاتارخانية زكريا ١٧/ ٤٢٩، رقم: ٢٧٧٢٩)

إنما يعرف ذهاب النصف أو الثلث من العين بأن يشد المعيبة بعد أن لا يعتلف الشاة يوما أو يومين، ثم يقرب العلف إليها قليلا فإذا رآه من موضع علم ذٰلک المكان، ثم يشد العين الصحيح، ويقرب العلف إلى الشاة قليلا قليلا، فإذا رآه من مكان علم ذٰلک المكان ثم يقدر ما بين الأولىٰ والثانية من التفاوت، فإذا كان التفاوت بينهما الثلث فقد ذهبت الثلث وبقى الثلثان، وإن كان النصف فقد ذهب النصف وبقى النصف.

(تاتارخانية ١٧/ ٤٣٠، رقم: ٢٧٧٣٠، شامي زكريا ٩/ ٤٦٨، كراچى ٦/ ٣٢٤، هنديه جديد زكريا ديوبند ٥/ ٣٤٤، قديم ٥/ ٢٩٨، هدايه اشرفى ديوبند ٤/ ٤٣٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۸/ ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ

(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۲۸۹)

کان کٹے جانور کی قربانی

سوال [۱۰۰۲۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بکر نے قربانی کے لیے ایک بکرا خریدا تھا بعد میں پتہ چلا کہ اس کا ایک کان کٹا ہوا ہے تو ایسے بکرے کی قربانی جائز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: بکر نے جو قربانی کے لیے بکرا خریدا ہے اگر اس کا کان تہائی یا تہائی سے کم کٹا ہوا ہے تو اس کی قربانی جائز ہے اور اگر تہائی سے زیادہ کٹا ہوا ہے تو اس کی قربانی جائز نہیں۔

وفى الجامع: أنه إذا كان ذهب الثلث أو أقل جاز وإن كان أكثر

لایجوز، والصحیح: أن الثلث و مادونه قلیل وما زاد علیه کثیر و علیه الفتویٰ کذا فی فتاویٰ قاضیخان. (هندیه، کتاب الأضحیة، الباب الخامس، جدید زکریاه/۳٤٤، قدیم، ٥/۲۹۸)

وقال الفقیه أبو اللیث رحمه الله تعالیٰ إن کانت الأضحیة مقطوعة الأذن الواحدة أکثر من الثلث لایجوز فی قول أبی حنیفة رحمه الله تعالیٰ. (خانیه جدید زکریا ۳/۲٤۸، وعلی هامش الهندیة زکریا ۳/۳٥۲)

إن کان المقطوع أکثر من الثلث لایجزئه وإن کان الثلث أو أقل یجزئه. (المبسوط، بیروت۱۲/۱٥-۱٦)

ومقطوع أکثر الأذن وتحته: واختلف أصحابنا فی الفاصل بین القلیل والکثیر فعن أبی حنیفة أربع روایات، رویٰ محمد فی الأصل والجامع الصغیر: أن المانع ذهاب أکثر من الثلث وعنه أنه الثلث وعنه أنه الربع ...... والأولیٰ هی ظاهر الروایة، وصححها فی الخانیة حیث قال: والصحیح أنه الثلث وما دونه قلیل ومازاد علیه کثیر وعلیه الفتویٰ. (شامی زکریا ۹/٤٦۸، کراچی ٦/۳۲۳-۳۲٤)

والصحیح أن الثلث ومادونه قلیل ومازاد علیه کثیر وعلیه الفتویٰ.
(خانیة، جدید زکریا ۳/۲٤۹، وعلی هامش الهندیة زکریا ۳/۳٥٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۱۱۲۹۵/۴۰)

جس جانور کے دانت نہیں اس کی قربانی

سوال [۱۰۰۲٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جس جانور کے دانت ہی نہیں ہیں اس کی قربانی درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: مفتی نبیر الدین دیناجپوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس جانور کے دانت نہیں ہیں؛ اگر وہ بغیر دانت کے گھاس چرتا ہے تو درست ہے، اگر چر نہیں سکتا تو قربانی درست نہیں ہے۔

أما الهتماء وهي التي لا أسنان لها، فإن كانت ترعى وتعتلف جازت وإلا فلا. (هنديه، كتاب الأضحية، الباب الخامس، زكريا قديم ٥/٢٩٨، جديد ٥/٣٤٤، التاتارخانية ١٧/٤٢٨، رقم: ٢٧٧٢٢، بدائع الصنائع زكريا ديوبند ٤/٢١٥، تبيين الحقائق امداديه ملتان ٦/٦، زكريا ديوبند ٦/٤٨١، شامي زكريا ٩/٤٦٩، كراچی ٦/٣٢٤) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۳/ ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ

(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۲۹۹)

دم کٹے جانور کی قربانی

سوال [۱۰۰۲۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: خالد نے قربانی کے لیے ایک بکرا خریدا تھا اب بعد میں دیکھا کہ اس کی دم کٹی ہوئی ہے تو اس کی قربانی جائز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: خالد کے بکرے کی دم ثلث یا ثلث سے کم (تہائی) سے کم کٹی ہوئی ہے تو اس کی قربانی جائز ہے اور اگر تہائی سے زائد کٹی ہوئی ہے تو اس کی قربانی جائز نہیں۔

ولو ذهب بعض هذه الأعضاء دون بعض من الأذن والألية والذنب والعين، ذكر في ”الجامع الصغير“ إن كان الذاهب كثيرا يمنع جواز التضحية، وإن كان يسيرا لايمنع، واختلف أصحابنا بين القليل والكثير فعن أبي حنيفة أربع روايات، والصحيح: أن الثلث ومادونه قليل و مازاد عليه كثير، وعليه الفتوىٰ. (هنديه، كتاب الأضحية، الباب الخامس، زكريا قديم ٥/٢٩٧، جديد ٥/٣٤٤)

ولا مقطوع أكثر الأذن أو العين أى التى ذهب أكثر نور عينها (در مختار) واختلف أصحابنا فى الفاصل بين القليل والكثير فعن أبى حنيفة أربع روايات، والصحيح: أنه الثلث و مادونه قليل وما زاد عليه كثير، وعليه الفتوىٰ. (شامی زکریا دیوبند ۴٦۹/۹، کراچی ۳۲۳/٦)

والصحيح أن الثلث ومادونه قليل ومازاد عليه كثير وعليه الفتوىٰ.
(خانية جديد زكريا ۲٤۹/۳، وعلى هامش الهندية زكريا ۳٥٤/۳)

ولاتجزئ مقطوعة الأذن والذنب ولا التى ذهب أكثر أذنها و ذنبها و إن بقى أكثر الأذن والذنب جاز. (مختصر القدوری، امدادیه دیوبند ص: ۲۲۹)

إن كان المقطوع أكثر من الثلث لايجزئه وإن كان الثلث أو أقل يجزئه.
(المبسوط للسرخسى، دار الكتب العلمية بيروت ۱۲/۱٥-٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰/ ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۳۰۸)

مذبح تک جاسکنے والے مریض بکرے کی قربانی

سوال [۱۰۰۲۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: قربانی کا بکرا دس بارہ دن سے بیمار ہے، پہلے کے مقابلہ میں آدھا بھی نہیں رہا ہے، دوا کھا رہا ہے، لیکن صحیح نہیں ہوتا لیکن دوچار دن سے چارہ بھی کھانے لگا ہے اور مذبح تک جانے کی اس میں طاقت ہے تو اس کی قربانی درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: عبدالسمیع نجیب آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مرض کی وجہ سے آدھا بھی نہیں رہا ہے، وہ مرض بین کے دائرے میں داخل ہو چکا ہے، لہٰذا جب تک کہ اس درجہ صحیح نہ ہو جائے کہ دیکھنے

والے اس کی صحت یابی خوب اچھی طرح سمجھ لیں، اس وقت تک قربانی جائز نہیں ہوگی۔

عن البراء بن عازب قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول: لايجوز من الضحايا العوراء البين عورها، والعرجاء البين عرجها، والمريضة البين مرضها، والعجفاء التي لاتنقي. (سنن النسائی، الضحايا، باب العجفاء، النسخة الهندية ۲/ ۱۷۹، دار السلام رقم: ۴۳۷۶، الترمذی، الأضاحی، باب مالايجوز من الأضاحی، النسخة الهندية ۱/ ۲۷۵ دار السلام رقم: ۱۴۹۷)

لايجوز في الضحايا أربعة: العوراء البين عورها والعرجاء البين عرجها ...... والمريضة البين مرضها اى التي يبين أثر المرض عليها. (بنايه، كتاب الأضحية، قديم ۴/ ۱۸۰، جديد اشرفيه ديوبند ۱۲/ ۳۳-۳۴، تبيين الحقائق امداديه ملتان ۶/ ۵، زكريا ديوبند ۶/ ۴۷۹، هنديه زكريا قديم ۵/ ۲۹۷، جديد ۵/ ۳۴۳، بدائع الصنائع زكريا ديوبند ۴/ ۲۱۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶؍ذی الحجہ ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۷۷۶)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴/۱۲/۲۶ھ

تین پیروں سے چلنے والے جانور کی قربانی

سوال [۱۰۰۲۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مرض سرن (جانور کھڑا ہوا ٹھیک معلوم ہوتا ہے لیکن چلانے پر کچھ دور تک لنگ کرتا ہے اور پھر چلنے سے اس میں اتنی گرمی آجاتی ہے کہ لنگ ختم ہوجاتا ہے، اور ٹھیک ہوکر چلتا ہے، اگر پھر وہ چلنے سے رک جائے تو دوبارہ چلنے پر قدرے لنگ محسوس ہوگا اور پھر ٹھیک چلنے لگے گا) والے جانور کی قربانی درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: مطلوب احمد بچھرایوں مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر اس کا وہ پیر زمین پر نہیں رکھا جاتا ہے، صرف تین

پروں سے چلتا ہے تو اس کی قربانی جائز نہیں اور اگر اس پیر کو زمین پر رکھتا ہوا چلتا ہے تو اس کی قربانی جائز ہے، گو چلتے وقت لنگڑاتا ہوا چلتا ہو۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۱/۳۵۲، جدید ڈابھیل ۱۷/۳۷۶)

عن علي رضي الله عنه: أنه سئل عن البقرة؟ فقال: عن سبعة، قال: مكسورة القرن؟ قال: لاتضرك، قال: العرجاء؟ قال: إذا بلغت المنسك. (السنن الكبرىٰ للبيهقي، دار الفكر بيروت ١٤/٢٠٠، رقم: ١٩٦٤٠، سنن الترمذي، الأضاحي، النسخة الهندية ١/٢٧٦، دار السلام رقم: ١٥٣٩)

العرجاء: التي لا تمشي إلى المنسك أي التي لايمكنها المشي برجلها العرجاء، إنما تمشي بثلاث قوائم حتى لو كانت تضع الرابعة على الأرض وتستعين بها جاز. (شامي، كتاب الأضحية، كراچی ٦/٣٢٣، زكريا ٩/٤٦٨، تاتارخانية زكريا ١٧/٤٢٦، رقم: ٢٧٧١٦، هنديه زكريا قديم ٥/٩٢٧، جديد ٣٤٣١) **فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍ربیع الاول ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۴۴۱۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۶/۳/۱۹ھ

بدکنے والے جانور کی ٹانگ کاٹ دی کیا اس کی قربانی درست ہے؟

سوال [۱۰۰۳۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک جانور کو قربان گاہ میں گرانے کے لیے باندھا گیا، وہ بدک گیا، کسی طرح قابو میں نہیں آیا اور بھاگتے ہوئے قصائی نے ''بسم اللہ'' پڑھ کر اس کی ٹانگ کاٹ دی، اسی میں وہ دور جا کر گر گیا، ابھی لوگ وہاں تک پہنچ نہیں پائے تھے کہ اس کی روح نکل گئی، ذبح اختیاری نہیں ہوسکا، اس کی قربانی درست ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب جانور قربان گاہ سے بدک کر بھاگ گیا، بھاگتے وقت قصاب نے قربانی کی نیت سے بے قابو جانور کی ٹانگ پر بسم اللہ پڑھ کر چھری

ماری جس سے اس کی ٹانگ کٹ گئی تو اس ذبح اضطراری میں اس کی قربانی بھی درست ہے۔
(مستفاد: کفایت المفتی ۸/۲۵۳، جدید زکریا مطول ۱۱/ ۲۲۶)

عن رافع قال: كنا مع النبي ﷺ في سفر فند بعير من الإبل قال: فرماه رجل بسهم فحبسه قال: ثم قال: إن لها أوابد كأوابد الوحش فما غلبكم منها،فاصنعوا به هكذا. (صحيح البخاري، الذبائح، باب إذا ند بعير لقوم، ۲/۸۳۲، رقم: ۵۳۲۹، ف: ۵۵۴۴، صحيح مسلم، الأضاحي، باب جواز الذبح بكل ما نهر الدم، النسخة الهندية ۲/۱۵۶ بيت الأفكار رقم: ۱۹۶۸، سنن الترمذي، الصيد، باب بلا ترجمة، النسخة الهندية ۱/۲۷۵ دار السلام رقم ۱۵۲۴)

شاة ندت و توحشت فرماها صاحبها و نوى الأضحية فأصابها أجزأه عن الأضحية. (التاتارخانية زكريا ۱۷/۴۵۸، رقم: ۲۷۸۱۹)

إذا ندت أو وقع منها شيئ في بئر فلم يقدر على نحره فإنه يطعنه في أي موضع قدر عليه فيحل أكله. (الجوهرة النيرة، كتاب الصيد والذبائح، امداديه ملتان ۲/۲۷۸، دار الكتاب ديوبند ۲/۲۶۴)

جاز جرح نعم مثل الغنم والإبل والبقر توحش بأن ند عن أهله ودخل في البادية وصار وحشيا لا الذكاة الاختيارية تعذرت فيذكى بالجرح في بدنه حيث اتفق. (مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ۴/ ۱۶۰، المحيط البرهاني، كوئته ۶/۴۵۲، المجلس العلمي بيروت ۸/۴۸۱، رقم: ۱۰۸۵۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰/ ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۳۰۰)

اسکوٹر سے ٹکر کھا کر جانور کی ایک ٹانگ ٹوٹ گئی تو کیا کریں؟

سوال [۱۰۰۳۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: زید نے قربانی کے لیے ایک بکرا خریدا، اتفاق سے کسی کے اسکوٹر سے ٹکر کھا کر اس کی ایک ٹانگ ٹوٹ گئی اب اس کی قربانی کا کیا حکم ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید کے بکرے کی ٹانگ اگر حادثہ میں اس قدر ٹوٹ گئی کہ بکرا صرف تین ٹانگوں سے چلتا ہے اور چوتھا پیر زمین پر رکھ ہی نہیں سکتا تو ایسے بکرے کی قربانی درست نہیں ہے اور اگر چوتھے پیر کو زمین پر رکھ کر لنگڑا کر چل سکتا ہو تو اس کی قربانی درست ہے۔

إذا كانت تمشي بثلاث قوائم وتجافي الرابع عن الأرض لايجوز وإذا كانت تضع الرابع على الأرض تستعين بها، إلا أنه تتمايل مع ذٰلک وتضعه وضعا خفيفا يجوز وأما إذا كانت ترفع أو تحمل المنكسر لايجوز. (تاتارخانية زكريا ١٧/٤٢٦، رقم: ٢٧٧١٧)

العرجاء التي تمشي بثلاث قوائم ولا تضع الرابعة على الأرض لا وإن كانت تضعها وضعا ضعيفا إلا أنها تتمايل مع ذٰلک يجوز. (بزازيه، كتاب الأضحية، الفصل الخامس في عيوبها، جديد زكريا ٣/١٥٩، وعلى هامش الهندية زكريا ٦/٢٩٣)

والعرجاء التي لايمكنها المشي برجلها العرجاء إنما تمشي بثلاث قوائم حتى لو تضع الرابعة على الأرض وتستعين بها جازت. (شامی، زكريا ٩/٤٦٧، كراچی ٦/٣٢٣)

ولايجوز العرجاء التي لا تقدر على القيام والمشي إلى المذبح وإن قدرت جاز. (خانية جديد زكريا ٣/٢٤٩، وعلى هامش الهندية زكريا ٣/٣٥٣) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/ ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۳۲۷)

جانور قربانی کے لیے گراتے وقت ٹانگ ٹوٹ کر عیب دار ہو گیا

سوال [۱۰۰۳۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہم نے سنا ہے کہ عیب دار جانور کی قربانی جائز نہیں ہے تو سوال یہ ہے کہ ایک

جانور کو قربانی کے لیے باندھ کر گرایا جارہا تھا اسی میں اس نے خوب اچھل کود کی، جس سے اس کی ٹانگ ٹوٹ گئی، جس سے وہ پیر زمین پر رکھ نہیں سکتا، اور یہ عیب گرانے کے دوران پیدا ہوا ہے تو اس کی قربانی جائز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قربانی کے لیے گراتے وقت اگر جانور میں کوئی عیب پیدا ہوا ہو تو یہ عیب صحت قربانی کے لیے مانع نہیں ہے، لہٰذا جس جانور کی ٹانگ گراتے وقت ٹوٹی ہے اس کی قربانی بلا شبہ جائز ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل ۱۷/ ۳۸۷، میرٹھ ۲۶/ ۲۹۲)

عن أبی سعید الخدری قال: اشتریت شاة لأضحی بها، فخرجت فأخذ الذئب إلیتها، فسألت النبی ﷺ فقال: ضح بها. (السنن الکبریٰ للبیهقی، دار الفکر بیروت ۱۴/ ۲۳۰، رقم: ۱۹۷۳۰)

وإن أصابها شيئ من العیوب فی اضطرابها حین أضجعها للذبح، وذبحها علی مکانها جاز استحسانا وإذا انفلتت ثم أخذت وذبحت روی عن أبی یوسف فی غیر روایة الأصول إن أخذت من فور ذٰلک جاز وإلا فلا، وعن محمد أنه تجوز فی الحالین وعلیه الفتویٰ. (التاتارخانیة ۱۷/ ۴۳۲، رقم: ۲۷۷۳۷، المحیط البرهانی، مکتبه رشیدیه کوئٹه ۶/ ۴۷۹، المجلس العلمی بیروت ۸/ ۴۶۷، رقم: ۱۰۸۱۹)

ولو قدم أضحیة لیذبحها فاضطربت فی المکان الذی یذبحها فیه فانکسرت رجلها ثم ذبحها علی مکانها أجزأه. (بدائع الصنائع زکریا ۴/ ۲۱۶)

ولا یضر تعیبها من اضطرابها عند الذبح. (شامی کراچی ۶/ ۳۲۵، زکریا ۹/ ۴۷۱)

ولا یضر تعیبها من اضطرابها عند الذبح، وفی الهدایة ولو اضجعها فاضطربت فانکسر رجلها فذبحها أجزأ استحسانا عندنا خلافا لزفر والشافعی لأن حالة الذبح ومقدماته ملحق بالذبح فکأنه حصل به اعتبارا أو حکما. (مجمع الأنهر مکتبه فقیه الأمت دیوبند ۴/ ۱۷۲، هدایه، الأمین کتابستان ۴/ ۴۴۸) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ ذی الحجہ ۱۴۳۴ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۳۳۴)

جس جانور کو کتے نے کاٹ لیا ہو اس کی قربانی

سوال [۱۰۰۳۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: قربانی کے ایک جانور کو کتے نے کاٹ لیا ہے اس کی قربانی ہوسکتی ہے یا نہیں؟ کتا زہریلا نہیں ہے، کئی آدمیوں کو کاٹ چکا ہے۔

المستفتی: حفیظ اللہ مدرسہ اصلاح المسلمین مہراج گنج

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کتے کے کاٹنے کی وجہ سے اس کا زخم نمایاں نہ ہو تو اس کی قربانی بلا کراہت جائز ہے، قرآن کریم میں شکاری کتے کے کاٹے ہوئے جانور کو کھانے کی اجازت دی گئی ہے۔

﴿وَمَا عَلَّمْتُمْ مِنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ فَكُلُوْا مِمَّا اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ. [المائدة: ٤]﴾ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱ر شوال المکرم ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۵۸۹۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۱۰/۲۱ھ

جس جانور کے کولہے گراتے وقت اتر گئے اس کی قربانی

سوال [۱۰۰۳۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: گرانے کے دوران ایک جانور کے کولہے اتر گئے وہ جانور عیب دار شمار ہوگا یا نہیں؟ اور اس کی قربانی کا کیا حکم ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قربانی کے لیے گراتے وقت اگر جانور میں کوئی عیب

پیدا ہو جائے تو اس سے قربانی پر کوئی فرق نہیں پڑتا، لہٰذا گراتے ہوئے جس جانور کے کولہے اتر گئے، اس کی قربانی جائز ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل ۱۷/۳۸۷، محمودیہ میرٹھ ۲۶/۲۹۲)

عن أبی سعید الخدری قال: اشتریت شاة لأضحی بها، فخرجت فأخذ الذئب إلیتها، فسألت النبی ﷺ فقال: ضح بها. (السنن الکبریٰ للبیهقی، دار الفکر بیروت ۱۴/ ۲۳۰، رقم: ۱۹۷۳۰)

وإن أصابها شیئ من العیوب فی اضطرابها حین أضجعها للذبح، وذبحها علی مکانها جاز استحسانا وإذا انفلتت ثم أخذت وذبحت روی عن أبی یوسف فی غیر روایة الأصول إن أخذت من فور ذلک جاز وإلا فلا، وعن محمد أنه تجوز فی الحالین وعلیه الفتویٰ. (التاتارخانیة ۱۷/ ۴۳۲ رقم: ۲۷۷۳۷، المحیط البرهانی، مکتبه رشیدیه کوئٹه ۶/ ۴۷۹، المجلس العلمی بیروت ۸/ ۴۶۷، رقم: ۱۰۸۱۹)

ولو قدم أضحیة لیذبحها فاضطربت فی المکان الذی یذبحها فیه فانکسرت رجلها ثم ذبحها علی مکانها أجزأه. (بدائع الصنائع زکریا ۴/ ۲۱۷)

ولا یضر تعیبها من اضطرابها عند الذبح. (شامی کراچی ۶/ ۳۲۵، زکریا ۹/ ۴۷۱)

ولا یضر تعیبها من اضطرابها عند الذبح، وفی الهدایة ولو اضجعها فاضطربت فانکسر رجلها فذبحها أجزأ استحسانا عندنا خلافا لزفر والشافعی لأن حالة الذبح ومقدماته ملحق بالذبح فکأنه حصل به اعتبارا أو حکما. (مجمع الأنهر، مکتبه فقیه الأمت دیوبند ۴/ ۱۷۲، هدایه، الأمین کتابستان ۴/ ۴۴۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/ ذی الحجہ ۱۴۳۴ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۳۴۵)

ایک خصیہ والے بکرے کی قربانی کا حکم

سوال [۱۰۰۳۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: ایک بکرے کا پیدائشی ایک خصیہ ہے اور ایک نہیں ہے تو اس کی قربانی کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: ممتاز احمد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسا بکرا جس کا پیدائشی ایک خصیہ نہ ہو تو اس کی قربانی درست ہے، نیز یہ بات ہے کہ اس کا جو ایک خصیہ موجود ہے اس کو بھی نکال دیا جائے تو قربانی کا گوشت اور اچھا ہو جائے گا۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ میرٹھ ۲۶/۳۰۱)

عن جابر بن عبد الله قال: ذبح النبي ﷺ يوم الذبح كبشين أقرنين أملحين موجئين. (أبو داؤد، الضحايا، باب ما يستحب من الضحايا، النسخة الهندية ٢/٣٨٦ دار السلام رقم: ٢٧٩٥)

ويضحى بالجماء والخصى. (شامی، كتاب الأضحية، زكريا ٩/٤٦٧ كراچی ٦/٣٢٦، البحر الرائق كوئٹه ٨/١٧٦، زكريا ٨/٣٢٣، تاتارخانية ١٧/٤٢٦، رقم: ٢٧٧١٥)

والخصى أفضل من الفحل لأنه أطيب لحما. (هنديه زكريا قديم ٥/٣٩٩، جديد ٥/٣٤٥، تاتارخانية زكريا ١٧/٤٣٤، رقم: ٢٧٧٤٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۲۳ر محرم الحرام ۱۴۳۵ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۴۱۱/۴۰)	۲۵/۱/۱۴۳۵ھ

جس جانور کا خصیہ پیدائشی طور پر نہ ہو اس کی قربانی

سوال [۱۰۰۳۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جس بکرے کا خصیہ پیدائشی طور پر نہ ہو تو اس کی قربانی جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ اس کا پورا بدن صحیح سالم اور تندرست ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس بکرے کا خصیہ پیدائشی طور پر نہ ہو تو اس کی

قربانی جائز ہے اور وہ خصی کے حکم میں ہے۔

عن جابر بن عبد الله قال: ذبح النبی علیہ ﷺ یوم الذبح کبشین أقرنین أملحین موجئین. (أبو داؤد، الضحایا، باب ما یستحب من الضحایا، النسخة الهندية ٣٨٦/٢ دار السلام رقم: ٢٧٩٥)

ويضحى بالجماء والخصى. (شامی، کتاب الأضحية، زكريا ٤٦٧/٩ كراچی ٣٢٦/٦، البحر الرائق كوئٹه ١٧٦/٨، زكريا ٣٢٣/٨، تاتارخانية ٤٢٦/١٧، رقم: ٢٧٧١٥)

والخصى أفضل من الفحل لأنه أطيب لحما. (هنديه، كتاب الأضحية، الباب الخامس، زكريا قديم ٢٩٩/٥، جديد ٣٤٥/٥، تاتارخانية زكريا ٤٣٤/١٧، رقم: ٢٧٧٤٣)

وعندهم أيضا سواء كان فوات الجزء خلقة أو كان طاريا بقطع فجائز. (الموسوعة الفقهية ١٢٥/١٩)

تجوز الجماء والخصى. (تبيين الحقائق زكريا ٤٧٩/٦، امداديه ملتان ٥/٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲/ ذی الحجہ ۱۴۳۴ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۳۳۰)

جس بکرے کا عضو تناسل ایک دوانچ پیچھے ہو اس کی قربانی کا حکم

سوال [۱۰۰۳۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) بکرے کے عضو تناسل کی سپاری سے ایک دوانچ قبل سوراخ ہو پیدائشی طور پر اور پیشاب کرتے وقت اس سوراخ سے بھی پیشاب کے قطرے گرتے ہیں اس صورت میں اس بکرے کی قربانی کا کیا حکم ہے؟

(۲) عضو تناسل اپنی عام جگہ سے ایک دوانچ پیچھے ہو تو ایسے بکرے کی قربانی کی جاسکتی ہے؟

المستفتی: ممتاز احمد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱-۲) جس بکرے کے عضوتناسل کی سپاری سے ایک دو انچ قبل پیدائشی طور پر سوراخ ہو یا عضوتناسل اپنی عام جگہ سے ایک دو انچ پیچھے ہو تو بھی اس کی قربانی درست ہے، کیونکہ اس کی وجہ سے نہ تو جانور کی منفعت پر اثر پڑتا ہے اور نہ ہی خوبصورتی متأثر ہوتی ہے۔

کل عیب یزیل المنفعة علی الکمال أو الجمال علی الکمال یمنع الأضحیة ومالایکون بهذه الصفة لایمنع. (هندیه، کتاب الأضحیة، الباب الخامس، زکریا قدیم ۵/۲۹۹، جدید ۵/۳۴۵، حاشیة چلپی علی تبیین الحقائق امدادیه ملتان ۶/۶، زکریا دیوبند ۶/۴۸۲، تاتارخانیة زکریا دیوبند ۱۷/۴۳۱، رقم: ۲۷۷۳۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳ محرم الحرام ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۴۱۱)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۵/۱/۱۴۳۵ھ

جس جانور کے پیدائشی طور پر سینگ نہ ہو اس کی قربانی

سوال [۱۰۰۳۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جس جانور کے سینگ قدرتی طور پر نہیں ہے اس کی قربانی جائز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس جانور کے پیدائشی طور پر سینگ نہ ہوں اس کی قربانی درست ہے۔

عن علی قال: البقرة عن سبعة قلت: فإن ولدت؟ قال: إذبح ولدها معها، قلت: فالعرجاء، قال: إذا بلغت المنسک، قلت: فمکسورة القرن، قال: لابأس، أمرنا رسول اللهﷺ أن نستشرف العینین والأذنین. (سنن الترمذی، الأضاحی، باب فی الضحیة بعضباء القرن والأذن، النسخة الهندیة ۱/۲۷۶، دار السلام رقم: ۱۵۰۳)

ویضحی بالجماء هی التی لا قرن لها خلقة. (شامی کتاب الأضحية کراچی ٦/٣٢٣، زکریا ٩/٤٦٧، هندیه زکریا قدیم ٥/٢٩٧، جدید ٥/٣٤٣، مجمع الأنهر دار الکتب العلمية بيروت ٤/١٧١، تاتارخانية زکریا ١٧/٤٢٦، رقم: ٢٧٧١٥، بدائع الصنائع زکریا دیوبند ٤/٢١٦، فتاویٰ سراجية اتحاد دیوبند ص: ٣٨٥، تبيين الحقائق امدادیه ملتان ٦/٥، زکریا دیوبند ٦/٤٧٩، المحیط البرهانی کوئٹه ٦/٤٧٨، المجلس العلمی بيروت ٨/٤٦٦، رقم: ١٠٨١٤، فتح القدير زکریا دیوبند ٩/٥٢٩، کوئٹه ٨/٤٣٤، دار الفکر بيروت ٩/٥١٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ ؍ذی الحجہ ۱۴۳۴ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۳۱۰)

سینگ ٹوٹے جانور کی قربانی

سوال [۱۰۰۳۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ماجد نے ایک بکرا خریدا ہے لیکن بعد میں کسی چیز سے ٹکرا کر اس کا سینگ ٹوٹ گیا تو اس بکرے کی قربانی جائز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: ماجد کے بکرے کے سینگ کا کچھ حصہ اوپر سے ٹوٹ گیا یا اس کا خول اتر گیا تو اس کی قربانی درست ہے، لیکن اگر اس کا سینگ جڑ سے ٹوٹا، بعد میں اس کا اثر دماغ تک پہنچ گیا تو پھر اس کی قربانی درست نہ ہوگی۔ (مستفاد: آپ کے مسائل اور ان کا حل ۵/۴۳۹)

عن علی قال: البقرة عن سبعة قلت: فإن ولدت؟ قال: إذبح ولدها معها، قلت: فالعرجاء، قال: إذا بلغت المنسک، قلت: فمکسورة القرن، قال: لابأس، أمرنا رسول اللهﷺ أن نستشرف العينين والأذنين. (سنن الترمذی، الأضاحی، باب فی الضحية بعضباء القرن والأذن، النسخة الهندية ١/٢٧٦، دار السلام رقم: ١٥٠٣)

ویجوز أن یضحی بالجماء التی لا قرن لها خلقة وتسمی الجلجا أیضا، وکذٰلک القصما وهو التی انکسر غلاف قرنها. (الجوهرة النیرة امدادیه ملتان ۲/ ۲۸۵، دار الکتاب دیوبند۲/ ۲۷۰)

ویضحی بالجماء التی لا قرن لها خلقة وکذا العظماء التی ذهب بعض قرنها بالکسر أو غیره فإن بلغ الکسر إلی المخ لم یجز. (شامی، کتاب الأضحیة، زکریا ۹/ ۴٦۷، کراچی ٦/ ۳۲۳، مجمع الأنهر، دار الکتب العلمیة بیروت ۴/ ۱۷۱، بدائع الصنائع زکریا ۴/ ۲۱٦، هندیه زکریا قدیم ۵/ ۲۹۷، جدید ۵/ ۳۴۳، تبیین الحقائق، امدادیه ملتان ٦/ ۵، زکریا دیوبند ٦/ ۴۷۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۳۱۳)

خول اترے ہوئے جانور کی قربانی کا حکم

سوال [۱۰۰۴۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کے بکرے کے سینگ کا خول اتر گیا ہے اس صورت میں ایسے جانور کی قربانی درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: عبد المنان بروالان مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جس بکرے کے سینگ کا خول اتر گیا ہو اس کی قربانی جائز ہے، بشرطیکہ خول کے اندر کا حصہ صحیح و سالم موجود ہو۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ قدیم ٦/ ۱٦۱، جدید زکریا ۱۰/ ۵۱)

ویجوز أن یضحی بالجماء وهو التی لا قرن لها خلقة وتسمی الجلحا أیضا وکذٰلک القصما وهو التی انکسر غلاف قرنها. (الجوهرة

النیرة، کتاب الأضحیة، امدادیه ملتان ۲/ ۲۸۵، دار الکتاب دیوبند ۲/ ۲۷۰، الموسوعة الفقهیة الکویتیة ۱۵/ ۲۹۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍ربیع الاول ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۹۷۶)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۵/۳/۱۴۲۴ھ

جس جانور کے سینگ کیمیکل کی بنا پر اندر ہی رہ گئے ہوں اس کی قربانی

سوال [۱۰۰۴۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بہت سی جگہ جرسی گائے سے بچہ پیدا ہونے کے بیس پچیس دن کے بعد بچہ کے سینگ میں کیمیکل ڈال دیتے ہیں، جس کی وجہ سے سینگ اندر ہی رہ جاتے ہیں اوپر کو نہیں آتے یہ صرف جانور کو خوبصورت دکھنے کی وجہ سے کرتے ہیں، کیا ایسے جانور کی قربانی جائز ہے؟ جبکہ انسانی فعل کا اس میں دخل ہے، نیز ایسا کرنا گناہ ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد جسیم الدین بروالان مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جن جانوروں کے سینگ سرے سے نکلے ہی نہ ہوں، خواہ پیدائشی طور پر ہو یا کیمیکل وغیرہ کے ذریعہ نکلنے سے روک دیئے گئے ہوں تو اس کی قربانی بلاشبہ جائز ہے اور ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، جبکہ جانور کے اندر اس کی وجہ سے تندرستی اور حسن زیادہ آنے کی امید ہو۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۷/ ۲۶۱، جدید ڈابھیل ۱۷/ ۳۸۳)

ویضحی بالجماء هی التی لا قرن لها خلقة. (شامی، کتاب الأضحیة، کراچی ٦/ ۳۲۳، زکریا ۹/ ٤٦٧)

والجماء هی التی لا قرن لها خلقة وکذا مکسورة القرن تجزئ. (بدائع الصنائع زکریا ٤/ ۲۱٦، عالمگیری زکریا قدیم ٥/ ۲۹۷، جدید ٥/ ۳٤۳، مجمع الأنهر، دار الکتب العلمية بیروت ٤/ ۱۷۱، تبیین الحقائق امدادیه ملتان ٦/ ٥، زکریا

٤٧٩/٦، تاتارخانية زكريا ٤٢٦/١٧، رقم: ٢٧٧١٥) **فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
۱۰/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۸۴۹/۳۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۶/۱۰ھ

سینگ نیچے لٹکے ہوئے اور ہلنے والے جانور کی قربانی

سوال [۱۰۰۴۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جس بیل کے سینگ نیچے لٹکے ہوئے ہوں اور ہلتے بھی ہوں (جس کو ہمارے یہاں ہونڈ کا کہتے ہیں) ایسے بیل کی قربانی درست ہے کہ نہیں؟

المستفتی: عبد السلام پورنوی، مہاراشٹر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: سینگ کا ہلنا اور نیچے لٹک جانا ایسا عیب فاحش نہیں ہے کہ جس کی وجہ سے قربانی میں خرابی آسکے، لہٰذا مذکورہ بیل کی قربانی شرعاً درست ہوگی۔

كل عيب يزيل المنفعة على الكمال أو الجمال على الكمال يمنع الأضحية ومالايكون بهذه الصفة لايمنع. (هنديه، كتاب الأضحية، الباب الخامس، زكريا قديم ٢٩٩/٥، جديد ٣٤٥/٥، حاشية چلپى على تبيين الحقائق امداديه ملتان ٦/٦، زكريا ديوبند ٤٨٢/٦، تاتارخانية زكريا ديوبند ٤٣١/١٧ رقم: ٢٧٧٣٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳/ ذی الحجہ ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴۹۰/۲۷)

قدرتی طور پر ایک تھن والی بکری کی قربانی

سوال [۱۰۰۴۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: ایک بکری کے قدرتی طور پر صرف ایک ہی تھن ہے، اس سے خوب دودھ نکلتا ہے، اس کی قربانی جائز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس بکری کے پیدائشی طور پر ایک ہی تھن ہو یا کسی آفت سے ایک تھن ضائع ہوگیا، اس کی قربانی جائز نہیں۔

عن ابن عباس قال: قال رسول الله ﷺ: لاتجوز فی النذر العوراء والعجفاء، والجرباء، والمصطلمة أطباؤها كلها. (المستدرك للحاكم، مكتبه نزار مصطفىٰ الباز بيروت ٢٦٨٩/٧، رقم: ٧٥٣٧)

ونقل الهيثمی هذا الحديث، وفسر المصطلمة اطباؤها أی المقطوعة ضروعها. (مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ١٩/٤)

وفی الشاة والمعز إذا لم تكن لهما إحدى حلمتيها خلقة أو ذهبت بآفة وبقيت واحدة لم تجز. (هنديه، كتاب الأضحية، الباب الخامس، زكريا قديم ٢٩٩/٥، جديد ٣٤٥/٥، شامی زكريا ٤٧٠/٩، كراچی ٣٢٥/٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/ ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۱۱۳۱۹/۴۰)

گائے یا بھینس کے چار تھنوں میں سے دو نہ ہوں تو اس کی قربانی

سوال [۱۰۰۴۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: گائے یا بھینس کے چار تھنوں میں سے دو تھن ہیں، اور دو نہیں ہیں، تو اس کی قربانی درست ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: گائے یا بھینس کے چار تھنوں میں سے دو ہوں

اور دو نہ ہوں خواہ پیدائشی طور پر ہی غائب ہوں، یا کسی آفت کی وجہ سے غائب ہوگئے ہوں یا خشک ہوگئے ہوں، تو اس کی قربانی جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: محمودیہ میرٹھ ۲۶/ ۳۰۱، محمودیہ ڈابھیل ۱۷/ ۳۸۱، کتاب المسائل ۲/ ۳۱۹)

عن ابن عباس قال: قال رسول الله ﷺ: لاتجوز فی النذر العوراء والعجفاء، والجرباء، والمصطلمة اطباؤها كلها. (المستدرك للحاكم، مكتبه نزار مصطفیٰ الباز بيروت ۷/ ۲۶۸۹، رقم: ۷۵۳۷)

ونقل الهيثمی هذا الحديث، وفسر المصطلمة اطباؤها أی المقطوعة ضروعها. (مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ۴/ ۱۹)

وفی الإبل والبقر إن ذهبت واحدة تجوز، وإن ذهبت اثنتان لاتجوز كذا فی الخلاصة. (هنديه، كتاب الأضحية، الباب الخامس، زكريا قديم ۵/ ۲۹۹، جديد ۵/ ۳۴۵)

والشطور لايجزئ: وهی من الإبل والبقر إذا انقطع اللبن من ضرعيها. (تاتارخانية ۱۷/ ۴۳۰، رقم: ۲۷۷۳۱، شامی كراچی ۶/ ۳۲۵، زكريا ۹/ ۴۷۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳/ ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۳۱۷)

دوتھن والی گائے کی قربانی

سوال [۱۰۰۴۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کسی گائے یا بھینس کے پیدائشی دوتھن ہوں تو اس کی قربانی درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد مقصود ٹانڈہ رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر کسی گائے، بھینس کے پیدائشی طور پر دوتھن ہوں اس کی قربانی درست نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۷/ ۲۴۹، جدید ڈابھیل ۱۷/ ۳۸۰)

وفی الشاة والمعز إذا لم تکن لهما إحدی حلمتیها خلقة أو ذهبت بآفة وبقیت واحدة لم تجز، وفی الإبل والبقر إن ذهبت واحدة تجوز وإن ذهبت اثنتان لاتجوز، کذا فی الخلاصة. (هندیه، کتاب الأضحیة، الباب الخامس، زکریا قدیم ۵/۲۹۸، جدید ۵/۳۴۵، شامی زکریا ۹/۴۷۰، کراچی ۶/۳۲۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍محرم الحرام ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۷۴۱۰)

دو تھن والی بھینس کی قربانی

سوال [۱۰۰۴۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے یہاں ایک بھینس قربانی کے لیے خریدی گئی جس کے پیدائشی صرف دولر (تھن) ہیں اور قصاب یہ کہتا ہے اس کی ماں کو بھی دولر تھے، کیا اس کی قربانی درست ہے، جبکہ ہمارے یہاں کے مفتی صاحب نے اس بھینس کی قربانی کے جواز کا فتویٰ دیا اور اس بھینس کی قربانی کی گئی اور انہوں نے شامی کے کسی جزئیہ سے جواز کی صورت نکالی ہے، جبکہ فتاویٰ محمودیہ اور دیگر اردو فتاویٰ میں عدم جواز کا قول منقول ہے، اگر دولر والی بھینس کی قربانی درست ہے تو مدلل وضاحت فرمائیں؟

المستفتی: ابوالہاشم ادروی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس بھینس کے چار تھنوں میں سے دو تھن پیدائشی ہوں، یا بعد میں دو کسی آفت کی وجہ سے بالکل جڑ سے ختم ہوگئے ہوں، اور صرف دو باقی ہوں، تو اس بھینس کی قربانی جائز نہیں ہے، ہاں البتہ اگر صرف ایک تھن ضائع ہوا ہو اور تین باقی ہوں، تو اس کی قربانی جائز ہے، اور مفتی صاحب نے شامی کے حوالہ سے جو مسئلہ بتایا ہے، بہتر ہے کہ وہ شامی کی عبارت پر دوبارہ غور کرلیں۔

وفی الشاة والمعز إذا لم تکن لهما إحدی حلمتیها خلقة أو ذهبت بآفة وبقیت واحدة لم تجز، وفی الإبل والبقر إن ذهبت واحدة تجوز أو اثنتان لاتجوز. (هندیه، کتاب الأضحیة، الباب الخامس، زکریا قدیم ۵/۲۹۹، جدید ۵/۳۴۵، شامی زکریا ۹/۴۷۰، کراچی ۶/۳۲۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰ رمحرم الحرام ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۷۰۲۱)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۰/۱/۱۴۲۲ھ

تین تھن والے جانور کی قربانی

سوال [۱۰۰۴۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک گائے کے تین تھن ہیں تو اس کی قربانی درست ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: گائے کے چار تھنوں میں سے ایک غائب ہو اور بقیہ تین صحیح سالم ہوں تو ایسی گائے کی قربانی درست ہے۔ (مستفاد: محمودیہ ڈابھیل ۱۷/۳۸۱، میرٹھ ۲۶/۳۰۱، کفایت المفتی جدید ۸/۱۸۹، جدید مطول ۱۲/۹۰)

وفی الإبل والبقر إن ذهبت واحدة تجوز، وإن ذهبت اثنتان لاتجوز کذا فی الخلاصة. (هندیه، کتاب الأضحیة، الباب الخامس، زکریا قدیم ۵/۲۹۹، جدید ۵/۳۴۵)

والشطور لایجزئ: وهی من الإبل والبقر إذا انقطع اللبن من ضرعیها. (تاتارخانیة ۱۷/۴۳۰، رقم: ۲۷۷۳۱، شامی کراچی ۶/۳۲۵، زکریا ۹/۴۷۰)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳ رذی قعدہ ۱۴۳۴ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۳۱۸)

گائے یا بھینس کے دو تھنوں سے دودھ نہیں نکلتا تو اس کی قربانی

سوال [۱۰۰۴۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: گائے یا بھینس کے چار تھنوں میں سے دو سے دودھ نکلتا ہے اور دو سے نہیں نکلتا تو اس کی قربانی جائز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: گائے یا بھینس کے چار تھنوں میں سے دو سے دودھ نکلتا ہے اور دو خشک ہوں جن سے دودھ نہ نکلتا ہو تو ایسی گائے اور بھینس کی قربانی جائز نہیں ہے۔

والشطور لایجزئ: ......ومن الإبل والبقر إذ انقطع اللبن من ضرعيها.
(تاتارخانية ۱۷/ ۴۳۰، رقم: ۲۷۷۳۱)

ولا الجداء: وهي التي يبس ضرعها. (تبيين الحقائق، كتاب الأضحية، امداديه ملتان ٦/٦، زكريا ديوبند ٦/٤٨٢)

والجذاء مقطوعة رؤوس ضرعها أو يابستها. (شامی کراچی ٦/ ٣٢٤، زكريا ٩/٤٦٩)

وفي الإبل والبقر إن ذهبت واحدة تجوز، وإن ذهبت اثنتان لاتجوز كذا في الخلاصة. (هنديه، كتاب الأضحية، الباب الخامس، زكريا قديم ٥/٢٩٩، جديد ٥/٣٤٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳/ ذیقعدہ ۱۴۳۴ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۳۱۹)

ایک تھن سوکھے ہوئے بکری کی قربانی

سوال [۱۰۰۴۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: ایک بکری کا ایک تھن درست ہے، دوسرا سوکھا ہوا ہے، تھن تو ہے لیکن اس سے دودھ نہیں نکلتا، اس کی قربانی کا کیا حکم ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفیق: جس بکری کا ایک تھن خشک ہوگیا ہے اور اس سے دودھ نہیں نکلتا، تو اس کی قربانی درست نہیں ہے۔

ولا الجداء: وهي التي ييبس ضرعها. (هندية، كتاب الأضحية، الباب الخامس، زكريا قديم ٥/٢٩٨، جديد ٥/٣٤٤، تبيين الحقائق، كتاب الأضحية، امداديه ملتان ٦/٦، زكريا ديوبند ٦/٤٨٢)

والشطور لايجزئ: وهي من الشاة ما قطع اللبن عن إحدى ضرعها. (تاتارخانية ١٧/٤٣٠، رقم: ٢٧٧٣١، شامي زكريا ٩/٤٧٠، كراچی ٦/٣٢٥) **فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

۱۸/ ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ

(الف خاص فتویٰ نمبر: ۱۱۳۰۴/۴۰)

۸ باب في مصرف جلد الأضحية

چرم قربانی

سوال [۱۰۰۵۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (الف) چرم قربانی کی رقم سے مدرس کی تنخواہ دینا حرام ہے، ایک صاحب فرماتے ہیں، جبکہ آپ کی کتاب میں ہے کہ خود صاحب نصاب یعنی قربانی کرنے والا خود بھی کھال استعمال کرسکتا ہے، اور صاحب نصاب نے بعینہٖ کھال مدرس کو دیدی تو پھر کھال کا مالک صاحب مدرسہ کو دیدے پھر فروخت کرکے مدرس تنخواہ میں لگاتا ہے یا دوسرے مدرسہ کے بیت المال سے مہتمم دیدیں، حضرت سے معلوم کرنا یہ ہے کہ مدرس کو تو دوہرا اجر ملنا چاہیے، جبکہ یہاں حرام قرار دیا جارہا ہے، اگر حرام ہے تو تفصیل سے تحریر کریں، اور منع ہے تو کس درجہ کی ممانعت ہے؟

(ب) چرم قربانی کی رقم تملیک کرکے دیگر دینی کاموں میں لگا سکتے ہیں یا نہیں؟ جیسے مدرس کی تنخواہ میں یا قبرستان کی یا مسجد کی تعمیر میں دے سکتے ہیں؟

المستفتی: محمد فرمود کٹگھر مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: چرم قربانی سے خود قربانی کرنے والے کے لیے استعمال کرکے فائدہ اٹھانا جائز ہے، اور یہ بھی جائز ہے کہ بعینہٖ قربانی کے جانور کی کھال کسی کو ہبہ کردے، چاہے مالدار ہو یا غریب، لیکن جب مالک اس کو فروخت کردے گا یا مالک کی طرف سے صراحتاً یا دلالۃً وکیل بن کر کے فروخت کرے گا تو پھر اس کی قیمت کا خود استعمال کرنا جائز نہیں ہے، بلکہ مستحق زکوٰۃ فقراء کو صدقہ کردینا لازم ہے، اور سوالنامہ میں یہ جو لکھا گیا ہے کہ قربانی کرنے والا خود بھی کھال کو استعمال کرسکتا ہے اور صاحب نصاب نے مدرس کو بعینہٖ کھال ہبہ کردی ہے تو مدرس اس کا مالک ہوجائے گا، اس کے بعد اگر فروخت کرے گا تو

وہ قیمت کا بھی مالک ہوجائے گا، ایسی صورت میں تنخواہوں میں دینے کا سوال پیدا نہیں ہوتا، شاید سائل کو یہ شبہ ہورہا ہے کہ قربانی کی کھال وصول کرنے کے لیے منجانب مدارس جو مدرسین قربانی کرنے والوں کے پاس پہنچتے ہیں اور قربانی کرنے والے بعینہٖ ان کو کھال دیدیتے ہیں، وہ دینا مدرس کو مالک بنانا ہے، حالانکہ ایسا نہیں ہے، بلکہ مدرس منجانب مدرسہ وکیل ہوتا ہے، اور کھال دینے والے کی طرف سے فروخت کرنے کا وکیل ہوتا ہے، اس لیے مدرس نہ اس کا مالک ہوتا ہے اور نہ ہی بلا تملیک شرعی کے اس پیسے کو تنخواہوں میں لگانا جائز ہے۔

عن جابر بن عبد الله أن أبا قتادة أتى أهله ...... قال: ولا تبيعوا لحوم الهدى والأضاحى فكلوا وتصدقوا واستمتعوا بجلودها...... (مسند أحمد بن حنبل ٤/١٥، رقم: ١٦٣١١)

ولـه أن ينتفع بجلد أضحيته فى بيته بأن يجعله سقاء أو فروا. (بدائع الصنائع، كتاب التضحية، ما يستحب فى الأضحية، زكريا ٤/٢٢٥، كراچی ٥/٨١)

فإن بيع اللحم أو الجلد به أى بمستهلک أو بدراهم تصدق بثمنه. (شامى كتاب الأضحية زكريا ٩/٤٧٥، كراچی ٦/٣٢٨)

(ب) قربانی کی کھال فروخت ہوجانے کے بعد رقم کو حیلۂ تملیک کرکے دینی مدارس کی ضروریات میں اور مدرسین کی تنخواہوں میں لگانا شرعاً جائز ہے، لیکن یادرہے کہ حیلۂ تملیک ہر جگہ جائز نہیں، مسجد کی تعمیر اور قبرستان کی چہار دیواری وغیرہ امداد خاص سے ہونی چاہیے۔

ويشترط أن يكون الصرف تمليكا لا إباحة لايصرف إلى بناء نحو مسجد كبناء القناطر والسقايات وإصلاح الطرقات وكرى الأنهار والحج والجهاد وكل مالاتمليک فيه. (شامى، كتاب الزكاة، باب المصرف، زكريا ٣/٢٩١، كراچی ٢/٣٤٤)

والاحتيال للهروب عن الحرام والتباعد عن الوقوع فى الآثام لا بأس به بل هو مندوب إليه وأما الاحتيال لإبطال حق المسلم فإثم و عدوان وقال النسفى فى الكافى عن محمد بن الحسن: ليس من أخلاق المومنين الفرار من أحكام الله بالحيل الموصلة إلى إبطال الحق. (عمدة القارى، كتاب الحيل،

باب ترك الحيل، زكريا ١٦/٢٣٩، دار إحيار التراث العربى ٢٤/١٠٨، تحت رقم الحديث ٦٩٥٣، الفتاوىٰ التاتارخانية زكريا ١٠/٣١١، رقم: ١٤٨٤٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍محرم الحرام ۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۹۶۴/۳۸)

چرمِ قربانی کا مصرف

سوال [۱۰۰۵۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: چرم قربانی کا مصرف کیا ہے؟ کیا جو مصارف زکوٰۃ ہیں وہی اس کے ہیں، کوئی شخص اپنی نواسی کو (جو مستحق) ہے، چرم قربانی کی قیمت دے سکتا ہے؟

المستفتی: زبیر احمد مظاہری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: چرم قربانی کا حکم قربانی کے گوشت کی طرح ہے جیسے نفس گوشت ہر شخص کو کھانا اور ہر شخص کو دینا جائز ہے، اسی طرح چرم قربانی بھی خود قربانی کرنے والے کا استعمال کرنا یا کسی کو بھی بعینہٖ کھال دے دینا جائز ہے، لہٰذا آپ اپنی نواسی کو قربانی کی کھال بعینہٖ دینا چاہیں تو دے سکتے ہیں، لیکن اگر آپ چرم قربانی کو فروخت کر کے اس کی قیمت حاصل کر لیتے ہیں، تو پھر اس کی قیمت کا مستحق فقراء پر صدقہ کرنا واجب ہے، مگر صدقات واجبہ اپنے اصول وفروع کو دینا جائز نہیں، اصول کا مطلب یہ ہے کہ اپنے باپ، دادا، پردادا، دادی، پردادی، وغیرہ اسی طرح ماں نانا، نانی وغیرہ، اور فروع کا مطلب یہ ہے کہ اپنی اولاد اور اپنے بیٹے یا بیٹی کی اولاد کو دینا جائز نہیں ہے، لہٰذا آپ اپنی نواسی کو چرم قربانی فروخت کرنے کے بعد اس کی قیمت نہیں دے سکتے۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۶/ ۱۶۷، ۲/ ۸۶،۶/ ۱۶۴، جدید زکریا ۱۰/ ۳۳-۳۷، عزیز الفتاویٰ ص: ۷۱۰)

عن جابر بن عبد الله أن أبا قتادة أتى أهله فوجد قصعة ثريد من قديد

الأضحى ......قال: ولا تبيعوا لحوم الهدى والأضاحى فكلوا وتصدقوا واستمتعوا بجلودها وإن أطعمتم من لحومها فكلوا إن شئتم. (مسند أحمد بن حنبل ٤/١٥، رقم: ١٦٣١١)

ولو باع الجلد أو اللحم بالدراهم أو بما لاينتفع به إلا بعد استهلاكه تصدق بثمنه وفى البناية: فإذا تمولته بالبيع وجب التصدق. (البناية، كتاب الأضحية، اشرفيه ١٢/٥٥، شامى زكريا ٩/٤٧٥، كراچى ٦/٣٢٨)

وفى الكنز: وأصله و إن علا و فرعه و إن سفل، وفى البحر أى لايجوز الدفع إلى أبيه وجده و إن علا ولا إلى ولده وولد ولده وإن سفل –إلى قوله– وفيه إشارة إلى أن هذا الحكم لايخص الزكاة بل كل صدقة واجبة لايجوز دفعها لهم كأحد الزوجين كالكفارات وصدقة الفطر والنذور. (البحر الرائق، كتاب الزكاة، باب المصرف، كوئٹه ٢/٢٤٣، زكريا ٢/٤٢٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱ رجب المرجب ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۲/۹۳۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۱/۷/۱۴۲۸ھ

چرم قربانی کہاں دیں؟

سوال [۱۰۰۵۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آج سے تقریباً چھ سات پہلے ہماری بستی میں ایک مدرسہ دیو بندی اور بریلوی خیالات والوں نے مل جل کر چلانا شروع کیا اس کے واسطے بقرعید کے موقع پر چرم قربانی سے روپیہ جمع کیا کچھ دنوں چلنے کے بعد یہ مدرسہ بند ہوگیا اور قربانی کی رقم قریب چار سو روپیہ میرے پاس آج تک جمع ہیں، اب وہ مدرسہ پھر چالو ہوگیا ہے اور اب بریلوی فرقہ کے لوگوں کا ہے، جن صاحبان سے یہ چرم قربانی اکٹھی کی تھی ان کا کوئی صحیح پتہ نہیں ہے؟

المستفتی: عبد السبحان لنڈھورہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: چرم قربانی کی رقم کا مستحق فقیر نادار ہی ہے، مدارس کے ذمہ داران فقیر ونادار طلبہ پر خرچ کرنے کے لیے وکیل ہوا کرتے ہیں، اور شرعاً فقراء میں اشخاص متعین نہیں ہوا کرتے ہیں، اس لیے جب مذکورہ قسم کے لیے اشخاص متعین نہیں ہیں، اور غالباً آپ بھی من جملہ ذمہ داران میں سے ایک ذمہ دار ہیں، اس لیے آپ مذکورہ مدرسہ میں نہ دے کر صحیح مسلک کے مدارس یا فقراء پر خرچ کر سکتے ہیں۔

مصرف الزکاۃ والعشر ...... ھو فقیر وھو من لہ أدنی شيئ (تحتہ فی الشامیۃ) وھو مصرف أیضا لصدقۃ الفطر والکفارۃ والنذر وغیر ذٰلک من الصدقات الواجبۃ. (شامی، کتاب الزکاۃ، باب المصرف، زکریا ۳/۲۸۳، کراچی ۲/۳۳۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶؍ ربیع الاول ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۲۱۵۲)

چرم قربانی کا مصرف اور تملیک کا طریقہ

سوال [۱۰۰۵۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) چرم قربانی کا مصرف غرباء ومساکین ہی ہیں یا اس کی رقم کو بعد تملیک مدرسہ کی تعمیر میں لگایا جاسکتا ہے؟

(۲) شریعت مطہرہ میں تملیک کا طریقہ کیا ہے بیان فرمائیے؟

المستفتی: عیاض احمد میرٹھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) چرم قربانی کا مصرف غرباء اور مساکین ہی ہیں اور حیلۂ تملیک کی نیت سے چرم قربانی کو فروخت کرنا بھی جائز نہیں ہے۔

اللحم بمنزلة الجلد فی الصحیح حتی لایبیعه بما لا ینتفع به إلا بعد الاستهلاک فإن بدل اللحم أو الجلد به أی بما ینتفع بالإستهلاک جاز ویتصدق به لانتقال القربة إلی البدل. (مجمع الأنهر، کتاب الأضحیة، دار الکتب العلمیة بیروت ٤/١٧٤، مصری قدیم ٢/٥٢١، البنایة اشرفیه ١٢/٥٥، شامی زکریا ٩/٤٧٥، کراچی ٦/٣٢٨)

نیز حیلۂ تملیک کوئی شریعت کا اصل مسئلہ نہیں ہے، بلکہ ضروریات دین کی حفاظت میں دشواری پیش آجائے تو بقدر ضرورت گنجائش ہے، اور محض تعمیر وغیرہ کی غرض سے حیلہ کرنا ہرجگہ جائز نہیں ہے۔

إن کل حیلة یحتال بها الرجل لإبطال حق الغیر أو لإدخال شبهة فیه أو لتمویه باطل فهی مکروهة. (فتاویٰ عالمگیری، کتاب الحیل، الفصل الأول، زکریا جدید ٦/٣٩٣، قدیم ٦/٣٩٠، الفتاوی التاتارخانیة زکریا ١٠/٣١١، رقم: ١٤٨٤٥)

(۲) تملیک کا طریقہ یہ ہے کہ کسی فقیر کو باقاعدہ مالک بنا کر قبضہ دیدیا جائے اس کے بعد اس سے چندہ مانگنے کی طرح مانگ لیا جائے اب اس کی مرضی ہے چاہے دیدے اور چاہے نہ دے۔

والحیلة أن یتصدق علی الفقیر ثم یأمره بفعل هذه الإشیاء فتکون لرب المال ثواب الزکاة وللفقیر ثواب هذه التقرب. (الدر المنتفی، کتاب الزکاة، باب فی بیان أحکام المصارف، دار الکتب العلمیة بیروت ١/٣٢٩، الدر مع الرد، زکریا ٣/٢٩٣، کراچی ٢/٣٤٥، هندیه زکریا قدیم ٦/٣٩٢، جدید ٦/٣٩٥، الموسوعة الفقهیة الکویتیة ٣٦/٢٤٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/ذی الحجہ ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۳۷۸۳)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴/۱۲/۲۸ھ

چرم قربانی کی رقم کہاں کہاں دی جاسکتی ہے؟

سوال [۱۰۰۵۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: چرم قربانی کی رقم کو کہاں کہاں صرف کیا جاسکتا ہے؟ تعمیر مسجد، عیدگاہ اور قبرستان میں لگانا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد جمال سہاگ پور شیڈول

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: چرم قربانی کی رقم کو صدقہ کرنا واجب ہے، لہٰذا تعمیر مسجد، عیدگاہ اور قبرستان میں چرم قربانی کا پیسہ لگانا جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ زکریا ۳/۵۳۶، احسن الفتاویٰ ۷/۵۳۱، مسائل قربانی وعقیقہ ص:۴۰، جواہر الفقہ قدیم ۱/ ۴۵۷، جدید زکریا ۶/۴/۲۷۴)

فإن بيع اللحم أو الجلد به أى بمستهلك أو بدرهم تصدق بثمنه.

(در مختار على الشامي، كتاب الاضحية، زكريا ٩/ ٤٧٥، كراچى ٦/ ٣٢٨، مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ٤/ ١٧٤، مصرى قديم ٢/ ٥٢١، تبيين الحقائق امداديه ملتان ٦/ ٩، زكريا ٦/ ٤٨٦، هدايه اشرفى ٤/ ٤٥٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷؍ ربیع الاول ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۶۵۴۶/۳۵)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۳/۷ھ

کھال کا معاملہ قصاب کے حوالہ کرنا

سوال [۱۰۰۵۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں نے ایک بھینس مع اجرت ذبح قصائی سے خریدی اور کہا کہ کھال کا معاملہ تم جانو، جس کو چاہو دو، اس طرح کھال کا معاملہ کرنے سے قربانی پر تو کچھ اثر نہ ہوگا؟

المستفتی: محمد احسان راجستھان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کھال کا معاملہ قصائی کے سپرد کردینے سے قربانی پر کوئی اثر نہیں پڑا، بشرطیکہ کھال کو اجرت کے طور پر نہ دیا ہو۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ

۷/ ۴۸۷، فتاویٰ دار العلوم جدید ا/ ۸ ۶۷)

عن علی رضی الله عنه قال: امرنی رسول الله ﷺ أن أقوم علی بدنه و أن أتصدق بلحمها، وجلودها، وأجلتها، وأن لا أعطی الجزار منها، قال: نحن نعطيه من عندنا. (صحيح مسلم، باب الصدقة بلحوم الهدايا ...... النسخة الهندية ۱/ ۴۲۳، بيت الأفكار رقم: ۱۳۱۷)

ويهب منها ما شاء للغني و الفقير. (هنديه، كتاب الأضحية، الباب الخامس فی بيان محل إقامة الواجب، زكريا قديم ۵/ ۳۰۰، جديد ۵/ ۳۴۶) **فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴/ صفر المظفر ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۰۳۱)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۲/۱۴ھ

شریک قصاب کا شرکاء سے اجرت لینا کیسا ہے؟

سوال [۱۰۰۵۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ سات آدمیوں نے مل کر ایک بڑا جانور خریدا اور ان سات آدمیوں میں سے ایک قصاب بھی ہے، اب سوال یہ ہے کہ اگر ذبح کرنے کے لیے الگ سے کوئی قصاب بلایا جاتا ہے تو گوشت بنانے کے سات سو روپئے لے گا اور شرکاء میں سے جو قصاب ہے وہ یہ کہتا ہے کہ میں خود قصاب ہوں دوسروں کو کیا پیسہ دیا جائے میں اچھی طرح گوشت بنا دیتا ہوں، مجھے ہی فی کس کے اعتبار سے سو روپئے دیدینا تو ایسا کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: مجیب الرحمٰن موانہ میرٹھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سات شرکاء میں سے جو شخص قصاب ہے اس کو مناسب اجرت دے کر اسی کے ذریعہ سے گوشت بنوانا اصول اجارہ کے مطابق ناجائز ہے، اس لیے کہ خود قصاب کے حصہ کا تعلق پورے جانور کی ایک ایک بوٹی بوٹی کے ساتھ ہوتا ہے،

اورعدم جواز کی جزئیات حسب ذیل ہیں ملاحظہ فرمایئے:

إذا استاجر رجلا على العمل فى شيئ هو فيه شريكه نحو ما إذا كان بين إثنين طعام فاستاجر أحدهما صاحبه على أنه يحمل نصيبه إلى مكان معلوم والطعام غير مقسوم فحمل الطعام كله...... لاتجوز هذه الإجارة عند أصحابنا وقولنا أنه أجر ما لا يقدر على ايفائه لتعذر تسليم الشائع بنفسه فلم يكن المقدور عليه مقدور الاستيفاء وإنما لايجب الأجر أصلا لأنه لايتصور استيفاء المعقود عليه إذ لا يتصور حمل نصف الطعام تابعاً ووجوب أجر المثل يقف على استيفاء المعقود عليه ولم يوجد فلا يجب. (بدائع الصنائع، كتاب الإجارة، باب الاستيجار على الطاعة، زكريا ٤/٤٣، كراچى ٤/١٩٠)

وفى الكبرىٰ: ذكر القدورى كل شيئ لا يستحق به الأجرة إلا بإيقاع العمل فى العين المشتركة فإذا استاجر أحد الشريكين الآخر لم يجز مثل أن يستاجر لنقل الطعام بنفسه أو بغلامه أو دابته. (الفتاوىٰ التاتارخانية ١٥/١٥٦، رقم: ٢٢٥٥٥)

ہاں البتہ اس کی متبادل شکل یہ ہے کہ جانورکوسب مل کر ذبح کردیں اور ذبح کرنے بعد اس کی کھال اتار کر بڑے بڑے ٹکڑے کرکے سات حصوں میں تقسیم کردیں یا کم ازکم قصاب کا حصہ متعین کرکے الگ کردیں، اس کے بعد یہ قصاب دوسرے شرکاء کے گوشت بنانے کی اجرت لے سکتا ہے، اس لیے کہ اب دوسرے شرکاء کے حصوں میں اس کی شرکت باقی نہیں رہی جیسا کہ حسب ذیل جزئیہ سے معلوم ہوتا ہے:

كل ما يستحق الأجرة فيه من غير إيقاع العمل فى المال المشتركة فالإجارة جائزة مثل أن يستاجر دارا يجوز فيها الطعام أو سفينة أو جوالقا وعن أبى يوسف إن الإجارة فى الدور والسفينة لاتجوز، قال القاضى فخر الدين: الفتوىٰ على ما ذكره فى العيون والقدورى. (الفتاوىٰ التاتارخانية زكريا ١٥/١٥٦، رقم: ٢٢٥٥٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/ ذی قعدہ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۱۷۵٦)

قربانی کا جانور ذبح ہونے سے قبل کھال کی رسید کاٹ لینا

سوال [۱۰۰۵۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قربانی کے موقع پر جانور ذبح ہونے سے قبل ہی کھال کی رسید کاٹ لی جاتی ہے جبکہ جانور کھوجانے، ہلاک ہوجانے وغیرہ کا اندیشہ ہے تو کیا ازروئے شرع یہ عمل جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد نورالعین مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کھال کو جانور کے بدن سے جدا ہونے سے قبل فروخت کرنا تو جائز نہیں البتہ فروختگی کا وعدہ اور معاہدہ جائز ہے، اور مدارس اسلامیہ میں قبل از وقت کھال کی رسید کٹا لینا یا کاٹ دینا بھی ایک قسم کا وعدہ اور معاہدہ ہے، اس لیے کہ مدارس کو کھال فروخت نہیں کی جاتی بلکہ مفت میں دی جاتی ہے، لہٰذا اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔

(مستفاد: محمودیہ قدیم ۱۴/ ۳۴۶، جدید ڈابھیل ۱۶/ ۱۱۳، مسائل قربانی ص: ۴۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/ محرم الحرام ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۷۰۵۹)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۱/۲۹ھ

قربانی کی کھال گم ہوجائے تو کیا حکم ہے؟

سوال [۱۰۰۵۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص پر قربانی واجب نہیں تھی، اس نے قربانی کرکے کھال بغرض ضرورت حفاظت سے رکھ دی، اب کچھ دن پہلے وہ کھال غائب ہوگئی تو کیا اس کھال کی قیمت صدقہ کرنا واجب ہوگی؟ یا کیا حکم ہے؟

المستفتی: محمد خالد ٹانڈہ رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب کھال غائب ہوگئی تو اب اس کھال کی قیمت کا صدقہ کرنا واجب نہیں خواہ صاحب معاملہ غریب ہو یا مالدار، اس لیے کہ کھال کا حکم گوشت کی طرح سے ہے، کہ جس طرح گوشت کے ضائع ہونے پر گوشت کا صدقہ واجب نہیں اسی طرح کھال کے گم ہونے پر اس کی قیمت کا صدقہ واجب نہیں۔

لابأس بأن ينتفع بإهاب الأضحية. (قاضيخان، كتاب الأضحية، فصل فى الانتفاع بالأضحية، زكريا جديد ٢٤٩/٣، وعلى هامش الهندية ٣٥٤/٣)

واللحم بمنزلة الجلد فى الصحيح. (هنديه، كتاب الأضحية، الباب السادس، زكريا قديم ٣٠١/٥، جديد ٣٤٧/٥، حاشية الطحطاوى على الدر كوئٹه ٣٢٥/٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ ربیع الثانی ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۷۱۵۰)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۴/۶ھ

قربانی کی کھال گم ہونے کی صورت میں کیا کریں؟

سوال [۱۰۰۵۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص ایسا ہے کہ جس پر قربانی واجب نہیں ہے مگر اس نے پھر بھی قربانی کردی، قربانی کرنے کے بعد کھال بحفاظت رکھی ہوئی تھی، اتفاقاً وہ کھال غائب ہوگئی، اب اس کھال کے بارے میں کیا حکم ہے؟ کیا اس شخص کو کھال کی قیمت صدقہ کرنی پڑے گی یا نہیں؟ اور اگر مالدار صاحب نصاب شخص کے ساتھ یہ معاملہ پیش آجائے تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

المستفتی: محمد شمیم قاسمی مہاراشٹری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کھال غائب ہوگئی تو اب کھال کی قیمت کا

صدقہ کرنا واجب نہیں ہے، خواہ معاملہ غریب شخص کے ساتھ پیش آئے یا صاحب نصاب کے ساتھ، اس لیے کہ کھال واجب التصدق نہیں ہے، بلکہ اس کا حکم ایسا ہے جیسا کہ قربانی کے گوشت کا جس طرح گوشت غائب ہوجائے، یا کوئی لے جائے تو قربانی کرنے والے پر کوئی تاوان لازم نہیں آتا، اسی طرح کھال گم ہوجانے پر تاوان لازم نہیں آئے گا۔

قال في الهندية: واللحم بمنزلة الجلد في الصحيح. (هنديه، كتاب الأضحية، الباب السادس، زكريا قديم ٥/ ٣٠١، جديد ٥/٣٤٧، حاشية الطحطاوي على الدر، كتاب الأضحية كوئٹه ٤/١٦٦، مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ٤/ ١٧٤، مصرى قديم ٢/ ٥٢١، هدايه اشرفى ٤/ ٤٥٠)

لابأس بأن ينتفع بإهاب الأضحية. (قاضيخان، كتاب الأضحية، فصل في الانتفاع بالأضحية، زكريا جديد ٣/ ٢٤٩، وعلى هامش الهندية ٣/ ٣٥٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍ جمادی الثانیہ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۶۴۹)

قربانی کی کھال کو بعینہٖ اپنے استعمال میں لانا یا مالدار کو دینا

سوال [۱۰۰۶۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: قربانی کی کھال خود استعمال کرسکتا ہے یا نہیں؟ اسی طرح کسی غنی کو تحفہ میں دے سکتا ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قربانی کی کھال بعینہٖ اپنے استعمال میں لانا جائز ہے، اسی طرح بعینہٖ کسی غنی کو تحفہ میں دینا بھی جائز ہے۔ (مستفاد: محمودیہ ڈابھیل ۱۷/ ۴۶۹، میرٹھ ۲۶/ ۳۷۱، فتاویٰ دار العلوم ۱۵/ ۵۷۸، کفایت المفتی جدید زکریا ۸/ ۲۲۲، زکریا مطول ۱۲/ ۱۴۶)

ويتصدق بجلدها أو يعمل منه نحو غربال وجراب و قربة وسفرة و

دلو. (شامي، كتاب الأضحية، زكريا ٩/٤٧٥، كراچی ٦/٣٢٨)

ويجوز الانتفاع بجلد الأضحية وهدى المتعة والتطوع بأن يتخذها فروا أو بساطا أو جرابا أو غربالا أو نطعا. (تاتارخانية زكريا ١٧/٤٣٩، رقم: ٢٧٧٥٦)

ويتصدق بجلدها أو يعمله آلة كجراب أو خف أو فرو ...... واللحم بمنزلة الجلد في الصحيح ...... ولهذا يطعم من شاء من غني. (مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ٤/١٧٤، مصري قديم ٢/٥٢١)

ويأكل من لحم الأضحية ويؤكل غنيا ويدخر ولأنه لما جاز له أن يأكل منه وهو غني فأولىٰ أن يجوز له إطعام غيره و إن كان غنيا. (تبيين الحقائق زكريا ٦/٤٨٥، امداديه ملتان ٦/٩)

واللحم بمنزلة الجلد في الصحيح. (تبيين الحقائق زكريا ٦/٤٨٦، امداديه ملتان ٦/٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳/ ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۱۱۲۹۵/۴۰)

چرم قربانی یا اس کی رقم کے استعمال کا حکم

سوال [۱۰۰۶۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ چرم قربانی یا اس کے پیسے اپنے مصرف میں صاحب قربانی استعمال کرسکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد دستگیر عالم قاسمی، محلّہ کسرول مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اپنی قربانی کی کھال کی رقم صاحب قربانی کے لیے اپنے مصرف میں استعمال کرنا جائز نہیں ہے، بلکہ غریب ونادار کو صدقہ کردینا واجب ہے، البتہ خود کھال اپنے مصرف میں لانا جائز ہے۔

وعن عائشة رضی الله عنها أم المؤمنين: أن يجعل من جلد الأضحية، سقاء ينبذ فيه، وعن مسروق أنه كان يجعل من جلد أضحية مصلی يصلی فيه، وصح عن الحسن البصری، انتفعوا بسوک الأضاحی، ولا تبيعوها. (المحلی لابن حزم، دار الكتب العلمية بيروت ٦/ ٥٢، رقم المسئلة: ٩٨٦)

ولو باعها بالدراهم يتصدق بها جاز. (هنديه، كتاب الأضاحی، الباب السادس، زكريا قديم ٥/ ٣٠١، جديد ٥/ ٣٤٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ ذی الحجہ ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۲۹۳۰)

قربانی کی کھال سے چھلنی، مشک یا ڈول بنانا

سوال [۱۰۰۶۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بہشتی زیور حصہ سوئم میں ہم نے صفحہ ۲۱۷ پر یہ مسئلہ پڑھا ہے کہ قربانی کی کھال سے چھلنی یا مشک یا ڈھول (ڈول) یا جانماز وغیرہ بنائی جاسکتی ہے، یہ درست ہے، ہماری سمجھ میں نہیں آیا کہ ڈھول سے مراد کیا ہے، لہٰذا اس کی قرآن وسنت کی روشنی میں وضاحت فرمائیں۔

المستفتی: صغیر احمد سرکڑا مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بہشتی زیور ۳/ ۴۱، اختری میں ڈھول نہیں لکھا ہے بلکہ ڈول لکھا ہے اس سے مراد وہ مشکیزہ ہے جو بالٹی کا کام دیتا ہے، اور بہشتی زیور میں دیگر جن اشیاء کے بنانے کی اجازت دی ہے وہ سب صحیح اور درست ہے۔

ويتصدق بجلدها أو يعمل منه نحو غربال وجراب و قربة وسفرة و دلو.
(شامی، كتاب الأضحية، زكريا ٩/ ٤٧٨، كراچی ٦/ ٣٢٨، الفتاویٰ التاتارخانية زكريا ١٧/ ٤٣٩، رقم: ٢٧٧٥٦، هدايه اشرفی ٤/ ٤٥٠، مختصر القدوری ص: ٢٣٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰/ ذی الحجہ ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۲۹۳۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۲/۱۲/۲۰ھ

گوشت لے جانے والوں کا ہڈی کو فروخت کرنے کا حکم

سوال [۱۰۰۶۳۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص نے قربانی کی اور اس کے پاس گوشت بہت جمع ہو گیا، اس لیے اس نے لوگوں کو عام اجازت دے رکھی ہے کہ جو چاہے لے جائے، چنانچہ کچھ لوگ گوشت لے کر ہڈی نکال لیتے ہیں اور اس ہڈی کو بیچتے ہیں، کیا اس طرح ہڈی بیچنا جائز ہے؟

المستفتی: ابوالخیر ۲۴ ر پرگنہ، مدرسہ شاہی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: فروخت کرنے میں قربانی کے جانور کا گوشت ہڈی، کھال سب ایک حکم میں ہے، ان کے بارے میں اولاً تو حکم یہ ہے کہ ان کو فروخت نہ کیا جائے لیکن اگر اعذار کی بناء پر فروخت کر دیا جائے تو اس کا پیسہ فقراء پر تقسیم کر دینا لازم ہے، لہٰذا قربانی کے جانور کی کھال کا فروخت کرنا جس درجہ میں ہے، ہڈی کا فروخت کرنا بھی اسی درجہ کے حکم میں ہے، لہٰذا اگر ہڈی ضائع و برباد ہو رہی ہو تو ایسی شکل میں ہڈی کو فروخت کر کے پیسوں کو غریبوں کے درمیان تقسیم کرنا ایسا ہی جائز ہے جیسا کہ کھال کے فروخت میں ہے، نیز یہ بھی واضح رہے کہ یہ حکم صرف مالک کے لیے ہے لیکن اگر مالک نے تحفہ میں یا ہبہ میں دیدیا ہے تو اس دوسرے کے لیے فروخت کر کے پیسوں کو اپنے تصرف میں لانا بھی جائز ہے، لہٰذا مذکورہ صورت میں ہڈی فروخت کر کے پیسہ حاصل کرنا بھی جائز ہے۔

وإذا دفع اللحم إلى فقير بنية الزكاة لايحسب عنها في ظاهر الرواية، لكن إذا دفع لغني ثم دفع إليه بنيتها يحسب. (شامی، کتاب الأضحية، زكريا ٩/ ٤٧٥، كراچی ٦/ ٣٢٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷ ر جمادی الثانیہ ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۰۷۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/۶/۱۸ھ

ڈاکٹر کا فی کھال پاسنگ کے نام سے ۲۵/روپئے لینا

سوال [۱۰۰۶۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بہت سے احباب ہمارے مدرسہ میں ایام قربانی میں قربانی کرنے کے لیے جانور روانہ کرتے ہیں، جن کی قربانی مدرسہ کے ذمہ دار قصاب کے ذریعہ ادا کرتے ہیں، اور کھال مدرسہ کو دی جاتی ہے، لیکن قربانی کی کھال کے فروخت کرتے وقت جو رقم کھال کی بنتی تھی اس میں سے ڈاکٹر کے پاسنگ کے نام سے فی کھال پچیس روپئے کے حساب سے رقم مدرسہ کو کم دی جاتی ہے، کیا یہ عمل درست ہے؟ جبکہ قربانی ذبح اور کٹائی کی رقم علاحدہ سے ادا کر دی جاتی ہے، وضاحت فرمائیں یہ کیسا ہے؟

المستفتی: شیر محمد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قربانی کے جانور ذبح کرنے کا خرچہ مالک قربانی کے اوپر لازم ہے اس لیے اس کا خرچہ علاحدہ سے دینا پہلے ہی سے لازم ہو چکا ہے، اور اس کے بعد کھال کی فروختگی میں داکٹر کے پاسنگ کے نام سے جو الگ سے دینا پڑتا ہے اس کا دینا بھی اپنی جگہ درست ہے، لہٰذا اس کے نام سے فی کھال ۲۵/روپیہ یا جو کچھ بھی بنتا ہے فروختگی کے وقت میں اتنا کٹوا دینا بھی درست ہے، اس کے بعد جو پیسہ بچے گا وہی مدرسہ کو ملے گا اس سے قربانی پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

عن علی رضی اللہ عنہ قال: أمرنی رسول اللہ ﷺ أن أقوم علی بدنہ و أن أتصدق بلحمها، وجلودها، وأجلتها، وأن لا أعطی الجزار منها، قال: نحن نعطیه من عندنا. (صحیح مسلم، باب الصدقة بلحوم الهدایا ...... النسخة الهندیة ۱/۴۲۳، بیت الأفکار رقم: ۱۳۱۷)

ولا یعطی أجر الجزار منها. (شامی، کتاب الأضحیة، زکریا ۹/۴۷۵، کراچی ۶/۳۲۸)

العامل على الزكاة يجوز إعطاؤه حقه من الزكاة نفسها بالشروط المتقدمة في الساعي. (الموسوعة الفقهية ٢٣/ ٣٠٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍ربیع الاول ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۲۸۴)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۷/۳/ ۱۴۲۵ھ

میونسپلٹی والوں نے چرم قربانی جبراً لے لی تو کیا حکم ہے؟

سوال [۱۰۰۶۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: قربانی کے جانور حکومت نے چند مخصوص جگہوں پر ذبح کرنے کی اجازت دی تھی، یعنی مذبح وغیرہ میں، ان قربانی کے جانوروں کے چمڑوں کو بعض کو تو وہاں کے منتظم (جو غیر مسلم ہیں) نے زبردستی لے لیا اور بعض لوگ چونکہ شہر سے دور ہونے کی بنا پر لے آئے ہیں، سمجھ بوجھ کر اور پھر اس کو لے آکر کہاں دیں گے، اس وجہ سے وہیں چھوڑ آئے، اب ان زبردستی لینے والے (میونسپلٹی والے کی وجہ سے) اور چھوڑ آنے والوں کو اس چمڑے کی قیمت الگ سے ادا کرنی ضروری ہے یا نہیں؟

المستفتی: عبدالرحیم رنگون

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قربانی کے جانور کی کھال یا گوشت اگر کوئی غیر مسلم جبراً لے لے یا مذبح خانہ میں چھوڑ کر آجائے تو اس کی قیمت صدقہ کرنا لازم نہیں ہے، کیونکہ قربانی کا گوشت یا کھال غیر مسلم کو تبرعاً دیا جاسکتا ہے۔ (احسن الفتاویٰ ۷/ ۴۹۶، فتاویٰ محمودیہ ۴/ ۳۰۹، فتاویٰ رحیمیہ ۶/ ۱۶۵، کفایت المفتی ۸/ ۲۴۷)

ويهب منها ما شاء للغني والفقير والمسلم والذمي كذا في الغياثية. (فتاویٰ عالمگیری، كتاب الأضحية، الباب الخامس في بيان محل إقامة الواجب، زكريا قديم ٥/ ٣٠٠، جديد ٥/ ٣٤٦، حاشية الطحطاوي على الدر كوئٹه ٤/ ١٦٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍شعبان المعظم ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۵۸۷۵)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲/۸/ ۱۴۱۹ھ

چرم قربانی کا پیسہ قبرستان کی چہار دیواری میں لگانا

سوال [۱۰۰۶۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک قبرستان ہے جس میں مالدار وغریب جملہ قسم کے لوگ مدفون ہوتے ہیں، کافی طول وعرض میں قبرستان ہے، درمیان میں لوگوں نے راستہ بنا رکھا ہے، ان تمام حالات کے پیش نظر کیا چرم قربانی کی رقم قبرستان کی چہار دیواری میں لگائی جاسکتی ہے یا نہیں؟

نیز کچھ حضرات نے یہ کہا ہے کہ تملیک کرا کے قربانی کی کھالوں کی رقم لگائی جاسکتی ہے، جبکہ یہاں ایسے حضرات موجود ہیں جن کی رسیدات ۵۰۰۰ ہزار، ۸۰۰۰ ہزار روپیہ تک کٹی ہوئی ہیں، یعنی اکثر لوگ اہل ثروت وصاحب نصاب ہیں۔

المستفتی: شفقت حسین سنبھل

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: چرم قربانی کا پیسہ قبرستان کی چہار دیواری پر لگانا جائز نہیں ہے، اور نہ ہی چرم قربانی کے پیسہ کی اس کام کے لیے حیلۂ تملیک جائز ہے، اس لیے کہ یہ غریبوں کا حق ہے، غریبوں ہی کو دینا واجب ہے۔

ولو باع الجلد أو اللحم بالدراهم أو بما لاينتفع به إلا بعد استهلاكه تصدق بثمنه لأن القربة انتقلت إلى بدله. (هدايه، كتاب الأضحية، اشرفيه ٤/ ٤٥٠، هنديه زكريا قديم ٥/ ٣٠١، جديد ٥/ ٣٤٧)

إن كل حيلة يحتال بها الرجل لإبطال حق الغير أو لإدخال شبهة فيه أو لتمويه باطل فهي مكروهة. (فتاویٰ عالمگیری، كتاب الحيل، الفصل الأول، زكريا جديد ٦/ ٣٩٣، قديم ٦/ ٣٩٠، الفتاوى التاتارخانية زكريا ١٠/ ٣١١ رقم: ١٤٨٤٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰/ ذیقعدہ ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۲۴۱)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/۱۱/۳۰ھ

قصاب کو اجرت میں کھال دینا

سوال [۱۰۰۶۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: قصاب کو ذبح کے عوض میں چمڑا دیدیا تو کیا ایسی صورت میں قربانی پر فرق آئیگا؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قصاب کو ذبح کے عوض میں قربانی کی کھال دینا جائز نہیں، ہاں اگر دیدی تو اس سے قربانی میں کوئی فرق نہیں آئیگا، البتہ کھال کی قیمت کا صدقہ کرنا واجب ہوگا۔ (مستفاد: کفایت المفتی زکریا جدید۸/ ۲۱۹، جدید مطول۱۲/ ۱۳۴)

عن علی رضی الله عنه قال: أمرنی رسول الله ﷺ أن أقوم علی بدنه و أن أتصدق بلحمها، وجلودها، وأجلتها، وأن لا أعطی الجزار منها، قال: نحن نعطيه من عندنا. (صحيح مسلم، باب الصدقة بلحوم الهدايا ...... النسخة الهندية ١/ ٤٢٣، بيت الأفكار رقم: ١٣١٧)

لايعطى أجر الجزار من الأضحية. (هدايه، كتاب الأضحية، اشرفى ٤/ ٤٥٠)

وفی الظهيرية: ولا يعطى جلد الأضحية ولا لحمها أجرة الذباح والسلاخ. (التاتارخانية زكريا ١٧/ ٤٤٢، رقم: ٢٧٧٦٣)

ولو باع الجلد أو اللحم بالدراهم أو بما لاينتفع به إلا بعد استهلاكه تصدق بثمنه لأن القربة انتقلت إلى بدله. (هدايه، كتاب الأضحية، اشرفيه ٤/ ٤٥٠، هنديه زكريا قديم ٥/ ٣٠١، جديد ٥/ ٣٤٧)

ولايعطى جلد الأضحية ولا لحمها أجرة الذباح والسلاخ من باع جلد أضحية فلا أضحية له لأن معناه أن من باع جلد أضحية، بما لا ينتفع به إلا ما استهلاكه ولم يتصدق به فلا أضحية له. (اعلاء السنن، باب بيع جلد الأضحية، كراچى ١٧/ ٢٥٨، دار الكتب العلمية بيروت ١٧/ ٢٨٠، تحت رقم الحديث ٥٥٩٩) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
۲۴/ ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۳۰۷)

قربانی کی کھال فروخت ہوجانے کے بعد قیمت کا تصدق لازم

سوال [۱۰۰۶۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قربانی کی کھال فروخت کرنے کے بعد اسکا پیسہ واجب التصدق ہے، یا نہیں؟ یا جہاں چاہے صرف کرسکتا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کھال فروخت کرنے کے بعد اس کی قیمت کا صدقہ واجب ہے، اپنے استعمال میں اس کی قیمت کولانا جائز نہیں۔

فإن بيع اللحم أو الجلد به ...... أو بدراهم تصدق بثمنه. (شامی، کتاب الأضحية، کراچی ۳۲۸/٦، شامی زکریا ۴۷۵/۹)

ولا بأس ببيعة بالدراهم ليتصدق بها وليس له أن يبيعها بالدراهم لينفقه على نفسه أو عياله ولو فعل ذٰلک تصدق بثمنها. (تاتارخانية زکریا ۴۴۰/۱۷، رقم: ۲۷۷۵۷)

ولا يبيعه بالدراهم لينفق الدراهم على نفسه و عياله والمعنى فيه أنه لا يتصرف على قصد التمول. (تبيين الحقائق زکریا ۴۸٦/٦، امدادیه ملتان ۸/٦، البحر الرائق زکریا ۳۲٦/۹، کوئٹه ۱۷۸/۸)

ولا يبيع جلدها ...... فإن عليه تصدق بثمنه. (غنية الناسك جديد ص: ۲٦۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۲۹۳/۴۰)

مدارس والوں کا قربانی کا جانور گاؤں بھیجنا

سوال [۱۰۰۶۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بہت سارے مدارس میں باہر سے لوگ قربانی کے لیے اپنے جانور بھیج دیتے ہیں، مدرسہ والے اپنے مدرسہ میں ذبح کرنے کے بجائے اس کو گاؤں میں بھیج دیتے ہیں، اور ساتھ میں یہ ہدایت کرتے ہیں کہ جانور کی کھال کو ہمیں دینا ہوگا، اور ساتھ میں مزید ایک کھال اور دینی ہوگی، اب گاؤں میں جو لوگ اس جانور کو لیتے ہیں وہ اپنے پیسہ سے اس جانور کی کھال کے ساتھ مزید ایک کھال خرید کر دیتے ہیں، اور اس جانور کے تمام گوشت کو اپنے استعمال میں لاتے ہیں، کسی دوسرے کو اس سے نہیں دیتے، کیا مدرسہ والوں کا یہ معاملہ شرعاً درست ہے؟ اس طرح کرنے سے قربانی والے کی قربانی ادا ہوگی یا نہیں؟ نیز جو لوگ اس جانور کے گوشت کو کھا رہے ہیں ان کے لیے کھانا جائز ہوگا یا نہیں؟

المستفتی: عبدالرحیم

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مدرسہ میں گوشت کی فراوانی ہے اور مزید قربانی سے گوشت ضائع ہونے کا خطرہ ہے اور آس پاس کے گاؤں میں گوشت کی ضرورت ہے تو ایسی صورت میں باہر سے آئے ہوئے قربانی کے جانوروں کو دیہات لے جا کر اس لیے ذبح کرنا کہ گاؤں والے گوشت کو کام میں لائیں گے اور گوشت ضائع نہ ہوگا، تو اس مقصد کے لیے گاؤں بھیجنے میں کوئی حرج نہیں۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۱/۳۴۴، جدید ڈابھیل ۱۷/۵۰۰)

اگر اس شرط کے ساتھ بھیجتے ہیں کہ کھال مدرسہ والوں کو مل جائے تو ایسی صورت میں منجانب مدرسہ کسی کو وکیل بنانا چاہیے، تاکہ وہ جانور ذبح کر کے گوشت بانٹ دے، اور کھال مدرسہ کے لیے لے آئے یا کھال بیچ کر قیمت لے آئے تو یہ شکل بھی جائز ہے۔ (مستفاد: مسائل قربانی ص:۲۱)

اور یہ شرط لگانا کہ اس جانور کی کھال تو دینی ہی دینی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ دوسرے جانور کی کھال بھی دینا ہے، تو یہ جائز نہیں ہے، اور نہ گاؤں والوں کے لیے ایسی شرط

پر کھال یا اس کی قیمت کا دینا جائز ہے۔

لأنه كبيع لأن كلا منهما معاوضة ...... والبيع مكروه فكذا في معناه .

(شامی، كتاب الأضحية، زكريا ۹/۴۷۵، كراچی ۶/۳۲۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍ جمادی الثانیہ ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۱۴۱۷۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۶/۲۲ھ

چرم قربانی کی رقم سے مسلمانوں کی حفاظت کے لیے ہتھیار خریدنا

سوال [۱۰۰۷۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: قربانی کی کھال کی رقم میں سے کچھ رقم گاؤں کے ذمہ داروں کے پاس جمع کرتے ہیں اور وہ ذمہ دار اس رقم سے کچھ غرباء کو دیتے ہیں اور باقی رقم سے مسلمانوں کی حفاظت کے لیے ہتھیار خریدتے ہیں، یا اس جیسے کام میں لگاتے ہیں، تو اس طرح کرنا جائز ہے؟

المستفتی: عبد العلیم بردوانی مدرسہ شاہی مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قربانی کی کھال کا پیسہ پورا کا پورا غرباء اور فقراء کو تقسیم کر دینا واجب ہے، باقی کسی دوسرے مصرف میں خرچ کرنا جائز نہیں ہے، نیز ہتھیار خریدنا یا رفاہ عام میں خرچ کرنا بھی جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۴/۳۳۱، جدید ڈابھیل ۱۷/۴۶۱)

ولو باع الجلد أو اللحم بالدراهم أو بما لا ينتفع به إلا بعد استهلاكه تصدق بثمنه. (هداية، كتاب الأضحية، اشرفيه ۴/۴۵۰، هنديه زكريا قديم ۵/۳۰۱، جديد ۵/۳۴۷، مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ۴/۱۷۴، مصری قديم ۵/۵۲۱، شامی زكريا ۹/۴۷۵، كراچی ۶/۳۲۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍ ذی الحجہ ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۵۰۴۷)

چرم قربانی کا پیسہ فنڈ میں جمع کر کے وقتاً فوقتاً ضرورتمندوں کو دینا

سوال [۱۰۰۷۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے یہاں ایک فنڈ قائم ہے جس میں یہ ہوتا ہے کہ قربانی یا فطرہ کی رقم جمع کر لیتے ہیں، پھر حسب ضرورت غریب اور ضرورتمندوں کو ایک مدت تک دیتے ہیں، پھر واپس لے لیتے ہیں، تملیک کے طور پر نہیں دیتے، کیا یہ فنڈ قائم کرنا شرعاً درست ہے؟ اس سے صدقات ادا ہوں گے یا نہیں؟

المستفتی: محمد عبدالرحمٰن بنگالی مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: قربانی اور فطرہ وغیرہ کی رقم غرباء ومساکین کو دینا چاہیے، وہی اس کے مستحق ہیں، اس طرح کے فنڈ میں جمع کرنا خطرہ سے خالی نہیں اور نہ ہی فنڈ کے اس طرح کے عمل سے صدقات واجبہ ادا ہوتے ہیں، بلکہ صدقات واجبہ کے وجوب سے عہدہ برآ ہونے کے لیے تملیک فقراء ضروری ہے۔ (مستفاد: ایضاح المسائل ص:۱۱۳، فتاویٰ دار العلوم ۶/۲۹۴-۲۸۷، محمودیہ قدیم ۱۷/۸۵، جدید ڈابھیل ۱۷/۴۶۲)

ولا يخرج عن العهدة بالعزل بل بالأداء للفقراء. (شامی، كتاب الزكاة، زكريا ۳/۱۸۹، كراچی ۲/۲۷۰، حاشية الطحطاوی على مراقی الفلاح، دار الكتاب ديوبند ۷۱۵)

ويشترط أن يكون الصرف تمليكا لا إباحة. (شامی، كتاب الزكاة، باب المصرف، زكريا ۳/۲۹۱، كراچی ۲/۳٤٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۱۹؍ربیع الاول ۱۴۲۱ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۶۵۵۸)	۱۴۲۱/۳/۱۹ھ

چرم قربانی کی رقم سے میت کی چارپائی خریدنا

سوال [۱۰۰۷۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ قربانی کے چمڑوں (چرسا) کوفروخت کرکے اس کے پیسوں سے میت کے لیے کھاٹ کھٹولہ تیار کیا گیا، مگر بعض عالموں نے روک دیا، کہ اس کھاٹ کا استعمال درست نہیں ہے،لہٰذا اس کے بارے میں شرعاً فیصلہ فرمادیں دلیل کے ساتھ کہ اس پرعمل کیا جائے؟

المستفتی: محمد عبداللہ میجرگنج سیتامڑھی بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قربانی کے چمڑوں کا پیسہ کسی فقیرمحتاج زندہ مسلمانوں کوصدقہ کردیناضروی ہے،لہٰذا میت کے لیے کھاٹ وغیرہ بنانا جائزنہیں۔(مستفاد: ایضاح المناسک ص:۱۶۷)

ولو باع الجلد أو اللحم بالدراهم أو بمالاينتفع به إلا بعد استهلاكه تصدق بثمنه لأن القربة انتقلت إلى بدله. (هداية، كتاب الأضحية، اشرفيه ٤/ ٤٥٠، شامي زكريا ٩/ ٤٧٥، كراچى ٦/ ٣٢٨، هنديه زكريا قديم ٥/ ٣٠١، جديد ٥/ ٣٤٧، مجمع الأنهر دار الكتب العلمية بيروت ٤/ ١٧٤، مصرى قديم ٢/ ٥٢١، هنديه زكريا قديم ٥/ ٣٠١، جديد ٥/ ٣٤٧) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفااللہ عنہ
۲۷/ ذی الحجہ ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۳۹۳)

چرم قربانی کی رقم سے غرباء کو رضائی بنوا کردینا

سوال [۱۰۰۷۳]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مدرسہ فیض العلوم ملحقہ مسجد شیخان سیوہارہ میں زکوٰۃ و چرم قربانی وغیرہ کا کوئی پیسہ نہیں لگتا لیکن پھر بھی کافی عرصہ سے مدرسہ میں چرم قربانی جمع ہوتی آئی ہیں، جنہیں فروخت کرکے سردی کے موسم میں غرباء میں رضائی تقسیم کردی جاتی ہیں، یا اس سے پہلے بھی کسی ضرورت مند کی ضرورت کو پورا کردیا جاتا ہے، کہ آیا وہ اس پیسہ کا حقدار ہے یا نہیں؟

ایسی حالت میں ہماری رہنمائی فرمائیں عنایت ہوگی۔

المستفتی: قیام الدین سیوہارہ بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر چرم قربانی فروخت ہونے کے بعد اس کی قیمت غریب مستحق زکوٰۃ ضرورتمندوں میں تقسیم ہوجاتی ہیں تو آپ کا یہ عمل صحیح اور درست ہے۔

فإن بيع اللحم أو الجلد به أو بدراهم تصدق بثمنه. (تنوير الأبصار مع الشامی، كتاب الأضحية، زكريا ۴۷۵/۹، كراچی ۳۲۸/۶، هدايه، كتاب الأضحية، اشرفيه ۴/ ۴۵۰، هنديه زكريا قديم ۳۰۱/۵، جديد ۳۴۷/۵، مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ۱۷۴/۴، مصری قديم ۵۲۱/۲، هنديه زكريا قديم ۳۰۱/۵، جديد ۳۴۷/۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/ ذی الحجہ ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۵۰۵۸)

چرم قربانی کی رقم مسجد کی ضروریات میں صرف کرنا

سوال [۱۰۰۷۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: علاقہ چیتا کیمپ بمبئی ۸۸ میں ایک مسجد جی سیکٹر میں ''مسجد نور'' کے نام سے ساؤتھ انڈین سنی جماعت کے زیر سرپرستی ہے جس میں ایک مستند عالم امام وخطابت کے فرائض انجام دے رہے ہیں، مقتدی حضرات اور عوام ان کے کردار اور امامت وخطابت کے انداز سے مطمئن اور خوش ہیں، موصوف نے عید الاضحیٰ کے موقع پر مسائل شرعیہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ چرم قربانی کا مصرف مسجد نہیں اس کو امام کی تنخواہ اور مسجد کے دیگر امور میں خرچ کرنا جائز نہیں، چنانچہ امسال مسجد میں چرم قربانی کم تعداد میں آئیں اسی بنا پر مسجد کی انتظامیہ کے ذمہ دار لوگوں نے مولانا کو بلا کر زجر وتوبیخ کی اور عہدۂ امام سے مستعفی ہونے کا حکم کیا، مولانا صاحب نے پوچھا کہ یہ کس جرم کی سزا ہے، تو ایک صاحب نے کہا کہ آپ نے عید

الاضحیٰ سے پہلے خطاب جمعہ میں چرم قربانی کا مسئلہ بیان کرکے مسجد کا نقصان کیا ہے، مولانا نے فرمایا یہ تو شریعت کا مسئلہ ہے جو میں نے بیان کیا ہے وہ صاحب کہنے لگے اس زمانہ میں شریعت تو کتابوں میں بند ہے، آپ کو یہ مسئلہ بیان کرنے کے لیے کس نے کہا تھا، اگر مسئلہ پر عمل کریں گے تو بھوکے مریں گے۔

آپ سے گذارش ہے کہ مسئلہ کی نوعیت اور اس شخص مذکورہ کی شرعی حیثیت کی وضاحت فرمادیں؟ تا کہ عوام کے سامنے صحیح صورت حال آجائے؟

المستفتی: سید معصوم علی چیتاکیمپ بمبئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ امام صاحب نے جو چرم قربانی کی رقم مسجد کی ضروریات میں صرف کرنے سے متعلق شرعی مسئلہ بیان کیا ہے وہ بالکل صحیح اور درست ہے، کہ مسجد کی ضروریات اور امام ومؤذن کی تنخواہوں میں چرم قربانی کی رقم خرچ کرنا جائز نہیں ہے، اور اس رقم کو فقراء کے درمیان تقسیم کرنا دینا لازم ہے۔

واللحم بمنزلة الجلد فی الصحیح حتی لا یبیعه بما لا ینتفع به إلا بعد الاستهلاک ولو باعها بالدراهم لیتصدق بها جاز لأنه قربة کالتصدق. (هندیه، کتاب الأضحیة، الباب السادس فی بیان ما یستحب فی الأضحیة والانتفاع بها، زکریا قدیم ۳۰۱/۵، جدید ۳۴۷/۵، مجمع الأنهر، دارالکتب العلمیة بیروت ۱۷۴/٤، مصری قدیم ۵۲۱/۲)

اور جس شخص نے امام مذکور سے یہ کہا کہ ''العیاذ باللہ'' شریعت تو کتابوں میں بند ہے آپ کو یہ مسئلہ بیان کرنے کے لیے کس نے کہا، اس کا جواب یہ ہے کہ ایسے مسائل بیان کرنے کے لیے اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے کہا ہے۔

﴿**قال الله تعالیٰ: كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ.** [آل عمران: ۱۱۰]﴾

عن طارق بن شهاب ...... سمعت رسول الله ﷺ یقول: من رأی منکم منکرا فلیغیره بیده، فإن لم یستطع فبلسانه، فإن لم یستطع فبقلبه

وذٰلک أضعف الإیمان. (صحیح مسلم، الإیمان، باب بیان کون النهی عن المنکر من الإیمان، النسخة الهندیة ۱/ ۵۱، بیت الأفکار رقم: ۴۹)

اس شخص کا قول کہ مسئلہ پر عمل کریں گے تو بھوکے مریں گے یہ سخت خطرناک جملہ ہے اس کو اپنے ایمان کی خبر لینی چاہئے، اس پر ضروری ہے کہ سچے دل سے توبہ کر کے ندامت کا اظہار کرے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶ر صفر المظفر ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۸۶۶)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/۲/۱۶ھ

چرم قربانی کی رقم سے مسجد و مدرسہ کا گیٹ بنانا

سوال [۱۰۰۷۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کچھ رقم چرم قربانی سے وصول ہوئی تھی جو کہ جمع ہے اور ایک گیٹ ہے مسجد اور مدرسہ کا مشترک، تو کیا گیٹ پر چوکھٹ وغیرہ اس پیسہ سے لگوا سکتے ہیں؟

المستفتی: محمد صلاح الدین مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: چرم قربانی کی رقم سے مدرسہ ومسجد کا گیٹ بنانا جائز نہیں ہے، بلکہ غریب و نادار کو صدقہ کرنا واجب ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم ۶/ ۲۹۶، جواہر الفقہ قدیم ۱/ ۴۵۴، جدید زکریا ۶/ ۳۳۶)

ولو باع الجلد أو اللحم بالدراهم أو بما لا ینتفع به إلا بعد استهلاکه تصدق بثمنه. (هدایه کتاب الأضحیة اشرفیه ۴/ ۴۵۰، شامی زکریا ۹/ ۴۷۵، کراچی ۶/ ۳۲۸، هندیه زکریا قدیم ۵/ ۳۰۱، جدید ۵/ ۳۴۷، مجمع الأنهر دار الکتب العلمیة بیروت ۴/ ۱۷۴، مصری قدیم ۲/ ۵۲۱) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
۱۸ر صفر المظفر ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۱۲۰)

چرم قربانی کی رقم مسجد میں لگانا

سوال [۱۰۰۷٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: قربانی کی کھال کا روپیہ مسجد کی تعمیر میں لگ سکتا ہے یا نہیں؟ شریعت مطہر کی روشنی میں جواب عطا فرمائیں۔

المستفتی: محمد اقبال سیفی رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: قربانی کی کھال فروخت کرنے کے بعد اس کی قیمت مسجد کی تعمیر میں لگانا جائز نہیں، بلکہ غریب فقراء میں تقسیم کر دینا لازم ہے۔

ويتصدق بجلدها أو يعمل منه نحو غربال و قربة ...... فإن بيع اللحم أو الجلد به أى بمستهلک أو بدراهم تصدق بثمنه وتحته فى الشامية: لقوله عليه السلام لعليؓ: تصدق بجلالها و خطامها ولا تعط أجر الجزار منها شيئا. (در مختار مع الشامی، كتاب الأضحية، زكريا ۹/ ٤٧٥، كراچی ٦/٣٢٨، هدايه اشرفی ٤/ ٤٥٠، مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ٤/ ١٧٤، مصری قديم ٢/ ٥٢١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/ ذی الحجہ ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۰۸۸٦)

کھال کا پیسہ مدرسہ یا مسجد کی تعمیر میں لگانا

سوال [۱۰۰۷۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے یہاں عرصہ دراز سے یہ دستور چلا آرہا ہے کہ بقرعید کے موقعہ پر چرم قربانی جو آتی ہے، اسے مدرسے کی تعمیر اور مسجد کی تعمیر میں لگاتے ہیں، جبکہ مدرسہ میں صرف محلّہ کے بچے پڑھتے ہیں، بیرونی بچہ ایک بھی نہیں ہے کیا ایسے مدرسہ میں چرم قربانی دینا جائز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: چرم قربانی کا پیسہ مدرسہ یا مسجد کی تعمیر میں لگانا جائز نہیں ہے، لہٰذا ایسے مدرسہ میں نہیں دینا چاہیے، جہاں مطبخ نہ ہو، کیونکہ چرم قربانی کے پیسہ کے مستحق صرف فقراء ہوتے ہیں۔

ويتصدق بجلدها أو يعمل منه نحو غربال و قربة ...... فإن بيع اللحم أو الجلد به أى بمستهلك أو بدراهم تصدق بثمنه وتحته فى الشامية: لقوله عليه السلام لعليؓ: تصدق بجلالها و خطامها ولا تعط أجر الجزار منها شيئا. (در مختار مع الشامي كتاب الأضحية، زكريا ٩/ ٤٧٥، كراچی ٦/٣٢٨، هدايه اشرفی ٤/ ٤٥٠، مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ٤/ ١٧٤، مصرى قديم ٢/ ٥٢١) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللّٰہ عنہ
۶؍ محرم الحرام ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۵۸۴)

مسجد کی ضروریات میں خرچ کرنے کیلئے متولی کو چرم قربانی ہدیہ کرنا

سوال [۱۰۰۷۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: قربانی کی کھال متولی یا ممبروں میں سے کسی ممبر کو گاؤں کے لوگ ہدیہ کردیں، اور متولی یا تمام ممبر مل کر اس ہدیہ شدہ کھال کو فروخت کر کے مدرس امام ومؤذن وغیرہ کو تنخواہ میں دے سکتے ہیں یا نہیں؟ جبکہ گاؤں کے لوگوں کو معلوم ہے کہ یہ کھال جو ہدیہ دے رہے ہیں وہ فروخت ہونے کے بعد اس کی قیمت سے تنخواہ دی جائیگی، نیز اگر کسی بھی حیلہ سے قربانی کی کھال سے تنخواہ ادا ہو سکتی ہو تو ضرور مطلع فرمائیں؟

المستفتی: ایم زیڈ شاہد خاں

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قربانی کی کھال اگر متولی یا کسی دوسرے شخص کو

اپنے ذاتی استعمال کے لیے ہدیہ کردی جائے تو یہ جائز ہے، لیکن امام ومؤذن کی تنخواہوں میں دینے کے لیے یا مسجد کی کسی ضرورت میں خرچ کرنے کے لیے متولی یا ممبروں میں سے کسی کو دینا جائز نہیں۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ ۶/ ۱۶۷، عزیز الفتاویٰ ۶۷۸)

ویأکل من لحم الأضحیة ویؤکل غنیا ...... ویتصدق بجلدها. (در مختار مع الشامی، کتاب الأضحیة، زکریا ۹/ ۴۷۵، کراچی ۶/ ۳۲۸، هندیه زکریا قدیم ۵/ ۳۰۱، جدید ۵/ ۳۴۷، هدایه اشرفی ۴/ ۴۵۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍ جمادی الثانیہ ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۷۲۴۳)

چرم قربانی کی رقم امام صاحب کو دینا

سوال [۱۰۰۷۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بعض جگہوں پر لوگ بقرعید کے ایام میں اماموں کو چرم قربانی کی رقم دیتے ہیں، کیا اس کا دینا اور اماموں کا لینا صحیح ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد رستم علی گریڈھی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: چرم قربانی فروخت کردینے کے بعد اس کی قیمت کو غریبوں پر صدقہ کرنا واجب ہے امام صاحب کو امامت کی اجرت میں نہیں دے سکتے ہیں، البتہ امام صاحب غریب ہوں اور ان کی امامت کی تنخواہ مستقل ہو اور قربانی کی قیمت امامت کی اجرت میں نہ دیتے ہوں تو ایسی صورت میں امام صاحب مستحق ہونے کی وجہ سے لے سکتے ہیں۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۴/ ۳۳۴، جدید ڈابھیل ۱۷/ ۴۶۶)

ویتصدق بجلدها إلی قوله ولو باعها بالدراهم لیتصدق بها جاز لأنه قربة کالتصدق. (هندیه، کتاب الأضحیة، الباب الخامس فی بیان ما یستحب فی

الأضحية والانتفاع بها، زكريا قديم ٥/ ٣٠١، جديد ٥/ ٣٤٧، هدايه اشرفى ٤/ ٤٥٠، شامى زكريا ٩/ ٤٧٥، كراچى ٦/ ٣٢٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍ جمادی الثانیہ ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۴۹۵)

چرم قربانی کی قیمت سے مدرسہ تعمیر کرنا

سوال [۱۰۰۸۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے پاس کچھ رقوم چرم قربانی اور کچھ رقوم فطرے کی جمع ہیں اس رقوم کو ہم تعمیر مدرسہ میں خرچ کرنا چاہتے ہیں، خرچ کر سکتے ہیں یا نہیں؟ یا کس طرح اس کو خرچ کریں؟ اس بارے میں صحیح جواب سے مطلع فرمائیں۔

المستفتی: حاجی روشن علی چکر کی ملک مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: چرم قربانی کو فروخت کرنے کے بعد اس کی قیمت تعمیر وغیرہ میں لگانا جائز نہیں، بلکہ غریب نادار طلبہ وفقراء پر خرچ کرنا واجب ہے، اسی طرح صدقۂ فطر کی رقم بھی غریب طلبہ اور فقراء پر خرچ کرنا واجب ہوگا، اس کو تعمیر میں لگانا جائز نہیں ہوگا۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۶/ ۱۸۰، محمودیہ قدیم ۴/ ۳۱۲، جدید ڈابھیل ۱۷/ ۴۶۰، امداد الفتاویٰ ۳/ ۵۵۰)

فإن بيع اللحم أو الجلد به أى بمستهلك أو بدراهم تصدق بثمنه .

(در مختار مع الشامى، كتاب الأضحية، زكريا ٩/ ٤٧٥، كراچى ٦/ ٣٢٨، البحر الرائق كوئٹه ٨/ ١٧٨، زكريا ٨/ ٣٢٦، تبيين الحقائق زكريا ٦/ ٤٨٦، كوئٹه ٦/ ٩، فتاوىٰ بزازيه زكريا جديد ٣/ ١٥٩، وعلى هامش الهندية ٦/ ٢٩٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍ محرم الحرام ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۶۰۳)

چرمِ قربانی کی قیمت مدرسہ کی تعمیر میں استعمال کرنا

سوال [۱۰۰۸۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: چرمِ قربانی مدرسہ اشرف العلوم نیماج میں عید الاضحیٰ کے موقعہ پر جمع کی گئی اس کی رقم اپنے پاس رکھی ہے، مدرسہ میں تعمیری کام چل رہا ہے، اور مدرسہ مقروض بھی ہے، اور اس محلّہ میں غریب لوگ رہتے ہیں، ایسی صورت میں اس رقم کو تملیک کرا کے مدرسہ کے تعمیری کام میں صرف کیا جائے تو کوئی حرج تو نہیں؟ اور تملیک کا صحیح طریقہ کیا ہے؟

المستفتی: شبیر احمد قاسمی نیماج راجستھان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: قربانی کی کھال بیچ دینے کے بعد اس کی قیمت کا صدقہ کرنا واجب ہے اور اس کے مستحق غرباء ومساکین ہیں، جب وہاں اس کے مستحق غرباء ومساکین موجود ہیں تو وہی اس کے حقدار ہیں، تملیک کر کے مدرسہ کی تعمیر میں صرف کرنا جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۹/ ۳۱۵، عزیز الفتاویٰ ص: ۷۱۱)

ولو باع الجلد تصدق بثمنه. (هدايه، كتاب الأضحية، اشرفى ٤/ ٤٥٠)

ومصرف الزكاة (وفي الشامية) والكفارة والنذر وغير ذٰلك من الصدقات الواجبة وهو فقير. (شامى، كتاب الزكاة، باب المصرف، زكريا ٣/ ٢٨٣، كراچى ٢/ ٣٣٩)

ويشترط أن يكون الصرف تمليكا لا إباحة لايصرف إلى بناء. (شامى، كتاب الزكاة، باب المصرف، زكريا ٣/ ٢٩١، كراچى ٢/ ٣٤٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵ ؍صفر المظفر ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۷۰۷۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۲/۲۵ھ

چرمِ قربانی کی رقم سے مدرسہ کے برتن اور تپائی خریدنا

سوال [۱۰۰۸۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: ہمارے گاؤں میں شادیوں میں استعمال ہونے والے برتن چرم قربانی اور زکوٰۃ کی رقم سے خریدے ہوئے ہیں، ہمارے اسی گاؤں میں ایک اسلامیہ مدرسہ مشکوٰۃ العلوم کے نام سے چل رہا ہے، گاؤں والوں کے بچے اسی مدرسے میں پڑھتے ہیں، مسجد کے امام صاحب بچوں کو پڑھاتے ہیں، ان کی تنخواہ مسجد سے دی جاتی ہے، گاؤں والوں کے یہاں جوشادی ہوتی ہے وہ ان برتنوں کو کرایہ پر لیتے ہیں، ان کا کرایہ اسی مدرسہ مشکوٰۃ العلوم میں لگایا جاتا ہے، ہمارے اس مدرسہ میں کوئی باہر کا بچہ نہیں پڑھتا ہے، صرف ہمارے گاؤں والوں ہی کے بچے پڑھتے ہیں، جو کہ صاحب نصاب ہیں، چرم قربانی کی رقم سے مدرسہ میں پڑھنے والے بچوں کی تپائیاں، بیٹھنے کے لیے فرش خریدے گئے ہیں اور ان کے خریدنے میں برتنوں کا کرایہ بھی شامل کیا ہے، ان برتنوں کو ہمارے گاؤں والوں کو استعمال کرنے کا حق ہے یا نہیں؟ ان برتنوں کو اگر مسجد خرید لے تو اس رقم کا کہاں استعمال کریں، مسجد برتنوں کو ادھار خرید کر برتنوں کا کرایہ جمع کر کے ان برتنوں کی قیمت دے تو ایسا کرنا بہتر ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد اسلم انصاری حکیم پورہ شکر گنج دھامپور بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: چرم قربانی کو فروخت کرنے کے بعد اس کا پیسہ کسی غریب فقیر کو صدقہ کر دینا لازم ہوتا ہے اور اس پیسہ کے ذریعہ مدرسہ کے برتن اور تپائی وغیرہ خریدنا جائز نہیں ہے۔

ولو باع الجلد أو اللحم بالدراهم أو بمالاينتفع به إلا بعد استهلاكه تصدق بثمنه لأن القربة انتقلت إلى بدله وقوله عليه السلام من باع جلد أضحية فلا أضحية له. (هدايه، كتاب الأضحية، اشرفيه ٤/ ٤٥٠)

ولايشترى به مالاينتقع به إلا بعد الاستهلاک نحو اللحم والطعام ولا يبيعه بالدراهم. (عالمگيرى، الباب السادس فى بيان ما يستحب فى الأضحية والانتفاع بها، زكريا قديم ٥/ ٣٠١، جديد ٥/ ٣٤٧)

ويتصدق بجلدها ...... لا بمستهلک كخل و لحم ونحوه كدراهم

فإن بيع اللحم أو الجلد به أي بمستهلك أو بدراهم تصدق بثمنه. (شامي، كتاب الأضحية، زكريا ديوبند ۹/ ٤٧٥، كراچی ٦/ ٣٢٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم صفر المظفر ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۰۹۵۳)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۲/۱ھ

چرم قربانی کی رقم مدرس کو تنخواہ میں دینا

سوال [۱۰۰۸۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر کوئی مولوی صاحب کسی گاؤں میں پڑھارہے ہیں، گاؤں والوں نے بقرعید میں کھال کی قیمت تنخواہ میں دی اس مدرسہ میں کسی غریب یتیم لڑکے کے کھانے پینے کا انتظام نہیں ہے تو کھال کا روپیہ مولوی صاحب اپنی تنخواہ میں لے سکتے ہیں؟

المستفتی: محمد ابراہیم منگل پوری نئی دہلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: چرم قربانی کی رقم تنخواہ میں لینا یا دینا جائز نہیں ہے، اگر تنخواہ میں لے لی ہے تو اسی کی نیت سے اتنا پیسہ غریبوں کو تقسیم کردے اور اپنی تنخواہ گاؤں سے اور مکتب کے ذمہ داران سے وصول کرے۔

ولو باع الجلد أو اللحم بالدراهم أو بما لا ينتفع به إلا بعد استهلاكه تصدق بثمنه لأن القربة انتقلت إلى بدله. (هدايه، كتاب الأضحية، اشرفيه ٤/ ٤٥٠، هنديه زكريا قديم ٥/ ٣٠١، جديد ٥/ ٣٤٧، مجمع الأنهر دار الكتب العلمية بيروت ٤/ ١٧٤، مصری قديم ٢/ ٥٢١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/ صفر المظفر ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۶۹۰)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۷/۲/۲۷ھ

طالب علم کو چرم قربانی کی رقم دینا

سوال [۱۰۰۸۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک طالب علم کسی مدرسہ سے پڑھ کر کے آ گیا پھر وہ بقرعید کے موقع پر اس مدرسہ کا چمڑا وغیرہ وصول کرتا ہے جس کے انعام میں مہتمم اس کو کچھ روپے دیتے ہیں تو کیا مہتمم صاحب کا اس چمڑے کے پیسہ سے دینا اور اس طالب علم کے لیے لینا جائز ہے؟

المستفتی: محمد غفران

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر طالب علم مستحق زکوٰۃ ہے تو طالب علم کا چرم قربانی کے پیسہ لینا اور مہتمم صاحب کا دینا جائز ہے، اس لیے کہ قربانی کی کھالوں کی رقم کو صدقہ کرنا واجب ہے، اور اس کے مصارف وہی ہیں جو زکوٰۃ کے مصارف ہیں۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۳/۵۳۶، احسن الفتاویٰ ۷/۵۳۱، آپ کے مسائل اوران کا حل قدیم ۴/۲۱۴، جدید زکریا ۵/۴۶۶)

فإن بيع اللحم أو الجلد به أى بمستهلك أو بدراهم تصدق بثمنه .

(در مختار مع الشامی، کتاب الأضحية، زكريا ٩/ ٤٧٥، كراچی ٦/ ٣٢٨ هدايه، اشرفی ٤/ ٤٥٠، هنديه زكريا قديم ٥/ ٣٠١، جديد ٥/ ٣٤٧) **فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
۲۴/ ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۹۳۰)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۲/۲۴ھ

چرم قربانی کی رقم اپنے طالب علم بیٹے کو دینے کا حکم

سوال [۱۰۰۸۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عمر قربانی کر رہے ہیں اور بکر اس کا بیٹا طالب علم ہے اور دونوں میں سے کوئی مالک نصاب نہیں ہے تو کیا بیٹے کے لیے کھال کا پیسہ اپنے مصرف میں لانا درست ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مالک نصاب نہ ہونے کی وجہ سے اس پر قربانی واجب نہیں ہے، لیکن جب قربانی کردی تو اس کھال کی قیمت اپنے بیٹے کو دینا درست نہیں ہے، بلکہ اس کو صدقہ کرنا واجب ہے، البتہ اگر کھال کا پیسہ نہیں دیتا بلکہ خود کھال کو دباغت دے کر اپنے یا اپنے بیٹے کے استعمال میں لاتا ہے تو درست ہے۔

أن أبا سعيد الخدري أتى أهله ...... ولا تبيعوا لحوم الهدى والأضاحى، فكلوا وتصدقوا، واستمتعوا بجلودها، ولا تبيعوها، وإن أطعمتم من لحومها فكلوا إن شئتم. (مسند أحمد بن حنبل ١٥/٤، رقم: ١٦٣١٢)

ويتصدق بجلدها أو يعمل منه نحو غربال و جراب. (تنوير الأبصار مع الرد، كتاب الأضحية، زكريا ٤٧٥/٩، كراچى ٣٢٨/٦، هدايه اشرفى ٤٥٠/٤، هنديه زكريا قديم ٣٠١/٥، جديد ٣٤٧/٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍ ذی الحجہ ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۵۷۷)

کیا مدرسہ کو دی گئی کھال کی رقم طالب علم استعمال کرسکتا ہے؟

سوال [۱۰۰۸۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید ایک غریب گھرانے کا طالب علم ہے زید نے بقرعید میں قربانی کی کھال لے لی اس ارادے سے کہ میں اس کو لے لوں گا، اس وجہ سے کہ میں غریب ہوں اور یہ بھی ارادہ کیا کہ اگر میں اس کا مستحق نہ ہوں گا تو مدرسہ میں دیدوں گا لیکن دینے والے نے اس خیال سے دی کہ میری کھال مدرسہ میں جائیگی کیونکہ زید مدرسہ ہی میں پڑھتا ہے تو وہ اس کے علاوہ اور کہاں دے سکتا ہے، دے گا، تو مدرسہ ہی میں دے گا تو زید اس صورت میں کھال کا مالک ہوگیا یا مدرسہ میں دے گا؟

المستفتی: وکیل احمد سیتا پوری مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کھال کے مالک نے جب آپ کو اس خیال سے کھال دی کہ وہ جا کر مدرسہ میں دیدے گا تو اب آپ کے لیے اس کھال یا اس کی قیمت کا استعمال جائز نہیں ہے، مدرسہ میں دینا ضروری ہے۔

الوكيل إنما يستفيد التصرف من الموكل وقد أمره بالدفع إلى فلان فلا يملك الدفع إلى غيره. (شامی، کتاب الزکاۃ، زکریا ۳/ ۱۸۹، کراچی ۲/ ۲۶۹)

ويتصدق بجلدها ...... ولو باعها بالدراهم ليتصدق جاز لأنه قربة كالتصدق. (هنديه، الباب السادس في بيان ما يستحب في الأضحية والانتفاع بها، زکریا قدیم ۵/ ۳۰۱، جدید ۵/ ۳۴۷، هدایه اشرفی ۴/ ۴۵۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰؍ صفر المظفر ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۱۹۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۲/۳۰ھ

چرم قربانی کی رقم مکتب میں صرف کرنا

سوال [۱۰۰۸۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک مکتب میں کچھ مقامی بچے زیر تعلیم ہیں، جن میں صاحب حیثیت لوگوں کے بچے بھی ہیں، اور غرباء کے بچے بھی، ارباب مدرسہ چرم قربانی وصول کر کے ان غرباء کے بچوں کے ذریعہ تملیک کرنے کے بعد اس رقم سے ان بچوں کا کچھ تعاون کر کے بقیہ رقم تنخواہ مدرسین وتعمیر وغیرہ کے کام میں لانا چاہتے ہیں، ایسا کرنا شرعاً درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد عباس قاسمی موانہ کلاں میرٹھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: وہ مکتب جہاں غریب مستحق زکوٰۃ طلبہ کی کفالت نہ کی جاتی ہو ایسے مکتب میں صدقہ فطر و چرم قربانی اور زکوٰۃ کی رقم دینا جائز نہیں ہے۔

لایصرف إلی بناء مسجد (تحت قوله) کبناء القناطر والسقایات واصلاح الطرقات وکری الأنهار والحج والجهاد وکل ما لا تملیک فیه.

(در مختار مع الشامی، کتاب الزکاة، باب المصرف، زکریا ۳/ ۲۹۱، کراچی ۲/ ۳٤٤)

اور ایسے مکتبوں میں حیلۂ تملیک کی بھی گنجائش نہیں ہے بلکہ ایسے مکتبوں کو علاقہ کے لوگ اپنی امداد کے پیسہ سے چلایا کریں۔ (ایضاح النوادر۲/ ۱٦۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍ جمادی الثانیہ ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۸۸۴)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲؍ ۶؍ ۱۴۱۷ھ

چرم قربانی کی رقم مکتب کی تعمیر میں لگانا

سوال [۱۰۰۸۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے گاؤں میں مکتب چھوٹا ہے اور بچوں کی تعداد بڑھتی رہتی ہے، اور ہمارے پاس چرم قربانی کی رقم موجود ہے کیا بغیر تملیک کے تعمیری کام میں لگا سکتے ہیں یا پھر تملیک کی بہتر صورت کیا ہے؟ ارشاد فرمائیں۔

المستفتی: ظہور الحسن مہاراشٹری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: چرم قربانی کو فروخت کرنے کے بعد اس کی رقم نادار وفقیروں کو صدقہ کر دینا لازم ہے، تعمیرات میں لگانا جائز نہیں اور مکتب کی تعمیر کی ذمہ داری اس کے متعلق آبادی اور محلّہ والوں پر ہے، اس لیے اس کام کے لیے چرم قربانی کے پیسے جو فقیروں کا حق ہے، تملیک کر کے فقیروں کو اس سے محروم کرنے کی اجازت نہیں۔

ویشترط أن یکون الصرف تملیکا لا إباحة لایصرف إلی بناء نحو مسجد إلی آخره، وفی الشامیة: کبناء القناطر والسقایات و اصلاح الطرقات وکری الأنهار والحج والجهاد. (شامی، کتاب الزکاة، باب المصرف، زکریا ۳/ ۲۹۱،

کراچی ۳۴۴/۲، مجمع الأنهر، دار الکتب العلمية بيروت ۳۲۹/۱، مصری قديم ۲۲۲/۱)

إن كل حيلة يحتال بها الرجل لإبطال حق الغير أو لإدخال شبهة فيه أو لتمويه باطل فهو مكروهة . (هندیه، کتاب الحيل، الفصل الأول، زکريا قديم ۳۹۰/۶، جديد ۳۹۳/۶) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۲۷ر صفر المظفر ۱۴۲۳ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۵۲۹/۳۶)	۱۴۲۳/۲/۲۸ھ

چرم قربانی غنی کو بطور ہدیہ دینے کے بعد فروخت کروا کر روپیہ مکاتب میں لگانا

سوال [۱۰۰۸۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کسی مالدار شخص کو چرم قربانی ہدیۃً دینا کیسا ہے؟ اگر جائز ہے جیسا کہ مسائل عیدین وقربانی ص:۱۹۰ میں بحوالہ جواہر الفقہ ۴۸۷/۱ پر ہے، تو پورے محلّہ اور گاؤں کی چرم قربانی اجتماعی طور پر کسی غنی کو بطور ہدیہ دیں پھر وہ شخص فروختگی کے بعد بغیر کسی جبر واکراہ کے ان کی رقم مکاتب ومدارس میں صرف کرنا چاہے تو درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد ساجد، ممتاز احمد قاسمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: غنی کو چرم قربانی بعینہٖ دیدینا جائز ہے، مگر اس نیت سے غنی کو دیدینا جائز نہیں ہے، کہ غنی اس کو فروخت کر کے مدرسہ یا مکتب کو دیدیگا کیونکہ اس صورت میں وہ غنی مالک نہ ہوگا، بلکہ فروخت کر کے روپیہ مدارس یا مکاتب کو دینے کے لیے وکیل ہوجائے گا، اور وکیل کا وہی حکم ہوتا ہے جو مالک کا ہے، لہٰذا جس طرح مالک کا فروخت کرنے کے بعد پیسوں کو غرباء وفقراء اور غریب طلبہ پر خرچ کرنا لازم ہوجاتا ہے اسی طرح اس غنی پر بھی لازم ہوجائے گا، ہاں البتہ غنی کو ہی مالک ہونے کے لیے دیدینا جائز ہے جس کو فروخت کر کے اپنے مصرف میں خرچ کرنے میں کوئی اشکال نہ ہو اس کی علامت اور امتحان یہ ہے کہ وہ غنی چرم

قربانی کوفروخت کر کے اپنی حوائج میں خرچ کرے تو اہل عطاء کو ناگوار اور گراں نہ ہو، اور اس کی شکایت و مذمت نہ ہو اور دل میں کدورت اور انقباض نہ ہو اور اگر شکوہ شکایت ہے تو وہ غنی ان چرم قربانی کا مالک ہی نہیں ہوا۔ (تفصیل: امدادالفتاویٰ ۳/۵۳۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/صفر المظفر ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۷۹۰۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۲/۵ھ

گائے رون کا حکم

سوال [۱۰۰۹۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے گائے کی قربانی کی، گائے کے پیٹ میں سے گائے رون نکلی، کیا زید اس گائے رون کو بیچ کر گائے رون سے حاصل شدہ رقم خود استعمال کرسکتا ہے؟

کیا زید کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ قربانی کے جانور میں نکلی ہوئی گائے رون کو خالد سے کسی ایسی چیز کے عوض میں تبدیل کرے کہ وہ چیز باقی رہے اور زید اس چیز سے فائدہ اٹھاتا رہے، حضرت والا سے درخواست ہے کہ جواب مدلل عنایت فرمائیں۔

المستفتی: روشن شاہ اکولوی، مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر روپیہ پیسہ کے عوض فروخت کیا جائے تو رقم کا تصدق کردے اور اگر ایسے سامان سے تبدیل کروایا جائے جو قابل استعمال ہے، تو وصول شدہ سامان کا ذاتی استعمال میں رکھنا جائز ہے۔

ولابأس بأن يشترى به ما ينتفع بعينه مع بقائه استحسانا. (هنديه، الباب السادس فى بيان ما يستحب فى الأضحية والانتفاع بها، زكريا قديم ٥/٣٠١، جديد ٥/٣٤٧) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶/ذی الحجہ ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/۲۴۹۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۱/۱۲/۲۶ھ

سماج والوں کا دوثلث قربانی کا گوشت جمع کر کے غریبوں میں تقسیم کرنے کا حکم

سوال [۱۰۰۹۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: آسام کے بعض دیہی علاقوں میں لوگ سماجی زندگی گذارتے ہیں، اور ایک دوسرے سے مؤدت ومحبت کے ساتھ پیش آتے ہیں، چنانچہ قربانی کے موقع پر ان میں کوئی اپنا جانور قربان کرے تو اس کو تین حصوں میں تقسیم کرتے ہیں، دو حصے سماج میں جمع کرتے ہیں اور ایک حصہ اپنے گھر لے آتے ہیں، اور سماج کا قانون یہی ہے، لہٰذا کوئی شخص اپنا مذبوحہ جانور کے حصے سماج میں جمع نہ کرے تو اسے سماج سے نکال دیا جاتا ہے، اور جب تمام مذبوحہ جانور کے متعین حصے اکٹھے جمع ہو جاتے ہیں تو اس گوشت کو اولاً تولتے ہیں، پھر فی کس یا گھر کے اعتبار سے سماج میں جتنے لوگ رہتے ہیں، ان کے درمیان تقسیم کر دیتے ہیں، اور اس کی تقسیم میں قربانی کرنے والے اور نہ کرنے والے دونوں قسم کے لوگوں کو یکساں طور پر فی کس کے حساب سے گوشت ملتا ہے۔

اب دریافت مسئلہ یہ ہے کہ اس طرح گوشت کے جمع کرنے کو لازم سمجھنا اور جمع نہ کرنے کی صورت میں سماج سے نکال دینا از روئے شرع کیسا ہے؟ نیز جمع شدہ گوشت میں سے قربانی کرنے والے کا فی کس کے حساب سے اپنا متعینہ حصہ حاصل کرنا کیسا ہے، جبکہ وہ تمام گوشت اعزاء واقرباء اور فقراء کے لیے ہر قربانی کرنے والے نے اپنے مذبوحہ جانور سے الگ کر کے سماج میں جمع کیا ہے؟

المستفتی: مولانا ربیع الاسلام آسامی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر علاقہ کے لوگوں نے سماج میں اتحاد کو باقی رکھنے کے لیے اور غریبوں کی مدد کے لیے آپس کی رضامندی سے یہ ضابطہ بنا لیا ہے کہ قربانی کے گوشت کا مخصوص حصہ سماج کے نام سے ایک جگہ جمع کیا جائے، پھر اسے تول کر پورے محلے کے تمام لوگوں کو برابر تقسیم کر دیا جائے، جس سے غریب لوگ جنہوں نے قربانی نہیں کی، ان کو بھی پورا حصہ مل جائے، اور گوشت جمع کرنے والوں کو بھی پورا حصہ مل جائے تو یہ غریبوں

کے تعاون کی ایک بہترین شکل ہے، اس میں سب لوگوں کو متحد رہنا چاہیے، اور جو آدمی اپنی قربانی کا گوشت جمع نہیں کرتا ہے، شرعی طور پر اس کے اوپر کوئی گناہ اور الزام نہیں، لیکن اس کے لیے بہتر یہی ہے کہ رضا کارانہ طور پر وہ بھی بخوشی گوشت جمع کرے، تاکہ سماج کے لوگوں میں اس کو الگ نہ سمجھا جائے، اور سماجی اتحاد میں کوئی فرق نہ آنے پائے۔

عن ابن عمر قال رسول الله ﷺ: إن الله لايجمع أمتي على ضلالة ويد الله على الجماعة........... (سنن ترمذی، باب ماجاء فی لزوم الجماعة، النسخة الهندية ۳۹/۲، دار السلام رقم: ۲۱٦۷)

ويستحب أن يأكل من أضحيته ويطعم منها غيره والأفضل أن يتصدق بالثلث ويتخذ الثلث ضيافة لأقاربه و أصدقائه ويدخر الثلث ويطعم الغني والفقير جميعا. (هنديه، الباب الخامس زكريا جديد ۳٤٦/۵، قديم ۳۰۰/۵، الموسوعة الفقهية الكويتية ۱۰۲/۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم ربیع الثانی ۱۴۳٦ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۱۹۷۰)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳٦/۴/۱ھ

کیا چرمِ قربانی کے روپیہ سے جنازہ کی چوکی بنوائی جاسکتی ہے؟

سوال [۱۰۰۹۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ چرمِ قربانی کے روپئے سے جنازہ کی چوکی بنائی جاسکتی ہے یا نہیں؟ قرآن و حدیث کی روشنی میں واضح دلائل کے ساتھ تحریر فرمائیں، نوازش ہوگی۔

المستفتی: محمد طارق شمسی، محلّہ رفعت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عین چرمِ قربانی کا استعمال کرنا فقیر وغنی سب کے لیے جائز ہے، لیکن اگر چرمِ قربانی فروخت کردی جائے تو اس کی قیمت کسی غریب کو صدقہ کردینا

لازم ہے، اس کی قیمت سے جنازہ کی چوکی بنانا جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۴/۳۱۲)

فإن باع لذٰلک تصدق بالثمن أیضا. (بزازیه، کتاب الأضحیة زکریا جدید ۳/۱۵۹، وعلی هامش الهندیة ۶/۲۹۴)

فإن بیع اللحم أو الجلد به أی بمستهلک أو بدراهم تصدق بثمنه.

(در مختار مع الشامی، کتاب الأضحیة، زکریا ۹/ ۴۷۵، کراچی ۶/ ۳۲۸هدایه، اشرفی ۴/ ۴۵۰، هندیه زکریا قدیم ۵/ ۳۰۱، جدید ۵/ ۳۴۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳/ ذی الحجہ ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/۲۴۹۰)

گائے رون کا شرعی حکم

سوال [۱۰۰۹۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: گائے بیل کے پیٹ میں سے ذبح کرنے کے بعد شاذ ونادر گائے رون نکلتی ہے (جو قیمتی شئ ہوتی ہے) اگر یہ گائے رون قربانی کے جانور کے پیٹ میں پائی جائے تو کیا اس کو قربانی کرنے والا خود اپنے استعمال میں لاسکتا ہے یا نہیں؟

کیا صاحب قربانی کے لیے اس گائے رون کے استعمال کے جواز کی شرعی اعتبار سے کوئی صورت نکل سکتی ہے؟

المستفتی: عبدالسلام پونوی مہاراشٹر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جی ہاں قربانی کرنے والا قربانی کے جانور کے ہر جزء سے فائدہ اٹھاسکتا ہے، اور اسی طرح اگر پیٹ سے گائے رون جیسی قیمتی چیز نکل جائے تو اس سے فائدہ اٹھانا بھی جائز ہے، نیز اگر جانور خریدا ہوا ہے تب گائے رون صاحب قربانی کی ملکیت میں ہوگی کیونکہ جو چیز غذا کے اثرات سے پیدا ہوجائے وہ خریدار کی ملکیت میں آجاتی ہے۔

ولـو كـان فيـه عـنبـر يـكـون لـلـمشترى (قوله) وكل شيئ يوجد فى حوصلة الطير مما يأكله فهو للمشترى. (هنديه، كتاب البيوع، قبيل الباب السادس فى خيار الشرط، زكريا قديم ۳/۳۸، جديد ۳/۴۰، تاتارخانية زكريا ديوبند ۸/۳۰۱، رقم: ۱۲۰۰۰)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ذی الحجہ ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/۲۴۹۰)

اضحیہ منذورہ کا گوشت کھانا جائز اور ذبیحہ منذورہ کا جائز نہیں

سوال [۱۰۰۹۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک صاحب نے اپنی گابھن بھینس کے بارے میں کہا کہ اگر اس نے کٹڑا دیا تو اس کو ایام قربانی میں اللہ کے واسطے ذبح کریں گے اور اگر کٹڑی دی تو وہ ہماری ہوگی، اتفاق سے اس نے کٹڑا دیا اب وہ کٹڑا تقریباً تین سال کا ہے، اب معلوم یہ کرنا ہے کہ کٹڑے مذکور کی قربانی کرنے کے بعد اس کا گوشت گھر میں استعمال کر سکتے ہیں یا اس کے گوشت کا صدقہ کرنا لازم ہے؟ نیز بوقت نذر ناذر کے اوپر قربانی واجب نہیں تھی، اب وہ جانور قربانی کے لائق ہوگیا ہے۔

المستفتی: علی احمد رائے پور ضلع مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مذکورہ میں ناذر اور غنی کے لیے مذکورہ جانور کی قربانی کا گوشت کھانا جائز نہیں ہوگا، بلکہ پورے کا صدقہ کرنا واجب ہوگا۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۳/۵۶۳)

احقر نے تقریباً ۲۶؍سال قبل حضرت تھانویؒ کے جواب کے مطابق اضحیہ منذورہ کے گوشت کو خود ناذر اور غنی کے کھانے کو ناجائز لکھا تھا، اور پورے کو واجب التصدق لکھا تھا اور حضرت تھانویؒ نے ہندیہ کی عبارت:

نـذر أن يضحى ولم يسم شيئا عليه شاة ولا يأكل منها وإن أكل عليه قيمتها.

(هندیه، کتاب الأضحیة، الباب الثانی فی وجوب الأضحیة زکریا قدیم ٥/٢٩٥، جدید ٥/٣٤٠)

وإن وجبت بالنذر فلیس لصاحبها أن یأکل منها شیئا ولا یطعم غیره من الأغنیاء سواء کان الناذر غنیا أو فقیرا. (هندیه، قدیم ٥/٣٠٠، جدید ٥/٣٤٦)

بھی نقل فرمائی ہے، اور احقر نے نیچے بدائع کی عبارت کا اقتباس نقل کردیا تھا، مگر اب سارے جزئیات پر غور کرنے کے بعد یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ نذر ذبح اور نذر اضحیہ دونوں بالکل الگ الگ ہیں، کیونکہ فعل ذبح عبادت نہیں اور فعل اضحیہ عبادت ہے، اور نذر ذبح کا گوشت ناذر اور غنی کے لیے کھانا جائز نہیں، اور نذر اضحیہ کا گوشت کھانا خود ناذر اور غنی کے لیے جائز ہے، لہٰذا ۷/ ذی الحجہ ۱۴۰۹ھ کا لکھا ہوا مسئلہ امداد الفتاویٰ کے مطابق تو ہے مگر اس میں تسامح ہے اور صحیح یہی ہے کہ اضحیہ منذورہ کا گوشت ناذر اور غنی کے لیے کھانا جائز ہے، اسی کی طرف صاحب بدائع نے اشارہ فرمایا ہے: بدائع کی عبارت یہ ہے:

إن الدماء أنواع ثلاثة: نوع یجوز لصاحبه أن یأکل منه بالإجماع، ونوع لایجوز له أن یأکل منه بالإجماع، ونوع اختلف فیه، فالأول دم الأضحیة نفلا کان أو واجبا، منذورا کان أو واجبا مبتدأً والثانی دم الإحصار وجزاء الصید ودم الکفارة الواجبة (إلی قوله) وغیر ذٰلک من الجنایات ودم النذر بالذبح. (بدائع الصنائع قدیم ٥/٨٠، زکریا ٤/٢٢٣، بذل المجهود، کتاب الأضحیة، باب حبس لحوم الأضاحی، قدیم ٤/٧٦، جدید دار البشائر الإسلامیه بیروت ٩/٥٦٦-٥٦٧) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/ ذی الحجہ ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۵۵۰)

فقیر اپنی قربانی کا گوشت خود بھی اور مالدار کو بھی کھلا سکتا ہے

سوال [۱۰۰۹۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ سات آدمیوں نے مل کر ایک بڑا جانور قربانی کے لیے خریدا، ان میں سے تین آدمی فقیر ہیں، اور فقیروں کے حصے نذر کے ہوجاتے ہیں تو سوال یہ ہے کہ ان فقیروں کے لیے اپنے اپنے حصہ کا گوشت کھانا جائز ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: فقیر اپنی قربانی کے جانور کا گوشت خود بھی کھا سکتا ہے اور دوسروں کو بھی کھلا سکتا ہے کیونکہ یہ حقیقت میں نذر نہیں ہے بلکہ نذر کی طرح ہے۔
(مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۱۵/ ۵۶۸، امداد الفتاویٰ ۳/ ۵۶۳، احسن الفتاویٰ ۷/ ۵۲)

سئل قاضی بديع الدين عن الفقير إذا اشترىٰ شاة للأضحية حتى تصير واجبة عليه فإذا ضحى هل يحل له أكله؟ قال: نعم. (تاتارخانية زكريا ١٧/ ٤١٣، رقم: ٢٧٦٧٣)

ويأكل من لحم الأضحية ويؤكل غنيا وتحته في الشامية: هذا في الأضحية الواجبة والسنة سواء إذا لم تكن واجبة بالنذر ...... وأراد بالأضحية السنة أضحية الفقير. (شامی، كتاب الأضحية، زكريا ٩/ ٤٧٣، كراچی ٦/ ٣٢٧) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/ ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۲۸۵)

مرحوم کی طرف سے کی گئی قربانی کے گوشت کا مصرف

سوال [۱۰۰۹۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر کسی مرحوم کی قربانی کرنی ہو تو اس قربانی سے مرحوم کا وارث جو قربانی کر رہا ہے وہ کھا سکتا ہے یا نہیں؟ یا غریب فقیر کو اس کا دینا ضروری ہے؟

المستفتی: محمد اسلام پریس والے شیرکوٹ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مرحوم کی طرف سے قربانی کی وصیت تھی تو فقراء کو دیدینا چاہیے خود نہ کھائے اور اگر مرحوم نے وصیت نہیں کی ہے، ورثاء اپنے طور پر مرحوم کی طرف سے قربانی کرتے ہیں تو اپنی قربانی کے گوشت کی طرح اس کا گوشت بھی استعمال کرنا بلاتردد جائز ہے۔

من ضحیٰ عن المیت یصنع کما یصنع فی أضحیة نفسه من التصدق والأکل والأجر للمیت، قال الصدر: والمختار أنه إن بأمر المیت لایأکل منها وإلا یأکل. (شامی، کتاب الأضحیة، زکریا ۴۷۲/۹، کراچی ۳۲۶/۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱؍محرم الحرام ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹۹۲/۲۸)

قربانی کے وکیل کو گوشت پر ہر طرح سے اختیار

سوال [۱۰۰۹۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مغربی ممالک سے ایک شخص نے بڑے جانور کی قربانی کا پیسہ ہندوستان بھیج دیا، اور شرکاء کا نام بھی لکھ دیا، اور گوشت ہندوستان کے لوگ ہی کھائیں گے کسی کو بھی کھانے کی اجازت نہیں ہے تو ایسی صورت میں ہندوستان میں قربانی کرنے والا جانور کا گوشت تول کر تقسیم کرے گا یا اس کو ہر طرح کی اجازت ہے، جتنا چاہے دے جتنا چاہے رکھ لے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ہندوستان میں قربانی کرنے والے کو جب گوشت کے بارے میں پورا اختیار ہے تو جس طرح چاہے تقسیم کرے چاہے تول کر تقسیم کر لے چاہے اندازے سے تقسیم کرے اسی طرح جتنا چاہے لوگوں کے درمیان تقسیم کرے اور جتنا چاہے رکھ لے ہر طرح جائز ہے۔

وفـي الـخـانية: رجـل دفـع مـالا إلى رجل و أمره أن يتصدق بذٰلک المال فتصدق الوكيل على ابن كبير له جاز في قولهم بدليل أنه لو دفع ماله إلـى رجـل وقال ضع مالي حيث شئت كان له أن يضعه في نفسه. (تاتارخانية زكريا ۱۲/ ۳۱۰، رقم: ۱۷۵۸۷)

رجـل دفـع إلـى رجـل عشرة دراهم وقال: تصدق بهذه العشرة على عشرة مساكين فتصدق بها على مسكين واحد دفعة واحدة جاز. (تاتارخانية زكريا ۱۲/ ۳۱۱، رقم: ۱۷۵۸۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۲۸۸)

ایام نحر میں فقیر کے خریدے ہوئے جانور کا گوشت خود اور غنی کا کھانا

سوال [۱۰۰۹۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ فقیر نے ایام نحر میں جو جانور کی قربانی کی نیت سے خریدا ہے وہ اضحیہ منذورہ ہو گیا اس کا بدلنا بھی اس کے لیے جائز نہیں ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ جب وہ اضحیہ منذورہ ہو گیا ہے تو فقیر اور غنی دونوں کے لیے اس کا گوشت کھانا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد شعیب میرٹھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نذر کی دو قسمیں ہیں:

(۱) نذر ذبح جس میں تقرب الی اللہ مقصد نہیں ہوتا ہے، بلکہ اراقۂ دم اور تصدق مقصد ہوتا ہے، یعنی ذبح کر کے صدقہ کرنا مقصد ہوتا ہے تو ایسے جانور کا گوشت ناذر اور غنی دونوں کے لیے جائز نہیں ہے بلکہ دوسرے فقراء وغرباء میں تقسیم کرنا واجب ہوتا ہے۔

(۲) نذر اضحیہ اس میں تقرب الی اللہ مقصد ہوتا ہے اور ساتھ میں گوشت کھانا بھی مقصد

ہوتا ہے، اور جو جانور تقرب الی اللہ کے لیے خرید کر ذبح کیا جائے اس کا گوشت کھانا حلال اور جائز ہوتا ہے، اس لیے ناذر اور غنی دونوں کے لیے اضحیہ منذورہ کا گوشت کھانا راجح اور مفتی بہ قول کے مطابق حلال اور جائز ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ دار العلوم جدید ۱۵/ ۵۶۸، احسن الفتاویٰ ۷/ ۵۲۵تا ۵۲۸)

ظاهر كلامه أن الواجبة على الفقير بالشراء له الأكل منها. (شامی، كتاب الأضحية، زكريا ۹/ ٤٧٣، كراچی ٦/ ٣٢٧)

وفی فتاویٰ آهو: سئل قاضی بديع الدين عن الفقير إذا اشتریٰ شاة للأضحية حتى تصير واجبة عليه فإذا ضحى هل تحل له أكله؟ قال: نعم. (تاتارخانية زكريا ۱۷/ ٤١٣، رقم: ٢٧٦٧٣)

إن الدماء أنواع ثلاثة: نوع يجوز لصاحبه أن يأكل منه بالإجماع، ونوع لايجوز له أن يأكل منه بالإجماع، ونوع اختلف فيه، فالأول دم الأضحية نفلا كان أو واجبا، منذورا كان أو واجبا مبتدأً والثانی دم الإحصار و جزاء الصيد و دم الكفارة الواجبة (إلی قوله) وغير ذٰلک من الجنايات ودم النذر بالذبح، والثالث: دم المتعة والقران فعندنا يؤكل وعند الشافعی لا يوكل. (بدائع الصنائع قديم ٥/ ٨٠، زكريا ٤/ ٢٢٣، بذل المجهود، كتاب الأضحية، باب حبس لحوم الأضاحی، قديم ٤/ ٧٦، جديد دار البشائر الإسلامية بيروت ۹/ ٥٦٦ -٥٦٧)

وإن نذر أضحية فی ذمته ثم ذبحها فله أن يأكل منها، وقال القاضی من أصحابنا من منع الأكل منها وهو ظاهر كلام أحمد و بناه علی الهدی المنذور. (المغنی للابن قدامة ۹/ ٣٦٢) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۲۴/ ذی قعدہ ۱۴۳۵ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۱۱۷۴۳/۴۱)	۱۴۳۵/۱۲/۴ھ

قربانی کا گوشت کس حساب سے تقسیم کریں؟

سوال [۱۰۰۹۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: ایک شخص نے ایک بکرے کی قربانی کی سینہ کو اپنے پاس رکھنے کے بعد بقیہ گوشت کے تین حصے کیے تو شریعت مطہرہ کی رو سے جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد یوسف چوکھاپل مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: قربانی کا سارا گوشت قربانی کرنے والے گھر میں استعمال کر سکتے ہیں، تین حصے کرنے واجب یا فرض نہیں ہیں بلکہ صرف مستحب ہیں، لہٰذا اگر کوئی شخص سینہ رکھ کر تین حصے کرتا ہے، تو کوئی گناہ نہیں ہے، البتہ بہتر تو یہ ہے کہ سارے گوشت کا تین حصہ کرے۔

والأفضل أن يتصدق بالثلث ويتخذ الثلث ضيافة لأقربائه و أصدقائه و يدخر الثلث، ويستحب أن يأكل منهالو حبس الكل لنفسه جاز. (شامی، كتاب الأضحية، زكريا ٩/٤٧٤، كراچی ٦/٣٢٨، هنديه زكريا قديم ٥/٣٠٠، جديد ٥/٣٤٦، بدائع الصنائع كراچی ٥/٨١، زكريا ٤/٢٢٤، الموسوعة الفقهية الكويتية ٥/١٠٢، ٣٥/٢١٠، المبسوط، دار الكتب العلمية بيروت ٤/٧٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍رجب المرجب ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۳۸۲)

قربانی کے گوشت کی تقسیم کا طریقہ

سوال [۱۰۱۰۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قربانی کے گوشت کو کس طرح تقسیم کیا جائے، مہربانی فرما کر وضاحت فرمائیں۔

اکثر لوگ سارے گوشت کو کھچڑا یا بریانی وغیرہ بنوا کر دعوت کے اعتبار سے لوگوں کو کھلا دیتے ہیں کیا یہ صحیح طریقہ ہے، آپ تفصیل سے قربانی کے گوشت کو کس طرح استعمال کیا جائے، بتادیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر شرکاء کے درمیان حصہ تقسیم کرنا ہے تو وزن کر کے

تقسیم کیا جائے، اور اگر اپنا حصہ تقسیم کرنا ہے تو تین حصہ کر کے ایک تہائی فقراء کو صدقہ کر دینا، اور ایک تہائی اعزاء اور دوستوں کی مہمان داری میں خرچ کرنا، اور ایک تہائی اپنے لیے رکھنا مستحب طریقہ ہے، اور اگر پورا اپنے لیے رکھ لیتا ہے یا بریانی وغیرہ بنا کر لوگوں کو کھلا دیتا ہے تو بھی جائز ہے۔

ويقسم اللحم وزنا لا جزافا. (الدر المختار، كتاب الأضحية، زكريا ٩/ ٤٦٠، كراچی ٦/ ٣١٧، مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ٤/ ١٦٨، مصرى قديم ٢/ ٥١٧)

والأفضل أن يتصدق بالثلث ويتخذ الثلث ضيافة لأقربائه و أصدقائه و يدخر الثلث ويستحب أن يأكل منها لو حبس الكل لنفسه جاز. (شامی، كتاب الأضحية، زكريا ٩/ ٤٧٤، كراچی ٦/ ٣٢٨، هنديه زكريا قديم ٥/ ٣٠٠، جديد ٥/ ٣٤٦، بدائع الصنائع كراچی ٥/ ٨١، زكريا ٤/ ٢٢٤، الموسوعة الفقهية الكويتية ٥/ ١٠٢، ٣٥/ ٢١٠، المبسوط، دار الكتب العلمية بيروت ٤/ ٧٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/ ذی قعدہ ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۲۰۲۶)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۰/۱۱/۲۷ھ

ایک حصہ دار کو اس کے حصہ سے زیادہ گوشت دینا

سوال [۱۰۱۰۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے شہر میں بہت سے ادارے اور تنظیمیں بڑے جانور کی اجتماعی قربانی کا اہتمام کرتی ہیں، اس سلسلے میں چند باتیں دریافت طلب ہیں: اجتماعی قربانی میں حصہ لینے والے اکثر حضرات اپنے حصہ کا گوشت نہیں لیتے بلکہ ذمہ دار حضرات ہی کو غرباء میں گوشت تقسیم کر دینے کا بخوشی کلی اختیار دیتے ہیں، لیکن کچھ لوگ اپنا حصہ بھی لیتے ہیں، تو کیا ایسی صورت میں کسی حصہ دار کو اس کے حصہ سے زیادہ دینے میں (جبکہ دوسرے بہت سے شرکاء اپنا حصہ لیتے ہی نہیں) کوئی حرج تو نہیں؟ کیونکہ اتنی بڑی قربانی میں ہر ایک کا حصہ برابر کا نکالنا ایک مشکل ترین کام ہے؟

المستفتی: محمد آصف

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قربانی کرنے والا اپنی قربانی کے گوشت میں سے جس کو چاہے ہبہ بھی کرسکتا ہے اور صدقہ بھی، لہٰذا جب دیگر شرکاء نے یا زیادہ تعداد میں قربانی کرنے والوں نے گوشت کسی کو بھی تقسیم کرنے کی اجازت دے دی ہے تو وہ شرکاء جنہوں نے اپنے حصے کا گوشت لے لیا ہے وہ مزید گوشت لینا چاہیں تو دیگر شرکاء کے اجازت دیئے ہوئے حصوں میں سے حسب ضرورت لے سکتے ہیں، ان کو دینا بھی جائز ہے۔

ویطعم الغنی والفقیر ویهب منها ما شاء لغنی ولفقیر و لمسلم وذمی ولو تصدق بالکل جاز ولو حبس الکل لنفسه جاز. (حاشية الطحطاوی علی الدر المختار، کتاب الاضحية، کوئٹه ٤/١٦٦، هندیه زکریا قدیم ٥/٣٠٠، جدید ٥/٣٤٦) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷؍ جمادی الثانیہ ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۶۳۸)

گوشت کو وزن کر کے تقسیم کرنا

سوال [۱۰۱۰۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جانور کے گوشت کا وزن ۱۰۵ کلو ہے تو سات حصوں میں سے ہر ایک کا حق ۱۵؍ کلو آیا تو گوشت کے مطالبہ کرنے والے دو حصہ داروں کو ۱۵/ ۱۵؍ کلو دیدیا گیا، اس کے بعد باقی ۷۵؍ کلو رہا جس میں ۵؍ حصے ہیں، وہ بھی انہیں دونوں کو لینا ہے تو ان دونوں کے لیتے وقت تخمینہ سے تقسیم کرنا جائز ہے یا تول کر تقسیم کرنا لازم ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سات لوگوں نے مل کر قربانی کی اور ان میں دو گوشت لینا چاہتے ہیں بقیہ نہیں لینا چاہتے ہیں، صورت حال یہ ہے کہ گوشت کا مکمل وزن ۱۰۵ کلو ہے تو پہلے ان

دونوں کا حصہ ۱۵/۱۵/کلو دینے کے بعد ان کو اختیار ہوگا کہ مابقیہ ۵۷ کلو جیسے چاہیں لے لیں کیونکہ قربانی کرنے والے باقی لوگوں کی طرف سے مکمل وکھلی اجازت ہے۔(مستفاد: احسن الفتاویٰ ۷/۵۰۱)

وذکر فی مسائل الحوجینی: إذا جعلوا اللحم والشحم سبعة أسهم وقسموا بینهم جزافا جازت القسمة. (المحیط البرهانی، کتاب الأضحیة، الفصل الثامن ما یتعلق بالشرکة فی الضحایا کوئٹه ٦/٤٨٧، المجلس العلمی ٨/٤٨٠ رقم: ١٠٨٥٥، لسان الحکام ١/٣٨٧، مجمع الأنهر، دار الکتب العلمیة بیروت ٤/١٦٨، مصری قدیم ٢/٥١٧، تاتارخانیة زکریا ١٧/٤٥٥، رقم: ٢٧٨١٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۷/ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ

(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۲۸۸)

قربانی کے گوشت کو تول کر تقسیم کرنا

سوال [۱۰۱۰۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: سات آدمیوں نے مل کر ایک بڑا جانور قربانی کے لیے خریدا، کسی کی واجب قربانی ہے کسی کی نفلی، اب اس میں گوشت برابر کرکے تقسیم کرنا لازم ہے یا نہیں؟ جبکہ ہر ایک کی طرف سے کھلی اجازت ہے جس کی جتنی مرضی ہو لے جائے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: قربانی کا گوشت برابر تول کر تقسیم کرنا ضروری ہے کیونکہ برابر تقسیم نہ کیا گیا تو احتمال ربا کی وجہ سے اس تقسیم پر راضی شرکاء گنہگار ہوں گے، اس لیے اٹکل سے تقسیم کرنا جائز نہیں ہے، اگرچہ شرکاء ایک دوسرے کے لیے زیادتی کو حلال قرار دیں، البتہ اگر وہ ایک دوسرے کی اجازت سے اٹکل سے تقسیم کریں اور ہر ایک کے حصہ میں سری پائے وغیرہ بھی آجائیں تو یہ جائز ہے۔(مستفاد: محمودیہ ڈابھیل ۱۷/۴۲۴، میرٹھ ۲۶/۳۳۲)

وقسم لحمها وزنا، لأنه موزون لا جزافا لاحتمال الربا. (الدر المنتقی،

کتاب الأضحية، دار الكتب العلمية بيروت ٤/١٦٨، مصرى قديم ٢/٥١٧)

لو أنهم اقتسموا لحمها جزافا وحلل كل واحد منهم لأصحابه الفضل لايجوز، لأن الربا لايحتمل الحل بالتحليل ...... اقتسموا اللحم جزافا وفي نصيب كل واحد منهم شيئ مما لا يوزن كالرجل والرأس لا بأس به إذا حلل بعضهم بعضا. (قاضيخان، كتاب الأضحية، زكريا جديد ٣/٢٤٧، وعلى هامش الهندية ٣/٣٥١)

يقسم اللحم وزنا لا جزافا ...... ولو حلل بعضهم بعضا ...... فلأن فيه معنى التمليك واللحم من أموال الربا فلا يجوز تمليكه مجازفة ...... إلا إذا ضم معه من الأكارع أو الجلد. (شامى، كتاب الأضحية، زكريا ٩/٤٦٠، كراچى ٦/٣١٧، البحر الرائق زكريا ٨/٣١٩، كراچى ٨/١٧٤، تاتارخانية زكريا ١٧/٤٥٥، رقم: ٢٧٨١٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۲۸۹)

قربانی کا گوشت تول کر تقسیم کرنے کا حکم

سوال [۱۰۱۰۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بڑے جانور میں گوشت برابر تول کر تقسیم کیا جاتا ہے لیکن اگر کسی مدرسہ والے تول کر تقسیم نہ کرے یا شرکاء میں سے ہر ایک کو پانچ چھ کیلو دے کر چھٹی کر دیں، تو کیا قربانی صحیح ہوگی یا نہیں؟

المستفتی: زبیر مظاہری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: بڑے جانور میں اگر سارے حصے دار یہ چاہتے ہیں کہ اپنا اپنا حصہ الگ الگ طور پر وصول کر کے قبضہ کریں گے تو ایسی صورت میں تول کر

سب کا حصہ متعین کر لینا چاہیے اور اگر کوئی اپنا حصہ کم کر کے سر، پایہ وغیرہ لینا چاہیں تو اس کی بھی اجازت ہے، لیکن اگر سب شرکاء اپنا اپنا حصہ مکمل طور پر وصول کرنے کا ارادہ نہیں رکھتے ہیں کچھ لیں، کچھ دیدیں، یا سب دیدیں، یا شرکاء میں سے کسی کو اپنے حصہ کے بارے میں اختیار دیدیں یا سب شرکاء کسی اور کو اختیار دیدیں تو ایسے حالات میں بڑے جانور کا گوشت تول کر تقسیم کرنا لازم نہیں جیسا کہ مدارس میں جو قربانیاں ہوتی ہیں تو ان میں شرکاء کی طرف سے عام طور پر اپنا اپنا حصہ مکمل طور پر وصول کرنے کا ارادہ نہیں ہوتا اس لیے جن مدارس میں گوشت تول کر تقسیم نہیں کرتے ان پر کوئی اعتراض کی بات نہیں، وہ اسی کی گنجائش کے تحت کرتے ہیں، ہاں البتہ اگر کوئی شریک اپنا حصہ متعین کر کے وصول کرنا چاہتا ہے تو اس کا ساتواں حصہ تول کر اسے دیدینا چاہئے جیسا کہ بعض فقہاء نے کہا کہ اگر شرکاء میں سے کوئی فقیر ہو تو اس کا حصہ تول کر علاحدہ کر دینا چاہیے تاکہ اس کو اپنا حصہ صدقہ کرنے میں سہولت ہو۔

ویقسم اللحم وزنا (در مختار) وفی الشامی: أنظر هل هذه القسمة متعينة أو لا؟ حتى لو اشترىٰ لنفسه ولزوجته وأولاده الكبار بدنة ولم يقسموها تجزيهم أو لا؟ والظاهر أنها لاتشترط لأن المقصود منها الإراقة وقد حصلت، وفى فتاوىٰ الخلاصة والفيض تعليق القسمة على إرادتهم وهو يؤيد ما سبق غير أنه إذا كان فيهم فقير والباقى أغنياء يتعين عليه أخذ نصيبه ليتصدق به، وحاصله: أن المراد بيان شرط القسمة إن فعلت لا أنها شرط لكن فى استثنائه الفقير نظر إذ لا يتعين عليه التصدق كما يأتي. (شامی، کتاب الأضحیة، زکریا ۹/۴٦۰، کراچی ٦/۳۱۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱ رجب المرجب ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۳۷۰)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۱/۷/۱۴۲۸ھ

قربانی کا گوشت تول کر اور اندازے سے تقسیم کرنا

سوال [۱۰۱۰۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ قربانی کے جانور کے گوشت کوتول کر برابر تقسیم کرکے الگ کرنا لازم ہے، یا نہیں؟ جبکہ ہرایک کی طرف سے پورا اختیار ہے کہ جو جتنا چاہے لیجائے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قربانی کے جانور کے گوشت کوتول کر تقسیم کرنا ضروری ہے، اندازے سے تقسیم کرنا جائز نہیں، البتہ اندازے سے اس طرح تقسیم کرسکتے ہیں کہ ہر ایک کے حصہ میں سری، پائے وغیرہ بھی آجائیں تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (مستفاد: محمودیہ ڈابھیل ۱۷/۴۲۴، محمودیہ میرٹھ ۲۶/۳۳۱)

لـو اشتریٰ عشرة عشـر أغنـام فـضحی کل واحد واحدة جاز ويقسم اللحم بينهم بالوزن، وإن اقتسموا مجازفة يجوز، إذا كان أخذ كل واحد شيئا مـن الأكارع أو الرأس أو الجلد. (هـنـديـه، كتـاب الأضحية، الباب الثامن فيما يتعلق بالشركة فی الضحايا، زكريا جديد ٥/٣٥٢- ٣٥٣، قديم ٥/٣٠٦)

سبعة ضـحـوا بـقـرة واقتسـموا لحمها وزنا جاز ...... فإن اقتسموا الـلحم جزافا لايجوز ...... ولو أنهم اقتسموا لحمها جزافا و حلل كل واحد منهم لأصحابه الفضل لايجوز ...... ولو اقتسموا اللحم الجزور المشترک فـی الأضـحية جزافا وفی نصيب كل واحد منهم شيئ مما لايوزن كالرجل والـرأس و نـحـو ذٰلک لا بـأس به إذا حلل بعضهم بعضا. (قـاضيخان، كتاب الأضحية، زكريا جديد ٣/٢٤٧، وعلى هامش الهندية ٣/ ٣٥١)

إذا جـاز على الشركة فيقسم اللحم وزنا بين الشركاء لأنه موزون لا جـزافـا لأ ن فـی الـقسمة معنی التمليک فلا يجوز التحليل فی معنی الهبة، وهبة الـمشـا ع فـيـمـا يـقسـم لاتـجـوز إلا إذا خـلـط وضم به أی باللحم من أكـارعـه أو جـلده أی يكون فی كل جانب شيئ من اللحم ومن الأكارع أو يـكـون فـی جـانب شيئ من اللحم وبعض الجلد أو يكون فی جانب لحم و أكـارع و فـی آخـر لـحـم و جـلـد فـحينئذ يجوز صرفا للجنس إلى خلاف

الجنس. (مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ٤/١٦٩، مصرى قديم ٢/٥١٧)

ويقسم وزنا لا جزافا، لأن القسمة فيها حتى معنى المبادلة ولو حلل بعضهم بعضا ...... إلا إذا ضم معه من الأكارع أو الجلد صرفا للجنس لخلاف جنسه بأن يكون مع أحدهما بعض اللحم مع الأكارع ومع البعض الآخر مع الجلد.

(شامی، كتاب الأضحية، زكريا ٩/٤٦٠، كراچی ٦/٣١٧-٣١٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۸/ ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۲۹۱/۴۰)

قربانی کی کھال اور گوشت کا حکم فروختگی میں یکساں

سوال [۱۰۱۰۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: قربانی کا گوشت زیادہ ہوگیا ہے، لینے والے بھی نہیں ہیں، ایسی صورت میں گوشت کو بوچڑ خانے میں پھینک دینا چاہیے، یا اس گوشت کو سلیٹر ہاؤس وغیرہ کے ہاتھ فروخت کر کے اس کی رقم مصرف خیر میں خرچ کردی جائے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قربانی کا گوشت اگر زیادہ ہوجائے اور لینے والا بھی کوئی نہ ہوتو اس کو بوچڑ خانوں میں پھینکنے کے بجائے سلیٹر ہاؤس وغیرہ کے ہاتھ اس کو فروخت کر کے اس سے حاصل شدہ رقم کو مصرف خیر میں خرچ کرنا جائز اور مباح ہی نہیں بلکہ بہتر ہے، کیونکہ فروختگی اور پیسہ میں قربانی کی کھال کا جو حکم ہے وہی گوشت کا بھی ہے۔

فإن باع الجلد أو اللحم به أى بمستهلك أو بدراهم تصدق بثمنه. (اعلاء السنن، باب بيع جلد الأضحية، كراچی ١٧/٢٦٢، دار الكتب العلمية بيروت ١٧/٢٨٥)

لو باع اللحم يتصدق بثمنه. (الولوالجية، دار الإيمان سهارنپور ٣/٧٧)

ولا بأس ببيعه بالدراهم ليتصدق بها. (المحيط البرهانی كوئٹه ٦/٤٨١،

المجلس العلمی ۸/ ۴۷۰ رقم: ۱۰۸۲۹)

ولـو باع الجلد أو اللحم بالدراهم أو بمالاينتفع به إلا بعد استهلاكه تصدق بثمنه. (هدايه، كتاب الأضحية، اشرفيه ۴/ ۴۵۰)

فإن بيع اللحم أو الجلد به أى بمستهلک أو بدراهم تصدق بثمنه. (در مختار، كتاب الأضحية، زكريا ۹/ ۴۷۵، كراچی ۶/ ۳۲۸) **فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
۳؍ ذی الحجہ ۱۴۳۴ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۳۲۹)

قربانی کے گوشت کو شادی میں کھلانا

سوال [۱۰۱۰۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک آدمی بھینس کی قربانی کر رہا ہے، ان کی ایک بھتیجی یا اور کوئی دوسری لڑکی ہے، جس کے والدین نہیں ہیں، مگر ماں ہے، اس لڑکی کی شادی ہونی ہے اس قربانی کے جانور کے گوشت کو شادی کے مصرف میں لا سکتے ہیں یا نہیں؟ لہٰذا حضور والا سے مؤدبانہ درخواست ہے کہ احقر کو اس مسئلہ کو اچھی طرح بیان کر کے بتلائیں، یعنی قربانی کے دن لڑکی کو رخصت کرنا ہے تو کیا قربانی کا گوشت براتیوں کو کھلانا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد عبد الستار عیدگاہ روڈ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: اگر بوقت ذبح قربانی ہی کی نیت رہی ہے گوشت خوری اصل مقصد نہیں ہے تو قربانی کے گوشت سے براتیوں کی ضیافت جائز ہے۔

ويأكل من لحم الأضحية و يطعم الأغنياء والفقراء ويدخر لقوله عليه الصلاة والسلام كنت نهيتكم عن آكل لحوم الأضاحى فكلوا منها وادخروا ومتى جاز اكله وهو غنى جاز أن يوكل غنيا. (هدايه، كتاب الأضحية،

اشرفی ٤/٤٤٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍ ذی قعدہ ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۴۸۲)

قصاب کا جانوروں کی ہڈیاں اور پوٹری لے جانے کا حکم

سوال [۱۰۱۰۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے یہاں جہاں مدارس میں مجموعی طور پر عید الاضحیٰ میں قربانی کا نظم کیا جاتا ہے تو ساتھ ہی ساتھ جانوروں کی کھالوں کو فروخت کر کے محصلہ رقم طلبہ پر خرچ کردی جاتی ہے اور جانوروں کی ہڈیاں اور اس کی پوٹری قریشی حضرات اٹھالے جاتے ہیں، جبکہ ہڈیاں تقریباً ۶۰۰؍ روپیہ کوئنٹل کے حساب سے بکتی ہیں، اور ایک جانور کی پوٹری تقریباً ۱۲۵؍ روپیہ میں بکتی ہے تو کیا اس کی قیمت کو جانور بنانے والے اپنے اوپر خرچ کر سکتے ہیں، اور ہم جاننے کے باوجود ان کے اس فعل سے انہیں منع نہیں کرتے ہیں، تو کیا اس حال میں ہماری قربانی جائز ہوئی یا ناجائز رہی؟

المستفتی: محمد عرفان پینتے پور، سیتاپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: قصاب کو ان کے کام کی پوری اجرت دی جائے، اس کے بعد قربانی کے جانور کے وہ اجزاء جو زائد از ضرورت ہوں، انہیں وہ قصاب حضرات اگر ذمہ داران کی اجازت سے لے جائیں تو اس میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہے، لیکن اس کی وجہ سے اجرت میں کمی کرنا اور ان چیزوں کو اس کا بدل قرار دینا جائز نہیں ہے، البتہ قربانی بہر دو صورت ادا ہو جائے گی۔

﴿لَنْ يَنَالَ اللّٰهَ لُحُومُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا وَلٰكِنْ يَنَالُهُ التَّقْوَى مِنْكُمْ. [الحج: ٣٧]﴾

ولايعطى أجر الجزار منها. (شامی، كتاب الأضحية، زكريا ٩/٤٧٥، كراچی ٦/٣٢٨)

ولايعطى أجر الجزار والذابح منها. (هنديه زكريا قديم ٥/٣٠١، جديد ٣٤٧)

ويهب منها ما شاء للغنى والفقير والمسلم والذمى. (هنديه زكريا قديم

۵/ ۳۰۰، جدید ۵/ ۳۴۶، حاشیة الطحطاوی علی الدر کوئٹہ ۴/ ۱۶۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍ ربیع الاول ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۳۲۷)

قربانی کی ہڈیاں اور سینگ فروخت کرنا اور قیمت کا تصدق

سوال [۱۰۱۰۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قربانی کے جانور کی ہڈیاں اور سینگ فروخت کرنا کیسا ہے؟ اگر فروخت کر دیا تو اب اس کی قیمت واجب التصدق ہے یا نہیں؟ دلائل کی روشنی میں واضح فرمائیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قربانی کے جانور کی ہڈیاں اور سینگ ضائع ہونے سے بچانے کے لیے فروخت کرنا جائز ہے اور اس کی قیمت کا صدقہ کرنا لازم ہے۔ (مستفاد: مسائل قربانی وعقیقہ ص: ۴۵)

باع لحمها أو جلدها بمستهلك أو بدراهم أو أعطى الجزار أجره منها أو أتلفها أو ضيعها يجب التصدق بالثمن في البيع وبالقيمة في غيره. (غنية الناسك ص: ۲٦۸)

فإن بيع اللحم أو الجلد به ...... أو بدراهم تصدق بثمنه. (شامی، کتاب الأضحية، کراچی ٦/ ۳۲۸، زکریا ۹/ ٤۷٥)

ويتصدق بثمنه لأن القربة ذهبت عنه فيتصدق به. (بدائع الصنائع زکریا ٤/ ۲۲٥)

ولو باع الجلد أو اللحم بالدراهم أو مما لاينتفع به إلا بعد استهلاكه تصدق بثمنه لأن القربة انتقلت إلى بدله. (هدايه، كتاب الأضحية، اشرفی ٤/ ٤٥٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ ذی الحجہ ۱۴۳۴ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۳۴۴)

جانور کی چربی سے صابن بنا کر خود استعمال کرنا

سوال [۱۰۱۱۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: قربانی کے جانور کی چربی سے صابن بنا کر استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: صابر علی ٹانڈہ رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: قربانی کی چربی سے صابن بنا کر اپنے استعمال میں لانا شرعاً درست ہے، لیکن اس کا فروخت کرنا جائز نہیں، اگر فروخت کیا تو اس قیمت کا صدقہ کرنا لازم ہوگا۔ (مستفاد: مسائل قربانی ۱۴۱، امداد الفتاویٰ ۳/۵۷۲)

ویتصدق بجلدها أو يعمل منه نحو غربال و جراب وقربة و سفرة و دلو أو يبدله بما ينتفع به باقيا لا بمستهلك كخل ولحم ونحوه كدراهم فإن بيع اللحم أو الجلد به بمستهلك أو بدراهم تصدق بثمنه. (در مختار مع الشامی، کتاب الأضحية، زكريا ۹/ ٤٧٥، کراچی ٦/ ٣٢٨، هدايه اشرفی ٤/ ٤٥٠، هنديه زكريا قديم ٥/ ٣٠١، جديد ٥/ ٣٤٧) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍ربیع الاول ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۷۱۱۳)

قربانی کی ہڈی نمک سے بدلنا

سوال [۱۰۱۱۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: قربانی کے گوشت کی جو ہڈیاں ہوتی ہیں ان سے بعض لوگ نمک بدل لیتے ہیں، تو دریافت یہ کرنا ہے کہ اپنی قربانی کے گوشت کی ہڈیوں سے نمک بدل کر اپنے استعمال میں لا سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: شمیم اختر مدرسہ شاہی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قربانی کی ہڈیوں سے نمک بدلنا جائز نہیں، اگر کسی نے ایسا کرلیا ہے تو اس کا صدقہ کرنا ضروری ہے۔

ویتصدق بجلدها ...... ولایشتری به مالاینتفع به إلا بعد الاستهلاک نحو اللحم والطعام. (هندیه، الباب السادس فی بیان ما یستحب فی الأضحیة والانتفاع بها، زکریا قدیم ۵/ ۳۰۱، جدید ۵/۳٤۷، هدایه اشرفی ٤/ ٤٥٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍ربیع الاول ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۱۱۳۷)

قربانی کے جانور کی ہڈی کتے کو ڈالنا

سوال [۱۰۱۱۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بقرعید میں جو قربانی ہوتی ہے تو قربانی کے گوشت کی ہڈی اگر کتے وغیرہ کو دیدی جائے تو یہ قربانی کے گوشت کے احترام کے خلاف ہوگا یا نہیں؟ جبکہ بعض لوگ اس کو قبیح خیال کرتے ہیں؟

المستفتی: جلیل احمد ہردوئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قربانی کی ہڈیوں کو فروخت کرنا بہتر ہے، کتے بلی وغیرہ کو بھی دے سکتے ہیں، اس میں کوئی قباحت نہیں، اور نہ ہی قربانی کے گوشت کی بے حرمتی ہوتی ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۴/ ۳۴۷، جدید ڈابھیل ۱۷/ ۴۸۲) **فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
۲۹؍رجب المرجب ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۵۶۰)

قربانی کا گوشت غیر مسلم کو دینا

سوال [۱۰۱۱۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر قربانی کا گوشت کسی غیر مسلم کو دیدیا جائے تو جائز ہے یا نہیں؟ حالانکہ علماء کرام اس مسئلہ میں اختلاف کرتے ہیں کہ قربانی کا گوشت غیر مسلم کو دینا مطلقاً جائز نہیں ہے، جبکہ حضرت اقدس مولانا اشرف علی تھانویؒ نے اپنی کتاب ''بہشتی زیور'' میں لکھا ہے کہ قربانی کا گوشت کافر کو دے سکتے ہیں؟

المستفتی: محمد جنید لکھیم پوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قربانی کا گوشت غیر مسلم کو دینا جائز ہے، اور حضرت تھانویؒ نے جواز کا جو قول بہشتی زیور میں لکھا ہے وہ درست ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۷/ ۴۹۷)

ویهب منها ما شاء للغنی والفقیر والمسلم والذمی كذا فی الغياثية.

(عالمگیری، الباب الخامس فی بیان محل إقامة الواجب، زكريا قديم ٥/ ٣٠٠، جديد ٥/ ٣٤٦، حاشية الطحطاوی علی الدر كوئٹه ٤/ ١٦٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍محرم الحرام ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۸۷۳)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۱/۹ھ

قربانی کا گوشت مسلم یا غیر مسلم کے ہاتھ فروخت کرنا

سوال [۱۰۱۱۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہماری بستی میں غرباء کی تعداد کم ہے، اس لیے قربانی کے جانور کا جو گوشت غرباء کے حصے میں آتا ہے ان کے لیے بہت زیادہ ہوتا ہے، لہٰذا کیا وہ اپنے حصے میں آئے ہوئے

گوشت کو اپنے اخراجات کی خاطر بیچ سکتے ہیں یا نہیں؟ کیا غیر مسلم کو بھی بیچ سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: عبدالعظیم صدیقی رائے گڑھ مہاراشٹر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: قربانی کا گوشت فروخت کرنا کسی حال میں بھی جائز نہیں ہے، نیز غیر مسلموں کے ہاتھ فروخت کرنا بھی ناجائز ہے، بلکہ اس کو بھی مفت میں کھلایا جاسکتا ہے۔

وليس له أن يبيع الجلد لينفق الثمن على نفسه أو عياله و لا يبيع لحم الأضحية ليتصدق بل يأكله أو يطعم. (قاضيخان، كتاب الأضحية، زكريا جديد ۳/۲۴۹، و على هامش الهندية ۳/۳۵٤، شامي كوئٹه ٥/۲۳۱، كراچى ٦/۳۲۸، زكريا ۹/٤۷٥، هنديه زكريا قديم ٥/۳۰۱، جديد ٥/۳٤۷، البحر الرائق كوئٹه ۸/۱۷۸، زكريا ۸/۲٦٦)

ويهب منها ما شاء للغنى والفقير والمسلم والذمى كذا فى الغياثية.

(عالمگيرى، الباب الخامس فى بيان محل إقامة الواجب، زكريا قديم ٥/۳۰۰، جديد ٥/۳٤٦، حاشية الطحطاوى على الدر كوئٹه ٤/۱٦٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/ جمادی الثانیہ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۶۲۷)

قربانی کے جانوروں کے خون کی رقم مدرسہ یا مسافرخانہ میں لگانا

سوال [۱۰۱۱۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مذبح سے جانوروں کا خون فروخت کیا جاتا ہے اور اس کی رقم کو مدرسہ میں یا مسافرخانہ کی عمارت میں لگانا جائز ہے، اس کا کاروبار کر سکتے ہیں؟ اگر نہیں لگا سکتے تو پھر اس رقم کا کیا کریں؟ کسی مستحق طالب علم سے تملیک کرا کر لگا سکتے ہیں، یا مطبخ کے صرفہ میں استعمال کر سکتے ہیں؟ مطبخ میں اور تعمیر میں بھی سخت ضرورت ہے؟

المستفتی: رحمت اللہ قاسمی سنبھل مراد آبد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: خون کوفروخت کرنااوراس کا پیسہ مسلمان کا اپنے تصرف میں صرف کرنا مسجد یا مدرسہ کی تعمیر یا کسی بھی مد میں لگانا ناجائز اور حرام ہے، چاہے مدرسہ کتنا ہی ضرورت مند ہو، خون کا پیسہ دینی مدرسہ میں کسی طرح جائز نہیں ہے۔

البیع بالمیتة والدم باطل. (هدایه، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد، اشرفی ۳/ ٤٩)

اور نہ اس کی تملیک جائز ہے، اور جو رقم موجود ہے اس کو مالکان کو واپس کردینا لازم ہے، ورنہ فقراء نادار کو بلانیت ثواب دیدینا واجب ہے۔

وأما إذا كان عند رجل مال خبيث فإما إن ملكه بعقد فاسد أو حصل له بغير عقد ولايمكنه أن يرده إلى مالكه ويريد أن يدفع مظلمته عن نفسه فليس له حيلة إلا أن يدفعه إلى الفقراء. (بذل المجهود، کتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارنپور قدیم ١/ ٣٧، دار البشائر الاسلامیه ١/ ٣٥٩، تحت رقم الحدیث ٥٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍ربیع الثانی ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۴۲۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۲/ ۴/ ۱۴۱۶ھ

۳۷ کتاب العقیقه

عقیقہ کا مقصد اور ثبوت

سوال [۱۰۱۱۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عقیقہ کرنے کا منشاء کیا ہے؟ کن بزرگ سے رائج ہوا؟

المستفتی: عابد حسین محمود پوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: عقیقہ کے بغیر بچہ امراض، میل کچیل کا شکار رہتا ہے، اس سے حفاظت مقصود ہے۔

حدثنا سلمان بن عامر الضبی قال سمعت رسول الله ﷺ يقول: مع الغلام عقيقة فأهريقوا عنه دما وأميطوا عنه الأذىٰ. (صحيح البخاری، باب إماطة الأذىٰ عن الصبی فی العقيقة، النسخة الهندية ۲/ ۸۲۲، رقم: ۵۲۵۹، ف: ۵۴۷۱)

عقیقہ کسی بزرگ کی رائج شدہ رسم نہیں ہے، بلکہ آنحضور ﷺ سے ثابت ہے، آپ علیہ السلام نے حضرت امام حسن وحسین رضی اللہ عنہما کی طرف سے عقیقہ فرمایا ہے۔

عن ابن عباس أن رسول الله ﷺ: عق عن الحسن والحسين رضی الله عنهما كبشا كبشا. (أبو داؤد شريف، باب فی العقيقة، النسخة الهندية ۲/ ۳۶/ دار السلام رقم: ۲۸۴۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/ ذی قعدہ ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۲۷۲۲)

عقیقہ کا شرعی حکم

سوال [۱۰۱۱۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: عقیقہ ولادت کے کتنے دن بعد سنت ہے، یا پوری عمر میں کبھی بھی کرے تو سنت ہوگا یا مستحب؟ اور عقیقہ کی ہڈیاں اور کھال فروخت کر کے اپنے استعمال میں لائے یا عقیقہ کا کھانا کھلانے میں خرچ کیا جائے؟

المستفتی: محمد اصغر پرانا بازار مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بچہ کی پیدائش کے ساتویں دن عقیقہ کرنا سنت ہے، لیکن اگر کسی عذر کی وجہ سے ساتویں دن نہ کر سکتے تو چودہویں دن اور چودہویں دن نہ کر سکے تو اکیسویں دن بھی عقیقہ کرنے سے سنت ادا ہو جائے گی، لیکن اکیسویں دن کے بعد وقت کی فضیلت ختم ہو جائے گی البتہ نفس عقیقہ ذمہ میں باقی رہے گا جو کسی بھی وقت ادا کرنے سے ذمہ سے بری ہو جائے گا۔ (مستفاد: ایضاح المسائل جدید اضافہ شدہ ۱۵۱، فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۲/۹۲، جدید ۱۰/۶۰)

عن سمرة قال: قال رسول الله ﷺ: الغلام مرتهن بعقيقة يذبح عنه يوم السابع، ويسمىٰ، ويحلق رأسه ...... والعمل على هذا عند أهل العلم يستحبون أن يذبح عن الغلام العقيقة يوم السابع فإن لم يتهيأ يوم السابع فيوم الرابع عشر فإن لم يتهيأ عق عنه يوم حاد و عشرين. (سنن الترمذی، باب من العقیقة، النسخة الهندية ۱/۲۷۸، دار السلام رقم: ۱۵۲۲، فتح الباری، باب إماطة الأذىٰ عن الصبی فی العقیقة، دار الفکر ۹/۵۹۴، اشرفیه ۹/۷۴۲، تحت رقم الحدیث: ۵۴۷۱، عمدة القاری، دار إحياء التراث العربی ۲۱/۸۸، زکریا ۱۴/۴۶۹)

اور عقیقہ کی ہڈی اور کھال فروخت کر کے ان کی قیمت اپنے استعمال میں یا عقیقہ کے کھانے میں صرف کرنا جائز نہیں ہے بلکہ اس کی قیمت کا صدقہ کرنا واجب ہے، جس طرح قربانی کی کھال کا حکم ہے۔ (مستفاد: امداد المفتیین ص: ۹۶۸، عزیز الفتاویٰ ص: ۷۱۰)

ہاں بغیر فروخت کیے اپنے استعمال میں کھال وغیرہ لاسکتا ہے۔

ويتصدق بجلدها أو يعمل منه نحو غربال و جراب ولا يبيعه بالدراهم لينفق الدراهم على نفسه و عياله. (هنديه، الباب السادس فی بيان ما يستحب فی الأضحية

والانتفاع بها، زکریا قدیم ٥/٣٠١، جدید ٥/٣٤٧، البحر الرائق کوئٹه ٨/١٧٨، زکریا ٨/٣٢٦، هدایه اشرفی ٤/٤٥٠، شامی زکریا ٩/٤٧٥، کراچی ٦/٣٢٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍جمادی الثانیہ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۷۱۵)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۶/۵ھ

عقیقہ مسنون ہے یا واجب؟

سوال [۱۰۱۱۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرا بچہ عریب حسین جس کی عمر آج چھ سال ہے، اس کے عقیقہ کی نیت کی تھی تو کیا مجھ پر عقیقہ کرنا واجب ہے، حالانکہ اب میرے پاس حیثیت نہیں ہے؟

المستفتی: نوید حسین کالا پیادہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: عقیقہ کرنا واجب نہیں بلکہ مسنون ہے، اس وقت اگر گنجائش نہیں ہے تو جب اللہ تعالیٰ گنجائش دیں تو اس وقت کیا جاسکتا ہے۔

وإنما أخذ أصحابنا الحنفية فی ذٰلک بقول الجمهور وقالوا باستحباب العقيقة. (اعلاء السنن، باب العقيقة، کراچی ١٧/١١٣، دار الكتب العلمية بيروت ١٧/١٢٦، تحت رقم الحديث ٥٥١٣، حاشية ترمذی ١/٢٧٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍جمادی الاولیٰ ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۶۷۹)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۶/۷ھ

کیا عقیقہ صرف لڑکے کے لیے مسنون ہے؟

سوال [۱۰۱۱۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: حلق رأس المولود يوم سابعة هل هو خاص بالذكر كما هو عند الحنابلة أم أن ذٰلك يشمل الأنثىٰ أيضا فتكون السنة عامة فى حق كل مولود ذكرا كان أم أنثىٰ؟

المستفتی: محمد عمر اللکنوی، جدة مسجد الفخرية، سعودیہ عربیہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: أن حلق رأس المولود يوم سابعة غير مخصوص بالذكر بل الذكر والأنثىٰ فيه سواء كما هو مذهب الحنفية والشافعية والمالكية، لما ورد فيه إن فاطمة بنت رسول الله صلى الله عليه وسلم حلقت شعر حسن و حسين و زينب و أم كلثوم فتصدقت بزنة ذٰلك الشعر فضة كما فى سنن البيهقى عن جعفر بن محمد بن على عن أبيه أنه قال: وزنت فاطمة بنت رسول الله صلى الله عليه وسلم: شعر حسن و حسين و زينب و أم كلثوم فتصدقت بزنة ذٰلك فضة. (السنن الكبرىٰ للبيهقى، باب العقيقة سنة، دار الفكر ١٤/٢٥٣-٢٦٢، رقم: ١٩٨٠٩-١٩٨٣٧، مؤطا إمام مالك، باب ما جاء فى العقيقة ١/١٨٦، رقم: ١٨٣٩)

ويستحب أن يتصدق بوزن شعره ذهبا فإن لم يفعل ففضة سواء فيه الذكر والانثىٰ. (إعلاء السنن، باب أفضلية ذبح الشاة فى العقيقة، كراچى ١٧/ ١١٩، دار الكتب العلمية بيروت ١٧/١٣٢، تحت رقم الحديث ٥٥١٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۶۵۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۵/ ۵/ ۱۴۲۳ھ

بچہ پیدا ہونے کے وقت کے مسنون اعمال

سوال [۱۰۱۲۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بچہ پیدا ہونے کے وقت سنت طریقہ کیا ہے؟ اور بچہ کا نام کب رکھنا ہے؟ وغیرہ۔

المستفتی: محمد شہزاد اتراکھنڈ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بچہ پیدا ہونے کے وقت سنت طریقہ یہ ہے کہ اس کو اچھی طرح نہلا دھلا کر اس کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں تکبیر کہہ دی جائے اور کسی دیندار بزرگ سے تھوڑا چھوہارہ چبوا کر اس کے تالو میں لگا دیا جائے یہی سنت ہے، باقی اس کے علاوہ سب فضول اور رسمیں ہیں۔ (بہشتی زیور ۶/ ۱۱۲)

عن أسماء بنت أبی بکر أنها حملت بعبد الله بن الزبير قالت: فخرجت و أنا متم فأتيت المدينة فنزلت بقباء فولدته بقباء ثم أتيت به النبی ﷺ فوضعته فی حجره ثم دعا بتمرة فمضغها ثم تفل فی فيه فكان أول شيئ دخل جوفه ريق رسول الله ﷺ ثم حنكه بتمرة ثم دعا له وبرك عليه، (الحديث). (صحيح البخاری، باب هجرة النبی ﷺ و أصحابه إلى المدينة، النسخة الهندية ۱/ ۵۵۵، رقم: ۳۷۷۱، ف: ۳۹۰۹، مشکوٰة شريف ۳۶۲)

روی عن عمر بن عبد العزيز كان يؤذن فی اليمنیٰ ويقيم فی اليسریٰ إذا ولد الصبی. (شرح السنة، باب الأذان فی أذن المولود، دار الكتب العلمية بيروت ۱۱/ ۲۷۳، رقم: ۲۸۲۲، شعب الإيمان، دار الكتب العلمية بيروت ۶/ ۳۸۹، حاشية مشكاة ۲/ ۳۶۳)

اور بچہ پیدا ہونے کے ساتویں دن نام رکھنا بہتر ہے۔

عن سمرة قال: قال رسول الله ﷺ: الغلام مرتهن بعقيقة يذبح عنه يوم السابع، ويسمیٰ، ويحلق رأسه ...... والعمل على هذا عند أهل العلم يستحبون أن يذبح عن الغلام العقيقة يوم السابع فإن لم يتهيأ يوم السابع فيوم الرابع عشر فإن لم يتهيأ عق عنه يوم حاد و عشرين. (سنن الترمذی باب من العقيقة النسخة الهندية ۱/ ۲۷۸، دار السلام ۱۵۲۲، فتح الباری، باب إماطة الأذیٰ عن الصبی فی العقيقة، دار الفكر ۹/ ۵۹۴، اشرفيه ۹/ ۷۴۲، تحت رقم الحديث: ۵۴۷۱، عمدة القاری، دار إحياء التراث العربی ۲۱/ ۸۸، زكريا ۱۴/ ۴۶۹)

یستحب لمن ولد له ولد أن یسمیه یوم أسبوعه. (رد المحتار، قبیل کتاب الحظر والإباحة، کراچی ۶/۳۳۶، زکریا ۹/۴۸۵، کوئٹه ۵/۳۲۸)

نیز ساتویں دن عقیقہ کردے اور اس کے بالوں کو تول کر اس کی مقدار کے برابر چاندی صدقہ کردے۔

عن علی بن أبی طالب قال: عق رسول الله ﷺ عن الحسن بشاة وقال: یا فاطمة! احلقی رأسه، وتصدقی بزنة شعره فضة فوزنته فکان وزنه درهما أو بعض درهم. (سنن الترمذی، باب العقیقة بشاة، النسخة الهندیة ۱/۲۷۸، دار السلام رقم: ۱۵۱۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳ ربیع الثانی ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۶۰۹۴/۳۴)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۴/۳ھ

عقیقہ کے وقت بال کے برابر چاندی صدقہ نہ کر سکا تو؟

سوال [۱۰۱۲۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) ایک صاحب نے چند سال پہلے اپنے بچہ کا عقیقہ کیا تھا لیکن وہ اس وقت کسی وجہ سے چاندی صدقہ نہیں کر سکے، اب سوال یہ ہے کہ مذکورہ صاحب کو از سر نو دوبارہ عقیقہ کرنا ہوگا، یا صرف چاندی صدقہ کردی جائے بہر دوصورت کتنی چاندی صدقہ کی جائیگی اس لیے کہ بالوں کا وزن معلوم نہیں ہے؟

(۲) اور اب عقیقہ یا صدقہ کرنے کی شرعی حیثیت کیا ہوگی؟ آیا واجب یا سنت یا مستحب؟

المستفتی: مسعود الظفر رام نگر نینی تال، یوکے

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: (۱) دوبارہ عقیقہ کرنے کی ضرورت نہیں، عقیقہ صحیح ہو چکا تھا اور چاندی یا اس کی قیمت کا صدقہ اگر اس وقت نہیں کر سکا ہے تو مادر زاد بالوں

کے وزن کا تخمینہ لگا کراب بھی صدقہ کر سکتے ہیں۔

(۲) عقیقہ اور صدقہ کرنا دونوں مسنون ہیں، حدیث میں حضور ﷺ نے اس کی ترغیب دی ہے، اور اس کی وجہ سے بچہ ہر امراض سے محفوظ ہوجاتا ہے۔

عن سمرة قال: قال رسول الله ﷺ: الغلام مرتهن بعقيقة يذبح عنه يوم السابع، ويسمىٰ، ويحلق رأسه. (سنن الترمذی، باب من العقيقة، النسخة الهندية ١/٢٧٨، دار السلام رقم: ١٥٢٢، مسند البزار، مكتبه العلوم و الحكم ١٠/٤٤٠، رقم: ٤٥٩٥، المعجم الكبير للطبرانى دار احياء التراث العربى ٦/٤٧٤ رقم: ٦٢٠١) **فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
۲۷؍ ذی الحجہ ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۵۶۰)

دوسال میں کیے گئے عقیقہ میں بالوں کی مقدار چاندی کے تصدق کا حکم

سوال [۱۰۱۲۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر کسی شخص کے یہاں بچہ پیدا ہوتو اس کا اپنے بچہ کا عقیقہ کرانے کا ارادہ ہو مگر کسی وجہ سے ساتویں دن عقیقہ نہ کر سکے، اور اس بچہ کے سر کے بال کئی مرتبہ کٹوا چکا ہوتو پھر جب چھ مہینہ یا سال بھر بعد یا دوسال بعد عقیقہ کا ارادہ کرے تو وہی سر کے بال کٹوا کر کے ان کی مقدار کے برابر چاندی خیرات کر دے تو عقیقہ درست ہو جائے گا یا نہیں؟

المستفتی: محمد ابراہیم رتن پورا سوپول بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عقیقہ کا سنت طریقہ یہ ہے کہ بچہ کی پیدائش کے ساتویں دن کیا جائے، اگر کسی وجہ سے ساتویں دن نہ کر سکا تو چودہویں روز یا اکیسویں روز کر لے۔

عن سمرة أن رسول الله ﷺ قال: كل غلام رهين بعقيقة تذبح عنه يوم السابع ويحلق رأسه ويسمّى. (مسند أحمد بن حنبل ٥/٨، رقم: ٢٠٣٤٣، ٢٠٣٩٥،

۲۰۴۰۱، ۲۰۴۵۱، ۲۰۴۵۶، ۲۰۴۵۷، ۲۰۵۲۰، مسند البزار، مكتبه العلوم والحكم ۱۰/ ۴۰۸،

رقم: ۴۵۴۹، سنن النسائی، باب متی یعق، النسخة الهندیة ۲/ ۱۶۷، دار السلام رقم: ۴۲۲۰)

اگر ان مذکورہ ایام میں عقیقہ نہ کر سکا بلکہ تاخیر سے کیا اور بچہ کے بال بڑے ہونے کے بعد کٹوا دیئے تو ایسی صورت میں عقیقہ درست ہو گیا لیکن سنت کے مطابق نہ ہوا اور جن بالوں کی مقدار کے برابر چاندی خیرات کرنی ہے وہ بچہ کے مادر زاد بال ہیں، نہ کہ بعد کے بال۔

(مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۲/ ۹۳، جدید زکریا ۱۰/ ۶۰، محمودیہ قدیم ۱۷/ ۲۶۶، جدید ڈابھیل ۱۷/ ۵۱۱، مسائل قربانی وعقیقہ ص: ۴۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳ ربیع الاول ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۵۲۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۳/۳ھ

عقیقہ کا مسنون طریقہ

سوال [۱۰۱۲۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عقیقہ کرنے کے لیے شریعت میں عمر کی کوئی تعیین ہے یا نہیں؟ یا کسی وقت بھی کر سکتے ہیں؟ مسنون طریقہ تحریر فرمائیں۔

المستفتی: محمد یونس محلہ نواب خیل سنبھل مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: عقیقہ کا مسنون طریقہ یہی ہے کہ پیدائش کے ساتویں یوم کو عقیقہ کیا جائے اور اگر یہ نہ ہو تو چودھویں یوم کو کر دیا جائے اگر یہ نہ ہو سکے تو ۲۱ویں یوم کو کیا جائے اس کے بعد سنت طریقہ باقی رہنے کا ذکر کسی صحیح روایت میں نظر سے نہیں گذرا۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۲/ ۹۰، جدید زکریا ۱۰/ ۶۰)

البتہ اگر کسی عذر کی وجہ سے وقت پر عقیقہ نہیں ہوا ہے تو بڑے ہونے کے بعد بھی عقیقہ جائز ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۶/ ۱۷۸، جدید ۱۰/ ۶۳)

عن سمرة قال: قال رسول الله ﷺ: الغلام مرتهن بعقيقة يذبح عنه يوم السابع، ويسمى، ويحلق رأسه ...... والعمل على هذا عند أهل العلم يستحبون أن يذبح عن الغلام العقيقة يوم السابع فإن لم يتهيأ يوم السابع فيوم الرابع عشر فإن لم يتهيأ عق عنه يوم حاد و عشرين. (سنن الترمذی، باب من العقيقة، النسخة الهندية ۱/۲۷۸، دار السلام رقم: ۱۵۲۲، فتح الباری، باب إماطة الأذیٰ عن الصبی فی العقيقة، دار الفكر ۹/۵۹٤، اشرفيه ۹/۷٤۲، تحت رقم الحديث: ۵٤۷۱، عمدة القاری، دار إحياء التراث العربی ۲۱/۸۸، زكريا ۱٤/٤٦۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲۰۰/۲۸)

عقیقہ کا وقت اور طریقہ

سوال [۱۰۱۲۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عقیقہ کیا ہے؟ کیا اس کے لیے شریعت میں کوئی مخصوص میعاد طے ہے؟ اگر لڑکا پیدا ہو تو عقیقہ کس طرح ہوگا؟ خاص طور پر قربانی کے موقع پر ایک بکرا یا زیادہ ذبح کرنا ہے اور اسی طرح اگر گائے بھینس میں عقیقہ کریں تو کتنے حصے قربانی کے ہوں گے؟

امید ہے کہ مزاج بعافیت ہوں گے، قاری محی الدین صاحب تو غالباً حج بیت اللہ کے سفر پر گئے ہیں، قبلہ عبد الرشید صاحب ومحمد عمر صاحب کی خدمت میں سلام کہہ دیں۔

المستفتی: افضال احمد سنبھل مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفيق: (۱) عقیقہ کے لیے وقت یہ ہے کہ ولادت کے ساتویں روز عقیقہ کیا جائے، اگر یہ نہ ہو سکے تو چودھویں روز اگر اس دن بھی نہ ہو سکے تو اکیسویں روز کر دیا جائے، وقت کی سنت یہاں تک باقی رہتی ہے، اس کے بعد وقت کا ثواب نہ ہوگا،

بلکہ صرف عقیقہ کا حکم باقی رہے گا، جب چاہے کردیا جائے۔ (مستفاد: مسائل قربانی وعقیقہ ص:۴۹)

عن سمرة قال: قال رسول الله ﷺ: الغلام مرتهن بعقيقة يذبح عنه يوم السابع، ويسمى، ويحلق رأسه ...... والعمل على هذا عند أهل العلم يستحبون أن يذبح عن الغلام العقيقة يوم السابع فإن لم يتهيأ السابع فيوم الرابع عشر فإن لم يتهيأ عق عنه يوم حاد و عشرين. (سنن الترمذي باب من العقيقة النسخة الهندية ۱/۲۷۸، دار السلام رقم: ۱۵۲۲، فتح الباری، باب إماطة الأذىٰ عن الصبی فی العقيقة دار الفكر ۹/۵۹٤، اشرفيه ۹/۷٤۲، تحت رقم الحديث: ۵٤۷۱، عمدة القاری، دار إحياء التراث العربی ۲۱/۸۸، زكريا ۱٤/٤٦۹)

(۲) ایام قربانی ہوں یا غیر ایام قربانی ہر زمانہ میں اگر گنجائش ہو تو لڑکے کی طرف سے دو بکرے یا حصہ مستحب ہے، لہٰذا اگر ایام قربانی میں گائے بھینس میں عقیقہ کا حصہ لینا ہے تو لڑکے کے لیے دو حصہ عقیقہ میں لے کر باقی پانچ حصے قربانی کے لیے لے سکتے ہیں۔ (مستفاد: مسائل قربانی ص:۱۵)

وكذا لو أراد بعضهم العقيقة عن ولد ولد له من قبل. (شامی، کتاب الأضحية، زكريا ۹/٤۷۲، کراچی ٦/۳۲٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/ ذی الحجہ ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۵۵۵)

عقیقہ کب کیا جائے؟ نیز عقیقہ کے بکروں کا الگ الگ جگہ پر ذبح کرنا

سوال [۱۰۱۲۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) فی زمانہ عموماً بچوں کی ولادت ہسپتال میں ہوتی ہے اور زچہ بچہ سات یوم سے پہلے گھر واپس نہیں کئے جاتے ہیں اور نہ ہی اسپتال میں حلق رأس کی اجازت ملتی ہے، ایسی صورت میں اگر ساتویں دن عقیقہ کی قربانی کرادی جائے اور جب بچے کو حلق کی اجازت

ہو، مسنون ایام کا لحاظ کر کے بال منڈوا کر چاندی وغیرہ صدقہ کر دی جائے تو کیا عقیقہ کی شرف وفضیلت حاصل ہو جائی گی؟

(۲) نومولود اگر لڑکا ہو تو کیا دو جدا جدا جگہوں پر مثلاً دادھیال میں ایک بکرا یا بکری، دوسرا بکرا نانہال میں بنیت عقیقہ کرا دیئے جاتے ہیں تو عقیقہ کی فضیلت سے محرومی تو نہ ہوگی؟

المستفتی: محمد علاؤ الدین ہردوئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) ساتویں دن بچے کا سر منڈانا اور عقیقہ کرنا مسنون ہے، لیکن اگر ہسپتال سے اجازت نہ ملنے یا کسی اور مجبوری کی وجہ سے ساتویں دن نہ ہو سکے تو چودھویں دن کو کر دیں، اور اگر کسی وجہ سے چودھویں دن کو نہ ہو سکے تو اکیسویں دن ضرور کر دیں تاکہ سنت طریقہ سے عمل ہو جائے۔

عن سمرة قال: قال رسول الله ﷺ: الغلام مرتهن بعقيقة يذبح عنه يوم السابع، ويسمى، ويحلق رأسه ...... والعمل على هذا عند أهل العلم يستحبون أن يذبح عن الغلام العقيقة يوم السابع فإن لم يتهيأ يوم السابع فيوم الرابع عشر فإن لم يتهيأ عق عنه يوم حاد و عشرين. (سنن الترمذی باب من العقيقة النسخة الهندية ۱/۲۷۸، دار السلام رقم: ۱۵۲۲، فتح الباری، باب إماطة الأذیٰ عن الصبی فی العقيقة، دار الفكر ۹/۵۹٤، اشرفيه ۹/۷٤۲، تحت رقم الحديث: ۵٤۷۱، عمدة القاری، دار إحياء التراث العربی ۲۱/۸۸، زكريا ۱٤/٤٦۹)

(۲) عقیقہ کے تمام اعمال اسی جگہ ادا کرنا بہتر اور افضل ہیں جہاں بچہ موجود ہو لیکن اگر دو جدا جدا جگہوں پر ایک ایک بکرا بکری ذبح کر دی جائے تو اس سے بھی عقیقہ کی فضیلت حاصل ہو جائے گی۔ (کفایت المفتی قدیم ۸/۲۶۳، جدید زکریا مطول ۱۲/۱۵۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸؍ ربیع الاول ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۴۷۵۲)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۸/۳/۱۴۱۷ھ

بلوغ کے بعد عقیقہ اور سر منڈانے کا حکم

سوال [۱۰۱۲۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک لڑکے کا بچپن میں عقیقہ نہیں ہوا، اور وہ لڑکا جوان ہوگیا، اب اس لڑکے کا عقیقہ شادی کے بعد تک کیا جارہا ہے، اور وہ بال منڈانے سے انکار بھی کررہا ہے، کیا بغیر بال منڈائے عقیقہ صحیح ہوسکتا ہے؟

المستفتی: عبدالغنی بہکن پور مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عقیقہ میں سنت طریقہ یہ ہے کہ ساتویں روز عقیقہ کردیا جائے، اور بال منڈوادیئے جائیں، اور بچے کا نام رکھا جائے۔

عن سمرة قال: قال رسول الله ﷺ: الغلام مرتهن بعقيقة يذبح عنه يوم السابع، ويسمیٰ، ويحلق رأسه. (سنن الترمذی، باب من العقيقة، النسخة الهندية ۱/ ۲۷۸، دار السلام رقم: ۱۵۲۲، مسند البزار، مكتبه العلوم و الحكم ۱۰/ ٤٤٠، رقم: ٤٥٩٥، المعجم الكبير للطبرانی، دار إحياء التراث العربی ٦/ ٤٧٤ رقم: ٦٢٠١)

اب اگر جوان ہونے تک عقیقہ نہیں کیا ہے اور اب کرنا چاہتے ہیں تو بال بھی ساتھ ساتھ منڈوانا مسنون رہے گا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ رشوال المکرّم ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۲۸۷)

بچہ کا عقیقہ کب کریں؟

سوال [۱۰۱۲۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بچہ کا عقیقہ کرنا مستحب ہے لیکن حالت طفولیت میں بچہ کا عقیقہ ہوسکتا ہے یا بعد

البلوغ جب چاہیں والدین اپنے بچہ کا عقیقہ کرسکتے ہیں؟

المستفتی: مہتمم مدرسہ خزینۃ العلوم ضلع مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: عقیقہ پیدائش کے ساتویں روز مستحب ہے اگر نہ ہو سکے تو چودہویں روز، اگر نہ ہو سکے تو اکیسویں روز کردینا چاہیے، اس سے تاخیر کرنا مستحب طریقہ کے خلاف ہے، تاہم اگر بالغ ہونے کے بعد کردے تب بھی والدین کے اوپر سے ذمہ داری ساقط ہوجائیگی، لیکن بلا عذر خلاف استحباب ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۲/۹۳، جدید زکریا ۱۰/۶۰، رسالہ عقیقہ ۱۰)

بعد بلوغ طاق سالوں کا خیال رکھے تو اچھا ہے۔

عن سمرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الغلام مرتهن بعقيقة يذبح عنه يوم السابع، ويسمى، ويحلق رأسه ...... والعمل على هذا عند أهل العلم يستحبون أن يذبح عن الغلام العقيقة يوم السابع فإن لم يتهيأ يوم السابع فيوم الرابع عشر فإن لم يتهيأ عق عنه يوم حاد و عشرين. (سنن الترمذی باب من العقيقة النسخة الهندية ۱/۲۷۸، دار السلام رقم: ۱۵۲۲، فتح الباری، باب إماطة الأذیٰ عن الصبی فی العقيقة، دار الفكر ۹/۵۹٤، اشرفيه ۹/۷٤۲، تحت رقم الحديث: ۵٤۷۱، عمدة القاری، دار إحياء التراث العربی ۲۱/۸۸، زكريا ۱٤/٤٦۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳/ محرم الحرام ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۰۴۷)

کیا پانچویں دن عقیقہ کرنے سے سنت ادا ہوجائے گی؟

سوال [۱۰۱۲۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عقیقہ ساتویں دن کرنا سنت ہے، مثلاً اگر بچہ جمعرات کو پیدا ہوا تو عقیقہ بدھ کو

کرنا چاہیے، لیکن اگر ہم کسی مجبوری کی بنا پر بجائے بدھ کے اتوار کو کریں تو کیا شرعاً اس کی اجازت ہے، سنت کا ثواب ملے گا؟

المستفتی: حامد علی سنبھلی گیٹ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اتوار کو کرنے سے عقیقہ تو ہو جائے گا مگر وقت کی سنت یہی ہے کہ بدھ ہی کے دن کیا جائے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر بدھ یعنی ساتویں دن کو نہ کر سکے تو چودھویں کو، اس دن نہ کر سکے تو اکیسویں کو کرنا چاہیئے، اور جمعرات کو پیدا ہونے کی صورت میں ۷/۱۴/۲۱/دن بدھ ہی کا پڑیگا، اس لیے سنت بدھ ہی کو ہوگی، اتوار کو نہیں۔

عن سمرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الغلام مرتهن بعقيقة يذبح عنه يوم السابع، ويسمى، ويحلق رأسه ...... والعمل على هذا عند أهل العلم يستحبون أن يذبح عن الغلام العقيقة يوم السابع فإن لم يتهيأ يوم السابع فيوم الرابع عشر فإن لم يتهيأ عق عنه يوم حاد و عشرين. (سنن الترمذی باب من العقيقة النسخة الهندية ۱/۲۷۸، دار السلام رقم: ۱۵۲۲، فتح الباری، باب إماطة الأذىٰ عن الصبی فی العقيقة، دار الفكر ۹/۵۹٤، اشرفيه ۹/۷٤۲، تحت رقم الحديث: ۵٤۷۱، عمدة القاری، دار إحياء التراث العربی ۲۱/۸۸، زكريا ۱٤/٤٦۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/صفر المظفر ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۶۳۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۲/۱۵ھ

تاریخ پیدائش یاد نہ ہو تو عقیقہ کب کریں؟

سوال [۱۰۱۲۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عقیقہ کے بارے میں ساتویں دن کا لحاظ رکھنے کا حکم ہے لیکن اگر تاریخ پیدائش نہ یاد ہو تو کیا کرے؟

المستفتی: عنایت اللہ گودھنا سدھولی، سیتاپوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عقیقہ ساتویں روز ہی مسنون ہے، اور اگر یہ نہ ہو سکے تو تو چودھویں روز، یہ نہ ہو تو اکیسویں روز کا حساب لگا کر اس طرح کر سکتے ہیں تو بہتر ہے اور اگر حساب لگانا دشوار ہے تو کیف ما اتفق کر دینا بھی جائز ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۲/۹۲، جدید زکریا ۱۰/۶۰)

عن سمرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الغلام مرتهن بعقيقة يذبح عنه يوم السابع، ويسمى، ويحلق رأسه ...... والعمل على هذا عند أهل العلم يستحبون أن يذبح عن الغلام العقيقة يوم السابع فإن لم يتهيأ يوم السابع فيوم الرابع عشر فإن لم يتهيأ عق عنه يوم حاد و عشرين. (سنن الترمذی باب من العقيقة النسخة الهندية ۱/۲۷۸، دار السلام رقم: ۱۵۲۲، فتح الباری، باب إماطة الأذىٰ عن الصبی فی العقيقة، دار الفكر ۹/۵۹٤، اشرفيه ۹/۷٤۲، تحت رقم الحديث: ۵٤۷۱، عمدة القاری، دار إحياء التراث العربی ۲۱/۸۸، زكريا ۱٤/٤٦۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵ ر محرم الحرام ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/۳۰۰۰)

عقیقہ کون کرے؟

سوال [۱۰۱۳۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عقیقہ کرنا کیسا ہے؟ اور کس کو کرنا چاہیے؟

المستفتی: انور جمال محلّہ بھٹی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بچہ یا بچی کی پیدائش پر شکرانہ کے طور پر عقیقہ کرنا مستحب اور مسنون ہے، اور عقیقہ میں اگر ماں باپ سرمایہ دار ہوں تو لڑکے کی طرف سے دو بکرے یا دو بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکرا یا ایک بکری ذبح کرنے کا حکم ہے، اور اگر

ماں باپ سرمایہ دار نہ ہوں تو لڑکے کی طرف سے اور لڑکی کی طرف سے صرف ایک بکرا یا ایک بکری بھی عقیقہ میں درست ہے۔

والعقيقة فى الاصطلاح: ما يذكى عن المولود شكرا لله تعالىٰ بنيته وشرائط مخصوصة. (مرقات، امداد ملتان ۷٤/۸، الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۷٦/۳۰)

وقالوا: باستحباب العقيقة. (اعلاء النسنن، باب العقيقة كراچى ۱۱۳/۱۷، دار الكتب العلمية بيروت ۱۲٦/۱۷)

عن أم كرز قالت: سمعت النبى ﷺ يقول: عن الغلام شاتان مكافئتان و عن الجارية شاة. (ترمذى، باب ماجاء فى العقيقة، النسخة الهندية ۲۷۸/۱، دار السلام رقم: ۱۵۱۳، سنن الدارمى، دار المغنى ۱۲۵۱/۲، رقم: ۲۰۱۱)

وأما الغلام فيحتمل أن يكون أقل الندب فى حقه عقيقة واحدة، وكماله ثنتان والحديث يحتمل أنه لبيان الجواز فى الاكتفاء بالأقل. (مرقات، باب العقيقة، امداديه ملتان ۱۵۸/۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍ذی الحجہ ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۵۵۳/۳۹)

اپنا عقیقہ خود کرنا

سوال [۱۰۱۳۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: گذارش یہ ہے کہ میں اپنا عقیقہ کرنا چاہتی ہوں، اور مجھے اپنی پیدائش کا دن معلوم نہیں ہے، کیونکہ میرے والدین حیات نہیں ہیں، آپ مجھے براہ کرم یہ مشورہ دیجئے کہ میں اپنا عقیقہ کس دن کر سکتی ہوں، اس سلسلے میں حدیث کیا ہے؟ آپ کی اس ذرہ نوازی کی بیحد مشکور ہوں گی آپ کی بہت بہت مہربانی ہوگی۔

المستفتیہ: روشن جہاں بنت محمد ناصر مرحوم محلّہ بھٹی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر آپ اپنا عقیقہ خود کرنا چاہتی ہیں تو جب چاہیں جس دن چاہیں کرسکتی ہیں، البتہ پیدائش کے ساتویں سال کا اعتبار و لحاظ رکھ سکتی ہیں تو بہتر ہے، مثلاً ۲۱/ ۲۸/ ۳۵/ ۴۲/ ۴۹/ ۵۶، ان سالوں میں اگر اتفاق ہوجائے تو بہتر ورنہ کوئی ضروری نہیں ہے۔ (مستفاد: رسالہ عقیقہ ص:۱۰)

عن سمرة قال: قال رسول الله ﷺ: الغلام مرتهن بعقيقة يذبح عنه يوم السابع، ويسمى، ويحلق رأسه ...... والعمل على هذا عند أهل العلم يستحبون أن يذبح عن الغلام العقيقة يوم السابع فإن لم يتهيأ يوم السابع فيوم الرابع عشر فإن لم يتهيأ عق عنه يوم حاد و عشرين. (سنن الترمذي باب من العقيقة النسخة الهندية ۱/ ۲۷۸، دار السلام رقم: ۱۵۲۲، فتح الباري، باب إماطة الأذى عن الصبي في العقيقة، دار الفكر ۹/ ۵۹٤، اشرفيه ۹/ ۷٤۲، تحت رقم الحديث: ۵٤۷۱، عمدة القاري، دار إحياء التراث العربي ۲۱/ ۸۸، زكريا ۱٤/ ٤٦۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴/ ذی الحجہ ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۲۰۵۰)

کیا شوہر بیوی کا عقیقہ کرسکتا ہے؟

سوال [۱۰۱۳۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک لڑکی کی شادی کی بات چیت ہوگئی اور اس لڑکی کا عقیقہ اس کے ماں باپ کسی مجبوری کے تحت یا بے خیالی میں نہیں کرسکے، پھر لڑکی نے اپنے شوہر سے کہا۔

تو اب سوال یہ ہے کہ کیا بغیر عقیقہ کیے ہوئے اس لڑکی کے نام پر قربانی درست ہے یا نہیں؟ اور کیا بیوی کا عقیقہ اس کا شوہر کرواسکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: عبدالقیوم ٹھٹھیرہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عقیقہ کی ذمہ داری بہر حال ماں باپ پر ہوتی ہے اور جس کا عقیقہ نہیں ہوا ہے اس کی طرف سے قربانی جائز ہوجاتی ہے، اگر شوہر اپنی خوشی سے چاہے تو بیوی کا عقیقہ کرواسکتا ہے، لیکن بہر حال یہ والدین کے ذمہ کی چیز تھی، اس لیے کہ اولاد اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک نعمت ہے اس کے شکریہ میں عقیقہ کا حکم ہے۔

لأن ذٰلک جهة التقرب بالشکر علی نعمة الولد. (شامي، کتاب الأضحية، زکريا ۹/۴۷۲، کراچی ۶/۳۲۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۲/ ذی الحجہ ۱۴۱۵ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۲۴۸)	۱۴۱۵/۱۲/۲ھ

عقیقہ کے جانور کی شرطیں

سوال [۱۰۱۳۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کیا عقیقہ کے بکرے کی وہی شرائط ہیں جو قربانی کے بکرے کی ہیں یعنی بکرا ایک سال کا ہونا لازم ہے، اسی طرح گائے یا بھینس ۲/ سال کی ہونی لازم ہے، یا پھر بکرا ایک سال سے کم اور گائے وغیرہ ۲/ سال سے کم بھی درست ہے؟

المستفتی: محمد سلمان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عقیقہ کے جانور میں بھی وہی شرائط ہیں جو قربانی کے جانور میں ہیں۔

وفيه دليل لقول الجمهور: لايجزئ في العقيقة إلا ما يجزئ في الأضحية فلا يجزئ فيه ما دون الجزعة من الضأن و دون الثنية من المعز ولايجزئ فيه إلا السليم من العيوب لأنه ﷺ سماه نسکا فلا يجزئ فيه إلا ما يجزئ في النسک.

(اعلاء السنن، باب أفضلية ذبح الشاة فی العقيقة، دار الكتب العلمية بيروت ۱۷/ ۱۳۰)

و قالوا: **لايجزئ فی العقيقة من الشاة إلا مايجزئ فی الأضحية.** (سنن الترمذی، باب من العقيقة، النسخة الهندية ۱/ ۲۷۸، رقم: ۱۵۲۲) **فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
۲۵؍ رجب المرجب ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۷۱۴)

عقیقہ میں کون کون سے جانور ذبح کیے جاسکتے ہیں؟

سوال [۱۰۱۳۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عقیقہ میں کون کون سے جانور ذبح کیے جاسکتے ہیں؟

المستفتی: محمد یونس، سرائے ترین سنبھل مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بکرے اوراس سے بڑے جانور عقیقہ میں کرسکتے ہیں اورایک بکرا ایک بچہ سے زائد کی طرف سے جائز نہیں بلکہ ایک بچہ کی طرف سے کم از کم ایک بکرا یا بڑے جانور میں سے ساتواں حصہ ہونا لازم ہے۔ (مستفاد: ایضاح المسائل ص: ۱۳۵، فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۶/ ۱۷۸، جدید زکریا مطول ۱۰/ ۶۳، امداد الفتاویٰ ۳/ ۶۲۰)

عن أم كرز قالت: سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم يقول: عن الغلام شاتان مكافئتان و عن الجارية شاة. (ترمذی، باب ماجاء فی العقيقة، النسخة الهندية ۱/ ۲۷۸، دار السلام رقم: ۱۵۱۳، سنن الدارمی، دار المغنی ۲/ ۱۲۵۱، رقم: ۲۰۱۱)

وقالوا: لايجزئ فی العقيقة من الشاة إلا مايجزئ فی الأضحية. (سنن الترمذی، باب من العقيقة النسخة الهندية ۱/ ۲۷۸ دار السلام رقم: ۱۵۲۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۳۲۰۰)

شراء کے وقت کی نیت معتبر ہے نہ کہ ذبح کے وقت کی

سوال [۱۰۱۳۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید وعمر دو سگے بھائی ہیں، زید نے اپنے بچہ بکر کے عقیقہ کے لیے سال بھر سے ایک خصی پال رکھا تھا اور عمر نے اپنے بچے صفی کے لیے ایک خصی خریدا، دونوں بچوں کا عقیقہ ایک ہی دن ہونا طے پایا، کیونکہ زید وعمر دونوں بھائی ایک ہی میں ہیں، امام مسجد نے دونوں خصیوں کو ذبح کیا، ان کو یہ معلوم نہیں تھا کہ دونوں خصی دو بچوں کے لیے الگ الگ ذبح کرنا ہے اور نہ انہوں نے وارث سے معلوم ہی کیا اس لیے دونوں خصی کو صفی کے حق میں ہی ذبح کردیا، ایسی صورت میں شریعت محمدی کی تعلیم کی روشنی میں دونوں بچوں کا عقیقہ ہوگیا یا محض صفی کا عقیقہ ہوا، جس کے حق میں دونوں خصی ذبح ہوگئے؟

المستفتی: محمد ادریس جونیر ہائی اسکول بدھوچا گھاٹ ضلع دیوریا

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب زید نے اپنے بچہ کے لیے پال رکھا تھا اور عمر نے اپنے بچہ کے لیے علیحدہ عقیقہ کی نیت سے خریدا تو دونوں بچوں کی طرف سے عقیقہ صحیح ہوگیا کیونکہ بوقت ذبح نیت یا الفاظ کا اعتبار نہیں بلکہ بوقت شراء کا اعتبار رہے۔

وأما الضحايا فلابد فيها من النية لكنه عند الشراء لا عند الذبح.
(الأشباه والنظائر قديم ٤٠، وهكذا في الهندية زكريا جديد ٥/٣٤٠، قديم ٥/٢٩٤، مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ٤/١٧٥، مصري قديم ٢/٥٢١)

عقیقہ وقربانی کا حکم یکساں ہے۔

لايجزئ في العقيقة إلا ما يجزئ في الأضحية. (إعلاء السنن، دار الكتب العلمية بيروت ١٧/١٣٠، كراچی ١٧/١١٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍صفر المظفر ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/۵۰۵)

کیا عقیقہ کا جانور خرید نے سے متعین ہو جاتا ہے؟

سوال [۱۰۱۳۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے اپنے دو بچوں کے عقیقہ کی نیت سے ایک جانور خریدا ۱۵۰۰سو روپیہ کا، حسن اتفاق، بھینس گابھن نکلی، زید نے اس کو عقیقہ میں کاٹنے سے روک لیا کچھ دنوں بعد وہ بھینس مریض ہوگئی یہاں تک کہ وہ مرنے کے قریب ہوگئی، لیکن زید نے اس کا علاج کرایا، وہ بھینس صحیح ہوگئی، کچھ فربہ ہونے کے بعد زید نے اس کو ۲۴۰۰سو روپیہ کی فروخت کر دی، تو معلوم یہ کرنا ہے کہ اب زید کتنی رقم کی بھینس خریدیگا، اس قیمت کی جس کی اس نے خریدی تھی، یا اس قیمت کی جس کی اس نے فروخت کی ہے؟

المستفتی: محمد طالب ٹانڈہ رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: عقیقہ زیادہ سے زیادہ مسنون یا مستحب ہے، لازم وواجب نہیں، نیز عقیقہ کی نیت سے خریدا ہوا جانور متعین نہیں ہو جاتا، لہٰذا زید نے اگر مذکورہ عذر کی بناء پر بھینس کو فروخت کر دیا تو بعد میں پندرہ سو سے زائد یا کم میں جانور خرید کر عقیقہ کر سکتے ہیں، قیمت خرید یا قیمت فروخت کے مطابق جانور خریدنا لازم نہیں۔ (مستفاد: محمودیہ قدیم ۱۱/۳۵۰، جدید ڈابھیل ۱۷/۵۲۹)

العقيقة ...... مباحة لا سنة و لا واجبة ...... هذا يشير إلى الإباحة فيمنع كونها سنة. (عالمگیری، كتاب الكراهية، الباب الثاني و العشرون، زكريا قديم ۵/۳۶۲، جديد ۵/۴۱۸، شامي زكريا ۹/۴۷۲، كراچی ۶/۳۲۶، اعلاء السنن، دار الكتب العلمية بيروت ۱۷/۱۲۶، كراچی ۱۷/۱۱۳، رقم: ۵۵۱۳، حاشية ترمذی ۱/۲۲۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/محرم الحرام ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۷۰۱۰)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۱/۸ھ

کسی عذر کی بناء پر عقیقہ کے جانور کو بیچنا

سوال [۱۰۱۳۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: احقر نے اپنے لڑکے کے لیے عقیقہ کا بکرا خریدا اور عقیقہ کی تاریخ متعین بھی ہوگئی عقیقہ سے پہلے یعنی تین یوم قبل میری رشتہ داری میں ایک صاحب کا انتقال ہوگیا، دوسرے دن دوسرے رشتہ دار کا انتقال ہوگیا، ایک ساتھ دو اموات ہوگئیں تو میں نے عقیقہ ملتوی کردیا، اور جو عقیقہ کا بکرا ہے اس کو بیچ دیا، اب معلوم یہ کرنا ہے کہ اس رقم کو اپنے کام میں لا سکتے ہیں یا نہیں؟ یا وہ روپیہ الگ رکھنا پڑے گا؟

المستفتی: محمد انصار تحصیل اسکول مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عقیقہ کے لیے خریدے ہوئے جانور کو بیچنا اوران پیسوں کا استعمال جائز ہے، لیکن عقیقہ ساتویں دن یا اکیسویں دن کرنا افضل ہے، ان میں نہ کرسکے تو ان کے بعد جتنی جلدی کیا جائے تو بہتر ہے، لہٰذا جب بکرا موجود ہے تو فوراً عقیقہ کردینا بہتر ہے۔ (مستفاد: محمودیہ قدیم ۱۱/ ۳۴۶، جدید ڈابھیل ۱۷/ ۵۰۸)

ویستحب لمن ولد له ولد أن یسمیه یوم أسبوعه ...... ثم یعق عند الحلق عقیقة إباحة. (شامی، کتاب الأضحیة، زکریا ۹/ ۴۸۵، کراچی ۶/ ۳۳۶، کوئٹه ۵/ ۲۲۸، اعلاء السنن، کراچی ۱۷/ ۱۱۳، دار الکتب العلمیة بیروت ۱۷/ ۱۲۶)

العقیقة عن الغلام و عن الجاریة وهی ذبح شاة فی سابع الولادة وضیافة الناس وحلق شعره مباحة لا سنة ولا واجبة. (عالمگیری، کتاب الکراهیة الباب الثانی والعشرون، زکریا قدیم ۵/ ۳۶۲، جدید ۵/ ۴۱۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/ ربیع الثانی ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۷۵۹)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۷/ ۴/ ۱۴۱۷ھ

ایک بھینس میں سات عقیقہ کرنا

سوال [۱۰۱۳۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں تین بچوں کا باقاعدہ عقیقہ کررہا ہوں جس میں ایک لڑکا اور دو لڑکی ہیں، مشورہ دیں کہ میں ایک بھینس لاکر عقیقہ کرسکتا ہوں، اگر کرسکتا ہوں تو کتنے بچوں تک ایک بھینس میں جائز ہے، اور جانور کیسا ہونا چاہیے؟

المستفتی: طاہر حسین محلہ مقبرہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عقیقہ کے جانور میں وہی شرائط ہیں جو قربانی میں ہیں، ایک بھینس میں سات حصے ہوں گے، ہر لڑکے کی طرف سے دو دو حصے اور ہر لڑکی کی طرف سے ایک ایک حصہ دیا جاسکتا ہے، اگر زیادہ حصہ دیدیں تو مضائقہ نہیں، اگر استطاعت نہ ہو تو لڑکے کے لیے ایک ایک حصہ بھی درست ہے۔

وفيه دليل لقول الجمهور: لايجزئ في العقيقة إلا ما يجزئ في الأضحية فلا يجزئ فيه ما دون الجزعة من الضأن و دون الثنية من المعز ولايجزى فيه إلا السليم من العيوب لأنه سماه نسكا فلا يجزئ فيه إلا ما يجزئ في النسك. (اعلاء السنن، باب أفضلية ذبح الشاة في العقيقة، دار الكتب العلمية بيروت ۱۷/۱۳۰، کراچی ۱۷/۱۱٦، تحت رقم الحديث ٥٥١٤، سنن الترمذی باب من العقيقة النسخة الهندية ۱/۲۷۸، دار السلام رقم: ۱۵۲۲) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍ذی الحجہ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۹۸۷)

قربانی کے علاوہ دنوں میں عقیقہ کا حکم

سوال [۱۰۱۳۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ غیر قربانی کے دنوں میں بھی گائے بھینس میں عقیقہ کے حصہ لگائے جاسکتے ہیں، مثلاً دولڑ کے تین لڑکیوں کا عقیقہ کرنا ہے تو ایک بھینس میں حصہ لگا کر یہ سنت ادا کی جاسکتی ہے؟

المستفتی: محمدزاہد پیرزادہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: غیر قربانی کے دنوں میں بھی ایک گائے یا بھینس میں سات حصہ عقیقہ کے واسطے کیے جاسکتے ہیں، ۲/لڑکوں کے لیے چار سہام اور تین لڑکیوں کے لیے تین سہام ۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ ۶/۱۷۹، جدید زکریا ۱۰/۶۳، امداد الفتاویٰ ۳/۶۲۰، رسالہ عقیقہ ص: ۳۰، فتاویٰ محمودیہ قدیم ۴/۳۲۶، جدید ڈابھیل ۱۷/۵۲۲)

الجمهور على أجزاء الإبل و البقر أيضا و فيه حديث عند الطبرانى و أبى الشيخ عن أنسؓ رفعه يعق عنه من الإبل و البقر (الى قوله) انها تتأدى بالسبع كما فى الأضحية. (فتح البارى، باب إماطة الأذىٰ عن الصبى فى العقيقة، اشرفيه ديوبند ٩/٧٤٠، دار الفكر ٩/٥١٢، تحت رقم الحديث ٥٤٧٢) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/شوال المکرّم ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/۱۴۳۹)

غیر مستطیع شخص کا کٹرہ میں یا شادی میں کئی بچیوں کا عقیقہ

سوال [۱۰۱۴۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) ہماری مالی حیثیت اتنی نہیں ہے جو ہم اپنے گھر کے سب بچوں کے عقیقے کر سکیں، موجودہ بچے ۵/ ہیں؟

۲/بچوں کا انتقال ہوگیا، کل میزان سات بچے ہیں، اور میں خود اپنا عقیقہ کروں گا، قربانی کے ایک کٹرہ میں ۷/ حصے ہوتے ہیں وہ عیدالاضحیٰ پر ہی ادا کر سکتے ہیں؟ یا اس کے علاوہ کسی مہینے میں بھی کر سکتے ہیں، موجودہ اولاد میں دولڑکے تین لڑکیاں ہیں؟

(۲) لڑکی کی شادی کی رخصتی میں عقیقہ کردیں تو جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد ابراہیم سیدھی سرائے مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) ایک کٹرہ پانچوں کی طرف سے جائز ہے، دونوں لڑکوں کی طرف سے ۲-۲ حصے اور تینوں لڑکیوں کی طرف سے ایک ایک حصہ، کل میزان سات حصے۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۶/ ۱۷۹، جدید زکریا ۱۰/ ۶۳، امداد الفتاویٰ ۳/ ۶۲۰، رسالہ عقیقہ ۳۰، فتاویٰ محمودیہ قدیم ۴/ ۳۲۶، جدید ڈابھیل ۱۷/ ۵۲۴)

الجمهور على أجزاء الإبل والبقر أيضا وفيه حديث عند الطبراني و أبي الشيخ عن أنسؓ رفعه يعق عنه من الإبل والبقر (الى قوله) انها تتأدى بالسبع كما في الأضحية. (فتح الباري، باب إماطة الأذىٰ عن الصبي في العقيقة، اشرفيه ديوبند ۹/ ۷٤۰، دار الفكر ۹/ ۵۱۲، تحت رقم الحديث ۵٤۷۲)

(۲) اگر آپ کو یقین ہے کہ آپ کا عقیقہ نہیں ہوا ہے تو مذکورہ جانور میں سے ایک یا دو حصے آپ اپنے نام بھی کرسکتے ہیں، اور بقیہ بچوں کے لیے ہو جائے گا۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۶/ ۱۷۸، جدید زکریا ۱۰/ ۶۳)

(۳) یہ سمجھنا کہ قربانی کے علاوہ دنوں میں بڑا جانور عقیقہ کے لیے نہیں چل سکتا صحیح نہیں ہے، غلط ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۶/ ۱۷۹، جدید زکریا ۱۰/ ۶۳)

(۴) اگر آپ مجبور ہیں تو شادی کی رخصتی میں بھی عقیقہ کرسکتے ہیں۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ جدید زکریا ۱۰/ ۶۱)

مرحوم بچوں کے لیے عقیقہ ثابت نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۶/ ۱۷۳، جدید ۱۰/ ۶۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴/ رجمادی الاولیٰ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۲/ ۲۶۶)

ولیمہ کے لیے لائے گئے جانور میں عقیقہ کی نیت کرنا

سوال [۱۰۱۴۱]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کے لڑکے کی شادی ہے، ولیمہ کے لیے زید نے ایک بھینس ذبح کی، زید کے دو چھوٹے بچے ہیں، زید ایک بھینس میں اپنے دو چھوٹے لڑکوں کا عقیقہ کرنا چاہتا ہے کیا ایک بھینس میں دو لڑکوں کا عقیقہ ہوسکتا ہے؟

المستفتی: عبدالرشید سیڈ ہا بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ایک بھینس میں دو بچوں کا عقیقہ کرنا درست ہے ایک کی طرف سے چار اور ایک کی طرف سے تین حصے کی نیت کرلی جائے اور عقیقہ کا گوشت ولیمہ میں بھی کھلانا جائز اور درست ہے۔

لو كانت البدنة أو البقرة بين إثنين فضحيا بها اختلف المشائخ فيه والمختار أنه يجوز. (هنديه، الباب الثامن فيما يتعلق بالشركة فى الضحايا، زكريا قديم ۵/۳۰۵، جديد ۵/۳۵۲)

العقيقة بمنزلة النسک والضحايا. (تحفة المودود بأحكام المولود ص: ٦٤ بحواله فتاوىٰ محموديه ڈابهيل ۱۷/۵۱۳)

ويطعم من شاء من غنى وفقير. (مجمع الأنهر، كتاب الأضحية، دار الكتب العلمية بيروت ٤/١٧٣، مصرى قديم ٢/٥٢٠، هنديه زكريا قديم ٥/٣٠٠، جديد ٥/٣٤٦، حاشية الطحطاوى على الدر كوئٹه ٤/١٦٦) **فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
۲۳ ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۳۶۵)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۴/۲۳ھ

ولیمہ کے ساتھ عقیقہ کرنا

سوال [۱۰۱۴۲]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ولیمہ کے ساتھ عقیقہ کرنا کیسا ہے؟ نیز نئے گھر کے افتتاح کے ساتھ بچوں کا عقیقہ کرنا درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: شمیم احمد کرناٹک

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عقیقہ کے گوشت سے ولیمہ کھلانا جائز اور درست ہے اسی طرح سے عقیقہ کے گوشت سے نئے گھر کی دعوت کھلانا بھی جائز ہے۔

ولم یذکر الولیمة وینبغی أن تجوز لأنها تقام شکرا لله تعالیٰ علی نعمة النکاح ووردت بها السنة. (در مختار مع الشامی، کتاب الأضحیة، زکریا ۹/ ۴۷۲، کراچی ۶/ ۳۲۶) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللّٰہ عنہ
۲؍ جمادی الثانیہ ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۳۲۵)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۸/۶/۲ھ

ایام قربانی کے علاوہ ایک بڑے جانور میں چند بچوں کا عقیقہ

سوال [۱۰۱۴۳]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایام قربانی کے علاوہ حصے والے جانوروں میں عقیقہ کر سکتے ہیں یا نہیں؟ مثلاً ایام قربانی کے علاوہ گائے بھینس وغیرہ میں عقیقہ کر سکتے ہیں، تو اس کی صورت کیا ہوگی؟ مثلاً میرے چند بچے ہیں اور عقیقہ کرنا چاہتا ہوں، تو سب کے لیے ایک ہی گائے کردوں شریعت کے رو سے مع حوالہ تحریر کردیں۔

المستفتی: شہادت حسین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ایام قربانی کے علاوہ بھی بڑے جانور گائے بھینس وغیرہ میں حصہ لینا جائز ہے، لیکن اگر بڑا جانور ایک ہی بچے کی طرف سے ہوتو پورا جانور عقیقہ میں ذبح کرنا لازم ہے اور اگر متعدد بچوں کی طرف سے کریں تو ان کے حصوں کا حساب لگالیا جائے، کہ سات حصے سے زائد نہ ہوں، پورا جانور عقیقہ میں ذبح کردیا جائے۔

(مستفاد: مسائل قربانی ۵۵، محمودیہ قدیم ۱۷/ ۲۶۵، ڈابھیل ۱۷/ ۵۲۲، امدادالفتاویٰ ۳/ ۶۲۱)

والجمهور على أجزاء الإبل والبقر أيضا وذكر الرافعي بحثا أنها تتأدى بالسبع كما في الأضحية. (فتح الباری، باب إماطة الأذیٰ عن الصبی فی العقیقة، اشرفیه دیوبند ۹/ ۷٤۰، دار الفکر ۹/ ۵۱۲، تحت رقم الحدیث ۵٤۷۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰؍شعبان ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۸۸۱)

بڑے جانور میں ایک ساتھ دولڑکیوں کا عقیقہ کرنا

سوال [۱۰۱۴۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص کی دولڑکیاں ہیں، ایک کی عمر تین سال ہے اور دوسری کی عمر ایک سال ہے، اور وہ دونوں لڑکیوں کا عقیقہ ایک ساتھ کرنا چاہتا ہے اور عقیقہ میں دونوں لڑکیوں کی طرف سے ایک کٹرہ ذبح کرنا چاہتا ہے، اور ایک کٹرہ میں سات حصے ہوتے ہیں اور عقیقہ دو لڑکیوں کا ہورہا ہے، کیا یہ عقیقہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور یہ عقیقے عیدالاضحیٰ کے علاوہ کرنا چاہتا ہے، اسی طرح ان لڑکیوں کے باپ کا عقیقہ نہیں ہوا ہے تو کیا ان لڑکیوں کا عقیقہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتي: عبداللطیف لالباغ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جس طرح ایام قربانی میں بڑے جانور میں عقیقہ کا

حصہ لینا جائز ہے،اسی طرح ایام قربانی کے علاوہ دوسرے ایام میں بڑے جانور سے عقیقہ کرنا جائز ہے، چاہے پورا جانور ایک بچہ کی طرف سے ذبح کیا جائے یا متعدد بچوں کی طرف سے۔

لیکن اس میں شرط یہ ہے کہ پورا جانور عقیقہ کے لیے ہی ذبح کیا جائے اور کوئی حصہ فروخت نہ کیا جائے، اس کی شکل یہ ہے کہ ایک لڑکی کی طرف سے چار حصے اور دوسری لڑکی کی طرف سے تین حصے مان لیے جائیں، اورلڑکیوں کا عقیقہ کرنے کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ پہلے ان کے والد کا عقیقہ کیا جائے، چاہے ان کے والد کا عقیقہ ہوا ہو یا نہ ہوا ہو، لڑکیوں کا عقیقہ کرنا بلاتردد جائز اور درست ہے۔(مستفاد:مسائل قربانی وعقیقہ ص:۵۴-۵۵)

الجمهور علي أجزاء الإبل والبقر أيضا وفيه حديث عند الطبراني و أبي الشيخ عن أنسؓ رفعه يعق عنه من الإبل والبقر (الى قوله) انها تتأدى بالسبع كما في الأضحية. (فتح الباری، باب إماطة الأذیٰ عن الصبی فی العقیقة، اشرفیه دیوبند ۹/ ۷٤٠، دار الفکر ۹/ ۵۱۲، تحت رقم الحدیث ۵٤۷۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم ربیع الاول ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر:۳۸/۹۱۹۳)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۸/۳/۱ھ

عقیقہ میں لڑکے کی طرف سے دو اور لڑکی کی طرف سے ایک حصہ

سوال [۱۰۱۴۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: تین لڑکیوں اور دو لڑکوں کا عقیقہ کرنا ہے، تو کتنے حصے ہر ایک کے لیے بھینس وغیرہ میں کریں؟

المستفتی: عبدالجلیل لال مسجد مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ہر ایک لڑکی کی طرف سے ایک ایک حصہ اور ہر ایک لڑکے کی طرف سے دو دو حصے عقیقہ میں کر دیئے جائیں، تو جائز اور درست ہو جائے گا۔

(مستفاد: ایضاح المسائل ص:۱۳۵، امداد الفتاویٰ ۳/ ۶۲۰)

الجمهور علي أجزاء الإبل والبقر أيضا وفيه حديث عند الطبراني و أبي الشيخ عن أنس رضي الله عنه رفعه يعق عنه من الإبل والبقر (الى قوله) انها تتأدى بالسبع كما فى الأضحية. (فتح الباری، باب إماطة الأذىٰ عن الصبی فی العقيقة، اشرفيه ديوبند ۹/ ۷٤۰، دار الفكر ۹/ ۵۱۲، تحت رقم الحديث ۵٤۷۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/ شوال المکرّم ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۶۵۱)

عقیقہ کے گوشت کا حکم

سوال [۱۰۱۴۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر کسی شخص نے اپنے بچے کا عقیقہ کیا تو وہ شخص اس گوشت کو کھا سکتا ہے یا نہیں اگر کھا سکتا ہے تو کون کون کھا سکتا ہے اور کون کون نہیں کھا سکتا؟

المستفتی: قسمت علی بردوانی ضلع بردوان بنگال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عقیقہ کا گوشت بھی قربانی کے گوشت کی طرح ہے، لہٰذا عقیقہ کا گوشت خود کھانا اور اعزاء واقارب کو کھلانا اور فقیروں میں تقسیم کرنا جائز اور درست ہے، اور سارا گوشت اپنے لیے بھی رکھنا درست ہے۔

يصنع بالعقيقة مايصنع بالأضحية (الى قوله) وفى قوله يأكل أهل العقيقة ويهدونها دليل على بطلان ما اشتهر على الألسن، أن أصول المولود لايأكلون منها فإن أهل العقيقة هم الأبوان أولا ثم سائر أهل البيت.

(إعلاء السنن، قبيل باب ما يقول الذابح عند الذبح، كراچی ۱۷/ ۱۲۷، دار الكتب العلمية بيروت ۱۷/ ۱٤۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۲۹۴)

کیا عقیقہ کا گوشت دادا، دادی اور ماں، باپ نہیں کھا سکتے ؟

سوال [۱۰۱۴۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بعض لوگوں کا خیال ہے کہ عقیقہ کا گوشت دادا، دادی اور ماں باپ نہیں کھا سکتے اوران کے لیے الگ سے عقیقہ کے دن کھانا پکواتے ہیں تو کیا یہ شرعاً درست ہے، نیز عقیقہ کا گوشت کون کون لوگ کھا سکتے ہیں؟

المستفتی: محمد فرقان خوشحال گنج لکھنؤ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بعض لوگوں کا یہ خیال غلط ہے کہ عقیقہ کا گوشت دادا، دادی اور ماں باپ نہیں کھا سکتے ،عقیقہ کا گوشت سب لوگ کھا سکتے ہیں، لہٰذا ان کے لیے عقیقہ کے دن الگ سے کھانا پکوانے کی ضرورت بھی نہیں ہے، البتہ مستحب طریقہ یہ ہے کہ گوشت کے تین حصے کیے جائیں جیسا کہ قربانی کے گوشت میں کیا جاتا ہے، کہ ایک حصہ گھر والوں کے لیے اور ایک حصہ رشتہ داروں اور دوست احباب کو ایک حصہ غرباء کو دیا جائے۔

(مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۲۶۳/۸، جدید زکریا مطول ۱۲/ ۱۵۷، رحیمیہ قدیم ۳۱۹/۹، جدید ۱۰/ ۶۵)

والأفضل أن یتصدق بالثلث و یتخذ الثلث ضیافة لأقربائه و أصدقائه ویدخر الثلث. (شامی، کتاب الأضحیة، زکریا ۴۷۴/۹، کراچی ۳۲۸/٦، بدائع الصنائع زکریا ۲۲٤/٤، کراچی ۸/٥، هندیه زکریا قدیم ٥/ ۳۰۰، جدید ٥/ ۳٤٦، الموسوعة الفقهیة الکویتیة ۱۰۲/٥، ۳٥/ ۲۰۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۱۹ ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۵۹۱)	۱۴۲۱/۴/۲۰ھ

عقیقہ میں گوشت پکا کر کھلانے کا حکم

سوال [۱۰۱۴۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: عقیقہ میں گوشت پکا کر کھلانا کسی حدیث سے ثابت ہوتو حدیث کو درج فرمادیں؟

المستفتی: محمد اسلم انصاری حکیم پورہ شکر گنج دھامپور بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عقیقہ کا ثبوت صحیح حدیث میں موجود ہے، حضرات فقہاء کرام صحیح حدیث سے استدلال کر کے عقیقہ کی سنیت کو ثابت کرتے ہیں، لیکن پکا کے کھلانے کی شرط حضرات فقہاء نہیں لگاتے ہیں بلکہ یہی کہتے ہیں کہ جو شرائط واحکام قربانی میں معتبر ہیں، وہ عقیقہ میں بھی، ’’ہر چہ در اضحیہ معتبر است از شرائط واحکام در عقیقہ نیز معتبر است‘‘۔ (اشعۃ اللمعات ۳/۴۸۰)

البتہ بعض آثار میں اتنا ملتا ہے کہ نمک کے پانی میں ابال کر پڑوسیوں میں تقسیم کریں۔

قال ابن جريج، تطبخ بماء و ملح أعضاء أو قال: آرابا ويهدى فى الجيران والصديق ولايتصدق منها بشيئ. (مصنف عبد الرزاق، المجلس العلمي ٤/ ٣٣١ رقم: ٧٩٦٧)

عن سمرة قال: قال رسول الله ﷺ: الغلام مرتهن بعقيقة يذبح عنه يوم السابع، ويسمىٰ، ويحلق رأسه. (سنن الترمذي، باب من العقيقة، النسخة الهندية ٢٧٨/١، دار السلام رقم: ١٥٢٢، مسند البزار، مكتبه العلوم و الحكم ١٠/ ٤٤٠، رقم: ٤٥٩٥، المعجم الكبير، للطبراني دار احياء التراث العربي ٤٧٤/٦ رقم: ٦٢٠١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ر شعبان المعظم ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۹۰۴/۲۶)

عقیقہ کا کھانا کون لوگ کھا سکتے ہیں؟

سوال [۱۰۱۴۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عقیقہ کے کھانے میں کیا اپنے دوسرے رشتہ داروں کو بھی شامل کیا جاسکتا ہے، اور

کن کن لوگوں کو دعوت میں مدعو کیا جائے؟

المستفتی: محمد ساجد محلّہ سرائے مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عقیقہ کا کھانا خود کھانا رشتہ داروں کو کھلانا اور مالداروں اور غریبوں کو کھلانا جائز ہے اور درست ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۶/۱۷۲، جدید ۱۰/ ۶۱)

یصنع بالعقیقة مایصنع بالأضحية (الی قوله) وفي قوله یأکل أهل العقیقة ویهدونها دلیل علی بطلان ما اشتهر علی الألسن، أن أصول المولود لایأکلون منها فإن أهل العقیقة هم الأبوان أولا ثم سائر أهل البیت.

(إعلاء السنن، قبیل باب ما یقول الذابح عند الذبح، کراچی ۱۷/ ۱۲۷، دار الکتب العلمیة بیروت ۱۷/ ۱٤٠) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍شوال المکرّم ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۲۸۴۵)

عقیقہ سے متعلق چند سوالات کے جوابات

سوال [۱۰۱۵۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) میری بیٹی کی عمر ۱۹؍سال ہے میں نے اس کی پیدائش کے بعد نامساعد حالات اور مسئلہ سے ناواقفیت کی بنا پر اس کا عقیقہ نہیں کیا تھا، میں اپنی بیٹی کا عقیقہ کرنا چاہتا ہوں، بعض احباب کا کہنا ہے کہ عقیقہ کا وقت پیدائش کے ۲۱؍دن بعد تک ہے اس کے بالمقابل بعض احباب کہتے ہیں کہ عمر بھر میں چاہے سات عدد کی رعایت کے ساتھ عقیقہ کر سکتے ہیں، اب دریافت یہ کرنا ہے کہ عقیقہ کی صحیح شرعی مدت کیا ہے؟ نیز بذات خود عقیقہ کی شرعی حیثیت کی تعیین کریں؟

(۲) عقیقہ کا گوشت کن لوگوں کو کھلانا چاہیے؟ اور اس کا مستحب طریقہ کیا ہے؟ کیا قربانی کی طرح اس کے گوشت کے بھی تین حصے کرنا افضل ہے؟ ہمارے یہاں عقیقے کے

گوشت سے احباب واعزاء کی ضیافت کرتے ہیں اس کا کیا حکم ہے؟

(۳) عقیقہ کے بعد نومولود بچہ کے سر کے بال کے وزن کے برابر چاندی صدقہ کرنا کیا حکم رکھتا ہے؟ ولیمہ کے جانور میں ایک حصہ عقیقہ کا رکھنا کیسا ہے؟

المستفتی: محمد اکرم خاں

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) عقیقہ کرنا فی نفسہ مستحب ہے، اور عقیقہ میں ساتویں دن کی رعایت کرنا افضل ہے، اگر کسی عذر کی بنا پر ساتویں دن نہ ہو سکے تو چودھویں دن کر دیا جائے، اور اگر چودھویں دن نہ ہو سکے تو اکیسویں دن کر دیا جائے، اس کے بعد وقت کی سنیت ختم ہو جاتی ہے مگر عقیقہ کی سنیت باقی رہتی ہے، اب جب بھی موقع ہو یہ سنت ادا کی جائے، اب ۱۹/ سال کی عمر میں موقع ہوا ہے یا احساس ہوا ہے تو کسی بھی دن عقیقہ کر سکتے ہیں۔

عن سمرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الغلام مرتهن بعقيقة يذبح عنه يوم السابع، ويسمى، ويحلق رأسه ...... والعمل على هذا عند أهل العلم يستحبون أن يذبح عن الغلام العقيقة يوم السابع فإن لم يتهيأ يوم السابع فيوم الرابع عشر فإن لم يتهيأ عق عنه يوم حاد و عشرين. (سنن الترمذي باب من العقيقة النسخة الهندية ۱/۲۷۸، دار السلام رقم: ۱۵۲۲، فتح الباري، باب إماطة الأذىٰ عن الصبي في العقيقة، دار الفكر ۹/۵۹٤، اشرفيه ۹/۷٤۲، تحت رقم الحديث: ۵٤۷۱، عمدة القاري، دار إحياء التراث العربي ۲۱/۸۸، زكريا ۱٤/٤٦۹)

عن قتادة عن عبد الله بن بريدة عن أبيه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: العقيقة تذبح بسبع، ولأربع عشرة، ولإحدى عشرين . (السنن الكبرىٰ للبيهقي، باب ما جاء في وقت العقيقة و حلق الرأس والتسمية، دار الفكر ۱٤/۲٦۱ رقم: ۱۹۸۳٤)

الذبح يكون يوم السابع بعد الولادة إن تيسر، وإلا ففي اليوم الرابع عشر وإلا ففي اليوم الواحد والعشرين من يوم ولادته، فإن لم يتيسر ففي أي يوم من الأيام . (فقه السنة، دار الكتاب العربي ٤/۲۱۳)

ثـم أن الترمذی أجاز بها إلی یوم أحد و عشرین، قلت: بل یجوز إلی أن یـموت لما رأیت فی بعض الروایات أن النبی ﷺ: عق عن نفسه بنفسه. (فیض الباری کراچی ۴/۳۳۷)

(۲) عقیقہ کے گوشت کا حکم قربانی کے گوشت کی طرح ہے، اوراس میں بھی بہتر اور مستحب یہ ہے کہ اس کے گوشت کے تین حصے کر لیے جائیں ایک حصہ اپنے اور اپنے گھر والوں کے لیے، ایک حصہ اعزاء واقرباء کے لیے اور ایک حصہ فقراء میں تقسیم کرنے کے لیے اور اعزاء کی ضیافت کرکے انہیں عقیقہ کا گوشت کھلایا جا سکتا ہے اور اگر پورا پورا اپنے استعمال میں لے لے تو اس میں بھی کوئی گناہ نہیں ہے۔

یـصـنـع بالعقیقة مایصنع بالأضحیة عن عطاء قال یأکلها أهل العقیقة ویهدونها. (إعـلاء السـنن، قبیل باب ما یقول الذابح عند الذبح، کراچی ۱۷/۱۲۷، دار الکتب العلمیة بیروت ۱۷/۱۴۰)

وأنـه یستـحـب الأکـل مـنها والإطعام والتصدق کما فی الأضحیة.

(اعلاء السنن کراچی ۱۷/۱۱۷، دار الکتب العلمیة بیروت ۱۷/۱۳۱)

والأفـضل أن یتصدق بالثلث ویتخذ الثلث ضیافة لأقربائه وأصدقائه ضیـافة ویدخر الثلث، ویستحب أن یأکل منها ولو حبس الکل لنفسه جاز.

(شـامی، کتاب الأضحیة، زکریا ۹/ ۴۷۴، کراچی ۶/۳۲۸، بدائع الصنائع کراچی ۵/۸۰، زکریا ۴/۲۲۴، هندیه زکریا قدیم ۵/۳۰۰، جدید ۵/۲۴۶)

(۳) عقیقہ کے وقت نومولود کے سر کے بال مونڈ کر بالوں کے وزن کے برابر چاندی یا اس کی قیمت صدقہ کرنا مستحب ہے۔

عـن عـلـی بـن أبی طالب قال: عق رسول الله ﷺ عن الحسن بشاة وقـال: یـا فاطمة! احلقی رأسه، وتصدقی بزنة شعره فضة فوزنته فکان وزنه درهـمـا أو بعض درهم، وفی روایة: ثم ولد حسین بعد ذٰلک فصنعت مثل ذٰلک. (سنن الترمذی، باب ما جاء فی العقیقة، النسخة الهندیة ۱/۲۷۸، دار السلام رقم:

١٥١٩، مسند أحمد بن حنبل ٦/٣٩٢ رقم: ٢٧٧٣٨)

ایسا کرنا درست ہے کہ بچہ کے عقیقہ کی نیت سے جانور ذبح کیا جائے اور اس کا گوشت ولیمہ میں کھلایا جائے، اور جانور کو بجائے ولیمہ کی نیت کے عقیقہ کی نیت سے ذبح کیا جائے، تو زیادہ بہتر ہے، اس لیے کہ عقیقہ کے جانور کا حکم قربانی کے جانور کی طرح ہے۔

ولو ذبح بدنة أو بقرة عن سبعة أولاد أو اشترك فيها جماعة جاز سواء أرادوا كلهم العقيقة أو أراد بعضهم العقيقة و بعضهم اللحم كما فى الأضحية.

(شرح المهذب، بحواله إعلاء السنن ٢٩/٨،دار الكتب العلمية بيروت ١٣٢/١٧)

قلت: مذهبنا فى الأضحية بطلانها بإرادة بعضهم اللحم فليكن كذلك فى العقيقة. (إعلاء السنن كراچی ١١٩/١٧، دار الكتب العلمية بيروت ١٣٢/١٧) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
۱۹؍ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۰۲۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۰/۴/۱۴۳۱ھ

نومولود کے کان میں اذان دینا مشروع ہے

سوال [۱۰۱۵۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ لڑکی کی پیدائش کے بعد کانوں میں اذان دینا شریعت سے ثابت ہے یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دے کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔

المستفتی: عبدالعلیم مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حدیث شریف میں نومولود بچوں کے کانوں میں اذان واقامت میں صراحت آئی ہے، اور فقہاء نے بھی نومولود بچوں کے کان میں اذان سے متعلق صراحت کی ہے اور عربی میں مولود کا لفظ لڑکا لڑکی دونوں کے لیے مستعمل

ہوتا ہے۔(مستفاد: احسن الفتاویٰ ۲/ ۲۷۶)

عن حسین بن علی رضی الله عنهما قال قال رسول الله ﷺ: من ولد له مولود فأذن فی أذنه الیمنی و أقام فی أذنه الیسریٰ لم یضره أم الصبیان. (عمل الیوم واللیلة لإبن السنی، باب ما یعمل بالولد إذ ولد، مؤسسة علوم القرآن ۱/ ۵۷۸، رقم: ۶۲۳، مسند أبی یعلی الموصلی، دار الکتب العلمیة بیروت ۶/ ۳۲، رقم: ۶۷۴۷، وهکذا فی المعجم الأوسط، دار الفکر ۶/ ۴۱۴، رقم: ۲۹۵۰، مصنف عبد الرزاق، المجلس العلمی ۴/ ۳۳۶، رقم: ۷۹۸۵، شرح السنة للبغوی بیروت ۱۱/ ۲۷۳، رقم: ۲۸۲۲، شعب الإیمان، دار الکتب العلمیة بیروت ۶/ ۳۸۹، حاشیة مشکاة ۲/ ۳۶۳)

اس سے واضح ہوتا ہے کہ بچہ بچی اس کی وجہ سے بہت سے امراض سے محفوظ رہتے ہیں۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/ ذی قعدہ ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۴۵۴)

نومولود کے کان میں اذان واقامت کا طریقہ

سوال [۱۰۱۵۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: نومولود بچے کے کان میں اذان واقامت کا کیا طریقہ ہے؟ کیا جس طرح نماز کے لیے اذان واقامت کہی جاتی ہے اسی طرح کہیں گے؟ یا اس میں کچھ فرق ہے؟ نیز کس کان میں اذان کہیں گے اور کس کان میں اقامت؟ جواب سے نوازکر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔

المستفتی: محمد انصاف بلند شہری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نومولود بچے کے کان میں اذان کہنے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ اس کے دائیں کان میں اذان کے کلمات کہے جائیں، اوراس کے بائیں کان

میں اقامت کے کلمات کہے جائیں، اس میں فرق صرف اتنا ہے کہ اقامت کے کلمات میں دو مرتبہ قد قامت الصلاۃ کا اضافہ ہے، اور اس میں اذان کہتے وقت اذان دینے والے کا اپنے کان میں انگلی ڈالنا ضروری نہیں، بچے کو اذان دینے والے سے قبلہ کی جانب کر کے اذان دی جائے اور اقامت کے کلمات اذان کے کلمات کے مقابلے میں کچھ جلدی جلدی کہے جائیں اور حی علی الصلاۃ کے وقت میں اذان دینے والا تھوڑا سا دائیں طرف اپنی گردن موڑ دے، اور حی علی الفلاح کے وقت بائیں طرف۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ جدید ڈابھیل ۵/۴۵۷، کتاب المسائل ۱/۲۴۷)

عن أبی رافع قال: رأیت رسول الله ﷺ أذن الحسن بن علی رضی الله عنهما حین ولدته فاطمة بالصلاة. (ترمذی، باب الأذان فی أذن المولود، النسخة الهندیة ۱/۲۷۸ دار السلام رقم: ۱۵۱٤، سنن أبی داؤد، باب فی المولود یؤذن فی أذنه، النسخة الهندیة ۲/٦۹٦ دار السلام رقم: ۵۱۰۵، مسند البزار، مکتبه العلوم و الحکم ۹/۳۲۵ رقم: ۳۸۷۹، مسند أبی داؤد الطیالسی، دار الکتب العلمیة بیروت ۱/۵۱۸ رقم: ۱۰۱۳، مصنف عبد الرزاق، المجلس العلمی ٤/۳۳٦، رقم: ۷۹۸٦)

قال السنوی: فیرفع المولود عند الولادة علی یدیه مستقبل القبلة ویؤذن فی أذنه الیمنی ویقیم فی الیسریٰ، ویلتفت فیهما بالصلاة لجهة الیمین وبالفلاح لجهة الیسار. (تقریرات رافعی علی الشامی کراچی ۱/٤۵، زکریا ۲/٤۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ ؍رجب المرجب ۱۴۳۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۲/۷۷۹)

نومولود بچہ کے کان میں اذان دینے کا طریقہ

سوال [۱۰۱۵۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بچے کی اذان کے وقت بچے کو کس ہاتھ میں لیں، دائیں یا بائیں اور یہ ہاتھ میں

لینا کیسا ہے؟ اوراذان کسی بھی سمت کھڑے ہوکر کہہ سکتے ہیں یا صرف مغرب کی طرف بعض مرتبہ لوگ ایسا کرتے ہیں کہ دروازہ پر ہی سے اذان کہہ دیتے ہیں؟

المستفتی: معراج الدین سپولوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بچے کے کان میں اذان دینے کے لیے صرف ہاتھوں میں لینے کا ذکر ملتا ہے، دائیں بائیں کا ذکر نہیں، ہاں البتہ دونوں ہاتھوں کا ذکر ملتا ہے اور قبلہ رخ کا بھی ذکر ملتا ہے، مگر کھڑے ہوکر یا بیٹھ کر وغیرہ کی بات نہیں ملتی، لہٰذا افضل اور اولیٰ یہی ہے کہ بچے کو دونوں ہاتھ میں اٹھا کر روبقبلہ ہوکر پہلے دائیں کان میں اذان کے الفاظ کہے جائیں پھر بائیں کان میں اقامت کے الفاظ کہے جائیں، پھر شیطان سے حفاظت کی دعا کی جائے۔

فیرفع المولود عند الولادة علی یدیه مستقبل القبلة ویؤذن فی أذنه الیمنیٰ ویقیم فی الیسریٰ ویلتفت فیها بالصلاة لجهة الیمین وبالفلاح لجهة الیسار وفائدة الأذان فی أذنه أنه یدفع أم الصبیان عنه. (تقریرات رافعی، زکریا ۲/ ٤٥، کراچی ۱/ ٤٥، مرقات، امدادیه ملتان ۸/ ۱٦۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ر صفر المظفر ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۲۴۳)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۲۵/۲/۱۵ھ

بچہ کے کان میں اذان واقامت کیسے کہیں؟

سوال [۱۰۱۵۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بچہ کی پیدائش کے بعد اس کے کان میں اذان واقامت پڑھنے کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ کیا اس کے لیے کوئی مدت متعین ہے یا نہیں؟ بسا اوقات ہوتا ہے کہ ہسپتال میں بچہ کی پیدائش ہوتی ہے جہاں اذان واقامت پڑھنے والا کوئی نہیں ہوتا ہے تو ایسی صورت میں دو دن یا ہفتہ کے بعد آدمی ملنے پر اذان واقامت دی جاسکتی ہے یا نہیں؟

المستفتی: فضل حق متعلم مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ولادت کے بعد بچہ کے کان میں اذان وتکبیر کہنا سنت ہے، یہی شرعی حکم ہے، مجبوری میں تاخیر کی گنجائش ہے، لیکن کوشش یہ کرنی چاہیے کہ جہاں تک ہوسکے، جلدازجلد بچہ کے کانوں میں اذان کی آواز پہنچ جائے۔

عن عاصم بن عبيد الله بن رافع عن أبيه قال: رأيت رسول الله ﷺ أذن في أذن الحسن بن علي حين ولدته فاطمة بالصلاة. (ترمذی، باب الأذان فی أذن المولود، النسخة الهندية ١/٢٧٨ دار السلام رقم: ١٥١٤، سنن أبی داؤد، باب فی المولود يؤذن فی أذنه، النسخة الهندية ٢/٦٩٦ دار السلام رقم: ٥١٠٥، مسند البزار، مكتبه العلوم والحكم ٩/٣٢٥، رقم: ٣٨٧٩، مسند أبی داؤد الطيالسی، دار الكتب العلمية بيروت ١/٥١٨، رقم: ١٠١٣، مصنف عبد الرزاق، المجلس العلمی ٤/٣٣٦، رقم: ٧٩٨٦)

قال الملا علی قاری تحته حين ولدته فاطمة يحتمل السابع و قبله.
(مرقاة المفاتيح امداديه ملتان ٨/١٥٩)

قال السندی: فيرفع المولود عند الولادة على يديه مستقبل القبلة ويؤذن في أذنه أنه يدفع أم الصبيان عنه. (تقريرات رافعی على الشامی كراچی ١/٤٥، زكريا ٢/٤٥)

يسن الأذان فی أذن المولود حين يولد. (الموسوعة الفقهية ٢/٣٧٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۰۲۳)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۸/۴/۱۴۳۱ھ

کیا بچہ کے کان میں اذان غسل سے قبل دے سکتے ہیں؟

سوال [۱۰۱۵۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: نومولود بچہ کے کان میں اذان بعد غسل کے دی جائے گی یا اس کے جسم سے گندگی و آلائش دور کرنے کے بعد بھی دی جاسکتی ہے، کیونکہ بعض نومولود بچے انتہائی کمزور واقع ہوتے ہیں؟

المستفتی: محمد رضوان مدرسہ امداد العلوم حیدرآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوالنامہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض کمزور بچوں کو نہلایا نہیں جاتا ہے صرف گندگی اور آلائش دور کردی جاتی ہے، ہماری معلومات کے مطابق یہ بات درست نہیں ہے اس لیے کہ پانی سے صفائی کے بغیر صرف کپڑے سے آلائش دور کردی جائے تو بچہ کے بدن میں زہریلا مادہ پھیلنے کا خطرہ ہوتا ہے، چاہے بچہ کمزور ہو یا تندرست ہو، بلکہ پیدا ہوتے ہی سب سے پہلے یہ کام کیا جاتا ہے کہ نیم گرم پانی سے بچہ کو نہلا کر صاف کیا جاتا ہے، اور اس کے بعد ہی اذان دینی چاہیے، یہی مسنون طریقہ ہے۔ (مستفاد: باقیات فتاویٰ رشیدیہ ص: ۲۳۸)

عن عاصم بن عبيد الله بن رافع عن أبيه قال: رأيت رسول الله ﷺ أذن في أذن الحسن بن علي حين ولدته فاطمة بالصلاة. (ترمذی، باب الأذان فی أذن المولود، النسخة الهندية ۱/ ۲۷۸ دار السلام رقم: ۱۵۱٤، سنن أبی داؤد، باب فی المولود يؤذن فی أذنه، النسخة الهندية ۲/ ٦۹٦ دار السلام رقم: ۵۱۰۵، مسند البزار، مكتبه العلوم والحكم ۹/ ۳۲۵، رقم: ۳۸۷۹، مسند أبی داؤد الطيالسی، دار الكتب العلمية بيروت ۱/ ۵۱۸، رقم: ۱۰۱۳، مصنف عبد الرزاق، المجلس العلمی ٤/ ۳۳٦، رقم: ۷۹۸٦)

قال السندي: فيرفع المولود عند الولادة على يديه مستقبل القبلة ويؤذن في أذنه اليمنى ويقيم في اليسرىٰ، ويلتفت فيهما بالصلاة لجهة اليمين وبالفلاح لجهة اليسار. (تقريرات رافعی علی الشامی کراچی ۱/ ٤۵، زكريا ۲/ ٤۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/ ربیع الاول ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۱۰۱۴)

بچوں کے کان میں اذان وتکبیر تاخیر سے دینا

سوال [۱۰۱۵۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کے گھر میں لڑکا پیدا ہوا ہے، نہ اذان ہوئی اور نہ تکبیر ہوئی، اور نہ کسی کو خیال رہا آج تقریباً ایک ماہ ہو رہا ہے اور گاؤں کی بات ہے اور ساتھ ہی ساتھ لڑکی پیدا ہوئی ہے، نہ اذان ہوئی ہے نہ تکبیر، قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب سے نوازیں؟

المستفتی: شمس الحق محلہ اصالت پورہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر اب تک بچہ اور بچی کے کان میں اذان وتکبیر نہیں کہی ہے تو اب فوراً اذان وتکبیر کہی جائے۔ (احسن الفتاویٰ ۲/۲۷۶)

عن عاصم بن عبيد الله بن رافع عن أبيه قال: رأيت رسول الله ﷺ أذن في أذن الحسن بن علي حين ولدته فاطمة بالصلاة. (ترمذی، باب الأذان فی أذن المولود، النسخة الهندية ۱/۲۷۸ دار السلام رقم: ۱۵۱٤، سنن أبی داؤد، باب فی المولود يؤذن فی أذنه، النسخة الهندية ۲/٦۹٦ دار السلام رقم: ۵۱۰۵، مسند البزار، مكتبه العلوم والحكم ۹/۳۲۵، رقم: ۳۸۷۹، مسند أبی داؤد الطيالسی، دار الكتب العلمية بيروت ۱/۵۱۸، رقم: ۱۰۱۳، مصنف عبد الرزاق، المجلس العلمی ٤/۳۳٦، رقم: ۷۹۸٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵ ر رمضان المبارک ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۲۸۲۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۲/۹/۱۵ھ

پیدائش کے کئی سالوں کے بعد اذان دینے سے کیا سنت ادا ہوجائیگی؟

سوال [۱۰۱۵۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جس بچہ کے کان میں اذان نہیں دی گئی کافی عرصہ کے بعد اس کا انتقال ہو جاتا

ہےتو اس صورت میں کیا نماز جنازہ کے بعداذان قبر پر پڑھ لیں تو کوئی حرج تو نہیں ہے،اور قبر پراذان پڑھنادرست ہے یانہیں؟

المستفتی: محمد یاسین محمود پور مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: بچہ کے کان میں پیدائش کے بعد ہی اذان دینا مسنون ہے، کافی عرصہ کے بعد اذان دینے سے سنت ادانہیں ہوگی، نیز قبر پر اذان دینا بھی شرعاً بے اصل ہے،اس کا ترک لازم ہے، نیز اس سے اذان تولد کی قضا بھی ادانہیں ہوسکتی۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۵/۳۸۲،احسن الفتاویٰ ۱/ ۳۳۷)

وهـذا يـدل على سنية الأذان في أذن المولود (إلى قوله) إذا ولد الصبي . (مرقاة مصرى باب العقيقة ٤/ ٣٦٠، امداديه ملتان ٨/ ١٥٩، حاشية ترمذى ١/ ١٨٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیراحمد قاسمی عفااللہ عنہ
۲۹؍صفر المظفر ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۶۷۳)

آٹھ سال کے بعد بچہ کے کان میں اذان دینا

سوال [۱۰۱۵۸]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: لڑکا پیدا ہوتا ہےتو آنگن میں ایک صاحب کھڑے ہوکر صرف اذان کہہ دیتے ہیں اورلڑکی پیدا ہوتی ہےتو اذان بھی نہیں دیتے ہیں، تکبیر تو دور کی بات،اورلڑکا اگر سات آٹھ سال کا ہوجائے اور جانکار آدمی کو معلوم ہوجائے کہ اس کے کان میں اذان وتکبیر نہیں ہوئی ہےتو اس وقت اس کے کان میں اذان وتکبیر کہہ سکتے ہیں یانہیں؟ مفصل جواب سے نوازیں۔

المستفتی: محمد صلاح الدین طویلہ سہرسا بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اس سلسلے میں کوئی صریح جزئیہ احقر کی نظر سے نہیں گذرا،

البتہ مدت قلیل کی تاخیر میں بھی مسنون ہونے کی طرف اشارہ ملتا ہے۔(مستفاد:احسن الفتاویٰ ۲/ ۲۷۶)

عن عاصم بن عبيد الله بن رافع عن أبيه قال: رأيت رسول الله ﷺ أذن في أذن الحسن بن علي حين ولدته فاطمة بالصلاة. (ترمذی، باب الأذان فی أذن المولود، النسخة الهندية ١/ ٢٧٨ دار السلام رقم: ١٥١٤، سنن أبی داؤد، باب فی المولود يؤذن فی أذنه، النسخة الهندية ٢/ ٦٩٦ دار السلام رقم: ٥١٠٥، مسند البزار، مكتبه العلوم والحكم ٩/ ٣٢٥، رقم: ٣٨٧٩، مسند أبی داؤد الطيالسی، دار الكتب العلمية بيروت ١/ ٥١٨، رقم: ١٠١٣، مصنف عبد الرزاق، المجلس العلمی ٤/ ٣٣٦، رقم: ٧٩٨٦)

وفي المرقات: يحتمل السابع وقبله وقوله وهذا يدل على سنية الأذان في أذن المولود. (مرقات امداديه ملتان ٨/ ١٥٩)

اور چونکہ اذان فی نفسہٖ دفع بلاء وہموم کے لیے مفید ہے اس لیے آٹھ سال کے بعد بھی اذان وتکبیر کہنے میں مضائقہ نہ ہوگا۔

وذكر الأذان في أذن المهموم. (أوجز المسالك ١/ ١٨٣، جديد دار القلم دمشق ٢/ ٣٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵ / جمادی الثانیہ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۷۴۰)

عورت کا نومولود بچے کے کان میں اذان دینا

سوال [۱۰۱۵۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عورتوں کا نومولود بچہ کے کان میں اذان دینے کا کیا حکم ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: افضل تو یہی ہے کہ بچے کے کان میں مرد ہی اذان دے، لیکن اگر مرد کی عدم موجوگی میں عورت نے اذان پڑھ دی تو اذان درست ہوگئی،

اس لیے کہ نماز کے لیے اذان دینے کی کراہت کی جو علت ہے یعنی رفع صوت یا فتنہ، وہ یہاں نہیں پائی جارہی ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمود یہ ڈابھیل ۵/ ۴۵۵، میرٹھ ۹/ ۱٦۰)

وأذان المرأة، لأنها إن خفضت صوتها أخلت بالأعلام وإن رفعته ارتكبت معصية لأنه عورة تحته فى حاشية الطحطاى ''أنه عورة'' ضعيف والمعتمد أنه فتنة. (حاشية الطحطاوى على المراقى، دار الكتاب ديوبند ١٩٩، شامى زكريا ٢/ ٧٨، كراچى ١/ ٤٠٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۵۴۳)

عورت کی ختنہ کا حکم

سوال [۱۰۱٦۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کچھ ہندی اخبارات میں عورتوں کی ختنہ (سنت) کے بارے میں چھپا ہے جسے حقوق انسانی کے خلاف بتایا گیا ہے، میں جاننا چاہتا ہوں کہ کیا نائجیریا، اتھوپیا، مصر، سوڈان و کینیا وغیرہ میں جاری یہ عمل شرعاً جائز ہے۔

کیا کلام اللہ میں اور احادیث میں اس کا ذکر ہے؟ کیا یہ سنت ہے؟ اس کا سنت ابراہیمی سے کوئی تعلق ہے؟ اس عادت غرب پر ایسی روشنی ڈالیں کہ کسی طرح کی تشنگی نہ رہ جائے۔

المستفتی: ایم اے کنول، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عورتوں کی ختنہ کے بارے میں ''سنن ابی داؤد اور مسند امام احمد بن حنبل'' میں حدیث شریف وارد ہوئی ہے، اسی کو شامی میں نقل کیا ہے، اور اس میں علت یہ بیان کی گئی ہے کہ عورتوں کی ختنہ سے جانبین مین رغبت اور لذت پیدا ہوتی ہے، مگر امام ابو داؤد نے اس حدیث کی سند پر کلام کر کے ضعیف کہا ہے، اور ''البدایہ والنہایہ'' میں لکھا ہے کہ

دنیا میں سب سے پہلے عورتوں میں حضرت ہاجرہ کی ختنہ ہوئی، اور انہیں کا کان بنا گیا ہے۔

إن سارة تغضبت على هاجر فحلفت لتقطعن ثلاثة أعضاء منها فأمرها الخليل أن تثقب أذنيها و أن تخفضها فتبر قسمها، قال السهيلي: فكانت أول من اختتن من النساء و أول من ثقبت أذنها منهن الخ. (البدايه والنهايه، دار الفكر ١/١٥٤)

اور طبرانی واوسط کے حوالے سے مجمع الزوائد میں اس مضمون کی حدیث کو حسن کہا ہے۔ (مجمع الزوائد، باب الختان، دار الكتب العلمية بيروت ٥/١٧٢، المعجم الأوسط، دار الفكر ١/٦١٣، رقم: ٢٢٥٣، المعجم الصغير للطبراني، دار الكتب العلمية بيروت ١/٩١، رقم: ١٢٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰ رصفر المظفر ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۵۱۹۸)

مختون پیدا شدہ بچے کے ختنہ کا حکم

سوال [۱۰۱۶۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر کوئی بچہ ختنہ شدہ پیدا ہو تو اس کا کیا حکم ہے، آیا پھر ختنہ کرانا ضروری ہے یا اسی پر اکتفا کیا جائے، ازروئے شرع جواب تحریر فرمائیں۔

المستفتی: نظیر احمد، انجیر والی مسجد محلّہ بھٹی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر کوئی بچہ ختنہ شدہ پیدا ہو جائے یا دیکھنے میں ختنہ شدہ معلوم ہو تو شرعاً دوبارہ اس کے ختنہ کی ضرورت نہیں اور اس کو شرعاً مختون کے حکم میں شمار کیا جاتا ہے۔

صبي حشفته ظاهرة بحيث لو رآه إنسان ظنه مختونا ولاتقطع جلدة ذكره إلا بتشديد ألمه ترك على حاله كشيخ أسلم. (الدر المختار، كتاب

الخنثیٰ، زکریا ۱۰/ ٤۸۰، کراچی ٦/ ۷۵۱، هندیه، زکریا قدیم ٦/ ٤٤٥، جدید ٦/ ٤۳۹، تبیین الحقائق، امدادیه ملتان ٦/ ۲۲٦، زکریا ۷/ ۲٦٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۷۰۷۲)

ختنہ نہ کرانے والا کیا مستحق عذاب ہے؟

سوال [۱۰۱۶۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ختنہ کرانا سنت ہے، اگر کوئی مسلمان ختنہ نہ کرائے تو وہ سنت کے ثواب سے محروم ہوگا یا اسے سزا ملے گی؟

المستفتی: محمد احمد خاں فیض گنج، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ختنہ کرانا سنت ہے، اور شعائر اسلام میں سے ہے، اگر کوئی شخص ختنہ نہ کرائے اور اسے کوئی عذر نہ ہو تو ترک ختنہ کی وجہ سے گنہگار ہوگا اور سزا دینا اللہ کے بس میں ہے۔

عن أبی ملیح بن أسامة، عن أبیه، أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: الختان سنة للرجال، مكرمة للنساء. (مسند أحمد بن حنبل ٥/ ٧٥، رقم: ٢٠٩٩٤، المصنف لابن أبی شیبة، مؤسسة علوم القرآن ١٣/ ٤٧٤، رقم: ٢٦٩٩٨، المعجم الكبير للطبرانی، دار إحیاء التراث العربی ٧/ ٢٧٣، ٢٧٤، رقم: ٧١١٢، ٧١١٣، ١١/ ٢٣٣، ٣٥٩، رقم: ١١٥٩، ١٢٠٠٩، ١٢/ ١٨٢، رقم: ١٢٨٢٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴/ محرم الحرام ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ٦۴۱۹)

کیا عقیقہ میں متعین جانور ذبح کرنا لازم ہے؟

سوال [۱۰۱۶۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر کسی نے منت مانی کہ اگر میرے گھر میں لڑکے کی پیدائش ہوئی تو میں ایک بھینس عقیقہ میں قربانی کروں گا، پس اگر لڑکے کی پیدائش ہوگئی تو کیا متعینہ جانور ہی قربان کرنا ضروری ہوگا؟ یا اس جانور کے علاوہ کوئی اور بھی جانور قربان کرسکتا ہے؟ نیز اس منت شدہ عقیقہ کے جانور کے گوشت کا کیا حکم ہے؟ مع حوالہ جواب تحریر فرمائیں۔

المستفتی: محمد غلام مرتضیٰ، متعلم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عقیقہ من جانب اللہ ایک مسنون عمل ہے، اور عقیقہ میں اگر صاحب ثروت آدمی ہے، تو لڑکے کے لیے دو بکرے اور لڑکی کے لیے ایک بکرا کرنا مسنون ہے، اور اگر صاحب وسعت نہیں ہے تو لڑکے کے لیے بھی ایک بکرا کافی ہے، نیز عقیقہ بڑے جانور میں حصہ لے کر بھی ادا ہوسکتا ہے اور بڑا مکمل جانور بھی عقیقہ میں ذبح کرنا جائز ہے، یہ ایک مسنون فریضہ کی ادائیگی ہے، لہٰذا جب اس نے لڑکے کی پیدائش پر بھینس ذبح کرکے عقیقہ کرنے کی نذر مانی ہے تو بھینس ذبح کرکے یا اسی معیار کی گائے، بیل ذبح کرکے عقیقہ کرسکتا ہے، جو عقیقہ مسنونہ اس کو کرنا تھا دو بکرے کے ذریعہ تو اس نے نذر مان لی دو بکرے کی جگہ بڑے جانور بھینس کی، تو اس کے لیے عقیقہ میں بھینس ہی کرنا زیادہ بہتر ہے۔

عن أم کرز قالت: سمعت النبي ﷺ یقول: عن الغلام شاتان مکافئتان و عن الجاریة شاة. (سنن ابن ماجه ۲/ ۲۲۸، سنن الترمذی ۱/ ۲۷۸)

نذر أن یتصدق بعشرة دراهم (إلی قوله) کتصدقه بثمنه. (الدر المختار، کتاب الأیمان، مطلب: فی أحکام النذر، کراچی ۳/ ۷۴۱، زکریا ۵/ ۵۲۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۱۱؍ شعبان المعظم ۱۴۳۶ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۲۱۸۵/۴۱)	۱۴۳۶/۸/۱۱ھ

۳۸ کتاب الحقوق

۱ باب ما یتعلق بنفس الحق

حق کی واپسی کا شرعی حکم

سوال [۱۰۱٦۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عبدالحمید بھائی نے آج سے دس سال قبل ایک مکان خریدا، ایک غیر مسلم سے، اورخریدا ہوا مکان آج تک اسی حالت میں ہے جس وقت یہ مکان بنا تھا اس وقت اس مکان کے سامنے کی جگہ خالی تھی پھر اس خالی جگہ پر دوسرے آدمی نے مکان بنایا پھر اس دوسرے مکان کو ایک غیر مسلم بھائی نے خریدا اب اس دوسرے بھائی کو کسی نے بتلایا کہ جو تو نے مکان خریدا ہے اس مکان کی کچھ زمین عبدالحمید بھائی والے مکان میں چلی گئی ہے، اس بھائی نے آکر عبدالحمید بھائی سے بات کی تو انہوں نے زمین پیمائش کرنے والوں کو بلوا کر دونوں مکانوں کی زمینی پیمائش کرائی تو واقعی کچھ زمین عبدالحمید بھائی کے مکان میں زیادہ آگئی ہے، اب دریافت طلب امر یہ ہے: (۱) کہ عبدالحمید بھائی کے پاس جو زمین زیادہ آگئی ہے تو اس زمین کا واپس کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

(۲) یہ دوسرے بھائی اس زمین کا مطالبہ کرتے ہیں تو یہ مطالبہ صحیح ہے یا نہیں؟

(۳) دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اس دوسرے بھائی کے مکان کے پاس کی جگہ ۳۳/ مکانوں کی مشترکہ ہے اور ان ۳۳/ مکانوں کی ایک کمیٹی ہے اس کمیٹی سے اجازت لے کر اس مکان کو وہ اپنے استعمال میں لا سکتے ہیں یا نہیں؟ شرعی مسئلہ بتا کر عنداللہ ماجور رہوں۔

المستفتی: عبدالحمید ایسٹ افریقہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) مذکورہ صورت میں جب عبدالحمید کے مکان میں دوسرے کا حق نکل آیا تو اس کا واپس کرنا ضروری ہے، اب واپس کرنے کی شکل یہ

ہے کہ اگر عمارت کی قیمت زیادہ ہے زمین سے، تو زمین کی قیمت ادا کردے، اور اگر زمین کی قیمت عمارت سے زیادہ ہے تو مالک زمین کو عمارت منہدم کراکے زمین حاصل کرنے کا حق ہے، لیکن بہتر یہ ہے کہ مالک زمین کو زمین کی قیمت لینے پر راضی کرلیا جائے۔

ومنها لو غصب أرضا فبنى فيها أو غرس فإن كانت قيمة الأرض أكثر قلعها فلما وردت وإلا ضمن له قيمتها. (الأشباه والنظائر كراچی ۱/۱۲۲، شامی، کتاب البیوع، باب الاستحقاق، زکریا ۷/۴۴۸-۴۴۹، کراچی ۵/۲۰۵، الموسوعة الفقهية الكويتية ۸/۲۰۹، تنقيح الفتاویٰ الحامدية، دار الكتب العلمية بيروت ۲/۱۶۰)

(۲) جی ہاں! دوسرا شخص اپنے حق کا مطالبہ کرسکتا ہے۔

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال أتى النبي صلى الله عليه وسلم رجل يتقاضاه فأغلظ له فهمَّ به أصحابه فقال دعوه فإن لصاحب الحق مقالا. (بخاری شریف، کتاب الاستقراض، باب لصاحب الحق مقال، النسخة الهندية ۱/۳۲۳، رقم: ۲۳۳۹، ف: ۲۴۰۱، مشکوٰۃ شریف ۱/۲۵۱)

(۳) ۳۳؍مکانوں کی شرکت کیسی ہے؟ اور ان مکانات کی کمیٹی کیسی ہے؟ کیا وہ ۳۳؍مکانات سب کے سب وقف ہیں یا کسی کی ملکیت ہیں؟ جس کمیٹی کا ذکر کیا گیا ہے یہ کمیٹی مالک ہونے کی وجہ سے ہے؟ یا وقف شدہ جائیداد کی منتظم ہونے کی وجہ سے ہے ان تین باتوں کی وضاحت کے بعد سوال نمبر۳؍کا جواب لکھا جاسکتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۱۴؍جمادی الثانیہ ۱۴۱۹ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۷۴۵)	۱۴/٦/۱۴۱۹ھ

حقدار کو اس کا حق لوٹانا واجب ہے

سوال [۱۰۱٦۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بشیر کے پاس ایک لڑکا تھا جو ابھی نابالغ تھا، اور اتنے میں بشیر کے انتقال کا وقت قریب آگیا، قبل ازیں بشیر نے اپنے ایک رشتہ دار (نظیر) کو یہ کہہ کر زمین ان کے حوالہ کردی کہ جب میں مرجاؤں گا اور میرا بچہ بڑا ہو جائیگا، اس وقت زمین میرے بچہ کو لوٹا دینا اتنے میں

نظیر کا بھی انتقال ہوگیا اور وہ بچہ بالغ ہوگیا لیکن اس بچہ کو زمین ابھی تک واپس نہیں ملی، جبکہ اس بچہ کے حق میں چار گواہ موجود ہیں، اور اس کے حق میں گواہی دے رہے ہیں اور اس زمین کی پیداوار نظیر کی اولاد استعمال کررہی ہے، کیا ان کے لیے زمین کا استعمال کرنا درست ہے؟ اور مذکورہ بالا صورت میں زمین کی واپسی ضروری ہے یا نہیں؟ شرعی اعتبار سے جواب دیں۔

المستفتی: ابن بشیر وتحسین الاسلام اکبرپور ضلع مظفرنگر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جب گواہوں کے ذریعہ یہ بات ثابت ہوچکی ہے کہ نظیر کی اولاد جو زمین استعمال کررہی ہے وہ بشیر کی زمین ہے جو بشیر کے لڑکے کا حق ہے، لہٰذا نظیر کی اولاد پر لازم اور ضروری ہے کہ وہ زمین بشیر کے لڑکے کو واپس کردے نظیر کے لڑکوں کو اس زمین سے فائدہ اٹھانا ہرگز جائز و درست نہیں ہے۔

عن سعيد بن زيد بن عمرو بن نفيل ان رسول الله ﷺ قال: من أخذ شبرا من الأرض بغير حقه طوقه فى سبع أرضين يوم القيامة. (مسلم شريف، باب تحريم الظلم وغصب الأرض، النسخة الهندية ۲/۳۳، بيت الأفكار رقم: ۱٦۱۰)

لايجوز لأحد من المسلمين أخذ مال بغير سبب شرعي. (هنديه، كتاب الحدود، فصل فى التعزير، زكريا قديم ۲/۱٦۷، جديد ۲/۱۸۱، شرح المجلة رستم اتحاد ۱/٦۲، رقم المادة: ۹۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/ربیع الاول ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۱۲٦۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۳/۱۸ھ

اپنا حق دوسرے سے وصول کرنا

سوال [۱۰۱٦٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں حکومت کے مدرسے میں نوکری کرتا ہوں جب میری نوکری کی مدت ختم ہو

گئی اس وقت مدرسہ کے ذمہ حکومت کی طرف سے جو روپیہ مجھ کو دینا قانونی طور پر ضروری ہے اس کا حساب ڈی آئی، آف اسکول کی طرف سے ڈائریکٹر کی طرف بھیجنا پڑتا ہے، میں نے ایسا ہی کیا، ڈی آئی صاحب نے جو رقم منظور کی، ڈائریکٹر صاحب نے اس سے چالیس ہزار روپئے گھٹا کر دی، میں نے نائب ڈائریکٹر کو اس واقعہ کے بارے میں بتایا، انہوں نے کہا ڈی آئی صاحب نے جو حساب منظور کیا تھا وہ صحیح ہے، اس سے جو کم کر دیا گیا ہے وہ صحیح نہیں ہے، آپ مقدمہ کر سکتے ہیں، لیکن اس میں کافی وقت گذر جائے گا، اور پیسہ بھی خرچ کرنا پڑے گا، اس لیے میں نے اس کم کردہ رقم کو ہی لے لیا، مجبوراً میں اس پر راضی ہو گیا، کئی سال گذر جانے کے بعد سال رواں میں میں نے ۴۵/ ہزار روپئے بینک سے وصول کیے، لیکن دوسرا آفیسر جو حساب کو درست کر کے کتنا وصول ہوا کتنا باقی رہا ٹھیک کر دیتا ہے، اس کی غلطی سے وہ ۴۵/ ہزار روپئے پاس بک میں نہیں آئے، یعنی چالیس ہزار جو میں نے لیے اس کو پاس بک میں نہیں لکھا گیا، اب میں پہلے کی کمی کی وجہ سے جو مجھ کو نقصان ہوا تھا اس کے عوض میں اس روپیہ کو لے سکتا ہوں یا نہیں؟ شرعاً اس طرح حاصل شدہ روپئے کو قبضہ میں کرنا جائز ہوگا یا نہیں؟

المستفتی: خدابخش بنگال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) سوالنامہ کے مطابق جتنی رقم ڈی آئی ایف صاحب نے منظور کر کے ڈائریکٹر صاحب کے پاس بھیجی تھی اس پوری رقم کا دینا ڈائریکٹر صاحب پر لازم تھا، اس میں سے چالیس ہزار گھٹا کر دینا یہ آپ کے ساتھ ظلم ہے اور آپ کے مال پر ناجائز قبضہ ہے، لہٰذا آپ اس رقم کا مطالبہ براہ راست ڈائریکٹر صاحب سے یا عدالتی قانون کے واسطہ سے کر سکتے ہیں، اور جو بینک سے ۴۵/ ہزار آپ نے نکالے اور غلطی سے وہ آپ کے پاس بک میں نہ چڑھ سکے اس کو اس چالیس ہزار کا عوض اور بدل قرار دے کر لینا جائز نہ ہوگا، کیونکہ یہ حکومت کے ساتھ دھوکہ دہی ہے جو شرعاً جائز نہیں۔

عن أبي حرة الرقاشي عن عمه أن رسول اللّٰہ ﷺ قال: ألا! لا یحل

مـال امـرئ إلا بـطيب نفس منه. (شعب الإيمان للبيهقي، باب في قبض اليد عن الأموال الحرمة، دار الكتب العلمية بيروت ٤/٣٨٧ رقم: ٥٤٩٢، السنن الكبرىٰ للبيهقي، دار الفكر بيروت ٨/٥٠٦، رقم: ١١٧٤٠)

وحق الأمانة أن تؤدى إلى أهلها فالخيانة مخالفة لها، وإخلاف الوعد ظاهر. (مرقاة، بيان علامة المنافق والكلام عليها، امداديه ملتان ١/١٢٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍رجب المرجب ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۴۵۰)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۳؍۷؍۱۴۳۲ھ

حقدار اپنا حصہ نہ لیں تو کیا حکم ہے؟

سوال [۱۰۱٦۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک مکان ہمارے والد اور والدہ کے درمیان آدھا آدھا مشترک تھا، جس میں متعدد کرائے دار رہتے تھے، ہمارے والد صاحب کا انتقال ہو گیا انہوں نے ایک بیوی اور آٹھ لڑکے اور پانچ لڑکیاں وارث چھوڑے، ہم بھائیوں کی رہائش علاحدہ علاحدہ مکانوں میں تھی، میں انیس الرحمٰن تمام بھائیوں میں چھوٹا تھا اور والدہ کے ساتھ رہنا سہنا تھا، انیس الرحمٰن نے والدہ کے حکم سے اس مذکورہ مشترکہ مکان کو کرایہ داروں سے خالی کروا کر از سرِ نو تعمیر کرادیا، خالی کروانے میں تقریباً ساٹھ ہزار روپئے کرایہ داروں کو دینے پڑے، تعمیر میں تقریباً سات لاکھ روپئے لگے، اب والدہ صاحبہ کا انتقال ہو گیا تو میں انیس الرحمٰن نے خدا کے یہاں گرفت سے بچنے کے لیے ایک فتویٰ تقسیم ترکہ سے متعلق حاصل کیا اور تمام بھائی بہنوں سے یہ کہہ دیا کہ جس کا جتنا حصہ نکل رہا ہے:

(۱) وہ اپنا حصہ لے لے۔

(۲) یا مارکیٹ ریٹ کے مطابق اس کی قیمت لے لے۔

(۳) اور اگر نہ لینا چاہے تو حقوق منتقلی تحریر لکھ دے، تاکہ آنے والے وقت میں کسی قسم کی پریشانی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

توبعض وارثین نے اس سے اتفاق کیا لیکن بار بار کہنے کے باوجود کچھ حصہ دار نہ تو حصہ لے رہے ہیں اور نہ قیمت لے رہے ہیں، اور حصہ منتقلی کی تحریر پر خاموشی اختیار کیے ہوئے ہیں، اور بیہودہ جواب دیتے ہیں، کہ یہ گندے خیالات تمہارے ذہن میں کیوں پیدا ہوئے ہیں اور تم اسی طرح مکان میں رہتے رہو، نیز تم سے حصہ کون مانگ رہا ہے، یا ہمارے انتقال کے بعد تم یہ سمجھ رہے ہو کہ میری اولاد تم سے حصہ مانگے گی، لہٰذا آپ سے مؤدبانہ گذارش ہے کہ شریعت کا جو بھی حکم ہو اس سے آگاہ فرمائیں تاکہ فتویٰ طلب گار انیس الرحمٰن آخرت کی گرفت سے بچ جائے؟

المستفتی: انیس الرحمٰن سیدھی سرائے مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوالنامہ میں انیس الرحمٰن کی تحریر اور منسلک فتویٰ بغور پڑھا گیا ہے، شرعی طور پر انیس الرحمٰن نے ہر حقدار کو اس کو حق دینے کے لیے جو طریقہ اختیار کیا ہے، وہ عین شریعت کے مطابق ہے، ہر ایک حقدار کو اس پر عمل کرنا لازم ہے، اور جو لوگ اس پر عمل کرنے سے گریز کر رہے ہیں ان کو سمجھا بجھا کر اس پر عمل درآمد کرنے پر آمادہ کیا جائے تاکہ آئندہ نسلوں میں کسی قسم کا اختلاف اور انتشار کا شبہ بھی باقی نہ رہے، اور انیس الرحمٰن خدا کے یہاں کی گرفت سے محفوظ ہو جائے، اور پھر بھی اگر کوئی عمل درآمد کرنے سے گریز کرے اور مزید اس بات پر انیس الرحمٰن کو برا بھلا کہے، تو وہ خود گنہگار رہوں گے، نیز انیس الرحمٰن کی اس پیش کش کے باوجود حقدار لوگ اپنا حق لینے کے لیے تیار نہیں ہیں، اور اسی حالت میں ۳۳ر سال گذر جانے کے بعد دوسرے حقدار یا ان کے وارثین کو اس میں حق دعویٰ کرنے کا حق باقی نہیں رہے گا۔

رجل ترک الدعویٰ ثلاثا و ثلاثین سنة بلا مانع لا تسمع ثم قال: وقد أفتيت بعدم سماع الدعویٰ بعد خمسة عشرة سنة لنهي السلطان.

(علی هامش قواعد الفقه، اشرفی ص: ۷۷، تحت رقم الأصول: ۱۱۶)

رجل ترک الدعویٰ ثلاثا و ثلاثين سنة و لم يكن له مانع من الدعویٰ، ثم ادعی لم تسمع دعواه، لأن ترک الدعویٰ مع التمكن يدل على عدم الحق ظاهرا. (تکملة شامي، كتاب الدعویٰ، مطلب: لا تسمع الدعویٰ بعد

مضی المدة، زکریا ۱۱/۶۵۳، کراچی ۷/۴۸۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳ ؍ ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۳۹۴)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۳/۴/۱۴۳۲ھ

مالی حقوق کے اثبات کے لیے شرعی شہادت کا لزوم

سوال [۱۰۱۶۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: رامپور شہزادنگر میں ایک آکسیجن گیس فیکٹری تقریباً ۲۰؍۲۵ ؍سال پہلے قائم کی گئی تھی، اس میں بہت سارے پارٹنرس تھے، جنہوں نے اپنا روپیہ لگایا اور بینک سے لون بھی لیا تھا، ایک وقت ایسا آیا کہ فیکٹری جو فائدہ میں چل رہی تھی اس میں نقصانات بڑھنے لگے اور دھیرے دھیرے پارٹنرس الگ ہوتے گئے، آخر میں ۵؍۲۰۰۴ء میں چار پارٹنرس رہ گئے، چاروں پارٹنرس نے مل کر کام چلانے کی کوشش کی، لیکن وہ بھی نقصانات سے نہیں بچ سکے، ان چاروں پارٹنرس میں بھی نا اتفاقیاں بڑھتی گئیں، فیکٹری پر جو بینک کا قرضہ تھا عدم ادائیگی کی وجہ سے بینک نے نوٹس دیا، ان چاروں پارٹنرس میں ساجد صاحب، کلن صاحب، زبیر صاحب اور ریحان میاں (عرضی گذار کا لڑکا) تھے، طے پایا آپس میں کہ اس گیس فیکٹری کو فروخت کر دیا جائے تو بہتر ہوگا، چاروں پارٹنرس میں سے کوئی بھی اس فیکٹری کو خرید لے یا کوئی اور پارٹی خریدار مل جائے تو اس کی فروختگی کر دی جائے۔

فیکٹری میں زمین جائیداد، پلانٹ، مشینری، جنریٹر اور بلڈنگ چاروں آفسوں کا سامان کل جملہ چل اور چل سمپتی وجملہ ساز وسامان کو فروختگی میں رکھا گیا، ساتھ ہی یہ بھی طے پایا کہ فیکٹری کو چالو کر کے چاروں پارٹنرس کے خرچہ پر دی جائے گی، اور جس کسی کا جو لینا دینا ہوگا اور بینک کے قرضہ کی ادائیگی وہ سب اس فروختگی کی رقم سے کی جائے گی، مزید یہ بھی طے پایا کہ اگر چاروں پارٹنرس میں سے کوئی خرید لے تو بہتر ہوگا، فیکٹری کی خریداری کے سلسلے میں چاروں ہم پارٹنرس میں سے آپس میں شریک بنے اور فیکٹری کی خریداری وبکری کے لیے

وقت اورتاریخ مقرر کردی گئی، اس تاریخ پر نیلامی شروع کردی گئی، نیلامی سے چار پارٹنرس میں سے دو،دوآپس میں زبیراوررفعت وریحان ایک پارٹی وکلن بھائی وساجد صاحب دوسری پارٹی آپس میں پارٹنرس بنے،زبیرفیکٹری خریدنانہیں چاہتے تھے،رفعت کے ذریعہ زبیرکو بتایا گیا کہ اگرفیکٹری نہیں خریدوگےتورقم تتربتر ہوکر رہ جائے گی،جس سےہم دونوں کوزبردست نقصان ہوگا، بہرحال۵۰-۵۰ پرسنٹ کی شرکت میں زبیرراضی ہوگئے،اورآپسی بولی شروع ہوئی،آخری بولی۳۲/لاکھ روپئے تک رفعت وزبیرکی پہنچ گئی،تب یہ نیلامی رفعت وزبیر کے نام چھوڑ دی گئی،اللہ تعالیٰ کے حکم سے زبیرورفعت وریحان اس فیکٹری کے مالک قرار دیئے گئے۔

ریحان میاں کی طبیعت علیل کافی وقت سے چل رہی تھی،رفعت اورزبیر کے درمیان مشورہ ہوا کہ فیکٹری کومل کر چلایا جائے اورآکسیجن گیس بنائی جائےتوبہتر ہوگا، دونوں رفعت وزبیرآپس میں مل کرفیکٹری کو چلالیں،لیکن زبیر نے کہا کہ فیکٹری کوایک آدمی چلائے گاتو بہتر ہوگا،اورفیکٹری کوبھی میں خود ہی چلاؤں گا، رفعت نے بتلایا کہ تم اکیلے فیکٹری کو چلاؤگےتو تمہاری دوکان کون دیکھے گا، فیکٹری کوتوفل ٹائم دینے کی ضرورت پڑےگی،توتم کیسےفل ٹائم دے پاؤگے، زبیر نے کہا کہ فیکٹری میں خود چلاؤں گااور بارہ ہزارروپئے ماہانہ اپنی محنت کے لوں گااورفل ٹائم دوں گا،جیسا کہ پہلے پارٹنرمحنتانہ لیا کرتے تھے،اورفیکٹری کا کام کاج دیکھا کرتے تھے،مال کی تیاری وبکری کی رقم وصول یابی اورفیکٹری کی ضرورت کے مطابق ساری خریدوفروخت واسٹاف کواپنی نگرانی میں رکھ کراس فیکٹری کا کام کاج چلاؤں گا،اوربا قاعدہ حساب وکتاب میں تفصیل کے ساتھ تاریخ وائس رکھوں گا، جیسا کہ ایک فیکٹری میں حساب و کتاب رکھاجاتاہے،اورکوئی شکایت کاموقع نہیں دوں گا۔

رفعت نے زبیرکی اس بات پریقین کرلیا، ملازمین وچوکی داروں واسٹاف کوفیکٹری کے لیےرکھ لیا گیا، کام کاج شروع کردیا گیا،سوامہینےتقریباًیہ فیکٹری چل پائی،پھرنقصانات سامنے آنے لگے، مجبوراً فیکٹری کو بند کرنا پڑا، مزید یہ بھی طے پایا کہ فیکٹری کا پلانٹ اور جنریٹراورسارا سازوسامان فروخت کردیا جائے اوراخبار میں اشتہار دیا گیااورمشینری پلانٹ

و جنریٹر کو ۲۰۰۵ء میں سیل کر دیا گیا، ریحان میاں کی طبیعت علیل چل رہی تھی، ان کو گردے فیل ہو جانے کا مرض ہو گیا تھا، اور ہم سب لوگ اور ریحان ذہنی طور پر بے حد پریشان تھے، کڈنی کا ٹرانسپلانٹ ہوتا تھا، یہاں کڈنی کا انتظام تو نہیں ہو سکا، تو مجبوراً پاکستان جانا طے پایا۔

دسمبر ۲۰۰۷ء میں زبیر صاحب ریحان کے پاس چپکے و خاموشی سے آئے کہ رفعت کو بھنک نہ لگ جائے، ریحان میاں سے چکنی چپڑی باتیں کی ہوں گی، اور ان سے کہا کہ فیکٹری کے آدھے حصے کی قیمت ۱۵/ لاکھ روپئے میں میرے ہاتھ فروخت کر دیں، ریحان میاں کے منع کرنے کے بعد زبیر نے دوسرا داؤں پھینکا کہ میرے پاس سے سات لاکھ سینتیس ہزار آٹھ سو ستائیس روپئے آپ کی لاگت سے زیادہ میرے پاس سے خرچ ہو چکے ہیں، یہ رقم آپ کی طرف نکل رہی ہے، لیکن زبیر صاحب نے کسی قسم کا کوئی حساب و کتاب کا پرچہ ریحان میاں کو نہیں دیا، صرف زبانی اس رقم کے بارے میں بتایا، اس عرصہ میں زمین و جائیداد کی قیمتیں بڑھتی دیکھ کر زبیر کے دل میں لالچ پیدا ہو گیا کہ اس رقم کی ادائیگی کر دیں، یا میرا حصہ (شیر) بڑھا دیں، اور ساٹھ پرسینٹ مجھ کو اور چالیس پرسینٹ آپ لے لیں، کیونکہ زبیر اپنا مقصد حاصل کرنے میں اور بات چیت کرنے میں کافی مہارت رکھتے ہیں، زبیر نے ریحان میاں کو اتنا بھی موقع نہیں دیا کہ ریحان میاں اس بارے میں اپنے والد رفعت علی شمسی سے مشورہ بھی کر لیتے، اور رفعت سے مشورہ کیے بغیر ساٹھ اور چالیس پرسینٹ حصہ کی بات کو طے کرا لیا، ساتھ ہی یہ بھی طے پایا کہ فیکٹری کی جگہ و جائیداد فروخت ہونے تک سات لاکھ سینتیس ہزار آٹھ سو ستائیس روپئے جو آپ کے میرے ذمہ نکل رہے ہیں اور آئندہ ہونے والے اخراجات جو بھی ہوں گے، وہ ریحان میاں سے نہیں لیں گے، اور نہ کچھ لینا اور نہ کچھ دینا ہوگا، زبیر نے اس بات کی گواہی میں ریحان میاں کی اہلیہ کو گواہ بنا لیا اور رفعت کو اس بارے میں کوئی خبر بھی نہیں کی اور نہ زبیر کے ذریعہ اس بارے میں پہلے بھی کوئی ذکر کیا گیا اور نہ ہی مشورہ کیا گیا چونکہ زبیر جانتے تھے کہ اگر رفعت کو اس بارے میں خبر کی گئی، تو رفعت ایسا نہیں ہونے دیں گے۔

اس کے بعد ریحان میاں کو علاج کے سلسلے میں لاہور جانے کے لیے ۱۸/۱/۲۰۰۸ء

کو روانہ کر دیا گیا، انہیں ہم سب لوگ لے کر چلے گئے، اور وہاں ان کا کڈنی ٹرانسپلانٹ کرادیا گیا اور واپس آنے کے بعد اپولو ہاسپٹل میں داخل کرادیا گیا، تقریباً تین مہینے تک اپولو ہاسپٹل میں ان کا علاج ہوتا رہا، لیکن حکم ربی صحت یابی نہ ملی اور دہلی ہاسپٹل میں ۲۹/۴/ ۲۰۰۸ء میں ان کا انتقال ہوگیا۔

کچھ عرصہ بعد رفعت نے زبیر سے سات لاکھ سینتس ہزار آٹھ سوستائیس روپے جو ریحان میاں کو زبیر کے ذریعہ بتائے گئے تھے، ان کا مطالبہ کیا تو زبیر نے کچھ نامکمل کتابوں اور پرچوں پر نامکمل حساب دیا، یہ حساب اس قدر خلاف قاعدہ تھا کہ وہ حسابات کسی بھی طرح سمجھ میں نہیں آسکا، تب ان حسابات کو بنوانے میں رفعت کے ذریعہ ایک کے بعد ایک اکاؤنٹینٹ بدلے گئے لیکن اکاؤنٹینٹ لوگ حسابات کو بنانے میں ناقابل رہے، جبکہ رفعت کے ذریعہ ان حسابات کو بنانے میں ان لوگوں کو کافی پیسہ دیا گیا چونکہ حسابات کافی بے ترتیب اور سلسلہ وار نہیں دیئے گئے تھے، اسی کشمکش وجد وجہد میں کافی عرصہ گذر گیا، زبیر کے ذریعہ بارہ ہزار روپئے کی تنخواہ طے کرتے وقت جو فیکٹری کو ٹائم درکار تھا، جیسا کہ انہوں نے یقین دہانی کرائی تھی وہ ٹائم نہیں دے سکے، جس کی وجہ سے تقریباً پونے گیارہ لاکھ روپئے کا نقصان دکھا رہے ہیں، مال کی بکری کی وصولیابی خود جاکر نہیں کرسکے، جس کی وجہ سے خریداروں نے پینتالیس ہزار روپئے مار لیے، جس آدمی کو وصول یابی کے لیے رکھا تھا وہ آدمی بھی وصول یابی کی رقم میں سے پینتیس ہزار روپئے لے کر بھاگ گیا، زبیر اپنی کارکردگی کے درمیان صحیح طریقے سے حساب وکتاب نہیں رکھ سکے، اور نہ کیش بک اور لیجر صحیح طریقے سے تاریخ وائس حساب وکتاب بنا سکے، اور جو پرچوں کا حساب وکتاب زبیر کے ذریعہ دیا گیا، وہ بھی لم سم میں بنا کسی تاریخ و واؤچر کے جس کی نہ اول ہے نہ چول، اور نہ کوئی خریداری کے پرچہ اور تعداد اور تفصیل جیسا کہ ایک دکاندار یا فیکٹری یا ادارہ اپنا حساب رکھتا ہے، تو پھر ایک پارٹنر دوسرے پارٹنر سے آنے پائی کا حساب نہ دے کر اپنے اخراجات وڈمانڈ کی وصول یابی دوسرے پارٹنر کے ساتھ کیسے کرسکتا ہے؟ اور دوسرا پارٹنر کیوں دے گا؟ پچاس ساٹھ لاکھ روپئے کے حسابات

کیا بنا کسی کیش بک اور لیجر کے بن سکتے ہیں، اگر زبیر ایک منشی رکھ لیتے تو وہ حسابات کو صحیح اصول کے مطابق رکھ لیتا، محض اس لالچ کے بنا پر منشی نہیں رکھا کہ اس کی تنخواہ زبیر کو اپنی تنخواہ بارہ ہزار روپئے مہینے میں سے دینی پڑتی، ان نامکمل اور بے ترتیب حسابات کی وجہ سے زبیر اور رفعت کے درمیان کشیدگیاں بڑھتی جا رہی تھیں، تب حالات کے مطابق ان حسابات کو حل کرنے کے لیے برادری کے اشخاص کو متوجہ کیا گیا، ان لوگوں نے اپنا بہت سا قیمتی ٹائم ان حسابات کو سمجھنے اور بنانے میں لگایا، جس میں تقریباً کئی مہینے لگ گئے، جوڈمانڈ ریحان میاں سے سات لاکھ سینتیس ہزار آٹھ سو ستائیس روپئے کا مطالبہ کیا گیا تھا وہ حساب ایک لاکھ تریسٹھ ہزار روپئے کا بنا، جس کو بڑھا چڑھا کر زبیر نے ریحان میاں کو گمراہ کیا اور اپنا حصہ پچاس پرسینٹ کی جگہ ساٹھ پرسینٹ حاصل کرنے کی زبیر کے ذریعہ کوشش کی گئی، ذرا آپ غور فرمائیں کہ اتنی لمبی چوڑی رقم بتا کر ایک پارٹنر دوسرے پارٹنر کے ساتھ غلط بیانی کرکے اور بنا کوئی حساب وکتاب ریحان میاں کو دیئے اپنے مقصد کو حاصل کر لینے کی سازش کی۔

ہمارا یہ کہنا ہے کہ زبیر کو اگر ساٹھ پرسینٹ کا حصہ لینا ہی تھا تو خریداری کے وقت اس بات کو طے کر لینا چاہیے تھا جبکہ اخراجات کی رقم بھی ساٹھ پرسینٹ اور چالیس پرسینٹ کے حساب سے زبیر کو لینا چاہیے تھی، جبکہ وہ آج تک پچاس پرسینٹ کے حساب سے اخراجات کی وصولیابی کر رہے ہیں، زبیر نے اپنی تنخواہ ناقص کارکردگی اور ناتجربہ کاری کی وجہ سے بارہ ہزار روپئے مہینہ سے آٹھ مہینہ کی ایک لاکھ بیس ہزار روپئے گیس کی بکری میں سے نقد حاصل کر لی، یہاں تک کہ اپنے ذاتی اسکوٹر سے فیکٹری تک کے آنے جانے کا پٹرول کا خرچہ بھی گیس کی بکری کی نقدی سے حاصل کر لیا، اور مزید یہی نہیں بلکہ اپنے پرانے اسکوٹر کو فیکٹری کے ہاتھ دس ہزار سات سو روپئے میں بیچ کر اس کی بھی رقم گیس کی وصول یابی کی رقم میں سے کاٹ لی جبکہ اسکوٹر اپنے پاس ہی رکھا ہوا ہے۔

ڈیزل کا خرچہ پانچ لاکھ چوہتر ہزار پانچ سو روپئے بنا کسی تفصیل کے اور بنا کسی تیل کی آمد اور خرچ کے اور بنا کسی تاریخ کے دکھا رہے ہیں، جبکہ گیس کی بکری کی رقم کی وصولیابی

چار لاکھ تین ہزار دوسو چونتیس روپئے دکھا رہے ہیں، اپنی اور ملازمین اور اسٹاف کی تنخواہ تین لاکھ سترہ ہزار چار سو اڑسٹھ روپئے اور اپنی تنخواہ کے ایک لاکھ دو ہزار روپئے دکھا رہے ہیں، جبکہ فیکٹری کل سوا مہینہ ہی چلائی گئی

کیا فرماتے ہیں علماء دین: کہ زبیر صاحب ریحان میاں مرحوم کے سامنے جو اپنی رقم کی ڈمانڈ سات لاکھ سینتیس ہزار آٹھ سو ستائیس روپئے بغیر کسی حساب و کتاب کے ریحان میاں کو دھوکے میں رکھ کر غلط بیانی کر کے اور ان کی بیماری کا فائدہ اٹھاتے ہوئے پچاس پرسینٹ شیر کی جگہ ساٹھ پرسینٹ شیر طے کرالیا گیا، ریحان میاں نے زبیر صاحب کی سات لاکھ سینتیس ہزار آٹھ سو ستائیس روپئے کی ڈمانڈ کے عوض میں یہ بات کہی کہ فیکٹری کی زمین و جائیداد فروخت ہونے تک سارے اخراجات اور آئندہ بھی کسی بھی قسم کے اخراجات چارج نہیں کریں گے، جبکہ برادری کے دانشوروں نے زبیر صاحب کے حسابات کی رقم سات لاکھ سینتیس ہزار آٹھ سو ستائیس کی جگہ ایک لاکھ تریسٹھ ہزار تین سو پچاس روپئے کی ڈمانڈ نکالی، جبکہ ریحان میاں کے انتقال کے بعد سے بھی اب تک کے سارے اخراجات بھی زبیر صاحب پچاس پرسینٹ یعنی آدھے آدھے مصارف کی رقم لے رہے ہیں، اور اس بات کا گواہ ریحان میاں کی بیوی کو بنایا گیا ہے، اور ان کے علاوہ اس طے شدہ بات کی جانکاری باقی ورثاء کو نہیں تھی، ریحان میاں کے انتقال کے بعد ہی باقی ورثاء کو اس معاہدہ کا علم ہوا۔

برائے مہربانی قرآن وسنت کی روشنی میں ہماری رہنمائی فرمائیں کہ زبیر صاحب پچاس پرسینٹ کی جگہ ساٹھ پرسینٹ کا حصہ شیر ہم وارثان سے ان تمام نقصانات کرنے کے باوجود لینے کا اختیار رکھتے ہیں یا نہیں؟

وارثان ریحان میاں مرحوم: والد، والدہ، اہلیہ کے علاوہ دو لڑکے اور ایک شادی شدہ لڑکی۔

المستفتی: آر۔اے شمسی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مالی حقوق کے ثبوت میں دو عادل، باشرع مرد یا ایک عادل مرد اور دو عورتوں کی شہادت لازم ہے، اور مذکورہ معاملہ میں پچاس پرسینٹ کی جگہ

پر ساٹھ پرسینٹ کے ثبوت میں زبیر کے پاس ایسی شرعی شہادت موجود نہیں ہے اس لیے معاملہ حسب سابق پچاس پرسینٹ پر ہی ثابت ہوگا، لہٰذا حسب سابق پچاس پرسینٹ کے حساب سے معاملہ صاف کرنا لازم ہوگا۔

﴿قال الله تعالیٰ: وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِجَالِكُمْ فَإِنْ لَمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ. [البقرة: ۲۸۲]﴾

وما سویٰ ذلک من الحقوق یقبل فیها شهادة رجلین أو رجل و امرأتین سواء کان الحق مالا أو غیر مال. (هدایه، کتاب الشهادة، اشرفی ۳/ ۱۵٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
یکم رجب المرجب ۱۴۳۴ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۱۸۵)	۱/ ۷/ ۱۴۳۴ھ

مال جس کے قبضہ میں ہو اس کی ملکیت مانی جائے گی

سوال [۱۰۱۶۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید عمران دونوں کی بکری گم ہوگئی، پہلی جولائی کو، اور ۱۳/ جولائی کو زید کی بکری مل گئی، عمر کہہ رہے ہیں کہ یہ بکری ہماری ہے، اور زید کہہ رہے کہ یہ بکری ہماری ہے، اوران دونوں بکریوں میں کوئی شناخت نہیں ہے تو اب بکری کس کو ملنی چاہئے؟

المستفتی: مسعود احمد رام نگر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ سے معلوم ہورہا ہے کہ زید کی بکری مل گئی اور بکری زید ہی کے قبضہ میں ہے، اب عمر جو اپنی بکری ہونے کا دعویٰ کررہا ہے اس کے پاس اس کا کیا ثبوت ہے؟ اگر عمر اپنی بکری ہونے کا دو شرعی گواہوں سے ثبوت پیش کردے تو بکری عمر کو مل سکتی ہے، ورنہ بکری زید ہی کی رہے گی۔

ولا تقبل بینة صاحب الید فی الملک المطلق و بینة الخارج أولیٰ ...... و لنا

أن بينة الخارج أكثر إثباتا أو اظهارا لأن قدر ما يثبته بينة اليد لا يشبته بينة ذى اليد إذ اليد دليل مطلق الملک. (ھدایہ، کتاب الدعویٰ، باب الیمین، اشرفی ۲۰۳/۳) **فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
۱۵؍شعبان ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۵۸۸۲/۳۴)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۸/۱۵ھ

مظلوم کا حق ضائع نہیں ہوگا

سوال [۱۰۱۷۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری عدم موجودگی میں میرے گھر میں بلا اجازت داخل ہوکر بچوں کی چھوٹی سی حرکت کی بنا پر میرے بچوں اور میری بیوی کے ساتھ بدسلوکی اور ظلم تشدد امام صاحب نے کیا اور اس واقعہ کے گواہ ایسے موجود ہیں جو میرے پڑوسی ہیں اور نمازی و پرہیزگار ہیں، ویسے بھی یہاں کے لوگوں کا کہنا ہے کہ امام صاحب ترش مزاج اور غصہ ناک اور لڑنے والے ہیں، جس کی ایک جیتی جاگتی مثال یہ ہے کہ کچھ دن پہلے ایک فقیر سے بلا کسی وجہ یہ امام صاحب الجھے اور اس فقیر کے نازک مقام پر لاتیں مار کر سڑک پر لوٹنے پر مجبور کر دیا، آپ سے گذارش ہے کہ مطلع فرمائیں کہ ایسے امام کے بارے میں علماء دین کیا فرماتے ہیں؟

المستفتی: محمد ابرار بلی تال نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر آپ کا بیان صحیح ہے تو اس معاملہ میں آپ اور آپ کی بیوی بچے مظلوم ہیں اور مذکورہ امام شہر میں ظالم ہوگا، اگر اس دنیا میں اس سے بدلہ نہیں لیا ہے اور نہ ہی اس نے آپ سے معافی مانگی ہے تو آخرت میں عند اللہ آپ کو اس کا بدلہ ملے گا، نیز حدیث میں آیا ہے کہ مظلوم کی بد دعا واپس نہیں ہوتی ہے، ضرور قبول ہوتی ہے۔

عن أبی هريرة رضی الله عنه قال قال رسول اللهﷺ: ثلاث دعوات مستجابات لاشک فيهن: دعوة المظلوم و دعوة المسافر و دعوة الوالد

علی ولده. (سنن الترمذی، باب ما جاء فی دعوة الوالدین، النسخة الهندیة ۲/ ۱۳ دار السلام رقم: ۱۹۰۵، سنن أبی داؤد، باب الدعاء بظهر الغیبط النسخة الهندیة ۱/ ۲۱۵ دار السلام رقم: ۱۵۳٦، مسند أحمد بن حنبل ۲/ ۲۵۸، رقم: ۷۵۰۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/ صفر المظفر ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۱۸۲۹)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴/۲/۱۸ھ

حق تلفی کرنے کا حکم

سوال [۱۰۱۷۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: حق تلفی کرنے والا کیا گناہ کبیرہ کا مستحق ہے؟ جواب دینے کی زحمت فرمائیں۔

المستفتی: محمد فہیم بن محمد کلیم مغل پورہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: حق تلفی کرنا اور کسی کا حق مارنا جائز نہیں۔

عن سعید بن زید بن عمرو بن نفیل فإنی سمعت ان رسول اللہ ﷺ یقول: من أخذ شبرا من الأرض بغیر حقه طوقه فی سبع أرضین یوم القیامة.

(مسلم شریف، باب تحریم الظلم وغصب الأرض، النسخة الهندیة ۲/ ۳۳، بیت الأفکار رقم: ۱٦۱۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/ ربیع الاول ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۰۱۵)

اپنی ملکیت میں تصرف کرنے کا حکم

سوال [۱۰۱۷۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص نے اپنی جائیداد کو اپنی زندگی میں اپنے بیٹوں کے درمیان زبانی تقسیم

کردی جس میں کسی بیٹے کے پاس کچھ کم اور کسی کے پاس کچھ زیادہ زمین آئی، اس کو سب بیٹوں نے تسلیم کرلیا اور اپنی جگہ پر مکانات بھی بنالیے ایک بیٹے نے باپ کی زندگی ہی میں اپنا مکان بیچ کر دوسرا مکان خریدا تھا اب باپ کے انتقال کے پندرہ بیس سال کے بعد وہ بیٹا جس نے اپنا حصہ بیچ کر دوسرا مکان بنالیا تھا یہ کہتا ہے کہ باپ کی جائیداد میں میرا حصہ نکل رہا ہے، اور میں اس حصہ کو لے کر مسجد کو دوں گا، جس بھائی کے پاس کچھ زمین زیادہ تھی، اس نے اس بھائی کو دس ہزار روپیہ دیدیئے یہ روپیہ لینا یا حصہ لینا جائز ہے یا نہیں؟ اور وہ روپیہ لے کر مسجد کو نہیں دیا، روپیہ مسجد کو دینا ضروری ہے یا نہیں؟

المستفتی: شریف حسین اصالت پورہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب مدعی کے مطالبہ کرنے پر مدعیٰ علیہ نے دس ہزار روپیہ دے دیئے ہیں، اور مدعیٰ علیہ نے دینے سے انکار بھی نہیں کیا، بخوشی دیدیئے ہیں، تو مدعی اس رقم کا مالک ہو چکا ہے، اور سوالنامہ سے اسی طرف اشارہ مل رہا ہے کہ زائد حصہ میں سب کا حق ہے، اسی وجہ سے مدعیٰ علیہ نے دیدی ہے۔

المالک هو المتصرف فی الأعیان المملوکة کیف شاء من الملک. (بیضاوی ص: ۷)

یتصرف المالک فی ملکه کیف شاء. (البنایہ اشرفیہ ۸/ ۲۱۹)

الحق لایسقط بتقادم الزمان. (قواعد الفقه اشرفی ص:۷۷، رقم: ۱۱۶، الموسوعة الفقهیة الکویتیة ۸/ ۱۱۷، ۱۳/ ۱۱۸، ۲۸/ ۲۷۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ ربیع الاول ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۹۲۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۵/۳/۱۴۱۵ھ

سالوں سے جاری نالی کو مالک زمین کا بند کروانا

سوال [۱۰۱۷۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرے مکان کی نالی جب وہاں کھیت تھا جب بھی چلتی تھی، جب میرے والد نے اس کھیت میں سے جگہ خرید لی جو میرے مکان سے ملی ہوئی تھی، جب بھی ادھر کو نالی چلتی رہی اسی کھیت میں سے حکیم محمد علی صاحب نے جگہ خرید لی جب بھی نالی ادھر ہی کو چلتی رہی، انہوں نے اس میں باغ لگا دیا، اب بھی آم کے درخت ہیں اور دوسری چیزوں کے بھی، میں نے اپنے چچا سے تحقیق کی تو انہوں نے بتایا کہ جب دیوار بنائی تھی تو کوئی جگہ نہیں چھوڑی تھی، اب بھی نالی کا پانی ادھر ہی کو جارہا ہے، حکیم محمد علی صاحب کا کہنا ہے کہ آپ نالی بند کرلو، تو قرآن وسنت کی روشنی میں بتائیں کہ ہمیں کیا کرنا ہے؟

المستفتی: مرشد علی دلپت پور مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حکیم محمد علی کو حق ہے کہ وہ اپنی زمین میں جاری ہونے والی نالی کو بند کرادیں اور نالی والے کو روکنے کی بات مان لینی چاہیے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۳/ ۴۴۵)

المالک للشيء هو الذي يتصرف فيه باختياره و مشيئته. (بدائع الصنائع، فصل في بيان ما يبطل به الخيار، زكريا ٢/ ٦٣٨، كراچى ٢/ ٣٢٧)

كل يتصرف في ملكه كيف شاء. (شرح المجلة رستم اتحاد ١/ ٦٥٤، رقم المادة: ١١٩٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍ رجب المرجب ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۵۴۴)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۳/ ۷/ ۱۴۱۶ھ

مالک کا اپنی زمین میں راستہ بنانے سے روکنے کا حکم

سوال [۱۰۱۷۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ(۱) سگے بھائی کا پوتا شخص اجنبی ہوتا ہے یا نہیں؟

(۲) ایک فیصلہ ثالثی کی دفعہ ۵/کی عبارت مندرجہ ذیل ہے:

کہ مکان نمبر D28/21 واقع محلّہ پانڈے حویلی شہر بنارس حلقہ دشاسمیدھ کا شمالی حصہ حاجی عبدالعزیز کو دیا گیا ہے، اس شمالی طرف جو دروازہ آمد ورفت حاجی عبدالعزیز کا ہے یا جو وہ اپنی سہولت سے مکان کے اندر آنے جانے کے لیے آئندہ لگوائیں گے اس میں سے ہوکر رعایتاً مسمیان حاجی عبدالاسماعیل وحافظ محمد سلیمان اور ان کے خاندان والے نسلاً بعد نسل آجاسکیں گے، لیکن یہ لوگ اس راستے میں کسی قسم کی کوئی گندگی نہیں کریں گے، نہ کوئی جانور وغیرہ اس میں رکھیں گے، سوائے رعایتاً آمد ورفت کے کسی قسم کا کوئی بھی رعایتی حق ان کو نہیں رہے گا، اور وہ ملکیت ہمیشہ حاجی عبدالعزیز کی رہے گی لیکن اگر کسی وقت حاجی عبدالاسماعیل و حافظ سلیمان یا ان کے وارثان یا قائم مقامان اپنے حصے مکان کو کسی شخص اجنبی کو منتقل کریں گے تو شخص اجنبی منتقل علیہ کو کسی قسم کا کوئی حق اس میں رعایتاً آمد ورفت کا نہیں رہے گا، اور یہ زائل سمجھا جائے گا، حاجی عبدالعزیز و حاجی عبدالاسماعیل و حافظ محمد سلیمان و قاری عبدالحکیم برادران تھے، حافظ محمد سلیمان کے انتقال کے بعد ان کے پسر نے حافظ محمد سلیمان کے کل حق و حصہ کو حافظ محمد سلیمان کے سگے بھائی قاری عبدالحکیم کے سگے پوتوں کو بیع کردیا، منتقل علیہ قاری عبدالحکیم کے پوتوں کو راستہ مذکورہ بالا سے آمد ورفت کا رعایتی حق رہے گا، یا زائل ہوجائے گا؟ جواب باصواب سے نوازیں؟

المستفتی: شمیم احمد بن حاجی عبدالاحد بنارس

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اقرارنامہ کی فوٹو کاپی دیکھنے کی ضرورت تھی، تا

ہم اولادوں میں نکاح بیاہ شادی کے اعتبار سے شریعت کے نقطۂ نظر سے عبدالعزیز کی اولاد کے لیے عبدالحکیم کے پوتے اجنبی ہیں، لہٰذا عبدالعزیز کے پوتے پوتی کا نکاح عبدالحکیم کے پوتے پوتی کے ساتھ جائز ہے، اس اعتبار سے ایک دوسرے کے لیے اجنبی ہیں، اور اجنبی کے ہاتھ فروخت کرنے کی صورت میں حق مرور ختم ہونے کی بات ثابت ہوجائے گی۔

یہ بات واضح رہے کہ جائیداد کی تقسیم میں اس طرح کی رعایتی شرط لگانا شرعاً درست نہیں ہے، اور جب حاجی عبدالعزیز اس کا مالک ہے تو جب تک وہ چاہے وہاں سے گذر سکتا ہے اور جب نہ چاہے تو گذر نہیں سکتا، اور جب سلیمان اور اس کی اولاد نے اپنا حصہ فروخت کر دیا ہے تو عبدالعزیز نے اس کو اور اس کی اولاد کو جو حق دیا ہے وہ کسی بھی خریدار کو حاصل نہ ہوگا، چاہے خریدار خاندان کا ہو یا غیر خاندان کا، لہٰذا اب فروخت کے بعد عبدالحکیم کو یا اس کے خاندان کو اس پر سے گذرنے کا حق نہیں ہے، بلکہ خریدار اپنی جائیداد کی حقیقی گذرگاہ کا جو اس کی جائیداد کا حق مرور ہے، اسی سے گذر سکتا ہے۔

ویستحق کل واحد من أهل الطريق غير النافذ، الارتفاق بما بين رأس الدرب و باب داره لأن ذٰلک هو محل تردده و مروره، وماعداه هو فيه كالأجنبي من الطريق. (الموسوعة الفقهية الكويتية ٢٨/ ٣٥٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۱۲؍ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۵۵ ۲)	۱۴۲۸/۴/۱۳ھ

جائیداد بیچنے پر لڑکوں کا اعتراض کرنا

سوال [۱۰۱۷۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں ایک غریب آدمی ہوں، میرے کچھ بچے اپنے پیروں پر کھڑے ہیں، مگر وہ میری مدد نہیں کرتے، دو بچے میرے ساتھ ہیں، ایک معذور ہے ایک غیر شادی شدہ ہے مجھے اس کی شادی کرنی ہے، میرے پاس کچھ جائیداد ہے میں اس جائیداد کو بیچ سکتا ہوں یا نہیں؟ اور بیچ کر

میرے ساتھ میں جولڑکا ہے اس کی شادی کردوں اور بعض وہ لڑکے جوا لگ رہتے ہیں وہ اس معاملہ میں آڑے آرہے ہیں تو کیا میری جائیداد بیچنے میں کسی کو دخل اندازی کرنے کا حق ہے؟

المستفتی: حافظ محمد حسین سرائے حسینی بیگم مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آپ کو اپنی جائیداد میں ہرطرح کے تصرف کرنے کا ہر وقت حق ہے، چاہے فروخت کردیں، چاہے کسی کو ہبہ کردیں یا صدقہ کردیں، اس میں نہ آپ کے لڑکوں کو اعتراض کا حق ہے اور نہ ہی کسی دوسرے کو، لہٰذا آپ اپنی جائیداد جب چاہیں جس طرح چاہیں فروخت کرسکتے ہیں۔

والمالک هو المتصرف فی الأعیان المملوکة کیف شاء من الملک. (بیضاوی شریف رشیدیه، سوره فاتحه ۱/۷)

المـلک ما من شانه أن یتصرف فیه بوصف الاختصاص. (شامی، مطلب فی تعریف المال، زکریا ۷/۱۰، کراچی ٤/٥٠٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍جمادی الثانیہ ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۶۱۹۱)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۸/۶/۱۴۲۰ھ

مالک کا کنویں کی زمین کو اپنے استعمال میں لانا

سوال [۱۰۱۷۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں کہ ممتاز حسین ولد حاجی مشتاق حسین کا ایک مکان آراضی محلہ پیرزادہ غلام سرور کی برابر میں ہے، جس میں کنواں تھا، یہ ۱۶؍ گز زمین ہے جس کا حاجی مشتاق حسین کے نام سے بیع نامہ ہے، میں عمارت کو بنانے چلا تو محلّہ کے چندلوگوں نے حاجی محمد یونس پہلوان کے کارخانہ میں میٹنگ کی اور کہا کہ وہ رفاہ عام ہے میں نے کہا کہ یہ ہماری جگہ ہے، محلّہ کے آدمیوں نے کہا کہ اگر تمہاری آراضی ہے تو تم بھرلو اس کا عذاب تمہارے اور تمہارے بچوں

کے سر رہے گا، اس میٹنگ میں میں نے کہا تھا کہ کاتب سے نپوانا چاہو تو نپوادوں گا، غلط ایک گرہ نہیں بھروں گا، اس میٹنگ میں ہادی حسن، شکیل احمد، جلیل احمد، ذاکر حسین، محمد اکرام، شمشاد حسین، اعجاز احمد، شریف احمد، ممتاز احمد، حاجی احسان صاحبان موجود تھے۔

میں نے اس جگہ کو بنالیا تو کئی مرتبہ اور میٹنگ ہوئی، اس میٹنگ میں کبھی کوئی بات تو کبھی کوئی بات نکلی، اب محلے کے حضرات کا کہنا ہے کہ آپ کے پاس کوئی تحریر ہو تو دکھادو، یہ کنواں ۲۵/۲۰ر سال سے بند چلا آرہا ہے، اس کنویں کے سبھی محلّہ کے حضرات اس حق میں تھے کہ یہ کنواں بند ہونا چاہیے، تو میں نے بھرلیا، اب دریافت یہ کرنا ہے کہ اس کنویں کو بند کردینے کی وجہ سے شرعاً ہم گنہگار تو نہیں ہوں گے، جبکہ اس کنویں سے تقریباً ۳۰ر سال سے کوئی پانی نہیں بھرتا تھا، شرعی حکم تحریر فرمادیں؟

المستفتی: مختار حسین پیرزادہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: برتقدیر صحت سوال جب کنواں مختار حسین کی ملکیت کی زمین میں ہے اور ۳۰/۲۵ر سال سے اس کنویں سے پانی بھرنے کا سلسلہ بھی منقطع ہو چکا ہے تو ایسی صورت میں کنویں کی زمین کو اپنے استعمال میں شامل کرنے کا مالک زمین کو حق ہے، اس پر کسی کو اعتراض کا حق نہیں ہے۔

ولو كانت البئر أو الحوض أو النهر في ملك رجل فله أن يمنع مريد الشفة من الدخول في ملكه إذا كان يجد ماء بقربه. (درمختار كتاب إحياء الموات، فصل في الشرب، زكريا ١٠/ ١٥، كراچی ٦/ ٤٤٠، البنايه اشرفی ١٢/ ٣١٨، هنديه زكريا قديم ٥/ ٣٩١، جديد ٥/ ٤٥٠)

والمالك هو المتصرف في الأعيان المملوكة كيف شاء من الملك. (بيضاوى شريف رشيديه، سوره فاتحه ١/ ٧)

الملك ما من شانه أن يتصرف فيه بوصف الاختصاص. (شامى مطلب في تعريف المال زكريا ٧/ ١٠، كراچی ٤/ ٥٠٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۲۱ر جمادی الثانیہ ۱۴۱۷ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۹۱۴/۳۲)	۱۴۱۷/۶/۲۱ھ

قانون کے تحت جو حقوق ہیں وہ خود بخود لازم ہو جاتے ہیں

سوال [۱۰۱۷۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (الف) ہمارے یہاں ایک استاذ طویل زمانہ سے میرے اور میرے بھائیوں کے بچوں کو قرآن پاک حفظ کراتے ہیں، زبانی معاملہ کے وقت قیام وطعام اور ماہانہ تنخواہ طے ہوئی تھی، جو ہم ادا کرتے رہے، لیکن حکومت ہند اور حکومت سعودیہ کے اگریمنٹ وقوانین کے تحت ان کے اور بھی حقوق ہمارے ذمہ عائد ہوتے ہیں جن کی رقم تقریباً (۵۰/ ہزار ریالات بنتی ہے، کیا یہ رقم پچاس ہزار ریال ہمارے ذمہ شرعاً وقانوناً واجب الأ داء ہے جبکہ زبانی معاملہ کے وقت ان حقوق کا کوئی ذکر نہیں تھا؟

(ب) قیام وطعام اور ماہانہ تنخواہ کے علاوہ ہم استاذ موصوف کو دو سال میں اپنی طرف اور خوشی سے ایک ٹکٹ آنے جانے کا چھٹی پر جانے کے وقت دیتے رہے ہیں، یہ ٹکٹوں کی رقم ہم حساب میں اب شامل کر سکتے ہیں یا نہیں؟ کیونکہ اس وقت تو ابتداء میں ہم نے اس ٹکٹ کو اپنی طرف سے ہدیہ کہا تھا؟

(ج) مذکورہ رقم پچاس ہزار ریالات ادا نہ کرنے کی صورت میں کیا ہم پر آخرت میں دینداری رہے گی؟

(د) استاذ موصوف اپنی یہ رقم پچاس ہزار ہم سے جبراً اور بغیر ہماری منشاء کے لینے کا استحقاق رکھتے ہیں؟

(ہ) معاملہ کے وقت جمعرات کی چھٹی طے تھی، مگر استاذ نے جمعرات میں بھی پڑھایا ہے (یہ مجھے واستاذ کو یاد نہیں کہ استاذ نے خود پڑھایا تھا یا میرے کہنے پر پڑھایا تھا) کیا ان ایام کی بھی تنخواہ علاحدہ سے ہمارے ذمہ شرعاً وقانوناً واجب الأ داء ہے، اور ادا نہ کرنے کی صورت میں آخرت کا مؤاخذہ ہم پر رہے گا یا نہیں؟

المستفتی: عبد الہادی مکہ مکرمہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (الف) حکومت کے قوانین کے تحت جو حقوق پہلے ہی سے عائد ہیں وہ معاملہ طے کرتے وقت ذکر کیے بغیر خود بخود لازم ہو جائیں گے۔

(ب) جب آپ نے بطور ہدیہ ٹکٹ دیا تو وہ ہدیہ ہی رہے گا بعد میں کسی اور حق کے ساتھ محسوب نہ ہوگا۔

(ج) سرکاری کی طرف سے عائد ہونے والے حقوق کو جب جانبین لازمی سمجھتے ہیں تو وہ لازمی حقوق میں شامل ہوں گے، ان کا ادا کرنا بھی لازم ہوگا ورنہ عند اللہ مواخذہ ہوگا۔

(د) استاذ موصوف اس حق کے مطالبہ کے مجاز ہیں۔

(ہ) جمعرات کی طے شدہ چھٹی میں اگر اپنی مرضی اور خوشی سے پڑھایا ہے تو ان ایام کی الگ سے اجرت کا حقدار نہ ہوں گے، اور اگر آپ کے کہنے پر پڑھایا ہے تو ان ایام کی بھی اجرت کے حقدار ہیں، اب کیسے پڑھایا تھا دونوں خود فیصلہ فرمائیں، مسلمانوں کے اس طرح کے معاملات کا شرعی حکم اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے۔

عن عمرو بن عوف المزني أن رسول الله ﷺ قال: الصلح جائز بين المسلمين إلا صلحا حرم حلالا أو أحل حراما والمسلمون على شروطهم إلا شرطا حرم حلالا أو أحل حراما. (ترمذی، الأحكام، باب ما ذكر عن رسول الله ﷺ في الصلح بين الناس، النسخة الهندية ۱/۲۵۱، دار السلام رقم: ۱۳۵۲، المستدرك، الأحكام، مكتبه نزار مصطفى الباز ۷/۳۵۲۳، قديم ٤/۱۰۱، رقم: ۷۰۵۹، المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ۱۷/۲۲، رقم: ۳۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍ شوال المکرّم ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۸۳۵)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۱۰/۲۷ھ

تنگ دست ہو جانے کی صورت میں ادائے حقوق کی شکل

سوال [۱۰۱۷۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے دوسروں کے حقوق دبائے، چاہے وہ روپیوں کی شکل میں ہوں یا زمین وجائیداد کی شکل میں، اب اسے سمجھ آئی تو وہ اپنی غلطی پر نادم ہے، اور ارادہ ہے کہ اگر

اللہ نے مجھے وسعت دی تو دوسروں کے حقوق جو ہم نے دبائے ہیں ان کو ضرور ادا کروں گا فی الحال ادائیگی کی وسعت نہیں، اس کے پاس کچھ بھی نہیں ہے، اگر اس ارادے کے ساتھ وہ مرجائے تو کیا آخرت میں پھر بھی اس کی گرفت ہوگی؟ یا اللہ تعالیٰ اس کی توبہ اور ادائیگی کے ارادہ کی وجہ سے معاف فرمادیگا؟ اور اہل حقوق کے حق کو اپنے پاس سے ادا کریگا، یا کہ اس کی نیکیاں اہل حقوق کو دی جائیں گی؟ جواب تحریر فرمائیں۔

المستفتی: امیر حسن مدرسہ حبیبیہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس شخص نے دوسروں کے حقوق دبائے ہیں ان کی توبہ کی قبولیت کے لیے اور آخرت کی گرفت سے بچنے کے لیے شرائط توبہ میں سے ایک شرط یہ ہے کہ وہ صاحب حق کو اس کا حق ادا کردے، اور اگر فی الحال ادائیگی کی وسعت نہیں رکھتا تو حصول قدرت پر ادائیگی کی نیت کرے، اور صاحب حق سے مہلت لے لے اور مرنے سے پہلے اپنے ترکہ میں سے ادا کرنے کی وصیت کرجائے۔

التوبة واجبة من كل ذنب ...... وإن كانت المعصية تتعلق بآدمي فشروطها أربعة: هذه الثلاثة و أن يبرأ من حق صاحبها فإن كانت مالا أو نحوه رده إليه (تحته) وظاهر كلامه توقف صحة التوبة على ما ذكر من الرد والتمكين أى إن أمكنه ذٰلک وإلا نوىٰ ذٰلک إذا قدر أو طلب العفو.

(رياض الصالحين مع دليل الفالحين ١/ ٤ ٥ – ٥٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۵۸۳۲)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۶/۲۸ھ

صلوٰۃ الحاجۃ پڑھ کر اللہ سے حقوق العباد معاف کرانے کا حکم

سوال [۱۰۱۷۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: عبداللہ اکثر دو رکعت نماز حاجت پڑھ کر یہ دعا کرتا ہے کہ اے اللہ اس نماز کی برکت سے جن کے حقوق میرے ذمہ ہیں ان کے حقوق کی ادائیگی فرما اور اپنا حق معاف کردے، اس طرح حقوق العباد معاف ہوسکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: شفیع احد الاعظمی الرفاع

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جی نہیں، حقوق العباد صاحب حق سے معاف کرائے بغیر معاف نہیں ہوتے۔

عن أبی هريرة رضی الله عنه أن رسول الله ﷺ: لتؤدن الحقوق إلى أهلها يوم القيامة حتى يقاد للشاة الجلحاء من الشاة القرناء. (صحيح مسلم، باب تحريم الظلم، النسخة الهندية ۲/ ۳۲۰ بيت الأفكار رقم: ۲۵۸۲، مشکوٰة ۲/ ۴۳۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/ رجب المرجب ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/ ۳۲۵۳)

کسی وجہ سے ایک ہزار روپیہ بینک میں رہ جائے تو کیا حکم ہے؟

سوال [۱۰۱۸۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں نے اے ٹی ایم سے دو ہزار روپئے نکالے، مگر اے ٹی ایم نے دو ہزار کے بجائے تین ہزار روپئے کاٹے، بغیر کسی غلطی کے اور پاس بک میں بھی اے ٹی ایم کے مطابق تین ہزار ہی درج ہیں اس بات کی شکایت بینک سے کی گئی تو اس نے کہا میرے پاس کوئی ثبوت نہیں ہیں، اور میرے پاس بھی اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ اس کی کوئی کارروائی کرسکوں، اس رقم کو پورا کرنے کے لیے بینک سے جو بیاج ملتا ہے اس میں سے اس رقم کو پورا کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد قاسم لال مسجد مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مسئولہ صورت میں آپ کی جو ایک ہزار کی رقم

اے ٹی ایم مشین کی ناقص کارکردگی کی بناپر بینک کے ذریعہ باقی رہ گئی ہے اورآپ کے اکاؤنٹ سے وہ رقم کٹنے کے باوجود آپ کو وہ رقم حاصل نہ ہوسکی تو اس صورت میں بینک کی جانب سے ملنے والی اضافی رقم کے ذریعہ اس عنوان سے اپنا حق وصول کرنے کی گنجائش ہے؛ کیونکہ اپنا حق غاصبِ حق کے مال سے کسی بھی عنوان سے وصول کرنا شرعاً جائز ہے اور اضافی رقم بینک کا مملوکہ پیسہ ہے۔

وجد دنانير مديونة وله عليه درهم له أن يأخذه لإتحادهما جنسا في الثمنية ...... والفتوىٰ اليوم على جواز الأخذ عند القدرة من أى مال كان.

(شامي، كتاب الحجر، زكريا ۹/ ۲۲۱، كراچي ٦/ ۱۵۱)

الأمور بمقاصدها. (الأشباه والنظائر كراچی ص:٤٣، قواعد الفقه اشرفی ص: ٦٢، رقم: ٥١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍محرم الحرام ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۲۵۲/۳۹)

گرام سماج کی زمین پر مکان بنانے کا حکم

سوال [۱۰۱۸۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک گاؤں میں ایک حافظ صاحب پڑھاتے تھے، گاؤں کی کھلیان وغیرہ کے لیے کچھ زمین پڑی تھی، مدرسہ کے قریب ہی تھی، گاؤں کے کچھ لوگوں نے اس زمین پر الگ الگ حصہ متعین کر کے قبضہ کر رکھا تھا، پھر جن لوگوں نے اس پر قبضہ کیا تھا ان لوگوں نے اپنے اپنے قبضہ کی زمین ملکیت میں پڑھانے والے حافظ صاحب کو دیدی، اوران سے کہا کہ اس زمین پر آپ اپنا مکان بنالیں، پردھان نے بھی اس زمین کو دینے کی منظوری کردی تھی، اورتھانہ میں بھی بات چیت کرلی تھی اور حافظ صاحب کے نام تحریر دیدی تھی، حافظ صاحب نے اس پر

قبضہ کیا اور بنیاد بھر کر ڈال دی، پھر ایک سال کے بعد تعمیر شروع کی جب اچھی خاصی دیواریں کھڑی ہوگئیں تو گاؤں ہی کے ایک شخص انور نے اور اس کے کچھ حامیوں نے اس تعمیر پر روک لگوادی، اور پولیس کے ذریعہ ممانعت ہوگئی، اب چار ونا چار حافظ صاحب کو اپنی اینٹیں اکھاڑ کر اپنے گاؤں لے جانا پڑیں، حافظ صاحب کا کافی نقصان ہوا۔

تو اب دریافت یہ کرنا ہے کہ جس شخص نے اس تعمیر پر روک لگائی ہے اس زمین پر اس کا قبضہ بھی نہیں تھا، اور زمین گرام سماج کی تھی، اور پردھان اور قابض لوگوں نے اجازت دی تھی، تو اب جس نے روک لگوائی ہے جس کے نتیجہ میں حافظ صاحب کا نقصان ہوا ہے اب وہ نقصان روک لگانے والے پر ادا کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ جبکہ مکان کی تعمیر کے بارے میں اسے پہلے سے ہی معلوم تھا، ایک سال تک بنیاد بھری پڑی رہی اس وقت اشکال نہیں کیا پھر تعمیر کی شروعات میں نہیں روکا، اور جب کافی تعمیر ہوگئی تو اس نے ایسی حرکت کی تو کیا شرعاً نقصان کے برابر رقم انور کو دینا پڑے گی، یا شرعاً جن لوگوں نے تعمیر کی اجازت دی تھی ان پر نقصان والی رقم ادا کرنا ضروری ہے؟ اس معاملہ میں جو بھی شریعت کا حکم ہو مطلع فرمائیں، اور اگر یہ لوگ نقصان والی رقم ادا نہیں کریں گے تو کیا آخرت میں ان لوگوں کو دینا پڑیگا، اور آخرت میں ان لوگوں سے باز پرس ہوگی یا نہیں؟

المستفتی: محمد طیب سیتاپوری متعلم مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسی زمین جو گرام سماج کی ہو، اس کا استعمال گرام سماج کی اجازت پر موقوف ہوتا ہے، اگر گرام سماج اجازت دیدے تو اس میں ہر طرح کا تصرف جائز ہو جاتا ہے، لہٰذا مذکورہ سوال میں چونکہ حافظ صاحب کو گرام سماج یعنی پردھان کی جانب سے اجازت تحریر کے ساتھ مل چکی تھی، اس لیے انور صاحب کو مکان بنانے سے رکوانے کا کوئی حق نہیں تھا، لہٰذا اس روکنے پر حافظ صاحب کو جو نقصان ہوا اس نقصان کی رقم انور صاحب کو دینا پڑے گی، اگر بقدر نقصان رقم واپس نہ کرے اور حافظ صاحب سے معافی تلافی بھی نہ کرے تو

آخرت میں حقوق العباد کے تحت باز پرس ہوسکتی ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۸/۴۶۱)

عن أبی هریرة رضی الله عنه أن رسول الله ﷺ: لتؤدن الحقوق إلی أهلها یوم القیامة. (مسند أحمد بن حنبل ۲/۵۲۳، رقم: ۷۲۰۳) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
۱۲؍محرم الحرام ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۶۴۲۴)

ایک امام صاحب سے متعلق چند سوالات کے جوابات

سوال [۱۰۱۸۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مسجد کے امام صاحب شادیوں کے موقع پر نکاح پڑھاتے ہیں، ایک بار تین لڑکیوں کا نکاح پڑھا دیا، لڑکی والے نے امام صاحب کو نکاح کے بعد روپیہ دیا تو امام صاحب نے پورے مجمع میں کہا کہ شادیوں میں تو آپ لوگ لاکھوں روپیہ خرچ کرتے ہیں اور امام صاحب کو جو نکاح پڑھاتے ہیں اس کو اتنے سے روپیہ میں تو فی لڑکی کے حساب سے ۲۵۲ روپیہ لوں گا، موجود لوگوں نے امام صاحب کو سمجھایا اور پھر لڑکی والے نے اور رقم کا اضافہ کیا تب امام صاحب مانے پھر ایک شادی پر مفتی صاحب تشریف لائے تو لڑکی والوں نے مفتی صاحب سے نکاح پڑھوالیا اس پر لڑکی والے ایک سو روپیہ ایک جوڑا اور ایک جوڑا امام کے والد محترم کو اور ۵۰؍روپیہ بھی دینے آئے تو امام صاحب نے یہ لینے سے انکار کر دیا کہ آپ نے مجھ سے نکاح کیوں نہیں پڑھوایا، اس ناراضگی کی وجہ سے یہ سامان نہیں لیا، پھر کافی کہنے کے بعد امام صاحب نے وہ سامان لیا پھر ایک دو نکاح ہوئے جس میں امام صاحب کو لڑکی والوں نے ۱۰۵ روپیہ بھیجے، تو امام صاحب نے یہ کہہ کر واپس کر دیئے کہ میں ۲۵۲؍روپیہ لوں گا، ایک مرتبہ مسجد کے واسطے کچھ رقم آئی، ذمہ دار مسجد نے وہ رقم امام صاحب کو دیدی، امام صاحب نے اس امانت کو بلا بتائے خرچ کرلیا، ذمہ دار کے معلوم کرنے پر امام صاحب نے فرمایا آپ میری تنخواہ سے کاٹ لینا، وہ رقم خرچ ہوگئی ہے، پھر علاقہ کے لوگوں

نے امام صاحب سے بات کی کہ آئے دن نکاح پر اس طرح کی باتیں ہوتی ہیں یہ ٹھیک ہے؟ تو امام صاحب نے فرمایا کہ نکاح پڑھانے کی اجرت لینا جائز ہے، اگر کم ملے تو زیادہ مانگنی چاہیے اور جو جتنا خرچ کرے گا اتنا ہی ثواب ملے گا، تو امام کا یہ فرمانا کہ نکاح کی اجرت لینا جائز ہے اور کم ملے تو زیادہ مانگنی چاہیے اس بات سے سائل کے دل میں امام صاحب کی طرف سے کدورت ہوگئی ہے، سائل نے امام صاحب سے یہ کہہ دیا کہ جب تک یہ مسئلہ معلوم نہ کرلوں گا آپ کے پیچھے نماز نہیں پڑھوں گا، لہٰذا سائل امام صاحب کے پیچھے نماز نہیں پڑھ رہا ہے اس بات کے علاوہ اور بھی امام صاحب کی باتیں ہیں جیسے ایک آدمی نے بقرعید کی قربانی کے وقت جانور کے حلال کرنے پر جو دعا پڑھی جاتی ہے اس دعا کے واسطے اور ساتھ چلنے کی درخواست کی کہ امام صاحب میرے بکرے پر دعا پڑھ دیں تو امام صاحب نے فرمایا کہ قربانی میں دعا پڑھنا بدعت ہے، صرف تین مرتبہ اللہ اکبر کہہ کر ذبح کردو، اسی وقت دوسرا ایک آدمی آیا، امام صاحب آپ یہاں کھڑے ہیں وہاں گھر پر جانور کے پاؤں بندھے پڑے ہیں، آپ چل کر دعا پڑھ دیں تو امام صاحب فوراً اس آدمی کے ساتھ چل دیئے۔

مسجد میں اکثر دیر سے نماز پڑھاتے ہیں، کبھی کبھی تو فجر کی نماز میں نمازی امام صاحب کو گھر سے بلا کر لاتے ہیں اور اگر کبھی کوئی شکایت کرتا ہے تو کہتے ہیں، تسبیح وذکر کرتے رہو ثواب ملتا رہے گا، یا فرماتے ہیں کوئی اور امام تلاش کرلو، سائل نے ایک دفعہ کہا، نماز پڑھائیے وقت ہوگیا تو امام صاحب نے فرمایا مہمان سنت پڑھ رہے ہیں اس کے بعد نماز ہوگی، سائل نے کہا یہ بھی مسئلہ ہے تو کہا ہاں یہ بھی مسئلہ ہے، اور پھر نماز ۲۰ ؍منٹ بعد ہوئی، اور امام صاحب آئے دن اپنی تنخواہ میں اضافہ کے لیے فرماتے ہیں، جبکہ معقول آمدنی امام صاحب کی ہے، مسجد مبلغ ایک ہزار روپیہ مدرسہ سے پانچ سو روپیہ کی آمدنی اور رمضان شریف میں ختم قرآن پر چار ہزار روپئے سے زیادہ مل جاتے ہیں اور وقت وقت پر امام صاحب کی خدمت ہوتی رہتی ہے، شادیوں میں نکاح خوانی کے علاوہ نوازا جاتا ہے وغیرہ وغیرہ، مندرجہ بالا سوالات کے جوابات مطلوب ہیں؟

المستفتی: اصغر علی قریشی بلند شہر یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) بطیب خاطر اور خوش دلی سے اولیائے زوجین نکاح پڑھانے والے کو جو رقم دیں وہ لینا جائز ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۴/۲۵۹، جدید ڈابھیل ۱۷/ ۹۸)

و كل نكاح باشره القاضي ...... ولم يجب عليه مباشره حل له أخذ الأجرة عليه. (تاتارخانية زكريا ١١/ ١١٩، رقم: ١٥٦٣٤، هنديه زكريا قديم ٣/ ٣٤٥، جديد ٣/ ٣٠٦)

(۲) قربانی کرتے وقت ایک مرتبہ بسم اللہ اللہ اکبر کہنا ضروری ہے، اس کے علاوہ دعاؤں کا پڑھنا لازم نہیں ہے، بلکہ جس کو دعا یاد ہے اس کے لیے پڑھنا مستحب ہے اور یہ سمجھنا کہ اس کے بغیر قربانی نہیں ہوتی ہے یہ بدعت سے خالی نہیں ہے۔

تشترط التسمية من الذابح حال الذبح. (در مختار مع الشامی، كتاب الذبائح، كراچی ٦/ ٣٠٢، زكريا ٩/ ٤٣٨، هدايه اشرفی ديوبند ٤/ ٣٤٦)

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ذبح کرتے وقت جو دعا پڑھی تھی وہ مستحب ہے۔

عن جابر بن عبد الله قال: ذبح النبی ﷺ يوم الذبح كبشين أقرنين أملحين موجئين فلما وجههما قال: إنی وجهت وجهی للذی فطر السمٰوات والأرض على ملة ابراهيم حنيفا وما أنا من المشركين، إن صلاتی و نسكی ومحياى ومماتی لله رب العالمين لاشريك له وبذٰلك أمرت وأنا من المسلمين، اللهم منك و لك عن محمد و أمته بسم الله والله أكبر ثم ذبح. (سنن أبی داؤد، كتاب الضحايا، باب ما يستحب من الضحايا، النسخة الهندية ٢/ ٣٨٦، دار السلام رقم: ٢٧٩٥، مشكوٰة شريف ١/ ١٢٨)

(۳) نماز اپنے وقت مقررہ پر پڑھانی چاہیے، مہمان کی دلجوئی کے لیے برضاء مقتدی وقت کے اندر تاخیر کی گنجائش بھی ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۵/۴۲)

أما الإنتظار قبل الشروع فی غير ما يكره كمغرب، وعند ضيق وقت، فالظاهر عدم الكراهة ولو لمعين إلا إذا ثقل على القوم. (حاشية الطحطاوی على الدر المختار كوئٹه ١/ ٢٢٠)

(۴) رمضان شریف میں قرآن کریم سنانے کی اجرت لینا اور دینا دونوں ناجائز ہیں۔
یـمـنـع الـقـاری لـلـدنیا والآخذ والمعطی آثمان. (شـامـی، باب الإجارة الفاسدة، مطلب: فی الأجرة علی الطاعات، زکریا ۹/۷۷، کراچی ٦/٥٦)

اور امام صاحب کو جو ہزار روپئے دیئے جاتے ہیں اگر وہ دینا طے ہیں خواہ امام صاحب سنائیں یا نہ سنائیں تو وہ روپئے امام صاحب کو دینا جائز ہیں، اور صرف قرآن سنانے کی وجہ سے دیئے جاتے ہیں تو امام صاحب کے لیے لینا جائز نہیں اور دینے والے بھی گنہگار ہوں گے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۴/۲۷٦، جدید ڈابھیل، ۱۷/ ٦۸)

(۵) امام صاحب کا تنخواہ میں اضافہ کا مطالبہ کرنا ناجائز نہیں ہے، اور اضافہ کا مطالبہ کرنا نہ تو توکل کے خلاف ہے اور نہ امام پر یہ الزام عائد ہوسکتا ہے کہ لوگوں کی جیبوں پر نظریں رہتی ہیں، اللہ پر توکل وبھروسہ کم رہتا ہے، بلکہ امام صاحب کا گذر وبسر کرنے کے لیے تنخواہ میں اضافہ کا مطالبہ کرنا جائز ہے۔

ثـم مـا هو أقرب لعمارته کإمام مسجد و مدرس مدرسة یعطون بقدر کفا یتهم. (شـامـی، کتـاب الوقف، مطلب یبدأ من غلة الوقف بعمارته، زکریا ٦/٥٦٠، کراچی ٤/٣٦٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰؍شعبان المعظم ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر ۳۱/ ۳۵۷۱)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۰/۸/۱۴۱۴ھ

۲ باب حقوق الوالدین

ماں باپ اور اولاد کے ایک دوسرے پر کیا حقوق ہیں؟

سوال [۱۰۱۸۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) اولاد کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ماں باپ پر کیا فرائض رکھے ہیں؟

(۲) اور ماں باپ پر اولاد کے کیا فرائض ہیں؟

(۳) کیا بہو کو بھی ساس سسر کو گالیاں دینا، کوسنا اور برا بھلا کہنے کا حکم ہمارے مذہب میں ہے؟ یعنی اگر ساس یا سسر اپنے بیٹے کی بہو کو گالیاں دیں یا اپنی اولاد کو یہ حکم دیں کہ اس کو مارو پیٹو اور خود بھی گالیاں کوسنا وغیرہ کریں، تو کیا یہ ہی شرع کا حکم بہو کو بھی ہے؟

(۴) ماں باپ کے پاس ایک گھر ہے جس میں چار کمرے ہیں جن میں سے ایک پر بڑا بیٹا قابض ہے، اور دو پر وہ خود، چوتھے کمرہ پر دوسرا بیٹا اور یہ کہا جائے کہ جگہ چھوٹی ہے اور تم یہ جگہ خالی کرو تو کیا یہ جگہ خالی کرنے کا حکم ہے؟

(۵) ماں باپ کا جائز یا ناجائز کوسنا اللہ تعالیٰ کے یہاں قبول ہوگا یا نہیں؟ جس میں سراسر غلطی اولاد کی نہ ہو تو کیا اللہ تعالیٰ جائز یا ناجائز نہیں دیکھے گا؟

(۶) اگر ماں باپ کو کوسنے دیں اور اولاد خاموشی توڑ کر کوئی جواب دیدے تو اللہ تعالیٰ کے یہاں کوئی پکڑ ہوگی یا نہیں؟

المستفتی: حبیب احمد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: (۱) اللہ تبارک وتعالیٰ نے اولاد پر ماں باپ کے یہ حقوق رکھے ہیں کہ ان کے ساتھ احسان وہمدردی، رواداری، عاجزی وانکساری، ادب واحترام، ان کی دل جوئی کرنے نیز ان کے سامنے جھکے رہنے اور ان کی مرضی کی رعایت

کرنے کا حکم فرمایا ہے، اوران کی دل شکنی حتی کہ اف کہنے سے بھی منع فرمایا ہے۔

﴿فَلَا تَقُلْ لَهُمَا أُفٍّ وَلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا. [إسراء: ٢٣]﴾

(۲) ماں باپ پراولاد کے حقوق یہ ہیں کہ جب بچہ پیدا ہو جائے تو اس کا اچھا نام رکھیں، اور پیدائش کے ساتویں دن یا چودھویں یا اکیسویں دن اس کی طرف سے عقیقہ کردیں اوراس کے بعد سر منڈادیں اور بالوں کے برابر چاندی یا اس کی قیمت صدقہ کردیں، اوراس کو اچھی تعلیم وتربیت دیں، یہ تمام ذمہ داری بچہ کے بالغ ہونے سے قبل ماں باپ کے ذمہ عائد ہوتی ہیں،اور جب بالغ ہو جائے تو اس کی شادی کردیں،اور تاخیر نہ کریں،حدیث پاک میں آیا ہے کہ اگر بچہ کے بالغ ہونے کے بعد ماں باپ اس کی شادی میں لاپرواہی اور تاخیر کرتے رہے جس کی وجہ سے یہ بچہ معصیت میں مبتلا ہوجائے تو اس معصیت کا وبال ماں باپ کے سر پر ہوگا۔(معارف الحدیث ۶/۴۲)

(۳) بہو کو ڈانٹ ڈپٹ، گالم گلوج اور مار پیٹ وغیرہ کرنے کا خسر وساس کو کوئی حق نہیں ہے، اگر یہ لوگ ایسا کریں گے تو سخت ترین ظالم ثابت ہوں گے البتہ یہ حقوق صرف شوہر کو حاصل ہیں۔

﴿وَاللَّاتِي تَخَافُونَ نُشُوزَهُنَّ فَعِظُوهُنَّ وَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوهُنَّ. [النساء: ٣٤]﴾

(۴) باپ اپنی جائیداد روپیہ پیسہ کا خود مالک ہے اور باپ کو یہ حق حاصل ہے کہ اپنی بالغ شادی شدہ اولاد کو یہ کہیں کہ مکان خالی کردیں،اوراپنے مکان کا خود انتظام کرلیں اس پر اولاد کو اعتراض کا کوئی حق نہیں۔

والمالک هو المتصرف فی الأعیان المملوکة کیف شاء من الملک. (بیضاوی شریف رشیدیه، سوره فاتحه ۱/۷)

یتصرف المالک فی ملکه کیف شاء. (البنایة اشرفیه ۹/۸ ۲۱)

(۵) اولاد کے اوپر لازم ہے کہ ماں باپ کو ایسا موقع ہرگز نہ دیں کہ ماں باپ اولاد کے بارے میں کوستے رہیں، اوراس لیے کوستے ہوں گے کہ اولاد نے ماں باپ کی دل شکنی کررکھی ہوگی ،اس لیے کہ اولاد کا فریضہ ہے کہ ماں باپ کے پیروں میں پڑ کر ان کو راضی

کرے صرف دکھاوا کے لیے کرنے سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا، اسی کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ اِنْ تَكُوْنُوْا صَالِحِيْنَ فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا. [بنی اسرائیل: ٦٤]﴾

(٦) جی ہاں اگر اولاد خاموش نہ رہ کر ماں باپ کو جواب دیں گی تو لازمی بات ہے کہ ماں باپ کی اور دل شکنی ہوگی اس سے اللہ کے یہاں اولاد کی سخت گرفت ہوگی، اسی کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَلَا تَقُلْ لَهُمَا اُفٍّ وَلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا، وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ. [بنی اسرائیل: ٢٤]﴾ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷رصفر المظفر ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۴۹۶)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۲/۱۷ھ

باپ کے حقوق بیٹوں پر

سوال [۱۰۱۸۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید باہر کسی شہر میں رہتا ہے، اور اس کے بیوی بچے کسی دوسرے گاؤں میں، اب اگر زید کا لڑکا عمر کوئی غلط کام کرتا ہے تو زید دنیا والوں کے سامنے یہ کہہ کر پیچھا چھڑا لیتا ہے کہ اس کی والدہ نے اس کو بگاڑ دیا تو کیا زید آخرت میں بھی یہ بات کہہ کر پیچھا چھڑا لے گا اور کیا زید کے پیچھے نماز پڑھنا ٹھیک ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد راغب سہس پور بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: زید آخرت میں یہ بات کہہ کر اپنی ذمہ داری سے چھٹکارا نہیں پا سکتا، اس لیے کہ ہر ایک دوسرے کا ذمہ دار ہے، مرد اپنے اہل وعیال کا ذمہ دار ہے، آخرت میں اپنی ذمہ داری کے بارے میں پوچھ ہوگی، لہٰذا زید کو چاہیے کہ اپنے بیٹے کی

اصلاح کرنے کی فکر کرے چنانچہ حدیث شریف میں ہے:

عن عبد الله بن عمر يقول: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: كلكم راع و كلكم مسئول عن رعيته، الإمام راع و مسئول عن رعيته والرجل راع في أهله وهو مسئول عن رعيته. (بخاری شریف، باب الجمعة فی القریٰ والمدن، النسخة الهندية ۱/ ۱۲۲، رقم: ۸۸۳، ف: ۸۹۳)

اور زید کے پیچھے نماز پڑھنا درست ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ محرم الحرام ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۴۵۳)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۱/۱۹ھ

والد کے ذمہ بیٹوں کے کتنے حقوق ہیں

سوال [۱۰۱۸۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید ایک بہتر سالہ انسان ہے، زید بذات خود تعلیم یافتہ انسان ہے، زید کا تعلیمی معیار کچھ اس طرح ہے کہ زید بذات خود کلام پاک کے سترہ پارہ کا حافظ ہے، قرأت کے فن سے اچھی طرح واقف ہے، قرآن پاک با قاعدہ تجوید کے ساتھ پڑھتا ہے، علاوہ ازیں دینی تعلیم کافیہ تک پڑھا ہوا ہے، دنیوی تعلیم اردو گجراتی اور انگریزی دس درجہ تک پڑھا ہوا ہے، با قاعدہ مقرر ہے، تقاریر بھی قرآن وحدیث کی روشنی میں کرتا ہے، زید کا مطالعہ کافی وسیع ہے، زندگی کے پچاس سال امامت اور درس وتدریس میں ہی گذرے ہیں، مختصر یہ کہ زید بذات خود ذی علم شخص ہے، زید کا کہنا ہے کہ باپ کے اوپر بیٹے کے تین حق ہیں، یعنی تین فرض ہیں:

(۱) لڑکا پیدا ہو تو خدا اور رسول کے ناموں میں سے کوئی نام رکھ دے۔

(۲) لڑکے کے سن بلوغت تک پہنچنے تک اسے دینی تعلیم اتنی ضرور دلائے کہ لڑکا خود کو مسلمان سمجھے اور خدا اور رسول کے احکام کو پہچان سکے، نماز روزہ کے مسائل سے پوری طرح واقف ہو جائے، بزرگوں کے مقام کو پہچان سکے، اسلام کے تقاضوں کو سمجھ سکے، زید یہ

بھی کہتا ہے کہ لڑکے کو حافظ وقاری یا عالم بنانا ضروری نہیں ہے، ہاں باپ کو اپنی آخرت کی فکر ہوتو حافظ قاری یا عالم بنا دے باقی باپ پر یہ چیزیں فرض نہیں ہیں۔

(۳) لڑکا جب جوان ہو جائے تو کسی نیک لڑکی سے اس کی شادی کر دے اس کے بعد زید کا کہنا ہے کہ باپ اپنے فرض سے سبکدوش ہو گیا، اب لڑکے کا فرض ہے کہ باپ کو مرتے دم تک سنبھالے، لیکن بکر کا کہنا ہے کہ باپ کا ایک فرض یہ بھی ہے کہ لڑکے کی شادی کے بعد اسے رہنے کے لیے مکان بھی بنا کر دے، ورنہ پرائی لڑکی کہاں آ کر رہے گی؟ اور زید بکر کی یہ بات ماننے کے لیے تیار نہیں اب شرعی حکم کیا ہے؟ زید اپنی جگہ صحیح ہے اور بکر کا کہنا غلط ہے یا بکر کا کہنا صحیح ہے؟

المستفتی: عبدالرشید فاروقی سریندرنگر گجرات

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بکر کا یہ کہنا کہ شادی کے بعد رہنے کے لیے مکان بھی دے تو باپ کے ذمہ یہ نہیں ہے بلکہ صرف شادی تک کی ذمہ داریاں ہیں، اس لیے کہ شادی کے بعد بیوی کی تمام ذمہ داری شوہر پر لازم ہوتی ہیں، شوہر کے باپ پر نہیں، لہٰذا بیوی کا نان ونفقہ تمام اخراجات رہائش وغیرہ سب شوہر پر لازم ہوتے ہیں؟ لیکن دوسری طرف یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اگر باپ سرمایہ دار ہے، رہائش کی اتنی گنجائش اس کے پاس موجود ہے کہ بیٹے کو آسانی سے رہائش گاہ دے سکتا ہے تو باپ کا بیٹے کو رہائش دینا شہری زندگی اور گھریلو زندگی کے عرف وتعامل میں شامل ہے، اس لیے اخلاقی فریضہ ہے، شرعی فریضہ باپ پر نہیں ہے، اخلاقی طور پر ایسا باپ بیٹے کو رہائش دے جس کے پاس گنجائش ہو اور اگر باپ رہائش گاہ نہ دے تو باپ شرعی طور پر گنہگار نہ ہوگا، نیز اگر باپ کے پاس رہائش کی گنجائش نہیں ہے تو باپ کی رہائش کا نظم بیٹے پر لازم ہے، اور جو مرد بیوی کا نان ونفقہ دینے پر قادر ہے وہ بیوی کے لیے رہائش کرایہ پر بھی لے سکتا ہے، لہٰذا رہائش کا انتظام کرنا باپ پر شرعی فریضہ نہیں ہے، اس اعتبار سے زید کا قول صحیح ہے، اور بکر کی بات ایسے باپ کے حق میں درست نہیں ہے، جس کے پاس گنجائش نہ ہو ہاں البتہ جس باپ کے پاس گنجائش ہو تو اس

پر بھی شرعی فریضہ نہیں ہے، صرف اخلاقی فریضہ ہے، اور نصوص میں جن فرائض کا ذکر ہے ان میں وہی تین فرائض کا ذکر آتا ہے، جن کے بارے میں زید نے سوال میں ذکر کیا ہے۔

وعن أبی سعید وابن عباس قالا قال رسول الله ﷺ: من ولد له ولدا ذکرا أو أنثیٰ فلیحسن اسمه و أدبه معرفة أدبه الشرعی وإذا بلغ فلیزوجه فإن بلغ: أی وهو فقیر ولم یزوجه أی الأب وهو قادر فأصاب أی الولد إثما أی من الزنا ومقدماته فإنما إثمه علی أبیه أی جزاء إثمه علیه وهو محمول علی الزجر و التهدید للمبالغة. (مرقاة المفاتیح، قبیل باب إعلان النکاح، الفصل الثالث، امدادیه ملتان ٦/ ٢٠٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٢٠ رمحرم الحرام ١٤٢٦ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٧/ ٨٦٥٩)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
٢٠/١/١٤٢٦ھ

بیٹی پر والد کے حقوق کیا کیا ہیں؟

سوال [١٠١٨٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میری شادی ١٩٧٩ء میں ایک پرائیویٹ سروس پیشہ شخص سے ہوئی تھی، سسرال پہنچ کر مجھے مزید بی ایڈ کرنا پڑا، اور ٹیچر کی حیثیت سے ملازمت کرنی پڑی جو کہ آج تک کر رہی ہوں، میری دو لڑکیاں ہوئیں، جن کی تعلیمی اور تمام تر ضروریات بذات خود میں نے پوری کیں، میرے شوہر نے کبھی بھی پورے طور پر گھر کے اخراجات نہیں اٹھائے، جب میری لڑکی ٢٠ رسال کی عمر میں کڈنی فیل ہونے کی وجہ طویل بیمار رہوئی اور انتقال کر گئی اس کے علاج کے تمام تر اخراجات خود میں نے اور میرے بھائیوں نے کیے، اس وقفہ میں صرف چند دن ہی میرے شوہر بچی کی بیماری میں میرے ہمراہ رہے، میرے خسر اور ساس کے انتقال ہو جانے کی وجہ سے میرا سسرال میں رہنا مزید دشوار ہو گیا، اور ١٩٩١ء سے آج تک اپنے بھائیوں کے ہمراہ رہ رہی ہوں، میں نے چھوٹی بیٹی کی شادی پر اپنے شوہر سے ہر طرح سے شادی میں

شرکت کی درخواست کی لیکن وہ نہ تو شریک ہوئے اور نہ ہی کسی قسم کا تعاون کیا، اب اپنی بیٹی اور داماد سے اپنی بیماری کا تذکرہ کر کے مدد چاہتے ہیں کیا مجھے اور بیٹی داماد کو ان کی مالی مدد کرنا چاہیے جبکہ داماد نے آج تک ان کو دیکھا بھی نہیں ہے؟

اس سال میں نے اپنی چھوٹی بہن کے ہمراہ حج بیت اللہ پر جانے کی درخواست دی ہے، براہ کرم میری رہنمائی فرمائیں کہ کیا میرا اپنے شوہر سے ابھی بھی ازدواجی تعلق باقی ہے؟

کیا مجھے حج بیت اللہ پر جانے کے لیے اپنے شوہر کی اجازت کی ضرورت ہے، شرعی طور پر میری رہنمائی فرمائیں؟

المستفتیہ: خورشیدہ زیدی معرفت عزیز خاں چودھری، پیر غیب، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب کوئی ضرورت مند مسلمان کسی دوسرے مسلمان سے مدد طلب کرے تو اس مسلمان پر حق بنتا ہے کہ اپنی وسعت کے مطابق اس کی مدد کرے تو جب ایک باپ اپنی بیٹی سے بیٹی ہونے کے ناطہ مدد چاہ رہا ہے تو بیٹی کو چاہیے کہ اپنے باپ کی بھرپور مدد کرے اور اس کی ضرورت پوری کرے اور اسی طرح بیوی کو بھی اپنے شوہر کی پوری مدد کرنی چاہیے اور پچھلی رنجش اور اختلاف کو بھول جانا چاہیے۔

عن أبی موسیٰ عن النبی ﷺ قال: المومن للمؤمن کالبنیان یشد بعضه بعضا، ثم شبک بین أصابعه، وکان النبی ﷺ جالسا إذا جاء رجل یسأل او طالب حاجة أقبل علینا بوجهه، فقال: اشفعوا فلتؤجروا ولیقض الله علی لسان نبیه ماشاء. (بخاری شریف، الأدب، باب تعاون المؤمنین بعضهم بعضا، النسخة الهندیة ۲/ ۸۹۰، رقم: ۵۷۹۲، ف: ۶۰۲۷)

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دوسرا ارشاد ہے:

عن أبی هریرة رضی الله عنه عن النبی ﷺ قال: ...... والله فی عون العبد ما کان العبد فی عون أخیه. (سنن الترمذی، باب ما جاء فی الستر علی المسلم، النسخة الهندیة ۲/ ۱٤، دار السلام رقم: ۱۹۳۰، صحیح مسلم، باب فضل الاجتماع علی تلاوة القرآن والذکر، النسخة الهندیة ۲/ ۳٤۵، بیت الأفکار رقم: ۲۶۹۹)

اور جب شوہر نے طلاق نہیں دی ہے تو آپ بدستوراسی شوہر کی بیوی ہیں چاہے ایک زمانہ تک دونوں کے درمیان ملاقات نہ ہوئی ہو، پچھلی رنجش کو بھول کر دونوں کو ساتھ رہنا چاہیے۔ (مستفاد: کفایت المفتی ۶/ ۸۸)

اورآپ کواگر حج کو جانا ہے تو محرم یا شوہر کے ساتھ جانا چاہیے اگر شوہر کے ساتھ نہیں جاتی ہیں اورکسی محرم کے ساتھ جانا ہے تو بہتر ہے کہ شوہر سے بھی اجازت لے لی جائے، نیز بہن ایسی محرم نہیں ہے جو رفیق سفر بن سکے، بلکہ محرم مرد ہی ہوا کرتا ہے، اس لیے بہن یا بہنوئی کے ساتھ حج کو جانا جائز نہیں ہے۔

أن يكون معها زوجها أو محرم لها فإن لم يوجد أحدهما لايجب عليها الحج. (بدائع الصنائع، کتاب الحج فصل شرائط فرضية الحج، زکریا ۲/ ۲۹۹، کراچی ۲/ ۱۲۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹/ رجب المرجب ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۴۵۱)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۹/۷/ ۱۴۲۵ھ

ماں کی خدمت کس کے سپرد ہے لڑکوں یا لڑکیوں کے؟

سوال [۱۰۱۸۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عمر نے اپنے پیچھے ایک زوجہ تین لڑکے اور تین لڑکیاں چھوڑی ہیں اور وراثت میں ایک مکان، لہٰذا شریعت کے اعتبار سے اس کی تقسیم کی کیا صورت ہے، کیا لڑکوں کے حصہ کے ساتھ ساتھ بیوہ اور لڑکیوں کا بھی حصہ بنتا ہے، کس کا کتنا بنتا ہے، تحریر فرمائیں، اور شرعی اعتبار سے ماں کی خدمت کس کے سپرد ہے، لڑکیوں کے یا لڑکوں کے؟

المستفتی: مصطفیٰ حسن لین ۱۰، ہلدوانی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بشرط صحت سوال وبعد اداء حقوق وعدم موانع

ارث عمر کا ترکہ حسب ذیل طریقہ سے تقسیم ہوگا:

۷۲/۸

عمر میــــــــــــــــــــــــــــــت

بیوی	لڑکا	لڑکا	لڑکا	لڑکی	لڑکی	لڑکی
۱/۹	۱۴	۱۴	۷/۱۴	۷	۷	۷

کل ترکہ ۷۲/ سہام میں ہوکر ہر وارث کو اتنا ملے گا جو اس کے نام کے نیچے درج ہے اور ماں کی مالی خدمت لڑکوں پر لازم ہے، اور اگر لڑکیوں کے پاس ذاتی ملکیت کی معقول دولت ہے تو لڑکیوں پر بھی ماں کی خدمت میں برابر شریک ہونا لازم ہے اور اگر لڑکیوں کے پاس ذاتی کوئی معقول رقم نہیں ہے تو وہ خود تنگ دست شمار ہوں گی، اوران پر ماں کی خدمت لازم نہ ہوگی۔

عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده أن رجلا أتى النبي صلى الله عليه وسلم فقال: يا رسول الله! إن لي مالا وولدا و أن والدي يحتاج مالي، قال: أنت و مالك لوالدك، إن أولادكم من أطيب كسبكم فكلوا من كسب أولادكم. (سنن أبي داؤد، البيوع، باب الرجل ياكل من مال والده، النسخة الهندية ۲/ ۴۹۸ دار السلام رقم: ۳۵۳۰)

فإن كان الأولاد ذكورا و إناثا موسرين فنفقة الأبوين عليهم بالسوية في أظهر الروايتين وفي الخانية وعليه الفتوىٰ. (الفتاوىٰ التاتارخانية زكريا ۵/ ۴۲۵، رقم: ۸۳۶۶، المبسوط للسرخسي، دار الكتب العلمية بيروت ۵/ ۲۲۲، حاشية چلپي، امداديه ملتان ۳/ ۶۴، زكريا ۳/ ۳۲۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم صفر المظفر ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/ ۳۳۰۰)

ماں کی خدمت کی وجہ سے نکاح نہ کرنے کا حکم

سوال [۱۰۱۸۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: زید عالم دین ہے، صاحب استطاعت ہے عمر چالیس سال ہو چکی ہے، مگر اپنا نکاح نہیں کرتے جب معلوم کیا تو بتلاتے ہیں کہ میری والدہ بیمار رہتی ہیں، والدہ کی خدمت کی وجہ سے نکاح نہیں کرتا، نکاح کرنے سے والدہ کی خدمت میں کوتاہی ہوگی، معلوم یہ کرنا ہے کہ والدہ کی خدمت کی وجہ سے نکاح نہ کرنا درست ہے؟ اس سلسلے میں شرعاً کیا فیصلہ ہے؟

المستفتی: عبدالرشید سیڈھا بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عام حالات میں نکاح کرنا شرعاً مسنون ہے، اس لیے زید کو چاہیے کہ نکاح کرلے، اور محض اس عذر کے سبب کہ والدہ کی خدمت میں کوتاہی ہوگی، نکاح نہ کرنا باعث معصیت ہے، اس لیے نکاح بھی کرنا چاہیے اور والدہ کی خدمت بھی کرنی چاہیے، دونوں ضروری ہیں:

عن أبی أمامة قال قال رسول اللّٰہ ﷺ: أربعة لعنوا فی الدنیا والآخرة و أمنت الملائکة: رجل جعله اللّٰه ذکرا فأنث نفسه و تشبه بالنساء و امرأة جعلها اللّٰه أنثی فتذکرت و تشبهت بالرجال والذی یضل الأعمی و رجل حصور ولم یجعل اللّٰه حصوراً إلا یحی بن زکریا علیه السلام.

(المعجم الکبیر، دار إحیاء التراث العربی ۸/ ۲۰۴، رقم: ۷۸۲۷) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۲۱ رشوال المکرّم ۱۴۲۷ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۱۳۷)	۱۴۲۷/۱۰/۱۹ھ

قوانین شریعت میں والدین کے حکم پر پابندی کا لزوم

سوال [۱۰۱۸۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرے والدین بزرگوار تبلیغی نصاب کتاب کا مطالعہ کرنے سے سخت منع کرتے ہیں، والدین کا حکم ماننا بھی شریعت میں لازم ہے، یہ بات میری سمجھ سے بالکل باہر ہے، میں

کشمکش میں پڑ گیا ہوں، اب آپ سے مشورہ لینا چاہتا ہوں کہ میں اس کتاب کو اپنے والدین سے چھپا کر پڑھ سکتا ہوں کہ نہیں، ویسے میرے پاس دوسری کتابیں ہیں، میرے والد صاحب نے میری غیر حاضری میں اسے پتہ نہیں کہاں چھپا کر رکھ دیا ہے، آپ سے گذارش ہے کہ آپ مجھے صحیح مشورہ دے کر میرے دل ودماغ کو سکون پہنچانے کی زحمت گوارہ کریں؟ اللہ تعالیٰ آپ کو ہمیشہ خوش وخرم رکھے۔ (آمین)

المستفتی: حارث احمد، احمد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: تبلیغی نصاب جیسی دینی کتاب کا مطالعہ کرنے سے اگر والدین ممانعت کرتے ہیں تو اس طرح دینی امور میں والدین کے حکم کا پابند رہنا لازم نہیں ہے، والدین کے حکم کی پابندی موافق شریعت حکم میں لازم ہے، مخالفت شریعت حکم میں لازم نہیں، لہٰذا والدین کے آداب ملحوظ رکھتے ہوئے آپ تبلیغی نصاب کا مطالعہ کر سکتے ہیں۔ (معارف القرآن ۵/ ۴۱۵)

عن علی رضی الله عنه أن رسول الله ﷺ بعث جیشا –إلی– وقال لا طاعة فی معصیة الله، إنما الطاعة فی المعروف. (صحیح مسلم، باب وجوب طاعة الأمر فی غیر معصیة ...... النسخة الهندیة ۲/ ۱۲۵، بیت الأفكار رقم: ۱۸٤٤)

عن ابن عمر رضی الله عنه عن النبی ﷺ قال: السمع و الطاعة حق مالم یؤمر بالمعصیة، فإذا أمر بمعصیة فلاسمع و لا طاعة. (صحیح البخاری، الجهاد، باب السمع و الطاعة للإمام مالم یامر بمعصیته، النسخة الهندیة ۱/ ٤۱۵، رقم: ۲۸٦٦، ف: ۲۹۵۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴ر شوال المکرم ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۴۵۳)

کیا ماں کا نان ونفقہ اولاد پر ضروری ہے؟

سوال [۱۰۱۹۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں چھمن بیگم بیوہ زوجہ مقبول خاں مرحوم اپنے بچوں کے ساتھ باہم ممبئ میں ایک کرایہ کے مکان میں سکونت پذیر ہوں، اس جائے رہائشی مکان کا کرایہ نامہ میرے نام ہے، میرے حق دار بچوں میں تین لڑکیاں اور دولڑکے ہیں جن میں دولڑکیاں اور دولڑکوں کی شادی ہوچکی ہے، ایک لڑکی غیر شادی شدہ ہے، جس کی شادی کی، اس کے بھائی کسی طور پر بھی ذمہ داری محسوس نہیں کرتے، گھر کی کفالت کے ذرائع بالکل نہیں ہیں، جس کی وجہ سے میں بیوہ ضعیفہ بے حد پریشان رہتی ہوں، میری بڑی لڑکی جو شادی شدہ ہے اور اسکول ٹیچر ہے، اس کا شوہر عرب ملک میں ملازمت کرتا ہے اس لڑکی کو میں نے اپنی مدد کے لیے اپنے مکان میں اپنے ساتھ رکھ رکھا ہے، زیادتر وہی گھر کے اخراجات بذات خود روپئے پیسے سے برداشت کرتی ہے، مکان کا کرایہ بھی لڑکی ہی ادا کرتی ہے۔

(۱) میرا چھوٹا لڑکا جو اپنے والد کے انتقال کے بعد عرب ملک میں ملازمت کرتا تھا، وہ وہاں سے میرے یعنی اپنی والدہ بیوہ اور بہنوں کے لیے گھر کے اخراجات کے لیے پیسہ بھیجتا تھا، جو اس کی ذمہ داری تھی، اپنی شادی ہونے کے بعد عرب ملک سے ملازمت چھوڑ کر ممبئ آگیا ہے اور آکر مکان میں رہنے لگا ہے اور شادی کے بعد ذہنی اخلاقی طور سے اس قدر بدل گیا ہے کہ عرب ملک میں جو بھی ملازمت کرتے ہوئے روپیہ اس نے گھر کے اخراجات کے لیے بھیجا تھا، اور جو سامان اس نے گھر کی ضرورت اور زینت کے لیے بھیجا یا لایا تھا یا جو سامان اس نے اپنی بہنوں کو شادی کے لیے بھیجا تھا، اب وہ تمام اپنا بھیجا ہوا روپیہ اور سامان سختی سے واپس لینے کا مطالبہ کرتا ہے اور اس مطالبہ کو لے کر آئے دن گھر میں رنجش رکھتا ہے اور جھگڑا کرتا ہے اور میرے ساتھ کسی طرح کا بھی تعاون نہیں کرتا جبکہ اس رہائشی مکان کے سڑک کی جانب کھلے حصہ کو دوکان کی صورت میں استعمال کیا جاتا ہے،

جس میں یہ لڑکا بجلی کا کام کرتا ہے، اوراسی طرح میرا بڑا لڑکا دوکان کے حصے کے نصف جگہ میں درزی کا کام کرتا ہے، وہ بھی مجھے گاہ گاہ پانچ روپئے دے کر احسان جتاتا ہے، ان لڑکوں سے ضروریات وگھر کے اخراجات کے لیے پیسہ طلب کرتی ہوں تو یہ لڑکے میرے ساتھ بے عزتی اورنار واسلوک کے ساتھ پیش آتے ہیں اوراپنی بہنوں پر بھی، دشنام طرازی اور الزام تراشی کرتے ہیں، میرے ساتھ کچھ بھی تعاون نہ کرتے ہوئے مکان کوفروخت کرکے اپنا اپنا حصہ طلب کرتے ہیں؟

المستفتی: خورشیدہ خاتون ممبئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) آپ کے دونوں لڑکوں پر آپ کے اخراجات وضروریات کا پورا کرنا واجب ہے، اگر یہ لوگ آپ کے اخراجات برداشت نہ کریں یا جو کچھ آپ پر خرچ کرچکے ہیں اس پر طعن وتشنیع کرنے لگیں تو وہ لوگ عنداللہ سخت گنہگار اورنافرمان ثابت ہوں گے۔

﴿**وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا**. [لقمان: ۱۵]﴾

عن طارق المحاربی قال: قدمنا المدينة فإذا رسول الله ﷺ قائم على المنبر يخطب الناس وهو يقول: يد المعطى العليا، وابدأ بمن تعول: أمك، وأباك، وأختك وأخاك ثم أدناك أدناك. مختصر (سنن النسائی، باب أيتهما اليد العليا، النسخة الهندية ۱/ ۲۷۲ دار السلام رقم: ۲۵۳۳، مسند البزار، مكتبه العلوم والحكم ۵/ ۱۳۸–۳۲۴)

وعلى الرجل أن ينفق على أبويه و أجداده و جداته إذا كانوا فقراء. (مختصر القدوری کتاب النفقات ص: ۱۹۳، هدایه اشرفی ۲/ ۴۴۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴/ جمادی الثانیہ ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۲۹۱)

کیا نادار والدین کا خرچہ اولاد کے ذمہ واجب ہے؟

سوال [۱۰۱۹۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) زید کے دو لڑکے ہیں اور دونوں بالغ ہو چکے ہیں اور دونوں کہتے ہیں کہ تمہارا میرے ذمہ کوئی احسان نہیں ہے اور نہ کھلانے کا کوئی ذمہ ہے، حالانکہ زید ضعیف بھی ہو چکا ہے تو کیا ان دونوں بالغ لڑکوں پر زید کو کوئی جبر وزبردستی کا حق حاصل ہے یا نہیں؟

(۲) زید کی ماں اور بیوی دونوں موجود ہیں اور دونوں کو کھانا کھلانے کا ذمہ دار زید ہے، اور زید کے پاس اتنی رقم نہیں ہے کہ دونوں کو کھلا سکے، بلکہ صرف ایک ہی کو کھلا سکتا ہے تو ایسی صورت میں بیوی کو کھلائے یا ماں کو؟ شرعاً کس کو ترجیح دی جائے گی، کیونکہ اگر ماں کو نہیں کھلایا تو وہ مفلسی کی وجہ سے دوسروں کے سامنے دست سوال دراز کرے گی، اور بیوی کو نہ کھلائے تو اس کا بھی یہی حال ہوگا ایسی صورت میں شرعی حکم کیا ہے؟

المستفتی: محمد بہادر حسین مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) اگر زید فقیر اور نادار ہے تو اس کا خرچہ اس کے دونوں لڑکوں پر واجب ہے اور خرچہ حاصل کرنے میں زور وجبر زید کے لیے جائز ہوگا۔

وعلى الرجل أن ينفق على أبويه و أجداده و جداته إذا كانوا فقراء و إن خالفوا في دينه. (هدايه، كتاب الطلاق، فصل نفقة الأولاد الصغار على الأب، اشرفي ديوبند ۲/ ۴۴۵)

ويجبر الرجل الموسر على نفقة أبيه وأمه إذا كانا محتاجين لقوله تعالىٰ: ووصينا الإنسان بوالديه حسنا (العنكبوت: ۸) **فقد أوجب على الولد الإحسان بوالديه، ورأس الإحسان بوالديه في إحيائهما، وكذٰلك بالإنفاق عليهما وقال عليه السلام: إن أطيب ما ياكل الرجل من كسبه و إن ولده**

لمن كسبه فكلوا من اكتساب أولادكم إذا احتجتم إليه بالمعروف.

(المحيط البرهاني، المجلس العلمي بيروت ٤/ ٣٤٩، رقم: ٤٥٤١)

(۲) جب ماں فقیر ہے تو بیوی کی طرح ماں کا خرچ بھی زید پر واجب ہے لیکن دونوں کا خرچہ برداشت نہ ہوسکے تو قرضہ لے کر دونوں کے ساتھ خرچہ میں رواداری کا معاملہ کرنا ہوگا۔

ومن أعسر بنفقة امرأته لم يفرق بينهما و يقال لها استديني عليه.

(هدايه باب النفقة اشرفی دیوبند ٢/ ٤٣٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/ ذی قعدہ ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۲۳۶)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۸/ ۱۱/ ۱۴۱۵ھ

کمزور والدین اور بھائی بہن کا خرچہ بھی واجب ہے

سوال [۱۰۱۹۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کسی ماں باپ کی وہ اولاد جس کی شادی ہوگئی ہو اور لڑکے کے چھوٹے بھائی بہن ہوں اور ماں باپ کا کوئی ذریعہ آمدنی نہ ہو (خواہ وہ کسی بھی اعتبار سے) کیا ان ماں باپ کے شادی شدہ لڑکے پر یہ فرض ہوتا ہے کہ لڑکے اپنی بیوی اور بچوں کے پرورش کے علاوہ اپنے ماں باپ اور بھائی بہن کی پرورش کی ذمہ داری بھی لیں یا اس کی کچھ حدود ہیں کہ کسی ایک حد تک ہم ان کی معاشی زندگی کے اعتبار سے تعاون کریں؟

المستفتی: عبد الصبور اڑیسہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: کمزور اور غریب والدین اور معذور بھائی بہن ہوں جو کمانے سے عاجز ہیں ان کے اخراجات بھی ایسے ہی واجب ہیں جیسا کہ بیوی کے اخراجات ہیں۔

إن جميع ما وجب للمرأة وجب للأب و الأم على الولد من طعام و شراب و كسوة وسكنىٰ حتى الخادم. (شامی، باب النفقة مطلب: فی نفقة

الأصول، کوئٹه ٢/٧٣٦، کراچی ٣/٦٢٢، زکریا ٥/٣٥٥، البحر الرائق زکریا ٨/٣٥٠، کوئٹه ٨/٢٠٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴ محرم الحرام ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۴٦٦)

اولاد کا والد کے ساتھ بدکلامی اور مار پیٹ کرنا

سوال [۱۰۱۹۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے گاؤں میں کسی وجہ سے باپ بیٹے میں نوک جھوک ہوگئی تو باپ نے بیٹے سے کہا کہ اللہ سے ڈرو، نماز پڑھو، تو جواباً بیٹے نے باپ سے کہا کہ جنت میں میرا گھوڑا تم سے آگے ہوگا اور باپ کو مارنے کے لیے اٹھا اور بیٹا کسی صاحب نسبت بزرگ سے بیعت بھی ہے تو اس سے بیٹے کے ایمان میں کوئی خطرہ ہے؟ جواب سے نوازیں۔

المستفتی: مولانا محمد وسیم صاحب بھاگلپوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: باپ بیٹے کی گفتگو کے دوران باپ کا بیٹے سے یہ کہنا کہ اللہ سے ڈرو اور نماز پڑھو یہ شریعت کی تعلیمات کے مطابق صحیح اور درست ہے اور قرآن کریم کی آیت

﴿قال الله تعالىٰ: يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اتَّقُوْا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهِ. [آل عمران: ١٠٢]﴾

﴿قال الله تعالىٰ: وَاَقِيْمُوْا الصَّلَاةَ وَآتُوْا الزَّكَاةَ. [البقرة: ٤٣]﴾

کے تقاضہ کے عین مطابق ہے، اور پھر بیٹے کا جواباً باپ سے یہ کہنا کہ جنت میں میرا گھوڑا آگے رہے گا، اور باپ کو مارنے کے لیے اٹھنا بیٹے کی دنیا اور آخرت کی تباہی وبربادی کا سبب ہے، حدیث میں آیا ہے کہ اولاد کے حق میں باپ کی بددعا مسترد نہیں ہوتی، قرآن میں آیا ہے کہ جس درجہ میں اللہ کی عبادت لازم ہے تقریباً اسی درجہ میں ماں باپ کا ادب و

احترام اوران کے ساتھ رواداری بھی لازم ہے، اس لیے بیٹے پر لازم ہے کہ باپ کے پیروں میں پڑ کر معافی مانگ لے، ورنہ دنیا اورآخرت میں تباہی اور بربادی کا خطرہ ہے۔

﴿وَقَضَى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْا اِلَّا اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَا اَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُلْ لَهُمَا اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا. [الاسراء: ۲۳]﴾

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ثلاث دعوات مستجابات لا شك فيهن دعوة المظلوم و دعوة المسافر و دعوة الوالد على ولده.

(ترمذی، باب ما جاء فی دعوة الوالدين، النسخة الهندية ۱۳/۲ دار السلام رقم: ۱۹۰۵، سنن أبي داؤد، باب الدعاء بظهر الغيب، النسخة الهندية ۲۱۵/۱ دار السلام رقم: ۱۵۳٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ جمادی الثانیہ ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۳۵۱)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۸/۶/۲۴ھ

والدین کے ساتھ ہر حال میں حسن سلوک لازم

سوال [۱۰۱۹۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں جتنی باتیں لکھ رہا ہوں بالکل سچ ہیں، پیسہ کی کمی کی وجہ سے پوسٹ کارڈ میں لکھ رہا ہوں، براہ کرم غور فرما کر جواب دیں، احسان ہوگا، میں صرف آخرت کی فکر میں لکھ رہا ہوں اس لیے کہ اس سٹنے سے دنیا وآخرت کا نقصان ہی ہے، فائدہ نہیں ہے، کیونکہ میں بھی آدمی ہوں، دنیا بگڑنے میں زیادہ صبر نہیں کر پاتا ہوں، کچھ نہ کچھ بول ہی دیتا ہوں، اور جدا رہتا ہوں تو صرف ایک بگاڑ ہے کہ جدا رہنے کا گناہ ہوگا، اور میل کرنے پر سینکڑوں بگاڑ ہیں، اس لیے بتایا جائے کہ ایسی حالت میں جدا رہوں یا میل کروں، حالات یہ ہیں کہ میرے والدین مجھ سے بچپن سے کام لیتے رہے، جب کام میں کبھی کمی آتی بس تم کون ہو، ہم کون، ہونے لگا، اگر جدا ہوئے تو ان لوگوں کو کوئی پرواہ نہیں، اور سٹتے تو سب چھوڑ کر کے میرا کام کرو

اور میرے دوسرے بیٹے کو خوش رکھو چاہے وہ کہے کہ سماج سے جدا ہو جاؤ تو جدا ہو جاؤ، مسجد جانا بند کرو تو بند کرو، بیوی بچوں کی دیکھ بھال کرنا چھوڑ دو تو چھوڑ دو، اور بیوی بچوں کو چھوڑ کر میرے کام میں لگے رہو، ورنہ ان کو میری کوئی پرواہ نہیں، اس لیے کہ مال سے پر ہیں، دوسرے بیٹے بیوی بچوں کو چھوڑ کر ان کے حکم میں لگے ہوئے ہیں، اور کوئی کمائی نہیں کرتے ہیں صرف اسی حکم میں لگنے سے مکان ملا، بینک میں رکھنے کو پیسے ملے، تیسرے بیٹے اپنی ہوشیاری سے اپنی بیوی بچوں کو تو الگ رکھتے ہیں مگر پیسہ لوٹتے رہتے ہیں، میری مخالفت میں ان کی جے جے ہے، مجھ سے شروع سے یعنی بچپن سے ہی نفرت ہے، اور کام لینے میں خوب آگے ہیں، میں خدا کے ڈر سے کام سب کر دیتا ہوں، بجز دنیا وآخرت کی تباہی کے، مثلاً انہوں نے کہا کہ پڑھائی چھوڑ دو تو پڑھائی چھوڑ دی، نوکری کرلو تو نوکری کرلی، شادی کرلو تو شادی کرلی، پہلی شادی اپنے دوست کی لڑکی سے کی مگر جب مال ومتاع نہیں ملا تو اسے بھگا دیا یہاں تک کہ وہ میکہ چلی گئی، اور پہلی ولادت میں انتقال کرگئی، اس سے میں مایوس رہنے لگا، تو دوسری شادی کردی، اس کے بعد اس کو بھی نکال دیا، چنانچہ میں اسے لے کر وہاں چلا گیا، جہاں کام کرتا تھا، وہ بڑی حسین تھی، اوباشوں نے اس کا پیچھا کیا، اور مجھ سے چھڑا دیا، پھر میں مایوس رہنے لگا اور گھر لوٹ آیا، ان لوگوں کی جھڑکی، سیاست اور کام کرنے کے حکم کو پورا کرنے وغیرہ سہتا رہا، بالآخر یہ لوگ محلّہ میں بدنام ہوگئے، جس سے بعد میں محلّہ چھوڑ کر ان لوگوں کو ہی بھاگنا پڑا، بدنامی کی شہرت سے متأثر ہوکر ان لوگوں نے میری تیسری شادی کردی، مگر یہ عورت اپنے شہر کی ہے، ہمارے والدین اور بھائیوں کے حالات سے ناواقف ہے، آتے ہی اس نے لڑائی شروع کردی، اور جیسی تیری ویسی میری کرنے لگی، جس سے والدین اور بھائی بوکھلا گئے کہ اب سیدھے کی معاون کڑی آگئی، پھر نکال دیا، یہ نکلی تو ضرور مگر شہر میں ہلا ہوگیا، بھائیوں نے یہ حالات دیکھ کر مجھے دس فٹ چوڑی اور ۴۰؍ فٹ لمبی ایک زمین دے کر ساری جائیداد دونوں بھائیوں نے اپنے اپنے نام کرلی، اور محلّہ چھوڑ کر دوسرے محلّہ میں جا بسے، والدین دونوں ریٹائر ہیں، سرکاری ٹیچر تھے، اب پنشن پا رہے ہیں، اس پیسے سے یہی چاروں آدمی مصرف لے رہے ہیں، ذرا بھی سٹتا ہوں تو یہ لوگ چوکنا ہو جاتے

ہیں، اب بتایا جائے کہ ایسی حالت میں جدائی اختیار کی جائے اور جدائی کی پکڑ ہوگی، اگر ہوگی تو اس کا بدل اور تدارک بتایا جائے، یا کوئی عمل بتایا جائے کہ ان لوگوں کی نفرت ختم ہو اور مجھ سے میرے من کے مطابق سلوک کریں، کیونکہ اس طرح میں نے ۵۳ / برس گذار دیئے، اب نہ صحت نہ بیوی، بچے، موافق اگر سٹتے ہیں تو بیوی بچوں سے جدا ہوتے ہیں، مالی حالت ہمیشہ میری خراب رہی، میں کبھی غیر مقروض نہیں رہا، اس کے لیے بھی دعا کریں؟

المستفتی: محمد فیاض گوڑ اگڑھ بہار شریف نالندہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: والدین سے دلی محبت رکھیں وہ اگرچہ بیزار ہوں، مگر آپ ان سے بیزار نہ ہوں، موقع ملے تو ان کی خدمت بھی کیا کریں، بھائی اگر نقصان پہنچانے پر آمادہ ہوں تو ان سے تعرض نہ کریں، بس اپنے کام سے کام رکھیں، قرآن کریم میں ہر حالت میں والدین کے ساتھ حسن سلوک کی تعلیم دی گئی ہے۔

﴿وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا. [العنكبوت: ٨]﴾

﴿وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ اِحْسَانًا. [الأحقاف: ١٥]﴾ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴/ ربیع الاول ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۶۰۵۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۳/۴ھ

والد کے فاسد العقیدہ ہونے کے باوجود ان کا احترام ضروری

سوال [۱۰۱۹۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک دیندار لڑکے کے والد صاحب اس واسطے اس سے ناراض ہیں کہ وہ ان سے عقائد کے لحاظ سے جداگانہ ہے، والد صاحب دوسرے فرقہ سے واسطہ رکھتے ہیں جب کہ لڑکا صوم وصلاۃ کا پابند ہے اور والد صاحب صوم وصلاۃ کے پابند نہیں ہیں، دینیات کی کتابیں پڑھتے ہیں، مگر عمل نہیں کرتے، لیکن لڑکے سے ناراض رہتے ہیں، لڑکا اپنا علاحدہ

کماتا اور خرچ کرتا ہے، لڑکے کی شادی کو قریب دس سال ہو گئے ہیں، بچے بھی ہیں، کبھی کبھی مکان وغیرہ سے بے دخل کرنے کی دھمکی بھی دے چکے ہیں، اور لڑکا ان کے بدعتی عقائد کو پسند نہیں کرتا، بڑوں کا احترام کرنا واجب جانتا ہے اس کو کیا کرنا چاہیے؟ آگاہ کیجئے۔

المستفتی: اشفاق احمد محلہ سرسی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: باپ کا احترام وعزت واطاعت ہر حال میں واجب ہے چاہے باپ بدعت یا کفریہ عقیدہ کیوں نہ رکھتا ہو، لڑکا اپنا عقیدہ مضبوط رکھتے ہوئے باپ کا احترام بھی ملحوظ رکھا کرے۔

عن أسماء بنت أبي بكر رضي الله عنهما قالت: قدمت علي أمي وهي مشركة في عهد قريش، إذ عاهدوا رسول الله ﷺ و مدتهم مع أبيها، فاستفتت رسول الله ﷺ فقالت: يا رسول الله! إن أمي قدمت علي وهي راغبة أفأصلها؟ قال: نعم صليها. (صحيح البخاري، باب إثم من عاهد ثم غدر، النسخة الهندية ١/٤٥٢، رقم: ٣٠٨٠، ف: ٣١٨٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍رجب المرجب ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۸۰۷)

باپ کی شان میں گستاخی، اور نافرمان اولاد کو محروم کرنا

سوال [۱۰۱۹۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ۲۰؍ربیع الاول ۱۴۱۷ھ کو معزز ومکرم مفتیان کرام دار العلوم دیوبند نے جو فتویٰ صادر فرمایا ہے وہ سوالنامہ کے اعتبار سے بالکل صحیح ہے، مگر سوال واقعہ کے خلاف اور غلط تھا، واقعہ یہ ہے کہ جس وقت میں نے دوسری شادیاں کی تھیں، اس وقت میرے بیٹے ظہیر عالم کی عمر دس بارہ سال سے زیادہ نہیں تھی، اس نے جو تحریر کیا ہے بالکل جھوٹ ہے؟

المستفتی: ابوالحسن بارہ دری مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: دارالعلوم دیوبند کا جواب سوال کے لحاظ سے صحیح ہے، نیز حضرت مجیب مدظلہ العالی نے احتیاط کا جملہ بلاوجہ شرعی کی قید لگا کر بار بارتحریرفرمایا ہے کہ سب کچھ باپ کی ملکیت ہے اور اولاد کے درمیان وجہ شرعی کے بغیر فرق نہ کیا اور اب باپ کے وضاحتی سوالنامہ نے وجہ شرعی کی علت نافرمانی کو واضح کردیا ہے۔ (مستفاد: مجمع الانہر دار الکتب العلمیۃ بیروت ۳/ ۴۹۷، مصری قدیم ۲/ ۳۵۸، ہندیہ زکریا قدیم ۴/ ۳۹۱، جدید۴/ ۴۱۶، محمودیہ قدیم۱۴/ ۴۴۶، جدیدڈابھیل۱۶/ ۵۰۴، فتاویٰ احیاءالعلوم ۱/ ۲۸۳، احسن الفتاویٰ ۷/ ۲۵٦)

میں نافرمان اولاد کو کچھ بھی نہ دینے کی اجازت موجود ہے اور نہ دینے سے باپ گنہگار بھی نہ ہوگا، اب سوالات کے جوابات حسب ذیل ہیں، باپ کی تحریر سے واضح ہوتا ہے کہ باپ نے جس وقت دوسری شادیاں کیں تھی اس وقت بیٹے کی عمر صرف دس بارہ سال کی تھی اور اسکول میں پڑھ رہا تھا، اور پھر بیٹے کا یہ کہنا کہ شرکت اور محنت ومشقت کی کمائی سے باپ نے دوسری شادیاں کر کے اولاد میں اضافہ کیا ہے اور باپ کے بارے میں یہ کہنا کہ کاروبار سے زیادہ اپنے نفس پر توجہ دی ہے، یہ باپ کی شان میں گستاخی ہے، جو بیٹے کی دنیا اورآخرت کی بربادی کا سبب بن سکتی ہے، باپ کواذیت دینا اور باپ سے زبان درازی کرنا باپ کو دلی صدمہ پہنچانا یہ سب بیٹے کے لیے نہایت خطرناک اور بربادی کا باعث ہے، بلاتاخیر باپ سے عاجزی وانکساری کے ساتھ معافی مانگ لیناضروری ہے، حدیث شریف میں آیاہے کہ باپ کی بددعابیکارنہیں جاتی ہے:

عـن أبـي هريرة رضـي الـلـه عـنـه قـال قـال رسـول الله ﷺ: ثلاث دعـوات مستجابات لا شـک فيهن دعوة المظلوم و دعوة المسافر و دعوة الـوالد على ولده. (ترمذی، بـاب مـا جـاء في دعوة الوالدين، النسخة الهندية ٢/ ١٣ دار السلام رقم: ١٩٠٥، سنن أبي داؤد، النسخة الهندية ١/ ٢١٥ دار السلام رقم: ١٩٠٥)

تین قسم کی دعاؤں کی قبولیت میں کوئی شک نہیں ہے: (۱) مظلوم کی بددعا (۲) مسافر

کی بددعا (٣) بیٹے پر باپ کی بددعا یہ ضرور قبول ہوجاتی ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٢٤ ربیع الثانی ١٤١٧ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٢/٤٧٩٣)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
١٤١٧/٤/٢٤ھ

والد صاحب کی نافرمانی و بے عزتی کرنا اور ان کے مال پر قبضہ کرنا

سوال [١٠١٩٧]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مجھے میرے لڑکے اور بیوی بے حد پریشان کررہے ہیں، تقریباً ایک سال ہوا گھر سے نکال دیا، اور ادھر ادھر رہتا ہوں، اس وقت میں حد سے زیادہ پریشان ہوں، نیز بدن بھی کمزور ہو چکا ہے، میری اس کمزوری کی حالت میں لڑکوں اور بیوی کا یہ معاملہ شرعاً کیسا ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں تحریر فرمائیں، نوازش ہوگی۔

اب صرف یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ مال میرا، مکان میرا، اور کھیت وغیرہ ساری جائیداد میری اور لوگ اس پر قابض ہیں، تو کیا شرعاً اس کے وہ لوگ حقدار ہیں یا میری جائیداد مجھے ملنی چاہیے جو بھی شرعی فیصلہ ہو تحریر فرمائیں۔

المستفتی: بھوندا، ساکن سکڑا، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جن لڑکوں نے اپنے باپ کو گھر سے نکال دیا اور اپنے باپ کی بے عزتی کی ہے ان کا انجام بہت سخت خطرناک ہے، عند اللہ سخت وعید کے مستحق ہوں گے، اللہ تعالیٰ قرآن کریم کے اندر باپ کو اُف کہنے سے بھی منع فرماتا ہے۔

﴿فَلَا تَقُلْ لَهُمَا أُفٍّ وَلَا تَنْهَرْهُمَا. [بنی اسرائیل: ٢٣]﴾

نیز بیوی کا اپنے شوہر کے ساتھ اس طرح معاملہ کرنا بیوی کے لیے باعث لعنت ہے، حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں تک بیان فرمایا ہے کہ اگر کسی کو کسی کے لیے سجدہ کا حکم کرتا تو بیوی کو حکم کرتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔

عـن قيـس بـن سـعـد قـال: أتيـت الحيرة فرأيتهم يسجدون لمرزبان لهم، فـقـلـت: يـا رسـول الـلـه! ألا نسـجد لک؟ قال: لو أمرت أحدا أن يسجد لأحد لأمـرت الـنسـاء أن يسـجـدن لأزواجهـن، لـما جعل الله عليهن من حقهم. (سنن الـدارمـی، بـاب النهی أن يسجد لأحد، دار المغنی ۲/۹۱۷، رقم: ۱۵۰۴، سنن أبی داؤد، باب فی حق الـزوج عـلـی المرأة، النسخة الهندية ۱۷/۲۹۱ دار السلام رقم: ۲۱۴۰، سنن ابن ماجه، باب حق الزوج علی المرأة، النسخة الهندية ۱/۱۳۳ دار السلام رقم: ۱۸۵۲، مشکوٰة شریف ۲/۲۸۲)

نیز باپ کو اختیار ہے کہ وہ مکان و جائیداد کو جس طرح چاہے استعمال کرے، چاہے فروخت کردے یا ہبہ کردے یا اپنے استعمال میں رکھے اور لڑکوں میں سے کسی کو نہ دے اور نافرمان لڑکوں کو نہ دے کر فروخت کردے تو باپ پر شرعی اعتبار سے کوئی اعتراض نہیں ہے۔

الـمـالـک وهـو الـمـتـصـرف فـی الأعـيـان الـمملوکة کيف شاء من الملک. (بيضاوی شريف، رشيديه ۱/۷)

الـمـلـک مـا مـن شـانـه أن يتصرف فيه بوصف الاختصاص. (شامی مطلب: فی تعريف المال زکريا ۷/۲۳۵، کراچی ۵/۵۰)

کل يتصرف فی ملکه کيف شاء. (شرح المجلة رستم اتحاد ۱/۶۵۴، رقم المادة: ۱۱۹۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷ رصفر المظفر ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۲۱۴۲)

والدین کی ناراضگی میں عبادات کی قبولیت کا حکم

سوال [۱۰۱۹۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک قاری صاحب نے مسئلہ بیان فرمایا ہے کہ اگر کسی شخص کے والدین اس سے ناراض ہوں تو اس شخص کا کوئی بھی عمل اللہ رب العزت کی بارگاہ میں قبول نہیں، جیسے روزہ،

نماز، حج، زکوٰۃ، تلاوت قرآن، حتی کہ نفلی عبادت بھی، آپ سے درخواست ہے کہ اس مسئلے کے بارے میں خلاصہ بیان فرمائیں کہ جب ماں باپ کی ناراضگی کی بنیاد پر اس شخص کا کوئی بھی عمل مقبول نہیں ہے اور حالات کے تحت والدین سے مصالحت بھی ناممکن ہو تو کیا یہ شخص درج بالا اعمال کرتا رہے یا پھر چھوڑ دے؟

المستفتی: محمد اعظم لال مسجد سرائے ترین سنبھل مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نماز روزہ وغیرہ عبادات کی ذمہ داری ساقط ہونا اور ساقط ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ کے یہاں قبولیت کے درجہ تک پہنچنا بالکل الگ الگ دو باتیں ہیں، لہٰذا کسی شخص سے اگر اس کے والدین ناراض ہوں، تو نماز روزہ وغیرہ ادا کرنے سے بہر حال اس کے اوپر سے فرائض وواجبات کی ذمہ داری پوری ہو کر ادا ہو جائے گی، مثال کے طور پر نماز پڑھے گا تو نماز کی ذمہ داری پوری ہو جائے گی، روزہ رکھے گا تو روزہ کی فرضیت ساقط ہو جائے گی، حج کرے گا تو حج کا فریضہ پورا ہو جائے گا، زکوٰۃ ادا کرے گا تو زکوٰۃ کی ذمہ داری پوری ہو جائے گی، لیکن ان عبادات کا اللہ کے یہاں مقبولیت کے ساتھ اجر اور ثواب کا ذخیرہ ہونا بالکل الگ بات ہے، اور ماں باپ کی ناراضگی سے ان عبادات کے اجر و ثواب سے محروم ہو جائے گا، لہٰذا نماز پڑھنے کا حکم اپنی جگہ بدستور باقی رہے گا، پڑھتے رہنا لازم اور ضروری ہے، بس اللہ کے یہاں ان کا ثواب جمع نہیں ہوگا، البتہ نہ پڑھنے کے عذاب سے حفاظت ہو جائے گی، اور یہ کہنا کہ حالات کے تحت والدین سے مصالحت ناممکن ہو رہی ہے، نہایت غلط بات ہے، لہٰذا اس پر اپنے کام سے توبہ کر کے ماں باپ کے پیروں میں پڑ کر ان سے معافی مانگ لینا لازم اور ضروری ہے۔

روی عن ثوبانؓ عن النبی ﷺ قال: ثلاثة لاينفع معهن عمل الشرك بالله و عقوق الوالدين والفرار من الزحف. (المعجم الكبير، دار إحياء التراث العربي ٢/٩٥، رقم: ١٤٢٠)

عن أبي أمامةؓ قال قال رسول الله ﷺ: ثلاثة لا يقبل منهم يوم

القيامة صرف و لا عدل، عاق و منان ومكذب بقدر . (المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ۸/ ۱۱۹، رقم: ۷۵٤۷)

قولـه صرفا و لا عدلا : اختلف في تفسيرها، فعند الجمهور الصرف الفريضة والعدل النافلة، قال عياض : معناه لا يقبل قبول رضا و إن قبل قبول جزاء إلى ما قال و أنه لا يلزم من نفي القبول نفي الصحة وهذا كالصلاة في الدار المغصوبة فإنها صحيحة أي مجزئه غير مقبولة أي لا ثواب عليها في القول الصحيح فلا يلزم من نفي القبول نفي الصحة. (فتح الملهم، اشرفيه ۳/ ٤۰۳ - ٤۰٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۰۳۰)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۵/۷ھ

گستاخ لڑکا اپنے والد کے انتقال کے بعد اپنی گستاخی کا ازالہ کیسے کرے؟

سوال [۱۰۱۹۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کے والد صاحب کا انتقال ہوگیا ہے اور زید نے اپنے والد کی شان میں گستاخی کی تھی اس کا ازالہ کس طرح ہوسکتا ہے، زید اس بارے میں کافی نادم ہے؟

المستفتی: حبیب الرحمٰن شہباز پور کلاں مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس کے ازالہ کے لیے صرف ایک شکل ہے کہ باپ کے لیے مغفرت کی دعا کرتے رہیں، اور ایصال ثواب کرتے رہیں، مستقل اور ہمیشہ کرتے رہیں، ان شاء اللہ زید کو اللہ پاک بری کردیں گے۔

عن أنس بن مالك رضـ قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن العبد ليموت والداه أو أحدهما و إنه لهما لعاق فلا يزال يدعو لهما، ويستغفر لهما حتى

یکتبه الله بارا. (شعب الإیمان، فصل فی حفظ حق الوالدین بعد موتهما، دار الکتب العلمیة بیروت ۶/ ۲۰۲ رقم: ۷۹۰۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/ ربیع الاول ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۶۱۱)

مطلقہ کو ساتھ نہ رکھ کر دوسری شادی کرنے پر اولاد کی ناراضگی

سوال [۱۰۲۰۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں نے اپنی بیوی عذراء کو تین طلاق دوسال پہلے دیدی تھیں، اور میرے بچے اسی کو ساتھ رکھنے پر مجبور کر رہے تھے، بالآخر میں نے خدا کا خوف کھا کر اس کو ساتھ نہ رکھ کر دوسری شادی خیر النساء سے کرلی، دوسرے شادی کرنے کے بعد میرے بچوں کا رویہ اور سلوک کافی برا ہوگیا، مجھے گھر سے نکال دیا اور مجھ سے ملنا جلنا چھوڑ دیا، اور پورے خاندان کو بھی مجھ سے الگ کردیا، میرے مکانات اور فرم کو بھی دھوکہ دے کر اپنے ناموں میں کرالیا تو بچوں کا یہ عمل کیسا ہے؟ اور میرے نکاح ثانی کے لیے ان کی ناراضگی شرعاً کیسی ہے؟ کیا دھوکہ دے کر مکانات، فرم کو اپنے ناموں میں کرالینے سے ان کے نام ہو جائیں گے، یا میں ہی مالک رہوں گا، کیا ان کو میرے ساتھ اس طرح کا سلوک کرنا جائز ہے؟ کیا پہلی بیوی کو رکھنا جائز ہے؟ شرعی حکم تحریر فرمادیں۔

المستفتی: حاجی محمد ذاکر محلّہ اصالت پورہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تین طلاق کے بعد مطلقہ عورت کو ساتھ میں رکھنا بدکاری اور زناکاری ہے، عذاب خداوندی کا سخت خطرہ ہے، شرعی طور پر دوسری شادی کرنے کا مرد کو پورا اختیار ہے، اس میں کسی کو شکوہ وشکایت اور نکتہ چینی کا حق نہیں ہے، اور اولاد کے اوپر فرض ہے کہ باپ کے ساتھ اچھا برتاؤ اور حسن سلوک کا معاملہ باقی رکھے اور خاندان کے

لوگوں کو بھی اس بارے میں اعتراض کا حق نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا: کہ ماں باپ کے ساتھ برا سلوک مت کرو اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔

﴿فَلَا تَقُلْ لَهُمَا أُفٍّ وَلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا. [بنی اسرائیل: ۲۳]﴾

اور حدیث میں آیا ہے کہ ماں باپ اگر کافر بھی ہوں تب بھی ان کے ساتھ بدسلوکی جائز نہیں، حسن سلوک کرنا لازم ہے۔

عن أبيه سعد قال: أنزلت فى أربع آيات فذكر قصة، وقالت أم سعد: أليس قد أمر الله بالبر والله لا أطعم طعاما ولا أشرب شرابا حتى أموت أو تكفر قال: فكانوا إذا أرادوا أن يطعموها شجروا فاها فنزلت هذه الآية ”ووصينا الإنسان بوالديه حسنا“. (ترمذی، من سورة العنكبوت، النسخة الهندية ۲/ ۱۵۴ دار السلام رقم: ۳۱۸۹)

اور مکانات وجائیداد دھوکہ سے اپنے نام کرالینے کی وجہ سے اولاد ان چیزوں کی مالک نہیں ہوگی، اصل ملک باپ کی ملکیت میں بدستور باقی رہے گی۔

صرح الفقهاء بأن من اكتسب مالا بغير حق فإما أن يكون كسبه بعقد فاسد كالبيوع الفاسدة أو بغير عقد كالسرقة والغصب والخيانة والغلول ففى جميع الأحوال المال الحاصل له حرام عليه ولكن إن أخذه من غير عقد ولم يملكه الخ. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارنپور قديم ۱/ ۳۷، دار البشائر الإسلامية ۱/ ۳۵۹، تحت رقم الحديث ۵۹) **فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
۱۲؍ربیع الثانی ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۷۷۸)

والد صاحب کے کہنے پر بیوی کو طلاق دیں یا نہ دیں؟

سوال [۱۰۲۰۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) زید کے والد اور زید کی اہلیہ کے درمیان تناؤ اور نزاع رہتا ہے، زید کے والد

اس کی اہلیہ کی خامیاں بیان کرتے ہیں اور زید سے یہ کہتے ہیں کہ تم اہلیہ کو اپنے ساتھ ہی رکھو، لیکن زید اپنے والد کی خدمت گذاری کی وجہ سے والد کے ساتھ رہنا چاہتا ہے تو ایسی صورت میں زید کیا کرے؟ اہلیہ کو رکھے یا والد کے ساتھ رہے؟

(۲) اس سے قبل ایک پنچایت ہو چکی ہے، نیز دوسری پنچایت ہونے والی ہے اگر اس پنچایت میں زید کی اہلیہ اور اس کے خسر اپنی لڑکی کی غلطی کو تسلیم کرتے ہیں تو زید کے والد اہلیہ کو اپنے گھر رہنے کی اجازت دیتے ہیں اور اگر غلطی تسلیم نہیں کرتے ہیں، بلکہ زید کے والد کی غلطیاں بیان کرتے ہیں تو زید کو طلاق دینے کو کہتے ہیں تو ایسی صورت میں زید طلاق دے یا نہ دے؟

المستفتی: زبیر عالم مدرسہ حیات العلوم پیرزادہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب زید کے والد زید کو یہ اجازت دے رہے ہیں کہ بیوی کے ساتھ دوسری جگہ رہے محض بیوی سے نااتفاقی اور ان بن کی بنا پر اپنے گھر میں رہنے کو مناسب نہیں سمجھ رہے ہیں، تو زید کے لیے یہ جائز ہے کہ بیوی کے ساتھ علاحدہ رہے اور باپ کے ساتھ ہمدردی اور رواداری بدستور باقی رکھے۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۲۸۲/۵، جدید زکریا ۲۶۴/۸)

عن عبد اللہ بن عمرو عن النبی ﷺ قال: رضی الرب فی رضی الوالد وسخط الرب فی سخط الوالد. (سنن الترمذی، باب ماجاء من الفضل فی رضا الوالدین، النسخة الهندية ۱۲/۲ دار السلام رقم: ۱۸۹۹، مسند البزار مكتبه العلوم و الحكم ۳۷٦/٦ رقم: ۲۳۹٤)

لایجب علی الزوج تطلیق الفاجرة. (الدر مع الرد، كتاب النكاح، مطلب فيما لو زوج المولى أمته، زكريا ١٤٣/٤-١٤٤، كراچی ۵۰/۳، مصری قدیم ٤٠٢/٢، النهر الفائق، دار الكتب العلمية بيروت ١٩٩/٢)

اگر اس بیوی سے کوئی اولاد نہیں ہے تو اس کو طلاق دینے کی گنجائش ہے۔

فإن طلقها لرضاء الوالدین فهو جائز. (حاشية مشكوٰة ٤٢١/٢)

اور اگر اس بیوی سے اولاد ہے یا فتنے میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہے تو صبر سے کام لے

اور طلاق دینے میں عجلت نہ کرے اور باپ کو راضی کرنے کی کوشش کرے اور بیوی کو باپ کے احترام پر مامور کرے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/ ۴۶۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/ ۳۴۶۲)

ماں و بہنوں کے دباؤ سے بیوی کو طلاق دینا

سوال [۱۰۲۰۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر ماں اور بہنیں شادی کے آٹھ سال بعد دو بچوں کی پیدائش کے بعد بیوی کو طلاق دینے کی تلقین کریں اور دباؤ ڈالتی ہیں جبکہ اس سے پہلے بھی ایک بیوی کو طلاق کی شکل میں ختم کرا چکی ہیں یہ سب باتیں صرف مال اور جائیداد کے لالچ میں کرتی ہیں کیا ایسی صورت میں ماں اور بہنوں کے ساتھ تعلقات رشتہ داری ختم کرنا جائز اور صحیح ہے؟

المستفتی: سید مہتاب علی محلہ بھٹی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ماں بہنوں کی طرف سے آپ کو دباؤ ڈال کر مال وجائیداد کے لالچ میں بیوی کو طلاق دینے پر مجبور کرنا ہرگز جائز نہیں ہے اور وہ اس عمل کی وجہ سے اللہ کے یہاں سخت گنہگار ہوں گی، لیکن ان کے اس عمل کی وجہ سے آپ کو ان سے رشتہ داری ختم کرنے کی بھی اجازت نہیں ہے، البتہ ان کے اس عمل کی وجہ سے آپ کو اپنا گھر بسانے کے لیے بیوی کے ساتھ الگ رہنا جائز ہے، اور الگ رہتے ہوئے ان کے خرچہ و اخراجات کا خیال رکھنا بھی آپ پر ضروری ہے۔

﴿وَقَضَى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْا اِلَّا اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا﴾. [الاسراء: ۲۳]

﴿من البر بهما والإحسان إليهما ألا يتعرض لسبّهما ولا يعقهما فإن ذٰلك من الكبائر بلاخلاف﴾. (قرطبی، سورۃ الإسراء، تحت رقم الآية: ۲۳، دار

الکتب العلمية بيروت ١٥٦/١٠)

فإنه دل على الاجتناب عن جميع الأقوال المحرمة و الإتيان بجميع كرائم الأقوال والأفعال من التواضع والخدمة والإنفاق عليهما ثم الدعاء لهما فى العاقبة. (مرقاة، باب البر والصلة، امداديه ملتان ١٩١/٩)

ووصينا الإنسان بوالديه أى أمرناه أن يبرهما ويشكرهما ...... يجب بهذه الآية الإنفاق على الأبوين الفقيرين وصلتهما وإن كانا كافرين. (تفسير مظهرى، سورة لقمان، تحت رقم الآية: ١٤، زكريا ٢٥٥/٧)

عن طارق المحاربى قال قدمنا المدينة فإذا رسول الله ﷺ قائم على المنبر يخطب الناس وهو يقول يد المعطى العليا وابدأ بمن تعول أمك و أباك و أختك و أخاك ثم أدناك أدناك. (نسائى، باب أيتهما اليد العليا، النسخة الهندية ٢٧٢/١ دار السلام رقم: ٢٥٣٣)

عن معاذ رضى الله عنه قال: أوصانى رسول الله ﷺ ...... ولاتعقن والديك و إن أمراك أن تخرج من أهلك و مالك. (مسند أحمد بن حنبل ٢٣٨/٥، رقم: ٢٢٤٢٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/ ذی الحجہ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۳۴۶)

والدین کوراضی کرنے کے لیے بیوی کو مارنے اور طلاق دینے کی شرعی حیثیت

سوال [۱۰۲۰۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) زید کے والد محترم زید کی بیوی سے ہمیشہ چھوٹی چھوٹی باتوں سے ناراض ہوتے رہتے ہیں، کیا زید اپنے والد محترم کوخوش کرنے کے لیے معمولی غلطی پر بیوی کو مار پیٹ کرسکتے ہیں یا نہیں؟

(۲) والدین کوراضی رکھنے کے لیے بیوی کوطلاق دینا کیسا ہے؟ جبکہ بیوی سے غلطی نہ کے برابر ہوتی ہے؟

المستفتی: مظفر الاسلام نئی بستی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: (۱) زید کی بیوی کی طرف سے زید کے والد کے حق میں کوئی نازیبا حرکت نہیں ہوتی ہے اور زید کے والد بلاوجہ اس کی بیوی سے ناراض ہوتے رہتے ہیں تو زید کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ محض والد کو خوش کرنے کے لیے اپنی بیوی کی پٹائی کرے اگر زید اس طرح بلاوجہ بیوی کو مارتا ہے تو یہ زید کی طرف سے بیوی پر بیجا ظلم ہے جو قطعاً جائز نہیں ہے۔

وقد نص بعض أصحابنا أن للزوج أن يضرب المرأة على أربع خصال وما هو فی معنى الأربع ترک الزينة، والزوج يريدها و ترک الإجابة إذا دعاها إلى فراشه، و ترک الصلاة، فی رواية: والغسل، والخروج من البيت إلا لعذر شرعي. (تفسير روح المعاني، سورة النساء، تحت رقم الآية ٣٤، زكريا ٤/٣٨)

(۲) اگر بیوی میں دینی واخلاقی معاشرتی کسی قسم کی خرابی نہیں ہے اور وہ اپنے شوہر کے والدین کو ستاتی بھی نہیں ہے اس کے باوجود اگر شوہر کے والدین اس سے ناراض رہتے ہوں تو ایسی صورت میں محض والدین کو خوش کرنے کی غرض سے بیوی کو طلاق دینا اس پر ظلم ہے، اور طلاق دینے سے شوہر گنہگار ہوگا۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۴/۵۱، جدید ڈابھیل ۱۲/ ۱۶۱)

وأما الطلاق فإن الأصل فيه الحظر والإباحة للحاجة إلى الخلاص فإذا كان بلا سبب أصلا لم يكن فيه حاجة إلى الخلاص بل يكون حمقا و سفاهة رأى و مجرد كفران النعمة. (شامی، كتاب الطلاق، زكريا ٤/٢٨ ٤، كراچی ٣/٢٢٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۷۶۸۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۶/۱۳ھ

والدین کا دوسری بیوی کو طلاق دینے پر مجبور کرنا

سوال [١٠٢٠٤]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرے ایک دوست ہیں، اعظم گڑھ کے رہنے والے ہیں، انہوں نے دو شادیاں کی ہیں، ایک شادی ماں باپ نے کی تھی، اور دوسری شادی کی خبر ماں باپ کو نہیں تھی، اب ان کو معلوم ہوا ہے جس کی بنا پر ماں باپ اور دوسرے گھر والے ناراض ہیں اور کہتے ہیں کہ دوسری بیوی کو طلاق دیدو، ورنہ ہم بد دعا کریں گے، اب وہ بیچارے بہت پریشان ہیں، اگر والدین کا کہنا مانیں، تو دوسری بیوی جس سے تین اولاد بھی ہے، ان کا کیا ہو؟ اور اگر طلاق نہ دیں تو ماں باپ کی بد عائیں ہیں؟ ان کو کیا کرنا چاہیے؟ تسلی بخش جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: مولانا سہیل احمد صاحب دوحہ قطر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ حالات میں طلاق دینے میں بچوں کا نقصان اور عورت بے گناہ و بے قصور کی زندگی برباد ہونے کا قوی امکان ہے، اس لیے مصلحت طلاق نہ دینے میں ہے، جبکہ عورت کی وجہ سے والدین کے حقوق کی پامالی نہ ہورہی ہو، اور طلاق نہ دینے میں نہ والدین کی نافرمانی ہے اور نہ گنہگار ہوگا، تاہم والدین کو کسی طرح راضی کرلیا جائے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۴/ ۵۰، جدید ڈابھیل ۱۲/ ۱۶۱، امداد الفتاویٰ ۲/ ۴۶۷)

قال الفقهاء إن كان القصور من الزوجة فالإطاعة واجبة وإلا فمستحبة. (تقریر ترمذی ص: ٤٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴ / صفر المظفر ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۵۴۳)

حصول رزق کی خاطر والدین کو چھوڑنا

سوال [١٠٢٠٥]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کیا روزی حاصل کرنے کے لیے والدین کو چھوڑا جا سکتا ہے؟ جبکہ چھوٹا بھائی ان کے پاس موجود ہے اور چھوٹا بھائی ان کے اخراجات برداشت کرتا ہے؟

المستفتی: ابوفرمان، بھٹی اسٹریٹ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر والدین کے اخراجات وضروریات کا پورا انتظام موجود ہے اور راستہ بھی مامون ہے، تو جائز رہے گا ورنہ نہیں۔

و إن كان لا يخاف الضيعة عليهما بأن كانا موسرين ولم تكن نفقتهما عليه إن كان سفرا لايخاف على الولد الهلاك فيه كان له أن يخرج بغير إذنهما. (هنديه، كتاب الكراهية، الباب السادس والعشرون، زكريا قديم ٣٦٥/٥، جديد ٤٢٢/٥، الموسوعة الفقهية ٨٣/٢٩، الفتاویٰ التاتارخانية زكريا ٢٤٢/١٨، رقم: ٢٨٦٤٧، المحيط البرهاني، المجلس العلمی ١١٠/٨، رقم: ٩٧٠٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍رمضان المبارک ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۱۴/۲۳)

اولاد پر والد کا خرچ غرباء پر صدقہ کرنے سے مقدم اور لازم

سوال [۱۰۲۰۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص کے کئی لڑکے ہیں اور ان تمام لڑکوں میں سے صرف ایک لڑکا اپنے والد محترم کو جو کہ ضعیف نہیں، ہفتہ میں خرچ دیتا ہے، اور ان کے والد اسی خرچ میں سے اپنی ضروریات پوری کر لیتے ہیں اور اب وہ لڑکا بھی والد محترم کو ہفتہ میں خرچ دینے سے گریز کرتا ہے اور دیگر فقیر وغیرہ کو خیرات وزکوٰۃ دیتا ہے اور دستی وخفیہ بھی لوگوں کو دیتا رہتا ہے، تو کیا اس کے لیے جائز ہے کہ اپنے والد محترم کو پہلے خرچ نہ دے اور مندرجہ بالا کو پہلے دے، اس مسئلہ کی توضیح فرما کر جواب سے نوازیں۔

المستفتی: محمد زکریا مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجـواب وبالله التوفيق: صورت مذکورہ میں سب لڑکوں پر اپنے والد کی ضروریات کا خرچ دینا واجب ہے۔

ويجب على الأولاد ذكورهم و إناثهم نفقة الوالدين. (بنايه اشرفيه ٥/٦٩٩)

فإن كان الأولاد ذكورا و إناثا موسرين فنفقة الأبوين عليهم بالسوية في أظهر الروايتين وفي الخانية: وعليه الفتوىٰ. (الفتاوىٰ التاتارخانية زكريا ٥/٤٢٥، رقم: ٨٣٦٦، المبسوط للسرخسي، دار الكتب العلمية بيروت ٥/٢٢٢، حاشية چلپی، امداديه ملتان ٣/٦٤، زكريا ٣/٣٢٩)

استطاعت کے باوجود جولڑکا والد کا خرچ نہ دے گا وہ گنہگار ہوگا، نیز ایک لڑکا جو باپ کا خرچ دیا کرتا ہے، اس پر لازم ہے کہ باپ کی ضروریات پوری کرے، بعد میں حسب استطاعت فقراء کو دیا کرے، باپ کوخرچ دینے سے گریز کرنا ناجائز ہے، عنداللہ سخت گنہگار ثابت ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍جمادی الاولیٰ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/۶۶۱)

تمام اولاد پر والد کی ضروریات کا خرچ دینا واجب

سوال [۱۰۲۰۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص کے کئی لڑکے ہیں اوران تمام لڑکوں میں صرف ایک لڑکا اپنے والد محترم کو تیس روپیہ ہفتہ دیتا ہے اوران کے والد اسی تیس روپیہ میں دوا وغیرہ پوری کر لیتے ہیں، اور اب وہ لڑکا اپنے والد محترم کو روپیہ دینے میں دیر کرتا ہے، اور بھی روپیہ دوسرے فقیر وغیرہ کو دیتا ہے اور دستی خفیہ بھی لوگوں کو دیتا رہتا ہے، تو کیا اس کے لیے جائز ہے کہ اپنے والد محترم کو پہلے روپیہ نہ دے اور فقیر وغیرہ کو پہلے دے، اس مسئلہ کی توضیح فرمائیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مذکورہ میں سب لڑکوں پر والد کی ضروریات کا خرچ دینا واجب ہے۔

ویجب علی الأولاد ذکورهم و إناثهم نفقة الوالدین. (بنایه کتاب النفقات، اشرفیه ۵/ ۶۹۹)

فإن کان الأولاد ذکورا و إناثا موسرین فنفقة الأبوین علیهم بالسویة في أظهر الروایتین وفي الخانیة: وعلیه الفتویٰ. (الفتاویٰ التاتارخانیة زکریا ۵/ ۴۲۵، رقم: ۸۳۶۶، المبسوط للسرخسی، دار الکتب العلمیة بیروت ۵/ ۲۲۲، حاشیة چلبی، امدادیه ملتان ۳/ ۶۴، زکریا ۳/ ۳۲۹)

اگر استطاعت کے باوجود کوئی لڑکا نہ دے تو گنہ گار رہوگا، نیز جو لڑکا تیس روپیہ دے رہا ہے، اس کو چاہیے کہ فقراء غریبوں کو خیرات کرنے سے پہلے اپنے والد کی ضروریات پوری کرے، اس کے بعد فقراء کو دے، ورنہ گنہگار رہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
یکم ربیع الاول ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۵۵۳)

والد کے قرض کا مطالبہ اولاد سے کرنے کی شرعی حیثیت

سوال [۱۰۲۰۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہم تین بھائی اور ایک والد محترم ایک کاروبار ۲۴/ ۸/ ۱۹۸۶ء تک ساتھ چلاتے تھے اس میں پانچ شریک تھے، تین بھائی ایک والد اور ایک صاحب باہر کے کچھ آپس میں غلط فہمیاں ہوئیں اور باہر کے شریک کے ساتھ شراکت ختم ہوگئی اس کے بعد ۶/ ماہ کے اندر بھائیوں اور والد صاحب کے بیچ بھی شراکت ختم ہوگئی، سب روپیہ والد صاحب کا ہی تھا، بھائی جوان ہوگئے، اور والد صاحب کے ساتھ کاروبار میں شریک ہوگئے۔

شراکت ختم ہونے پر ایک فیصلہ پنچوں کے درمیان ہوا، اس میں تمام باتیں طے ہوگئیں، تمام حساب کتاب پنچوں کی موجودگی میں والد صاحب کے سپرد کردیئے گئے، اس کے بعد آج تک جو روپیہ دینا تھا ابھی بھی دینا باقی ہے، اور لینا تھا وہ تقریباً وصول ہو چکا ہے، جس کو دینا تھا وہ اب میرے پاس آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم کو ہمارا روپیہ دو جبکہ ایک صاحب جو خود بھی اس فیصلہ میں پنچ تھے، ان کا روپیہ فرم پر چاہیے تھا، انہوں نے خود بھی فیصلے میں تحریر کیا ہے اور زبانی بھی فیصلہ کے وقت بات صاف ہوگئی تھی کہ دینداری تمام والد صاحب دیں گے، اس کے باوجود بھی برابر ان کا تقاضہ آتا رہتا ہے اور دوسرے اور تیسرے صاحب کا تقاضہ جاری ہے، اس سلسلے میں شرع کی روشنی میں خلاصہ فرمادیں کہ دینداری ہمارے اوپر واجب ہوتی ہے یا نہیں؟

المستفتی: تحسین الٰہی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب مذکورہ کاروبار کے تمام روپئے اور مالیت والد صاحب کو دیدی ہے اور اس کاروبار کے تمام لین دین کے ذمہ دار بھی وہی ہیں، اور اس کاروبار کی مالیت سے متعلق تمام ذمہ داریاں بھی انہیں کے سپرد کی جا چکی ہیں، اور فیصلہ نامہ سے بھی یہی بات واضح ہوتی ہے اس لیے تمام لین دین کا تعلق بھی آپ کے والد صاحب کے ساتھ ہوگا اور جب لین دار خود بھی اس فیصلہ میں موجود رہا ہے اور اس فیصلہ کو تسلیم کر چکا ہے تو لینے والے کو صرف آپ کے والد صاحب سے ہی مطالبہ کا حق ہوسکتا ہے، آپ سے شرعی طور پر کوئی واسطہ نہیں رہا ہے، شریعت نے مسلمانوں کو اپنی شرائط کا پابند بنایا ہے اور کسی کے مال کو اس کی مرضی کے بغیر حاصل کرنا جائز نہیں ہے۔

عن أبی حمید الساعدی، أن رسول اللہ ﷺ قال: لایحل لامرئ أن یأخذ مال أخیه بغیر حقه وذٰلک لما حرم اللہ مال المسلم علی المسلم.

(مسند أحمد بن حنبل ۵/۴۲۵ ط رقم: ۲۴۰۰۳)

المسلمون علی شروطهم. (قواعد الفقه اشرفی ص: ۱۲۱، رقم: ۳۱۹، صحیح البخاری، باب آجر السمسرة، النسخة الهندیة ۱/۳۰۳، سنن أبی داؤد، باب فی

الصلح، النسخة الهندية ۲/ ۵۰۶ دار السلام رقم: ۳۵۹۴)

لايجوز لأحد أن يأخذ مال أحد بلا سبب شرعي. (قواعد الفقه اشرفی ص: ۱۱۰، رقم: ۲۶۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍ شوال المکرّم ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۶۶۱)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۶/ ۱۰/ ۱۴۱۴ھ

کیا باپ اپنی اولاد کو دیئے ہوئے قرض کا مطالبہ کرسکتا ہے؟

سوال [۱۰۲۰۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں نے اپنی بیوی رئیسن کے کہنے سے اپنے لڑکوں نور عالم، رضا علی، ایوب علی، و نسیم علی کو کچھ نقد رقم اور تقریباً چھ کوئنٹل پیتل کے برتن اور ایک سو چھتیس کلو سلی پیتل دیا تھا، وہ لڑکے اسے واپس نہیں کررہے ہیں، مانگنے پر مار پیٹ اور جھگڑا کرتے ہیں، میں نے لڑکوں کو یہ سب چیزیں قرض کے طور پر دی تھیں، مجھے ان چیزوں کے مطالبہ کا حق ہے یا نہیں؟

المستفتی: غلام رسول لال مسجد مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آپ کے بیان کے مطابق آپ نے بیٹوں کو نقدی رقم اور پیتل کے برتن وغیرہ بطور قرض دیئے ہیں، لہٰذا آپ کو ان کے مطالبہ کا حق ہے، اور بیٹوں پر واپس کرنا واجب ہے، اور مطالبہ کرنے پر بیٹوں کا باپ کے ساتھ گستاخی کرنا اور ادائیگی نہ کرنا ظلم ہے، اور اپنی دنیا وآخرت کو برباد کرنا ہے۔

﴿فَلَا تَقُلْ لَهُمَا أُفٍّ وَلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا، وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا. [بنی اسرائیل: ۲۳]﴾

إن الديون تقضى بأمثالها على معنى أن المقبوض مضمون على القابض لأن قبضه بنفسه على وجه التملک، ولرب الدين على المدين

مثله. (شـامی، الأیمان، باب الیمین فی الضرب والقتل وغیر ذلك، مطلب: الدیون تقضی بأمثالها، زکریا ۵/۷٦٥، کراچی ۳/۸٤۸)

یـجب عـلـی الـمقترض أن یرد مثل المال الذی اقترضه، إن کان المال مثلیابالاتفاق. (الفقه الإسلامی وأدلته، هدی انٹرنیشنل دیوبند ٤/۵۱۵، دار الفکر ۵/۳۷۹۳)

ولـو دفـع إلـی ابـنه مالا فتصرف فیه الابن، یکون للأب، إلا إذا دلت دلالة عـلـی التملیک کذا فی الملتقط. (هـنـدیه، الباب السادس فی الهبة للصغیر، زکریا قدیم ٤/۳۹۲، جدید ٤/٤۱۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۰۴۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۵/۶ھ

لڑکے کا والد کی اجازت کے بغیر ان کا مال خفیہ طریقے سے لینے کا حکم

سوال [۱۰۲۱۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ باپ کا مال لڑکے اور لڑکی نے بغیر اجازت کے گھر سے نکالا اور کسی شخص کے یہاں لے جا کر رکھا ان کو بھی یہ معلوم ہوگیا کہ یہ مال بغیر اجازت کے چوری سے لائے ہیں، اس مال کو لڑکی لڑکے کو کھانا یا استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اس فعل سے ان کی عبادت میں تو کوئی فرق نہیں آتا، اور جن حضرات کے یہاں مال لے جا کر رکھا انہوں نے بھی لڑکے کے باپ سے کچھ نہیں کہا اور مال جانے دیا، کیا وہ بھی مجرم ہیں، اس طرح عبادت میں تو فرق نہیں آتا؟

المستفتی: عبدالحکیم نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: لڑکے کا باپ کی اجازت کے بغیر اپنے والد کا مال خفیہ طریقہ پر لے لینا جائز نہیں ہے۔

لایجب علی الأب نفقة الذکور الکبار. (عالمگیری، الفصل الرابع فی نفقة

الأولاد، زکریا قدیم ۱/ ۵٦۳، جدید ۱/ ٦۰۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵؍ شعبان المعظم ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۵۸۰)

باپ کی زندگی میں اس کی جائیداد میں اولاد کا حق نہیں

سوال [۱۰۲۱۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) میرا ایک مکان ساڑھے اکیاسی گز کا ہے، میری بیوی بھی حیات ہے، میرے پانچ لڑکے اور دو لڑکیاں ہیں، سب لڑکے لڑکیوں کی شادی کر دی تھی، لیکن ایک لڑکی بیوہ ہے اس کی دو لڑکیاں ہیں جو میرے پاس رہ رہی ہیں، میرے لڑکے میرے ساتھ بدسلوکی کرتے ہیں، کوئی کھانا خرچہ نہیں دیتے ہیں، میں بوڑھا کمزور ہوں، میری حالت ایسی نہیں ہے کہ مزدوری یا کوئی اور کام کرسکوں، میرے لڑکے میری زندگی میں میرے مکان میں حصہ مانگتے ہیں، کیا میں خود مالک ہوں، یا لڑکوں کا بھی اس میں حق ہے؟ کیا لڑکوں کو مجھ سے مکان کا مطالبہ کرنا یا اس کو بیچنے پر مجبور کرنا جائز ہے؟

(۲) ان کا بدتمیزی کرنا اور مجھے ستانا کیسا ہے؟

المستفتی: محمد شفیق مقبرہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) شرعاً باپ اپنی زندگی میں سارے مکان اور جائیداد وغیرہ سب چیزوں کا خود مالک ہوتا ہے اس کی زندگی میں اس کی اولاد میں سے کوئی بھی مالکانہ حق نہیں رکھتی ہے، اور نہ ہی اولادوں کے درمیان تقسیم پر مجبور کرنے کا حق ہے اور اس کو پورا پورا اختیار ہے کہ اپنے مکان وجائیداد میں جس طرح چاہے تصرف کرے، چاہے بیچ کھائے، چاہے کسی کو دیدے، اور چاہے کسی کو بھی نہ دے اس کے اوپر کسی کا جبرو دباؤ نہیں ہے، اولاد میں سے کسی کا کوئی حصہ اس میں نہیں ہوتا ہے اور نہ ہی حصہ کے طور پر مانگنے کا حق ہوتا ہے۔

المالک هو المتصرف فی الأعیان المملوکة کیف شاء من الملک. (بیضاوی شریف، رشیدیه ۱/ ۷)

المالک للشیئ هو الذی یتصرف فیه باختیاره و مشیئته. (بدائع الصنائع، فصل بیان ما یبطل به الخیار، زکریا ۲/ ۶۳۸، کراچی ۲/ ۳۲۷)

(۲) اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اپنی عبادت کے ساتھ ماں باپ کے ساتھ رواداری اور ہمدردی کا حکم اسی طرح فرمایا ہے جس درجہ میں اپنی عبادت کا حکم دیا ہے اور ماں باپ کے سامنے اُف کہنے سے بھی منع فرمایا ہے، لہٰذا بیٹوں کے اوپر باپ کی فرمانبرداری اور باپ کے سامنے عاجزی وانکساری اختیار کرنا لازم اور واجب ہے اور باپ کوستانا عظیم گناہ ہے، دنیا وآخرت کی بربادی ہے۔

﴿قال الله تعالیٰ: فَلَا تَقُلْ لَهُمَا أُفٍّ وَلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا، وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا. [الاسراء: ۲۳]﴾

عن عبد الله بن عمرو عن النبی ﷺ قال: رضا الرب فی رضا الوالد وسخط الرب فی سخط الوالد. (ترمذی، باب جاء من الفضل فی رضا الوالدین، النسخة الهندیة ۲/ ۱۲ دار السلام رقم: ۱۸۹۹، مسند البزار، مکتبه العلوم و الحکم، ۶/ ۳۷۶، رقم: ۲۳۹٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۱۶/ جمادی الثانیہ ۱۴۳۱ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۰۹۹)	۱۴۳۱/۶/۱۶ھ

والد کی فیملی میں رہ کر کمائی گئی جائیداد کا مالک کون؟

سوال [۱۰۲۱۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرے پانچ بھائی ہیں، اور والد ابھی بقید حیات ہیں، والد کی ملکیت میں کچھ

زمین وطن میں موجود ہے، اور یہاں یعنی بمبئی میں کچھ زمین بڑے بھائی کی ملکیت میں ہے، جس میں صرف دو بڑے بھائیوں کا سرمایہ صرف ہوا ہے، اب میرے بڑے بھائی کا کہنا ہے کہ جو زمین یہاں میری ملکیت میں ہے اس میں اگر میں چاہوں گا تو تم کو حصہ دوں گا ورنہ نہیں، اور اس کی وجہ وہ یہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اسے اپنے سرمایہ سے کمایا ہے لہٰذا اس پر میرا حق ہے، اور دینا یا نہ دینا میری مرضی پر موقوف ہے؟

تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ میرے بھائی کا یہ کہنا از روئے شرع درست ہے یا نہیں؟ اور ہمارا اس میں حصہ شریعت کی جانب سے متعین ہوتا ہے یا نہیں؟ مہربانی فرما کر اس مسئلہ کا حل قرآن وحدیث کی روشنی میں مدلل تحریر فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔

نوٹ: ہم تمام بھائی وطن میں والد کو سرپرست مانتے ہیں اور ممبئی میں بڑے بھائی کو ہی سرپرست تسلیم کرتے ہیں اور یہ بات بھی قابل غور ہے کہ جب گھر میں بہت سے لوگ کمانے والے ہوں تو ظاہر سی بات ہے کہ کوئی کم کمانے والا ہوگا اور کوئی زیادہ کمائے گا، اور جو زمین یہاں موجود ہے اس میں صرف دو بڑے بھائیوں کا پیسہ لگا ہے اسی لیے میرے بڑے بھائی کا کہنا ہے کہ جب الگ ہوں گے تو اس میں حصہ صرف سرمایہ لگانے میں شریک بھائی ہی کو دوں گا، اور دوسروں کو حصہ نہیں دوں گا، تو یہ کہنا صحیح ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد اجمل بمبئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: والد کی ماتحتی میں کام کرنے والے تمام لڑکوں کی آمدنی والد ہی کی ملکیت شمار ہوگی، لہٰذا والد کے انتقال کے بعد والد مرحوم کی تمام جائیداد ورثاء کے درمیان برابر تقسیم ہوگی، کسی ایک کو زیادہ کمانے کی بنا پر اس کو وراثت سے زیادہ حصہ نہیں دیا جائے گا، ہاں البتہ اگر بمبئی میں رہنے والے بھائیوں نے والد سے الگ ہوکر سرمایہ کمایا ہے اور اس میں والد کا کوئی تعاون نہیں رہا ہے، نہ کام کی ابتداء میں والد کا کم زیادہ سرمایہ رہا ہے بلکہ ان دونوں بھائیوں نے بلا کسی سرمایہ کے بے سروسامانی کے عالم میں اپنا کاروبار شروع کیا ہے پھر اسی سرمایہ سے زمین خریدی تو وہ انہیں دونوں بھائیوں کی شمار ہوگی، ورنہ والد کی ملکیت ہوگی، جس میں والد کے مرنے کے بعد باضابطہ وراثت جاری ہوگی۔

الأب و ابنه يكتسبان فی صنعة واحدة ولم يكن لهما شیئ فالكسب كله للأب إن كان الابن فی عياله لكونه معينا له. (فتاویٰ شامی، الشركة، مطلب: اجتمعا فی دار واحدة واكتسبا ...... زكريا ٦/٢ ٥٠، كراچی ٤/٥ ٣٢، هنديه زكريا قديم ٢/٩ ٣٢، جديد ٢/٢ ٣٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰ر شعبان المعظم ۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۱۱۲)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۷/۸/۱۰ھ

زندگی میں والد کے مکان میں لڑکوں کا کوئی حق نہیں

سوال [۱۰۲۱۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید اپنے والد کے ساتھ والد صاحب کے گھر میں رہتے ہیں، یعنی باپ بیٹے ایک ساتھ رہتے ہیں، زید کا کوئی خاص گھر نہیں ہے، جس وقت چاہیں اس کے والد گھر سے نکال سکتے ہیں، اس حالت میں زید کا گھر کون سا ہوگا؟ مع حوالہ جواب تحریر فرمائیں۔

المستفتی: محمد دانش علی محمد ارشد علی مغربی بنگال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب زید باپ کے ساتھ ہے تو گھر اس کا نہیں ہے بلکہ باپ کا ہے۔

الأب و ابنه يكتسبان فی صنعة واحدة ولم يكن لهما شیئ فالكسب كله للأب إن كان الابن فی عياله لكونه معينا له. (فتاویٰ شامی، الشركة، مطلب: اجتمعا فی دار واحدة واكتسبا ...... زكريا ٦/٢ ٥٠، كراچی ٤/٥ ٣٢، هنديه زكريا قديم ٢/٩ ٣٢، جديد ٢/٢ ٣٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷ر ذی الحجہ ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۴۲۷۱)

باپ کوقتل کی دھمکی اور مار پیٹ کرنے والے کا باپ کی جائیداد میں حصہ

سـوال [۱۰۲۱۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بیٹے نے باپ کوقتل کردینے کی دھمکی دی، گالیاں دیں، مارنے کے لیے ہاتھ اٹھایا اور بدسلوکی کی ،باپ کے ساتھ اس طرح کا غلط عمل کرنے والا بیٹا کیا باپ کے کاروبار، مال اوردولت میں حقدار ہے؟

المستفتی: عبدالرب جگر کالونی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: باپ کی زندگی میں کسی بیٹے کا کوئی حق اس کے کاروبار وجائیداد میں نہیں ہے اور باپ کے لیے ایسا کرنا جائز ہے کہ اس نافرمان بیٹے کو کچھ نہ دے کر دوسری فرمانبردار اولاد کو دیدے اور اگر دوسری اولاد نہیں ہے تو ساری جائیداد کسی کو ہبہ کردے یا بیچ دے یا کارخیر میں وقف کردے۔

ولـو كان ولده فاسقا و أراد أن يصرف ماله إلى وجوه الخير ويحرمه عن الميراث هذا خير من تركه. (هـنديه، الباب السادس فى الهبة للصغير، زكريا قديم ٤/ ٣٧١، جديد ٤ /٤١٦)

الإرث جبرى لايسقط بالإسقاط. (تكمله شامى، مطلب فى حادثة الفتاوىٰ زكريا ١١/٦٧٨، كراچى ٧/٥٠٥)

وعـلـى جـواب المتأخرين لابأس بأن يعطى من أولاده من كان عالما متـأدبـا ولايـعـطى من كان فاسقا فاجرا. (مـجـمع الأنهر، كتاب الهبة، دار الكتب العلمية بيروت ٣/٤٩٧، مصرى قديم ٢ /٣٥٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍ذی قعدہ ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۲۲۸)

والدہ نے اپنی کمائی سے مکان تعمیر کرایا تو اس میں لڑکا حقدار ہے یا نہیں؟

سوال [۱۰۲۱۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مجھے ۲۵/سال ہوگئے بیوہ ہوئے، میں نے اپنی کمائی کر کے اپنا مکان بنایا، میرے دو بچے ہیں، ایک لڑکا ایک لڑکی، دونوں کی شادی کردی، لڑکا بڑا ہے، لڑکے کی شادی ۱۹/سال میں اور لڑکی کی شادی ۱۰/سال میں کردی تھی، شادی سے پہلے میں نے حج کیا ہے، آج وہی لڑکا مجھ سے لڑ رہا ہے، تین بار میرا گلا گھونٹ چکا ہے، اور رات بھی گلا گھونٹا ہے، میں رات مرنے سے بچ گئی، مکان میرے نام ہے اور میری لڑکی اپنا حصہ لینے سے منع کررہی ہے، لڑکا کہہ رہا ہے کہ میری کمائی کا ہے، اس کا فیصلہ میں کیا کروں، آپ اس کا فیصلہ بتا دیجئے، اور میرے ماں باپ کو برا بھلا کہتا ہے، میرے ماں باپ دنیا سے چلے گئے، ماں ابھی زندہ ہیں اور مجھے کوستا ہے اور کہتا ہے کہ تیری قبر میں کیڑے پڑیں گے، اور کہتا ہے کہ اس گھر سے نکل جاؤ، عورت عورت کر کے بولتا ہے، اسی نسل کا اس کا باپ تھا اس نے پہلا گھر بیچ کر کے طلاق دیدی، آپ اس کا فتویٰ دیدیجئے؟

المستفتیہ: ہاجرہ خاتون محلّہ کٹار شہید مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر سائلہ اپنے بیان میں سچی ہے اور اپنی ہی کمائی سے مکان خریدا ہے تو وہ سائلہ کی ملکیت ہے، اس میں لڑکے کا کوئی حق نہیں ہے، سائلہ اگر چاہے تو فروخت کرسکتی ہے۔

المالک وهو المتصرف فی الأعیان المملوكة کیف شاء من الملک. (بیضاوی شریف، رشیدیه ۱/ ۷)

کل یتصرف فی ملکه کیف شاء. (شرح المجلة، رستم اتحاد ۱/ ٦٥٤، رقم المادة: ۱۱۹۲)

نیز لڑکے کا اپنی والدہ کو مارنا اور گلا گھونٹنا بہت بڑا گناہ عظیم ہے۔

عن أنس بن مالک رضي الله عنه قال: ذکر رسول الله ﷺ الکبائر فقال الشرک بالله وقتل النفس وعقوق الوالدین. (مسلم شریف، باب بیان الکبائر وأکبرها، النسخة الهندیة ۱/ ٦٤ بیت الأفکار رقم: ۸۸، صحیح البخاری، باب عقوق الوالدین من الکبائر، النسخة الهندیة ۲/ ۸۸٤، رقم: ۵۷٤۳، ف: ۵۹۷۷)

نیز گذرے ہوئے لوگوں کو برا بھلا کہنا جائز نہیں ہے۔

عن ابن عمر -رضي الله عنه- قال: قال رسول الله ﷺ: أذکروا محاسن موتاکم، وکفوا عن مساویهم. (سنن أبي داؤد، باب النهي عن سب الموتیٰ، النسخة الهندیة ۲/ ٦٧١ دار السلام رقم: ٤۹۰۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹ر صفر المظفر ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۳۰۲۵)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۳/۲/۱۹ھ

والد کو مکان کے لیے بطور قرض دی ہوئی رقم سے کیا لڑکا مکان کا مالک ہو جائے گا؟

سوال [۱۰۲۱٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ تقریباً ۱۲ر سال قبل میرے ماموں نے کچھ رقم بطور ہدیہ مجھے دی تھی، البتہ میرے قبضہ میں نہ دیتے ہوئے انہوں نے وہ رقم میرے والدین کے پاس رکھوا دی تھی، والدین نے اسے کاروبار میں لگایا، جس میں کچھ نفع ونقصان ہوا، جس کی تفصیلات کا مجھے علم نہیں، پھر سات سال پہلے میری شادی ہوئی، اس میں بھی ماموؤں نے کچھ رقم والد صاحب کو دی تھی۔ (ولیمہ وغیرہ میں خرچ کرنے کے لیے)

شادی کے ڈیڑھ سال بعد والد صاحب نے سارے پیسوں کا حساب کیا، جو رقم ماموؤں نے پہلے دی تھی یا میری شادی میں دی تھی یا بچپن میں میرے نام سے دی ہوئی کسی کی رقم جو والد صاحب نے اپنے استعمال میں لے لی تھی، ان سب کو جوڑ کر اور ان میں اپنی طرف سے ۵۰۰۰۰ ہزار مزید ملا کر پوری رقم اپنے پاس رکھ لی، جس کی مقدار مجھے معلوم نہیں۔

پھر ایک زیر تعمیر عمارت میں میرے لیے گھر بک کروایا، بکنگ کے وقت اس گھر کو میرے ہی نام سے بک کروایا، کاغذات پر دستخط بھی میں نے ہی کیے، اس وقت میں بیرون ملک رہتا تھا، چھٹیوں میں گھر آیا ہوا تھا۔

کچھ قیمت اسی وقت ادا کی گئی، اور بقیہ قسط وار ادا کی گئی، جس میں سے ۳/ لاکھ ۲۷/ ہزار روپئے والد صاحب نے دیئے، اور دو لاکھ روپئے میں نے دیئے، یوں وہ گھر ہمیں ۵/ لاکھ ۲۷/ ہزار روپئے میں پڑا۔

تعمیر مکمل ہو جانے کے وقت میں بیرون ملک تھا، اس لیے والدین نے اسے مشترکہ طور پر اپنے نام رجسٹر کروالیا، کچھ سال تک اس کی دیکھ ریکھ اور اس کا خرچ بھی والد صاحب ہی برداشت کرتے رہے، البتہ ۲۰۰۸ء میں بیرون ملک سے واپس آجانے کے بعد سے اس کی دیکھ ریکھ صاف صفائی میں ہی کررہا تھا، اور ۲۰۰۹ء میں، میں نے اسے کرایہ پر دیدیا، اس کے بعد سے اس کا خرچ بھی میں اٹھا رہا تھا، بیرون ملک سے لوٹنے کے بعد اسے میرے نام کرنے کی بات آئی مگر والد صاحب نے کہا کہ اس میں بہت پیسے خرچ ہوں گے، اس کی کیا ضرورت ہے؟ مگر اب سے کچھ مہینوں پہلے میں نے پھر درخواست کی کہ اب اسے میرے نام کر دیجئے، تو امی ابا دونوں راضی ہو گئے، والد صاحب نے خود ہی وکیل سے بات کی اور پیپر بنانے کے لیے کہا، اپنی تصویریں بھی مجھے دیں کہ یہ وکیل صاحب کو دیدینا، مگر جب سارے کاغذات بن گئے والد صاحب نے اسے پڑھ کر اس کی تصحیح بھی کروائی، اب صرف ان کے دستخط باقی تھے کہ اچانک والدین کا رویہ بدل گیا، کئی دن تک تو ٹالتے رہے، پھر ایک دن صاف کہہ دیا کہ وہ گھر ہم تجھے نہیں دیں گے، پہلے ہماری نیت تھی، دینے کی مگر وصیت آخری وقت میں بھی بدلی جاسکتی ہے، لہٰذا اب ہم وہ گھر تجھے نہیں دیں گے، ہاں آئندہ کبھی دل ہوا تو دیکھیں گے، حالانکہ اس سے پہلے ہمیشہ اس گھر کو میرا گھر کہا جاتا تھا، میری والدہ نے میرے بھائیوں سے بھی کہا تھا، کہ دیکھو وہ گھر آصف کا ہے، کرایہ داروں سے خالی کروا کر وہ گھر میں اپنے تابع میں بھی لے چکا تھا، کہ یہ حادثہ پیش آیا، لہٰذا میں جاننا چاہتا ہوں کہ:

(۱) وہ گھر میرا ہے یا نہیں؟

(۲) اگر نہیں تو اس میں میرا حق ہے یا نہیں؟ ہے تو کتنا؟ اس وقت اس گھر کی قیمت تقریباً ۱۵/لاکھ روپئے ہے، جبکہ ہم نے اسے ۵/لاکھ ۲۷/ہزار روپئے میں خریدا تھا؟

(۳) والدہ کا کہنا ہے کہ ہم تجھے ۲/لاکھ روپئے دیدیں گے، تو کیا میرا حق بس ۲/لاکھ روپئے ہے؟

(۴) کبھی والدہ صاحبہ کہتی ہیں کہ ہم نے تجھ پر بچپن میں بہت خرچ کیا تھا، لہٰذا اب تیرا کوئی حق نہیں، ان کا یہ کہنا درست ہے یا نہیں؟

(۵) والدین کو اس گھر کی ضرورت نہیں، ان کے پاس ماشاء اللہ، اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا بہت ہے، اور مجھے اس وقت پیسوں کی سخت ضرورت ہے، تو کیا میں ان سے اپنے حق کا مطالبہ کرسکتا ہوں؟ اس میں ان کی بے ادبی تو نہیں ہوگی؟

المستفتی: محمد آصف بن محمد اسماعیل شیخ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: آپ کے ماموؤں نے جو پیسہ بچپن میں دیا ہے اس کا حساب متعین ہونا چاہیے تب کوئی بات کہی جاسکتی ہے اس کے بغیر نہیں، اور شادی کے موقع پر ولیمہ میں خرچ کرنے کے لیے جو دیا ہے اس سے مکان کا کوئی تعلق نہیں وہ تو ولیمہ میں خرچ ہوگیا، اب رہی یہ بات کہ مکان کی خریداری کے وقت میں دو لاکھ روپیہ جو آپ نے والد کو دیئے ہیں صرف اس کا مسئلہ رہ جاتا ہے، اس سلسلے میں تفصیل یہ ہے کہ اگر آپ باپ کی فیملی میں رہ رہے ہیں اور باپ کی فیملی میں آپ نے اپنے بیوی بچوں کو چھوڑ کر باہر جا کر کمایا ہے اور آپ کی بیوی بچوں کا خرچ والد ہی اٹھا رہے ہیں تو ایسی صورت میں آپ جو باہر سے کما کر لائے ہیں وہ بھی آپ کے والد کی ملکیت ہے، اور پورا مکان بھی باپ کی ملکیت ہوگا، اور اگر آپ باپ کی فیملی سے الگ رہ رہے ہیں اور علاحدگی کے زمانہ میں باہر سے کما کر دو لاکھ روپیہ باپ کو بطور قرض دیئے ہیں جو واپس لینے ہیں اور باپ نے اس پیسہ کو تعمیر میں لگا دیا ہے تو ایسی صورت میں آپ اپنے

والد سے صرف اس دولاکھ روپیہ کا مطالبہ کرسکتے ہیں اور دولاکھ روپیہ نہ ملنے کی صورت میں مکان کے اندر اسی کے بقدر شریک ہوسکتے ہیں۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ٦/٤٠٤)

ثم هذا في غير الإبن مع أبيه لما في القنية: الأب و ابنه يكتسبان في صنعة واحدة ولم يكن لهما شيئ فالكسب كله للأب إن كان الابن في عياله لكونه معينا له. (فتاویٰ شامي، الشركة، مطلب: اجتمعا في دار واحدة واكتسبا ...... زكريا ٦/٥٠٢، كراچي ٤/٣٢٥، هنديه زكريا قديم ٢/٣٢٩، جديد ٢/٣٣٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

كتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٢٥ ربیع الاول ١٤٣٤ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٤٠/١١٠٣٤)

کیا بیٹے بہو پر ساس سسر کا نفقہ لازم ہے؟

سوال [١٠٢١٧]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرا لڑکا محمد اکرم اور اس کی بیوی نے میرے ساتھ اتنی بدتمیزی کی ہے کہ نا قابل ذکر ہے، مثلاً مجھے نمک حرام، جنگلی کتا تک بتایا ہے، اور ایسے ایسے الزام لگائے، مثلاً میرے دوسرے لڑکے محمد اسلام کے بچوں کو یہ کہہ دیا کہ اولاد میرے لڑکے اسلام کی نہیں، بلکہ مجھ سے (میرے سے ہے) اور بہت سے الزامات ہیں، اور میرا لڑکا ان باتوں پر اس کی سرزنش نہیں کرتا بلکہ تمام گالیوں کو سنتا رہتا ہے، تو شریعت کی نظر میں میرے لڑکے اور اس کی بیوی کی یہ حرکتیں جائز ہیں یا ناجائز؟ ایسے لوگوں کے لیے شریعت میں کیا حکم ہے؟

(٢) میرے لڑکے محمد اکرم نے میرے داماد اور میری لڑکی اور میرے دوسرے لڑکے اسلام کو بلا کر کہا کہ میرا ان ماں باپ سے پیچھا چھڑادو، میں ان کو روٹی نہیں کھلاسکتا، تو یہ بیچارے ماں باپ اپنی روزی روٹی کے لیے کہاں جائیں؟ کیا خوشحال لڑکے پر اور اس کی بیوی پر بوڑھے اور لاچار ماں باپ کا نفقہ نہیں ہے؟ شریعت کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: محمد یعقوب پیرزادہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) شریعت میں جانبین کی کچھ ذمہ داریاں ہیں، ساس سسر کے اوپر لازم ہے کہ بہو کے ساتھ انتہائی شفقت اور رواداری سے پیش آئے اور اس کو اپنی بیٹی کی طرح بنائے رکھیں تاکہ اس کے دل میں ساس سسر کے بارے میں کسی قسم کا تکدر پیدا نہ ہو، اگر ساس سسر کی طرف سے اس طرح شفقت ومحبت کا معاملہ ہو تو بہو اس پر مجبور ہو جائے گی کہ ساس سسر کا خیال رکھے اور ان کو ماں باپ کا درجہ دے، اور سوالنامہ میں جس طرح کے جھگڑے کا ذکر ہے وہ جانبین سے اس طرح کی باتیں نہ ہونے کی وجہ سے ہے بہت سی جو غلطیاں ہو جائیں، ان کو معاف کر کے محبت کا معاملہ کرنا چاہئے اور بہو کے اوپر لازم ہے کہ ساس اور سسر کا ماں باپ کی طرح عظمت واحترام کرے اور کوئی غلط جملہ ان کے حق میں استعمال نہ کرے اور سوالنامہ میں جس طرح کی مغلظ اور الزام کی باتیں ہیں یہ جانبین کے لیے قطعاً جائز نہیں ہیں، اس طرح کی باتوں سے گریز کرنا ہر ایک پر لازم ہے، ورنہ گناہ کبیرہ کے مرتکب ہوں گے۔

عن عبد اللہؓ قال قال رسول اللہ ﷺ: لیس المؤمن بالطعان ولا اللعان ولا الفاحش ولا البذی (وفی روایۃ) ولم یکن النبی ﷺ فاحشا ولا متفحشا. (صحیح البخاری، باب خوف المومن أن یحبط عملہ وھو لایشعر، النسخۃ الھندیۃ ۱/۱۲، رقم: ۴۸)

(۲) اگر ماں باپ بوڑھے لاچار ہیں تو بیٹے کے اوپر ان کا خرچہ لازم ہے، لیکن ماں باپ کے اوپر بھی لازم ہے، کہ بدزبانی اور سخت گیری سے اپنے کو دور رکھیں، اور بہو و بیٹے کے ساتھ انتہائی شفقت ورواداری کا معاملہ کریں، ساتھ رہنے میں اگر نبھاؤ نہیں ہوسکتا، تو بیٹے کو چاہیے کہ ماں باپ سے الگ رہائش اختیار کرلے، اور اپنی کمائی میں سے ماں باپ کے خرچ کا خیال رکھا کرے۔

قال ویجبر الولد الموسر علی نفقۃ أبیہ و أمہ إذا کانا محتاجین ھکذا ذکر الإمام خواھرزادہ و شمس الأئمۃ السرخسی والخصاف فی کتابہ ...... وفی الھدایۃ:

لایشارک الولد أحد فی نفقة أبویه. (تاتارخانية ٥/٤٢٤، رقم: ٨٣٦٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸ / جمادی الثانیہ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۱۴۱)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۶/۱۸ھ

اولاد کی جائیداد میں والدین کا حق

سوال [۱۰۲۱۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید ضعیف ہو گیا ہے، کوئی کام کرنے کے قابل نہیں رہا اور علاوہ مکان کے کوئی ایسی جائیداد نہیں جس کو فروخت کر کے اپنی اور اپنی اہلیہ کا گذر بسر ہو سکے، زید کے دو لڑکے ہیں اور یہ دونوں اب الگ الگ ہو گئے ہیں، اور انہوں نے جو کچھ کمایا تھا وہ روپیہ آپس میں آدھا آدھا تقسیم کر لیا ہے، اور زید کو ایک حبہ نہیں دیا تو بتایئے لڑکوں کی کمائی وبنوائی جائیداد میں والدین کا شرعاً کتنا حق ہوتا ہے یا نہیں ہوتا ہے؟

المستفتی: حبیب الرحمٰن شہباز پور کلاں مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر دونوں لڑکوں نے باپ کے ساتھ باپ کی فیملی میں رہ کر کمایا تھا، اور بعد میں دونوں لڑکے جدا ہو رہے ہیں تو ایسی صورت میں دونوں لڑکوں کی ساری کمائی باپ کی ملکیت ہے، باپ کی مرضی ہے جتنا چاہے تقسیم کر دے اور جتنا چاہے اپنے پاس رکھ لے، اور چاہے تو ابھی دونوں لڑکوں کو کچھ نہ دے، اس لیے باپ سے الگ ہوتے وقت سارا مال باپ کو نہ دے کر، دونوں لڑکوں کا آپس میں تقسیم کر لینا قطعاً جائز نہیں۔

الأب و ابنه یکتسبان فی صنعة واحدة ولم یکن لهما شیئ فالکسب کله للأب إن کان الابن فی عیاله لکونه معینا له. (فتاویٰ شامی، الشرکة، مطلب: اجتمعا فی دار واحدة واکتسبا …… زکریا ٦/٥٠٢، کراچی ٤/٣٢٥، هندیه زکریا قدیم ٢/٣٢٩، جدید ٢/٣٣٢)

اور اگر باپ کے ساتھ رہنے کے زمانہ میں دونوں لڑکوں نے کچھ نہیں کمایا ہے اور خالی ہاتھ

الگ ہوگئے ہیں اس کے بعد کما کر دونوں نے آپس میں تقسیم کرلیا ہے تو ایسی صورت میں ساری کمائی کے مالک وہ دونوں لڑکے ہوں گے، لڑکوں پر برابری کے ساتھ ماں باپ کا خرچہ اخراجات نان ونفقہ واجب ہوگا، جس درجہ کا خرچہ اپنی بیوی پر خرچ کرتے ہیں اسی درجہ کا ماں باپ پر کرنا لازم ہے۔

وفی الخانية: فإن كان للفقير ابنان أحدهما فائق في الغنى والآخر يملك نصابا كانت النفقة عليهما على السواء. (البحر الرائق، كتاب الطلاق، باب النفقة، كوئٹه ٤/٤٠٦، زكريا ٤/٣٥٠)

وأشار بقوله ولأبويه إلى أن جميع ما وجب للمرأة يجب للأب والأم على الولد من طعام و شراب و كسوة وسكنىٰ حتى الخادم أو جارية إذا كان الأب محتاجا إلى من يخدمه. (البحر الرائق، كتاب الطلاق، باب النفقة، كوئٹه ٤/٢٠٦، زكريا ٤/٣٥٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ رصفر المظفر ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۹۴۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۲/۲۹ھ

بھائی اور والدہ کا اولاد کا حق مارنا

سوال [۱۰۲۱۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بڑے بھائی نے مکان مبلغ پچاس ہزار روپئے میں فروخت کردیا اس بات کو تقریباً ۲۰ رسال ہوگئے ہر بھائی کے حصہ میں بارہ ہزار پانچ سو روپئے آئے، میرا حصہ بڑے بھائی نے اپنے مکان میں صرف کرلیا، میرے حصہ کی آج کی موجودہ رقم تقریباً تین لاکھ بنتی ہے، اس کے علاوہ میری زمین کی ٦ رسال کی پیداوار بھی انہوں نے ضبط کرلی، مجھے فقط ۱۱۰۰۰ ہزار روپئے دیئے ہیں، مفتی صاحب اگر یہ میری رقم دیدیتے ہیں تو میں اپنے معصوم بچوں کے رہنے کا ٹھکانہ بنالیتا، فی الوقت میرا اپنا کوئی مکان نہیں ہے، اس کے علاوہ میری والدہ نے چودہ سال کی زمین کی پیداوار میری بغیر مرضی کے دوسرے رشتہ داروں پر خرچ کردی جو کہ تقریباً ایک

لاکھ بنتی ہے، میں نے جب والد سے والدہ کے مکان میں اس رقم کے بدلے میں حصہ مانگا تو دینے سے انکار کردیا، پھر میں نے کہا کہ مکان میں حصہ نہیں دیتے ہوتو میری رقم مجھے دیدو، تو مجھے رقم دینے سے بھی انکار کردیا جبکہ اس مکان کی تعمیر میں فدوی نے جانی ومالی طور پر اہم کردارادا کیا ہے؟

المستفتی: لیاقت حسین ولد امانت حسین بریلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آپ کا جو کچھ بھی شرعی حق ہے وہ آپ کو ملنا چاہیے، اور جو بھی آپ کے حق کو دبائے گا قیامت کے دن اللہ کے دربار میں پکڑا جائے گا، اور جس بھائی نے آپ کا پیسہ مکان میں صرف کردیا، ضروری تھا کہ وقت پر آپ کا پیسہ آپ کو ادا کردیتا اور آپ کو نہ دینے کا گناہ اس کے سر رہے گا، مگر ۱۲۵۰۰ کے بجائے اس پر زائد پیسہ آپ کو نہیں ملے گا، اس لیے کہ زائد پیسہ سود کے درجے میں ہو جائے گا، اور بڑے بھائی نے جو آپ کی چھ سال کی پیداوار کو ضبط کرلیا ہے اگر آپ کو ادا نہیں کرے گا تو اللہ کے یہاں ماخوذ ہوگا، اس کو چاہیے کہ آپ کا حق آپ کو ادا کردے، اور اسی طرح والدہ نے جو آپ کی زمین کی آمدنی آپ کی اجازت کے بغیر دوسروں پر صرف کردی ہے اس کا گناہ آپ کی والدہ پر ہوگا یہ الگ بات ہے کہ والدہ ہونے کی وجہ سے آپ معاف کردیں۔

عن سعید بن زید بن عمرو بن نفیل ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: من اقتطع شبرا من الأرض ظلما طوقه الله إياه يوم القيامة من سبع أرضين.
(مسلم شریف، کتاب المساقات والمزارعة، باب تحريم الظلم وغصب الأرض، النسخة الهندية ٢/٣٢، بيت الأفكار رقم: ١٦١٠)

لايجوز لأحد أن يتصرف فى ملك الغير بغير إذنه. (قواعد الفقه اشرفی ص: ١١٠ رقم: ٢٦٩، شرح المجلة رستم اتحاد ١/٦١، رقم المادة: ٩٦) **فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
یکم ذی الحجہ ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۰۸۸۲)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۱۲/۱ھ

۳ باب حقوق الأقارب

اہل خانہ کے حقوق کی ترتیب

سوال [۱۰۲۲۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص بال بچوں دار ماں باپ بھائی بہن، عزیز واقارب سب موجود ہیں، تو اس کے اوپر ان کے حقوق کس ترتیب سے واجب ہوتے ہیں؟

المستفتی: محمد ہارون راجستھان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بیوی کا خرچہ اس وقت لازم ہوتا ہے کہ جب فرمانبردار ہو اور شوہر ہی کے پاس رہ کر اس کا حق ادا کرتی ہو اس کے بعد نابالغ اولاد پھر والدین پھر نابالغ بہن کا خرچہ لازم ہوتا ہے۔

عن طارق المحاربی قال: قدمنا المدينة فإذا رسول الله ﷺ قائم على المنبر يخطب الناس وهو يقول: يد المعطى العليا، وابدأ بمن تعول: أمك، وأباك، وأختك وأخاك ثم أدناك أدناك. (سنن النسائی، باب أيتهما اليد العليا، النسخة الهندية ۱/۲۷۲ دار السلام رقم: ۲۵۳۲، مسند البزار، مكتبه العلوم والحكم ۵/۱۳۸-۳۲۴)

الأصل في نفقة الوالدين والمولودين القرب بعد الجزئية دون الميراث أى تعتبر أو لا الجزئية أى جهة الولاد أصولا أو فروعا. (شامی، كتاب الطلاق، باب النفقة، زكريا ۵/۳۵٦، كراچی ۳/٦۲۳، الفتاویٰ التاتارخانية زكريا ۵/٤۲۸ رقم: ۸۳۷۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍صفر المظفر ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵٦۲۱)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۲/۸ھ

یتیم بچوں کی کفالت کا حق

سوال [۱۰۲۲۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے بھائی محمد خالد کا اچانک سال گذشتہ انتقال ہو گیا، دوسرے دن ان کی اہلیہ کا انتقال ہو گیا، دریافت یہ کرنا ہے کہ مرحوم بھائی کے یتیم بچے کس کی کفالت میں رہیں گے، اور نانی ماموں اور چچا میں سے کون ان کا ولی ہوگا؟ از روئے شرع جواب دیں؟

المستفتی: محمد طیب محمد ناظر دیپا سرائے سنبھل

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مسئولہ میں ان بچوں کی کفالت کا زیادہ مستحق مذکورین میں سے وہ ہے جو اپنی جیب خاص سے بخوشی ان پر تبرع واحسان کرتے ہوئے ان کا خرچہ برداشت کر سکے، اس لیے کہ اس میں یتیم کا زیادہ فائدہ ہے، اور ان کی وراثت وغیرہ کا مال آپس کے مشورہ سے کسی ایک کو ذمہ دار بنا کر اس کے پاس محفوظ رکھنا ضروری ہے، اس میں سے کسی کو بھی اپنے ذاتی مصرف میں استعمال کرنے کی اجازت نہیں ہے، اور بالغ ہونے کے بعد یہ مال ان کے حوالہ کر دینا لازم ہے، اور اگر مذکورین میں سے کوئی بخوشی اپنی جیب خاص سے خرچ کرنے والا نہیں ہے تو اب بلوغ تک پرورش کا حق نانی کو ہے، اور نانی ان بچوں کے مال سے ان کا خرچہ لے سکتی ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۱۱/۱۰۰، امداد الاحکام ۴/ ۴۴۹)

قال الله تعالیٰ: ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یَأْکُلُوْنَ اَمْوَالَ الْیَتَامٰی ظُلْمًا اِنَّمَا یَأْکُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا. [النساء: ۱۰]﴾

والحاصل أنه كالقاضي إلى في مسائل. (در مختار، قبيل باب كتاب القاضي إلى القاضي، زكريا ۸/ ۱۳۰، كراچی ۵/ ۴۳۱)

تثبت الحضانة للأم ...... ثم أم الأم. (در مختار، كتاب الطلاق، باب الحضانة، زكريا ۵/۲۵۳-۲۶۲، كراچی ۳/۵۵۵-۲۶۳)

وليس لغير أبيه و جده ووصيها التصرف في ماله هذا إذا لم يكن في

حجرہ. (جامع الفصولین ۲/۱۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰؍شعبان المعظم ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۶۸۹۶/۳۵)

نابالغ بچوں کے مال کو ماں کا فروخت کرنا

سوال [۱۰۲۲۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک صاحب کا انتقال ہوا اور انہوں نے دو لڑکے اور ایک نابالغ کو چھوڑا تو کیا ان نابالغ بچوں کا مال ماں بیچ سکتی ہے یا نہیں؟ جواب سے نوازیں۔

المستفتی: ریاست حسین محلہ سرائے کشن لال مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: نابالغ بچوں کا مال ماں کو فروخت کرنے کا شرعی طور پر حق نہیں ہے، اگر فروخت کرے گی تو واپسی لازم ہے۔

بخلاف التصرف فی المال؛ لأنه يتكرر فلا يمكن تدارک الخلل، فلا تفيد الولاية إلا ملزمة. (هدايه، كتاب النكاح، باب فی الأولياء والأكفاء اشرفی ديو بند ۲/۳۱۶) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱؍شعبان المعظم ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷۹۹/۲۸)

بیوہ اور یتیم بچوں کے مکان پر قبضہ کرنا

سوال [۱۰۲۲۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص صاحب مال ہے، تجارت کرتا ہے، اور اس نے بیوہ اور یتیم کے مکان کا حصہ زبردستی

قبضہ کررکھا ہے، اوراس کا بڑا رشتہ دار بجائے حصہ دلانے کے وہ اپنے پاس سے کچھ روپیہ زکوٰۃ کا دے کراس حصہ کو اپنا بنانا چاہتا ہے، جبکہ اس حصہ کی قیمت کہیں زیادہ ہے تو کیا یہ درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: مظہر الاسلام ٹھٹھیرہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بیوہ اور یتیم کے مکان کے جس حصہ پر قبضہ کیا گیا ہے اس حصہ کو بیوہ ویتیم کی رضامندی کے بغیر کچھ رقم دے کر لینا جائز نہیں ہے اس لیے کہ بیع میں بائع ومشتری دونوں کی رضامندی ضروری ہے۔

إذا فقد الرضا لایسمی فی اللغة بیعا بل غصبا. (البحر الرائق، کتاب البیوع، زکریا ٥/ ٤٣١، کوئٹہ ٥/ ٢٥٧)

پھر اگر بیوہ ویتیم وہ حصہ دینے پر رضامند ہوجائیں تو اس کی قیمت میں زکوٰۃ کی رقم دینا جائز نہیں ہے اس لیے کہ زکوٰۃ کی رقم سے صاحب مال کے لیے کسی قسم کا انتفاع درست نہیں ہے، اس رقم کا مصرف تو غرباء ومساکین ہیں، اس شرط کے ساتھ کہ جس کو زکوٰۃ کی رقم دی جارہی ہے اس سے کسی قسم کا نفع وابستہ نہ ہو۔

فهی تملیک المال …… بشرط قطع المنفعة عن الملک من کل وجه. (عالمگیری، کتاب الزکوٰة، الباب الأول …… زکریا قدیم ١/ ١٧٠، جدید ١/ ٢٣٢، الدر مع الرد، کراچی ٢/ ٢٥٨، زکریا ٣/ ١٧٣، حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، دار الکتاب دیوبند ٧١٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۱۷؍ جمادی الثانیہ ۱۴۱۷ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۹۰۸)	۱۹/ ۶/ ۱۴۱۷ھ

شریعت اسلامی میں متبنیٰ کو بیٹا تسلیم کیا جاتا ہے یا نہیں؟

سوال [۱۰۲۲۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: زید نے اولاد نہ ہونے کی وجہ سے ایک بچہ کو لے پالک بنایا زید اور اس کی بیوی نے اپنی حیات میں اس لے پالک بچہ کو تمام اختیارات اور اپنی جائیداد وغیرہ کے تمام کاغذات بعد مرنے کے بینک وغیرہ میں جمع رقم کی وصولیابی اور چونکہ زید کی بیوی سرکاری ملازم تھی، اس لیے اپنے بعد میں ملازمت کی سفارش کی کہ میرے بعد میرے بیٹے کو یعنی اس لے پاک کو ملازمت ملے یہ تمام ہی اختیارات زید کی بیوی نے اور زید نے اپنی حیات میں ہی دیدیئے تھے، اسی بنا پر اس کی بیوی کی بینک میں جمع کی ہوئی رقم سب کچھ بچہ کو مل گئی، مگر سرکاری حکام یہ تصدیق چاہتے ہیں کہ شریعت اسلام میں اس لے پاک کو بیٹا تسلیم کیا جاتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: لے پالک ملک محمد شفیع رام نگر نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: چونکہ سرکار لیپا لک کو بھی مرحوم کے پسماندگان میں شمار کرتی ہے اور اس کو بھی پسماندگان میں شامل ہونے کی وجہ سے ملازمت دینے کے کالم میں رکھا گیا ہے، اس لیے اس کے لیے ملازمت قبول کرنا اور ذمہ داری ادا کرنے کی تنخواہ وصول کرنا جائز اور درست ہے، لیکن اس کی وجہ سے لے پالک مرحوم کا شرعی وارث نہیں بنے گا، سوالنامہ میں یہ بات بھی واضح کی گئی ہے کہ زید اور اس کی بیوی نے اپنی ساری جائیدا داور بینک بیلینس وغیرہ لے پالک کے نام حلف نامہ کے ساتھ ہبہ کر کے قبضہ دیدیا ہے اس لیے سوالنامہ میں مذکورہ تمام جائیداد اور بینک بینلینس وغیرہ اسی لے پالک کی ملک ہے اور لے پالک کی یہ ملک وراثت کی وجہ سے نہیں ہے، بلکہ زندگی میں ہبہ کر دینے کی وجہ سے ہے۔

قال الله تعالیٰ: ﴿وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآئَكُمْ اَبْنَآئَكُمْ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِيْ السَّبِيْلَ. [الأحزاب: ٤]﴾

فلايثبت بالتبني شيئ من أحكام البنوة من الإرث وحرمة النكاح وغير ذٰلك. (تفسير مظهری، الأحزاب: ٤، زكريا قديم ٧/ ٢٨٤، جديد ٧/ ٢٩٢)

قال العلامة الحصكفي: كل أنواع الكسب فی الإباحة سواء علی المذهب الصحيح، قال الشامی تحته: فالمراد من قولهم كل أنواع الكسب فی

الإباحة سواء أنها بعد إن لم تكن بطريق محظور لايذم بعضها، وإن كان بعضها أفضل من بعض. (الدر المختار مع الشامی، کتاب الصيد، زکریا ۴۶/۱۰، کراچی ۴۶۲/۶، الموسوعة الفقهية الكويتية ۱۱۵/۲۸، المبسوط للسرخسی، دار الكتب العلمية بيروت ۲۵۸/۳۰

وأما حكمها فثبوت الملك للموهوب له. (هنديه، کتاب الهبة، زکریا قدیم ۳۷۴/۴، جدید ۳۹۶/۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍ربیع الاول ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۹۵۴/۳۸)

متبنیٰ سے متعلق چند سوالات کے جوابات

سوال [۱۰۲۲۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر کوئی شخص صاحب اولاد یا بے اولاد کسی بچے کو گود لے کر اس کی پرورش کرے شادی بیاہ کرے، یا کسی بھی طرح اس لے پالک کی کفالت کرے تو شریعت مطہرہ میں اس کا کیا حکم ہے؟

(۱) کیا وہ بچہ گود لینے والے کی جائیداد میں حقدار ہوگا، اگر چہ اس پالنے والے کی اولاد بھی موجود ہو؟

(۲) اگر گود لینے والے کی کوئی اولاد نہ ہو تو کیا یہ بچہ اس کی وراثت کا حقدار ہوگا؟

(۳) اس بچے نے اگر پالنے والی عورت کا دودھ بھی پیا ہو تو شرعاً اس کی کیا حیثیت ہوگی؟

(۴) کیا اس بچے کی شادی بیاہ پالنے والے کی دوسری اولاد سے ہوسکتی ہے؟

(۵) کیا شرعی قانون مقامات کے مطابق تبدیل ہوتے ہیں، مثلاً کسی بچے کو گود لینا کسی وقت کشمیر میں جائز تھا اور اب جائز نہیں رہا، یا مرادآباد میں جائز نہ ہو اور کشمیر میں جائز ہو؟

المستفتی: عظیم علی خان ولد مبارک علی خاں مقرب پور مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: (۱-۲) پالنے والے کی اولاد ہو یا نہ ہو دونوں

صورتوں میں گودلیا بچہ شریعت اسلامی میں پالنے والے کا وارث نہیں بنتا۔

(۳-۴) اگر گود لئے ہوئے بچہ نے شیر خواری کے زمانے میں پالنے والے کی بیوی کا دودھ پیا ہے تو وہ بچہ پالنے والے اور اس کی بیوی کے لیے رضاعی بیٹا بن جاتا ہے اور پالنے والے اور اس کی بیوی کی اولاد سے اس کی شادی شرعاً جائز نہیں ہوتی، ہاں البتہ اگر صرف اس کو پالا ہے اور شیر خوارگی کے زمانہ میں بیوی نے اس بچہ کو دودھ نہیں پلایا ہے تو اس بچہ کی شادی پالنے والے کی اولاد کے ساتھ شرعا جائز اور درست ہے۔

(۵) مقامات کے اعتبار سے بچے کو گود لینے میں دنیا کے کسی خطہ اور کسی علاقہ کا اعتبار نہیں ہے، ہر زمانہ میں گود لینے کا مسئلہ ہر علاقہ میں برابر کا حکم رکھتا ہے، کشمیر اور مرادآباد، یوپی اور پنجاب، ہندوستان اور پاکستان یا عرب وعجم کا کوئی فرق نہیں ہے، سب جگہ کا حکم یکساں ہے۔

عن عائشة زوج النبی صلی الله علیه وسلم أن النبی ﷺ قال: یحرم من الرضاعة ما یحرم من الولادة. (أبو داؤد، باب ما یحرم من الرضاعة ما یحرم من النسب، النسخة الهندیة ۱/ ۲۸۰ دار السلام رقم: ۲۰۵۵، صحیح البخاری، باب ما یحل من الدخول والنظر إلی النساء فی الرضاع، النسخة الهندیة ۲/ ۷۶۴، رقم: ۴۹۰۸، ف: ۵۲۳۹، صحیح مسلم، باب یحرم من الرضاعة ما یحرم من الولادة، النسخة الهندیة ۱/ ۴۶۶، بیت الأفکار رقم: ۱۴۴۴)

عن ابن عباسؓ قال قال النبی ﷺ فی بنت حمزة: لاتحل لی، یحرم من الرضاعة ما یحرم من النسب هی بنت أخی من الرضاعة. (صحیح البخاری، باب الشهادة علی الأنساب والرضاع المستفیض، النسخة الهندیة ۱/ ۳۶۰، رقم: ۲۵۷۱، ف: ۲۶۴۵، صحیح مسلم، باب تحریم ابنة الأخ من الرضاعة، النسخة الهندیة ۱/ ۴۶۷، بیت الأفکار رقم: ۱۴۴۷)

وما جعل ادعیاء کم ابناء کم فلایثبت بالتبنی شیئ من أحکام البنوة من الإرث وحرمة النکاح وغیر ذٰلک. (تفسیر مظهری زکریا قدیم ۷/ ۲۸۴، جدید ۷/ ۲۹۲)

والمتبنی لایلحق فی الأحکام بالإبن فلا یستحق المیراث ولا یرث عن

المدعى. (أحكام القرآن لمفتی محمد شفیعؒ ۳/ ۲۹۱ بحواله کتاب الفتاویٰ ٦/٣٧٥)

يحرم على الرضيع أبواه من الرضاع و أصولهما وفروعهما من النسب والرضاع جميعا. (هندیه، کتاب الرضاع، زکریا جدید ۱/ ۴۰۹، قدیم ۱/ ۳۴۳) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
۱۴/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۷۵۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۰/۵/۱۴ھ

مرحوم کے نام سے آنے والے رسالے کس کی ملکیت ہوں گے؟

سوال [۱۰۲۲۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید ایک مدرسہ میں بحیثیت ایک ذمہ دار کے ملازم ہے، ایک دینی رسالہ اس کے نام آرہا ہے، وہ اعزازی ہے یا قیمتاً آرہا ہے اس کا علم کچھ نہیں، اب زید کا انتقال ہوگیا ہے لیکن اب بھی اس کے نام رسالہ آرہا ہے، کئی رسالے جمع ہوگئے ہیں، تو اب وہ رسالے کتب خانہ میں جمع کردیئے جائیں یا زید کے ورثاء کے حوالے کیے جائیں، نیز ناظم مدرسہ کے نام مستقل طور پر رسالہ کتب خانہ میں بھی آرہا ہے؟

المستفتی: احمد علی خادم مدرسہ اشرف المدارس ہردوئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جس کے نام سے رسالہ آرہا ہے وہ رسالہ اسی کی ملکیت ہے، جب اس کا انتقال ہوگیا تو جتنے رسالے آچکے ہیں وہ سب اس کے وارثین کی ملکیت ہیں، کتب خانہ میں جمع کرنا جائز نہ ہوگا، ہاں اگر سب وارثین بہ خوشی کتب خانہ میں جمع کرادیں تو الگ بات ہے، نیز جہاں سے رسالہ آرہا ہے وہاں سے معلومات حاصل کرلی جائے کہ یہ رسالے قیمتاً ہیں یا اعزازی؟

الحق متى ثبت لايبطل بالتاخير ولا بالكتمان. (قواعد الفقه اشرفی

ص: ٧٠، قاعده: ١١٧، الموسوعة الفقهية الكويتية ٢٦/ ١٥٣)

لايجوز لأحد أن يأخذ مال أحد بلا سبب شرعي. (قواعد الفقه اشرفی ص: ١١٠، قاعده: ٢٦٩، شرح المجلة رستم اتحاد ١/ ٦١ رقم المادة ٩٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١١/ جمادی الثانیہ ١٤٢٩ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٨/ ٩٦٢٤)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
١١/٦/١٤٢٩ھ

بہن کے بھائی پر کتنے حقوق ہیں؟

سوال [١٠٢٢٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کسی خاتون کے اپنے سگے بھائی پر شرعاً کتنے حقوق ہیں؟

المستفتی: عبدالشکور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بھائی پر بہن کا حق یہ ہے کہ اس کے ساتھ صلہ رحمی کا معاملہ کرے، باقی مستفتی کیا پوچھنا چاہتے ہیں، سوال میں کوئی وضاحت نہیں ہے، جیسا مجمل سوال ہے جواب بھی ویسا ہی ہے۔

حدثنا بهز بن حكيم ثني أبي عن جدي قال قلت: يا رسول الله! من أبر، قال: أمك، قال: قلت: ثم من، قال: أمك، قال: قلت: ثم من؟ قال: أمك، قال: قلت: ثم من؟ قال: ثم أباك ثم الأقرب فالأقرب. (ترمذی شریف، باب ماجاء في بر الوالدين، النسخة الهندية ٢/ ١١ دار السلام رقم: ١٨٩٧، مسند البزار، مكتبة العلوم و الحكم ١٧/ ١٧٩، رقم: ٩٨٠٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١٥/ جمادی الاولیٰ ١٤٣٤ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٤٠/ ١١١٠٨)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
١٥/٥/١٤٣٤ھ

بعض ورثاء کا اپنی جائیداد پر دوسرے وارث کو قبضہ دینا

سوال [۱۰۲۲۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) کہ محمد نعیم خانصاحب کا انتقال ہوگیا ان کے ورثاء میں تین لڑکے شہاب الدین، صلاح الدین، بدرالدین ایک لڑکی پھول جہاں ہے، ہر وارث کو کتنا ملے گا؟

(۲) پھر شہاب الدین نے اپنا حصہ لے لیا اور صلاح الدین اور پھول جہاں کا حصہ اور خود بدرالدین نے اپنا حصہ اپنے قبضہ میں رکھا، اور صلاح الدین اور پھول جہاں نے بدرالدین کو کل اختیارات دیدیئے تھے، پھر بدرالدین نے حالات سے مجبور ہوکر ان تینوں حصوں میں سے زمین فروخت کرنا شروع کردی، اور اسی روپیہ سے اپنا گذر بسر کرتا رہا، صلاح الدین اور پھول جہاں اس فروختگی کو خوب جانتے تھے، لیکن کبھی فروختگی پر روک نہیں لگائی کہ ان کا بھائی بدرالدین ان کی زمین کیوں فروخت کررہا ہے، صلاح الدین اور پھول جہاں کے شوہر صاحب ثروت تھے، اس لیے بھائی کی کمزوری پر ترس کھا کر گویا ان کو فروخت کرنے کی اجازت دیدی ہے، اپنے اور دونوں کے اکثر حصہ کو فروخت کرکے خرچ کرلیا اس کے بعد جو کچھ زمین بچی وہ پھول جہاں کے شوہر فیض خان نے قبضہ کرکے اشفاق کو مختار عام بنادیا، اشفاق نے وہ بقیہ زمین قبضہ کرکے دوسرے کے ہاتھ فروخت کردی اس میں سے کچھ رقم اشفاق نے خود لی اور کچھ فیض خاں کو دی۔

تو اب دریافت یہ کرنا ہے کہ کیا شرعاً صلاح الدین اور پھول جہاں کی زمین جو بدر الدین نے بیچ کر کھالی ہے اور وہ لوگ خاموش رہے یہ صلاح الدین اور پھول جہاں کی طرف سے فروختگی کی اجازت سمجھی جائے گی یا نہیں؟

(۳) پھر پھول جہاں کے شوہر پر فیض خاں نے جو بقیہ زمین قبضہ کرکے اشفاق کو مختار عام بنا کر بیچ دی اس میں پھول جہاں اور فیض خاں کی اولادوں کو یہ حق ہے کہ اشفاق کو جو زمین مختار عام بنا کر بیچ دی ہے اس سے حصہ طلب کریں یا بدرالدین نے جس کے ہاتھ فروخت کردی ہے اس سے حصہ طلب کرنا شرعاً کیسا ہے؟

المستفتی: صلاح الدین نوہٹہ سرسا، بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بشرط صحت سوال وبعد ادائے حقوق ما تقدم وعدم موانع ارث مرحوم محمد نعیم خانصاحب کا ترکہ مذکورہ ورثاء کے درمیان حسب ذیل نقشہ کے مطابق تقسیم ہوگا۔

میت

لڑکا	لڑکا	لڑکا	لڑکی
شہاب الدین	بدرالدین	صلاح الدین	پھول جہاں
۲	۲	۲	۱

کل ترکہ سات سہام میں تقسیم ہوکر تینوں بیٹوں کو دو دو اور بیٹی پھول جہاں کو ایک ملے گا۔

(۲) جب صلاح الدین اور پھول جہاں نے اصل میراث سے اپنا حصہ حاصل کرکے اسے بدرالدین کے قبضہ میں رہنے دیا اور اس کو کل اختیارات دیدیئے، اور بدرالدین کے فروختگی کے علم ہونے کے باوجود اس پر روک نہیں لگائی اور خریدنے والے نے اس میں تصرف بھی کردیا، تو یہ صلاح الدین اور پھول جہاں کی جانب سے فروخت کرنے کی اجازت ہوگی، لہٰذا ان کا حق ساقط ہوگیا، اب انہیں بھی اور ان کی اولاد کو بھی مطالبہ کرنے کا حق باقی نہیں رہتا ہے، نہ تو بدرالدین اور اس کے ورثاء سے اور نہ ہی خریداروں سے۔

(۳) بدرالدین نے جن لوگوں کے ہاتھ فروخت کیا ہے نہ ان لوگوں سے فیض خاں کی اولاد کو مطالبہ کا حق ہے، اور نہ ہی ان لوگوں سے مطالبہ کا حق ہے، جن کے ہاتھ اشفاق نے فروخت کردیا ہے۔

رآه يبيع أرضا أو دارا فتصرف فيه المشترى زمانا وهو ساكت يسقط دعواه. (الأشباه والنظائر كراچی ص:۲۲۶) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍ربیع الثانی ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۳۲۱)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۴/۲۰ھ

ہر بھائی اپنی ملکیت میں خودمختار ہے

سوال [۱۰۲۲۸]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عرض اینکہ ہمارے والد صاحب مرحوم نے اپنے مسکونہ ومملوکہ مکان کے متعلق اپنی حین حیات ہم چاروں بھائیوں کو بتادیا تھا کہ سڑک کی جانب جو چار ملگیاں ہیں ان میں ایک ایک ملگی ایک ایک بھائی کی ہوگی، اوران ملگیوں کے متصل پیچھے گراؤنڈفلور پر جو مکان کا حصہ ہے، وہ چوتھے لڑکے جو حافظ قرآن ہیں ان کا ہوگا، اس کے بعد والا گراؤنڈ فلور کا حصہ تیسرے بھائی کا ہوگا اور فرسٹ فلور کے دو حصے پہلے اور دوسرے لڑکے کے ہوں گے، حافظ قرآن کے لیے جو حصہ تجویز ہوا تھا، حافظ صاحب اسی کے ایک حصہ میں رہتے تھے، والد صاحب کی حین حیات اس حصہ کے متعلق جو حافظ قرآن لڑکے کا تھا، کوئی سوال اٹھتا تو والد صاحب کہتے وہ حصہ حافظ صاحب کو دیدیا نہیں کا ہے، اس میں تبدیلی نہیں ہوگی، پھر والد صاحب کے انتقال کے بعد والدہ محترمہ کی موجودگی میں والد صاحب کے حسب منشاء مذکورہ بالا تقسیم کے مطابق رجسٹری ہوگئی، جس کو سات آٹھ سال کا عرصہ گذر چکا ہے، اب حکومت کی جانب سے سڑک کی توسیع کی وجہ سے سڑک کی چاروں ملگیاں روڈ کٹنگ میں جارہی ہیں، اور وہ حصہ جو حافظ صاحب کا ہے، لب سڑک آرہا ہے، اس وجہ سے اب دیگر بھائیوں کا تقاضہ ہے کہ حافظ صاحب اپنا مکان چھوڑ دیں، اور پورے مکان کی ازسرنو تعمیر کی جائے، سڑک کی جانب چار ملگیاں نکال کر سب ایک ایک لے لیں، اور پیچھے کا حصہ پارکنگ کے لیے چھوڑ دیا جائے، اور فرسٹ فلور پر ایک پوشن (حصہ) حافظ صاحب کو دیدیا جائیگا، لیکن حافظ صاحب اس کے لیے آمادہ نہیں ہیں۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا دیگر بھائیوں کا اس تجویز پر اصرار کرنا اور حافظ صاحب کو اپنے حصے کے تخلیہ اور نئی تقسیم پر مجبور کرنا شرعاً درست ہے یا نہیں؟ اور حافظ صاحب کے لیے شرعی حکم کیا ہے؟ تفصیلی جواب عنایت فرما کر ممنون فرمائیں۔

المستفتی: عبداللہ حیدرآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حافظ صاحب کو اپنی ملکیت کے بارے میں ہر طرح کا اختیار ہے، وہ اگر اپنے حصہ میں دو کانیں نکال کر بھائیوں کو دینے سے انکار کررہے ہیں تو ان کو اس بات کا اختیار ہے، اس لیے کہ جب باضابطہ رجسٹری کر کے ہرایک کو اپنی اپنی ملکیت حاصل ہو چکی ہے اور حافظ صاحب کو بھی اپنی ملکیت حاصل ہو چکی ہے، تو جس طرح دوسرے بھائیوں کو اپنے حصوں میں ہر طرح کے تصرف کا حق ہے اسی طرح حافظ صاحب کو بھی اپنے حصہ میں ہر طرح کے تصرف کا حق حاصل ہے، دوسرے بھائیوں کی بات ماننا ان پر لازم نہیں ہے، یہ بات الگ ہے کہ اخلاقی طور پر حافظ صاحب اپنی طرف سے بھائیوں کے ساتھ رواداری کا معاملہ کر کے انہیں کچھ دیدیں، لیکن شرعاً انہیں مجبور نہیں کیا جاسکتا۔

ولكل واحد منهم أن يتصرف في حصته كيف شاء. (شرح المجلة، رستم باز اتحاد ديوبند ١/٦٤٣، رقم المادة: ١١٦٢)

كل يتصرف في ملكه كيف شاء. (شرح المجلة، رستم باز اتحاد ديوبند ١/٦٥٤، رقم المادة: ١١٩٢) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴ ربیع الثانی ۱۴۳۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۱۹۸۰)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۶/۴/۴ھ

ایک بھائی کا دوسرے بھائی کی اجازت کے بغیر اس کی بجلی استعمال کرنے کا حکم

سوال [۱۰۲۲۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) میرا ایک پاور لائٹ کنکشن چھ کلو واٹ کا ہے جس میں سے میرے بھائی نے میری اجازت کے بغیر اور مجھے بتائے بغیر اپنے پورے کارخانہ اور پورے گھر کی لائٹ میرے کنکشن ومیرے کیبل سے لے رکھی ہے، کیا ان کا مجھ سے لائٹ لینا جائز ہے؟ جبکہ میں قانونی اعتبار سے زیادہ پاور چلا کر (اگر بجلی محکمہ کی سرکاری وقانونی کارروائی ہوتی ہے تو اس شکل میں میرے

اوپر میرے نام کے کنکشن ہونے کے ناطے جرمانہ وسزا ہوسکتی ہے)میں اس دباؤاور ٹینشن میں زندگی گذارر ہا ہوں، کیا یہ میرے ساتھ ظلم نہیں ہے،اس کا صحیح جواب دے کر مجھے مطمئن کیا جائے تا کہ میں انہیں اس جواب کو دکھا کر اپنا بجلی کنکشن ان سے کہہ کر الگ کرواسکوں؟

(۲) میں نے اپنے بھائی کے سامنے بجلی کے بارے میں بجلی کا بل دینے کی بات کرر کھی ہے جب تک وہ اسے چلاتے ہیں یا فیض اٹھار ہے ہیں یا اس پر کوئی بھی قانونی کارروائی جرمانے کی یا سزا کی ہوتی ہے تو اس کی ذمہ داری تحریری شکل میں چار فریقین کے سامنے لیں تا کہ میری ضمانت وحفاظت ہو سکے؟

المستفتی: حفظ الرحمٰن ٹھٹھیرہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) آپ کی مرضی اوراجازت کے بغیر آپ کے بھائی کا اپنے گھر اور کارخانہ میں آپ کی لائٹ کا استعمال کرنا جائز نہیں اور یہ آپ کے ساتھ صریح ظلم وزیادتی ہے، خاص طور سے جبکہ ان کے اس فعل کی وجہ سے آپ کی عزت اور مال کے خطرہ میں پڑنے کا اندیشہ ہو تو اس کی قباحت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔

عن أبی حرة الرقاشی عن عمه أن رسول الله ﷺ قال: ألا! لا تظلموا، لا یحل مال امرئ إلا بطیب نفس منه. (مسند أحمد بن حنبل ٧٢/٥، رقم: ٢٠٩٧١، شعب الإیمان للبیهقی، باب فی قبض الید عن الأموال المحرمة، دار الکتب العلمیة بیروت ٣٨٧/٤، رقم: ٥٤٩٢، سنن الدار قطنی، البیوع، دار الکتب العلمیة بیروت ٢٢/٣/ ٢٨٦٢- ٢٨٦٣)

(۲) جب آپ کے بھائی کا آپ کے کنکشن کی لائٹ استعمال کرنے کی وجہ سے قانونی کارروائی اور سزا کا خطرہ ہے تو بل دینے کی شرط پر بھی اپنے کنکشن سے لائٹ استعمال کرنے کی اجازت دینا آپ کے لیے درست نہیں۔

﴿قال الله تعالیٰ: وَلَا تُلْقُوا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّهْلُکَةِ. [البقرة: ١٩٥]﴾

درء المفاسد أولیٰ من جلب المصالح فإذا تعارضت مفسدة و مصلحة

قدم دفع المفسدة غالبا. (الأشباه والنظائر قديم ص:١٤٧، قواعد الفقه اشرفی ص: ٨١، رقم: ١٣٣، شرح المجلة رستم اتحاد ١/٣٢ رقم المادة: ٣٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍رجب المرجب ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۶۶۲)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۵/۷/۱۴۲۹ھ

بھائی کا بہنوں کے حقوق دبا کر رکھنے اور ان کو محروم کرنے کا حکم

سوال [۱۰۲۳۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے والد صاحب (سینٹرل اکس سائز اور کسٹم ڈپارٹمنٹ میں سروس کرتے تھے، اور نادرست طبیعت کی وجہ سے چالو سروس میں ہی نوکری سے استعفیٰ نامہ دیا جس کی وجہ سے سرکار سے پرائیوڈنٹ فنڈ اور سب ملا کر اچھے پیسے آئے، جن پیسوں میں سے ہمارے والد نے ہماری ماں کے نام پر ایک مکان پیرے ماؤنٹ سوسائٹی آنند میں لیا، اور ایک دوکان سپر مارکیٹ میں ہمارے بھائی کے نام سے لی تھی، ہمارے والد صاحب کے ہم پانچ افراد ہیں اس میں ایک بھائی اور چار بہنیں ہیں؟

ہمارے والد صاحب دوکان اور مکان کا ورثہ تقسیم کئے بنا انتقال کر گئے، تھوڑے سال بعد ہماری والدہ کا بھی انتقال ہو گیا، وہاں تک مکان ہماری والدہ کے نام پر ہی تھا، ماں اور باپ کے انتقال کے بعد بھائی نے ہم چاروں بہنوں کو اکٹھا کر کے کہا کہ وہ دوکان میں بڑا دھندا کرنا چاہتا ہے، مگر بینک سے لون لینا پڑیگا، اگر بینک سے اچھا لون لے کر مال وسامان لاؤں گا، تو دھندا اچھا چلے گا، اور تم سب بہنوں کو تمہارا حق حصہ دوں گا، یہ کہہ کر ہم چاروں بہنوں کو کاغذات جو لکھے ہوئے تھے جس میں کیا لکھا ہوا تھا وہ ہمیں معلوم نہیں تھا اس پر ہمارے دستخط کروالئے، ہمارے بھائی نے اس وقت ہم سے یہ کہا تھا کہ میرے پاس پیسے آتے ہی آپ چاروں بہنوں کو مکان اور دوکان میں سے جو حصہ دینے کا بنتا ہے وہ پیسے آتے ہی دے دونگا، ہم چاروں بہنوں کو یہ پتہ بھی نہ تھا کہ ہمارا بھائی یہ دستخط کروا کے ہمارا حق چھین

لے گا، ہم نے اپنے بھائی پر بھروسہ کر کے دستخط کر دیئے تھے۔

ہم کو ایک دو سال کے بعد پتا چلا کہ بھائی نے الگ الگ بینکوں سے تین لاکھ روپے جیسی بڑی رقم قرضے کے طور پر لے رکھی تھی، جب ہم اپنے بھائی سے اپنے حصہ حق کی بات کرتے تھے، تو وہ ہمیشہ کہتا تھا کہ میں تمہارا حصہ دے دوں گا، تھوڑا صبر کرو کئی بار ہم نے اپنا حصہ لینے کے لیے بھائی سے جھگڑا کیا مگر ہمارے بھائی نے ہم چاروں بہنوں کو حصہ نہیں دیا، آخر میں اس کا بھی انتقال ہو گیا۔

بھائی کی اولاد میں حال میں ایک بھابھی اور دو لڑکے اور ایک لڑکی ہے لڑکی کی شادی ہو چکی ہے، بڑے لڑکے کی بھی شادی ہو چکی ہے، ہمیں پتہ چلا ہے کہ بڑے لڑکے نے حال ہی میں سپر مارکیٹ میں بھائی کے نام کی دوکان بائیس یا ستائیس لاکھ کی بیچ دی ہے ہم چاروں بہنوں نے اپنے حق حصہ کی اپنے بھائی کے لڑکے سے مانگ کی تو وہ بھی ہمیں حق حصہ دینے سے انکار کرتا ہے۔

نوٹ: بھائی نے جو مکان اور دوکان ہمارے والد کے پیسے سے بنائی تھی وہ لون لینے کے بہانے سے ہم سے بغیر پڑھائے، بغیر سمجھائے دستخط کروا لیے، ہم کو اپنے بھائی پر بھروسہ تھا کہ بھائی اپنی بہنوں کا حصہ دیدے گا، اور بھائی بار بار اس کے مطابق بولتا بھی تھا، لیکن ان کی اولاد ہمارا حصہ دینے سے انکار کر رہی ہے کہ آپ چاروں نے دستخط کر کے اپنا حصہ بھائی کی حیات میں چھوڑ دیا، جب کہ ہم کو یہ معلوم بھی نہیں تھا کہ ہمارے یہ دستخط ہمارے حصے کو ختم کروا رہے ہیں، دوکان بیچنے کے بعد بینک کا جو قرض تھا وہ دینے کے بعد ہمارے بھائی کے لڑکے نے منافعہ کے پیسے سے زمین اور پلاٹ وغیرہ لیا ہے، ہمارے بھائی کا لڑکا دوکان اور مکان میں سے حصہ دینے سے انکار کرتا ہے۔

اس کے علاوہ ہم چاروں بہنوں نے اپنے بھائی کی اس کے خراب وقت میں روپیوں سے مدد کی تھی، مگر وہ بھی ہمارا بھتیجا دینے سے انکار کر رہا ہے، آپ صاحب دین اور دنیا بھی ہو اللہ نے آپ کو دین کی حقیقت سے خوب نوازا ہے تو آپ سے اوپر لکھے ہوئے مسئلے کی روشنی میں فتویٰ چاہتے ہیں، کہ ہم چاروں بہنوں کا حصہ دوکان اور مکان میں ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو

کتنا ہے؟ برائے کرم اس کی وضاحت فرمادیجئے کہ کس کو کتنا ملنا چاہئے؟

المستفتیه: قمر النساء، آنند گجرات

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بھائی نے بہنوں کا حق دھوکہ میں رکھ کر جو دبایا ہے اس کی وجہ سے بہنوں کا حق ختم نہیں ہوگا، بلکہ بدستور باقی ہے، اگر دنیا میں بھائی نے نہیں دیا، اور بھتیجہ بھی نہیں دیتا ہے تو قیامت کے دن سات زمین کا طوق ان کے گلے میں ڈالا جائے گا، بھتیجے پر لازم ہے، کہ جو حق دبایا گیا ہے فوری طور پر وہ حق مستحقین کو دیدے۔

عن سعید بن زید بن عمرو بن نفیل ان رسول الله ﷺ قال: من اقتطع شبرا من الأرض ظلما طوقه الله إياه يوم القيامة من سبع أرضين. (مسلم شريف، كتاب المساقات والمزارعة، باب تحريم الظلم وغصب الأرض، النسخة الهندية ۲/۳۲، بيت الأفكار رقم: ۱۶۱۰، صحيح البخاری، كتاب المظالم، باب إثم من ظلم شيئا من الأرض، النسخة الهندية ۱/۳۳۲، رقم: ۲۳۸۸، ف: ۲۴۵۲، سنن أبی داؤد، كتاب الأدب، باب من يأخذ الشيئ من مزاح، النسخة الهندية ۲/۶۸۳، دار السلام رقم: ۵۰۰۳) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍شوال المکرّم ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۲۶۵)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۸/۱۰/۱۴۳۴ھ

بڑے بھائی کا چھوٹے بھائی کی کمائی سے فائدہ اٹھانا

سوال [۱۰۲۳۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عطرت علی کے دو لڑکے عشرت علی وحشمت علی تھے، عشرت علی اپنے والد صاحب کے زمانہ میں پڑھنے لکھنے بیٹھ گئے، اور حشمت علی زیادہ کمسن تھے، جب باپ کا انتقال ہو گیا تو عشرت علی پڑھ لکھ کر سرکاری ملازم ہو گئے، اور حشمت علی جب بڑے ہوئے تو گھر کے اقتصادی حالات کی وجہ سے پڑھ نہ پائے، کاشتکاری کے کام میں لگ گئے اور گھر کی پوری

ذمہ داری سنبھالنی شروع کی اور کاشتکاری میں برابر محنت کرتے رہے، اللہ نے حالات بدلے تو ٹھیکہ پر زمین لینی شروع کی، اور اس کی آمد دس پندرہ ہزار روپیہ سالانہ ہوتی، تقریباً بیس سال سے یہ سلسلہ چل رہا ہے، اور اس کی آمد سے چھ بیگھہ زمین خریدی اور اپنے بھائی عشرت علی کا بھی نام اپنے ساتھ بیعنامہ میں لکھوادیا۔

تینوں بہنوں کی شادی اور والدہ کے اخراجات سب کچھ حشمت علی ہی کو برداشت کرنے پڑے، اور عشرت علی اپنی ملازمت کرتے رہے انہوں نے گھر کی طرف کوئی توجہ نہیں کی، نہ تو بہنوں کی شادیوں میں اور نہ والدہ کے اخراجات میں کوئی پائی پیسہ دیا، سب سے لاپرواہی برتتے رہے، اور عشرت علی کی شادی ہوئی، تو ساڑھے تین بیگھہ زمین بیچ کر شادی کی جو کہ شرکت کی زمین تھی، دونوں بھائیوں کی، اور جب ان کی لڑکی کی شادی ہوئی تو ٩٠ ر ہزار روپئے حشمت علی نے لگائے، اور جس وقت حشمت علی کی شادی ہوئی تو خرچ کیا کرتے، شادی میں شرکت بھی نہ کی، ادھر حشمت علی جو کاشتکاری کے پیسہ سے برابر گھر کی تعمیرات میں اضافہ کرتے رہے، عشرت کے رٹائیر ہونے کے بعد گھر جنگل کی زمین کا بٹوارا ہوا تو پکے مکان جو شروع میں کچے تھے چھپر وغیرہ تھے، اس میں تو پورا حصہ لینا چاہتے ہیں اور اپنی کمائی کا کوئی حصہ دینا نہیں چاہتے جبکہ ان کی ایک بلڈنگ لکھنؤ میں بھی ہے؟

المستفتی: حشمت علی سہس پور بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر حشمت علی نے اپنی ہی کمائی اور محنت سے نیا مکان بنایا ہے تو وہ اسی کی ملکیت ہے اور عشرت علی نے اپنی کمائی سے لکھنؤ میں جو بلڈنگ لے رکھی ہے اس کا وہی مالک ہے اور اپنی کمائی اپنے پاس الگ جمع کرتا رہے، ہاں البتہ اگر ایسا کیا جاتا تو درست ہوتا کہ دونوں بھائی اپنی اپنی کمائی ایک جگہ جمع کر کے مشترکہ طور پر خرچ کیا کرتے تو پھر تقسیم میں بھی ہر چیز میں دونوں کا برابر حصہ ہوتا، لیکن واقع میں ایسا نہیں ہے، جیسا کہ سوال نامہ سے واضح ہے۔

لایجوز لأحد من المسلمین أخذ مال أحد بغیر سبب شرعی. (هندیه،

كتاب الحدود، فصل في التعزير، زكريا قديم ٢/١٦٧، جديد ٢/١٨١، شرح المجلة، رستم اتحاد ١/٦٢، رقم المادة: ٩٧، الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٧/٣٥٤، شامي زكريا ٦/١٠٦، كراچی ٤/٦١، البحر الرائق زكريا ٥/٦٨، كوئٹه ٥/٤١)

لو تصرف أحد الورثة في التركة المشتركة و ربح فالربح للمتصرف وحده. (هنديه، كتاب الشركة، الباب السادس في المتفرقات، زكريا قديم ٢/٣٤٦، جديد ٢/٣٤٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰ ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۸۵۵)

ایک بھائی کا دوسرے کو جائیداد سے محروم کرنا

سوال [۱۰۲۳۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسماۃ فاطمہ بیوہ کے تین لڑکے ہیں: محمد یاسین، محمد عثمان، عبد الغنی، تینوں لڑکوں نے محنت ومزدوری کر کے سب سے پہلے مکان کے لیے ایک زمین خریدی اور مشورہ سے اس زمین کو والدہ کے نام کر دیا، پھر اس زمین پر پہلے کچا پھر پکا، مکان بنایا، اور اسی مکان میں ایک دوکان نکالی اسی مکان میں تینوں بھائیوں کی رہائش تھی، پھر دوکان کی کمائی اور بھائیوں کی محنت سے ایک کھیت خریدا گیا، کچھ دنوں بعد اس کھیت کو فروخت کر دیا گیا، بیچنے کے بعد رجسٹری کے وقت محمد عثمان نے کچھ اپنی مجبوری کی وجہ سے کاغذ پر سائن کرنے سے پہلے اپنا حق لے لیا، اس طرح محمد عثمان کو کھیت کا حصہ حاصل ہو گیا، لیکن محمد عثمان کے اپنا حق لے لینے کی وجہ سے دونوں بھائیوں کو ناگواری ہوئی اور انہوں نے اسی وجہ سے محمد عثمان کو گھر کے حصہ سے اس طرح محروم کر دیا کہ محمد عثمان کی عدم موجودگی میں عبد الغنی نے مکان میں اپنا حصہ لے کر بقیہ دو حصوں کو اپنے بڑے بھائی محمد یاسین کے نام پر کر دیا اور والدہ سے بیماری کی حالت میں والدہ کی لاعلمی میں اس کاغذ پر انگوٹھا بھی لگوا دیا، جب محمد عثمان کو معلوم ہوا تو فوراً والدہ کے

پاس گیا اور پوچھا کہ اماں کیا آپ نے اس طرح کیا ہے، کہ محمد یاسین کو دیدیا، اور محمد عثمان کو محروم کردیا، والدہ نے کہا بیٹا: میں نے یہ نہیں کیا ہے، لیکن والدہ نے جو مجھے نفی میں جواب دیا اس پر میرے لیے سوائے خدا کے کوئی گواہ نہیں ہے، اور اب والدہ بھی حیات نہیں ہیں، تو کیا اس طرح محمد عثمان شرعاً اپنے حق واجبی سے محروم ہوجائے گا؟

المستفتی: محمد عثمان کھنڈورہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: محمد عثمان کا حق گھر کے حصہ میں شرعی طور پر مکمل باقی ہے، ماں دستخط کردے یا نہ کرے، دونوں صورتوں میں واجبی حصہ لینے کا حق اس کو ہر وقت حاصل ہے، لہٰذا ماں کے دستخط کے بعد بھی وہ اپنا شرعی حق لے سکتا ہے، اس میں کسی گواہ وغیرہ کی بھی ضرورت نہیں۔

لایجوز لأحد أن یأخذ مال أحد بلا سبب شرعی ، لایجوز لأحد أن یتصرف فی ملک الغیر بغیر إذنه . (قواعد الفقه اشرفی ص: ١١٠، قاعدہ: ٢٦٩، ٢٧٠، شرح المجلة رستم اتحاد ١/٦٢،٦٣، رقم المادة ٩٦-٩٧) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٩/ربیع الثانی ١٤٣٢ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٩/١٠٣٥٢)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
٩/٤/١٤٣٢ھ

ایک بھائی کا دوسرے بھائی کی آمدنی میں حق

سوال [١٠٢٣٣]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں نے جس فرم میں قانونی مصلحت کی بنا پر اس کا نام شامل کیا تھا وہ فرم اس کے جدا ہونے کے ساتھ ساتھ ختم ہوچکی تھی، اور اس کو دس لاکھ روپیہ نقد دے کر اور کافی مقدار جائیداد دے کر الگ فرم قائم کرادی تھی، اور بعد میں بھی پھر اس نے دولاکھ روپئے لئے اور یہ لڑکوں کی شرکت میں دوسری فرم قائم کی جس میں اس کا کوئی تعلق نہیں اور میرا نام بھی اس فرم

میں نہیں ہے، البتہ یہ چارلڑکے اپنی فرم چلانے میں میرا مشورہ ضرور لیتے ہیں اور میری مرضی کے خلاف کوئی کام یہ لوگ نہیں کرتے ہیں اور اب جو جائیداد خریدی گئی ہیں وہ سب اس دوسری فرم کی آمدنی سے ہیں تو کیا اس میں ظہیر عالم کا کوئی حق ہوسکتا ہے؟

المستفتی: ابوالحسن بارہ دری مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب باپ نے بیٹے کو الگ کرتے وقت کاروبار کے لیے جائیدادیں اور دس بارہ لاکھ روپیہ دے کر الگ سے فرم قائم کروادی ہے تو اس سے واضح ہوتا ہے کہ باپ نے بیٹے کے ساتھ بدخواہی یا نقصان پہنچانے کا معاملہ نہیں کیا ہے، نیز جب بڑے بیٹے کی فرم الگ قائم ہوگئی اور دوسرے چار بیٹوں کی الگ فرم قائم ہوگئی تو جس طرح ظہیر عالم کی فرم کی آمدنی سے دوسرے لڑکوں کو مطالبہ کا حق نہیں ہے اسی طرح ظہیر عالم کو بھی دوسرے بھائیوں کی فرم کی آمدنی سے مطالبہ کا کوئی حق نہیں ہے۔

لایجوز لأحد أن یأخذ مال أحد بلا سبب شرعی. (قواعد الفقه اشرفی ص: ۱۱۰، قاعدہ: ۲۶۹، شرح المجلة رستم اتحاد ۱/ ۶۲، رقم المادة: ۹۶، هندیه زکریا قدیم ۲/ ۱۶۷، جدید ۲/ ۱۸۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍ ربیع الثانی ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۷۹۳)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۴؍ ۴؍ ۱۴۱۷ھ

بھائی کے مکان پر قبضہ کرنے کی کوشش کرنا

سوال [۱۰۲۳۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرے چار لڑکے میری مرضی اور میرے مشورہ پر چلتے ہیں، میری فیملی میں نہیں، سب کی فیملیاں الگ الگ ہیں اور رہائشی مکان بھی سب کے الگ الگ ہیں، میرا بڑا مکان جو بارہ دری میں ہے، اس کے اوپر کے حصہ میں میرا نا فرمان بیٹا ظہیر عالم رہتا ہے اور نیچے

کے مکان میں میرا فرمانبردار لڑکا ماہ عالم رہتا ہے، اور اس مکان میں میرے چھ لڑکوں کا نام ہے، ظہیر عالم چاہتا ہے کہ پورا مکان وہ خود لے کر اپنے چھوٹے بھائی کو اس مکان سے نکال دے، جبکہ اس میں صرف چھٹا حصہ ظہیر عالم کے نام ہے، یہی جھگڑے کی اصل بنیاد ہے کہ وہ پورا مکان میں کسی بنا پر ظہیر عالم کو دیدوں جبکہ اس کا کاروبار بالکل الگ ہے، اس میں میرا کوئی دخل نہیں ہے، اور اس کے پاس اس وقت ہزار بیگھہ سے اوپر ہی زمین موجود ہے، پھر بھی چھوٹے بھائی کو رہائشی مکان سے نکال کر پورا اپنے قبضے میں لینے کے لیے ہر قسم کی جھوٹی اسکیمیں بنا رہا ہے اور عدالتی دھمکیاں بھی دیتا رہتا ہے اس کا خیال یہ ہے کہ سب کچھ اس کو مل جائے اور دوسرے بھائیوں کو چاہے کچھ بھی نہ ملے، اور اس وقت تنہا اس کے پاس جتنی دولت ہے ان چاروں لڑکوں کی کل دولت سے کم نہیں ہے؟

المستفتی: ابوالحسن بارہ دری مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر جھگڑے کی اصل بنیاد چھوٹے بھائی کو مشترکہ مکان سے نکالنے کی اسکیم ہے اور سوالنامہ سے واضح ہو رہا ہے کہ اس کے پاس ہزار بیگھہ سے زائد جائیداد اور سب بھائیوں سے زیادہ دولت ہے تو نہایت افسوس اور بے رحمی کی بات ہے کہ وہ اپنے چھوٹے بھائی کو پورے مکان سے نکال کر خود پورے مکان پر قبضہ کرنے کی کوشش کر رہا ہے، تو ایسے حالات میں باپ کو اختیار ہے، کہ اپنی مصلحت کے مطابق جو چاہے فیصلہ کرے اور باپ کو شرعاً یہ بھی اجازت ہے کہ نافرمان بیٹے کو کچھ بھی نہ دے کر ساری دولت دوسری اولاد کو یا کار خیر میں صرف کر دے۔

لابأس بأن يعطى من أولاده من كان عالما متأدبا ولا يعطى منهم من كان فاسقا فاجرا. (مجمع الأنهر، كتاب الهبة، دار الكتب العلمية بيروت ٤٩٧/٣، مصری قدیم ٣٥٨/٢)

ولو كان ولده فاسقا و أراد أن يصرف ماله إلى وجوه الخير ويحرمه عن الميراث هذا خير من تركه. (عالمگیری، الباب السادس فی الهبة للصغير، زکریا قدیم ٣٩١/٤، جدید ٤١٦/٤)

فتاویٰ احیاء العلوم ۱/۲۸۳، احسن الفتاویٰ ۷/۲۵۶، فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۴/۴۴۶، جدید ڈابھیل ۱۶/۵۰۴ میں بھی یہی حکم موجود ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴ ربیع الثانی ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۴۷۹۳)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۴/۴/۱۴۱۷ھ

لڑکے کی کمائی میں کیا اس کے بھائیوں کا حق ہوگا

سوال [۱۰۲۳۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک نے اپنی کمائی سے کانی گھر زمین میں دوکان بنالی، باپ کی کوئی وراثت نہیں ہے تو کیا اس صورت میں اس کی کمائی میں سے کوئی حصہ لے سکتا ہے یا نہیں؟ مثال کے طور پر اس شخص کے چھوٹے بھائی ہیں یا اور عزیز واقارب ہیں اور ماں باپ بھی زندہ ہیں، اگر یہ لوگ حصہ مانگیں تو کیا یہ لوگ حقدار رہوں گے یا نہیں؟

المستفتی: اصغر علی بارہ دری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر شخص مذکور نے باپ کی فیملی میں رہ کر یہ ترقی کی ہے تو ساری دولت شرعاً باپ کی ملکیت میں شمار ہوگی، اور اگر باپ سے الگ ہو کر کمائی ہے تو اس میں کسی دوسرے کا حق نہ ہوگا، پہلی صورت میں باپ کے تمام ورثاء کا حق ہوگا۔

الأب و ابنه يكتسبان في صنعة واحدة ولم يكن لهما شيئ فالكسب كله للأب إن كان الابن في عياله لكونه معينا له. (فتاویٰ شامی، الشركة، مطلب: اجتمعا في دار واحدة واكتسبا ...... زكريا ٦/٥٠٢، كراچی ٤/٣٢٥، هنديه زكريا قديم ٢/٣٢٩، جديد ٢/٣٣٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱ ربیع الاول ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۳۹۰۳)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۱/۳/۱۴۱۵ھ

گھر کا چھجہ سڑک پر نکال سکتے ہیں یا نہیں؟

سوال [۱۰۲۳۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک زمین ہم نے دوسوا کیس گز خریدی اس میں ہم نے بھراؤ کر کے اس کو پورا ناپ لیا تھا، اب دوسرا فریق جو کہ ہمارا پڑوسی ہے، ایک دن صبح فجر کے بعد وہ ہم کو کوس رہے تھے، ہم نے اس سے معلوم کیا آپ ہم کو کیوں کوس رہے ہیں، جواب دیا کہ تم نے بہت زیادہ زمین پر قبضہ کرلیا ہے اور ہمارے پاس بہت کم رہ گئی ہے، لہٰذا آپ ہم کو اس میں سے کچھ زمین دیدو، نمبر ایک فریق نے خدا سے ڈر کر اس کو تقریباً چھ فٹ چوڑائی اور ۴۰ رفٹ لمبی زمین دیدی، اس کے بعد آگے والا حصہ کو جب بنانے چلے تو محلّہ کے کچھ لوگوں نے چھ فٹ چوڑائی تقریباً ۳۰ رفٹ لمبی زمین چھوڑوائی، وہ زمین سڑک میں گئی، اب نمبر ایک فریق اس سڑک کے اوپر اپنا چھجہ نکالنے کا حق رکھتا ہے، یا نہیں؟ اور نمبر دو فریق سے واپس لینے کا حق دار ہے یا نہیں؟

المستفتی: عبداللطیف پیرزادہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مذکورہ میں فریق اول کو راستہ میں اس طرح چھجہ نکالنے کا حق ہوسکتا ہے کہ جس سے لوگوں کے گذرنے میں پریشانی نہ ہو۔

عن ابن عباس –رضی الله عنه– قال: قال رسول الله ﷺ لاضرر ولاضرار. (مسند أحمد بن حنبل ۱/ ۳۱۳، رقم: ۲۸۶۷)

لاتدخل الظلة فی بیع الدار إلا إذا قال بکل حق وهی الساباط الذی یکون أحد طرفیه علی الدار. (البحر الرائق، کتاب البیوع، باب الحقوق، کوئٹہ ۶/ ۱۳۲، زکریا ۶/ ۲۲۹)

(۲) فریق اول نے فریق ثانی کو جو حصہ دیا ہے وہ شرعاً ہبہ ہے اور ہبہ کی ہوئی زمین پر جب تعمیر ہوجائے تو اس کو واپس لینا جائز نہیں ہے۔

عن ابن عباس –رضی الله عنه– قال: قال رسول الله ﷺ: العائد

فی هبته کالعائد فی قیئه. (صحیح البخاری، هبة، باب لایحل لأحد أن یرجع فی هبته وصدقته، النسخة الهندیة ١/٣٥٧، رقم: ٢٥٤٧، ف: ٢٦٢١)

لایرجع الواهب فی هبته لحدوث الزیادة فی العین. (البحر الرائق، کتاب الهبة، باب الرجوع فی الهبة، کوئٹه ٧/٢٩١، زکریا ٧/٤٩٦) **فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍رمضان المبارک ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۵۹۱)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۲/۹/۱۴۱۰ھ

کیا میکہ والوں کو اپنی لڑکی اور اس کی اولاد کے خرچہ کے مطالبہ کا حق ہے؟

سوال [۱۰۲۳۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری چھوٹی بیٹی امۃ اللہ کی شادی محمد عقیلی ساکن موضع میر غیاث چک سے آج سے تقریباً چھ برس پہلے ہوئی تھی، جس میں میری بیٹی امۃ اللہ اپنی سسرال موضع میر غیاث چک میں اپنے شوہر کی مرضی سے جانا آنا کرتے کراتے، چھ ماہ رہی ہوگی، بقیہ ساڑھے پانچ برس سے اپنے شوہر کے مشورہ سے مگر بغیر میری اجازت کے میرے یہاں یعنی میکے میں رہ رہی ہے، اس ساڑھے پانچ برس میں کبھی بھی محمد عقیلی مذکور نے اپنے بیوی بچوں کا کھانا خرچہ مجھے نہیں دیا اور نہ ہم سے انہوں نے اس طرح کی بات کبھی کی کہ ابھی اتنے سال اپنے یہاں رکھئے، اس کے بعد ہم کھانا خرچہ دیں گے یا اپنے ساتھ لے جائیں گے، کبھی کبھی ہم نے محمد عقیلی سے امۃ اللہ کے کھانا وغیرہ کا خرچا مانگا تو وہ خاموش رہے اور ان کی جگہ پر میری بیٹی امۃ اللہ اپنا سر اور سینہ پیٹنے لگی، پتہ نہیں، ان دونوں کے درمیان کچھ طے ہوا ہے، یا شوہر نے امۃ اللہ مذکورہ کو سمجھایا ہے یا دھمکایا ہے یا پھسلایا ہے، جس سبب سے میری مذکورہ بیٹی اس طرح کرنے لگتی ہے، جبکہ اس ساڑھے پانچ برس میں محمد عقیلی خود بھی آنا جانا کرتے کراتے میرے یہاں کم سے کم چار برس کھانا پینا کئے ہوں گے، اور میرے یہاں رہے ہوں گے اور ابھی بھی میرے یہاں رہتے آرہے ہیں؟

نوٹ: محمد عقیلی بیوی بچوں کا بوجھ اٹھانا نہیں چاہتے ہیں۔

اب میری بیٹی کے دو بچہ (ایک تین برس کا اور ایک سوا برس کا ہے) جبکہ شادی سے پہلے محمد عقیلی نے سات ایکڑ زمین کا اپنے کو مالک بتایا تھا، میں نے ڈر کے مارے کسی دار القضاء میں مقدمہ بھی نہیں کیا کہ پتہ نہیں کہ محمد عقیلی میری مذکورہ بیٹی امۃ اللہ کے ساتھ کیا کر بیٹھے، لہٰذا یہ بتایا جائے کہ صورت مسئولہ میں (۱) محمد عقیلی کی پکڑ خدائے پاک کے یہاں ہوگی یا نہیں؟ اور (۲) مجھے اس ظلم کا صلہ آخرت یا دنیا میں اللہ پاک کی طرف سے ملے گا یا نہیں؟ (۳) میری بیٹی امۃ اللہ کی پکڑ ہوگی یا نہیں؟

المستفتی: مولانا فیاض الدین بہار شریف نالندہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: شریعت کا حکم یہ ہے کہ شوہر کے اوپر اپنی بیوی کا خرچہ واخراجات اور کھانے پینے کا نظم کرنا لازم اور واجب ہے، اگر وہ بیوی بچوں کا خرچہ نہیں دیتا ہے اور بغیر خرچہ دیئے ہوئے بیوی کے پاس آنا جانا رکھتا ہے تو اس سے کہا جا سکتا کہ تم اپنے بیوی بچوں کو اپنے یہاں لے جا کر ان کے خرچہ اخراجات کا انتظام کرو اور اگر انہیں میکہ میں چھوڑو گے تو ان کا خرچہ دینا پڑے گا، لہٰذا میکہ والوں کو اس طرح خرچہ دینے کا مطالبہ کرنے کا حق ہے۔

تجب على الرجل نفقة امرأته المسلمة والذمية والفقيرة والغنية دخل بها أو لم يدخل كبيرة كانت المرأة أو صغيرة. (خانية، باب النفقة، جديد زكريا ١/٢٥٤،و على هامش الهندية ١/٤٢٤، هنديه زكريا قديم ١/٥٤٤، جديد ١/٥٩٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲ ؍رجب المرجب ۱۴۳۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۲۱۶۵)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۲/۷/۱۴۳۶ھ

دومنزلہ مکان کی تقسیم

سوال [۱۰۲۳۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: ایک قطعہ مکان ۱۰۰ گز میں ہے وہ بالکل پٹا ہوا ہے، مین روڈ پر ہے، اس مکان کے دو بھائی مالک ہیں، ایک بھائی نیچے کی جگہ پر قابض ہے اور دوسرا بھائی اس کے اوپر کے حصہ پر قابض ہے، آپس میں تقسیم ہونی ہے شرع کے حساب سے، تو کیا نیچے اوپر کی قیمت برابر رہے گی؟ کس طرح تقسیم ہوگی شرع کیا کہتی ہے؟

المستفتی: محمد نسیم تمبا کو اسٹریٹ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: پچاس پچاس گز کے اعتبار سے پورا مکان دونوں بھائیوں کے درمیان برابر تقسیم ہوگا، اور اگر دونوں ہی چاہتے ہیں کہ ایک اوپر رہے اور دوسرا نیچے رہے تو اوپر کی قیمت الگ لگائی جائے گی، اور نیچے کی قیمت الگ لگائی جائے گی، جس کے حصے کی قیمت کم ہے وہ دوسرے سے قیمت لے کر تلافی کر لے۔

وسفل له علو قوم كل واحد على حدته وقسم بالقيمة ولامعتبر بغير ذٰلك. (هدايه، كتاب القسمة، اشرفي ديوبند ٤/٤١٨، رشيديه ٤/٤٠٢، البحر الرائق زكريا ٨/٢٧٩، كوئٹه ٨/١٥٤، هنديه زكريا قديم ٥/٢٠٤، جديد ٥/٢٣٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ربیع الاول ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۵۱۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۳/۳ھ

٤ باب النفقة

کئی سالوں سے معلق بیوی کے نان ونفقہ کا حکم

سوال [١٠٢٣٩]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہندہ کی زید سے جس روز شادی ہوئی اسی روز زید نے ہندہ کو مہر معاف کرانے کے لیے مارا پیٹا، اور اس ہی شب میں رات کو واپس کر دیا (لیکن یہ واپسی تو دستور کے مطابق ہوئی) دوسرے روز پھر ہندہ کو رخصت کیا اور زید کے پاس بھیج دیا، برادری کے لوگ آئے اور کہہ سن کر لے گئے، دوسری مرتبہ میں ہندہ سات یوم زید کے یہاں رہی لیکن زید نے ہندہ سے دوری اختیار کی، اور حق زوجیت ادا نہیں کیا، بلکہ اپنے دوسرے بھائی کے یہاں قیام کیا، ایک ماہ پھر سسرال بھیجا، تیسری مرتبہ میں قریب پونے تین ماہ بعد رہی، لیکن پھر بدچلنی کا الزام لگا کر واپس کر دیا۔

دوسال بعد ہندہ کی طرف سے طلاق کا مطالبہ ہوا تو پنچایت کے درمیان یہ طے ہوا کہ اب میں مار پیٹ نہیں کروں گا، اور سسرال والوں کا احترام کروں گا، اب اگر کوئی ناراضگی کی بات ہو جائے تو میں ساٹھ روپیہ ماہانہ ہندہ کو دیتا رہوں گا، اسٹامپ پر یہ اقرار نامہ تحریر پایا، زید اور اس کے بھائیوں کا بیت الخلاء مشترک تھا، زید کے بھائیوں اور بھاوج وغیرہ نے ہندہ کے لیے پیشاب، پاخانہ کے لیے بیت الخلاء میں داخلہ بند کر دیا، ہندہ کو پیشاب لگا اس نے شدت پیشاب کی وجہ سے باہر ہی پیشاب کر دیا اس پر بھاوج نے باہر پیشاب کرنے کی شکایت کی اس پر زید نے پھر ہندہ کو مارا، اور مار کر بھگا دیا، جب بچہ کی پیدائش کا وقت قریب ہوا تو پھر چند حضرات آ کر ہندہ کو لے گئے، شادی پر چڑھے زیور کو منگانے کے لیے پھر مار پیٹ کی اور زیور کے لیے پھر میکے بھیج دیا، کہ زیور اگر لائے تو آنا ورنہ مت آنا، ہندہ کے والد نے کہا کہ دو معتبر آدمیوں کو بلا لاؤ اور اپنا زیور لے جانا، لیکن وہ دو معتبر آدمی نہیں لائے لیکن ہندہ اپنے شوہر کے یہاں چلی گئی پھر رات کو مار پیٹ کی، ہندہ فجر میں پھر اپنے والدین کے گھر آ گئی، اپنے والدین

کے گھر قیام کے دوران راستہ سے زید ہندہ کو اٹھا کر لے گیا، چار ماہ بعد پھر مار پیٹ کر بھگا دیا، لیکن پھر ہندہ کو سسرال بھیج دیا گیا، اس نے خرچہ کے پیسہ مانگے لیکن اسے خرچہ نہ دے کر بھگا دیا گیا، کل ملا کر لڑکی اپنے شوہر کے یہاں تقریباً پندرہ ماہ رہی، اکیس سال سے میکے میں ہے، اب اکیس سال کے نان ونفقہ کا ذمہ دار شوہر ہے یا نہیں؟ بیوی نفقہ کا مطالبہ کرسکتی ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد ابراہیم ہلدوانی نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر واقع میں سائل کا سوال صحیح اور درست ہے اور بیوی کو پریشان کر کے میکے بھیج دینے پر ٦٠ روپیہ ماہانہ دینے کا معاملہ طے کیا ہے اور بعد میں مختلف مراحل سے گذرتے ہوئے واقعی زید نے بلاوجہ ظلماً مار پیٹ کر کے ہندہ کو میکے بھیج دیا ہے اور ہندہ ازخود شوہر کی حکم عدولی کر کے نہیں آئی ہے بلکہ شوہر نے مذکورہ ظالمانہ حرکتوں کے ساتھ میکے بھیج دیا ہے اور بغیر طلاق کے یوں ہی معلق چھوڑ رکھا ہے تو ماہانہ ٦٠ روپئے کے حساب سے ہندہ کو اپنا خرچہ ملے گا، اور وہ اس کی حقدار ہے۔

القاضی فرض لهما النفقة أو صالحت الزوج على مقدار نفقتها فيقضى لها بنفقة ما مضى. (هدايه، كتاب الطلاق، باب النفقة، اشرفی دیو بند ٢/ ٤٤٠)

وإذا طالبت المرأة زوجها بالنفقة وهي امرأته على حالها وقالت: إنه يضيق علي ويضربني، فالقاضي يأمره بالنفقة. (تاتارخانية زكريا ٥/٣٦٩، رقم: ٨٢٦٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٧/ ربیع الاول ١٤١٣ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٢٨/ ٣٠٧٨)

ناشزہ، والدہ، بہن اور چھوٹے بھائی کے نفقہ کا حکم

سوال [١٠٢٤٠]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: زید کی شادی تقریباً چار سال قبل ہندہ سے ہوئی تھی، دونوں کا آبائی وطن اعظم گڑھ ہے، مگر ہندہ کے والدین سہارنپور کے علاقے میں رہتے ہیں، اس کے والد ایک مدرسہ میں شیخ الحدیث ہیں، شادی کے بعد سے ہندہ اکثر اپنے میکے رہی، جب زید رخصتی کی بات کرتا تو اس کے والدین ٹال مٹول کرتے اور پھر رخصت کرتے، ان چار سالوں میں ہندہ بمشکل آٹھ ماہ اپنی سسرال رہی ہوگی، زید ہندہ کے خرچ کے لیے اپنی استطاعت کے بقدر ہزار پانچ سو کی رقم دیدیتا اور کبھی نہیں بھی دی، ہندہ اکثر بیمار رہتی ہے اس کی دوا وغیرہ اگر میکے میں رہتی ہے تو اس کے والدین کراتے ہیں یا اگر کبھی شوہر وہاں پہنچ گیا تو دلا دیتا ہے اور اگر ہندہ اپنی سسرال رہتی ہے تو دوا وغیرہ اس کا شوہر ہی لاکر دیتا ہے۔

ایک روز سسرال میں ہندہ اور اس کی ساس اور نند سے کسی بات پر کہا سنی ہوئی تو ہندہ کہتی ہے کہ میرے شوہر نے نہ تو کبھی مجھے ایک پیسہ دیا اور نہ ہی کبھی ایک ٹیبلیٹ (دوا کی ٹکیہ) لاکر دی، اور کہتی ہے کہ میں اس پر حلف اٹھا سکتی ہوں، حالانکہ واقعہ اسکے برعکس ہے جیسا کہ اوپر مذکور ہوا، نیز زید کے خسر جو کہ زید کے استاذ بھی ہیں وہ کہتے ہیں کہ زید بیوی کے حقوق صحیح طور پر ادا نہیں کر رہا ہے، اب زید سسرال جانا چاہتا ہے، تو زید کی ساس اس سے لڑائی کرنے پر تلی ہیں اور کہتی ہیں کہ اگر آ گئے تو تمہاری خیر نہیں اور زید کے خسر بھی آنے سے منع کر رہے ہیں جبکہ اس عرصہ میں دو ماہ سے زائد گذر چکے ہیں۔

یہ بات بھی معلوم ہونی چاہیے کہ زید کی ماہانہ تنخواہ چھ ہزار روپئے ہے اس کے گھر میں اس کی والدہ ایک چھوٹا بھائی اور چھوٹی بہن ہے، جبکہ والد کا انتقال ہو چکا ہے، ایک بڑے بھائی ہیں جو بیوی بچوں کے ساتھ ان لوگوں سے الگ رہتے ہیں تو دریافت امر یہ کہ زید ان لوگوں کا خرچ کس طرح سے ادا کرے گا کیا اپنی والدہ وغیرہ کو چھوڑے یا سب کو ساتھ لے کر چلے اور بیوی کو ماہانہ کتنی رقم دیا کرے، نیز زید کو سسرال جانے سے اس کے ساس سسر کا روکنا اس کا کیا حکم ہے؟ امید ہے کہ قرآن وسنت کی روشنی میں جواب مرحمت فرما کر ممنون فرمائیں گے۔

المستفتی: عبیداللہ شمیم قاسمی جامعہ اسلامیہ مظفرپور اعظم گڑھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بیوی کا نان ونفقہ خرچ واخراجات شوہر کے اوپر اس وقت لازم ہوتے ہیں، جب بیوی شوہر کے گھر پر رہتی ہو، اور اگر شوہر کی مرضی کے بغیر میکہ یا کسی اور جگہ جا کر رہتی ہو، تو ایسی صورت میں شرعی طور پر بیوی ناشزہ کہلاتی ہے اور اس کا نان ونفقہ خرچ واخراجات اس وقت تک شوہر پر لازم نہیں ہوتے، جب تک شوہر کے پاس لوٹ کر نہ آجائے، اور سوالنامہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ بیوی شوہر کی مرضی کے بغیر میکہ جا کر رہ رہی ہے اور شوہر بیوی کو لانے کے لیے پریشان ہے، لہٰذا ایسی صورت میں جب تک بیوی آپ کے پاس نہ آجائے اس وقت تک کسی قسم کا خرچہ دینا آپ پر لازم نہیں ہے۔

عن الشعبی: أنه سئل عن امرأة خرجت من بیتها عاصیة لزوجها، ألها نفقة؟ قال: لا، وإن مكثت عشرین سنة. (مصنف ابن أبی شیبة، مؤسسة علوم القرآن بیروت ١٠/١٥٢، رقم: ١٩٣٦٩، مصنف عبد الرزاق، المجلس العلمی بیروت ٧/٩٥، رقم: ١٢٣٥٢)

وإن نشزت فلا نفقة لها، حتی تعود إلی منزله لأن فوت الاحتباس منها. (هدایه، کتاب الطلاق، باب النفقة، اشرفی دیوبند ٢/٤٣٨)

لا نفقة لخارجة من بیته بغیر حق وهی الناشزة حتی تعود. (در مختار زکریا ٥/٢٨٦، کراچی ٣/٥٧٦)

المعتبر فی إیجاب النفقة احتباس ینتفع به الزوج بالوطئ أو الدواعی. (مجمع الأنهر، دار الکتب العلمیة بیروت ٢/١٨٠)

وفی الشامیة: فالمختار وجوب النفقة لقیام الاحتباس. (شامی کراچی ٣/٥٧٥، زکریا ٥/٢٨٥)

اب رہی یہ بات کہ والدہ اور بہن کا خرچہ، تو یہ آپ کے اوپر حسب حیثیت لازم ہے، اور چھوٹا بھائی اگر نابالغ ہو تو اس کا خرچہ بھی لازم ہوگا، اور جب بیوی واپس آجائے، تو بیوی کا خرچہ بھی آپ پر آپ کی حیثیت کے اعتبار سے لازم ہوگا، حیثیت سے زیادہ لازم نہ ہوگا، اور

جب سب لوگ ایک ساتھ ایک ہی فیملی میں رہتے ہوں، تو ان کے لیے الگ الگ خرچ دینا لازم نہیں ہے، بلکہ مجموعی خرچ سے سب لوگوں کا گذارا ہوسکتا ہے۔

ویعتبر فی هذه النفقة مایکفیها وهو الوسط من الکفایة وهی غیر مقدرة. (هندیه، الفصل الثالث نفقة المعتدة، زکریا قدیم ۱/ ۵۵۸، جدید ۱/ ۶۰۶)

وقال الکرخیؒ: یعتبر حال الزوج. (هدایه اشرفی دیو بند ۲/ ۴۳۷)

والأم إذا کانت فقیرة فإنه یلزم الإبن نفقتها. (هندیه، الفصل الخامس فی نفقة ذوی الأرحام، زکریا قدیم ۱/ ۵۶۵، جدید ۱/ ۶۱۱)

والأم إذا احتاجت أو الأب کذٰلک جاز أن یصرف إلیها من هذا الکسب مقدار حاجتها. (تاتارخانیة زکریا ۵/ ۴۱۹، رقم: ۸۲۵۰)

وتجب أیضا لکل ذی رحم محرم صغیر أو أنثی بالغة صحیحة أو کان الذکر بالغا لکن عاجزا عن الکسب. (در مختار مع الشامی زکریا ۵/ ۳۶۲، کراچی ۳/ ۶۲۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ ذی قعدہ ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۵۰۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۳/ ۱۱/ ۱۴۳۲ھ

۵ باب الحضانة

کیا نافرمان بالغ لڑکیوں کے نان ونفقہ کی ذمہ داری والد پر ہے

سوال [۱۰۲۴۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) زید نے اپنی بیوی کوسات سال پہلے طلاق دیدی تھی ،اس کی دولڑکیاں اپنی ماں کے پاس رہ رہی ہیں، جواس وقت بالغ ہیں، دریافت یہ کرنا ہے کہ زید ان لڑکیوں کو اپنے پاس رکھنے کا حق رکھتا ہے یا نہیں؟

(۲) اگر یہ لڑکیاں زید (باپ) کے پاس آنے کے لیے تیار نہ ہوں یا ان کی ماں نہ آنے دے تو کیا زید پر ان لڑکیوں کا خرچہ مع شادی وغیرہ لازم ہے یا نہیں، اگر لازم ہے تو شرعاً باپ کی آمدنی وحیثیت کے مطابق خرچہ ہوگا یا بیوی کے مطالبہ کے مطابق؟ شرعی حکم تحریر فرمادیں؟

المستفتی: محمد ممتاز اصالت پورہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) جب ماں باپ کے درمیان تفریق واقع ہو جائے تو چھوٹے بچوں کی پرورش کا حق ماں کو حاصل رہتا ہے اگر لڑکا ہو تو سات سال تک ماں کو اپنے پاس رکھنے کا حق ہے، اور اگر لڑکی ہو تو بالغ ہونے تک رکھنے کا حق ہے، اس کے بعد باپ کو اپنے پاس رکھنے کا حق ہوتا ہے۔

وأما في الجارية: فحد الاستغناء على أن تحيض أو تبلغ مبلغ النساء بالسن فبعد ذٰلک الأب أولیٰ. (تاتارخانیة زکریا ۵/ ۲۷۳، رقم: ۷۸۳۳)

وذكر الخصاف في كتاب النفقات: أن الأم أحق بالغلام مالم يبلغ سبع سنين أو ثمان سنين وفي الكافي: والفتویٰ على سبع سنين. (تاتارخانیة زکریا ۵/ ۲۷۳، رقم: ۷۸۳۲)

(۲) اگر دونوں لڑکیوں کو بالغ ہونے کے بعد ماں اپنے پاس روک لیتی ہے اور لڑکیاں بھی باپ کے پاس آنا نہیں چاہتیں اور باپ اپنے پاس لانا چاہتا ہے مگر باپ کے چاہنے کے باوجود وہ لڑکیاں باپ کے پاس نہیں آتی ہیں تو لڑکیاں باپ کی نافرمان ہیں، ایسی صورت میں ان لڑکیوں کے خرچ واخراجات شادی بیاہ وغیرہ کی ساری ذمہ داری ماں کے اوپر عائد ہو جائے گی، اور باپ کے اوپر یہ دباؤ نہیں ڈالا جاسکتا ہے کہ بالغ لڑکیوں کا خرچہ ماں کے پاس بھیجا کرے، بلکہ اپنے پاس رکھ کر اپنی حیثیت کے مطابق لڑکیوں پر خرچ کریگا، اوران کی شادی وبیاہ کا انتظام کرے گا۔

والأم والجد أحق بالجارية حتى تحيض، لأن بعد الاستغناء تحتاج إلى معرفة آداب النساء والمرأة على ذٰلک أقدر وبعد البلوغ تحتاج إلى التحصين والحفظ، والأب فيه أقوىٰ واهدىٰ وعن محمدؒ أنها تدفع إلى الأب إذا بلغت حد الشهوة لتحقق الحاجة إلى الصيانة. (هدايه، كتاب الطلاق، باب حضانة الولد، اشرفی ديوبند ۲/ ۴۳۵)

أن النفقة جزاء الاحتباس و كل من كان محسوبا بحق مقصود لغيره كانت نفقته عليه. (هدايه، باب النفقة، اشرفی ديوبند ۲/۴۳۷)

وأقول: الحق الذى تقبله الطباع المستقيمة ولا تنفر منه الأذواق السليمة القول بوجوبها لذى الرشد لا غيره. (شامی باب النفقة، مطلب: الكلام فی نفقة الأقارب كراچی ۳/ ۶۱۴، زكريا ۵/ ۳۴۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴/ ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۰۱۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۴/۱۴ھ

وضع حمل کا خرچ اور بچہ کے نان ونفقہ کا حکم

سوال [۱۰۲۴۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) زید نے اپنی حاملہ زوجہ کو (جس کا مہر وہ ادا کر چکا تھا) اپنے اہل خانہ کے

سامنے تین طلاقیں دیں بوقت طلاق زید کی زوجہ اپنے والدین کے گھر تھی، جس کا وضع حمل بذریعہ آپریشن نرسنگ ہوم میں ہوا، (اسپتال میں وضع حمل کی تجویز زید کی تھی) اور بچہ بھی ساڑھے پانچ سال کی مدت سے اپنی ماں کے زیر پرورش ہے جو اپنے والد کے ساتھ رہتی ہے، وضع حمل کا ڈاکٹری خرچ اہلیہ و بچہ کے نان ونفقہ کی مدت کے بارےمیں شریعت کا حکم واضح فرمائیں؟

(۲) بیٹی اپنی مطلقہ ماں کے زیر سرپرستی کتنی مدت تک رہ سکتی ہے اور اس کا نان ونفقہ کتنے سال کی مدت تک اس کے باپ کے ذمہ ہوگا؟

المستفتی: محمد ادریس صدیقی محمد علی خاں کاشی پورا ودھم سنگھ نگر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) اگر یہ بات صحیح ہے کہ بیوی کا وضع حمل ہسپتال میں شوہر کی مرضی اور اس کی اجازت سے ہوا ہے، اور ہسپتال کا خرچہ بھی اسی کی مرضی سے ہوا ہے، تو اس خرچہ کا ذمہ دار شوہر ہے، اور اگر خرچہ اس کی مرضی کے مطابق نہیں ہوا ہے تو اس خرچہ کا ذمہ دار وہ نہیں ہے، بلکہ جس نے خرچ کیا ہے وہی ذمہ دار ہوگا۔

وأجرة القابلة ...... ولو استاجرها الزوج فعليه. (هنديه، كتاب الطلاق، الباب السابع عشر في النفقات، زكريا قديم ۱/ ۵۴۹، جديد ۱/ ۵۹۹)

وأجرة القابلة على من استاجرها من زوجة و زوج. (شامي كراچي ۳/۵۷۹، زكريا ۵/ ۲۹۱)

لايلزمه مداواتها أى اتيانه لها بدواء المرض ولا أجرة الطبيب . (شامي كراچي ۳/۵۷۵، زكريا ۵/۲۸۵)

ولايجب الدواء للمرض ولا أجرة الطبيب. (هنديه زكريا قديم ۱/ ۵۴۹، جديد ۱/ ۵۹۹)

(۲) بچہ کی ولادت کے بعد عدت پوری ہو جاتی ہے اور عدت گذرنے کے بعد شوہر پر خرچ واخراجات کی کوئی ذمہ داری نہیں رہتی، البتہ بچہ کے لیے اخراجات کی ذمہ داری شوہر پر رہتی ہے۔

إذا طلق الرجل امرأته فلها النفقة والسكنىٰ في عدتها. (هدايه اشرفي

دیوبند ٢/ ٤٤٣، اللباب، دار الایمان ١/ ٢١١)

وإذا مضت مدة لم ينفق الزوج عليها وطالبته بذٰلک فلا شيئ لها. (هدايه اشرفی ديوبند ٢/ ٤٤٠)

ونفقة الأولاد الصغار على الأب لايشاركه فيها أحد. (هـدايه اشرفی ديوبند ٢/ ٤٤٤، هنديه زكريا قديم ١/ ٥٦٠، جديد ١/ ٦٠٧)

إذا لم يكن للصبی مال فالنفقة على والده. (تاتارخانية ٥/ ٤١٢، رقم: ٨٣٣٤)

وتجب النفقة بأنواعها على الحر لطفله يعم الأنثىٰ والجمع الفقير أی إن لم يبلغ حد الكسب. (شامی، باب النفقة، مطلب: الصغير والمكتسب نفقة فی كسبه، كراچی ٣/ ٦١٢، زكريا ٥/ ٣٣٦)

(۳) اوراگرلڑکی ہےتواس کے بالغ ہونے تک ماں کے پاس رہنےکاحق ہے،اور بالغ ہونے کے بعد باپ کواپنے پاس لےآنے کاحق ہوگا۔

والأم والجدة لأم و لأب أحق بها بالصغيرة حتى تحيض أی تبلغ فی ظاهر الرواية. (در مختار، باب الحضانة، كراچی ٣/ ٥٦٦، زكريا ٥/ ٢٦٨)

وأما الجارية فهی أحق بها حتى تحيض كذا ذكر فی ظاهر الرواية. (بدائع زكريا ٣/ ٤٥٩)

والجارية عند الأم أو الجدة حتى تحيض. (مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ٢/ ١٦٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۳؍محرم الحرام ۱۴۳۳ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۵۴۰)	۱۴۳۳/۱/۳ھ

نابالغ لڑکیوں کا خرچ اور شادی باپ پر لازم ہے نہ کہ بالغ لڑکوں کا

سوال [۱۰۲۴۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: محمد شعیب کسرول کا رہنے والا ہوں میری بیوی میری مرضی کے خلاف چلتی تھی، اوراس دنیا میں میرا کوئی نہیں ہے اس کا فائدہ اٹھاتی تھی، اپنے بچوں کو اپنی طرف کر رکھا تھا، اس پر تکرار ہوتا تھا، اس لیے ۱۸/۱۰/۲۰۰۵ء کو مجھے یہ معلوم ہوا کہ وہ میری ایک بیٹی کو فرم میں کام کرنے کے لیے لے جانے لگی، اسے چلے جانے کو کہا کہ اپنے میکے چلی جاؤ وہ ۱۸/۱۰/ ۲۰۰۵ء کو ساڑھے پانچ چھ بجے کے دوران چلی گئی اور میرے پیچھے آ کر میرے سات بچوں کو اپنے ساتھ لے گئی، جب میں رات کو دس گیارہ بجے بلانے گیا تو انہوں نے نہیں بھیجا ۱۹/۱۰/ ۲۰۰۵ء کو جب میں پھر گیا تو وہ کہتے ہیں کہ ہمارے یہاں نہیں ہیں، اس وقت کے بارے میں ایس ایس پی تھانہ ناگ پھنی ایس او تحصیل اسکول چوکی کو بھی معلوم ہے، نام محشر جہاں، عمر: ۲۴/سال جس کی شادی کردی ہے، نوشاد حسین ۲۳/سال، فیصل جہاں ۲۲/سال، شاداب ۲۱/سال، سلطان جہاں ۲۰/سال، شاکر حسین ۱۶/سال شمع پروین ۱۳/سال رانی ۸/سال کی ہے اب یہ کبھی بھی آئیں تو بچوں کو رہنے کا حق کس کے ساتھ ہوگا اور والد پر کیا حقوق ہوں گے، میں محمد شعیب اپنی شادی کرنا چاہتا ہوں شریعت کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: محمد شعیب کسرول

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو لڑکیاں بالغ ہوگئی ہیں ان کی شادی ہونے تک باپ کو اپنی پرورش میں رکھنے کا حق ہے، اوران کی شادیاں کرنا بھی باپ پر لازم ہے، اور بالغ لڑکوں کا خرچہ باپ کے اوپر لازم نہیں ہے وہ خود اپنے اخراجات کے ذمہ دار ہیں، ہاں البتہ نابالغ لڑکوں کے اخراجات کا ذمہ دار باپ ہوتا ہے اور بیوی کا نان ونفقہ شوہر پر اس وقت لازم ہوتا ہے کہ جب بیوی شوہر کے پاس رہے اور جب بیوی شوہر کی اجازت کے بغیر شوہر کو چھوڑ کر چلی جائے تو شوہر کے اوپر ایسی بیوی کا خرچہ اور نان ونفقہ لازم نہیں ہوتا اسی طرح لڑکیوں کا خرچہ باپ کے اوپر اس وقت لازم ہوتا ہے کہ جب باپ کے اختیارات کے دائرے میں رہیں، اب رہا محمد شعیب کا اپنی دوسری شادی کرنا تو اس کو اس کا اختیار ہے جبکہ

بیوی کے اخراجات کی پوری ذمہ داری ادا کرسکتا ہو۔

ونفقة الإناث واجبة مطلقا على الآباء مالم يتزوجن إذا لم يكن لهن مال. (عالمگیری، کتاب الطلاق، الباب السابع عشر فی النفقات، زکریا قدیم ۱/۵۶۳، جدید ۱/۶۰۹)

وبعد ما استغنى الغلام وبلغت الجارية فالعصبة أولىٰ يقلم الأقرب فالأقرب. (عالمگیری، الباب السادس عشر فی الحضانة، زکریا قدیم ۱/۵۴۲، جدید ۱/۵۹۳)

وإذا كان الابن قادراً على الكسب لاتجب نفقته على الأب. (البحر الرائق، کتاب الطلاق، باب النفقة، زکریا ۴/۳۵۰)

نفقة الأولاد الصغار على الأب لايشاركه فيها أحد. (عالمگیری زکریا قدیم ۱/۵۶۰، جدید ۱/۶۰۷)

لانفقة لأحد عشر مرتدة (الى قوله) و خارجة من بيته بغير حق وهى الناشزة حتى تعود. (شامی زکریا ۵/۲۸۶، کراچی ۳/۵۷۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍محرم الحرام ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۱۵۴)

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۸/۱/۵ھ

میکہ میں رہنے والی بیوی کا خرچ شوہر پر لازم نہیں

سوال [۱۰۲۴۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: احقر کی شادی تقریباً ۴؍سال قبل ہوئی تھی، احقر کے دو بچے ہیں لیکن اس وقت میری سسرال کے لوگ میری بیوی کو میرے گھر نہیں بھیجنا چاہتے ہیں، جبکہ میری خواہش ہے کہ میری بیوی اور بچے میرے ساتھ رہیں، نیز سسرال والوں کی طرف سے یہ دباؤ ہے کہ تم بیوی اور بچیوں کا خرچ سسرال ہی پہنچاؤ گے، تو معلوم یہ کرنا ہے کہ اس طرح گھر بیٹھ کر بیوی کے لیے خرچہ لینا درست ہے جبکہ میں اپنے بچوں اور بیوی کو اپنے گھر لانا چاہتا ہوں؟

المستفتی: محمد انتخاب عالم حسن پور مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوالنامہ میں بیوی کے بارے میں جوصورت حال لکھی گئی ہے ایسی صورت میں بیوی شرعی طور پر ناشزہ اورنافرمان ہے،شوہر کی مرضی کے بغیر بیوی کا میکہ جاکر بیٹھ جانا،خرچہ کا مطالبہ کرنا اوربچوں کوبھی ساتھ میں لے جانا نافرمانی کے ساتھ ساتھ انتہائی ظالمانہ حرکت ہے، ایسی بیوی کے لیے اس وقت تک نان ونفقہ اورکسی قسم کا خرچہ شوہر پر لازم نہیں ہوتا جب تک شوہر کے گھر واپس آکر شوہر کے حقوق صحیح طور پرادا نہ کرے۔ (مستفاد: محمودیہ ڈابھیل ۱۳/ ۴۴۵)

عن الشعبی: أنه سئل عن امرأة خرجت من بیتها عاصیة لزوجها، ألها نفقة؟ قال: لا، وإن مکثت عشرین سنة. (مصنف ابن أبی شیبة، مؤسسة علوم القرآن بیروت ۱۰/ ۱۵۲، رقم: ۱۹۳۶۹، مصنف عبد الرزاق، المجلس العلمی بیروت ۷/ ۹۵، رقم: ۱۲۳۵۲)

وإن نشزت فلا نفقة لها، حتی تعود إلی منزله لأن فوت الاحتباس منها. (هدایه، کتاب الطلاق، باب النفقة، اشرفی دیوبند ۲/ ۴۳۸)

لانفقة لخارجة من بیته بغیر حق وهی الناشزة حتی تعود. (در مختار زکریا ۵/ ۲۸۶، کراچی ۳/ ۵۷۶)

المعتبر فی إیجاب النفقة احتباس ینتفع به الزوج بالوطئ أو الدواعی. (مجمع الأنهر، دار الکتب العلمیة بیروت ۲/ ۱۸۰)

وفی الشامیة: فالمختار وجوب النفقة لقیام الاحتباس. (شامی کراچی ۳/ ۵۷۵، زکریا ۵/ ۲۸۵) **فقط واللّٰہ سبحانہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
۲۷؍شوال المکرّم ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۴۹۱)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۱۰/۲۸ھ

الگ رہنے والی بیوی کا ۱۲؍۱۴؍ سالہ بچوں کا خرچ شوہر سے وصول کرنا

سوال [۱۰۲۴۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ میاں بیوی میں اختلاف ہوگیا، طلاق نہیں ہوئی، لیکن دونوں الگ الگ رہتے ہیں، بیوی چاہتی ہے کہ الگ رہتے ہوئے بچوں کا خرچ شوہر سے وصول کرے اس وقت ایک بچہ کی عمر ۱۲؍سال دوسرے بچے کی عمر ۱۴؍سال ہے، باپ چاہتا ہے کہ اپنے بچوں کو اپنے پاس ہی رکھوں تو کیا ان حالات میں بیوی کو یہ حق ہے کہ زبردستی بچوں کو اپنے پاس روک کر شوہر سے بچوں کا خرچ وصول کرے جبکہ شوہر چاہتا ہے کہ وہ اپنے بچوں کو اپنے پاس رکھ کر ان کی پرورش کرے تو ان حالات میں شریعت کا کیا فیصلہ ہے؟

المستفتی: صغیر احمد منڈاوار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: جب بچے ۱۲؍ا اور ۱۴؍سال کے ہوگئے ہیں تو اب بیوی کو کوئی حق نہیں پہنچتا ہے کہ بچوں کو زبردستی روک کر شوہر سے بچوں کا خرچ وصول کرے، بلکہ جب شوہر خود اپنے بچوں کی پرورش کرنا چاہتا ہے تو اس کو شریعت کی رو سے پورا پورا حق پہنچتا ہے کہ بیوی کے پاس سے بچوں کو لے آئے اور خود پرورش کرے اور بیوی کو بھی چاہیے کہ بچے شوہر کے حوالے کردے، ماں کے لیے بچوں کو اپنے پاس رکھنے کا حق صرف سات سال کی عمر تک رہتا ہے۔

والأم أحق بالغلام حتى يأكل وحده ويشرب وحده (الى قوله) والأب أقدر على التأديب والتثقيف، والخصاف قدر الاستغناء بسبع سنين اعتباراً للغالب. (هدايه، كتاب الطلاق، باب حضانة الولد ومن أحق به، اشرفى ديوبند ۲/۴۳۵)

وفى الفتح: وعليه الفتوىٰ كذا فى الكافى وغيره. (فتح القدير، دار الفكر بيروت ۴/۳۷۱، كوئٹه ۴/۱۸۷، زكريا ۴/۳۳۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵؍جمادی الاولیٰ ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۶۱۷۰)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۵/۲۵ھ

فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّيْنِ

فتاویٰ قاسمیہ

منتخب فتاویٰ

حضرت مولانا مفتی شبیر احمد القاسمی
خادم الافتاء و الحدیث جامعہ قاسمیہ
مدرسہ شاہی مرادآباد، الھند

(جلد ۲۳)

المجلد الثالث و العشرون

بقية الحقوق الرويا، الطب و الرقیٰ
بتمام انواعها كتاب الخطر والاباحة
إلى باب السابع مايتعلق باللحية

•• ——— ••

ناشر
مکتبہ اشرفیہ، دیوبند، الھند
01336-223082

فتاویٰ قاسمیہ

صاحب فتاویٰ

حضرت مولانا مفتی شبیر احمد القاسمی

بحق صاحبِ فتاوی شبیر احمد القاسمی 09412552294

بحق مالک مکتبہ اشرفیہ دیوبند 09358001571

01336-223082 08810383186

پہلا ایڈیشن محرم الحرام ۱۴۳۷ھ

ناشر

مکتبہ اشرفیہ، دیوبند، ضلع سہارنپور، الہند

01336-223082

ASHRAFI BOOK DEPOT

DEOBAND, SAHARANPUR, INDIA

Phone: 01336-223082

Mob. : 09358001571،08810383186

مکمل اجمالی فهرست ایک نظر میں

	رقم المسأله		عنوانات
المجلد الأول	١	١٧٢	مقدمة التحقيق، الإيمان والعقائد إلى باب ما يتعلق بالارواح.
المجلد الثاني	١٧٣	٥٥٧	بقية الإيمان والعقائد من باب الحشر إلى باب ما يتعلق بأهل الكتاب، التاريخ والسير، البدعات والرسوم.
المجلد الثالث	٥٥٨	١٠٠٥	بقية البدعات والرسوم من باب رسومات جنائز إلى رسومات نكاح، كتاب العلم إلي باب ما يتعلق بالكتابة.
المجلد الرابع	١٠٠٦	١٤١٥	بقية كتاب العلم من كتابة القرآن إلي باب الوعظ والنصيحة، الدعوة والتبليغ، السلوک والاحسان، الأدعية والأذكار.
المجلد الخامس	١٤١٦	١٩٣٥	الطهارة بتمام أبوابها، الصلوة من أوقات الصلوة إلى صفة الصلوة.
المجلد السادس	١٩٣٦	٢٤٥٧	الجماعة، المساجد، الإمامة.
المجلد السابع	٢٤٥٨	٢٩٦٤	بقية الصلوة من تسوية الصفوف إلي سجود التلاوة.
المجلد الثامن	٢٩٦٥	٣٤٢٣	بقية الصلوة من الذكر والدعاء بعد الصلوة، الوتر، ادراک الفريضة، السنن والنوافل، التراويح، صلوة المسافر.

المجلد التاسع	٣٤٢٤	٣٨٩٣	بقية الصلوة، صلوة المريض، الجمعة، العيدين، الجنائز إلي حمل الجنازة.
المجلد العاشر	٣٨٩٤	٤٤٠٤	بقية الجنائز من صلوة الجنائز إلي باب الشهيد، كتاب الزكوة.
المجلد الحادي عشر	٤٤٠٥	٤٨٧٣	بقية الزكوة، كتاب الصدقات، الصوم، بتمام أبوابها إلي صدقة الفطر.
المجلد الثاني عشر	٤٨٧٤	٥٣٤٨	كتاب الحج بتمام أبوابها، النكاح إلى باب نكاح المكره.
المجلد الثالث عشر	٥٣٤٩	٥٩٤٣	بقية النكاح إلي باب المهر.
المجلد الرابع عشر	٥٩٤٤	٦٤٦٢	الرضاع، الطلاق إلي باب الكناية.
المجلد الخامس عشر	٦٤٦٣	٦٩٠٢	بقية الطلاق، الرجعة، البائن، الطلاق بالكتابة، الطلاق الثلاث، الشهادة في الطلاق، الحلالة.
المجلد السادس عشر	٦٩٠٣	٧٤٠٢	بقية الطلاق، تعليق الطلاق، التفويض، الفسخ والتفريق، الظِهار، الإيلاء، الخلع، الطلاق على المال، العدة، النفقة، ثبوت النسب، الحضانة.
المجلد السابع عشر	٧٤٠٣	٧٨٦٧	الأيمان والنذور، الحدود، الجهاد، اللقطة، الامارة والسياسة، القضاء، الوقف إلي باب المساجد.
المجلد الثامن عشر	٧٨٦٨	٨٤٠٨	بقية الوقف من الفصل الثالث، المسجد القديم إلي مصلى العيد، والمقبرة. (قبرستان)

المجلد التاسع عشر	٨٤٠٩	٨٨٥٦	بقية الوقف، باب المدارس، كتاب البيوع، البيع الصحيح، الفاسد، المرابحة، الصرف، السلم، الوفاء، الشفعة، المزارعة.
المجلد العشرون	٨٨٥٧	٩٣٥٠	الشركة، المضاربة، الربوا بتمام أنواعها.
المجلد الحادي والعشرون	٩٣٥١	٩٧٣٥	الديون، الوديعة، الأمانة، الضمان، الهبة، الإجارة.
المجلد الثاني والعشرون	٩٧٣٦	١٠٢٤٥	الغصب، الرهن، الصيد، الذبائح بتمام أنواعها، الأضحية بتمام أنواعها، العقيقة، الحقوق، بأكثر أبوابها إلي باب حقوق الأقارب.
المجلد الثالث والعشرون	١٠٢٤٦	١٠٧٠٥	بقية الحقوق، الرؤيا، الطب والرقىٰ بتمام أنواعها، كتاب الحظر والإباحة إلي باب السابع، ما يتعلق باللحية.
المجلد الرابع والعشرون	١٠٧٠٦	١١٢٠٥	بقية الحظر والإباحة، باب الأكل والشرب، الانتفاع بالحيوانات، الخمر، الدخان، الهدايا، الموالاة مع الكفار، المال الحرام، الأدب، اللهو، استعمال الذهب والفضة، كسب الحلال، الغناء، التصاوير.
المجلد الخامس والعشرون	١١٢٠٦	١١٦٠٠	الوصية، الفرائض بتمام أبوابها.
المجلد السادس والعشرون	١	١١٦٠٠	فهارس المسائل

فہرست مضامین

۳۸/ بقیۃ کتاب الحقوق

مسئلہ نمبر	٤/باب حقوق الزوجین	۳۱

۱۰۲۴۶	میاں بیوی کے حقوق	۳۱
۱۰۲۴۷	کیا بیوی شوہر کی ملکیت ہوتی ہے؟	۳۲
۱۰۲۴۸	زوجین ایک دوسرے کو کیا کہہ کر پکاریں؟	۳۳
۱۰۲۴۹	شوہر کو تعظیماً بھائی کہنا	۳۴
۱۰۲۵۰	کیا بیوی کے گناہ میں شوہر بھی شریک ہے؟	۳۵
۱۰۲۵۱	شوہر کی اجازت کے بغیر بیوی کا اس کے جیب سے روپیہ نکالنا......	۳۶
۱۰۲۵۲	نکاح کے بعد بیوی سے بات چیت کرنے کا حق	۳۶
۱۰۲۵۳	بیوی کی غیر شرعی شرائط پر عمل کرنا لازم نہیں	۴۰
۱۰۲۵۴	بیویوں کے درمیان مساوات کا حکم	۴۱
۱۰۲۵۵	کیا شوہر کیلئے اپنی بیوی کے حصے کے مطالبہ کا حق ہے؟	۴۲
۱۰۲۵۶	شوہر بیوی کے کتنے جسم کا حقدار ہوتا ہے	۴۳
۱۰۲۵۷	شب زفاف میں بیوی سے ملاقات کے وقت دو رکعت نماز	۴۴
۱۰۲۵۸	شب زفاف میں بیوی کے دوپٹہ پر نماز پڑھنا	۴۵
۱۰۲۵۹	ہمبستری کے وقت قبلہ رو ہونے کا حکم	۴۶
۱۰۲۶۰	دوران حمل جمع کا حکم	۴۷
۱۰۲۶۱	حالت حیض میں جماع	۴۸

۱۰۲۶۲	زوجین کا آپس میں برہنہ جسم دیکھنا............	۴۸
۱۰۲۶۳	بیوی کا پستان منھ میں لینا............	۴۹
۱۰۲۶۴	بیوی کا دودھ پینا............	۵۰
۱۰۲۶۵	صحبت کے دوران بیوی کا دودھ پینا............	۵۱
۱۰۲۶۶	بیوی کی شرم گاہ کو بوسہ دینا............	۵۲
۱۰۲۶۷	کیا عزل بالحرۃ جائز ہے؟............	۵۳
۱۰۲۶۸	بیوی کی اجازت سے نرودھ کا استعمال............	۵۴
۱۰۲۶۹	عذر شدید کی بنا پر نرودھ کا استعمال............	۵۵
۱۰۲۷۰	بیوی کا شوہر کی اجازت کے بغیر میکہ جانا............	۵۶
۱۰۲۷۱	شوہر کی اجازت کے بغیر میکہ جانے والی عورت معلقہ ہے یا ناشزہ؟	۵۷
۱۰۲۷۲	والدین کا لڑکی کو اس کے شوہر کی اجازت کے بغیر گھر بلانا............	۵۸
۱۰۲۷۳	شوہر کا بیوی کو نوکری کرنے سے روکنا............	۵۹
۱۰۲۷۴	شوہر کے کہنے پر کیا نوکری چھوڑنا لازم ہے؟............	۶۰
۱۰۲۷۵	صحت مند آدمی پر بیوی کے حقوق کتنے دنوں میں ادا کرنا واجب ہے	۶۳
۱۰۲۷۶	بیوی کا شوہر سے برے الفاظ سے بات کرنا گستاخی ہے............	۶۴
۱۰۲۷۷	شوہر کی نافرمانی کرنا............	۶۵
۱۰۲۷۸	عورت کا بغیر شوہر کے زیادہ دنوں تک میکہ میں رہنا............	۶۷
۱۰۲۷۹	ناراضگی کی وجہ سے علیحدہ رہنے سے نکاح ختم نہیں ہوتا............	۶۸
۱۰۲۸۰	شوہر کے بلانے پر بیوی کا اس کے پاس نہ جانا............	۶۹
۱۰۲۸۱	بیوی کا شوہر و بچوں کو چھوڑ کر غیر مرد کے ساتھ رہنا............	۷۰
۱۰۲۸۲	حقیقی اولاد کے بارے میں بیوی سے شبہ کرنا............	۷۱
۱۰۲۸۳	عورت عیسائی ہوگئی......تو شوہر پر کوئی مواخذہ نہیں............	۷۳
۱۰۲۸۴	نافرمان بیوی کا شوہر کے حقوق ادا نہ کرنا............	۷۳

١٠٢٨٥　کیا بیوی میکے میں شوہر کی مرضی کے مطابق قیام کرے گی؟.......　٧٥
١٠٢٨٦　بیوی کا شوہر کو چھوڑ کر اس کی مرضی کے بغیر خالو کے ساتھ رہنا......　٧٦
١٠٢٨٧　نافرمان بیوی اور اولاد کے نفقہ کا حکم.....................　٧٨
١٠٢٨٨　مطلقہ کے لئے شوہر سے کن کن چیزوں کے مطالبہ کا حق ہے؟.......　٨٠
١٠٢٨٩　مطلقہ معتدہ کے شوہر پر حقوق.....................　٨٤
١٠٢٩٠　تکمیل عدت کے بعد بیوی کا شوہر کے گھر رہنا.....................　٨٦
١٠٢٩١　وقت گذرنے کے بعد عدت اور بچوں کا خرچہ شوہر سے ساقط ہو جاتا ہے　٨
١٠٢٩٢　طلاق کے بعد شوہر سے اپنا قرض مانگنا.....................　٩٠
١٠٢٩٣　داماد اور خسر کی ذمہ داری.....................　٩١
١٠٢٩٤　بہو کا ساس و خسر کی خدمت کرنا.....................　٩٢
١٠٢٩٥　شوہر کا بیوی کو اہل خانہ کی خدمت پر مجبور کرنا.....................　٩٣
١٠٢٩٦　بہو کا ساس وسسر کے ساتھ گستاخی کرنا.....................　٩٤
١٠٢٩٧　خسر کا بہو پر ظلم کرنا.....................　٩٦
١٠٢٩٨　بہنوئی پر جھوٹا الزام قائم کر کے بہن کے نام جائیداد کرانا.........　٨٩

٥/باب الحضانة　١٠٢

١٠٢٩٩　دوسروں کے بچے کی پرورش کرنا.....................　١٠٢
١٠٣٠٠　ناجائز حمل خرید کر پرورش کرنا.....................　١٠٣
١٠٣٠١　شرعی عذر کے بغیر طلاق کا مطالبہ نیز شوہر کی اجازت کے بغیر لڑکے کو گود دینا.....................　١٠٥
١٠٣٠٢　کافرہ زانیہ کا بچہ مسلمان پال سکتا ہے یا نہیں؟.....................　١٠٦
١٠٣٠٣　بچیوں کی پرورش کا حقدار اور خرچہ کا ذمہ دار کون ہے؟............　١٠٩

الف:۱۰۳۰۴	بچہ کی پرورش کا حقدار کون؟	۱۱۰
ب:۱۰۳۰۴	لڑکی کی پرورش کا حق کس کو ہے؟	۱۱۲
۱۰۳۰۵	سوا ماہ کی بچی کی پرورش کا حقدار کون ہے؟	۱۱۳
۱۰۳۰۶	تین ماہ کی لڑکے کی پرورش کا حق ماں کو ہے یا باپ کو	۱۱۵
۱۰۳۰۷	ایک سالہ بچہ کی پرورش کا حقدار کون؟	۱۱۶
۱۰۳۰۸	دو سال دس مہینہ کا بچہ کس کے پاس رہے گا؟	۱۱۸
۱۰۳۰۹	۴رسالہ بچی کی پرورش کا حق دادی کو ہے یا نانی کو؟	۱۱۹
۱۰۳۱۰	سات سال سے کم عمر کے بچے کی پرورش کا حق کسے ہے؟	۱۲۱
۱۰۳۱۱	۷رسالہ بچہ کی تعلیم وتربیت کا ذمہ دار کون؟	۱۲۳
۱۰۳۱۲	۷رسال تک لڑکے اور نوسال تک لڑکی کی پرورش کا حق ماں کو ہے	۱۲۶
۱۰۳۱۳	آٹھ سال کے بچہ کی پرورش کا حق	۱۲۷
۱۰۳۱۴	ماں کے انتقال کے بعد بچہ کی پرورش کا حق کس کو ہے؟	۱۲۹
۱۰۳۱۵	بھائی کے انتقال کے بعد اس کی بیوی بچہ کا ذمہ دار کون؟	۱۳۰
۱۰۳۱۶	علیحدگی کی صورت میں بچہ کی پرورش کا حق	۱۳۱
۱۰۳۱۷	طلاق کے بعد عدت اور لڑکے کی پرورش کا حکم	۱۳۲
۱۰۳۱۸	ماں کی دماغی حالت خراب ہونے کی صورت میں پرورش کا حق	۱۳۴
۱۰۳۱۹	بچوں کی پرورش کا حق دادا دادی کو ہے یا نانا نانی کو	۱۳۶
۱۰۳۲۰	والد مفلس ہو تو بچے کی پرورش کا حق کس کو ہے؟	۱۳۸
۱۰۳۲۱	نواسی کی پرورش سے متعلق چند سوالات وجوابات	۱۴۰
۱۰۳۲۲	بالغ لڑکی کی پرورش کا حکم	۱۴۲
۱۰۳۲۳	بدچلن بیوی کو طلاق دینے کے بعد بچی کی پرورش کا حق	۱۴۳
۱۰۳۲۴	تین طلاق کے بعد نابالغ اولاد کی پرورش کا حق	۱۴۵

	٦ / باب حق الجوار	۱۴۷
۱۰۳۲۵	مسجد والوں کا پڑوسی کی چھت توڑ کر مسجد کی دیوار میں جنگلے کھولنا ...	۱۴۷
۱۰۳۲۶	درمیانی چھت گرنے کی صورت میں سفلی وعلوی دونوں تعمیری خرچ میں شریک ہوں گے	۱۴۸
۱۰۳۲۷	پہلی اور دوسری منزل والوں کے حقوق	۱۴۹
۱۰۳۲۸	درمیانی چھت کی مرمت کا خرچہ کس پر لازم ہے؟	۱۵۱
۱۰۳۲۹	فریقین کی زمین کی پیمائش میں غلطی اور اس سے متعلق چند سوالات ...	۱۵۲
۱۰۳۳۰	قانونی چارہ جوئی کے ذریعہ دروازہ کھلا رکھنے کا حق حاصل کرنا ...	۱۵۴
۱۰۳۳۱	پڑوسی سے تکلیف کی بناء پر مقدمہ دائر کرنا	۱۵۵
۱۰۳۳۲	اپنی زمین میں آنے والی غیر کے درخت کی شاخ کاٹنے کا حق ہے ...	۱۵۷
۱۰۳۳۳	دوسرے کی زمین میں غلطی سے لگائے گئے درخت کا مالک کون؟	۱۵۸
۱۰۳۳۴	زمین کا کچھ حصہ سڑک میں آنے کی وجہ سے دوسرے خریدار سے مطالبہ کرنا	۱۵۹
	٧ / باب بیع الحقوق	۱٦۲
۱۰۳۳۵	حق تصنیف اور حق طبع کی حیثیت	۱٦۲
۱۰۳۳٦	معاملہ مکمل ہونے کے بعد دوبارہ رقم کا مطالبہ کرنا	۱٦۳
۱۰۳۳۷	رجسٹری بیع نامہ خریدار کے نام پر ہوگا نہ کہ سوسائٹی کے نام پر	۱٦۴
۱۰۳۳۸	ڈپوزٹ کا شرعی حکم	۱٦۵
۱۰۳۳۹	کرایہ دار کا حق قرار لینا	۱٦٦
۱۰۳۴۰	کرایہ دار کا مکان خالی کرنے کے لیے رقم کا مطالبہ کرنا	۱٦۷

۱۰۳۴۱ پگڑی کا حکم ۱۷۰
حقوقِ مجردہ کا عوض لینا ۱۷۲
حق کسے کہتے ہیں؟ ۱۷۲
مال اور حقوقِ مجردہ کی حقیقت ۱۷۳
مال کی تعریف ۱۷۴
حقوقِ مجردہ کی بیع ۱۷۵
حقِّ مرور کی بیع کا جواز ۱۷۵
حقِ تسییل کی بیع کا جواز ۱۷۶
تعاملِ ناس کی وجہ سے حقِّ شرب کی بیع کا جواز ۱۷۷
حقِ اسبقیت ۱۷۸
حقوقِ مجردہ کی دو قسموں میں سے کس کا مالی عوض جائز؟ ۱۷۰
سوال میں ذکر کردہ حقوقِ مجردہ سے دست برداری کا مالی عوض لینا ۱۸۰
حقوقِ مجردہ کا عوض لینے کا اصولی ضابطہ ۱۸۳
حقوقِ مجردہ کی بیع کا مختصر خلاصہ ۱۸۳
مروجہ پگڑی کا مسئلہ ۱۸۴
حقوقِ طبع ۱۸۵
ٹریڈ مارک اور کمپنی وتجارتی فرم کے نام کی فروختگی ۱۸۵
لائسنس کی خرید وفروخت ۱۸۶
حقِّ تعلّی کی بیع ۱۸۷
پنشن کی فروختگی ۱۸۸
سوال نامہ کا خلاصہ ۱۸۹

	۳۹ / کتاب الرؤیا	۱۹۲

۱۰۳۴۲	خواب میں سورۂ نوح کی تلاوت	۱۹۲
۱۰۳۴۳	خواب میں حج بیت اللہ کا سفر کرنا	۱۹۲
۱۰۳۴۴	خواب میں فرشتوں کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھنا	۱۹۴
۱۰۳۴۵	خواب میں علماء کی زیارت کرنا	۱۹۵
۱۰۳۴۶	خواب میں مزار وغیرہ دیکھنا	۱۹۶
۱۰۳۴۷	خواب میں غیر نبی کا کلمہ پڑھنا اور اس کی تعبیر	۱۹۷
۱۰۳۴۸	خواب میں دودھ کو دیکھنا	۲۰۱
۱۰۳۴۹	خواب میں مچھلیاں دیکھنا	۲۰۲
۱۰۳۵۰	خواب میں کبوترنی دیکھنا	۲۰۳
۱۰۳۵۱	خواب میں بندر دیکھنا	۲۰۴
۱۰۳۵۲	خواب میں شیر دیکھنا	۲۰۶
۱۰۳۵۳	خواب میں شیر اور خود کو امامت کرتے دیکھنا	۲۰۷
۱۰۳۵۴	خواب میں کتے کو سانپ کھاتے دیکھنا	۲۰۹
۱۰۳۵۵	خواب میں سانپ کو دیکھنا	۲۰۹
۱۰۳۵۶	خواب میں کالا اور سفید سانپ دیکھنا	۲۱۰
۱۰۳۵۷	خواب میں دیکھنا کہ گھر میں خنزیر ذبح کیا جانے والا ہے	۲۱۱
۱۰۳۵۸	خواب میں بیت الخلاء کی عمارت منہدم ہو جانا	۲۱۲
۱۰۳۵۹	خواب میں سیب، مور اور آم دیکھنا	۲۱۳
۱۰۳۶۰	خواب میں خود کو حاملہ دیکھنا	۲۱۴
۱۰۳۶۱	بچہ کا ماں کو ذبح کرنا	۲۱۵

۱۰۳۶۲ خواب میں بچے کی پیدائش دیکھنا ۲۱۶
۱۰۳۶۳ خواب میں اپنے گھر پر غیروں کا قبضہ دیکھنا ۲۱۶
۱۰۳۶۴ خواب میں کسی لڑکی کے سامنے پیشاب کرنا ۲۱۷

۴۰ / كتاب الطب والرقیٰ

۱/ باب ما یتعلق بالطب وغیرہ

۱۰۳۶۵ علم طب حاصل کیے بغیر علاج ومعالجہ کرنا ۲۱۹
۱۰۳۶۶ دائی کا کام کرنا کیسا ہے؟ ۲۲۰
۱۰۳۶۷ دوا کھاتے وقت کیا پڑھا جائے؟ ۲۲۱
۱۰۳۶۸ غیر مسلم ڈاکٹر سے ختنہ کروانا ۲۲۲
۱۰۳۶۹ سرکاری ہسپتال کی دواؤں کو بازار میں فروخت کرنا ۲۲۲
۱۰۳۷۰ پولیو کی دوائی پلانا ۲۲۳
۱۰۳۷۱ پوسٹ مارٹم ۲۲۵
۱۰۳۷۲ انتقال کے بعد سینہ چیر کر مشین نکالنا ۲۲۶
۱۰۳۷۳ کیا سانپ کے کاٹنے کی وجہ سے آدمی مرتا نہیں ہے؟ ۲۲۶
۱۰۳۷۴ عذر کی بنا پر کان میں سوراخ کرانا ۲۲۷
۱۰۳۷۵ بلڈ پریشر کنٹرول کرنے کے لیے ہاتھ میں چین پہننا ۲۲۸
۱۰۳۷۶ چہرے پر دانوں کے علاج کے لیے تانبے کا چھلہ پہننا ۲۲۹
۱۰۳۷۷ ہاتھی کا دانت، گٹھلی لکڑی، دھات کے چھلے وغیرہ بطور علاج استعمال کرنا . ۲۹۹
۱۰۳۷۸ ایک ساتھ کتنے کیلے کھائیں؟ ۲۳۰

	۲/باب أعضاء الإنسان وأجزائه	صفحہ

۱۰۳۷۹	بلڈ ڈونیشن کی شرعی حیثیت	۲۳۱
۱۰۳۸۰	مسلمان مریض کوخون دینا کیسا ہے؟	۲۳۲
۱۰۳۸۱	بلڈ بینک کا حکم	۲۳۳
۱۰۳۸۲	انسانی اعضاء کا قیمتاً یا ہدیتاً دینا	۲۳۵
۱۰۳۸۳	مرنے کے بعد اپنے اعضاء کی عوض یا بلا عوض اسپتال میں دینے کی وصیت	۲۳۶
۱۰۳۸۴	بیمار کو گردہ دینا	۲۳۸
۱۰۳۸۵	گردوں کی تبدیلی اور ہبہ کا حکم	۲۳۹
	اعضاء واجزاء انسانی کا عطیہ	۲۴۱
	مقالہ خلاصہ	۲۴۱
۱۰۳۸۶	اعضاء واجزاء انسانی کا عطیہ	۲۴۳
	(۱) ''ماکول اللحم حیوانات'' کے اعضاء سے علاج	۲۴۴
	(۲) غیر ماکول اللحم حیوانات کے اعضاء سے علاج	۲۴۵
	(۳) انسانی اعضاء کا استعمال	۲۴۵
	پہلی قسم	۲۴۶
	دوسری قسم کے اجزاء	۲۴۶
	انسانی خون کا عطیہ	۲۴۷
۱۰۳۹۰	جگر کی پیوندکاری اور اس کا عطیہ	۲۴۸
۱۰۳۹۱	''آئی بینک'' (آنکھوں کا عطیہ)	۲۵۱
۱۰۳۹۲-۱۰۳۹۳	''دودھ بینک'' اور اس کا عطیہ	۲۵۳
	تجاویز برائے چوبیسواں فقہی سیمینار	۲۵۸
	اعضاء واجزاء انسانی کے عطیہ سے متعلق تجاویز	۲۵۸

۲۶۰

۳ / باب ما یتعلق بحمل المرأة و موانعه

۱۰۳۹۴	نسبندی اور اسقاط حمل کی شرعی حیثیت	۲۶۰
۱۰۳۹۵	دائمی نسبندی	۲۶۲
۱۰۳۹۶	دائمی نسبندی کرانا	۲۶۳
۱۰۳۹۷	دائمی طور پر قوت تولید ختم کرنا	۲۶۴
۱۰۳۹۸	جان تلف ہونے کے اندیشہ سے بچہ دانی نکلوانا	۲۶۵
۱۰۳۹۹	بیوی کی جان تلف ہونے کے اندیشہ سے نسبندی کرانا	۲۶۶
۱۰۴۰۰	عورت کی جان تلف ہونے کے اندیشہ سے بچہ دانی نکلوانا........	۲۶۸
۱۰۴۰۱	کیا جان کے خطرہ کی وجہ سے نسبندی کرا سکتے ہیں؟	۲۶۹
۱۰۴۰۲	کیا توالد و تناسل کا سلسلہ ختم کرنے کا کوئی جائز طریقہ ہے؟	۲۷۱
۱۰۴۰۳	احتیاطاً مانع حمل ذرائع کا استعمال	۲۷۱
۱۰۴۰۴	کن حالتوں میں وقتی طور پر مانع حمل کی گنجائش ہے؟	۲۷۲
۱۰۴۰۵	بچہ دانی نکلوانا........	۲۷۴
۱۰۴۰۶	نسبندی کرانا جائز نہیں، چاہے ملازمت گنوانی پڑے	۲۷۵
۱۰۴۰۷	نطفہ جاندار ہے یا غیر جاندار؟ اور اس کو ضائع کرنے کا حکم	۲۷۶
۱۰۴۰۸	ضرورت شدیدہ کی وجہ سے اسقاط اور وقفہ کی گنجائش	۲۷۷
۱۰۴۰۹	اسقاط حمل کا حکم........	۲۷۹
۱۰۴۱۰	حمل گرانے کا حکم	۲۸۰
۱۰۴۱۱	کن حالتوں میں اسقاط حمل جائز ہے؟	۲۸۱
۱۰۴۱۲	حج میں جانے کے لیے حمل ساقط کرانا........	۲۸۲
۱۰۴۱۳	حمل ساقط کرنے کا حکم........	۲۸۳

۱۰۴۱۴	کیا چار ماہ سے قبل اسقاط حمل مباح ہے؟	۲۸۳
۱۰۴۱۵	لاغر عورت کی گود میں چار ماہ کا بچہ ہو تو اسقاط حمل جائز ہے یا نہیں؟	۲۸۴
۱۰۴۱۶	۶/۵ ر ماہ کا حمل ساقط کرانا	۲۸۵
۱۰۴۱۷	چھ ماہ کا حمل ساقط کرانا	۲۸۶
۱۰۴۱۸	پیدائش کے وقت موت کے اندیشہ سے وضع حمل	۲۸۷
۱۰۴۱۹	بچہ کی پرورش کی خاطر مانع حمل تدابیر اختیار کرنا	۲۸۹
۱۰۴۲۰	مانع حمل دواؤں کا استعمال....................................	۲۸۹
۱۰۴۲۱	مانع حمل ادویہ کا استعمال	۲۹۰
۱۰۴۲۲	مانع حمل دوائیں یا آپریشن کرانے کا حکم	۲۹۲
۱۰۴۲۳	موجودہ دور میں عزل کا حکم	۲۹۳
۱۰۴۲۴	حالت حمل یا ایام رضاعت میں عزل کرنا	۲۹۴
۱۰۴۲۵	نیرودھ اور مانع حمل ادویہ کا استعمال	۲۹۵
۱۰۴۲۶	بلاعذر مانع حمل طریقہ اختیار کرنا	۲۹۶
۱۰۴۲۷	بلاعذر شدید کے نرودھ یا گولی استعمال کرنا....................	۲۹۷
۱۰۴۲۸	بغیر کسی عذر کے حمل گرانا نیز حمل کو کتنی مدت کے اندر گرانیکی گنجائش ہے؟	۲۹۸
۱۰۴۲۹	سخت کمزوری میں مانع حمل ادویہ کا استعمال	۲۹۹
۱۰۴۳۰	کمزوری کے خوف سے اسقاط حمل	۳۰۰
۱۰۴۳۱	عدت کی کمزوری کی وجہ سے مانع حمل تدبیر اپنانا.................	۳۰۱
۱۰۴۳۲	شدید ضرورت میں وقتی طور پر مانع حمل دواؤں کا استعمال.......	۳۰۲
۱۰۴۳۳	مانع حمل کے لیے نرودھ کا استعمال	۳۰۳
۱۰۴۳۴	بیماری کے اندیشہ سے کنڈوم استعمال کرنا	۳۰۴
۱۰۴۳۵	ٹیسٹ ٹیوب بے بی کا حکم	۳۰۶

۱۰۴۳۶ ٹیسٹ ٹیوب بے بی کا شرعی حکم ۳۰۶
۱۰۴۳۷ مشین کے ذریعہ استقرارِ حمل کا حکم ۳۰۷
۱۰۴۳۸ استقرار حمل کا پتہ لگانے کے لیے ڈاکٹری معائنہ ۳۰۹
۱۰۴۳۹ انتقال شدہ حاملہ کے بچہ کا حکم ۳۰۹

٤/باب التداوی بالمحرم

۱۰۴۴۰ آپریشن سے بچنے کے لیے تداوی بالمحرم کا حکم ۳۱۱
۱۰۴۴۱ بطور دوا شراب کے استعمال کا حکم ۳۱۲
۱۰۴۴۲ الکحل ملائی ہوئی دوا کا حکم ۳۱۳
۱۰۴۴۳ الکحل ملی ہوئی دوا استعمال کرنے کا حکم ۳۱۴
۱۰۴۴۴ ماکول اللحم جانور کے پیشاب سے علاج ۳۱۵
۱۰۴۴۵ گائے کا پیشاب اور افیون ملی ہوئی دواؤں کا استعمال وتجارت ... ۳۱۶
۱۰۴۴۶ تیل میں گائے کا پیشاب ملا کر بطور دوا استعمال کرنا ۳۱۸
۱۰۴۴۷ گائے کے پیشاب میں مخلوط دوا کے استعمال کرنے کا حکم ۳۲۰
۱۰۴۴۸ ایسی دوا کا استعمال جس میں گائے کا پیشاب ڈالا گیا ہو ۳۲۱
۱۰۴۴۹ شدت ضرورت کی بناء پر گائے کے پیشاب سے علاج کرنا ۳۲۲
۱۰۴۵۰ شراب کی عادت چھڑانے کے لیے کوّے کا خون پلانا ۳۲۳
۱۰۴۵۱ بکرے کے خصیے بطور علاج کھانا ۳۲۴
۱۰۴۵۲ گدھی کے دودھ سے علاج ۳۲۵
۱۰۴۵۳ مرغے کے خون کا سفوف دوا کے طور پر استعمال کرنا ۳۲۶
۱۰۴۵۴ جان بچانے کے لیے خنزیر کا گوشت کھانا ۳۲۷

۵/باب الرقیة

۱۰۴۵۵	نظر کی حقیقت	۳۲۸
۱۰۴۵۶	کیا تعویذ پہننا حرام ہے؟	۳۲۹
۱۰۴۵۷	کیا تعویذ پہننا بدعت ہے؟	۳۳۰
۱۰۴۵۸	گلے میں تعویذ لٹکانا	۳۳۱
۱۰۴۵۹	تعویذ گنڈے کا حکم	۳۳۲
۱۰۴۶۰	تعویذ گنڈا کرنا	۳۳۳
۱۰۴۶۱	تعویذ گنڈے کو کمائی کا ذریعہ بنانا	۳۳۵
۱۰۴۶۲	مؤکلوں کے ذریعہ علاج کرنا	۳۳۶
۱۰۴۶۳	مجہول العقیدہ والے سے تعویذ گنڈا کرانے کا حکم	۳۳۸
۱۰۴۶۴	مزاروں سے علاج کرانا	۳۴۰
۱۰۴۶۵	وبائی امراض کے ازالہ کے لیے تعویذ دینا	۳۴۱
۱۰۴۶۶	ناپاکی کی حالت میں تعویذ پہنے رہنا	۳۴۲
۱۰۴۶۷	پانی پر دم کرا کے درو دیوار پر چھڑکنا	۳۴۳
۱۰۴۵۳	تعویذ لکھنے میں دھوکہ دینا	۳۴۳
۱۰۴۶۹	تعویذ سے متعلق چند سوالات	۳۴۴
۱۰۴۷۰	موذی چیزوں کو بھگانے کے لیے حضرت سلیمان کی قسم دینا	۳۴۶
۱۰۴۷۱	نظر بد سے بچانے کے لیے بچوں کو کالا ٹیکہ لگانا	۳۴۷
۱۰۴۷۲	کافر عامل سے سحر کا علاج کرانا	۳۴۷
۱۰۴۷۳	جھاڑ پھونک کے معاملہ پر عورت سے بدگمان ہونا	۳۴۸

۱۰۴۷۴　تعویذ کے ذریعہ کسی کوملزم یا چور ثابت کرنے کی شرعی حیثیت ....　۳۴۹

۱۰۴۷۵　سامان چوری ہونے پرنام نکلوانا ....　۳۵۰

(٦) باب الأجرة على الرقية

۱۰۴۷۶　تعویذ پراجرت لینا ....　۳۵۲

۱۰۴۷۷　تعویذ کے عوض روپیہ لینا ....　۳۵۲

۱۰۴۷۸　تعویذ گنڈے کی اجرت کا حکم ....　۳۵۳

۱۰۴۷۹　تعویذ لکھنےاوراس کی اجرت کا حکم..........　۳۵۴

۱۰۴۸۰　درس کومنقطع کر کے تعویذ لکھ کراجرت لینا ....　۳۵۵

۱۰۴۸۱　قرآنی آیاتِ شفاونقوش لکھ کرمریض کوپلانااوراس کی اجرت لینا.....　۳۵۶

۱۰۴۸۲　تعویذات کے ذریعہ علاج اوراس کی اجرت کا حکم ....　۳۵۷

۱۰۴۸۳　مؤکل کے ذریعہ علاج اوراس کی اجرت کا شرعی حکم ....　۳۵۸

۱۰۴۸۴　تعویذ پراجرت لینے والے امام کے پیچھے نماز کا حکم ....　۳۶۰

٤١ / كتاب الحظر والإباحة

(۱) باب السلام، والمصافحة والمعانقة

۱۰۴۸۵　فردواحدکوالسلام علیکم کہنے کا حکم ....　۳۶۲

۱۰۴۸۶　سلام میں مغفرتہ کے اضافہ کا حکم ....　۳۶۳

۱۰۴۸۷　محفل میں آکرسلام علیکم کہنا ....　۳۶۶

۱۰۴۸۸　غیرمحرم مردوعورت کوسلام کرنا..........　۳۶۷

۱۰۴۸۹　اجنبی کے گھر میں دخول کے لیے سلام اوراجازت دونوں ضروری .....　۳۶۸

۱۰۴۹۰	کیا مسجد میں داخل ہوتے ہی سلام کرنا مسنون ہے؟	۳۶۹
۱۰۵۰۵	سلام، مصافحہ ومعانقہ کا مسنون طریقہ	۳۷۰
۱۰۵۰۶	مصافحہ کا صحیح طریقہ	۳۷۰
۱۰۵۰۷	مصافحہ کا سنت طریقہ	۳۷۱
۱۰۵۰۸	دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کی حدیث	۳۷۳
۱۰۵۰۹	مصافحہ کے بعد سینہ پر ہاتھ رکھنا	۳۷۳
۱۰۵۱۰	مصافحہ کر کے سینہ پر ہاتھ رکھنا	۳۷۴
۱۰۵۱۱	رخصتی مصافحہ کا ثبوت	۳۷۵
۱۰۵۱۲	عورت مرد کا آپس میں مصافحہ کرنا	۳۷۶
۱۰۵۱۳	عیدین اور دیگر نمازوں کے بعد مصافحہ یا معانقہ	۳۷۷
۱۰۵۱۴	معانقہ کرنے کا سنت طریقہ	۳۷۸
۱۰۵۱۵	معانقہ کا سنت طریقہ	۳۷۹
۱۰۵۱۶	معانقہ کب مسنون ہے؟ اور معانقہ کا سنت طریقہ؟	۳۸۱
۱۰۵۱۷	تین مرتبہ معانقہ کی شرعی حیثیت	۳۸۲
۱۰۵۱۸	خط میں سلام مسنون لکھنا	۳۸۳
۱۰۵۱۹	فون پر سلام وجواب کے سلسلے میں تفصیلی مسائل	۳۸۵
۱۰۵۲۰	ٹیلیفون پر ہیلو کے بجائے السلام علیکم کہنے سے متعلق مفصل فتویٰ ...	۳۸۶
	ایک شبہ	۳۸۷
	شبہ کا ازالہ	
	ایک دوسرا شبہ	
	شبہ کا ازالہ	

رقم المسئلة	۲ / باب الصلة و المقاطعة	صفحه

۱۰۵۲۱ قاتل کے اہل خانہ کا مقتول کے ورثہ کے ساتھ صلہ رحمی کرنے کی شکل ۴۱۷
۱۰۵۲۲ معافی طلب کرنے والے کو معاف کر دینا چاہئے ۴۱۹
۱۰۵۲۳ غلطی پر نادم ہو کر معافی مانگنے والے سے قطع تعلق کرنا ۴۲۰
۱۰۵۲۴ والد کی مرضی کے مطابق بیٹے کا رشتہ نہ کرنے کی وجہ سے والد کی اس سے ناراضگی ۴۲۲
۱۰۵۲۵ قطع تعلق کرنا ۴۲۴
۱۰۵۲۶ قطع تعلق کی شکل اختیار کرنا ۴۲۵
۱۰۵۲۷ مقاطعہ ختم کرنے کے لئے شرطیں لگانا ۴۲۷
۱۰۵۲۸ گناہ کی بنا پر والدہ سے قطع تعلق کرنا ۴۲۷
۱۰۵۲۹ اسلام کا مذاق اڑانے اور ماڈرن طریقہ کو پسند کرنے والے سے قطع تعلق کرنا ۴۲۹
۱۰۵۳۰ بیٹے کی زبان درازی پر اس سے اور بیوی سے قطع تعلق کرنا ۴۳۰
۱۰۵۳۱ بالغ نامحرم کو متبنی بنا کر رکھنے والی عورت سے قطع تعلق کرنا ۴۳۲
۱۰۵۳۲ دوستی و دشمنی میں مبالغہ کرنا ۴۳۳
۱۰۵۳۳ بغض و کینہ کے بغیر قطع تعلق کا حکم ۴۳۵
۱۰۵۳۴ لڑکی کے جرم کی وجہ سے والد کا بائیکاٹ کرنا ۴۳۶
۱۰۵۳۵ ناراضگی میں فون پر بات نہ کرنا ۴۳۷
۱۰۵۳۶ محض میٹنگ میں شرکت کرنے کی وجہ سے مقاطعہ ۴۳۸
۱۰۵۳۷ آپسی رنجش کی وجہ سے ترک کلام ۴۳۹
۱۰۵۳۸ تین دن سے زائد قطع تعلق کر لینا جائز ہے؟ ۴۴۱

۱۰۵۳۹ بے نمازی سے ترک تعلق کرنا ۴۴۲
۱۰۵۴۰ مسلمانوں کی آبرو ریزی کرنے والے سے قطع تعلق کرنا ۴۴۳
۱۰۵۴۱ راستہ تنگ کرنے کی وجہ سے ترک کلام ۴۴۵
۱۰۵۴۲ سود پر قرض دینے والوں سے قطع تعلق کرنا ۴۴۶
۱۰۵۴۳ منکرات والی شادی میں عدم شرکت اور داعی کا بائیکاٹ ۴۴۷
۱۰۵۴۴ لاعلمی میں خنزیر کا گوشت کھانے والے سے قطع تعلق ۴۴۹
۱۰۵۴۶ خنزیر کے بالوں کا برش بنانیوالے سے قطع تعلق کرنا ۴۵۰
۱۰۵۴۷ بدکار بہن سے قطع تعلق اور وراثت سے محروم کرنا ۴۵۱
۱۰۵۴۸ بھانجی سے ناجائز تعلق قائم کرنے والے سے قطع تعلق ۴۵۲
۱۰۵۴۹ مطلقہ بیوی کو ساتھ رکھنے والے سے قطع تعلق کرنا ۴۵۴
۱۰۵۵۰ مطلقہ ثلثہ کو ساتھ رکھنے والے سے قطع تعلق کرنا ۴۵۵
۱۰۵۵۱ طلاق ثلاثہ کے بعد حلالہ کے بغیر ساتھ رہنے والے سے قطع تعلق کرنا ۴۵۶

۳/ باب اللباس

۱۰۵۵۲ اسلام میں ٹوپی پہننا کیسا ہے ۴۵۸
۱۰۵۵۳ ٹوپی پہننے کا ثبوت حدیث شریف سے ۴۵۹
۱۰۵۵۴ کیا حضور ﷺ کی ٹوپی گول تھی؟ ۴۶۰
۱۰۵۵۵ اسلامی ٹوپی کیسی ہو اور حضور ﷺ کی ٹوپی کیسی تھی؟ ۴۶۱
۱۰۵۵۶ اکابر دارالعلوم دیوبند کی ٹوپیاں کیسی تھیں؟ ۴۶۱
۱۰۵۵۷ دیوبندی ٹوپی سے متعلق چند سوال وجواب ۴۶۳

۱۰۵۵۸ گول ٹوپی اور لمبی ٹوپی کا ثبوت ۴۶۵
۱۰۵۵۹ کن کن اوقات میں ٹوپی پہننا مسنون ہے؟ ۴۶۶
۱۰۵۶۰ عام حالات ومجالس میں ٹوپی پہننے کا حکم ۴۶۷
۱۰۵۶۱ بلاعذر عام حالات میں ننگے سر رہنا ۴۶۸
۱۰۵۶۲ گنبد خضری یا غلاف کعبہ کے رنگ کی ٹوپی پہننا ۴۶۹
۱۰۵۶۳ کسی قوم سے مشابہت کا مطلب ۴۷۰
۱۰۵۶۴ مسنون لباس ۴۷۱
۱۰۵۶۵ ٹائی باندھنا ۴۷۴
۱۰۵۶۶ ٹائی باندھنا ۴۷۵
۱۰۵۶۷ کلی دار کرتا ۴۷۶
۱۰۵۶۸ نصف ساق یا ٹخنوں تک کرتا پہننے کا حکم ۴۷۶
۱۰۵۶۹ ٹخنوں سے نیچے کپڑا پہننے کا حکم ۴۷۸
۱۰۵۷۰ ٹخنے کے نیچے لنگی یا پاجامہ پہننا ۴۷۸
۱۰۵۷۱ کیا موزے ٹخنوں کے نیچے کپڑے پہننے کی وعید میں شامل نہیں؟ ۴۷۹
۱۰۵۷۲ نیچے چاک والا کرتا پہننا کیا خلاف سنت ہے؟ ۴۸۰
۱۰۵۷۴ گریبان کے بٹن کھلے رکھنا ۴۸۳
۱۰۵۷۵ مردوں کے لئے پھول بوٹے والے کپڑے استعمال کرنے کا حکم ۴۸۵
۱۰۵۷۶ پینٹ پتلون پہننا کیسا ہے؟، اسکو چھڑانے کا طریقہ اور شرعی لباس ۴۸۶
۱۰۵۷۷ مردوں کے لئے چست لباس پہننے سے متعلق چند سوالات کے جوابات ۴۸۹
۱۰۵۷۸ مردوں کے لئے کالا لباس پہننا ۴۹۱
۱۰۵۷۹ سرخ کپڑا پہننے اور حدیث کو نہ ماننے کا حکم ۴۹۲

۱۰۵۸۰ پنجابی سوٹ پہننے کا حکم ۴۹۴
۱۰۵۸۱ عورتوں کے لئے شوہر و باپ، بھائی کا چست لباس لا کر دینا ۴۹۵
۱۰۵۸۲ عورتوں کا کالا برقعہ اور کالا کپڑا پہننا ۴۹۶
۱۰۵۸۳ مزین برقعوں کے استعمال کی شرعی حیثیت ۴۹۸
۱۰۵۸۴ ڈیزائن والے برقعے پہننے اور ان کی خرید وفروخت کرنے کا حکم ۴۹۹
۱۰۵۸۵ بحالت حیض ونفاس مہندی وسنگار کرنا، نیز شادی شدہ کے لئے سفید کپڑے پہننے کا حکم ۵۰۰
۱۰۵۸۶ قیمتی کپڑے کو بطور زینت پاپوش کے لئے استعمال کرنا ۵۰۱
۱۰۵۸۷ درزی کا مختلف نوع کے لباس سینا ۵۰۲
۱۰۵۸۸ مور کی تصویر بنے ہوئے کپڑے کو کیا کریں؟ ۵۰۳

٤/ باب الزينة

۱۰۵۸۹ عطر لگانے کا مسنون طریقہ ۵۰۵
۱۰۵۹۰ پرفیوم کا استعمال ۵۰۵
۱۰۵۹۱ سینٹ کا استعمال کیسا؟ ۵۰۶
۱۰۵۹۲ مرد کا ہاتھوں اور بالوں میں مہندی لگانا ۵۰۸
۱۰۵۹۳ سر، داڑھی، ہاتھ، پیر میں مہندی لگانے کا حکم ۵۰۹
۱۰۵۹۴ ٹیٹو کا شرعی حکم ۵۱۰
۱۰۵۹۵ کیا زندگی میں سوا کلو یا سوا سیر سرمہ لگانا سنت ہے؟ ۵۱۱
۱۰۵۹۶ عورتوں کا فیشن کرنا ۵۱۲
۱۰۵۹۷ عورتوں کی فیشن ایبل جوتیوں کا حکم ۵۱۳

۱۰۵۹۸ سینٹ اور چمکدار ہونٹ پالش کا حکم ۵۱۴
۱۰۵۹۹ عورتوں کا لبوں پر سرخی لگانا ۵۱۵
۱۰۶۰۰ عورتوں کا لپ اسٹک لگا کر باہر نکلنا ۵۱۶
۱۰۶۰۱ عورتوں کے لئے لپ اسٹک کے استعمال کا حکم ۵۱۷
۱۰۶۰۲ عورتوں کا لبوں پر سرخی لگانا جائز ہے یا ناجائز؟ ۵۱۸
۱۰۶۰۳ شوہر کو خوش کرنے کے لئے کالا خضاب لگانا ۵۱۹
۱۰۶۰۴ لڑکیوں کے لئے مردانہ جوتے پہننے کا حکم ۵۲۱
۱۰۶۰۵ بیوی کا شوہر کے لئے زینت کرنے کا حکم ۵۲۲
۱۰۶۰۷ مسلمان عورتوں کا سندور لگانا ۵۲۳
۱۰۶۰۸ عورتوں کے لئے مہندی لگانا ۵۲۴
۱۰۶۰۹ مرد وعورت کو مہندی لگانے کا حکم ۵۲۵
۱۰۶۱۰ پیشانی پر بندی لگانا، چوڑی اور لونگ پہننا کیسا ہے؟ ۵۲۵
۱۰۶۱۱ عورت کا کلائیوں اور پنڈلیوں کے بال صاف کرنا ۵۲۷
۱۰۶۱۲ ناپاکی کی حالت میں بال یا ناخن کاٹنے کا حکم ۵۲۸

۵/ باب الحجاب

۱۰۶۱۳ شرعی پردہ اور محرم شرعی کی تفصیل ۵۲۹
۱۰۶۱۴ پردہ کا شرعی حکم اور اس میں سختی برتنا ۵۳۱
۱۰۶۱۵ پردہ کے چاروں اقسام کے احکام ۵۳۳
۱۰۶۱۶ پردہ کے کتنے درجات ہیں؟ ۵۳۶
۱۰۶۱۷ عورت کے ستر کی حد اور محارم سے پردہ کا حکم ۵۳۸

۱۰۶۱۸ عورت پرکن کن سے پردہ لازم ہے؟ ۵۳۹

۱۰۶۱۹ شریعت میں کن کن لوگوں سے پردہ کا حکم ہے؟ ۵۴۱

۱۰۶۲۰ کتنے سال کی عمر سے پردہ کرنا ضروری ہے؟ ۵۴۳

۱۰۶۲۱ ستر عورت سے متعلق حدیث ۵۴۴

۱۰۶۲۲ الحمو الموت کی تشریح ۵۴۶

۱۰۶۲۳ گھر کے اندر پردے سے متعلق تفصیلی مسئلہ ۵۴۸

۱۰۶۲۴ محرم وغیر محرم رشتہ دار سے پردہ کا حکم ۵۵۰

۱۰۶۲۵ سوتیلی ماں اوراس کے رشتہ داروں سے پردہ ہے یانہیں؟ ۵۵۲

۱۰۶۲۶ مرد کا مرد کے سامنے ستر عورت کھولنے کا حکم ۵۵۳

۱۰۶۲۷ کیا برقعہ ہی سے پردہ ہوتا ہے؟ ۵۵۶

۱۰۶۲۸ برقعہ میں ہاتھ اورآنکھوں کوکھلا رکھنا ۵۵۷

۱۰۶۲۹ سر پر دوپٹہ اوڑھنا ۵۵۷

۱۰۶۳۰ لڑکیوں کا ننگے سر رہنے اوردوپٹہ کندھے پر رکھنے کا حکم ۵۵۸

۱۰۶۳۱ دوران سفر عورتوں کا ہتھیلیوں اورقدمین کوکھلا رکھنا ۵۵۹

۱۰۶۳۲ ساس کا داماد سے پردہ نہیں ۵۶۰

۱۰۶۳۳ کیا ساس کوداماد سے پردہ کا حکم ہے؟ ۵۶۱

۱۰۶۳۴ چچی سے پردہ ہے یانہیں؟ ۵۶۲

۱۰۶۳۵ بھابھی دیور کا پردہ ہے یانہیں؟ ۵۶۳

۱۰۶۳۶ خسر اوربہو کا نمائشوں وبازاروں میں ایک ساتھ گھومنا ۵۶۴

۱۰۶۳۷ نامحرم لڑکیوں کے ساتھ کاروبار کرنے کا حکم ۵۶۶

۱۰۶۳۸ دفاتر میں کام کرنے والی عورتوں پر نظر پڑ جانا کیسا؟ ۵۶۷
۱۰۶۳۹ عورتوں کا بغیر محرم کے اجتماعات، قرآن خوانی ونشرح کی مجلس میں جانا....... ۵۶۹
۱۰۶۴۰ عورتوں کا بازار جانا ۵۷۰
۱۰۶۴۱ بلامحرم عورت کے لئے جہاز کا سفر ۵۷۱
۱۰۶۴۲ نامحرم کے ساتھ غیر شرعی سفر کرنا ۵۷۳
۱۰۶۴۳ بے پردہ پھرنے والی عورتوں کو دیکھنا ۵۷۴
۱۰۶۴۴ عورتوں کی ملازمت کا شرعی حکم ۵۷۵
۱۰۶۴۵ عورتوں کا گاڑی چلانا ۵۷۶
۱۰۶۴۷ ملازم سے پردہ واجب ہے یانہیں؟ ۵۷۷
۱۰۶۴۸ غیر محرم عورتوں کو چوڑی پہنانا ۵۷۸

٦/ باب مایتعلق بالشعر (بالوں سے متعلق)

۱۰۶۴۹ بال رکھنے کا مسنون طریقہ ۴۸۰
۱۰۶۵۰ کیا بیچ سر میں مانگ نکالنا مرد وعورت دونوں کے لئے سنت ہے ۵۸۱
۱۰۶۵۱ زیب وزینت کے لئے بار بار مانگ نکالنا اور مانگ نکالنے کا سنت طریقہ ۵۸۲
۱۰۶۵۲ عورت مانگ کس طرح نکالے؟........................ ۵۸۴
۱۰۶۵۳ لڑکیوں کے بال کس عمر تک مونڈنے کی اجازت ہے؟ ۵۸۵
۱۰۶۵۴ سفید بال مؤمن کا نور ۵۸۶
۱۰۶۵۵ سفید بال والے اور تین قسم کے لوگوں کے اعزاز واکرام کا لزوم ۵۸۷
۱۰۶۵۶ غیر مجاہدین کے لئے مونچھیں بڑھانا ۵۸۸

١٠٦٥٧ سر پر دو چوٹیاں باندھنا ۵۸۹
١٠٦٥٨ عورتوں کا دو چوٹیاں باندھنا ۵۹۱
١٠٦٥٩ مسلم عورتوں کا مانگ میں افساں لگانا ۵۹۲
١٠٦٦٠ بچیوں کے سروں پر پھول باندھنے اور دو چوٹیوں کا حکم ۵۹۲
١٠٦٦١ گدی یا گردن کے بال استرے سے صاف کرنا کیسا؟ ۵۹۳
١٠٦٦٢ سینہ کا بال صاف کرنا کیسا؟ ۵۹۴
١٠٦٦٣ عورت کا شوہر کو خوش کرنے کے لئے بدن کے بال صاف کروانا ۵۹۵
١٠٦٦٤ بیوی کو خوش کرنے کے لئے سینہ کے بال صاف کرنا ۵۹۶
١٠٦٦٥ بال کٹوانے کے بعد سر پر استرہ پھیرنا ۵۹۷
١٠٦٦٦ سر منڈانا کیسا ہے؟ ۵۹۸
١٠٦٦٧ سفید بالوں پر پیلا خضاب لگانا زیادہ بہتر ہے یا سفید حالت میں چھوڑ دینا؟ ٦٠١
١٠٦٦٨ سیاہ خضاب کی شرعی حیثیت ٦٠٣
١٠٦٦٩ بیوی کو خوش کرنے کے لئے امام صاحب کا خضاب لگانا ٦٠٨
١٠٦٧٠ داڑھی پر سیاہ خضاب لگانے کا حکم ٦٠٩
١٠٦٧١ بیوی کی خوشنودی کے لئے کالا خضاب لگانا ٦١٠
١٠٦٧٢ شوہر کو خوش کرنے کے لئے بیوی کا خضاب لگانا ٦١١
١٠٦٧٣ سخت کھجلی کی بناء پر سر میں کالا خضاب لگانا ٦١٢
١٠٦٧٤ کیا غیر شادی شدہ نوجوان کالا خضاب لگا سکتا ہے؟ ٦١٣
١٠٦٧٥ رشتہ کی غرض سے داڑھی اور بالوں میں کالا خضاب لگانا ٦١٤
١٠٦٧٦ کن چیزوں سے موئے زیر ناف کو صاف کیا جا سکتا ہے؟ ٦١٥
١٠٦٧٧ مرد کے لئے بال صفا اشیاء استعمال کرنے کا حکم ٦١٦

۱۰۶۷۸ مردوں کے لئے زیرناف بال صاف کرنے کے لئے کیمیکل استعمال کرنے کا حکم ۶۱۷
۱۰۶۷۹ عورت موئے زیرناف کیسے صاف کرے؟ ۶۱۸
۱۰۶۸۰ زیرناف وبغل کے بال ندی نالے میں پھینکنا ۶۱۸
۱۰۶۸۱ بچہ کے سر پر جو بال ماں کے پیٹ سے آتے ہیں ان کو کیا کیا جائے؟ ۶۱۹
۱۰۶۸۲ عورتوں کے بال خرید کر چوٹی بنا کر بیچنا ۶۲۰
۱۰۶۸۳ وگ لگانے کا شرعی حکم ۶۲۱

۷/ باب ما يتعلق باللحية

۱۰۶۸۴ داڑھی کی شرعی حیثیت اور اس کی حد ۶۲۵
۱۰۶۸۵ داڑھی کی شرعًا کیا حثیت ہے؟ ۶۲۷
۱۰۶۸۶ ایک مشت داڑھی رکھنا واجب ہے یا سنت؟ ۵۲۹
۱۰۶۸۷ داڑھی کی واجب مقدار ۵۳۰
۱۰۶۸۸ کیا داڑھی رکھنا دلیل قطعی سے ثابت ہے؟ ۶۳۲
۱۰۶۸۹ داڑھی کے وجوب کی دلیل کیا ہے؟ ۶۳۳
۱۰۶۹۰ داڑھی کی حدبندی کا حدیث سے ثبوت ۶۳۵
۱۰۶۹۱ کیا حدیث شریف میں داڑھی کی مقدار کی کوئی حدبندی نہیں ہے؟ ۵۳۶
۱۰۶۹۲ شرعی داڑھی کی تحقیق ۶۳۷
۱۰۶۹۳ داڑھی کی شرعی مقدار اور اس میں خضاب کا مسئلہ ۶۴۰
۱۰۶۹۴ صرف ہڈی پر داڑھی رکھنے کا حکم ۶۴۲
۱۰۶۹۵ داڑھی بچہ کے کاٹنے کا حکم ۶۴۴
۱۰۶۹۶ داڑھی بھر کر آئے اس نیت سے کترنا کیسا ہے؟ ۶۴۵

۱۰۶۹۷ داڑھی کے بال اگانے کے لئے استرا پھروانا ۶۴۵
۱۰۶۹۸ عورتوں کو داڑھی یا مونچ نکل آئے تو کاٹنا کیسا ہے؟ ۶۴۶
۱۰۶۹۹ داڑھی ایک مشت سے زائد کاٹنا اور گولائی کرنا ۶۴۷
۱۰۷۰۰ داڑھی کے بال توڑ کر پھینکنے کی حکمت ۶۴۹
۱۰۷۰۱ رخسار اور حلق کے بال منڈانا ۶۵۰
۱۰۷۰۲ داڑھی مونڈوانا کیسا ہے؟ ۶۵۰
۱۰۷۰۳ داڑھی ہوتے ہوئے کوئی غلط کام ہوجانے کے خوف سے داڑھی نہ رکھنا ۶۵۱
۱۰۷۰۴ جس کمپنی میں داڑھی کی اجازت نہ ہو، اس میں ملازمت ۶۵۳
۱۰۷۰۵ داڑھی رکھنے کی وجہ سے نوکری سے نکالنے لگے تو کیا حکم ہے؟ ۶۵۴
۱۰۷۰۵ سرحد پار کرنے کے لئے داڑھی منڈوانے کی گنجائش ۶۵۵
۱۰۷۰۵ داڑھی مونڈنے والے نائی کی اجرت کا جواز ۶۵۶

بقية كتاب الحقوق

(۴) باب حقوق الزوجين

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا أَبَدًا ☆ عَلٰى حَبِيبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

میاں بیوی کے حقوق

سوال: [۱۰۲۴۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید اپنی بیوی سے اگر کسی کام کو کہتا ہے، تو بیوی کہنا نہیں مانتی اور غلط الفاظ بولتی ہے اور یہ کہتی ہے کہ میرے منہ لگنے کی ضرورت نہیں ہے، اور کسی دوسرے کام کو کہتا ہے تو کہنے پر عمل نہیں کرتی اور اپنے پاس موبائل رکھتی ہے شوہر کی غیر موجوگی میں بات کرتی ہے، شوہر موبائل کو منع کرتا ہے، تو نہیں مانتی شوہر اپنی سسرال والوں سے شکایت کرتا ہے، تو داماد کو گالی گلوچ کرتے ہیں، اور لڑکی کی ہمدردی کرتے ہیں، اسی بنا پر شوہر بیوی میں جھگڑا رہتا ہے، ایسی بیوی کے بارے میں شرعاً کیا حکم ہے؟

المستفتي: اختر علی، بیر پور تھان، کاشی پور روڈ، ضلع: مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: میاں بیوی کی زندگی آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ محبت ومودت اور ایک دوسرے کی غلطیوں پر چشم پوشی اور مراعات کیساتھ صحیح طور پر گذرتی ہے لہٰذا شوہر پر لازم ہے، کہ بیوی کی غلطیوں کو درگذر کرتا رہے، اور اس کے ساتھ خیر خواہی کا معاملہ کرتا رہے، اسلئے کہ اس کو ٹیڑھی پسلی سے پیدا کیا گیا ہے، ان کے اندر

ٹیڑھاپن باقی رہے گا، اور گھر کو بگڑنے سے بچانے کا یہی طریقہ ہے، کہ بیوی کی غلطیوں پر چشم پوشی کی جائے، اور اپنے غصہ کو ہضم کیا جائے، اور بیوی پر ضروری ہے کہ اپنے آپ کو غیر محرموں سے دور رکھے اور حلال وحرام کے معاملہ میں شوہر کی مرضی کی خلاف ورزی نہ کرے، اور نافرمانی کرنے پر شوہر کو سرزنش کرنے کا بھی حق ہے۔

قال صلی اللہ علیه وسلم استوصوا بالنساء خیراً فإنهن خلقن من ضلع فإن ذهبت تقیمه کسرته، وإن ترکته لم یزل أعوج–وقوله– قال صلی اللہ علیه وسلم إذا دعا الرجل امرأته إلیٰ فراشه فأبت فبات غضبان لعنتها الملائکة حتی تصبح – قوله– وکون السیاسة بیده یقتضی أن یکون لهٗ تعزیرها وتأدیبها إذا بغت ولیأخذ بالأسهل فالأسهل، فالأول بالوعظ ثم الهجر فی المضجع یعنی ترک مضاجعتها ولایخرجها من بیته ثم الضرب غیر المبرح أی الشدید.

(حجة اللہ البالغہ، مکتبہ حجاز ۲/ ۳۵۳، ۳۵۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲ ر ذی الحجہ ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۸۹۲/۴۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۱۲/۲۲ھ

کیا بیوی شوہر کی ملکیت ہوتی ہے؟

سوال: [۱۰۲۴۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بیوی کے مرجانے کے بعد اس شخص نے دوسری شادی کرلی اس دوسری بیوی سے متعدد اولادیں پیدا ہوئیں جو بفضلہٖ تعالیٰ موجود ہیں، پہلی بیوی کا بچہ بھی نانا وغیرہ کی وفات کے بعد باپ کے گھر آ گیا جسکی اب عمر ۴۷ رسال ہے، اس جہیز کا تنہا پہلی بیوی کا لڑکا مالک ہے، یا باپ مالک ہے، یا مزید دوسری بیوی سے پیدا شدہ بچے بھی مالک ہیں، جبکہ باپ ۵۰ رسال سے اس مال کی حفاظت کررہا ہے، خرد برد نہیں ہونے دیا شرعی حکم کی ضرورت ہے، شرط یہ ہے کہ

جب لڑکی کو شوہر کے حوالہ کیا جاتا ہے، تو اسکی ملکیت بنا کر دی جاتی ہے، وہ جس طرح چاہے ظلم کے علاوہ اپنے تصرف میں لائے؟

المستفتي: محمد شجاع الدین، بھوجپور، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: شوہر کو بیوی پر ظلم کرنے کا کسی طرح حق نہیں ہے، نیز بیوی ملکیت بن کر نہیں جاتی ہے، بلکہ زندگی کا ساتھی بن کر جاتی ہے، اس کے ساتھ ہر طرح کی رواداری کا معاملہ کرنا شوہر پر واجب ہوتا ہے، حدیث شریف میں حضور ﷺ نے یہی حکم فرمایا ہے۔

عن سليمان بن عمرو بن الأحوص ، قال: حدثنا أبي ، أنه شهد حجة الوداع مع رسول الله ﷺ فحمد الله وأثنى عليه وذكر ووعظ ثم قال.......... ألا استوصوا بالنساء خيراً فإنما هن عوان عندكم ليس تملكون منهن شيئا غير ذلك الخ . (ترمذی شريف ، باب و من سورة التوبة ، النسخة الهندية ۱/ ۲۲۰، دار السلام رقم: ۳۰۸۷) **فقط اللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍ رجب ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/ ۳۲۴۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۳/۷/۸ھ

زوجین ایک دوسرے کو کیا کہہ کر پکاریں؟

سوال: [۱۰۲۴۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ رشتہ کی حیثیت سے بیوی کو کیا کہکر بلایا جائے، اور اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو بہن (دیدی) کہکر بلائے تو اس سے نکاح میں کوئی خرابی ہوگی یا نہیں؟ یہ بھی اگر فرط محبت کی وجہ سے ہو؟

المستفتي: محمد عبد الجلیل، جنتا میڈیکل ہال، فریکنگ نوگاؤں، آسام

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: شوہر کیلئے بیوی کونام لیکر پکارنا جائز ہے،لیکن بیوی کے لئے شوہر کونام لے کر پکارنا مکروہ ہے اور بیوی کو بہن یا دیدی کہہ کر پکارنا بھی مکروہ ہے۔

عن أبي تميمة الهجيمي ، أن رجلا قال لامراته: يا أخية ،فقال رسول الله ﷺ : أختک هی فکره ذلک ونهی عنه . (سنن أبي داؤد ، باب في الرجل يقول لامرأته يا اختى ،النسخة الهندية ۱/ ۳۰۱،دارالسلام رقم: ۳۲۱۰)

ويكره أن يدعو الرجل أباه وأن تدعو المرأة زوجها باسمه وفى الشامى، بل لابد من لفظ يفيد التعظيم كياسيدى ونحوه لمزيد حقهما على الولد والزوجة الخ. (الدرالمختار ، كتاب الحظر والإباحة، فصل فى البيع ،زكريا ۵۹۹/۹، كوئٹه ۲۹۷/۵، كراچی ۴۱۸/۶، الموسوعة الفقهية الكويتية ۳۳۸/۱۱، ۱۹۹/۴۵)

ويكره قوله يا ابنتى ويا أختى ونحوه وفى الشامية فقد صرحوا بأن قوله لزوجته يا أخية مكروه الخ. (الدرالمختار مع الشامى ، كتاب الطلاق، باب الظهار ، زكريا ۱۳۱/۵ ، كراچی ۴۷۰/۳، کوئٹه ۶۲۶/۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍ شعبان ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۳۹/۲۴)

شوہر کو تعظیماً بھائی کہنا

سوال: [۱۰۲۴۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر بیوی دوسرے شہر سے ٹیلیفون کرتی ہے تو وہ شوہر کے نام کے آگے یا بعد میں تعظیماً بھائی یا صرف صاحب لگا سکتی ہے یا نہیں؟ اس سے نکاح میں خرابی تو نہیں آتی ہے، شرعاً بیوی شوہر کو کیا کہہ سکتی ہے؟ مفصل بیان فرمائیں؟ نوازش ہوگی؟

المستفتي: محمد اسلام، بھٹی محلہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر تعظیم کیلئے بھائی کا لفظ شوہر کیلئے استعمال کیا جائے تو اس کی وجہ سے نکاح میں کوئی فرق نہیں آئے گا، البتہ شوہر کو سردار اور سرتاج وغیرہ کے الفاظ سے پکارنا زیادہ بہتر ہے۔

ویکره أن یدعو ''إلی قوله'' بل لابد من لفظ یفید التعظیم کیا سیدی ونحوه لمزید حقهما علی الولد والزوجة. (شامی فصل فی البیع، زکریا ۵۹۹/۹، کراچی ۴۱۸/۶، الموسوعة الفقهیة الکویتیة ۳۳۸/۱۱، ۱۹۹/۴۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/رمضان المبارک ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵۹۴/۳۱)

کیا بیوی کے گناہ میں شوہر بھی شریک ہے؟

سوال: [۱۰۲۵۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید پیسہ کمانے کیلئے دوسرے ملک مثلاً سعودیہ عرب کویت وغیرہ دوسال کے ایگریمنٹ کیساتھ گیا، اس درمیان بیوی اپنے نفس پر قابو نہ پاسکی اور غیر لوگوں کے ساتھ اس نے اپنی نفسانی خواہش پوری کرنا شروع کردی (زناکاری پر اتر گئی) تو آیا اس کی بیوی اپنے غلط عمل کی گنہگار تنہا ہوگی یا اس کا شوہر بھی اس جرم میں شامل ہوگا؟

المستفتي: محمد ضیاء الرحمٰن

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر زید عورت کی خوشی اور مرضی سے پیسہ کمانے کیلئے سعودیہ عرب، کویت وغیرہ گیا ہوا ہے، اور دوسال کا اگریمنٹ کرکے بیوی کی مرضی پر گیا ہے، تو ایسی صورت میں اس کی عدم موجودگی میں بیوی کے گناہوں میں مبتلا ہونے کی

ذمہ داری بیوی کے سر پر ہوگی ،شوہر پر نہیں ہوگی، اوراگر بیوی کی مرضی کے بغیر گیا ہوا ہے،تو ایسی صورت میں اس گناہ میں شوہر بھی شامل ہوگا، اس لئے کہ جوان بیوی کو چھوڑ کر چار مہینے سے زیادہ اس کی مرضی کے بغیر دور دراز سفر میں چلے جانا شرعاً ممنوع ہے اگر جانا پڑ جائے تو بیوی کو بھی ساتھ میں لیجانے کا حکم ہے۔

ولا يبلغ مدة الإيلاء إلا برضاها قال الشامي، ثم قولهٗ ، وهو أربعة أشهر يفيد أن المراد إيلاء الحرة، ويؤيد ذلك أن عمرؓ لما سمع في الليل امرأة تقول: فوالله لو لا الله تخشىٰ" فسأل عنها فإذا زوجها في الجهاد، فسأل بنته حفصة كم تصبر المرأة عن الرجل ؟ فقالت : أربعة أشهر فأمر أمراء الأجناد أن لا يتخلف المتزوج عن أهله أكثر منها. (شامی، كتاب النكاح، باب القسم ، زكريا ٤/ ٣٨٠، كراچی ٣/ ٢٠٣، الموسوعة الفقهية الكويتية٢٢/ ١٤٤، سنن سعيد بن منصور ، باب المغازى يطيل الغيبة عن أهله ،دارالكتاب العلمية بيروت ٢/ ١٧٤، رقم: ٢٤٦٢، مصنف عبدالرزاق ، المجلس العلمی ٧/ ١٥٢،رقم: ١٢٥٩٤، فتاوىٰ محموديه ڈابهيل ١٨/ ٥٩٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍ ذی الحجہ ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰؍۱۰۸۸۰)

شوہر کی اجازت کے بغیر بیوی کا اس کے جیب سے روپیہ نکالنا

سوال: [۱۰۲۵۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نے اپنی پہلی بیوی کو اس لئے طلاق دیدی کہ وہ میری جان لینے پر تلی ہوئی تھی، اوراس نے مجھ پر جھوٹے الزامات لگا کر جیل بھی بھیجا میں نے دوسری شادی ایک غریب لڑکی سے کی، اسے لکھا یا پڑھایا اور لکچرر کی نوکری بھی دلوائی کیونکہ میں ملازمت سے سبکدوش ہونے والا تھا، مجھے ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد (۲۰) لاکھ روپئے بھی ملے اس رقم سے میں نے دوسری

بیوی کے نام سے دومنزلہ مکان بھی تعمیر کیا جس کی وجہ سے تین لاکھ کا قرضہ بھی ہوگیا، اس قرض کی وجہ سے اس نے مجھے گھر سے نکال دیا؟

(۱) اگر بیوی شوہر کے جیب (پاکٹ) میں سے بغیر اجازت کے نقد رقم، ATM کے دو بینکوں کے کارڈ اور شناختی کارڈ نکال لے اور اسے واپس کرنے سے انکار کردے، اور شوہر کو گھر سے نکال دے تو ایسی بیوی کے متعلق اسلام میں کیا احکامات ہیں؟

(۲) اگر بیوی اپنے شوہر پر یہ غلط اور بے بنیاد الزام لگائے کہ شوہر اس کی سگی بہن کے ساتھ اسکے ناجائز تعلقات ہیں، تو شوہر کو بیوی کیساتھ اسلام کی روشنی میں کیا سلوک کرنا چاہئے؟

المستفتی: ڈاکٹر رحیم رامش،
مکان نمبر ۱۵۷-۶-۲ محلّہ: نوگاؤں بستی،
کاغذنگر، تلنگانہ، ضلع عادل آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بیوی کا شوہر کی اجازت کے بغیر اسکی جیب سے نقد رقم نکالنا اور اے، ٹی، ایم کارڈ جس سے بینکوں سے پیسے نکالے جاتے ہیں، ان سب کو نکال کر اپنے قبضہ میں لے لینا قطعاً جائز نہیں ہے، جبکہ شوہر اپنی حیثیت اور معیار کے اعتبار سے بچوں پر از خود خرچہ کرتا ہو، بیوی پر لازم ہے، کہ وہ ساری چیزیں رضا کارانہ طور پر شوہر کے حوالہ کردے، ورنہ چوری اور غصب کے حکم میں داخل ہوکر بیوی سخت گنہگار ہوگی، اور طرح طرح کے الزامات لگا کر شوہر کو گھر سے باہر نکالنا انتہائی بیہودہ حرکت ہے، نیز یہ الزام لگانا کہ شوہر اسکی حقیقی بہن کیساتھ غلط تعلق کئے ہوئے ہے، یہ انتہائی حیاسوز بات ہے، ان سب باتوں سے بیوی کو توبہ کرنی چاہئے۔

لایجوز لأحد أخذ مال أحد بغیر سبب شرعي . (شامی، کتاب الحدود، باب التعزیر، زکریا ۱۰۶/۶، کراچی ۶۱/۴، هندیه زکریا قدیم ۱۶۷/۲، جدید ۱۸۱/۲، شرح المجلة رستم اتحاد ۶۲/۱، رقم: ۹۷)

عن عروة أن عائشة قالت: جاء ت هند بنت عتبة ، فقالت: يارسول الله ! إن أبا سفيان رجل مَسِّيكٌ ، فهل علي حرج أن أطعم من الذي له عيالنا ؟ قال: لا ، إلا بالمعروف. (بخاری شریف ، باب نفقة المرآة إذا غابت عنها زوجها، ونفقة الولد ، النسخة الهندية ۲/ ۸۰۷، رقم: ۵۱۵۰، رقم: ۵۳۵۹، صحيح مسلم، باب قضية هند ، النسخة الهندية ۲/ ۷۵، بيت الافكار رقم: ۱۷۱٤)

عن أبي الدرداءؓ قال: قال: رسول الله ﷺ من ذكر امرأً بما ليس فيه ليعيبه بما ليس فيه حبسه الله في نار جهنم حتى يأتي بنفاذ ماقال فيه .

(المعجم الأوسط، دارالفكر ٦/ ٣٢٧، رقم: ٨٩٣٦، مجمع الزوائد ٤/ ٣٦٣)

عن البراء بن عازبؓ قال قال رسول الله ﷺ: ...... وأربى الربا استطالة الرجل في عرض أخيه. (المعجم الأوسط ، دارالفكر ٥/ ٢٢٧،رقم: ٧١٥١، مصنف عبدالرزاق ، المجلس العلمي ٨/ ٣١٤، رقم: ٥٣٤٥، شعب الإيمان ، باب في قبض اليد عن الأول المحرمه ، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٣٩٥، رقم: ٥٥٢٢)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷ر محرم الحرام ۱۴۳۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۱۸۲۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۶/۱/۱۷ھ

نکاح کے بعد بیوی سے بات چیت کرنے کا حق

سوال: [۱۰۲۵۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کا نکاح تو ہوگیا لیکن رخصتی تین سال کے بعد ہوگی ،تو کیا زید کو بیوی کے والدین کے گھر میں داخل ہونے کی اجازت ہے یا نہیں ، زید کے تو سسر نے اپنے داماد کو گھر میں آنے کی اجازت دیدی ہے، اور یہ کہا کہ یہ اسکی چیز ہے، اب چاہے زید اس کو کچھ بھی لاکر دے، یا اس سے ملے جلے کچھ بھی کرے اسکی امانت ہے، لیکن زید کی ساس کی باتوں

سے ظاہر ہوتا ہے، کہ اس کا گھر میں آنا اس کو ناگوار گذرتا ہے، کیونکہ زید کی بیوی کے والدین کے یہاں کسی بھی آدمی کا بار بار آنا ناپسندیدہ سمجھا جاتا ہے، کیونکہ ان کے یہاں اس جیسی شادی اس سے پہلے نہیں ہوئی ہے، اور گھر پر جو بھی آتا ہے، وہ بیٹھک میں ہی بیٹھتا ہے اور زید جس وقت بھی سسر کے گھر جاتا ہے، ڈائریکٹ اندر داخل ہو جاتا ہے، اور گھر پر تمام عورتیں رہتی ہیں، اسلئے ان کا آنا نامناسب سمجھتی ہے، اور تقریباً سبھی گھر والے برا سمجھتے ہیں، جب تک کہ رخصتی نہ ہو!

المستفتي: محمد فاروق، نانگل سوتی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب نکاح ہوگیا ہے، تو اب زید کو اپنی بیوی کے پاس جانے اور اس سے بات چیت کرنے کا ہر حال میں حق ہے، لہٰذا خسر صاحب کی بات صحیح ہے نیز نکاح ہو چکا ہے، اب بیوی کو زید کے حوالہ کر دینا لازم ہے، بلاوجہ روکے رکھنے کی اجازت نہیں ہے، زید کی ساس کو اسلئے ناگوار گذرتا ہوگا کہ رخصتی سے قبل داماد کا گھر میں آنا جانا معاشرہ میں برا سمجھا جاتا ہے، اگر یہی بات ہے تو فوری رخصت کر دینا چاہئے، اور زید کیلئے اپنی بیوی کے پاس جانا اور ساس سے بات کرنا شرعی طور پر جائز ہے، ہاں البتہ غیر محرم عورتوں سے بات کرنا نکاح سے پہلے اور نکاح کے بعد رخصتی سے پہلے اور رخصتی کے بعد کسی حال میں بھی جائز نہیں ہے۔

هو عقد يفيد ملك المتعة أى حل استمتاع الرجل من امرأة قال الشامي: وهو اختصاص الزوج بمنافع بضعها وسائر أعضائها استمتاعاً.

(الدر المختار مع الشامي، كتاب النكاح، زكريا ٤/ ٦٠، و ٥٩، كراچی ٣/٣، الموسوعة الفقهية الكويتية٤١/ ٢٠٥)

وحرم على المتزوج " إلىٰ قوله " أم زوجته وجداتها بمجرد العقد الصحيح. (الدر المختار مع الشامي، كتاب النكاح، فصل في المحرمات،

زکریا٤/ ١٠٠، ١٠٤، کراچی ٣/٢٨، ٣٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵ ؍رجب ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳؍ ۵۳۹۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۶ ؍ ۷ ؍ ۱۴۱۸ھ

بیوی کی غیر شرعی شرائط پر عمل کرنا لازم نہیں

سوال: [۱۰۲۵۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عمر کی شادی ہوئی زینب کیساتھ زینب عمر کے گھر آتے ہی اپنے اوپر قبضہ دینے کیلئے یہ سب شرائط لگاتی ہے، مثلاً کہتی ہے، داڑھی کٹالو، شرعی لباس کو ترک کردو، مجھے سنیما دیکھنے کی اجازت دو، اگر یہ سب کام نہیں کرتے تو ہمیں طلاق دے دو، تو ایسی صورت میں عمر کیا کرے گا، آیا طلاق دیگا یا ان سب کاموں پر راضی ہو جائیگا، حالانکہ داڑھی کٹانا شرعاً منع ہے، اور طلاق دینا بھی شرعاً منع ہے؟

المستفتي: محمد اکرم، متعلم مدرسہ شاہی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عمر پر ایسی صورت میں بیوی کو طلاق دینا لازم نہیں ہے، اور نہ ہی بیوی کی شرائط پر عمل کرنا لازم ہے، بلکہ بیوی پر لازم ہے، کہ تمام شرائط واپس لے اور تابعدار بیوی بن کر شوہر کی ماتحتی کو قبول کرلے، اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں عورتوں کو شوہروں کی کھیتی قرار دیا ہے، اور شوہروں کو کھیت کا مالک قرار دیا ہے۔

نِسَاءُكُمْ حَرْثٌ لَكُمْ فَأْتُوْا حَرْثَكُمْ أَنّٰى شِئْتُمْ. (البقرۃ: ۲۲۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ ؍ ۳ ؍ ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱ ؍ ۳۸۹۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۹ ؍ ۳ ؍ ۱۴۱۵ھ

بیویوں کے درمیان مساوات کا حکم

سوال: [۱۰۲۵۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک آدمی کی دو بیویاں ہیں، اور وہ پہلی بیوی کو خرچ نہیں دیتے ہیں، اور اس کے ساتھ رہتے بھی نہیں ہیں، اور دوسری بیوی کو خرچ بھی دیتے ہیں، اور اس کے پاس رہتے ہیں، اور اب وہ یہ کہہ رہے ہیں، کہ تم دونوں میں سے کوئی بھی اگر دوسرے کے یہاں مزدوری کرنے جائے گی ،تو دونوں کو ایک دو تین طلاق اور پہلی بیوی کیلئے کوئی ذریعۂ آمدنی نہیں ہے، مزدوری کر کے وہ اپنی پرورش کرتی ہے، اب اس صورتحال میں پہلی بیوی کیا کرے گی، اور اگر وہ ایسی صورت میں دوسرے کے یہاں مزدوری کرنے جاتی ہے، تو کیا واقعی طلاق ہو جائیگی؟

المستفتی: نورالہدیٰ، وعبدالجبار،
متعلم مدرسہ حبیبہ، اسماعیل روڈ محلّہ:
اصالت پورہ، ضلع: مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: دونوں بیویوں کے درمیان رہائش میں، ساتھ رہنے میں، خرچ دینے میں برابری کرنا شوہر کے اوپر واجب ہے، اور برابری نہ کرنے سے شوہر سخت گنہگار ہوگا۔

فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً . (النساء: ۳)

نیز جب شوہر نے یہ کہہ دیا ہے کہ تم دونوں میں سے کوئی بھی اگر مزدوری کرنے جائیگی تو تین طلاق تو دونوں میں سے جو بھی جائے گی اس پر تین طلاق واقع ہو جائیگی ،خرچہ دونوں کا شوہر پر لازم ہے۔

وتنحل اليمين بعد وجود الشرط مطلقاً لكن إن وجد في الملك طلقت الخ. (درمختار، كتاب الطلاق، باب التعليق، مطلب هم الأضافة للتعريف لا

للتقیید ، زکریا ٤/٩ ٠ ٦ ، کراچی ٣/ ٣٥٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰ر صفر المظفر ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۶۰۲۳/۳۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۲/۱۰ھ

کیا شوہر کیلئے اپنی بیوی کے حصے کے مطالبہ کا حق ہے؟

سوال: [۱۰۲۵۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک خستہ حال مکان میں چار بہنیں حصہ دار ہیں یہ مکان چاروں بہنوں کو اپنے والد کی وراثت سے ملا ہے، چھوٹی بہن اس مکان میں رہتی ہے، چاروں بہنیں صحیح ہوش وحواس میں ہیں ایک بہن کے شوہر اپنا حصہ لینے کیلئے بضد ہیں، اس کے شوہر کو حصہ مانگنے کا کوئی حق پہونچتا ہے یا نہیں؟ اور اس خستہ حال مکان کی تعمیر کیلئے چاروں بہنیں تیار ہیں، سب کی رائے سے مکان کی تعمیر شروع ہوتی ہے، تو وہ یعنی اسی بہن کے شوہر تعمیر رکوا دیتے ہیں، ان کو تعمیر رکوانے کا کوئی حق پہونچتا ہے یا نہیں؟ تسلی بخش اور مفصل جواب عنایت فرمائیں؟ نوازش ہوگی۔

المستفتي: حافظ محمد سلمان،
تمباکو والان اسٹریٹ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: صاحب حق یعنی بیوی کی اجازت سے شوہر کو اپنی بیوی کی طرف سے وکالت کرکے بیوی کا حصہ بیوی کو دلانے کیلئے دوسرے لوگوں کو اس کے حصہ پر تعمیر کرنے سے روک لگانے کی اجازت ہے۔

ويجوز الوكالة في سائر الحقوق وكذا بإيفائها و استيفائها إلا في الحدود والقصاص . (هـدايه ، كتاب الوكالة ، اشرفي، ٣/ ١٧٧ ، شامي، زكريا ٨/ ٢٤٤،

کراچی ٥/ ١٣ ٥، البحرالرائق، زکریا ٧/ ٢٤٦، کوئٹه ٧/ ١٤٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/ جمادی الثانی ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۸۰۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۹/ ۶/ ۱۴۱۹ھ

شوہر بیوی کے کتنے جسم کا حقدار ہوتا ہے

سوال: [۱۰۲۵۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ شوہر بیوی کے پورے جسم کا حقدار ہوتا ہے، یا صرف شرمگاہ کا خلاصہ کریں، باندی کا حق بیوی سے زیادہ تھا یا کم یا برابر کا تھا؟

المستفتی: محمد حنیف، لال مسجد، سرائے ترین، سنبھل، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: شوہر کیلئے اپنی منکوحہ سے ہر قسم کا استمتاع درست ہے، لیکن وطی شرمگاہ یعنی آگے کے راستہ میں ہونی چاہئے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۲/ ۳۱۱، ڈابھیل ۱۸/ ۴۲۴)

یجوز له أن یلمس بجمیع بدنه حتیٰ بذکره جمیع بدنها ......**فکذا هي لها أن تلمس بجیمع بدنها**...... **جمیع بدنه حتی ذکره** . (شامی، کتاب الطهارة، باب الحیض زکریا ١/ ٤٨٧، کراچی ١/ ٢٩٣)

اور باندی کا حق بیوی سے کم تھا، اسی بناپر اگر کسی کے نکاح میں کوئی باندی تھی تو اسکے نکاح میں رہتے ہوئے آزاد عورت سے نکاح کرنا جائز تھا، البتہ اگر کوئی آزاد عورت نکاح میں ہوتی تو اسکے لئے آزاد عورت کے نکاح میں رہتے ہوئے باندی سے نکاح کرنا جائز نہیں تھا۔

(والحرة علی الأمة لا عکسه) أی حل إدخال الحرة علی الأمة و لا یحل إدخال الأمة علی الحرة المتزوجة بنکاح صحیح . (البحرالرائق، کتاب النکاح، فصل فی المحرمات، زکریا ٣/ ١٨٥، کوئٹه ٣/ ١٠٥، هندیه زکریا قدیم

۳۵۹/۱، جدید ۱/ ۳۴۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۵۷۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۴/۹ھ

شب زفاف میں بیوی سے ملاقات کے وقت دو رکعت نماز

سوال: [۱۰۲۵۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ شب زفاف میں بیوی کے پاس جا کر دو رکعت نماز نفل پڑھنا شرعاً کیا حکم رکھتا ہے، اس کا حدیث شریف سے ثبوت ہے یا نہیں؟ مفصل بیان فرمائیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: شب زفاف میں بیوی کے پاس جانے کے بعد ملاقات سے قبل دو رکعت نماز نفل پڑھنا درست ہے، اور حدیث شریف میں اسکا ثبوت ہے۔

عبدالرزاق عن الثوری عن الأعمش عن أبی وائل قال جاء رجل من بُجَیلة إلیٰ عبدالله فقال إنی قد تزوجت جاریة بکرا وإنی قد خشیت أن تفرکنی ، فقال عبد الله إن الإلف من الله ، وإن الفرک من الشیطان لیکره إلیه ما أحل الله له فإذا اُدخِلتُ علیک فمرها فلتصل خلفک رکعتین .

(مصنف عبدالرزاق ، المجلس العلمی۶/ ۱۹۱، رقم: ۱۰۴۶۰)

حدثنا ابن ادریس عن داؤد عن أبي نضرة عن أبی سعید مولی أبی أسید قال: تزوجت وأنا مملوک فدعوت نفرا من أصحاب النبی صلی الله علیه وسلم فیهم ابن مسعود ، وأبوذر وحذیفة ،قال وأقیمت الصلاة، قال فذهب أبو ذر لیتقدمُ فقالوا إلیک قال أو کذلک؟ قالوا، نعم قال فتقدمت إلیهم وأنا عبد مملوک وعلمونی فقالوا إذا أدخل علیک أهلک فصل رکعتین ثم سل الله تعالیٰ من خیر ما دخل علیک،وتعوذ به من شره ثم شأنک وشأن أهلک . (مصنف ابن ابي شیبة ، جدید موسهه علوم القرآن بیروت

۹/۳۳٤، ۳۳٥، رقم: ۱۷٤۳۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍صفر المظفر ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۴۲۳/۴۰)

شب زفاف میں بیوی کے ڈوپٹہ پر نماز پڑھنا

سوال: [۱۰۲۵۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ شب زفاف میں زوجہ کے خمار کولیکراس پر دورکعت نماز پڑھنا اوراپنا رومال اس کو دیدینا کہ اس سے عورت فرماں بردار رہے گی، کیا اس نماز کا ثبوت ہے، نیز حل ازار کے وقت کوئی دعا بھی منقول ہے یا نہیں؟ مفصل بیان کریں، مہربانی ہوگی؟

المستفتي: حسیب الرحمٰن، گوری نو ادا، فرخ آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: شب زفاف میں بیوی سے ملاقات کرنے سے قبل دورکعت صلوٰۃ الحاجۃ پڑھکر خیر و برکت اور محبت وموافقت کی دعا کرنا علماء نے لکھا ہے۔ (مستفاد: تحفۃ النکاح/ ۲۹)

مگر بیوی کے ڈوپٹہ پر پڑھنے کی بات کہیں نظر سے نہیں گذری اور حل ازار کے وقت کی دعا حدیث شریف میں منقول ہے جو ذیل میں درج ہے۔

عن ابن عباس يبلغ به النبي صلى الله عليه وسلم قال: لو أن أحدكم إذا أتى أهله قال: بسم الله اللّٰهم جنبنا الشيطان وجنب الشيطان ما رزقتنا، فقضى بينهما ولد لم يضره. (صحيح البخاري، كتاب الوضوء، باب التسمية، على كل حال ۱/۲٦، رقم: ۱٤۱، مصنف عبدالرزاق، المجلس العلمي بيروت ٦/۱۹۳، رقم: ۱۰٤٦٥، المعجم الكبير للطبراني، دار احياء التراث العربي بيروت ۱۱/٤۲۲، رقم: ۱۲۱۹٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍محرم الحرام ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳؍۵۱۳۶)

ہمبستری کے وقت قبلہ رو ہونے کا حکم

سوال: [۱۰۲۵۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بعض حضرات کا خیال ہے، کہ ہمبستری کے وقت قبلہ رو نہیں ہونا چاہئے، اور نہ پیٹھ قبلہ کی طرف ہونی چاہئے تو کیا یہ بات صحیح ہے، اگر یہ بات صحیح ہے تو کس طرف رخ کر کے ہمبستری کریں؟

المستفتي: زبیر مظاہری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ہمبستری کے وقت حتی الامکان یہ کوشش کرنی چاہئے کہ قبلہ کی طرف چہرا یا پیر نہ ہونے پائیں، کیونکہ یہ مکروہ ہے، لیکن مکان کی تنگی یا کسی اور عذر کی وجہ سے بوقت استنجاء بھی قبلہ کی طرف پشت کرنا جائز ہے، جبکہ عام حالات میں یہ مکروہ اور ممنوع ہے۔

ویکره مد الرجلين إلىٰ القبلة في النوم وغيره عمداً وكذا في حال مواقعة أهله. (شامی، باب الأنجاس، فصل في الأستنجاء، کراچی ۱/۳۴۱، زکریا ۱/۵۵۴، هندیه، زکریاقدیم ۵/۳۱۹، جدید ۵/۳۶۹، تاتارخانیة، زکریا ۱۸/۶۹، رقم: ۲۸۰۶۹)

فإن جلس مستقبلا لها ثم ذكره إنحرف إن أمكنه وإلا فلا بأس وفي الشامية أي وإن لم يمكنه فلا بأس والمراد نفي الكراهة أصلاً. (شامی، زکریا ۱/۵۵۴، کراچی ۱/۳۴۱، عنیة الطالبین مع ترجمة /۱۰۴، فتاویٰ محمودیه ۱۴/۳۹۷، ڈابھیل ۱۸/۶۲۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸ر رجب ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۳۶۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۸/۷/۹ھ

دوران حمل جماع کا حکم

سوال: [۱۰۲۶۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ شادی کے بعد میاں بیوی کے اندر جو سہاگ منایا جاتا ہے، (یعنی جماع کیا جاتا ہے) شرعاً اس کے بعد کتنے دن تک میاں بیوی جماع کر سکتے ہیں، کیونکہ حدیث میں ہے، کہ چالیس دن تک نطفہ رہتا ہے، پھر گوشت کا ٹکڑا چالیس دن تک اسی طرح چالیس چالیس دن میں اس کا ذکر فرمایا ہے، اب جماع کا حد تعین کیا ہے؟ اور آخری حد کیا ہے، اور جماع کے کتنے دن بعد میں حمل شمار ہوتا ہے؟ بیان فرمائیں؟

المستفتی: ابو درداء، امام مسجد علی بہادر خان، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس دن نطفہ ٹھہر جائے اسی وقت سے حمل کی مدت شمار ہوگی، اور حالت حمل میں اپنی زوجہ سے مجامعت کرنے میں کچھ حرج نہیں ہے، ساتویں آٹھویں نویں ماہ میں بھی مباشرت درست ہے، شرعاً کچھ ممانعت نہیں ہے، البتہ جس حالت میں مضرت ہو اس حالت میں بچنا بہتر ہے، شرعی ممانعت نہیں ہے۔

لو تضررت من كثرة جماعه لم تجز الزيادة على قدر طاقتها. (درمختار مع الرد المحتار، كتاب النكاح، باب القسم، زكريا ٤/ ٣٨٠، كراچی ٣/ ٢٠٣)

فعلم من هذا كله أنه لايحل له وطؤها بما يؤدي إلىٰ إضرارها. (شامی، كتاب النكاح، باب القسم، زكريا ٤/ ٣٨١، كراچی ٣/ ٢٠٤، البحرالرائق، زكريا ٣/ ٣٨٤، كوئٹه ٣/ ٢٢٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم ربیع الثانی ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۷۰۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۴/۱ھ

حالت حیض میں جماع

سوال: [۱۰۲۶۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید باہر ملازمت کرتا ہے، اور جب بھی گھر جاتا ہے، بیوی اسے حیض میں ملتی ہے، اب زید کو اتنی طاقت نہیں ہے، کہ وہ اپنے آپ کو جماع سے روک سکے تو کیا اس صورت میں وہ حیض میں جماع کرسکتا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: حالت حیض میں بیوی سے ہمبستری کرنا کسی حال میں جائز نہیں، اگرچہ شوہر پریشان ہوجاتا ہو اسلئے کہ اس کی حرمت نص قطعی سے ثابت ہے۔

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ قُلْ هُوَ أَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ حَتَّىٰ يَطْهُرْنَ ، **الأية**: (سورہ بقرہ ۲۲۳/۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴/ ذی الحجہ ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۳۷۷۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴/۱۲/۲۴ھ

زوجین کا آپس میں برہنہ جسم دیکھنا

سوال: [۱۰۲۶۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میاں بیوی آپس میں برہنہ جسم کو دیکھیں یا شرمگاہوں کو ہاتھ لگائیں یہ حیاداری کے ہی خلاف ہے یا معصیت بھی ہے؟

المستفتي: عبدالرحیم، بڑبڑوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: میاں بیوی میں سے ایک دوسرے کی شرمگاہ کو دیکھنا یا چھونا جائز ہے، اس میں کوئی گناہ اور معصیت نہیں ہے ہاں البتہ حیاداری کے خلاف ہے۔ (مستفاد: محمودیہ قدیم ۱۴/ ۳۸۷، ڈابھیل ۱۸/ ۶۲۳)

عن بهز بن حكيم، عن أبيه، عن جده، قال: قلت: يارسول الله! عوراتنا، مانأتي منها، وما نذر؟ قال: احفظ عورتک إلا من زوجتک، أوماملكت يمينك. (سنن ابن ماجه، باب التستر عند الجماع، النسخة الهندية ١/ ١٣٨، دارالسلام رقم: ١٩٢٠)

وينظر الرجل من أمته التى تحل لهٔ وزوجته إلىٰ فرجها والأصل فيه قوله صلى الله عليه وسلم غض بصرک إلا عن أمتک وامرأتک ولأن مافوق ذلک من المسيس والغشيان مباح فالنظر أولىٰ إلا أن الأولىٰ أن لا ينظر كل واحد منهما إلىٰ عورة صاحبه. (هدايه، كتاب الكراهية، فصل فى اللبس، اشرفى ٤/ ٤٦١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۲۲/۱۱/۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۳۸۳)

بیوی کا پستان منھ میں لینا

سوال: [۱۰۲۶۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید اپنی بیوی سے ملتے وقت فرط محبت میں کہتا ہے، کہ اماں دودھ پلاؤ بیوی بھی فرطِ محبت میں کہتی ہے بیٹا لو دودھ پیو اور پستان منھ میں دیکر خوب پلاتی ہے، حالانکہ دودھ نہیں ہوتا ہے، اس کیلئے کیا حکم ہے؟ ایسا کرنیوالا گنہگار تو نہیں ہے؟

المستفتی: شائق احمد، مدرسہ زینت

العلوم، جامع مسجد، مانگپیر کانکی نارہ،
۲۴/ پرگنہ۔ (مغربی بنگال)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بیوی کا پستان منھ میں لینا شوہر کیلئے جائز ہے، لیکن دودھ پینا حرام اور ناجائز ہے، لیکن اس سے نکاح میں کوئی فرق نہیں آئیگا، اور بیوی کو ماں کہہ دینا، اور شوہر کو بیٹا کہہ دینا مکروہ ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ ۶/ ۲۵۷، جدید زکریا......فتاویٰ محمودیہ قدیم ۸/ ۱۲۶، جدید ڈابھیل ۱۸/ ۶۲۴)

عن أبي تميمة الهجيمي، قال: مرا لنبي صلى الله عليه وسلم برجل وهو يقول: لا مرأته يا أخية فزجره. (مصنف عبدالرزاق، باب الرجل يقول لا مراته يا أخية، المجلس العلمي ۷/ ۱۵۲، رقم: ۱۲۵۹۵)

بأن قال أنت أمي لايكون مظاهرا لكنه مكروه لقربه من التشبيه الخ.

(البحرالرائق، كتاب الطلاق، باب الظهار، زكريا ٤/ ١٦٥، كوئٹه ٤/ ٩٨، الدر مع الرد، زكريا ٥/ ١٣١، كراچی ٣/ ٤٧٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴/ ربیع الثانی ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۶۵۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۲/۴/۲۱ھ

بیوی کا دودھ پینا

سوال: [۱۰۲۶۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ
(۱) اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کا دودھ منھ میں لے لیا تو نکاح پر اثر پڑے گا یا نہیں؟
(۲) اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کا دودھ منھ میں دودھ پینے کی نیت کے ساتھ لیا اور وہ عورت اولاد والی ہے، اور دودھ حلق تک پہونچ گیا، تو کیا نکاح برقرار رہے گا؟

المستفتي: محمد طارق انور رشیدی، مغلپورہ دوئم، ضلع: مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بیوی کا پستان منہ میں لینے میں کوئی حرج نہیں لیکن اگر دودھ نکلنے کا ظن غالب ہو تو پھر ایسا نہ کیا جائے، اور اگر دودھ اتر آیا اور شوہر نے اس کو نگل لیا تو یہ اس کا فعل حرام ہے، مگر اس سے نکاح پر کوئی اثر نہ پڑیگا، بیوی بدستور نکاح میں باقی رہے گی۔

إذا مص الرجل ثدی امرأته وشرب لبنها لم تحرم علیه امرأته. (خانية، باب الرضاع، جديد زكريا ١/ ٢٥٠، وعلى هامش الهندية، زكريا ١/ ٤١٧، شامي، كراچي ٣/ ٢٢٥، زكريا ٤/ ٤٢١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶ر شعبان ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۸۹۱)

صحبت کے دوران بیوی کا دودھ پینا

سوال: [۱۰۲۶۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے اپنی بیوی سے صحبت کے وقت اس کے پستان کو منھ میں لے لیا اور مستی میں آکر اس کے پستان کو چوس لیا جس کی وجہ سے دودھ نکل آیا اور شوہر نے دھوکہ سے پی بھی لیا، تو اس کا شرعاً کیا حکم ہے؟

المستفتي: ڈاکٹر خالد، کندرکی، نزد مغلوں والی مسجد، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بیوی کے پستان کو منھ میں لینے کی وجہ سے نکاح میں کوئی خرابی نہیں آتی ہے، اور اگر دودھ منھ میں آگیا ہے، تب بھی کوئی خرابی نہیں آتی ہے، ہاں البتہ اسکو فوراً نکال دینا ضروری تھا، اگر حلق میں چلا گیا تو نکاح میں کوئی خرابی نہیں آئی البتہ اس نے ایک گندہ کام کیا ہے، آئندہ اس طرح کی حرکت کہ جس سے بیوی کا دودھ اس

کے حلق میں چلا جائے نہ کرنے کا عہد کرلے، اور اللہ سے توبہ کرلے۔

إذا مص الرجل ثدی امرأته وشرب لبنها لم تحرم علیه أمرأته لما قلنا أنه لارضاع بعد الفصال. (فتاویٰ قاضیخان، علی هامش الهندیة،زکریا ۱/۴۱۷، جدید زکریا ۱/۲۵۰)

مص رجل ثدی زوجته لم تحرم الخ. (الدرالمختار مع الشامی، زکریا ۴/۴۲۱، کراچی ۳/۲۲۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ جمادی الأخریٰ ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۴۰۸/۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۶/۱۶ھ

بیوی کی شرم گاہ کو بوسہ دینا

سوال: [۱۰۲۶۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کہتا ہے کہ فرط شہوت کے وقت اپنی بیوی کی شرمگاہ پر بوسہ دینا جائز ہے یا نہیں اور وہ بھی مجامعت کے قبل آیا یہ از روئے شرع جائز ہے یا نہیں؟

المستفتي: عبد الجلیل نوگاؤں، آسام

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: فرط شہوت میں بھی عورت کی شرمگاہ کو بوسہ دینا چومنا سخت مکروہ اور گناہ اور بہائم وچوپایوں کی خصلت ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۶/۲۷۰، جدید زکریا ۱۰/۱۷۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/ شعبان ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۳۹/۲۴)

کیا عزل بالحرۃ جائز ہے؟

سوال: [۱۰۲۶۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عزل بالحرۃ جائز ہے یا نہیں؟ اس کا جواز تو ابن ماجہ شریف/۱۰، حاشیہ/۵، کی عبارت سے سمجھ میں آتی ہے، حنفیہ کے قول کے مطابق ''لکن بأنها'' کی قید کے ساتھ اور بخاری شریف ۲/۵۹۳ میں ابوسعید خدریؓ کے قول سے بھی جواز ثابت ہوتا ہے، اور دیگر فقہی کتابوں سے بھی (حالانکہ) قرآن شریف، کی آیت ''وَلاَ تَقْتُلُوْا أَوْلاَدَكُمْ خَشْيَةَ إِمْلاَقٍ'' اس کے صریح مخالف ہے، جس سے عزل کی حرمت سمجھ میں آتی ہے، لہٰذا مسئلہ کی مدلل وضاحت فرما کر شکریہ کا موقع دیں؟

المستفتی: قاضیم الدین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: عزل بالحرۃ اس لئے جائز ہے کہ اس سے تولد کی صلاحیت ختم نہیں ہوتی ہے، اور اس منی سے تولد بھی نہیں ہوتا ہے، اور جس منی سے قضاء الٰہی میں تولد ہوتا ہے، اس سے عزل ہی نہیں کر سکے گا، اور بچہ ہو کر ہی رہے گا، لہٰذا عزل مانع تولد نہیں ہے۔

عن أبی سعید الخدری سمعه یقول: سئل رسول الله ﷺ عن العزل؟ فقال: مامن کل الماء یکون الولد وإذا أراد الله خلق شیئی لم یمنعه شیئی. (صحیح مسلم شریف، کتاب النکاح، باب حکم العزل، النسخة الهندیة ۱/٤٦٥، بیت الافکار رقم: ١٤٣٧/)

عن جابر قال: جاء رجل فی من الأنصار إلیٰ النبی صلی الله علیه وسلم فقال: یا رسول الله! إن لی جاریة أعزل عنها؟ قال: سیأتیهاماقدر لها فأتاه بعدذلک فقال: قد حملت الجاریة، فقال النبی صلی اللهعلیه وسلم: ماقدر لنفس شیء إلا هی کائنة. (سنن ابن ماجه، باب فی القدر، النسخة الهندیة، ۱/۱۰، دارالسلام، رقم: ۸۹)

آیت کریمہ **وَلاَ تَقْتُلُوْا أَوْلاَدَكُمْ خَشْيَةَ إِمْلاقَ**. (الآية: سورہ بنی اسرائیل آیت: ۳۱)
حدیث عزل کے منافی اور مخالف نہیں ہے، کیونکہ آیت کریمہ سے قتل اولاد کی ممانعت اورحرمت ثابت ہوتی ہے، اورتولد کی ابتدا مرد کا مادہ عورت کے مادہ کے ساتھ مل کر مستقر ہونے کے بعد ہوتی ہے، اس سے پہلے نہیں اورعزل میں مرد کے مادہ کا التقاء عورت کے مادہ کے ساتھ ہوتا ہی نہیں ہے، اسلئے آیت کریمہ اور حدیث عزل کے درمیان کوئی تعارض نہیں ہوگا۔

مبدأ سبب الوجود من حيث وقوع المنى فى الرحم لا من حيث الخروج من الإحليل لأن الولد لايخلق من منى الرجل وحده بل من الزوجين جميعا إما من مائه ومائها أو من مائه ودم الحيض الخ. (إحياء العلوم ۲/ ۳۰، امام عزالی عربی) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶ رربیع الاول ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۷۰۸)

بیوی کی اجازت سے نرودھ کا استعمال

سوال: [۱۰۲۶۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بیوی کی رضا مندی اور خوشی سے نرودھ استعمال کرسکتا ہوں یا نہیں؟

المستفتي: محمد تسلیم، اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: خوف رزق اوراولاد نہ ہونے کی کی غرض سے بیوی کی خوشی ورضامندی سے بھی نرودھ استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔

(قولہ تعالیٰ) **لاَ تَقْتُلُوْا أَوْلاَدَكُمْ خَشْيَةَ إِمْلاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَإِيَّاكُمْ.**

(الآية: سورہ بنی اسرائیل آیت: ۳۱)

عن معقل بن يسارؓ، قال: جاء رجل إلىٰ النبى صلى الله عليه وسلم

فقال: إني أصبت امرأة ذات حسب وجمال، وأنها لاتلد أفتزوجها؟ قال: لا، ثم أتاه الثانية، ، فنهاه، ثم أتاه الثالثة، فقال: تزوجواالودود الولود فإني مكاثر بكم الأمم. (سنن أبي داؤد، باب في تزويج الأبكار، النسخة الهندية ١/٢٨٠، دارالسلام رقم: ٢٠٥٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰/ جمادی الثانیہ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۷۷۷)

عذر شدید کی بنا پر نرودھ کا استعمال

سوال: [۱۰۲۶۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر عمر اپنی بیوی سے اجازت لے کر نرودھ استعمال کرے اس خوف سے کہ ماقبل میں پیدا شدہ بچہ کو مابعد کے بچہ سے کسی قسم کی کمزوری نہ ہو جائے، تو وجہ مذکورہ کی بنا پر نرودھ کا استعمال کرنا کیسا ہے؟

المستفتي: علاء الدین، متعلم دورۂ حدیث مدرسہ شاہی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: بیوی کی رضامندی سے عزل کرنے کی گنجائش شریعت میں ہے، لہٰذا اس کے مشابہ نرودھ کا استعمال ممنوع نہ ہوگا، ہاں اس بات کا خیال رہے کہ عدم حصول اولاد کی وجہ سے نہ ہو بلکہ وقتی طور پر اعذار شدیدہ کی بنا پر کرے جیسا کہ سوال میں لکھا گیا ہے، اور اس عذر کے ختم ہونے کے بعد پھر اسکی اجازت نہیں ہے۔

عن أبي سعيد ن الخدريؓ قال: أصبنا سبيا، فكنا نعزل، فسألنا رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقال: أو إنكم لتفعلون قالها ثلثا ما من نسمة كائنة إلىٰ يوم القيمة إلا هي كائنة. (بخاری شریف، باب العزل، النسخة الهندية ٢/٧٨٤، رقم: ٥٠١٤، ف: ٥٢١٠)

وجاز عزله عن أمته بغير إذنها وعن عرسه به أي بإذن حرة أومولىٰ

أمة. (شامی، کتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغیره ،زکریا ٩/ ٥٣٧، کراچی ٦/ ٣٧٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٢٣؍ رجب ١٤٢١ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٦٨٦١/٣٥)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
٢٣/ ٧/ ١٤٢١ھ

بیوی کا شوہر کی اجازت کے بغیر میکہ جانا

سوال: [١٠٢٧٠]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کیا شوہر کی اجازت کے بغیر بیوی اپنے میکہ اور غیر محرم رشتہ داروں کے پاس جاسکتی ہے؟

المستفتي: غلام رسول، سرینگر، کشمیر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: میکہ جانے کا اس کو حق ہے، لیکن شوہر کی اجازت سے جانا چاہئے، اور میکہ جانے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہر ہفتہ میکہ جاتی رہے، اور یہاں شوہر کے گھر کا نظام خراب ہوجائے، مہینہ دو مہینہ میں شوہر کی مرضی سے جتنے دن بھی آپس میں طے ہوجائے، اتنے دن کیلئے میکہ جاتی رہے، اور اس آنے جانے کو مسئلہ بنا کر کے میاں بیوی کے تعلقات کو خراب نہیں کرنا چاہئے، اور غیر محرم رشتہ داروں کے یہاں شوہر کی اجازت کے بغیر جانا قطعاً جائز نہیں ہے۔

لیس للمرأة أن تخرج بغیر إذن الزوج. (خانیة، کتاب النکاح، فصل فی حقوق الزوجیة، زکریاجدید ١/ ٢٦٤، وعلی هامش الهندیة ١/ ٤٤٣)

وحقه علیها أن تطیعه فی کل مباح یأمره به. (شامی، کتاب النکاح، باب القسم، زکریا ٤/ ٣٨٨، کراچی ٣/ ٢٠٨، النهر الفائق، دارالکتب العلمیة بیروت ٢/ ٢٩٧)

لأنها کانت مأمورة إلیٰ طاعة زوجها فی غیر معصیة. (مرقاة، باب عشرة النساء، ومالکل واحد من الحقوق، امدادیه ملتان ٦/ ٢٦٧)

ویمنعها من زیارة الأجانب وعیادتهم والولیمة. (درمختار مع الشامی،

کتاب الطلاق، باب النفقة، زکریا ۵/ ۳۲٤، کراچی ۳/ ٦٠٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/ ذیقعدہ ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۵۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۳/ ۱۱/ ۱۴۳۲ھ

شوہر کی اجازت کے بغیر میکہ جانے والی عورت معلقہ ہے یا ناشزہ؟

سوال: [۱۰۲۷۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ شوہر کی اجازت بغیر لڑکی میکہ گئی، اور بلانے پر بھی نہیں آئی، لڑکی کی شادی بالغہ ہونے کے بعد ہوئی ہے، رخصتی کیلئے لڑکا خود گیا نیز لڑکے کے گھر والے بھی رخصتی کیلئے گئے، لیکن پھر بھی نہیں آئی کمیٹی انجمن بھی رخصتی کے لئے گئی، پھر بھی نہیں آئی، یعنی ٹال مٹول کر کے لڑکی میکہ میں قریب قریب ۹/ مہینہ سے ہے، اس درمیان لڑکے کی طرف سے رخصتی کا مطالبہ بار بار ہوتا رہا، اب اگر یہ لڑکی کالمعلقہ کہلاتی ہے تو بالدلیل جواب تحریر فرمائیں؟

المستفتي: عبد الجلیل

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: شریعت کی اصطلاح میں معلقہ اس عورت کو کہا جاتا ہے، جس کے حقوق زوجیت کو شوہر ادا نہ کرتا ہو، اور نہ ہی اس کو طلاق وغیرہ کے ذریعہ آزاد کرتا ہو، سوالنامہ کے درج شدہ حالات میں عورت ناشزہ اور نافرمان ہے، معلقہ نہیں ہے۔

كالمعلقة وهى كما قال ابن عباس رضى الله تعالىٰ عنهما التى ليست مطلقة ولا ذات بعل الخ. (روح المعانی، قدیم ۵/ ١٦٣، جدید زکریا ۵/ ۲۳۸، سورۃ نساء تحت الآية: ١٢٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/ ربیع الاول ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۱۷۱)

والدین کالڑکی کواس کے شوہر کی اجازت کے بغیر گھر بلانا

سوال: [۱۰۲۷۲]: کیا فرماتے ہیں علماءکرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بعض حضرات اپنی لڑکیوں سے بہت زیادہ محبت رکھتے ہیں، شادی کے بعد بھی ماں باپ یہ چاہتے ہیں کہ گاہے بگاہے میکے میں ۱۵/دن ایک ماہ رہے، خودلڑکی بھی چاہتی ہے، مگراس کا شوہر یاخسراس بات کونہیں چاہتا کیونکہ شوہر کے گھر کھانا بنانے والا کوئی نہیں ہے، کیالڑکی کے ماں باپ جبراً عید بقرعید تیوہار وغیرہ میں بلاسکتے ہیں، یاناراض ہوسکتے ہیں کہ ہماری لڑکی کونہیں بھیجتے، کیا ہم نے فروخت کردیا ہے، لڑکی کا شوہر یاخسر ضرورت کے تحت ایک دودن کیلئے بھیجنے کو کہتے ہیں، ان تمام صورتوں میں لڑکی کے ماں باپ کا ناراض ہونا یاجبر کرنا شرعاً کیسا ہے؟ نیزلڑکی شوہر کے گھر ناراض ہوکہ مجھے میکہ نہیں جانے دیتے توکیا لڑکی کا ناراض ہونا شرعاً درست ہے؟

المستفتي: محمد علی، ڈرھیال، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: والدین کوجبراً عید بقرعید میں بلانے کا حق نہیں ہے، البتہ شوہراجازت دےدےتودرست ہے۔

تقييد خروجها بأن لا يقدرا على إتيانها فإن قدرا لا تذهب وهو حسن وقد اختار بعض المشائخ منعها من الخروج إليهما الخ. (شامی، کتاب الطلاق، باب النفقة، زکریا ۳۲۴/۵، کراچی ۶۰۲/۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیراحمدقاسمی عفااللہ عنہ
۳۰/ذیقعدہ ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷۳۱/۳۱)

الجواب صحیح:
احقرمحمدسلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۱۴/۱۱/۳۰ھ

شوہر کا بیوی کو نوکری کرنے سے روکنا

سوال: [۱۰۲۷۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر بوقت شادی لڑکی سرکاری ملازمت کررہی ہے، اور شادی کے بعد ملازمت کے مسئلہ کو لے کر دونوں میں اختلاف ہوا اور شوہر کی مرضی یہ ہو کہ بیوی ملازمت نہ کرے، مگر بیوی یہ کہہ کر انکار کردے، کہ یہ بات شادی ہونے سے پہلے ہی کہنی چاہئے تھی، لٰہذا مجھے تمہاری یہ بات کسی بھی صورت میں منظور نہیں ہے، اور میں ملازمت سے دستبردار نہیں ہوسکتی ہوں، شوہر کا کہنا ہے کہ ملازمت ضروری اور لازم نہیں ہے، بلکہ رشتہ ازدواج ضروری ہے، اور جس کام سے اس مقدس رشتہ میں دراڑ پیدا ہو جائے اس کو ترک کرنا لازم ہے؟

صورت مذکورہ میں بیوی کے لئے شرعاً کیا حکم ہے، آیا وہ شوہر کی اجازت کے بغیر ملازمت کرتی رہے یا یہ کہ اس کو شوہر کا حکم ماننا چاہئے، کیا شوہر کی رضامندی اور خوشی اس سلسلہ میں ضروری نہیں؟

المستفتي: محمد امین، اننت ناگ، کشمیر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس معاملہ میں عورت پر شوہر کی بات ماننا ضروری ہے، اور اس کیلئے شوہر کی اجازت کے بغیر ملازمت کرنا جائز نہیں ہے، اور عورت کا یہ کہنا کہ شادی سے پہلے سے ملازمت چل رہی ہے، لہٰذا شادی کے وقت میں ملازمت ترک کرنے کی شرط لگانی چاہئے تھی، یہ محض فضول بات ہے، شریعت میں اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے، اگر نہیں مانے گی تو گنہگار ہوگی، کیونکہ اس کا خرچہ شوہر پر لازم ہے، لٰھذا اس کو نوکری کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

ليس للمرأة أن تخرج بغير إذن الزوج إلا بأسباب معدودة. (قاضی خان، كتاب النكاح، فصل في حقوق الزوجية، زكريا جديد ١/٢٦٤، وعلى هامش الهندية ١/٤٤٣)

لہٗ أن یمنعها من الأعمال کلها المقتضية للکسب لأنها مستغنية عنه لوجوب کفایتها علیه . (شامی، کتاب النکاح ، باب النفقة ، زکریا ۵/ ۳۲۵، کراچی ۳/ ۶۰۳)

وفی أدب القاضی لهٗ أن یغلق علیها الباب من غیر الأبوین . (بزازیه ، کتاب النکاح ، الفصل الثامن عشر …… زکریا جدید ۱/ ۱۰۲، وعلی هامش الهندیة ۴/ ۱۵۷، تنقیح الفتاویٰ الحامدية بیروت ۱/ ۳۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ ر ذیقعدہ ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹ / ۱۰۵۳۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۰ / ۱۱ / ۱۴۳۲ھ

شوہر کے کہنے پر کیا نوکری چھوڑنا لازم ہے؟

سوال: [۱۰۲۷۴]: کیا فرماتے ہیں علماءِ کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری شادی ہوئے عرصہ قریب ۴ر سال ہو چکے ہیں اور پانچواں سال یکم جنوری ۲۰۱۱ء سے شروع ہو رہا ہے، میرے والدین نے میرا نکاح شرع محمدی کے مطابق میرے شوہر اشتیاق احمد عرف عرفان علی کے ساتھ کر دیا تھا، حسب حیثیت جہیز بھی دیا تھا، لیکن جہیز کے لالچی میرے شوہر اور انکے اعزاء واقرباء نیز انکے ولی نے کم جہیز پانے کی پاداش میں مجھے روحانی اور جسمانی اذیتیں دینا شروع کیں اور والدین کو بھی بلیک میل کرنا شروع کیا ابھی پورا سال بھی نہ گذرا تھا، کہ گھر سے مار پیٹ کر کے نکال دیا میں اس وقت حاملہ تھی، میکہ آنے کے بعد میرے بطن سے ایک لڑکی پیدا ہوئی جس کا سارا بار میرے میکے والوں نے اٹھایا، اور لڑکی لگ بھگ چار سال کی ہے، گھر سے نکالنے کے بعد مجھے شوہر اور اس کے گھر والوں نے تاکید کی تھی، کہ جب تک موٹر سائیکل فرج واشنگ مشین اور کولر نیز بیس ہزار روپیہ نقد لے کر واپس نہیں آؤ گی اور خالی ہاتھ آؤ گی تو کسی دن یا رات میں تمہیں زندہ جلا دیا جائے گا، ایسی حالت میں والدین نے مجھے سسرال واپس نہیں بھیجا، والدین نے ان کی خوش آمد درآمد کی مگر ان پر کوئی اثر نہ ہوا مجبوراً مجھے جہیز کی دفعات کے تحت مقامی تھانہ میں رپورٹ درج

کرانی پڑی، جس میں ان کے گھر کے سبھی لوگ قید کئے گئے، اور بعد میں ضمانت پر چھوٹ گئے، مقدمہ عدالت میں چل رہا ہے، ابھی کوئی فیصلہ نہیں ہوا ہے، کیس جاری ہے، ادھر ہمارے شوہر نے دوسری شادی کرلی ہے، اور وہ آرام سے رہ رہا ہے، اور کہتا ہے، مقدمہ چلنے دو برسوں چلتا رہے گا، ہماری ذات پر کیا اثر پڑتا ہے، اب وہ نہ تو ہمیں طلاق دیتا ہے، نہ مجھے اور میری بیٹی کو نان نفقہ یا کوئی خرچ دیتا ہے، وہ بھی ٹیچر ہے اور میں بھی ٹیچر ہوں، وہ کہتا ہے، کہ خرچ کے تو تم کما رہی ہو، اب کیسا خرچ اور نان ونفقہ اور کیسا حق زوجیت، اس کے لئے نہ شریعت مجھے پابند کرسکتی ہے، اور نہ قانون؛ کیونکہ شریعت میں چار شادیاں ایک آدمی کرسکتا ہے، جو جائز ہے، تو دریافت طلب بات یہ ہے کہ۔

(۱) شوہر کا یہ رخ اور روّیہ ازروئے شرع شریف درست ہے یا نہیں؟

(۲) ایسی حالت میں عدالت سے خلع یا طلاق لے کر میں دوسرا نکاح کرسکتی ہوں یا نہیں؟

(۳) میں اپنی بیٹی عریشہ کو سن بلوغ تک اپنی سرپرستی میں ازروئے شرع اور قانون اپنے پاس رکھ سکتی ہوں یا نہیں؟

(۴) جب تک میں اپنی دوسری شادی نہ کروں میں اور میری بیٹی باپ سے نان ونفقہ کی حقدار ہے یا نہیں؟

(۵) ان حالات کے پیش نظر اگر میرا شوہر میری بیٹی کو اپنی سرپرستی میں لینا چاہے، تو شرع وقانون کے مطابق کیا میری مرضی اور اجازت کے بغیر لے سکتا ہے یا نہیں؟

(۶) میرے شوہر کا یہ بھی کہنا ہے، کہ میں طلاق زندگی بھر نہیں دوں گا بلکہ دونوں بیویوں کو رکھونگا، اگر تم سوکن کیساتھ رہ سکو تو تمہیں اس شرط پر رکھ سکتا ہوں، کہ نوکری کی ساری تنخواہ جو تم پاتی ہو ہر ماہ ہمیں دینی ہوگی؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: شوہر کے ذمہ بیوی کا خرچ واخراجات اور اس کے ساتھ حسن سلوک کرنا لازم ہے، اور سوالنامہ میں ذکر کردہ شوہر کا سلوک ازروئے شرع

درست نہیں ہے، آپ کیلئے شوہر سے طلاق حاصل کر کے یا کسی محکمۂ شرعیہ سے تفریق حاصل کر کے باضابطہ عدت گذارنے کے بعد دوسری جگہ نکاح کرنے کی گنجائش ہوسکتی ہے،اس کے بغیر دوسری جگہ نکاح درست نہ ہوگا، اور بیٹی کے بلوغ تک اس کی پرورش کی ذمہ داری ماں پر ہوتی ہے، لھذا آپ بیٹی کو اسکے بالغ ہونے تک اپنی سرپرستی میں رکھ سکتی ہیں، اس مدت میں شوہر کا بیٹی کو اپنی سرپرستی میں لینا یا اس کا مطالبہ کرنا درست نہیں ہے، اور جب تک آپ شوہر کی منکوحہ ہیں، اسی طرح جب تک لڑکی کی شادی نہ ہوجائے، آپ دونوں کے تمام خرچ واخراجات کی ذمہ داری اصلاً شوہر پر ہے، اور شوہر کا آپ کو اپنے ساتھ رکھنے کے لئے آپ کی پوری تنخواہ اپنے قبضہ میں لینے کی شرط لگانا جبر یہ ہے اس کے لئے یہ مطالبہ جائز نہیں ہے، البتہ اگر شوہر حق زوجیت ادا کرنے کو تیار ہو، اور آپ سے نوکری چھوڑنے کو کہے تو آپ نوکری چھوڑ کر شوہر کے پاس رہ کر حق زوجیت ادا کریں اور شوہر کے ذمہ آپ کا سارا نفقہ ادا کرنا لازم ہوگا۔

عن أبي هريرة –رضى الله عنه– قال: من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فلا يؤذى جاره، واستوصوا بالنساء خيراً فإنهن خلقن من ضلع ، وإن أعوج شئى فى الضلع أعلاه ، فإن ذهبت تقيمه كسرته ، وإن تركته لم يزل أعوج ،فاستوصوا بالنساء خيراً . (صحيح البخارى ، باب الوصاة ، بالنساء النسخةالهندية۲/۷۷۹، رقم: ۴۹۹۱، ف: ۵۱۸۶)

تجب على الزوج نفقة امرأته المسلمة............ والغنية . (هندية ، الباب السابع عشر ، فى النفقات ،زكريا قديم ۱/۵۴۴، جديد ۱/۵۹۵)

والأم والجدة أحق بالجارية حتى الخ. (هنديه ، الباب السادس عشر ، فى الحضانة ،زكريا قديم ۱/۵۴۲، جديد ۱/۵۹۳)

ونفقة الإناث واجبة على الآباء مطلقا مالم يتزوجن . (هندية، الفصل الرابع فى نفقة الأولاد، زكرياقديم ۱/۵۶۳، جديد ۱/۶۰۹)

له منعها من الغزل وكل عمل . (شامى، كتا بالطلاق، باب النفقة ،زكريا

٥/ ٣٢٥، کراچی ٣/ ٦٠٣٥)

وحقه عليها أن تطيعه فی کل مباح يأمرها به وتحته فی الشامية: ظاهره أنه عند الأمر به منه يكون واجباً عليها. (شامی، کتاب النکاح، باب القسم، زکریا ٤/ ٣٨٨، کراچی ٣/ ٢٠٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٢٣/ ربیع الاول ١٤٣٢ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٩/ ١٠٣٣١)

صحت مند آدمی پر بیوی کے حقوق کتنے دنوں میں ادا کرنا واجب ہے

سوال: [١٠٢٧٥]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ شادی شدہ باصحت شخص کو اپنی بیوی کے پاس کتنے دن بعد جانا چاہئے کیا ساڑھے چار ماہ کی مدت سے پہلے نہیں جا سکتا ہے، اور اتنے دنوں بعد جانے سے شریعت کی نظر میں بیوی کا حق ادا ہوگا یا نہیں؟ لفظ صحت پر غور فرما کر فتویٰ عنایت فرمائیں؟

المستفتي: انور علی، سیتا پوری، متعلم مدرسہ شاہی، مرادآباد (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: عام حالات میں چار ماہ کے اندر اندر ایک دفعہ حق زوجیت ادا کرنا شوہر پر واجب ہے، اور اگر بیوی جوان ہو، اور فتنہ کا خطرہ ہو، تو ہر چار یوم میں بیوی کا حق مقدم ہوگا۔

ويسقط حقها بمرة ويجب ديانة أحيانا ولا يبلغ مدة الإيلاء إلا برضاها فی الشامی: أن المراد إيلاء الحرة ويؤيد ذلک أن عمر رضی الله تعالىٰ عنه لما سمع فی الليل امرأة تقول – فوالله لولا الله تخشىٰ عواقبه لزحزح من هذا السرير جوانبه (إلى قوله) عن أبي حنيفةؒ أن لها يوماً وليلة

مـن كـل أربع ليال وباقيها له لأن له أن يسقط حقها فى الثلاث بتزوج ثلاث حرائر الخ. (الـدرالـمـختار مع الشامی كتاب النكاح، باب القسم ، كوئته٢/ ٤٣٢، كر چـی ٣/ ٢٠٣ ، زكـريـا ٤/ ٣٨٠، الـمـوسـوعة الـفقهية الكويتية ٢٢/ ١٤٤، سنن سعيد بن مـنـصـور، بـاب الـغـازی ، يـطيـل الغيبة عن أهله ، دارالكتب العلمية بيروت ٢/ ١٧٤، رقم: ٢٤٦٣، مـصنف عبد الرزاق، المجلس العلمى ١٥٢/٧، رقم: ١٢٥٩٤،وهكذا فى احسن الفتاوىٰ ١/ ٣٩٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹/ جمادی الأ ول ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر:۲۳/ ۶۷۳)

بیوی کا شوہر سے برے الفاظ سے بات کرنا گستاخی ہے

سوال: [۱۰۲۷٦]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید اور فریدا دونوں میاں بیوی ہیں، گھریلو جھگڑا ہوا اس پر زید کی بیوی فریدا نے اپنے شوہر کو کہا، کہ آج کی تاریخ سے تم ہمارا کھانا کھاؤ گے تو اپنی ماں سے زنا کروگے، چونکہ زید کے پاس اپنی زمین نہیں ہے، اور زید اپنی سسرال میں رہ کر زندگی گذار رہا ہے، اور بیوی ہی کی جائداد ہے اور زید کے پاس بھی اپنے والد کی زمین تھوڑی بہت ہے، لیکن وہ زید کی سسرال سے قریب ۲۰/ میل کے فاصلہ پر ہے، یہ بات پہلی مرتبہ زید کی بیوی نے زید سے کہی اس سے زید نے قریب ٦/ مہینے اپنی بیوی کے یہاں اس کی جائداد سے یا سامان سے کھانا پینا چھوڑ دیا بعد میں زید کی بیوی نے توبہ کی زید کو پھر اپنی جائداد سے کھانے کا حکم دیا اور اپنے شوہر سے معافی طلب کی زید پھر اپنی سسرال میں کھانے پینے لگا پھر کچھ روز بعد زید کی بیوی سے پھر زید کا جھگڑا ہوا، زید کی بیوی نے پھر ان الفاظ کو دہرایا تم میرا کھانا مت کھاؤ، پھر ماں والی قسم دی، اب اس مسئلہ میں علماء دین کیا فتویٰ دیتے ہیں، کہ زید اپنی بیوی کے گھر سے کھانا کھا سکتا ہے یا نہیں؟ اور بیوی پھر توبہ کر رہی

ہے ، کہ اب غلطی نہیں ہوگی ،تو کیا زید بیوی کے ترکہ سے کھانا کھا سکتا ہے،اگر زید کھانا کھا سکتا ہے،تو کسی طرح اس کا کوئی کفارہ بھی دینا ہوگا یا نہیں؟

کفارہ زید کو دینا ہوگا، یا اس کی بیوی کو دینا ہوگا؟ خلاصہ قرآن وحدیث کے حوالہ جات دیکر جواب دیں گے۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق :بیوی کا شوہر کو مذکورہ الفاظ سے مخاطب کرنا مغلظ گالی اور سخت قسم کی گستاخی ہے، بیوی پر لازم ہے، کہ توبہ کرے اور شوہر سے معافی مانگ لے، بیوی چاہے تو اپنی جائداد سے کھلا سکتی ہے، اور شوہر کیلئے کھانا جائز ہے ،لیکن شوہر کو سخت سست کہنا جائز نہیں ہے، بلکہ ادب سے بات کرنا لازم ہے،اور اس کا کوئی کفارہ نہیں ہے۔

ویکره أن یدعو الرجل أباه وأن تدعو المرأة زوجها باسمه ، وفی الشامیة: لا بد من لفظ یفید التعظیم الخ. (الدرالمختار ، کتاب الحظر والإباحة، فصل فی البیع ، کوئٹہ ۲۹۷/۵، کراچی ۴۱۸/۶، زکریا ۵۹۹/۹، الموسوعة الفقهیة الکویتیة ۳۳۸/۱۱، ۱۹۹/۴۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/ذیقعدہ ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر:۱۵۱۹/۲۵)

شوہر کی نافرمانی کرنا

سوال: [۱۰۲۷۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں : کہ ایک بیوی اپنے شوہر کی اجازت اور رضا مندی کے بغیر اپنی بہن بھانجوں سے ملتی ہے، ان کے گھر جا کر رہتی ہے، ساتھ کھاتی ہے لیکن شوہر اپنی بیوی کی ایسی حرکات سے سخت ترین ناراض ہے تو ایسی صورت حال میں بہنوں بھانجوں عزیزوں سے ملنے اور ان کے گھر جا کر رہنے والی بیوی کا شرعاً کیا حکم ہے؟

المستفتي: عبدالواحد، چوراہا گلی، نیو مارکیٹ، برتن بازار، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جب بیوی شوہر کی مرضی کے بغیر شوہر کے گھر سے باہر جاتی ہے، تو شوہر کو تین مرتبہ تنبیہ کرنے کے بعد اس طرح مارنے کا بھی حق ہے کہ جس سے بیوی کی ہڈی نہ ٹوٹے نیز اللہ تعالیٰ کے یہاں ایسی بیوی کا حال بہت برا ہوگا، اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اس سلسلہ میں آیت کریمہ نازل فرمائی ہے!

(قوله تعالىٰ) وَالَّتِيْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِيْ الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ فَإِنْ أَطَعْنَكُمْ فَلاَ تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلاً. (سورۂ نساء آیت: ٣٤)

وقد نص بعض أصحابنا أن للزوج أن يضرب المرأة علىٰ أربع خصال وما هو فى معنى الأربع ترك الزينة والزوج يريد ها وترك الإجابة إذا دعاها إلى فراشه وترك الصلوٰة فى رواية والغسل والخروج من البيت الخ. (روح المعاني، زكريا ٤/٣٨، تحت تفسير رقم الآية: ٣٤، من سورة النساء، المحيط البرهاني، المجلس العلمي ٤/٢٣٥، رقم: ٤١٤١، حاشية چلپي، امداديه ملتان٣/٢١١، زكريا ٣/٦٤٠، ٦٤١، قاضيخان، زكريا جديد١/٢٦٤، وعلى هامش الهندية١/٤٤٣، نفع المفتي والسائل/١١٨)

اسی طرح اگر شوہر بیوی کے بھانجوں اور بہنوں کے یہاں جانے سے بیوی سے ناراض ہو جاتا ہے، تو بیوی کو ہرگز ان کے یہاں نہیں جانا چاہئے، کیونکہ ان کے یہاں جانے کے کے مقابلہ میں شوہر کی فرمانبرداری بہت ضروری اور لازم ہے! فقط اللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳/ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۲۳۵/۲۴)

عورت کا بغیر شوہر کے زیادہ دنوں تک میکہ میں رہنا

سوال [١٠٢٧٨]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری اہلیہ ہر تین ماہ بعد اپنے میکہ جانا چاہتی ہے، اور میکہ میں ایک ماہ یا ٢٥/دن رہنا چاہتی ہے، میں چاہتا ہوں کہ وہ صرف ایک ہفتہ یا ١٠/دن میکہ میں رہے، اور زیادہ سے زیادہ ١٥/دن میکہ میں رہے، پھر میرے گھر سہارنپور میں آجائے تو اس سلسلہ میں شرعی حکم کیا ہے؟ اور دونوں کے حقوق کیا ہیں؟ مفصل بیان فرمائیں؟ مہربانی ہوگی؟

المستفتي: مبین احمد، کرولہ، اسلام نگر، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: عورتوں کا شوہر کو گھر چھوڑ کر زیادہ دنوں تک میکے میں رہنا جبکہ شوہر اس بات پر راضی نہیں ہے، کسی طرح مناسب نہیں ہے، اور میکہ میں بہت کم وقت رہنے کا حکم ہے، لہٰذا اگر میکہ دور ہے، تو ہفتہ بھر سے زیادہ نہ رہے، اور اگر میکہ قریب ہے اور اسی شہر میں ہے، تو ایک دن دو دن سے زیادہ نہ رہے، زیادہ دن رہنے میں جانبین میں فتنہ کا اندیشہ رہتا ہے۔

فإن فی کثرة الخروج فتح باب الفتنة خصوصاً إذا کانت شابة والزوج من ذوی الهيئات الخ. (شامی، مطلب فی الکلام علی المؤنسة، کراچی ٣/٦٠٢، زکریا ٥/٣٢٤، النهر الفائق، دارالکتب العلمیة بیروت ٢/٥١٥)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٣/ربیع الثانی ١٤١٧ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٢/٤٧٥٥)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
٣/٤/١٤١٧ھ

ناراضگی کی وجہ سے علیحدہ رہنے سے نکاح ختم نہیں ہوتا

سوال: [١٠٢٧٩]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید اپنی بیوی اور بچوں سے تقریباً چار سال سے الگ ہے چار سال پہلے زید کا ایکسیڈنٹ ہوا ہے، ایکسیڈنٹ کے اندر ایک پاؤں سے معذور ہوگیا ہے، زید پرائیویٹ ڈرائیور ہے، پانچ ماہ

ہوسپٹل میں زیر علاج رہا، ہوسپٹل سے واپس آیا تو پندرہ دن بیوی اور بچوں کے ساتھ رہا اسی دوران بیوی سے ہمبستر ہوا، اس موقع پر بیوی بچوں سے کہا کہ ہم سب مل کر اپنے آبائی وطن میں یا کسی دوسری جگہ رہیں گے، اس کیلئے زید کی بیوی تیار نہیں ہوئی، زید نے اپنی بیوی کو بہت سمجھایا لیکن وہ نہیں مانی زید اپنے بڑے سالہ اور سسر سے بھی رابطہ کیا اور اس وقت بہت پریشانی کے عالم میں ہے، بیوی نے بچوں کو بھی جدا کر دیا اور اکیلی بچوں کے ساتھ رہتی ہے، زید کی تین لڑکیاں اور ایک لڑکا ہے، بچے سب جوان ہیں، زید نے بیوی سے چار سال پہلے بات کی تھی، تب سے اب تک بات نہیں ہوئی ہے، زید کی عمر اس وقت پچپن سال ہے، اب زید کو کیا کرنا چاہئے، چار سال میں زید تین چار مرتبہ بیوی سے ملنے گیا، ہر مرتبہ دروازہ بند ہی رکھا گیا پھر زید نے اپنی بیوی بچوں سے ملنا چھوڑ دیا؟

المستفتی: ناصر احمد ابن ٹپو صاح،
مکان نمبر ۸۵۰، شیٹی کیرے گیٹ،
چکنا یکنا ھلی، ٹمکور، کرناٹک

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوالنامہ میں ذکر کردہ تفصیل سے یہ بات واضح ہوئی ہے کہ زید نے اپنی بیوی کو طلاق نہیں دی ہے، صرف ۴/۵ سال تک میاں بیوی ایک دوسرے سے الگ رہے ہیں، تو ایسی صورت میں میاں بیوی کے ایک دوسرے سے الگ رہنے سے نکاح پر کوئی فرق نہیں پڑتا ہے چاہے رضامندی وخوشی سے الگ رہیں، یا ناراضگی سے دونوں صورتوں میں جانبین کا نکاح بدستور باقی ہے، زید شوہر کے لئے بیوی کو اپنے پاس رکھنے کا حق ہے، اور بیوی کو زید شوہر کے پاس رہنے کا حق ہے، اور میاں بیوی کے بارے میں شریعت کا حکم یہ ہے کہ شوہر بیوی کا حق ادا کرے، اور بیوی شوہر کا حق ادا کرے، اور ایک دوسرے کے حقوق کی رعایت رکھنا انتہائی ضروری ہے۔ (مستفاد: محمودیہ جدید ڈابھیل ۱۲/۲۵۱)

عن الأحوص في حديث طويل أن النبي صلى الله عليه وسلم ذكر

قصة فقال: واستوصوا بالنساء خيراً فإنما هن عوان عندكم .... (إلىٰ قوله) ألا إن لكم على نساءكم حقا ولنساءكم عليكم حقاً ، فأما حقكم على نساءكم فلا يؤطين فرشكم من تكرهون ولا يأذن في بيوتكم لمن تكرهون ألا وحقهن عليكم أن تحسنوا إليهن في كسوتهن وطعامهن . (ترمذی، باب ما جاء في حق المرأة على زوجها ، النسخة الهندية ١/ ٢٢٠، دارالسلام ، رقم : ١١٦٣، سنن ابن ماجه ، حق المرأة على الزوج ، النسخة الهندية ١/ ١٣٣، رقم : ١٨٥١)

عن أبي هريرة – رضي الله تعالىٰ عنه – عن النبي صلى الله عليه وسلم قال : إذا دعا الرجل امرأته إلىٰ فراشه ، فأبت أن تجيئى ، لعنتها الملائكة حتى تصبح . (صحيح البخاري ، باب إذا باتت المرأة مهاجرة فراش زوجها ، النسخة الهندية ٢/ ٧٨٢، رقم: ٤٩٩٩، ف: ٥١٩٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۹؍ ربیع الاول ۱۴۳۱ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸؍ ۹۹۵۳)	۹؍۳؍ ۱۴۳۱ھ

شوہر کے بلانے پر بیوی کا اس کے پاس نہ جانا

سوال: [۱۰۲۸۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہماری بہن پونے دوسال سے زیادہ عرصہ سے ہمارے گھر پر ہے، بہنوئی رکھنے کو تیار ہیں، بہن جانا نہیں چاہتی ہے، وہ کہتی ہے جب میرا مقصود پورا ہو جائیگا، چلی جاؤں گی، ان کو ماہواری نہیں ہوتی ہے، بہن کی عمر اس وقت چالیس سال ہے، شادی ہوئے تین سال سے زیادہ عرصہ ہو چکا ہے، حال ہی میں بہنوئی کی طرف سے یہ آواز آئی کہ جب وہ یہاں رہنا نہیں چاہتی تو سامان اٹھوالے بہن کو سامان اٹھوانا بھی منظور ہے، کیا اس حالت میں بہن کا ہمارے یہاں رہنا صحیح ہے، شریعت کیا کہتی ہے؟

المستفتي: غیاث الدین محلّہ کٹار شہید، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر شوہر بلا رہا ہے، اور آپ کی بہن نہیں جا رہی ہے، تو آپ کی بہن عند اللہ سخت گنہگار اور شوہر کی نافرمان ثابت ہوگی، آپ سب لوگوں پر لازم ہے، کہ بہن کو فوراً شوہر کے حوالہ کر دیں اور بہن پر لازم ہے، کہ بلا تاخیر شوہر کے پاس جا کر اس کا حق ادا کرے، حدیث شریف میں آیا ہے، کہ اگر میں کسی انسان کو سجدہ کرنے کی اجازت دیتا تو عورت کو حکم کرتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کیا کرے۔

عن عائشة– رضي الله عنها– أن رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال: لو أمرت أحداً أن يسجد لأحد، لأمرت المرأة أن تسجد لزوجها.

(سنن ابن ماجه، باب حق الزوج على المرأة، النسخة الهندية ١/١٣٣، دارالسلام رقم: ١٨٥٢، مشکوٰۃ شریف ٢/٢٨٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶ ربیع الاول ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/۳۳۸۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۶/۳/۱۴۱۴ھ

بیوی کا شوہر و بچوں کو چھوڑ کر غیر مرد کے ساتھ رہنا

سوال: [۱۰۲۸۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری بیوی حمیدہ خاتون کو ایک شخص بہلا کر لے گیا، اور ناجائز طریقہ سے اپنے پاس رکھے ہوئے ہے، میری بیوی سے چار بچے ہیں، ایک لڑکی جس کی عمر ۱۶ سال ہے، دوسری لڑکی کی عمر ۱۳ سال ہے، دو لڑکے ایک بارہ سال کا ہے، اور دوسرا ساڑھے دس سال کا ہے، میری بیوی ان سب کو چھوڑ کر غیر مرد کیساتھ ناجائز طریقہ پر رہ رہی ہے، میں نے اسے طلاق بھی نہیں دی ہے، تو دریافت یہ کرنا کہ ہے میری بیوی کا اس طرح غیر مرد کیساتھ رہنا

کیسا ہے؟ اور اس شخص کا میری بیوی کو ناجائز طریقہ سے رکھنا کیسا ہے؟ شریعت اسلامیہ کی نظر میں ان کے یہ کرتوت کیسے ہیں، کیا بیوی پر اپنے شوہر اور بچوں کے پاس آ کر رہنا لازم نہیں ہے، شرعی حکم تحریر فرما دیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں آپ کے طلاق دیئے بغیر آپ کی بیوی کا غیر مرد کے ساتھ رہنا اور اس شخص کا اس کو رکھنا بدکاری، اور زنا کاری حرامکاری اور گناہ عظیم ہے، اگر اسلامی حکومت ہوتی تو ان دونوں کو سنگسار کر کے ہلاک کر دیا جاتا، لہٰذا اس کو چاہئے کہ فوراً اس شخص سے علیٰحدہ ہو کر آپ کی تابعداری اختیار کرے اور اپنے گھر واپس آ جائے، اور اس فعل حرام سے توبہ واستغفار کرے۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ ۸/ ۴۱۸)

وَلَا تَقْرَبُوْا الزِّنىٰ إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَّسَآءَ سَبِيْلاً . (بنی اسرائیل، آیت: ۳۲)

مَنْ يَأْتِ مِنْكُمْ بِفَاحِشَةٍ مُبَيِّنَةٍ يُضَاعَفُ لَهَا الْعَذَابُ إِلَيْهِمْ فِيْ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ . (النور، آیت: ۲۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍ ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۵۸۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴/۴/۱۴۲۱ھ

حقیقی اولاد کے بارے میں بیوی پر شبہ کرنا

سوال: [۱۰۲۸۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص جو اپنی حقیقی اولاد کے بارے میں اپنی بیوی سے کہتا ہے، کہ مجھے اس بات میں شبہ ہے کہ یہ اولاد میری ہے، اور میرے نطفہ سے ہے، اس شخص کی اس بدکلامی کی دنیا وآخرت میں کیا سزا ہے؟

المستفتي: عبدالرؤف، گونڈوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اپنی بیوی کے بارے میں بلاثبوت اس طرح شک وشبہ کرنا حرام ہے، ایسا کرنے والا مرتکب حرام ہے، دنیا میں اس گناہ کی نحوست اٹھانی پڑے

گی، اور آخرت میں اللہ کے یہاں اس کی سزا الگ ہوگی جس کو اللہ ہی بہتر جانتا ہے، اور اس طرح کی بدزبانی کے جملوں سے بیوی کو ایذا پہونچانا گناہ کبیرہ ہے، اب تک جو کچھ ہو چکا ہے، اس سے توبہ کرنا لازم ہے، ہاں البتہ بیوی اگر نامحرم مردوں سے بات چیت اور اختلاط سے باز نہیں آتی تو وہ بھی مرتکب گناہ کبیرہ ہوگی، اس پر بھی توبہ کرنا لازم ہے۔

ومنه مايحرم كالظن في الالٰهيات والنبوات وحيث يخالفه قاطع وظن السوء بالمؤمنين ففي الحديث: إن الله تعالىٰ حرم من المسلم دمه وعرضه وأن يظن به ظن السوء. (روح المعاني، سورة الحجرات تحت تفسير الآية: ۱۲، جز ۲٦، مكتبه زكريا ١٤ /٢٣٥)

عن عبد الله بن عمرو عن النبي صلى الله عليه وسلم، قال: ليس المؤمن بالطعان ولا باللعان ولا الفاحش ولا البذئ. (شعب الإيمان للبيهقي، دارالكتب العلمية بيروت ٥/٢٨٦، رقم: ٦٦٧٦، مشكوٰة ١/ ٤٠ ١)

عن أبي موسىٰ عن النبي ﷺ كل عين زانية والمرأة إذا استعطرت فمرت بالمجلس فهي كذا وكذا يعني زانية. (سنن الترمذي، الأداب، باب ماجاء في كراهية خروج المرأة متعطرة، النسخة الهندية ٢/٦ ١٠، دارالسلام رقم: ٦ ٢٧٨، مشكوٰة /٦ ٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم رجب ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۸۸۴/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۷/۴ھ

عورت عیسائی ہوگئی اور بچے اس کے قبضہ میں ہیں، تو شوہر پر کوئی مؤاخذہ نہیں

سوال: [۱۰۲۸۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ خالد کی بیوی مرتد ہو کر عیسائی ہوگئی ہے، شخص مذکور کے اسی بیوی سے کئی بچے ہیں، جو بیوی کیساتھ

ہیں، اب بیوی کواپنے پاس لانا طاقت سے باہر ہے،اور بچوں کوبھی بیوی سے جدا کرنا اور لانا قانونی طور پر استطاعت سے باہر ہے، اب ان حالات میں بیوی کیساتھ بچوں کو چھوڑ دینا کیسا ہے؟ کیا شرعاً آخرت میں مؤاخذہ ہوگا یا نہیں؟

المستفتي: امیر الاسلام، کچھاڑی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر بیوی سے علیٰحدہ کر کے اولاد کو اپنے پاس لاکر دین اسلام کی تربیت دینے پر شوہر قادر نہیں ہے،تو عنداللہ شوہر سے باز پرس ومؤاخذہ نہ ہوگا۔

لقوله تعالیٰ: لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْساً إِلَّا وُسْعَهَا. (الآية: سوره بقره آیت: ۲۸۶)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم/ذی الحجہ ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۲۰۴۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱/۱۲/۱۴۱۰ھ

نافرمان بیوی کا شوہر کے حقوق ادا نہ کرنا

سوال: [۱۰۲۸۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری بیوی شاہانہ ۵/ماہ قبل اپنی چچیری بہن کی شادی میں کچھ کپڑا زیور اور بچے کیساتھ اپنے والد ریاست خاں اور بھائی کے ساتھ گئی تھی،شادی کے وقت سے میکہ میں جاکر بیٹھ گئی ہے، مجھے نہیں معلوم کہ وہاں جاکر اس پر کیا دباؤ پڑ رہا ہے، کہ وہ آنے کیلئے تیار نہیں ہے، میرے والدین بھائی بہن،عزیز واقارب اور محلّہ والوں نے اس کو لانے کی ہر چند کوششیں کی ہیں کہ وہ آجائے،مگر اس کے والدین کسی مشیر کے دباؤ میں ہیں،جس کی وجہ سے وہ نہیں آرہی ہے، بلکہ اس کے والدین نے ابھی تک کئی بار مجھکو جان سے مارنے اور طلاق دلوانے کی دھمکیاں دی ہیں،جس کی وجہ سے میری والدہ والدا ور پورا

گھر پریشانی میں مبتلا ہے، میں اپنی بیوی بچے کی وجہ سے بے حد پریشان ہوں، آپ سے گذارش ہے کہ ایسی صورت میں آپ ہماری مدد فرمائیں، اور میری بیوی بچے کو ملانے کی تدبیر بیان فرمائیں؟ مہربانی ہوگی؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر آپ کی بیوی بلا کسی شرعی وجہ کے میکہ جا کر بیٹھ گئی ہے، اور آپ کی طرف سے ظلم وزیادتی نہیں ہوئی ہے، محض نافرمانی کے طور پر میکہ جا کر بیٹھ گئی ہے تو بیوی سخت گنہگار رہوگی، اس پر لازم ہے کہ واپس آ کر شوہر کے حقوق کی ادائیگی کیساتھ زندگی گذارے اور خدا کا خوف رکھے اور آپ پر بھی لازم ہے، کہ بیوی کے حقوق کی ادائیگی میں کوئی کوتاہی نہ کریں، اور اسکے ساتھ خوشگوار طریقہ سے زندگی گذاریں۔

عن أبي هريرة– رضی الله عنه – قال النبی ﷺ إذا باتت المرأة مهاجرة فراش زوجها لعنتها الملائكة حتى ترجع. (بخاری شریف، باب إذا باتت المرأة مهاجرة فراش زوجها، النسخة الهندية ۲/ ۷۸۲، رقم: ٤٩٩٩، ف:٥١٩٤)

عن جابر بن عبد الله قال: قال رسول الله ﷺ ثلثة لاتقبل لهم صلاة ولايصعد لهم إلىٰ الله حسنة السكران حتى يصحو، والمرأة الساخط عليها زوجها الخ. (المعجم الأوسط دارالفكر ٦/ ٤٠٨، رقم: ٩٢٣١، صحيح ابن خزيمه ،المكتب اسلامی، شعب الإيمان للبيهقی، دارالكتب العلمية بيروت ٥/ ١١، رقم: ٥٥٩٢، صحيح ابن حبان، دارالفكر ٥/ ٢٧٣، رقم: ٥٣٦٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/ رجب ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۵۰۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۸/ ۷/ ۱۴۲۵ھ

کیا بیوی میکے میں شوہر کی مرضی کے مطابق قیام کرے گی؟

سوال: [۱۰۲۸۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں سہیل ناصر رحمت نگر مرادآباد کا رہنے والا ہوں میرا نکاح گذشتہ سال سعادت گنج ضلع بارہ بنکی میں الحاج محمد نفیس صاحب کی بیٹی سے ہوا تھا، اگر میری اہلیہ اپنے والدین کے گھر جاتی ہے، تو والدین کی مرضی کے مطابق وہاں قیام کرے گی یا شوہر کی مرضی کے مطابق یعنی جتنے دن کی کی اجازت شوہر کی طرف سے ملے گی اتنے دن یا جتنے دن والدین چاہیں گے اتنے دن، (ہر مرتبہ میری طرف سے تقریباً بارہ سے پندرہ یوم کی اجازت ہے) نیز احقر اس بات کی وضاحت کا متمنی ہے کہ والدین کے گھر قیام کے دوران اہلیہ کو واپس بلانے کے سلسلہ میں شرعی طور پر شوہر کو کیا حقوق حاصل ہوں گے؟

المستفتي: سہیل ناصر، رحمت نگر، کرولہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عورت اپنے میکہ میں اتنے دن قیام کرسکتی ہے، جتنے دن کی شوہر اجازت دے، شوہر کی رضامندی کے بغیر اس سے زیادہ قیام کرنے کی صورت میں وہ نافرمان شمار ہوگی، اور شوہر کو اگر ضرورت ہو تو جتنے دن اس نے قیام کی اجازت دی ہے، اس سے پہلے بھی اس کو واپس بلاسکتا ہے۔

ولا یمنعها من الخروج إلی الوالدین فی کل جمعة إن لم یقدرا علی إتیانها وفی الشامی: فإن قدرا لا تذهب وهو حسن وقد اختار بعض المشائخ منعهامن الخروج إلیهما والحق الأخذ بقول أبی یوسف إذا کان الأبوان بالصفة التی ذکرت وإلا ینبغی أن یأذن لها فی زیارتهما فی الحین بعد الحین علی قدر متعارف أما فی کل جمعة فهو بعید. (شامی، کتاب الطلاق، باب النفقة، زکریا ۵/۳۲٤، کراچی ۳/۶۰۲)

وخارجة من بیته بغیر حق وهی الناشزة حتی تعود. (شامی، کتاب الطلاق، باب النفقة زکریا ۵/۲۸۶، کراچی ۳/۵۷۶)

عن زید بن أرقم رضی اللّٰه عنه عن النبی ﷺ قال: إذا وعد الرجل

أخاه ومن نيته أن يفي فلم يف ولم يجئى للميعاد فلا إثم عليه . (ابو داؤد شريف، باب في العدة، النسخة الهندية ۲/۶۸۲، دارالسلام رقم: ٤٩٩٥، المعجم الكبير للطبراني ، داراحياء الثرات العربي ۵/۱۹۹، رقم: ۵۰۸۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۵۹۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۵/۵ھ

بیوی کا شوہر کو چھوڑ کر اسکی مرضی کے بغیر خالو کے ساتھ رہنا

سوال: [۱۰۲۸۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری بیوی محشر جہاں بنت عبدالرشید موضع مانیا والا گڑھی، اب سے تقریباً ساڑھے تین سال پہلے خود ہی اپنے غلط چال چلن کے نتیجہ میں فرار ہوگئی، بہت سے زیورات کپڑے اور نقدی بھی چرا کر اپنے ساتھ لے گئی، جبکہ میں یعنی اس کا شوہر بسلسلہ روزگار سعودی عرب میں رہتا تھا، شوہر نے اپنی بیوی کو لانے کیلئے کئی لوگوں کو بیوی کے میکہ بھیجا لیکن بیوی نے آنے سے انکار کردیا جو لوگ بیوی کو لینے کیلئے گئے تھے، ان کو یہ جواب دیا کہ میں نہیں جاؤں گی، میرے شوہر سے کہدو کہ وہ دوسری شادی کرلیں، سعودی عرب سے لوٹ کر شوہر نے بھی اپنی بیوی کو اپنے گھر لانے کی بہت کوشش کی لیکن بیوی نے آنے سے انکار کردیا، مجبور ہوکر شوہر نے اپنی بیوی کو بلانے کیلئے عدالت میں حق زوجیت کا ایک دعویٰ دائر کردیا، بیوی نے حق زوجیت کے مقدمہ کی جواب دہی نہ کرکے دوسرے جھوٹے مقدمے قائم کردیئے، جو خارج ہوگئے، اس کے بعد میاں بیوی کا آپسی ایک فیصلہ ہوا، جو محلّہ کے ذمہ دار لوگوں کے سامنے ہوا لیکن بیوی اس فیصلہ سے بھی مکر گئی اور اب بیوی نے ایک نیا مقدمہ قائم کیا، یہ مقدمہ بیوی نے اپنے دور کے خالو کے پتہ سے کیا ہے، کیونکہ بیوی اس وقت اپنے ایک دور کے خالو کے یہاں مقیم ہے، جبکہ بیوی کے ماں باپ اور بھائی اپنے گاؤں مانیا والا گڑھی میں رہتے ہیں، صرف تنہا میری بیوی قصبہ

سیوہارہ میں اپنے خالو کے پاس رہنے چلی گئی ہے، اور قریب ایک سال سے اپنے خالو کے ساتھ رہ رہی ہے، کیا بیوی کا اپنے شوہر کو چھوڑ کر شوہر کی مرضی کے خلاف اپنے خالو کے یہاں رہنا جائز ہے؟

المستفتي: نعمت اللہ، محلّہ چھپی پاڑہ، نگینہ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: شوہر کی اجازت کے بغیر عورت کا گھر سے نکلنا اور دوسرے کے یہاں رہنا قطعاً جائز نہیں ہے، حدیث شریف میں آیا ہے، کہ جس عورت کا شوہر ناراض ہو اس کی نماز قبول نہیں ہوتی اور نہ ہی اس کی کوئی نیکی اللہ کے دربار میں پہونچتی ہے، بلکہ اس پر لعنت برستی رہتی ہے، اسلئے عورت کیلئے جائز نہیں ہے کہ شوہر کو اس طرح پریشان کرے، بلکہ شوہر کی اطاعت اور رضا جوئی اس کے ذمہ لازم ہے اور اگر شوہر سے نا اتفاقی کی بنا پر صلح یا تفریق تک الگ رہ رہی ہے، تو اپنے ماں باپ کے پاس رہنا ضروری ہے، اسلئے کہ خالو شرعی طور پر محرم نہیں ہوتے ہیں، لہٰذا شوہر کی زوجیت میں رہ کر غیر محرم کے یہاں رہنا قطعاً جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۹/۲۱۸، جدید ڈابھیل ۱۸/۵۸۱،۵۸۲)

للزوج أن يضرب زوجته على أربعة أشياء ومافي معنا ها ومنه ماإذا كشفت وجهها لغير محرم أو كلمت أجنبياً . (البحرالرائق، كتاب الحدود، باب حد القذف، كوئٹه ۵/ ٤٩، زكريا ۵/ ۸۲)

عن جابر بن عبد الله قال قال رسول الله ﷺ ثلاثة لا تقبل لهم صلوٰة ولا يصعد لهم إلىٰ الله حسنة السكران حتى يصحو والمرأة الساخط عليها زوجها الخ. (المعجم الأوسط، دارالفكر ٦/ ٤٠٨، رقم: ٩٢٣١، صحيح ابن خزيمه، المكتب الإسلامى ١/ ٤٦٦، رقم: ٩٤٠، صحيح ابن حبان، دارالفكر ٥/ ٢٧٣، رقم: ٥٣٦٤، شعب الإيمان للبيقهى، دارالكتب العلمية بيروت ٥/ ١١، رقم: ٥٥٩٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۸۵۴/۳۸)

نافرمان بیوی اور اولاد کے نفقہ کا حکم

سوال: [۱۰۲۸۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری دو بیویاں ہیں، پہلے ایک سے نکاح کیا اس سے تین لڑکے ایک لڑکی ہے، اور سب شادی شدہ بالغ ہیں، پھر میں نے پہلی بیوی کی اجازت سے دوسرا نکاح کیا اس پر لڑکوں نے گھر سے نکال دیا، اور پہلی بیوی نے بھی مجھے نکالنے میں ان کا ساتھ دیا اور مکان اور باغ پر زبردستی قبضہ کرلیا، جبکہ پہلی بیوی کے نام میں نے نو بیگہ زمین کردی ہے، اور ان بچوں کے نام بھی پانچ پانچ بیگہ زمین کردی ہے، فی الحال میں اپنے قبضہ کی زمین سے کچھ آمدنی حاصل کرتا ہوں، تو پہلی بیوی اور بچے اس کو چھین لیتے ہیں، اور منع کرنے پر مارتے ہیں، اور میرے ذمے دوسری بیوی اور اس کی نابالغ پانچ اولاد کا خرچہ بھی ہے، جو بمشکل اٹھا پاتا ہوں، دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا میرے لئے پہلی بیوی کو نفقہ دینا ضروری ہے، جبکہ وہ میرے مکان اور باغ پر قابض ہے، اور مجھے گھر سے نکال دیا ہے، اور دینے کی صورت میں دوسری بیوی کے نابالغ بچے بھوکے رہتے ہیں، وضاحت کیساتھ بیان فرمائیں اور نہ دینے کی صورت میں کیا میں گنہگار رہوں گا؟

المستفتي: اقرار نبی، سرائے کھجور، تھانہ چھجلیٹ، مراد آباد۔ یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شریعت نے ایک مرد کو بیک وقت اپنے نکاح میں چار عورتوں کے رکھنے کی اجازت دی ہے، لھذا اس دوسری شادی کی وجہ سے لڑکوں کا اپنے باپ کو گھر سے نکال دینا اور باپ کی مملوکہ زمین کی آمدنی چھیننا جائز نہیں ہے، نیز ایسی صورت میں پہلی بیوی شرعاً ناشزہ کہلائے گی، اور نافرمان بیوی اور نافرمان اولاد کیلئے باپ کے اوپر کوئی خرچہ وغیرہ لازم نہیں ہے، اس کے باوجود آپ نے زمین ان کو دی ہے جو نان نفقہ کے

خرچہ سے بھی زیادہ ہے حالانکہ شرعاً لازم نہیں تھا، اور آپ کو آپ کے گھر سے نکالنے کا کسی کو حق نہیں ہے، بلکہ آپ کو حق ہے کہ نافرمان بیوی اور نافرمان اولاد کو گھر سے نکال دیں، اور دوسری بیوی اور اس کے نابالغ بچوں کا خرچہ آپ کے اوپر لازم ہے، اور پہلی بیوی کی بالغ اولاد کو کچھ نہ دینے سے آپ گنہگار نہیں ہوں گے۔

وصح نكاح أربع من الحرائر والإماء . (درمختار كتاب النكاح، زكريا ١٣٨/٤، كراچی ٤٨/٣)

فَانْكِحُوْا مَاطَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبَاعَ. (النساء:٣)

ولا نفقة للناشزة لفوات التسليم بمعنىً من جهتها وهو النشوز . (بدائع الصنائع، كتاب النفقة، فصل في شرط وجوب النفقة، زكريا٣/٤٢٨، كراچی ٢٢/٤، شامی، زكريا ٣٢٩/٥، كراچی ٦٠٦/٣، هدايه، اشرفی٢/٤٣٨، تنقيح الفتاویٰ، الحامديه، دار الكتب العلمية بيروت١/٧٥)

ولا يمنع الشخص من تصرفه فی ملكه . (درمختار، مطلب إقتسموا داراً وأراد كل منهم، فتح، باب لهم ذلك! زكريا٨/١٥٢، كراچی ٤٤٦/٥، تنقيح الفتاویٰ الحادميه، دار الكتب العلمية بيروت١/٣١١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۸۸۶۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۶/۲۰ھ

مطلقہ کیلئے شوہر سے کن کن چیزوں کے مطالبہ کا حق ہے؟

سوال: [۱۰۲۸۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری شادی ۲/ مئی ۲۰۰۵ء کو شاہ عالم ولد نسیم وارثی سے ہوئی جو محلّہ ٹھیرا میں رہتے ہیں، اور شادی سے پہلے سسرال والے آتے رہتے تھے، شادی کے بعد چار مہینہ مجھے اپنی سسرال میں رکھا اسکے بعد مجھے طرح طرح سے پریشان کرنے اور میرے ماں باپ کو برا بھلا کہنے لگے، اسی عرصہ میں ایک بچہ پیدا ہوا جو میرے پاس ہے، اور دوسرا بچہ میرے

شکم میں ہے،جسکی تاریخ دوماہ باقی ہے، دوسروں کے کہنے میں آ کر میرے شوہر ساس سسرا ور دیور نے مجھے پریشان کیااور کئی بار مجھے گھر سے نکالدیا لیکن میرے والد نے مجھے سسرال بھیج دیا، شادی کے چار مہینہ کے بعد میرا زیور مجھ سے چھین لیا آخر ۹؍اپریل کی شام کو میرے سسر نسیم وارثی نے میرا بچہ چھین کرا ور ہاتھ میں پرچہ دیکر مجھے گھر سے نکالدیا میں اپنے میکہ آ گئی میرے والد نے ہر چند کوشش کی لوگوں نے سمجھانے کی کوشش کی امن کمیٹی کے لوگوں نے بھی سمجھایا لیکن میری سسرال والے مجھے طلاق دینے پر آمادہ رہے، پھر مجھے مجبور ہوکر پولس کا سہارا لینا پڑا، افسر ایس پی صاحب اورسی او صاحبہ مہیلا نے کوشش کی اور میرا بچہ مجھے دلوایا لیکن میرے شوہر نے ایس پی صاحب اورشہرامام کے سامنے طلاق دیدی اس کے بعد فتویٰ لاکر طلاق کی تصدیق کردی، میں ایک دین دار باپ کی بیٹی ہوں اور دینداری مجھے پسند ہے مہربانی فرماکر مجھے بتایا جائے، کہ کیا نیچے لکھا مطالبہ میں اپنے شوہر شاہ عالم سے کرسکتی ہوں؟ دین مہر میں بیس ہزار روپیہ، عدت کا نفقہ چودہ ہزار، نرسنگ ہوم خرچ دس ہزار، ۲۰۰۰ء میں جواب آیا پینتیس ہزار (۳۵۰۰۰)، تاریخ شادی طے ہوئی چار ہزار، علاوہ شادی کے جہیز ایک لاکھ دس ہزار، دو بچوں کا خرچ دو ہزار۔ میزان دولاکھ انتیس ہزار (۲۲۹۰۰۰) روپئے ہوئے۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: (۱) دین مہر بہر حال آپ کا شرعی حق ہے، اسکے مطالبہ کا حق آپ کو ہر وقت حاصل ہے۔

وتجب العشرة إن سماها أو دونها ويجب الأكثر منها إن سمى الأكثر ويتأكد عند وطء أو خلوة صحت من الزوج أوموت أحدهما .

(شامی، کتاب النکاح، باب المهر، زکریا ٤/٢٣٣، کراچی ٣/١٠٢)

وحكى الطحاوى فى هذه المسئلة إجماع الصحابة من الخلفاء الراشدين وغيرهم لأن المهر وجب بنفس العقد -إلىٰ قوله- إلا أن

الوجوب بنفس العقد ثبت موسعا ويتضيق عند المطالبة والدين المضيق واجب القضاء . (بدائع الصنائع ، زكريا ٢/ ٥٨٦، كراچی ٢/ ٢٩٢)

(۲) عدت کا خرچہ جانبین کی رعایت اور معیار زندگی کے اعتبار سے چند افراد کے ذریعہ سے متعین ہونا چاہئے ، نہ بے تکہ زیادہ مطالبہ کی اجازت ہے، اور نہ ہی اتنا کم ہو جس سے تین ماہواری کے درمیان کھانے پینے کی ضرورت پوری نہ ہو سکے، اور چودہ ہزار روپیہ جو لکھا گیا ہے، وہ آپ کا اپنی طرف سے مطالبہ ہے اس کا اعتبار نہیں ہے، بلکہ اعتبار اسی کا ہوگا جس کو غیر جانبدار سمجھدار لوگ معتدل اور درمیانی درجہ کا خرچہ متعین کریں گے۔

عَلَى الْمُوسِعِ قَدَرُهُ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهُ . (البقرة: ٢٣٦)

ولا يقدر نفقتها بالدراهم والدنانير على أي سعر كانت بل يقدر بها على حسب اختلاف الأسعار غلاء ورخصا رعاية للجانبين. (عالمگیری ، الباب السابع عشر فی النفقات ، زكريا قديم ١/ ٥٤٧، جديد ١/ ٥٩٧، بدائع الصنائع ، كراچی ٤/ ٢٣، زكريا ٣/ ٤٢٩)

وتجب لمطلقة الرجعي والبائن – إلىٰ قوله – والنفقة والسكنىٰ والكسوة وفي الشامية وفي المجتبىٰ: نفقة العدة كنفقة النكاح . (شامی، مطلب في نفقة المطلقة ، زكريا ٥/ ٣٣٣، كراچی ٣/ ٦٠٩)

(۳) نرسنگ ہوم کا خرچہ شوہر کے اوپر اس وقت لازم ہوتا ہے، جب شوہر کے مشورہ اور اسکی اجازت سے خرچ کیا گیا ہو جس نرسنگ ہوم میں علاج اور ولادت ہوئی ہے، اگر شوہر نے اس نرسنگ ہوم میں علاج اور ولادت کی اجازت دی ہے، تب اسکے اوپر خرچ لازم ہوگا ، اور اگر شوہر کا نہ مشورہ رہا ہے اور نہ شوہر نے اجازت دی ہے تو ایسی صورت میں اس کا خرچہ شوہر پر لازم نہیں۔

وأجرة القابلة عليها إن استاجرتها ولو استاجرها الزوج فعليه .

(عالميگرى ، الباب السابع عشر فی النفقات ، زكريا قديم ١/ ٥٤٩، جديد ١/ ٥٩٩، الدرمع

الرد،زکریا ۲۹۱/۵، کراچی ۵۷۹/۳)

(۴) ۲۰۰۰ء میں ۳۵؍ ہزار روپیہ جواب کے خرچ کا کیا مطلب ہے،؟ اگر اس کا مطلب یہ ہے کہ بعض جگہ جواب کے نام سے لڑکے والوں کی طرف سے سوٹوں کا مطالبہ ہوتا ہے، جس میں چالیس چالیس پچاس پچاس اور ستر ستر سوٹوں کا مطالبہ ہوتا ہے، اور لڑکی والے دباؤ میں آ کر مجبوراً دیتے ہیں، اگر جواب کا یہی مطلب ہے تو اس کی واپسی لازم ہے اور اگر کوئی دوسرا مطلب ہے تو واضح فرما دیں۔

لو أخذ أهل المرأة شيئاً عند التسليم فللزوج أن يسترده لأنه رشوة. (شامی، كتاب النكاح، باب المهر مطلب أنفق على معتدة الغير، زكريا ٣٠٧/٤، كراچی ١٥٦/٣، هنديه، زكريا قديم ٣٢٧/١، جديد ٣٩٣/١)

إن أخذه من غير عقد لم يملكه و يجب عليه أن يرده على مالكه إن وجد المالك. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارن پور، قديم ٣٧/١، دارالبشائر الإسلامية ٣٥٩٥/١، تحت رقم الحديث: ٥٩)

(۵) شادی کی تاریخ طے ہوتے وقت چالیس ہزار روپیہ لڑکی والوں نے اپنے اختیار اور مرضی سے خرچ کیا ہے لہٰذا تو طلاق کے وقت لڑکی والوں کو اسکے مطالبہ کا حق نہیں ہے، بلکہ یہ مہمانداری اور تبرع کے درجہ میں ہے۔

وأما إذا كانت بغير أمره فظاهر لأنه لا يملك الرجوع على المحيل فكان تبرعاً بابتدائه وانتهائه. (بدائع الصنائع، شرائط الحوالة، زكريا ٩/٥، كراچی ١٦/٦)

(٦) جہیز کا سامان جس حالت میں بھی ہو اسی حالت میں لڑکی کو ملنا ضروری ہے، اور اسکے علاوہ شادی کے موقع پر لڑکی والوں نے جو خرچ کیا ہے، اسی طرح لڑکے والوں نے جو خرچ کیا ہے، وہ اپنے اختیار سے خرچ کیا ہے، لہٰذا نہ لڑکی والوں کو لڑکے والوں سے مطالبہ کا حق ہوگا، نہ لڑکے والوں کو لڑکی والوں سے مطالبہ کا حق ہوگا۔

وأما إذا كانت بغير أمره فظاهر؛ لأنه لايملك الرجوع على

المحيل ، فكان تبرعاً بابتدائه وانتهائه. (بدائع الصنائع ، شرائط الحوالة ، زكريا ٥/ ٩، كراچی ٦/ ١٦)

(۷) بچوں پر خرچ کرنیکا اختیار باپ کو حاصل ہے ان کی پڑھائی کے خرچ کا اختیار بھی باپ کو ہے، اگر باپ بچوں کو صرف روٹی کھلا کر پالنا چاہے، تو اسکے اختیار میں ہے، اسی طرح اگر باپ ان کو مفت کے اسکول اور مدرسہ میں پڑھانا چاہے، تو اسکے اختیار میں ہے، اس لئے باپ سے بچوں کے خرچ کے نام پر اپنی مرضی سے جو چاہے مطالبہ کا حق نہیں ہے، اور یہ جو مسئلہ لوگوں کے ذہن میں ہے کہ لڑکے کو سات سال تک اور لڑکی کو بالغ ہونے تک رکھنے کا حق ماں کو حاصل ہے، اسکے بعد باپ کو حاصل ہو جاتا ہے، شریعت کا حکم ایسا ہی ہے، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ جتنے دن ماں کے پاس رہیں گے اتنے دنوں میں ماں جیسا چاہے، بچوں کے خرچ کا مطالبہ باپ سے کرے، بلکہ مناسب انداز کا خرچ باپ اپنی معیار زندگی کے اعتبار سے اس وقت دیگا جب سات سال کی عمر پوری ہونے کے بعد بیٹا باپ کو مل جائے گا، اور بالغ ہونے کے بعد لڑکی باپ کو مل جائے گی۔

وتجب النفقة بأنواعها على الحر لطفله الفقير –إلىٰ قوله – فلو كانا فقيرين فالأب يكتسب أو يتكفف وينفق عليهم وفى الشامية: تحته – وفى القستانى عن المحيط وتفرض على المعسر بقدر الكفاية وعلى الموسر بقدر مايراه الحاكم . (شامی، كتاب الطلاق، باب النفقة ، زكريا ٥/ ٣٣٧، كراچی ٣/ ٦١٢)

وبعد الفطام يفرض القاضى نفقة الصغار على قدر طاقة الأب . (عالمگيری ، الباب السابع عشر فی النفقات ، الفصل الرابع في نفقة الاولاد ، زكريا قديم ١/ ٥٦١، جديد ١/ ٦٠٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ر شعبان ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۳۹۰/۳۸)

مطلقہ معتدہ کے شوہر پر حقوق

سوال: [۱۰۲۸۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ احقر کی شادی روبینہ اقبال سے تقریباً بیس سال قبل ۵/لاکھ روپیہ مہر پر ہوئی تھی، آرام سے زندگی گذر رہی تھی، اس درمیان دو بچوں کی ولادت ہوئی جن کی عمر فی الحال لڑکا ۱۷/سال اور لڑکی ۱۳/سال کی ہے، فروری ۲۰۱۰ء میں اچانک روبینہ اقبال جو اس وقت میری زوجیت میں تھیں دونوں بچوں کو لے کر اپنی مرضی سے میری اجازت کے بغیر میرے گھر سے چلی گئیں اس بیچ کچھ وقفہ میرے رشتہ داروں اور کچھ لوگوں کے یہاں مقیم رہیں، اس کے بعد انہوں نے مجھ سے مطالبہ کر کے ایک مکان اپنی اور بچوں کی رہائش کیلئے مانگا، میں نے اپنی زوجہ سے کہا کہ آپ واپس آجائیں یہ ٹھیک نہیں ہے، لیکن انھوں نے قطعی طور پر خود اور بچوں کو آنے سے منع کر دیا تو میں نے مجبور ہو کر کانپور میں ایک رہائشی مکان فراہم کرادیا، اور تب سے اب تک مکان کا کرایہ اور گھر کا خرچہ بچوں کی فیس کی مد میں تیس ہزار روپیہ ماہانہ دیتا چلا آرہا تھا، بار بار سمجھانے اور بلانے کے باوجود جب وہ میرے گھر پر نہیں آئی تو مجبوراً ہو کر شوال ۱۴۳۲ھ میں اپنی زوجہ کو طلاق دیدی، طلاق کے بعد صرف بچوں کی فیس اور پڑھائی کا خرچہ برداشت کر رہا ہوں، اور مہر جو پانچ لاکھ روپیہ تھی اسکو بھی چیک کی صورت میں اپنے ایک عزیز کے پاس جوان کے عزیز بھی ہیں دیدی ہے کہ وقت پر ادا کر دیں، اب مسئلہ یہ ہے کہ طلاق کے بعد مطلقہ بیوی کی جانب سے شوہر کے اوپر کیا کیا ذمہ داریاں ہیں، جن کو پورا کرنا ہے؟

بچوں کے بارے میں شریعت کے مطابق والد کے اوپر کیا ذمہ داریاں ہیں؟ شریعت کے مطابق بچے عمر بلوغت سے پہلے اور بعد میں کس کے پاس پرورش پائیں گے؟

المستفتی: شارق رسول (مرحوم) بانسمنڈی، کانپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: طلاق دینے کے بعد شوہر کے اوپر بیوی کی تین ماہواری گذرنے کی مدت تک عدت کا خرچہ دینا لازم ہوتا ہے، بشرطیکہ بیوی ایسی جگہ عدت گذارتی ہو، جہاں رہ کر عدت گذارنے میں شوہر کی مرضی ہو، اور عدت پوری ہوجانے کے بعد جبکہ مہر بھی ادا ءکردیا ہو، شوہر کے اوپر بیوی کی طرف سے کسی قسم کا مطالبہ باقی نہیں رہتا ہے، پھر بھی اگر بیوی مطالبہ کرے، تو شرعی طور پرنا جائز مطالبہ ہوگا، ہاں البتہ بچوں کے بارے میں شریعت کا حکم یہ ہے کہ اگرلڑکا ہے تو سات سال تک ماں کو اپنی پرورش میں رکھنے کا حق ہے، اس زمانہ میں بچہ کا خرچہ باپ پر لازم ہوتا ہے، اورسات سال کے بعد باپ اپنی پرورش میں اپنے پاس منتقل کرسکتا ہے، اور اگرلڑکی ہے تو اس کے مہینہ آنے کے زمانہ تک ماں کو اپنی پرورش میں رکھنے کا حق ہے، اور اس زمانہ میں بچی کا خرچہ باپ ادا کریگا، اورمہینہ آنے کا سلسلہ شروع ہوجائے تو باپ کو اپنی پرورش میں منتقل کرنے کا حق ہے۔

وإذا لم تخاصم المعتقة في نفقتها حتى انقضت عدتها فلا نفقة لها وكذلك التي طلقها زوجها لأن نفقة العدة لاتكون أوجب من نفقة النكاح وقد بينا أن نفقة النكاح لاتصير دينا بمضي المدة قبل الفرض ولايكون لها أن تطالب بها بعد زوال النكاح. (مبسوط للسرخسي، دارالكتب العلمية بيروت ٥/ ٢٠٤)

سبب استحقاق هذه النفقة العدة والمستحق بهذا السبب في حكم العلة، فلا بد من قيام السبب لاستحقاق المطالبة. (البحرائق، كتاب الطلاق، باب النفقة، زكريا ٤/ ٣٣٨، كوئٹه ٤/ ١٩٩)

وإذا مضت مدة ولم ينفق عليها الزوج فلا شيئ لها من ذلك.
(تبيين الحقائق، امداديه، ملتان ٣/ ٥٥،زكريا ٣/ ٣١١)

والحاضنة أما أو غيرها أحق به أي بالغلام حتىٰ يستغني عن النساء وقدر بسبع وبه يفتى لأنه الغالب. (شامي، كتاب الطلاق، باب الحضانة، زكريا

٥/٢٦٧، کراچی ٣/٥٦٦، هندیه زکریا قدیم ١/٥٤٢، جدید ١/٥٩٣)

وأما الجارية فهي أحق بها حتى تحيض كذا ذكر في ظاهر الرواية .

(بدائع الصنائع ، فصل في وقت الحضانة ، زکریا ٣/٤٥٩، کراچی ٤/٤٢، المبسوط للسرخسی ، دارالكتاب العلمية بيروت٥/٢٠٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٢٤ رصفر ١٤٣٣ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٩/ ١٠٦٢٨)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
١٤٣٣/٢/٢٤ھ

تکمیل عدت کے بعد بیوی کا شوہر کے گھر رہنا

سوال: [١٠٢٩٠]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نے اپنی بیوی شاہانہ بیگم کو ١٦ ر جون ١٩٩٨ء کو طلاق دیدی عدت بھی پوری ہوگئی مگر عدت کے بعد بھی شاہانہ بیگم اپنے شوہر کے گھر میں مقیم ہے، تو کیا مطلقہ عورت عدت گذر جانے کے بعد میرے گھر میں رہ سکتی ہے، جبکہ وہ میرے گھر میں زبردستی مقیم ہے، کیا اس کو اس کا حق حاصل ہے، کہ وہ ہمارے گھر میں عدت گذارنے کے بعد مقیم رہے، اور اگر رہنے کا حق ہے تو کب تک قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں، عین نوازش ہوگی؟

المستفتی: ڈاکٹر جعفر علی، ولد جناب حلیم
وزیر علی صاحب، ساکن، محلّہ: کٹار شہید، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر واقعی عورت کی عدت ختم ہوچکی ہے، اور عورت انقطاع عدت کا اقرار بھی کررہی ہے، تو عورت کو شوہر کے گھر میں رہنا جائز نہیں ہے، اور شوہر کے ذمہ یہ لازم نہیں ہے کہ وہ اسے اپنے گھر میں رکھے، بلکہ شاہانہ بیگم پر ضروری ہے کہ وہ قرآن وحدیث کا لحاظ رکھتے ہوئے شوہر کا گھر چھوڑ کر اپنے اقرباء کے یہاں چلی جائے۔

ولا تخرجوهن من بيوتهن . الآية: أى من مساكنهن عند الطلاق

إلـىٰ أن تنقضي عدتهن . (روح المعاني ، زكريا ١٥/ ١٩٧، تحت تفسير رقم الآية: ١ من سورة الطلاق)

شوہر کے گھر میں ایسی حالت میں رہنا حرام ہے، خدا کے عذاب کا ہر وقت خطرہ ہے، کیونکہ عدت کے بعد دونوں ایک دوسرے کیلئے اجنبی ہیں، اور عدت کے بعد شاہانہ کا اس کے گھر میں رہنا غیر مرد کے گھر میں رہنے کی طرح ہے ۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍ شعبان ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۶۳۱۶/۳۴)

وقت گذرنے کے بعد عدت اور بچوں کا خرچہ شوہر سے ساقط ہو جاتا ہے

سوال: [۱۰۲۹۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرے شوہر نے طلاق کے بعد کوئی بھی خرچ میرا یا میرے بیٹے کا نہیں دیا یہاں تک کہ عدت کے زمانہ کا خرچ بھی نہیں دیا، کیا ان پر یہ خرچ واجب نہیں تھا؟ اور نہ ہی مہر ادا کیا مہر کی رقم چار ہزار روپئے ۱۹۷۷ء میں طے ہوئی تھی، اسے بھی ادا نہیں کیا تو مہر ادا کرنا لازم ہے یا نہیں؟ اب کتنا مہر ملیگا، میرے شوہر نے مجھے تیس سال قبل طلاق دیدی تھی؟

المستفتي: اختری بیگم، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق : طلاق کے بعد شوہر پر عدت کے زمانہ کا نان ونفقہ لازم ہوتا ہے، لیکن جب طلاق کو تیس سال گذر چکے ہیں تو ماضی یعنی گذشتہ زمانہ کا خرچہ ساقط ہو چکا ہے، اسی وقت مطالبہ کیا جاتا تو مل سکتا تھا، اب نہیں ملے گا، اسی طرح بیٹے کو سات سال کی عمر تک ماں اپنے پاس رکھتی ہے اور اس زمانہ میں اس کا خرچہ باپ کو دینا لازم ہوتا ہے، لیکن اس وقت خرچہ کا مطالبہ نہیں کیا گیا، تو اب اتنے سالوں کے بعد ماضی کا خرچہ مانگنے کا حق نہیں ہے، اور سات سال کی عمر کے بعد باپ کو اپنے بیٹے کو اپنے پاس رکھنے کا حق ہو جاتا ہے،

یہ سب باتیں اتنے سالوں کے بعد ختم ہو چکی ہیں، البتہ مہر کی رقم شوہر کے ذمہ باقی ہے، اگر چار ہزار روپیہ مہر تھا، تو اب بھی چار ہزار ہی مہر میں ملیں گے۔

والنفقة لاتصير ديناً إلا بالقضاء أو الرضاء ………… فقبل ذلك لايلزمه شيئی (تحته فی الشامی) أي إذا لم ينفق عليها بأن غاب عنها أو كان حاضراً فامتنع فلا يطالب بها بل تسقط بمضي المدة . (شامی، کتاب الطلاق ، باب النفقة ، زکریا ۳۱۱/۵، کراچی ۵۸۵/۳)

ثم اعلم أن المراد بالنفقة نفقة الزوجة بخلاف نفقة القريب فإنها لاتصير ديناً، ولو بعد القضاء والرضاء حتى لومضت مدة بعد هما تسقط كمايأتی . (شامی، زکریا ۳۱۱/۵، کراچی ۵۸۵/۳)

قضیٰ بنفقة غير الزوجة زاد الزيلعی والصغير ومضت مدة أی شهر فأكثر سقطت لحصول الاستغناء فيما مضیٰ . (وفی الشامی) وفی الهداية، ولو قضی القاضی للولد والوالدين وذوی الأرحام بالنفقة فمضت مدة سقطت لأن نفقة هؤلاء تجب كفاية للحاجة حتى لاتجب مع اليسار وقد حصلت بمضي المدة بخلاف نفقة الزوجة إذا قضیٰ بها القاضی . (شامی، مطلب فی مواضع لايضمن فيها المنفق ، إذا قصد الاصلاح، زکریا ۳۷۰/۵، کراچی ۶۳۳/۳)

وإذا فرض القاضی نفقة المعتدة فی عدتها و قد استدانت علیٰ الزوج أولم تستدن ثم انقضت عدتها قبل أن تقبض شيئاً من الزوج فإن استدانت بأمر القاضی كان لها الرجوع بذلك علیٰ الزوج وإن استدانت بغير أمر القاضی أولم تستدن أصلاً ، قيل تسقط وهو الصحيح هٰكذا فی جواهر الأخلاطی . (عالمگیری ، الفصل الثالث فی نفقة المعتدة ،زکریا قديم ۵۵۹/۱، جديد ۶۰۶/۱)

وتجب النفقة لمطلقة الرجعی والبائن ………… ولا تسقط النفقة

المفروضة بمضي العدة . تحته فی الشامية) أي إذا مضت مدة العدة ولم تقبضها فلها أخذ ها لو مفروضة أي أو مصطلحاً عليها لكن لو مستدانة بأمر القاضی فلا كلام وإلا ففيه خلاف، اختار الحلوانی أنها لاتسقط أيضاً وأشار السرخسی، إلیٰ أنها تسقط وفی الذخيرة وغير ها أنه الصحيح قال فی البحر : وعليه فلا بد من إصلاح المتون فإنهم صوحوا بأن النفقة تجب بالقضاء أو الرضاء وتصير ديناً وهنا لاتصير ديناً الخ. (شامی، مطلب فی نفقة المعتدة ، زكريا ٥/٣٣٣، كراچی ٣/٦١٠)

الديون تقضی بأمثالها . (شامی، باب اليمين فی الضرب والقتل وغير ذلك ، مطلب لأقضين مالك اليوم ، زكريا ٥/٦٦٤، كراچی ٣/٨٤٨، الاشباه والنظائر ، الفن الثانی/٢٥٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰؍رجب ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۲۱۱/۴۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۸/۱ھ

طلاق کے بعد شوہر سے اپنا قرض مانگنا

سوال: [۱۰۲۹۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری شادی کو تقریباً چار سال ہو چکے ہیں، میرے پاس تین سال کی ایک بیٹی بھی ہے، میرے دو بچے انتقال کر گئے میرے شوہر پہلے مجھے ٹھیک رکھتے تھے، شادی کے ڈیڑھ سال بعد ان کا چکر پیلی بھیت کی ایک لڑکی سے چل گیا، ۲۴؍ستمبر ۲۰۰۹ء میں میرا لڑکا پیدا ہوا اور وہ دوسرے دن انتقال کر گیا، ۱۰؍اکتوبر ۲۰۰۹ء میں میرے شوہر نے اس لڑکی سے نکاح کر لیا اور اس کے ساتھ بمبئی میں رہ رہے ہیں، جب مجھے معلوم ہوا تو میں نے بھی بمبئی جانے کو کہا جب میرا چلہ پورا ہوا تو گھر والوں نے مجھے بمبئی بھیجدیا انھوں نے مجھے بمبئی میں ایک ہفتہ کسی ملنے والے کے مکان پر رکھا اور میرے ساتھ اچھے سلوک نہیں کئے، میں

تو اس سوکن پر بھی رہنے کو تیار تھی مجھے اپنا گھر بنانا تھا، جب انھوں نے ٹھیک طرح سے نہیں رکھا تو میں پھر مرادآباد آ گئی ایک دو مہینے مرادآباد رہی پھر میری بچی نے اپنے ابو کے پاس جانے کی ضد کی تو میں پھر چلی گئی، میرے گھر والے، مجھے نہیں بھیجنا چاہ رہے تھے، لیکن میں پھر بھی چلی گئی، جب میں وہاں پر گئی تو انھوں نے مجھے مارا پیٹا اور دوسری عورت میرے بارے میں ان کو چڑھاتی تھی، تو وہ مجھے مارتے پیٹتے تھے، مارنے کی دھمکی دیتے تھے، حتیٰ کہ دونوں نے مل کر وہاں مجھے بہت پریشان کیا میں اب مرادآباد آ گئی ہوں، میں بہت پریشان ہوں، اور ان حالات میں طلاق لینا چاہتی ہوں۔

جب میں شادی ہو کر اپنی سسرال گئی تھی، تو میرے شوہر نے شادی کے دن مجھ سے کہا تھا، کہ یہ زیور جو تم نے پہن رکھا ہے، اس کی قیمت تمہاری مہر کی قیمت کے برابر ہے، یہ چیز آج سے تمہاری ہے، میرے مہر کی قیمت پچیس ہزار ہے، اس کے بعد انھوں نے وہ سب زیور حتی کہ میری امی کے یہاں کا بھی سب بیچ دیا مجھ سے اجازت نہیں لی، بعد میں مجھے بتادیا، ان سب باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے، مجھے فتویٰ دیں کہ میرا ان حالات میں مہر کی قیمت لینا جائز ہے جبکہ میرے پاس ایک بچی ہے، میں وہ بچی دینا نہیں چاہتی ہوں آپ فتویٰ دیجئے۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جب شوہر نے مہر کے عوض میں آپ کو زیور دیدئے ہیں، تو وہ زیورات آپ کی ملکیت بن گئے، اور شوہر کی طرف سے مہر ادا ہو گیا، لیکن جب اس کے بعد مہر کے زیورات میکے سے ملے ہوئے زیورات بطور قرض لئے ہیں، تو شوہر کے اوپر قرض کے طور پر آپ کے مہر کے زیور اور میکے سے ملے ہوئے زیور کی واپسی لازم ہے اور طلاق کی صورت میں آپ کو اپنا حق واپس مانگنے کا مکمل حق ہے، اور اگر وہ زیورات موجود نہیں ہیں، تو ان کی قیمت مانگنے کا حق ہے اور بچی کو بالغ ہونے تک آپ کو اپنے پاس رکھنے کا حق ہے۔

إن الديون تقضى بأمثالها على معنىٰ أن المقبوض مضمون على القابض . (شامی، مطلب الديون، تقضى بأمثالها، زكريا ٥/٦٧٥، كراچی ٣/٨٤٨)

والأم والجدة أحق بالجارية حتى تحيض . (هنديه ، الباب السادس عشر في الحضانة ، زكريا قديم ١/ ٥٤٢ ، جديد ١/ ٥٨٣ ، بدائع ، زكريا ٣/ ٤٥٩ ، كراچی ٤/ ٤٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲ر جمادی الاً ولیٰ ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۰۵۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۲/۵/۱۴۳۱ھ

داماد اور خسر کی ذمہ داری

سوال: [۱۰۲۹۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر بیوی شوہر کی رضا مندی سے میکے والد کے گھر جاتی ہے، تو وہاں جا کر اس کا باپ اسے زبردستی جہالت کی بنا پر روک لیتا ہے، اور ساتھ میں بلانے پر داماد سے بدکلامی اور گستاخانہ طور پر پیش آتا ہے، اور اپنی لڑکی کو ورغلانا شروع کرتا ہے، جبکہ شادی کو عرصہ ۱۵ر سال گذر چکے ہیں، تا حال آپس میں دونوں میاں بیوی میں محبت ہے کسی طرح کوئی شرعی تفریق نہیں صرف لڑکی کا والد لڑکی کی مرضی کیخلاف رکاوٹ ڈالتا ہے، یہاں تک کہ اپنی لڑکی کے سامنے اس کی طلاق کا مطالبہ بلا کسی شرعی عذر کے کرتا ہے، اسکی لڑکی بھی اپنے والد کے خلاف ناراضگی کا اظہار کرتی ہے، والد کا یہ طریقہ جائز ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو کیا سزا ہے؟

المستفتي: عبداللطیف، جموں کشمیر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: داماد پر لازم ہے کہ وہ اپنے خسر صاحب کی عزت کرے اور خسر کو باپ کے درجہ میں سمجھ کر باپ کی طرح عزت کرے، اور خسر کیلئے بلاوجہ ایسا کرنا کہ جو لڑکا لڑکی کے درمیان ازدواجی زندگی برباد ہونے کا سبب ہو جائز نہیں ہے ان کے ساتھ شفقت کا معاملہ کرنا لازم ہے، ورنہ سخت گنہگار ہوں گے۔

عن عبد الله بن عمرو بن العاص، قال: قال رسول الله ﷺ : ليس

منا من لم یرحم صغیرنا ، ویؤقر کبیرنا . (الأدب المفرد، باب إجلال الکبیر ، دار الکتب العلمیة بیروت/۱۱٤، رقم: ۳۵۸، سنن الترمذی ، باب ماجاء فی رحمة المصبیان ، النسخة الهندیة ۲/ ۱٤ ، دارالسلام رقم: ۱۹۱۹،المعجم الکبیر للطبرانی ، داراحیاء الثراث العربي ۱۱/ ٤٤۹، رقم: ۱۲۲۷٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱رصفر ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر:۳۳/۴ ۵۱۷۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۲/۱۱ھ

بہو کا ساس وخسر کی خدمت کرنا

سوال: [۱۰۲۹۴]: کیافرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کی والدہ کا انتقال ہوگیا ہے، زید کے گھر میں والد اور ایک چھوٹا بھائی رہتا ہے، زید باہر کام کرتا ہے، ہفتہ ۱۵ ؍دن میں گھر آتا ہے، زید چاہتا ہے، کہ اسکی اہلیہ والد اور بھائی کی خدمت کرے، مگر زید کے خسر اور ساس نہیں چاہتے کہ شوہر کے علاوہ اور کسی کی خدمت کی جائے، مثلاً کھانا پکانا کپڑے دھونا اسی طرح کے اور کام کاج زید کی اہلیہ بھی کھلکر تو نہیں مگر تھوڑا ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بھی نہیں چاہتی، شرعاً کیا حکم ہے؟ زید سختی کرتا ہے تو اہلیہ کے ماں باپ کہتے ہیں، کہ نکاح زید کیساتھ ہوا ہے نہ کہ والد کے ساتھ؟

المستفتي:شمشاد احمد، پیرزادہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق :اگر زید کی اہلیہ بخوشی ان کی خدمت کرتی ہے، تو زید کے خسر وساس کو دخل دینے کا حق نہیں اور اگر زید کی اہلیہ خود نہیں چاہتی ہے تو زید کو اہلیہ پر خدمت والدین کیلئے زور و دباؤ دینے کا حق نہیں ہے۔

لیس للرجل أن یستخدم امرأته الحرة. (المحیط البرهاني ، المجلس العلمی ٤/ ۲۳۷، رقم: ٤١٥١، الفتاویٰ التاتار خانیة ، زکریا ٤/ ۳۰۹، رقم: ٦۲۷۱)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶/ ذی الحجہ ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۷۴۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴/۱۲/۶ھ

شوہر کا بیوی کو اہل خانہ کی خدمت پر مجبور کرنا

سوال: [۱۰۲۹۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کے گھر میں والد اور ایک چھوٹا بھائی رہتا ہے، زید چاہتا ہے، کہ اسکی اہلیہ والد اور بھائی کی خدمت کرے، مثلاً کھانا پکانا کپڑے دھونا اسی طرح کے اور کام کاج مگر زید کی اہلیہ ظاہراً نہیں چاہتی تو شرعاً کیا حکم ہے؟ زید سختی کرتا ہے، تو اہلیہ کے ماں باپ کہتے ہیں، کہ نکاح زید کیساتھ ہوا ہے، نہ کہ والد اور بھائی کے ساتھ؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر زید کی اہلیہ بخوشی ان کی خدمت کرتی ہے، تو زید کے خسر وساس کو دخل دینے کا حق نہیں اور اگر زید کی اہلیہ خود نہیں چاہتی ہے تو زید کو اہلیہ پر اس بات پر سختی کرنا اور دباؤ ڈالنا جائز نہیں کہ اہلیہ اس کے باپ اور بھائی کی خدمت کرے۔

لیس للرجل أن یستخدم امراته الحرة الخ. (تاتارخانیة، کوئٹه ۳/ ۲۱٤، زکریا ٤/ ۳۰۹، رقم: ٦۲۷۱، المحیط البرهانی المجلس العلمی ٤/ ۲۳۷، رقم: ٤۱٥۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/ ذی الحجہ ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۷۵۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴/۱۲/۲۰ھ

بہو کا ساس وسسر کے ساتھ گستاخی کرنا

سوال: [۱۰۲۹۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے اپنے لڑکے کی بیوی کو اس کی بداخلاقی وبدکلامی کرنے پر اس کو اپنے لڑکے کی موجودگی میں ہدایت کی جس پر اس کی بیوی نے اپنے خسر کو جو باپ کے مرتبہ کے برابر ہے، یہ مقابلہ میں جواب دیا کہ ''چپ بے بدمعاش'' خسر نے غصہ میں آکر اس کو جواب دینا چاہا تو اس کے شوہر نے اپنی بیوی کو اپنے کمرہ میں بند کردیا اور اپنے والد سے کہا کہ تم کچھ نہ کہنا خاموش ہوجاؤ، دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ لڑکے کی والدہ اپنے بیٹے کی خدمت گذاری کی تعریف کررہی تھی، تو فوراً اسی عورت نے اپنی خوشدامن سے طنزیہ یہ کہا کہ اگر تجھے تیرا بیٹا اچھا لگتا ہے، تو اس کے ساتھ اپنا نکاح کرلے، وہ بھی اس کی اس بداخلاقی پر بیحد غمگین ہوگئی، اور اس کی اس بیہودگی کا کوئی جواب نہیں دیا، اب دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ صرف ان ہی دونوں بداخلاقی کے جواب میں اس عورت کے ساتھ شرعی نقطہ نظر سے اس کے شوہر اور شوہر کے ماں باپ کو کیا سلوک کرنا چاہئے، اور اس کیلئے شرعی حکم کیا ہے، جبکہ شوہر کے اس کی حمایت کرنے کی وجہ سے اس عورت کو جو نہایت بداخلاق اور بدکردار ہے، یہ جرأت ہوئی کہ اپنے خسر وخوشدامن سے اس طرح پیش آئی جواب باصواب مرحمت فرمائیں؟

المستفتي: محمد جان، اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اس عورت نے اپنے سسر اور خوشدامن کے ساتھ نہ صرف گستاخی کی ہے، بلکہ فحش باتیں تک کہدی ہیں، لٰہذا شوہر کو چاہئے کہ اپنی پوری احساس ذمہ داری کے ساتھ اپنی بیوی کو اس طرح نازیبا حرکتوں پر اچھی طرح تنبیہ کرے اور ایسی تنبیہ کرے کہ آئندہ بدزبانی کی جرأت نہ ہو اور سمجھائے کہ وہ باادب اور نیک بیوی بن جائے، اور خود شوہر پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے، کہ وہ اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ کرے، ان کی نافرمانی کرنے پر حدیث شریف میں وعید آئی ہے۔

وَالّٰتِیْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ، الآية: (سوره نساء :۱ ٤ ۳)

وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا . (سوره بقره: ۳٦)

عن عبيد الله بن أبي بكر قال سمعت أنس بن مالك قال: ذكر رسول الله ﷺ الكبائر أو سئل عن الكبائر فقال: الشرك بالله ، وقتل النفس ، وعقوق الوالدين، الحديث: (بخاری شریف، باب عقوق الوالدين من الكبائر ، النسخة الهندية ٢/ ٨٨٤، رقم: ٥٧٤٣، ف: ٥٩٧٧)

إن عبد الله بن عمر يقول سمعت رسول الله ﷺ يقول كلكم راع وكلكم مسئول عن رعيته (إلىٰ قوله) والرجل راع فى أهله وهو مسئول عن رعيته ، و المرأة راعية فى بيت زوجها ومسئولة عن رعيتها، الحديث. (بخاری، الجمعة، باب الجمعة فى القرىٰ والمدن، النسخة الهندية ١/ ١٢٢، رقم: ٨٨٣، ف: ٨٩٣، مسند أحمد بن حنبل ٢/ ٥، رقم: ٤٤٩٥، ٢/ ٥٥، رقم: ٥١٦٧)

والضابط كل معصية لاحد فيها فللزوج والمولىٰ التعزيز قال العلامة بن عابدين رحمه الله تعالىٰ (تحت قوله) الضابط : أى سواء كان جناية على الزوج أو غيره . (درمختار ، كتاب الحدود ط باب التعزير ، زكريا٦/ ١٢٩، كراچی ٤/ ٧٧)

بأن كانت ناشزة فله أن يؤدبها لكن على الترتيب . (بدائع الصنائع، فصل وجوب طاعة الزوج على الزوجة ، إذا دعاها إلىٰ الفراش ، كراچی ٢/ ٣٣٤، زكريا ٢/ ٦٥٠) *فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم*

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳؍ ۵۲۰۷)

خسر کا بہو پر ظلم کرنا

سوال: [۱۰۲۹۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کیا خسر اپنی بہو کو مار سکتا ہے، یا اس کے ماں باپ کو شب وشتم کرسکتا ہے، اسی طرح چولھے یا اس کے قریب میں بیٹھ کر پکی ہوئی روٹیوں میں نکتہ چینی کرنا فضول باتیں کرنا اوران پر ظلم وستم کے امور لاحق کرنا اوراپنی جوان اولاد پر بدکاری کا الزام لگانا کیسا ہے؟ اولاد اپنے علم یا باپ کے ادب کوملحوظ رکھتے ہوئے کچھ نہیں کہتی ہے،تو اتنا ظلم کرنے کے بعد اولاد اپنے باپ کا ادب ملحوظ رکھتے ہوئے کچھ کہہ سکتی ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: خسر بہو کو مار نہیں سکتا ہے، بہو خسر کے حق میں صرف محرم ہے،مگر بہو کے حق میں خسر وغیرہ کی خدمت وغیرہ کا حق لازم نہیں ہے،اور نہ خسر کو یہ حق ہے کہ بہو کو سب وشتم کرے، یا مارے البتہ یہ حقوق شوہر کو حاصل ہیں،اور نہ خسر بہو کے ماں باپ کو سب وشتم کرسکتا ہے۔

عن عبدالله بن مسعود قال: رسول الله صلى الله عليه وسلم: سباب المسلم فسوق وقتاله كفر. (ترمذی شریف، باب ماجاء فی الشتم، النسخة الهندية ۲/۱۹، دارالسلام رقم: ۱۹۸۳)

نیز چولھے کے قریب بیٹھ کر نکتہ چینی کرنا اورفضول باتیں کرنا اورظلم وستم کے امور لاحق کرنا جائز نہیں ہے۔

عن أبي هريرة رضى الله عنه عن النبى صلى الله عليه وسلم، قال:...... ولا تحسسوا ولا تجسسوا ولا تباغضوا ولاتدابروا وكونوا عباد الله إخوانا. (صحيح البخارى، باب ما ينهى عن التحاسد والتدابر، النسخة الهندية ۲/۸۹۶، رقم: ۵۸۲۹، ف: ٦٠٦٤)

عن عبد الله بن عمرو عن النبی ﷺ قال : المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویدہٖ . (صحیح البخاری ، الإیمان ، باب المسلم من سلم المسلمون من لسانه وید، النسخة الهندیة ۱/٦، رقم: ١٠)

عن أبي هریرة رضی الله عنه أن رسول الله ﷺ قال: إیاکم والظن فإن الظن أکذب الحدیث، ولا تحسسوا ولا تجسسوا والتجس هو البحث والتفتیش عن معائب الناس وسرائرهم . (ابوداؤد، باب فی الظن، النسخة الهندیة۲/ ٦٧٣، دارالسلام رقم: ٤٩١٧)

اورکسی پر بغیر چار گواہوں کے بدکاری کی تہمت لگانا گناہ کبیرہ اورحرام ہے ،ایسے شخص پر اسلامی حکومت میں حد قذف ۸۰/اسی کوڑے لگائے جائیں گے،لیکن ہندوستان میں اسلامی حکومت نہ ہونے کی وجہ سے حدتونہیں لگائی جائیگی البتہ اسےاپنے اس فعل قبیح سے توبہ کرنا چاہئے۔

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمَانِيْنَ جَلْدَةً وَلَاتَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَداً وَاُولٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُوْنَ . (سورۂ نور آیت/٤)

اولاد اپنے باپ کا ادب ملحوظ رکھتے ہوئے ایسی بات کہہ سکتی ہے، جس کی وجہ سے باپ کو ذرہ برابر ناگواری نہ ہو۔

وَلَا تَقُلْ لَهُمَا اُفٍّ وَلَاتَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَهُمَا قَوْلاً كَرِيْماً. (سورۂ بنی اسرائیل، آیت: ٣٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶/محرم ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۴۶۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۱/۲۶ھ

بہنوئی پر جھوٹا الزام قائم کر کے بہن کے نام جائیداد کرانا

سوال: [۱۰۲۹۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اسلام الدین ونظام الدین جوکہ آپس میں سگے بھائی ہیں، یہ دونوں اپنے بہنوئی کے پاس گئے اور

کہنے لگے تم اپنی جائیداد میں سے اپنی زندگی میں ہماری بہن کے نام پر کچھ وصیت لکھ کر دیدو، کیوں کہ اسلام ونظام کا کہنا ہے کہ ہمارے بہنوئی کے کسی دوسری عورت سے ناجائز تعلقات ہیں، اور ہماری بہن کو بعد میں کچھ ملنے والا نہیں ہے، اسلام ونظام نے ہر طرح سے بہنوئی پر دباؤ ڈالا ہے کہ بہن کے نام کچھ جائیداد کر دے، اس معاملہ میں ایک حاجی نمازی دین دار شخص نے بھی اسلام ونظام کا پورا پورا تعاون کیا ہے؟

غور طلب امور یہ ہیں!

(۱) کیا قبل الموت کسی پر دباؤ ڈال کر کسی کیلئے اس طرح جائیداد نام کروانا یا لکھوانا شرعاً جائز اور درست ہے؟

(۲) اسلام ونظام کا اپنے بہنوئی پر جائیداد نام کرانے کیلئے دباؤ ڈالنا صحیح ہے؟ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ خود اسلام ونظام نے اپنے باپ کی ملکیت سے اپنی بہن کو کوئی حصہ نہیں دیا ہے، اسلام ونظام کا اپنی بہن کے ساتھ ہمدردی کا یہ دوہرا پیمانہ کھلی ہوئی منافقت ہے یا نہیں؟ اور جن حاجی صاحب نے اسلام ونظام کا اس معاملہ میں تعاون کیا ہے، جبکہ حاجی صاحب کو پوری حقیقت کا علم ہے، کیا یہ عمل حاجی صاحب کے شایان شان ہے؟

(۳) کیا مرنے سے پہلے کوئی اپنی ائیداد اپنی اولاد میں تقسیم کرسکتا ہے؟ اور اس کا طریقۂ کار کیا ہے؟

(۴) حاجی صاحب کی شرعاً کیا ذمہ داری بنتی ہے؟ تفصیلی جواب مرحمت فرمائیں؟

المستفتی: امام الدین جوئے، سابق صدر ضلع وقف کمیٹی، کھرگون، مدھیہ پردیش

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: (۱-۲) اسلام الدین ونظام الدین کا اپنے بہنوئی کے بارے میں کسی غیر عورت کے ساتھ ناجائز تعلق کی بات کرنا بلا دلیل ہے اور بغیر

کسی قطعی دلیل کے کسی مسلمان کے بارے میں ایسی نازیبا بات کہنا شرعاً ناجائز ہے، بہنوئی کو اختیار ہے کہ اسلام الدین ونظام الدین کی بہن کے نکاح میں ہوتے ہوئے کسی دوسری عورت سے بھی نکاح کر کے دونوں کے حقوق برابری کیساتھ ادا کرے، اسمیں بہن اور سالوں کو اعتراض کا حق نہیں ہوتا، نیز مذکورہ بہنوئی کے اوپر اسلام ونظام کا بلاوجہ دباؤ ڈال کر اسکی جائداد اپنی بہن کے نام کرانا قطعاً ناجائز اور باعث لعنت ہے، ہاں البتہ اسلام ونظام پر لازم ہے کہ اپنے باپ کے ترکہ میں سے بہن کا جو حق بنتا ہے، وہ بہن کے نام کر کے اسکے قبضہ میں دیدیں، یہ انکے اوپر واجب اور فرض ہے، اور نہ دیگر خود قبضہ کر لینے کی صورت میں میں سخت ترین عذاب کے مستحق ہوں گے۔

عن أبی هريرة رضی الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ المسلم: أخو المسلم، لايخونه ولا يكذبه ولا يخذله كل المسلم على المسلم حرام عرضه وماله ودمه، التقویٰ ههنا، بحسب امرئی من الشر أن يحتقر أخاه المسلم. (ترمذی، باب ماجاء في شفقة المسلم على المسلم، النسخة الهندية ۲/ ۱٤، دارالسلام رقم: ۱۹۲۷، مسند البزار، مکتبه العلوم والحکم ۱۵/ ۳۳۵، رقم: ۸۸۹۱)

قال الله تعالیٰ: فَانْكِحُوْا مَاطَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَثْنیٰ وَثُلاَثَ وَرُبَاعَ فَإِنْ خِفْتُمْ اَنْ لاتَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً الخ. (النساء: ۳)

أی كما لم تعدلوا فی حقهن فاختاروا أو ألزموا واحدةً الخ. (روح المعانی، زکریا ۳/ ۳۰٦)

عن أبي حميد الساعدي، أن رسول الله ﷺ قال: لايحل لامرئی أن يأخذ مال أخيه بغير حقه وذلک لما حرم الله مال المسلم على المسلم. (مسند احمد بن حنبل ٥/ ٤۲٥، رقم: ۲٤۰۰۳)

لايجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي. (شامی، کتاب الحدود، باب التعزير، زکریا ٦/ ۱۰٦، کراچی ٤/ ٦۱، هنديه، زکریا قديم ۲/ ۱٦۷، جديد ۲/ ۱۸۱)

عن أنس بن مالک رضی الله عنه قال قال رسول الله ﷺ : من فرّ من میراث وارثہٖ قطع الله میراثه من الجنة یوم القیامة. (ابن ماجه شریف، باب الحیف فی الوصیة ، النسخة الهندیة ۲/ ۱۹٤، دارالسلام رقم : ۲۷۰۳)

(۳) مرنے سے پہلے آدمی کا اپنی اولاد کے درمیان جائداد تقسیم کرنا لازم نہیں ہے، ہاں البتہ مرنے کے بعد اولاد کے درمیان اختلاف وانتشار کوختم کرنے کیلئے اس طرح وصیت کرسکتا ہے، کہ جس کا جتنا شرعی حصہ بن سکتا ہے، اس کوشرعی حق مل جائے، نیز حاجی صاحب ہوں یا کوئی اور ہو کسی کو بھی خلاف شرع امور پر تعاون کرنا جائز نہیں۔

المالک هو المتصرف فی الأعیان المملوکة کیف شاء . (بیضاوی شریف رشید ۱/ ۷)

إن الملک مامن شأنه أن یتصرف فیه بوصف الإختصاص . (شامی، مطلب فی تعریف المال ، زکریا ۷/ ۱۰، کراچی ٤/ ۵۰۲، الموسوعة الفقهیة الکویتیة ٤/ ۲۹۱)

قال العبد الضعیف عفاالله عنه : قد ثبت بماذکرنا أن مذهب الجمهور فی التسویة بین الذکر والأنثیٰ فی حالة الحیاة أقویٰ وأرجح من حیث الدلیل ، ولکن ربما یخطر بالبال أن هذا فیما قصد فیه الأب العطیه والصلة ، وأما إذا أراد الرجل أن یقسم أملاکه فیما بین أولادہٖ فی حیاته لئلا یقع بینهم نزاع بعد موته فإنه وإن کان هبة فی الإصطلاح الفقهی ولکنه فی الحقیقة ، والمقصود استعجال لما یکون بعد الموت ،وحینئذ ینبغی أن یکون سبیله سبیل المیراث فلو قسم رجل فی مثل هذه الصورة للزکر مثل حظ الأنثیین علی قول الإمام أحمد ومحمد بن الحسن ، فالظاهر أن لهٗ ذلک یسع لهٗ . (تکمله ، فتح الملهم ، اشرفی، کتاب الهبات، فذهب الجمهور التسویة بین الذکر والأنثیٰ، اشرفیه ۲/ ۷۵)

قال الله تعالیٰ : وَلاتَعَاوَنُوا عَلَی الْأِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُوْاا للّٰهَ الخ. (سورة

المائدة: ۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱؍محرم الحرام ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۵۹۸)

۵/باب الحضانة

دوسرے کے بچے کی پرورش کرنا

سوال: [۱۰۲۹۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری عمر تقریباً چالیس سال ہے، شادی کو نو سال ہو گئے ہیں، ابھی تک کسی بچہ کی پیدائش نہیں ہوئی ہے، تمام ٹیسٹ کرالئے ہیں، مستقبل میں بھی کوئی امید نہیں ہے، اب میں کسی بچہ کو گود لینا چاہتا ہوں، والد صاحب اس کام کیلئے سختی سے منع کرتے ہیں، اور ساتھ ہی یہ بھی کہتے ہیں، کہ اگر تو نے کسی بچہ کو گود لیا تو میں تجھے وراثت کے حصہ سے بے دخل کر دوں گا، ان حالات میں میرے لئے شریعت کا حکم کیا ہے، بچہ گود لینے پر والد صاحب کا وراثت سے محروم کر دینا کیسا ہے، اور کیا اس حالت میں بچہ گود لینے پر مجھ کو والد صاحب کی نافرمانی کا گناہ ہوگا یا نہیں؟

المستفتي: اکرام الدین، حسن پور، امروہہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شریف خاندان یا انتہائی غریب خاندان کے جائز بچہ کو پرورش کی غرض سے گود لینے میں کوئی حرج نہیں ہے، لیکن یہ بچہ آپ کا شرعی وارث نہیں بنے گا، اور والد صاحب جب آپ کو اس بات سے منع کر رہے ہیں، تو والد کی مرضی پر عمل کرنے میں آپ کیلئے خیر ہے، تاہم اگر آپ کو یہ آرزو پوری کرنی ہی ہے، تو والد کے مشورہ سے بھائی یا بہن کی اولاد میں سے کسی کو گود لے کر یہ آرزو پوری کرلیں، کہ اس صورت میں والد بھی ناراض نہ ہونگے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: وَمَا جَعَلَ أَدْعِيَاءَ كُمْ اَبْنَائِكُمْ (وفی المظهری) فلا يثبت بالتبنی شيء من أحكام البنوة من الإرث وحرمة النكاح وغير ذلك. (التفسير المظهری، سورة الأحزاب، تحت تفسير الآية بقرآن الكريم ۲۸٤/۷، جديد ۲۹۲/۷)

عن سهل أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: أنا و كافل اليتيم كهاتين في الجنة وقرن بين إصبعيه الوسطىٰ والتي تلي الإبهام .
(ابوداؤد، الأدب، باب في من ضم يتيما ، النسخة الهندية ۲/ ۷۰۱، دارالسلام رقم: ۵۱۵۰، سنن الترمذی ، ابواب البر والصلة ، باب ما جاء في رحمة اليتيم و كفالته ، النسخة الهندية ۲/ ۱۳، دارالسلام رقم: ۱۹۱۷)

عن عبد الله بن عمر و عن النبي صلى الله عليه وسلم ، قال: رضا الرب في رضا الوالد وسخط الرب في سخط الوالد. (ترمذی ،ابواب البر والصلة ، باب ماجاء من الفضل في رضا الوالدين ، النسخة الهندية ۲/ ۱۲، دارالسلام رقم: ۱۸۹۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰؍محرم الحرام ۱۴۳۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۱۸۶۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۶/۱/۳۰ھ

ناجائز حمل خرید کر پرورش کرنا

سوال: [۱۰۳۰۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ وہ عورتیں جو ناجائز حمل ساقط کراتی ہیں، اور بعض اوقات بچہ زندہ رہتا ہے، اس بچہ کو وہ عورتیں خرید لیتی ہیں جن کی اولاد نہیں ہوتی ایسے بچہ کی پرورش اور اسکے کان میں اذان وتکبیر کا شرعی حکم کیا ہے؟ مفصل بیان فرمائیں؟

المستفتي: حافظ محمد صدیق، لال مسجد، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: تہمت سے بچنے کیلئے بچہ کو ضائع کرنے والی گنہگار ہوگی اور اس کو لے کر پالنے والی ثواب کی مستحق ہوگی۔

عن يحيٰ –إلىٰ– قال: وزعم أبو جميلة أنه أدرك النبي صلى الله

علیه وسلم أنه کان خرج معه عام الفتح فأخبره أنه وجد منبوذاً فی خلافة عمر بن الخطابؓ فأخذه قال: فذکر ذلک عریفی، فلما رآنی عمر قال: عسی الغویر أبوسا، ماحملک علی أخذک هذه النسمة؟ قال: قلت: وجدتها ضائعة فأخذتها، فقال: عریفی: إنه رجل صالح، قال: کذلک، قال: نعم، قال: فاذهب به فهو حر: ولک ولاؤه وعلینا نفقته. (السنن الکبریٰ للبیهقی، دارالفکر بیروت ۹/۲۲۳، رقم: ۱۲۳۷۴)

نبذ خوفاً من العیلة أو فراراً من التهمة مضیعه آثم ومحرزه غانم وأخذه أفضل من ترکه الخ. (الجوهرة، کتاب اللقیط، امدادیه، ملتان ۲/۴۳، دارالکتاب دیوبند ۲/۴۳، تاتار خانیة، زکریا ۷/۴۰۱، رقم: ۱۰۷۵۸)

لیکن اسکو خرید کر لینا، فروخت کرنا حرام ہے، اور بیع باطل ہے، کیونکہ وہ شرعاً آزاد ہے۔

اللقیط حرٌ الخ، (الجوهرة، امدادیه، ملتان ۲/۴۳، دارالکتاب دیوبند ۲/۴۳، تاتار خانیة، زکریا ۷/۴۰۱، رقم: ۱۰۷۵۸)

نیز عام مسلمان بچوں کی طرح اس کے دائیں کان میں آذان اور بائیں میں تکبیر کہی جاوے، کہ شرعاً وہ مسلمان ہے اور پرورش کرنے والی جو خرچ کریگی وہ تبرع ہوگا، بعد میں مطالبہ نہیں کرسکتی۔

عن الحکم أن امرأة التقت صبیاً فانفقت علیه، ثم جاءت شریحا تطلب نفقتها، فقال: لانفقة لک، وولاؤه لک. (مصنف عبدالرزاق، المجلس العلمی بیروت ۷/۴۵۱، رقم: ۱۳۸۴۵)

فإن أنفق علیه الملتقط من ماله فهو متطوع ولا یرجع به علی اللقیط لعدم ولایته علیه. (الجوهرة امدادیه ملتان ۲/۴۳، دارالکتاب ۲/۴۳)

نیز اگر بعد میں اس کا کوئی شرعی وارث نکل آئے تو واپس کرنا بھی ہوگا۔

وإن ادعاه غير الملتقط أنه ابنه فهو للمدعى صدقه الملتقط أو كذبه الخ. (جوهره، امدادیه، ملتان ۲/ ٤٤، دارالکتاب دیوبند۲/ ٤۳، تاتار خانية، زکریا۷/ ٤٠٥، رقم: ١٠٧٦٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳/ ذ الحجہ ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۴۰۷)

شرعی عذر کے بغیر طلاق کا مطالبہ نیز شوہر کی اجازت کے بغیر لڑکے کو گود دینا

سوال: [۱۰۳۰۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری شادی ۲۵/ اپریل ۲۰۰۴ء نعمانہ قدسیہ سے ہوئی تھی، ۲۶/ نومبر ۲۰۰۴ء کو بیوی کے والد اور چچا اپنی بیٹی کو اپنے گھر لے کر گئے پھر اس کے بعد ۳/ اپریل ۲۰۰۵ء کو ایک لڑکا پیدا ہوا، اب لڑکی طلاق لینا چاہتی ہے، میں اسے طلاق دینا نہیں چاہتا ہوں، بیوی اس بچہ کو اپنے کسی رشتہ دار کو دینا چاہتی ہے، دریافت یہ کرنا ہے کہ وہ لڑکا کس کو ملنا چاہئے شرعی حکم کیا ہے؟

المستفتی: راحت علی، نیا کنواں، کسرول، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر سوالنامہ میں لکھی ہوئی سب باتیں حقیقت اور واقعہ کے مطابق ہیں، اور شوہر کی طرف سے بے جا ظلم وتعدی بھی نہیں ہے، تو ایسی صورت میں بیوی کیلئے شوہر سے بغیر وجہ شرعی کے طلاق کا مطالبہ کرنا جائز نہیں ہے، وہ اللہ کی طرف سے لعنت کی مستحق ہوگی، لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے، کہ نعمانہ قدسیہ کو اس کے والد نے اپنے گھر لیجا کر کیوں بٹھالیا اور درمیان میں اتنا عرصہ گذر گیا، شوہر نے اس درمیان کیا خبر گیری کی ہے، وہ بلا کر اپنے گھر کیوں نہیں لایا، اس کے پیچھے کیا کیا اسباب ہیں، جانبین میں کیا کیا کمزوریاں

ہیں، سوالنامہ میں اس میں سے کسی بات کا ذکر نہیں ہے، اگر ۲۶/نومبر ۲۰۰۴ء کو بیوی میکہ جا کر بیٹھ گئی تو ۳/اپریل تک تقریباً پانچ مہینے ہوگئے، نیز شوہر کا یہ کہنا کہ طلاق نہیں دیں گے، کس مقصد کیلئے طلاق نہیں دیں گے، اپنے پاس بیوی بنا کرر کھنے کیلئے یا اسے معلق چھوڑے رکھنے کیلئے نیز اس بات کی وضاحت نہیں ہے، کہ ۳/اپریل کو جب بیوی کی ولادت کا وقت تھا، تو شوہر دیکھنے کیلئے گیا تھا، یا نہیں اور ولادت کا خرچہ کس نے ادا کیا اس میں اس طرح کسی بات کی وضاحت نہیں ہے، اگر شوہر کی طرف سے لاپرواہی ظلم وستم ثابت ہوجائے، تو بیوی کو طلاق کا مطالبہ کرنے کا حق ہے، ہاں البتہ باپ کی اجازت کے بغیر کسی دیگر شخص کے یہاں گود دلانا جائز نہیں ہوگا۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۱۰/۲۵۰، الحیلۃ الناجزہ ص:/ ۶۱)

عن ثوبان أن رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال: أيما امرأة سألت زوجها طلاقاً من غير بأس فحرام عليها رائحة الجنة. (سنن الترمذی، ابواب الطلاق واللعان، باب ماجاء فی المختلعات، النسخۃالھندیۃ ۱/۲۲۶، دارالسلام رقم: ۱۱۸۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم/ربیع الاول ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۷۴۰/۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱/۳/۱۴۲۶ھ

کافرہ زانیہ کا بچہ مسلمان پال سکتا ہے یا نہیں؟

سوال: [۱۰۳۰۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ پرمیلا کماری جو ہریجن گھرانیکی غیر شادی شدہ لڑکی ہے اسکو کسی بڑے گھر کے کافر سے ناجائز تعلقات کی بنا پر حمل ٹھہر گیا وضع حمل ہسپتال میں ہوا لڑکی تولد ہوئی، اسکو ایک مسلمان اٹھالایا وہ بچی تقریباً پانچ ماہ بعد اسی مسلمان کے گھر وفات پاگئی اس مسلمان نے آبادی کے امام صاحب سے اپنی بچی بتا کر نماز جنازہ پڑھوا کر مسلمان قبرستان میں دفن کر دیا دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایسے بچے کو لے کر پالنا جبکہ اسے کوئی لینے والا نہ ہویا

مانگ کر مسلمان کو پالنا جائز ہے یا نہیں؟ واضح رہے کہ یہاں پر بہت سی غلط کار مزنیہ عورتیں ناجائز حمل کا بچہ ہسپتالوں میں چھوڑ کر چلی آتی ہیں، اور لوگ اسکو اجر عظیم سمجھ کر پال لیتے ہیں، کہ ہم اس کو پال کر مسلمان بنالیں گے، نیز جس امام صاحب نے لاعلمی میں نماز جنازہ پڑھادی ان کے لئے کیا حکم شرع ہے؟ زحمت فرما کر یہ بات بھی بتادیں، کہ اگر بچہ ولدالزنا نہیں ہے بایں طور کہ بچے کے کافر ماں باپ تنگدست ہیں، تو کیا مسلمان اس بچے کولیکر پال سکتا ہے، بحوالہ کتب جواب عنایت فرما کر عنداللہ ماجور ہوں؟

المستفتي: علی احمد صدیقی قادری،
خادم: جامع مسجد، ہری پور کیہ، ضلع،
کرناٹک، پن: ۵۷۷۱۲۰

جواب جامعہ نعیمیہ مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ایسے بچے کا حال لقیط (اٹھائے ہوئے بچے) کے حال کی طرح ہے، اور لقیط کا پالنا اگر اسکی ہلاکت کا اندیشہ ہو تو ضروری ہے، ورنہ مستحب ہے۔ (درمختار جلد ثالث: صفحہ: ۳۴۴، میں ہے)۔

التقاطه فرض كفاية إن غلب على ظنه هلاكه لو لم يرفعه وإلا فمندوب لما فيه من الشفقة والإحياء الخ. (شامی زکریا۶/۴۲۳)

اور ظاہر ہے کہ اس نیت سے اٹھانے میں کہ بچہ مسلمان ہوگا، اس پر شفقت وزندگی کے ساتھ ہدایت کا جذبہ بھی کارفرما ہے، لہٰذا اس کا لینا پالنا بلاشبہ اجر وثواب کا موجب ہے، اور انتقال پر نماز جنازہ صحیح ہے، اسی کے جلد اول میں ہے۔

وشرطها إسلام الميت (ملخصا) درمختار میں ہے کہ **ولو بطريق التبعية لأحد أبويه أو للدار الخ.** (شامی، زکریا۳/۱۰۳، مطلب فی صلوة

الجنازة:) **الله اعلم**. فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: الفقیر محمد ایوب
دار الافتاء جامعہ نعیمیہ مراد آباد
۲۹؍ رمضان ۱۴۱۱ھ

جواب دار الافتاء مدرسہ شاہی، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسے بچوں کو لے کر مذہب اسلام کی تعلیم وتربیت دے کر پالنا ہر حال میں جائز ہے، نیز ایسے بچوں کو لقیط کا حکم دیا گیا ہے، اگر ضائع ہونے کا خطرہ ہے تو لیکر پرورش کرنا وجوب کے درجہ میں ہو جاتا ہے، اور اگر کوئی خطرہ نہیں ہے، اور اسلامی تربیت میں لانے کو اجر عظیم سمجھ کر لیا جاتا ہے، تو بھی یہ کار ثواب ہے اور بچہ شرعاً مسلمان ہی ہوا کرتا ہے چاہے بچہ ولد الزنا ہو یا ثابت النسب اور ایسے بچوں کے مرنے پر ان پر نماز جنازہ پڑھکر مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کر دینا لازم ہو جاتا ہے۔

وفي المحيط عند عدم أحد الأبوين يكون تبعاً لصاحب اليد وعند عدم صاحب اليد يكون تبعاً للدار ولعلهٗ أولیٰ" إلیٰ قوله" ويجعل مسلماً تبعاً لصاحب اليد الخ. (فتح القدير، باب الجنائز، قبيل فصل في حمل الجنازة، دارالفكر بيروت ۲/ ۱۳۲، زكريا ۲/ ۱۳۸، كوئٹه ۲/ ۹۴، البنايه قديم ۱/ ۱۱۴، اشرفيه جديد۳/ ۲۳۶)

اللقيط سمیٰ به باعتبار ماله لما أنه يلقط والإلتقاط مندوب إليه لما فيه من إحيائه، وإن غلب علیٰ ظنه ضياعه فواجب الخ. (هدايه، كتاب اللقيط، اشرفي ديو بند۲/ ۶۱۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍ رمضان ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۴۱۷)

بچیوں کی پرورش کا حقدار اور خرچہ کا ذمہ دار کون ہے؟

سوال: [۱۰۳۰۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے ایک عورت سے اٹھارہ سال قبل شادی کی، اس عورت سے دو بیٹیاں پیدا ہوئیں، جب ایک بیٹی پیدا ہوئی تو اس عورت کا شوہر اپنی بیوی سے ناراض ہوگیا، اس کے بعد دوسری لڑکی پیدا ہوئی، اس پر اور زیادہ اپنی بیوی سے ناراض ہوگیا اور اپنی بیوی کو مارنا پیٹنا شروع کردیا حتی کہ گھر سے اپنی بیوی اور دونوں بیٹیوں کو نکال دیا اس کے بعد وہ عورت اپنی لڑکیوں کو لے کر اپنے میکے چلی آئی اور اپنے باپ کے گھر رہنے لگی، اور تقریباً ڈیڑھ سال تک کوئی خبر نہیں لی نہ کوئی خرچہ بیوی اور بچیوں کا بھیجا ڈیڑھ سال بعد اس نے یعنی شوہر نے اپنی بیوی کو طلاق نامہ تحریری طور پر ڈاکخانہ کے ذریعہ بھیج دیا اس طلاق نامہ کے بعد بھی چھ سال تک کوئی خبر نہ لی نہ لڑکیوں کو کوئی خرچہ دیا، اور نہ کسی طرح کی کوئی دیکھ بھال کی لڑکیاں اپنی والدہ کے ساتھ اپنے نانا کے مکان میں انہیں کی پرورش میں رہیں، اب ایک لڑکی سترہ سال کی ہے اور دوسری چودہ سال کی ہے، اب پریشان ہوکر لڑکیوں نے اپنا خرچہ لینے کیلئے عدالت میں مقدمہ دائر کردیا، جج نے فیصلہ سناتے ہوئے ایک ایک ہزار روپیہ دونوں لڑکیوں کے خرچ کے واسطے ہر ماہ مقرر کردیا ہے، اب وہ شخص اس خرچ سے بچنے کیلئے ان لڑکیوں کو اپنے ساتھ لے جانا چاہتا ہے، لڑکیاں کسی قیمت پر راضی نہیں کیونکہ وہ باپ کا سلوک دیکھ چکی ہیں، اور اس نے دوسری شادی بھی کرلی ہے، ان لڑکیوں کو باپ سے کوئی بھلائی کی امید نہیں، اور ماں تو سوتیلی ہو ہی جائے گی، اس سے بھی کیا امید کیجائے، صورت مذکورہ میں باپ ان لڑکیوں کو لے جانا چاہتا ہے، شرعاً کیا حکم ہے؟

المستفتي: محمد اشرف، چودھری سرائے، آدم پور روڈ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: لڑکیوں کے بالغ ہونے تک ماں کو اپنے پاس ان

کو رکھنے کا حق ہے، البتہ ان کا خرچہ باپ کے ذمہ لازم ہے، اور بالغ ہوجانے کے بعد ماں کا حق ساقط ہوجاتا ہے، اور باپ کو اپنے پاس رکھنے اور نگرانی کرنے کا حق ہوجاتا ہے، اس کی وجہ یہی ہے کہ ان کی شادیوں کا انتظام کرنا ہوتا ہے، اور شادیوں کے انتظام اورخرچ واخراجات کا بار باپ ہی برداشت کرسکتا ہے، لہٰذا اگر باپ ان لڑکیوں کو خرچہ دینے اوران کی ضروریات پوری کرنے کا وعدہ کرتا ہو تو باپ کو اپنے ساتھ لیجانے کا حق ہے، باپ کو اپنے ساتھ لے جانے میں رکاوٹ نہیں ڈالنا چاہئے۔

الأم والجدة أحق بالصغيرة حتى تحيض لأن بعد الاستغناء تحتاج إلیٰ معرفة آداب النساء والمرأة علی ذلک أقدر وبعد البلوغ تحتاج إلیٰ التحصين والحفظ والأب فيه أقویٰ وأهدیٰ. (البحر الرائق، کتاب الطلاق ، باب الحضانة ، زکریا٤/٢٨٧، کوئٹه ٤/ ١٧٠)

وإن كانت البالغة بكراً فللأولياء حق الضم وإن كان لا يخاف عليها الفساد إذاكانت حديثة السن . (هنديه، الباب السادس عشر فی الحضانة ، زکریا قدیم ١/ ٥٤٢، جديد ١/ ٥٩٣)

ونفقة الإناث واجبة مطلقاً على الآباء مالم يتزوجن إذالم يكن لهن مال . (هنديه ، زکریا قدیم١/ ٥٦٣، جديد ١/ ٦٠٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶؍ ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸؍ ۹۵۹۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۴/۲۸ھ

بچہ کی پرورش کا حقدار کون؟

سوال: الف: [۱۰۳۰۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں : کہ میں نے دو سال قبل اپنی بیوی کو تین طلاق دے دی تھی، طلاق کے وقت میرا ایک بیٹا تھا، جو تقریباً ڈیڑھ سال کی عمر کا تھا، جسکو میری بیوی اپنے ساتھ لے گئی تھی، وہ اپنی ماں کے پاس

ہی رہا اور ہمیں بھی کوئی زیادہ فکر نہیں رہی کہ تربیت متاثر ہونے کا قوی اندیشہ ہے، اگر ماں بچے کو اپنے شوہر کے گھر لے کر جاتی ہے، تو سوتیلا باپ اور سوتیلی بہن بھائیوں کے درمیان بچے کی اچھی دیکھ بھال ہونا بہت مشکل ہے، اور اگر اپنے والدین کے گھر چھوڑ کر جاتی ہیں، تو ماں باپ کی شفقتوں سے محروم رہے گا، فی الحال میں یہ چاہتا ہوں کہ بچہ جب تک سات سال کا ہو تب تک اپنی ماں کے پاس بھی رہے، اور میرے پاس بھی رہے، اور جب سات سال کا ہو جائے تو مستقل میری کفالت میں آ جائے، ہاں ماں سے ملنا جلنا بھی جاری رہے، تو کیا بچے کے ننہال والوں یا ماں کو یہ حق ہے کہ میرے بیٹے کو مجھ سے ملنے سے روک دیں کیا مجھے فی الحال اپنے بیٹے سے ملنے کا حق حاصل نہیں ہے؟ اور سات سال کے بعد بچے کا کیا حکم ہے؟ جبکہ بچے کی تربیت خراب ہونے کا بھی اندیشہ ہو قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں، عین نوازش ہوگی، بینوا وتوجروا۔

المستفتی: محمد سہیل، محلّہ پختہ باغ، گلشہید، ضلع: مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سات سال کی عمر تک ماں کے لئے بچہ کو اپنی پرورش میں رکھنے کا حق حاصل ہے، بشرطیکہ ماں نے غیر خاندان میں شادی نہ کی ہو اگر غیر خاندان میں شادی کر لی ہے، تو نانی کو حق پرورش حاصل ہے، اگر نانی زندہ ہے، اور اگر نانی زندہ نہیں ہے، تو پھر دادی کو حق پرورش حاصل ہو جاتا ہے، ان تمام صورتوں میں باپ کو اپنے بیٹے سے ہر وقت ملنے کا حق باقی رہتا ہے، اور ننہال والوں کا اس درمیان باپ سے ملنے نہ دینا ظلم و زیادتی ہے، اور سات سال کی عمر پوری ہونے کے بعد باپ کیلئے بیٹے کو اپنی کفالت میں لے لینے کا حق شریعت نے دے رکھا ہے۔

وإن لم یکن له أم تستحق الحضانة بأن کانت .... فأم الأم أولیٰ من کل واحدة وإن علت فإن لم یکن للأم أم، فأم الأب أولیٰ . (هندیه، کتاب الطلاق، الباب السادس عشر في الحضانة، زکریا قدیم ۱/ ۵۴۱، جدید ۱/ ۵۹۲)

عن عمرو بن شعیب عن أبیه عن جده: أن امرأة قالت : یارسول الله ! إن ابنی هذا کان بطنی له وعاء ، وثدیی له سقاء ، وحجری له حواء ، وإن أباه طلقنی وأراد أن ینزعه منی، فقال: لها رسول الله صلی الله علیه وسلم : أنت أحق به مالم تنکحی. (سنن أبی داؤد ، الطلاق ، باب من أحق بالولد ، النسخة الهندیة ۱/ ۳۱۰، دارالسلام رقم: ۲۲۷۶)

وإنما یبطل حق الحضانة لهٰؤلاء النسوة بالتزوج إذا تزوجن بأجنبی.
(هندیه کتاب الطلاق،الباب السادس عشر فی الحضانة، زکریا قدیم ۱/ ۵۴۱، جدید ۱/ ۵۹۲)

والحاضنة أما أو غیرها أحق بالغلام حتی یستغنی عن النساء وقدر بالسبع وبه یفتیٰ لأنه الغالب ...... ولو اختلفا فی سنه فإن أکل وشرب ولبس واستنجی وحده دفع إلیه ولو جبراً و إلا لا. (شامی، کراچي ۳/ ۵٦٦، جدید زکریا۵/ ۲٦۷، هندیه ۱/ ۵٤۲، جدید زکریا ۱/ ۵۹۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۳ ر محرم الحرام ۱۴۳۵ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۴۰۹)	۲۶/ ۱/ ۱۴۳۵ھ

لڑکی کی پرورش کا حق کس کو ہے؟

سوال: ب: [۱۰۳۰۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری بچی کی عمر اس وقت تقریباً ۹ ر سال ہے، بچی کی والدہ کے انتقال کو تقریباً ۷ ر سال ہوگئے اور ہمارے یہاں طلاق کو ۸ ر سال ہوگئے شروع کے دوسال لڑکی ننہال میں رہی والدہ کا دوسری جگہ نکاح ہوگیا تھا، وہاں پر اس کو قتل کر دیا گیا، قتل کے بعد بچی کو ہم اپنے یہاں لے آئے کچھ دن بچی اپنی سب سے بڑی پھوپھی کے یہاں رہی اب بچی کے والد کا دوسرا نکاح ہوگیا اب وہ لڑکی اپنے والدین کے ساتھ رہ رہی ہے، قانونی کاروائی کے ذریعہ لڑکی کو لینے کی کوشش کی جاری ہے، شرعاً لڑکی کو رکھنے کا کون حقدار ہے، والد یا ننہال

والے، مفصل جواب عنایت فرمائیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب لڑکی کی ماں نے کسی اجنبی شخص سے نکاح کرلیا تھا، اسی وقت باپ کو اپنے یہاں لے آنے کا حق ہو چکا تھا، اور ماں کے بعد دادی کو حق مل جاتا ہے، نیز بالغ ہونے پر ہر حال میں باپ کو رکھنے کا حق ہو جاتا ہے، اورلڑکی ۹؍سال میں بھی بالغ ہوسکتی ہے۔

عن عمرو بن شعیب عن أبیه عن جده: عبد الله بن عمرو :أن امرأة قالت: یارسول الله! إن ابنی هذا کان یطنی له وعاء، وثدیی له سقاء، وحجری له حواء، وإن أباه طلقنی وأراد أن ینزعه منی، فقال: لها رسول الله صلی الله علیه وسلم : أنت أحق به مالم تنکحی. (سنن أبی داؤد، الطلاق، باب من أحق بالولد، النسخة الهندیة ۱/ ۳۱۰، دارالسلام رقم: ۲۲۷۶)

وإنما یبطل حق الحضانة لهولاء النسوة بالتزوج إذا تزوجن بأجنبی. (هندیه، کتاب الطلاق، الباب السادس عشر فی الحضانة، زکریا قدیم ۱/ ۵۴۱، جدید ۱/ ۵۹۲)

الحاضنة یسقط حقها بنکاح غیر محرمة أي الصغیر (وقوله) والأم والجدة لأم أو لأب أحق بها أي بالصغیر حتی تحیض الخ. (درمختار، کراچی ۳/ ۵۶۵، زکریا ۵/ ۲۶۶ تا ۲۶۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍شوال ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۶۲۹)

سوا ماہ کی بچی کی پرورش کا حقدار کون ہے؟

سوال: [۱۰۳۰۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ احقر کے بڑے بھائی ابوالحسن ولد نورالحسن مرحوم کا بیاہ (شادی) ۲؍مارچ ۱۹۹۷ء کو

شاہانہ پروین دختر محمد فاروق کے ہمراہ ہوا شادی کے دس ماہ بعد ابوالحسن علیل ہو گئے، اس بیچ بھابھی صاحبہ رسم ورواج کے مطابق اپنے میکہ آتی جاتی رہیں، علالت کے پانچ ماہ بعد شاہانہ پروین صاحبہ جوکہ امید سے تھیں، تنہا اپنے میکے چلی گئیں ان کے میکے جانے کے بعد ابوالحسن صاحب کی علالت میں مزید شدت آ گئی اس بیچ ان کی سسرال سے کوئی عیادت تک کو نہیں آیا، بھابھی صاحبہ کے اسی اثناء میں لڑکی تولد ہوئی طبیعت میں کچھ بہتری ہونے پر ابوالحسن بچی اور زوجہ کی خیر وعافیت معلوم کرنے اسپتال گئے اور انھیں گھر لانے کے خیال کا اظہار کیا بھابھی صاحبہ اسپتال سے فراغت پا کر اپنے میکہ واپس چلی گئیں ابوالحسن صاحب پھر اپنی سسرال گئے، تو ساس نے انھیں بیوی اور بچی سے ملے دیئے بغیر یہ بہانا کر کے کہ بچی علیل ہے اسے پیلیا کا عارضہ ہے اور تم اس وقت تک یہاں آنے کی کوشش مت کرنا جب تک صحت یاب نہ ہو جاؤ، ابوالحسن سرطان کے عارضہ میں مبتلا تھے، انھوں نے ان خیالات کا اظہار گھر آ کر گھر کے افراد اور دوستوں کے سامنے کیا اور پھر وہ شدید بیمار ہو گئے، ان کا انتقال یکم اگست ۱۹۹۸ء کو رات ساڑھے آٹھ بجے ہوا، ابوالحسن مرحوم کے انتقال سے آٹھ یوم قبل ان کے سسر فاروق صاحب ابو الحسن کے ماموں عبدالرشید صاحب کے گھر آئے اور انھوں نے طلاق کی بابت خیال ظاہر کیا، عبدالرشید صاحب نے ابوالحسن کی شدید علالت فاروق صاحب کے سامنے بیان کی انتقال سے دو یوم قبل فاروق صاحب (سسر ابوالحسن) داماد کے چھوٹے ماموں اور ابوالحسن کی والدہ کے ماموں کے گھر آئے اور انھوں نے وہاں بھی طلاق کی بابت اظہار کیا، ابوالحسن کے انتقال پر شاہانہ پروین بھابھی صاحبہ سسرال نہیں آئیں اور انھوں نے ہمارے یہاں کے معزز اور بزرگ اشخاص کے روبرو مہر وغیرہ معاف کئے، اب فریقین بچی کو جوکہ سوا ماہ کی ہے، ددھیال کو سونپنے کا اصرار کر رہے ہیں، ایسی صورت میں شرعی احکامات سے مطلع فرمائیں؟

المستفتي: طاہر حسین، شیدی سرائے، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر لڑکی اور لڑکی والوں نے اس بچی کی پرورش کرنے سے انکار کردیا ہے تو شوہر کے وارثین جو کہ بچی کے شرعی ولی ہیں، چاہے بچی کا دادا ہو یا چچا وغیرہ ان پر ضروری ہے کہ اس بچی کی پرورش کی ذمہ داری لے لیں، اور کسی بھی عورت کے ذریعہ سے اس کی دودھ پلائی اور پرورش کا انتظام کریں اگر دادی یا پھوپھی وغیرہ دودھ پلاسکتی ہیں، تو فبہا ورنہ دودھ پلانے کیلئے کسی بھی عورت کو منتخب کرلیا جائے، اور بچی دادی یا پھوپھی کی پرورش میں رہے۔

ولیس علی أمة أرضاعه قضاء بل دیانة إلا إذا تعینت ویستأجر الأب من ترضعه عندها قال العلامة الشامي تحت قوله عندها أي عندالأم وظاهر التعلیل أن کل من ثبتت لهاالحضانة فی حکم الأم. (شامی، کتاب الطلاق، باب النفقة، مطلب فی ارضاع الصغیر، زکریا دیوبند ۳۴۷/۵، کراچی ۶۱۸/۳، ہندیہ، زکریا قدیم ۵۶۰/۱، جدید ۶۰۷/۱، ۳۴۷/۵، زکریا) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍ ربیع الاول ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۲۲/۵۷۲۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۷/۴/۱۴۱۹ھ

تین ماہ کی لڑکے کی پرورش کا حق ماں کو ہے یا باپ کو

سوال: [۱۰۳۰۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دیں، اس کا مہر اور نان نفقہ بھی ادا کردیا، بیوی اپنے میکہ چلی گئی ہم دونوں کے ایک لڑکا ہے جس کی عمر وقت طلاق تین ماہ تھی، طلاق کا واقعہ ۱۴؍ شعبان ۱۴۱۴ھ کا ہے، بیوی بچہ کو اپنے پاس رکھنا چاہتی ہے، اور اسکی پرورش کا کچھ خرچہ بھی نہیں لینا چاہتی ہے، بیوی کے پاس اس خیال سے چھوڑنا نہیں چاہتا ہوں کہ وہ اگر دوسری شادی کرے تو بیٹا کسی دوسرے مرد کے زیر سایہ پرورش پائے گا زید بھی بخوشی اپنی کفالت

میں پرورش کرنا چاہتا ہے، زید کے بیٹے کے دادا دادی چچا پھوپھی سب موجود ہیں، انکی بھی یہی خواہش ہے، قرآن وحدیث کا کیا حکم ہے؟ مفصل بیان فرمائیں؟ نوازش ہوگی؟

المستفتي: نورمحمد سیفی، شیدی سرائے، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جب تک بیوی دوسری شادی نہیں کریگی اس درمیان سات سال کی عمر تک بیوی کو اپنے پاس بچہ رکھنے کا حق ہے، اور خرچہ بچہ کے باپ پر لازم ہے، اور اگر بیوی دوسری شادی کر لیتی ہے، تو باپ کو اپنے یہاں بچے کو رکھنے کا حق ہوگا، اور بیوی کا حق ختم ہو جائیگا۔

إذا كان للرجل ولد صغير وقد فارق أمه، فالأم أحق بالولد من الأب إلا أن يستغنىٰ عنها، وفي الحجة! مع بقاء النكاح وبعد النكاح مالم تتزوج، وفي الهداية! والنفقة على الأب. (تاتار خانية، زكريا ٥/٢٧٣، رقم: ٧٨٣١)

والحاضنة يسقط حقها بنكاح غير محرمة الخ. (درمختار، کراچی ٣/٥٦٥، زكريا ٥/٢٦٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍محرم ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۸۳۹)

ایک سالہ بچہ کی پرورش کا حقدار کون؟

سوال: [۱۰۳۰۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسماۃ نرگس بنت مختار حسین کی شادی بتاریخ ۲؍مارچ ۱۹۹۷ء کو ہمراہ محمد سلیم ولد رضا حسین محلہ مانپور سے ہوئی تھی، شادی کے کچھ ماہ بعد تک حالات سازگار رہے، اس کے بعد ظلم اور زیادتی کا سلسلہ شروع ہوگیا، ہر کام میں عیب جوئی کرنا اور مارنا پیٹنا روز کا معمول بن گیا، غلط کام نہ ماننے کی صورت میں اور بھی ظلم زیادتی کی جاتی، جیسے جنسی فعل پر آمادہ کرنا اور غیر مرد سے

زبردستی تعلقات استوار کرنا، اب تقریباً ایک سال سے گھر پر موجود ہے، ٹی بی کی مریضہ ہے شیرخوار بچہ ہے جس کی عمر اس وقت ایک سال ہے، کوئی بھی شخص آج تک کسی طرح کی خبر گیری کرنے والا نہیں علاج اور دیگر اخراجات پورے کرنے والا کوئی نہیں، تو اب لڑکی طلاق لینا چاہتی ہے، اور شوہر بھی طلاق دینا چاہتا ہے، تو پوچھنا یہ ہے کہ مہر اور عدت کا خرچہ شوہر کو دینا پڑیگا، یا نہیں؟ اور ایک سال کا بچہ ہے وہ کس کے پاس رہے گا، اور اس کی پرورش وغیرہ کا خرچہ کون برداشت کریگا؟ شرعی حکم کیا ہے؟ تحریر فرمادیں؟

المستفتي: مختار حسین ولد
رضا حسین، محلّہ گلشہید، ضلع: مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر بلا شرط شوہر طلاق دے رہا ہے، تو مہر کی ادائیگی بہر حال اس پر لازم ہے، نیز عدت کا خرچہ بھی دینا پڑے گا، اور چھوٹے بچے کے بارے میں حکم یہ ہے کہ اس کی پرورش کا سب خرچ باپ کے ذمہ ہے، البتہ جب تک وہ سات سال کا نہ ہوجائے، وہ ماں کے پاس رہے گا، کیونکہ اس عمر میں ماں سے بہتر اس کی پرورش کوئی اور نہیں کرسکتا ہے، سات سال کے بعد باپ اگر چاہے تو اسے اپنے پاس رکھ سکتا ہے۔

(مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۸/۲۴۹، احسن الفتاویٰ ۵/ ۴۶۱، امداد الاحکام ۳/۴۴۳)

أفاد أن المهر وجب بنفس العقد ...... وإنما يتأكد لزوم تمامه بالوطئ...... وإذا تأكد المهر بما ذكر لايسقط بعد ذلک، وإن كانت الفرقة من قبلها. (شامی، کتاب النکاح، باب المہر، کراچی ۲/۱۰۲، زکریا ٤/۲۳۳)

المعتدة عن الطلاق تستحق النفقة والسكنیٰ كان الطلاق رجعياً أو بائناً أو ثلاثاً حاملا كانت المرأة أو لم تكن. (فتاویٰ عالمگیری، کتاب الطلاق، باب النفقة، الفصل الثالث فی نفقة المعتدة، زکریا قدیم۱/۵۵۷، جدید۱/۶۰۵)

ونفقة الأولاد الصغار على الأب لايشاركه فيها أحد الخ. (عالمگیری،

زکریا قدیم ١/٥٦٠، جدید١/٦٠٧)

أحق الناس بحضانة الصغير حال قيام النكاح أو بعد الفرقة الأم.

(فتاویٰ عالمگیری، زکریا قدیم ١/٥٤١، جدید ١/٥٩٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱؍صفر المظفر ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۷۴۷۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱؍۲؍۱۴۲۳ھ

دوسال دس مہینہ کا بچہ کس کے پاس رہے گا؟

سوال: [۱۰۳۰۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نے اپنی بیوی کو دوسال پہلے دوطلاق دی تھی، پھر مفتی صاحب سے مسئلہ معلوم کر کے رجوع کر کے ساتھ رہنے لگا، اور اب چار ماہ پہلے فون پر ایک طلاق دی ہے، اور اس آخری طلاق کے بارے میں میری بیوی کا دعویٰ ہے کہ میں نے طلاق نہیں سنی جب کہ میں نے طلاق دے دی ہے، ہمارے اور اسکے درمیان اس آخری طلاق سے جدائیگی ہے، اس سلسلے میں میری بیوی کے گھر والوں نے ڈاکٹر ذاکر نائک سے انٹرنیٹ کے ذریعہ سے معلوم کیا جس میں انھوں نے فرمایا کہ طلاق واقع نہیں ہوئی ہے، اور اس بیوی سے میرا ایک لڑکا ہے، جس کی عمر دوسال دس مہینہ ہے، اگر طلاق واقع ہوگئی ہے، تو کیا اس صورت میں میرا بیٹا اپنی ماں کے ساتھ اپنی نانی کے گھر رہے گا، اور جب تک بچہ اپنی ماں کے پاس رہے گا، اس عرصہ کا خرچ مجھے دینا ہوگا یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں وضاحت فرما کر ممنون فرمائیں؟

المستفتي: محفوظ عالم، محلّہ مقبرہ
درگاہ متصل بڑی مسجد، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: شریعت نے شوہر کو زندگی بھر میں تین طلاق دینے کا اختیار دیا ہے، جن کو وہ جب ضرورت ہو دے سکتا ہے، لہٰذا جب شوہر نے دوسال پہلے

دوطلاق دے کر رجعت کرلی تھی، اس کے بعد تیسری طلاق دے دی تو اس سے بیوی شوہر کیلئے قطعی طور پر حرام ہوگئی ،لٰہذا اس کو بغیر حلالۂ شرعی کے اپنے پاس زوجہ بنا کر رکھنا ناجائز اور حرام ہے، اور سات سال سے کم عمر کے لڑکے کی پرورش کا حق ماں کو حاصل ہوتا ہے، اور اس دوران بچہ کا مناسب خرچہ شوہر کے ذمہ لازم ہے، اور سات سال کے بعد ماں کو حق پرورش باقی نہیں رہتا ہے،اس لئے سات سال کے بعد باپ لڑکے کو اپنے پاس رکھنا چاہے، تو اسے اس کا اختیار ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل ١٣/ ٥٦٨)

وإن كان الطلاق ثلاثا في الحرة وثنتين في الأمة لم تحل له من بعد حتى تنكح زوجا غيره نكاحاً صحيحاً ويدخل بهاثم يطلقها أويموت عنها. (هنديه ، زكريا قديم ١/ ٤٧٣، جديد١/ ٥٣٥، مجمع الأنهر ، دارالكتب العلمية بيروت ٢/ ٨٨، هدايه ، اشرفي ديوبند ٢/ ٣٩٩)

ولوقال: أنت طالق ، طالق ، طالق طلقت ثلاثاً . (الاشباه قديم ص: ٢١٩، جديد زكريا ص: ٣٧٦)

الحاضنة أما أو غيرها أحق به أي بالغلام حتى يستغنىٰ عن النساء وقدر بسبع وبه يفتىٰ . (الدرالمختار مع الشامي، زكريا ٥/ ٢٦٧، كراچی ٣/ ٥٦٦، باب الحضانة)

ويجبر الأب على أخذ الولد بعد استغنائه عن الأم لأن نفقته و صيانته عليه بالإجماع . (شامی، كراچی ٣/ ٥٦٦، زكريا ٥/ ٢٦٨، ملتقىٰ إلابحر مع مجمع الأنهر ،دارالكتب العلمية بيروت ٢/ ١٦٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٢٩/ محرم ١٤٣٦ھ
(الف فتویٰ نمبر: ١١٨٥٣/٤١)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
٢٩/١/١٤٣٦ھ

٤/ سالہ بچی کی پرورش کا حق دادی کو ہے یا نانی کو؟

سوال: [١٠٣٠٩]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ محمد

عامر کا انتقال ہوگیا، انھوں نے ایک لڑکی، والدہ، زوجہ، والد، ساس، خسر، کو چھوڑا ہے، جملہ ارباب اب تک بقید حیات ہیں، بچی کی عمر تقریباً پونے چار سال ہے، اور عامر کے انتقال کو ساڑھے تین سال ہو چکے ہیں، بچی کی ماں (زوجہ محمد عامر مرحوم) اب تک اپنی سسرال میں رہتی تھیں، اب اس نے دوسرا نکاح کرلیا ہے، موجودہ شوہر بچی کے غیر خاندان سے ہیں ان کی پہلی بیوی فوت ہو چکی ہے، ان کے دو لڑکے بڑے ہیں، جن میں سے بڑے لڑکے کی عمر تقریباً دس سال ہے، دوسرے کی تقریباً سات سال ہے، اور لڑکی کی تقریباً پانچ سال ہے، محمد عامر مرحوم کی بچی اپنی ماں کے پاس ہے، وہ اپنے پاس رکھ کر اس کو تعلیم دلانا چاہتی ہے، ادھر دادا دادی بچی کی مفارقت سے بے چین ہیں، بیقراری کا یہ عالم ہے، کہ بچی کے نہ ملنے پر اکثر روتے ہیں، اور بچی کو اپنے پاس رکھنا نیز اس کی پرورش کرنا چاہتے ہیں، دادا دادی اپنے گھر میں تنہا ہیں، لڑکیاں تھیں سب کی شادی ہوگئی اور ماشاء اللہ سب صاحب اولاد اور اپنے اپنے گھر ہیں، نانی نانا صاحب اولاد ہیں، نیز اسی گھر میں جس میں نانی نانا رہتے ہیں، ان کے بڑے بھائی (نانا کے) اپنے اہل وعیال کے ساتھ رہتے ہیں، کمرہ دالان الگ الگ ہے، صحن اور آمد و رفت کا راستہ ایک ہی ہے، ایسے حالات میں حق پرورش کس کو ملے گا، دادا دادی بچی کو اپنے پاس رکھ کر اسکی پرورش اور تعلیم وتربیت کرنا چاہتے ہیں، مذکورہ حالات میں حکم شرعی کیا ہے؟

المستفتي: سائلہ زوجہ ابرار احمد، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب بچی کی ماں کا نکاح غیر خاندان میں ہوگیا ہے، اور دادی اور نانی میں سے ہر ایک اپنے پاس رکھنے کیلئے تیار ہیں، اور سوالنامہ سے یہ بات معلوم ہورہی ہے، کہ دادی اور دادا زیادہ شفیق ہیں، اور شرعی طور پر باپ کے بعد ولی شرعی دادا ہی ہوتا ہے، جس میں نکاح وغیرہ کی ساری ذمہ داری دادا کے اوپر عائد ہوتی ہے، اسلئے مناسب یہی ہے، کہ امام ابو یوسفؒ کے قول کے مطابق مذکورہ واقعہ میں بچی کی پرورش کا حق

نانی کے بجائے، دادی کو دیا جائے، اسلئے کہ بچی کی ماں بھی باپ کی وفات کے بعد ایک مدت تک دادی ہی کے پاس رہی ہے، لہٰذا اس واقعہ میں امام ابو یوسفؒ کے قول کے مطابق نانی کے بجائے دادی کو حق پرورش دے دینا چاہئے۔

الأم أحق بحضانة ولدها قبل الفرقة وبعدها ...... **أي بعد الأم بأن ماتت أولم تقبل أو تزوجت بغير محرم أو ليست أهلا (إلىٰ قوله) وعن أبى يوسفؒ أن أم الأب أولىٰ** . (مجمع الأنهر، جديد، دارالكتب العلمية بيروت ٢/١٦٦، تاتا خانية قديم ٤/ ٩١، جديد زكريا ٥/٢٧٤، رقم: ٧٨٣٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
٦ رصفر ١٤٢٦ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٧/ ٨٦٩١)	١٤٢٦/٢/٦ھ

سات سال سے کم عمر کے بچے کی پرورش کا حق کسے ہے؟

سوال: [١٠٣١٠]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر میاں بیوی میں جدائی ہو جائے تو شیر خوار یا تین چار سال کے بچے کو۔

(الف) شرعاً اپنے پاس رکھنے کا کون حقدار ہے، ماں یا باپ؟

(ب) شرعا ماں بچہ کو کب تک اپنے پاس رکھنے کی حق دار ہے، جبکہ باپ بچہ کی پرورش میں نہ تو ایک پیسہ خرچ کرتا ہے، اور نہ ہی شمع برابر انسیت دکھاتا ہے؟

(ج) جب بچہ ٧/٨ رسال کا ہوشیار ہو جائے، اور باپ کے پاس نہ رہنا چاہے تو کیا باپ شرعاً اور جبراً بچہ کو اپنے پاس رکھ سکتا ہے؟

(٢) بیوی اگر خلع کرانا چاہے تو کیا شوہر شیر خوار یا تین چار سال کے بچہ کو اپنے پاس لینے کی شرط رکھ سکتا ہے؟ کیا شرعاً ایسا کرنا درست ہے؟

المستفتي: شفیع الزماں، نور پور، برونی ویل، بیگوسرائے

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: [الف وب] جب تک ماں کسی اجنبی شخص سے نکاح نہ کرے اس وقت تک بچوں کی والدہ کو حق پرورش ہوگا، شوہر کے لئے جائز نہیں ہے کہ بچوں کو والدہ سے علیحدہ کرے، لڑکے کو سات سال کی عمر تک اور لڑکی کو بالغ ہونے تک ماں اپنی پرورش میں رکھنے کی حقدار ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ دار العلوم ۱۱/ ۹۰)

عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده: أن امرأة قالت: يارسول الله! إن ابني هذا كان بطني له وعاء، وثديي له سقاء، وحجري له حواء، وإن أباه طلقني وأراد أن ينزعه مني، فقال: لها رسول الله صلى الله عليه وسلم: أنت أحق به مالم تنكحي. (سنن أبي داؤد، الطلاق، باب من أحق بالولد، النسخة الهندية ١/ ٣١٠، دارالسلام رقم: ٢٢٧٦)

والحضانة تثبت للأم الخ. (درمختار، كتاب الطلاق، باب الحضانة، كراچی ٣/ ٥٥٥، زكريا ٥/ ٢٥٣)

والحاضنة أما أو غيرها أحق به أي بالغلام حتى يستغني عن النساء، وقدر بسبع وبه يفتى ....أحق بها أي بالصغيرة حتى تحيض أي تبلغ الخ. (الدرالمختار مع الشامي، زكريا٥/ ٢٦٧، كراچی ٣/ ٥٦٦)

(ج) بچہ سات سال کا ہو جائے، اور ہوشیار ہو جائے تو اسکے بعد شرعی طور پر والد کو حق ہے، کہ وہ اپنے بچے کو اپنے ساتھ رکھے اسلئے کہ بچہ کی صحیح تعلیم وتربیت اور مردانگی سکھانا والد ہی بحسن وخوبی انجام دے سکتا ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۹/ ۲۲۹، جدید ڈابھیل ۱۳/ ۵۶۲)

لأنه يحتاج إلىٰ معرفة آداب الرجال والتخلق بأخلاقهم، فإذا طال مكثه مع الأم يتخلق بأخلاق النساء وفي ذلك من الفساد مالا يخفىٰ الخ.

(الهنديه، زكريا قديم ١/ ٤٩٠، جديد١/ ٥٥٠)

اور جبراً بھی اسے اپنے باپ کے پاس سپرد کر دیا جائے۔ (مستفاد: فتاویٰ دار العلوم ۱۱/ ۹۵)

فإن أكل وشرب ولبس واستنجىٰ وحده دفع إليه ولو جبراً ، قال : ابن عابدين : وفي الفتح: ويجبر الأب على أخذ الولد بعد استغنائه عن الأم الخ. لأنه أقدر على تأديبه و تعليمه . (الدرالمختار مع الشامي، زكريا ٥/٢٦٨، كراچی ٣/٥٦٦، فتح القدير ، زكريا ٤/٣٣٣،کوئٹه ٤/١٨٧،دارالفکر بيروت ٤/٣٧١)

(۲) شوہر شیر خوار یا تین چار سال کے بچے کو اپنے پاس رکھنے کی شرط پر خلع کرے تو خلع صحیح ہوجائیگا، مگر پھر بھی بچہ اپنی ماں ہی کے پاس رہے گا، اسلئے کہ بچہ کی پرورش کا حق ماں کو حاصل ہے، اور شرط باطل ہوجائیگی۔

رجل خلع امرأته وبينهما ولد صغير على أن يكون الولد عند الأب سنين معلومة صح الخلع ويبطل الشرط ، لأن كون الولد الصغير عند الأم حق الولد الخ. (الهنديه، زكرياقديم ١/٤٩١، جديد ١/٥٥٠، قاضيخان ، جديد زكريا ١/٣٣٧، وعلى هامش الهندية، زكريا ١/٥٣٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱؍ ذیقعدہ ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳؍ ۵۵۰۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲؍۱۱؍۱۴۱۸ھ

۷؍ سالہ بچہ کی تعلیم وتربیت کا ذمہ دار کون؟

سوال: الف: [۱۰۳۱۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری بیوی کو اس کے بھائیوں نے ایکسیڈنٹ کے بہانے بلایا اور وہاں لیجا کر گھر بٹھالیا پھر وہ میرے گھر نہیں آئی ، میرے دو بچے ہیں، ایک کا نام حجاز الدین تاریخ پیدائش ۱۹؍ نومبر ۱۹۹۲ء اور دوسرا انثار الدین، تاریخ پیدائش یکم اکتوبر ۱۹۹۴ء ہے، اب انھوں نے کورٹ کے ذریعہ مجھ سے خرچہ لینا شروع کردیا اور سو روپیہ مہینہ فی بچہ خرچ جاتا رہا، اچانک میرے پاس ایک ہزار روپیہ فی بچہ کے حساب سے کورٹ کا کاغذ آیا، میں نہیں چاہتا کہ میرے بچے مجھ سے الگ رہیں، میں اپنے بچوں کو اپنے پاس رکھ کر تعلیم کا انتظام خود کروں گا، اور دونوں بچوں میں

سے ایک کی عمر۱۲؍سال دس ماہ اور دوسرے کی عمر دس سال گیارہ مہینہ ہے، اب اس سلسلہ میں شریعت کا حکم کیا ہے؟ کیا ان بچوں کی پرورش کا مجھے حق ہے یا نہیں؟

المستفتي: نفیس الدین، لالباغ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب لڑکے کی عمر سات سال کی ہوجائے، اس وقت پرورش اور تعلیم وتربیت کا ذمہ دار شرعی طور پر باپ ہوتا ہے، اسلئے جب لڑکے کی عمر سات سال یا اس سے تجاوز کر جائے، تو باپ کو حق پہونچتا ہے، کہ بیٹے کو ماں کے یہاں سے اپنے پاس لاکر اس کی تعلیم وتربیت خود کرے اور اب ماں کو حق نہیں ہے، کہ بچوں کو اپنے پاس روک کر کے ان کے اخراجات کا مطالبہ بچوں کے باپ سے کرے، بلکہ بچوں کو باپ کے حوالہ کردینا لازم ہے، لہٰذا اگر باپ کے مطالبہ کے باوجود بچوں کو باپ کے حوالہ نہ کردیا جائے یا بچے خود باپ کے پاس نہ آئیں تو ایسے بچوں کے اخراجات کی ذمہ داری باپ کے اوپر عائد نہیں ہوتی اور نہ ہی باپ کو خرچہ دینے پر شرعاً مجبور کیا جاسکتا ہے۔

وإذا استغنی الغلام عن الخدمة أجبر الأب (قوله) لأنه أقدر علی تأديبه وتعليمه. (شامی، کتاب الطلاق، باب الحضانة، زکريا ۵/۲٦۸، کراچی ۳/٥٦٦، هنديه، زکريا قديم ۱/٥٤۱، جديد ۱/٥۹۲، ملتقیٰ الأبحر، دارالکتب العلمية بيروت ۲/۱٦۸، ۱٦۹) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲٦ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۸۳۴)

بچوں کی پرورش کا حق ماں کو سات سال تک حاصل ہے

سوال: ب: [۱۰۳۱۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے بہنوئی صاحب نے خود اپنے بدن پر مٹی کا تیل ڈال کر آگ لگالی تھی، جس کے نتیجہ

میں ان کا انتقال ہوگیا، اولاد میں انھوں نے دولڑکے کے جن میں سے ایک کی عمر تقریباً ڈھائی سال ہے اور ایک بچہ کی عمر ایک ماہ کچھ دن ہے، اور ایک لڑکی ہے، جس کی عمر تقریباً ساڑھے تین سال ہے، ان کو وارث چھوڑا ہے لڑکے کے بھائیوں نے لڑکی کے بھائیوں کے خلاف تھانہ میں رپورٹ درج کرادی کہ یہ آگ سسرال والوں نے لگائی ہے، محلّہ کے لوگوں کے سمجھانے پر وہ لوگ آپس میں فیصلہ کیلئے راضی ہوگئے، اور لڑکے والوں نے کہا ہم تین شرطوں کے ساتھ یہ فیصلہ کرسکتے ہیں۔

(۱) پولیس رپورٹ کو ختم کرنے کیلئے جو روپئے خرچ ہوں گے وہ لڑکی کے بھائیوں کو دینا ہوگا۔

(۲) دوسری شرط یہ ہے کہ تینوں بچوں کے نام کی ایف ڈی کرادی جائے۔

(۳) تیسری شرط یہ ہے کہ بچے چچا تاؤ کے گھر جائیں گے، ماں کو چھوڑنا پڑے گا، اب دریافت یہ کرنا ہے، کہ ان تینوں شرطوں میں سے کون سی شرط جائز ہے اور کون سی شرعاً مانی جائے، اور کون سی ناجائز ہے؟

المستفتي: اشتیاق حسین، کٹارشہید، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: لڑکے والوں کی طرف سے پیش کردہ تینوں شرطیں ناجائز ہیں، اس لئے کہ جب مقدمہ لڑکے والوں نے کیا ہے، تو اس کو ختم کرانے کے خرچ کی ذمہ داری بھی انہی کی ہوگی، لڑکی والوں پر اس سلسلہ میں دباؤ ڈالنا درست نہیں۔

لایحل لمسلم أن یأخذ مال أخیه بغیر حق. (مجمع الزوائد، دارالکتب العلمیة بیروت ٤/ ١٧١)

(۲) بچپن کے زمانہ میں چھوٹے بچوں کی پرورش کا حق ماں کو حاصل ہے، چچا کو حاصل نہیں ہے۔

وحق الحضانة جعل إلیٰ النساء لأنهن أبصر و أقوم علی حفظ

الصبیان من الرجال لزیادة شفقتهن الخ. (البحرالرائق، کتاب الطلاق ، باب الحضانة ، زکریا ٤/ ٢٨٠، کوئٹه ٤/ ١٦٦)

(۳) بچوں کے مال کی ایف ڈی جائز نہیں ہے، البتہ تحفظ کیلئے غیر سودی کھاتے میں جمع کر سکتے ہیں۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۳/ ۱۵۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱ر محرم ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷ر ۸۶۸۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۱/۱/ ۱۴۲۶ھ

۷ر سال تک لڑکے اور نو سال تک لڑکی کی پرورش کا حق ماں کو ہے

سوال: [۱۰۳۱۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی اور دونوں میں تفریق بھی ہوگئی تقریباً چار سال ہوئے اس کے تین بچے ہیں، ایک کی عمر تقریباً ۱۲ر سال، دوسرے کی عمر تقریباً ۸ر آٹھ سال ، اور تیسرے کی عمر تقریباً چھ سال ہے، اور وہ تینوں بچے اپنے باپ کے پاس رہتے ہیں، ان کی ماں میکہ میں رہتی ہے، مگر ان کی ماں کبھی کبھی عید وغیرہ کے موقعہ پر اپنے بچوں کو ان کے باپ کی اجازت کے بغیر چپکے سے کچھ کپڑے یا کھانے پینے کی چیزیں دینا چاہتی ہے، تو کیا شرعاً وہ ان کے باپ کی اجازت کے بغیر اس طرح کی چیزیں دے سکتی ہے یا نہیں؟ جبکہ ان کے باپ بچوں کو اس طرح کی دی ہوئی چیزوں کو کھانے یا پینے میں ان کی جان پر خطرہ محسوس کرتے ہیں، اسلئے از روئے شرع اس کا کیا حکم ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: میاں بیوی کے درمیان اگر تفریق ہو جائے اور ان کے چھوٹے چھوٹے بچے موجود ہوں، تو ان کی ماں کو سات سال تک لڑکے کی اور نو سال تک لڑکی کی پرورش کا حق حاصل ہے، اور اس دوران ان کی تعلیم و پرورش کا خرچہ باپ کے ذمہ

واجب ہے، اوران میں سے بچے چاہے کسی کے پاس ہوں دوسرے کوان کی دیکھ بھال کرنے یاہدیہ وغیرہ دینے سے منع کرنانا جائز ہے۔

إذا کان للرجل ولد صغیر وقدفارق أمه فالأم أحق بالولد من الأب إلا أن یستغنی عنها وفی الهدایة: والنفقة علی الأب ، فإذا استغنی ، فالأب أحق به، وحد الاستغناء فی الغلام أن یأکل وحده ویشرب وحده .... وذکر الخصاف فی کتاب النفقات: أن الأم أحق بالغلام مالم یبلغ سبع سنین ، أو ثمان سنین ، والفتویٰ علی سبع سنین ، وأما فی الجاریة فحد الإستغناء إلیٰ أن تحیض الخ. (تاتار خانیة ، زکریا ۵/۲۷۳، رقم: ۷۸۳۱، ۷۸۳۲)

وفی الحادی : الولد متی کان عند أحد الأبوین لایمنع الاٰخر عن النظر إلیه وعن تعاهده. (فتاویٰ تاتار خانیة ، زکریا ۵/۲۷٤، رقم: ۷۸۳۵، شامی، کتاب الطلاق ، باب الحضانة ،زکریا ۵/۲۷۵، کراچی ۳/۵۷۱)

اس لئے جدا ہونے کے بعد بھی ماں اپنی طرف سے بچوں کوان کے باپ کی اجازت کے بغیر کھانے پینے کی چیزیں اور کپڑا وغیرہ دے سکتی ہے، اس سے باپ کومنع کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵ر جمادی الاول ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴ر ۶۳۱۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۵/۸/۱۴۲۰ھ

آٹھ سال کے بچہ کی پرورش کا حق

سوال: [۱۰۳۱۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ محمد سعید بن محمد رفیق (ساکن لال پور، کچھا، ضلع ادھم سنگھ نگر) اور دلشاد بیگم بنت حاجی محمد معروف (ساکن مسجد قریشیان محلّہ دوئم پورہ، ٹانڈہ بادلی، ضلع رامپور) دونوں میاں بیوی تھے، طلاق مغلظہ کے بعد دونوں میں علیحدگی واقع ہوئے چھ سال ہو چکے ہیں، ان دونوں

سے شاہ نور نامی ایک لڑکا ہے شاہ نور کی عمر آئندہ تین جون کو اس کی تاریخ پیدائش ۳/ ۶/ ۲۰۰۴ء کے لحاظ سے پورے آٹھ سال کی ہوجائے گی، اب دلشاد بیگم کا یہ مطالبہ ہے کہ بحیثیت ماں شاہ نور کا حق حضانہ مجھے حاصل ہے اس لئے محمد سعید شاہ نور پر آئندہ خرچ ہونے والی رقم مجھے ادا کرے، جبکہ محمد سعید کا کہنا ہے کہ شرعی لحاظ سے شاہ نور کے تعلق سے دلشاد بیگم کا حق حضانہ ختم ہو چکا ہے، اس لئے شاہ نور کو فوری طور پر میرے سپرد کیا جانا چاہئے، اب دلشاد بیگم کی سپردگی میں رہتے ہوئے شاہ نور پر خرچ ہونے والی رقم مجھ پر واجب نہیں ہوتی میں خود شاہ نور کو اپنی سپردگی میں لے کر ہی پرورش کرنا چاہتا ہوں، آپ صورت مسئولہ کے پیش نظر محمد سعید اور دلشاد بیگم دونوں کے دعوے اور مطالبہ کی مدلل انداز میں حقیقت بیان فرمادیں؟ نوازش ہوگی؟

المستفتي: محمد توفیق، لال پور، کچھا، اودھم سنگھ نگر، اتراکھنڈ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر شوہر اور بیوی کے درمیان طلاق اور جدائی ہوجائے، تو لڑکے کی پرورش کا حق ماں کو اس وقت تک حاصل رہتا ہے، جب تک بچہ سات سال کی عمر کا نہ ہوجائے، اور سات سال یا اس سے زائد عمر ہوجائے تو پھر ماں کو حق پرورش کے مطالبہ کا حق باقی نہیں رہتا ہے، بلکہ سات سال کی عمر کے بعد باپ کو یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ بچہ کو اپنے پاس رکھ کر پرورش کرے۔ (مستفاد: محمودیہ ڈابھیل ۱۳/ ۵۶۷، ۵۶۸)

تثبت للأم ولو بعد الفرقة .... والحاضنة أما أو غيرها أحق به أي بالغلام حتى يستغني عن النساء بأن يأكل ويشرب ويستنجيٰ وحده وقدر بسبع وبه يفتىٰ؛ لأنه الغالب. (درمختار مع الشامی، کتاب الطلاق، باب الحضانة کراچی ۳/ ۵٦٦، زکریا ۵/ ۲٦٧)

يجبر الأب علىٰ أخذ الولد بعد استغنائه عن الأم؛ لأن نفقته وصيانته عليه بالاجماع. (شامی، زکریا ۵/ ۲٦٨، کراچی ۳/ ۵٦٦، هندیه،

زکریا قدیم ۱/ ۵٤۱، جدید ۱/ ۵۹۲)

والأم والجدة أحق بالغلام حتیٰ یستغنیٰ وقدر بسبع سنین، وقال القدوری حتی یأکل وحدہ ویشرب وحدہ ویستنجیٰ وحدہ، وقدرہ أبوبکر الرازي بتسع سنین والفتویٰ علی الأول . (فتاویٰ عالمگیری، زکریا قدیم، ۱/ ٥٤۲، جدید ۱/ ۵۹۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/ جمادی الثانیہ ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۷۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۶/۲۹ھ

ماں کے انتقال کے بعد بچہ کی پرورش کا حق کس کو ہے؟

سوال: [۱۰۳۱۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری بہن کا انتقال ہوگیا ہے، اور اس نے ایک لڑکا چھ دن کا چھوڑا ہے، تو اس بچے کی پرورش کا حق کس کو ہے، جبکہ اس کا باپ دوسری شادی کرنا چاہتا ہے، اور بچہ کا جو مال ہے وہ کس کے پاس رہیگا، جبکہ باپ کی نیت صحیح نہیں ہے، اور وہ اس سامان کو ضائع کردے گا، اس کا جواب مرحمت فرمائیں؟

المستفتي: طاہر حسین، محلّہ باڑہ شاہ صفا، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر بچہ کی نانی ہے تو اس کو حق ہے، اور اگر نانی نہیں ہے، تو دادی کو حق پرورش حاصل ہے۔

والحاضنة أما أو غیرها أحق به (إلیٰ قوله) والأم والجدة لأم أو لأب الخ.

(الدر المختار، کتاب الطلاق، باب الحضانة، کراچی ۲/ ۵٦٦، زکریا دیوبند ۵/ ۲٦۸)

فإن ماتت الأم فأم الأم أولیٰ بحضانة الولد وتعهده . (تاتار خانیة، زکریا ۵/ ۲۷٤، رقم: ۷۸۳۹، مجمع الأنهر، دارالکتب العلمية بیروت ۲/ ۱٦٦)

مگر سات سال کی عمر کے بعد باپ کو اپنے پاس لانے کا حق حاصل ہوگا، نیز بچہ کا مال

باپ ہی کے پاس رکھنا لازم ہے، باپ سے زیادہ ہمدرد شرعاً دوسرا کوئی نہیں ہے، اور باپ ولی عصبہ ہے جو اس کے مال کی حفاظت کا زیادہ حقدار ہے۔

العصبة (إلیٰ قوله) و أصله الخ . (سراجی ص:۲۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲ / ربیع الثانی ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳۹۵/۲۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴/۴/۲ھ

بھائی کے انتقال کے بعد اسکی بیوی بچہ کا ذمہ دار کون؟

سوال: [۱۰۳۱۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید عمر دونوں بھائی تھے بڑے کا نام زید اور چھوٹے کا نام عمر تھا بچپن سے زید نے عمر کی پوری ذمہ داری لے رکھی تھی، اور بالغ ہو گیا تو زید نے عمر کی شادی کر دی اس سے ایک لڑکا پیدا ہوا کچھ ہی عرصہ کے بعد عمر کا انتقال ہو گیا عمر کی بیوی بچے کا ذمہ دار کون ہو سکتا ہے، ان کی والدہ یا زید؟

المستفتي: محمد ذکی اللہ رحمانی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: شرعاً والدہ اور زید دونوں میں سے کسی پر بھی ذمہ داری واجب نہیں ہے، البتہ ان میں سے کوئی اگر ذمہ داری لے کر عمر کی بیوی اور بچہ کی ضروریات پوری کرے، تو ایک احسان ہوگا اور چونکہ زید پہلے ہی سے احسان کرتا ہوا آیا ہے، اسلئے زید ہی اس فریضہ کی ذمہ داری لے تو زیادہ بہتر ہے اور عمر کی بیوی بچہ کے لئے سہارا ہوگا۔

ماثبت بزمان یحکم ببقائه مالم یوجد دلیل الخ . (قواعد الفقه، اشرفی دیوبند، ص:۱۱٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲۲۰/۲۹)

علیحدگی کی صورت میں بچہ کی پرورش کا حق

سوال: [۱۰۳۱۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ سال گذشتہ ہندہ کا نکاح ہوا دو ماہ قبل ولادت ہوئی بعد ولادت آپسی نااتفاقی کی وجہ سے ہندہ اپنے والدین کے گھر پر تقریباً ایک ماہ سے رہ رہی ہے، نااتفاقی اتنی بڑھ چکی ہے کہ طلاق کی نوبت بھی آ سکتی ہے، موجودہ بچے کے والد کا اصرار ہے کہ بچہ میرے پاس رہے گا، بچے کی عمر تقریباً دو ماہ ہے، لہٰذا بچے کی پرورش کا حق نااتفاقی یا طلاق ہونے کی صورت میں کسے حاصل ہوگا، نیز اس کی مدت کی تعیین کی کیا صورت ہوگی، (بچہ نرینہ ہے) لہٰذا قرآن وحدیث کی روشنی میں مفصل ومدلل جواب تحریر فرمائیں؟

المستفتي: سہیل ناصر قاسمی، رحمت نگر، گلی نمبر۲، سرسید نگر، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: طلاق کے بعد یا طلاق سے پہلے آپسی نااتفاقی کی بنا پر زوجین کے علاحدہ رہنے کی صورت میں جب تک بچہ اپنی ضروریات کھانے پینے اور استنجاء وغیرہ میں ماں کا محتاج ہو اور بدون ماں کے سہارے کے یہ تمام کام خود نہ کرسکتا ہو اس وقت تک ماں بچے کی پرورش کی زیادہ مستحق ہے، لیکن بچہ جب ذرا بڑا اور سمجھدار ہو جائے، اور مذکورہ ضروریات کے کام بغیر ماں کے سہارے کے کرنے لگے، تو اب پرورش کا حق باپ کو حاصل ہوگا، شریعت نے اس کی مدت سات سال مقرر کی ہے۔

عن عبداللّٰہ بن عمر و أن أمرأة قال: یارسول اللّٰہ إن إبنی هذا کان بطنی له وعاء وثدی له سقاء وحجری له حواء وإن أباه طلقنی وأراد أن ینزعه منی فقال لها رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم أنت أحق به مالم تنکحی. (ابو داؤد، الطلاق، باب من أحق بالولد، النسخة الهندية ۱/ ۳۱۰، دارالسلام برقم: ۲۲۷۶، مسند احمد بيروت ۲/ ۱۸۲، رقم: ۶۷۰۷، مجمع الزوائد، دارالكتب العلمية

بیروت ٤/٣٢٣، مشکوٰۃ /٢٩٣)

أحق بالولد أمه قبل الفرقة وبعد ها أی فی التربية والإمساک .

(البحرالرائق، کتاب الطلاق ، باب الحضانة ، کوئٹه ١٦٧/١، زکريا ٢٨٢/٤)

والنساء أحق بالحضانة مالم يستغنیٰ الصغير فإن استغنی بأن کان يأکل وحده ويشرب وحده ويلبس وحده وفی رواية ويستنجیٰ وحده فالأب بالغلام أولیٰ . (خانية ، جديد زکريا ٢٥٣/١، وعلی هامش الهندية زکريا ٤٢٣/١)

قدر مدة الاستغناء أبو بکر الرازی ، بتسع سنين ، والخصاف بسبع سنين ، وعليه الفتویٰ کما فی أکثر الکتب اعتباراً للغالب الخ. (مجمع الأنهر ، دارالکتب العلمية بيروت ١٦٩/٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۹۹۸/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۴/۷ھ

طلاق کے بعد عدت اور لڑکے کی پرورش کا حکم

سوال: [۱۰۳۱۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ رفعت جہاں ۲۰ ر سالہ اور محمد اسلم ۴۷ ر سال کا نکاح بتاریخ ۲۵ ر اکتوبر ۲۰۰۱ء ہوا تھا، لڑکی رخصت ہو کر اپنی سسرال گئی اور حق زوجیت ادا کیا جس کے سبب اکتوبر ۲۰۰۲ء میں ایک لڑکا پیدا ہوا جو حیات ہے سسرال والوں اور شوہر کا سلوک لڑکی کے ساتھ اچھا نہیں رہا، کیونکہ لڑکا حرام خور ہے، اب لڑکی موقع پا کر خاموشی سے ۱۵ ر دن ہوئے بچہ لے کر اپنی ماں کے یہاں آ گئی ،لڑکی کا باپ نہیں ہے، اب لڑکی اپنی سسرال جانے کو تیار نہیں ہے۔

(۱) کیا ایسی حالت میں طلاق مناسب رہے گی ،لڑکے والے دل سے لڑکی کو لے جانا نہیں چاہتے ہیں۔

(۲) دین مہر کی ترتیب کیا رہے گی؟

(۳) ایام عدت کے نان نفقہ کا کیا ہوگا؟

(۴) لڑکا سوا سال کا ہے جو ماں کا دودھ پی رہا ہے، شوہر لڑکا لینا چاہتا ہے، کب لڑکا باپ کو دیا جائے گا، بچے کے خرچہ کا کیا ہوگا؟

المستفتي: مسماۃ قیصر والدہ لڑکی رحمت جمال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: (۱) اگر دونوں میں نبھاؤ نہ ہو سکے تو شوہر کو طلاق دے کر نکاح سے الگ کر دینے کی اجازت ہے، مگر تین طلاق نہ دی جائے بلکہ صرف ایک طلاق یا دو طلاق دیکر الگ کر دے۔

اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَاِمْسَاکٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِیْحٌ بِاِحْسَانٍ. (الأية سورة بقرة / ۲۲۹)

(۲) شوہر خود طلاق دے گا تو مکمل مہر ادا کرنا شوہر پر واجب ہوگا۔

لأن الطلاق فعل الزوج والمهر ملكها والإنسان لايملك إسقاط حق الغير عن نفسه الخ. (بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل فى بيان مايتأكد به المهر، زكريا ديوبند ۲/۵۸۶)

(۳) اگر شوہر کی مرضی کے بغیر میکہ آ گئی ہے، تو ایام عدت کا خرچ بیوی کو نہیں ملے گا۔

نفقة العدة كنفقة النكاح، وتسقط بالنشوز وتعود بالعود الخ. (شامی، كتاب الطلاق، باب النفقة، مطلب فى نفقة المطلقة، كراچی ۳/۶۰۹، زكريا ۵/۳۳۳)

(۴) لڑکے کو سات سال کی عمر تک رکھنے کا حق ماں کو حاصل ہوگا، اور اس درمیان بچہ کا خرچہ باپ پر لازم ہوگا۔

أن الأم أحق بالغلام مالم يبلغ سبع سنين الخ. (تاتارخانية، زكريا ۵/۲۷۳، رقم: ۷۸۳۲)

والنفقة علی الأب.(تاتار خانیة ، زکریا ۵/۲۷۳، رقم: ۷۸۳۱)**فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/ ذیقعدہ ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۱۹۵/۳۷)

ماں کی دماغی حالت خراب ہونے کی صورت میں پرورش کا حق

سوال: [۱۰۳۱۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص کی شادی کے دس سال ہوگئے بیوی کی دماغی حالت ٹھیک نہیں رہتی ہے، اور وہ شخص سسرال میں رہتا ہے، اس نے گھر کے کام کاج بیوی کی تیمار داری اور ساس کے طعنوں سے تنگ آکر طلاق دے دی اس کے چھ بچے ہیں، پانچ لڑکیاں ایک لڑکا سب سے بڑی لڑکی جو آٹھ سال کی ہے، وہ پیدائش سے اب تک دادی کے پاس رہتی رہی ہے، سب سے چھوٹی لڑکی جو تین مہینے کی ہے وہ شہر سے باہر اس لڑکے کے ملنے والے ایک بے اولاد کے گھر میں زیر پرورش ہے، بقیہ چار بچے جن میں تین لڑکیاں اپنے ماں باپ کے پاس رہتی ہیں، اور لڑکا اکثر اپنی خالہ کے پاس رہتا ہے، اب دریافت طلب امر یہ ہے۔

(۱) چاروں بچے صرف ماں کے پاس رہیں گے، یا صرف باپ کے پاس واضح رہے کہ ماں کی دماغی حالت خراب ہے؟

(۲) بیوی کو نان نفقہ کب تک اور کتنا دیا جائے؟

(۳) جو سامان شوہر نے شادی کے بعد جمع کیا ہے، جیسے گھریلو سامان اور گھر کی عمارت زیور کپڑے وغیرہ اس سامان کا کیا حکم ہے؟

المستفتي: تنویر احمد، تمبا کو والان، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں اگر ماں کی دماغی حالت اس

درجہ خراب ہے کہ بچوں کی صحیح اسلامی تربیت نہیں ہوسکتی ہے،تو پھر پرورش کا حق شرعی طور پر نانی کو حاصل ہے، اور جب لڑکیاں بالغ ہوجائیں اور لڑکا سات سال کا ہوجائے، تو پھر پرورش کا حق باپ کو حاصل ہوجائے گا۔ (مستفاد: محمودیہ قدیم ۹/۲۲۶، جدید ڈابھیل ۱۳/۵۶۶، فتاویٰ رشیدیہ، قدیم/۴۸۰، جدید زکریا/۴۵۷، فتاویٰ دارالعلوم ۱۱/۸۳)

إذا كـان للرجل ولد صغير وقدفارق أمه ، فالأم أحق بالولد من الأب. (تـاتـار خـانية، زكريا ٥/٢٧٣، رقم: ٧٨٣١، هنديه ، كتاب الطلاق ، الباب السادس عشر في الحضانة ، زكريا قديم ١/٥٤١، جديد ١/٥٩٢)

فإن لـم تـكـن لـه أم فأم الأم أولىٰ من أم الأب الخ. (هـنـديـه ، اشرفی ديو بند٢/٤٣٤)

وقـال الـرمـلي ويشترط في الحاضنة أن تكون حرة بالغة عاقلة أمينة قادرة . (شامی، كراچی ٣/٥٥٥، زكريا ٥/٢٥٣)

(۲) مطلقہ کا نان نفقہ زمانہ عدت یعنی تین ماہواری کے آنے تک دینا واجب ہے، اور یہ نان نفقہ شوہر اپنی حسب حیثیت دے گا۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۱۱/ ۱۵۰، ۱۱/ ۱۱۷)

وإذا طلق الرجل امرأته فلها النفقة والسكنىٰ في عدتها رجعيا كان أو بائنا . (هنديه ، كتاب الطلاق ، باب النفقة ، اشرفی ديو بند٢/٤٤٣)

تـجـب الـنفقة والكسوة والسكنى لمعتدة الطلاق الخ. (البحرالرائق، كتـاب الـطـلاق ، بـاب الـنفقة ، كوئٹه ٤/١٩٨، زكريا ٤/٣٣٧، شامی، مـطلب في نفقة الـمطلقة ،كراچی ٣/٦٠٩، زكريا ٥/٣٣٣، مجمع الأنهر قديم ١/٥٠٣، جديد دارالكتب الـعـلـمية بيـروت ٢/١٨٩، بـدائـع الـصنائع ، كراچی ٤/١٦، زكريا ٣/٤١٩، تاتار خانية ، زكريا ٥/٣٩٩، رقم: ٨٣٠٢)

(۳) جو مال شوہر نے شادی کے بعد یا پہلے کما کر جمع کیا ہے، وہ اس کا مالک ہے جس طرح چاہے، اس میں تصرف کرے، مطلقہ بیوی کو مہر کے علاوہ مزید اس مال میں کوئی حق نہیں

ہے۔

والمالک هو المتصرف فی الأعیان المملوكة كيف شاء الخ.

(بیضاوی ، کتب خانہ رشیدیه ،دهلی ۱/ ۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۵۲۹۳/۳۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۵/۱۸ھ

بچوں کی پرورش کا حق دادا دادی کو ہے یا نانا نانی کو

سوال: [۱۰۳۱۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نازبینہ کا انتقال ہوا ورثاء میں شوہر احمد حارث ایک لڑکا حسین احمد، ایک لڑکی زینب باپ محمد عرفان ماں تہذیبہ کو چھوڑا، پھر دو ماہ کے بعد احمد حارث کا انتقال ہوگیا ورثاء میں ایک لڑکا حسین احمد ایک لڑکی زینب اور باپ عظیم الدین ماں جہاں آراء شامل ہیں مرحومہ کا ترکہ مذکورہ وارثین کے درمیان کس طرح تقسیم ہوگا، نیز احمد حارث نے جو زیور بیوی کو دیا ہے وہ کس کی ملکیت ہوگی ،شوہر کی یا بیوی کی، احمد حارث کا لڑکا گیارہ سال کا ہے اور لڑکی چھ سال کی ہے، ان کی پرورش کا حق دادا دادی اور چچا کو زیادہ ہے یا نانا نانی کو واضح فرمائیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: برتقدیر صحت سوال وعدم موانع ارث وبعد ادائے حقوق ماتقدم مرحومہ نازبینہ کا ترکہ اسکے ورثاء کے درمیان درج ذیل نقشہ کے مطابق تقسیم ہوگا۔

۷۲
۳۶
۱۲
نازبینہ

شوہر	ماں	باپ	لڑکا	لڑکی
احمد حارث	تہذیبہ	عرفان	حسین احمد	زینب
۳	۲	۲	۱۰	۵
۹	۶	۶	۲۰	۱۰
	۱۲	۱۲		

۲
۱۸

مرحوم احمد حارث ۶	تداخل		۱/۹
ماں	باپ	لڑکا	لڑکی
جہاں آراء	عظیم الدین	حسین احمد	زینب
۱	۱	۴	
۳	۳	۸	۴

المبلغ: ۲۷

الاحیاء ....

حسین احمد	زینب	عرفان	تہذیبہ	عظیم الدین	جہاں آراء
۲۸	۱۴	۱۲	۱۲	۳	۳

مرحومہ نازبینہ کا ترکہ مذکورہ شرعی ورثاء کے درمیان ۲۷ برابر سہام میں تقسیم ہوکر ہر وارث کو اتنا اتنا ملے گا، جو اس کے نام کے نیچے درج ہے، نیز احمد حارث نے جو زیور بیوی کو دیا تھا، اس میں تفصیل یہ ہے کہ اگر وہ بطور ہبہ تھا تو بیوی کی ملکیت میں شمار ہوکر ترکہ میں شمار ہوگا اگر وہ بطور عاریت تھا تو احمد حارث ہی کی ملک میں شامل ہوگا۔

وإذا بعث الزوج إلیٰ أهل زوجته أشياء عند زفافها فلما زفت إليه أراد أن يسترد من المرأة، ليس له ذلک إذا بعث إليها على جهة التمليک.

(هنديه، كتاب النكاح، الباب السابع فی المهر، الفصل السادس عشر فی جهاز البنت، زكريا قديم ۱/۳۲۷، جديد ۱/۳۹۳، فتاویٰ محموديه جديد ۱۲/۲۵۹، ۳۰۹)

لڑکے کی عمر چونکہ گیارہ سال ہے اسلئے اس کی پرورش کا حق نانی کو حاصل نہیں ہوگا، بلکہ اس کی پرورش دادا کے ذمہ ہوگی، اور لڑکی کی عمر چونکہ چھ سال ہے، اس لئے بالغ ہونے سے پہلے لڑکی کی پرورش کا حق نانی کو حاصل رہے گا اور بالغ ہونے کے بعد لڑکی کو دادی کے حوالہ کرنا ضروری ہے، اب اگر نانی بالغ ہونے کے بعد لڑکی کو دادا کے حوالہ کرنے کیلئے تیار ہے تو پرورش کیلئے لے سکتی ہے، اور اگر حوالہ کرنے کیلئے تیار نہیں ہے، تو نانی پرورش کیلئے نہیں

لے سکتی ہے، اور پرورش وغیرہ کا خرچہ ان کے حصۂ میراث سے کیا جائے گا۔

(والأم والجدة أحق بالغلام حتى يستغني وقدر بسبع) لأنه إذا استغنىٰ يحتاج إلىٰ تأديب والتخلق بأداب الرجال وأخلاقهم، والأب أقدر على التأديب والتعنيف ...... (وبها حتى تحيض) أى الأم والجدة أحق بالصغيرة حتى تحيض، لأن بعد الاستغناء تحتاج إلىٰ معرفة آداب النساء والمرأة على ذلک أقدر وبعد البلوغ تحتاج إلىٰ التحصين والحفظ والأب فيه اقوىٰ وأهدىٰ. (البحرالرائق، كتاب الطلاق، باب الحضانة، كوئٹه ٤/١٦٩، ١٧٠، زكريا ٤/٢٨٧، هنديه، زكريا قديم ١/٥٤٢، جديد ١/٥٩٣، محموديه جديد ڈابھیل۱۳/ ٥٦٨)

فإن كان الأب قد مات وترک أموالاً وترک أولاداً صغاراً كانت نفقة الأولاد من أنصبائهم الخ. (هنديه، كتاب الطلاق، الباب السابع عشر فى النفقات، الفصل الرابع، زكريا قديم ١/٥٦٤، جديد ١/٦١٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍جمادی الثانیہ ۱۴۳۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۷۵۸/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۰/۶/۸ھ

والد مفلس ہو تو بچے کی پرورش کا حق کس کو ہے؟

سوال: [۱۰۳۲۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص محمد اسلم ولد رحمت اللہ عرف منن قوم شیخ قریشی محلہ اصالت پورہ اسلام نگر گلی نمبر۱، مرادآباد کا عقد نکاح شرع محمدی کے مطابق ہمراہ ریشما پروین عرف شنو بنت کلو قوم شیخ قریشی محلہ اصالت پورہ متصل بیگم والی مسجد کے عرصہ قریب چار سال پہلے ہوا تھا، دونوں کی شادی کے ایک سال بعد ریشما پروین عرف شنو کے بطن سے ایک لڑکا ذیشان پیدا ہوا پھر ایک لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام ثناء رکھا گیا، نورچشمی ثناء کی پیدائش کے ۴/۵ گھنٹہ بعد ریشما پروین کا انتقال ہوگیا، اب ریشما پروین کے والدین اور ان کے متعلقین کا کہنا ہے،

کہ دونوں بچوں کو بھی ہمیں دیجئے اور شادی کے وقت جو ہم نے سامان دیا تھا، وہ بھی چاہئے، اور محمد اسلم ایک مزدور قسم کا شخص ہے، جو اس وقت تک اپنے والد کے مکان میں رہتا ہے، اب کہیں پر کوئی اپنی رہائش کیلئے مکان خریدنا چاہتا ہے تو اس پر ریشما پروین کے والدین کا کہنا ہے، کہ جو مکان محمد اسلم خریدیں اس میں سے آدھا مکان دونوں بچوں کے نام کریں، کیونکہ دونوں بچے یتیم ہوگئے ہیں، تو

(۱) دونوں بچوں کی پرورش کہاں ہونی چاہئے۔

(۲) شادی کے وقت جو سامان جہیز دیا گیا تھا وہ کیا ریشما پروین کے والدین کو واپس کرنا ضروری ہے؟ مفصل اور واضح بیان فرمائیں؟

(۳) کیا دونوں بچے والدہ کے انتقال کے بعد یتیم ہوگئے ہیں؟

(۴) کیا کوئی مکان محمد اسلم خریدیں تو اس کا آدھا حصہ بچوں کے نام کرنا ضروری ہے؟

(۵) کیا محمد اسلم کو اپنی دوسری شادی اوپر کی تمام باتیں مان کر کرنی چاہئے؟

المستفتي: مجید الرحمٰن، اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) دونوں بچوں کی پرورش کیلئے اگر محمد اسلم کے پاس معقول انتظام ہے اور بچوں کی دادی زندہ ہے، تو دادی کو پرورش کا حق ہے، ریشما پروین کے والدین کیلئے محمد اسلم کو بچوں کو حوالہ کرنے پر مجبور کرنے کا حق نہیں ہے۔

لأن الحضانة كانت حقاً للأم فصح إسقاطها حقها (إلىٰ قوله) لما أسقطت حقها بقي حق الولد فصارت بمنزلة الميتة أو المتزوجة فتكون الجدة أولىٰ. (شامی، کتاب الطلاق، باب الحضانۃ، زکریا ۵/۲۵۹، کراچی ۳/ ۵۶۰)

(۲) شادی کے وقت جو سامان ریشما پروین کو دیا گیا تھا، وہ ریشما پروین مرحومہ کا ترکہ ہے اس کے شرعی ورثاء میں تقسیم ہوگا سب ریشما کے والدین کو نہیں ملے گا، اور ریشما کا شوہر بھی ورثاء میں داخل ہے۔

(۳،۴،۵) محمد اسلم کو دوسری شادی کرنے کا ہر وقت حق حاصل ہے، اس میں ریشما مرحومہ کے والدین کو دخل دینے کا کوئی حق نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے یہ اختیار دیا ہے، کسی انسان کو مداخلت کا حق نہیں ہے، نیز محمد اسلم جو مکان خرید رہا ہے، اس میں کسی کا حق نہیں ہے، اس کی مرضی ہے چاہے اپنی ملکیت میں رکھے یا کسی کو بھی دے دے، مرحومہ کے والدین کو مداخلت کا کوئی حق نہیں ہے۔

المالک هو المتصرف فی الأعیان المملوکة کیف شاء من الملک.

(بیضاوی، کتاب خانہ، رشیدیہ، دھلی، ص:۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ر جمادی الاولیٰ ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۷ ۴۴۵۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۶/۵/۹ھ

نواسی کی پرورش سے متعلق چند سوالات وجوابات

سوال: [۱۰۳۲۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری شادی ۱۹۸۷ء میں ہوئی، اور ۱۹۸۹ء میں ایک بچی پیدا ہوئی، لیکن اسکے بعد نبھاؤ کی شکل ممکن نہ رہی چنانچہ میں نے ۱۹۹۰ء میں طلاق دیدیا اس کے بعد میں نے ہر چند کوشش کی کہ میری بچی میری کفالت میں رہے لیکن سسرال والوں نے نہ رہنے دیا، اور انھوں نے خود کفالت کی الغرض ۱۹۹۲ء میں میں نے دوسری شادی کرلی، اور اس بیوی سے میری تین اولاد ہیں، دولڑکے اور ایک لڑکی اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ میری پہلی بیوی والی بچی بڑی ہوچکی ہے، اور شادی کی عمر کو پہونچ چکی ہے، اور سسرال والے بچی کو میرے حوالہ کرنے پر کسی طرح بھی راضی نہیں ہیں، کہ میں اس کا نکاح کردوں اور نہ ہی مجھے لڑکی سے ملنے دیتے ہیں، بلکہ مجھے لڑکی کا کھلا ہوا دشمن سمجھتے ہیں، البتہ سسرال والے دوسروں کے ذریعہ کہلواتے ہیں، کہ تمہیں بچی کی شادی میں پچاس ہزار روپیہ دینا ہوتو دواور میں ۲۵ر ہزار روپیہ دینے کے لئے تیار ہوں مگر وہ اسے قبول کرنے

کے لئے تیار نہیں ہیں، اور مجھے والدین کے ترکہ سے پندرہ بیگہ کچا (جس کی قیمت آٹھ لاکھ بنتی ہے) حصے میں ملا ہے، جسکی سالانہ آمدنی بارہ ہزار روپیہ ہے، اور ۲۵؍ ہزار روپئے بینک بیلنس ہے، اس کے علاوہ ایک رہائشی مکان ہے جس کی قیمت ڈیڑھ لاکھ روپئے ہے، اور میں ایک مکتب سے جڑا ہوا ہوں، بارہ سو روپیہ ماہانہ پاتا ہوں، اور عذر کی وجہ سے اکثر گھر ہی رہتا ہوں، اور اس کے علاوہ میرے اوپر بیس ہزار روپیہ بجلی کا بل باقی ہے، ایسی صورت حال میں مجھ پر کیا ذمہ داری عائد ہوتی ہے، جو انھوں نے کفالت کی ہے وہ مجھے خرچہ ادا کرنا ہے اور شادی میں مجھے کتنے روپئے دینے ہیں، اور میری جو جائیداد ہے اس میں سے میری بچی کا کتنا حصہ ہے، کیونکہ سسرال والوں نے بچی کو میرے حوالہ نہیں کیا اور نہ ہی میرا پسند کیا ہوا رشتہ منظور کرتے ہیں۔

المستفتي: مولانا مصلح الدین قاسمی، استاذ جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: شرعی طور پر لڑکی بالغ ہوجانے کے بعد باپ کو مل جانی چاہئے تھی، اور شادی میں خرچ کرنے کا کوئی معیار متعین نہیں ہے، بلکہ اپنی حسب حیثیت آسانی اور سہولت سے لڑکی کی شادی میں باپ اپنے اختیار سے خرچ کرے گا، سسرال والوں یا کسی دیگر افراد کو باپ پر دباؤ ڈالنے کا کوئی حق نہیں ہے، نیز باپ اس وقت خرچ کرنے کا مجاز ہے، کہ جب باپ اپنے اختیار سے اپنی لڑکی کی شادی کرے اور جب باپ کے اختیار کے دائرہ میں لڑکی نہ ہو تو باپ کے اوپر کوئی شرعی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی ہے، پھر بھی باپ جو کچھ خرچ کریگا، وہ اس کی مرضی کی بات ہے، نیز بینک بیلنس اور جائیداد میں سے باپ کی زندگی میں لڑکی کا کوئی حق متعلق نہیں ہے، ہاں البتہ باپ کے مرنے کے بعد دوسری بچیوں کا جو حق بنتا ہے، ویسا ہی اس کا بھی حق بنے گا، اور ننہال والوں نے لڑکی کی جو پرورش کی ہے، وہ باپ کے اختیار سے پرورش نہیں

کی گئی ہے، اور اس درمیان باپ جب چاہے لڑکی کو اپنے ساتھ لانے اور لیجانے کے اختیارات باپ کو شرعی طور پر حاصل ہونا چاہئے تھا وہ حاصل نہیں ہوسکے نیز باپ کو لڑکی کا دشمن جیسا ثابت کرنیکی صورت میں گذشتہ زمانہ کا کوئی نان ونفقہ باپ پر لازم نہیں ہوتا، اسلئے پچھلے زمانہ کے نان ونفقہ کے نام سے باپ سے کسی چیز کے مطالبہ کا حق نہیں ہے، باپ کے اوپر خرچ واخراجات اسی وقت لازم ہوتے ہیں، جبکہ اولاد پر باپ کو اختیار حاصل ہو اور یہاں پر باپ کو کوئی اختیار حاصل نہیں ہے، اس اختیار کے نہ ہونے کی صورت میں گذشتہ زمانہ کا خرچہ باپ کے ذمہ لازم نہ ہوگا، اگرچہ قاضی اور حاکم نے نفقہ باندھ دیا ہو تب بھی پچھلے زمانہ کا خرچہ باپ پر واجب نہیں، لہٰذا شادی کیلئے پچاس ہزار کا مطالبہ کرنا یا اس پر دباؤ ڈالنا کسی طرح جائز نہیں ہے، بلکہ ننھال والوں پر شرعی طور پر لازم ہے کہ لڑکی باپ کے حوالہ کردیں اور باپ اپنی مرضی سے شادی کرے۔

ولو قضیٰ القاضی للولد والوالدین وذوی الأرحام بالنفقة فمضت مدة سقطت لأن نفقة هٰولاء تجب كفاية للحاجة حتى لاتجب مع يسار وقد حصلت بمضى المدة. (شامی، کتاب الطلاق، باب النفقة، مطلب فی مواضع لایضمن فیها المنفق، إذا قصد الإصلاح، کراچی ٣/٦٣٣، زکریا ٥/٣٧٠، هدایه، اشرفی دیوبند ٢/٤٤٨، الجوهرة النیره، امدادیه ملتان ٢/١٧٥، دارالکتاب دیوبند ٢/١٦٧) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍جمادی الاولیٰ ۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۰۰۱/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۷/۵/۹ھ

بالغ لڑکی کی پرورش کا حکم

سوال: [۱۰۳۲۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری شادی ۱۹۸۱ء کو محلّہ کسرول میں ہوئی تھی، ۲۸؍جون ۱۹۸۳ء کو بیوی کے میکہ میں ایک لڑکی پیدا

ہوئی جو کہ اس وقت سے اب تک اپنی والدہ کے پاس ہے، اوراس کی والدہ لڑکی کو مجھ سے ملنے تک سے روکے ہوئے ہے، میں ہر طرح کوشش کر چکا ہوں کہ لڑکی مجھے مل جائے، لیکن اسکی والدہ مجھ سے لڑکی کے بہانے خطیر رقم کا مطالبہ بذریعۂ عدالت کر رہی ہے، اور میں لڑکی کو اس کے ننھال میں چھوڑنا نہیں چاہتا ہوں، وہاں کا ماحول اچھا نہیں ہے، اور اس وقت لڑکی کی خالائیں اور ماموں ۴۰/۴۵ سال کے بغیر شادی کے بیٹھے ہوئے ہیں، میری لڑکی کا مستقبل اس کے ننھال میں خراب ہوسکتا ہے، اسلئے میں چاہتا ہوں کہ میری لڑکی مجھے مل جائے، نیز کیا شریعت میں اس کی والدہ کو میری لڑکی کو اپنے پاس روکے رکھنے کا حق حاصل ہے؟

المستفتي: شریف احمد، عیدگاہ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جب لڑکی بالغ ہو چکی ہے، تو باپ کو اپنے پاس رکھنے کا حق حاصل ہو چکا ہے، اور اس کی شادی وغیرہ کا انتظام باپ اپنی مرضی سے کرسکتا ہے، ماں کو اس میں کوئی دخل دینے کا حق نہیں ہے، لہٰذا اب شرعاً باپ کو اپنی پرورش میں لینے کا حق ہو چکا ہے۔

والأم والجدة أحق بها، حتى تحيض أي تبلغ الخ. (درمختار، كتاب الطلاق، باب الحضانة كراچی ٥٦٦/٣،زكريا٥/٢٦٨، البحرالرائق، كوئٹه ١٦٩/٤، زكريا ٢٨٧/٤ ،هنديه ، زكريا قديم ٥٤٢/١، جديد ٥٩٣/١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳ر شوال ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۶۳۳۴/۳۴)

بدچلن بیوی کو طلاق دینے کے بعد بچی کی پرورش کا حق

سوال: [۱۰۳۲۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری شادی کو لگ بھگ دس سال کا عرصہ ہو گیا، اس درمیان میرے ایک لڑکی بھی ہوئی،

جس کی عمر آٹھ سال ہے، اور میں نے اس درمیان دوسرا نکاح کرلیا اور اپنی پہلی بیوی کو میں نے زیادہ تر اپنے ماں باپ کے پاس رکھا اس درمیان میری پہلی بیوی کے میرے چھوٹے بھائی کے ساتھ ناجائز تعلقات ہوگئے، جس کے سات سال گذر چکے مجھے کچھ کچھ شک تھا، لیکن میں اپنی بیوی اور بھائی پر بہت ہی بھروسہ کرتا تھا، اور پوچھ بھی نہیں سکتا تھا، اس لئے کہ ہر کوئی یہ کہہ دیتا کہ میں الزام لگا رہا ہوں، اور نہ رکھنے کی وجہ سے یہ سب کہہ رہا ہوں، اور اس درمیان وہ سب کچھ ہوا جو ایک میاں بیوی کے درمیان ہوتا ہے، بانہوں میں بھرنا، چومنا، پیار کرنا، جسم چومنا، دودھ منھ میں لینا، ہمبستر ہونا وہ سیکڑوں بار ہمبستر ہوئے کئی بار تو کپڑوں کے اوپر ہی نکل گیا، اور کبھی پیشاب کی جگہ رکھتے ہی نکل گیا، اور کئی بار دونوں میں پورا کام ہوا، اور یہ سلسلہ سات سال تک چلتا رہا، اور رات رات یہ فعل ہوتا تھا، اور میں بھروسہ میں رہا کہ میری بیوی بہت شریف اور نیک ہے، پھر اس نے اپنے ہر گناہ کا اقرار کرلیا اور یہ سب جو میں لکھ دیا ہوں، وہ سب کچھ اسی کا بتایا ہوا ہے، حالانکہ اب وہ معافی مانگ رہی ہے، اور توبہ کر رہی ہے، لیکن میری بہت بری حالت ہو رہی ہے، کہ وہ اتنے دنوں تک یہ گناہ کرتی رہی اب میں ایک بدچلن اور آوارہ عورت کیساتھ کیسے رہوں جب بھی میں اس کی طرف دیکھتا ہوں تو میرے دل میں اس کے فعل سے نفرت ہوتی ہے، اور مجھے راتوں میں نیند نہیں آتی ہے، اور ایک پل بھی مجھے اس کے ساتھ رہنا مشکل ہو رہا ہے، میرا دل گوارہ نہیں کرتا کہ میں اس حالت میں ایک منٹ بھی اس آوارہ اور بدچلن عورت کے ساتھ رہوں، اس حالت میں لڑکی کس کے پاس رہے گی، اور یہ بتائیں کہ اس گناہ کی کیا سزا ملنی چاہیئے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مرد کو دو شادیاں کرنے کا اختیار شریعت نے دیا ہے۔

فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ. (سورۂ نساء، آیت/ ۳)

لیکن اس کیلئے دونوں بیویوں کے خرچے اور دونوں بیویوں کی رہائش اور رات گذاری

میں برابری اختیار کرنا ضروری ہے، ایک رات ایک بیوی کے ساتھ دوسری رات دوسری بیوی کے ساتھ اور شوہر کے اس طرح کے عمل میں کسی کو اعتراض کا حق نہیں ہے۔

یجب أن یعدل فیه أی فی القسم بالتسویة فی البیتوتة وفی الملبوس والمأکول والصحبة . (شامی، کتاب النکاح، باب القسم، کراچی ۳/ ۲۰۱، ۲۰۲، زکریا ٤ /۳۷۸)

عن أبی هریرة عن النبی ﷺ قال إذاکانت عندالرجل امراتان فلم یعدل بینهما جاء یوم القیامة وشقه ساقط . (ترمذی، ابواب النکاح، باب ماجاء فی التسویة بین الضرائر، النسخةالهندیة ۱/ ۲۱۷، دارالسلام رقم: ۱۱٤۱)

اوراب جب شوہر کو یہ معلوم ہوا کہ پہلی بیوی نے اپنے دیور کیساتھ منھ کالا کر رکھا ہے، اور یہ سلسلہ بھی کئی سالوں سے جاری کر رکھا ہے، تو ایسی بدکار عورت کو طلاق دینے کا شوہر کو حق ہے، لیکن اپنی بچی کو دیکھ کر طلاق نہ دے تو بہتر ہے۔

لایجب علی الزوج تطلیق الفاجرة ولاعلیها تسریح الفاجر إلا إذا خافا أن لا یقیما حدود الله فلا بأس أن یتفرقا . (شامی، کتاب النکاح، کراچی ۳/ ۵۰، زکریا ٤/ ۱٤٤، البحرالرائق، کوئٹہ ۳/ ۱۰۷، زکریا ۳/ ۱۸۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/ ۷/ ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۷۵۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۸/ ۷/ ۱۴۲۳ھ

تین طلاق کے بعد نابالغ اولاد کی پرورش کا حق

سوال: [۱۰۳۲۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے سالے سے ہوئی کہاسنی میں اپنی بیوی کو تین طلاق دیدی، جب کہ زید کا اپنی بیوی سے کسی قسم کا کوئی جھگڑا یا ناراضگی نہیں تھی، نکاح کی رسید میں بیوی کا نام احمد النساء اور دوسرا نام شہنازی ہے، زید نے شہنازی نام لیکر طلاق دی تو اس صورت میں طلاق ہوگئی یا نہیں؟ یا

رجوع کی کوئی صورت بنتی ہے، عورت کے سات بچے تین لڑکیاں نابالغ اور ۴؍لڑکے ہیں، ان بچوں کی پرورش کی ذمہ داری کس کے ذمہ ہے؟

المستفتي: محمد آصف، جامع مسجد، وارثی نگر گلی نمبر۲، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بیوی کا نام لئے بغیر بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے، جب طلاق میں بیوی مراد ہوتی ہے، اور سوالنامہ میں جب شہنازی کا نام لیکر شوہر نے تین بار طلاق دی ہے تو اس سے طلاق مغلظہ واقع ہوکر بیوی شوہر پر حرام ہوچکی ہے، اب بغیر حلالۂ شرعیہ کے دوبارہ آپس میں نکاح بھی درست نہ ہوگا، اگر دونوں دوبارہ ساتھ رہنا چاہیں تو حلالہ کا طریقہ اختیار کرسکتے ہیں، اور حلالہ کی صورت یہ ہے کہ عورت کی عدت گذر جانے کے بعد کسی دوسرے مرد سے نکاح ہوجائے، اور اس کے ساتھ ہمبستری بھی لازم ہے، پھر اس کے بعد وہ دوسرا شوہر طلاق دیدے، اس کے بعد پھر عدت گذر جائے اس کے بعد پہلا شوہر نکاح کرسکتا ہے، نابالغ بچوں کی پرورش کا حق ماں کو ہے، لیکن خرچہ باپ کے اوپر لازم ہے۔

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها ثم يطلقها أو يموت عنها. (هدايه، كتاب الطلاق، فصل فيما تحل به المطلقة، اشرفي ديوبند۲/۳۹۹، هنديه، زكريا قديم ۱/۴۷۳، جديد۱/۵۳۵، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت۲/۸۸، تاتار خانية، زكريا ۵/۱۴۷، رقم: ۷۵۰۳)

لوقال لزوجته أنت طالق طالق طالق طلقت ثلاثاً. (الاشباه والنظائر قديم ۱/۲۱۹)

وإذا وقعت الفرقة بين الزوجين فالأم أحق بالولد والنفقة على الأب. (هدايه، كتاب الطلاق، باب حضانة الولد، اشرفي ديوبند۲/۴۳۴) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍جمادی الثانیہ ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۱۰۳/۴۰)

٦ باب حق الجوار

مسجد والوں کا پڑوسی کی چھت توڑ کر مسجد کی دیوار میں جنگلے کھولنا

سوال [۱۰۳۲۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرے والد نے ۲۲/سال قبل گھر سے لگا ہوا ایک مکان ایک غیر مسلم سے خریدا، اور ہم لوگ اس مکان میں رہنے لگے، اس مکان کے پورب اور دکھن جانب مسجد کی دیوار ہے، اوراسی دیوار سے لگا ہوا پکا رہائشی مکان ہے، جس میں ہماری رہائش ہے، کچھ دن پہلے مسجد کے لوگوں نے ہمارے والد صاحب سے مسجد کی پچھمی دیوار میں گیس پنکھے لگانے کی اجازت مانگی، ہمارے والد صاحب نے انکار کردیا، انکار کے دوسرے دن بڑی تعداد میں مسجد کے لوگ ہمارے گھر میں گھس آئے اور ہماری چھت اور کھمبا توڑ دیا اور دوگیس پنکھے کی جگہ توڑ کر دو جنگلے اور پنکھے لگادیئے، جس سے ہمارے گھر کی بے پردگی ہورہی ہے اوراس سے ہمارا بہت نقصان ہوا ہے، اوراس میں اذیت بھی پہنچی ہے اور پورا پریوار خوف زدہ ہے، ایسی صورت میں مسجد کے لوگوں کا یہ کارنامہ کیسا ہے؟ اوراس مسجد میں نماز سے متعلق کیا حکم ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوالنامہ میں لکھی ہوئی باتیں واقعہ میں اگر درست ہیں تو مسجد والوں کو سائل کے گھر میں بلا اجازت داخل ہوجانا اوران کے گھر کی چھت توڑ دینا سراسر ظلم اور نادانی ہے، مسجد والوں پر لازم ہے کہ پڑوسی کی چھت کا جو حصہ توڑ دیا ہے اس کی پوری طرح مرمت کریں یا مرمت میں جو پیسہ خرچ ہوسکتا ہے اس کا معاوضہ ادا کریں، اور رہی دیوار کی بات تو سوالنامہ سے واضح ہوتا ہے کہ وہ دیوار مسجد کی ملکیت ہے، اور مسجد کو اپنی دیوار توڑنے کا حق ہے، لیکن اس دیوار سے پڑوسی کی طرف جنگلہ یا روشن دان نکالنا جس میں پڑوسی کو نقصان پہنچتا ہو جائز نہیں ہے، پڑوسی کو اپنی ذاتی دیوار اٹھا کران جنگلوں اورروشن دانوں کو بند کرنے کا حق ہے۔

عن عبد الله بن عمرؓ قال: قال رسول الله ﷺ: المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده. (بخاری شریف، باب المسلم من سلم المسلمون من لسانه و یده، النسخة الهندیة ۱/۶/ رقم: ۱۰)

قال العینی: فیه الحث علی ترک أذی المسلمین بکل ما یؤ ذی. (عمدة القاری، باب المسلم من لسانه و یده زکریا ۱/۲۰۶، دار احیاء التراث العربی ۱/۱۳۲)

لایجوز لأحد أن یتصرف فی ملک غیره بلا إذنه أو وکالة منه أو ولایة علیه وإن فعل کان ضامنا. (شرح المجلة رستم اتحاد ۱/۶۱، رقم المادة: ۹۶)

فإذا أحدث رجل فی داره شباکا أو بناءً جدیداً و جعل له شباکا مطلا علی المحل الذی هو مقر لنساء جاره ...... فإنه یؤمر برفع الضرر، ویجبر علی رفعه بصورة تمنع وقوع النظر. (شرح المجلة رستم اتحاد ۱/۶۶۰ رقم: ۱۲۰۲)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۶۹۴)

درمیانی چھت گرنے کی صورت میں سفلی وعلوی دونوں مالک تعمیری خرچ میں شریک ہوں گے

سوال [۱۰۳۲۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) ایک مکان ہے جس کے بالائی حصے کے چار مالک ہیں، ان چاروں میں سے ایک حصہ دار بالائی مکان میں رہتا ہے۔

(۲) زیر مکان کے دو مالک ہیں، مکان کی چھت آدھے حصہ گرگئی ہے اس چھت کو نیچے والا نیچے سے استعمال کرر ہا ہے اور اوپر والا اوپر سے استعمال کرر ہا ہے۔

کیا لینٹر ڈالنے کے خرچہ میں دونوں برابر کے شریک ہیں؟ اس بارے میں شرع اور علماء دین کیا فرماتے ہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جی ہاں لینٹر ڈالنے میں دونوں کو شریک ہونا لازم ہے چونکہ اوپر والے کو چھت کا فائدہ زیادہ پہنچتا ہے اس لیے اس کو کچھ زیادہ ہی خرچ کرنا چاہیے، لیکن اگر نیچے والے برابر خرچ کرنے پر راضی ہوجائیں تو دونوں برابر خرچ میں شریک ہوجائیں۔

إذا انهدم السفل بغير صنع لايجبر صاحبه على البناء ويقال لذى العلوان شئت فابن السفل من مالك لتصل لنفعك فإذا بناه بإذن القاضى أو أمر شريكه يرجع بما أنفق وإلا فبقيمة البناء وقت البناء وهذا هو الصحيح، المختار للفتوىٰ الخ. (شامی، قبیل کتاب المزارعة زكريا ۹/۳۹٦، كراچی ٦/۲۷٤)

وقوله إن كلالا يصل إلى إحياء حقه إلا بالإنفاق. (شامی، الشركة، مطلب: هم فيما إذا امتنع الشريك من العمارة زكريا ٦/۵۱۱، كراچی ٤/۳۳۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۱۷/۱/۱۴۱۷ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۴۶۱۹)	۱۷/محرم الحرام ۱۴۱۷ھ

پہلی اور دوسری منزل والوں کے حقوق

سوال [۱۰۳۲۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مکان کے تین حصے ہیں، لال حصے کا مالک بکر ہے اور نیلے حصے کی مالک فاطمہ ہے، درمیان کا ''م'' زدہ حصے کی شکل اس طرح ہے کہ اس کے اوپری حصے کی مالک فاطمہ ہے اور نیچے کے حصہ کا مالک بکر ہے، اوپر نیچے کے معاملہ کی الجھن دور کرنے کے لیے فاطمہ نے حسب ذیل تجویز رکھی ہے:

(۱) اس ''م'' زدہ حصے کو اوپر سے نیچے تک برابر برابر دو حصوں میں تقسیم کرایا جائے، اس طرح دونوں اپنے اپنے حصے کے مالک ہوجائیں گے

(۲) مکان جس حالت میں اب موجود ہے، اسے اسی حالت میں از سر نو بنا لیا

جائے، فاطمہ کے پاس اس کے علاوہ اور کوئی نجی مکان نہیں ہے۔

بکر نے اس سلسلے میں مندرجہ ذیل تجویز رکھی ہے:

(۱) ''م'' زدہ حصے میں اوپر سے نیچے تک ۳/۴ حصہ وہ خود لینا چاہتا ہے، اور ۱/۴ حصہ فاطمہ کو دینا چاہتا ہے۔

(۲) بکر اپنے نیچے حصے کو ۲۰/فٹ کی اونچائی پر پاٹنے کو کہتا ہے، جس سے فاطمہ کو اتنی اونچائی تک زینہ بنانے میں بہت پریشانی پیش آئے گی۔

(۳) بکر فاطمہ سے کہتا ہے کہ جس شرح سے تم نے خریدا ہے میرے ہاتھ اسی شرح سے فروخت کردو، جبکہ بکر کثیر جائیداد کا مالک ہے اور مکان خرید وفروخت کرنے کا کاروبار بھی کرتا ہے۔

براہ کرم شرع دین متین کی روشنی میں اس مسئلہ کو حل کر کے ہماری رہنمائی فرمائیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سوالنامہ میں فاطمہ اور بکر کا مکان جس میں بالائی حصہ فاطمہ کا اور نیچے کا حصہ بکر کا ہے، مکان خستہ اور قابل تعمیر ہو جانے کے بعد فریقین نے اپنی اپنی جو تجویزیں پیش کی ہیں ان تجویزوں کے بارے میں شرعی طور پر نہ مکمل فاطمہ کی ساری بات مانی جائیں گی اور نہ ہی بکر کی سب باتیں تسلیم کی جائیں گی، بلکہ شریعت ایک معتدل اور درمیانی فیصلہ پیش کرتی ہے، چنانچہ اس سلسلے میں شریعت کا فیصلہ یہ ہے کہ اگر دونوں فریق اپنا اپنا حصہ تعمیر کرنا چاہیں تو پہلے جتنی اونچائی پر دونوں منزلیں تھیں، اتنی اونچائی پر لے جا کر لینٹر ڈالنے کی اجازت ہوگی، لہٰذا نیچے والا اپنے حصے کا لینٹر اتنی اونچائی پر لے جا کر ڈال سکتا ہے، پس بجائے بارہ فٹ کے بیس فٹ پر لے جانے کی اجازت نہیں ہوگی، اسی طرح بالائی منزل پر رہنے والی فاطمہ کے لیے بھی اتنی اونچائی پر لے جا کر لینٹر ڈالنے کی اجازت ہوگی، جتنی اونچائی پر بالائی منزل کی چھت پہلے تھی، لہٰذا نیچے کی منزل کو بکر کے لیے فاطمہ کی اجازت کے بغیر بیس فٹ پر لے جانے کی اجازت نہیں اور فاطمہ کو بکر کی اجازت کے بغیر سابقہ اونچائی سے آگے بڑھانا جائز نہیں ہوگا، اور اگر دونوں فریق زمین سمیت تقسیم کرنا

چاہیں تو سوالنامہ میں پیش کردہ تقسیم کا اعتبار نہ ہوگا، نہ آدھا آدھا تقسیم ہوگا، اور نہ ہی ایک چوتھائی اور تین چوتھائی کا اعتبار ہوگا بلکہ عمارت اور جائیداد کی قیمت لگانے والے ماہرین کے چند افراد بالائی منزل اور نیچے کی منزل کی قیمت لگائیں گے تو نیچے کی منزل کی جو قیمت لگائی جائے گی، اس قیمت کی زمین یا اس قیمت کا حصہ بکر کو ملے گا اور بالائی منزل کی جو قیمت لگائی جائے گی اس قیمت کی زمین یا اس قیمت کا حصہ فاطمہ کو ملے گا یہی شریعت کا فیصلہ ہے:

سفل مجرد مشترک والعلو لأخر وعلو مجرد مشترک والسفل لآخر قوم کل واحد من ذٰلک علی حدة وقسم بالقیمة عند محمد و به یفتی. (الدر المختار مع الشامی، کتاب القسمة، مطلب: فی الرجوع عن القرعة زکریا ٣٨٣/٩، کراچی ٢٦٤/٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١٧/ ربیع الثانی ١٤٢٦ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٨٧٩٣/٣٧)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
١٤٢٦/٤/٢٢ھ

درمیانی چھت کی مرمت کا خرچہ کس پر لازم ہے؟

سوال [١٠٣٢٨]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک مکان کے دو فریق مالک ہیں، فریق اول مکان کے نیچے کے حصہ کا مالک ہے، فریق دوئم اوپر کے حصہ کا مالک ہے، فریق سوئم ایک تیسرا شخص خالد اوپر کے حصہ میں کرایہ پر رہتا ہے، اور یہی خالد مکان کی مرمت وغیرہ کراتا رہتا ہے، فریق دوئم نے بھی اس کی مرمت وغیرہ نہیں کرائی ہے، اب اس مکان کی فریق اول کے اوپر کی چھت گر گئی ہے، فریق سوئم یعنی خالد کرایہ دار اسے ٹھیک کرانا چاہتا ہے تو سوال یہ ہے کہ اس کے ٹھیک کرانے کی ذمہ داری کس پر ہے، صرف کرایہ دار خالد پر یا فریق اول پر بھی ہے، اگر فریق اول پر بھی ہے تو دونوں پر کتنا کتنا حصہ ٹھیک کرانا پڑے گا، قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: وکیل احمد شمسی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوالنامہ سے معلوم ہوتا ہے کہ فریق اول یعنی نیچے کی منزل والے کی چھت گرگئی ہے جو اوپر کی منزل والے کے حق میں فرش ہے، جس کو اس نے فریق سوئم یعنی کرایہ دار کو کرایہ پر دے رکھا ہے، اگر سوالنامہ میں یہی چھت مراد ہے جس کی اس وقت مرمت کی ضرورت ہے تو ایسی صورت میں چونکہ اس چھت کا تعلق نیچے والے کے ساتھ چھت کا ہے اور اوپر والے کے ساتھ فرش کا ہے اس لیے اس چھت کی مرمت میں دونوں فریق کو برابری کے ساتھ شریک ہونا لازم ہے، اگر اوپر والے نے مرمت کرالی ہے تو آدھا پیسہ نیچے والے سے وصول کرنا جائز ہے۔

كعلو لرجل و سفل لآخر وسقط السفل فبناه الآخر لايكون متطوعا لأنه لايجبر صاحب السفل على بنائه فكان في بنائه إياه مضطرا ليصل إلى حقه وإذا بناه و بنى عليه علوه له منع صاحب السفل من الانتفاع به والسكنى حتى يؤدى قيمته واختلف فى أن القيمة هل تعتبر وقت البناء أو وقت الرجوع والصحيح وقت البناء. (فتح القدير، كتاب أدب القاضى، مسائل شتى من كتاب القضاء، زكريا ٣٠٢/٧، دار الفكر ٣٢٢/٧، كوئٹه ٣٠/٦، حاشيه چلپى امداديه ملتان ١٩٥/٤، زكريا ١٢١/٥، البحر الرائق كوئٹه ٣٠/٧، زكريا ٥١/٧، شامى زكريا ٥١٤/٦، كراچى ٣٣٤/٤، جامع الفصولين ٢٠٥/٢-٢٠٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰؍جمادی الاولیٰ ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۲۲۴)

فریقین کی زمین کی پیمائش میں غلطی اور اس سے متعلق چند سوالات

سوال [۱۰۳۲۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: محمد اشرف اور سیف الرحمٰن کے درمیان زمین کے بارے میں تنازعہ چلتا رہا،

دونوں ایک دوسرے کو الزام دیتے رہے کہ ہماری زمین کاشت کر رہے ہو، ہماری زمین ہم کو واپس کرو، محمد اشرف نے تنازعہ کو حل کرنے کے لیے اور اپنا حق وصول کرنے کے لیے پٹواری سے پیمائش کرائی تو محمد اشرف کا تھوڑا کھیت محمد خالد کے کھیت میں نکلا جو محمد اشرف کے پڑوسی ہیں، ساتھ ہی دوسری طرف کے پڑوسی وسیع الرحمٰن اور محمد اشرف کے درمیان پانچ سال قبل چکبندی کے وقت ایک حد متعین ہوئی تھی، اس کے حد کی تعیین کے وقت وسیع الرحمٰن موجود نہیں تھے، دوسرے فریق محمد اشرف موجود تھے، معلوم کرنے پر محمد اشرف نے جو حد وسیع الرحمٰن کو بتلائی تھی، وسیع الرحمٰن نے مان لی تھی، اب دوسری پیمائش کے بعد چکبندی والی حد ختم ہوگئی اور وسیع الرحمٰن کا تھوڑا کھیت محمد اشرف کے کھیت میں نکلا، وسیع الرحمٰن کا کہنا ہے کہ دوبارہ پیمائش کے بعد جتنا کھیت میرا نکلا ہے یہ تم چکبندی کے وقت سے جوت رہے تھے (جس کا زمانہ اب تک پانچ سال ہوتا ہے) لہٰذا میں بھی تمہارا اتنا کھیت پانچ سال تک کاشت کروں گا، تاکہ میرا حق وصول ہوجائے۔

غور طلب بات یہ ہے کہ (۱) وسیع الرحمٰن کا یہ مطالبہ بجا ہے یا نہیں؟ جبکہ پہلی حد بھی پٹواری کی پیمائش پر متعین ہوئی تھی، اور دوسری حد بھی پٹواری کی پیمائش پر متعین ہوئی ہے۔

(۲) وسیع الرحمٰن کا حق پہلی پیمائش سے متعلق ہوگا یا دوسری پیمائش سے؟

(۳) زمینوں پر حق کس وقت سے ہوتا ہے۔

المستفتی: محمد اخلاق جامعہ قاسمیہ جامع الہدیٰ کھاری بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: پیمائش میں غلطی ہوجانے کی وجہ سے ایک کے حصہ پر دوسرے کی ملکیت ثابت نہیں ہوگی، بلکہ وہ اسی کا حصہ شمار ہوگا اور جب دوبارہ پیمائش کرائی گئی اور اس میں وسیع الرحمٰن کا کچھ حصہ محمد اشرف کے کھیت میں نکلا اگر یہ پیمائش درست ہے تو یقیناً وہ حصہ وسیع الرحمٰن کی ملک ہوگا، اور پہلی پیمائش کو غلط قرار دیا جائے گا، اور چونکہ سابقہ پیمائش کی بناء پر محمد اشرف نے اس زمین پر کاشت کی ہے اور نفع اٹھایا ہے اس لیے حق واضح ہوجانے کے بعد وسیع الرحمٰن کا یہ مطالبہ بجا اور حق بجانب ہوگا کہ انہیں بھی اس زمین کے بقدر پانچ سال تک کاشتکاری کا موقع دیا جائے۔

إذا حضر الغائب فله أن ينتفع بكل الأرض مثل تلك المدة. (هندیه، الباب العاشر فی زراعة الأرض المغصوبة، زکریا قدیم ۵/۱٤٤، جدید ۵/۱٦۹، قدیم ۵/۲۵۵، جدید ۵/۲۹٤، مجمع الضمانات ۱/۲۸۵، شامی کراچی ٤/۳۰٤، زکریا ٦/٤۷۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍شعبان المعظم ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۵۲۶)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۸/۵ھ

قانونی چارہ جوئی کے ذریعہ دروازہ کھلا رکھنے کا حق حاصل کرنا

سوال [۱۰۳۳۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک مکان ہے جس کو میں نے اس حال میں خریدا ہے کہ اس کے دو دروازے ہیں، ایک دروازہ عام گذرگاہ کی طرف ہے جبکہ دوسرا دروازہ آس وپاس کی پڑی ہوئی زمین کی طرف ہے، یہ دروازہ قانونی اعتبار سے نہیں ہونا چاہیے تھا، مگر مجھ سے قبل مالک مکان نے اس کو بنوایا اور آس وپاس کے لوگوں کو روپیہ وغیرہ دے کر دروازہ کھلا رکھا۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ مذکورہ دروازہ میرے لیے کھلا رکھنا جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ سرکاری قانون یہ بھی ہے کہ جو دروازہ ۱۲؍سال تک کسی طرف سے کھلا رہے اس کو بند نہیں کرایا جاسکتا اور اس دروازہ کو کھلے ہوئے تقریباً چودہ یا پندرہ سال ہوگئے ہیں، اب میں اس دروازہ کو مقدمہ لڑکر حاصل کرلوں، تو جائز ہوگا یا نہیں؟ مہربانی فرما کر جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: اسرار احمد جگر کالونی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب آپ نے مکان خریدا تو دروازہ کھلا ہوا تھا، نیز دروازہ اس طرف کھلے ہوئے بارہ سال سے زائد ہوگئے جس سے سرکاری قانون کے مطابق اس کو بند کرانے کا حق نہیں رہا، لہٰذا اب اگر آپ کے اوپر رکاوٹ ڈالی جائے تو آپ کو

قانونی چارہ جوئی کر کے دروازہ کھلا رکھنے کا حق ہے۔

رجل ترک الدعویٰ ثلاثا و ثلاثین سنة بلا مانع لا تسمع ثم قال وقد أفتیت بعدم سماع الدعویٰ بعد خمسة عشر سنة لنهی السلطان. (حاشیة قواعد الفقه اشرفی ص:۷۷، تحت رقم الأصول: ۱۱۶، تکملة شامی زکریا ۱۱/۶۵۳، کراچی ۷/۴۸۵) **فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶/جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۶۶۸۹)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۵/۲۶ھ

پڑوسی سے تکلیف کی بناء پر مقدمہ دائر کرنا

سوال [۱۰۳۳۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: صورت مسئلہ یہ ہے کہ زید کی عمر ۷۰/سال ہے اور اعصابی کمزوریوں کا مریض ہے، اس کے مکان سے پندرہ میٹر دوری پر بکر نے ایک بڑا کارخانہ لگا رکھا ہے، جس میں دھان سے چاول نکالا جاتا ہے، آٹا پیسا جاتا ہے اور سرسوں وغیرہ کو پیرائی کر کے تیل نکالا جاتا ہے، یہ کارخانہ آبادی کے اندر ہے، تعزیرات ہند کے قانون کے بموجب آبادی کے اندر ایسا کام کرنے کی اجازت نہیں ہے، جس سے ماحولیاتی خرابی پیدا ہوتی ہو اور پڑوسیوں کو تکلیف پہنچتی ہو، لیکن بکر نے ناجائز ذرائع کا استعمال کر کے کارخانہ چلانے کا لائسنس حاصل کرلیا ہے، تقریباً سات سال تک بغیر لائسنس کے کارخانہ چلتا رہا، جب زید نے کہا کہ اگر قرآن و حدیث کی روشنی میں حقوق پڑوسی پر عمل نہیں کرو گے تب حکومت کے قانون کے خلاف کام کرنے کا مقدمہ کردیا جائے گا، چار سال قبل بکر نے لائسنس مذکور حاصل کرلیا ہے اور اب وہ اس غرور میں مبتلا ہے کہ اب ہمارے خلاف کوئی کارروائی نہیں ہوسکتی ہے، بکر کی عمر سڑسٹھ سال ہے، فریضۂ حج ادا کر چکا ہے، اور اس کا بیٹا دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ سے فاضل کی سند حاصل کر چکا ہے، اور اب سعودی عربیہ میں ملازمت کرتا ہے، اسی کے مشورہ اور پیسوں کی مدد

سے یہ ناجائز کام ہوتا ہے، دن یا رات میں جس وقت یہ کارخانہ چلایا جاتا ہے اس وقت زید کو نیند، تلاوت، مطالعہ اور تحریری مشاغل میں بہت زیادہ تکلیف ہوتی ہے، مخالف ہوا چلنے پر زید کے کمرے میں گرد وغبار اڑ کر آتا ہے، دیگر پڑوسی بھی پریشان ہیں، ایک وکیل صاحب نے زید کو یہ مشورہ دیا ہے کہ مینٹل ٹینشن، اور صحت کو نقصان پہنچنے کی بنیاد پر بکر کے خلاف ہائی کورٹ میں لاکھوں روپیہ حرجانہ وصول کرنے کی رٹ پٹیشن دائر کردی جائے، تب انصاف مل جائے گا، اور لائسنس بھی مسترد ہو جائے گا۔

تو کیا شریعت نے بحالت مجبوری ایسا مقدمہ دائر کرنے کی اجازت دی ہے، اور حرجانہ کے نام سے جو پیسہ زید کو بکر سے حاصل ہوگا وہ جائز ہوگا؟ جواب بالتفصیل عنایت فرمائیں۔

المستفتی: عبدالحمید ساکن بارہ بنکی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سائل کو اس بات کا حق ہے کہ پڑوسی کی طرف سے جو تکلیف اور پریشانیاں پہنچ رہی ہیں ان کے خلاف انصاف کا مقدمہ دائر کرے، حدیث شریف میں وارد ہوا ہے ”لا ضرر و لا ضرار“ لیکن جھوٹا مقدمہ کرنا جائز نہیں ہے، اور جھوٹا مقدمہ دائر کرنا گناہ کبیرہ ہے، اور اس کے ذریعہ سے اگر پیسہ آجاتا ہے تو وہ پیسہ بھی ناجائز ہے۔

عن ابن عباسؓ قال: قال رسول الله ﷺ: لا ضرر ولا ضرار. (ابن ماجه، باب من بنى فى حقه ما يضره بجاره، النسخة الهندية ۲/ ۱۶۹، دار السلام رقم: ۲۳٤۱، مسند أحمد بن حنبل ۱/ ۳۱۳، رقم: ۲۸٦۷)

لايجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي. (شامى كتاب الحدود، فصل فى التعزير بأخذ المال، كراچى ٤/ ٦١، زكريا ٦/ ١٠٦، البحر الرائق كوئٹه ٥/ ٤١، زكريا ٥/ ٦٨، هنديه زكريا قديم ۲/ ۱٦۷، جديد ۲/ ۱۸۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶؍ شعبان المعظم ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۷۷۸/۳۹)

اپنی زمین میں آنے والی غیر کے درخت کی شاخ کاٹنے کا حق ہے

سوال [۱۰۳۳۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: چک بندی کے وقت زید نے عمرو کے برابر چک لیا، لیکن زید نے اپنے چک میں مینڈھ سے متصل آم کے پودے لگا دیئے، جن کے درخت بن جانے کے بعد عمرو کی دو بیگھے زمین نا قابل کاشت ہوگئی، ۱۹۷۹ء میں عمر کے انتقال کے بعد ان کا بیٹا بکر وارث ہوا، اس نقصان کے ماسوا گذشتہ دو سال سے جہاں تک درختوں کی شاخیں جاتی تھیں، مینڈھ لگا دی بکر نے مجبوراً حکومت سے رجوع کیا، چنانچہ حکومت کے عملے کے ذریعہ مینڈھ تو اپنے مقام پر لگ گئی، لیکن گذشتہ ۲۶/سال سے متأثرہ زمین میں برابر مالی نقصان ہو رہا ہے، اور موجودہ باغات کی آمدنی کے اعتبار سے ۱۰/ہزار ہر سال کا نقصان بدیہی ہے، اس نقصان کے ازالے کے لیے بکر کو کیا کرنا چاہیے؟ شرعی طور پر رہبری درکار ہے؟

المستفتی: بندہ نادر علی خان غفرلہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید کے پیڑوں کی وجہ سے اگر عمرو کی زمین کا نقصان ہے تو عمرو کے لیے اس بات کا مطالبہ کرنا جائز ہے کہ زید کے درختوں کی شاخیں عمرو کی زمین کی طرف تجاوز نہ کریں، جو شاخیں عمرو کی زمین کی طرف تجاوز کریں، ان کو کٹوا دیا جائے، اور محض اندرونی جڑوں کی وجہ سے پورے درختوں کو کٹوانے کا مجاز نہیں ہے، بلکہ صرف عمرو کی طرف کی شاخوں کو کٹوانے کا مجاز ہے، اس لیے کہ شاخوں کی وجہ سے جو نقصان ہے وہ واضح نقصان ہے اور جڑوں کی وجہ سے جو نقصان ہے وہ واضح نہیں ہے، اور جو واضح نہیں ہے اس سے زید پر داروگیر نہیں کی جاسکتی۔

ولا یمنع الشخص من تصرفه فی ملکه إلا إذا کان الضرر بجاره ضرراً بینا فیمنع من ذٰلک وعلیه الفتویٰ. (در مختار مع الشامی، مطلب: اقتسموا دارا و أراد کل منهم فتح باب لهم، زکریا ۸/۱۵۲، کراچی ۵/۴۴۷، تنقیح الفتاویٰ

الحامدية، دار الكتب العلمية بيروت ۱/ ۳۱۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍شعبان المعظم ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۸۹۲۵)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۸/۲ھ

دوسرے کی زمین میں غلطی سے لگائے گئے درخت کا مالک کون؟

سوال [۱۰۳۳۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کی ایسی زمین خالد کے پاس تھی جس کا زید کو علم نہیں تھا، خالد نے اس میں درخت لگائے، اب ناپنے کے بعد معلوم ہوا کہ وہ زمین زید کی ہے، اب شریعت کی رو سے وہ درخت کس کے ہوں گے؟

المستفتی: محمد ابوبکر اررياوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مسئولہ میں واقعتاً اگر زمین زید کی ہو اور خالد نے اس پر درخت لگائے ہوں تو شرعی حکم یہ ہے کہ زمین زمین کے مالک کی اور درخت درخت کے مالک کے ہوں گے، لہٰذا درختوں کے مالک خالد پر لازم ہے کہ وہ زید کی زمین خالی کردے یا یہ کہ خالد اپنے درختوں کی قیمت زید سے لے لے، جس سے زمین اور درخت دونوں کا مالک زید ہوجائے گا، یا یہ کہ درختوں کے تیار ہونے تک ایک سال دوسال جتنی مدت کی ضرورت ہواتنی مدت کے لیے خالد اس زمین کو کرایہ پر لے لے اور مدت کے اندر اندر درخت کاٹ کر کے زمین خالی کردے اور زمین کا کرایہ ادا کردے۔ (مستفاد: محمودیہ جدید ڈابھیل ۱۷/ ۱۴۴)

ومن بنى أو غرس في أرض غيره بغير إذنه أمر بالقلع والرد، وللمالك أن يضمن له قيمته بناء أو شجر أمر بقلعه إن نقصت الأرض به. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الغصب، زكريا ۹/ ۲۸۳-۲۸۴، كراچی ۶/ ۱۹٤-۱۹٥، مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ٤/ ۸۷، مصری قديم ۲/ ٤٦۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍ربیع الاول ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۹۲۴)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری
۱۴۳۱/۳/۷ھ

زمین کا کچھ حصہ سڑک میں آنے کی وجہ سے دوسرے خریدار سے مطالبہ کرنا

سوال [۱۰۳۳۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ تقریباً بتیس سال قبل سلیمان مرحوم نے اپنی جائیداد مکان سمیت اپنے پرانے کھاتہ کے مطابق ۲۱/سال ڈسمل میں سے ساڑھے گیارہ ڈسمل پرتی (خالی) زمین قاری صاحب کے ہاتھ فروخت کردی، اس کے دوسال بعد مؤرخہ ۱۹۸۳/۱/۲۸ء کو مانی پرتی زمین سواچھ ڈسمل مدرسہ امدادیہ عربیہ کے ہاتھ فروخت کردی جس کی چوحدی یہ ہے، اتر: ہائی اسکول، دکھن: قاری صاحب، پورب: پہاڑ، پچھّم: منج (مکان) پھر نو ماہ بعد سوا تین ڈسمل مکان مدرسہ مذکور کے ہاتھ فروخت کردیا، جس کی چوحدی یہ ہے، اتر: ہائی اسکول، دکھن: قاری صاحب، پورب: مدرسہ امدادیہ عربیہ کی پرتی زمین مسلمان سے خریدی ہوئی، پچھّم سڑک ...... قاری صاحب کی پرتی زمین میں نشان (آڑ) لگا ہوا تھا، سلیمان مرحوم قاری صاحب کی زمین کی پیداوار قاری صاحب کے ایما پر مدرسہ میں جمع کرتے رہے، مدرسہ نے جب سلیمان مرحوم کی پرتی زمین مکان سے پورب خریدی تو اس کی پیداوار بھی سلیمان مرحوم نے مدرسہ میں جمع کی، اور مدرسہ کی زمین کے نشان (آڑ) کو ختم کردیا اور پیداوار مدرسہ میں جمع کرتا رہا، کبھی قاری صاحب نے بھی پیداوار لی، آج سے دس سال قبل قاری صاحب نے امین کے ذریعہ اپنی زمین کی پیمائش کی امین نے مدرسہ کے خریدے ہوئے مکان کے نصف حصے تک پیمائش کرکے بتایا کہ قاری صاحب کی زمین یہاں تک ہے، مدرسہ کے لوگوں نے سمجھایا کہ آپ کی زمین خریدنے کے بعد چار سال تک سلیمان مرحوم نے اپنے مکان میں بود وباش کی، اور آپ کی نشان شدہ زمین کی پیداوار آپ کے ایما پر مدرسے کو ملتی رہی، سلیمان مرحوم کی کل زمین پچھّم سے جو نئے کھاتے میں سڑک میں چلی گئی ہے، اس کو پیمائش کرنے سے دونوں فریق کی زمین تقریباً پوری ہوتی ہے، قاری صاحب اس کے بعد خاموش ہوگئے۔

اب قاری صاحب اور مدرسہ اپنی اپنی زمین علیحدہ کرنا چاہتے ہیں، دونوں فریق اپنی

اپنی زمین کا داخل خارج بھی کرا چکے ہیں، نقشے کے مطابق پیمائش کرنے پر کل زمین پندرہ ڈسمل ہوتی ہے، زمین مذکور سڑک میں لے لی گئی ہے، زمین مذکور کے پچھّم جانب پختہ سڑک ہے، سڑک کی پرتی زمین ملانے سے تقریباً اکیس ڈسمل زمین پوری ہوتی ہے، قاری صاحب کا کہنا ہے کہ میں نے پہلے رجسٹری کرائی ہے، اس لیے ساڑھے گیارہ ڈسمل میری زمین نکال دیں اس کے بعد آپ کی زمین ہوگی، مدرسہ والوں کا کہنا ہے کہ آپ نے سلیمان مرحوم سے زمین خریدی اس کی حیات میں نشان تک آپ کی زمین میں تھی، اس کی حیات میں آپ نے یونہی چھوڑ دی، کبھی زمین کے متعلق دھیان نہیں دیا، اس نے مدرسہ کو باقی پرتی زمین اور مکان کی رجسٹری کی تھی، اب نئے نقشہ کے مطابق کل پندرہ ڈسمل زمین ہے، اسی میں حساب کیا جائے کیونکہ دونوں فریق کی زمین سڑک میں گئی ہے، پیمائش سے یہ معلوم ہوتا ہے۔

براہ کرم دونوں فریق کے لیے مسئلے کی وضاحت فرما کر عنداللہ ممنون ومشکور ہوں۔

المستفتی: محمد عباس

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوالنامہ میں ذکر کردہ تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ سلیمان مرحوم نے اپنی کل جائیداد ۲۱/ڈسمل میں سے ساڑھے گیارہ ڈسمل زمین قاری صاحب کے ہاتھ فروخت کی ہے، جبکہ ساڑھے ۹/ڈسمل زمین مدرسہ کو فروخت کی ہے، اور قاری صاحب کی خریدی ہوئی زمین میں حد بندی کے طور پر ایک نشان (آڑ) لگا ہوا تھا، جو کہ دونوں زمینوں کے مابین حد فاصل تھا، نیز سوال میں ذکر کردہ صراحت کے مطابق دونوں نے اپنی خریدی ہوئی زمین کی رجسٹری بھی کرالی تھی، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر ایک اپنی اپنی خریدی ہوئی زمین کا مستقل طور پر مالک ہو چکا ہے، اور اب جبکہ دونوں کی زمین میں سے کچھ حصہ سڑک میں چلا گیا ہے، تو ہر ایک کی زمین میں سے جتنا حصہ سڑک میں چلا گیا ہے اس کو اسی کی ملکیت سے خارج مانا جائیگا، بریں بنا قاری صاحب کو مدرسہ والوں سے کسی بھی طرح کے مطالبہ کا حق نہ ہوگا۔

﴿قال اللّٰہ تعالیٰ: وَلَا تَأْكُلُوْا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ. [البقرة: ۱۸۸]﴾

لایجوز لأحد من المسلمین أخذ مال أحد بغیر سبب شرعی. (شامی کتاب الحدود، باب فی التعزیر بأخذ المال، کراچی ٤/٦١، زکریا ٦/١٠٦، البحر الرائق کوئٹه ٥/٤١، زکریا ٥/٦٨، هندیه زکریا قدیم ٢/١٦٧، جدید ٢/١٨١، قواعد الفقه اشرفی ص: ١١، رقم المادة: ٢٦٩)

لایجوز لأحد أن یتصرف فی ملک غیره بلا إذنه أو وکالة منه أو ولایة علیه وإن فعل کان ضامنا. (شرح المجلة رستم اتحاد ١/٦١، رقم المادة: ٩٦)

قال الإمام القرطبی: من أخذ مال غیره لا علی وجه إذن الشرع فقد أکله بالباطل. (الجامع لأحکام القرآن للقرطبی، دار الکتب العلمیة بیروت ٢/٢٢٥، تحت رقم الآیة: ١٨٨ من سورة البقرة)

عن أبی هریرة -رضی الله عنه- قال قال رسول الله ﷺ: لایأخذ أحد شبرا من الأرض بغیر حقه إلا طوقه الله إلی سبع أرضین یوم القیامة. (مسلم، باب تحریم الظلم و غصب الأرض وغیرها النسخة الهندیة ٢/٣٢، بیت الأفکار رقم: ١٦١١)

عن سالم عن أبیه قال: قال النبی ﷺ: من أخذ شیئا من الأرض بغیر حقه خسف به یوم القیامة إلی سبع أرضین. (صحیح البخاری، بدء الخلق، باب ما جاء فی سبع أرضین النسخة الهندیة ١/٤٥٣، رقم: ٣٠٩٢، ف: ٣١٩٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/ ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۳۹۱)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۴/۳۰ھ

۷ باب بیع الحقوق

حق تصنیف اور حق طبع کی حیثیت

سوال [۱۰۳۳۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بعض کتب خانے والے ان کتابوں کو جن کے جملہ حقوق بحق ناشر یا مصنف محفوظ ہیں، انہی کے پتہ پر چھاپ کر فروخت کرتے ہیں، اسی طرح دیگر تجار اپنے مال کو کمپنی کا لیبل لگا کر فروخت کرتے ہیں، مثلاً اپنا صابن بنا کر گھڑی صابن کا لیبل لگا کر بازار میں فروخت کرتے ہیں، اسی طرح دیگر اشیاء مثلاً وکس، آئی ڈیکس اور جملہ دوائیاں بنا کر کمپنی کا لیبل چسپاں کر کے فروخت کرتے ہیں تو کیا یہ خرید وفروخت جائز ہے یا حرام یا مکروہ، جس قسم میں یہ خرید وفروخت داخل ہو اس کی تعیین فرما کر جواب سے نوازیں؟

المستفتی: محمد حلیم صدیقی پونہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حق تصنیف اور حق طبع محفوظ رکھنے کے بارے میں خود علماء کا اختلاف ہے، بعض علماء نے جائز کہا ہے اور بعض نے کہا کہ درست نہیں ہے، اس لیے کہ تجارت میں اصل چیز مالیت ہے، اور کتابوں کی تیاری میں جس قدر لاگت صاحب حق کو لگانی پڑتی ہے اسی قدر شائع کرنے والے کو بھی لگانی پڑتی ہے، اس لیے مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے جواہر الفقہ میں حق طبع محفوظ ہونے کے باوجود دوسرے لوگوں کے لیے طبع کرانے کی گنجائش لکھی ہے۔ (مستفاد: جواہر الفقہ قدیم ۲/ ۳۲۹، جدید زکریا دیوبند ۴/ ۴۴۷)

اور ان کے صاحبزادہ حضرت مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ نے حق طبع کو مال قرار دے کر دوسروں کے لیے طبع کرانے کو جائز لکھا ہے۔ (مستفاد: فقہی مقالات ۱/۲۲۲)

لیکن اگر بلا اجازت کسی نے طبع کرایا ہے تو وہ گنہگار ہوگا، مگر اس کا پیسہ ناجائز نہیں

ہوگا، بلکہ پیسہ حلال ہوگا، اسی طرح دوسری کمپنی کا لیبل لگا کر سامان فروخت کرنا ایک دھوکہ بازی ہے، اس پر دھوکہ دہی کا گناہ ہوگا، مگر تجارت اور مال کا پیسہ حلال ہوگا۔ (مستفاد: فقہی مقالات ۱/۲۲۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۲۲۳)

معاملہ مکمل ہونے کے بعد دوبارہ رقم کا مطالبہ کرنا

سوال [۱۰۳۳۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بدر الحسن اور قمر النساء نے ریاض الحسن کے نام بخوشی اپنے حصوں کا رجسٹری شدہ بیعنامہ کر دیا ہے، بدر الحسن نے اب سے پانچ سال پہلے ریاض الحسن کے ہاتھ اپنا حصہ بیچا تھا، یہ رجسٹری آٹھ اگست ۱۹۹۲ء کو ہوئی تھی، اور قمر النساء نے ۳۰؍ دسمبر ۱۹۹۶ء کو ریاض الحسن کے ہاتھ اپنا حصہ بیچا تھا اور بدر الحسن وقمر النساء نے بیعنامہ کے وقت اپنا پیسہ وصول کر لیا تھا، کوئی لین دین نہیں رہا، معاملہ بالکل صاف ہو چکا تھا، اب پھر سے دوبارہ مزید پیسہ اتنے سالوں کے بعد مانگ رہے ہیں، کیا ان کا مطالبہ جائز ہو سکتا ہے؟

المستفتی: ریاض الحسن کالا پیادہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب طے شدہ قیمت مکمل ادا ہو چکی ہے تو پھر سے اتنی مدت کے بعد دوبارہ مزید روپیہ کا مطالبہ کس بات کا ہے؟ شرعی طور پر بدر الحسن اور قمر النساء کا اپنا حق وصول کرنے کے بعد پھر سے مطالبہ کرنا جائز نہیں ہے، ان کو اب کوئی حق نہیں ہے۔

عن أبی حمید الساعدی أن رسول اللہ ﷺ قال: لایحل لامرئ أن یأخذ مال أخیه بغیر حقه وذلک لما حرم اللہ مال المسلم علی المسلم.

(مسند أحمد بن حنبل ٥/٤٢٥، رقم: ٢٤٠٠٣)

لايجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بلا سبب شرعي. (قواعد الفقه اشرفي ص: ۱۱۰، شامي كتاب الحدود، مطلب: في التعزير بأخذ المال، كراچی ٤/٦١، زكريا ٦/١٠٦، البحر الرائق كوئٹه ٥/٤١، زكريا ٥/٦٨، هنديه زكريا قديم ٢/١٦٧، جديد ٢/١٨١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶/ ذی الحجہ ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۵۰۴۹)

رجسٹری بیع نامہ خریدار کے نام پر ہوگا نہ کہ سوسائٹی کے نام پر

سوال [۱۰۳۳۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: علی بھائی نے اپنی زمین آدم بھائی کو فروخت کردی تھی، لیکن کاغذات میں داخل خارج نہیں ہوا تھا، پھر آدم بھائی نے اسی زمین کو سوسائٹی والوں کو اسکول وغیرہ بنانے کے لیے فروخت کردیا تھا، سوسائٹی کا راستہ نکالنے سے متعلق آدم بھائی سے اختلاف ہوگیا، مصالحت اس بات پر ہوئی کہ آدم بھائی نے اپنی دوسری زمین اس کے عوض سوسائٹی کو دیدی، اورسوسائٹی نے عوض میں دوسری زمین لے کر تعمیری کام کرلیا، لیکن علی بھائی نے جو زمین آدم بھائی کو فروخت کی تھی اب علی بھائی اس زمین کو آدم بھائی کے نام داخل خارج کرانے سے انکار کررہے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ میں اس زمین کے کاغذات سوسائٹی کے نام کراؤں گا، اس زمین کو سوسائٹی نے خریدا تھا جبکہ حقیقت یہ ہے کہ علی بھائی کا سوسائٹی سے کوئی تعلق نہیں ہے، سوسائٹی والوں نے علی بھائی سے کوئی معاملہ ہی نہیں کیا، سوسائٹی کا تعلق تو آدم بھائی سے ہے اورسوسائٹی والوں نے اس زمین کے عوض دوسری زمین بھی لے لی ہے، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ علی بھائی کا سوسائٹی کے نام اس زمین کو کرانا اور سوسائٹی والوں کا اپنے نام میں لینا ازروئے شرع کیسا ہے؟

المستفتی: عبداللہ بھائی بڑودہ گجرات

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: علی بھائی نے جب زمین آدم بھائی کے ہاتھ فروخت کردی ہے تو علی بھائی پر لازم ہے کہ زمین کے کاغذات آدم بھائی کے نام سے ہی داخل خارج کرادے نہ سوسائٹی کو اپنے نام سے کرانے پر اقدام کرنا جائز ہے اور نہ ہی علی بھائی کو سوسائٹی کے نام کرانے کا اختیار ہے، علی بھائی کا تعلق صرف آدم بھائی کے ساتھ ہی رہے گا۔

المسلمون عند شروطهم. (قواعد الفقه اشرفی ص: ۱۲۱، رقم: ۳۱۹، صحيح البخاري، باب أجر السمسرة، النسخة الهندية ۱/۳۰۳)

وإذا دفع المشتري الثمن فإن البائع يجبر على تسليم المبيع. (كتاب الفقه على المذاهب الأربعة دار الفكر ۲/ ۱۸۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱ رجمادی الثانیہ ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۹۱۶)

ڈپوزٹ کا شرعی حکم

سوال [۱۰۳۳۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اس وقت بمبئی میں مکان کے کرایہ پر لینے کا ایک طریقہ یہ رائج ہے کہ کرایہ دار نے کوئی مکان پانچ سو روپیہ پر لیا، لیکن جو مالک مکان ہے وہ ڈپوزٹ کے نام سے خطیر رقم لیتا ہے، مالک مکان ان روپیوں سے استفادہ بھی کرتا ہے، اور ہر ماہ کا کرایہ بھی وصول کرتا ہے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا جو ڈپوزٹ والی رقم ہے، ڈپوزٹ والی رقم جب کرایہ دار مکان خالی کرتا ہے تو مالک مکان پوری رقم کرایہ دار کو واپس کر دیتا ہے، تو اس سے مالک مکان کا استفادہ کرنا جائز ہے، اس پر رہن کی تعریف صادق آتی ہے یا نہیں؟ اور اس طریقہ سے کرایہ پر مکان لینا درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: ابو اسامہ قاسمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سوالنامہ میں درج شدہ مسئلہ کے مطابق جب مالک مکان کرایہ دار سے خطیر رقم حاصل کرتا ہے اور کرایہ داری ختم کرتے وقت وہ واپس کردیتا ہے تو یہ رقم بطور ضمانت ہے اور ضمانت سے استفادہ جائز ہے۔ (مستفاد: فقہی مقالات ۱/ ۲۱۷، ایضاح النوادر ۱/ ۱۱۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍ جمادی الثانیہ ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۸۱۱)

کرایہ دار کا حق قرار لینا

سوال [۱۰۳۳۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک صاحب نے دوسرے صاحب سے ایک دوکان بطور کرایہ پر لی، کرائے پر رہتے ہوئے ایک لمبا عرصہ ہوگیا تقریباً ۳۰/ ۳۲؍ سال، اب مالک دوکان کو اس دوکان کی ضرورت پڑ گئی اور کرایہ دار کو اس نے خالی کرنے کو کہا، کرایہ دار بغیر روپیہ لیے ہوئے خالی نہیں کرنا چاہتا ہے، جیسا کہ آج کل مارکیٹ کا عرف بن چکا ہے، چنانچہ مالک مکان نے ایک تیسرے شخص کو وہ دوکان بیچ دی، اس خریدار نے کرایہ دار سے دوکان خالی کرنے کے لیے پانچ لاکھ روپیہ دیئے۔

کرایہ دار اس دوکان میں کپڑے کا کاروبار کرتا تھا، مگر کچھ عرصہ سے اس کا کاروبار خسارہ میں چل رہا تھا، اور یہ خسارہ بڑھتے بڑھتے دس سے بارہ لاکھ تک ہوگیا، جو بیوپاریوں کا دوکان دار کی جانب باقی ہے، اور ادائیگی کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔

کرایہ دار دوکان خریدار سے وہ پانچ لاکھ روپیہ لے کر ایک شیئرز کمپنی میں ۵؍ لاکھ روپئے کا شیئرز لے اور اس سے جو منافع حاصل ہو اس سے قرض داروں کا قرض ادا کرے، اور پھر چند سال کے بعد اس ۵؍ لاکھ روپیہ کے منافع سے قرض کی ادائیگی کے بعد اصل رقم کو

فقراء میں تقسیم کردے، کرایہ دار کے حالات کثرت عیال ودیگر مصائب کی وجہ سے ایسے سنگین ہیں کہ اگر وہ پانچ لاکھ روپیہ کو کمپنی میں بطور شیئرز لگا کر اس سے حاصل شدہ منافع سے اس قرض کی ادائیگی نہ کرے تو قرض کی ادائیگی کی کوئی سبیل نظر نہیں آتی، اس حالات کے پس منظر میں چند سوال مطلوب ہیں:

(١) کرایہ دار کا مالک مکان یا خریدار سے خالی کرنے کا معاوضہ لینا شرعاً کیسا ہے؟

(٢) اگر یہ معاوضہ حرام ہے تو اس رقم کو کمپنی میں بطور شیئرز لگا کر اس سے حاصل شدہ منافع سے قرض داروں کے قرض کی ادائیگی کا شرعاً کیا حکم ہے؟

(٣) قرض خواہ اگر غیر مسلم ہو تو کیا ادائیگی کی کچھ گنجائش نکل سکتی ہے؟

جبکہ کرایہ دار اس معاوضہ (٥/لاکھ) کو حرام سمجھتا ہے، لیکن کرایہ دار موجودہ قرض کی ادائیگی کی کوئی صورت نہ نکلنے کی وجہ سے یہ شکل نکال کر قرض کو ادا کرنا چاہتا ہے پھر قرض کی ادائیگی کے بعد وہ اصل رقم ٥/لاکھ روپیہ چند سالوں کے بعد خریدار کو لوٹا دیئے جائیں گے؟

(٤) یہ ٥/لاکھ روپیہ خریدار کو ہی لوٹانے ضروری ہوں گے، یا مسلم فقراء میں تقسیم کردینا کافی ہوگا؟

(٥) ان ٥/لاکھ روپیوں کی آمد سے قرض کی ادائیگی کی صورت میں بدل قرض کا کچھ حصہ جو کہ دوکان میں کپڑے کی صورت میں موجود ہے، ان کپڑوں کو فروخت کر کے اپنے گذر بسر میں استعمال کرنا شرعاً کیسا ہے؟

(٦) اس لی ہوئی ٥/لاکھ رقم میں سے کچھ رقم مثلاً ٢/لاکھ روپئے براہ راست نئی دوکان بنانے میں خرچ کی جاسکتی ہے اس نیت کے ساتھ کہ اتنی رقم چند ماہ کے بعد واپس کردی جائے گی؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: (١) اصل حکم تو یہی ہے کہ کرایہ دار مکان خالی کرتے وقت مالک مکان یا دیگر خریدار سے خالی کرنے کے عوض کوئی رقم نہیں لے سکتا، لیکن جہاں طویل مدتی کرایہ داری پائی جائے، مثلاً پٹہ دوامی ہو یا ملکی قانون اور عرف کے اعتبار سے کرایہ دار کو حق قرار حاصل ہو چکا ہو اور مالک مکان اس کی مرضی کے بغیر اسے خالی کرانے

کا حق نہ رکھتا ہو، تو ایسی صورت میں کرایہ دار کے لیے اپنے حق قرار سے دست برداری کے عوض مالک مکان یا دیگر خریدار سے معاوضہ لینے کی شرعاً گنجائش ہے۔

ومـمن أفتى بلزوم الخلو الذى يكون بمقابلة دراهم يدفعها ...... للمالك العـلامة الـمـحـقـق عبد الرحمن آفندى العمادى وقال: فلا يملك صاحب الحانوت إخراجه ولا إجارتها لغيره مالم يدفع له المبلغ المرقوم فيفتى بجواز ذلك للضرورة. (شامی، البیوع، مطلب: فی أملاك، زكريا ۷/ ٤٠، كراچی ٤/ ٥٢٣)

فـإذا أراد صـاحبهـا الـنـزول عـنهـا لـغيره بعوض جعلوا ذلك بطريق الفراغ كالنزول عن الوظائف وقدمنا عن المفتى أبى السعود أنه أفتى بجوازه.

(شامی، البيوع، مطلب: فی بيان مشد المسكة، زكريا ۷/ ٤٣، كراچی ٤/ ٥٢٤)

(۲) اگر جواب (۱) میں ذکر کردہ جواز معاوضہ کی شرط کے مطابق آپ نے یہ معاوضہ لیا ہے تو اس معاوضہ کو حلال کاروبار میں لگا کر اس سے نفع اٹھانا بھی جائز ہوگا، لیکن ہندوستان جیسے ملک میں شیئرز کا کاروبار اکثر مشتبہ آمدنی پر مشتمل ہے، اس لیے مسلمانوں کو اس طرح کے کاروبار میں پیسہ نہیں لگانا چاہئے۔

المالك وهو المتصرف فى الأعيان المملوكة كيف يشاء. (بیضاوی شریف رشیدیه ۱/ ۷)

(۳) اس معاملہ میں مسلم اور غیر مسلم قرض خواہ سے اصل حکم میں کوئی فرق نہیں پڑتا اور کرایہ دار کا مطلقاً معاوضہ کو حرام سمجھنا صحیح نہیں ہے۔

صـاحـب الـخـلو إذا نزل عن خلوه لغيره يأخذ الناظر من المنزول له دراهـم تسمى تصديقا فهذه تحسب من الأجرة أيضا. (شامی، البيوع، مطلب: فی أملاك، زكريا ۷/ ٤١، كراچی ٤/ ٥٢٣)

(۴) اگر یہ پانچ لاکھ روپئے طویل مدتی کرایہ داری میں حق قرار سے دستبرداری کے عوض لیے گئے ہیں تو ان کا کرایہ دار کو لوٹانا ضروری ہے ورنہ فقراء پر صدقہ ضروری ہے۔

عن المفتى أبى السعود أنه أفتى بجواز أخذ العوض فى حق القرار والتصرف.

(شامی، کتاب البیوع، مطلب فی العرف الخاص والعام زکریا ۷/۳۷، کراچی ۴/۵۲۰)

(۵) مذکورہ رقم سے جو آمدنی ہوئی ہے یا جو کپڑے خریدے گئے ہیں ان کو اپنے ذاتی استعمال میں لانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

لأن الملک ما من شانه أن يتصرف فيه بوصف الاختصاص. (شامی مطلب: فی تعریف المال زکریا ۷/۱۰، ۲۳۵، کراچی ۵/۵۰، ۵۰۲، الموسوعة الفقهية الكويتية ۱۴/۲۹)

(۶) اس رقم کو نئی دوکان بنانے میں بھی خرچ کرنے کی گنجائش ہے، بشرطیکہ جواز کی شرط پائی جائے۔

كل يتصرف فی ملكه كيف شاء. (شرح المجلة رستم اتحاد ۱/۶۵۴، رقم المادة: ۱۱۹۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/ ذیقعدہ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۱۷۲۴)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۱۱/۱۷ھ

کرایہ دار کا مکان خالی کرنے کے لیے رقم کا مطالبہ کرنا

سوال [۱۰۳۴۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: سائل نے ایک ۱۰۰/گز قطعہ آراضی ملحقہ مکان سکنائی بعوض مال سوختہ کرایہ پر دی تھی، اپنی کاروباری ضرورت کے پیش نظر کرایہ دار سے خالی کرنے کو کہا گیا تو وہ انکاری ہو گیا، مجبوراً عدالت کا راستہ اختیار کیا گیا تو اس کی بھول بھلیوں میں ۱۲/ برس گذر گئے، پھر بھی مستقبل قریب میں کوئی امید اور اس کے ہونے کے آثار دکھائی نہیں پڑتے، اور ہمیں اپنی بے روزگاری اب برداشت سے باہر ہوتی جاتی ہے، مجبوراً کرایہ دار سے تصفیہ کی بات کی تو وہ ایک معقول رقم کا طالب ہے خالی کرنے کے عوض، اپنی مجبوری اور ضرورت کے پیش نظر یہ مطالبہ پورا کر دیا جائے، تو کیا یہ رشوت میں شمار ہوگا؟ جس پر حدیث شریف میں لینے اور دینے والے دونوں پر لعنت فرمائی ہے، براہ کرم شرعی حکم سے آگاہ فرمائیں اور عنداللہ ماجور ہوں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مالک کے لیے کرایہ پر دیئے ہوئے مکان کو کرایہ دار سے خالی کرانے کا کلی اختیار ہے، اور مکان خالی نہ کرنے کی صورت میں مکان خالی کرانے کے لیے جو بھی مناسب ومؤثر تدبیر ہو سکے اختیار کرنے کی شرعاً گنجائش ہے، کیونکہ مالک کو اپنی ملکیت میں ہر طرح کے تصرف کا حق ہے، اور کرایہ دار کا مکان خالی کرنے پر معقول رقم طلب کرنا نا جائز ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ میرٹھ ۲۵/ ۳۰۹)

عن أبي حرة الرقاشي عن عمه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لا يحل مال امرئ مسلم إلا بطيب نفس منه. (شعب الإيمان للبيهقي، باب في قبض اليد عن الأموال المحرمة، دار الكتب العلمية بيروت ٣٨٧/٤ رقم: ٥٤٩٢، السنن الكبرىٰ للبيهقي دار الفكر بيروت ٥٠٦/٨ رقم: ١١٧٤٠، مسند أحمد بن حنبل ٧٢/٥ رقم: ٢٠٩٧١، سنن الدار قطني، دار الكتب العلمية بيروت ٢٢/٣ رقم: ٢٨٦٢)

وتصح إجارة أرض للبناء والغرس ...... فإن مضت المدة قلعهما و سلمها فارغة لعدم نهايتهما. (در مختار مع الشامي، كتاب الإجارة، باب ما يجوز من الإجارة، زكريا ٩/ ٤٠-٤١، كراچی ٦/ ٣٠

ليس لأحد أن يأخذ مال غيره بلا سبب شرعي. (هنديه، كتاب الحدود، فصل في التعزير، زكريا قديم ١٦٧/٢، جديد ٢/ ١٨١، شرح المجلة رستم اتحاد ١/ ٦٢، رقم المادة: ٩٧، البحرالرائق زكريا ٦٨/٥، كوئٹه ٥/ ٤١) **فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍شوال المکرّم ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۱۶۷۱)

پگڑی کا حکم

سوال [۱۰۳۴۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: ایک بازار میں ایک مسلمان ہے اس نے دوکانیں بنوائی ہیں، اس نے دوکان لینے والوں سے یہ کہا کہ جو دوکان لے گا وہ پانچ ہزارروپیہ دیدے اور دوکان کرایہ پر لے لے، یہ پانچ ہزارروپیہ نہ کرایہ میں مجریٰ ہوں گے اور نہ بعد میں ملیں گا بلکہ مالک دوکان ویسے ہی رکھے گا، تو مالک کا اس طرح سے کرایہ دار سے رقم لینا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: اقبال احمد شیر کوٹ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دوکان یا مکان کرایہ پر دینے کا جو طریقہ آپ نے تحریر کیا ہے اس کو ہمارے عرف میں پگڑی کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے اس طرح پگڑی کے نام سے لی جانے والی رقم حرام وناجائز ہے، البتہ اگر وہ رقم کرایہ میں جوڑ دے تو جائز ہے اور اگر اس کرایہ میں نہ جوڑے اور دوکان خالی کرتے وقت وہی رقم واپس ہو جائے تو اس کی بھی گنجائش ہے۔ (مستفاد: فقہی مقالات ۱/ ۲۱۷، احسن الفتاویٰ ۶/ ۵۲۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۷۳۶)

حقوقِ مجردہ کا عوض لینا

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّي عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ أَمَّا بَعْد!

وَالَّذِيْنَ فِي اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَعْلُوْمٌ. وہ لوگ جن کے مال میں متعین حق مقرر ہے۔

(المعارج، الآية: ٢٤)

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا أَبَدًا ☆ عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

زمانہ کی گردش بڑھتی گئی اور نئے نئے مسائل میں اضافہ ہوتا گیا، چنانچہ زمانہ کے بدلنے کے ساتھ ساتھ لوگوں کے لین دین کا عرف اور تعامل بھی بدلتا چلا گیا جس کے نتیجہ میں تجارت کے اقسام وانواع میں اضافہ ہوکر ایسے ایسے نئے مسائل پیدا ہوگئے جن کے بارے میں ائمۂ مجتہدین کے ذہنوں میں وہم وگمان بھی پیدا نہیں ہوا تھا، تو ایسے مسائل ائمۂ مجتہدین اور فقہاء کے اصولی مسائل کو نظیر بنا کر حل کرنے کی ضرورت ہے، اسی کے ضمن میں حقوقِ مجردہ کی بیع یا ایسے حقوق سے دست برداری کا عوض لینے کا مسئلہ انتہائی اہمیت کا حامل ہے، اسی کے تناظر میں یہ مضمون پیش خدمت ہے۔

حق کسے کہتے ہیں؟

''حق'' کی جمع ''حقوق'' آتی ہے، اس کی تعریف فقہاء نے مختلف انداز سے کی ہے، اس کی چند تعریف ہم ذیل میں نقل کر دیتے ہیں:

(۱) حق ایسی چیز کو کہا جاتا ہے جس کے اوپر صاحبِ حق کو تصرف کا اختیار حاصل ہو جاتا ہے، جیسا کہ ''الموسوعۃ الفقہیہ'' کی اس عبارت سے واضح ہوتا ہے:

اَلْمَحَلُّ الَّذِيْ يَجْرِيْ عَلَيْهِ التَّصَرُّفُ يُسَمّٰى حَقًّا. ہر وہ محل جس کے اوپر تصرف کا اختیار جاری ہو جاتا ہے اس کو حق سے موسوم کیا جاتا ہے۔

(الموسوعة الفقهية ٤/ ٢٣٧)

(۲) ''الموسوعۃ الفقہیہ'' کی دوسری جگہ کچھ اور انداز سے حق کی تعریف کی گئی ہے کہ لغت کے اعتبار سے ان امور کو حق کہا جاتا ہے جو ثابت اور موجود ہوں۔ اور فقہاء کی اصطلاح میں آدمی کے مصالح کی وجہ سے مقتضائے شریعت کے مطابق جو چیز اس کے لئے ثابت ہوتی ہے اسے حق کہا جاتا ہے، عبارت ملاحظہ فرمائیے:

الحُقُوْقُ جَمْعُ حَقٍّ، وَالْحَقُّ لُغَةً الأَمْرُ الثَّابِتُ الْمَوْجُوْدُ، وَاصْطِلاحًا يَسْتَعْمِلُهُ الْفُقَهَاءُ فِيْمَا ثَبَتَ لِإِنْسَانٍ بِمُقْتَضَى الشَّرْعِ مِنْ أَجْلِ مَصَالِحِهِ. (الموسوعة الفقهية ۳/ ۱۰)

حقوق حق کی جمع ہے اور حق کے معنی لغت میں ایسے امور ہیں جو ثابت ہوں موجود ہوں۔ اور فقہاء کی اصطلاح میں ایسی چیز میں حق کا استعمال ہوتا ہے جو چیز انسان کے لئے اس کے مصالح کی وجہ سے شریعت کے مقتضیٰ کے مطابق ثابت ہو۔

(۳) ''ہدایہ'' کے حاشیہ میں بہت جامع انداز سے حق کی تعریف کی گئی ہے کہ ہر وہ چیز انسان کا حق ہوتی ہے جس کے ثابت کرنے اور ساقط کرنے کا آدمی کو اختیار ہوتا ہے۔ عبارت ملاحظہ فرمائیے:

حَقُّ الإِنْسَانِ مَا يَتَوَلّٰى إِثْبَاتَهُ وَإِسْقَاطَهُ. (هامش الهداية ۳/۱٦، بحواله قاموس الفقه ۳/ ۲٦۷)

انسان کا حق وہ چیز ہوتی ہے جس کو ثابت کرنے اور ساقط کرنے کا انسان مالک ہوتا ہے۔

(۴) ''لغۃ الفقہاء'' میں حق کی تعریف اس طرح کی گئی ہے کہ انسان کا حق ہر وہ چیز ہوتی ہے جو اس انسان کے لئے دوسرے پر لازم ہو جاتی ہے۔ عبارت ملاحظہ فرمائیے:

حَقُّ الْآدَمِيِّ مَا وَجَبَ لِلْآدَمِيِّ عَلٰى غَيْرِهٖ. (لغة الفقهاء ص: ۱۸۳)

آدمی کا حق وہی ہوتا ہے جو آدمی کے لئے غیر پر لازم ہوتا ہے۔

مال اور حقوقِ مجردہ کی حقیقت

یہاں پر اصولی طور پر دو چیزیں قابل غور ہیں: (۱) مال کسے کہتے ہیں، جس کی بیع جائز

ہو؟ (۲) حقوق مجردہ کی بیع جائز ہے یا نہیں؟

مال کی تعریف

حضراتِ فقہاء نے مال کی تعریف مختلف انداز، کیفیت اور مختلف شرائط کے ساتھ کی ہے اور زمانہ کی تبدیلی کے اعتبار سے بعد کے فقہاء نے مال کی تعریف میں کافی وسعت بھی پیدا کی ہے۔ علامہ حصکفیؒ نے بیع کی تعریف کرتے ہوئے مال ہر اس چیز کو قرار دیا ہے جو مرغوب فیہ ہو اور اس کے ذیل میں علامہ شامیؒ نے یہ تشریح کی ہے کہ ہر اس شئ کو مال کہا جاتا ہے جس کی طرف طبیعت کا میلان ہو۔ ملاحظہ فرمائیے:

مُبَادَلَةُ شَيْءٍ مَرْغُوْبٍ فِيْهِ بِمِثْلِهِ (وتحته في الشامية) أَيْ مَا مِنْ شَأْنِهِ أَنْ تَرْغَبَ إِلَيْهِ النَّفْسُ وَهُوَ الْمَالُ. (شامي كراچى ٤/٥٠٢، زكريا ٧/١١)

عقدِ بیع شئ مرغوب فیہ کو اس کے مثل کے بدلے میں تبادلہ کرنے کا نام ہے (اس کے تحت شامی لکھتے ہیں) کہ ہر وہ چیز جس کی طرف نفس اور طبیعت کا میلان ہو اسی کو مال کہتے ہیں۔

اور ''مجمع الانہر'' میں مال کی تعریف ان الفاظ سے کی گئی ہے:

وَالشَّيْءُ إِنَّمَا يَصِيْرُ مَالًا لِكَوْنِهِ مُنْتَفَعًا بِهِ. (مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية ٣/٨٤)

بے شک کوئی بھی چیز اس وقت مال بن جاتی ہے کہ جب وہ چیز نفع بخش ہو۔

مذکورہ دونوں عبارتوں پر غور کیا جائے تو مال کی تعریف میں کافی وسعت نظر آتی ہے کہ جس چیز کے بارے میں بھی طبیعت کا میلان اور رغبت پیدا ہو جائے اور اس چیز میں کسی نہ کسی درجہ میں نفع کا پہلو موجود ہو اور اس میں بنصِ شرعی حرمت کا پہلو موجود نہ ہو وہ شرعاً مال ہے، جس کو عوض دے کر حاصل کرنے کی گنجائش ہے۔

اور ''بدائع'' کی ایک عبارت سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ مال کا عین اور شئ مرئی ہونا لازم نہیں ہے؛ بلکہ کبھی ایسی چیز بھی مال بن جاتی ہے جو غیر مرئی اور غیر مادی شئ ہو اور اس میں منفعت موجود ہو اور انسان کی طبیعت کا میلان اس کو حاصل کرنے کی طرف ہو۔

علامہ شامی اور صاحب بدائع کی تشریح سے نئے پیدا ہونے والے مسائل کا حل بہت

آسانی سے ہوسکتا ہے۔ بدائع کی عبارت ملاحظہ فرمائیے:

وَالْمَالُ قَدْ يَكُونُ عَيْنًا، وَقَدْ يَكُونُ مَنْفَعَةً، وَيَتَعَلَّقُ بِالْمِلْكِ فِي كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا أَحْكَامٌ.
(بدائع زکریا ۵۰۳/٦)

اور مال کبھی عین اور مادی شئ ہوتا ہے اور کبھی غیر مادی منافع بھی مال ہوتے ہیں اور ملک کے ذریعہ ان دونوں میں سے ہر ایک میں احکام جاری ہوجاتے ہیں۔

حقوقِ مجردہ کی بیع

بادی النظر میں متون کی بعض عبارات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ حقوقِ مجردہ کی بیع مطلقاً جائز نہیں ہے؛ حالاں کہ مسئلہ ایسا ہے نہیں؛ بلکہ بہت سے حقوقِ مجردہ کی بیع کو حضراتِ فقہاء نے واضح الفاظ میں جائز لکھا ہے۔ مثال کے طور پر حقِ مرور، حقِ تعلّی، حقِ تسییل، حقِ شرب، حقِ شفعہ، حقِ نوبت زوجہ، دیوار پر کڑی رکھنے کا حق، دروازہ کھولنے کا حق، یہ سب حقوقِ مجردہ میں شامل ہیں۔ ان میں سے بعض حقوق ایسے ہیں جن کا عوض لینا جائز نہیں ہے، مثلاً حقِ شفعہ، حقِ نوبت زوجہ وغیرہ۔ اور بہت سے حقوق ایسے ہیں جن میں سے بعض کا عوض لینا بطریق بیع اور بعض کا بطریق دست برداری جائز ہے، جیسا کہ اس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

حقِّ مرور کی بیع کا جواز

ان میں سے حقِ مرور کے بارے میں حضراتِ فقہاء نے صاف الفاظ میں لکھا ہے کہ حقِ مرور کی بیع جائز ہے۔ اوراس کے جواز کے بارے میں وجہ اورعلت یہ بیان کی جاتی ہے کہ جس راستے سے گذر ہوتا ہے وہ راستہ متعین ہے اور حقِ شرب اور حقِ تسییل کی بیع کو یہ کہہ کر ناجائز قرار دینے کی کوشش کی گئی ہے کہ پانی کتنے حصے پر بہے گا وہ حصہ متعین نہیں ہے، اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جہاں حقوقِ مجردہ کی بیع کو جائز کہا گیا ہے وہاں پر جہالت مفضی الی المنازعہ نہ ہونے کی وجہ سے جائز کہا گیا ہے اور جہاں ناجائز کہا گیا ہے وہاں جہالت مفضی الی المنازعہ کو عدم جواز کی علت قرار دیا گیا ہے، تو اس سے صاف واضح ہوا کہ

نفسِ حقوقِ مجردہ کی بیع کو حضراتِ فقہاء نے ناجائز نہیں کہا ہے؛ بلکہ جہاں جہالت مفضی الی المنازعہ ہے وہاں ناجائز اور جہاں جہالت مفضی الی المنازعہ نہیں وہاں جائز ہے۔

اس سلسلے میں عبارت ملاحظہ فرمایئے:

وَصَحَّ بَيْعُ حَقِّ الْمُرُوْرِ تَبْعًا لِلْأَرْضِ بِلَا خِلَافٍ وَمَقْصُودًا وَحْدَهُ. فِي رِوَايَةٍ: وَبِهِ أَخَذَ عَامَّةُ الْمَشَايِخِ. (وتحته في الشامية) قَالَ السَّائحَانِي: وَهُوَ الصَّحِيْحُ وَعَلَيْهِ الْفَتْوٰى. (شامي كراچی ۵/ ۸۰، زکریا ۷/ ۲۷۵)

حق مرور کو فروخت کرنا زمین کے تابع بنا کر بالاتفاق جائز ہے اور اس کو زمین سے الگ کر کے تنہا مقصود بالذات بنا کر فروخت کرنا ایک روایت کے مطابق جائز ہے، اسی کو عامۃ المشائخ نے اختیار فرمایا ہے۔ اور اس کے تحت شامی میں ہے کہ سائحانی نے فرمایا کہ یہی صحیح ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔

حقِ تسییل کی بیع کا جواز

پرنالے سے پانی بہانے کے حق کو فروخت کرنا، اسی طرح اس کو ہبہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ تو حضراتِ فقہاء نے جہالت محل کی وجہ سے اس کو ناجائز قرار دیا ہے، یعنی کتنی مقدار پرنالے کے اوپر سے پانی بہتا ہوا جائے گا، اس کا محل مجہول ہے، اس محل کی جہالت کی وجہ سے حقِ تسییل کو فقہاء نے ناجائز قرار دیا ہے، ایسا نہیں ہے کہ نفسِ حقِ تسییل کی بیع جائز نہیں ہے؛ بلکہ نفسِ حقِ تسییل کی بیع جائز ہے اور جہالت محل کی وجہ سے اس کو ناجائز قرار دیا گیا ہے؛ لہٰذا اگر محل متعین ہوجائے اور اس کی جہالت ختم ہوجائے تو بلاشبہ جائز ہوجائے گا۔

فقہاء کی عبارت ملاحظہ فرمایئے:

لَايَصِحُّ بَيْعُ حَقِّ التَّسْيِيْلِ وَهِبَتُهُ سَوَاءٌ كَانَ عَلَى الْأَرْضِ لِجَهَالَةِ مَحَلِّهِ كَمَا مَرَّ أَوْ عَلَى السَّطْحِ (وتحته في الشامية) وَهُوَ أَنْ يَسِيْلَ الْمَاءُ عَنْ أَرْضِهِ

حقِ تسییل کو فروخت کرنا اور اس کا ہبہ کرنا صحیح نہیں ہے، چاہے زمین کے اوپر سے پانی بہایا جائے یا چھت کے اوپر سے محلِ تسییل کی جہالت کی وجہ سے۔ اور شامی میں ہے کہ اور اس کی شکل یہ ہے کہ اس کی زمین سے پانی

كَيْ لَا يُفْسِدَهَا فَيَمُرُّهُ عَلٰى أَرْضٍ لِغَيْرِهِ فَهُوَ مَجْهُوْلٌ لِجَهَالَةِ مَحَلِّهِ الَّذِيْ يَأْخُذُهُ.
(شامي كراچی ۵/ ۸۰ زکریا ۷/ ۲۷۶)

بہایا جائے تا کہ اس کی زمین خراب نہ ہو تو اس کو غیر کی زمین کے اوپر سے گذارا جائے اور وہ مجہول ہے، اس کے اس محل کی جہالت کی وجہ سے جس جگہ سے پانی گذرے گا۔

اس عبارت سے صاف واضح ہوا کہ حقِ تسییل کی بیع اور اس کا ہبہ کرنا فی نفسہ ناجائز نہیں ہے؛ بلکہ فی نفسہ جائز ہے، بس صرف محلِ تسییل کی جہالت کی وجہ سے اس کو ناجائز قرار دیا گیا ہے؛ لہٰذا اگر محلِ تسییل کو متعین کرکے واضح کر دیا جائے جس سے اس کی جہالت ختم ہو جائے تو بلا شبہ حقِ تسییل کو فروخت کرنا اور اس کا ہبہ کرنا حقوقِ مجردہ کے باوجود جائز ہو جائے گا، جیسا کہ مذکورہ عبارت سے واضح ہو چکا ہے۔

تعاملِ ناس کی وجہ سے حقِّ شرب کی بیع کا جواز

صاحبِ مبسوط نے بعض مشائخ کا فتویٰ نقل فرمایا ہے کہ حقِ شرب کی بیع جائز ہے اگرچہ زمین کے تابع کر کے اس کو نہ بیچا ہو؛ اس لئے کہ بعض شہروں میں حقِ شرب کا بیچنا معروف اور متعارف ہے؛ لہٰذا جس طرح تعاملِ ناس کی وجہ سے بیع استصناع جائز ہے اسی طرح تعاملِ ناس کی وجہ سے زمین کے تابع کئے بغیر صرف حقِ شرب کو فروخت کرنا بھی جائز ہے۔ مبسوط کی عبارت ملاحظہ فرمائیے:

وَبَعْضُ الْمُتَأَخِّرِيْنَ مِنْ مَشَايِخِنَا رَحِمَهُمُ اللهُ أَفْتٰى أَنْ يَبِيْعَ الشُّرْبَ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ أَرْضٌ لِلْعَادَةِ الظَّاهِرَةِ فِيْهِ فِيْ بَعْضِ الْبُلْدَانِ، وَهٰذِهِ عَادَةٌ مَعْرُوْفَةٌ بِنَسَفَ قَالُوْا: إِنَّمَا جُوِّزَ الاسْتِصْنَاعُ لِلتَّعَامُلِ، وَإِنْ كَانَ الْقِيَاسُ يَأْبَاهُ، فَكَذٰلِكَ

ہمارے مشائخ میں سے بعض متاخرین نے حقِ شرب کی بیع کے جواز کا فتویٰ دیا ہے، اگرچہ اس حق کی بیع کے ساتھ زمین کی فروختگی نہ ہو، بعض شہروں میں اس سلسلے میں لوگوں کی عادت متعارف ہونے کی وجہ سے، اور اس کا تعامل بلاد نسف میں معروف ہے۔ ان لوگوں نے فرمایا کہ بے شک تعامل ناس کی وجہ سے معاملۂ استصناع کو جائز قرار دیا گیا ہے اگرچہ

بَيْعُ الشُّرْبِ بِدُوْنِ الْأَرْضِ. (المبسوط ۲۳/ ۱۷۱)

قیاس اس کا انکار کرتا ہو، تو ایسا ہی حقِ شرب کی بیع بھی بغیر زمین کے جائز اور درست ہے۔

اور ''درمختار'' میں ہے کہ حقِ مرور کی طرح حقِ شرب کو فروخت کرنا بھی جائز ہے اور زمین کے تابع بنا کر فروخت کرنا بالاتفاق جائز ہے اور زمین سے الگ کر کے حقوقِ مجردہ کے طور پر فروخت کرنا ظاہر الروایہ کے مطابق بیع فاسد ہے۔ اور مشایخ بلخ کے نزدیک جائز ہے۔ عبارت ملاحظہ فرمایئے:

وَكَذَا بَيْعُ الشُّرْبِ وَظَاهِرُ الرِّوَايَةِ فَسَادُهُ إِلَّا تَبْعًا (وتحته في الشامية) فَإِنَّهُ يَجُوْزُ تَبْعًا بِالإِجْمَاعِ، وَوَحْدَهُ فِيْ رِوَايَةٍ وَهُوَ اخْتِيَارُ مَشَايِخِ بَلْخ؛ لِأَنَّهُ نَصِيْبٌ مِنَ الْمَاءِ. (شامي، كراچي ۵/ ۸۰ زكريا ۷/ ۲۷۶)

اور ایسا ہی (حقِ مرور کی طرح) حقِ شرب کو فروخت کرنا بھی جائز ہے اور ظاہر الروایہ کے مطابق بیع فاسد ہے، الا یہ کہ زمین کے تابع بنا کر فروخت کیا جائے۔ اس کے تحت شامی میں ہے کہ بے شک زمین کے تابع بنا کر فروخت کرنا بالاجماع جائز ہے اور زمین سے الگ تنہا حقِ شرب کو فروخت کرنا ایک روایت کے مطابق جائز ہے اور وہ مشایخ بلخ کا اختیار کردہ قول ہے؛ اس لئے کہ وہ پانی کا ایک حصہ ہے۔

حقِ اسبقیت

''ابوداؤد شریف'' کی ایک روایت سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ شریعت کے اندر حقِ اسبقیت کا اعتبار ہے کہ جو بھی کسی معاملہ میں سبقت کر کے اپنا حق ثابت کردے تو اس کا وہ حق ایسا معتبر ہوجاتا ہے کہ اس کی دست برداری کے بغیر اس حق پر دوسرے کا قبضہ جائز نہیں ہے اور حق سے دست برداری کا عوض لینے کو فقہاء نے جائز قرار دیا ہے۔

ابوداؤد شریف کی حدیث ملاحظہ فرمایئے:

عَنْ أَسْمَرَ بْنَ مُضَرِّس قَالَ: أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَايَعْتُهُ، فَقَالَ: مَنْ سَبَقَ

حضرت اسمر بن مضرسؓ فرماتے ہیں کہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہو کر آپ کے ہاتھ پر بیعت ہوا، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص

إِلٰى مَا لَمْ يَسْبِقْهُ إِلَيْهِ مُسْلِمٌ فَهُوَ لَهُ، قَالَ: فَخَرَجَ النَّاسُ يَتَعَادُّوْنَ يَتَخَاطُّوْنَ. (أبوداؤد شريف، النسخة الهندية ١/٤٣٧، دار السلام رقم: ٣٠٧١)

ایسی چیز پر سبقت کر جائے جس پر کسی مسلمان نے سبقت نہ کی ہو تو وہ چیز اس کی ہے، حضرت مضرسؓ فرماتے ہیں: تو لوگ دوڑتے ہوئے اور ایک دوسرے کو پھلانگتے ہوئے نکلے۔

حقوقِ مجردہ کی دو قسموں میں سے کس کا مالی عوض جائز؟

علامہ شامیؒ نے موصی لہ بالخدمۃ کے حق کے لئے یہ ثابت فرمایا ہے کہ آپس کی تراضی سے مالی عوض لے کر اس سے دست بردار ہو جانا صحیح ہوتا ہے، جیسا کہ حق قصاص، حق نکاح اور حق رقیت کا مالی عوض لے کر دست بردار ہو جانا جائز اور صحیح ہے اور یہ تمام حقوق حقوقِ مجردہ میں شامل ہیں؛ لیکن ان کا مالی عوض لے کر ان سے دست بردار ہو جانا جائز ہے۔ شامی کی عبارت ملاحظہ فرمایئے:

أَمَّا حَقُّ الْمُوْصٰى لَهُ بِالْخِدْمَةِ فَلَيْسَ كَذٰلِكَ بَلْ ثَبَتَ لَهُ عَلٰى وَجْهِ الْبِرِّ وَالصِّلَةِ، فَيَكُوْنُ ثَابِتًا لَهُ إِصَالَةً، فَيَصِحُّ الصُّلْحُ عَنْهُ إِذَا نَزَلَ عَنْهُ لِغَيْرِهٖ، وَمِثْلُهُ مَا مَرَّ عَنِ الأَشْبَاهِ مِنْ حَقِّ الْقِصَاصِ وَالنِّكَاحِ وَالرِّقِّ، حَيْثُ صَحَّ الإِعْتِيَاضُ عَنْهُ؛ لِأَنَّهُ ثَابِتٌ لِصَاحِبِهٖ إِصَالَةً لَا عَلٰى وَجْهِ دَفْعِ الضَّرَرِ عَنْ صَاحِبِهٖ. (شامي كراچی ٤/٥٢٠، زكريا ٧/٣٦)

بہر حال اس شخص کا حق جس کی خدمت کے لئے وصیت کی گئی ہے، تو وہ (حق شفعہ، حق قسم، حق خیار وغیرہ کی طرح نہیں ہے) بلکہ اس کے لئے تبرع اور صلہ رحمی کے طور پر حق ثابت ہو چکا ہے؛ لہٰذا اس کا حق اصالۃً ثابت ہے؛ اس لئے اس حق کی طرف سے صلح کرنا درست ہے، جب کہ وہ دوسرے کے لئے اس سے دست بردار ہو جائے اور اسی کی طرح وہ سارے حقوق ہیں جو اشباہ کے حوالہ سے گذر چکے ہیں، جیسا کہ حق قصاص، حق نکاح اور حق رقاب اس طریقہ سے کہ ان حقوق کا عوض لینا جائز اور صحیح ہے؛ اس لئے کہ صاحب حق کے لئے یہ حقوق اصالۃً ثابت ہیں، صاحب حق سے دفع ضرر کے طور پر ثابت نہیں ہیں۔

شامی کی اس عبارت سے واضح ہوا کہ حقوقِ مجردہ دو قسموں پر ہیں:

(۱) وہ حقوق جو ضرر سے بچنے کے لئے ثابت ہوتے ہیں، ان کا مالی عوض لینا جائز نہیں ہے، جیسا کہ شفیع کے لئے حق شفعہ، عورت کے لئے باری کا حق اور مخیّرہ کے لئے اختیار کا حق، یہ سارے حقوق دفع ضرر کے لئے ثابت ہوتے ہیں، اصالۃً ثابت نہیں ہوتے ہیں۔

(۲) وہ حقوق جو صاحبِ حق کے لئے دفع ضرر کے طور پر ثابت نہیں ہوتے ہیں؛ بلکہ اصالۃً براہ راست وہ حقوق ان کے لئے ثابت ہوتے ہیں، ایسا نہیں ہے کہ ان کو نقصان سے بچانے کے لئے ان حقوق کو ثابت کیا گیا ہو؛ بلکہ براہ راست یہ حقوق ان کے لئے ابتداء سے ثابت ہیں، جیسا کہ موصی لہ بالخدمت کا حق ہے کہ مالی عوض لے کر وہ اس سے دست بردار ہوسکتا ہے، اسی طرح حقِ قصاص ہے کہ دیت لے کر حقِ قصاص سے دست بردار ہوسکتا ہے، اسی طرح حقِ نکاح ہے کہ مالی عوض لے کر اس سے دست بردار ہوسکتا ہے، جیسا کہ شوہر مالی عوض لے کر خلع بھی کرسکتا ہے اور طلاق علی المال کے طور پر بھی مال لے کر دست بردار ہوسکتا ہے، اسی طرح حقِ رقیت کہ بدلِ کتابت کے طور پر مالی عوض لے کر اس سے دست بردار ہوجائے، ان تمام حقوق کے حقوقِ مجردہ ہونے کے باوجود ان کا عوض لے کر دست بردار ہوجانا جائز ہے۔

نیز حقِ مرور، حقِ شرب، حقِ تسییل یہ سب حقوقِ مجردہ میں سے ہیں، زمین کے تابع ہوکر ان کی فروختگی سب کے نزدیک جائز ہے؛ لیکن زمین اور محل سے الگ کر کے صرف ان حقوق کو فروخت کرنا ظاہر الروایہ کے مطابق ناجائز ہے؛ لیکن تعامل ناس کی وجہ سے اور جہالت کے ختم ہونے کی صورت میں ان تمام حقوق کی بیع جائز اور درست ہے، جیسا کہ درمختار اور شامی کی عبارات سے واضح کیا جا چکا ہے؛ لہٰذا فقہاء کی ان تشریحات پر قیاس کر کے نئے پیدا ہونے والے ایسے تمام حقوق جو اصالۃً ثابت ہوتے ہیں ان کا مالی عوض لینا بھی جائز سمجھ میں آتا ہے؛ البتہ ان کا عوض لینے میں بیع کا طریقہ اختیار نہ کیا جائے؛ بلکہ دست برداری کا طریقہ اختیار کرنا زیادہ بہتر اور مناسب معلوم ہوتا ہے۔

سوال میں ذکر کردہ حقوقِ مجردہ سے دست برداری کا مالی عوض لینا

حقوقِ مجردہ میں ایسے بے شمار حقوق ہیں جن میں دست برداری کا مالی عوض لینا جائز

ہوتا ہے، جیسا کہ شامی کے جزئیہ میں واضح کیا جا چکا ہے کہ موصی لہ بالخدمت کا آپس کی تراضی سے مالی عوض لے کر اپنے حق سے دست بردار ہو جانا جائز ہے، اسی طرح حق قصاص میں بھی دیت کے طور پر مالی عوض لے کر حق قصاص سے دست بردار ہو جانے کا جواز ماقبل میں ذکر کیا جا چکا ہے، اسی طرح سے ایسے تمام حقوق کا مالی عوض لے کر دست بردار ہو جانا جائز اور درست ہے جو حقوق اصالۃً براہ راست ثابت ہوتے ہیں۔

لہٰذا سوال نامہ میں درج کردہ حسب ذیل حقوق کا مالی عوض لے کر دست بردار ہو جانا جائز معلوم ہوتا ہے:

(۱) بیکری کی پھیری لگانے والے لوگ جو اپنی لائن بناتے ہیں ان کے لئے بھی اپنی بنائی ہوئی لائن پر دوسرے سے مالی عوض لے کر دست بردار ہو جانا جائز ہے؛ اس لئے کہ اس میں اس کو حق اسبقیت حاصل ہے۔ اور حق اسبقیت کا مالی عوض لے کر دست بردار ہو جانا جائز ہے، جیسا کہ ’’ابوداؤد شریف‘‘ کی روایت ماقبل میں ذکر کی جا چکی ہے۔

(۲) اسی طرح میڈیکل اسٹوروں پر دوائیاں سپلائی کرنے کی جو لائن بنائی جاتی ہے اس سے بھی دست بردار ہونے کے لئے مالی عوض لینا جائز ہے؛ اس لئے کہ اس نے بھی محنت کر کے اس میں حقِ اسبقیت حاصل کر لیا ہے۔

(۳) اسی طرح اخبار کی لائن بنانے والوں کا بھی اپنی بنائی ہوئی لائن کے حق سے دست بردار ہو جانے کے لئے مالی عوض لینا جائز ہے؛ کیوں کہ اس نے بھی اس میں محنت کر کے حقِ اسبقیت حاصل کر لیا ہے۔ نیز عرف اور تعامل ناس کی وجہ سے بھی ان سے دست برداری کا مالی عوض لینا جائز معلوم ہوتا ہے، اسی طرح حقوق سے دست برداری کے مالی عوض لینے کو حضرت مولانا مفتی محمد تقی صاحب عثمانی مدظلہ العالی نے بھی ’’اسلام اور جدید معاشی مسائل ۳/۶۳ تا ۷۹‘‘ میں تفصیلی وضاحت کے ساتھ جائز لکھا ہے؛ اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اجرت دلّال پر قیاس کی ضرورت نہیں، مگر پھر بھی اگر اس پر قیاس کر لیا جائے تو دو طریقے سے جواز کا پہلو نکلے گا۔

اب یہاں سے حق دست برداری سے متعلق چند عبارتیں ملاحظہ فرمائیے:

وَكَذَا أَقُوْلُ عَلٰى اعْتِبَارِ الْعُرْفِ الْخَاصِّ، قَدْ تَعَارَفَ الْفُقَهَاءُ بِالْقَاهِرَةِ النُّزُوْلَ عَنِ الْوَظَائِفِ بِمَالٍ يُعْطٰى لِصَاحِبِهَا، وَتَعَارَفُوا ذٰلِكَ، فَيَنْبَغِي الْجَوَازُ وَأَنَّهُ لَوْ نَزَلَ لَهُ وَقَبَضَ مِنْهُ الْمَبْلَغَ ثُمَّ أَرَادَ الرُّجُوْعَ عَلَيْهِ لَا يَمْلِكُ ذٰلِكَ. (الأشباه زكريا ۲۹۱، ۲۹۲، قديم: ۱٦۲ تا ۱٦٤)

ایسے ہی میں کہتا ہوں کہ عرف خاص کا اعتبار ہے، یقیناً قاہرہ میں فقہاء نے مال لے کر وظائف سے دست بردار ہوجانے کو متعارف قرار دیا ہے جو مال صاحب وظیفہ کو دیا جائے گا۔ اور یہ عمل متعارف ہو چکا ہے؛ لہٰذا اس کے جواز کا مسئلہ بتانا مناسب ہے اور بے شک اگر اس کے لئے دست بردار ہوجاتا ہے اور اس سے طے شدہ رقم قبضہ کر لیتا ہے، پھر اس کے اوپر رجوع کا ارادہ کرے تو رجوع کا حق نہیں ہوگا۔

اس کو حموی میں ان الفاظ سے بیان کیا گیا ہے:

وَذَكَرَ الشَّمْسُ الرَّمْلِي فِي شَرْحِ الْمِنْهَاجِ عَنْ وَالِدِهٖ أَنَّهُ أَفْتٰى بِحِلِّ النُّزُوْلِ عَنِ الْوَظَائِفِ بِالْمَالِ؛ لِأَنَّهُ مِنْ أَقْسَامِ الْجِعَالَةِ فَيَسْتَحِقُّهُ النَّازِلُ وَيَسْقُطُ حَقُّهُ. (الحموي تحت الأشباه زكريا ۲۹۲، قديم: ۱٦٥)

امام شمس الدین رملیؒ نے شرح المنہاج میں اپنے والد سے نقل کرتے ہوئے ذکر فرمایا ہے کہ بے شک ان کے والد نے مال کے بدلہ میں وظائف سے دست برداری کے جواز کا فتویٰ دیا ہے؛ اس لئے یہ بھی جعالہ یعنی اجرت کی ایک قسم ہے؛ لہٰذا دست بردار ہونے والا شخص مال کا مستحق ہوگا اور اس کا حق ساقط ہوجائے گا۔

اس کو علامہ شامیؒ نے ان الفاظ سے بھی نقل فرمایا ہے:

وَرَأَيْتُ بِخَطِّ بَعْضِ الْعُلَمَاءِ عَنِ الْمُفْتِي أَبِي السُّعُوْدِ أَنَّهُ أَفْتٰى بِجَوَازِ أَخْذِ الْعِوَضِ فِي حَقِّ الْقَرَارِ وَالتَّصَرُّفِ وَعَدَمِ صِحَّةِ الرُّجُوْعِ وَبِالْجُمْلَةِ فَالْمَسْأَلَةُ ظَنِّيَّةٌ وَالنَّظَائِرُ الْمُتَشَابِهَةُ لِلْبَحْثِ فِيهَا مَجَالٌ، وَإِنْ كَانَ

اور مفتی ابو السعود سے نقل کردہ بعض علماء کی عبارت میں نے دیکھی ہے کہ انہوں نے حق قرار، حق تصرف اور حق عدم رجوع کے عوض لینے کے جواز کا فتویٰ دیا ہے، خلاصہ یہ ہے کہ یہ مسئلہ ظنی ہے اور اس کے مشابہ بہت سے نظائر ہیں اور اس مسئلہ میں بحث کی گنجائش ہے اگر چہ زیادہ واضح وہی ہے جو ہم نے کہا

الأَظْهَرُ فِيهَا مَا قُلْنَا، فَالأَوْلَىٰ مَا قَالَهُ فِي الْبَحْرِ مِنْ أَنَّهُ يَنبَغِي الإِبْرَاءُ الْعَامُ بَعْدَهُ. (شامي كراچی ٤/ ٥٢٠، زكريا ٧/ ٣٧)

ہے؛ لیکن زیادہ بہتر بات وہی ہے جو صاحب بحر نے کہی ہے کہ اس کے بعد ابرائے عام زیادہ مناسب ہے (یعنی دوسرے کو تمام لوازمات سے بری کردے)۔

حقوقِ مجردہ کا عوض لینے کا اصولی ضابطہ

سوال ۷ میں پوچھا گیا ہے کہ فقہاء کے ذکر کردہ جزئیات کی روشنی میں کیا کوئی ایسا کلی ضابطہ بنایا جاسکتا ہے جس کے ذریعہ حقوق سے دست بردار ہونے پر معاوضہ لینے کا شرعی حکم معلوم ہوجائے، اس کے بارے میں گزارش یہ ہے کہ ایسے حقوق مجردہ جو دفع ضرر کے لئے ثابت ہوتے ہیں ان کا عوض لینا جائز نہیں ہے، جیسا کہ حق شفعہ، حق قسم اور حق مخیّرہ وغیرہ، اس کے برخلاف ہر وہ حقوق جو دفع ضرر کے طور پر ثابت نہیں ہیں؛ بلکہ اصالۃً ثابت ہوتے ہیں، تو ایسے حقوق کا عوض لے کر دست بردار ہوجانا جائز اور درست ہے، جیسا کہ حق موصی لہ بالخدمت، حقِ قصاص، حقِ نکاح، حقِ رقیت وغیرہ سے دست برداری کا عوض لینا جائز ہے اور اسی اصول کے ذیل میں حقِ تصنیف، حقِ طبع اور حقِ ٹریڈ مارک، حقِ لائسنس وغیرہ سب شامل ہوجاتے ہیں؛ اس لئے کہ یہ سارے حقوق اصالۃً ثابت ہوجاتے ہیں دفع ضرر کے طور پر نہیں۔

اسی طرح بیکری کی لائن اور اخبار کی لائن، دوائیوں کے سپلائی کی لائن بنا کر اس پر جو اس کا حق ثابت ہوتا ہے وہ سبھی اصالۃً ثابت ہوتا ہے؛ اس لئے سارے کے سارے حقوق سے مجردہ ہونے کے باوجود معاوضہ لے کر دست بردار ہوجانا جائز ہے اور اسی کی طرف حضرت تھانویؒ نے امداد الفتاوی میں دوکان کے نام کے عوض لینے کے جواز کے فتوی میں اشارہ فرمایا ہے۔ (ملاحظہ ہو امداد الفتاوی زکریا ۳/ ۱۱۹، ۱۲۰)

حقوقِ مجردہ کی بیع کا مختصر خلاصہ

ماقبل کی عبارات اور تشریح پر غور کرنے کے بعد پانچ چیزیں ایسی ہیں جن پر

خاص توجہ دینا ضروری ہے:

(۱) مال کا مادی شئ ہونا لازم نہیں ہے؛ بلکہ غیر مادی اور غیر مرئی شئ بھی مال بن سکتی ہے جس کی خرید وفروخت جائز ہے، جیسا کہ ماقبل میں بدائع کی عبارت سے واضح ہو چکا ہے۔

(۲) حقوقِ مجردہ کی بیع تعامل ناس اور عرف کی وجہ سے بعض متاخرین کے نزدیک جائز ہے، جیسا کہ مبسوط سرخسی کی عبارت سے واضح ہوتا ہے۔

(۳) حقوقِ مجردہ کی بیع کے عدم جواز کی علت فقہاء نے جہالت محل کو قرار دیا ہے؛ لہٰذا اگر آپس کی تراضی سے جہالت کو ختم کر دیا جائے تو حقوقِ مجردہ کی بیع جائز ہو جاتی ہے، جیسا کہ درمختار اور شامی کی عبارت سے واضح ہو چکا۔

(۴) شریعت میں کسی بھی نفع بخش امر کے بارے میں سبقت کر کے اس میں اپنا حق ثابت کرنا جائز ہے، جیسا کہ ابوداؤد شریف کی روایت سے واضح ہوتا ہے۔

(۵) حقوق کی دو قسمیں بیان کی گئی ہیں:

(۱) وہ حقوق جو ضرر سے بچنے کے لئے دفع ضرر کے طور پر ثابت ہوتے ہیں۔

(۲) وہ حقوق جو دفع ضرر کے طور پر ثابت نہیں ہوتے ہیں؛ بلکہ براہ راست اصالۃً ثابت ہوتے ہیں اور ان دونوں قسموں میں سے جو دفع ضرر کے طور پر ثابت ہوتے ہیں ان کا عوض لینا جائز نہیں ہے؛ لیکن وہ سارے حقوق جو اصالۃً براہ راست ثابت ہوتے ہیں ان کا عوض لینا بالاتفاق جائز ہے، جیسا کہ شامی کی عبارت سے واضح ہو چکا ہے۔

مروجہ پگڑی کا مسئلہ

طویل مدتی کرایہ داری یا ایسی کرایہ داری جس میں کوئی مدت ہی متعین نہیں ہے، ہندوستان میں ایسے کرایہ دار کا قبضہ قانونِ ہند رینٹ کنٹرول دفعہ تھری جی کے مطابق اس کا لازمی اور حتمی حق شمار ہوتا ہے اور اس حق سے دست برداری کا عوض لینا ہندوستان کے لوگوں کے درمیان متعارف ہے۔ مذکورہ جزئیات سے عوض لے کر حق کرایہ داری سے دست بردار

ہوجانے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔ مولانا مفتی تقی صاحب عثمانی مدظلہ العالی نے چند شرائط وقیودات کے ساتھ علامہ ناصر الدین لاقانیؒ کے حوالہ سے اس طرح کی پگڑی کے جواز کی طرف اشارہ فرمایا ہے، مگر خود لاقانیؒ کی رائے کی طرف اپنا رجحان ظاہر نہیں فرمایا۔ (اسلام اور جدید معاشی مسائل ۳/ ۷۱) پھر آگے صفحہ ۷۳ رمیں تحریر فرمایا ہے کہ علامہ شامیؒ بھی مروجہ پگڑی کے جواز کی طرف مائل ہیں۔

لیکن ہمارے اکابر میں سے کسی نے اس کے جواز پر فتویٰ دیا ہوا حقر کے علم میں نہیں ہے۔

حقوقِ طبع

کتابوں کی اشاعت کا حق محفوظ کرلیا جاتا ہے، بہت سے اکابر نے حقوقِ طبع کے محفوظ کرلینے کے عدم جواز پر مسئلہ لکھا ہے؛ لیکن بعد کے بہت سے اکابر اہل فتاویٰ نے اس کو جائز لکھا ہے اور ماقبل کی جزئیات اور فقہی عبارات سے اس کے جواز کی بات سمجھ میں آتی ہے؛ لہٰذا اس سے بھی دست برداری کا عوض لینے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔ اور اکابر اہل فتاویٰ میں سے حضرت مفتی کفایت اللہ، مفتی عبدالرحیم لاجپوری، مفتی نظام الدین صاحب مفتی دارالعلوم دیوبند رحمہم اللہ وغیرہ نے اس کی اجازت دی ہے۔ (مستفاد: اسلام اور جدید معاشی مسائل ۳/ ۸۶، فتاویٰ رحیمیہ ۹/ ۲۱۹، جدید زکریا ۹/ ۲۱۹-۲۲۰، منتخبات نظام الفتاویٰ ۲/ ۴۵۸)

ٹریڈ مارک اور کمپنی و تجارتی فرم کے نام کی فروختگی

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی تاجر یا تجارتی کمپنی مال تیار کرکے اندرون ملک و بیرون ممالک میں ایکسپورٹ کرتا ہے اور رفتہ رفتہ وہ تاجر یا تجارتی کمپنی لوگوں کے درمیان نیک نامی سے مشہور ہوجاتی ہے اور اس نام سے جو چیز فروخت ہوتی ہے اس کی مانگ اور سیل زیادہ ہونے لگتی ہے، حتی کہ تاجروں کے درمیان اس نام کی بڑی اہمیت ہوجاتی ہے اور لوگ اس نام کو بھاری قیمت میں خریدنے لگتے ہیں، تو کیا اس طرح شہرت یافتہ ناموں کی خرید وفروخت

جائز ہوسکتی ہے؟ تو حضرت تھانوی قدس سرہ نے مال کے بدلہ میں وظائف اور حق سے دست برداری کے مسئلہ پر قیاس کرتے ہوئے اس طرح نام اور نشان کی خرید وفروخت کرنے کو جائز لکھا ہے۔ (امداد الفتاوی ۳/ ۱۱۹، ۱۲۰)

گویا یہ ایسا ہے کہ اگر کسی کو حکومت یا کمپنی سے وظیفہ ملتا ہے اور وہ اپنا یہ حق کسی کے ہاتھ بعوض مال یا بعوض روپیہ منتقل کر دینا چاہتا ہے تو اس کے لئے یہ جائز اور درست ہے اور اسی پر علماء کا اتفاق ہے۔ علامہ علاء الدین حصکفیؒ نے اس مسئلہ کو ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

فَيُفْتٰى بِجَوَازِ النُّزُوْلِ عَنِ الْوَظَائِفِ بِمَالٍ. (در مختار کراچی ٤/ ٥١٩، زکریا ٧/ ٣٥)

پس فتویٰ دیا گیا ہے مال کے بدلہ میں وظائف اور حق سے دست برداری کے جواز پر۔

اور بعض علماء نے مفتی ابوالسعود کے اس فتویٰ سے بھی استدلال کرکے جائز قرار دیا ہے، جس میں انہوں نے اس بات کا فتویٰ دیا ہے کہ اپنے حقِ قرار اور حقِ تصرف کے بدلہ میں عوض لینا جائز ہے۔

وَرَأَيْتُ بِخَطِّ بَعْضِ الْعُلَمَاءِ عَنِ الْمُفْتِي أَبِي السُّعُوْدِ أَنَّهُ أَفْتٰى بِجَوَازِ أَخْذِ الْعِوَضِ فِيْ حَقِّ الْقَرَارِ وَالتَّصَرُّفِ. (شامي کراچی ٤/ ٥٢٠، زکریا ٧/ ٣٧)

علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے مفتی ابوالسعود سے منقول بعض علماء کو یہ بات لکھتے ہوئے دیکھا کہ انہوں نے حقِ تصرف وحقِ قرار کے بدلہ میں عوض لینے کے جواز کا فتویٰ دیا ہے۔

لائسنس کی خرید وفروخت

کاروباری سہولت اور آسانی کے لئے تاجر یا کمپنی سرکار سے لائسنس منظور کرالیتی ہے اور لائسنس کی وجہ سے مال درآمد اور برآمد کرنے میں سرکاری رکاوٹ سے حفاظت ہوتی ہے، اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا جس کے لئے ایکسپورٹ یا ایمپورٹ کا لائسنس منظور ہوگیا ہے

وہ دوسرے کے ہاتھ اس لائسنس کو فروخت کرسکتا ہے؟

واقعہ یہ ہے کہ یہ لائسنس کوئی مادی چیز نہیں ہے؛ بلکہ دوسرے ملک یا شہر یا مارکیٹ میں سامان بیچنے اور منتقل کرنے یا دوسرے ملک یا شہر سے مال خرید کر لانے کے حق کا نام ہے۔ اور یہ ایک ایسا حق ہے جس کے حاصل کرنے میں کافی کوشش اور رقم بھی خرچ کرنی پڑتی ہے؛ اس لئے سرکار کی رضامندی اور قانون کے ماتحت رہ کر لائسنس کی فروختگی بھی جائز اور درست ہے، غالباً اسی اصول سے حضرت تھانوی قدس سرہ نے گورنمنٹ کی رضامندی سے پنشن کی فروختگی کے جواز کا فتویٰ صادر فرمایا ہے۔ (امداد الفتاوی ۴/۵۸۰)

اور لائسنس بھی اپنا ایک اہم ترین حق ہے جس سے بڑا فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔ اور حضرات فقہاء نے اس قسم کے حقوق سے دست برداری کے بدلہ میں مالی عوض حاصل کرنے کو جائز کہا ہے۔ اور علامہ شامیؒ نے اس مسئلہ کو ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

فَإِنَّهُمْ قَالُوْا: يَجُوْزُ أَخْذُ الْعِوَضِ عَلٰى وَجْهِ الإِسْقَاطِ وَلَا رَيْبَ أَنَّ الْفَارِغَ يَسْتَحِقُّ الْمَنْزُوْلَ بِهٖ. (شامي كراچی ٤/ ٥٢٠، زكريا ٧/ ٣٦)

پس بیشک فقہاء نے کہا ہے کہ اپنے حق کو ساقط کرنے (دست بردار ہونے) پر (مالی) عوض لینا جائز ہے اور اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ دست بردار ہونے والا اس مال کا مستحق ہو جاتا ہے جس کے عوض میں دست برداری دی ہے۔

حقِ تعلّی کی بیع

حقِ مرور کو فقہاء نے یہ کہہ کر جائز قرار دیا ہے کہ اس کا تعلق زمین اور عین سے ہوتا ہے؛ اس لئے اس کی بیع جائز ہے اور حقِ تعلّی کا تعلق زمین اور عین سے نہیں ہوتا ہے؛ بلکہ فضاء سے ہوتا ہے؛ اس لئے اس کی بیع جائز نہیں ہے۔

لیکن دیکھنا یہ ہے کہ حقِ تعلّی کا ثبوت دفع ضرر کے طور پر ہوتا ہے یا براہ راست ابتداء حقِ شرعی کے طور پر ہوتا ہے تو صحیح بات یہ ہے کہ حقِ شرب، حقِ مرور اور حقِ تسییل کی طرح حقِ تعلّی کا

ثبوت بھی براہ راست حقِ شرعی کے طور پر اصالۃً ہوتا ہے، حقِ شفعہ کی طرح دفع ضرر کے طور پر نہیں ہوتا، اسی وجہ سے جس شخص کو علو حاصل ہوتا ہے اگر اس کا علو منہدم ہوجائے تو اسے دوبارہ علو (اوپر کی منزل) کی تعمیر کا حق ہوتا ہے؛ لہٰذا جب اوپر کی منزل منہدم ہوجائے اور جس کو حق علو حاصل ہے اس کے پاس اوپر کی منزل کی تعمیر کے لئے مال واسباب فراہم نہیں ہیں، تو ایسی صورت میں اگر اس کے، اس حقِ علو کو یوں ہی چھوڑ دیا جائے اور اس کے چھوڑنے کے نتیجہ میں اسے کچھ نہ ملے تو اس کا بڑا نقصان ہوجائے گا؛ اس لئے فقہاء کے اصول کو پیش نظر رکھتے ہوئے بطریق بیع تو اس کو بیچنے کی اجازت نہ دی جائے گی؛ لیکن صلح کے طریقہ سے اپنے حق سے دست بردار ہوجانے کا مالی عوض لینا اس کے لئے جائز ہوجائے گا؛ کیوں کہ اس کا حق اس کے لئے ابتداءً اصالۃً ثابت ہے اور دفع ضرر کے طور پر ابتداءً ثابت نہیں ہے۔ اور ایسے حقوق سے دست برداری کے طور پر مالی عوض لینے کو فقہاء نے جائز لکھا ہے۔ (اسلام اور جدید معاشی مسائل ۳/۵۷)

اس مسئلہ کا جواز ذیل کی عبارت سے واضح ہوتا ہے:

وَرَأَيْتُ بِخَطِّ بَعْضِ الْعُلَمَاءِ عَنِ الْمُفْتِي أَبِي السُّعُوْدِ أَنَّهُ أَفْتٰى بِجَوَازِ أَخْذِ الْعِوَضِ فِيْ حَقِّ الْقَرَارِ وَالتَّصَرُّفِ وَعَدَمِ صِحَّةِ الرُّجُوْعِ وَبِالْجُمْلَةِ فَالْمَسْأَلَةُ ظَنِّيَّةٌ وَالنَّظَائِرُ الْمُتَشَابِهَةُ لِلْبَحْثِ فِيْهَا مَجَال. (شامي زكريا ٧/ ٣٧، كراچی ٥/ ٥٢٠)

اور مفتی ابو السعود سے نقل کردہ بعض علماء کی عبارت میں نے دیکھی ہے کہ انہوں نے حقِ قرار، حقِ تصرف اور حقِ عدم رجوع کے بدلہ میں عوض لینے کے جواز کا فتویٰ دیا ہے، خلاصہ یہ ہے کہ یہ مسئلہ ظنی ہے اور اس کے مشابہ بہت سے نظائر ہیں اور اس مسئلہ میں بحث کی گنجائش ہے۔

پنشن کی فروختگی

سرکاری ملازمین کو ملازمت کے ختم ہوجانے کے بعد پنشن ملتی ہے، تو ایسی صورت میں رٹائرڈ ملازم کو بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ اکٹھے پیسے کی ضرورت ہوتی ہے، تو سرکار اس ملازم

کی ڈاکٹری کراکر دیکھتی ہے کہ ایسا آدمی عمومی طور پر حادثہ کا شکار نہ ہو، تو کتنے سالوں تک زندہ رہ سکتا ہے، پھر اسی حساب سے اس کی پنشن کا پیسہ بجائے ماہ بماہ دینے کے اتنے سالوں کی نصف پنشن اکٹھا دے کر پورے دس سال کا حق حکومت لے لیتی ہے، تو اس طرح جائز ہے یا نہیں؟ تو اس سلسلے میں حضرت تھانویؒ نے امداد الفتاویٰ میں یہ جواب لکھا ہے کہ اگرچہ یہ صورۃً بیع ہے؛ لیکن حقیقتاً بیع نہیں ہے؛ بلکہ گورنمنٹ کی طرف سے ایک تبرع ہے؛ اس لئے حکومت کی رضامندی سے اس طرح کے حق تبرع سے دست برداری کا عوض لینا جائز ہے۔

ملاحظہ فرمایئے (امداد الفتاوی ۴/ ۵۸۰)

یہ معاملہ صرف حکومت کے ساتھ جائز ہے، عوام کے ساتھ جائز نہیں: اس لئے کہ حکومت کی طرف سے پنشن ایک بڑا انعام ہے جو قسط وار دینے کا وعدہ کیا جاتا ہے، اب حکومت اسی کو کم مقدار میں یکمشت لے رہی ہے؛ اس لئے حکومت کے ساتھ یہ معاملہ جائز ہو جاتا ہے۔ (احسن الفتاوی ۶/ ۵۲۱، ۵۲۲، فتاوی محمودیہ میرٹھ ۲۴/ ۲۱۲، جدید ڈابھیل ۱۶/ ۱۱۵)

سوال نامہ کا خلاصہ

سوال نامہ میں بطور نظیر تین چیزوں کو خاص طور سے ذکر کیا گیا ہے، ان کا حکم خلاصہ کے طور پر ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔ ملاحظہ فرمایئے:

(۱) ایک شخص نے میڈیکل اسٹوروں پر دوائیاں سپلائی کرنے کی لائن بنائی ہے اور محنت کر کے کثیر تعداد میں دکانوں سے روابط مربوط کر لیے ہیں اور اس کے بعد دوسرا شخص اس لائن کو حاصل کرنا چاہے تو آپس کی تراضی سے مالی عوض دے کر لے سکتا ہے اور لائن بنانے والے کے لئے حق سے دست برداری کے طور پر رقم حاصل کرنا جائز اور حلال ہے۔ اور حقِ مجرد سے دست برداری کے عوض کے جواز جزئیات گذشتہ صفحات میں گذر چکے ہیں، یا یوں کہا جائے کہ گویا لائن بنانے والا پہلا شخص دلال اور ایجنٹ کے حکم میں ہے، ایجنٹ اور دلال کے لئے اجرت لینا جائز ہے اسی طرح اس شخص کے لئے بھی بنائی ہوئی لائن کی اجرت حاصل کرنا جائز ہے۔

(۲) اسی طرح بیکری کی پھیری لگانے والے لوگ جو اپنی لائن بناتے ہیں ان کے لئے بھی اپنی بنائی ہوئی لائن پر دوسرے سے مالی عوض لے کر انہیں لائنوں پر لگانا جائز اور درست ہے ان کو بھی دلال اور ایجنٹ کے حکم میں قرار دیا جا سکتا ہے؛ اس لئے کہ ایک لائن بنانے کے لئے ایک مدت تک محنت کرنی پڑتی ہے لہٰذا اس کو اپنی اس محنت کی اجرت لینے کا حق ہے، یا حق سے دست برداری کے طور پر مالی عوض لینے کو جائز کہا جائے گا، جیسا کہ ماقبل میں جزئیات گذر چکے ہیں۔

(۳) اسی طرح اخبار کی لائن بنانے والوں کی لائن کو دوسرا شخص لینا چاہے تو حق سے دست برداری کے طور پر عوض لے کر چھوڑ دینا جائز ہوگا، یا یوں کہا جائے کہ ان کا اپنی لائن پر دوسرے کو لگا دینا دلالی اور ایجنٹ کے حکم میں ہے اور دلال اور ایجنٹ کے لئے اجرت لینا جائز ہے، دلالی کی اجرت کے جواز کے بارے میں چند عبارات حسبِ ذیل ہیں:

ولم یر ابن سیرین وعطاء وابراهیم والحسن بأجر السمسار بأساً.

(بخاری شریف، النسخة الهندیة ۱/۳۰۳)

عن الحکم وحماد عن ابراهیم وابن سیرین قالوا لا بأس بأجر السمسار إذا اشتری یدا بید. (المصنف لابن ابی شیبه ۱۱/۳۳۹ رقم ۲۲۵۰۰)

اس کو علامہ شامی اور صاحب تاتارخانیہ نے اس طرح کے الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

سئل محمد بن سلمة عن أجرة السمسار فقال أرجو أنه لا بأس به وإن کان فی الاصل فاسداً لکثرة التعامل وکثیر من هذا غیر جائز فجوز لحاجة الناس إلیه. (شامی زکریا ۹/۸۷، کراچی ۶/۶۳، تاتارخانیة ۱۵/۱۳۷ رقم ۲۲۴۶۲)

اور اس کو صاحب ولوالجیہ نے اس طرح کے الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

أجرة السمسار ...... مما لا تقدیر فیه للوقت ولا مقدار لما استحق بالعقد وللناس فیه حاجة فکانت جائزة وإن کان فی الاصل فاسداً لحاجة الناس إلی ذالک. (الوالوالجیة ۳/۳۴۴)

اس کو علامہ ابن نجیم مصری نے الاشباہ والنظائر میں ان الفاظ کے ساتھ نقل فرمایا ہے:

إجارة المنادی والسمسار والحمامی ونحوها جائزة للحاجة.

(الاشباہ والنظائر الفن الثانی کراچی ۲/ ٦٠)

اوراس کو صاحب مبسوط نے ان الفاظ کے ساتھ نقل فرمایا ہے:

والسمسار اسم لمن یعمل للغیر بالاجر بیعاً وشراءً ومقصوده من إیراد الحدیث بیان جواز ذالک. (المبسوط للسرخسی ١٥/ ١٥٥)

۳۹ کتاب الرؤیا

خواب میں سورۂ نوح کی تلاوت

سوال [۱۰۳۴۲]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (الف) خواب دیکھا کہ میں سورۂ نوح پڑھ رہی ہوں، اللہ تعالیٰ کے بارے میں برے برے خیالات آتے ہیں، کچھ پڑھنے کے لیے بتائیں؟

(ب) کیا دیکھتی ہوں کہ کلام پاک اٹھا رہی ہوں، کلام پاک کے پاس سورۂ نوح پیلے کاغذ پر لکھی ہوئی ہے، پڑھ سکتی ہوں میں، اس کے پڑھنے کے لیے اٹھاتی ہوں کہ آج سے کئی دن پہلے خواب دیکھا تھا کہ میں سورۂ نوح تلاوت کررہی ہوں، اور جس کاغذ پر لکھی ہوئی ہے اس میں دیمک لگ گئی ہے، کاغذ پہلے کالا ہوگیا ہے، آنکھ کھل جاتی ہے، اذان فجر کا وقت تھا۔

المستفتیہ: سیدہ بیگم

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: خواب میں سورۂ نوح کی تلاوت آخرت کی نجات کی طرف اشارہ ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کسی کو خاص نیک کام کا مشورہ دیں گی، ان شاء اللہ تعالیٰ، انجام بخیر ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍ ذی قعدہ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۹۴۳)

خواب میں حج بیت اللہ کا سفر کرنا

سوال [۱۰۳۴۳]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل

کے بارے میں: جواب فوری موصول ہوکر خوشی ہوئی، ایک خواب ہمارے مدرسہ کے منشی جی صاحب کو نظر آیا، سحری کے وقت یعنی صبح پانچ بجے، منشی جی تقریباً ڈیڑہ ماہ بہت بیمار رہے، اب طبیعت قدرے بہتر ہے، دوائی ابھی تک جاری ہے، وہ دیکھتے ہیں کہ بندرگاہ پر سمندر میں پلیٹ فارم سے ہی لگا ہوا پانی کا جہاز کھڑا ہے، خیال کرتے ہیں کہ جہاز تو پلیٹ فارم سے کئی کلو میٹر دور کھڑا ہوتا ہے، گہرے پانی میں یہ یہاں کیسے کھڑا ہوگیا، خیر وہ اس میں بیٹھ جاتے ہیں، حج کے لیے تشریف لے جانے کی خوشی میں۔

اس میں تشریف رکھتے ہی ان کو محسوس ہوا کہ یہ تو چچا بھی حج کے لیے جا رہے ہیں (ان کے حقیقی چچا جو بقید حیات ہیں، فی الحال وہ بھی بیمار ہیں) گویا دونوں ساتھ ہیں، جہاز روانہ ہوگیا، جہاز کے چلتے ہوئے جب کچھ ٹائم گذر گیا، تو نہ معلوم کسی شخص نے منشی جی سے کہا کہ دیکھو! سامنے تمہارے دادا اور دادی اور اما بھی ہیں، تو اس شخص کے کہنے پر منشی جی نے سامنے نظر کی تو گویا جہاز کے سامنے آئینہ ہے (جیسا کہ بس وغیرہ میں سامنے آئینہ ہوتا ہے) تو خواب دیکھنے والے دیکھتے ہیں کہ دادا، اور دادی دونوں آئینہ کے باہر ہیں آئینہ میں سے ان کو نظر آئے جہاز بدستور جاری ہے، دادا، دادی صرف نظر آئے اور کچھ نہیں، اور جہاز چلتا رہا کہیں غیر معروف جزیرہ پر جہاز نے اسٹاپ کیا (رکا)، منشی جی بھی جہاز کے نیچے اترے، ایک غیر متعارف باشرع بزرگ صفت شخص ملے، مصافحہ کیا، اور اس آبادی والوں کی کچھ شکایت کی، اپنے انداز میں جو خواب دیکھنے والے کے لیے بھی نصیحت محسوس ہوئی،، یہیں خواب ختم ہوگیا، ان کے کلماتِ شکایت ونصیحت خواب دیکھنے والے کو یعنی منشی جی کو یاد نہیں رہے اور دادا، دادی کو صرف منشی جی نے دیکھا، ان کے چچا جو حج کے لیے ان کے ہمراہ ہیں ان کے بارے میں ان کو معلوم نہیں کہ آیا، انہوں نے بھی دیکھا ہے یا نہیں؟ اپنے والدین کو، چچا عالم باعمل ہیں، منشی جی بھی میرے علم کے مطابق نہایت نیک انسان ہیں، باقی اللہ بہتر جانتا ہے، خاص دھیان کر کے ایک ایک جز کی تعبیر سے مطلع کریں، پہلے کی طرح فوری جواب سے مسرور فرمائیں۔

امید ہے کہ آپ اور گھر میں سب بخیر ہوں گے، آپ کو فرصت کب ہو جائے گی،

اسباق کی کثرت سے مطلع کریں تاکہ سوالات مرتب کر کے روانہ کرسکوں، مولانا مفتی محمد سلمان صاحب و دیگر پرسانِ حال حضرات سے سلام مسنون کہہ دیں، احقر نے بھی گذشتہ ہفتہ ایک دوشنبہ کو اور ایک جمعہ کو صبح صادق کے وقت دو بار اپنے آپ کو حج کے لیے جاتے ہوئے دیکھا ہے کہ جدہ ایئرپورٹ پہنچ گیا ہوں، فقط اتنا ہی۔

المستفتی: خلیل الرحمٰن مدرسہ مرادیہ مظفرنگر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس خواب میں دو چیزیں قابل غور ہیں:

(۱) حج کے لیے سفر کرنا۔

(۲) کشتی کی سواری سے صحیح سالم کنارے پر اترنا۔

یہ دونوں اس بات کی طرف مشیر ہیں کہ صاحب خواب اگر بیمار ہے تو ان شاء اللہ تعالیٰ بہت جلد شفا پانے والا ہے، اور اگر قرضدار ہے تو ان شاء اللہ تعالیٰ بہت جلد قرضہ سے سبکدوش ہوگا اور دادا اور دادی کو آئینہ کے ماوراء سے دیکھنے کا مطلب یہ ہے کہ ان سے ملاقات میں ابھی کچھ وقت باقی ہے اور مرحومین کے لیے ایصال ثواب کرتے رہنا چاہیے اور آپ نے جو خواب دیکھا ہے وہ بھی اسی طرف مشیر ہے کہ ان شاء اللہ مرض اور غم سے نجات پا جائیں گے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍رجب المرجب ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۷۲۵)

خواب میں فرشتوں کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھنا

سوال [۱۰۳۴۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں نے ایک خواب دیکھا ہے جس کی تعبیر معلوم کرنا چاہتی ہوں، خواب کچھ اس طرح ہے کہ ہمارے گھر کے پیچھے ایک بہت بڑا میدان ہے اس میں کچھ حضرات جس میں

عورتیں بھی شامل ہیں، اندازاً پچاس ساٹھ لوگ موجود ہوں گے، نماز ادا کر رہے ہیں، جس میں انہوں نے رکوع سجدہ بھی کیا اور بہت عمدہ لباس پہنے ہوئے ہیں، بہت چمکدار، سفید رنگ کا لباس ہے، اور چہرے ڈھکے ہوئے ہیں، اور ان کے لباس کی چمک اتنی تھی کہ آج تک نہیں دیکھی، محلّہ کے لوگ اپنی چھتوں سے اور روڈ پر کھڑے لوگ دیکھ رہے ہیں، نماز پوری کرنے کے بعد وہ لوگ اپنا چہرہ کھولتے ہیں تو سب کے داڑھی اور نورانی چہرہ تھا، میرے پڑوس والوں کے بیٹے بھی کھڑے تھے، میں نے ان سے پوچھا تو انہوں نے اور باقی سب لوگوں نے کہا کہ یہ فرشتے ہیں، نماز کے بعد محلّہ کے لوگ آپس میں مشورہ کرنے لگے کہ ان کو اب کہاں ٹھہرایا جائے تو سب کی یہ رائے ہوئی کہ ان کو میرے پڑوس والے (جن سے میں نے پوچھا کہ یہ نماز پڑھنے والے کون ہیں) کہ یہاں ٹھہرانا مناسب ہے، کیونکہ ان کا آنگن بڑا ہے اور آرام دہ ہے، کسی قسم کی کوئی پریشانی نہیں ہے، اور اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی۔

المستفتیه: عمرانہ بیگم

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جہاں ان فرشتوں کو دیکھا گیا ہے وہاں کے اور اس کے آس پاس کے لوگ غم اور پریشانی سے نجات پائیں گے، اور وہاں کے لوگ دشمنوں سے ان شاء اللہ تعالیٰ حفاظت میں رہیں گے اور جس کے گھر ان کو ٹھہرانے کی بات ہے ان کے یہاں خیر اور بھلائی کی بات ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱/ ذیقعدہ ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۳۶۹)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۱۱/۱۱ھ

خواب میں علماء کی زیارت کرنا

سوال [۱۰۳۴۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کل رات میں نے خواب میں حضرت مولانا اختر الاسلامؒ اور شیخ الحدیث مولانا

عبدالجبار صاحب کو دیکھا ہے، چہرہ نورانی ہے لیکن دونوں حضرات میں اختلاف ہے، اور اختلافی انداز میں گفتگو کررہے ہیں، تعبیر سے نوازیں؟

المستفتی: محمد صلاح الدین مدرسہ رحمانیہ پیرمرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: خواب دیکھنے والے کے حق میں بہت خیر وبرکت کا باعث ہے، دونوں بزرگ ماشاءاللہ عافیت وعیش میں ہیں، دونوں کا آپسی اختلاف برائے دین ہے، اللہ تعالیٰ کی رحمت کا سبب ہے، اسی وجہ سے دونوں کے چہرے نورانی نظر آرہے ہیں۔

اختلاف أمتي رحمة. (جامع الأحادیث للسیوطی ۲/ ٤٠، رقم: ٧٠٦) **فقط** واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۱۸۲۷)

خواب میں مزار وغیرہ دیکھنا

سوال [۱۰۳۴۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں نے چاند کی پہلی تاریخ کو خواب دیکھا تھا آپ مجھے اس خواب کی تعبیر دیدیں، میں نے خواب میں دیکھا کہ میری آنکھ کھلی، میں رامپور جارہا ہوں، پتلی پتلی گلیوں کو ہوکر میں نے دیکھا کہ راستے میں بھینس اور بکرے بک رہے ہیں، مطلب ان کی قربانی ہو رہی ہے، راستے میں کپڑا ناپنے کا میٹر بک رہا ہے، میں نے اپنے دل میں سوچا کہ میں بھی ایک میٹر لے لوں، میرے کام میں آئے گا، لیکن میٹر لمبے لمبے تھے، میں نے نہیں لیے، پھر میں آگے گیا تو دیکھا کہ ایک مزار تھا، اس مزار پے ایک مجاور بیٹھا تھا، فاتحہ دے رہا تھا، میں نے اس سے فاتحہ دلوائی، پھر میں جانے لگا تو اس مجاور نے کہا کہ اے فلاں! تو نے فاتحہ تو دلوائی لیکن گلک میں پیسے نہیں ڈالے، میں نے جلدی سے جیب میں ہاتھ ڈالا اور ایک روپیہ

گلک میں ڈال دیا، پھر میں وہاں سے واپس آرہا تھا، تو مجھے لگ رہا تھا کہ اس مزار کے گلاب کے پھولوں کی خوشبو میرے پیچھے پیچھے آرہی ہے، میرے دل نے سوچا، پیچھے مڑ کر دیکھوں، میں نے دیکھا تو کوئی بھی نہیں تھا، لیکن خوشبو آرہی تھی، میں جب گھر آیا تو مجھے معلوم ہورہا تھا کہ خوشبو میرے گھر آگئی ہو، اور جب میں راستہ سے لوٹ رہا تھا تو وہ قربانی ہورہی تھی۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ماشاء اللہ خواب بہت اچھا ہے، اگر قرض ہے تو ادا ہو جائے گا، اور اگر کوئی تنگی یا کسی وجہ سے خوف ہے تو دور ہو جائے گا، اور اگر حج نہیں کیا ہے تو ان شاء اللہ تعالیٰ حج کا انتظام ہو جائے گا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍ ذی الحجہ ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۴۶۸)

خواب میں غیر نبی کا کلمہ پڑھنا اور اس کی تعبیر

سوال [۱۰۳۴۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: دوپہر کا وقت تھا کہ نیند نے غلبہ کیا اور سو جانے کا ارادہ کیا، رسالہ حسن العزیز کو ایک طرف رکھ دیا، لیکن جب بندہ نے دوسری طرف کروٹ بدلی تو دل میں خیال آیا کہ کتاب پشت کی جانب ہوگی، اس لیے رسالہ حسن العزیز کو اٹھا کر اپنے سر کی جانب رکھ لیا اور سو گیا، کچھ عرصہ کے بعد خواب دیکھتا ہوں کہ کلمہ شریف لا الہ الا اللہ پڑھتا ہوں لیکن محمد رسول اللہ کی جگہ حضور کا نام لیتا ہوں، اتنے میں دل کے اندر خیال پیدا ہوا کہ تجھ سے غلطی ہوئی، کلمہ شریف کے پڑھنے میں، اس کو صحیح پڑھنا چاہیے، اس خیال سے دوبارہ کلمہ شریف پڑھتا ہوں، دل پر تو یہ ہے کہ صحیح پڑھا جاوے، لیکن زبان سے بے ساختہ بجائے رسول اللہ کے نام کے اشرف علی نکل جاتا ہے، حالانکہ مجھ کو اس بات کا علم ہے کہ اس طرح درست نہیں، لیکن بے اختیار زبان سے یہی کلمہ نکلتا ہے، دو تین بار جب یہی صورت ہوئی تو حضور کو اپنے سامنے دیکھتا ہوں، اور

بھی چند اشخاص حضور کے پاس تھے، لیکن اتنے میں میری یہ حالت ہوگئی کہ میں کھڑا کھڑا بوجہ اس کے کہ رقت طاری ہوگئی، زمین پر گر گیا، اور نہایت زور کے ساتھ ایک چیخ ماری، اور مجھ کو معلوم ہوتا تھا کہ میرے اندر کوئی طاقت باقی نہیں رہی، اتنے میں بندہ خواب سے بیدار ہوگیا لیکن بدن میں بدستور بے حسی تھی، اور وہ اثر ناطاقتی بدستور تھا لیکن حالت خواب اور بیداری میں حضور ہی کا خیال تھا، لیکن حالت بیداری میں کلمہ شریف کی غلطی پر جب خیال آیا تو اس بات کا ارادہ ہوا کہ اس خیال کو دل سے دور کیا جاوے اس واسطے کہ پھر کوئی ایسی غلطی نہ ہو جاوے، بایں خیال بندہ بیٹھ گیا، اور دوسری کروٹ لیٹ کر کلمہ شریف کی غلطی کے تدارک میں رسول اللہ ﷺ پر درود شریف پڑھتا ہوں، لیکن پھر بھی یہ کہتا ہوں ''اللھم صل علی سیدنا ونبینا و مولانا اشرف علی'' حالانکہ اب بیدار ہوں، خواب نہیں، لیکن بے اختیار ہوں، مجبور ہوں، زبان اپنے قابو میں نہیں، اس روز ایسا ہی کچھ خیال رہا تو دوسرے روز بیداری میں رقت رہی، خوب رویا اور بھی بہت سی وجوہات ہیں جو حضور کے ساتھ باعث محبت ہیں، کہاں تک عرض کروں، مذکورہ بالا حادثہ خود مولانا اشرف علیؒ کے مرید کا بیان کردہ ہے، جس پر مولانا نے خاص متبع سنت کا فتویٰ دیا تھا، کیا ایسے کلمات زبان سے نکالنے پر کلمہ کفر ادا کیا یا نہیں؟ تحریر فرمائیں۔

المستفتی: تلخیص محمد اقبال محلّہ ڈھیر یا مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جواب سے پہلے دو شرعی اصولوں کا سمجھنا ضروری ہے۔

(۱) عاقل بالغ انسان کی دو حالتیں ہیں: (۱) حالت بیداری: اس حالت میں انسان کو احکام شرعیہ کے ہر گوشہ کا مکلّف بنایا گیا، اگر کلمہ کفریہ زبان سے استعمال کرتا ہے یا حضور ﷺ پر کسی کو فوقیت دیتا ہے یا حضور ﷺ کے بعد کسی کو رسول اور نبی تسلیم کر کے اسی کے نام کلمہ پڑھتا ہے تو اس پر کفر کا حکم لگایا جاتا ہے اور اس پر تجدید ایمان اور تجدید نکاح بھی لازم ہوتا ہے۔

(۲) حالت نوم اور بے ہوشی: اس حالت میں انسان پر مستقل کوئی شرعی حکم لاگو نہیں ہوتا، مثلاً اگر کوئی حالت نوم میں کلمہ کفریہ زبان پر جاری کرتا ہے یا کوئی کافر اسلام قبول کرتا ہے یا کوئی اپنی بیوی کو طلاق دیتا ہے تو اسلامی شریعت میں نہ اس پر کفر کا حکم لاگو ہوگا اور نہ اس کا اسلام

معتبر ہوگا اورنہ اس کی بیوی پر طلاق واقع ہوگی ،جیسا کہ کتب فقہ کی عبارات سے واضح ہوتا ہے:

(النائم) و تبطل عباراته من الإسلام والردة والطلاق ولم توصف بخير و إنشاء و صدق و كذب كألحان الطيور و مثله في التلويح فهٰذا صريح في أن كلام النائم لايسمى كلامه لغة ولا شرعاً بمنزلة المهمل.

(شامی، کتاب الطلاق، مطلب: فی طلاق المدهوش، زکریا ٤/٤٥٣، کراچی ٣/٢٤٥)

والنائم عديم الاختيار. (هدايه، باب طلاق السنة، اشرفی ٢/٣٥٨)

اصول(۲): علوم شرعیہ دو قسموں پر ہیں :(۱) علم ظاہر جس کا تعلق فن فقہ اور مسائل کے ساتھ ہوتا ہے اور ہر مسلمان کو اس کا مکلّف بنایا گیا ہے۔

(۲) علم باطن جس کا تعلق فن تعبیر اور کشف و مکاشفہ سے ہوتا ہے اس کے اسرار و رموز کا سمجھنا ہر کس و ناکس کے بس میں نہیں ہے، اس لیے شریعت اسلامی نے کسی کو اس کا مکلّف بھی نہیں بنایا ہے اور خواب میں جو اشیاء نظر آتی ہیں وہ سب علم باطن سے متعلق ہوتی ہیں اور فن تعبیر کا ماہر اور صاحب باطن ہی ان اشیاء کی حقیقت پر غور کر کے صحیح معنی اور مفہوم نکال سکتا ہے جیسا کہ سورۂ یوسف آیت:۴ میں گیارہ ستاروں سے حقیقی ستارے مراد نہیں ہیں، بلکہ حضرت یوسف علیہ السلام کے گیارہ بھائی مراد ہیں، اور شمس وقمر سے حقیقی سورج و چاند مراد نہیں بلکہ حضرت یوسف علیہ السلام کے والدین مراد ہیں، اور ان کو سجدہ کرنے سے حقیقی سجدہ مراد نہیں، بلکہ عظمت و شان مراد ہے، آیت ۳۶ رمیں شراب نچوڑنے سے حقیقی شراب نچوڑنا مراد نہیں، بلکہ اس کی تعبیر شاہی دربار کا خادم بننا ہے، اور سر پر روٹیاں اٹھانے سے حقیقی روٹی مراد نہیں بلکہ اس کی تعبیر سولی پر چڑھانا ہے اور آیت:۴۳ عزیز مصر کے خواب میں سات موٹی گایوں کو سات لاغر گایوں کے کھانے اور سات سبز بالیوں کو سات خشک بالیوں کا لپیٹ کر خشک کردینے سے اس کا حقیقی معنی مراد نہیں ہے بلکہ اس کی تعبیر سات سال تک عیش و عشرت اور فراوانی کی زندگی اور سات سال تک قحط وخشک سالی اور تنگی کی زندگی ہے۔

نیز حدیث میں حضرت عمرؓ کا لمبا کرتہ پہننے سے ان کا دین مراد ہے، حقیقی کرتہ پہننا مراد نہیں۔(ترمذی نسخۂ ہندیہ ۲/۵۴ دارالسلام رقم:۲۲۸۵)

اب اصل سوال کا جواب یوں ہوگا کہ حضور ﷺ تمام بنی نوع انسان کے لیے ہادی و رہنما بن کر تشریف لائے تھے، اس لیے حضور ﷺ کے نام کا کلمہ پڑھنا لازم ہوتا ہے، اب اگر کوئی شخص کسی عالم دین کے نام کا حالت نوم اور خواب میں کلمہ پڑھتا ہے تو اس سے اس کا حقیقی معنی ہرگز مراد نہیں ہے ہوگا بلکہ اس کی تعبیر یہی ہے کہ جس کے نام کلمہ پڑھا ہے وہ متبع سنت اور نائب رسول اور رہنمائے شریعت اور لائق اقتدا ہے، لہٰذا حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے جو تعبیر دی ہے وہ بالکل صحیح ہے، جو شخص فن تعبیر اور علوم باطنہ سے واقفیت رکھتا ہے وہ اس خواب کو اچھی طرح سمجھ سکتا ہے، نیز سائل نے ''امداد الفتاویٰ ۳/۳۴-۳۵'' کی عبارت کو اچھی طرح نہیں سمجھا، اس لیے کہ حضرت تھانویؒ نے صاحب خواب کے متبع سنت ہونے کا فتویٰ نہیں دیا بلکہ اپنی ذات کو مذکورہ خواب کی تعبیر سے متبع سنت ہونا بتلایا ہے اور ''امداد الفتاویٰ ۲/ ۳۵'' میں صاحب خواب کا یہ کہنا کہ کلمہ شریف کی غلطی کے تدارک میں رسول اللہ پر درود پڑھتا ہوں لیکن پھر بھی یہ کہتا ہوں ''اللہم صل علی سیدنا ونبینا ومولانا اشرف علی'' حالانکہ اب بیدار ہوں، لیکن بے اختیار ہوں، مجبور ہوں، زبان قابو میں نہیں، یہ باتیں حقیقی بیداری سے متعلق نہیں ہیں بلکہ سلسلہ خواب سے متعلق ہیں، اس لیے کہ خواب دیکھنے والا بسا اوقات زیادہ یادداشت کی وجہ سے یہ محسوس کرتا ہے کہ فلاں بات حالت بیداری میں پیش آئی ہے حالانکہ حقیقت میں بیداری کی نہیں ہوتی، بلکہ نیم نوم اور نیم بیداری کے درمیان کی ہوتی ہے، جیسا کہ باب الأذان میں حضرت عبداللہ بن زید انصاریؓ جب اپنا خواب بیان فرمارہے تھے اس وقت انہوں نے فرمایا کہ میں نے یہ بات حالت بیداری میں دیکھی اور میں سونے والا نہیں تھا لیکن تہمت کا خطرہ ہے اس لیے دعویٰ نہیں کررہا ہوں۔

قال عبد الله: لولا إني أتهم نفسي لظننت أني رأيت ذٰلک و أنا يقظان غير نائم. (طحاوی شریف، النسخة الهندية ۱/ ۸۰، دار الكتب العلمية بيروت ۱/ ۱۷٤، رقم: ۷۹٦)

تو اسی طرح ''الامداد الفتاویٰ ۳/ ۳۵'' کی عبارت کا مطلب یہی ہے کہ خواب کی بات زیادہ یاد ہونے کی وجہ سے بیداری کی محسوس کررہا ہوں، اس قسم کی باتوں کو فن تعبیر کا ماہر

اور صاحب باطن خوب اچھی طرح سمجھ سکتا ہے اور جو لوگ فن تعبیر کے رموز پر واقف نہیں ہیں ان کو پریشانی ضرور ہوسکتی ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍رمضان المبارک ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/۲۳۵۴/۴)

خواب میں دودھ کو دیکھنا

سوال [۱۰۳۴۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرا ایک دوست ہے جس سے مجھے بے انتہا محبت ہے ہم دونوں اکثر اوقات ساتھ ساتھ رہتے ہیں اور چند دن بھی ایک دوسرے کے بغیر مشکل سے گذارتے ہیں، پچھلے سال دونوں ۴۰؍دن کے سفر میں اللہ کے راستے میں جارہے تھے، عین وقت پر میرے دوست کا جانا رد ہوگیا اور میرے ۴۰؍دن بہت مشکل سے کٹے، میں نے ایک خواب دیکھا ہے کہ میں عشاء کی نماز کے بعد اپنے دوست کو گھر سے بلا کر اپنے ساتھ لے کر کہیں جارہا ہوں اور کچھ دور چل کر وہ مجھ سے بچھڑ جاتا ہے، میں بہت آواز دیتا پھرتا ہوں، بہت دیر بعد وہ مجھے ایک گھر میں ملتا ہے، اس کے بدن پر کرتا نہیں اور پاگلوں کی سی بات کرتا ہے اور بتاتا ہے کہ اس گھر والوں نے مجھے دودھ پلایا ہے اس کے بعد گھبرا کر آنکھ کھل جاتی ہے۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: آپ کے خواب کا آخری حصہ اصل ہے اور آخر میں دودھ پینا ثابت ہے اور دودھ کا پینا ہدایت اور صلاح وعلم کی طرف اشارہ ہے۔

عن ابن عمر قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول: بينا أنا نائم إذ أتيت بقدح لبن فشربت منه، ثم أعطيت فضلي عمر بن الخطاب قالوا: فما أولته يا رسول الله! قال: العلم. (سنن الترمذي، أبواب الرؤيا، باب بلا ترجمة، النسخة الهندية ۲/۵٤، دار السلام رقم: ۲۲۸٤)

حدیث میں آیا ہے:

عن أبی هريرة –رضی الله عنه –أحبب حبيبک هونا ما عسى أن يكون بغيضک يوما ما وأبغض بغيضک هونا ما عيسى أن يكون حبيبک يوما ما. (ترمذی، باب ما جاء فی الاقتصاد فی الحب والبغض، النسخة الهندية ۲/ ۲۰، دار السلام رقم: ۱۹۹۷، المعجم الكبير للطبرانی، دار إحياء التراث العربی ۱۳/ ۷۰، رقم: ۱۷۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۸۲۹)

خواب میں مچھلیاں دیکھنا

سوال [۱۰۳۴۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں ایک ہی خواب کو بار بار دیکھتا ہوں، اور خواب دیکھتے ہوئے تقریباً دس بارہ سال ہوگئے ہیں، میں یہ خواب ہفتہ میں دو ایک بار ضرور دیکھتا ہوں، میں خواب میں مچھلی پکڑتا ہوں، پھر یہ مچھلی ہاتھ سے پکڑتا ہوں تو کبھی کانٹوں سے پکڑتا ہوں، کبھی جال سے پکڑتا ہوں، کبھی ایک دو مچھلی دیکھتا ہو، کبھی بہت ڈھیر ساری مچھلی دیکھتا ہوں، اور کبھی ان میں سے اچھی اور خوبصورت مچھلی کو پسند کرتا ہوں، کبھی ندی کے کنارے مچھلی پڑی ہوئی دیکھی ہے، جو مری ہوئی ہے، چھوٹی بڑی خوبصورت ہر طرح کی دیکھتا ہوں، لیکن دیکھتا مچھلی ہی ہوں، تو اس کی کیا تعبیر ہوسکتی ہے؟

المستفتی: حامد حسین نواب پورہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب مچھلی زیادہ دیکھتے ہیں اور اپنی ملکیت اور قبضہ میں آگئی ہیں تو دولت زیادہ مقدار میں حاصل ہونے کی دلیل ہے اور اس میں محنت بھی زیادہ کرنے کی ضرورت نہیں، اور جب مچھلیاں کم مقدار میں حاصل ہوتی ہیں تو اسی طرح کم

مقدار میں دولت حاصل ہونے کی دلیل ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱ر محرم الحرام ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۲۹۷)

خواب میں کبوتر نی دیکھنا

سوال [۱۰۳۵۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرے نواسے کی بیوی میکے میں جا کر رک گئی ہے، بہت کوشش کی گئی لیکن آنے کو تیار نہیں ہے، میرے نواسے نے اسی دوران ایک خواب دیکھا ہے کہ اس کے گھر ایک کبوترنی آئی اس کو اس نے پکڑ لیا، کبوترنی چھوٹنے کی بہت کوشش کرنے لگی مگر اس نے نہیں چھوڑا، پھر گھر سے باہر آیا، کبوترنی چھوٹنا چاہتی تھی وہ کسی طرح چھوٹ کر سامنے ایک کبوتر بیٹھا تھا اس کے پاس چلی گئی، اس کے جاتے ہی کبوتر اڑ کر چلا گیا، تو کبوترنی منھ نیچا کر کے مرگئی، برائے کرم تعبیر بتادیں۔

المستفتی: ماسٹر خلیل احمد محمد پورہ نیوڈیسہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کبوترنی سے مراد نواسے کی بیوی ہے وہ اس سے طلاق لینا چاہتی ہے اور یہ طلاق دینا نہیں چاہ رہا ہے، خواب کے منظر کا حاصل یہ ہے، اور کبوترنی کا اڑ کر دوسرے کبوتر کے پاس پہنچ جانا اور پھر کبوتر کا اڑ کر چلا جانا اور کبوترنی کا نیچے منھ کر کے مرجانا اس بات کی طرف اشارہ ہے، معلوم ہوتا ہے کہ وہ لڑکی کسی دوسرے مرد سے نکاح کر کے اس کے پاس رہے گی، اور بعد میں شوہر کا سایہ اس کے اوپر سے اٹھ جائے گا اور بغیر شوہر کے اسی حالت میں اس کی بقیہ زندگی گذر جائے گی۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱ر ذی قعدہ ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۰۸۲۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۱۱/۱۱ھ

خواب میں بندر دیکھنا

سوال [۱۰۳۵۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: نا کارہ نے کچھ عرصہ قبل عجیب طرح کے خواب دیکھے ہیں، جنہیں یادداشت کے لیے تحریر کر لیے تھے، جن کی تعبیر کے لیے طبیعت پریشان رہتی ہے، اس لیے حضرت اقدس کی خدمت میں نا کارہ بڑی عقیدت کے ساتھ خواب تحریر کر رہا ہے، ان شاء اللہ تعبیر اور علاج دونوں باتیں حاصل ہو جائیں گے، خواب درج ذیل ہیں:

(۱) ایک روز میں نے سونے کی حالت میں دیکھا کہ ایک بندر مجھ پر حملہ کر رہا ہے، اپنے دفاع کے لیے میں تھالی نما برتن سے اس کے منھ پر چوٹ مار رہا ہوں جس کی وجہ سے وہ پیچھے ہٹ جاتا ہے، اسی حالت میں نیند سے بیدار ہو گیا۔

(۲) ۸؍ رمضان المبارک ۱۴۲۰ھ بروز جمعہ بوقت صبح ۸؍تا ۹؍ بجے کے درمیان خواب دیکھا کہ میں گاؤں کے ایک تالاب کے اندر ہوں، وجہ پتہ نہیں کیوں، کمر تک پانی کے اندر، اچانک ایک خنزیر نے حملہ کیا، میں نے اس کا منھ پکڑ کر پانی کے اندر دبایا کہ وہ پانی کے اندر اچانک مر جائے گا، اور تالاب کے باہر کے لوگوں کو پکارا اتنے میں دوسرے خنزیر پر نظر پڑی، اس وقت میرا ہاتھ اس پہلے والے کے منھ کے اندر چلا گیا، پھر وہیں پر کالے رنگ کے دونو جوانوں کی شکل تالاب کے اندر ہی نظر آئی، تب میرے ہاتھ میں عجیب قسم کا ڈنڈا تھا، میں نے دونوں کے ایک یا دو ڈنڈے مارے، اس کے بعد گاؤں کے کسی گھر میں دونوں لڑکے دو چار پائیوں پر بیٹھے ہیں، باقاعدہ سمجھ رہا ہوں کہ خنزیر پالنے والے ہیں، لیکن یہ بات یاد نہیں کہ وہ گالیاں دے رہے ہیں یا میں، جبکہ ایک مدت سے میں گالیوں سے پرہیز رکھتا ہوں، وہ دونوں بگڑ کر کہہ رہے ہیں کوئی واقعہ بتاتے ہوئے جو مجھے یاد نہیں رہا، کہ اس میں بہت تیز بول رہے تھے، اس پر میں نے کہا کہ اس وقت میری داڑھی کتنی بڑی تھی، ایک نے انگلی کے اشارہ سے پوری شرعی داڑھی بتائی، اس پر میں نے بھی انگلی کے اشارے سے کہا کہ اس وقت کافی

چھوٹی تھی، اس پر ایک نے کہا کہ یہ نہیں تھے، دوسرے نے نہیں مانا، اور میں نیند سے بیدار ہو گیا،خواب سے تقریباً دو سال قبل میری داڑھی ایک مشت سے کم تھی۔

(۳) ۸؍ذی الحجہ ۱۴۲۰ھ بروز چہارشنبہ مقامی مدرسہ کے ایک مدرس کے ساتھ معلوم نہیں کہاں ہوں، یہ بھی ٹھیک یاد نہیں ہے کہ قریب کون بیٹھا ہے، شاید کوئی شرابی شخص ہے، میرے قریب کوئی بچہ بھی ہے، میں اور مدرس صاحب کوئی رنگین چیز پیالی سے نکال کر پی رہے ہیں، اور میں اس کو شراب سمجھ رہا ہوں اور یہ بھی سوچ رہا ہوں کہ شراب نہیں ہے، اور اس کا مزہ بھی عجیب عمدہ قسم کا ہے، ساتھ میں ٹافی کی طرح کچھ کاٹ کر کھا بھی رہا ہوں، اسی کے ساتھ بیدار ہو گیا۔

(۴) کچھ مہینہ قبل خواب دیکھا، دن تاریخ بھول گیا، گھر کے برآمدے میں مکّا کے پکے بھٹے کھیتوں سے گھر آ چکے ہیں، بھٹوں کے ساتھ جھلی میں ایک کوا اور ایک شکاری چڑیا بندھی ہوئی ہے، میں نے ان کو دیکھا تو کہہ رہا ہوں کہ کلو (جو کہ ایک کاشتکار ہے) نے باندھ دیا ہے اور یہ پیاس سے مرنے کو قریب ہیں، میں نے کسی سے پانی منگوایا اور ان کو پلا رہا ہوں اور کہہ رہا ہوں کہ کوا بہت کمزور ہو گیا ہے، اور یہ مضبوط ہے اسی کے ساتھ آنکھ کھل گئی۔

(۵) امسال ۱۴۲۳ھ رمضان المبارک میں خواب دیکھا جو کہ پوری طرح یاد بھی نہیں رہا، کہ تحریر کر لیتا کہ گوشت کی دوکان پر گوشت کاٹا جا رہا ہے، اور میرے ہاتھ میں عجیب طرح کا جانور ہے کہ اس کا گوشت کٹے گا یا کٹ رہا ہے، اور سوچ رہا ہوں یہ تو خنزیر ہے۔

المستفتی: محمد اجمل اسہی اعظم پور ہردوئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) خواب میں بندر کا دیکھنا، مکار اور فریب دینے والا دشمن ہے جو آپ کو نقصان پہنچانے کے درپے ہے، مگر نقصان نہیں پہنچا سکا، اللہ پاک حفاظت فرمائے، صبح، شام ”**بسم اللہ الذی لا یضر مع اسمہ شیئ فی الارض ولا فی السماء وھو السمیع العلیم**“ تین تین مرتبہ پڑھ لیا کریں، اور تین تین بار ”**اللھم انا نجعلک فی نحورھم و نعوذ بک من شرورھم**“ پڑھا کریں، اگر

دشمن معلوم ہے تو اس کی طرف دھیان بھی رکھا کریں۔

(۲) خنزیر سے لڑنا، ظالم اور کمینہ شخص کے ساتھ کچھ لوٹ پھیر ہے، اور پانی میں نصف بدن کا مطلب دین کے اعتبار سے اتنی کمی ہے، نیز اپنی آمدنی کو دیکھ لیں، کہیں سے کوئی مشتبہ مال تو نہیں آرہا ہے، مقابل کے لوگوں کا داڑھی کو زیادہ بتلانا ان کی نگاہ میں عظمت کی دلیل ہے۔

(۳) اگر بیمار ہے تو شفا کی طرف اشارہ ہے۔

(۴) فاسق، بددین اور جھوٹے آدمی کی آپ بہت مدد کرتے ہوں گے۔

(۵) جو خواب صحیح یاد نہ ہو اس کو بیان نہیں کرنا چاہیے، اور بہت پرانا خواب بھی بیان نہیں کرنا چاہیے، اور نیز گائے اور خنزیر کے اشتباہ میں مال مشتبہ کا اندیشہ ہے، خود دیکھ لیں۔

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۲۴/ ذی الحجہ ۱۴۲۳ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۸۶۵)	۱۴۲۳/۱۲/۲۴ھ

خواب میں شیر دیکھنا

سوال [۱۰۳۵۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نے ایک رات کو خواب دیکھا ہے کہ ایک شیر آیا اور وہ میری طرف کو دیکھنے لگا، پھر وہ گھوم کر چلا گیا، یہ واقعہ تو ایک رات کا ہے، دو دن کے بعد پھر میں نے دیکھا کہ میرے مکان کے پیچھے خوب آبادی ہے، وہاں شور مچا اور لوگ چلائے، پھر میں وہاں گیا تو ایک شیر نے بھینس کے اوپر حملہ کر دیا ہے اس نے اس کو پیچھے سے پھاڑ کر کھایا۔

المستفتی: شفیق الرحمٰن اصالت پورہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آپ کا کوئی دشمن ہے، وہ دشمن باوقار بڑا آدمی ہے، مگر آپ سے دشمنی ہے، جب وہ آپ کے پاس آکر چلا گیا تو دشمن آپ کو کوئی نقصان نہیں

پہنچائے گا اور پھر دوسری مرتبہ جب بھینس کو دیکھا ہے تو اگر وہ بھینس آپ کی ہے تو یہ اشارہ ہے کہ دشمن آپ کے پاس مال میں معمولی نقصان کرے گا اور اگر وہ آپ کی بھینس نہیں ہے تو آپ کے مال وجان میں سے کسی چیز کو نقصان نہیں پہنچائے گا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۳۹۹۴)

خواب میں شیر اور خود کو امامت کرتے دیکھنا

سوال [۱۰۳۵۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: پہلا خواب: نوجوان اپنے گھر ہے، شور ہوا کہ شیر (اسد) آ گیا ہے، سب اس جگہ کے باشندہ اپنے اپنے گھروں میں گھس گئے اور اپنے جانور، گائے، بیل، بھینس ان کو بھی اندر کرلیا، پولیس بھی ہے وہ شیر کے مارنے کو اس کی تاک میں ہے، خیر شیر آ کر نہ معلوم اندر بستی میں کہیں چلا گیا، اگلا روز ہوا، پھر اسی طرح شور ہوا، پھر تیسرا روز ہوا، تو یہ نوجوان خواب دیکھنے والا اپنے گھر کے قریب کسی جگہ پاخانہ کر رہا ہے، قضاء حاجت پوری کر رہا تھا کہ ایک دم شور ہوا کہ شیر آ گیا، پاخانہ تھوڑا سا ہوا تھا کہ شور سن کر وہاں سے بھاگا اور گھر میں گھس گیا، بستی کے تمام افراد اسی طرح آج جانور بھی جلدی میں اندر بند نہیں کر سکے، لوگ جو آ گئے، وہ تو مغرب بعد آتے ہیں، یعنی شیر پھر گھر سے باہر نکلا دیکھتا ہے کہ پولیس بہت ہے جو شیروں کو مارنے آئی ہے، شیر ایک کھیت میں چھپے ہیں، تو پولیس رائفل لیے تعاقب میں ہے، یہ نوجوان اور دیگر بستی والے کھڑے ہیں، نوجوان دیکھتا ہے کہ شیر اس کی طرف بڑھ رہا ہے، اور پولیس اس کو گولی نہیں مار رہی ہے، نوجوان پولیس سے بول رہا تھا، کہ مارو بھائی کیوں نہیں مارتے؟ آخر پولیس کی ہمت نہیں ہوئی تو نوجوان نے پولیس والے سے رائفل لے لی اور خود شیر پر چھ سات فائر کیے، فائر کرنے سے شیر کے وہی عالم بن گئے جن کو نوجوان نے پہلے خواب میں نصیحت کی تھی کہ تم گندے ہو، عالم صاحب بولے، بھائی ہم کو مت ماریئے، ہم آئندہ اس بستی میں نہیں آئیں گے۔

دوسرا خواب: نوجوان دیکھتا ہے کہ بستی ہی میں قبرستان کے قریب ایک کھیت ہے، اس میں نوجوان نماز میں امامت کرا رہا ہے، نماز معلوم نہیں کونسی ہے، البتہ جہری نماز ہے، دیکھتا ہے کہ اس کے محسن نماز سے الگ ہوکر وضو کرنے تشریف لے گئے، نوجوان نے دل میں خیال کیا کہ قرأت لمبی کردوں تاکہ استاذ محترم کی رکعت نہ چھوٹ سکے، چنانچہ قرأت لمبی پڑھی اتنے میں محسن صاحب وضو سے فراغت کرکے بالکل اسی جگہ آکر جماعت میں شامل ہوگئے، جس جگہ سے ہٹے تھے، اس جگہ کوئی دوسرا آدمی نہیں آیا تھا، خالی پڑی ہوئی تھی، محسن کی رکعت بھی نہیں نکلی۔

اچھی طرح غور کرکے جلدی روانہ فرمادیں، میرا دماغ دونوں نے خراب کر رکھا ہے، دونوں شاگرد بھی ہیں، اور وہ دونوں محسن اور نوجوان خود بھی استاذ شاگرد ہیں، اور ماتحت وافسر ہیں، مولانا موصوف کو کرایہ وسفر خرچ دے کر روانہ کر رہا ہوں، میری غلطی کو تہ دل سے معاف فرمائیں، نوازش ہوگی، دعامیں یاد رکھیں۔

المستفتی: خلیل الرحمٰن مدرسہ مرادیہ مظفرنگر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) شیر کا آنا اور اس کا نوجوان کی طرف رخ کرنا اور اس سے خائف ہونا اس طرف اشارہ ہے کہ نوجوان کا کوئی بڑا آدمی دشمن ہے اور اس دشمن سے نوجوان خائف رہتا ہے، اور پولیس وغیرہ کا نوجوان کی مدد میں شیر کا پیچھا نہ کرنا اور نوجوان کا خود مارنا اس طرف اشارہ ہے کہ اس نوجوان کے کچھ لوگ مددگار ہیں، لیکن مددگار کی مدد کام نہیں آئے گی، بلکہ مددگار جو طریقہ بتلائیں گے، اس طریقہ کو اختیار کرکے نوجوان خود اپنے دشمن کو مغلوب کرے گا اور خود غالب رہے گا۔

(۲) سوالنامہ سے معلوم ہوتا ہے کہ نوجوان نے امامت کی ہے اس سے اس طرف اشارہ ہے کہ وہ نوجوان کچھ لوگوں پر عزت حاصل کرے گا اور ان لوگوں میں محسن افسر بھی ہوگا نیز محسن کا بے وضو ہونا اور پھر وضو کرنے کو جانا اور پھر اپنی جگہ آکر کھڑا ہونا اور نوجوان کا اس کی رعایت ملحوظ رکھنا اس طرف اشارہ ہے کہ محسن افسر کو کسی نیک کام میں سہو ہوگیا ہے، لیکن

بعد میں اس کی اصلاح کرلیں گے اور پہلے سے اچھی حالت میں ہوں گے، اور اس اصلاح میں نوجوان کی بھی شاید مدد رہے گی۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱ رذی قعدہ ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۴۴۹)

خواب میں کتے کو سانپ کھاتے دیکھنا

سوال [۱۰۳۵۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کمال کی شادی ہوئی تھی، کمال بیمار ہوا اس کی بیوی نے طلاق لے لی، پھر کمال نے اپنی بیوی کو ناگن سانپ کی شکل میں دیکھا اور بار بار خواب میں سانپ دیکھا کرتا ہے، پرسوں خواب میں دیکھا کہ چھت پر سانپ ہے، مارنے گیا تو اس کو کتے نے کھالیا۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مطلقہ بیوی کو سانپ بنتے دیکھنا اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ محمد کمال کے حق میں سخت موذی دشمن ہے، اور جس سانپ کو کمال مارنے جا رہا تھا وہ بھی ایک دشمن ہے اور اس سانپ کو کتے نے کھالیا اس بات کا ثبوت ہے کہ دشمن کو دوسرے دشمن نے ختم کردیا ہے اور خود کمال محفوظ رہے گا ان شاء اللہ۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳ رصفر المظفر ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۸۷۶)

خواب میں سانپ کو دیکھنا

سوال [۱۰۳۵۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: آج صبح ساڑھے آٹھ بجے ایک سانپ کو دیکھا جو میری برابر میں سے اڑ گیا ہے

اوردوسرا سانپ سامنے دیوار پر چل رہا ہے، دوتین سانپ زمین پر ٹہل رہے ہیں، جن کا رنگ کبرا ہے، اوراڑنے والا سانپ ایک گز کا ہے، اورسانپ سے ڈر میری بھانجی نیچے چلتی ہوئی لکڑیوں میں گر رہی تھی، جسے میں نے اپنی گود میں لے لیا۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سانپ کوخواب میں دیکھنے کا مطلب یہ ہے کہ کچھ ایسے دشمن ہیں جن سے خیر کی امید نہیں جوآس پاس میں آتے جاتے ہیں، ہرنماز میں گیارہ گیارہ بار ’’**اللھم إنا نجعلک فی نحورھم ونعوذ بک من شرورھم**‘‘ پڑھ کر دعا کیا کریں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍ ربیع الثانی ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۱۱۶)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۸/۴/۱۴۲۰ھ

خواب میں کالا اورسفید سانپ دیکھنا

سوال [۱۰۳۵۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں نے ایک خواب دیکھا ہے کہ ایک قبر ہے جس کے اوپر ایک چھید (سوراخ) ہے اوراس کے اندر دوسانپ ہیں، ایک سفید ہے اورایک کالا ہے، بعد کوان سے ڈر نہیں لگا، نہ میں نے مردے کو دیکھا۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آپ کے دودشمن ہیں جن سے آپ کوڈر نہیں ہے، اورنہ ہی وہ دشمن آپ کونقصان پہنچا سکیں گے، ان شاء اللہ تعالیٰ۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶؍ ربیع الثانی ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۲۱۵۳)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۶/۴/۱۴۱۱ھ

خواب میں دیکھنا کہ گھر میں خنزیر ذبح کیا جانے والا ہے

سوال [۱۰۳۵۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اب سے قریب چھ ماہ پہلے میں جے پور اپنی پڑھائی کے سلسلے میں گیا ہوا تھا، پڑھائی اور دیگر فکروں کے دوران مجھے گھر سے کوئی تعلق نہ رہا، ایک رات مجھے خواب دکھائی دیا کہ محلّہ کے دوسرے گھروں کی طرح اس دن ہمارے گھر میں سور کاٹا جانے والا تھا، اور گھر کی عورتیں چاول چننے میں لگی ہوئی تھیں، جن کے چہرے پر ایک خوشی تھی، میں نے ان کو اس فعل سے روکا اور قرآن وحدیث کا حوالہ دیا تو انہوں نے مجھے ہی الٹا سمجھا دیا، اور ضد کرنے پر مارنے پیٹنے پر آمادہ ہوگئیں اور گھر سے نکالنے کی دھمکی دینے لگیں اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی، اس کے کچھ دنوں بعد ہی مجھے دوسرا خواب دکھائی دیا کہ میرے گھر کی عورتیں ایک محفل میں سج دھج کر بیٹھی ہیں، جس میں ان کے علاوہ کوئی اور عورت وہاں موجود نہیں تھی، محفل میں شامل سبھی مردان سے گفتگو میں دلچسپی لے رہے تھے، وہ بھی ان کے سوالوں کا جواب خوشی خوشی دے رہی تھیں، میں اس محفل میں لاچاری کی حالت میں تھا، نہ مردوں کو ان کے پاس جانے سے روک سکتا تھا اور نہ ہی ان کو اس محفل سے اٹھا سکتا تھا، گھر لوٹنے پر میں نے یہ دونوں خواب گھر والوں کو سنائے، انہوں نے میرے دماغ کا وہم قرار دیا، میں لکھ دینا چاہتا ہوں کہ میں ان دنوں میں اپنے گھر کی عورتوں کی بے پردگی وبے تکلفی کے خلاف تھا کہ میرے بڑے بھائی نے ایک پرائمری اسکول کھول لیا ہے جس میں اپنی بھابھی اور چھوٹی بہن کو پڑھانے سے نہیں روک سکا ہوں، ویسے بھی میرے گھر میں جدید خیالی غالب ہوتی جارہی ہے تو آپ سے گذارش ہے کہ صحیح تعبیر پیش فرمائیں۔

المستفتی: مبین اصغر انصاری، شاہ چندنی چاندپور بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دونوں کی تعبیر کا خلاصہ یہ ہے کہ گھر میں کہیں سے حرام

مال داخل ہورہا ہے، اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اخروی حالات کمزور ہورہے ہیں، دنیا کے مقابلے میں آخرت کے حالات تنزلی کی طرف ہیں، اس لیے گھر والوں کو فکر آخرت کرنی چاہیے اور ہر نماز کے بعد گھر کے لوگ یا مغیث ۱۱۱/ مرتبہ پڑھ لیا کریں اور توبہ کیا کریں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/ شوال المکرّم ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۵۰۰۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۸/ ۱۰/ ۱۴۱۷ھ

خواب میں بیت الخلاء کی عمارت منہدم ہوجانا

سوال [۱۰۳۵۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ۲۴/ ذی قعدہ بروز اتوار، دوپہر ۱۲/ بجے کے بعد میں آرام کر رہا تھا، تو ہلکی سی نیند لگ گئی اور میں ایک خواب دیکھ رہا ہوں کہ میں جس مدرسہ میں خدمت انجام دے رہا ہوں، اس مدرسہ کے بیت الخلاء کی عمارت منہدم ہوگئی، اور اول مرحلہ میں تو یہ دیکھ رہا ہوں کہ ہم نے ابھی بیت الخلاء میں نئی لاڈی ڈلوائی تھی، تو بالکل کسی نے نکالی ہے، اسی طرح دیکھا کہ پورے طور سے عمارت گر گئی ہے، اور میں نیند میں بچوں سے یہ عرض کر رہا ہوں کہ کیا اب بیت الخلاء کے لیے ہمیں جنگل جانا پڑے گا اور نیند سے بیدار ہوگیا تو ظہر کی اذان کی تیاری تھی، یہ خواب میں صرف آپ سے عرض کر رہا ہوں اس کی تعبیر کیا ہوگی؟

المستفتی: عبدالرشید کوساڑی گجرات

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: خواب میں بیوی کو بیت الخلاء کی عمارت کی شکل میں بھی دیکھا جاسکتا ہے، کیونکہ جس طرح آدمی بیت الخلاء میں تنہا ہوتا ہے اسی طرح بیوی کے پاس بھی تنہا ہی ہوتا ہے۔ (تعطیر الانام ۲/ ۱۹۴)

لہٰذا بیت الخلاء کی عمارت کی دیوار میں نقصان پہنچنے کا مطلب یہ ہے کہ صاحب خواب اگر شادی شدہ ہے تو بیوی کے مسئلہ میں کچھ پریشانی ہے، اور اگر بغیر شادی شدہ ہے تو جس

لڑکی کے ساتھ رشتہ ہونا ہے اس میں کچھ پریشانی ہے، ہر نماز کے بعد ۱۱۱ر مرتبہ یا لطیف پڑھ کر خیر کی دعا فرماتے رہا کریں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱ر ذی الحجہ ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۵۴۴)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۱۲/۲۱ھ

خواب میں سیب، مور اور آم دیکھنا

سوال [۱۰۳۵۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) میں نے خواب دیکھا کہ میں دہلی کا سفر کر رہا ہوں میرے ہاتھ میں ایک تھیلا ہے جس میں دو سیب ہیں، اتنے ہی میں ایک سائل آیا اور سوال کیا کہ بیٹا تمہارے پاس کھانے کی کوئی چیز ہے تو مجھے دو، میں بہت بھوکا ہوں، میں نے اس سائل کو جواب دیا کہ میرے پاس تھیلے میں دو سیب ہیں، اگر آپ کو چاہیے تو آپ لے لیجئے، تو اس پر سائل نے کہا کہ بیٹا! یہ دونوں سیب اپنے پاس رکھو، کسی کو مت دینا، یہ کہہ کر سائل روانہ ہو گیا، اور یہ خواب میں نے نصف شب میں دیکھا۔

(۲) ہمارے دونوں ہاتھوں میں لٹو ہے، دائیں ہاتھ کا لٹو باقی رہا، اور بائیں ہاتھ کا لٹو لوٹ گیا، اسی طریقے سے دوسری مرتبہ بھی ایسا ہی ہوا، یہ خواب میں نے فجر کی اذان سے تیس منٹ پہلے دیکھا ہے۔

(۳) کیا دیکھتا ہوں کہ عصر کا وقت ہے میں اکیلا تفریح کے لیے جا رہا تھا، راستہ میں دو مور دیکھے، اور مور بھی مجھے دیکھ رہے ہیں، دائیں طرف کا مور اور بائیں طرف کا مور دونوں اڑ گئے، میں نے جلدی سے بائیں طرف کا مور پکڑ لیا اور مدرسہ لے کر آیا اس کو میں نے اپنے ساتھی کو دکھایا، لیکن میرے ساتھیوں نے مجھ سے چھین لیا، اور پھر .... ہڈی مجھ کو دیدیں اور کہا کہ ہڈی جنگل میں ڈال دو، چنانچہ میں نے اپنے ساتھیوں کے کہنے کے مطابق ایسا کیا، اور اپنی آنکھوں سے دیکھا، یہ خواب رات کو تین بج کر دس منٹ پر دیکھا۔

(۴) میں نے دیکھا کہ میرے پاس دو عدد آم ہیں، میں نے دونوں کو باندھ دیا پھر دیکھ رہا ہوں کہ بیچ کا آم گر جاتا ہے اور پیر کا نہیں گرتا، پھر آتا ہوں، پھر باندھتا ہوں، پھر گر جاتا ہے، اتنے ہی میں میری آنکھ کھل گئی، یہ خواب میں نے دن میں دو بجے یا ڈھائی بجے دیکھا۔

المستفتی: اصحاب، شاخ دارالعلوم آگرہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) اگر دونوں سیب سبز اور ہرے ہیں تو دو فرزند ہیں، ان کی خوشخبری ہے اور اگر سرخ ہیں تو کسی بڑے سے نفع کی دلیل ہے، اور اگر سفید ہیں تو تجارت میں نفع کی طرف اشارہ ہے۔

(۲) لٹو دونوں ہاتھ میں ہونا ایسا لگتا ہے کہ کچھ وقت ذمہ داری سے آزاد خیالی کی طرف اشارہ ہے، پھر کچھ وقت کے بعد آزاد خیالی کا ایک ساتھی چھوٹ جائے گا۔

(۳) دو مور سے دو عورت مراد ہیں، جو اڑ گیا ہے اس سے جو عورت مراد ہے وہ ہاتھ سے نکل جائے گی اور جو پکڑ میں آگیا ہے اس سے جو عورت مراد ہے اس سے شادی ہو جائے گی مگر دوسروں کی نظر سے حفاظت کی ضرورت ہوگی۔

(۴) اتفاق سے آم کی بھی وہی تعبیر ہے جو مور کی ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۸۳۱)

خواب میں خود کو حاملہ دیکھنا

سوال [۱۰۳۶۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں نے رات خواب دیکھا ہے کہ میرے گھر کے پاس چوراہا ہے میں اس چوراہے پے گر گئی، گر کے اٹھنا چاہ رہی ہوں ایک جانور آتا ہے، اس کا سائز بلی کا سا ہے، کافی موٹا، رنگ سفید، وہ میرے پیٹ پر مارنے کی کوشش کرتا ہے، میں اپنا پیٹ بچاتی ہوں، جسم پر

مار رہا ہے، خواب میں مجھے ایسا اندازہ ہے کہ میں حاملہ ہوں، چوتھا یا پانچواں ماہ ہے، میں اپنے پیٹ کو بچانے کی کوشش کرتی ہوں، اب اٹھتی ہوں تو ٹانگوں سے کھڑا نہیں ہوا جاتا، بہت کوشش کرکے وہاں سے بھاگتی ہوں، اپنے دروازے میں گر جاتی ہوں، میں بہت زور سے ”قل اعوذ برب الناس“ پڑھ رہی ہوں، میری آنکھ کھل جاتی ہے، سوا تین بجے تھے، میں حاملہ نہیں ہوں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اپنے آپ کو حاملہ دیکھنا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ کچھ مال ودولت حاصل ہونے والی ہے، اور جانور مذکور کا حملہ کرنے کی کوشش کرنا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ حاصل شدہ مال پر کسی دشمن کی نگاہ ہے، اور اس سے آپ اپنے مال کے بچانے کی کوشش کر رہی ہیں، اور کوئی خطرہ اور گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍محرم الحرام ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۲۰۸۱)

بچہ کا ماں کو ذبح کرنا

سوال [۱۰۳۶۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: خادمہ نے درج ذیل ایک خواب دیکھا ہے تعبیر سے نوازیں، میں عشاء کی نماز پڑھ کر سوگئی، رات میں یا صبح کا وقت اس کا علم نہیں ہے، دیکھتی ہوں کہ میرا لڑکا محمد طارق جو میرے بچوں میں سب سے چھوٹا ہے، وہ مجھے ذبح کر رہا ہے، میں نے اس سے کہا کہ چھری تیز کرلو، اتنا کہنے پر آنکھ کھل گئی، ماشاء اللہ بڑا نیک صالح بچہ ہے، اللہ میرے حق میں بہتر کرے۔

المستفتیہ: خادمہ عارفہ بیگم آصف پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ان شاء اللہ تعالیٰ آپ کے بچہ محمد طارق کی طرف سے آپ کو خیر اور بھلائی پہنچنے والی ہے۔

من رأى أحدا يذبحه ذابح فإن المذبوح ينال من الذابح خيرا.
(نابلسی ۱/ ۲۲۷) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۵۸۳۴)

خواب میں بچے کی پیدائش دیکھنا

سوال [۱۰۳۶۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ خواب میں زید کی بھابھی کے دولڑکے بیک وقت مولود ہوئے اور ایک لڑکا پیدا ہوتے ہی چلنے لگتا ہے اور ہنستا ہے اور آکر زید کو سلام کرتا ہے، زید سلام کا جواب دیتا ہے اور وہ لڑکا پھر شرمگاہ میں چلا جاتا ہے، دوسرا لڑکا صحیح وسالم ہے۔

المستفتی: امام جامع مسجد دھنورہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: شاید معمولی رنج وغم کا سامنا کرنا ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹/ صفر المظفر ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۳۰۱۰)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۳/۲/۹ھ

خواب میں اپنے گھر پر غیروں کا قبضہ دیکھنا

سوال [۱۰۳۶۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: خواب تو بہت لمبا ہے لیکن مختصراً عرض ہے کہ جناتوں نے میرے گھر پر قبضہ کرلیا ہے، اور ہمارے گھر والوں نے باہر سے تالا ڈال دیا ہے۔ تعبیر سے مطلع فرمائیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شاید دشمنوں کے تسلط کا خطرہ ہے، لیکن گھر والوں کا دروازہ پر تالا ڈال دینا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ان شاء اللہ تعالیٰ دشمن اپنے مقصد میں زیادہ کامیاب نہیں ہوں گے، اللہ تعالیٰ سے توبہ واستغفار کی شدید ضرورت ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ر ذیقعدہ ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/۲۴۴۸)

خواب میں کسی لڑکی کے سامنے پیشاب کرنا

سوال [۱۰۳۶۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں نے آج سے دو یا ڈھائی سال قبل ایک خواب دیکھا کہ میں ایک مولانا (اور وہ ہمارے مدرسہ کے مہتمم صاحب ہیں) کے گھر میں کھانا پکانے کی جگہ پیشاب کرر ہا ہوں، اور اس وقت ان کی لڑکی میرے سامنے ہے، اور یہ سب مولانا اور ان کی اہلیہ دیکھ رہے ہیں، اور میں بھی ان سب کو دیکھ رہا ہوں اور مولانا اور ان کی اہلیہ اور ان کی لڑکی نے مجھ کو کچھ بھی نہیں کہا، اور اسی وقت میری آنکھ کھل گئی اور یہ خواب میں نے آپ کے سوا کسی سے نہیں بیان کیا اور آج تک یہ خواب بیان کرنے سے ڈرتا رہا ہوں، اور اب میں اس خواب کے بیان کرنے پر مجبور ہو گیا، کیونکہ جب یہ خواب مجھے یاد آتا ہے تو میں پریشان رہتا ہوں اور کبھی مجھے نیند بھی نہیں آتی، اس لیے میں آپ کی طرف رجوع کرر ہا ہوں اور تعبیر کی امید رکھتا ہوں، اور یہ خواب میں نے اپنے طالب علمی کے زمانہ میں دیکھا ہے اور میں ابھی ایک مدرسہ میں خدمت انجام دے رہا ہوں۔

المستفتی: عبدالرشید کوساڑی گجرات

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بہت ممکن ہے کہ آپ کا ان کے یہاں یا ان کے خاندان میں مصاہرت کا تعلق پیدا ہو جائے، اور ولادت کا سلسلہ پیدا ہو جائے، اللہ تعالیٰ

سنت پر قائم رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔

من رأى أنه بال في دار قوم أو محلة قوم أو مسجد قوم أو بلد قرية فإنه يطرح هناك نطفته بمصاهرة منه لهم أو من قومهم أو من غير عشيرتهم فإن كان ذلك البول في المسجد فإنه يرزق ولدا بارا تقيا.

(تعطير الأنام نابلسی ١ / ٤٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹/ ربیع الاول ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۲۲۰)

٤٠ كتاب الطب والرقیٰ

١ باب ما يتعلق بالطب وغيره

علم طب حاصل کیے بغیر علاج ومعالجہ کرنا

سوال [۱۰۳۶۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جس شخص نے باقاعدہ کسی ادارے میں یا استاذ کے پاس رہ کر علم طب نہ حاصل کیا ہو اور نہ ڈاکٹری ہی پڑھی ہو، کیا ایسا شخص ڈاکٹر یا حکیم کے مشورے سے چند مخصوص امراض میں کام آنے والی مخصوص دواؤں کے نام وفوائد معلوم کرکے ان مخصوص امراض کے شکار مریضوں کا علاج کرسکتا ہے؟ حوالہ کے ساتھ تحریر فرمائیں۔

المستفتی: حمد اللہ ناصر، رحمت نگر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر سائل اپنے بیان میں سچا ہے اور واقعی شخص مذکور علم حاصل کرکے تجربہ کار نہیں بنا ہے، اور نہ ہی کسی ماہر طبیب وحکیم کے پاس رہ کر تجربہ حاصل کیا ہے اور محض عام لوگوں کی طرح کسی ڈاکٹر یا حکیم سے چند دواؤں کے نام یاد کرلیے ہیں اور ان دواؤں کے فوائد اور ان کے مریضوں کی تخصیص بھی عامی کی طرح معلوم کرلی ہے، تو ایسا شخص نسخہ کی تبدیلی وغیرہ کا تجربہ نہیں رکھ سکتا اس لیے ایسے لوگوں کے لیے علاج ومعالجہ کرنا اور طب کا کام کرنا حدیث شریف میں سخت ممانعت آئی ہے، اس لیے جائز نہیں ہے۔

عن عمرو بن شعیب عن أبيه عن جده أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: من تطيب ولايعلم منه طب فهو ضامن. (أبو داؤد شريف باب فيمن تطيب بغير علم فأعنت، النسخة الهندية ٢/ ٦٣٠، دار السلام رقم: ٤٥٨٦، سنن ابن ماجه، باب من تطيب ولم يعلم منه طب، النسخة الهندية ٢/ ٢٥٦، دار السلام رقم: ٣٤٦٦، سنن النسائى، صفة شبه العمد وعلى

من دية الأجنة، النسخة الهندية ٢/ ٢١ ٦ دار السلام رقم: ٤٨٣٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/ ربیع الثانی ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۳۱۱۸)

دائی کا کام کرنا کیسا ہے؟

سوال [۱۰۳۶۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک عورت مثلاً زینب ایک دوسری عورت خالدہ کا جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو اول الذکر عورت ثانی الذکر عورت کے بچہ کی پوری دیکھ بھال ایک دایہ کا کام انجام دیتی ہے، تو اب دوسری عورتیں ان سے نفرت کرتی ہیں، اور کہتی ہیں کہ ان سے کھانے پینے کا کام کرانا یا ان کے ہاتھ سے پانی پینا وغیرہ برا اور مذموم عمل ہے۔

المستفتی: محمد رئیس نواب نگر رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: دائی کا کام کرنا شرعی طور پر ناجائز یا ممنوع امر نہیں ہے، بلکہ یہ بھی ایک اہم کار ثواب ہے، اس لیے اس سے نفرت کرنا ہرگز ہرگز جائز نہیں، حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا بہت مشہور صحابیہ تھیں، وہ عورتوں کی ختنہ کیا کرتی تھیں۔

عن عطية القرضي قال: كانت بالمدينة خافضة يقال لها أم عطية: فقال لها رسول الله ﷺ: أشمي ولاتحفي فإنه أسرىٰ للوجه، وأحظى عند الزوج. (أسد الغابة، دار الفكر ٦/ ٣٦٧، الإصابة في تمييز الصحابة، دار الكتب العلمية بيروت ٨/ ٤٣٨، تحت رقم الترجمة: ١٢١٧٢)

حضور ﷺ ان سے بہت زیادہ خوش تھے اور جب عورت ولادت کے وقت دائی کا کام کرکے اپنے ہاتھوں کو اچھی طرح دھو لیتی ہے تو اس کا ہاتھ بالکل پاک ہو جاتا ہے، اس کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا وغیرہ سب پاک ہوتا ہے اس سے پکوانا اور اس کو کھانا سب بلا کراہت جائز

اور درست ہے، لہٰذا کسی کے لیے اس سے نفرت کرنا جائز نہ ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍محرم الحرام ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۴۲۹۳)

دوا کھاتے وقت کیا پڑھا جائے؟

سوال [۱۰۳۶۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید بسم اللہ پڑھ کر دوا اور کھانا شروع ہی کررہا تھا کہ زید کی بغل میں بیٹھے ہوئے دوسرے صاحب نے فرمایا کہ دوا کھاتے وقت بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے بجائے بسم اللہ ہو الشافی ہو الکافی پڑھ کر دوا کھانی چاہیے، اب زید کے لیے کیا پڑھنا بہتر ہوگا؟

المستفتی: امام الدین کولکاتا

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دوا کھاتے وقت بسم اللہ ہو الشافی ہو الکافی پڑھنا ثابت نہیں ہے لہٰذا دوسری چیزوں کو کھانے کی طرح دوا کھاتے وقت بھی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنا اولیٰ ہے، ہاں البتہ دل میں یہ عقیدہ رکھے کہ اصل شفا دینے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے، اور دوا محض ایک سبب ہے، زبان سے ہو الشافی، ہو الکافی کہنے کی ضرورت نہیں، اگر ہو الشافی، ہو الکافی کہہ لے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔

الاشتغال بالتداوی لابأس به إذا اعتقد أن الشافي هو الله تعالىٰ و أنه جعل الدواء سببا. (هنديه، كتاب الكراهية، الباب الثامن عشر فى التداوي، زكريا جديد ٥/ ٤٠٩، قديم ٥/ ٣٥٤، الفتاوىٰ التاتارخانية زكريا ١٨/ ١٩٧ رقم: ٢٨٩٣، المحيط البرهاني، المجلس العلمى ٨/ ٨١، رقم: ٩٦٣٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍شعبان المعظم ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۷۸۱۱)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۸/۱۶ھ

غیر مسلم ڈاکٹر سے ختنہ کروانا

سوال [۱۰۳۶۸]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: غیر مسلم ڈاکٹر سے ختنہ کروانا کیسا ہے؟ نیز ختنہ کے متعلق کوئی دعا ہے یا نہیں، ختنہ کرنے والے کا تسمیہ عند الختنہ کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: ہارون رشید کرناٹک

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: غیر مسلم ڈاکٹر کے ذریعہ بھی ختنہ کرانا جائز ہے، بشرطیکہ وہ ختنہ کے معاملہ میں ماہر، تجربہ کار، اور جانکار ہو، تاہم بہتر یہی ہے کہ کسی مسلم ماہر ڈاکٹر کے ذریعہ ختنہ کرایا جائے تاکہ وہ بسم اللہ بھی پڑھ لے، کیونکہ حدیث میں آیا ہے:

عن أبی هريرة –رضی الله عنه– قال: قال رسول الله ﷺ: كل أمر ذی بال لا يبدأ فيه بالحمد فهو أقطع. (سنن ابن ماجه، باب خطبة النكاح، النسخة الهندية ١/١٣٦، دار السلام رقم: ١٨٩٤، مسند أحمد بن حنبل ٢/٣٥٩، رقم: ٨٦٩٧، مسند البزار، مكتبه العلوم والحكم ١٤/٢٩١، رقم: ٧٨٩٨، المعجم الكبير للطبراني ١٩/٧٢، رقم: ١٤١، صحيح ابن حبان، دار الفكر ١/٧٤ رقم: ١-٢)

وقال النووی: وفی رواية: كل امرئ ذی بال لا يبدأ فيه ببسم الله الرحمن الرحيم فهو أقطع. (الأذكار، دار الكتب العلمية جديد ص: ٩٦-٣٣٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷؍جمادی الثانیہ ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۶۲۱۲)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۶/۱۷ھ

سرکاری ہسپتال کی دواؤں کو بازار میں فروخت کرنا

سوال [۱۰۳۶۹]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ ہندوستان کے اندر حکومت اسپتالوں کو دوائی دیتی ہے، تاکہ غریب مریضوں کو بغیر روپیہ کے دوادی جاسکے، اور اس کے لیے مذہب کی کوئی تشخیص نہیں ہوتی، ہندو، مسلمان، عیسائی، یعنی کوئی بھی ہو، لیکن عمومی بگاڑ کی وجہ سے اسپتال کا عملہ اسکو بازار میں فروخت کردیتا ہے، اس کے کاروبار کے لیے حکومت کی طرف سے سخت پابندی ہے، تو کیا اس کاروبار کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: صہیب احمد خلیل آباد ضلع بستی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ہسپتال کا عملہ حکومت کا وکیل ہوتا ہے اور وکیل امین ہوتا ہے، امین کو انتفاعِ امانت بدونِ اذنِ موکل حرام ہے، اس لیے یہ کاروبار ونفع حرام ہوگا۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۳/ ۳۱۸)

الوكيل إنما يستفيد التصرف من المؤكل وقد أمره بالدفع إلى فلان فلا يملك الدفع إلى غيره. (شامی، کتاب الزكوٰة، زکریا ۳/ ۱۸۹، کراچی ۲/ ۲۶۹)

وليس للمودع حق التصرف والاسترباح في الوديعة. (المبسوط للسرخسي، كتاب الوديعة، دار الكتب العلمية بيروت ۱۱/ ۱۲۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶ ر شوال المکرّم ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۳۰۹)

پولیو کی دوائی پلانا

سوال [۱۰۳۷۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: پولیو دوا جو ہمارے یہاں بچوں کو پلائی جاتی ہے اس حوالہ سے پہلے ہی سے شک تھا، اب یہ شک یقین کی حد تک بدل گیا ہے، ''ماہنامہ بانگ حراء لکھنؤ، اپریل مئی ۲۰۰۶ء میں بعنوان بیماریوں کی نئی سوغات'' مضمون شائع ہوا ہے جو ہمارے استفتاء کے ساتھ منسلک بھی ہے، آپ حضرات کی خدمت میں یہ مضمون ارسال ہے، تاکہ فیصلہ میں معاون ہو سکے،

پورے مضمون کو پڑھ کر بلاخوف تردید یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ پولیو کی دوائی پلانا ناجائز ہے کیونکہ اس سے قوت مدافعت، قوت تمیز ماؤف ہوکر رہ جاتی ہے، نیز بے شمار بیماریاں جنم لیتی ہیں، جولا علاج ہیں اور خود اس کے علمبردار کے یہاں (امریکہ) اس پر پابندی ہے، اسرئیل میں یہ دوا اب تک نہیں پلائی گئی ہے، نائیجریا کے علماء نے اس کے خلاف فتویٰ دیا ہے کہ جبکہ خود ماہرین اس کے خلاف ہیں، امریکی افواج کا دعویٰ ہے کہ ہمارے دشمنوں کے خلاف یہ جراثیمی جنگ ہے، جس میں ہم کامیاب ہیں، دنیا پر حکمرانی کا خواب دیکھ رہے یہودیوں نے مسلمانوں کو اعتقادی روحانی اور اخلاقی اعتبار سے کمزور کرنے اور ان کے اجسام کو فاسد بنانے کے لیے ہی منصوبہ بند طریقے سے مختلف قسم کے ٹیکے، انجکشن اور دوائیاں ایجاد کی ہیں، یہ انہی میں سے ہے، لہٰذا اس سے افزائش نسل پر براہ راست اثر پڑتا ہے، ان تمام حقائق کو پیش نظر رکھ کر قرآن وحدیث کی روشنی میں ہماری راہنمائی فرمائیں کہ ہم مخالفت کریں یا حمایت؟

المستفتی: محمد سلمان عفا اللہ عنہ مدرسہ تعلیم القرآن جانسٹھ مظفرنگر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: پولیو کے بارے میں سوالات آتے رہتے ہیں، اس کے بارے میں واضح کیا جاتا ہے کہ اس کے مضر پہلو اور مفید پہلو سے متعلق ہم کو نہ ہی کچھ معلومات ہیں اور نہ ہی کوئی تجربہ ہے، اس لیے ہم پولیو کے بارے میں نہ کوئی حکم شرعی لکھ سکتے ہیں، اور نہ کوئی ذمہ داری قبول کر سکتے ہیں، لہٰذا ہم اتنی بات کہہ سکتے ہیں کہ پولیو کے بارے میں کوئی معلومات نہیں رکھتے۔

عن ابن مسعودؓ قال: يأيها الناس من علم شيئا فليقل به و من لم يعلم فليقل الله أعلم، فإن من العلم أن يقول لما لا يعلم ألله أعلم. (بخاری شریف، باب قوله و ما أنا من المتكلفين، النسخة الهندية ٢/ ٧١٠ رقم: ٤٦٢٣، ف: ٤٨٠٩، صحيح مسلم، باب الدخان، النسخة الهندية ٢/٣٧٣، بيت الأفكار، رقم: ٢٧٩٨، مشكوٰة شريف ١/ ٣٧) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍جمادی الاولیٰ ۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۹۹۵/۳۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۷/۵/۳ھ

پوسٹ مارٹم

سوال [۱۰۳۷۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: پوسٹ مارٹم کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ کسی مسلمان ڈاکٹر کے لیے ہندوستانی قانون کے مطابق پوسٹ مارٹم کرنے کی اجازت ہے یا نہیں؟

المستفتی: محفوظ الرحمٰن بہرائچی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: پوسٹ مارٹم کرنا مردہ انسان کی بے حرمتی ہے چاہے انسان مسلمان ہو یا غیر مسلم، سب کا حکم برابر ہے اور پھر پوسٹ مارٹم کر کے اس کے اعضاء کو نکال لینا شریعت اسلامی میں جائز نہیں ہے، ہم ہندوستانی قانون کی مخالفت نہیں کرتے بلکہ شریعت کے قانون کا احترام کرتے ہیں، اور قانون شریعت کے مطابق کسی بھی ڈاکٹر کے لیے مردہ انسان کے اعضاء کاٹ کر نکالنا جائز نہیں ہے، چاہے ڈاکٹر مسلمان ہو یا غیر مسلم۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۴/ ۱۸۸، جدید مطول ۱۲/ ۴۵۳، کتاب الفتاویٰ ۳/ ۲۵۱)

﴿**قال الله تعالىٰ: وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْ اٰدَمَ.** [الإسراء: ۷۰]﴾

عن عائشة –رضي الله عنها– أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: كسر عظم الميت ككسره حيا. (سنن أبي داؤد، باب في الحفاء يجد العظم هل يتنكب ذلك المكان، النسخة الهندية ۲/ ۶۵، دار السلام رقم: ۳۲۰۷، مسند أحمد بن حنبل ۶/ ۱۰۵، رقم: ۲۵۲۴۶، سنن ابن ماجه، باب في النهي عن كسر عظام الميت، النسخة الهندية ۱/ ۱۱۶، دار السلام رقم: ۱۶۱۶)

والآدمي مكرم شرعاً و إن كان كافرا. (شامي، باب بيع الفاسد، مطلب: الآدمي مكرم شرعاً و لو كافرا، زكريا ۷/ ۲۴۵، كراچی ۵/ ۵۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱ر جمادی الثانیہ ۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۰۳۴)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۷/۶/۱۱ھ

انتقال کے بعد سینہ چیر کر مشین نکالنا

سوال [۱۰۳۷۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: موجودہ دور کے ترقی یافتہ طریقۂ علاج میں ہارٹ کے مریض کے سینہ میں پیس میکر نامی ایک مشین بٹھائی جاتی ہے، جو بہت قیمتی ہے، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایسے مریض کے انتقال کے بعد اس کے سینہ کو چیر کر یہ مشین نکالی جاسکتی ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد مصدق حسین بردوان مغربی بنگال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر وہ مشین قیمتی ہے اور میت کے احترام کا خیال رکھتے ہوئے ضرورت کے مطابق سینہ چاک کر کے مشین نکالی جاسکتی ہے تو نکالنے کی گنجائش ہے، نیز اس بات کا بھی خیال رکھا جائے کہ جو چیز نکالی جائے اس کی قیمت دس درہم چاندی سے زیادہ ہو۔

لو بلع عشرة دراهم ومات يشق، وأفاد البيري عدم الخلاف في الدراهم والدنانير لعدم فسادها. (شامی، کتاب الغصب، زکریا ۹/ ۲۸۱، کراچی ۶/ ۱۹۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/ رجب المرجب ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۴۰۳)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۸/۸/۱۱ھ

کیا سانپ کے کاٹنے کی وجہ سے آدمی مرتا نہیں ہے؟

سوال [۱۰۳۷۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: لوگوں کا خیال ہے کہ اگر کسی کے سانپ کاٹ لے تو وہ لوگوں کی نظر میں مرجاتا ہے، حتی کہ ڈاکٹر وغیرہ بھی اس کو مرا ہوا قرار دیتے ہیں، لیکن حقیقت میں وہ مرتا نہیں، لہٰذا جب لوگ اس کو دفن کر کے چلے آتے ہیں تو سپیرے رات میں اس کو نکال لیتے ہیں، اور اس کو

زندہ کر لیتے ہیں، پھر وہ سپیروں کے جادو کردینے کی وجہ سے گھر والوں سے متنفر ہو جاتا ہے، اوران کے پاس نہیں آتا، اورسپیرے اسے اپنے پاس سے جدا نہیں ہونے دیتے، آیا یہ درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: عبدالسمیع نجیب آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سانپ کے کاٹنے کی وجہ سے بالکل نہ مرنے کی بات صحیح نہیں ہے، بلکہ کبھی مرجاتا ہے اور کبھی زندہ بھی رہ جاتا ہے، اگر زندہ رہ کر بے ہوش ہو جاتا ہے تو ماہر طبیب اس کو اچھی طرح اپنے آلات کے ذریعہ سے جان سکتے ہیں، اور دفن کے بعد سپیرے کا قبر سے نکال کر زندہ کرنے کی بات منگھڑت ہے، اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے، یہ محض کمانے کا حیلہ ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶؍ ذی الحجہ ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۷۷۶)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴/۱۲/۲۶ھ

عذر کی بنا پر کان میں سوراخ کرانا

سوال [۱۰۳۷۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: شریعت کی رو سے مرد کے لیے جائز نہیں ہے کہ کان میں سوراخ وغیرہ کھلوا لے، اگر کسی عذر کی بنا پر کان میں سوراخ کھلوائے، مثلاً مشہور ہے کہ اگر کسی کے خصیہ میں پانی اتر آئے اور وہ کھنچ کر لمبا ہو جائے تو کان میں ایک رگ ہوتی ہے اس میں سوراخ کھولنے سے یہ مرض دور ہو جاتا ہے، لہٰذا کان میں سوراخ کھول دیتے ہیں، کچھ دن تک تو اس میں تار پڑا رہتا ہے، اس کے بعد سینک ڈال دیتے ہیں جیسا کہ عورتیں کرتی ہیں تو کیا یہ امر جائز ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر واقعی کان میں سوراخ کرنے سے مذکورہ

مرض دور ہو جاتا ہے اور اس مرض کے لیے کوئی دوسرا علاج بھی کامیاب نہیں ہے تو ایسی صورت میں بدرجہ مجبوری سوراخ کرنے کی گنجائش ہے، مگر اس میں عورتوں کی طرح تار یا سینک وغیرہ ڈالنا ہرگز جائز نہ ہوگا۔

ثقب الأذن لتعليق القرط وهو من زينة النساء، فلا يحل للذكور.

(شامی، کتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره زكريا ٩/٦٠٢، کراچی ٦/٤٢٠)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍صفر المظفر ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۳۵۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۶/۲/۲۶ھ

بلڈ پریشر کنٹرول کرنے کے لیے ہاتھ میں چین پہننا

سوال [۱۰۳۷۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بلڈ پریشر کنٹرول کرنے کے لیے ہاتھ میں چین کا پہننا درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد اقبال شمسی طویلہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: بلڈ پریشر کنٹرول کرنے کے لیے یا کسی اور بیماری کے علاج کے لیے سونے چاندی کے علاوہ دیگر دھات کی چین کا استعمال درست ہے۔

(مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۴/۴۲۱، ڈابھیل ۱۹/۶۳۳، رحیمیہ قدیم ۶/ ۲۷۹، جدید زکریا ۱۰/ ۱۵۷)

بقي الكلام في بند الساعة الذي تربط به ويعلقه الرجل بزر ثوبه، والظاهر أنه كبند السبحة الذي تربط به. (شامی، کتاب الحظر الإباحة، باب الاستبراء وغيره زكريا ٩/٥١٠، کراچی ٦/٣٥٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷؍ربیع الاول ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۷۱۲۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۳/۱۸ھ

چہرے پر دانوں کے علاج کے لیے تانبے کا چھلہ پہننا

سوال [۱۰۳۷۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: چہرے پر دانوں کے علاج کے لیے تانبے کا چھلہ پہننا درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: اقبال شمسی ہاؤس طویلہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تانبے کا چھلہ پہننے سے چہرہ پر دانے نہیں ہوتے تو اس کی شرعاً کوئی اصل نہیں ہے، اور اگر واقعی کسی حکیم یا طبیب نے بطور علاج دانوں کے ختم کرنے کے لیے تانبہ کا چھلہ بتایا ہو اور تجربہ سے اس کا فائدہ ظاہر ہو چکا ہو تو ایسی صورت میں بطور علاج تانبہ کا چھلہ پہننے کی گنجائش ہے۔ (مستفاد: محمودیہ قدیم ۱۴/۴۲۱، ڈابھیل ۱۹/۳۶۳، رحیمیہ قدیم ۶/۲۷۹، جدید زکریا ۱۰/۱۵۷)

بقی الکلام فی بند الساعة الذی تربط به ویعلقه الرجل بزر ثوبه، والظاهر أنه کبند السبحة الذی تربط به. (شامی، کتاب الحظر الإباحة، باب الاستبراء وغیره زکریا ۹/ ۵۱۰، کراچی ۶/ ۳۵۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍ربیع الاول ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۷۱۲۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۳/۱۸ھ

ہاتھی کا دانت، گٹھلی، لکڑی، دھات کے چھلے وغیرہ بطور علاج استعمال کرنا

سوال [۱۰۳۷۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کسی بیماری کی وجہ سے کوئی کسی چیز کی گٹھلی یا خشک پھل لکڑی یا کسی قسم کا پتھر ہاتھ پیر اور گلے میں ڈال سکتے ہیں، بہت لوگوں کو ہاتھی کا دانت جیسی چیز، پیروں میں باندھے ہوئے دیکھا گیا ہے، اور مختلف قسم کے دھاتوں سے بنی انگوٹھی چھلہ کسی بیماری، بواسیر وغیرہ کے لیے ہاتھوں میں ڈال سکتے ہیں یا نہیں؟ شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ اشیاء کوامراض کی وجہ سے دفع امراض کے لیے استعمال کرنے کا تعلق کسی فقہی مسئلے سے نہیں ہے، بلکہ فن طب اور تجربہ سے اس کا تعلق ہے، اگر تجربہ سے ان اشیاء کا استعمال مفید ثابت ہوتو ضرورتاً جائز اور درست ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۴/ ۴۲۱، ڈابھیل ۱۹/ ۳۶۳)

بقی الکلام فی بند الساعة الذی تربط به ویعلقه الرجل بزر ثوبه، والظاهر أنه کبند السبحة الذی تربط به. (شامی، کتاب الحظر الإباحة، باب الاستبراء وغیره زکریا ۹/ ۵۱۰، کراچی ۶/ ۳۵٤) **فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱/ ربیع الثانی ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/ ۳۳۹۱)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱/ ۴/ ۱۴۱۴ھ

ایک ساتھ کتنے کیلے کھائیں؟

سوال [۱۰۳۷۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک صاحب آنمحترم کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ مفتی شبیر صاحب نے ارشاد فرمایا ہے کہ جب کیلے کھائیں تو ایک نہ کھائیں بلکہ دو کھائیں، معلوم یہ کرنا ہے کہ آنجناب کا یہ فرمانا از روئے طب ہے یا شرعاً کوئی ہدایت ہے؟

المستفتی: عبدالرشید قاسمی، سیڈھا بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: احقر نے دو کیلے کھانے کی بات اور خود احقر کو یاد بھی ہے کہ کئی جگہ کیلے کھاتے وقت کہا ہے، یہ شریعت کے نقطہ نظر سے نہیں ہے، بلکہ فن طب اور حکیموں کے مشورہ سے کہا ہے کہ ایک کیلا قبض کرتا ہے اور دو کیلے قبض کشا ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/ شعبان المعظم ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۳۹۳)

۲ باب أعضاء الإنسان وأجزائه

بلڈ ڈونیشن کی شرعی حیثیت

سوال [۱۰۳۷۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کیا کوئی مسلمان کسی دوسرے مسلمان کا خون اپنے جسم میں بطور ضرورت کے داخل کراسکتا ہے یا نہیں؟ کافی عرصہ سے یہ سلسلہ چل رہا ہے کہ ڈاکٹر صاحبان بیمار مسلمان کے اندر خون کی شدید کمی ہونے کی وجہ سے یا آپریشن کرنے کی وجہ سے کسی دوسرے مسلمان رشتہ دار کا خون بیمار مسلمان کے جسم میں داخل کرتے ہیں، کیا یہ جائز ہے؟ جبکہ مسلمان کا خون اللہ کے نزدیک محترم ومعظم ہے، اور پھر جسم سے شرعی مقدار میں خون نکلنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، اور وہ حرام ہوجاتا ہے، کیا دورِ صحابہ میں کسی صحابی نے اپنے جسم کا خون یا کوئی دوسرا عضو بطور خدمت خلق کے کسی دوسرے مسلمان کو عطیہ میں پیش کیا ہے، میرے دوست کا آپریشن ہونا ہے، اس کو خون کی سخت ضرورت ہے، کیا وہ کسی کافر ومشرک کا خون اپنے جسم میں چڑھوا سکتا ہے؟

المستفتی: حافظ محمد قاسم مرادآبادی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: عام حالات میں جب کوئی اضطراری صورت نہ ہوتو آیت قرآنی ''حرمت علیکم المیتۃ والدم'' کے پیش نظر ایک انسان کا خون دوسرے کے بدن میں داخل کرنا حرام ہوگا، البتہ جب کسی مریض کی ہلاکت کا خطرہ ہو اور خون دینے سے اس کی جان بچنے کا ظن غالب ہو تو ایسی اضطراری حالت میں بقدر ضرورت ''**الضرورات تبيح المحظورات**'' (قواعد الفقہ اشرفی ص:۸۹، رقم:۷۰) کے پیش نظر خون دینا جائز ہوگا۔

(مستفاد: ایضاح النوادر ص:۱۱۳، رحیمیہ قدیم ۱۰/ ۲۹۶، جدید ۱۰/ ۱۷۴)

يجوز للعليل شرب الدم والبول وأكل الميتة للتداوي إذا أخبره

طبیب مسلم أن شفاء ہ فیه، ولم یجد من المباح ما یقوم مقامه. (هندیه، کتاب الکراهیة، الباب الثامن عشر فی التداوی والمعالجات، زکریا قدیم ۳۵۵/۵، جدید ۴۱۰/۵، شامی زکریا ۴۸۰/۷، ۵۵۸/۹، کراچی ۲۲۸/۵، ۳۸۹/۶)

نیز کافرومشرک کا خون بھی ضرورت کے تحت مسلمان اپنے بدن میں داخل کراسکتا ہے اس سے اس کا دل اور بدن کافر کا دل اور بدن نہیں ہوگا۔ (مستفاد: محمودیہ قدیم ۳۴۱/۱۵، ڈابھیل ۳۳۱/۱۸)

والآدمی مکرم شرعاً و إن کان کافرا. (شامی، باب بیع الفاسد، مطلب: الآدمی مکرم شرعاً ولو کافرا، زکریا ۲۴۵/۷، کراچی ۵۸/۵)

اگر چہ دورِ صحابہ میں اعضاء کی پیوند کاری کا سلسلہ شروع نہیں ہوا تھا جس کی بنا پر احادیث شریفہ میں اس کی حلت وحرمت موجود نہیں ہے، اور صحابہ میں سے کسی کا اپنا عضو اور خون دینا ثابت نہیں ہے، اور اس دور میں خون چڑھانے کے آلات بھی موجود نہ تھے، اب جبکہ آلات فراہم ہو گئے تو چڑھانے میں کوئی تردد نہیں، لیکن اتنی بات ضرور یاد رکھنی چاہیے کہ خون دینا جائز ہے، اعضاء دینا جائز نہیں ہے، اس لیے کہ خون اور اعضاء دونوں الگ الگ حکم رکھتے ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ رصفر المظفر ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۷۲۵)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۲/۲۰ھ

مسلمان مریض کو خون دینا کیسا ہے؟

سوال [۱۰۳۸۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص مسلمان بہت زیادہ بیمار ہے، حالت بہت زیادہ نازک ہے، کیا ڈاکٹروں کے مشورہ سے کسی دوسرے مسلمان کے جسم کا خون اس مسلمان مریض کو دے سکتے ہیں، یا نہیں، اب ایسی حالت میں کیا صورت نکل سکتی ہے؟

نوٹ: چند علماء کرام ومفتیان عظام کی یہ رائے ہے کہ یہ جائز نہیں ہے، اب آپ

قرآن وحدیث کی روشنی میں مدلل ومفصل جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: نجیب الرحمٰن بھاگلپوری بروالان مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسی شدید ضرورت کی بناپرایک مسلمان کا خون دوسرے مسلمان کودینا شرعاً جائز اور درست ہے۔ (مستفاد: جواہر الفقہ قدیم ۲/۳۸، جدید زکریا ۷/۴۴)

یجوز للعليل شرب الدم والبول وأكل الميتة للتداوي إذا أخبره طبيب مسلم أن شفاءه فيه، ولم يجد من المباح ما يقوم مقامه. (هنديه، كتاب الكراهية، الباب الثامن عشر في التداوي والمعالجات، زكريا قديم ٥/٣٥٥، جديد ٥/٤١٠، شامي زكريا ٧/٤٨٠، ٩/٥٥٨، كراچی ٥/٢٢٨، ٦/٣٨٩)

اوراگرمسلمان کا خون کسی طرح حاصل نہ ہوسکے توضرورت شدیدہ کی بناپر غیرمسلم کا خون بھی جائز ہے۔ (مستفاد: جواہر الفقہ قدیم ۲/۴۰، جدید زکریا ۷/۴۹)

والآدمي مكرم شرعاً وإن كان كافرا. (شامي، باب بيع الفاسد، مطلب: الآدمي مكرم شرعاً ولو كافرا، زكريا ٧/٢٤٥، كراچی ٥/٥٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍ذیقعدہ ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/۲۹۰۱)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۲/۱۱/۲۷ھ

بلڈ بینک کا حکم

سوال [۱۰۳۸۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص مریضوں کی طبی خدمت کرتا ہے، ان متنوع خدمات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ کیمپ لگاتا ہے جس میں ہندو مسلم ہر طرح کے لوگ آکر بخوشی خون دیتے ہیں، پھر شخص مذکور خون کی بوتلیں ''بلڈ بینک'' میں جمع کردیتا ہے، ان صورتوں میں معاوضہ کا کوئی تصور نہیں ہے، صرف اتنا ہے کہ ''بلڈ بینک'' خادم کو ایک کارڈ دیتی ہے جس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ

کسی بھی قسم کے مرض کا حامل شخص جسے خون کی اشد ضرورت پڑتی ہے اسی خادم مذکور سے رابطہ کرلیتا ہے، اور وہ کارڈ دے کر بینک میں بھیج دیتا ہے، بینک والے اس کے خون کی جانچ پڑتال کے بعد مطلوبہ خون اسے چڑھا دیتے ہیں، اس درمیان جو محنتیں انہوں نے کر رکھی ہیں، مثلاً خون کی بوتلیں فریج میں رکھنا، بلڈ ٹسٹ کرنا، چڑھانا، بجلی بل، وغیرہ کا خرچہ بینک ان بوتلوں کے گاہکوں سے وصول کرتا ہے، ایک خون کی بوتل کے ۳۵۰/ روپئے لیتا ہے، جو در حقیقت ان کی اپنی محنتوں اور خرچوں کا بدل ہوتا ہے، خون کا معاوضہ نہیں ہوتا ہے، لہٰذا اب آپ سے چند صورتیں، دریافت طلب ہیں:

(۱) خون کا ذخیرہ کرنے کے لیے کیمپ لگانا درست ہے؟

(۲) بلاتفریق مذہب ہر فرد بشر کا اس امر میں دلچسپی لینا درست ہے؟

(۳) ہمدردی کے عنوان سے گلی گلی اور محلّہ محلّہ لوگوں کو اس امر کی انجام دہی کے لیے اکسانا درست ہے؟

(۴) اگر درست نہیں ہے تو پھر انسانوں کی اس خونی ضرورت کو بروئے کار لانے کے لیے دوسری کون سی شرعی شکل اختیار کی جائے؟

المستفتی: محمد رضوان قاسمی سورت

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: خون کی ضرورت کے پیش نظر باقاعدہ کیمپ لگا کر خون کے عطیات جمع کرنا اصولی طور پر جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ ضرورت اس درجہ کی نہیں ہے کہ کسی ناجائز امر کو جائز قرار دیا جائے، لہٰذا مذکورہ ضرورت کو پورا کرنے کے لیے یہ صورت اپنانی چاہیے، کہ جو لوگ کسی بھی ضرورت مند کے لیے خون دینے کی پیشکش کریں، ان کا نام و پتہ اور فون نمبر اپنے دفتر میں نوٹ کر کے رکھیں اور جب کسی مسلمان کو خون کی فوری طور پر سخت ضرورت ہو تو مذکورہ افراد سے رابطہ کر کے ان کو ہسپتال بھیج کر ان سے خون دلوا دیا جائے، تو اس صورت کی گنجائش ہوگی۔ حضرت مفتی نظام الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حفظ ما تقدم کے طور پر بلڈ بینک میں رضا کارانہ طور پر خون دینے کی اجازت لکھی ہے، بشرطیکہ بوقت

ضرورت اس کو بلڈ بینک سے اپنے گروپ کا خون مفت میں ملتا ہو۔ (مستفاد: محمودیہ ڈابھیل ۱۲/ ۷۸-۷۹، ایضاح النوادر ص: ۱۳۷، کتاب الفتاویٰ ۶/ ۲۱۳، فقہی مقالات ۴/ ۱۲۴، ۱۴۳)

لم يبح الإرضاع بعد مدته لأنه جزء آدمي والانتفاع به بغير ضرورة حرام. (در مختار مع الشامي، كتاب النكاح، باب الرضاع زكريا ٤/ ٣٩٧، كراچى ٣/ ٢١١)

حرمة الانتفاع بأجزاء الآدمي لكرامته. (هدايه اشرفى ديوبد ١/ ٤١، هنديه زكريا قديم ٥/ ٣٥٤، جديد زكريا ٥/ ٤٠٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۴۹۵)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۶/ ۴/ ۱۴۳۵ھ

انسانی اعضاء کا قیمتاً یا ہدیتاً دینا

سوال [۱۰۳۸۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کیا کسی انسان کو اپنے اعضاء میں سے کوئی عضو قیمتاً یا ہدیتاً دینے کا حق ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: انسان اپنے اعضاء کا مالک نہیں ہے، اس لیے کسی بھی انسان کو اپنے اعضاء میں سے کوئی عضو قیمتاً یا ہدیتاً دینے کا حق نہیں ہے، نہ زندگی میں نہ موت کے بعد۔ (ایضاح النوادر ص: ۱۱۲، جواہر الفقہ جدید ۷/ ۶۰، کتاب الفتاویٰ ۵/ ۲۶۹، فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل ۱۸/ ۳۳۵، میرٹھ ۲۷/ ۳۲۵)

الآدمي محترم بعد موته على ما كان عليه في حياته، فكما لايجوز التداوي بشيئ من الآدمي الحي إكراما، فكذلك لايجوز التداوي بعظم الميت، قال رسول الله ﷺ: كسر عظم الميت ككسر عظم الحي. (شرح سير الكبير ١/ ٨٩)

لايجوز بيع شعور الإنسان ولا الانتفاع به لأن الآدمي مكرم لا مبتذل فلا يجوز أن يكون شيئ من أجزائه مهانا مبتذلا. (هدايه، باب البيع الفاسد، اشرفى ديوبند ٣/ ٥٥،

البحر الرائق كوئٹه ٦/٨١، زكريا ٦/١٣٣، فتح القدير كوئٹه ٦/٦٣، زكريا ٦/٣٩٠-٣٩١)

عن عائشةؓ أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: كسر عظم الميت ككسره حيا.
(أبوداؤد، الجنائز، باب في الحفار، يجد العظم هل ينتكب ذٰلك المكان، النسخة الهندية ٢/٤٥٨، دار السلام رقم: ٣٢٠٧)

مضطر لم يجد ميتة وخاف الهلاك فقال له رجل: اقطع يدي وكلها أو قال: اقطع مني قطيعة وكلها لا يسعه أن يفعل ذٰلك، ولا يصح أمره به كما لايسع للمضطر أن يقطع قطعة من نفسه فيأكل. (هنديه، كتاب الكراهية، الباب الحادي عشر زكريا قديم ٥/٣٣٨، جديد ٥/٣٩١، خانية، جديد زكريا ٣/٢٩٢، وعلى هامش الهندية ٣/٤٠٤، بزازيه جديد زكريا ٣/٢٠٧، وعلى هامش الهندية ٦/٣٦٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲/۱۲/۱۴۳۴ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۳۲۴)

مرنے کے بعد اپنے اعضاء کی عوض یا بلاعوض اسپتال میں دینے کی وصیت

سوال [۱۰۳۸۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ انسان اپنی زندگی میں اپنی آنکھیں دوسرے کے لیے وقف کرسکتا ہے یا نہیں؟ کیونکہ اکثر حادثات اور بیماری لاحق ہو جانے کی وجہ سے آنکھوں کی روشنی چلی جاتی ہے، ابھی دنیا میں روشنی واپس لانے والی کوئی دوائی دستیاب نہیں ہوئی ہے، بلکہ دنیا کے اکثر ملکوں بشمول عرب ممالک وہندوستان میں انسان کے مردہ جسم سے آنکھیں حاصل کر لی جاتی ہیں، اور ان آنکھوں میں سے ڈاکٹر پتلی علیحدہ کر کے بذریعہ آپریشن دوسرے زندہ انسان کے جسم میں لگا دیتے ہیں، یہ حکم ربی تو ہے کہ انسان کو روشنی واپس مل جاتی ہے، جیسا کہ میری داہنی آنکھ میں بذریعہ آپریشن پتلی لگائی گئی ہے، اور آہستہ آہستہ الحمد للہ روشنی واپس آرہی ہے، اگر انسان کی بھلائی اور بطور ثواب کے زید، عمر، بکر کوئی بھی اپنی زندگی میں ہی اپنی آنکھوں کو بینک میں جمع

کردے بعد اپنے اعزہ واحباب کو مطلع کردے کہ میں نے مرنے کے بعد اپنی دونوں آنکھیں فلاں آنکھ بینک یا ڈاکٹر کو وقف کردیں ہیں، میری موت کے واقع ہوجانے کے بعد میری موت کی اطلاع متعلقہ ڈاکٹر کو کردینا تاکہ میرے مردہ جسم سے ڈاکٹر آنکھ نکال کر دوسرے انسان کے لگادے، ایسا کرنے کے لیے شرعاً کیا حکم ہے؟

المستفتی: حافظ ظہیر الحق پیرزادہ حیات نگر گلی ۲ر مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حق تعالیٰ شانہ نے انسان کو اپنی قدرت کاملہ کا خاص مظہر بنایا ہے، اور اس کے بدن میں بولنے دیکھنے یا سننے یا سمجھنے وغیرہ کے لیے نازک خود کار مشین لگادی ہیں، گویا انسان ایک چلتی پھرتی فیکٹری ہے، جس میں سینکڑوں نازک خودکار مشین کام کرتی رہتی ہیں، یہ سب مشینیں خالق کائنات نے انسان کو ودیعت وامانت کے طور پر دی ہیں، انسان کو ان چیزوں کا مالک نہیں بنایا ہے، اسی وجہ سے جس طرح خودکشی کرنا حرام ہے اور سخت قسم کی خدائی وعید کا مستحق ہوتا ہے، اسی طرح اپنا کوئی عضو کسی دوسرے کو رضا کارانہ طور پر بلامعاوضہ یا بالمعاوضہ لے کر دینا حرام اور مستحق وعید ہے جب انسان خود اپنے اعضاء کا شرعاً مالک نہیں ہوتا تو مالکانہ طور پر اپنے اعضاء کو نہ فروخت کرسکتا ہے نہ وقف کرسکتا ہے، نہ کسی کے لیے وصیت کرسکتا ہے، اس لیے سوالنامہ میں درج شدہ صورت ناجائز اور حرام اور موجب وعید ہے، بظاہر نفع کا معاملہ ہے، مگر اس کا نقصان پوری نوع انسانی پر پہنچ سکتا ہے۔

﴿**قوله تعالیٰ: وَعَسَى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَكُمْ** . [البقرة: ٢١٦] ﴾

﴿**وقوله تعالیٰ: وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْ اٰدَمَ** . [الإسراء: ٧٠] ﴾

عن عائشة رضـ أن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم قال: كسر عظم الميت ككسره حيا.

(أبوداؤد، الجنائز، باب في الحفار، يجد العظم هل ينتكب ذلك المكان، النسخة الهندية ٢/٤٥٨، دار السلام رقم: ٣٢٠٧)

لو رأى مضطرا فأراد أن يقطع يده ويعطيه لتناوله لا يحل له ذلك. (بزازيه زكريا جديد ٣/٦٦، وعلى هامش الهندية ٦/١٣٢، جواهر الفقه قديم ٢/٤٣، جديد زكريا ٧/٦٠)

وفي الهندية: الانتفاع بأجزاء الآدمي لم يجز. (فتاویٰ عالمگیری، الباب الثامن عشر في التداوي والمعالجات زكريا قديم ٥/٣٥٤، جديد ٥/٤٠٩، هدايه اشرفي ٤١/١)

وفي الشامي: والآدمي مكرم شرعاً وإن كان كافراً فإيراد العقد عليه وابتذاله به وإلحاقه بالجمادات إذلال له وهو غير جائز. (شامي، باب البيع، مطلب: الآدمي مكرم شرعاً ولو كافراً زكريا ٢٤٥/٧، كراچي ٥٨/٥، كوئٹه ١٤٥/٤)

لہٰذا اوپر مذکورہ دلائل کی بناء پر سوالنامہ میں درج شدہ صورت اور معاملہ ہرگز جائز نہیں ہے۔(تفصیل: جواہر الفقہ قدیم ص:۴۳، جدید ۶۰/۷)مطالعہ فرمائیں۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰/ جمادی الاول ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۶۷۳/۲۳)

بیمار کو گردہ دینا

سوال [۱۰۳۸۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اچانک زید کے گردے نوے فیصد خراب ہوگئے، ماہر امراض گردہ ڈاکٹروں نے اس کا علاج یہ بتایا ہے کہ زید کو اپنے کسی عزیز کا گردہ لے کر اپنے جسم میں پیوند کاری کرانی ضروری ہے، بصورت دیگر عدم تصفیہ دم ڈایالیسس کی وجہ سے زید کی زندگی ہمیشہ خطرہ میں رہے گی، اور ڈایالیسس کی وجہ سے ادویات کا ماہانہ خرچ ۸۰/ ہزار روپئے ہے، جو کہ تادم آخر کرانا، بہت گراں ہے تو کیا اپنی زندگی کے تحفظ کے لیے زید پیوند کاری کراسکتا ہے یا نہیں؟ کیونکہ نہ کرانے کی صورت میں یا تو ہر ہفتہ اپنی ڈایالیسس کراتا رہے یا پھر رفتہ رفتہ وہ موت کے قریب جا پہنچے گا؟

المستفتی: محمد انور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: دوسرے عزیز کے لیے اپنا گردہ نکلوا کر دینا جائز نہیں ہے، البتہ اضطراری حالت میں ہسپتال میں کسی کا گردہ پہلے سے رکھا ہوا مل جائے تو اس

کو لگانے کی گنجائش ہے۔

﴿قال الله تعالىٰ: وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْ اٰدَمَ. [الإسراء: ٧٠]﴾

﴿قال الله تعالىٰ: وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ. [الأنعام: ١١٩]﴾ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴/ ذیقعدہ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۲۹۲/۴۰)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۱/۱۱/۱۴۳۴ھ

گردوں کی تبدیلی اور ہبہ کا حکم

سوال [۱۰۳۸۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: آج کل لوگوں کی ایک بڑی تعداد گردے کے مرض کا شکار ہوتی ہے اور بعضوں کی حالت ایسی ہوجاتی ہے کہ ماہر ڈاکٹروں کا مشورہ ہوتا ہے کہ اگر ان کے گردے نہ بدلے جائیں، تو ہلاکت یقینی ہے، ایسی مجبوری کی حالت میں کیا کیا جائے۔

(۱) گردوں کی تبدیلی حالت اضطراری میں درست ہے یا نہیں؟ ایسے مریضوں کی اعانت کے خاطر دوسرے لوگ اپنا گردہ اپنی رضا سے ہبہ کرسکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: توصیف احمد قاسمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: شریعت کے اندر انسان کے کسی عضو سے انتفاع جائز نہیں ہے، لہٰذا ایک انسان کا گردہ دوسرے کے اندر لگانا اصولی طور پر جائز نہیں۔

لیکن میڈیکل سروس کے تجربہ سے پتہ چلا ہے کہ ایک گردہ کے ذریعہ سے انسان صحیح سلامت اور صحت مندی کے ساتھ زندگی گذار سکتا ہے، اس لیے اضطراری حالت میں اگر کوئی شخص اپنے کسی عزیز یا دوست کو اس کی جان بچانے کے لیے ایک گردہ کا عطیہ کرتا ہے تو اضطراری حالت میں اس کی گنجائش ہے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ص: ۱۱۳، رحیمیہ قدیم ۶/ ۲۸۵، جدید زکریا ۱۰/ ۱۶۹)

الضرورات تبیح المحظورات، الضرورات تتقدر بقدر الضرورة.

الانتفاع بأجزاء الآدمی لم یجز، قیل للنجاسة، وقیل للکرامة هو الصحیح کذا فی جواهر الأخلاطی. (هندیه، کتاب الکراهیة، الباب الثامن عشر فی التداوی والمعالجات، زکریا قدیم ۵/۳۵٤، جدید ۵/٤۰۹)

والآدمی مکرم شرعاً و إن کان کافرا. (شامی، باب بیع الفاسد، مطلب: الآدمی مکرم شرعاً ولو کافرا، زکریا ۷/۲٤۵، کراچی ۵/۵۸)

قوله و إن حرم استعماله أی استعمال جلد و استعمال الآدمی بمعنی أجزائه. (شامی، زکریا ۱/۳۵٦، کراچی ۱/۲۰٤)

مضطر لم یجد میتا و خاف الهلاک فقال له رجل اقطع یدی و کلها أو قال اقطع منی قطعة فکلها لایسعه أن یفعل ذٰلک (إلی قوله) لا یسع للمضطر أن یقطع قطعة من لحم نفسه فیأکل. (فتاویٰ قاضیخان جدید زکریا ۳/۲۹۲، علی هامش الهندیة زکریا ۳/٤۰٤)، هندیه زکریا قدیم ۵/۳۳۸، جدید ۵/۳۹۱، بزازیه جدید زکریا ۳/۲۰۷، وعلی هامش الهندیة زکریا ٦/۳٦٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۲۸ ؍رجب المرجب ۱۴۲۶ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۸۹۷)	۲۸/ ۷/ ۱۴۲۶ھ

اعضاء واجزاء انسانی کا عطیہ

مقالہ خلاصہ

(۱) اضطراری حالات میں کسی انسان کا دوسرے انسان کو خون کا عطیہ دینا بالاتفاق جائز ہے۔

(۲) اگر اضطراری حالت نہ ہو؛ لیکن ضرورت کا دوسرا درجہ ہے، یعنی ضرورت بمعنی حاجت کے درجہ میں ہے، تو ایسی صورت میں خون کا عطیہ دینا تو جائز ہے؛ لیکن ضرورت مند شخص کا متعین اور مشخص ہونا بھی لازم ہے، ایسے شخص کو ایمر جنسی طور پر خون کا عطیہ کرنا جائز ہے۔

(۳) اس تصور کے ساتھ بلڈ بینک قائم کرنا اور اس میں رضا کارانہ طور پر خون کا عطیہ دینا کہ برادرانِ وطن پر اس کے ذریعہ سے اچھا اثر پڑے گا جواز کے دائرہ میں نہیں آتا؛ اس لئے کہ برادران وطن پر اچھا اثر مرتب کرنا ضرورت کے پہلے اور دوسرے درجہ میں داخل نہیں ہے۔

(۴) اگر ایمر جنسی طور پر کسی مریض کو خون کی سخت ضرورت ہو اور اس کا خون ایسے گروپ سے تعلق رکھتا ہو جو بمشکل ملتا ہو اور جس شخص میں اس گروپ کا خون موجود ہو، اس کا اپنا خون دینا اس کے اوپر واجب نہیں ہے اور نہ ہی مستحب ہے؛ بلکہ صرف اباحت اور جواز کے دائرہ میں آسکتا ہے۔

(۵) جگر کا عطیہ دینا انتہائی حساس مسئلہ ہے اور انسانی اعضاء میں جگر اہم ترین اور مرکزی عضو ہے، اس کے بغیر صرف انسانی تصویر ہوسکتی ہے، وہ انسان نہیں ہوسکتا؛ اس لئے مرنے والے شخص کا اپنا جگر دینے کی وصیت کرنا یا مرنے کے بعد وارثین کی اجازت سے جگر کا عطیہ کرنا شرعاً جائز نہیں ہے۔

(۶) آنکھوں کا عطیہ کرنا بھی شرعی طور پر جائز نہیں ہے؛ اس لئے کہ کوئی بھی سرمایہ دار اپنی آنکھوں کا عطیہ نہیں کرے گا؛ بلکہ صرف غریب اور نادار انسان روزگار کی مجبوری میں آنکھوں کا عطیہ کرنے کے لئے تیار ہوسکتا ہے، ایسے حالات میں سرمایہ داروں کی دو آنکھیں ہوں گی اور غریبوں کی ایک آنکھ اور شریعت اس کی اجازت نہیں دے سکتی۔

(۷) دودھ بینک اور اس کا عطیہ یہ اس لئے جائز نہیں ہے کہ حرمت رضاعت کا مسئلہ شریعت میں انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ اور دودھ بینک میں دودھ جمع کرنے کی صورت میں قانون شریعت کے ڈھانچہ کی دیوار ہی باقی نہ رہے گی۔ اور حرمت رضاعت کا مسئلہ جڑ سے ختم ہوجائے گا؛ اس لئے کہ رضاعی بھائی، رضائی ماں، رضاعی باپ، رضاعی چچا وغیرہ کی تعیین لازم ہے، تاکہ حرمت رضاعت کی رعایت کی جاسکے۔ اور دودھ بینک کی شکل میں یہ سارے رشتے ختم ہوجائیں گے۔

اعضاء واجزاءِ انسانی کا عطیہ

سوال [۱۰۳۸۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) کیا ایک مسلمان دوسرے مسلمان یا غیر مسلم کو اس کی ضرورت کی بنا پر خون کا عطیہ دے سکتا ہے؟

(۱۰۳۸۷) قدرتی اور غیر معمولی حادثات میں خون کی بہت زیادہ ضرورت پڑتی ہے؛ کیوں کہ ایک ہی وقت میں بہت سارے زخمیوں کی جان بچانے کی کوشش کی جاتی ہے اور پھر ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی مریض کو جس گروپ کا خون مطلوب ہو فوری طور پر اس گروپ کا خون مہیا نہیں ہوتا؛ چنانچہ اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے ''بلڈ بینک'' قائم ہیں، جہاں لوگ رضا کارانہ طور پر خون کا عطیہ دیتے ہیں اور ایسے بینک بھی عام طور پر خون کی قیمت وصول نہیں کرتے، مفت خون فراہم کرتے ہیں؛ البتہ چاہتے ہیں کہ اس کے بدلے میں متاثر شخص کے متعلقین بھی خون کا عطیہ دیں جو دوسرے مریض کو کام میں آئے، کیا ایسے ''بلڈ بینکوں'' میں مسلمان خون کا عطیہ پیش کر سکتے ہیں؟

(۱۰۳۸۸) خدمت خلق کی مختلف تنظیمیں وقتاً فوقتاً ''بلڈ کیمپ'' قائم کرتی ہیں؛ تاکہ ایمرجنسی حالات کے لئے خون کا عطیہ حاصل کیا جائے اور اسے ''بلڈ بینک'' میں محفوظ کرا دیتی ہیں۔ آج کل بعض مسلم تنظیمیں بھی ایسے کیمپ قائم کر رہی ہیں، خاص طور پر بڑے شہروں میں رسول اللہ ﷺ کی تاریخ ولادت میں ایسے کیمپ لگایا کرتے ہیں اور برادرانِ وطن پر اس کا اچھا اثر مرتب ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے پاس صرف لینے والا ہاتھ نہیں ہے، دینے والا ہاتھ بھی ہے، تو کیا مسلمانوں کے لئے ایسے رضا کارانہ بلڈ بینک کا قائم کرنا جائز ہوگا؟

(۱۰۳۸۹) خون کے عطیہ کے سلسلہ میں ایک قابل غور پہلو یہ بھی ہے کہ اگر کسی مریض کو خون کی شدید ضرورت ہو؛ لیکن اس کا خون ایسے نادر گروپ سے تعلق رکھتا ہو، جو بمشکل ہی ملتا ہو اور اسی گروپ کے خون کا حامل کوئی شخص موجود ہو تو اس کا خون دینا واجب ہوگا یا مستحب یا صرف جائز؟

المستفتی: اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوالات کے جوابات سے قبل تین باتیں بطورِ تمہید سمجھنا ضروری ہے:

(۱) ’’ماکول اللحم حیوانات‘‘ کے اعضاء سے علاج

اللہ تعالیٰ نے اپنی تمام مخلوق میں انسان کو اشرف المخلوقات بنایا ہے۔ اور انسان جس طرح تمام مخلوق میں سب سے زیادہ اشرف مخلوق ہے، اسی طرح انسان کا ایک ایک عضو بھی انتہائی محترم ہے؛ اس لئے شریعت نے انسانی اعضاء اور اجزاء کی حفاظت کے لئے وسیع ترین انتظام فرمایا ہے۔ اور انسانی اجزاء اور اعضاء کی حفاظت کے لئے دیگر تمام مخلوق کو انسان کے استعمال کے لئے خادم اور آلہ بنایا ہے، یہاں تک کہ سانپ، بچھو کو بھی انسانی اعضاء کی حفاظت کے لئے بطور علاج استعمال کی گنجائش دی گئی ہے، اسی نقطہ نظر سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن مقدس میں ارشاد فرمایا ہے: ’’**هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا**‘‘ [سورۃ البقرۃ، آیت: ۲۹] ’’اللہ تعالیٰ وہ پاک ذات ہے جس نے روئے زمین کی ہر چیز کو تمہاری منفعت کے لئے پیدا فرمایا‘‘۔ لہٰذا تمام نباتات اور جمادات کو اعضائے انسانی اور اجزائے انسانی کی افزائش اور صحت کے لئے بطور علاج استعمال میں لانا بلاشبہ جائز ہے۔

اب رہے حیوانات، تو حیوانات میں سے ماکول اللحم اور حلال جانوروں کو انسانی اعضاء کی افزائش کی غرض سے استعمال کرنا بلا تکلف جائز ہے اور جن اشیاء کو انسانی اعضاء کی افزائش کے لئے بطور خوراک استعمال کرنا جائز ہے، ان کو بطور علاج استعمال کرنا بھی بلا تردد جائز ہے۔

اب رہا ان ماکول اللحم جانوروں کے فضلات کا استعمال، تو ان جانوروں کے فضلات میں سے دودھ کا استعمال بھی بالاتفاق جائز ہے؛ لیکن انسانی اعضاء کی منفعت کے لئے بطور علاج پیشاب کا استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟ تو اس سلسلے میں حضراتِ ائمہ ثلاثہ اور امام محمدؒ کے نزدیک چونکہ ماکول اللحم جانوروں کا پیشاب پاک ہے؛ اس لئے بطور علاج ان جانوروں کا پیشاب استعمال کرنا ان کے نزدیک بلا تردد جائز ہے؛ لہٰذا ان

کے قول کے مطابق ''آیورویدک دوائیں'' جن میں گائے کا پیشاب پڑتا ہے، ان کا استعمال کرنا بلاتکلف جائز ہے؛ لیکن اس کے برخلاف حضرات شیخین کے نزدیک ماکول اللحم جانوروں کا پیشاب پاک نہیں ہے؛ بلکہ نجاست خفیفہ ہے، اس لیے شدید ضرورت کے وقت بطورِ علاج بھی ان کے نزدیک ماکول اللحم جانوروں کا پیشاب استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔ اور حضرت امام ابو یوسفؒ کا قول ہے کہ اگر ماہر تجربہ کار ڈاکٹر یا حکیم نے اس میں شفا ہونے کی تائید کی ہو تو ضرورت اور مجبوری کے وقت بطور علاج ماکول اللحم جانوروں کا پیشاب استعمال کرنے کی گنجائش ہے، اسی پر حنفیہ کا فتویٰ ہے۔

(۲) غیر ماکول اللحم حیوانات کے اعضاء سے علاج

غیر ماکول اللحم جانوروں کے اعضاء کو انسانی اعضاء کی افزائش کے لئے بطور خوراک استعمال کرنا باتفاق فقہاء جائز نہیں ہے؛ لیکن ان کے اعضاء کا انسانی اعضاء کی حفظانِ صحت کے لئے بطورِ علاج استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟ تو ''الضَّرُورَاتُ تُبِيحُ المَحظُورَات'' کے اصول کے مطابق بطورِ علاج غیر ماکول اللحم جانوروں کے اعضاء کو استعمال کرنا مجبوری کے تحت جائز اور درست ہے، یہاں تک کہ سانپ کا پتہ اور بچھو کا تیل وغیرہ یہ سب انسانی اعضاء کی حفظانِ صحت کے لئے خارجی استعمال میں لانا بلاشبہ جائز ہے، یعنی اعضاء کے اوپر لیپ اور مالش کرنے کے طور پر استعمال کرنا بلاشبہ جائز ہے، مگر داخلی استعمال علی الاطلاق جائز نہیں ہے؛ بلکہ آیت قرآنی: ''فَمَنِ اضْطُرَّ فِيْ مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِإِثْمٍ'' [المائدة: ۳] کے پیش نظر انتہائی ضرورت اور مجبوری میں حرام جانوروں کے اعضاء کو بطور علاج داخلی استعمال میں لانے کی بھی گنجائش ہے، یعنی انتہائی مجبوری میں جان بچانے کی غرض سے علاج کے طور پر منہ کے راستہ سے استعمال کرنے کی بھی گنجائش ہے۔

(۳) انسانی اعضاء کا استعمال

انسانی اعضاء کو انسان کی حفظانِ صحت کے پیش نظر استعمال میں لانے کا مسئلہ انتہائی

اہمیت کا حامل ہے اور یہ مسئلہ انتہائی اہم بھی ہے اور بہت زیادہ حساس بھی ہے، اس مسئلہ پر قلم اٹھانے سے پہلے بہت زیادہ غور وخوض کرنے کی ضرورت ہے، پچھلے سمیناروں میں انسانی اعضاء اور اجزاء کے موضوع پر بحث ہو چکی ہے اور اجزاء کی دو قسمیں ہیں:

پہلی قسم

انسان کے وہ اجزاء جن میں کمی زیادتی کی وجہ سے انسانی ساخت میں کسی قسم کا فرق نہیں آتا ہے، وہ اجزاء دوسروں کی ضرورت کے لئے کسی طرح کا عوض اور قیمت لئے بغیر دینے کی گنجائش ہے، جیسا کہ خون بغیر عوض لئے کسی متعین شخص کو فوری ضرورت کے تحت دینے کی گنجائش ہے، جس پر علماء نے اتفاق کرلیا ہے، اسی طرح کسی بچہ کی ماں کا دودھ نہیں نکل رہا ہے، تو دوسری عورت اس متعین بچہ کو اپنی پستان سے دودھ پلاسکتی ہے، مگر شرط یہ ہے کہ جس بچہ کو دودھ پلایا جائے، اس کا اسی طریقہ سے دھیان رکھا جائے جیسا کہ اپنے بچہ کو یاد رکھا جاتا ہے؛ اس لئے کہ دودھ پلانے کی وجہ سے اس بچہ کے ساتھ حرمت مصاہرت کا تعلق ہو چکا ہے۔

دوسری قسم کے اجزاء

انسان کے وہ اجزاء جن میں کمی زیادتی کی وجہ سے انسانی ساخت میں فرق آجاتا ہو جیسا کہ آنکھ، کان، ہاتھ انگلیاں وغیرہ ظاہری اجزاء ہیں، اسی طریقہ سے گردے، دل جگر، معدے، آنت اور پھیپھڑے وغیرہ یہ سب انسان کے وہ اندرونی اعضاء ہیں جن میں سے کسی ایک کے نہ ہونے کی صورت میں اندرونی طور پر قدرتی ساخت میں فرق آجاتا ہے۔

معلوم ہوا کہ انسان کے دو قسم کے اعضاء ہیں: ایک ظاہری اور بیرونی ہیں، دوسرے داخلی اور اندرونی ہیں، تو انسان کی قدرتی ساخت کی بقا کے لئے دونوں قسم کے اعضاء کا اپنی اپنی جگہ پر باقی رہنا لازم اور ضروری ہے۔ اور ان بیرونی اور داخلی اجزاء کی حفظان صحت کے لئے آیت کریمہ: ''هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا'' [سورة البقرة، آیت:

۲۹] کے پیش نظر نباتات وجمادات کے ساتھ ساتھ دیگر حیوانات کو بھی بطور علاج استعمال کرنے کی کسی نہ کسی درجہ میں گنجائش ہے؛ اس لئے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے نزدیک انسانی اعضاء کا بڑا مقام ہے اور ان میں سے ایک ایک عضو کی طاقت وصحت کے لئے اللہ تعالیٰ نے دوسری مخلوق کو پیدا کیا ہے، اس سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ نے انسان اور اس کے اعضاء کو کس قدر اعزاز واحترام کا مقام دیا ہے، اسی لئے قرآن وحدیث میں کہیں بھی انسانی اعضاء کو دوسری مخلوق کے لئے یا خود انسان کے لئے استعمال کی اجازت کی بات نہیں کہی گئی ہے۔

اس تمہیدی گفتگو کے بعد اصل سوالات کے جوابات پیش خدمت ہیں۔

انسانی خون کا عطیہ

مذکورہ اصولوں کے پیش نظر زیر بحث سوالات کے جوابات کو سمجھنا ہے:

(۱) اضطراری حالات میں کسی انسان کا دوسرے انسان کو خون کا عطیہ دینا بالاتفاق جائز ہے، نیز ضرورت بمعنی حاجت جس کو ضرورت کا دوسرا درجہ قرار دیا گیا ہے کہ اگر خون نہ چڑھایا جائے تو سخت مشقت اور دشوارکن حالات سے دوچار ہونا پڑے گا، تو ایسی ضرورت کی وجہ سے بھی اگرچہ کلمہ کفریہ زبان پر جاری کرنا، مردار کھانا جائز نہیں ہے، مگر خون وغیرہ چڑھانا اور خون کا عطیہ لینا اور دینا بھی جائز ہے۔

(۲) سوال نمبر۲ کا جواب یہ ہے کہ حاجت کے درجہ میں جو ضرورت ہوتی ہے اس ضرورت کی وجہ سے خون کا عطیہ کرنا جائز تو ہے؛ لیکن ضرورت مند شخص کا متعین اور مشخص ہونا بھی لازم ہے، مثلاً کسی متعین شخص کو ایمرجنسی طور پر خون کی سخت ضرورت ہے، تو اس متعین شخص کو خون کا عطیہ کرنا جائز ہے؛ لیکن اگر ضرورت مند شخص متعین نہیں ہے اور نہ ہی فی الحال ضرورت مند شخص کا وجود ہے؛ بلکہ آئندہ کبھی کسی شخص کو ضرورت پیش آسکتی ہے، اس لئے پیش قدمی کرتے ہوئے اس کے لئے پہلے ہی سے خون جمع کر کے رکھنے کی بات ہے، تو یہ ایک امکانی چیز ہے، زیادہ سے زیادہ ظن غالب ہے تو ایسی صورت میں ضرورت بمعنی اضطرار

اور ضرورت بمعنی حاجت دونوں میں سے کسی ایک کے بھی دائرہ میں نہیں آتی؛ اس لئے آئندہ ضرورت پیش آنے کے تصور کے ساتھ بلڈ بینک قائم کرنا اور اس میں رضا کارانہ طور پر خون کا عطیہ دینا اصولی طور پر ناجائز ہوگا، ہاں البتہ غیر معمولی حادثات میں بہت زیادہ خون کی ضرورت پڑتی ہے، اور زخمیوں کی جان بچانے کے لیے بروقت کثیر مقدار میں خون کا فراہم ہونا مشکل ہے، تو اس ضرورت کے پیش نظر پہلے ہی مختلف گروپ کے خون کو جمع کر کے رکھنے کی گنجائش ہوسکتی ہے جس کو دوسرے الفاظ میں بلڈ بینک سے تعبیر کی جاتی ہے، اور حضرت الاستاذ مفتی نظام الدین صاحبؒ نے جو بلڈ بینک کو جائز لکھا ہے اس کا حاصل بھی یہی ہے، ملاحظہ ہو: نظام الفتاویٰ قدیم ۱/۴۲۲۔

(۳) اس تصور کے ساتھ بلڈ بینک قائم کرنا اور اس میں رضا کارانہ طور پر خون جمع کرنے کے لئے لوگوں کو دعوت دینا اور بلڈ بینک میں خون جمع کرنا اور وہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخ ولادت میں کیمپ لگوا کر جمع کروانا، تاکہ برادران وطن پر اس کا اچھا اثر مرتب ہو جائے شرعی طور پر جواز کے دائرہ میں نہیں آتا؛ اس لئے کہ برادران وطن پر اچھا اثر مرتب کرنے کے بہت سے مراتب ہو سکتے ہیں۔ اس شکل میں گنجائش ہے جو مفتی نظام الدین صاحبؒ کے فتویٰ کے حوالہ سے لکھا گیا ہے۔

(۴) اگر ایمرجنسی طور پر کسی مریض کو خون کی سخت ضرورت ہو اور اس کا خون ایسے نادر گروپ سے تعلق رکھتا ہو جو بمشکل ملتا ہو، تو اس گروپ کا خون جس شخص میں موجود ہو اس کو اپنا خون دینے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا، نہ اس پر اپنا خون دینا واجب ہے، نہ لازم ہے، ہاں البتہ اگر اس کو اپنی صحت متأثر ہونے کا خطرہ نہ ہو تو اخلاقاً شخص معین کو ایمرجنسی طور پر خون کا عطیہ پیش کر دینا اس کے لئے صرف مستحب اور افضل ہے، لازم یا واجب نہیں۔

جگر کی پیوندکاری اور اس کا عطیہ

سوال [۱۰۳۹۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: انسانی جسم کا ایک اہم ترین عضو جگر ہے، جو غذا کو ہضم کرنے اور انسان کو غذا میں غیر محسوس طور پر آجانے والے مسموم اجزاء سے محفوظ رکھنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے، کچھ عرصہ پہلے تک جگر کی پیوند کاری کو ناممکن سمجھا جاتا تھا؛ لیکن جدید میڈیکل ترقی نے اس کو ممکن بنا دیا ہے اور خود ہندوستان میں اس کے کئی کامیاب آپریشن ہوچکے ہیں، ایک زندہ انسان کا جگر دوسرے انسان کو لگایا جاسکتا ہے؛ کیونکہ میڈیکل تجربہ سے یہ بات ثابت ہوچکی ہے کہ جس انسان کا جگر کاٹ کر نکالا جاتا ہے اس کا باقی حصہ کچھ دنوں میں بڑھ کر اپنی جگہ جگر کامل کو پہنچ جاتا ہے، نیز جس شخص کا انتقال ہوچکا ہو، انتقال کے فوراً بعد اس کا جگر نکالا جاسکتا ہے؛ کیوں کہ پہلے انسان کے دل ودماغ کی موت ہوتی ہے، اس کے بعد چند گھنٹوں تک اعضاء اور خلیات میں حیات باقی رہتی ہے، اگر اس کے باقی رہتے ہوئے کوئی عضو نکال لیا جائے تو وہ دوسرے کو کام آسکتا ہے، کیا اس طرح کسی متعین مریض کو اس کی جان بچانے کے لئے یا اس عضو کو محفوظ کرنے والے کسی طبی ادارہ کو عطیہ کے طور پر دیا جاسکتا ہے، تاکہ ایک انسان کی جان بچائی جاسکے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نمبر ۵ میں دو شکلیں لکھی گئی ہیں:

پہلی شکل یہ لکھی گئی کہ زندہ انسان کے جگر کا ایک حصہ دوسرے کو دیدیا جائے تو باقی بچا ہوا حصہ کچھ دنوں میں بڑھ کر جگر کامل تک پورا ہو جاتا ہے، تو ایسی صورت میں انسانی ساخت اپنی جگہ لوٹ آتی ہے اس لیے رضا کارانہ طور پر اپنے کسی عزیز یا دوست کی جان بچانے کے لیے زندہ انسان کا اپنے جگر کا حصہ دینے کی گنجائش ہے، کیونکہ دینے والے کا جگر بعد میں بڑھ کر پورا ہوجائے گا، مگر اس میں شرط یہ ہے کہ مفت میں دیدیا جائے، خرید وفروخت جائز نہیں ہے۔

دوسری شکل کا جواب یہ ہے کہ مردہ انسان کا جگر انسانی اعضاء میں ایسا اہم ترین اور مرکزی عضو ہے کہ انسان کا دیگر کسی عضو کے بغیر زندہ رہنا ممکن ہے، مگر جگر کے بغیر زندہ رہنا ممکن نہیں، جب مرنے کے بعد اس اہم ترین اور مرکزی عضو کو نکال کر دوسرے کو دے دیا جائے یا آئندہ ضرورت پڑنے پر دوسرے کو دینے کے لئے نکال کر رکھ لیا جائے تو مرنے والا انسان ظاہری شکل وصورت کے اعتبار سے انسانی ڈھانچہ کی شکل میں باقی ہے اور اس کی نماز

جنازہ پڑھی جائے گی اور اسے دفن کیا جائے گا؛ لیکن حقیقت میں اس انسان کا اصلی عضو اس میں باقی نہیں ہے، تصویر کی شکل میں ظاہری ڈھانچہ ہے، حقیقی عضو اس میں باقی ہی نہیں رہتا؛ اس لئے مرنے کے بعد کسی انسان کے جگر کو نکال لینے کی شریعت اجازت نہیں دیتی، اس میں مسلم اور غیر مسلم سب کا حکم یکساں ہے اور اس میں مرنے سے پہلے مرنے والے کی اجازت یا اس کے وارثین کی اجازت کا بھی اعتبار نہیں ہے؛ کیونکہ یہ درحقیقت پوسٹ مارٹم ہے جس کے عدم جواز پر امت کا اتفاق ہے۔

اور مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے اس موضوع پر مدلل مقالہ تحریر فرمایا ہے، جو ہم سب کے لئے حجت شرعی کا درجہ رکھتا ہے۔

دلائل ملاحظہ فرمایئے:

''ابوداؤد شریف'' میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے: ''اعضائے انسانی کا احترام حالتِ حیات میں جس طرح لازم ہوتا ہے، مرنے کے بعد بھی اسی طرح لازم ہوجاتا ہے''۔ حدیث شریف ملاحظہ فرمایئے:

عن عائشة –رضی الله عنها– أن رسول الله ﷺ قال: كسر عظم الميت ككسره حيا. (سنن أبي داؤد، النسخة الهندية ۲/ ۴۵۸، دار السلام رقم: ۳۲۰۷)

اس کو حضرات فقہاء نے بہت واضح الفاظ سے نقل فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے ایک ایک عضو کو محترم بنایا ہے، اسی احترام کا تقاضہ ہے کہ مرنے کے بعد اس کی نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے اور محفوظ طریقہ سے اسے دفن کیا جاتا ہے۔ صاحب بدائع نے اس مسئلہ کو ان الفاظ کے ساتھ نقل فرمایا ہے:

ولو سقط سنه يكره أن يأخذ سن ميت فيشدها مكان الأولى بالإجماع، وكذا يكره أن يعيد تلك السن الساقطة مكانها عند أبي حنيفة ومحمد، ولكن يأخذ سن شاة ذكية، فيشدها مكانها. (بدائع الصنائع، زكريا ۴/ ۳۱۶)

اور ''مبسوط'' کے اندر الفاظ کے فرق کے ساتھ مزید وضاحت فرمائی ہے، ملاحظہ فرمایئے:

ألا ترى! أن شعر الآدمي لا ينتفع به إكراماً للآدمي بخلاف سائر

الـحيوانات، وإن غائط الآدمي يدفن وما ينفصل من سائر الحيوانات ينتفع به. (المبسوط للسرخسي ١٥/ ١٢٥)

اور''ہندیہ'' میں اسی کو صحیح اور راجح قرار دیا ہے کہ انسانی اجزاء سے انتفاع اس کی کرامت اوراحترام کی وجہ سے جائز نہیں ہے۔

الإنتفاع بأجزاء الآدمي لم يجز، قيل: لكرامة هو الصحيح، كذا في جواهر الأخلاطي. (هندية زكريا قديم ٥/ ٣٥٤، جديد زكريا ٥/ ٤٠٩)

مذکورہ تمام دلائل سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ مرنے کے بعد انسان کا جگر جو مرکزی عضو ہے اس کو دوسروں کے واسطہ نکالنا جائز نہیں۔

''آئی بینک''(آنکھوں کا عطیہ)

سوال [۱۰۳۹۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بینائی اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے اوراسی لئے قرآن مجید میں بطور احسان کے قوت بصارت کا بار بار ذکر فرمایا گیا ہے، نابینا ہونے کی بعض صورتیں ایسی ہیں کہ ابھی تک کی تحقیق کے مطابق اس کا علاج نہیں ہوسکتا؛ لیکن بعض صورتوں میں اس کا علاج ممکن ہے کہ ایک انسان کے آنکھ کے قرنیہ کی اس نابینا کے حلقہ چشم میں پیوندکاری کردی جائے، اس طرح اس کو بینائی حاصل ہوسکتی ہے، ایک زندہ شخص کی آنکھ سے بھی اسے حاصل کیا جاسکتا ہے اور مرنے کے بعد بھی چند گھنٹے کے اندر مردہ سے قرنیہ حاصل کیا جاسکتا ہے۔سوال یہ ہے کہ:

الف: اگرکوئی زندہ شخص کسی دوسرے شخص کو اپنی آنکھ کا قرنیہ عطیہ کرے اورسوچے کہ میرا کام تو ایک آنکھ سے چل سکتا ہے، اس سے ہمارے دوسرے بھائی کی آنکھیں بھی روشن ہوجائیں گی، تو کیا ایسا کرنا جائز ہوگا؟

ب: کیا کسی شخص سے قرنیہ اس کی موت کے بعد حاصل کیا جاسکتا ہے؛ تاکہ کسی متعین شخص کو بینائی فراہم کی جاسکے؟

ج: آج کل اس مقصد کے لئے آئی بینک بھی قائم ہیں، جس میں رضا کارانہ طور پر آنکھوں کا عطیہ دیا جاسکتا ہے اور جس کو ضرورت درپیش ہو، آئندہ اس کے حق میں اس سے استفادہ کیا جاسکتا ہے، کیا ایسے بینک کو زندہ یا مردہ شخص کی آنکھوں کا عطیہ دیا جاسکتا ہے؟

سوال: (۷) پانچویں اور چھٹے سوال میں یہ بات بھی وضاحت طلب ہے کہ اگر مردہ شخص کے جسم سے جگر یا آنکھ حاصل کرنی جائز ہو تو اس سلسلہ میں کس کی اجازت معتبر ہوگی، خود اس شخص کی، یا اس کے ورثاء کی، یا دونوں کی؟ یعنی مردہ کی وصیت کافی ہوگی، یا صرف ورثاء کی اجازت دینا کافی ہوگا، یا مردہ کی وصیت کے ساتھ ساتھ اس کے مرنے کے بعد اس کے ورثہ کی طرف سے آمادگی بھی ضروری ہوگی؟

المستفتی: اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نمبر ۶ میں اس بات کو واضح کیا گیا ہے کہ دوسرے کی آنکھ کے ذریعہ سے نابینا کی آنکھ میں روشنی آجاتی ہے؛ اس لئے فوری مرنے والے شخص کی آنکھ فوری طور پر نکالی جائے، تاکہ دوسرے نابینا شخص کے کام آجائے۔ سوال ۷ میں یہ پوچھا گیا ہے کہ جگر یا آنکھ حاصل کرنے کے لئے مرنے والے کی وصیت یا ورثاء کی اجازت ضروری ہوگی اور اس کام کے لئے آئی بینک قائم ہونے کا ذکر آیا ہے، دونوں سوالوں کا جواب یہ ہے کہ: اس سلسلہ میں سب کو معلوم ہے کہ آنکھ انسان کے اعضاء میں سے اہم ترین عضو ہے، ایک آنکھ کے دینے کی وجہ سے انسان کی وہ ساخت باقی نہیں رہتی ہے، جس کو قدرت نے انسان کے وجود کے لئے اور اس کی ضرورت کے لئے بنایا ہے؛ اس لئے ماقبل میں ذکر کردہ اصول کے مطابق مرنے والے آدمی کی آنکھ نکال کر دوسرے کے استعمال کے لئے رکھ لینا آئی بینک میں یا کسی متعین شخص کو فوری طور پر دے دینا شرعاً جائز نہیں ہے، چاہے مرنے والے نے مرنے سے پہلے اپنی آنکھ دوسروں کو دینے کی وصیت کی ہو یا نہ کی ہو، دونوں صورتوں میں جائز نہیں ہے، اسی طرح اس کے وارثین کی اجازت سے بھی جائز نہیں ہے؛ کیوں کہ انسان کے اعضاء انتہائی محترم ہیں متبذل نہیں۔ (مستفاد: جواہر الفقہ جدید زکریا ۷/ ۵۷)

اور سوال نامہ میں یہ بات بھی واضح کی گئی ہے کہ کوئی زندہ شخص جس کی دونوں آنکھیں صحیح ہیں، وہ رضا کارانہ طور پر اپنی ایک آنکھ یہ سوچ کر دے دے کہ میرا کام ایک آنکھ سے چل جائے گا، تو ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ تو شرعاً ایسا کرنا جائز نہیں ہے۔

اس لئے کہ آدمی خود اپنے اعضاء کا مالک نہیں ہے اور کسی بھی عضو میں مالکانہ تصرف بھی جائز نہیں، اس کو نہ یہ حق ہے کہ اپنے کسی عضو کو دوسرے کے ہاتھوں فروخت کردے، یا دوسروں کو تحفہ اور ہدیہ میں دے؛ اس لئے کہ انسان خود اپنے اعضاء کا مالک نہیں ہوتا، جب چاہے اس میں مالکانہ تصرف کر کے اسے فروخت کرے یا ہدیہ میں دے۔

لہٰذا دو آنکھ والا آدمی اپنی دونوں آنکھوں میں سے ایک آنکھ دوسروں کو دے دے قطعاً جائز نہیں ہے؛ کیوں کہ وہ اپنی آنکھ کا خود مالک نہیں ہے، نیز کوئی بھی سرمایہ دار اپنی دو آنکھوں میں سے ایک آنکھ دوسروں کو نہیں دے گا؛ لہٰذا یہ مصیبت صرف غریب اور تنگدست لوگوں پر آئے گی کہ غریب انسان اپنی تنگدستی کی وجہ سے دو آنکھوں میں سے ایک آنکھ دینے کے لئے تیار ہو جائے گا، نتیجہ یہ ہوگا کہ سرمایہ داروں کی دو آنکھیں ہوں گی اور غریبوں کی ایک آنکھ اور غریبوں کی آنکھوں کی دکان لگ جائے گی اور ایک آنکھ والا سرمایہ دار خریدار بن جائے گا اور دو آنکھ والا غریب آدمی بائع بنے گا، ایسا کہیں نہیں ہوگا کہ آنکھوں کے خریدار غریب آدمی بن جائیں یا کسی غریب اور تنگدست آدمی کو کسی سرمایہ دار کی آنکھ مل جائے اس کا امکان ہی نہیں ہے، شریعت کے نزدیک سارے انسان یکساں ہیں؛ اسی لئے زندہ انسان کا اپنی دو آنکھوں میں سے ایک آنکھ دینا جائز نہیں ہے، اس طرح ناجائز ہونے کے حکم کو حضرت مفتی نظام الدین صاحبؒ نے نظام الفتاویٰ قدیم ۱/۴۲۳، تا ۱/۴۳۲ تک میں مدلل ومفصل تحریر فرمایا ہے، نیز سیمینار میں حیدرآباد کے ماہر ڈاکٹر نے یہ بات بھی واضح فرمائی ہے کہ پیدائشی نابینا کو آنکھ دینے سے عام طور پر بینائی ہونے والے کی آنکھ میں بینائی آئی ہے۔

’’دودھ بینک‘‘ اور اس کا عطیہ

سوال [۱۰۳۹۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: اللہ تعالیٰ نے ہر نومولود کے لئے اس کی ماں کے سینے میں صحت بخش دودھ کا خزانہ رکھا ہے، قرآن مجید کا بھی ارشاد ہے کہ مائیں اپنے بچوں کو دودھ پلائیں اور تمام میڈیکل سائنسدانوں کا بھی اتفاق ہے کہ بچہ کے لئے سب سے محفوظ، تقویت بخش اور بہترین غذا ماں کا دودھ ہے، سوائے اس کے کہ ماں کسی ایسی بیماری میں مبتلا ہو کہ اس کا دودھ بچہ کے لئے مضر ہو جائے؛ لیکن قدیم زمانہ سے یہ رواج چلا آرہا ہے کہ خواتین اپنے بچوں کے علاوہ دوسرے بچوں کو بھی دودھ پلایا کرتی تھیں اور دودھ پلانے والی عورتوں کو اس کی اجرت دی جاتی تھی، اسی پس منظر میں شریعت اسلامی نے رضاعت کو حرمت مؤبدہ کا ایک سبب مانا ہے، موجودہ دور میں خاص طور پر مغربی معاشرہ میں خواتین کی کسب معاش کی جدوجہد میں شامل ہو جانے کی وجہ سے یہ مزاج پروان چڑھا ہے کہ مائیں اپنے بچوں کو دودھ پلانا نہیں چاہتیں، اس پس منظر میں مغربی ملکوں میں بہت سے دودھ بینک قائم ہو گئے ہیں، جو اپنا دودھ فراہم کرنے والی عورتوں کو معاوضہ ادا کرتے ہیں اور ضرورت مند بچوں کو دودھ مہیا کرکے ان سے معاوضہ وصول کرتے ہیں، گویا یہ انسانی دودھ کی تجارت کی ایک شکل ہے، ہندوستان میں بڑھتے ہوئے معیار زندگی کی وجہ سے خواتین میں ملازمت کا رجحان تیزی سے بڑھ رہا ہے اور یہاں بھی اس طرح کے بینک قائم کئے جانے کی توقع ہے، تو ایسے بینک کو عوض دے کر یا بلاعوض کسی خاتون کا دودھ مہیا کرنا اور پھر اس دودھ کی ضرورت مند بچوں کے لئے فروختگی کا کیا حکم ہوگا؟ اور اگر یہ صورت جائز ہو تو حرمت رضاعت کے سلسلہ میں کیا احکام ہوں گے؟

(۱۰۳۹۳) موجودہ مغربی تہذیب نے عملاً اور بہت سی جگہ قانوناً اس بات کو تسلیم کرلیا ہے کہ نسبی شناخت کا تحفظ ضروری نہیں ہے اور بچوں کی ماں کی طرف نسبت کافی ہے، دوسری طرف یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ مردوں اور عورتوں میں خاصی تاخیر کے ساتھ نکاح کرنے کا رجحان بڑھ رہا ہے اور اس کے مختلف محرکات ہیں، جیسے ہر طرح کے معاشی اور سماجی فکر سے آزاد ہو کر اعلیٰ ڈگریاں حاصل کرنا، عورتوں کا ملازمتیں کرنا، ایک عمر تک صنفی لذت اٹھانے کے لئے آزاد زندگی گذارنا، طلاق کا مشکل قانون، جس میں مرد پر ڈھیر ساری ذمہ داریاں عائد کردی جاتی ہیں وغیرہ، اس کی وجہ سے ایک دوسرا نقصان یہ ہے کہ بانجھ پن بڑھتا جارہا ہے اور بہت سے میاں بیوی فطری طور پر اولاد سے بہرہ یاب نہیں ہو پاتے، اس کے لئے مادہ منویہ بینک قائم کئے جاتے ہیں، جن

مردوں کے مادہ منویہ میں تولیدی صلاحیت کے حامل جرثومے نہیں ہوتے ہیں، یہ ان کو کارگر جرثومے فراہم کرتے ہیں اور جن عورتوں میں تولید کے لائق بیضے پیدا نہیں ہو پاتے ہیں، ان کے لئے بیضے فراہم کرتے ہیں، اب اس طرح کے بینک مشرقی ممالک اور مغربی تہذیب کی طرف تیزی سے بڑھتے ہوئے خود ہمارے ملک ہندوستان میں بھی قائم کئے جارہے ہیں۔سوال یہ ہے کہ ایسے بینک قائم کرنا، کسی مرد یا خاتون کا بینک کواور بینک کا کسی ضرورت مند مرد یا خاتون کو مادہ منویہ کا فروخت کرنا یا بغیر قیمت کے ہدیہ کے طور پر دینا کیا جائز ہوگا؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نمبر: (۸-۹) کا حاصل یہ ہے کہ شریعت نے اس بات کی اجازت دی ہے کہ جس بچہ کی ماں کے پستان سے اس کو پیٹ بھر کر دودھ نہیں ملتا ہے اور دوسری عورت کے پستان میں دودھ زیادہ ہے، تو جس کے پستان میں دودھ زیادہ ہے اس کے پستان سے اس بچہ کو دودھ پلانا جائز اور درست ہے، جس کا پیٹ اپنی ماں کے دودھ سے نہیں بھرتا ہے، اسی طرح جس کے پستان میں دودھ زیادہ ہے، وہ اتنا دودھ نکال کر کے دوسرے متعین بچہ کو پلائے؛ لیکن ساتھ ساتھ اس کے اوپر شریعت کی طرف سے یہ حکم بھی لاگو ہوجاتا ہے کہ اس بچہ اور اس عورت کے درمیان حرمت رضاعت ثابت ہوجاتی ہے کہ اس بچہ کے لئے اس عورت کے اصول وفروع حرام ہوجاتے ہیں، اس کے اصول وفروع میں سے کسی سے وہ نکاح نہیں کرسکتا، اسی طرح اس عورت کے لئے اس بچہ کی اولادوں سے نکاح کرنا جائز نہیں، یہ ایک نازک اور حساس ترین مسئلہ ہے کہ جس بچہ کو بھی دودھ پلایا جائے گا تو دودھ پلانے والی عورت اس بچہ کے لئے حقیقی ماں کے درجہ میں ہوجاتی ہے اور آئندہ چل کر اس عورت کے کسی فروع سے اس بچہ کا نکاح ناجائز اور حرام ہوگا؛ اس لئے دودھ پلانے والی عورت اور دودھ پینے والے بچہ کا متعین ہونا لازم ہے، تاکہ آئندہ چل کر کے ناواقفیت اور بے خبری میں رضاعت کی حرمت کے باجود رضاعی بھائی بہن کا نکاح نہ ہوجائے، شریعت میں رضاعی ماں ورضاعی باپ، رضاعی چچا، رضاعی بھائی، رضاعی بھانجہ میں سے کسی کے ساتھ بھی نکاح جائز نہیں ہے۔ اور دودھ بینک میں دودھ جمع

کرنے کا مطلب یہ ہوگا کہ حرمت رضاعت کا مسئلہ ہی نہ رہے گا اور شریعت کے قائم کردہ قانون اور ضابطہ کے ڈھانچہ کی دیوار ہی باقی نہیں رہے گی؛ اس لئے دودھ بینک میں رضا کارانہ طور پر عورتوں کے لئے اپنی پستان کا دودھ پیش کرنا جائز نہیں۔

حرمت رضاعت کے بارے میں قرآن وحدیث میں بے شمار دلائل ہیں، قرآن کی نص قطعی سے اس کی حرمت ثابت ہے، جیسا کہ ''سورۂ نساء'' آیت ۲۳ میں حرمت کو بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ تمہارے لئے وہ مائیں حرام کردی گئیں ہیں، جنہوں نے تم کو دودھ پلایا ہے اور ان بہنوں کو حرام قرار دیا گیا ہے جو از قبیل رضاعت ہیں۔

آیت کریمہ ملاحظہ فرمایئے:

حرمت عليكم (إلى قوله تعالىٰ) وامهاتكم اللاتى ارضعنكم واخواتكم من الرضاعة. (النساء: ۲۳)

حدیث شریف میں بے شمار روایات موجود ہیں۔ ''بخاری شریف'' کی دوروایت ہم یہاں پیش کردیتے ہیں:

قال النبي ﷺ: في بنت حمزة لا تحل لي يحرم من الرضاعة ما يحرم من النسب، هي بنت أخي من الرضاعة. (بخاري ١/ ٣٦٠، رقم: ٢٥٧١، ف: ٢٦٤٥)

اور حضور ﷺ کا ارشاد ہے: **إن الله حرم من الرضاع ما حرم من النسب.**

(سنن ترمذي، باب الرضاعة، النسخة الهندية ١/ ٢١٧، دار السلام رقم: ١١٥٦)

نیز حضرات فقہاء نے اس کی صراحت کردی ہے کہ پستان سے دودھ پلانے کے طور پر دوسرے کے بچہ کو دودھ پلانا جائز ہے، مگر کسی عورت کے دودھ کو اس کی پستان سے نکال کر کے الگ سے جانوروں کے دودھ کی طرح فروخت کرنا قطعاً جائز نہیں ہے، یہی حنفیہ کا مسلک ہے۔ عبارات ملاحظہ فرمایئے۔

''مبسوط سرخسی'' میں اس حکم کو ان الفاظ کے ساتھ نقل فرمایا ہے:

لا يجوز بيع لبن بني آدم على وجه من الوجوه عندنا، ولا يضمن متلفه أيضا، وقال الشافعي: يجوز بيعه ويضمن متلفه ...... وحجتنا في ذلك

أن لبن الآدمي ليس بمال متقوم، فلا يجوز بيعه ولا يضمن متلفه، كالبزاق، والمخاط، والعرق. (المبسوط للسرخسي، بيروت ۱۵/ ۱۲۵)

صاحب بحر نے مزید وضاحت کے ساتھ ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے ملاحظہ فرمائیے:

قوله: لبن امرأة بالجر، أي لم يجز بيع لبن المرأة؛ لأنه جزء الآدمي، وهو بجميع أجزائه مكرم مصون عن الابتذال بالبيع. (البحر الرائق، زکریا ٦/ ١٣٢، کوئٹه ٦/ ٨٠)

سوال (۹) میں یہ پوچھا گیا ہے کہ مرد یا عورت کے مادہ تولید کا بینک قائم کیا جا سکتا ہے؟

نوٹ: بے اولادلوگوں کے لیے مادۂ تولید فراہم کر سکتے ہیں، تو جواب یہ ہے کہ مرد یا عورت کے مادۂ تولید کا بینک قائم کرنا یا کسی مرد اور خاتون کا کسی بینک کو یا کسی ضرورت مند کو مادۂ تولید فروخت کرنا یا بلا قیمت مفت میں دینا اور لینا حرام اور ناجائز ہے، اس مسئلہ پر سیمینار کے تمام شرکاء کا اتفاق ہو چکا ہے۔

❁❁❁

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا أَبَدًا ☆ عَلٰى حَبِيْبِکَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

اَللهُ أَكْبَر كَبِيْرًا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيْرًا وَسُبْحَانَ اللهِ بُكْرَةً وَأَصِيْلاً. الحديث

(المعجم الكبير، دار إحياء التراث العربى بيروت ٢/ ١٣٥، برقم: ١٥٧٠)

تجاویز

برائے چوبیسواں فقہی سیمینار

مؤرخہ: ۱-۳/ مارچ ۲۰۱۵ء مطابق ۹-۱۱، جمادی الاولیٰ ۱۴۳۶ھ

مقام: دار العلوم الاسلامیہ، اوچیرہ کیرالا

اعضاء و اجزاء انسانی کے عطیہ سے متعلق تجاویز

انسانی اعضاء و اجزاء کے عطیہ سے متعلق تمام مقالات کے جائزے اور مباحث کے بعد سیمینار یہ محسوس کرتا ہے کہ اس موضوع کا تعلق جہاں شرعی احکام سے ہے وہیں طبی جدید سہولیات اور تحقیقات سے بھی ہے، اس سمت میں آئے دن نئی تحقیقات سامنے آرہی ہیں، اس لیے بتدریج شرعی احکام بھی آتے رہیں گے، اس وقت تک کی جو جدید طبی تحقیقات سامنے آئی ہیں ان کو سامنے رکھتے ہوئے درج ذیل تجاویز سیمینار نے طے کی ہیں:

(۱) خون انسانی جسم کا ایک اہم اور بنیادی جزء ہے جس سے حیات انسانی کی بقا مربوط ہے، اگر کسی انسان کو خون کی ضرورت پڑ جائے اور ماہر ڈاکٹر کی تجویز ہو کہ اس کے لیے خون ناگزیر ہے تو انسانی جان بچانے کے لیے ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان یا غیر مسلم کو عطیہ کرنا جائز ہے، اسی طرح کسی مسلمان کے لیے اس سے لینا بھی جائز ہے۔

(۲) ایسے بلڈ بینک جہاں لوگ رضا کارانہ طور پر خون کا عطیہ دیتے ہیں اور وہ بینک ضرورتمندوں کو مفت خون فراہم کرتے ہیں وہاں مسلمان کے لیے خون کا عطیہ کرنا جائز ہے۔

(۳) رضا کارانہ بلڈ کیمپ لگانا اور بلڈ بینک قائم کرنا بھی انسانی ضرورت کے پیش نظر جائز ہے اور یہ انسانی خدمت میں شامل ہے۔

(۴) ایسے نازک موقع پر جہاں خون کا عطیہ نہ کرنے کی صورت میں جان کا خطرہ

ہے، وہاں مطلوبہ گروپ کے حامل موجود شخص کے لیے اپنا خون عطیہ کرنا ایک اہم انسانی فریضہ اور شرعاً پسندیدہ عمل ہے۔

(۵) موجودہ طبی تحقیق کے مطابق زندہ شخص کے جگر کے بعض حصہ کو دوسرے ضرورتمند انسان کو منتقل کرنا ممکن ہوگیا ہے، اور عطیہ کرنے والے کے جگر کے بقیہ بچے ہوئے حصے کا چند مہینوں میں مکمل ہوجانا تجربہ میں آچکا ہے، اس لیے جگر کی منتقلی اور پیوندکاری اپنے کسی عزیز یا دوست کے لیے رضاکارانہ طور پر جائز ہے، البتہ خرید وفروخت قطعاً جائز نہیں ہے۔

(۶) زندہ شخص کی آنکھ کا قرنیہ دوسرے ضرورتمندوں کے لیے منتقل کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اس تجویز کو مزید غور وخوض کے لیے فی الحال مؤخر کرنا بہتر سمجھا گیا۔

(۷) انسانی دودھ کا بینک قائم کرنا جائز نہیں، اگر بینک قائم ہو تو اس میں دودھ جمع کرنا اور اس میں کسی طرح کا تعاون کرنا بھی جائز نہیں ہے۔

(۸) مرد یا عورت کے مادۂ تولید کا بینک قائم کرنا یا کسی مرد یا خاتون کا کسی بینک کو یا کسی ضرورت مند کو مادۂ تولید فروخت کرنا یا بلا قیمت فراہم کرنا یا لینا حرام ہے۔

۳ باب ما یتعلق بحمل المرأة و موانعه

نسبندی اوراسقاط حمل کی شرعی حیثیت

سوال [۱۰۳۹۴]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) اگرکسی عورت کی جان کا خطرہ ہوتو اس کی نسبندی کرانا جائز ہے یانہیں؟ اگر نہیں تواس کی زندگی کے سلسلہ میں کیا تدبیر کی جائے؟

(۲) دوسرے یہ کہ شوہرخوداس کی زندگی بچانے کے لیےکسی ماہرڈاکٹر کے کہنے پر اپنی نسبندی کراسکتا ہے یانہیں؟ تاکہ استقرار حمل کاامکان نہ رہے؟

(۳) یہ کہ ابھی صرف ۲/۳/ ماہ کا حمل ہےاوراس کوضائع کرادیتا ہےتاکہ بیوی کی صحت پرکوئی اثر نہ پڑےتو یہ گناہ زیادہ بڑاہے یانسبندی کرانے والا؟

المستفتی: محمدعزرائیل محبوب پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: (۱) شریعت مطہرہ میں نسبندی کراناکسی بھی صورت میں جائزنہیں ہے۔

عن ابن مسعودؓ قال: کنا نغزو مع النبی ﷺ لیس لنا نساء، فقلنا: یا رسول الله! ألا نستخصي فنهانا عن ذٰلک. (صحیح البخاری، باب تزویج المعسر الذی معه القرآن، النسخة الهندیة ۲/ ۷۵۹، رقم: ۴۸۸۰، ف: ۵۰۷۱)

البتہ اگرجان کا قوی خطرہ ہےتوعارضی طور پر مانع حمل تدابیراختیارکرنے کی گنجائش ہے،آج کل عارضی رکاوٹ پیداکرنے کے لیےاسباب اختیارکرنے کے بہت سے طریقے ہیں، لیڈیزڈاکٹرنیوں اورنرسوں سے رابطہ قائم کرلیا جائے،اورجب کمزوری دورہوجائےتو رکاوٹ ختم کردی جائے۔ (محمودیہ قدیم۱۱/ ۳۷۷،ڈابھیل ۱۸/ ۲۹۸)

یجوز لها سد فم رحمها كما تفعله النساء مخالفا لما بحثه في البحر من أنه ينبغي أن يكون حراما بغير إذن الزوج قياسا على عزله بغير إذنها، قلت: لكن في البزازية: أن له منع امرأته عن العزل نعم النظر إلى فساد الزمان يفيد الجواز من الجانبين. (شامی، مطلب: فی حکم إسقاط الحمل، زکریا ۳۳۶/٤، کراچی ۱۷٦/۳، الموسوعة الفقهية الكويتية ٤٠/٢٦٢)

(۲) بیوی کی جان بچانے کے لیے نسبندی کا عارضہ پیش کرنا درست نہیں ہے، بلکہ استقرارِ حمل سے عارضی رکاوٹ پیدا کرنے کے لیے آج کل نرسنگ ہوموں میں اس کے بہت سے اسباب موجود ہیں، وہاں سے رابطہ قائم کرلیں، شوہر کے لیے نسبندی کرانا جائز نہیں ہے۔

عن سعد بن وقاصؓ قال: لقد رد رسول الله ﷺ علیٰ عثمان التبتل ولو أذن له لاختصينا. (نسائی شریف، باب النهي عن التبتل، النسخة الهندية ٦٨/٢، دار السلام رقم: ٣٢١٢)

أن الاختصاء في الآدمي حرام صغيرا أو كبيراً. (مرقاة، كتاب النكاح، الفصل الاول، امدادیه ملتان ١٨٧/٦)

(۳) حمل کا ساقط کرادینا اور نسبندی کرانا دونوں گناہ ہیں، لیکن تین ماہ سے پہلے کا حمل گرادینے سے نسبندی کرادینے کا گناہ بہت بڑا ہے۔

لو أرادت الإلقاء قبل مضى زمن ينفخ فيه الروح هل يباح لها ذٰلك أم لا، اختلفوا فيه، وكان الفقيه علي بن موسىٰ يقول: أنه يكره. (شامی، مطلب: فی حکم إسقاط الحمل، زکریا ٣٣٦/٤، کراچی ١٧٦/٣، الموسوعة الفقهية الكويتية ٢٦٢/٤٠)

أن الاختصاء في الآدمى حرام صغيرا أو كبيراً. (مرقاة، كتاب النكاح، الفصل الاول، امدادیه ملتان ١٨٧/٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰؍شوال المکرم ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۳/۸۱۸۳)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۱۱/۳ھ

دائمی نسبندی

سوال [۱۰۳۹۵]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بیوی کمزور ہے، حمل ٹھہر جانے پر پیر وغیرہ سوج جاتے ہیں، بدن میں بھی کافی سوجن آجاتی ہے، سانس بھی کثرت سے پھولنے لگتا ہے، کبھی کبھی ایسی حالت ہوجاتی ہے کہ جان نکل جائے گی، ایسی حالت میں عورت کا آپریشن کرادینا تاکہ حمل نہ ٹھہر سکے، بچہ کی پیدائش نہ ہوتو شریعت کی روشنی میں کیا حکم ہے؟ اگر کوئی صورت ہوتو اس کی بھی صراحت فرمادیں، جو بچہ پیدا ہونے کی تدبیر نہ ہوسکے، ڈاکٹر وحکیم کے دکھائے جانے پر وہ بھی یہی مشورہ دے رہے ہیں کہ آپریشن کرادیا جائے، ڈاکٹر بھی مسلم ہے، نماز وغیرہ کا پابند ہے۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ایسا عمل کرانا کہ جس سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے توالدو تناسل کا سلسلہ منقطع ہوجائے شرعاً جائز نہیں، قرآن وحدیث میں اس پر سخت ترین وعید آئی ہے۔

سعيد بن المسيب يقول: سمعت سعد بن أبي وقاص يقول: رد رسول الله ﷺ على عثمان بن مظعون التبتل، ولو أذن له لاختصينا. (صحيح البخاري، باب ما يكره من التبتل والخصاء، النسخة الهندية ٢/٧٥٩، رقم: ٤٨٨٢، ف: ٥٠٧٣)

سوال میں ذکر کردہ بیماری کوئی نئی بات نہیں ہے، بلکہ عموماً عورتوں میں یہ بیماری پائی جاتی ہے، اس کے علاج کی فکر کی جائے، اور جب تک علاج مکمل ہوتو اس وقت تک عارضی طور پر بدرجہ مجبوری موانع حمل دوائیں استعمال کرنے کی گنجائش ہے، اس کے علاوہ آپریشن کراکر سلسلۂ توالدوتناسل کو دائمی طور پر ختم کرنا قطعاً جائز نہیں۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۸/ ۳۴۷، امداد المفتیین ص:۹۷۵، امداد الفتاویٰ ۴/۲۰۳، محمودیہ قدیم ۱۷/ ۳۰۶، ڈابھیل ۱۳/۵۳۲، ۱۱/۳۸۵، ڈابھیل ۱۸/۲۹۱، رحیمیہ قدیم ۲/۲۳۳، جدید زکریا ۱۰/۱۸۲، احیاء العلوم ۱/۴/۲۷، معارف القرآن ۸/۶۸۳)

قالوا يباح لها إن تعالج في استنزال الدم ما دام الحمل مضغة أو

علقة، ولم يخلق له عضو. (شامی، کتاب الحظر و الإباحة، باب الاستبراء وغيره زكريا ٦١٥/٩، كراچی ٤٢٩/٦، هنديه زكريا قديم ٣٥٦/٥، جديد ٤١٢/٥، النهر الفائق، دار الكتب العلمية بيروت ١٤١/١)

أنه يجوز لها سد فم رحمها كما تفعله النساء. (شامی، مطلب: فی حکم إسقاط الحمل زكريا ٣٣٦/٤، كراچی ١٧٦/٣، الموسوعة الفقهية الكويتية ٢٦٢/٤٠)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱ر جمادی الاولیٰ ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۷۲۲۶)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۵/۲۱ھ

دائمی نسبندی کرانا

سوال [۱۰۳۹۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کی بیوی کو پہلا لڑکا، پھر لڑکی ہوئی جو پیروں سے اپاہج ہے، پھر دوسرا لڑکا ہوا جو صحیح وسالم ہے، پھر تیسرا لڑکا ہوا وہ بھی اپاہج ہے، ڈاکٹروں سے صلاح ومشورہ پر ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ نسبندی کرائی جائے، ایک دو نہیں کئی سے اس سلسلے میں مشورہ کیا گیا ہے، سب کا یہی کہنا ہے کہ نسبندی کرائی جائے، لیکن ہم شریعت کے خلاف کوئی کام نہیں کرنا چاہتے، اس مسئلہ میں ہماری رہبری فرمائیں، قرآن وحدیث کی روشنی میں؟

المستفتی: حافظ محمد لیاقت علی فیضی محبوب نگر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: دائمی نسبندی کرانا جس سے ہمیشہ کے لیے اولاد کا سلسلہ ختم ہو جائے شرعاً ناجائز اور حرام ہے، سوالنامہ میں جس خرابی کا ذکر ہے اگر یہ ڈاکٹروں کی تحقیق کے مطابق رحم مادر کی وجہ سے ہے تو آپ اس کا علاج فرمائیں، لیکن بالکلیہ توالد وتناسل کی صلاحیت کو ختم کرنا قطعاً جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۸/ ۳۴۷، امداد

المفتیین ص: ۹۷۵، امداد الفتاویٰ ۴/ ۲۰۳، محمودیہ قدیم ۱۷/ ۳۰۶، ڈابھیل ۱۳/ ۵۳۲، ۱۱/ ۳۸۵، ڈابھیل ۱۸/ ۲۹۷، رحیمیہ قدیم ۲/ ۲۳۳، ۲۳۸، ۲۴۶، ۲۲۱، جدید زکریا ۱۰/ ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۵، معارف القرآن ۸/ ۶۸۳، احیاء العلوم ۱/ ۲۷۶، ۲۶۰)

﴿وَلَا تَقْتُلُوْا اَوْلَادَكُمْ مِنْ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ . [انعام: ١٥١] ﴾

﴿وَلَا تَقْتُلُوْا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْئًا كَبِيْرًا. [بنی اسرائیل: ٣١] ﴾

﴿ وَاِذَا الْمَوْءُدَةُ سُئِلَتْ، بِاَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ. [التكوير: ٨-٩] ﴾

عن معقل بن يسار رضی اللہ عنہ قال قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم: تزوجوا الودود الولود فإني مكاثر بكم الأمم. (أبوداؤد شريف، باب في تزويج الأبكار، النسخة الهندية ١/ ٢٨٠، دار السلام رقم: ٢٠٥٠، مشكوٰة شريف ص: ٢٦٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۱۵/ ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۵۸۹)	۱۴۲۱/۴/۱۵ھ

دائمی طور پر قوت تولید ختم کرنا

سوال [۱۰۳۹۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہندہ گردہ ومثانہ کے مرض میں شدید مبتلا ہے، اور بڑے بڑے ڈاکٹروں کی نگرانی میں علاج ومعالجہ چل رہا ہے، اب واقعہ یہ پیش آیا کہ ڈاکٹروں نے موصوفہ کے شوہر کو یہ مشورہ دیا کہ ہندہ تولد سے ابدالآباد کے لیے محروم رہے گی، اور نہ ہی وقتی طور سے مانع حمل دوائی کھلائی جاسکتی ہے، لہٰذا تحدید الولد کے علاوہ کوئی اور صورت نہیں ہے، لہٰذا اس بارے میں شرع کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: محمد عالم دمکاوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ضبط تولید کی ایسی کوئی صورت اختیار کرنا جس سے

دائمی طور پر قوت تولید ختم ہو جائے، جائز نہیں، خواہ اس میں کتنے ہی فوائد نظر آئیں، اور اس کے دواعی بظاہر کتنے ہی قوی ہوں، ہاں اگر ہندہ واقعتاً مجبور ہے تو عارضی طور پر ایسی شکل اختیار کرنا جس سے قوت تولید باقی رہے، مگر حمل قرار نہ پائے، اس کی گنجائش ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۸/ ۳۴۷)

عن قيس قال: قال عبد الله: كنا نغزو مع النبي ﷺ ليس لنا شيئ، فقلنا: ألا نستخصي فنهانا عن ذٰلک. (صحيح البخاري، باب ما يكره من التبتل والخصاء، النسخة الهندية ۲/ ۷۵۹، رقم: ٤٨٨٤، ف: ٥٠٧٥)

يجوز لها سد فم رحمها كما تفعله النساء مخالفا لما بحثه في البحرين أنه ينبغي أن يكون حراما بغير إذن الزوج قياسا على عزله بغير إذنها، قلت: لكن في البزازية: أن له منع امرأته عن العزل نعم النظر إلى فساد الزمان يفيد الجواز من الجانبين. (شامی، مطلب: في حكم إسقاط الحمل، زكريا ٤/ ٣٣٦، كراچی ٣/ ١٧٦، الموسوعة الفقهية الكويتية ٤٠/ ٢٦٢)

أن الاختصاء في الآدمي حرام صغيرا أو كبيراً. (مرقاة، كتاب النكاح، الفصل الاول، امداديه ملتان ٦/ ١٨٧) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/ ربیع الثانی ۱۴۲۰ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۱۲۳)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۱/ ۴/ ۱۴۲۰ھ

جان تلف ہونے کے اندیشہ سے بچہ دانی نکلوانا

سوال [۱۰۳۹۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک عورت کے ہوسپٹل کے اندر بچہ پیدا ہوا اور اس کے تقریباً ایک ماہ کے بعد وہ اپنے گھر کے اندر اوپر والے سلیپ پر سے گر پڑی جس کی وجہ سے بچہ دانی کے جوڑ کھل گئے، علاج کرانے کے بعد ڈاکٹروں نے یہ کہا کہ ان کے بچہ پیدا نہ ہو تو زیادہ بہتر ہے، ورنہ آگے چل کر زیادہ پریشانی کا خطرہ ہے، اس لیے آپ حضور والا سے گذارش ہے کہ جواب عنایت فرمائیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: ایسی شکل اختیار کرنا جس سے قوت تولید بالکل ختم ہوجائے اس کی اجازت نہیں ہے، البتہ خطرہ کی وجہ سے ایسی عارضی رکاوٹ پیدا کرنا جائز ہے، جس سے استقرار حمل نہ ہو اور آج کل کے زمانے میں اس طرح کا عارضی اور وقتی علاج ہر شہر اور ہر قصبہ میں پایا جاتا ہے۔

ويجوز لها سد فم رحمها كما تفعله النساء. (شامي، مطلب: في حكم إسقاط الحمل زكريا ٤/٣٣٦، كراچي ٣/١٧٦، الموسوعة الفقهية الكويتية ٤٠/٢٦٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍ جمادی الثانیہ ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۱۸۶)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۶/۱۴ھ

بیوی کی جان تلف ہونے کے اندیشہ سے نسبندی کرانا

سوال [۱۰۳۹۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص ماشاء اللہ صحت مند وتوانا ہے، اور مالی اعتبار سے بھی بحمد اللہ فراوانی ہے، اس کی بیوی کچھ بیماریوں میں مبتلا ہے، مثلاً ولادت کے وقت آپریشن سے بچہ پیدا ہوتا ہے، ڈاکٹروں نے ہمبستری سے کافی احتیاط کرنے کو کہا ہے، پھر دوسرا حمل قرار پا گیا، بڑا آپریشن کروانا پڑا، تیسری مرتبہ بھی بڑے آپریشن سے لڑکا ہوا، تقریباً ان چھ سالوں میں برابر دوائیں چلتی رہیں، تیسرے آپریشن کے بعد ڈاکٹروں نے کہا کہ ایک یا ڈیڑھ سال کے بعد ہمبستری کرنا، کیونکہ بچہ دانی پر ٹانکا لگا ہے، اور پیٹ میں ناف سے شرمگاہ تک ٹانکے ہیں، اگر ہمبستری ہوئی تو ٹانکا ٹوٹ جائے گا، اور عورت مرسکتی ہے، اس لیے تمہیں بچے کی ولادت بند کروانی ہوگی، تو شرعاً نسبندی کروانے کی اجازت ہے یا نہیں؟

(۲) ایسے حالات میں جبکہ بیوی سے ملنے پر سخت پابندی ہے، اپنے نفس پر بہت

کنٹرول کرتا ہوں، لیکن انسانی طبیعت کب تک برداشت کرے، خواہش بہت ہوتی ہے، راتوں رات نیند نہیں آتی، شیطانی وساوس گناہ پر آمادہ کرتے ہیں، لیکن پھر خدا کا خوف غالب آتا ہے تو گناہ سے رک جاتا ہوں، اب آپ فرمائیں کہ بغیر بیوی کے کیسے رہا جائے، زندگی سے عاجز ہو چکا ہوں، ایسی صورت میں دوسری شادی کرنے کی شرعاً اجازت ہے یا نہیں؟ اگر دوسری شادی کے ارادے پر پہلی بیوی بے انتہا ناراض ہو، زہر کھا لینے، چھوڑ کر چلے جانے، خودکشی کر لینے کی دھمکی دے تو اگر کوئی گناہ ہو جائے تو کیا بیوی پر بھی اس کا وبال ہوگا، جبکہ شوہر ہر طرح کے حقوق ادا کرنے کا وعدہ کرتا ہے، اور کسی قسم کی پریشانی نہ ہونے دینے کا یقین دلاتا ہے، ایسے شخص کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ کیا دوسری شادی کرنی چاہئے یا نہیں؟ شریعت اسلامیہ نے اپنے ماننے والوں کو گناہوں سے بچنے کے لیے چار شادی کا حکم دیا تھا، آج ہندوستان میں کئی شادیوں کے نہ ہونے کی بنا پر اکثریت گناہ میں مبتلا ہے، بہرحال جو بھی حکم ہو واضح فرمائیں۔

المستفتی: ایک بندہ بازی گراں، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) ضبط تولید کی کوئی ایسی صورت اختیار کرنا جس سے دائمی طور پر قوت تولید ختم ہو جائے، جائز نہیں، خواہ اس میں کتنے ہی فوائد نظر آئیں، البتہ اگر واقعتاً مجبوری ہے تو عارضی طور پر ایسی صورت اختیار کرنا جائز ہے کہ جس سے قوت تولید باقی رہے مگر حمل قرار نہ پائے اور زنانہ ہسپتالوں میں عارضی توالد وتناسل بند کرنے کے لیے بہت سے علاج ہیں، ان ہسپتالوں سے رابطہ قائم کیا جائے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۸/ ۳۴۷)

(۲) بیوی سے ہمبستری سے اگر ڈاکٹروں نے ممانعت کی ہے اور آپ کو بیوی کی ضرورت ہے تو شرعاً آپ کو دوسری شادی کرنے کی اجازت ہے، بشرطیکہ آپ دونوں کے مکمل حقوق ادا کریں، اور کسی طرح کا ظلم کسی پر نہ کریں۔

تعليق الاقتصار على الواحدة أو التبري بخوف الجور يدل على أنه عند القدرة على أداء حقوق الزوجات والعدل بينهن الأفضل، الإكثار في

النکاح. (أحکام القرآن للتهانوی ۲/ ٦٥) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍رجب المرجب ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ٦۲۴۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۹؍۷؍۱۴۲۰ھ

عورت کی جان تلف ہونے کے اندیشہ سے بچہ دانی نکلوانا

سوال [۱۰۴۰۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) سلمیٰ جس کی عمر تقریباً ۲۸؍سال ہے، جس کے دو بچے ہیں، جبکہ تیسرے بچے کی امید ہے، لیکن دونوں بچوں کی پیدائش آپریشن کے ذریعہ ہوئی ہے، اور تیسرے کے لیے بھی آپریشن کرانا ناگزیر ہے اور تین کے بعد اب مزید آپریشن نہیں کیا جا سکتا، جبکہ زوجین ابھی نوجوان ہیں اور استقرار حمل کی صورت میں عورت کی جان تلف ہونے کا اندیشہ ہے، لہٰذا ایسی صورت میں آپریشن کے ذریعہ بچہ دانی نکلوا دینا کیسا ہے، جبکہ ڈاکٹر کے قول کے مطابق عارضی تدابیر اور دوائیں اتنی کارگر نہیں جن پر کلی طور پر اعتماد کیا جا سکے؟

(۲) عدم جواز کی صورت میں اگر کسی نے آپریشن کرالیا تو کیا اس وعید کا مستحق ہوگا جیسا کہ بلا عذر نسبندی کرانے کی شکل میں؟ براہ کرم قرآن وحدیث کی روشنی میں مدلل ومفصل جواب تحریر فرمائیں۔

المستفتی: محمد داؤد جوگا بائی، جامعہ نگر دہلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: (۱) بچہ دانی نکلوانا ناجائز ہے، کیونکہ یہ دائمی طور پر قطع نسل اور صلاحیت تولید کو ختم کرنا ہے، اور قطع نسل وصلاحیت تولید کسی بھی حال میں جائز نہیں ہے۔

أما السبب فهو تفويت المنفعة المقصودة من العضو على الكمال وذلك في الأصل بأحد أمرين: إبانة العضو و إذهاب معنى العضو مع بقاء العضو صورة.

(بدائع الصنائع، فصل فی الجناية فيما دون النفس بالسلاح زکریا ٦/ ۳۹۲، کراچی ۷/ ۳۱۱)

بلکہ اس زمانہ میں کامیاب عارضی تدابیر موجود ہیں، لہٰذا عارضی تدابیر کے ذریعہ استقرار حمل کو روکا جائے، صلاحیت تولید ختم کرنے کی اجازت نہیں۔

وقال الشامی: أخذ فی النهر من هذا: ولما قدمه الشارح عن الخانية والكمال: أنه يجوز لها سد فم رحمها كما تفعله النساء لما بحثه فی البحر من أنه ينبغی أن يكون حراما بغير إذن الزوج قياسا على عزله بغير إذنها. (رد المحتار، مطلب فی حکم إسقاط الحمل زکریا ٤/٣٣٦، کراچی ٣/١٧٦، الموسوعة الفقهية الكويتية ٤٠/٢٦٢)

(٢) جو گناہ بلا عذر شرعی نسبندی کرانے کا ہے وہی گناہ بلا عذر شرعی بچہ دانی نکلوانے کا ہے، کیونکہ دونوں میں قطع نسل ہے، اور قطع نسل ناجائز اور حرام ہے۔

سعيد بن المسيب يقول: سمعت سعد بن أبی وقاص يقول: رد رسول الله ﷺ على عثمان بن مظعون التبتل، ولو أذن له لاختصينا. (صحيح البخاری، باب ما يكره من التبتل والخصاء، النسخة الهندية ٢/٧٥٩، رقم: ٤٨٨٢، ف: ٥٠٧٣)

قال العينی: الاختصاء فی الآدمی حرام صغيرا أو كبيراً. (مرقاة، کتاب النکاح، الفصل الاول، امدادیه ملتان ٦/١٨٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٢٥/رجب المرجب ١٤٢٠ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٤/٦٢٧٨)

کیا جان کے خطرہ کی وجہ سے نسبندی کرا سکتے ہیں؟

سوال [١٠٤٠١]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: الحمد للہ میری نیت صاف ہے، ہر چیز کا خالق ورازق، نفع ونقصان کا مالک اللہ ہے، الحمد للہ احقر ٦/لڑکوں کا باپ ہے، ایسا بھی نہیں ہے کہ صرف دو پر اکتفا کیا گیا ہو، پریشانی صرف یہ ہے کہ احقر کی اہلیہ بہت کمزور ہے، نیز اس میں ہیموگلوبین یعنی خون کے وہ ذرات جن سے بچہ وماں کی صحت باقی رہے وہ اب چھ فیصد ہیں، اور ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ پانچ

فیصد سے کم پر جان کا خطرہ ہے، میری اہلیہ کی ہیموگلوبین دو بچوں کے بعد آٹھ فیصد سے کم ہوتے جا رہے ہیں، جبکہ مستقل ان کے بڑھانے کی دوائیاں چل رہی ہیں، ڈاکٹر ہمیشہ استقرار حمل کو منع کرتے ہیں، اس مرتبہ سختی سے منع کیا ہے، اس لیے دریافت کرنا ہے کہ میرے لیے کہاں تک گنجائش ہے، کیا ایسی حالت میں آپریشن وغیرہ کی اجازت ہے؟ جبکہ عزل ونرودھ اپنا کر دیکھ چکا ہوں، اس مرتبہ جو بچہ پیدا ہوا، نرودھ کے فیل ہونے ہی سے ہوا ہے؟

المستفتی: محمد اسماعیل، راجستھان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ماہر اور تجربہ کار ڈاکٹروں نے یہ مشورہ دیا ہو کہ آئندہ ولادت پر بچہ اور اس کی ماں کی صحت اور جان کا خطرہ ہے، تو عارضی طور پر حسب ضرورت ایسے اسباب اختیار کرنے کی گنجائش ہے، جس کی وجہ سے کچھ عرصہ کے لیے ولادت کا سلسلہ موقوف ہو جائے، اور صحت وطاقت آنے کے بعد اس بندش کو ختم کر دیا جائے، لیکن اس طرح آپریشن کرانا کہ آئندہ ولادت کا سلسلہ ہی ختم ہو جائے شرعاً جائز نہیں ہے، بطور مشورہ اور عبرت کے لیے مستفتی سے یہ عرض ہے کہ جس بچہ کے پیدا نہ ہونے کے لیے نرودھ وغیرہ کے ذریعہ ماں باپ نے رکاوٹوں کی حتی الامکان کوشش کی ہے اور اللہ کی قدرت غالب آگئی، بہت ممکن ہے کہ یہی بچہ جس کو ماں باپ نہیں چاہتے تھے اور بچوں کے مقابلے میں ماں باپ کے لیے راحت اور خیر کا باعث بنے۔

ومن الأعذار أن ینقطع لبنها بعد ظهور الحمل ولیس لأبي الصبی ما یستاجر به الظئر ویخاف هلاکه. (شامی، مطلب: فی حکم إسقاط الحمل زکریا ٤/٣٣٦، کراچی ٣/١٧٦)

یجوز لها سد فم رحمها کما تفعله النساء. (شامی، مطلب: فی حکم إسقاط الحمل زکریا ٤/٣٣٦، کراچی ٣/١٧٦، الموسوعة الفقهیة الکویتیة ٤٠/٢٦٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍ربیع الاول ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۲۰۲/۳۸)

کیا توالد وتناسل کا سلسلہ ختم کرنے کا کوئی جائز طریقہ ہے؟

سوال [۱۰۴۰۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مستقبل میں بچوں کا سلسلہ بند کرنے کیلئے شرعاً کوئی طریقہ اپنانے کی اجازت ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: یونہی بچوں کا سلسلہ بند کرنے کا راستہ اختیار کرنا جائز نہیں ہے، اس لیے کہ شریعت میں توالد وتناسل اور کثرت امت مطلوب ہے، اس لیے اس کے خلاف حیلہ جوئی جائز نہیں ہے، بلا وجہ حیلہ جوئی کرنا شرعاً جائز نہیں، کیونکہ وہ انسان کے حکم میں ہوتا ہے، اگر اسلامی حکومت ہوتی تو اس کی دیت ادا کرنی لازم ہوتی۔

قال: إن أسقطت بفعلها وجبت عليها غرة. (الفتاویٰ العالمگیریة، الباب العاشر في الجنين زكريا قديم ٦/٣٦، جديد ٦/٤٤، شامي، زكريا ٩/٥٦١، كراچی ٦/٤٢٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴ ر محرم الحرام ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۸۶۶۹)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۱/۲۵ھ

احتیاطاً مانع حمل ذرائع کا استعمال

سوال [۱۰۴۰۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہندہ کو اپنے بچوں کی ولادت میں دوبار بڑے آپریشن کے مرحلہ سے گذرنا پڑا، ڈاکٹروں کے مطابق یہ آپریشن صرف تین بار ہی ہوسکتا ہے، تیسرے آپریشن کے بعد عورت کا حاملہ ہونا اس کی صحت وزندگی کے لیے ضرر رساں ہے۔

(۱) اگر مستقبل میں تیسرے آپریشن کی نوبت آتی ہے تو آپریشن کے بعد ہندہ کے

لیے مستقل مانع حمل (نسبندی وغیرہ) اختیار کرنے کا کوئی شرعی جواز ہے یا نہیں؟

(۲) چونکہ دوسرا آپریشن ابھی حال ہی میں ہوا ہے اور جب تک اندر باہر کی آپریشن کی جگہ اچھی طرح مندمل نہ ہو جائے، ہندہ کے لیے حاملہ ہونا نقصان دہ ثابت ہوسکتا ہے، کیا اس صورت میں بطور احتیاط وقتی وعارضی طور پر مانع حمل ذرائع کا استعمال کیا جاسکتا ہے؟

المستفتی: تنویرالاسلام

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) صورت مسئولہ میں جان بچانے کے لیے مانع حمل دوائیں عارضی طور پر استعمال کرنے کی گنجائش ہے، لیکن دائمی نسبندی کی قطعاً اجازت نہیں ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۸/ ۳۴۷، رحیمیہ ۳/ ۲۳۳)

(۲) بلا عذر شرعی حمل کو روکنے کے لیے مانع حمل دوائیوں کا استعمال ناجائز اور حرام ہے، ہاں البتہ ضرورت شدیدہ کے وقت مثلاً عورت کی جان کا خطرہ ہو یا شیر خوار بچہ کی پرورش میں خلل کا اندیشہ ہو تو مانع حمل دواؤں کے استعمال کی گنجائش ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ احیاء العلوم ۱/ ۴۲۷، فتاویٰ محمودیہ قدیم ۶/ ۳۷۰، ڈابھیل ۱۸/ ۳۱۷، امداد الفتاویٰ ۴/ ۲۰۳)

قالوا: يباح لها أن تعالج في استنزال الدم ما دام الحمل مضغة أو علقة ولم يخلق له عضو. (شامی، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره زكريا ۹/ ۶۱۵، كراچی ۶/ ۴۲۹، هنديه زكريا قديم ۵/ ۳۵۶، جديد ۵/ ۴۱۲، النهر الفائق، دار الكتب العلمية بيروت ۱/ ۱۴۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۷۴۶)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۶/۶ھ

کن حالتوں میں وقتی طور پر مانع حمل کی گنجائش ہے؟

سوال [۱۰۴۰۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: (۱) ہمارے ایک رشتہ دار کی بیوی کو بحالت حمل یہ مرض ہونے لگا تھا کہ اس کے پورے پیر کی رگیں پھول جاتی تھیں، ورم آجاتا ہے، اور ولادت تک اسے بے حد تکلیف رہتی تھی، اس مرض کا علاج بھی کوئی نہیں تھا، ہر بچے کے وقت یہی صورت پیش آتی تھی، بالآخر مجبور ہوکر اس نے آپریشن کرالیا تاکہ آئندہ اسے اس پریشانی کا سامنا نہ ہو، ایسا کرنے کی شریعت میں کچھ گنجائش ہے یا نہیں؟

(۲) میرے بیٹے کی بیوی سے چار بچے ہو چکے ہیں، اب پانچواں حمل ہے، دوران حمل وہ بھی پریشان رہتی ہے، اور ولادت کے قریب یا اس کے بعد بہت سخت بیمار ہو جاتی ہے، ایک بار پاگل جیسی کیفیت ہوگئی تھی، اب بھی بحالت حمل اس کو شدید تکلیف ہوئی ہے، اس کا کہنا ہے کہ اپنی جان جانے تک کا اندیشہ کر رہی ہوں، اگر شرعاً مجھے آپریشن کی اجازت مل جائے تو میں اس طرح کی پریشانی سے نجات پاؤں، ایسی حالت میں جان پڑنے سے پہلے حمل کو صاف کرایا جا سکتا ہے؟

المستفتی: عبدالرحیم بڈیڈوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) ہمیشہ کے لیے اولاد کا سلسلہ منقطع کر لینا شرعاً ناجائز اور حرام ہے، سوال میں جو تکلیف مذکور ہے اس سے نجات پانے کے لیے پہلے دوسری عارضی اور وقتی تدابیر اختیار کی جائیں، مثلاً مانع حمل دوا استعمال کی جائے، تاکہ کچھ عرصہ تک استقرار حمل نہ ہو سکے، اسی طرح آج کل لیڈی ڈاکٹرنیوں کے یہاں استقرار حمل نہ ہونے کے لیے ایک خاص تار ڈالنے کا سلسلہ ہے، اس میں اچھے بھی ہوتے ہیں، گھٹیا بھی ہوتے ہیں، طاقت آنے تک کے لیے کوئی اچھا قسم کا تار ڈال دیا جائے جس سے کوئی نقصان نہ پہنچے اور بعد میں جب تندرستی اس قدر ہو جائے کہ استقرار حمل اور ولادت کا تحمل کر سکے تو اس کو نکال دیا جائے اور اس کے نکالنے میں بھی کسی قسم کی کوئی پریشانی نہیں ہوتی ہے، اس لیے قوت حمل ضائع کرنے کے اسباب اختیار کرنا اس زمانہ میں ہرگز جائز نہ ہوگا، البتہ شدید عذر کی وجہ سے اوپر ذکر کردہ عارضی رکاوٹ کا اختیار کرنا جائز ہوگا، اور سوالنامہ میں جو یہ ذکر ہے کہ آپریشن کرالیا ہے، اس کی شرعاً اجازت نہیں تھی، اس گناہ سے توبہ واستغفار کرے اور

آسانی سے آپریشن کھول دینے کی جو شکل ہے اسے اختیار کرلینا چاہیے، اوراس کے سلسلے میں اوپر ذکر کردہ طریقہ اختیار کرلیا جائے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۵/ ۳۴۳، ۵/ ۱۱۵، ڈابھیل ۳۱۲/۱۸، ۲۹۰، رحیمیہ قدیم ۲/ ۲۴۶، جدید زکریا ۱۰/ ۱۸۱)

﴿وَلَا تَقْتُلُوْا اَوْلَادَكُمْ مِنْ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ. [انعام: ۱۵۱]﴾

﴿وَلَا تَقْتُلُوْا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْئًا كَبِيْرًا. [بنی اسرائیل: ۳۱]﴾

﴿وَاِذَا الْمَوْءُدَةُ سُئِلَتْ، بِاَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ. [التكوير: ۸-۹]﴾

عن معقل بن يسارؓ قال قال رسول الله ﷺ: تزوجوا الودود الولود فإني مكاثر بكم الأمم. (أبوداؤد شريف، باب في تزويج الأبكار، النسخة الهندية ۱/ ۲۸۰، دار السلام رقم: ۲۰۵۰، مشكوٰة شريف ص: ۲۶۷)

(۲) ایسی حالت میں جبکہ عورت کی جان جانے کا خطرہ ہوتو اس صورت میں بچہ میں جان پڑنے سے پہلے مجبوراً صفائی کرانے کی گنجائش ہے، لیکن بجائے اس کے پہلے ہی سے تار وغیرہ کے ذریعہ سے عارضی رکاوٹ کا راستہ اختیار کرلیا جائے، تو صفائی کے مقابلہ میں زیادہ بہتر ہے۔

قالوا: يباح إسقاط الولد قبل أربعة أشهر ولو بلا إذن الزوج، قال في النهر: بقي هل يباح الإسقاط بعد الحمل نعم يباح مالم يتخلق شيئ ولن يكون ذٰلك إلا بعد مائة و عشرين يوما، قال ابن وهبان: فإباحة الإسقاط محمولة على حالة العذر أو أنها لا تأثم إثم القتل. (شامي، مطلب: في حكم إسقاط الحمل زكريا ٤/ ٣٣٥-٣٣٦، كراچی ٣/ ١٧٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ ؍ ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۶۱۹)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۴/۲۹ھ

بچہ دانی نکلوانا

سوال [۱۰۴۰۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: ہندہ کے یہاں چار بچے ہیں، جب پہلا بچہ پیدا ہوا تو ڈاکٹروں کی مدد سے اور بہت کچھ پریشانیوں سے دوچار ہونا پڑا، دوسرے اور تیسرے بچے کی پیدائش میں پہلے سے زیادہ تکلیف رہی، اب چوتھا بچہ مردہ پیدا ہوا ہے، اور ہندہ کی حالت اتنی خراب ہے کہ ماہر تجربہ کار عیسائی ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ اگر آگے حمل قرار پاتا ہے تو ہندہ کے بچنے کی امید نہیں کی جاسکتی ہے، کیونکہ بچے دانی میں بہت کچھ کمی آچکی ہے، تو کیا ان سب حالات میں بذریعہ آپریشن بچے دانی نکلوائی جاسکتی ہے؟ بحوالہ کتب جواب مرحمت فرمائیں۔

المستفتی: وکیل احمد قاسمی روڑکی ہریدوار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: قطع نسل یعنی ایسی صورت اختیار کرنا جس سے قوت تولید ختم ہوجائے یہ کسی حالت میں جائز نہیں ہے ہاں اگر کسی عورت کو حالت زچگی میں شدید تکلیف یا جان جانے کا خطرہ ہے تو عارضی اور وقتی طور پر حمل روکنے کے اسباب اختیار کرنے کی گنجائش ہے۔

یجوز لها سد فم رحمها كما تفعله النساء مخالفا لما بحثه في البحر من أنه ينبغي أن يكون حراما بغير إذن الزوج. (شامي، مطلب: في حكم إسقاط الحمل، زكريا ٤/٣٣٦، كراچی ٣/١٧٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍محرم الحرام ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۵۹۸۲/۳۲)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۸/۱/۱۴۲۰ھ

نسبندی کرانا جائز نہیں، چاہے ملازمت گنوانی پڑے

سوال [۱۰۴۰۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں ریلوے اسٹیشن میں ملازم ہوں، وہاں کے حکام مجھ سے نسبندی کرانے کو کہتے ہیں، لیکن میں نے سختی سے انکار کردیا کہ میں نسبندی ہرگز نہیں کراؤں گا، جس کی وجہ سے حکام نے مجھ کو ڈیوٹی سے بھی روک دیا ہے، اور کہہ رہے ہیں کہ پہلے نسبندی کراؤ، پھر اس کے

بعد ڈیوٹی ملے گی، اورتقریباً پانچ ماہ ہو گئے ہیں، نہایت پریشان ہوں، کیا میرے لیے نسبندی کرانا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: مختار حسین محلہ کرولہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ہرگز جائز نہیں، دوسری جگہ ملازمت کی سعی کی جائے۔(مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۲/ ۲۲۵، جدید زکریا ۱۰/۱۸۲، فتاویٰ احیاء العلوم ۱/ ۲۵۷)

رزق جو اللہ نے مقدر فرمایا ہے وہ ہر حال میں حاصل ہونا ہے۔

﴿**قولہ تعالیٰ: وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا.** [ھود: ٦] ﴾

﴿**وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَهٗ مَخْرَجًا، وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ.** [الطلاق:٣] ﴾ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍شعبان المعظم ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۸۳۸)

نطفہ جاندار ہے یا غیر جاندار؟ اوراس کو ضائع کرنے کا حکم

سوال [۱۰۴۰۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: نطفہ جاندار ہے کہ غیر جاندار، اگر جاندار ہے تو ان احادیث کا کیا جواب جس میں بیان کیا گیا ہے کہ نطفہ مادررحم میں جا کر چالیس دن تک نطفہ پھر مضغہ پھر علقہ اور پھر اس میں روح ڈالی جاتی ہے، اور اگر غیر جاندار ہے تو اس کو ضائع کرنے کی اجازت ہے یا نہیں؟ ضائع کرنا ہے، کسی بھی طریقہ سے ہو، مثلاً عزل، آپریشن، نیرودھ وغیرہ کے استعمال کے ذریعہ؟

المستفتی: محمد یوسف قاسمی گجراتی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نطفہ شرعی طور پر غیر جاندار ہے اس میں جاندار

بننے کی صلاحیت ہے، عورت یا شیر خوار بچہ کی شدید کمزوری کی وجہ سے چار ماہ سے قبل ضائع کردینا جائز ہے، خوفِ رزق کی وجہ سے نہیں۔

قالوا يباح لها أن تعالج في استنزال الدم ما دام الحمل مضغة أو علقة، ولم يخلق له عضو وقدروا تلك المدة بمائة و عشرين يوما وجاز لأنه ليس بآدمي وفيه صيانة الآدمي. (شامی، کتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره زكريا ٩/٦١٥، كراچی ٦/٤٢٩، هنديه زكريا قديم ٥/٣٥٦، جديد ٥/٤١٢، النهر الفائق، دار الكتب العلمية بيروت ١/١٤١)

قالوا: يباح إسقاط الولد قبل أربعة أشهر. (شامی، مطلب: فی حکم إسقاط الحمل زکریا ٤/٣٣٥-٣٣٦، کراچی ٣/١٧٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/ذی الحجہ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۳۳/۲۴)

ضرورت شدیدہ کی وجہ سے اسقاط اور وقفہ کی گنجائش

سوال [۱۰۴۰۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) ایک عورت حاملہ ہے، جب تین چار مہینہ تک حمل پہنچ جاتا ہے تب پیشاب بند ہوجاتا ہے، جب ڈاکٹر کے پاس لے گئے، تو ڈاکٹر نے (آل ٹراچن) کر کے دیکھ کر بتایا کہ اس عورت کے پیشاب کے دروازہ پر گوشت بڑھ گیا ہے، جب بچہ تین چار ماہ کا ہوجاتا ہے تب پیشاب بالکل بند ہوجاتا ہے، اور زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں ہے، اب یہ آدمی کیا کرے؟ کیا حمل کو گرانا یا ثابت نہ ہونے دینا، یا بالکل ولادت کو بند کرادینا جائز ہے؟

(۳) وقفہ کرنا یعنی پانچ یا دس سال تک کے بچہ پیدا نہ ہونے دینا، پھر اس کے بعد بچہ پیدا ہوگا تو کیا ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد صادق حسین آسامی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) اسقاط حمل شریعت میں اصلاً ناجائز اور حرام ہے، مگر سوالنامہ میں ذکر کردہ صورت حال کے مطابق اگر واقعی کسی ماہر ڈاکٹر اور حکیم نے عورت کا معائنہ کرکے بتلایا ہے کہ حمل ساقط نہ کیا گیا تو عورت کی جان خطرے میں پڑ جائے گی، تو اس عذر کو سامنے رکھ کر چار ماہ سے پہلے پہلے حمل کو ساقط کرانے کی گنجائش ہے، اور چار ماہ کے بعد تو اس کا اسقاط مطلقاً حرام ہے، کسی بھی عذر سے اس کی گنجائش نہیں ہے، اور نسبندی وغیرہ سے اس کو بالکل ہی بند کرا دینا اس کا بھی شریعت قطعاً ناجائز اور حرام ہونے کا حکم دیتی ہے، ہاں البتہ علاج کرکے صحیح ہونے کے لے عارضی رکاوٹ پیدا کرنے کی گنجائش ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۸/ ۳۴۸، عزیز الفتاویٰ ص: ۷۴۴، فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۶/ ۲۷۵، جدید زکریا ۱۰/۱۸۱)

قال فی النهر: بقی هل يباح الإسقاط بعد الحمل نعم يباح مالم يتخلق شيئ ولن يكون ذٰلک إلا بعد مائة و عشرين يوما. (شامی، مطلب: فی حکم إسقاط الحمل زکریا ٤/٣٣٥-٣٣٦، کراچی ٣/١٧٦، زکریا ٩/٦١٥، کراچی ٦/٤٢٩، هندیه زکریا قدیم ٥/٣٥٦، جدید ٥/٤١٢، النهر الفائق، دار الکتب العلمیة بیروت ١/١٤١)

فإباحة الإسقاط محمولة على حالة العذر أو أنها لا تأثم إثم القتل.

(شامی، مطلب: فی حکم إسقاط الحمل زکریا ٤/٣٣٦، کراچی ٣/١٧٦)

حمل کی وجہ سے موجودہ بچہ کی صحت کے خراب ہونے کا اندیشہ ہو یا عورت اتنی نحیف و کمزور ہے کہ ولادت کا بار برداشت نہیں کرسکتی ہے تو ایسی صورت میں وقفہ کی گنجائش ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۸/ ۳۴۷، فتاویٰ محمودیہ قدیم ۶/ ۳۷۰، ڈابھیل ۱۸/ ۳۱۷، فتاویٰ احیاء العلوم ص: ۲۷۴)

ومن الأعذار أن ينقطع لبنها بعد ظهور الحمل وليس لأبی الصبی ما يستاجر به الظئر و يخاف هلاكه. (شامی، مطلب: فی حکم إسقاط الحمل زکریا ٤/٣٣٦، کراچی ٣/١٧٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۲؍رجب المرجب ۱۴۲۲ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۸۰۷)	۲؍۷؍۱۴۲۲ھ

اسقاط حمل کا حکم

سوال [۱۰۴۰۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) زید کی عمر تقریباً چالیس سال ہے، اس کے پانچ بچے ہیں، دو بچے، تین بچیاں، زید کی اہلیہ خالدہ جب حاملہ ہوتی ہے تو سخت بیمار پڑ جاتی ہے، یہاں تک کہ تقریباً تین ماہ اس کا کھانا پینا مشکل ہو جاتا ہے، صاحب فراش ہوجاتی ہے، اور ابتداء حمل میں کوئی چیز کھاتی ہے یا پیتی ہے تو فوراً قے ہو جاتی ہے، وہ کافی کمزور ہو جاتی ہے، اس وجہ سے زید کے بچوں کو کھانا ملنا اور مدرسہ اسکول جانا دشوار کن بن جاتا ہے، چونکہ سارے بچے چھوٹے ہیں اور زید اس لائق نہیں کہ خادمہ رکھ سکے، اور اس کے گھر میں دوسری کوئی عورت بھی نہیں ہے تو ایسی صورت میں کیا سلسلۂ تولد کو بذریعہ میکانیکل یا فیزیکل روک سکتا ہے؟ یعنی دوا یا لوپ کے ذریعے؟

(۲) زید کی اہلیہ حاملہ ہوگئی، مدت حمل ابھی تقریباً ایک ماہ دس روز کا ہوا ہے تو دونوں رضا مندی سے مذکورہ مجبوریوں کے تحت حمل کو ضائع کر سکتے ہیں؟ اگر کر دیا تو اس پر دیت لازم آئے گی؟، واضح رہے کہ زید اور خالدہ دونوں کو اپنے رب پر یقین ہے کہ وہ ذات خالق و رازق ہے، زید کثیر اولاد کی وجہ سے نہیں بلکہ خالدہ کی طبیعت کی وجہ سے ایسا سوچتا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) ایسا عمل کرالینا جس سے دائمی طور پر سلسلہ اولاد منقطع ہوجائے، ناجائز اور حرام ہے، اور حمل کے زمانہ میں قے کا آنا مرض کے دائرے میں داخل نہیں ہے، البتہ اگر عورت کی جان کا اندیشہ ہو تو صحت یابی تک عارضی طور پر مانع حمل دواؤں کے استعمال کی گنجائش ہے۔

(۲) بلا عذر حمل گرانے کی بھی اجازت نہیں، ہاں اگر عورت کی جان کا خطرہ ہے تو پھر ۱۲۰/ دن کی مدت کے اندر اندر اسقاط حمل کی گنجائش ہے۔

قالوا: يباح إسقاط الولد قبل أربعة أشهر ...... وهو محمولة على حالة العذر.

(شامی، مطلب: فی حکم إسقاط الحمل زکریا ٤/٣٣٥-٣٣٦، کراچی ٣/١٧٦، هندیه زکریا قدیم ٣٥٦/٥، جدید ٤١٢/٥، النهر الفائق، دار الکتب العلمیة بیروت ١/١٤١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍ربیع الاول ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۷۱۰۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۳/۱۰ھ

حمل گرانے کا حکم

سوال [۱۰۴۱۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید جوکہ پیشہ کے اعتبار سے ڈاکٹر ہے، اس کے پاس کچھ خطا کار مسلم خواتین آئیں، کہ ان کی خطا کی نشانی یعنی ناجائز حمل ساقط کردیا جائے، ایسی صورت میں جاننا یہ ہے کہ مسلم عورت کی عزت کا مسئلہ ہے، حمل کے ضیاع کے متعلق حکم کیا ہے؟ زید کا ایسا کرنا کیسا ہے؟ جبکہ ذہن میں یہ بات ہے کہ یہ دوا نہ کرے تو کوئی دیگر ڈاکٹر اس کام کو انجام دے گا، شرعی حکم واضح کریں؟

المستفتی: محمد ملیح مہراج گنج

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حمل کا گرانا بلا عذر شدید کے جائز نہیں ہے، چاہے حمل حلال نطفہ سے ہو یا بدکاری کے حرام نطفہ کا ہو، دونوں صورتوں میں جائز نہیں ہے، ہاں البتہ اگر عورت کی جان کا خطرہ ہے یا دودھ پیتے بچے کو نقصان پہنچنے کا خطرہ ہے تو حمل پر ۱۲۰؍دن گذرنے سے پہلے پہلے انتہائی مجبوری کی وجہ سے گرانے کی گنجائش ہے، اور ۱۲۰؍دن گذرنے کے بعد شدید مجبوری کے باوجود بھی جائز نہیں ہے، اور ناجائز حمل کا اسقاط کرنے والا ڈاکٹر اور کروانے والے دونوں گنہگار ہوں گے۔

ویکره أن تسقی لإسقاط حملها، وجاز لعذر حیث لایتصور، قال الشامی: وقدروا تلک المدة بمائة وعشرین یوما وجاز لأنه لیس بآدمی وفیه صیانة الآدمی، خانیة: (حیث لا یتصور) قال الشامی: قید لقوله وجاز لعذ والتصور کما

فی القنیة: أن یظهر له شعر أو إصبع أو رجل أو نحو ذٰلک. (در مختار مع الشامی، کتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغیره، زکریا ۹/۶۱۵، کراچی ۶/۴۲۹)

العلاج لإسقاط الولد إذا استبان خلقه کالشعر والظفر ونحوهما لایجوز، وإن کان غیر مستبین الخلق یجوز وخلقه لا یستبین إلا بعد مائة وعشرین یوما.

(هندیه، الباب الثامن عشر فی التداوی والمعالجات زکریا قدیم ۵/۳۵۶، جدید ۵/۴۱۲)

امرأة عالجت فی إسقاط ولدها لا تأثم مالم یستبن شیئ من خلقه.

(البحر الرائق، کتاب الکراهیة زکریا ۸/۳۷۶، کوئٹه ۸/۲۰۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴/ ذی قعدہ ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۸۱۶)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۱۱/۱۵ھ

کن حالتوں میں اسقاط حمل جائز ہے؟

سوال [۱۰۴۱۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہندہ جو پانچ بچوں کی ماں ہے، عمر تقریباً تیس سال ہے، صحت کے اعتبار سے کمزور ہے، ہر حمل کے وقت ماہر لیڈی ڈاکٹرنی کی نگرانی میں رہتے ہوئے بڑی پریشانیاں اور پیچیدگیاں پیدا ہوجاتی ہیں، کبھی بے ہوش ہوجاتی ہے کبھی دردوں کا سلسلہ چلتا رہتا ہے، چپ پڑی رہتی ہے، چلنا پھرنا دوبھر، کبھی کبھی ایسا لگتا ہے کہ وہ اس سے جانبر نہ ہوسکے گی، اور یہ زندگی کا آخری مرحلہ ہے، کیا ایسے میں وہ ضبط تولید کا آپریشن کراسکتی ہے؟

المستفتی: محمد یعقوب شمسی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ایسے شدید اعذار کی صورت میں عارضی طور پر استقرار حمل کو روکنے کا علاج جائز ہے، مگر آپریشن کے ذریعہ تولید کی صلاحیت کو ختم کرنے کی اجازت شرعاً نہیں ہے، اور آج کل استقرار حمل کو روکنے کے لیے مختلف قسم کے طریقے ایجاد

ہو چکے ہیں، ان میں سے جو آپ کو مناسب ہو اختیار کرلیں۔

ویکره أن تسقى لإسقاط حملها، وجاز لعذر حيث لايتصور، وإن أسقطت ميتا فهي السقط غرة الخ. (در مختار مع الشامی، کتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره، زكريا ٩/ ٦١٥، كراچی ٦/ ٤٢٩، هنديه زكريا قديم ٦/ ٣٦، جديد ٦/ ٤٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍محرم الحرام ۱۴۲۱ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۴۰۱)

حج میں جانے کے لیے حمل ساقط کرانا

سوال [۱۰۴۱۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید اور اس کی بیوی کی حج کی درخواست منظور ہو چکی ہے اور اب بیوی کو ڈیڑھ ماہ کا حمل ہے، اگر اس کو باقی رکھا جائے تو موسم حج تک وہ تقریباً ۸؍ماہ کا ہو جائے گا، جس کی وجہ سے حج میں پریشانی ہوگی، کیا ایسی صورت میں اس کو ساقط کرایا جا سکتا ہے؟

المستفتی: اسرار احمد نجیب آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسے اعذار سے حمل ساقط کرنا جائز نہیں ہے، نیز وہاں مکہ یا مدینہ کے قیام کے دوران بہت سی عورتوں سے ولادت بھی ہو جاتی ہے، نیز وہاں پر ہسپتالوں میں مفت علاج بھی نہایت عمدہ انداز سے ہوتا ہے، اس لیے حمل ساقط کرنا ہرگز جائز نہ ہوگا۔

الضرورات تقدر بقدرها. (قواعد الفقه اشرفی ص:۸۹، رقم: ۱۷۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰؍جمادی الاول ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۷۴۳)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴/ ۵/ ۱۴۱۹ھ

حمل ساقط کرنے کا حکم

سوال [۱۰۴۱۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: غیروں کی تقلید کرتے ہوئے مسلمانوں میں اسقاط کا رجحان نہایت تیزی سے فروغ پا رہا ہے، جو کبھی شوہر کی مرضی سے ہوتا ہے، کبھی لاعلم رکھ کر، جواب طلب مسئلہ یہ ہے کہ اگر شوہر کو لاعلم رکھ کر چند ماہ کا حمل ضائع کرا دیا، ان اعذار پر کہ بچہ بہت چھوٹا ہے، یا بچے بڑے ہوگئے ہیں، شرم مانع ہے، مزید یہ کہ ابھی جان نہیں پڑی ہے تو عورت شرعاً کس زمرے میں آتی ہے، یا شوہر کی مرضی سے ہو تو کیا اس کی امامت میں کراہت تو نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر حمل اور وضع حمل میں عورت کی جان کا خطرہ نہیں ہے تو ایسی صورت میں استقرار حمل کے بعد حمل کا ضائع کرنا جائز نہیں ہے، اور اگر عورت کی جان کا خطرہ ہے اور سخت مجبوری ہے، تو چار مہینہ سے پہلے پہلے دواؤں کے ذریعہ سے حمل کو ضائع کرنے کی گنجائش ہے۔ (مستفاد: عزیز الفتاویٰ ۱/۷۴۴)

کما في الشامية: وعبارة في عقد الفوائدة، قالوا: يباح لها أن تعالج في استنزال الدم مادام الحمل مضغة ولم يخلق له عضو وقدروا تلك المدة بثلاثة وعشرين يوما إنما أباحوا ذٰلك لأنه ليس بآدمي. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره زكريا ٩/٦١٥، كراچی ٦/٤٢٩، هنديه زكريا قديم ٥/٣٥٦، جديد ٥/٤١٢، النهر الفائق، دار الكتب العلمية بيروت ١/١٤١) **فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍محرم الحرام ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۸٦٦٧)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۱/۲۴ھ

کیا چار ماہ سے قبل اسقاط حمل مباح ہے؟

سوال [۱۰۴۱۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: اسقاط حمل مباح ہے جب تک کہ ایک سو بیس دن نہ گذر جائیں، کمافی کتب الفتاویٰ، دریافت طلب امر یہ ہے کہ یہ ایک سو بیس دن کب سے شروع ہوتے ہیں۔

المستفتی: محمد شعیب ساؤتھ افریقہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایک سو بیس دن سے قبل بھی بلا عذر معقول کے اسقاط حمل جائز نہیں ہے بلکہ ۱۲۰/ دن سے قبل صرف شدید عذر کی وجہ سے جائز ہے اور ۱۲۰/ دن استقرار کے دن سے شمار ہوں گے اور ۱۲۰/دن پر جان پڑ جاتی ہے۔

عن ابن مسعودؓ قال: حدثنا رسول اللہ ﷺ وهو الصادق المصدوق إن أحدكم يجمع خلقه في بطن أمه في أربعين يوما ثم يكون علقة مثل ذٰلك ثم يكون مضغة مثل ذٰلك ثم يرسل إليه الملك فينفخ فيه الروح.

(صحيح مسلم، باب كيفية خلق الآدمي في بطن أمه، النسخة الهندية ۲/ ۳۳۲، بيت الأفكار رقم: ۲٦٤۳، سنن ابن ماجه، باب في القدر، النسخة الهندية ۱/ ۸، دار السلام رقم: ۷٦)

ويكره أن تسقى لإسقاط حملها، وجاز لعذر حيث لايتصور، وإن أسقطت ميتا ففي السقط غرة. (در مختار مع الشامي، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره، زكريا ۹/ ٦۱٥، كراچی ٦/ ٤۲۹، هنديه زكريا قديم ٦/ ۳٦، جديد ٦/ ٤٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴/ صفر المظفر ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۳۴۹)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۶/۲/۲۴ھ

لاغر عورت کی گود میں چار ماہ کا بچہ ہو تو اسقاط حمل جائز ہے یا نہیں؟

سوال [۱۰۴۱۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کی بیوی جس کی گود میں چار ماہ کا بچہ ہے، اس دوران اس کو حمل قرار پا جاتا

ہے، اس وجہ سے بچے کو پورا دودھ نہیں مل پاتا، نیز ہندہ لاغر بھی ہے، اس صورت میں ہندہ اسقاط حمل کرا سکتی ہے یا نہیں؟

المستفتی: ایم اے خان، ٹھاکردوارہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اسقاط حمل فی نفسہ ناجائز اور حرام ہے، لیکن مذکورہ اعذار کی صورت میں اگر بچہ یا ماں کا سخت خطرہ ہو تو حمل میں اعضاء اور جان پڑ جانے سے پہلے پہلے ضرورت شدیدہ کی بنا پر اسقاط حمل کی تدبیر جائز ہے، اور اعضاء میں جان پڑ جانے کی صورت میں کسی طرح جائز نہیں ہے، عورت کے کمزور ہونے کی صورت میں استقرار حمل سے قبل ہی ایسا علاج کرلیا جائے جس سے طاقت آنے تک استقرار نہ ہو۔ (مستفاد: فتاویٰ احیاء العلوم ۱/ ۲۴۸، امداد الفتاویٰ ۴/۲۰۲)

ویکره أن تسقى لإسقاط حملها، و جاز لعذر حيث لايتصور (الدر المختار) قال الشامي: جاز لعذر كالمرضعة إذا ظهر الحبل وانقطع لبنها و ليس لأبي الصبي ما يستاجر به الظئر ويخاف هلاک الولد قالوا يباح لها أن تعالج فى استنزال الدم مادام الحمل مضغة أو علقة و لم يخلق له عضو وقدروا تلك المدة بمائة و عشرين يوما و جاز لأنه ليس بآدمي وفيه صيانة الآدمي. (در مختار مع الشامي، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره، زكريا ٩/ ٦١٥، كراچی ٦/ ٤٢٩، كوئٹه ٥/ ٣٠٤، هنديه زكريا قديم ٥/ ٣٥٦، جديد ٥/ ٤١٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۷/ رجب ۱۴۰۸ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۸۱۲)

۶/۵ ماہ کا حمل ساقط کرانا

سوال [۱۰۴۱۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرے شوہر کا انتقال ہوگیا ہے، میرے چھ بچے ہیں اور پانچ مہینہ کا حمل ہے، ہر وقت

پردہ میں رہتی ہوں، ڈاکٹرنی کو بھی دکھایا ہے اس نے کہا کہ بچہ صحیح ہے، عورتیں کہتی ہیں کہ بچہ ایک سال میں پیدا ہوگا، بہت پریشان ہوں، ہسپتال جا کر صفائی ہوجائے تو کیا اس کی اجازت ہے؟

المستفتی: مہتاب النساء اصالت پورہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب آپ کے حمل کو پانچ مہینے ہوگئے اور ڈاکٹرنی نے کہہ دیا کہ بچہ ٹھیک ہے تو اب ہسپتال جا کر صفائی کی اجازت نہیں بلکہ بچہ پیدا ہونے تک عدت میں رہنا ضروری ہوگا۔

قال في النهر: بقي هل يباح الإسقاط بعد الحمل نعم يباح مالم يتخلق شيئ ولن يكون ذٰلك إلا بعد مائة و عشرين يوما (إلى قوله) وإباحة الإسقاط محمولة على حالة العذر. (شامی، مطلب: في حكم إسقاط الحمل زكريا ٤/ ٣٣٥-٣٣٦، کراچی ١٧٦/٣، الموسوعة الفقهية الكويتية ٤٠ /٢٦٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍رجب المرجب ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۱۱۸)

چھ ماہ کا حمل ساقط کرانا

سوال [۱۰۴۱۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے زنا کیا اور اس کے نتیجے میں حمل قرار پایا، یہاں تک کہ چھ ماہ ہوگئے، تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس حمل کو ساقط کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ نیز حالت حمل میں اس سے نکاح اس لڑکے کا ہوسکتا ہے یا نہیں؟ حالانکہ زانی، زانیہ سے نکاح کرنے کو تیار نہیں تو جبراً نکاح کرایا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اور اگر زبردستی کرادیا تو شرعاً عقد نکاح منعقد ہوگا یا نہیں؟ جواب سے آگاہ فرما کر شکریہ کا موقع دیں۔

المستفتی: سعید الرحمٰن آسامی مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: چھ ماہ کے حمل کو ساقط کرانا ہرگز جائز نہیں ہے، اس میں جان پڑ چکی ہے، اس کو ساقط کرانے والے اور اس میں تعاون کرنے والے سب سخت گنہگار رہوں گے، اور حالت حمل میں زانی کا نکاح زانیہ کے ساتھ صحیح اور درست ہوگا، اور نکاح کے بعد شب باشی بھی جائز ہوگی۔

وإن أسقطت میتا ففی السقط غرة. (الدر المختار، باب الاستبراء وغیره زکریا ۹/ ۶۱۵، کراچی ۶/ ۴۲۹، هندیه زکریا قدیم ۶/ ۳۶، جدید ۶/ ۴٤)

وصح نکاح حبلیٰ من زنا (إلی قوله) لو نکحها الزانی حل له وطؤها. (الدر مع الرد، کتاب النکاح، زکریا ٤/ ۱٤۱-۱٤۲، کراچی ۳/ ٤۸-٤۹)

اگر نکاح کیا جاتا ہے اور لڑکا اپنی زبان سے قبول کرلیتا ہے تو نکاح صحیح ہوجائے گا۔

أکره علی النکاح جاز العقد. (الجوهرة النیرة، کتاب الإکراه، امدادیه ملتان ۲/ ۳۵۵، دار الکتاب دیو بند ۲/ ۳۳۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ ربیع الاول ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۶۰۰)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۲/۳/۲۳ھ

پیدائش کے وقت موت کے اندیشہ سے وضع حمل

سوال [۱۰۴۱۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کی بیوی نہایت کمزور ہے جب وضع حمل کا وقت آتا ہے تو شدید تکلیف کی وجہ سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مرنے کے قریب ہے، اس کی کمزوری کا علاج بھی کرلیا گیا ہے، لیکن کمزوری بدستور باقی ہے اور وضع حمل کے وقت موت کا خطرہ رہتا ہے، تو کیا ایسی صورت میں اسقاط حمل کرا سکتے ہیں یا اس کے علاوہ کوئی صورت اور ہو تو رہنمائی فرمائیں؟

المستفتی: محمد راشد بلند شہری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر وضع حمل کے وقت موت کے خطرہ کی شکلیں پیش آچکی ہیں، تو آئندہ کے لیے جب تک عورت تندرست نہ ہو جائے حمل قرار نہ پانے کے اسباب اختیار کرنے کی گنجائش ہے، اور جن اسباب وعلاج کے ذریعہ سے استقرار حمل نہ ہو سکے اس کی بہت سی شکلیں ہیں، جو لیڈیز ڈاکٹرنیوں سے مشورہ کر کے اختیار کی جاسکتی ہیں، اور اگر فی الحال استقرار حمل ہو چکا ہے تو بچہ میں جان پڑنے سے پہلے پہلے عورت کی جان کے خطرہ کی وجہ سے صفائی کرانے کی گنجائش ہے، فقہاء نے اس کی مدت چار مہینے بتائی ہے، لیکن یہ بات بھی یاد رکھیں کہ کیا خبر ہے کہ جس بچہ کو ضائع کیا جا رہا ہے وہی ماں باپ کا فرمانبردار اور اللہ کا ولی ہو، اس لیے انتہائی محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔

وإذا أسقطت الولد بالعلاج قالوا: إن لم يستبن شيء من خلقه لا تأثم. (خانیه، كتاب الكراهية، فصل في الختان زكريا جديد ۳/۲۹۶-۲۹۷، وعلى هامش الهندية ۳/۴۱۰)

هل يباح الإسقاط بعد الحبل؟ يباح مالم يتعلق شيئ منه ثم في غير موضع ولا يكون ذٰلك إلا بعد مائة وعشرين يوما. (البحر الرائق، باب نكاح الرقيق كوئٹه ۳/۲۰۰، زكريا ۳/۳۴۹)

قال ابن وهبان: فإباحة الإسقاط محمولة على حالة العذر. (شامي، مطلب: في حكم إسقاط الحمل زكريا ۴/۳۳۵-۳۳۶، كراچي ۳/۱۷۶)

قالوا: وكذٰلك المرأة يسعها أن تعالج لإسقاط الحبل ما لم يستبن شيء من خلقه وذٰلك ما لم يتم له مائة وعشرون يوما. (هنديه، الباب التاسع في نكاح الرقيق زكريا جديد ۱/۴۰۱، قديم ۱/۳۳۵، تبيين الحقائق امداديه ملتان ۲/۱۶۶، زكريا ۲/۵۹۷-۵۹۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶ر جمادی الاولیٰ ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۰۷۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۵/۲۶ھ

بچہ کی پرورش کی خاطر مانع حمل تدابیر اختیار کرنا

سوال [۱۰۴۱۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: صورت مسئلہ یہ ہے کہ زید کی بیوی ہر سال حاملہ ہو جاتی ہے، جس سے بچے کی پرورش میں کلفت کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اس کے علاوہ بچے کی ماں کو دودھ نہیں ہے، جس سے بچے کی پرورش سہولت سے ہو سکے، کیا زید بچے کی پرورش کی بنا پر (نیرودھ) یا اسقاط حمل کی ادویات یا کوئی ایسی صورت استعمال کر سکتا ہے جس سے زید کی بیوی حاملہ نہ ہو سکے؟ اغلب امید ہے کہ مفتیان کرام قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دینے کی زحمت گوارہ فرمائیں گے۔

المستفتی: ڈاکٹر شمیم عالم پورنیہ بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر زیادہ پریشانی ہے تو دو تین سال کے وقفہ کے لیے ایسا عارضی علاج اور شکل اختیار کرنا جائز اور درست ہے، کہ جس سے دیر میں استقرار حمل ہو بالکل صلاحیت ختم کرنے والی دوا استعمال کرنا جائز نہیں۔

ویکره أن تسقى لإسقاط حملها، وجاز لعذر حيث لايتصور. (در مختار مع الشامي، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره، زكريا ٦١٥/٩، كراچی ٤٢٩/٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ رصفر المظفر ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۰۰۹/۲۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۳/۲/۹ھ

مانع حمل دواؤں کا استعمال

سوال [۱۰۴۲۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: آج کل موجودہ زمانہ میں ایسی ایسی دواؤں کی آمد ہوئی ہے کہ اگر ان کو ہر مہینہ میں

ایک خوراک استعمال کیا جائے تو استقرار حمل نہیں ہوتا ہے، اسی طرح ایک قسم کی گولیاں ہیں جن کو ہر مہینہ میں ایک ایک کر کے استعمال کیا جائے تو استقرار حمل نہیں ہوتا ہے، کیا ایسی دوائیں اور گولیاں استعمال کرنا جائز ہے، چاہے نیت فیملی کے کم کرنے کے لیے ہو یا خشیۃ املاق کی وجہ سے؟

المستفتی: قاضیم الدین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مرد اور عورت کا مادہ بچہ کے تولد کے لیے ایجاب وقبول کی طرح رکن کا درجہ رکھتا ہے اور مذکورہ دوا اور گولی مادہ کے اندر ایک مدت تک کے لیے تولد کی صلاحیت ہی ختم کر دیتی ہے، اور بلا ضرورت شدیدہ تولد کی صلاحیت کا ختم کرنا مطلقاً ناجائز اور ممنوع ہے، اس لیے ایسی دوا اور گولی کا استعمال شرعاً ناجائز اور ممنوع ہوگا، اور مسئلہ عزل میں تولد کی صلاحیت ختم نہیں ہوتی ہے اس لیے اس کے جواز سے مسئلہ مانع حمل گولی وغیرہ کے عدم جواز پر کوئی اشکال نہیں ہوسکتا۔

فماء المرأة ركن في الانعقاد فيجري الماء إلى أن يجري الإيجاب والقبول في الوجود الحكمي في العقود. (احیاء العلوم غزالی ۲/ ۳۰)

نیز فیملی کم کرنا حدیث کے خلاف ہونے کی وجہ سے ممنوع ہے۔

عن معقل بن يسارؓ قال قال رسول الله ﷺ: تزوجوا الودود الولود فإني مكاثر بكم الأمم. (أبوداؤد شريف، باب في تزويج الأبكار، النسخة الهندية ۱/ ۲۸۰، دار السلام رقم: ۲۰۵۰، مشكوٰة شريف ص:۲۶۷) **فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍ربیع الاول ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۷۰۸)

مانع حمل ادویہ کا استعمال

سوال [۱۰۴۲۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: (۱) ایک شخص صرف اس وجہ سے کہ جوان اولا د ہے اگر استقرار ہوگیا تو اولاد کیا کہے گی، نرودھ یا کوئی دوسری دوائی بوقت مجامعت استعمال کرتا ہے، اور عورت بھی اس کے لیے پوری طرح رضا مند ہے، تو کیا یہ عمل جائز ہے؟

(۲) منفی صورت میں کس حد کا گناہ ہوگا؟

(۳) استقرار ہونے کے دوڈھائی ماہ بعد عورت کو خوف مذکورہ کی وجہ سے کافی احساس شروع ہوگیا حتی کہ دن بدن کمزوری دل پر ہر وقت صدمہ یہاں تک کہ ایسا محسوس ہونے لگا کہ وضع حمل تک ٹھکانے نہ لگ جائے، ایسی صورت میں صفائی کی کہاں تک اجازت مل سکتی ہے؟

(۴) ان خطرات سے بچنے کے لیے اگر عورت کا آپریشن کرا دیا جائے کیا حکم ہے؟

(۵) کسی عالم سے سنا کہ ۹۰؍دن سے پہلے پہلے صفائی کرانے کی اجازت ہے، کیا یہ صحیح ہے؟

المستفتی: ظہیراحمد مدرسہ انوار العلوم جویا

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: بغیر کسی شرعی عذر کے کوئی ایسی دوا یا تدبیر اختیار کرنا کہ جس سے حمل قرار نہ پائے، کسی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۲/۳۱۴، جدید ڈابھیل ۱۸/ ۳۰۷، محمودیہ قدیم ۱۴/ ۳۶۳، جدید ڈابھیل ۱۸/ ۳۰۳، فتاویٰ احیاء العلوم ص: ۲۴۸)

عن عائشة عن جذامه بنت وهب أخت عكاشه، قالت: حضرت رسول الله ﷺ ...... ثم سألوه عن العزل فقال رسول الله ﷺ: ذٰلک الوأد الخفي وإذا الموؤدة سئلت. (صحيح مسلم، باب جواز الغيلة، وهى وطئ المرضع و كراهة العزل، النسخة الهندية ٤٦٦/١، بيت الأفكار رقم: ١٤٤٢، مسند أحمد بن حنبل ٤٣٤/٦ رقم: ٢٧٩٩٣، المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث ٢٠٩/٢٤، رقم: ٥٣٥، مشكوٰة شريف ص: ٢٧٦)

قوله وهى: وإذا الموؤدة سئلت أى هذه الفعلة الشنيعة التى هى العزل مندرجة تحت هذه الآية ذكرها تاكيداً لبيان شناعته. (حاشية مشكاة شريف ص: ٢٧٦)

عن معقل بن يسارؓ قال قال رسول الله ﷺ: تزوجوا الودود الولود فإنى مكاثر بكم الأمم. (أبوداؤد شريف، باب فى تزويج الأبكار، النسخة الهندية

۱/ ۲۸۰، دار السلام رقم: ۲۰۵۰، مشکوٰۃ شریف ص:۲۶۷)

اسقاط حمل فی نفسہ ناجائز اور حرام ہے، لیکن وقتی اور خاص ضرورت شدیدہ کی بنا پر مثلاً ولادت میں عورت کے زیادہ کمزور ہونے کی وجہ سے جان کا خطرہ ہے، بچہ میں جان پڑنے سے قبل اسقاط کی گنجائش ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ احیاء العلوم ص: ۲۴۸، فتاویٰ رحیمیہ جدید زکریا ۱۰/ ۱۹۰-۱۹۱)

یباح إسقاط الولد قبل أربعة أشهر ولو بلا إذن الزوج وتحته فی الشامية: فإباحة الإسقاط محمولة على حالة العذر. (شامی، مطلب: فی حکم إسقاط الحمل زکریا ۴/ ۳۳۶، کراچی ۳/ ۱۷۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳/ شعبان المعظم ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۴۰۶)

مانع حمل دوائیں یا آپریشن کرانے کا حکم

سوال [۱۰۴۲۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کی شادی ہوئی، الحمد للہ چار بچے ہیں، الحمد للہ کسی بھی قسم کی پریشانی نہیں ہے، ہندہ کی طبیعت برابر خراب رہتی ہے، اگر ہندہ آپریشن کراتی ہے تو ہندہ کی طبیعت ٹھیک ہوجائے اور زید کہہ رہا ہے کہ تم آپریشن کرالو تاکہ تمہاری جو برابر طبیعت خراب رہتی ہے وہ ٹھیک ہوجائے گی، مگر ہندہ ڈرتی ہے کہ قیامت کے دن میری پکڑ نہ ہو، اس لیے ہندہ گھبراتی ہے کہ کراؤں یا نہیں؟ کیا اس کی کوئی صورت ہے، یا کوئی گنجائش ہے یا نہیں؟ شرعاً جواز کی کوئی صورت ہو تو مفصل تحریر فرمائیں تاکہ میں آپریشن کرالوں، مہربانی ہوگی۔

المستفتی: محمد عطاء اللہ سہرسہ بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر استقرار حمل کی وجہ سے ہندہ مستقل بیمار رہتی ہے تو ہندہ کے لیے شرعی طور پر ایسا علاج وقتی طور پر کرنے کی گنجائش ہے، کہ جس سے مستقل

تندرست اور طاقت ور ہونے تک کے لیے استقرار حمل نہ ہو، اور جب اللہ تعالیٰ دوبارہ تندرستی عطا فرمائے تو پھر علاج کی اجازت نہ ہوگی، اور حمل کو روکنے کی ترکیب کرنا درست نہ ہوگا، لہٰذا اگر آپریشن کی وجہ سے حمل کی صلاحیت ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے تو شرعاً اس کی اجازت نہیں ہے، ہاں البتہ اگر کوئی ایسا بھی آپریشن ہو کہ جس سے وقتی طور پر حمل رکتا ہو تو اس کی اجازت ہے۔

ویکره أن تسقى لإسقاط حملها، وجاز لعذر حيث لايتصور. (در مختار مع الشامي، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره، زكريا ۹/ ٦١٥، كراچی ٦/ ٤٢٩، هنديه زكريا قديم ٥/ ٣٥٦، جديد ٥/ ٤١٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍ شوال المکرّم ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۴۲۰)

موجودہ دور میں عزل کا حکم

سوال [۱۰۴۲۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زمانہ موجودہ میں عزل کا طریقہ اختیار کر کے نسل اور توالد کا سلسلہ گھٹانا یا بند کرنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: داؤد القاسمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: محض نسل گھٹانے کے لیے شوہر کا اپنی بیوی کی رضامندی سے عزل کرنا مکروہ ہے، ہاں اگر بیوی اتنی کمزور ہے کہ حمل کا تحمل نہیں کر سکتی تو اس کے صحت مند ہونے تک اس کی رضامندی سے عزل کرنا بلا کراہت درست ہے۔

عن عائشة عن جذامة بنت وهب أخت عكاشه، قالت: حضرت رسول الله ﷺ ...... ثم سألوه عن العزل فقال رسول الله ﷺ: ذلک الوأد الخفي–وزاد عبيد الله في حديثه عن المقرئ وإذا الموؤدة سئلت.

(صحیح مسلم، باب جواز الغیلة، وهی وطئ المرضع و کراهة العزل، النسخة الهندیة ۱/ ٤٦٦، بیت الأفکار رقم: ۱٤٤۲، مسند أحمد بن حنبل ٦/ ٤۳٤ رقم: ۲۷۹۹۳، المعجم الکبیر للطبرانی، دار إحیاء التراث ۲٤/ ۲۰۹، رقم: ٥۳٥، مشکوٰة شریف ص: ۲۷٦)

قال الملاعلی قاری قیل: ذٰلک لا یدل علی حرمة العزل بل علی کراهته. (مرقاة المصابیح، کتاب النکاح، باب المباشرة، الفصل الأول امدادیه ملتان ٦/ ۲۳۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/ رجب المرجب ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۴۹۳)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۵/ ۷/ ۱۴۲۵ھ

حالت حمل یا ایام رضاعت میں عزل کرنا

سوال [۱۰۴۲۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ڈاکٹر کا کہنا ہے کہ حالت حمل میں جماع سے حمل پر اثر پڑتا ہے، نیز ایام رضاعت میں جماع سے اگر حمل ٹھہر جائے تو دودھ فاسد ہوجاتا ہے اور بچہ بھی کمزور ہوجاتا ہے، تو کیا ان دونوں حالتوں میں مانع حمل دوا یا نرودھ استعمال کرسکتے ہیں، مذکورہ دونوں حالتوں میں عزل کی مطلقاً اجازت ہوگی یا مقیداً؟

المستفتی: محمد زبیر مظاہری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر واقعتاً حالت حمل میں ہم بستری سے جنین میں کمزوری آتی ہے جیسا کہ سوالنامہ میں مذکور ہے، یا ایامِ رضاعت میں ہم بستری سے دودھ میں فساد آتا ہو تو ان اعذار اور اس طرح کے دوسرے اعذار کی بنا پر ہمبستری میں عزل کرنا یا نیرودھ استعمال کر کے عارضی رکاوٹ پیدا کرنے کی بلا کراہت گنجائش ہے۔

ویکره أن تسقی لإسقاط حملها، وجاز لعذر حیث لایتصور. (در

مختار مع الشامی، کتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغیره، زکریا ۹/ ۶۱۵، کراچی ۶/ ۴۲۹، هندیه زکریا قدیم ۵/ ۳۵۶، جدید ۵/ ۴۱۲، النهر الفائق، دار الکتب العلمیة بیروت ۱/ ۱۴۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ صفر المظفر ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۴۶۳)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۲/۲۳ھ

نیرودھ اور مانع حمل ادویہ کا استعمال

سوال [۱۰۴۲۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نیرودھ اور کیرٹی اور حمل کو روکنے والی گولیاں استعمال کرتا ہے، کیا ایسا کرنا جائز ہے؟ اگر جائز ہے تو کیوں اور اگر ناجائز ہے تو کیوں؟ اس کے بارے میں قرآن وحدیث کی روشنی سے مفصل تحریر فرمائیں، ساتھ ہی ساتھ عزل کرنا کیسا ہے؟ کیا صحابہ کرام بھی ایسا کرتے تھے؟ جواب مطلوب ہے؟

المستفتی: ڈاکٹر ٹی ایس شان، محمد علی روڈ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: بغیر شرعی عذر کے مانع حمل دوا استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔ (فتاویٰ احیاء العلوم ۱/ ۲۷۴)

اس لیے یہ حدیث نبوی "**تزوجوا الودود الولود**" کے مقتضاء کے خلاف ہے، اور عذر کی وجہ سے نیرودھ استعمال کرنا اور عزل کرنا شرعاً اس میں کوئی مضائقہ اور ممانعت نہیں ہے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو عزل کی اجازت دی تھی، لیکن ساتھ ساتھ یہ بھی بتلا دیا تھا کہ جو بچہ مقدر میں پیدا ہونا ہے وہ ہو کر رہے گا، چنانچہ ایسا ہوا کہ ایک صحابی عزل کرتے رہے لیکن پھر بھی استقرار حمل ہو گیا۔

عن جابر أن رجلا أتى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: إن لي جارة، هي خادمنا و سانيتنا، وأنا أطوف عليها وأنا أكره أن تحمل، فقال: اعزل عنها

إن شئت، فإنه سيأتيها ما قدر لها، فلبث الرجل، ثم أتاه، فقال: إن الجارية قد حبلت، فقال: قد أخبرتک أنه سيأتيها ما قدر لها. (صحيح مسلم، باب حكم العزل، النسخة الهندية ٤٦٥/١، بيت الأفكار رقم: ١٤٣٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳/ربیع الاول ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/۲۵۸۵)

بلا عذر مانع حمل طریقہ اختیار کرنا

سوال [۱۰۴۲۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) ایک شخص کے دو بچے ہیں، اب اس کا کہنا ہے کہ میں اور بچہ پیدا کرنا نہیں چاہ رہا ہوں، اب مجھے کوئی بچہ نہیں چاہیے، تو کیا ایسا کر سکتے ہیں؟ یہ صحیح ہے اسلام میں؟ پھر وہی کہتا ہے کہ ایک تو طریقہ ہے، آپریشن کا کہ بالکل جڑ ہی سے رحم نکال کر معاملہ صاف ہو جاتا ہے، اس میں کوئی بچہ ہونے کا امکان ہی نہیں رہتا، یہ تو حرام ہے، وہ شخص خود کہہ رہا ہے یہ تمام باتیں ایک دوسرا طریقہ آج کل چلا ہے وہ یہ ہے ''اپڑی'' یہ ایک ربر ہے جو کہ عورت کی شرمگاہ کے اندر بچہ دانی کے منہ میں ڈاکٹرنی کے ذریعہ فٹ کردی جاتی ہے، اس میں عورت اور مرد کے سب تقاضے پورے ہوتے ہیں، حیض بھی معمول کے مطابق آتا ہے، اب یہ ہم لوگوں کے ہاتھ میں ہے، جب چاہیں ایک سال دو سال، تین سال پانچ سال، دس سال بعد بچہ پیدا کر سکتے ہیں، تو کیا یہ طریقہ جائز ہے یا نہیں؟ اس شخص کا کہنا ہے کہ میرے خیال میں تو یہ جائز ہونا چاہئے، کیونکہ اس میں امید رہتی ہے بچہ ہونے کی، لیکن جب چاہیں؟ تو آپ سے پوچھنا یہ ہے کہ کیا اس طریقہ کو کر سکتے ہیں؟ کیا یہ اسلام میں جائز ہے، اگر نہیں ہے تو مکمل ومدلل تحریر فرمائیں؟

(۲) اسی طرح ایک مسئلہ عزل کا ہے جس طرح خارج فرج، منی خارج کرنا جائز، ٹھیک اسی طرح نرودھ کنڈوم کا استعمال ہے، اس میں ذکر داخل ہی رہتا ہے اور منی خارج ہو کر اس تھیلی میں جو کہ ذکر کے اوپر چڑھائی جاتی ہے، جس کو کنڈوم یا نرودھ کہتے ہیں، رہتی

ہے، تو نرودھ استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟ کر سکتے ہیں تو کن کن حالتوں میں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: (۱-۲) آپریشن کے ذریعہ سے توالد وتناسل کی صلاحیت کو بالکل ختم کر دینا سخت ترین گناہ ہے، اس لیے اس کی قطعاً اجازت نہیں ہے، اور دوسرا طریقہ بلا کسی عذر شدید کے محض اس لیے اختیار کیا جائے کہ اب اولاد کی ضرورت نہیں ہے تو یہ بھی مکروہ اور ممنوع ہے، ہاں البتہ اگر عورت اس قدر بیمار اور کمزور ہے کہ حمل کا بار برداشت نہیں کر سکتی، اس کی جان کا خطرہ ہے تو وقتی طور پر دوسرا طریقہ اختیار کرنے کی گنجائش ہے۔

عن عائشة عن جذامة بنت وهب أخت عكاشه، قالت: حضرت رسول الله ﷺ ...... ثم سألوه عن العزل فقال رسول الله ﷺ: ذٰلک الوأد الخفي-وزاد عبيد الله فى حديثه عن المقرئ وإذا الموؤدة سئلت.

(صحيح مسلم، باب جواز الغيلة، وهى وطئ المرضع و كراهة العزل، النسخة الهندية ۱/۴٦٦، بيت الأفكار رقم: ۱۴۴۲، مسند أحمد بن حنبل ٦/۴۳۴، رقم: ۲۷۹۹۳، المعجم الكبير للطبرانى، دار إحياء التراث ۲۴/۲۰۹، رقم: ۵۳۵، مشكوٰة شريف ص: ۲۷٦)

قال الملاعلى قارى قيل: ذٰلک لا يدل على حرمة العزل بل على كراهته. (مرقاة المصابيح، كتاب النكاح، باب المباشرة، الفصل الأول امداديه ملتان ٦/۲۳۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۱۵/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۵ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۳۸۳)	۱۴۲۵/۵/۱٦ھ

بلا عذر شدید کے نرودھ یا گولی استعمال کرنا

سوال [۱۰۴۲۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کیا اسلام میں ایک بچے سے دوسرے بچے کے لیے دوسال کے فاصلہ کی اجازت

ہے؟ اور کیا اس کے لیے موجودہ ایجاد نرودھ کے استعمال کی شرعاً اجازت ہے؟ نیز موجودہ ایجاد اور طریقہ گولی وغیرہ میں شرعاً ان تمام کو استعمال کی اجازت ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد اکرام دڑھیال مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دو بچوں کے درمیان دو سال کے فاصلہ کی بات لوگوں کی من گھڑت ہے، حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کی پیدائش میں صرف گیارہ ماہ دس دن کا فاصلہ ہے، حضرت حسنؓ کی پیدائش ۱۵/رمضان المبارک ۳ھ میں ہوئی اور حضرت حسینؓ کی پیدائش ۴ھ میں ہوئی ہے۔ (اکمال فی اسماء الرجال ص: ۵۹۰)

لہٰذا دو بچوں کے درمیان فاصلہ کی کوئی تعیین شریعت میں نہیں ہے اور دو سال کے فاصلہ کے لیے نرودھ یا گولی کا استعمال بلا عذر شدید کے درست نہ ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳/ ذیقعدہ ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۷۲۵)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۳/ ۱۱/ ۱۴۱۴ھ

بغیر کسی عذر کے حمل گرانا نیز حمل کو کتنی مدت کے اندر گرانے کی گنجائش ہے؟

سوال [۱۰۴۲۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) بغیر کسی عذر کے حمل گرانا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو دوائی سے یا اوزار کے ذریعہ صفائی کی جائے؟

(۲) حمل کو کتنی مدت کے اندر اندر گرانے کی اجازت ہے؟

المستفتی: محمد مطلوب نیو سیلم پور دہلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱-۲) حمل کو بلا عذر شرعی گرانا ناجائز وحرام ہے، البتہ ضرورت شدیدہ کے وقت مثلاً عورت کی جان کا خطرہ ہو یا دودھ پیتے بچے کی پرورش میں خلل پڑنے

کا اندیشہ ہوتو ایک سوبیس دن سے پہلے بدرجہ مجبوری دوائی وغیرہ کے ذریعہ اسقاط حمل کی گنجائش ہے، لیکن اس مدت کے بعد قطعاً اجازت نہیں ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۸/ ۳۴۸، عزیز الفتاویٰ ۱/ ۷۴۴)

قالوا: يباح إسقاط الولد قبل أربعة أشهر ولو بلا إذن الزوج، قال في النهر: بقي هل يباح الإسقاط بعد الحمل نعم يباح مالم يتخلق شيئ ولن يكون ذٰلک إلا بعد مائة و عشرين يوما، قال ابن وهبان: فإباحة الإسقاط محمولة على حالة العذر أو أنها لا تأثم إثم القتل. (شامي، مطلب: في حكم إسقاط الحمل، زكريا ٤/ ٣٣٥-٣٣٦، كراچی ٣/ ١٧٦) **فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۵۶۴)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۴/۲ھ

سخت کمزوری میں مانع حمل ادویہ کا استعمال

سوال [۱۰۴۲۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کی بیوی حالت حمل سے ہے اور کمزوری حد درجہ ہے، نیز ٹی بی کی بھی مریض ہے، ایک ماہر طبیب سے مشورہ کیا، ڈاکٹر صاحب موصوف کا مشورہ ہے کہ آئندہ آپ ان کو مانع حمل دوائی دیدیں، موجودہ صحت کا یہی تقاضہ ہے، اب آپ سے دریافت یہ کرنا ہے کہ مذکورہ شکل میں کسی ایسی دوائی کے استعمال کی شرعاً گنجائش ہے یا نہیں؟

المستفتی: شمیم احمد ٹانڈہ رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسی سخت کمزوری کی حالت میں تندرست ہونے تک کے لیے عارضی طور پر مانع حمل دوا استعمال کرنا جائز ہے تاکہ صحت وتندرستی بحال ہونے تک استقرار نہ ہو سکے، لیکن اگر استقرار ہو چکا ہے اور بچہ میں جان پڑنے کا وقت آچکا ہے تو اس کو ضائع کرنے کے لیے جائز نہیں ہے۔

وجاز لعذر حيث لايتصور و إن أسقطت ميتا ففي السقط غرة.

(شامی، کتاب الحظر و الإباحة، باب الاستبراء وغيره، زکریا ۹/۶۱۵، کراچی ۶/۴۲۹، هندیه زکریا قدیم ۵/۳۳۵، جدید ۵/۴۰۱، تبیین الحقائق امدادیه ملتان ۲/۱۶۶، جدید ۲/۵۹۷-۵۹۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵ ؍جمادی الثانیہ ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۲۷۳۸)

کمزوری کے خوف سے اسقاط حمل

سوال [۱۰۴۳۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک عورت نفاس سے پاک ہونے کے بعد ہمبستر ہوئی، اور حمل ٹھہر گیا جبکہ بچہ تین چار ماہ کا ہے، دوسرے بچہ کی ولادت کے وقت پہلا بچہ ایک سال کا ہوجائے گا، اب بیک وقت دو بچوں کی پرورش کرنے میں ماں کو غیر معمولی پریشانی کا سامنا کرنا پڑے گا، نیز حمل کی وجہ سے پہلے بچہ کو ماں کا دودھ بھی نہ مل پائے گا، لہٰذا دریافت یہ کرنا ہے کہ اگر کوئی ایسی صورت اختیار کرلی جائے جس سے حمل نہ ٹھہرے اور بچہ کو مکمل دوسال دودھ پینے کا موقع مل جائے اور بچہ چلنے پھرنے لگے، مثلاً کنڈوم استعمال کرنا، اسی طرح کاپر ٹی لگوانا، جس سے بیچ میں تین چار سال کا فاصلہ ہوجائے تاکہ بچے کی صحیح نشو ونما ہو اور عورت کی سابقہ ولادت کی کمزوری ختم ہو جائے یہ دونوں صورتیں کنڈوم، کاپر ٹی جائز ہیں یا نہیں؟ نیز مذکورہ دونوں چیزوں کے لیے کیا بیوی کی اجازت ضروری ہے؟

المستفتی: محمد شفیق چودھری بلندشہر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: دو بچوں کے درمیان ایک سال کا فاصلہ ہوجانا پریشانی کا باعث نہیں ہے، حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر اس صدی تک کروڑ ہا خواتین

سے اسی طرح ولادت ہوئی ہے کہ دو بچوں کے درمیان صرف ایک سال کا فاصلہ رہا ہے، خود سیدالکونین کی صاحبزادی حضرت فاطمہ کی اولاد، حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کے درمیان صرف گیارہ ماہ کا فاصلہ ہے، اور اس زمانے میں اسباب اور سہولت آج کے زمانے کے مقابلے میں بہت ہی کم تھیں، ہاں البتہ پانچ سات بچوں کی پیدائش کے بعد عورت کمزور ہوگئی ہے اور آگے ولادت کی وجہ سے اس کی صحت اور جان کا خطرہ ہو تو عارضی طور پر ایک دو سال کے لیے مذکورہ اسباب اختیار کرنے کی گنجائش ہے۔

لم يكن بين الحسن والحسين إلا طهرا. (مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ٩/ ١٨٥)

ومن الأعذار أن ينقطع لبنها بعد ظهور الحمل وليس لأبي الصبى ما يستاجر به الظئر ويخاف هلاكه. (شامي، مطلب: في حكم إسقاط الحمل زكريا ٤/ ٣٣٦، كراچی ٣/ ١٧٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷ رصفر المظفر ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۱۸۶)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۸/۲/۲۷ھ

عدت کی کمزوری کی وجہ سے مانع حمل تدبیر اپنانا

سوال [۱۰۴۳۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید ایک نوجوان شادی شدہ ہے اس کی بیوی کے سابق شوہر سے تین بچیاں ہیں اور خود زید سے بھی ایک بچہ اور ایک بچی ہے، صورت حال یہ ہے کہ زید کی بیوی صحبت کرنے سے انکار کرتی ہے اور کہتی ہے کہ اب تم مانع حمل تدبیر اختیار کرو، ایک مسلمان دایہ نے جو زید کی بیوی کی حالت سے واقف ہے، اس سے معلوم کرنے پر بتلایا کہ اب بچے ہونے پر جان کا خطرہ تو نہیں ہے، البتہ عورت کمزور ضرور ہے، اور زید کو ہر ہفتہ خواہش جماع ہوتی ہے، ان مذکورہ حالات میں مانع حمل تدبیر کے طور پر نرودھ وغیرہ کا استعمال شرعاً کیا حکم رکھتا ہے؟

المستفتی: عبید الرحمٰن

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر عورت کی جان کا خطرہ نہیں ہے، محض کمزوری کا مسئلہ ہے تو ایسی صورت میں مانع حمل ایسا علاج کرنا جائز نہیں ہے، جس سے ہمیشہ کے لیے حمل کا سلسلہ بند ہو جائے ہاں البتہ وقتی طور پر رکاوٹ پیدا کرنے کی گنجائش ہے اور جب عورت تندرست ہو جائے تو پھر رکاوٹ کا ختم کرنا ضروری ہے، تاکہ حمل کا سلسلہ دوبارہ جاری ہو جائے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۸/۳۴۷، فتاویٰ رحیمیہ جدید زکریا ۱۰/۱۷۸، قدیم ۲/۲۴۶، فتاویٰ محمودیہ جدید ڈابھیل ۱۸/۳۱۲، قدیم ۵/۳۴۳)

فإباحة الإسقاط محمولة على حالة العذر. (شامي، مطلب: في حكم إسقاط الحمل زكريا ٤/٣٣٦، كراچی ٣/١٧٦)

ثم نقل ما مر عن الخانية من قولهم بإباحة العزل لسوء الزمان وقال وعلى هذا، فيباح لها سده. (منحة الخالق على البحر الرائق، باب نكاح الرقيق، كوئٹه ٣/٢٠٠، زكريا ٣/٣٤٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍ربیع الثانی ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۶۰۵/۳۶)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۴/۱۹ھ

شدید ضرورت میں وقتی طور پر مانع حمل دواؤں کا استعمال

سوال [۱۰۴۳۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) عورت کی گود میں بچہ ہے، عورت اپنے بچے کی کمزوری کے خوف سے مانع حمل دوائیں استعمال کر سکتی ہے یا نہیں؟

(۲) اگر استقرار حمل کی وجہ سے دونوں میں سے کسی کی جان کا خوف ہو تو کیا صورت ہوگی؟ دلائل کے ساتھ واضح فرمائیں۔

المستفتی: مقصود احمد مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر استقرار حمل کی وجہ سے عورت یا بچہ کی ہلاکت کا خطرہ ہے تو بچہ کے دودھ چھوڑنے اور عورت میں طاقت آنے تک کے لیے وقتی طور پر مانع حمل دوائیوں کا استعمال جائز ہے، جبکہ اس دوائی سے آئندہ تا حیات استقرار حمل کا سلسلہ ختم نہ ہو جائے۔

ویکره أن تسقی لإسقاط حملها، وجاز لعذر حیث لایتصور. (در مختار مع الشامی، کتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغیرہ، زکریا ۹/ ۶۱۵، کراچی ۶/ ۴۲۹، کوئٹہ ۵/ ۳۰٤)

اور یہ بھی بچہ میں جان پڑنے سے پہلے پہلے ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۴/ ۱۹۵، فتاویٰ احیاء العلوم ۱/ ۲۴۸، فتاویٰ محمودیہ جدید ڈابھیل ۱۸/ ۳۱۲، قدیم ۵/ ۳۴۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/ محرم الحرام ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۴۳۷)

مانع حمل کے لیے نرودھ کا استعمال

سوال [۱۰۴۳۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مانع حمل نرودھ کا استعمال جائز ہے، کچھ حضرات کا کہنا ہے کہ بیوی کی اجازت سے جائز ہے؟

المستفتی: عبد الباسط بن قاری امیر احمد نگینہ بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مانع حمل نرودھ کا استعمال کرنا بغیر کسی عذر کے مکروہ اور ممنوع ہے، اس لیے کہ حدیث پاک میں آیا ہے کہ میں قیامت کے دن اپنی امت کی کثرت کے ذریعہ سے دوسروں پر فخر کروں گا، اور بلا کسی عذر مانع حمل نرودھ وغیرہ کا استعمال کرنا اکثر علماء کے نزدیک ممنوع ہے، مگر بعض علماء کے نزدیک جھگڑے سے بچنے کے لیے بغیر اجازت بھی مباح ہے۔

عن معقل بن يسارؓ قال جاء رجل إلى سول الله ﷺ -إلى- فقال: تزوجوا الودود الولود فإني مكاثر بكم . (سنن النسائي، كراهية تزويج العقيم، النسخة الهندية ٢/ ٧٠، دار السلام رقم: ٣٢٢٧ مسند البزار، مكتبه العلوم والحكم ١٣/ ٩٥ رقم: ٦٤٥٦)

عن عمرؓ قال نهى رسول الله ﷺ عن عزل الحرة إلا بإذنها . (السنن الكبرىٰ، باب من قال: يعزل عن الحرة بإذنها...... دار الفكر ١٠/ ٥٣٧ رقم: ١٤٦٦٩)

ويعزل عن الحرة بإذنها، قال الشامي: ذكر في الكتاب: أنه لا يباح بغير إذنها وقالوا: في زماننا يباح بغير إذنها وقالوا في زماننا يباح لسوء الزمان . (شامي، مطلب: في حكم إسقاط الحمل، زكريا ٤/ ٣٣٥-٣٣٦، كراچی ٣/ ١٧٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍ جمادی الثانیہ ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۱۰۴)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۶/۲۴ھ

بیماری کے اندیشہ سے کنڈوم استعمال کرنا

سوال [۱۰۴۳۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہماری شادی ہوئے پانچ ماہ ہو چکے ہیں اس درمیان ہماری اہلیہ کے رحم میں بچہ ابتدائی مراحل میں جمنے کے بعد ساقط ہو گیا، ڈاکٹرنی نے بچہ دانی کی صفائی کے بعد یہ کہا کہ تین ماہ تک استقرار حمل نہیں ہونا چاہیے ورنہ آپ کی بیوی کو جسمانی نقصان ہوگا، تو ان حالات میں میرے لیے بوقت جماع کنڈوم کا استعمال جائز ہے جو عزل کی ایک مہذب شکل ہے جس سے منی رحم مرأۃ میں نہیں پہنچتی ہے؟

المستفتی: محمد عبد اللہ مہاراشٹر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب ڈاکٹرنی کی صراحت کے مطابق استقرار حمل

بیوی کے حق میں مضر ہے، توشوہر کے لیے بوقت جماع کنڈوم کا استعمال کرنے کی گنجائش ہے۔

إن خاف من الولد السوء في الحرة يسعه العزل بغير رضاها لفساد الزمان، فليعتبر مثله في الأعذار مسقطا لإذنها. (شامی، مطلب: في حكم إسقاط الحمل، زكريا ٤/٣٣٦، كراچی ٣/١٧٦)

رجل عزل عن امرأته بغير إذنها لما يخاف من الولد السوء في هذا الزمان فظاهر جواب الكتاب أن لا يسعه و ذكر هنا يسعه لسوء هذا الزمان كذا في الكبرىٰ. (هنديه، الباب الثامن في التداوي والمعالجات، زكريا قديم ٥/٣٥٦، جديد ٥/٤١١، هدايه اشرفی ٢/٣٤٢، مرقاة المفاتيح امداديه ملتان ٦/٢٣٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹ ربیع الاول ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۴۷۶)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۳/۱۹ھ

ٹیسٹ ٹیوب بے بی کا حکم

سوال [۱۰۴۳۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر کسی شخص کے یہاں اولاد پیدا نہ ہوتی ہو تو آج کل سائنسی دور میں اسی شخص کا پانی یا کسی دیگر شخص کا پانی اور اسی شخص کی بیوی کا پانی یا کسی دیگر عورت کا پانی ٹیسٹ ٹیوب میں لے کر اس کو دیکھ لیتے ہیں کہ اگر اس میں ترقی ہو رہی ہو تو وہ ملا ہوا پانی اسی شخص کی بیوی کے مادر رحم میں انجکشن سے ڈال دیتے ہیں اور عورت کے بچہ پیدا ہو جاتا ہے، اس پیدا شدہ بچہ کی کیا نوعیت ہے؟ جائز ہے یا ناجائز؟

المستفتی: وسیم احمد بارہ دری مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: یہ عمل ہر حال میں ناجائز اور حرام ہے، نیز اگر غیر مرد کا پانی مذکورہ شخص کی بیوی کے رحم میں ڈال دیا جائے تو یہ عمل بھی حرام اور جو بچہ ہوگا وہ بھی

حرام کا ہوگا، گو ''الولد للفراش'' کے اصول سے اس کو مذکورہ شخص کی طرف منسوب کیا جاتا ہو، اس لیے ایسا کرنا ہرگز جائز نہیں ہوگا۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ جدید ڈابھیل ۱۸/ ۳۲۵، قدیم ۵/۱۵۲، فتاویٰ رحیمیہ جدید زکریا ۱۰/ ۱۷۹، قدیم ۶/ ۲۸۰)

نیز مذکورہ شخص کا پانی اجنبی عورت کے پانی میں ملا کر اس کی بیوی کے رحم میں ڈال دیا جائے اور اس سے بچہ پیدا ہوجائے تو ایسی صورت میں عورت و مرد کے پانی کی تلاقی عقد شرعی کے ساتھ حلال طریقہ سے نہیں ہوئی ہے، اس لیے یہ بھی ناجائز اور حرام ہے۔

عن رويفع بن ثابت الأنصاري قال: قام فينا خطيبا قال: أما إني لا أقول لكم إلا ما سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول يوم حنين قال: قال لا يحل لامرئ يؤمن بالله واليوم الآخر أن يسقى ماء ه زرع غيره. (السنن الكبرىٰ للبيهقي، باب استبراء من ملك المتعة، دار الفكر ۱۱/ ٤٤١، رقم: ۱٦۰۱۱، سنن أبي داؤد، باب في وطئ السبايا، النسخة الهندية ۱/ ۲۹۳، دار السلام رقم: ۲۱۵۸، مسند أحمد بن حنبل ٤/ ۱۸۰، رقم: ۱۷۱۱۵-۱۷۱۲۲) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴ رمضان المبارک ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۵۸۲)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴/۹/۴ھ

ٹیسٹ ٹیوب بے بی کا شرعی حکم

سوال [۱۰۴۳۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کا نکاح ہوئے ۱۵ رسال کا عرصہ گذر گیا، اس کی ابھی تک کوئی اولاد نہیں ہے، زید نے اپنا اور اپنی بیوی کا میڈیکل چیک اپ کروایا، دونوں صحت مند ہیں، کسی کے مادہ منویہ میں کسی طرح کی کوئی کمی نہیں ہے، زید ٹیسٹ ٹیوب کے ذریعہ تولید کا متمنی ہے، جس کی ایک شکل یہ ہے کہ زید کا مادہ نکلوا کر انجکشن وغیرہ کے ذریعہ اس کی بیوی کے رحم تک پہنچا دیا جائے، اس طرح دونوں کے مادۂ حیات کو خلط ملط کر کے تولید عمل میں آئے۔

دوسری شکل یہ ہے کہ زید اور اس کی بیوی کے مادے حاصل کرکے ٹیسٹ ٹیوب میں مخصوص مدت تک اس کی پرورش کی جائے، پھر زید کی بیوی ہی کے رحم میں اس کو منتقل کیا جائے اور اس طرح تولید عمل میں آئے، کیا یہ دونوں شکلیں شریعت کی رو سے جائز ہیں، براہ کرم شرعی دلائل سے اس کا جواب مرحمت فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں گے؟

المستفتی: یوسف جوگیشوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوالنامہ میں ذکرکردہ صورت ایک حیاسوز طریقہ ہے، کیونکہ میاں بیوی کے درمیان اندرونی راز جونہایت مخفی ہوتا ہے اس میں تیسرے شخص کی مداخلت ہوتی ہے اور یہ مداخلت غیر فطری اور بے حیائی کے ساتھ ساتھ شریعت کے نزدیک دائرۂ جواز میں نہیں آتی، یہ سارا عمل شروع سے لے کر اخیر تک غیر فطری اور ناجائز ہے، اس لیے مسلمانوں کو ایسا طریقہ اختیار کرنے سے گریز کرنا چاہیے، ہاں البتہ اگر میاں بیوی خود ڈاکٹر ہوں اور یہ فن بھی جانتے ہوں اور اس میں کسی تیسرے شخص کی مداخلت بھی نہ ہوتی ہو تو ایسا کرنے میں گنجائش معلوم ہوتی ہے۔ (مستفاد: آپ کے مسائل اور ان کا حل ۸/ ۵۰۰، فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل ۱۸/ ۳۲۴، فتاویٰ حقانیہ ۴/ ۵۹۵-۶۰۴، فتاویٰ رحیمیہ ۱۰/ ۱۷۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍ ذی الحجہ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۱۷۹۳)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۱۲/۲۹ھ

مشین کے ذریعہ استقرارِ حمل کا حکم

سوال [۱۰۴۳۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: احقر کو ایک مسئلہ میں تشویش ہے جواب تحریر فرمادیں، ایک لڑکی جس کی شادی ہوئے دس سال ہوگئے اور کوئی اولاد نہیں ہے، شوہر ہر اعتبار سے درست ہے، لیکن لڑکی کی ساس یہ کہا کرتی ہے کہ جس کے پاس اولاد نہیں ہے اس کے لیے اس گھر میں کوئی جگہ نہیں

ہے، پھر جب ڈاکٹر کی طرف رخ کیا تو اولاد ہونے کی صرف ایک صورت سامنے آئی، ڈاکٹر کا کہنا ہے کہ اندرونی خرابی کی وجہ سے مشین کے ذریعہ باہر سے منی پہنچا کر پھر سے ہی اس کی پرورش کریں گے، پھرایسی صورت میں بچہ پیدا ہوسکتا ہے، تو ایسا کرنا کیا جائز ہے؟

المستفتی: محمود بھائی سوپارہ، ایسٹ تھانہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بچہ کی پیدائش اوراستقرار کے جائز ہونے میں تین شرطیں نہایت لازم ہیں:

(۱) شرعی نکاح کے ذریعہ شوہر کا مادہ بیوی کے رحم ان میں پہنچے۔

(۲) بیوی ہی کے پیٹ میں نطفہ کی پرورش ہو۔

(۳) شوہر ہی کے عمل سے شوہر کا مادہ بیوی کے رحم میں پہنچ جائے۔

لہٰذا ان تینوں شرطوں میں سے ایک شرط بھی نہ ہوتو جائز نہیں ہے، مثلاً شوہر کا مادہ بیوی کے رحم میں پہنچنے میں شوہر کے علاوہ کسی اور یعنی ڈاکٹر یا نرس وغیرہ کا عمل ہوتو جائز نہیں ہے، اسی طرح شوہر ہی کا مادہ بیوی کے رحم کے بجائے کسی اور مقام میں پرورش کرکے بچہ بنایا جائے تب بھی جائز نہیں ہے، ہاں البتہ اگر شوہر ڈاکٹر ہے اور خو اپنا مادہ نکال کر اپنی ہی بیوی کے رحم میں ڈاکٹری نقطہ نظر سے پہنچا دیتا ہے اور بیوی کے رحم میں اس کی پرورش ہوتی ہے تو جائز ہے، اس کے علاوہ اور کسی طریقہ سے جائز نہیں ہے۔

﴿فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّى شِئْتُمْ. [البقرة: ٢٢٣]﴾

اور دیگر شکلیں اس لیے ناجائز ہیں کہ ان تمام شکلوں میں بے حیائی اور فحاشی پائی جاتی ہیں اور دوسرے کا نطفہ داخل کرنے میں زنا کاری کے مرادف ہوتا ہے، اس لیے یہ بھی نص قطعی سے ناجائز ثابت ہوتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲ ربیع الاول ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۲۳۲/۳۸)

استقرار حمل کا پتہ لگانے کے لیے ڈاکٹری معائنہ

سوال [۱۰۴۳۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: استفتاء سابق الف ۳۲/ ۴۳۴۹ر کے جواب کا خلاصہ یہ ہوا کہ استقرار حمل کے وقت سے ۱۲۰ر دن شمار ہوں گے، از راہ کرم استقرار کی تشریح مطلوب ہے اور یہ کہ استقرار کا پتہ کس طرح ہوگا اور کب سے شروع ہوگا؟

المستفتی: محمد شعیب افریقہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ہمبستری کے وقت استقرار کا یقین ہوجانا اور اس کا پتہ لگ جانا مشکل ترین امر ہے، آج کل کے زمانے میں ڈاکٹری معائنہ سے پتہ لگایا جاسکتا ہے، کہ کس دن استقرار ہوا ہے، حدیث وفقہ میں یہ بات منقول نہیں ہے کہ ہمبستری کے وقت میاں بیوی کو فلاں امر کی وجہ سے استقرار حمل کا پتہ لگ سکتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳ر جمادی الثانیہ ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۴۸۶)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۶/۶/۱۳ھ

انتقال شدہ حاملہ کے بچہ کا حکم

سوال [۱۰۴۳۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک حاملہ عورت کا انتقال ہوگیا، یہ معلوم نہیں کہ اس عورت کے پیٹ میں بچہ زندہ ہے یا مردہ اس بچے کا کیا حکم ہے؟ آیا اس بچے کا پیٹ چاک کرکے نکالا جائے گا یا وہ عورت کے ساتھ دفن کردیا جائے گا؟

المستفتی: صغیر الدین دیناج پوری مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں ڈاکٹری معائنہ کے ذریعہ پتہ چل سکتا ہے، اگر معائنہ سے پتہ چل جائے کہ بچہ زندہ ہے تو مردہ عورت کا پیٹ چاک کرکے بچہ نکال لیا جائے گا۔

حامل ماتت وولدها حی شق بطنها من الأیسر ویخرج ولدها. (در مختار، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، زرکریا ۱٤٥/۳، کراچی ۲۳۸/۲)

الحامل إذا ماتت وفی بطنها جنین حی شق بطنها ویخرج ولدها. (الموسوعة الفقهیة الکویتیة ۲۷۸/۱٦، البحر الرائق، کتاب الکراهیة زکریا ۳۷٦/۸، کوئٹه ۲۰٥/۸)

اور اگر زندہ ومردہ کے متعلق معلومات نہ ہوسکے یا زندہ نہ ہونے کا ظن غالب ہو تو پھر چاک نہیں کیا جائے گا۔ (رحیمیہ جدید زکریا ۱۰/ ۱۸۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/ محرم الحرام ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۷۰۱۹)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۱/۸ھ

٤ باب التداوی بالمحرم

آپریشن سے بچنے کے لیے تداوی بالمحرم کا حکم

سوال [۱۰۴۴۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص بیمار ہے، اگر تداوی بالمحرم اختیار کرلے تو آپریشن سے بچ جائے گا تو آپریشن سے بچنے کے لیے تداوی بالمحرم اختیار کرنا کیسا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو شخص بیمار ہے اس کے لیے کوئی مباح دوا نہ ہو جس سے وہ آپریشن سے بچ سکے، تو ایسی صورت میں آپریشن سے بچنے کے لیے تداوی بالمحرم یعنی حرام اشیاء سے بقدر ضرورت علاج کی گنجائش ہے۔

یجوز للعلیل شرب الدم و أکل المیتة للتداوی إذا أخبره طبیب مسلم أن شفاء ه فیه ولم یجد من المباح مایقوم مقامه. (هندیه، کتاب الکراهیة، الباب الثامن عشر فی التداوی والمعالجات، زکریا قدیم ٥/٣٥٥، جدید ٥/٤١٠، الکفایة مع فتح القدیر کوئٹه ٨/٥٠١)

الاستشفاء بالمحرم إنما لا تجوز إذا لم یعلم فیه شفاء، أما إذا علم أن فیه شفاء ولیس له دواء أخر غیره یجوز الاستشفاء به. (الفتاویٰ التاتارخانیة زکریا ١٨/٢٠٠ رقم: ٢٨٥٠٤، المحیط البرهانی، المجلس العلمی ٨/٨٢، رقم: ٩٦٣٨، عنایة مع فتح القدیر زکریا ١٠/٨٠، دار الفکر ١٠/٦٧، کوئٹه ٨/٥٠٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ ذی الحجہ ۱۴۳۴ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۳۲۶)

بطور دوا شراب کے استعمال کا حکم

سوال [۱۰۴۴۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جو لوگ نشہ کے عادی ومریض ہوں ان کے علاج کے لیے اگر نشہ آور اشیاء کا استعمال بھی کرنا پڑے اس طور پر کہ بتدریج اس کی عادت کو کم کر کے نفی ومکمل احتراز تک لایا جائے، اس سلسلے میں شریعت اسلامیہ ہماری کیا رہنمائی کرتی ہے؟

جواب قرآن وحدیث اور عبارات فقہاء کے دلائل سے مدلل کریں تو مہربانی اور نوازش ہوگی تاکہ ان مسائل کے سلسلے میں ہمارا خلجان دور ہو؟

المستفتی: سید معیز نواز رانچی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب شراب کی حرمت نازل نہیں ہوئی تھی اس وقت تک اکثر لوگ بکثرت شراب پیتے تھے، اور جب شراب کی حرمت نازل ہوئی تو ہمیشہ کے لیے شراب کے عادی لوگوں نے فوراً شراب ترک کردی، اور اس میں یہ نہیں دیکھا گیا ہے کہ بتدریج، آہستہ آہستہ چھوڑنے کی عادت ڈالی جائے، اس لیے شراب کے بارے میں قطعاً یہ اجازت نہیں دی جاسکتی کہ اسے آہستہ آہستہ کم کیا جائے، بلکہ قطعی طور پر چھوڑ دینے کا حکم ہے، اور حدیث میں آتا ہے کہ جب شراب کی حرمت کا اعلان ہوا تو سب لوگوں نے شراب کے گھڑوں کو نالیوں میں بہادیا اور بارش کے پانی کی طرح مدینہ کی گلیوں میں شراب کی نالیاں بہنے لگیں۔

عن أنس رضی اللہ عنہ کنت ساقی القوم فی منزل أبی طلحة، وکان خمرهم یومئذ الفضیخ، فأمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منادیا ینادی: ألا إن الخمر قد حرمت، قال، فقال أبو طلحة: أخرج فأهرقها، فخرجت فهرقتها، فخرجت فی سکک المدینة. (صحیح البخاری، باب صب الخمر فی الطریق، النسخة الهندیة ۱/۳۳۳، رقم: ۲۴۰۰، ف: ۲۴۶۴)

قال عمر: اللهم بین لنا فی الخمر بیانا شفاء فنزلت الآیة "فهل أنتم منتهون"

قال عمر: انتهينا. (سنن أبی داؤد، باب فی تحریم الخمر، النسخة الهندية ۲/ ۵۱٦، دار السلام رقم: ۳٦۷۰، مسند أحمد بن حنبل ۱/ ۵۳، رقم: ۳۷۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍شعبان المعظم ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۰۷۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۸/۱۳ھ

الکحل ملائی ہوئی دوا کا حکم

سوال [۱۰۴۴۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں ہومیوپیتھی معالج ہوں، اس لیے یہ مسئلہ دریافت کرنے کی ضرورت پیش آئی، ہومیوپیتھی میں کچھ دوائیاں سیال ہوتی ہیں جن میں نوے فیصد الکحل ہوتا ہے، اصل دوا کی مقدار صرف دس فیصد ہوتی ہے، ایسی سیال ادویات مریض کو ۲۰/۲۰ رقطرے روزانہ ۳ر یا ۴رمرتبہ پلائے جاتے ہیں، لیکن اس میں قطعاً نشہ نہیں ہوتا ہے، تو کیا اس طرح کی سیال ادویات استعمال کرنا از روئے شرع جائز ہے یا ناجائز ہے؟

المستفتی: محمد خالد قاسمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: الکحل انگور اور کھجور کے علاوہ دوسری اشیاء سے بنایا گیا ہے تو حضرات شیخین کے نزدیک اس طرح کا الکحل ادویات اور عطریات میں استعمال کرنے کی گنجائش ہے، اور ہمارے ہندوستان میں شراب اور الکحل انگور اور کھجور کے علاوہ گنا، گاجر، مولی ودیگر اشیاء سے بنایا جاتا ہے اس لیے ہندوستان میں الکحل ملی ہوئی دواؤں کا استعمال جائز ہے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۱/ ۱۲٦، کفایت المفتی قدیم ۹/ ۱۴۲، جدید زکریا مطول ۱۲/ ۶۴۷، احسن الفتاویٰ ۸/ ۴۸۴)

ولا يطلق لفظ الخمر إلا على الأول من الأربعة وأما ما سواها فيتخذ النبيذ من كل شيئ من الحبوب والثمار والألبان وتسمى هذه الأقسام بالأنبذة وحكمها ما ذكروا أن القليل أى القدر غير المسكر حلال إذا كان

بقصد التقوي على العبادة، وحرام بقصد التلهي والكثير أى القدر المسكر منها حرام وهذا مذهب الشيخين للأحناف. (العرف الشذى على هامش الترمذى، أبواب الأشربة، باب ما جاء فى شارب الخمر ۲/۷-۸، وهكذا فى الهندية رشيديه ۴/۴۸۱، اشرفی ۴/۴۹۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ رصفر المظفر ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۲۳۳/۳۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۲/۵ھ

الکحل ملی ہوئی دوا استعمال کرنے کا حکم

سوال [۱۰۴۴۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: راقم الحروف عرصہ دراز سے امراض قلب، ووجع المفاصل سے متعلق ایلو پیتھک ادویات استعمال کر رہا ہے اور اس قدر مجبوری ہے کہ اگر دو یوم دوا استعمال نہ کرے تو حالت نا قابل برداشت ہو جاتی ہے، ایلو پیتھک ادویات کے کثیر استعمال کی وجہ سے کچھ دوسری بیماریاں حاوی ہونے لگیں، امراض قلب کی ادویات گردوں پر اثر انداز ہوتی ہیں، درد کی دوائیں فعل جگر کو متأثر کرتی ہیں، متعلقین کی آراء سے ہومیو پیتھک علاج شروع کیا گیا، چار پانچ دن استعمال سے بفضل خدا خاطر خواہ فائدہ معلوم ہوا، لیکن اچانک دوا کی شیشی پر راقم کی نگاہ پڑی تو الکحل لکھا ہوا نظر آیا، الکحل دیکھ کر راقم کو دوا سے کراہیت ہوگئی اور دوا بند کردی (الکحل شراب میں ملایا جاتا ہے یا اس سے شراب بنائی جاتی ہے اس وہم کی وجہ سے راقم سینٹ بھی استعمال نہیں کرتا ہے) معالج مسلم ہیں ان سے مشورہ کیا تو انہوں نے کہا کہ ہومیو پیتھک دوا کوئی بھی الکحل کے بغیر نہیں ہوتی ہم نے ڈاکٹری پڑھنے کے بعد علماء ومفتیان سے مشورہ کیا، استخارہ بھی کیا، معلوم یہ ہوا کہ بیماری سے نجات اور فائدہ کی غرض سے کوئی حرج نہیں ہے، پندرہ بیس یوم دوا بالکل استعمال نہ کرنے کی وجہ سے طبیعت زیادہ خراب ہوگئی، متعلقین نے مصر ہوکر ہومیو پیتھک دوا دوبارہ شروع کرادی، راقم بڑی کراہیت کے ساتھ استعمال کر رہا ہے، اور

پریشان ہے، عرض یہ ہے کہ حکم شرعی کیا ہے؟ دوا استعمال کی جاسکتی ہے یا نہیں؟

المستفتی: مصباح العابدین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: الکحل عین شراب ہوتا ہے لیکن جو شراب انگور اور کھجور سے بنتی ہے وہ ناپاک اور نجاست غلیظہ ہوتی ہے اور جو انگور و کھجور کے علاوہ اشیاء سے بنتی ہے وہ حضرت امام ابوحنیفہؒ اور امام ابویوسفؒ کے نزدیک نجاست غلیظہ اور کلی طور پر حرام نہیں ہوتی، بلکہ اس کی نجاست میں بھی خفت ہے اور مقدار سکر سے کم حرام بھی نہیں ہے، اس لیے اس کے حکم میں تخفیف ہے، لہٰذا عطریات اور ادویات میں اس کے استعمال کی ضرورت کی بنا پر گنجائش ہے، اس لیے ہومیو پیتھک یا ایلو پیتھک کی وہ دوا جس میں الکحل ملا ہوا ہو، مریض کے لیے استعمال کرنا حضرت امام ابوحنیفہؒ اور امام ابویوسفؒ کے نزدیک جائز ہے، لہٰذا جو دوا آپ پہلے سے استعمال کررہے تھے، وہ اب بھی استعمال کرنے کی گنجائش ہے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۱/۱۲۶)

ولا يطلق لفظ الخمر إلا على الأول من الأربعة وأما ما سواها فيتخذ النبيذ من كل شيئ من الحبوب والثمار والألبان وتسمى هذه الأقسام بالأنبذة وحكمها ما ذكروا أن القليل أى القدر غير المسكر حلال إذا كان بقصد التقوي على العبادة، وحرام بقصد التلهي والكثير أى القدر المسكر منها حرام وهذا مذهب الشيخين للأحناف. (العرف الشذى على هامش الترمذى، أبواب الأشربة، باب ما جاء فى شارب الخمر ۲/۷-۸، وهكذا فى الهندية رشيديه ٤/٤٨١، اشرفى ٤/٤٩٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ ربیع الاول ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۵۲۹)

ماکول اللحم جانور کے پیشاب سے علاج

سوال [۱۰۴۴۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ بطور علاج ماکول اللحم جانور کا پیشاب پینا جائز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ماکول اللحم جانور کا پیشاب بطور علاج پینا جائز ہے جبکہ کسی ماہر ڈاکٹر نے یہ خبر دی ہو کہ اس مریض کا علاج اسی پیشاب میں منحصر ہے۔

یجوز للعليل شرب البول والدم و أكل الميتة للتداوى إذا أخبره طبيب مسلم أن شفاءه فيه ولم يجد من المباح مايقوم مقامه. (هنديه، كتاب الكراهية، الباب الثامن عشر فى التداوى والمعالجات، زكريا قديم ٥/٣٥٥، جديد ٥/٤١٠، الكفاية مع فتح القدير كوئٹه ٨/٥٠١، شامى، مطلب: فى التداوي بالمحرم، كراچى ٦/٣٨٩، زكريا ٩/٥٥٨)

الاستشفاء بالمحرم إنما لا تجوز إذا لم يعلم فيه شفاء، أما إذا علم أن فيه شفاء وليس له دواء أخر غيره يجوز الاستشفاء به. (الفتاوىٰ التاتارخانية زكريا ١٨/٢٠٠ رقم: ٢٨٥٠٤، المحيط البرهانى، المجلس العلمى ٨/٨٢، رقم: ٩٦٣٨، عناية مع فتح القدير زكريا ١٠/٨٠، دار الفكر ١٠/٦٧، كوئٹه ٨/٥٠٠)

وجوزه فى النهاية بمحرم إذا أخبره طبيب مسلم أن فيه شفاء ولم يجد مباحا يقوم مقامه. (در مختار مع الشامى، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره، كراچى ٦/٣٨٩، زكريا ٩/٥٥٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲/ ذی الحجہ ۱۴۳۴ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۳۲۵)

گائے کا پیشاب اور افیون ملی ہوئی دواؤں کا استعمال وتجارت

سوال [۱۰۴۴۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ یونانی آیورویدک جس میں مختلف حیوانی اجزاء کا استعمال ہوتا ہے نیز افیون اور

آیورویدک دواؤں میں گائے کا پیشاب استعمال ہوتا ہے، کیا ان دواؤں کو حلال سرٹیفکیٹ دیا جا سکتا ہے؟

المستفتی: نیاز احمد فاروقی حلال ٹرسٹ جمعیۃ علماء ہند

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ماکول اللحم جانوروں کا پیشاب امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک نجاست خفیفہ ہے، اور امام محمدؒ کے نزدیک پاک ہے، اور دواؤں کے طور پر ماکول اللحم کے پیشاب کا استعمال امام ابو یوسف اور امام محمدؒ کے نزدیک بلا کراہت جائز ہے اور تداوی کے طور پر استعمال کرنے میں امام ابو یوسفؒ کے قول کے مطابق جواز کو راجح قرار دیا گیا ہے، اس لیے جن آیورویدک دواؤں میں گائے کا پیشاب ملا دیا گیا ہو ان کا استعمال کرنا ضرورتاً بلا کراہت جائز اور درست ہے، نیز حضرت تھانویؒ نے امداد الفتاویٰ ۴/ ۲۰۷، میں ایسی دواؤں کے استعمال کو جائز اور حلال لکھا ہے جن میں افیون ملا ہوا ہو، بس اتنی شرط ہے کہ ان دواؤں کے استعمال کی وجہ سے نشہ نہ آتا ہو، لہٰذا ان دواؤں کا استعمال اور ان کی تجارت جائز اور درست ہے، اور ان دواؤں کے تاجروں کے لیے حلال سرٹیفکیٹ جاری کر دینا بھی بلاشبہ جائز ہوگا، پہلے مسئلہ سے متعلق شامی کی عبارت ملاحظہ فرمائیے:

كره لحم الأتان ولبنها ولبن الجلالة التي تاكل العذرة ولبن الرمكة أي الفرس و بول الإبل، وأجازه أبو يوسف للتداوي (وتحته في الشامية) قالا: لا بأس بأبوال الإبل ولحم الفرس للتداوي (إلى قوله) بقول أبي يوسف أخذ أبو الليث. (شامی، كتاب الحظر والإباحة، زكريا ٩/ ٤٩١، كراچی ٦/ ٣٤٠)

(۲) اس سلسلے میں ہدایہ کی عبارت اس طرح ہے:

وقال أبو يوسف و محمد: لا بأس بأبوال الإبل، فتأويل قول أبي يوسف أنها لا بأس للتداوي. (هدايه، كتاب الكراهية، فصل في الأكل والشرب، اشرفی ٤/ ٤٥٢)

(۳) اس سے متعلق ہندیہ کی عبارت ملاحظہ فرمائیے:

وقالا: لابأس بأبوال الإبل و لحم الفرس للتداوي كذا في الجامع الصغير. (هنديه، الباب الثامن عشر في التداوي والمعالجات زكريا قديم ٥/ ٣٥٥، جديد

٥/ ٤١٠) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍ ذیقعدہ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۱۶۹۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۸/۱۱/۱۴۳۵ھ

تیل میں گائے کا پیشاب ملا کر بطور دوا استعمال کرنا

سوال [۱۰۴۴۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) گائے کا پیشاب اگر کسی تیل میں ابالا جائے حتیٰ کہ پیشاب بالکل ختم ہوجائے تو کسی چیز میں ملا کر بطور دوا کھا سکتے ہیں، یا صرف تیل بدن پر لگا سکتے ہیں؟ کیونکہ ایک صاحب کا تجربہ ہے کہ یہ تیل سر میں لگانے سے بال پیدا ہوجاتے ہیں اور ضماد کرنے سے درد ختم ہوجاتا ہے۔

(۲) کیا اس طرح گائے یا اور کسی جانور کے پیشاب کو تیل میں جوش دینے سے اس کی ماہیت بدل جاتی ہے؟

(۳) ایسے تیل کی خرید وفروخت کا کیا حکم ہے؟

نوٹ: جوش دینے کے بعد تیل میں کسی قسم کی ذرا بھی بدبو باقی نہیں رہتی اور تیل کا رنگ بھی بالکل نہیں بدلتا؟ جواب دیں۔

المستفتی: محمد زبیر مظاہری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: (۱) تیل میں پیشاب ملا کر جوش دینے سے تیل پاک نہیں ہوگا، بلکہ ناپاک ہی رہے گا، اس کا دوا وغیرہ میں ملا کر استعمال کرنا جائز نہیں ہے، ہاں البتہ بدن پر لیپ کیا جاسکتا ہے، پھر نماز کے لیے اسے دھونا لازم ہے۔ (مستفاد: بہشتی زیور ۹/ ۱۰۰)

وما عجن به فيطعم للكلاب (تحته في الشامية) لأن ما تنجس باختلاط النجاسة به والنجاسة مغلوبة لا يباح أكله و يباح الانتفاع به فيما وراء الأكل كالدهن النجس يستصبح به إذا كان الطاهر غالبا. (شامی، کتاب الطهارة، باب

المیاہ، قبیل مطلب مهم فی تعریف الاستحسان زکریا ۱/۳۷٦، کراچی ۱/۲۱۸)

(۲) گائے یا کسی اور جانور کے پیشاب کو تیل میں ملا کر جوش دینے سے پیشاب کی ماہیت نہیں بدلتی، اس لیے کہ تبدیل ماہیت اور انقلاب حقیقت کا مطلب یہ ہے کہ کوئی چیز اپنی حقیقت چھوڑ کر دوسری چیز میں تبدیل ہو جائے اور اس کے اوصاف وآثار کلی طور پر زائل ہو جائیں، جیسے شراب سرکہ بن جائے، گدھا نمک کے کان میں گر کر نمک بن جائے اور جانور کے پیشاب کو تیل میں ملا کر جوش دینے سے ہماری معلومات کے مطابق پیشاب تیل میں تبدیل نہیں ہوتا۔

(مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۲/۷۷، جدید زکریا مطول ۳/۴۴۰-۴۳۹، فتاویٰ محمودیہ جدید ڈابھیل ۱۸/۱۸۸)

ولو أحرقت العذرة والروث فصار رمادا أو مات الحمار فی المملحة فصار ملحا زالت النجاسة وطهر عند محمد خلافا لأبی یوسف و أکثر المشائخ اختاروا قول محمد وعلیه الفتویٰ لأن الشرع رتب وصف النجاسة علی تلک الحقیقة و قد زالت بالکلیة فإن الملح غیر العظم واللحم فإذا صارت الحقیقة ملحا ترتب علیه حکم الملح ونظیره النطفة نجسة و تصیر علقة وهی نجاسة و تصیر مضغة فتطهر فعلم أن استحالة العین تستتبع زوال الوصف المرتب علیها. (غنیة المستملی، الطهارة، فصل فی الأسار، الشرط الثانی، اشرفیه دیوبند ص:۱۸۸-۱۸۹، شامی زکریا ۱/۵۳٤، کراچی ۱/۳۲۷)

(۳) دوا کے طور پر ایسے تیل کی خرید وفروخت جائز ہے، کھانے کے لیے بیچنا جائز نہیں، اس لیے کہ بہت سی دوائیں ناپاک اور نجس اشیاء سے بنائی جاتی ہیں، مگر مریض کی ضرورت کی وجہ سے شریعت نے اس کے استعمال کی اجازت دی ہے۔

وکره بیع العذرة رجیع الآدمی خالصة (إلی قوله) وصح بیعها مخلوطة بتراب أو رماد غلب علیها. (شامی، کتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغیره، زکریا ۹/۵۵۳، کراچی ٦/۳۸۵، تبیین الحقائق امدادیه ملتان ٦/۲٦، زکریا ۷/٥٦، مجمع الأنهر، دار الکتب العلمیة بیروت ٤/۲۱۱، مصری قدیم ۲/٥٤٦، الفتاویٰ التاتارخانیة زکریا ۱۸/۲۳٥، رقم: ۲۸٦۱٥، المحیط البرهانی، المجلس العلمی

۸/ ۱۰۲، رقم: ۹۶۸۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۶۰۵/۳۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۵/۱۲ھ

گائے کے پیشاب میں مخلوط دوا کے استعمال کرنے کا حکم

سوال [۱۰۴۴۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بعض دواؤں میں گائے کا پیشاب ڈالتے ہیں جیسے بعض معجون اس طرح کے آتے ہیں اور ان پر جو اجزاء ترکیبی لکھے ہوتے ہیں ان میں گائے کا پیشاب بھی ہوتا ہے، بعض دوائیوں کی کمپنیاں اپنی ہر دوائی میں گائے کا پیشاب ڈال رہی ہیں جس سے بچنا مشکل نظر آرہا ہے، حکیم لوگ دوائیاں لکھ دیتے ہیں، مریض کو مجبوراً خریدنا پڑتی ہیں، کیا اس طرح کی دوائیاں خریدنا اور استعمال کرنا درست ہے؟

المستفتی: سعید احمد سیڈھا بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: گائے کے پیشاب سے مخلوط دواؤں کا استعمال عام حالات میں ممنوع ہے، لیکن اگر ماہر فن ڈاکٹر یا حکیم اس سے شفاء یابی کی بات کریں تو ضرورتاً ایسی دواؤں کے استعمال کو حضرات فقہاء نے جائز لکھا ہے۔

يجوز للعليل شرب الدم والبول وأكل الميتة للتداوى إذا أخبره طبيب مسلم إن شفاءه فيه ولم يجد من المباح مايقوم مقامه. (هنديه، كتاب الكراهية، الباب الثامن عشر فى التداوى والمعالجات، زكريا قديم ۵/ ۳۵۵، جديد ۵/ ۴۱۰، الكفاية مع فتح القدير كوئٹه ۸/ ۵۰۱، شامى، مطلب: فى التداوي بالمحرم، كراچى ۶/ ۳۸۹، زكريا ۹/ ۵۵۸)

الاستشفاء بالمحرم إنما لا تجوز إذا لم يعلم فيه شفاء، أما إذا علم أن فيه شفاء وليس له دواء أخر غيره يجوز الاستشفاء به. (الفتاویٰ التاتارخانية زكريا

۲۰۰/۱۸ رقم: ۲۸۵۰٤، المحیط البرهانی، المجلس العلمی ۸۲/۸، رقم: ۹٦۳۸، عنایة مع فتح القدیر زکریا ۸۰/۱۰، دار الفکر ٦۷/۱۰، کوئٹہ ۵۰۰/۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍شعبان المعظم ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۴۷۸/۳۹)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۹/۱۴ھ

ایسی دوا کا استعمال جس میں گائے کا پیشاب ڈالا گیا ہو

سوال [۱۰۴۴۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کی طبیعت کافی عرصہ سے خراب چل رہی ہے اسی کی وجہ سے لیور خراب ہو گیا ہے جس کی وجہ سے تین مرتبہ آپریشن بھی کرایا جا چکا ہے، اور اس کے ساتھ دوائی بھی کافی مہنگی پڑتی ہے، اور ہر تین مہینے کے بعد تقریباً بارہ ہزار روپیہ کا خرچہ ایک ساتھ آتا ہے، زید کی مالی حالت اتنی نہیں ہے جس کی وجہ سے کافی پریشانی ہے، چند دنوں پہلے ایک صاحب سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے بتایا کہ اس مرض کے لیے ایک دوا ہے، جس میں گائے کا پیشاب ڈالا جاتا ہے تو کیا میں اس دوا کو استعمال کر سکتا ہوں؟

المستفتی: محمد یاسین جھبو کا نالہ مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سوالنامہ میں جو مجبوری لکھی گئی ہے ایسی مجبوری کی حالت میں ایسی دوا کا استعمال کرنا جس میں گائے کا پیشاب ڈالا جائے جائز ہے، لہٰذا آپ کے لیے وہ دوا استعمال کرنا شرعاً جائز ہے۔

اختلف فی التداوی بالمحرم وظاهر المذهب المنع کما فی رضاع البحر ولکن نقل المصنف ثمة وهنا عن الحاوی: وقیل: یرخص إذا علم فیه الشفاء ولم یعلم دواء آخر کما رخص الخمر للعطشان وعلیه الفتویٰ (تحته فی الشامیة) وبالبول أیضا إن علم فیه شفاء لا بأس به. (در مختار مع

الشامی، کتاب الطهارة، باب المیاه، مطلب: فی التداوی بالمحرم زکریا ۱/ ۳٦٥- ۳٦٦،
کراچی ۱/ ۲۱۰، باب الرضاع زکریا ٤/ ۳۹۷-۳۹۸، کراچی ۳/ ۲۱۱، هندیه زکریا
قدیم ٥/ ۳٥٥، جدید ٥/ ٤١٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍محرم الحرام ۱۴۳۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۷۳۵)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۰/۱/۵ھ

شدت ضرورت کی بناء پر گائے کے پیشاب سے علاج کرنا

سوال [۱۰۴۴۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص کے جسم پر سفید داغ ہیں، جس کو علم طب میں برص نامی بیماری سے تعبیر کیا جاتا ہے، جسم پر سفید داغ کا ہونا، معاشرہ میں انتہائی درجہ معیوب شمار ہوتا ہے، بلکہ بعض لوگ (تقریباً اکثر) اس کو جذام کی ابتداء یا مرض کا ادنیٰ درجہ خیال فرماتے ہیں، دوسری طرف اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ معاشرہ میں ایسے شخص سے بالخصوص ایسی لڑکی سے کوئی بھی شادی کرنے کو تیار نہیں ہوتا، جبکہ مرد وعورت دونوں کے لیے شادی بعض خصوصی حالات میں فرض ہو جاتی ہے، اس فریضہ کی ادائیگی سے غفلت وتاخیر بڑے گناہ کا سبب بن جاتی ہے، آج کسی ڈاکٹر کے پاس اس کا کوئی گارنٹیٹ علاج نہیں۔

ہمارے یہاں ایک نوجوان عالم ہیں، انہوں نے بہت سی جگہ کافی بیش قیمت علاج و معالجہ کرایا، لیکن فائدہ مکمل ہونا تو درکنار مرض میں تخفیف کی ذرا بھی رمق تک محسوس نہ ہوئی ایسے حالات میں جبکہ اس کا کوئی علاج نہیں اور مرض کو بھی معاشرہ میں معیوب اور قابل اجتناب سمجھا جاتا ہے، ایک شخص کے بارے میں علم ہوا کہ وہ اس کا علاج کرتے ہیں اور انہوں نے جتنے لوگوں کا علاج کیا وہ مکمل شفایاب ہوئے، لیکن مریض ومعالج دونوں مسلمان ہیں اور دونوں ہی کسی مسلمان کو ایسی دوا استعمال کرانا نہیں چاہیے جس میں گارنٹی سے شفا میسر ہو جاتی ہو، اس لیے کہ اس میں بول البقر استعمال کیا جاتا ہے۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس ناگزیر صورت حال میں ایسی دوا استعمال کرنا جس میں بول البقر استعمال کیا گیا ہو جائز ہے؟ کیا حدیث عرینہ اس بات کی شاہد عدل بن سکتی ہے؟

المستفتی: حافظ بشیر احمد سہس پور بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسے ناگزیر حالات میں حرام اشیاء سے علاج کی گنجائش ہے، حضرت امام یوسفؒ کے نزدیک جائز ہے، اور فتویٰ بھی اسی پر ہے، لہٰذا مذکورہ شخص کے لیے بول البقر کو شدت ضرورت کی وجہ سے علاج میں استعمال کرنا جائز ہوگا۔

وبالبول أيضا إن علم فيه شفاء لا بأس به لكن لم ينقل وهذا لأن الحرمة ساقطة عند الاستشفاء كحل الخمر والميتة للعطشان والجائع.

(شامی، کتاب الطهارة، باب المياه، مطلب: فی التداوی بالمحرم زكريا ۱/۳٦٥، كراچی ۱/۲۱۰، باب الرضاع زكريا ٤/۳۹۷-۳۹۸، كراچی ۳/۲۱۱، هنديه زكريا قديم ٥/۳٥٥، جديد ٥/٤١٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍ربیع الاول ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۴۴۲۴)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۶/۳/۱۶ھ

شراب کی عادت چھڑانے کے لیے کوّے کا خون پلانا

سوال [۱۰۴۵۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے محلّہ میں ایک شخص شراب پینے کا عادی ہے، کوشش بسیار کے باوجود وہ اس سے باز نہیں آتا، لیکن ایک ڈاکٹر کہتا ہے کہ میں اس کی شراب چھڑادوں گا، لیکن اس کو کوے کا تازہ خون ویسے یا کسی چیز میں ملا کر پلاؤں گا، تو کیا شراب کی عادت چھڑانے کے لیے کوئے کا خون پینا جائز ہوسکتا ہے؟

المستفتی: قاری ارشاد احمد بریلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شراب پینے کا عادی ہونا یہ کوئی بیماری نہیں ہے، بلکہ عادت ہے، اور کسی چیز کی عادت چھڑانے کے لیے حرام چیز کا استعمال جائز نہیں ہے، اس لیے شراب کی عادت چھڑانے کے لیے کوے کے خون کا استعمال جائز نہیں ہے، البتہ خراب عادت تو یونہی چھوڑ دینی چاہیے، اور اس کے ذریعہ بھی نہ ہوسکے تو کسی حلال چیز کے ذریعہ اس کو ختم کرنا چاہیے۔

﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ. [المائدة: ۳]﴾

اتفق الفقهاء على أن الدم حرام نجس لا يؤكل ولا ينتفع به. (الموسوعة الفقهية ۲۱/۲۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۷۱۶)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۶/۲۴ھ

بکرے کے خصیے بطور علاج کھانا

سوال [۱۰۴۵۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بکرے کے خصیے کھانا جائز ہے یا نہیں؟ اگر ڈاکٹر بطور علاج کے کھلائے تو کھا سکتے ہیں یا نہیں؟، ایک صاحب جن کے اولاد نہیں ہوتی تھی، انہوں نے کھائے تو اولاد ہوگئی، انہوں نے ہمیں بتایا ہم بھی بہت علاج کر چکے ہیں تو ہم کھا سکتے ہیں یا نہیں؟ اور ان کو کوٹ کر سفوف بنا کر کھایا جائے گا؟

المستفتی: مولانا عبد الباسط مظاہری بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بکرے کا خصیہ کھانا مکروہ تحریمی ہے البتہ اگر ڈاکٹر بطور علاج کھلائے تو اس کی گنجائش ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۵/ ۸۷، جدید ڈابھیل ۱۸/ ۳۴۸)

الاستشفاء بالمحرم إنما لا تجوز إذا لم يعلم فيه شفاء، أما إذا علم أن فيه شفاء وليس له دواء أخر غيره يجوز الاستشفاء به. (الفتاوىٰ التاتارخانية زكريا

۱۸/ ۲۰۰ رقم: ۲۸۵۰٤، المحیط البرهانی، المجلس العلمی ۸/ ۸۲، رقم: ۹٦۳۸، عنایة مع فتح القدیر، زکریا ۱۰/ ۸۰، دار الفکر ۱۰/ ٦۷، کوئٹه ۸/ ۵۰۰، شامی زکریا ۷/ ٤۸۰، کراچی ٥/ ۲۲۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍ ربیع الاول ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۸۲۹)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/۳/۱۶ھ

گدھی کے دودھ سے علاج

سوال [۱۰۴۵۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک مریض کے بارے میں ڈاکٹر کہتا ہے کہ گدھی کا دودھ پلانے سے شفایاب ہوجائے گا تو گدھی کا دودھ شفایابی کے لیے پلانا جائز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر کوئی مسلم تجربہ کار ڈاکٹر یہ تجویز کرے کہ اس مریض کے لیے گدھی کا دودھ پینے ہی میں شفاء ہے، اور اس کے علاوہ اور کوئی علاج نافع نہیں تو گدھی کا دودھ بطور علاج پینا جائز ہے۔ (مستفاد: محمود یہ میرٹھ ۲۷/ ۲۹۵، ڈابھیل ۱۸/ ۳۶۴)

عن عطاء قال: کان لایریٰ بألبان الأتن بأسا أن یتداوی بها. (المصنف لابن أبی شیبة، کتاب الطب، مؤسسة علوم القرآن ۱۲/ ۱۲٤، رقم: ۲٤۱۱۲)

التداوی بلبن الأتان إذا أشاروا إلیه لا بأس به –إلی– أما إذا علم أن فیه شفاء ولیس له دواء آخر غیره یجوز الاستشفاء به. (المحیط البرهانی، المجلس العلمی ۸/ ۸۲، رقم: ۹٦۳۸)

التداوی بلبن الأتان لابأس به. (بزازیه، کتاب الکراهیة، الفصل الخامس فی الأکل نوع من التداوی زکریا جدید ۳/ ۲۰۸، وعلی هامش الهندیة ٦/ ۳٦۷) **فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍ ذی الحجہ ۱۴۳۴ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۳۲۲)

مرغے کے خون کا سفوف دوا کے طور پر استعمال کرنا

سوال [۱۰۴۵۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: دہلی میں ۶/۵ / اپریل کو ایک سیمینار ہوا، اطباء نے مختلف مضامین پڑھے، اور اپنے تجربات بتائے، ایک طبیب صاحب نے ایک نسخہ بتایا جو ہڈی کے لیے تیر بہدف ہے، وہ درج ذیل ہے:

ایک مرغ کا پورا خون لے کر اس میں پھٹکری ملا کر آگ پر رکھیں، جب بالکل خشک سفوف کی صورت میں ہو جائے تو شیشی میں رکھ لیں، ایک گرام بچوں کو بڑی عمر والوں کو حسب عمر زیادہ کر کے دیں، انہوں نے اپنا تجربہ بتایا کہ تیر بہدف ہے، اب اس سلسلے میں آپ سے عرض ہے کہ شرعی اعتبار سے یہ دوا استعمال کی جاسکتی ہے اور استعمال کرائی جاسکتی ہے، امید ہے کہ شرع سے مطلع کیا جائے گا۔

المستفتی: مولانا حکیم عبد الجلیل کرتپور بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر آگ پر رکھنے کی وجہ سے شدت تغیر سے سفوف بن جاتا ہے تو دواؤں میں اس کا استعمال شرعاً جائز ہے، جیسا کہ ناپاک اور مردار کی چربی سے صابون بنانے کی گنجائش ہوتی ہے۔

وجعل الدهن النجس في صابون يفتى بطهارته لأنه تغير و التغيير يطهر عند محمد و يفتى به. (شامی، کتاب الطهارة، باب الأنجاس زکریا ۱/ ۵۱۹، کراچی ۱/ ۳۱۶) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳/ محرم الحرام ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۲۹۰)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۳/ ۱/ ۱۴۱۶ھ

جان بچانے کے لیے خنزیر کا گوشت کھانا

سوال [۱۰۴۵۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر کوئی شخص بالکل لب جان ہے اور کسی حکیم یا طبیب نے یہ بتایا کہ تم خنزیر کا گوشت تھوڑا کھالو تو یقیناً تم صحیح ہو جاؤ گے، کیا اس وقت خنزیر کا گوشت کھا سکتے ہیں؟

المستفتی: شمیم احمد مہوت پور بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر واقعی بلب جان ہے اور ماہر حکیم یا ڈاکٹر نے بتایا ہے کہ اس کا مرض یقینی طور پر خنزیر کے گوشت سے درست ہو جائے گا اور کوئی جائز اور مباح دوا اس مرض کے دفعیہ کے لیے موجود نہیں ہے تو ایسی صورت میں بقدر ضرورت خنزیر کے گوشت کی اجازت ہے۔

قال الله تعالىٰ: ﴿وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللّٰهِ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَلَا اِثْمَ عَلَيْهِ. [البقرة: ۱۷۳] ﴾

﴿**فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَلَا اِثْمَ عَلَيْهِ.** [البقرة: ۱۷۳] ﴾

ويجوز للعليل ...... أكل الميت للتداوى إذا أخبره طبيب مسلم أن شفاءه فيه. (هنديه، الباب الثامن عشر فى التداوى والمعالجات زكريا قديم ٣٥٥/٥، جديد ٤١٠/٥، شامى زكريا ٤٨٠/٧، ٥٥٨/٩، كراچى ٢٢٨/٥، ٣٨٩/٦)

وفى الشامية: لأن الحرمة ساقطة عند الاستشفاء كحل الخمر والميتة للعطشان والجائع. (شامى، كتاب الطهارة، باب المياه، مطلب: فى التداوى بالمحرم زكريا ٣٦٥/١، كراچى ٢١٠/١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴ رجمادی الاولیٰ ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۹۹۱)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/۵/۴ھ

۵ باب الرقية (تعویذات)

نظر کی حقیقت

سوال [۱۰۴۵۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: نظر کی حقیقت اور حیثیت کیا ہے؟ نیز ساٹھ سال کا بوڑھا اور چار پانچ سال کا کالا کلوٹا بچہ جو ہر وقت گندہ رہتا ہے اور نالیوں میں کھیلتا رہتا ہے اس کی ماں کہتی ہے کہ اس کو نظر لگ گئی ہے، کیا ایسے بوڑھے اور بچے کو نظر لگ سکتی ہے؟ اور اس کی کیا شکل ہو سکتی ہے؟

المستفتی: ضیاء الدین مانپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نظر کی حقیقت یہ ہے کہ اس کا لگنا حق ہے، یعنی اس کا اثر ہوتا ہے، حدیث شریف میں فرمایا گیا:

العين حق أى الإصابة بالعين شيئ ثابت موجود. (فتح الباری، كتاب الطب، باب العين حق، دار الفكر ۲۰۳/۱۰، اشرفيه ۲۴۹/۱۰، تحت رقم الحديث ۵۷۴۰، عمدة القاری زكريا ۷۱۹/۱۴، دار احياء التراث العربي ۲۲۶/۲۱)

اس کے لگنے کے سلسلے میں بعض محققین کی رائے یہ ہے کہ، عائن کسی پر اعجاب کی نگاہ ڈالتا ہے تو اس کی آنکھوں سے زہریلا مادہ نکل کر منظور الیہ میں پیوست ہو جاتا ہے، جس کی وجہ سے منظور الیہ بیمار ہو جاتا ہے، اور بعض اوقات ہلاکت تک پہنچ جاتا ہے، اور جھاڑ پھونک کے ذریعہ وہ اثر بھی جاتا ہے۔

قال المازری: زعم بعض الطبائعين: إن العائن ينبعث من عينه قحرة سمية تتصل بالمعين فهلک أو يفسد وهو كإصابة السم من نظر الأفعىٰ. (حاشية البخاری ۸۵۴/۲، فتح الباری، باب رقية العين دار الفكر ۲۰۰/۱۰، اشرفيه ۲۴۵/۱۰، تحت رقم

الحديث ٥٧٣٩، عمدة القاري، دار إحياء التراث العربي ٢١/٢٦٤، زكريا ١٤/٧١٧)

رہا معاملہ کالے کلوٹے بچہ اور بوڑھے پر نظر لگنا تو ان کو بھی کوئی نہ کوئی اچھا سمجھتا ہے، اوران پر تعجب کی نگاہ ڈالتا ہے جیسا کہ بچہ چاہے کتنا ہی بدصورت ہو، ماں کی نگاہ میں نہایت حسین وخوبصورت ہوتا ہے، لہٰذا بوڑھے آدمی اور کالے بچہ کو بھی نظر لگ سکتی ہے، اس میں کوئی استحالہ نہیں، نیز نظر غیروں کی ہی نہیں اپنوں کی بھی لگ جاتی ہے، بلکہ اپنوں کی تو زیادہ لگتی ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍رجب المرجب ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۶۲۶۲)

کیا تعویذ پہننا حرام ہے؟

سوال [۱۰۴۵۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مرکزی مکتب اسلامی پبلشر نئی دہلی ۲۵ ؍کی کتاب فتاویٰ یوسف قرضاوی ترجمہ سید زاہد اصغر فلاحی پسند ہے یا نہیں؟ اسی کے حوالے سے بتا رہا ہوں، میں نے خود اس کتاب میں پڑھا ہے کہ تعویذ پہننا حرام ہے، یعنی نبی ﷺ نے منع فرمایا ہے، حضرت والا سے درخواست ہے کہ وضاحت فرمائیں؟

المستفتی: ملک عبدالاحد مہراج گنج

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جن روایات میں تعویذ گنڈے کی ممانعت ہے ان میں الفاظ صاف ہیں کہ ہر مرض میں تعویذ گنڈے کے پیچھے پڑ جائے اور یہ سمجھے کہ ہر مرض کا علاج تعویذ ہے اور یہی تعویذ مرض کے لیے بذات خود مؤثر ہے، اللہ پر توکل نہ ہو تو ایسے عقیدے کے ساتھ تعویذ کا استعمال منع ہے، اور قرضاوی نے اپنے مطلب کے متعلق ایک پہلو کی حدیث نقل کردی اور دوسرے پہلو کی حدیث کو صرف نظر کردیا ہے۔

عن مغيرة بن شعبة عن أبيه قال قال رسول الله ﷺ: من اكتوى أو استرقى فهو بريء من التوكل. (ترمذی شريف، باب ماجاء فی كراهية الرقية، النسخة الهندية ۲/۲۵، دار السلام رقم: ۲۰۵۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍ جمادی الثانیہ ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۱۰۹/۳۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۹/۶/۱۴۲۴ھ

کیا تعویذ پہننا بدعت ہے؟

سوال [۱۰۴۵۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کیا تعویذ پہننا بدعت ہے؟ اگر حدیث تعویذ کے ثبوت کے لیے ہو تو تحریر فرمائیں؟

المستفتی: عبدالاحد مہراج گنجی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: تعویذ کو ہر مرض کا علاج سمجھنا غلط ہے، کہ جب بھی کوئی مرض لاحق ہو جائے تعویذ پہن لیا جائے، اس کا ثبوت شریعت سے نہیں، اس کو بدعت ہی کہا جا سکتا ہے، ہاں البتہ بعض معنوی امراض کے لیے تعویذ حفاظت کا ذریعہ بن جاتا ہے، لہٰذا حتی الامکان مادی علاج اختیار کرنے کے بعد اگر کسی دین دار متبع شریعت قابل اعتماد شخص سے قرآن یا حدیث کی کوئی دعا لکھوا کر بطور تعویذ پہن لیا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

عن أبي خزامة عن أبيه قال: سألت رسول الله ﷺ قلت يا رسول الله! أرأيت رقىً نسترقيها و دواء نتداوى به وتقاة نتقيها هل ترد من قدر الله شيئا قال هي من قدر الله، هذا حديث حسن صحيح. (ترمذی شريف، باب ما جاء لا ترد الرقى ولا الدواء من قدر الله شيئا، النسخة الهندية ۲/۲۷، دار السلام رقم: ۲۱۴۸)

عن أنس أن رسول الله ﷺ رخص في الرقية من الحمة والعين والنملة. (ترمذی شريف، باب ما جاء فی الرخصة فی ذلك، النسخة الهندية ۲/۲۶، دار

السلام رقم: ٢٠٥٦، صحيح مسلم، باب استحباب الرقية من العين والنملة والحمة والنظرة، النسخة الهندية ٢/٢٢٣، بيت الأفكار رقم: ٢١٩٦، صحيح البخارى، باب رقية الحية والعقرب، النسخة الهندية ٢/٨٥٤ رقم: ٥٥١٧، ف: ٥٧٤١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ رصفر المظفر ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۱۰۹/۳۷)

گلے میں تعویذ لٹکانا

سوال [۱۰۴۵۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بعض آدمی کالے دھاگہ پر سورہ فاتحہ، چاروں قل، درودشریف وغیرہ دم کر کے گرہ لگا کر گلے میں ڈال لیتے ہیں، تو سوال یہ ہے کہ اس طرح گلے میں کالا دھاگا ڈالنا جبکہ مجبوری ہو جائز ہے یا نہیں؟ اور بعضے آدمی شوقیہ گلے میں ڈال لیتے ہیں، اس کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ اسی طرح گلے میں مالا ڈالنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: زبیر عالم شاہدرہ دہلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قرآنی آیات وکلمات ماثورہ پڑھ کر دھاگے پر دم کر کے گلے میں لٹکانا جائز ہے۔

عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده، أن رسول الله ﷺ كان يعلمهم من الفزع كلمات، أعوذ بكلمات الله التامة، من غضبه و شر عباده ومن همزات الشياطين و أن يحضرون وكان عبد الله بن عمر يعلمهن من عقل من بنيه ومن لم يعقل كتبه فعلقه عليه. (سنن أبي داؤد، باب كيف الرقى، النسخة الهندية ٢/٥٤٣، دار السلام رقم: ٣٨٩٣)

شوقیہ تعویذ گلے میں لٹکانا مشروع نہیں ہے، گلے میں مالا ڈالنا چونکہ ہندوؤں کا شعار

ہے اس لیے جائز نہیں ہے

یکفر ...... و یشد الزنار فی وسطه إلا إذا فعل خدیعة فی الحرب.

(هندية، كتاب السير، الباب التاسع في أحكام المرتدين زكريا قديم ۲/۲۷٦، جديد ۲/۲۸۷، الموسوعة الفقهية الكويتية ۱۲/٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍ ربیع الاول ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۲۰٦)

تعویذ گنڈے کا حکم

سوال [۱۰۴۵۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مجھے اب سے ڈھائی سال پہلے ایک کھلا مرض ہو گیا تھا، کافی علاج بھی کیا ہے اور آرام بھی ہوا، پر پوری طرح سے ختم نہیں ہوا، مجھے شک ہے کہ کسی نے مجھے پریشان کرنے کے لیے کچھ ٹوٹکا کیا ہے، کیونکہ میرے پڑوس کے ایک عالم صاحب کا بھی یہی کہنا ہے، اہل حدیث جماعت سے تعلق رکھتا ہوں، اور اس کا مکمل علاج چاہتا ہوں، آپ بتائیں کہ مجھے کیا کرنا چاہیے، کیا تعویذ وغیرہ صحیح ہے اور بدایوں جانا کوئی گناہ تو نہیں؟ اگر ہے تو کن حالات میں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں لکھیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: احقر تعویذ سے زیادہ واقف نہیں، البتہ شرعاً شریعت کے دائرہ میں رہ کر تعویذ گنڈا کرنے کی گنجائش ہے، حضرت ابوسعید خدری کی روایت سے گنجائش ہے۔

عن أبي سعيد قال: كان رسول الله ﷺ يتعوذ من الجان وعين الإنسان حتى نزلت المعوذتان فلما نزلتا أخذ بهما وترك ما سواهما. (سنن الترمذي، باب ما جاء في الرقية بالمعوذتين، النسخة الهندية ۲/۲٦، دار السلام رقم: ۲۰۵۸)

عن عوف بن مالك الأشجعي قال: كنا نرقي في الجاهلية فقلنا: يا

رسول الله! كيف ترىٰ في ذٰلك؟ فقال: اعرضوا علي رقاكم، لابأس بالرقى مالم يكن فيه شرك. (صحيح مسلم، باب جواز أخذ الأجرة على الرقية، النسخة الهندية ۲/ ۲۲٤، بيت الأفكار رقم: ۲۲۰۰)

بدایوں میں کس طرح کام ہوتا ہے، احقر کو معلوم نہیں ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍محرم الحرام ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۵۹۳۰)

تعویذ گنڈا کرنا

سوال [۱۰۴۶۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید ایک عالم دین عرصہ بارہ سال سے ایک مسجد میں امامت کے فرائض انجام دیتا ہے، محلّہ میں کسی قسم کی کوئی بات نہیں ہے، ضرورت پڑنے پر بعض لوگ اپنے بچوں کو دم وغیرہ کے لیے لاتے ہیں، اکابرین امت اور اسلاف کی کتب مثلاً اعمال قرآنی، مجربات وغیرہ کی مدد سے دعا، تعویذ وغیرہ بھی کرتے ہیں، بعض مریضوں کو اگر ضرورت پڑتی ہے تو تعویذ بھی دیتے ہیں اور اس سلسلے میں اگر کوئی سامان مثلاً عطر یا زعفران وغیرہ کی ضرورت ہوتی ہے تو بسا اوقات مریض ہی سے منگوا لیتے ہیں، یا اگر وہ خود پیسے دیدیں تو خود لا کر انہیں لکھ کر دیتے ہیں، اس کے علاوہ پیسہ طلب نہیں کرتے، ہاں اگر کوئی برضا ورغبت خود ہدیہ کے طور پر پیش کردے تو قبول بھی کر لیتے ہیں، اور نہ دینے پر شکوہ نہیں کرتے، اور کہتے ہیں کہ یہی ہمارے بزرگوں کا عمل رہا ہے۔

دو سال قبل ایک عورت ہاجرہ نام کی اپنی پوتی کے علاج کے لیے مذکور امام صاحب کے پاس گئی، امام صاحب نے اس کا علاج کر دیا، ہاجرہ بی بی سے کہا، تمہاری لڑکی سلمٰی کے بارے میں میں سن رہا ہوں، ٹونا ٹوٹکا کرتی ہے، اگر ایسا صحیح ہے تو تم اس کو سمجھا کر اس کی اصلاح کردو، امام صاحب نے یہ چرچا دوسری عورت سے سنا تھا، خود سے ایسا کرتے نہیں دیکھا، لیکن آج دو سال گذرنے کے بعد ہاجرہ بی نے چار آدمیوں کے درمیان یہ بیان دیا کہ

امام صاحب نے مجھ سے چار چھ مہینہ پہلے یہ کہا تھا کہ سلمیٰ کو میں نے اپنی آنکھوں سے اس کے گھر کے پیچھے کچھ گاڑتے دیکھا ہے، تحقیق کے لیے امام کو بلوایا گیا، تو امام صاحب نے وہی بات چرچے کی جو دو سال پہلے سنی تھی، وہ نقل کردی، بات ختم ہوگئی، لیکن محلّہ کے کچھ لوگ اس کو بہت زیادہ اہمیت دیتے ہیں کہ امام صاحب نے یہ بات کیوں کہی ہے، ان کے پیچھے نماز کیسے ہوگی؟ حالانکہ اس عورت کے بارے میں مشہور ہے کہ کئی جھاڑ پھونک کرنے والے اس کے ٹونا کے بارے میں بتلا چکے ہیں، لیکن ان سے کوئی تحقیق نہیں کی گئی اور آج بھی اس کے رشتہ داروں وغیرہ میں شہرت ہے، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ:

(۱) امام صاحب کا ہاجرہ بی سے اس لڑکی کے بارے میں ایک سنی ہوئی بات اصلاح کی غرض سے نقل کرنا غلط تھا؟

(۲) دوسال کے بعد ہاجرہ بی کو وہی بات عینی شہادت کے طور پر پیش کرنا الزام نہیں ہے؟

(۳) ایسی صورت میں جبکہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس واقعہ کے پیچھے گہری سازش کام کررہی ہے، امام صاحب کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟

جواب باصواب مرحمت فرماکر عنداللہ ماجور ومشکور ہوں۔

المستفتی: حبیب الرحمٰن اسماعیل پورہ ناگپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر سائل اپنے بیان میں سچا ہے تو اس طرح تعویذ گنڈا وغیرہ شرعاً جائز ودرست ہے، نیز اگر برائے اصلاح ہاجرہ بی سے سلمیٰ کو سمجھانے کے لیے ایسی بات کہی ہے تو شرعاً امام صاحب قصور وار نہیں ہیں، بلکہ امام صاحب کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا ثواب ملے گا، اور ہاجرہ بی کا خلاف واقعہ کو واقعہ ثابت کرکے امام صاحب پر الزام قائم کرنا تہمت کے مرادف ہے، اور جب امام صاحب میں کوئی قباحت نہیں ہے تو ان کے پیچھے نماز پڑھنا بلا کراہت درست ہوگا۔

وقد کره قوم من أهل العلم: أن یؤم الرجل قوما وهم له کارهون فإذا کان الإمام غیر ظالم فإنما الإثم علی من کرهه ...... هذا إذا کره واحد أو

إثنـان أو ثلاثة فلا بأس أن يصلي بهم حتى يكرهه أكثر القوم. (سنن الترمذي، باب ما جاء من أم قوما وهم له كارهون، النسخة الهندية ۱/ ۸۲، دار السلام رقم: ۳۵۸)

وإن كان هو أحق بها منهم ولا فساد فيه ومع هذا يكرهونه لا يكره له التقـديم، لأن الجاهل والفاسق يكره العالم والصالح. (حـاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح قديم ۱/ ۱٦٤، دار الكتاب ديوبند ۱/ ۳۰۱) **فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍رجب المرجب ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۲۲۸۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۷/۷/۱۴۱۱ھ

تعویذ گنڈے کو کمائی کا ذریعہ بنانا

سوال [۱۰۴۶۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) یہ معوض حضرات جو تعویذ گنڈے وغیرہ کرتے ہیں اور خوب پیسہ کماتے ہیں، یعنی زبان سے کہہ کر پیسے لیتے ہیں، یہ جائز ہے یا ناجائز ہے؟

(۲) اور کچھ معوض ایسے ہیں جو بجی اسی کام کو کرتے ہیں، اور ان کا کوئی مشغلہ ہی نہیں اس کام کے علاوہ تو ان کو یہ پیسہ لینا جائز ہے یا ناجائز؟

(۳) اور کچھ معوض ایسے ہیں کہ جو مدرسہ میں مدرس ہیں، اور مسجد میں امام ہیں اور خارج وقت میں وہ تعویذ وغیرہ کرتے ہیں اور ایک گولک اپنے پاس رکھ لیتے ہیں اس میں مریض خود ہی اپنی مرضی سے پیسے ڈالتے جاتے ہیں، جس کا جو دل چاہے وہ گولک میں ڈال دیتا ہے، معوض خود سے نہیں مانگتا، تو یہ طریقہ جائز ہے یا نہیں؟ آخر شریعت مطہرہ میں اس کا کیا جواز ہے؟ لینا جائز ہے یا ناجائز؟ اور معوضین حضرات کے تمام کاروبار، بیاہ، شادی، اور جملہ مشاغل وضروریات اس میں سے چل رہی ہیں، کیا یہ سب درست ہے؟

المستفتی: فصاحت حسین جے پی نگر امروہہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تعویذ دینے والے حضرات کا تعویذ گنڈا کرنا اور

اس سے پیسہ کمانا چاہے زبان سے کہہ کر پیسہ لیتے ہوں یا مریض خود اپنی مرضی سے گولک میں پیسہ ڈال دیتے ہوں دونوں صورتوں میں اجرت لینا جائز ہے، پھر بھی اس کام کو پیشہ کے طور پر اختیار نہ کرنا بہتر ہے، بشرطیکہ تعویذ میں قرآن کریم کی آیت یا حدیث میں وارد کوئی دعا یا صفاتِ الٰہیہ لکھی ہوں، یا کوئی جائز چیز لکھی ہو مگر تعویذ دینے والے حضرات اس فن سے واقف ہوں اور وعدہ ہرگز نہ کریں کہ تیرا کام ہو ہی جائے گا جیسے کہ بیمار سے ڈاکٹر دوا کے پیسے لیتا ہے کہ بیمار کو کو شفا ہو ہی جائے گی، شفاء اللہ تعالیٰ کے قبضہ وقدرت میں ہے، اگر تعویذ دینے والے حضرات اس فن سے واقف نہیں تو دھوکہ دے کر پیسہ لینا ناجائز ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۵/ ۱۶۶، ڈابھیل ۱۷/ ۱۰۳، کفایت المفتی قدیم ۹/ ۶۰، جدید زکریا مطول ۱۲/ ۴۸۴، احسن الفتاویٰ ۷/ ۲۹۹)

قوله إن أحق ما أخذتم عليه أجرا كتاب الله يعني إذا رقيتم به. (عمدة القاری، باب ما يعطى فی الرقية على إحياء العرب بفاتحة الكتاب زكريا ٨/ ٦٢٨، دار إحياء التراث العربی ١٢/ ٩٦)

عن عوف بن مالك الأشجعی قال: كنا نرقي في الجاهلية فقلنا: يا رسول الله! كيف ترىٰ في ذٰلك؟ فقال: اعرضوا علي رقاكم، لابأس بالرقى مالم يكن فيه شرك.

(صحيح مسلم، باب جواز أخذ الأجرة على الرقية، النسخة الهندية ٢/ ٢٢٤، بيت الأفكار رقم: ٢٢٠٠)

لابأس بالمعاوذات إذا كتب فيها القرآن أو أسماء الله تعالىٰ...... قالوا و إنما تكره العوذة إذا كانت لغير لسان العرب ولا يدرى ما هو الخ.

(رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة، قبيل، فصل فی النظر والمس، زكريا ٩/ ٥٢٣، كراچی ٦/ ٣٦٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۷۸۱)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۹/ ۵/ ۱۴۱۹ھ

مؤکلوں کے ذریعہ علاج کرنا

سوال [۱۰۴۶۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: (۱) زید قرآن کریم کی چند سورتوں کا عامل ہے اور وہ بنیت خدمت خلق تعویذ کا کام کرتا ہے اور طبیبوں کے لاعلاج مریض شفایاب بھی ہوتے ہیں، تو کیا زید منھ مانگا روپیہ یا رقم لے سکتا ہے یا نہیں؟ جبکہ اس کام سے اس کو اتنا وقت نہیں ملتا کہ ذریعہ معاش کچھ کر سکے، یا بن مانگے کوئی ہدیہ پیش کرے تو لے سکتا ہے یا نہیں؟

(۲) زید مریض کے مرض کو بعلم اعداد فال کھول کر دیکھتا ہے، یا بذریعہ مؤکل دیکھتا ہے، تب جبکہ طبی اصول سے مرض کا پتہ نہ چلے، یا طبی علاج سے عاجز ہو جائے اور زید بذات خود طبیب بھی ہے تو کیا زید کو اس طرح بتانا کہ آپ کو فلاں مرض ہے یا جادو وغیرہ کا اثر ہے، جبکہ بسبب جادو یا اور مرض روحانی متحقق ہے تو زید اسے بتا سکتا ہے؟ اگر ایسا کرے تو علم غیب پر مداخلت تو نہیں؟

(۳) زید مریض سے کوئی سامان جو کہ اس کی ضرورت کا ہو مثلاً مشک وغیرہ منگواتا ہے، مریض کا کام ہونے کے بعد کچھ سامان باقی رہ جاتا ہے تو زید باقی ماندہ سامان کو بطور مزدوری اپنے پاس رکھ لیتا ہے تو کیا ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو دوسرے مریض کو بازاری بھاؤ میں دے سکتا ہے یا دوسرے مریض پر استعمال کر کے رقم وصول کر سکتا ہے؟

المستفتی: ڈاکٹر سجاد حسین قاسمی دارالشفاء اصالت پورہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) جھاڑ پھونک کرنا نیز تعویذ وغیرہ لکھ کر دینا بشرطیکہ اس میں کوئی مضمون خلاف شرع نہ ہو اور اس پر اجرت لینا جائز وحلال ہے۔

عن عوف بن مالک الأشجعی قال: کنا نرقي في الجاهلية فقلنا: یا رسول اللّٰہ! کیف تریٰ فی ذٰلک؟ فقال: لابأس بالرقي مالم تکن شرکا. (سنن أبی داؤد، باب ما جاء فی الرقی، النسخة الهندیة ۲/ ۵۴۲، دار السلام رقم: ۳۸۸۶)

وإنما معناه فی أخذ الأجرة علی الرقیة بالفاتحة أو غیرها من القرآن فالإمام لا یمنع هنا. (عمدة القاری، باب الشرط علی الرقیة بقطیع من الغنم زکریا ۱۴/ ۷۱۷، تحت رقم الحدیث ۵۷۳۷، دار إحیاء التراث العربی ۲۱/ ۲۶۴)

إن المتقدمین المانعین الاستئجار مطلقا جوزوا الرقیة بالأجرة ولو بالقرآن

كما ذكره الطحاوى لأنها ليست عبادة محضة بل من التداوى. (شامى، باب الإجارة الفاسدة، مطلب: تحرير مهم فى عدم جواز الاستيجار زكريا ۷۸/۹، كراچى ۵۷/۶)

(۲) زید کا بذریعہ طب یا مؤکل کے ذریعہ مریض کو دیکھ کر یہ بتانا کہ تمہارے اوپر جادو یا سحر ہے، جائز ہے، بشرطیکہ دھوکہ بازی نہ ہو، یہ غیب میں مداخلت نہیں ہے بلکہ اپنی حکمت عملی سے اس کو بتلاتا ہے، اور غیب کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ

الخفى الذى لا يدركه الحس ولا يقتضيه بداهة العقل. (بيضاوى، مكتبه رشيد ۱۸/۱)

(۳) زید مریض سے جو بھی سامان مریض کے کام کے لیے منگواتا ہو اور بقیہ ماندہ سامان مریض زید کو بخوشی اجرت میں دیدیتا ہو تو زید کے لیے بطور اجرت کے لینا جائز ہے، پھر زید اس سامان کو خود بھی استعمال کرسکتا ہے اور اس کو فروخت بھی کرسکتا ہے، کیونکہ زید اس سامان کا مالک ہوگیا ہے، اس لیے ہر قسم کا تصرف کرسکتا ہے۔

المالک هو المتصرف فى الأعيان المملوكة كيف شاء من الملك. (بيضاوى شريف رشيد ۷/۱)

الملک ما من شانه أن يتصرف فيه بوصف الاختصاص. (شامى مطلب: فى تعريف المال زكريا ۱۰/۷، كراچى ۵۰۲/۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍ ربیع الثانی ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴۴۶/۳۹)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴/۴/۲۹ھ

مجہول العقیدہ والے سے تعویذ گنڈا کرانے کا حکم

سوال [۱۰۴۶۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ گاؤں میں ایک صاحب کا طریقہ یہ ہے کہ مریض یا ضرورت مند کو سامنے بٹھاتے ہیں پھر ایک تعویذ اس کے ہاتھ میں دیدیتے ہیں، بعدہٗ فرماتے ہیں کہ ایسا ہوا ہے،

اکثر گذری ہوئی باتیں صحیح بتلا دیتے ہیں، بعدہ گنڈے تعویذ سے علاج شروع کرتے ہیں، مسلمان ضرور ہیں مگر عقیدہ معلوم نہیں، لہٰذا طرفین کے لیے شرعاً یہ طریقہ جائز ہے یا نہیں؟

(۲) یہ کہ بندہ اس وقت سخت پریشانی کے عالم میں ہے، مختصر یہ کہ قرضہ اور حقوق تسلی بخش نہ تو ادا ہو رہے ہیں اور نہ ہی وصول ہو رہے ہیں، بندہ کا معمول ہے جس کی اجازت حضرت پیر مرشد مولانا عبدالجبار صاحب اعظمی سے حاصل ہے کہ رات کو اول وآخر طاق مرتبہ درود شریف درمیان میں ایک سو ایک مرتبہ ''یا خبیر اخبرنی'' پڑھ کر سو جاتا ہوں اس خیال سے کہ اللہ رب العالمین کسی جانب سے خواب میں مل جائے کہ مجھے کیا کرنا چاہیے، جس سے میرے سارے بگڑے کام بن جائیں، ان حالات میں میرا مذکورہ بالا شخص کے پاس جانا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: عبدالعزیز مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تعویذ وگنڈے وبائی امراض کے ازالہ کے لیے استعمال کرنا شرعاً جائز اور حدیث سے ثابت ہے، اور تجربہ سے ماضی کی کوئی بات صحیح ہونا کوئی برا نہیں ہے جبکہ دونوں کے عقیدے صحیح ہوں، جس کا علم اللہ تعالیٰ کو ہے، جبکہ ظاہری عقیدہ صحیح ہے مگر اندرونی حالت کی تفتیش کے آپ مکلّف نہیں ہیں۔

عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده، أن رسول الله ﷺ كان يعلمهم من الفزع كلمات، أعوذ بكلمات الله التامة، من غضبه و شر عباده ومن همزات الشياطين و أن يحضرون وكان عبد الله بن عمر يعلمهن من عقل من بنيه ومن لم يعقل كتبه فعلقه عليه. (سنن أبي داؤد، باب كيف الرقى، النسخة الهندية ۲/۵۴۳، دار السلام رقم: ۳۸۹۳)

(۲) ان حالات میں مذکورہ بالا شخص کے پاس جانے کے لیے اپنے شیخ سے اجازت لینی چاہیے، بغیر اجازت نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍محرم الحرام ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۱۰۵۹)

مزاروں سے علاج کرانا

سوال [۱۰۴۶۴]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے والد کا کہنا ہے کہ پورے گھر پر جادو کا اثر ہے، اس لیے پورا گھر اور دوکان دیگر کاروبار بند کرکے بدایوں چلیں وہیں سے صحت ملے گی، ابھی فی الوقت انہوں نے مجھے بڑی دھونس اور گھر میں مٹی کا تیل چھڑک کرکے ہاتھ میں ماچس لے کر آگ لگانے کی دھمکی دی، میں مجبوراً چلا گیا، تو وہاں جا کر دو دن بعد میں نے ان سے کہا، میرا بخار نہیں اترا، اور ڈاکٹر کی دوا گھر ہی رہ گئی اور مکان کا معاملہ بھی رہ گیا ہے جو کہ جڑ ہے، اتنا سننے کے بعد انہوں نے بے گنتی گالیاں اور بے دردی سے مارنا شروع کردیا، اللہ اور اس کے رسول کا واسطہ دے کر معافی مانگی، لیکن انہوں نے نہ سنی، اور مارتے ہی چلے گئے، مسجد میں بھی بہت مارا، وہاں کے لوگوں نے بجائے بچانے کے پاگلوں میں بند کروانے کو کہا، عقیدہ یہاں تک ہوگیا ہے اللہ کا دربار یہی ہے، یہیں سے صحت ملے گی، سرکاروں کا کرم ہوتا ہے، یہ مت کہو کہ سب کچھ اللہ کرنے والا ہے، بلکہ ان کو اللہ نے بڑی طاقت بخشی ہے، اب چند سوالات مطلوب ہیں، جواب مرحمت فرمائیں۔

(۱) مزاروں سے علاج کرنے کی کون سی کتاب سے دلیل ملتی ہے یہ درست ہے یا نہیں؟

(۲) اور زبردستی ظلم کرکے لے جانا جائز ہے یا نہیں؟ بلکہ ہمیں وہاں کا علاج ہی نہیں کرانا؟

المستفتی: محمد جاوید محلہ شیدی سرائے مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: (۱-۲) مزاروں سے علاج اور حاجت روائی کی غرض سے وہاں جانا اور مرادیں مانگنا حرام اور موجب شرک ہے، اور کسی کو زبردستی اس کام کے لیے وہاں لے جانے والا سخت گناہ کا مرتکب ہوگا، ایسے افعال شرکیہ سے توبہ کرکے باز آجانا واجب ہے۔

(مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۳/۳، جدید زکریا ۲/ ۲۳۷، محمودیہ قدیم ۱/ ۲۰۹، ۱/ ۲۱۳، ڈابھیل ۱/ ۳۱۷-۲۸۸)

ومنها استدر بها (إلى قوله) والاستعانة بهم و سؤالهم النصر والرزق

والعافية والولد و قضاء الدين، وتفريج الكربات وغير ذٰلك من الحاجات التي كان عباد الأوثان يسألونها من أوثانهم ليس شيئ منها مشروعا باتفاق أئمة المسلمين. (مجالس ابرار ص: ۱۱۹، مجلس: ۱۷)

كل من ذهب إلى بلدة أجمير أو إلى قبر سالار مسعود أو ما ضاها لأجل حاجة يطلب كأنه أثم إثما أكبر من القتل والزنا. (تنبیهات الهیه ٤/٤٥)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/ رمضان المبارک ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۸۹۹)

وبائی امراض کے ازالہ کے لیے تعویذ دینا

سوال [۱۰۴۶۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: یہ کہ گاؤں میں ایک صاحب کا طریقہ یہ ہے کہ مریض یا ضرورت مند کو سامنے بٹھاتے ہیں، پھر ایک تعویذ اس کے ہاتھ میں دیدیتے ہیں، بعدہٗ فرماتے ہیں کہ ایسا ہوا ہے، اکثر گذری ہوئی باتیں صحیح بتلا دیتے ہیں، بعدہٗ گنڈے تعویذ سے علاج شروع کرتے ہیں، مسلمان ضرور ہیں عقیدتاً معلوم نہیں، لہٰذا طرفین کے لیے شرعاً یہ طریقہ جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: عبدالعزیز مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تعویذ وگنڈے، وبائی امراض کے ازالہ کے لیے استعمال کرنا شرعاً جائز اور حدیث سے ثابت ہے، اور تجربہ سے کوئی بات یا چیز صحیح ہونا کوئی برا نہیں ہے جبکہ دونوں کے عقیدے صحیح ہوں، جس کا علم اللہ تعالیٰ کو ہے، جبکہ ظاہری عقیدہ صحیح ہے تو اندرونی حالت میں تفتیش کے آپ مکلّف نہیں ہیں۔

عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده، أن رسول الله ﷺ كان

يعلمهم من الفزع كلمات، أعوذ بكلمات الله التامة، من غضبه و شر عباده ومن همزات الشياطين و أن يحضرون وكان عبد الله بن عمر يعلمهن من عقل من بنيه ومن لم يعقل كتبه فعلقه عليه. (سنن أبي داؤد، باب كيف الرقى، النسخة الهندية ۲/ ۵۴۳، دار السلام رقم: ۳۸۹۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۰۵۹)

ناپاکی کی حالت میں تعویذ پہنے رہنا

سوال [۱۰۴۶۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: یہ کہ تعویذ میں بسم اللہ شریف واسم ذات اللہ تعالیٰ یا آیت قرآن شریف یا کسی نبی یا ولی یا فرشتے کا نام لکھا ہوا ہو، ایسا تعویذ موم جامہ کر کے گردن میں ڈالنا یا بازو میں باندھنا ہر حالت میں پاکی یا ناپاکی میں پیشاب پاخانہ کرنے کی حالت میں یا جماع کرنے کی حالت میں یا ننگے بدن پاکی یا ناپاکی کی حالت میں غسل کرتے وقت ایسے تعویذ کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: عبدالعزیز مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر موم جامہ کر کے تعویذ باندھ لیا جائے تو مذکورہ تمام احوال میں باندھے رکھنا جائز اور درست ہے اور اس میں اسماءِ الٰہی وغیرہ کی بے ادبی لازم نہیں آتی ہے۔

ولا بأس بأن يشد الجنب والحائض التعاويذ على العضد إذا كانت ملفوفة. (شامی، كتاب الحظر والإباحة، قبيل فصل فى النظر والمس، كراچى ۶/ ۳۶۴، زكريا ۹/ ۵۲۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۲۷۴۸)

پانی پر دم کرا کے در و دیوار پر چھڑکنا

سوال [۱۰۴۶۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: سورۃ بقرہ یا اور کوئی سورۃ پڑھ کر یا پڑھوا کر پانی پر دم کرا کر مکانات مسکونہ کے در و دیوار پر چھڑکنا کہ جو برابر زمین پر بھی گرتا ہے اور پیروں تلے آتا ہے، کہاں تک شرعاً جائز ہے؟

المستفتی: شریف الحسن خاں گڑھی سلیم پور کانٹھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: سورہ بقرہ اور کوئی سورت پڑھ کر یا پڑھوا کر پانی پر دم کرا کر مکانات مسکونہ کے در و دیوار پر چھڑکنا اس طرح کا عمل شریعت سے ثابت نہیں ہے، اب در و دیواروں سے گر کر وہ پانی بہتا ہوا پیروں تلے آتا ہے ایسے پانی کا احترام کرنا چاہئے اور ناپاک جگہ پر بھی یہ پانی نہیں پہنچنا چاہئے، جیسا کہ آب زمزم کا مسئلہ ہے کہ آب زمزم سے غسل کرنا جائز ہے، مگر استنجاء کرنا خلاف ادب اور احترام کے خلاف ہے، یہاں بھی ایسا ہی ہے۔

يكره الاستنجاء بماء زمزم لا الاغتسال (در مختار) وفي الشامية: وكذا إزالة النجاسة الحقيقية من ثوبه أو بدنه. (الدر مع الرد، باب الهدي، مطلب في كراهية الاستنجاء بماء زمزم زكريا ٤/ ٥٢، كراچی ٢/ ٦٢٥) **فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۱۴/ ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۲۵۳/۳۸)	۱۴۲۸/۴/۱۴ھ

تعویذ لکھنے میں دھوکہ دینا

سوال [۱۰۴۵۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید تعویذ گنڈے کرتا ہے اور ایک مخصوص پینسل سے تعویذ لکھتا ہے جس کی روشنائی بالکل زعفران کی طرح ہوتی ہے، عوام اس کی شناخت نہیں کر پاتے، اور وہ یہ کہہ کر

پیسہ لیتا ہے کہ اس نے زعفران سے لکھا ہے تو کیا اس طرح دھوکہ دے کر پیسہ کمانا جائز ہے؟

المستفتی: رئیس احمد شیر کوٹ بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تعویذ گنڈے پر اجرت لینا بقدر ضرورت درست ہے، لیکن دھوکہ اور فریب دے کر روپیہ کمانا درست نہیں ہے۔

ولا بأس بالمعاذات إذا کتب فیها القرآن أو أسماء الله تعالیٰ. (شامی، کتاب الحظر والإباحة، قبیل فصل فی النظر والمس زکریا ۵۲۳/۹، کراچی ۳٦۳/٦)

وفی الحدیث أعظم دلیل علی أن یجوز الأجرة علی الرقی والطب کما قاله الشافعی ومالک و أبو حنیفة و أحمد. (بذل المجهود، کتاب الطب، باب کیف الرقی، دار البشائر الاسلامیه ٦۲۸/۱۱، تحت رقم الحدیث ۳۸۹۹، سهارن پور قدیم ۱۱/۵، حاشیة أبو داؤد ۵٤٤/۲، عمدة القاری، دار إحیاء التراث العربی ۹٦/۱۲، زکریا ٦۲۸/۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍رجب المرجب ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۹۴۲/۳۲)

تعویذ سے متعلق چند سوالات

سوال [۱۰۴۶۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) تعویذ لینے کے لیے مسجد کے حجرہ میں غیر مسلم عورتوں کا دھوتی بلاؤز پہن کر ستر کھلا ہونے کی حالت میں آنا اور مردوں کے پاس بیٹھنا اور آپس میں ایک دوسرے سے باتیں کرنا شرعاً جائز ہے یا ناجائز؟

(۲) تعویذ کے ذریعہ علاج کے بہانے عورتوں اور لڑکیوں کے جسم کو جوان لڑکوں کے ہاتھوں ڈورے سے نپوانا شرعاً جائز ہے یا ناجائز؟

(۳) مرد کا مسجد میں عورتوں اور لڑکیوں کے پورے جسم پر چھری چلانا، اور یہ کہنا کہ بھوت پریت کٹ رہے ہیں، کیا اس بات کا شرعاً کوئی ثبوت ہے؟

المستفتی: ستار احمد حاجی پورہ فیروز آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱-۲) مسجد کے حجرہ کو تعویذ گنڈے کے طور پر استعمال کرنا اور بے پردہ عورتوں کا مسجد کے حجرہ میں آنا جانا ناجائز ہے، اور جو شخص اس طرح کی حرکت کرتا ہے وہ شخص شرعاً فاسق ہے، مسجد کے منتظمین کا فرض ہے کہ مسجد کے حجرہ کو ایسے شخص سے خالی کروا کر مذکورہ امور سے پاک کردیں۔

سوال ۲/ میں تعویذوں سے متعلق جو لکھا گیا ہے یہ بھی ناجائز اور حرام ہے کہ جوان لڑکوں کا عورتوں کے جسم کو ہاتھوں سے اور ڈوروں سے ناپنا یہ سب ناجائز حرکتیں ہیں۔

(۳) مرد کا عورتوں اور لڑکیوں کے جسم پر اس طرح کا عمل کرنا شرعاً جائز نہیں ہے، اور مسجد کے اندر اور بدتر عمل ہے، یہ سب کا سب فاسقوں کا عمل ہے جو شخص ایسی حرکتیں کرتا ہے وہ فاسق ہے۔

عن عبد اللّٰه عن النبی صلی اللّٰه علیہ وسلم قال: المرأة عورة فإذا خرجت استشرفها الشيطان. (سنن الترمذی، باب بلا ترجمة، النسخة الهندية ۱/۲۲۲، دار السلام رقم: ۱۱۷۳، مسند البزار مكتبه العلوم والحكم ۵/۴۲۷ رقم: ۲۰۶۱، صحيح ابن خزيمه المكتب الإسلامی ۲/۸۱۳ رقم: ۱۶۸۳)

عن أبی هريرة عن النبی صلی اللّٰه علیہ وسلم قال: كتب على ابن آدم نصيبه من الزنا، مدرك ذٰلك لا محالة، فالعينان زناها النظر، والأذنان زناهما الاستماع، واللسان زناه الكلام، واليد زناهما البطش. (صحيح مسلم، باب قدر على ابن آدم حظه من الزنا، النسخة الهندية ۲/۳۳۶، بيت الأفكار رقم: ۲۶۵۷)

وفی الأشباه: الخلوة بالأجنبية حرام. (شامی، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره ۹/۵۲۹، كراچی ۶/۳۶۸، الموسوعة الفقهية الكويتية ۱۹/۲۶۷)

وفی الشرنبلالية: معزيا للجوهرة ولايكلم الأجنبية. (شامی، زكريا

۹/ ۵۳۰، کراچی ۳۶۹/٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲رمحرم الحرام ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۹۱۳/۴۰)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۱/۲ھ

موذی چیزوں کو بھگانے کے لیے حضرت سلیمان کی قسم دینا

سوال [۱۰۴۷۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: قسم صرف اللہ ہی کے لیے ہے اگر کسی کو جنات وغیرہ پریشان کرتے ہیں تو حضرت سلیمان علیہ السلام کی قسم دیتے ہیں، ڈرانے اور بھگانے کے لیے عہد کراتے ہیں کہ آئے نہیں، تو ایسا عہد کرا سکتے ہیں یا نہیں؟ کتاب شہداء کربلا میں حضرت عباس فرماتے ہیں، پیغمبر اور صلحاء کی قسم ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ قسم نہیں دے سکتے ہیں، وضاحت کے ساتھ بیان فرمائیں مع دلائل کے۔

المستفتی: سجاد حسین پیر غیب مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جنات اور موذی چیزوں کو بھگانے کے لیے قسم دینا تو کسی روایت میں نظر سے نہیں گذرا البتہ حضرت نوح اور حضرت سلیمان علیہما السلام کے عہد اور وسیلہ سے بھاگ جانے کا سوال کرنا ثابت ہے۔

عن عبد الرحمن بن أبی لیلیٰ قال: قال أبو لیلیٰ: قال رسول الله ﷺ: إذا ظهرت الحية فی المسكن فقولوا لها: إنا نسألك بعهد نوح، وبعهد سليمان بن داؤد أن لا تؤذينا فإن عادت فاقتلوها. (سنن الترمذی، باب ما جاء فی قتل الحيات، النسخة الهندية ۱/ ۲۷٤، دار السلام رقم: ۱٤۸۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱رربیع الاول ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸۸۷/۳۱)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/۳/۱ھ

نظر بد سے بچانے کے لیے بچوں کو کالا ٹیکہ لگانا

سوال [۱۰۴۷۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: آج کل عورتیں اپنے چھوٹے بچوں کا میک اپ کرنے کے بعد ان کے گال پر یا ٹھوڑی پر کاجل سے ایک کالا نشان لگاتی ہیں اور اس کا مقصد بچوں کی نظر بد سے حفاظت ہوتی ہے، کیا شرعاً اس کا کوئی ثبوت ہے؟ مدلل جواب سے نوازیں۔

المستفتی: محمد رضوان عثمان آباد مہاراشٹر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: خوبصورت چھوٹے بچے کو نظر لگنے سے بچانے کی غرض سے چہرے پر کالا نشان لگانا حضرت عثمان غنیؓ کی ایک روایت سے ثابت ہے، روایت درج ذیل ہے۔

وفی حدیث عثمانؓ أنه رأى صبيا مليحا، فقال: دسموا نونته كي لا تصيبه العين روى ثعلب عن ابن الأعرابی: النونة النقبة التی تكون فی ذقن الصبی الصغیر ومعنى دسموا سودوا. (تفسیر قرطبی، دار الکتب العلمیة بیروت ۳۲۹/۱۱، تحت تفسیر رقم الآیة ۸۷-۸۸ من سورة الأنبياء، مکتبہ عباس احمد الباز ۲۱۹/۱۱-۲۲۰، شرح السنة للبغوی بیروت ۱۶۶/۱۲، شرح الطیبی، کتاب الطب والرقی، کراچی ۲۹۳/۸ تحت رقم الحدیث: ۴۵۳۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍ صفر المظفر ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۴۳۰)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۲/۱۸ھ

کافر عامل سے سحر کا علاج کرانا

سوال [۱۰۴۷۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید پر کسی نے جادو کیا، سحر کے اثر سے وہ بے حال اور خطرناک بے قابو اور خبیث بن

جاتا ہے، زید کے وطن میں کوئی مسلمان عامل ہے نہیں، جس سے وہ علاج کراسکے، وہاں کچھ غیر مسلم عامل عملاء موجود ہیں، جو اپنا عمل وتصرف کرکے مسحور آدمی سے سحر دور کرسکتے ہیں، ان کے پاس جانے سے اگر بذات خود زید کسی ناجائز حرام اور کلمہ کفر میں ملوث نہ ہوگا شرعاً جائز ہوگیا یا نہیں؟ کیا ہم کہہ سکتے ہیں کہ تداوی بالحرام کی صورت ہے جو فقدان حلال کے وقت جائز ہوجاتا ہے؟

المستفتی: محمد شعیب ساؤتھ افریقہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مجبوری میں کافر سے تداوی بالمحرم کے اصول کے تحت سحر دور کرانے کی شرعاً گنجائش ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۵/ ۱۵۸، ڈابھیل ۲۰/ ۷۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴ / جمادی الثانی ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۵۱۳)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۶/۶/۲۴ھ

جھاڑ پھونک کے معاملہ پر عورت سے بدگمان ہونا

سوال [۱۰۴۷۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) جھاڑ پھونک کرنے والے آسیب زدہ پر عمل کرکے اس کا جادوٹونا ابھارتے اور بکواتے ہیں، اور یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ یہ اس کی آواز ہے جس نے جادوٹونا کیا ہے اس عمل کی کیا حقیقت ہے؟ اور اس کے بالکل سچ ہونے کا اعتقاد رکھنا کیسا ہے؟

(۲) محض اس بکنے والے کی آواز پر یقین کرکے وہ جس کا نام لے اس پر جادوٹونا کرنے کی تہمت لگانا اور اس سے ترک تعلق کرنا بلکہ انتہائی قبیح سمجھنا اور اس کا سامنا کرنے سے اعراض کرنا کیسا ہے؟ جبکہ جس عورت پر یہ الزام لگایا گیا ہے وہ صوم وصلاۃ کی پابند، قواعد شرعیہ کی رعایت کرنے والی بلاضرورت گھر سے قدم نہ نکالنے والی شریف عورت ہے۔

(۳) اس گھناؤنے الزام سے برأت ثابت کرنے کا شرعی نقطۂ نظر سے کیا طریقہ ہے؟

المستفتی: امیر الدین مئوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو آدمی آسیب زدہ ہو یا اس پر جنات سوار ہو یا پاگل مجنون ہو، جن کو اپنی کوئی خبر نہیں ہوتی ہے ایسے آدمی کا بڑبڑانا یا بکنا یا کسی جھاڑ پھونک کرنے والے کا اس کو بکوانا اور بکتے وقت اس کی زبان سے جو باتیں نکلتی ہیں، شریعت میں اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے، اور نہ ہی ایسے لوگوں کی باتوں کا اعتبار ہے اور نہ ہی ان کے اوپر شریعت کا کوئی حکم لاگو ہوتا ہے، لہٰذا اس کی باتوں کو لے کر کے کسی بے قصور عورت یا مرد پر الزام لگانا اور اس کے بارے میں بدگمانی کرنا شریعت میں جائز نہیں ہے۔

عن ابن عباس عن رسول الله ﷺ قال: رفع القلم عن ثلاث عن النائم حتى يستيقظ والمعتوه حتى يفيق والصبي حتى يعقل أو يحتلم.

(المعجم الأوسط، دار الفكر ٢/٣١٦، رقم: ٣٤٠٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۸؍ ذی قعدہ ۱۴۲۵ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۵۹۸)

تعویذ کے ذریعہ کسی کو ملزم یا چور ثابت کرنے کی شرعی حیثیت

سوال [۱۰۴۷۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید تعویذ گنڈے کرتا رہتا ہے، جائز ناجائز ہر طرح کے کاموں میں تعویذ سے مدد لیتا ہے، یہاں تک کہ محبت ودشمنی وغیرہ کے سلسلے میں بھی تعویذ خوب کرتا ہے، چوری میں بھی نام نکالتا ہے، جبکہ وہ شخص جس کا چوری میں نام نکلا ہے وہ ہر طرح قسم کھانے کو بھی تیار ہے، مگر وہ شخص دعویٰ کرتا ہے کہ تمہارا نام نکلا ہے لہٰذا تم نے ہی چوری کی ہے؟

(۱) یہ ہے کہ چوری کے شبہ میں اس طرح نام نکالنا جائز ہے؟

(۲) اگر نام نکالنا ناجائز ہے تو پھر نام نکالنے والے کا کیا حکم ہے؟

(۳) اگر کسی عالم نے کسی کا نام نکالا ہے تو کیا وہ واقعی چور ہے، اس کو بدنام کرنا جائز ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تعویذ گنڈے کے ذریعہ کسی کو چور ثابت کرنا اور کسی کو ملزم قرار دینا شرعی قوانین کے خلاف ہے اور ثبوت شرعی کے بغیر کسی کے اوپر اس طرح کے الزامات عائد کرنا گناہ کبیرہ ہے اس لیے اس سے باز رہنا لازم ہے۔

ومحل التحذير والنهي إنما هو لها تهمة لا سبب لها يوجبها …… ولم يظهر عليه ما يقتضي ذٰلك. (تفسير قرطبى، دار الكتب العلمية بيروت ۳۳۱/۱٦، تحت تفسير رقم الآية ۱۲، من سورة الحجرات مكتبه عباس احمد الباز ۲۱۷/۱٦)

تكره العوذة إذا كانت بغير لسان العرب ولايدرى ما هو و لعله يدخله سحر أو كفر أو غير ذٰلك. (شامى، كتاب الحظر والإباحة، قبيل فصل فى النظر والمس زكريا ۵۲۳/۹، كراچى ۳٦۳/٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۱۳ر شعبان المعظم ۱۴۳۲ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۴۷٦)	۱۴۳۲/۸/۱۳ھ

سامان چوری ہونے پر نام نکلوانا

سوال [۱۰۴۷۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کچھ لوگوں کا سامان چوری ہو جاتا ہے تو وہ حضرات نام نکلواتے ہیں از روئے شرع ایسا کرنا کیسا ہے اور نام نکلنے کے بعد اس پر گرفت کرنا کیسا ہے؟

المستفتی: محمد یامین سنبھلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: چور کا نام نکالنا کوئی شرعی دلیل نہیں ہے، اور جس کا نام نکلے اس کو چور قرار دے کر زبردستی اس سے مال مسروق وصول کرنا اس کو سزا دینا اور اس پر گرفت کرنا جائز نہیں ہے، جبکہ اس کے پاس شرعی ثبوت نہ ہو اور نہ ہی اس کے پاس کوئی

چوری کا مال ثابت ہو۔ (مستفاد: محمودیہ قدیم ۱۴/۲/۳۷۲، جدید ڈابھیل ۲۰/۷۷، امداد الفتاویٰ ۴/ ۸۸)

عن أبی هريرة –رضی الله عنه– قال: قال رسول الله ﷺ: كل المسلم على المسلم حرام ماله و عرضه و دمه حسب امرئ من الشر أن يحقر أخاه المسلم. (سنن أبی داؤد، باب فی الغيبة، النسخة الهندية ٢/٦٦٩، دار السلام رقم: ٤٨٨٢)

عن أبی حميد الساعدي، أن رسول الله ﷺ قال: لايحل لامرئ أن يأخذ مال أخيه بغير حقه، وذٰلک لما حرم الله مال المسلم على المسلم.

(مسند أحمد بن حنبل ٥/٤٢٥، رقم: ٢٤٠٠٣) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۸۱۷/۳۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۵/۲۴ھ

٦ باب الأجرة على الرقية (تعویذ پر اجرت)

تعویذ پر اجرت لینا

سوال [۱۰۴۷۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص کسی مدرسہ میں مدرس ہے یا مسجد میں امام ہے، اور وہ تعویذات کے ذریعہ علاج ومعالجہ کرتا ہے اور تعویذات پر اجرت لیتا ہے، تو اس شخص کا تعویذات پر اجرت لینا اور مریضوں کا اجرت دینا کیسا ہے؟

المستفتی: عتیق الرحمٰن قاسمی بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر تعویذات میں کوئی خلاف شرع عمل نہ ہو اور نہ ہی کوئی دھوکہ بازی ہو تو اس کی مناسب اجرت لینا اور دینا جائز ہے۔

جوزوا الرقية بالأجرة ولو بالقرآن كما ذكره الطحاوى لأنها ليست عبادة محضة بل من التداوي. (شامی، باب الإجارة الفاسدة، مطلب: تحریر مهم فی عدم جواز الاستئجار، زکریا ۹/۷۸، کراچی ٦/۵۷)

قوله إن أحق ما أخذتم عليه أجرا كتاب الله يعنى إذا رقيتم به. (عمدة القاری، باب ما يعطى فى الرقية على إحياء العرب بفاتحة الكتاب زكريا ۸/۲۲۸، دار إحياء التراث العربی ۱۲/۹٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍ذی الحجہ ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۵۴٦)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۱۲/۲۲ھ

تعویذ کے عوض روپیہ لینا

سوال [۱۰۴۷۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: تعویذ کے عوض روپیہ لینا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو کتنی مقدار لے سکتے ہیں؟

المستفتی: وسیم اکرم بدایونی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تعویذ کا عوض روپیہ یا کسی دوسری اشیاء کی شکل میں لینے کی گنجائش ہے، اس کی مقدار متعین نہیں ہے مگر اس کو اپنا روزگار اور پیشہ بنالینا مناسب نہیں ہے۔

إن المتقدمين المانعين الاستئجار مطلقا جوزوا الرقية بالأجرة ولو بالقرآن . (شامی، باب الإجارة الفاسدة، مطلب: تحرير مهم فی عدم جواز الاستئجار زکریا ۹/۷۸، کراچی ٦/٥٧)

وإنما معناه فی أخذ الأجرة على الرقية بالفاتحة أو غيرها من القرآن فالإمام لا يمنع هذا. (عمدة القاری، باب الشرط على الرقية بقطيع من الغنم زكريا ١٤/٧١٧، تحت رقم الحديث ٥٧٣٧، دار إحياء التراث العربی ٢١/٢٦٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳ / ربیع الثانی ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/ ۳۳۹۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴/۴/۳ھ

تعویذ گنڈے کی اجرت کا حکم

سوال [۱۰۴۷۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کیا کوئی مسلمان عاقل بالغ شخص جھاڑ پھونک اور تعویذ گنڈوں کو اپنا ذریعہ معاش بنا سکتا ہے؟ بالفاظ دیگر مریضوں کو جن بھوت سے خلاصی دلوانے کا ان سے معاوضہ و اجرت لے کر اپنا اور اپنے اہل وعیال کا نان ونفقہ چلا سکتا ہے؟

المستفتی: ڈاکٹر محمد قمر کاشی پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تعویذ گنڈا کر کے اجرت لینا شرعاً جائز ہے، اور

اس کی اجرت کے پیسے سے بال بچوں کا نان ونفقہ چلانا بھی جائز ہے، لیکن ساتھ میں یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئے کہ تعویذ گنڈے کے پیسہ میں برکت نہیں ہوتی، اس لیے اس کو پیشہ نہ بنانا چاہئے، لیکن اس بات کی اجرت بہرحال جائز ہے۔

جوزوا الرقية بالأجرة ولو بالقرآن كما ذكره الطحاوي لأنها ليست عبادة محضة بل من التداوي. (شامی، باب الإجارة الفاسدة، مطلب: تحرير مهم في عدم جواز الاستيجار زكريا ۹/۷۸، كراچى ۶/۵۷)

ذهب جمهور الفقهاء إلى جواز أخذ الأجرة على التعاويذ والرقى. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۱۳/ ۳۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم جمادی الاولیٰ ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۲۸۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱/۵/۱۴۲۸ھ

تعویذ لکھنے اور اس کی اجرت کا حکم

سوال [۱۰۴۷۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: تعویذ لکھنا اور دینا اجرت لینا دینا مطالبہ کرنے کے بعد یا دینے والا خود دے تو جائز ہے یا نہیں؟ اور بغیر مطالبہ کے خوشی سے دے یا مقررہ اجرت لینا شرعی حکم کیا ہے؟

المستفتی: محمد لقمان منی پوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تعویذ، گنڈہ کر کے اس کی مناسب اجرت لینا جائز اور درست ہے، لیکن تعویذ گنڈہ کرنے والوں کو یاد رکھنا چاہئے کہ اس کو اپنی کمائی کا ذریعہ نہ بنائیں، نیز عورتوں کی آمد ورفت سے بے حد احتیاط کی ضرورت ہے۔

قال في البذل: قوله صلى الله عليه وسلم: واضربوا لي معكم بسهم، وفي حديث أعظم دليل على أنه يجوز الأجرة على الرقى والطب كما قال

الشافعی و مالک و احمد و أبو حنیفة رحمهم الله. (بذل المجهود، کتاب الطب، باب کیف الرقی، دار البشائر الاسلامیه ١١/٦٢٨، تحت رقم الحدیث: ٣٨٩٩، سهارنپور قدیم ٥/١١، حاشیة سنن أبی داؤد ٢/٥٤٤)

وقال الشامی: والثالث أن الرقیة لیست بقربة محضة فجاز أخذ الأجرة علیها. (رسائل ابن عابدین، ثاقب بك ڈپو دیوبند ١/١٥٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴ ربیع الاول ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۵۰۲)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۳/۴ھ

درس کو منقطع کر کے تعویذ لکھ کر اجرت لینا

سوال [۱۰۴۸۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اوقات درس وتدریس میں بحالت درس، درس سے منقطع ہوکر تعویذات کے کام کو انجام دینا اور پھر اس پر اجرت لینا اور منھ مانگے روپئے لینا اور جواز کی شکل کی کتنی مقدار ہے، جواز، عدم جواز کو قرآن وحدیث کی روشنی میں اطمینان بخش جواب تحریر فرمائیں۔

المستفتی: امجد علی بارہ بنکی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: تعویذ کی مناسب اجرت لینے کی گنجائش ہے، لیکن مدرس کے لیے مناسب نہیں۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۳/۴۰۳)

اور تنخواہ دار مدرس کے لیے بوقت درس، درس کو منقطع کر کے اجرت پر تعویذ لکھنا ہرگز جائز نہیں اور اوقات درس کے تعویذات کی اجرت مدرسہ کو دیدینا لازم ہوگا، یا ان اوقات کی تنخواہ کٹوا دینی چاہئے، البتہ اوقات درس سے خارجی اوقات کی بات اس سے مستثنیٰ ہے، حدیث میں آیا ہے:

عن ابن عباس –رضی الله عنه– قال: قال رسول الله ﷺ: لا ضرر ولا

ضرار. (مسند أحمد بن حنبل ۱/۳۱۳، رقم: ٦٨٦٧، سنن ابن ماجه، باب من بنى فى حقه ما يضر بجاره، النسخة الهندية ۲/۱٦٩، دار السلام رقم: ۲۳٤۱، مؤطا إمام مالك، باب القضاء فى المرفق ص: ۳۱۱، المعجم الكبير للطبرانى، دار إحياء التراث العربى ۲/۸٦، رقم: ۱۳۸۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶/ربیع الاول ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/ ۳۳۴۶)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴/۳/۶ھ

قرآنی آیاتِ شفاونقوش لکھ کر مریض کو پلانا اور اس کی اجرت لینا

سوال [۱۰۴۸۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عامل کے لیے تعویذ دیکر روپیہ لینا جائز ہے یا نہیں؟ اور قرآنی آیات شفاء اور نقوش لکھ کر مریض کو گھول کر پلا سکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد ادریس ایم پی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو شخص تعویذ کا عمل جانتا ہے اور اس میں کوئی غلط چیز کا استعمال نہیں کرتا، اور غلط کاموں کے لیے تعویذ نہیں دیتا ہے اس کے لیے روپیہ لینا جائز ہے، البتہ اس کو پیشہ بنالینا مناسب نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ جدید ڈابھیل ۲۰/ ۸۸)

اور قرآنی آیاتِ شفاء اور نقوش کو لکھ کر مریض کو گھول کر پلانا شرعاً درست ہے۔

أن الرقية ليست بقربة محضة فجاز أخذ الأجرة عليها. (تكمله فتح الملهم، مسئلة الأجرة على تعليم القرآن والرقية، اشرفيه ٤/ ۳۳۰)

جوزوا الرقية بالأجرة ولو بالقرآن كما ذكره الطحاوى لأنها ليست عبادة محضة بل من التداوي. (شامى، باب الإجارة الفاسدة، مطلب: تحرير مهم فى عدم جواز الاستيجار زكريا ۹/ ۷۸، كراچى ٦/ ٥٧)

أخبرنا أبو عبد الرحمن السلمي فى ذكر منصور بن عمار و أنه أوتي

الحكمة وقيل: إن سبب ذٰلک أنه وجد رقعة فی الطريق مكتوبا عليها ''بسم الله الرحمن الرحيم'' فأخذها فلم يجد لها موضعا فأكلها، فأري فيما يرىٰ النائم كأن قائلا يقول: قد فتح عليک باب الحكمة باحترامک لتلک الرقعة وكان بعد ذٰلک يتكلم بالحكمة. (شعب الإيمان للبيهقی، باب فی تعظيم القرآن، فصل فی تعظيم المصحف، دار الكتب العلمية بيروت ۲/ ۵٤۵، رقم: ۲٦٦۲) **فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍ محرم الحرام ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۸۵۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۱/۱۹ھ

تعویذات کے ذریعہ علاج اور اس کی اجرت کا حکم

سوال [۱۰۴۸۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: تعویذات سے علاج کرنا کیسا ہے؟ اگر جائز ہے تو کس طریقے سے جائز ہے؟ اور اس کام پر روپئے پیسے کتنے لیے جاسکتے ہیں؟ قرآن وحدیث سے جواب دیں۔

المستفتی: حکیم فرہاد الٰہی بلندشہر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قرآن پاک، اللہ کے اسماء وصفات، ادعیۂ ماثورہ وغیرہ کے ذریعہ علاج کرنا یا غیر عربی زبان میں تعویذ کرنا بشرطیکہ اس کے معنی خلاف شرع نہ ہوں، اور نہ اس میں جادوٹونے کی کوئی بات ہو، نیز اس کو مؤثر بالذات نہ سمجھے تو ایسے تعویذات کے ذریعہ علاج کرنا جائز اور درست ہے، جبکہ وہ اچھی طرح علاج کرنا جانتا بھی ہو اور تعویذ کرنے پر اجرت لینا جائز ہے، پیسوں کی مقدار متعین نہیں ہے، جس طرح ڈاکٹروں کی دوائی کی کوئی ایک مقدار متعین نہیں رہتی ہے، ہاں البتہ دھوکہ نہ دیوے، اور غریبوں کا خیال رکھنا اور خیر خواہی کا معاملہ کرنا اصل دینداری ہے۔

ولا بأس بالمعاذات إذا كتب فيها القرآن أو أسماء الله تعالىٰ ...... قالوا:

إنما تکره العوذة إذا کانت لغیر لسان العرب ولا یدری ما هو ولعله یدخله سحر أو کفر وغیر ذٰلک و أما ما کان من القرآن أو شیئ من الدعوات فلا بأس به.
(شامی، کتاب الحظر والإباحة، قبیل فصل فی النظر والمس زکریا ۹/ ۵۲۳، کراچی ۶/ ۳۶۳)

عن عوف بن مالک الأشجعی قال: کنا نرقي في الجاهلیة فقلنا: یا رسول الله! کیف تریٰ في ذٰلک؟ فقال: اعرضوا علي رقاکم، لابأس بالرقی مالم یکن فیه شرک. (صحیح مسلم، باب جواز أخذ الأجرة علی الرقیة، النسخة الهندیة ۲/ ۲۲۴، بیت الأفکار رقم: ۲۲۰۰، مشکاة المصابیح، کتاب الطب والرقی قدیم ص:۳۸۸)

أجمع العلماء علی جواز الرقي عند اجتماع ثلاثة شروط: أن یکون بکلام الله تعالیٰ أو بأسمائه و صفاته وباللسان العربي أو بما یعرف معناه من غیره و أن یعتقد أن الرقیة لاتؤثر بذاتها بل بذات الله تعالیٰ. (فتح الباری، کتاب الطب، باب الرقی بالقرآن والمعوذات اشرفیه ۱۰/ ۲۴۰، دار الفکر ۱۰/ ۱۹۵، تحت رقم الحدیث: ۵۷۳۵)

استأجره لیکتب له تعویذا لأجل السحر جاز أن بین قدرا لکاغذ و الخط.
(الدر المختار، مطلب: فی أجرة صك القاضی والمفتی زکریا ۹/ ۱۲۷، کراچی ۶/ ۹۳)

استأجره لیکتب له تعویذ السحر یصح الخ. (عالمگیری، الباب السادس عشر فی مسائل الشیوع زکریا قدیم ۴/ ۴۵۰، جدید ۴/ ۴۸۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم صفر المظفر ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۰۹۵۴)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱/ ۲/ ۱۴۳۴ھ

مؤکل کے ذریعہ علاج اور اس کی اجرت کا شرعی حکم

سوال [۱۰۴۸۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید ایک صحیح العقیدہ اور امور دینیہ کا پابند شخص ہے، اللہ تعالیٰ نے اسے علوم روحانی اور مؤثر معالجہ روحانی کی صفات عطا کیں، وہ اپنے علاج میں کوئی غیر شرعی استعانت بغیر اللہ

کا طریقہ اختیار نہیں کرتا، اور اپنے ان مشاغل کی وجہ سے تجارت وزراعت اور ملازمت سے قاصر ہے، لہٰذا اگر وہ کسی آسیب زدہ یا سحر زدہ مریض کا علاج اپنے مؤکلین کے ذریعہ اپنی رہائش گاہ پر کرنے کے بعد اس کی معین یا غیر معین اجرت لے کر اپنے یا اپنے عیال کی معاشی ضروریات پر صرف کرے یا اس کو ذریعہ معاش بنالے تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

(۲) زید معالجہ روحانی کے لیے اگر حالات کے متقاضی ہونے پر اسفار کرتا ہے، جس کی وجہ سے اس کو وقت اور زحمت سفر اور مصارف سفر کا متحمل ہونا پڑتا ہے تو کیا وہ اس کی اجرت لے کر اپنے مصارف میں استعمال کر سکتا ہے؟

(۳) زید اپنے معالجہ روحانی کا کوئی متعینہ مال وزر طلب نہیں کرتا لیکن مریض از خود اسے تحائف یا نقد رقم دیتا ہے تو کیا وہ اسے قبول کر کے ذاتی مصارف میں لا سکتا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: مسئولہ صورت میں اگر زید صحیح العقیدہ اور امور دینیہ کا پابند ہے اور علاج میں کوئی ناجائز چیز یا شرکیہ کلمات وغیرہ استعمال نہیں کرتا ہے اور واقعتاً علاج جانتا ہے، دھوکہ دہی کا معاملہ نہیں کرتا ہے تو ایسی صورت میں مناسب معاوضہ لینے کی گنجائش ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۵/ ۱۷۱، ۳، جدید ڈابھیل ۱۷/ ۱۰۳)

ولا بأس بالمعاذات إذا كتب فيها القرآن أو أسماء الله تعالىٰ ...... قالوا: إنما تكره العوذة إذا كانت لغير لسان العرب و لا يدري ما هو ولعله يدخله سحر أو كفر وغير ذٰلک و أما ما كان من القرآن أو شيئ من الدعوات فلا بأس به.

(شامی، کتاب الحظر والإباحة، قبيل فصل فى النظر والمس زكريا ۹/ ۵۲۳، کراچی ۳٦۳/٦)

عن عوف بن مالک الأشجعي قال: كنا نرقي في الجاهلية فقلنا: يا رسول الله! كيف ترىٰ في ذٰلک؟ فقال: اعرضوا علي رقاكم، لابأس بالرقى مالم يكن فيه شرک. (صحیح مسلم، باب جواز أخذ الأجرة على الرقية، النسخة الهندية ۲/ ۲۲٤، بيت الأفكار رقم: ۲۲۰۰، مشكاة المصابيح، كتاب الطب والرقى ص:۳۸۸)

أجمع العلماء على جواز الرقي عند اجتماع ثلاثة شروط: أن يكون بكلام

اللہ تعالیٰ أو بأسمائه و صفاته وباللسان العربي أو بما يعرف معناه من غيره و أن يعتقد أن الرقية لاتؤثر بذاتها بل بذات الله تعالىٰ. (فتح الباری، کتاب الطب، باب الرقی بالقرآن والمعوذات اشرفیه ۱۰/ ۴۲۰، دار الفکر ۱۰/ ۱۹۵، تحت رقم الحدیث: ۵۷۳۵)

استأجره ليكتب له تعويذا لأجل السحر جاز أن بين قدر الكاغذ و الخط.

(الدر المختار، مطلب: فی أجرة صك القاضی والمفتی زکریا ۹/ ۱۲۷، کراچی ۶/ ۹۳)

استأجره ليكتب له تعويذ السحر يصح. (عالمگیری، الباب السادس عشر فی مسائل الشیوع زکریا قدیم ۴/ ۴۵۰، جدید ۴/ ۴۸۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۷۲۳۹)

تعویذ پر اجرت لینے والے امام کے پیچھے نماز کا حکم

سوال [۱۰۴۸۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک آدمی عالم باشرع امامت کرتا ہے اور تعویذات بھی، اب اگر یہ صاحب تعویذات کی اجرت مریض سے لیں تو کیا ان کے پیچھے نماز درست ہے، مثلاً کسی مریض کو تعویذ بنا کر دیا، اس شخص نے معلوم کیا حضرت کتنے پیسے دیدوں، اب حضرت نے کہا زیادہ نہیں بس پچاس روپیہ دیدو، شریعت کی رو سے اس عالم باشرع کے لیے کیا حکم ہے؟

المستفتی: سراج الحق سرجن نگر مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر حدود شرع کا لحاظ رکھتے ہوئے تعویذ، گنڈے دیتے ہیں اور اس پر اجرت لیتے ہیں، اس کی گنجائش ہے، لیکن اس کو ذریعہ معاش اور پیشہ بنالینا اس دور میں خلاف احتیاط ہے، مگر مذکورہ عالم کی امامت ہر صورت میں بلا کراہت جائز اور درست ہے۔

(مستفاد: فتاویٰ دار العلوم ۳/ ۲۰۸، فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۲/ ۲۲۹، جدید ڈابھیل ۱۷/ ۱۰۳، فتاویٰ احیاء العلوم ۱/ ۲۰۵)

لأن المتقدمين المانعين الاستئجار مطلقا جوزوا الرقية بالأجرة ولو بالقرآن. (شامی، باب الإجارة الفاسدة، مطلب: تحرير مهم فی عدم جواز الاستجار زكريا ۹/ ۷۸، كراچی ٦/ ٥٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍ ربیع الثانی ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۳۱۲۴)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۵/ ۴/ ۱۴۱۳ھ

٤١ كتاب الحظر والإباحة

١ باب السلام، والمصافحة والمعانقة

فردواحد کو السلام علیکم کہنے کا حکم

سوال [۱۰۴۸۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: فقط ایک فرد کو ابتداء سلام کرتے ہوئے السلام علیکم یا جواباً وعلیکم السلام کہنے کی کیا اصل ہے، کیا ایک شخص کو علیک کے بجائے علیکم کہنا بطور جمع لسان نبوت یا تعامل صحابہ سے ثابت ہے، اگر ثابت ہے تو گذارش ہے کہ حوالہ کے ساتھ ضرور درج فرمائیں، اور احقر کی پریشانی دور فرمائیں، اور اگر ثابت نہیں ہے تو بتائیں کہ ایسی صورت میں مخالفت سنت کے جرم کا ارتکاب ہوا یا نہیں؟

المستفتی: محمد اشتیاق قاسمی بھاگلپوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: حدیث میں السلام علیکم جمع کے خطاب کے ساتھ بھی الفاظ وارد ہوئے ہیں۔

عن عمران بن حصينؓ قال: جاء رجل إلى النبي صلى الله عليه وسلم فقال: السلام عليكم. (سنن أبي داؤد، باب كيف السلام، النسخة الهندية ٢/٧٠٦، دار السلام رقم: ٥١٩٥، سنن الدارمي دار المغني ٣/٧٢٦، رقم: ٢٦٨٢المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ٦/٢٤٦ رقم: ٦١١٤)

أخبرني عمرو بن أبي سفيان –إلى– فقال النبي صلى الله عليه وسلم: ارجع، فقل: السلام عليكم أأدخل. (سنن الترمذي، باب ماجاء في التسليم قبل الاستئذان، النسخة

الهندية ۲/ ۱۰۰، دار السلام رقم: ۲۷۱۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍ شعبان المعظم ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۱۵۲)

سلام میں مغفرتہ کے اضافہ کا حکم

سوال [۱۰۴۸٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: سلام میں ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ'' پر ومغفرتہ کا اضافہ کرنا کیسا ہے؟ بعض کتب فقہ میں مکروہ لکھا ہے، حالانکہ مشکوٰۃ شریف میں زیادہ کرنے کی حدیث پڑھی ہے، اس مسئلہ میں بہت خلجان ہورہا ہے، لہٰذا اس بارے میں حضرت اپنی تحقیق مع حوالہ کتب تحریر فرما کر ممنون ہوں، چونکہ حدیث کا طالب علم ہوں اور اپنے گاؤں کا دینی رہنما بھی، اس لیے برائے کرم جواب بالتفصیل لکھ کر احسان کریں۔

المستفتی: محمد مشتاق احمد نور پوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: سلام میں السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کے بعد ومغفرتہ کے اضافہ سے متعلق احادیث شریفہ میں کیا حکم وارد ہوا ہے تو اس سلسلے میں روایات کا جائزہ لے کر دیکھا گیا ہے کہ صحیح سند کی روایات میں صرف وبرکاتہ تک ہے، اور صحابہ میں سے حضرت عبد اللہ بن عمر، حضرت عبد اللہ ابن عباس اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم کی روایات سے لفظ ''وبرکاتہ پر اضافہ کو ناپسند کرنے کی بات سمجھ میں آتی ہے جیسا کہ درج ذیل روایات سے بھی یہی واضح ہوتا ہے۔

عن عائشة رضى الله عنها أن رسول الله ﷺ قال لها: يا عائشة! هذا جبرئيل يقرأ عليك السلام، فقلت: و عليه السلام ورحمة الله وبركاته فذهبت تزيد فقال النبي ﷺ: إلى هذا انتهى السلام، فقال: رحمة الله وبركاته عليكم أهل البيت . (المعجم الأوسط للطبراني، دار الفكر ۱/ ۲۲۹، رقم:

۷۸۲، مجمع الزوائد، دار الکتب العلمية بيروت ۸/۳٤، صحيح البخارى، باب ذكر الملائكة، النسخة الهندية ۱/٤٥۷، رقم: ۳۱۱۳، ف: ۳۲۱۷، صحيح مسلم، باب فضل عائشة رضى الله تعالىٰ عنها، النسخة الهندية ۲/۲۷۸، بيت الأفكار رقم: ۲٤٤۷)

اور بعض روایات کمزور سند کے ساتھ مروی ہیں جن میں ومغفرتہ کا اضافہ ہے، جیسا کہ حسب ذیل روایات سے ظاہر ہوتا ہے۔

عن سهل بن معاذ بن أنس عن أبيه عن النبى ﷺ بمعناه، زاد: ثم أتى آخر، فقال: السلام عليكم ورحمة الله وبركاته و مغفرته، فقال: أربعون، قال هٰكذا تكون الفضائل. (سنن أبى داؤد، باب كيفية السلام، النسخة الهندية ۲/۷۰٦، دار السلام رقم: ٥۱۹٦)

عن زيد بن أرقم قال: كان النبى ﷺ إذا سلم علينا فرددنا عليه السلام قلنا وعليك ورحمة الله وبركاته و مغفرته ...... إن فى إسناده إلى شعبة من لا يحتج به. (شعب الإيمان للبيهقى، فصل فى كيفية السلام و كيفية الرد، دار الكتب العلمية بيروت ٦/٤٥٦، رقم: ۸۸۸۱)

عن أنس -رضى الله عنه- قال: كان رجل يمر والنبى ﷺ يرعى دواب أصحابه، فيقول: السلام عليك يا رسول الله! فيقول النبى ﷺ: وعليك السلام ورحمةا لله وبركاته و مغفرته ورضوانه، فقيل: يا رسول الله! ترد على هذا سلاما ما تسلمه على أحد من أصحابك؟ فقال: و ما يمنعنى من ذٰلك و هو ينصرف بأجر بضعة عشر رجلا. (عمل اليوم والليلة لابن السنى، باب منتهى رد السلام، مؤسسة علوم القرآن ۱/۱۹۷، رقم: ۲۳٥)

اب دونوں طرح کی روایت کو سامنے رکھنے کے بعد یہی بات ثابت ہوتی ہے کہ سلام میں وبرکاتہ تک کے الفاظ کا استعمال کرنا مسنون ہے، اور اس پر ومغفرتہ کے اضافہ کو مسنون نہیں کہا جاسکتا ہے، اس لیے کہ صحیح سند سے ثابت نہیں ہے، لیکن اس کو مکروہ بھی نہیں کہا جاسکتا، بلکہ کسی درجہ میں جواز کے دائرہ میں شامل ہے، اس لیے اگر کوئی ومغفرتہ کا اضافہ کرتا

ہےتو اس پر نکیر کی ضرورت نہیں،ہاں البتہ مسنون سمجھنے پر نکیر کی جاسکتی ہے۔

فقال ابن عباس، أن السلام انتهى إلى البركة. (مؤطا امام مالك ١/٣٧٩، اعظمی رقم: ٣٥٢٥)

عن عبد الله بن بأبيه أنه كان مع عبد الله بن عمر فسلم عليه رجل فقال سلام عليک ورحمة الله وبركاته و مغفرته فانتهره ابن عمر وقال: حسبک إذا انتهيت إلى و بركاته. (شعب الإيمان، فصل فى كيفية السلام و كيفية الرد، دار الكتب العلمية بيروت ٦/٤٥٦، رقم: ٨٨٨٠)

عن عطاء فى قول الله عز وجل ''رَحْمَةُ اللّٰهِ وَ بَرَكَاتُهُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الْبَيْتِ قال: كنت عند عبد الله بن عباس إذ جاءه رجل فسلم عليه، فقلت وعليكم السلام ورحمة الله وبركاته ومغفرته، فقال ابن عباس: انته إلى ما انتهت إليه الملائكة. (المستدرك للحاكم، كتاب التفسير، تفسير سورة هود، قديم ٢/٣٤٤، مكتبه نزار مصطفىٰ الباز، جديد ٤/١٢٤٥، رقم: ٣٣١٦)

وبهذا نأخذ إذا قال: السلام عليكم ورحمة الله وبركاته فليكفف فإن اتباع السنة أفضل، قال المحشى: وظاهره أن الزيادة على و بركاته خلاف السنة. (مؤطا امام محمد، باب رد السلام ١/٣٨٥، رقم: ٩١٤)

والأفضل للمسلم أن يقول: السلام عليكم ورحمة الله وبركاته والمجيب كذلک يرد ...... ولاينبغى أن يزاد على البركات شيئ. (شامى، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره زكريا ٩/٥٩٣، كراچى ٦/٤١٤، المحيط البرهانى، المجلس العلمى ٨/١٧ رقم: ٩٤٩٢، الفتاوىٰ التاتارخانية ١٨/٧٧، رقم: ٢٨٠٨٦، هنديه زكريا قديم ٥/٣٢٥، جديد ٥/٣٧٦)

عن يحى بن سعيد أن رجلا سلم على عبد الله بن عمر رضى الله عنهما فقال: السلام عليكم ورحمة الله وبركاته، والغاديات والرائحات، فقال له عبد الله بن عمر وعليک ألفا ثم كأنه كره ذلک. (جامع السلام ١/٣٨٠، رقم اعظمى: ٣٥٣٤، شرح السنة للبغوى، دار الكتب العلمية بيروت ١٢/٢٥٧،

رقم: ۹۹ ۳۲، أحسن الفتاویٰ ۸/ ۱۳۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم ذی الحجہ ۱۴۳۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۸۳۲)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۰/۱۲/۱ھ

محفل میں آکر سلام علیکم کہنا

سوال [۱۰۴۸۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص نے محفل میں آکر کہا "سلام علیکم" ایک صاحب نے اعتراض کیا کہ سلام علیکم کہنا غلط ہے، السلام علیکم کہنا چاہیے، تیسرے نے کہا، دونوں طرح سے صحیح ہے، جبکہ سام علیکم واقعی غلط اور لائق تعزیر ہے، شرع کی روشنی میں تحریر فرمائیں کہ آیا سلام علیکم غلط ہے یا صحیح ہے؟

المستفتی: مصطفیٰ احمد کسرول مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سلام کا مسنون طریقہ یہی ہے کہ السلام علیکم الف لام کے ساتھ یا سلام علیکم میم کی تنوین کے ساتھ سلام کیا جائے یہی الفاظ صحیح اور درست ہیں، ہاں البتہ علیکم کے بجائے علیک کہنا بھی درست ہے، اور سلام علیکم، السلام پر الف لام بھی نہ ہو اور میم پر تنوین بھی نہ ہو درست نہیں ہے، اور عربی زبان کے اعتبار سے یہ عبارت بھی غلط سمجھی جاتی ہے۔

ولفظ السلام فی المواضع کلها "السلام علیکم أو سلامٌ علیکم" بالتنوین و بدون هذین کما یقول الجهال لایکون سلاما. (شامی، کتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغیره، کراچی ٦/ ٤١٦، زکریا ۹/ ٥۹٦، مطلب: المواضع التی لا یجب فیها رد السلام، زکریا ۲/ ۳۷٦، کراچی ۱/ ٦۱۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۳۳۴)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۸/٦/۱۰ھ

غیرمحرم مردوعورت کوسلام کرنا

سوال [۱۰۴۸۸]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: غیرمحرم عورت مردکوسلام کرسکتی ہے یانہیں؟ اسی طرح مردغیرمحرم عورت کوسلام کرسکتا ہے یانہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جوان عورت جوان مردکواور جوان مردجوان عورت کوسلام نہ کریں اس میں خوف فتنہ ہے، البتہ عورت بوڑھے مردکواور مرد بوڑھی عورت کو سلام کرسکتے ہیں، اور جواب بھی دے سکتے ہیں۔

عن یحی بن أبی کثیر قال: بلغنی أنه یکره أن یسلم الرجل علی النساء، والنساء علی الرجل. (شعب الإیمان فصل فی السلام علی النساء، دار الکتب العلمیة بیروت ٦/ ٤٦٠، رقم: ٨٨٩٦)

قال: و أخبرنا معمر، قال: کان قتادة یقول: أما امرأة من القواعد فلا بأس أن یسلم علیها وأما الثانیة فلا. (شعب الإیمان، فصل فی السلام علی النساء، دار الکتب العلمیة بیروت ٦/ ٤٦٠، رقم: ٨٨٩٧)

إذا سلمت المرأة الأجنبیة علی رجل إن کانت عجوزا رد الرجل علیها السلام بلسانه بصوت تسمع وإن کانت شابة رد علیها فی نفسه وکذا الرجل إذا سلم علی امرأة أجنبیة فالجواب فیه علی العکس. (شامی، کتاب الحظر والإباحة، فصل فی النظر والمس، زکریا ٩/ ٥٣٠، کراچی ٦/ ٣٦٩، هندیه زکریا قدیم ٥/ ٣٢٦، جدید ٥/ ٣٧٨، قاضیخان زکریا جدید ٣/ ٣٠٧، وعلی هامش الهندیة ٣/ ٤٢٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ ربیع الثانی ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۹۸۶)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۸/۴/ ۱۴۱۵ھ

اجنبی کے گھر میں دخول کے لیے سلام اور اجازت دونوں ضروری

سوال [۱۰۴۸۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کسی شخص نے کسی اجنبی آدمی کے گھر میں جا کر صرف باہر سے السلام علیکم کہا، اندر سے جواب آیا، وعلیکم السلام، تو کیا اس کے بعد وہ اندر داخل ہوسکتا ہے؟ یا پھر الگ سے اجازت طلب کرنا پڑے گی داخل ہونے کے لیے یا وہی سلام کافی ہے داخل ہونے کے لیے؟

المستفتی: منیرالدین بانکوڑی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جی ہاں! السلام علیکم اور الگ سے اجازت دونوں ضروری ہیں، اس کے بعد داخل ہوسکتا ہے۔

﴿**يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتَّى تَسْتَأْنِسُوا وَتُسَلِّمُوا عَلَىٰ أَهْلِهَا**. [النور: ٢٧]﴾

وفی تفسير الخازن: لا يدخل بيت الغير إلا بعد الاستئذان والسلام (وقوله) وقال الأكثرون: يقدم السلام فيقول: سلام عليكم أأدخل ...... (وقوله) تستأنسوا أی تستأذنوا. (خازن سوره نور ٣/٣٢٤)

عن عمرو بن عبد الله بن صفوان، أخبره أن كلدة بن حنبل: أخبره أن صفوان بن أمية بعثه بلبن ولبأ و ضغابيس إلى النبی ﷺ، والنبی ﷺ بأعلى الوادی، قال: فدخلت عليه، ولم استاذن ولم أسلم، فقال النبی ﷺ ارجع فقل: السلام عليكم أأدخل؟ وذٰلک بعد ما أسلم صفوان. (سنن الترمذی، باب ما جاء فی التسليم قبل الاستئذان، النسخة الهندية ٢/ ١٠٠، دار السلام رقم: ٢٧١٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵ رشعبان المعظم ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۴۲/۲۴)

کیا مسجد میں داخل ہوتے ہی سلام کرنا مسنون ہے؟

سوال [۱۰۴۹۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مسجد میں داخل ہوتے ہی سلام کرنا مسنون ہے اور ہال میں داخل ہوکر جہاں نمازی سنت وغیرہ پڑھ رہے ہیں کیا سلام کرنا چاہیے؟

المستفتی: محمد یونس علی گڑھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسجد میں داخل ہوتے ہوئے سلام کرنا حدیث میں نہیں آیا ہے بلکہ "**أللھم افتح لی أبواب رحمتک** اور **أعوذ باللہ العظیم و بوجھه الکریم وسلطانه القدیم من الشیطان الرجیم**" کہنا احادیث میں آیا ہے۔

عن أبی أسید قال: قال رسول اللہ ﷺ: إذا دخل أحدکم المسجد فلیقل أللھم افتح لی أبواب رحمتک. (صحیح مسلم، باب ما یقول إذا دخل المسجد، النسخة الهندیة ۱/۲۴۸، بیت الأفکار رقم۷۱۳، سنن الدارمی، دار المغنی ۲/۸۷۶، رقم: ۱۴۳۴، ۳/۱۷۶۱، رقم: ۲۷۳۳)

عن عبد اللہ بن عمرو بن العاص عن النبی ﷺ: أنه کان إذا دخل المسجد قال: أعوذ باللہ العظیم، وبوجھه الکریم وسلطانه القدیم من الشیطان الرجیم. (سنن أبی داؤد، باب فیما یقوله الرجل عند دخوله المسجد، النسخة الهندیة ۱/۶۷، دار السلام رقم: ۴۶۶)

جہاں لوگ نماز وتلاوت وغیرہ میں مشغول ہوں وہاں پر سلام کرنا مکروہ ہے، ہاں البتہ اگر مسجد یا ہال میں لوگ نماز وذکر وتلاوت میں مشغول نہ ہوں تو ان کو سلام کرنا مشروع ہے۔

یکرہ السلام علی العاجز عن الجواب ...... إلی ...... کالمشغول بالصلاة وقراء ة القرآن. (رد المحتار، مطلب: المواضع التی لا یجب فیھا رد السلام زکریا ۲/۳۷۶، کراچی ۱/۶۱۷) **فقط واللّٰہ سبحانہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۲۴۶)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۴/۱۳ھ

مرض الوفات میں مبتلا لوگوں کوسلام کہلوانا

سوال [۱۰۴۹۱]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مرض الموت میں گذرے ہوئے لوگوں کوسلام کہلوانا درست ہے یانہیں؟

المستفتی: مولانا محمد سالم مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جی ہاں یہ ثابت ہے۔

محمد بن المنکدر، قال: دخلت علی جابر بن عبد الله وهو يموت، فقلت: إقرئی رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم منی السلام. (مسند أحمد بن حنبل ٤/ ٣٠١ رقم: ١٩٧١١)

أخرج البخاری فی تاریخه عن خالدة بنت عبد الله بن أنیس قالت جاء ت أم البنین بنت أبی قتادة بعد موت أبیها بنصف شهر إلی عبد الله بن أنیس وهو مریض فقالت یا عم اقرأ أبی السلام. (شرح الصدر قدیم ٥٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵ر رجب المرجب ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۱۲۴)

سلام کون کون سے مواقع پر نہیں کرنا چاہیے؟

سوال [۱۰۴۹۲]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کن حالات میں سلام نہ کرنا چاہیے؟

المستفتی: محمد ابرار بہرائچی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حسب ذیل مواقع پر سلام نہیں کرنا چاہیے:

(۱) نماز پڑھنے والے کو (۲) تلاوت کرنے والے کو (۳) ذکر کرنے والے کو

(۴) درس حدیث میں مشغول شخص کو (۵) خطبہ دینے والے کو (۶) خطبہ سننے والے کو (۷) فقہ کے تکرار کرنے والے کو (۸) قاضی کو جبکہ فیصلہ کرنے کے لیے بیٹھ جائے (۹) فقہی مباحثہ کرینے والے کو (۱۰) مؤذن کو اذان دیتے وقت (۱۱) اقامت کہنے والے کو (۱۲) درس دینے والے کو (۱۳) اجنبی جوان لڑکیوں کو (۱۴) شطرنج اور ہر لہو میں مشغول شخص کو (۱۵) بول و براز کرنے والے کو (۱۶) کھانا کھانے والے کو (۱۷) مغنّی کو (۱۸) زندیق کو۔

مذکورہ مقامات کے علاوہ شامی میں اور بھی مواقع ہیں، جہاں سلام کرنا مکروہ ہے۔

سلامک مکروہ علی من ستسمع ومن بعد ما أبدی یسن و یشرع
مصل و تال ذاکر و محدث خطیب و من یصغی إلیهم و یسمع
مکرر فقه جالس لقضائه ومن بحثوا فی الفقه دعهم لینفعوا
مؤذن أیضا أو مقیم مدرس کذا الأجنبیات الفتیات أمنع
ولعاب شطرنج و شبه بخلقهم ومن هو مع أهل له یتمتع
ودع کافرا أیضا و مکشوف عورة ومن هو فی حال التغوط أشنع
ودع آکلا إلا إذا کنت جائعا وتعلم منه أنه لیس یمنع

(الدر المختار، باب ما یفسد الصلاة و ما یکره فیها، مطلب: المواضع التی یکره فیها السلام زکریا ۲/۳۷۳-۳۷۵، کراچی ۱/۶۱۶) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍محرم الحرام ۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۸۹۶۳)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۷؍۱؍۱۴۲۷ھ

ذکر وتلاوت میں مشغول شخص کو سلام کرنا

سوال [۱۰۴۹۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مسجد میں کوئی ذکر میں ہے کوئی نماز میں ہے، ایسی حالت میں بعض لوگ مسجد میں

آتے اور جاتے وقت میں سلام کرتے ہیں، کیا سلام کرنا جائز ہے اور اس کے سلام کا جواب ذکر کرنے والے پر ذکر کو روک کر دینا ضروری ہے؟

(۲) کوئی شخص علاوہ مسجد کے ذکر یا تلاوت یا مطالعہ کتاب دینی میں مصروف ہے ایسے شخص کو سلام کرنا درست ہے؟ سلام کا جواب دینا اس پر ضروری ہے کہ نہیں؟

المستفتی: عبدالعزیز دوکاندار مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱-۲) ان تمام صورتوں میں سلام کرنا بالاتفاق مکروہ ہے، البتہ اس کے جواب دینے میں فقہاء کا اختلاف ہے، بعض عدم وجوب اور بعض وجوب کے قائل ہیں، لیکن زیادہ پسندیدہ یہی ہے کہ ذکر وتلاوت اور مطالعہ سے رک کر جواب دیدیا کریں۔

إذا سلم رجل على القارئ لاينبغي له أن يسلم على القارئ كي لا يشغله ذٰلک عن القراءة فإن سلم عليه، قال بعضهم: لا يجب رد السلام على القارئ، وقال بعضهم يجب وهو اختيار الفقيه أبی الليث وإن سلم فی حال التلاوة، فالمختار أنه يجب الرد. (قاضيخان، كتاب الحظر والإباحة، فصل فی التسبيح والتسليم، زكريا جديد ۳۰۶/۳، وعلى هامش الهندية ۴۳۲/۳)

وإن سلم فی حال التلاوة فالمختار أنه يجب الرد. (بزازيه، كتاب الكراهة، نوع فی السلام زكريا جديد ۲۰۰/۳، وعلى هامش الهندية ۳۵۵/۶)

إن سلم فی حالة التلاوة المختار أنه يجب الرد ...... وهو اختيار الصدر الشهيد، وهكذا اختيار الفقيه أبی الليث رحمه الله تعالىٰ. (هنديه، الباب السابع فی السلام و تشميت العاطش زكريا قديم ۳۲۵/۵، جديد ۳۷۷/۵، المحيط البرهانی، المجلس العلمی ۲۰/۸، رقم: ۹۵۰۰) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳ر محرم الحرام ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۴۶۷)

جنبی، وضو کرنے والے کو سلام

سوال [۱۰۴۹۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جنبی کو سلام کرنا یا جنبی کا دوسرے کو سلام کرنا درست ہے یا نہیں؟ اسی طرح وضو کرنے والوں کو سلام کرنا یا وضو کنندہ کا دوسروں کو سلام کرنا درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد یامین بیگوسرائے بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جنبی کو سلام کرنا اور جنبی کا سلام کرنے والے کو جواب دینا، اسی طرح جنبی کا دوسرے کو سلام کرنا، دونوں جائز ہیں، صرف تلاوت قرآن جنبی کے لیے ناجائز ہے۔

ورخصوا للجنب والحائض في التسبيح والتهليل. (ترمذی مع عرف الشذی ۳۵/۱)

اور سلام بھی دعا ہی ہے، نیز اگر وضو کرنے والا دعا نہ پڑھ رہا ہو تو سلام کرنا درست ہے ورنہ مکروہ ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۲۳۰/۵، جدید ڈابھیل ۷۶/۱۹)

فيكره السلام على مشتغل بذكر الله تعالىٰ بأي وجه كان. (شامی، مطلب: المواضع التي يكره فيها السلام زكريا ۳۷۳/۲، کراچی ۶۱۶/۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱؍محرم الحرام ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۸۱/۲۳)

کھانے کے دوران سلام کرنا

سوال [۱۰۴۹۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص کی ملاقات ایک آدمی سے ایسے وقت میں ہو رہی ہے کہ وہ کھانا کھا رہا ہے تو کیا ایسی صورت میں آنے والا کھانے والے کو سلام کر سکتا ہے اور وہ جواب بھی دے سکتا ہے؟

المستفتی: کمال احمد منڈی چوک مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مذکورہ میں آنے والے شخص کے لیے کھانے والے کوسلام کرنا مکروہ ہے، ایسی حالت میں سلام نہیں کرنا چاہیے، اور کھانا کھانے والے کوسلام کا جواب دینے میں اختیار ہے، اگر چاہے تو سلام کا جواب دیدے، اس پر سلام کا جواب دیناواجب نہیں ہے۔

یکره السلام علی العاجز عن الجواب حقیقة کالمشغول بالأکل أو الاستفراغ . (شامی، مطلب: المواضع التی یکره فیها السلام زکریا ۲/۳۷۵، کراچی ۱/۶۱۷)

مر علی قوم یأکلون إن محتاجا و عرف أنهم یدعوه إلیه سلم و إلا لا. (بزازیه، کتاب الکراهیة، نوع فی السلام جدید ۳/ ۲۰۰، وعلی هامش الهندیة ۶/ ۳۵۵)

وقال الرافعی: ویردون فی الباقی أی علی سبیل التخییر لا الوجوب. (تقریرات رافعی زکریا ۲/ ۸۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍صفر المظفر ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۱۹۵)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۲/۲۷ھ

غیر مسلم کونمستے اور نمشکار کہنا

سوال [۱۰۴۹۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر کوئی مسلم کسی غیر مسلم کورام رام صاحب، سلامت، بندگی، نمستے یا نمشکار کرے تو کیسا ہے؟ یہ جائز ہے یا ناجائز یا مکروہ یا حرام؟ اور اگر کوئی مسلمان کسی غیر مسلم کوسلام کرے تو اس کا کیا طریقہ ہے؟

المستفتی: ظریف احمد میرٹھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسلمان کے لیے غیر مسلم کو مذکورہ الفاظ سے

سلام کرنا جائز نہیں ہے، نیز ان کو ابتدا بالسلام کرنا بھی ممنوع ہے، بلکہ وہ سلام کرے تو مسلمان صرف وعلیک کہہ دے۔

عن أبی هریرةؓ أن رسول الله ﷺ قال: لا تبدأوا الیهود والنصاریٰ بالسلام، فإذا لقیتم أحدهم فی طریق فاضطروه إلی أضیقه. (سنن الترمذی، باب ما جاء فی التسلیم علی أهل الذمة، النسخة الهندیة ۲/۹۹، دار السلام رقم: ۲۷۰۰، مسند أحمد بن حنبل ۲/۲٦٦ رقم: ۷٦۰٦، مسند البزار مکتبه العلوم والحکم ۱٦/۲۲، رقم: ۹۰۵۲، سنن أبي داؤد، النسخة الهندیة ۲/۷۰۷، دار السلام رقم: ۵۲۰۵)

عن عائشةؓ قالت: إن رهطا من الیهود دخلوا علی النبی ﷺ فقالوا: السام علیک، فقال النبی ﷺ: علیکم. (سنن الترمذی، باب ما جاء فی التسلیم علی أهل الذمة، النسخة الهندیة ۲/۹۹، دار السلام رقم: ۲۷۰۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍ ربیع الاول ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۹۰۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۱/۳/۱۴۱۵ھ

غیر مسلموں کے سوال کا جواب کس طرح دیا جائے؟

سوال [۱۰۴۹۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر غیر مسلم ہمیں آکر اپنے مذہب کے مطابق سلام عرض کرے جیسے (نمشکار، جے رام جی کی) تو اس وقت ہمیں کیا جواب دینا ہوگا؟

المستفتی: منہاج الدین صدیقی دہلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسلمان ان کے سلام کے جواب میں صرف وعلیک کہے، اس سے زیادہ اور کچھ نہ کہے۔

عن أنس أن أصحاب النبی ﷺ قالوا للنبی ﷺ: إن أهل الکتاب

يسلمون علينا، فكيف نرد عليهم؟ قال قولوا: وعليكم. (صحيح مسلم، باب النهى عن ابتداء أهل الكتاب بالسلام و كيف يرد عليهم، النسخة الهندية ۲/۲۱۳، بيت الأفكار رقم: ۲۱۶۳، سنن أبى داؤد، باب فى السلام على أهل الذمة، النسخة الهندية ۲/۷۰۷، دار السلام رقم: ۵۲۰۷، مسند البزار، مكتبه العلوم والحكم ۱۳/۴۱۰، رقم: ۷۱۲۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/ ربیع الثانی ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۳۶۱۲)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۸/ ۴/ ۱۴۱۴ھ

غیر مسلم سے سلام ومصافحہ کا حکم

سوال [۱۰۴۹۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ غیر مسلم سے سلام ومصافحہ کرنا کیسا ہے؟ جبکہ وہ مسلمان کا پڑوسی ہو یا کاروباری تعلق ہو؟

المستفتی: عبید اللہ بھاگلپوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: غیر مسلم کو ابتدا بالسلام کرنا اسی طرح ابتدا بالمصافحہ کرنا ممنوع ہے، بلکہ بعض فقہاء نے مکروہ لکھا ہے، اور یہ کراہت کراہت تنزیہی ہوگی، لیکن اگر کوئی مصلحت پیش نظر ہے تو ابتدا بالسلام اور ابتدا بالمصافحہ میں بھی کوئی قباحت نہیں ہے، مثلاً غیر مسلم پڑوسی کہیں سفر سے آیا ہوا ہے یا کسی تقریب میں شامل ہوا ہے یا دنیوی مصلحت کے پیش نظر دوستانہ اور کاروباری تعلق ہے، تو ایسی صورت میں ابتدا بالسلام اور ابتدا بالمصافحہ میں بھی کوئی قباحت نہیں ہے، کیونکہ بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ دعا، سلام نہ ہونے کی وجہ سے غیر مسلم کو تکلیف ہوتی ہے، جو بعد میں چل کر فتنہ کا باعث بن سکتا ہے، اس لیے سد باب کے طور پر ابتدا بالسلام اور ابتدا بالمصافحہ میں کوئی حرج نہیں، لیکن غیر مسلم کو لفظ سلام کے ساتھ السلام علیکم نہیں کہنا چاہیے بلکہ آداب وغیرہ کے الفاظ کے ساتھ ان سے سلام ومصافحہ کرنا چاہیے۔

ولو يسلم المسلم على أهل الذمة لو له حاجة إليه وإلا كره هو

الصحيح كما كره للمسلم مصافحة الذمي، وتحته في الشامية: أي بلا حاجة لما في القنية لا بأس بمصافحة المسلم جاره النصراني إذا رجع بعد الغيبة ويتأذى يترك المصافحة. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره كراچی ٦/٤١٢، زكريا ٩/٥٩٠)

عن أبي عبد الله العسقلاني قال أخبرني من رأى ابن محيريز يصافح نصرانيا في مسجد دمشق. (مصنف ابن أبي شيبة، في مصافحة المشرك، مؤسسة علوم القرآن ١٣/١٨٦، رقم: ٢٦٢٣٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/ ذیقعدہ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۷۲۵)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۸/۱۱/۱۴۳۵ھ

ریڈیو اور موبائل میں قرأت کرنے والے قاری کے سلام کا جواب

سوال [۱۰۴۹۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ریڈیو اور موبائل وغیرہ میں نعت اور تلاوت وغیرہ سے پہلے نعت خواں اور قاری سلام کرتے ہیں تو اس سلام کے جواب کا کیا حکم ہے؟ واجب ہے، مستحب ہے، یا کچھ نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفيق: ریڈیو اور موبائل وغیرہ میں نعت خواں اور قاری جو سلام کرتے ہیں اس کا جواب دینا نہ واجب ہے، نہ مستحب، ہاں البتہ اگر یہ معلوم ہو جائے کہ یہ پروگرام براہ راست ٹیلی کاسٹ کیا جا رہا ہے تو تقاضۂ احتیاط ہے کہ سلام کا جواب دیا جائے۔ (مستفاد: محمودیہ ڈابھیل ۷/ ۴۷۲)

إذا سمعها من طير لا تجب هو المختار ...... و إن سمعها من الصدا لا تجب. (فتح القدير، باب سجود التلاوة دار الفكر ٢/١٦، زكريا ٢/١٦، كوئٹه ١/٤٦٨)

لاتجب إذا سمعها من طير هو المختار. (خلاصة الفتاویٰ اشرفی دیوبند ١/١٨٤)

إذا سمعها من الصداء...... لا تجب عليه السجدة. (تاتارخانية زكريا

۲/ ٤٦٢ رقم: ٣٠٠٣)

لاتجب بسماعه من الصدى (تحته في الشامية) هو ما يجيبك مثل صوتك في الجبال والصحاري ونحوهما كما في الصحاح. (شامی، کتاب الصلاة، باب سجود التلاوة زکریا ۲/ ۵۸۳، کراچی ۲/ ۱۰۸، حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح دار الكتاب ديوبند ١/ ٤٨٦) **فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳/ جمادی الثانیہ ۱۴۳۵ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۵۷۱)

سلام کا جواب دل دل میں دینا

سوال [۱۰۵۰۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہم نے سنا ہے کہ سلام کا جواب دینا واجب ہے، اب سوال یہ ہے کہ سلام کا جواب سلام کرنے والے کو سنانے کا شرعی حکم کیا ہے؟ اپنے بعض بزرگوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ صرف ہونٹ ہلاتے ہیں، کیا سلام کا جواب دل دل میں بھی ہوسکتا ہے؟

المستفتی: محمد مشتاق نور پوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سلام کا جواب دینے والے پر جواب کا سنانا واجب ہے، البتہ اگر سلام کرنے والا بہرہ ہو تو جواب دینے والے کا ہونٹ ہلا کر جواب دینا کافی ہے، دل دل میں جواب دینے سے واجب کی ادائیگی نہیں ہوگی، اور حضرت تھانویؒ کی رائے یہ ہے کہ جواب دینا واجب ہے اور جواب کا سنانا مستحب ہے۔

وجوابه أي رده فرض كفاية وإسماع رده واجب، بحيث لو لم يسمعه لا يسقط هذا الفرض عن السامع حتى قيل، لو كان المسلم أصم يجب على الراد أن يحرك شفتيه ويريه بحيث لو لم يكن أصم لسمعه.

(شامی، کتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغیره زکریا ۹/۵۹۳، کراچی ۶/۴۱۳، الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۲/۱۷۷)

لايسقط فرض جواب السلام إلا بالإسماع كما لايجب إلا بالإسماع ولو كان المسلم أصم ينبغي أن يريه تحريك شفتيه. (هندیه، الباب السابع فی السلام و تشمیت العاطس زکریا جدید ۵/۳۷۸، قدیم ۵/۳۲۶)

قال العبد الضعيف: وقد رأيت في بعض كتب شيخ مشائخنا الإمام محمد أشرف علي التهانويؒ: أن رد السلام واجب و إسماعه مستحب، فيه سعة لمن يشكل عليه الإسماع، ولكني لم أجده في كتب الفقهاء القدامى.

(تکملة فتح الملهم، باب من حق المسلم للمسلم رد السلام اشرفیه ٤/٢٤٥ تحت رقم الحدیث: ٥٦٠٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍صفر المظفر ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۸۷۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۲/۲ھ

سوال بر جواب

سوال [۱۰۵۰۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اس سے قبل بھی ایک سوال سلام کا جواب سنا کر دینے سے متعلق بندہ نے کیا تھا، اس کے جواب میں حضرت والا نے شامی زکریا ۹/۵۹۳ اور ہندیہ ۵/۳۲۶ کے حوالے سے سلام کا جواب سنا کر دینا واجب لکھا ہے، جبکہ تکملہ فتح الملہم ۴/ ۲۴۵ کی عبارت جو اس جواب کے پرچے میں ہے اس سے استحباب کی صراحت ثابت ہوتی ہے۔

تو اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ سلام کا جواب سنا کر دینے کا شرعی حکم کیسا ہے؟ دوٹوک فیصلہ فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

المستفتی: محمد مشتاق احمد متعلم دار العلوم دیوبند

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سلام کا جواب دیناواجب ہے،اورراجح اورمفتی بہ قول کے مطابق قریب سے سلام کرنے والے کوسنا کر جواب دینا بھی واجب ہے، اور یہی بات زیادہ راجح ہے،حضرت تھانویؒ کی جورائے پہلے سوال کے جواب میں پیش کی گئی تھی، وہ حضرت تھانویؒ کی اپنی رائے ہے،ممکن ہے کہ دور سے سلام کرنے والے کے جواب کے سلسلے میں ہو،اس لیے دور سے سلام کرنے والے کو جواب کی آواز سنانا لازم نہیں ہے، بلکہ جواب کے ساتھ ایسا عمل کافی ہے جس سے سلام کرنے والے کو معلوم ہو جائے کہ جواب دیا ہے ،مثلاً زبان سے جواب دینے کے ساتھ ساتھ ہاتھ سے اشارہ کردیا جائے جس سے سامنے والے کو سمجھ میں آجائے کہ سلام کا جواب دیا ہے، اس لیے کہ کسی کی آواز اونچی ہوتی ہے کسی کی پست، بعض دفعہ پست آواز والے کی آواز معمولی فاصلے کے لوگوں کوسنائی نہیں دیتی۔

عن ابن عمر قال: إذا سلمت فأسمع وإذا رددت فأسمع. (کنز العمال، مکتبہ مکة المکرمة ۹/ ۹٤، رقم: ۲۵۷۲۵)

عن ثابت بن عبيد قال: انتهيت إلى ابن عمر وهو جالس ينتظر الصلاة، فسلمت عليه فاستيقظ فقال: أبا ثابت! قال: قلت : نعم، قال: أسلمت؟ قال: قلت : نعم، قال: إذا سلمت فأسمع وإذا ردوا عليک فليسمعوک، ثم قام فصلى، وكان محتبيا قد نام. (مصنف عبد الرزاق، المجلس العلمی، باب الوضوء من النوم، المجلس العلمی ۱/ ۱۳۰، رقم: ٤۸٦)

وجوابه أي رده فرض كفاية وإسماع رده واجب، بحيث لو لم يسمعه لا يسقط هذا الفرض عن السامع حتى قيل، لو كان المسلم أصم يجب على الراد أن يحرک شفتيه ويريه بحيث لو لم يكن أصم لسمعه.
(شامی، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغیرہ زکریا ۹/ ۵۹۳، کراچی ٦/ ٤١۳، الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۲/ ۱۷۷)

لايسقط فرض جواب السلام إلا بالإسماع كما لايجب إلا بالإسماع ولو كان المسلم أصم ينبغي أن يريه تحريک شفتيه. (ہندیہ،

الباب السابع فی السلام و تشمیت العاطس زکریا جدید ۵/۳۷۸، قدیم ۵/۳۲٦)

وینبغی للمجیب إذا رد السلام أن یسمع المسلم حتی لو لم یسمعه لایکون جوابا، ولا یخرج عن العهدة. (المحیط البرهانی، المجلس العلمی ۸/۱۸، رقم: ۹٤۹۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰؍ربیع الاول ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۹۴۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۰/۳/۱۴۳۱ھ

بغیر واؤ کے سلام کا جواب

سوال [۱۰۵۰۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر کوئی شخص سلام کا جواب بغیر واؤ یعنی علیکم السلام کہے تو یہ صحیح ہے یا نہیں؟ یا بغیر واؤ کے السلام علیکم ہی کہے تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: خورشید انور صاحب مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بلا واؤ کے علیک السلام یا السلام علیکم کہنے سے بھی سلام کا جواب ادا ہو جاتا ہے، البتہ واؤ کے ساتھ افضل ہے۔

والأفضل أن یاتی بالواؤ بأن یقول و علیکم السلام ورحمة اللہ وبرکاته. (البحر الرائق، کتاب الکراهیة، فصل فی البیع کوئٹہ ۸/۲۰۷، زکریا ۸/۳۸۰)

ویأتی بواو العطف فی قوله و علیکم السلام وإن حذف واو العطف أجزأه وإن قال المبتدی سلام علیکم أو قال: السلام علیکم فللمجیب أن یقول فی الصورتین سلام علیکم وله أن یقول السلام علیکم. (فتاویٰ عالمگیری، الباب السابع فی السلام و تشمیت العاطس زکریا جدید ۵/۳۷٦، قدیم ۵/۳۲۵، الفتاویٰ التاتارخانیة زکریا ۱۸/۷۷، رقم: ۲۸۰۸٦-۲۸۰۸۷، شامی زکریا

۵۹۳/۹، کراچی ٦/٥١٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹ محرم ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/۱۶۱۴)

سلام کا جواب دینا

سوال [۱۰۵۰۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے اپنے ساتھی کو السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہہ کر سلام کیا، لیکن ساتھی عدم توجہی یا اور کسی وجہ سے بالکل جواب ہی نہیں دیتا ہے، اب زید کو کیا کرنا ہے؟ ایک عالم دین نے اس حالت کو دیکھتے ہوئے فوراً اس سے کہا تھا کہ جب تمہارے ساتھی نے جواب نہیں دیا تو دل دل میں تم کو ہی جواب دینا چاہیے تھا ان کی بات اگر صحیح ہو تو برائے کرم دلیل سے آگاہ کریں؟

المستفتی: علی حسن بن عبد القدوس دیوبند سہارنپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سلام کرنے والے کے جواب میں اگر سامنے والا اپنی بے توجہی اور غفلت کی وجہ سے جواب نہ دے تو اس کا گناہ اس مخاطب پر ہوگا اور سلام کرنے والا اپنی ذمہ داری سے بری الذمہ ہوجائے گا، اور اس کو سلام اور ابتدا بالسلام دونوں کا پورا پورا ثواب ملے گا، اور بعض روایت میں آیا ہے کہ جب سلام کرنے والے کو مخاطب سامنے والا جواب نہیں دیتا ہے تو سلام کرنے والے کو سلام کا جواب فرشتے دیتے ہیں اور جس نے سلام کا جواب نہیں دیا ہے اس پر لعنت کرتے ہیں۔

وروی الأعمش عن عمرو بن مرة عن عبد الله بن الحارث قال إذا سلم الرجل على القوم كان له فضل درجة فإن لم يردوا عليه ردت عليه الملائكة ولعنتهم. (الجامع لأحكام القرآن للقرطبي، دار الكتب العلمية بيروت ١٩٥/٥، تحت رقم الآية ٨٦ من سورة النساء، دار الكتب العلمية المصرية قاهرة ٣٠٣/٥)

عن عبد الله قال: قال رسول الله ﷺ: إن السلام إسم من أسماء الله

وضعه فی الأرض فأفشوه فیکم، فإن الرجل إذا سلم علی القوم فردوا علیه، کان له علیهم فضل درجة؛ لأنه ذکرهم، فإن لم یردوا علیه رد علیه من هو خیر منهم و أطیب. (المعجم الکبیر للطبرانی دار إحیاء التراث العربی ۱۰/۱۸۲، رقم: ۱۰۳۹۱، شعب الإیمان، باب فی مقاربة و موادة أه الدین، دار الکتب العلمیة بیروت ۶/۴۳۲، رقم: ۸۷۷۹)

عن أبی أمامة قال: قال رسول الله ﷺ: إن أولی الناس بالله تعالیٰ من بدأهم بالسلام. (سنن أبی داؤد، باب فضل من بدأ السلام، النسخة الهندیة ۲/۷۰۶، دار السلام رقم ۵۱۹۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۰۲۱)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۳/۴/۱۴۳۱ھ

کیا مصافحہ سلام کا تکملہ وتتمہ ہے؟

سوال [۱۰۵۰۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بعض علماء فرماتے ہیں کہ مصافحہ سلام کا تکملہ وتتمہ ہے، اس لیے جب جب سلام کرے تو مصافحہ کے ذریعہ اس کی تکمیل کرنی چاہیے، اور بعض علماء فرماتے ہیں کہ نہیں مصافحہ اور معانقہ تو سفر کی سنت ہے یا کم از کم ملاقات قدرے تاخیر سے ہو تب مصافحہ کرے، غرضیکہ ہر سلام کے کے بعد مصافحہ مسنون نہیں ہے، اس سلسلے میں مفتی بہ قول کیا ہے؟ برائے کرم واضح فرمائیں۔

المستفتی: محمد وسیم مظاہر علوم سہارنپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب دو مسلمان باہم ملاقات کریں تو بعد سلام مصافحہ کرنا مسنون ہے اور حضور ﷺ سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ ۵/۵۳، جدید ۱/۱۲۴-۱۲۵، ۲/۳۲۱، فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۲/ جدید ڈابھیل ۱۹/۱۱۴، کفایت المفتی ۹/۴۹۴، جدید زکریا مطول ۱۲/۲۳۴)

لیکن یہ کہنا کہ جب جب سلام کیا جائے تو مصافحہ کے ذریعہ اس کی تکمیل کرنی چاہیے

تو احادیث کثیرہ میں جہاں سلام کی تاکید اور فضیلت بیان کی گئی ہے وہاں مصافحہ کا تذکرہ نہیں ہے اور نہ ہی مصافحہ کا تکملۂ سلام ہونا معلوم ہوتا ہے، اور خود حضور ﷺ کے عمل سے بھی ہر مرتبہ سلام پر مصافحہ کرنے کا ثبوت نہیں ملتا ہے، ہاں البتہ نو وارد شخص کے حق میں مصافحہ تکملۂ سلام ہوسکتا ہے، اور جہاں مصافحہ کو تکملۂ سلام کہا گیا ہے وہاں یہی مراد ہوگا۔

عن أبی هريرة عن النبی ﷺ إذا لقی أحدكم أخاه فليسلم عليه فإن حالت بينهما شجرة أو جدار أو حجر ثم لقيه فليسلم عليه أيضا. (سنن أبی داؤد، باب فی الرجل يفارق الرجل ثم يلقاه أيسلم عليه، النسخة الهندية ۲/۷۰۷، دار السلام رقم: ۵۲۰۰)

عن أبی هريرة أن رسول الله ﷺ: قال: حق المسلم على المسلم ست قيل: ماهن يا رسول الله ﷺ؟ قال: إذا لقيته فسلم عليه. (مسلم شريف، باب من حق المسلم للمسلم رد السلام، النسخة الهندية ۲/۲۱۳، بيت الأفكار رقم: ۲۱۶۲)

عن أبی هريرة أن رجلا دخل المسجد ورسول الله ﷺ جالس فی ناحية المسجد فصلى ثم جاء فسلم عليه فقال له رسول الله وعليک السلام. (صحيح البخاری، باب من رد فقال عليك السلام، النسخة الهندية ۲/۹۲۴، رقم: ۶۰۱۰، ف: ۶۲۵۱)

عن جابر بن سليم قال: أتيت النبی ﷺ فقلت: عليک السلام، فقال: لا تقل: عليک السلام؛ ولكن قل: السلام عليک. (سنن الترمذی، باب ما جاء فی كراهية أن يقول عليك السلام مبتدئا، النسخة الهندية ۲/۱۰۱، دار السلام رقم: ۲۷۲۲)

جاء رجل إلى النبی ﷺ -إلى- فقال: السلام عليكم ورحمة الله وبركاته فرد عليه فجلس فقال ثلاثون. (سنن أبی داؤد، باب كيف السلام، النسخة الهندية ۲/۷۰۶، دار السلام رقم: ۵۱۹۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍شعبان المعظم ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۴۹۸۱)

سلام، مصافحہ ومعانقہ کا مسنون طریقہ

سوال [۱۰۵۰۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: معانقہ کرتے وقت پہلے معانقہ کریں، پھر سلام اور مصافحہ کریں یا پہلے سلام پھر مصافحہ پھر معانقہ یا صرف معانقہ پر اکتفا بھی درست ہے، شریعت محمدی کی روشنی میں جو بہتر و افضل ہو تحریر فرمادیں۔

المستفتی: عبدالرشید سیڈھا بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایک مسلمان دوسرے مسلمان سے ملتے وقت سلام کرے پھر مصافحہ کرے اور اگر کسی سے دیرینہ ملاقات ہو یا دور دراز کے سفر سے آئے ہوئے ہو تو معانقہ بھی مشروع ہے اور مصافحہ کے وقت میں بھی سلام کرنا مسنون ہے، اور ساتھ میں مغفرت کے دعائیہ الفاظ کہنا بھی مسنون ہے، اور معانقہ کے وقت بھی سلام کرنا مسنون ہے، لہٰذا سلام کا معانقہ یا مصافحہ کے ساتھ کوئی تقابل نہیں ہے بلکہ معیت ہے۔

عن جابر بن عبد الله قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: السلام قبل الكلام.

(ترمذی، باب ما جاء فی السلام قبل الكلام، النسخة الهندية ٢/٩٩، دار السلام رقم: ٢٦٩٩، مسند أبی يعلى الموصلی، دا الكتب العلمية مصريه ٢/٢٩١، رقم: ٢٠٥٥)

عن البراء بن عازب رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا التقى المسلمان فتصافحا و حمدا الله و استغفراه غفر لهما. (أبو داؤد، باب فی المصافحة، النسخة الهندية ٢/٧٠٨، دار السلام رقم: ٥٢١١، مسند أبی يعلى الموصلی، دار الكتب العلمية بيروت ٢/١٤٦، رقم: ١٦٦٩، عمل اليوم والليلة لابن السنی مؤسسة علوم القرآن ١/١٥٩ رقم: ١٩٣، مسند أحمد بن حنبل ٤/٢٩٣، رقم: ١٨٧٩٥)

عن عون بن أبی جحيفة عن أبيه قال: لما قدم جعفر من هجرة الحبشة، تلقاه النبی صلى الله عليه وسلم فعانقه، وقبل ما بين عينيه، وقال: ما أدری بأيهما

أنا أسر بفتح خيبر، أو بقدوم جعفر. (المعجم الكبير للطبراني دار إحياء التراث العربي ۲/ ۱۰۸، رقم: ۱٤٧٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ ربیع الاول ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۱۰۰۱۰)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۴/۶ھ

مصافحہ کا صحیح طریقہ

سوال [۱۰۵۰۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مصافحہ کرنے کا صحیح طریقہ واضح فرمائیں، کیا دونوں ہاتھ سے کرنا چاہیے یا ایک ہاتھ سے نیز مصافحہ کرتے وقت ہاتھ کی ہتھیلی کہاں ہونی چاہیے؟

المستفتی: محمد یونس مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مصافحہ ایک ہاتھ سے بھی کرنا جائز ہے لیکن دونوں ہاتھوں سے کرنا زیادہ افضل اور باعث فضیلت ہے، اس لیے کہ حدیث میں ہے کہ مصافحہ کرنے سے گناہ جھڑتے ہیں تو جب دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کریں گے تو دونوں ہاتھوں سے گناہ جھڑیں گے۔

عن حذيفة رضـ قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم: إذا لقي المؤمن المؤمن فقبض أحدهما على يد صاحبه تناثرت الخطايا منهما كما تناثر أوراق الشجر. (شعب الإيمان فصل في المصافحة، والمعانقة وغيرهما، دار الكتب العلمية بيروت ٦/ ٤٧٤ رقم: ٨٩٥٣)

عن أمامة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: إذا تصافح المسلمان لم تفرق أكفهما حتى يغفر لهما. (المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العلمي ٨/ ٢٨٠، رقم: ٨٠٧٦، مجمع الزوائد، دار الكتب العلمية بيروت ٨/٣٧، رقم: ١٢٧٦٧) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ رجب المرجب ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۵۱۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۷/۲۹ھ

مصافحہ کا سنت طریقہ

سوال [۱۰۵۰۷]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مصافحہ دونوں ہاتھ سے کرنا سنت ہے، یاایک ہاتھ سے بھی مصافحہ کرلیاجائےتو کافی ہے، چونکہ دونوں طرح کی روایتیں احادیث کی کتابوں میں مذکورہیں،الأخذ بالید کی روایت:

عن ابن مسعودؓ عن النبی ﷺ قال: من تمام التحیة الأخذ بالید.

(ترمذی ۱۰۲/۲،انوار نبوت ۳۰۵)

دونوں ہاتھ سے مصافحہ کرنے والی روایت حضرت امام بخاری نے باب باندھا ہے **''باب الأخذ بالیدین''** اس کے بعد یہ روایت نقل کی ہے:

عن بن مسعود یقول: علمنی النبی ﷺ التشهد و کفی بین کفیه.

(بخاری شریف ۹۲۶/۲)

المستفتی: مبارک حسین قاسمی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دونوں ہاتھ سے مصافحہ کرنا سنت ہے،اگرکوئی ایک ہاتھ سے مصافحہ کرےتو سنت ادا نہ ہوگی،جیسا کہ سائل کی پیش کردہ حدیث بخاری میں بھی ہے کہ دونوں ہاتھ سے مصافحہ کرنا چاہیے،اورجن بعض روایتوں سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنے سے بھی سنت ادا ہوجائے گی اس کا جواب یہ ہے کہ ید بمعنی ہاتھ کے ہے یہ ایسا ہے جیسے کوئی کہے کہ میں نے ہاتھ سے مصافحہ ملایا تو اس سے ایک ہاتھ متعین نہیں ہوتا ہے بلکہ لفظ ید سے ایک ہاتھ بھی اور دونوں ہاتھ بھی مراد لے سکتے ہیں اور مصافحہ چونکہ دونوں ہاتھ سے مسنون ہےاس لیے جب بھی مصافحہ بولا جائے گا تو اس سے مراد دونوں ہاتھ سے مصافحہ ہوگا۔مزید تفصیل کے لیے غیر مقلدین کے۵۶/اعتراضات کے جواب ص:۴۸تا۵۳کا مطالعہ فرمائیں۔

عن عبد الله بن عمرو بن العاص قال: خرج علینا رسول الله ﷺ

وفی یده کتابان، فقال: أتدرون ما هذان الکتابان؟ فقلنا لا یا رسول الله! إلا أن تخبرنا، فقال للذی فی یده الیمنی: هذا کتاب من رب العالمین فیه أسماء أهل الجنة و أسماء آبائهم وقبائلهم، ثم أجمل علی آخرهم فلایزاد فیهم ولاینقص منهم أبدا، ثم قال للذی فی شماله: هذا کتاب من رب العالمین فیه أسماء أهل النار و أسماء آبائهم و قبائلهم ثم أجمل علی آخرهم فلا یزاد فیهم ولاینقص منه أبدا. (ترمذی شریف، باب ما جاء أن الله کتب کتابا لأهل الجنة و أهل النار، النسخة الهندیة ۲/۳٦، دار السلام رقم: ۲۱۴۱، المعجم الکبیر للطبرانی دار إحیاء التراث العربی ۱۳/۱٤، رقم: ۱۷، مسند أحمد بن حنبل ۲/۱٦۷، رقم: ٦۵٦۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۲۰؍محرم الحرام ۱۴۲۶ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸٦۵۷)	۱۴۲٦/۱/۲۰ھ

دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کی حدیث

سوال [۱۰۵۰۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرنا کون سی حدیث سے ثابت ہے؟ مجھے ہر حدیث دلیل کے ساتھ چاہیے کہ کون سی حدیث، حدیث کی کس کتاب کس جلد اور کس صفحہ پر ہے؟ برائے مہربانی حسن درجہ کی حدیث نہ دیں، مجھے ساری حدیث صحیح حدیث دیں۔

المستفتی: محمد الیاس کلکتہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کی روایات حدیث کی کتابوں میں متعدد موجود ہیں، چونکہ غیر مقلدین بخاری کا حوالہ مانگتے ہیں، امام بخاریؒ نے باب المصافحۃ اور باب الأخذ بالیدین کا عنوان قائم کر کے اسی کے ذیل میں دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کی روایت نقل

فرمائی ہے، اسی طرح ترمذی شریف، مسند احمد بن حنبل، المعجم الکبیر للطبرانی میں صحیح حدیث شریف موجود ہے، جس میں لفظ ید دونوں ہاتھوں کے لیے استعمال کیا گیا ہے ملاحظہ فرمائیے:

(ترمذی شریف، باب ما جاء أن الله كتب كتابا لأهل الجنة و أهل النار، النسخة الهندية ۲/۳٦، دار السلام رقم: ۲۱٤۱، المعجم الكبير للطبراني دار إحياء التراث العربي ١٤/١٣، رقم: ١٧، مسند أحمد بن حنبل ۲/۱٦۷، رقم: ٦٥٦٣)

عن بن مسعود يقول: علمني النبي ﷺ التشهد و كفي بين كفيه.

(بخاری شریف، باب الأخذ باليدين، النسخة الهندية ۲/۹۲٦، رقم: ٦٠٢٤، ف: ٦٢٦٥)

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍شعبان المعظم ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۷۸۲)

مصافحہ کے بعد سینہ پر ہاتھ رکھنا

سوال [۱۰۵۰۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مصافحہ کے بعد ہاتھ کو سینے پر رکھنا کیسا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مصافحہ کے بعد ہاتھوں کو سینے پر پھیرنا نہ تو احادیث سے ثابت ہے اور نہ ہی فقہاء میں سے کسی نے اس کو ذکر کیا ہے بلکہ یہ ایک رواج اور بدعت ہے، لہٰذا اس سے اجتناب لازم ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ دار العلوم ۱۷/۲۱۷)

عن عائشة –رضي الله عنها– قال رسول الله ﷺ: من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد. (بخاری شریف، باب إذا اصطلحوا على صلح جور فالصلح مردود)

إياكم و محدثات الأمور، فإن كل محدثة بدعة و كل بدعة ضلالة.

(مسند أحمد بن حنبل ٤/١٢٦-١٢٧ رقم: ١٧٢٧٥)

عن جابر بن عبد الله قال: كان رسول الله ﷺ يقول في خطبته: -إلى- و شر الأمور محدثاتها، و كل محدثة بدعة، و كل بدعة ضلالة و كل ضلالة في النار. (صحيح ابن خزيمة، المكتب الإسلامي ٢/ ٨٦٥ رقم: ١٧٨٥)

البدعة ما أحدث على خلاف الحق المتلقى عن رسول الله ﷺ من علم أو عمل أو حال بنوع شبهة و استحسان و جعل دينا قويما و صراطا مستقيما. (شامی، باب الإمامة، مطلب: البدعة خمسة أقسام زكريا ٢/ ٢٩٩، كراچی ١/ ٥٦٠- ٥٦١، النهر الفائق، دار الكتب العلمية بيروت ١/ ٢٤٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍ ربیع الاول ۱۴۳۵ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۱۱۴۷۲/۴۰)

مصافحہ کر کے سینہ پر ہاتھ رکھنا

سوال [۱۰۵۱۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مصافحہ کر کے سینہ پر ہاتھ رکھنا کیسا ہے؟ قرآن و حدیث کی روشنی میں بندہ کو جواب سے سرفراز فرمائیں۔

المستفتی: محمد سرور عالم پورنوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مصافحہ بغیر رسم ورواج کے عام حالات میں مستحب ومسنون ہے لیکن ہر شخص سے جب بھی ملاقات کرے، سینہ پر ہاتھ رکھنا حدیث سے ثابت نہیں ہے۔

عن عائشة -رضى الله عنها- قال رسول الله ﷺ: من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد. (بخارى شريف، باب إذا اصطلحوا على صلح جور فالصلح مردود)

إياكم و محدثات الأمور، فإن كل محدثة بدعة و كل بدعة ضلالة.

(مسند أحمد بن حنبل ٤/ ١٢٦- ١٢٧ رقم: ١٧٢٧٥)

عن جابر بن عبد الله قال: كان رسول الله ﷺ يقول في خطبته: –إلى– و شر الأمور محدثاتها، و كل محدثة بدعة، و كل بدعة ضلالة و كل ضلالة في النار. (صحيح ابن خزيمة، المكتب الإسلامي ٢/٨٦٥ رقم: ١٧٨٥)

البدعة ما أحدث على خلاف الحق المتلقى عن رسول الله ﷺ من علم أو عمل أو حال بنوع شبهة و استحسان و جعل دينا قويما و صراطا مستقيما. (شامي، باب الإمامة، مطلب: البدعة خمسة أقسام زكريا ٢/٢٩٩، كراچی ١/٥٦٠–٥٦١، النهر الفائق، دار الكتب العلمية بيروت ١/٢٤٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍شوال المکرّم ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/۴۳/۲۸ ۲۸)

رخصتی مصافحہ کا ثبوت

سوال [۱۰۵۱۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: رخصتی مصافحہ کا ثبوت ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو باحوالہ جواب تحریر فرمائیے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: رخصتی مصافحہ مسنون اور مشروع ہے، حدیث پاک میں حضور ﷺ سے اس کا ثبوت ہے، مندرجہ ذیل احادیث ملاحظہ فرمائیے:

عن ابن عمرؓ قال: كان رسول الله ﷺ إذا ودع رجلا أخذ بيده فلا يدعها حتى يكون الرجل هو يدع يد النبي ﷺ ويقول: استودع الله دينك و أمانتك و آخر عملك. (ترمذي شريف، باب ما يقول إذا ودع إنسانا، النسخة الهندية ٢/١٨٢، دار السلام رقم: ٣٤٤٢)

عن ابن مسعود عن النبي ﷺ قال: من تمام التحية الأخذ باليد.

(ترمذی ، باب ما جاء في المصافحة، النسخة الهندية ٢/١٠٢، دار السلام رقم: ٢٧٣٠)

عن أبی أمامة قال: قال رسول الله ﷺ: تمام تحیتکم المصافحة. (مصنف ابن أبی شیبة مؤسسة علوم القرآن ۱۸۶/۱۳، رقم: ۲۶۲۳۸، سنن الترمذی، باب ماجاء فی المصافحة، النسخة الهندیة ۱۰۲/۲، دار السلام رقم: ۲۷۳۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ربیع الاول ۱۴۳۵ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۱۱۴۷۳/۴۰)

عورت مرد کا آپس میں مصافحہ کرنا

سوال [۱۰۵۱۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مرد اور عورتیں خواہ ذی رحم محرم ہوں یا نہ ہوں، آپس میں مصافحہ کرسکتے ہیں یا نہیں؟ اسی طرح آپس میں معانقہ کرسکتے ہیں یا نہیں؟ نیز ایک چارپائی پر بیٹھ سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: محمد ریاض الدین گانوڑی بجنوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مرد وعورت اگر ذو رحم محرم ہیں، ماں بیٹا ہے یا باپ بیٹی ہیں، دادی اور پوتا ہیں، دادا اور پوتی اور نواسی ہیں، حقیقی بھائی بہن ہیں تو ایسے ذو رحم محرم کا آپس میں مصافحہ کرنا بلا تردد جائز اور درست ہے اسی طرح فرط محبت اور دیرینہ ملاقات میں معانقہ اور پیشانی اور ماتھے پر بوسہ دینا بھی اسی طرح جائز ہے جس طرح دو مردوں کے درمیان جائز ہوتا ہے، لیکن غیر محرم مرد کا غیر محرم عورت سے مصافحہ کرنا ناجائز ہے، اور معانقہ کرنا حرام ہے، ہاں البتہ اگر ۶۵/۷۰/سال کی بالکل بوڑھی عورت ہے تو اس سے مصافحہ کرنا اور سر پر ہاتھ پھیروانا جائز اور درست ہے، مگر معانقہ اس سے بھی جائز نہیں ہے، اسی طرح بلا ضرورت ایک چارپائی پر بیٹھنا بھی ممنوع ہے، ہاں البتہ خاص ضرورت ہے تو ایک دوسرے کی طرف توجہ کیے بغیر ایک چارپائی پر بیٹھنے کی گنجائش ہے اور ذو رحم محرم کا ایک چارپائی پر بیٹھنا بلا تردد جائز ہے۔

وما حل نظره مما مر من ذکر أو أنثی حل لمسه إذا أمن الشهوة علی

نفسه وعليها لأنه عليه السلام كان يقبل رأس فاطمة وقال عليه الصلاة والسلام من قبل رجل أمه فكأنما قبل عتبة الجنة وإن لم يأمن ذلك أو شك فلا يحل له النظر والمس إلا من أجنبية فلا يحل مس وجهها وكفها وإن أمن الشهوة لأنه أغلظ ولذا تثبت به حرمة المصاهرة وهذا في الشابة، أما العجوز التي لا تشتهي فلا بأس بمصافحتها ومس يدها إذا أمن. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره كراچی ٦/٣٦٧، زكريا ٩/٥٢٩، المبسوط للسرخسي دار الكتب العلمية بيروت ١٠/١٤٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍رجب المرجب ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۴۸۱)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۹/۷/۱۴۲۵ھ

عیدین اور دیگر نمازوں کے بعد مصافحہ یا معانقہ

سوال [۱۰۵۱۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عید کے دن نماز وغیرہ سے فارغ ہونے کے بعد معانقہ کرنا کیسا ہے؟

المستفتی: محمد ہارون متعلم مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: نماز عید یا دیگر نمازوں کے بعد مصافحہ اور معانقہ کے بارے میں غور طلب بات یہ ہے کہ روافض اور شیعوں میں یہ دستور ہے کہ نماز کے سلام پھیرتے ہی فوراً دائیں بائیں کے لوگوں سے مصافحہ کرنے لگتے ہیں اور بعض شیعہ تو اپنی جگہ سے اٹھ کر دائیں بائیں کے کئی کئی لوگوں سے مصافحہ کرتے ہیں، جیسا کہ حرمین شریفین میں آنے والے روافض سے دیکھنے والوں نے دیکھا ہوگا، حضرات فقہاء نے نمازوں کے بعد اسی مصافحہ کو روافض کا شعار اور ان کا طریقہ بتلایا ہے، اور اسی کا التزام روافض کا شعار اور طریقہ ہے، حضرات صحابہ سے اس کا ثبوت نہیں ہے، اس لیے یہ مکروہ تحریمی اور بدعت ہے، اس کا

ترک لازم ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱/ ۳۱۱، جدید ڈابھیل ۳/ ۱۴۲، فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۳/ ۱۷، جدید زکریا ۱/ ۱۲۲، فتاویٰ رشیدیہ قدیم ص: ۱۴۸، جدید زکریا ص: ۱۲۳)

وتكره المصافحة بعد أداء الصلاة ...... ولأنها من سنن الروافض ثم نقل عن ابن حجر عن الشافعية أنها بدعة مكروهة لا أصل لها في الشرع، وإنه ينبه فاعلها أولا و يعذر ثانيا . (شامي، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره زكريا ٩/٥٤٧، كراچی ٦/٣٨١، كوئٹه ٥/٢٧٠، الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٧/٣٦٣)

اور روافض کے اس طریقے سے ہٹ کر سلام و مصافحہ میں کوئی قباحت نہیں، مگر عید کے دن خاص طور پر معانقہ کا التزام بدعت ہے اس معانقہ کا صحابہ اور سلف سے ثبوت نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲ر ذی الحجہ ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۵۳۲)

معانقہ کرنے کا سنت طریقہ

سوال [۱۰۵۱۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: معانقہ کرنے کا طریقہ کیا ہے؟ معانقہ میں دائیں طرف کا سینہ ملانا چاہیے یا بائیں طرف کا؟ سنت طریقہ کیا ہے؟

المستفتی: شمیم اختر کرناٹک

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ہر اچھا کام دائیں طرف سے کرنا مسنون ہے، لہٰذا معانقہ میں بھی دائیں کندھے سے دایاں کندھا ملانا چاہیے۔

عن عائشة رضـ قالت: كان النبي صلى الله عليه وسلم : يحب التيمن ما استطاع في شأنه كله في طهوره و ترجله و تنعله. (بخاري شريف، باب التيمن في دخول المسجد

وغیره، النسخة الهندية ١/ ٦١، رقم: ٤٢٢، ف: ٤٢٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍ جمادی الثانیہ ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۳۲۵)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۸/۶/۵ھ

معانقہ کا سنت طریقہ

سوال [۱۰۵۱۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: معانقہ کا سنت طریقہ کیا ہے؟

المستفتی: محمد عثمان سرسید نگر کرولہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: معانقہ کا طریقہ یہ ہے کہ ایک شخص اپنے ہاتھ کو دوسرے کی گردن پر رکھ کر گردن سے گردن اور سینے سے سینہ ملائے اور دوسری طرف سے بھی اسی طرح ہو۔

المعانقة مفاعلة من عانق الرجل إذا جعل يديه على عنقه و ضمه إلى نفسه. (عمدة القاری، باب المعانقة و قول الرجل كيف أصبحت زكريا ١٥/ ٣٧٩، دار إحياء التراث العربی ٢٢/ ٢٥٤، إرشاد الساری، دار الفكر ٩/ ١٥٥، رقم الحديث: ٦٢٦٦)

اور معانقہ حضور ﷺ اور صحابہ کی سنت ہے، جب حضرات صحابہ آپس میں ملاقات کرتے تو ایک دوسرے سے مصافحہ کرتے اور جب کسی سفر سے واپس آتے تو آنے والے اور مقامی لوگ آپس میں ایک دوسرے سے معانقہ کرتے تھے۔

و روينا عن الشعبي أنه قال: كان أصحاب محمد ﷺ إذا التقوا صافحوا فإذا قدموا من سفر عانق بعضهم بعضا. (شعب الإيمان للبيهقی، فصل فی المصافحة و المعانقة وغيرهما، دار الكتب العلمية بيروت ٦/ ٤٧٥، رقم: ٨٩٥٨)

عن أنس رضی الله عنه قال: كان أصحاب النبی ﷺ إذا تلاقوا تصافحوا وإذا قدموا عن سفر تعانقوا. (المعجم الأوسط للطبرانی، دار الفكر

۱/ ٤١، رقم: ٩٧) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴ رمحرم الحرام ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۶۶۴)

معانقہ کب مسنون ہے؟ اور معانقہ کا سنت طریقہ؟

سوال [۱۰۵۱۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: معانقہ کا شرعی حکم کیا ہے؟ اس سلسلے میں چند سوالات کے جوابات مطلوب ہیں، امید ہے کہ بطیب خاطر ان سوالات کے جوابات احادیث شریف کی روشنی میں مرحمت فرمائیں گے:

(۱) حضور صلی اللہ علیہ وسلم، صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور سلف صالحین رحمہم اللہ کے دور میں معانقہ کس وقت اور کب کیا جاتا تھا؟

(۲) معانقہ کا مسنون طریقہ کیا ہے؟ دائیں کندھے سے معانقہ کی ابتدا مسنون ہے یا بائیں کندھے سے؟ بہت سے علماء کو دیکھنے میں آیا ہے کہ بائیں کندھے سے معانقہ کرتے ہیں اس طرح کی کوئی بات ملتی ہے یا نہیں؟

المستفتی: عبید اللہ بھاگلپوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) شریعت میں معانقہ کا ثبوت عام حالات میں نہیں ملتا، البتہ اگر مقامی آدمی ہے اور وہ کہیں سفر سے آرہا ہے اسی طرح کوئی شخص دوسرے علاقے کا رہنے والا ہے جس کے پاس آپ خود تشریف لے جائیں یا وہ آپ کے یہاں تشریف لائیں تو ایسے مواقع پر مصافحہ کا ثبوت ملتا ہے اور یہ معانقہ دیرینہ ملاقات کی وجہ سے فرط محبت اور شوق ملاقات میں ہوتا ہے، یا دو آدمیوں کے درمیان ذاتی رنجش ہے، اس رنجش کو دور کرنے کے لیے دلوں کی صفائی کے واسطے معانقہ کیا جائے تو یہ بھی شرعاً نہ صرف جائز و مشروع بلکہ افضل وبہتر ہے، اس کے علاوہ باقی کسی اور موقعہ پر معانقہ کا ثبوت نہیں، چنانچہ

حدیث پاک کے اندر اس بات کی صراحت ہے کہ جب حضرت جعفر بن أبي طالب رضی اللہ عنہ حبشہ سے تشریف لائے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہوکر آپ سے معانقہ فرمایا اور آپ کی پیشانی کو بوسہ دیا، حدیث شریف ملاحظہ ہو:

عن عون بن أبی جحیفة عن أبیه قال: لما قدم جعفر من هجرة الحبشة، تلقاه النبی صلی اللہ علیہ وسلم فعانقه، وقبل ما بین عینیه. (المعجم الکبیر للطبرانی دار إحیاء التراث العربی ۲/۱۰۸، رقم: ۱٤۷۰)

عن جابر رضی اللہ عنہ قال: لما قدم جعفر من أرض الحبشة عانقه النبی صلی اللہ علیہ وسلم. (مسند أبی یعلی الموصلی، دار الکتب العلمیة ۲/۲۲۷، رقم: ۱۸۷۱)

عن الشعبی أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم تلقی جعفر بن أبی طالب فالتزمه وقبل ما بین عینیه. (المصنف لابن أبی شیبة مؤسسة علوم القرآن ۱۳/۱۸۸، رقم: ۲٦۲۳-۳۲۸۷۰ - ۳٤۳۷۰- ۳۷۷۹۸)

وفی حدیث طویل: قال جعفر: فخرجنا حتی أتینا المدینة فتلقانی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاعتنقنی. (مسند البزار، مکتبة العلوم والحکم ٤/۱۵۹، رقم: ۱۳۲۸)

اسی طرح جب حضرت زید بن حارثہ مدینہ تشریف لائے اور حضور صلی اللہ علیہ سے ملاقات کے لیے تشریف لے گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ سے معانقہ کیا اور بوسہ دیا، حدیث شریف ملاحظہ ہو:

عن عائشة رضی الله عنها قالت: قدم زید بن حارثة المدینة ورسول الله صلی اللہ علیہ وسلم؛ فی بیتی فأتاه فقرع الباب، فقام إلیه رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم عریانا یجر ثوبه، والله ما رأیته عریانا قبله ولا بعده، فاعتنقه وقبله. (سنن الترمذی، کتاب الآداب، باب ما جاء فی المانقة والقبلة، النسخة الهندية ۲/۱۰۲، دار السلام رقم: ۲۷۳۲)

اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا یہ معمول تھا کہ جب آپس میں ایک دوسرے سے ملاقات کرتے تو مصافحہ کرتے تھے، اور اگر سفر سے واپسی پر ملاقات کرتے تھے تو معانقہ بھی کرتے تھے، حدیث شریف ملاحظہ ہو:

عن أنسؓ قال: كان أصحاب النبي ﷺ إذا تلاقوا تصافحوا، وإذا قدموا من سفر تعانقوا. (المعجم الأوسط للطبراني، دار الفكر ١/٤١، رقم: ٩٧، اسناده صحيح، مجمع الزوائد، دار الكتب العلمية بيروت ٨/٣٩)

عن الشعبي أن أصحاب النبي ﷺ كانوا إذا التقوا تصافحوا وإذا قدموا من سفر تعانقوا. (شرح معاني الآثار، كتاب الكراهة، باب المعانقة، دار الكتب العلمية بيروت ٤/٩٢، رقم: ٦٧٦٦، ومثله في شعب الإيمان باب في مقاربة و موادة أهل الدين، فصل في المصافحة و المعانقة عند الالتقاء ٦/٤٧٥ رقم: ٨٩٥٨، المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الآداب، باب في المصافحة عند السلام من رخص فيها ١٣/١٨٥، رقم: ٢٦٢٣٤، السنن الكبرىٰ للبيهقي، كتاب النكاح، باب ما جاء في معانقة الرجل الرجل إذا لم تكن موذية إلى تحريك شهوة، دار الفكر ١٠/٢٨٢ رقم: ١٣٨٧١)

المعانقة: وضع كل من الرجلين ذقنه على كتف الآخر و عنقه على عنقه، وضمه إليه بيديه. (معجم لغة الفقهاء كراچی ٤٣٨)

وقال أبو يوسف: لا بأس بالتقبيل والمعانقة لما روى أنه عليه الصلاة والسلام عانق جعفرا حين قدم من الحبشة و قبله بين عينيه. (شمی، كتاب الحظر والإباحة كراچی ٦/٣٨٠، زكريا ٩/٥٤٦)

(۲) معانقہ ایک اچھا اور کارِثواب عمل ہے اور حضور ﷺ ہر اچھے کام کی ابتدا دائیں جانب سے فرماتے تھے اس لیے معانقہ کی ابتدا بھی دائیں کندھے سے کرنا مسنون اور مستحب ہوگا اور بائیں کندھے سے معانقہ کی ابتدا ہم کو کسی کتاب میں نہیں ملی ہے، حدیث پاک کی روشنی میں بائیں کندھے سے معانقہ کی ابتدا کرنا افضلیت اور اولویت کے خلاف معلوم ہوتا ہے اور جن لوگوں نے بائیں کندھے سے معانقہ کرنے کی صورت میں دل سے دل ملنے کی بات کہی ہے اور اسی کو معمول اور راجح قرار دینے کی کوشش کی ہے وہ بلا دلیل ہے اور جو چیز سنت سے ثابت ہو چکی ہو پھر اس کے خلاف دل سے دل کے ملنے کی دلیل پیش کر کے سنت کے خلاف عمل کو معمول بنا کر راجح قرار دینا ہمارے حلق سے نیچے نہیں اترتا، حدیث شریف

ملاحظہ فرمائیے:

عن عائشةؓ قالت: کان النبی ﷺ: یحب التیامن فی کل شیئ.

(صحیح ابن حبان، ذکر استحباب التیامن ...... ٥/٢٩٨ رقم: ٥٤٦٥)

عن عائشةؓ ......أن رسول الله کان یحب التیامن ما استطاع. (سنن النسائی، کتاب الزینة، باب التیامن فی الترجل ٢/٢٣٥ رقم: ٥٢٤٢)

عن عائشةؓ قالت: کان النبی ﷺ: یحب التیمن ما استطاع فی شأنه کله فی طهوره و ترجله و تنعله. (بخاری شریف، باب التیمن فی دخول المسجد وغیره، النسخة الهندیة ١/٦١، رقم: ٤٢٢، ف: ٤٢٦، صحیح مسلم، کتاب الطهارة، باب التیمن فی الطهور وغیره، النسخة الهندیة ١/١٣٢، بیت الأفکار رقم: ٢٦٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۱۷/ ذیقعدہ ۱۴۳۵ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۷۲۵)	۱۷/۱۱/ ۱۴۳۵ھ

تین مرتبہ معانقہ کی شرعی حیثیت

سوال [۱۰۵۱۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ معانقہ کس طرح کیا جائے اوراس کی اجازت کب ہوتی ہے اوراس کا طریقہ کیا ہے؟ ہمارے یہاں ۳/ مرتبہ معانقہ کرتے ہیں تو کیا یہ درست ہے؟ وضاحت فرمائیں۔

المستفتی: مولانا مہدی حسن ۲۴/ پرگنہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: معانقہ دیرینہ ملاقات پر دور دراز سے آنے والے شخص کے ساتھ کرنا مسنون ہے، حضور ﷺ نے زید بن حارثہ اور حضرت جعفر سے دیرینہ ملاقات پر معانقہ فرمایا ہے، اوران کی پیشانی پر بوسہ دیا ہے، معانقہ صرف ایک مرتبہ کرنا حدیث سے ثابت ہے، دو بار یا تین بار کرنا کسی حدیث میں ہماری نظر سے نہیں گذرا، معانقہ

سے متعلق روایت ملاحظہ فرمائیے:

عن عائشة رضى الله عنها قالت: قدم زيد بن حارثة المدينة ورسول الله ؛ فى بيتى فأتاه فقرع الباب، فقام إليه رسول الله ﷺ عريانا يجر ثوبه، والله ما رأيته عريانا قبله ولا بعده، فاعتنقه وقبله. (سنن الترمذى، كتاب الآداب، باب ما جاء فى المانقة و القبلة، النسخة الهندية ٢/١٠٢، دار السلام رقم: ٢٧٣٢)

عن جعفر بن أبى طالبؓ فى قصة رجوعه من أرض الحبشة: قال: فخرجنا حتى أتينا المدينة فتلقانى النبى ﷺ فاعتنقنى ثم قال: ما أدرى أنا بفتح خيبر، أفرح أم بقدوم جفعر ووافق ذٰلك فتح خيبر رواه فى شرح السنة. (مشكوٰة المصابيح، كتاب الأدب، باب المصافحة والمعانقة ٢/٤٠٢، شرح السنة، دار الكتب العلمية بيروت ١٢/٢٩١، مسند البزار، مكتبه العلوم والحكم ٤/١٥٩، رقم: ١٣٢٨، المعجم الكبير للطبرانى دار إحياء التراث العربى ٢/١٠٨، ١١٠، رقم: ١٤٦٩- ١٤٧٠- ١٤٧٨) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍ربیع الثانی ۱۴۳۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۱۹۸۵)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۱/۴/۱۴۳۶ھ

خط میں سلام مسنون لکھنا

سوال [۱۰۵۱۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ خط وغیرہ میں سلام مسنون لکھنا درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: جمیل اختر عثمانی، مظفر نگر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: لفظ سلام مسنون کے متعلق کوئی جزئیہ نظر سے نہیں گذرا البتہ یہ الفاظ مسنونہ ’’السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ‘‘ کا مخفف ہے جو حکم میں مخفف

عنہ کے ہم معنی ہے، اس لیے اس سے سلام کی سنیت ادا ہو جائے گی، جیسا کہ باب طلاق میں اگر بیوی سے ”انت طالق ثلاثا للسنة“ کہہ دیا جائے تو تینوں فی الحال واقع نہیں ہوتی ہیں بلکہ تین طہر میں تین طلاقیں واقع ہوتی ہیں۔(ہدایہ جیسور۲/ ۳۵)

اسی وجہ سے حضرات اکابر کا عمل سلام مسنون لکھنے میں کثرت سے پایا جاتا ہے جو مکاتب رشیدیہ، مکتوبات شیخ، حکایت تصوف وغیرہ میں کثرت سے موجود ہے۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍شعبان المعظم ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۱۹۱۰)

فون پر سلام وجواب کے سلسلے میں تفصیلی مسائل

سوال [۱۰۵۱۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: فون پر عورت کو نامحرم لوگ سلام کرتے ہیں، کیا ان کے سلام کا جواب دے سکتی ہے یا نہیں؟ اس کا کیا مسئلہ ہے؟

المستفتی: مشتاق احمد لالباغ لکھنؤ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اسلام میں آپس میں سلام کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ جانبین سے سلام کے ساتھ ملاقات اور گفتگو کی ابتدا ہو اور ٹیلی فون پر گفتگو بھی ملاقات اور آمنے سامنے گفتگو کے درجہ میں ہے، اس لیے ٹیلی فون اٹھاتے وقت سب سے پہلے سلام ہونا چاہیے، جانبین سے سلام کے بعد آگے کی گفتگو شروع کرنا مسنون ہے، لہٰذا ٹیلیفون اٹھاتے وقت بجائے ہیلو کہنے کے السلام علیکم کہنا مسنون ہوگا اور ہیلو کہنا خلاف سنت ہوگا۔

عن أبي هريرة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم: قال: حق المسلم على المسلم ست قيل: ماهن؟ يا رسول الله صلى الله عليه وسلم! قال: إذا لقيته فسلم عليه و إذا دعاك فأجبه الخ. (مسلم شريف، باب من حق المسلم للمسلم رد السلام، النسخة الهندية ٢/ ٢١٣، بيت الأفكار رقم: ٢١٦٢)

اب سوال کا جواب یہ ہے کہ اگر ٹیلی فون میں عورت سے گفتگو ہورہی ہے تو اس کی آٹھ شکلیں ہیں:

(۱) جس عورت سے گفتگو ہورہی ہے وہ عمر رسیدہ ہے اوراس کا عمر رسیدہ ہونا معلوم ہے تو باقاعدہ سلام اور دعا کے ساتھ اس سے گفتگو کرنے کی اجازت ہے چاہے عورت کی طرف سے ٹیلیفون آئے یا آپ نے عورت کو فون کیا ہو، دونوں طرح سے گنجائش ہے، اور گفتگو ختم ہونے پر ٹیلیفون رکھتے وقت بھی جانبین کا سلام کرنا مسنون ہوگا۔

(۲) عورت جوان اور مشتہاۃ ہے اور عورت نے ٹیلی فون کیا ہے، ظاہر بات ہے کہ جب ٹیلی فون میں گھنٹی آتی ہے کس کا ٹیلیفون ہے معلوم نہیں، تو آپ کا فریضہ السلام علیکم کہنا ہے پس اگر آپ نے بجائے ہیلو کے السلام علیکم کہا ہے تو اس سلام پر آپ کو ثواب ملے گا اس لیے کہ اجنبی جوان عورت کا ٹیلیفون ہے آپ کو اس کا علم نہیں ہے، اگر چہ اس کے ساتھ گفتگو کرنا ضروری نہیں ہے، پھر بھی سلام کی وجہ سے آپ کے اوپر کوئی گناہ نہیں ہے بلکہ سلام کا ثواب ملے گا، لیکن جب تعارف کے بعد معلوم ہوجائے کہ اجنبی جوان مشتہاۃ عورت کا ٹیلی فون ہے تو جلدی سے ٹیلیفون رکھ دینے کی کوشش کی جائے، اور فون رکھتے وقت نفرت کے انداز سے سلام کر کے فون رکھ دیا جائے، یا بغیر سلام فوراً رکھ دیا جائے۔

(۳) اجنبی جوان عورت کا ٹیلی فون ہے، کسی شرعی مسئلہ سے متعلق یہ ٹیلیفون ہے یا نہایت ضروری اور اہم گفتگو کا انتظار پہلے سے ہے تو یہاں بھی سلام دعاء کے ساتھ گفتگو جائز ہے اور سلام کا انداز تعلق والا نہ ہونا چاہیے، یہ ایسا ہے جیسا کہ قاضی کی عدالت میں ضرورت کی وجہ سے جوان عورت کا شہادت دینا، اوراس سے گفتگو کرنا جائز ہے۔

(۴) عورت خاندان اور کنبہ سے متعلق ہے اور جان پہچان ہے مگر محرم نہیں ہے، غیر محرم ہے اور ٹیلیفون پر نفرت کا انداز اختیار کرنے میں خاندان میں اختلاف کا اندیشہ ہے تو یہاں بھی سلام کے ساتھ ٹیلیفون میں بقدر ضرورت گفتگو کی اجازت ہے، زیادہ گفتگو جائز نہیں ہے، اور جلدی سے سلام کے ساتھ ٹیلیفون رکھ دے۔

(۵) وہ عورت ذو رحم محرم ہے اور بہت قریبی رشتہ دار ہے یہاں بھی بلا تکلف ٹیلیفون میں دعا سلام، خیر خیریت معلوم کرنا جائز اور درست ہے۔

(۶) عورت جوان اور مشتہاۃ ہے اور کوئی ضروری گفتگو بھی نہیں ہے اور نہ دینی، شرعی مسئلہ در پیش ہے، محض تعلقات بڑھانے کے لیے ٹیلیفون میں گفتگو کا سلسلہ ہے تو ایسی صورت میں اگر عورت کی طرف سے ٹیلیفون آئے اور آپ بے خبری میں ٹیلیفون اٹھالیں تو السلام علیکم کہنا جائز ہے، لیکن فوراً بغیر سلام کے ٹیلیفون رکھ دینا ضروری ہے، مزید اس سے گفتگو کرنا جائز نہیں ہے۔

(۷) مرد خود کرتا ہے تو اگر مشتہاۃ عورت سے بات کرنے کے لیے کرتا ہے تو دعا و سلام گفتگو سب نا جائز ہے۔

(۸) اگر سخت ضرورت میں ٹیلیفون کرتا ہے تو دعا سلام جائز ہے۔

ان آٹھ شکلوں میں احتیاط لازم ہے، (۶) میں بے خبری میں سلام ہوا تو بعد میں معلوم ہونے پر گفتگو کرنا ہرگز جائز نہیں اور (۷) میں بالقصد گفتگو کرنے کے لیے ٹیلیفون کریں تو سلام کرنا، گفتگو کرنا قطعاً جائز نہیں ہے، بقیہ چھ شکلوں میں ٹیلی فون پر سلام کرنے کی گنجائش ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍صفر المظفر ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۹۳۳/۳۶)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۹/۲/۱۴۲۴ھ

ٹیلیفون پر ہیلو کے بجائے السلام علیکم کہنے سے متعلق مفصل فتویٰ

سوال [۱۰۵۲۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: سوال کے جواب میں یہ جملہ ’’ٹیلیفون اٹھاتے وقت بجائے ہیلو کہنے کے السلام علیکم کہنا مسنون ہوگا اور ہیلو کہنا خلاف سنت ہوگا‘‘، محل نظر ہے جس کی دو وجہیں درج کی جاتی ہیں:

(۱) ٹیلیفون اٹھانے والے کو معلوم نہیں کہ کس نے فون ملایا ہے بہت ممکن ہے کہ

فون ملانے والا کوئی غیر مسلم یا نامحرم ہو جس سے سلام کرنا احتیاط کے خلاف ہے اسے سنت کیسے کہا جا سکتا ہے؟

(حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری کی رائے یہی ہے)

(۲) احادیث طیبہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور علیہ السلام اور حضرات صحابہؓ دروازہ پر دستک دینے والے کو سلام نہیں کرتے تھے بلکہ پہلے اس کا تعارف حاصل کرتے تھے پھر سلام و جواب اور گفتگو کا سلسلہ شروع فرماتے تھے، اس سلسلے کی احادیث بخاری و مسلم اور مسند احمد بن حنبل وغیرہ میں موجود ہیں، نمونہ کے طور پر ایک حدیث پیش خدمت ہے:

عن جابر رضی الله عنه أنه ذهب إلى النبي صلى الله عليه وسلم فی دین أبیه فدققت الباب فقال من هذا؟ فقلت أنا، قال: أنا أنا كأنه كرهه. (أبو داؤد، باب الرجل يستأذن بالدق، النسخة الهندية ۲/۷۰۵، دار السلام رقم: ۵۱۸۷)

ظاہر ہے کہ فون ملانے والا دستک دینے والے کے درجہ میں ہے اور فون اٹھانے والا اس شخص کے درجہ میں ہے جس کے یہاں دستک دی گئی ہے، لہٰذا حدیث پاک کے بموجب فون اٹھانے والے کے لیے سنت یہ ہونا چاہیے کہ پہلے تعارف حاصل کرلے نہ کہ سلام؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ٹیلیفون اٹھاتے وقت ''ہیلو'' کے بجائے ''السلام علیکم'' کہنا مسنون ہے، سائل نے اس مسئلہ کو محل نظر کہا ہے اور عدم مسنونیت پر دو وجہیں بیان کی ہیں:

وجہ (۱): یہ بیان فرمائی کہ معلوم نہیں کس نے فون ملایا ہے؟ ممکن ہے کہ فون ملانے والا غیر مسلم یا نامحرم ہو اسے سنت کیسے کہا جا سکتا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ سلام شعائر اسلام میں سے ایک اہم ترین شعار ہے اس کو عام کرنے اور اس کو رواج دینے کے بارے میں اس قدر کثرت کے ساتھ حضرت سید الکونین علیہ الصلاۃ والسلام کا ارشاد وارد ہوا ہے، کہ دوسرے اور کسی حکم کے بارے میں اس کثرت کے ساتھ ارشاد رسول بہت کم وارد ہوا ہے، اسی وجہ سے آقائے نامدار علیہ السلام نے یہ حکم فرمایا ہے کہ جس کو تم پہنچانتے ہو اسے بھی سلام کرو

اور جس کو تم نہیں پہچانتے ہو اسے بھی سلام کرو، لہٰذا اگر بے خبری میں غیر مسلم یا نامحرم عورت کو نا آشنائی اور انجانے میں سلام کیا جائے تو کوئی گناہ نہیں اور نہ ہی کوئی مضائقہ اور حرج ہے، اور بے خبری میں سلام کرنے والے کو بہر حال اپنے سلام کا ثواب ملے گا، اس لیے کہ ہمارے رسول ﷺ کی اہم ترین سنت بھی ہے اور آپ کا حکم بھی ہے، اس نے سلام کے ذریعہ سے آقا کی سنت کو عام کیا ہے، حدیث شریف ملاحظہ فرمائیے:

عن عبد الله بن عمرو أن رجلا سأل النبى ﷺ أى الإسلام خير قال: تطعم الطعام و تقرأ السلام على من عرفت ومن لم تعرف. (بخاری شریف، باب إطعام الطعام من الاسلام، النسخة الهندية ۱/۶، رقم: ۱۲، ۲/۹۲۱ رقم: ۵۹۹۵، ف: ۶۲۳۶)

اس حدیث شریف سے مسلمان سمجھ کر ہر کسی انسان کو سلام کرنے کا جواز ثابت ہے، اور کسی غیر مسلم انسان کو بے خبری اور لاعلمی میں مسلمان سمجھ کر سلام کرنا احتیاط کے خلاف نہیں ہے، اور سلام کرنے والے کو اپنے سلام کا ثواب بھی مل جائے گا، اور سنت سمجھ کر سلام کرنے کی وجہ سے سنت کا حق بھی ادا ہو جائے گا اور آقا نے فرمایا کہ ایسا آدمی مسلمانوں میں سب سے بہتر اور افضل ترین مسلمان ہے جو ہر شخص کو سلام کرتا ہے اور بعد میں جب غیر مسلم ہونا معلوم ہو جائے تو ٹیلیفون رکھتے وقت رخصتی سلام نہ کیا جائے بلکہ بغیر سلام کے ٹیلیفون رکھ دیا جائے، نیز بے خبری اور لاعلمی میں نامحرم عورت کو سلام کرنے میں مضائقہ نہیں اور نہ ہی احتیاط کے خلاف ہے، بلکہ ٹیلیفون اٹھاتے وقت ابتدا بالسلام کرنے والے کو ادائے سنت کا ثواب بہر حال مل جائے گا، نیز اگر فتنہ اور ہیجان کا خطرہ نہ ہو تو غیر محرم عورتوں کو بالقصد سلام کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں، اور بے خبری اور لاعلمی میں نامحرم کو سلام کرنے میں کوئی ہیجان اور فتنہ نہیں ہے، چنانچہ حضرت سید الکونین علیہ السلام نے بالقصد غیر محرم عورتوں کو سلام فرمایا ہے، اس لیے کہ وہاں ہیجان اور فتنہ کا شبہ نہیں تھا، حدیث شریف ملاحظہ فرمائیے:

عن أسماء بنت يزيد مر علينا النبى ﷺ فى نسوة فسلم علينا. (سنن أبى داؤد، باب السلام على النساء، النسخة الهندية ۲/۷۰۷، دار السلام رقم: ۵۲۰۴)

ان روایات سے یہ بات صاف واضح ہوجاتی ہے کہ ٹیلیفون اٹھاتے وقت سلام کرنا مسنون ہوگا اور جس نے ٹیلیفون ملایا ہے اس کا غیر مسلم یا نامحرم ہونا سنت طریقہ سے گفتگو شروع کرنے میں کوئی رکاوٹ نہیں بن سکتا، اس لیے کہ غیر مسلم اور نامحرم کو جو سلام کیا گیا ہے وہ غیر مسلم کے غیر مسلم ہونے کی وجہ سے اور نامحرم کے نامحرم ہونے کی وجہ سے نہیں کیا گیا ہے بلکہ ناآشنائی اور بےخبری میں کیا گیا ہے، اور ناآشنا آدمی کو سلام کرنا بھی مسنون ہے، چاہے بعد میں اس کا غیر مسلم ہونا ثابت ہوجائے، اسی طرح نامحرم ہونا ثابت ہوجائے جیسا کہ بخاری کی مذکورہ حدیث شریف سے صاف واضح ہے، شاید اس تفصیل سے سائل کا شبہ دور ہوجائے۔

اور حضرت اقدس مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری دامت برکاتہ کی جو رائے پیش کی گئی ہے اس میں یہ ممکن ہے کہ حضرت والا کا ذہن اس طرف نہ گیا ہو۔

دوسری وجہ: سائل نے یہ پیش کی ہے کہ حضور ﷺ اور صحابہ کرامؓ دروازہ پر دستک دینے والے کو سلام نہیں کرتے تھے، بلکہ پہلے اس کا تعارف حاصل کرتے تھے، پھر سلام و جواب اور گفتگو کا سلسلہ شروع فرماتے تھے اور مزید سائل نے یہ تحریر فرمایا کہ بخاری و مسلم اور مسند امام احمد بن حنبل میں احادیث شریفہ موجود ہیں، سائل کی اس تحریر کو اہمیت دے کر ذخیرۂ احادیث کی حتی الوسعت چھان بین کی گئی مگر تلاش بسیار کے باوجود ایسی کوئی حدیث شریف دستیاب نہیں ہوسکی جس میں اس کی صراحت موجود ہو کہ حضور ﷺ اور صحابہ کرام کا یہ معمول رہا ہو کہ پہلے تعارف حاصل کرتے تھے پھر سلام و جواب، پھر گفتگو کا سلسلہ شروع فرماتے تھے، بخاری و مسلم اور مسند امام احمد بن حنبل وغیرہ کی چھان بین کے ساتھ صحاح اور غیر صحاح دوسری کتابوں کی بھی چھان بین کی جاچکی ہے، مگر کہیں بھی ایسی کوئی روایت نہیں مل سکی جس میں سائل کی تحریر کے مطابق پہلے تعارف حاصل کیا جائے پھر سلام و جواب اور گفتگو کا سلسلہ شروع ہو، بلکہ ذخیرہ حدیث میں اس کے خلاف پہلے سلام و جواب اس کے بعد گفتگو اور تعارف اور موانست سے متعلق بےشمار احادیث شریفہ موجود ہیں، اگر اس موضوع پر حدیثیں جمع کی جائیں تو مستقل ایک کتاب بن جائے گی، سائل نے حضرت جابرؓ کی جو حدیث پیش کی

ہےاس کے بارے میں بعد میں عرض کریں گے، اس سے پہلے نمونہ کے طور پر بارہ احادیث شریفہ اس بات کے ثبوت میں پیش کی جارہی ہیں جن میں سے ہر ایک سے یہ بات صراحت اوروضاحت کے ساتھ ثابت ہوجاتی ہے کہ گفتگواورتعارف سے پہلے سلام کا حکم ہےاس کے بعد گفتگو کا سلسلہ شروع کرنا مسنون ہے۔

حدیث نمبر ا:

عن عمرو بن عبد الله بن صفوان، أخبره أن كلدة بن حنبل، أخبره أن صفوان بن أمية بعثه بلبن ولبأ و ضغابيس إلى النبى ﷺ، والنبى ﷺ بأعلى الوادى، قال: فدخلت عليه ولم أسلم ولم استأذن، فقال النبى ﷺ ارجع فقل: السلام عليكم أأدخل؟ وذٰلک بعد ما أسلم صفوان. (سنن الترمذی، باب ما جاء فی التسلیم قبل الاستئذان، النسخة الهندية ۲/ ۱۰۰، دار السلام رقم: ۲۷۱۰)

حضرت کلدۃ بن حنبل فرماتے ہیں کہ فتح مکہ کے بعد حضرت صفوان بن امیہ نے اسلام قبول فرمایااورابھی آقائے نامدارعلیہ السلام کا قیام وادی مکہ کے عوالی میں تھا، حضرت صفوان بن امیہ نے کلدہ بن حنبل کے ہاتھ آقائے نامدارعلیہ الصلاۃ والسلام کی خدمت بارگاہ میں دودھ اورکھیس اور چھوٹے چھوٹے کھیرے وغیرہ بطورتحفہ روانہ فرمائے،حضرت فرماتے ہیں کہ میں بغیراجازت اور بغیر سلام کے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں پہنچ گیا، آپ نے مجھ سے فرمایاواپس لوٹ جاؤ پہلے یہ کہو''**السلام عليكم أأدخل**'' اس حدیث شریف میں صاف واضح ہے کہ اجازتِ دخول سے پہلے سلام کا حکم کیا گیا ہے، اس کے بعد داخل ہونے کی اجازت حاصل کرنے کا حکم ہے، اور بغیر سلام کے آنے کی وجہ سے آقا نے ان کوواپس فرمادیا۔

حدیث ۲: حضرت جابرؓ سے حضرت سید الکونین علیہ الصلاۃ والسلام کا ارشاد صراحت کے ساتھ مروی ہے کہ سلام سے پہلے کسی قسم کا کلام اور گفتگو نہ کی جائے بلکہ پہلے سلام اس کے بعد کلام کی اجازت ہے، حدیث شریف ملاحظہ ہو:

عن جابر بن عبد الله قال قال رسول الله ﷺ: السلام قبل الكلام.

(ترمذی، باب ما جاء فی السلام قبل الکلام، النسخة الهندية ۲/ ۹۹، دار السلام رقم:

۲٦۹۹، مسند أبی یعلی الموصلی، دا الکتب العلمیة مصریه ۲/۲۹۱، رقم: ۲۰۵۵)

حدیث نمبر۳: حضرابوامامہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا کہ جب دوآدمی آپس میں ملاقات کریں تو اللہ کے نزدیک دونوں میں سب سے افضل اور بہتر کون ہوگا تو آقائے نامدار نے فرمایا وہی بہتر ہوگا جوسلام میں ابتدا کرے گا۔

عن أبی أمامة قال: قیل: یا رسول الله! الرجلان یلتقیان أیهما یبدأ بالسلام فقال أولاهما بالله. (ترمذی، باب ما جاء فی فضل الذی یبدأ بالسلام، النسخة الهندیة ۲/۹۹، دار السلام رقم: ۲٦۹٤)

حدیث نمبر۴: حضرابوامامہ کی روایت ابوداؤدشریف میں الفاظ کے معمولی فرق کے ساتھ موجود ہے کہ لوگوں میں اللہ کے نزدیک سب سے بہتر وہ شخص ہے جوسلام سے ابتداء کرتا ہے حدیث شریف ملاحظہ فرمائیے:

عن أبی أمامة قال: قال رسول الله ﷺ: إن أولیٰ الناس بالله تعالیٰ من بدأهم بالسلام. (ابو داؤد، باب فضل من بدأ السلام، النسخة الهندیة ۲/۷۰٦، دار السلام رقم: ۵۱۹۷)

حدیث نمبر۵: حضرت ابوہریرہؓ سے اسی طرح کی حدیث شریف ابوداؤد میں موجود ہے کہ تم میں سے کوئی اپنے بھائی سے ملاقات کرے تو پہلے اس کو سلام کرے پھر سلام کے بعد اگر تھوڑی دیر کے لیے ایک دوسرے سے جدا ہو جائے چاہے کسی درخت یا دیوار یا پتھر کی آڑ میں کیوں نہ ہو پھر ملاقات ہو جائے تو دوبارہ سلام کرے، لہٰذا ٹیلیفون میں ایک دفعہ گفتگو ہو جانے کے بعد دو چار منٹ دوبارہ ٹیلیفون میں گفتگو ہو تو پھر سلام سے ابتدا کرنا مسنون ہوگا، غرضیکہ جب بھی ٹیلیفون میں گفتگو شروع ہو تو ہر مرتبہ اولا سلام کرنا مسنون ہوگا، جیسا کہ آمنے سامنے ملاقات کے وقت ہر مرتبہ سلام سے ابتداء کرنا مسنون ہے، حدیث شریف کے الفاظ ملاحظہ فرمائیے:

عن أبی هریرة عن النبی ﷺ إذا لقی أحدکم أخاه فلیسلم علیه فإن حالت بینهما شجرة أو جدار أو حجر ثم لقیه فلیسلم علیه أیضا. (سنن أبی داؤد، باب فی الرجل یفارق الرجل ثم یلقاه أیسلم علیه، النسخة الهندیة ۲/۷۰۷، دار السلام رقم: ۵۲۰۰)

حدیث نمبر٦: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے

ارشاد فرمایا کہ اگر کوئی شخص تمہارے پاس کچھ مانگنے کے لیے آئے اور وہ پہلے سلام کرنے کے بجائے سوال کا سلسلہ شروع کردے تو اس کے سوال اور اس کی مانگ کا جواب بھی نہ دو، اس حدیث شریف میں بھی گفتگو اور تعارف سے پہلے سلام کا تاکیدی حکم ہے، حدیث شریف ملاحظہ فرمائیے:

عن ابن عمر قال: قال رسول الله من بدأ بالسؤال قبل السلام فلا تجيبوه. (المعجم الاوسط، دار الفكر ١/١٣٥، رقم: ٤٢٩، عمل اليوم والليلة لابن السني، مؤسسة علوم القرآن ١/١٧٦، رقم: ٢١٤)

حدیث نمبر۷: حضرت جبرئیل امین جب آقائے نامدار علیہ الصلاۃ والسلام کی بارگاہ میں حاضر ہوتے تو اولاً سلام کرتے تھے، اور آقائے نامدار علیہ السلام اس کا جواب دیتے تھے پھر اس کے بعد گفتگو کا سلسلہ شروع ہوتا تھا، حدیث شریف ملاحظہ فرمائیے:

عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده قال: نزل جبرئيل عليه السلام إلى النبي ﷺ في أحسن صورة لم ينزل في مثلها قط ضاحكا مستبشرا فقال: السلام عليكم يا محمد! قال و عليك السلام يا جبرئيل قال: إن الله بعثني إليك بهدية. (مستدرك، كتاب الدعاء والتكبير قديم ١/٧٢٩، مكتبه نزار مصطفى الباز جديد ٢/٧٦٠، رقم: ١٩٩٨)

یہ سات روایتیں ایسی ہیں جن میں سے ہر ایک میں ملاقات کے وقت گفتگو شروع کرنے سے پہلے سلام کا حکم ہے، اسی طرح جس طرح بالمشافہہ ملاقات کے وقت گفتگو سے پہلے سلام کرنا مسنون ہیں، اسی طرح ٹیلیفون میں بھی گفتگو سے پہلے سلام کرنا مسنون ہوگا، اور آج کل کے زمانہ میں ٹیلیفون انسان کے لیے اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے ہر وقت کی ایک مستقل زبان بن گئی ہے اور آمنے سامنے کی گفتگو اور ملاقات کا بدل بن گیا ہے، لہٰذا آمنے سامنے ملاقات اور دعا وسلام کا جو مسنون طریقہ ہے وہ ٹیلیفون میں بھی مسنون ہوگا۔

حدیث نمبر۸: حضرت ابوموسیٰ اشعری حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضری کے لیے تشریف لے گئے اور انہوں نے نبی کریم ﷺ کے طریقہ کے مطابق اولاً سلام فرمایا اس کے بعد اپنا تعارف کرایا چنانچہ فرمایا ’’السلام علیکم ہذا عبد اللہ بن قیس‘‘ کسی کے گھر میں داخل ہونے

کے لیے اجازت کا یہی مسنون طریقہ ہے کہ سلام کے ساتھ آواز دی جائے، اور پھر اپنے نام وغیرہ کے ذریعہ تعارف کرایا جائے جیسا کہ مسلم شریف میں اس کی صراحت موجود ہے، حدیث شریف ملاحظہ فرمائیے:

عن أبی موسی الأشعریؓ قال: جاء أبو موسیٰ إلی عمر بن الخطاب فقال: السلام علیکم هذا عبد الله بن قیس فلم یأذن له فقال: السلام علیکم هذا أبو موسیٰ، السلام علیکم، هذا الأشعری ثم انصرف فقال ردوا عليَّ ردوا عليَّ فجاء فقال یا أبا موسیٰ ما ردک؟ کنا فی شغل قال سمعت رسول الله ﷺ یقول: الاستئذان ثلاث فإن أذن لک وإلا فارجع قال لتأتینی علی هذا ببینة وإلا فعلت وفعلت فذهب أبو موسیٰ قال عمر إن وجد بینة تجدوه عند المنبر عشیة و إن لم یجد بینة فلم تجدوه فلما أن جاء بالعشی وجدوه قال یا أبا موسیٰ ما تقول أقد وجدت؟ قال نعم أبی بن کعب قال: عدل، قال یا أبا الطفیل ما یقول هذا؟ قال سمعت رسول الله ﷺ یقول: ذٰلک یا ابن الخطاب فلا تکونن عذابا علی أصحاب رسول الله ﷺ قال: سبحان الله، إنما سمعت شیئا فأحببت أن أتثبت. (مسلم شریف، باب الاستیذان، النسخة الهندیة ۲/ ۲۱۱، بیت الأفکار رقم: ۲۱۵٤)

حدیث نمبر۹: حضرت ابوسعید خدری فرماتے ہیں کہ ابوموسیٰ اشعری، حضرت عمر کے پاس حاضری کے لیے تشریف لے گئے، اس میں اجازت کے الفاظ یہ ہیں: ''**السلام علیکم أأدخل**'' پہلے سلام کیا گیا پھر اجازت مانگی گئی، یہ حدیث شریف ترمذی ۲/ ۹۸ پر موجود ہے، ان روایات سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ کسی کے گھر میں داخل ہونے کے لیے اجازت طلب کرنے سے پہلے سلام کرنے کا حکم ہے، اور ایسا کہیں نہیں ہے کہ پہلے تعارف کرایا جائے اس کے بعد سلام و جواب کا نمبر آئے، ان تمام روایات کو سمجھ لینے کے بعد دوسری طرف دیکھئے کہ جب کسی کے گھر سے اجازت طلب کی جاتی ہے تو اندر سے جواب دینے والا کون ہوتا ہے؟ مرد ہوگا یا اس کے گھر کی عورت ہوگی، اور تجربہ سے سب کو یہ معلوم ہے کہ اکثر و بیشتر اندر سے

جواب دینے والی عورت ہوتی ہے اور وہ عورت اجازت طلب کرنے والے کی نامحرم ہوتی ہے جبکہ حضرت سید الکونین علیہ الصلاۃ والسلام نے گھر والوں سے اجازت لینے سے پہلے سلام کا حکم فرمایا اور اس میں محرم یا غیر محرم مرد یا عورت کا کوئی امتیاز نہیں ہے، بلکہ اجازت لینے والے کو یہی حکم ہے کہ پہلے سلام کرے پھر اجازت مانگے ،تو ٹیلیفون میں جس طرح نامحرم عورت کے ٹیلیفون کرنے کا شبہ ہوتا ہے اسی طرح گھر کے اندر سے جواب دینے والے کے لیے بھی نامحرم عورت ہونے کا شبہ ہے، لیکن نامحرم عورت کے شبہ ہونے کی وجہ سے سلام کی سنت ادا کرنے میں کوئی رکاوٹ حائل نہیں ہے، حدیث شریف کے الفاظ ملاحظہ فرمایئے:

عن أبی سعید قال: استأذن أبو موسیٰ علی عمر فقال السلام علیکم أأدخل، فقال عمر: واحدة ثم سکت ساعة ثم قال: السلام علیکم أأدخل، فقال عمر ثنتان ثم سکت ساعة فقال: السلام علکم أأدخل، فقال عمر ثلاث ثم رجع فقال عمر للبواب ما صنع قال رجع قال علي به فلما جاء ه قال ما هذا الذی صنعت قال السنة، قال: السنة والله لتأتینی علی هذا ببرهان و بینة أو لأفعلن بک قال فأتانا و نحن رفقة من الأنصار فقال: یا معشر الأنصار ألستم أعلم الناس بحدیث رسول الله ﷺ، ألم یقل رسول الله ﷺ الاستئذان ثلاث فإن أذن لک وإلا فارجع فجعل القوم یمازحونه قال أبو سعید ثم رفعت رأسی إلیه فقلت ما أصابک فی هذا من العقوبة فأنا شریکک قال: فأتی عمر فأخبره بذلک فقال عمر ما کنت علمت بهذا.

(ترمذی، باب ما جاء في الاستیذان ثلاثة، النسخة الهندیة ۲/۹۸، دار السلام رقم: ۲۶۹۰)

حدیث نمبر ۱۰: المعجم الأوسط میں حضرت ابو ہریرہ کی روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ اجازت طلب کرنے والے کو اس وقت تک اجازت نہ دی جائے جب تک سلام سے ابتدا نہ کرے، حدیث شریف ملاحظہ ہو:

عن أبی هریرة قال: لایؤذن للمستأذن حتی یبدأ بالسلام. (المعجم الأوسط، دار الفکر ۶/۲۲۹، رقم: ۸۶۰۳)

حدیث نمبر۱۱: حضرت اسامہ بن زید فرماتے ہیں کہ عمرۃ القضاء کے موقع پر حضور ﷺ نے حضرت حمزہ کی بیٹی قبیصہ کو اپنی کفالت میں لینے کے لیے ان کے دروازہ پر تشریف لے جا کر فرمایا ''السلام علیکم أ ثم أبو عمارة؟'' پہلے سلام فرمایا اس کے بعد حضرت حمزہ کی کنیت کے ساتھ فرمایا کہ یہاں ابوعمارہ ہیں؟ مقصد حضرت حمزہ کی بیٹی کو حاصل کرنا تھا، توریہ کے طور پر حضرت حمزہ کا نام لیا تھا، اس لیے کہ حضرت حمزہ احد میں شہید ہو چکے تھے، اس حدیث شریف میں بھی دروازہ پر پہلے سلام کرنا ثابت ہے نہ کہ تعارف کرانا، حدیث شریف ملاحظہ ہو:

عن أسامة بن زيد قال: خرج رسول الله ﷺ يريد بنت حمزة قبيصة حتى وقف على الباب فقال: السلام عليكم أ ثم أبو عمارة قال: فقالت لا.

(المستدرك، كتاب معرفة الصحابة، قديم ٢١٦، مكتبه نزار مطصفى الباز جديد ٥/ ١٨٣٠، ١٨٣١، رقم: ٤٨٨٦)

حدیث نمبر۱۲: المعجم الکبیر اور مسند امام احمد بن حنبل میں ایک روایت متعدد مقامات میں مفصل اور مختلف الفاظ کے ساتھ حضور ﷺ کے حضرت سعد بن عبادہؓ کے یہاں تشریف لے جانے سے متعلق ہے، آپ نے تعارف اور موانست سے پہلے مسلسل تین مرتبہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ فرمایا ہے، اندر کا جواب سنائی نہ دینے کی وجہ سے واپس تشریف لے جانے لگے، تو حضرت سعدؓ نے دوڑ کر جا کر آپ کو روک لیا اور فرمایا کہ یارسول اللہ! میں نے آپ کے سلام کا جواب دے دیا ہے لیکن اس مقصد سے آہستہ جواب دیا تا کہ آپ کی زبان مبارک سے سلام ہمارے گھر پر بار بار ہوتا رہے حدیث شریف ملاحظہ ہو:

عن سعد بن عبادة قال: زارنا رسول الله ﷺ في منزلنا فقال: السلام عليكم ورحمة الله وبركاته قال فرد سعد ردا خفيا ثم قال: السلام عليكم ورحمة الله فرد سعد ردا خفيا ثم قال السلام عليكم ورحمة الله فرد سعد ردا خفيا فرجع رسول الله ﷺ فأتبعه سعد فقال يا رسول الله! إني كنت أسمع تسليمك و أرد عليك ردا خفيا لتكثر علينا من السلام. (المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ١/ ٣٥٣، رقم: ٩٠٢، مسند أحمد بن حنبل ٣/ ٤٢١، رقم: ١٥٥٥٥)

ان تمام روایات میں کسی کے گھر اور کسی کی رہائش گاہ پر جا کر گفتگو اور تعارف حاصل کرنے سے پہلے سلام کے ساتھ دستک دینے کا حکم ہے، اس کے بعد گفتگو اور تعارف کا نمبر آتا ہے، یہی طریقۂ مسنونہ ہے کہ پہلے سلام کیا جائے، اس کے بعد تعارف اور موانست اور دیگر گفتگو کی جائے اس لیے ٹیلیفون میں بھی ریسیور اٹھانے کے ساتھ ساتھ ''ہیلو'' کے بجائے السلام علیکم کہنا مسنون ہوگا۔

اب سنئے کہ قرآن کریم میں سورۂ نور آیت :۲۷ میں ''حَتّٰى تَسْتَانِسُوْا وَ تُسَلِّمُوْا عَلٰى اَهْلِهَا'' جو فرمایا گیا ہے اس سے مراد موانست اور تعارف کے بعد سلام نہیں ہے بلکہ سلام کے بعد موانست اور تعارف ہے، اس آیت کریمہ میں سلام اور موانست میں ترتیب کا لحاظ نہیں کیا گیا ہے اور ایسا قرآن کریم میں بکثرت واقع ہے جیسا کہ سورۂ نساء آیت :۱۲ میں ''من بعد وصية يوصين بها أو دين'' میں وصیت مقدم اور دین مؤخر ہے مگر حکم شرعی اس کے برعکس ہے کہ نفاذ وصیت سے پہلے قرضہ ادا کرنا واجب ہے، اور تفسیر عثمانی میں سورۂ نور آیت :۲۷ کے تحت اس قسم کی تفسیر موجود ہے کہ کسی غیر کے گھر میں سلام کے ساتھ آواز دے کر اجازت حاصل کرنی چاہیے، اور حضرت تھانویؒ نے بیان القرآن میں ''تستانسوا'' سے اجازت مراد لی ہے، اور سلام سے سلام مراد لیا ہے، لیکن ترتیب اس کے برعکس مراد لی ہے، اس لیے کہ احادیث شریفہ کا پورا ذخیرہ اول سلام اور بعدہ اجازت کی ہدایت کرتا ہے، بیان القرآن کی عبارت ملاحظہ فرمایئے: ''دوسروں کے گھروں میں جن میں دوسرے لوگ رہتے ہیں خواہ وہ ان کی ملک ہوں یا کسی سے عاریتاً رہنے کو لے لیے ہوں یا کرایہ پر لیے ہوں، داخل مت ہو جب تک اجازت حاصل نہ کرلو اور اجازت لینے سے پہلے ان کے رہنے والوں کو سلام نہ کرلو، یعنی اول باہر سے سلام کر کے پھر ان سے پوچھو کہ کیا ہمیں اندر آنے کی اجازت ہے، اور بغیر اجازت لیے ویسے ہی مت گھس جاؤ'' (معارف القرآن ۶/ ۳۸۵) اور تفسیر عثمانی کی عبارت ہے کہ ''اور تقیید فرمایا سلام کا آپس کی ملاقات میں کیونکہ اس سے بہتر دعا نہیں جو لوگ اس کو چھوڑ کر اور الفاظ گھڑ لیتے ہیں اللہ کی تجویز سے ان کی تجویز بہتر نہیں ہوسکتی'' (فوائد عثمانی تحت سورۂ نور آیت :۶۱ ص:۴۷۹)

اب سنئے حضرت جابرؓ کی روایت کے بارے میں، حضرت جابر کی روایت ملاحظہ ہو:

عن جابر رضی الله عنه أنه ذهب إلى النبی ﷺ فی دین أبیه فدققت الباب فقال من هذا؟ فقلت أنا، قال: أنا أنا کأنه کرهه. (أبو داؤد، باب الرجل یستأذن بالدق، النسخة الهندیة ۲/ ۷۰۵، دار السلام رقم: ۵۱۸۷)

اس روایت میں شروع سے اخیر تک غور فرمایئے کہ کہیں بھی ایسی بات ثابت ہے کہ حضور ﷺ اور صحابہؓ پہلے تعارف حاصل کرتے تھے، اس کے بعد سلام وجواب اور گفتگو کا سلسلہ شروع فرماتے تھے؟ بلکہ اگر غور کر کے دیکھا جائے تو یہ بات ثابت ہوگی کہ شروع سے اخیر تک حضرت سید الکونین علیہ الصلاۃ والسلام کی طرف سے حضرت جابرؓ کے عمل پر تردید ہے، اور رسول اللہ اکرم ﷺ کی طرف سے جس عمل پر تردید کی جا چکی ہو وہ طریقۂ مسنونہ کیسے ہوسکتا ہے؟ سائل نے حضرت جابرؓ کی اس روایت کو ابوداؤد سے نقل فرمایا ہے اور جہاں ابوداؤد میں یہ روایت مذکور ہے وہیں خود ابوداؤد کے حاشیہ میں اور بذل المجہود میں حضرت جابرؓ پر تردید کی دو وجہ بیان فرمائی ہے، ایک وجہ بیان فرمائی ہے کہ لفظ انا کے ساتھ نام یا کنیت یا لقب کا استعمال کرنا ضروری تھا، اس کے بغیر صرف ''انا، انا'' کہنے پر آقا ﷺ نے تردید فرمائی ہے، پھر اس گفتگو کے بعد آپس میں سلام اور اس کے جواب کا کہیں بھی حدیث شریف میں ثبوت نہیں ہے، اور دوسری وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ حضرت جابرؓ نے دستک دینے کے ساتھ ساتھ اجازت بالسلام پر عمل نہیں کیا تھا، اس لیے تردید فرمائی ہے، ملاحظہ فرمایئے۔ (حاشیۂ ابوداؤد ۲/ ۷۰۵، بذل المجہود ہندی ۵/ ۳۲۰، مصری ۲۰/ ۱۲۵، دار البشائر الاسلامیہ ۱۳/ ۳۵۷، تحت رقم الحدیث ۵۱۸۷)

دوسری وجہ کو قیل سے بیان کر کے کمزور کر دیا گیا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت جابرؓ نے بغیر سلام کے دستک نہیں دی تھی، ورنہ خود حضرت جابرؓ کی ماقبل میں روایت نقل ہو چکی ہے، **''السلام قبل الکلام''** حضرت جابرؓ کو معلوم ہے کہ کلام سے پہلے سلام لازم ہے، تو بغیر سلام کے حضرت جابرؓ دستک نہیں دے سکتے تھے، اور اس کی دلیل واضح ہے کہ حضرت جابرؓ کے والد حضرت عبداللہ بن حرامؓ غزوۂ احد میں شہید ہو گئے تھے، ان پر جو قرض تھا اس کی ادائیگی سے متعلق حضور کی خدمت میں تشریف لے گئے اور یہ قصہ ۳ھ کا ہے اور ابتداءً بالسلام کی آیت سورہ نور میں ہے، اور سورہ نور بلا اختلاف قصۂ افک کے موقع پر نازل ہوئی، اور قصہ افک کا

واقعہ بہرحال غزوۂ احد کے بعد کا ہے، ظاہر بات ہے کہ حضرت جابر قرض سے متعلق جنگ احد کے بعد قصہ افک سے قبل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تشریف لے گئے تھے، جس میں ابتدا بالسلام نہیں فرمایا تھا، چنانچہ محدثین نے بھی واضح الفاظ میں یہ لکھا ہے کہ حضرت جابرؓ کا یہ واقعہ استئذان بالسلام کی آیت کے نازل ہونے سے پہلے کا ہے، ملاحظہ فرمائیے:

قال الداؤدی هذا كان قبل نزول آية الاستئذان. (فتح الباری، باب إذا قال: من ذا؟ فقال: أنا، دار الفكر ۱۱/۳۵، اشرفيه ديوبند ۱۱/۴۲، تحت رقم الحديث ۶۲۵۰، عمدة القاری زكريا ۱۵/۳۶۶، دار احياء التراث العربی ۲۲/۲۴۵)

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ حضرت جابرؓ کی روایت سائل کے مدعا سے متعلق نہیں ہے، اور مذکورہ تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ ٹیلیفون اٹھاتے وقت ''ہیلو'' کے بجائے السلام علیکم'' کہنا مسنون ہوگا، اور ٹیلیفون ملانے والا کون ہے، مسلمان ہے یا غیر مسلم ہے، عورت ہے، محرم ہے یا غیر محرم ہے، اس کا معلوم ہونا سلام کی سنیت کے ثبوت کے لیے لازم نہیں ہے۔

ایک شبہ

پھر کوئی یہ سوال کرسکتا ہے کہ ٹیلیفون میں جس کی طرف سے گھنٹی آتی ہے یہ گھنٹی دستک دے کر اجازت طلب کرنے کے درجہ میں ہے تو جس طرح دستک دینے والے پر ابتدا بالسلام کا حکم ہے اسی طرح ٹیلیفون ملانے والے پر بھی ابتداء بالسلام کا حکم ہونا چاہیے؟

شبہ کا ازالہ

تو اس شبہ کا ازالہ یہ ہے کہ جس کی طرف سے ٹیلیفون کی گھنٹی آتی ہے وہ اس وقت تک نفس کلام پر قادر نہیں ہوتا ہے جب تک دوسری جانب سے ٹیلیفون نہ اٹھایا جائے، یا موبائل کا بٹن نہ دبایا جائے، لہٰذا ٹیلیفون میں ابتدا بالکلام کا اختیار درحقیقت ٹیلیفون اٹھانے اور موبائل کا بٹن دبانے والے کو حاصل ہے، اس لیے عام طور پر کلام کی ابتدا ٹیلیفون اٹھانے والے کی طرف سے ہوتی ہے، اسی لیے سلام کی ابتدا بھی ٹیلیفون اٹھانے والے کو کرنی چاہیے، لیکن کبھی ایسا بھی ہوتا ہے

کہ ٹیلیفون اٹھانے والا دیر میں گفتگو شروع کرتا ہے اور گفتگو میں ٹیلیفون کرنے والے کی طرف سے پہل ہو جاتی ہے تو ایسی صورت میں ابتدا بالسلام کا حکم بھی پہل کرنے والے پر ہوگا۔

حاصل یہ نکلا کہ کلام کی ابتدا جس کی طرف سے ہوگی پہلے سلام کا ذمہ دار بھی وہی ہوگا، چاہے ٹیلیفون ملانے والا ہو یا ٹیلیفون اٹھانے والا، دونوں صورتوں میں سلام کی ابتدائی ذمہ داری اسی شخص پر ہے جس کی طرف سے کلام کرنے میں پہل ہوگی، اور ابتدا بالسلام کا ثواب بھی اسی کو حاصل ہوگا۔

ایک دوسرا شبہ

ایک شبہ یہ بھی ہوتا ہے کہ اگر کہیں پہلے گفتگو اور تعارف ہو جائے اور اس کے بعد سلام وجواب ہو تو کیا یہ خلاف سنت ہے؟

شبہ کا ازالہ

تو اس شبہ کا ازالہ یوں ہے کہ سلام میں دو سنت الگ الگ ہیں:

(۱) ''**السلام قبل الكلام**'' کہ کلام کرنے سے پہلے سلام کرنے کی سنت۔

(۲) نفس سلام کی سنت، تو جو لوگ پہلے گفتگو اور تعارف کے بعد سلام کرتے ہیں ان کو نفس سلام کا ثواب تو مل جائے گا لیکن سنت طریقہ سے کلام سے پہلے سلام کرنے کا ثواب اور ''**أولی الناس بالله من يبدأ بالسلام**'' کی رو سے ابتدا بالسلام کا ثواب نہیں ملے گا۔

پہلے والے فتویٰ میں یہ عبارت بھی تھی کہ فون اٹھاتے وقت بجائے ہیلو کہنے کے السلام علیکم کہنا مسنون ہوگا، یہاں تک بات بنص حدیث صحیح اور درست ہے، اور اس کے بعد ایک جملہ یہ بھی لکھا گیا تھا (ہیلو کہنا خلاف سنت ہوگا) یہ جملہ زائد ہے، اس کی وجہ سے مسئلہ میں شدت آ گئی ہے، اس لیے اس جملہ سے رجوع کرتا ہوں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍ جمادی الثانیہ ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۷۷ ۸۰)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۸/۶/۱۴۲۴ھ

(۲) باب الصلة و المقاطعة

قاتل کے اہل خانہ کا مقتول کے ورثاء کے ساتھ صلہ رحمی کرنے کی شکل

سوال [۱۰۵۲۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید اور بکر دونوں ایک ہی خانوادہ کے افراد ہیں، آج سے بیس سال قبل خاندانی روایات کے تحت ہر ایک کا دوسرے کے یہاں آنا جانا رہتا تھا، اسی دوران زید کے بکر کی اہلیہ سے ناجائز تعلقات کافی بڑھ گئے، جو بکر کے کئی بچوں کی ماں تھی، بکر کو ان کا علم ہونے پر کوئی سخت ردعمل سامنے آئے اور معاشرہ میں رسوائی ہو، اس اندیشہ سے زید جس کے تعلقات بکر سے کافی اچھے تھے، بکر کو کسی نامعلوم مقام پر لے گیا، پہلے اس سے اپنی اہلیہ کے نام کچھ خطوط اور طلاق نامہ لکھوایا اور وہیں پر اسے قتل کر دیا، ذی وجاہت اور سرمایا دار ہونے کی وجہ سے قانونی کارروائی رکوا کر نعش ضائع کرادی، مقتول کے اہل خانہ فکرمند ہوئے، اس سے پہلے بذریعہ ڈاک بکر سے لکھوائے ہوئے خطوط آنے لگے اور آخر میں طلاق نامہ آگیا، جس کی وجہ سے ایک مدت تک وہ اسے حیات سمجھتے رہے؛ لیکن ایک مدت کے بعد موت کا یقین کرلیا گیا، قاتل کے اہل خانہ سب اس کرتوت بد سے واقف تھے؛ لیکن معاملہ دبا دیا اور زید پر کوئی سماجی یا اخلاقی دباؤ نہیں ڈالا، کچھ وقت کے بعد جب قاتل کے لواحقین میں آپس میں اختلافات ہوئے، تو انہوں نے اس پورے معاملے سے پردہ اٹھا دیا، تب سے قاتل ومقتول کے لواحقین میں کبیدگی ہوگئی، سارے مراسم ٹوٹ گئے، بعد میں چل کر کاروبار متحد ہونے کی وجہ سے مقتول کے بعض لواحقین نے زید کی سرمایا داری اور وجاہت سے مرعوب ہوکر سمجھوتہ کرلیا؛ لیکن قریبی رشتہ داروں میں آج بھی رنجش اور غم وغصہ باقی ہے،

زید قاتل اپنے کیئے پر نہ تائب ہے، نہ نادم اگر چہ حج کر چکا ہے، ایسی صورت حال میں زید کے والدین اور برادران صلہ رحمی کے جذبہ سے بکر مقتول کے لواحقین سے تعلقات استوار کرنا چاہتے ہیں؛ جبکہ وہ زید پر کوئی دباؤ ڈالنے کے لئے تیار نہیں ہیں، ایسی صورت میں زید اوراس کے معاونین کے لئے دنیوی واخروی عواقب شریعت کی روشنی میں کیا ہوں گے، اسلامی ہدایات کیا ہوں گی؟ اوراس کے اہل خانہ کو صلہ رحمی کے جذبہ کے تحت کیا کرنا چاہئے، زید کے والدین زید کی ذات کو چھوڑ کر مابقیہ افرادخاندان سے مراسم استوار کرانا چاہتے ہیں، کیا یہ درست ہوگا، جو بھی شرعی حل ہو جس سے خاندان متحد ہو سکے،اس سے مطلع فرمائیں زید کے بعض بزرگ چراغ سحری ہیں؛اس لئے جواب جلد مطلوب ہے۔

المستفتی: محمد نعیم

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر قاتل کے ورثاء یہ چاہتے ہیں کہ مقتول کے ورثاء کے ساتھ رشتہ داری اور قرابت داری کا جو پرانا تعلق تھا، اس کو زندہ کریں، تو ان کے لئے ضروری ہے، کہ قاتل کو مقتول کے ورثاء کے سامنے عاجزی وانکساری کے ساتھ اپنی غلطی پر ندامت کا اظہار کرائیں، جس سے مقتول کے ورثاء کے دل نرم ہوجائیں، پھر جانبین میں تعلق کا سلسلہ شروع ہوجائے اور تعلق جوڑنے کا یہ طریقہ نہیں ہے کہ قاتل اپنی غلطی پر نادم نہ ہو اوراپنی جگہ ڈٹا رہے اور بقیہ خاندان کے لوگ تعلق جوڑنے کی کوشش کریں؛ اس لئے پہلے قاتل کو نرم کیا جائے اور پھر تعلقات کا سلسلہ شروع کیا جائے۔

عن عبد اللّٰہ بن مسعودؓ، قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: التائب من الذنب کمن لا ذنب لہ. (سنن ابن ماجه، باب ذکر التوبة،النسخة الهندية۲/۳۱۳، دار السلام رقم: ۴۲۵۰، المعجم الكبير للطبراني، دار أحياء التراث العربي ۱۰/۱۵۰، رقم: ۱۰۲۸۱)

عن أبي هريرةؓ، عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: ما نقصت

صدقة من مال، ومازاد الله عبداً بعفوٍ إلا عزا، وما تواضع أحد لله إلا رفعه الله.

(مسلم شريف، باب استحباب العفو والتواضع،النسخة الهندية ٢/ ٣٢١، بيت الأفكار رقم:٢٥٨٨، سنن الدارمي، دار المغني ٢/ ١٠٤٢، رقم:١٧١٨، مسند أحمد بن حنبل٢/ ٣٨٦، رقم: ٨٩٩٦، صحيح ابن خزيمة المكتب الإسلامي٢/ ١١٦٨، رقم:٢٤٣٦)

إتفق الفقهاء على أن حكم القصاص الوجوب على ولي الأمر إذا رفع إليه من مستحقه، ومباح طلبه من قبل مستحقه إذا استو في شروطه، فله أن يطالب به، وله أن يصالح عليه، وله أن يعفو عنه والعفو أفضل ثم الصلح.

(الموسوعة الفقهية٣٣/ ٢٦٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ رصفر المظفر ۱۴۲۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف۳۶/ ۷۵۳۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۲/۲۹ھ

معافی طلب کرنے والے کو معاف کر دینا چاہئے

سوال [۱۰۵۲۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کسی سے جانے یا انجانے میں کوئی غلطی ہوجائے اور وہ پھر اس غلطی پر شرمندہ ہو، تو اسے معاف کر دینا چاہئے یا نہیں؟ یا اسے پھر بھی گنہگار کی نظر سے دیکھا جائے؟

المستفتی: محمد ناصرالدین، کرولہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر غلطی کرنے والا اپنی غلطی پر شرمندگی وندامت کے ساتھ صاحب معاملہ سے معافی طلب کرتا ہے، تو انسانی اخلاق اور ہمدردی کے پیش نظر اسے معاف کر دینا چاہئے، اور اگر وہ اسے معاف نہیں کرتا ہے، تو اسے گنہگار کی نظر سے نہیں دیکھنا چاہئے، یہ انسانی شرافت کے خلاف ہے اور معافی طلب کرنے کے باوجود معاف نہ کرنے والا شریعت کی نظر میں مجرم ثابت ہوتا ہے۔

عن عبد الله بن الزبیرؓ، قال: أمر الله نبیه صلی الله علیه وسلم أن یأخذ العفو من أخلاق الناس. (صحیح البخاري، باب خذ العفو وأمر بالعرف، النسخة الهندیة۲/۶۶۹، رقم: ۴۴۵۷، ف:۴۶۴۳)

عن عبد الله بن زبیرؓ في قوله تعالیٰ: خذ العفو قال أمر النبي صلی الله علیه وسلم: أن یأخذ العفو من أخلاق الناس. (أبوداؤ شریف، باب في التجاوز في الأمر، النسخة الهندیة ۲/ ۶۶۰، دارالسلام رقم:۴۷۸۷، مسند أحمد البزار، مکتبه العلوم والحکم ۶/۱۴۰، رقم:۲۱۸۱، المعجم الکبیر للطبراني، دار أحیاء التراث العربي۱۳/۱۰۷، رقم: ۲۵۷، المعجم الأوسط، دار الفکر ۱/۳۳۵، رقم:۱۲۱۶)

عن عقبة بن عامر قال: لقیت رسول الله صلی الله علیه وسلم، فقال لي: یا عقبة بن عامر! صل من قطعک، وأعط من حرمک واعف عمن ظلمک. (مسند إمام بن حنبل ۴/۱۵۸، رقم:۱۷۸۹، شعب الإیمان للبیهقي، فصل في التجاوز والعفو وترک المکافاة، دار الکتب العلمیة بیروت ۶/۲۶۱، رقم: ۸۰۸۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۴؍ربیع الثانی ۱۴۲۳ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶؍۷۶۰۱)	۱۴۲۳/۴/۱۴ھ

غلطی پر نادم ہو کر معافی مانگنے والے سے قطع تعلق کرنا

سوال [۱۰۵۲۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بدر الدین عرف ببلو ساکن جسپور، جمعہ کی نماز پڑھنے مسجد گیا، اپنے ساتھ اپنے چھ سال کے بھتیجے کو بھی لے گیا، بدر الدین سعودیہ میں کام کرتا ہے، وہاں لوگ اپنے بچوں کو اپنے ساتھ ہی کھڑا کر لیتے ہیں اور نماز پڑھ لیتے ہیں، اسی طرح بدر الدین نے یہاں بھی اپنے بھتیجے کو اپنے ہمراہ بڑوں کی صف میں کھڑا کر لیا، تو ایک صاحب نے کہا آپ

اس بچے کو پیچھے کردیں، اس پر بدرالدین نے کہا کہ ایسا تو کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ بہرحال پھر نماز میں مشغول ہوگئے، اور نماز کے بعد امام صاحب سے معاملہ بیان کیا، تو امام صاحب نے ایک کتاب دکھائی، جس میں لکھا تھا کہ اگر بچہ پاگل یا گندہ ہو، تو اسے پیچھے کردیں۔ بہرحال بدرالدین نے کہا کہ ہم یہ مسئلہ نہیں مانتے ہم یہ مسئلہ لکھ کر سعودیہ سے منگوائیں گے اور اگر اس طرح مسئلہ نہ ہوا، تو آپ کا جینا حرام کردیں گے، بدرالدین کے اس طرح بات کرنے پر امام صاحب سے بات چیت میں مار پیٹ کی نوبت آگئی، بیچ بچاؤ کردیا گیا، اور بالآخر معاملہ تھانہ پہونچ گیا، وہاں امام شہر اور دیگر معززین کی موجودگی میں معافی تلافی ہوگئی اور امام صاحب نے معاف کردیا؛ لیکن اہل محلّہ کے درمیان نزاع ختم نہ ہوا، اور دو فریق ہوگئے، ایک فریق نے بدرالدین اور اس کے متعلقین کا حقہ پانی بھی بند کردیا ہے، تو معافی تلافی کے بعد ایسا کرنا شرعاً کیا حکم رکھتا ہے، کیا بدرالدین امام صاحب سے دوبارہ معافی مانگ لے شریعت کا کیا حکم ہے، بدرالدین کو امام صاحب کی گستاخی کا احساس ہے اور نادم ہوکر ہاتھ جوڑ کر معافی تھانہ میں مانگ چکا ہے؛ لیکن امام صاحب کی طرف کے لوگ مزید انتشار پیدا کررہے ہیں۔ شریعت کی تعلیم ایسے موقع پر کیا ہے؟

المستفتی: اہل محلّہ بھوب سنگھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب شخص مذکور نے اپنی غلطی پر نادم ہوکر معافی مانگ لی ہے، تو ضرور معاف کردینا چاہئے اور معافی کے بعد اس کو سماج میں پہلے کی طرح رکھنا چاہئے۔

اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فَاُولٰٓئِكَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا. [النساء:۱۷]

حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص گناہ اور غلطی کرکے معافی مانگتا ہے، اور توبہ کرتا ہے، تو اس کا حال اللہ کے نزدیک ایسا ہوجاتا ہے جیسے کہ اس نے گناہ اور غلطی کی ہی نہیں۔

عن عبد الله بن مسعودؓ، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: التائب من الذنب كمن لا ذنب له. (سنن ابن ماجه، باب ذكر التوبة، النسخة الهندية۲/۳۱۳، دار السلام رقم: ۴۲۵۰، المعجم الكبير للطبراني، دار أحياء التراث العربي ۱۰/۱۵۰، رقم: ۱۰۲۸۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰/ذی قعدہ ۱۴۲۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶/۷۸۴۵)

والد کی مرضی کے مطابق بیٹے کا رشتہ نہ کرنے کی وجہ سے والد کی اس سے ناراضگی

سوال [۱۰۵۲۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید ایک عالم شخص ہے، اس کے نکاح کے لئے ایک پیغام آیا، اس کے والد صاحب نے قبول کرنے کا ارادہ کرلیا، مگر زید نے صراحتاً منع کر دیا کہ آپ شادی طے نہ کریں میں وہاں نکاح نہیں کروں گا، والد صاحب نے کہا کہ میں شادی وہیں طے کروں گا چاہے تم نکاح کرنا یا نہ کرنا گویا کہ زبردستی طے کرلیا اور اس رشتہ پر والدا ور ایک بھائی کے علاوہ گھر کا کوئی فرد اور کوئی رشتہ دار راضی نہ تھے، خیر والد صاحب نے بات پکی کر لی، زید نے بادل ناخواستہ چند دنوں کے بعد کہا، اگر آپ لوگ زبردستی نکاح کرنا ہی چاہتے ہیں، تو میں کرلوں گا؛ لیکن چار مہینے کے بعد زید نے بالمشاہدہ خفیہ طور پر لڑکی اور لڑکی کے گھر اور اس کے گھر والوں کا جائزہ لیا، تو معلوم ہوا کہ اس گھر میں دینداری اور نماز وغیرہ کا کوئی بھی خیال نہیں ہے۔

اب زید نے اپنی عالمانہ اور دینی غیرت کی بناء پر اس نکاح سے دوبارہ انکار کر دیا حتی کہ طے شدہ رشتہ اب بالکلیہ ختم ہو چکا ہے، اس میں دراصل انکار کی وجہ دینداری کا لڑکی والوں میں فقدان اور لڑکی کے حالات کا علم ہے، اس انکار کے نتیجہ میں اب تک زید کے والد

زید سے ناراض ہیں، بات چیت بھی نہیں کرتے زید باہر رہتا ہے، برابر تقریباً چار ماہ سے اپنی اس انکار کی غلطی پر معافی نامہ لکھ کر بھیجتا رہا، مگر والد صاحب کوئی جواب نہیں دیتے۔

اب دریافت طلب امور یہ ہیں۔

الف: مذکورہ نوعیت کے رشتہ سے زید کا انکار کرنا درست ہے یا نہیں؟

ب: اس انکار سے والد کی نافرمانی تو نہیں لازم آرہی ہے کہ جس کی بناء پر زید گنہگار ہو۔

ج: اس انکار پر والد کا ناراض ہونا اور بات چیت نہ کرنا شرعاً کیسا ہے؟

د: زید کا ایک نظریہ ہے کہ جہاں بھی رشتہ طے کیا جائے، پہلے لڑکی کے بارے میں تفتیش کرلی جائے کہ پڑھی لکھی ہے یا نہیں اور اس کے حالات کیسے ہیں اور اس کے گھر میں دینی ماحول کیسا ہے، اس کے بعد بات پکی کی جائے، تاکہ بعد میں چھوڑ چھڑاؤ کا کوئی معاملہ پیدا نہ ہو، جس پر دوسرے لوگوں کو ہنسنے کا موقع ملے، زید کا یہ نظریہ عین شریعت کے مطابق ہے یا نہیں؟ باحوالہ تشفی بخش جواب عنایت فرمائیں عین کرام ہوگا۔

المستفتی: عبداللہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: الف: سوال میں درج شدہ باتیں صحیح ہوں، تو زید کا مذکورہ نوعیت کے رشتہ سے انکار کرنا شرعاً درست ہے، والد کو زبردستی نہیں کرنی چاہئے۔

ولا تجبر البالغة البكر على النكاح لانقطاع الولاية (در مختار) وفي الشامية: ولا الحر البالغ. (شامي، كتاب النكاح، باب الولي، زكريا ٤/ ١٥٩، كراچي ٣/ ٥٨، فتاوى رحيميه قديم ٨/ ٣٣٤، جديد زكريے ٢٢٥/٨١ - ٢٢٦، أحسن الفتاوى ٥/ ٩٣)

ب: چونکہ زید کے والد ایسے گھر میں نکاح کرانا چاہتے ہیں، جہاں دینداری اور نماز وغیرہ کا اہتمام نہیں ہے؛ لہٰذا ایسے نکاح سے زید کا انکار کرنا والد کی نافرمانی نہیں ہے کہ جس کی بناء پر زید گنہگار ہو۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۱۱/ ۱۵۷، جدید میرٹھ ۱۷/ ۱۳۳)

لا طاعة في معصية الله، إنما الطاعة في المعروف. (مسلم شريف، باب وجوب طاعة الأمراء في غير معصية، وتحريمها في المعصية،النسخة الهندية ۲/ ۱۲۵، بيت الأفكار رقم: ۱۸٤۰، صحيح البخاري، باب ماجاء في إجازة خبر الواحد الصدوق،النسخة الهندية ۲/ ۱۰۷۷، رقم: ٦٩٦٧، ف:۷۲٥۷)

ج: جب زید متعدد مرتبہ اس انکار کی غلطی پر معافی نامہ لکھ رہا ہے، تو والد کو چاہئے کہ زید کو معاف کر کے ناراضگی ختم کرلیں محض اس انکار کی بنا پر ناراض رہنا اور بات چیت نہ کرنا شرعاً مناسب نہیں ہے۔

د: رشتہ کی تحقیق کے سلسلہ میں زید کا نظریہ درست ہے۔ حدیث شریف میں ہے۔

عن أبي هريرة رضي الله عنه، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: تنكح المراة لأربع: لمالها، ولحسبها، ولجمالها، ولدينها، فاظفر بذات الدين تربت يداك. (صحيح البخاري، باب الأكفاء في الدين، النسخة الهندية۲/ ۷٦۲، رقم:٤۸۹۹، ف: ٥۰۹۰، صحيح مسلم، باب استحباب نكاح ذات الدين، النسخة الهندية ۱/ ٤۷۳، بيت الأفكار رقم:۱٤٦٦)

وفي حاشية المشكوة: قوله أن لا تفعلوا أي إن لم تزوّجوا من هذه صفته ورغبتم في مجرد الحسب والمال تكن فتنة في الأرض وفساد؛ لأن المال والحسب يوجبان الطغيان والفساد. (مشكوة ۲٦۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸ ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵/ ۶۵۷۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۴/۸ھ

قطع تعلق کرنا

سوال [۱۰۵۲۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے اپنے داماد کی شرکت میں کام شروع کیا تھا، کام میں نقصان ہو گیا

مار پیٹ کی نوبت آگئی اس وقت سے اب تک کئی سال ہوگئے، سسر اپنے داماد اور بیٹی سے رشتہ منقطع کئے ہوئے ہے، سسر اور داماد کا گھر تقریباً دس قدم کے فاصلہ پر ہے، اور سسر قطع تعلق کئے ہوئے ہے، ویسے تو سسر پانچ وقت کا نمازی ہے اور حدیث بھی سنتا ہے، ایسے شخص کے بارے میں اللہ اور رسول ﷺ کے کیا احکامات ہیں؟

المستفتی: ببن خاں، پیتل نگری، مکان نمبر ۳۸ر مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: معمولی سی بات پر رشتہ داری کو منقطع کرنا اور برابر ناراض رہنا شرعاً جائز نہیں ہے، ایک عام مسلمان سے بھی تین دن سے زیادہ بول چال بند کرنے سے منع کیا گیا ہے، تو قریبی رشتہ دار سے بول چال بند کرنا کیسے جائز ہوسکتا ہے؛ لہٰذا سوال میں مذکور شخص پر لازم ہے کہ جلد از جلد اپنی ناراضگی ختم کرے اور داماد اور بیٹی سے رشتہ بحال کرے۔ نیز داماد اور بیٹی پر بھی لازم ہے کہ سسر صاحب کی بڑائی کا خیال رکھتے ہوئے، ان سے معافی کی درخواست کریں اور اپنے عمل سے ان کو راضی کرنے کی کوشش کریں، ورنہ وہ بھی گنہگار ہوں گے۔

عن أبي هريرة رضـ، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا يحل لمسلم أن يهجر أخاه فوق ثلاث، فمن هجر فوق ثلاث فمات دخل النار.

(سنن أبي داؤد، باب في هجرة الرجل أخاه، النسخة الهندية ۲/۶۷۳، دار السلام رقم: ۴۹۱۴، مشكوة المصابيح ۲/۴۲۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶ر شعبان المعظم ۱۴۲۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶/ ۷۸۱۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۷/۸/۱۴۲۳ھ

قطع تعلق کی شکل اختیار کرنا

سوال [۱۰۵۲۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نسیم اور ببلو دونوں میں دوستی ہے، ببلو نے نسیم کو راستے میں کسی بات پر ناراض

ہوکر سلام کرنے سے منع کیا تھا، کچھ دنوں کے بعد نسیم کی ملاقات ببلو سے ہوئی، تو نسیم نے ببلو سے سلام نہیں کیا، تو ببلو نے نسیم کو سلام کیا اور کہا تم سلام نہیں کرتے ہو، تم مسلمان نہیں ہو اور تم باشرع آدمی ہو، پھر بھی سلام نہیں کرتے ہو اور ببلو اپنے باپ کی شان میں برا بھلا بھی کہتا ہے اور ماں کے ساتھ بدگوئی کرتا ہے، تو بتائیں یہ شخص کیسا ہے؟

المستفتی: نسیم احمد، پیرغیب، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس طرح سے بات طے کرنا کہ کوئی کسی سے سلام نہیں کرے گا اور پھر عمل کرتے ہوئے ملاقات کے وقت ایک دوسرے کو سلام نہ کرنا حضور ﷺ کے فرمان ''أفشوا السلام'' کے منافی ہونے کی وجہ سے شرعاً مذموم ہے، ایسا شخص گناہ کبیرہ کا مرتکب ہے، اسی طرح والدین کو بھی برا بھلا کہنا بھی گناہ کبیرہ ہے، ایسے شخص کو فوراً اپنے عمل سے باز آکر توبہ واستغفار کرنا چاہئے۔

عن أبي هريرةؓ، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لاتدخلون الجنة حتى تؤمنوا، ولاتؤمنوا حتى تحابوا أولا أدلكم على شيئ إذا فعلتموه تحاببتم؟ أفشوا السلام بينكم. (مسلم شريف، باب بيان أنه لا يدخل الجنة إلا المؤمنون......النسخة الهندية ١/٥٤، بيت الأفكار رقم: ٥٤، سنن الترمذي، باب ماجاء في إفشاء السلام، النسخة الهندية ٢/٥٨، دارالسلام رقم: ٢٦٨٨، مشكوة المصابيح٢/٣٩٧)

عن عبد الله بن عمرؓ، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: الكبائر: الإشراك بالله، وعقوق الوالدين، وقتل النفس، واليمين الغموس. (صحيح البخاري، باب اليمين الغموس، النسخة الهندية ٢/٩٨٧، رقم:٦٤١٩، ف:٦٦٧٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱/ربیع الاولیٰ ۱۴۲۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵/۷۰۸۴)

مقاطعہ ختم کرنے کے لئے شرطیں لگانا

سوال [۱۰۵۲۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید اور بکر میں چند سالوں سے آپسی معاملات کی وجہ سے بول چال یہاں تک کہ کھانا پینا اور زید بکر کے گھر جانے سے اور بکر زید کے گھر جانے سے اپنے اپنے دلوں میں کدورت رکھتے ہیں۔ اب زید چاہتا ہے کہ خوف الٰہی کی بنا پر میل ملاپ ہو جائے اور تمام گذشتہ غلطیوں پر ندامت کرتے ہوئے، بکر کو خبر بھیجی کہ خوف الٰہی کی بنا پر میل ملاپ کرنا چاہتا ہوں، بکر نے اس کا جواب دیا کہ میل ملاپ چند بار ہو چکا ہے؛ لہٰذا اب ملنا جلنا ہے، تو بغیر قرآن شریف پکڑ کر ملاپ نہیں کروں گا، تب معاملات درست ہو سکتے ہیں، ورنہ نہیں اور یہ بھی شرط لگائی کہ جب تک تمام بھائی اور بہن اور بہنوئی شرکت نہیں فرمائیں گے، تب تک میں نہیں مل سکتا؛ کیونکہ یہاں کا رواج ہے اور دونوں بہنوئی میں نااتفاقی چند مہینوں سے چل رہی ہے اور تمام کا شریک ہونا ناممکن ہے؛ لہٰذا اس صورت میں زید کیا کرے گا اور بکر کے لئے کیا حکم ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب سے نوازیں ممنون ومشکور ہوں گا۔

المستفتی: محمد معصوم، متعلم جامع الہدیٰ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسی صورت میں بکر کو بھی بول چال اور میل ملاپ کے لئے تیار ہو جانا چاہئے اور اگر بکر تیار نہ ہو، تو زید بکر کو سلام کیا کرے اور اپنا دل صاف رکھے ان شاء اللہ تعالیٰ عذاب الٰہی سے محفوظ رہے گا، ورنہ گنہگار ہوگا اور جو بول چال کے لئے تیار نہ ہوگا وہی گنہگار رہے گا۔

عن أبي أيوب الأنصاري رضـ، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لا يحل لمسلم أن يهجر أخاه فوق ثلاث ليال، يلتقيان فيعرض هذا ويعرض

هذا، وخيرهما، الذي يبدأ بالسلام. (صحيح مسلم، باب تحريم الهجر فوق ثلاث ليالٍ بلا عذر شرعي، النسخة الهندية ۳۱٦/۲، بيت الأفكار رقم: ۲٥٦۰، صحيح البخاري، باب الهجرة، النسخة الهندية ۸۹۷/۲، رقم: ٥۸٤۰، ف: ٦۰۷۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/ ربیع الثانی ۱۴۱۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۸/ ۳۱۶۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۹/۴/۱۴۱۳ھ

گناہ کی بنا پر والدہ سے قطع تعلق کرنا

سوال [۱۰۵۲۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید اپنی والدہ سے گفتگو نہیں کرتا زید کی والدہ رانڈ بیوہ ہے ہر وقت جدید فیشن میں منہمک رہتی ہے اور پردہ کا اہتمام نہیں کرتی ہے، زید شرع کا پابند ہے، یہ بات زید پر بہت ناگوار اور شاق گذرتی ہے کہ اپنی اس والدہ سے گفتگو کرے، اس صورت حال میں زید کو شریعت کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: رئیس احمد، شیر کوٹ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کسی بھی صورت میں والدہ سے گفتگو بند کرنا ہرگز جائز نہیں؛ بلکہ ہر حال میں والدہ کا احترام اور ان کی خدمت اور ان کو خوش رکھنا لازم اور ضروری ہے، والدہ اگر کوئی گناہ کا کام کریں تو ادب واحترام کے ساتھ نرمی سے سمجھاتے رہنا چاہئے اور قبر وآخرت کے عذاب کی باتیں وقتاً فوقتاً سناتے رہنا چاہئے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ ضرور فائدہ ہوگا۔

ادْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ. [النحل: ۱۲۵]

فقد ختم الله جل ثنائه ألآية الكريمة بوجوب صحبتهما بالمعروف والإحسان إليهما في الدنيا حتى لو كانا مشركين؛ لأن حقهما على ولدهما عظيم. (روائع البيان ۲/ ۲۳۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍رجب المرجب ۱۴۱۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۲؍ ۴۹۴۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۹؍۷؍۱۴۱۷ھ

اسلام کا مذاق اڑانے اور ماڈرن طریقہ کو پسند کرنے والے سے قطع تعلق کرنا

سوال [۱۰۵۲۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) زید کی خالہ شوہر کی نافرمان رکشہ والے کے دوا لگاتے پاؤں دباتے گھر والوں نے دیکھا جوان کا نوکر تھا، ہر اولاد کے بارے میں محلّہ خاندان میں یہی بات مشہور ہے کہ یہ فلاں شخص کی ہے، اپنے بڑے بھائی کو گھر سے کئی دفعہ نکال چکی ہیں کہ نکل نہیں تو تیری پول کھول دوں گی لڑکیوں سے بیوی جیسے برتاؤ کرتا ہے۔

(۲) زید کا بڑا اماموں پچیس پاروں کا حافظ تھا، مگر بری صحبتوں میں پڑ کر بھول گیا، شراب کے نسے میں بیوی اور بیٹیوں کے فرق کو مٹا بیٹھا سوائے چھوٹی بیٹی کے کہ جب اس نے شکایت کی گھر والوں سے تو اس کو ممبئی بھیج دیا گیا۔ اب تو ان کی نواسیاں جوان ہو رہی ہیں، مگر اسلام کی طرف رجحان نہیں، بیسوں برس سے گھر والے جانتے ہیں ان باتوں کو مگر ماڈرن طریقہ پسند کیا جا رہا ہے۔

تفصیل طلب مسئلہ یہ ہے کہ ایسے لوگوں سے رشتہ توڑنا اسلام کے خلاف تو نہیں ہے اور اگر یہ لوگ سچے دل سے توبہ کر کے علماء کرام سے وابستہ ہوں، تو ان کی توبہ قبول ہو سکتی ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد عمر، پوسٹ بکس ۶۶۶۶، دوبئ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر اصلاح کا طریقہ اختیار کیا جائے، تو زیادہ

بہتر ہے؛ اس لئے اگر توبہ کرکے راہ راست پر آنے کی امید ہے، تو ان سے قطع تعلق اختیار نہ کریں اور اللہ تعالیٰ شرک کے علاوہ باقی تمام گناہوں کو توبہ کرنے سے معاف کردیتا ہے؛ اس لئے یہ لوگ اگر سچی توبہ کرکے باز آجائیں گے، تو انشاء اللہ اللہ تعالیٰ ان کو معاف فرمادیگا۔

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَشَآءُ . [النساء:۱۱٦]

عن عبد اللّٰہ بن مسعودؓ، قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: التائب من الذنب کمن لا ذنب له. (سنن ابن ماجه، باب ذکر التوبة، النسخة الهندية۲/۳۱۳، دار السلام رقم: ۴۲۵۰، المعجم الکبیر للطبراني، دار أحیاء التراث العربی ۱۰/۱۵۰، رقم: ۱۰۲۸۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲ر جمادی الثانیہ ۱۴۱۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۹/ ۳۲۲۱)

بیٹے کی زبان درازی پر اس سے اور بیوی سے قطع تعلق کرنا

سوال [۱۰۵۳۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرا نام محمد عاقل ہے، میں ایک سرکاری نوکری کرتا ہوں، ایک دن غصہ میں میں نے اپنے بڑے لڑکے کو ''لوفر'' کہہ دیا جس پر اس نے مجھ سے زبان درازی کی جس پر اس کی والدہ نے اس سے کچھ نہیں کہا؛ حالانکہ شوہر کے حق واحترام کو ملحوظ رکھنے کی وجہ سے اسے بیٹے کو سرزنش کرنی چاہئے تھی؛ لہٰذا میں نے ماں بیٹے دونوں سے تقریباً ۳ر مہینہ سے قطع تعلق کر رکھا ہے، بیٹے سے زبان درازی کے سبب اور بیوی سے اس کے بیٹے کو سرزنش نہ کرنے کے سبب۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ میرا یہ عمل اور قطع تعلق قرآن وحدیث کی روشنی میں کیسا ہے؟ آیا بیٹے یا بیوی کی غلطی واقعی اس لائق ہے کہ ان سے ترک کلام اور قطع تعلق

کیا جائے، بعض احباب کے کہنے پر مجھے یہ خیال پیدا ہوا؛ حالانکہ میں اپنے آپ کو حق پر سمجھتا ہوں، اگر میرا عمل شریعت کے خلاف ہو، تو مطلع فرمائیں؟

المستفتی: محمد عاقل احمد، علی گڑھ (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بیٹے کے اوپر باپ کی فرماں برداری اور باپ کے سامنے عاجزی اور انکساری اختیار کرنا لازم اور واجب ہے، اس نے باپ کے ساتھ تیز کلامی اور زبان درازی کر کے گناہ عظیم کا ارتکاب کیا ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اپنی عبادت کے ساتھ ماں باپ کے ساتھ فرماں برداری اور رواداری کا اسی درجہ کا حکم دیا ہے، جس درجہ میں اپنی عبادت کا حکم دیا ہے، اور ماں باپ کے سامنے اُف کہنے سے بھی منع فرمایا ہے اور انتہائی عاجزی وانکساری اور مسکنت سے پیش آنے کا حکم فرمایا ہے۔

سوال نامہ میں ذکر کردہ واقعہ میں بیٹے نے باپ کے ساتھ دو عظیم غلطی کی ہیں۔

(۱) باپ کے ساتھ زبان درازی۔

(۲) ماں اور باپ کے درمیان اختلاف اور دوری پیدا کردی؛ اس لئے بیٹے کے اوپر لازم ہے کہ باپ کے پیر پکڑ کر معافی مانگے اور باپ کو خوش کر کے اپنے گھر لائے اور ماں باپ دونوں کے درمیان جوڑ پیدا کرے۔

وَقَضٰی رَبُّکَ اَلَّا تَعْبُدُوْا اِلَّا اِیَّاهُ وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا اِمَّا یَبْلُغَنَّ عِنْدَکَ الْکِبَرَ اَحَدُهُمَا اَوْ کِلَاهُمَا فَلَا تَقُلْ لَهُمَا اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَهُمَا قَوْلًا کَرِیْمًا○ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا کَمَا رَبَّیَانِیْ صَغِیْرًا. [بني اسرائیل:۲۳-۲٤]

عن عبد الله بن عمرو ؓ، عن النبي صلی الله علیه وسلم قال: رضا الرب في رضا الوالد، وسخط الرب في سخط الوالد. (ترمذي شریف، باب ماجاء من

الفضل في رضا الوالدين، النسخة الهندية۲/۱۲، دارالسلام رقم:۱۸۹۹، مسند البزار، مكتبه العلوم والحكم۶/۳۷۶، رقم: ۳۳۹۴، مستدرك كتاب البر والصلة قديم ۴/۱۶۸، مكتبة نزار مصطفىٰ الباز۷/۲۵۸۹، رقم:۷۲۴۹)

سائل نے جو اپنی بیوی سے قطع تعلق کرلیا ہے، یہ مناسب نہیں ہے؛ اس لئے کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ عورتوں کی کمزوری کو برداشت کرلیا جائے اور یہ عورت کی طرف سے ایک زنانہ کمزوری ہے؛ اس لئے اسے درگذر کرنا چاہئے۔

عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: من كان يؤمن بالله واليوم الآخر، فلا يؤذي جاره، واستوصوا بالنساء خيرًا، فإنهن خلقن من ضلع، وإن أعوج شيئ في الضلع أعلاه فإن ذهبت تقيمه، كسرته. (بخاري شريف، باب الوصاة، بالنساء، النسخة الهندية ۲/۷۷۹، رقم: ۴۹۹۱، ف:۵۱۸۵، صحيح مسلم، باب الوصية بالنساء، النسخة الهندية ۱/۴۷۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۷/ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹/۱۰۰۲۰)	۱۴۳۱/۴/۱۸ھ

بالغ نامحرم کو متبنیٰ بنا کر رکھنے والی عورت سے قطع تعلق کرنا

سوال [۱۰۵۳۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک صاحب بسلسلہ ملازمت سعودیہ گئے ہوئے تھے، ان کے پیچھے ان کی بیوی نے تقریباً ۲۲/۲۳/سال کے نوجوان لڑکے کو جو غیر قوم سے ہے، اپنا بیٹا بنالیا اور رات ودن دونوں کا ایک ساتھ رہنا ہوگیا، اس کی وجہ سے خاندان کے کچھ لوگوں نے اس تعلق سے عورت کو روکا، جس کی وجہ سے خاندان میں اختلاف ہوگیا، آٹھ دس سال کے بعد اس لڑکے کی شادی بھی ہوگئی، رات دن کا رہنا تو ختم ہوگیا؛ لیکن گاہ بگاہ آتا ہے، عورت بھی کسی صورت میں اس لڑکے سے تعلق ختم کرنے کے لئے تیار نہیں، ان وجوہات کی بنا پر خاندان کے کچھ

لوگوں نے اس عورت سے تعلق ختم کرلیا ہے، اور جس تقریب میں وہ عورت شرکت کرتی ہے وہ شریک نہیں ہوتے ،تو ایسی عورت سے تعلق ختم کر لینے میں اور جس تقریب میں وہ عورت شرکت کرتی ہے،اس تقریب میں شرکت کرنے میں کیا کوئی حرج ہے یا نہیں؟ جبکہ شرکت نہ کرنے میں خاندان میں نا اتفاقی بڑھ رہی ہے۔

المستفتی: محمد ابراہیم،رامپوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: غیرمحرم مرد کوساتھ رکھنا حرام اورعذاب الٰہی کا سخت خطرہ ہے،علاقہ کے با اثر لوگوں پر ضروری ہے کہ ان پر سخت پابندی لگائیں،اگر اس عورت سے بائیکاٹ کرنے میں ہدایت کی امید ہے،تو بائیکاٹ کرلیا جائے؛لیکن اگر بائیکاٹ کرنے میں فواحش اور برائیاں زیادہ ہونے کا خطرہ ہے،تو بائیکاٹ نہ کیا جائے، بلکہ ایسی حکمت عملی اختیار کرلی جائے،جس سے برائیوں سے حفاظت ہو۔

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ. [النحل: ۱۲۵]

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷رمحرم الحرام ۱۴۱۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۳/۵۱۲۰)

دوستی و دشمنی میں مبالغہ کرنا

سوال [۱۰۵۳۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ احقر کے ایک دوست اوراحقر کے درمیان کچھ غلط فہمیاں ہوگئیں،جس سے تعلقات کشیدہ ہوگئے، دوریاں بڑھ گئیں کچھ بڑے صلح کرانے آئے،ہم دونوں بیٹھے دوران گفتگو انہوں نے فرمایا: آپ کی قسم کا کوئی اعتبار نہیں آپ جھوٹے ہیں۔نیز یہ کہ آپ

کی طبیعت میں فساد ہے اور عادت بدلتی نہیں ہے وغیرہ، اس طرح کے جملہ بہت چھپے بعد میں صلح صفائی کرادی گئی۔ اب بول چال ہے، مگر پہلے جیسے تعلقات نہیں ہیں، پہلے میں اپنی نجی وذاتی ہر بات بتادیا کرتا تھا، اب نہیں بتاتا ہوں۔ نیز بہت سی باتیں کرنا چاہتا ہوں، مگر یہ سمجھ کرکہ ان کو میری بات اور قسم کا یقین نہیں ہوگا نہیں کہتا ہوں، نیز ضرورت سے زیادہ گفتگو بھی نہیں کرتا ہوں، وہ صاحب بھی بلاضرورت احقر سے گفتگو نہیں کرتے، اس بناء پر وہ صاحب مجھے بغضیلا اور بغض والا کہتے ہے، اور واقعی ان کی مذکورہ باتوں کا میرے دل پر آج بھی اثر ہے، میرے دل سے اس کا اثر ختم نہیں ہوا ہے، میں بات کرتے ہوئے ڈرتا ہوں کہ وہ میری بات کا نہ جانے کیا مطلب نکالیں کیا واقعی یہ غلط حرکت ہے؟ یہ بغض ہے مجھے لگتا ہے کہ یہ غلط نہیں ہے؛ کیونکہ حضرت تھانویؒ کا ایک ملفوظ ہے جب آپ سے کسی نے معافی مانگی، تو فرمایا آخرت کے لئے معاف کردیا، دنیا میں معاف نہیں کیا؛ بلکہ ہمیشہ تم سے ہوشیار رہوں گا۔

المستفتی: محمد ابراہیم، سیو ہورہ، ٹانڈا، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حدیث میں آیا ہے کہ دوستی میں بھی مبالغہ مت کرو اور دشمنی میں بھی مبالغہ مت کرو؛ اس لئے درمیانی درجہ اختیار کرنا چاہئے، نہ اپنا راز بتانا چاہئے اور نہ دوسرے کا راز دار بننا چاہئے؛ اس لئے آپ دونوں کے درمیان دعا سلام رہے، اور بہت زیادہ تعلقات مضر ہیں، نہ اس کی ضرورت ہے کہ وہ آپ کی باتوں کو غلط مان رہا ہو اور نہ ہی اس کی ضرورت ہے کہ آپ پچھلی باتوں کو یاد کر کے اپنے اندر وہ بات پیدا کریں۔ بس دعا سلام اور ضرورت کے بقدر گفتگو کی جائے، اس سے زیادہ کی ضرورت نہیں۔

عن أبي هريرةؓ، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أحبب حبيبک هونا ما، عسى أن يكون بغيضک يوما ما، وأبغض بغيضک هونا ما عسى أن يكون حبيبک يوما ما. (ترمذي شريف، باب ماجاء في الإقتصار في الحب والبغض، النسخة الهندية ۲/ ۲۰، دار السلام رقم: ۱۹۹۷، مسندالبزار مكتبه العلوم والحكم۱۷/ ۲۲۰، رقم:۹۸۸۲، المعجم الكبير للطبراني، دار أحياء التراث العربي

۱۳/۷۰، رقم:۱۷۲، الأدب المفرد، باب أحبب جبيبك هونا ما، دار الكتب العلمية بيروت ۳۸۲، رقم: ۱۳۲۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍جمادی الثانی ۱۴۲۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۸۰۹۴/۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۶/۱۳ھ

بغض وکینہ کے بغیر قطع تعلق کا حکم

سوال [۱۰۵۳۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عابد اور ثاقب دو طالب علم ہیں، یہ باہم کلام نہیں کرتے؛ لیکن دل میں دونوں کے حسد وکینہ وغیرہ نہ ہو تو کیا حکم ہے؟

المستفتی: محمد ناظر بجنوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دو مسلمانوں کا آپس میں باہم کلام نہ کرنا غصہ اور ذاتی عناد پر مبنی نہ ہو اور اس سے کسی کی حق تلفی نہ ہوتی ہو اور ایک کے سلام کرنے پر دوسرا جواب بھی دے دیتا ہو، تو اس صورت میں ہجران ممنوع میں داخل نہ ہوں گے۔

والشارع إنما حرم المهاجرة المقيدة لا المطلقة مع أن في إطلاقها حرجا عظيما حيث يلزم منه، أن مطلق الغضب المؤدي إلى مطلق الهجر أن يكون حراما –إلى– فيفيد أنه إذا لم يحصل التلاقي والإعراض فلابأس بالهجران المطلق –إلى– قال الأكمل وفيه حث على إزالة الهجران، وأنه يزول بمجرد السلام. (مرقاة، باب ماينهي عنه من التهاجر والتقاطع وإتباع العورات، الفصل الأول، امدادية ملتان ۹/۲۶۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍جمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۱۰۸/۴۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۵/۱۵ھ

لڑکی کے جرم کی وجہ سے والد کا بائیکاٹ کرنا

سوال [۱۰۵۳۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نے اپنی لڑکی کا نکاح ایک شخص سے کر دیا تھا، اس کا شوہر ایک سال بیوی کے ساتھ رہا، اس کے بعد پاکستان چلا گیا، پھر وہاں سے واپس نہیں آیا، اس کے بعد لڑکی دوسرے مرد کے ساتھ چلی گئی اور اب تک دوسرے مرد کے ساتھ ہی رہ رہی ہے، تو اب گاؤں اور پنچایت کے لوگ کہتے ہیں کہ تم بھی اسی کے ساتھ چلے جاؤ، یعنی بائیکاٹ کر رہے ہیں؛ جبکہ میں نے لڑکی کے جانے کے بعد ہی سے لڑکی سے تعلقات ختم کر لیئے اور جانے کے بعد سے اب تک میں نے اس سے کوئی ملاقات بھی نہیں کی اور آئندہ بھی ایسی لڑکی سے ملنا نہیں چاہتا، تو کیا شرعاً ہم بائیکاٹ کئے جانے کے مستحق ہیں؟ جبکہ ہم نے لڑکی کی شادی بھی کردی تھی، شرعی حکم تحریر فرمائیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر لڑکی آپ کے قابو سے باہر ہوگئی ہے اور لڑکی کو وہاں سے چھڑانے پر بھی قدرت نہیں رکھتے ہیں اور لڑکی کے اس فعل شنیع سے راضی بھی نہیں ہیں، تو ایسی صورت میں برادری والوں کے لئے یہ مناسب نہیں ہے کہ آپ سے بائیکاٹ کرلیں اور برادری کے بااثر لوگوں پر لازم ہے کہ لڑکی کو فوراً اس فعل شنیع سے الگ کرلیں اور توبہ کرالیں ورنہ لڑکی مستقل زنا کاری میں مبتلا رہے گی۔

عن ابن عباسؓ، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا ضرر ولاضرار.

(سنن ابن ماجه، باب من بني في حقه ما يضر بجاره،النسخة الهندية ۲/۱۶۹، دار السلام رقم: ۲۳٤۱، مسند أحمد بن حنبل ۱/۳۱۳، رقم:۲۸٦۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/ ذی قعدہ ۱۴۱۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱/ ۳۶۹۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴/۱۱/۷ھ

ناراضگی میں فون پر بات نہ کرنا

سوال[۱۰۵۳۵]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حدیث میں مسلمان بھائی کے ساتھ تین دن سے زائد قطع تعلق سے منع کیا گیا ہے، تو کیا اگر کسی سے روزانہ فون پر بات ہوتی ہو، پھر کسی وجہ سے ناراض ہوکر فون میں بات کرنا بند کردیا، تو ایسا آدمی بھی اس حدیث کا مصداق ہوگا؟

المستفتی: مشتاق احمد، متعلم دارالعلوم دیو بند

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر ضرورت کی گفتگو ہوتی ہے، تو جائز اور درست ہے، پھر کسی بات پر ناراض ہوکر ضرورت کے باوجود گفتگو نہ کرنا اور دوسری طرف سے فون آنے کے باوجود نمبر دیکھ کر فون کاٹ دینا بند کردینا تاکہ اس سے گفتگو نہ کرنی پڑے؛ حالانکہ گفتگو کرنے میں کوئی دینی یا دنیوی نقصان نہیں ہے، صرف ناراضگی کی بنا پر فون کاٹ دیا جاتا ہے، تو اس طرح مسلسل تین دن سے زائد کرنے سے اس حدیث شریف کے دائرہ میں شامل ہوجائے گا، جس میں قطع تعلق سے منع کیا گیا، اور اگر دینی یا دنیوی یا ذاتی کسی قسم کے نقصان یا فتنہ کا خطرہ ہے، تو ایسی صورت میں گفتگو نہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے؛ اس لئے کہ جس طرح قطع تعلق سے منع کیا گیا ہے، اسی طرح اپنے آپ کو فتنہ سے دور رکھنے کا بھی حکم دیا گیا ہے۔

عن أبي سعيد الخدريؓ، أنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: يوشک أن يكون خير مال المسلم غنم يتبع بها شعف الجبال، ومواقع القطر يفر بدينه من الفتن. (بخاري شريف، باب من الدين الفرار من الفتن، النسخة الهندية ۱/۷، رقم: ۱۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷ر محرم الحرام ۱۴۳۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸/۹۸۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۷/۱/۱۴۳۱ھ

محض میٹنگ میں شرکت کرنے کی وجہ سے مقاطعہ

سوال [۱۰۵۳۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک برادری شیخ منصوری نے اپنی برادری کے قوانین مرتب کرنے اورفلاح و بہبود کے لئے ایک میٹنگ منعقد کی تھی، اس میں برادری کے چند آدمیوں نے شرکت نہیں کی میٹنگ کی تاریخ اور مقام دوسرے پرچہ پر مندرج ہے، اب مذکورہ برادری نے ان شرکت نہ کرنے والوں کا مقاطعہ از برادری جس کو اپنی اصطلاح میں حقہ پانی بند کردیا ہے، وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ ان میں شرکت نہ کرنے والوں نے چار برادروں کی بات نہیں مانی؛ اس لئے یہ برادری کی توہین ہے، اس توہین کے پیش نظر شرکت نہ کرنے والوں کا حقہ پانی بند کردیا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ میٹنگ میں شرکت نہ کرنے سے ان کا حقہ پانی بند کردینا جائز ہوگا یانہیں؟ برادری نے یہ کام اچھا کیا ہے یا برا کیا ہے؟ ضرورت استفتاء اس لئے درپیش ہوئی کہ یہ کام اچھا کیا ہے، تو اپنی جگہ اٹل ورنہ پھر دوسرا رخ اختیار کیا جائے، حقہ پانی بند کرنے کی تفصیل کی ضرورت نہیں، برادری کی طرف سے جو نوٹس حقہ پانی بند کرنے کا شرکت نہ کرنے والوں کو دیا گیا ہے وہ بھی ہمرشتہ سوال ہے۔

المستفتی: برادری منصوری، شیر کوٹ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: محض میٹنگ میں شرکت نہ کرنے کی وجہ سے مقاطعہ (حقہ پانی بند) کردینا شرعی طور پر اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے؛ بلکہ ان کے ساتھ ہمدردی اور حسن سلوک اور تعلقات باقی رکھنے چاہئے۔

عن أنس قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا تقاطعوا، ولاتدابروا، ولا تباغضوا، ولاتحاسدوا، وكونوا عباد الله إخوانا ولا يحل للمسلم أن يهجر أخاه فوق ثلاث. (سنن الترمذي، باب ما جاء في الحسد، النسخة الهندية ۲/ ۱۵، دار السلام رقم:۱۹۳۵، صحيح البخاري، باب الهجرة، النسخة الهندية ۲/ ۸۹۷، رقم:۵۸۳۹، ف:۶۰۷۶، صحيح مسلم، باب النهي عن التحاسد والتباغض والتدابر، النسخة الهندية ۲/ ۳۱۶، بيت الأفكار رقم:۲۵۵۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸؍رجب المرجب ۱۴۱۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۹۶۰/۳۲)

آپسی رنجش کی وجہ سے ترک کلام

سوال [۱۰۵۳۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہم دونوں بھائیوں میں کسی وجہ سے آپس میں رنجش ہوگئی حتی کہ دونوں نے ایک دوسرے سے بولنا چھوڑ دیا، کچھ عرصہ بعد میں نے صلح کرنی چاہی اور لوگوں کو اس سلسلہ میں متوجہ کیا کہ آپ ہمارے درمیان بات کرادیں؛ جب ان لوگوں نے میرے چھوٹے بھائی سے بات کی تو انہوں نے ان کو جواب دیا کہ ہمارے درمیان کوئی لڑائی نہیں، پھر صلح کس بات کی سوءِ اتفاق کچھ دنوں بعد چھوٹے بھائی کے دشمنوں نے ان کو قتل کر ڈالا، مجھے ہر وقت یہی فکر رہتی ہے کہ بخشش کی کیا شکل ہے، جبکہ حدیث شریف میں فرمایا گیا، کہ تین دن سے زیادہ ترک کلام کرنا حرام ہے اور اگر اس حالت میں کوئی مرجائے، تو وہ جہنمی ہے، تو آپ سے معلوم یہ کرنا ہے کہ اس گناہ کی تلافی کس طرح ممکن ہے کہ جس سے میرا گناہ اور میرے مرحوم بھائی کے گناہ دور ہوجائیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں

میری پریشانی کوحل فرمائیں۔

المستفتی: محمد حنیف بھاگووالا، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر ذاتی اور دنیوی امور کی وجہ سے آپس میں کلام ترک کردیا جائے، جس میں کوئی دینی فائدہ مقصود نہ ہو، بلکہ محض غیظ نفسانی ہو، تو یہ واقعۃً شرعاً مذموم ہے اور حدیث شریف میں اسی سے منع کیا گیا ہے اور یہ گناہ کبیرہ ہے۔

سوال نامہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے تعلقات کو استوار کرنے کی کوشش تو کی ہے؛ لیکن اقدام نہیں کیا اس لئے جرم تو بہر حال برابر رہا، اب اس کے تدارک کی صورت یہ ہے کہ آپ انتہائی ندامت کے ساتھ بارگاہ الٰہی میں توبہ واستغفار کریں۔

نیز ان کے بیوی بچوں کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ کرنے کے ساتھ ساتھ خود ان کے لئے بھی ایصال ثواب کریں، اس طریقہ پر امید ہے کہ انشاء اللہ آپ اور آپ کے بھائی اس جرم سے بری ہوجائیں گے۔

وَهُوَ الَّذِیْ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ وَيَعْفُوْ عَنِ السَّيِّئَاتِ. [الشوریٰ: ۲۵]

عن عبد الله بن مسعودؓ، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: التائب من الذنب كمن لا ذنب له. (سنن ابن ماجه، باب ذكر التوبة،النسخة الهندية ۲/۳۱۳، دار السلام رقم: ۴۲۵۰، المعجم الكبير للطبراني، دار أحياء التراث العربى ۱۰/۱۵۰، رقم: ۱۰۲۸۱)

وفي المرقات: تحته إعلم أن التوبة إذ وجدت بشروطها المعتبرة فلا شک في قبولها وترتب المغفرة عليها، لقوله تعالىٰ: وهو الذي يقبل التوبة عن عباده. (مرقاة المفاتيح، قبيل باب رحمة الله، مكتبه امداية ملتان ۵/۱۵۱)

يغفر مادون ذلک لمن يشاء من الصغائر والكبائر مع التوبة. (شرح عقائد ۱۱۲)

وأيضا المسئلة مستفاد من هذا الحديث عن أنس بن مالك رضي الله عنه، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن العبد ليموت والداه أو أحدهما، وإنه لهما لعاق فلا يزال يدعو لهما، ويستغفر لهما حتى يكتبه الله بارًّا.

(شعب الإيمان، فصل في حفظ حق الوالدين بعد موتهما، دار الكتب العلمية بيروت ٦/ ٢٠٢، رقم: ٧٩٠٢، مشكوة شريف ٤٢١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍رجب المرجب ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۶۸۵۸/۳۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۲؍۷؍۱۴۲۱ھ

تین دن سے زائد قطع تعلق کر لینا جائز ہے؟

سوال [۱۰۵۳۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک آدمی بہت شریر ہے، لوگوں پر تہمت لگانا جھوٹ بولنا اور جھگڑا کرنا اورلوگوں کے اندر تفریق ڈالنا اس کی عادت ہے، تو آپ ہی سمجھئے وہ کیسا آدمی ہے؟ اس لئے ایک آدمی نے بہت دنوں سے اس سے بات کرنی چھوڑ دی ہے، اس آدمی پر بھی کئی مرتبہ مذکورہ شخص نے تہمت لگائی ہے، تو اس سے بات کرنا چھوڑ دینا جائز ہوگا یا نہیں؟ حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو آدمی کسی مسلمان سے تین دن تک بات کرنا چھوڑ دے اور مر جائے، تو وہ جنت میں نہیں جائے گا؟ اس حدیث کی وعید میں یہ شخص آئے گا یا نہیں؟

المستفتی: محمد حیدر علی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حکیم الامت حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں: حدیث میں جو مروی ہے کہ تین دن سے زیادہ قطع تعلق نہ کرے، یہ مطلق نہیں اگر فساق سے بوجہ فسق احتراز کرے تو کوئی حرج نہیں۔

کلمة الحق ۱۲۷/۸، بحواله فتاوی رحيميه قديم ۶۳۷/۹، جديد زكريا ۲۴۱/۳)

رخص للمسلم أن يغضب على أخيه ثلاث ليال لقتله ولايجوز فوقها إلا إذا كان الهجران في حق من حقوق الله تعالىٰ، فيجوز فوق ذالك- إلى -فإن هجرة أهل الأهواء والبدع واجبة على مر الأوقات مالم يظهر منه التوبة والرجوع إلى الحق. (مرقاة المفاتيح، باب ما ينهى عنه من التهاجر و التقاطع وإتباع العورات الفصل الأول، امدادية ملتان ۲۶۲/۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰؍شوال المکرم ۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴؍۶۱۰۵)

بے نمازی سے ترک تعلق کرنا

سوال [۱۰۵۳۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بے نمازی کس کو کہا جاتا ہے، اس کے ساتھ کھانا پینا اور اس سے میل جول رکھنے کے متعلق احکامات بیان کریں؟

المستفتی: محمد ظہیر الحق، افضل گڑھ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بے نمازی وہ شخص ہے، جو جان بوجھ کر نماز ترک کر دیتا ہو ایسا آدمی عام طور پر جاہل ہوتا ہے، اس کے ساتھ ترک تعلق کا اگر معاملہ کیا جائے گا، تو اور بھی گمراہ ہو جائے گا؛ بلکہ محبت سے اس کو قریب کرنے کی کوشش ہونی چاہئے ان شاء اللہ کسی وقت توبہ کرلے گا اور فوت شدہ نمازوں کو بھی قضاء عمری کے طور پر پڑھتا رہے گا؛ لہٰذا قطع تعلق نہ کیا جائے، نرمی اور محبت کا معاملہ کیا جائے۔

اُدْعُ اِلٰی سَبِيْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ. [النحل:۱۲۵]

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍شوال المکرّم ۱۴۱۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۳؍۵۴۷۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۳؍۱۰؍۱۴۱۸ھ

مسلمانوں کی آبروریزی کرنے والے سے قطع تعلق کرنا

سوال [۱۰۵۴۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے موضع میں ایک پرانا دینی مدرسہ ہے، جو سرکار سے منظور ہے، درجہ پانچ تک دینیات، ہندی، اردو، ناظرۂ قرآن پاک اور تجوید کے ساتھ قرآن پاک حفظ کی تعلیم باقاعدہ ہوتی ہے، مدرسہ کی کمیٹی ہے، مدرسہ رجسٹرڈ ہے، مدرسہ کمیٹی کے صدر بابو سلیم صاحب ہیں، جن سے گاؤں ہی کے ایک شخص زید کا اپنے بھی معاملات میں جھگڑا ہوگیا، زید نہ مدرسہ کا ممبر ہے، نہ دین سے کوئی تعلق ہے، بابو سلیم اور زید کا جھگڑا بہت بڑھا زید بابو سلیم کو ہر طرح زیر کرنے کی کوشش کرنے لگا یہاں تک زید کا کوئی بس نہیں چلا تو بابو سلیم کو مدرسہ کی صدرات سے الگ کرنے کی کوشش کرنے لگا مدرسہ پر بابو سلیم کے احسانات ہیں، مدرسہ کی بقا وترقی اور مدسہ کی مفاد کے لئے کوشش کرتے رہتے ہیں، بابو سلیم دیندار ذی علم ہیں اور ان کی سرکاری اچھی سروس ہے، زید بابو سلیم کو صدارت سے ہٹانے میں کامیاب نہیں ہوا، تو مدرسہ کو ہر طرح نقصان پہچانے کی دھمکی دینے لگا۔

۲۹؍جنوری آئی تو ایک درخواست لکھا کر چند لوگوں سے دستخط کرا کے تھانہ انچارج کو دیدی کہ ۲۶؍جنوری کو آزادی والا جھنڈا مدرسہ میں نہیں لہرایا گیا، مدرسہ کے صدر ممبران کمیٹی واساتذہ ملک کے غدار ہیں، تھانہ والوں کو کوئی وجہ چاہئے۔ بہر حال مدرسہ میں پولیس آئی

اورمدرسہ کے صدر مدرس کو جو عالم حافظ ہیں، تھانہ لے گئی، مدرسہ کے ذمہ دار بہت پریشان ہوئے، کافی دوڑ دھوپ کرنی پڑی مدرسہ کے بجٹ میں روپیہ بھی نہیں تھے، قرض لے کر کسی طرح معاملہ کو رفع دفع کرایا گیا، معاملہ رفع دفع ہو جانے کے بعد زید نے دو مرتبہ اخبار میں بھی یہ معاملہ لکھوایا کہ تھانہ والوں نے لین دین کر کے معاملہ کو رفع دفع کر دیا، زید کا کوئی شریف آدمی ساتھی نہیں ہے، بس دو ایک بے نمازی، بے دین، راز دارانہ مشورہ کار ہیں، معلوم یہ کرنا ہے کہ زید نے جو یہ حرکت کی جس میں مدرسہ کے ذمہ دار انتہائی پریشان کئے گئے، مدرسہ کے صدر مدرس مولانا صاحب چھ گھنٹہ تھانہ میں بند رہے، مدرسہ میں پیسہ نہیں تھے، مدرسہ کی حفاظت کے لئے قرض لے کر کسی طرح معاملہ دفع کیا گیا؟ زید کی اس نازیبا حرکت پر بستی کے مسلمانوں کو زید کے ساتھ کیا رویہ اختیار کرنا چاہئے؟ کہ دوسروں کو عبرت ہو اور ایسی نازیبا حرکت پھر دوبارہ مدرسہ کے ساتھ کوئی نہ کر سکے۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مسلمان کی آبروریزی اور اس کی ہتک حرمت نیز دینی ادارہ کو نقصان پہونچانا یہ تمام باتیں شرعاً گناہ کبیرہ ہیں، جن کی وجہ سے عبرت اور جرم کا احساس دلانے کی خاطر گو کہ شرعاً تعلقات کا انقطاع کی گنجائش ہے؛ لیکن اس دور میں تعلقات کا انقطاع مفید نہیں ہے؛ بلکہ اس طرح اور کشیدگی بڑھ جاتی ہے؛ اس لئے ایسے شخص سے کسی طرح درمیان میں بااثر لوگوں کو ڈال کر میل جول کر کے معاملات کی صلح وصفائی کر لینی چاہئے تا کہ اس طرح آپس کے نجی معاملات کی وجہ سے دینی ادارے زد میں نہ آئیں۔

وَالصُّلْحُ خَيْرٌ . [النساء:١٢٨]

عن أبي الدرداءؓ، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ''ألا أخبركم بأفضل من درجة الصيام، والصلاة، والصدقة'' قالوا: بلى! يارسول الله! قال: إصلاح ذات البين، وفساد ذات البين الحالقة

(أي المزيلة للخيرات) (سنن أبي داؤد، باب في اصلاح ذات البين، النسخة الهندية ٦٧٣/٢، دار السلام رقم: ٤٩١٩، الأدب المفرد، دار الكتب العلمية بيروت ١٢٣، رقم:٣٩١، مسند أحمد بن حنبل٦/٤٤-٤٤٥، رقم:٢٨٠٥٨، مسند البزار، مكتبه العلوم و الحكم ١٠ /٤٦، رقم:٤١٠٩)

ثم إن الهجران الممنوع إنما هو كان لسبب دنيوي، أما إذا كان بسبب فسق المرأ وعصيانه، فأكثر العلماء على جوازه. (تكملة فتح الملهم، باب تحريم الهجر فوق ثلاث بلاعذر شرعي، اشرفية ديوبند ٥/٣٥٥-٣٥٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱؍صفر المظفر ۱۴۲۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵؍۷۰۶۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱؍۲؍۱۴۲۳ھ

راستہ تنگ کرنے کی وجہ سے ترک کلام

سوال [۱۰۵۴۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے اپنے چھوٹے بھائی کا راستہ تنگ کر دیا ہے اور آگے چل کر عام راستہ تھا، اس کو بھی تنگ کر دیا ہے، جس کی وجہ سے دونوں بھائیوں میں گفتگو بند ہے، تو ایسی صورت میں گفتگو کا بند رہنا جائز ہوگا یا نہیں؟ مدلل ومفصل جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: محمد صدیق انصاری، قصبہ کوری روانہ، مرادآباد (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تین روز سے زیادہ گفتگو اور میل جول بند رہنا ناجائز ہے، ضرور گفتگو اور میل جول شروع کر دینا چاہئے، ابتدا سلام سے کریں، جو ابتداءً سلام کرے گا، اس کو زیادہ ثواب ملے گا، دوسرا سلام کا جواب دیگا تو وہ بھی ثواب میں شریک ہوگا اور اگر جواب نہ دے گا تو گنہگار ہوگا، آئندہ سلام کرنے والا گنہگار نہیں کہلائیگا۔

عن أبي هريرةؓ، أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: لا يحل لمؤمن أن يهجر مؤمنا فوق ثلاث، فإن مرت به ثلاث، فليلقه فليسلم عليه، فإن رد عليه السلام فقد اشتركا في الأجر، وإن لم يرد عليه فقد باء بالإثم، زاد أحمد، وخرج المسلم من الهجرة. (سنن أبي داؤد، باب في هجرة الرجل أخاه المسلم، النسخة الهندية ۲/ ٦٧٣، دار السلام رقم: ٤٩١٢، الأدب المفرد، باب إن السلام يجزي من الصوم، دار الكتب العلمية بيروت١٢٩، رقم: ٤١٤، مشكوة المصابيح ٤٢٨/٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/ رجب المرجب ۱۴۰۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۴/ ۸۴۹)

سود پر قرض دینے والوں سے قطع تعلق کرنا

سوال [۱۰۵۴۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کے متعلقین میں سے کچھ لوگ روپیہ سود پر قرض دیتے ہیں، تو ان سے معاملات کرنا، ان کے گھر کھانا پینا، ان کو اپنے یہاں کھلانا کیسا ہے؟ ان سے قطع تعلق کرنے سے شریعت کی نظر میں کوئی خرابی تو نہیں ہے؟

المستفتی: محمد معراج، بہرائچ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ میں جن کے بارے میں لکھا گیا ہے، اگر ان کے یہاں صرف یہی سودی کاروبار ہے، تو ان کے یہاں کھانا نہ کھایا جائے، مگر وہ آپ کے یہاں کھانا کھا سکتے ہیں؛ اس لئے کہ آپ کے یہاں حلال کمائی ہے اور ان کے ساتھ قطع تعلق نہ کیا جائے؛ بلکہ تعلق برقرار رکھ کر ان کو راہ راست پر لانے کی کوشش کی جائے۔

عن جابرؓ، قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم، آكل الربا، ومؤكله، وكاتبه، وشاهديه، وقال: وهم سواء. (مسلم شريف، باب لعن أكل الربا ومؤكله، النسخة الهندية۲/۲۷، بيت الأفكار رقم:۱۵۹۸)

أكل الربوا وكاسب الحرام أهدىٰ إليه، أو أضافه وغالب ماله حرام لا يقبل ولايأكل مالم يخبره أن ذلك المال أصله حلال ورثه، أو استقرضه. (هندية، الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات، زكريا قديم ۵/۳۴۳، جديد ۵/۳۹۷، المحيط البرهاني، المجلس العلمي بيروت ۸/۷۳، رقم:۹۶۱۷، البناية اشرفيه ۱۲/۲۰۹، مجمع الأنهر، مصري قديم ۲/۵۲۹، دار الكتب العلمية بيروت ۴/۱۸۶-۱۸۷)

ادْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّکَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِىْ هِيَ اَحْسَن. [النحل:۱۲۵] فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍ربیع الثانی ۱۴۲۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶/۷۹۶۸)

منکرات والی شادی میں عدم شرکت اور داعی کا بائیکاٹ

سوال [۱۰۵۴۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے اپنے بہنوئی عمرو کو اپنی لڑکی کی تقریب میں مدعو کیا، بدعوتِ زید عمرو ان کے گھر گئے، دیکھا کہ ان کے مکان پر لاؤڈ اسپیکر سے گانے ہورہے تھے، جب لاؤڈ اسپیکر سے گانے سنے، تو وہاں سے عمر چلدیئے، عمر کے جانے پر زید نے اور بھی برا بھلا کہا۔ خیر عمر وہاں سے چلے گئے اور اب زید کے گھر آنا جانا اور بات چیت سب بند کررکھی ہے، تو عمر کا معمول یہ ہے کہ جہاں جس تقریب میں باجا یا ناچ وغیرہ ہوتا ہے، اس میں شریک نہیں

ہوتے اورنہ اس تقریب کی دعوت کھاتے ہیں، زید اس بات کو جانتا تھا؛لیکن باوجود اس کے اس نے ایسی حرکت کی، تو پوچھنا یہ ہے کہ عمر کا بات چیت بند کرنا از راہ شرع کیسا ہے؟ اورکب تک ترک تکلم اورترک آمد و رفت جائز ہے؟ جواب مرحمت فرمائیں۔

المستفتی: محمد رفیق، لکھیم پورکھیری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگرعمر کی حیثیت علاقہ میں مقتدی کی سی ہے اوران کا اثر لوگوں کے قلوب میں بیٹھ گیا ہے،تو اس طرح منکرات سے خودروکا کریں، اگر نہ مانے تو وہاں سے واپس لوٹ آنا چاہئے۔ اوراگرعمر کی حیثیت علاقہ میں مقتدی کی سی نہیں ہے،تو دل سے ان باتوں کا انکار کریں اورصبرکر کے کھانا کھا کر، واپس آجائیں اورآئندہ ایسی دعوت میں حاضر ہی نہ ہوا کریں۔

عن عمران بن حصين قال: نهي رسول الله صلى الله عليه وسلم: عن إجابة طعام الفاسقين. (المعجم الكبير للطبراني، دار أحياء التراث العربي ۱۸ /۱٦۸، رقم: ۳۷٦)

من دعىٰ إلى وليمة فوجد ثمة لعباً، أو غناءً، فلابأس أن يقعد و يأكل، فإن قدر على المنع يمنعهم، وإن لم يقدر يصبر وهذا إذا لم يكن مقتدي به أما إذا كان ولم يقدر على منعهم، فإنه يخرج ولايقعد. (عالمگيري، الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات، زكريا قديم ۵/۳٤۳، جديد ۵/۳۹۷، هداية اشرفي ٤/٤۵۵، الموسوعة الفقهية الكويتية۳۸/۲۱٦)

عمرو کا بات چیت بند رکھنے کے بجائے نرمی سے سمجھاتے رہنا بہتر ہے،اس سے ہدایت کی امید ہے۔

قوله تعالىٰ: ادْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّکَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ

وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنْ. [النحل:١٢٥] فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍شوال المکرّم ۱۴۰۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۴/ ۹۰۶)

لاعلمی میں خنزیر کا گوشت کھانے والے سے قطع تعلق

سوال [۱۰۵۴۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عبد السلام پہلی مرتبہ دہلی کام کرنے کے لئے گئے، وہاں انہوں نے ایک بھنگی کی دوکان پر خنزیر کا گوشت خرید کر کھالیا، ان کو یہ معلوم نہ تھا کہ یہ بھنگی کی دوکان ہے، یا خنزیر کا گوشت ہے، پھر دوبارہ انہوں نے گوشت خرید کرلیا اور ساتھیوں سے معلوم کرنے پر پتہ چلا کہ یہ گوشت خنزیر کا ہے، تو عبد السلام نے اس گوشت کو پھینک دیا اور ساتھیوں کو بتایا کہ اس سے قبل ایک مرتبہ اوراس گوشت کو کھاچکا ہوں؛ لہٰذا اس کے ساتھ رہنے والے ساتھیوں نے اسے اپنے ساتھ کھانے پینے سے الگ کردیا اور ساتھیوں نے یہ بات اس کے گاؤں میں پھیلادی اور لوگ اسے برا بھلا کہتے ہیں، اب اس کی کیا صورت نکلے گی؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں مدلل جواب تحریر فرمائیں۔

المستفتی: عبد السلام، لکھیم پور، متعلم مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مسئولہ میں عبد السلام کو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے توبہ واستغفار کرے۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَحِيْمًا. [النساء:٦٤]

اور یہ واقعہ چونکہ عدم علم کی وجہ سے پیش آیا ہے، اس لئے اس کے ساتھ مقاطعت نہ کی

جائے؛ بلکہ پہلے کی طرح میل ملاپ باقی رکھا جائے توبہ کرنے کے بعد شرعاً اس کا حکم خنزیر کا گوشت نہ کھانے والے کے حکم میں ہو جائے گا، اس کے بعد اس کو برا بھلا کہنے والے گنہگار ہوں گے، اور توبہ کرنے والے کے گناہ کو اللہ تعالیٰ معاف فرمادے گا۔

عن ابن عمرؓ، قال: صعد رسول الله صلى الله عليه وسلم: المنبر...... لاتؤذوا المسلمين ولاتعيروهم، ولاتتبعوا عوراتهم، فإنه من تتبع عورة أخيه المسلم تتبع الله عورته ومن تتبع الله عورته يفضحه ولو في جوف رحله. الحديث (الترمذي شريف، باب ماجاء في تعظيم المؤمن، النسخة الهندية ۲/۲۳، دار السلام رقم: ۲۰۳۲)

عن عبد الله بن مسعودؓ، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: التائب من الذنب كمن لا ذنب له. (سنن ابن ماجه، باب ذكر التوبة، النسخة الهندية ۲/۳۱۳، دار السلام رقم: ۴۰۲۵، المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ۱۰/۱۵۰، رقم: ۱۰۲۸۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍ جمادی الثانی ۱۴۱۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۳/۵۳۲۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۶/۶ھ

خنزیر کے بالوں کا برش بنانیوالے سے قطع تعلق کرنا

سوال [۱۰۵۴۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ یہاں پر سور کے بالوں کا برش بنتا ہے، لہٰذا مجھے ان کے یہاں پر آنے جانے یعنی تعلقات کیسے رکھنا چاہئے؟ اگر ان کے یہاں پر نہ جائیں تو ان سے تعلقات ختم ہوتے ہیں قرآن وحدیث کی روشنی میں میرے لئے کیا حکم ہے؟ تعلقات میں میرا کھانا پینا بھی شامل ہے۔

المستفتی: محمد رئیس احمد، محلّہ اسلام نگر سیوہارہ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: خنزیر کے بال نجس العین ہیں، جب اس کے علاوہ دوسری اشیاء سے برش بنانے کا کام چل سکتا ہے، تو کسی مسلمان کے لئے خنزیر کے بالوں کا برش وغیرہ بنانا اور اس کا کاروبار ہرگز جائز نہ ہوگا۔

ولا یجوز بیع شعر الخنزیر؛ لأنہ نجس العین فلا یجوز بیعہ إہانۃ لہ.

(ہدایۃ، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد اشرفي ۳/ ۵۵)

لہٰذا جب تک اپنے فعل سے توبہ کرکے باز نہ آجاوے اعزاء واقرباء کے لئے بائیکاٹ کرنے کی گنجائش ہے۔

وَلَا تَرْكَنُوْا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ. [ہود: ۱۱۳] فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍ شوال المکرّم ۱۴۰۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۳/ ۳۱۲)

بدکار بہن سے قطع تعلق اور وراثت سے محروم کرنا

سوال [۱۰۵۴۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کی بہن اور بہنوئی میں جھگڑا ہوا اور بہنوئی نے ایک ہی مجلس میں تقریباً دس لوگوں کے سامنے تین طلاقیں دیدیں زید کی بہن میکہ میں تھی، سب نے کہا طلاق ہوگئی؛ چنانچہ اس سے عدت گذارنے کے لئے کہا گیا؛ لیکن وہ عدت میں نہ بیٹھی اور باہر نکلتی رہی اور تقریباً دو مہینے کے بعد اپنے گھر خود چلی گئی اور دونوں میاں بیوی میں بول چال ہوگئی یعنی روٹی وغیرہ پکا کر دینے لگی اور اب بھی دے رہی ہے، زید نے خود بھی سمجھایا اور دوسروں سے بھی سمجھوایا؛ لیکن وہ نہ مانی زید ایک دین دار شخص ہے۔

(۱) سوال یہ ہے کہ زید کا اپنی بہن سے بول چال تعلق رکھنا جائز ہے یا نہیں؟

جب سے یہ واقعہ ہوا ہے، زید نے بہن سے تعلق ختم کردیا ہے۔

(۲) جب وراثت تقسیم ہو تو ایسی بہن کو حصہ دینا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: انوارعلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں زید کی بہن پر طلاق مغلظہ واقع ہوچکی ہے اور طلاق مغلظہ کے وقوع کے بعد عورت کا شوہر کے ساتھ میاں بیوی کی طرح رہنا حرام کاری اور بدکاری ہے اور زید پر لازم ہے کہ بہن کو فوری طور پر بہنوئی سے الگ کرائے عدم تعمیل کی صورت میں اسے ایسی بدکار بہن سے تعلقات منقطع کرنے کی اجازت ہے۔

إن قال لزوجته: أنت طالق طالق طالق، طلقت ثلاثاً. (الأشباه والنظائر قديم٩ ٢١، جديد زكريا ٣٧٦)

إن الهجران إذا كان بسبب فسق المرأ وعصيانه، فأكثر العلماء على جوازه. (تكملة فتح الملهم، باب تحريم الهجر فوق ثلاث بلا عذر شرعي، اشرفيه ديو بند ٥/٣٥٥-٣٥٦)

(۲) البتہ اس گناہ کے سبب بہن وراثت سے محروم نہ ہوگی۔

الإرث جبري لا يسقط بالإسقاط. (تكملة شامي، مطلب في حادثة الفتوى، زكريا ١١/٦٧٨، كراچي ٧/٥٠٥) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۵/ ذی قعدہ ۱۴۳۱ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۰۲۱۳/۳۹)	۱۵/۱۱/۱۴۳۱ھ

بھانجی سے ناجائز تعلق قائم کرنے والے سے قطع تعلق

سوال [۱۰۵۴۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل

کے بارے میں: کہ زید کا لڑکا عاقل وبالغ شادی شدہ ہے، دو بچے ہیں بیوی گھر پر ہے، بکر کی حقیقی بھانجی بکر کے گھر پر مہمانداری کے لئے آئی، بھانجی عاقل و بالغ بغیر شادی شدہ ہے، بھانجی رات کو بکر کے لحاف میں جاتی تھی، زید کو اور زید کی بیوی کو اس بات کا علم تھا، زید اور زید کی بیوی نے کسی شخص سے بھی ظاہر نہیں کیا، کچھ عرصہ کے بعد وہ لڑکی اپنے باپ کے یہاں چلی گئی، اس لڑکی کا ماحول وہاں بھی گندہ تھا، کچھ دنوں کے بعد بکر اپنی بھانجی کے گھر گیا اور وہاں سے دونوں غائب ہوگئے، کچھ دنوں کے بعد گھر واپس آئے بھانجی کے باپ اور چچا نے بکر اور بھانجی کو مار کر اور ۵۰/ روپیہ دے کر واپس کر دیا، پھر وہ دونوں وہاں سے چلے گئے، کچھ عرصہ کے بعد بھانجی کا باپ تلاش میں نکلا، بکر کو گرفتار کرا دیا اور اپنی لڑکی لے کر چلا آیا آکر اس نے لڑکی کا نکاح دوسری جگہ کر دیا، بکر کے خاندان والوں کو ان سب باتوں کا علم ہوا بکر اپنے گھر آیا آکر اپنے کام میں لگ گیا، بکر کے خاندان والوں نے زید اور بکر سے قطع تعلق کیا، زید اپنے ایک خاندان سے تعلق رکھتا ہے، جس خاندان سے تعلق رکھتا ہے، وہاں بکر کے چھوٹے بھائی کی شادی ہوئی ہے، تو اب جس خاندان سے بکر کا تعلق ہے بقیہ خاندانی اس سے تعلق رکھیں یا نہ رکھیں؟

(۲) زید کے خاندان والوں کے جو رشتہ دار ہیں، زید تعلق رکھتا ہے، خاندانی اپنے رشتہ داروں سے تعلق رکھیں یا نہیں؟

(۳) زید اور بکر کی پٹائی کرنے میں خاندان اور بستی کے معزز حضرات تھے، زید اور بکر اپنی غلطی کی معافی چاہتے ہیں، اپنے خاندان والوں سے تعلق رکھنا چاہتے ہیں، خاندان والے تعلق رکھیں یا نہیں؟ ان مسائل کا قانون شریعت کی روشنی میں جواب مفصل ومدلل عنایت فرمائیں۔

المستفتی: جمشید احمد، دوکاندار، شریف نگر، ٹھاکردوارہ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سائل اگر اپنے بیان میں سچا ہے، تو مذکورہ حالات

میں زید وبکر جب تک خالص توبہ نہ کریں، اس وقت تک ان سے برادرانہ تعلق رکھنا جائز نہیں ہے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: وَلَا تَرْكَنُوْا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ. [هود: ۱۱۳]

البتہ اگر زید وبکر نے واقعی اپنے افعال سے توبہ کرلی ہے، تو قطع تعلق جاری رکھنا جائز نہ ہوگا؛ بلکہ ان کے ساتھ برادرانہ تعلق شروع کردینا چاہئے۔ (مستفاد: فتاوی احیاء العلوم ۱/۱۳۱، کفایت المفتی قدیم ۱/۲۷۲، جدید زکریا مطول ۱۲/۵۸۸، ۱۳/۱۱۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱/ جمادی الثانی ۱۴۰۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۴/ ۷۳۳)

مطلقہ بیوی کو ساتھ رکھنے والے سے قطع تعلق کرنا

سوال [۱۰۵۴۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہم ایک اہم شبہ میں مبتلا ہیں ہمارے علاقہ میں ایک آدمی اپنی بیوی کو تین طلاق دینے کے بعد اسی کے ساتھ زندگی بسر کررہا ہے، اور تین طلاق دینے پر گواہ بھی موجود ہیں، ہم نے اس کو بارہا سمجھایا کہ حلالہ کے بغیر تمہارے لئے حلال نہیں ہے؛ لیکن وہ ماننے کے لئے تیار نہیں ہے، تو اب ہم اس کے ساتھ معاملہ اور لین دین کے بارے میں کیا کریں۔

المستفتی: محمد ریاض الدین، گاؤں مریگاؤں (آسام)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تین طلاق سے طلاق مغلظہ ہوجاتی ہے، جس سے بیوی قطعاً حرام ہوجاتی ہے، اس کے بعد بغیر حلالہ کے نکاح کرنا بھی جائز نہیں ہوتا ہے، پھر ایسی عورت کو اس حالت میں رکھ کر کے ساتھ زندگی گذارنا حرام کاری اور زنا کاری کی زندگی ہے، ایسے گھر سے خیر وبرکت سب اٹھ جاتی ہے، خدا کا عذاب آنے کا خطرہ ہے

اوراس کے گھر میں نحوست اور نیستی پیدا ہوتی ہے؛ اس لئے علاقہ کے لوگوں پر ضروری ہے کہ دونوں کے درمیان علاحدگی پیدا کردیں اور حلالہ شرعی کے ساتھ رکھنے کا طریقہ بتلادیں، اگر نہ مانے تو پورے علاقہ کے لوگ اس کا بائیکاٹ کر کے حقہ پانی بند کردیں شاید باز آجائے۔

فإن طلقها بعد الثنتين، فلا تحل له من بعد أي من بعد ذالک التطليق حتى تنكح زوجًا غيره أي تتزوج زوجًا غيره ويجامعها. (روح المعاني، زكريا ٢/٢١٢، تحت تفسير رقم الآية ٢٣٠، من سورة البقرة)

وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَان. [مائده:٢] فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰؍ربیع الاول ۱۴۲۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶؍۷۹۸۹)

مطلقہ ثلثہ کو ساتھ رکھنے والے سے قطع تعلق کرنا

سوال [۱۰۵۵۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص کی دس لڑکیاں ہیں، جن میں سے چھ لڑکیوں کی شادی ہوگئی، ان کی ایک سب سے بڑی لڑکی کو دو مرتبہ طلاق مل چکی ہے بالکل صاف طریقے سے وہ پھر دوبارہ بغیر کسی حلالہ کے اور بغیر کسی نکاح اور بغیر عدت گذارے اپنے شوہر کے ساتھ رہنے لگی، اس بات کو تقریباً چھ سال گذر گئے، لڑکی کے والدین بھی اس بات کے بارے میں کسی طرح کی کوئی روک ٹوک نہیں کرتے اور خوب آنا جانا، کھانا پینا ہے اور کسی طرح کی کوئی ناراضگی بھی نہیں ہے، ایسی جگہ اپنی لڑکی کا رشتہ طے کرنے میں کوئی کراہت تو نہیں ہے؟

المستفتی: حفیظ الرحمٰن، محلّہ بندوقچیاں، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر دو مرتبہ طلاق سے مراد تین تین طلاقیں، دو مرتبہ دی گئی ہیں، تو دونوں کا بلا حلالہ ساتھ رہنا حرام کاری اور زنا کاری ہے، وہاں کے بااثر لوگوں پر لازم ہے کہ فوراً دونوں کے درمیان علیحدگیکرادیں اور باقاعدہ شرعی حلالہ کے بعد دونوں کے درمیان دوبارہ نکاح کروادیں۔

وإن كان الطلاق ثلثاً في الحرة وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجًا غيره نكاحًا صحيحًا ويدخل بها، ثم يطلقها أو يموت عنها.

(هندية، كتاب الطلاق، الباب السادس، زكريا جديد ١/ ٥٣٥، قديم ١/ ٤٧٣)

اگر ماں باپ کی کمزوری ولاپرواہی سے طلاق شدہ لڑکی شوہر کے پاس رہ رہی ہے، تو ان کے ساتھ شادی بیاہ حقہ پانی کا سلسلہ بند کردیا جائے تو باز آجانے کی امید ہے، اور وہاں رشتہ نہ کرنا بہتر ہے۔

قال الله تعالیٰ: وَلَا تَرْكَنُوْا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ.

[الهود: ١١٣] فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶/ ربیع الثانی ۱۴۱۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۳۷۹/۲۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴/۳/۲۶ھ

طلاق ثلاثہ کے بعد حلالہ کے بغیر ساتھ رہنے والے سے قطع تعلق کرنا

سوال [۱۰۵۵۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے لڑکے کی شادی ایسی لڑکی سے ہوئی ہے، جس کی بڑی بہن کو دو مرتبہ تین تین طلاق تھوڑے تھوڑے دنوں کے وقفے کے بعد ہوئیں؛ لیکن وہ لڑکی بغیر عدت گذارے اپنے شوہر کے گھر چلی جاتی ہے نہ کوئی نکاح ہوتا ہے اور نہ کوئی حلالہ ہوتا ہے

اوراس کے ماں باپ بھی اس بات پر کوئی روک ٹوک نہیں کرتے اورخوب آپس میں آنا جانا رہتا ہے اور ہم بھی اپنی بہو کو منع کرتے ہیں کہ اپنی بہن کے گھر مت جایا کر؛ لیکن وہ نہیں مانتی، ایسی صورت میں بتائیے کہ ہمیں بھی اس لڑکی اوراس کے گھر والوں سے رشتہ توڑ دینا چاہئے یا نہیں اور ہم اپنی بہو کو کیسے سمجھائیں اوراگر ہماری بہو نہ مانے، تواس کو کیا کرنا چاہئے، اس کو چھوڑ دیا جائے یا نہیں؟

المستفتی: انیس الرحمٰن، مطیع الرحمٰن، مسجد منہاروں والی، چاہ شری، بجنور (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آپ کے بیٹے کو شرعی طور پر پورا حق ہے کہ اس کو وہاں جانے سے قطعاً منع کردے اوراگر شوہر کی بات نہ مان کر چلی جاتی ہے، تواس کو اولاً طلاق وغیرہ کی دھمکی دی جائے، پھر نہ مانے تو صرف ایک طلاق دے، تین طلاق نہ دے۔ نیز اس کو مار پیٹ کر بھی سمجھانے کا حق ہے۔

وَاللّٰتِیْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِیْ الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا . [النساء: ٣٤]

وطلاق البدعة أن يطلقها ثلاثاً بكلمة واحدة أو ثلثاً في طهر واحد.

(هداية، كتاب الطلاق، باب طلاق السنة اشرفي ٢/ ٣٥٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۳ر جمادی الاول ۱۴۱۴ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۹/ ۳۴۵۲)	۱۴۱۴/۵/۳ھ

(۳) باب اللباس

اسلام میں ٹوپی پہننا کیسا ہے

سوال[۱۰۵۵۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اسلام میں ٹوپی پہننا کیسا ہے؟ نیز کیا کھانا کھاتے وقت بھی ٹوپی پہننا ضروری ہے؟

المستفتی: محمد طاہر، جامعہ شاہ ولی اللہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ٹوپی پہننا مسنون ہے، حضرات صحابہ کرام کے سروں پر چپٹی ہوئی ٹوپیاں ہوتی تھیں۔

عن أبي سعيد وهو عبد الله بن بسرؓ، قال: سمعت أبا كبشة الأنماري، يقول: كانت كمام أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم بطحا. (سنن الترمذي، باب بلاترجمة، النسخة الهندية ۱/۳۰۸، دار السلام رقم:۱۷۸۲، مشكوة المصابيح ۲/۳۷٤)

اور کھانا کھاتے وقت ٹوپی پہننا ضروری اور لازم نہیں، بغیر ٹوپی کھانے میں کوئی حرج نہیں۔

ولا بأس بالأكل متكئًا، أومكشف الرأس في المختار. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، زكريا ۹/٤۹۰، كراچي٦/۳۰٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷؍محرم الحرام ۱۴۲۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷/۸۲۰۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۷/۱/۱۴۲۵ھ

ٹوپی پہننے کا ثبوت حدیث شریف سے

سوال [۱۰۵۵۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ٹوپی اوڑھنا سنت ہے یا مستحب یا واجب؟ اگر سنت ہے تو کونسی؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دیں۔

المستفتی: حافظ ایوب مسجد ہاتھی خانہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: سر پر ٹوپی اوڑھنا سنت ہے اور معتبر حدیث سے نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ٹوپی اوڑھنا ثابت ہے۔ حدیث کے الفاظ میں آیا ہے کہ نبی کریم ﷺ یا حضرت عمرؓ نے آسمان کی طرف اس طرح سر اٹھایا کہ ٹوپی سر سے نیچے گرگئی اور اس حدیث شریف کو محدثین نے حسن کہا ہے۔ حدیث شریف ملاحظہ فرمائیے:

عن أبي يزيد الخولاني، قال: سمعت فضالة بن عبيد يقول: سمعت عمر بن الخطاب يقول: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: الشهداء أربعة: رجل مؤمن جيد الإيمان لقي العدو فصدق الله فقتل، فذلك الذي ينظر الناس إليه هكذا ورفع رأسه حتى سقطت قلنسوة رسول الله صلى الله عليه وسلم أو قلنسوة عمر. والثاني: رجل مؤمن لقي العدو فكأنما يضرب ظهره بشوك الطلح، جاءه سهم غرب فقتله، فذلك في الدرجة الثانية. والثالث: رجل مؤمن خلط عملاً صالحاً وآخر سيئًا لقي العدو فصدق الله عزوجل حتى قتل فذلك في الدرجة الثالثة. الحديث. وقال المحشي اسناده حسن. (مسند أحمد بن حنبل، دار الحديث قاهرة ۱/ ۳۳۰-۳۳۱، رقم: ۱۵۰)

ورواه الترمذي وقال حديث حسن غريب. (ترمذي شريف، باب ما جاء في فضل الشهداء عند الله، النسخة الهندية ۱/ ۲۹٤، دار السلام رقم: ۱٦٤٤، مسند أبي داؤد الطيالسي، دار الكتب العلمية بيروت ۱/ ٤۰، رقم: ٤٥، مسند أبي يعلیٰ

الموصلي، دارالکتب العلمیة بیروت ۱/۱۲۷-۱۲۸، رقم:۲٤۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲/ربیع الاول ۱۴۲۳ھ
(فتویٰ نمبر:الف ۳۶/۷۵۴۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۳/۴ھ

کیا حضور ﷺ کی ٹوپی گول تھی؟

سوال [۱۰۵۵۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے سوال کیا کہ کلاہ مدور یعنی گول ٹوپی رسول اللہ ﷺ نے استعمال نہیں کی، تو پھر حضور ﷺ نے کون سی ٹوپی استعمال کی؟

المستفتی: محمد عمیر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سنن الترمذی میں ایک حدیث شریف ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ گول ٹوپی استعمال فرمایا کرتے تھے۔

عن أبي سعيد وهو عبد الله بن بسرؓ، قال: سمعت أبا كبشة الأنماري، يقول: كانت كمام أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم بطحا. (سنن لترمذي، باب بلا ترجمة، النسخة الهندية ۱/۳۰۸، دار السلام رقم: ۱۷۸۲، مشکوة المصابیح ۲/۳۷٤)

اس جگہ کمام بمعنی ٹوپی کے ہے، بطحاء بمعنی چپکی ہوئی ہونے کے ہیں، جب صحابہ کرامؓ کی ٹوپی کی صراحت اس طرح ہے، تو لامحالہ حضور ﷺ کے اس طرح ٹوپی استعمال کرنے کی وجہ سے صحابہ بھی استعمال کرتے رہے ہوں گے، اور سر سے چپکی ہوئی جب ہی ہوسکتی ہے کہ جب گول ہو۔ نیز حضور ﷺ کے پاس ایک ٹوپی سفر کی الگ بھی تھی، جس کو سترہ بنا کر نماز بھی پڑھ لیتے تھے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۱۴/۱۷، جدید ڈابھیل ۱۸/۲۹۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳/ذی قعدہ ۱۴۱۴ھ
(فتویٰ نمبر:الف ۳۱/۳۶۸۸)

اسلامی ٹوپی کیسی ہواور حضور ﷺ کی ٹوپی کیسی تھی؟

سوال [۱۰۵۵۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اسلامی ٹوپی کونسی ٹوپی کو کہا جائے گا، حضرت نبی کریم ﷺ کی ٹوپی کس نمونہ کی تھی سر سے اوپر اٹھی ہوئی یا سر سے لگی ہوئی گول یا لمبی؟

المستفتی: مہربان علی، بڑوتوی، مدرسہ عربیہ امداد الاسلام، ہرسولی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: حضور اقدس ﷺ کی ٹوپی سر سے چپٹی ہوئی تھی اوپر کو اٹھی ہوئی نہیں تھی؛ البتہ حضور ﷺ کی سفر کی ٹوپی بال دار تھی اور حضرات صحابہ کرام کی ٹوپیاں سر سے چپٹی ہوئی تھیں، اوپر کو اٹھی ہوئی نہیں تھیں۔ (مستفاد: نبوی لیل ونہار معہ خصائل نبوی ۳۴۰، فتاوی محمودیہ قدیم ۵/ ۱۰۹، جدید ڈابھیل ۱۹/ ۲۹۶)

بطحا جمع بطحاء أي مبسوطة علی رؤسهم ولازقة علی رؤسهم غير مرتفعة عنها. (حاشية مشكوة ٢/ ٣٧٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳/ جمادی الثانیہ ۱۴۰۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۴/ ۱۲۸۹)

اکابر دارالعلوم دیوبند کی ٹوپیاں کیسی تھیں؟

سوال [۱۰۵۵۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ، مولانا قاسم صاحب نانوتویؒ، حکیم الأمت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ، مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ، مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلویؒ، شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ، شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن

صاحب دیوبندی اور دیگر اکابرین کی ٹوپی کس نمونہ کی ہوتی تھیں؟

المستفتی: مہربان علی، بڑوتوی، مدرسہ عربیہ امداد الاسلام، ہرسولی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی ٹوپی کے بارے میں تحقیق نہ ہوسکی، حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتویؒ کی ٹوپی معلوم کرنے کے لئے احقر نے بذات خود حضرت مولانا اسلم صاحب سے ملاقات کی ہے، ان کے یہاں حضرت نانوتویؒ کی ایک ٹوپی تھی، جو گول تھی البتہ بالکل بیچ میں ذراسی نوک نما تھی، جو فی الحال مولانا حامد الانصاری غازی کی اہلیہ کے پاس موجود ہے، حضرت تھانویؒ کی ٹوپی گول تھی، جو اس وقت حضرت مولانا مسیح اللہ خاں صاحب مدظلہ کے متعلقین خاص طریقے سے استعمال کرتے ہیں، حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کی ٹوپی کے متعلق معلومات زیادہ محقق طریقے سے حضرت اقدس مفتی محمود حسن صاحب مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند سے ہوسکتی ہے؛ لیکن فی الحال وہ افریقہ تشریف لے گئے ہیں، تاہم دوسرے اکابر سے معلوم ہوا کہ وہی ٹوپی استعمال کرتے تھے، جو حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب قدس سرہ استعمال کیا کرتے تھے اور حضرت شیخ الحدیث صاحب کی ٹوپی احقر نے اپنی آنکھ سے دیکھی ہے کہ گول ٹوپی پہنتے تھے، کسی زمانے میں جالی دار ٹوپی بھی استعمال کرتے تھے؛ کیونکہ سر میں زیادہ گرمی رہتی تھی، حضرت مولانا الیاس صاحب کی ٹوپی کے بارے میں ان کے صحبت یافتہ جناب فریدی صاحب مرادآبادی مدظلہ سے معلوم کیا گیا، انہوں نے بتلایا کہ کبھی گول ٹوپی استعمال کرتے تھے اور کبھی کبھی دوپلی ٹوپی استعمال کرتے تھے، جو اس وقت عام اکابر علماء استعمال کرتے ہیں، حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد صاحب مدنیؒ کی ٹوپی کھدّر کی معتدل انداز میں دوپلی تھی، شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی کی ٹوپی کے سلسلہ میں ان کے خاندان ودیگر اکابر علماء سے معلوم کیا گیا ہے کہ حضرت کی ٹوپی گول تھی؛ لیکن بیچ میں چندیا ہوتی تھی

اور دیگر اکابر علماء کی ٹوپی جو احقر نے دیکھی ہے گول یا دوپلی ہوتی تھی اس کے علاوہ کوئی دوسری ڈیزائن کی ٹوپی اکابر نہیں استعمال کرتے تھے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ جمادی الثانیہ ۱۴۰۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۲۸۹/۲۴)

دیو بندی ٹوپی سے متعلق چند سوال وجواب

سوال [۱۰۵۵۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جس چنٹ والی اور چونچ دار ٹوپی کو آج کل دیوبندی ٹوپی کہا جاتا ہے، اس کی اصل کیا ہے اور اس کا موجد کون ہے؟ اس کے متعلق زیادہ روشنی کی ضرورت ہے۔

الف: کیا یہ ٹوپی سنت کے مطابق ہے؟

ب: کیا ہمارے اسلاف اور موجود اکابر نے اس کو اختیار اور پسند فرمایا ہے؟

ج: اگر اکابر نے اس کو اختیار نہیں فرمایا، تو آخر کیوں؟ اس کی وجہ کیا ہے؟

د: کیا اس ٹوپی کو قاسمی ٹوپی کہنا صحیح ہے؟

ہ: بعض لوگ اس کو فیشنی ٹوپی کہتے ہیں، ایسے لوگوں کا یہ خیال کیسا ہے؟

امید ہے کہ آنجناب سوال کے ہر ہر جزء کو منقح فرما کر ہدایت اور رہنمائی فرمائیں گے۔

المستفتی: مہربان علی، بڑوتوی، مدرسہ عربیہ امداد الاسلام، ہرسولی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: چونچ دار ٹوپی جو اس زمانے میں دیوبندی ٹوپی سے موسوم ہے، اس کا استعمال کرنا اگرچہ حرام یا مکروہ نہیں ہے؛ لیکن یہ اکابر علماء دیوبند کی ٹوپی نہیں ہے، اس کے اصل موجد اور بانی کے بارے میں احقر کو علم نہیں ہے؛ البتہ دیوبند کی طرف منسوب ہونے کی علت احقر کو پوری طرح معلوم ہے کہ ہندوستان کے مختلف خطوں

سے طلبہ داخلہ لینے کے لئے دیوبند آتے تھے، جیسا کہ اب بھی آتے ہیں، ان میں بعض طلبہ اپنے علاقے سے چونچ دار ٹوپی پہن کر آتے تھے، دیکھا دیکھی دوسرے طلبہ نے بھی شوقیہ استعمال کرنا شروع کردی تھی، اوراپنے ساتھیوں کے ذریعہ سے منگوایا کرتے تھے، آخر میں طلبہ کے درمیان اس کا رواج چل پڑا، پھر راقم الحروف کے طالب علمی کے زمانہ میں ایک صاحب بنام ہدایت اللہ صاحب نے کہیں سے یہ ٹوپی دارالعلوم دیوبند کے صدر گیٹ کے سامنے فروخت کرنا شروع کردی، رفتہ رفتہ انہوں نے اپنے گھر بھی بنانا شروع کردی اور ضلع سہارنپور، میرٹھ، مظفرنگر، وغیرہ قرب وجوار کے علاقہ میں کہیں بھی یہ ٹوپی دستیاب نہیں ہوتی تھی اورقرب و جوار کے طلبہ جناب ہدایت اللہ صاحب سے چونچ دار ٹوپی لے کر گھر جاتے تھے، دیکھا دیکھی اطراف کے لوگوں نے بھی اپنے لئے دیوبند سے یہ ٹوپی منگوانا شروع کردی، رفتہ رفتہ عام لوگ اس ٹوپی کو دیوبند سے دیوبندی ٹوپی کے نام سے منگوانے لگے، جب یہ ٹوپی اس طرح چالو ہوگئی تو دوکاندار قاری عبدالرحیم صاحب وغیرہ نے بھی اس کا سلسلہ جاری کردیا، اس طرح دیوبند میں ملنے کی وجہ سے دیوبندی ٹوپی سے موسوم ہوگئی ہے، ورنہ اکابر واساتذہ دارالعلوم سے اس ٹوپی کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

الف: اگرچہ یہ حضور ﷺ وصحابہؓ کی ٹوپی نہیں ہے؛ لیکن کفار کے شعار نہ ہونے کی وجہ سے ناجائز بھی نہیں ہے۔

ب/ج: اکابر نے اسلئے اختیار نہیں فرمایا کہ یہ ٹوپی حضرت گنگوہیؒ، وحضرت نانوتویؒ کے زمانہ میں نہیں تھی اور بعد کے اکابر انہیں کے پیروکار تھے، نیز اخیر کے اکابر اپنے متعلقین و طلبہ کو اس ٹوپی کے استعمال کرنے سے اس لئے منع کرتے ہیں کہ یہ اکابر اسلاف کی ٹوپی نہیں ہے اور یہ ممانعت ناجائز ہونے کی وجہ سے نہیں ہے؛ بلکہ از قبیلِ تربیت واکابر کے لباس کے عادی بنانے کے لئے ہے۔

ج: اس کو قاسمی ٹوپی کہنا غلط ہے، حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتویؒ کی ٹوپی اب بھی

حامدالانصاری غازی کے یہاں موجود ہے، جس کوتحقیق کرنا ہوازخود جا کر دیکھ لے۔

۵: اس کو فیشنی ٹوپی اس لئے کہتے ہیں کہ اکابر نے اس کو اپنایا نہیں ہے۔

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ جمادی الثانیہ ۱۴۰۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۴؍۱۲۸۹)

گول ٹوپی اور لمبی ٹوپی کا ثبوت

سوال [۱۰۵۵۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ گول ٹوپی اور لمبی ٹوپی کے بارے میں ہمارے یہاں شدید تنازع ہے، بعض کہتے ہے کہ نبی علیہ السلام سے صرف گول ٹوپی پہننا ثابت ہے، لمبی ٹوپی یہ دیوبندی ایجاد شدہ ہے شرعًا اس کا ثبوت نہیں ہے، مخالفین حضرات کہتے ہے کہ اس کا ثبوت اگر چہ صراحۃً حضور علیہ السلام سے نہیں ہے، مگر دلالۃً ثابت ہے۔

نیز تعامل اسلاف دونوں ہے؛ اس لئے اس کی گنجائش ہے؛ لیکن گول ٹوپی پہننا افضل ہے، تو کیا یہ فریقین کا نظریہ درست ہے؟

نیز لمبی ٹوپی کے بارے میں کوئی روایت موجود ہوتو حوالہ دے کر ہم دیوبندیوں کو مطمئن کریں؟

المستفتی: محمد عبدالرحمٰن، ۲۴؍ پرگنوی، متعلم مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: چپکی ہوئی گول ٹوپی پہننا حضور ﷺ اور بعض صحابہ کرام سے ثابت ہے، نیز اکابر صلحاء واسلاف کا بھی معمول یہی رہا ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۱۷؍۳۰۳، جدید ڈابھیل ۱۹؍۲۹۸، لیل ونہار خصائل نبوی ۳۴۰)

عن أبي سعيد وهو عبد الله بن بسر رضی اللہ عنہ، قال: سمعت أبا كبشة الأنماري،

يقول: كانت كمام أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم بطحا. (سنن الترمذي، باب بلاترجمة، النسخة الهندية ۱/۳۰۸، دار السلام رقم:۱۷۸۲، مشكوة المصابيح ۲/۳۷۴)

كمام أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم، هي جمع كمة القلنسوة المدورة سميت بها؛ لأنها تغطي الرأس، وبطحاء، معناه أنها كانت مبسوطة لازقة برؤوسهم غير مرتفعة عنها. (شرح الطيبي، كتاب اللباس، الفصل الثاني، كراچي ۸/۲۱۵، تحت رقم الحديث:۴۳۳۳)

بطحا جمع بطحاء وهي القلنسوة المدورة؛ أي كانت مبسوطه على رؤسهم لازقة غير مرتفعة عنها. (مرقات، كتاب اللباس، الفصل الثاني، امدادية ملتان ۸/۲۴۶)

لمبی دو پلی ٹوپی بھی بعض اکابر اسلاف سے ثابت ہے؛ لیکن حضور ﷺ یا صحابہ کرامؓ سے اس کا ثبوت نہیں ملتا اور لمبی نوک والی ٹوپیاں جو دیوبندی اور گاندھی کی ٹوپی سے مشہور ہے، یہ نہ تو حضور ﷺ سے ثابت ہے اور نہ ہی اسلاف اکابر دیوبند کی ٹوپی ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۰ ربیع الاول ۱۴۲۴ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵/۶۵۵۸)	۱۴۲۱/۳/۲۰ھ

کن کن اوقات میں ٹوپی پہننا مسنون ہے؟

سوال [۱۰۵۵۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کھانا کھاتے وقت ٹوپی پہننا سنت ہے یا نہیں؟ یا پھر ہر وقت ٹوپی پہننا سنت ہے یا بعض اوقات میں نہ پہننے کی گنجائش ہے، جیسے پیشاب پاخانہ وغیرہ کے وقت۔

المستفتی: محمد اطہر جاوید

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عام حالات میں سر پر ٹوپی رکھنا مستحب ہے اور عمومیت میں کھانا بھی شامل ہے، اور بلا ٹوپی کھانا کھانا بلا کراہت جائز ہے، لہٰذا سر پر ٹوپی

رکھنا صرف آداب طعام میں سے ہوسکتا ہے، اور ٹوپی سر پر نہ رکھ کر کھانا خلاف سنت یا مکروہ نہ ہوگا، البتہ بیت الخلاء میں داخل ہوتے وقت سر پر ٹوپی رکھنا فقہاء نے مستحب لکھا ہے۔

وإذا أراد دخول الخلاء يستحب له أن يدخل بثوب (إلى قوله) ويدخل مستور الرأس. (هنديه، كتاب الطهارة، الباب السابع، الاستنجاء علىٰ خمسة أوجه، زكريا قديم، ۱/ ۵۰، جديد، ۱/ ۱۰۶، حاشيه الطحطاوى على مراقى الفلاح، دارالكتاب ديوبند ۱/ ۵۱)

ولا بأس بالأكل مكشوف الرأس وهو المختار. (عالمگيرى: كتاب الكراهيه الباب الحادى عشر فى الكراهة فى الاكل وما يتصل به، زكريا قديم، ۵/ ۳۳۷، جديد: ۵/ ۳۹۱، شامى زكريا: ۹/ ۴۹۰، كراچى: ۶/ ۳۴۰)

اور کبھی ضرورت کی وجہ سے ٹوپی سر پر نہ رکھنے میں کوئی حرج نہیں، مگر مجمع یا بازاروں اور سڑکوں پر ننگے سر پھرنا خلاف سنت ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۷/ صفر المظفر ۱۴۱۶ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۲/ ۴۳۵۸)	۱۴۱۶/۲/۲۹ھ

عام حالات ومجالس میں ٹوپی پہننے کا حکم

سوال [۱۰۵۶۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عام مجلس اور عام حالات میں ٹوپی پہننا کیا حکم رکھتا ہے، کیا بغیر ٹوپی کے بازاروں میں گھومنا شرعاً منع اور گناہ ہے؟ یا ننگے سر رہنے میں کوئی مضائقہ نہیں؟

المستفتی: مہربان علی، بڑوتوں، مدرسہ عربیہ امداد الاسلام ہرسولی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عام حالات اور عام مجلس میں ٹوپی پہنے رہنا مسنون ہے، ننگے سر بازار میں گھومنا فساق کا طریقہ ہونے کی وجہ سے علماء نے مکروہ لکھا ہے:

البتہ کسی عذر یا بے خیالی کی وجہ سے سر پر ٹوپی نہ رہے، تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۱۴۲/۵، جدید ڈابھیل ۳۰٦/۱۹)

ویکره کشف الرأس بین الناس. (غنیة الطالبین مترجم ۴۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳/ جمادی الثانیہ ۱۴۰۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۴/ ۱۲۸۹)

بلا عذر عام حالات میں ننگے سر رہنا

سوال [۱۰۵٦۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک فاضل دارالعلوم جو مانگ نکال کر بغیر ٹوپی پہنے ہوئے گھومتا پھرتا ہے، ان سے یہ کہنے پر کہ سنت نبوی سے کیوں بھاگتے ہو؟ جواب دیتے ہیں کہ ابھی جوان ہوں، شرعاً یہ عالم کس امر کے مرتکب ہوئے؟ مفصل تحریر فرمائیں۔ ننگے سر پھرنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: عبدالرحمٰن، دربھنگہ، متعلم مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عام حالات میں بلا عذر ننگے سر گھومنا فساق کا طریقہ ہے؛ اس لئے علماء نے ننگے سر گھومنے کو مکروہ لکھا ہے اور خاص طور پر فاضل دارالعلوم کے لئے تو یہ حرکت ہرگز درست نہیں ہوسکتی، جوانوں کو اللہ تعالی نے مرفوع القلم قرار نہیں دیا ہے؛ ہاں جو جوان مجنون اور پاگل ہے، وہ مستثنیٰ ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۱۴۲/۵ اجدید ڈابھیل ۳۰٦/۱۹، فتاوی رحیمیہ قدیم ۲۵۱/٦، جدید زکریا ۱۵۵/۱۱-۱۵٦)

ویکره کشف الرأس بین الناس. (غنیة الطالبین مترجم ۴۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲٦/ ذی الحجہ ۱۴۰۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۵/ ۱۵۷۸)

گنبد خضریٰ یا غلاف کعبہ کے رنگ کی ٹوپی پہننا

سوال [۱۰۵۶۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ گنبد خضریٰ کی نسبت سے یا غلاف کعبہ کی نسبت سے اپنی ٹوپی کو اس کے رنگ کے مطابق پسند کرنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: عبدالحفیظ، کرولہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: گنبد خضریٰ کی نسبت سے یا غلاف کعبہ کی نسبت سے اپنی ٹوپی کو اس کے رنگ کے مشابہ کوئی شخص پسند کرتا ہے، وہ اس شخص کی اپنی ذاتی عقیدت کی بات ہے، اس کو اختیار ہے کہ اس رنگ کی ٹوپی استعمال کرے، مگر یہ ایسی شرعی بات نہیں، جو عامۃ المسلمین کے لئے لائحہ عمل ہو، عامۃ المسلمین کے لئے قابل عمل وہی ہے، جس کو حضرت سید الکونین علیہ السلام نے پسند فرما کر ترغیب دی اور وہ سفید لباس ہے، آپ ﷺ نے سفید لباس کو پسند فرمایا اور اس کی ترغیب دی ہے؛ اس لئے لباس کے اعتبار سے اس شخص کا عمل زیادہ بہتر ہے، جس نے حضرت سید الکونین علیہ السلام کے پسند کے مطابق سفید لباس اختیار کر رکھا ہو کرتا بھی سفید ہو پائجامہ بھی سفید ہو اور ٹوپی بھی سفید ہو۔ حدیث شریف ملاحظہ ہو۔

عن ابن عباسؓ، قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: بالبیاض من الثیاب لیلبسها أحیاکم و کفنوا فیها موتاکم، فإنها من خیار ثیابکم، وعن سمرة جندبؓ، قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیة وسلم: البسوا البیاض، فإنها أطهر وأطیب، و کفنوا فیها موتاکم. (شمائل ترمذي ٥)

عن ابن عمرؓ، أن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: کان یلبس قلنسوة

بیضاء. (شعب الإيمان للبيهقي، فصل في العمائم، دار الكتب العلمية بيروت ٥/١٧٥، رقم: ٦٢٥٩، مجمع الزوائد، دار الكتب العلمية بيروت ٥/١٢١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴/ذی قعدہ ۱۴۳۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹/۱۰۸۱۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۱۱/۵ھ

کسی قوم سے مشابہت کا مطلب

سوال [۱۰۵۶۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حدیث **من تشبہ بقوم فھو منھم** کا کیا مطلب ہے؟ نیز اسلامی معاشرہ کی حقیقت اور اہمیت کیا ہے؟ اس کے تحفظ کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: عبدالحق، نورتھ، ۲۴/ پرگھنہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شرفاء کی خصوصیات اور طور وطریق اور حلیہ لباس وغیرہ کو اختیار کر کے شرفاء کے مشابہ بنتا ہے، تو وہ عند اللہ شرفاء کے زمرہ میں شامل ہوگا اور اگر کوئی فساق یا کفار کی خصوصیات اور طور وطریق حلیہ لباس وغیرہ اختیار کرتا ہے اور انہیں سے مشابہت اختیار کرتا ہے، تو عند اللہ وہ فساق یا کفار کے زمرہ میں شامل ہوگا۔

عن ابن عمرؓ، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من تشبه بقوم فهو منهم. (سنن أبي داؤد، كتاب اللباس، باب في لبس الشهرة ٢/٥٥٩، دارالسلام رقم: ٤٠٣١، منسد البزار، مكتبه العلوم و الحكم ٧/٣٦٨، رقم: ٢٩٦٦)

من شبه نفسه بالكفار، مثلاً في اللباس وغيره، أو بالفساق، أو الفجار، أو بأهل التصوف، والصلحاء الأبرار فهو منهم أي في الإثم والخير. (مرقاة

المفاتيح، كتاب اللباس،الفصل الثاني، مكتبه امداديا ملتان ۸/ ۲۰۵، شرح الطيبي، كراجي ۸/ ۲۱۹، تحت رقم الحديث ۴۳۴۷،عون المعبود، دار الكتاب العربي بيروت ۴/ ۷۸)

اسلامی معاشرہ کی اہمیت اور اس کا تحفظ حکماً فرض کفایہ ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵؍شوال المکرّم ۱۴۰۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۵؍۱۴۵۴)

مسنون لباس

سوال [۱۰۵۶۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اسلام میں لباس کی کوئی تعیین ہے یا نہیں؟ شرعی لباس کونسا ہے؟ اور مسنون لباس کونسا ہے۔ نیز لباس شریعت اور لباس سنت ایک ہیں یا ان میں کچھ فرق ہے،؟ نیز پینٹ شرٹ پہننا کیسا ہے؟ کیا اس میں غیروں کے ساتھ تشبہ لازم آتا ہے یا نہیں؟ جبکہ اس میں ابتلائے عام ہے؟ کیا ابتلائے عام کی وجہ سے تشبہ ختم ہو جاتا ہے؟ اگر ہو جاتا ہے تو پھر دوسری چیزوں میں بھی تشبہ نہ رہنا چاہئے، جیسے کی ڈاڑھی کٹوانا وغیرہ۔ نیز یہ بھی بتلائیں کہ تشبہ کس وقت لازم آتا ہے، اور کس وقت نہیں یعنی تشبہ کی مقدار اور اس کی حد کیا ہے، ان تمام سوالات کے جوابات عنایت فرما کر شکریہ کا موقع دیں۔

المستفتی: ڈاکٹر محمد زبیر، بجنوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو لباس مسنون لباس ہے، یعنی حضور ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہ کا لباس وہ یقینی طور پر شرعی لباس ہے، اسے مسنون لباس بھی کہا جاسکتا ہے۔ اور شرعی لباس بھی کہا جاسکتا ہے، اور ہر ملک کے جو صلحاء کا لباس ہے اور وہ فساق وفجار اور غیروں کے لباس کے مشابہ نہیں ہے، اسے اگر چہ مسنون لباس نہ کہا جائے، مگر وہ بھی شرعی

لباس کے دائرے میں داخل ہے؛ لہٰذا ہندوستان کے علماء وصلحاء کے لباس شرعی لباس کے دائرے میں داخل ہیں، پینٹ شرٹ صلحاء کا لباس نہیں ہے، اگر چہ غیروں کی مشابہت نہ کہا جائے، تب بھی یہ شرعی لباس کے دائرے میں داخل نہیں ہے، نیز آج کل کے زمانے میں پینٹ ،شرٹ کی شکل میں ''جینس'' کے نام سے جو زیادہ چل رہی ہے، وہ قطعی طور پر فساق کا لباس ہے، جو مسلمانون کے گھر گھر عام ہو چکا ہے، مردوں کے لئے اس لباس کا پہننا مکروہ تحریمی ہے، اور عورتوں کے لئے اس کا پہننا حرام ہے؛ اسلئے کہ اس سے ان کے بدن کی بناوٹ مکمل نظر آتی ہے، یہ لباس انگریزوں سے شروع ہوکر پوری دنیا میں عام ہو چکا ہے، اگر چہ آج کے زمانے میں اس کو کسی قوم کا لباس نہ کہا جائے، پھر بھی جب عورتیں اور لڑکیاں پہنتی ہیں، وہ مردوں کے مشابہ بن جاتی ہیں، اور عورتوں کے لئے ایسا لباس پہننا جس میں مردوں کی مشابہت آتی ہو حرام ہے۔ (مستفاد: محمود یہ ڈابھیل ۱۹/ ۲۵۵، فتاوی رحیمیہ زکریا ۱۰/ ۱۵۶)

عن أبي بردةؓ، قال: أخرجت إلينا عائشةؓ، كساءً ملبدًا، وإزارا غليظاً، فقالت: قبض روح رسول الله صلى الله عليه وسلم: في هذين. (شمائل ترمذي۸)

عن أم سلمة قالت: كان أحب الثياب إلي رسول الله صلى الله عليه وسلم يلبسه القميص. (شمائل ترمذر٥)

قال القاري أي من شبه نفسه بالكفار مثلا في اللباس وغيره، أو بالفساق، أو الفجار، أوبأهل التصوف، والصلحاء الأبرار، فهو منهم أي في الإثم، والخير عند الله تعالى. (مرقاة المفاتيح، كتاب اللباس، الفصل الثاني،امدادية ملتان ٨/ ٢٥٥)

عن أبي هريرةؓ، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: صنفان من أهل النار لم أرهما، قوم معهم سياط كأذناب البقر يضربون بها الناس، ونساء كاسيات عاريات مميلات مائلات رؤسهن كأسنمة البخت المائلة لا يدخلن الجنة، ولا يجدن ريحها، وإن ريحها ليوجد من مسيرة

کذا و کذا. (مسلم شریف، باب النساء الکأسیات العاریات المائلات المميلات،النسخة الهندية ٢/ ٢٠٥، بيت الأفكار رقم:٢١٢٨)

نیز داڑھی کٹوانے کو ابتلاء عام کہہ کر جواز کے دائرہ میں لانے کی فکر کرنا غلط ہے، ڈاڑھی اسلام کا اہم ترین شعار ہے؛ اس لئے اس کا منڈوانا اور ایک مشت سے کم کر کے کٹوانا دونوں حرام ہیں، اس کا تشبہ سے کوئی تعلق نہیں ہے؛ کیونکہ اگر سکھ ڈاڑھی رکھتے ہیں، تو مسلمانوں کے ڈاڑھی رکھنے کو سکھوں کے ساتھ مشابہ قرار نہیں دیا جائے گا؛ بلکہ ڈاڑھی رکھنا اسلام کا ایک مستقل شعار ہے۔

عن ابن عمرؓ، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: خالفوا المشركين أحفوا الشوارب وأوفوا اللحي. (مسلم شريف، باب خصال الفطرة، النسخة الهندية ١/ ١٢٩، بيت الأفكار رقم: ٢٥٩)

عن عائشةؓ، قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: عشر من الفطرة قص الشارب، وإعفاء اللحية. (مسلم شريف، باب خصال الفطرة،النسخةالهندية ١/ ١٢٩، بيت الأفكار رقم: ٢٦١)

ويحرم على الرجل قطع لحيته. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الحظر والإباحة، باب الإستبراء وغيره، زكريا ٩/٥٨٣، كراچي ٦/٤٠٧)

وأما الأخذ منها أي من اللحية وهي دون ذلک كما يفعله بعض المغاربة ومخنثة الرجال، فلم يبحه أحد وأخذ كلها فعل يهود الهند ومجوس الأعاجم. (الدر المختار مع الشامي، مطلب في الأخذ من اللحية زكريا ٣/٣٩٨، كراچي ٢/ ٤١٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
ا رصفر المظفر ۱۴۳۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۸۷۰/۴۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۶/۲/۴ھ

ٹائی باندھنا

سوال[۱۰۵۶۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آج کل عام طور پر مسلمانوں کو گلے میں ٹائی باندھے ہوئے دیکھا جاتا ہے، خاص طور پر شادی کے موقعہ پر دولہا کے بھی کوٹ پینٹ کے ساتھ گلے میں ٹائی باندھی جاتی ہے، چاہے دولہا ان پڑھ ہی کیوں نہ ہو، کچھ دن پہلے مجھ کو ایک مولوی صاحب نے بتایا تھا کہ ٹائی نہ باندھا کروں؛ کیونکہ مسلمانوں کو ٹائی باندھنا حرام ہے؛ لہٰذا آپ سے دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ کیا ایک مسلمان کو ٹائی باندھنا حرام ہے؟ ٹائی کے سلسلہ میں شرعی حکم کیا ہے اور یہ بھی بتائیں کہ ٹائی باندھ کر دولہا کا نکاح کرنا درست ہے یا نہیں؟

ہم لوگ اس کا کاروبار کرتے ہیں، تو کیا ایسی حالت میں کاروبار سے ہوئی آمدنی حرام نہیں ہوگی؟

المستفتی: سید نوشاد علی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ٹائی باندھنا اغیار کا شعار ہونے کی وجہ سے ناجائز اور ممنوع ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۳/ ۴۲۹، فتاوی محمودیہ قدیم ۱۲/ ۴۰۸، جدید ڈابھیل ۱۹/ ۲۸۹)

اور ٹائی کے استعمال کی قباحت الگ چیز ہے، اور نکاح کا حکم اس سے الگ دوسری چیز ہے؛ اس لئے ٹائی باندھنے کی وجہ سے عقد نکاح کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

نیز کاروبار سے ہونے والی آمدنی بالکل پاک صاف اور حلال ہے، اس میں خرابی کی کوئی علت موجود نہیں ہے، بشرطیکہ کاروبار میں سودی لین دین نہ ہو۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴ رشعبان المعظم ۱۴۱۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱/ ۳۵۷۶)

ٹائی باندھنا

سوال [۱۰۵۶۶]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آج کل اسکولوں میں جو پہناوا چل رہا ہے، اور گلے میں جو ٹائی لگائی جاتی ہے، تو کیا یہ صحیح ہے؟ اس کے بغیر بچہ کو اسکول میں داخل نہیں کرتے ہیں، میری ایک بچی آدم جو اسکول میں پڑھتی ہے اور اس اسکول میں عصری تعلیم کے ساتھ ساتھ دینی تعلیم بھی ہے، ہم نے اپنی بچی کے گلے میں ٹائی نہ لگا کر اسکول بھیجا تو انہوں نے پڑھانے سے انکار کردیا، تو کیا ایسی صورت میں ٹائی لگا کر بھیج سکتے ہیں؟ دلائل اور وضاحت کے ساتھ جواب مرحمت فرمائیں۔

المستفتی: عتیق الرحمٰن، اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ٹائی یہ نصاریٰ اور غیروں کا طریقہ اور شعار ہے؛ لیکن چونکہ آج کل اسکولوں میں ٹائی باندھنے کو لازمی قرار دیا گیا ہے؛ اس لئے صرف ضرورت کی بنیاد پر ٹائی باندھنے کی اجازت ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۴۰۸/۱۲، جدید ڈابھیل ۲۸۹/۱۹)

الأمور بمقاصدها يعني أن الحكم الذي يترتب على أمر يكون على مقتضى ماهو المقصود من ذلک الأمر. (قواعد الفقه، اشرفي ٦٢، رقم القاعدة ٥١)

الضرورات تتقدر بقدرها. (قواعد الفقه، اشرفي ٨٩، رقم: القاعدة ١٧١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/ ذی قعدہ ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۶۹۴۵/۳۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۱۱/۱۲ھ

کلی دار کرتا

سوال [۱۰۵۶۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کلی دار کرتا اور بغیر کلی دار کرتے کے متعلق شریعت کا کیا حکم ہے؟ طلباء اور علماء کو کس طرح کا کرتا پہننا چاہئے؟

المستفتی: محمد ریاض الدین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کلی دار کرتا اور غیر کلی دار دونوں طرح کا کرتا پہننا شرعاً جائز ہے؛ لیکن ہمارے اکابر نے کلی دار کرتے کو اپنایا ہے اور بغیر کلی دار کرتا اکابر نہیں پہنتے تھے۔ نیز پنجابی سوٹ اکابر کا لباس نہیں ہے؛ اس لئے طلباء علماء کے لئے کلی دار کرتا پہننا بہتر اور مستحسن ہے اور بغیر کلی دار کرتا مشائخ علماء کے علاوہ عام لوگ استعمال کرتے ہیں؛ اس لئے وہ عوام کا لباس شمار ہوتا ہے اور کلی دار کرتا علماء اور صلحاء کا لباس سمجھا جاتا ہے۔

الناس یعرف باللباس. (مفید الطالبین ٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶ر محرم الحرام ۱۴۲۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷/ ۸٦٧۱)

نصف ساق یا ٹخنوں تک کرتا پہننے کا حکم

سوال [۱۰۵٦۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نصف ساق تک کرتا پہننا سنت ہے یا افضل ہے؟

ب: پائجامہ نصف ساق تک سنت ہے یا ٹخنوں تک سنت ہے؟ اگر ٹخنوں تک سنت ہے، تو نصف ساق تک کو کیا کہا جائے گا؟

المستفتی: حاجی سردار خاں سنگمیر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نصف ساق تک کرتا پہننا سنن عادیہ میں داخل ہے اور مستحب وافضل ہے بنیت اتباع اختیار کرنے میں ثواب ملے گا، ترک کرنے میں ثواب سے محرومی ہوگی اور ٹخنوں تک کرتا پہننا بھی بلا کراہت جائز ہے۔

عن العلاء بن عبدالرحمن عن أبيه أنه قال: سألت: أبا سعيد الخدري، عن الإزار؟ فقال: أنا أخبرک بعلم من رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: إزارة المؤمن إلى أنصاف ساقيه، لا جناح عليه فيما بينه، وبين الكعبين، وما أسفل من ذلک ففي النار، لا ينظر الله يوم القيامة إلي من جر إزاره بطراً.

(مؤطا امام مالك، ماجاء في اسبال الرجل٣٦٧، اعظمي رقم: ٣٣٩٠، سنن ابن ماجه، باب موضع الإزار أين هو،النسخة الهندية ٢/٢٥٥، دار السلام رقم: ٣٥٧٣، مسند أحمد بن حنبل ٣/٥/ رقم: ١١٠٢٣،مسندأبي يعلي الموصلي، دار الكتب اللعلمية بيروت ١/٤٢٤-٤٢٥، رقم:٩٧٦)

قال صاحب البذل: المستحب إلي نصف الساقين والجائز بلاكراهة إلي الكعبين (إلى قوله) ما قال: رسول الله صلى الله عليه وسلم إلى نصف الساق، أو الكعبين في الإزار من الرخصة، وما قال في أسفل منهما من النهي فهو في القميص وغيره من الثياب. (بذل المجهود، كتاب اللباس، باب في قدر موضع الإزار، دار البشائر الإسلامية ١٢/١٢٥تا١٢٧، سهارن پور قديم ٥/٥٧، تحت رقم الحديث ٤٠٩٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ر ربیع الاول ۱۴۲۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶/ ۷۹۶۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۳/۹ھ

ٹخنوں سے نیچے کپڑا پہننے کا حکم

سوال [۱۰۵۶۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کوئی شخص ٹخنہ کے نیچے تک کپڑا پہنتا ہے اور وہ یہ کہتا ہے کہ کیا میں کوئی فیشن میں پہنتا ہوں؟ فیشن سے ہو یا ایسے ہی ہو کیا یہ صحیح ہے؟

المستفتی: محمد بدرالدین، مسجد میدان والی، محلّہ رفعت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دونوں صورت میں ناجائز ہے، صورت اولیٰ میں حرام صورت ثانیہ میں مکروہ تحریمی ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۴/۱۲۲)

عن أبي هريرة رضي، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لا ينظر الله يوم القيام إلى من جر إزاره بطراً. (صحيح البخاري، باب جر ثوبه من الخيلاء، النسخة الهندية ۲/ ۸۶۱، رقم: ۵۵۶۰ ف:۵۷۸۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲ ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۳/ ۶۴۵)

ٹخنے کے نیچے لنگی یا پائے جامہ پہننا

سوال [۱۰۵۷۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مسجد میں چارٹ نظر سے گذرا جس میں نماز کے علاوہ بھی ٹخنے (پیروں) ڈھکنا منع لکھا تھا، اگر یہ ممانعت درجہ کراہت تک ہے، تو بھی مستقل مکروہ فعل باعث قباحت ہے اور اگر خلاف سنت ہے، تو اور بھی زیادہ قابل ترک ہے، اور اگر خلاف واجب وفرض ہے تو عین حرام ہوگا؛ کیونکہ بندہ ناکارہ پتلون وغیرہ پہنتا ہے اور تقریباً

۱۴ سے ۱۶ گھنٹے اسی حال میں گذرتے ہیں؛ اس لئے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس سلسلے میں مسئلہ شرعی معلوم کر کے ضروری اقدام کیا جاوے؛ کیونکہ حرام لباس حرام کمائی غرض ہر حرام عبادات کو غیر مقبول اور دعا کو بھی غیر مقبول بنا دیتے ہیں؛ جبکہ دعا مؤمن کا ہتھیار اور عبادت کا مغز ہے اور عبادت دعا کو مقبول بنانے کے واسطے ہی کی جاتی ہے، تو جناب والا سے بصد احترام درخواست ہے کہ اس سلسلے میں ٹخنوں کو ڈھکنے کے درجہ وحکم کی وضاحت فرما کر عنداللہ ماجور ہوں عین عنایت ہوگی حکم الٰہی کی تلاش میں ہے ایک بندہ۔

المستفتی: اقتدار انیس صدیقی، محلّہ سرائے جگر روڈ، لال باغ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ٹخنے کے نیچے لنگی یا پائے جامہ، پتلون وغیرہ پہننا گناہ کبیرہ اور حرام ہے، چارٹ میں ممانعت سے مراد حرام ہے، صحیح حدیث شریف میں اس کی سخت وعید وارد ہوئی ہے۔

عن أبي ذرؓ، عن النبي صلى الله عليه وسلم، قال: ثلاثة لا يكلمهم الله يوم القيامة: ؛ ولا ينظر إليهم، ولا يزكيهم ولهم عذاب أليم، قال فقرأها رسول الله صلى الله عليه وسلم: ثلاث مراراً، قال أبو ذر: خابوا وخسروا، من هم يا رسول الله! قال: المسبل والمنان، والمنفق سلعته بالحلف الكاذب. (مسلم شريف، باب بيان غلظ تحريم اسبال الإزار......النسخة الهندية ۱/ ۷۱، بيت الأفكار رقم:۱۰۶) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/ ربیع الاول ۱۴۱۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۶/ ۲۱۵۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۱/۳/۶ھ

کیا موزے ٹخنوں کے نیچے کپڑے پہننے کی وعید میں شامل نہیں؟

سوال[۱۰۵۷۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ ٹخنوں کے نیچے کپڑا پہننا مرد کے لئے مکروہ تحریمی ہے،مگر موزے پہننے سے ٹخنے چھپ جاتے ہیں اور بعض آدمی جبہ ٹخنوں سے نیچے پہنتے ہیں، اس میں سے کون سی صورت جائز ہے؟

المستفتی: عبدالصمد، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: عربی زبان میں اسبال کے معنی لٹکانے کے ہیں اور موزے پہننے میں لٹکانے کا کوئی مفہوم ثابت نہیں ہوتا ہے۔

نیز حدیث شریف میں حضور ﷺ کا موزے پہن کر مسح کرنا ثابت ہے؛ اس لئے موزے کے ذریعہ سے ٹخنوں کا چھپانا جائز اور درست ہے اور پاجامہ، لنگی کرتا، جبہ وغیرہ کے ذریعہ سے ٹخنوں کو چھپایا جائے، تو اسبال کا معنی پورے طریقہ سے پایا جاتا ہے؛ اس لئے ناجائز اور حرام اور گناہ کبیرہ ہوگا۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تین قسم کے افراد کی طرف رحمت کی نگاہ نہیں اٹھائیں گے اور نہ ہی ان کو گناہ سے پاک کریں گے اور ان کو سخت ترین عذاب میں مبتلا کریں گے، ان میں سے ایک ٹخنوں سے نیچے کپڑے لٹکانے والا بھی ہے۔

عن أبي ذرؓ، عن النبي صلى الله عليه وسلم، قال: ثلاثة لا يكلمهم الله يوم القيامة: ولاينظر إليهم، ولايزكيهم ولهم عذاب أليم...... المسبل والمنان، والمنفق سلعته بالحلف الكاذب. (مسلم شريف، باب بيان غلظ تحريم إسبال الإزار......النسخة الهندية ۱/ ۷۱، بيت الأفكار رقم: ۱۰۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍رمضان المبارک ۱۴۱۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱/ ۳۵۷۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴/۹/۲ھ

نیچے چاک والا کرتا پہننا کیا خلاف سنت ہے؟

سوال [۱۰۵۷۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل

کے بارے میں: کہ ہماری ایک مشکل کا مناسب حل فرمایئے: وہ یہ ہے کہ ہمارے مدرسہ میں کچھ اختلاف ہورہا ہے، کہ مسنون کرتا کیا ہے؟

فریق اول: کا نظریہ یہ ہے کہ کرتا نیچے چاک والا ہونا چاہئے، جس طرح اکثر ہندوستانی اور پاکستانی کرتا پہنتے ہیں، ان کی دلیل یہ ہیکہ ہمارے اکابر اور بزرگوں کے کرتے اکثر چاک والے رہتے تھے، اور یہ نہیں ہوسکتا کہ وہ ایسا کرتا تجویز فرمائیں، جوسو فیصد سنت کے مطابق نہ ہو۔

فریق ثانی: ان کو یہ جواب دیتا ہے کہ یہ بات تولازم نہیں کہ ہمارے اکابر اور صلحاء نے اس کرتے کو اس وجہ سے تجویز کیا کہ وہ اقرب الی السنۃ ہے؛ بلکہ اس وجہ سے کہ وہ زیادہ آسانی پیدا کرتا ہے، چلنے پھرنے کے لئے، جیسا کہ مولانا عبدالحیؒ نے عمدۃ الرعایہ میں چاک کرتے کی تعریف اس طرح کی ہے۔

الشق الذي يفعل في قميص الحيئ يتسع فيه للمشي. (۱/ ۲۵۲)

اور فریق ثانی کے دوسرے دلائل یہ ہیں کہ یہ بات تو ضرور ہے کہ آپ ﷺ کا کرتا مبارک چاک والا نہیں تھا، مصنف عبدالرزاق اور البیہقی وغیرہ کی روایت ہے، حضرت جابرؓ سے کہ میں نے آپ ﷺ کو نماز پڑھتے دیکھا؛ اس حال میں کہ آپ ﷺ پر صرف ایک کرتا تھا، کیا یہ ممکن ہوسکتا ہے کہ آپ ﷺ اپنا ستر ظاہر فرماتے ہوں خصوصاً نماز کے وقت؛ کیونکہ آج کے چاک والے کرتے میں یہ ممکن نہیں ہے کہ نماز پڑھی جائے انکشاف ستر کے بغیر اگر پائجامہ یا لنگی پہنے ہوئے نہیں ہے، اسی طرح کتب حدیث میں متعدد روایات ہیں صحابہ سے کہ انہوں نے نماز پڑھ لی بقمیص واحد بخاری شریف کی مشہور روایت میں ہے کہ جب عبد اللہ ابن ابی مرگیا، تو اس کا کفن آپ کا کرتۂ مبارک تھا، اگر یہ چاک والا کرتا ہوتا، تو انکشاف ستر ہوتا، اس طرح کتب لغۃ میں قمیص (کرتا) کی تعریف یہ ہے کہ وہ ایسا کپڑا ہے، جو بدن اور ستر کو چھپاتا ہے، اور یہ عبارت آتی ہے۔ **القميص ما يتقمن البدن** اور خصائل نبوی

میں حضرت شیخ زکریا نے لکھا ہے کہ آپ ﷺ کرتا پسند فرماتے تھے؛ کیونکہ وہ بدن کو چھپاتا ہے اور ستر کا چھپانا چاک والے کرتے میں نہیں ہو پاتا ہے؛ لہٰذا آپ سے درخواست ہے اس سلسلہ میں تحقیقی جواب تحریر فرمائیں۔

المستفتی: محمد توحید

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ہر وہ لباس جو فساق کے ماحول کا نہیں ہوتا؛ بلکہ صلحاء کے ماحول کا ہوتا ہے، تو شرعًا وہ پسندیدہ لباس ہوتا ہے، اور ہر ملک کا رہن سہن اور لباس کچھ الگ الگ بھی ہوتا ہے؛ اس لئے کسی بھی ملک کے صلحاء وعلماء جس لباس کو اپنے ماحول میں پسند کرتے ہیں، وہ لباس اپنی جگہ مستحب و پسندیدہ لباس ہے، ہندوستان میں ہمارے اکابر وعلماء کے کرتے اکثر وہ ہوتے ہیں، جس میں چاک ہوتا ہے؛ اس لئے یہ لباس خلاف سنت نہیں بلکہ یہ بھی شرعًا پسندیدہ اور اپنی جگہ درست لباس ہے۔

اور آج بھی عربوں کے کرتے اسی طرح بے چاک کے ہوتے ہیں، جس طرح پہلے ہوتے تھے؛ لہٰذا عین مسنون کرتا تو وہی ہے، جو حضور ﷺ اور صحابہؓ استعمال کرتے تھے، مگر کوئی وہی کرتا پہننا چاہے جو حضور ﷺ اور صحابہؓ استعمال فرماتے تھے، تو وہ بغیر شگاف اور بے چاک کا کرتا ہے، جیسے ہمارے ہندوستان میں بعض علماء واکابر استعمال کرتے ہیں، اس اعتبار سے فریق ثانی کا یہ کہنا کہ عین مسنون کرتا وہ ہے، جو بے شگاف و بے چاک کے ہوتا ہے درست ہے؛ لیکن چونکہ حضور ﷺ اور صحابہ کا یہ کرتا از قبیل سنن ہدیٰ نہیں تھا؛ بلکہ سنن عادیہ اور عرب کے لباس کے اعتبار سے تھا، اس لئے ہر مسلمان پر اس کی پابندی لازم اور ضروری نہیں اور چاک والا کرتا، اگرچہ وہ کرتا نہیں ہے، جو حضور ﷺ اور صحابہؓ استعمال فرمایا کرتے تھے؛ لیکن اس ملک کے صلحاء وعلماء کا پسندیدہ کرتا ہے؛ اس لئے اس کو خلاف سنت ہرگز نہیں کہا جا سکتا ہے؛ بلکہ یہ بھی شرعًا پسندیدہ لباس ہے۔

(مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۱۲/۳۱۲، ڈابھیل ۱۹/۲۵۵، احسن الفتاوی ۸/۶۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍محرم الحرام ۱۴۲۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵/۲۰۲۰۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۲/۱/۱۴۲۲ھ

گریبان کے بٹن کھلے رکھنا

سوال [۱۰۵۷۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہماری بستی میں ایک بزرگ وارد ہوتے ہیں، وہ گریبان کے سب بٹن اوپر سے نیچے تک ہر وقت نماز اور غیر نماز میں کھول کر رکھتے ہیں، ان کے پیروکار بھی ایسے ہی سارا گریبان کھول کر ہر وقت رہتے ہیں اور وہ اس کو اسلاف اور بزرگوں کا شعار بتاتے ہیں، تو کیا سارا گریبان ہر وقت کھول کر رکھنا سنت مستحب یا عادت بزرگاں ہے؟ یا یہ بزرگ جھوٹ کہتے ہیں کسی بزرگ کو ہم نے مستقل طور پر گریبان کھولے ہوئے نہیں دیکھا اس کی تشریح مطلوب ہے۔

المستفتی: حافظ شرافت اللہ صاحب، محلّہ نائک سرائے، شیرکوٹ، بجنور (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: گریبان کی گھنڈیوں کو کھلا رکھنا سنت، مستحب یا بزرگوں کا شعار نہیں ہے، حضور ﷺ سے صرف ایک مرتبہ گریبان کی گھنڈیوں کو کھلا رکھنا ثابت ہے؛ لیکن یہ آپ ﷺ کی دائمی عادت نہیں تھی؛ بلکہ ایک مرتبہ جو آپ کے گریبان کی گھنڈیاں کھلی ہوئی تھیں، وہ بھی کسی عارض کی وجہ سے کھلی ہوئی تھیں۔

نیز جملہ صحابہ کرامؓ میں سے بھی صرف حضرت معاویہؓ اور ان کے بیٹے سے اپنے گریبان کی گھنڈیوں کو کھلا رکھنا ثابت ہے، اور اس کی وجہ یہ تھی کہ حضور ﷺ کا گریبان جس دن کھلا رہ گیا تھا، معاویہ بن قرہ نے اتفاق سے اسی دن اسلام قبول کیا تھا؛ اس لئے ان کو وہ پسند

آیا جس کی بنا پر وہ اپنا گریبان کھلا رکھتے تھے، آپ ﷺ کا یہ دائمی عمل نہیں ہے؛ اس لئے پوری زندگی میں آپ ﷺ سے صرف ایک مرتبہ گھنڈیوں کو کھلا رکھنے کے ثبوت سے اور صحابہ کے جم غفیر میں سے صرف دو صحابہ کے عمل کی وجہ سے گھنڈیوں کے کھلا رکھنے کو سنت یا مستحب کا درجہ نہیں دیا جاسکتا۔ نیز مذکورہ صاحب کے اس فعل کو بزرگوں کا شعار کہنا بھی درست نہیں ہے؛ اس لئے کہ کسی بھی بزرگ کو ہمہ وقت اپنے گریبان کو کھلا رکھے ہوئے نہیں دیکھا گیا، یہ بات تو عام احوال کی ہے اور نماز میں اس طرح تمام گھنڈیوں کو کھلی رکھ کر نماز پڑھنا خلاف اولیٰ ہے، معاویہ بن قرہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں۔

قال: أتيت رسول الله صلى الله عليه وسلم في رهط من مزينة فبايعناه وإن قميصه لمطلق الأزرار أي مفتوحها يعني كان جيب قميصه غير مشدود......قال عروة: فما رأيت معاوية ولاإبنه إلا مطلقي أزرارهما قط في شتاء ولاحر ولايزرر ان أزرارهما أبدًا كتب مولانا محمد يحي المرحوم من تقرير شيخه قوله (فما رأيت معاوية) وهذا وإن كان اختياراً لما هو خلاف الأولىٰ خصوصاً في الصلوة؛ لكنهما أحبا أن يكونا على ما رأيا النبي صلى الله عليه وسلم، وإن كان إطلاقه أزراره إذ ذاک لمعارض ولم يكن هذامن عامة أحواله صلى الله عليه وسلم، وذلک لما فيه من قلة المبالاة بأمر الصلوة، إلا ان الكراهة لعلها لا تبقي في حق معاويةؓ، وإبنه لكون الباعث لهما حب النبي صلى الله عليه وسلم وإتباعه فيما رأياه من الكيفية.

(بذل المجهود، كتاب اللباس، باب في حل الأزرار، دار البشائر الإسلامية ۱۲/۱۰۸-۱۰۹، تحت رقم الحديث ۴۰۸۲، سهارنبور قديم ۵/۵۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰/صفر المظفر ۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴/۶۰۱۹)

مردوں کے لئے پھول بوٹے والے کپڑے استعمال کرنے کا حکم

سوال [۱۰۵۷۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ چند دنوں سے کچھ مسلمان جن میں امام اور حافظ لوگ پیش پیش ہیں، ان لوگوں نے چکن کے کپڑے اور پھول پنکھڑی والے سفید سے لے کر تمام رنگوں کے کپڑے کرتے وغیرہ پہننے شروع کر دیئے ہیں، یہ وہ کپڑے ہیں جن کو ہمیشہ سے عورتیں پہنتی ہیں اور آج بھی پہن رہی ہیں، اگر یہ کپڑے مرد کے لئے جائز ہیں، تو کیا پورا سوٹ مع رومال اور ٹوپی کے استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: ماسٹر راحت علی، این پی آر سی، بلاک سیدنگر، رام پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ کے مطابق عورتوں سے مشابہت کی وجہ سے مردوں کے لئے اس طرح کے کپڑے پہننا ممنوع ہے، جو عورتوں کے ساتھ خاص ہیں؛ لہٰذا بیل بوٹے والے کپڑے جو عورتوں کے ساتھ خاص ہیں، مردوں کے لئے پہننا ممنوع ہیں اور رنگوں میں گہرے سرخ رنگ اور گہرے پیلے رنگ کے کپڑے پہننا بھی مردوں کے لئے ممنوع ہیں۔

عن ابن عباسؓ قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم: المتشبهات بالرجال من النساء، والمتشبهين بالنساء من الرجال. (ترمذي شريف، باب ماجاء في المتشبهات بالرجال من النساء، النسخة الهندية ۲/ ۱۰٦، دار السلام رقم: ۲۷۸٤، مسند البزار، مكتبة العلوم والحكم ۱۷/ ٤۰، رقم: ۹۵۵۷، سنن أبي داؤد، باب في لباس النساء، النسخة الهندية۲/ ٥٦٦، دار السلام، رقم: ٤۰۹۷، سنن ابن ماجه، باب في المخنثين، النسخة الهندية ۱/ ۱۳۷، دار السلام رقم: ۱۹۰٤)

عن البراء بن عازب قال: نهانا رسول الله صلى الله عليه وسلم

عن سبع عن خاتم الذهب أو حلقة الذهب، وآنية الفضة، ولبس الحرير والديباج والإستبرق والقسي. (ترمذي شريف، باب ماجاء في كراهية لبس المعصفر للرجال والقسي، النسخة الهندية ۲/۱۰۸، دار السلام رقم:۲۸۰۹، صحيح البخاري، باب خواتيم الذهب، النسخة الهندية ۲/۸۷۱، رقم: ٥٦٣٤، ف:٥٨٦٣)

ويكره للرجل أن يلبس الثوب المصبوغ بالعصفر، والزعفران، والورس. (فتاوى عالمگيري، كتاب الكراهية، الباب التاسع في اللبس ما يكره من ذلك وما لا يكره، زكريا قديم ٥/٣٣٢، جديد ٥/٣٨٥، قاضيخان، زكرياجديد ۳/۲۹۹، وعلى هامش الهندية ۳/٤١٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱؍صفر المظفر ۱۴۳۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۸۷۵/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۲/۱ھ

پینٹ پتلون پہننا کیسا ہے؟، اسکو چھڑانے کا طریقہ اور شرعی لباس

سوال [۱۰۵۷۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) پینٹ اور پتلون پہننا کیسا ہے جائز ہے یا ناجائز؟ اور یہ کس کا شعار ہے اہل ہنود کا یا مسلمانوں کا اور جہاں پر کسی خاص فرقہ کا شعار نہیں سمجھا جاتا؛ بلکہ مسلم غیر مسلم دونوں ہی پہنتے ہیں، تو وہاں پر مسلمان مرد کا پتلون پہننا کیسا ہے؟ خاص کر عالموں کے لئے کیا حکم ہے؟

(۲) اگر کوئی شخص پہلے سے پتلون پہنتا تھا، تو اب چھوڑنے کا کیا طریقہ اختیار کیا جائے؟ اگر وہ چھوڑ دے، تو ان متروکہ پتلون کو کیا کرے؟ کسی غریب کو دیدے یا جلا کر ضائع کردے؟

(۳) شرعی لباس کس طرح کا ہونا چاہئے؟ اگر کوئی شخص بغیر کلی والی قمیص اور پتلون

نما ازار پہنے تو اس کا کیا حکم ہے؟ کیا ایسا شخص قابل ملامت ہے یا نہیں؟ اور مرد کے لئے کلی دار لباس ضروری ہے یا غیر ضروری؟

المستفتی: عبدالکریم

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) پینٹ اور پتلون کا اس زمانہ میں اتنا عام رواج ہوگیا ہے، کہ کسی خاص فرقہ یا قوم کا شعار نہیں رہا ہے، اس وجہ سے تشبہ بالکفار تو نہیں؛ لیکن تشبہ بالفساق میں کوئی شبہ نہیں ہے؛ لہٰذا مسلمان مرد کے لئے پتلون پہننے سے احتراز لازم ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۶۴/۸)

اور پینٹ پتلون چونکہ صلحاء کا لباس نہیں ہے؛ اس لئے علماء کے لئے لباس پہننا مکروہ تحریمی ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ جدید ڈابھیل ۲۸۰/۱۹، قدیم ۳۴۸/۱۷)

حسنات الأبرار سيئات المقربين. (روح المعاني،زكريا ۳۷٤/۱، تحت تفسير رقم الآية: ۳۵، من سورة البقرة)

(۲) ان کو خود نہ پہنے بلکہ چھوٹے بچوں کے کپڑے بنوادے جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت علیؓ کو ایک ریشمی جوڑا دیا، حضرت علیؓ اسے پہن کر مجلس میں تشریف لائے، تو حضور ﷺ نے ناگواری کا اظہار فرمایا تو حضرت علیؓ نے اسے لے جا کر عورتوں میں تقسیم کردیا، تو یہاں بھی یہی کیا جاسکتا ہے، کہ پتلون پینٹ کو کھول کر چھوٹے بچوں کے کپڑے بنوادیئے جائیں۔

عن علي قال: اهديت لرسول الله صلى الله عليه وسلم خلة سيراء، فبعث بها إلي فلبستها، فعرفت الغضب في وجهه، فقال إني لم أبعث بها إليک لتلبسها، إنما بعثت بها إليک لتشققها خمرًا بين النساء.

(صحيح مسلم، باب تحريم استعمال إناء الذهب......النسخة الهندية ۱۹۲/۲، بيت الأفكار رقم: ۲۰۷۱، مشكوة شريف ۳۷٤/۲)

(۳) جولباس سنت سے ثابت ہو، وہ یقیناً شرعی لباس ہے اسی طرح اگر کسی لباس کا سنت رسول میں ذکر نہ ہو، اور اس کو اکابر صلحاء نے اختیار کیا ہو اور کفار وفساق کا شعار بھی نہ ہو، تو وہ بھی شرعی لباس ہے، جیسے ہمارے ہندوستان میں اکابر علماء کے لباس جو کلی دار کرتے اور مغلیہ پاجامے ہوتے ہیں، عین سنت کے مطابق حضور ﷺ اور صحابہ کرام کا کرتا جو کہ بے شگاف نصف ساق تک پہونچتا ہے اور قرآن کریم اور احادیث شریفہ میں اسی کو قمیص کے لفظ سے ذکر کیا گیا ہے اور اہل عرب آج کل اس کو توپ بھی کہتے ہیں۔

عن أم سلمة قالت: كان أحب الثياب إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم القميص. (أبوداؤد، باب ماجاء في القميص، النسخة الهندية ٢/٥٥٨، دارالسلام رقم: ٤٠٢٥، سنن الترمذي، باب ما جاء في القميص،النسخة الهندية ١/٣٠٦، دار السلام رقم: ١٧٦٢)

اگر یہ نہ ہوسکے تو اپنے اکابر وصلحاء کا پسندیدہ کلی دار کرتا پہننا چاہئے اور اگر کرتا بغیر کلی کا ہے، تو وہ بھی جائز ہے، مگر اکابر وصلحاء کا لباس نہیں ہے اور پتلون نما پاجامہ نہ ہی سنت رسول سے ثابت ہے، نہ اکابر صلحاء نے اختیار کیا ہے؛ بلکہ یہ تشبہ بالفساق ہے جو کہ حضور ﷺ کے ارشاد:

من تشبه بقوم فهو منهم کے تحت داخل ہو کر قابل ملامت ہے۔

(مستفاد: احسن الفتاوی ۸/۶۴)

عن ابن عمرؓ، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من تشبه بقوم فهو منهم. (سنن أبي داؤد، كتاب اللباس، باب في لبس الشهرة، النسخة الهندية ٢/٥٥٩، دار السلام رقم: ٤٠٣٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴ر جمادی الثانی ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵/۶۷۳۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۶/۵ھ

مردوں کے لئے چست لباس پہننے سے متعلق چند سوالات کے جوابات

سوال [۱۰۵۷۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آج کل مردوں میں چست لباس یعنی پینٹ پتلون پہننے کا عام رواج ہوگیا ہے، مرد کے لئے گھٹنوں سے ناف تک کا حصہ ستر ہے، کیا ستر کے صرف یہ معنی ہیں کہ بدن کا رنگ نظر نہ آئے، یا اس کے ساتھ بدن کی ساخت کا نظر نہ آنا یہ بھی مطلوب شرعی ہے؟ کیا اس طرح کے کپڑوں کو پہن کر ایک مسلمان گھر سے باہر جاسکتا ہے؟ رانیں اور کولہے اوراگلا حصہ، بسا اوقات اس کا عضو مخفی کا حجم بھی نظر بچانے کے باوجود نظر آجاتا ہے؟ اگرچہ کپڑے کے اوپر سے ہی صحیح ایسے پتلون کے استعمال کا کیا حکم ہے؟ ان کو پہن کر نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ ان کی رانوں کو دیکھنا اوران کو دکھانے کا کیا حکم ہے؟ ان کی نماز واجب الاعادہ ہے یا نہیں؟ جواب شافی کافی مدلل عنایت فرمائیں۔ اس سلسلہ میں احسن الفتاوی میں ایک فتوی لکھا ہوا ہے اس کو بعینہ نقل کیا جاتا ہے۔

جواب: ایسا چست لباس پہننا جس سے اعضاء مخفیہ کی شکل نظر آئے حرام ہے، اس طور پر اعضاء مخفیہ دکھانا بھی حرام اور دیکھنا بھی حرام، اگرچہ بلاشہوت ہو، ایسا لباس اگر اتنا موٹا ہو کہ اس میں سے بدن کا رنگ نظر نہ آتا ہو، تو اس میں اگرچہ نماز کا فرض ادا ہوجائے گا، مگر حرام لباس میں نماز مکروہ اور واجب الاعادہ ہوگی، عورتوں کے لباس کی بنسبت مردوں کے چست پتلون زیادہ خطرناک ہے؛ اس لئے کہ عورت نے چست کرتے کو چادر یا دوپٹہ سے چھپا کر نماز پڑھی تو اس میں کراہت نہیں۔

قال ابن عابدینؒ: ولا یضر التصاقه أي بالألیة مثلاً وقول وتشکله من عطف المسبب علی السبب، وعبارة شرح المنیة: أما لو کان غلیظا لا یریٰ منه لون البشرة، إلا أنه التصق بالعضو، وتشکل بشکاله فصار شکل العضو

مرئيا، فينبغي أن لا يمنع جواز الصلاة لحصول الستر، قال: وانظر هل يحرم النظر إلى ذلك المتشكل مطلقاً، أو حيث وجدت الشهوة، قلت: سنتكلم على ذلك في كتاب الحظر، والذي يظهر من كلامهم هناك هو الأول.

(رد المحتار، كراچي ۱/۰ ۴۱، أحسن الفتاوى ۳/۳ ۰ ۴)

المستفتی: ابوالکلام، مدرسہ مظاہر العلوم سیلم

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شریعت میں لباس کے لئے کوئی خاص شکل متعین نہیں ہے؛ بلکہ اس کے لئے کچھ شرائط وضوابط مقرر ہیں، ان کوملحوظ رکھتے ہوئے ہر طرح کا لباس پہننا شریعت میں جائز ہے اور وہ شرائط درج ذیل ہیں اول یہ کہ لباس ساتر ہو۔ دوم یہ کہ فساق وفجار کا شعار نہ ہو، سوم یہ کہ وہ عورتوں کے لباس کے مشابہ نہ ہو، اسی طرح اس قدر چست نہ ہو کہ اس سے اعضاءِ مخفیہ کی ساخت ظاہر ہوتی ہو؛ لہٰذا ایسا لباس پہننا جس سے بدن کی ساخت ظاہر ہو جائز نہ ہوگا اور ایسا کپڑا پہن کر نماز پڑھنے میں ستر عورت پائے جانے کی وجہ سے نماز تو ادا ہو جائے گی، البتہ خلاف شریعت لباس پہننے کی وجہ نماز مکروہ ہوگی ایسے اور چست لباس پہنے شخص کے اعضاء مستورہ کی طرف قصداً دیکھنا بھی شرعاً جائز نہیں ہے۔

فإن الإسلام لم يقصره على نوع دون نوع، ولم يقرر للإنسان نوعًا خاصًا، أو هيئة خاصة من اللباس......وإنما وضع مجموعة من المبادي والقواعد الأساسية يجب على المسلم أن يحتفظ بهذه المبادي......فمن مقدمة هذه المبادي، أن اللباس يجب أن يكون ساترًا لعورة الإنسان ......وكذالك اللباس الرقيق، أو اللاصق بالجسم الذي يحكي للناظر شكل حصة من الجسم الذي يجب ستره فهو في حكم ماسبق في الحرمة وعدم الجواز......والمبدأ الثالث: أن اللباس الذي يتشبه به الإنسان بأقوام

كفرة، لايجوز لبسه لمسلم. (تكملة فتح الملهم، كتاب اللباس والزينة، باب تحريم استعمال أواني الذهب، اشرفية ديوبند ٨٨٠٨٧/٤)

عن أبي هريرة رضـ، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم: لعن الرجل يلبس لبسة المرأة. (مسند أحمد ٣٢٥/٢، رقم: ٨٢٩٢، سنن أبي داؤد، باب في لباس النساء، النسخة الهندية ٥٦٦/٢، دارالسلام رقم: ٤٠٩٨، مسند البزار، مكتبة العلوم والحكم٤٩/٦، رقم: ٩٠٨٨)

لوكان غليظاً لا يرىٰ منه لون البشرة إلا أنه التصق بالعضو وتشكل بشكله فصار شكل العضو مرئيًا، فينبغي أن لا يمنع جواز الصلاة لحصول الستر. (شامي، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، زكريا ٨٤/٢، كراچي١/٤١٠)

أن روية الثوب بحيث يصف حجم العضو ممنوعة ولو كثيفًا لا ترى البشرة منه. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، زكريا ٥٢٦/٩)

لايحل النظر إلى عورة غيره فوق ثوب ملتزق بها يصفه حجمها. (شامي، زكريا٥٢٦/٩، كراچي ٣٦٦/٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ ربیع الاول ۱۴۳۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۰۳۴۱/۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۴/۶ھ

مردوں کے لئے کالا لباس پہننا

سوال [۱۰۵۷۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کالا لباس مرد کے لئے پہننا جائز ہے یا نہیں؟ کیا یہ کالا لباس دوزخی لباس ہے؟

المستفتی: حافظ محمد طیب اندرا چوک، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کالا لباس پہننا مرد کے لئے جائز اور مباح ہے؛

چنانچہ امہات المؤمنین حضرت عائشہؓ نے نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام کی چادر کو کالے رنگ میں رنگا، تو آپ ﷺ نے اسے زیب تن فرمایا؛ لہٰذا کالا لباس پہننا جائز ہے، ہاں البتہ آج کل کے دور میں کالا لباس شیعوں کا شعار ہو چکا ہے؛ اس لئے سنیوں کے لئے بہتر ہے کہ کالے لباس سے جہاں تک ہو سکے احتیاط رکھیں تاکہ شیعوں کی مشابہت سے بچ جائیں۔

عن عائشةؓ، قالت: صبغت للنبي صلى الله عليه وسلم بردة سوداء فلبسها. (أبوداؤد شريف، باب في السواد، النسخة الهندية ٢/٥٩٣، دار السلام رقم: ٤٠٧٤، مسند أحمد بن حنبل ٦/١٣٢، رقم: ٢٥٥١٧ -٢٦٤٤١، رقم: ٢٥٦٣٠، ٦/٢١٩، رقم: ٢٦٣٦٤، ٦/٢٤٩، رقم: ٢٦٦٤٦، مسند أبي داؤد الطيالسي، دار الكتب العلمية بيروت ٣/١٤٠، رقم: ١٦٦٣)

وفي الحديث جواز لبس السواد وهو متفق عليه. (بذل المجهود، باب في السواد، دار البشائر الإسلامية ١٢/١٠١، تحت رقم الحديث ٤٠٧٤، سهارنبور قديم ٥/٥١)

اور کسی معتبر کتاب میں سند صحیح کے ساتھ کالے لباس کو دوزخیوں کا لباس کہا گیا ہو ہماری نظر سے نہیں گذرا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍محرم الحرام ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰/۱۱۳۸۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۸/۱/۱۴۳۵ھ

سرخ کپڑا پہننے اور حدیث کو نہ ماننے کا حکم

سوال [۱۰۵۷۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ سرخ کپڑا مرد کے لئے پہننا جائز نہیں؛ لیکن زید کہتا ہے کہ یہ غلط ہے، نہ میں حدیث کو مانتا ہو نہ مسئلہ کو، اس بارے میں کیا حکم شرعی ہے؟ جواب دے کر مستفیض فرمائیں۔

المستفتی: محمد زکی اللہ، متعلم مدرسہ حیات العلوم، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: کسم اورزعفران سے رنگا ہوا کپڑا مردوں کے لئے حرام ہے اور مطلقًا سرخ رنگ کے کپڑے کے بارے میں اختلاف ہے، بعض کے نزدیک حرام ہے، بعض کے نزدیک مباح، بعض کے نزدیک مستحب اور بعض کے نزدیک مکروہ تنزیہی اور مکروہ تنزیہی والا قول مفتی بہ قول ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی، زکریا ۴/ ۱۲۰، فتاوی رشیدیہ قدیم ۵۸۳-۵۸۲، جدید زکریا ۵۷۴تا۵۷۶، فتاوی عبدالحیٔ ۲/ ۱۰۱، فتاوی عزیزی ۱/ ۱۲۲)

وكره لبس المعصفر، والمزعفر الأحمر، والأصفر للرجال مفاده أنه لا يكره للنساء ولا بأس بسائر الألوان وفي المجتبى والقهستاني، وشرح النقاية لأبي المكارم: لا بأس بلبس الثوب الأحمر، ومفاده أن الكراهة تنزيهية؛ لكن صرح في التحفة بالحرمة، فأفاد أنها تحريمية، وهي المحمل عند الإطلاق، قال المصنف قلت: ولشرنبلالي فيه رسالة نقل فيها ثمانية أقوال منها: أنه مستحب (تحته في الشامية) ولكن جل الكتب على الكراهة كالسراج، والمحيط والاختيار والمنتقي، والذخيرة وغيرها وبه أفتى العلامة قاسم. (الدر مع الرد، كتاب الحظر و الإباحة، فصل في اللبس، زكريا ٩/ ٥١٥-٥١٦، كراچي ٦/ ٣٥٨، هندية، زكريا جديد ٥/ ٣٨٥، قديم ٥/ ٣٣٢)

اور زید کا یہ کہنا کہ نہ میں حدیث کو مانتا ہوں اور نہ مسئلہ کو یہ کفریہ جملہ ہے، اس پر ضروری ہے کہ تجدید ایمان اور تجدید نکاح کر کے توبہ واستغفار کے ذریعہ اپنے اس قول سے رجوع کر لے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۵/ ۳۹۱)

مايكون كفرًا إتفاقاً يبطل العمل والنكاح وما فيه خلاف يؤمر بالإستغفار، والتوبة وتجديد النكاح. (شامي، باب المرتد، قبيل مطلب في حكم من شتم دين مسلم، زكريا ٦/ ٣٦٧، كراچي ٤/ ٢٣٠)

رجل عرض عليه خصمه فتوى الأئمة فردها، وقال: (جه بار نامه

فتوی أورده قیل یکفر؛ لأنه رد حکم الشرع. (هندیة، الباب التاسع في أحکام المرتدین، زکریا قدیم ۲/ ۲۷۲، جدید ۲/ ۲۸۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵ رمحرم الحرام ۱۴۰۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۴ر ۱۰۸۳)

پنجابی سوٹ پہننے کا حکم

سوال [۱۰۵۸۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ پنجابی سوٹ جس کو پٹھانی سوٹ کہتے ہیں، اس کو پہننا جائز ہے یا نہیں؟ یا کسی قسم کی کراہت ہے، جس میں ڈبل کالر ہوتا ہے، اور کف ہوتے ہیں، آستین اور دامن کے کنارے گول ہوتے ہیں؟

المستفتی: ابوالخیر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: پنجابی سوٹ جسے کہتے ہیں، وہ سوٹ اسم بامسمیٰ ہے، ہمارے ہندوستان کے پنجابی سکھوں کا یہ خاص لباس ہے؛ اس لئے اس کا نام پنجابی سوٹ ہے، اور پنجاب سے آگے کشمیر اور اس سے آگے پاکستان میں بھی یہ لباس ہے، ہمارے ہندوستان میں غور طلب بات یہ ہے کہ پنجابی سوٹ غیر مسلم سکھوں کا خصوصی لباس ہے، کوئی عام مسلمان اس لباس کو پہنتا ہے، تو اس کو ہم بالکل ناجائز بھی نہیں کہتے؛ اس لئے کہ مسلمانوں کا بھی ایک بڑا طبقہ یہ لباس پہننے لگا ہے، جیسا کہ کوٹ پتلون درحقیقت انگریزوں کا خاص لباس ہے، پھر مسلمانوں کا ایک بڑا طبقہ بھی پہننے لگا؛ اس لئے اگر کوئی کوٹ پتلون پہنتا ہے تو اس کو بھی بالکل ناجائز نہیں کہتے؛ لیکن یہ دونوں لباس علماء وصلحاء اور حدیث وفقہ کے طلبہ کے لباس نہیں ہیں، اگر علماء صلحاء اور حدیث وفقہ کے تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ یہ لباس پہنتے ہیں، تو حسنات

الابرار سیئات المقربین کے اصول سے کراہت کے دائرہ میں ہوگا؛ اس لئے کہ اگر حدیث پڑھانے والا کوئی استاد کوٹ پتلون یا پنجابی سوٹ پہن کر مسند حدیث پر بیٹھ کر حدیث پڑھانے لگے یا مفتی صاحب مسند افتاء پر بیٹھ کر فتوی لکھنے لگیں، تو حاضرین قطعاً اچھی نگاہ سے نہیں دیکھیں گے، اور ان کا اچھی نگاہ سے نہ دیکھنا یہ بجا ہے؛ اس لئے کہ مذکورہ اصول کے مطابق ایسے علماء صلحاء اور مقتدا لوگوں کے لئے یہ لباس مکروہ ہے۔

حسنات الأبرار سيئات المقربين. (روح المعاني، ١/٣٧٤، تفسير رقم الآية ٣٥، من سورة البقرة، تفسير خازن ٤/١٤٥، تفسير جمل ٧/٢٠٨، حاشية الصاوي ٤/٩٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/ جمادی الاول ۱۴۲۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶/ ۷۶۴۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۹/۵/ ۱۴۲۳ھ

عورتوں کے لئے شوہر وباپ، بھائی کا چست لباس لا کر دینا

سوال [۱۰۵۸۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عورتوں کے چست وتنگ لباس کے متعلق کیا حکم ہے؟ اور ان کے اس لباس پر جو خرچ باپ، بھائی، شوہر اور بیٹا سب کر رہے ہیں، اس کے متعلق کیا حکم ہے؟

المستفتی: مسعود احمد خان، کاسگنج (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ایسا چست وتنگ لباس جس میں بدن کی ہیئت اور ساخت ظاہر ہوتی ہے، اس کا پہننا عورتوں کے لئے ناجائز ہے اور ایسے لباس کے بارے میں حدیث شریف میں سخت وعید آئی ہے، اور باپ، بھائی وغیرہ کا عام طور پر مستورات کے لباس بنانے میں کوئی دخل نہیں ہوتا ہے؛ بلکہ ایسا لباس بنانے میں ماں کا دخل ہوتا ہے؛ البتہ

باپ، بھائی وغیرہ ایسے لباس پرخوش ہیں، تو تعاون علی المعصیۃ کی وجہ سے ان پر بھی گناہ ہوگا۔

عن أبي هريرةؓ، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: صنفان من أهل النار: لم أرهما: قوم معهم سياط (إلى قوله) ونساء كاسيات عاريات مميلات مائلات رؤسهن كأسنمة البخت المائلة لا يدخلن الجنة، ولا يجدن ريحها، وإن ريحها ليوجد من مسيرة كذا و كذا.

(مسلم شريف، باب النساء الكاسيات العاريات المائلات المميلات،النسخة الهندية ٢٠٥/٢، بيت الأفكار رقم:٢١٢٨، مسند أحمد بن حنبل ٣٥٥/٢-٣٥٦، رقم: ٨٦٥٠، ٤٤٠/٢، رقم: ٩٦٧٨)

وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ. [المائدة:٢] فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶ ربجمادی الثانیہ ۱۴۳۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۱۶۹/۴۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۶/۲۶ھ

عورتوں کا کالا برقعہ اور کالا کپڑا پہننا

سوال [۱۰۵۸۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) ندائے شاہی میں لکھا ہے کہ امیر المؤمنین حضرت علی نے اپنے ساتھیوں کو نصیحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کالا لباس مت پہنا کرو؛ کیونکہ یہ فرعون کا لباس ہے اور پیغمبر علیہ السلام کو بھی کالا رنگ ناپسند تھا، سوائے تین چیزوں میں، عمامہ، موزہ، چادر۔

من لا يحضره الفقيه ٨١، باب في لباس المصلي مطبع جعفرية نخاس لكهنؤ ١٣٠٧.

امام جعفر صادق سے پوچھا گیا کہ کالی ٹوپی پہن کر نماز پڑھنا کیسا ہے؟ تو آپ نے

جواب دیا کہ کالی ٹوپی پہن کر نماز مت پڑھو کیوں کہ یہ جہنمیوں کا لباس ہے۔ (بحوالہ ندائے شاہی، نومبر ۲۰۱۲ء)

تو ہم عورتیں کالا لباس، برقعہ، سویٹر، چوڑی، ٹوپی پہن سکتی ہیں یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آپ نے ندائے شاہی کے جس مضمون کا حوالہ دیا ہے، اس میں شیعہ مذہب کی کتابوں سے کالے لباس پہننے کی کراہت ثابت کی گئی ہے، اس کی عربی عبارت بھی اس مضمون میں درج ہے اور اس حوالہ کو دینے کا مقصد یہ تھا کہ شیعہ لوگ جو محرم میں سوگ کے طور پر کالا لباس پہنتے ہیں یہ بے اصل اور ممنوع ہے اور کالی ٹوپی کے بارے میں جو حضرت جعفر صادقؒ کا قول نقل کیا گیا، اس کی علت یہ ہے کہ یہودیوں کی خاص علامت کالی ٹوپی ہے، آج بھی وہ لوگ ایک خاص انداز کی کالی ٹوپی اوڑھتے ہیں، تو تشبہ کی وجہ سے ایسی کالی ٹوپی پہننا ممنوع ہوگا، اور جہاں کوئی تشبہ نہ ہو یا سوگ کا اظہار مقصود نہ ہو، تو کالا لباس پہننے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

عن ابن عمرؓ، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من تشبه بقوم فهو منهم. (سنن أبي داؤد، كتاب اللباس، باب في لبس الشهرة ٢/٥٥٩، دار السلام رقم: ٤٠٣١)

قال القاري: أي من شبه نفسه بالكفار مثلا في اللباس وغيره، أو بالفساق، أو الفجار، أو بأهل التصوف والصلحاء الأبرار فهو منهم، أي في الإثم والخير. (مرقاة، كتاب اللباس، الفصل الثاني، مكتبه امدادية ملتان ٨/٢٥٥)

عن عائشةؓ، قالت: خرج رسول الله صلى الله عليه وسلم ذات غداة وعليه مرط من شعر أسود. (شمائل ترمذي٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶؍رجب المرجب ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۱؍)

مزین برقعوں کے استعمال کی شرعی حیثیت

سوال [۱۰۵۸۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ برقعوں میں نگ، بیل بوٹے، لگائے جاسکتے ہیں اور گریبان پر کالر لگا سکتے ہیں یا نہیں؟ کیا کوٹ ٹائپ برقعہ سلا سکتے ہیں، کیا برقعے کے ساتھ ہاتھ پاؤں کے دستانے پہننے ضروری ہیں؟ برقعے کا رنگ کیسا ہونا چاہئے؟

المستفتی: عرفان اللہ قاسمی، مالیگاؤں

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: صحابیہ عورتیں کالے رنگ کے جلباب پہنا کرتی تھیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ برقعہ کا رنگ کالا ہونا زیادہ بہتر ہے اور اس کے اوپر بیل بوٹے وغیرہ نہ ہوں، تو زیادہ مناسب ہے اور ہاتھوں میں دستانہ اور پیروں میں موزہ پہننا اگر فتنے کا خطرہ نہیں ہے تو لازم نہیں ہے؛ اس لئے کہ ہتھیلی اور قدمین ستر میں داخل نہیں؛ لیکن اگر فتنہ کا خطرہ ہے تو دستانہ اور موزہ پہننا بہتر ہے۔

وأخرج جماعة و عبد الرزاق عن أم سلمة قالت: لما نزلت هذه الآية يدنين عليهن من جلابيبهن: خرج نساء الأنصار، كان على رؤسهن الغربان من السكينة وعليهن أكسية سود يلبسنها. (روح المعاني ۲۲/۱۲۸)

والمرط من أكسية سود. (مسند أحمد بن حنبل، ۶/۱۹۹، رقم: ۲۴۸۸۶، مصنف عبد الرزاق، المجلس العلمي ۲/۳۲، رقم: ۲۳۷۷)

وأما النظر إلى الأجنبيات فنقول يجوز النظر إلى مواضع الزينة الظاهرة منهن وذلك الوجه، والكف في الظاهر الرواية، كذا في الذخيرة، إن غلب على ظنه أن يشتهي فهو حرام. (هندية، الباب الثامن، فيما يحل للرجل

النظر إليه……زکریا قدیم ۵/ ۳۲، جدید ۵/ ۳۸۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳ / جمادی الثانیہ ۱۴۳۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰/ ۱۱۱۵۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۴/ ۶/ ۱۴۳۴ھ

ڈیزائن والے برقعے پہننے اور ان کی خرید وفروخت کرنے کا حکم

سوال [۱۱۱۵۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ خواتین کا برقعہ جسم کے خدوخال اور زیب وزینت کو چھپانے کے لئے ہوتا تھا، آج کل برقعہ دیدہ زیب اور انتہائی چمکدار پھول کا رواج پا گیا ہے، اس کا پہننا اور ایسے پھول والے برقعہ کا (جس کو برقعہ صرف عرف عام میں کہہ سکتے ہیں اصلا نہیں) کاروبار جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: راشد علی، پیپل سانہ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: برقعہ کا مقصد سر سے پیر تک پورے بدن کو ڈھانکنا ہوتا ہے تاکہ بدن کے کسی حصہ پر اجنبی مردوں کی نگاہ نہ پڑے اور وہ مقصد ہر طرح کے برقعہ سے حاصل ہو جاتا ہے؛ لیکن افضل اور بہتر یہ ہے کہ برقعہ زیادہ بھڑک دار نہ ہوتا کہ اجنبی مردوں کی نگاہ بھڑک دار برقعہ پر پڑ کر ہیجانی کیفیت پیدا نہ کرے، اب رہی برقعہ کی تجارت تو برقعہ کی تجارت ہر حال میں جائز ہے اور اس کا پیسہ حلال ہے اور جو عورت برقعہ کو پردہ کے بجائے فیشن کے طور پر استعمال کرے، جس کی وجہ سے اجنبی مردوں کی نگاہ غلط انداز سے اس کے اوپر پڑ سکتی ہے، تو اس کا گناہ اسی عورت پر ہوگا نہ کہ تجارت کرنیوالے پر۔

إن عائشةؓ، قالت: لقد كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلي الفجر، فتشهد معه نساء من المؤمنات متلفعات في مروطهن، ثم يرجعن إلي بيوتهن ما يعرفهن أحد. (بخاري شريف، باب في كم تصلي المرأة

في الثياب، النسخة الهندية ١/ ٥٤، رقم:٣٧٢)

أن النساء أيضاً مأمورات بغض البصر عن الرجال الأجانب كما أن الرجال مأمورون بغض البصر من النساء الأجنبيات. (أحكام القرآن للتهانوي ٣/ ٤٣، بحواله محموديه ميرٹھ ٢٨/ ٩٥)

وإنما تحصل المعصية بفعل فاعل مختار. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، باب الإستبراء وغيره، زكريا ٩/ ٥٦٢، كراچي ٦/ ٣٩٢)

وإن قامت المعصية بعينه يكره بيعه تحريماً وإلا فتنزيهًا. (الدر المختار، زكريا ٩/ ٥٦١، كراچي ٦/ ٣٩١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/ ذی قعدہ ۱۴۳۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹/ ۱۰۵۴۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۷/ ۱۱/ ۱۴۳۲ھ

بحالت حیض ونفاس مہندی وسنگار کرنا، نیز شادی شدہ کے لئے سفید کپڑے پہننے کا حکم

سوال [۱۰۵۸۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک عورت حالت حیض و نفاس میں مہندی اور دیگر سنگار کرتی ہے، کیا اس کے لئے یہ سب کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور ایک دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ شادی شدہ عورت کے لئے سفید کپڑے پہننا کیسا ہے؟ ان دونوں مسئلوں کا جواب قرآن وحدیث کی روشنی میں مدلل فرمائیں، عین نوازش ہوگی۔

المستفتی: محمد نوشاد، لکھیم پوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حالت حیض ونفاس زینت کے منافی نہیں ہے؛ لہٰذا جو عورت حالت حیض ونفاس میں زینت کرتی ہے، اس پر کوئی گناہ نہیں ہے؛ البتہ حالت

عدت میں متوفی عنہا زوجہا جس کے شوہر گذر چکے ہوں اور مطلقہ ثلاثہ کے لئے زینت کرنا جائز نہیں ہے، اور شادی شدہ اور غیر شادی شدہ عورتوں کے لئے ہر قسم کے رنگے ہوئے کپڑے پہننا جائز ہے،اسی طرح سفید رنگ کا کپڑا پہننا بھی جائز ہے۔ (مستفاد: آپ کے مسائل اوران کاحل ۲/ ۷۰)

وتجتنب المعتدة كل زينة نحو: الكحل،والحناء، والخضاب، والدهن، والتحلي، والتطيب، ولبس المطيب، والمصبوغ بالمعصفر والزعفران. (قاضيخان، باب العدة، فصل فيما يحرم على المعتدة، زكريا جديد ۱/ ۳۵۱، وعلى هامش الهندية ۱/ ٥٥٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/ شعبان المعظم ۱۴۲۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳٦/ ۷۸۰٦)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۸/۱۷ھ

قیمتی کپڑے کو بطور زینت پاپوش کے لئے استعمال کرنا

سوال [۱۰۵۸٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آج کل بڑے بڑے ہوٹلوں میں انتہائی اعلی اور قیمتی کپڑے بطور پاپوش استعمال کئے جاتے ہیں اور ہاتھ پوچھنے کے واسطے دیئے جاتے ہیں، تو اس کا استعمال شرعًا کیسا ہے؟ کیا نعمت خداوندی کی بے ادبی اور ناقدری تو نہیں؟

المستفتی: محمد سجاد حسین، قاسمی کانپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: عمدہ اور قیمتی کپڑوں کو بطور پاپوش اور ہاتھ پوچھنے کے لئے استعمال کرنا متکبرین کا شیوہ ہے؛ اس لئے کہ عموماً قیمتی کپڑوں سے جوتے اور ہاتھ صاف نہیں کئے جاتے ہیں؛ بلکہ ان کے لئے الگ قسم کی دستیاں اور تولیاں آتی ہیں، ان کے

استعمال میں کوئی حرج نہیں ہے خواہ وہ عمدہ قسم ہی کی کیوں نہ ہوں؛ لہٰذا اعلی اور عمدہ کپڑوں کو بطور پاپوش استعمال کرنا مکروہ اور غیر مناسب ہے۔

وتكره الخرقة التي تحمل ويمسح بها العرق إلا إذا كان شيئًا لاقيمة له، وكذا للتكبر. (البحرالرائق، كتاب الكراهية، فصل في الأكل والشرب، كوئٹه ۱۸۳/۸، زكريا ۳۳٦/۸، المحيط البرهاني، المجلس العلمي ۱۲۷/۸-۱۲۸، رقم: ۹۷۵۲، هداية، اشرفي ٤/٤٥٨، الفتاوى التاتارخانية، زكريا ۱۸/۲۸۳، رقم:۲۸۸۱۵)

سئل مسح اليد على ثيابه، فقال: لايجوز وسئل عن مسح اليد بدستار ورق، فقال: لايجوز. (البحر الرائق، كوئٹه ۱۸۳/۸، زكريا ۳۳٦/۸)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍ربیع الاول ۱۴۱۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۳؍۵۲۵۷)

درزی کا مختلف نوع کے لباس سینا

سوال [۱۰۵۸۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید ٹیلر ہے کرتا پائجامہ، پینٹ، شرٹ، لیڈیز سوٹ وغیرہ سب تیار کر لیتا ہے، کرتا پائجامہ کا کام کم ملنے کی وجہ سے وہ پینٹ، شرٹ، لیڈیز سوٹ وغیرہ کا کام ازروئے شرع کر سکتا ہے؟

المستفتی: رفیع الدین، زاہد نگر سرسید نگر کرولہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید کے لئے کرتا پائجامہ کے علاوہ پینٹ، شرٹ اور لیڈیز سوٹ سل کر پیسہ حاصل کرنا جائز اور درست ہے؛ البتہ فساق اور غیروں کا لباس جیسا

کہ آج کل کے زمانہ میں جوان لڑکے اورلڑکیاں یوروپ، وامریکہ کے طرز پر چست پینٹ اور ماڈرن بنیان پہنتی ہیں، یہ فاسقوں اورکافروں کا لباس ہے؛ اس لئے ایسے لباس کا سلنا مکروہ ہے، اسی طرح بلاؤز جو عورتیں ساڑی کے ساتھ پہنتی ہیں، جس سے صرف پستان اور پیٹ کا کچھ حصہ ڈھکا رہتا ہے، بقیہ پیٹ اور پیٹھ کھلی رہتی ہے، تو اس کا بھی سلنا مکروہ ہے۔

أمره إنسان أن يتخذله خفا على زي المجوس، أو الفسقة، أو خياطا أمره أن يتخذله ثوبًا على زي الفساق، يكره له أن يفعل؛ لأن سبب التشبه بالمجوس، والفسقة. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، باب الإستبراء وغيره، زكريا ٩/٥٦٢، كراچي٦/٣٩٢، فتاوى محموديه قديم ١٢/٣٢٥و ١٤/٣٦٨، جديد ڈابھيل١٩/٢٨٣-٢٨٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ربیع الثانی ۱۴۲۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۸۷۷۹/۳۷)

مور کی تصویر بنے ہوئے کپڑے کو کیا کریں؟

سوال]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نے ایک سوٹ خرید کر سلوالیا، اور اس کو پہن کر اپنی بہن کے یہاں گئی، تو میری بہن نے دھیان دلایا کہ اس کپڑے پر مور کی تصویر بنی ہوئی ہے، اس کا مجھے بہت افسوس ہے، یہ کپڑا سوتی ہے؛ لیکن قیمتی ہے، مہربانی کرکے آپ جواب تحریر فرمائیں کہ میں اس کپڑے کو کس طرح استعمال کرسکتی ہوں؟

المستفتی: اہلیہ محمد ناصر الدین، بھٹی محلّہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مور کی تصویر اتنی چھوٹی ہے کہ کپڑے کو زمین

بر رکھدیا جائے اور کھڑے ہوکر دیکھا جائے تو تصویر نظر نہ آئے، تو اس کا استعمال جائز ہے اور اگر کھڑے ہوکر نظر آجاتی ہے، تو اس کا استعمال جائز نہیں ہے، ہاں البتہ ایسا کیا جاسکتا ہے کہ اس کپڑے کا فرش اور بستر وغیرہ بنالیا جائے۔

ولایکره لو كانت تحت قدميه (إلى قوله) **أو كانت صغيرة لاتتبين تفاصيل أعضائها للناظر قائمًا، وهي على الأرض.** (در مختار، باب ما يفسد الصلاة، وما يكره فيها، زكريا ٢/٤١٧–٤١٨، كراچي ١/٦٤٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍ربیع الثانی ۱۴۱۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱؍۳۹۵۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۷؍۴؍۱۴۱۵ھ

(٤) باب الزينة

عطر لگانے کا مسنون طریقہ

سوال [۱۰۵۸۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عطر لگانے کا سنت طریقہ کیا ہے؟

المستفتی: مفتی عتیق الرحمٰن، مدرسہ اسلامیہ، ناگپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: عطر لگانا سنت ہے اور اس کو آنحضرت ﷺ نے بہت پسند فرمایا ہے؛ لیکن اس کے لگانے کا سنت طریقہ کیا ہے؟ اس کے بارے میں کوئی روایت نظر سے نہیں گذری؛ البتہ روایت ذیل:

عن عائشةؓ، قالت: كان النبي صلى الله عليه وسلم: يعجبه التيمن في تنعله وترجله وطهوره وفي شانه كله. (رواه البخاري، كتاب الوضوء، باب التيمن في الوضوء، والغسل ١/٢٩، رقم:١٦٨)

کے سیاق وسباق سے جانب یمن سے عطر لگانے کی ابتداء کرنا افضل معلوم ہوتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍ جمادی الثانی ۱۴۱۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱؍۴۰۶۴)

پرفیوم کا استعمال

سوال [۱۰۵۹۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل

کے بارے میں: کہ مردوں کے لئے پرفیوم (فوارے والاعطر) استعمال کرنا کیسا ہے؟ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ مردوں کے لئے حرام ہے، سوال یہ ہے کہ یہ عطر تو ایک طرح کی خوشبو ہے، پھر حرام کیوں؟

المستفتی: ضیاء الرحمٰن قاسمی، مسجد حکیمان، وارڈ ریڑیاں خانپور، بلندشہر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مردوں اورعورتوں دونوں کے لئے حکم یکساں ہے، اگر اس میں کوئی ناپاک مادہ نہیں ہوتا ہے؛ بلکہ خوشبو ہی ہے، تو اس کے استعمال میں مردوں اورعورتوں میں سے کسی کے لئے کوئی قباحت نہیں۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۱۵/۳۹۹، جدید ڈابھیل ۱۸/۱۹۳)

وبهذا يتبين حكم الكحول المسكرة التي عمت بها البلوىٰ اليوم، فإنها تستعمل في كثير من الأدوية، والعطور، والمركبات الأخرىٰ......وإن اتخذت من غيرهما، فالأمر فيها سهل على مذهب أبي حنيفة ولايحرم استعمالها للتداوي، أو لأغراض مباحة أخرىٰ......وإن معظم الكحول التي تستعمل اليوم في الأدوية، والعطور وغيرها لاتتخذ من العنب، أو التمر، إنما تتخذ من الحبوب، أو القشور، أو البترول وغيره الخ. (تكملة فتح الملهم، كتاب الأشربة، حكم كحول المسكرة، اشرفية ديوبند ۳/ ۶۰۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰؍ ربیع الثانی ۱۴۲۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶/ ۸۰۲۴)

سینٹ کا استعمال کیسا؟

سوال [۱۰۵۹۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ سینٹ (پرفیوم) میں الکحل ملا ہوا ہوتا ہے، اور الکحل فسٹ نمبر کی شراب ہے، تو یہ سینٹ پاک ہے یا نہیں؟ نیز اس کو لگا کر نماز پڑھنا کیسا ہے؟ اور ادویات میں الکحل کا استعمال کر سکتے ہے یا نہیں؟ تشفی بخش جواب مرحمت فرمائیں۔

المستفتی: محمد جاوید

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو الکحل انگور یا کھجور سے بنا ہوا ہو، وہ تو بالاتفاق حرام اور ناپاک ہے؛ لیکن جو ان دونوں کے علاوہ دیگر اشیاء مثلاً آلو، گاجر وغیرہ سے بنایا گیا ہو، تو وہ حضرات شیخینؒ کے قول کے مطابق پاک ہے، عموماً یہی الکحل عطریات اور ادویہ میں استعمال ہوتا ہے؛ لہٰذا ضرورت شدیدہ اور عموم بلویٰ اور ابتلائے عام کی وجہ سے عطریات اور ادویات کے حق میں حضرات شیخینؒ کے قول کے مطابق جواز کا فتوی ہے، اور پینے کے حق میں حضرت امام محمدؒ کے قول کے مطابق حرام اور ناجائز ہونے پر فتوی ہے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۱۲۵، احسن الفتاوی ۸/۴۸۸، دینی مسائل ۲۹۳)

وأما غير الأشربة الأربعة فليست نجسة عند الإمام أبي حنيفةؒ، وبهذا يتبين حكم الكحول المسكرة التي عمت بها البلوىٰ اليوم، فإنها تستعمل في كثير من الأدوية، والعطور، والمركبات الأخرى، فإنها إن اتخذت من العنب، أو التمر، فلا سبيل إلى حلتها أوطهارتها، وإن اتخذت من غيرهما فالأمر فيها سهل على مذهب أبي حنيفةؒ ولايحرم استعمالها للتداوي، أو لأغراض مباحة أخرى، ما لم تبلغ حدالإسكار؛ لأنها إنما تستعمل مركبة مع المواد الأخرىٰ ولا يحكم بنجاستها أخذاً، بقول أبي حنيفةؒ، وإن معظم الكحول التي تستعمل اليوم في الأدوية، والعطور وغيرها لاتتخذ من العنب، أو التمر، إنما تتخذ من الحبوب، أو القشور، أوالبترول وغيره...... وحيئذ هناک فسحة في الأخذ بقول أبي حنيفةؒ عند عموم البلوىٰ. (تكملة فتح الملهم، كتاب الأشربة، اشرفية ديوبند ٣/٦٠٨)

وأما ماسواها فيتخذ النبيذ من كل شيئ من الحبوب والثمار، والألبان وتسمي هذه الأقسام بالأنبذة وحكمها ماذكروا أن القليل أي القدر غير المسكر منها حلال إذا كان بقصد التقوى على العبادة وحرام بقصد التلهي والكثير أي القدر المسكر منها حرام وهذا مذهب الشيخين.

(العرف الشذي على هامش الترمذي، أبواب الأشربة، باب ماجاء في شارب الخمر ٢/٨)

أما الأشربة المتخذة من الشعير، أو الذرة، أو التفاح، أو العسل إذا اشتد وهو مطبوخ، أو غير مطبوخ، فإنه يجوز شربه مادون السكر عند أبي حنيفةؒ، وأبي يوسفؒ، وعند محمدؒ حرام شربه قال: الفقيه وبه نأخذ. (هندية، كتاب الأشربة، الباب الثاني في المتفرقات، زكريا قديم ٥/٤١٤، جديد ٥/٤٧١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍ جمادی الاول ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰؍ ۱۱۵۲۴)

مرد کا ہاتھوں اور بالوں میں مہندی لگانا

سوال [۱۰۵۹۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مرد کا مہندی لگانا کیسا ہے؟ بالوں اور ہاتھوں دونوں کے بارے میں بتائیں؟

المستفتی: محمد ناصر انصاری، محلّہ ملکیان، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مرد کا بالوں میں مہندی لگانا شرعاً درست ہے؛ البتہ ہاتھ پیر میں مرد کو مہندی لگانا شرعاً درست نہیں ہے اور اگر گرمی دور کرنے کیلئے ایسا کرے، تو صرف تلوؤں میں لگانے کی گنجائش ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۱۴/ ۳۸۶، جدید ڈابھیل ۱۹/ ۴۵۶)

عن أبي ذر قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن أحسن ماغيرتم به الشيب الحناء، والكتم. (سنن النسائي، الزينة، النسخة الهندية ٢/٢٣٦، دار السلام رقم:٥٠٨٨)

وعن الإمام أن الخضاب حسن؛ لكن بالحناء. (هندية، كتاب الكراهية، الباب العشرون في الزينة، زكريا قديم ٥/٣٥٩، جديد ٥/٤١٤)

يستحب للرجل خضاب شعره، ولحيته لا يديه، ورجليه، فإنه مكروه للتشبه بالنساء. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، كراچي٦/٤٢٢، زكريا ٩/٦٠٤)

وأما خضب اليدين، والرجلين، فيستحب في حق النساء، ويحرم في حق الرجال إلا للتداوي. (مرقاة، شرح المشكوة، كتاب اللباس، باب الترجل، الفصل الثاني، امدادية ملتان ٨/٣٠٤، تحت رقم الحديث٤٤٥٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶/ ذی قعدہ ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۶۹۳۲/۳۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۱۱/۸ھ

سر، داڑھی، ہاتھ، پیر میں مہندی لگانے کا حکم

سوال [۱۰۵۹۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مہندی لگانا سر یا داڑھی کے بالوں میں اور ہاتھ پیر میں جائز ہے یا نہیں؟

(۲) یہ کہ عورت کو بالوں میں مہندی لگانا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: عبدالعزیز، بزازی، شاہی مسجد مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) مردوں کو سر یا داڑھی کے بالوں میں مہندی لگانا جائز ہے۔

عن ابن سيرين قال: سئل أنس هل خضب رسول الله صلى الله عليه وسلم؟ قال: إنه لم يكن رأي من الشيب إلا قال ابن إدريس كا ن يقلله و قد خضب أبوبكر، وعمر بالحناء، والكتم. (صحيح مسلم، كتاب الفضائل، باب شيبة صلى الله عليه وسلم، النسخة الهندية ٢/ ٢٥٨، بيت الأفكار رقم: ٢٣٤١)

وورد أن أبا بكرؓ خضب بالحناء، والكتم. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، كوئٹه ٥/ ٢٩٩، كراچي ٦/ ٤٢٢، زكريا ٩/ ٦٠٥، كفايت المفتى ٩/ ١٧٢، جديد زكريا مطول ١٢/ ٣٤٤)

مردوں کو ہاتھ اور پیر میں مہندی لگانا مکروہ ہے؛ کیونکہ اس میں عورتوں کے ساتھ مشابہت ہوتی ہے۔

لا يديه ورجليه،فإنه مكروه للتشبه بالنساء. (شامي، مطبوعة، كوئٹه ٥/ ٢٢٩، كراچي ٦/ ٢٢٤، زكريا ٩/ ٦٠٤، أوجز المسالك، باب ماجاء في صبغ الشعر، قديم ٦/ ٣٣٤، فتاوى احياء العلوم ١/ ٢٧٠، فتاوى محمودية ١/ ١٥٥، جديد ڈابهيل ١١/ ٢١٤، فتاوى رشيدية قديم ٥٨٨، جديد زكريا ٥٧٩)

(۲) اگر شوہر کو یہی پسند ہے تو جائز ہے۔

استحباب خضاب الشيب للرجل، والمرأة بصفرة، أوحمرة. (أوجز المسالك قديم ٦/ ٣٣٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/ ربیع الثانی ۱۴۰۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۳/ ۵۹۹)

ٹیٹو کا شرعی حکم

سوال [۱۰۵۹۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ٹائے ٹوس (جو ایک طرح کا جسم پر نقش و نگار ہوتا ہے، اس میں

گدوانا نہیں ہوتا صرف ایک کاغذ کو جس پر نقش ونگار ہوتا ہے جسم پر چسپاں کرتے ہیں، پھر کچھ دیر بعد اس کاغذ کو جسم سے الگ کر دیتے ہیں، جس کی وجہ سے اس کاغذ کا نقش جسم پر ظاہر ہوجاتا ہے) تو کیا اس طرح جسم کے کسی بھی حصہ پر نقش ونگار کی اجازت ہے؟ کیا یہ تغییر خلق میں داخل ہے؟ مفصل تحریر فرمائیں۔

المستفتی: محمد رضوان، حیدرآباج

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حدیث شریف میں گدوانے کی مذمت آئی ہے اور اس کو شیطان کی کتابت سے تعبیر کیا ہے، اور ٹائے ٹوس کا نقش گدوائے بغیر اگرچہ جسم پر چسپاں ہوجاتا ہے؛ لیکن جسم پر چسپاں ہوجانے کے بعد گدوانے کے مشابہ ہوجاتا ہے، اس لئے یہ بھی جائز نہیں ہوگا۔

عن أبي هريرةؓ، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: العين حق ونهى عن الوشم. (بخاري شريف، كتاب اللباس، باب الواشمة ۲/۸۷۹، رقم: ۵۷۱۱، ف:۵۹۴۴)

وقد يكون في اليد وغيرها من الجسد وقد يفعل ذلك نقشًا وقد يجعل دوائر، وقد يكتب اسم المحبوب، وتعاطيه حرام بدلالة اللعن. (فتح الباري، كتاب اللباس، باب المتفلجات للحسن، دار الريان للتراث العربي بيروت ۱۰/۳۸۵، اشرفية ديوبند ۱۰/۴۵۵، دار الفكر بيروت ۱۰/۳۷۲، تحت رقم الحديث ۵۹۳۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍محرم الحرام ۱۴۳۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۰۵۸۱/۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۱/۱۲ھ

کیا زندگی میں سوا کلو یا سوا سیر سرمہ لگانا سنت ہے؟

سوال [۱۰۵۸۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل

کے بارے میں: کہ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ سرمہ لگانا سنت ہے؛ لیکن سوا کلو یا سوا سیر اگر کسی نے اپنی زندگی میں استعمال نہ کیا تو مرنے کے بعد اس کو قبر میں فرشتے ٹھوسیں گے یہ بات کہاں تک صحیح ہے؟

المستفتی: محمد مختار، سکٹھو نگلہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: کسی آیت کریمہ اور صحیح حدیث سے سوا کیلو یا سوا سیر والی بات ثابت نہیں ہے، بس حدیث میں صرف سرمہ لگانے کی سنیت ثابت ہے، مذکورہ مقدار کا ثبوت نہیں ہے، ہاں البتہ تین تین مرتبہ ایک آنکھ میں لگانا مسنون ہے۔

أن النبي صلى الله عليه وسلم، كانت له مكحلة منها عند النوم ثلاثاً في كل عين. (شمائل ترمذي ٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/ ربیع الثانی ۱۴۱۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۸/ ۳۱۲۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۳/۴/۵ھ

عورتوں کا فیشن کرنا

سوال [۱۰۵۹۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ معلمات وطالبات بلکہ اکثر مسلم عورتیں ہتھیلی پر مہندی لگانے کے ساتھ پشت پر بھی کہنیوں تک پھول، بیل بوٹے بناتی ہیں، لمبے آئرن کانوں میں لٹکاتی ہیں، جو بلاشبہ دور حاضر کی فیشن ایبل لڑکیوں اور غیر مسلم عورتوں کی نقل ہے، تو اس قسم کی زیب وزینت کی معلمات وطالبات اور مسلم عورتوں کو کہاں تک اجازت ہے؟

المستفتی: عرفان اللہ قاسمی، مالیگاؤں

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: عورتوں کے لئے پھول، بوٹے کے ساتھ

مہندی لگانا اور کانوں میں بوندے پہننا حدیث سے ثابت ہے، مگر اس طرح مہندی لگا کر ہاتھوں کو کھول کر کے مردوں کے مجمع میں یا سڑکوں پر پھرنا قطعاً جائز نہیں ؛ ہاں البتہ مہندی لگا کر گھروں میں اور پردہ میں رہتی ہیں اور اجنبیوں کے سامنے نہیں آتی ہیں، تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

عن ابن مسعودؓ، عن النبي صلی الله علیه وسلم قال: المرأة عورة، فإذا خرجت استشرفها الشیطان. (سنن الترمذي، باب بلا ترجمة، النسخة الهندية ۱/ ۲۲۲، دار السلام رقم:۱۱۷۳، مشکوة المصابیح ۱/ ۲۶۹)

عن عائشةؓ قالت: أومأت امرأة من وراء ستر بیدها کتاب إلی رسول الله صلی الله علیه وسلم، فقبض رسول الله صلی الله علیه وسلم یده، فقال: ما أدري أید رجل أم ید امرأة، قالت: بل امرأة؟ قال: لو کنت امرأة لغیرت أظفارک یعني بالحناء. (أبوداؤد، باب في الخضاب للنساء، النسخة الهندية ۲/ ۵۷۴، دار السلام رقم:۴۱۶۶، مشکوة ۳۸۳)

أن النبي صلی الله علیه وسلم خرج ومعه بلال فظن أنه لیسمع النساء فوعظهن وأمرهن بالصدقة، فجعلت المرأة تلقي القرط والخاتم وبلال یأخذ في طرف ثوبه. (صحیح البخاري، باب عظة الإمام النساء وتعلیمهن، النسخة الهندية ۱/ ۲۰، رقم:۹۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ جمادی الثانیہ ۱۴۳۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۱۵۹/۴۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۶/۲۴ھ

عورتوں کی فیشن ایبل جوتیوں کا حکم

سوال [۱۰۵۹۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل

کے بارے میں: کہ موجودہ دور کی لیڈیز جوتیاں مسلم عورتیں پہن سکتی ہیں؟

المستفتی: جامعۃ الطیبات مالیگاؤں (ناسک)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جوتیاں عورتوں ہی کے لئے وضع کی جاتی ہیں؛ اس لئے مسلم عورتوں کے لئے لیڈیز جوتیاں پہننے میں کوئی قباحت نہیں ہے، سائل کے سوال سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ عورتیں لیڈیز جوتیاں نہ پہن کر کے مردانہ پہنیں۔ **لاحول ولاقوۃ إلا باللّٰہ۔**

یباح للنساء......وما یلبسه علی وجوههن وفي أعناقهن، وأیدیهن، وأرجلهن، وأذانهن وغیره. (إعلاء السنن، باب حرمة الذهب علی الرجال وحله للنساء، دار الکتب العلمیة بیروت ۱۷/۳۱۸، کراچي ۱۷/۲۹٤، المغني لابن قدامة، دارالکتب العلمیة بیروت ۲/۳٤۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ جمادی الثانیہ ۱۴۳۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰/۱۱۱۵۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۶/۲۴ھ

سینٹ اور چمکدار ہونٹ پالش کا حکم

سوال [۱۰۵۹۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ سینٹ اور چمکدار ہونٹ پالش کی تیاری میں خنزیر یا ناپاک اجزاء کی ملاوٹ ہوتی ہے، تو کیا ان کی باتوں پر یقین کرتے ہوئے مذکورہ دونوں چیزوں کا استعمال کرنا ناجائز ہوگا؟ اگر ہونٹ پالش میں چمک نہ ہو صرف لال رنگ ہو، تو عورت اپنے شوہر کے سامنے لگا سکتی ہے کہ نہیں؟

المستفتی: محمد اعجاز، نگینہ بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ہندوستان میں جو سینٹ بنتا ہے، اس میں انگوری شراب سے بنا ہوا الکحل استعمال نہیں ہوتا؛ بلکہ دوسری اشیاء سے بنایا ہوا الکحل استعمال ہوتا ہے؛ لہٰذا ایسے سینٹ کا استعمال درست ہے اور عورتوں کے لئے ہونٹ پالش کا استعمال کرنا جائز ہے، بشرطیکہ اس میں کوئی ناپاکی ملی ہوئی نہ ہو۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۱/۱۲۵، محمودیہ قدیم ۱۵/۳۵۸، جدید ڈابھیل ۱۹/۳۳۱)

وبهذا يتبين حكم الكحول المسكرة التي عمت بها البلوىٰ اليوم، فإنها تستعمل في كثير من الأدوية، والعطور، والمركبات الأخرىٰ......وإن اتخذت من غيرهما، فالأمر فيها سهل على مذهب أبي حنيفةؒ ولايحرم استعمالها للتداوي، أو لأغراض مباحة أخرىٰ......وإن معظم الكحول التي تستعمل اليوم في الأدوية، والعطور وغيرها لاتتخذ من العنب، أو التمر، إنما تتخذ من الحبوب، أو القشور، أو البترول وغيره الخ. (تكملة فتح الملهم، كتاب الأشربة، حكم كحول المسكرة، اشرفية ديوبند ۳/۶۰۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍رجب المرجب ۱۴۱۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴/ ۵۸۶۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۹/۷/۱۴۱۹ھ

عورتوں کا لبوں پر سرخی لگانا

سوال [۳۵۵۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عورتیں جو لبوں پر سرخی لگاتی ہیں؛ حالانکہ اس سرخی سے غالباً پپڑی بھی نہیں بنتی ہے، جیسا کہ عورتوں کا کہنا بھی ہے کہ اس کو دھونے سے سب صاف ہو جاتی ہے، علاوہ ازیں کہ ناخن کی جو پالش ہوتی ہے، اس کو بغیر کھرچے صاف نہیں کیا جا سکتا ہے، اس معنی کر اس پر وضو کرنے میں پانی بھی جذب نہیں ہوتا ہے، اس کا استعمال غالباً ٹھیک نہیں ہے، بعض علماء

سے معلوم کیا، تو بتلایا کہ لبوں پر سرخی کا لگانا درست نہیں ہے؛ کیوں کہ وضوء میں پانی جذب نہیں ہو پاتا، بعض لوگوں نے بتلایا درست ہے، اس سے پپڑی لبوں پر نہیں بنتی ہے نیز بعض علماء نے پیروں کے زیور چٹکی یا بچھیا کو غیر مسلم عورتوں سے مشابہ قرار دے کر منع کر دیا کہ یہ غیر مسلم عورتوں کا شعار ہے، تو ان کا استعمال کیسا ہے؟

المستفتی: جلیس احمد، مدرسہ جامعہ عربیہ شہر سیتا پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: لبوں پر سرخی نہ لگانا چاہیئے اس لئے کہ لوگوں کے بتانے سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اس میں خنزیر کی چربی شامل ہوتی ہے اور اگر اس بات کی تحقیق ہو کر یقین ہوجائے، تو پھر سرخی لگانا حرام ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۳۵۹/۱۲، جدید ڈابھیل ۳۳۲/۱۹)

قال اللّٰہ تعالیٰ: اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ. [البقرة:١٧٣] فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱/شعبان المعظم ۱۴۱۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵۵۹/۳۱)

عورتوں کا لپ اسٹک لگا کر باہر نکلنا

سوال [۱۰۶۰۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عورتوں کو لپسٹک استعمال کرنا کیسا ہے؟ اگر جائز نہیں ہے، تو اس کی وجوہات کیا ہیں؟

المستفتی: شریف احمد، لکھیم پوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شوہر کو خوش کرنے کے لئے گھر کے اندر پردہ میں رہ کر ایسی لپ اسٹک لگانا جائز ہے، جس میں کوئی نجس شئ شامل نہیں ہو؛ لیکن باہر گھومنے کے

لئے یہ بھی جائز نہیں ہے؛ کیونکہ یہ زینت کے لئے استعمال ہوتی ہے، اور زینت کے ساتھ غیرمحرموں کے سامنے جانا جائز نہیں ہے۔

وطيب النساء لون لا ريح له كالزعفران، والخلوق. (مرقاة، كتاب اللباس، امداديه ملتان ٨/٢٥٨)

وأما التحمير ونحوه فيجوز بإذن الزوج وفي داخل البيت، ويحرم بغير إذن الزوج وخارج المنزل. (الفقه الإسلامي، وأدلته، كتاب الحظر والإباحة، تاسعا الترجل والتخنث، مكتبه هدىٰ انٹرنيشنل ديو بند ٣/ ٥٨٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ محرم الحرام ۱۴۱۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۳/ ۵۶۰۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۸/۱/۱۴۱۹ھ

عورتوں کے لئے لپ اسٹک کے استعمال کا حکم

سوال [۱۰۶۰۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ لپ اسٹک جو عورتیں ہونٹوں میں استعمال کرتی ہیں، بعض اخبارات سے معلوم ہوتا ہے، کہ وہ خنزیر کی چربی سے تیار ہوتی ہے، اس کی کیا تحقیق ہے یہ جائز ہے یا ناجائز ہے؟

المستفتی: محمد صابر، مدرس مدرسہ تعلیم القرآن، مظفرنگر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: لپ اسٹک میں خنزیر کی چربی کی موجودگی کا علم یقینی ہو، تو اس کا استعمال ناجائز ہے اور ہونٹوں کی ناپاکی کا بھی حکم ہوگا؛ لیکن اگر خنزیر کی چربی کا یقین نہیں ہے یا اس کی حقیقت بدلنے کے بعد لپ اسٹک میں شامل کی جاتی ہے، تو اس کے استعمال میں گنجائش ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۱۲/ ۳۵۹، جدید ڈابھیل ۱۹/ ۳۲۲، کفایت المفتی قدیم ۲/ ۲۸۲، جدید زکریا مطول) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍شعبان المعظم ۱۴۱۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۲/۴۹۸۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۷/۸/۱۲ھ

عورتوں کا لبوں پر سرخی لگانا جائز ہے یا ناجائز؟

سوال [۱۰۶۰۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عورتیں جو اپنے لبوں پر سرخی لگاتی ہیں، اس کا لگانا جائز ہے یا نہیں؟ اگر نہیں جائز ہے تو حالات کے اعتبار سے اس دور کے آدمی یا مولوی یا مفتی کا رنگ برنگی دنیا کو دیکھتے ہوئے نفس پر کنٹرول کرنا نہایت مشکل ہے؛ حالانکہ ایک مرتبہ اللہ کے رسول اپنے گھر سے باہر نکلے اچانک ایک عورت پر نظر پڑی حضور ﷺ فوراً اپنے گھر واپس ہوئے اور کسی بیوی سے حاجت پوری کی پھر فرمایا: تم میں سے کوئی بھی سفر یا حضر میں نکلے اور کوئی عورت اس کو بھا جائے، تو وہ فوراً اپنے گھر واپس ہو، جو اس کے پاس ہے وہی اس کے پاس ہے؛ لیکن اس دور میں تو سرخی کا عام رواج ہو گیا، اگر کوئی شخص کسی کو دیکھے اور گھر واپس آئے، تو ویسی حالت نہ پائے، وہ کیا کرے؟ حالانکہ مفتی صاحب آپ نے اپنی کتاب ایضاح المسائل میں روزہ کے بیان میں لکھا ہے کہ سرخی روزہ کی حالت میں لگائے، تو روزہ میں کوئی فرق نہیں پڑے گا، تو وہ کون سی لالی یا سرخی ہے؟ جس کا لگانا ٹھیک ہے جائز ہے، اس دور کی دیگر عورتوں کو دیکھو تو نفس پر عجیب نقش بن جاتا ہے کہ مٹائے ہی نہیں مٹتا، اگر گھر پر عورت کے لبوں پر سرخی لالی وغیرہ لگوا کر صحبت کی جائے، تو کوئی گناہ کی بات تو نہیں اگر ہے، تو اس کو بھی واضح فرمائیں۔

المستفتی: محمد ذکوان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: عورتوں کا لبوں میں سرخی یعنی لپ اسٹک لگانا جائز اور درست ہے؛ البتہ اگر لپ اسٹک تہہ دار ہے اور ہونٹوں تک پانی پہونچنے سے مانع ہے،

تو اس کو صاف کئے بغیر وضوء اور غسل درست نہیں عورتوں کو لپ اسٹک لگا کر اور بن سنور کر گھر سے باہر نکلنا کہ جس سے اجنبی مردوں کے دل مائل ہوتے ہوں درست نہیں ہے؛ لیکن اگر اپنے شوہر کو خوش کرنے کے لئے اور اسی طرح صحبت کے وقت لالی اور سرخی لگائی جائے تو اس میں کوئی گناہ نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۳۸۵/۱۵، جدید ڈابھیل ۳۲۲/۱۹، دینی مسائل اوران کاحل ۳۱۷)

ولایمنع الطهارة ونیم وحناء ودرن......وكذا دهن ودسومة وتراب في ظفر مطلقاً وما على ظفر صباغ، وقيل إن صلبا منع وهو الأصح (در مختار) أي إن كان ممضوغاً مضغاماتأ كدًا، بحيث تداخلت أجزاؤه وصار لزوجة وعلاكة كالعجين لا متناع نفوذ الماء مع عدم الضرورة والحرج. (شامي، كتاب الطهارة، مطلب في أبحاث الغسل، كراچي ١/ ١٥٤، زكريا ١/ ٢٨٨ -٢٨٩)

وأما التحمير ونحوه فيجوز بإذن الزوج وفي داخل البيت، ويحرم بغير إذن الزوج وخارج المنزل. (الفقه الإسلامي، وأدلته، كتاب الحظر والإباحة، تاسعا: الترجل والتخنث، مكتبه هدیٰ انٹرنیشنل دیو بند ٣/ ٥٨٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶/ ذی الحجہ ۱۴۳۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۸۵۵۱/۳۷)

شوہر کو خوش کرنے کے لئے کالا خضاب لگانا

سوال [۱۰۶۰۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مردوں کے لئے کالا خضاب لگانا مکروہ ہے؟ کیا یہ حکم عورتوں کے لئے بھی ہے؟ اگر عورتوں کے لئے بھی یہی حکم ہے، تو کیا شوہر کی خوشنودی کے لئے بالوں کو کالا کرنا اس کے لئے جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد شفیع

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مردوں کی طرح عورتوں کے لئے بھی سیاہ خضاب استعمال کرنا مکروہ ہے؛ البتہ شوہر کی خوشنودی کے لئے اس کے کہنے پر سیاہ خضاب استعمال کرنے کی گنجائش ہے، یہی حضرت امام ابویوسفؒ کا قول ہے، اور ایسے حالات میں حضرت امام یوسفؒ کی رائے کو ترجیح دینا بہتر ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ ڈابھیل ۱۹/۴۵۵، میرٹھ ۲۷/۵۱۰)

ومذهبنا استحباب خضاب الشيب للرجل، والمرأة بصفرة، أوحمرة ويحرم خضابه بالسواد على الأصح. (نووي على هامش المسلم، كتاب اللباس والزينة، باب استحباب خضاب الشيب بصفرة أوحمرة ۲/۱۹۹)

أما الخضاب بالسواد للغزو ليكون أهيب في عين العدو، فهو محمود بالاتفاق، وإن ليزين نفسه للنساء، فمكروه وعليه عامة المشائخ، وبعضهم جوزه بلا كراهة روي عن أبي يوسفؒ أنه قال: كما يعجبني أن تتزين لي يعجبها أن أتزين لها. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، كراچي ۶/۴۲۲، زكريا ۹/۶۰۵، هندية، زكريا قديم ۵/۳۵۹، جديد ۵/۴۱۴، الموسوعة الفقهية الكويتية ۱۱/ ۳۵۰، تاتارخانية، زكريا ۱۸/۲۱۴، رقم: ۲۸۵۵۵)

اختضب لأجل التزين للنساء، والجواري جاز في الأصح، ويكره بالسواد، وقيل: لا، وتحته في الشامي ومذهبنا استحباب خضاب الشيب للرجل والمرأة أو حمرة وتحريم خضابه بالسواد على الأصح......قال الحموي: وهذا في حق غير الغزاة، ولا يحرم في حقهم للإرهاب. (شامي، كراچي ۶/۷۵۶، زكريا ۱۰/۴۸۸-۴۸۷) فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/ جمادی الثانیہ ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰/۱۱۵۶۲)

لڑکیوں کے لئے مردانہ جوتے پہننے کا حکم

سوال [۱۰۶۰۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ لڑکیوں کو کپڑے کا جوتا پہنانا اور اس کا پابند کرنا شرعًا کیسا ہے؟ جبکہ جوتا دیکھنے میں مردانہ معلوم ہوتا ہے۔

المستفتی: مشتاق احمد، برولان، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: لڑکیوں کو مردانہ جوتا پہنانا ناجائز اور حرام ہے، اگر لڑکیاں بالغ ہیں، تو اس کا گناہ خود ان پر ہوگا اور اگر نابالغ ہیں، تو اس کا گناہ والدین پر ہوگا۔

مرد را تشبہ بزنان وزن را تشبہ بمرداں ومسلم را تشبہ بکفار وفساق حرام است۔

(مالابدمنہ، مطبوعہ نامی لکھنؤ ۱۲۶، مستفاد: فتاوی رشیدیہ قدیم ۵۹۴، جدید زکریا ۵۸۶، امداد الفتاوی ۱۲۵/۴)

حدیث شریف میں پیغمبر کا حکم یہی آیا ہے کہ والدین اپنی اولاد کو سات سال کی عمر سے احکام شرعیہ اور آداب شرعیہ کا عادی بنائیں۔

عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده، قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم: مروا أولادكم بالصلوة وهم أبناء سبع سنين واضربوهم عليها وهم ابناء عشر، وفرقوا بينهم في المضاجع. (أبوداؤد شريف، كتاب الصلوة، باب متى يؤمر الغلام بالصلاة، النسخة الهندية ۷۱/۱، دارالسلام رقم:۴۹۵)

ولاشك أن المراد بالتأديب هنا تعليم الأداب الشرعية. (مرقاة، شرح مشكوة، باب البر والصلة، الإقتصاد في العلم والعمل، امدادية ملتان ۲۳۱/۹)

عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: أكرموا أولادكم وأحسنوا آدبهم. الحديث (ابن ماجه شريف، كتاب الأدب، باب بر الوالد والإحسان إلى البنات،

النسخة الهندية ۲/ ۲٦۱، دار السلام رقم: ۳٦۷۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍ جمادی الاول ۱۴۰۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۴؍ ۶۹۴)

بیوی کا شوہر کے لئے زینت کرنے کا حکم

سوال [۱۳٦۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر عورتیں صرف اپنے شوہروں کے لئے ایسی زینت اختیار کریں، جو آج کل غیروں کی عورتیں کرتی ہیں، یعنی میک اپ کریں قسم قسم کے لباس وغیرہ پہنیں اور یہ صرف اس لئے کریں کہ ان کے شوہروں کی نگاہ دوسری عورتوں پر نہ پڑے تو کیا یہ زینت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد زبیر بن نور محمد جگنو (گجرات)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ہر قسم کی زینت اختیار کرنا جائز ہے، اور لباس بھی پہننا جائز ہے، بشرطیکہ شوہر اس قسم کے لباس کی اجازت دیتا ہو ورنہ نہیں۔

فإن لم يكن لها زوج، ولاسيد فهو حرام أيضًا، وإن كان فثلاثة أوجه...... وأصحها عندهم إن فعلته بإذن الزوج أو السيد جاز. (شرح المسلم، للنووي، كتاب اللباس والزينة، باب تحريم فعل الواصلة والمستوصلة ۲/ ۲۰٤، عمدة القاري، شرح صحيح البخاري، كتاب التفسير، باب وما أتاكم الرسول فخذوه، داراحياء التراث العربي بيروت ۹/ ۲۲٦، زكريا ديوبند ۱۳/ ۳۹۰، تحت رقم الحديث ٤۸۸۷)

ولعله محمول على ما إذا فعلته لتتزين الأجانب. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، قبيل باب الإستبراء، زكريا ۹/ ۵۳٦، كراچي ۹/ ۳۷۳)

وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ. [النور: ۳۱]

قال أبو بكر: ظاهره يقتضي إباحة إبداء الزينة للزوج (إلى قوله) إن المراد مواضع الزينة: وهو الوجه، واليد، والذراع؛ لأن فيها السوار والقلب، والعضد وهو موضع الدملج والنحر والصدر موضع القلادة، والساق موضع الخلخال. (أحكام القرآن للجصاص، سورة النور، باب الإستئذان، سهيل اكيڈمي لاهور ٣/٣١٧، زكريا ديوبند ٣/٤٠٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ رشعبان المعظم ۱۴۰۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۵/۱۳۶۵)

مسلمان عورتوں کا سندور لگانا

سوال [۱۰۶۰۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کافر عورت جو کہ سندور لگاتی ہے، کیا مسلم عورت کے لئے یہ جائز ہے؟

المستفتی: محمد بدرالدین، مسجد میدان والی، رفعت پورہ، مرادآبا

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسلمانوں عورتوں کے لئے سندور لگانا ناجائزاور حرام ہے؛ کیونکہ اس میں کافروں کے اطوار وشعائر ومشابہت کو اپنا نا ہوتا ہے، جس کی حدیث میں وعید آئی ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۴/۲۵۲-۴/۲۵۴، فتاوی محمودیہ قدیم ۱/۱۵۵، جدید ڈابھیل ۱۱/۲۱۴، فتاوی رشیدیہ قدیم ۶۳۴)

عن ابن عمرؓ، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من تشبه بقوم فهو منهم. (سنن أبي داؤد، كتاب اللباس، باب في لبس الشهرة ٢/٥٥٩، دار السلام رقم: ٤٠٣١، سنن سعيد بن منصور، دار الكتاب العلمية بيروت ٢/١٤٣، رقم: ٢٣٧٠، مسند أحمد بن حنبل ٢/٥١، رقم: ٥١١٤، المصنف لإبن أبي شيبه، مؤسسه علوم القرآن بيروت ١٠/٢٧٢، رقم: ١٩٧٤٧، مشكوة شريف ٢/٣٧٥)

ولو شبه نفسه باليهود، أوالنصارىٰ: أيصورة أوسيرة على طريق المزاح، والهزل، ولو على هذا المنوال كفر الخ. (شرح فقه اكبر، جديد اشرفي ديو بند ۲۲۸، قديم ۲۲۶) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳ ؍ ربیع الثانی ۱۴۰۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۳/ ۶۴۸)

عورتوں کے لئے مہندی لگانا

سوال [۱۰۶۰۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کالی مہندی کا استعمال کیسا ہے؟ کیا مطلق جائز ہے یا اس میں کوئی کراہت ہے؟ اگر کراہت ہے تو اس کی وجہ کیا ہے؟ (یہاں استعمال سے مراد عورت کا اپنے ہاتھ پر لگانا ہے)

المستفتی: محمد عمر، گڑھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: عورت کے لئے کالی یا سرخ مہندی لگانا مطلقاً جائز ہے۔

اتفق الفقهاء على أن تغير الشيب بالحناء، أو نحو مستحب للمرأة للأخبار الصحيحة في ذلک ويجوزلها، بإذن زوجها، وسيدها تحمير الوجنة وتطريف الأصابع بالحناء مع السواد. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۲/ ۳۸۱)

ولاينبغي أن يخضب يدى الصبي الذكر ورجله إلا عند الحاجة، ويجوز ذالک للنساء. (هندية، كتاب الكراهية، الباب العشرون، زكريا قديم ۵/ ۳۵۹، جديد ۵/ ۴۱۵، تاتارخانية، زكريا ۱۸/ ۲۱۵، رقم: ۲۸۵۵۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶ ؍ ربیع الثانی ۱۴۲۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۶/ ۷۶۱۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۴/۲۷ھ

مرد وعورت کومہندی لگانے کا حکم

سوال [۱۰۶۰۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مرد یا عورت کے لئے مہندی لگانا کیسا ہے؟

المستفتی: عبدالمتین، قصبہ بھنگار شراوستی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عورتوں کومہندی لگانا درست ہےاور مردوں کو عورتوں کی مشابہت کیوجہ سے درست نہیں چاہے بطورعلاج ہی کیوں نہ لگائے؛ البتہ پھوڑے اور پھنسی پر رکھنے کی اجازت ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۱/۱۵۵، جدید ڈابھیل ۲۱۴/۱۳، فتاوی رشیدیہ قدیم ۵۸۸، جدید زکریا ۵۷۹)

لعن الله المتشبهين من الرجال بالنساء. (المعجم الكبير للطبراني، داراحياء التراث العربي بيرت ۱۱/۲۵۲، رقم:۱۱٦٤۷، مشكوة ۲/۳۸۰)

عن ابن عباسؓ، قال: لعن النبي صلى الله عليه وسلم: المتشبهين من الرجال بالنساء. الحديث (صحيح البخاري، كتاب اللباس، باب المتشبهين بالنساء۲/۸۷٤، رقم: ٥٦٥٦، ف:٥٨٨٥)

ويجوز لها بإذن زوجها، وسيدها تحمير الوجنة وتطريف الأصابع بالحناء مع السواد. (الموسوعة الفقهية ۲/۲۸۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۶۶۱۸/۳۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۴/۲۷ھ

پیشانی پر بندی لگانا، چوڑی اور لونگ پہننا کیسا ہے؟

سوال [۱۰۶۱۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ میں ایک مسلم بندی ایک بات جاننا چاہتی ہوں امید کہ صحیح جواب دینے کی زحمت گوارہ فرمائیں گے، اللہ کا شکر ہے پہلے بھی مختلف فتویٰ منگا چکی ہوں، جس پر عمل کر کے کافی فائدہ ہوا ہے، اللہ آپ حضرات کا سایہ دیر تک قائم رکھے تاکہ امت دین سے متصف ہوکر کامیاب ہوجائے، کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ چوڑی، بندی اور ناک میں لونگ پہننا سنت ہے، کہیں ایسا تو نہیں سماج میں اس کا چلن ہونے کی وجہ سے سنت سمجھ بیٹھے ہوں، اس کی اصل کیا ہے؟ اس کی تہہ تک پہونچا کر علم سے روشناش فرمائیں تاکہ ہماری زندگی صحابیت سے میل کھاجائے، اور ہم ازواج مطہرات کے نقش قدم پر چلیں۔

المستفتی: محمد فیصل، کرولہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: پیشانی پر ٹیکہ لگانا جس کو سوال نامہ میں بندی سے تعبیر کیا گیا ہے، یہ اغیار کی عورتوں کا شعار ہے؛ لہٰذا ناجائز ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۱۷/۲۹۴، جدید ڈابھیل ۱۹/۵۵۷)

عن ابن عمرؓ، قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: من تشبہ بقوم فھو منھم. (سنن أبي داؤد، کتاب اللباس، باب في لبس الشھرۃ ۲/۵۵۹، دار السلام رقم: ۴۰۳۱، المعجم الأوسط للطبراني، مکتبہ نزار مصطفیٰ للباز بیروت ۶/۱۵۱، رقم: ۸۳۲۷، المعجم الکبیر للطبراني، دار أحیاء التراث العربی بیروت ۱۳/۳۱۷، رقم: ۱۴۱۰۹)

اور اگر بندی سے جھومر مراد ہے، جو چھوٹے سائز کا سونے کا ہوتا ہے، جو باضابطہ زیور کی قبیل سے ہوتا ہے، جو بالوں میں باندھنے کے بعد لٹک کر پیشانی تک پہونچتا ہے، یہ مسلم عورتوں کے لئے بلا کراہت جائز ہے؛ اس لئے کہ یہ زینت کے لئے استعمال کیا جاتا ہے اور چوڑی اور ناک میں لونگ پہننا شریعت سے ثابت ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۴/۱۳۵)

ویکرہ للولي إلباس الخلخال، أو السوار لصبي (در مختار) وفي الشامیۃ: قولہ "لصبي" أي الذکر؛ لأنہ من زینۃ النساء. (شامي،

كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع كراچي ٦/ ٤٢٠، زكريا ٩/ ٦٠٢)

قلت: وهل يجوز الخزام في الأنف، لم أره (در مختار) وفي الشامي: قوله ''ولم أره'' قلت: إن كان مما يتزين النساء به كما هو في بعض البلاد فهو فيها كثقب القرط. (شامي، كراچي ٦/ ٤٢٠، زكريا ٩/ ٦٠٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍ جمادی الاول ۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴؍ ۶۱۴۴)

عورت کا کلائیوں اور پنڈلیوں کے بال صاف کرنا

سوال [۱۰۶۱۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عورتیں اپنے بدن مثلاً ہاتھ کی کلائیوں یا پنڈلیوں پر سے بال صاف کرسکتی ہیں یا نہیں؟ اگر نہیں تو پھر اگر کوئی عورت بال صاف کرلے، تو پھر اس کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: محمد عمران، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر یہ بال دیکھنے میں برے لگتے ہوں اور ان کی وجہ سے شوہر کی ناگواری کا اندیشہ ہو، تو عورت شوہر کی خوشنودی کے لئے یہ بال صاف کراسکتی ہے، محض غیروں کو دکھلانے یا مروجہ فیشن پرستی کے طور پر اس کی اجازت نہیں ہے۔

قال الشامي: تحت قول النامصة لعله محمول على ما إذا فعلته لتتزين للأجانب وإلا فلو كان في وجهها شعر ينفر زوجها عنها بسببه ففي تحريم إزالته بعد. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، قبيل باب الاستبراء، زكريا ٩/ ٥٣٦، كراچي ٦/ ٣٧٣، الموسوعة الفقهية الكويتية ١١/ ٢٧٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍ صفر المظفر ۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴؍ ۶۰۴۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۲/۱۹ھ

ناپاکی کی حالت میں بال یا ناخن کاٹنے کا حکم

سوال [۱۰۶۱۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ناپاکی کی حالت میں جبکہ غسل فرض ہو بال کٹوانا، ناخن کٹوانا کیسا ہے؟ ناجائز ہے یا جائز؟

المستفتی: محمد نسیم انصاری، محلّہ ملکیان، پوسٹ: گڑھی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حالت جنابت میں غسل سے قبل بال کٹوانا اور ناخن کاٹنا مکروہ ہے۔

حلق الشعر حالة الجنابة مكروه، وكذا قص الأظافير. (هندية، كتاب الكراهية، قبيل الباب العشرين، زكريا قديم ٥/٣٥٨، جديد ٥/٤١٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۱/ذی قعدہ ۱۴۲۰ھ

(فتویٰ نمبر: الف ۳۴/۶۳۸۸)

(۵) باب الحجاب

شرعی پردہ اور محرم شرعی کی تفصیل

سوال [۱۰۶۱۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ شرعی پردہ اور محرم شرعی کی قرآن وحدیث کی روشنی میں وضاحت فرمائیں۔

المستفتی: محمد اعظم اعظمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شرعی پردہ کی تین قسمیں ہیں:

(۱) بالکل اجنبی مردوں سے پورے بدن کا پردہ لازم ہے، جس میں ہتھیلی چہرہ اور قدمین بھی شامل ہیں۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم: المرأة عورة. (ترمذي، أبواب الرضاع، باب بلا ترجمة، النسخة الهندية ۱/ ۲۲، دار السلام رقم: ۱۱۷۳)

وتمنع المرأة الشابة من كشف الوجه بين الرجال لا لأنه عورة؛ بل لخوف الفتنة، وتحته في الشامية: والمعنیٰ تمنع من الكشف لخوف أن یریٰ الرجال وجهها فتقع الفتنة. (شامي، كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة، كراچي ۱/ ٤٠٦، زكريا ۲/ ۷۹)

(۲) اعزاء واقرباء اور خاندان کے وہ لوگ جن سے نکاح کرنا جائز ہے، ان سے اگر فتنہ کا خطرہ نہ ہو، تو چہرہ ہتھیلی اور قدمین کا پردہ لازم نہیں ہے اور گھریلو ضروریات رہن سہن کے اعتبار سے چہرہ کھول کر ان کے سامنے آنا اور ضرورت کی باتیں کرنا جائز ہے۔

ینظر من الأجنبية –إلى وجهها، وكفيها فقط للضرورة، قيل: والقدم. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في النظر والمس، كراچي ٦/٣٦٩، زكريا ٩/٥٣١)

فحل النظر مقيد بعدم الشهوة. (شامي، زكريا ٩/٥٣٢، كراچي ٦/٣٧٠)

يجوز الكلام المباح مع إمرأة أجنبية. (شامي، كراچي ٦/٣٦٩، زكريا ٥٣٠)

ایسے اعزاء جن سے نکاح کرنا کبھی بھی جائز نہ ہوان سے سر بازو، پنڈلی وغیرہ کا پردہ بھی لازم نہیں ہے۔

ينظر من محرمه هي من لا يحل له نكاحها أبدًا إلى الرأس، والوجه، والصدر، والساق، والعضد. (شامي، كراچي ٦/٣٦٧، زكريا ٩/٥٢٨)

شرعی محرم ایسے شخص کو کہا جاتا ہے، جن سے نکاح کرنا کبھی بھی جائز نہ ہو۔

محرمه هي من لا يحل له نكاحها أبداً بنسب أو سبب. (شامي، كراچي ٦/٣٦٧، زكريا٩/٥٢٧)

والمحرم من لا يجوز له مناكحتها على التابيد بقرابة، أورضاع، أوصهرية. (شامي، كتاب الحج، مطلب في قولهم يقوم حق العبد على الشرع، كراچي ٢/٤٦٤، زكريا ٣/٤٦٤)

باپ، دادا، بھائی کی اولادیں اپنے لڑکے پوتے نواسے، اپنا داماد اپنی اولاد کے داماد وغیرہ یہ سب عورت کے لئے شرعی محرم ہیں۔

لَا جُنَاحَ عَلَيْهِنَّ فِیْ اٰبَآئِهِنَّ وَلَا اَبْنَآئِهِنَّ وَلَا اِخْوَانِهِنَّ وَلَا اَبْنَآءِ اِخْوَانِهِنَّ وَلَا اَبْنَآءِ اَخَوَاتِهِنَّ. [الاحزاب:٥٥] فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍ربیع الاول ۱۴۳۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹؍ ۱۰۳۰۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۵؍۳؍۱۴۳۲ھ

پردہ کا شرعی حکم اور اس میں سختی برتنا

سوال [۱۰۶۱۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرے گھر میں لڑکے لڑکیاں جوان ہیں، جب میرے بھانجے، یا بھتیجے میرے گھر آتے ہیں، تو دروازہ پر دستک دیتے ہیں، میں گھر میں ان کی بہنوں یعنی اپنی لڑکیوں کو پردہ میں کرتا ہوں، پھر ان کو گھر میں لاتا ہوں، ان کے سامنے قطعاً نہیں آنے دیتا؛ جبکہ بچپن میں وہ ایک ساتھ کھیلتے پھرتے تھے، اور اپنی بیوی کا بھی ان سے پردہ کراتا ہوں، یعنی ان کی حقیقی چچی اور ممانی ہوتی ہیں؛ جبکہ بچپن میں وہ ان کی گود میں کھیلتے تھے، جب وہ بالغ ہوئے، تو ان سے پردہ کرایا گیا؛ جبکہ گھر میں ان کی عمر کے میرے لڑکے اور میں خود بھی موجود ہوتا ہوں، کوئی تنہائی کا موقع بھی نہیں ہوتا ہے، میرا یہ طریقہ کیسا ہے؟ رہنمائی چاہتا ہوں۔

(۲) میری ایک لڑکی شادی شدہ ہے، جب میرے داماد میرے گھر آتے ہیں، تو میں گھر میں پردہ کا نظم کرکے ان کو گھر میں داخل کرتا ہوں، اپنی بچیوں کو حکم کرتا ہوں کہ وہ بالکل پردہ سے رہیں، اگر داماد گھر میں اندر ہے، تو دروازہ پر پردہ ڈال دیا جاتا ہے، تاکہ ان کے کپڑوں تک کی جھلک ان کو نظر نہ آئے، جب داماد کو باہر آنے کی پیشاب یا پاخانہ جانے کی ضرورت ہوتی ہے، تو وہ کسی بچہ کو آواز دے کر کہہ دیتے ہیں، یہاں میں بچیوں کو دوسرے کمرہ میں بھیج دیتا ہوں، جب تک وہ باہر یعنی برآمدہ وغیرہ میں رہیں، تب تک لڑکیاں اندر کمرہ میں رہیں گی، میں یہاں تک کوشش کرتا ہوں کہ جب داماد گھر آتے ہیں، تو سالیاں ان کی خیریت تو درکنار اپنی بہن کی خیریت بھی معلوم نہیں کرسکتیں نہ وہ سالیوں کی خیریت معلوم کرسکتے، نہ وہ ان کی بہن کا سلام بلا واسطہ کہہ سکتے ہیں، کیا یہ میرا رویہ سنت نبوی کے مطابق ہے یا نہیں؟ جواب تحریر فرماکر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں نوازش ہوگی۔

المستفتی: محمد عبداللہ، رام جی والا، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) چچازاد، ماموں زاد بھائی اوراس طرح کے رشتہ دار جن کی گھر میں بار بار آمد ورفت ہو اور بظاہر فتنہ کا اندیشہ نہ ہو، تو بلا زیب وزینت صرف چہرہ اور ہتھیلی کھلے رہنے کی حالت میں ان کے سامنے آنے جانے اورضرورت کی باتیں کرنیکی اجازت ہے، ہاں البتہ ان کے ساتھ بالکل تنہائی میں ہونا اورتنہا سفر کرنا، بے تکلفی اور بے حیائی کرنا جو باعث فتنہ ہے جائز نہیں ہے، اسی طرح بھابھی کے ساتھ تنہائی کی حالت میں گھر میں یا باہر رہائش کی گنجائش نہیں، اسی طرح بھابھی کوتنہا کہیں لے جانے لانے کی گنجائش نہیں ، ہاں البتہ کئی مرد یا کئی عورت ساتھ ہوں تو کوئی حرج نہیں ہے اور حدیث شریف میں الحمو موت جو کہا گیا ہے، اس کا مطلب یہی ہے کہ بھابھی کے ساتھ رہائش اختیار کرنے میں فتنہ میں مبتلا ہونے کا سخت خطرہ ہے، پھر اگر دونوں شادی شدہ ہوں، تو خدانخواستہ منہ کالا ہونے کی صورت میں سنگ ساری کی وجہ سے موت کی باری آسکتی ہے۔

حدیث شریف کا یہی مطلب ہے، ایسا ہرگز نہیں کہ دیور بھابھی کے درمیان اجنبیوں کی طرح پردہ لازم ہے؛ بلکہ گھریلو رشتہ داروں کے درجہ میں ہے، اور جہاں فتنہ کا اندیشہ ہونیکی صورت میں ممانعت آئی ہے، اس کا مصداق یہی تفصیل ہے اورسوال نامہ میں جوسختی اور پابندی کی باتیں لکھی ہیں، اس قدر سختی اور پابندی شریعت کا حکم نہیں ہے۔

نیز سوالنامہ میں بھانجے اور بھتیجے وغیرہ کو چچی اورممانی سے پردہ کرنے کی جوسختیاں بیان کی گئی ہیں، یہ بھی شریعت کا حکم نہیں ہے، اگر بھانجے یا بھتیجے اورممانی اور چچی کے درمیان فتنہ کا خطرہ نہیں ہے، تو اس طرح کے پردہ کی سختی شریعت کا حکم نہیں بلکہ بھانجے اپنی ممانی کے سامنے اور بھتیجے اپنی چچی کے سامنے آجاسکتے ہیں۔

(۲) جب آپ نے بیٹی کی شادی کسی لڑکے کے ساتھ کردی ہے، تو وہ لڑکا آپ کا بیٹا بن گیا ہے، آپ کی بیوی اس کے لئے ایسی محرم بن گئی ہے، جیسا کہ اس کی ماں اورآپ کی

بیٹیاں اس کے لئے اس مدت تک کے واسطہ بہنیں بن گئی ہے، جس مدت تک آپ کی بیٹی اس کے نکاح میں رہے گی؛ لیکن اگر فتنہ کا خطرہ ہو، تو پھر ان میں پابندی عائد کرنی ضروری ہوگی۔

نیز بالغ لڑکی کو داماد کے گھر کئی روز کے لئے بھیجنا بھی مناسب نہیں اور اسی طرح بالغ لڑکی کو داماد کے ساتھ تنہا سفر میں بھیجنا بھی ممنوع ہے، اور بہنوئی اور سالی کا گھر میں تنہا رات گزارنا بھی ممنوع ہے۔ حدیث شریف میں الحمو موت جو کہا گیا ہے، اس کے ذریعہ سے اس طرح کی تنہائی سے ممانعت کی گئی ہے اور جب گھر میں اور دوسرے لوگ بھی موجود ہوں اور فتنہ کا خطرہ بھی نہ ہو، تو سالی کا بہنوئی سے ضرورت کی باتیں کرنے میں اور ضرورت کی چیز بالمشافہہ لینے دینے میں اور ضروت میں آمنے سامنے جانے آنے میں کوئی گناہ اور کوئی مضائقہ نہیں ہے، یہی فقہاء کرام کی اس طرح کی عبارات کا مطلب ہے۔

وأما النظر إلى الأجنبيات فنقول: يجوز النظر إلى مواضع الزينة الظاهرة منهن، وذلک الوجه، والكف. في ظاهر الرواية: كذا في الذخيرة، وإن غلب على ظنه أنه يشتهي فهو حرام إلى قوله أنه يجوز النظر إلى ذراعيها أيضًا عند الغسل والطبخ، قيل وكذلک يباح النظر إلى ثناياها، وذلک كله إذا لم يكن النظر عن شهوة كذا في المحيط. (الهندية، كتاب الكراهية، الباب الثامن فيما يحل للرجل النظر إليه وما لا يحل له،زكريا قديم ٥/٣٢٩، جديد ٥/٣٨١، تاتارخانية، زريا ١٨/٩٥، رقم: ٢٨١٤٥، المحيط البرهاني،المجلس العلمي بيروت ٨/٢٩، رقم: ٩٥١٦-٩٥١٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍رجب المرجب ۱۴۲۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۸۴۷۴/۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۲/۷/۱۴۲۵ھ

پردہ کے چاروں اقسام کے احکام

سوال [۱۰۶۱۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ بہو کے لئے خسر سے پردہ کرنا کیسا ہے؟ پردہ کرسکتی ہے یا نہیں؟ اس طرح جیٹھ سے بھی پردہ کرنا کیسا ہے؟ درست ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو ان دونوں مردوں سے کتنا پردہ کرسکتی ہے؟ اس کی صحیح حد متعین کردیجئے۔

المستفتی: محمد زبیر، ہاپوڑ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: بہو کا خسر سے پردہ نہیں ہے؛ کیونکہ وہ اس کے باپ کے درجہ میں ہے اور وہ حرمت ابدی کے طور پر باپ کے حق میں محرم ہو چکی ہے۔

ثالثاً آباء الأزواج لقوله تعالیٰ: أو آباء بعولتهن. (روح البیان تفسیر آیات الأحکام ۲/ ۱۶۰)

البتہ فتنہ کا خوف ہو، تو احتیاط ضروری ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۸/ ۳۶)

پردے کی چار قسمیں ہیں: جن کی تفصیل یہ ہے۔

(۱) مرد کا اپنی بیوی سے پردہ تو مرد کے لئے اپنی بیوی سے کوئی پردہ نہیں ہے، سر سے پیر تک دیکھ سکتا ہے؛ البتہ ستر عورت کا نہ دیکھنا اولیٰ ہے۔

عن بهز بن حكيم عن أبيه عن جده قال: قلت يانبي الله! عوراتنا ماناأتي منها ومانذر؟ قال: إحفظ عورتک إلا من زوجتک، أو ماملكت يمينک. الحديث (سنن الترمذي، كتاب الأدب، باب ماجاء في حفظ العورة، النسخة الهندية ۲/ ۱۰۷، دار السلام رقم: ۲۷۹٤)

أما النظر إلى زوجته فهو حلال من قرنها إلى أقدامها عن شهوة وغير شهوة، هذا ظاهر إلا أن الأولیٰ ان لا ينظر كل واحد منهما إلى عورة صاحبه. (عالمگيري، كتاب الكراهية، الباب الثامن، زكريا قديم ٥/ ۳۲۷، جديد ٥/ ۳۷۹، تاتارخانية، زكريا ۱۸/ ۹۱، رقم: ۲۸۱۳۳، المحيط البرهاني، المجلس العلمي بيروت ۸/ ۲٦، رقم: ۹۵۰۹)

(۲) عورت کا محارم سے پردہ تو محارم عورت کی زینت کی جگہ کو دیکھ سکتے ہیں، وہ چاہے زینت کی ظاہری جگہیں ہوں یا باطنی جگہیں ہوں اور وہ زینت کی جگہیں سر، بال، گردن، سینہ، کان، بازو، کلائی، ہتھیلی، پیر، پنڈلی اور چہرہ ہیں، ان کی طرف محارم دیکھ سکتے ہیں۔

(۳) تیسری قسم پردے کی یہ ہے کہ اجنبی مرد کسی اجنبیہ سے پردہ کرے، تو چہرہ اور ہتھیلی اور قدمین کے علاوہ اجنبیہ کے سارے بدن کا پردہ ہے، اگر فتنہ کا اندیشہ نہ ہوتو دیکھنے کی گنجائش ہے۔ قرآن کریم میں بھی اسی کا ذکر ہے، اور ایک گھر کے اندر چچی، بھابھی، چچازاد بہن تایازاد بہن یہ سب رہتی ہیں اور اسی گھر میں آپ کو بھی رہنا ہے، جیسا کہ آج کل کے زمانہ میں شہر کے تنگ مکانات میں گذارا ہوتا ہے؛ حالانکہ یہ سب عورتیں آپ کے حق میں شرعی طور پر غیرمحرم ہیں؛ لیکن ان عورتوں کا آپ سے پردہ کرنا نہایت مشکل ہے؛ اس لئے اگر ان عورتوں کو آپ سے کوئی فتنہ اور معصیت کا خطرہ نہ ہو اور کوئی بےشرمی اور بےتکلفی کی بات چیت آپس میں نہ ہوتی ہو، تو یہ عورتیں آپ کے سامنے چہرہ، ہتھیلی اور قدمین کھول کر آسکتی ہیں۔

قرآن کریم میں جو پردہ کا حکم بیان کیا گیا ہے، اس میں یہی شکل مراد ہے۔

وأما نظره إلى ذوات محارمه، فنقول: يباح له أن ينظر منها إلى موضع زينتها الظاهرة، والباطنة وهي الرأس، والشعر، والعنق، والصدر، والأذن، والعضد، والساعد، والكف، والساق، والرجل، والوجه......وأما النظر إلى الاجنبيات، فنقول يجوز النظر إلى مواضع الزينة الظاهرة منهن وذلک الوجه. والكف في ظاهر الرواية. (عالمگيري، زكريا قديم ٥/٣٢٨-٣٢٩، جديد ٥/ ٣٨٠-٣٨١، تاتارخانية، زكريا ١٨/ ٩٢-٩٥، رقم: ٢٨١٣٤-٢٨١٤٥)

وقوله تعالىٰ: وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا. [سورة النور: ٣١]

(۴) اور اگر آپ سے ان عورتوں کو فتنہ اور معصیت کا خطرہ ہو یا آپ کو ان سے فتنہ اور معصیت کا خطرہ ہو یا آپس میں بےحجابی اور بےشرمی کی باتیں بےتکلف کرتے ہوں،

تو پھر چہرہ اور ہتھیلی کا پردہ بھی آپ سے لازم ہوگا، جیسا کہ آج کل چہرہ موضع زینت ہونے کی وجہ سے دوسرے اجنبی مردوں سے چھپانا لازم اور ضروری ہے۔

وإن غلب علی ظنه أنه يشتهي فهو حرام. (عالمگيري، زكريا قديم ٥/٣٢٩، جديد ٥/٣٨١، تاتارخانية، زكريا ٩٥١٨، رقم: ٢٨١٤٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶/محرم الحرام ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴/۶۴۶۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۶/۱/۱۴۲۱ھ

پردہ کے کتنے درجات ہیں؟

سوال [۱۰۶۱۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ پردے کے کتنے درجات ہیں؟ دیور، چچازاد، ماموں زاد بھائی یعنی جوذورحم تو ہیں، پر محرم نہیں ہیں، اسی طرح دیگر ذورحم غیر محرم سے کس درجہ کا پردہ ہے؟

المستفتی: محمد زید غازی آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: پردے کے کل چار درجات ہیں:

(۱) عورت کا اپنے شوہر سے کوئی پردہ نہیں ہے، بدن کے پورے حصہ کا دیکھنا شوہر کے لئے جائز ہے۔

(۲) محارم سے پردہ، محرم رشتہ دار سے پردہ، ہاتھ، بازو، سینہ، پنڈلی، کا پردہ نہیں ہے، جیسا کہ باپ، بھائی، بھتیجے، بھانجے وغیرہ۔

(۳) غیر محرم رشتہ دار سے پردہ، اگر شہوت اور فتنہ کا اندیشہ نہ ہو، تو ذورحم غیر محرم کے سامنے چہرہ اور ہتھیلی کھولنے کی گنجائش ہے؛ لہٰذا چچازاد ماموں زاد، بھائیوں کے سامنے چہرہ اور ہتھیلی کھولنے کی گنجائش ہے، بشرطیکہ فتنہ کا اندیشہ نہ ہو۔

(۴) اجانب سے پورے جسم کا پردہ ہے؛ لیکن بوقت ضرورت چہرہ اور ہتھیلی کھولنے کی گنجائش ہے، جیسا کہ ہر وقت گھر میں آنے جانے والے لوگ مثلا دیور، جیٹھ اور ان کی نرینہ اولاد وغیرہ، اسی طرح کنبہ کے لوگ جنکہان سے فتنہ کا اندیشہ نہ ہو۔ (مستفاد: قاموس الفقہ ۳/۱۸۳، رحمۃ اللہ الواسعہ ۵/۵۱)

أما النظر إلى زوجته فهو حلال من قرنها إلى أقدامها عن شهوة وغير شهوة، هذا ظاهر إلا أن الأولىٰ أن لا ينظر كل واحد منهما إلى عورة صاحبه. (تاتارخانية، زكريا ۱۸/۹۱، رقم: ۲۸۱۳۳)

والحكم بالفرق بين الأجنبي، وذي الرحم، إذا كان النظر لا عن شهوة، فأما بالشهوة فلا يحل لأحد النظر. (بزازيه على الهندية، كتاب الإستحسان، جديد زكريا ۳/۲۱۳، وعلى هامش الهندية، زكريا ۶/۳۷۳)

وأما نظره إلى ذوات محارمه، فنقول: يباح له أن ينظر منها إلى موضع زينتها الظاهرة، والباطنة وهي الرأس، والشعر، والعنق، والصدر، والأذن، والعضد، والساعد، والكف، والساق، والرجل، والوجه. (هندية، زكريا قديم ۵/۳۲۸، جديد ۵/۳۸۰، تاتارخانية، زكريا ۱۸/۹۲، رقم: ۲۸۱۳٤)

وأما النظر إلى الأجنبيات فنقول: يجوز النظر إلى مواضع الزينة الظاهرة منهن، وذلک الوجه، والكف–وإن غلب على ظنه أنه يشتهي فهو حرام. (هندية، زكريا قديم ۵/۳۲۹، جديد ۵/۳۸۱، تاتارخانية، زكريا ۱۸/۹۵، رقم: ۲۸۱٤۵، بدائع الصنائع، زكريا ٤/۲۹۳، حجة البالغة ۲/۳۹۲)

عن عائشةؓ، أن أسماء بنت أبي بكرؓ دخلت على رسول الله صلى الله عليه وسلم، وعليها ثياب رقاق، فأعرض عنها رسول الله صلى الله عليه وسلم وقال: يا أسماء! إن المرأة إذا بلغت المحيض لم يصلح لها أن يرىٰ منها إلا هذا وهذا، وأشار إلى وجهه وكفيه. (سنن أبي داؤد، كتاب اللباس، النسخة

الهندية ٢/ ٥٦٧، دار السلام رقم: ٤١٠٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/ جمادی الاول ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۵۶۸/۴۰)

عورت کے ستر کی حد اور محارم سے پردہ کا حکم

سوال [۱۰۶۱۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کس حد تک ستر چھپائیں اور ستر کا عورت کے لئے از روئے شرع کیا حکم ہے؟ اور اپنا سگا لڑکا بھتیجہ، بھانجہ، بھائی، باپ کے سامنے مکمل طور پر پردہ کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: محمد حامد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: عورت کا تمام بدن ہی ستر ہے، مگر حسب ضرورت غیر محرم کے سامنے صرف چہرہ، ہتھیلی اور پیر کھولنے کی اجازت ہے اور محرم کے سامنے کچھ اور وسعت ہے کہ ان مذکورہ اعضاء کے ساتھ سر، پنڈلی، سینہ، بازو کھل جانے میں بھی کوئی حرج نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ یہ اعضاء محرم کے لئے داخل ستر نہیں، یہ مطلب نہیں کہ بلا ضرورت ان کے سامنے پھرے؛ بلکہ بضرورت ان کے سامنے آنا اور باہر نکلنا درست ہے اور بلا ضرورت اور خوف فتنہ کے وقت چہرہ چھپانا بھی واجب ہے، چاہے وہ محرم ہی کیوں نہ ہو۔

عن عائشة رضـ، أن أسماء بنت أبي بكر، دخلت على رسول الله صلى الله عليه وسلم وعليها ثياب رقاق، فأعرض عنها رسول الله صلى الله عليه وسلم وقال: يا أسماء! إن المرأة إذا بلغت المحيض لم يصلح لها أن يرىٰ منها إلا هذا وهذا، وأشار إلى وجهه وكفيه. (سنن أبي داؤد، كتاب اللباس، النسخة الهندية ٢/ ٥٦٧، دار السلام رقم: ٤١٠٤)

أما النظر إلى الأجنبيات فنقول: يجوز النظر إلى مواضع الزينة الظاهرة منهن، وذلك الوجه، والكف......وإن غلب على ظنه أنه يشتهي فهو حرام. (الهندية، كتاب الكراهية، الباب الثامن، زكريا قديم ٥/ ٣٢٩، جديد ٥/ ٣٨١، تاتارخانية، زريا ١٨/ ٩٥، رقم: ٢٨١٤٥)

أما نظره إلى ذوات محارمه، فنقول: يباح له أن ينظر منها إلى موضع زينتها الظاهرة، والباطنة وهي الرأس، والشعر، والعنق، والصدر، والأذن، والعضد، والساعد، والكف، والساق، والرجل، والوجه. (هندية، زكريا قديم ٥/ ٣٢٨، جديد ٥/ ٣٨٠، تاتارخانية، زكريا ١٨/ ٩٢، رقم: ٢٨١٣٤)

تمنع الشابة من كشف الوجه بين الرجال لا لأنه عورة؛ بل لخوف الفتنة. (شامي، كتاب الصلاة، باب شروط الصلوة زكريا ٢/ ٧٩، كراچي ١/ ٤٠٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍ ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸؍ ۸۹۶۷)

عورت پر کن کن سے پردہ لازم ہے؟

سوال [۱۰۶۱۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) عورت کو اپنے حقیقی ماموں زاد، خالہ زاد، پھوپھی زاد بھائی سے پردہ کرنا چاہئے یا نہیں؟ جبکہ وہ بالغ ہیں وہ نامحرم ہیں یا محرم؟

(۲) عورت کو اپنے بھائی کی سسرال والوں یعنی بھابھی کے باپ اور بھائی سے جو کہ بالغ ہیں پردہ کرنا چاہئے یا نہیں؟

(۳) عورت کو اپنے بہنوئی سے جو کہ بالغ ہے پردہ کرنا چاہئے یا نہیں؟

(۴) نندوئی سے پردہ کرنا چاہئے یانہیں؟ آج کل عورتیں صرف جواپنے شوہر کا بڑا بہنوئی ہے، اس سے پردہ کرتی ہیں اور جونندوئی اپنے شوہر سے چھوٹا ہے؛ حالانکہ وہ بھی بالغ ہے پردہ نہیں کرتیں، کیا یہ طریقہ شرعاً صحیح ہے؟

(۵) دیور جوکہ بالغ ہے پردہ کریں یانہیں؟

(۶) کسی دور کے رشتہ دار سے ماموں، خالو، پھوپھا، چچا، تایا وغیرہ سے پردہ کریں یا نہ کریں؟ شرعی حکم کیا ہے؛ جبکہ وہ بالغ ہیں۔

(۷) اپنی دیورانی، جٹھانی کے گھر والوں سے ان کے باپ اور بھائی سے یا کسی رشتہ دار سے پردہ کرنا چاہئے یانہیں؟ جوکہ بالغ ہیں، کہتی ہیں کہ ان کا بھائی ہمارا بھائی ہے کیا یہ صحیح ہے؟

(۸) عورت کو اپنے میکہ میں مسلم وغیر مسلم سبھی سے پردہ کرنا چاہئے، پورے گاؤں کے لوگ محرم ہیں یا نامحرم؟

(۹) جیٹھ اور سسر سے پردہ ہے یانہیں؟

المستفتی: ظریف احمد صدیقی محمول پور، کاندھلہ، مظفرنگر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) ماموں زاد، خالہ زاد، پھوپھی زاد بھائی نامحرم ہیں، ان سے پردہ لازم ہے، ان کے ساتھ تنہا سفر کرنا بھی مشروع نہیں ہے۔ (مستفاد: معارف القرآن ۶/ ۴۰۳)

(۲) یہ سب غیر محرم ہیں ان سے پردہ لازم ہے۔

(۳) بہنوئی غیر محرم ہے اس سے بھی پردہ لازم ہے؛ البتہ بوقت ضرورت جبکہ فتنہ نہ ہو، تو چہرہ کھولنے کی گنجائش ہے۔ (مستفاد: معارف القرآن ۶/ ۴۰۲)

(۴) تمام نندوئی سے پردہ لازم ہے۔

(۵) بالغ دیور سے پردہ کرنا ضروری ہے، مگر جب ایک گھر میں پردہ کرنا دشوار

ہو، تو ضرورت کی وجہ سے چہرہ کا پردہ معاف ہے، بشرطیکہ فتنہ کا اندیشہ نہ ہو۔ (مستفاد: معارف القرآن ۶/ ۴۰۲)

حدیث میں ہے: **الحمو الموت الحديث.** (صحيح البخاري، كتاب النكاح، باب لا يخلون رجل بإمرأة ۲/ ۷۸۷، رقم: ۵۰۳۶، ف: ۵۲۳۲)

(۶) ان سے پردہ شرعاً لازم ہے۔

(۷) یہ سب غیر محرم ہیں، ان سے پردہ لازم ہے۔

(۸) نامحرم مسلم اور تمام غیر مسلموں سے پردہ واجب ہے، اسی کو **وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُوْلَى.** [الاحزاب: ۳۳] میں فرمایا گیا ہے۔

(۹) سسر حقیقی محرم ہے، باپ کے درجہ میں ہے، اس سے پردہ نہیں ہے؛ البتہ جیٹھ غیر محرم ہے، مگر ایک گھر میں دشواری کی وجہ سے چہرہ کا پردہ معاف ہے، بشرطیکہ فتنہ کا خطرہ نہ ہو۔ (مستفاد: معارف القرآن ۶/ ۴۰۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۱/ صفر المظفر ۱۴۱۶ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۲/ ۴۳۳۰)	۱۴۱۶/۲/۱۱ھ

شریعت میں کن کن لوگوں سے پردہ کا حکم ہے؟

سوال [۱۰۶۱۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آج کل کے ماحول میں جبکہ ہر جگہ بے پردگی عام ہے، کوئی لڑکی اگر پردہ کے حکم پر عمل کرنا چاہے تو لوگ طعنہ دیتے ہیں، اسی طرح کوئی شوہر اگر پردہ کروانا چاہے، تو اس لڑکے کے رشتہ دار وغیرہ طعنہ دیتے ہیں۔ تو دریافت یہ کرنا ہے کہ شریعت اسلامیہ مین کن کن لوگوں سے پردہ کرنے کا حکم ہے؟ تفصیل سے لکھدیں اور اگر رشتہ داروں میں جایا کریں،

تو وہاں ایک فیملی میں محرم غیر محرم ہر طرح کے لوگ ہوتے ہیں، کس طرح پردہ کریں، اپنے بہنوئی، دیور، جیٹھ وغیرہ سے پردہ کا کیا حکم ہے، کیا ان لوگوں کے سامنے آسکتے ہیں؟ شریعت میں ان لوگوں کے بارے میں کچھ نرمی ہے یا نہیں؟

(۲) غیر محرم جس سے نکاح جائز ہے، شریعت میں اس سے پردہ کا حکم ہے تو بہنوئی سے سالی کا نکاح اس وقت تک جائز نہیں؛ جب تک سالی کی بہن نکاح میں ہے، تو بہنوئی سے پردہ بھی نہیں ہو چاہئے؟ شرعی حکم کیا ہے تحریر فرمائیں۔

المستفتی: محمد فیصل، کرولہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) اجنبی مرد سے پردہ فرض ہے، اور یہ قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔ حضور ﷺ نے امہات المؤمنین سے پردہ کروایا ہے، پردہ کرنے پر اگر کوئی طعنہ دے، تو وہ شخص گنہگار ہوگا اور اس کی بات ہرگز نہ مانیں۔ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں کسی کی اطاعت جائز نہیں اور شریعت اسلامیہ میں اپنے شوہر، باپ، دادا، ساس، سسر، بیٹا، پوتا، نواسا حقیقی بھائی بھتیجہ اور بھانجہ وغیرہ کے علاوہ سب سے پردہ فرض اور ضروری ہے اور بہنوئی دیور، جیٹھ سے بھی پردہ اسی طرح فرض ہے، جس طرح اجنبی مردوں سے فرض ہے؛ لیکن اگر فتنہ کا خطرہ نہ ہو، تو ان لوگوں سے بقدر ضرورت بات کر لینے کی گنجائش ہے۔

(۲) اور یہ کہنا کہ غیر محرم جس سے نکاح جائز ہے، شریعت میں اس سے پردہ کا حکم ہے، تو بہنوئی سے نکاح اس وقت تک جائز نہیں جب تک سالی کی بہن نکاح میں ہے، تو بہنوئی سے پردہ نہ ہونا چاہئے صحیح نہیں ہے، بہنوئی سے پردہ فرض ہے، جو عورتیں ہمیشہ کے لئے حرام ہوتی ہیں، صرف ان کے لئے پردہ نہیں ہے، سالی ہمیشہ کے لئے حرام نہیں؛ بلکہ اس کی حرمت ایک عارض کی بناء پر ہے، اگر بیوی کا انتقال ہو جائے یا طلاق ہو جائے، تو عدت گذارنے کے بعد بہنوئی سے نکاح درست ہے؛ لہٰذا اس عارضی حرمت کی وجہ سے بہنوئی سے پردہ ساقط نہ ہوگا۔

وقوله تعالیٰ: وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْبَنِيْ اَخَوَاتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اَوِ التَّابِعِيْنَ غَيْرِ اُوْلِي الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرَاتِ النِّسَآءِ .

[سورة النور: ۳۰]

وقال الله تعالیٰ: وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى.

[الأحزاب: ۳۲]

عن عقبة بن عامر قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إياكم والدخول على النساء، فقال: رجل يا رسول الله أفرأيت الحمو؟ قال: الحمو الموت. (صحيح البخاري، كتاب النكاح، باب لا يخلون رجل بالمرأة لاذو محرم۲ /۷۸۷، رقم:۵۰۳٦، ف:۵۲۳۲، صحيح مسلم، كتاب السلام، باب تحريم الخلوة بالأجنبية والدخول عليها، النسخة الهندية ۲/ ۲۱٦، بيت الأفكار رقم:۲۱۷۲، مشكوة ۲٦۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷ رمحرم الحرام ۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴ / ۵۹۷۰)

کتنے سال کی عمر سے پردہ کرنا ضروری ہے؟

سوال [۱۰٦۲۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ لڑکیوں کے لئے غیر محرم سے پردہ کرنا کتنے سال کی عمر سے ضروری ہوجاتا ہے؟

المستفتی: رئیس الدین، محلّہ لوہاران، گڈھی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب لڑکی حد شہوت کو پہونچ جائے، تو اس کے لئے غیر محرم سے پردہ کرنا ضروری ہے، حد شہوت کو پہونچنے کے لئے عمر کی کوئی قید نہیں، آب وہوا اور صحت وتوانائی پر موقوف ہے، بعض لڑکی ۹؍سال ہی کی عمر میں صحت مند اور آب وہوا کے مناسب ہونے کی وجہ سے حد شہوت کو پہونچ جاتی ہے اور بعض ۱۲؍۱۳؍سال کی عمر کے باوجود قابل شہوت نہیں ہوتی۔

والتي بلغت حد الشهوة فهي كالبالغة (إلى قوله) فإن كانت صغيرة لا يشتهي مثلها، فلابأس بالنظر إليها ومن مسها؛ لأنه ليس ببدنها حكم العورة. (هندية، كتاب الكراهية، الباب الثامن، زكريا قديم ٥/ ٣٢٠، جديد ٥/ ٣٨١، تاتارخانية، زكريا ١٨/ ٩٦، رقم: ٢٨١٥١، المحيط البرهاني، المجلس العلمي بيروت ٣١/٨، رقم: ٩٥١٧)

فحل النظر مقيد بعدم الشهوة. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في النظر والمس، كراچي ٦/ ٣٧٠، زكريا ٩/ ٥٣٢) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍جمادی الاول ۱۴۱۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱؍۴۰۳۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/۵/۲۷ھ

ستر عورت سے متعلق حدیث

سوال [۱۰۶۲۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مرد اور عورت کے ستر سے متعلق یہ تفصیل کہ مرد کا ستر ناف سے لے کر گھٹنوں تک ہے اور عورت کا ستر پورا جسم سوائے چہرے اور ہاتھ کی ہتھیلی اور قدم کے اس کے لئے حدیث شریف کا حوالہ مطلوب ہے۔

المستفتی: شمس الحق قاسمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: (۱) مرد وعورت کے ستر سے متعلق حدیث شریف ملاحظہ فرمایئے:

(۱) عن أبي أيوبؓ، قال: سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول: ما فوق الركبتين من العورة، وما أسفل من السرة من العورة. (دار قطني، دار الكتب العلمية بيروت ۱/۲۳۷، رقم الحديث: ۸۷۹، السنن الكبرىٰ للبيهقي، دار الفكر بيروت ۳/۸۷، رقم: ۳۳۲۰)

(۲) عن عائشةؓ، أن أسماء بنت أبي بكرؓ دخلت على رسول الله صلى الله عليه وسلم، وعليها ثياب رقاق، فأعرض عنها رسول الله صلى الله عليه وسلم وقال: ياأسماء! إن المرأة إذا بلغت المحيض لم يصلح لها أن يرىٰ منها إلا هذا وهذا، وأشار إلى وجهه وكفيه. (سنن أبي داؤد، كتاب اللباس، النسخة الهندية ۲/۵٦۷، دار السلام رقم: ٤١٠٤، السنن الكبرىٰ، دار الفكر بيروت ۳/۸۱، رقم: ۳۳۰۲)

(۳) قال أخبرنا عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: مروا صبيانكم بالصلاة لسبع وأضربوهم عليها لعشر وفرقوا بينهم في المضاجع، وإذا زوج أحدكم عبد أمته وأجيره، فلا ينظر إلى مادون السرة، وفوق الركبة، فإن ما تحت السرة إلى الركبة من العورة. (دار قطني، دار الكتب العلمية بيروت ۱/۲۳۷، رقم الحديث: ۸۷٦)

(٤) عن ابن عباسؓ قال: ولايبدين زينتهن إلا ما ظهر منها، قال: ما في الكف، والوجه. (السنن الكبرىٰ للبيهقي، دار الفكر بيروت ۲/۸۰، رقم: ۳۲۹۸)

(٥) قال حدثني داؤد بن سوار المزني باسناده ومعناه وزاد: وإذا زوج أحدكم خادمه عبده، أوأجيره، فلاينظر إلى مادون السرة، وفوق الركبة. (أبو داؤد شريف، كتاب الصلاة، باب متى يؤمر الغلام بالصلاة، النسخة الهندية

۱/ ۷۱، دار السلام رقم: ٤١١٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍ رجب المرجب ۱۴۲۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷/ ۸۴۵۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۲؍ ۷؍ ۱۴۲۵ھ

الحمو الموت کی تشریح

سوال [۱۰۶۲۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ دیور بھابھی اسی طرح سالی اور بہنوئی دو گھرانے ایک ہی مکان میں اپنے اپنے کمروں میں رہتے ہیں؛ لیکن مخلوط رہائش کی وجہ سے بھابھی کی نظر دیور پر، دیور کی نظر بھابھی پر پڑتی رہتی ہے، اسی طرح سالی کی نظر بہنوئی پر، بہنوئی کی نظر سالی پر پڑتی رہتی ہے، تو کیا یہ لوگ گنہگار ہوتے رہیں گے، یا اللہ تعالیٰ مجبوری کی وجہ سے معاف فرمادیں گے، کوئی صریح جزئیہ اس سلسلہ میں نظر سے گذرا ہو، تو ضرور تحریر فرمادیں نوازش ہوگی۔ حدیث شریف ''الحمو الموت'' جب سے سنی ہے، بہت ڈر لگتا ہے، کیا اس مسئلہ میں کچھ تخفیف ہوسکتی ہے؟ شرعی حکم تحریر فرمادیں۔

المستفتی: محمد یحییٰ علی گڑھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عورت کے پردہ کی تین شکلیں ہیں:

(۱) اجنبی نامحرموں سے پردہ کہ جن سے کسی طرح کی رشتہ داری نہیں ہے، ایسے لوگوں سے سر سے لے کر پیر تک حتی کہ قدمین، ہتھیلی اور چہرہ تک کا پردہ لازم ہے۔

وأما النظر إلى الأجنبيات فنقول: يجوز النظر إلى مواضع الزينة الظاهرة ......وإن غلب على ظنه أنه يشتهي فهو حرام. (الهندية، زكريا قديم ٥/ ٣٢٩، جديد ٥/ ٣٨١، بدائع الصنائع، زكريا ٤/ ٢٩٣)

وتمنع المرأة الشابة من كشف الوجه بين الرجال لا لأنه عورة؛ بل لخوف الفتنة (تحته في الشامية) **والمعنىٰ يمنع من الكشف لخوف أن يرىٰ الرجال وجهها فتقع الفتنة.** (شامي، كراچي ۱/٤٠٦، زكريا ۲/۷۹)

(۲) ایسے مرد جن سے دور یا قریب کی رشتہ داری ہے، مگر نامحرم ہیں اور کنبہ کے اندر ساتھ میں رہنا ہوتا ہے، یا قریبی رشتہ داری ہے، جیسا کہ چچازاد، ماموں زاد، خالہ زاد، پھوپھی زاد بھائی اسی طرح دیور، جیٹھ وغیرہ جن کا کثرت کے ساتھ گھر میں آنا جانا ہوتا ہے، ان سے پردہ کرنے کی صورت میں سخت دشواری اور تکلیف مالا یطاق لازم آئے گی، ایسے لوگوں سے اگر فتنہ کا خطرہ ہے، تو پردہ لازم ہے اور اگر فتنہ کا خطرہ نہیں ہے، تو ایسے لوگوں سے پردہ لازم نہیں ہے اور پردہ نہ کرنے کا گناہ نہ ہوگا۔

ينظر من الأجنبية......وجهها، وكفيها فقط للضرورة قيل: والقدم.
(شامي، كراچي ٦/٣٦٩، زكريا ٩/٣١)

الضرورات تتقدر بقدرها. (قواعد الفقة، اشرفي ديوبند ٨٩، رقم:١٧١)

(۳) اپنے شرعی محرم (باپ، بیٹے، بھائی، چچا، ماموں وغیرہ) جن سے نکاح کرنا کبھی بھی جائز نہیں ہوتا ہے، ان کے سامنے بازو، پنڈلی، سر وغیرہ کھل جانا گناہ نہیں ہے۔ اب رہی حدیث شریف ''الحمو الموت'' دیور کو موت کا سبب بتلایا ہے۔ یہ دوسری قسم کے نامحرموں میں شامل ہے، اور ''الحمو الموت'' کا مطلب یہ ہے کہ دیور ہر وقت گھر میں آتا رہتا ہے اور اس سے فتنہ اور معصیت میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہے، تو ایسی صورت میں اگر گھر میں دیور کے ساتھ بالکل تنہائی اختیار کر لی جائے، تو فتنہ اور حقیقی معصیت میں مبتلا ہو کر شرعی حد یا رجم کا مستحق ہونے کا خطرہ ہے، اس کو الحمو الموت کہا گیا ہے؛ لیکن اگر دیور اور بھابھی کے درمیان فتنہ و معصیت کا کوئی خطرہ نہیں ہے، تو گھر میں کسی وقت تنہا ہونے کی صورت میں بھی بھابھی پر پردہ لازم نہیں ہے اور گھر کے سب لوگوں کی موجودگی میں بھابھی کے سامنے آنے جانے

میں تو کسی طرح کے فتنہ کا خطرہ ہے ہی نہیں؛ لہٰذا فتنہ ومعصیت میں مبتلا ہونے کا خطرہ نہ ہو، تو ایک دوسرے پر نظر پڑنے میں کوئی حرج نہیں ہے اور گھریلو اور ذاتی ضرورت سے متعلق گفتگو کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔

ثم لاشک أنه يباح النظر إلى ثيابها، ولا يعتبر خوف الفتنة في ذلک فکذلک إلى وجهها، وکفها. وروي الحسن بن زياد عن أبي حنيفةؒ أنه يباح النظر إلى قدمها أيضًا، وهکذا ذکر الطحاوي؛ لأنها کما تبتلي بإبداء وجهها في المعاملة مع الرجال، وبإبداء کفها في الأخذ والإعطاء تبتلي بإبداء قدميها إذا مشت حافية......وذکر في جامع البرامکة عن أبي يوسفؒ أنه يباح النظر إلي ذراعيها أيضًا؛ لأنها في الخبز وغسل الثياب تبتلى بإبداء ذراعيها أيضًا. (مبسوط السرخسي، دار الكتب العلمية بيروت ۱۰/ ۱۵۳)

وفي عمدة القاري: ''الحمو الموت'' إلى قوله وقال القرطبي: معناه أنه يفضي إلى موت الدين بطلاقها عند غيرة الزوج، أوبرجمها إن زنت معه .

(عمدة القاري، کتاب النکاح، باب لا يخلون رجل المرأة إلا ذو رحم، دار احياء التراث العربي بيروت ۲۰/ ۲۱۳-۲۱۴، زکريا ديوبند ۱٤/ ۲۰۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍صفر المظفر ۱۴۳۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰/ ۱۰۹۷۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۲/۱۸ھ

گھر کے اندر پردے سے متعلق تفصیلی مسئلہ

سوال [۱۰۶۲۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مکان میں دو بھائی رہتے ہیں، دونوں کے اہل وعیال بھی اس مکان میں مقیم ہیں، ایسی صورت میں ایک بھائی کے لئے دوسرے بھائی کی بیوی کا چہرہ، قدمین اور اس کی ہتھیلیوں کا دیکھنا جائز ہے یا نہیں؟

اسی طرح ایک بھائی کی اولاد (بالغ لڑکے،لڑکیاں) کے لئے دوسرے بھائی کی بالغ اولاد کی صورت،قدمین اور ہتھیلیوں کا دیکھنا جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ مکان چھوٹا ہے اور بار بار کی آمدورفت کی وجہ سے ان اعضاء کا پردہ باعث حرج اور بہت دشوار ہے۔

المستفتی: مولانا خورشید انور، مدرس مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: پردہ کی دو قسمیں ہے:

(۱) عورت کا اپنے محارم سے پردہ! اس سلسلہ میں شرعی حکم یہ ہے کہ محارم سے زینت کی جگہوں کا پردہ نہیں ہے، وہ زینت کی جگہوں کو دیکھ سکتے ہیں، خواہ زینت ظاہری ہو یا باطنی، جیسے سر، بال، کان، بازو،کلائی، ہتھیلی، پیر، پنڈلی، چہرہ وغیرہ۔

(۲) اجنبی مرد سے پردہ! اس سلسلہ میں شرعی حکم یہ ہے کہ اجنبی مرد سے عورت کے کل بدن کا پردہ ہے، حتی کہ چہرہ، ہتھیلی اور قدمین کا بھی؛ لیکن اگر چہرہ، ہتھیلی وغیرہ کا پردہ کرنے میں مشکل کا سامنا ہو اور تکلیف مالا یطاق لازم آئے، جیسا کہ آج کل مکانات کے تنگ ہونے کی وجہ سے ایک گھر میں چچا، چچی، بھائی، بھابھی، تائے زاد چچا، بھائی بہن وغیرہ رہتے ہیں، تو ایسی صورت میں اگر کسی معصیت اور فتنہ کا اندیشہ نہ ہو اور آپس میں بے شرمی بے حجابی اور غیر شرعی بے تکلفانہ بات چیت نہ ہوتی ہو، تو ان غیر محرم دیور، جیٹھ، تائے زاد، چچازاد، بھائیوں سے چہرہ ہتھیلی قدمین وغیرہ کا پردہ لازم نہیں ہے، عورت کو چہرہ کھول کر ان کے سامنے آنے جانے کی بھی گنجائش ہے۔ قرآن کریم میں جو پردہ کا حکم بیان کیا گیا ہے۔

ولا یبدین زینتهن إلا ما ظهر منها میں زینت ظاہری سے یہی مراد ہے۔

(مستفاد: انوار ہدایت ۴۵۵، معارف القرآن، سورۂ نور ۳۱)

أما نظره إلى ذوات محارمه، فنقول: يباح له أن ينظر منها إلى موضع زينتها الظاهرة، والباطنة وهي الرأس، والشعر، والعنق، والصدر، والأذن،

والعضد،والساعد، والكف، والساق، والرجل، والوجه......وأما النظر إلى الأجنبيات، فنقول: يجوز النظر إلى مواضع الزينة الظاهرة منهن وذلك الوجه. والكف وفي ظاهر الرواية، إن غلب على ظنه أنه يشتهي فهو حرام. (هندية، كتاب الكراهية،الباب الثامن، زكريا قديم ٥/٣٢٩، جديد ٥/٣٨١، شامي، كراچي ٦/٣٦٧، زكريا ٩/٥٢٨، تاتارخانية، زكريا ١٨/٩٢، رقم: ٢٨١٣٤-٢٨١٤٥، أحكام القرآن، جديد زكريا ٣/٤٠٥، سهيل اكيڈمي لاهور ٣/٣١٣)

والعلة في ذلك هي الضرورة الداعية المداخلة، والمعاشرة حيث يكثر الدخول عليهن. (روائع البيان ٢/١٦٠)

لاتعارض بين جواز كشف الوجه،والنظر ووجوب الإحتجاب؛ لأن جواز كشف الوجوه، والنظر مبنى على الضرورة، ودفع الحرج، وحكم الإحتجاب مبنى على خوف الفتنة، وسدبا بها ولاتعارض بين الحكمين عند أختلاف الجهتين فافهم. (إعلاء السنن، كراچي ١٧/٣٧٨، دار الكتب العلمية بيروت ١٧/٤٠٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۳؍رجب المرجب ۱۴۲۲ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶/ ۷۳۱۶)	۱۲/۷/۱۴۲۲ھ

محرم وغیر محرم رشتہ دار سے پردہ کا حکم

سوال [۱۰۶۲۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اسلام کا پردہ کے بارے میں کیا حکم ہے؟ شرعی مجبوری کے علاوہ سماجی مجبوری سے کیا عورتیں غیر محرم مردوں کے ساتھ میل جول، بات چیت کرسکتی ہیں؟ مریم ایک مشترکہ فیملی میں رہتی ہے، اللہ اور رسول کے حکم کے مطابق پردے کے ساتھ زندگی گذارنا چاہتی

ہے، اپنے بہنوئی، سسر، چچا سسر، دیور، جیٹھ، بہنوئی کے بھائیوں سے نند کے شوہر سے چچرے، خالہ زاد، ماموں زاد، پھوپھی زاد بھائی سے جوان یا بالغ بیٹے کے دوست ملاقاتی سے پردہ کس طرح کریں؟

المستفتی: محمد جنید دوتائی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اسلام میں پردہ واجب ہے، نامحرموں سے مکمل طور پر پردہ کرنا چاہئے اگر نامحرموں کے ساتھ ایک ہی گھر میں مجبوراً رہنا پڑ رہا ہو، جس کی وجہ سے گہرا پردہ کرنا مشکل ہو، تو ان نامحرموں کے سامنے ایسے اعضاء ظاہر کرنے کی گنجائش ہے، جو اعضاء کام کاج نقل وحرکت کے وقت عادۃً کھل ہی جاتے ہیں یعنی چہرہ دونوں ہاتھ گٹے تک اور دونوں پیر ٹخنے کے نیچے تک کھولنا جائز ہے۔

سوال میں مذکورہ لوگوں میں سسر کے علاوہ باقی تمام لوگوں سے سارے بدن کا چھپانا ضروری ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وقوله تعالیٰ: وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِن. [سورة النور: ٣١]

لیکن سسر نامحرم نہیں ہے؛ بلکہ حقیقی باپ کے درجہ میں ہے اور جس طرح باپ سے پردہ نہیں ہے، اسی طرح سسر سے پردہ کرنے کی ضرورت نہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے پردہ کے حکم سے محرموں کو مستثنیٰ کرتے ہوئے سسر کا بھی ذکر فرمایا ہے:

اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ. [النور: ٣١]

یعنی اپنے سسر کے سامنے نامحرموں کی طرح زینت کے اعضاء کو چھپانا ضروری نہیں ہے۔ نیز سسر محرم ہونے کی وجہ سے اس کے سامنے بہو کا پورا چہرہ، سر، سینہ، پنڈلیاں، بازو بھی شرعی پردہ میں داخل نہیں، بقیہ اعضاء داخل ہیں۔

وبدن الحرة عورة إلاوجهها، وكفيها، وقدميها. (فتاوى عالمگيري، كتاب الصلوة، الباب الثالث في شروط الصلوة، زكريا قديم ١/٥٨، جديد ١/١١٥)

وينظر الرجل من ذوات محارمه إلى الوجه، والرأس، والصدر، والساقين، والعضدين، ولا ينظرإلى ظهرها، وبطنها، وفخذها. (هداية، اشرفي ديو بند ٤/ ٤٦١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰/محرم الحرام ۱۴۲۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۸۹۶۶/۳۸)

سوتیلی ماں اوراس کے رشتہ داروں سے پردہ ہے یانہیں؟

سوال [۱۰۶۲۵]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ خالد کی دوسری بیوی طاہرہ موجود ہے، پہلی بیوی کا انتقال ہو چکا ہے، پہلی بیوی سے بچے ہیں، تو پہلی بیوی کے بچے اور بڑی لڑکی کا شوہر یعنی داماد دوسری بیوی طاہرہ کا محرم ہے یانہیں؟

(۲) اسی طرح دوسری بیوی طاہرہ کے والد بھائی وغیرہ محرم لوگ اگر آئیں تو ان کا پہلی بیوی کی لڑکی سے پردہ ہوگا یانہیں؟ شرعی حکم سے آگاہ فرمادیں کرم ہوگا۔

المستفتی: محمد عمیر، محلّہ بھٹی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) خالد کی پہلی بیوی کی اولاد کے لئے دوسری بیوی طاہرہ غیرمحرم نہیں ہے؛ بلکہ محرم ہے، حقیقی ماں کی طرح اس کے ساتھ پردہ لازم نہیں ہے، جیسے حقیقی ماں کے لئے پردہ لازم نہیں ہوتا ہے، اسی طرح سوتیلی ماں کے لئے بھی پردہ لازم نہیں ہے؛ جبکہ فتنہ کا خطرہ نہ ہو، ہاں البتہ پہلی بیوی سے پیدا شدہ لڑکی کا شوہر طاہرہ کے لئے محرم نہیں

ہے؛ کیونکہ اس میں محرم ہونے کی کوئی علت نہیں پائی جا رہی ہے، ہاں البتہ گھر اور کنبہ کے لوگوں میں فتنہ کا خطرہ نہ ہو، تو چہرہ اور ہاتھ وغیرہ کا پردہ لازم نہیں ہے اور فتنہ کے خطرہ نہ ہونے کی صورت میں منہ در منہ گفتگو کرنے کی بھی گنجائش ہے۔ (مستفا: فتاوی دار العلوم دیوبند ۱۶/۱۹۳-۱۹۶)

لایجب علیها الاستتار من أولاد زوجها...... ولعل وجهه خشیة الفتنة حیث کانوا رجالا معها في بیت واحدٍ، وإن کانوا محارم لها بکونهم أولاد زوجها کما قالوا بکراهیة الخلوة بالصهرة الشابة، وفي البحر عن المعراج، وکذالک حکم السترة إذا مات زوجها وله أولاد کبار أجانب. (شامي، کتاب الطلاق، باب العدة، مطلب: الحق ان علی المفتی ان ینظر في خصوص الوقائع، زکریا ۲۲۶/۵، کراچي ۵۳۷/۳)

(۲) اگر فتنہ کا خطرہ نہیں ہے، تو پردہ لازم نہیں ہے اور اگر فتنہ کا خطرہ ہے، تو پردہ کرنا لازم ہے اور فتنے کا خطرہ نہ ہونے کی صورت میں ایسے قریبی لوگوں کے ساتھ پردہ میں شدت اختیار کرنا مناسب نہیں ہے۔

وکذا تنظر المرأة من الرجل کنظر الرجل للرجل إن أمنت شهوتها، فلو لم تأمن، أو خافت، أو شکت حرم إستحساناً. (الدر المختار مع الشامي، کتاب الحظر والإباحة، فصل في النظر والمس، زکریا ۵۳۳/۹، کراچي ۳۱۱/٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳/ جمادی الثانیہ ۱۴۳۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۲۰۱۴/۴۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۶/۶/۲۳ھ

مرد کا مرد کے سامنے ستر عورت کھولنے کا حکم

سوال [۱۰۶۲۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ زید کہتا ہے کہ مرد کا ستر عورت صرف عورت کے سامنے ہے، مرد مرد کے سامنے کھول سکتا ہے، کیا ایسا کرنا حرام نہیں؟ آج کل کسرت کرنے میں پاؤڈر، انجکشن وغیرہ کا استعمال کیا جاتا ہے، جس کو ڈاکٹر حضرات منع کرتے ہیں اور یہ بھی بتاتے ہیں کہ اس پاؤڈر میں یا انجکشن مین ناجائز اشیاء شامل کی جاتی ہیں، جس سے فائدہ کے بجائے نقصان ہوتا ہے، کبھی کبھی ان کو استعمال کرنے سے نامردی بھی ہوجاتی ہے۔ جم وغیرہ میں یہ کسرت ماہانہ اجرت پر ہوتی ہے، اس کسرت میں عریانیت جسم کی نمائش کرنا خاص طور پر جو فلمی ہیرو کرتے ہیں، کیا یہ جائز ہے؟ آج کل معاشرہ میں عام طور پر دیکھا جاسکتا ہے، بعض حضرات اس کو جائز قرار دیتے ہیں، وہ خود بھی کسرت کرتے ہیں، کیا کسرت کرنا جائز ہے؟ کسرت ہال میں فوٹو بھی لگے رہتے ہیں اور گانا خوب بجتا ہے۔ مدلل جواب تحریر فرمادیں۔

المستفتی: مظفر حسین، مغل پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مرد کا ستر عورت ناف سے لے کر گھٹنوں تک ہے، اتنے حصہ میں سے کوئی بھی جز کھولنا اور کھول کر کسی مرد یا عورت کے سامنے آنا ناجائز اور حرام ہے اور جس نے یہ کہا ہے کہ مرد اپنا ستر دوسرے مرد کے سامنے کھول سکتا ہے صحیح نہیں ہے۔ بغیر ضرورت شدیدہ کے اس حصہ میں سے کھولنا مرد کے لئے گناہ کبیرہ ہے اور عورت کا ستر اجنبی مردوں کے سامنے سر سے لے کر پیر تک ہے اور گھر کے خاندان کے لوگوں کے سامنے اگر فتنہ کا خطرہ نہ ہو، تو چہرہ، ہاتھ اور پیروں کے کھولنے میں حرج نہیں ہے اور حقیقی محرم جن کے ساتھ کبھی نکاح جائز نہیں ہے، ان کے سامنے چہرہ، سر، بازو، پنڈلی تک ضرورۃ کھل جائے تو گناہ نہیں ہے، اس کے علاوہ بدن کے دیگر اعضاء کا کھولنا حقیقی محرم کے سامنے بھی عورت کے لئے جائز نہیں ہے۔ نیز اجنبی عورت کے سامنے بھی دیگر اعضاء کا کھولنا بغیر ضرورۃ شدیدہ کے جائز نہیں ہے۔

عن أبي أيوبؓ، قال: سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول: ما فوق

الركبتين من العورة، وما أسفل من السرة من العورة. (سنن دار قطني، دار الكتب العلمية بيروت ۱/۲۳۷، رقم الحديث: ۸۷۹)

عن ابن عباسؓ قال: ولايبدين زينتهن إلا ما ظهر منها، قال: ما في الكف، والوجه. (السنن الكبرىٰ للبيهقي، دار الفكر بيروت ۲/۸۰، رقم:۳۲۹۸)

ينظر الرجل من الرجل سوى ما بين سرته إلى ما تحت ركبتيه، فالركبة عورة لا السرة (شامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في النظر والمس، كراچي ۶/۳۶۴ تا ۳۶۶، زكريا ۹/۵۲۶)

وينظر المرأة من المرأة إلى ما يجوز للرجل أن ينظر إليه من الرجل، وينظر الرجل من ذوات محارمه إلى الوجه، والرأس، والصدر، والساقين، والعضدين، ولاينظر إلى ظهرها، وبطنها وفخذها. (هداية، اشرفي ديوبند ۴/۴۶۱)

(۲) کسرت اور ورزش کرنا فی نفسہ جائز ہے، بشرطیکہ عریانیت اور منکرات اس میں نہ ہوں اگر ستر کھولا جاتا ہے، تو جائز نہیں ہے، اسی طرح ستر کھول کر اس کی فلم لینا بھی جائز نہیں ہے۔ اب رہا طاقت کا انجکشن لینا اگر یہ نقصان دہ نہیں ہے، تو کوئی حرج نہیں ہے اور پاؤڈر کے بارے میں جو بات کہی جاتی ہے ہمیں اس کا علم نہیں ہے کہ اس میں ناپاک ناجائز اشیاء ہوتی ہیں یا نہیں؟ اگر واقعی ناجائز اور حرام چیز ہوتی ہے، تو اس سے احتراز کرنا لازم ہے، اور جہاں تک اس سے نقصان کی بات ہے، وہ حکیم اور ڈاکٹر بتائیں گے، وہ ہمارے بتانے کی چیز نہیں ہے۔

عن أبي هريرةؓ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا سبق إلا في خف أو حافر أو نصل. (سنن أبي داؤد، الجهاد، باب في السبق، النسخة الهندية ۱/۳۴۸، دار السلام رقم:۲۵۷۴)

تجوز المسابقة بالسهام، والخيل، والحمير...... لقوله عليه السلام لا سبق إلا في خف، أو نصل، أو حافر. وفي الحديث سابق

رسول الله صلى الله عليه وسلم، وأبو بكرؓ، وعمرؓ، فسبق رسول الله صلى الله عليه وسلم؛ ولأنه يحتاج إليه في الجهاد، وللكر، والفر وكل ماهو من أسباب الجهاد فتعلمه مندوب إليه سعياً في إقامة هذه الفريضة.

(مجمع الأنهر، شرح ملتقى الأبحر، كتاب الكراهية ٤/٢١٦، مكتبه فقيه الأمة ديوبند، أيضاً دار الكتب العلمية بيروت) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲/ ذی قعدہ ۱۴۳۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹/ ۱۰۸۱۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۴/۱۱/۱۴۳۳ھ

کیا برقعہ ہی سے پردہ ہوتا ہے؟

سوال [۱۰۶۲۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ شرعًا برقعہ ہی سے پردہ ہوتا ہے، یا چادر سے بھی ہوسکتا ہے؟ زید کہتا ہے کہ برقعہ ہی سے پردہ ہوتا ہے، بغیر برقعہ کے پردہ ہوتا ہی نہیں، اس کے برعکس بکر کہتا ہے کہ شریعت میں برقعہ ضروری نہیں ہے، ہاں پردہ ضروری ہے، خواہ کسی بھی طریقہ سے ہو۔ قرآن کریم میں ہے:

قال الله تبارک وتعالیٰ: يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ. [الأحزاب:٥٩]

اس آیت کریمہ میں بھی برقعہ کا ذکر نہیں آیا، خیر القرون میں برقعہ کا ذکر ملتا ہے یا نہیں؟ پردہ کے لئے برقعہ ضروری ہے یا بغیر برقعہ کے بھی پردہ ہوسکتا ہے؟

المستفتی: ظریف احمد، میرٹھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شرعًا برقعہ مقصود نہیں ہے؛ بلکہ پردہ ہی مقصود ہے؛ لہٰذا چادر سے بھی ہوسکتا ہے۔ (معارف القرآن، سورۂ احزاب تفسیر الآیہ ۵۹/ اشرفی دیوبند ۷/ ۲۳۵)

قال اللّٰہ تعالیٰ: يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ. [سورۃ الأحزاب: ۵۹] فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍ربیع الاول ۱۴۱۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱؍۳۹۰۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۱؍۳؍۱۴۱۵ھ

برقعہ میں ہاتھ اور آنکھوں کو کھلا رکھنا

سوال [۱۰۶۲۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کوئی صاحبہ برقعہ تو نہیں، مگر آنکھیں اور ماتھا کھولے رکھیں؛ جبکہ پردہ نگاہ کا ہوتا ہے، تو یہ پردہ جائز ہے؟ جبکہ اسی حالت میں وہ صاحبہ بازار یا سفر میں رہیں؟

المستفتی: سید اظہر علی رضوی، علی گڈھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایک آنکھ کھولنے کی اجازت ہے، ماتھا کھولے رکھنا مردوں کی نگاہ بد کے خطرہ کی وجہ سے جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: معارف القرآن، اشرفی دیوبند ۷؍۲۱۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵؍محرم الحرام ۱۴۱۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱؍۳۸۴۰)

سر پر دوپٹہ اوڑھنا

سوال [۱۰۶۲۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ سر پر دوپٹہ اوڑھنا کیسا ہے؟

المستفتی: محمد حنیف

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سر پر دو پٹہ اوڑھنا اجنبی کے سامنے واجب ہے؛ اس لئے کہ اجنبی کے سامنے شدت ضرورت میں صرف چہرہ کھولنے کی اجازت ہے، اور بلاضرورت چہرہ کھولنا بھی جائز نہیں ہے، اور گھر کے اندر بھی اپنے محارم کے سامنے سر چھپانا مستحب ہے۔

لايجوز أن ينظر الرجل إلى الأجنبية إلا إلي وجهها وكفيها. لقوله تعالىٰ ولايبدين زينتهن إلا ما ظهر منها. (هداية، كتاب الكراهية، فصل في النظر والمس والوطئ، اشرفي ديوبند ٤/٤٥٨)

وينظر من الأجنبية...... إلى وجهها وكفيها فقط للضرورة. (در مختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في النظر والمس، كراچي٦/٣٦٩، زكريا ٩/٥٣١)

اور اگر شہوت اور ہیجان کا خطرہ ہے، تو اجنبی کے سامنے چہرہ کھولنا بھی حرام ہے۔

امتنع نظره إلى وجهها فحل النظر مقيد بعدم الشهوة وإلا فحرام.

(در مختار، زكريا ٩/٥٣٢، كراچي ٦/٣٧٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸؍ ربیع الاول ۱۴۱۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱/ ۳۹۵۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/۳/۲۸ھ

لڑکیوں کا ننگے سر رہنے اور دوپٹہ کندھے پر رکھنے کا حکم

سوال [۱۰۶۳۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ لڑکیوں کا ننگے سر رہنا اور دوپٹہ کندھے پر رکھنا یا انہیں اس کا پابند کرنا کیسا ہے؟

المستفتی: مشتاق احمد، بروالا ن مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر لڑکیاں بالغ ہوگئی ہیں، تو ننگے سر رہنا حرام

ہے،اس کا گناہ خودلڑکیوں اور پابند کرنے والےسب پر برابر ہوگا۔

شعر المرأة ما على رأسها عورة. (هندية، كتاب الصلوة، الباب الثالث في شروط الصلوة، زكريا قديم ١/ ٥٨، جديد ١/ ١١٥، هداية، اشرفی ديوبند ١/ ٩٤، حلبي كبير قديم ٢١٠، جديد اشرفيه ديوبند ٢١٢، مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي قديم ١٣١، جديد دار الكتاب ديوبند ١/ ٢٤١)

اور اگرلڑکیاں نابالغ باشعور ہیں،توماں باپ پر واجب ہے کہ ان کوسرڈھکنے کا عادی بنائیں،ورنہ عادت بگڑنے کا گناہ ماں باپ پر ہوگا۔

يطلب من المسلم أن يعود لبناته من سن العاشرة على إرتداء الحجاب الشرعي حتى لا يصعب عليهن بعد إرتداء ه. (روائع البيان ٢/ ٣٨١)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍جمادی الاولیٰ ۱۴۰۸ھ
(فتویٰ نمبر:الف ۶۹۴/۲۴)

دوران سفرعورتوں کا ہتھیلیوں اور قدمین کوکھلا رکھنا

سوال [۱۰۶۳۱]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عورتیں جب سفرمیں جائیں یاقریبی عزیز داری میں چندکیلومیٹر پر جائیں تو کیا موزے اور دستانے پہن کر جائیں؟ اگرنہ پہنیں تو کیا گنہگار ہوں گی؟

المستفتی: عبدالرشید قاسمی،سیڑھا،بجنور(یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: عورتوں کے لئے دونوں ہتھیلیوں اور قدمین کو کھلے رکھنے کی اجازت ہے؛ لیکن شرط یہ ہے کہ اگر ہاتھ پیر کے کھلے رکھنے کی وجہ سے دیکھنے

والے مردوں میں ہیجان پیدا ہو جانے کا خطرہ اور فتنہ کا اندیشہ ہے، تو دونوں ہتھیلی اور قدمین کا چھپانا ضروری ہے اور اگر یہ خطرہ نہیں ہے، تو کھلے رکھنے کی گنجائش ہے۔

وفي روح المعاني: ''إلا ما ظهر'' أي إلا ما جرت العادة، والجبلة على ظهوره، والأصل فيه الظهور كالخاتم والكحل، والخضاب، فلا مواخذة في إبدائه للأجانب، وإنما المؤاخذة في إبداء ما خفي من الزينة. (روح المعاني، سورة النور، تحت تفسير الآية: ۳۱، زكريا ديوبند ۱۰/۲۰٦)

وتمنع المرأة الشابة من كشف الوجه بين الرجال لا لأنه عورة؛ بل لخوف الفتنة. (شامي، كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة، كراچي ۱/۴۰٦، زكريا ۲/۷۹)

وأما النظر إلى الأجنبيات فنقول: يجوز النظر إلى مواضع الزينة الظاهرة منهن، وذلک الوجه، والكف......وإن غلب على ظنه أنه يشتهي فهو حرام. (هندية، زكريا قديم ۵/۳۲۹، جديد ۵/۳۸۱، تاتارخانية، زكريا ۱۸/۹۵، رقم: ۲۸۱۴۵، بدائع الصنائع، زكريا ۴/۲۹۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲رشعبان المعظم ۱۴۲۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۳۹۳/۳۸)

ساس کا داماد سے پردہ نہیں

سوال [۱۰٦۳۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک عورت کے شوہر کا انتقال ہوگیا ہے، وہ عورت فی الحال عدت میں ہے، تو کیا عورت حالت عدت میں اپنے دامادوں کے سامنے آسکتی ہے یا نہیں؟ برائے کرم جواب لکھ کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں عین کرام ہوگا۔

المستفتی: عبد القدیر، اصالت پورہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الـجواب وبالله التوفيق: داماد شرعی محرم ہوتا ہے، عورت کو کسی حال میں بھی اپنے داماد سے پردہ کرنا لازم نہیں ہے؛ لہٰذا عدت کی حالت میں داماد کے سامنے آسکتی ہے۔

والـمحرم من لا يجوز له مناكحتها على التابيد بقرابة، أورضاع، أو صهرية. (شـامـي، كتاب الحج، مطلب في قولهم يقوم حق العبد على حق الشرع، كـراچـي ۲/٤٦٤، زكـريـا ۳/٤٦٤، هـنـدية، زكـريـا قديم ۱/۲۱۹، جديد ۱/۲۸۲، الـمـحيط البرهاني، المجلس العلمي بيروت۳/۳۹٤، تاتارخانية، زكريا ۳/٤٧٥، رقم: ٤٨٨٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴/رشوال المکرّم ۱۴۱۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۹۸٦/۲٦)

کیا ساس کو داماد سے پردہ کا حکم ہے؟

سـوال [۱۰٦۳۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں شادی شدہ ہوں میری ساس میرے سامنے آجاتی ہے، میرے ساتھ کھلے طور سے بات چیت بھی کرتی ہے، کھانا بھی بیٹھ کر ساتھ کھاتی ہے، ان سب میں میں جاننا چاہتا ہوں کہ ساس اور داماد کے بیچ پردہ ضروری ہے یا نہیں؟ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ داماد بھی بیٹے جیسا ہوتا ہے ہے اس کے ساتھ ساس کا پردہ کیسا ہے؟ شریعت کیا کہتی ہے مطلع فرمائیں۔

المستفتی: محمد عبدالحنیف

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الـجواب وبالله التوفيق: داماد شریعت کی رو سے ساس کے حق میں بیٹے کی

طرح محرم ہے اور ساس داماد کے حق میں ماں کی طرح محرم ہے، شریعت میں ساس و داماد کے درمیان کوئی پردہ کا حکم نہیں ہے؛ لہٰذا پردہ ضروری نہیں ہے۔

والمحرم من لا يجوز له مناكحتها على التابيد بقرابة، أو رضاع، أو صهرية. (شامي، كتاب الحج، مطلب في قولهم يقوم حق العبد على حق الشرع، كراچي ٢/٤٦٤، زكريا ٣/٤٦٤، البحر الرائق، كوئٹه ٢/٣١٥، زكريا ٢/٥٥١، تبيين الحقائق، امدادية ملتان ٢/٦، زكريا ٢/٢٤٣، هندية، زكريا قديم ١/٢١٩، جديد ١/٢٨٢، فتاوى قاضي خان، جديد زكريا ١/١٧٣، وعلى هامش الهندية، زكريا ١/٢٨٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/ ذی الحجہ ۱۴۰۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۵/ ۱۵۸۷)

چچی سے پردہ ہے یا نہیں؟

سوال [۱۰۶۳۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کی چچی زید کے لئے زید کے چچا کے نکاح میں رہ کر محرم یا غیر محرم ہے، اگر زید کی چچی زید کے لئے غیر محرم ہے، تو ان سے احتراز لازم آتا ہے یا نہیں؟ حالانکہ ہر شخص بلا تکلف کلام کرتا ہے۔

المستفتی: محمد رضوان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ایسی صورت میں بھی چچی غیر محرم اور اجنبیہ ہے؛ لیکن جب خوف فتنہ نہیں ہے، تو چچی کا چہرہ ہتھیلیاں وغیرہ دیکھنا اور کلام کرنا جائز ہے۔

(مستفاد: امداد الفتاوی ۴/ ۱۷۸)

وأما النظر إلى الأجنبيات فنقول: يجوز النظر إلى مواضع الزينة الظاهرة منهن، وذلك الوجه، والكف. في ظاهر الرواية: كذا في الذخيرة، وإن غلب على ظنه أنه يشتهي فهو حرام– إلى قوله– أنه يجوز النظر إلى ذراعيها أيضًا عند الغسل والطبخ، قيل وكذلك يباح النظر إلى ثناياها، وذلك كله إذا لم يكن النظر عن شهوة كذا في المحيط. (هندية، كتاب الكراهية، الباب الثامن فيما يحل للرجل النظر إليه ما لا يحل له،زكريا قديم ۳۲۹/۵، جديد ۳۸۱/۵، تاتارخانية، زكريا ۹۵/۱۸، رقم: ۲۸۱۴۵، المحيط البرهاني،المجلس العلمي بيروت ۲۹/۸، رقم: ۹۵۱۶، -۹۵۱۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍ذی الحجہ ۱۴۱۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱/ ۳۷۴۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۷/۱۲/۱۴۱۴ھ

بھابھی دیور کا پردہ ہے یا نہیں؟

سوال [۱۰۶۲۳۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بھابھی محترمہ دیور کے حق میں کیسی ہے؟ بھابھی بھی غیر محرم ہے، اور غیر محرم کو دیکھنا اور بات کرنا حرام ہے؟ کیا دیور کو بھابھی سے بات چیت کرتے یا دیکھنے میں کچھ قباحت ہے؟

المستفتی: منظور احمد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس طرح بھابھی دیور کے حق میں غیر محرم ہے، اسی طرح دیور بھی بھابھی کے حق میں غیر محرم ہے؛ لیکن گھر میں ایک ساتھ رہنے کی وجہ سے اختلاط رہتا ہے، اگر فتنہ کا اندیشہ نہ ہو، تو ایسی صورت میں دیور بھابھی کی ہتھیلی، چہرہ اور قدمین دیکھ سکتا ہے اور افرادِ خانہ کی موجودگی میں بھابھی سے بات کرسکتا ہے؛ لیکن تنہائی میں بات

کرنے کی اجازت نہیں ہے اور نہ مذاق اور بےحیائی کی بات کی اجازت ہے، اس میں سخت فتنہ کا اندیشہ ہے۔ حدیث شریف میں ہے۔

ان رسول الله صلى الله عليه وسلم: إياكم والدخول على النساء، فقال: رجل من الأنصار يا رسول الله افرأيت الحمو؟ قال: الحمو الموت. الحديث (بخاري شريف، كتاب النكاح، باب لا يخلون رجل بإمرأة إلا ذو محرم ۲/۷۸۷، رقم: ۵۰۳۶، ف: ۵۲۳۲، صحيح مسلم، كتاب السلام، باب تحريم الخلوة بالأجنبية والدخول عليها، النسخة الهندية ۲/۲۱۶، بيت الأفكار رقم: ۲۱۷۲)

قال النووي في شرح: "الحمو الموت" فمعناه أن الخوف منه أكثر من غيره، والشر يتوقع منه، والفتنة أكثر لتمكنه من الوصول إلى المرأة، والخلوة من غير أن ينكر عليه بخلاف الأجنبي. (حاشية مسلم شريف ۲/۲۱۶) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳ / ربیع الاول ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴/ ۶۵۲۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۳/۳ھ

خسر اور بہو کا نمائشوں و بازاروں میں ایک ساتھ گھومنا

سوال [۱۰۶۳۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید لڑکا ہے باقر حسین کا، باقر حسین نے اپنے لڑکے زید کا عقد مسماۃ خاتون جہاں کے ساتھ کر دیا تھا، کچھ دنوں کے بعد خاتون جہاں اپنے خسر باقر حسین کے بارے میں کہتی ہے، کہ انہوں نے میرے ساتھ زنا کیا ہے، اور اسی بات پر خاتون جہاں نے طلاق لے لی، ایک عرصہ دراز کے بعد باقر حسین نے اپنے لڑکے زید کا دوسرا عقد مسماۃ ریحانہ بیگم کے ساتھ کر دیا۔ یہ دوسری زید کی بیوی ریحانہ بیگم اپنے خسر کے متعلق کچھ نہیں کہتی ہے، لیکن کچھ ایسے شواہدات ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ باقر حسین کی عادت ٹھیک نہیں ہے۔ یہ غلط رویہ اپنے لڑکے زید کی بیوی کے ساتھ کرتا ہے، شواہدات یہ ہیں۔

(۱) ریحانہ بیگم کی بڑی بہن حفصہ بیگم یہ کہتی ہے کہ میری بہن کی عادت خود خراب ہے، جس کی وجہ سے راز فاش نہیں ہوتا ہے، پہلی بیوی خاتون جہاں کی عادت ٹھیک تھی وہ پاکدامن تھی، جس کی بنا پر اس کو برداشت نہیں ہوا اور سر عام اپنے خسر باقر حسین کا معاملہ اپنے ساتھ ہونے کو ظاہر کر دیا۔

(۲) دوسری علامت یہ ہے کہ باقر حسین ریحانہ بیگم کو اپنے ساتھ ایک رکشہ پر بٹھا کر بازاروں اور نمائشوں میں سیر کرتا ہے، کریم پاؤڈر، اور دوسری چیزیں خرید خرید کر باقر حسین ریحانہ بیگم کو دیتا ہے۔

(۳) تیسری علامت یہ ہے کہ گھر کے اندر جب باقر حسین اور زید ہوتے ہیں، تو ریحانہ بیگم اپنے خسر کی طرف زیادہ مائل ہوتی ہے، کھانا پانی کے دینے میں اپنے خسر کی طرف زیادہ توجہ دیتی ہے، اپنے شوہر زید کی طرف نظر گھما کر بھی دیکھنا نہیں چاہتی ہے، یہ سب علامات ہیں، جن سے ہر ایک شخص کا گمان یہ ہے کہ باقر حسین کی عادت اور ریحانہ بیگم کی عادت خراب ہے۔

اب پوچھنا یہ ہے کہ ریحانہ بیگم اپنے شوہر کے پاس رہنے کے قابل ہے یا نہیں؟ دوسری بات یہ معلوم کرنی ہے کہ باقر حسین پر کونسا حکم لگایا جائے گا؟ تیسری بات یہ معلوم کرنی ہے کہ اگر برادری والے باقر حسین کا حقہ پانی بند کر دیں اور اپنی تقریبات میں شریک نہ کریں، تو کوئی حرج تو نہیں ہے؟ ان سب باتوں کو قرآن وحدیث کی روشنی میں مفصل تحریر فرمائیں، جس سے لوگوں کو سمجھنے میں دشواری نہ ہو۔

المستفتی: عبداللہ لکھیم پوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: محض اس قسم کی علامات کی وجہ سے نہ باقر حسین اور نہ بہو پر غلط کاری کا شرعی حکم لگ سکتا ہے، اور نہ ہی زید پر بیوی حرام ہوسکتی ہے، جب تک شہوت کے ساتھ دواعی جماع دو عادل کی شہادت سے ثابت نہ ہوں۔

وفي المس لاتحرم ما لم تعلم الشهوة. (الدر المختار مع الشامي، كتاب النكاح، فصل في المحرمات، كراچي ۳/۳۶، زكريا ٤/١١٣)

وما سوى ذالک من الحقوق يقبل فيها شهادة رجلين، أو رجل، وإمرأتين وسواء كان الحق مالا أو غير مال مثل النكاح، والطلاق، والوكالة، والوصية، ونحو ذالک. (هداية، كتاب الشهادة، اشرفي ديوبند ٣/١٥٤-١٥٥)

اورایک رکشہ میں لے کر نمائشوں میں اور بازاروں میں سیر وتفریح کرانا وغیرہ موجب فسق ہے، باقر حسین کا ایسی حرکات سے توبہ واستغفار کرکے باز رہنا ضروری ہے، اور اگر لوگوں کے سمجھانے کے باوجود اپنے فعل سے باز نہ آوے تو برادری والوں کو توبہ واستغفار کرکے باز آنے تک باقر حسین سے بائیکاٹ کرلینا چاہئے۔

قال اللہ تعالیٰ: وَلَا تَرْكَنُوْا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارَ. [هود:١١٣]

اور توبہ کے بعد حقہ پانی پھر جاری رکھنا لازم ہے۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/ ذی قعدہ ۱۴۰۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۳/ ۳۳۷)

نامحرم لڑکیوں کے ساتھ کاروبار کرنے کا حکم

سوال [۱۰۶۳۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں ایک ضعیف آدمی میری عمر ۶۷/ سال ہے، اکاؤنٹ (کھاتہ نویس ہوں) آج کل علالت کی وجہ سے زیادہ کام کرنے کے قابل نہیں ہوں، میں نے اپنی مدد کے لئے لڑکوں کو بہت تلاش کیا؛ لیکن کوئی لڑکا کام کرنے پر آمادہ نہیں ہوا، اب میں نے مجبوراً دو لڑکیوں کو کام سکھا کر اپنے ہمراہ لگالیا ہے، اور معاہدہ کے مطابق ان کو معاوضہ ادا کردیتا ہوں،

غیرلڑکیاں ہیں، میرا ان سے کوئی رشتہ نہیں ہے، تو میرا ان نامحرم لڑکیوں کے سامنے آنا جانا جائز ہے یا نہیں؟ اس طرح کمایا ہوا روپیہ حلال ہوگا یا حرام؟

المستفتی: محمد احمد، فیض گنج، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آپ کا نامحرم لڑکیوں سے کام لینا اور ان نامحرم بالغہ لڑکیوں کے ساتھ اختلاط شرعی طور پر جائز نہیں ہے، اس سے آپ سخت گنہگار ہوں گے، فوراً یہ سلسلہ ختم کرنا آپ پر لازم ہے، محنت کی کمائی کا حکم الگ ہے اور غیر محرم کے ساتھ اختلاط کا گناہ الگ ہے؛ لہٰذا کمائی حرام نہیں، مگر اختلاط حرام اور گناہ کبیرہ ہے۔

واما المجبوب الذي جف ماء ه (إلى قوله) اختلاطه بالنساء والأصح أنه لا يرخص ويمنع. (هندية، كتاب الكراهية، الباب الثامن، زكريا قديم ٥/ ٣٣٠، جديد ٥/ ٣٨٢، البحر الرائق، كوئٹه ٨/ ١٩٥، زكريا ٨/ ٣٥٨، تاتارخانية، زكريا ١٨/ ١٠١، رقم: ٢٨١٧٠) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷ محرم الحرام ۱۴۲۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳٦/ ۷۸۸۳)

دفاتر میں کام کرنے والی عورتوں پر نظر پڑ جانا کیسا؟

سوال [۱۰٦۳۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ دفاتر میں عورتیں کام کرتی ہیں، اور بے پردہ رہتی ہیں، بعض دفعہ متقی پرہیزگار مرد علماء دین کو بھی ایسے دفتروں سے کام پڑتا ہے، تو ان سے علماء کا اپنی کام کی غرض سے بات چیت کرنا اور ملاقات کرنا جائز ہے یا نہیں؟ یہ ان کے تقویٰ کے خلاف تو نہیں؟

المستفتی: محمد عمیر غازی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آج کل عموماً دفاتر وغیرہ میں بے پردہ عورتیں کام کرتی ہےاور ہر شخص کوان مراحل سے گذرنا پڑتا ہے،اوران سے بات چیت ناگزیر ہے؛ لہٰذا ان سے ضروری بات چیت کرنا جائز ہے اور یہ تقوی کے خلاف نہیں ہے،ایسی عورتوں کو شریعت نے باندی اور حربیہ عورت کے حکم میں قرار دیا ہے۔

الخلوة بالأجنبية حرام إلا لملازمة مديونة هربت ودخلت خربة. **وفي الشامية: يجوز الكلام المباح مع إمرأة أجنبية.** (شامي، فصل في النظر والمس، زكريا ٩/٥٢٩-٥٣٠، كراچي ٦/٣٦٨-٣٦٩)

عن عبد الكريم قال: حدثني نصر بن عاصم، أن عمر بن الخطاب، سمع نواحه بالمدينة ليلا، فأتىٰ عليها، فدخل ففرق النساء فأدرك النائحة، فجعل يضربها بالدرة، فوقع خمارها، فقالوا: شعرها يا أمير المؤمنين، فقال: أجل فلا حرمة لها. (مصنف عبد الرزاق، المجلس العلمي بيروت ٣/٥٥٧، رقم:٦٦٨٢)

ان عمرؓ هجم على نائحة فضربها بالدرة حتى سقط خمارها، فقيل له يا أمير المؤمنين قد سقط خمارها، فقال: إنها لا حرمة لها، ومن هنا قال الفقية أبوبكر البلخي حين مربنساء على شط نهر كاشفات الرؤوس، والذراع، فقيل له كيف تمر، فقال: لا حرمة لهن غنما الشك في إيمانهن كأنهن حربيات. (در مختار على الشامي، زكريا كتاب النكاح، باب نكاح الكافر ٤/٣٦٩، كراچي٣/١٩٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٥/ربیع الاول ١٤٣٥ھ
(فتویٰ نمبر: الف ٤٠/١٤٦٠)

عورتوں کا بغیر محرم کے اجتماعات، قرآن خوانی ونشرح کی مجلس میں جانا

سوال [١٠٦٣٩]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ شہر میں یا شہر سے باہر مستورات کے وہ اجتماعات جو نہ تو تبلیغی مرکز سے طے ہوتے ہیں، اور نہ کسی معتبر مدرسہ سے ان اجتماعات میں مستورات کا بغیر کسی محرم کے جانا کیسا ہے؟

(۲) کسی کے گھر مستورات میں میلاد پڑھنے جانا ختم قرآن پاک میں جانا کیسا ہے؟ نشرح میں لڑکیوں کا جانا کیسا ہے؟

المستفتی: محمد ارشد، بارہ دری، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) مستورات کے لئے بلامحرم شہر سے باہر جانا ممنوع ہے؛ کیونکہ یہ فتنہ کا زمانہ ہے؛ اس لئے ان کو گھر سے باہر مسجد میں جاکر باجماعت نماز پڑھنے سے منع کر دیا گیا ہے؛ ہاں البتہ محرم کے ساتھ جائے، تو اس کی گنجائش ہے، چاہے تبلیغی مرکز کی طرف سے طے شدہ پروگرام ہو یا آپس کے مشورہ سے طے ہوا ہو، بس شرط یہ ہے کہ معتبر دینی پروگرام ہو اور محرم کے بغیر جانا جائز نہیں ہے۔ نیز خالص دینی پروگرام کے علاوہ دوسرے پروگرام مثلاً قوالی، عرس، نمائش وغیرہ میں جانا جائز نہیں ہے۔

عن أبي هريرة رضي قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا يحل لإمرأة تؤمن بالله واليوم الآخر أن تسافر مسيرة يوم وليلة ليس معها حرمة. (صحيح البخاري، كتاب تقصير الصلوة، باب في كم يقصر الصلوة ١/١٤٧، رقم: ١٠٧٧، ف: ١٠٨٨)

وروي عن أبي حنيفة رح، وأبي يوسف كراهة خروجها وحدها مسيرة واحدة وينبغي أن يكون الفتوىٰ عليه لفساد الزمان. (شامي، كتاب الحج، مطلب في قولهم يقدم حق العبدعلى حق الشرع، كراچي ٢/٤٦٥، زكريا ٣/٤٦٥)

والفتوی الیوم علی الکراهة في الصلوة کلها؛ لظهور الفساد ومتی کره حضور المسجد للصلوة فلأن یکره حضور مجالس الوعظ خصوصًا عند هولاء الجهال الذین تحلوا بحلیة العلماء أولیٰ. (البحر الرائق، کتاب الصلوة، باب الإمامة، زکریا ۱/۶۲۸، کوئٹه ۱/۳۵۸)

میلاد پڑھنے کا موجودہ طریقہ شریعت سے ثابت نہیں، اس کا ترک لازم ہے، نہ اس میں مرد کا جانا جائز ہے اور نہ ہی عورت کا نشرح خوانی کی رسم بھی شریعت سے ثابت نہیں، وہاں بھی نہیں جانا چاہئے، قرآن خوانی کی فضیلت ہے، اگر فتنہ کا خطرہ نہ ہو، تو پردوں کے اہتمام کے ساتھ مردوں کے اختلاط سے دور رہ کر محلّہ کے اندر کسی کے گھر میں قرآن خوانی میں شرکت میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، مگر اس غرض سے عورت کے لئے شہر سے باہر جانے کی اجازت نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍رجب المرجب ۱۴۱۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۳/۵۳۸۶)

عورتوں کا بازار جانا

سوال [۱۰۶۴۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عورتوں کے لئے بازار جانا کیسا ہے،

المستفتیه: شبینہ ثمرین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عورتوں کا ضرورت کی وجہ سے بازار جانا شرعی پردہ کے ساتھ مباح ہے؛ لیکن شرط یہ ہے کہ چہرہ، ہاتھ وغیرہ سب چھپے ہوئے ہوں؛ کیونکہ یہ فتنہ کا زمانہ ہے؛ اس لئے ضرورت شدیدہ کے لئے جانا ہو، تو بدن کا ایک ایک

بال چھپا کر ہی جا سکتی ہے؛ لہٰذا نہ بےضرورت بازار جانا جائز ہے اور نہ ہی چہرہ کھول کر کسی حال میں جانا جائز ہے؟

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: المرأة عورة. (سنن الترمذي، أبواب الرضاع، باب بلاترجمة، النسخة الهندية ١/ ٢٢٢، دار السلام رقم: ١١٧٣)

فحل النظر مقيد بعدم الشهوة، وإلا فحرام. (در مختار كتاب الحظر والإباحة، فصل في النظر والمس، زكريا٩/ ٥٣٢، كراچي ٦/ ٣٧٠)

وتمنع المرأة الشابة من كشف الوجه بين الرجال لا لأنه عورة؛ بل لخوف الفتنة (وتحته في الشامية) والمعنىٰ يمنع من الكشف لخوف أن يرىٰ الرجال وجهها فتقع الفتنة. (شامي، كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة، كراچي ١/ ٤٠٦، زكريا ٢/ ٧٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ ربیع الاول ۱۴۱۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹۵۲/۳۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/۳/۲۸ھ

بلامحرم عورت کے لئے جہاز کا سفر

سوال [۱۰۶۴۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید انگلینڈ میں رہتا ہے، اس کا ارادہ وہاں سکونت اختیار کرنے کا ہے، گرین کارڈ ملنے سے پہلے وہاں کی نیشنلٹی ممکن نہیں، چار سال کے بعد گرین کارڈ ملے گا، اس درمیان میں اگر اپنے وطن سفر کرے گا، تو گرین کارڈ نہیں ملے گا، زید کی بیوی ہندوستان میں رہتی ہے اور بیوی کا اتنی مدت تک تنہا رہنا ممکن نہیں ہے، اس وجہ سے اگر عورت محرم کے ساتھ ایر پورٹ پر آجائے اور وہاں سے جہاز سے انگلینڈ چلی جائے اور شوہر انگلینڈ ایر پورٹ پر آکر اس کو لے لے، تو عورت بلامحرم سفر کرنیکی وجہ سے گنہگار ہوگی یا نہیں؟

المستفتی: محمد طیب

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مسئولہ میں جب عورت کے پاس محرم کو ساتھ لے جانے کا خرچہ نہ ہو اور محرم عورت کو ایرپورٹ پر چھوڑ جاتا ہے اور جہاں جانا ہے، وہاں بھی شوہر یا محرم آکر اس کو ساتھ لے لے، تو اس طرح سفر کرنا امام مالکؒ، امام شافعیؒ کے مسلک پر عمل کرتے ہوئے جائز ہے، عورت پر بلامحرم سفر کرنے کا گناہ بھی نہیں ہوگا۔ (مستفاد: انور رحمت ص: ۸۴)

وقال حماد لا بأس للمرأة أن تسافر بغير محرم مع الصالحين. (هندية، كتاب الكراهية، الباب السادس والعشرون، زكريا قديم ٥/٣٦٦، جديد ٥/٤٢٣، بنايه اشرفية ديوبند ٤/١٤٩)

قال مالكؒ تخرج مع جماعة النساء، وقال الشافعي: تخرج مع ثقة حرة مسلمة وقال ابن سيرين: تخرج مع رجل من المسلمين، وقال الأوزاعي: تخرج مع قوم عدول. (إعلاء السنن، كراچي ١٠/١٤، دار الكتب العلمية بيروت ١٠/١٧)

إن المحرم ليس بشرط في الحج والواجب، قال: الأثرم سمعت أحمد يسأل؛ هل يكون الرجل محرما لأم إمرأته يخرجها إلى الحج، فقال: أما في حجة الفريضة فأرجو لأنها تخرج إليها مع النساء ومع كل من أمنته وأما في غير فلا. (أوجز المسالك، دار القلم بيروت ٨/٦٤٨)

وأما الأسيرة إذا تخلصت من أيدي الكفار، فإن سفرها سفر ضرورة للناس لا يقاس عليه حالة الاختيار، ولذالک تخرج فيه وحدها؛ ولأنها تدفع ضرراً تيقنًا يتحمل الصدر المتوهم، فلا يلزم تحمل ذلک من غير

ضرر. (المغني، دار الفكر ۳/ ۹۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ رصفر المظفر ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۴۵۴/۴۰)

نامحرم کے ساتھ غیر شرعی سفر کرنا

سوال [۱۰۶۴۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کوئی عورت تنہا یا نامحرم کے ساتھ غیر شرعی سفر (پانچ، دس، بیس کلومیٹر) کرسکتی ہے یا نہیں؟

نوٹ: سوال کا تعلق ایسے سفر سے ہے، جو مشترکہ سواری ریل، بس وغیرہ سے ہوتا ہے، جس میں بہت سے لوگوں کے ساتھ سفر ہوتا ہے، خلوت نہیں ہوتی ہے۔

المستفتی: مولانا خورشید انور (صاحب) (استاذ) مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: تنہا یا غیر محرم کے ساتھ دس بیس کلومیٹر کا سفر بھی فساد زمانہ کی وجہ سے کراہت سے خالی نہیں؛ اس لئے حتی الامکان احتیاط لازم ہے۔

لايحل لإمرأة تؤمن بالله واليوم الآخر أن تسافر مسيرة يوم وليلة ليس معها حرمه. (بخاري شريف، كتاب التقصير الصلوة، باب في كم يقصر الصلوة ۱/ ۱٤۸، رقم: ۱۰۷۷، ف: ۱۰۸۸، صحيح مسلم، كتاب الحج، باب سفر المرأة مع محرم، النسخة الهندية ۱/ ٤۳۳، بيت الأفكار رقم: ۱۳۳۹)

وروي عن أبي حنيفةؒ، وأبي يوسف كراهة خروجها وحدها مسيرة واحدة، وينبغي أن يكون الفتوىٰ عليه لفساد الزمان. (رد المختار، كتاب الحج، مطلب في قولهم يقدم حق العبد على حق الشرع، كراچي ۲/ ٤٦٥، زكريا ۳/ ٤٦٥، تبين

الحقائق، امدادية ملتان ٦/٢، زكريا ٢٤٣/٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳/رجب المرجب ۱۴۲۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۷۳۱۶/۳۶)

بے پردہ پھرنے والی عورتوں کو دیکھنا

سوال [۱۰۶۴۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جو مسلم، یا غیر مسلم عورتیں بازار میں پھرتی ہیں، ان کو دیکھنا کیسا ہے؟

نیز مرد دوکاندار کی دوکان پر سامان خریدنے اگر عورت آتی ہے، جو بلا نقاب کے ہے، تو کس طرح معاملہ کرے کہ شریعت کی نگاہ میں گنہگار نہ ہو، کیا عورت کے چہرہ کا پردہ نہیں ہے؟ یعنی اس کو چھپانا ضروری نہیں ہے؟

المستفتی: سرور احمد، ریاض سعودیہ عربیہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بے پردہ پھرنے والی مسلم اور غیر مسلم دونوں قسم کی عورتوں کو نگاہ جما کر دیکھنا ناجائز ہے اور دوکاندار کے سامنے نہ عورتوں کو بے نقاب ہونا جائز ہے اور نہ دوکاندار مرد کو ان کی طرف دیکھنا۔ نیز چہرہ کا پردہ عورتوں پر واجب ہے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: يدنين عليهن من جلابيبهن. دلالة على أن المرأة الشابة مأمورة بستر وجهها عن الأجنبين، واظهار التسر، والعفاف عند الخروج لئلا يطمع فيهن أهل الرب. (روائع البيان ٣٨٣/٢- ٣٨٠/٢- ١٥١/٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶/شوال المکرّم ۱۴۰۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۴۴/۲۴)

عورتوں کی ملازمت کا شرعی حکم

سوال [۱۰۶۴۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عورتوں کا سرکاری یا غیر سرکاری اداروں، دفاتر یا کمپنیوں میں نوکری کرنا کیسا ہے؟ اسی طرح وہ ازخود ذاتی تجارت کریں، تو اس کا کیا حکم ہے، عورتوں کی کسی بھی طرح کی نوکری کرنا جائز ہے یا ناجائز؟ کیا کسی مجبوری یا عذر کی بنا پر جائز ہوسکتی ہے؟ اگر ہاں تو کن شرطوں کے ساتھ اور اگر کسی بھی صورت میں جائز نہیں، تو اس کے دلائل بھی تحریر فرمادیں۔

المستفتی: سید زوار احمد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عورتوں کا روزگار کمائی کا راستہ اختیار کرنا فی نفسہ کوئی برا نہیں، مثلاً اپنے گھر میں رہ کر سلائی، کڑھائی کے ذریعہ سے کمائی کرتی ہے، تو کوئی برا نہیں ہے جائز اور درست ہے، ایسا ہی سرکاری اور غیر سرکاری نوکری اور ملازمت کے ذریعہ سے روزی حاصل کرنا بھی فی نفسہ جائز ہے؛ لیکن دو قسم کی برائیوں کی وجہ سے یہ نوکری جائز نہیں۔ (۱) بے پردگی (۲) خوف وفتنہ، اگر یہ دونوں چیزیں نہیں ہے تو جائز ہے، مثلاً ایسا اسکول ہے، جس میں پڑھنے والی سب لڑکیاں اور پڑھانے والی بھی سب عورتیں ہوں، تو آمد ورفت میں پردے کے اہتمام کے ساتھ ایسے اسکولوں میں نوکری کرنا عورتوں کے لئے جائز اور درست ہے چاہے اسکول سرکاری ہو یا غیر سرکاری دونوں صورتوں میں جائز ہے، اسی طرح اگر کوئی سرکاری یا غیر سرکاری ایسا دفتر ہے، جس میں اوپر سے نیچے تک ساری عورتیں ہی ہوں اور مردوں کا وہاں کوئی تعلق نہ ہو تو اس میں نوکری کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے؛ لیکن جہاں مردوں کے اختلاط کے ساتھ نوکری اور ملازمت ہوتی ہے، وہاں مردوں کے ساتھ نوکری کرنے میں دو برائیاں ہیں:

(۱) پردے کے حکم کی خلاف ورزی جس کو اللہ نے قرآن میں منع فرمایا ہے۔

(۲) مردوں کے ساتھ خوف فتنہ، ان دونوں برائیوں کی وجہ سے اختلاط کے ساتھ عورتوں کی نوکری جائز نہیں ہے، اور اگر وہ برقعہ میں رہ کر کے اپنی ذمہ داری ادا کرتی ہیں، تب بھی مردوں کے اختلاط کی وجہ سے خوف فتنہ پھر بھی باقی ہے؛ اس لئے شریعت اس کی اجازت نہیں دیتی ہے۔

قال تعالیٰ: وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِیَّةِ الْاُوْلٰی. [الاحزاب: ۳۳]

روي عن النبي صلی الله علیه وسلم، قال: لايخلون رجل بإمرأة إلا كان ثالثهما الشيطان. (ترمذي، أبواب الرضاح، باب ماجاء في كراهية الدخول على الغيبات، النسخة الهندية ١/ ٢٢١، دار السلام رقم: ١١٧١، مسند البزار، مكتبه العلوم والحكم بيروت ٩/ ٢٧١، رقم: ٣٨١٧، المستدرك للحاكم، مكتبه نزار مصطفىٰ الباز بيروت ١/ ١١٤، رقم:٣٨٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍محرم الحرام ۱۴۳۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰؍۱۰۹۴۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۳؍۱؍۱۴۳۴ھ

عورتوں کا گاڑی چلانا

سوال [۱۰۶۴۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کوئی سی گاڑی عورتیں پردہ کی حالت میں چلاسکتی ہیں یا نہیں؟ اگر پردہ کی حالت میں گاڑی چلانا جائز ہے، تو قرآن وحدیث سے دلیل تحریر فرمائیں۔

المستفتی: تسلیم احمد قاسمی، عسکری پور، چاند پور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: چہرے کا پردہ بھی اجنبیوں سے لازم اور ضروری ہے اور چہرے کے پردہ کے ساتھ تو گاڑیاں چلانا بہت مشکل بات ہے،

نیز جب کوئی عورت اور نو جوان لڑکی کسی قسم کی گاڑی چلاتی ہے، تو حیرت کی وجہ سے یا اس کی ادا پسند آنے کی وجہ سے مردوں کی نگاہیں اس کی طرف زیادہ مائل ہوتی ہیں؛ اس لئے عورتوں کے لئے گاڑی چلانا جائز نہ ہوگا؛ کیونکہ اس سے آیت کریمہ **وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُوْلَىٰ.** [الاحزاب: ۳۳] کی مخالفت لازم آتی ہے۔

(مستفاد: فتاوی رحیمیہ قدیم ۴۲۵/۶) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ / ربیع الاول ۱۴۱۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱ / ۳۹۱۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/۳/۹ھ

ملازم سے پردہ واجب ہے یا نہیں؟

سوال [۱۰۶۴۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرے خسر کی ہمراہ مشین پر ایک لڑکا شیعہ مذہب سے تعلق رکھنے والا کام کرتا تھا، بچہ ہونے کی وجہ سے آمد ورفت کا تعلق گھر کے اندر بھی تھا؛ لیکن اب وہ بچہ جوان ہوگیا ہے، اور اس کی شادی بھی ہوگئی ہے، اس کے یہاں بچہ کی پیدائش پر میری خوشدامن میری بیوی کو اس کے گھر لے گئیں، جب مجھے علم ہوا، تو میں نے ایکشن لیا اور کہا کہ شرعاً پردہ فرض ہے، اگر چہ وہ بچپن میں گھر کے اندر آتا جاتا تھا؛ اس لئے آپ کو بالکل لے جانے کا حق نہیں ہے، میری ساس نے غلطی کا اقرار کیا؛ لیکن میرے خسر نے مسئلہ پردہ بتانے پر برجستہ یہ کہا کہ یہ مولوی لوگ لوجھڑ (لایعنی باتیں) بتایا کرتے ہیں، تو حل طلب مسئلہ یہ ہے:

(۱) کیا اس شیعہ سے پردہ واجب ہے یا نہیں؟

(۲) میرے خسر نے مسئلہ بتانے پر جو کلمات اپنی زبان سے ادا کئے یہ کفریہ ہیں یا نہیں؟ اگر ہیں تو کیا تجدید نکاح ضروری ہوگا؟

المستفتی: محمد حذیفہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱)شیعہ مذہب کے اس اجنبی مرد کے سامنے سنی عورتوں کا بغیر کسی پردہ کے آنا جانا قطعاً جائز نہیں ہے، اس سے پردہ کرنا واجب ہے۔(مستفاد: امدادالفتاوی۴/۱۷۹)

منع النظر من الشابة في زماننا ولولا بشهوة. (روح المعاني، سورة الأحزاب: تحت تفسير الآية ٥٩، جزء ٢٢، مكتبه زكريا ١٢/١٢٨، در مختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في النظر والمس، كراچي ٦/٣٧٠، زكريا ٩/٥٣٢)

(۲) شرعی مسئلہ بتانے پر خسر کا ایسا جملہ استعمال کرنا نہایت خطرناک ہے، موجب کفر بھی بن سکتا ہے توبہ کر کے تجدید نکاح کر لینا چاہئے۔ (مستفاد: کفایت المفتی ۱/۳۵، جدید زکریا مطول ۱/۳۷۳)

وما فيه خلاف يؤمر بالاستغفار والتوبة، وتجديد النكاح. (در مختار ٤/٢٤٧)

وإذا كان الفقيه يذكر شيئًا من العلم أويروي حديثًا صحيحًا، فقال: آخر أين هيج نيست درده فهذا كفر. (عالمگيري، كتاب السير، الباب التاسع في أحكام المرتدين، زكريا قديم ٢/٢٧١، جديد ٢/٢٨٢، تاتارخانية، زكريا ٧/٣٣٤، رقم: ١٠٦٢٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۶/ربیع الثانی ۱۴۱۷ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۲/ ۴۷۹۹)	۱۴۱۷/۴/۲۶ھ

غیر محرم عورتوں کو چوڑی پہنانا

سوال [۱۰۶۴۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل

کے بارے میں: کہ چوڑی فروش کا کام کرنا اور غیر عورتوں کی کلائی پکڑ کر چوڑی پہنانا کیسا ہے؟ جائز ہے یا ناجائز؟

المستفتی: عنایت اللہ، گودھرا (گجرات)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: غیر محرم عورتوں کی کلائی پکڑ کر چوڑیاں پہنا نا حرام ہے، اگر پکڑتے وقت شہوت ابھر جائے، تو اس عورت کی نسل میں کسی لڑکی کے ساتھ نکاح ہمیشہ کے لئے ناجائز ہو جائے گا۔

فلا يحل مس وجهها، وكفها، وإن أمن الشهوة؛ لأنه أغلظ ولذا تثبت به حرمة المصاهرة. (الدر المختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في النظر والمس، كراچي ٦/٣٦٧، زكريا ٩/٥٢٨)

ولايحل له أن يمس وجهها، ولا كفها، وإن كان يأمن الشهوة. (هندية، كتاب الكراهية، الباب الثامن، زكريا قديم ٥/٣٢٩، جديد ٥/٣٨١، تاتارخانية، زكريا١٨/٩٥، رقم:٢٨١٤٧، المحيط البرهاني، المجلس العلمي بيروت ٨/٣٠، رقم:٩٥١٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/ذی قعدہ ۱۴۰۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۵/۱۵۶۰)

(٦) باب مایتعلق بالشعر (بالوں سے متعلق)

بال رکھنے کا مسنون طریقہ

سوال [۱۰۶۴۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ سر کے بال منڈانا سنت ہے یا مستحب یا پٹھے بال رکھنا سنت ہے یا مستحب؟ اور پٹھے بال رکھنے کی کیا حد ہے؟ اور کتنے طریقے ہیں؛ اس لئے کہ بعض لوگوں کو گردن کے اخیر تک پٹے رکھے ہوئے دیکھا ہے، اور بعضوں کو نصف گردن تک اور بعضوں کو سر کے آخری حصہ تک۔ مفصل طریقہ تحریر فرمائیں کہ پٹھے رکھنے کی صورت میں مذکورہ تینوں صورتوں میں کیا کیا حکم ہے؟

المستفتی: سعید احمد سیوانی، مدرسہ مظاہر علوم، سہارن پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حضور ﷺ عام طور پر جو بال رکھتے تھے، وہ کانوں کی لو تک ہوتے تھے، جس کو وفرہ کہا جاتا ہے اور کبھی لمبے ہو کر نصف گردن تک ہوتے تھے، جس کو لمہ کہا جاتا ہے اور کبھی کاٹنے میں تاخیر ہو جاتی، تو مونڈھوں کے قریب تک ہو جاتے تھے، جس کو جمہ کہا جاتا ہے، پھر کبھی کاٹ کر لو کے برابر کرتے تھے اور کبھی لو سے نیچے کاٹ دیتے تھے، مگر گردن تک چھوڑنے کا معمول نہیں تھا؛ بلکہ کاٹنے میں جب تاخیر ہو جاتی، تو وہاں تک پہونچ جاتے تھے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۴/ ۲۲۴)

لیکن طالبان علم دین کے لئے طالب علمی کے زمانہ میں مذکورہ تینوں قسموں میں سے کسی بھی ایک قسم کو اختیار کرنا مناسب نہیں ہے؛ بلکہ مونڈ وادے؛ کیونکہ منڈانا بھی سنت ہے یا برابر کر کے کٹادے۔

وفي رواية: كان يضرب شعره منكبيه، وفي رواية إلى أنصاف أذنيه، وفي رواية: بين أذنيه وعاتقه، قال أهل اللغة: الجمة الشعر الذي نزل إلى المنكبين، والوفرة: ما نزل إلى شحمة الأذنين، واللمة: التي لمت بالمنكبين- إلى- وذالک لإختلاف الأوقات. (نووي على هامش مسلم، باب صفة شعره صلى الله عليه وسلم، وصفاته، وحليته، النسخة الهندية ۲/۲۵۸، تحت رقم الحديث: ۲۳۳۷، عمدة القاري، دار أحياء التراث العربي ۲۲/۵۳، زكريا ۱۵/۹۹-۱۰۰، ارشاد الساري، دار الفكر ۸/۴٦۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍رجب المرجب ۱۴۱۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۲؍۴۹۴۴)

کیا بیچ سر میں مانگ نکالنا مرد وعورت دونوں کے لئے سنت ہے

سوال [۱۰٦۵۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ سر کے بالوں میں مانگ نکالنا سنت ہے، تو کیا یہ سنت مرد وعورت سب کے لئے عام ہے، یا مردوں کے ساتھ خاص ہے؟ نیز مشہور ہے کہ مرد سر کے بیچ میں مانگ نکالے اور عورت سر کے بائیں جانب کنارے پر مانگ نکالے۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ آپ اولاً سنت عمومی یا خصوصی کی وضاحت فرمادیں بعدہ مانگ کا محل متعین فرما کر مرد وعورت دونوں کے متعلق ممکن حد تک عربی عبارت کا صریح جزئیہ یا کوئی حدیث شریف اس نوعیت کی ہو، تو اسے بھی نقل فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

المستفتی: محمد شمیم قاسمی (مہاراشٹر)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سر کے بالوں میں مانگ نکالنا سنت ہے۔

عن عائشةؓ قالت: كنت إذا فرقت لرسول الله صلى الله عليه وسلم رأسه صدعت فرقة عن يافوخه، وأرسلت ناصيته بين عينيه. (مسند أحمد بن حنبل ٦/ ٢٧٥، رقم: ٢٦٨٨٧، ٦/ ٩٠، رقم: ٢٥١٠١، سنن أبي داؤد، باب ماجاء في الفرق، النسخة الهندية ٢/ ٥٧٦، دار السلام رقم: ٤١٨٩، مشكوة شريف ٣٨١)

اور یہ سنت سنت عمومی ہے؛ کیونکہ جب مردوں کے لئے مانگ نکالنا سنت ہے، تو عورتوں کے لئے بدرجہ اولیٰ ہے؛ اس لئے کہ عورت زیب وزیبائش کی زیادہ حقدار ہے۔ (مستفاد: مظاہر حق جدید ۵/ ۵۱۶)

نیز بیچ میں مانگ نکالنا مرد وعورت دونوں کے لئے سنت ہے، جیسا کہ لفظ حدیث عن یافوخہ سے پتہ چلتا ہے، ٹیڑھی مانگ نکالنا یہ متغربین کا طریقہ ہے۔ (فتاوی محمودیہ قدیم ۵/ ۱۰۳، جدید ڈابھیل ۱۹/ ۴۳۳)

اور عورتوں کے لئے ٹیڑھی مانگ نکالنے کی جو بات کہی گئی ہے وہ صحیح نہیں ہے۔

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/ محرم الحرام ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴/ ۶۴۴۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۹/ ۱/ ۱۴۲۱ھ

زیب وزینت کے لئے بار بار مانگ نکالنا اور مانگ نکالنے کا سنت طریقہ

سوال [۱۰۶۵۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) حدیث شریف میں جو روزانہ کنگھا کرنے کی ممانعت آئی ہے، اس کی کیا وجہ ہے؟ کیا حضور ﷺ ہر وضو کے بعد کنگھا کیا کرتے تھے، ایک شخص ہر وضو کے بعد کنگھا کرتا ہے، کیا از روئے شرع یہ ناجائز ہے؟

(۲) کیا مانگ نکالنا سنت ہے، اگر ہوتو وضاحت فرمائیں مانگ بیچ سر میں نکالنا سنت ہے، یا دائیں بائیں جانب عورت و مرد میں کوئی فرق ہو، تو وضاحت فرمائیں ایک صاحب کا کہنا کہ مرد کے لئے بیچ سر میں مانگ نکالنا سنت ہے، اگر درست ہے تو تصویب فرمائی جائے؟

وسط رأس اور دائیں بائیں جانب دونوں طرف مانگ نکالنا جائز ہے، تو بہتر کس طرف نکالنا ہے؟ بیچ سر میں یا دائیں بائیں جانب ہر جز کا جواب مدلل دیں۔

المستفتی: ضیاء الرحمٰن، چوہان بانگر، دہلی-۵۳

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: زیب وزینت کے لئے بار بار کنگھا کرنے کی ممانعت حدیث میں اس لئے آئی ہے کہ اس کی وجہ سے آدمی اپنی ذمہ داری سے آزاد ہوکر خود پسندی میں لگ جائے گا، ہاں البتہ بکھرے ہوئے بالوں اور ڈاڑھیوں کو کسی بھی وقت کنگھے سے درست کرنے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

المستفاد والمراد بالنهي عن المواظبة عليه والاهتمام به، فإنه مبالغة في التزئين وتهالک في التحسين. (حاشية مشكوة ۳۸۲)

عن أبي هريرةؓ أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: من كان له شعر فليكرمه. (سنن أبي داؤد، باب في اصلاح الشعر، النسخة الهندية ۲/۵۷۳، دار السلام رقم:۴۱۶۳، المعجم الأوسط، دار الفكر۶/۱۹۵، رقم:۸۴۸۵، مشكوة المصابيح ۲/ ۳۸۲)

(۲) مرد کے لئے بیچ سر میں مانگ نکالنا سنت ہے۔

عن عائشةؓ قالت: كنت إذا فرقت لرسول الله صلى الله عليه وسلم رأسه صدعت فرقة عن يافوخه، وأرسلت ناصيته بين عينيه. (مسند أحمد بن حنبل ۶/۲۷۵، رقم:۲۶۸۸۷، شمائل ترمذي۳، سنن ابن ماجه، النسخة الهندية ۲/۲۵۹،

دارالسلام رقم:٣٦٣٣، مسند أبي يعلي الموصلي، دار الكتب العلمية بيروت ٤/٤٦، ٢٤٣، رقم: ٤٣٩٦، ٤٧٩٨)

قوله أرسل ناصيته معناه أنها ترسل نصف الناصية في يمين ذلك الفرق والنصف الآخر في يساره عن بين عينيه، بأن يكون الفرق محاذ يا لما بين عينيه. (حاشية أبو داؤد ٢/٥٧٦)

والفرق سنة في الشعر (إلى قوله) أي وسط رأسه. (بذل المجهود، باب ماجاء في الفرق، دار البشائر الإسلامية ١٢/٢١٤، ٢١٥، سهارنپور قديم٥/٧٦)

عورت دائیں یابائیں جس طرف چاہے مانگ نکال سکتی ہے؛ جبکہ فساق کی مشابہت کے قصد سے خالی ہواورمحض زینت کے لئے ہو۔ (مستفاد: فتاوی احیاء العلوم ۳۰۵)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفااللہ عنہ
۲۷/ جمادی الثانی ۱۴۱۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۳/ ۵۳۵۷)

عورت مانگ کس طرح نکالے؟

سوال [۱۰۶۵۲]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مردوں کے لئے سر کے بیچ میں مانگ نکالنا سنت ہے،عورتوں کے لئے مانگ نکالنے کا کونسا طریقہ مسنون ہے؟

المستفتی: محمد ابراہیم، رام پوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس طرح مردوں کے لئے بیچ میں مانگ نکالنا مسنون ہے، اسی طرح عورتوں کے لئے بھی بیچ میں مانگ نکالنا مسنون ہے؛ کیونکہ حدیث میں مطلق رأس کا حکم ہے، جس میں مردوں اور عورتوں کی کوئی تخصیص نہیں ہے۔

والفرق سنة؛ لأنه الذي رجع إليه صلى الله عليه وسلم والظاهر إنه إنما رجع إليه بوحي. لقوله إنه كان يجب موافقة أهل الكتاب فيما لم يؤمر فيه-إلى-والحاصل أن الصحيح المختار جواز السدل. (مرقات، باب الترجل، امداديه ملتان ۸/۲۹۳، شرح الطيبي، كراچي ۸/۲٤۹، تحت رقم الحديث:٤٤٢٥، شرح النووي على مسلم، النسخة الهندية ۲/۲٥۸، تحت رقم الحديث:۲۳۳٦)

الفرق أي فرق شعر الرأس هو قسمته في المفرق، وهو وسط الرأس وأصله، من الفرق بين الشيئين والفرق مكان انقسام الشعر من الجبين إلى دارة وسط الرأس. (فتح الباري، باب الفرق، اشرفية ۱۰/٤٤۲، دار الفكر ۱۰/۳٦۱، تحت رقم الحديث: ٥۹۱۷، عمدة القاري، دار احياء التراث العربي ۲۲/٥٥، زكريا ۱٥/۱۰۳-۱۰٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍صفر المظفر ۱۴۲۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶/۷۹۳۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۲/۱۹ھ

لڑکیوں کے بال کس عمر تک مونڈنے کی اجازت ہے؟

سوال [۱۰۶۵۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ لڑکیوں کے سر کے بال کٹانے مونڈنے کا کیا حکم ہے؟ کتنے سال کی عمر تک سر کے بال کاٹے یا مونڈے جاسکتے ہیں؟

المستفتی: رئیس الدین، محلّہ ڈھاران، گڑھی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مطلقاً لڑکیوں کے بال کسی عذر مثلاً سر کے درد وغیرہ کی وجہ سے منڈوانے کٹوانے کی اجازت ہے اور بغیر کسی عذر کے کٹوانا منڈوانا مکروہ وناجائز ہے۔

ولو حلقت المرأة رأسها ،فإن فعلت بوجع أصابها لا بأس به، وإن فعلت ذلک شبهًا بالرجل فهو مکروه. (هندية، الباب التاسع عشر، في الختان، زکريا قديم ۵/ ۳۵۸، جديد ۵/ ۴۱۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍ جمادی الثانی ۱۴۱۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱/ ۴۰۳۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۷/ ۵/ ۱۴۱۵ھ

سفید بال مؤمن کا نور

سوال [۱۰۶۵۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ سفید بالوں کے بارے میں جو آیا ہے کہ یہ مؤمن کا نور ہے، مفتی صاب سے گذارش ہے کہ یہ روایت کن کتب احادیث میں ہے؟ بحوالہ نقل فرمادیں کرم ہوگا۔

المستفتی: محمد ناظر، بجنوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس روایت میں سفید بالوں کو مؤمن کا نور کہا گیا ہے، وہ مختلف کتب احادیث میں موجود ہے، ملاحظہ فرمائیں۔

عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده، أن النبي صلى الله عليه وسلم نهى عن نتف الشيب، وقال: إنه نور المسلم. (ترمذي شريف، باب ماجاء في النهي عن نتف الشيب، النسخة الهندية ۲/ ۱۰۹، درا السلام رقم: ۲۸۲۱)

عن عمرو بن شعيب عن جده أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لا تنتفوا الشيب، فإنه نور المسلم، من شاب شيبة في الإسلام كتب الله له بها حسنة وكفر عنه بها خطيئة ورفعه بها درجةً. (مسند أحمد ۲/ ۲۱۰، رقم: ۶۹۶۲، ۲/ ۱۷۹، رقم: ۶۶۷۲)

عن فضالة بن عبيد أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: من شاب شيبة في الإسلام كانت له نوراً يوم القيامة، فقال رجل: إن رجالاً ينتفون الشيب، فقال: رسول الله صلى الله عليه وسلم: من شاء نتف شيبه، أو قال: نوره وفي رواية ابن لهيعة: من شاء فلينتف نوره. (شعب الإيمان للبهيقي، فصل في كراهية نتف الشيب، دار الكتب العلمية بيروت ٥/ ٢١٠، رقم:٦٣٨٨)

عن عمرو بن عبسة السلمي سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: من شاب شيبةً في الإسلام، أو قال في سبيل الله كانت له نورًا يوم القيامة ما لم يخضبها، أو ينتفها. (شعب الإيمان للبيهقي، فصل في كراهية نتف الشيب، دار الكتب العلمية بيروت ٥/ ٢١٠، رقم:٦٣٨٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰/ ۱۱۵۰۶)

سفید بال والے اور تین قسم کے لوگوں کے اعزاز واکرام کا لزوم

سوال [۱۰۶۵۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ تین قسم کے لوگوں کا اعزاز و اکرام کرنا درحقیقت اللہ تعالیٰ کی عظمت دل میں پیدا کرتا ہے۔(۱) سفید بال والے (۲) عادل بادشاہ، (۳) عالم دین۔ مفتی صاحب سے گذارش ہے کہ از راہ کرام یہ حدیث کتب احادیث کے حوالوں سے نقل فرما دیں۔

المستفتی: محمد عادل، بجنوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ روایت جس میں یہ مضمون وارد ہوا ہے کہ

تین قسم کے لوگوں کا اعزاز واکرام کرنا درحقیقت اللہ تعالیٰ کی عظمت دل میں پیدا کرنا ہے۔ درج ذیل کتب احادیث میں موجود ہے۔

عن أبي هريرةؓ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن من تعظيم جلال الله عزو جل إكرام ذي الشيبة في الإسلام، وإن من تعظيم جلال الله إكرام الإمام المقسط. (شعب الإيمان للبيهقي، باب في رحم الصغير وتوقير الكبير، دار الكتب العلمية بيروت ٧/ ٤٦٠، رقم: ١٠٩٨٨)

عن أبي موسىٰ الأشعريؓ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن من إجلال الله إكرام ذي الشيبة المسلم، وحامل القرآن غير الغالي فيه، والجافي عنه وإكرام ذي السلطان المقسط. (أبو داؤد، باب في تنزيل الناس منازلهم، النسخة الهندية ٢/ ٦٦٥، دار السلام رقم: ٤٨٤٣، كذا في مصنف ابن أبي شيبة، مؤسسه علوم القرآن جديد ١٧/ ٣٨٠، رقم: ٣٣٢٢٨)

عن أبي أمامةؓ عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: ثلاثة لا يستخف بحقهم إلا منافق ذو الشيبة في الإسلام وذو العلم، وإمام مقسط.
(المعجم الكبير، دار أحياء التراث العربي ٨/ ٢٠٢، رقم: ٧٨١٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳ ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰/ ۱۱۵۰۷)

غیر مجاہدین کے لئے مونچھیں بڑھانا

سوال [۱۰۶۵۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بعض آدمی مونچھیں اوپر چڑھاتے ہیں، اس طرح اوپر چڑھانا غیر مجاہدین کے لئے جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: زبیر عالم، شاہدرہ- دہلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شریعت میں اصل حکم تو داڑھی بڑھانے اور موچھیں کتروانے کا ہے، مگر مجاہدین کے لئے مونچھیں بڑھانے کی گنجائش ہے تاکہ دشمن دیکھ کر مرعوب وخائف ہو، غیر مجاہدین کے لئے زیادہ مونچھیں بڑھانا جائز نہیں ہے۔

عن عامر بن عبد اللہ بن الزبیر أن عمر بن الخطابؓ کا ن إذا غضب فتل شاربه ونفخ. (المعجم الکبیر للطبراني، دار أحیاء التراث العربي ۱/۶٦، رقم:٥٤)

قالوا لابد عن طول الشارب للغزاۃ؛ لیکون أهیب في أعین العدو، کذا في الغیاثیة. (الهندیة، الباب التاسع عشر في الختان، و الخصاء...... زکریا قدیم ٥/٣٥٨، جدید ٥/٤١٤، المحیط البرهاني، المجلس العلمي ٨/٧٨، رقم: ٩٦٥٥)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲ / ربیع الاول ۱۴۱۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۵۲۰۶/۳۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۳/۲ھ

سر پر دو چوٹیاں باندھنا

سوال [۱۰۶۵۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عورت کے سر کے اگلے حصہ کے بال چھوٹے ہوں اور ایک چوٹی میں اچھی طرح پکڑے نہ جانے کی وجہ سے بار بار بکھر کر دوپٹہ سے باہر آجاتے ہوں، تو بالوں کی حفاظت اور انہیں نامحرم کے سامنے کھلنے سے بچانے کے لئے اگر وہ دو چوٹیاں ڈالا کرے، تو شرعاً کوئی قباحت تو نہیں ہے؟

المستفتی: مفتی ابرار الحق، لاتور، مہاراشٹر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دوچوٹیاں باندھنے یاسنگار کرنے میں بالوں کی حفاظت اورنامحرم کی نگاہ سے بچانے کے علاوہ کافر یا فاسق لوگوں کی اتباع یا فیشن کی کوئی نیت نہیں ہے، تو شرعًا اس کی اجازت ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۱۴۲/۵، جدید ڈابھیل ۴۳۹/۱۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲ر محرم الحرام ۱۴۱۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۳۸۵/۳۲)

مجیب کا جواب صحیح ہے

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نیز صحابیہ عورتیں بھی اپنے اپنے سروں پر دویا اس سے زیادہ چوٹیاں باندھنے میں کسی قسم کی قباحت نہیں سمجھتی تھیں۔ حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ میرے سر پر کئی کئی چوٹیاں ہونے کی وجہ سے بار بار غسل جنابت کے لئے سب کوکھولنا دشوار ہوگیا تھا۔

عن أم سلمةؓ، قال: قلت يا رسول الله! إني امرأة أشد ضفر رأسي فأنقضه لغسل الجنابة الحديث (صحيح مسلم، باب حكم ضفائر المغتسلة، النسخة الهندية ١٤٩/١، بيت الأفكار رقم: ٣٣٠، سنن الترمذي، باب هل تنقض المرأة شعرها عند الغسل، النسخة الهندية ١٦/١، دار السلام رقم: ١٠٥، سنن أبي داؤد، باب المرأة هل تنقض شعرها عند الغسل، النسخة الهندية ٣٣/١، دار السلام رقم: ٢٥١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ر ربیع الاول ۱۴۱۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۳۸۵/۳۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۹/۳/۱۴۱۶ھ

عورتوں کا دو چوٹیاں باندھنا

سوال[۱۰۶۵۸]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کیا عورتیں دو چوٹیاں باندھ سکتی ہے، جیسے ہندولڑکیاں دو چوٹیاں باندھتی ہیں؟ اگر نہیں تو عورت کے مرنے کے بعد اس کے سر کے بالوں کے دو حصے کرنے کے بعد دائیں بائیں سینہ پر اس کے بال کیوں ڈال دیئے جاتے ہیں، مثبت یا منفی جواب تحریر فرماتے وقت دلیل ضرور تحریر فرمائیں۔

المستفتی: عبدالوحید، امروہی، مکان ۱۴/۱ امروہہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: دو یا زائد چوٹیاں باندھنے کا جواز حدیث سے ثابت ہے، اور صحابیہ عورتوں کا کئی چوٹیاں باندھنا اور حضور ﷺ کا نکیر نہ فرمانا ثابت ہے، ہندو عورتیں دو چوٹیاں باندھتی ہیں، تو اس سے مسلم عورتوں کا ہندو عورتوں کے ساتھ مشابہت اختیار کرنا لازم نہیں آتا؛ کیونکہ یہ مسلم عورتوں کا پرانا طریقہ زینت ہے، جیسا کہ اگر یہودی اور سکھ ڈاڑھی رکھتے ہیں، تو مسلمانوں پر ڈاڑھی کی ممانعت نہیں ہے؛ اس لئے کوئی اشکال نہیں ہونا چاہئے۔

عن أم سلمة أن امرأة جاءت إلى أم سلمةؓ بهذا الحديث قالت: فسألت لها النبي صلى الله عليه وسلم بمعناه، قال فيه: واغمزي قرونك عند كل حفنة. (سنن أبي داؤد، باب في المرأة هل تنقض شعرها عند الغسل، النسخة الهندية ۱/۳۳، دار السلام رقم: ۲۵۲)

سبحان من زين الرجال باللحي والنساء بالذوائب. (كشف الخفاء، دار الكتب العلمية بيروت ۱/۳۹۳، رقم: ۱٤٤٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۲۳۲/۲۶)

مسلم عورتوں کا مانگ میں افسا لگانا

سوال [۱۰۶۵۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہندوؤں کی عورتیں اپنی مانگ میں سیندور لگاتی ہے، تو کیا مسلمان عورتیں سیندور کی جگہ اپنی مانگوں پر کوئی اور چیز مثلاً افسا (ایک سنہری چیز ہوتی ہے) اسے استعمال کرسکتی ہیں یا نہیں؟

المستفتی: محمد کلیم الدین، پرتا بگڈھی، متعلم: دورۂ حدیث مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بہتر اور افضل یہی ہے کہ مسلمان عورتیں اپنی مانگ پر کسی قسم کا رنگ نہ لگائیں، اس سے غیروں کی مشابہت آجاتی ہے؛ البتہ شوہر کو خوش کرنے کے لئے جس طرح بھی چاہے مانگ نکال کر زیب وزینت کرسکتی ہیں اور پیشانی کے اوپر مانگ کے بیچ میں کسی طرح کا رنگ لگانا غیر مسلم عورتوں کا شعار اور علامت ہے؛ اس لئے کسی بھی طرح کا رنگ مانگ میں لگانا مسلم عورتوں کے لئے مناسب نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۱/۲۹۳، جدید ڈابھیل ۱۹/۵۵۷)

عن ابن عمرؓ قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: من تشبہ بقوم فھو منھم. (سنن أبي داؤد، باب في لبس الشھرة، النسخة الھندية ۲/۵۵۹، دار السلام رقم: ۴۰۳۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/صفر المظفر ۱۴۲۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷/۸۷۲۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۲/۲۲ھ

بچیوں کے سروں پر پھول باندھنے اور دو چوٹیوں کا حکم

سوال [۱۰۶۶۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ بچیوں کے سروں پر جو پھول باندھ دیتے ہیں جو کہ عام رواج ہوگیا ہے، دوسرے چوٹی باندھنا اس کا جواز ہے یا حرام ہے؟

المستفتی: نورالعابدین، بارودگران،نولگڑھ(راجستھان)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: پھول زینت کی چیز ہے،اس کولڑکیوں کی چوٹیوں میں لگانے میں کوئی حرج نہیں اوردو یا زیادہ چوٹیاں باندھنا صحابیہ عورتوں سے ثابت ہے۔

عن أم سلمةؓ، قالت: قلت یا رسول اللّٰہ! إني امرأة أشد ضفر رأسي فأنقضه لغسل الجنابة الحديث (صحيح مسلم، باب حكم ضفائر المغتسلة، النسخة الهندية ١/١٤٩، بيت الأفكار رقم: ٣٣٠، مسند الدارمي، دار المغني ١/٧٤٣، رقم: ١١٩٦) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍ذی الحجہ ۱۴۱۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۸؍۲۹۱۳)

گدی یا گردن کے بال استرے سے صاف کرنا کیسا؟

سوال [۱۰٦٦۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ گدی اور گردن کے بال استرے سے صاف کرانا کیا حکم شرعی رکھتا ہے؟

المستفتی: محمد ابرہیم، رام پوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: گدی الگ عضوء ہے اور اس سے ہٹ کر گردن دوسرا الگ عضوء ہے اور گدی سر کے پیچھے کا حصہ ہے،اور گردن کان کی لو کے بعد سے شروع ہوتی ہے؛ لہٰذا گدی کے بال استرے سے صاف کردیا جائے اور سر کا بقیہ حصہ صاف نہ

کرے، تو یہ قزعہ میں داخل ہو کر نا جائز اور ممنوع ہے اور صرف گردن کے بال استرے سے صاف کرلیا جائے، تو بلا کراہت جائز اور درست ہے؛ اس لئے کہ یہ قزعہ میں داخل نہیں ہے۔

(مستفاد: امداد الفتاوی، زکریا ۴/۲۲۴، فتاوی رشیدیہ جدید ۲/۶۷۳، ص: ۱۹۷، رشید قدیم ۵۹۰، جدید زکریا ۵۸۷، احسن الفتاوی ۸/۷۶)

عن ابن عمر أن النبي صلى الله عليه وسلم نهي عن القزع، وهو أن يحلق رأس الصبي فتترك له ذؤابة. (سنن أبي داؤد، باب في الذوائبة، النسخة الهندية ۲/ ۵۷۷، دار السلام رقم: ۴۱۹۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/ رجب المرجب ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۱/ ۱۲۰۰۳)

سینہ کے بال صاف کرنا کیسا؟

سوال [۱۰۶۶۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بعض لوگوں کے سینہ پر زیادہ بال ہوتے ہیں، اس کو صاف کرنا کیسا ہے؟ اور اس کا شرعی حکم کیا ہے؟

المستفتی: محمد عادل، سیوہاروی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سینہ کے بال صاف کرنا جائز اور درست ہے، تاہم یہ خلاف ادب ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۴/ ۲۲۴، محمودیہ میرٹھ ۲۷/ ۴۲۷، فتاوی دار العلوم ۱۶/ ۲۳۴، محمودیہ ڈابھیل ۱۹/ ۴۴۴، کتاب الفتاوی ۶/ ۱۴۳)

وفي حلق شعر الصدر والظهر ترک الأدب. (هندية، الباب التاسع عشر، زكريا قديم ۵/ ۳۵۸، جديد ۵/ ۴۱۴، الموسوعة الفقهية الكويتية ۱۸/ ۱۰۰)

وفي اليتيمة: سألت أبا الفضل عمن حلق شعر صدره، أو ظهره هل له ذلک؟ فقال: هو تارک الأدب. (تاتارخانية، زکريا ١٨/ ٢١١، رقم: ٢٨٥٤١)

وفي حلق شعر الصدر والظهر ترک الأدب، كذا في القنية.

(شامي، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره، زکريا ٩/ ٥٨٣، کراچي ٦/ ٤٠٧)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۵۰۹/۴۰)

عورت کا شوہر کو خوش کرنے کے لئے بدن کے بال صاف کروانا

سوال [۱۰۶۶۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بیوٹی پارلر میں عورتیں اپنے بدن کے بالوں کو صاف کروانے جاتی ہیں، بعض عورتوں کے ہاتھ، پیر میں بال زیادہ ہوتے ہیں، جس کو شوہر پسند نہیں کرتا ہے، اسی طرح اس کے چہرہ اور بھوں میں بال شوہر پسند نہیں کرتا ہے، تو کیا شوہر کو خوش کرنے کے لئے عورتیں ایسا کرسکتی ہیں یا نہیں؟

المستفتی: محمد ابراہیم، رام پوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عورت شوہر کی خوشنودی ورضاء کی خاطر ہاتھ پیروں کے بال اور چہرہ سے رواں وغیرہ صاف کرسکتی ہے، فقہاء کرام نے اس کی اجازت دی ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ ڈابھیل ۱۹/ ۴۴، میرٹھ ۲۷/ ۴۷، دینی مسائل اوران کا حل ۳۱۹، آپ کے مسائل اوران کا حل ۸/ ۳۲۳)

ولابأس أن تعرّي المرأة عن الشعر. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في النظر واللمس، زکريا ٩/ ٥٣٦، کراچي ٦/ ٣٧٣)

عن أم سلمةؓ، أن النبي صلى الله عليه وسلم كان إذا أطلي بدأ بعورته، فطلاها بالنورة، وسائر جسده أهله. (سنن ابن ماجه، باب الاطلاء بالنورة، النسخة الهنديد ۲/ ۲٦٦، دار السلام رقم: ۳۷٥۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۵۲۲/۴۰)

بیوی کوخوش کرنے کے لئے سینہ کے بال صاف کرنا

سوال [۱۰٦٦۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بعض لوگوں کے بدن میں بہت زیادہ بال ہوتے ہیں، جیسے چہرہ، سینہ، پیر، ہاتھ وغیرہ تو اپنے بدن کے بالوں کو صاف کرکے ٹھیک کرسکتا ہے یا نہیں؟ بسا اوقات بیوی اس کو قطعاً پسند نہیں کرتی، تو اس کے لئے کیا حکم ہے؟

المستفتی: محمد ابراہیم، رام پوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جن لوگوں کے بدن پر بہت زیادہ بال ہوتے ہوں، تو ان کے لئے بدن کے بالوں کو صاف کرنے کی اجازت ہے اور بیوی کو خوش کرنے کے لئے بھی بلا کراہت جائز ہے اور بلا ضرورت خلاف ادب ہے اور ضرورۃً جائز ہے۔ (مستفاد: فتاوی دارالعلوم ۱٦/ ۲۳۴، کتاب الفتاوی ٦/ ۱۴۳، محمودیہ ڈابھیل ۱۹/ ۴۴۴، میرٹھ ۲/ ۴۷۲، امداد الفتاوی ۴/ ۲۲۴)

لا بأس بأخذ الحاجبين، وشعر وجهه ما لم يشبه بالمخنث. وفي حلق شعر الصدر، والظهر ترك الأدب. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، باب الإستبراء وغيره، زكريا ۹/ ۵۸۳، كراچي ٦/ ۴۰۷، هندية، زكريا قديم ۵/ ۳۵۸، جديد ۵/ ۴۱۴، الموسوعة الفقهية الكويتية ۱۸/ ۱۰۰)

وفي اليتيمة: سألت أبا الفضل عمن حلق شعر صدره، أو ظهره

هل له ذلک؟ فقال: هو تارک الأدب. (تاتارخانية، زکریا ۱۸/ ۲۱۱، رقم: ۲۸٥٤۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱؍جمادی الثانیہ ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰؍۱۱۵۵۱)

بال کٹوانے کے بعد سر پر استرہ پھیرنا

سوال [۱۰۶۶۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ سر کی کٹنگ یا مشین پھرانے کے بعد استرہ سے گدی پر گردہ سا بنانے کا رواج ہے کیا یہ درست ہے؟

المستفتی: محمد یونس احمد، گڑھ (پنجاب)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سر کے بال قینچی سے صاف کرنے کے بعد گردن یا کان پر استرہ پھیرنے کو فقہاء نے مکروہ لکھا ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۴؍۲۲۳، فتاوی رشیدیہ قدیم ۵۹۱، جدید زکریا ۵۸۲)

عن أبي حنيفةؒ يكره أن يحلق قفاه إلا عند الحجامة، كذا في الينابيع.

(عالمگیري، الباب التاسع عشر، زکریا قدیم ٥/٣٥٧، جدید ٥/٤١٣، حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، دار الکتاب دیوبند ٥٢٦، الموسوعة الفقهية الکویتية ١٨/٩٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶؍ربیع الاول ۱۴۱۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۲؍۴۷۴۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۶؍۳؍۱۴۱۷ھ

سر منڈانا کیسا ہے؟

سوال [۱۰۶۶۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بندہ نے غنیۃ الطالبین ۸۰/ پر پڑھا ہے، جس میں لکھا ہے، حج اور عمرہ اورضرورت کے سوا امام احمدؒ کے نزدیک سر منڈانا برا ہے اورایک روایت حضور ﷺ سے منقول ہے کہ جس نے سر منڈایا وہ مجھ سے نہیں۔ دار قطنی نے جابر بن عبداللہ سے روایت کی ہے کہ آقا نے فرمایا کہ حج وعمرہ کے سوا بال نہ منڈوایا جائے، سر کے بال منڈوانے والے میں خارجیوں کی علامت پائی جاتی ہے، حضرت ابن عباس روایت کرتے ہیں، اگر کسی کا سر منڈا ہوا دیکھ لو، تو سمجھو اس میں شیطان کی خاصیت ہے؛ کیونکہ سر منڈانے والا اپنے آپ کو عجم کی ہم صورت بناتا ہے اور آقا کا فرمان ہے کہ جو شخص اپنی صورت کو دوسری قوم کے مشابہ بنائے وہ اسی قوم سے ہے، جو روایت بیان کی گئی ہیں، اس سے سر منڈانے کی ممانعت ثابت ہوتی ہے، آپ قرآن وحدیث کی روشنی میں مسئلہ کی وضاحت فرمائیں۔

المستفتی: نورالزماں، لالباغ، مدرسہ ہذا

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سائل نے غنیۃ الطالبین کے حوالے سے سر منڈانے کی کراہت اور ممنوعیت سے متعلق جو روایتیں نقل فرمائی ہیں، وہ اپنی اپنی جگہ صحیح طور پر موجود ہیں۔ اور ان تمام روایات سے یہی بات ثابت ہوتی ہے کہ حج وعمرہ کے علاوہ سر منڈانا نہ مسنون ہے، نہ مستحب ہے، نہ بہتر سمجھا گیا ہے اور سر منڈانے سے متعلق حضور اکرم ﷺ سے اور صحابہ سے سنن عادیہ کے طور پر بھی باوجود جستجو اور تلاش کے کوئی روایت دستیاب نہیں ہوسکی، صرف حضرت علیؓ کا وہ عمل جو غسل جنابت سے متعلق مروی ہے وہ دستیاب ہوا کہ غسل جنابت میں اگر بال برابر بھی جگہ باقی رہ جائے، تو غسل درست نہیں ہوتا، اس پر

حضرت علیؓ نے فرمایا کہ جب سے میں نے یہ ارشاد سنا، اس وقت سے میں نے اپنے سر سے عداوت کرلی ہے، حضرت علیؓ کی اس روایت کا کیا مطلب ہے؟ محدثین نے اس سلسلے میں دوطرح کی تشریح فرمائی ہے:

(۱) اس سے مراد یہی ہے کہ حضرت علیؓ اس دن کے بعد سے سر منڈالیا کرتے تھے۔

(۲) بعض محدثین نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ اس دن کے بعد سے حضرت علیؓ سر کے بالوں کو جڑ سے کاٹ دیا کرتے تھے منڈاتے نہیں تھے۔ نیز غنیۃ الطالبین میں جہاں سوالنامہ میں نقل کردہ روایات کا ذکر ہے، وہاں پر اس سے متصل سر منڈانے کی اباحت سے متعلق بھی دو روایتیں نقل کی گئی ہیں اور ایک روایت ابوداؤد شریف میں ہے، وہ بھی اس بارے میں واضح نہیں ہے۔

(۱) وہ روایت ہے جس میں حضرت جعفرؓ کے غزوۂ موتہ میں شہید ہونے کے موقع پر ان کے بچے اور گھر والے منع کرنے کے باوجود رو رہے تھے، آخر حضور ﷺ نے ان کو بلا کر سزا کے طور پر سب کے سر منڈاوئے۔

(۲) دوسری روایت ابوداؤد شریف کی ہے، جس میں اس بات کا ذکر ہے کہ کسی نے اپنے بچے کے سر کے بال کو انگریزوں کی طرح آدھا سر کٹوادیا اور آدھا سر باقی چھوڑ دیا، تو حضور ﷺ نے فرمایا تو پورا منڈادو یا پورا چھوڑ دو ایک روایت غنیۃ الطالبین میں وہ بھی نقل کی ہے، جس میں حضور ﷺ کا آخری عمر میں سر منڈانے کا ذکر ہے اور آخر عمر میں سر منڈانے سے مراد حجۃ الوداع کے موقع پر سر منڈانا اور حج سے واپسی کے دو مہینہ بعد آپ ﷺ کی وفات ہوگئی ہے۔

اب دونوں قسم کی روایات کو سامنے رکھنے کے بعد یہی بات ثابت ہوتی ہے کہ سر منڈانا نہ مسنون ہے، نہ مستحب ہے اور نہ ہی امر مستحسن ہے، ہاں البتہ حضرت علیؓ کے عمل سے یہ بات ثابت ہوتی ہے غسل کی آسانی کے لئے سر منڈادیا جائے، تو کوئی قباحت نہیں ہے، مباح اور جائز ہے؛ لہٰذا سر منڈانے کو مسنون نہ سمجھتے ہوئے، اگر کوئی شخص سر منڈاتا ہے،

تو اس کے اوپر کوئی نکیر بھی نہ ہونی چاہئے، مگر افضل یہی ہے کہ سر نہ منڈایا جائے۔ اب دونوں طرح کی روایات ذیل میں درج ہیں ملاحظہ ہو:

(۱) عن جابرؓ عن النبي صلی اللّٰہ علیه وسلم قال: لا توضع النواصي إلا في حج، أو عمرة. (المعجم الأوسط للطبراني، دار الفکر ٦/ ٤٨٠، رقم: ٩٧٥، غنية الطالبين ٣٧، حاشية بذل المجهود حجازي ١٧/ ٧٨)

(۲) عن ابن عباسؓ أنه قال: الذي يحلق في المصر خليق بالشيطان. (غنية الطالبين ٣٧)

(۳) قال ابن عباسؓ الذي يحلق رأسه في المصر شيطان. (حاشية بذل المجهود حجازي ١٧/ ٧٨)

(٤) وقال عمر لصبغ لو وجدتک محلوقًا لضربت الذي فيه عيناک بالسيف. (حاشية بذل المجهود حجازي ١٧/ ٧٨، غنيةالطالبين ٣٧، لکن لم يذکر بالسيف)

(٥) عن أبي سعيدن الخدري عن النبي صلی اللّٰہ علیه وسلم قال: يخرج ناس من قبل المشرق ويقرؤن القرآن لا يجاوز تراقيهم يمرقون من الدين کما يمرق السهم من الرمية، ثم لا يعودون فيه حتی يعود السهم إلی فوقه، قيل: ما سيما هم؟ قال: سيما هم التحليق، او قال التسبيد. (بخاري شريف، باب قراءة الفاجر والمنافق......النسخة الهندية ٢/ ١١٢٨، رقم: ٧٢٦١، ف: ٧٥٦٢)

(٦) روي في حديث أبي موسیٰ، وعبيد بن عميرؓ عنهما عن النبي صلی اللّٰہ علیه وسلم أنه قال: ليس منا من حلق. (غنية الطالبين ٣٧)

اباحت کی روایات ملاحظہ ہو جو کسی نہ کسی علت کے ساتھ معلول ہیں۔

(۱) عن عليؓ قال: ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم قال: من ترک موضع شعرة من جنابة لم يغسلها فعل بها کذا وکذا من النار،

قال عليؓ: فمن ثم عاديت رأسي، فمن ثم عاديت رأسي، فمن ثم عاديت رأسي، وكان يجز شعره رضي الله عنه. (أبو داؤد شريف، باب في الغسل من الجنابة، النسخة الهندية ۱/۳۳، دار السلام رقم: ۲۴۹، سنن الدارمي، دار المغني ۱/۵۸۰، رقم: ۷۸، مسند أحمد بن حنبل ۱/۱۰۱، رقم: ۷۹٤)

(۲) عن عبد الله بن جعفر أن النبي صلى الله عليه وسلم أمهل آل جعفر ثلاثًا، أن يأتيهم، ثم أتاهم، فقال: لاتبكوا على أخي بعد اليوم، ثم قال ادعو إلى بني أخي، فجئ بنا كأنا أفرخ، فقال: أدعوا لي الحلاق، فأمره فحلق رؤوسنا. (أبو داؤد شريف، باب في حلق الراس، النسخة الهندية ۲/۵۷۷، دار السلام رقم: ٤۱۹۲، المعجم الكبير للطبراني، دار أحياء التراث العربي ۲/۱۰۵، رقم: ۱٤٦۱، ۱۳/۷۹، رقم: ۱۹٤، مشكوة شريف ۲/۳۸۲، غنية الطالبين ۳۸)

(۳) عن ابن عمر أن النبي صلى الله عليه وسلم رأي صبيًا قد حلق بعض رأسه وترك بعضه، فنهاهم عن ذالک، فقال: احلقوه كله، أواتركوه كله. (أبو داؤد، باب في الذوائبة، النسخة الهندية ۲/۵۷۷، دار السلام رقم: ٤۱۹۵، مشكوة ۲/۲۸۰)

(٤) روي أن النبي صلى الله عليه وسلم حلق رأسه في آخر عمر بعد أن كان شعره يضرب منكبيه. (غنية الطالبين ۳۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍محرم الحرام ۱۴۲۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷؍۸۶۶۵)

سفید بالوں پر پیلا خضاب لگانا زیادہ بہتر ہے یا سفید حالت میں چھوڑ دینا؟

سوال [۱۰۶۶۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ بڑھاپے میں سفید بالوں پر خضاب لگانا بہتر ہے یا ان کو بغیر خضاب کے یوں ہی چھوڑے رکھنا زیادہ بہتر ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دے کر کرم فرمائیں۔

المستفتی: محمد عادل، سیوہاروی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: متعدد روایات میں سفید بالوں کی فضیلت وارد ہوئی ہے، مثلاً آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ اگر انسان نے اپنے سفید بالوں پر خضاب نہ لگایا ہو، تو یہ بال بروز قیامت اس کے لئے نور ہوں گے اور آپ علیہ السلام سے سفید بالوں پر حضاب لگانے سے متعلق روایات مختلف ہیں؛ لہٰذا سفید بالوں پر خضاب لگانا اور نہ لگانا دونوں جائز ہے؛ لیکن افضل یہی ہے کہ ان پر حضاب نہ لگایا جائے؛ بلکہ ان کو یوں ہی چھوڑ دیا جائے؛ کیونکہ حضور ﷺ نے اپنے سفید بالوں پر کبھی کبھی پیلا حضاب لگایا ہے، مگر زیادہ تر حالات اور اکثر اوقات میں پیلا خضاب نہ لگا کر سفید حالت میں چھوڑے رکھا ہے۔

والمختار أنه رسول الله صلى الله عليه وسلم صبغ في وقت، وتركه في معظم الأوقات. (شرح النووي على المسلم ۲/۲۵۹)

ويحمل حديث من أثبت الخضاب على أنه عليه السلام فعل ذالک أحيانا ولم يواظب عليه. (تكملة فتح الملهم ٤/٥٥٩)

عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده أن النبي صلى الله عليه وسلم نهي عن نتف الشيب، وقال: إنه نور المسلم. (ترمذي شريف، باب ماجاء في النهي عن نتف الشيب، النسخة الهندية ۲/۱۰۹، دار السلام رقم:۲۸۲۱، مسند أحمد بن حنبل ۲/۲۱۰، رقم: ٦٩٦٢)

عن عمرو بن عنبسة السلميؓ سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: من شاب شيبة في الإسلام، أو قال: في سبيل الله كانت له نورًا يوم القيامة مالم يخضبها، أوينتفها. (شعب الإيمان، فصل في كراهية نتف الشيب، دارالكتب العلمية بيروت ٥/۲۱۰، رقم: ٦٣٨٩)

عن ثابت عن أنسؓ أنه سئل عن خضاب النبي صلى الله عليه وسلم، فذكر أنه لم يخضب؛ ولكن قد خضب أبو بكرؓ، وعمرؓ. (أبو داؤد شريف، باب في الخضاب،النسخة الهندية ۲/ ۵۷۸، دار السلام رقم: ۴۲۰۹)

عن عثمان بن عبد الله بن موهبؓ، قال: دخلت على أم سلمةؓ، فأخرجت إلينا شعرًا من شعر النبي صلى الله عليه وسلم مخضوباً. (بخاري شريف، باب ما يذكر في الشيب ۲/ ۸۷۵، رقم: ۵۸۹۷، ف:۵۶۶۸)

عن بن عمرؓ، أن النبي صلى الله عليه وسلم كان يلبس النعال السبتية ويصفر لحيته بالورس، والزعفران. (أبوداؤد شريف، باب ما جاء في خضاب الصفرة، النسخة الهندية ۲/ ۵۷۸، دار السلام رقم: ۴۲۱۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ صفر المظفر ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۴۴۹/۴۰)

سیاہ خضاب کی شرعی حیثیت

سوال [۱۰۶۶۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ سیاہ خضاب لگانا حرام ہے یا مکروہ تحریمی یا مکروہ تنزیہی؟ بعض روایات سے کالا خضاب لگانا بلا کراہت جائز معلوم ہوتا ہے اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ کالا خضاب لگانا جائز نہیں ہے۔ حضرت تھانویؒ اور حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحبان کے بعض فتاوی سے مکروہ تنزیہی اور خلاف اولیٰ معلوم ہوتا ہے اور ان دونوں بزرگوں کے بعض فتاوی سے حرام یا مکروہ تحریمی اور موجب فسق معلوم ہوتا ہے، تو گذارش یہ ہے کہ کالا خضاب لگانے والے کی امامت کا کیا حکم ہے؟ اور اس کے پیچھے نماز بلا کراہت جائز ہے یا مکروہ ہے، مفتی صاحب سے گذارش ہے کہ اس مسئلہ پر خاص توجہ فرما کر جو بھی شرعی حکم ہو واضح فرمادیں نوازش ہوگی۔

المستفتی: عبید اللہ دریا پور، بھاگلپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سرخ اور پیلا خضاب لگانا بالاتفاق جائز ہے، اختلاف سیاہ خضاب کے متعلق ہے، جہاد میں سیاہ خضاب لگانا بالاتفاق جائز ہے اور جہاد کے علاوہ دیگر حالات میں عامۃ المشائخ کے نزدیک مکروہ ہے اور حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک بیوی کو خوش کرنے کی خاطر بلا کراہت جائز ہے، حضرت تھانویؒ نے امداد الفتاوی ۴/۲۱۳/ پر اس موضوع سے متعلق سب سے پہلا فتوی جو لکھا ہے، اس کا حاصل یہی ہے، آگے چل کر کہیں مکروہ تحریمی اور کہیں حرام کے الفاظ استعمال کیے ہیں، حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ نے بھی فتاوی دار العلوم میں اس موضوع پر چار جوابات دیئے ہیں، فتاوی دار العلوم ۱۶/۲۴۰-۲۴۱/ میں چار جوابات کے شروع میں تین جوابات جو دیئے ہیں، ان کا حاصل بھی یہی ہے کہ سیاہ خضاب اکثر مشائخ کے نزدیک مکروہ ہے اور بعض مشائخ عدم کراہت کے بھی قائل ہیں۔ بہر حال اجتناب بہتر ہے اور مبسوط سرخسی ۱۰/۱۹۹/ میں یہ جزئیہ موجود ہے۔

وأما من اختضب لأجل التزئين للنساء، والجواري، فقد منع من ذالک، بعض العلماء رحمهم الله تعالىٰ والأصح، أنه لا بأس به، وهو مروي عن أبي يوسفؒ قال: كما يعجبني أن تتزين لي يعجبها أن أتزين لها. (المبسوط للسرخيي، دار الكتب العلمية بيروت ۱۰/۱۹۹)

اور چوتھا جواب جو لکھا ہے اسمیں کراہت تحریمی ثابت فرمائی ہے اور مفتی کفایت اللہ صاحبؒ نے کفایت المفتی قدیم ۹/۱۷۱-۱۷۲، جدید زکریا مطول ۱۲/۳۴۲ میں سیاہ خضاب لگانے کو صرف مکروہ لکھا ہے، مکروہ تحریمی کہیں بھی نہیں لکھا ہے، حضرت گنگوہیؒ نے باقیات فتاوی رشیدیہ ۳۷۸/ میں منع لکھا ہے اور فتاوی رشیدیہ قدیم ۵۸۹، جدید زکریا ۵۸۰/ میں اتنا لکھا ہے کہ سوائے سیاہ خضاب کے سب قسم کے خضاب درست ہیں، حضرت گنگوہیؒ نے صاف الفاظ میں مکروہ بھی نہیں لکھا ہے۔

اب ہم کو احادیث شریفہ کے نصوص پر غور کرنا ہے کہ جہاد کے علاوہ یا بیوی کو خوش رکھنے کے مسئلہ کے علاوہ زینت کے لئے سیاہ خضاب لگانا تمام نصوص کے پیش نظر کیا حکم رکھتا ہے، تو اس سلسلہ میں ہم نے احادیث شریفہ کے نصوص کو احاطہ کر کے دیکھا ہے کہ دو قسم کی روایات ہمارے سامنے ہیں، بعض روایات تو وہ ہیں جن سے مطلقاً جواز ثابت ہوتا ہے اور بعض روایات وہ ہیں جن سے عدم جواز ثابت ہوتا ہے؛ اس لئے دونوں قسم کی روایات کو جمع کرنے کے بعد ہم کو غور کرنا ہے کہ سیاہ خضاب لگانا حرام، مکروہ تحریمی اور موجب فسق ہے، جس کی وجہ سے سیاہ خضاب لگانے والے کے پیچھے نماز بھی مکروہ ہوجائے گی یا مکروہ تنزیہی ہے، جس کی وجہ سے سیاہ خضاب لگانے والے پر فسق کا حکم نہیں لگ سکتا اور اس کے پیچھے نماز بلا کراہت درست ہوجائے گی۔

پہلی قسم کی روایات امام طبرانیؒ نے المعجم الکبیر میں حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ اور حضرت جریر بن عبداللہ بجلیؓ کا عمل نقل فرمایا ہے کہ یہ دونوں حضرات سیاہ خضاب لگایا کرتے تھے، مصنف ابن ابی شیبہ میں صحیح اور عالی سند کے ساتھ روایت نقل کی گئی ہے کہ حضرت عقبہ بن عامرؓ سیاہ خضاب لگایا کرتے تھے، اور اس کی ترغیب بھی دیا کرتے تھے۔ نیز حضرت حسنؓ وحضرت حسینؓ کا عمل بھی صحیح سند کے ساتھ نقل فرمایا ہے کہ وہ سیاہ خضاب لگایا کرتے تھے اور امام محمد ابن الحنفیہ سے سیاہ خضاب لگانے کے بارے میں سوال کیا گیا، تو انہوں نے جواب دیا "**لا أعلم به بأسًا**" (اس میں کوئی حرج نہیں) اور اس موضوع سے متعلق روایات کی تعداد بہت زیادہ ہے؛ اس لئے ساری روایات کو نقل نہ کرتے ہوئے چند روایات نقل کردیتے ہیں، جو حسب ذیل ہیں ملاحظہ فرمایئے:

(۱) عن أبي عشانة المعافري قال: رأيت عقبة بن عامرؓ يخضب بالسواد، ويقول نسود أعلاها وتأبي أصولها. (مصنف ابن أبي شيبة، مؤسسه علوم القرآن ۱۲/۵۵۵، رقم: ۲۵۵۶۹)

(٢) **عن الحسن أنه كان لا يرى باسًا بالخضاب بالسواد.** (مصنف ابن أبي شيبة ١٢/٥٥٤، رقم: ٢٥٥٢٣)

(٣) **عن قيس مولى خباب قال: دخلت على الحسنؓ، والحسينؓ وهما يخضبان بالسواد.** (مصنف ابن أبي شيبة ١٢/٥٥٤، رقم: ٢٥٥٢٠، المعجم الكبير ٣/٩٩، رقم: ٢٧٨٧/٢٧٠/٢٧٩١)

(٤) **عن أبي عون قال: كانوا يسألون محمداً عن الخضاب بالسواد، فيقول: لا أعلم به باسًا.** (مصنف ابن أبي شيبة ١٢/٥٥٤، رقم: ٢٥٥٢٤)

(٥) **عن سعيد بن المسيب أن سعد ابن أبي وقاصؓ كان يخضب بالسواد.** (المعجم الكبير للطبراني، دار احياء التراث العربي ١/١٣٨، رقم: ٢٩٥)

(٦) **عن عامر بن سعدؓ أن سعداً كان يخضب بالسواد.** (المعجم الكبير للطبراني ١/١٣٨/٢٩٦، مجمع الزوائد، دار الكتب العلمية بيروت ٥/١٥٨)

اس موضوع سے متعلق بہت ساری روایات نقل کی گئی ہیں۔ دوسری قسم کی روایات جن میں سیاہ خضاب کی ممانعت ہے، ان کی بھی تعداد اچھی خاصی ہے، ان میں سے دو روایتیں ایسی ہیں، جن سے بادی النظر میں کراہت تحریمی کا حکم لگانا ممکن ہے۔

(١) حضرت جابر بن عبداللہؓ کی روایت ہے، جن میں حضرت صدیقؓ کے والد حضرت ابو قحافہ کے بال کو خضاب لگا کر تغیر کرنے کا حکم کیا گیا ہے، اور ان الفاظ سے حضور ﷺ نے حکم فرمایا:

غيروا هذا بشيئ واجتنبوا السواد. (مسلم شريف، باب في صبغ الشعر وتغيير الشيب، النسخة الهندية ٢/١٩٩، بيت الأفكار رقم: ٢١٠٢، نسائي شريف، النهي عن الخضاب بالسواد، النسخة الهندية ٢/٢٣٦، دار السلام رقم: ٥٠٧٦)

دوسری روایت عبداللہ ابن عباسؓ کی ہے، جس میں وعید کے الفاظ بھی موجود ہیں، اس میں الفاظ یہ ہیں:

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم يكون قوم يخضبون في آخر

الزمان بالسواد کحواصل الحمام لایریحون رائحة الجنة. (أبوداؤد شریف، باب ماجاء في خضاب السواد،النسخة الهندية ۲/۵۷۸، دار السلام رقم:۴۲۱۲، سنن النسائي، النهي عن الخضاب بالسواد، النسخة الهندية ۲/۲۳۶، دار السلام رقم: ۵۰۷۵)

اب ان دونوں روایتوں پر غور کرنا ہے، پہلی روایت میں امر کا صیغہ ہے اور امر کا صیغہ وجوب کے لئے ہوتا ہے، اور اس میں حضور ﷺ نے دو جملے امر کے صیغہ کے ساتھ استعمال فرمائے ہیں:

پہلے جملے میں حضرت ابو قحافہؓ کے بالوں کو خضاب لگا کر تغیر کرنے کا حکم فرمایا، دوسرے جملے میں سیاہ خضاب سے اجتناب کا حکم فرمایا۔ اب غور طلب بات یہ ہے کہ اگر سیاہ خضاب سے اجتناب واجب ہے، تو اس کا لگانا حرام یا مکروہ تحریمی ہے، تو پہلا جملہ جس میں سفید بالوں کو خضاب کے ذریعہ تغیر کرنے کا حکم ہے، وہ بھی وجوب پر محمول ہوجائے، تو ایسی صورت میں سفید سفید ڈاڑھی والوں پر خضاب لگانا واجب ہوجائے گا؛ حالانکہ سفید بال سفید داڑھی والوں پر خضاب لگا کر بال کو تغیر کرنے کے وجوب کا قائل کوئی بھی نہیں ہے؛ اس لئے امر کے دونوں صیغے ترغیب پر محمول ہوں گے، وجوب یا تحریم پر نہیں ہوسکتے۔

دوسری حدیث شریف میں ایسی قوم کے بارے میں حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: جن کو جنت کی بو بھی حاصل نہ ہوگی، اس قوم کی حضور ﷺ نے پہچان بیان فرمائی ہیں:

(۱) وہ قوم سیاہ خضاب لگائے گی۔

(۲) اس قوم کی جسمانی کیفیت کبوتروں کے پوٹے کی طرح ہوگی، سیاہ خضاب لگانے کو حضور ﷺ نے اس قوم کی پہچان قرار دی ہے، وعید کی علت قرار نہیں دی ہے، اور جن بزرگوں نے اس کو وعید کی علت قرار دی ہے، ان کو اس حدیث شریف پر دوبارہ نظر ثانی کرنی چاہئے، ورنہ حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ، حضرت جریر ابن عبد اللہ بجلیؓ، حضرت عقبہ ابن عامرؓ اور حضرت حسن و حضرت حسین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین پر العیاذ باللہ مکروہ تحریمی کا ارتکاب اور فسق کا الزام عائد ہوسکتا ہے، جو قطعاً درست نہیں ہے۔

نیز حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ اور حضرت جابر بن عبد اللہؓ کی روایت بالاتفاق ظنی الثبوت ہے اور جواز کی روایات کی وجہ سے ان دونوں روایتوں کی دلالت بھی بالاتفاق ظنی ہے اور جو روایتیں ظنی الثبوت اور ظنی الدلالت ہوتی ہیں، ان سے کراہت تحریمی اور حرمت کا ثبوت نہیں ہوتا؛ بلکہ کراہت تنزیہی کا ثبوت ہوتا ہے؛ اس لئے حضرت گنگوہیؒ اور حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ نے بہت محتاط انداز سے حکم لگایا ہے، اور حضرت تھانویؒ اور حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب کے اول الذکر فتاوی کا محمل بھی یہی ہے؛ اس لئے سیاہ خضاب لگانا مکروہ تنزیہی ہوسکتا ہے، اور اس کی امامت بھی بلا کراہت درست ہوجائے گی۔ نیز حضرت امام نوویؒ نے اس بات پر اجماع نقل فرمایا ہے کہ ان روایات میں صیغۂ امر سے بالاجماع وجوب کا حکم ثابت نہیں ہے، اور صیغۂ نہی سے بالاجماع مکروہ تحریمی یا حرمت کا ثبوت نہیں ہے؛ لہٰذا صرف مکروہ تنزیہی کا حکم ثابت ہوسکتا ہے اور مکروہ تنزیہی کے ارتکاب سے آدمی فاسق نہیں ہوتا ہے، اور اس کی امامت بلا کراہت درست ہوجاتی ہے، علامہ نوویؒ کی عبارت ملاحظہ فرمائیے:

واختلاف السلف في فعل الأمرين بحسب اختلاف أحوالهم في ذالک مع أن الأمر والنهي في ذالک ليس للوجوب بالإجماع؛ ولهذا لم ينكر بعضهم على بعض خلافه في ذالک قال: ولايجوز أن يقال فيهما ناسخ ومنسوخ. (شرح نووي على المسلم ٢/١٩٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٢٩/ شوال المکرم ١٤٣٥ھ
(فتویٰ نمبر: الف ١٦٨٣/٤١ ١١)

بیوی کو خوش کرنے کے لئے امام صاحب کا خضاب لگانا

سوال [١٠٦٦٩]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ زید کی عمر ۳۵ رسال ہے، جو شادی شدہ ہے اور اس کا ایک بچہ بھی ہے، وہ کسی مسجد میں امامت کرتا ہے، ایک مرتبہ سخت بیماری میں مبتلا ہونے پر اس نے اپنی بیماری کا علاج کرایا، جس کی وجہ سے اس کے سارے بال داڑھی سمیت مکمل سفید ہوگئے، اس کی بیوی کو یہ پسند نہیں ہے؛ چنانچہ بیوی کا کہنا یہ ہے کہ اگر وہ سیاہ خضاب استعمال نہ کرے، تو میں اس سے الگ ہو جاؤں گی، ادھر مصلیوں کا کہنا ہے کہ اگر وہ سیاہ خضاب استعمال کرے گا، تو ہم اس کے پیچھے نماز نہیں پڑھیں گے، ایسی صورت میں زید کونسی راہ اختیار کرے؟

المستفتی: محمد مصدق حسین، مغربی بنگال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بیوی کو خوش کرنے اور گھر کو اجڑ جانے سے حفاظت کے واسطے داڑھی پر سیاہ خضاب لگانا حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جائز ہے؛ لہٰذا ایسے واقعہ میں امام ابو یوسفؒ کے مسلک کے مطابق عمل کرنے کی گنجائش ہے۔

وبعضهم جوز ذالک من غير كراهة، وروي عن أبي يوسفؒ أنه قال: كما يعجبني أن تتزين لي يعجبها أن أتزين لها. (هندية، الباب العشرون، في الزينة ......زكريا قديم ٥/٣٥٩، جديد ٥/٤١٤، المحيط البرهاني، المجلس العلمي٨/٨٨، رقم: ٩٦٥٧، الفتاوى التاتارخانية، زكريا ١٨/٢١٤، رقم:٢٨٥٥٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱ رشعبان المعظم ۱۴۲۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸ ر ۹۴۰۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۸/۸/۱۴ھ

داڑھی پر سیاہ خضاب لگانے کا حکم

سوال [۱۰۶۷۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ داڑھی پر سیاہ خضاب لگانا جائز ہے یا نہیں؟ خضاب لگا کر سفیدی چھپانا کیسا ہے؟

المستفتی: حاجی، عمر دراز، طویلہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سیاہ خضاب کسی شرعی مصلحت کی بناپر لگانا جائز ہے، مثلاً جہاد میں شرکت مقصود ہو یا میاں بیوی دونوں جواں ہوں یا شوہر بوڑھا ہو؛ لیکن بیوی جوان ہو، تو ان دونوں صورتوں میں بیوی کی خوشنودی کے لئے کالا خضاب لگانے کی گنجائش ہے اور اگر اس طرح شرعی ضرورت نہ ہو، تو خالص سیاہ خضاب لگانا جس سے بالوں کی سفیدی اصل سیاہی معلوم ہو مکروہ ہے۔

أما الخضاب بالسواد للغزو؛ ليكون أهيب في عين العدو فهو محمود بالاتفاق، وإن ليزين نفسه للنساء، فمكروه وعليه عامة المشائخ، وبعضهم جوزه بلاكراهة روي عن أبي يوسفؒ أنه قال: كما يعجبني أن تتزين لي يعجبها ان أتزين لها. (شامي، زكريا ٩/٦٠٥، كراچي ٦/٤٢٢، هندية، الباب العشرون في الزينة......زكريا قديم ٥/٣٥٩، جديد ٥/٤١٤، الموسوعة الفقهية الكوتية ١١/٢٧٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٢١ رجمادی الاولیٰ ١٤٢١ھ
(فتویٰ نمبر: الف ٣٥/١٢/٦٧٧)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
٢١/٥/١٤٢١ھ

بیوی کی خوشنودی کے لئے کالا خضاب لگانا

سوال [١٠٦٧١]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید ایک نوجوان آدمی ہے، حتی کہ ابھی شادی بھی نہیں کی ہے؛ لیکن اس کے سر کے بال ایسے سفید ہو رہے ہیں، جیسا کہ ٥٠/٦٠ رسال کے آدمی کے بال سفید ہوتے ہیں، تو کیا اس صورت میں زید کو کالا خضاب لگانے کی گنجائش ہے؟

المستفتی: اسرار الحق، مظاہری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سیاہ خضاب لگانا جس سے بالوں کی سفیدی اصل سیاہی معلوم ہو مکروہ ہے، البتہ امام ابویوسفؒ کے نزدیک بیوی کے سامنے تزئین کے لئے کالا خضاب لگانے کی گنجائش ہے، اور جب آپ کی شادی بھی نہیں ہوئی ہے، تو امام ابو یوسف کے قول کے مطابق آپ کو کالا خضاب لگانے کی گنجائش ہے۔

وأما من اختضب لأجل التزئين للنساء، والجواري، فقد منع من ذالک بعض العلماء رحمهم الله تعالیٰ والأصح، أنه لا بأس به، وهو مروي عن أبي يوسفؒ قال: كما يعجبني أن تتزين لي يعجبها أن أتزين لها. (المبسوط للسرخيي، دار الكتب العلمية بيروت ١٠/ ١٩٩)

وإن ليزين نفسه للنساء، فمكروه وعليه عامة المشائخ، وبعضهم جوزه بلا كراهة، روي عن أبي يوسفؒ أنه قال: كما يعجبني أن تتزين لي يعجبها ان أتزين لها. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، باب الإستبراء وغيره، زكريا ٩/ ٦٠٥، كراچي ٦/ ٤٢٢، الموسوعة الفقهية الكوتية ١١/ ٢٧٠) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۶ رجمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۶۷۲۳/۳۵)	۱۴۲۱/۵/۲۸ھ

شوہر کو خوش کرنے کے لئے بیوی کا خضاب لگانا

سوال [۱۰۶۷۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ سیاہ خضاب کی فقہاء نے مجاہد اور امام ابو یوسفؒ نے شوہر کو بیوی کے سامنے تزئین کے لئے بھی گنجائش دی ہے، کیا عورت کے لئے اس طرح کی تزئین کی گنجائش اپنے شوہر کے لئے ہوسکتی ہے؟

المستفتی: عبدالرحمٰن، ٹانڈہ رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عورت کے لئے شوہر کو خوش کرنے کے واسطہ خضاب بالوں پر لگانا جائز ہے۔(مستفاد: کفایت المفتی جدید زکریا مطول ۳۴۲/۱۲،قدیم ۱۷۱/۹)

إن الكراهة خاصة بالرجال دون النساء، فيجوز ذلک للمرأة لأجل زوجها. (فتح الباري، باب ما ذكر عن بني اسرائيل، دار الفكر ٦/٤٩٤، اشرفيه ديوبند ٦/٦١٨، تحت رقم الحديث ٣٤٦٢، عمدة القاري، دار أحياء التراث العربي ١٦/٤٦، زكريا ١١/٢١٢، تحت رقم الحديث ٣٤٦٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/ ذی الحجہ ۱۴۱۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۵۰۷۴/۳۳)

سخت کھجلی کی بناء پر سر میں کالا خضاب لگانا

سوال [۱۰۶۷۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نیک سیرت اور شریف ہے اور امامت کے فرائض کو بخوبی انجام دیتے ہیں، مگر اپنے سر کے سفید بالوں کو کوئی چیز لگا کر سیاہ کرتے ہیں، صرف سر کے بالوں کو سیاہ کرتے ہیں، داڑھی کو نہیں وہ کہتے ہیں کہ میری مجبوری ہے کہ سر میں سخت کھجلی ہوتی ہے، اس مجبوری میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: مولوی محمد کامل، نور پور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بلا کسی عذر کے کالا خضاب لگانا مکروہ ہے؛ لیکن سوال نامہ میں اس بات کا ذکر ہے کہ خارش کے عذر کی وجہ سے کالا خضاب لگایا جارہا ہے، اوراس کی وجہ سے خارش کا فائدہ بھی ہے، تو ایسی صورت میں عذر کی وجہ سے علاج کے طور پر

کالا خضاب لگانا ناجائز اور مکروہ نہیں ہے؛ بلکہ اس کی گنجائش ہے، جیسے کہ بیوی کو خوش رکھنے کے لئے اور میدان جنگ میں دشمنوں پر رعب ڈالنے کی ضرورت کی وجہ سے جائز ہوتا ہے؛ لیکن بہتر اور افضل یہ ہے کہ خارش کے لئے کوئی متبادل دوسرا علاج ممکن ہو، تو وہی علاج اختیار کیا جائے تا کہ دیکھنے والوں کو بلا عذر کالا خضاب لگانے کا شبہ نہ ہو۔

أن التداوي بالمحرم لا يجوز في ظاهر المذهب. وفي الدر المختار عدم جواز عند أبي حنيفةؒ وفي رد المحتار جواز عند أبي يوسفؒ، وفي النهاية عن الذخيرة يجوز إن علم فيه شفاء ولم يعلم دواء آخر. (معارف السنن، باب ماجاء في بول مايؤكل لحمه، مسألة التداوي بالمحرم، اشرفية ديوبند ٢٧٧/١، شامي، زكريا ٣٦٥/١-٣٦٦، كراچي ٢١٠/١، باب الرضاع ٣٩٧/٤-٣٩٨، كراچي ٢١١/٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٢٣؍ رجب المرجب ١٤٢٣ھ
(فتویٰ نمبر: الف ٧٧٦٨/٣٦)

کیا غیر شادی شدہ نو جوان کالا خضاب لگا سکتا ہے؟

سوال [١٠٦٧٤]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) ایک نوجوان جو غیر شادی شدہ ہے، اس کے بال سفید ہونے لگے ہیں، ایسی صورت میں وہ اپنے بال کو کالے خضاب (مہندی) کے ذریعہ کالا کرنا چاہتا ہے، تو آیا اس کے لئے کالا خضاب لگانا جائز ہے یا نہیں شرعًا کیا حکم ہے؟

المستفتی: محمد الطاف، متعلم مدرسہ ہذا

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سیاہ خضاب لگانا کسی شرعی مصلحت سے جائز ہے؛

لہٰذا جس شخص کی ابھی شادی نہیں ہوئی ہے؛ اس کے لئے سیاہ خضاب لگانا جائز ہے۔

(مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۹/۱۷۱، جدید زکریا مطول ۱۲/۳۴۲)

أما الخضاب بالسواد فمن فعل ذالک من الغزاة؛ لیکون أھیب في عین العدو فھو محمود منه اتفق علیه المشائخ ، ومن فعل ذالک لیزّین نفسه للنساء، ولیحبب نفسه إلیھن فذالک مکروہ وعلیه عامة المشائخ، وبعضھم جوز ذلک من غیر کراھة. (عالمگیري، الباب العشرون في الزینة......زکریا قدیم ٥/٣٥٩، جدید ٥/٤١٤، شامي، زکریا ٩/٦٠٥، کراچي ٦/٤٢٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/ رجب المرجب ۱۴۲۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷/۱۴۱/۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۷/۷/۱۴۲۴ھ

رشتہ کی غرض سے داڑھی اور بالوں میں کالا خضاب لگانا

سوال [۱۰۶۷۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے یہاں ایک لڑکا جس کی عمر بیس سال ہے، بیماری کی وجہ سے سر کے اور داڑھی کے بال سب سفید ہوگئے، کہیں سے رشتہ کا پیغام اسی وجہ سے نہیں آرہا ہے، کیا شادی کے لئے اپنے سر اور داڑھی کے بالوں میں سیاہ خضاب کرنے کی گنجائش ہوگی؟

المستفتی: عبدالرشید قاسمی، سیڑھا، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مسئولہ صورت میں بیس سال کا لڑکا جس کے سر کے بال بیماری کی وجہ سے سفید ہوگئے اور رشتہ نہیں آرہا ہے، تو اس کے لئے حضرت امام ابو یوسفؒ کے قول پر عمل کر کے کالا خضاب کرنا جائز ہے۔

روي عن أبي يوسفؒ أنه قال: كما يعجبني أن تتزين لي يعجبها أن أتزين لها. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، باب الإستبراء وغيره، زكريا ٩/٦٠٥، كراچي ٦/٤٢٢، هندية، زكرياقديم ٥/٣٥٨، جديد ٥/٤١٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰/ ۱۱۱۰۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۳/ ۵/ ۱۴۳۴ھ

کن چیزوں سے موئے زیرناف کو صاف کیا جاسکتا ہے؟

سوال [۱۰۶۷۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ موئے زیرناف عورتیں بھی بذریعہ مشین صاف کرسکتی ہیں یانہیں؟ یا مرد بھی کسی اور چیز کے استعمال سے صاف کرسکتے ہیں یانہیں؟ یعنی انگریزی دوا وغیرہ سے مثلاً تیل، صابن، پوڈر وغیرہ؟

المستفتی: شمیم احمد، کوری روانہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مشین، استرہ، بلیڈ وغیرہ آلات سے موئے زیرناف کا صاف کرنا عورت ومرد دونوں کے لئے جائز اور درست ہے۔ نیز مسالہ اور دوا وغیرہ سے صفائی کرنا بھی درست ہے۔ حدیث شریف میں ہے۔

عن جابر بن عبدالله، قال: قفلنا مع النبي صلى الله عليه وسلم من غزوة –إلى– وتستحد المغيبة. (صحيح البخاري، باب تزويج الثيبات، النسخة الهندية ٢/٧٦٠، رقم:٤٨٨٨، ف:٥٠٧٩، صحيح مسلم، باب كراهة الطروق، النسخة الهندية ١٠/١٤٤، بيت الأفكار رقم: ٧١٥)

ولو عالج بالنورة في العانة يجوز. (هندية، الباب التاسع عشر، زكريا قديم ٥/٣٥٨، جديد ٥/٤١٣)

ویستحب إزالة شعر عانة الرجل بالحلق، أو بالنورة، أما عانة المرأة فتسن إزالتها بالنتف. (كتاب الفقه على المذاهب الأربعة، دار الفكر ۲/ ۴۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶/ رجمادی الثانی ۱۴۱۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۸/ ۲۷۴۰)

مرد کے لئے بال صفا اشیاء استعمال کرنے کا حکم

سوال [۱۰۶۷۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مرد کو ناپاکی کے بال بال صفا صابون سے صاف کرنا سنت ہے یا جائز ہے؟

المستفتی: شفیق احمد تھانہ، ناگ پھنی دولت باغ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسنون ومستحب حلق کرنے میں ہے اور بال صفا صابون اور کریم وغیرہ کے ذریعہ بھی جائز ہے۔ نیز صفائی بالکل ناف سے لے کر آخر تک کرنا چاہئے۔

ویبتدئ في حلق العانة من تحت السرة ولو عالج بالنورة في العانة يجوز. (فتاوى عالمگيري، الباب التاسع عشر، زكريا قديم ۵/ ۳۵۸، جديد ۵/ ۴۱۳، شامي، كراچي ۶/ ۴۰۶، زكريا ۹/ ۵۸۳، كتاب الفقه على المذاهب الأربعة، دار الفكر ۲/ ۴۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰/ ذی قعدہ ۱۴۰۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۴/ ۹۷۹)

مردوں کے لئے زیر ناف بال صاف کرنے کے لئے کیمیکل استعمال کرنے کا حکم

سوال [۱۰۶۷۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آج کے دور میں بالوں کو صاف کرنے والی نئی نئی چیزیں یعنی خواتین کے لئے زیر ناف بالوں کو صاف کرنے کے لئے کریم لوشن، پاؤڈر، وکیمیکل وغیرہ ایجاد کئے گئے ہیں، کیا ان چیزوں کو مرد بھی استعمال کر سکتے ہیں؟ کیا ایسے مرد بھی جو نابینا ہوں یا ہاتھ پیر سے معذور ہوں یا زیادہ موٹا پیٹ ہونے کی وجہ سے ہاتھ زیر ناف تک استرا چلانے میں ناکام ہو، تو درج بالا چیزیں بالوں کو صاف کرنے میں استعمال کر سکتے ہیں؟

المستفتی: محمد اعظم لال مسجد، سرائے ترین، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زیر ناف بالوں کے صاف کرنے میں مردوں کے لئے مستحب طریقہ، تو استرہ کا استعمال کرنا ہے؛ لیکن اگر کوئی شخص کریم، پاؤڈر یا دیگر کیمیکل کو اس کام کے لئے استعمال کرتا ہے تو یہ بھی جائز ہے خاص طور پر سوال نامہ میں جن معذورین کا ذکر کیا گیا ہے، ان کے لئے کریم پاؤڈر کا استعمال زیادہ بہتر ہے؛ اس لئے کہ استرہ بلیڈ کے ذریعہ سے جگہ جگہ کٹ جانے کی وجہ سے لہولہان ہوجانے کا خطرہ ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۸/۸۷)

ویستحب حلق عانة قال الشامي: قال في الهندية: ولو عالج بالنورة یجوز كذا في الغرائب. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، باب الإستبراء وغيره، زكريا ۹/ ۵۸۳، كراچي ٦/ ٤٠٦، هندية، زكريا قديم ٥/ ٣٥٨، جديد ٥/ ٤١٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/ جمادی الثانی ۱۴۲۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶/ ۸۰۲۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۵/۵ھ

عورت موئے زیرناف کیسے صاف کرے؟

سوال[١٠٦٧٩]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عورت زیرناف کے بال کن کن آلات کے ذریعہ سے صاف کرسکتی ہے؟ اس کا شرعی حکم کیا ہے؟ کتابوں کے حوالہ سے مسئلہ کی وضاحت فرمادیں۔ خاص کر علماء احناف کیا فرماتے ہیں؟ کتاب کا نام ضروری ہے۔

المستفتی: محمد یاسین، محمود پور، معافی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: عورتوں کے لئے زیادہ بہتر اور افضل اکھاڑنا ہے۔

والسنة في عانة المرأة النتف. (بذل المجهود، باب السواك من الفطرة، دار البشائر الإسلامية ١/ ٣٣٩، سهارنپور قديم ١/ ٣٤، تحت رقم الحديث ٥٢)

أما عانة المرأة فتسن إزالتها بالنتف. (كتاب الفقه على المذاهب الأربعة، دار الفكر ٢/ ٤٥)

اور اگر پاؤڈر وغیرہ جدید اشیاء کے ذریعہ سے صاف کرتی ہے، تو اس کی بھی گنجائش ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۴/ ٢٠٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴/ ذی قعدہ ۱۴۱۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۷/ ۲۴۴۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴/ ۱۱/ ۱۴۱۱ھ

زیرناف وبغل کے بال ندی نالے میں پھینکنا

سوال[١٠٦٨٠]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بغل کے بال اور زیرناف بال کیا ندی نالے میں پھینک سکتے ہیں؟

المستفتی: شیخ قاسم، شیخ فرید (مہاراشٹر)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: بغل اورزیر ناف کے بال ندی نالے میں پھینکنے میں کوئی قباحت نہیں ہے؛ البتہ کسی محفوظ جگہ پر دفن کردینا زیادہ بہتر ہے۔

وفي الخانية: ينبغي أن يدفن قلامة ظفره ومحلوق شعره، وإن رماه فلابأس به. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح،دار الكتاب ديوبند ١/٥٢٧)

يدفن أربعة: الظفر، والشعر، وخرقة الحيض والدم. (هندية، الباب التاسع عشر، زكريا ٣٥٨/٥، جديد ٤١٣/٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶ / جمادی الثانی ۱۴۲۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۸۱۱۰/۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۶/۲۶ھ

بچہ کے سر پر جو بال ماں کے پیٹ سے آتے ہیں ان کو کیا کیا جائے؟

سوال [۱۰۶۸۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جب بچہ پیدا ہوتا ہے اور جو بال ماں کے پیٹ سے آتے ہیں، ان بالوں کو کیا کرنا چاہئے؟ منڈوانے کے بعد دفن کرنا چاہئے یا دریا میں بہانا چاہئے۔ بعض کہتے ہیں کہ دریا میں بہانا چاہئے، اس کی اصلیت کیا ہے؟ دفن کرنا بہتر ہے یا دریا میں بہانا بہتر ہے؟ خلاصہ جواب تحریر فرمادیں، مہربانی ہوگی۔

المستفتی: عبدالستار، مسجد کنڈا والی، بچھرایوں، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: سر منڈھانے کے بعد بالوں کے برابر چاندی صدقہ کرنا اور بالوں کو کہیں دفن کردینا مستحب ہے، دریا میں بہادینا احقر کی نظر سے کہیں نہیں گذرا۔

(مستفاد: فتاوی رحیمیہ قدیم ۹۲/۲، جدید زکریا ۶۰/۱۰، فتاوی محمودیہ قدیم ۲۳۱/۵، جدید ڈابھیل ۴۵۲/۱۹)

ینبغي أن یدفن قلامة ظفره و محلوق شعره، وإن رماه فلابأس به.

(حاشیة الطحطاوي علی مراقي الفلاح،دار الکتاب دیوبند ۱/۲۷ ٥، هندیة، زکریا قدیم ٥/۳٥۸، جدید ٥/۳ ٤۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍محرم الحرام ۱۴۱۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۵/ ۱۶۱۰)

عورتوں کے بال خرید کر چوٹی بنا کر بیچنا

سوال [۱۰۶۸۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عورتیں جب کنگھی کرتی ہے، تو ان کے بال جھڑ جاتے ہیں، ایک شخص ان بالوں کو جمع کر لیتا ہے یا خرید لیتا ہے، اور پھر ان بالوں سے چوٹی بنا کر بیچتا ہے، جن عورتوں کے بال چھوٹے ہوتے ہیں، وہ اس چوٹی کو خرید کر اپنے بالوں میں لگاتی ہیں، تو کیا اس شخص کا بال خرید کر اور پھر چوٹی بنا کر بیچنا شرعاً درست ہے یا نہیں؟ شرعی حکم تحریر فرمادیں۔

المستفتی: محمد مصطفیٰ بیر بھومی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: بال انسان کے بدن کا ایک جزء ہوتا ہے، اور انسانی اجزاء کا بیچنا شرعاً جائز نہیں ہے۔ نیز ایک انسان کے بدن کا جزء دوسرے انسان کے لئے زینت کے طور پر استعمال کرنا بھی جائز نہیں ہے؛ اس لئے انسانی بالوں کی چوٹی بنا کر بیچنا، پھر اس کا خریدنا پھر اس کا استعمال کرنا سب ناجائز ہے اور اس کاروبار سے جو آمدنی ہوگی وہ بھی حلال نہیں ہے۔

عن جابر بن عبد اللہ أنه سمع رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم یقول: عام الفتح، وهو بمکة أن اللہ ورسوله حرم بیع الخمر، والمیتة، والخنزیر

واستدل بهذا الحديث أيضاً على أنه لايجوز بيع ميتة الآدمي مطلقاً سواء فيه المسلم، والكافر، أما المسلم فلشرفه وفضله حتى أنه لا يجوز الانتفاع بشيئ من شعره، وجلده، وجميع أجزاءه، وأما الكافر فلأن نوفل بن عبد الله بن المغيرة، لما اقتحم الخندق، وقتل غلب المسلمون على جسده، فأراد المشركون أن يشتروه منهم، فقال صلى الله عليه وسلم: لاحاجة لنا بجسده، ولا بثمنه، فخلى بينهم وبينه. (تكملة فتح الملهم، باب تحريم بيع الخمر، حكم أعضاء الميته، والخنزير، اشرفية ديوبند ۱/ ۵۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۵؍صفر المظفر ۱۴۲۳ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۰؍ ۷۵۲۴)	۱۴۲۳/۲/۲۵ھ

وگ لگانے کا شرعی حکم

سوال [۱۰۶۸۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جانوروں کو وگ لگانا جائز ہے یا نہیں؟ اور اس کی دو قسمیں ہیں:

(۱) ایسا وگ جس کا لگانا آسان ہے، اور کوئی پریشانی نہیں ہے۔

(۲) ایسا وگ جسے سر میں آپریشن کر کے فٹ کر دیا جاتا ہے، پھر وہ اتارا نہیں جا سکتا۔

(۳) انسانوں کے علاوہ دیگر حیوانات یا مصنوعی بالوں کی وگ لگانا کیسا ہے؟ اس کے سر پر ہوتے ہوئے وضو میں مسح کا کیا حکم ہے؟ کیا اس کے ہوتے ہوئے وضو ہو سکتا ہے؟

(۴) اس کے سر پر ہوتے ہوئے نماز درست ہوگی یا نہیں؟

المستفتی: محمد صفوان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) انسانی بالوں سے بنی ہوئی وگ لگانا

بہرصورت ناجائز ہے خواہ وگ ایسا ہو، جسے بآسانی اتارا جاسکتا ہو یا بذریعۂ آپریشن سر میں فٹ کردیا گیا ہو۔

عن عائشةؓ أن جارية من الأنصار تزوجت وإنها مرضت فتمعط شعرها، فأرادوا أن يصلوها، فسألوا النبي صلى الله عليه وسلم فقال: لعن الله الواصلة والمستوصلة. (بخاري شريف، باب الوصل في الشعر، النسخة الهندية ٨٧٨/٢، رقم: ٥٧٠١، ف: ٥٩٣٤، صحيح مسلم، باب تحريم فصل الواصلة والمستوصلة، النسخة الهندية ٢٠٤/٢، بيت الأفكار رقم: ٢١٢٢)

ومن يكون شعرها قصيرًا، أوحقيرًا، فتطوله وتعزره بشعر غيرها فكل ذالک داخل في النهي، وهو من تغيير خلق الله تعالىٰ، والرجل في هذا الأخير كالمرأة. (فتح الباري، باب المتنمصات، اشرفية ٤٦٢/١٠، درا الفكر ٣٧٧/١٠، تحت رقم الحديث٥٩٣٩)

وصل الشعر بشعر الآدمي حرام. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، قبيل باب الاستبراء، زكريا ٥٣٥/٩، كراچي ٣٧٢/٦، هندية، زكريا قديم٣٥٨/٥، جديد ٤١٤/٥)

عن كثير من الفقهاء أن الممتنع من ذلک وصل الشعر بالشعر. (فتح الباري، دار الفكر ٣٧٥/١٠، اشرفية ٤٥٩/١٠)

(۲) انسانوں کے علاوہ دیگر حیوانات یا مصنوعی بالوں سے بنی ہوئی وگ لگانا شرعًا جائز ہے۔

لا بأس للمرأة أن تجعل في قرونها وذوائبها شيئًا من الوبر. (هندية، زكريا قديم ٣٥٨/٥، جديد ٤١٤/٥)

الرخصة في غير شعر بني آدم تتخذه المرأة لتزيد في قرونها وهو مروي عن أبي يوسف. (شامي، زكريا ٥٣٦/٩، كراچي ٣٧٣/٦، المحيط البرهاني،المجلس العلمي٨٧/٨، رقم: ٩٦٥٥، الفتاوى التاتارخانية، زكريا ٢١٣/١٨، رقم:٢٨٥٤٩)

إذا وصلت شعرها بغير الشعرمن خرقة ونحوها فلا يدخل في النهي. (فتح الباري، دار الفكر ١٠/٣٧٥، اشرفية ديوبند ١٠/٤٥٩)

لابأس عليها في وصلها شعرها بما وصلت به من صوف، وخرقة وغير ذلک. (تكملة فتح الملهم اشرفية ديوبند ٤/١٩١)

(۳) وہ وگ جو آپریشن وغیرہ کے ذریعہ سر پر اس طرح فٹ کر دی جائے کہ وہ سر سے جدا نہ ہو سکے، اس کی حیثیت جسم کے مستقل عضو کی ہے، وضو کرتے وقت اس پر مسح کر لینا کافی ہے اور وگ کی دوسری قسم جسے باآسانی لگایا اور اتارا جاسکتا ہو، وہ ٹوپی کے حکم میں ہے، وضو میں اس کو اتار کر سر کا مسح کرنا ضروری ہے۔

والصرام، والصباغ ما في ظفرهما يمنع تمام الغسل، وقيل: كل ذالک يجزئهم للحرج، والضرورة ومواضع الضرورة مستثناة عن قواعد الشرع. (هندية، كتاب الطهارة، الباب الثاني في الغسل، زكريا قديم ١/١٣، جديد ١/٦٤)

عن عرفجة بن أسعد قال: أصيب أنفي يوم الكلاب في الجاهلية، فاتخذت أنفًا من ورق فأنتن علي، فأمرني رسول الله صلى الله عليه وسلم، أن اتخذ أنفًا من ذهب. (ترمذي شريف، باب ماجاء في شد الأسنان بالذهب، النسخة الهندية ١/٣٠٦، دارالسلام رقم: ١٧٧٠)

عن جابر بن عبداللہؓ، أنه سئل عن العمامة، فقال: لا، حتى يمس الشعر الماء، قال محمدؒ: وبهذا نأخذ وهو قول أبي حنيفة. (مؤطأ امام محمدؒ ٧٠)

ولايجوز المسح على القلنسوة، والعمامة. (هندية، كتاب الطهارة، زكريا قديم ١/٦، جديد ١/٥٦)

ولايجوز المسح على العمامة ولا القلنسوة؛ لأنها يمنعان وصول

الماء الشعر. (بدائع الصنائع، زكريا ١/ ٧١، كراچي ١/٥، المبسوط للسرخسي، دارالكتب العلمية بيروت ١/١٠١)

(۴)انسانوں کے بال سے بنی ہوئی وگ لگانا بہرحال ناجائز ہے، جیسا کہ اوپر گذرا؛ لیکن اگراس کے ساتھ نماز پڑھی جائے، تو نماز بلاشبہ درست ہوجائے گی۔

في جواز صلوة المرأة مع شعر غيرها الموصول اختلاف بينهم، والمختار أنه يجوز. (هندية، قبيل الباب العشرين في الزينة......زكريا قديم٥/٣٥٨، جديد ٥/٤١٤)

الوصل بشعر الآدمي حرام. (تكملة، اشرفية ديو بند ٤/ ١٩١)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶؍صفر المظفر ۱۴۳۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸؍ ۹۹۱۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۲/۲۶ھ

(۷) باب ما يتعلق باللحية (داڑھی سے متعلق)

داڑھی کی شرعی حیثیت اوراس کی حد

سوال[۱۰۶۸۴]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ داڑھی کی شرعی حد کیا ہے؟ کیا ایک مشت کے سنت مؤکدہ ہونے پر جملہ اہل سنت والجماعت کا متفقہ فتوی ہے۔جواب کوفقہ کے ساتھ صحاح ستہ کی کتب سے بھی مدلل کریں۔

دوسرا پہلو یہ کہ عرض میں داڑھی کی شرعی حد کیا ہے، یعنی تحریر کتنی پتلی کم از کم بنوائی جاسکتی ہے؟ ہم نے بعض لوگوں کو دیکھا ہے کہ سائڈوں سے باریک سی قطار رکھتے ہیں، لمبائی تو ایک مشت ہی ہوتی ہے، مگراوپر نیچے کی کھال استرے سے صاف کرادیتے ہیں، اس میں کہاں تک گنجائش ہے، وضاحت فرماکر ذہنی الجھن کودورفرمائیں۔

المستفتی: محمد رئیس محمود پور، ڈلاری، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: داڑھی کی حدکان کے سوراخ کے محاذ پر سر سے ملتی ہوئی جو ہڈی آرہی ہے، وہاں سے شروع ہوتی ہے، وہاں سے شروع ہوکر کے رخساروں کی ہڈی سے ملتی ہوئی ہونٹ کے برابر تک پہونچ گئی ہے اور ہونٹوں کے نیچے جو بال ہیں وہ بھی تقریباً داڑھی میں شامل ہیں؛اس لئے اس کے کاٹنے کوفقہاء نے مکروہ وبدعت لکھا ہے۔

ونتف الفنيكين بدعة وهما جانبا العنفقة، وهي شعر الشفة السفلىٰ، كذا في الغرائب. (فتاوى هندية، كتاب الكراهية، الباب التاسع عشر، زكريا قديم ٥/٣٥٨، جديد ٥/٤١٤، شامي، كراچي ٦/٤٠٨، زكريا ٩/٥٨٣، حاشية الطحطاوي على المراقي، دار الكتاب ديوبند ٥٢٦)

اب کان کے سوراخ کے برابر کان کی پٹی سے لے کر نیچے تک چوڑائی میں کیا حد ہے؟ اس کو حضرات فقہاء نے العذار سے تعبیر کیا ہے، عذار نام ہے کنپٹی کی ہڈی سے لے کر چہرے کی سائیڈ کے نیچے تک کے حصہ کا اور اس کی چوڑائی چہرے کی جانب سے رخسار کی ہڈی کے ختم تک اوپر نیچے دونوں جبڑے کے اوپر جو کھال ہے، اس کھال سے متصل جو سخت حصہ شروع ہو رہا ہے، یہ پورا داڑھی کا حصہ ہے، رخسار میں ہڈی سے خارج وہ نرم چمڑی منھ کے کھولنے کی صورت میں دونوں جبڑوں کے بیچ میں آجاتی ہے، صرف وہ حصہ داڑھی کی حدود سے خارج ہے؛ لہٰذا چہرہ کی گولائی کے وقت میں اس حصہ میں جو بال زیادہ بڑھ جائیں، ان کو صاف کرنے کی گنجائش ہے تاکہ چہرہ ایک مناسب انداز سے خوبصورت معلوم ہو اور یہ سمجھنا غلط ہے کہ کان کے سوراخ کے محاذ سے ایک باریک سی دھاری نیچے تک لے جائی جائے، تو داڑھی کا فریضہ مکمل ہو جائے گا، یہی داڑھی کے لئے کافی ہے؛ بلکہ اس کی چوڑائی اچھی خاصی ہے، جو داڑھ کے پیچھے کے حصہ سے رخسار کے سامنے کی ہڈی تک کسی کے دو انگل چوڑی کسی کے ڈھائی تین انگل چوڑی ہوتی ہے اور دیکھنے والوں کو خود ہی محسوس ہو جاتا ہے کہ داڑھی کی گولائی مناسب انداز کی ہے، اس حد کے متعین کرنے میں فقہاء نے اچھی خاصی بحث کی ہے، مختصر سی عبارت حسب ذیل ہے۔

العذاران كما في لسان العرب جانبًا اللحية وكان الفقهاء أكثر تحديداً للعذار (إلى قوله) بأنه الشعر النابت على العظم الناتئ المحاذي لصماخ الأذن يتصل من الأعلىٰ بالصدغ ومن الأسفل بالعارض إلى قوله بأن العذار جزء من اللحية وعليه فتنطبق عليه أحكامها.

(الموسوعة الفقهية الكويتية ۳۵/ ۲۲۲)

ایک مشت داڑھی رکھنا اہل سنت والجماعت کا متفقہ فتویٰ ہے، جن کتابوں میں ایک مشت داڑھی رکھنا سنت کہا گیا ہے، وہ اس لئے کہا گیا ہے کہ حدیث سے ثابت ہے، ورنہ

ایک مشت داڑھی رکھنا واجب ہے اور ایک مشت سے کم کرنا حرام اور گناہ کبیرہ ہے۔
حدیث پاک میں حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے امر کے صیغہ کے ساتھ مونچھ کو کاٹنے اور داڑھی کو بڑھانے کا حکم فرمایا ہے اور صیغۂ امر سے وجوب کا ثبوت ہوتا ہے۔

وكذا يحرم على الرجل قطع لحيته، فعلم من ذلك أن ما يفعله بعض من لاخلاق له في الدين من المسلمين في الهند، والأتراك حرام. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب السوال من الفطرة قديم ١/٣٣، جديد دارالبشائر الإسلامية بيروت ١/٣٣٦)

عن ابن عمر عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه أمر بإحفاء الشوارب، وإعفاء اللحية. (مسلم شريف، كتاب الطهارة، باب خصال الفطرة، النسخة الهندية ١/١٢٩، بيت الأفكار رقم: ٢٥٩، سنن الترمذي، أبواب الأداب، با ماجاء في إعفاء اللحية، النسخة الهندية٢/١٠٥، دار السلام رقم: ٢٧٦٣، سنن النسائي، باب إحفاء الشارب، واعفاء اللحیٰ، النسخة الهندية ١/٤، دار السلام رقم: ١٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍صفر المظفر ۱۴۲۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف۳۶/۷۹۱۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۹/۲/۱۴۲۴ھ

داڑھی کی شرعًا کیا حیثیت ہے؟

سوال [۱۰۶۸۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) داڑھی کی شرعًا کیا حیثیت ہے؟

(۲) آیا ہر مسلمان کے لئے داڑھی رکھنا سنت ہے یا واجب ہے؟

(۳) اگر کوئی داڑھی منڈوائے، تو اس کا یہ فعل حرام ہے یا ناجائز یا اور کچھ؟

(۴) اگر کسی کو سرکاری سروس میں مثلاً پولیس، فوج وغیرہ میں داڑھی رکھنے سے روکا

جائے، تو کیا یہ مداخلت فی الدین نہیں ہے؟ تمام مذکورہ سوالات کے باحوالہ جوابات مرحمت فرما کرعند اللہ ماجور وعند الناس مشکور ہوں۔

المستفتی: معزالدین احمد، مباحث فقہیۃ جمعیۃ علماء ہند

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) داڑھی اسلام کا خاص شعار اور یونیفارم کی حیثیت رکھتی ہے۔ (مستفاد: فتاوی شیخ الاسلام ۱۱۱، کفایت المفتی ۹ / ۱۶۲، جدید زکریا مطول ۱۲ / ۳۲۰-۳۱۹)

(۲) داڑھی رکھنا ہر مسلمان پرواجب ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی ۹ / ۱۶۷، جدید زکریا ۱۳ / ۳۱۸)

عن ابن عمر عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه أمر بإحفاء الشوارب، وإعفاء اللحية. (صحيح مسلم، كتاب الطهارة، باب خصال الفطرة، النسخة الهندية ۱ / ۱۲۹، بيت الأفكار رقم: ۲۵۹، سنن الترمذي، كتاب الأداب، باب ماجاء في اعفاء اللحية، النسخة الهندية ۲ / ۱۰۵، دار السلام رقم: ۲۷٦٤)

وقد قام الدليل على وجوب إعفاء اللحية، وقص الشارب. (أحكام القرآن، تهانويؒ ۱ / ٤٦)

اور داڑھی ایک قبضہ سے کم کرانا حرام ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۴ / ۲۲۳)

وأما الأخذ منها وهي دون ذلك كما يفعله بعض المغاربة، ومخنثة الرجال، فلم يبحه أحد، وأخذ كلها فعل يهود الهند، ومجوس الأعاجم. (در مختار مع الشامي، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم وما لا يفسده، مطلب في الأخذ من اللحية، كراچي ۲ / ٤۱۸، زكريا ۳ / ۳۹۸)

(۳) داڑھی منڈوانا اور قبضہ سے کم کروانا دونوں حرام ہیں، ہاں البتہ دونوں میں معمولی فرق یہ ہے کہ قبضہ سے کم کرانے میں ایک ہی حرمت ہے اور منڈوانے میں دو حرمت ہیں، ایک منڈوانے کی حرمت، دوسری عورتوں کی مشابہت کی حرمت؛ اس لئے کترانے سے منڈوانے کا گناہ زیادہ ہوگا۔

عن ابن عباسؓ، قال: لعن النبي صلى الله عليه وسلم: المتشبهين من الرجال بالنساء الحديث (صحيح البخاري، كتاب اللباس، باب المتشبهين بالنساء۲/ ٤ ٨٧، رقم:٦ ٥٦ ٥، ف:٥ ٨٥ ٨)

(۴) پولیس، فوج یا دیگر، سرکاری سروس میں داڑھی رکھنے سے مسلمان پر روک لگانا سراسر مذہب اسلام میں مداخلت ہے اور اسلامی شعار کے ساتھ ٹکراؤ اور تصادم ہے۔

(مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۴/ ۳۱۳، جدید زکریا مطول ۶/ ۴۲۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰/ محرم الحرام ۱۴۲۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷/ ۸۲۱۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۱/۳۰ھ

ایک مشت داڑھی رکھنا واجب ہے یا سنت؟

سوال [۱۰٦٨٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مشت داڑھی رکھنا واجب ہے یا سنت، خواہ واجب ہو یا سنت؟ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کی روشنی میں مسلک امام ابوحنیفہؒ کی وضاحت فرمائیں۔ نیز اگر ایک مشت داڑھی کے متعلق کوئی حدیث ہو؟ تو اس کو ضرور تحریر فرمائیں۔

المستفتی: آفتاب عالم

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صحیح احادیث میں مطلقاً داڑھی بڑھانے اور نہ کٹوانے کا حکم وارد ہے، مگر راوی حدیث حضرت ابن عمرؓ کا معمول ایک مشت سے بڑھ جانے پر کٹا دینے کا تھا؛ اس لئے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ایک مشت داڑھی رکھنا واجب ہے اور اس سے پہلے کٹانا ناجائز اور حرام ہے اور اس کے بعد ایک مشت سے زائد کے کاٹنے کی گنجائش ہے۔

عن ابن عمرؓ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أنهكوا

الشوارب، وأعفوا اللحیٰ. (بخاری شریف، کتاب اللباس، باب اعفاء اللحیة ۲/ ۸۷۵، رقم: ٥٦٦٤، ف: ٥٨٩٣)

اعفاء کے معنی خوب بڑھانے کے ہیں اور ایک مشت داڑھی کے وجوب کی بات قرآن کی آیت سے بھی ثابت ہوتی ہے۔ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کے واقعہ میں ہے۔

لا تأخذ بلحیتي. [سورۃطه: ٩٤]

اور داڑھی کو پکڑ کر کھینچے کے لئے کم از کم ایک مشت یا زائد ہونا ضروری ہے؛ لہٰذا ایک مشت داڑھی رکھنا واجب اور اس سے کم کرانا حرام ہے۔

عن أبي هريرةؓ، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: جزوا الشواب وأرخوا اللحیٰ خالفوا المجوس. (مسلم شريف، كتاب الطهارة، باب خصال الفطرة، النسخة الهندية ١/ ١٢٩، بيت الأفكار رقم: ٢٦٠)

عن ابن عمرؓ أنه كان يقبض على لحيته، ثم يفض ماتحت القبضة قال محمد: وبه نأخذ وهو قول أبي حنيفةؒ. (كتاب الآثار ١/ ١٩٨)

وأما الأخذ منها وهي دون ذلک كما يفعله بعض المغاربة ومخنثة الرجال فلم يبحه أحد. (شامي، كتاب الصوم، مطلب الأخذ من اللحية، كراچي ٢/ ٤١٨، زكريا ٣/ ٣٩٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۵۹۲/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۵/۲ھ

داڑھی کی واجب مقدار

سوال [۱۰۶۸۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل

کے بارے میں: کہ داڑھی کم سے کم کتنی ہونی چاہئے اور زیادہ سے زیادہ کتنی ہونی چاہئے؟

المستفتی: محمد افضال شمسی، طویلہ مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: داڑھی رکھنا واجب ہے اور اس کی مقدار شرعی ایک مشت ہے، اس سے کم جائز نہیں ہے اور یہ تمام انبیاء کی سنت ہے، اسلامی اور قومی شعار ہے، شرافت و بزرگی کی علامت ہے، چھوٹے بڑے میں امتیاز کرنے والی ہے، اس سے مردانہ شکل کی تکمیل ہوتی ہے اور صورت نورانی ہوتی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دائمی عمل ہے، آپ نے اسے فطرت سے تعبیر فرمایا ہے اور امت کو تاکیدی حکم دیا ہے؛ لہٰذا داڑھی رکھنا واجب اور ضروری ہے، منڈانا یا کتروانا گناہ کبیرہ اور حرام ہے، اس پر امت کا اجماع ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ جدید ڈابھیل ۱۹/۴۰۷، قدیم ۱/۲۶۵)

اب احادیث ملاحظہ فرمایئے:

عن عائشة ؓ قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: عشر من الفطرة قص الشارب، وإعفاء اللحية إلى آخره. (ابوداؤد شريف، كتاب الطهارة، باب السواك من الفطرة، النسخة الهندية ۱/۸، دار السلام رقم: ۵۳، صحيح مسلم، كتاب الطهارة، باب خصال الفطرة، النسخة الهندية ۱/۱۲۹، بيت الأفكار رقم: ۲۶۱، سنن ابن ماجه، كتاب الطهارة، باب الفطرة، النسخة الهندية ۱/۲۵، دار السلام رقم: ۲۹۳)

خالفوا المشركين أوفروا اللحىٰ وأحفوا الشوارب. (مشكوة شريف ۳۸۰)

عن ابن عمر ؓ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: خالفوا المشركين، وفروا اللحىٰ. (بخاري شريف، كتاب اللباس، باب تقليم الأظفار ۲/۸۷۵، رقم: ۵۶۶۳، ف: ۵۸۹۲)

دوسری روایت میں ہے۔

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم انهكوا الشوارب واعفوا اللحىٰ.

(بخاري شريف ۲/۸۷۵، رقم: ۵۶۶۴، ف: ۵۸۹۳)

واللحية هي الفارقة بين الصغير والكبير، وهي جمال الفحول، وتمام هيأتهم، فلا بد من إعفائها، وقصها سنة المجوس، وفيه تغيير خلق الله. (حجة الله البالغه، خصال الفطرة إعفاء اللحية، مكتبة حجاز ديوبند ۱/۵۰۷، ۵۰۸)

داڑھی بڑھانے کے بارے میں ہے کہ آپ ﷺ کی داڑھی اتنی گنجان تھی، جس نے سینہ مبارک کو گھیر لیا تھا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳ صفر المظفر ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴/ ۶۵۰۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۲/۲۳ھ

کیا داڑھی رکھنا دلیل قطعی سے ثابت ہے؟

سوال [۱۰۶۵۸۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ داڑھی ایک مشت رکھنا کسی دلیل قطعی سے ثابت اور لازم ہے؛ اس سلسلہ میں اصولی طور پر دلیل قطعی مطلوب ہے کہ اس کی مخالفت کرنے والے کو فاسق کہا جاتا ہو اور کیا کفایت المفتی مطبوعہ کراچی میں یہ لکھا ہے کہ جس کی داڑھی ایک مشت سے ذرا سی کم ہو، اس کو فاسق کہنے میں احتیاط رکھنی چاہیئے؛ کیونکہ ایک مشت کا ثبوت دلیل قطعی سے نہیں ہے۔

المستفتی: شمس الحق قاسمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: دلیل قطعی کا انکار کرنے والا کافر ہوجاتا ہے، اور دلیل ظنی کے خلاف کرنے والا فاسق ہوتا ہے، اور ایک مشت داڑھی کا وجوب حدیث رسول سے ثابت ہے، جو کہ دلیل ظنی ہے، دلیل قطعی نہیں ہے، اس کے خلاف کرنے والے کو کافر کوئی نہیں کہتا ہے؛ بلکہ صرف فاسق کہا جاتا ہے، تو فاسق کہنے کی وجہ سے آپ نے دلیل قطعی کس بنا پر طلب کی ہے؛ اس لئے کہ ایک مشت داڑھی کے خلاف یا انکار

کرنے والے کو کافر کوئی نہیں کہتا؛ بلکہ صرف فاسق کہتے ہیں۔ نیز کھل کر فاسق اس کو کہا جاتا ہے، جس نے بالکل داڑھی منڈالی ہو یا نمایاں طور پر کتروالی ہو، اور مفتی کفایت اللہ صاحبؒ نے صرف اس شخص کے بارے میں احتیاط کی بات کہی ہے، جس کی داڑھی سے دیکھنے میں شرعی داڑھی ہونے یا نہ ہونے میں تمیز نہ ہوسکے اور بات بھی یہی ہے کہ جتنا گناہ اس شخص کا ہوگا، جس نے داڑھی منڈائی ہو یا نمایاں طور پر کتروائی ہو، اتنا بڑا گناہ اس شخص کا نہ ہوگا، جس نے معمولی کتروائی ہے اور دور سے دیکھنے میں قطعی طور پر یہ نہ کہا جاسکتا ہو کہ اس کی داڑھی واقعی ایک مشت سے کم ہے؛ اس لئے جس نے نمایاں طور پر داڑھی منڈائی یا کتروائی ہے، وہ فاسق ہے، اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے اور جس کی داڑھی ایک مشت سے قدرے کم ہونے کا شبہ ہو، اس کو قطعی فاسق نہیں کہا جاسکتا، اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی نہ ہوگی؛ بلکہ مکروہ تنزیہی ہوگی۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹ر صفر المظفر ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴/ ۶۴۹۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۲/۱۹ھ

داڑھی کے وجوب کی دلیل کیا ہے؟

سوال [۱۰۶۸۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ داڑھی رکھنا واجب ہے؛ اس کے وجوب کی دلیل کیا ہے اور کاٹنا حرام ہے، اس کی حرمت کی دلیل کیا ہے؟ مدلل جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: محمد صابر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: داڑھی رکھنے کے وجوب کی دلیل آپ ﷺ کا داڑھی بڑھانے کا حکم دینا ہے، جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہوا ہے، اور داڑھی کے

کٹوانے کی حرمت کی دلیل حدیث شریف میں وارد حکم کی مخالفت کرنا ہے کسی چیز کے وجوب کا امر اس کے مخالف حرمت کو ثابت کرتا ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ ڈابھیل ١٩/٣٩٤، میرٹھ ٢٧/٤٨٠)

عن ابن عمرؓ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أنهكوا الشوارب، وأعفوا اللحىٰ. (بخاري شريف، كتاب اللباس،باب إعفاء اللحية٢/ ٨٧٥، رقم: ٥٦٦٤، ف:٥٨٩٣، صحيح مسلم، كتاب الطهارة، باب خصال الفطرة، النسخة الهندية ١/ ١٢٩، بيت الأفكار رقم:٢٥٩، سنن الترمذي، كتاب الأدب، باب ماجاء في إعفاء اللحية، النسخة الهندية ٢/ ١٠٥، دار السلام رقم: ٢٧٦٣)

يكره حلقها وقصها وتحريقها، وأما الأخذ من طولها، وعرضها، فحسن و يكره الشهرة في تعظيمها كما تكره في قصها. (النووي على مسلم ١/ ١٢٩)

لاطاعة لمخلوق في معصية الخالق ولذا يحرم على الرجل قطع لحيته. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، زكريا ٩/ ٥٨٣، كراچي٦/ ٤٠٧)

ذهب عامة العلماء الذين قالوا: بأن موجب الأمر الوجوب من أصحابنا، وأصحاب الشافعي، وأصحاب الحديث إلى أن الامر بالشيئ نهي عن ضده، إن كان له ضد واحد كالأمر بالإيمان نهي عن الكفر، وإن كان له أضداد كالأمر بالقيام، فإن له أضداد من القعود، والسجود، والاضطجاع ونحوها يكون الأمر نهيا عن الأضداد كلها. (باب حكم الأمر والنهي، كشف الاسرار، على أصول فخر الإسلام، كراچي ٢/ ٣٢٨- ٣٢٩)

وجوب الشيئ يتضمن حرمة ضده يعني إذا وجب الشيئ يفهم في ضمن وجوبه أن ضد هذا الشيئ حرام. (كشف المبهم ١١١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٧/ ربیع الاول ١٤٣٥ھ
(فتویٰ نمبر: الف ٤٠/ ١١٤٦٤)

داڑھی کی حد بندی کا حدیث سے ثبوت

سوال [۱۰۶۹۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کہتا ہے داڑھی رکھنا ضروری تو ہے، مگر کیف ما اتفق جتنی چاہے انسان رکھ سکتا ہے، ایک مشت داڑھی رکھنا ضروری یا سنت نہیں ہے، وہ کسی بھی آیت قرآن وحدیث سے ثابت نہیں ہے؛ بلکہ اس کا کہنا یہ ہے کہ امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک جو سو قدم سے داڑھی نظر آجائے، وہ بھی داڑھی ہے۔

الغرض اس کا کہنا یہی ہے کہ شریعت یا کتاب وسنت میں ایک مشت یا اس سے زیادہ کی کوئی حد بندی نہیں ہے؛ بلکہ جتنی چاہے آدمی رکھ سکتا ہے؛ لہٰذا دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایک مشت داڑھی کا ثبوت یا کسی طرح کی حد بندی کا ثبوت کسی حدیث یا سنت سے ثابت ہے یا نہیں؟

المستفتی: وفاء الدین، دڑھیال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یہ کہنا درست نہیں ہے کہ ایک مشت داڑھی رکھنا ضروری یا سنت نہیں ہے اور کسی بھی آیت قرآن وحدیث سے ثابت نہیں ہے؛ بلکہ قرآن سے بھی ایک مشت داڑھی کا ثبوت ملتا ہے کہ کسی کی داڑھی پکڑ کر صحیح طور پر اس وقت کھینچا جا سکتا ہے؛ جبکہ داڑھی ایک مشت ہو یا اس سے لمبی ہو۔ قرآن کی آیت ملاحظہ فرمائیے:

قَالَ يَا ابْنَ اُمَّ لَا تَأْخُذْ بِلِحْيَتِيْ وَلَا بِرَأْسِيْ. [سورہ طہ: ۹۴]

حدیث میں ہے کہ حضرات صحابہ ایک مشت داڑھی مکمل ہوجانے کے بعد اس سے زائد مقدار کو کاٹ دیا کرتے تھے۔ حدیث شریف ملاحظہ فرمائیے:

وكان ابن عمر إذا حج، أو اعتمر قبض على لحيته فما فضل أخذه.

(بخاري شريف، كتاب اللباس، باب تقليم الاظفار ۲/۸۷۵، رقم: ۵۶۶۳، ف: ۵۸۹۲، منصف ابن ابي شيبة، مؤسسه علوم القرآن بيروت ۱۳/۱۱۳)

عـن أبي ذرعة كان أبو هريرةؓ يقبض على لحيته، ثم يأخذ ما فضل عن القبضة. (مصنف ابن أبي شيبة۱۳/ ۱۱۲، رقم:۲۵۹۹۲)

عـن الحسن قال كانوا يرخصون فيما زاد على القبضة من اللحية أن يؤخـذ منها. (مصنف ابن أبي شيبة، مؤسسه علوم القرآن بيروت ۱۳/ ۱۱۲، رقم:۲۵۹۹۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ / ربیع الاول ۱۴۳۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸/ ۹۹۸۱)

کیا حدیث شریف میں داڑھی کی مقدار کی کوئی حد بندی نہیں ہے؟

سوال [۱۰۶۹۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عبدالکریم کا کہنا ہے کہ حدیث میں داڑھی کے بڑھانے کے تعلق سے کوئی حد بندی نہیں ہے، جتنی چاہیں چھوٹی رکھ لیں، یا بڑی رکھ لیں اس کی کوئی پابندی نہیں؛ چونکہ حدیث میں کوئی تحدید معلوم نہیں ہوتی ہے؛ لہٰذا اس بارے میں شدت اختیار کرنا سراسر غلط ہے۔

المستفتی: شمیم اختر نیوروئل کرناٹک

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: احادیث مبارکہ میں مبالغہ کے ساتھ داڑھی بڑھانے کی تاکید آئی ہے، اور مبالغہ جب ہی ہوسکتا ہے کہ جب ایک مشت سے بھی کافی لمبی ہو۔

نیز قرآن کریم کے اندر حضرت موسیٰ وہارون علیہما السلام کے واقعہ میں **لأتأخذ بلحيتي** میں ایک مشت سے زیادہ کی بات ثابت ہوتی ہے؛ اس لئے کہ وہ ایک مشت سے زائد کو پکڑ کر کاٹتے تھے، ایک مشت سے کم کو نہیں؛ اس لئے ایک مشت سے کم ہونے کی صورت میں احادیث مبارکہ کا مفہوم کسی طرح صحیح نہیں ہوسکتا ہے۔

اور حدیث شریف میں اعفاء کا لفظ آیا ہے اور ایک مشت سے کم کی صورت میں اعفاء کا معنی ثابت نہیں ہوسکتا ہے، جو لوگ عربی محاورہ سے واقف ہیں وہی اس کو سمجھ سکتے ہیں اور جو عربی محاورہ سے واقف نہیں ہیں، وہ تاویل کی کوشش کریں گے۔

وکان ابن عمر إذا حج، أو اعتمر قبض على لحيته فما فضل أخذه. (بخاري شريف، كتاب اللباس، باب تقليم الاظفار ٢/٨٧٥، رقم: ٥٦٦٣، ف: ٥٨٩٢، منصف ابن ابي شيبة، مؤسسه علوم القرآن بيروت ١٣/١١٣)

عن ابن عمرؓ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: خالفوا المشركين، وفروا اللحىٰ، وأحفوا الشوارب. (بخاري شريف، ٢/٨٧٥، رقم: ٥٦٦٣، ف: ٥٨٩٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸؍ ۹۰۱۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۷/۵/۲۴ھ

شرعی داڑھی کی تحقیق

سوال [۱۰۶۹۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ داڑھی رکھنا سنت ہے یا واجب؟ اگر سنت ہے، تو ہمارا اعتراض یہ ہے کہ جس طرح سے باقی سنتوں کے چھوڑنے سے انسان کو فاسق قرار نہیں دیا جاتا ہے مثلاً کرتا عمامہ، تہبند وغیرہ۔ اب اگر کوئی داڑھی کی سنت کو ادا نہ کرے، تو اسے فاسق کیوں قرار دیا جاتا ہے ورنہ تو سنت مؤکدہ غیر مؤکدہ دونوں کے چھوڑنے والے کو فاسق قرار دیا جانا چاہئے۔

(۲) اگر واجب ہے تو صحابہ کرام کی زندگی پر اعتراض ہوتا ہے، جیسے عبد اللہ بن عمرؓ وابن عباسؓ کہ انہوں نے حج کے موقعہ پر داڑھی کٹائی ہے، اگر واجب ہی ہے، تو صحابہ بھی ترک وجوب کے مرتکب ہوئے۔ (نعوذ باللہ من ذلک)

(۳) اگر آپ صحابہ کی زندگی سے ایک مشت داڑھی ثابت کرنا چاہیں تو مدمخالف کاٹنے کا ثبوت پیش کرتا ہے اور یہ اصول ہے، جب ایک لفظ کا دو معنی ہو، تو اس کو دلیل میں پیش کرنا درست نہیں ہے، جیسے لفظ قروء۔

(۴) ایضاح المسالک میں مسئلہ عموم بلویٰ کے حکم کے تحت لکھا ہے کہ فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ اگر کوئی عمل حرام لوگوں میں رائج ہوجائے، تو کراہت تنزیہی کے حکم میں آجاتا ہے، تو اس اصول کے تحت بھی داڑھی کا کٹانا کراہت تنزیہی کے تحت آجاتا ہے۔

(۵) ایک مشت داڑھی کے متعلق کوئی صریح روایت پیش فرمائیں کہ داڑھی کا اطلاق کہاں سے کہاں تک ہے۔

المستفتی: عبدالحمید، پیرزادہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: (۱) داڑھی رکھنا واجب ہے۔

عن ابن عمرؓ، عن النبي صلى الله عليه وسلم، أنه أمر بإحفاء الشوارب، وإعفاء اللحية. (مسلم شريف، كتاب الطهارة، باب خصال الفطرة، النسخة الهندية ١/١٢٩، بيت الأفكار رقم: ٢٥٩، سنن الترمذي الأدب، باب ماجاء في إعفاء اللحية، النسخة الهندية ٢/١٠٥، دار السلام رقم: ٢٧٦٤)

يحرم على الرجل قطع لحيته. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، زكريا ٩/٥٨٣، كراچي ٦/٤٠٧)

وأما الأخذ منها وهي دون ذلک كما يفعله بعض المغاربة، ومخنثة الرجال، فلم يبحه أحد. (شامي، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم وما لا يفسده، مطلب في الأخذ من اللحية، كراچي ٢/٤١٨، زكريا ٣/٣٩٨)

اور اگر داڑھی رکھنا سنت قرار دیا جائے، تو یہ سنت مؤکدہ ہے، جس کے ترک پر شرعاً فسق کا حکم لگتا ہے؛ کیونکہ سنت مؤکدہ کا ترک مکروہ تحریمی ہے۔

أن ترک السنة المؤکدة مکروه تحریمًا لجعله قریبًا من الحرام.

(شامي، کتاب الحظر والإباحة، کراچي ٦/٣٣٨، زکریا ٩/٤٨٧)

یأثم بترک الواجب ومثله السنة المؤکدة. (در مختار علی الشامي، کراچي ٦/٣٣٧، زکریا ٩/٤٨٧)

اوراس کے برخلاف عمامہ باندھنا، کرتا پہننا سنن زوائد میں سے ہے؛ اس لئے اس کے ترک پر ملامت نہیں ہے؛ لہٰذا اس کے تارک پر فسق کا حکم نہ لگے گا۔

(۲) رہا حضرات صحابہؓ سے داڑھی کٹانے کی حدیث مروی ہے اوران کے عمل سے داڑھی کٹانا ثابت ہے، تو جوایک مشت سے زائد داڑھی ہوتی تھی، اس کوانہوں نے کٹائی ہے۔ فلا اشکال۔

وکان ابن عمر إذا حج، أو اعتمر قبض علی لحیته فما فضل أخذه.

(بخاري شریف، کتاب اللباس، باب تقلیم الاظفار ٢/٨٧٥، رقم: ٥٦٦٣، ف:٥٨٩٢)

إن ابن عمر یأخذ من لحیته بعد الفراغ عن الحج؛ أي ما یزید علی القبضة. (العرف الشذي علی هامش الترمذي، باب إعفاء اللحیة ٢/١٠٥)

عن عمرو بن شعیب عن أبیه عن جده، أن رسول الله صلی الله علیه کان یأخذ من لحیته من طولها وعرضها. (سنن الترمذي، کتاب الأدب، باب ماجاء في الأخذ اللحیة، النسخة الهندیة ٢/١٠٥، دار السلام رقم: ٢٧٦٢)

(۳) اعفاءِ لحیہ کے متعلق جو حدیثیں وارد ہوئی ہیں، ان کو محتمل المعنیٰ گردانناا ورفروع پر قیاس کرنا بالکل درست نہیں۔

(۴) اورآپ کے "ایضاح المسالک" میں ذکر کردہ عموم بلویٰ کا مطلب یہ ہے کہ جس میں عام لوگ مبتلا ہو گئے ہوں، اوراس سے بچنا دشوار ہواورداڑھی کے کٹانے سے بچنا دشوار نہیں ہے؛ بلکہ داڑھی کاٹنا بالکل غیر ضروری کام ہے، جس کو گناہ بے لذت کہا جا سکتا ہے۔

(۵) حضور ﷺ نے داڑھی کو خوب بڑھانے کا حکم فرمایا ہے:

عن ابن عمرؓ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أحفوا الشوارب، وأعفوا اللحىٰ. (ترمذي شريف، كتاب الأدب، باب ماجاء في إعفاء اللحية، النسخة الهندية ۲/ ۱۰۵، دار السلام رقم: ۲۷۶۳)

ہاں البتہ جو اِدھر اُدھر منتشر ہو، اس کو سنبھالنے میں پریشانی کی صورت میں ایک مشت سے زائد کو کاٹنے کی اجازت بھی دی ہے۔

حدثنا مروان يعني ابن سالم المفقع، قال: رأيت ابن عمر يقبض على لحيته، فيقطع مازادت على الكف، وقال كان النبي صلى الله عليه وسلم إذا أفطر. قال: ذهب الظمأ وابتلت العروق وثبت الأجر إن شاء الله. (أبو داؤد شريف، كتاب الصيام، باب القول عند الإفطار، النسخة الهندية ۱/ ۳۲۱، دار السلام رقم: ۲۳۵۷، كتاب الآثار مع شرح اردو ۳۳۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍ ربیع الثانی ۱۴۱۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۳؍ ۵۷۰۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۴/۴ھ

داڑھی کی شرعی مقدار اور اس میں خضاب کا مسئلہ

سوال [۱۰۶۹۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ داڑھی کی شرعی مقدار کیا ہے، ہونٹ کے نیچے آنے والے بالوں کو تراشا جاسکتا ہے یا داڑھی میں شمار ہوں گے؟

(۲) داڑھی میں کون سے رنگ کا خضاب لگانا جائز ہے؟ اور کس عمر میں لگانا بہتر ہے؟ کیا سیاہ بالوں میں خضاب لگانا جائز ہے۔

المستفتی: محمد سالم

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ائمہ اربعہ کے نزدیک ایک مٹھی کے برابر داڑھی رکھنا واجب ہے، اس سے پہلے کاٹنا یا منڈانا حرام ہے۔ (مستفاد: جواہر الفقہ، جدید زکریا ۱۵۹/۷، قدیم ۱۴۱/۲، امداد الفتاوی ۲۲۳/۴)

وأما الأخذ منها وهي دون ذلک کما یفعله بعض المغاربة، ومخنثة الرجال، فلم یبحه أحد، وأخذ کلها فعل یهود الهند، ومجوس الأعاجم .

(در مختار مع الشامي، کتاب الصوم، باب ما یفسد الصوم وما لا یفسده، مطلب في الأخذ من اللحیة، کراچي ۴۱۸/۲، زکریا ۳۹۸/۳)

ہونٹ کے نیچے آنے والے بال بھی داڑھی میں شامل ہیں، اوران کا کاٹنا بھی ممنوع ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ ۳۸۷/۶، جدید ڈابھیل ۴۰۷/۱۹، احیاء العلوم ۳۲۱/۴)

ونتف الفنیکین بدعة وهما جانبا العنفقة، وهي شعر الشفة السفلیٰ.

(فتاوی هندیة، کتاب الکراهیة، الباب التاسع عشر، زکریا قدیم ۳۵۸/۵، جدید ۴۱۴/۵، شامي، کراچي ۴۰۸/۶، زکریا ۵۸۳/۹، حاشیة الطحطاوي علی المراقي، دار الکتاب دیوبند ۵۲۶)

سیاہ رنگ کے سوا دوسرے رنگوں کا خضاب لگانا جائز ہے اور میدان جنگ کے علاوہ کسی صورت میں سیاہ خضاب لگانا جائز نہیں، ہاں امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جوان بیوی کو خوش رکھنے کے لئے بھی سیاہ خضاب لگانا جائز ہے۔ (مستفاد: جواہر الفقہ ۱۴۷/۲)

وقد سبق عن الإمام محمدؒ أنه قال في موطئه: لا نریٰ بالخضاب بالوسمة، والحناء، والصفرة بأسًا. (مرقاة المفاتیح، کتاب اللباس، أحکام اللحیٰ، امدادیة ملتان ۲۹۲/۸، ممبئی ۴۵۸/۴، مؤطا إمام محمد، کتاب السیر، باب الخضاب، اشرفي دیوبند ۳۹۲/۱، وهکذا في الهندیة، کتاب الکراهیة، الباب العشرون، زکریا قدیم ۳۵۹/۵، جدید ۴۱۴/۵)

أما الخضاب بالسواد للغزو؛ لیکون أهیب في عین العدو فهو محمود بالاتفاق، وإن لیزین نفسه للنساء، فمکروه وعلیه عامة المشائخ،

روي عن أبي یوسفؒ أنه قال: کما یعجبني أن تتزین لي یعجبها أن أتزین لها. (شامي، کتاب الحظر والإباحة، فصل في البیع، زکریا ۹/۶۰۵، کراچي ۶/۴۲۲، هندیة، زکریاقدیم ۵/۳۵۹، جدید ۵/۴۱۴، تاتارخانیة، زکریا۱۸/۲۱۴، رقم: ۲۸۵۵۵)

کس عمر میں خضاب لگانا بہتر ہے؟ اس کی کوئی تحدید نہیں ہے؛ بلکہ اس کا مدار داڑھی کے سفید ہونے پر ہے، اور اس زمانہ میں خضاب لگانے کو بہتر کہا گیا ہے، جس زمانہ میں کالی داڑھی میں سفید داڑھی کا اختلاط ہوتا ہے، سیاہ بالوں پر خضاب لگانا مشروع نہیں ہے؛ بلکہ سفید بالوں پر لگایا جاتا ہے، ہاں البتہ سفید بالوں کے ساتھ سیاہ بالوں میں خضاب لگ جائے، تو یہ غیر اختیاری چیز ہے، اس پر کوئی دار و گیر نہیں ہے۔

عن أبي ذر رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم غیروا الشیب ولاتشبهوا بالیهود، وفي المرقاة: قال بعض العلماء: یحتمل أن یکون النهي اختص بالحالة التي یختلط الشعر الأبیض فیها بالأسود لما في اختلاف اللونین من قبح التضاد، ومشابهة الموافقة بأهل النفاق، فأما إذا ابیض کله وصار اللون واحدًا فلا یغیر. (مرقاة، کتاب اللباس، باب الترجل، الخضاب، امدادیة ملتان ۸/۳۰۶، ممبئي ۴/۴۶۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶/ ۷۶۱۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۵/۳ھ

صرف ہڈی پر داڑھی رکھنے کا حکم

سوال [۱۰۶۹۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص داڑھی صرف ہڈی پر ہی رکھتا ہے، ہڈی سے نیچے کے تمام بال ترشوا دیتا ہے اور اوپر سے بھی تمام بال صاف رکھتا ہے، تو کیا ایسا کرنا صحیح ہے یا نہیں؟ داڑھی کی شرعی حیثیت بیان کریں۔ میری نظر میں اس کا مقصد یہ ہوگا کہ ایسا کرنے سے داڑھی کم

معلوم ہوگی، جس سے عمر بھی کم لگے گی، خیر یہ نظریہ ہو یا نہ ہو، اگر کوئی آدمی ایسا کرتا ہے، تو اس کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟

المستفتی: محمد شاہد قاسم پور گڑھی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ہڈی کے اوپر رخساروں کے بال صاف کرنا، اسی طرح ہڈی کے نیچے کے بال صاف کرنا جائز ہے، مگر خلاف اولیٰ اور مکروہ تنزیہی ہے۔ (مستفاد: فتاوی رشیدیہ جدید زکریا ۵۸۴، قدیم ۵۹۲)

ولا يحلق شعر حلقه، وعن أبي يوسفؒ لابأس بذلک، ولا بأس بأخذ الحاجبين، وشعر وجهه ما لم يتشبه بالمخنث. (هندية، كتاب الكراهية، الباب التاسع، زكريا قديم ٣٥٨/٥، جديد ٤١٤/٥، شامي، كراچي ٤٠٧/٦، زكريا ٥٨٣/٩، حاشية الطحطاوي على المراقي، دار الكتاب ديوبند ٥٢٦)

اور لب کے نیچے کے بال منڈوانے اسی طرح حلق پر جو بال ہوتے ہیں، ان کو منڈوانے کو فقہاء نے بدعت بھی کہا ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ ۳۸۵/۶)

ونتف الفنيكين بدعة وهما جانبا العنفقة، وهي شعر الشفة السفلى. (فتاوى هندية، كتاب الكراهية، الباب التاسع عشر، زكريا قديم ٣٥٨/٥، جديد ٤١٤/٥، شامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، كراچي ٤٠٨/٦، زكريا ٥٨٣/٩، حاشية الطحطاوي على المراقي، دار الكتاب ديوبند ٥٢٦)

بہر حال ایسا نہ کرنا افضل اور بہتر ہے اور کرنے والے کے پیچھے نماز بلا کراہت جائز اور درست ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/محرم الحرام ۱۴۱۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۲۹۱/۳۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۶/۱/۱۵ھ

داڑھی بچہ کے کاٹنے کا حکم

سوال [۱۰۶۹۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ داڑھی بچہ کا رکھنا کیا حکم رکھتا ہے؟ اور اس کا کاٹنا کیسا ہے؟ مدلل جواب مرحمت فرمائیں۔

المستفتی: محمد جابر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: داڑھی بچہ داڑھی کے حکم میں ہے؛ لہٰذا اس کا رکھنا واجب اور بچہ کا کاٹنا مکروہ تحریمی ہے، پس اس کے کاٹنے سے بچنا انتہائی ضروری ہے۔ (مستفاد: محمود الفتاوی ۴/۲۴۷، فتاوی دار العلوم جدید ۱۶/۲۵۶، بہشتی زیور حصہ ۱۱، ص: ۱۷۷، اشاعتی)

ونتف الفنيكين بدعة وهما جانبا العنفقة، وهي شعر الشفة السفلى. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، كراچي ٦/٤٠٨، زكريا ٩/٥٨٣، فتاوى هندية، زكريا قديم ٥/٣٥٨، جديد ٥/٤١٤، حاشية الطحطاوي على المراقي، دار الكتاب ديوبند ٥٢٦)

وقد ذكر العلماء في اللحية أثنتي عشرة خصلة مكروهة......السابعة الزيادة فيها والنقص منها بالزيادة في شعر العذار من الصدغين، أو أخذ بعض العذار في حلق الرأس، ونتف جانبي العنفقة وغير ذلك. (النووي على مسلم، كتاب الطهارة، باب خصال الفطرة، ١/١٢٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/ربیع الاول ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰/۱۱۴۶۵)

داڑھی بھر کر آئے اس نیت سے کترنا کیسا ہے؟

سوال [۱۰۶۹۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں اپنی داڑھی میں چھدری ہونے کی وجہ سے کترتا ہوں اورارادہ یہ ہے کہ جب خط بھر کر آجائے گی، تو کترنا چھوڑ دوں گا، یعنی سنت کو مٹانا مقصد نہیں ہے؛ بلکہ تحریر کا بھرنا مقصد ہے، کیا میں اپنے جیسے داڑھی کتروں یا داڑھی منڈوں کی امامت (تراویح کے واسطے بوجہ قرآن سنانے کے) کرسکتا ہوں؟ اگر جواز کی کوئی صورت ہو، تو برائے مہربانی لکھدیجئے۔

المستفتی: محمد ذاکر، سرائے ترین،

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: سوال نامہ میں درج شدہ مقصد کے لئے بھی داڑھی کترا کر شرعی حد سے کم کرنا حرام وناجائز ہے، ایسا کرنے والا شرعاً فاسق ہے، اس کے پیچھے نماز تراویح مکروہ تحریمی ہوگی۔

والسنة فيها القبضة (إلى قوله) ولذا يحرم على الرجل قطع لحيته.

(الدر المختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، كراچي ٦/٤٠٧، زكريا ٩/٥٨٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴ر رمضان المبارک ۱۴۰۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۳۸۸/۲۵)

داڑھی کے بال اگانے کے لئے استرا پھروانا

سوال[۱۰۶۹۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ زید کی عمر تقریباً ۲۵/سال سے زائد ہوگئی ہے؛ لیکن اس کو ابھی داڑھی نہیں نکلی بعض ڈاکٹر حکیم لوگوں نے مشورہ دیا کہ تم داڑھی پر خالی استرا پھروالو اس سے تمہاری داڑھی آجائے گی، تو کیا شریعت کی روشنی میں ایسا کیا جا سکتا ہے؟

المستفتی: محمد عابد، متعلم مدرسہ ہٰذا

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بالوں کا اگنا نہ اگنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، یہ کسی کے اختیار میں نہیں ہے، اگر کسی کے چہرہ پر بال نہیں نکلے تو اس سلسلہ میں اس سے کوئی باز پرس نہ ہوگی، اور نہ وہ گنہگار ہوگا؛ لہٰذا اس طرح چہرہ پر استرا پھیرنے کی ضرورت نہیں ہے، تاہم اگر بطور علاج ایسا کیا جائے اور حکیم ڈاکٹروں کی یہ بات مجرب ہو، تو پھر استرا پھیرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے؛ اس لئے کہ یہ داڑھی پر استرا پھیرنا نہیں ہے۔ (مستفاد: محمودیہ جدید ڈابھیل ۴۱۸/۱۹، قدیم ۳۰۷/۱۷، فتاوی رحیمیہ جدید زکریا ۱۱۶/۱۰-۱۱۷، قدیم ۲۶۹/۶، احسن الفتاوی ۷۷/۸)

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا. [البقرہ:۲۸۶] فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰/شعبان المعظم ۱۴۲۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۷۳۶۷/۳۶)

عورتوں کو داڑھی یا مونچھ نکل آئے تو کاٹنا کیسا ہے؟

سوال [۱۰۶۹۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ تخلیقی طور سے بعض مرد یا بعض عورتوں کے جسم کے بعض حصوں پر جیسے داڑھی مونچھ، بھویں، کان، کمر پر بال اگ جاتے ہیں، جو بدنما محسوس ہوتے ہیں، ان بالوں کو صاف کرنا مرد وعورت کے لئے جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد غفران صدرس، مدرسہ تعلیم القرآن شیر کوٹ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مرد کے جن اعضا پر عموماً بال نکلتے ہیں، مثلاً داڑھی مونچھ، بھوں، ابرو، ان کے علاوہ کسی حصہ پر مثلاً کان، کمر یا کسی اور حصہ پر بال نکل آئیں، تو ان کا صاف کرنا جائز ہے، اسی طرح عورت کے چہرے وغیرہ پر بال نکل آئیں، تو ان کا صاف کرنا جائز ہے۔

إزالة الشعر من الوجه حرام إلا إذا نبت للمرأة لحية، أو شوارب، فلا تحرم إزالته؛ بل تستحب ولابأس بأخذ الحاجبين وشعر وجهه ما لم يشبه المخنث. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، قبيل الإستبراء، كراچي ٦/ ٣٧٣، زكريا٩/ ٥٣٦، الموسوعة الفقهية الكويتية ١١/ ٢٧٣، الفقه الإسلامي وادلته، مكتبه هدىٰ انٹرنیشنل ديوبند ١/ ٤٠٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍شعبان المعظم ۱۴۲۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۷۰۹/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۸/۱۶ھ

داڑھی ایک مشت سے زائد کاٹنا اور گولائی میں کرنا

سوال [۱۰۶۹۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ داڑھی کی کم سے کم لمبائی کتنی ہونی چاہئے اور اس کو کاٹ کر گولائی میں کرنے کا حکم کس حدیث سے ثابت ہے، بعض غیر مقلدین داڑھی کو ناف سے نیچے چھوڑ دیتے ہیں، کیا یہ عمل صحیح ہے؟ یا حدیث کے خلاف ہے؟ مدلل جواب مرحمت فرمائیں۔

المستفتی: محمد ذاکر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: داڑھی ایک مشت رکھنا واجب ہے اور ایک

مشت سے بہت زائد لمبی داڑھی رکھنا جیسا کہ بعض غیر مقلدین رکھتے ہیں، یہ احادیث اور سنت کے خلاف ہے ایک مشت سے زائد داڑھی کو کاٹ کر گولائی میں کرنا ابن عمرؓ اور ابو ہریرۃؓ کی روایت سے ثابت ہے، جو درج ذیل ہے۔

عن ابن عمرؓ عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: خالفوا المشركين، وفروا اللحىٰ، واحفوا الشوارب، وكان ابن عمر إذا حج، أو عمر قبض على لحيته فما فضل أخذه. (بخاري شريف، كتاب اللباس، باب تقليم الأظفار ٢/٨٧٥، رقم: ٥٦٦٣، ف:٥٨٩٢)

وقد روي عن أبي هريرةؓ أيضاً أنه كان يقبض على لحيته فيأخذ مافضل عن القبضة. (هامش الترمذي ٢/١٠٥)

عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده، أن رسول الله صلى الله عليه كان يأخذ من لحيته من طولها وعرضها. (سنن الترمذي، كتاب الأدب، باب ماجاء في الأخذ اللحية، النسخة الهندية ٢/١٠٥، دار السلام رقم: ٢٧٦٢)

عن الحسن قال: كانوا يرخصون فيمازاد على القبضة من اللحية: أن يؤخذ منها. (مصنف ابن أبي شيبة، مؤسسة علوم القرآن بيروت ١٣/١١٢، رقم: ٢٥٩٩٥)

عن أبي هريرةؓ: أنه كان يأخذ من لحيته ماجاز القبضة. (مصنف ابن أبي شيبة ١٣/١١٣، رقم: ٢٥٩٩٩)

أنه ورد في السنة إصلاح اللحية بما يزيد على القبضة. (اوجز المسالك، دار القلم بيروت ٨/١٣٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/ ربیع الاول ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰/ ۱۱۴۶۶)

داڑھی کے بال توڑ کر پھینکنے کی حکمت

سوال [۱۰۷۰۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے یہاں ایک رواج ہے کہ اگر داڑھی کا کوئی بال ٹوٹتا ہے، یا گرتا ہے تو اس کو توڑ کر پھینکتے ہیں، معلوم یہ کرنا ہے کہ داڑھی کے بال کا توڑ کر ایک طرف ڈالنا یہ شرعًا کوئی بات ہے یا ویسے ہی عوامی رواج ہے؟

المستفتی: سعید احمد سیڑھا، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بخاری شریف میں ایک روایت کئی جگہ موجود ہے حضور ﷺ کو جو جادو کیا گیا تھا، وہ بالوں میں گرہ لگا کر کیا گیا تھا اور داڑھی کے بال چونکہ لمبے ہوتے ہیں، ان میں گرہ لگانا آسان ہوتا ہے؛ اس لئے جو لوگ داڑھی کے بال گرنے کے بعد اسے توڑ کر چھوڑ دیتے ہیں، شاید اسی وجہ سے کرتے ہوں گے کہ کسی دشمن کے ہاتھ نہ لگ سکے، اور اگر داڑھی کے بال توڑ کر ایک طرف ڈالنے والوں کا مقصد کوئی دوسرا ہے، تو وہی بتائیں گے، ہم کو معلوم نہیں کہ ان کا کیا مقصد ہے؟

عن عائشة رضـ كان رسول الله صلى الله عليه وسلم سحر حتى كان يرىٰ أنه يأتي النساء، ولا يأتيهن......وقال من طبه قال لبيد بن الأعصم رجل من بني زريق حليف ليهود، كان منافقًا، قال: وفيم، قال في مشط ومشاقة قال فأين؟ قال: في جف طلعة ذكر تحت رعوفة في بئر ذى أروان. (بخاري شريف، كتاب الطب، باب هل يستخرج السحر ۲/ ۸۵۸، رقم: ۵۵۴۰، ف: ۵۷۶۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۶۳۴/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۶/۱۴ھ

رخسار اور حلق کے بال منڈانا

سوال [۱۰۷۰۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ رخسار کے بال اور ٹھوڑی کے نیچے حلق کے بال کی کیا حیثیت ہے؟ کیا یہ ازروئے شرع داڑھی کے اندر داخل ہے یا خارج؟ زید رخسار اور داڑھی کے نیچے ٹھوڑی کے نیچے کے بال منڈاتا ہے، شریعت کی نظر میں اس کا یہ عمل کیسا ہے؟

المستفتی: عبدالکریم، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: رخسار اور حلق کے بال داڑھی میں داخل نہیں؛ لہٰذا زید کے رخسار اور حلق کے بالوں کو منڈانے کی گنجائش ہے اور رخسار کے بالوں کو گولائی میں منڈانے کی بھی گنجائش ہے؛ لیکن نہ منڈانا بہتر ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ، جدید ڈابھیل ۴۴۲/۱۹، ۴۲۰/۱۹-۴۲۱، قدیم ۲۸۲/۸-۲۹۴/۸)

ولا يحلق شعر حلقه، وعن أبي يوسفؒ لابأس بذلك، ولا بأس بأخذ الحاجبين، وشعر وجهه ما لم يتشبه بالمخنث، كذا في الينابيع. (هندية، كتاب الكراهية، الباب التاسع، زكريا قديم ٥/٣٥٨، جديد ٥/٤١٤، حاشية الطحطاوي على المراقي، دار الكتاب ديوبند ٥٢٦، شامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، كراچي ٦/٤٠٧، زكريا ٩/٥٨٣) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللّٰہ عنہ
۲۷/جمادی الاول ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۶۶۸۴/۳۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۵/۲۷ھ

داڑھی مونڈنا کیسا ہے؟

سوال [۱۰۷۰۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل

کے بارے میں: کہ جو حضرات شروع سے داڑھی مونڈتے ہیں، ان کے بارے میں علماء دین کیا فرماتے ہیں؟ اسی طرح جو حضرات داڑھی رکھ کر پھر اس کو صاف کردیں، ان کے بارے میں کیا حکم ہے؟

المستفتی: محمد سمیع اللہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ایک مشت سے کم داڑھی کاٹنے کو فقہاء نے حرام قرار دیا ہے، شروع سے مونڈ دے، تو بھی حرام اور رکھ کر مونڈ دے تب بھی حرام ہے۔

عن ابن عمرؓ، عن النبي صلى الله عليه وسلم، أنه أمر بإحفاء الشوارب، وإعفاء اللحية. (مسلم شريف، كتاب الطهارة، باب خصال الفطرة، النسخة الهندية ١٢٩/١، بيت الأفكار رقم: ٢٥٩، سنن الترمذي، كتاب الأدب، باب ماجاء في إعفاء اللحية، النسخة الهندية ١٠٥/٢، دار السلام رقم: ٢٧٦٤)

إذا كانت بقدر المسنون وهو القبضة –إلى قوله– وهي دون ذلك كما يفعله بعض المغاربة، ومخنثة الرجال، فلم يبحه أحد، وأخذ كلها فعل يهود الهند، ومجوس الأعاجم. (در مختار مع الشامي، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم وما لا يفسده، مطلب في الأخذ من اللحية، مصري ١٥٥/٢، كراچي ٤١٨/٢، زكريا ٣٩٨/٣)

يحرم على الرجل قطع لحيته. (در مختار مع الشامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، مصري ٣٥٩/٥، كراچي ٤٠٧/٦، زكريا ٥٨٣/٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍صفر المظفر ۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۶۰۱۵/۳۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۲/۲ھ

داڑھی ہوتے ہوئے کوئی غلط کام ہوجانے کے خوف سے داڑھی نہ رکھنا

سوال [۱۰۷۰۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل

کے بارے میں: کہ بعض حضرات اس لئے داڑھی نہیں رکھتے کہ اگر ہم داڑھی رکھ کر کوئی غلط کام کریں گے، تو اس سے داڑھی والوں کی بدنامی اور داڑھی کی بے حرمتی ہوگی، ایسے حضرات کے بارے میں کیا حکم ہے؟

المستفتی: جوادالحق، نئی بستی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: داڑھی رکھنا واجب ہے اور کترانے میں ایک گناہ کبیرہ ہے، جو موجب فسق ہے، اور داڑھی منڈانے میں دو گناہ کبیرہ ہیں، ایک گناہ کبیرہ جو موجب فسق ہے ۔ دوسرا گناہ کبیرہ عورتوں کے ساتھ مشابہت ہے پس داڑھی کی سب سے بڑی بے حرمتی یہی ہے کہ منڈا دیا جائے یا کترا دیا جائے اور داڑھی منڈا کر کے داڑھی کو بے حرمتی سے بچانے کی بات کرنا کتنی بڑی الٹی کھوپڑی کی بات ہے خود اپنے ہاتھ سے داڑھی کو بدنام بھی کر دیا۔ نیز دنیا والوں کے سامنے دکھایا، پھر کہتے ہیں کہ داڑھی کو بدنامی سے بچائیں، یہ کونسی سمجھ کی بات ہے؟ اگر غلط کام کرتے ہیں، تو غلط کام کا گناہ الگ سے ہوگا اور داڑھی منڈانے کا گناہ الگ سے؛ اس لئے داڑھی نہ رکھنے والوں کی یہ دلیل درست نہیں ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۴/۲۲۳، احسن الفتاوی ۸/۷۳)

عن ابن عمرؓ، عن النبي صلى الله عليه وسلم، أنه أمر بإحفاء الشوارب، وإعفاء اللحيه. (مسلم شريف، كتاب الطهارة، باب خصال الفطرة، النسخة الهندية ١/١٢٩، بيت الأفكار رقم: ٢٥٩، سنن الترمذي، كتاب الأدب، باب ماجاء في إعفاء اللحية، النسخة الهندية ٢/١٠٥، دار السلام رقم: ٢٧٦٤)

عن ابن عباسؓ، قال: لعن النبي صلى الله عليه وسلم: المتشبهين من الرجال بالنساء الحديث (صحيح البخاري، كتاب اللباس، باب المتشبهين بالنساء ٢/٨٧٤، رقم: ٥٦٥٦، ف: ٥٨٨٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/ربیع الاول ۱۴۲۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶/۷۶۰۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۴/۲۲ھ

جس کمپنی میں داڑھی کی اجازت نہ ہو، اس میں ملازمت

سوال[۱۰۷۰۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں قطر پٹرولیم کمپنی میں کام کرتا ہوں، ہماری کمپنی میں داڑھی رکھنے پر سخت پابندی ہے اگر کبھی تھوڑی بہت داڑھی بڑھ بھی جاتی ہے، تو ہماری کمپنی کا منیجر داڑھی کٹانے کا حکم دیتا ہے، اور بغیر کٹائے کام کرنے کی اجازت نہیں ہوتی، مجھے داڑھی کاٹنے پر بہت شرمندگی ہوتی ہے اور میں دوسری کمپنی تلاش بھی کر رہا ہوں، تو دریافت یہ کرنا ہے کہ جب تک دوسری کمپنی میں سروس نہ ملے، اس کمپنی میں کام کرنا کیسا ہے، اور ایسی مجبوری کی حالت میں داڑھی کٹانے کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: محمد حسن، دوحہ، قطر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: داڑھی رکھنا اور اس کو بڑھانا شرعاً واجب ہے، حدیث شریف میں اس کا حکم آیا ہے، ایک مشت پہونچنے سے پہلے کٹانا اور ایک مشت سے کم کرالینا جائز نہیں۔ لہٰذا کمپنی کے منیجر کے کہنے سے شرعی حکم کی مخالفت جائز نہیں، آپ اللہ پر بھروسہ کرکے ایسی کمپنی سے نوکری چھوڑ دیں، اللہ تعالیٰ انشاء اللہ اس سے اچھا انتظام فرمادیں گے۔
(مستفاد: فتاوی محمودیہ ڈابھیل ۱۹/۴۱۴)

عن ابن عمرؓ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: خالفوا المشركين، وفروا اللحىٰ، وأحفوا الشوارب، وكان ابن عمر إذا حج، أو اعتمر قبض على لحيته فما فضل أخذه. (بخاري شريف، كتاب اللباس، باب تقليم الأظفار ۲/۸۷۵، رقم: ۵۶۶۳، ف:۵۸۹۲)

عن عليؓ قال: قال رسول الله عليه وسلم لا طاعة في معصية إنما الطاعة في المعروف. (صحيح البخاري، كتاب أخبار الآحاد، باب ماجاء في إجازة

خبر الواحد ۲/۱۰۸۷، رقم:۶۹٦۷، ف:۷۲۵۷، مشكوة شريف ۳۱۹)

يحرم على الرجل قطع لحيته. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، زكريا ۹/۵۸۳، كراچي ٦/۴۰۷)

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إنك لا تدع شيئًا اتقاء الله إلا أعطاك الله خيرًا منه. (شعب الإيمان، دار الكتب العلمية بيروت ۵/۵۳، رقم: ۵۷۴۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍رجب المرجب ۱۴۳۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹/ ۱۰۵۵۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۷؍۷؍۱۴۳۲ھ

داڑھی رکھنے کی وجہ سے نوکری سے نکالنے لگے تو کیا حکم ہے؟

سوال [۱۰۷۰۵]: (الف) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید گورنمنٹ ملازم ہیں یعنی ملیٹری میں نوکری کرتے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ ملیٹری میں رہنے کے باوجود داڑھی رکھیں، مگران کے جو جنرل کرنل ہیں، وہ کہتے ہیں کہ اگر تم داڑھی رکھو گے تو تمہیں نوکری سے نکال دیا جائے گا اور اگر زید نوکری چھوڑ دیں، تو ایسا کوئی ذریعہ نہیں ہے، جس سے اپنے بیوی بچوں کا خرچہ چلا سکیں، اس وجہ سے زید کافی مجبور ہیں۔ واضح رہے کہ زید کے تمام آفیسر کافر ہیں۔

المستفتی: فوجی محمد الیاس، جموں کشمیر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: داڑھی تمام انبیاء کی سنت اور شعائر اسلام میں سے ہے؛ اس لئے ایک مشت داڑھی رکھنا واجب اور لازم ہے، ایک مشت سے کم کرانا یا ترشوانا قطعاً جائز نہیں ہے۔ اب رہی ملازمت کی بات کہ داڑھی رکھنے سے نوکری سے نکال

دیا جائے گا، تو یہ ہندوستانی قانون کے خلاف ہے؛ کیونکہ ہندوستانی قانون میں ہر آدمی اپنے مذہب پر عمل کرنے میں آزاد ہے، جیسا کہ سکھوں کو داڑھی رکھنے میں کوئی رکاوٹ نہیں اور جو مسلمانوں کو دھمکی دی جارہی ہے، وہ خود مسلمانوں کی ذاتی کمزوری اور غفلت کی وجہ سے ہے؛ اس لئے کہ مسلمان خود اپنے یونی فارم کی پابندی نہیں کرتے ہیں۔

عن عائشة رضـ قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: عشر من الفطرة قص الشارب، وإعفاء اللحية إلى آخره. (سنن أبو داؤد شريف، كتاب الطهارة، باب السواك من الفطرة، النسخة الهندية ١/٨، دار السلام رقم: ٥٣، صحيح مسلم، كتاب الطهارة، باب خصال الفطرة، النسخة الهندية ١/٢٩، بيت الأفكار رقم: ٢٦١، سنن ابن ماجه، كتاب الطهارة، باب الفطرة، النسخة الهندية ١/٢٥، دار السلام رقم:٢٩٣)

وقص اللحية كان من صنع الأعاجم، وهو اليوم شعار كثيرمن المشركين كالأفرنج والهنود، ومن لا خلاق له في الدين من الطائفة القلندرية. (مرقاة شرح مشكوة شريف، باب السواك، مكتبة امداية ملتان اشرفى ٢/٤، شامي، زكريا ٣/٣٩٨، كراچي ٢/٤١٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/ربیع الاول ۱۴۲۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷/۸۷۶۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۹/۳/۱۴۲۶ھ

سرحد پار کرنے کے لئے داڑھی منڈوانے کی گنجائش

سوال [۱۰۷۰۵/ب]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص ہندوستان کا رہنے والا ہے؛ لیکن کاروبار کے لئے بنگلہ دیش آنا جانا ہوتا رہتا ہے تو اس درمیان کوئی رکاوٹ پیش نہیں آئی؛ لیکن اس مرتبہ رکاوٹ پیش آرہی ہے، وجہ یہ ہے کہ پہلے داڑھی نہیں رکھتا تھا اور اب داڑھی رکھنے لگا ہے، جس کی وجہ

سے پاسپورٹ فوٹو سے چہرہ نہ ملنے کیوجہ سے باڈر پر روک لیا جاتا ہے، تو کیا اس مجبوری کیوجہ سے داڑھی کو کٹوایا جاسکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد جوہر علی، بیگوسرائے

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر داڑھی منڈوائے بغیر سرحد پار کرنا ممکن نہیں نہیں، تو بدرجۂ مجبوری داڑھی منڈ واکر کے سرحد پار کرنے کی گنجائش ہے؛ کیونکہ مجبوری اور ضرورت کی وجہ سے بقدر ضرورت امر ممنوع کے ارتکاب کی شرعاً اجازت ہو جاتی ہے۔

ما أبيح للضرورة يتقدر بقدرها الخ. (الأشباه و النظائر ١٤٠)

عن أنس أن الزبير، وعبد الرحمن بن عوف شكوا إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم القمل فرخص لهما في قميص الحرير في غزاة لهما. الحديث. (قديم ٦٥)

إنما يكره اللبس إذا لم تقع الجاجة في لبس الخ. (البحر الرائق ٨/ ١٩٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم ذی الحجہ ۱۴۳۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ر)

داڑھی مونڈنے والے نائی کی اجرت کا جواز

سوال [۱۰۷۰۵/ ج]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آپ نے لکھا ہے کہ سرحد پار کرنے کے لئے داڑھی کی وجہ سے رکاوٹ پیش آنے کی صورت میں داڑھی منڈ واکر سرحد پار کرنے کی گنجائش ہے اور اس طرح بہت سے اعذار ایسے ہیں، جن کی وجہ سے داڑھی منڈ وانے کی گنجائش ہوسکتی ہے؛ اسی طرح تصویر کشی کرنا فی نفسہ ناجائز ہے؛ لیکن بہت سے امور میں تصویر کی ضرورت پیش آئی؛ اسی لئے

بہت سے فقہاء نے تصویر کشی کی اجرت کو جائز اور حلال لکھا ہے، تو کیا داڑھی مونڈنے والے نائی کی اجرت بھی جائز ہوگی یا نہیں اور ایسا نائی جو داڑھی مونڈنے کی اجرت حاصل کرتا ہے، اس کو قربانی کے سات شرکاء میں سے ایک شریک قرار دینے میں دیگر شرکاء کی قربانی میں خرابی آئے گی یا نہیں؟ بعض علاقہ میں اس مسئلے کو لے کر لوگوں میں اختلاف اور جھگڑا ہو رہا ہے کہ نائی کی شرکت کی وجہ سے دوسروں کی قربانی جائز ہے یا نہیں؟ بعض لوگ ناجائز کہتے ہیں، بعض لوگ جائز کہہ رہے ہیں، آپ اس مسئلے کا حل شریعت کی روشنی میں فرمادیں۔

المستفتی: عبدالہادی بستوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: داڑھی مونڈنے والے نائی کی اجرت حلال ہے یا نہیں؟ اس سلسلے میں باقاعدہ طور پر کوئی صریح جزئیہ دستیاب نہ ہوسکا اور داڑھی مونڈنے کے مسئلہ کا سلسلہ خیر القرون اور ائمہ مجتہدین کے زمانہ سے چلا آرہا ہے، یہ کوئی نیا مسئلہ نہیں ہے، مگر ائمۂ مجتہدین میں متقدمین اور متأخرین میں سے کسی نے بھی اس مسئلہ کو اہمیت دی ہو یا اس مسئلے پر صاف الفاظ کے ساتھ کسی حکم شرعی کی وضاحت فرمائی ہو۔

احقر کے علم میں نہیں ہے تاہم ایسے نائی کی اجرت جو داڑھی مونڈ کر حاصل ہوتی ہو، اس کی حلت وحرمت کے متعلق نظائر پر غور کرنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ تعاون علی المعصیت کی وجہ سے داڑھی مونڈنے کا عمل باعث گناہ ہے، مگر اس کی اجرت جائز اور حلال ہوگی، حاصل طور پر جب استرا اور بلیڈ نائی کا ہو تو قربانی میں دیگر شرکاء کے ساتھ اس کی قربانی بھی درست ہوجائے گی اور دیگر شرکاء کی قربانی بھی بلاکراہت درست ہوجائے گی اور یہ ایسا ہے کہ جیسا کہ تصویر کشی کرنا معصیت اور گناہ کبیرہ ہے لیکن تصویر کشی کی اجرت حضرت امام محمدؒ کے نزدیک جائز اور حلال ہے، اسی طرح ڈھول، تاشے اور آلات لہو ولہب کا تیار کرنا تعاون علی المعصیت کی وجہ سے گناہ کبیرہ کا ارتکاب ہے؛ لیکن اس کی اجرت جائز اور حلال ہے اور یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ بعض حالات میں تصویر کشی کی ضرورت ہوتی ہے اور آلات لہو ولہب کی بھی بعض دفعہ

ضرورت پڑ جاتی ہے،اس طرح داڑھی منڈوانے کی بھی بعض دفعہ ضرورت پڑجاتی ہے مثلاً کسی بیماری کی وجہ سے منڈوانے کی ضرورت پڑجاتی ہے یا پاسپورٹ کے اوپر بغیر داڑھی کا فوٹو ہے اور غیر ملک میں جانے کے ایک دوسال کے بعد چہرے پر پوری داڑھی آچکی ہو اور پاسپورٹ کا فوٹو چہرہ سے میل نہ کھاتا ہو اور اس حالت میں سرحد پار کرنے میں دشواری ہو،تو داڑھی منڈوا کر کے سرحد پار کرنے کی اجازت ہو جاتی ہے،تو معلوم ہوا کہ بعض دفعہ بعض اعذار کی وجہ سے ایسے ہی داڑھی منڈوانے کی گنجائش ہو جاتی ہے،جیسا کہ تصویر کشی کی گنجائش ہوتی ہے؛اس لئے ہم داڑھی مونڈنے والے نائی کی اجرت کو اسی طرح جائز اور حلال سمجھتے ہیں،جس طرح تصویر کشی کرنے والے کی اجرت کو بعض فقہاء نے جائز اور حلال کہا ہے۔

جزئیات ملاحظہ فرمائیے:

وفي نوادر هشام عن محمدؒ رجل استأجر رجلاً ليصور له صوراً أو تماثيل الرجال في بيت أو فسطاط فاني أكره ذالک وأجعل له الأجرة. قال هشام: تاويله إذا كان الإصباغ من قبل الأجير ......وإن استاجره لينحت له طنبوراً أو بربطا ففعل طاب له الأجر إلا أنه ياثم به. (هندية، زكريا ٤/ ٤٥٠، اتحاد ٤/ ٤٨٦)

وفي فتاوى اهل سمر قندؒ إذا استأجر رجلا ينحت له طنبورًا أو بربطا ففعل يطيب له الأجر إلا أنه ياثم في الإعانة على المعصية وإنماا وجب له الأجر في هذه المسائل. (المحيط البرهاني ١١/ ٣٤٦، رقم: ١٣٧٩٣، البحر الرائق، زكريا ٨/ ٣٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم ذی الحجہ ۱۴۳۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۱/ ۱۲۲۹۸)

فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّيْنِ

فتاویٰ قاسمیہ

منتخب فتاویٰ

حضرت مولانا مفتی شبیر احمد القاسمی
خادم الافتاء و الحدیث جامعہ قاسمیہ
مدرسہ شاہی مرادآباد، الہند

(جلد ۲۴)

المجلد الرابع و العشرون

بقية الحضر و الاباحة باب الاكل و الشرب الانتفاع بالحيوانات الخمر، الدخان، الهدايا، الموالة مع الكفار، المال الحرام، الادب، اللهو، استعمال الذهب والفضة، كسب الحلال، الغناء، التصاوير

۱۰۷۰۶ ——— ۱۱۲۰۵

ناشر
مکتبہ اشرفیہ، دیوبند، الہند
01336-223082

فتاویٰ قاسمیہ

صاحب فتاویٰ

حضرت مولانا مفتی شبیر احمد القاسمی

پہلا ایڈیشن محرم الحرام ۱۴۳۷ھ

ناشر

مکتبہ اشرفیہ، دیوبند، ضلع سہارنپور، الهند

01336-223082

ASHRAFI BOOK DEPOT

DEOBAND, SAHARANPUR, INDIA

Phone: 01336-223082

Mob. : 09358001571،08810383186

مکمل اجمالی فهرست ایک نظر میں

	رقم المسأله		عنوانات
المجلد الأول	١	١٧٢	مقدمة التحقيق، الإيمان و العقائد إلى باب ما يتعلق بالارواح.
المجلد الثاني	١٧٣	٥٥٧	بقية الإيمان و العقائد من باب الحشر إلى باب ما يتعلق بأهل الكتاب، التاريخ و السير، البدعات و الرسوم.
المجلد الثالث	٥٥٨	١٠٠٥	بقية البدعات و الرسوم من باب رسومات جنائز إلى رسومات نكاح، كتاب العلم إلي باب ما يتعلق بالكتابة.
المجلد الرابع	١٠٠٦	١٤١٥	بقية كتاب العلم من كتابة القرآن إلي باب الوعظ و النصيحة، الدعوة و التبليغ، السلوک و الاحسان، الأدعية و الأذكار.
المجلد الخامس	١٤١٦	١٩٣٥	الطهارة بتمام أبوابها، الصلوة من أوقات الصلوة إلى صفة الصلوة.
المجلد السادس	١٩٣٦	٢٤٥٧	الجماعة، المساجد، الإمامة.
المجلد السابع	٢٤٥٨	٢٩٦٤	بقية الصلوة من تسوية الصفوف إلي سجود التلاوة.
المجلد الثامن	٢٩٦٥	٣٤٢٣	بقية الصلوة من الذكر و الدعاء بعد الصلوة، الوتر، ادراک الفريضة، السنن و النوافل، التراويح، صلوة المسافر.

المجلد التاسع	٣٤٢٤	٣٨٩٣	بقية الصلوة، صلوة المريض، الجمعة، العيدين، الجنائز إلي حمل الجنازة.
المجلد العاشر	٣٨٩٤	٤٤٠٤	بقية الجنائز من صلوة الجنائز إلي باب الشهيد، كتاب الزكوة.
المجلد الحادي عشر	٤٤٠٥	٤٨٧٣	بقية الزكوة، كتاب الصدقات، الصوم، بتمام أبوابها إلي صدقة الفطر.
المجلد الثاني عشر	٤٨٧٤	٥٣٤٨	كتاب الحج بتمام أبوابها، النكاح إلى باب نكاح المكره.
المجلد الثالث عشر	٥٣٤٩	٥٩٤٣	بقية النكاح إلي باب المهر.
المجلد الرابع عشر	٥٩٤٤	٦٤٦٢	الرضاع، الطلاق إلي باب الكناية.
المجلد الخامس عشر	٦٤٦٣	٦٩٠٢	بقية الطلاق، الرجعة، البائن، الطلاق بالكتابة، الطلاق الثلاث، الشهادة في الطلاق، الحلالة.
المجلد السادس عشر	٦٩٠٣	٧٤٠٢	بقية الطلاق، تعليق الطلاق، التفويض، الفسخ والتفريق، الظِهار، الإيلاء، الخلع، الطلاق على المال، العدة، النفقة، ثبوت النسب، الحضانة.
المجلد السابع عشر	٧٤٠٣	٧٨٦٧	الأيمان والنذور، الحدود، الجهاد، اللقطة، الامارة والسياسة، القضاء، الوقف إلي باب المساجد.
المجلد الثامن عشر	٧٨٦٨	٨٤٠٨	بقية الوقف من الفصل الثالث، المسجد القديم إلي مصلى العيد، والمقبرة. (قبرستان)

المجلد التاسع عشر	٨٤٠٩	٨٨٥٦	بقية الوقف، باب المدارس، كتاب البيوع، البيع الصحيح، الفاسد، المرابحة، الصرف، السلم، الوفاء، الشفعة، المزارعة.
المجلد العشرون	٨٨٥٧	٩٣٥٠	الشركة، المضاربة، الربوا بتمام أنواعها.
المجلد الحادي والعشرون	٩٣٥١	٩٧٣٥	الديون، الوديعة، الأمانة، الضمان، الهبة، الإجارة.
المجلد الثاني والعشرون	٩٧٣٦	١٠٢٤٥	الغصب، الرهن، الصيد، الذبائح بتمام أنواعها، الأضحية بتمام أنواعها، العقيقة، الحقوق، بأكثر أبوابها إلي باب حقوق الأقارب.
المجلد الثالث والعشرون	١٠٢٤٦	١٠٧٠٥	بقية الحقوق، الرؤيا، الطب والرقىٰ بتمام أنواعها، كتاب الحظر والإباحة إلي باب السابع، ما يتعلق باللحية.
المجلد الرابع والعشرون	١٠٧٠٦	١١٢٠٥	بقية الحظر والإباحة، باب الأكل والشرب، الانتفاع بالحيوانات، الخمر، الدخان، الهدايا، الموالاة مع الكفار، المال الحرام، الأدب، اللهو، استعمال الذهب والفضة، كسب الحلال، الغناء، التصاوير.
المجلد الخامس والعشرون	١١٢٠٦	١١٦٠٠	الوصية، الفرائض بتمام أبوابها.
المجلد السادس والعشرون	١	١١٦٠٠	فهارس المسائل

❖❖ ❍❖❍

فہرست مضامین

۴۱/ بقیة كتاب الحظر والإباحة

۸/ باب: کھانے کی سنتوں اور آداب وغیرہ کا بیان

مسئلہ نمبر		صفحہ نمبر
۱۰۷۰۶	کھانا کھانے کے لئے بیٹھنے کا سنت طریقہ	۳۷
۱۰۷۰۷	کھانا کھانے کا مسنون طریقہ	۳۸
۱۰۷۰۸	کیا اکڑو بیٹھ کر کھانا حضور ﷺ سے ثابت ہے؟	۳۹
۱۰۷۰۹	حضور ﷺ کھانے میں پانی کس وقت پیتے تھے؟	۴۱
۱۰۷۱۰	میز وکرسی پر کھانا، کھانا	۴۴
۱۰۷۱۱	کھڑے ہو کر کھانا پینا	۴۵
۱۰۷۱۲	کھڑے ہو کر کھانا پینا کیسا ہے؟	۴۶
۱۰۷۱۳	تین انگلیوں سے کھانا کب مسنون؟	۵۰
۱۰۷۱۴	کیا کھانے کی ابتداء وانتہا نمک پر کرنا مسنون ہے؟	۵۱
۱۰۷۱۵	نمک سے کھانا شروع کرنا اور نمک سے ختم کرنے کا حکم	۵۲
۱۰۷۱۶	سر ڈھانک کر کھانا کھانا کیسا ہے؟	۵۳
۱۰۷۱۷	کھاتے وقت سر ڈھانکنا کیسا ہے؟	۵۴
۱۰۷۱۸	ٹوپی پہن کر کھانا کھانا	۵۵

۱۰۷۱۹ خورد ونوش کے وقت سر ڈھانکنا ۵۵
۱۰۷۲۰ کھانا کھانے اور پانی پینے کے وقت سر ڈھانکنا ۵۶
۱۰۷۲۱ پانچوں انگلیوں سے کھانا کھانے کی صورت میں چاٹنے کی ترتیب ۵۷
۱۰۷۲۲ کھانے کے بعد دانتوں کو صاف کرکے اس پانی کو نگلنا ۵۸
۱۰۷۲۳ کھانے کے بعد پلیٹ میں کھانا چھوڑنا ۵۹
۱۰۷۲۴ کھائے ہوئے برتن میں ہاتھ دھونے کا حکم ۶۰
۱۰۷۲۵ کھانے کے بعد پانی پینا کیسا ہے؟ ۶۲
۱۰۷۲۶ کھانا کھانے کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا ۶۴
۱۰۷۲۷ سب سے افضل ترین پانی کونسا ہے؟ ۶۵
۱۰۷۲۸ بوتل سے منھ لگا کر پانی پینا ۶۶
۱۰۷۲۹ دایاں ہاتھ شوربہ میں ملوث ہونے کی وجہ سے بائیں ہاتھ سے کھانا نکالنا .. ۶۷
۱۰۷۳۰ پھل وغیرہ کو چاقو سے کاٹ کر کھانا ۶۸
۱۰۷۳۱ بائیں ہاتھ سے کھانا ۶۹

۹/ باب: حلال وحرام اشیاء کا بیان

۱۰۷۳۲ کونسا سرکہ کھانا سنت ہے؟ ۷۰
۱۰۷۳۳ ڈالڈا گھی کا استعمال ۷۱
۱۰۷۳۴ کولگیٹ کا استعمال کرنا ۷۱
۱۰۷۳۵ پارلے جی بسکٹ کا کھانا ۷۲
۱۰۷۳۶ اجمیر کی مٹھائی کا حکم ۷۳

۱۰۷۳۷ دودھ پھاڑ کر گلاب جامن بنانا ۷۴
۱۰۷۳۸ اللہ لکھے ہوئے آلو کا کیا کریں؟ ۷۵
۱۰۷۳۹ گھر کا بچا ہوا کھانا خاکروب کو دینا ۷۶
۱۰۷۴۰ کھانے میں کیڑے یا مینگنی کا نکلنا ۷۷
۱۰۷۴۱ کھانے کی چیز میں جائفل اور دیگر نشہ آور چیز ڈالنا ۷۸
۱۰۷۴۲ مضطر نے اگر اکل حرام کے ذریعہ جان نہیں بچائی، تو کیا وہ گنہگار رہے؟ .. ۷۹
۱۰۷۴۳ ہوائی جہاز کی چیزوں کا کھانا کیسا ہے؟ ۸۰
۱۰۷۴۴ ہوائی جہاز کی طرف سے ملنے والے ہوٹلوں کے کھانے کا حکم ۸۱
۱۰۷۴۵ غیر ممالک کے پیکٹ کا گوشت ۸۲
۱۰۷۴۶ تمباکو استعمال کرنے والی عورت کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا حلال ہے؟ ... ۸۳
۱۰۷۴۷ مدارس اسلامیہ میں آنے والے گوشت کا کھانا ۸۴
۱۰۷۴۸ یتیم خانے کا کھانا خرید کر کھانا ۸۵
۱۰۷۴۹ غیر مسلم کے یہاں میت کا کھانا کھانا کیسا ہے؟ ۸۶
۱۰۷۵۰ غیر مسلم کا پکایا ہوا گوشت کھانا ۸۶
۱۰۷۵۱ غیر مسلم قصاب سے مسلمانوں کا گوشت خرید کر کھانا کیسا ہے؟ ۸۷
۱۰۷۵۲ ہندو کی دوکان سے مٹھائی خریدنا ۸۸
۱۰۷۵۳ غیر مسلم کے ہوٹل میں گوشت کھانا ۸۹
۱۰۷۵۴ غیر مسلم ہوٹل کے مسلم کارندے حلال گوشت کی خبر دیں تو؟ ۹۰
۱۰۷۵۵ غیر مسلم کے جس ہوٹل میں مسلم وغیر مسلم دونوں کارندے ہوں
وہاں گوشت کھانا ۹۱

۱۰۷۵۶ غیر مسلم ہوٹلوں میں گوشت کے علاوہ دیگر اشیاء سبزی وغیرہ کھانا ۹۲
۱۰۷۵۷ کھانے پینے کی اشیاء میں سور کی چربی ملی ہونے کے نوٹس کا حکم ۹۴
۱۰۷۵۸ E کوڈ کی شرعی حیثیت ۹۶
۱۰۷۵۹ E کوڈ کا شرعی حکم ۹۸
ای-کوڈ (E-Code) میں پوشیدہ ہیں کئی گہرے راز ۱۰۰
۱۰۷۶۰ مردار بکری یا مرغی غیر مسلم کو کھانے کے لئے دینے کا حکم ۱۰۳

۱۰؍ باب: حلال وحرام جانور

۱۰۷۶۱ حلال جانوروں کو کھانے کا حکم کب نازل ہوا؟ ۱۰۴
۱۰۷۶۲ حلال جانور پر ”جلالہ“ کا حکم کب لگتا ہے؟ ۱۰۵
۱۰۷۶۳ جلالہ جانور کو بند رکھ کر پاک غذا کھلانے کا حکم وجوبی ہے یا استحبابی؟ .. ۱۰۷
۱۰۷۶۴ طوطا، مینا حلال ہے اور ان کا کھانا جائز ہے ۱۰۹
۱۰۷۶۵ امریکن گائے ۱۱۱
۱۰۷۶۶ سمک طافی ۱۱۲
۱۰۷۶۷ خنزیر کے اجزاء کھا کر پرورش پانے والی مچھلیوں کا حکم ۱۱۴
۱۰۷۶۸ ناپاک غذا کھانے والی مچھلی کا حکم ۱۱۵
۱۰۷۶۹ گندگی سے پرورش پانے والی مچھلیوں کا کھانا ۱۱۶
۱۰۷۷۰ کیا حرام غذا سے پرورش شدہ مچھلیوں کا کھانا حلال ہے؟ ۱۱۷
۱۰۷۷۱ لاوارث جانور کا حکم ۱۱۹
۱۰۷۷۲ کونسا کوا کھانا حلال ہے؟ ۱۲۰

۱۰۷۷۳ مسلک شافعی میں کچھوا کھانے کا حکم ۱۲۱
۱۰۷۷۴ جھینگا اور کیکڑا حلال ہے یا نہیں؟ ۱۲۲
۱۰۷۷۵ مارماہی ۱۲۳
۱۰۷۷۶ ''جھینگا مچھلی نہیں'' ائمہ اربعہ اور اکابر دیوبند کا کیا موقف ہے؟ ۱۲۳
۱۰۷۷۷ جھینگا مچھلی کی حلت وحرمت سے متعلق علماء احناف کا راجح قول ۱۲۵
۱۰۷۷۸ جھینگا مچھلی کا حکم ۱۲۶
۱۰۷۷۹ دریائی جھینگا کا حکم ۱۲۷
۱۰۷۸۰ جھینگہ کے متعلق ایک تحقیقی فتویٰ ۱۲۹
۱۰۷۸۱ خنزیر کے دودھ سے پرورش شدہ بکری کے بچہ کا حکم ۱۳۶
۱۰۷۸۲ ناپاک اور پاک چارا دونوں کھانے والے جانور کا حکم ۱۳۸
۱۰۷۸۳ بکری اور کتا، اسی طرح سور اور بکری کے اختلاط سے پیدا شدہ بچے کا حکم . ۱۳۹
۱۰۷۸۴ دانہ سے پرورش شدہ مرغیوں کا کھانا ۱۴۰
۱۰۷۸۵ انسان کے براز کھانے والے مرغ کا حکم ۱۴۱
۱۰۷۸۶ ابھی ابھی انسان کا براز جس مرغ نے کھایا اس کا حکم؟ ۱۴۲
۱۰۷۸۷ عام غذا دانہ وغیرہ ہوں اور ساتھ میں خنزیر کے اجزاء بھی کھلائے تو کیا حکم؟ ... ۱۴۳

۱۱/ باب الإنتفاع بالحیوانات

۱۰۷۸۸ گائے کا گوشت کھانا جائز ہے یا نہیں؟ ۱۴۵
۱۰۷۸۹ ولادت کے فوراً بعد گائے کے دودھ کا حکم ۱۴۶
۱۰۷۹۰ انجکشن کے ذریعہ جانوروں سے دودھ حاصل کرنا ۱۴۶

١٠٧٩١ انجکشن کے ذریعہ بھینس کا دودھ نکالنا ١٤٧
١٠٧٩٢ جرسی گائے کا دودھ اور گوشت کھانا ١٤٧
١٠٧٩٣ امریکن گائے کے دودھ کا حکم ١٤٨
١٠٧٩٤ امریکن گائے کا دودھ اور گوشت حلال ہے؟ ١٤٩
١٠٧٩٥ مری ہوئی مرغی کا انڈا ١٥٠
١٠٧٩٦ جس مرغی کا مرغے کے ساتھ اختلاط نہ ہوا ہو اس کا انڈا ١٥٠
١٠٧٩٧ کتیا کا دودھ پینے والے گائے کے بچے کے گوشت کا حکم ١٥١
١٠٧٩٨ جس گائے سے زنا کیا گیا، تو اس کو کیا جائے ١٥٢
١٠٧٩٩ بکری کا وہ بچہ جس کا سر کتے اور بقیہ دھڑ بکری کی طرح ہو اس کا کھانا . ١٥٣
١٠٨٠٠ حلال جانوروں کے خصیتین کا کھانا ١٥٥
١٠٨٠١ بکرے کے خصیوں کو دوا کے طور پر استعمال کرنا ١٥٦
١٠٨٠٢ چھوٹی مچھلی کو آلائش سمیت بھون کر کھانا ١٥٧
١٠٨٠٣ مرغ یا بطخ کی کھال کھانا ١٥٨
١٠٨٠٤ مرغ یا بطخ ذبح کرنے کے بعد بال ختم کرنے کے لئے گرم پانی میں ڈالنا . ١٥٨
١٠٨٠٥ مرغی ذبح کر کے گرم پانی میں ڈالنا ١٥٩
١٠٨٠٦ جس مرغی کو ذبح کر کے گرم پانی میں ڈالدیا جائے اس کا کھانا ١٦٠
١٠٨٠٧ جس کھانے میں خنزیر کے بال نکل آئیں وہ حلال ہے یا حرام؟ ١٦١
١٠٨٠٨ حرام مغز کا حکم ١٦٢
١٠٨٠٩ مأکول اللحم کی اوجھڑی کا حکم ١٦٣

۱۰۸۱۰ حلال جانور کی انتڑی حلال ۱۶۳

۱۰۸۱۱ حلال جانور کے حرام اجزاء اور حرام مغز کا حکم ۱۶۵

۱۰۸۱۲ مرغ کے اندر کیا کیا چیزیں حرام یا مکروہ ہیں ۱۶۶

۱۰۸۱۳ حرام مغز اور پیٹھ کی ہڈی حلال ہے یا حرام ۱۶۷

۱۰۸۱۴ حرام مغز اور غدود دونوں ایک ہیں یا الگ الگ؟ ۱۶۸

۱۰۸۱۵ حلال جانوروں میں کیا کیا حرام ہیں؟ ۱۷۲

۱۰۸۱۶ حلال جانوروں کے سات اعضاء کا حکم ۱۷۳

۱۰۸۱۷ کرش وامعاء کی حلت وحرمت کا حکم ہے ۱۷۴

۱۰۸۱۸ حلال جانور کی کھال گوشت کے ساتھ استعمال کرنا ۱۸۰

۱۰۸۱۹ مردار جانور کی ہڈی اور کھال فروخت کرنا ۱۸۰

۱۰۸۲۰ حرام جانوروں کے اجزاء سے مرغی کی غذا تیار کرنا ۱۸۱

۱۰۸۲۱ مذبوحہ جانوروں کے خون سے کھاد اور مچھلیوں کی غذا بنانا ۱۸۴

۱۰۸۲۲ خنزیر کے بالوں سے تیار شدہ برش کا استعمال ۱۸۷

۱۰۸۲۳ خنزیر کی رقم سے اپنی ضروریات پوری کرنا ۱۸۸

۱۲/ باب ما یحل قتله وما لا یحل

۱۰۸۲۴ کن جانوروں کو مارنے کی اجازت ہے؟ ۱۹۰

۱۰۸۲۵ ٹوکری میں بند کرنے کی وجہ سے بلی مرگئی ۱۹۱

۱۰۸۲۶ بلاقصد جھاڑو سے چیونٹیاں مرجائیں تو کیا حکم ہے؟ ۱۹۳

۱۰۸۲۷ گاندھلی کو آگ سے جلانا ۱۹۳
۱۰۸۲۸ مکڑی مارنے کا حکم ۱۹۴
۱۰۸۲۹ مچھروں کو الیکٹرونک بیٹ سے مارنا کیسا ہے؟ ۱۹۵

۱۳/ باب الخمر والدخان

۱۰۸۳۰ شراب پینا کیسا ہے؟ ۱۹۷
۱۰۸۳۱ ما اسکر کثیرہ فقلیلہ حرام کا مطلب اور بیڑی وغیرہ کا کیا حکم ہے؟ ... ۱۹۷
۱۰۸۳۲ غیر مسکر شراب کے استعمال کا حکم ۱۹۹
۱۰۸۳۳ بیئر بنانے، فروخت کرنے اور پینے کا حکم ۲۰۱
۱۰۸۳۴ فروٹ بیئر کے استعمال کا حکم ۲۰۲
۱۰۸۳۵ حلال اشیاء سے بنی ہوئی اسپرٹ کا حکم ۲۰۳
۱۰۸۳۶ تاڑی کی حرمت کا ثبوت ۲۰۴
۱۰۸۳۷ مسلمان کا اپنے ڈھابہ میں شراب پینے کی اجازت دینے کا حکم ۲۰۵
۱۰۸۳۸ الکحل اور سینٹ کا حکم ۲۰۶
۱۰۸۳۹ کیا شراب، پیشاب، سود، اور لحم خنزیر کی حرمت برابر ہے؟ ۲۰۷
۱۰۸۴۰ شراب پینا یا خنزیر کا گوشت کھانا ۲۰۸
۱۰۸۴۱ شراب کی بوتل بیچنے والے کی آمدنی کا حکم ۲۰۹
۱۰۸۴۲ تمباکو وسگریٹ نوشی کا حکم ۲۱۰
۱۰۸۴۳ گٹکا کھانا ۲۱۱

۱۰۸۴۴ گل منجن کرنا ۲۱۲
۱۰۸۴۵ پیپسی، تھمس اپ، وغیرہ کولڈرنگ کا استعمال کیسا ہے؟ ۲۱۲
۱۰۸۴۶ موجودہ دور میں پیپسی، کوکا کولا وغیرہ مشروبات کا استعمال ۲۱۳

۱۴/ باب في الهدايا والضيافات

۱۰۸۴۷ کھانے کے دوران آنے والے فقیر کی ضیافت ۲۱۵
۱۰۸۴۸ شادی کی تقریب میں شرکت ۲۱۶
۱۰۸۴۹ شرابیوں کو اپنے ہوٹل میں کھانا کھلانا ۲۱۷
۱۰۸۵۰ جھاڑو دینے والے کا جھوٹا کھانا ۲۱۸
۱۰۸۵۱ حجّام کی دعوت اور قربانی میں شرکت کا حکم ۲۱۸
۱۰۸۵۲ نائی کی کمائی سے دعوت قبول کرنا ۲۲۰
۱۰۸۵۳ خریداروں کو مدعو کر کے بطور ضیافت مٹھائی اور کلنڈر دینا............ ۲۲۱
۱۰۸۵۴ بقایا رقم کی وصولی کے لئے خریداروں کی دعوت کرنا.............. ۲۲۳
۱۰۸۵۵ دودھ میں پانی ملا کر فروخت کرنے والے کے یہاں کھانا کھانا ۲۲۴
۱۰۸۵۶ بینک میں فکس ڈپوزٹ کرنے والوں کی دعوت قبول کرنا............ ۲۲۶
۱۰۸۵۷ جس کی اکثر کمائی حلال ہو اسکے یہاں کھانا کھانا ۲۲۷
۱۰۸۵۸ مخنث سے تعلق قائم کرنے، اور ان کی دعوت قبول کرنے کا حکم ۲۲۸
۱۰۸۵۹ جس کی کمائی حرام ہو اس کے یہاں دعوت کھانا ۲۲۹
۱۰۸۶۰ مردار کی کھال و ہڈی فروخت کرنے والے کی دعوت و امامت کا حکم .. ۲۳۱

۱۰۸۶۱ متقی شخص کے لئے حرام آمدنی والے کی دعوت قبول کرنا ۲۳۲
۱۰۸۶۲ حرام کمائی کرنے والے کا حلال رقم سے مہمان نوازی کرنا ۲۳۳
۱۰۸۶۳ سود کھانے والے کی دعوت قبول کرنے کا حکم ۲۳۵
۱۰۸۶۴ خنزیر کے بالوں کا برش بنانے والے کی دعوت قبول کرنے کا حکم ۲۳۶
۱۰۸۶۵ کیا مسلمان کیلئے غیر مسلم کی دعوت قبول کرنا جائز ہے یا نہیں؟ ۲۳۷
۱۰۸۶۶ کیا ہولی اور دیوالی کی مٹھائی مسلمان کھا سکتے ہیں؟ ۲۳۸
۱۰۸۶۷ دیوالی میں غیر مسلم کا تحفہ مٹھائی وغیرہ قبول کرنا ۲۳۹
۱۰۸۶۸ کیا بھنگی کے گھر کھانا کھانا دھوبی کے گھر کھانا کھانے سے بہتر ہے؟ .. ۲۴۰
۱۰۸۶۹ بطور ہدیہ موبائل میں ریچارج کرانا ۲۴۱

۱۵/ باب الموالات مع الکفار

۱۰۸۷۰ کفار کے یہاں کون سی چیز حلال یا حرام ہے اس کی تحقیق کا حکم ۲۴۳
۱۰۸۷۱ ہندو مسلم کا ایک دوسرے کو تہواروں پر ہدیہ دینا ۲۴۴
۱۰۸۷۲ غیر مسلموں کے مذہبی تہواروں کے موقع پر ان سے مٹھائیاں لینا..... ۲۴۵
۱۰۸۷۳ غیر مسلم سے انکے تہوار پر مٹھائی وغیرہ لینا...................... ۲۴۷
۱۰۸۷۴ مسلم مزدور کا ہندو مالک سے اس کے تہوار پر ہدیہ قبول کرنا ۲۴۷
۱۰۸۷۵ دیوالی کے موقع پر غیر مسلم لڑکی کا مسلم لڑکے کو ٹیکہ لگانا ۲۴۹
۱۰۸۷۶ ہندوؤں کے مذہبی تہواروں میں شرکت کرنا....................... ۲۴۹

١٠٨٧٧ غیر مسلموں کے تہوار میں شرکت اور مبارکباد کا حکم ٢٥٠
١٠٨٧٨ انگریزوں کی طرح مکان کے افتتاح میں عالم کی شرکت ٢٥١
١٠٨٧٩ غیروں کی مشابہت اختیار کرنا ٢٥٢
١٠٨٨٠ کافر کے جھوٹے کا حکم ٢٥٥
١٠٨٨١ قادیانی بھائی سے میل جول رکھیں یا نہیں؟ ٢٥٦
١٠٨٨٢ شیعوں کے ساتھ کھانا کھانا کیوں ممنوع ہے؟ ٢٥٧
١٠٨٨٣ حنفیوں کا شیعوں کے ساتھ کھانا پینا ٢٥٧
١٠٨٨٤ غیر مسلم کو مستقل باورچی بنانے اور اپنے ساتھ کھلانے کا حکم ٢٥٨
١٠٨٨٥ غیر مسلم کیلئے خنزیر وشراب کی خرید وفروخت کا حکم ٢٥٩
١٠٨٨٦ ہندؤں کے رہنماؤں کی شان میں کہے گئے اشعار کا حکم ٢٦٠
١٠٨٨٧ غیر مسلموں سے تعلق کی حد ٢٦٢
١٠٨٨٨ کافر کے گھر پر کھانا کھانا کیسا ہے؟ ٢٦٤
١٠٨٨٩ ادھیوگ ویاپار پریشد منڈل سے تعلق رکھنے کا حکم ٢٦٤
١٠٨٩٠ فساق وفجار کے ساتھ رہن سہن کا حکم ٢٦٧
١٠٨٩١ غیر مسلم کی چھینک کا جواب کس وقت دیا جائے گا؟ ٢٦٨
١٠٨٩٢ گرجا گھر اور مندر کی امداد کرنے کا حکم ٢٦٩
١٠٨٩٣ ہندؤں کو چندہ دینا ٢٧٠
١٠٨٩٤ کیا غیر مسلم مالدار غریب مسلمان کی امداد کرسکتا ہے؟ ٢٧٠
١٠٨٩٥ مسلمان کا پرشاد کے چندہ میں شرکت کرنا ٢٧١

۱۰۸۹۶ پوجا کے لئے چندہ دینا ۲۷۲
۱۰۸۹۷ غیر مسلم تنظیم کا مسلم لڑکی کی شادی بیاہ میں امداد کرنا ۲۷۳
۱۰۸۹۸ مندر کے لئے چندہ دینا ۲۷۴
۱۰۸۹۹ نمائش میں شرکت کا حکم ۲۷۵
۱۰۹۰۰ ہندو و مسلم تہواروں کے موقعوں پر لگے میلے میں دوکان لگانا ۲۷۶
۱۰۹۰۱ غیر مسلم کے مذہبی سامان کی خرید وفروخت کرنا ۲۷۷
۱۰۹۰۲ ہندو ملازم کا دوکان میں پوجا کرنا ۲۷۹
۱۰۹۰۳ مسلم کا غیر مسلم کی رسومات میں شرکت کرنا ۲۷۹
۱۰۹۰۴ غیر مسلموں کی شادی بیاہ یا ان کے جنازہ میں شریک ہونا ۲۸۰
۱۰۹۰۵ غیر مسلم کی شادی وغم میں شرکت کرنا ۲۸۱
۱۰۹۰۶ غیر مسلم میت کو جلانے کے لئے جانا ۲۸۳
۱۰۹۰۷ مسلم وغیر مسلم کا ایک دوسرے کی میت میں شریک ہونا............ ۲۸۴
۱۰۹۰۸ عذر شدید کی بناء پر غیر مسلم کی لاش شمشان لے جانا اور اس
کے گھر کھانا بھیجنا ۲۸۴
۱۰۹۰۹ غیر مسلم کے چڑھاوے کا حکم ۲۸۶
۱۰۹۱۰ میاں بیوی کا غیر مسلم دوستوں کے ساتھ مندر جانا ۲۸۸
۱۰۹۱۱ اگر ودوارے وغیرہ پر تیار کیا ہوا حلوہ کھانا کیسا ہے؟ ۲۸۹
۱۰۹۱۲ غیر مسلموں کے میلوں میں مسلمان کا دوکان لگانا ۲۹۰

اہل کتاب اوران سے متعلق احکام کا تحقیقی جائزہ

- اہل کتاب کسے کہتے ہیں؟ ۲۹۱
- صابئین سے کون سی قوم مراد ہے؟ ۲۹۲
- موجودہ دور کے یہود ونصاریٰ کا ذبیحہ اوران کی عورتوں سے مناکحت .. ۲۹۵
- دین محمدی کے نزول کے بعد پیدا ہونے والی قوم کا حکم ۲۹۸
- نسلی قادیانی بھی زندیق ۳۰۰
- کتابیہ عورت سے مناکحت میں دارالاسلام ودارالحرب کا فرق ۳۰۲
- دعوتی نقطۂ نظر سے کتابیہ عورت سے نکاح کرنا ۳۰۵
- کیا ہندؤں کے اوتار نبی تھے؟ اور ویدیں آسمانی کتابیں ہیں؟ ۳۰۶
- عیسائی اسکولوں میں تعلیم ۳۰۸
- کتابیہ اور مسلم عورتوں کے درمیان برابری ۳۱۰
- عیسائی مشنریز اداروں میں ملازمت ۳۱۲

۱۶/ باب المال الحرام ومصرفه

۱۰۹۱۳ مال حرام کا ایک لقمہ کھانے سے نماز کی قبولیت کا حکم ۳۱۵

۱۰۹۱۴ طالب علم کا اپنے ساتھی کی چیز بلا اجازت استعمال کرنا ۳۱۶

۱۰۹۱۵ مال حرام میں تعدی پائی جاتی ہے یا نہیں؟ ۳۱۷

۱۰۹۱۶ مالک معلوم نہ ہونے کی صورت میں چوری کے مال کا مصرف ۳۱۸

۱۰۹۱۷ زائد تول کے ذریعہ جمع شدہ رقم حلال نہیں ۳۱۹

۱۰۹۱۸ اسکول میں پروگرام کے حیلہ سے ڈرائیوروں سے جبراً روپیہ وصول کرنا .. ۳۲۰

۱۷/ باب الأدب

۱۰۹۱۹ کتے کو بسم اللہ پڑھ کر روٹی دینا ۳۲۲
۱۰۹۲۰ امرد سے خدمت لینا ۳۲۳
۱۰۹۲۱ اچھے کاموں میں دائیں ہاتھ کا استعمال کرنا ۳۲۳
۱۰۹۲۲ رات میں ناخن تراشنے کا حکم ۳۲۴
۱۰۹۲۳ کیا مجمع عام میں چھینکنے والے کا جواب دینا لازم ہے؟ ۳۲۵
۱۰۹۲۴ کیا داہنی کروٹ پر ہی اٹھنا سنت ہے؟ ۳۲۶
۱۰۹۲۵ قبلہ کی طرف پشت کر کے بیٹھنا ۳۲۷
۱۰۹۲۶ غصہ کا علاج ۳۲۷
۱۰۹۲۷ دوسروں سے جسمانی خدمت لینے کے احکام ۳۲۸

معذوروں اور بوڑھوں کے حقوق کا تحقیقی جائزہ

- والدین کسی قدر کسب معاش پر قادر ہوں تو ان کا نفقہ اولاد پر لازم ہے یا نہیں؟ .. ۳۳۱
- عمر رسیدہ لوگوں کا نفقہ وعلاج دوسروں پر کب واجب ہوگا؟ ۳۳۴
- صاحب ثروت والدین کا خرچہ اولاد پر نہیں ۳۳۵
- کسب معاش کے لئے بوڑھے والدین کو چھوڑ کر دوسری جگہ چلا جانا . ۳۳۷
- کیا عورت پر ساس، خسر کی خدمت لازم ہے؟ ۳۳۹
- کیا ماں باپ کی خدمت بیٹوں کی طرح بیٹیوں پر بھی واجب ہے؟ .. ۳۴۰
- نکاح ثانی کرنے پر اولاد کو رکاوٹ بننے کا حق نہیں ۳۴۳

○ کیااولاد کو باپ کی زندگی میں اپنے حق کے مطالبہ کا حق ہے؟........ ۳۴۵
○ عمر رسیدہ لوگوں کو ہاسپٹل میں داخل کر دینا ۳۴۶
○ اجتماعی کفالت کے لئے زکوۃ جمع کرنا ۳۴۸
○ عمر رسیدہ لوگوں کے لئے سرکاری مراعات سے فائدہ اٹھانا ۳۴۹

۱۸/ باب اللهو واللعب

۱۰۹۲۸ چھٹی کس دن منائیں اور کھیل کود کا حکم ۳۵۳
۱۰۹۲۹ کبوتر بازی کا حکم ۳۵۷
۱۰۹۳۰ پرندہ پالنا کیسا ہے؟ ۳۵۸
۱۰۹۳۱ تعلیمی تاش کھیلنا جائز ہے یا نہیں؟ ۳۵۹
۱۰۹۳۲ تفریحاً تاش کھیلنا........................ ۳۶۰
۱۰۹۳۳ بغرض تفریح لوڈو کھیلنا ۳۶۱
۱۰۹۳۴ لوڈو اور کیرم بورڈ کھیلنا........................ ۳۶۲
۱۰۹۳۵ کیرم کھیلنا ۳۶۳
۱۰۹۳۶ پتنگ بازی جائز ہے یا نہیں؟ ۳۶۴
۱۰۹۳۷ پتنگ کٹنے کے بعد اس میں لگے روپیہ کا مالک کون؟ ۳۶۵
۱۰۹۳۸ پتنگ کٹ جانے کے بعد اس کا مالک کون ہے؟ ۳۶۶
۱۰۹۳۹ مال کی ہار جیت کے بغیر شطرنج اور چوسر کھیلنا ۳۶۷
۱۰۹۴۰ کرکٹ، ہاکی، لوڈو، تاش وغیرہ کھیلنا ۳۶۸
۱۰۹۴۱ کرکٹ کھیل کا حکم ۳۶۹

۱۰۹۴۲ علماء وطلباء کا کرکٹ وغیرہ کھیلنا ۳۷۰
۱۰۹۴۳ کرکٹ سے متعلق چند سوالات کے جوابات ۳۷۱
۱۰۹۴۴ انڈیا ٹیم کی جیت کے لئے دعا کرنا ۳۷۶

۱۹/ باب استعمال الذهب والفضة وغيرها

۱۰۹۴۵ مردوں کے لئے کن چیزوں میں چاندی کا استعمال جائز؟ ۳۷۸
۱۰۹۴۶ مرد کے لئے چاندی کی انگوٹھی کے نگینہ پر سونا استعمال کرنا ۳۷۹
۱۰۹۴۷ سونے کا نگ لگی ہوئی انگوٹھی کے استعمال کا حکم ۳۸۰
۱۰۹۴۸ چاندی کے علاوہ دیگر دھاتوں کی انگوٹھی پہننا ۳۸۱
۱۰۹۴۹ مرد کے لئے مختلف دھاتوں کی انگوٹھی پہننا ۳۸۲
۱۰۹۵۰ مرد کے لئے سونے چاندی کے بٹن کا استعمال ۳۸۳
۱۰۹۵۱ ایضاح المسائل کے ایک مسئلہ پر اعتراض کا جواب ۳۸۵
۱۰۹۵۲ ایضاح المسائل کے ”سونے چاندی کے بٹن لگانے“ والے مسئلہ پر اعتراض .. ۳۸۷
۱۰۹۵۳ جس کرتے میں سونے چاندی کے تار ہوں اس کا استعمال ۳۸۸
۱۰۹۵۴ مرد کے لئے سونے کی انگوٹھی پہننا ۳۸۹
۱۰۹۵۵ مرد کے لئے سونے کی چیز استعمال کرنے کا حکم ۳۸۹
۱۰۹۵۶ عورتوں کا ناک میں زیور پہننا ثابت ہے یا نہیں؟ ۳۹۰
۱۰۹۵۷ عورت کے لئے پیر اور کان میں زیور پہننے کا جواز ۳۹۱
۱۰۹۵۸ عورتوں کے لئے کالے وسنہرے موتیوں کے ہار کے استعمال کا حکم ... ۳۹۲

۱۰۹۵۹ چٹکی اور بچھیا (زیور) پہننا ۳۹۳
۱۰۹۶۰ سونے وچاندی کے علاوہ دیگر دھات کی انگوٹھی کا حکم ۳۹۴
۱۰۹۶۱ لوہے کی انگوٹھی اور چین کا استعمال ۳۹۵
۱۰۹۶۲ سونے، چاندی کے علاوہ دیگر دھات کی انگوٹھی اور چین کا مسئلہ ۳۹۶
۱۰۹۶۳ سونے، چاندی کے علاوہ دیگر دھاتوں کی بنی انگوٹھی کے استعمال کا حکم .. ۳۹۸
۱۰۹۶۴ عورت کے لئے سونے، چاندی کے علاوہ دیگر دھات کا زیور استعمال کرنا .. ۴۰۲
۱۰۹۶۵ آرٹی فیشل زیورات کے استعمال کا حکم ۴۰۳
۱۰۹۶۶ معاشرہ میں رائج مختلف دھاتوں کے زیورات کا حکم ۴۰۴
۱۰۹۶۷ عورتوں کے لئے دیگر دھاتوں کے زیورات پہننا ۴۰۵
۱۰۹۶۸ عورت کے لئے چوڑی ومہندی کا استعمال ۴۰۷
۱۰۹۶۹ کیا بجنے والی چوڑی زیور ہے؟ ۴۰۸
۱۰۹۷۰ سونے کا پانی چڑھی ہوئی گھڑی پہننا ۴۰۹
۱۰۹۷۱ سونے، چاندی کے پالش شدہ برتن کا استعمال ۴۰۹

۲۰/ باب کسب الحلال والحرام

۱۰۹۷۲ اللہ کے حکم کو توڑ کر روزی کمانا ۴۱۱
۱۰۹۷۳ وکالت کی اجرت حلال ہے یا حرام؟ ۴۱۲
۱۰۹۷۴ ملکی قانون کی خلاف ورزی کے ساتھ تجارت ۴۱۲
۱۰۹۷۵ قانون کے خلاف ٹرک میں کیروسین ڈلوانا ۴۱۳

۱۰۹۷۶ گیس سلنڈر کو بلیک میں فروخت کرنا ۴۱۵
۱۰۹۷۷ دھوکہ کی تجارت کا حکم ۴۱۷
۱۰۹۷۸ سعودیہ عمرہ کی نیت سے جا کر ملازمت کرنے والے کی آمدنی کا حکم .. ۴۱۸
۱۰۹۷۹ عورت کی نوکری کا پیسہ شوہر کے لئے استعمال کرنا ۴۱۸
۱۰۹۸۰ معاشی تنگی کی وجہ سے عورتوں کا کام کرنا ۴۲۰
۱۰۹۸۱ جوان لڑکی کا لڑکے لڑکیوں کو اسکول میں ایک ساتھ پڑھانا ۴۲۰
۱۰۹۸۲ پاندان بنانا ۴۲۲
۱۰۹۸۳ داڑھی مونڈنے والے نائی کی اجرت ۴۲۳
۱۰۹۸۴ نائی کی کمائی کارخیر میں خرچ کرنے کا حکم ۴۲۴
۱۰۹۸۵ شرعی لباس کے ساتھ غیر شرعی لباس کی تجارت ۴۲۶
۱۰۹۸۶ درزی کے لئے فساق کا لباس سینا اور اس کی اجرت ۴۲۷
۱۰۹۸۷ ڈگری حاصل کئے بغیر ڈاکٹری کا پیشہ کرنا ۴۲۸
۱۰۹۸۸ ٹی وی کی مرمت کی اجرت حلال ہے یا حرام ۴۲۹
۱۰۹۸۹ ٹیلیویژن کی تجارت کی آمدنی حلال یا حرام؟ ۴۳۰
۱۰۹۹۰ ٹی وی، ریڈیو، موبائل وغیرہ کے سامان کا کاروبار کرنا ۴۳۲
۱۰۹۹۱ جعلی سرٹیفکیٹ سے حاصل شدہ نوکری کا پیشہ حلال یا حرام؟ ۴۳۳
۱۰۹۹۲ تصویر کشی کی اجرت حلال ہے یا نہیں؟ ۴۳۴
۱۰۹۹۳ بیڑی، سگریٹ کی تجارت اور اس کا پیشہ ۴۳۵

۱۰۹۹۴ جانوروں کو ادھیا پر دینا ۴۳۶
۱۰۹۹۵ جانوروں کو حاملہ کرانے کے لئے انجکشن لگوانا اوراس کی اجرت لینا ... ۴۳۷
۱۰۹۹۶ غیرمسلم کی پوجا کی تصویریں فروخت کرنا ۴۳۸
۱۰۹۹۷ لہوولعب کی اشیاء بنا کر کرایہ پر دینا ۴۳۹
۱۰۹۹۸ کم تنخواہ دیکر زیادہ پر دستخط کرانا ۴۴۰
۱۰۹۹۹ فسادات میں لوٹے ہوئے مال کی خرید وفروخت ۴۴۱
۱۱۰۰۰ غیر مسلم، مسلمان کو شراب وخنزیر کا پیسہ تحفہ میں دے تو کیا حکم؟ ۴۴۲
۱۱۰۰۱ نشہ آور چیز کا کاروبار و بلیک مارکٹنگ کا حکم ۴۴۳
۱۱۰۰۲ ٹیکسی سے شرابیوں کو شراب خانے لے جانا اوران کو کمرے کرایہ پر دینا .. ۴۴۴
۱۱۰۰۳ مسلم مزدور کا سرکاری دفتر میں پھینکی ہوئی خالی شراب کی بوتل کو
دھل کر استعمال کرنا ۴۴۵
۱۱۰۰۴ مقدمہ کا خرچ اپنے فریق سے وصول کرنا ۴۴۶
۱۱۰۰۵ بکرے کے خصیتین کی فروختگی اوراس سے حاصل شدہ آمدنی کا حکم .. ۴۴۷
۱۱۰۰۶ حرام کمائی سے زندگی بسر کرنے کا حکم ۴۴۹
۱۱۰۰۷ چوری کے مال سے خریدی گئی حلال چیز کا دوسروں کے لئے استعمال
کرنے کا حکم ۴۵۰
۱۱۰۰۸ جوے کے پیسے سے خریدی گئی زمین کی پیداوار کا حکم ۴۵۱
۱۱۰۰۹ بینڈ باجہ فروخت کر کے اس کی رقم سے دوسرا کاروبار کرنا ۴۵۲

۱۱۰۱۰ غیر مسلم کے ہاتھوں فریم کی فروختگی کا حکم ۴۵۲

۱۱۰۱۱ پھولوں کے کاروبار کا شرعی حکم ۴۵۴

۱۱۰۱۲ کسی شخص کا ضامن بننے پر اجرت لینا ۴۵۵

۱۱۰۱۳ فرضی کارڈوں سے راشن وصول کرنا ۴۵۶

۲۱/باب المعاصي والتوبة

۱۱۰۱۴ باربار گناہ باربار توبہ ۴۵۸

۱۱۰۱۵ توبہ کے بعد سماج کا گناہ کی عار دلا کر نیچی نگاہ سے دیکھنا ۴۵۹

۱۱۰۱۶ اسراف اور ضرورت کی حد ۴۶۰

۱۱۰۱۷ اپنے پاس کسی کی برائی کرنے والے کو منع نہ کرنے والے کا حکم ۴۶۱

۱۱۰۱۸ شیطان کا سب سے بڑا ہتھیار ۴۶۲

۱۱۰۱۹ جان بوجھ کر نماز ترک کرنا ۴۶۴

۱۱۰۲۰ نکاح نہ کرنے کی وجہ سے معصیت میں مبتلا اولاد کے گناہ میں والدین شریک ہیں یا نہیں؟ ۴۶۵

۱۱۰۲۱ خودکشی ۴۶۶

۱۱۰۲۲ خودکشی اکبر الکبائر میں سے ہے ۴۶۷

۱۱۰۲۳ خودکشی کرنے کا گناہ خود اسی پر ہوگا ۴۶۸

۱۱۰۲۴ ڈاڑھی منڈانے اور زنا کرنے میں کونسا بڑا گناہ ہے؟ ۴۶۹

۱۱۰۲۵ ثبوت شرعی کے بغیر محض الزام لگانے سے جرم ثابت نہیں ہوگا ۴۷۰

۱۱۰۲۶ مشترک لوگوں کے پیسوں کو اپنی ضروریات میں صرف کرنا ۴۷۲
۱۱۰۲۷ کیا دور حاضر کے مانگنے والوں کو دینا اعانت علی الحرام ہے.......... ۴۷۳
۱۱۰۲۸ خوشحال کے لئے دست سوال دراز کرنا ۴۷۴
۱۱۰۲۹ نوکرانی کو باندی کا درجہ دیکر حلال سمجھنا ۴۷۵
۱۱۰۳۰ بچوں کی سال گرہ منانا ۴۷۶
۱۱۰۳۱ مختلف احکام شرعیہ کی خلاف ورزی کرنے والی عورت کا حکم ۴۷۷
۱۱۰۳۲ مسلم شخص کا ہندو کے ساتھ مندر جانا اور جے شری رام کہنا......... ۴۷۹
۱۱۰۳۳ ماتھے پر ٹیکہ لگانا ۴۸۱

۲۲/باب ما یتعلق بالسحر

۱۱۰۳۴ جادو پر اعتماد کرنا ۴۸۳
۱۱۰۳۵ جادوگر ہونے کا الزام لگانا ۴۸۴
۱۱۰۳۶ جادو کرنا یا کرانا ۴۸۵
۱۱۰۳۷ سفلی عمل کرنا یا کروانا ۴۸۶
۱۱۰۳۸ جادو کروا کر دوسروں کو تکلیف پہونچانا ۴۸۷
۱۱۰۳۹ سحر کو ساحر پر لوٹانا ۴۸۸
۱۱۰۴۰ سحر کرنے کرانے اور سحر سے پیدا ہوئی بیہوشی کی حالت میں
دی گئی طلاق کا حکم ۴۸۹

۲۳/ باب الشعر و الغناء

۱۱۰۴۱ شعروشاعری کا حکم ۴۹۲

۱۱۰۴۲ قوالی کا شرعی حکم ۴۹۳

۱۱۰۴۳ حضرت خواجہ اجمیریؒ کی جانب قوالی کی نسبت ۴۹۴

۱۱۰۴۴ مروجہ قوالی اور کیمیائے سعادت کی شرائط ۴۹۵

۱۱۰۴۵ سماع کا جواز اور سیرت فخر العارفین” نامی کتاب کا حکم ۴۹۶

۱۱۰۴۶ غزل ونعت کو گانے کی آواز میں پڑھنا ۴۹۷

۱۱۰۴۷ قوالی یا گانا سننا ۴۹۸

۱۱۰۴۸ قوالی کروانے کا حکم ۴۹۹

۱۱۰۴۹ مزاروں پر عورتوں کا جانا، قوالیاں اور فحش باجے گانے کروانا ۵۰۰

۱۱۰۵۰ ناچنا گانا، ڈھول بجانا ۵۰۱

۱۱۰۵۱ ریڈیو پر گانا سننا ۵۰۲

۲۴/ باب جھوٹ، غیبت، چوری وغیرہ کا بیان

۱۱۰۵۲ جھوٹ بولنا ۵۰۴

۱۱۰۵۳ جھوٹے کی پہچان کیا ہے؟ ۵۰۵

۱۱۰۵۴ دوسرے کی بیوی سے زنا کرنا اور اس کے شوہر کے سامنے جھوٹی قسم کھانا .. ۵۰۵

۱۱۰۵۵ بیماری کی جھوٹی سند دکھا کر رخصت لینے اور تنخواہ کا حکم ۵۰۷

۱۱۰۵۶ غیبت کس کو کہتے ہیں؟ ۵۰۸

۱۱۰۵۷ چغلخوری کرنا ۵۰۹

۱۱۰۵۸ غیبت کرنے اور سننے والا دونوں گنہگار ہیں ۵۱۰

۱۱۰۵۹ انسداد فتنہ کے لئے کافر کی غیبت کرنا ۵۱۱

۱۱۰۶۰ غیبت کی وجہ سے بدظن ہونا ۵۱۱

۱۱۰۶۱ علامات نفاق کیا کیا ہیں؟ ۵۱۳

۱۱۰۶۲ دارالحرب میں بجلی چوری کرنا ۵۱۳

۱۱۰۶۳ بہو کا خسر کے زیورات چرانا ۵۱۴

○ منجانب: دارالعلوم دیوبند ۵۱۸

○ منجانب: مدرسہ شاہی مرادآباد ۵۱۸

جواب ثانی استفتاء نمبر الف ۱۴۵۲/۲۵ کا ہے ۵۱۹

۱۱۰۶۴ بلاثبوت چوری کا الزام لگانا ۵۲۰

۱۱۰۶۵ خود پسندی اور تکبر کا حکم ۵۲۳

۱۱۰۶۶ کسی کے متعلق بدگمانی رکھنا ۵۲۴

۱۱۰۶۷ کسی شخص کو اس کی بیوی کے متعلق بدگمانی میں ڈالنا ۵۲۵

۱۱۰۶۸ حلف لینے کے بعد بھی بدگمانی کرنا ۵۲۶

۱۱۰۶۹ بدعہدی کرنا گناہ کبیرہ ہے ۵۲۷

۱۱۰۷۰ وعدہ خلافی کرنا گناہ کبیرہ ہے؟ ۵۲۹

۱۱۰۷۱ مدرسہ کے نام پر کم قیمت پر زمین خرید کر اپنے نام پر زیادہ قیمت میں بیچنا ... ۵۳۰

۱۱۰۷۲　فراڈ کر کے اسکول کے نام پر حکومت سے رقم لینا ۵۳۲

۱۱۰۷۳　فرضی کاغذات رکھوا کر پیسہ لینا اور دھوکہ دینا ۵۳۴

۱۱۰۷۴　بیماری کا فرضی سرٹیفکٹ پیش کرنا ۵۳۶

۱۱۰۷۵　ماموں کا وعدہ خلافی کرنا اور بھانجہ کو اس کی دوکان نہ دینا ۵۳۷

۱۱۰۷۶　وعدہ پورا نہ کرنے والا خدا کے یہاں مؤاخذہ دار ہوگا ۵۳۹

۱۱۰۷۷　اپنا امتحان دوسرے سے دلوانا ۵۴۰

۱۱۰۷۸　جوئے کے پیسے سے خریدی ہوئی اشیاء کا حکم ۵۴۱

۱۱۰۷۹　چوری سے جوتے، چپل بیچنا ۵۴۲

۱۱۰۸۰　سرکاری لکڑی کا استعمال کرنا ۵۴۴

۱۱۰۸۱　اپنے مدرسہ کے علاوہ دوسری جگہ کا کنشیشن استعمال کرنا ۵۴۴

۱۱۰۸۲　مالک کا پتہ معلوم نہ ہونے کی صورت میں روپیہ واپس کرنے کا طریقہ .. ۵۴۵

۲۵/ باب التصاویر

۱۱۰۸۳　محض آنکھ بنانے سے تصویر کا گناہ ہوگا یا نہیں؟ ۵۴۷

۱۱۰۸۴　جانوروں کی عکاسی بھی تصویر کے حکم میں ہے ۵۴۸

۱۱۰۸۵　سرکٹی تصویر کے ذریعہ نماز کا مسنون طریقہ سکھانے کا حکم ۵۴۹

۱۱۰۸۶　اخبارات کی تصاویر کا حکم ۵۵۱

۱۱۰۸۷　فوٹو اسٹیٹ میں آنے والی تصویر کی شرعی حیثیت ۵۵۲

۱۱۰۸۸	فوٹو کھچوانا کب جائز ہے؟	۵۵۳
۱۱۰۸۹	آئندہ ضرورت کی وجہ سے تصویر سازی کا حکم	۵۵۴
۱۱۰۹۰	جلسہ میں علماء کرام کی تصویر کھچوانے کی شرعی حیثیت	۵۵۵
۱۱۰۹۱	تقریبات اور جلسہ جلوس کی تصاویر کا حکم	۵۵۶
۱۱۰۹۲	نیک کاموں کی تصاویر اخبار میں شائع کرانا	۵۵۹
۱۱۰۹۳	داخلہ فارم کے لئے فوٹو بنوانا	۵۶۰
۱۱۰۹۴	شناختی کارڈ بنوانے کے لئے فوٹو کھچوانا	۵۶۱
۱۱۰۹۵	پاسپورٹ وداخلہ فارم وغیرہ کے لئے فوٹو کھچوانا	۵۶۲
۱۱۰۹۶	داخلۂ امتحان کیلئے لڑکے ولڑکیوں کا فوٹو کھچوانا	۵۶۴
۱۱۰۹۷	پاسپورٹ اور شناختی کارڈ کے لئے تصویر کشی	۵۶۵
۱۱۰۹۸	کارٹون بنانے کا حکم	۵۶۶
۱۱۰۹۹	عورت کے نام رجسٹری کرانے میں تصویری اسٹامپ لگوانے کا حکم	۵۶۸
۱۱۱۰۰	فوٹوگرافی کی اجرت کا حکم	۵۶۹
۱۱۱۰۱	گڈے گڑیا کی شرعی حیثیت	۵۷۱
۱۱۱۰۲	چہرے والے آرڈر بنانا	۵۷۳
۱۱۱۰۳	لوہا، پیتل ودیگر دھات کی مورتیاں بنانے کا حکم	۵۷۳
۱۱۱۰۴	آرڈر باقی رکھنے کے لئے ایک آئٹم مجسم بنانا	۵۷۵
۱۱۱۰۵	پیتل کے جانور مورتی وغیرہ بنانے اور ان کی تجارت کا حکم	۵۷۵

۲۶/ باب ٹیلی ویژن اورمیڈیا

۱۱۱۰۶ دورحاضر میں ٹیلی ویژن کا حکم ۵۷۷
۱۱۱۰۷ ٹیلی ویژن کا پروگرام عکس ہے یا تصویر؟ ۵۷۸
۱۱۱۰۸ بچوں کوٹیلی ویژن اورویڈیو سے منع کرنا ۵۷۹
۱۱۱۰۹ گھر میں ریڈیواور ٹیلی ویژن رکھنا ۵۸۰
۱۱۱۱۰ قومی وملی ضرورت کے لئے ٹیلی ویژن میں پروگرام ۵۸۱
۱۱۱۱۱ دینی پروگرام کے لئے ٹیلیویژن کا حکم ۵۸۲
۱۱۱۱۲ ٹی وی، میں اسلامی وغیراسلامی پروگرام دیکھنا ۵۸۳
۱۱۱۱۳ ٹی وی پرحج کا پروگرام دیکھنا ۵۸۴
۱۱۱۱۴ ٹیلی ویژن میں حج کی فلم دیکھنا ۵۸۵
۱۱۱۱۵ کیوٹی وی پردینی پروگرام دیکھنا ۵۸۶
۱۱۱۱۶ خبریں سننے کے لئے ٹی وی رکھنا ۵۸۷
۱۱۱۱۷ ٹیلیویژن پرخبریں سننا ۵۸۸
۱۱۱۱۸ محض ڈسکوری کے لئے ٹی وی رکھنا ۵۸۹
۱۱۱۱۹ خبریادینی پروگرام کے لئے ٹی وی رکھنا ۵۹۰
۱۱۱۲۰ ٹیلیویژن میں کرکٹ،فٹ بال وغیرہ دیکھنا ۵۹۱
۱۱۱۲۱ کرایہ دارٹی وی چلائیں توکیااس کا گناہ مالک مکان پربھی ہوگا ۵۹۳
۱۱۱۲۲ مدارس ومساجد کے پروگرام کی سی ڈی تیارکرنا ۵۹۳

۱۱۱۲۳	مستورات کو بچوں کا پروگرام اسکرین پر دکھانا	۵۹۵
۱۱۱۲۴	بیٹی کے جہیز میں ٹی وی دینا	۵۹۶
۱۱۱۲۵	تصویر سے متعلق مختلف مسائل کا حل	۵۹۷
۱۱۱۲۶	ٹی وی اور ٹیلیویژن کے گمراہ کن آثار	۵۹۹
۱۱۱۲۷	عکس اور تصویر کا ایک اور شرعی فرق	۶۰۴
۱۱۱۲۷	تصویر اور عکس کا ایک دوسرا فرق	۶۰۶
۱۱۱۲۷	ٹیلیویژن کے ڈبہ میں نظر آنے والی چیزیں تصویر ہیں یا عکس؟	۶۰۷
۱۱۱۲۸	خطیب کی تقریر کی ویڈیو کیسٹ	۶۰۹
۱۱۱۲۹	ویڈیو کیمرے کی کیسٹ	۶۱۱
۱۱۱۲۹	ویڈیو کیمرا	۶۱۲
۱۱۱۲۹	فرموں اور فیکٹریوں میں کیمرا	۶۱۳
۱۱۱۳۰	حرمین شریفین کے ویڈیو کیمرے	۶۱۴
۱۱۱۳۰	حرمین کے ویڈیو پروگرام کو ناجائز کہنے کی وجہ؟	۶۱۵
۱۱۱۳۱	ویڈیو کیمرے اور ویڈیو کیسٹ کا فرق	۶۱۷
۱۱۱۳۲	بغیر پائیلٹ کے ہوائی جہاز	۶۱۸
۱۱۱۳۳	تصویر کی حقیقت اور ٹیلیویژن میں تصویروں کا عکس	۶۱۹
۱۱۱۳۴	انٹرنیٹ اور کمپیوٹر	۶۲۴
۱۱۱۳۵	نصوص سے استدلال کیسے کریں؟........................	۶۲۴
۱۱۱۳۶	نصوص شرعیہ کی چار قسمیں	۶۲۵

۱۱۱۳۷	حدیث تصویر پر ایک نظر	۶۳۱
۱۱۱۳۸	ہر فی نفسہ جائز امر کو بروئے کار لانا جائز نہیں	۶۳۴
۱۱۱۳۹	نگاہوں کا زنا اور گناہ کبیرہ	۶۳۴
۱۱۱۴۰	أهون البليتين وأخف المفسدتين	۶۳۷
۱۱۱۴۱	جائز پروگرام بھی سد باب کے لئے ناجائز ہے	۶۴۰
۱۱۱۴۲	خطیب کی تقریر اور غیروں کے مفسدہ کا معارضہ	۶۴۶
۱۱۱۴۳	ٹیلی ویژن کے جسمانی نقصانات	۶۴۸
۱۱۱۴۴	حیا سوز حرکتوں سے آسمانی آفات	۶۴۹
۱۱۱۴۵	تجاویز: آٹھواں فقہی اجتماع ادارۃ المباحث الفقہیہ جمعیۃ علماء ہند	۶۵۰

۲۷/ باب الأسماء والكنى

۱۱۱۴۶	پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام کا نام لے کر پکارنا	۶۵۳
۱۱۱۴۷	مرحوم کے نام پر اولاد کا نام رکھنا	۶۵۵
۱۱۱۴۸	بچہ کا نام عبداللہ، عبدالرحمٰن رکھنا	۶۵۶
۱۱۱۴۹	(الف) عبدالسبحان، یا محمد سبحان نام رکھنا	۶۵۷
۱۱۱۴۹	(ب) عبدالسبحان نام رکھنا	۶۵۸
۱۱۱۵۰	’’اصلاح الرحمٰن‘‘ وزارۃ اللہ دونوں ناموں کا تحقیقی جائزہ	۶۶۱
۱۱۱۵۱	کیا راشد اللہ اور ارشد اللہ معناً صحیح ہیں؟	۶۶۲
۱۱۱۵۲	احمد نبی اور محمد نبی اور طالب نبی نام رکھنا	۶۶۳
۱۱۱۵۳	احمد نبی، محمد نبی نام رکھنا کیسا ہے؟	۶۶۴

۱۱۱۵۴ ثقلین اور حسنین نام رکھنا کیسا ہے؟ ۶۶۵
۱۱۱۵۵ ''محمد بشیر الدین احمد'' نام رکھنا ۶۶۶
۱۱۱۵۶ شبیر احمد کے معنی ۶۶۷
۱۱۱۵۷ نبیہ سرور نام کے تبدیل کرنے کا حکم ۶۶۸
۱۱۱۵۸ عبدالمطلب نام رکھنا ۶۷۰
۱۱۱۵۹ لفظ فوزان کی تحقیق ۶۷۰
۱۱۱۶۰ عظیم الشان نام رکھنا کیسا ہے؟ ۶۷۱
۱۱۱۶۱ صرف الدین، شرف الدین نام رکھنا ۶۷۲
۱۱۱۶۲ پرویز نام رکھنا کیسا ہے؟ ۶۷۳
۱۱۱۶۳ یزدان نام رکھنا ۶۷۴
۱۱۱۶۴ اِرم نام رکھنا کیسا ہے؟ ۶۷۵
۱۱۱۶۵ آسیہ نام رکھنا کیسا ہے؟ ۶۷۶
۱۱۱۶۶ ''خورشیدہ'' نام رکھنا ۶۷۷
۱۱۱۶۷ کیا پروین نام اچھا نہیں ہے؟ ۶۷۸
۱۱۱۶۸ حافظ صاحب کو امیر حمزہ کے لقب سے پکارنا ۶۷۹
۱۱۱۶۹ احمد رضا کے نام کے ساتھ رضی اللہ عنہ لکھنا ۶۷۹
۱۱۱۷۰ نام کے ساتھ قاسمی، مظاہری وغیرہ لکھنا ۶۸۰
۱۱۱۷۱ نام کے ساتھ عثمانی، فاروقی، علوی وغیرہ لکھنا ۶۸۱
۱۱۱۷۲ مولانا احمد رضا اور مولانا مودودی کے نام کے ساتھ رحمۃ اللہ علیہ لکھنا . ۶۸۲

۱۱۱۷۳ کسی کو پاک یا مقدس کا لقب دینا ۶۸۳
۱۱۱۷۴ بچوں کو پیار میں لالہ، منی پیارے وغیرہ کہنا ۶۸۴
۱۱۱۷۵ کمہار کا آباء واجداد کی طرف نسبت کرکے رشیدی، حمیدی لکھنا ۶۸۵
۱۱۱۷۶ گوشت کے پیشہ کی وجہ سے خود کو قریشی کہنا ۶۸۶
۱۱۱۷۷ دو مسلمان کا آپس میں ایک دوسرے کو فرعون اور ابوجہل کہنا......... ۶۸۶
۱۱۱۷۸ ازراہ تفہیم کسی کو لنگڑا کانا کہنا ۶۸۷
۱۱۱۷۹ لکڑی کا صندوق جس میں نام وغیرہ لکھے ہوں اس پر بیٹھنا ۶۸۸
۱۱۱۷۰ مدینہ منور کو یثرب کہنا ۶۸۹
۱۱۱۸۱ مزارات وشہر وغیرہ کے ساتھ شریف لگانا ۶۸۹
۱۱۱۸۲ کسی قوم وبرادری کو حقیر سمجھنا ۶۹۰
۱۱۱۸۳ مولانا واچ سروس کا بورڈ لگانا ۶۹۱
۱۱۱۸۴ دنیاوی مراعات کی وجہ سے قومیت بدلنا ۶۹۲
۱۱۱۸۵ قانونی مجبوری کی بناء پر خود کو دوسرے خاندان کی طرف منسوب کرنا .. ۶۹۳
۱۱۱۸۶ لے پالک لڑکی کی ولدیت میں اپنا نام لکھانا ۶۹۴
۱۱۱۸۷ یتیم بچی کی پرورش کرنے والے کا باپ کی جگہ اپنا نام لکھنا ۶۹۵

۲۸/ باب الجوالة والانترنيت

۱۱۱۸۸ ٹی وی، موبائل، کمپیوٹر وغیرہ کے احکام ۶۹۷
۱۱۱۸۹ دین کی نشر واشاعت کے لئے ٹی وی یا انٹرنیٹ استعمال کرنا کیسا ہے؟ .. ۶۹۹

۱۱۱۹۰ انٹرنیٹ سے کتابیں لوڈ کرنے کا حکم ۷۰۰
۱۱۱۹۱ انٹرنیٹ پر کیے گئے نکاح کا حکم ۷۰۱
۱۱۱۹۲ موبائل فون سے متعلق چند سوالات کے جوابات ۷۰۲
۱۱۱۹۳ ویڈیو کالنگ کا شرعی حکم ۷۰۵
۱۱۱۹۴ موبائل میں گھنٹی کی جگہ قرأت وغیرہ لگانا ۷۰۶
۱۱۱۹۵ موبائل کی گھنٹی میں کلمۂ طیبہ سیٹ کرنا ۷۰۷
۱۱۱۹۶ موبائل فون پر گھنٹی کے بجائے گانا بجنا ۷۰۸
۱۱۱۹۷ اسکرین پر کلمہ لگا ہونے کی حالت میں موبائل بیت الخلاء میں لے جانا .. ۷۰۹
۱۱۱۹۸ عورتوں کا ٹیلیفون پر سلام وکلام کا حکم ۷۱۰

۲۹/ باب المتفرقات

۱۱۱۹۹ حساب ۷۱۲
۱۱۲۰۰ چیل کو گوشت کھلانا صدقہ ہے؟..................................... ۷۱۳
۱۱۲۰۱ وسیع پنجرہ میں کبوتر پالنا ۷۱۴
۱۱۲۰۲ اللہ اور رسول کے واسطے مسجد میں مانگنے والے کو ملا ہوا مال کس کی ملک؟ ۷۱۴
۱۱۲۰۳ کیا ناپاک پانی کی اطلاع دینا ضروری ہے؟........................ ۷۱۶
۱۱۲۰۴ آپسی مسائل کو صلح وصفائی سے حل کرنا........................... ۷۱۶
۱۱۲۰۵ نماز اور خارج نماز ٹخنوں سے نیچے پائجامہ وغیرہ لٹکانے کا شرعی حکم ... ۷۱۹

۴۱/بقية كتاب الحظر والإباحة

(۸) باب: کھانے کی سنتوں اور آداب وغیرہ کا بیان

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا أَبَدًا ☆ عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

کھانا کھانے کے لئے بیٹھنے کا سنت طریقہ

سوال [۱۰۷۰۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کھانا کھانے کے لئے بیٹھنے کے سنت طریقے کتنے ہیں؟

المستفتی: محمد قاسم

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: کھانا کھانے کے مختلف طریقے حضور ﷺ سے ثابت ہیں؛ البتہ جس ہیئت پر بیٹھ کر کھانے میں تکبر وغرور سے احتراز، عبودیت کا اظہار اور بیٹھنے والے کو سہولت وآسانی ہو، اسی طریقے پر بیٹھ کر کھانا مسنون ہے۔

عن يحيٰ بن أبي كثير أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: آكل كما يأكل العبد، وأجلس كما يجلس العبد، فإنما أنا عبد. (شعب الإيمان، الأكل متكئًا، دارالكتب العلمية ٥/١٠٧، رقم: ٥٩٧٥، الزهد لابن المبارك، دارالكتب العلمية بيروت ٤٧٥، رقم: ١٩٣، مسند أبي يعلى الموصلي، دارالكتب العلمية بيروت ٤/٢٧٩، رقم: ٤٨٩٩)

فـآكـل كـمـا يـأكل العبد، وكان يأكل وهو مقع ويذكر عنه، أنه كان يـجـلـس لـلأكل متوركاً على ركبتيه ويضع بطن قدمه اليسرىٰ على ظهر قدمه اليـمنىٰ تواضعاً لربه عزوجل وأدبابين يديه واحترامًا للطعام وللمؤاكل.

(زاد المعاد، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٢٢١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰/ ۱۱۱۰۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۵/۵/ ۱۴۳۴ھ

کھانا کھانے کا مسنون طریقہ

سوال [۱۰۷۰۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کھانا کھانا کون کون سے طریقہ سے ہے؟ بیٹھ کر کھانا حضور ﷺ سے ثابت ہے؟ اور ان طریقوں میں کون سا طریقہ زیادہ سنت اور افضل ہے؟ نیز اکڑوں بیٹھنا کیسا ہے؟

المستفتی: عبداللہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حضور اکرم ﷺ سے کسی خاص طریقہ پر بیٹھ کر کھانا کھانا کسی حدیث سے وضاحت کے ساتھ ہمارے سامنے نہیں اور اس سلسلہ میں کوئی صریح حدیث شریف ہمیں نہیں مل سکی، ہاں البتہ ایک دفعہ اکڑوں بیٹھ کر کھجور تناول فرمانا ثابت ہے، اور حضرات محدثین نے حدیث کے حوالہ کے بغیر کھانا کھانے کے لئے کچھ مستحب طریقے نقل فرمائے ہیں، ان میں سے ایک طریقہ یہ ہے کہ آدمی اپنے گھٹنوں اور قدمین کے ظاہری حصہ کو زمین پر رکھ کر دوزانو بیٹھ کر کھانا کھائے، یہ ایسے لوگوں کے لئے ہے، جو اس طریقہ سے آسانی کے ساتھ بیٹھ سکتے ہوں۔

دوسرا طریقہ یہ نقل فرمایا ہے کہ دائیں پیر کو کھڑا رکھا جائے اور بائیں پیر پر بیٹھ کر کھایا جائے،

یہ بھی ایسے لوگوں کے لئے ہے، جو اس طریقہ سے سہولت کے ساتھ دیر تک بیٹھنے پر قادر ہوں؛ لیکن جن لوگوں کے بدن بھاری ہوں، وہ نہ اکڑوں بیٹھ سکتے ہیں، نہ دوزانوں بیٹھ سکتے ہیں اور نہ ہی ایک ٹانگ کھڑی کر کے بیٹھ سکتے ہیں، تو ایسے لوگوں کے لئے وہی طریقہ بہتر ہے، جس میں وہ آسانی اور سہولت کے ساتھ کھانا کھا سکتے ہوں۔

عن مصعب بن سليمؒ، قال: سمعت أنس بن مالك يقول أتي رسول الله صلى الله عليه وسلم بتمر، فرأيته يأكل، وهو مقع من الجوع. (شمائل ترمذي٩، ومسلم شريف، باب استحباب تواضع الأكل وصفة قعوده، النسخة الهندية ٢/ ١٨٠، بيت الأفكار رقم:٢٠٤٤، مسند الدارمي دار المغني ٢/ ١٣١٠، رقم:٢١٠٦)

فالمستحب في صفة الجلوس للآكل أن يكون جاثياً على ركبتيه وظهور قدميه، أوينصب الرجل اليمنىٰ، ويجلس على اليسرىٰ. (فتح الباري، باب الأكل متكئًا، دارالفكر٩/ ٥٤٢، اشرفية ديوبند ٩/ ٦٧٦، تحت رقم الحديث: ٥٣٩٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

كتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ر جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۵۹۶/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۵/۶ھ

کیا اکڑوں بیٹھ کر کھانا حضور ﷺ سے ثابت ہے؟

سوال [۱۰۷۰۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حضور ﷺ سے اکڑوں بیٹھ کر کھانا تناول فرمانا ثابت ہے؟ اگر آپ علیہ الصلاۃ والسلام سے کسی خاص ہیئت پر بیٹھ کر کھانا تناول فرمانا ثابت ہو، تو اس کو واضح فرمادیں، آپ کی عین نوازش ہوگی۔

المستفتی: محمد سمیع الدین قاسمی دیوان بازار مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حضور ﷺ کا اکڑوں بیٹھ کر کھانا تناول فرمانا کسی حدیث شریف سے ثابت نہیں؛ البتہ آپ علیہ السلام کا اکڑوں بیٹھ کر کھجور تناول فرمانا صحیح حدیث شریف سے ثابت ہے، حدیث شریف ذیل میں نقل کی جارہی ہے اور بعض فقہاء ومحدثین نے حضور ﷺ کا عورتوں کے التحیات میں بیٹھنے کی طرح تورک کر کے کھانے کے لئے بیٹھنے کا ذکر فرمایا ہے یعنی بائیں قدم کو دائیں قدم کی پشت پر رکھ کر تواضع کی ہیئت اختیار کر کے کھانے کے لئے بیٹھنا جو ذیل کی عبارتوں سے واضح ہوتا ہے، مگر کسی نے بھی اس بارے میں کوئی حدیث شریف نقل نہیں فرمائی ہے، اور احقر کو بھی اس بارے میں کوئی حدیث شریف دستیاب نہ ہوسکی۔

یہاں یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ حضور ﷺ سے صراحت کے ساتھ کسی ایک ہیئت پر کھانا تناول نہ فرمانا امت کی سہولت کے لئے ہے؛ لہٰذا جو آدمی جس ہیئت پر آسانی کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاسکتا ہے، اس کے لئے اسی طریقے سے کھانے کے لئے بیٹھنا بہتر ہے۔

عن أنس بن مالکؓ قال: رأیت النبي صلی اللّٰہ علیہ وسلم مقعیًا یأکل تمرًا. (مسلم شریف، باب استحباب تواضع الأکل وصفۃ قعودہ، النسخۃ الہندیۃ ۲/ ۱۸۰، بیت الأفکار، رقم: ۲۰۴٤)

والإقعاء أن یجلس علي ألیتیہ ناصبًا ساقیہ. (زاد المعاد ٤/ ۲۲۱، المعجم الأوسط ۷۵۰)

فالمستحب في صفۃ الجلوس للآکل أن یکون جاثیًا علی رکبتیہ وظہور قدمیہ، أوینصب الرجل الیمنیٰ ویجلس علی الیسریٰ. (فتح الباري، باب الأکل متکئًا، دار الفکر ۹/ ٥٤۲، اشرفیۃ ۹/ ٦۷٦، تحت رقم الحدیث: ٥۳۹۹)

قال ابن القیمؒ: ویذکر عنہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: أنہ کان یجلس للأکل متکأ علی رکبتیہ، ویضع بطن قدمہ الیسریٰ تواضعًا للّٰہ بین یدیہ،

قال: هذه الهيئة أنفع هيئات الأكل وأفضلها؛ لأن الأعضاء كلها تكون على وضعها الطبيعي خلقها الله عليه. (مرقاة المفاتيح، كتاب الأطعمة، مكتبه امدادية ملتان ۸/ ۱٦٤، زاد المعاد ٤/ ۲۲۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍ ربیع الاول ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰/ ۱۱۴۵۶)

حضور ﷺ کھانے میں پانی کس وقت پیتے تھے؟

سوال [۱۰۷۰۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ پیارے رسول اللہ ﷺ کھانا کھانے میں پانی کس وقت پیتے تھے؟ آپ سے کھانے سے پہلے کھانے کے درمیان اور کھانے کے بعد پانی پینا ثابت ہے یا نہیں؟ اگر ثابت ہے تو اسے سنت کہیں گے یا کھانے کے آداب میں سے کہا جائے گا؟

المستفتی: حاجی سردار خاں، سنگیر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اس سلسلہ میں احقر کو اپنی کوتاہ نظری اور کم فہمی کے ساتھ احادیث شریفہ کے ذخیرہ کی چھان بین کے بعد جو کچھ حاصل ہوا ہے، وہ پیش خدمت ہے۔

مسلم شریف میں حضرت ابو الھیثم ابن تیہان کے واقعہ میں یوں لکھا ہے کہ حضور ﷺ کی خدمت میں کھجور اور بکرے کا کھانا پیش کیا گیا، ساتھ میں حضرت ابو بکر، حضرت عمر اور حضرت ابو ہریرہ رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی موجود تھے، سب نے کھجور بھی تناول فرمائی اور کھانا بھی تناول فرمایا اور پانی بھی پیا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اخیر میں پانی پیا۔

حدیث شریف ملاحظہ فرمایئے۔

عن أبي هريرةؓ، قال: خرج رسول الله صلى الله عليه وسلم: ذات يوم، أو ليلة، فإذا هو بأبي بكرؓ، وعمرؓ: فقال: ما أخرجكما من بيوتكما هذه الساعة؟

قالا: الجوع يا رسول الله! قال: وأنا والذي نفسي بيده لأخرجني الذي أخرجكما، قوموا، فقاموا معه، فأتیٰ رجلا من الأنصار، فإذا هو ليس في بيته، فلما رأته المرأة، قالت: مرحبا وأهلا، فقال لها رسول الله صلى الله عليه وسلم: أين فلان؟ قالت: ذهب يستعذب لنا من الماء، إذا جاء الأنصاري، فنظر إلى رسول الله صلى الله عليه وصاحبيه، ثم قال: الحمد لله ما أحد اليوم أكرم أضيافًا مني، قال: فأنطلق، فجاء بعذق فيه بسر وتمر ورطب، فقال: كلوا من هذه وأخذ المدية، فقال له رسول الله صلى الله عليه وسلم: إياک والحلوب، فذبح لهم، فأكلوا من الشاة ومن ذلک العذق وشربوا، فلما أن شبعوا ورووا، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لأبي بکرؓ، وعمرؓ: والذي نفسي بيده؛ لتسألن عن هذا النعيم يوم القيٰمة، أخرجكم من بيوتكم الجوع، ثم لم ترجعوا حتى أصابكم هذا النعيم. (مسلم شریف، باب جواز استتباعه غيره إلي دارمن يثق، النسخة الهندية ۲/ ۱۷۷، بيت الأفكار رقم:۲۰۳۸)

اور ترمذی شریف میں اسی واقعہ کے تحت یہ تفصیل ہے کہ حضرت ابوالہیثمؓ نے پہلے کھجور پیش فرمائی: ان سب حضرات نے کھجور تناول فرمانے کے بعد کھانا تناول فرمانے سے پہلے پانی پیا ہے۔

حدیث شریف کے الفاظ ملاحظہ فرمایئے:

عن أبي هريرةؓ، قال: خرج النبي صلى الله عليه وسلم في ساعة لايخرج فيها ولا يلقاه فيها أحد، فأتاه، أبوبكر، فقال: ماجاء بک يا أبا بكر؟ فقال: خرجت ألقي رسول الله صلى الله عليه وسلم وأنظر في وجهه والتسليم عليه، فلم يلبث أن جاء عمر، فقال: ماجاء بک يا عمر؟ قال: الجوع يارسول الله صلى الله عليه وسلم! قال: وأنا قد وجدت بعض ذلک، فانطلقوا إلي منزل أبي الهيثم بن التيهان الأنصاري، وكان رجلاً كثير النخل والشاء

ولـم يـكـن لـه خـدم، فـلم يجدوه، فقالوا لامرأته: أين صاحبک، فقالت: انـطـلـق يستـعـذب لـنـا الـمـاء، فلم يلبثوا أن جاء أبو الهيثم بقربة يزعبها فـوضـعهـا، ثم جاء يلتزم النبي صلى الله عليه وسلم ويفديه بأبيه، وأمه، ثم انـطـلق بهم إلى حديقته فبسط لهم بساطاً، ثم انطلق إلى نخلة، فجاء بقنو فـوضعه، فقال: النبي صلى الله عليه وسلم: أفلا تنقيت لنا من رطبه؟ فقال: يـارسـول الله! إنـي أردت أن تـخـتـاروا أو قـال تخيروا : من رطبه وبسره، فـأكـلـوا وشـربوا من ذلک الماء، فقال: رسول الله صلى الله عليه وسلم: هذا والذي نفسي بيده من النعيم الذي تسئلون عنه يوم القيمة، ظل بارد، ورطـب طيـب، ومـاء بـارد، فـانطلق أبوالهيثم ليصنع لهم طعاماً، فقال النبي صلى الله عـلـيـه وسـلـم: لا تـذبـحـن ذات در، فذبح لهم، عناقًا، أوجديًا، فـأتاهم بها، فأكلوا الحديث. (ترمذي، باب ماجاء في معيشة أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم، النسخة الهندية ٢/٦٢، دارالسلا رقم: ٢٣٦٩)

ان دونوں روایتوں سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ کھانے کے بعد یا کھانے سے پہلے کبھی اتفاقاً پانی پیا ہے؛ لیکن دونوں روایتوں میں تاویل کی گنجائش ہے، پہلی روایت کو دوسری روایت کے ساتھ منطبق کر کے یہ کہا جاسکتا ہے کہ نفوس قدسیہ کی اس جماعت کو ابوالہیثم کے پاس پہونچتے ہی کھجور کا خوشہ پیش کیا گیا، اس کے بعد بکری کو ذبح فرمایا ہے۔ ظاہر بات ہے کہ بکری ذبح کرنے کے بعد پکا کر تیار کرنے میں کچھ وقت لگا ہے، تو کھجور تناول فرما کر پانی ضرور پیا ہے، کافی وقفہ کے بعد کھانا تناول فرمایا اور کھانے کے بعد پینے کا ذکر نہیں ہے۔ اور مسلم شریف میں دونوں چیزوں کو ایک ساتھ ملا کر بیان کیا گیا ہے، اسی لئے مسلم کی روایت کو ترمذی کی روایت کے موافق کر کے مطلب نکالا جاسکتا ہے، اس کے علاوہ مزید تفصیلی اور واضح روایت ہم کو نہیں ملی؛ لیکن علامہ ابن قیم جوزی نے زاد المعاد میں یہ لکھا ہے کہ حضور ﷺ کی سنت یہ نہیں تھی کہ آپ کھانے کے بعد پانی تناول فرماتے؛ اس لئے کہ کھانے

کے اوپر پانی پینے سے غذا میں بگاڑ پیدا ہوکر پیٹ خراب ہوسکتا ہے، ابن قیمؒ نے فرمایا کہ کھانے سے پہلے اور کھانے کے بعد پانی پینا مکروہ ہے، اسی طرح تھکاوٹ کے بعد، جماع کے بعد ریاضت کے بعد، پھل کھانے کے بعد پانی پینے کو مکروہ لکھا ہے؛ لیکن کراہت پر کوئی دلیل نہیں نقل فرمائی، شاید طبی نقطۂ نظر سے نقصان دہ ہونے کی وجہ سے ابن قیمؒ نے مکروہ لکھا ہے، طبی دلیل ان کے پاس ہے شرعی دلیل نہیں ہے۔ زادالمعاد کی عبارت ملاحظہ فرمایئے۔

ولم يكن من هديه أن يشرب على طعامه، فيفسده ولاسيما إذا كان الماء حارًا، أوبارداً قوله ويكره شرب الماء عقيب الرياضة والتعب وعقيب الجماع وعقيب الطعام وقبله وعقيب أكل الفاكهة وإن كان الشرب عقيب بعضها أسهل من بعض وعقيب الحمام وعند الانتباه من النوم، فهذا كله مناف لحفظ الصحة. (زاد المعاد ٤/٢٢٤)

ان تمام چیزوں کے پیش نظر احقر اس نتیجہ پر پہونچا ہے کہ شرعی نقطۂ نظر سے کراہت اور عدم کراہت کی کوئی دلیل نہیں ہے، کھانے سے پہلے، یا کھانے کے بیچ میں، یا کھانے کے بعد کوئی پانی پی لیتا ہے، تو اس میں کسی قسم کی شرعی کراہت کا حکم نہیں لگے گا؛ البتہ طبی نقطۂ نظر سے کھانے سے پہلے یا بعد میں پانی پینا نقصان دہ ہے؛ اس لئے طبی کراہت اس میں لازم آتی ہے، اور کھانے کے بیچ میں چونکہ طبی کراہت نہیں ہے؛ اس لئے بیچ میں پینے میں نہ شرعی کراہت ہے، نہ طبی کراہت ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍ربیع الاول ۱۴۲۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶/۷۹۶۹)

میز وکرسی پر کھانا، کھانا

سوال [۱۰۷۱۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ شادی میں میز کرسی پر بیٹھ کر کھانا کھا سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: فاروق دستگیر، ستارا، مہاراشٹر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آج کے زمانہ میں شادی وغیرہ میں میز کرسی پر بیٹھ کر کھانا کھانا کسی خاص قوم کا شعار نہیں رہا ہے اور نہ ہی غرور وتکبر ہوتا ہے؛ اس لئے میز کرسی پر بیٹھ کر کھانے کی گنجائش ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۸/۱۲۱، دینی مسائل اور ان کا حل ۲۹۱-۲۹۲)

والحاصل أن الأكل عليه أي الخوان بحسب نفس ذاته لا يربو على ترك الأولوية-إلى قوله-لكنه جائز إن خلا عن قصد التكبر. (الكوكب الدري مع الحاشية ۲/۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/رجب المرجب ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰/۱۱۶۰۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۸/۷/۱۴۳۵ھ

کھڑے ہو کر کھانا پینا

سوال [۱۰۷۱۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آج کل جو دعوتوں اور پارٹیوں میں کھڑے کھڑے کھانے پینے کا رواج ہے، یہ کہاں تک درست ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بغیر عذر شدید کے کھڑے ہو کر کھانا پینا ممنوع اور ناجائز ہے؛ کیونکہ اولاً تو اس میں سنت کی خلاف ورزی ہے۔ نیز کھڑے ہو کر اور چلتے پھرتے کھانا پینا جانوروں کا طریقہ ہے، انسان کی فطرت اور امتیازی شان اس کے خلاف ہے؛ اس لئے مکروہ تحریمی ہے۔ (مستفاد: انوار نبوت ۶۴۱)

عن أنس أن النبي صلى الله عليه وسلم نهىٰ أن يشرب الرجل قائماً، فقيل: الأكل، قال: ذلک أشد. (ترمذي شريف، باب ما جاء في النهى عن الشرب قائماً، النسخة الهندية ۲/ ۱۰، دارالسلام رقم: ۱۸۷۹، مسند أبي داؤد الطيالسي، دارالكتب العلمية بيروت ۲/ ۴۸۲، رقم: ۲۱۲۹، مسند أحمد بن حنبل ۳/ ۱۳۱، رقم: ۱۲۳۶۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/ ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰/ ۱۱۵۰۸)

کھڑے ہوکر کھانا پینا کیسا ہے؟

سوال [۱۰۷۱۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اس وقت جس مسئلہ پر میں کچھ لکھ رہا ہوں، وہ اگر چہ اتنا زیادہ اہم نہیں ہے، جس پر کسی بحث کی ضرورت ہو تاہم بعض صورتوں میں یہ اہم بھی ہوجاتا ہے، دراصل معاشرہ افراط وتفریط کا شکار ہے، کہیں تو دین کے بنیادی احکام کو بھی قابل اعتبار نہیں سمجھا جاتا اور کہیں غیر ضروری امور کو فرض و واجب سمجھ کر ان کے ترک کرنے والوں پر لعن طعن کی بوچھار کردی جاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ مذکورہ دونوں صورتیں اسلام کے لئے مضر ہیں، اب یہی کھڑے ہوکر کھانے پینے کا مسئلہ ہے، جو عام ہوگیا ہے، شادی بیاہ کے موقع پر بڑے شہروں میں عام طور پر کھڑے ہوکر کھانا مروج ہے، اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ یہ مغرب کی تقلید ہے، اگر یہ وجہ ہے تو باعث افسوس ہے اور ظاہر ہے کہ ہر وہ کام جو دشمنان اسلام کی تقلید کی نیت سے ہو وہ مسلمانوں کے احساس کمتری اور ان کی شکست خوردہ ذہنیت کا ثبوت ہے؛ لیکن اگر اس کی وجہ جگہ کی قلت ہے یا کھانے میں آسانی ہوتی ہے، تو یہ مسئلہ قابل غور ہے، میرے بعض دوستوں نے مجھے بتایا کہ وہ کئی دعوتوں سے اس لئے واک

آؤٹ کر گئیے کہ وہاں کھڑے ہوکر کھانے کا انتظام تھا، بعض جگہ کھانے کی میز پر بیٹھ کر انہوں نے مسنون طریقہ سے کھانا تناول فرمایا ایک مسجد کے امام صاحب کی امامت خطرہ میں ہے، اسی قسم کی اور بھی بہت سی غیر ضروری مشکلات لوگوں کو لاحق ہیں۔

میں یہاں اپنی وضاحت کردینا ضروری سمجھتا ہوں کہ کھانے کا ادب یہ ہے کہ بایاں پاؤں بچھادے اور داہنا کھڑا رکھے یا بیٹھ کر دونوں گھٹنے کھڑے رکھے (بہار شریعت) اس کے علاوہ نظام آداب اپنی جگہ درست ہیں جو کتب فقہ میں مذکورہ ہیں، مگر یہاں صرف اتنی بحث ہے کہ اگر کسی نے کھڑے ہوکر کھالیا، تو شریعت میں اس کی کیا سزا مقرر کی گئی ہے؟ کیا اس پر لعن طعن جائز ہے؟ کیا اس پر لڑنا جھگڑنا درست ہے؟ مجھے اس سلسلہ میں یہی معلوم ہوسکا ہے کہ ان باتوں میں سے کوئی بھی صحیح نہیں، کھڑے ہوکر پانی پی لینا، چلتے پھرتے کھالینا جائز ہے اور ان افعال پر لوگوں کو لعن طعن کرنا درست نہیں اور کھانے کے آداب کے سلسلے میں جو احادیث وارد ہیں، اگر ان میں سے بعض صحیح بھی ہوں، تو ان کا تعلق کھانے کی مصلحتوں سے ہے، وہ شرعی اور تعبدی احکام نہیں ہیں۔ اب اس مسئلہ میں چند حوالہ جات ملاحظہ ہوں۔

(۱) سیدنا ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں چلتے پھرتے ہوئے کھایا کرتے تھے اور کھڑے ہوکر پیا کرتے تھے۔ (ترمذی شریف، باب الاکل قائما، نسخہ ہندیہ ۱۰/۲، دارالسلام رقم: ۱۸۸۰، تحفۃ الأحوذی ۱۱۱/۳)

(۲) ابن ماجہ اور ترمذی میں کبشہ انصاری سے روایت ہے کہ حضور ﷺ ان کے گھر تشریف لائے، گھر میں ایک مشکیزہ معلق تھا، آپ ﷺ نے منھ لگا کر کھڑے کھڑے اس مشکیزہ سے پانی پیا۔ (شامی ۹۵/۱، شمائل ترمذی ۱۵، ابن ماجہ ترمذی، بہار شریعت)

حالانکہ صحیح بخاری ومسلم کی حدیثوں میں آپ نے مشکیزہ کے دہانے سے پانی پینے کی ممانعت کی، ان دونوں احادیث میں تطبیق اس طرح دی گئی ہے کہ ممانعت اس لئے ہے کہ کہیں کوئی کیڑا وغیرہ منھ میں نہ چلا جائے اور اگر یہ نہ ہو تو جائز ہے، امام طحاویؒ

جو جلیل القدر حنفی امام ہیں، اسی کو راجح قرار دیتے ہیں کہ کھڑے ہوکر کھانے پینے میں مضائقہ نہیں اور ممانعت محض اس لئے ہے کہ ایسی حالت میں پھندا وغیرہ لگنے کا خطرہ ہوتا ہے، امام شعبی نے بھی یہی فرمایا کہ کھڑے ہوکر پینا تکلیف کے خطرہ کی وجہ سے مکروہ ہے۔ (شامی ۱۲۹/۳، طحاوی شریف ۳۵۸/۲)

فقہاء نے مسافر کے لئے چلتے پھرتے پینے کو بھی جائز قرار دیا۔ (ص:۹۶)

اب روایات میں تو ٹیک لگا کر کھانے کی ممانعت ہے، مگر ہم نے بہت سے بزرگوں کو کرسی پر ٹیک لگائے ہوئے کھاتے دیکھا، کھاتے وقت جوتا اتارنا چاہئے، مگر جوتے سمیت کھاتے ہیں اور پان کون نہیں کھاتا، سب سڑکوں پر چلتے پھرتے کھاتے ہیں، آپ اس کو مشروب کہیں یا کیا جو کچھ بھی کہیں کھڑے کھڑے اور چلتے پھرتے اور نہ معلوم کس کس حال میں اس کو تناول فرمایا جاتا ہے۔ اب اگر کوئی گنڈ یریاں یا ریوڑیاں چلتے پھرتے کھائے، تو اس کی شہادت وثقاہت کیوں مجروح ہوتی ہے، یہ تمام سطور کہنے کا مقصد ہرگز یہ نہیں کہ کھڑے ہوکر کھانے کو افضل و اعلیٰ بتایا جائے؛ بلکہ مقصود یہ ہے کہ اگر بوقت ضرورت ایسا ہو جائے، یا کوئی کھڑے ہوکر کھا پی لے، تو وہ شریعت کی نگاہ میں مجرم نہیں اور اس پر طعن ضروری نہیں۔ پس راہ اعتدال کو نہ چھوڑنا چاہیے اور اسلام نے لوگوں کو جو سہولتیں دی ہیں، وہ ان کو ملنی چاہیے۔ (ماخوذ ماہنامہ شمشی آواز مئی ۱۹۹۲ء)

کیا فرماتے ہیں علماء دین مفتیان دین مسئلہ ذیل میں کہ رسالہ شمشی آواز کی مذکورہ عبارت میں کھڑے ہوکر کھانے کو جائز ثابت کرنے کی کوشش کی ہے اور اس سلسلہ میں حدیث وفقہ کی کتابوں سے حوالہ پیش کیا ہے۔

نیز پان، سیگریٹ وغیرہ چلتے پھرتے کھانے کے استعمال کرنے سے بھی استدلال کیا ہے، تو یہ کہاں تک درست ہے؟ جو بھی صحیح صورت ہو، اس کو تحریر فرمائیے۔

المستفتی: ریاض الحسن، عرف منے، جوتا والے، گول گھر منڈی چوک، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کھڑے ہوکر کھانا کھانا مغربی تہذیب اور اغیار کے ساتھ مشابہت کی بناء پر ممنوع اور ناجائز ہے، اس سے احتراز ہر مسلمان پر لازم ہے، اور حدیث شریف میں اس کی صراحت آئی ہے کہ جو شخص کسی قوم کی مشابہت اختیار کرتا ہے، اس کا حشر اسی قوم کے ساتھ ہوگا اور کھڑے ہوکر کھانے کا فیشن مغربی یہود ونصاریٰ سے آیا ہے اور یہ انہیں کی تہذیب ہے؛ اس لئے اس کا ترک ہر مسلمان پر لازم ہے۔حدیث میں ہے۔

عن ابن عمرؓ، قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: من تشبه بقوم فهو منهم. (سنن أبي داؤد، باب في لبس الشهرة، النسخة الهندية ۲/۵۵۹، دارالسلام رقم: ۴۰۳۱)

اور رسالہ شمشی آواز میں جو حوالے پیش کئے گئے ہیں، وہ سب خاص خاص عذر کے ساتھ خاص خاص مواقع کے ساتھ مخصوص ہیں، ان حوالوں سے استدلال کر کے جواز ثابت نہیں کیا جاسکتا اور خود ان حوالوں کے خلاف صحیح حدیثیں ممانعت کی بھی موجود ہیں۔

عن أنسؓ أن النبي صلی اللّٰہ علیه وسلم، نهی أن یشرب الرجل قائماً، فقیل الأکل قال ذاک أشد. (ترمذي شریف، باب ماجاء في النهی عن الشرب قائماً، النسخة الهندیة۲/۱۰، دار السلام رقم: ۱۸۷۹، مسند أبي داؤد الطیالسي، دارالکتب العلمیة بیروت ۲/۴۸۲، رقم: ۲۱۲۹، مسند أحمد بن حنبل ۳/۱۳۱، رقم:۱۲۳۶۳)

اور پان وغیرہ کے ساتھ قیاس کر کے کھڑے ہوکر کھانے کو جائز قرار دینا؛ اس لئے درست نہیں ہے کہ پان وغیرہ کے مسئلہ میں اغیار کی مشابہت نہیں ہے اور نہ ہی عرف میں معیوب ہے اور کھڑے ہوکر کھانے کی اصل ممانعت اغیار کی مشابہت ہے؛ اس لئے قیاس صحیح نہیں ہے اور جگہ کی تنگی کا عذر بھی مشاہدہ کے خلاف ہے؛ اس لئے کہ عام طور پر کھڑے ہوکر کھانے کا انتظام وہاں کیا جاتا ہے، جہاں جگہ کی تنگی نہیں ہوتی ، جو لوگ ہر طرح کا انتظام کر سکتے ہیں، وہی اس طرح کا انتظام کرتے ہیں؛ اس لئے یہ عذر بھی فضول ہے؛ لہٰذا

کھڑے ہوکر کھانا کھلانے کا جو فیشن اس زمانہ میں جنم لے رہا ہے، وہ ہرگز جائز نہیں ہے، اس کا ترک ہر مسلمان پر لازم ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍ذی الحجہ ۱۴۱۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۸؍۲۹۲۱)

تین انگلیوں سے کھانا کب مسنون ہے؟

سوال [۱۰۷۱۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مشہور ہے کہ تین انگلیوں سے کھانا مسنون ہے، تو کیا اس سے زائد انگلیوں سے کھانا خلاف سنت ہے، تین انگلیوں سے روٹی کا کھانا تو سمجھ میں آتا ہے؛ لیکن چاول جیسی چیز کس طرح کھائی جائے گی؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عام حالات میں جس چیز کو تین انگلیوں سے کھانا آسان ہو، اس کو تین انگلیوں سے کھانا مسنون ہے؛ لیکن چاول وغیرہ یا ایسی چیز جس کا تین انگلیوں سے کھانا مشکل ہو، اس میں چوتھی اور پانچوی انگلی شامل کرنا خلاف سنت نہیں؛ اس لئے کہ آپ ﷺ سے پانچ انگلیوں سے کھانا بھی ثابت ہے۔

الأکل بالثلاث سنة فلا یضم إلیها الرابعة، والخامسة إلا لضرورة وفي حدیث مرسل أنه صلی الله علیه وسلم کان إذا أکل أکل بخمس؛ ولعله محمول علی المائع، أو علی القلیل النادر ...... فإن عادته في أکثر الأوقات هو الأکل بثلاث أصابع. (مرقاة المفاتیح، کتاب الأکل، مکتبه امدادیه ملتان ۸/۱۶۲-۱۶۳، تکملة فتح الملهم، اشرفیه دیوبند ٤/۲۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰؍۱۱۴۸۷)

کیا کھانے کی ابتداء وانتہاء نمک پر کرنا مسنون ہے؟

سوال [۱۰۷۱۴]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کھانا شروع کرنے سے پہلے نمک چاٹنا یا نمک سے کھانے کی ابتداء کرنا اورنمک پر ہی کھانے کو ختم کرنا، کیا ایسا کرنا نبی ﷺ یا صحابہ رضی اللہ عنہ سے کسی روایت سے ثابت ہے؟ بعض فقہی کتب میں جوسنت یا مستحب لکھا ہے، اس کا کیا مطلب ہے؟ بعض علماء بھی محض فقہی کتابوں کو دیکھ کراس عمل کو مستحب قرار دے رہے ہیں؛ جبکہ شمائل کی کسی کتاب میں نہیں مل رہا ہے۔ دارالافتاء سے اس سلسلہ میں وضاحت مطلوب ہے۔

المستفتی: عبدالرشید قاسمی، سیڑھا، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کھانے کو نمک سے شروع کرکے نمک پر ختم کرنے سے متعلق فقہاء نے مستحب یا مسنون لکھا ہے، اس سلسلہ میں احادیث شریفہ مرفوع متصل تو دستیاب نہ ہوسکیں؛ البتہ ضعیف حدیث وآثار صحابہؓ اس سلسلہ میں موجود ہیں۔

حدیث شریف ملاحظہ فرمایئے:

عن علي أنه قال: من ابتدأ غذاءه بالملح أذهب عنه سبعين نوعاً من البلاء. (شعب الإيمان، باب في المطاعم والمشارب، دارالكتب العلمية بيروت ۵/۱۰۳، رقم: ۵۹۵۲)

ونقل السيوطي عن الأصبهاني عن علقمة بن سعد بن معاذ حدثني أبي عن أبيه عن جده مرفوعاً استعينوا طعامكم بالملح فوالذي نفسي بيده أنه ليرد ثلاثاً وسبعين نوعاً من البلاء. (اللآلي المصنوعة في الأحاديث الموضوعة للسيوطي ۲/۱۷۹، تذكرة الموضوعات للفتنى ۱/۱۴۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹/ ۱۰۶۹۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۵/۱۱ھ

نمک سے کھانا شروع کرنے اور نمک پر ختم کرنے کا حکم

سوال[۱۰۷۱۵]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ **من السنة أن يبدأ بالملح و يختم بالملح** کیا یہ حدیث ہے؟ عالمگیری وغیرہ میں لکھا ہے کہ کھانے کی ابتداء نمک سے کرے اور ختم بھی نمک سے کرے اور غالباً زادالمعاد میں لکھا ہے کہ ایسا کرنے پر ۷۵/ بیماریوں سے شفا ہے۔

معلوم یہ کرنا ہے کہ اس کا کیا مطلب ہے؟ کیا ہم لوگ اپنے دستر خوان پر نمک رکھا کریں تاکہ پہلے تھوڑا سا نمک چکھ لیں، پھر کھانا شروع کریں اور کھانے کے بعد بھی نمک کھالیں۔اسی بات کو مفتی کمال الدین صاحب احمد راشدی استاذ دارالعلوم کراچی، پاکستان نے اپنی کتاب (کھانے پینے کی حلال حرام چیزیں) کے ۱۰۹ پر لکھا ہے، کھانے سے پہلے اور کھانے کے بعد تھوڑا نمک چکھنے کو فقہاء کرام نے مستحب لکھا ہے۔اس سلسلہ میں ہم تمام دعوت وتبلیغ کے ساتھی آپ سے وضاحت چاہتے ہیں، کیا نمک سے ابتداء مسنون ہے یا کسی بھی نمکین کھانے سے ابتداء کرنے میں اس استحباب پر عمل ہوجائے گا۔

المستفتی: جملہ احباب حلقہ نہٹور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: نمک یا نمکین سے کھانا شروع کرنا اور ختم کرنا فقہاء نے مسنون لکھا ہے؛ لیکن کسی صحیح اور صریح حدیث میں اس کا ثبوت نہیں ملتا؛ البتہ بعض نہایت کمزور اور موضوع قسم کی روایت میں اس کا ذکر موجود ہے؛ اس لئے اس کو باضابطہ سنت یا مستحب نہیں کہا جاسکتا، ہاں البتہ اتنی بات ہے کہ اس زمانہ میں نمکین یا نمک سے شروع کر کے کھانا کھانے کے بعد پھر نمک چکھنے کی عادت رہی ہے، تو اس کو سنن عادیہ کہا جاسکتا ہے، تو حضرات فقہاء نے سنن عادیہ کی قبیل سے لکھا ہے، سنن ہدیٰ کی قبیل سے نہیں اور اس کا مدار عادت اور رغبت پر ہے شریعت پر نہیں۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۴/۱۱۲)

عن علي رضؓ **أنه قال: من ابتدأ غذاءه بالملح اذهب عنه سبعين نوعاً من البلاء.** (شعب الإيمان، باب في المطاعم والمشارب، دارالكتب العلمية بيروت ۵/۱۰۳، رقم: ۵۹۵۲)

ونقل السيوطي عن الأصبهاني عن علقمة بن سعد بن معاذ حدثني أبي عن أبيه عن جده مرفوعاً استعينوا طعامكم بالملح فوالذي نفسي بيده أنه يرد ثلاثاً وسبعين نوعاً من البلاء. (اللآلي المصنوعة في الأحاديث الموضوعة للسيوطي ۲/۱۷۹، تذكرة الموضوعات للفتنى ۱/۱۴۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳ رجب المرجب ۱۴۲۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸/۹۳۶۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۸/۷/۲۴ھ

سر ڈھانک کر کھانا کھانا کیسا ہے؟

سوال [۱۰۷۱۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کیا کھانا کھاتے وقت یا پانی پیتے وقت کھانے پینے کے آداب میں سر ڈھانک کر کھانا پینا، یا اس کا تذکرہ ملتا ہے، جیسے بیت الخلاء جاتے وقت سر ڈھانک کر جانے کا ذکر ملتا ہے؟

المستفتی: عبدالرشید قاسمی، سیڈھا، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ٹوپی اوڑھ کر کھانا کھانے کی بات صراحت کے ساتھ ثابت نہیں ہے اور فقہاء نے لکھا ہے کہ ننگے سر کھانا کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے؛ لیکن مہذب مجلسوں اور تقریبوں میں ننگے سر پہونچنا خلاف ادب ہے؛ اس لئے ایسے مواقع میں ٹوپی پہن کر پہونچنا اور ٹوپی پہن کر کھانا کھانا ادب کے دائرہ میں داخل ہوگا۔

ولا بأس بالأكل متكئًا، أو مشكوف الرأس في المختار. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، زكريا ۹/۴۹۰، كراچي ۶/۳۴۰)

ولابأس بالأكل مكشوف الرأس كذا في الخلاصة. (هندية، الباب الحادي عشر في الكراهة في الأكل و ما يتصل به، زكريا قديم ۳۳۷/۵، جديد ۳۹۱/۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۰۹۹/۴۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۵/۱۳ھ

کھاتے وقت سر ڈھانکنا کیسا ہے؟

سوال [۱۰۷۱۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کھانا کھاتے وقت اور پانی پیتے وقت سر ڈھانکنے کا کیا حکم ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: کھانا کھاتے وقت اسی طرح پانی پیتے وقت سر ڈھانکنا نہ لازم ہے اور نہ ہی سنت ہے؛ جبکہ کبر وتکبر نہ ہو؛ بلکہ کھلے سر کھانے پینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (مستفاد: محمود یہ میرٹھ ۴۵/۲۷)

لا بأس بالأكل متكئًا إذا لم يكن على وجه التكبر و هو المختار.

(خلاصة الفتاوى ۳۵۹/٤)

لا بأس بالأكل متكئًا إذا لم يكن على وجه التكبر وهو المختار، وكذا مكشوف الرأس. (التاتارخانية، زكريا ۱٤۳/۱۸، رقم: ۲۸۳۰۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/ رجب المرجب ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۶۰۳/۴۱)

ٹوپی پہن کر کھانا کھانا

سوال [۱۰۷۱۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نے اکثر لوگوں سے سنا ہے کہ ٹوپی اوڑھ کر کھانا کھانا اور پانی پینا سنت ہے؛ جبکہ ایک مولوی صاحب کا کہنا ہے کہ ٹوپی اوڑھ کر کھانا کھانا اور پانی پینا سنت نہیں ہے، یہ سنت ہے یا مستحب؟

المستفتی: محمد یونس، نیو سیلم پور- دہلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سرڈھانک کر کھانے پینے کا سنت یا مستحب ہونا کسی حدیث یا فقہ کے جزئیہ سے ثابت نہیں؛ بلکہ فقہاء نے یہ لکھا ہے کہ ننگے سر کھانے پینے میں کوئی حرج نہیں۔

ولا بأس بالأكل مشكوف الرأس وهو المختار. (عالمگيري، الباب الحادي عشر في الكراهة في الأكل وما يتصل به، زكريا قديم٥/٣٣٧، جديد ٥/٣٩١)

والأكل مشكوف الرأس ......فيه روايتان والمختار أنه لا يكره. (البحر الرائق، كتاب الكراهية، فصل في الأكل والشرب، زكريا ٨/٣٣٨، كوئٹه ٨/١٨٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰ رمحرم الحرام ۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴/ ۶۰۰۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۱/۳۰ھ

خورد ونوش کے وقت سر ڈھانکنا

سوال [۱۰۷۱۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ خورد ونوش کے وقت تغطیۂ رأس کیا سنت ہے؟ اگر سنت ہے تو حدیث نبوی کی

نشاندہی مطلوب ہے۔ نیز تغطۂ رأس عند دخول الخلاء کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: روح الامین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کھانے پینے کے وقت خاص طور پر سر ڈھانکنا کسی حدیث سے ثابت نہیں۔

ولا بأس بالأكل متكئا ٬او مكشوف الرأس في المختار . (شامي، كتاب الحظر والإباحة، زكريا٩/ ٤٩٠، كراچي ٦/ ٣٤٠)

ہاں البتہ بیت الخلاء میں سر ڈھانک کے داخل ہونا مستحب ہے۔

ويدخل مستور الرأس. (هندية، الباب السابع، زكريا قديم ١/ ٥٠، جديد ١/ ١٠٦، حاشية الطحطاوي، دارالكتاب ديوبند ١/ ٥١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍صفر المظفر ۱۴۱۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۳؍۵٦۱۹)

کھانا کھانے اور پانی پینے کے وقت سر ڈھانکنا

سوال [۱۰۷۲۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جس طرح بیت الخلاء جانے کے آداب میں لکھا ہے کہ سر ڈھانپ کر بیت الخلاء جانا مسنون ہے، کیا کھانا کھاتے وقت یا پانی پیتے وقت بھی سر ڈھانکنا مسنون ہے، ہمارے یہاں اہل علم حضرات یہاں تک اہتمام کرتے ہیں کہ پانی پیتے وقت اگر ٹوپی نہ ہو، تو ایک ہاتھ سر پر رکھ لیتے ہیں یا پنکھا وغیرہ ہو، وہ سر پر رکھ لیتے ہیں، جس سے ہم لوگ سمجھتے ہیں کہ کھانا کھاتے یا پانی پیتے وقت سر ڈھانکنا مسنون ہے؛ لیکن کسی کتاب میں ہم کو نہیں ملا کہ کھانا کھاتے یا پانی پیتے وقت سر ڈھانکنا مسنون ہے؛ اس لئے دارالافتاء سے

رجوع کررہے ہیں مع حوالہ تحریر فرمائیں۔

المستفتی: جملہ احباب، نہٹور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: کھانا کھاتے وقت یا پانی پیتے وقت سر ڈھانکنا کسی حدیث اور فقہ کے جزئیہ سے اس کا مسنون ہونا ثابت نہیں ہے؛ بلکہ حضرات فقہاء نے ننگے سر کھانے پینے کو مباح لکھا ہے؛ اس لئے سر ڈھانک کر کھانا اور ننگے سر کھانا دونوں بلا کراہت جائز ہیں؛ لہٰذا کھاتے اور پیتے وقت سر ڈھانکنے کا اتنا اہتمام کرنا کہ ٹوپی نہ ہونے کی صورت میں سر کے اوپر ہاتھ یا پنکھا رکھ دیا جائے یہ بے جا تکلف ہے، اس کی کوئی ضرورت نہیں۔

ولا بأس بالأكل مكشوف الرأس وهو المختار. (عالمگيري، الباب الحادي عشر في الكراهة في الأكل وما يتصل به، زكريا قديم٥/٣٣٧، جديد ٥/٣٩١، الفتاوى التاتارخانية، زكريا ١٨/١٤٣، رقم:٢٨٣٠٣، البحر الرائق، زكريا٨/٣٣٨، كوئٹه ٨/١٨٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍رجب المرجب ۱۴۲۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۳۶۷/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۸/۷/۲۴ھ

پانچوں انگلیوں سے کھانا کھانے کی صورت میں چاٹنے کی ترتیب

سوال [۱۰۷۲۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ شمائل کی کتب میں اتنا تو مل رہا ہے کہ اگر کھانا تین انگلیوں سے کھایا ہے، تو فراغت پر انگلیوں کے چاٹنے کی ترتیب پہلے بڑی انگلی، پھر شہادت کی انگلی، پھر انگوٹھا، اگر پانچوں انگلیوں سے کھانا کھایا ہے، تو فراغت پر چاٹنے کی کیا ترتیب ہے؟

المستفتی: عبدالرشید قاسمی، سیڈھا، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر پانچوں انگلی سے کھانا کھایا جائے، تو مذکورہ تینوں انگلیوں کو اسی ترتیب سے چاٹا جائے جو روایت میں منقول ہے، اور مذکورہ تینوں کے علاوہ بقیہ کو ان کے بعد چاٹا جائے۔

عن كعب بن عجرة قال: رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم يأكل بأصابعه الثلاث: بالإبهام، والتي تليها، والوسطىٰ، ثم رأيته يلعق أصابعه الثلاث قبل أن يمسحها، ويلعق الوسطىٰ، ثم التي تليها، ثم الإبهام .

(المعجم الأوسط، دار الفكر ١/٤٤٨، رقم: ١٦٤٩، مجمع الزوائد، دارالكتب العلمية بيروت ٥/٢٨، رقم: ٧٩٣٩)

عن أنسؓ قال: كان النبي صلى الله عليه وسلم إذا أكل طعاماً لعق أصابعه الثلاث . (شمائل ترمذی۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۰۹۹/۴۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۵/۱۳ھ

کھانے کے بعد دانتوں کو صاف کر کے اس پانی کو نگلنا

سوال [۱۰۷۲۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے کھانا کھانے کے بعد منھ کے اندر پانی لیا اور منھ میں پانی رہتے ہوئے اس نے اپنی انگلی سے دانتوں کو صاف کیا؛ لہٰذا اب اس کے لئے اس پانی کا پینا کیسا ہے؟ جو پانی منھ کے اندر ہے، جائز ہے یا ناجائز یا مکروہ؟ اس کا جواب مرحمت فرما کر ثواب دارین حاصل کریں۔

المستفتی: حفظ الرحمٰن، اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر منھ میں کھانے کے اجزاء موجود ہیں اور زید یہ چاہتا ہے کہ یہ اجزاء ضائع نہ ہوں، اس نیت سے وہ منھ میں پانی لے کر انگلی سے صاف کر کے پانی کو پی لیتا ہے، تو اس میں شرعاً کوئی مضائقہ نہیں۔ نیز یہ لوگوں کی اپنی طبیعتوں پر موقوف ہے۔

(مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۱۷/۳۳۴، ڈابھیل ۱۸/۱۷)

کما استفید من هذه العبارة: والتحقيق أن المفتي في الوقائع لابدله من ضرب اجتهاد ومعرفة بأحوال الناس ......فينظر في صاحب الواقعة إن كان ممن يعاف طبعه ذلك أخذ بقول أبي يوسفؒ، وإن كان ممالا أثر لذلك عنده أخذ بقول زفر. (حاشية چلپي، الصوم، باب مايفسد الصوم وما لا يفسده، زكريا ۲/۱۷۳، مكتبه امدادية ملتان ۱/۳۲۵، شامي، كراچي ۳۹۸، زكريا ۳/ ۳۷۰، ۳۷۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶/ ۷۲۶۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۶/۸ھ

کھانے کے بعد پلیٹ میں کھانا چھوڑنا

سوال [۱۰۷۲۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کھانے کے بعد کھانا پلیٹ میں چھوڑنا کیا سنت ہے یا پلیٹ کو اچھی طرح انگلی سے صاف کرنا سنت ہے؟

المستفتی: عبدالجلیل، بردوانی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کھانے کے بعد پلیٹ کو اچھی طرح صاف

کرنے کی تاکید حدیث شریف میں آئی ہے کہ کھانے کے بعد ادھر اُدھر سے پلیٹ کو خوب اچھی طرح صاف کر دیا جائے، اس عمل سے گناہ معاف ہوتے ہیں اور برتن کھانے والے کے لئے دعاء کرتا ہے؛ لہٰذا پلیٹ کو اچھی طرح صاف کرنا سنت ہے۔ (مستفاد: محمودیہ قدیم ۳۸۹/۱۵، ڈابھیل ۷۳/۱۸)

عن نبيشة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: من أكل في قصعة ثم لحسها استغفرت له القصعة. (ترمذي، باب ماجاء في اللقمة تسقط، النسخة الهندية ٢/٢، دارالسلام رقم ١٨٠٤، سنن ابن ماجه ، باب تنقية الصحفة، النسخة الهندية ٢/ ٢٤٣، دارالسلام رقم: ٣٢٧١، سنن الدارمي دارالمغني ٢/ ١٢٩٠، رقم: ٢٠٧٠، مسند أحمد بن حنبل٥/٧٦، رقم: ٢١٠٠١، مشكوة ٣٦٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۷۱۶۳/۳۵)

کھائے ہوئے برتن میں ہاتھ دھونے کا حکم

سوال [۱۰۷۲۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کھانے کے بعد جس میں کھانا کھایا، اس میں ہاتھ دھونا شرعاً کیا حکم رکھتا ہے؟ بعض لوگ اس عمل کو برا سمجھتے ہیں؛ جبکہ بعض جگہ عرف اور عادت یہی ہے کہ کھانے کے بعد اسی برتن میں بلاتردد ہاتھ دھوتے ہیں، شرعی نقطۂ نظر کیا ہے، ہم نے امام غزالیؒ کی کتاب کیمائے سعادت میں دیکھا کہ کھانے کے بعد اسی برتن میں ہاتھ دھو کر وہ پانی پینے سے ایسا ثواب ہوگا کہ گویا ایک غلام کو آزاد کیا۔

نیز علامہ مناویؒ نے شمائل کی شرح جمع الوسائل کے حاشیہ میں لکھا ہے۔

في الإحياء: يقال من لعق القصعة وشرب مائها كان له كعتق رقبةٍ.

ان سے ہاتھ دھونے کا ثبوت ملتا ہے؛ جبکہ شمائل کبریٰ میں اتحاف کے حوالے سے منقول ہے کہ جس برتن میں کھانا کھایا ہو، اس میں ہاتھ دھونا بے ادبی ہے۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس سلسلہ میں قطعی فیصلہ کیا ہے؟ اور مذکورہ منقولات کا جواب کیا ہے؟ تفصیل سے روشنی ڈالیں عین نوازش ہوگی۔

المستفتی: محمد مشتاق احمد، درجۂ ہفتم دارالعلوم دیوبند

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: امام غزالیؒ نے کیمائے سعادت میں کھانا کھانے کے بعد اسی برتن میں ہاتھ دھوکر اس پانی کو پی لینے کا ثواب ایک غلام آزاد کرنے کے برابر لکھا ہے، یہ بات ہم نے کہیں نہیں دیکھی ہے، ہاں البتہ کیمائے سعادت میں اتنا ضرور لکھا ہے کہ جس برتن میں کھانا کھایا ہو، اس برتن کو دھوکر پانی پی لیا جائے، تو وہ ثواب ملے گا، جو سوال نامہ میں درج ہے، شاید سائل کو یہ دھوکہ ہو رہا ہے کہ برتن دھونے کی بات کو اس نے ہاتھ دھونا سمجھا ہو؛ حالانکہ وہاں برتن میں ہاتھ دھونے کا تذکرہ نہیں ہے اور احیاء العلوم کی عبارت یوں ہے۔

من لعق القصعة وغسلها وشرب ماءها كان له كعتق رقبة .

(احياء العلوم على هامش الإتحاف ٥/ ٢٢٥)

اس میں برتن دھونے کا تو ذکر ہے، مگر ہاتھ دھونے کا ذکر نہیں ہے، شمائل کبریٰ کا حوالہ دیکھ لیا گیا، انہوں نے اتحاف السعادۃ ۲۲۵/۵ کا حوالہ دیا ہے، وہ بھی دیکھ لیا اور اتحاف کے اندر ایسی کوئی عبارت موجود نہیں ہے، جس میں اس بات کی وضاحت ہو کہ جس برتن میں کھانا کھایا ہو، اس میں ہاتھ دھونا بے ادبی ہے۔

الخامس: أن غسل اليد في الطست لا بأس به، وله أن يتنخم فيه، إن كان أكل وحده، وإن أكل مع غيره، فلا ينبغي أن يفعل ذلك.

احیاء العلوم کی عبارت کے ذیل میں شرح کرتے ہوئے اتحاف کی عبارت یوں لکھی گئی ہے۔

وله أن يتنخم فيه عند غسل يده وفمه، والنخامة من كان من الحلق

إن أكل وحده، وإن أكل مع غيره، فلاينبغي أن يفعل ذلک، فربما يستقذره أخوه وهو مخالف للأدب. (الاتحاف ۵/ ۲۲۹)

اب احیاء العلوم اور اتحاف دونوں کی عبارتوں پر نظر ڈالیں، تو ان میں کہیں بھی یہ بات نہیں ہے کہ جس برتن میں کھانا کھایا ہو، اس میں ہاتھ دھونا بے ادبی ہے؛ بلکہ اتحاف کی عبارت سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اگر تنہائی میں کسی برتن میں ہاتھ دھویا جائے اور اسی میں کلی بھی کرلی جائے اور کلی کے ساتھ بلغم وغیرہ بھی نکال دیا جائے، تو کوئی حرج نہیں؛ البتہ اگر دوسروں کے ساتھ کھانا کھایا جائے، تو لوگ کسی ایک برتن میں ہاتھ دھوئیں تو اس میں ہاتھ اور منھ دھونے کے ساتھ ساتھ کلی اور غرغرہ کر کے بلغم نکال کر ڈالنا خلاف ادب ہے؛ اس لئے کہ اس سے دوسروں کو نفرت اور تکلیف ہوتی ہے؛ لہٰذا کھانا کھا کر اسی برتن میں ہاتھ دھونے کے بارے میں نہ کوئی ممانعت ثابت ہے اور نہ ہی کوئی فضیلت ثابت ہے؛ لہٰذا اس کے بارے میں جس طرح بھی سہولت ہو، اس پر عمل کرنے کی گنجائش ہوگی، مدارس کے طلبہ کے پاس صرف ایک برتن ہوتا ہے، اسی میں کھانا لیتے ہیں، اسی میں کھاتے ہیں، اسی میں ہاتھ دھوتے ہیں اور اس کو دھوکر رکھ لیتے ہیں، اس میں کسی قسم کی قباحت نہیں اور جس علاقہ کے لوگوں میں برتن میں ہاتھ دھونے کا معمول نہیں ہے، وہ برتن میں ہاتھ نہ دھوئیں، تو ان پر کوئی اعتراض نہیں اور جن علاقوں میں اسی برتن میں ہاتھ دھونے کا معمول ہے، اس میں کوئی اشکال نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍ ربیع الاول ۱۴۳۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸/ ۱۰۰۰۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۷/ ۴/ ۱۴۳۱ھ

کھانے کے بعد پانی پینا کیسا ہے؟

سوال [۱۰۷۲۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ کسی حدیث شریف سے یہ ثابت ہے کہ کھانا کھانے کے بعد پانی پینا ممنوع ہے اور کیا کسی حدیث شریف سے کھانا کھانے کے درمیان میں پانی پینے کا ثبوت ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کھانا کھانے کے بعد پانی پینے کی ممانعت اور کھانا کھانے کے دوران پانی پینے کی ترغیب کسی حدیث شریف سے ثابت نہیں؛ بلکہ یہ طبی اور حکیمانہ بات ہے، جیسا کہ شیخ الرئیس بوعلی سینا نے فرمایا کہ پانی پینے کا بہتر وقت وہ ہے کہ جب کھانا ہضم پر آوے اور ہضم کے بعد پیوے تو بہت بہتر ہے اور بعض اطباء نے لکھا ہے کہ کھانے سے پہلے پانی پینا معدے کی حرارت کو بجھاتا ہے، اور ہضم کے بعد گرمی پیدا کرتا ہے اور بدن کو موٹا کرتا ہے اور بقراط نے کہا ہے کہ کھانے پر پانی پینا برا ہے۔ تجربہ سے ثابت ہے کہ کھانے کے بعد پانی پینے میں عام طور پر کھانا خراب ہوجاتا ہے اور تیزابیت پیدا ہوجاتی ہے۔ (طب نبوی ۴۳، بیروت ۱۷۴)

ویکره شرب الماء عقیب الرياضة والتعب وعقيب الجماع وعقيب الطعام وقبله وعقيب أكل الفاكهة، فهذا كله مناف لحفظ الصحة.
(زاد المعاد، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٢٢٤)

إن البطن إذا امتلأ من الطعام ضاق عن الشرب، فإذا ورد عليه الشراب ضاق عن النفس وعرض له الكرب والتعب، وصار محله بمنزلة الحامل الثقيل، هذا إلى ما يلزم ذلک من فساد القلب وكسل الجوارح عن الطاعات وتحولها في الشهوات التي يستلزمها الشبع.
(زاد المعاد، دارالكتب العلمية بيروت ٢/ ٧) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ رصفر المظفر ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۴۵۲/۴۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۲/۲۸ھ

کھانا کھانے کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا

سوال [۱۰۷۲۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کھانا کھانے کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعاء کرنا کیسا ہے؟، چند عالم کہتے ہیں کہ کھانا کھانے سے پہلے یا بعد میں دعوت کرنے والوں کی طرف سے دعاء کی درخواست ہو، تو ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا جائز ہے؟ اور یہ کہاں تک صحیح ہے، اور کہاں تک غلط؟

المستفتی: محمد عمرو

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کھانا کھانے کے بعد دعاء پڑھنے کا ثبوت حدیث سے ہے اسی طرح کسی کے یہاں دعوت کھانے کے بعد بھی دعاء کرنا حدیث سے ثابت ہے؛ لیکن یہ دعاء ہاتھ اٹھا کر کرنا ثابت نہیں۔

عن أبي سعيد الخدري رضـ قال: كان النبى صلى الله عليه وسلم: إذا أكل، أو شرب قال: الحمد لله الذي أطعمنا وسقانا وجعلنا مسلمين. (ترمذي شريف، باب ما يقول إذا فرغ من الطعام، النسخة الهندية ۲/ ۱۸٤، دار السلام رقم: ۳٤٥۷)

عن عبد الله بن زبير قال: أفطر رسول الله صلى الله عليه وسلم عند سعد فقال: أفطر عندكم الصائمون وصلت عليكم الملائكة، وأكل طعامكم الأبرار. (صحيح ابن حبان، دارالفكر ٥/ ۲٥۸، رقم: ٤/ ٥۳۰٤، مسند الدارمي دارالمغني ۲/ ۱۱۱۱، رقم:۱۸۱۳ سنن ابن ماجه، باب في ثواب من فطر صائما، النسخة الهندية ۱/ ۱۲٥، دارالسلام رقم:۱۷٤۷، سنن أبي داؤد، باب ماجاء في الدعاء لرب الطعام إذا أكل عنده، النسخة الهندية ۲/ ٥۳۸، دارالسلام رقم: ۳۸٥٤)

عن عبد الله بن يسر السلمى قال: جاء رسول الله صلى الله عليه وسلم إلى أبي فنزل عليه، فأتاه بطعام وحيس وسويق، وتمر، ثم أتاه

بشراب، فناول من عن يمينه قال: وكان يأكل التمر و يضع النوىٰ على ظهر إصبعيه السبابة، والوسطىٰ، ثم يرمى به، ثم دعالهم فقال: اللّٰهم بارك لهم فيما رزقتهم و اغفر لهم وارحمهم. (صحيح بن حبان، دار الفكر ٥/٢٠٩، رقم: ٥٣٠٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳/ ذی الحجہ ۱۴۳۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹/ ۱۰۵۵۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۱۲/۳ھ

سب سے افضل ترین پانی کونسا ہے؟

سوال [۱۰۷۲۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ سب سے افضل ترین پانی کونسا پانی ہے؟ آب زم زم سے بھی کوئی پانی افضل ہے؟ حدیث کے حوالہ سے جواب عنایت فرمائیے۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: سب سے افضل پانی وہ پانی ہے، جو آپ ﷺ کی انگشت مبارک سے نکلا تھا، اور دنیا کے موجود پانیوں میں سب سے افضل پانی آب زم زم ہے اور سرور کائنات ﷺ کی انگلیوں کے پوروں سے جو پانی نکلتا تھا، وہ آب زم زم سے بھی افضل ہے۔

عن جابر بن عبد الله، هذا الحديث قال: لقد رأيتني مع النبي صلى الله عليه وسلم وقد حضرت العصر، وليس معنا ماء غير فضلة، فجعل في إناء فأتي النبي صلى الله عليه وسلم به، فأدخل يده فيه و فرج أصابعه......فتوضأ الناس..... فعلت أنه بركة، قلت لجابر: كم كنتم يومئذ؟ قال: ألفا وأربع مأئة. (بخاري شريف، باب شرب البركة، والماء المبارك، النسخة الهندية ٢/٨٤٢، رقم: ٥٤٢٢، ف: ٥٦٣٩)

أفضل المياه ما قد نبع بين أصابع النبي المتبع
فماء زمزم فماء الكوثر فنيل المصر ثم باقي الأنهر

(الحموی علی الأشباه کامل الفنّ الرابع کتاب الطهارة مکتبه ادارة القرآن کراچی ٢/٢٧٣)

عن ابن عباسؓ، قال: قال رسول الله صلى الله عليه: خير ماء على وجه الأرض ماء زمزم فيه طعام من الطعم وشفاء من السقم. (المعجم الكبير للطبراني، احياء التراث العربي ١١/٨١، رقم:١١١٦٧، الترغيب والترهيب ٢/١٦٦، ١٧٥٣)

أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: خير ماء على وجه الأرض زمزم. (الموسوعة الفقهية ١/٩٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١٢رصفر المظفر ١٤٣٥ھ
(فتویٰ نمبر: الف ١١٤٣٣/٤٠)

بوتل سے منھ لگا کر پانی پینا

سوال [١٠٧٢٨]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بوتل سے منھ لگا کر پانی پینا کیسا ہے؟

المستفتی: مقتدیان جامع مسجد منڈی دھنورہ، جے پی نگر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: بہتر صورت تو یہ ہے کہ گلاس وغیرہ میں لے کر پانی پیئے، بوتل سے منھ نہ لگائے؛ کیونکہ اس طرح پانی پینے سے دوسروں کو ناگواری ہوگی۔

عن أبي هريرةؓ، نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن الشرب من فم القربة، أوالسقاء. (صحيح البخارى باب الشرب من فم السقاء، النسخة الهندية ٢/٨٤١، رقم: ٥٤١٠، ف:٥٦٢٧، صحيح مسلم، باب آداب الطعام والشراب، النسخة الهندية ٢/١٧٣، بيت الأفكار رقم:٢٠٢٣)

عن أبي سعيد الخدريرضـ**، قال: نهیٰ رسول الله صلى الله عليه وسلم: عن اختناث الأسقية.** (صحيح البخاري، باب اختناث الأسقية، النسخة الهندية ٢/ ٨٤١، رقم:٥٤٠٩، ف:٥٦٢٥، صحيح مسلم، باب آداب الطعام والشرب، النسخة الهندية ٢/ ١٧٣، بيت الأفكار رقم:٢٠٢٣)

وربما فسد الوعاء ويتقذره غيره لما يخالط الماء من ريق الشارب فيؤل إلى إضاعة الماء. (قسطلاني، باب الشرب من فم السقاء، دارالفكر ١٢/ ٤٢١، تحت رقم الحديث:٥٦٢٧، نووي على هامش مسلم٢/ ١٧٣)

اورگلاس موجود نہ ہو، تو بوتل میں منھ لگا کر پانی پینے کی گنجائش ہے، آقائے نامدار ﷺ سے بوقت ضرورت مشکیزے میں منھ لگا کر پانی پینا ثابت ہے۔

عن عيسیٰ بن عبد الله بن أنيس عن أبيه قال: رأيت النبي صلى الله عليه وسلم قام إلي قربة معلقة فخنثها، ثم شرب من فيها. (ترمذي شريف، باب ما جاء في الرخصة ذلك، النسخة الهندية ٢/ ١١، دارالسلام رقم:١٨٩١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۲؍جمادی الثانیہ۱۴۲۱ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف۳۵؍۶۷۴۷)	۱۴۲۱/۶/۱۲ھ

دایاں ہاتھ شوربے میں ملوث ہونے کی وجہ سے بائیں ہاتھ سے کھانا نکالنا

سوال [۱۰۷۲۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کھانا کھاتے وقت اگر داہنا ہاتھ شوربے سے ملوث ہو، تو بائیں ہاتھ سے چمچہ کے ذریعہ شوربا وغیرہ لینے میں کوئی کراہت تو نہیں؟

المستفتی: محمد ابوالکلام، گڈا (بہار)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر دایاں ہاتھ طعام کے ساتھ ملوث ہوجائے، توبائیں ہاتھ سے سالن وغیرہ پلیٹ میں منتقل کرنا جائز ہے۔

یجعل یمینه لطعامه وشرابه وشماله لما سویٰ ذلک فإن احتیج إلي الاستعانة بالشمال فبحکم التبعیة. (عمدة القاري، باب التسمیة علی الطعام والأکل بالیمین، زکریا ۱٤/۳۸۷، دار احیاء التراث العربي ۲۱/۲۹، تحت رقم الحدیث:۵۳۷۵)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍ربیع الاول ۱۴۱۵ھ
(فتویٰ نمبر:الف ۳۱؍۳۹۱۸)

الجواب صحیح:
احقرمحمدسلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/۳/۱۳ھ

پھل وغیرہ کو چاقو سے کاٹ کر کھانا

سوال [۱۰۷۳۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ پھل وغیرہ اشیاء کو چاقو وغیرہ سے کاٹ کر کھانے سنت ہے، یا منھ لگا کر، آیا گوشت کی طرح ان اشیاء میں استعمال سکین کی ممانعت تو نہیں؟

المستفتی: روح الامین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: پھل فروٹ میں سے جس کو کاٹ کر کھانے کی ضرورت ہوتی ہے، اس کو کاٹ کر کھانا مسنون ہے، مثلاً تربوز، خربوزہ وغیرہ جس کو بغیر کاٹے آسانی سے کھایا جا سکتا ہے، اس کو بغیر کاٹے کھانا مسنون ہے، مثلاً کھجور وغیرہ، اور گوشت کو بھی حضور ﷺ حسب ضرورت چاقو سے کاٹ کر کھایا کرتے تھے۔

عمرو بن أمیة أخبره أنه رأي النبي صلی اللّٰہ علیه وسلم یحتز من کتف شأة في یده، فدعي إلي الصلوة، فألقاها والسکین التی یحتز بها،

ثم قام فصلیؐ، ولم یتوضأ. (بخاري شريف، باب قطع اللحم بالسكين، النسخة الهندية ۲/ ۸۱٤، رقم: ۵۱۹۷، ف: ۵٤۰۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍صفر المظفر ۱۴۱۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۵۶۱۹/۳۳)

بائیں ہاتھ سے کھانا

سوال [۱۰۷۳۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کوئی شخص بائیں ہتھا ہے یعنی ہر کام بائیں ہاتھ سے کرتا ہے، کھانا بھی بائیں ہاتھ سے کھاتا ہے، لکھنا بھی بائیں ہاتھ سے کرتا ہے، تو اس کو بائیں ہاتھ سے کھانا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد احمد، فیض گنج

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بائیں ہاتھ سے کھانا پینا مکروہ ہے، حدیث شریف میں ممانعت کے ساتھ ساتھ اس کو شیطانی عمل قرار دیا گیا ہے۔

عن عبد الله بن عمرؓ، أن النبي صلى الله عليه وسلم، قال: لا يأكل أحدكم بشماله، ولايشرب بشماله، فإن الشيطان يأكل بشماله، ويشرب بشماله. (ترمذي، باب ماجاء في النهي عن الأكل والشرب بالشمال، النسخة الهندية ۲/ ۲، دارالسلام رقم: ۱۷۹۹، صحيح مسلم، باب آداب الطعام والشراب، النسخة الهندية ۲/ ۱۷۳، بيت الأفكار رقم: ۲۰۲۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍شعبان المعظم ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۶۸۸۹/۳۵)

(۹) باب حلال وحرام اشیاء کا بیان

کونسا سرکہ کھانا سنت ہے؟

سوال [۱۰۷۳۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ سرکہ کھانا سنت لکھا ہے اور بڑے فضائل لکھے ہیں، اس سرکہ سے کیا وہ شربت مراد ہے جو گنے کے رس سے بنایا جاتا ہے، بغیر پکائے ہوئے یا وہ سرکہ مراد ہے، جس میں آم ڈال کر مرچ نمک مصالحہ ڈال کر مربہ یا چٹنی کے طرز پر بنایا جاتا ہے، اس سلسلہ میں نبی ﷺ کی سنت کی ادائے گی کون سے سرکہ سے کھانے میں ہوگی؟

المستفتی: جملہ احباب نہٹور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: سرکہ چاہے گنے کے رس سے بنا ہوا ہو یا انگور کے شیرہ سے بنا ہوا ہو، یا جامن اور دیگر اشیاء سے بنا ہوا ہو، سب کا حکم یکساں ہے اور سرکہ کو حضور ﷺ نے پسند فرمایا ہے، روٹی کھانے کے لئے سالن نہ ہوتا، تو آپ ﷺ سالن کی جگہ سرکہ استعمال کرلیا کرتے اور آم، مرچ، مسالہ وغیرہ ڈال کر جو مربہ کی شکل ہوتی ہے، وہ سرکہ نہیں ہوتا، وہ یا تو مربہ ہے، یا اچار کہلاتا ہے، وہ بعینہ سرکہ نہیں ہوتا، بعینہ سرکہ وہ ہوتا ہے، جو پتلا ہوتا ہے، اس میں کوئی چیز ڈالی ہوئی نہیں ہوتی، جس کو دنیا کا ہر انسان جانتا ہے اور سرکہ کی تعریف کی حدیث شریف درج ذیل ہے۔

عن جابرؓ عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: نعم الإدام الخل.

(ترمذي، باب ما جاء في الخل، النسخة الهندية ٢/ ٥، دارالسلام رقم: ١٨٣٩، صحيح مسلم، باب فضيلة الخل والتأدم به، النسخة الهندية ٢/ ١٨٣، بيت الأفكار

رقم: ۲۰۵۱، مسند الدارمي دار المغني ۲/ ۱۳۰۲، رقم:۲۰۹۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍رجب المرجب ۱۴۲۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸/ ۹۳۶۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۴/ ۷/ ۱۴۲۸ھ

ڈالڈا گھی کا استعمال

سوال [۱۰۷۳۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ڈالڈا گھی کا استعمال کرنا کیسا ہے؟

المستفتی: محمد عبد اللہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ڈالڈا گھی کا استعمال کرنا درست ہے محض شک کی بنا پرنا جائز ہونے کا حکم نہیں لگا یا جاسکتا۔ (مستفاد: فتاوی رحیمیہ ۲۹۰/۶)

من شک في إنائه، أو ثوبه، أو بدنه أصابته نجاسة أولا فهو طاهر مالم يستيقن (إلى قوله) وكذا مايتخذه أهل الشرک، أو الجهلة من المسلمين كالسمن، والخبز، والأطعمة، والثياب. (شامي، كتاب الطهارة، قبيل مطلب في أبحاث الغسل، زكريا ۱/ ۲۸۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍ربیع الاول ۱۴۱۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۲/ ۴۷۲۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۳/ ۳/ ۱۴۱۷ھ

کولگیٹ کا استعمال کرنا

سوال [۱۰۷۳۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کولگیٹ ٹیوب کا منہ کے اندر استعمال کرنا کیسا ہے؟

المستفتی: محمد عبد الرحمٰن

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کول گیٹ وغیرہ سے دانت صاف کرنا درست ہے، محض شک کی وجہ سے اس پر ناجائز ہونے کا حکم نہیں لگایا جاسکتا۔

شک في وجود النجس، فالأصل بقاء الطهارة. (الأشباہ والنظائر قدیم ۱۰۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰؍ربیع الاول ۱۴۱۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۲؍۲۴؍۴۷۲۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۰؍۳؍۱۴۱۷ھ

پارلے جی بسکٹ کا کھانا

سوال [۱۰۷۳۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ پارلے جی بسکٹ میں سور کی چربی ملائی جاتی ہے تو کیا اس کا کھانا ناجائز ہے؟ معتبر ذرائع سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بسکٹ میں خنزیر کی چربی ملائی جاتی ہے، وہ اس طرح کہ مہاراشٹر میں اکولہ شہر میں تبلیغی اجتماع تھا، اور اس اجتماع میں بنگلہ والی مسجد حضرت نظام الدین دہلی کے ذمہ دار حضرات اکابرین بھی آئے ہوئے تھے، شہر امراوتی کے ذمہ داروں نے ان اکابرین کے ناشتہ کے لئے چائے اور پارلے جی بسکٹ کے پیکٹ پیش کئے، تو ان اکابرین نے یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ اس میں سور کی چربی ملی رہتی ہے، دوسرا لے آیئے؛ چنانچہ پھر دوسرا بسکٹ لایا گیا، تو معلوم یہ کرنا ہے کہ کیا واقعی اس میں سور کی چربی ملی رہتی ہے؟ اور کیا اس کا کھانا ناجائز ہے؟

المستفتی: شیخ قاسم، شیخ فرید، مہاراشٹر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: پارلے جی بسکٹ کے بارے میں جب تک

یقین اور تحقیق کے ساتھ معلوم نہ ہوکہ اس میں سور کی چربی ملی ہوئی ہے، تو محض کسی کے کہہ دینے سے یا شک کی بنا پر اس کو ناجائز نہیں کہا جاسکتا ہے۔ (مستفاد: ایضاح المسائل ۱۴۶)

من شک في إنائه، أو ثوبه، أو بدنه أصابته نجاسة أولا فهو طاهر مالم يستيقن، وكذا مايتخذه أهل الشرك، أو الجهلة من المسلمين كالسمن، والخبز، والأطعمة، والثياب. (شامي، كتاب الطهارة، قبيل مطلب في أبحاث الغسل، زكريا ۱/ ۲۸۳-۲۸۴، كراچي ۱/ ۱۵۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶ ر جمادی الثانیہ ۱۴۲۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷ ر ۸۱۱۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۶/۲۶ھ

اجمیر کی مٹھائی کا حکم

سوال [۱۰۷۳۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک عورت اپنے محرم کے ہمراہ اجمیر شریف گئی، وہاں سے مٹھائیاں اور چوڑیاں خرید کر لائی، اپنے رشتہ داروں میں وہ سب اس نے اجمیر کی نیاز ہے کہہ کر تقسیم کردی، اب یہاں دو امر دریافت طلب ہیں۔

(۱) اگر سچ مچ وہ مٹھائیاں اور چوڑیاں چڑھاوے اور نذر ونیاز کی ہوں، تو اس کا کھانا ناجائز ہے؟

(۲) اگر حقیقت میں نذر ونیاز کی نہیں ہیں؛ لیکن یہ عورت نیاز کہہ کر تقسیم کررہی ہے، تو کیا اب بھی یہ مٹھائیاں ناجائز ہوں گی؟ براہ کرم درست جواب پانچ کتابوں کے حوالہ سے تحریر فرمادیجئے۔

المستفتی: محمد رضوان قاسمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر عورت مٹھائیوں کو اجمیر کے بازار سے خرید کر

لائی ہے اور یہاں لاکر تبرک بتا کر بانٹ رہی ہے، تو یہ اگرچہ اس کی گمراہی اور جہالت ہے، مگر مٹھائی اپنی جگہ حلال اور درست ہے؛ کیونکہ بازار کی خریدی ہوئی چیز چڑھاوا نہیں ہوتی ہے۔

عن ابن عباسؓ، قال كان أهل الجاهلية يأكلون أشياء ويتركون أشياء تعذراً، فبعث الله نبيه وأنزل كتابه وأحل حلاله وحرم حرامه، فما أحل فهو حلال وما حرم فهو حرام، وماسكت عنه فهو عفو منه وتلا هذه الآية: قل لا أجد فيما أوحي إلي محرماً على طاعم. (الانعام:١٤٥، المستدرك، مكتبه نزار مصطفىٰ الباز٧/١٥٤١، رقم: ٧١١٣)

عن أبي ثعلبة الخشنيؓ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن الله حد حدودًا–إلى قوله–وترك أشياء من غير نسيان من ربكم؛ ولكن رحمة من ربكم فاقبلوها ولا تبحثوا فيها. (المستدرك، مكتبه نزار مصطفىٰ الباز ٧/٢٥٤٢، رقم:٧١١٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍محرم الحرام ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۴۰۶/۴۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۱/۲۲ھ

دودھ پھاڑ کر گلاب جامن بنانا

سوال [۱۰۷۳۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اچھے دودھ کو کسی چیز سے پھاڑ کر سفید گلاب جامن بنانا؛ جبکہ اچھی چیز کو خراب کر کے خراب چیز سے مٹھائی بنائی جاتی ہے، اور دودھ پھٹ جانے کے بعد اس کا پانی پھینک دیا جاتا ہے، اور باقی مواد کا گلاب جامن بنایا جاتا ہے، تو یہ جائز ہے یا نہیں؟ اور اس کے اس طریقہ کو اپنا کر گلاب جامن بنانا کیسا ہے؟

المستفتی: عباد الرحمٰن، حلوائی، لالباغ مرادآباد (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: دودھ پھاڑ کر گلاب جامن بنانا جائز ہے، اس میں کسی قسم کی کراہت نہیں ہے، جس طرح سے انگور وغیرہ سے سرکہ بنانا جائز ہے۔

وَمِنْ ثَمَرَاتِ النَّخِيْلِ وَالْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَرِزْقًا حَسَنًا.

وفسر الرزق الحسن بالخل. (روح المعاني، زكريا٨/٢٦٦، تحت تفسير رقم الآية: ٦٧، من سورة النحل)

والأشربة بالتغير لا تحرم. (عالمگيري، الباب الحادي عشر في الكراهة، زكريا قديم ٥/٣٣٩، جديد ٥/٣٩٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۹/ ۳۴۷۲)

اللہ لکھے ہوئے آلو کا کیا کریں؟

سوال [۱۰۷۳۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کچھ دن پہلے کی بات ہے کہ میں اپنا کھانا بنانے کے لئے آلو کاٹ رہا تھا، اچانک ایک آلو کو کاٹتے ہی اس کے اندر کے حصے میں ''اللہ'' کا لفظ صاف نظر آنے لگا، اس طرح کبھی گوشت کے ٹکڑے میں لفظ ''اللہ'' لکھا ہوا ملتا ہے، تو سوال یہ ہے کہ جن ماکولات میں اس قسم کے الفاظ ملیں ان کے کھانے کا کیا حکم ہے؟

(۲) دوسرا سوال یہ ہے کہ میں نے تعظیم کی نیت سے آلو کے ٹکڑے کو حفاظت کے ساتھ ایک پاک جگہ میں رکھ دیا تھا، اب وہ ہوا لگنے کی وجہ سے سوکھتا جا رہا ہے، تو اب اس آلو کا کیا کیا جائے؟ کیا مٹی میں دفن کردوں یا کچھ اور کروں؟

المستفتی: محمد مشتاق احمد، نور پوری، متعلم درجہ ہفتم دار العلوم دیو بند سہارن پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر آلو کاٹنے کے بعد اس میں لفظ ’’اللہ‘‘ لکھا ہوا نظر آرہا ہے، اس کو سالن میں پکا کر کھانے میں کسی طرح کی کوئی قباحت نہیں ہے؛ بلکہ اس کو تبرک سمجھ کر شوق سے کھانا چاہیے اور جو آلو سوکھ چکا ہے، اگر سوکھنے کی وجہ سے مضر اثرات اس میں نہ آئے ہوں، تو اس کو بھی سالن میں پکا کر کھانا بلا تکلف جائز ہے۔

عن أبي عبد الرحمن السلمي في ذكر منصور بن عمار وأنه أوتى الحكمة، وقيل أن سبب ذلك أنه قد وجد رقعة في الطريق مكتوباً عليها بسم الله الرحمن الرحيم، فأخذها فلم يجدلها موضعها، فأكلها فأرى فيما يرى النائم كأن قائلا يقول: قد فتح عليك باب الحكمة باحترامك لتلك الرقعة، وكان بعد ذلك يتكلم بالحكمة. (شعب الإيمان للبيهقي، فصل في تعظيم المصحف، دارالكتب العلمية بيروت ۲/ ٥٤٥، رقم: ۲٦٦۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳/ ذی الحجہ ۱۴۳۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸/ ۹۸۳۰)

گھر کا بچا ہوا کھانا خاکروبہ کو دینا

سوال [۱۰۷۳۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ روٹی چاول وغیرہ جو کھانے سے بچ جاتے ہیں، وہ خاکروبہ لیجاتی ہے، اور وہ اس روٹی چاول وغیرہ کو اپنے خنزیروں کو کھلاتے ہیں۔

دریافت یہ کرنا ہے کہ ہمیں اپنے روٹی چاول وغیرہ خاکروبہ کو دینے میں کوئی حرج تو نہیں؟ ازروئے شرع جواب سے نوازیں۔

المستفتی: عبد الواجد، محلّہ قاضی پورہ، ٹانڈہ، رام پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: گھر میں بچا ہوا کھانا خاکروبہ کو دینے کی اجازت ہے،اس کے بعد وہ جہاں چاہے استعمال کرسکتی ہے، اس میں شرعی حکم کا کوئی تعلق نہیں،خواہ وہ خود کھائے یا اپنے جانوروں کو کھلائے۔

المالک هو المتصرف في الأعيان المملوكة كيف شاء. (بيضاوي شريف، مكتبه رشيد ۷)

كل يتصرف في ملكه كيف شاء. (شرح المجلة، رستم اتحاد ۱/ ٦٥٤، رقم المادة:۱۱۹۲، البناية اشرفية ۹/۸ ۲۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴/ ربیع الثانی ۱۴۲۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵/ ۷۱۴۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۴/۴ھ

کھانے میں کیڑے یا مینگنی کا نکلنا

سوال [۱۰۷۴۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ پکاتے ہوئے کھانے کی چیز میں کیڑا یا چوہے کی مینگنی ملے،تو اس کھانے کو کھانا جائز ہے یا نہیں؟ جیسا کہ مدرسہ کے سالن میں اکثر وقت ملتا ہے۔غریب ومدرسہ کے طالب علم یا مالدار کا اس کھانے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

المستفتی: سراج الاسلام، بردوانی ،مدرسہ مظاہر العلوم، جدید کمرہ:۳٦

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مینگنی اور کیڑے کو نکال کر پھینک دیا جائے اور کھانا کھالیا جائے تو جائز ہے۔

خبز وجد في خلاله خرء فأرة، فإن كان الخرء صلبا رمي به، وأكل

الخبز. (الدر مع الرد، کتاب الخنثیٰ، مسائل شتی، زکریا ۱۰/۴۵۳، کراچي ۶/۷۳۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍رجب المرجب ۱۴۰۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۳؍۱۹۷)

کھانے کی چیز میں جائفل اور دیگر نشہ آور چیز ڈالنا

سوال [۱۰۷۴۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ فتاوی محمودیہ ۱۲؍۳۳۶، باب الحظر والاباحہ پر اس طرح لکھا ہوا ہے کہ سوال ۳۸۳؍ایک دیگ میں تقریباً سو آدمیوں کے لئے گوشت پکتا ہے، اس میں دو تین جائفل جس کا وزن ایک تولہ سے کم ہوتا ہے، بطور مصالحہ ڈال دیا جاتا ہے، جس سے قطعاً کوئی نشہ نہیں ہوتا، ایسی حالت میں وہ کھانا کیسا ہے؟ کیونکہ یہاں پر علماء دیوبند میں دو گروہ ہوگئے ہیں بعض کا کہنا ہے کہ حرام ہے اور کچھ کا کہنا ہے کہ صرف دواءً استعمال ہوتا ہے۔

الجواب: ایسی صورت میں وہ کھانا حرام نہیں؛ اس لئے کھانے میں مضرت نہیں اور نشہ بھی نہیں ہوتا؛ اگرچہ خود جائفل کھانا ممنوع ہے۔

اس میں دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ جائفل کا استعمال بکثرت قورمہ میں اور دواء میں ہورہا ہے، اس کی ممانعت کی وجہ کیا ہے؛ جبکہ اس میں نشہ بھی نہیں ہے اور مضرت بھی نہیں ہے ادویہ کے خواص میں جب اسے دیکھا گیا، تو اطباء نے اس کو دوسرے درجہ میں گرم خشک لکھا ہے، یہ ایک درخت کا پھل ہوتا ہے، اطباء نے اس کو نشہ آور نہیں لکھا ہے، جائفل کی ممانعت کا ماخذ ضرور نقل کیا جائے۔

المستفتی: جمیل احمد قاسمی، بازار پہاڑی دروازہ، نگینہ بجنور (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جائفل، عنبر، زعفران، ان سب کے اندر سکر اور نشہ ہوتا ہے، اسی وجہ سے ان چیزوں کو مخدرات میں شامل کیا گیا ہے؛ لہٰذا یہ چیزیں مقدار سکر تک استعمال کرنا جائز نہیں ہے اور مقدار سکر سے کم جو نشہ کو نہ پہونچے اس کے استعمال کی گنجائش ہے، جیسا کہ حکیمی دواؤں میں زعفران، عنبر اور جائفل بھی شامل ہوتا ہے، وہ بلاکراہت جائز ہے، اسی طرح جائفل کی وہ مقدار جو حد سکر کو نہیں پہونچتی، اس کا قورمہ وغیرہ میں استعمال جائز ہے۔ (مستفاد: بہشتی زیور ۱۱/۱۱۹)

وكذا تحرم جوزة الطيب، وكذا العنبر، والزعفران (إلى قوله) فهذا كله ونظائره يحرم استعمال القدر المسكر منه دون القليل. (شامي، كتاب الأشربة، زكريا ١٠/ ٤١، كراچي ٦/٤٥٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍ ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵/ ۶۵۷۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۴/۱۲ھ

مضطر نے اگر اکل حرام کے ذریعہ جان نہیں بچائی، تو کیا وہ گنہگار رہے؟

سوال [۱۰۷۴۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مضطر کے لئے اکل خنزیر واکل میتۃ وغیرہ کی اجازت ہے، یہ صرف اجازت ہی ہے یا کھانے کا حکم بھی ہے؟ کہ بقدر اضطرار کھانا ضروری اور واجب شرعی ہے؟ خنزیر یا میتۃ موجود ہو اور دوسری چیز نہ ہو؛ لیکن مضطر نے یہ خنزیر وغیرہ نہ کھایا اور بھوکا مر گیا، تو وہ حرام موت مرا؟ یا شراب نہ پیا اور پیاسا مر گیا، تو حرام موت مرا گنہگار رہا یا کسی صورت میں کھانے نہ کھانے کا اختیار ہے؟ خصوصاً جبکہ اس وقت صرف خنزیر ہو؟

المستفتی: محمد اشتیاق نور قاسمی، پیر پیتی بازار، بھاگل پور، بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مسئولہ میں جبکہ مضطر کے پاس خنزیر اورمیتہ کے گوشت کے علاوہ کوئی دوسری چیز نہ ہواوراس کے کھائے بغیر نہ بچ سکے، تو جان بچانے کے لئے اتنی مقدار کھانے کی گنجائش ہے، جس سے جان بچ جائے اور یہ اجازت قرآن سے ثابت ہے؛ لہٰذا اگر کوئی شخص ایسی حالت میں خنزیر یا میتہ کا گوشت کھائے بغیر بھوکا مرجائے گا، تو وہ گنہگار ہوگا۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۱۲/۳۶۶، جدید ڈابھیل ۲۵۵/۱۸)

قال اللّٰہ تبارک و تعالیٰ: فَمَنِ اضْطُرَّ فِيْ مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِإِثْمٍ فَإِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَحِيْمٌ. [سورة المائدہ:۳]

ومن امتنع عن أكل الميتة حالة المخمصة، أوصام، ولم يأكل حتى مات يأثم. (هندية، الباب الحادي عشر في الكراهة في الأكل، زكريا قديم ٥/٣٣٨، جديد ٥/٣٩١)

من اضطر إلى ميتة أو لحم خنزير، أودم ولم يأكل ولم يشرب، فمات دخل النار. (شامي، كتاب الإكراه، زكريا ٩/١٨٤، كراچي ٦/١٣٣، المبسوط للسرخسي، دارالكتب العلمية بيروت ٢٤/١٥١) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللّٰہ عنہ	الجواب صحیح:
۷/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۵/ ۶۶۵۵)	۱۴۲۱/۵/۷ھ

ہوائی جہاز کی چیزوں کا کھانا کیسا ہے؟

سوال [۱۰۷۴۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہوئی جہاز میں مرغ کے گوشت کی بریانی وغیرہ کھاسکتے ہیں یا نہیں؟ کیونکہ حلال نہ ہونے کا شبہ رہتا ہے؟

المستفتی: محمد جاوید قریشی باندرہ، ممبئی ویسٹ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسلم ممالک کے مسلم کمپنی کے ہوائی جہاز میں گوشت کی بریانی اور گوشت کا سالن کھانا جائز ہے اور غیر مسلم ممالک یا غیر مسلم کمپنی کے ہوائی جہاز میں گوشت کھانے کے بارے میں احتیاط بہتر ہے، اگر ہوائی جہاز کا عملہ اس بات کو واضح کردے کہ حلال گوشت ہے، اور دل مطمئن ہے، تو کھا سکتے ہیں۔

عن أبي الحوراء السعدي قال: قلت للحسن بن علي: ما حفظت من رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم؟ قال: حفظت منه: دع ما یریبک إلی ما لا یریبک. (سنن النسائي، الحث علی ترك الشبهات، النسخة الهندية ۲/ ۲۸۵، دارالسلام رقم: ۵۷۱۱، سنن الترمذي، باب بلا ترجمة، النسخة الهنية ۲/ ۷۸، دارالسلام رقم: ۲۵۱۸، مسند أحمد بن حنبل ۱/ ۲۰۰، رقم: ۱۷۲۳) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍ ذی قعدہ ۱۴۳۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۰۸۱۱/۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۱۱/۴ھ

ہوائی جہاز کی طرف سے ملنے والے ہوٹلوں کے کھانے کا حکم

سوال [۱۰۷۴۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہم لوگ بیرون ملک سفر کرتے ہیں دوران سفر ہوائی جہازوں اور ہوٹلوں میں کمپنی جو کھانا دیتی ہے، وہ کوشر کھانا کہلاتا ہے، جس کے معنی ہیں حلال کھانا، ایسے کھانوں کا کھانا دوران سفر جبکہ کوئی دوسرا نظم نہ ہو کیسا ہے؟

المستفتی: عبد اللہ محلّہ بھٹی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مسلم ممالک کے جہاز نہیں ہیں، غیر مسلم

ممالک کے جہاز ہیں، توان کا گوشت نہ کھایا جائے؛ اگرچہ کوشر کھانا لکھا ہوا کیوں نہ ہو؛ البتہ سبزی وغیرہ کھانے کی گنجائش ہے؛ جبکہ خاص طور پر کوشر کھانا لکھا ہوا ہو، تو بلاتردد کھانا جائز ہے۔

نیز حاجیوں کے مخصوص جہاز کے کھانے کا بھی یہی حکم ہے اور ہوٹلوں کا بھی یہی حکم ہے، اگر غیر مسلموں کا ہوٹل ہے، تو اس میں گوشت کھانا ممنوع ہے، سبزی وغیرہ کی گنجائش ہے، اور اگر مسلم کمپنی کا ہوٹل ہے، اور کام کرنے والے بھی مسلمان ہیں تو وہاں سے گوشت اور سبزی دونوں کھا سکتے ہیں۔

عن أبي ثعلبة قال: سئل رسول الله صلى الله عليه وسلم عن قدور المجوس، قال: أنقوها غسلاً واطبخوا فيها -وعنه أنه قال: يارسول الله صلى الله عليه وسلم؟(إلىٰ قوله) إن لم تجدوا غيرها فارحضوها بالماء . (ترمذي شريف، باب ما جاء في الأكل في آنية الكفار، النسخة الهندية ۲/۲، دارالسلام رقم: ۱۷۹۶-۱۷۹۷)

لاتحل ذبيحة غير كتابي من وثني ومجوسي ومرتد. (الدر المختار، كتاب الذبائح، زكريا ۹/۴۳۱، كراچي ۶/۲۹۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/ربیع الاول ۱۴۲۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶/۷۵۴۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۷/۳/۱۴۲۳ھ

غیر ممالک کے پیکٹ کا گوشت

سوال [۱۰۷۴۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ غیر ممالک سے گوشت اور مرغی کے جو پیکٹ آتے ہیں اور خود بحرین میں جو جانور اور مرغیاں ذبح ہوتی ہیں، ان پر لکھا ہوتا ہے، ذبح طریقۂ اسلامی؛ لیکن ان پر گمان صحت ہے نہ کہ علم یقین ان کا کھانا کیسا ہے؟

المستفتی: محمد شفیع احمد الاعظمی، الرفاع، بحرین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: معتبر ذرائع سے معلوم ہوا کہ جو پیکٹوں پر ذبح طریقۂ اسلامی لکھا ہوتا ہے، وہ مسلمانوں کا ذبیحہ ہونے کی علامت ہوتی ہے؛ اس لئے اس کا کھانا شرعاً جائز ہوگا؛ البتہ جن ذبیحوں کے بارے میں معتبر ذرائع سے معلوم ہو جائے کہ اسلامی طریقہ پر ذبح نہیں کیا گیا ہے یا مسلمانوں کا ذبیحہ نہیں ہے، یا ان یہود ونصاری کا ذبیحہ نہیں ہے، جو آسمانی کتاب اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور عیسی علیہ السلام کو نبی مانتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا نام لے کر ذبح کرتے ہیں، تو ان کا کھانا جائز نہیں ہوگا۔

نیز ذبیحہ اور گوشت کو حلال سمجھنے اور کھانے کے لئے گمان صحت کافی ہوتا ہے، جیسا کہ فقہاء کی تصریحات سے مستفاد ہوتا ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۳؍، کفایت المفتی ۸؍۲۶۷-۸؍۲۶۹)

ومن أرسل أجيراً له مجوسيًا، أو خادمًا، فاشترى لحما، فقال اشتريته من يهودي، أو نصراني، أو مسلم وسعه أكله؛ لأن قول الكافر مقبول في المعاملات؛ لأنه خبر صحيح لصدوره عن عقل ودين يعتقد فيه حرمة الكذب، ولحاجة ماسة إلى قبوله لكثرة وقوع المعاملات. (هداية، كتاب الكراهية، اشرفي ديوبند ٤/ ٤٥٣، الفتاوى التاتارخانية، زكريا ١٨/ ١١٨، رقم: ٢٧٨٩٣، هندية، زكريا جديد ٥/ ٣٥٨، قديم ٥/ ٣١٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍صفر المظفر ۱۴۱۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۵؍۱۶۴۳)

تمباکو استعمال کرنے والی عورت کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا حلال ہے؟

سوال [۱۰۷۴۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل

کے بارے میں: کہ گھر کی عورتیں تمبا کو استعمال کرتی ہیں، ان کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا کیسا ہے؟ مدلل جواب سے سرفراز فرمائیں۔ بینوا توجروا.

المستفتی: ایچ کے نعمانی، نیوڈ یلکس واچ سروس

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسی عورتوں کے ہاتھوں کا کھانا بلا کراہت حلال ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍رجب المرجب ۱۴۰۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۳۱۰/۲۴)

مدارس اسلامیہ میں آنے والے گوشت کا کھانا

سوال [۱۰۷۴۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آج کل مدارس اسلامیہ میں بکرے کا گوشت کئی طرح کے آتے ہیں، مثلاً کبھی عقیقہ کا گوشت آتا ہے، اور کبھی ہدیہ کا تو کبھی صدقہ کا اور کبھی جھٹکے کا بھی گوشت صدقہ ہی کہہ کر دیا جاتا ہے، ایسی صورت میں مدرسے کے طلبہ کے لئے اس طرح کا گوشت کھانا اور طلبہ کا اساتذہ کے لئے ہدیہ کرنا کیسا ہوگا؟

المستفتی: عبدالکریم، جامع مسجد، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو حضرات مدارس اسلامیہ میں گوشت دیتے ہیں، ان سے گوشت لیتے وقت تحقیق ضروری ہے اور جب تحقیق ہوجائے اور اس کے حلال ہونے کا یقین ہوجائے، تو اس کو قبول کیا جائے؛ لیکن اگر معلوم ہوجائے کہ یہ جھٹکے یا غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا ہے، تو اسے ہرگز قبول نہ کیا جائے؛ اس لئے کہ اس کا کھانا

حرام ہے اور عقیقہ کا گوشت بلا شبہ جائز اور حلال ہے، باقی گوشت کے بارے میں ضرور تحقیق کر لی جائے، ہمارے یہاں مدرسہ شاہی میں اس طرح کا گوشت شروع شروع میں آیا کرتا تھا، آج تقریباً ۲۶/۲۷ سال سے بلا تحقیق کوئی گوشت نہیں لیا جاتا ہے، جب سے گوشت کی واپسی کا سلسلہ شروع ہوا، تو آج الحمد للہ اس طرح الٹا سیدھا گوشت مدرسہ شاہی میں آنے کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے۔ (مستفاد: ایضاح المسائل ۱۳۸-۱۳۹، امداد الفتاوی ۳/۵۷۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/محرم الحرام ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰/ ۱۱۴۱۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱/۲/۱۴۳۵ھ

یتیم خانے کا کھانا خرید کر کھانا

سوال [۱۰۷۴۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ یتیم خانہ کا کھانا قیمت سے کسی مزدور کے لئے کھانا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: غیاث الدین، پورنوی، ڈگروا، پورنیہ (بہار)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر قیمت دیکر یتیم خانہ کا کھانا کوئی مزدور یا کوئی مالدار کھاتا ہے، تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، قرآن کریم کی درج ذیل آیت سے جواز نکلتا ہے۔

قال اللّٰہ تبارک وتعالیٰ: وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ. [البقرہ: ۲۲۰]

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ربیع الثانی ۱۴۱۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۸/ ۳۱۳۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۶/۴/۱۴۱۳ھ

غیر مسلم کے یہاں میت کا کھانا کھانا کیسا ہے؟

سوال [۱۰۷۴۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ غیر مسلم کے یہاں مسلمانوں کے لئے میت کی دعوت کھانا جائز ہے یانہیں؟

المستفتی: جلال الدین، کٹیہاری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: غیر مسلم کے یہاں میت کا کھانا کھانے میں جہاں تک ممکن ہو شریک نہ ہونا چاہئے اور بلاضرورت ان کے یہاں دعوت قبول کرنا ممنوع ہے۔

(مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۹/۳۶۹، ڈابھیل ۱۸/۱۱۶) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴ ر رجب المرجب ۱۴۱۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۹/۳۲۵۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۴/۷/۱۴۱۳ھ

غیر مسلم کا پکایا ہوا گوشت کھانا

سوال [۱۰۷۵۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک جانور کو اہل ایمان نے ذبح کیا، مگر اس کو بنانے والا اور پکانے والا غیر مسلم ہے، اس کو کھانا شرعا جائز ہے یانہیں؟

المستفتی: محمد فیض خاں، مفتاحی، دہلوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مسلمان نے ذبح کیا ہے، اور غیر مسلم نے بنایا اور پکایا ہے، تو اس کا کھانا مسلمان کے لئے بلا کراہت جائز اور درست ہے؛ جبکہ اس غیر مسلم کا ہاتھ نجاست سے ملوث نہ ہو۔

المسلم إذا ذبح فأمر المجوسي السكين بعد الذبح لم يحرم.
(الفتاوى التاتارخانية، زكريا ۱۷/۳۹۱، رقم: ۲۷٦۰۱، هندية، زكريا قديم ۵/۲۸۷، جديد ۵/۳۳۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲ ربیع الثانی ۱۴۱۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۸/۳۱۱۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲/۴/۱۴۱۳ھ

غیر مسلم قصاب سے مسلمانوں کا گوشت خرید کر کھانا کیسا ہے؟

سوال [۱۰۷۵۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے یہاں ہفتہ میں دوروز جمعرات واتوار کو بازار لگتا ہے، جس میں دیگر اشیاء کے علاوہ بکرے کا گوشت بھی فروخت ہوتا ہے، جس کو ایک غیر مسلم قصاب گڈریا فروخت کرتا ہے، جب اس نے کسی مسلمان کے ہاتھ سے ذبح کرایا ہے، تو کیا اس کے قول کا اعتبار کر کے مسلمانوں کو اس سے گوشت خریدنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر خرید لیا تو کھا سکتے ہیں یا نہیں؟ مفصل مدلل جواب تحریر فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

المستفتی: (مولانا) منصب علی قاسمی، صدر مدرس مرکز اشرف المدارس دونکپوری ٹانڈہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: غیر مسلم قصاب سے مسلمانوں کا گوشت خرید کر کھانا جائز نہیں ہے، اگرچہ وہ غیر مسلم یہ کہتا ہو کہ مسلم سے ذبح کروایا ہے؛ اس لئے کہ حرام وحلال میں غیر مسلم کا قول معتبر نہیں ہے، ہاں البتہ اگر خود مسلمان کو معلوم ہے کہ مسلمان ہی نے ذبح کیا ہے۔ یا دیکھنے والے مسلمان نے شہادت دی ہے کہ مسلمان نے ذبح کیا ہے، تب جائز ہوسکتا ہے، ورنہ نہیں اور اگر خرید لیا ہے، تو واپس کردینا چاہئے اگر واپس بھی نہیں ہوسکتا ہے، تو کراہت تحریمی کے ساتھ کھا سکتا ہے۔
(مستفاد: فتاوی رشیدیہ مبوب مطبوعہ دیوبند ۵۵۲، امداد الفتاوی ۳/۵۴۳)

ومفاده أن مجرد كون البائع مجوسياً يثبت الحرمة، فإنه بعد إخباره بالحل بقوله ذبحه مسلم كره أكله فكيف بدونه. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، زكريا ۹/ ۴۹۷، كراچي ۶/ ۳۴۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/ ربیع الاول ۱۴۱۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۸/ ۳۱۰۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۳/۳/۲۷ھ

ہندو کی دوکان سے مٹھائی خریدنا

سوال [۱۰۷۵۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بعض حضرات یقین کے ساتھ کہتے ہیں کہ بعضے ہندو شیرینی فروش گائے کا پیشاب مٹھائی پر چھڑکتے ہیں، ایسی صورت میں ہندو دوکان سے مٹھائی خریدنے اور کھانے کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا.

المستفتی: محمد رضوان حیدرآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس مٹھائی فروش کے بارے میں یقین کے ساتھ معتبر ذرائع سے معلوم ہوجائے کہ یہ شخص اپنی مٹھائی پر گائے کا پیشاب چھڑکتا ہے، تو ایسی دوکان سے مٹھائی خریدنا اور کھانا جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ ڈابھیل ۱۸/ ۴۰، کتاب الفتاوی ۱/ ۳۰۳، معارف القرآن دیوبند ۳/ ۴۹-۵۰)

وبول ما يؤكل لحمه والفرس...... مخفف، وخفة النجاسة تظهر في الثوب دون الماء، البول المنتضح قدر رؤوس الإبر معفو للضرورة، وإن امتلأ الثوب أما إذا انتضح في الماء، فإنه ينجسه ولا يعفي عنه؛ لأن طهارة الماء آكد من طهارة الأبدان، والثياب، والمكان. (هندية، الباب السابع، الفصل الثاني في الأعيان، النسخة الهندية، زكريا قديم ۱/ ۴۶، جديد ۱/ ۱۰۱)

ونجاسة بول مايؤكل لحمه على قول من يقول بنجاسة خفيفة الخ وإذا وقع قطرة في الماء أفسده؛ لأن القليل في الماء يصير كثيراً.

(الفتاوى التاتارخانية، زكريا ١/٤٤١، رقم: ١١٢٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍محرم الحرام ۱۴۳۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹/۱۰۵۸۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۱/۱۲ھ

غیر مسلم کے ہوٹل میں گوشت کھانا

سوال [۱۰۷۵۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ غیر مسلم کے ہوٹلوں میں گوشت کھانا کیسا ہے؟ جبکہ ان ہوٹلوں کا عملہ بھی غیر مسلم ہو اور ہمارے ہندوستان کے غیر مسلم اہل کتاب بھی نہیں ہیں؟

المستفتی: محمد جاوید

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: غیر مسلموں کے ہوٹل میں گوشت کھانا جائز نہیں، اگر ہوٹل کا مالک یا عملہ گوشت کے حلال ہونے کا دعوی کرے، تب بھی اس کا دعوی ناقابل قبول ہے؛ کیونکہ یہ حلت وحرمت کے قبیل سے ہے، حلت وحرمت میں غیر مسلم کا قول معتبر نہیں۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ ڈابھیل ۱۸/۳۸، میرٹھ ۲۷/۲۶)

ولا يقبل قول الكافر في الديانات. (هندية، كتاب الكراهية، الباب الأول، زكريا قديم ٥/٣٠٨، التاتارخانية، زكريا ١٨/٢٤، رقم: ٢٧٩١٧)

ويقبل قول الكافرين في الحل، والحرمة -قال الزيلعي هذا سهو لأن الحل و الحرمة من الديانات ولايقبل قول الكافر فى الديانات وإنما يقبل قوله في المعاملات خاصة للضرورة. (تبيين الحقائق، كتاب الكراهية، فصل في الأكل، زكريا ٧/٢٧، امداديه ملتان ٦/١٢)

ولا يأكلون من أطعمة الكفار ثلثة أشياء اللحم، والشحم، والمرق، ولايطبخون في قدورهم حتى يغسلوها. (التتف في الفتاوى، كتاب الجهاد، باب مالايؤ كل من اطعمة الكفار ٤٣٥، بحواله محموديه ڈابھيل١٨ /٣٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲/ جمادی الثانی ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰/ ۱۱۵۵۲)

غیر مسلم ہوٹل کے مسلم کارندے حلال گوشت کی خبر دیں تو؟

سوال [۱۰۷۵۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر ہوٹل کا مالک غیر مسلم ہے، مگر اس ہوٹل کے کارندے اور اس کا سب عملہ مسلمان ہیں، ایسے ہوٹل میں گوشت وغیرہ کھانا کیسا ہے؟

المستفتی: محمد زید

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب ہوٹل میں سب کارندے اور عملہ مسلمان ہیں اور مسلم کارندہ گوشت کی حلت کی خبر دے، تو اس کی بات معتبر مان کر اس ہوٹل میں گوشت کھانا جائز ہے؛ اس لئے کہ حلت وحرمت میں مسلمان عادل کی خبر معتبر ہوتی ہے۔

خبر الواحد يقبل في الديانات كالحل، والحرمة، والطهارة، والنجاسة إذا كان مسلما عدلا. (هندية، كتاب الكراهية، الباب الاول، زكريا قديم٥/ ٣٠٨، جديد ٥/ ٣٥٦)

اتفق الفقهاء على أنه إذا أخبر الثقة بنجاسة ماءٍ، أوثوب، أو طعام، أوغيره وبين سبب النجاسة وكان ذلك السبب يقتضي النجاسة حكم بنجاسة؛ لأن خبر الواحد العدل في مثل هذه الأشياء مقبول وليس هذا من

باب الشهادة، وإنما هو من باب الخبر، وكذا لو أخبر عن دخول وقت الصلوة وعن حرمة الصلوة وعن حرمة الطعام أو حله ولا فرق في هذا بين الرجل والمرأة ولا بين الأعمي والبصير بخلاف الكافر والفاسق، فلا يقبل خبرهما في النجاسة والطهارة. (الموسوعة الفقهية ١٩/ ١٥١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ جمادی الثانیہ ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰/ ۱۱۵۵۳)

غیر مسلم کے جس ہوٹل میں مسلم وغیر مسلم دونوں کارندے ہوں وہاں گوشت کھانا؟

سوال [۱۰۷۵۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ غیر مسلم کے ایسے ہوٹل میں گوشت وغیرہ کھانا کیسا ہے، جس میں ہوٹل کے کارندے مخلوط ہوں، یعنی اس ہوٹل میں مسلمان بھی کام کرتے ہیں اور غیر مسلم بھی جواب مرحمت فرما کر ممنون ومشکور ہوں؟

المستفتی: محمد ذاکر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: غیر مسلم کے وہ ہوٹل جس ہوٹل کا عملہ مخلوط ہے، تو وہاں پر گوشت کی حلت وحرمت میں اشتباہ ہوگیا اور جس کی حلت وحرمت مشتبہ ہوجائے، تو وہاں پر ترک واجب ہوتا ہے؛ اس لئے مذکورہ ہوٹلوں میں گوشت کھانا جائز نہیں احتراز لازم ہے۔

عن النعمان بن بشير قال: سمعت رسول الله يقول: الحلال بين والحرام بين، وبين ذلك أمور مشتبهات، لايدري كثير من الناس أمن الحلال هي أم من الحرام، فمن تركها استبرأ لدينه وعرضه فقد سلم، و من واقع شيئًا منها، يوشك أن يواقع الحرام. (ترمذي شريف، باب ماجاء في ترك الشبهات،

النسخة الهندية، ۱/۲۲۹، دارالسلام رقم: ۱۲۰۵، صحيح البخاري، باب فضل من استبرأ لدينه، النسخة الهندية ۱/۱۳، رقم: ۵۲، صحيح مسلم، باب أخذ الحلال وترك الشبهات، النسخة الهندية ۲/۲۸، بيت الأفكار رقم:۱۵۹۹)

قال قائل أن المشتبهات المباحات، فإنه إذا أصرّ على المباح يقع في المكروه وإذا أصرّ على المكروه صار حرامًا، ونقلوا أن المتورع من تجنب من المباحات أيضا. (العرف الشذي على الترمذي ۱/۲۳۱)

قوله: وقع في الشبهات وقع في الحرام يريد إذا اعتادواستمر عليها أوقعه إلى الوقوع في الحرام بأن يتجاسر عليه، فيواقعه بقول فليتق الشبهة يسلم من الوقوع في الحرام. (بذل المجهود، باب في اجتناب الشبهات، دارالبشائر الإسلامية ۱۱/۱٤، سهارنپور ٤/۲۳۷)

إذا تعارض دليلان أحدهما يقتضي التحريم، والآخر الإباحة قدم التحريم، القاعدة الثانية إذا اجتمع الحلال والحرام غلب الحرام. (الأشباه والنظائر ۱/۳۰۲، مكتبه زكريا) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲/ جمادی الثانیہ ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰/ ۱۱۵۵۱)

غیر مسلم ہوٹلوں میں گوشت کے علاوہ دیگر اشیاء سبزی وغیرہ کھانا

سوال [۱۰۷۵٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ غیر مسلموں کے ہوٹلوں میں گوشت کے علاوہ دیگر اشیاء کا کھانا کیسا ہے، مثلاً سبزی، انڈا، مچھلی وغیرہ اگر یہ کھانا، جائز ہے، تو اس حدیث شریف کا کیا مطلب ہے؟ جس میں یہ حکم فرمایا گیا کہ غیر مسلموں کے برتنوں کو استعمال نہیں کرنا

چاہیئے، اگر سخت ضرورت ہو، تو خوب کھنگال کر استعمال کریں؛ اس لئے خوب اچھی طرح مدلل جواب مرحمت فرمائیں۔

المستفتی: محمد خالد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: غیر مسلم کے ہوٹل میں گوشت کے علاوہ سبزی وغیرہ کھانا جائز ہے، حدیث شریف میں غیر مسلموں کے برتنوں کو استعمال کرنے سے جو منع کیا گیا ہے، وہ اس صورت میں ہے جبکہ وہ برتن ناپاک چیز میں مستعمل ہوں، اگر کفار کے برتنوں کا پاک ہونا یقینی ہو، تو انکا استعمال بلا کراہت درست ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمود یہ ڈابھیل ۴۶/۱۸-۴۸، میرٹھ ۶۶/۲۷-۶۸)

عن جابرؓ قال: كنا نغزوا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم فنصيب من انية المشركين وأسقيتهم فتستمتع بها، فلا يعيب ذلك عليهم.

(أبوداؤد، باب الأكل في آنية أهل الكتاب، النسخة الهندية ۲/۲۸ ٤، دارالسلام رقم: ۳۸۳۸، مسند أحمد بن حنبل ۳/۳۷۹، رقم: ۱۵۱۱۹)

قال الخطابي: الرخص الغسل، هذا إذا كان معلوما والأصل من حال المشركين أنهم يطبخون في قدورهم الخنزير، ويشربون في آنيتهم الخمر فإنه لايجوز استعمالها إلا بعد الغسل والتنظيف. (بذل المجهود، باب في استعمال آنية أهل الكتاب، دارالبشائر الإسلامية ۱۱/۵٦۳، سهارنپور٤/۳٦٦)

قال: أنقوها غسلا لأنهم يطبخون فيها الخنزير ويشربون فيها الخمر .

(العرف الشذي هامس الترمذي ۲/۲)

عن أبي ثعلبة الخشنيؓ قال: سئل رسول الله صلى الله عليه وسلم عن قدور المجوس، فقال: أنقوها غسلا واطبخوا فيها. (ترمذي شريف باب ما جاء في الإنتفاع بآنية المشركين، النسخة الهندية ۱/۲۸٤، دارالسلام رقم: ۱۵٦۰)

لا بأس بطعام المجوس إلاذبيحتهم و في الأكل معهم.
(خلاصة التفاوی اشرفیه دیو بند ٤/٣٤٦)

قال محمدؒ: ويكره الأكل والشرب فی أواني المشركين قبل الغسل و مع هذا لوأكل، أو شرب قبل الغسل جاز ولايكون آكلاً ولاشارباً حراماً، وهذا إذا لم يعلم بنجاسة الأواني، فأما إذا علم فإنه لايجوز أن يشرب و يأكل منها قبل الغسل ولو شرب، أو أكل كان شارباً، وآكلا حراما. (هندية، الباب الرابع عشر في أهل الذمة، زكريا جديد ٥/٤٤٠، قديم ٥/٣٤٧) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ جمادی الثانیہ ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰/ ۱۱۵۵۴)

کھانے پینے کی اشیاء میں سور کی چربی ملی ہونے کے نوٹس کا حکم

سوال [۱۰۶۵۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے علاقہ میں حال میں ایک نوٹس کے ذریعہ معلوم ہوا کہ مندرجہ ذیل اشیاء میں خنزیر کی چربی، خنزیر کا خون وغیرہ شامل کیا گیا، جس سے یہ چیزیں حرام ہوجاتی ہیں، لکس صابن، کیمی صابن، کولگیٹ، پالمولیو کے دانت کے پیسٹ، پیپسی کولا، کوکا کولا میں شراب ملائی گئی ہے۔

(۱) بذریعۂ نوٹس: کوکا کولہ میں حرام چیز شامل رہنے سے کوکا کولہ حرام ہے یہ دارالعلوم دیو بند کا فتوی ہے۔

(۲) کوکا کولہ میں شراب ہے، اس بات کو تیار کرنے والے نے خود تسلیم کرلیا ہے، اور خنزیر کی چربی بھی؟

(۳) غیر مسلم کے ہوٹلوں میں جو چیزیں تیار ہوتی ہیں، اس میں گائے کا پیشاب ملایا جاتا ہے اور یہ دیکھا گیا ہے۔کیا یہ بات صحیح ہے اور ہے تو مسئلہ بتائیں؟

المستفتی: محمد شاکر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال میں مذکورہ جتنی چیزوں کے بارے میں بذریعۂ نوٹس معلومات حاصل ہوئی ہیں کہ ان میں ناپاک چیزیں ملائی جاتی ہیں، جب تک ان کے بارے میں اس جزکی پوری تحقیق نہ ہوجائے حرمت کا حکم لگانا درست نہیں۔

نیز یہ بھی ضروری نہیں کہ مذکورہ چیزیں اسی طریقہ سے بنائی جائیں؛ بلکہ دیگر طریقوں سے بھی ان کی ترکیب ممکن ہے، زیادہ تجسس اور کھودکرید کرنا اور احتمالات واوہام کی بناء پر احتراز کرنا دین میں تعمق وغلو ہونے کی وجہ سے ممنوع ہے، اور بلادلیل شرعی حرمت کا حکم لگانا دین میں زیادتی اور تحریف ہے، اور دارالعلوم دیوبند کے فتوی کے بارے میں ہم اس وقت تک کچھ نہیں کہہ سکتے، جب تک وہ ہمارے سامنے نہ ہو اور یہ بھی ضروری نہیں کہ ہم ان کے فتاوی سے اس وقت تک اتفاق کرلیں، جب تک ان کے فتوی میں دلیل شرعی مضبوط طور پر موجود نہ ہو۔

نیز دارالعلوم دیوبند کے مایہ ناز مفتی فقیہ النفس حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ کے متعدد فتوے اس مسئلہ کی تائید میں امور مذکورہ کے متعلق آپ کو ملیں گے۔ ملاحظہ فرمائیں فتاوی محمودیہ قدیم ۳۱۸/۱۷ و۱۵/۴/۲۷۳ و۳۰۸/۱۷ و۱۵۹/۵، جدید ڈابھیل ۱۸۰/۲۴، ۱۸، ۲۰۵/۱۸، ۲۰۶.

نیز مذکورہ مسائل سے متعلق حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ، مفتی اعظم ہند اور حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب، مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند کا مفصل وطویل فتوی جو کفایت المفتی میں ۲۷۹/۲ پر موجود ہے اس کا مطالعہ کرنا بہت مفید ثابت ہوگا اور ایضاح المسائل اضافہ شدہ ۱۴۶/ اور ایضاح المسالک ۱۴۲/ پر اس سلسلہ میں مختصر مسئلہ موجود ہے، ان فتاوی و

جزئیات کو دیکھ کر خود بھی مطمئن ہوں اور مسلمانوں کو بھی مطمئن کریں تاکہ مسلمان طہارت وعدم طہارت کے متعلق شکوک وشبہات میں مبتلا نہ ہوں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲ر جمادی الثانیہ ۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴/۶۲۰۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۶/۱۶ھ

E کوڈ کی شرعی حیثیت

سوال [۱۰۷۵۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (IFANCA) اسلامک فوڈس اینڈ ٹراشن کونسل آف امریکا نامی تنظیم نے اپنے ویب سائٹ میں حلال وحرام اشیاء خورد ونوش کی ایک لمبی فہرست شائع کی ہے، جس میں انہوں نے حرام وحلال اشیائے خورد ونوش کی شناخت کے لئے کچھ متعین کوڈ نمبر بتایا ہے، مثلاً E120,E 140,E171,472,471 وغیرہ یہ کوڈ نمبر جس کھانے کے سامان کے پیکٹ وغیرہ میں لکھا ہوا ہوگا وہ حرام ہے؛ کیونکہ اس میں Emulsifier ملا ہوا ہے، اور یہ حیوانات اور نباتات کی چربی سے بنتا ہے، جیسے BritaniaTop بسکیٹ میں E471 جو کہ حرام کوڈ نمبر ہے لکھا ہے، واضح ہو کہ ویب سائٹ نے یہ اندیشہ ظاہر کیا ہے کہ (Emulsifier) اگرچہ مختلف جانوروں کی چربی سے تیار ہوتا ہے؛ لیکن یہ قوی اندیشہ ہے کہ یہ سور کی چربی سے تیار ہوا ہو؛ لہٰذا مسلمانوں کو Emulsifier ملی ہوئی چیزوں کے استعمال سے اجتناب کرنا چاہئے، ہم لوگوں نے یہاں اپنے محدود ذرائع سے اس کی تحقیق کرنے کی کوشش کی؛ لیکن کوئی تشفی بخش جواب حاصل نہ ہوسکا، اس بارے میں آپ حضرات کی تحقیقات کیا ہیں؛ چونکہ آپ حضرات کے پاس معلومات وتحقیقات کے ذرائع بہت زیادہ ہیں؛ اس لئے آپ حضرات سے مؤدبانہ گذارش ہے کہ اس بارے میں پوری تحقیق کر کے تشفی بخش جواب مرحمت فرمائیں تاکہ عوام کو اس کے بارے میں روشناس کرایا جاسکے۔

نــــوٹ: Emulsifier کا معنی زیادہ تر لغت میں دودھ جیسی شئ کو بتایا گیا ہے؛ البتہ دو ایک لغت میں اس کا ترجمہ چربی سے کیا گیا ہے۔

المستفتی: محمد عزیز الحق قاسمی، مدنا پور مغربی بنگال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اشیاءِ خوردنی میں اصل حکم اباحت اور حلت کا ہے؛ لہٰذا جب تک کسی چیز کی حرمت قطعی اور یقینی طور پر پایۂ ثبوت کو نہ پہونچے تو محض شبہ کی وجہ سے اس پر حرمت کا حکم نہیں لگایا جا سکتا ہے اور کمپنی نے جو کچھ متعین کوڈ بتلائے ہیں، وہ حرمت کے یقین کو نہیں پہنچتے ہیں بالخصوص جبکہ ویب سائٹ نے حرام اشیاء کے ملے ہونے کا اندیشہ ظاہر کیا ہے اور خود ویب سائٹ والوں کو بھی اس میں حرام اشیاء کی ملاوٹ کا یقین نہیں ہے؛ بلکہ تردد ہے؛ اس لئے اس پر حرمت کا حکم نہیں لگایا جا سکتا ہے، البتہ اگر کوئی شخص ان چیزوں کے استعمال سے گریز کرتا ہے، تو وہ اس کی طرف سے ایک احتیاط اور بہتر بات ہے۔

الأصل في الأشياء الإباحة. (قواعد الفقه اشرفي ٥٩)

من شك في إنائه، أو ثوبه، أو بدنه أصابته نجاسة أو لا، فهو طاهر مالم يستيقن، وكذا الآبار، والحياض، والحباب الموضوعة في الطرقات، ويستقي منها الصغار، والكبار، والمسلمون، والكفار، وكذا مايتخذه أهل الشرك، أو الجهلة من المسلمين كالسمن، والخبز، والأطعمة، والثياب.

(شامي، كتاب الطهارة، قبيل مطلب في أبحاث الغسل، زكريا ۱/۲۸۳-۲۸٤، كراچي ۱/۱٥۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱ ربیع الثانی ۱۴۳۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۰۶۴/۴۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۳/۲۱ھ

E کوڈ کا شرعی حکم

سوال [۱۰۷۵۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہم اپنے ایک بزرگ کے احسان مند ہیں کہ انہوں نے آج ہمیں ایک مسلم ڈائجسٹ مارچ ۲۰۰۵ء میں شائع ڈاکٹر محمد امجد خاں کا ایک مضمون لاکر دیا جسے پڑھ کر ہمارے ہوش اڑ گئے، انہوں نے اپنے ایک دوست کے حوالے سے جو فرانس کے سرکاری محکمۂ غذا میں کام کرتے ہیں جہاں کھانے میں استعمال ہونے والی تمام اشیاء اور دواؤں وغیرہ کا رجسٹریشن ہوتا ہے، لکھا ہے کہ یورپ اور امریکہ وغیرہ کی تمام ملٹی نیشنل کمپنیاں دھڑلے سے مسلمانوں کو سور (خنزیر) کی چربی کھلا رہی ہیں۔

بسکٹ اور کیک سمیت بیشتر بیکری items ٹوتھ پیسٹ، شیونگ کریم، چیونگ گم، چاکلیٹ، ٹافی، کارن فلیک، ڈبہ بند غذائی اشیاء، ڈبہ بند پھل اور پھلوں کے رس کے علاوہ وٹامن گولیوں سمیت کچھ ایلو پیتھک ٹانکوں میں دیگر اجزاء کے علاوہ لازماً جو چیز شامل ہوتی ہے، وہ خنزیر کی چربی ہے؛ چونکہ اب بین الاقوامی قانون کے تحت تمام غذائی اشیاء کے پیکٹ یا ڈبے پر یہ لکھنا ضروری ہوتا ہے کہ اس کے اندر کون کون سے اجزاء شامل ہیں، اور اس کی تغذیاتی قوت (Nutrition Value) کیا ہے۔ لہٰذا براہ راست Pig Fat (خنزیر کی چربی) یا Animal Fat (حیوانی چربی) لکھنے کے بجائے ایک مخصوص ای کوڈ (E-Code) کا استعمال ہوتا ہے۔ ڈاکٹر امجد خان کا کہنا ہے کہ E-100 سے لے کر E-904 تک جتنے کوڈ غذائی اشیاء کے پیکٹ، ریپر یا ڈبے وغیرہ پر درج ہوتے ہیں، ان سے مراد سور کی چربی ہوتی ہے، مثال کے طور پر برطانیہ کمپنی کے نیوٹری چوائس، کریم کریکر، بسکٹ کے ریپر پر اس میں شامل اجزاء (Ingredients) کے تحت جہاں گیہوں کے آٹے، نباتاتی تیل، شکر وغیرہ کا حوالہ ہے وہیں اس فہرست میں Mulsifier (E-481) بھی درج ہوتا ہے۔

ڈاکٹر خان کی E-Code فہرست کے مطابق یہ E-481 کوڈ بھی خنزیر کی چربی کے لئے استعمال ہوتا ہے، ڈاکٹر خاں کے مطابق ان کے دوست فرانس کے مقام پیگل پر واقع محکمۂ غذا کی کوالٹی کنٹرول لیباریٹری میں Department of Food's Quality Controle Laboratories میں کام کرتے ہیں۔ یہ اطلاعات انہیں وہیں سے حاصل ہوئی ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ صرف فرانس میں بیالیس ہزار Pig Farms ہیں اور خنزیر کے بدن میں چربی بہت زیادہ ہوتی ہے، ساٹھ سال پہلے تک فرانسیسی کمپنیاں اس چربی کو جلا کر ضائع کردیتی تھیں؛ لیکن دوسری جنگ عظیم کے بعد صابن میں اس کا استعمال شروع ہوا اور پھر شیونگ کریم، خواتین کے افزائش حسن کی متعدد اشیاء اور ٹوتھ پیسٹ میں اس کا استعمال کیا جانے لگا، پھر بیکری میں تیار ہونے والی اشیاء بسکٹ وغیرہ اور چاکلیٹ میں استعمال ہونے لگا، شروع میں ڈبے یا ریپر کے اوپر Pig Fat لکھا جاتا تھا؛ لیکن جب کچھ لوگوں نے ان کی توجہ اس جانب مبذول کرائی کہ ہندوستان میں ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی اسی سور اور گائے کی چربی کے استعمال کے خلاف بغاوت سے شروع ہوئی تھی (جسے سامراج نے غدر اور بغاوت کا نام دیا تھا) تو انہوں نے پگ فیٹ کے بجائے Animal Fat لکھنا شروع کردیا؛ لیکن جب تیل کی دولت آنے کے بعد مغربی ممالک نے بڑے پیمانے پر عرب اور مسلم ممالک سے کاروبار شروع کیا تو مسلم حکومتوں نے ان سے پوچھا کہ آپ کس حیوان کی چربی استعمال کرتے ہیں؟ تو انہوں نے گائے اور بھیڑ کی چربی کا نام لیا؛ لیکن جب مسلم ممالک نے اس پر بھی یہ اعتراض کیا کہ چونکہ اسلام نے ہر اس حلال جانور کو بھی حرام کردیا ہے جسے حلال طریقے سے ذبح نہ کیا گیا ہو؛ لہٰذا ہم ان کا استعمال نہیں کر سکتے، تو مغربی ممالک اور ملٹی نیشنل کمپنیوں نے E-Code استعمال کرنے کا فیصلہ کرلیا اور اس وقت سے تمام ڈبہ بند اشیاء پر اسی ای کوڈ کا استعمال ہو رہا ہے؛ لیکن ڈاکٹر خان کے مطابق اب یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی ہے کہ مختلف اشیاء کے Ingredients میں

جوشئ E.Nos کے ساتھ درج ہوتی ہے، وہ خنزیر کی چربی ہوتی ہے؛ لہٰذا مسلمانوں کو چاہئے کہ اب وہ بازار سے کوئی بھی چیز خریدتے وقت اس کے Ingredients کو ضرور دیکھ لیں، اگر اس میں E-100 سے E-904 تک کوئی بھی کوڈ درج ہے، تو اس سے بہر قیمت پرہیز کریں۔ ہم نے اس کا تذکرہ صرف اس لئے کیا کہ مسلم اہل علم کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس کی تحقیق کریں؛ کیونکہ اس سے پہلے ہمارے علم میں یہ بات بھی لائی جا چکی ہے کہ چائنیز کھانوں میں Taste Maker کے طور پر جو خاص جز استعمال ہوتا ہے، وہ بھی خنزیر کی چربی سے بنایا جاتا ہے۔ اللہ ہماری مدد کرے اور ہمیں ہر طرح کی حرام غذا سے محفوظ رکھے۔

ای-کوڈ (E-Code) میں پوشیدہ ہیں کئی گہرے راز

ای-کوڈ (E-Code) والے بسکٹ، چیونگم، چاکلیٹ، ٹافی اور ڈبہ بند خوراک استعمال کرنے والے ہوشیار ہو جائیں

ملٹی نیشنل کمپنیز کی مذکورہ مصنوعات میں سور کی چربی ہونے کا الزام لگاتے ہوئے وی ایچ پی (وشو ہندو پریشد) کے سابق ریاستی ترجمان اور تاجر لیڈر وبھوتی بھوشن گپتا کی قیادت میں گذشتہ ہفتہ کارکنوں نے ملٹی نیشنل کمپنیوں کا پتلا نذر آتش کیا اور عوام کو ایسی مصنوعات کے استعمال سے پرہیز کرنے کی اپیل کی، پتلا نذر آتش کرنے والوں کا الزام تھا کہ ان اشیائے خوردنی میں ای کوڈ کے نام سے استعمال ہونے والی شے میں گائے سور اور بھیڑ کی چربی ہو سکتی ہے۔

اس معاملے میں جمعیۃ العلماء گورکھپور کے صدر مولانا جنید عالم ندوی کہتے ہیں کہ ای کوڈ ہندو اور مسلمانوں کے مذہب کے ساتھ کھلواڑ ہے، مولانا ندوی کہتے ہیں کہ (E-Code) ۱۰۰ سے ۹۰۴ تک ای کوڈ جتنے بھی کوڈ اشیائے خوردنی کے پیکٹ پر درج ہوتے ہیں، ان کا مطلب سور کی چربی ہے۔

حقیقت میں ای کوڈ کیا ہے؟ اس معاملے میں کئی ویب سائٹس کو کھول کر دیکھا گیا ہے، برطانیہ کی ویب سائٹ http:/www.bryngolliefreeserve.co.uk پر ای کوڈ کے زیادہ تر مصنوعات میں جانوروں کے باقیات یا چربی (Animal Origin, Animal fars or Animal Product) ہونے کا خدشہ ظاہر کیا گیا ہے، ملٹی نیشنل کمپنیوں کے کئی قسم کے بسکٹوں میں E471/E422 استعمال کیا گیا ہے، ویب سائٹ پر سبزی خوروں کو ان مصنوعات سے پرہیز کرنے کا مشورہ دیا گیا ہے۔

آج کل اکثر چیزیں جو غیر ملکی کمپنیوں کی بنی ہوئی آرہی ہیں، بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ وہ خنزیر کی چربی سے تیار کی جاتی ہیں اور ہر چیز کے پیکٹ پر ایک کوڈ بنا دیا گیا ہے، جس میں کمپنی والوں نے خود یہ بتلا دیا ہے کہ اس میں کیا کیا چیزیں ہیں؟ خنزیر کی چربی کے لئے بھی ایک کوڈ مقرر کیا گیا ہے، اس کوڈ کے ذریعہ خنزیر کی چربی کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے، جس کی تفصیل کے لئے اور پوری صورت حال کا جائزہ لینے کے لئے ای کوڈ کی ایک کاپی اس تحریر کے ساتھ ارسال کی جاتی ہے، جس کی رو سے ۹۰ ر فیصد چیزیں اس چربی سے خالی نہیں ہیں؛ جبکہ وہ روزمرہ کھانے کی چیزیں ہیں اور تقریباً ہر آدمی ان کو استعمال میں لا رہا ہے؛ لہٰذا آپ شریعت کی روشنی میں مدلل حکم شرعی سے آگاہ فرمائیں کہ یہ چیزیں حلال ہیں یا حرام؟

المستفتی: زبیر احمد قاسمی، امام مسجد چھتہ آغا جان، دریا گنج دہلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ میں جن اشیاء میں ناپاک اجزاء کی ملاوٹ کا ذکر ہے، وہ چیزیں آج کل کثرت سے لوگوں کے استعمال میں ہیں اور بلا شبہ کروڑوں مسلمان بھی روزمرہ کی زندگی میں ان چیزوں کے عادی ہو چکے ہیں؛ اس لئے ان چیزوں کی حرمت کے بارے میں فتوی دیتے وقت نہایت احتیاط کی ضرورت ہے، اور ایک دو ڈاکٹر کے تحقیقی مضمون یا اخبارات میں چھپنے والے مضامین سے حتمی طور پر یہ

بات معلوم نہیں ہوسکتی کہ جو تحقیق ان مضامین میں پیش کی گئی ہے، وہ واقع کے عین مطابق ہے؛ بلکہ ایسے مضامین خود ہی قابل تحقیق ہیں اور اگر بالفرض اس طرح کے مضامین کو درست بھی مان لیا جائے، تو یہ امر قابل تحقیق رہ جاتا ہے کہ آیا وہ ناپاک اجزاء ان اشیاء میں مل کر اپنی اصلی شکل میں موجود ہیں یا کیمیکلوں کے ذریعہ ان کی ماہیت تبدیل کردی گئی ہے، اگر یہ ثابت ہوجائے کہ ان کی ماہیت بدل چکی ہے، تو ایسی اشیاء کے استعمال میں شرعاً کوئی حرج نہ ہوگا جیسا کہ شراب کا شیرہ اگر سرکہ میں تبدیل ہوجائے، تو سرکہ کا استعمال درست ہوتا ہے، اسی طرح فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ اگر ناپاک تیل سے صابون بنایا جائے، تو اس صابون کا استعمال درست ہے؛ کیونکہ ماہیت بدل جاتی ہے؛ اس لئے جب تک مذکورہ اشیاء میں ماہیت کی تبدیلی یا عدم تبدیلی کے متعلق مکمل تحقیق سامنے نہ آجائے، اس وقت تک مذکورہ اشیاء کو حلال ہی کہا جائے گا، ان کی حرمت کا فتوی نہیں دیا جاسکتا۔

(مستفاد: کفایت المفتی ۲/ ۲۷ تا ۲۸۴، ایضاح المسالک ۱۴۲)

إن النجاسة لما استحالت وتبدلت أوصافها، ومعانيها خرجت عن كونها نجاسة؛ لأنها اسم لذات موصوفة فتنعدم بانعدام الوصف وصارت كالخمر إذا تخللت. (بدائع الصنائع، كتاب الطهارة، الدباغة، زكريا ١/ ٢٤٣، كراچي ١/ ٨٥)

ثم اعلم أن العلة عند محمدؒ هي التغير وانقلاب الحقيقة، وإنه يفتىٰ به للبلوىٰ كما علم مما مرَّ، ومقتضاه عدم اختصاص ذلک الحكم بالصابون فيدخل فيه كل ما كان فيه تغير وانقلاب حقيقة، وكان فيه بلوىٰ عامة. (شامي، كتاب الطهارة، باب الأنجاس، زكريا ١/ ٥١٩، كراچي ١/ ٣١٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸/ ۹۳۱۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۳/ ۵/ ۱۴۲۸ھ

مردار بکری یا مرغی غیر مسلم کو کھانے کے لئے دینے کا حکم

سوال [۱۰۷۶۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کوئی چیز مسلمان کے لئے کھانا ناجائز ہے، مثلاً گھر میں بکری یا مرغی مرگئی تو مردار مرغی، بکری وغیرہ کا کسی غیر مسلم کو کھانے کے لئے دینا کیا حکم رکھتا ہے؟

المستفتی: محمد عمران دیناج پوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: فتاوی دار العلوم میں مفتی عزیز الرحمٰن صاحب کے فتاوی میں اس بات کی وضاحت موجود ہے کہ میتہ اور جو میتہ کے حکم میں ہے، وہ غیر مسلم کو دینے کی گنجائش ہے اور دیتے وقت دینے والے کی یہ نیت ہونی چاہئے کہ مردہ چیز کو ہم یہاں سے نکال پھینک رہے ہیں، جو غیر مسلموں کے ہاتھ میں پہونچ رہی ہے اور شریعت نے غیر مسلموں کو اپنے مذہب پر چھوڑ دینے کا حکم فرمایا ہے اور ایسے ناپاک اور گندی چیزوں کو ان کے ہاتھوں میں دینے کی گنجائش دی ہے۔ (مستفاد: فتاوی دار العلوم ۱۵/۴۳۲)

جزئیات ملاحظہ فرمایئے:

وأهل الذمة في البياعات كالمسلمين إلا في الخمر، والخنزير خاصة، فإن عقدهم على الخمر كعقد المسلم على العصير وعقدهم على الخنزير كعقد المسلم على الشاة لأنها أموال في اعتقادهم ونحن أمرنا بأن نتركهم وما يعتقدون دل عليه قول عمر ولوهم بيعهما الخ.

(كتاب البيوع، مسائل منثورة، الهداية ٣/١٠٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳/رجب المرجب ۱۴۳۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۱/۱۲۱۳۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۶/۷/۳ھ

(١٠) باب حلال وحرام جانور

حلال جانوروں کو کھانے کا حکم کب نازل ہوا؟

سوال[١٠٧٦١]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حلال جانوروں کا گوشت، جیسے گائے بھینس بکرے دنبہ، مچھلی، پرندوں وغیرہ کیکھانے کا حکم کب سے ہوا ہے، حضور والا سے مؤدبانہ التماس ہے کہ حدیث وقرآن کی روشنی میں مدلل جواب مرحمت فرمائیں ممنون ومشکور ہوں گا۔

المستفتی: رمضان علی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قولہ تعالیٰ: **قُلْ لَا اَجِدُ فِیْ مَا اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا عَلٰی طَاعِمٍ یَطْعَمُهٗ اِلَّا اَنْ یَکُوْنَ مَیْتَةً اَوْ دَمًا مَسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِیْرٍ.** [الانعام: ١٤٥]

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ تمام حلال جانوروں کے کھانے کی اجازت وحکم اسلامی شریعت سے پہلے سے تھا نیز حلال جانوروں کے علاوہ خنزیر، دم مسفوح اور میتہ کو چھوڑ کر اور بھی بہت سے جانور حلال تھے، غزوۂ خیبر کے موقع پر ان جانوروں کی حرمت نازل ہوگئی ہے، یعنی گدھا، خچر، درندے اور پنجوں سے شکار کرنے والے پرندے کو خیبر میں حرام کردیا گیا تھا، باقی کی حلت دائمی رہی ہے۔

عن جابرؓ قال: حرم رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: یعنی یوم خیبر، الحمر الإنسیة، ولحوم البغال، وکل ذي ناب من السباع، وذي مخلب

من الطیر. (السنن الترمذي، باب ما جاء في كراهية كل ذي ناب و ذي مخلب، النسخة الهندية ١/ ٢٧٣، دارالسلام رقم:١٤٧٨)

نیز مچھلی کی حلت بھی شریعت اسلامی سے پہلے سے تھی، جو قوم یہود کو ہفتہ کے دن مچھلی کے شکار کی ممانعت کی آیت سے واضح ہوتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳ محرم الحرام ۱۴۰۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۴/ ۱۰۷۸)

حلال جانور پر ”جلالہ“ کا حکم کب لگتا ہے؟

سوال [۱۰۷۶۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ”جلالہ“ کس حلال جانور کو کہا جاتا ہے، جو چوپائے جانور یا مرغ وغیرہ پاک چارہ کھانے کے ساتھ ساتھ نجاست کھالیں وہ جلالہ ہوں گے؟ یا اس کو جلالہ کہا جاتا ہے جس کی مستقل غذا نجاست ہوتی ہے؟

المستفتی: شکیل احمد، مدرسہ قاسم العلوم، سیتا پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: کسی بھی حلال جانور کے جلالہ ہونے کے لئے دو شرطیں لازم ہیں، ان دونوں شرطوں کے بغیر جانور کو جلالہ نہیں کہا جاسکتا ہے۔

شرط نمبر ۱: اس حلال جانور کی غذا صرف نجاست اور گندگی ہو، نجاست اور گندگی کے علاوہ کوئی پاک چارہ نہ کھاتا ہو۔

شرط نمبر ۲: نجاست اور گندگی کھانے کی وجہ سے اس کے گوشت سے بد بو نمایاں طور پر ظاہر ہوتی ہو، حتی کہ اس کے پسینے سے بھی بد بو ظاہر ہوتی ہو، تو ایسے جانور کو جلالہ کہا جاتا ہے، جس میں یہ دونوں شرطیں ایک ساتھ پائی جائیں؛ لہٰذا اگر مستقل

نجاست کھانے کے باوجود اس جانور کے گوشت میں نجاست کی بدبو اور اثرات نمایاں نہ ہوں، تو وہ جلالہ میں شامل نہیں ہوتا ہے اور اس حلال جانور کو کھانا بلا کراہت جائز ہے، اس کو صاحب بدائع نے ان الفاظ کے ساتھ نقل فرمایا ہے۔

روي ابن رستم عن محمد في الناقة الجلالة، أو الشاة، والبقر الجلال أنها إنما تكون جلالة إذا تفتتت وتغيرت ووجد منها ريح منتنة، فهي الجلالة حينئذ لايشرب لبنها و لايؤكل لحمها، وبيعها وهبتها جائز، هذا إذا كانت لا تخلط و لا تأكل إلا العذرة غالباًوإن خلطت فليست جلالة. (بدائع الصنائع، كتاب الذبائح، فصل بيان ما يكره من الحيوانات، زكريا ٤/ ١٥٤، كراچي٥/ ٤٠)

اور مبسوط سرخسی میں اس کو ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا گیا ہے ملاحظہ فرمائیے۔

والذي روي أنه كان يحبس الدجاج ثلاثة أيام، ثم يذبحها، فذلك على سبيل التنزه من غير أن يكون ذلک شرطاً في الدجاجة وغيرها مما يخلط وإنما يشترط ذلک في الجلالة التي لاتأكل إلا الجيف.

(مبسوط سرخسي، دارالكتب العلمية بيروت، كتاب الصيد١١/ ٢٥٦)

اور شامی میں اس کو ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا گیا ہے ملاحظہ فرمائیے:

الجلالة التي إذا قربت وجد منها رائحة، فلا تؤكل و لايشرب لبنها و لا يعمل عليها. (شامي، كتاب الذبائح، زكريا ٩/ ٤٤٥، كراچي ٦/ ٣٤٠)

اور امام زیلعی نے اس کو ان الفاظ کے ساتھ نقل فرمایا ہے۔

والجلالة هي التي تعتاد أكل الجيف، والنجاسات و لا تخلط، فيتغير لحمها، فيكون منتنًا ولو حبست حتى يزول النتن حلت ولم يقدر لذلک مدة في الأصل. (تبيين الحقائق، كتاب الكراهية، زكريا ٧/ ٢٤، امدادية ملتان ٦/ ١٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍ربیع الاول ۱۴۳۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۱؍۱۱۹۵۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۵؍۳؍۱۴۳۶ھ

جلالہ جانور کو بند رکھ کر پاک غذا کھلانے کا حکم وجوبی ہے یا استحبابی؟

سوال [۱۰۷۶۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جو حلال جانور نجاست کھانے کے عادی ہیں، نجاست اور غلاظت ان کے لئے مرغوب ترین غذا بن گئی ہے، اور پاک چارہ کھانے کے عادی نہیں ہیں، اگر کھائیں تو بہت ہی کم جس کی وجہ سے وہ جانور جلالہ بن گئے ہیں، تو ایسے حلال جانوروں کو ذبح کرنے سے پہلے کتنے دنوں تک بند رکھنے کا حکم ہے؟ اور بند رکھنے کا حکم وجوبی ہے یا استحبابی ہے؟

اس سلسلے میں شریعت کا جو بھی حکم ہو دلائل کی روشنی میں واضح فرمادیں اور یہ بھی فرمادیں کہ اگر مرغ ہو، تو اسے کتنے دنوں تک بند رکھ کر پاک غذا دی جائے؟ اسی طرح بکری ہو تو اسے کتنے دن بند رکھ کر پاک غذا دی جائے اور گائے، بھینس اور اونٹ کو کتنے دنوں تک بند رکھ کر پاک غذا دی جائے؟

المستفتی: محمد فراز، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جلالہ جانور کو ناپاک غذا سے محفوظ رکھ کر پاک غذا کھلانے کا مسئلہ وجوبی نہیں ہے؛ بلکہ استحبابی اور افضلیت کا ہے؛ تاکہ کراہت تنزیہی سے بھی پاک ہو جائے اور اس کی مقدار کے بارے میں چار اقوال ہمارے سامنے ہیں:

(۱) امام زیلعیؒ نے نوادر کے حوالہ سے نقل فرمایا ہے کہ اونٹ کو ایک ماہ تک ناپاک غذا سے محفوظ رکھ کر پاک غذا کے دائرہ میں بند رکھا جائے اور گائے، بیل، بھینس کو بیس دن تک بند رکھا جائے اور بکرے کو دس دن تک اور مرغ کو تین دن تک۔

(۲) اونٹ کو پاک غذا کے ساتھ چالیس دن تک بند رکھا جائے، اس کو زیلعیؒ نے ان الفاظ کے ساتھ نقل فرمایا ہے ملاحظہ فرمائیے:

وقدره في النوادر بشهر وقيل بأربعين يوماً فى الإبل، وبعشرين يوما في البقر، وبعشرة أيام في الشاة، وثلاثة أيام في الدجاجة. (تبيين الحقائق، كتاب الكراهية، مطبع، زكريا٧/٢٤، امدادية ملتان٦/١٠)

اوراسی کو بزازیہ اورشامی کتاب الحظر والاباحۃ میں ان الفاظ کے ساتھ نقل فرمایا گیا ہے۔

إن ذلک شرط في التي لا تأكل إلا الجيف؛ ولكنه جعل التقدير في الإبل بشهر وفي البقر بعشرين. وفي الشاة بعشرة. (شامي مع الدر، زكريا٩/٤٩١، كراچي٦/٣٤١، فتاوى بزازيه، زكريا جديد ٣/١٦٤، وعلى هامش الهندية٦/٣٠٢)

(۳) شامی کتاب الذبائح میں تجنیس کے حوالہ سے نقل فرمایا گیا ہے کہ مرغ کو تین دن، بکرے کو چار دن اوراونٹ، گائے، بیل کو دس دن تک ناپاک غذا اور چارہ سے محفوظ رکھ کر پاک غذا کھلانا چاہئے ،اسی کو قول مختار کہا ہے جیسا کہ درج ذیل عبارت سے واضح ہوتا ہے ملاحظہ فرمایئے:

وفي التجنيس: إذا كان علفها نجاسة تحبس الدجاجة ثلاثة أيام، والشاة أربعة، والإبل، والبقرة عشرة، وهو المختار على الظاهر. (شامي مع الدر، كتاب الذبائح، زكريا ٩/٤٤٤، كراچي ٦/٣٠٦)

(۴) ایام اور مدت کی تعیین کے جو اقوال ماقبل میں مذکور ہیں، وہ سارے کے سارے اقوال مرجوحہ ہیں اورقول راجح اور صحیح ترین قول یہی ہے کہ تبدیل غذا کے لئے ایام اورمدت کی کوئی تعیین نہیں ہے؛ بلکہ جتنے وقت میں جانور کے بدن سے نجاست کھانے کی بدبو ختم ہوجائے اتنے وقت تک بندر کھنے کا حکم ہے اوراس وقت کی کوئی تعیین نہیں اور بندرکھنے کے بعد جب بھی اس کے بدن سے بدبو ختم ہوجائے مستحب طریقہ سے ذبح کرنا ثابت ہو جائے گا اور جانور پالنے والے کو خود اس کا اندازہ ہوجائے گا، اس کو امام شمس الائمہ سرخسیؒ نے مبسوط سرخسی میں زیادہ صحیح اور راجح قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

وإنما يشترط ذلک في الجلالة التي لا تأكل إلا الجيف، وفي الكتاب:

قال تحبس أياماً على علف طاهر قيل ثلاثة أيام، وقيل عشرة أيام، والأصح أنها تحبس إلى أن تزول الرائحة المنتنة عنها؛ لأن الحرمة لذلک وهو شيئ محسوس و لايتقدر بالزمان لاختلاف الحيوانات في ذلک فيصار فيه إلى اعتبار زوال المضر، فإذا زال بالعلف الطاهر حل تناوله والعمل عليه بعد ذلک. (المبسوط للسرخسي، دارالكتب العلمية بيروت، كتاب الصيد)

اسی طرح کی عبارت (شامی کتاب الذبائح مطبع زکریا دیوبند ۱۱/۲۵۶، ۹/۴۴۴-۴۴۵، کراچی ۶/۳۰۶، بزازیہ، زکریا جدید ۳/۱۶۴، وعلی ہامش الہندیۃ ۶/۳۰۲) میں ہے۔

اس کو صاحب بدائع نے اس طرح کے الفاظ کے ساتھ نقل فرمایا ہے ملاحظہ فرمایئے:

والأفضل أن تحبس الدجاجة حتى يذهب ما في بطنها من النجاسة، وقوله لأن النهي ليس لمعنىً يرجع إلي ذاتها؛ بل لعارض، جاورها فكان الانتفاع بها حلالاً في ذاته إلا أنه يمنع عنه لغيره ثم ليس لحبسها تقدير في ظاهر الرواية، هكذا روى عن محمدؒ أنه قال: كان أبو حنيفةؒ لا يوقت فى حبسها، وقال: تحبس حتى تطيب وهو قولهما أيضاً. (بدائع الصنائع، كتاب الذبائح، والصيود، زكريا ٤/١٥٤، كراچي ٥/٤٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍ربیع الاول ۱۴۳۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۱/۱۱۹۵۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۶/۳/۱۵ھ

طوطا، مینا حلال ہیں اوران کا کھانا جائز ہے

سوال [۱۰۷۶۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ پرندوں میں سے طوطا یا مینا کا کھانا جائز ہے یانہیں؟ اگر جائز ہوتو معلوم یہ کرنا ہے کہ فقہ کی کتاب میں جوعلت قرار دیا ہے بعض پرندوں کی حرمت کے بارے میں

کہ ہر وہ پرندہ جو پنجوں سے پکڑتا ہے؛ لہٰذا اگر طوطے کو اس حکم سے مستثنیٰ کیا گیا ہو، تو مہربانی فرماکر وہ عبارت تحریر فرماکر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔

اور دوسر بات یہ ہے کہ اس کو مستثنیٰ کرنے کی وجہ کیا ہے؟

المستفتی: محمد زین العابدین، بردوانی بنگالی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: طوطا اور مینا حلال ہیں اور طوطا وغیرہ پنجوں سے شکار نہیں کرتے ہیں؛ بلکہ کسی چیز کے کھاتے وقت پنجوں سے دبا کر چونچ سے کھاتے ہیں اور جن پرندوں کی حرمت حدیث میں وارد ہوئی ہے، وہ ایسے پرندے ہیں جو ہوا میں اڑتے ہوئے اپنے پنجوں سے شکار کر لیتے ہیں، جیسا کہ باز، چیل اور شاہین وغیرہ ہیں اور طوطا وغیرہ ہوا میں اڑتے ہوئے شکار نہیں کرتے ہیں۔

ویحل من الطیر أكل العصافير، بأنواعها، والسمان، والقنبر، والزرزور، والقطأ والكروان والبلبل، والببغاء، والنعامة، والطاؤس الخ

(كتاب الفقة على المذاهب الأربعة، كتاب الحظر والإباحة، دارالفكر بيروت ٢/٢)

عن ابن عباسؓ قال: نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم: عن أكل كل ذي ناب من السبع، وعن كل ذي مخلب من الطير. وتحته في البذل والمراد بذي مخلب من الطير الذي يصيد بمخالبه مع الطيران في الهواء.

(أبوداؤد، كتاب الأطعمة، باب ماجاء في أكل السبع، النسخة الهندية ٢/٥٣٣، دارالسلام رقم: ٣٨٠٣، بذل المجهود، مصري ١٦/١٣، هندي، ٤/٣٥٩، دارالبشائر الإسلامية بيروت ١١/٥٣٠، فتاوى احياء العلوم ١/٢٤١، بهشتى زيور٣/٦٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲ ربیع الثانی ۱۴۱۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۷۵۸/۲۵)

امریکن گائے

سوال [۱۰۷٦۵]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ امریکن گائے، جس کے بارے میں عام طور پرلوگوں کا یہ کہنا ہے کہ اس کی پیدائش خنزیر کے نطفے سے (بذریعہ آلات جدیدہ) یابراہ راست اختلاط سے ہوتی ہے، ایسی گائے کا شرعاً پالنااوراس سے انتفاع کرنا کیسا ہے؟ وضاحت کے ساتھ جواب مرحمت فرمائیں۔

المستفتی: فرید احمد، خادم مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: امریکن گائے کا پالنااس کادودھ استعمال کرنا اوراس کا گوشت کھانا جائز ہے؛اس لئے کہ حلت اورحرمت میں ماں کا اعتبار ہوتا ہے۔

ولهذا يحل أكل جذع تغذي بلبن الخنزير؛ لأن لحمه لا يتغير وماتغذي به يصير مستهلكاً لا يبقي له أثر. (البحر الرائق، كتاب الكراهية، فصل في الأكل والشرب، كوئٹه ۸/۱۸۲، زكريا ۸/۳۳۵، در مختار، كراچي ٦/٣٤١، زكريا ٩/٤٩١، بدائع الصنائع، كراچي ٥/٤٠، زكريا ٤/١٥٤، هندية، زكريا قديم ٥/٢٩٠، جديد ٥/٣٣٤، الجوهرة النيرة، امدادية ملتان ٢/٢٨١، دار الكتاب ديوبند ٢/٢٦٧، فتاوى قاضي خان، جديد زكريا ٣/٢٥٤، وعلى هامش الهندية، زكريا ٣/٣٥٩)

المولود بين أهلي والوحشي يتبع الأم؛ لأنها هي الأصل في التبعية حتى إذا نزا الذئب على الشاة يضحي بالولد. (هداية، كتاب الأضحية، اشرفي ديوبند ٤/٤٤٩، در مختار كراچي ٦/٣٢٢، زكريا ٩/٤٦٦، تاتارخانية، زكريا ١٧/٤٣٣، رقم: ٢٧٧٣٩، هندية، زكريا قديم ٥/٢٩٧، جديد ٥/٣٤٣)

وكان مراده الأضحية فقط دون الحل في الأكل، فإن الأكل يجوز مطلقاً. (حاشية اشباه ص: ٧٧٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷ رصفر المظفر ۱۴۱۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۶/ ۲۱۴۳)

سمک طافی

سوال [۱۰۷٦٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ سمک طافی کسے کہتے ہیں؟ اس کی حقیقت کو واضح فرمادیں۔ حضرات فقہاء نے سمک طافی کی حرمت کی علت کیا بیان فرمائی ہے؟ وہ حرام اور ناجائز کیوں ہے؛ جبکہ حدیث شریف میں مردہ مچھلی کھانے کی روایت وارد ہوئی ہے سمک طافی بھی مچھلی ہی ہے، آخر اس کی حرمت کی علت کیا ہے؟

المستفتی: توحید احمد، ہردوئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سمک طافی اس مچھلی کو کہا جاتا ہے، جو کسی سبب ظاہری کے بغیر اپنی موت مرگئی ہو یعنی وہ اپنی اندرونی بیماری اور خرابی کی وجہ سے خود بخود مرگئی ہو، اس کے مرنے میں کوئی ظاہری اور خارجی سبب کا کوئی تعلق نہ ہو، اس طرح مچھلی خود بخود مرنے کے بعد اس کی دو حالتیں ہوتی ہیں:

(۱) وہ مچھلی مرنے کے بعد پانی کے نیچے ڈوب کر چلی جائے۔

(۲) پانی کے نیچے اس کی تہہ میں پہونچنے کے بعد وہ پھول جائے اور پھول کر پیٹ اوپر کی طرف ہوکر، الٹی حالت میں بہتے پانی کی سطح پر آجائے، تو بعض فقہاء نے اوپر آنے کے بعد مچھلی کے طافی ہونے کا حکم لگایا ہے، جس کا کھانا جائز نہیں ہے اور بعض فقہاء نے

پھول کراوپرآنے سے پہلے بھی اس کے اوپر طافی ہونے کا حکم لگایا ہے اور ان کے نزدیک طافی ہونے کے لئے اتنا کافی ہے کہ مچھلی اپنی موت مرجائے اور مرکر پانی کی تہہ کی طرف چلی جائے یا پھولنے کے بعد اوپر کو آجائے، دونوں صورتوں میں طافی ہونے کو تسلیم کیا ہے اور اس کے اوپر عدم جواز کا حکم لگایا ہے اور دونوں صورتوں کی تائید میں فقہی عبارتیں ملتی ہیں۔

صاحب بدائع نے دونوں شکلیں نقل کرنے کے بعد دوسری شکل کو راجح اور صحیح قرار دیا ہے اور ساتھ میں یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ سمک طافی کو اس لئے طافی کہا جاتا ہے کہ وہ پھول کر عادۃً پانی کے اوپر آجاتی ہے اور اس کے عدم جواز اور حرمت کی علت فقہاء نے یہی بیان فرمائی ہے کہ وہ مچھلی سڑ،گل کر پھول جاتی ہے اور سڑنے گلنے کی وجہ سے اس میں بدبو اور تعفن بھی پیدا ہوجاتی ہے، انسان کے کھانے کے لائق نہیں رہتی ہے، اس کے کھانے میں مضر اثرات پیدا ہوسکتے ہیں، اس وجہ سے اس کو ناجائز کہا گیا ہے۔

عن جابر بن عبد اللّٰہ قال: قال: رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه و سلم: ما ألقي البحر، أو جزر عنه، فکلوه ومامات فیه وطفا فلا تأکلوه (أبوداؤد شریف، باب في أكل الطافي من السمك، النسخة الهندية۲/ ۵۳٤، دارالسلام رقم: ۳۸۱۵، سنن ابن ماجه، باب الطافی من صید البحر، النسخة الهندیة ۲/ ۲۳٤، دارالسلام رقم: ۳۲٤۷)

إنما الطافي اسم لما مات في الماء من غير آفة، وسبب حادث وهذا مات بسبب حادث وهو قذف البحر، فلا يكون طافياً والمراد من الحديثين غير الطافي لما ذكرنا، ثم السمک الطافي لا يحل أكله عندنا، هو الذي يموت في الماء حتف أنفه بغير سبب حادث منه سواء علا على وجه الماء، أو لم يعل بعد أن مات في الماء حتف أنفه من غير سبب حادث. وقال بعض مشائخنا: هو الذي يموت في الماء بسبب حادث ويعلو على وجه الماء، فإن لم يعل يحل والصحيح هو الحد الأول وتسميته طافياً لعلوه على وجه الماء عادة. (بدائع الصنائع، كتاب الذبائح و الصيد، زكريا ٤/ ١٤٥-١٤٦)

وما مات من حرارة الماء، أو برودته، أوكدورته، ففيه روايتان روي عن أبي حنيفةؒ، وأبي يوسفؒ لا يؤكل؛ لأن السمک لا يموت بسبب برودة الماء، وحرارته غالباً، فيكون ميتاً بغير آفة ظاهراً، فلا يحل كالطافي. وروي عن محمدؒ أنه يؤكل؛ لأنه مات بآفة؛ لأنه قد يموت بسبب برودة الماء، وكدورته، فيحال بالموت عليه، وهذا أرفق بالناس، كذا في المحيط السرخسي وعليه الفتوى كذا في جواهر الأخلاطي،وعن محمدؒ لا يؤكل الطافي لا لأنه حرام؛ لكن لأنه يتغير فينفر الطبع عنه فصار من الخبائث.

(هندية، الباب السادس في صيد السمك،زكريا قديم ٥/ ٤٢٩، جديد ٥/ ٤٨٥، و مثله في التاتارخانية ١٨/ ٤٩٠، رقم:٢٩٧٠١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍ربیع الاول ۱۴۳۶ھ
(فتویٰ نمبر:الف ۴۱؍۱۱۹۴۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۹؍۳؍۱۴۳۶ھ

خنزیر کے اجزاء کھا کر پرورش پانے والی مچھلیوں کا حکم

سوال [۱۰۷۶۷]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک تالاب میں مچھلی پالن ہوتا ہے اور مچھلیوں کوخنزیر کی چربی وغیرہ سے غذا دی جاتی ہے،اسی طرح خنزیر کے پائخانہ کومچھلی کی غذا کے طور پرتالاب میں ڈالا جاتا ہے،تو جو مچھلی خنزیر کے اجزاء کھا کر پرورش پارہی ہے،اس کا کھانا حلال ہے یانہیں

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جو مچھلی خنزیر کے اجزاء سے پرورش پاتی ہے،اس کا کھانا حلال ہے؛ کیونکہ مچھلی ناپاک اورحرام اشیاء کھانے سے جلالہ نہیں ہوتی ہے،اور مچھلی کی حلت پرنص وارد ہوئی ہے اور یہ نجاست وغیرہ کھانا،اس کی حلت سے مانع نہیں ہے۔

عن عبد الله بن عمرؓ أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: أحلت لنا ميتتان: الحوت، والجراد. (سنن ابن ماجه، الصيد، باب صيد الحيتان والجراد، النسخة الهندية ۲/۲۳۲، دارالسلام رقم: ۳۲۱۸)

أرسلت السمكة في الماء النجس فكبرت فيه لا بأس بأكلها في الحال. (بزازية، كتاب الصيد، جديد زكريا ۳/۱٦٤، وعلى هامش الهندية، زكريا ٦/۳۰۱)

ولا يحل حيوان مائي إلا السمک الذي مات بآفة ولو متولداً في ماءٍ نجس، فلا بأس بأكلها للحال لحله بالنص، وكونه يتغذي بالنجاسة لا يمنع حله. (شامي، زكريا ۹/٤٤٤، شامي، كراچي ٦/۳۰٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷؍محرم الحرام ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۴۰۱/۴۰)

ناپاک غذا کھانے والی مچھلی کا حکم

سوال [۱۰۷٦۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ خشکی کے جو جانور ناپاک غذا کھاتے ہیں، ان کو جلالہ کہا جاتا ہے، جو مچھلی ناپاک غذا یا پانی میں پرورش پائے، تو کیا اسے جلالہ کہا جاسکتا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو مچھلی ناپاک غذا سے پرورش پاتی ہے، اس کا کھانا درست ہے، اس کو جلالہ نہیں کہا جائے گا، اس لئے کہ جلالہ کی تعریف میں لفظ ’’دابۃ‘‘ کی قید ہے اور مچھلی دابۃ سے خارج ہے۔ نیز جلالہ خشکی کے جانوروں کے لئے بولا جاتا ہے؛ اس لئے مچھلی جلالہ کی تعریف میں شامل نہ ہوگی۔

سئل علي بن أحمدؒ ويوسف بن محمدؒ عن السمكة إذا أخذت

وأرسلت في الماء النجس فكبرت فيه، فقال: لا بأس بأكلها للحال.

(التاتارخانية، زكريا ۱۸/۴۹۲، رقم: ۲۹۷۱۰)

أرسلت السمكة في الماء النجس فكبرت فيه لا بأس بأكلها للحال.

(بزازيه، كتاب الصيد، جديد زكريا ۳/۱٦٤، وعلى هامش الهندية، زكريا قديم ٦/۳۰۱)

الجلالة: الدابة التي يكون طعامها العذرة ونحوها من الجلة والبعر.

(لغة الفقهاء ص:۱٦٤)

الجلالة: الدابة التى تتبع النجاسات وتأكل الجلة وهي البعرة والعذرة. (الموسوعة الفقهية ۱۵/۲٦۰)

مسئلة الجلالة فيها تفصيل عند الفقهاء، والمحدثين أنه متي يكون الحيوان الجلالة، فقالوا: إذا يعتلف الحيوان نجاسةً، فيكون الحيوان جلالة، والصحيح الذي عليه الجمهور أنه لا اعتبار أن يكون أكثر أكلها النجاسة، وإنما الاعتبار بالرائحة، والنتن، فإن وجد في عرقها وغيره ريح النجاسة فجلالة وإلا فلا. (التاتارخانية، زكريا ۱۸/۱٤۰، رقم: ۲۸۲۹۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱؍محرم الحرام ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰؍ ۱۱۴۰۳)

گندگی سے پرورش پانیوالی مچھلیوں کا کھانا

سوال [۱۰۷٦۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بعض لوگ مچھلیوں کا پالن کرتے ہیں، مگر بعض مچھلیاں ایسی ہوتی ہیں، جو گندگی بھی کھالیتی ہیں، جیسے مرغوں اور مچھلیوں کے کاٹنے کے بعد بچی ہوئی آلائش اور گندگی- دہلی وغیرہ کے اندر مرغے ومچھلی مارکیٹ سے پالن کرنے والے ان آلائشوں کو لے جا کر تالاب

میں ڈال دیتے ہیں اور مچھلیاں اسے بہت شوق سے کھاتی ہیں اور جلد فربہ ہو جاتی ہیں، تو معلوم یہ کرنا ہے کہ اس طرح کی مچھلی جس کی بڑھوتری گندگی سے ہوتی ہو، کھانا کیسا ہے؟

نیز ان لوگوں کا یہ فعل کہ گندگی کھلاتے ہیں شرعاً درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد تعظیم نا ہکہ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو مچھلیاں مرغ اور مچھلیوں کی آلائش سے پرورش پاتی ہیں، ان کا کھانا جائز اور حلال ہے، ہاں البتہ یہ عمل مکروہ ہے، مچھلی پالن کرنے والے اپنی مچھلیوں کی گندی غذا سے پرورش نہ کریں۔

في الدر المختار: ولا يحل حيوان مائي إلا السمك الذي مات بآفة ولو متولداً في ماءٍ نجس. وتحته في الشامية: فلا بأس بأكلها للحال لحله بالنص، وكونه يتغذي بالنجاسة لا يمنع حله. (شامي، كتاب الذبائح، زكريا ٩/٤٤٤، شامي، كراچي ٦/٣٠٦، تاتارخانية، زكريا ١٨/٤٩٢، رقم: ٢٩٧١٠، بزازيه جديد، زكريا ٣/١٦٤، وعلى هامش الهندية، زكريا قديم ٦/٣٠١) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸ رصفر المظفر ۱۴۲۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸ / ۹۴۴۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۸/۳/ ۱۴۲۹ھ

کیا حرام غذا سے پرورش شدہ مچھلیوں کا کھانا حلال ہے؟

سوال [۱۰۷۷۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک تالاب میں مچھلیوں کے بچوں کی پرورش کی جاتی ہے، بطور کاروبار کے اور تالاب کے اوپر جال لگا دیا گیا ہے، یہ جال لوہے کا ہے، اس جال کے اوپر خنزیر کے بچے پالے جاتے ہیں، خنزیر کے بچوں کا پاخانہ نیچے پلنے والی مچھلیاں کھاتی ہیں، گویا کہ یہ ان

کی غذا ہے، ان مچھلیوں کو اس کے علاوہ بھی غذا دی جاتی ہے، یہ مچھلیاں اس غذا سے بڑی ہوکر بازار میں فروخت ہوتی ہیں، ان کا کھانا شرعاً حلال ہے یا نہیں؟

تالاب میں پلنے والی مچھلیوں کو خنزیر کا خون بطور غذا دیا جاتا ہے، ان مچھلیوں کا کھانا شرعاً حلال ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد ایوب، کیلاش نگر، دہلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: خشکی کے جانور اور پانی کے جانور مچھلی کے درمیان کچھ فرق ہے، اگر خشکی کے جانور کی غذا ناپاک اور نجس ہو، تو اسے جلالہ کہا جاتا ہے، اس کے بارے میں شریعت کا حکم یہ ہے کہ مرغ ہو، تو اسے تین دن تک پاک غذا کھلائی جائے، اس کے بعد اس کو ذبح کرکے کھانا بلا کراہت حلال ہے، اور گائے، بیل، بھینس، اونٹ کے بارے میں راجح قول کے مطابق دس دن تک پاک غذا کھلانے کے بعد ذبح کیا جائے، تو بلا کراہت حلال ہے اور خشکی کے وہ جانور جن کی غذا ناپاک رہی ہو، ان کو اس طرح تبدیلیٔ غذا سے پہلے ذبح کرکے کھانا مکروہ ہے، اس کے برخلاف پانی کے جانور یعنی مچھلی کا حکم اس سے بالکل الگ تھلگ ہے کہ مچھلی اگر ناپاک پانی میں ناپاک غذا کے ساتھ پرورش پائے، تب بھی وہ بغیر تبدیلیٔ غذا کے جائز اور حلال ہے؛ لیکن سوالنامہ میں جو شکل نقل کی گئی ہے، اس کی وجہ سے طبعی نفرت ضرور پیدا ہوگئی، مگر شرعی طور پر حلال ہے۔

الجلالة: بوزن حمالة الدابة التي يكون طعامها العذرة ونحوها من الجلة والبعرة. (لغة الفقهاء ص:٦٥، الموسوعة الفقهية ١٥/٢٦٠)

وفي التجنيس: إذا كان علفها نجاسة تحبس الدجاجة ثلاثة أيام، والشاة أربعة، والإبل، والبقرة عشرة، وهو المختار على الظاهر. (شامي، كتاب الذبائح، زكريا ٩/٤٤٤، كراچي ٦/٣٠٦)

ولا يحل حيوان مائي إلا السمک الذي مات بآفة ولو متولداً

في ماءٍ نجس. وتحته في الشامية: فلا بأس بأكلها للحال لحله بالنص، وكونه يتغذي بالنجاسة لا يمنع حله-إلى قوله-وينظر الفرق بين السمكة وبين الجلالة بأن تحمل السمكة على ما إذا لم تنتن ويراد بالجلالة المنتنة.

(شامي، كتاب الذبائح، زكريا٩/٤٤٤، كراچي٦/٣٠٦)

سئل علي بن أحمدؒ ويوسف بن محمدؒ عن السمكة إذا أخذت وأرسلت في الماء النجس فكبرت فيه، فقال: لا بأس بأكلها للحال.

(التاتارخانية، زكريا ١٨/٤٩٢، رقم: ٢٩٧١٠، وكذا في البزازية، جديد زكريا٣/١٦٤، وعلى هامش الهندية، زكريا ٦/٣٠١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍محرم الحرام ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰؍۱۱۴۱۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۱/۲۵ھ

لاوارث جانور کا حکم

سوال [۱۰۷۷۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ لاوارث جانوروں کا کیا حکم ہے؟ یہاں راجستھان میں لوگ بالقصد اپنی گائے، بچھڑے چھوڑ دیتے ہیں، ان سے فصلوں کو نقصان بھی ہوتا ہے، تو کیا ان کو پکڑ کر گھر لا کر پالنا یا کسی قسم کا فائدہ اٹھانا ذبح کر کے کھانا نیز قربانی کرنا جائز ہے؟

المستفتی: انوار الحق، امام بڑی مسجد، ہنومان گڈھ (راجستھان)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جو گائے، بچھڑے غیر مسلم چھوڑ دیتے ہیں، وہ ان کی ملکیت سے خارج نہیں ہوتے، مالک کی اجازت کے بغیر ان کو قبضہ میں لینا اور ذبح کر کے کھانا جائز نہیں ہے، اور یہ سائبہ اور بحیرہ کے حکم میں ہیں، جو مالک کی ملکیت سے خارج نہیں ہوتے۔

مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ وَّلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْن. [مآئدة:۱۰۳]

عن أبي حميد الساعدي رضـ أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لايحل لمسلم أن يأخذ مال أخيه بغير حق. (مجمع الزوائد، دارالكتب العلمية بيروت ٤/١٧١، السنن الكبرىٰ للبيهقي، دارالفكر بيروت ١٢/٣٥٢، رقم: ١٧٢٢٤)

لا يجوز التصرف في مال غيره بلا إذنه ولا ولايته. (در مختار مع الشامي، كتاب الغصب، مطلب فيما يجوز من التصرف بمال الغير، زكريا ٩/٢٩١، كراچي ٦/٢٠٠، الأشباه، كتاب الغصب، كراچي ٢/٩٨، قواعد الفقة، اشرفي ديوبند ص: ١١٠، الموسوعة الفقهية الكويتية ٢٨/٢٩٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱؍ذی قعدہ ۱۴۲۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷؍۸۵۸۷)

کونسا کوا کھانا حلال ہے؟

سوال [۱۰۷۷۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کونسا کوا حلال ہے؟ کیا یہ کوا جو بچوں کے ہاتھ سے روٹی لے کر بھاگتا ہے یہ درست ہے؟ یا کوئی اور دوسرا کوا حلال ہے؛ لیکن علامہ رشید احمد گنگوہیؒ نے فتاوی رشیدیہ میں زاغ معروف کو حلال بتلایا ہے، زاغ معروف سے کونسا کوا مراد ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو کوا دانا کھاتا ہے، یا دانا کھاتا ہے لیکن کبھی کبھی گندگی بھی کھاتا ہے وہ حلال ہے، اور جو کوا صرف گندگی ہی کھاتا ہے، وہ بالا جماع حرام ہے، اور حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ نے فتاوی رشیدیہ میں زاغ معروف لکھا ہے، اس سے دانا کھانے والا کوا مراد ہے؛ کیونکہ یہ امام اعظمؒ کے نزدیک مکروہ نہیں ہے۔

والغراب الأبقع الذي يأكل الجيف؛ لأنه ملحق بالخبائث وفى الشامية: قال فى العناية :اما الغراب الأ بقع والأسود فهو أنواع ثلثة نوع يلتقط الحب، ولايأكل الجيف وليس بمكروه ونوع لا يأكل إلا الجيف، وهو الذي سماه المصنف الأبقع،و إنه مكروه ونوع يخلط يأكل الحب مرة والجيف أخرىٰ، وهو غير مكروه عنده مكروه عند أبي يوسف والأخير هو العقعق. (شامي، كتاب الذبائح، زكريا ٩/٤٤٣، كراچي ٦/٣٠٥،، البحرالرائق، كوئٹه ٨/١٧٢، زكريا ٨/٣١٣، عالمگيري، زكريا قديم٥/٢٨٩، جديد ٥/٣٣٤، حاشية هداية، اشرفي ديوبند ٤/٤٤١، فتح القدير، زكريا٩/٥١٢، كوئٹه ٨/٤١٩، دارالفكر بيروت ٩/٥٠٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۹؍۳۴۸۴)

مسلک شافعی میں کچھوا کھانے کا حکم

سوال [۱۰۷۷۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسلک شافعی میں کچھوا کھانے کا کیا حکم ہے؟ خواہ بری ہو یا بحری ہو؟ مسلک شافعی کی کوئی مختصر جامع اردو یا عربی کی کتاب سے مطلع فرمائیں۔

المستفتی: محمد صدیق، بہنن پوروہ، لکھیم پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسلک شافعی میں بحری کچھوا حلال ہے، بری کے بارے میں علم نہیں۔

وقال: مالکؒ وجماعة من أهل العلم بإطلاق جميع ما في البحر واستثنىٰ بعضهم الخنزير، والكلب،والإنسان وعن الشافعيؒ أنه أطلق

ذلک كله. (هداية، كتاب الذبائح، اشرفي ديوبند ٤/٢٦ ٤، تبيين الحقائق، امدادية ملتان ٥/٢٩٦، زكريا ٦/٤٦٩)

اور مسلک شافعی کی مشہور کتاب امام شافعیؒ کی کتاب الام فقہ میں تحفہ ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ　　الجواب صحیح:
۱رذی قعدہ ۱۴۱۸ھ　　احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۳ر۹۳۹۴)　　۱۴۱۸/۱۱/۱ھ

جھینگا اور کیکڑا حلال ہے یا نہیں؟

سوال [۱۰۷۷۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جھینگا مچھلی ہے یا نہیں؟ اگر نہیں ہے تو اس کا کھانا کیا جائز ہوگا؟
نیز کیکڑے کے متعلق بھی حکم شرعی تفصیل سے تحریر فرمائیں۔

المستفتی: محمد اسلم مظاہری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: دریائی جھینگا اقسام مچھلی میں داخل ہے؛ اس لئے اس کا کھانا حلال اور درست ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۴ر۱۰۳، تاج العروس ۱۰ر۱۴۳، القاموس المحیط ۴ر۳۳۲، منتہی الارب ص: ۱۲۰، ایضاح المسائل ص: ۱۳۶)

اور کیکڑا چونکہ اقسام سمک میں داخل نہیں ہے؛ اس لئے حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک حلال نہیں ہے اور ائمہ ثلثہ کے نزدیک حلال ہے۔

ولا يأكل من حيوان الماء إلا السمك، وقال: مالكؒ و جماعة من أهل العلم بإطلاق جميع ما في البحر الخ (هداية، كتاب الذبائح، اشرفي ديو بند ٤/٤٤٢، تبيين الحقائق، امدادية ملتان ٥/٢٩٦، زكريا ٦/٤٦٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳ رر جب المرجب ۱۴۱۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱ر۳۵۱۳)

مار ماہی

سوال [۱۰۷۷۵]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مچھلی ہے، سانپ کی طرح لمبی ہوتی ہے، اس کا رنگ لال ہوتا ہے، اس کواردو زبان میں مچھین کہتے ہیں اور فارسی میں مار ماہی' اس کومچھلی والے تو مچھلی ہی کہ کر بازار میں بیچتے ہیں، یہ مچھلی پانی میں سوراخ کے اندر رہتی ہے، اس کوکھانا جائز ہے یانہیں؟

المستفتی: محمد علاء الدین، منی پوری، متعلم مدرسہ عبداللہ بن مسعود، ٹانڈہ بادلی، رامپور۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مار ماہی جس کا ذکر سوالنامہ میں ہے، جس کو مچھلی والے مچھلی کہتے ہیں، شریعت بھی اس کو مچھلی ہی کہتی ہے، شرعاً وہ مچھلی ہے اور حلال ہے۔

لا بأس بأكل المار ماهي. (هداية، قبيل كتاب الأضحية، اشرفي ديوبند ٤/٤٤٢، حاشية چلپي على التبيين امدادية ملتان ٥/٢٩٦، زكريا ٦/٤٧٠، بدائع الصنائع، زكريا ٤/١٤٦، قديم ٥/٣٦، فتاوى قاضي خان، جديد زكريا ٣/٢٥٣، وعلى هامش الهندية، زكريا قديم ٣/٣٥٧)

والمارماهي سمک في صورة الحية. (الدر مختار مع الشامي، كتاب الذبائح، كراچي ٦/٣٠٧، زكريا ٩/٤٤٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍ جمادی الثانیہ ۱۴۲۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸؍ ۹۰۲۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲؍۶؍۱۴۲۷ھ

''جھینگا مچھلی نہیں'' ائمۂ اربعہ اور اکابر دیوبند کا کیا موقف ہے؟

سوال [۱۰۷۷۶]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل

کے بارے میں: کہ (۱) جھینگا مچھلی ہے یا دریائی کیڑا ہے؟

(۲) جھینگے کی حلت وحرمت کے متعلق وضاحت فرمائیں آخر اس کے بارے میں شکوک کیوں ہیں؟

(۳) ائمہ احناف و ائمہ ثلثہؒ کے فرمودات جھینگے کے متعلق کیا ہیں؟ حوالہ جات اور تفصیلات درکار ہیں تاکہ ہر قسم کے شکوک رفع ہوجائیں وضاحت فرماکر ممنون ومشکور فرمائیں۔

(۴) اپنے اکابر دیوبندؒ کے اقوال وآراء بھی قلمبند ہوجائیں تو نوازش ہوگی۔

المستفتی: محمد محسن بارہ دری، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: (۱) جھینگا کو ماہر حیوانات علامہ دمیریؒ نے حیاۃ الحیوان میں مچھلی میں شمار فرمایا ہے؛ اس لئے مچھلی ہونے میں کوئی شبہ نہ ہونا چاہئے۔

الروبيان هو سمک صغير جداً أحمر. (حياة الحيوان ۱/ ۳۷۱)

(۲) مچھلی کے اقسام میں داخل ہونے کی وجہ سے حلال ہے۔

ولا بأس الجريث والمارماهي وأنواع السمک. (هداية، قبيل كتاب الأضحية، اشرفي يوبند ٤/ ٤٤٢، حاشية چلپي على تبيين الحقائق، امدادية ملتان ٥/ ٢٩٦، زكريا ٦/ ٤٧٠)

(۳) حضرات ائمہ احناف سے خاص طور پر جھینگا کے متعلق کوئی حکم نہیں ملتا، عام مچھلی کے لئے حکم ملتا ہے اور عام مچھلی میں جھینگا بھی داخل ہے اور ائمہ ثلثہ کے نزدیک جھینگا حلال ہے۔ نیز دریائی کیڑے بھی ان کے یہاں حلال ہیں۔

وقال مالکؒ وجماعة من أهل العلم: بإطلاق جميع ما في البحر واستثنىٰ بعضهم الخنزير، والكلب، والإنسان وعن الشافعيؒ أنه أطلق ذلک كله. (هداية، كتاب الذبائح، اشرفي ديوبنمد ٤/ ٤٢٦، تبيين الحقائق، امدادية ملتان ٥/ ٢٩٦، زكريا ٦/ ٤٦٩)

(۴) اپنے اکابر دیوبند میں حضرت تھانویؒ حلال لکھتے ہیں۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۱۰۲/۱۰۱/۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶ ربیع الثانی ۱۴۱۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۱۹۳/۲۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۱/۴/۲۶ھ

جھینگا مچھلی کی حلت وحرمت سے متعلق علماء احناف کا راجح قول

سوال [۱۰۷۷۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جھینگا مچھلی کی حلت وحرمت کے بارے میں کیا علماء احناف کا اختلاف ہے؟ نیز راجح قول کی وضاحت فرمادیں۔

المستفتی: عبدالحفیظ قاسمی، لکھیم پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اہل فتاوی میں سے بعض حضرات کو جھینگا کے مچھلی کی قسم میں سے ہونے پر شبہ ہونے کی وجہ سے ان حضرات نے اس سے منع فرمایا ہے، مگر تحقیق کے بعد یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جھینگا مچھلی کی ایک قسم ہے اور اس کا کھانا بلاتردد جائز اور درست ہے؛ اس لئے کہ حنفیہ کے نزدیک **سمک بجمیع أنواعہ** حلال ہے۔ (مستفاد: ایضاح المسائل ص: ۱۳۸، امداد الفتاوی قدیم ۱۰۴/۴، فتاوی عبدالحیؒ قدیم ۵۶/۱، عین الهدایة ۱۷۳/۴، جواہر الفتاوی ۵۹۷/۲)

الروبیان بالکسر سمک کالدود. (القاموس المحيط ١٣٢/٤)

اربیان نوع از ماہی است کہ آں را بہندی جھینگہ گویند۔ (منتهى الأرب في لغة العرب ربع دوم ۲۱۰)

روبیان بفتح الف وباء تازي ملخ آب وآن نوع از ماہی خورداست بہندی جھینگہ گویند۔

(مستفاد: شمس اللغات ص: ۴۰)

الرو بیان هو السمک. (حیاة الحیوان ۱/ ٤٦٠)
جھینگہ ایک قسم کی چھوٹی مچھلی ہے۔ (فیروز اللغات ۳۹۷، منجد اردو ص:۵۲، منجد عربی ص:۳۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍محرم الحرام ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۳۷۵/۴۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۱/۸ھ

جھینگا مچھلی کا حکم

سوال [۱۰۷۷۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جھینگا کھانا جائز ہے یا نہیں اور وہ مچھلی میں داخل ہے یا نہیں؟ اس میں امام ابو حنیفہؒ کا قول کیا ہے؟

المستفتی: محمد شعیب بجنوری، متعلم مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: جھینگا ایک دریائی جانور ہے، اور دریائی جانوروں میں سے مچھلی بجمیع انواعہ حنفیہ کے نزدیک بالاتفاق حلال ہے، رہی یہ بات کہ جھینگا مچھلی کے اقسام میں داخل ہے یا نہیں اور کسی مچھلی کے مچھلی ہونے کے لئے اس کے خواص اور صفات لازمہ کی تعیین کے بارے میں شریعت اسلامی میں کوئی منصوص دلیل نہیں ہے؛ اس لئے لا محالہ علماء مبصرین وماہرین حیوانات یا پھر اہل لغات کے اقوال پر اس کی معرفت کا مدار ہوگا اور احقر کی تحقیق کے مطابق تمام ماہرین مبصرین اور اہل لغات نے جھینگا کو اقسام سمک میں داخل کیا ہے؛ لہٰذا جھینگا مچھلی ہے اور اس کا کھانا حلال ہے۔ اس کے متعلق مدرسہ شاہی اور دارالعلوم دیوبند کا متفقہ فتوی رسالہ ندائے شاہی شمارہ جنوری ۱۹۹۴ء میں شائع ہو چکا ہے۔

(مستفاد: امداد الفتاوی ۱۰۴/۴)

ويستوي في حل الأكل جميع أنواع السمك من الجريث، والمارماهي وغيرهما. (بدائع الصنائع، كتاب الذبائح والصيود جديد، زكريا ٤/١٤٦، قديم ٥/٣٦، ومثله في الخانية، جديد زكريا ٣/٢٥٣، وعلى هامش الهندية، زكريا ٣/٣٥٧)

اورامام اعظم ابوحنیفہؒ نے سمندر کی تمام مچھلیوں کوحلال کہا ہے،اور مچھلی کے اقسام میں سے کسی خاص قسم کے بارے میں کوئی بات نہیں کہی، اگر جھینگا مچھلی کے اقسام میں داخل ہے،توامام صاحب کاقول جھینگا کے بارے میں حلت کا ہےاوراوپر کی تفصیلات سے جھینگا کا مچھلی ہونا ثابت ہوچکا ہے؛لہٰذاامام صاحبؒ کاقول جھینگا کے بارے میں یہی ہے کہ وہ حلال ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیراحمد قاسمی عفااللہ عنہ
۵/جمادی الثانیہ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر:الف ۶۷۲۷/۳۵)

الجواب صحیح:
احقرمحمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۶/۵ھ

دریائی جھینگا کاحکم

سوال[۱۰۷۷۹]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آپ کے مسائل کے اندرلکھا ہے کہ دریائی جھینگا امام اعظمؒ کے نزدیک کھانا جائزنہیں ہوگا اورکھانا مکروہ تحریمی ہےاورلکھا ہے کہ جدید تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ دریائی جھینگا مچھلی نہیں ہے۔آپ کے مسائل جلد۴/۲۴۹-۲۵۰ پر ہے،آپ نے خوداپنی کتاب میں لکھاہے،ایضاح المسائل کے اندراورحوالہ دیاہے کہ دریائی جھینگا کھانا حلال اور درست ہے۔(تاج العروس ۱۰/۱۴۳، فتاوی رحیمیہ ۶/۲۵۷، القاموس المحیط ۴/۳۳۲، فتاوی امدادیہ۴/۱۰۳، منتہی الارب ص:۱۲۰، ایضاح المسائل ص:۱۳۶)

آپ مہربانی کرکےٹھیک جواب دےکراس مسئلہ کوحل کریں۔

المستفتی: مزمل الحق

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سمندری جانوروں میں حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مچھلی کے علاوہ دیگر جانور حلال نہیں ہیں اور جو بھی جانور مچھلی کی تعریف میں شامل ہے، وہ امام صاحبؒ کے نزدیک حلال ہے اور مچھلی کی تعریف میں داخل ہونے اور نہ ہونے کا مدار ماہرین حیوانات اور مبصرین کی آراء پر موقوف ہے اور ماہرین حیوانات اور مبصرین کی تحقیق اور رائے یہی ہے کہ دریائی جھینگہ مچھلی ہی ہے؛ اس لئے ہم بھی حلال کہنے پر مجبور ہیں اور اس مسئلہ پر ایک زمانہ سے بعض لوگوں کو اشکال ہوتا رہا۔

حضرت مفتی مہدی حسن صاحب اور حضرت تھانویؒ اور ہر زمانہ میں دارالعلوم دیوبند کے مفتیان کرام تحقیقات کی روشنی میں اس کو مچھلی لکھتے آئے ہیں اور جو اس کو مچھلی تسلیم نہیں کرتے ہیں، ان کے پاس ایسی مضبوط دلیل نہیں ہے، جو تسلیم کی جائے اسی موضوع پر فروری ۱۹۹۲ء کے ماہنامہ ندائے شاہی میں دارالعلوم دیوبند اور مدرسہ شاہی کے تمام مفتیان کرام کی اتفاق رائے سے سولہ کتابوں کے حوالہ کے ساتھ اس کے مچھلی ہونے پر ایک فتوی لکھا گیا تھا، موقع ہو تو اسے بھی معائنہ فرمائیں۔

نیز اسی شمارے میں دارالعلوم دیوبند کا بھی ایک مفصل فتوی اس کے مچھلی ہونے پر جاری ہوا ہے؛ اس لئے ہم اس کو مچھلی سمجھ کر حلال کہتے ہیں۔ حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ نہیں کھاتے تھے، مگر ان کا نہ کھانا نا امت کے لئے عدم حلت کی دلیل نہیں ہے۔ جب ان سے اس کے بارے میں سوال کیا گیا، تو ان کا یہ جواب تھا کہ میں نہ حلال کہتا ہوں اور نہ حرام کہتا ہوں، مکروہ کہنا صحیح نہیں، میں خود نہیں کھاتا اس سے بات صاف ہو جاتی ہے کہ حلت وحرمت کے سلسلہ میں ان کی رائے کسی ایک جانب مضبوط نہیں ہے؛ اسلئے ان کے نہ کھانے کو حجت شرعی قرار نہیں دیا جاسکتا اور آپ کے مسائل اور ان کا حل نامی کتاب میں علماء کے اختلاف کو ظاہر کر کے جانب کراہت کو ترجیح دینے کی کوشش کی ہے اور اس پر جو دلیل پیش کی ہے، وہ ناتمام ہے،

جو ماہرین حیوانات اور مبصرین کی تحقیق کے مقابلہ میں کوئی حقیقت نہیں رکھتی اور جو عربی عبارت لکھی ہے، اس سے دریائی جھینگا کے بارے میں کوئی حکم صاف نہیں ان کی عبارت ہے۔

السمک الصغار کلها مکروهة التحريم.

ترجمہ: چھوٹی مچھلیاں سب مکروہ تحریمی ہیں۔

خود مچھلی کہہ رہے ہیں، پھر کراہت کا حکم بھی، مچھلی ہو تو کراہت ہی نہیں ہوئی۔

بہر حال وہ عبارت دریائی جھینگا کی کراہت یا حرمت پر مستدل نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ رصفر المظفر ۱۴۲۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۸۲۶۶/۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۲/۲۰ھ

جھینگہ کے متعلق ایک تحقیقی فتویٰ

سوال [۱۰۷۸۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ گذشتہ شمارہ ندائے شاہی میں آپ کے دینی مسائل کے عنوان کے تحت ایک مسئلہ جھینگا مچھلی کے حلت کے سلسلہ میں نظر نواز ہوا میں اس سلسلہ میں کچھ تحقیقات کرنے کا ارادہ رکھتا تھا، مگر فرصت نہ ہوسکی امروز وفردا پر دوسرا شمارہ بھی آپہنچا۔ بہر حال میرے خیال سے جھینگا کے سلسلہ میں اگر کراہت وغیرہ بھی نہ ہو، تو جس مسئلہ میں حلت وحرمت میں اختلاف ہو، تودع **ما يريبك إلى مالا يريبك** کے قاعدہ کے تحت اس سے اجتناب و احتراز ہی بہتر ہے؛ لہٰذا جواب اگر اس انداز کا ہوتا، تو بہتر تھا؛ اس لئے کہ فتاوی دار العلوم کتاب الطہارۃ میں ایک جگہ مفتی صاحب نے کسی مسائل کے سوال و جواب میں ارشاد فرمایا ہے، جو امام جھینگے کھاتا ہے، بشرطیکہ وہ جھینگا مچھلی کی جنس کا نہ ہو، تو مکروہ ہے اب یہ جھینگا جو مسئول بہا ہے، یہ بہت سی چیزوں میں مچھلی کی جنس سے مختلف اور متضاد ہے۔

(۱) اس کی ٹانگیں ہوتی ہیں، جن سے خشکی میں عام کیڑوں کی طرح چلتا پھرتا ہے، مچھلی کبھی چلتی نہیں کودتی ہے پھدکتی ہے۔

(۲) یہ خشکی میں ایک مدت تک زندہ رہ سکتا ہے، مچھلی چند ساعت کے بعد مرجاتی ہے۔

(۳) یہ کھانے میں قطعی طور پر مچھلی جیسا نہیں ہوتا ہے، اس کے اوپر گوشت قطعی نہیں ہوتا؛ بلکہ پکنے کے بعد اس کو توڑ کر کھاتے ہیں، صرف خول ہوتا ہے؛ جبکہ مچھلی کو **لحماً طریًا** فرمایا گیا ہے، مچھلی کی بہت اقسام مثلاً مار ماہی جو کہ سانپ جیسی ہوتی ہے، گنیڈ مچھلی مذکورہ چیزوں میں مچھلی سے متبائن نہیں۔

(۴) ماہی گیر لوگ بتلاتے ہیں کہ مچھلی کے پیٹ میں انڈے ہوتے ہیں، اس کے انڈے باہر پروں کے اندر جھیل کے اندر رہوتے ہیں، جس کا مطلب یہ ہے کہ مچھلی کے انڈے نکالنے کے وقت مچھلی مرے گی؛ کیونکہ پیٹ توڑنا پڑے گا اور جھینگے کے انڈے نکالنے کے لئے پیٹ توڑنے کی ضرورت نہیں ہے، انڈے نکال کر بھی وہ زندہ رہے گا۔

(۵) اجنبی آدمی اسی جھینگا کو دیکھ کر کبھی اس کو مچھلی نہیں کہے گا؛ بلکہ اس کو کیڑا کہے گا، اس کے علاوہ پانی میں کوئی جھینگا ایسا نہیں جو مچھلی کے جنس کا ہو، حضرت مولانا فخر الدینؒ سابق شیخ الحدیث دارالعلوم نے درس بخاری میں فرمایا تھا کہ جس جھینگا کو علامہ دمیریؒ نے حیاۃ الحیوان میں انواع سمک میں شمار کیا ہے، یہ وہ جھینگا نہیں اس جھینگا کو میری آنکھوں نے دیکھا ہے، خاص طور سے اس کو دیکھ کر اور اس کو کھا کر بھی اندازہ ہوتا ہے کہ یہ غالبًا انواع سمک میں سے نہیں، ممکن ہے وہ دمیری کا جھینگا کوئی اور ہو جیسا کہ شیخ نے فرمایا تھا کہ یہ وہ جھینگا نہیں، اس کے علاوہ بعض کتب میں تو اختلاف کی تصریح موجود ہے، جیسا کہ غالبًا مجموعۃ الفتاوی مولانا عبدالحیؒ ۲/۱۰۱ پر دونوں قول نقل کئے ہیں۔

الدود الذي يقال له جهينگه حرام عند بعض العلماء؛ لأنه لا يشبه السمک، فإنما يباح عندنا من صيد البحر أنواع السمک، وهذا لا يكون كذلک، وقال بعضهم: حلال لأنه يسمیٰ باسم السمک. (۳/۱۰٤و ۲/۱۰۷)

پر بھی دونوں قول نقل کیا ہے، اور تذکرۃ الخیل ۲۰۰؍ پر تو عدم جواز کا فتوی ہے، صاحب حیاۃ الحیوان نے اریب کو جھینگا فرمایا ہے؛ جبکہ بعض لغات میں اس کا ترجمہ مار ماہی جو متفق علیہ مچھلی ہے لکھا ہے۔ (مصباح اللغات)

بہر حال جس میں بعض علماء حرمت کے قائل ہیں جیسا کہ تذکرۃ الخلیل اور مجموعۃ الفتاوی مولانا عبدالحیؒ میں اول قول تو اگر ایسی چیز سے مذکورہ حدیث دع ما یریبک الخ کے تحت اجتناب واحتراز کا فتوی ہو تو کیا خوب ہے

جھینگا اگر حلال ہوا اور نہ کھایا تو خدا تعالیٰ گرفت نہیں کریں گے کہ جھینگا کو میں نے حلال کیا، تو کیوں نہ کھایا، اگر حرام ہوا اور کھالیا جیسا کہ فتوی دیا جا رہا ہے پھر تو خیر نہیں۔

المستفتی: محمد اکبر قاسمی، امام علی سید شیر کوٹ ضلع بجنور یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جھینگہ دریائی جانور ہے، اور دریائی جانوروں میں سے مچھلی بجمیع انواعہ حنفیہ کے نزدیک بالاتفاق حلال ہے۔ اب غور طلب مسئلہ صرف اتنا ہے جھینگا اقسام سمک میں داخل ہے یا نہیں اور کسی مچھلی کے مچھلی ہونے کے لئے اس کے خواص اور صفات لازمہ کے تعین کے بارے میں شریعت اسلامی میں کوئی منصوص دلیل نہیں ہے؛ اس لئے اس کی معرفت کا مدار مبصرین و ماہر حیوانات اور اہل لغت کی تحقیق پر ہوگا اور اگر ان میں اختلاف ہے، تو اس کے حکم میں بھی اختلاف ہوگا اور اگر ان میں کوئی اختلاف نہیں ہے، تو حکم میں بھی اختلاف نہ ہوگا اور تحقیق و تفتیش کے باوجود کسی مبصر اور ماہر اور اہل لغات کا اختلاف اس ناکارہ کی نظر سے نہیں گذرا اور نہ ہی اہل لغات نے جھینگہ کو اقسام سمک سے خارج کیا ہے اور تذکرۃ الخلیل کی اصل عبارت دیکھ لی گئی ہے کہ حضرت قدس سرہ کو عام سمک کی طرح اس میں گلپھڑے نہ ہونے کی وجہ سے جھینگا کے اقسام سمک میں شامل ہونے میں تردد ہو گیا تھا اور تردد کی بناء پر حلت کا فتوی نہ دینا حضرت قدس سرہ کا تقویٰ تھا اور اس سے عدم جواز پر فتوی دینا لازم نہیں آتا اور اقسام سمک میں داخل ہونے کے لئے تین صفتوں میں سے صرف ایک کا پایا جانا کافی ہے۔

(۱) خشکی میں آ کر تڑپنا اور پھدکنا۔
(۲) گلپھڑے کا ہونا اور اسی سے سانس لینا۔
(۳) کانٹے دار اور لائن دار پر یا دم کا ہونا اور بعض سمک میں تینوں صفتیں جمع ہو جاتی ہیں، جیسا کہ بام مچھلی میں ہے اور بعض میں صرف ایک یا دو صفتیں ہوتی ہیں، جیسے کہ مار ماہی کہ اس میں کانٹے دار پر نہیں ہوتے۔ نیز خشکی میں آ کر کودتی بھی نہیں؛ بلکہ سانپ کی طرح رینگتی ہے؛ البتہ اس کے صرف گلپھڑے ہوتے ہیں اور جھینگہ میں کانٹے دار دم ہوتی ہے اور خشکی میں آ کر پھدکتا اور کودتا ہے؛ البتہ اس کے گلپھڑے نہیں ہوتے اور گلپھڑے ہر ایک سمک کے لئے جزء لا ینفک بھی نہیں ہے۔ نیز خشکی میں آ کر زیادہ دیر زندہ بھی نہیں رہتا ہے اور سوال نامہ میں اس کی زندگی کے بارے میں جو کہا گیا ہے، وہ مسلم نہیں؛ اس لئے کہ تجربہ کر کے دیکھا گیا ہے کہ بعض سمک جھینگہ سے زیادہ دیر تک زندہ رہتی ہے اور سمک کے صفات کے بارے میں فتاوی عبدالحیؒ میں منقول ہے۔

إحديها إسقاط وثانيها انفتاح لحييه، وثالثها جناح ذو شواك بينهن ستور، وكذا الذنب، وبعض أنواع السمك العلامات كلها ولبعضها بعضها كما شاهدنا. (فتاوی عبد الحئ قدیم ۲/۱۹۲)

اور آنجناب نے حضرت مولانا عبدالحیؒ لکھنویؒ کا فتوی نقل نہیں فرمایا ہے؛ بلکہ صرف وہ عربی عبارت نقل کر دی ہے کہ جس سے منکرین جواز کا قول بھی ثابت ہوتا ہے اور حضرت علامہ موصوف کا اصل فتوی جھینگہ کی حلت پر ہے اور ساتھ ساتھ حلت کے منکرین پر تردید بھی فرمائی ہے۔ علامہ موصوف کا اصل فتوی جو فارسی میں ہے بلفظہ نقل کیا جاتا ہے۔

''وجھینگہ کہ آں را ار بیان بکسر ہمزہ میگویند چنانچہ از صحاح وغیرہ مفہوم میشود حلال است چہ آں نوعیت از انواع سمک والسمک لجمیع انواعہ حلال بالاتفاق'' یہی علامہ موصوف کے فتوی کی عبارت ہے، جس کو انہوں نے جھینگہ کی حلت میں تحریر فرمایا ہے، پھر اس کے بعد

ناجائز کہنے والوں پر ان الفاظ کے ساتھ تردید فرمائی ہے کہ ”وآنکہ قائل حرمتش شدہ اند منشاء آں فہمیدن جھینگہ را خارج از اقسام سمک است ولیس کذا لک“ پھر اس کے بعد حمادیہ کی وہ عبارت نقل فرمائی ہے، جو آنجناب نے سوال نامہ میں نقل فرمائی ہے اور حمادیہ کی عبارت صرف منکرین حلت کی تردید کرکے ان کی دلیل کے ضعف کو ظاہر کرنے کے لئے لائے ہیں، یہ پوری تفصیل فتاوی قدیم ۱/۵۶ رمیں موجود ہے۔

اب یہ ناکارہ اپنی طرف سے کچھ لکھے بغیر مبصرین حیوانات اور اہل لغات اور اہل فتاوی کی سولہ کتابوں کے حوالے حلت جھینگہ مچھلی کے متعلق آنجناب کی خدمت میں پیش کرنا مناسب سمجھتا ہے تاکہ ان پر غور کرکے شبہات کا ازالہ کیا جائے۔

(۱) القاموس المحیط جو لغت کی مشہور اور مستند کتاب ہے، اس میں لکھتے ہیں۔ **الاربیان بالکسر سمک کالدود** ۲/۳۳۲ کہ جھینگہ کیڑے کی شکل میں ایک مچھلی ہے۔

(۲) منتہی الارب فی لغت العرب فارسی کی مشہور لغت ہے، اس میں لکھتے ہیں ”اربیان نوعی از ماہی است کہ آں را بہندی جھینگہ گویند۲/۱۲۰“ کہ جھینگہ اقسام سمک میں سے ایک ہے، جس کو ہندوستان میں جھینگہ کہا جاتا ہے۔

(۳) شمس اللغات ایک مستند کتاب ہے، اس میں لکھتے ہیں ”اربیان بفتح الف و باء تازی ملخ آب وآں نوعی از ماہی خود است بہندی جھینگہ گویند۴۰“ کہ اربیان ایک مچھلی ہے، جس کو ہندوستان میں جھینگہ کہتے ہیں۔

(۴) صراح لغت کی ایک مشہور کتاب ہے، اس میں ہے کہ اربیان نوعے از ماہی ۵۶۰ رکہ جھینگہ از قسم مچھلی ہے۔

(۵) عرب وعجم کی مشہور کتاب تاج العروس میں ہے، **والاربیان بالکسر سمک کالدود** ۱۰/۱۴۳ کہ جھینگہ کیڑے کی طرح ایک مچھلی ہے۔

(۶) المنجد اردو میں ہے کہ الاربیان جھینگہ مچھلی ہے ص:۵۲۔

(۷) المنجد عربی میں ہے **بر غوث البحر نوع من صغر السمک تشبه هيئته البر غوث ص: ۳۲** کہ جھینگہ پسو کے مشابہ ایک چھوٹی مچھلی کی قسم ہے اور اس کی دم میں مچھلی کی طرح کانٹے دار لائن دار پر ہے۔

۸، فیروز اللغات میں ہے کہ جھینگہ ایک قسم کی چھوٹی مچھلی ہے ص: ۳۹۷۔

(۹) علامہ دمیریؒ منجملہ ماہرین حیوانات میں سے ہیں وہ اپنی کتاب حیاۃ الحیوان میں نقل فرماتے ہیں کہ **الروبيان هو السمک** ۱/۴٦٠ ر کہ جھینگہ مچھلی ہی ہے۔

(۱۰) مخزن المفردات طب کی مشہور کتاب ہے، اس میں یہ عبارت ہے کہ مچھلی جھینگہ ماہی روبیان حلال مچھلی ہے، اس کی مونچھیں لمبی ہوتی ہیں، رنگ سفید ذائقہ شیریں بساندہ۔ (مخزن المفردات)

(۱۱) تذکرہ داؤ دالطائی میں ہے، **روبيان اسم مضرب من السمک** کہ جھینگہ مچھلی کی ایک قسم کا نام ہے۔

(۱۲) مشہور محقق علامہ امیر علیؒ نے عین الہدایہ ۴/۳/۱۷۱ میں جھینگہ کو اقسام سمک میں شمار فرما کر مباح قرار دیا ہے۔

(۱۳) حضرت مولانا مفتی عبدالسلام صاحب جواہر الفتاوی میں لکھتے ہیں کہ علماء مصر و علماء عرب نے جھینگہ کے بارے میں لکھا ہے کہ دنیا میں اقسام سمک میں سب سے زیادہ ذائقہ دار جھینگہ مچھلی ہے۔

ألذالأ سماک في الدنيا و أغلاها فيها الخ. (جواهر الفتاوى ۲/ ۵۹۷)

(۱۴) حضرت مفتی عبدالرحیم صاحب لاجپوری دامت برکاتہم نے فتاوی رحیمیہ قدیم ۶/ ۲۹۷، جدید زکریا ۱۰/۷۷/ میں بہت مفصل اور مدلل فتاوی جھینگہ کے اقسام سمک میں سے ہونے اور حلال ہونے پر تحریر فرمایا ہے۔

(۱۵) حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ نے امداد الفتاوی ۴/۱۰۴/ میں،

علامہ دمیریؒ کا حوالہ دے کر بہت انشراح کے ساتھ جھینگہ کے دریائی مچھلی اور حلال ہونے پر اطمنان کا اظہار کرتے ہوئے تفصیلی فتوی صادر فرمایا ہے، جس کا ندائے شاہی میں شائع شدہ فتویٰ میں حوالہ دیا گیا ہے۔

(۱۶) حضرت علامہ ابوالحسنات، مولانا عبدالحیؒ لکھنوی نے اپنے فتوی میں جھینکہ کو مچھلی ثابت فرما کر حلال لکھا ہے، اور ساتھ میں ان لوگوں کی تردید فرمائی ہے، جو ایسے صفات کی بناء پر جھینکہ کو دائرہ حلت سے خارج کرنے کی کوشش کرتے ہیں، جو صفات آنجناب نے سوال نامہ میں پیش فرمائی ہیں، جو کہ مچھلی کے صفات لازمہ میں سے نہ ہونا مبصرین کی کتابوں سے ثابت ہو چکا ہے اور اس نا کارہ کی معلومات کے مطابق اپنے کابر میں سے کسی نے بھی جھینکہ کے بالانشراح بالکل کھول کرنا جائز یا حرام ہونے پر فتوی نہیں دیا ہے اور جن اکابر نے اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے وضاحت کے ساتھ لکھا ہے، انہوں نے صاف حلال ہونے کا فتوی دیا ہے، جیسا کہ حضرت حکیم الامت تھانویؒ قدس سرہ حضرت مولانا عبدالحیؒ لکھنوی، حضرت مولانا مفتی عبدالرحیم صاحب لاجپوری مدظلہم اور صاحب عین الہدایۃ وغیرہم ہیں۔

مذکورہ تمام دلائل وشواہد کی بناء پر اس ناکارہ کو بھی حلت پر فتوی لکھنے میں بالکل اطمینان ہے اور آنجناب نے سوال نامہ کے آخر میں لکھا ہے کہ اگر حرام ہوا اور کھالیا، جیسا کہ فتوی دیا جارہا ہے، پھر تو خیر نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ الحمد اللہ ہم مذکورہ اکابر کے فتاوی کو شرعی دلیل اور حجت سمجھتے ہیں اور ہم شرعی دلیل وحجت کے مطابق فتوی لکھنے میں کار ثواب اور حق تعالیٰ شانہ سے خیر ہی کی امید رکھتے ہیں اور ایسے اکابر کے فتاوی کو نقل کر کے مسئلہ بتلانے میں خدائے پاک سے یہ امید ہے کہ آخرت میں ان حاملین شریعت کے زمرہ میں شامل فرمائیں گے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۷/ ۲۶۶۹)

خنزیر کے دودھ سے پرورش شدہ بکری کے بچہ کا حکم

سوال [۱۰۷۸۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک بکری کے بچہ نے خنزیر یا کتیا کے دودھ سے پرورش پائی ،تو سوال یہ ہے کہ بکری کے اس بچہ کا گوشت کھانا حلال ہے یا نہیں؟ اس کی عمر پوری ہونے پر اس کی قربانی جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد عمر، فتح پوری، سیتا پوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ میں جس مسئلہ کو اٹھایا گیا ہے، وہ مسئلہ انتہائی حساس اور نازک ہے،اس کے بارے میں شرعی حکم یہ ہے کہ بکری کا بچہ فی حد ذاتہ پاک اور حلال ہے؛ البتہ اتنی بات قابل غور ہے کہ ناپاک غذا سے پرورش پانے کے وجہ سے پاک ہونے یا حلال ہونے میں فرق آیا ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں سبھی فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ بکری کے اس بچہ کے گوشت میں ناپاک غذا کا اثر نمایاں طور پر ظاہر نہ ہو، تو وہ بچہ بلاشبہ حلال ہے اس کا گوشت پاک ہے لہٰذا اسکی قربانی بھی جائز ہے اور اگر اس کے گوشت میں ناپاکی کے آثار نمایاں ہوجائیں اور اس کے بدن سے بدبو آنے لگے، تو وہ جلالہ کے حکم میں ہوجاتا ہے، اس کو اتنے دنوں تک پاک غذا کھلائی جائے کہ ناپاکی کا اثر ختم ہوجائے اور اس کے بدن سے بدبو ختم ہوجائے، اس کے بعد اس کا گوشت کھانا بلا کراہت جائز اور درست ہے اور اس کی قربانی بھی جائز ہے۔ فقہاء کی عبارات ملاحظہ فرمایئے:

صاحب بدائع نے اس کو ان الفاظ سے واضح فرمایا ہے۔

والحكم متعلق بالنتن؛ ولهذاقال أصحابنا في جدي ارتضع بلبن خنزير حتى كبر أنه لا يكره أكله؛ لأن لحمه لا يتغير ولاينتن ؛ فهذا يدل على أن الكراهة في الجلالة؛ لمكان التغير والنتن، لا لتناول

النجاسة. (بدائع الصنائع، زكريا ديو بند، كتاب الذبائح ٤/ ١٥٤، كراچي ٥/ ٤٠، الموسوعة الفقهية الكويتية ٥/ ١٤٩)

اوراس کو "تبیین الحقائق، شامی اور طحطاوی علی الدر" میں ان الفاظ کے ساتھ نقل فرمایا گیا ہے۔

يحل أكل لحم جدي غذي بلبن خنزير؛ لأن لحمه لا يتغير وما غذي به يصير مستهلكا لا يبقي له أثر. (تبيين الحقائق، كتاب الكراهية،زكريا ديو بند جديد ٧/ ٢٤، امدادية ملتان٦/ ١٠، شامي، كراچي ٦/ ٣٤١، زكريا ٩/ ٤٩١، طحطاوي على الدر، کوئٹه ٤/ ١٧٢)

اس کو مبسوط سرخسی میں ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا گیا ہے۔

ولو أن جدياً غذى بلبن خنزير، فلابأس بأكله؛ لأنه لم يتغير لحمه، وماغذى به صار مستهلكا، ولم يبق له أثر وعلى هذا نقول: لابأس بأكل الدجاجة، وإن كانت تقع على الجيف. (مبسوط سرخسي، دارالكتب العلمية بيروت ١١/ ٢٥٥)

اور فتاوی تاتارخانیہ میں اس طرح کے الفاظ سے منقول ہے۔

إذا أربي الجدي بلبن الخنزير لا بأس به، قال معناه إذا اعتلف أياما بعد ذلک کالجلالة. (تاتارخانية، زكريا ١٨/ ١٤٠، رقم:٢٨٢٩٣)

اور مبسوط میں یہ عبارت بھی مذکور ہے۔

والأصح أنها تحبس إلى أن تزول الرائحة المنتنة عنها؛ لأن الحرمة؛ لذلک وهو شي محسوس ولا يتقدر بالزمان لاختلاف الحيوانات في ذلک فيصار ذلک إلى اعتبار زوال المضر، فإذا زال بالعلف الطاهر حل تناوله. (مبسوط سرخسي، دارالكتب العلمية بيروت ١١/ ٢٥٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵ر ربیع الاول ۱۴۳۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۱/ ۱۱۹۵۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۵/۳/۱۴۳۶ھ

ناپاک اور پاک چارا دونوں کھانے والے جانور کا حکم

سوال [١٠٧٨٢]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جو حلال جانور پاک اور ناپاک دونوں طرح کی غذا کھاتا ہو، مثلاً مرغ ہے، وہ پاک چارا کھاتا ہو اور انسان کی غلاظت بھی کھاتا ہو، خاص طور پر دیہاتوں میں جو آزاد پھرتا ہے، وہ انسان کی گندگی کھاتا ہے، کیا ایسے آزاد مرغ جو انسان کی گندگی بھی کھاتا ہو، اس کو بندر کھے بغیر فوری طور پر ذبح کر کے کھانا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد ریحان، لکھنؤ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ایسا مرغ یا چوپایا جس کی غذا کا مدار صرف نجاست کھانے پر نہیں ہے؛ بلکہ پاک اور صاف ستھرا چارا بھی کھاتا ہے اور انسان کی گندگی بھی کھاتا ہے اور گندگی کھانے کی وجہ سے اس کے جسم اور گوشت سے بدبو ظاہر نہیں ہوتی ہے، تو اس کو بند رکھے بغیر ذبح کر کے کھانا بلا کراہت جائز اور درست ہے؛ اس لئے کہ وہ جلالہ کے حکم کے دائرہ میں داخل نہیں ہے، اس کو امام زیلعیؒ نے ان الفاظ کے ساتھ نقل فرمایا ہے ملاحظہ فرمائیے:

أما التي تخلط بأن تتناول النجاسة والجيف، وتتناول غيرها على وجه لا يظهر أثر ذلك في لحمها، فلا بأس به ولهذا يحل أكل لحم جدي غذي بلبن الخنزير؛ لأن لحمه لا يتغير و ماغذى به يصير مستهلكا لا يبقى له أثر وعلى هذا قالوا: لا بأس بأكل الدجاج؛ لأنه يخلط و لا يتغير لحمه. (تبيين الحقائق، كتاب الكراهية، زكريا ٧/ ٢٤، امدادية ملتان ٦/ ١٠)

اس کو مبسوط سرخسی میں مزید واضح الفاظ کے ساتھ نقل فرمایا ہے، ملاحظہ فرمائیے:

ولو أن جدياً غذى بلبن خنزير، فلابأس بأكله؛ لأنه لم يتغير لحمه، وما غذي به صار مستهلكا، ولم يبق له أثر وعلى هذا نقول: لابأس بأكل

الـدجـاجة، وإن كـانـت تـقـع عـلى الجيف؛ لأنها تخلط و لايتغير لحمها و لاينتن. (مبسوط سرخسي، دارالكتب العلمية بيروت، كتاب الصيد ۱۱/۲۵۵)

اور شامی میں اس کو ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا گیا ہے۔

لا تـكـره الدجاجة المخلاة وإن أكلت النجاسة يعنى إذا لم تنتن بها لما تقدم؛ لأنها تخلط و لايتغير لحمها. (شامي، كتاب الذبائح، زكريا ۹/۴۴۵، كراچي ۶/۳۰۶)

اور صاحب بدائع نے ان الفاظ کے ساتھ نقل فرمایا ہے ملاحظہ فرمائیے:

لايـكـره أكـل الـدجـاجة الـمـخـلـي، وإن كان يتناول النجاسة؛ لأنه لايغلب عليه أكل النجاسة؛ بل يخلطها بغيرها، وهو الحب ذا و ذا. وقوله: ولهـذا إذا خـلـطـت لا يكره و إن وجد تناول النجاسة؛ لأنها لا تنتن فدل أن الـعـبرة لـلـنتـن لا لتناول النجاسة. (بـدائع الـصـنـائـع، كـتـاب الـذبائح والصيود، زكريا ۴/۱۵۴، كراچي ۵/۴۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۵؍ربیع الاول ۱۴۳۶ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۱/۱۱۹۵۴)	۱۴۳۶/۳/۱۵ھ

بکری اور کتا، اسی طرح سورا اور بکری کے اختلاط سے پیدا شدہ بچے کا حکم

سوال [۱۰۷۸۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بکری اور کتا اور سورا اور بکری سے مل کر جو بچہ پیدا ہوتا ہے، اس بچہ کا گوشت کھانا جائز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس بچہ کی ماں حلال ہے، اس کا بچہ بھی حلال ہے؛ لہٰذا کتا اور بکری سے پیدا ہونے والا اور خنزیر اور بکری سے پیدا ہونے والا بچہ حلال ہوگا،

اس کا گوشت کھانا اور دودھ پینا درست ہے۔

لأن المعتبر في الحل والحرمة الأم فيما تولد من مأكول وغير مأكول. (شامي، كتاب الذبائح، كراچي ٦/٣٠٥، زكريا٩/٤٤٢، تبيين الحقائق، امدادية ملتان ٥/٢٩٥، زكريا ٦/٤٦٨، مجمع الأنهر قديم ٢/٥١٣، جديد دار الكتب العلمية بيروت ٤/١٦١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶؍ربیع الاول ۱۴۱۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱/۴۷۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۶/۳/۱۴۱۷ھ

دانہ سے پرورش شدہ مرغیوں کا کھانا

سوال [۱۰۷۸۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ چوزوں (مرغی کے بچوں) کے لئے میلوں میں جو مرغی کے لئے دانہ تیار ہوتا ہے، اس کے اجزاء میں چاول، پالش، مچھلی کی آنت او جھڑی اور خنزیر کی چربی شامل ہوتی ہے، یہ دانہ اگر چوزوں کو کھلایا جائے، تو بہت تیز پرورش ہوتی ہے اور بچہ چالیس دن میں ڈیڑھ کلو کا ہو جاتا ہے؛ لہٰذا معلوم یہ کرنا ہے کہ جو چوزے اس مرغی دانہ سے پرورش پاتے ہیں، ان کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) دوسری بات یہ معلوم کرنا ہے کہ خود اس دانہ کا چوزوں کو کھلانا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: حاجی محمد خلیل ٹانڈہ بادلی، رام پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ان چوزوں کا جن کی پرورش مذکورہ دانہ سے ہوئی ہے، کھانا حلال ہے؛ البتہ ذبح سے پہلے چندروز حلال چارہ کھلایا جائے، تو بہتر ہے۔

(مستفاد: امداد الفتاوی ۴/۱۰۵، احسن الفتاوی ۸/۱۲۶-۷/۴۰۸)

لو علفها علفا حراما لم يحرم لبنها و لحمها، وإن كان الورع الترك. (الأشباه والنظائر ص:١٥٧)

والجدي إذا كان يربي بلبن الأتان والخنزير، إن اعتلف أياما فلابأس لأنه بمنزلة الجلالة–والجلالة إذا احتسبت أياما فعلفت لا بأس بها. (هندية، كتاب الذبائح، الباب الثاني، جديد زكريا ٥/٣٣٤، وعلى هامش الهندية، زكريا قديم ٥/٢٩٠، شامي، زكريا٩/٤٩٢، كراچي ٦/٣٤١)

(۲) یہ دیکھا جائے کہ اس دانہ میں حلال اشیاء غالب ہیں یا حرام؟ اگر حلال غالب ہیں، تو پھر یہ دانہ چوزوں کو کھلانا جائز ہے، اور اگر حرام غالب ہوں، تو پھر چوزوں کو یہ دانہ کھلانا جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: عزیز الفتاوی ۱/۶۱۷)

إنما حرام عليكم الميتة، والدم، ولحم الخنزير. [بقره: ١٧٣]

بخلاف الودک أي دهن الميتة؛ لأنه جزئها فلا يكون مالاً......وكذا الانتفاع به. (شامي، زكريا ٧/٢٦٦، كراچي ٥/٧٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍ ربیع الاول ۱۴۲۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۲۹/۳۵/۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۸/۳/۱۴۲۲ھ

انسان کے براز کھانے والے مرغ کا حکم

سوال [۱۰۷۸۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ دیہاتوں میں جو مرغیاں صبح صبح انسان کا براز کھایا کرتی ہیں، ایسی مرغیوں کے بارے میں کیا حکم ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: دیہاتوں میں جو مرغیاں صبح صبح انسان کا براز کھاتی ہیں، ان کو ذبح کر کے کھانا اس وقت تک جائز ہے، جب تک ان کے گوشت کے اندر

نجاست کا اثر بدبو وغیرہ ظاہر نہ ہو جائے اور اگر گوشت میں بدبو ظاہر ہونے لگے، تو جلالہ کے حکم میں ہو جائیں گی اور انہیں ۳/دن تک پاک غذا کھلانے کے بعد ان سے کراہت ختم ہو سکتی ہے۔

لایکره أکل الدجاجة المخلي، وإن کان یتناول النجاسة؛ لأنه لایغلب علیه أکل النجاسة؛ بل یخلطها بغیرها. (هندية، كتاب الذبائح، الباب الثاني في بيان مايؤكل لحمه وما لا يؤكل جديد زكريا ٥/ ٣٣٤،وعلى هامش الهندية، زكريا قديم ٥/ ٢٩٠)

أما الدجاجة المخلاة، فلابأس بأكلها؛ لأنها تخلط بين العذرة وغيرها. (الولوالجية، مكتبه دار الإيمان سهارنپور ٣/ ٥٦)

لابأس بأکل الدجاج؛ لأنها تخلط ولایتغیر لحمه. (البحر الرائق، زكريا٨/ ٣٣٥، كراچي٨/ ١٨٣)

لابأس بأکل الدجاج؛ لأنها یخلط ولایتغیر لحمه. (شامي، كراچي ٦/ ٣٤١، زكريا ٩/ ٤٩١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳/محرم الحرام ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۴۰۹/۴۰)

ابھی ابھی انسان کا براز جس مرغ نے کھایا اس کا حکم؟

سوال [۱۰۷۸٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مرغ اگر مخلوط غذا کھائے، تو وہ بلا کراہت حلال ہے، تو سوال یہ ہے کہ مرغ کی غذا ناپاک تو نہیں؟ لیکن اس نے ابھی ابھی انسان کا براز کھایا ہے، اب اس کے بارے میں حکم شرعی کیا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مرغ نے ابھی ابھی انسان کا براز کھایا ہے،

تو نجاست اس کے بدن میں سرایت کرنے سے پہلے یعنی ایک گھنٹے میں ذبح کر کے کھانے میں کوئی کراہت نہیں۔ اور اگر یہ اندازہ ہو کہ نجاست اس کے گوشت میں سرایت کرگئی ہے، تو اس صورت میں اس کا کھانا مکروہ ہے، بلا کراہت کھانے کی صورت یہ ہے کہ ۳/ دن تک اس کو صاف غذا کھلائی جائے۔ (مستفاد: فتاوی دار العلوم ۱۵/۴۵۲)

ولو سقیٰ ما یؤکل لحمه خمراً، فذبح من ساعته حل أكله، ويُكره.

(شامي، كتاب الحظر الإباحة، كراچي ٦/ ٣٤١، شامي، زكريا ٩/ ٤٩٢)

والشاة، والإبل، إذا سقیٰ خمراً، فذُبحت من ساعتها حل أكلها.

(خانية جديد زكريا ٣/ ٢٥٤، وعلى هامش الهندية، زكريا ٣/ ٣٥٩)

عن محمدؒ في الناقة، والشاة، والبقرة الجلالات أنها إنما تكون جلالة إذا أنتنت وتغيرت ووجد منها ريح منتنة، والحكم متعلق بالنتن وهذا يدل على أن العبرة للنتن لا لتناول النجاسة. (الموسوعة الفقهية الكويتية ٥/ ١٤٩، بدائع الصنائع، زكريا ٦/ ١٥٤)

و في التجنيس: إذا كان عليها نجاسة تحبس الدجاجة ثلاثة أيام.

(شامي، كراچي ٦/ ٣٠٦، زكريا ٩/ ٤٤٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/ محرم الحرام ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰/ ۱۱۴۰۲)

عام غذا دانہ وغیرہ ہوں اور ساتھ میں خنزیر کے اجزاء بھی کھلائے تو کیا حکم؟

سوال [۱۰۷۸۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مرغی پالن میں جو غذا کھلائی جاتی ہے، ان غذاؤں میں خنزیر کے اجزاء بھی ہوتے ہیں، تو اس صورت میں اس سے پرورش شدہ مرغیوں کے بارے میں حکم شرعی کیا ہے؟ وہ حلال ہیں یا حرام؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگرخنزیر کےاجزاء بعینہ باقی ہوں اور وہی مرغیوں کو کھلایا جاتا ہے، تو اگر دیگر پاک غذا زیادہ مقدار میں ہوں اور یہ نا پاک غذا کم ہو تو جلالہ کے حکم میں نہ ہوں گے اور مرغی پالن میں جن مرغیوں کی عام غذا دانہ وغیرہ ہوں اوران کے ساتھ میں خنزیر کے اجزاء بھی بطور غذا دیتے ہوں، تو ایسے مرغوں اور مرغیوں کا کھانا بلا کراہت حلال اور درست ہے؛ اس لئے کہ عام غذا پاک ہے۔

إذا خلط بين أكل العذرة وغيرها ليست بجلالة يحل أكله. أما الدجاجة المخلاة فلا بأس بأكلها؛ لأنها تخلط بين العذرة وغيرها. (الولوالجية، دارالإيمان سهارن پور ۳/ ۵٦)

لا بأس بأكل الدجاجة؛ لأنها تخلط ولا يتغير لحمه. (البحر الرائق، كتاب الكراهية، فصل في الأكل والشرب، زكريا ۸/ ۳۳۵، كوئٹه ۸/ ۱۸۳)

لايكره أكل الدجاجة المخلي، وإن كان يتناول النجاسة؛ لأنه لايغلب عليه أكل النجاسة؛ بل يخلطها بغيرها، وهو الحب (بدائع الصنائع، كتاب الذبائح والصيود، زكريا ٤/ ١٥٤، كراچي ٥/ ٤٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍ محرم الحرام ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰؍ ۱۱۳۸۴)

(۱۱) باب الانتفاع بالحیوانات

گائے کا گوشت کھانا جائز ہے یا نہیں؟

سوال [۱۰۷۸۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ گائے کا گوشت کھانا جائز ہے یا نہیں؟ ان جگہوں پر جہاں حکومت کی طرف سے پابندی ہو، جیسا کہ چند دن پہلے دارالعلوم دیوبند سے عدم جواز کا فتویٰ جاری ہوا تھا۔

المستفتی: محمد آفتاب عالم

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ہندوستان میں گائے، بیل شریعت اسلامیہ کی رو سے بلاتردد جائز اور حلال ہیں؛ البتہ جن علاقوں میں گائے ذبح کرنا قانوناً جرم ہے، ان علاقوں کے مسلمانوں کو گائے ذبح کر کے اپنی جان ومال کو خطرہ میں ڈالنے سے احتراز کرنا چاہئے؛ اس لئے کہ شریعت کا یہ بھی حکم ہے کہ تم اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو اور دارالعلوم دیوبند سے عدم جواز کے فتویٰ کے متعلق جو بات لکھی گئی ہے، وہ صرف اخبار ومیڈیا کی بات ہے، دارالعلوم دیوبند کا فتویٰ براہ راست دیکھ لینا چاہئے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَة. [البقرۃ: ۱۹۵]

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/ ذی الحجہ ۱۴۳۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹/ ۱۰۲۳۵)

ولادت کے فوراً بعد گائے کے دودھ کا حکم

سوال[۱۰۷۸۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ گائے، بھینس جب بچہ جنتی ہے، تو اس کے بعد دوسرے دن یا تیسرے دن اس گائے کا گاڑھا دودھ دوہ کر کھیس پکاتے ہیں، کیا اس کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بھینس یا گائے کے بچہ دینے کے بعد جو موٹا دودھ ہوتا ہے، اس کا استعمال کرنا شرعاً جائز اور درست ہے، اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ (مستفاد: فتویٰ رحیمیہ قدیم ۳/۳۰۴، جدید زکریا ۱۰/۱۳۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶/ ۷۶۸۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۶/۸ھ

انجکشن کے ذریعہ جانوروں سے دودھ حاصل کرنا

سوال [۱۰۷۹۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک گائے کئی سال کی ہوگئی، مگر حاملہ نہیں ہوتی ہے، ایک ڈاکٹر صاحب کہتے ہیں کہ میں دوائیوں اور انجکشنوں کے ذریعہ بغیر بچہ دیئے دودھ دیتی کردوں گا، دس کیلو دودھ دیا کریگی، تو کیا اس طریقہ سے جانور سے دودھ لیا جا سکتا ہے؟

المستفتی: محمد یونس احمد، گڈھ پنجاب

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: انجکشن کے ذریعہ دودھ حاصل کرنے میں کوئی کراہت نہیں ہے؛ کیونکہ آج کل اکثر جانور انجکشن کے بعد ہی دودھ دیتے ہیں؛ لہٰذا شرعاً جائز ہوگا۔

(مستفاد: امداد الفتاوی ۲/۶۲۴، محمود یہ قدیم ۱۷/۴۳۱، ڈابھیل ۱۸/ ۲۴۶) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰/ربیع الثانی ۱۴۱۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۲/۴۰ ۴۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۶/۴/۱۴۱۷ھ

انجکشن کے ذریعہ بھینس کا دودھ نکالنا

سوال [۱۰۷۹۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ انجکشن کے ذریعہ بھینس کا دودھ نکالنا کیسا ہے؟ جبکہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ فعل بھینس کے ساتھ ظلم ہے، شریعت کی رو سے اس کا جواب مرحمت فرمادیجئے۔

المستفتی: حافظ رئیس احمد، شیر کوٹ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: انجکشن کے ذریعہ بھینس کا دودھ نکالنا جائز ہے اور اس انجکشن سے بھینس کو ایسی تکلیف نہیں ہوتی، جس کو ظلم کہا جائے؛ بلکہ اس کے اعضاء کو ڈھیلے کرنے کے لئے یہ انجکشن لگایا جاتا ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمود یہ قدیم ۵/۲۱۸، ڈابھیل ۱۸/۲۴۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/جمادی الثانیہ ۱۴۱۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۲/ ۴۹۲۸)

جرسی گائے کا دودھ اور گوشت کھانا

سوال [۱۰۷۹۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جرسی گائے کا دودھ اور گوشت کھانا کیسا ہے؟ جرسی گائے کی نسل کی ابتداء کہاں سے ہوئی؟

المستفتی: محمد شمس الحق، مدھے پور، بھاگل پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جرسی گائے کا دودھ اور گوشت کھانا درست ہے۔

(مستفاد: فتویٰ محمودیہ قدیم ۱۷/۲۹، ڈابھیل ۱۸/۲۴۸)

واعلم أن الأصل في الأشياء كلها سوى الفروج الإباحة......إنما تثبت الحرمة بعارض نص مطلق، أو خبر مروي، فما لم يوجد شيئ من الدلائل المحرمة، فهي على الإباحة. (مجمع الأنهر، كتاب الأشربه، دارالكتب العلمية بيروت ٤/٢٤٤، مصري قديم ٢/٥٦٨)

اوراس کی نسل کی ابتداء کے بارے میں ہمیں معلومات نہیں ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/محرم الحرام ۱۴۱۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۶۱۲/۳۲)

امریکن گائے کے دودھ کا حکم

سوال [۱۰۷۹۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ امریکن گائے کے مادہ کے بارے میں سنا ہے کہ خنزیر سے لیا گیا ہے۔ نیز آواز اور شکل سے مشابہت بھی رکھتی ہے، تو اس کے دودھ گوشت کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: عبدالقادر، قاسمی، خادم مدرسہ ضیاء العلوم، کرتپور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: امریکن گائے کا دودھ اور اس کا گوشت استعمال کرنا بلا شبہ حلال وجائز ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۷/۲۹، ڈابھیل ۱۸/۲۴۸)

والمتولد بين الأهلي والوحشي يتبع الأم (در مختار) تحته في الشامية: تبعاً للهداية وغيرها، قال في البدائع: فلو نزا ثور وحشي على بقرة أهلية، فولدت ولداً يضحىٰ به دون العكس؛ لأنه ينفصل عن الأم وهو

حیوان متقوم تتعلق به الأحكام. (شامي، كتاب الأضحية، زكريا ۹/٤٦٦، كراچي ٦/٦٤٦، هداية، اشرفي ديو بند ٤/٤٤٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵/۶۶۷۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۵/۲۱ھ

امریکن گائے کا دودھ اور گوشت حلال ہے؟

سوال [۱۰۷۹۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ امریکن گائے کا دودھ پینا حرام ہے یا حلال ہے؟ میرے گاؤں میں یہ بات مشہور ہے کہ امریکن گائے کو انجکشن کے ذریعہ حمل ٹھہرایا جاتا ہے، پھر اس سے اولاد پیدا ہوتی ہے، اسی طرح سلسلہ چلتا رہتا ہے، تو ایسی گائے کا دودھ پینا صحیح ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد قاسم گوجر، بھوانی پور، ادھم سنگھ نگر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: امریکن گائے کا دودھ اور گوشت حلال ہے۔

والمتولد بين الأهلي والوحشي يتبع الأم (در مختار) قال في البدائع: فلو نزا ثور وحشي على بقرة أهلية، فولدت ولداً يضحىٰ به دون العكس؛ لأنه ينفصل عن الأم وهو حيوان متقوم تتعلق به الأحكام ومن الأب ماء مهين ولذا يتبع الأم في الرق والحرمة.

(شامي، كتاب الأضحية، زكريا ۹/٤٦٦، كراچي ٦/٦٤٦، هداية، اشرفي ديوبند ٤/٤٤٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵/۶۶۹۶)

مری ہوئی مرغی کا انڈا

سوال[۱۰۷۹۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کوئی مرغی یا بطخ مرجائے، تو اس کے اندر کے انڈے کو نکال کر استعمال کرنا کیسا ہے؟

المستفتی: محمد عبدالجلیل، بردوانی، متعلم مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مری ہوئی مرغی یا بطخ کے پیٹ سے نکالے ہوئے صحیح وسالم انڈے کا استعمال درست ہے۔ (مستفا: فتاوی محمودیہ قدیم ۱۵۶/۵، ڈابھیل ۲۳۶/۱۸)

البيضة إذا خرجت من دجاجة ميتة أكلت. (فتاوى عالمگيري، الباب الحادي عشر في الكراهية في الأكل، زكريا جديد ۳۹۲/۵، قديم ۳۳۹/۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۷۲۴۷/۳۵)

جس مرغی کا مرغے کے ساتھ اختلاط نہ ہوا ہو اس کا انڈا

سوال [۱۰۷۹۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایسی مرغی جس کا مرغے کے ساتھ اختلاط نہ ہوا ہو، اس کا انڈا کھانا جائز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس مرغی کا مرغے کے ساتھ اختلاط نہ ہوا ہو، اس کا انڈا کھانا بلا کراہت جائز ہے عدم جواز کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

واعلم أن الأصل في الأشياء كلها سوى الفروج الإباحة......إنما

تثبت الحرمة بعارض نص مطلق، أو خبر مروي، فما لم يوجد شيئ من الدلائل المحرمة، فهي على الإباحة. (مجمع الأنهر، كتاب الأشربه، دارالكتب العلمية بيروت ٤/٢٤٤، مصري قديم ٢/٥٦٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲/رجب المرجب ۱۴۱۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱/۴۰۹۷)

کتیا کا دودھ پینے والے گائے کے بچے کے گوشت کا حکم

سوال[۱۰۷۹۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرے یہاں پر ایک گائے کا بچہ پل رہا ہے، جو کہ لگ بھگ ڈیڑھ سال کا ہے، ابھی کوئی چار مہینے پہلے میرے لڑکوں نے اس گائے کے بچہ کو کسی کتیا کا دودھ پیتے ہوئے دیکھا ہے؛ لیکن میں نے آج تک نہیں دیکھا؛ جبکہ میں خود ہی اس کو کھولتا باندھتا ہوں۔

اب آپ مسئلہ کو بغور پڑھ کر شرع کی رو سے یہ بتانے کی زحمت گوارہ فرمائیں کہ اس گائے کے بچے کو میں کاٹ کر یعنی ذبح کر کے اپنے کھانے کے صرف میں لا سکتا ہوں یا نہیں؟ مدلل ومفصل جواب سے نوازکر شکریہ کا موقع عطا فرمائیں مہربانی ہوگی۔

المستفتی: محمد یعقوب قریشی، اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: سوال نامہ میں درج شدہ گائے کے بچہ کو ذبح کر کے اس کا گوشت کھانا بلا کراہت حلال رہے گا۔

ولهذا يحل أكل لحم جدي تغذي بلبن الخنزير؛ لأن لحمه لا يتغير وما غذي به صار مستهلكاً لا يبقي له أثر. (تبيين الحقائق، كتاب الكراهية، فصل في الأكل والشرب، زكريا ٧/٢٤، امدادية ملتان ٦/١٠، البحر الرائق، كتاب الكراهية،

فصل في الأكل والشرب، کوئٹه ۱۸۲/۸، زکریا ۳۳۵/۸، بزازیة، زکریا جدید ۱٦٤/۳، وعلی هامش الهندیة، زکریا ۳۰۹/۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ جمادی الثانیہ ۱۴۰۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۲؍۲۴ ۷۲۲)

جس گائے سے زنا کیا گیا، تو اس کو کیا کیا جائے

سوال [۱۰۷۹۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ براہین و دلائل شرعیہ فقہ حنفی کے مطابق تحریر فرما کر مشکور وممنون فرمائیں عین کرم ہوگا۔

زید نے بکر کی گائے کیساتھ زنا کیا، بکر نے محلّہ والوں سے کہا، محلّہ والوں نے ایک مولانا کے پاس مسئلہ معلوم کرنے کو بھیج دیا، مولانا نے مسئلہ یہ دیا کہ زانی سے گائے کی قیمت اوراوپر سے جرمانہ لیا جائے، اور گائے کو ذبح کر کے دفن اسی زانی سے کرایا جائے، چنانچہ اسی طریقہ سے محلّہ والوں نے قیمت اوراوپر سے جرمانہ لیا اور مولانا کے کہنے پر عمل کیا، آیا یہ صحیح ہے یا نہیں؟ اس گائے کو ذبح کر کے دفن کیوں کیا گیا؟ اس کا گوشت کیوں نہیں کھایا گیا؟ اوراگر اس کا گوشت کھانا حرام اور بیچنا بھی حرام، تو زانی سے قیمت لینا جرمانہ لینا یہ بھی تو بیچنا ہوا یا نہیں؟ اور گائے کی قیمت نہیں ملے گی، تو گائے والے کو نقصان ہورہا ہے اب کیا کرنا ہے؟

المستفتی: عبدالصمد، محلّہ بلاسپور گیٹ، رام پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صرف گائے کی قیمت وصول کرنا درست ہے اوراوپر سے جرمانہ مالی لینا جائز نہیں ہے۔

عن أبي حمید الساعديؓ، أن رسول اللہ صلی اللّٰہ علیة وسلم قال: لا یحل

لامري أن يأخذ مال أخيه بغير حقه و ذلک لما حرم الله مال المسلم على المسلم.

(مسند أحمد بن حنبل ٥/ ٤٢٥، رقم: ٣٤٠٠٣)

اور جو جرمانہ لیا گیا ہے، اس کا واپس کرنا ضروری ہے اور گائے کے جلانے کا جو حکم ہے، وہ صرف اس وجہ سے ہے کہ اس کا گوشت کھاتے وقت واقعہ یاد آنے کی وجہ سے طبیعت میں سخت قسم کی کراہت پیدا ہوسکتی ہے، ورنہ فی نفسہ گائے مذکور کا گوشت شرعاً حرام نہیں ہے۔ نیز اس کو ایسی جگہ لیجا کر فروخت کردینا بھی جائز ہے کہ جہاں کے لوگوں کو اس واقعہ کی اطلاع نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ ۶/ ۳۵۴، ڈابھیل ۱۷/ ۳۸۲)

وتذبح ثم تحرق أي لقطع امتداد التحدث به كلما رؤيت وليس بواجب (وقوله) يطالب لصاحبها أن يدفعها إليه بالقيمة......والظاهر لا يجبر على دفعها. (شامي، الحدود، مطب في وطء الدابة، زكريا ٦/ ٣٦، كراچي ٤/ ٢٦، الموسوعة الفقهية الكويتية ٢/ ١٢٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/ ربیع الثانی ۱۴۱۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۷/ ۲۶۴۷)

بکری کا وہ بچہ جس کا سر کتے اور بقیہ دھڑ بکری کی طرح ہو اس کا کھانا

سوال [۱۰۷۹۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بکری نے بچہ جنا جس کا سر کتے اور دھڑ بکری کا ہے، تو کیا اس کا کھانا، قربانی دینا جائز ہے؟

المتولد من الحيوان تعتبر إلا في الحرمة والحل کے مطابق جائز ہونا چاہئے؛ جبکہ اس کا رئیس الاعضاء حرام جانور کا ہے، مفصل و مدلل تشفی بخش جواب درج فرمائیں؛ کیونکہ یہاں فالف گروپ کے علماء نے مثلاً رضا خانی، غیر مقلد نے جواب دینے

سے عجز کا اظہار کر دیا ہے، بالآخر وہ لوگ میرے پاس آئے؛ لیکن کسی بھی فتاوی کے کتب میں مجھے تسلی بخش جواب نہ مل سکا؛ لہٰذا ان باتوں کو ملحوظ خاطر رکھ کر جواب ثبت فرمائیں۔

المستفتی: اسرارالحق، قاسمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بکری کا وہ بچہ جس کا سر کتے اور بقیہ دھڑ بکری کی طرح ہے، اس کے سلسلے میں تفصیل یہ ہے کہ اگر وہ بچہ گوشت کھاتا ہے یا زبان سے پانی پیتا ہے، یا کتے کی طرح آواز کرتا ہے، تو اس کا کھانا حلال نہیں ہے۔ اور اگر گھاس کھاتا ہے، یا پانی منہ سے پیتا ہے، یا بکری کی طرح آواز کرتا ہے، تو پھر کھانا حلال ہے اور اگر بچے میں دونوں طرح کی صفت ہے، تو اس کے سامنے پانی رکھا جائے گا، تو اگر بکری کی طرح پیتا ہے، تو اس کا کھانا اور قربانی کرنا دونوں حلال ہے اور اگر کتے کی طرح زبان سے پانی پیتا ہے، تو اس کا کھانا اور قربانی دونوں ناجائز ہے۔

فجاء ها نتاج له رأس ككلب فينظر، فإن أكلت لحماً، فكلب جميعها، وإن أكلت تبناً فذا الرأس يبتر و يؤكل باقيها وإن أكلت لذا، وذا فاضر بنها والصياح يخبر، وإن أشكلت بأن نبح كالكب وثغاً كالعنز أي فإن نبح لا يؤكل وإن ثغا يرى رأسه ويؤكل الباقي، وظاهر كلامه أن اعتبار هذه الأمور على هذا الترتيب فبعد وضوحٍ علامة الأكل لا يعتبر الصياح مطلقاً وبعد وضوح علامة الصياح لا يعتبر ما في الجوف مطلقاً وعليه فإذا أكل لحماً وثغاً، أو ظهر له كرش لا يؤكل وإذا أكل تبناو نبح، أوظهر له أمعاء يؤكل. (الدر مع الرد، كتاب الذبائح، زكريا ٩/٤٥١، كراچي ٦/٣١١)

شاة ولدت ولداً بصورة الكلب فأشكل أمره، فإن صاح مثل الكلب لا يؤكل وإن صاح مثل الشاة يؤكل وإن صاح مثلهما يوضع الماء بين يديه إن شرب باللسان لا يؤكل؛ لأنه كلب و إن شرب بالفم يؤكل؛ لأنه شاة،

وإن شرب بهما يوضع التبن واللحم قبله إن أكل التبن يؤكل؛ لأنه شاة، وإن أكل اللحم لا يؤكل وإن أكلهما جميعًا بذبح ان خرج الأمعاء لايؤكل وان خرج الكرش يؤكل. (عالمگيري، الباب الثالث في المتفرقات، زكريا قديم ٥/ ٢٩٠، جديد ٥/ ٣٣٥، المسوعة الفقهية الكويتية ٤٥/ ٢١٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ر محرم الحرام ۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴ ر ۵۹۴۳)

حلال جانوروں کے خصیتین کا کھانا

سوال [۱۰۸۰۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ خصیتین میں بڑی طاقت ہوتی ہے، تو طاقت کے ارادے سے ان کا کھانا بلا کراہت حلال ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: خصیتین کا کھانا احناف کے یہاں مکروہ تنزیہی ہے، حنفیہ کے یہاں حلال جانوروں کے سات اعضاء کا کھانا ممنوع ہے:

۱. دم مسفوح ۲. ذکر ۳. خصیتین ۴. قبل ۵. غدود ۶. مثانہ ۷. پِتّہ۔

ان سات میں سے دم مسفوح حرام ہے، جس کی حرمت نص قطعی سے ثابت ہے اور مثانہ، غدود، پتہ، بچہ دانی، کا کھانا مکروہ تحریمی اور خصیتین کا کھانا مکروہ تنزیہی ہے اور ذَکر میں کراہت تحریمی اور تنزیہی دونوں کا احتمال ہے۔ عرب کے لوگ خصیتین بڑے شوق سے کھاتے ہیں۔

عن مجاهد أن النبي صلى الله عليه وسلم كره من الشاة سبعًا: الدم المسفوح، والذكر، والأنثيين، والقبل، والغدة، والمثانة، والمرارة.

(مراسیل أبو داؤد ص:۱۹، مصنف عبد الرزاق، المجلس العلمي ٤/٥٣٥، رقم: ۸۷۷۱، اعلاء السنن ۱۷/۱۳۰)

وأما بيان ما يحرم أكله من أجزاء الحيوان، سبعةٌ: الدم المسفوح، والذكر، والأنثيان، والقبل، والغدة، والمثانة، والمرارة. (هندية، كتاب الذبائح، الباب الثالث في المتفرقات، زكريا قديم ٥/٢٩٠، جديد ٥/٣٣٥)

ويكره من الشاة الحيا، والخصية، والمثانة، والذكر، والغدة، والمرارة، والدم المسفوح للأثر الوارد في كراهة ذلك. (مجمع الأنهر، كتاب الخنثیٰ، دارالكتب العلمية بيروت ٤/٤٨٩، مصري قديم ٢/٧٤٣)

إذا ما ذكيت شاة فكلها سوى سبع ففيهن الوبال

فحاء، ثم خاء، ثم غين ودال، ثم ميمان و ذال

(در مختار، كتاب الخنثیٰ، كراچي ٦/٧٥٠ زكريا ١٠/٤٧٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/ ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰/ ۱۱۳۱۷)

بکرے کے خصیوں کو دوا کے طور پر استعمال کرنا

سوال [۱۰۸۰۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بکرے کے خصیوں کا کیا حکم ہے؟ اس کو دوا کے طور پر استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ دوسری دوا کم اثر اور فائدہ رکھنے والی موجود ہو، ہومیو پیتھ کی دوائیوں میں شراب کا محلول ملایا جاتا ہے، اور یہ طریقۂ علاج جائز ہے؟

المستفتی: ابوالخیر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: بکرے کا خصیہ اسی طرح دیگر حلال جانوروں کا خصیہ

حنفیہ کے نزدیک حلال نہیں ہے؛ بلکہ مکروہ ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۱۴/۳۵۷، ڈابھیل ۲۹۸/۷)

اور شئ مکروہ کو علاج کے طور پر استعمال کرنا حضرت امام ابو یوسفؒ کے قول کے مطابق جائز ہے اور اسی پر حنفیہ کا فتوی ہے۔

وفي النوازل رجل أدخل المرارة في أصابعه للتداوي. قال أبو حنيفةؒ يكره، وقال أبويوسفؒ يجوز والفقيه أبو الليث اختار قول أبي يوسفؒ.

(البحرالرائق، كتاب الكراهية، فصل في البيع، زكريا ٣٧٦/٨، كوئٹه ٢٠٥/٨، هندية، زكريا قديم ٣٥٦/٥، جديد ٤١١/٥)

ہومیو پیتھک کی دواؤں میں شراب کا محلول جس کو الکحل کہا جاتا ہے ملایا جاتا ہے، ضرورت کی بنا پر ان کا استعمال جائز ہے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۱۲۵، بہشتی زیور ۱۰۲/۹)

وقال محمدؒ ما أسكر كثيره، فقليله حرام، أقول أن هذا خاص بالأشربة المائعة دون الجامد، فلا يحرم قليلها؛ بل كثيرها المسكر.

(شامي، كتاب الأشربة، زكريا ٣٨/١٠، كراچي ٤٥٥/٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۷۶۴۳/۳۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۵/۹ھ

چھوٹی مچھلی کو آلائش سمیت بھون کر کھانا

سوال [۱۰۸۰۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ چھوٹی مچھلی جو کہ ایک بالشت سے کم ہو پیٹ چاک کئے بغیر صرف دھوکر یا پکا کر بھون کر کھایا جاسکتا ہے یا نہیں؟ یا اس چھوٹی مچھلی کو بغیر آلائش نکالے بھون کر یا پکا کر استعمال کرنا درست ہے یا نہیں یا چھوٹی بڑی مچھلی کے درمیان فرق ہے؟، برائے مہربانی وضاحت کے ساتھ مطلع فرمائیں۔

المستفتی: محمد جابر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مچھلی کو آلائش سمیت بھون لیا گیا یا پکا لیا گیا، تو ایسی صورت میں مچھلی ناپاک نہ ہوگی؛ اس لئے کہ مچھلی اور دیگر حیوان مائی کا کوئی جز ناپاک نہیں ہے؛ لیکن آلائش کے بعض اجزاء مضر ہوتے ہیں؛ اس لئے بھنی ہوئی مچھلیسے آلائش نکال کر کھانا جائز ہے؛ لیکن آلائش کے ساتھ کھانا حرام ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۱/۷، ۹، ۴/۱۰۴، فتاوی محمودیہ قدیم ۱۲/۷ ۳۹، جدید ڈابھیل ۱۸/۲۰۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۹/۳۴۵۸)

مرغ یا بطخ کی کھال کھانا

سوال [۱۰۸۰۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مرغ یا بطخ کے چرم کا کھانا باعتبار شرع کیسا ہے؟

المستفتی: بشیر احمد قاسمی، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مرغ یا بطخ کی کھال کھانا جائز ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۷/۵۲۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/ ربیع الاول ۱۴۱۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۲/۴۷۲۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۲/۳/۱۴۱۷ھ

مرغ یا بطخ ذبح کرنے کے بعد بال ختم کرنے کے لئے گرم پانی میں ڈالنا

سوال [۱۰۸۰۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ مرغ یا بطخ کو ذبح کرنے کے بعد اس کے بال ختم کرنے کے لئے گرم پانی میں ڈالنا کیسا ہے؟

المستفتی: بشیر احمد قاسمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مرغ یا بطخ کو ذبح کرنے کے بعد اگر اس کے بال و پر صاف کرنے کی غرض سے کھولتے ہوئے پانی میں ایک یا ڈیڑھ منٹ تک چھوڑ دیا جائے، تو اس کا کھانا جائز نہیں ہے؛ اس لئے کہ اتنی دیر میں اندرونی نجاست کا اثر گوشت میں آجاتا ہے، اور اگر گرم پانی میں ڈالتے ہی فوراً نکال لیا جائے کہ گرمی کا اثر اندر تک نہ پہونچ سکے تو حلال ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۱۵۹/۵، ڈابھیل ۸۴/۱۸، ایضاح المسائل ۱۸)

ولایترک فیہ إلا مقدار ماتصل الحرارۃ إلی ظاھر الجلد؛ لتنحل مسام الصوف. (شامي، باب الأنجاس، مطلب في تطہیر الدھن والعسل، زکریا ۵٤٤/۱، کراچي ۳۳٤/۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳/ ربیع الاول ۱۴۱۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۷۲۳/۳۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۷/۳/۱۳ھ

مرغی ذبح کر کے گرم پانی میں ڈالنا

سوال [۱۰۸۰۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مرغی کو گرم پانی میں ڈال کر پَر اتار کر کھانا کیسا ہے؟

المستفتی: مزمل الحق

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مرغی کو ذبح کر کے کھولتے ہوئے پانی میں اگر ایک ڈیڑھ منٹ تک چھوڑ دیا گیا، اسی طرح اگر پروں کو جلا دیا گیا، اور اتنی دیر جلایا گیا کہ آگ

کا اثر غلاظت میں پہونچ کر پھر غلاظت گھل کر اس کا اثر گوشت میں گھلگیا، تو اس کا کھانا جائز نہیں؛ لیکن اگر اتنی دیر جلایا نہیں گیا کہ جس سے غلاظت گھل کر اس کے اثرات گوشت میں منتقل ہوسکیں تو اس کا کھانا جائز ہے؛ لہٰذا مذکورہ کھانے میں مرغ کا جو گوشت کھایا گیا ہے، اگر وہ ایسا مرغ ہے، جس کو اتنی دیر جلایا نہیں گیا کہ اس کی غلاظت بھی گھل کر اس کے اثرات گوشت میں منتقل ہوسکیں تو اس کو کھانا جائز ہے اور جنہوں نے کھایا ہے، ان پر کوئی ملامت نہیں؛ اس لئے گوشت تیار کرنے والوں سے اس کی تفصیل معلوم کرلی جائے، تاکہ آئندہ جواز اور عدم جواز دونوں پہلو سامنے آجائیں۔ (مستفاد: ایضاح المسائل ۱۸)

وفي الشامية: وكذا دجاجة قال في الفتح: انها لا تطهر أبداً(الى قوله تشربها النجاسة بواسطة الغليان و لايترك فيه إلا مقدار ما تصل الحرارة إلي ظاهر الجلد. (شامي، باب الأنجاس، مطلب في تطهير الدهن، والعسل، زكريا ١/ ٥٤٤، كراچي ١/ ٣٣٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷ر محرم الحرام ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴ ر ۶۴۳۷)

جس مرغی کو ذبح کرکے گرم پانی میں ڈالدیا جائے اس کا کھانا

سوال [۱۰۸۰٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مسلم تاجر جو مرغی کا گوشت فروخت کرتا ہے، مرغی کو ذبح کرتے ہی فوراً کھولتے ہوئے پانی میں ڈبو دیتا ہے تاکہ بال و پر آسانی سے نکل جائیں، ایسی مرغی کا کھانا کیسا ہے؟ عوام کیا خواص بھی اس سے نابلد ونا آشنا ہیں، ہر طرف یہی طریقہ چل رہا ہے، عوام وخواص کہتے ہیں کہ اس کے حرام وناجائز ہونے کی کیا وجہ ہے؟

المستفتی: سید عبدالغفور، پربھنی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگراتنی دیرگرم پانی میں ڈال کرچھوڑ دیا جائے کہ جتنی دیرمیں اندر کی نجاست کے اثرات گوشت میں منتقل ہوسکتے ہیں،تواس کا کھانا جائزنہیں ہے اوراگرنجاست کے اثرات گوشت میں منتقل ہونے سے قبل نکال لیا جائے،تواس کا کھانا جائزہے۔ (مستفاد:ایضاح المسائل ١٨)

لكن العلة المذكورة لا تثبت مالم يمكث اللحم بعد الغليان زمانا يقع في مثله التشرب والدخول في باطن اللحم. (شامي، باب الأنجاس، مطلب في تطهير الدهن و العسل، زكريا ١/٥٤٤، كراچي ١/٣٣٤)

تجربہ کار لوگوں سے معلوم ہوا کہ اتنی جلدی نکال لیا جاتا ہے، کہ اتنی دیرمیں نجاست کے اثرات گوشت میں نہیں پہونچ پاتے ہیں، اگر واقعہ ایسا ہےتو ایسے مرغ کا کھانا بلاشبہ حلال ہے۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١٢رشوال المکرّم ١٤١٥ھ
(فتویٰ نمبر:الف ٣١/٤١٧٤)

الجواب صحیح:
احقرمحمدسلمان منصورپوری غفرلہ
١٢/١٠/١٤١٥ھ

جس کھانے میں خنزیر کے بال نکل آئیں وہ حلال ہے یا حرام؟

سوال[١٠٨٠٧]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اکثر تقریبات میں دیگ وغیرہ میں خنزیر کے بال نکل آتے ہیں ایسی صورت میں جس کے سامنے یہ بال آجائیں، اس کوکھانا کھانا چاہئے یانہیں؟ اور دوسرے لوگوں کوبھی کھانا کھانے سے روک دے کہ نہیں؟ کیاوہ کھانا ناپاک ہوجاتا ہے،جس میں خنزیر کے بال نکل آئیں؟

المستفتی: احسان علی صدیقی اصغرمنزل شیرکوٹ بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کھانا ناپاک اورحرام ہے۔

لو وقع في ماء قليل نجسه. (شامي، كتاب الطهارة، باب المياه، زكريا ١/ ٣٥٩، كراچي ١/ ٢٠٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/ ذی الحجہ ۱۴۰۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۴/ ۱۰۲۹)

حرام مغز کا حکم

سوال [۱۰۸۰۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حرام مغز کا کیا حکم ہے؟ حلال ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حرام مغز میں کوئی علت حرمت نہیں ہے، بریں بناء طبیعت کے گھن کرنے کی وجہ سے اس کو زیادہ سے زیادہ مکروہ تنزیہی اور خلاف اولیٰ کہا جائے گا؛ لہٰذا اگر کسی شخص کی طبیعت اس سے گھن نہ کرتی ہو، تو وہ اس کو کھا سکتا ہے۔ حضرت مفتی کفایت اللہؒ نے لکھا ہے کہ حرام مغز نہ حرام ہے اور نہ ہی مکروہ بیچارہ یونہی بدنام ہوگیا۔ (مستفاد: کفایت المفتی ۹/ ۱۲۳)

وكره من الشاة الحياء، والخصية، والغدة، والمعدة، والمثانة، والمرارة، والدم المفسوح، ونخاع الصلب. (كنزل الدقائق ٤٩٦)

یہ عبارت صاحب کنز کی ہے؛ لیکن اس پر محشی رقم طراز ہیں کہ یہ جملہ کنز کے دیگر متون میں نہیں ہے۔ نیز ہندیہ زکریا ۵/ ۲۹۰ میں کنز کے حوالہ سے اسکو مکروہ لکھا گیا ہے اور رہے اردو کے فتاوی تو اولاً حضرت گنگوہی نے فتاوی رشیدیہ ۵۵۲/ پر اس کو ممنوع لکھا تھا اس لئے تمام ناقلین فتاوی نے اس کو مکروہ لکھا ہے اور دلیل میں اکثر فقہاء اس عبارت کو نقل کردیتے ہیں۔ (مستفاد: فتاوی دارالعلوم ۱۵/ ۴۶۸، امداد المفتیین ۹۷۰، محمودیہ ڈابھیل ۱۷/ ۲۹۸، محمودیہ میرٹھ ۲۶/ ۲۱۵، رشیدیہ ۵۵۲)

وأما بيان ما يحرم أكله من أجزاء الحيوان، سبعةٌ: الدم المسفوح، والذكر، والأنثيان، والقبل، والغدّة، والمثانة، والمرارة. (هندية، كتاب الذبائح، الباب الثالث في المتفرقات، زكريا قديم ٥/ ٢٩٠، جديد ٥/ ٣٣٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/ ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۳۱۸/۴۰)

ماکول اللحم کی اوجھڑی کا حکم

سوال [۱۰۸۰۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کہتا ہے کہ ماکول اللحم جانوروں کی اوجھڑی کھانا جائز ہے؛ جبکہ بکر اوجھڑی کی حرمت کا قائل ہے، دونوں میں سے کس کی بات از روئے شرع درست ہے؟ مفصل جواب سے نوازیں۔

المستفتی: نور جمال، بیر بھومی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ماکول اللحم جانوروں کی اوجھڑی کھانا حلال اور جائز ہے بکر کا اوجھڑی کی حرمت کا قائل ہونا ناواقفیت پر محمول ہے۔ (مستفاد: فتاوی رشیدیہ قدیم ۵۵۳، جدید زکریا ۵۳۴، امداد الفتاوی ۱۰۲/۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/ محرم الحرام ۱۴۲۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۷۸۸۶/۳۶)

حلال جانور کی انتڑی حلال

سوال [۱۰۸۱۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ حلال جانوروں کی انتڑی حلال ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد ناصر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حلال جانوروں کی انتڑی کھانا شرعاً جائز اور حلال ہے؛ کیوں کہ اس میں کوئی علت حرمت نہیں ہے، اسی وجہ سے فقہاء کرام نے اس کو اعضاء محرمہ میں شمار نہیں فرمایا ہے۔ (مستفاد: فتاوی رشیدیہ ۵۵۲، باقیات فتاوی رشیدیہ قدیم ۴۵۰، جدید زکریا ۵۴۳، محمودیہ ڈابھیل ۱۷/۲۹۴)

وفي الاختيار وغيره: الكرش، الكبد، والرقة، والفؤاد، والرأس، والأكارع، والأمعاء، والطحال لحم؛ لأنها تباع مع اللحم. (مجمع الأنهر، باب اليمين في الأكل والشرب واللبس والكلام، دارالكتب العلمية بيروت ۲/۲۹۲، مصري قديم ۱/۵۵۹، الاختيار لتعليل المختار ٤/٦٧)

وإن أكل لحم خنزير، أو لحم إنسان يحنث؛ لأنه لحم حقيقي إلا أنه حرام......وكذا إذا أكل كبداً، أو كرشا؛ لأنه لحم حقيقة......ويستعمل استعمال اللحم. (هداية، باب اليمن في الأكل والشرب اشرفي ۲/٤۸۸)

كره تحريما وقيل: تنزيهاً، والأول أوجه، من الشاة، سبع: الحياء، والخصية، والغدّة، والمثانة، والمرارة، والدم المفسوح، والذكر للأثر الوارد في كراهية ذلك. (در مختار مع الشامي، كتاب الخنثیٰ، كراچي ٦/٧٤٩، زكريا ١٠/٤٧٨)

ويكره من الشاة الحياء، والخصية، والمثانة، والذكر، والغدة، والمرارة، والدم المسفوح للأثر الوارد في كراهة ذلك. (مجمع الأنهر، كتاب الخنثیٰ، دارالكتب العلمية بيروت ٤/٤٨٩، مصري قديم ٢/٧٤٣)

وأما بيان ما يحرم أكله من أجزاء الحيوان المأكول، فالذي يحرم أكله

منه سبعةٌ: الدم المسفوح، والذكر، والأنثيان، والقبل، والغدة، والمثانة، والمرارة، وهذه الأشياء السبعة مما تستخبثه الطباع السليمة فكانت محرمة. (بدائع الصنائع، زكريا ٤/ ١٩٠، كراچي ٥/ ٦١، هندية، كتاب الذبائح، الباب الثالث في المتفرقات، زكريا قديم ٥/ ٢٩٠، جديده/ ٣٣٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍شوال المکرّم ۱۴۱۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰؍۱۱۳۱۷)

حلال جانور کے حرام اجزاء اور حرام مغز کا حکم

سوال[۱۰۸۱۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حلال جانوروں میں کتنے اجزاء حرام ہیں؟ نیز حرام مغز کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: مولانا معاذ الاسلام، مدرس مدرسہ امدادیہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حلال جانوروں میں سات اجزاء کا کھانا ناجائز اور مکروہ تحریمی ہے: دم مسفوح، ذکر، خصیتین، قبل، غدود، مثانہ اور مرارہ یعنی پِتّہ، ان میں سے دم مسفوح قطعی طور حرام ہے۔

ما يحرم أكله من أجزاء الحيوان المأكول، فالذي يحرم أكله منه سبعةٌ: الدم المسفوح، والذكر، والأنثيان، والقبل، والغدة، والمثانة، والمرارة. (شامي، قبيل كتاب الأضحية، كوئٹه ٥/ ٢١٩، كراچي ٦/ ٣١١، زكريا ٩/ ٤٥١، بدائع الصنائع، زكريا ٤/ ١٩٠، كراچي ٥/ ٦١، هندية، زكريا قديم ٥/ ٢٩٠، جديده/ ٣٣٥)

امداد الفتاوی ۴؍۱۱۸، فتاوی احیاء العلوم ۱؍۲۳۳، اور طحطاوی علی الدر کے اندر حرام مغز کو بھی مکروہ لکھا ہے۔

وزيد نخاع الصلب. (طحطاوي على الدر، كوئٹه ٤/ ٣٦٠، قبل كتاب الفرائض)

لیکن حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ نے یوں فرمایا کہ حرام مغزنہ حرام ہے اور نہ مکروہ بیچارہ یوں ہی بدنام ہوگیا کفایت المفتی قدیم ۸/۲۸۷، جدید زکریا مطول ۱۱/۱٦۷ اور فتاوی رحیمیہ ۲/۲۲۳، جدید زکریا ۱۰/۸۰، فتاوی رشیدیہ قدیم ۵۵۲، جدید ۵۳۴، فتاوی احیاء العلوم کی عبارت مضطرب ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/رجب المرجب ۱۴۰۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۴/۸۲۵)

مرغ کے اندر کیا کیا چیزیں حرام یا مکروہ ہیں

سوال [۱۰۸۱۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مرغ کے اندر کیا کیا چیزیں مکروہ ہیں اور ان کے نکالے بغیر گوشت جائز نہیں ہوگا، جو ایضاح المسائل میں ممنوع لکھا ہے۔

المستفتی: عبدالصمد، بلاسپور گیٹ، رام پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس کے پیٹ میں جو آلائش اور گندگیاں موجود ہوتی ہیں۔

نیز گرم پانی میں ڈالدینے سے اس کے اثرات گوشت میں منتقل ہوجاتے ہیں؛ اس لئے ایضاح المسائل میں ممنوع لکھا گیا ہے۔ (مستفاد: ایضاح المسائل ۱۸، احسن الفتاوی ۲/۹٦)

وكذا دجاجة ملقاة حالة غلي الماء للنتف قبل شقها (تحته في الشامية) إنها لا تطهر أبداً...... تشربها النجاسة بواسطة الغليان. (شامي، باب الأنجاس،

قبیل فصل في الإستنجاء، زکریا ۱/ ٥٤٤، کراچي ۱/ ۳۳٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳ ربیع الثانیہ ۱۴۱۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۹/ ۳۴۰۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴/۴/۳ھ

حرام مغز اور پیٹھ کی ہڈی حلال ہے یا حرام

سوال [۱۰۸۱۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ شریعت مطہرہ کا حرام مغز اور پیٹھ کی ہڈی (ریڑھ کی ہڈی) کے متعلق کیا حکم ہے؟ کیا ان کا کھانا ناجائز ہے براہ کرم تشفی بخش جواب سے نوازیں۔

المستفتی: اعجاز احمد، مدرسہ چلہ امروہہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حلال جانوروں میں سے سات اجزاء کا کھانا ناجائز اور مکروہ تحریمی ہے۔ ۱. دم مسفوح، ۲. ذکر، ۳. خصیتین، ۴. قبل، ۵. غدود، ٦. مثانہ، ۷. مرارہ یعنی پِتّہ اور ان میں سے دم مسفوح قطعی طور پر حرام ہے۔ (شامی، کوئٹہ ۵/ ۲۱۹، زکریا ۹/ ۴۵۱، کراچی ٦/ ۳۱۱، بدائع الصنائع، زکریا ۴/ ۱۹۰، کراچی ۵/ ٦۱، ہندیہ، زکریا قدیم ۵/ ۲۹۰، جدید ۵/ ۳۳۵)

ان اشیاء کو ذکر کرنے کے بعد **وزید نخاع الصلب** کی عبارت نقل کرتے ہیں۔ (طحطاوی علی الدر، کوئٹہ ۴/ ۳٦۰)

اور حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ مغز نہ حرام ہے اور نہ ہی مکروہ بیچارہ یوں ہی بدنام ہوگیا ہے، کفایت المفتی ۸/ ۲۸۷، اور پیٹھ کی ہڈی کسی کے نزدیک مکروہ نہیں ہے، سب کے نزدیک حلال ہے اور علامہ طحطاویؒ نے طحطاوی علی الدر میں کلیجی گردہ کو بھی مکروہ لکھا ہے اور فقہاء میں صرف علامہ طحطاوی تنہا ایک فرد ہیں جو کلیجی گردہ حرام مغز کو مکروہ لکھتے ہیں، بقیہ کوئی بھی فقیہ ان اشیاء کو مکروہ نہیں لکھتے ہیں صاحب اعلاء السنن نے

۷/۲/۱۷ا رمیں تفصیلی بحث کی ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۹/ ۳۲۱۸)

حرام مغز اور غدود دونوں ایک ہیں یا الگ الگ؟

سوال [۱۰۸۱۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حلال جانور کے جن سات اعضاء کا کھانا مکروہ تحریمی ہے، ان میں سے ایک جزء کو عربی میں لفظ ''غُدود'' سے تعبیر کیا گیا ہے، جس کا ترجمہ اردو فتاوی میں ''غدود'' سے کیا گیا ہے، پھر غدود کی تفسیر اس طرح کی گئی ہے یعنی حرام مغز جو پشت کے مہرے میں ہوتا ہے۔

(مستفاد: فتاوی رشیدیہ قدیم ۵۵۲، جدید ۵۳۴، فتاوی رحیمیہ قدیم ۳۳۲/۹-۲۲۳/۹، جدید زکریا ۸۰/۱۰)

بندہ ناچیز کو غدود کی تفسیر حرام مغز سے کرنے میں کچھ خلجان ہے؛ اس لئے کہ ڈاکٹروں کے استفسار سے اور لغات کے تتبع سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ غدود اور حرام مغز دونوں الگ الگ ہیں۔

غدود: جسم کے اندر کی گانٹھ کو کہتے ہیں جو جسم کے کسی بھی حصہ میں ہوسکتی ہے۔ (فیروز اللغات)

حرام مغز: وہ گودا ہے جو پشت کے مہرے میں ہوتا ہے۔ (فرہنگ آصفیہ ۸۲۱/۱)

پس غدود کی تفسیر حرام مغز سے کیسے ہوسکتی ہے؟ اب سوال یہ ہے کہ عربی میں جو لفظ غدہ ہے (خواہ حدیث میں ہو جیسے السنن الکبری للبیہقی ۴۰۱/۱۴، یا فقہ کی عبارت ہو جیسے: بدائع الصنائع ۱۹۰/۴، الدر المختار مع الشامی زکریا ۴۷۷/۱۰)

اردو میں اس کو کس طرح تعبیر کیا جائے گا؟ جس طرح فتاوی رشیدیہ و رحیمیہ میں ہے اگر وہ بالکل درست ہے تو بندہ کو اس میں جو خلجان ہے اس کو دور کرنے کی کوشش فرمائیں

اوراگراس میں کچھ کلام کی گنجائش ہوتو اپنی تحقیق رقیق سے مطلع فرمائیں۔

بندۂ ناچیز کی ایک ناقص رائے یہ ہے کہ علامہ شامیؒ نے ''غدۃ'' کی تفسیر قاموس کے حوالہ سے ان الفاظ میں فرمائی ہے۔

كل عقدة في الجسد أطاف بها شحم، وكل قطعة صلبة بين العصب ولاتكون في البطن، كما في القاموس. (شامي، زكريا ١٠/٤٧٨)

اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ غدۃ کا ترجمہ اس طرح کرنا زیادہ صحیح ہے ''غدۃ'' یعنی غدود اورحرام مغز جو پشت کے مہرے میں ہوتا ہے ''یعنی غدہ کا مصداق غدود اورحرام مغز دونوں کرقرار دیا جائے، اگرچہ غدود اورحرام مغز دونوں الگ الگ ہیں، اگرعلامہ شامیؒ کی عبارت کا مطلب یہی ہے اور ایسا سمجھنا اور اس طرح ترجمہ کرنا درست ہے، تو تقویت فرمائیں ورنہ جو کچھ محقق بات ہو، مدلل اور باحوالہ تحریر فرما کر بندے کے خلجان کو دور کرنے کا سامان فراہم فرمائیں۔

المستفتی: فیاض احمد قاسمی، بھیونڈی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: غدود کا ترجمہ حرام مغز سے کرنا درست نہیں ہے، اگرکسی نے شامی کی عبارت سے غدود کا ترجمہ حرام مغز سمجھا ہے، تو وہ نظرثانی کرلیں کہ غدود کا ترجمہ حرام مغز نہیں ہے۔ سائل نے شامی کی جو عبارت سوال نامہ میں درج فرمائی ہے اس کے کسی لفظ کا ترجمہ مغز نہیں ہے۔

نیز فتاوی رشیدیہ میں بھی غدود کا ترجمہ حرام مغز سے نہیں کیا گیا ہے؛ بلکہ حرام مغز کو الگ سے ایک مستقل چیز قرار دیا ہے، جو ان الفاظ سے منقول ہے کہ حرام مغز جو پشت کے مہرے میں ہوتا ہے؛ لہٰذا فتاوی رشیدیہ کی عبارت میں غور کرنے کی ضرورت ہے کہ اس میں کل نو چیزوں کا ذکر ہے، شروع کی سات چیزوں کے بارے میں فرمایا کہ ''سات چیزیں حلال جانور کی کھانی منع ہیں، اس کے بعد مسلسل سات چیزوں کو گنایا۔

ذکر، فرج مادہ، مثانہ، غدود، حرام مغز جو پشت کے مہرے میں ہوتا ہے، خصیہ، پتہ، مرارہ جو کلیجی میں تلخ پانی کا ظرف ہے، اس کے بعد دم سائل کو قطعی حرام کہا ہے، پھر بعض روایات کے مطابق گردے کی کراہت تنزیہی بیان فرمائی ہے۔ (مستفاد: فتاوی رشیدیہ قدیم ۵۵۲، جدید زکریا ۵۳۴/۷)

ہاں البتہ فتاوی رحیمیہ میں فتاوی رشیدیہ کی عبارت نقل کرنے میں دو جگہ مسامحت ہوئی۔

(۱) غدود کے بعد اپنی طرف سے لفظ یعنی بڑھا کر حرام مغز سے غدود کی تشریح کی گئی، جو تشریح فتاوی رشیدیہ میں نہیں ہے۔

(۲) فتاوی رشیدیہ کی عبارت مگر بعض روایات میں گردے کی کراہت لکھتے ہیں اور کراہت تنزیہی پر حمل کرتے ہیں اس میں گردے کی جگہ فتاوی رحیمیہ میں کڑوے پتہ کی کراہت کے الفاظ ہیں، جس میں نقل میں بھی غلطی ہوئی اور تعبیر میں بھی غلطی ہوئی ''گردے'' کے بجائے ''کڑوے'' لکھ دیا اور ساتھ ساتھ لفظ ''پتہ'' کا اضافہ بھی کر دیا، یہ دونوں فتاوی رشیدیہ میں نہیں ہیں؛ لہٰذا فتاوی رحیمیہ کے اس فتوے پر اعتماد نہیں کیا سکتا ہے۔

اب کوئی یہ سوال کر سکتا ہے کہ شامی اور درمختار کی عبارت میں حرام مغز کا تو ذکر نہیں ہے، تو فتاوی رشیدیہ میں حرام مغز کا ذکر کہاں سے آیا، تو اس کا جواب یہ ہے کہ فتاوی رشیدیہ میں حضرت گنگوہیؒ کا جو فتوی ہے، اس کا مدار شامی و درمختار کی عبارت پر نہیں ہے؛ بلکہ حضرت گنگوہیؒ کی جامع معلومات پر ہے، اور جن نو چیزوں کا ذکر حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا ہے، وہ ایک جگہ نہیں ہیں؛ بلکہ مختلف مقامات پر ہیں، جیسا کہ شامی کی مذکورہ عبارت میں گردے کی ممانعت کا ذکر کہیں بھی نہیں ہے، مگر حضرت گنگوہی نے بعض روایات کے حوالہ سے مکروہ تنزیہی لکھا ہے، اور گردے اور کلیجہ کی کراہت تنزیہی کی عبارت طحطاوی علی الدر کتاب الذبائح، کوئٹہ ۱۵۷/۴ میں موجود ہے ملاحظہ فرمائیے:

’’والكبد والطحال دون الدم المسفوح؛ وهل الكراهة تحريمة، أوتنزيهة قولان‘‘

اورحرام مغزکوعربی میں نخاع الصلب کہا جاتا ہے، غدو نہیں کہا جاتا ،طحطاوی علی الدر مسائل شتی ۴/ ۳٦۰/ میں حلال جانور کے اشیاءمکروہہ کے ذیل میں بعض علماء کا قول ’’وزید نخاع الصلب‘‘ کے الفاظ سے نقل کیا گیا ہے، یہیں سے حضرت گنگوہیؒ نے حرام مغزکوممنوعہ اشیاء میں سے ذکر فرمایا ہے، صاحب فتاوی رحیمیہ کے لئے بہتر یہ تھا کہ حضرت گنگوہیؒ کے فتوے کونقل کرتے وقت اس کے ایک ایک جزء پرغور فرمالیتے اورمراجع کوبھی دیکھ لیتے۔

اب اس تفصیل کے بعدسائل کااشکال دور ہوگیا ہوگا؛ لیکن ساتھ میں اس بات کی بھی وضاحت کردینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حرام مغز کاحکم ایسا ہی ہے، جیسا کہ گردہ کلیجی اوجھڑی اور بٹ وغیرہ کا ہے کہ ان چیزوں پرفقہاء نے کراہت تنزیہی کاحکم لگایاہے؛ لیکن یہ کراہت تنزیہی صرف طبعی کراہت ہےشرعی کراہت نہیں ہے؛اس لئے حضرت نے کفایت المفتی ۸/ ۲۸۷، جدید مطول ۱۱/ ۱۷/ ٦/ میں حرام مغز کے بارے میں فرمایاہے کہ’’حرام مغزنہ حرام ہےاور نہ ہی مکروہ ہے، بیچارہ یونہی بدنام ہوگیا ہے‘‘ احقر بھی ان اشیاء کے بارے میں یہی لکھا کرتا ہے کہ یہ چیزیں نہ حرام ہیں اور نہ مکروہ ہیں؛ بلکہ حلال ہیں، اس موضوع کاتفصیلی فتوی ۱۸/ رمضان المبارک ۱۴۰۹ھ میں بھی لکھا گیا تھا، جس کا نمبر ۲۵/ ۱۴۱۵/ ہے اور ایک فتوی ۲۵/ رجب المرجب ۱۴۰۸ھ میں بھی لکھا گیا تھا، جس کانمبر ۲۴/ ۸۲۵ ہے۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیراحمدقاسمی عفااللہ عنہ
۱/ ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ
(فتویٰ نمبر:الف ۳۸/ ۹۵٦۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۵/ ۴/ ۱۴۲۹ھ

حلال جانوروں میں کیا کیا حرام ہیں؟

سوال [۱۰۸۱۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حلال جانوروں کے اندر سات چیزیں حرام ہیں، کیا یہی چیزیں حلال پرندوں اور مرغی کے اندر بھی حرام ہیں؟

المستفتی: محمد شاکر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: حلال جانوروں میں جو سات چیزیں حرام ہیں وہی حلال پرندوں میں بھی حرام ہیں خواہ مرغی ہو یا کوئی اور پرندہ۔

عن مجاهدؒ، قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم، يكره من الشاة سبعًا: الدم، والحياء، والأنثيين، والغدة، والذكر، والمثانة، والمرارة، وكان يستحب من الشاة مقدمها. (مصنف عبد الرزاق، باب ما يكره من الشاة، المجلس العلمي ٤/٥٣٥، رقم: ٨٧٧١، المعجم الأوسط، دارالفكر ٦/٤٨١، رقم: ٩٤٨٠، المراسيل لأبي داؤد ٩١، رقم: ٤٦٥)

وأما بيان ما يحرم أكله من أجزاء الحيوان سبعةٌ: الدم المسفوح، والذكر، والأنثيان، والقبل، والغدة، والمثانة، والمرارة. (هندية، كتاب الذبائح، الباب الثالث في المتفرقات، زكريا قديم ٥/٢٩٠، زكريا جديد٥/٣٣٥، بدائع الصنائع، زكريا ٤/١٩٠، كراچي٥/٦١، الموسوعة الفقهية الكويتية ٥/١٥٢)

وكره تحريمًا من الشاة سبع: ذكر الشاة اتفاقي؛ لأن الحكم لايختلف في غيرها من المأكولات. (شامي، كتاب الخنثىٰ،

زکریا ۱۰/ ۴۷۸، کراچي ۶/ ۷۴۹، مجمع الأنهر، دارالکتب العلمیة بیروت ۴/ ۴۸۹، مصري قدیم ۲/ ۷۴۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍ ربیع الثانی ۱۴۲۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶؍ ۷۹۳۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۲/۱۹ھ

حلال جانوروں کے سات اعضاء کا حکم

سوال [۱۰۸۱۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حلال جانوروں کے کتنے اعضاء کا کھانا حلال نہیں ہے؟

المستفتی: محمد رضوان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حلال جانوروں کے سات اعضاء کا کھانا حلال نہیں ہے۔

(۱) دم سائل (۲) ذکر (۳) خصیتین (۴) فرج مادہ (۵) غدود (۶) مثانہ (۷) پتہ۔

(فتاوی محمودیہ ڈابھیل ۱۷؍ ۲۹، میرٹھ ۲۶؍ ۲۱۷، آپ کے مسائل اوران کا حل جدید زکریا ۵؍ ۵۱۰)

وأما بیان ما یحرم أکله من أجزاء الحیوان سبعةٌ: الدم المسفوح، والذکر، والأنثیان، والقبل، والغدة، والمثانة، والمرارة. (هندیة، اتحاد ۵/ ۳۳۵، زکریا قدیم ۵/ ۲۹۰، جدید ۵/ ۳۳۵)

عن مجاهدؒ، أن النبي صلی اللہ علیه وسلم کره من الشاة سبعًا: الدم المسفوح، والذکر، والأنثیین، والقبل، والغدة، والمثانة، والمرارة. (مراسیل أبوداؤد، ۱۹، اعلاء السنن، کراچي ۱۷/ ۱۳۰، عباس احمد الباز، مکة المکرمه ۱۷/ ۱۴۴، مصنف عبد الرزاق ۴/ ۵۳۵، رقم: ۸۷۷۱)

یادرکھیں کہ مذکورہ اعضاء میں سے دم مسفوح حرام ہے،مثانہ،غدود، پتہ، بچہ دانی کا کھانا مکروہ تحریمی ہے،اور خصیتین کا کھانا مکروہ تنزیہی ہے اور ذکر کراہت تحریمی اور تنزیہی دونوں کا احتمال رکھتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹/ ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰/ ۱۱۲۸۲)

کرش وامعاء کی حلت وحرمت کا حکم ہے

سوال [۱۰۸۱۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کرش وامعاء کی حلت وحرمت کے بارے میں زید اور عمر کے درمیان اختلاف ہے، زید اپنے دلائل کی روشنی میں ان کی حلت کا مثبت ہے اور عمر اپنے استدلالات کے پیش نظر ان کی حرمت کا قائل ہے۔

زید کے دلائل حسب ذیل ہیں:

أخرج الطبراني في الأوسط عن عبد الله بن عمر رضي الله عنه ۱۰/ ۲۱۷، حدیث: ۹٤۷٦)

والبيهقي عن ابن عباسؓ، كان رسول الله صلى الله عليه وسلم: يكره من الشاة سبعًا: المرارة، والمثانة، والحياء، والذكر، والأنثيين، والغدة، والدم، وكان أحب الشاة إليه مقدمها. (السنن الكبرى ۱۰/ ۷)

وقال أيضًا عن مجاهدؒ، قال: كره رسول الله صلى الله عليه وسلم من الشاة سبعًا: الذكر، والأنثيين، والقبل، والغدة، والمرارة، والمثانة، والدم -مذکورہ بالا دونوں روایتوں میں ماکول اللحم جانور کی سات چیزوں کی حرمت کا تذکرہ ہے، اس میں کہیں بھی حرمت کرش وامعاء مذکورہ نہیں، اگر واقعتاً حرمت کا حکم کرش

وامعاء سے متعلق ہوتا، تو انہیں سات چیزوں کے ساتھ اس کا ذکر ہوتا؛ حالانکہ ایسا نہیں ہے، اسی طرح کتب فقہ متداولہ میں اشیاء محرمہ کو سات ہی بیان کیا گیا ہے؛ چنانچہ عالمگیری، مصری جلد پنجم، کتاب الذبائح میں بدائع کے حوالہ سے نقل کیا گیا ہے۔

وأما بيان ما يحرم أكله من أجزاء الحيوان سبعةٌ: الدم المسفوح، والذكر، والأنثيان، والغدة، والمثانة، والمرارة، والقبل. (عالمگيري ٥/ ٢٩٠)

اورشامی زکریا جلد نہم کتاب الذبائح ۴۵۱، پر بعینہ یہی عبارت موجود ہے۔

وفي الطحطاوي، قال أبو حنيفة: أما الدم فحرام بالنص وأكره الباقية، المرارة، والمثانة، والحياء، والذكر، والأنثيين، والغدة. (طحطاوي كوئٹه ٤/ ٣٦٠)

بہرحال مذکورہ بالا روایات اور فقہاء کی ان عبارات میں انہیں اشیاء کی حرمت صریح ہے، ان میں کہیں بھی حرمت کرش وامعاء موجود نہیں ہے اور یہ ان کی حلت کی طرف مشیر ہے۔

عمرو کہتا ہے کہ زید کی پیش کردہ روایات وعبارات فقہیہ کی صحت ونقل میں کوئی کلام نہیں ہے؛ لیکن انہیں سات چیزوں میں اشیاء محرمہ کا انحصار سمجھنا اور اس کو مدار استدلال قرار دینا کسی طرح صحیح نہیں ہے؛ کیونکہ اشیاء مباحہ ومحرمہ کی جملہ تفصیل اس کی تمام جزئیات کے ساتھ قرآن وحدیث پاک میں موجود نہیں ہوتی، مثلاً شریعت نے ربو کی حرمت کو ''وحرم الربوٰ'' سے بیان فرمایا، حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے حدیث پاک میں اس کی تشریح فرمائی؛ لیکن اس تشریح میں بھی اس کی تمام جزئیات کا انحصار نہیں فرمایا؛ بلکہ اس کی چند جزئیات کو ذکر فرما کر اس کی علت کی طرف اشارہ فرمادیا۔

اب اگر زید کے نزدیک احکام شرعیہ کے اثبات سے متعلق عبارت النص ہی سب کچھ ہے اشارۃ النص، دلالۃ النص کوئی چیز نہیں، تو پھر اس کو چاہئے کہ انہیں اشیاء ثمانیہ میں ربو کی حرمت کو تسلیم کرے، جو حدیث میں شمار کی گئی ہیں، اسی طرح حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے اشیاء محرمہ کی چند جزئیات کو مذکورہ بالا دونوں روایتوں میں بیان فرمایا اور قرآن کریم نے

''ویحرم علیهم الخبائث'' سے ان جزئیات محرمہ کی علت حرمت کو مخصوص فرمایا- معلول ہوا کہ حکم شرعی قرآن وحدیث میں اپنی جملہ جزئیات کی تفصیل کے ساتھ نہیں ہوتا ہے؛ بلکہ وہ معلول بالعلۃ ہوتا ہے کہ جس کی وجہ سے اس کی جزئیات کا علم ہوجاتا ہے، خواہ وہ علت منصوصہ ہو یا علت مستنبطہ یا اور کوئی علت اور اس علت کا انکشاف ہمارے فقہاء کرام فرماتے ہیں: چنانچہ اشیاء مذکورہ محرمہ سبعہ کی حرمت معلول بعلۃ منصوصہ ہے اور وہ علت حرمت خباثت ہے، جیسا کہ اس حدیث کے ذیل میں (جس میں اشیاء محرمہ سبعہ کا بیان ہے)

علامہ شامی فرماتے ہیں:

قال أبو حنيفة: فالدم حرام وأكره الستة وذلك لقوله عزوجل: حرمت عليكم الميتة والدم الآية، فلما تناوله النص قطع بتحريمه وكره ماسواه؛ لأنها تستخبثه الأنفس وتكرهه، وهذا معنى سبب الكراهة، لقوله تعالىٰ: ويحرم عليهم الخبائث. (زيلعي، شامي، زكريا ١٠/٤٧٧)

معلوم ہوا کہ ان اشیاء ستہ کی کراہت کی علت خباثت یعنی گندگی اور گھناؤنی ہونا ہے۔ اب اگر اشیاء ستہ کی کراہت خباثت کی بناء پر ہے، تو پھر کرش وامعاء کی کراہت بدرجۂ اولیٰ ثابت ہوگی؛ کیونکہ اگر ان سے خباثت میں زائد نہیں تو کسی طرح کم بھی نہیں، مثلاً مثانہ اگر معدن بول ہے، تو کرش وامعاء مخزن فرث ہے، اب چاہے دلالۃ النص سمجھئے یا اجزائے علت منصوصہ! کرش وامعاء کی حلت کسی طرح ثابت نہیں۔

رہ گئی زید کی یہ بات کہ فقہ کی کتب متداولہ میں اشیاء سبعہ کی حرمت مصرح ہے، تو وہ محض باتباع نظم حدیث ہے، اس میں انحصار فی سبع بالکل مستفاد نہیں؛ چنانچہ علت منصوصہ مذکورہ کی بنیاد پر دیگر کتب فقہ میں زیادتی بھی منقول ہے، علامہ قاضی بدیع خوارزمی صاحب منیۃ الفقهاء اور علامہ شمس الدین محمد قہستانی شارح نقایہ اور علامہ سیدی احمد مصری محشی درمختار وغیرہم علماء نے دو چیزیں اور زیادہ ذکر فرمائیں، ایک ''نخاع الصلب'' یعنی حرام مغز

دوسرے گردن کے دونوں پٹھے، جوشانوں تک ممتد ہوتے ہیں، اسی طرح خون جگرخون طحال اوراس خون گوشت کی کراہت مزید منقول ہے، جودم مسفوح کے نکل جانے کے بعد گوشت میں رہ جاتاہے، ذبائح الطحطاوی میں یہ عبارت مذکورہ ہے۔

الذكر، والأنثيان، والمثانة، والعصبان اللذان في العنق، والمرارة تحل مع الكراهة، وكذ الدم الذي يخرج عن اللحم، والكبد، والطحال دون الدم المسفوح، وهل الكراهة تحريمة أوتنزيهة قولان الخ.

بہر کیف فقہاء کی ان زیادات سے زید کا فہم انحصار باطل اور فقہاء کی بیان کردہ کراہت کی علت منصوصہ یعنی خبائث حرمت کرش وامعاء کے لئے مثبت کامل یہ ہے کرش وامعاء کی حلت وحرمت کے بارے میں زید وعمر کا اختلاف محترم مفتی صاحب سے گذارش ہے کہ ان دونوں کے خیالات پر نظر انصاف سے غورفرمائیں، اب اگر زید کا قول اقرب الی الصواب ہے، تو عمر کے اصولی استدلال کا وہ اصولی جواب مرحمت فرمائیں کہ جس سے اس کے استدلال کا ایک ایک تار عنکبوت بن کر بکھر جائے۔ **بينوا بيانـاً شافيا توجروا أجرا وافياً.**

المستفتی: عبدالحلیم قاسمی، مدرسہ فضل رحمانیہ نگ پور، ضلع: فیض آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: علامہ طحطاوی وغیرہ نے جن اجزاء پر کراہت کا حکم لگایاہے، وہ چار قسموں پر ہیں:

(۱) وہ اجزاء جن کو قرآن کریم میں صاف طور پر حرام کہا گیاہے، جیسا کہ دم مسفوح۔

(۲) وہ اجزاء جن کی کراہت حدیث شاۃ میں مذکور ہے، جیسا کہ دم مسفوح کے علاوہ باقی چھ اجزاء۔

(۳) وہ اجزاء جن کی حلت وکراہت کے سلسلہ میں نص میں کوئی صراحت موجود نہیں ہے، جیسا کہ کرش وامعاء، نخاع الصلب اور گردن کے دونوں پٹھے اوردم مسفوح وغیرہ۔

(۴) وہ اجزاء جن کی حلت حدیث شریف سے ثابت ہے۔

عن ابن عمر قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أحلت لنا ميتتان، ودمان، الميتتان الحوت، والجراد، والدمان الكبد، والطحال.

(سنن ابن ماجه، باب الكبد والطحال، النسخة الهندية ۲/۲۳۸، دارالسلام رقم: ۳۳۱٤، مسند أحمد بن حنبل ۲/۹۸، رقم:۵۷۲۳، سنن الدار قطني كتاب الأشربة وغيرها، دارالكتب العلمية بيروت ٤/١٨٤، رقم:٤٦٨٧، مشكاة المصابيح ۲/ ۳٦١)

قیاس کے لئے شرط یہ ہے کہ جن چیزوں پر قیاس کے ذریعہ سے حکم لگایا جا رہا ہے، اس کا حکم نص میں موجود نہ ہو، کبد اور طحال وغیرہ کے حلال ہونے کا حکم نص میں مذکور ہے، پھر قیاس کے ذریعہ سے اس پر کراہت یا عدم کراہت کا حکم لگانا نص کو باطل کرنا ہے، جس کی اجازت اصولاً نہیں ہے، اور اصول میں مذکور ہے کہ تعلیل فی مقابلۃ النص باطل و ناجائز ہے، اور قرآن وحدیث میں جن حیوانات کے کھانے کا جواز ثابت ہے، ان کو بجمیع اجزاء کھانا درست ہے، سوائے ان اجزاء کے کہ جن کو قرآن وحدیث میں مشخص طور پر مستثنیٰ کر دیا گیا ہے، اور کرش وامعاء وغیرہ مستثنیات میں سے نہیں ہیں۔

اور علامہ طحطاوی وغیرہ نے مذکورہ چاروں قسم کے اجزاء پر کراہت کا حکم لگایا ہے، جیسا کہ سوالنامہ کے اندر عمرو نے سب پر حرمت کا حکم لگایا ہے؛ حالانکہ بعض کی حرمت نص قطعی سے ثابت ہے، بعض کی کراہت نص حدیث سے ثابت ہے، بعض کی حلت نص حدیث سے ثابت ہے اور بعض کی حلت و کراہت نص میں مذکور نہیں ہے؛ اس لئے سب پر علی الاطلاق کراہت کا حکم لگانا ہرگز درست نہیں ہوگا، ہاں اس حد تک درست ہوسکتا ہے کہ دم مسفوح کے علاوہ حدیث شاۃ میں جن اشیاء پر کراہت کا حکم لگایا ہے، ان میں شرعی کراہت مراد ہے اور وہ اشیاء جن کے بارے میں نص حدیث حلت کی ناطق ہے، ان میں اور اشیاء مسکوت عنہا میں شرعی کراہت مراد نہ ہو؛ بلکہ ان میں طبعی تنفر کی وجہ سے کراہت طبعیہ مراد ہو، جو شرعی حلت کے

منافی نہیں ہے،اور فقہاء کی تصریحات کا واضح مطلب بھی یہی ہے۔

اب اس اصل سوال کا جواب یوں ہوگا کہ زید کا کرش وامعاء کو حلال کہنا اس اعتبار سے ہے کہ اگر کرش و امعاء کو جوار خبث حاصل ہے، تو کبد وطحال کو خون وگھناؤنیت کی عینیت حاصل ہے؛ کیونکہ وہ خون بستہ ہیں اور بحکم حدیث کبد وطحال حلال ہیں، تو کرش وامعاء بھی بلاتردد حلال ہوں گے، اور اگر شرعی علت کے ساتھ طبعی تنفر کیوجہ سے کراہت طبعیہ کا حکم لگایا جائے، تو جس قدر کراہت طبعیہ کا حکم کبد وطحال پر لگایا جاسکتا ہے، اسی قدر کرش وامعاء ونخاع الصلب وغیرہ پر بھی لگایا جائے، تو کوئی اشکال نہیں اور اس طرح کراہت طبعیہ حلت شرعیہ کی منافی نہیں ہوگی خلاصہ یہ نکلا کہ حدیث شاۃ میں ذکر کردہ اشیاء میں شرعی کراہت مراد ہے، اسی طرف بعض محققین کی تصریحات مشیر ہیں۔

الحديث نص في كراهة هذه الأشياء السبع وهو مذهب الحنفية، فإن قلت: لا يجوز أن تكون الكراهة طبعية لا شرعية، قلنا لو كان كذلك لكانت الأمعاء أولي بالكراهة، فدل ذلك على أنها ليست بطبعية؛ بل شرعية. (اعلاء السنن، كراچي ١٧/ ١٣٠، دارالكتب العلمية بيروت١٧/ ١٤٤)

اسی وجہ سے حضرت تھانوی قدس سرہ نے امداد الفتاوی ۴/ ۱۰۴ میں اور حضرت گنگوہی قدس سرہ نے فتاوی رشیدیہ ص:۵۵۱ میں اوجھڑی کو حلال لکھا ہے۔

اب رہا عمرو کے اصولی استدلال کا اصولی جواب تو اس کا مدار اس بات پر ہے کہ اولاً عمرو دلائل نقلیہ کے ذریعہ سے مقیس علیہ کی حرمت ثابت کردے اور اگر حرمت سے کراہت کی طرف رجوع کرتا ہے، تو حلت کے ساتھ ساتھ کراہت بھی ثابت کی جاچکی ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/ رمضان المبارک ۱۴۰۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۵/ ۱۴۱۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۰۹/۹/۱۹ھ

حلال جانور کی کھال گوشت کے ساتھ استعمال کرنا

سوال [۱۰۸۱۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مشرقی بعض علاقوں میں حلال جانوروں کی کھال بھی گوشت کے ساتھ استعمال کرتے ہیں، کیا اس طرح کھال کو کھانا جائز ہے؟

المستفتی: ابوالخیر ۲۴ پرگنوی، متعلم مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حلال جانوروں کی کھال پاک اور حلال ہے؛ لہٰذا اگر کوئی کھانا گوارہ کرتا ہے، تو جائز ہے۔ (مستفاد: محمودیہ قدیم ۳۳۳/۴، جدید ڈابھیل ۲۹۲/۱۷)

ما يحرم أكله من أجزاء الحيوان المأكول سبعةٌ: الدم المسفوح، والذكر، والأنثيان، والقبل، والغدة، والمثانة، والمرارة. (شامي، قبيل، كتاب الأضحية، كراچي ٣١١/٦، زكريا ٤٥١/٩، هندية، زكريا قديم ٢٩٠/٥، جديد ٣٣٥/٥، بدائع الصنائع، زكريا ١٩٠/٤، كراچي ٦١/٥، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٤٨٩/٤، مصري قديم ٧٤٣/٢) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللّٰہ عنہ
۱۷/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰۷۸/۳۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۸/۶/۱۴۱۵ھ

مردار جانور کی ہڈی اور کھال فروخت کرنا

سوال [۱۰۸۱۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مردار کی ہڈی اور مردار کی کھال فروخت کرنا جائز ہے یا ناجائز، جیسے ہمارے یہاں ایک بھینس تھی وہ مرگئی، اس کی کھال کو ہم نے بیچ لیا یہ پیسہ خرچ کرنا ہمارے لئے جائز ہے یا ناجائز ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مردار کی ہڈی جس میں سے آلائش کو صاف کرلیا گیا ہو، اسی طرح مردار کے سینگ پاک ہوتے ہیں؛ اس لئے کہ ہڈی اور سینگ میں زندگی نہیں ہوتی ہے، ؛ اس لئے مردار کی ہڈی اور سینگ کا فروخت کرنا درست ہے، ہاں البتہ مردار کی کھال کا مسئلہ بالکل الگ ہے، اگر مردار کی کھال کو دباغت دے کر صاف کرلیا ہو، تو وہ پاک ہوجاتی ہے، اور اس کا فروخت کرنا صحیح ہے اور دباغت سے پہلے پہلے مردار کی کھال بیچنا جائز نہیں۔

ولابأس ببيع عظام الميتة، وعصبها، وصوفها، وشعرها، وقرنها، ودبرها والانتفاع بذلك كله. (هداية، باب البيع الفاسد اشرفى ديوبند ٣/ ٥٥، البناية اشرفية ديوبند ٤٢٧/٨، الجامع الصغير وشرحه النافع الكبير، دارالكتب العلمية بيروت ٣٢٩/١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍صفر المظفر ۱۴۲۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۸۶۹۲/۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۲/۴ھ

حرام جانوروں کے اجزاء سے مرغی کی غذا تیار کرنا

سوال [۱۰۸۲۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جانوروں کے کھانے کے لئے مخصوص غذا تیار کی جاتی ہے، جس میں گوشت کے مختلف اجزاء پسی ہوئی ہڈی، چربی اور خون شامل ہوتا ہے، کیا ایسی غذا جانوروں کو کھلانا اور انہیں تیار کرکے ان کی تجارت کرنا شرعاً جائز ہے؟ بعض لوگوں کو خون شامل کرنے کی وجہ سے شک ہے؟

المستفتی: نیاز احمد فاروقی، حلال ٹرسٹ جمعیۃ علماء ہند

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر ذبح شدہ حلال جانور کے گوشت کے اجزاء ہیں اور حلال مذبوحہ کی چربی ہے، اسی طرح اس کی ہڈی ہے، تو ان تمام چیزوں کے جائز اور پاک ہونے میں کسی کو شک وشبہ نہیں ہے اور ان کے ذریعہ سے جانوروں کو کھلانے کے لئے جو غذا تیار کی جاتی ہے، ان غذاؤں کے استعمال اور ان کی تجارت بھی بلا شبہ جائز اور حلال ہے اور اگر حرام جانوروں کے اجزاء ہیں یا غیر مذبوح جانوروں کے گوشت کے اجزاء مثلاً مردار وغیرہ کے گوشت چربی وغیرہ ہیں، تو اس میں تفصیل یہ ہے کہ اگر بعینہ اجزاء اپنی اصلی حالت پر باقی ہیں، تو انہیں جانوروں کے غذا کے طور پر استعمال کرنا جائز نہ ہوگا اور نہ ہی ان کی تجارت جائز ہوگی اور اگر ان اجزاء کو تبدیل ماہیت کے ذریعہ ان کی حقیقت بدل دی جائے، جس سے ان اشیاء کا رنگ، بو، مزہ اور نمایاں اثرات ختم ہوکر دوسری چیز بن جائے، تو اس کو جانوروں کی غذا کے طور پر استعمال کرنا وغیرہ سب کچھ جائز ہوجاتا ہے، جیسا کہ فقہاء نے مردار کی چربی اور مردار کے ناپاک تیل سے بنائے گئے صابن کو تبدیل ماہیت کی وجہ سے پاک اور جائز قرار دیا ہے، اور اس کا استعمال اور اس کی تجارت سب کچھ جائز ہے، اسی طرح مذکورہ تمام اشیاء بھی تبدیل ماہیت کی وجہ سے پاک ہوجائیں گی اور جانوروں کے غذا کے طور پر استعمال کرنا اور ان کی تجارت بھی بلا شبہ جائز ہوجائے گی۔

سوال نامہ میں خون کے شامل ہونے کی وجہ سے شک وشبہ کا اظہار کیا گیا ہے، اس کے بارے میں تفصیل یہ ہے کہ دم مسفوح یعنی بہتا ہوا خون چاہے، حلال جانور کا ہو یا حرام جانور کا جو شہ رگ سے بہتا ہوا نکلتا ہے، وہ ناپاک اور حرام ہے؛ لہٰذا اس کو بعینہ اصلی حالت میں رہتے ہوئے مذکورہ غذاؤں میں شامل کیا جائے، تو وہ غذا ناپاک ہوگی، اگر اسی حالت میں حلال جانوروں کو کھلایا جائے، تو جانور جلالہ کے حکم میں ہوگا اور اگر تبدیل ماہیت کے ذریعہ خون کی اصلی حالت ختم ہوجائے، مثلاً اس کی سیلانیت اور تراوٹ ختم ہوجائے اور اس کا رنگ وبو،

اوراس کا مزہ بھی ختم ہوجائے،اس کی اصلی حالت باقی نہ رہے؛ بلکہ کوئی دوسری چیز بن جائے، تو تبدیل ماہیت کی وجہ سے وہ پاک ہوجائے گا اور جانوروں کے غذاء کے طور پر استعمال کرنا اوراس کی تجارت کرنا سب کچھ جائز ہوجائے گا۔ (مستفاد: منتخبات نظام الفتاوی ۲/۵۲۶)

عبارة المجتبیٰ: جعل الدهن النجس في صابون یفتیٰ بطهارته؛ لأنه تغیر، والتغیر یطهر عند محمدؒ، ویفتی به للبلویٰ، وظاهره أن دهن المیتة کذلک لتعبیره بالنجس دون المتنجس، إلا أن یقال: هو خاص بالنجس؛ لأن العادة في الصابون وضع الزیت دون بقیة الأدهان، ثم رأیت في شرح المنیة ما یؤید الأول حیث قال: وعلیه یتفرع مالو وقع إنسان، أو کلب في قدر الصابون، فصار صابونا یکونا طاهرًا؛ لتبدل الحقیقة، ثم إعلم أن العلة عند محمدؒ هي التغیر وانقلاب الحقیقة، وأنه یفتی به للبلوی کما علم مما مر، ومقتضاه عدم اختصاص ذلک الحکم بالصابون، فیدخل فیه کل ما کان فیه تغیر وانقلاب حقیقة، وکان فیه بلوی عامة. (شامي، کتاب الطهارة، باب الأنجاس، کراچي ۱/۳۱٦، زکریا ۱/۵۱۹، حاشیة تاتارخانیة، زکریا۱ /۴۳۷، غنیة المستملي، اشرفیة دیوبند ۱۸۹، کذا في البحر، کوئٹه ۱/۲۲۸، زکریا ۱/۳۹۵، هندیة، زکریا قدیم ۱/۴۵، جدید ۱/۱۰۰)

علامہ شامیؒ نے دوسری جگہ محیط کے حوالہ سے حضرت امام محمدؒ کے ساتھ حضرت امام ابوحنیفہؒ کا قول بھی یہی نقل فرمایا ہے۔ ملاحظہ فرمایئے:

فصار حمأة لانقلاب العین (وفي الشامیة) لانقلاب العین علة للکل، وهذا قول محمدؒ، وذکر معه في الذخیرة والمحیط أبا حنفیةؒ قال في الفتح: وکثیر من المشایخ اختاروه وهو المختار؛ لأن الشرع رتب وصف النجاسة علی تلک الحقیقة وتنتفی الحقیقة بانتفاء بعض أجزاء مفهومها فکیف بالکل؟ فإن الملح غیر العظم واللحم، فإذا صار ملحا

ترتب حکم الملح. (شامي، باب الأنجاس، مطلب في العفو عن طين الشارع، زكريا ١/٥٣٤، كراچي ١/٣٢٧)

محیط برہانی اور تاتارخانیہ میں الفاظ کے کچھ فرق کے ساتھ اس طرح نقل فرمایا ہے ملاحظہ فرمایئے:

وقد وقع عند بعض الناس أن الصابون نجس؛ لأنه يتخذ من دهن الكتان، ودهن الكتان نجس؛ لأن أوعيته تكون مفتوحة الرأس عادةً والفأرة تقصد شربها، وتقع فيها غالباً، ولكنا لا نفتي بنجاسة الصابون؛ لأن الأصل إنما هو الطهارة،والنجاسة بعارض أمر نادر، ومع أنالو نفتي بنجاسة الدهن لانفتي بنجاسة الصابون؛ لأن الدهن قد تغير وصار شيئًاآخر، وقد ذكرنا أن من مذهب محمدؒ: أن النجس يصير طاهراً بالتغير؛ فيفتى فيه بقول محمدؒ: لمكان عموم البلوى. (المحيط البرهاني، المجس العلمى ١/٣٦٩، رقم المسألة ٧٤٦، تاتارخانية، زكريا ١/٤٣٧، رقم: ١٠١١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/ ذی قعدہ ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۷۰۰/۴۱)

مذبوحہ جانوروں کے خون سے کھاد اور مچھلیوں کی غذا بنانا

سوال [۱۰۸۲۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ احقر اپنا ایک نجی مذبح خانہ چلاتا ہے، اس میں وہ جانور جن کا گوشت شریعت محمدی میں کھانے کی اجازت ہے، ان جانوروں کو اللہ رب العزت کے نام مبارک سے ذبح کیا جاتا ہے، ذبیحہ جانور کے نکلے ہوئے خون کو محفوظ کرکے جدید ترین مشنریز کے ذریعہ سے خشک کرکے اور پھر کسی ٹیکنالوجی سے اس کو کھاد اور غذا بنادیا جاتا ہے، جس کو پھل پھول اناج

اور مچھلیوں کی پیداوار میں اضافہ کے لئے استعمال کیا جاتا ہے، ایسی حالت میں کاروبار کر کے منافع کمانا یا نفع ونقصان کرنا ناجائز یا حرام ہے، یا پھر جائز ہے، اور اگر ناجائز اور حرام ہے، تو پھر اس خون کے کاروبار سے کمائی ہوئی دولت کو کہاں خرچ کیا جائے، یہاں پر یہ بات بھی بتادینا ضروری ہے، مذکورہ بالا مذبح خانہ بنانے کی اجازت ومنظوری انہیں بنیادی شرائط پر سرکار نے دی ہے، اگر سرکاری شرائط کا لحاظ نہیں رکھا گیا، تو سرکار کی جانب سے لائیسنس منسوخ کئے جانے کا خطرہ ہے، جس کی وجہ سے احقر کو کافی نقصان اٹھانا پڑے گا۔ قرآن حکیم اوراحادیث نبویہ کی روشنی میں جلدی جواب عنایت فرمائیں عین نوازش ہوگی۔

المستفتی: احتشام الحق، ساکن محلّہ اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دم مسفوح کو محفوظ کر کے جدید مشینری کے ذریعہ سے دیگر اشیاء کے اختلاط کے ساتھ خون کی ماہیت تبدیل کر لی جائے، اور وہ دوسری چیز بن جائے، مثلاً کھاد اور مرغ مچھلی کا چارہ یا دیگر اشیاء کی شکل بن جائے، تو دم مسفوح پاک ہوجاتا ہے؛ کیونکہ انقلاب ماہیت کی وجہ سے ناپاک چیزیں پاک ہوجاتی ہیں، جیسا کہ شراب نجس اور حرام ہوتی ہے، مگر اسی شراب کو سرکہ بنالیا جائے، تو وہ پاک اور حلال ہوجاتا ہے، اسی طریقہ سے ناپاک تیل اور مردار کی چربی سے صابون بنالیا جائے، تو انقلاب ماہیت کی وجہ سے وہ پاک ہوجاتا ہے؛ لہٰذا سوال نامہ میں درج کردہ صورت میں جدید مشینری کے ذریعہ سے خون کی ماہیت تبدیل کر کے دوسری اشیاء بنادی جائیں، تو اس سے خون کا حکم ختم ہوجاتا ہے اور وہ چیزیں استعمال کرنا اور ان کی تجارت کرنا اور اس تجارت کا پیسہ سب حلال وجائز ہے اور اس بارے میں کتب فقہ میں جزئیات کا بڑا ذخیرہ موجود ہے، چند جزئیات حسب ذیل ہیں۔

وعندهما يصير خمرًا بظهور دليل الخمرية ويصير خلا بظهور

دليل الخلية فيه،هذا إذا تخللت بنفسها، فأما إذا خللها صاحبها بعلاج من خل، أو ملح أو غيرهما فالتخليل جائز والخل حلال عندنا......لنا ماروى عن النبي عليه الصلوة والسلام أنه قال: أيما إهاب دبغ فقد طهر كالخمر إذا تخلل فيحل. (بدائع الصنائع، كتاب الأشربة، زكريا ٤/٢٧٩، كراچي ٥/١١٣-١١٤)

يطهر زيت تنجس بجعله صابونا به يفتى للبلوى (تحته في الشامية) ثم هذه المسئلة قد فرعوها على قول محمد بالطهارة بانقلاب العين الذي عليه الفتوىٰ واختاره أكثر المشايخ......وعبارة المجتبىٰ: جعل الدهن النجس في صابون يفتى بطهارته؛ لأنه تغير والتغير يطهر عند محمد ويفتى به للبلوى......ثم اعلم أن العلة عند محمدؒ هي التغير وانقلاب الحقيقة، وأنه يفتى به للبلوىٰ كما علم ممامر و مقتضاه عدم اختصاص ذلک الحکم بالصابون، فيدخل فيه كل ماكان فيه تغير وانقلاب حقيقة وكان فيه بلوىٰ عامة. (شامي، كتاب الطهارة، باب الأنجاس، زكريا ١/٥١٩، كراچي ١/٣١٥، الموسوعة الفقهية الكويتية ٢٦/٣٠١، ٢٩/١٠٨)

وخل الخمر حلال ولو خللت (بعلاج) بالقاء ملح أوخل عندنا لقوله عليه السلام خير خلكم خل خمركم. (مجمع الأنهر، كتاب الأشربة، دار الكتب العلمية بيروت ٤/٢٥١، مصري قديم ٢/٥٧٣)

والأعيان النجسة تطهر بالاستحالة عندنا وذلک مثل الميتة إذا وقعت في المملحة، فاستحالت حتى صارت ملحاً والعذرة إذا صارت تراباً، أو حرقت بالنار وصارت رماداً، فهي نظير الخمر إذا تخللت، أوجلد الميتة إذا دبغت، فإنه يحكم بطهارتها للاستحالة وذكر في الفتاوى

أن رأس الشاة لو أحرق حتی زال الدم یحکم بطهارته وکذا البلة النجسة في التنور تزول بالإحراق. (تبیین الحقائق، کتاب الطهارة، باب الأنجاس، امدادیة ملتان ۱/ ۷٦، زکریا ۱/ ۲۰۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳/ ربیع الاول ۱۴۳۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰/ ۱۱۰۲۱)

خنزیر کے بالوں سے تیار شدہ برش کا استعمال

سوال [۱۰۸۲۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں ایک موٹر مکینک ہوں اور گاڑی وغیرہ کی صفائی کے لئے برش کی ضرورت پڑتی ہے، اور عام طور پر برش خنزیر کے بالوں کا ہوا کرتا ہے؛ لیکن ہمیں پتہ نہیں چلتا کہ یہ خنزیر کے بالوں کے ہیں یا عام جانوروں کے بال کے۔ اور ہم دوکاندار سے کہتے ہیں کہ خنزیر کے علاوہ کے بالوں کا برش دینا؛ لیکن وہ دھوکہ دے کر بعض مرتبہ خنزیر کے بالوں کا برش دیتا ہے اور مجھے پتہ نہیں چلتا، تو اب میرے لئے اس برش کا استعمال کرنا کیسا ہے؟

(۲) پھر اس برش کو ہم استعمال کرلیتے ہیں اور بعض اوقات ہاتھ دھوئے بغیر کوئی چیز کھاپی لیتے ہیں، تو اس طریقہ سے میرا کھانا پینا جائز ہے یا ناجائز وضاحت فرمائیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: (۱) خنزیر کا بال نجس العین ہے، اس سے تیار شدہ برش بھی ناپاک ہے؛ اس لئے اس کا استعمال کرنا جائز نہیں ہے اور یہ بات سمجھ سے بالاتر ہے کہ جولوگ برش کا استعمال کرتے ہیں، ان کو پہچان نہ ہو، اگر دھوکہ دے کر خنزیر کے بال والا برش دیدیا ہے، تو ضرور پہچانا جاسکتا ہے۔

نیز ہمارے ہندوستان میں خنزیر کے بالوں کے علاوہ کسی اور جانوروں کے بالوں سے برش بنانے کا دستور نہیں ہے، اگر کہیں خال خال ہے بھی تو وہ بالکل کالعدم ہے؛ اس لئے دوکاندار سے صاف کہہ دیا جائے کہ خنزیر کے بالوں کا برش نہ ہو؛ بلکہ نائیلون کا برش چاہئے اور نائیلون کے تاروں کا ایسا برش آرہا ہے جس کی وجہ سے جانوروں کے بال کے برش استعمال کرنے کی ضرورت نہیں۔

(۲) کسی مسلمان کے لئے یہ نہایت خطرناک بات ہے کہ خنزیر جیسے نجس العین جانور کے بال اپنے ہاتھ سے استعمال کرے، پھر بغیر دھوئے کوئی چیز کھائے۔ نیز ایک مسلمان کی غیرت ایمانی کے خلاف ہے کہ خنزیر کے بال پر ہاتھ لگائے۔

قال ابن عابدینؒ، قوله علی المذهب أي علی قول أبي یوسفؒ الذي هو ظاهر الروایة أن شعره نجس وصححه في البدائع ورجحه في الاختیار إلی قوله قال العلامة المقدسي. وفي زماننا استغنوا عنه أي فلا یجوز استعماله؛ لزوال الضرورة الباعثة للحکم بالطهارة. (شامي، کتاب الطهارة، باب المیاه، زکریا ۱/ ۳۵۹- ۳٦۰، کراچي ۱/ ۲۰٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍ ربیع الثانی ۱۴۲۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ٦ ۳/ ۷٦۰۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۳/ ۴/ ۱۴۲۳ھ

خنزیر کی رقم سے اپنی ضروریات پوری کرنا

سوال [۱۰۸۲۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسلمانوں میں کچھ لوگ ایسے ہیں، جو کھیتی کی حفاظت اور شکار کے لئے جانے میں خنزیر یعنی سور کو پکڑ لیتے ہیں اور پھر اس کو بیچ کر کے اس کی رقم اپنے کھانے پینے میں اور دیگر ضروریات میں صرف کرتے ہیں۔ کیا جبکہ سور کا کھانا کسی بھی مسلمان کے لئے ناجائز

اورحرام ہے، تو کیا اس کو فروخت کر کے اس کی رقم اپنی ضروریات میں خرچ کر سکتے ہیں یانہیں؟ مسئلہ دلیل کے ساتھ قلم بند فرمائیں۔

المستفتی: محمد ہاشم قاسمی، جیرولی کھمم

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: خنزیر اوراس کی قیمت دونوں مسلمانوں کے لئے حرام اورناجائز ہے، نہ اس کو فروخت کرنا جائز ہے، اورنہ ہی اس کی قیمت ضروریات میں خرچ کرنا جائز ہے۔

وأما بيع الخمر، والخنزير إن كان قوبل بالدين كالدراهم والدنانير، فالبيع باطل لا يفيد ملك الخمر ولا مايقابلها. (الموسوعة الفقهية الكويتية اشرفي ديوبند ٣٤٤/٣٨، هداية اشرفي ديوبند ٤٩/٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶ ربیع الاول ۱۴۱۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۳۹۵/۳۲)

(۱۲) باب ما يحل قتله وما لا يحل

کن جانوروں کو مارنے کی اجازت ہے؟

سوال [۱۰۸۲۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جن موذی جانوروں کو مارنا مستحب ہے؟ وہ کون کون سے ہیں؟

(۲) جنگلی جانور جن سے جانی خطرہ ہے ان کے مارنے کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: اقبال شمشی ہاؤس، طویلہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱/۲) جن موذی جانوروں کا مارنا ثواب ہے، ان میں سے سانپ، بچھو، گرگٹ، چھپکلی۔ نیز زمین پر رہنے والی مکڑی وغیرہ ہیں، جو رات کے وقت نکلتی ہے اور موذی ہوتی ہے؛ لیکن جو مکڑی عام طور پر گھروں میں پائی جاتی ہے بلاضروت اور بغیر پریشانی وضرر کے اس کو نہیں مارنا چاہئے۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۱۸۵/۸، فتاوی محمودیہ جدید ڈابھیل ۲۷۶/۸، ۲۷۸، ۲۸۰، قدیم ۲۷۶/۱۲، ۳۴۲/۵، ۳۸۹/۱۷/۱)

عن أبي هريرةؓ، قال: أمر رسول الله صلى الله عليه وسلم أن نقتل الأسودين في الصلوة العقرب والحية. (مسند أحمد ۱۵۷/٦، رقم: ٧٨٠٤، سنن الترمذي، أبواب الصلوة، باب ماجاء في قتل الاسودين في الصلاة، النسخة الهندية ۸۹/۱، دارالسلام، رقم: ٣٩٠٤، مسند دارمي، دار المغني بيروت ٩٤٥/٣، رقم: ١٥٤٥)

عن عائشةؓ أنها قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: اقتلوا الحيات كلهن. (مسند أحمد ١٥٧/٦، رقم: ٢٥٧٥٥، سنن الترمذي، أبواب الصيد، باب في قتل الحيات، النسخة الهندية ٢٧٣/١، دارالسلام رقم: ١٤٨٣)

عن أم شريك رضـ، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم أمر بقتل الوزغ. (بخاري شريف، كتاب الأنبياء، باب قول الله عزوجل واتخذ الله إبراهيم خليلاً، ١/ ٤٧٤، رقم: ٣٢٤٨، ف: ٣٣٥٩، في كتاب بدء الخلق، باب خير مال المسلم غنم ١/ ٤٦٦، رقم: ٣١٩٩، ف: ٣٣٠١)

من قتل وزغا في أول ضربة كتبت له مأة حسنة وفي الثانية دون ذلك وفي الثالثة دون ذلك. (مسلم شريف، كتاب قتل الحيات، باب استحباب قتل الوزغ، النسخة الهندية ٢/ ٢٣٦، بيت الأفكار رقم: ٢٢٤٠، سنن الترمذي، أبواب الصيد، باب في قتل الوزغ، النسخة الهندية ٢/ ٢٧٣، دارالسلام رقم: ١٤٨٢، سنن ابن ماجه أبواب الصيد، باب قتل الوزغ،النسخة الهندية٢/ ٢٣٢، دار السلام رقم:٣٢٢٨)

النوع الآخر يحضر بيته في الأرض، ويخرج في الليل كسائر الهوام وهي على ما ذكره غير واحد من ذوات السموم، فليسن قتلها لذلك. (روح المعاني، سورة العنكبوت، تحت تفسير الآية: ٤١، جز ٢٠، مكتبه، زكريا ديوبند ١١/ ٢٤١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵/ ۷۲۱۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۵/۱۰ھ

ٹوکری میں بند کرنے کی وجہ سے بلی مرگئی

سوال [۱۰۸۲۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آج سے تقریباً بیس سال قبل بندہ ایک بلی کو ٹوکری میں بند کر کے دفتر چلا گیا تھا، پھر جب شام میں واپسی ہوئی اور ٹوکری کو کھول کر دیکھا تو بلی کو مردہ پایا، اس واقعہ کے بعد سے بندہ اپنے اس فعل قبیح پر کافی نادم وپشیمان ہے؛ لہٰذا اگر اس کی تلافی کی کوئی صورت ہو تو عرض فرمادیں؟

المستفتی: سرتاج حسین، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بلا وجہ کسی بھی جاندار کواذیت پہونچانا گناہ ہے؛ لہٰذا آپ کے فعل کی وجہ سے جو بلی مرگئی ہے، وہ قابل مذمت اورسخت گناہ کی بات ہے، حدیث شریف میں آیاہے، کہ ایک عورت نے بلی کو باندھ رکھا تھا، نہ اس کوکھانا دیتی تھی اور نہ اس کوچھوڑتی تھی کہ وہ اپنے طور پرکوئی چیز کھا کر پیٹ بھرلیتی اوراسی بندھے ہوئے ہونے کی حالت میں بلی مرگئی ،اسی وجہ سے اس کا نام جہنمیوں کی فہرست میں آگیا؛ اس لئے احتیاط کی ضرورت ہے، اب اس کی تلافی کی صورت یہی ہے کہ آپ سچے دل سے پکی سچی توبہ کرلیں اللہ تعالیٰ بخشنے والا ہے؛ البتہ اگرآپ نے بلی کواس لئے بندکررکھا تھا کہ آپ کے پیچھے بلی گھر کی چیزوں کونقصان پہونچاتی تھی،ٹوکری میں بندکر کےاس کی جان مارنا مقصدنہیں تھا، اوراس کی ضرورت کا کھانا بھی آپ نے دیدیا تھا، تو ایسی صورت میں گناہ سے بچنے کی امید ہے؛ لیکن پھر بھی اللہ سے نادم ہوکرتوبہ کرلینی چاہئے۔

عن نافع عن عبد اللّٰہ ؓ ان رسول اللّٰہ صلی علیہ وسلم قال: عذبت امرأۃ في ہرۃ حبستہا حتی ماتت جوعا، فدخلت فیہا النار قال: فقال واللّٰہ أعلم لا أنت أطعمتہا ولاسقیتہا حین حبستیہا ولاأنت أرسلتہا، فأکلت من خشاش الأرض. (بخاري شریف، کتاب المساقاۃ، باب فضل سقي الماء ۱/۳۱۸، رقم: ۲۳۰۴ ف ۲۳۶۵)

عن عبیدۃ بن عبد اللّٰہ عن أبیہ ؓ، قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: التائب من الذنب کمن لا ذنب لہ. (ابن ماجہ شریف، أبواب الزہد، باب ذکر التوبۃ، النسخۃ الہندیۃ ۲/۳۱۳، دارالسلام رقم: ۴۲۵۰، مشکوۃ شریف ۲۰۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ ؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹ ؍ ۱۰۴۱۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۵/۲۹ھ

بلاقصد جھاڑو سے چیونٹیاں مرجائیں تو کیا حکم ہے؟

سوال [۱۰۸۲۶]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بندہ مدرسہ چلہ امروہہ میں ملازم ہے، جھاڑو دینے کا کام بھی بندہ کے ذمہ ہے۔

دریافت طلب بات یہ ہے کہ جھاڑو دینے میں بہت سی چیونٹیاں جھاڑو کی زد میں آجاتی ہیں، جس سے بہت سی مر بھی جاتی ہیں، اگر آہستہ آہستہ جھاڑو لگا تا ہوں، تو بہت تاخیر ہوتی ہے، بندہ پران چونٹیوں کے مرنے میں کوئی گرفت تو نہیں ہے یا پھر کیا شکل اختیار کرنی چاہئے۔

المستفتی: نسیم احمد، چلہ امروہہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جھاڑو دیتے وقت اگر آپ کی نیت چونٹیوں کو مارنا نہیں ہے؛ بلکہ صرف مسجد کی صفائی ہے اور بلا اختیار ایک آدھ چیونٹی مرجائے، تو انشاء اللہ تعالی مواخذہ نہ ہوگا اور چیونٹیوں کا مسجد میں جمع ہوجانا ایذاء مصلی سے خالی نہ ہوگا؛ اس لئے جھاڑو کی زد میں مرجائیں، تو مؤاخذہ انشاء اللہ نہ ہوگا۔

قتل النملة تكلموا فيه، والمختار أنه إذا ابتدأت بالأذىٰ لا بأس بقتلها. (هندية، كتاب الكراهية، الباب الحادي والعشرون، زكريا قديم ٥/ ٣٦١، جديد ٥/ ٤١٧، تاتارخانية، زكريا ١٨/ ٢٢٦، رقم: ٢٨٥٩٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ر صفر المظفر ۱۴۱۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۹/ ۳۳۳۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴/۲/۲۸ھ

گاندھلی کو آگ سے جلانا

سوال [۱۰۸۲۷]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ مسجدوں میں بہت سی جگہ گاندھلی بیٹھتی ہیں، وہ بہت زہریلی ہوتی ہیں، کیا ان کوآگ سے جلا سکتے ہیں؟

المستفتی: محمود محمدی، شاہی مسجد، جلگاؤں، مہاراشٹر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگرجلائے بغیرکسی اورطریقہ سے دفع کیا جاسکتا ہے،تو جلانا جائزنہیں ہےاوراگربغیرجلائے وہاں سے ہٹانے کی کوئی اورصورت نہ ہو،تو مجبوراً آگ لگانا جائز ہے۔(مستفاد: امدادالفتاوی ۴/۲۵۲-۴/۲۶۵)

نهىٰ رسول الله صلى الله عليه وسلم عن قتل كل ذي روح إلا أن يؤذي.

(المعجم الكبير للطبراني، دار احياء التراث العربى بيروت ١٢/ ٩١، رقم: ١٢٦٣٩)

والظاهر أن المراد حرق ذاتهم بالمجانيق، وإذا جازت محاربتهم بحرقهم فما لهم أولىٰ بالمجانيق أي برمي النار بها عليهم؛ لكن جواز التحريق والتغريق مقيد بما إذا لم يتمكنوا من الظفر بهم بدون ذلک بلا مشقة عظيمة، فإن تمكنوا بدونها فلا يجوز. (شامي، كتاب الجهاد، مطلب في أن الكفار مخاطبون ندباً، كراچي ٤/ ١٢٩، زكريا ٦/ ٢٠٩-٢١٠) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳/ رجب المرجب ۱۴۱۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۸/ ۲۷۶۸)

مکڑی مارنے کا حکم

سوال [۱۰۸۲۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مکڑی کے مارنے کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: اقبال شمسی ہاؤس، طویلہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جنگلی جانور جن سے جان وغیرہ کا اندیشہ ہو، جیسے شیر چیتا بھیڑیا اسی طرح دیگر موذی جانوروں کو مارنا جائز ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۱۸۵/۸، محمودیہ جدید ڈابھیل ۲۷۹/۱۸، قدیم ۳۷۷/۱۲)

نهیٰ رسول الله صلی الله علیه وسلم عن قتل کل ذي روح إلا أن یؤذي .

(المعجم الکبیر للطبراني، دار احیاء التراث العربی بیروت ۹۱/۱۲، رقم:۱۲۶۳۹)

وجاز قتل ما یضر منها ککلب عقور وهرة تضر . (شامي، کتاب الحج، بـاب الجنایات، زکریا ۶۰۸/۳، کراچي ۵۷۰/۲، وفي تاب الحظر والإباحة، فصل في البیع، زکریا۵۵۸/۹، کراچي ۷۵۲/۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۷/۱۱۱/۳۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۵/۱۰ھ

مچھروں کو الیکٹرونک بیٹ سے مارنا کیسا ہے؟

سوال [۱۰۸۲۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کرنٹ والے بیٹ سے مچھر مارنا جائز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: الیکٹرانک بیٹ کے ذریعہ مچھروں کو جلا کر مارنا جائز نہیں؛ بلکہ مکروہ تحریمی ہے؛ اس لئے کہ اس میں جاندار کو آگ سے جلانا لازم آتا ہے، جس کی حدیث میں ممانعت وارد ہوئی ہے، ہاں البتہ کرنٹ والی مشین کسی جگہ رکھی ہوئی ہو اور مچھر خود وہاں جا کر جل کر مر جاتے ہوں، تو اس میں کوئی حرج نہیں؛ کیونکہ اس میں جلانا نہیں پایا جا رہا ہے؛ بلکہ مچھر خود ہی آ کر جل رہے ہیں، یہ ایسا ہے کہ جیسے پتنگے بلبوں اور چراغ میں خود جا کر مرتے ہیں۔

عن عبد الرحمن بن عبد الله عن أبيه ؓ **قال: كنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم: في سفر فانطلق لحاجته......ورأى قرية نمل قد حرقناها، فقال: من حرق هذه؟ قلنا نحن، قال: إنه لا ينبغي أن يعذب بالنار إلا رب النار.** (أبوداؤد شريف، كتاب الجهاد، باب في كراهية حرق العدو في النار، النسخة الهندية۲/ ٦٢ ٣- ٣ ٦ ٣، دارالسلام رقم: ٢٦٧٥)

عن أبي هريرة ؓ**، أنه قال: بعثنا رسول الله صلى الله عليه وسلم في بعث فقال: إن وجدتم فلاناً و فلانًا فأحرقوهما بالنار، ثم قال رسول الله صلى الله عليه وسلم حين أردنا الخروج إني أمرتكم أن تحرقوا فلانًا وفلانًا وأن النار لا يعذب بها إلا الله، فإن وجدتموهما فاقتلوهما.** (بخاري شريف، كتاب الجهاد، باب لا يعذب بعذاب الله۱/ ۲۳ ٤ ، رقم:۳ ۲ ۹ ۲ ، ف:٦ ۱ ۰ ۳)

وإحراق القمل، العقرب بالنار مكروه. (هندية، زكريا قديم ٥/ ١ ٦ ٣، جديد ٥/ ٧ ١ ٤ ، تاتارخانية ١٨/ ٢٢٧، رقم:٨ ٩ ٥ ٨ ٢)

ويكره إحراق جراد، وقمل، وعقرب، وتحته في الشامية: يكره تحريما ومثل القمل البرغوث ومثل العقرب الحية. (شامي، زكريا ١٠/ ٤٨٢، كراچي ٢ ٥ ٧) *فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم*

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳ / جمادی الثانیہ ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر الف ۴۱ / ۱۱۰۷۷)

(۱۳) باب الخمر والدخان

شراب پینا کیسا ہے؟

سوال [۱۰۸۳۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ شراب پینا کیسا ہے؟

المستفتی: جمعہ شاہ پی ٹی سی فرسٹ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شراب پیشاب وخون کی طرح نجس ہے، اوراس کا پینا حرام ہے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْن. (المائدہ: ۹۰)

وأما الخمر فلها أحكام ستة: أحدها: أنه يحرم شرب قليلها وكثيرها، ويحرم الانتفاع بها للتداوي وغيره...... والخامس: هي نجسة غليظة كالبول والدم. (هنديه، كتاب الأشربة الباب الاول زكريا جديد ٥/٤٦٨ قديم ٥/٤١٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۹؍ ۳۴۷۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴/۵/۲۳ھ

ما اسکر کثیرہ فقلیلہ حرام کا مطلب اور بیڑی وغیرہ کا کیا حکم ہے؟

سوال [۱۰۸۳۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل

کے بارے میں: کہ حدیث پاک **ما اسکر کثیرہ فقلیله حرام** کو پیش نظر رکھ کر واضح فرمائیے کہ جس کا کثیر نشہ آور ہو، تو اس کا قلیل بھی حرام ہے، تو تمباکو، بیڑی، سگریٹ، اس کا کثیر نشہ آور ہوسکتا ہے؛ لیکن کوئی اسے حرام نہیں کہتا بہت زیادہ تو مکروہ کہتے ہیں؟ اس کا تشفی بخش جواب عنایت فرمائیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حدیث شریف **ما اسکر کثیرہ فقلیله حرام** سے مراد اشیاء سیالہ غیر جامدہ ہیں، جن میں شراب کی تمام قسمیں شامل ہیں، بیڑی، سگریٹ، تمباکو، میں جو چیز ملائی جاتی ہے، وہ جامد ہے سیال نہیں ہے، اگر چہ اس کا کثیر نشہ آور ہوسکتا ہے، تاہم اس کے قلیل کو دوا کے طور پر استعمال کرنے کی اجازت ہے، بریں بناء اس کے قلیل پر حرمت کا حکم نہیں دیا جائیگا جیسا کہ زعفران، کہ اس کا کثیر نشہ آور ہوسکتا ہے؛ لیکن قلیل کے استعمال پر کسی نے حرمت کا حکم نہیں دیا؛ بلکہ اسے جائز قرار دیا گیا ہے، اسلئے بیڑی، سگریٹ، تمباکو، وغیرہ میں بدبو نہ ہوتو پینا جائز ہے، اور بدبو ہوتو مکروہ تنزیہی ہے، اور نشہ ہوتو حرام ہے۔ (محمودیہ ڈھابیل ۱۸/۳۸۰، میرٹھ ۲۷/۲۳۰، امداد الفتاوی ۴/۱۱۶)

اور حضرت گنگوہیؒ نے یہ توجیہ بیان فرمائی ہے کہ قلیل کی دو قسمیں ہیں:

(۱) قلیل مُسکر (۲) قلیل غیر مُسکر قلیل مُسکر حرام ہے، اور قلیل غیر مُسکر حرام نہیں، بیڑی، سگریٹ، تمباکو، وغیرہ قلیل غیر مُسکر ہونے کی وجہ سے جائز ہیں۔ (الکوکب الدری اشرفی ۲/۱۲-۱۳)

قال محمد: ما أسكر كثيره فقليله حرام وهو نجس أيضًا (تحته) أقول الظاهر إن هذا خاص بالأشربة المائعة دون الجامد كالبنج والأ فيون فلا يحرم قليلها بل كثيرها المسكر ولم نر أحدا قال بنجا ستها ولا بنجاسة زعفران مع أن كثيره مسكر ولم يحرموا أكل قليله أيضا –أما

الـجـامدات فلا يحرم منها إلا الكثير المسكر. (شـامـي، كتاب الاشربه، زكريا، ۳۷/۱، كراچي، ٤٥٥/٦)

من أكل مايتأذى به أي بر ا ئحته كثوم وبصل ويؤ خذ منه، أنه لو تأ ذى مـن رائحة الدخان المشهود له منعها من شربه. (شامي كراچي، ۲۰۸/۳، زكريا، ٢٨٨/٤، شـرح نـوى عـلـى الـمسـلم، كتاب المساجد، باب نهى من اكل ثوماً أو بصلاً أو كراثاً الخ ٢٠٩/١)

فيـفهـم مـنـه حـكم النبات وهو الإباحة على المختار أو التوقف وفيه إشـارة إلـى عـدم تسـليـم إسكاره، وتفتيره، أو ضراره (شـامـي، كتاب الاشربة كراچي، ٤٦٠/٦، زكريا، ٤٤/١٠)

أكل قليل السقمو نيا، والبنج مباح للتداوي وما زاد على ذلک إذاكان يقتل أويذهب العقل حرام. (شامي زكريا، كتاب الاشربة، ٤٠/١٠، كراچي، ٤٥٧/٦)

ويـمكن أن يقال في الرواية الأولى وهو ما أسكر كثيره ان الكثير و الـقـلـيـل كـلاهـمـا مسـكـران إلا أن الـكثير أكثر إسكارا من القليل فالقليل حينئذ قسمان: قليل مسكر و قليل غيرمسكر والموضوع فى الـحـديـث هـو الـقـلـيـل الأول دون الـثـانـى فـكـان المعنى أن ا لقليل الـمسـكـر حرام، وإن قل إسكاره فبقى القليل الغير المسكر على حله. (الكوكب الدرى ١٢/٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸ر جمادی الاخری ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۵۹۷/۴۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۶/۱۸ھ

غیر مسکر شراب کے استعمال کا حکم

سـوال[۱۰۸۳۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ(۱) شراب پینا تو حرام ہے، نشہ اورسکر کی وجہ سے؛ لیکن اگر کوئی ایسی شراب ہو جس میں نشہ اورسکر نہ ہوتو اس کا پینا کیا جائز ہے؟ جیسا کہ آج کل ایسی بہت شراب ملتی ہیں،

(۲) اگر کوئی آدمی اس حدتک شراب پئے کہ جسکے پینے سے بدن میں چستی پیدا ہوتی ہے، سستی دور ہوتی ہے، اور کوئی نشہ بھی نہیں ہوتا ،تو اس حدتک پینا کیا جائز ہے؟ تشفی بخش جواب دیکر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں، نوازش ہوگی

المستفتی: طیب احمد آسامی متعلم دارالعلوم دیوبند

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) ایسی شرابیں جن کے پینے سے نشہ آتا ہو تو ایسی صورت میں ان کا پینا ناجائز اور حرام ہے، اورسائل نے سوالنامہ میں یہ جولکھا ہے کہ ایسی شراب جس میں نشہ اورسکر کا مادہ نہ ہواُسے شراب کیسے کہا جائے، وہ شراب ہی نہیں ہوئی، جب وہ شراب ہی نہیں ہے تو اس کے پینے میں کوئی قباحت بھی نہیں، سائل کے لئے مناسب یہ تھا کہ جس کو سائل ایسی شراب کہہ رہا ہے جس میں نشہ اورسکر نہیں ہوتا ہے، اس سلسلے میں ایک دو چیز متعین کر کے واضح کر دیتا تو بہتر ہوتا جیسا کہ انگور یا کھجور سے شراب بنتی ہے؛ لیکن پانچ یا سات گھنٹے انگور یا کھجور کو پانی میں بھگو دیا جائے تو اسکی مٹھاس پانی میں اچھی طرح منتقل ہوجاتی ہے مگر اس میں نشہ اورسکر نہیں ہوتا ہے؛ بلکہ اس کو نبیذ کہتے ہیں، اسی طرح جَو کا پانی ہوتا ہے جس میں نشہ اورسکر نہیں ہوتا ہے، اس کو آج کل کے زمانے میں ''بیئر'' کہتے ہیں اس کا پینا بھی بلاتردد جائز اور درست ہے، سعودی عرب کے بازاروں میں اس طرح کی ''بیئر'' خوب ملتی ہے، تو سائل کس کے بارے میں پوچھ رہا ہے وہ ہمارے لیے خود متعین کرنا دشوار ہورہا ہے، جو چیزیں اندازہ سے بیان کی گئی ہیں اگر انھیں میں سے کوئی ہے تو حکم بیان کیا جاچکا ہے، ورنہ سائل اوپر کے حکم سے خود ہی حکم شرعی سمجھ لے۔

عن جابر بن عبداللّٰہؓ، أنه قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم:

مـاأسكر كثيره فقليله حرام. (تـرمـذيشريف باب ماجاء مااسكر كثيره فقليله حرام النسخة الهندية ۲/ ۸،دارالسلام، رقم ۱۸٦٥ ، سنن ابن ماجه باب مااسكر كثيره فقليله حرام النسخة الهندية ۲/ ۲٤۳، دارالسلام، رقم ۳۳۹۲)

عن عائشة رضی الله عنها قالت: كنا ننبذ لرسول الله صلى الله عليه وسلـم فـی سقاء، يوكأ فی أعلاه، له عذلاء ننبذه غدوة ويشربه عشاء، ونـنبذه عشاء ويشربه غدوة(تـرمذي،باب ماجاء فی الانتباذ فی السقاء النسخة الهـنـدية، ۲/ ۹، دارالسلام رقم: ۱۸۷۱، المعجم الأوسط دارالفكر ۲/ ۱۲٥، رقم:٥ ٤ ۲۷، صحيح مسلم، باب إباحة النبيذ النسخة الهندية ۲/ ۱٦۸ ، بيت الافكار رقم:٥ ۲۰۰)

(۲) سستی دورکرنے اور چستی لانے کے لیے نشہ آور شراب کا ایک قطرہ اور دو قطرے پینا بھی ناجائز اور حرام ہے، چاہے پینے والے کو اس کے پینے سے نشہ نہ آتا ہو،

عـن ابن عمر رضی الله عنهما أنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلـم: مـا أسكر كثيره فقليله حرام. (ابـن مـاجـه شريف، باب ما أسكر كثيره فـقـلـيـلـه حـرام النسخة الهندية،۲/ ۲٤۳،سنن أبی داؤد، باب النهی عن المسكر النسخة الهـنـدية ۲/ ٥۱۸، دارالسـلام رقـم،۳٦۸۱، مسند أحمد بن حنبل ۲/ ۹۱،رقم: ٥٦٤۸، مسند البزارمكتبة العلوم والحكم ۱۲/ ۱۹۳، رقم٥۸٥۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم جمادی الثانیہ ۱۴۲۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۰۲۵/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۷/۶/۱ھ

بیئر بنانے، فروخت کرنے اور پینے کا حکم

سوال [۱۰۸۳۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جَو کا پانی جس کو ایک معینہ عرصہ تک خمیر کیا جاتا ہے، یہاں تک کہ اس میں

نشہ آور مادہ (الکحل) پیدا ہو جاتا ہے تب اس مادہ کو (الکحل) مشینوں کے ذریعہ بالکل پاک وصاف کر دیا جاتا ہے، جس سے وہ ایک سادہ بغیر نشہ آور مشروب بن جاتا ہے، رنگ وہیئت کے اعتبار سے وہ انگریزی ''بیئر'' کے مشابہ ہوتا ہے لیکن تاثیر کے اعتبار سے بالکل الگ، نہ اس میں نشہ ہوتا ہے اور نہ (الکحل) بلکہ طبی نکتہ نظر سے وہ ایک صحت بخش شراب بن جاتا ہے، شرعاً مشروب بنانا اور پینا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد اقبال محلّہ طویلہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ میں ذکرکردہ ''بیئر'' جس میں نشہ بالکل نہیں ہوتا ہے، حنفی مسلک میں اس کا بنانا، اسکو پینا، اور خرید وفروخت کرنا، اور اس کا پیسہ سب جائز اور بلاتردد پاک اور حلال ہے، بعض علماء جنہوں نے مدینہ منورہ وغیرہ میں اس کو پیا ہے بتلایا کہ وہ ایک پاک صاف طاقتور مشروب ہوتا ہے، اس میں کسی قسم کا نشہ نہیں ہوتا ہے، ایسا مشروب بنانا پینا اور بیچنا سب جائز ہے،

واذا تخللت الخمر حلت سواء صارت خلاً بنفسها أو بشيء يطرح فيها ولايكره تخليلها الخ. (هداية، كتاب الأشربة اشرفي ٤/ ٤٩٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲ رصفر ۱۴۱۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۲ ر ۴۳۴۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۲/۲/۱۴۱۶ھ

فروٹ بیئر کے استعمال کا حکم

سوال [۱۰۸۳۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ فروٹ بیئر میں نشہ نہیں ہے؛ لیکن اگر کوئی شخص اس کو پی لے تو اس کا

پینا حرام ہے یا حلال ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: فروٹ بیئر جس میں بالکل نشہ نہ ہو اس کا استعمال جائز ہے۔ (مستفاد فتاوی محمودیہ قدیم ۱۷/۳۸۳، جدید ڈابھیل ۱۸/۱۸۴)

ما يتخذ من الحنطة والشعير والعسل والذرة حلال عند أبي حنيفةؒ.

(هداية، كتاب الأشربة، اشرفي ديوبند ٤/٤٩٦، شامي كراچي ٦/٤٥٣، زكريا ١٠/١٣٣)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍جمادی الاولیٰ ۱۴۱۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۳؍۵۳۱۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۵/۲۲ھ

حلال اشیاء سے بنی ہوئی اسپرٹ کا حکم

سوال [۱۰۸۳۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اسپرٹ چونکہ شراب کے حکم میں ہے، انجکشن کے بعد بدن یا کپڑے کو دھوکر پاک کرنا ضروری ہے یا اڑ جانے کی وجہ سے بدن یا کپڑا پاک ہو جاویگا حجام لوگ بھی استرہ چلانے کے بعد اسپرٹ والی چیز پھوڑے پھنسی کی احتیاط کی وجہ سے چہرہ پر مل دیتے ہیں اس کو ملوانا درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد یونس، احمد گڑھ، پنجاب

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: انگور کے کچے رس سے بنی ہوئی اسپرٹ تو حرام اور ناپاک ہے، اس کا استعمال کسی چیز میں بھی جائز نہیں، اور اس کے علاوہ دوسری اشیاء مثلاً گنّا، جامُن، آلو، گاجر، مولی، گیہوں، اور چاول، وغیرہ سے بنی ہوئی اسپرٹ کا

حکم یہ ہے کہ دواؤں وغیرہ میں استعمال کی گنجائش ہے، اور کپڑے میں لگ جائے تو چوتھائی کپڑے سے کم معاف ہے؛ لہٰذا ایسی اسپرٹ سے بنی ہوئی دوا چہرہ پر لگواسکتے ہیں۔ (مستفاد: ایضاح النوادر، ۱/۱۲۵)

وأما سواها فيتخذ النبيذ من كل شي من الحبوب، والثمار، والألبان، وحكمها ماذكروا أن القليل أي القدر غير المسكر منها حلال (إلى قوله) **وحرام بقصد التلهي والكثير أي القدر المسكر منها حرام.** (العرف الشذى، حاشيه ترمذي، ۲/۷، تکمله فتح الملهم اشرفيه ديو بند، ۳/۶۰۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۲/ ۴۸۲۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۶/۵/۱۴۱۷ھ

تاڑی کی حرمت کا ثبوت

سوال [۱۰۸۳۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ شراب پینا مسلمانوں کیلئے حرام ہے اور اسکی حرمت قرآن سے ثابت ہے؛ تو کیا اسی طرح سندھی (تاڑی) کی حرمت وممانعت بھی قرآن وحدیث سے ثابت ہے، اگر مکروہ ہے تو کون سی کراہت ہے؟

المستفتی: محمد ہاشم امام مسجد تپّن پلّی منڈل چندر گونڈا، وایا شجاعت نگر، ضلع کھمم اے پی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: تاڑی اگر حد سکر کو پہونچ جائے تو اسکی حرمت حدیث سے ثابت ہے، اور جس تاڑی میں نشہ آ گیا اس کا پینا بھی حرام ہے۔

عن عائشة رضى الله عنها عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: كل

شراب أسكر فهو حرام. (صحيح البخاری، باب لايجوز الوضوء بالنبيذ ولاالمسكر النسخة الهندية ۱/ ۳۸، رقم۲۴۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶؍محرم الحرام ۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴/ ۶۰۱۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۸/ ۱/ ۱۴۲۰ھ

مسلمان کا اپنے ڈھابہ میں شراب پینے کی اجازت دینے کا حکم

سوال [۱۰۸۳۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک کھانے کا ہوٹل جس کو آج کل ڈھابہ کہتے ہیں، مسلمان کی ملکیت ہے، یعنی اصل مالک اور چلانے والا مسلمان ہے؛ لیکن پورا عملہ ہوٹل کا غیر مسلم لوگوں کا رکھتا ہے، شراب بھی نہیں رکھتا البتہ بعض لوگ خود شراب لاکر ہوٹل میں پی لیتے ہیں؛ تو ایسا ہو جانے سے مسلمان گنہگار تو نہیں ہوگا؟

المستفتی: حافظ محمد طاہر نگینہ بجنور، یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مذکورہ ہوٹل اور اسکی آمدنی اپنی جگہ جائز ہے، مگر وہاں بیٹھ کر شراب پینے کی اجازت دینا جائز نہیں، اگر اس پر سختی سے روک تھام نہیں ہے تو ہوٹل والے اس گناہ کبیرہ میں پوری طرح شامل ہونگے۔

وَلَا تَرْكَنُوْا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّار. [هود: ۱۱۳] **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍ذی قعدہ ۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴/ ۶۴۶۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۷/ ۱۱/ ۱۴۲۰ھ

الکحل اور سینٹ کا حکم

سوال [۱۰۸۳۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ سینٹ میں الکحل ملا ہوا ہوتا ہے، اور الکحل فرسٹ نمبر کی شراب ہے تو یہ سینٹ پاک ہے یا نہیں نیز اس کو لگا کر نماز پڑھنا کیسا ہے اور ادویات میں الکحل کا استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو الکحل انگور کی کچی شراب اور انگور کی پکی شراب اور منقی اور کھجور سے بنایا جائے تو وہ بالاتفاق حرام اور ناپاک ہے، شرعی طور پر اس کا استعمال اور تجارت سب ممنوع ہے، اور اگر کپڑے میں گلٹ کے ایک روپیہ سے زائد لگ جائے تو نماز نہ ہوگی، اور اگر اس سے کم ہو تو کراہت کے ساتھ نماز درست ہے، انگور، کھجور کے علاوہ دیگر اشیاء، مثلاً آلو، لوکی، گاجر، ٹماٹر، مولی، جامُن، وغیرہ سے بنے ہوئے الکحل کے بارے میں اختلاف ہے، امام محمدؒ کے نزدیک حرام ہے، اور حضرات شیخینؒ کے نزدیک نجاست خفیفہ ہے، عموماً یہی الکحل عطریات اور ادویہ میں استعمال ہوتا ہے، لہٰذا ضرورت شدیدہ اور عموم بلویٰ اور ابتلاء عام کی وجہ سے عطریات اور ادویات کے حق میں حضرات شیخینؒ کے قول کے مطابق جواز کا فتویٰ ہے، اور پینے کے حق میں حضرت امام محمدؒ کے قول کے مطابق حرام اور ناجائز ہونے پر فتویٰ ہے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۱۲۵)

وأما غير الأشربة الأربعه فليست نجسة عند الإمام أبي حنيفةؒ وبهذا تبين حكم الكحول المسكرة التي عمت بها البلوى اليوم فإنها تستعمل فى كثير من الأدوية، والعطور، والمركبات الأخرىٰ فإنها إن تخنت من العنب أو التمر فلا سبيل إلى حلتها أو طهارتها، وإن اتخذت من غيرها فالأمر فيها

سهل على مذهب أبي حنيفةؒ ولا يحرم استعمالها للتدأوي أو لأغراض مباحة أخرى مالم تبلغ حد الإسكار لأنها إنما تستعمل مركبة مع المواد الأخرى ولا يحكم بنجاستها أخذا بقول أبى حنيفةؒ وأن معظم الكحول التى تستعمل اليوم فى الأدويه والعطور وغيرها لاتتخذ من العنب، أوالتمر، وانما تتخذ من الحبوب أو القشور أوالبترول وغيره -فحينئذ هناک منحة فى الأخذ بقول أبى حنيفةؒ عند عموم البلوى. (تكمله فتح الملهم، حكم الكحول المسكرة اشرفي ۳/۶۰۸)

وأما ما سواها فيتخذ النبيذ من كل شي من الحبوب والثمار وتسمى الأقسام بالأنبذة وحكمها ماذكروا أن القليل أى القدرغير المسكر منها حلال إذكان بقصد التقوى على العبادة وحرام بقصد التلهى والكثير أى القدر المسكر منها حرام وهذا مذهب الشيخين. (العرف الشذى على الترمذي، ۲/۸)

أماالأشربة المتخذ من الشعير، أوالذرة، أوالتفاح، أوالعسل، اذا اشتد وهو مطبوخ أوغير مطبوخ فإنه يجوز شربه مادون السكر عند أبي حنيفةؒ وأبي يوسفؒ، وعند محمدؒ حرام شربه قال الفقيه وبه نأخذ. (هندية، كتاب الأشربة، الباب الثانى، زكريا قديم ۵/۴۱۴، جديد ۵/۴۷۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍ جمادی الاولی ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف خاص ۴۰/۱۱۵۱۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲/۵/۱۴۳۵ھ

کیا شراب، پیشاب، سود، اور لحم خنزیر کی حرمت برابر ہے؟

سوال [۱۰۸۳۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کا کہنا ہے کہ شراب پیشاب اور سود اور لحم خنزیر کی حرمت برابر ہے، جواب با

صواب سے مطلع فرمائیں؟

المستفتی: محمد امیر حسین خادم مدرسہ حبیبیہ اصالت پورہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شراب، سود، خنزیر، سب کی حرمت قرآن کریم سے ثابت ہے، خنزیر کو سورۂ بقرہ آیت ۱۷۳/ میں حرام کہا ہے، اور شراب کو سورۂ مائدہ آیت ۹۰/ میں حرام قرار دیا گیا ہے؛ اس لئے سب کی حرمت برابر درجہ کی ہوگی اور پیشاب کا نجاست غلیظہ ہونا تو سب کو معلوم ہے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ. (سورۃالبقرہ:۱۷۳)

قال اللّٰہ تعالیٰ: يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْن. (المائدہ: ۹۰)

قال اللّٰہ تعالیٰ: وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا. (لبقرہ:۲۷۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۶/ذیقعدہ ۱۴۱۲ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۸/۲۸۸۳)	۱۴۱۲/۱۱/۱۶ھ

شراب پینا یا خنزیر کا گوشت کھانا

سوال [۱۰۸۴۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص بھنگی کے یہاں گیا اور اس سے خنزیر کا گوشت طلب کیا تو اس بھنگی نے اسے منع بھی کیا کہ آپ تو مسلمان ہیں؛ لیکن وہ نہیں مانا اس نے زبردستی گوشت کھالیا اور وہ شخص شرابی بھی ہے تو اس کے بارے میں شرعی حکم کیا ہے، قرآن وسنت کی روشنی میں اس کا شرعی حکم تحریر فرمائیں؟

المستفتی: محمد حامد حسین بجنوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: خنزیر کا گوشت کھالینا حرام اور گناہ کبیرہ ہے اس پر توبہ کرنا لازم ہے اسی طرح شراب پینا بھی حرام اور گناہ کبیرہ ہے، توبہ کرکے باز آجانا واجب ہے، قرآن میں سخت حرمت نازل ہوئی ہے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْر . (سورۃ البقرۃ: ۱۷۳)

قال اللّٰہ تعالیٰ: يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْن . (المائدہ: ۹۰)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۵ر جمادی الاولیٰ ۱۴۱۳ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۸/ ۳۲۰۶)	۱۴۱۳/۵/۲۵ھ

شراب کی بوتل بیچنے والے کی آمدنی کا حکم

سوال [۱۰۸۴۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ شراب اور بیئر کی خالی بوتلوں کی خرید وفروخت اسی طرح انکی ڈاٹوں کی خرید وفروخت جبکہ دونوں چیزیں کمپنی میں جاکر پھر سے ان میں مشروب بھرے جاتے ہیں، اور اس پر وہ ڈاٹ لگتی ہے نیز پیپسی، کوکا کولا، تھمسپ، ودیگر مشروبات کی ڈاٹیں جو کبھی کمپنی کو فروخت کی جاتی ہیں، اور کبھی دوسرے کاروباریوں کو جوان ڈاٹوں کو اپنے تیار کردہ لوکل مشروب میں جس پر کسی کمپنی کا لیبل چسپا نہیں کرتے، اور بعض ایسے لوگوں کو بھی فروخت کرتے ہیں جو اپنے لوکل مشروب میں کمپنی کا لیبل لگا کر بیچتے ہیں؛ تو کیا ان ڈاٹوں کا فروخت کرنا مطلقاً ناجائز ہے یا اس میں تفصیل ہے؟ وضاحت سے بیان فرما کر ممنون مرمائیں؟

المستفتی: محمد حلیم صدیقی پونہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شراب اور نشہ آور بیئر کی خالی بوتلوں اور ان کی ڈاٹوں کو دھوکر پاک کر کے استعمال کرنا جائز ہے، اور ان کو دوسروں کے ہاتھ فروخت کرنا بھی بلاشبہ جائز ہے، اور خریداروں میں سے جو ان کو ناجائز امور میں استعمال کرے گا وہ خود گنہگار ہوگا، بیچنے والے پر کوئی گناہ نہیں۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۳۲۴/۱۷، جدید ڈابھیل ۱۳۳/۱۶)

قال اللّٰہ تعالیٰ: وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَى. [سورة الانعام: ١٦٤]

وإنما تحصل المعصية بفعل فاعل مختار الخ. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره، زكريا ٩/ ٥٦٢، كراچی ٦/ ٣٩٢، تبيين الحقائق امداديه ملتان ٦/ ٢٩، زكريا ٧/ ٦٥) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللّٰہ عنہ	الجواب صحیح:
۳؍صفر ۱۴۲۵ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۸۲۲۳/۳۷)	۱۴۲۵/۲/۳ھ

تمباکو وسگریٹ نوشی کا حکم

سوال [۱۰۸۴۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ تمباکو اور سگریٹ کی وبا اب عام ہوگئی ہے، بہت کم علماء اسکی تردید کرتے ہیں، بعض علماء تو اسکی حرمت اور بعض نے کراہت ثابت کی ہے، میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ حضرت والا اس بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ آیا یہ کلیۃ حرام ہے یا اس میں کراہت ہے؟ براہ کرم اپنے تأثرات عالیہ تحریر فرما کر ارسال فرمادیں شکر گزار ہونگا؟ جواب کا انتظار رہے گا

المستفتی: محمد عبدالرحمٰن، سرینگر کشمیر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تمباکو اور سگریٹ وغیرہ سے اگر نشہ اور سکر کی

بوآتی ہےتو سکرونشہ کی مقدار استعمال حرام اورنا جائز ہے،اوراگرسکراورنشہ نہیں آتا ہے؛ بلکہ صرف بد بومنھ سے ظاہر ہوتی ہےتو مکروہ تنزیہی ہے،تو جوعلماءحرام قرار دیتے ہیں وہ مسکر پرمحمول ہے،اورجوعلماءمکروہ قراردیتے ہیں وہ مسکرونشہ نہ ہونے کی صورت میں بدبو کی وجہ سے قرار دیتے ہیں،فقیر کی رائے بھی عام تمبا کوجس سے نشہ نہیں آتا ہے اس کے بارے میں مکروہ ہونے پر ہے۔

ومثله زهر القطن فانه قوي التفريح يبلغ الإسكار (إلى قوله) **يحرم استعمال القدر المسكر منه دون القليل الخ.** (شامي، كتاب الأشربة زكريا ۱۰/ ٤١، كراچي ٦/ ٤٥٨)

فيفهم منه حكم النبات الذى شاع فى زماننا المسمى با لتتن وقد كرهه العمادى فى هديته إلحاقاله بالثوم والبصل با لأولىٰ الخ. (الدرالمختار، كتاب الاشربه، زكريا، ۱۰ / ٤٤، كراچي، ٦/ ٤٦٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ر جمادی الثانیہ ۱۴۱۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۶/ ۱۸۱۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۹/۶/ ۱۴۱۲ھ

گٹکا کھانا

سوال [۱۰۸۴۳]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ گٹکا جسکو کھانے کا آج کل بہت رواج ہے اسکو کھانا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد احمد فیض گنج

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: گٹکے کے بارے میں شرعی حکم یہ ہے کہ اگر اس کے کھانے میں نشہ نہ آئے تو بد بو کی وجہ سے مکروہ ہے،اوراگر نشہ آجائے تو پھر یہ حرام ہے۔

عن عائشةؓ رضی الله عنها عن النبی صلی الله علیه وسلم قال: کل شراب أسکر فهو حرام. (صحیح البخاری، باب لا یجوز الوضوء من النبیذ و لاالمسکر، النسخة الهندیة، ١/ ٣٨، رقم ٢٤٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵ر شعبان ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵/ ۶۸۸۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۸/۱۵ھ

گل منجن کرنا

سوال [۱۰۸۴۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ گل منجن کرنا کیسا ہے، مکروہ ہے یا مکروہ تحریمی گل کرنے سے سر میں چکر آتا ہے؟

المستفتی: محمد مزمل الحق

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: گل مسکر ومفتر نہیں کیونکہ اس سے دماغ میں فتور نہیں آتا بلکہ اس میں حدت ہے لیکن نشہ آور نہیں ضرورت کے وقت گل کرنے کی اجازت ہے، لہٰذا بلاضرورت نہیں کرنا چاہئے؛ البتہ جب گل کرنے میں نقصان ہو تو جائز نہیں۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۸/ ۱۱۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳ر ربیع الاول ۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴/ ۶۰۷۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۳/۱۳ھ

پیپسی، تھمس اپ، وغیرہ کولڈ رنگ کا استعمال کیسا ہے؟

سوال [۱۰۸۴۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہم نے موبائل میں ایک پروگرام دیکھا جس میں ٹیبل پر خنزیر کو کاٹا

جارہا ہے اور ایک بتانے والا بتارہا ہے کہ اس کا پوڈر تیار کیا جاتا ہے، اور کولڈرنگ، پیپسی، لمکا، تھمس اپ، سیون اپ وغیرہ میں ڈالا جاتا ہے، لہٰذا حضرت والا سے درخواست ہے کہ ایسی صورت میں پیپسی وغیرہ کا استعمال جائز ہے یا نا جائز، قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں؟

المستفتی: محمد شمیم احمد قریشی و جملہ مقتدی جامع مسجد قریشیان، ٹھاکردوارہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: موبائل میں پروگرام دیکھ کر یہ یقین ہوجانا مشکل ہے کہ تمام مشروبات میں خنزیر کا پاؤڈر بنا کر ڈالا جاتا ہے، اس لئے بغیر شرعی ثبوت کے ان مشروبات پر یکسر حرمت کا حکم لگانا درست نہیں ہوگا، ہاں البتہ اگر کوئی شخص اپنے آپ کو ان چیزوں کے استعمال سے دور رکھے تو اس کے لئے تقویٰ اور احتیاط کی بات ہے۔

الأصل في الأشياء الإباحة. (قواعد الفقه: ص۵۹)

اليقين لايزول بالشک. (الاشباه جديد، ۲۲۰)

مـن شك فـي إنـائـه، أوثـوبـه، أوبدنه، أصابته نجاسة أولا فهو طاهر مـالـم يستيـقن أنه نجاسة. (شـامـي، كتـاب الـطهـارة، قبيل مطلب فى ابحاث الغسل، زكريا ۱/۲۸۳، كراچي ۱/۱۵۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍جمادی الثانیہ ۱۴۳۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰؍۱۱۱۴۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۶/۲۲ھ

موجودہ دور میں پیپسی، کوکا کولا وغیرہ مشروبات کا استعمال

سوال [۱۰۸۴۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ موجودہ دور میں مشروبات میں پیپسی اور اسی کی طرح دیگر اقسام مثلاً کوکا کولا،

تھمس اپ وغیرہ بہت عام ہیں، لہٰذا ان کا استعمال شرع کی رو سے جائز ہے یا نہیں یا بعض کا جواز ہے، اور بعض کا عدم جواز، اگر عدم جواز ہے تو اسکی وجوہات بھی تحریر فرمائیں؟

المستفتی: محمد عثمان سنبھل بڑی مسجد سرسید نگر مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: پیپسی، کوکا کولا، اور تھمس اپ ان مشروبات کا استعمال جائز ہے، ان چیزوں کے ناجائز ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے، ہاں البتہ حالات زمانہ کے اعتبار سے امریکہ کے مظالم کی وجہ سے امریکی کمپنی سے بائیکاٹ کے لئے جب علماء کی قیادت میں مسلمان متحد ہو جائیں تو ان کی کمپنی سے یہ چیزیں نہ خریدی جائیں تاکہ ان کو نفع نہ پہونچے۔

(مستفاد: احسن الفتاوی ۴۸۹/۸)

وأما ما هو حلال عند عامة العلماء فهو الطلاء وهو المثلث ونبيذ التمر، والزبيب، فهو حلال شربه مادون السكر لاستمراء الطعام والتداوي وللتقوي على طاعة الله تعالى لاللتلهي والمسكر منه حرام وهو قدر الذي يسكر وهو قول العامة. (عالمگيري، كتاب الاشربه الباب الاول، زكريا قديم٥/ ٤١٢، جديد٥/ ٤٧٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍ربیع الثانی ۱۴۲۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۸۳۲۷/۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۴/۲۰ھ

(۱۴) باب في الهدايا والضيافات

کھانے کے دوران آنے والے فقیر کی ضیافت

سوال [۱۰۸۴۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جب کھانے بیٹھیں اور درمیان میں فقیر آجائے، تو کیا اس کو کھانا کھلا سکتے ہیں ایسا کرنا کیسا ہے؟

المستفتی: محمد امیر حسن مدرسہ حبیبیہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کھانا کھانے کے درمیان کوئی ضرورت مند فقیر آجائے تو اسکو بھی بقدر وسعت کھانا کھلا دینا بہت زیادہ ثواب کی بات ہے حدیث شریف میں ہے کہ جس نے کسی بھوکے شخص کو کھانا کھلایا تو اللہ تعالیٰ اس کو جنت کا پھل کھلائے گا، اور دوسری جگہ ارشاد ہے کہ جس نے صدق دل سے اخلاص کے ساتھ اللہ کی راہ میں اپنی حلال کمائی سے ایک کھجور کا کسی فقیر وغیرہ پر صدقہ کیا تو اللہ تعالیٰ اسکو انتہائی قدردانی کے ساتھ قبول فرماتا ہے، اور اس کا اجر اتنا بڑھاتا ہے کہ پہاڑ کے برابر ہو جاتا ہے۔

عن أبي سعيدؓ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم أيما مسلم أطعم مسلماً على جوع أطعمه الله من ثمار الجنة. الحديث (سنن أبي داؤد، الزكاة، باب في فضل سقي الماء، النسخة الهندية ١/٢٣٦، دار السلام رقم: ١٦٨٢، مشكوة شريف ١٦٩)

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من تصدق بعدل تمرة من كسب طيب فإن الله يتقبلها بيمينه، ثم يربيها لصاحبه كما يربى أحدكم فلوه حتى

تکون مثل الجبل (بخاری شریف، کتاب الزکاۃ، باب الصدقة من کسب طیب الخ ۱/۱۸۹، رقم الحدیث:۱۳۹۲، ف ۱۴۱۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱/ربیع الثانی ۱۴۲۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵/۷۱۶۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۱/۴/۱۴۲۲ھ

شادی کی تقریب میں شرکت

سوال [۱۰۸۴۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک صاحب سے ہمارے بہت ہی قریبی تعلقات ہیں ان کے یہاں ایک تقریب ہونے والی ہے، جس کے سلسلے میں کافی کام ہم نے انجام دئے؛ لیکن آخری لمحات تک انہوں نے کھانے پر ہمیں مدعو نہیں ایسی صورت میں کیا ان کی تقریب میں جانا چاہئے یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں، جن صاحب سے قریبی تعلقات ہیں وہ آخری لمحات میں بلانے آئے تھے۔

المستفتی: محمد عشرت میاں حیات نگر اول پیرزادہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر کھانا کھلا کر فارغ ہونے سے قبل آپ کو بلایا جارہا ہے اور اس میں آپ کی اہانت بھی مقصود نہیں ہے اور وہاں کوئی معصیت بھی نہیں ہے؛ تو تقریب اور دعوت میں شرکت کرلینی چاہئے۔

لو دعی إلیٰ دعوة قالوا أحب أن یجیبه إلی ذلک ما لم یکن هناک معصیة ولا بدعة، وإن لم یجبه کان ورعا، والا متناع أسلم فی زماننا الا اذا علم یقینا أن هناک لیس بدعة ولا معصیة.

(الفتاوی التاتارخانیة زکریا ۱۸/۷۵، رقم:۲۸۴۰۶)

واختلف في إجابة الدعوة قال بعضهم واجبة لايسع تركها (وقوله) والأفضل أن يجيب إذا كانت وليمة (وقوله) إنما يجب عليه أن يجيبه إذا لم يكن هناك معصية الخ. (فتاوى عالمگیری، باب الضیافة، زکریاقدیم ۳٤۳/٥، جدید ۳۹۷/٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍شوال المکرّم ۱۴۰۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۰۵/۲۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۴؍۱۰؍۱۴۰۸ھ

شرابیوں کو اپنے ہوٹل میں کھانا کھلانا

سوال [۱۰۸۴۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کچھ لوگ اپنے ہوٹلوں میں شرابیوں کو کھانا کھانے کی اجازت دیتے ہیں جو پہلے ہوٹل سے خرید کر کھانا کھاتے ہیں، اور پھر اپنے ساتھ لائی ہوئی شراب وہیں بیٹھ کر پیتے ہیں؟

المستفتی: محمد ساجد قاسمی بجنوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تعاون علی المعصیۃ ہونے کی وجہ سے ہوٹل والے مسلمان گنہگار ہونگے ان کو ایسے لوگوں کو اپنے ہوٹل میں آنے سے منع کر دینا چاہئے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا ہے۔

وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ. [المائدة:۲] فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍محرم الحرام ۱۴۱۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۵۱۰۶/۳۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۷؍۱؍۱۴۱۸ھ

جھاڑو دینے والے کا جھوٹا کھانا

سوال [۱۰۸۵۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کوئی مسلمان کسی ایسے آدمی یا عورت جو صفائی (جھاڑو میلا، نالی) کا کام کرتا ہے مگر جنگلی نہیں کھاتا، اگر کوئی مسلمان ایسے آدمی یا عورت کا جھوٹا کھالیتا ہے تو کیا اس سے اس کے ایمان میں فرق آتا ہے؟

المستفتی: محمد اطہر علی سونی کلر لیب گوئیاں باغ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر اس آدمی یا عورت کے منہ میں نجاست حقیقیہ مثلاً شراب وغیرہ کا اثر نہ ہو تو ان کا جھوٹا شرعاً پاک اور حلال ہے اور انکے جھوٹے کے کھانے والے کے ایمان پر کوئی فرق نہیں آئے گا۔

أما الطاهر فسؤر الأدمي ومايؤكل لحمه ويدخل فيه الجنب والحائض والنفساء والكافر إلا سؤر شارب الخمر. (الجوهرة، كتاب الطهارة، امداديه ملتان ۱/ ۲۱، دارالكتاب ديوبند، ۱/ ۲۲، حلبی كبير، فصل فی الآسار، اشرفية ديوبند ۱۶۶، هداية، اشرفی ديوبند ۱/ ۴۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۳۰ ررجب المرجب ۱۴۰۹ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۵/ ۱۳۵۴)	۱۴۰۹/۷/۳۰ھ

حجّام کی دعوت اور قربانی میں شرکت کا حکم

سوال [۱۰۸۵۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید ہمارے گاؤں میں حجّام کی دوکان کرتا ہے، زید لوگوں کی داڑھیاں بھی

مونڈتا ہے، اور سر کے بال بھی تراشتا ہے اور مدرسہ کے اساتذہ اور طلبہ کے بال بھی کاٹتا ہے معلوم یہ کرنا ہے کہ زید کا اس دوکان کے علاوہ کوئی کاروبار نہیں ہے کیا زید کے گھر کا کھانا اور زید کے ساتھ قربانی میں حصہ لینا جائز ہے؟

المستفتی: عبدالرشید قاسمی سیڑھا بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: نائی کی کمائی فی الجملہ پاک اور حلال ہے، سوال نامہ سے واضح ہوجاتا ہے کہ لوگوں کے سر کے بال اور مدرسہ کے طلبہ واساتذہ کے بال بھی کاٹا کرتا ہے، اور اس کی اجرت بلاشبہ پاک اور حلال ہے، اور دوکان میں آنے والے بعض لوگ اس کے ذریعہ سے داڑھی بھی منڈواتے ہیں، جو لوگ اس نائی کے ذریعہ سے اپنی داڑھیاں منڈواتے ہیں، وہ خود شرعی طور پر فاسق ہیں، اور داڑھی منڈوانا گناہ کبیرہ ہے اور نائی جو داڑھی مونڈتا ہے، وہ منڈوانے والے کے حکم سے مونڈتا ہے، وہ اپنی اجرت لینے کے لئے اس معصیت پر تعاون کرتا ہے، اس لئے اسکا یہ عمل مکروہ ہے؛ لیکن اس عمل کی اجرت ایک حق المحنت ہے، اس لئے یہ اجرت اس کے لئے حلال ہے؛ لیکن یہ ایک غیر مناسب اجرت ہے جو خلاف اولی اور کراہت تنزیہی کے درجے میں ہوتی ہے، لیکن اس اجرت کو حرام اور ناجائز نہیں کہا جاسکتا، اسلئے کہ یہ ایسا ہی ہے، جیسا کہ درزی سے فسّاق کا لباس بنانے کے لیے کہہ دیا اور اس نے فاسقوں کا لباس بنا کردے دیا تو اس طرح لباس بنانا تو مکروہ ہے مگر حق المحنت حلال ہے، اسی طرح گھر میں تصویر یا مجسمہ بنانے کے لیے کسی اجیر کو لایا تو اجیر کے لئے یہ عمل مکروہ ہے لیکن حق المحنت اور اجرت اس کے لیے حلال ہوگی، اور جب اسکا پیسہ حلال ہے تو اسکے گھر کھانا کھانا، اور قربانی میں اسکے ساتھ شریک ہونا، سب جائز ہے۔

عن محمدؒ: رجل استأجر رجلاً ليصوّر له صوراً أوتماثيل الرجال في بيت أو فسطاط فإني أكره ذلك وأجعل له الأجر وقوله وإن استأجره

لینحت له طنبوراً أو بربطاً ففعل، طاب له الأجر إلا أنه یأثم به (هندیه، الباب السادس عشر في مسائل السیوع في التجارة، زکریا قدیم ٤/ ٤٥٠، جدید ٤/٤٨٦، الفتاوی التاتارخانیة، زکریا ١٥/ ١٣٠، رقم:٢٢٤٣١)

لو آجره دابة لینقل علیها الخمر، أو آجر نفسه لیرعی له الخنازیر یطیب له الأجر عنده (الی قوله) وإن کان اسکافاً أمره إنسان أن یتخذله خفّا علی زيّ المجوس أو الفسقة أو خیاطاً أمره أن یتخذله ثوبًا علی زيّ الفساق یکره له أن یفعل لأنه سبب التشبه بالمجوس والفسقة. (شامي، کتاب الخطر والاباحة، باب الاستبداء وغیره، زکریا ٩/ ٥٦٢، کراچی ٦/ ٣٩٢، هدایة، اشرفي دیوبند ٤/ ٤٧٣، البحرالرائق، کوئٹه ٨/ ٢٠٣، زکریا ٨/ ٣٧٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ صفر ۱۴۲۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۴۸۵/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۲/۲۳ھ

نائی کی کمائی سے دعوت قبول کرنا

سوال [۱۰۸۵۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نائی کی کمائی سے جو دعوت ہوتی ہے اس میں شرکت کرنا اور اس کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نائی کی کمائی صاحبینؒ کے اصول کے مطابق تعاون علی المعصیت کی وجہ سے مکروہ تنزیہی ہے، اور حضرت امام ابوحنیفہؒ کے اصول کے مطابق بلا کراہت جائز ہے؛ لہٰذا نائی کی کمائی سے جو دعوت کی جاتی ہے اس میں شرکت کرنا اور اس کا کھانا بلا کراہت جائز اور درست ہے۔

لو آجره دابة لينقل عليها الخمر، أو آجر نفسه؛ ليرعى له الخنازير يطيب له الأجر عنده، وعندهما يكره. (شامي، كتاب الخطر والإباحة، فصل في البيع، زكريا ۹/۵۶۲، كراچي ۶/۳۹۲)

وجاز إجارة بيت بسواد الكوفة؛ ليتّخذ بيت نار، أو كنيسة، أوبيعة، أويباع فيه الخمر. وقالا: لاينبغي ذلك؛ لأنه إعانة على المعصية. وتحته في الشّاميّة: وجاز إجارة بيتٍ الخ. هذا عنده أيضاً؛ لأنّ الإجارة على منفعة البيت؛ ولهذا يجب الأجر بمجرّد التّسليم ولامعصية فيه وإنما المعصية بفعل المستأجر وهو مختارٌ فينقطع نسبته عنه. (شامي، زكريا ۹/۵۶۲، كراچي ۶/۳۹۲، الموسوعة الفقهية ۹/۲۱۳، هداية، اشرفي ديوبند ۴/۴۷۲)

رجل استأجر رجلاً ليكتب له غناء با لفارسية، أو بالعربيّة يجوز ويطيب له الأجر كما إذا استأجر ليبنى للهود، أو للنّصارى بيعة، أو كنسية جاز ويطيب له الأجر كذاهذا (الولو الجيه، ۳/۳۲۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲ رصفر المظفر ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۴۴۷/۴۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۲/۲۲ھ

خریداروں کو مدعو کر کے بطور ضیافت مٹھائی اور کلنڈر دینا

سوال [۱۰۸۵۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری ایک دوکان کپڑے کی ہے، کپڑا قرض لے کر میں بھی خرید وفروخت کرتا ہوں کیونکہ بغیر قرض کے تجارت کرنا مشکل ہے، کیونکہ ہر دوکاندار قرض سے خرید وفروخت کرتے ہیں۔

اب میرا سوال یہ ہے کہ میری دوکان میں ۲۰۰ آدمی کپڑا خریدتے ہیں اور قرض کے طور پر بھی لوگ لیتے ہیں اب میں لوگوں سے ۱۰ ہزار روپیہ پانے والا ہوں اسلئے کہ روپیہ وصول کرنے لئے ہر سال ایک متعینہ تاریخ میں لوگوں کو خط کے ذریعہ خبر کردیتا ہوں کہ فلاں تاریخ میں میری دوکان پر آپ لوگ مہربانی کرکے تشریف لے آنا یعنی روپیہ جمع کرنے کا دن ہے؛ تو یہ سب لوگ میری دوکان میں آجاتے ہیں، میں ان سب لوگوں کو ایک کلنڈر اور تھوڑی مٹھائی دیتا ہوں ہدیہ کے طور پر اپنی مرضی سے؛ تو اس مٹھائی کو کھانا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد مزل الحق

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مسئولہ میں خریداروں کو کلنڈر اور مٹھائی دینا مصالح تجارت کے پیش نظر اور ضیافت کے طور پر ہے، لہٰذا اس مٹھائی کا کھانا جائز اور حلال ہے، اس میں کسی قسم کی قباحت نہیں۔

ولا يهب بعوض ولا بغير عوض وكذا لايتصدق إلاأن يهدى اليسير من الطعام، أويضيف من يطعمه لأنه من ضرورات التجارة استجلابا لقلوب المجاهزين. (هداية، كتاب الماذون، اشرفي ديوبند ٣/ ٣٦٤)

ويهدى طعامًا يسيراً ويضيف من يطعمه لأن التجار يحتاجون إليه لاستجلاب قلوب المجاهزين. (البحرالرائق، زكريا ٨/ ١٦٩، كوئٹه ٨/ ٩٣)

ويجوز تبرعه بالطعام اليسير إذا وهب أو أطعم استحسانًا الخ–ولأن هذا من ضرورات التجارة عادةً. (بدائع الصنائع، زكريا، ديوبند ٦/ ٢١٧، شامي زكريا ٩/ ٢٣٨، كراچي ٦/ ١٦٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍رجب ۱۴۲۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶/ ۷۳۲۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۸؍۷؍۱۴۲۲ھ

بقایا رقم کی وصولی کے لئے خریداروں کی دعوت کرنا

سوال [۱۰۸۵۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بعض علاقوں میں دوکانداروں کا یہ معمول ہے، وہ لوگ سال بھر اپنے خریداروں سے نقد وادھار دونوں طرح کے معاملات کرتے ہیں، اور سال بھر خرید وفروخت کرنے کے بعد جو رقم وصول نہیں ہوتی ان خریداروں کی اپنی دوکان پر دعوت کرتے ہیں اور مختلف قسم کی مٹھائی وغیرہ کھلانے کا نظم کرتے ہیں اور خریدار آکر اس میں شرکت کرتے ہیں، اور کھانے کے بعد معاملہ صاف کر کے جاتے ہیں، اس کے بعد دوبارہ ازسرنو معاملہ شروع ہوتا ہے، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس طرح دعوت کرنا اور خریداروں کے لئے دعوت قبول کرنا اس طرح معاملہ کرنا ازروئے شرع جائز ہے یا نہیں؟ اگر فتوی عدم جواز پر ہو تو جواز کی کیا شکل ہوسکتی ہے؟

المستفتی: حبیب اللہ متعلم شعبہ افتاء شاہی مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: صورت مسئولہ میں دوکانداروں کا مخصوص ایام میں اپنے خریداروں کا سال کے اخیر میں دعوت کرنا جبکہ خلوص اور حلال مال سے ہو اسی طرح خریداروں کا دعوت قبول کر کے کھانا اور سوال میں ذکر کردہ طریقہ سے نقد ادھار کا معاملہ کرنا شرعاً جائز اور درست ہے، اگر چہ اس میں بقایہ کی وصولی بھی مقصود ہو، نیز دعوت قبول کرنا سنت ہے نبی کریم ﷺ خود دعوت کرتے تھے، اور دوسروں کی دعوت قبول بھی فرماتے تھے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۱۴/۴۲۲ تا ۴۲۳، جدید ڈابھیل ۱۸/۹۵)

عن ابن عمرؓ، قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: إذا دعا أحدکم أخاہ فلیجب عرسا کان أو نحوہ، (سنن أبي داؤد، الاطعمة، باب ماجاء فی اجابة الدعوة، النسخة الهندية ۲/ ۵۲۵، دارالسلام ورقم: ۳۷۳۸)

ولاینبغی التخلف عن اجابة الدعوة العامة کدعوة العرس والختان ونحوهما الخ. (هندية، کتاب الکرهية، الباب الثاني عشرفی الهدایا والضیافات زکریا قدیم ۵/۳۴۳، جدیده/۳۹۷، تاتارخانیه، زکریا۱۸/۱۷۶،رقم:۲۸۴۱۲)

وقال علیه السلام من لم یجب الدعوة، فقدعصی اللّٰه ورسوله الخ. (صحیح البخاري، کتاب النکاح، باب من ترك الدعوة، فقدعصی اللّٰه ورسوله ۲/۷۷۸، رقم:۴۹۸۳، ف:۵۱۷۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍رجب ۱۴۱۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱/۴۱۰۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲/۷/۱۴۱۵ھ

دودھ میں پانی ملاکر فروخت کرنے والے کے یہاں کھانا کھانا

سوال [۱۰۸۵۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید علی الاعلان دودھ میں پانی ملاکر خالص دودھ کہہ کرفروخت کرتا ہے، قدیمی ذریعۂ معاش اس کا یہی ہے، ایسے میں زید کی دعوت قبول کرنی چاہئے یا نہیں؟ یا اسکے کھانے سے گریز کریں؟

المستفتی: محمد اسلام امروہہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حدیث میں آتا ہے کہ تم اونٹ اور بکری وغیرہ کو اس طور پر نہ فروخت کرو کہ دو تین دن اس کا دودھ دھونا چھوڑ دو تاکہ وہ دودھ جمع ہو جائے پھر مشتری زیادہ دیکھ کر زیادہ قیمت میں لے لے صاحب مرقاۃ نے اس نہی کی علت دھوکہ دہی بیان فرمائی ہے۔

لاتصروا الإبل، والغنم. (مشکوة المصابیح ۲۴۷)

و فی شرحه المرقاة، و النهی للخداع. (مرقاة مكتبة ملتان ٦/ ٧٥)

اورصورت مذکورہ میں بھی دھوکہ دہی اور جھوٹ پایا جاتا ہے؛ اسلئے ایسا کرنا درست نہیں اور جوکمائی اس طریقے سے حاصل ہو وہ حلال بھی نہیں۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۳/ ۱۳۶)

اب اگر زید کا دودھ فروخت کرنے کے علاوہ کوئی دوسرا حلال ذریعۂ معاش نہیں تو اس کی دعوت قبول کرنے میں تفصیل یہ ہے کہ اگر اتنا پانی ملا کر فروخت کرتا ہے کہ پانی غالب اور دودھ مغلوب ہے تو اسکی دعوت قبول کرنا درست نہیں؛ لیکن اگر ایسا نہیں بلکہ دودھ غالب اور پانی مغلوب ہے تو پھر اسکی دعوت قبول کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں، البتہ اگر کوئی ورع وتقوی کے پیش نظر نہ قبول کرے تو اسکی بھی گنجائش ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ، قدیم ۱۷/ ۳۵۵، جدید ڈابھیل ۱۸/ ۱۳۲)

عن ابن مسعودؓ قال: جاء إليه رجل فقال: إن لی جارًا يأكل الربا، وإنه لايزال يدعونی، فقال: مهنأه لک وإثمه عليه، قال: سفيان فإن عرفته بعينه فلا تصبه. (مصنف عبدالرزاق، المجلس العلمی بيروت ٨/ ١٥٠، رقم: ١٤٦٧٥)

آكل الربا وكاسب الحرام أهدى اليه أو أضافه وغالب ماله حرام لايقبل ولا يأكل مالم يخبره أن ذلک المال أصله حلال ورثه أو استقرضه وإن كان غالب ماله حلالا لا بأس بقبول هديته والأكل منها. (الهندية، كتاب الكراهية، الباب الثانی عشرفي الهدايا والضيافات زكريا قديم ٥/ ٣٤٣، جديد ٥/ ٣٩٧، تاتارخانيه زكريا ١٨/ ١٧٥، رقم: ٢٨٤٠٥، بزازيه، جديد زكريا ٣/ ٢٠٣، وعلى هامش الهندية، زكريا ٦/ ٣٦٠، مجمع الأنهر، دارالكتب العلميه بيروت ٤/ ١٨٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ جمادی الثانیہ ۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴/ ۶۱۸۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۶/۳ھ

بینک میں فکس ڈپوزٹ کرنے والوں کی دعوت قبول کرنا

سوال [۱۰۸۵۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کیا ان لوگوں کی دعوت قبول کرنا اوران پروگراموں میں شرکت کرنا کھانا کھانا جائز ہے؟ جو خاص مواقع کے لئے بینک میں فکس ڈپوزٹ کردیتے ہیں اگر جائز ہے تو کن صورتوں میں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: فکس ڈپوزٹ سودی معاملہ ہے اس میں جمع شدہ پر زائد رقم ملتی ہے وہ حلال نہیں ہے، اور جو ایسا کرتا ہے اور اس کے یہاں دوسری حلال آمدنی بھی ہے اور ڈپوزٹ کا رأس المال بھی حلال ہے؛ تو شرعًا جس کے یہاں حرام وحلال دونوں طرح کی آمدنی ہے اس کے یہاں دعوت کھانا جائز ہے۔ (مستفاد: عزیز الفتاوی ۱/۷۴۶)

عن ابن مسعودؓ، قال: جاء اليه رجل فقال: إن لی جارًا يأكل الربا، وإنه لايزال يدعونی فقال مهنأه لک وإثمه عليه. (مصنف عبدالرزاق، المجلس العلمی بيروت ۸/ ۱۵۰، رقم: ۱۴۶۷۵)

أحب إلى أن لا يأكل منه ويسعه حكما أن ياكله إن كان ذلك الطعام لم يكن عين الغصب، أو الرشوة الخ. (شامي، كتاب الزكاة، مطلب في التصدق من المال الحرام، كراچي، ۲/ ۲۹۲، زكريا ۳/ ۳۱۹، هنديه زكريا قديم ۵/ ۳۵۰، جديد ۵/ ۴۰۴، المحيط البرهانی المجلس العلمی بيروت، ۸/ ۶۴، رقم: ۹۵۹۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲ر شوال المکرّم ۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴/ ۶۳۳۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۱۰/۲۲ھ

جس کی اکثر کمائی حلال ہو اسکے یہاں کھانا کھانا

سوال [۱۰۸۵۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید اصلاح حال کے لئے شیخ طریقت کے زیر تربیت ہے، اور اتفاق سے بحکم خداوندی حالات کا شکار بھی، یعنی بے روزگاری قرض رہائشی خستہ حالی گھریلو نا اتفاقی وغیرہ مندرجہ بالا حالات کی ابتدا، اور تمام اہل خانہ ومتعلقین کے احکام خداوندی وسنت پر مکمل عمل نہ کرنے کی بنا پر یہ حالات پیدا ہوئے، اور احقر نے ان سب سے تنگ آ کر اللہ کی توفیق سے تمام معاشرہ کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اپنی زندگی کو احکام خداوندی اور سنت نبوی کے سانچے میں ڈھالنے کی سوچی، اور اس کے لئے تبلیغی جماعت سے کئی سال پہلے اپنے کو منسلک کیا اور اب اللہ کے وعدوں وبزرگوں کی ترغیب پر اللہ کے راستے میں چار مہینے کے لئے جانے کا عزم مصمم کیا جس کے لئے بڑوں سے مشورہ بھی کیا جا چکا ہے، اور جانے کی ممانعت نہیں ہوئی ہے۔ بہر حال چوں کے اہلیہ کی تربیت دینی ماحول میں نہیں ہوئی ہے اور حالات ابتلاء وغیرہ میں جمنا مشکل امر بھی ہے، پھر بھی بیچاری بہت زیادہ ساتھ دیتی ہے اب چونکہ زید بھی اللہ کے راستے کے لئے عازم ہے، اور اہلیہ کی ایک بھابھی کے یہاں اول ولادت کا موقع ہے، اس موقع پر اہلیہ کے حقیقی بھائی ان کو بمبئی اپنے پاس بلانا چاہتے ہیں؛ لیکن بھائی بھابھی دین سے دور یہاں تک کہ حرام حلال سے بے پرواہ اور صوم وصلوۃ کے بھی پابند نہیں ہیں، اور ان کے والد سے معلوم ہوا کہ وہ جہاں پر نوکر ہیں وہاں مالک کی نظر بچا کر کچھ اوپر کی آمدنی بھی کرتے ہیں ایسی حالت میں اہلیہ کو وہاں بھیجنا مناسب ہے یا نہیں؟ جبکہ اعمال حسنہ وعقائد کے اعتبار سے وہ بھی پہلے ہی سے کمزور ہے، برائے کرم ایسی حالت میں شریعت کا کیا حکم ہے، مطلع فرمائیں۔

المستفتی: حبیب الرحمٰن انصاری بیضہ مرچنٹ علی مسجد مارکٹ شیر کوٹ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوالنامہ سے واضح ہوتا ہے کہ آپ کا نسبتی بھائی نوکری کرتا ہے اور ساتھ ساتھ بے احتیاطی کرتا ہے؛ لیکن پھر بھی اکثر مال حلال ہوگا اسلئے ان کے یہاں جانا وہاں کھانا کھانا سب شرعاً جائز ہے۔

عن سلمان الفارسي رضـ قال: إذا كان لک صديق عامل أو جار عامل أو ذو قرابة عامل فأهدیٰ لک هدية، أودعاک إلى طعام فاقبله، فان منهأه لک وإثمه عليه. (مصنف عبدالرزاق، المجلس العلمی بیروت۸/ ۱۵۰، رقم:۱٤٦٧٧)

أهدى إلى رجل شيئاً أو أضافه إن كان غالب ماله من الحلال فلا بأس الخ. (هندیه، کتاب الکراهیة، الباب الثانی عشرفی الهدایا والضیافات زکریا قدیم٥/ ٣٤٢، جدید٥/ ٣٩٦، تاتارخانیه، زکریا١٨/ ١٧٥، رقم: ٢٨٤٠٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍ذی الحجہ ۱۴۱۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۸؍ ۲۹۱۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲؍۱۲؍۱۴۱۲ھ

مخنث سے تعلق قائم کرنے، اور ان کی دعوت قبول کرنے کا حکم

سوال [۱۰۸۵۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مخنث حضرات ماہ رمضان میں افطار یا دیگر مواقع پر نذر و نیاز وغیرہ کا اہتمام کرتے ہیں، اور یہ لوگ غیر مخنث حضرات سے تعلقات رکھنے کی بناپر ان کو بھی کھانے پر مدعو کرتے ہیں، آیا ان لوگوں سے تعلقات قائم کرنا، یا ان کے یہاں کھانا اور ان کو کھلانا درست ہے کہ نہیں؟

المستفتی: محمد حسیب محمد حسین نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگران مخنث لوگوں کی ساری کمائی یا اکثر کمائی ناچ گانے کی ہے، تو ان کے یہاں دعوت قبول نہ کی جائے اور اگر حرام کمائی زیادہ نہیں ہے؛ بلکہ حلال کمائی ہی زیادہ ہے تو دعوت قبول کرنے کی گنجائش تو ہے مگر بہتر نہیں؛ البتہ اگر مخنثوں کی دعوت میں شرکت کے نتیجہ میں ان کی ہدایت کا ذریعہ بن سکتا ہو تو قبول کر لینی چاہئے ورنہ نہیں۔

عن عمران بن حصینؓ قال: نهٰی رسول الله صلی الله علیه وسلم عن إجابة طعام الفاسقین. (المعجم الکبیر للطبرانی، داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۸/ ۱٦۸، رقم: ۳۷٦)

اٰکل الربا وکاسب الحرام أهدی إلیه أو أضافه وغالب ماله حرام لا یقبل ولا یأکل مالم یخبره أن ذلک المال أصله حلال ورثه، أو استقرضه وإن کان غالب ماله حلالا، لا بأس بقبول هدیته والأکل منها. (هندیة، کتاب الکراهیة، الباب الثاني عشر في الهدایا، والضیافات، زکریا قدیم ۵/ ۳٤۳، زکریا جدید ۵/ ۳۹۷، الفتاوی التاتارخانیة زکریا ۱۸/ ۱۷۵، رقم: ۲۸٤۰۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳ / ربیع الاول / ۱۴۱۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۲ / ۴۷۲۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۳ / ۳ / ۱۴۱۷ھ

جس کی کمائی حرام ہو اس کے یہاں دعوت کھانا

سوال [۱۰۸۵۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے ایک قریبی رشتہ دار کا حرام کا کاروبار ہے، ان کے یہاں دعوت ہوتی

ہے، نہ جائے تو رشتہ ٹوٹ جاتا ہے، ایسے وقت کیا کریں؟ ہمارے یہاں ایک مولانا کہتے ہیں کہ دعوت کھاؤ، اور اسکی مقدار کا پیسہ صدقہ کرڈالو، کیا اس طرح کر سکتے ہیں؟

المستفتی: محمد فاروق دستگیر ستارا، مہاراسٹر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال میں ذکر کردہ رشتہ دار کی کمائی اگر سب کی سب حرام ہے، یا اکثر حرام ہے یا حرام وحلال برابر ہے تو اس کے یہاں ہرگز دعوت قبول نہ کی جائے، رشتہ ٹوٹ جانے کا خطرہ ہو تب بھی اس کے یہاں کھانا جائز نہیں ہے، اور کسی مولانا صاحب کا یہ کہنا کہ دعوت قبول کرلو، اور اس کی مقدار پیسہ اسی کی نیت سے صدقہ کردو تو اس کی مثال ایسی ہے کہ مردہ بکرا خود کھالیا اور ذبح شدہ حلال بکرا کسی کو دیدیا، ہاں البتہ اگر اس کے یہاں حرام پیسے کے ساتھ ساتھ حلال کمائی حرام پر غالب رہتی ہے تو پھر دعوت قبول کرنے کی گنجائش ہے، اور یہ سوچنا چاہئے کہ اس نے ہم کو حلال میں سے کھلایا ہے۔

غالب مال المهدى إن حلالا لا بأس بقبول هديته وأكل ماله مالم يتعين أنه من حرام وإن غالب ماله الحرام لايقبلها ولا يأكل إلا إذا قال: أنه حلال ورثته أو استقرضته. (بزازية، كتاب الكراهية، الفصل الرابع فى الهدية والميراث، جديد زكريا٣/ ٢٠٣، وعلى هامش الهندية، زكريا٦/ ٣٦٠)

أهدى إلى رجل شيئًا أو أضافه إن كان غالب ماله من الحلال فلا بأس إلا أن يعلم بأنه حرام فإن كان ا لغالب هو الحرام ينبغي أن لايقبل الهدية ولايأكل الطعام. (هندية، زكريا قديم٥/ ٣٤٢، جديده٥/ ٣٩٦، مجمع الانهر، دارالكتاب العلمية بيروت ٤/ ١٨٦، تاتار خانية، زكريا١٨/ ١٧٥، رقم: ٢٨٤٠٥) **فقط واللّٰہ** سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍رجب المرجب ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۵۹۹/۴۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۲/۷/۱۴۳۵ھ

مردار کی کھال وہڈی فروخت کرنے والے کی دعوت وامامت کا حکم

سوال [۱۰۸۶۰]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) اگر کوئی مسلمان مردار جانوروں کی کھال اور ہڈیاں ازخود نکال کرجمع کرکے فروخت کرتا ہے، یا کسی مسلم یا غیر مسلم سے یہ کام اجرت دیکر کرواتا ہے، پھر فروخت کرکے پیسے کماتا ہے تو یہ آمدنی شرعی اعتبار سے کیسی ہے؟ ایسے مسلمان کے یہاں دعوت قبول کرنا نیز شادی بیاہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) مسئولہ مذکورہ شخص کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟

المستفتی: مولانا زاہد قاسمی پوروہ داسہ پور سیتا پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱-۲) دباغت سے پہلے کھالوں کوفروخت کرنا اوراس سے آمدنی حاصل کرنا قطعاً حرام ہے، اس شخص پرلازم ہے کہ وہ حرام کاروبار چھوڑ کر حلال ذرائع اختیار کرے، اگر وہ باز نہ آئے تو اس کو امام بنانا مکروہ تحریمی ہوگا، اور ہڈیوں کا حکم یہ ہے کہ اگر آلائش الگ کرکے انھیں فروخت کیا جائے یا کھال کو دباغت دینے کے بعد بیچا جائے تو اس کی آمدنی حلال ہوگی۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۶/ ۴۹۷، امداد المفتیین ۲/ ۸۳۳)

قال الإمام قاضيخان: وبيع جلود الميتات باطل إذالم تكن مذبوحة، أو مدبوغه، ويجوز بيع عظامها، وعصبها. (خانية، كتاب البيع، فصل في البيع الباطل جديد زكريا۳/ ۸۱-۸۲، وعلى هامش الهندية، زكريا۲/ ۱۳۳)

ولابيع جلودالميتة قبل أن تدبغ لأنه غير منتفع به ولابأس ببيعها والانتفاع بها بعد الدباغ لأنها طهرت بالدباغ ولابأس بيع عظام الميتة وعصبها. (هداية، اشرفي ديوبند۳/ ۵۵، تاتارخانيه، زكريا۸/ ۳۴۱، رقم:۱۲۹۳۲)

ويكره تقديم الفاسق كراهة تحريم. (صغيري، مطبع مجتبائی

دهلی ٤ ٦ ٢ کبیری اشرفیه دیوبند ص: ٥١٢ هدایه اشرفی دیوبند ١ /١٢٢)

اوردعوت کے بارے میں حکم یہ ہے کہ اگرغالب آمدنی حرام کی ہے تو دعوت قبول کرنا جائزنہیں،اوراگرغالب آمدنی حلال ہےتو اس صورت میں دعوت قبول کرنا جائزہے۔

وکذا دعوة من کان غالب ماله من حرام مالم یخبر أنه حلال، وإن کان غالب ماله حلالا، لا بأس بقبول هدیته والأکل منها. (هندیة، کتاب الکراهیة الباب الثانی عشر في الهدایا والضیافات، زکریا قدیم، ٥/ ٣٤٣، جدید،٥/ ٣٩٧، الفتاوی التاتار خانیه زکریا،١٨/ ١٧٥، رقم،٢٨٤٠٥)

اورشادی سے پہلے بھی آمدنی کی تحقیق کرلی جائے۔(مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۲۹۳/۱۷، جدیدڈابھیل ۲۶۰/۱۸،) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳ / جمادی الاولی ۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر:الف ۶۱۶۷/۳۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۲۰/۵/۲۳ھ

متقی شخص کے لئے حرام آمدنی والے کی دعوت قبول کرنا

سوال [۱۰۸۶۱]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جس کے یہاں زیادہ تر آمدنی حلال ہواور حرام آمدنی کم ہوتو اس کی دعوت قبول کرنا اسی طرح ہدایا تحائف قبول کرنا جائز ہے،اب سوال یہ ہے کہ کسی کے یہاں بزرگ اور متقی آدمی پہونچا، اوراسکی ساری آمدنی حرام ہے تو پانچ روپیہ اپنا ملاکراور دس روپیہ حلال کمائی سے ملاکراس بزرگ کے لئے کھانا تیارکیا گیا تو کیا یہ کھانا اس بزرگ اور متقی کے لئے جائز ہوگا؟

المستفتی: محمد شبیر، نئی دہلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ایسا شخص جس کا کل مال حرام کمائی کا ہواس

کے یہاں بزرگوں کا دعوت قبول کرنا درست نہیں؛ البتہ داعی صراحت کیساتھ کہدے کہ میں حلال کمائی سے کھلا رہا ہوں تو درست ہے۔

عن عمران بن حصینؓ قال: نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن إجابة طعام الفاسقين. (المعجم الكبير للطبراني دارإحياء التراث العربي، بيروت، ۱۸/ ۱٦۸، رقم ۳۷٦)

لايجب دعوة الفاسق ...... وكذامن كان غالب ماله من حرام مالم يخبر أنه حلال الخ. (هندية، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشرفي الهدايا والضيافات، زكريا قديم ٥/ ٣٤٣، جديد ٥/ ٣٩٧، تاتار خانيه زكريا ١٨/ ١٧٥، رقم: ٢٨٤٠٧) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۵/ جمادی الاولیٰ/ ۱۴۱۵ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱/ ۴۰۳۷)	۱۴۱۵/۵/۲۵ھ

حرام کمائی کرنے والے کا حلال رقم سے مہمان نوازی کرنا

سوال [۱۰۸٦۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ خالد کو معلوم ہے کہ بکر کے یہاں خالص حرام کمائی سے پورے خاندان کا گذارہ ہوتا ہے، حسن اتفاق خالد ایک دن بکر کے گھر مہمان ہوا بکر کے پاس چونکہ پوری کمائی ناجائز اور حرام تھی اسلئے اس نے حلال کمائی کمانے والے سے قرض لیکر ضیافت کردی اور مہمان کے رخصت ہوجانے کے بعد یا ان کی موجودگی میں اپنی خالص حرام کمائی سے قرض کی ادائیگی کرتا ہے تو کیا صورت مذکورہ میں حرام کمائی سے قرض ادا کرسکتے ہیں؟

نیز خالد کا بکر کے یہاں مہمان ہونا اور دوسرے سے قرض لیکر ضیافت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: عبدالحکیم متعلم شعبہ افتاء مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسا شخص جسکی تمام کمائی حرام ہو اگر یہ شخص کسی حلال کمائی والے سے قرض لیکر کسی کی دعوت کردے تو اس دعوت کا قبول کر لینا درست ہے، اور اس کا اس طرح قرض لیکر دعوت کرنا بھی جائز ہے؛ لیکن اس قرض کی ادائیگی میں مال حرام دینا ناجائز اور نامناسب ہے؛ بلکہ مال حرام سے قرض ادا کرنے والا سخت گنہگار ہوگا اسی طرح لینے والے کو اگر یہ معلوم ہے کہ یہ مال حرام ہے تو اس کا اپنے قرضہ میں لینا بھی مکروہ اور باعث گناہ ہے۔ (مستفاد: فتاوی رشیدیہ قدیم ص:۵۶۹، جدید زکریا ص:۵۵۵، فتاوی محمودیہ قدیم ۱۶۰/۵، جدید ڈابھیل ۴۵۰/۱۸)

آکل الربو وکاسب الحرام أهدیاإلیه،أو أضافه وغالب ماله حرام لایقبل ولا یأکل مالم یخبره أن ذلک المال أصله حلال ورثه أو استقرضه، وإن کان غالب ماله حلالا، لابأس بقبول هدیته والأکل منها کذا فی الملتقط . (هندیة، کتاب الکراهیة، الباب الثانی عشرفي الهدایا والضیافات، زکریا قدیم ۳۴۳/۵، جدیده ۳۹۷/۵، تاتارخانیه زکریا ۱۷۵/۱۸، رقم:۲۸٤۰۵، بزازیة، جدید زکریا ۲۰۳/۳، وعلی هامش الهندیة زکریا ۳٦۰/٦، مجمع الانهر، دارالکتب العلمیة بیروت ۱۸٦/٤)

لوکان الدین لمسلم علی مسلم فباع المسلم خمراً وأخذ ثمنها وقضاه صاحب الدین کره له أن یقبض ذلک من دینه کذافی السراج الوهاج. (عالمگیري، الباب السابع والعشرون فی القرض والدین زکریا قدیم ۳٦۷، جدید زکریا ٤۲٤/٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم رجب ۱۴۱۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰۹۸/۳۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱/۷/۱۴۱۵ھ

سود کھانے والے کی دعوت قبول کرنے کا حکم

سوال [۱۰۸۶۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے اپنی جائیداد فروخت کرکے اسکی جملہ رقم کو بینک میں ڈالدیا ہے، اور وہ اس کے سود سے اپنا جملہ خرچ چلاتا ہے، اس کا کوئی دوسرا کاروبار نظر نہیں آتا اس صورت حال میں اگر وہ دعوت کرے تو اس کے یہاں کھانا کیسا ہے؟

المستفتی: شمیم احمد مدرسہ تجوید القرآن، روڑکی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر یہ قطعی طور پر معلوم ہے کہ اس کا سارا خرچہ سود کا ہوتا ہے تو ایسے شخص کے یہاں دعوت قبول نہ کی جائے ، ہاں البتہ اگر وہ یہ بتلادے کہ دعوت کا پیسہ سود کا نہیں ہے؛ بلکہ ادھار لیا ہے، یا کسی نے ہبہ کیا ہے، یا وراثت میں ملا ہے، تو دعوت قبول کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

اٰکل الربو وکاسب الحرام أهدیٰ الیه،أو أضافه وغالب ماله حرام لایقبل ولا یأکل مالم یخبره ان ذلک المال أصله حلال ورثه أو استقرضه.

(فتاوی عالمگیري، کتاب الکراهیة، الباب الثانی عشرفي الهدایا و الضیافات، زکریا قدیم ۵/۳٤۳، جدید ۵/۳۹۷، تاتار خانیه زکریا۱۸/۱۷۵، رقم:۲۸٤۰۵، بزازیه جدید زکریا۳/۲۰۳، وعلی هامش الهندیة زکریا ٦/۳٦۰، مجمع الانهر، دارالکتاب العلمیه بیروت ٤/۱۸٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍ربیع الثانی ۱۴۱۲ھ
(فتویٰ نمبر:الف ۲۷/۲۶۴۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴/۴/۱۴۱۲ھ

خنزیر کے بالوں کا برش بنانے والے کی دعوت قبول کرنے کا حکم

سوال [۱۰۸۶۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک غیر مسلم کی کمائی حرام ہے، مثلاً خنزیر کے بالوں کے برش کا کام ہے تو اس کے یہاں دعوت کھانا کیسا ہے؟

المستفتی: حافظ علاء الدین، شیرکوٹ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: غیر مسلم کے عقیدہ میں شراب اور خنزیر کی تجارت اور اس کا پیسہ جائز ہے، اسلئے وہ اپنی کمائی سے جو پیسہ کسی مسلمان کو دیگا یا کھلائے گا وہ مسلمان کے لئے جائز ہوجاتا ہے۔

إن بلا لاقال لعمربن الخطاب رضی اللہ عنہ ان عمالک یأخذون الخمر والخنازیر فی الخراج فقال لا تأخذوها منهم، ولکن ولوهم ببیعها وخذوا أنتم من الثمن فهذاعمرؓ قد أجاز لأهل الذمة بیع الخمر والخنازیر وأجاز للمسلمین أخذ أثمانهما فی الجزیة والخراج وذلک بمحضر من الصحابة ولم ینکر علیه منکر. (اعلاء السنن، ابواب البیوع الفاسدة، باب حرمة بیع الخمر، کراچی ۱۴/ ۱۱۲، دارالکتاب العلمیه بیروت ۱۴/ ۱۳۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍ جمادی الثانیہ ۱۴۱۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۲/ ۴۵۱۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۴/ ۶/ ۱۴۱۶ھ

کیا مسلمان کیلئے غیر مسلم کی دعوت قبول کرنا جائز ہے یا نہیں؟

سوال[۱۰۸۶۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ(۱) کسی غیر مسلم کی دعوت کھانا کیسا ہے؟

(۲)اگرایک آدمی کسی غیر مسلم دوست کے گھر گوشت بھیج کر پکواتا ہے، پھراس کی دعوت (دلجوئی کیلئے) قبول کر کے وہی گوشت کھاتا ہےتو ایسے غیر مسلم کے یہاں پکا ہوا گوشت کھانا کیسا ہے؟ جبکہ کسی غلط چیز کے ملانے یا ناجائز چیزوں کواس میں ڈال کرنہ پکانے کا کامل یقین ہے؟

المستفتی: مولانا سلمان ندوی، ہلدوانی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: غیر مسلم کی ایسی دعوت جس میں کسی حرام چیز کی ملاوٹ کا شبہ نہ ہوقبول کرنا جائز ہے۔

عن أنس بن مالک رضـ **أن يهودية أتت النبی صلی الله علبه وسلم بشاة مسمومة فأ كل منهافجيئ بها فقيل ألانقتلها، قال:لا ،:فمازلت أعرفها فی لهوات رسول الله صلی الله عليه وسلم.** (صحيح البخاري، الهبة، باب قبول الهدية من المشركين ١/٣٥٦، رقم:٢٥٤٣، ف:٢٦١٧)

ولا بأس بالذهاب إلی ضيفة أهل الذمه. (الفتاوى التاتارخانية، زكريا ١٨/١٦٧، رقم:٢٨٣٧٧)

(۲)مسئولہ صورت میں اگر مذکورہ گوشت کے درست ہونے کا یقین ہوتو غیر مسلم کے یہاں ایسا گوشت کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

ويقبل قول كافر ولو مجوسيا قال: اشتريت اللحم من كتابي فيحل أوقال من مجوسي فيحرم، ولايرده بقول الواحد أصلهأنه خبر الكافر مقبول

بالإجماع فی المعاملات، لافی الدیانات. (تنویر الابصار مع الشامي، کتاب الحظر والإباحة، زکریا ۹/۴۹۷، کراچي، ٦/٣٤٤، تبیین الحائق، زکریا٧/٢٧، امدادیه ملتان ٦/١٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵ر شعبان ۱۴۳۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۰۴۷۵/۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۸/۱۵ھ

کیا ہولی اور دیوالی کی مٹھائی مسلمان کھا سکتے ہیں؟

سوال [١٨٦٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ غیر مسلم دیوالی اور ہولی کے موقع پر مسلمانوں کو مٹھائی دیتے ہیں کیا مسلمانوں کو دیوالی وہولی کے نام کی مٹھائی کھانا جائز ہے؟ ذرا قرآن وحدیث کی روشنی میں وضاحت سے بیان فرمائیں۔

المستفتی: عبادالرحمان بجنوری، مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ہولی اور دیوالی کے موقع پر غیر مسلم بطور تحفہ وہدیہ مسلمانوں کو مٹھائی وغیرہ جو پیش کرتے ہیں مسلمانوں کے لئے اس کا نہ قبول کرنا بہتر ہے؛ لیکن اگر صرف وطنی تعلقات کو باقی رکھنے کے لئے قبول کریں تو اس کا کھالینا حرام اور ناجائز بھی نہیں ہے، کھانے کی گنجائش ہے بشرطیکہ مندر وغیرہ میں نہ چڑھایا گیا ہو بلکہ بازار سے خرید کر بلا ان کے مذھبی لوازمات کے پیش کیا جاتا ہو۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۵/۲۲۷، جدید ڈابھیل ۱۸/۳۴، امداد الفتاوی ۳/۴۸۱)

عن انس بن مالک أن یهودیة أتت النبی صلی اللّٰه علیه وسلم بشاة مسمومة فأکل منها فجیئ بها فقیل ألا نقتلها، قال: لا، :فمازلت أعرفها فی

لهوات رسول الله صلى الله عليه وسلم. (صحيح البخاري، الهبة، باب قبول الهدية من المشركين ١/٣٥٦، رقم:٢٥٤٣، ف:٢٦١٧)

ولا بأس بطعام المجوس كله إلا الذبيحة. (هندية، كتاب الكراهية، الباب الرابع عشرفى أهل الذمة، زكريا قديم٥/٣٤٧، جديد٥/٤٠١)

والأولى للمسلمين أن لايوافقهم على مثل هذه الأحوال لإظهار الفرح والسرور. (شامي، كراچي ٦/٧٥٥، زكريا ١٠/٤٨٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍جمادی الاولیٰ ۱۴۱۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۸؍۳۱۷۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۳/۵/۲ھ

دیوالی میں غیر مسلم کا تحفہ مٹھائی وغیرہ قبول کرنا

سوال [۱۰۸۶۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ دیوالی کے موقع پر غیر مسلم مسلمانوں کو تحفہ میں خوشی کے طور پر مٹھائی کا ڈبہ دیتے ہیں، وہ مسلمانوں کے لئے کھانا جائز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: دیوالی کے موقع پر غیر مسلم، مسلمانوں کو تحفہ میں مٹھائی کا ڈبہ دیتے ہیں اس کا نہ لینا بہتر ہے؛ لیکن اگر ظاہرداری اور مصلحت سے لے لیا تو شرعاً اس کا کھانا بلاکراہت جائز ہے؛ اسلئے کہ بنفسہ وہ چیز حلال ہوتی ہے۔

لابأس بطعام المجوس كله إلا الذبيحة. (هندية، كتاب الكراهية، الباب الرابع عشر، زكريا قديم٥/٣٤٧، جديد٥/٤٠١، البحر الرائق، كوئٹه ٨/١٨٤، زكريا ٨/٣٣٧، محيط برهاني كوئٹه قديم ٦/١٠٣، جديد، مجلس علمى ٨/٦٩، رقم:٩٦٠٣)

ولابأس بالذهاب إلى ضيافة أهل الذمة. (هندية، زكريا قديم٥/٣٤٧، زكريا جديد ٥/٤٠١)

لو اتخذ مجوسی دعوة لحلق رأس ولده فحضر مسلم دعوته فأهدى إليه شيأ لا يكفر ...... إن إجابة دعوة أهل الذمة مطلقا فى الشرع...... والأولى للمسلمين أن لايوافقهم على مثل هذه الأحوال لإظهار الفرح والسرور. (شامي، زكريا ١٠/٤٨٦، كراچى ٦/٧٥٥)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍محرم الحرام ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف خاص ۴۰؍۱۱۳۵۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۱/۳ھ

کیا بھنگی کے گھر کھانا کھانا دھوبی کے گھر کھانا کھانے سے بہتر ہے؟

سوال [۱۰۸۶۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسلمان دھوبی کے یہاں کا پکا ہوا کھانا مسلم بھنگی کے کھانے سے گھٹیا ہے یا اعلی؟ مجھے یاد پڑتا ہے کہ میں نے کہیں پڑھا ہے کہ بھنگی کے یہاں کا پکا ہوا کھانا دھوبی کے گھر کے پکے ہوئے کھانے سے اطیب ہے، بحوالہ تحریر فرمائیں؟

المستفتی: محمد شفیع مدرسہ شمس العلوم، کاشی پور نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: احقر کی نظر سے ایسی کوئی کتاب نہیں گذری کہ جسمیں مذکورہ بالا مسئلہ موجود ہے؛ البتہ یہ ہوسکتا ہے کہ کسی زمانہ میں دھوبی لوگوں کی چیزیں بلا اجازت اٹھالے جایا کرتا تھا یا دھوبی کپڑا کم ہونے کا دعوی کرکے

فروخت کر دیا کرتا تھا جواب بھی ہے اور ملک غیر کی وجہ سے دھوبی کے گھر کے کھانا سے احتیاط کی ترغیب دی ہو۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ / جمادی الثانیہ ۱۴۱۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۶ / ۲۲۷۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۸ / ۶ / ۱۴۱۱ھ

بطور ہدیہ موبائل میں ریچارج کرانا

سوال [۱۰۸۶۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے جن بزرگوں سے ہماری عقیدت ومحبت ہے ان کو ہدیہ تحفہ دینے کو دل چاہتا ہے؛ لیکن ان کے رعب یا قبول نہ کرنے کے ڈر سے ہوتا نہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ ان کے موبائل نمبر میں ریچارج کرا کے ان تک ہدیہ کی رقم پہونچانا شرعاً کیسا ہے؟ کوئی قباحت تو نہیں؟ اگر بعد میں فون کر کے ان کو اطلاع کرا دے تو کیا حکم ہے؟ اور اگر بالکل ہی اطلاع نہ کریں تو کیا حکم ہے؟

المستفتی: محمد مشتاق متعلم دار العلوم دیوبند

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: موبائل میں بطور ہدیہ ریچارج کرانا درست ہے، جبکہ ان کو اس کی اطلاع بھی دیدی جائے؛ لیکن اگر بالکل ہی اطلاع نہ دی جائے تو یہ عمل حدیث میں بیان کئے گئے ہدیہ کے لین دین کے مقصد کے خلاف ہوگا، نیز وہ اس تردد میں پڑ سکتا ہے کہ کسی کے موبائل میں ریچارج کرایا گیا ہوگا، اور لائن کی خرابی سے میرے موبائل میں آگیا؛ تو ایسی صورت میں جس کو ہدیہ کیا جا رہا ہے، وہ مزید پریشان ہو جائے گا؛ اس لئے اطلاع ضرور کر دینی چاہئے۔

عن أبي هريرةؓ عن النبی صلی اللہ علیه وسلم قال: تها دواتحابوا .

(السنن الکبری للبهقي قدیم ۱۶۹/۶ ، جدید دارالفکر بیروت ۱۵٤/۹ ، رقم:۱۲۱۶۹)

عن أبي هريرةؓ، عن النبی صلی اللہ علیه وسلم قال: تهادوا فان الهدية تذهب وحر الصدر، ولاتحقرن جارة لجارها ولو شق فر سن شاة.

(ترمذي شریف، أبواب الولاء والهبة، باب ماجاء فی حث النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم علی الهدية النسخة الهندية، ۳٤/۲ ، دارالسلام رقم، ۲۱۳۰)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍صفر المظفر ۱۴۳۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۸۷۸/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲/۲/۱۴۳۱ھ

(۱۵) باب الموالات مع الکفار

کفار کے یہاں کون سی چیز حلال یا حرام ہے اس کی تحقیق کا حکم

سوال [۱۰۸۷۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کتب مذہب حنفیہ ہدایہ وغیرہ میں مصرح ہے کہ جو چیزیں غیر مسلموں کے اپنے مذہب میں حلال ہیں ان چیزوں سے غیر مسلموں کو حاصل شدہ منافع مسلمانوں کے لئے جائز ہیں چنانچہ شاۃ اور کلب خمر اور شربت کی مثال موجود ہے، اس سلسلہ میں چند امور قابل دریافت ہیں؟

الف: غیر مسلموں کے مذہب میں حلال ہونے کا فیصلہ کس بنیاد پر کیا جائیگا؟ ان کی مذہبی تعلیمات واحکامات جو ان کی کتابوں میں موجود ہیں یا عرف ورواج کی بنیاد پر، یا اس بارے میں ہماری شریعت کی طرف سے کچھ مقررہ حدود ہیں جن پر ان غیر مسلموں کے مذہب کو پرکھا اور ناپا تولا جائیگا؟

ب: بالخصوص سود کا کیا حکم ہے؟ عرف حلت پر ہے جبکہ تصریحات قرآنی مثلاً **واکلهم الربوا وقدنهو عنه** وغیرہ حرمت پر دلالت کرتی ہیں، ان کے بالمقابل خانیہ کا ایک جزئیہ بندہ کی نگاہ سے گذرا جس سے پتہ چلتا ہے کہ سود اصل میں حلال تھا چنانچہ مسئلہ لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص تمنا کرے کہ کاش اللہ تعالیٰ نے شراب، سود، محارم سے نکاح حرام نہ کیا ہوتا؛ تو وہ کافر نہ ہوگا؛ کیونکہ اصل میں یہ چیزیں حلال تھیں الخ۔ (خانیہ علی ہامش الہندیہ، ۵۷۴/۳ زکریا دیوبند)

المستفتی: عبد الرشید عفی عنہ، اندھیری بمبئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: غیر مسلموں کے مذہب کےاعتبار سے حلت وحرمت کو سمجھنے کے لئے ہم صرف اتنے کے مکلّف ہیں کہ جن چیزوں کے بارے میں ان کے یہاں حلال ہونے کی شہرت ہے، وہ ان کے لئے جائز اور حلال ہیں، اور جن چیزوں کے بارے میں ان کے یہاں حرام ہونے کی شہرت ہے وہی چیزیں ان کے لئے ناجائز اور حرام ہیں ،مثلاً زنا ہے، وہ ہر قوم ومذہب میں ناجائز ہے؛ لیکن خنزیر، شراب، اور سود، وغیرہ ان کے یہاں ناجائز نہیں، اور نہ اس کی تجارت ان کے یہاں ناجائز ہے؛ ان اصولوں کے ذریعہ جہاں تک ان کے مذہب کو پرکھا اور ناپا تولا جاسکتا ہے وہ کیا جاسکتا ہے، اس سے زیادہ مسلمانوں کو ان کے مذہب کے متعلق کھود کرید کا مکلّف نہیں بنایا گیا ہے، جو حسب ذیل عبارت سے سمجھ میں آتا ہے۔

ففيه أنا لانجيز لهم بيع الخمر والخنزير علا نية ظاهراً في بلاد المسلمين وإنما لهم ذلک سراً، هذا حكم أهل الذمة، وأما أهل الصلح الذين صالحنا هم على قدرمعلوم من المال، ولم نجعلهم ذمة لنا فنتركهم ومايدينون الخ. (اعلاء السنن، ابواب البيوع الفاسدة، باب حرمة بيع الخمر، الرد على ابن حزم في تشنيعه على أبي حنيفةؒ، دارالكتب العلميه بيروت ١٤/ ١٣٥، كراچي ١٤/ ١١٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷ ؍ربیع الاول ۱۴۲۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۲۳۶/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۸/۳/۲۷ھ

ہندو ومسلم کا ایک دوسرے کو تہواروں پر ہدیہ دینا

سوال [۱۰۸۷۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کے محلّہ والے کافروں کو عید وبقرعید میں مٹھائیاں اور دیگر اشیاء بطور ہدیہ

دیتے ہیں اسی طرح کفار بھی اپنے ہولی اور دیگر تہوار میں مٹھائیاں اور دیگر اشیاء بطور ہدیہ دیتے ہیں تو یہ اقدام کیسا ہے کیا درست ہے؟ اور اولیٰ کیا ہے؟

المستفتی: محمد محسن تکمیل ادب مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: محلّہ داری اور پڑوس کی بناء پر کافروں کے ساتھ میل جول رکھنا، اور آپس میں ایک دوسرے کو مٹھائی وغیرہ لینا دینا جائز ہے؛ لیکن نہ لینا اولیٰ ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۲۲۷/۵، جدید ڈابھیل ۳۳/۱۸، کفایت المفتی قدیم ۳۳۱/۹، جدید زکریا مطول ۱۳۹/۱۳، فتاوی رشیدیہ قدیم ص: ۵۷۵، جدید زکریا ۵۶۳)

ولا بأس بضيافة الذمي وإن لم يكن بينهما إلا معرفة كذا في الملتقط وفي التفاريق لابأس بأن يضيف كافرًا لقرابة، أولحاجة كذا في التمر تاشي. (عالمگيري، كتاب الكراهية، الباب الرابع عشر زكريا قديم ۳٤۷/٥، جديد ٥/ ٤٠١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍رجب المرجب ۱۴۱۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰۹۶/۳۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۹/۷/۱۴۱۵ھ

غیر مسلموں کے مذہبی تہواروں کے موقع پر ان سے مٹھائیاں لینا

سوال [۱۰۸۷۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ غیر مسلموں کے مذہبی تہواروں مثلاً دسہرا، ہولی، دیوالی، وغیرہ میں ان کی طرف سے دی ہوئی مٹھائیاں کھانا اسی طرح اگر وہ اپنی شادی ودیگر تقریبات میں دعوت کریں تو ان کے یہاں جاکر کھانا شرعاً کیسا ہے؟

المستفتی: محمد سجاد قاسمی کانپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: غیر مسلموں کے مذہبی تہواروں کے موقع پر جو مٹھائیاں تقسیم ہوتی ہیں ان کا نہ لینا بہتر ہے؛ البتہ اگر کسی مصلحت کے پیش نظر ان کی طرف سے دی ہوئی مٹھائیاں لے لی جائیں تو پھر ان کے کھانے میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ وہ مٹھائیاں دیوی دیوتاؤں کے نام سے نہ ہوں۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۵/۲۲۷، جدید ڈابھیل ۱۸/۳۳، فتاوی رشیدیہ قدیم ص:۵۷۵، جدید زکریا ص:۵۶۳، مجموعۃ الفتاوی ۱/۲۰۷)

نیز اگر ہندو اپنی تقریبات میں دعوت کریں تو ان کی ضیافت قبول کرنا اور ان کے یہاں کھانا پینا درست ہے بشرطیکہ وہ ضیافت حلال چیزوں کی ہو، اگر یہ معلوم ہوجائے کہ ضیافت شئ حرام سے ہے تو پھر اس کا کھانا حرام ہے۔ (مستفاد: محمودیہ قدیم ۱۴/۳۸۲، ۹/۳۶۹، ۵/۱۱۷، جدید ڈابھیل ۱۸/۱۱۳، ۱۱۵، ۵۱، امداد الفتاوی ۴/۱۴۹)

عن أبي وائل وإبراهيم قالا: لما قدم المسلمون أصابوا من أطعمة المجوس من جبنهم وخبزهم، فأكلوا ولم يسألوا عن شئٍ من ذلک. (مصنف ابن أبی شیبه، مؤ سه علوم القرآن بیروت ۱۷/۴۱۶، رقم:۳۳۳٤٤)

ولابأس بالذهاب إلى ضيافة أهل الذمة هكذاذكر محمد رحمةالله عليه و في أضحية النوازل المجوس، أو النصراني إذا دعا رجلاً إلى طعامه تكره الإجابة وانه قال اشتريت اللحم من السوق فإن كان نصرانيا لابأس به. (الهندية، كتاب الكراهية، الباب الرابع عشر، زكريا قديم٥/٣٤٧،جديد ٥/٤٠١)

ولابأس بأن يضيف كافراً لقرابة أولحاجة. (هندية، زكريا قديم ٥/٣٤٧، جديد٥/٤٠١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲ ربیع الاول ۱۴۱۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۳/۵۲۵۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۳/۲۲ھ

غیر مسلم سے انکے تہوار پر مٹھائی وغیرہ لینا

سوال [۱۰۸۷۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ غیر مسلموں سے کاروباری تعلقات ہیں تعلقات کی بنیاد پر وہ دیوالی کے موقع پر خوشی میں شیرنی دیتے ہیں آیا اس میٹھے کا کھانا صحیح ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد جلیس احمد ٹانڈہ، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: دیوالی وغیرہ تہوار کے موقع پر غیر مسلم سے مٹھائی لینے میں اگر اس بات کا اندیشہ ہے کہ وہ کافر مسلمان کو اپنی نظر میں ہلکا سمجھے گا یا احسان جتائیگا تو لینا درست نہیں ہے، اور اگر اس طرح کی کسی دینی یا دنیوی مضرت کا اندیشہ نہیں ہے تو درست ہے۔
(مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۲۲۵/۵، و ۱۸۸، جدید ڈابھیل ۱۸/۱۷۴، ۱۷۵)

وقبل من شخص علم أنه لا يقل صلابته وعزته في حقه ولايلين بسبب قبول الهدية. (عالمگيري، كتاب الكراهية، االباب الرابع عشر زكريا قديم ٥/٣٤٨، جديد، ٥/٤٠٢، تاتار خانيه زكريا، ١٨/١٦٩، رقم ٢٨٣٨٥، محيط برهاني، المجلس العلمي بيروت ٨/٧١، رقم: ٩٦١٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴/ رجب المرجب ۱۴۱۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱/ ۴۱۱۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/۷/۴ھ

مسلم مزدور کا ہندو مالک سے اس کے تہوار پر ہدیہ قبول کرنا

سوال [۱۰۸۷۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مسلمان کسی غیر مسلم کے یہاں ورکر ہو اور مزدوری کی اجرت روزمرہ

دے دیتا ہو، پھر کبھی غیر مسلم اپنے تہوار کے موقع سے ہمیں کچھ تحفہ وغیرہ پیش کرے تو ہمارے لئے جائز ہے یا نہیں؟ حدیث قرآن کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں۔

نـــوٹ: تہوار غیر مسلموں کا جیسے ہولی، یا دیوالی، تہواروں کے لئے کیا حکم ہے؟ تفصیل سے جواب مرحمت فرمائیں نوازش ہوگی۔

المستفتی: داؤدعالم امیر جماعت مسجد گووند پوری، دہلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر غیر مسلم اپنا احسان سمجھ کر دیتے ہیں یا یہ سمجھ کر دیتے ہیں کہ مسلمان ہمارے اس تہوار میں شریک ہوگئے تو لینا ناجائز ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۱۸۸/۵، جدید ڈابھیل ۱۷۵/۱۸)

اور اگر ایسا نہیں ہے؛ بلکہ محض خوشی میں بطور تحفہ پیش کردیتے ہیں تو گنجائش ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ ۱۸۸/۵)

عن عليؓ عن النبی صلی الله علیه وسلم إن کسریٰ أهدی له فقبل، وإن الملوک أهدوا إلیه فقبل منهم. (سنن الترمذي، السیر، باب ماجاء فی قبول هدایا المشرکین، النسخة الهندیه ۱/ ۲۸٦، دارالسلام رقم: ١٦٢٤)

ومن المشائخ من وفق من وجه آخر، فقال: لم یقبل من شخص علم أنه لوقبل منه لایقل صلابته وعزته فی حقه ویلین له بسبب قبول الهدیة. (الفتاوی التاتارخانیة، زکریا ۱۸/ ۱٦۹، رقم: ۲۸۳۸۵، المحیط البرهانی، المجلس العلمي بیروت ۸/ ۷۱، رقم: ۹٦۱۰، هندیة، زکریا قدیم ٥/ ۳٤۸، جدید ٥/ ٤۰۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ ذی الحجہ ۱۴۰۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۰۲۳/۲۴)

دیوالی کے موقع پر غیر مسلم لڑکی کا مسلم لڑکے کو ٹیکہ لگانا

سوال [۱۰۸۷۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کسی مسلمان لڑکے نے غیر مسلم لڑکی کو بہن بنایا اب وہ لڑکی مسلمان لڑکے کے پاس آکر اپنے تہوار کی تمام رسومات ادا کرتی ہے مثلاً دیوالی کے موقع پر اس کے ماتھے پر ٹیکہ لگاتی ہے، اور اس کے ہاتھ میں راکھی وغیرہ باندھتی ہے، اور وہ لڑکا اسکی دلداری کے لئے ان تمام رسومات میں شریک ہوتا ہے، اور بخوشی اس کو اجازت دیتا ہے؛ تو کیا ایسا کرنا جائز ہے یا ناجائز؟

المستفتی: محمد شکیل صدیقی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسا کرنا ہرگز جائز نہیں ہے، نیز اس میں غیر مسلم لڑکی کو اسلام کی طرف لانے کی کوشش نہیں ہے؛ بلکہ مسلم لڑکا خود ان کے مذہب کے امور اختیار کررہا ہے، اس سے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں سختی سے منع فرمایا ہے۔

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكَافِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَمَنْ يَفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ. [آل عمران: ۲۸] فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍ شوال ۱۴۱۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۳؍ ۵۴۸۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۹؍ ۱۰؍ ۱۴۱۸ھ

ہندوؤں کے مذہبی تہواروں میں شرکت کرنا

سوال [۱۰۸۷۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کے علاقہ میں دسہرے یعنی کالی پوجا میں مسلم لوگ میلا دیکھنے

جاتے ہیں اور بچوں کو دیوتا وغیرہ دکھاتے ہیں، اور مٹھائی خریدتے ہیں، اس موقع پر اپنے داماد بیٹی کو کپڑے اور روپۓ مٹھائی وغیرہ دینا ضروری سمجھتے ہیں اس کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: محمد علیم الدین، کشن گنج، بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ہندوؤں کے مذہبی تہواروں میں جانا اور شریک ہونا، اور وہاں جا کر بچوں کو دیوتا وغیرہ دکھانا ایسے کام ہیں جن سے مسلمانوں کا عقیدہ خراب ہو سکتا ہے، ہندوؤں کی مشابہت کی بنا پر جائز نہیں ہے، اس کا ترک کرنا مسلمانوں پر لازم ہے۔

عن ابن عمرؓ قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: من تشبه بقوم فهو منهم الحديث. (ابو داؤد شريف، اللباس، باب في لبس الشهرة، النسخة الهندية ۵۵۹/۲، دارالسلام رقم: ۴۰۳۱، سنن سعيد بن منصور، دارالكتب العلمية بيروت ۱۴۳/۲، رقم: ۲۳۷۰، مسند أحمد بن حنبل ۵۱/۲، رقم: ۵۱۱۴، مصنف ابن أبي شيبه، مؤسسه علوم القرآن بيروت ۲۷۲/۱۰، رقم: ۱۹۴۷) فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللّٰہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۲/ ربیع الاول ۱۴۲۸ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۲۵۶/۳۸)	۱۴۲۸/۳/۱۳ھ

غیر مسلموں کے تہوار میں شرکت اور مبارکباد کا حکم

سوال [۱۰۸۷۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کیا ہم غیر مسلم کے تہوار میں شریک ہو سکتے ہیں اور مبارکباد دے سکتے ہیں؟

المستفتی: منہاج الدین صدیقی، نئی دہلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسلمانوں کیلئے غیر مسلموں کے تہوار میں شریک ہو

کرمبارکباد دینا حرام اور کفر کے قریب پہونچا دیتا ہے،اس سے دور رہنا ہر مسلمان پر واجب ہے۔
(مستفاد: امداد الفتاویٰ ۴/۲۵۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍رمضان المبارک ۱۴۱۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۷/۲۳۶۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۱/۹/۴ھ

انگریزوں کی طرح مکان کے افتتاح میں عالم کی شرکت

سوال [۱۰۸۷۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کسی جدید دوکان کا انگریزوں کے طریقہ پر افتتاح کرنا یعنی اس مکان یا دوکان کے دروازے پر ربن لگایا جاتا ہے، ہر ایک آدمی اس ربن کو کاٹتا ہے کسی امام یا مولوی کو کرنا کیسا ہے؟

المستفتی: حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نائب مہتمم مدرسہ شاہی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کسی مسلمان کو کفار کے اطوار کو اپنانا یا ان کی مشابہت اختیار کرنا ہرگز جائز نہیں۔

لو شبه نفسه باليهود والنصریٰ أي صورة أوسيرة على طريق المزاح والهزل أي ولو على هذا المنوال الخ. (شرح فقه اكبر قديم ۲۲٦،جديد، اشرفي ديوبند۲۲۸)

من تشبه بقوم فهو منهم الحديث.(ابو داؤد شريف، اللباس، باب في لبس الشرة، النسخة الهندية ۵۵۹/۲، دارالسلام رقم:۴۰۳۱، المعجم الاوسط للطبراني، دارالفكر بيروت ۱۵۱/٦، رقم:۸۳۲۷، المعجم الكبير للطبراني، داراحياء التراث العربى بيروت ۳۱۷/۱۳، رقم:۱۴۱۰۹)

خاص کر کسی امام مولوی کو وہاں جانا، شرکت کرنا، بیٹھنا، ممنوع اور سخت گناہ اور معصیت کا راستہ پیدا کرنا ہے۔

فان قدر على المنع منعهم (الى قوله) ولم يقدر على منعهم يخرج ولايقعد، لأن في ذلك شين الدين وفتح باب المعصية على المسلين الخ.

(هداية، كتاب الكراهية، قبيل فصل في اللبس، رشيدية ٤/ ٤٣٩، اشرفي ديو بند ٤/ ٤٥٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۹ ذیقعدہ ۱۴۰۷ھ

(فتویٰ نمبر: الف ۲۳/ ۳۷۵)

غیروں کی مشابہت اختیار کرنا

سوال [۱۰۸۷۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) حدیث **من تشبه بقوم فهو منهم** کا کیا مطلب ہے؟ نیز اسلامی معاشرہ کی حقیقت اور اہمیت کیا ہے؟ اور اس کے تحفظ کا کیا حکم ہے؟

(۲) مسلمانوں کے بچوں اور خاص طور پر مسلمان بچیوں کا غیر اسلامی ہندو اور عامی وضع قطع کے لباس پہننا اور پہنانا جائز ہے یا نہیں؟

(۳) علماء کرام اور علمی اداروں کے ذمہ دار اور اساتذہ اگر اپنی بچی تک کو انگریزی لباس وضع قطع میں اسکول بھیجیں تو ان کے حق میں کیا حکم ہے؟

(۴) مسلمان بچیوں کو حتی کہ چھوٹی چھوٹی بچیوں کو اسکول میں انگریزی اسکول انکی تربیت اور ماحول میں بھیجنا اور انکو وضع قطع پہنانا کہاں تک جائز ہے؟

(۵) کیا ایسی حالت میں انہیں یہ حق پہنچتا ہے کہ دوسرے کے بچوں کو اور بچیوں کو دینی تعلیم کی ترغیب دیں، مدرسہ میں داخل کریں اسلامی وضع قطع کے لئے سختی کریں؟

(۶) جواستاذ اپنی بچیوں کوغیر اسلامی وضع قطع کے ساتھ غیر اسلامی ماحول کے اسکول میں بھیجتا ہے، روکنے یا سمجھانے سے باز نہیں آتا، اگر مہتمم مدرسہ اس کی بنا پر ایسے استاذ کو مدرسہ کی ملازمت سے برطرف کردے تو شرعاً اس کا کیا حکم ہوگا؟

(۷) اگر کوئی عالم دین باپ اپنی بیٹی کا اسکول میں داخلہ کرائے اور عالم دین بیٹے کا باپ جوخود عالم دین ہیں پوتی کو غیر اسلامی وضع قطع سے پرہیز کرکے رکھے، سمجھائیں، خوشامد سماجت، ہاتھ جوڑکراس سے باز رہنے کو کہے؛ مگراس کے باوجود بیٹا اپنی بیٹی کوانگریزی وضع قطع میں رکھے، اور اسکول داخلہ پر بضد اور مصر رہے، اور باپ بیٹے کے اس اقدام غیر شرعی اور اسلامی معاشرہ کے تباہ کن سمجھ کراسلامی معاشرت کی حفاظت کے لئے کم سے کم اپنے ماحول میں اس زہر کے سرایت کرنے سے بچے کا باپ بیٹے کو عاق کردے گھر سے نکال دے تو ایسے باپ اور ایسے بیٹے کے حق میں شریعت کا فیصلہ کیا ہے؟ براہ کرم فوری اور تشفی بخش جواب سے ممنون فرمائیں، برادران وطن کومسلمانوں سے شکایت ہے کہ مومی دھاری میں نہیں بستے اور بنیاد پرست ہیں براہ کرم اگراس پر بھی مختصر روشنی ڈالیں تو بہت ہی کرم ہوگا؟

المستفتی: عبدالحق گاؤں پوسٹ نورتھ قاضی پاڑہ بارا سات، ۲۴ پرگنہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ حدیث شریف کا مطلب یہی ہے کہ اگرکوئی شرفاء کی خصوصیات اورطور طریق اورحلیہ، لباس، وغیرہ کواختیار کرکے مشابہ بنتا ہے تو وہ عنداللہ شرفاء کے زمرہ میں شامل ہوگا، اوراگرکوئی فساق یا کفار کی خصوصیات اورطور طریق وغیرہ کا حلیہ لباس اختیار کرتا ہے، اورانہیں سے مشابہت اختیار کرتا ہے؛ تو عنداللہ وہ فساق یا کفار کے زمرہ میں شامل ہوگا۔

عن ابن عمرؓ قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم من تشبہ بقوم فھو منھم. (أبوداؤد شریف، کتاب اللباس، باب فی لبس الشھرة، النسخة الھندیة ۵۵۹/۲، دارالسلام رقم: ۴۰۳۱)

من تشبه نفسه بالكفار مثلا في اللباس وغيره أو با لفساق، أوبالفجار، أوباهل التصوف والعلماء، والابرار فهو منهم اى في الاثم والخير الخ. (مرقات، باب اللباس، امداديه ملتان، ٨/٢٥٥، بذل المجهود، جديد دارالبشائر الاسلاميه بيروت ١٢/٥٩، قديم هندي، ٥/٤١، مصرى١٦/٣٥٦، عون المعبود، في شرح أبي داؤد، دارالكتاب العلمية بيروت ٤/٧٨، فتاوى شامي، باب مايفسد الصلوة ومايكره فيها، مطلب في التشبه بأهل الكتاب، كراچي ١/٦٢٤، زكريا٢/٣٨٤)

اسلامی معاشرہ کی اہمیت اوراس کاتحفظ فرض کفایہ ہے۔

(۲) غیر اسلامی وضع قطع اورلباس وغیرہ حرام ہے جیسا کہ مذکورہ حدیث شریف سے ثابت ہے۔

(۳) چھوٹی بچیوں کو مذکورہ ضرورت انگریزی زبان کی تعلیم دینا جائز ہے؛ لیکن ان کو اغیار کے اسکول میں رہ کران کے اسلامی اخلاق وکردارکو، اورلباس کو بگاڑنا حرام ہے، اورنا جائز ہے۔

عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جدهؓ أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: ليس منا من تشبه بغيرنا الحديث. (سنن الترمذي،ابواب الاستئذان، باب ماجاء في كراهية اشارة اليد في السلام، النسخة الهندية٢/٩٩، دارالسلام رقم، ٢٦٩٥، عون المعبود، دارالكتب العلميه بيروت ٤/٧٨)

(۴) علماء پر زیادہ ذمہ داری ہونے کی وجہ سے اس اقدام پر علماء زیادہ گنہگار ہونگے۔

(۵) دوسرے کوصحیح راہ بتلانا علماء پر لازم ہے،خودعمل نہ کرنے کی سزاعلیحدہ ملیگی۔

(۶) اگر استاذ اپنی بالغہ لڑکی کو مذکورہ وضع قطع پر اسکول بھیجتا ہےتو وہ فاسق ہے، مہتمم مدرسہ پر لازم ہے کہ غیر متبع شریعت استاذ کومفرور کریں وہ فاسق استاذ کی معزولی کی راہ اختیار کرسکتا ہے۔

(۷) ایسی صورت میں بیٹا سخت گنہگار ہوگا؛ لیکن شریعت اسلام میں عاق کرنا جائز نہیں ہے، اگر باپ عاق کر کے انتقال کرجائے تو بیٹا وراثت سے محروم نہ ہوگا۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۳۱۸/۴، فتاوی محمودیہ قدیم ۲۳/۵، جدید ڈابھیل ۴۸۷/۲۰)

الإرث جبري لايسقط بالإسقاط. (تكمله ردالمحتار، مطلب فی حادثه الفتاوی کراچي، ۵۰۵/۷، زکريا، ۶۷۸/۱۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/شوال المکرّم ۱۴۰۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۴۵۴/۲۵)

کافر کے جھوٹے کا حکم

سوال [۱۰۸۸۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ غیر مسلم کا جھوٹا کھانا مسلمان کے لئے پاک ہے یا ناپاک؟

المستفتی: شفیق احمد تھانہ ناگ پھنی دولت باغ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کافر کا جھوٹا شرعاً پاک ہے

وسؤر الآدمی طاهر ويدخل في هذا الجنب والحائض والنفساء والكافر. (فتاوی عالمگیري، کتاب الطهارة، الفصل الثانی فیما لایجوز به التوضؤ، زکریا قدیم ۲۳/۱، جدید، ۷۶/۱، درمختار کراچي ۲۲۲/۱، زکریا ۳۸۱/۱، طحطاوی علی المراقي قدیم/۱۷، جدید دارالکتاب دیوبند، ۲۹/۱، مبسوط سرخسي، دارالکتاب العلمیه بیروت ۷۴/۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰/ذیقعدہ ۱۴۰۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۷۹/۲۴)

قادیانی بھائی سے میل جول رکھیں یا نہیں؟

سوال [۱۰۸۸۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کہتا ہے کہ میرا بھائی قادیانی ہے، وہ زمین جائیداد باغ وتالاب ہر چیز میں شریک ہے حتی کہ گھر بھی ایک ساتھ ہے، زمین وگھر پیسہ کا تقسیم کرنا آسان ہے؛ لیکن تالاب کا تقسیم کرنا بہت مشکل ہے ہاں اگر تالاب بڑا ہوتا تو بہت زحمت کے بعد ممکن ہوتا ورنہ بہت مشکل ہے؟ یا تالاب میں بہت سارے شریک ہیں؟ ان میں سے ایک قادیانی ہے یا ایک قادیانی ایک ہندو، اور باقی مسلمان ہیں؟ تو ان وجوہ میں ان سے میل رکھنا باتیں کرنا کیسا ہے؟ ادھر لوگ کہتے ہیں کہ جب غیر مسلمانوں سے میل جول، بات کرنا جائز ہے؛ تو ان سے باتیں کرنا کیوں نہیں جائز ہوگا؟

المستفتی: محمد شہید اللہ الحسینی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ایسے حالات میں تکلم ناگزیر ہو تو بوقت ضرورت بات کرسکتے ہیں؛ لیکن ان کے ساتھ بلاضرورت شدیدہ میل جول بود وباش کا معاملہ نہ رکھنے کی کوشش کرنی چاہئے؛ کیونکہ اندیشہ ہے کہ وہ بھی اسی رنگ میں رنگ جائے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۳۰۸/۵، جدید، ڈابھیل ۱۲۹/۲، معارف القرآن، اشرفی ۳۶۷/۳)

قال اللہ تعالیٰ: يَـا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّىْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ. [سورۃ الممتحنۃ: ۱] فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳/ذی الحجہ ۱۴۰۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۰۱۹/۲۴)

شیعوں کے ساتھ کھانا کھانا کیوں ممنوع ہے؟

سوال[۱۰۸۸۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مؤمنوں کوشیعہ کے یہاں کھانا کیسا ہے؟ اگر ممنوع ہے تو کیوں ہے؟ احادیث اورقرآن کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں نوازش ہوگی؟

المستفتی: محمد سلیم وارثی دولت باغ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شیعوں سےمیل جول اوران کے یہاں کھانا پینا اورانکی شادی بیاہ وغیرہ میں شرکت کرنا پکے سچے مسلمان کے لئے جائزنہیں ہے، نیز غیر مسلم ہندو کےساتھ کھانے پینے میں کوئی ظاہری دھوکہ نہیں ہے،اس لئے اس غیر مسلم کا کفرتمام مسلمانوں پر ظاہرہےاسکےساتھ کھانے پینے سے دوسرے مسلمان اس غیر مسلم کے مذہب کوصحیح نہیں سمجھیں گےاورشیعوں کے ساتھ میل جول میں یہ دھوکہ ہے کہ انجان لاعلم مسلمان اس کودیکھ کرشیعہ کے عقائدصحیح سمجھ سکتے ہیں کیونکہ شیعہ اپنے کوسچا مسلمان ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے لہٰذا تمام مسلمانوں پرضروری ہے کہ شیعوں کےساتھ میل جول نہ رکھیں۔(مستفاد:فتاوی احیاءالعلوم ۱/۱۵۲)

قولہ تعالیٰ: وَلَا تَرْكَنُوْا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّا . [ھود:۱۱۳]

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیراحمد قاسمی عفااللہ عنہ
۴ ربیع الثانی ۱۴۰۹ھ
(فتویٰ نمبر:الف ۲۴/۱۱۸۶)

حنفیوں کاشیعوں کے ساتھ کھانا پینا

سوال[۱۰۸۸۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل

کے بارے میں: کہ شیعہ مذہب حنفیہ مذہب کے ساتھ مل کر کھانا پینا شادی بیاہ مفردانی اورکام کاج وغیرہ ایک ساتھ کریں تو جائز ہے یا نہیں؟ اور یہی شیعہ لوگ صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مانتے ہیں، اورابو بکرؓ، عثمان غنیؓ، اور حضرت عمر فاروقؓ کو نہیں مانتے ہیں، یعنی یہی لوگ تین خلیفہ کو نہیں مانتے؛ بلکہ کہتے ہیں کہ صرف خلافت کے حقدار حضرت علیؓ ہیں، یعنی خلافت ان تینوں کو نہیں ملی، صرف حضرت علی کو ملی اس کے بارے میں علماء کرام کیا کہتے ہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جائز نہیں ہے۔

قولہ تعالی: وَلَا تَرْكَنُوْا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّار. (ھود:۱۱۳)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵ر شوال المکرّم ۱۴۰۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۵/۱۴۳۶)

غیر مسلم کو مستقل باورچی بنانے اور اپنے ساتھ کھلانے کا حکم

سوال [۱۰۸۸۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ غیر مسلموں کو مستقل طور پر باورچی بنانا اور ایک ہی دسترخوان پر کھلانا درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: شفیع احمد الاعظمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کتب فقہ میں اسکی صراحت موجود ہے کہ غیر مسلم کے ساتھ مستقل طور پر کھانا پینا مکروہ ہے، تو اس سے غیر مسلم کو مستقل باورچی بنانے کی کراہت اور ممانعت ثابت ہوجاتی ہے۔

والأکل مع الکفار لو ابتلی به المسلم لابأس لومرة أو مرتين

أما الدوام عليه يكره الخ. (فتاوى بزازية، كتاب الكراهية، الفصل الثالث فيما يتعلق بالمناهي، جديد زكريا ٣/ ٢٠٣، وعلى هامس الهندية زكريا٦/ ٣٥٩، هندية زكريا قديم ٥/ ٣٤٧، جديد٥/ ٤٠١، الفتاوى التاتار خانية زكريا ١٨/ ١٦٦، رقم:٢٨٣٧٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۷۸۹/۲۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۶/۵/۱۴۱۰ھ

غیر مسلم کیلئے خنزیر وشراب کی خرید وفروخت کا حکم

سوال [۱۰۸۸۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ شراب اور خنزیر کی فروختگی اسی طرح سود کا پیسہ غیر مسلموں کے حق میں حلال ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: چونکہ غیر مسلم اپنے دھرم میں اس پیسہ کو جائز سمجھتے ہیں اس لئے یہ پیسہ انکے حق میں حلال ہے۔ (مستفاد: انوار رحمت ۱۵۶)

ولاينعقد بيع الخنزير من المسلم؛ لأنه ليس بمال فى حق المسلمين، فأما أهل الذمة فلا يمنعون في بيع الخمر والخنزير...... فلأنه مباح الانتفاع به شرعًا لهم كالخلّ وكالشّاة لنا فكان مالاً فى حقهم فيجوز بيعه. (بدائع الصنائع، زكريا٤/ ٣٣٤)

ان بلالاً قال لعمر بن الخطابؓ: إنّ عمالک يأخذون الخمر والخنازير فى الخراج، فقال: لاتأخذونها منهم ولكن ولو هم ببيعها وخذوا أنتم من الثمن ......فهذا عمرؓ قد أجاز لأهل الذمه بيع الخمر والخنزير وأجاز

للمسلمين أخذ أثمانهما في الجزية والخراج وذلك بمحضر من الصحابة ولم ينكر عليهم منكر. (اعلاء السنن كراچي ١٤/ ١١١، ١١٢، دارالكتاب العلميه بيروت ١٤/ ١٣٤، البناية، نعيميه ديوبند٨/ ٣٨٣) **فقط واللہ** سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف خاص ۱۱۵۰۹/۴۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۴/۲۹ھ

ہندؤں کے رہنماؤں کی شان میں کہے گئے اشعار کا حکم

سوال [۱۰۸۸۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید جو کہ مسلمان ہے اور شاعر بھی ہے وہ اپنے دیوان میں مندرجہ ذیل اشعار لکھتا ہے؟ اس شاعر اور کاتب پر اور تابع پر از روئے شرع کوئی گناہ تو نہیں ہے ''رام'' کے سلسلے میں رقم طراز ہیں؟

وہ کہ دشرتھ کا دلارا وہ صداقت کا امیں — وہ کہ جو آیا تھا بن کر حامل عزم ویقین
وہ کہ تھا انس ومحبت کا جہاں میں دیوتا — وہ کہ تھا جو درحقیقت پیکر صدق وصفا کا
وہ کہ جس نے توڑ ڈالی ہر تکبر کی کمان — وہ جسکی زند گی تھی حق پرستی کا بیان
وہ مخفی قوتوں کا حقیقی راز تھا — وہ صحیح معنوں میں جو فطرت کے ایک غماز تھا
وہ کہ جس نے ڈھادئے باطل کے طاقت کے تول — وہ کہ جس نے کر دئے راون کے ہر چشم سرنگو
وہ کہ ٹوٹی کشتیوں کا جو کہ تھا ایک نا خدا — وہ کہ جو بھٹکی ہوئی دنیا کا خضر ورہنما

اور ''ایکتا'' کے تحت لکھتے ہیں؟

ہیں تو ناقوس واذاں دونوں کی ہے آواز ایک
شیخ ہو یا ہریجن دونوں کی پرواز ایک

دیر ہو یا ہو حرم دونوں کا ہے اعجاز ایک
ایک انداز نظر ہے ایک شان انجمن
ایک میرا گلستاں ایک بہر چمن

اور بھی اسی انداز کے کافی اشعار ہیں؟ شریعت مطہرہ کی روشنی میں جواب فرمائیں؟

المستفتی: مفتی احمد میاں کوح قاضی، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ان اشعار کے اندر ہندو مذہب کے رہنما اور پیشوا کے لئے پیغمبرانہ صفات ثابت کی گئی ہیں جو ان کے پرسنل لا اور مذہب کی سخت تعظیم وتوقیر ہے، جس سے مسلمانوں پر سخت غلط اثر پڑ سکتا ہے، اور مسلمان موحد، کاتب، قاری سے ان کے مذہب کی عقیدت کا مظاہرہ بھی ہوتا ہے؛ اسلئے زید خود اور کاتب وقاری سب حرام اور گناہ کبیرہ کے مرتکب ہونگے۔

لقوله تعالى: وَلَا تَرْكَنُوْا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّار. [هود:۱۱۳]

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكَافِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ. (آل عمران:۲۸)

وفي تفسيره وكذا اذ دخلوا في الموالات المنهي عنها السلام والتعظيم والدعاء بالكنية والتوقير بالمجالس الخ. (احكام القرآن للتهانوي ۲/ ۸)

وقوله تعالى: اَلَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكَافِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا. (النساء: ۱۳۹)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴ رمحرم الحرام ۱۴۰۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۰۴۹/۲۴)

غیر مسلموں سے تعلق کی حد

سوال [۱۰۸۸۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ گاؤں میں ہندوؤں کی خاصی آبادی ہے جن کے یہاں سے شادی بیاہ میں نیوتہ (تعاون) چلتا ہے، اور وقت ضرورت پر دوسری چیزوں کا بھی لین دین ہوتا ہے، شادی کے موقع پر، اسی طرح شادی کے بعد دولہن کے دوبارہ آنے کے بعد ہندو مسلم دونوں کے یہاں خوشی میں مٹھائیاں تقسیم کرنے کا رواج ہے، شادی کی یہ مٹھائیاں لی دی جاتی ہیں، بعض مسلمان شادیوں کے موقع پر اپنے ہندو متعلقین کو مدعو کرتے ہیں، اور ہندو بھی اپنے مسلم متعلقین کو مدعو کرتے ہیں، اور کھلاتے ہیں، واضح رہے کہ شادی کی دعوت میں غیر کو مدعو کرنے اور غیر کی شادی میں شرکت کرنے کا معاملہ عمومی نہیں ہوتا، عموما چند متعلقین ہی ہوتے ہیں، بقیہ ہندوؤں کی مذہبی تقریبات میں شرکت، ان کے پرشاد اور نذر ونیاز کو لینے سے مکمل احتیاط برتی جاتی ہے، ایک عالم صاحب کا کہنا ہے کہ کفار کی اس طرح کی غیر مذہبی دعوتوں میں شرکت کرنا موالات مع الکفار میں داخل ہے، سوال یہ ہے کہ یہ باتیں موالات میں داخل ہیں؟ موالات کے حدود کیا ہیں؟ کفار سے کس قسم کا تعلق اور تعاون جائز ہے؟

المستفتی: محمد اجمل قاسمی، مدرسہ شاہی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: دو چیزیں بالکل الگ الگ ہیں:

(۱) **موالات**: دلی محبت ومودت کے ساتھ تعلق اور ہمدردی قائم رکھنا یہ صرف مسلمانوں کے ساتھ جائز ہے غیر مسلموں کے ساتھ جائز نہیں ہے قرآن مقدس کے اندر اللہ تعالیٰ نے غیروں کے ساتھ اسی موالات کی ممانعت فرمائی ہے۔

(۲) **مواسات**: نفع رسانی اور ہمدردی کا اظہار کرنا جس میں دلی محبت ومودت کا ہونا

لازم نہیں ہے؛ بلکہ دلی محبت ومودت کے بغیر بھی نفع رسانی اور ظاہری ہمدردی اور ظاہری تسلی دینا ممکن ہوتا ہے، اور مواسات مسلمانوں کے علاوہ غیر مسلموں کے ساتھ بھی جائز اور درست ہے۔

(مستفاد: معارف القرآن ۲/۵۰، سورہ آل عمران: ۲۸)

جیسا کہ حدیث پاک کے اندر یہودی پڑوسی کے ساتھ ہمدردی اور رواداری کرنے کی بات آئی ہے۔

عن عبدالله بن عمرؓ أنه ذبحت له شاة فجعل يقول لغلامه أهديت لجارنا اليهودى، أهديت لجارنا اليهودى؟ سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: مازال جبريل يوصينى بالجار حتى ظننت أنه سيورثه .

(الأدب المفرد /٤٤، رقم:١٠٥، ابوداؤد، الأدب، باب فى حق الجوار، النسخة الهندية ٢/٧٠١، دارالسلام رقم:٥١٥٢، ترمذي، ابواب البر والصلة، باب ماجاء في حق الجوار، النسخة الهندية ٢/١٦، دارالسلام رقم: ١٩٤٣، مسند احمد، ٢/١٦٠، رقم:٦٤٩٦)

لہٰذا غیر مسلموں کی شادی بیاہ میں خوشی کا اظہار کرنا اور خوشی میں ان کو کوئی تحفہ پیش کرنا یا ان کا تحفہ قبول کرنا یہ از قبیل مواسات ومدارات ہے، از قبیل موالات نہیں، اس لئے اتنی بات کی گنجائش ہے؛ لیکن بطور نیوتہ ان کو کچھ دینا یا ان سے کچھ لینا یہ جس طرح مسلمانوں کے ساتھ جائز نہیں، غیر مسلموں کے ساتھ بھی ناجائز ہے۔

الا أن تتقوا منهم تقاة فحينئذ تجوز الموالاة ظاهرا. (روح المعانى سورة آل عمران تحت رقم الأية:٣٧، زكريا ديوبند ٣/٢٢٨، ومثله في احكام القرآن للجصاص مطلب فى بيان معنى التقية وحكمها، سهيل اكيڈمى لاهور ٢/٩، جديد، زكريا ٢/١٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ ؍رجب المرجب ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۱/ ۱۱۵۸۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۶/۷/۱۴۳۵ھ

کافر کے گھر پر کھانا کھانا کیسا ہے؟

سوال [۱۰۸۸۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کافر کے گھر کھانا کیسا ہے جواب مرحمت فرمائیں؟

المستفتی: محمد دانش دولت باغ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: بہتر یہ ہے کہ غیر مسلموں کے گھر کھانا نہ کھایا جایائے؛ لیکن اگر شدید ضرورت پیش آجائے یا فتنہ کا خطرہ ہوتو گوشت کے علاوہ سبزی دال وغیرہ معمولی انداز سے کھالیا جائے جس سے ضرورت پوری ہوجائے، یا فتنہ سے حفاظت ہوجائے اسلئے کہ حدیث شریف میں ان کے برتنوں کے استعال کی بھی ممانعت آئی ہے۔

عن أبي ثعلبة رضي الله عنه قال: سئل رسول الله صلى الله عليه وسلم عن قدور المجوس قال انقوها غسلا واطبخوا فيها.

عن أبي ثعلبة الخشني رضي الله عنه انه قال يا رسول الله إنا بأرض اهل كتاب نطبخ في قدور هم ونشرب في آنيتهم فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم إن لم تجدوا غيرها فارحضوها بالماء. (ترمذي شريف، ابواب الاطعمة، باب ماجاء في الاكل في آنية الكفار، النسخة الهندية، ۲/۲، دارالسلام رقم، ۱۷۹۶) **فقط والله سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍ ربیع الاول ۱۴۲۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶/۷۲۹۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۳/۱۴ھ

ادھیوگ ویاپار پریشد منڈل سے تعلق رکھنے کا حکم

سوال [۱۰۸۸۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ ایک تنظیم جو اتر پردیش کے کاروباریوں کی ''ادھیوگ ویاپار پریشد منڈل'' کے نام سے جانی جاتی ہے، جو خود کو غیر سیاسی اور بلا لحاظ مذہب وملت کاروبار کرنے والے سودا گروں کا ہمدرد ہونے کا دعویٰ کرتی ہے، اس بار اس نے آگرہ میں الیکشن اور میٹنگ کا پروگرام رکھا، جس کے ایجنڈے میں دوسری تمام باتوں کے علاوہ مندرجہ ذیل نکات بھی شامل تھے، جو بمطابق پروگرام ہوئے بھی۔

الف: لکشمن کی تصویر کو مالا ڈالنا اور دیپ جلانا۔

ب: وندے ماترم (اے بھارت ماں تیری پوجا کرتے ہیں) گانا۔

ت: سنکھ بجانا اور ویدوں کا پڑھنا اور پاٹھ کرنا۔

(۱) تو کیا کسی مسلمان کا اس طرح کی میٹنگ میں جانا درست ہے؟

(۲) اس تنظیم سے مسلمان منسلک رہ سکتے ہیں؟

(۳) اس تنظیم سے جو مسلمان منسلک ہیں، ان کو اب کیا رخ اختیار کرنا چاہئے؟

(۴) اس تنظیم سے منسلک رہ کر کیا دائرہ اسلام میں رہ سکتا ہے؟

(۵) اب تک منسلک رہے لوگوں کے واسطے کیا حکم شرعی ہے؟

(٦) کیا مسلمان کاروباریوں کو اپنے مفادات کی خاطر اتحاد ملت کے واسطے ایک تنظیم بنالینی چاہئے تا کہ ان باطل معاملات سے نجات مل سکے؟

(۷) کیا کسی اور سیکولر تنظیم جو ان تمام باتوں سے دور رہ کر سب کو ساتھ لے کر چلنے کا وعدہ کرے، تو اس سے ناطہ کیا جاسکتا ہے؟ جو مسلمان کاروباریوں کا بھرپور خیال رکھے۔

المستفتی: حافظ طاہر حسین، اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱/۲/۳) ایسی تنظیم میں جب کہ اس کے ایجنڈے میں الیکشن اور میٹنگ کے پروگرام کے موقع پر شرکیہ اعمال بھی ہوتے ہیں، ایسی

میٹنگ میں شریک ہونا یہ ان کے مذہب کو تقویت پہونچانا ہے اور ان کے شرکیہ اعمال پر عملاً رضا مندی کا اظہار ہے؛ لہٰذا کسی مسلمان کے لئے ایسی میٹنگ میں شریک ہونا ہرگز جائز نہیں ہوگا، اور ایسی حالت میں اس تنظیم سے منسلک رہنا بھی درست نہیں ہوگا۔ نیز جو مسلمان اس میں منسلک ہیں، ان کے لئے ضروری ہے کہ جلد از جلد اس سے علیحدگی اختیار کرلیں۔

قال اللہ تعالیٰ: وَلَا تَرْكَنُوْا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ. [ہود:۱۱۳]

(۴) اگر وہ مسلمان ان کے شرکیہ اعمال میں شریک نہیں ہوتے، محض مجلس میں شریک ہوتے ہیں، تو وہ دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوں گے؛ لیکن اس میں شرکت کر کے عملاً ان کے مذہب کو تقویت پہونچانا ہے؛ اس لئے شرکت بھی جائز نہیں اور اگر وہ ان اعمال میں بھی شریک ہوتے ہیں، تو دائرہ اسلام سے خارج ہوجائیں گے۔

ولانزاع في أن من المعاصي ماجعله الشارع امارة للتكذيب وعلم كونه كذٰلک بالأدلة الشرعية كسجود الصنم، وإلقاء المصحف في القاذورات والتلفظ بكلمات الكفر، ونحو ذٰلک مما ثبت بالأدلة أنه كفر. (شرح عقائد:۱۰۸)

(۵) ایسے لوگوں پر توبہ کرنا لازم ہے اور توبہ کے بعد پھر ایسے پروگرام میں شرکت نہ کریں۔

عن أبي عبيدة بن عبد الله عن أبيهؓ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: التائب من الذنب كمن لا ذنب له. (ابن ماجه، أبواب الذهد، باب ماجاء في ذكر التوبة، النسخة الهندية ۲/ ۳۱۳، دارالسلام رقم: ۴۲۵۰)

(۶) مسلمان کاروباریوں کو اپنے مفادات کے واسطے ایسی تنظیم بنانے کی شرعاً اجازت ہے۔

(۷) اگر وہ واقعتاً اپنے دعویٰ کے مطابق تنظیم چلاتے ہیں، تو ایسی تنظیم سے ناطہ وتعلق رکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے بشرطیکہ اس میں غیر مسلموں کے مذہبی وہ امور نہ ہوں، جو ماقبل میں مذکور ہوئے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱؍ جمادی الثانیہ ۱۴۲۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷/ ۸۱۰۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۱/ ۶/ ۱۴۲۴ھ

فساق وفجار کے ساتھ رہن سہن کا حکم

سوال [۱۰۸۹۰]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حامد کی آمدنی حلال ہے؛ لیکن ہمیشہ فساق وفجار کے ساتھ رہتا ہے، دین اسلام سے اس کا کوئی رشتہ نہیں ہے، نہ نماز، نہ روزہ، نہ حج اور نہ زکاۃ اور نہ ہی والدین کے حقوق کی ادائیگی اور اپنے ان کاموں پر کوئی ندامت بھی نہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ ان لوگوں کے یہاں دعوت میں شرکت کرنا، ان کا ہدیہ، تحفہ قبول کرنا، ان کے ساتھ مل کر مشترکہ قربانی کرنا شریعت کے اعتبار سے کیا حکم رکھتا ہے، اور ان کے ماتحت لوگوں کو ان کی کمائی سے نان ونفقہ لینا کیسا ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں مدلل ومفصل جواب عنایت فرما کر شکریہ کا موقع مرحمت فرمادیں۔

نوٹ: واضح رہے کہ ان لوگوں کا مذکورہ ذریعہ آمدنی کے علاوہ اور کوئی کمائی کا ذریعہ نہیں ہے؛ لہٰذا مذکورہ کاموں اور ان سے آمدشدہ روپیہ کا کیا حکم ہوگا۔

المستفتی: محمد زکریا، دارالعلوم دیوبند

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: فساق وفجار کے ساتھ رہنے، فرائض وواجبات کی ادائیگی نہ کرنے اور والدین کی نافرمانی کے سبب ایسا کرنے والے شخص کا کھانا پینا شرعاً حرام نہیں ہوگا؛ البتہ فاسق فاجر کے ساتھ رہنے اور مذکورہ کاموں کا گناہ اس کے سر ہوگا اور وہ اس کے سبب عنداللہ مؤاخذہ دار ہوگا۔

ويجيب دعوة الفاسق. (هندية، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات، زكريا قديم ٥/٣٤٣، جديد ٥/٣٩٧، تاتارخانية، زكريا١٨/١٧٥، رقم: ٢٨٠٧)

وَمَنْ يَعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهُ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا وَلَهُ

عَذَابٌ مُّهِيْن. [النساء:١٤] فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ رجب المرجب ۱۴۳۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۰۴۶۴/۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۵/۷/۱۴۳۲ھ

غیر مسلم کی چھینک کا جواب کس وقت دیا جائے گا؟

سوال [۱۰۸۹۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حدیث وفقہ میں جو آتا ہے کہ غیر مسلم کی چھینک کا جواب **یهديكم الله** سے دینا چاہئے کیا اگر غیر مسلم چھینک کے بعد **الحمد لله** کہے تب یہ جواب ہے جیسا کہ مسلمان چھینک کے بعد **الحمد الله** کہے، تب **يرحمك الله** کہے، ورنہ نہیں تو کیا غیر مسلم کے لئے بھی یہی ہے کہ وہ چھینک کر **الحمد الله** کہے، تو **يهديكم الله** کہے، ورنہ کچھ نہ کہے شرعاً کیا حکم ہے؟

المستفتی: عبدالرشید قاسمی، سیڈھا بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: غیر مسلم اگر **الحمدلله** کہے تب اس کے جواب میں **يهديكم الله ويصلح بالكم** کہنا مشروع ہے اور اگر وہ **الحمد لله** نہ کہے، تو اس کے جواب میں کچھ نہیں کہا جائے گا۔

عن أبي موسىٰ رضی اللہ عنہ **قال: كان اليهود يتعاطسون عند النبي صلى الله عليه وسلم يرجون أن يقول لهم يرحمكم الله فيقول يهديكم الله ويصلح بالكم.**

(ترمذي شريف، الادب، باب ماجاء كيف يشمت العاطس، النسخة الهندية ١٠٣/٢، دارالسلام رقم: ٢٧٣٩، أبو داؤد، الادب، باب كيف يشمت الذمي، النسخة الهندية ٦٨٧/٢، دارالسلام رقم: ٥٠٣٨، مسند أحمد ٤٠٠/٤، رقم: ١٩٨١٥)

عن أبي بردةؓ، قال: دخلت على أبي موسىؓ، وهو في بيت بنت الفضل بن عباس –إلى– سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: إذا عطس أحدكم فحمد الله فشمتوه، فإن لم يحمد الله فلا تشمتوه. (مسلم شريف، الذهد، باب تشميت العاطس، النسخة الهندية ٢/ ٤١٣، بيت الأفكار رقم: ٢٩٩٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵ / جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۵۵۰/۴۰)

گرجا گھر اور مندر کی امداد کرنے کا حکم

سوال [۱۰۸۹۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اسلامی حکومت میں غیر مسلموں کے مندر، گرجا گھر یا اور کوئی معبد میں مسلمان کو امداد کرنا کیسا ہے؟ اور اسی طرح غیر مسلموں کی حکومت میں کیا حکم ہے؟

المستفتی: فرید الرحمٰن، لاجپت نگر مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: غیر مسلموں کی عبادت گاہ اور مندر گرجا گھر کی امداد کرنا مسلمان کے لئے جائز نہیں ہے، اس سے مسلمان سخت گنہگار ہوگا۔ نیز غیر مسلم حکومت میں بھی یہی حکم ہے۔

عن الإمام القرا في أنه أفتىٰ بأنه لا يعاد ما انهدم من الكنائس، وأن من ساعد على ذلك، فهو راض بالكفر والرضا بالكفر كفر. (شامي، فصل في الجزية، مطلب في أحكام الكناس والبيع، زكريا ٦/ ٣٣٠، كراچي ٤/ ٢٠٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/ محرم الحرام ۱۴۲۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۸۲۰۸/۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۱/۱۸ھ

ہندؤں کو چندہ دینا

سوال [۱۰۸۹۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہندؤں کو چندہ دینا جائز ہے؛ حالانکہ وہ مسلمان کے خلاف سازشیں کرتے ہیں اور بت وغیرہ میں صرف کرتے ہیں، جس کی وجہ سے مشرکوں کو شرک میں امداد ملتی ہے؟

المستفتی: محمد جلال الدین، ہردوئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ میں جن صورتوں کا تذکرہ کیا گیا ہے، ان میں غیر مسلموں کی امداد اور ان کو چندہ دینا شرعاً جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: محمودیہ قدیم ۱۴/۸۷-۱۷/۱۵۰۱، جدید ڈابھیل ۱۹/۵۷۷)

قال اللّٰہ تعالیٰ: وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ. [سورۃ المائدۃ: ۲] فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللّٰہ عنہ
۷/محرم الحرام ۱۴۲۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵/۷۰۰۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۱/۷ھ

کیا غیر مسلم مالدار غریب مسلمان کی امداد کرسکتا ہے؟

سوال [۱۰۸۹۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک غیر مسلم اپنے پاس سے کسی مسلمان ضرورت مند کے لئے مثلاً سردی میں لحاف کمبل وغیرہ یا اور کوئی ضرورت کی چیز امداد کے طور پر دینا چاہتا ہے، تو کیا مسلمان ضرورت مند کے لئے لینا اور اس کا استعمال کرنا درست ہے یا نہیں؟ لہٰذا برائے مہربانی قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: محمد نذیر الدین، انجیر والی مسجد بھٹی اسٹریٹ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر غیر مسلم مالدار بخوشی مسلمان فقیر غریب کی امداد کرتا ہے، تو مسلم محتاج کے لئے اسے قبول کر کے تصرف میں لانا جائز اور درست ہے۔

کما استفاده من الشامي: ان شرط وقف الذمي أن يكون قربة عندنا وعندهم كالوقف على الفقراء، أو مسجد القدس. (شامي، كتاب الوقف، مطلب قد يثبت الوقف بالضرورة، زكريا ٦/٥٢٤، كراچي ٤/٣٤١، الموسوعة الفقهية الكويتية٤٤/١٤٠، البحرالرائق، كوئٹه ٥/١٨٩، زكريا ٥/٣١٦) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍ جمادی الاُولیٰ ۱۴۱۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۷؍۲۶۷۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۷؍۵؍۱۴۱۲ھ

مسلمان کا پرشاد کے چندہ میں شرکت کرنا

سوال [۱۰۸۹۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مسلمان ایک ہندو کی کمپنی میں ملازم ہے، جہاں معدودے چند مسلمان ہیں اور باقی اکثریت ہندو صاحبان کی ہے، یہ لوگ ہر منگل کو پرشاد بانٹتے ہیں اور پرشاد بانٹنے کے لئے سب سے چندہ وصول کرتے ہیں، جس میں مسلمان بھی شامل ہیں، جن کو مجبوراً یا ظاہری طور پر نباہ کرنے کی غرض سے چندہ دینا پڑتا ہے، اس کے بعد چندہ کئے ہوئے روپیہ سے مٹھائی بطور پرشاد خریدی جاتی ہے، اور وہ مٹھائی کسی مورتی کے آگے غالباً ہنومان کی مورتی کے آگے رکھ کر اور کچھ اسلوک وغیرہ پڑھ کر سب میں تقسیم کردی جاتی ہے، جن میں مسلمان بھی شامل ہیں۔ امر واضح طلب یہ ہے کہ آیا ایسے پرشاد کے لئے مسلمان کو چندہ دینا یا مٹھائی بطور پرشاد کھانا ٹھیک ہے؟ اس کے لئے فتوی درکار ہے۔

المستفتی: عبد القیوم، معرفت کمل آرٹس، ایمپو ریم، چوک گلشہید، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: پرشاد کے چندہ میں مسلمانوں کوشرکت کرنا جائز نہیں ۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: **وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَان.** [سورة المائدة: ٢]

حتی الامکان اس سے بچنے کی کوشش کی جائے ؛ البتہ مجبوری کی حالت میں دفع مضرت کی نیت سے اگر کچھ دیدیں، تو گنجائش ہے، مگر نیت صرف دفع مضرت کی ہو، نہ کی چندہ میں شرکت کی ۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۱۴/۱۸۳، جدید ڈابھیل ۱۹/۵۸۷)

أما إذا أعطى......ليدفع به عن نفسه ظلمًا فلا بأس به. (مرقاة المفاتيح الامارة والقضاء، باب رزق الولاة وهداياهم، امدادية ملتان ٧/٢٤٨)

اسی طرح اس چڑھے ہوئے پرشاد کو لینا شرعاً جائز نہیں اور اگر لے لیں تو کھانے سے احتراز کریں ۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۵/۲۲۷، جدید ڈابھیل ۱۸/۳۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۵/ربیع الثانی ۱۴۲۰ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴/۶۱۲۶)	۱۴۲۰/۴/۲۵ھ

پوجا کے لئے چندہ دینا

سوال [۱۰۸۹۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہندو لوگ مسلمان سے جبراً پوجا کے لئے چندہ وصول کرتے ہیں، مسلمان فتنہ سے بچنے کے لئے مجبوراً چندہ دیتے ہیں۔ کیا اس حالت میں چندہ دینے سے مسلمان گنہگار ہوگا یا نہیں؟

المستفتی: مولانا مسیح الزماں، کلکتہ (بنگال)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حتی الامکان پوجا کے چندے سے بچا جائے۔

قال اللہ تعالیٰ: وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ. [المائدة:۲]

البتہ مجبوری کی حالت میں دفع مضرت کی نیت سے اگر کچھ دیدے تو گنجائش ہے، مگر نیت صرف دفع مضرت کی ہو نہ کہ چندہ میں شرکت کی۔

أما إذا أعطى......ليدفع به عن نفسه ظلمًا فلا بأس به. (مرقاة المفاتيح، الامارة والقضاء، باب رزق الولاة وهداياهم، امدادية ملتان ۲٤۸/۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ر صفر المظفر ۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴/ ۶۰۵۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۲/۲۸ھ

غیر مسلم تنظیم کا مسلم لڑکی کی شادی بیاہ میں امداد کرنا

سوال [۱۰۸۹۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ادھر کئی جگہ غیر مسلم تنظیم نے ایسے خیراتی ادارے قائم کئے ہیں، جن میں کسی بھی مذہب کی لڑکی کی شادی لڑکی والوں کے پسند کردہ لڑکے سے کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے۔

نیز نکاح کی رسم اپنے مذہب کے مطابق ادا کرائی جاتی ہے، اور اس میں جہیز دان کی صورت میں برتن کپڑے وغیرہ ضروری سامان طے شدہ پروگرام کے مطابق یہ خیراتی ادارہ ہی لڑکی کو دیتا ہے، اس سے وہ غریب خاندان فائدہ اٹھا رہے ہیں، جو غربت کا شکار ہیں اور جہیز دان دینے سے مجبور ہیں اور اس خرچہ سے بچنے کے لالچ میں اس پروگرام سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ کیا شریعت اسلامیہ غریب مسلمانوں کو ایسی تنظیم اور خیراتی ادارہ سے فائدہ اٹھانے کی جازت دے گی؟ اور اس سے مسلمانوں کی غیرت اور اسلام کے وقار کو کوئی نقصان تو نہیں؟

المستفتی: محمد یونس جامع مسجد، احمد گڈھ (پنجاب)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر غیر مسلموں کی طرف سے ان مسلمانوں پر احسان جتانے کا اندیشہ نہ ہو، اور نہ ہی ان غریب مسلمانوں کے مذہبی امور میں دخل اندازی کا اندیشہ ہو، تو ایسی صورت میں غیر مسلموں کے خیراتی ادارے کے تعاون سے مسلم لڑکی کی شادی کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے؛ لیکن اگر غریب مسلموں کے مذہبی امور میں اس کی وجہ سے دخل اندازی کا خطرہ ہو، تو ان کا تعاون نہ حاصل کیا جائے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۱/۵۱۳، جدید ڈابھیل ۱۵/۱۳۹، فتاوی احیاء العلوم ۱/۱۱۴)

وأما الإسلام فليس من شرطه، فيصح وقف الذمي بشرط كونه قربة عندنا وعندهم. (البحر الرائق، كتاب الوقف، كوئٹه ٥/١٨٩، زكريا ٥/٣١٦، حاشية چلبي على تبيين الحقائق، امدادية ملتان٣/٣٢٤، زكريا ٤/٢٥٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲/ رجب المرجب ۱۴۱۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱/ ۴۱۰۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲/۷/۱۴۱۵ھ

مندر کے لئے چندہ دینا

سوال [۱۰۸۹۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید ملازم ہے، ایک ہندو کے یہاں اور وہ مندر کے لئے چندہ کر رہا ہے، زید اگر روپیہ نہیں دیتا، تو نقصان کا اندیشہ ہے، ایسی صورت میں چندہ دینے پر مجرم ہوگا یا نہیں؟ اور اگر دیدیا ہے، تو اس کی توبہ کا کیا طریقہ ہے؟

المستفتی: انعام احمد قاسمی، امام جامع مسجد کاسگنج، ایٹہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مندر کے لئے چندہ دینا جائز نہیں۔ (مستفاد: احیاء العلوم ۱/۶۳)

اگر دیدیا ہے، تو اللہ سے توبہ واستغفار کرلے، اللہ کے حضور میں نادم ہوکر اللہ سے مانگے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فَاُولٰٓئِكَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ. [سورة النساء:۱۷]

وقال في موضع آخر: وَهُوَ الَّذِیْ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَعْفُوْ عَنِ السَّيِّئَاتِ وَيَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ. [شوریٰ: ۲۵] فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ربیع الاول ۱۴۱۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۵۶۷۹/۳۳)

نمائش میں شرکت کا حکم

سوال [۱۰۸۹۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آج کل کمپنی باغ میں نمائش لگ رہی ہے، اس نمائش میں عورت مرد سبھی شامل ہوتے ہیں، اس میں شرکت کا کیا حکم ہے؟ ازروئے شرع جواب سے نوازیں۔

المستفتی: حافظ مقیم الدین، قاضی ٹولہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نمائش میں عورتوں اور مردوں کی عریانیت، تماشائی اور رنگیلی کا بازار لگتا ہے، تو ایسی جگہ بغیر ضرورت شدیدہ کے جانا اپنے آپ کو معصیت میں مبتلا کرنا ہے؛ اس لئے بغیر ضروت شدیدہ نمائش میں جانا ممنوع ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۲۰۸/۵، جدید ڈابھیل ۵۷۰/۱۹)

عن علي بن الحسين رضؓ قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: **إن من حسن إسلام المرأ تركه ما لا يعنيه.** (ترمذي شريف، الزهد، باب بلاترجمة، النسخة الهندية ۵۸/۲، دار السلام رقم:۲۳۱۷)

عن أبي هريرةؓ عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: كتب على ابن آدم نصيبه من الزنا مدرك ذٰلک لا محالة فالعينان زنا هما النظر والأذنان زناهما الاستماع واللسان زناه الكلام، واليد زنا ها البطش، والرجل زناها الخطي، والقلب يهوى يتمنىٰ ويصدق ذٰلک الفرج ويكذبه. (مسلم شريف، كتاب القدر، باب قدر على ابن آدم وخطه من الزنا وغيره، النسخة الهندية ٢/٣٣٦، بيت الأفكار رقم: ٢٦٥٧) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/ربیع الثانی ۱۴۲۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷/۸۳۴۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۴/۲۸ھ

ہندو ومسلم تہواروں کے موقعوں پر لگے میلے میں دوکان لگانا

سوال [۱۰۹۰۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عرس، دسہرا، ہولی، عید یا اس جیسے بہت سے ہندو ومسلم تیوہاروں کے موقعوں پر میلے لگتے ہیں، اس میں جا کر کسی جائز چیز کی دوکان لگانا، جھلانا چلانا نشانے کی دوکان لگانا وغیرہ کیسا ہے جائز یا ناجائز؟

المستفتی: عبدالباسط، جوٹھیا، رام پور (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ہندوؤں کے مخصوص قومی اور مذہبی میلے میں جا کر، ان کی رونق کو بڑھانا ناجائز ہے، مسلمانوں کو ان سے اجتناب ضروری ہے؛ لہٰذا تجارت یا دوکان وغیرہ لگانے کی غرض سے جانا بھی منع ہے اور اہل علم کو جانا ہرگز زیبا نہیں ہے؛ البتہ عید وغیرہ میں دوکان لگانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۲۰۸/۵، جدید ڈابھیل ۵۶۹/۱۹)

من كثر سواد قوم، فهو منهم. (كشف الخفا، دارالكتب العلمية بيروت ۲/٤ ٢٤، رقم:۲۰۸۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/ ذیقعدہ ۱۴۲۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۸۵۹۰/۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۱۱/۵ھ

غیر مسلم کے مذہبی سامان کی خرید وفروخت کرنا

سوال [۱۰۹۰۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ دیوتاؤں کی تصویریں، پٹاخے، اسی طرح وہ سامان جن کو صرف غیر مسلم استعمال کرتے ہیں، مثلاً بندی راکھی اور کتب باطلہ وغیرہ کی خرید وفروخت کرنا ازروئے شرع کیا حکم رکھتا ہے؟ جبکہ امداد الفتاوی ۲۵/۲/۴ کی عبارت سے تو پتہ چلتا ہے کہ پٹاخے کی خرید وفروخت جائز ہے؟

المستفتی: محمد جاوید

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دیوتاؤں کی تصویروں کی خرید وفروخت کرنا درست نہیں ہے۔ حدیث شریف میں جاندار کی تصویر سے متعلق سخت وعیدیں آئی ہیں۔

سمعت عبد الله بن مسعودؓ، قال: سمعت النبي صلى الله عليه وسلم: يقول: إن أشد الناس عذابًا عند الله المصورون. (بخاري شريف ۲/ ۸۸۰، رقم: ۵۷۱۷، ف: ۵۹۵۰)

اسی طرح پٹاخے اور آتش بازی میں اپنے مال کو ضائع کرنا فضول خرچی ہے، جس کے متعلق قرآن کریم میں وعید آئی ہے۔

قال الله تعالىٰ: اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْا اِخْوَانَ الشَّيَاطِيْنِ وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا. [سورة الاسراء: ۲۷]

لہٰذا آتش بازی گناہ کا کام ہے، اس کی تجارت کرنا گویا گناہ کے کام میں مدد کرنا ہے، جو آیت قرآنیہ کی رو سے ممنوع ہے، اسی طرح بندی، راکھی اور کتب باطلہ کی خرید و فروخت کرنے میں کافروں کی مذہبی رسم اور ان کے شعار میں تعاون کرنا ہے جو معصیت ہے اور تعاون علی المعصیت کی بنا پر ان تمام چیزوں کی خرید وفروخت کرنا جائز نہیں ہے، یہی قول راجح ہے، اور اسی پر فتویٰ ہے اور امداد الفتاویٰ میں حضرت امام ابوحنیفہؒ کے قول کو نقل فرمایا ہے؛ لیکن فتوی امام صاحب کے قول پر نہیں ہے؛ بلکہ صاحبین کے قول پر عدم جواز کا فتویٰ ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۶/۵۴۱، رشیدیہ قدیم ص:۵۱۶، جدید زکریا ص:۴۹۴)

قال اللّٰہ تعالیٰ: وَتَعَاوَنُوْا عَلٰی الْبِرِّ وَالتَّقْوَی وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلٰی الْإِثْمِ وَالْعُدْوَان. [المائدة:۲]

ویجوز بیع البربط، والطبل، والمزمار، والدف، والنرد وأشباه ذلک في قول أبي حنیفةؒ، وعندهما لایجوز بیع هذه الأشیاء (إلی قوله) والفتوی علی قولهما. (هندیة، کتاب البیوع، الفصل الخامس في بیع المحرمات زکریا قدیم ۳/۱۱٦، جدید ۳/۱۱۷)

ومن کسر لمسلم بربطًا، أو مزمارًا، أو دفًا، أو أراق له سکرًا، أو منصفًا ضمن قیمته لغیر لهو ویصح بیع هذه الأشیاء عند الإمام، وقالا: لایضمن، ولایجوز بیعها؛ لأن هذه الأشیاء أعدت للمعصیة، فیبطل تقومها، وبقولهما قالت الأئمة الثلاثة: وعلیه الفتویٰ لفساد الزمان فیما بین الناس.

(مجمع الأنهر۔ دار الکتب العلمیة بیروت ٤/۹۷-۹۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸/۸۸۶۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۲/۶/۱۴۲۶ھ

ہندو ملازم کا دوکان میں پوجا کرنا

سوال [۱۰۹۰۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کی دوکان ہے، ملازم ہندو ہے، وہ ملازم اپنے عقیدے کے مطابق مورتی یا تصاویر لٹکاتا ہے اور اس کی پوجا وہیں دوکان پر کرتا ہے، منع کرنے پر نقصان کا اندیشہ ہے، ایسی صورت میں زید پر کوئی جرم ہے یا نہیں؟ اور برکت کی دوری کے لئے جو تصاویر ہیں، اس میں یہ دوکان شامل ہوگی یا نہیں؟

المستفتی: انعام احمد قاسمی، امام جامع مسجد، کاسگنج، ایٹہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مورتی اور اس پوجا سے روکنے کی صورت میں تو نقصان کا خطرہ ہوسکتا ہے؛ لیکن اس ملازم کو الگ کرنے میں کوئی خطرہ نہیں ہے؛ اس لئے ایسے ملازم کو برطرف کر کے دوکان کی پوجا پاٹ سے حفاظت کرنا مالک کا فرض ہے۔ نیز یہ دوکان برکت سے دور ہوگی۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ. [المائدۃ: ۲] فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللّٰہ عنہ
۶؍ ربیع الاول ۱۴۱۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴؍ ۵۶۷۹)

مسلم کا غیر مسلم کی رسومات میں شرکت کرنا

سوال [۱۰۹۰۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کافر کے مرنے کے بعد تیرہویں ہوتی ہے، تو کیا مسلمان اس میں کھانے

وغیرہ میں شرکت کرسکتا ہے کہ نہیں؟

المستفتی: عبدالحمید، راعینی، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسلمان کوغیرمسلموں کی ایسی رسومات میں شرکت نہیں کرنی چاہئے۔

ولا یأکل معہ حال مایظھر الشرک والکفر. (هندية، كتاب الكراهية، الباب الرابع عشر، زكرياقديم٥/٣٤٧، جديده/٤٠١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍رجب المرجب ۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴/ ۶۲۴۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۹/۷/۱۴۲۰ھ

غیرمسلموں کی شادی بیاہ یا ان کے جنازہ میں شریک ہونا

سوال [۱۰۹۰۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ غیرمسلموں کے ساتھ رہنا سہنا یا ان کے شادی بیاہ میں شریک ہونا اوراگروہ مرجائیں، تو مٹی میں جانا کیسا ہے؟

المستفتی: محمد ابرار، بہرائچی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: غیرمسلموں کے ایسے عقائد واعمال جو اسلام سے کسی طرح میل نہیں کھاتے، ان میں کسی بھی صورت میں شرکت کی اجازت نہیں؛ لہٰذا مردے کے ساتھ شمشان جانا اور اس کو جلانے میں شریک ہونا جائز نہیں؛ البتہ جب تمام مشرکانہ رسوم پوری ہوجائیں، تو تعزیت کے لئے ان کے گھر جائے، تو کوئی حرج نہیں، اسی طرح ان کے شادی بیاہ میں حسب ضرورت شرکت کی بھی گنجائش ہے۔

قال اللّٰه تعالیٰ: ﴿لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكَافِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَمَنْ يَفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ﴾. [آل عمران: ٢٨]

ولا بأس بضيافة الذمي، وإن لم يكن بينهما إلا معرفة كذا في الملتقط وفي التفاريق لا بأس بأن يضيف كافراً لقرابة، أو لحاجة كذا في التمرتاشي. (عالمگيری، كتاب الكراهية، الباب الرابع عشر، زكريا قديم ٥/٣٤٧، جديد ٥/٤٠١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍محرم الحرام ۱۴۲۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸؍۸۹۶۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۲؍۱؍۱۴۲۷ھ

غیر مسلم کی شادی وغم میں شرکت کرنا

سوال [۱۰۹۰۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک لڑکا عاقل و بالغ مسلمان ۲۲؍سالہ ہے، جو کہ علم دین کو بھی جانتا ہے، اور دنیاوی علوم میں پی ایچ ڈی اسکول میں انگلش کا ماسٹر ہے، تمام عقلی وعملی صلاحیت سے لیس ہے؛ لیکن اس نے کچھ ایسی باتیں اپنا رکھی ہیں اور ایسی حرکتیں کرتا ہے کہ جس سے ہم بہت نیچے دکھتے ہیں اور اسلام کے خلاف ساری حرکتیں ہیں، مثلاً وہ اب تک جنم دن کافی دھوم دھام سے مناتا ہے، خوب دعوتیں کرتا ہے اور کیک کاٹا جاتا ہے، کھانے وناچ گانے کا پورا انتظام ہوتا ہے۔

(۲) ہولی میں ہندوؤں کے یہاں جاکر ان کے ساتھ کھاپی کر اپنے آپ کو رنگوا کر رنگ وہولی ان کے ساتھ کھیلتا ہے۔

(۳) اگر اس کے بنائے دوست یا بھائی ہندو مرجاتا ہے، تو وہ شمشان گھاٹ جاکر اس کی چتا کو آگ بھی لگادیتا ہے۔

(۴) وہ اپنے ماتھے پر تلک (ٹیکہ) بھی لگوالیتا ہے اور ہولی (پوجا) میں بھی شامل ہوجاتا ہے۔

(۵) ہندوؤں کا تہوار رکھشا بندھن بھی وہ خوب مناتا ہے، اس کی کلائی پر کئی کئی راکھی بندھی ہوتی ہیں۔

(۶) دیوالی میں بڑی دھوم دھام سے ان کے ساتھ رہ کر مناتا ہے، غرض کہ ہندوانہ کام ورسم کو بلاکسی جھجھک کے اپناتا ہے، اس بارے میں اس کے ماں باپ سے کہا جاتا ہے، تو وہ لوگ ایک ساتھ جواب دیتے ہیں کہ میاں یہ تو اونچے ماحول میں رہتا ہے اور اسٹنڈ رکا نام دیتے ہیں اور ان حرکتوں میں ان کا ساتھ دیتے ہیں، یعنی کوئی نکیر نہیں کرتے ہیں؛ لہٰذا اس مسلمان کے بارے میں شرعاً کیا حکم ہے اور یہ کس زمرے میں آئے گا اور ایسا کرنا کیسا ہے؟ اس شخص سے دوستی و رشتہ داری رکھنی چاہئے کہ نہیں؟ ان سارے مسائل کے جوابات قرآن وحدیث کی روشنی میں مرحمت فرمائیں نوازش ہوگی۔

المستفتی: محمد فرید ولد حاجی محمد شریف، اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال میں جتنے امور کا ذکر کیا گیا ہے، سب کا جواب ایک ہی ہے۔ غیر مسلم کے تہواروں میں شرکت اور ان کے ساتھ ہولی کھیلنا اور غیر مسلم کی طرح دھوم دھام سے جنم دن منانا ممنوع اور ناجائز ہے۔ اور ان کی میت میں شمشان گھاٹ جاکر ان کی طرح عمل کرنا اور ان کی پوجا پاٹ میں شرکت کرکے ماتھے پر ٹیکہ لگوانا اور ان کے تہوار کو ان ہی کی طرح دھوم دھام سے منانا یہ سارے امور ناجائز اور حرام ہیں، ان سے توبہ کرنا لازم اور ضروری ہے۔ آئندہ کے لئے ایسے امور سے دور رہنے کے عہد کے ساتھ توبہ لازم ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۳۳۶/۹)

قال اللّٰہ تعالیٰ: **لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ وَمَنْ يَفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِي شَيْءٍ .** [آل عمران:۲۸]

اگر یہ ان چیزوں سے توبہ کرکے باز نہ آئے، تو مسلمان کو ایسے شخص سے حقہ پانی بند کر کے بائیکاٹ کردینا چاہئے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: وَلَا تَرْكَنُوْا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّار. [هود: ۱۱۳] فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍صفر المظفر ۱۴۲۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۸۲۳۵/۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۲/۹ھ

غیر مسلم میت کو جلانے کے لئے جانا

سوال [۱۰۹۰٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جیسا کہ ایک مسلمان کے غیر مسلموں سے تعلقات ہوتے ہیں اور غیر مسلم کے یہاں کوئی موت ہوجائے، تو کیا وہ مسلمان اس غیر مسلم کے مردے کے ساتھ اس کو آگ میں جلانے کے لئے جاسکتا ہے یا نہیں؟ یا صرف غیر مسلم کے گھر تک جائے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: غیر مسلم دوست کے یہاں موت کے موقع پر صرف گھر جاکر تعزیت کرنے کی گنجائش ہے، جلانے کے لئے ساتھ جانا جائز نہیں؛ کیونکہ اس میں جلانے کے عمل کا اعزاز ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۲۷۲/۱٦، جدید ڈابھیل ۴۱/۹)

لا ينبغي لقريبه المسلم أن يتبع الجنازة حتى لاتكون مكثر سواد الكفرة ......وفي الطحاوي: ولابأس بأن يعود إذا مرض. (تاتارخانية، زكريا ۷۷/۳، رقم: ۳۷۵۳، المحيط البرهاني، المجلس العلمي بيروت ۹۵/۳، رقم: ۲٤۹۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍محرم الحرام ۱۴۱۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۵۱۴۵/۳۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۱/۱۹ھ

مسلم وغیر مسلم کا ایک دوسرے کی میت میں شریک ہونا

سوال [۱۰۹۰۷]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ یہاں ایک رواج بن رہا ہے کہ مسلم غیر مسلم پڑوسی یا دوست کی میت میں اور اس کی رسم میں شریک ہوتے ہیں، اسی طرح غیر مسلم بھی اپنے مسلم دوست یا پڑوسی کے جنازہ میں شریک ہوتے ہیں، شریعت مطہرہ کا اس بارے میں کیا حکم ہے؟

المستفتی: ابوالحسن، سیتامڑھی، مسجد سفہ ئی ممبئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مسلم کا غیر مسلم کی میت میں اوراس کی رسم میں شریک ہونا جائز نہیں ہے؛ البتہ اس کی تعزیت کر سکتے ہیں اوراگر کوئی غیر مسلم مسلمانوں کے جنازہ میں آجاتا ہے، تو اسمیں مسلمانوں کا دخل نہیں۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۴/۲۳۳، فتاوی محمودیہ قدیم ۱۴/۲۹۲، جدیدڈابھیل ۹/۳۹، کفایت المفتی قدیم ۴/۱۹۰، جدیدزکریا مطول ۵/۴۴۴)

لا ينبغي لقريبه المسلم أن يتبع الجنازة حتى لاتكون مكثر سواد الكفرة ......وفي الطحاوي: ولابأس بأن يعود إذا مرض. (تاتارخانية، زكريا ۳/۷۷، رقم:۳۷۵۳، المحيط البرهاني، المجلس العلمي بيروت ۳/۹۵، رقم: ۲٤۹۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/صفر المظفر ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴/۶۴۹۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۲/۱۷ھ

عذر شدید کی بناء پر غیر مسلم کی لاش شمشان لے جانا اوراس کے گھر کھانا بھیجنا

سوال [۱۰۹۰۸]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں : کہ قصبہ کے ایک محلّہ میں ۱۵-۱۶ ر سال کی ایک غیر مسلم لڑکی جو بہت دنوں سے بیمار چل رہی تھی، لڑکی کے پتا کیلاش نے اپنی لڑکی کا کافی علاج کرایا؛ لیکن وہ ٹھیک نہیں ہوسکی، مرنے سے کچھ دن پہلے اس کو کسی ملاجی کو دکھایا، تو اس ملاجی نے لڑکی پر کچھ اثرات بتائے، جس سے پورے محلّہ میں یہ بات پھیل گئی کہ کیلاش کی لڑکی کو زبردست اثر ہے اور جو بھی شخص اس لڑکی کو ہاتھ لگائے گا، اس کو بھی خطرہ ہوسکتا ہے، آخر کار لڑکی کی موت ہوگئی، محلّہ میں بہت سے غیر مسلم رہتے تھے؛ لیکن کسی غیر مسلم پڑوسی نے نہ تو اس لڑکی کو نہلایا اور نہ ہی اس کو اپنے کندھوں پر رکھ کر شمشان لیجانے کو تیار ہوئے؛ حالانکہ کیلاش کا محلّہ میں کسی سے کوئی لڑائی جھگڑا بھی نہیں ہے، ایسی مجبوری میں کیلاش کے گھر والوں نے صبح خود ہی اسے نہلایا اور کفن وغیرہ دے کر تیار کیا۔ اب لڑکی کا والد کیلاش لڑکی کو شمشان گھاٹ لیجانے کے لئے آدمیوں کا انتظار کرتا رہا؛ لیکن پڑوس کا کوئی غیر مسلم لڑکی کو کندھا لگا کر لیجانے کو تیار نہیں ہوا، کیلاش اور کیلاش کا بھائی اور دو مسلمان یہ چاروں اپنے کندھوں پر رکھ کر اس میت کو شمشان گھاٹ تک لے گئے اور دونوں مسلم بھائی میت کو شمشان گھاٹ تک پہونچا کر فوراً اپنے گھر چلے گئے، اس کے جلانے یا کسی بھی اور رسم میں یہ دونوں مسلم بھائی شریک نہیں ہوئے، اس کے بعد محلّہ والوں نے اس کے گھر کھانا پہونچانا بھی مناسب نہیں سمجھا، تو ایک وقت کا کھانا بھی ان دونوں مسلم بھائیوں نے پہونچایا، تو کیا انسانیت اور پڑوس کے ناطے ان دونوں مسلم بھائیوں نے جو کام کیا ہے، اس میں اسلامی شریعت کے تحت ان دونوں بھائیوں کے ایمان میں کوئی کمی ہوئی اسی طرح ان کے پیچھے نماز وغیرہ ہوسکتی ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: غیر مسلم پڑوسی کے یہاں کھانا بھیجنا سوال نامہ میں درج کردہ پریشانی کے بغیر بھی جائز ہے، حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کے یہاں جب گوشت یا عمدہ کھانے کا نظم ہوتا، تو وہ گھر والوں سے سوال کرتے کہ ہمارے یہودی پڑوسی کے یہاں

بھیجا ہے کہ نہیں، ہاں البتہ غیر مسلموں کے غمی وخوشی کے رسم ورواج میں شریک ہونا ممنوع ہے؛ لیکن سوال نامہ میں جو عذر اور پریشانی پیش کی گئی ہے، ایسے سخت عذر اور پریشانی میں جب کندھا لگانے کے لئے کوئی غیر مسلم تیار نہیں ہے، تو ان کے رسم ورواج میں شرکت کئے بغیر صرف شمشان گھاٹ تک ان کی میت کو پہونچا کر فوراً واپس آجائے اور غسل کرلیا جائے، تو ان مسلمانوں کے ایمان میں فرق نہیں آئے گا، اوران کے پیچھے نماز پڑھنے میں کوئی قباحت نہیں ہے، جیسے حضرت علیؓ کے والد ابو طالب کی موت پر حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ جاؤ ابو طالب کو کسی گڈھے میں دفن کر کے آجاؤ۔

عن مجاهد أن عبد الله بن عمرؓ ذبحت له شاة في أهله فلما جاء قال: أهديتم لجارنا اليهودي؟ أهديتم لجارنا اليهودي. (ترمذي شريف، باب ماجاء في حق الجوار، النسخة الهندية، ٢/١٦، دار السلام رقم:١٩٤٣)

عن أبي اسحاق سمعت ناجية بن كعب يقول: سمعت علياؓ يقول: لما توفي أبي أتيت رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقلت: إن عمك قدتوفي فقال: إذهب فواره، فقلت: أنه مات مشركا فقال اذهب فواره لاتحدثن شيئًا حتى تأتي ففعلت فأتيته فأمرني أن أغتسل. (البداية والنهاية ٣/١٢٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۷ رشوال المکرّم ۱۴۳۰ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۷۹۵/۳۸)	۱۴۳۰/۱۰/۱۷ھ

غیر مسلم کے چڑھاوے کا حکم

سوال [۱۹۰۰۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید راستہ میں جارہا تھا، وہیں ایک جگہ ہندوؤں کے ایک چمنڈا (ان کے

عقیدے کے مطابق ان کے بزرگ کی قبر پر کھانے کا بھنڈارا چل رہا تھا، جہاں بہت بھیڑ لگی ہوئی تھی، اسی بھیڑ میں ایک ہندو زید کو جاننے والا بھی تھا، اس نے زید سے کھانے کے لئے کہا زید اس کے بلانے پر گیا، اور اس نے بھی بھنڈارے کے کھانے میں سے کھالیا۔

اب سوال یہ ہے کہ غیر مسلموں کے یہاں ان کے دیوی دیوتاؤں کے نام سے کھلائے جانے والے کھانے کو کھانے کی وجہ سے اس کا ایمان باقی ہے یا نہیں؟ اسی طرح تجدید نکاح کی کوئی ضرورت تو نہیں ہے؟ واضح رہے کہ زید بالکل جاہل وان پڑھ ہے، اسے اس طرح کا کوئی مسئلہ معلوم نہیں ہے؟

المستفتی: محمد فہیم بروالان، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایک مسلمان کے لئے غیر مسلم کے اجتماعات و تہواروں میں شرکت جائز نہیں ہے، اسی طرح ان کے دیوی دیوتاؤں کے چڑھاوے کا کھانا بھی جائز نہیں ہے، تاہم اگر زید نے ناواقفیت کی بنا پر بھنڈارے کا کھانا کھالیا ہے، اور اس کے دل میں اس تقریب اور تہوار کی کوئی عظمت یا ہندوؤں کے ساتھ ان کے تہواروں میں باقاعدہ ان کا ساتھ دینے کا ارادہ نہیں تھا، تو اس عمل کی وجہ سے زید کافر نہیں ہوا۔ اور نہ ہی اسے تجدید نکاح کی ضرورت ہے؛ البتہ اس کو چاہئے کہ جو کچھ سرزد ہو چکا ہے، اللہ سے نادم ہوکر توبہ کرے اور آئندہ کے لئے ایسی تقریبوں میں شرکت سے اپنے آپ کو مضبوطی سے باز رکھے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے۔

ومایأتي به المجوس في نیروزهم من الأطعمة إلی الأکابر والسادات من کانت بینهم وبینهم معرفة ذهاب ومجي فقد قیل إن أخذ ذلک علی وجه الموافقة لفرحهم یضر ذلک لدینه، وإن أخذه لاعلی ذلک الوجه لابأس به والاحتراز عنه أولیٰ. (الفتاوی التاتارخانیة، زکریا ۷/۳٤۸، رقم:۱۰٦٥۷،

محیط برهاني ٧/٤٢٩، رقم: ٩٢٨٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰؍ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹؍۱۰۰۳۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۴/۲۱ھ

میاں بیوی کا غیر مسلم دوستوں کے ساتھ مندر جانا

سوال [۱۰۹۱۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ سائل اپنی بیوی اور اپنے کچھ غیر مسلم دوستوں عورتوں اور مردوں کے ساتھ مندر میں گیا تھا، سائل کی بیوی بھی ہمراہ تھی مندر کے اندر پہونچنے کے بعد وہاں کے پجاری نے جس طرح سے ہندو عورتوں کو پوجا کے طریقہ سے تلک لگایا اور گنگا جل دونوں ہاتھوں میں دے کر کچھ پی لینے اور باقی جل اپنے سر پر لگا کر سر کے بالوں میں لگایا، اسی طرح کا رسمی طریقہ میری بیوی سے بھی کرایا اور سوکھے چنے کھانے کے لئے دیئے، جسے میری بیوی نے لے کر اپنے بچے کو کھلا دیئے، یہ ایک غیر اسلامی عمل تھا جو کہ نادانستگی میں میری بیوی سے ہوگیا۔ برائے مہربانی اس بارے میں اصلاح فرما کر فتوی ارسال فرمائیں۔

المستفتی: فیصل حسین، جگر کالونی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مسئولہ صورت میں آپ کا اور آپ کی بیوی کا یہ عمل نہایت ہی سخت گناہ ہے؛ اس لئے ندامت کے ساتھ دونوں میاں بیوی کو توبہ واستغفار کرنا لازم اور ضروری ہے۔ نیز آئندہ پوری احتیاط واجتناب لازم ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۱۲/۴۲۳، جدید ڈابھیل ۱/۳٦٧)

قال اللہ تعالیٰ: اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فَاُولٰٓئِكَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا. [سورة النساء:١٧]

هو كبيرة من الكبائر وهل يكفر؟ قال بعضهم.........: إن أرادبه العبادة يكفر، وإن أرادبه التحية لم يكفر ويحرم عليه ذلک. (فتاوى عالمگيري، كتاب السير، الباب التاسع في آحكام المرتدين، زكريا قديم ٢/ ٢٨١، جديد زكريا ٢/ ٢٩٢)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲ر شعبان المعظم ۱۴۲۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶/ ۷۳۴۸)

گرودوارے وغیرہ پر تیار کیا ہوا حلوہ کھانا کیسا ہے؟

سوال [۱۰۹۱۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ گرودوارے یا کھنڈ پاتھ پر تیار کیا ہوا، اور کرپان بیچ سے نکال کر متبرک بنایا ہوا حلوہ چاول (پرشاد) لینا اور کھانا کیسا ہے؟ نیز دیوالی کے موقعہ پر دوستوں سے مٹھائی لینا، کھانا کیسا ہے؟

المستفتی: محمد یونس، جامع مسجد، احمد گڈھ (پنجاب)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: گرودوارے یا کھنڈ پاتھ پر تیار کیا ہوا اور کرپان نکال کر متبرک بنایا ہوا حلوہ چاول لینا اور کھانا سب ناجائز ہے اور دیوالی کے موقعہ سے ہندوؤں سے مٹھائی وغیرہ لینے میں تفصیل ہے، وہ یہ ہے کہ اگر ہندو اپنا احسان سمجھ کر دیتے ہیں، یا یہ سمجھ کر دیتے ہیں کہ مسلمان ہمارے اس تہوار میں شریک ہوگئے، تب تو نہیں لینا چاہئے اور اگر محض دوستانہ تعلق یا پڑوسیت کی وجہ سے دیتا ہے، تو لے لینے میں کوئی حرج نہیں۔

(مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۱۸۸/۵، جدید ڈابھیل ۱۸/ ۱۷۵-۳۳)

ومن المشائخ من وجه آخر، فقال: لم يقبل من شخص علم أنه لو قبل

منه لاتقل صلابته وعزته في حقه ويلين له بسبب قبول الهدية، قبل من شخص علم أنه لا تقل صلابته وعزته في حقه ولا يلين له بسبب قبول الهدية.

(تاتارخانية، زكريا ۱۸/۱٦۹، رقم: ۲۸۳۸٥، المحيط البرهاني، المجلس العلمي بيروت ۸/ ۷۱، رقم: ۹٦۱۰، هندية، زكريا قديم ٥/۳٤۸، جديد ٥/ ٤۰۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍رجب المرجب ۱۴۱۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱؍۴۱۰۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲؍۷؍۱۴۱۵ھ

غیر مسلموں کے میلوں میں مسلمان کا دوکان لگانا

سوال [۱۰۹۱۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ غیر مسلموں کے تیوہاروں اور میلوں میں مسلمان دوکانداروں کو خورد ونوش کا سامان، نیز پھل کھلونے وغیرہ فروخت کرنا درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد اقبال، شیرکوٹ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: غیر مسلموں کا میلہ اگر ان کے دھرم سے متعلق ہے، تو اس میں بغرض تجارت بھی شرکت جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاوی رشیدیہ ۵۵٦)

اور اگر ان کے دھرم سے متعلق نہیں ہے؛ بلکہ تجارتی نمائش ہی ہے، تو اس میں بغرض تجارت شرکت جائز ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۴؍۲٦۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲٦؍ذی قعدہ ۱۴۱۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۳؍۵۰۳۳)

ب:۱۰۹۱۲ اہل کتاب اوران سے متعلق احکام کا تحقیقی جائزہ

اہل کتاب (یہود ونصاریٰ) اوران سے متعلق کچھ احکام ایسے ہیں جن میں ان کے ساتھ مسلمانوں جیسا معاملہ کیا جاسکتا ہے، خاص طور پر دو مسئلے ایسے ہیں جن میں قرآن وحدیث میں ان کا معاملہ مسلمانوں جیسا قرار دیا گیا ہے:

(۱) ان کی عورتوں سے نکاح کا جواز۔

(۲) ان کے ذبیحہ کا حلال اور جائز ہونا۔

ان ہی دونوں مسئلوں پر سوال نامہ میں پوچھے گئے مسائل کا مدار ہے، اس سلسلے میں ۸؍سوالات کے ذریعہ سے مسائل پوچھے گئے ہیں، جو علی الترتیب سرخیوں کے ساتھ پیش کئے جارہے ہیں، ملاحظہ فرمائیے:

اہل کتاب کسے کہتے ہیں؟

سوال [۱]: اہل کتاب کسے کہتے ہیں؟ ان سے کون سی قوم مراد ہے؟

المستفتی: اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اہل کتاب اس قوم کو کہا جاتا ہے جو دین سماوی کا اعتقاد رکھتی ہو اور آسمانی کتاب پر بھی ایمان رکھتی ہو اور اس قوم کی کوئی ایسی کتاب بھی ہو جس کا اللہ کی طرف سے نازل کردہ ہونا قطعی طور پر ثابت ہو۔ اور یہ بات الگ ہے کہ اس قوم نے اپنی کتاب کو تحریف کر کے بگاڑ دیا ہو؛ لیکن فی الجملہ اللہ کی طرف سے نازل کردہ ہو، جیسا کہ درج ذیل جزئیات سے واضح ہوتا ہے:

اس کو ’’تبیین الحقائق‘‘ میں ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے، ملاحظہ فرمائیے:

وكل يعتقد دينا سماويا وله كتاب منزل كصحف إبراهيم عليه السلام وشيث، وزبور داؤد عليه السلام فهو من أهل الكتاب، فتجوز مناكحتهم وأكل ذبائحهم. (تبيين الحقائق، زكريا ۲/ ۵۷۷-۵۷۸، هندية قديم ۱/ ۲۸۱، جديد ۱/ ۳۴۷)

اس کو ''**الفقه الإسلامي وأدلته**'' میں ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا گیا ہے، ملاحظہ فرمائیے:

الكتابية: هي التي تؤمن بدين سماوي كاليهودية والنصرانية، وأهل الكتاب: هم أهل التوراة والإنجيل لقوله تعالىٰ: ﴿اَنْ تَقُوْلُوْا اِنَّمَا اُنْزِلَ الْكِتَابُ عَلٰى طَآئِفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا﴾ [الأنعام: ۶/ ۱۵۶] (الفقه الإسلامي وأدلته ۷/ ۱۵۸)

اس کو ''الموسوعۃ الفقہیۃ'' میں ان الفاظ میں نقل کیا گیا ہے، ملاحظہ فرمائیے:

إن أهل الكتاب: هم كل من يؤمن بنبي ويقر بكتاب، ويشمل اليهود والنصارى، ومن آمن بزبور داؤد وصحف إبراهيم وشيث، وذلك لأنهم يعتقدون دينا سماويا منزلا بكتاب. (الموسوعة الفقهية ۷/ ۱۴۰)

صابئین سے کون سی قوم مراد ہے؟

سوال [۲]: قرآن مجید میں اہل کتاب کی حیثیت سے یہود ونصاریٰ اور صابئین کا ذکر آیا ہے، ان میں سے یہود ونصاریٰ تو معروف ہیں؛ لیکن صابئین سے کون لوگ مراد ہیں اور کیا اب یہ گروہ پایا جاتا ہے؟ اس بات کی وضاحت فرمائیں۔

المستفتي: اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: آج کے دور میں جب بھی اہل کتاب بولا جاتا ہے، تو اس سے یہود ونصاریٰ مراد ہوتے ہیں اور یہودی تورات کو مانتے ہیں اور نصاریٰ انجیل کو مانتے ہیں، اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ صابئین کون سی قوم ہے؟ تو ان

کے بارے میں علمائے محققین نے لکھا ہے کہ صابئین یہود ونصاریٰ میں سے ایک جماعت کا نام ہے، جوان سے الگ ہوکر کے ایک فرقہ کی شکل اختیار کرلی تھی، جیسا کہ سامری اور سامری کے ساتھیوں کو صابئین سے تعبیر کیا جاتا ہے، گویا کہ یہود ونصاریٰ میں سے وہ لوگ ہیں جنہوں نے ان سے الگ ہوکر کے الگ طائفہ زائغہ کی شکل اختیار کرلی ہے۔

اور بعض علماء نے صابئین کے بارے میں لکھا ہے کہ یہود ونصاریٰ کے درمیان ایک بین بین قوم ہے، من وجہ یہودی ہیں اور من وجہ نصاری ہیں اور ملائکہ کی عبادت کرتے ہیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا فتویٰ ان کے بارے میں یہی ہے کہ ان کا ذبیحہ حلال نہیں ہے اور ان کے ساتھ مناکحت بھی جائز نہیں ہے، مگرامام قرطبیؒ نے حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کیا ہے کہ ان کے ساتھ یہود ونصاریٰ کا معاملہ کیا جاسکتا ہے کہ ان کا ذبیحہ حلال ہے اور ان کی عورتوں کے ساتھ مناکحت بھی مباح ہے؛ لیکن حضرت امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ ان کی عورتوں کے ساتھ مناکحت جائز نہیں ہے اور یہی صاحبین کا قول زیادہ راجح معلوم ہوتا ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے قول کی تائید میں ہے، جیسا کہ ذیل کی عبارات سے واضح ہوتا ہے۔

اس کو امام قرطبیؒ نے ان الفاظ میں نقل فرمایا ہے، ملاحظہ فرمایئے:

فقال السدی: هم فرقة من أهل الكتاب، وقاله إسحاق بن راهوية: قال ابن المنذر، وقال إسحاق: لا بأس بذبائح الصابئين؛ لأنهم طائفة من أهل الكتاب، وقال أبو حنيفة: لا بأس بذبائحهم ومناكحة نسائهم، وقال الخليل: هم قوم يشبه دينهم دين النصارى إلا أن قبلتهم نحو مهب الجنوب، يزعمون أنهم على دين نوح عليه السلام، وقال مجاهد والحسن

وابن أبي نجيح: هم قوم تركب دينهم بين اليهودية والمجوسية لا تؤكل ذبائحهم، ابن عباس: ولا تنكح نسائهم ...... والذي تحصل من مذهبهم فيما ذكره بعض علمائنا أنهم موحدون معتقدون تأثير النجوم، وأنها فعالة، ولهذا أفتى أبو سعيد الإصطخري القادر بالله بكفرهم حين سأله عنهم. (الجامع لأحكام القرآن للقرطبي ۱/ ٤٣٤-٤٣٥)

اس کو ''تبیین الحقائق'' میں ان الفاظ کے ساتھ نقل فرمایا ہے، ملاحظہ فرمایئے:

قال رحمه الله: (والصابئة) أي حل تزوج الصابئة، وقال أبو يوسف ومحمد: لا يجوز نكاحها، وهذا الخلاف بناء على أنهم عبدة الأوثان أم لا، فعندهما عبدة الأوثان فإنهم يعبدون النجوم، وعند أبي حنيفة ليسوا بعبدة الأوثان، وإنما يعظمون النجوم كتعظيم المسلم الكعبة. (تبيين الحقائق، زكريا ۲/ ٤٧٨، هكذا في البناية ٥/ ٤٧)

اس کو ''الموسوعة الفقهية'' میں ان الفاظ کے ساتھ نقل فرمایا ہے، ملاحظہ فرمایئے:

اختلف الفقهاء في الصابئة، فذهب أبو حنيفة إلى أنهم من أهل الكتاب من اليهود أو النصارى. (الموسوعة الفقهية ۷/ ١٤٠)

اس کو ''تفسیر مظہری'' میں ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا گیا ہے، ملاحظہ فرمایئے:

قال عمر وابن عباس: هم قوم من أهل الكتاب، فقال عمر: يحل ذبائحهم، وقال ابن عباس: لا يحل ذبائحهم ولا مناكحتهم، وقال مجاهد: هم قوم نحو الشام بين اليهود والمجورس من أهل الكتاب، وقال الكلبي: هم بين اليهود والنصارى، وقال قتادة: هم قوم يقرؤون الزبور ويعبدون الملائكة ويصلون إلى الكعبة أخذوا من كل دين شيئا. (تفسير مظهري ۱/ ۸۸)

اس کو ''البنایہ'' میں ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا گیا ہے، ملاحظہ فرمایئے:

وقال عبدالعزيز بن يحيىٰ: قد درجوا وانقرضوا فلا عين ولا أثر. (البناية ٥/ ٤٧)

موجودہ دور کے یہود ونصاریٰ کا ذبیحہ اور ان کی عورتوں سے مناکحت

سوال [۳]: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جو یہود ونصاریٰ تھے وہ بھی بہت سی گمراہیوں کے باوجود ایک خدا کے قائل تھے، اگرچہ عیسائی تین کے مجموعہ کو ایک مانتے تھے، اسی طرح وہ وحی، نبوت، ملائکہ اور آخرت میں جزا وسزا کو بھی تسلیم کرتے تھے؛ البتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی نہیں مانتے تھے؛ لیکن موجودہ دور میں یہ صورت حال نہیں ہے، خاص کر مغربی ملکوں میں جو لوگ اپنے آپ کو یہودی یا عیسائی کہتے ہیں، ان میں بڑی تعداد ایسے لوگوں کی ہے جو خدا کے وجود ہی کے قائل نہیں ہیں، اگر خدا کو مانتے ہیں تو وحی ورسالت اور آخرت کو نہیں مانتے، کیا ایسے لوگوں کا شمار بھی یہود ونصاریٰ میں ہوگا؟ اور نکاح وذبیحہ کے معاملہ میں ان کے ساتھ اہل کتاب کا معاملہ کیا جائے گا؟

المستفتی: اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: موجودہ دور میں یہود ونصاریٰ کی دو قسمیں ہیں:

(۱) پہلی قسم کے وہ یہود ونصاریٰ ہیں جو خدا کے وجود ہی کو نہیں مانتے ہیں اور جب وہ لوگ خدا کے وجود ہی کے قائل نہیں ہیں، تو اللہ کی طرف سے مبعوث کردہ نبی اور نازل کردہ کتاب کے بھی وہ لوگ قائل نہیں ہوں گے، تو ایسے یہود ونصاریٰ کی عورتوں کے ساتھ اُسی طرح نکاح جائز نہیں ہوگا جس طرح ایک مشرکہ عورت کے ساتھ نکاح کرنا جائز نہیں ہے، اس لئے کہ اس طرح کی یہودیہ ونصرانیہ عورت خالص مشرکہ عورتوں کے حکم میں ہوگی۔

(۲) دوسری قسم وہ یہود ونصاریٰ ہیں جو مشرکانہ حرکتوں کے ساتھ خدا کے وجود

کے قائل ہیں اور نبی مرسل کو بھی مانتے ہیں اور آسمانی کتاب کے بھی قائل ہیں، یہ وہ یہود ونصاریٰ ہیں جو سید الکونین علیہ الصلاۃ والسلام اور نزول قرآن کے زمانہ میں تھے؛ لہٰذا ایسے یہودیوں کا ذبیحہ حلال اور جائز ہے، جو اللہ کے نام سے ذبح کرتے ہیں اور ایسی یہودیہ عورت کے ساتھ مناکحت کا حکم بھی وہی ہے جو خیر القرون کے زمانے میں تھا۔

اب رہا نصاریٰ اور عیسائیوں کا مسئلہ تو عیسائی عام طور پر خدا کا نام لے کر ذبح نہیں کرتے؛ اس لئے ان کا ذبیحہ حلال نہیں ہوگا اور جو عیسائی عیسائیت کی تبلیغ کرتے ہیں، ان کا حال وہی ہے جو سید الکونین علیہ الصلاۃ والسلام کے زمانے میں تھا؛ اس لئے ایسی عیسائی عورتوں کے ساتھ مناکحت کا وہی حکم ہوگا جو حضرت سید الکونین علیہ الصلاۃ والسلام کے زمانے میں اور خیر القرون میں تھا؛ لیکن یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ قرآنی حکم کی وجہ سے عیسائی عورتوں کے ساتھ مناکحت کو حرام تو نہیں کہہ سکتے ہیں، مگر بہت سی وجوہات ایسی ہیں جن کی وجہ سے علی الاطلاق بلا کراہت ان کی عورتوں سے نکاح کو جائز اور حلال بھی نہیں کہا جاسکتا؛ اس لئے کہ اولاد ماں سے متأثر ہوا کرتی ہے، تو اگر ان کی عورتوں سے نکاح کیا جائے تو مسلمانوں کی اولاد کا معاشرہ اور عقیدہ انہیں جیسا ہونے لگے گا، اسی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو خط میں لکھا تھا کہ آپ نے جس یہودیہ عورت سے نکاح کیا ہے میرے خط کے پہنچتے ہی آپ فوراً اسے اپنے نکاح سے الگ کردیں، تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے جواب میں لکھا تھا کہ کیا وہ میرے لئے حرام ہے؟ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب میں تحریر فرمایا تھا کہ میں اللہ کی حلال کردہ چیز کو حرام نہیں کرتا؛ لیکن جب آپ جیسے لوگ ان کی عورتوں سے نکاح کریں گے تو پھر ان سے نکاح کرنا عام ہوجائے گا، اور مسلمانوں کا معاشرہ خراب ہوتا جائے گا اور آئندہ ان سے پیدا ہونے والی نسلیں ان کی عورتوں کی طرح اسلام سے بیزار ہونے لگیں گی، نیز ان کی عورتیں عام طور پر بدکار ہوتی ہیں اور تم ان کی اطاعت کرنے لگو گے؛ لہٰذا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اس گہری دور بینی کے نقطہ نظر سے ایسے

یہود ونصاریٰ کی عورتوں سے نکاح کرنا بھی کراہت سے خالی نہیں ہوگا، جونزول قرآن کے زمانہ کے یہود ونصاری کی طرح ہیں۔

ہم اس سلسلے میں پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خط کو نقل کرتے ہیں، اس کے بعد علماء امت کی تحریرات پیش کرتے ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا خط سنن کبریٰ کے حوالے سے ملاحظہ فرمائیے:

سمعت أبا وائل يقول: تزوج حذيفة –رضي الله عنه– يهودية، فكتب عمر –رضي الله عنه– أن يفارقها، فقال: إني أخشى أن تدعوا المسلمات وتنكحوا المومسات، وهذا من عمر رضي الله عنه على طريق التنزيه والكراهة، ففي رواية أخرى: أن حذيفة كتب إليه أ حرام هي؟ قال: لا، ولكنى أخاف أن تعاطوا المومسات منهن. (السنن الكبرى للبيهقي، دار الفكر بيروت ١٠/ ٤٢٥، رقم: ١٤٣١، ودار الحديث القاهرة ٧/ ١٩٨، رقم: ١٣٩٨٤)

مصنف ابن ابی شیبہ کے حوالہ سے بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا خط ملاحظہ فرمائیے:

عن شقيق قال: تزوج حذيفة يهودية، فكتب إليه عمر: أن خل سبيلها، فكتب إليه: إن كانت حراما خليت سبيلها، فكتب إليه: إني لا أزعم أنها حرام، ولكني أخاف أن تعاطوا المومسات منهن. (المصنف لابن أبي شيبة ٩/ ٨٥، رقم: ١٦٤١٧)

اب علمائے امت کی تحریرات پیش کی جارہی ہیں، ملاحظہ فرمائیے۔ تفسیر مظہری میں ہے:

قال ابن الجوزي: روى أصحابنا حديث ابن عباس أن النبي صلى الله عليه وسلم نهى عن ذبائح نصارى العرب، وروى ابن الجوزي بسنده عن علي رضى الله عنه قال: لا تأكلوا من ذبائح نصارى بني تغلب، فإنهم لم يتمسكوا من النصرانية بشيء إلا شربهم الخمر ...... فكذا حكم نصارى

العجم إن كان عادتهم الذبح على غير اسم الله تعالى غالبا لا يؤكل ذبيحتهم، ولا شك أن النصارى في هذا الزمان لا يذبحون بل يقتلون بالوقذ غالبا، فلا يحل طعامهم. (تفسير مظهري، زكريا ۳/ ۷۰-۷۱)

اس کو "الفقه الإسلامي وأدلته" میں ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا گیا ہے، ملاحظہ فرمایئے:

لا يحل للمسلم الزواج بالمرأة المشركة أو الوثنية، وهي التي تعبد مع الله إلٰها غيره كالأصنام أو الكواكب أو النار أو الحيوان، ومثلها المرأة الملحدة أو المادية، وهي التي تؤمن بالمادة إلها، وتنكر وجود الله ولا تعترف بالأديان السماوية مثل الشيوعية والوجودية والبهائية والقاديانية والبوذية. (الفقه الإسلامي وأدلته ۷/ ۱۵۷)

اس سلسلے میں بنایہ کی عبارت ملاحظہ فرمایئے:

ويروى عن ابن عمر أنه كان لا يجوز نكاح الكتابية، وقالت الإمامية: لا يجوز نكاح الكتابية إلا عند عدم المسلمة لاختلاف العلماء في كونهم مشركين، قال الله تعالىٰ: ﴿وَلَا تَنكِحُوا الْمُشْرِكَاتِ حَتَّى يُؤْمِنَّ﴾ أي حتى يسلمن من أهل الكتاب. (البناية ۵/ ۴۳)

اس سلسلے میں بنایہ کی دوسری عبارت بھی ملاحظہ فرمایئے:

وقال الكافي: الأولىٰ أن لا يتزوج الكتابية، ولا تؤكل ذبيحتهم إلا للضروة لما روى أن عمر رضى الله عنه غضب على حذيفة وكعب وطلحة غضبا شديدا. (البناية ۵/ ۴۴)

دین محمدی کے نزول کے بعد پیدا ہونے والی قوم کا حکم

سوال [۴]: بعض ایسے باطل ادیان بھی ہیں، جو شریعت محمدی کے نازل

ہونے کے بعد ایجاد کیئے گئے ہیں، جیسے بہائی، بابی، سکھ اور قادیانی، ان میں سے بعض گروہ قرآن کو بھی اللہ کی کتاب تسلیم کرتے ہیں یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا رسول مانتے ہیں؛ لیکن اس کے ساتھ ساتھ قرآن مجید کے بعد کسی اور الہامی کتاب کے اور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی اور شخص کے نبی ہونے کے دعویدار ہیں، کیا ان کا شمار بھی اہل کتاب میں ہوگا؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: شریعت محمدی اور دین محمدی کے نزول کے بعد جو نئی قومیں پیدا ہوئی ہیں اور انہوں نے اپنا الگ دین بنالیا ہے، تو وہ دو قسم کی ہوسکتی ہیں:

(۱) ان کے وجود میں آنے سے پہلے ان کے باپ دادا مشرک تھے، جیسا کہ سکھ وغیرہ ہیں، ان کا حکم وہی ہوگا جو پہلے سے تھا، یعنی ان کے باپ دادا بھی مشرک تھے اور نئی قوم بننے کے بعد بھی وہ مشرک ہی ہوں گے؛ لہٰذا سکھ وغیرہ کو اہل کتاب تسلیم نہیں کیا جاسکتا؛ بلکہ وہ مشرک ہی ہیں۔

(۲) وہ قوم ہیں جن کے باپ دادا پہلے مسلمان تھے، پھر انہیں میں سے نئے دین ومذہب کے ساتھ نئی قوم وجود میں آئی ہے، جیسا کہ قادیانی وغیرہ، یہ اگرچہ قرآن کو اللہ کی کتاب تسلیم کرتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا رسول بھی مانتے ہیں؛ لیکن قرآن کے علاوہ کسی الہامی کتاب کے قائل اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین تسلیم نہیں کرتے؛ بلکہ کسی اور کے نبی ہونے کے دعویدار بھی ہیں؛ اس لئے یہ زندیق کے حکم میں ہیں؛ لہٰذا نہ تو ان کا ذبیحہ حلال ہے اور نہ ہی ان کی عورتوں کے ساتھ مناکحت جائز ہے اور یہ لوگ اسلام سے خارج ہیں، مسلمان نہیں ہیں، جیسا کہ ذیل کی عبارات سے واضح ہوتا ہے۔

اس کو ''ہندیہ'' میں ان الفاظ کے ساتھ نقل فرمایا ہے، ملاحظہ فرمائیے:

إذا لم يعرف الرجل أن محمدا صلى الله عليه وسلم آخر الأنبياء عليهم وعلى نبينا السلام فليس بمسلم. (هندية قديم ۲/ ۲٦۳، جديد ۲/ ۲۷٥)

اور ''مجمع الانہر'' میں ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا گیا ہے:

وأما الإيمان بسيدنا عليه الصلاة والسلام فيجب بأنه رسولنا في الحال، وخاتم الأنبياء والرسل، فإذا آمن بأنه رسول ولم يؤمن بأنه خاتم الأنبياء لا يكون مؤمنا. (مجمع الأنهر ۲/ ٥۰٦)

اور اس کو ''مرقاۃ شرح مشکوۃ'' میں ان الفاظ میں نقل کیا گیا ہے:

وإنكار وجوب المجمع عليه إذا كان معلوما من الدين بالضرورة كفر اتفاقا، بل قال جماعة: إن إنكار المجمع عليه كفر وإن لم يكن معلوما. (مرقاة المفاتيح، أشرفيه ديوبند ٤/ ۱۳٦)

اور صاحب بزازیہ نے ان الفاظ میں نقل فرمایا ہے:

يجب الإيمان بالأنبياء عليهم السلام بعد معرفة معنى النبي (وقوله) وأما الإيمان بسيدنا عليه الصلاة والسلام، فيجب بأنه رسولنا في الحال وخاتم الأنبياء والرسل، فإذا آمن بأنه رسول ولم يؤمن بأنه خاتم الرسل لا ينسخ دينه إلى يوم القيامة لا يكون مؤمنا. (بزازية على الهندية ٦/ ۳۲۷)

اور ''بنایہ شرح ہدایہ'' میں ان الفاظ میں نقل کیا گیا ہے:

ويدخل في الوثنيات عبدة الشمس وعبدة النجوم والصور التي أنحتوها، والمعطلة، والزنادقة، والباطنية، والإباحية، وفي شرح الوجيز: وكذا كل مذهب يكفر معتقده؛ لأن اسم الشرك يتناولهم جميعا. (البناية ٥/ ٤٦)

نسلی قادیانی بھی زندیق

سوال [۵]: قادیانی دوطرح کے ہیں: ایک وہ جوخود مرتد ہوتے ہیں،

دوسرے وہ جن کے آباء واجداد مرتد ہوئے اور وہ نسلی طور پر قادیانی ہیں، اگر قادیانی اہل کتاب میں سے نہیں ہیں، تو کیا قادیانیوں میں سے دوسرے گروہ یعنی نسلی قادیانیوں کو اہل کتاب میں شمار کیا جا سکتا ہے؟

المستفتی: اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قادیانی کی دو قسمیں ہیں: (۱) وہ لوگ جو بذات خود قادیانی بنے ہیں، ان کے مرتد اور زندیق ہونے میں سب کا اتفاق ہے۔

(۲) وہ قادیانی ہیں جو باپ دادا سے نسلی طور پر قادیانی کہلائے جاتے ہیں، ایسے قادیانی کو جن علماء نے اہل کتاب کے درجے میں قرار دیا ہے وہ ان کی اپنی ذاتی رائے ہے اور اس رائے پر کوئی دلیل نہیں، حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ نے بھی کفایت المفتی قدیم ۱/ ۳۶۵، اور جدید ۱/ ۴۶۸ میں اپنا رجحان اسی طرف ظاہر فرمایا ہے؛ لیکن یہ صرف حضرت کی اپنی ذاتی رائے ہے، اس پر کوئی دلیل نہیں ہے، حضرت نے شامی کی کسی عبارت سے اس بات کو ثابت کرنے کی کوشش فرمائی ہے، مگر حضرت کی اس رائے سے دوسرے بڑوں نے اتفاق نہیں کیا ہے؛ لہٰذا نسلی قادیانی بھی مرتد ہیں اور ان قادیانیوں کی اولاد اہل کتاب کے حکم میں نہیں ہے؛ بلکہ خالص زندیق ہیں۔

(حاشیہ کفایت المفتی جدید ۱/ ۴۶۸، فتاوی رحیمیہ زکریا ۱/ ۱۹۶، فتاوی حقانیہ زکریا ۴/ ۳۴۲، آپ کے مسائل اور ان کا حل زکریا ۲/ ۱۱۷، احسن الفتاوی ۶/ ۳۵۹)

اس سلسلے میں ’’بزازیہ‘‘ کی عبارت ملاحظہ فرمایئے:

یجب الإیمان بالأنبیاء علیهم السلام بعد معرفة معنی النبي (وقوله) وأما الإیمان بسیدنا علیه الصلاة والسلام، فیجب بأنه رسولنا في الحال وخاتم الأنبیاء والرسل، فإذا آمن بأنه رسول ولم یؤمن بأنه خاتم الرسل لاینسخ دینه إلی یوم القیامة لا یکون مؤمنا. (بزازیة علی الهندیة ٦/ ٣٢٧)

اور اس کو ''مجمع الانہر'' میں ان الفاظ کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، ملاحظہ فرمائیے:

وأما الإيمان بسيدنا عليه الصلاة والسلام فيجب بأنه رسولنا في الحال، وخاتم الأنبياء والرسل، فإذا آمن بأنه رسول ولم يؤمن بأنه خاتم الأنبياء لا يكون مؤمنا. (مجمع الأنهر ٢/ ٥٠٦)

کتابیہ عورت سے مناکحت میں دار الاسلام و دار الحرب کا فرق

سوال [٦]: **(الف)** بعض فقہاء نے اہل کتاب سے نکاح کے مسئلے میں دار الاسلام اور دار الکفر کے درمیان فرق کیا ہے، دار الاسلام میں مباح قرار دیا ہے اور دار الکفر میں مکروہ؛ لیکن آج کل مسلم ممالک میں اگر کوئی مسلمان لڑکا یہودی یا عیسائی لڑکی سے نکاح کرلے تو مغرب کے فکری تسلط کی وجہ سے بیوی کے شوہر پر اثر انداز ہونے کا پورا خطرہ رہتا ہے، خاص کر عرب ملکوں میں مسلمان حکمرانوں، فوجی کمانڈروں، اور اعلیٰ سرکاری عہدہ داروں کے یہودی اور عیسائی عورتوں سے نکاح کرنے سے عالم اسلام کو غیر معمولی فوجی سیاسی اور معاشی نقصان پہنچا ہے، ان حالات میں دار الاسلام میں اہل کتاب خواتین سے نکاح کرنے کا کیا حکم ہوگا؟

المستفتی: اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بعض فقہاء نے کتابیہ عورتوں سے مناکحت کے بارے میں دار الاسلام اور دار الکفر کے درمیان فرق کیا ہے، چنانچہ دار الاسلام میں مباح قرار دیا ہے اور دار الکفر میں مکروہ؛ لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خط سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ ان عورتوں سے نکاح کے بعد زندگی میں مرتب ہونے والی خرابی اور پیدا ہونے والی اولادوں کی تربیت اور ان کے عقائد کے بگاڑ کے خطرے کی

وجہ سے دارالاسلام میں بھی ان کی عورتوں سے نکاح کرنا درجۂ کراہت سے خالی نہیں ہے؛ اس لئے جولوگ دارالاسلام میں مباح قرار دیتے ہیں وہ صرف اس نظریہ کے پیش نظر مباح قرار دیتے ہیں کہ اولاد اپنی نشوونما میں اسلامی عقائداور اسلامی طور وطریق اور احکام اسلام کو اپنی زندگی میں داخل کرے گی؛ لیکن تجربہ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اولاد باپ کے مقابلے میں ماں سے زیادہ متأثر ہوتی ہے؛ اس لئے اولاد کے عقیدہ کے بگڑنے کا زیادہ خطرہ ہے۔

لہٰذا دارالاسلام میں بھی ان کی عورتوں سے نکاح کرنا مکروہ تحریمی ہوگا، جیسا کہ ذیل کی احادیث اور فقہی جزئیات سے واضح ہوتا ہے۔

اس سلسلے میں ''مصنف ابن ابی شیبہ'' کی روایت ملاحظہ فرمایئے:

عن ابن عمر: أنه كان يكره نساء أهل الكتاب ولا يرى بطعامهن بأسا. (المصنف لابن أبي شيبة ۹/ ۸٦، رقم: ۱٦٤۱۹)

اور ''**المصنف لابن أبي شيبة**'' کی دوسری روایت ملاحظہ فرمایئے:

عن ابن عمر: أنه كره نكاح نساء أهل الكتاب، وقرأ: ﴿وَلَا تَنكِحُوا الْمُشْرِكَاتِ حَتَّىٰ يُؤْمِنَّ﴾ (المصنف لابن أبي شيبة ۹/ ۸٦، رقم: ۱٦٤۲۰)

اور ''مصنف ابن ابی شیبہ'' کی تیسری روایت ملاحظہ فرمایئے:

عن شقيق قال: تزوج حذيفة يهودية، فكتب إليه عمر: أن خل سبيلها، فكتب إليه: إن كانت حراما خليت سبيلها، فكتب إليه: إني لا أزعم أنها حرام، ولكني أخاف أن تعاطوا المومسات منهن. (المصنف لابن أبي شيبة ۹/ ۸۵، رقم: ۱٦٤۱۸)

اس سلسلے میں ''سنن کبریٰ بیہقی'' کی روایت ملاحظہ فرمایئے:

سمعت أبا وائل يقول: تزوج حذيفة -رضي الله عنه- يهودية، فكتب عمر -رضي الله عنه- أن يفارقها، فقال: إني أخشى أن تدعوا

المسلمات وتنكحوا الموسات، وهذا من عمر رضي الله عنه على طريق التنزيه والكراهة، ففي رواية أخرى: أن حذيفة كتب إليه أ حرام هي؟ قال: لا، ولكني أخاف أن تعاطوا المومسات منهن.

(السنن الكبرى للبيهقي، دارالفكر بيروت ١٠/ ٤٢٥، رقم: ١٤٣١، ودارالحديث القاهرة ١٩٨/٧، رقم: ١٣٩٨٤)

اور''مصنف عبدالرزاق'' کی روایت ملاحظہ فرمایئے:

عن قتادة: أن حذيفة نكح يهودية في زمن عمر، فقال عمر: طلقها، فإنها جمرة، قال: أ حرام هي؟ قال: لا فلم يطلقها حذيفة لقوله: حتى إذا كان بعد ذلك طلقها. (المصنف لعبد الرزاق ٦/ ٧٨، رقم: ١٠٠٥٧)

اوراس کو''بحر الرائق'' میں ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا گیا ہے، ملاحظہ فرمائے:

وفي المحيط: يكره تزوج الكتابية الحربية؛ لأن الإنسان لا يأمن أن يكون بينهما ولد فينشأ على طبائع أهل الحرب، ويتخلق بأخلاقهم فلا يستطيع المسلم قلعه عن تلك العادة. (البحرالرائق، زکریا ٣/ ١٨٣، کوئٹہ ٣/ ١٠٣)

اوراس کو''الفقہ الاسلامی وادلتہ'' میں ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا گیا ہے، ملاحظہ فرمایئے:

والواقع في الزواج بالكتابيات وبالأولىٰ الحربيات مضار اجتماعية ووطنية ودينية، فقد ينقلن لبلادهن أخبار المسلمين، وقد يرغبن الأولاد في عقائد وعادات غير المسلمين، وقد يؤدى الزواج بهن إلى إلحاق ضرر للمسلمات بالإعراض عنهن، وقد تكون الكتابية منحرفة السلوك. (الفقه الإسلامي وأدلته ٧/ ١٦٠)

دعوتی نقطۂ نظر سے کتابیہ عورت سے نکاح کرنا

سوال [٦]: **(ب)** مغربی ممالک میں مسلمان مختلف محرکات جیسے مزاجی ہم آہنگی، ویزا کی سہولت وغیرہ کے تحت یہودی وعیسائی کی عورتوں سے نکاح کرتے ہیں، بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم نے یہ نکاح دعوتی نقطۂ نظر سے کیا ہے اور یہ بات دیکھی جاتی ہے کہ اکثر وبیشتر مسلمان مردوں کے نکاح میں آنے والی عورتیں دامن اسلام میں آجاتی ہیں اور پھر وہ ایمان کی روشنی اپنے خاندان وسماج تک بھی پہنچانے کی کوشش کرتی ہیں، تو کیا اس صورت حال میں بھی ان لوگوں کے قول پر اہل کتاب سے نکاح کرنے کی کراہت باقی رہے گی جو دارالکفر میں اہل کتاب سے نکاح کومکروہ قرار دیتے ہیں۔

المستفتی: اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگرکوئی مسلمان کتابیہ عورت سے دعوتی نقطۂ نظر سے نکاح کرتا ہے اور واقعی وہ عورت دامن اسلام میں داخل ہوجاتی ہے، تو دارالاسلام اور دارالکفر دونوں میں اس کے ساتھ نکاح کرنا مباح ہوگا۔ اور یہ بات یادرکھنا لازم ہے کہ عورت مسلمان مرد سے متأثر ہوجائے اور مسلمان مرد عورت سے متأثر ہوکراس کے معاشرہ کوقبول نہ کرے؛ لیکن اگر شوہر منکوحہ کتابیہ سے اوران کے معاشرہ سے متأثر ہوجاتا ہے اور بچوں کی طبیعتوں کے ان ہی کی فطرت کوقبول کرنے کا خطرہ ہوتو ان کے ساتھ نکاح کرنا مکروہ تحریمی ہوگا، جیسا کہ درج ذیل عبارات سے واضح ہوتا ہے۔

اس سلسلے میں مصنف ابن ابی شیبہ کی روایت ملاحظہ فرمایئے:

عن ابن عباس –رضي الله عنه– قال: لا يحل نكاح نساء أهل الكتاب إذا كانوا حربا. (المصنف لابن أبي شيبة ٩/ ٨٨، رقم: ١٦٤٣١)

اوراس کے متعلق مصنف ابن ابی شیبہ کی دوسری روایت ملاحظہ فرمایئے:

عن أبي عياض، قال: نساء أهل الكتاب لنا حلال إلا أهل الحرب، فإن نسائهم وذبائحهم عليكم حرام. (المصنف لابن أبي شيبة ٩/ ٨٨، رقم: ١٦٤٣٢)

اس کو علامہ ابن نجیم نے ''البحر الرائق'' میں ان الفاظ کے ساتھ تحریر فرمایا ہے، ملاحظہ فرمایئے:

يكره تزوج الكتابية الحربية؛ لأن الإنسان لا يأمن من أن يكون بينهما ولد فينشأ على طبائع أهل الحرب، ويتخلق بأخلاقهم، فلا يستطيع المسلم قلعه عن تلك العادة. (البحرالرائق، زكريا ٣/ ١٨٣، كوئٹه ٢/ ١٠٣)

اس کو علامہ شامیؒ نے ان الفاظ میں تحریر فرمایا ہے:

وتكره الكتابية الحربية إجماعا؛ لافتتاح باب الفتنة من إمكان التعلق المستدعى للمقام معها في دارالحرب، وتعريض الولد على التخلق بأخلاق أهل الكفر. (شامي، زكريا ٤/ ١٣٤، كراچی ٣/ ٤٥، وتبيين الحقائق، زكريا ٢/ ٤٧٧)

اس کو ''البنایہ'' میں ان الفاظ میں نقل کیا گیا ہے، ملاحظہ فرمایئے:

وقال الكاكي: الأولى: أن لا يتزوج الكتابية، ولا تؤكل ذبيحتهم إلا للضرورة لما روى أن عمر رضى الله عنه غضب على حذيفة و كعب وطلحة غضبا شديدا. (البناية ٥/ ٤٤، كذا في تببيق الحقائق ٢/ ٤٧٧)

اس کو ''ہندیہ'' میں ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا گیا ہے، ملاحظہ فرمایئے:

وإذا تزوج المسلم كتابية حربية فى دارالحرب جاز ويكره. (هندية، قديم ١/ ٢٨١، جديد ١/ ٣٤٧)

کیا ہندوؤں کے اوتار نبی تھے؟ اور ویدیں آسمانی کتابیں ہیں؟

سوال [٧]: قرآن مجید میں یہ بات فرمائی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر قوم میں اپنے پیغمبر بھیجے ہیں اور ہر زبان میں اپنی کتاب نازل فرمائی، لیکن جن انبیاء

اورآسمانی کتابوں کا قرآن مجید نے ذکر کیا ہے ان کے علاوہ دوسری شخصیتوں اور کتابوں کے بارے میں یہ فیصلہ کرنا دشوار ہے کہ کیا وہ اپنے عہد کے پیغمبر تھے؟ اور کیا ان کے ماننے والوں کے پاس جو مذہبی کتاب موجود ہے اور وہ ان کو خدائی تعلیمات کا مجموعہ قرار دیتے ہیں، کیا وہ آسمانی کتابیں ہیں جن میں تورات وانجیل کی طرح ان کے ماننے والوں نے آمیزشیں کردی ہیں؟ اسی سے یہ سوال ابھرتا ہے کہ ہندو مذہب کی کتابوں خاص کر ویدوں میں توحید کی واضح تعلیمات موجود ہیں، آخرت کا تصور بھی ہے، یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی خوشخبری بھی ہے اور اس میں قریب قریب صراحت کے ساتھ آپ کے اسمائے مبارکہ احمد اور محمد کا لفظ استعمال ہوا ہے، تو کیا برادران وطن جن شخصیتوں کو خدا کا اوتار مانتے ہیں، کیا یقین کیا جاسکتا ہے کہ یہ اپنے عہد میں اللہ کے پیغمبر رہے ہوں؟ اور جیسے عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معاملے میں مبالغہ سے کام لیا، ان کے ماننے والوں نے ان کے بارے میں مبالغہ سے کام لیا ہوگا اور کیا ان کی کتابوں کو قرآن مجید کی بیشتر اعتقادی اور اخلاقی تعلیمات میں موافقت کی بنیاد پر الہامی کتاب تسلیم کیا جاسکتا ہے؟

المستفتی: اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اللہ تعالیٰ نے قرآن مقدس میں ارشاد فرمایا ہے:

وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ. [الرعد: ۷]

اس کا مقتضی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہندوستان میں بھی یہاں کی قوم پر ہدایت لے کر کسی نبی یا رسول کو بھیجا ہو؛ لیکن ان کے اوتاروں میں سے کسی کا متعین طور پر اللہ کی طرف سے مبعوث کردہ نبی ہونا ہمارے سامنے ثابت نہیں ہے اور جب تک ہمارے سامنے متعین طور پر ثابت نہیں ہوگا، تب تک ہم کسی اوتار کو نبی مرسل تسلیم نہیں کرسکتے،

اسی طرح ان کے ویدوں میں اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی پیشین گوئیاں بھی موجود ہیں؛ لیکن جب تک دلیل شرعی سے ان کی کسی کتاب کا آسمانی کتاب ہونا ثابت نہ ہوجائے، اس وقت تک ہم انہیں آسمانی کتاب نہیں کہہ سکتے۔

نیز اسی طرح ہم انہیں آسمانی کتاب ہونے کا نہ انکار کریں گے اور نہ ہی ثابت کریں گے اور یہی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات ہیں۔

حدیث پاک میں وارد ہوا ہے کہ تورات وانجیل میں یہود ونصاری نے تحریف کر رکھا ہے؛ اس لئے ان کے بارے میں مثبت یا منفی پہلو سے متعلق امت محمدیہ کوئی بات ثابت نہیں کرے گی۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۱/ ۱۴۸، جدید ۲/ ۴۲۷-۲۷۸)

اس سلسلے میں بخاری شریف کی روایت ملاحظہ فرمائیے:

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– قال: كان أهل الكتاب يقرؤون التوراة بالعبرانية ويفسرونها بالعربية لأهل الإسلام، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا تصدقوا أهل الكتاب ولا تكذبوهم، وقولوا: آمنا بالله ما أنزل.

(صحيح البخاري ٢/ ١١٢٥، رقم: ٧٢٤١، ف: ٧٥٤٢)

عیسائی اسکولوں میں تعلیم

سوال [۸]: (الف) اہل کتاب سے سماجی تعلقات کے سلسلہ میں دو باتیں خاص طور پر قابل توجہ ہیں: عیسائی مشنریز تعلیم پر خصوصی توجہ دیتی رہی ہیں اور پورے ملک میں ان کے اسکولوں کا جال بچھا ہوا ہے، یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ان اسکولوں سے پڑھ کر نکلنے والے طلبہ وطالبات کی ایک اچھی خاصی تعداد الحاد ودہریت کا شکار ہوجاتی ہے اور ان کے ذہن میں شکوک وشبہات کے کانٹے جڑ پکڑ لیتے ہیں، ان حالات میں مسلمان لڑکوں اور لڑکیوں کا ایسے اداروں میں داخلہ لینے

کا کیا حکم ہے؟ کیا مسلمانوں کو اپنے علاقہ میں ایسے اسکولوں کی حوصلہ افزائی کرنی چاہئے؛ تاکہ ان کے بچے عصری تعلیم سے آراستہ ہوسکیں اور ان کو روزگار کے مواقع حاصل ہوسکیں یا اس سے اجتناب کرنا چاہئے اور متبادل معیاری تعلیمی درسگاہوں کے قیام پر توجہ دینی چاہئے؟

المستفتی: اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عیسائی اسکولوں میں اگر عیسائی مشنریز تعلیم پر خصوصی توجہ دے رہی ہیں اور ان اسکولوں میں پڑھنے والے طلبہ وطالبات کو عیسائی مشنریز کے مطابق عیسائیت کا عقیدہ ان کے دلوں میں راسخ کیا جاتا ہے، جس سے طلبہ وطالبات کے عقائد کے بگڑنے کا سخت خطرہ ہوتا ہے، تو ایسے اداروں میں مسلمانوں کو اپنے بچوں کو تعلیم کے لئے داخل نہیں کرنا چاہئے؛ اس لئے کہ ایسے اسکولوں میں تعلیم کے لئے طلبہ کو داخل کرنے کا مطلب یہ ہوگا کہ دین وایمان کو خطرے میں ڈالنا ہے اور مسلمانوں کو چاہئے کہ اچھی معیاری عصری تعلیم کے لئے اپنا متبادل اسکول قائم کریں، تاکہ ان اسکولوں میں پڑھنے کے بعد مسلمان بچوں کا عقیدہ اپنی جگہ برقرار رہے۔ اور اگر کہیں عیسائی اسکول میں داخلہ کی ضرورت پڑ جائے تو اس کے ساتھ ساتھ ان بچوں کی اسلامی تعلیم کا نظم بھی چالو رہنا چاہئے کہ دیگر اوقات میں بچے دینی اسلامی تعلیم بھی ساتھ ساتھ حاصل کرتے رہیں، تاکہ ان کے عقائد نہ بگڑیں اور وہ اپنے عقائد پر مضبوطی سے قائم رہیں، ورنہ ماں باپ اپنے بچوں کو ایسے اسکول میں داخل کرکے ان کی آخرت برباد کرنے کے شکار بن جائیں گے، جس کی شریعت اجازت نہیں دیتی ہے اور یہود ونصاریٰ کی فکر یہی ہوتی ہے کہ وہ اسلام کی مخالفت کریں اور مسلمان اور دیگر اقوام انہیں کے دین کی اتباع کریں، اللہ تعالیٰ نے قرآن مقدس میں اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے، ملاحظہ فرمائیے:

وَلَنْ تَرْضَى عَنْكَ الْيَهُودُ وَلَا النَّصَارَى حَتَّى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ قُلْ إِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدَى وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ أَهْوَآئَهُمْ بَعْدَ الَّذِيْ جَآئَكَ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيْرٍ. [البقرة: ۲۰]

اس آیت شریفہ کے مقتضی سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ مسلمانوں کو اپنے بچوں کو ان کے اسکولوں میں تعلیم کے لئے داخل نہیں کرنا چاہئے۔ اور بچے اپنی فطرت کے اعتبار سے اسلام سے قریب ہوتے ہیں، مگر ماں باپ یہودی ماحول یہودی بنادیتے ہیں اور عیسائی ماحول عیسائی بنا دیتے ہیں اور مجوسی ماحول مجوس بنا دیتے ہیں اور ہندو ماحول ہندو بنا دیتے ہیں۔ حدیث شریف ملاحظہ فرمایئے:

عن أبي هريرة -رضي الله عنه- قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم: كل مولود يولد على الفطرة، فأبواه يهودانه أو ينصرانه أو يمجسانه. **الحديث** (صحيح البخاري ۱/ ۱۸۵، رقم: ۱۳٦۹، ف: ۱۳۸۵)

اجتماعی کفالت کے لئے زکوۃ جمع کرنا

سوال [۹]: (ب) اگر اہل کتاب خاتون سے نکاح کیا جائے تو اس کے کیا حقوق ہوں گے؟ کیا اس کے وہی حقوق ہوں گے جو مسلمان بیویوں کے ہیں؟ کیا نکاح کرنے کے بعد ان کے حقوق سے راہ فرار اختیار کرنے اور ان کو چھوڑ کر بھاگ آنے یا محض غیر مسلم ہونے کی بنا پر طلاق دے دینے کی اجازت ہوگی؟ جو اہل کتاب خواتین مسلمان مردوں کے نکاح میں ہوں وہ اپنے شوہر کے گھر میں مذہبی مراسم انجام دے سکتیں ہیں یا نہیں؟

المستفتی: اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر کوئی مسلمان کسی کتابیہ عورت سے

نکاح کرلے، تو مسلمان شوہر پر وہ تمام حقوق لازم ہوجاتے ہیں جو ایک مسلمان عورت سے شادی کرنے کے بعد لازم ہوتے ہیں؛ لہٰذا جس طرح ایک مسلم خاتون کے ساتھ نکاح کرنے کے بعد حقوق ادا کرنا لازم ہوتا ہے، اسی طرح تمام حقوق اس پر لازم ہوجائیں گے، نیز اگر دو بیویاں ہیں، ایک مسلمان دوسری کتابیہ، تو دونوں کے ساتھ برابری کا معاملہ کرنا بھی شوہر پر لازم ہوجاتا ہے، جو ذیل کی روایات سے واضح ہوتا ہے، ملاحظہ فرمائیے۔

''مصنف ابن ابی شیبہ'' میں اس بارے میں کئی روایات ہیں، ملاحظہ فرمائیے:

عن قتادة عن ابن المسيب والحسن في من يتزوج اليهودية والنصرانية على المسلمة قالا: يقسم بينهما سواء. (المصنف لابن أبي شيبة ۹/ ۷۴، رقم: ۱٦٣٥٢)

عن الزهري قال: قسمتهما سواء. (المصنف لابن أبي شيبة ۹/ ۷٤، رقم: ١٦٣٥٣)

عن إبراهيم قال: يقسم لها كما يقسم للحرة. (المصنف لابن أبي شيبة ۹/ ۷٤، رقم: ١٦٣٥٤)

عن الشعبي في الرجل يتزوج المسلمة واليهودية والنصرانية، قال: يسوى بينهما في القسمة من ماله ونفسه. (المصنف لابن أبي شيبة ۹/ ۷٤، رقم: ١٦٣٥٥)

اس کو ''قاضی خان'' میں ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا گیا ہے، ملاحظہ فرمائیے:

النفقة تتعلق بأشياء منها الزوجية والاحتباس، فتجب على الرجل نفقة امرأته المسلمة والذمية. (خانية على الهندية ١/ ٤٢٤، جديد ١/ ٢٥٤)

اس کو خانیہ میں مختصر الفاظ میں نقل فرمایا ہے، ملاحظہ فرمائیے:

والمسلمة والكتابية في القسم سواء. (خانية على الهندية ١/ ٤٣٩، جديد ١/ ٢٥٩)

اس کو ’’ہندیہ‘‘ میں ان الفاظ کے ساتھ نقل فرمایا ہے، ملاحظہ فرمایئے:

ویجوز نکاح الکتابیة علی المسلمة، والمسلمة علی الکتابیة، وهما في القسم سواء لاستوائهما في محلیة النکاح. (هندیة قدیم ۱/ ۲۸۲، جدید ۱/ ۳۴۷)

اس کو ’’البحر الرائق‘‘ میں ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا گیا ہے، ملاحظہ فرمایئے:

تجب النفقة للزوجة علی زوجها. (کنز الدقائق) وفي البحر: أطلق في الزوجة فشمل المسلمة والکافرة. (البحرالرائق، زکریا ٤/ ٢٩٣-٢٩٤)

نیز جب کتابیہ عورت مسلمان کے نکاح میں آجائے تو اس مسلمان کے ماتحت اوراس کے گھر میں رہتے ہوئے اپنے مذہبی رسوم ادا کرنا جائز نہیں ہے؛ لہٰذا شوہر کو حق ہے کہ وہ کنیسہ میں جانے سے روکے، اسی طرح گھر میں رہ کر کے اپنے مذہبی رسومات ادا کرنے سے روکے، جیسا کہ درج ذیل جزئیات سے واضح ہوتا ہے۔

اس کوکو ہندیہ میں ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا گیا ہے:

إذا تزوج المسلم الکتابیة فله منعها من الخروج إلی البیعة والکنیسة ومن اتخاذ الخمر في منزله، کذا فی النهر الفائق. (الهندیة قدیم ۱/ ۲۸۱، جدید ۱/ ۳٤۷)

وقال القدوري في النصرانیة تحت مسلم لا تنصب في بیته صلیبا وتصلی في بیته حیث شاء ت، کذا في المحیط. (هندیة قدیم ٥/ ٣٤٦، جدید ٥/ ٤٠١)

عیسائی مشنریز اداروں میں ملازمت

سوال [۹]: (ج) عیسائی مشنریز کثرت سے ہاسپٹل اور قرض مہیا کرنے والے ادارے بھی قائم کرتی ہیں، یہ ادارے خدمت خلق کے ساتھ ساتھ اپنے مذہب کی تبلیغ اور کم سے کم دوسروں کو ان کے مذہب سے دور کر دینے میں اہم

کردار ادا کررہے ہیں، ایسے اداروں میں خدمت کرنے اور ان کی خدمت سے استفادہ کرنے میں مسلمانوں کا کیا رویہ ہونا چاہئے؟

المستفتی: اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عیسائی مشنریز کے ادارے جس میں ہسپتال اور قرض مہیا کرنے کے ادارہ وغیرہ ہوں، اور ان اداروں میں خدمت خلق کے ساتھ ساتھ عیسائی مذہب کی تبلیغ ہوتی ہے، اور دوسروں کو ان کے مذہب سے دور کرکے اپنے عیسائی مذہب سے قریب کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اور مسلمانوں کو ان کے اپنے مذہب سے دور کرنے کا کردار ادا کیا جاتا ہے، تو ایسے اداروں میں کسی مسلمان کے لئے ان کی جماعت میں کردار ادا کرنے کے لئے ملازمت کرنا جائز نہیں ہوگا؛ ہاں البتہ اگر کوئی مسلمان عالم دین اسلام کی تبلیغ کی خاطر ایسے اداروں میں رہ کر اسلام کی تبلیغ کرتا ہے، تو اس کی گنجائش ہوسکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مقدس کے اندر معصیت پر تعاون سے ممانعت فرمائی ہے، ملاحظہ فرمائیے:

وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ. [المائدة: ۲]

اور ’’حجۃ اللہ البالغۃ‘‘ میں اس کو ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

أقول: يحرم طلب العلم الديني لأجل الدنيا، ويحرم تعليم من يرى فيه الغرض الفاسد لوجوه، منها: أن مثله لا يخلو غالبا من تحريف الدين لأغراض الدنيا بتأويل ضعيف، فوجب سد الذريعة. (رحمة الله الواسعة شرح حجة الله البالغة، مكتبه حجاز ديوبند ۳/ ۱۳۳)

فصديق الإنسان من يسعى في عمارة آخرته وإن كان فيه ضررا

لـدنيـاه، وعدوه من يسعى في غارة آخرته وإن كان فيه نفع لدنياه، وقد قال الله تـعالىٰ: ﴿وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ. [المائدة: ۲] ﴾ (مـجالس الأبرار، ص: ۵۳۱، المجلس الخامس وثمانون، بحواله فتاوی محمودیه میرٹھ ۶/ ۴۶)

❁❁❁

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا أَبَدًا ☆ عَلٰى حَبِيْبِکَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

اَللّٰهُ أَكْبَر كَبِيْرًا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيْرًا وَسُبْحَانَ اللّٰهِ بُكْرَةً وَأَصِيْلاً. الحديث

(المعجم الكبير ۲/ ۱۳۵، برقم: ۱۵۷۰)

(مفتی) شبیر احمد قاسمی

خادم الحدیث والافتاء جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد (یو-پی)

بروز سنیچر ۷ /ربیع الاول ۱۴۳۷ھ

(۱۶) باب المال الحرام ومصرفه

مال حرام کا ایک لقمہ کھانے سے نماز کی قبولیت کا حکم

سوال[۱۰۹۱۳]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مال حرام کا ایک لقمہ اگر کھالے، تو اس سے اس شخص کا چالیس دن کا کوئی عمل قبول نہیں ہوگا، اس عمل سے فرض نماز مراد ہے یا تمام اعمال فرائض ونوافل سب مراد ہیں؟

المستفتی: راغب حسین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: لقمہ حرام کی وجہ سے چالیس روز کا عمل قبول نہ ہونے کی روایت ذیل میں درج ہے۔

عن ابن عباسؓ، قال: تليت هذه الآية عند رسول الله صلى عليه وسلم: يا ايهاالناس كلوا مما في الأرض حلالا طيباً، فقام سعد بن أبي وقاصؓ فقال: يا رسول الله صلى الله عليه وسلم أدع الله أن يجعلني مستجاب الدعوة، فقال له النبي صلى الله عليه وسلم: يا سعد! أطب مطعمك تكن مستجاب الدعوة، والذي نفس محمد بيده، إن العبد ليقذف اللقمة الحرام في جوفه ما يتقبل منه عمل أربعين يوماً، وأيما عبد نبت لحمه من السحت، والربا فالنار أولىٰ به. (المعجم الأوسط، دارلفكر٥/ ٣٤، رقم: ٦٤٩٥)

اوراس حدیث میں چالیس روزتک عمل قبول نہ ہونے میں فرائض ونوافل سب شامل ہیں اورقبول نہ ہونے سے مراد ذمہ سے ساقط ہونے کے بعد اللہ کے یہاں سے قبولیت کا جواجر وثواب ملتاہے، وہ نہیں ملے گا، مگر ذمہ سے ساقط ہوجائے گا، فرائض ونوافل سب شامل

کی حدیث بخاری **لا یقبل الله صرفا و لا عدلا** کے تحت فتح الباری میں ہے۔

واختلف تفسيرها، فعند الجمهور الصرف الفريضة والعدل النافلة.

(فتح الباري، باب حرم المدينة، دارالفكر ٤/٨٦، اشرفيه ديوبند ٤/١٠٦، تحت رقم الحديث: ١٨٧٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱/ ذی قعدہ ۱۴۲۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶/ ۸۴۶۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۲/۱۱/ ۱۴۲۴ھ

طالب علم کا اپنے ساتھی کی چیز بلا اجازت استعمال کرنا

سوال [۱۰۹۱۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید ایک مدرسہ کا متعلم تھا، دوران تعلیم جیسا کہ بعض طلبہ کی عادت ہوتی ہے کہ مذاق میں اس نے اپنے بعض ساتھیوں کی کھانے پینے کی معمولی اشیاء بنا ان کی اجازت کے کھالی اور اس بات کو ایک عرصہ گذر گیا ہے۔ اب زید کو یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ ساتھی کہاں ہیں؟ وہ چاہتا ہے، ان اشیاء کی قیمت ادا کرے اس کے تدارک کی کیا شکل ہوگی؟

المستفتی: عبدالقادر بجنوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: وہ ساتھی کہاں ہے، معلوم نہیں ہے، تو اس کی نیت کرکے تخمینہ سے کچھ زائد رقم صدقہ کردیں۔

من اكتسب مالا بغير حق، فأما أن يكون كسبه بعقد فاسد كالبيوع الفاسدة، أو الاستئجار على المعاصي، أو السرقة.....ففي جميع الأحوال، المال الحاصل له حرام عليه.....ويجب عليه أن يرده على مالكه إن وجد المالك، وإن لم يجد المالك ويريد أن يدفع مظلمته عن نفسه.....فليس له حيلة إلا أن يدفعه إلى الفقراء. (بذل المجهود، باب فرض الوضوء،

سہارنپور ۱/۳۷، دار البشائر الإسلامية ۱/۳۵۹، تحت رقم الحديث: ۵۹، البحرالرائق، زکریا۸/۳۶۹، کوئٹہ۸/۲۰۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲رصفر المظفر ۱۴۱۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۳/ ۵۶۲۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۲/۱۲ھ

مال حرام میں تعدی پائی جاتی ہے یا نہیں؟

سوال [۱۰۹۱۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بکر کی بالکلیہ کمائی اور رقم حرام طریقے کی ہے، اس نے وہی حرام رقم اپنے داماد زید کو دی، زید نے اسی رقم کے ذریعہ ایک جائز دھندہ کیا۔ مذکورہ زید کے لڑکے کیساتھ میں اپنی لڑکی کا رشتہ کرنا چاہتا ہوں، اس سلسلے میں شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے؟ یہ رشتہ میرے لئے ازروئے شرع مناسب ہے یا نہیں؟ جو بھی حکم ہو واضح طور پر باحوالہ کتب معتبرہ سے نوازیں۔

المستفتی: وصی احمد بستوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: حرام مال کے منتقل ہونے کے بارے میں حکم یہ ہے کہ بعینہ وہی حرام مال دوسرے کی ملکیت میں پہونچنے کے بعد بھی حرام رہتا ہے؛ لہٰذا اس مال کو دوسرا شخص بھی جان بوجھ کر استعمال کرے گا، تو حلال نہ ہوگا؛ لیکن اگر دوسرا آدمی اس مال کو فروخت کر کے اس کے عوض میں دوسری چیز حاصل کرتا ہے، تو حاصل شدہ چیز حرام نہیں ہوئی؛ بلکہ صرف مکروہ ہوتی ہے؛ کیونکہ استہلاک کے بعد حکم میں تبدیلی آجاتی ہے؛ لہٰذا داماد نے سسرال سے آئے ہوئے پیسہ کا استہلاک کر دیا ہے اور جائز تجارت میں لگا کر عین مال حرام ہلاک کر کے اس کے عوض میں دوسرے منافع حاصل کئے ہیں؛ اس لئے دوسرے منافع اس کے حق میں حرام نہیں ہیں؛ بلکہ وہ حلال ہیں صرف کراہت کے درجہ میں ہیں، جیسا کہ نائی

کی کمائی ہے؛ لہٰذا آپ اپنی لڑکی کی شادی زید کے لڑکے کے ساتھ کر سکتے ہیں۔

إذا غصب حنطة فزرعها، أو نواة فغرسها غير أن عند أبي يوسفؒ يباح الإنتفاع فيهما قبل أداء الضمان لوجود الاستهلاک من كل وجه. (هداية، كتاب الغصب، فصل فيما يتغير بفعل الغاصب اشرفي ديو بند ٤/٣٧٧)

إمرأة زوجها في أرض الجور إذا أكلت من طعامه ولم يكن عينه غصباً، أو اشترىٰ طعاماً، أو كسوة من مال أصله ليس بطيب فهي فى سعة من ذلک والإثم على الزوج. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، زكريا ٩/٥٥٣-٥٥٤، كراچي٦/٣٨٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸؍ ذی الحجہ ۱۴۱۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۳؍ ۵۵۶۷)

مالک معلوم نہ ہونے کی صورت میں چوری کے مال کا مصرف

سوال [۱۰۹۱۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے اپنی کم عقلی کی وجہ سے اگر کسی کا مال چوری کرلیا یا پیسے چوری کر لیئے اوراس رقم کو اپنے کسی ذاتی کام میں استعمال کرلیا اور مال کو بھی خرچ کرلیا اور بعد میں وہ شرمندہ ہوکر یہ چاہتا ہے کہ اس کا بدلہ دنیا ہی کے اندر ادا کردے تاکہ آخرت کی رسوائی سے بچ جائے اور جس کا مال چوری کیا ہے، اس کو زید کا پتہ بھی نہ نکلے تو کیا ایسا کوئی راستہ شریعت کے اندر ہے؟

المستفتی: عبدالرحمٰن، غازی آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: چوری کا مال یا روپیہ وغیرہ جو چیز بھی ہو، اگر مالک کا پتہ نہ ہو، تو وہ مال یا اتنی مقدار روپیہ بلانیت ثواب فقراء ومساکین پر اپنے ذمہ

سے گناہ ساقط ہونے کی نیت سے صدقہ کرسکتا ہے۔

كما في البذل: صرح الفقهاء: بأن من اكتسب مالا بغير حق، فإما أن يكون كسبه بعقد فاسد-أو بغير عقد كالسرقة، والغصب، والخيانة، والغلول، ففي جميع الأحوال، المال الحاصل له حرام عليه؛ ولكن إن أخذه من غير عقد لم يملكه و يجب عليه، أن يرده على مالكه إن وجد المالك وإلا ففي جميع الصور يجب عليه أن يتصدق بمثل تلك الأموال على الفقراء. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارن پور ١/٣٧، دارالبشائر الإسلامية، ١/٣٥٩، تحت رقم الحديث: ٥٩، شامي، زكريا ٩/٥٥٣، كراچي ٦/٣٨٥)

وفي العرف الشذي: وأما رجاء الثواب من نفس المال فحرام بل ينبغي لمتصدق الحرام...... تخليص رقبة ولا يرجوا الثواب منه؛ بل يرجوه من ايتماره أمر الشارع. (العرف الشذي، على هامش الترمذي، النسخة الهندية ١/٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲ رصفر المظفر ۱۴۱۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۶۷۶/۳۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۷/۲/۲۲ھ

زائد تول کے ذریعہ جمع شدہ رقم حلال نہیں

سوال [۱۰۹۱۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے عمر کے ساتھ گنے کی تجارت کی تھی، عمر جب گنے کے کاشتکاروں سے خریدتا تھا، تو زائد وزن تول لیتا تھا، اس میں کاشتکار کا نقصان بھی ہوتا ہے اور قیمت وزن کے برابر ہی ادا کرتا تھا، اس طرح پر زید کے حصہ میں آئی ہوئی رقم ایک ہزار کے قریب ہوگی اوران کاشتکاروں کا پتہ لگانا بھی دشوار کن مسئلہ ہے، شریعت کی نظر میں یہ عمل کیسا ہے؟ اوراس

عمل قبیح سے کسی طرح دست برداری ہوسکتی ہے؟ جس وقت یہ تجارت کی گئی تھی، اس وقت زید کو اتنا علم بھی نہ تھا، شریعت کا حکم کیا ہے؟ مہربانی فرما کر مذکورہ تینوں سوالوں کے جوابات صاف واضح انداز میں دینے کی زحمت فرما کر احسان عظیم فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

المستفتی: اجمل علی، ساکن زادت پور، کانٹ، شاہجہاں پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید نے زائد تول کے ذریعہ جو رقم اکٹھا کی ہے، وہ اس کے لئے حلال نہیں اس رقم کو اصل مالک تک پہنچانا ضروری ہے، اگر اصل مالک تک رسائی ممکن نہیں ہے، تو بلا نیت ثواب اتنی رقم فقیروں اور غریبوں پر خرچ کردے۔

من اكتسب مالا بغير عقد كالسرقة، والغصب، والخيانة، والغلول، ففي جميع الأحوال المال الحاصل له حرام عليه؛ ولكن إن أخذه من غير عقد لم يملك ويجب عليه أن يرده على مالكه إن وجد المالك، وإلا ففي جميع الصور يجب عليه أن يتصدق بمثل تلك الأموال على الفقراء. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارن پور ۱/۳۷، دار البشائر الإسلامية، ۱/۳۵۹، تحت رقم الحديث: ۵۹، الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٤/٢٤٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷/۸۰۶۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۵/۲۸ھ

اسکول میں پروگرام کے حیلہ سے ڈرائیوروں سے جبراً روپیہ وصول کرنا

سوال [۱۰۹۱۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے طالب علمی کے زمانہ میں کذب بیانی کرکے بیریل پر گاڑی

روک کر ڈرائیوروں سے اسکول میں پروگرام کے حیلہ سے جبرا روپئے وصولے؛ حالانکہ اسکول میں کسی طرح کا کوئی پروگرام نہیں ہوتا تھا، اس وقت زید کی عمر تقریباً پندرہ سال تھی، بنظر شرع یہ عمل کیسا ہے؟ اور اس کی تلافی کی کیا صورت ہوسکتی ہے؟ اور یہ رقم تقریباً ہزار آٹھ سو روپیہ کے قریب ہوگی۔

المستفتی: اجمل علی، ساکن زادت پور، کانٹ، شاہجہاں پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: زید نے زمانۂ طالب علمی میں دھوکہ دے کر جتنے پیسے حاصل کئے، وہ اس کے لئے جائز نہیں، وہ پیسے ان لوگوں تک پہنچانا ضروری ہے، جن سے وصول کیا تھا، اگر اصل مالک نہ ملے، تو بلانیت ثواب اتنا پیسہ فقیروں اور مسکینوں پر صرف کردے، یہی تلافی کی صورت ہے۔

إن أخذه من غير عقد لم يملك ويجب عليه أن يرده على مالكه إن وجد المالك وإلا ففي جميع الصور يجب عليه أن يتصدق بمثل تلك الأموال على الفقراء. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارن پور ۱/۳۷، دارالبشائر الإسلامية، ۱/۳۵۹، تحت رقم الحديث: ۵۹، تبيين الحقائق، امدادية ملتان ۶/۲۷، زكريا ۷/۶۰، هندية، زكريا قديم ۵/۳۴۹، جديد ۵/۴۰۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۸۰۶۵/۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۵/۲۸ھ

(۱۷) باب الأدب

کتے کو بسم اللہ پڑھ کر روٹی دینا

سوال [۱۰۹۱۹]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کتے کو روٹی دیتے وقت بسم اللہ پڑھتے ہیں، تب روٹی دیتے ہیں، بہت سے حضرات بسم اللہ کہہ کر روٹی دیتے ہیں، یہ طریقہ جائز ہے یا نہیں؟ اس کا جواب تحریر فرمائیں۔

المستفتی: امین الدین، نرائن پور، پوسٹ: موہن پور، نجیب آباد بجنور (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کتا منجملہ درندوں میں سے ایک درندہ ہے اور شوقیہ طور پر اس کا پالنا بھی جائز نہیں ہے اور جب اس کا پالنا امر مذموم اور ممنوع ہے، تو کھلا پلا کر اس کو مانوس کرنا عمدہ اور بہتر کام نہیں ہے اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو کام عمدہ اور بہتر ہوتا ہے، اس میں بسم اللہ پڑھنا مسنون ہے، جیسا کہ کھانا کھانا، مسجد میں داخل ہونا، قرآن کریم کی تلاوت کرنا وغیرہ اس کے برخلاف قضاء حاجت کے لئے بیت الخلاء میں داخل ہونا عمدہ اور افضل کام نہیں ہے؛ اس لئے اس وقت بسم اللہ پڑھنا بھی مسنون نہیں ہے، تو ایسے ہی کتے کو روٹی ڈالتے وقت بسم اللہ پڑھنا بھی مسنون نہیں ہوگا۔ حدیث شریف ملاحظہ فرمائیں۔

قال رسول الله صلى الله عليه كل أمر ذي بال لا يبدأ فيه بذكر الله وببسم الله الرحمن الرحيم فهو أقطع. (عمدة القاري كتاب بداء الوحي، زكريا ۳۳/۱، دار احياء التراث العربي ۱۱/۱، مرقاة المفاتيح، مكتبه امداديه ملتان ۳/۱،

كتاب الأذكار للنووي ٩٦، رقم: ٣٣٥، دار الكتب العلمية) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍صفر المظفر ۱۴۲۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶؍۷۱۹۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۲/۹ھ

امرد سے خدمت لینا

سوال [۱۰۹۲۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ امرد سے خدمت لینا اس زمانہ کے لحاظ سے کیسا ہے؟

المستفتی: طاہر حسین فاضل پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: امرد سے جسمانی خدمت لینا فتنہ سے خالی نہیں ہے؛ اس لئے علماء نے اس سے ممانعت فرمائی ہے۔

وفتنة الأمرد ظاهرة لا يحتاج إلى خبر، وقد أفتى الشيخ محي الدين النووي بمنع النظر إليه سواء كان بشهوة، أو بغير شهوة......قلت الأولىٰ في هذا الزمان أن يفتي بقول الشيخ محي الدين لظهور الفسق، والشناعة بين الناس. (البناية، كتاب الكراهية، فصل في الوطء والنظر واللمس اشرفيه ديوبند ١٢/ ١٣٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍ذی قعدہ ۱۴۱۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱؍۴۲۱۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/۱۱/۲۰ھ

اچھے کاموں میں دائیں ہاتھ کا استعمال کرنا

سوال [۱۰۹۲۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ خوردونوش کے علاوہ دیگر اشیاء کے اخذ وتناول میں آیا استعمال یمین مسنون ہے؟

المستفتی: روح الامین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: ہر اچھا کام دائیں ہاتھ سے کرنا مسنون ہے، اسی طرح دائیں ہاتھ سے پکڑنا مسنون ہے۔

عن عائشة رضـ قالت: كان النبي صلى الله عليه وسلم: يحب التيمن ما استطاع في طهوره وتنعله، وترجله. (صحيح البخاري، باب التيمن في الأكل وغيره، النسخة الهندية ۲/ ۸۱۰، رقم: ۵۱۷۱، ف: ۵۳۸۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍صفر المظفر ۱۴۱۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۵۶۱۹/۳۳)

رات میں ناخن تراشنے کا حکم

سوال [۱۰۹۲۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ رات میں ناخن تراشنا خلاف مسنون اور باعث کراہت ہے؟

المستفتی: روح الامین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: رات میں ناخن تراشنا مکروہ نہیں ہے۔

سأل أبا يوسف رحـ عن قص الأظافير في الليل، فقال: ينبغي، فقال: ما الدليل على ذلک؟ فقال قوله عليه السلام: الخير لا يؤخر. (هندية، الباب التاسع عشر، زكريا قديم ۵/۳۵۸، جديد ۵/۴۱۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍صفر المظفر ۱۴۱۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۵۶۱۹/۳۳)

کیا مجمع عام میں چھینکنے والے کا جواب دینا لازم ہے؟

سوال[۱۰۹۲۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بعض لوگ مجمع عام میں چھینکنے کے بعد زوردار آواز سے الحمدللہ پڑھتے ہیں، ایسا کرنا کیا درست ہے؟ اور مجمع عام کے ہرایک پر چھینک کا جواب دینا لازم ہے، اگر لازم ہے، تو چھینکنے والے کو سنا کر یا دل میں؟

المستفتی: محمد مشتاق، نورپوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مجمع عام میں چھینک آنے پر باآواز بلند الحمدللہ پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے اور تمام سامعین پر چھینک کا جواب دینا ضروری نہیں ہے؛ بلکہ ایک شخص جواب دیدے تو سب کی طرف سے کافی ہوجائے گا؛ البتہ افضل یہ ہے کہ تمام سامعین جواب دیں تاکہ ظاہر حدیث پر عمل ہوجائے۔ نیز چھینک کا جواب سنانا ضروری ہے، محض دل میں جواب دینا کافی نہیں ہے۔

عن أبي هريرة رضـ، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: إن الله يحب العطاس ويكره التثاؤب،فإذا عطس فحمد الله، فحق على كل مسلم سمعه أن يشمته. (بخاري، باب ما يستحب من العطاس، ومايكره من التثاؤب، النسخة الهندية ٢/٩١٩، رقم:٥٩٨٢، ف:٦٢٢٣)

وينبغي للعاطس أن يرفع صوته بالتحميد حتى يسمع من عنده فيشمته، ولوشمته بعض الحاضرين أجزأ عنهم والأفضل أن يقول كل واحد منهم بظاهر الحديث. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، باب الإستبراء وغيره، زكريا٩/٥٩٤، كراچي ٦/٤١٤)

لا يسقط فرض جواب السلام إلا بالإسماع كما لايجب

إلابالإسماع، ولوكان المسلم أصم ينبغي أن يريه تحريك شفتيه، وكذلك جواب العطيسة. (هندية، الباب السابع في السلام وتشميت العاطس، زكريا قديم ٥/٣٦٦، جديد ٥/٣٧٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲ر صفر المظفر ۱۴۳۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۸۷۸/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۲/۲ھ

کیا داہنی کروٹ پر ہی اٹھنا سنت ہے؟

سوال [۱۰۹۲۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نیند سے جاگ کر بستر سے کیا داہنی کروٹ پر اٹھنا سنت ہے، جیسا کہ داہنی کروٹ پر سونا سنت ہے؟

المستفتی: ہارون رشید کرناٹکی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: حدیث پاک سے داہنی کروٹ پر سونا تو ثابت ہے، مگر داہنی کروٹ ہی پر اٹھنا ثابت نہیں ہے۔

عن البراء بن عازبؓ، قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا آوىٰ إلى فراشه نام على شقه الأيمن، ثم قال اللهم أسلمت نفسي إليك الخ. (صحيح البخاري، باب النوم على الفسق الأيمن،النسخة الهندية ٢/٩٣٤، رقم: ٦٠٧٠، ف: ٦٩١٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵ر جمادی الثانیہ ۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۶۲۰۵/۳۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۶/۱۵ھ

قبلہ کی طرف پشت کر کے بیٹھنا

سوال [۱۰۹۲۵]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کوئی آدمی مسجد کے اندر قبلہ رخ کرنے کے بجائے ہمیشہ یا اکثر پورب کی طرف منھ کر کے بیٹھے اور تسبیح پڑھے یا خاموش بیٹھے تو کیا یہ ناجائز یا مکروہ ہے؟ وضاحت سے جواب تحریر فرمائیں۔

المستفتی: عابد حسین، محلّہ نیو بستی انصار کلاں، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مسئلہ مسائل یا تقریر وغیرہ کے لئے قبلہ کی طرف پشت کر کے پورب کرتا ہے، تو صرف خلاف اولیٰ ہے قابل ملامت نہیں ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۴/ ۵۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱/ صفر المظفر ۱۴۱۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۸/ ۳۰۱۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۳/۲/۱۱ھ

غصہ کا علاج

سوال [۱۰۹۲۶]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرے ایک عزیز ہیں جن کا نام شیخ احمد ہے جن کی عمر ۶۴/ سال ہے اور تندرستی ٹھیک ہے، تعلیم اردو عربی سے ماہر ہیں اور احمد نگر ضلع کے اردو بورڈ کے صدر کی جگہ پر فائز ہیں، ان کی تندرستی دن بدن گرتی جارہی ہے۔

(۲) طبیعت میں چڑ چڑا پن ہوگیا ہے، بھوک بہت لگتی ہے، مگر کھانے کو بیٹھنے پر پیٹ بھرا معلوم ہوتا ہے، کھانا دو چار لقمہ کے بعد ہی بند کر دیتے ہیں، پانچ وقت کی نماز پابندی سے

پڑھتے ہیں، تلاوت کا سلسلہ ہمیشہ رہتا ہے، مگر اب دن بدن کوئی بھی بات بہت جلد بھول جاتے ہیں اور بات بات پر غصہ بہت بڑھ جاتا ہے، پوری زندگی صبر اور سکون میں گذری ہے، مگر آج کل یہ حالت ہے اللہ جانے یہ کیوں ہو رہا ہے، آپ کوئی راستہ ضرور بتائیں۔

المستفتی: ملا محمد قاسم، احمد نگر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ہم تعویذ گنڈے کا کام نہیں کرتے ہیں؛ البتہ غصہ ختم کرنے کے لئے حدیث شریف میں ایک علاج بتلایا گیا ہے کہ جب غصہ آئے تو کسی ترکیب سے ان کو لٹا دیا کریں۔

عن أبي سعيدؓ قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: اتقوا الغضب، فإنها جمرة توقد في قلب ابن آدم، ألم تر إلى انتفاخ أوداجه وحمرة عينيه، فمن أحسن من ذلك شيئاً، فليلزق بالأرض.

(المصنف لابن أبي شيبة، واذكر في الغضب......مؤسسه علوم القرآن ۱۳/۶۵، رقم: ۲۵۸۹۳، مسند أحمد بن حنبل ۳/۶۱، رقم: ۱۱۶۰۸، سنن الترمذي، باب ما أخبر النبي صلى الله عليه وسلم أصحابه بما هو كائن إلى يوم القيامة، النسخة الهندية ۲/۴۳، دارالسلام رقم: ۲۱۹۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴ر جمادی الاولیٰ ۱۴۱۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۲/۴۸۲۱)

دوسروں سے جسمانی خدمت لینے کے احکام

سوال [۱۰۹۲۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) جسمانی خدمت لینا ہاتھ پاؤں وغیرہ دوسروں سے دبوانا کیا نبی کریم صلی

اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے؟ اگر ثابت ہے تو مدلل و باحوالہ تحریر فرمائیں اور اگر ثابت نہ ہو، تو اس کا شرعی حکم رقم فرمائیں۔

(۲) بصورت جواز وثبوت جسمانی خدمت لینے کا مسنون طریقہ اور یہ کہ کن کن لوگوں سے یہ خدمت لی جاسکتی ہے؟

(۳) اور جسم کے وہ اعضاء جن کا دوسروں کے سامنے کھولنا جائز نہیں ہے، ان کے دبوانے کا کیا حکم ہے؟ مدلل تحریر فرمائیں۔

المستفتی: خورشید انور القاسمی، مدرس مدرسہ شاہی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) ہاتھ پاؤں وغیرہ دوسروں سے دبوانا حضور ﷺ سے کسی حدیث میں خاکسار کی نظر سے نہیں گذرا ہے؛ البتہ عمل صحابہ اور عبارات فقہاء سے خوف فتنہ سے حفاظت کی شرط کے ساتھ ثابت ہے؛ چنانچہ حضرت عبد اللہ بن الزبیرؓ ایک بوڑھی عورت سے اپنا پیر دبوایا کرتے تھے۔

وعبد الله بن زبيرؓ، استأجر عجوزا، لتمرضه وكانت تغمز رجله.

(هداية، كتاب الكراهية، فصل في الوطء والنظر والمس، اشرفي ٤/٤٥٩)

(۲) اگر اپنی اولاد ہو، تو علی الاطلاق ہر ایک سے دبوانا جائز ہے، چاہے باریش ہو یا بے ریش؛ اس لئے کہ اس میں کوئی فتنہ نہیں ہے۔

يغمز الرجل رجل والديه. (عالمگيري، الباب الثامن، زكريا قديم ٥/٣٢٨، جديد ٥/٣٨٠، المحيط البرهاني، المجلس العلمي ٨/١٢٣، رقم: ٩٧٣٤)

اور اگر اولاد نہیں ہیں، تو باریش مرد کامل سے دبوانا جائز ہے اور بے ریش امرد سے سے دبوانا جائز نہیں ہے۔

وفتنة الأمرد ظاهرة ولايحتاج إلى خبر وقد أفتى الشيخ محى الدين النووي يمنع النظر إليه سواء كان بشهوة، أو بغير شهوة (إلى قوله) الأولىٰ

فـي هـذا الزمان أن يفتي بقول الشيخ محي الدين بظهو ر الفسق، والتنازعة بين الناس. (بنايه، فصل في الوطء والنظر والمس، اشرفية ١٢/١٣٤، قديم ٤/٢٦٦)

(۳) صرف پنڈلی کھول کر دبوانے کی گنجائش ہے، اور ران کھولنا ناجائز اور حرام ہے اور اگر ران دبوانے کی ضرورت ہو اور فتنہ کا بھی کوئی خطرہ نہ ہو، تو کپڑے کے اوپر سے دبوانے کی گنجائش ہے۔

لابأس بأن يغمز الرجل الرجل إلى الساق (وقوله) يبيح أن يغمز الفخذ ويمسها وراء الثوب وغيرها. (عالمگيري، الباب الثامن، زكريا جديد ٥/٣٨٠، قديم ٥/٣٢٨، المحيط البرهاني، المجلس العلمي ٨/١٢٣، رقم: ٩٧٣٤)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵ ربیع الاول ۱۴۱۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۷/ ۲۵۹۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۵/۳/ ۱۴۱۲ھ

معذوروں اور بوڑھوں کے حقوق کا تحقیقی جائزہ

معذوروں اور بوڑھوں کے حقوق سے متعلق فقہ اکیڈمی کی طرف سے ۹؍سوالات پر مشتمل سوال نامہ آیا ہوا ہے، ہر ایک سوال وجواب کو الگ الگ عنوانات کے ساتھ درج کرکے جوابات پیش کیے گئے ہیں، جو ترتیب وار ذیلی سرخیوں میں آرہے ہیں، ملاحظہ فرمایئے:

والدین کسی قدر کسب معاش پر قادر ہوں تو ان کا نفقہ اولاد پر لازم ہے یا نہیں؟

سوال [۱]: اگر کوئی شخص بڑھاپے کی عمر کو پہنچ گیا؛ لیکن اتنا کمزور نہیں ہے کہ کسب معاش نہ کرسکے، کسی قدر مشقت کے ساتھ ہی سہی وہ کما کر خود اپنی ضرورت پوری کرسکتا ہے، تو کیا ایسے شخص کو اس کی اولاد یا اعزہ واقارب جن کے ذمہ اس کا نفقہ واجب ہے کسب معاش پر مجبور کرسکتے ہیں؟

المستفتی: فقہ اکیڈمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر والدین اور عمر رسیدہ کمزور شخص کسب معاش پر قادر نہ ہوں اور وہ ضرورت مند ہوں، تو ان کے چھوٹوں پر ان کا نفقہ لازم اور واجب ہوتا ہے، اگر حقیقی اولادیں ہیں تو ان پر واجب ہوتا ہے۔ اور اگر حقیقی اولادیں نہیں ہیں، تو قریبی اعزہ پر ان کا نفقہ لازم ہوتا ہے، جیسا کہ بھائی بھتیجے وغیرہ۔

اور اگر عمر رسیدہ کمزور شخص کسی قدر کسب معاش پر قادر ہو اور ضرورت مند ہو اور اس کی اولاد خوش حال ہو اور کمانے پر اچھی طرح قادر ہو، تو ایسی حالت میں امام شمس الائمہ سرخسی اور امام شمس الائمہ حلوانیؒ کے درمیان اختلاف ہے، امام شمس الائمہ سرخسیؒ فرماتے ہیں کہ باپ

کے کسب معاش پر قادر ہونے کے باوجود بیٹے کو باپ کا خرچہ دینے پر مجبور کیا جائے گا اور بیٹے پر لازم ہے کہ باپ کو آرام کا موقع دے اور اس کا سارا خرچ بیٹا ادا کرے اور اس کے برخلاف شمس الائمہ حلوائیؒ فرماتے ہیں کہ باپ اگر کسب معاش پر قادر ہو تو بیٹے کو باپ کا نفقہ ادا کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا؛ بلکہ بیٹے کو اختیار دیا جائے گا کہ چاہے تو باپ کو آرام کا موقع دے دے اور سارا خرچ بیٹا اپنے ذمہ لے لے اور چاہے تو خرچ ادا نہ کرے اور باپ اپنی کمائی کی محنت سے گذارا کرے۔ اور شمس الائمہ حلوائیؒ کی رائے کے مطابق یہ بات سامنے آتی ہے کہ بیٹا باپ کو کسب معاش پر مجبور کرسکتا ہے؛ لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ باپ اگر کسی قدر کسب معاش پر قادر ہو تو باپ کو کسب معاش پر مجبور نہیں کیا جائے گا؛ بلکہ اولاد اپنی کمائی کے ذریعہ سے باپ کا خرچ ادا کرے اور باپ کو آرام کا موقع دے، تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شمس الائمہ سرخسیؒ کی بات زیادہ راجح ہے اور وہی مفتی بہ قول معلوم ہوتا ہے اور یہی ظاہر الروایت بھی ہے۔

اس سلسلے میں پہلے حدیث شریف ملاحظہ فرمائیے:

عن عائشة –رضي الله عنها– قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن أولادكم هبة الله لكم ﴿يَهَبُ لِمَنْ يَشَآءُ اِنَاثًا وَيَهَبُ لِمَنْ يَشَآءُ الذُّكُوْرَ﴾ [الشورى: ٤٩] **فهم وأموالهم لكم إذا احتجتم إليها.** (السنن الكبرى للبيهقي، دارالحديث القاهرة ٨/ ١١٥، رقم: ١٥٧٤٥)

عن عائشة –رضي الله عنها– قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن أطيب ما أكلتم من كسبكم، وإن أولادكم من كسبكم. (ترمذي شريف ١/ ٢٥٢، رقم: ١٣٥٨)

عن عائشة –رضي الله عنها– قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن أطيب ما أكل الرجل من كسبه، وإن ولده من كسبه. (نسائي شريف ٢/ ١٨٦، رقم: ٤٤٥٧)

اس کو ''تاتارخانیہ'' میں اس طرح کے الفاظ میں نقل کیا گیا ہے، ملاحظہ فرمایئے:

ثم يفرض على الابن نفقة الأب إذا كان الأب محتاجا والابن موسرا، سواء كان الأب قادرا على الكسب أو لم يكن، وذكر شمس الأئمة السرخسي في شرح أدب القاضي للخصاف: أن الأب إذا كان كسوبا والابن أيضا كسوب يجبر الابن على الكسب فى نفقة الأب، وذكر شمس الأئمة الحلواني في شرح أدب القاضي للخصاف: أنه لا يجبر الابن على نفقة الأب إذا كان الأب قادرا على الكسب، واعتبره بذي الرحم المحرم، فإنه لا يستحق النفقة في كسب قريبه ولا على قريبه الموسر إذا كان هو كسوبا، وفي الفتاوى الخلاصة: وفي الأصل إذا كان الأب والابن معسرين لا تجب على أحدهما نفقة الآخر. (الفتاوى التاتارخانية ٥/ ٤٢٥-٤٢٦، رقم: ٨٣٦٧)

اس کو ''مجمع الانہر'' میں ان الفاظ سے نقل کیا گیا ہے، ملاحظہ فرمایئے:

تجب على الموسر نفقة أبويه وأجداده وجداته ...... سواء كانوا قادرين على الكسب أو لا، قيل: هو ظاهر الرواية، وقال الحلواني: الابن الكاسب لا يجبر على نفقة الأب الكاسب؛ لأنه كان غنيا باعتبار الكسب فلا ضرورة في إيجاب النفقة على الغير، وفي الفتح: يجبر الموسر على نفقة أحد من قرابته إذا كان رجلا صحيحا وإن كان لا يقدر على الكسب إلا في الوالد خاصة. (مجمع الأنهر ٢/ ١٩٥-١٩٦)

اس کو ''بنایہ شرح ہدایہ'' میں کافی واضح الفاظ سے نقل کیا گیا ہے، ملاحظہ فرمایئے:

واستدل شمس الأئمة السرخسي في شرح الكافي بقوله تعالى: ''فلا تقل لهما اف'' [الإسراء: ٢٣] وقال: نهى عن التأفيف يعني الأذى، ومنع الأذى فى منع النفقة على حاجتها أكثر، ولهذا يلزمه نفقتهما وإن كانا قادرين على الكسب؛ لأن معنى الأذى في الكد والتعب أكثر منه في

التأفيف، وقال عليه السلام: إن أطيب ما أكل الرجل من كسبه، وإن ولده من كسبه، فكلوا من كسب أولادكم. (البناية ٥/ ٧٠٠)

عمر رسیدہ لوگوں کا نفقہ وعلاج دوسروں پر کب واجب ہوگا؟

سوال [۲]: عمر رسیدہ کمزور اور ضعیف لوگوں کا نان ونفقہ اور علاج ان کی اولاد پر ان کے قریبی اعزہ پر کن صورتوں میں واجب اور لازم ہوتا ہے؟

المستفتی: فقہ اکیڈمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کمزوروں کا خرچ ان کی اولاد پر یا ان کے چھوٹوں پر یا ان کے قریبی اعزہ پر دو صورتوں میں واجب ہوتا ہے:

(۱) عمر رسیدہ ہوکر کسب معاش پر قادر نہ ہوں اور ضرورت مند ہوں۔

(۲) عمر رسیدہ ہونے کی کوئی قید نہیں ہے، مگر معذور ہوں، مثلاً لنگڑے ہوں، اپاہج ہوں یا کسی اور طریقے سے ایسی بیماری کا شکار ہوں جس کی وجہ سے کسب معاش پر قادر نہ ہوں، تو ایسی صورت میں عزیز وا قارب پر ان کا خرچ اور ان کا علاج واجب اور لازم ہوتا ہے، اگر ان کا علاج ومعالجہ اور خرچ واخراجات عزیز وا قاب ادا نہیں کریں گے، تو گنہگار رہوں گے۔

اس کو ''بنایہ شرح ہدایہ'' میں ان الفاظ کے ساتھ نقل فرمایا ہے، ملاحظہ فرمائیے:

وعلى الرجل أن ينفق على أبويه وأجداده وجداته إذا كانوا فقراء، وإن خالفوه في دينه. (هداية) وتحته في البناية: وفي المبسوط: على الرجل الموسر نفقة أبيه وأمه وأب الأب وإن علا، وأم الأب وإن علت، وأم الأم وإن علت، وشرط الشافعي في ذلك أن يكون الأب زمنا ولم يوافقه أحد، وفي التنبيه: ويجب على الأولاد ذكورهم وإناثهم نفقة الوالدين، وإن علوا

بشرط الفقر والزمانة. (البناية، أشرفيه ٥/ ٦٩٩)

اس کو شامی میں بہت مختصر الفاظ میں نقل کیا گیا ہے؛ لیکن مفہوم واضح ہے، ملاحظہ فرمایئے:

فالمعتبر في إيجاب نفقة الوالدين مجرد الفقر قيل: وهو ظاهر الرواية. (شامي، زكريا ٥/ ٣٥٥، كراچی ٣/ ٤٢٣)

صاحب ثروت والدین کا خرچہ اولاد پر نہیں

سوال [۳]: بوڑھے والدین یا خاندان کے وہ بڑے جن کا نفقہ ان کے چھوٹوں پر محتاجی کی صورت میں واجب ہے، اگر وہ محتاج نہ ہوں، خود صاحب ثروت ہوں، تب بھی وہ اپنی اولاد سے یا ان لوگوں سے جن پر بحالت حاجت نفقہ واجب ہوتا ہے زیادہ سہولت کے لئے یا دوسرے لوگوں پر خرچ کرنے کے لئے یا کچھ رقم محفوظ کرنے کے لئے زائد رقم کا مطالبہ کر سکتے ہیں؟

المستفتی: فقہ اکیڈمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بوڑھے والدین یا خاندان کے وہ بڑے لوگ جن کا نفقہ چھوٹوں پر ضرورت اور محتاجی کی حالت میں واجب ہوتا ہے، اگر وہ لوگ محتاج اور ضرورت مند نہ ہوں؛ بلکہ خود صاحب ثروت اور سرمایہ دار ہوں، تو وہ لوگ دوسروں پر خرچ کرنے کے لئے یا کچھ رقم پس انداز کر کے محفوظ کرنے کے لئے اپنی اولاد یا چھوٹوں سے زائد رقم کے مطالبہ کے مجاز نہ ہوں گے؛ اس لئے کہ یہ مطالبہ ان کی ضرورت سے خارج ہے اور بے ضرورت مطالبہ ہے، ہاں البتہ اولاد اپنے والدین کو خوش کرنے کے لئے ضرورت نہ ہونے کے باوجود اپنے طور پر والدین کو ماہانہ یا سالانہ کچھ دیتی رہے اور والدین اس رقم کو کہیں بھی اپنے اختیار سے خرچ کریں، تو یہ اولاد کی

خوش نصیبی ہے، مگر اولاد کو اس پر مجبور نہیں کیا جائے گا اور یہ بات یاد رکھنا چاہئے کہ عمر رسیدہ لوگ صاحب ثروت نہ ہوں، مگر کسب معاش پر قادر ہوں تو ظاہر روایت کے مطابق اولاد پر ان کا خرچ لازم ہوتا ہے، مگر صاحب ثروت ہونے کی صورت میں لازم نہیں ہوتا، جیسا کہ ذیل کی جزئیات سے واضح ہوتا ہے:

اس کو ''فتاوی قاضی خان'' میں ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا گیا ہے، ملاحظہ فرمائیے:

وملك الدار لا يمنع النفقة إلا أن يكون فيها فضل مال بأن كان يكفيه أن يسكن في ناحية ويبيع الناحية الأخرى، وكذا الخادم والدابة إذا كانت نفيسة يمكنه أن يبيعها ويشتري بثمنها خسيسة، وينفق الفضل على نفسه، فحينئذ لا تجب له النفقة. (خانية على الهندية ١/ ٤٤٨، فتاوى قاضي خان جديد ١/ ٢٦٨)

اس کو ''البحر الرائق'' میں ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا گیا ہے، ملاحظہ فرمائیے:

ولأبويه وأجداده وجداته لو فقراء. (كنز الدقائق) ...... وشرط الفقر لأنه لو كان ذا مال فإيجاب النفقة في ماله أولى من إيجابها في مال غيره.

(البحرالرائق، كوئٹه ٤/ ٢٠٥، زكريا ٤/ ٣٤٨)

اور اس کو صاحب ''تاتارخانیہ، محیط برہانی اور ہندیہ نے ان الفاظ کے ساتھ نقل فرمایا ہے، ملاحظہ فرمائیے:

فإن كان للأب مسكن أو دابة فالمذهب عندنا أنه يفرض النفقة على الابن إلا أن يكون في المسكن فضل نحو أن يكفيه أن يسكن في ناحية منه، فحينئذ يؤمر الأب ببيع الفضل والإنفاق على نفسه، فإذا آل الأمر إلى الناحية التي يسكنها الأب يفرض نفقته حيئنذ على الأب، وكذلك إذا كانت للأب دابة نفيسة يؤمر أن يبيع ويشتري الأوكس وينفق الفضل على نفسه، فإذا آل الأمر إلى الأوكس يفرض النفقة على الابن ويستوي في هذا

الوالدون والمولودون وسائر المحارم وهو الصحيح من المذهب. (الفتاوى التاتارخانية ٥/ ٤٢٩، ٤٣٠، رقم: ٨٣٧٨، والمحيط البرهاني ٤/ ٣٥٤، رقم: ٤٥٥٧، هندية قديم ١/ ٥٦٧، جديد ٢١٣)

کسب معاش کے لئے بوڑھے والدین کو چھوڑ کر دوسری جگہ چلا جانا

سوال [۴]: ایک اہم مسئلہ والدین اور بزرگوں کی جسمانی خدمت، خاص کر جب انسان چلنے پھرنے، اٹھنے بیٹھنے اور کسری ضرورت کو پوری کرنے میں سہارے کا محتاج ہوجائے، ایسی صورت حال میں اگر بیٹا زیادہ پیسہ کمانے کی غرض سے دوسرے شہر، دوسری ریاست یا دوسرے ملک میں چلا جائے تو بوڑھوں کی دشواریاں بہت بڑھ جاتی ہیں، ان حالات میں کیا زیادہ آمدنی کے لئے لڑکوں کا اپنے ماں باپ کو چھوڑ کر دوسری جگہ جانا جائز ہے؟

المستفتی: فقہ اکیڈمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ضعیف، کمزور والدین جو جسمانی خدمت کے محتاج ہوں، چلنے پھرنے، اٹھنے بیٹھنے اور کسی ضرورت کو پوری کرنے میں دوسروں کے سہارے کے محتاج ہوجائیں، تو ایسی صورت میں بیٹوں کا ایسے ضعیف والدین کو بے یارو مددگار چھوڑ کر ان کی اجازت کے بغیر دور دراز علاقوں میں کمانے کے لئے چلا جانا جائز نہیں ہے، ہاں البتہ اگر ماں باپ نے بخوشی اجازت دے دی ہے یا ماں باپ کی خدمت کے لئے خادم کا انتظام کردیا ہو، جس کی وجہ سے ماں باپ کو جسمانی خدمت حاصل کرنے میں کوئی پریشانی نہیں ہوتی تو دوسری جگہ جا کر کسب معاش کی گنجائش ہے؛ لیکن اگر خادم کا باضابطہ انتظام نہیں کیا ہے اور ماں باپ کی طرف سے ان کو چھوڑ کر جانے کی اجازت نہیں ہے، تو سفر حج، سفر عمرہ اور سفر تبلیغ کے لئے چلا جانا اولاد کے لئے جائز نہیں ہے؛ بلکہ ماں باپ کی خدمت ان سب پر مقدم ہے، جیسا کہ ذیل کی جزئیات سے واضح ہوتا ہے۔

اس کو ''ہندیہ'' میں بہت واضح الفاظ میں نقل فرمایا ہے، ملاحظہ فرمائیے:

وقال محمد -رحمه الله تعالى- في السير الكبير: إذا أراد الرجل أن يسافر إلى غير الجهاد لتجارة أو حج أو عمرة وكره ذلك أبواه، فإن كان يخاف الضيعة عليهما بأن كانا معسرين ونفقتهما عليه، وماله لا يفى بالزاد والراحلة ونفقتهما، فإنه لا يخرج بغير إذنهما، سواء كان سفرا يخاف على الولد الهلاک فيه ...... أو لا يخاف على الولد الهلاک فيه، وكذا الجواب فيما إذا خرج للنفقة إلى بلدة أخرى إن كان لا يخاف عليه الهلاک بسبب هذا الخروج كان بمنزلة السفر للتجارة، وإن كان يخاف عليه الهلاک كان بمنزلة الجهاد. (هندية قديم ٥/ ٣٦٥، جديد ٥/ ٤٢٢)

اس کو ''تاتارخانیہ'' اور ''محیط برہانی'' میں ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا گیا ہے، ملاحظہ فرمائیے:

وكل سفر أراد الرجل أن يسافر غير الجهاد لتجارة أو لحج أو لعمرة فكره ذلك أبواه، هل له أن يخرج بغير إذنهما؟ فهذا على وجهين: إما إن كان لا يخاف عليهما الضيعة بأن كانا موسرين ولم تكن نفقتهما عليه، أو كان يخاف عليهما الضيعة بأن كانا معسرين وكانت نفقتهما عليه، وفي الذخيرة: وماله لا يفى بالزاد والراحلة ونفقتهما ...... فإن كان يخاف الضيعة عليهما، فإنه لا يخرج بغير إذنهما سواء كان السفر سفرا يخاف على الولد الهلاک فيه أو لا يخاف. (الفتاوى التاتارخانية ١٨/ ٢٤٢، رقم: ٢٨٦٧، المحيط البرهاني ٨/ ١١٠، رقم: ٩٧٠٧)

اس کو ''شامی'' میں کچھ مختصر الفاظ سے نقل فرمایا ہے، ملاحظہ فرمائیے:

لا يحل سفر فيه خطر إلا بإذنهما، وما لا خطر فيه يحل بلا إذن (درمختار) وفي الشامية: كالسفر للتجارة والحج والعمرة يحل بلا إذن إلا إن خيف عليهما الضيعة. (شامي زكريا ٦/ ٢٠٣، كراچی ٤/ ١٢٥)

کیا عورت پر ساس، خسر کی خدمت لازم ہے؟

سوال [۵]: اگر بہو ساس کے ساتھ رہنا نہ چاہتی ہو یا اس کی ساس کو خدمت کی ضرورت ہو؛ لیکن کوئی خدمت گار موجود نہ ہو اور بیٹیوں کو ان کے شوہروں کی طرف سے میکے میں رہنے کی اجازت نہ ہو، تو اس صورت میں بہو کی کیا ذمہ داری ہے؟ اور کیا اسے اس کے ساس سسر کے ساتھ رہنے پر مجبور کیا جا سکتا ہے؟

المستفتی: فقہ اکیڈمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عورت پر اپنے ساس، خسر کی خدمت شرعی طور پر لازم نہیں ہے، اگر شوہر کے ماں باپ خدمت کے محتاج ہوں تو شوہر کی ذمہ داری ہے کہ اپنے ماں باپ کی خدمت کے لئے خادم کا انتظام کرے، اس کی بیوی اس کام کے لئے نہیں ہے، ہاں البتہ بیوی کا اخلاقی فریضہ ہے کہ ساس خسر کی غیر جسمانی خدمت کرے، مثلاً پکوان وغیرہ پکا کر کے کھلائے؛ لیکن اگر بیوی یہ نہیں چاہتی ہے تو اس پر کسی قسم کا جبر ودباؤ جائز نہیں ہے، نیز اگر بیوی ساس خسر کے ساتھ مشترکہ فیملی میں ایک ساتھ نہ رہنا چاہے تو شوہر کی ذمہ داری ہے کہ بیوی کے لئے الگ رہائش کا انتظام کرے، اسی طرح ساس بہو کے درمیان عدم موافقت کی صورت میں شوہر کے لئے حکمت عملی یہی ہے کہ ان کے درمیان کشیدگی کا سلسلہ طول نہ پکڑنے پائے، اس لئے الگ انتظام کرلے۔

اس کو علامہ شامیؒ نے اس طرح کے الفاظ سے نقل فرمایا ہے، ملاحظہ فرمائیے:

ولو أراد أن يسكنها مع ضرتها أو مع أحمائها كأمه وأخته وبنته فأبت فعليه أن يسكنها في منزل منفرد؛ لأن إباء ها دليل الأذى والضرر، ولأنه محتاج إلى جماعها ومعاشرتها في أي وقت يتفق لا يمكن ذلك مع ثالث

(وقوله) ذكر الخصاف أن لها أن تقول: لا أسكن مع والديك وأقربائك في الدار فأفرد لي دارا. (شامي، زكريا ٥/ ٣٢١-٣٢٢، كراچى ٣/ ٦٠١)

اس کو "الموسوعة الفقهية" میں ان الفاظ سے نقل کیا گیا ہے، ملاحظہ فرمایئے:

فالجمع بين الأبوين والزوجة في مسكن واحد لا يجوز (وكذا غيرهما من الأقارب) ولذلك يكون للزوجة الامتناع عن السكنى مع واحد منهما؛ لأن الانفراد يمسكن تأمن فيه على نفسها ومالها وحقها، وليس لأحد جبرها على ذلك، وهذا مذهب جمهور الفقهاء من الحنفية والشافعية والحنابلة. (الموسوعة الفقهية ٢٥/ ١٠٩)

اس کو "البحر الرائق" میں ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا گیا ہے، ملاحظہ فرمایئے:

والسكنى في بيت خال عن أهله وأهلها ...... أي تجب السكنى في بيت أي الإسكان للزوجة على زوجها؛ لأن السكنى من كفايتها فتجب لها كالنفقة ...... وإذا وجبت حقا لها ليس له أن يشرك غيرها فيه؛ لأنها تتضرر به فإنها لا تأمن على متاعها ويمنعها ذلك من المعاشرة مع زوجها، ومن الاستمتاع إلا أن تختار؛ لأنها رضيت بانتقاص حقها. (البحرالرائق كوئٹه ٤/ ١٩٣-١٩٤، زكريا ٤/ ٣٢٨)

کیا ماں باپ کی خدمت بیٹوں کی طرح بیٹیوں پر بھی واجب ہے؟

سوال [٦]: (ج) ماں باپ کی خدمت صرف بیٹوں پر واجب ہے یا بیٹیوں پر بھی؟ بعض اوقات بیٹیاں اپنے والدین کی مجبوری اور بے بسی کو دیکھتے ہوئے اپنے والدین کی خدمت کرنا چاہتی ہیں؛ لیکن ان کے شوہران کو اس کی اجازت نہیں دیتے، کیا ان کے شوہر کو اس کا حق حاصل ہے؟

المستفتی: فقہ اکیڈمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ماں باپ کی خدمت دوطرح کی ہیں:

(۱) ان کے نان ونفقہ کی خدمت: یہ صرف بیٹوں پرواجب ہے، بیٹیوں پرنہیں؛اس لئے کہ بیٹیاں کمانے پر قادرنہیں ہوتی ہیں؛ لہٰذا بیٹوں پر ہی محتاج ماں باپ کا نان ونفقہ لازم ہوگا۔

(۲) جسمانی خدمت: ماں باپ جب جسمانی خدمت کےمحتاج ہوجائیں، چلنے پھرنے، اٹھنے بیٹھنے میں دوسروں کے سہارے کےمحتاج بن جائیں تو ایسے ماں باپ کی جسمانی خدمت بیٹے اوربیٹیوں پر برابر طریقے سے لازم ہوجاتی ہے؛ البتہ دونوں میں فرق یہ ہے کہ بیٹے کے لئے ماں باپ کی خدمت کرنے میں کوئی رکاوٹ نہیں، جب کہ بیٹیاں اگر شادی شدہ ہیں،تو ان کے لئے ماں باپ کی جسمانی خدمت کرنے کے لئے ماں باپ کے یہاں قیام کرنا مشکل پڑجاتا ہے؛اس لئے کہ اگر دوردراز علاقے میں لڑکی کی شادی ہوگئی ہے تو شوہراوراس کے بچوں کو چھوڑ کر ماں باپ کے یہاں آکران کی خدمت کرنا اس کے لئے دشوار ہے، ہاں البتہ اگرشوہر نے اپنی مرضی سے بیوی کو ماں باپ کے یہاں ان کی خدمت کے لئے چھوڑ دیا ہےتو بیٹی پر والدین کی خدمت کرنا لازم ہے۔اوراگر شوہر نے ماں باپ کے یہاں نہیں چھوڑا ہے اور بیٹی ماں باپ کی خدمت کے لئے ماں باپ کے یہاں رہنا چاہےاورشوہر نہ چاہےتو ایسی صورت میں شریعت بیٹی کواس بات پرمجبورنہیں کرتی کہ اپنا گھر بگاڑیں۔اوراگر بیٹی کی شادی اسی مقام پرہوئی ہے جہاں ماں باپ رہتے ہوں،تو موقع لے لےکر ماں باپ کی خدمت کرنا اوردیکھ بھال کرنا اس پرلازم ہے، نیز ماں باپ کی خدمت کے لئے اگر غیرشادی شدہ لڑکیاں موجود ہیں یا لڑکےموجود ہیں تو شادی شدہ لڑکیوں پر ماں باپ کی خدمت کسی طرح لازم اورواجب نہیں ہے۔اورجن فقہی عبارات میں اس بات کا ذکر ہے کہ شوہرکو یہ حق نہیں ہے کہ کمزوراورمعذوروالدین کے یہاں جانے سے بیوی کوروکے تو ان سے مراد یہ ہے کہ وقتاً فوقتاً ماں باپ کی عیادت کے لئے جانے سے شوہرکوروکنے کا حق نہیں؛لیکن ماں باپ کے یہاں مستقل رہ کرکے خدمت کے لئے جانے سے شوہرکوروکنے کا حق ہے،جیسا کہ حسب ذیل جزئیات سے واضح ہوتا ہے۔اس کو صاحب خلاصۃ الفتاوی نے

ان الفاظ میں نقل فرمایا ہے، ملاحظہ فرمایئے:

امرأة لها أب زمن وليس له من يقوم عليه غير البنت ويمنعها الزوج من تعاهده جاز لها أن تعصى زوجها وتطيع أباها، سواء كان الأب مسلما أو كافرا. (خلاصة الفتاوى ۲/ ۵۳)

اور اس کو علامہ شامیؒ نے ان الفاظ کے ساتھ نقل فرمایا ہے، ملاحظہ فرمایئے:

ولا يمنعها من الخروج إلى الوالدين في كل جمعة إن لم يقدرا على إتيانها على ما اختاره في الاختيار ولو أبوها زمنا مثلا فاحتاجها فعليها تعاهده ولو كافرا وإن أبى الزوج (الدرالمختار) وفي الشامية: فعليها تعاهده: أي بقدر احتياجه إليها، وهذا إذا لم يكن له من يقوم عليه.

(شامي، زكريا ۵/ ۳۲۴، كراچی ۳/ ۶۰۲-۶۰۳)

اور اس کو "فتاوی قاضی خان" میں ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا گیا ہے، ملاحظہ فرمایئے:

امرأة لها أب زمن ليس له من يقوم عليه، وزوجها يمنعها عن الخروج إليه وتعاهده كان لها أن تعصى زوجها وتطيع الوالد مؤمنا كان الوالد أو كافرا؛ لأن القيام بتعاهد الوالد فرض عليها، فيقدم على حق الزوج. (خانية على الهندية ۱/ ۴۴۳، خانية جديد ۱/ ۲۶۴)

اور اس کو "الموسوعة الفقهية" میں ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا گیا ہے، ملاحظہ فرمایئے:

فقال الحنفية: ليس له منعها من عيادة والد زمن ليس له من يقوم عليه، ولا يجب عليها طاعة زوجها إن منعها من ذلك، سواء كان الوالد مسلما أو كافرا؛ لأن القيام بخدمته فرض عليها في مثل هذه الحالة، فيقدم على حق الزوج. (الموسوعة الفقهية ۲۴/ ۵۸)

نکاح ثانی کرنے پر اولاد کو رکاوٹ بننے کا حق نہیں

سوال [۷]: انسان کو جس طرح جوانی میں بیوی کی ضرورت ہوتی ہے، اسی طرح وہ بڑھاپے میں بھی بیوی کا محتاج ہوتا ہے، تاکہ اس عمر کے سرد وگرم کو سہنا اس کے لئے آسان ہو جائے، ہندوستان کے معاشرہ میں عام طور پر بیٹے اور بیٹیاں اپنی والدہ کے فوت ہونے کے بعد والد کے دوسرے نکاح میں رکاوٹ بنتے ہیں، کیا ان کا یہ رکاوٹ بننا درست ہے؟ اور اگر خود والد میں اپنی بیوی کی کفالت کی استطاعت نہ ہو تو اس سلسلے میں کیا اولاد پر بھی اس نسبت سے کچھ ذمہ داری عائد ہوتی ہے؟

المستفتی: فقہ اکیڈمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر بڑھاپے کی حالت میں بیوی کا انتقال ہو جائے تو آدمی بے سہارا جیسا ہو جاتا ہے اور اس کو ایسا لگتا ہے کہ وہ بے یار و مددگار ہے، ایسے حالات میں جب وہ نکاح ثانی کرنا چاہے تو لڑکے اور لڑکیاں ساری اولادیں اور خاندان کے دوسرے لوگ بھی ہندوستان کے غیر شرعی معاشرہ کی وجہ سے رکاوٹ بن جاتے ہیں جو شریعت کے مطلوبہ مقصد کے خلاف ہے؛ لہٰذا جب باپ دوسری شادی کرنا چاہے تو اولاد میں سے کسی کے لئے بھی رکاوٹ بننا جائز نہیں ہے؛ بلکہ باپ اگر نکاح ثانی کرنا چاہے تو شریعت کا مطلوبہ مقصد یہ ہے کہ اولاد خود باپ کے نکاح ثانی کا انتظام کرے۔ اور اگر باپ نے نکاح ثانی کرلیا ہے اور خرچ واخراجات پر قادر نہیں ہے، تو اولاد پر لازم ہے کہ باپ کے خرچ کے ساتھ ساتھ باپ کی زوجۂ ثانیہ کا نان ونفقہ بھی ادا کرے، جیسا کہ ذیل کی جزئیات سے واضح ہوتا ہے۔

اس کو ’’ہندیہ‘‘ میں ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا گیا ہے، ملاحظہ فرمایئے:

إلا أن يكون بالأب علة لا يقدر على خدمة نفسه ويحتاج إلى خادم يقوم بشأنه ويخدمه، فحينئذ يجبر الابن على نفقة خادم الأب منكوحة كانت أو أمة (وقوله) وإن احتاج الأب إلى زوجة والابن موسر وجب عليه أن يزوجه أو يشترى له جارية. (هندية قديم ١/ ٥٦٥، جديد ١/ ٦١١، والفتاوى التاتارخانية ٥/ ٤٢٧، رقم: ٨٣٧١)

اس کو ''فقہ اسلامی'' میں اور واضح الفاظ میں نقل فرمایا ہے، ملاحظہ فرمائیے:

يرى جمهور الفقهاء وفي رواية عند الحنفية: أن الوالد يلزمه تزويج أو إعفاف أبيه المعسر ولو كان كافرا معصوما ...... فالزواج معا تدعو الحاجة إليه ويتضرر الأب بفقده، فلزم ابنه تزويجه كالنفقة، والرواية الراجحة عند الحنفية عدم وجوب إعفاف الأب؛ لأنه من الكماليات. (الفقه الإسلامي وأدلته ٧/ ٧٣٣)

اس کو شامی میں اس طرح کے الفاظ میں نقل کیا گیا ہے، ملاحظہ فرمائیے:

وعليه نفقة زوجة أبيه وأم ولده، بل وتزويجه أو تسريه (الدرالمختار) وفي الشامية: أي في رواية وفي أخرى: إن كان الأب مريضا أو به زماناة يحتاج للخدمة ...... قال في البحر: وظاهر الذخيرة أن المذهب عدم وجوب نفقة امرأة الأب أو جاريته أو أم ولده حيث لم يكن بالأب علة، وأن الوجوب مطلقا عن رواية أبي يوسف، وفي حاشية الرملي: والذي تحرر من المذهب أنه لا فرق بين الأب والابن في نفقة الخادم وأنه إذا احتاج أحدهما لخادم وجبت نفقته كما وجبت نفقة المخدوم، فكان من جملة نفقته، وإذا لم يحتج إليه فلا تجب. (شامي، زكريا ٥/ ٣٤٤، كراچی ٣/ ٦١٦)

اور اس کو صاحب خانیہ نے ان الفاظ کے ساتھ نقل فرمایا ہے، ملاحظہ فرمائیے:

يجب عليه نفقة خادم الأب امرأة كانت الخادم أو جارية إذا كان الأب محتاجا إلى من يخدمه. (خانية على الهندية ١/ ٤٤٨، خانية جديد ١/ ٢٦٨)

کیا اولاد کو باپ کی زندگی میں اپنے حق کے مطالبہ کا حق ہے؟

سوال [۸]: بعض اوقات اولاد والد کی زندگی میں ہی جائیداد کا مطالبہ شروع کر دیتی ہے اور اسے اپنا حق سمجھتی ہے، کیا اولاد کے لئے ایسے مطالبہ کی گنجائش ہے؟ خاص کر ایسی صورت میں جب کہ والدین کی معاشی حالت بہتر اور اولاد محتاج ہو؟

المستفتی: فقہ اکیڈمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر اولاد باپ کی عیال اور باپ کی فیملی میں رہتی ہے تو والدین کی معاشی حالت بہتر ہونے کی صورت میں اولاد کے محتاج اور فقیر ہونے کی بات ثابت نہیں ہوتی؛ اس لئے کہ اولاد کی ساری ضروریات باپ کی عیال اور فیملی میں رہ کر پوری ہو جاتی ہیں، ہاں البتہ اگر اولاد باپ کی فیملی سے الگ رہتی ہو، تو معاشی کمزوری اور محتاج ہونے کی بات ثابت ہوتی ہے، ایسے حالات میں جب اولاد محتاج ہو اور والدین کی معاشی حالت بہتر ہو تو اولاد کے لئے ماں باپ سے ان کی زندگی ہی میں جائیداد کا مطالبہ کرنا اور ماں باپ پر دباؤ ڈالنا جائز نہیں ہے، ہاں البتہ ماں باپ کے سامنے اولاد اپنی ضرورت رکھ سکتی ہے اور پھر ماں باپ اپنے طور پر اپنے اختیار سے کچھ دے دیں تو وہ ان کے رحم وکرم پر موقوف ہے، مگر ان پر دباؤ ڈال کر کے یا جبر وتشدد کے ساتھ ان سے مطالبہ کرنے کا اولاد کو کوئی حق نہیں ہے، اسی طرح داد الٰہی اور موروثی جائیداد میں سے اولاد کا اپنے والدین سے حق کا مطالبہ کرنا جائز نہیں ہے؛ اس لئے کہ جب تک ماں باپ زندہ ہیں وہی شرعی طور پر مالک ہیں، ان کی زندگی میں اولاد کا کوئی حق ان کی جائیداد سے متعلق نہیں ہوتا ہے، جیسا کہ درج ذیل جزئیات سے واضح ہوتا ہے۔ اس کو ”البحر الرائق“ میں ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا گیا ہے، ملاحظہ فرمائیے:

وأما بيان الوقت الذي يجرى فيه الإرث فنقول هذا فصل اختلف المشايخ فيه، قال مشايخ العراق: الإرث يثبت في آخر جزء من أجزاء حياة المورث، وقال مشايخ بلخ: الإرث يثبت بعد موت المورث. (البحرالرائق كوئٹه ٨/ ٤٨٨، زكريا ٩/ ٣٦٤)

اس کوصاحب تاتارخانیہ نے ان الفاظ میں نقل فرمایا ہے، ملاحظہ فرمایئے:

الفصل الرابع في بيان الوقت الذي يجرى فيه الإرث، هذا فصل اختلف المشايخ رحمهم الله، قال مشايخ العراق: الإرث يجرى في آخر جزء من أجزاء حياة المورث، وقال مشايخ بلخ: الإرث يجرى بعد موت المورث. (الفتاوى التاتارخانية ٢٠/ ٢١٥، رقم: ٣٣٠٧٨)

اس سلسلے میں ''شعب الایمان'' کی حدیث شریف ملاحظہ ہو:

عن أبي حرة الرقاشي عن عمه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لا يحل مال امرئ مسلم إلا بطيب نفس منه. (شعب الإيمان للبيهقي ٤/ ٣٨٧، رقم الحديث: ٥٤٩٢)

عمر رسیدہ لوگوں کو ہاسپٹل میں داخل کردینا

سوال [۹]: مغربی ملکوں میں عمر دراز لوگوں کے لئے ہاسپٹل بنادیئے گئے ہیں، اب ہندوستان میں بھی جگہ جگہ ایسے ہاسپٹل بن رہے ہیں جن میں نوجوان اپنے بزرگوں کو داخل کردیتے ہیں، اس میں ایک پہلو یہ ہے کہ ان عمر دراز حضرات کو ایک جگہ اپنی ضرورت کی چیزیں مہیا ہوجاتی ہیں اور اپنے ہم عمر لوگ مل جاتے ہیں، دوسرا پہلو یہ ہے کہ وہ اپنے رشتہ داروں کی محبت سے محروم ہوجاتے ہیں، عمر کے بڑھنے کے ساتھ ساتھ انسان چاہتا ہے کہ اس کے بال بچے اس کے قریب رہیں، اولاد اور اولاد کی اولاد کو دیکھ کر اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں، ایسے ہاسپٹلوں میں اس کی یہ خواہش ایک حسرت بن

جاتی ہے، تو ایسے ہاسپٹلوں کے بارے میں شرعی نقطہ نظر کیا ہے؟ کیا کوئی شخص اپنے بزرگوں کو ایسے ہاسپٹلوں میں قیام پر مجبور کرسکتا ہے؟

المستفتی: فقہ اکیڈمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب انسان عمر رسیدہ ہوکر کمزور ہوجاتا ہے، تو وہ اپنے چھوٹوں کی خدمت کا زیادہ محتاج ہوجاتا ہے اور اپنی اولاد اور قریبی اعزہ کی ہمدردی اور صلہ رحمی کا زیادہ مستحق بھی ہوجاتا ہے، ایسے حالات میں ان کو قریبی رشتہ داروں اور اعزہ سے الگ کرکے ہاسپٹلوں میں داخل کردینا ان کے حق میں جیل خانہ میں داخل کردینے کے مرادف ہے، اور شرعاً صلہ رحمی کے خلاف قطع رحمی کا ایک دروازہ کھول دینا ہے؛ لہٰذا شریعت صلہ رحمی، غم خواری اور رواداری سے محروم کرکے ایسے ہاسپٹلوں میں داخلہ کی ہرگز اجازت نہیں دیتی، قرآن وحدیث کی رو سے یہ عمل جواز کے دائرے میں داخل نہیں ہوسکتا، ذیل کی عبارات میں شریعت کا حکم ملاحظہ فرمایئے:

قوله تعالیٰ: ﴿اما يبلغن عندك الكبر احدهما او كلاهما﴾ خص حالة الكبر؛ لأنها الحالة التي يحتاجان فيها إلى بره لتغير الحال عليهما بالضعف والكبر، فألزم في هذه الحالة من مراعاة أحوالهما أكثر مما ألزمه من قبل لأنهما في هذه الحالة قد صارا كلا عليه فيحتاجان أن يلي منهما في الكبر ما كان يحتاج في صغره أن يليا منه، فلذلك خص هذه الحالة بالذكر. (الجامع لأحكام القرآن للقرطبي ۱۰/ ۱۵۸)

اور ''ترمذی شریف'' کی روایت ملاحظہ فرمایئے:

فقال عبد الرحمن: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: قال الله تبارك وتعالى: أنا الله وأنا الرحمن خلقت الرحم وشققت لها من اسمي، فمن وصلها وصلته ومن قطعها بتته. (جامع الترمذي ۲/ ۱۲/ رقم: ۱۹۰۷)

اور بخاری شریف کی روایت ملاحظہ فرمایئے:

عن أبي هريرة – رضي الله عنه – عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: الرحم شجنة من الرحمن، فقال الله من وصلك وصلته، ومن قطعك قطعته. (صحيح البخاري ٢/ ٨٨٥-٨٨٦، رقم: ٥٧٥٤-٥٧٥٥)

اور ترمذی شریف کی دوسری روایت ملاحظہ فرمائیے:

عن جبير بن مطعم – رضي الله عنه – قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا يدخل الجنة قاطع، قال ابن أبي عمر قال سفيان: يعني قاطع رحم. (جامع الترمذي ٢/ ١٣، رقم: ١٩٠٩)

اور بدائع الصنائع کی عبارت ملاحظہ ہو:

وترك الإنفاق من ذي الرحم المحرم مع قدرته وحاجة المنفق عليه تقضي إلى قطع الرحم، فيحرم الترك وإذا حرم الترك وجب الفعل ضرورة. (بدائع الصنائع، زكريا ديوبند ٣/ ٤٤٢)

اجتماعی کفالت کے لئے زکوۃ جمع کرنا

سوال [۱۰]: بڑھاپے کی عمر میں اگر انسان کا ہاتھ خالی ہو، تو اس کی بے سہارگی اور بڑھ جاتی ہے۔ اور اگر اس کی اولاد یا قریبی رشتہ دار موجود نہ ہوں تب تو انسان اپنے آپ کو اس دنیا میں تنہا محسوس کرنے لگتا ہے، کیا ایسے لوگوں کی اجتماعی کفالت کے لئے خصوصی طور پر زکوۃ کی رقم استعمال کی جاسکتی ہے؟

المستفتی: فقہ اکیڈمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ضعیف کمزور لوگوں اور بوڑھے لوگوں کو ایک جگہ ایک ہاسٹل میں جمع کر کے پھر ان کی اجتماعی کفالت کے لئے زکوۃ اکٹھا کرنے کی بات سوال نامہ میں ذکر کی گئی ہے، تو اس سلسلے میں گزارش یہ ہے کہ شریعت اس کی

اجازت ہی نہیں دیتی ہے کہ ان کو قریب یا دور کے رشتہ داروں سے الگ کرکے کسی ہاسٹل میں داخل کردیا جائے، اگر قریبی رشتہ دار موجود نہیں ہیں تو دور کے رشتہ داروں کی ذمہ داری ہے کہ ان کی ضرورت پوری کریں، نیز اس میں یہ بات بھی ہے کہ دور کے رشتہ دار اپنی زکوۃ کی رقم سے بھی ان کی ضرورت پوری کرسکتے ہیں؛ لہٰذا اجتماعی کفالت کے واسطے زکوۃ اکٹھا کرنے کی ضرورت نہیں؛ بلکہ زکوۃ کا پیسہ ان کمزوروں کے ہاتھ میں دے کرکے براہ راست مالک بنادیا جائے وہ اپنے حساب سے اپنی ضرورت پوری کرلیا کریں گے، جیسا کہ حسب ذیل جزئیات سے واضح ہوتا ہے۔

اس کو ''الاختیار لتعلیل المختار'' میں ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا گیا ہے، ملاحظہ فرمایئے:

واعلم أن التمليك شرط، قال تعالى: وآتو الزكوة، والإيتاء: الإعطاء، والإعطاء التمليك، فلابد فيها من قبض الفقير أو نائبه؛ لأن التمليك لا يتم بدون القبض. (الاختيار التعليل المختار ١/ ١٢١، الشاملة بحواله كتاب النوازل ٧/ ٤٠)

اس کو ''بدائع الصنائع'' میں ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا گیا ہے، ملاحظہ فرمایئے:

أما ركن الزكاة، فركن الزكاة: هو إخراج جزء من النصاب إلى الله تعالى، وتسليم ذلك إليه يقطع المالك يده عنه بتمليكه من الفقير وتسليمه إليه أو إلى يد من هو نائب عنه، وهو المصدق، والملك للفقير يثبت من الله تعالى، وصاحب المال نائب عن الله تعالى في التمليك والتسليم إلى الفقير. (بدائع الصنائع، زكريا ديو بند ٢/ ١٤٢)

عمر رسیدہ لوگوں کے لئے سرکاری مراعات سے فائدہ اٹھانا

سوال [۱۰]: عمر دراز لوگوں کے لئے حکومتوں نے مختلف چیزوں میں بعض خصوصی رعایتیں رکھی ہیں، جیسے ٹرین وغیرہ میں کرایہ میں تخفیف، حکومت کی طرف سے

امدادی وظیفہ، ٹیکس میں رعایت وغیرہ، جولوگ ان رعایتوں کے لئے مطلوب مقررہ حد عمر کو نہ پہنچے ہوں، کیا ان کے لئے ایسی رعایتوں سے فائدہ اٹھانا جائز ہوگا؟

المستفتی: فقہ اکیڈمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حکومت کی طرف سے عمر رسیدہ لوگوں کے لئے جو سہولیات اور خصوصی رعایتیں رکھی گئی ہیں، ان رعایتوں سے فائدہ اٹھانا ان ہی لوگوں کے لئے جائز ہے جن کی عمر مطلوبہ حد کو پہنچ گئی ہو، اب مطلوبہ حد کے بارے میں سرکاری قانون میں علی الاطلاق اس کی تحدید ہے، شمسی یا قمری کی کوئی قید نہیں ہے؛ لیکن غیر اسلامی سرکاری قانون میں شمسی اور انگریزی سن ہی مراد لیتے ہیں اور اسلامی قوانین میں قمری سن مراد ہوتا ہے، جیسے سعودی عرب وغیرہ میں ہے؛ اس لئے اگر کوئی مسلمان قمری حساب سے ساٹھ سال کی عمر کو پہنچ گیا ہے اور شمسی حساب سے کچھ کم ہے اور وہ اس رعایت سے فائدہ اٹھاتا ہے، تو اسلامی نقطۂ نظر سے اسے خائن اور دھوکہ باز نہیں کہا جائے گا؛ اس لئے کہ اس کی عمر اسلامی سن کے اعتبار سے ساٹھ سال پوری ہوگئی ہے، ہاں البتہ احتیاطاً شمسی سال کے حساب سے ساٹھ سال پورے ہونے کے بعد ان رعایتوں سے فائدہ اٹھائے تو زیادہ بہتر ہے، نیز جن امور میں رعایت حاصل کرنے کا مدار آئی ڈی دیکھنے پر ہے، ان امور میں آئی ڈی میں درج کردہ تاریخوں کے اعتبار سے رعایت حاصل کرنا ضروری ہے، اور آج سے دس پندرہ سال پہلے تک لوگوں کے پاس آئی ڈی نہیں تھی اور نہ ہی آئی ڈی مانگی جاتی تھی، جس نے اپنی عمر اندازے سے ساٹھ سال سمجھا ہے اور لکھ دیا ہے اور وہ ان رعایتوں سے فائدہ اٹھا رہا ہے اور دس پندرہ سال کے بعد سے جو آئی ڈی بنتی چلی آئی ہے ان میں عمر رسیدہ لوگوں کی عمر میں عام طور پر اندازے سے لکھی گئی ہیں، قطعی اور حتمی نہیں ہیں؛ لہٰذا آج کے زمانے میں جتنے لوگ ساٹھ سال تک پہنچ چکے ہیں، ان میں سے ساٹھ ستر فیصد افراد وہ ہیں جن کی تاریخ پیدائش متعین طور پر درج کردہ نہیں ہے؛ اس لئے ایسے لوگ اندازے سے اپنی عمریں ساٹھ سال بتا

کران رعایتوں سے فائدہ حاصل کریں یا قمری حساب سے فائدہ حاصل کریں، تو جائزاور درست ہوگا؛ اس لئے کہ ان کا مقصد حکومت کو دھوکہ دینا نہیں ہے؛ بلکہ عمر رسیدہ ہونے کی وجہ سے ان رعایتوں سے فائدہ اٹھانا مقصد ہے۔

تمام اسلامی اور دینی مما لک میں سارانظام اسلامی سال اور اسلامی مہینوں سے چلتا ہے، اور مسلمان اپنی تاریخیں اسلامی سال کے حساب سے محفوظ رکھتے ہیں، اس سلسلے میں فتح الباری مطبع دارالریان ۷/ ۳۱۵، مطبع اشرفیہ ۷/ ۳۴۱، عمدۃ القاری نسخہ قدیم ۱۷/ ٦٦، الروض الانف ۴/ ۲۵٦، میں پوری تفصیل موجود ہے۔

نیز قرآن مقدس کے اندر اسلامی تاریخ اور اسلامی مہینے ہی کو معتبر قرار دیا گیا ہے، آیت شریفہ ملاحظہ فرمایئے:

يَسْاَلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ. [البقرة: ١٨٩]

اور ''روح المعانی'' میں بہت واضح الفاظ میں اسلامی تاریخ کے اعتبار کرنے کو واضح فرمایا ہے، ملاحظہ فرمایئے:

وهي أن يكون معالم للناس يوقتون بها أمورهم الدنيوية، ويعملون أوقات زروعهم ومتاجرهم ومعالم للعبادات المؤقتة يعرف بها أوقتها كالصيام والإفطار، وخصوصا الحج، فإن الوقت مراعى فيه أداء وقضاء.

(روح المعاني، المكتبة التجارية مصطفى أحمد الباز ٢/ ١٠٧)

اورجامع احکام القرآن للقرطبی میں ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا گیا ہے:

قوله تعالىٰ: ﴿قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ﴾ تبيين لوجه الحكمة في زيادة القمر ونقصانه، وهو زوال الإشكال في الآجال، والمعاملات، والأيمان، والحج، والعدد، والصوم، والفطر، ومدة الحمل، والإجارات والأكرية إلى ذلك من مصالح العباد. (الجامع لأحكام القرآن للقرطبي ٢/ ٢٢٨، بيروت لبنان ٢/ ٢٢٨)

ان جزئیات سے معلوم ہوا کہ ایک مسلمان اسلامی سال اور اسلامی مہینہ ہی کا زیادہ پابند ہوتا ہے؛ اس لئے اگر کسی مسلمان نے اسلامی سال کے پیش نظر سرکاری مراعات سے فائدہ اٹھالیا ہے، تو اس کے لئے جائز اور درست ہو جائے گا، اس کو ناجائز نہیں کہا جا سکتا؛ اس لئے کہ ملک بھر میں رہنے والے مسلمانوں کے سربراہان اور ذمہ داران قمری سال ہی کا اعتبار کرتے ہیں۔

❁❁❁

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا أَبَدًا ☆ عَلٰى حَبِيْبِکَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

اَللهُ أَكْبَر كَبِيْرًا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيْرًا وَسُبْحَانَ اللهِ بُكْرَةً وَأَصِيْلاً. الحديث

(المعجم الكبير ۲/ ۱۳۵، برقم: ۱۵۷۰)

(مفتی) شبیر احمد قاسمی

خادم الحدیث والافتاء جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد (یو-پی)

بروز جمعرات ۵/ ربیع الاول ۱۴۳۷ھ

(۱۸) باب اللهو واللعب

چھٹی کس دن منائیں اور کھیل کود کا حکم

سوال [۱۰۹۲۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) چھٹیاں جمعہ کو ہوں یا اتوار کو؟

(۲) کھیل کود کو تعلیم کا جز لاینفک قرار دینا کہاں تک درست ہے؟

(۳) بچوں اور بچیوں کے لئے یکساں حکم ہے یا دونوں میں فرق ہے؟

ہندوستان میں دو قسم کے ادارے عموماً رواج پذیر ہیں، دینی درسگاہیں اور جامعات دنیوی اسکول اور یونیورسٹیاں کچھ عرصہ سے لوگوں میں ایک خوش آئند رجحان یہ ابھرا ہے کہ بین بین تعلیمی ادارے بھی ہونے چاہئے، اس رجحان کے نتیجہ میں غیروں کی تو خبر نہیں، مگر مسلمانوں میں جابجا اس طرح کے ادارے وجود میں آرہے ہیں جس کا عنوان یہ ہوتا ہے کہ بچے ”خالص اسلامی ماحول میں دین سے واقفیت کے ساتھ عصری علوم کی مکمل تعلیم حاصل کرسکیں۔

بہرصورت ماحول تہذیب وافکار دینی ہی رکھنے کا اعلان واخبار واشتہار کیا جاتا ہے؛ اس لئے ان اداروں کی بڑی پذیرائی ہوتی ہے اور اپنی مہنگائی کے باوجود بہت جلد مقبول ہوجاتے ہیں اور پھر ایک ڈیڑھ ہزار سے لے کر پانچ پانچ ہزار تک فیس بھی مقرر کی جاتی ہے، ہمیں اس سے بحث نہیں؛ لیکن مذکورہ بالا عنوان واشتہار کی وجہ سے یہ سوال ضرور پیدا ہوتا ہے کہ چھٹیاں تہذیب واخلاق اسلامی کا حصہ ہیں یا نہیں؟ ہر ملک وقوم کے لوگ اپنے اپنے قومی مذہبی دنوں میں چھٹیاں کرتے ہیں، چھٹیوں کا خصوصاً بچوں کو شدت سے انتظار ہوتا ہے، بچوں کے ماں باپ ان دنوں کھانے وغیرہ کا اہتمام بھی کرتے ہیں اور اب تو ممبئی جیسے شہروں

میں خصوصی پکوان بعض مسلمانوں کے یہاں بھی سنیچر واتوار کو ہونے لگا ہے، ان ایام میں ٹیلی ویژن پر خصوصی فکر کے حامل نشریات بھی پیش کئے جاتے ہیں، سیر و تفریح جم کر کی جاتی ہے، تفریح گاہوں میں جگہ نہیں ہوتی، ان امور سے ان دنوں کی اہمیت کا دل میں اترنا قرین قیاس معلوم ہوتا ہے؛ اس لئے یہ سوال ذہنوں میں آیا کہ سنیچر اور اتوار کی چھٹیاں دینا اور ان اداروں کے اشتہار واعلان اسلامی تہذیب واخلاق سازی کے خلاف تو نہیں ہیں؟

اس سوال کو تقویت اس لئے بھی ملتی ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے سنیچر واتوار کو روزہ رکھا اور اس کی وجہ مشرکین کی مخالفت قرار دیا؛ کیونکہ وہ ان کے محترم اور عید کے دن ہیں؛ اس لئے وہ کھانے پینے کا اہتمام کرتے ہیں اور آپ ﷺ نے روزہ رکھوا کر عدم اکل بصورت صوم کی سنت جاری فرما کر ان کی مخالفت فرمائی۔

و في المشكوة: عن أم سلمةؓ، قالت: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم: يصوم يوم السبت ، ويوم الأحد أكثر مايصوم الأيام، ويقول انهما يوما عيد للمشركين ، فأنا أحب ان اخالفهم . (رواه أحمد ۱۸۰، باب صيام التطوع)

وفي المرقاة تحت هذه الرواية والمستحب صومهما جميعاً متوالين تحقيقًا لمخالفة للفريقين. (۱۴/۳۰۴-۳۰۵)

اس روایت کے خط کشیدہ جملے اہم اور مسئلہ کے حل کے لئے قابل غور ہیں، اس روایت اور ذکر کردہ مفاسد واحوال اور اسکول کے مقاصد کے پیش نظر سنیچر اور اتوار کی چھٹیوں کی گنجائش ہے یا نہیں؟

بعض لوگوں نے جمعہ کی اہمیت وفضیلت کے پیش نظر انتظامیہ کو جمعہ کی چھٹی کے لئے توجہ دلائی، تو یہ اعذار پیش کئے گئے کہ سنیچر واتوار کو ہم سب کا توافق ہو جاتا ہے، کاروبار و بازار بند رہتے ہیں۔ دوسرے ایک دو بچے اور بھی ہوتے ہیں، جن کی چھٹیاں انہیں ایام میں ہوتی ہیں؛ اس لئے سب مل کر وقت ساتھ گذار لیتے ہیں اور یہ کہ یہ عام ماحول ہے، اس میں سب کو

سہولت ہے، شادی بیاہ کی تقریبات بھی انہیں دنوں میں منعقد ہوتی ہیں، تو کیا یہ اعذار سنیچر واتوار کی رخصت کے لئے قابل ترجیح ہیں؟ یا تہذیب اسلامی سے ربط نہ ہونے کی وجہ سے مرجوح ومتروک ہونے کے قابل ہیں۔

سوال نمبر۲ رکی مزید وضاحت: کھیل کود جس کو اسلامی تعلیمات میں لہو ولعب سے تعبیر کیا گیا ہے۔

ومن الناس من يشتري لهو الحديث، إنما الحيوة الدنيا لهو ولعب، كل لهو حرام إلا ثلثة وغيره.

اس کو تعلیم کا لازمی جزء قرار دینا مذکورۃ الصدر اداروں کے لئے کہاں تک روا ہے، ان میں جو کھیل ہوتے ہیں، وہ عموماً دوڑ بھاگ کے مقابلے، فٹبال، کرکٹ، ٹینس، رسیوں سے کودنا اور بعض دوسرے جدید کھیل ہوتے ہیں، جس سے مستقبل میں دوسرے اداروں کے بچوں سے مقابلہ کرایا جاسکے وغیرہ غالباً مقاصد ہیں۔ بہر صورت جزء لاینفک قرار دینا کیسا ہے؟

آپ ارباب علم وفضل پر مخفی نہیں کہ عالمی سطح پر جتنی توجہ کھیل تماشہ پر دی جارہی ہے۔ بعض دوسری چیزوں پر نہیں؛ اس لئے نہ صرف یہ کہ کھیل کود اپنے مفہوم یعنی برائے تفریح طبع پر باقی نہ رہے؛ بلکہ ایک پیشہ وارانہ ہنر اور فن بھی بن گیا ہے، اور بچوں میں بڑی رغبت کے ساتھ یہ رجحانات مستحکم ہوتے ہیں کہ کھیل تو بڑی اہم اور قدر کی چیز ہے؛ کیونکہ اس سے ناموری اور بہت جلد سستی شہرت کے ساتھ ساتھ دنیا بھی بہت بہتر بن جاتی ہے؛ اس لئے ضمن میں بطور خاص یہ وضاحتیں مطلوب ہیں۔

(۱) کون کون سے کھیل (اپنے مقاصد کے ساتھ) جائز ہیں، اگر موجودہ ماحول میں ان کے مقاصد کا رخ بدلا جاسکتا ہے، تو اس کی مناسب صورت کیا ہے؟

(۲) اگر لازم قرار نہ دیا جائے، تو اس کے لئے یوم یا کم وزیادہ کتنا وقت مناسب ہے؟ خصوصاً بچیوں کو اس دوڑ میں شریک کرنا کہاں تک اور کس عمر تک درست وجائز ہے؟

امید کہ سوالوں کے جوابات مدلل اور حسب گنجائش مفصل لکھنے کی زحمت فرمائیں گے۔ واجرکم علی اللہ۔

المستفتی: سعیدالرحمٰن فاروقی القاسمی، دارالعلوم امدادیہ، ممبئی-۳

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) ہفتہ واری تعطیل جمعہ کے دن رکھنی چاہئے؛ اس لئے کہ تمام مسلمان نماز جمعہ کے مکلّف ہیں اور شریعت نے صبح سے تیاری کا حکم دیا ہے، اس وجہ سے مدارس دینیہ میں ہفتہ واری تعطیل جمعہ ہی کے دن کرنی ضروری ہے اور ہفتہ میں مذہب اسلام کی رو سے جمعہ کا دن بڑا دن ہے اور اتوار کو دین وشریعت کے نقطۂ نظر سے کوئی خصوصیت حاصل نہیں ہے؛ بلکہ ہفتہ کا دن یہودیوں کا بڑا دن ہے، اور اتوار کا دن نصاریٰ کا بڑا دن ہے، تو دینی مدارس میں ہفتہ اور اتوار کو تعطیل کرنے کی صورت میں یہود ونصاریٰ کے مذہب کی رعایت ہوتی ہے اور مذہب اسلام کی مخالفت ہوتی ہے۔ (مستفاد: محمودیہ قدیم ۱۶/۹۹، ڈابھیل ۸/۳۶۳، امداد الفتاویٰ ۴/۲۶۶)

قال اللّٰہ تعالیٰ: **وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ.** [آل عمران:۸۵]

(۲) کھیل کود کا تعلیم سے کوئی جوڑ نہیں ہے؛ لہٰذا کھیل کود کو تعلیم کا جزء قرار دینا درست نہیں ہے، ہاں البتہ تندرستی کے لئے بطور ورزش کھیلنا جائز ہے اور کھیلوں میں سب سے بہتر کھیل مسابقت یعنی دوڑ میں ایک دوسرے سے سبقت کرنا، اسی طرح جنگی آلات کے ذریعہ مشق کرنا سب سے بہتر کھیل ہے۔ حدیث شریف میں تین قسم کے کھیل کی ترغیب دی گئی ہے:

(۱) گھوڑ دوڑ میں سبقت کرنا۔

(۲) تیراندازی میں نشانہ بازی کرنا۔

(۳) بیوی کو خوش کرنے کے لئے اس کے ساتھ کھیلنا۔

لہٰذا دوڑ میں سبقت کا کھیل موجودہ کھیلوں میں سب سے بہتر ہے اور سوال نامہ میں

کرکٹ، فٹبال اور رسیوں وغیرہ سے جن کھیلوں کا ذکر کیا گیا ہے، اگر ورزش اور تندرستی کی نسبت سے ستر عورت کی حفاظت کے ساتھ کھیلا جائے، تو اس کی گنجائش ہے، مگر بین الاقوامی دنیا میں فساق کے جو کھیل ہیں، ان میں نہ تو ورزش کی نیت ہوتی ہے اور نہ ہی ستر عورت کی حفاظت کا لحاظ ہوتا ہے؛ اس لئے ایسا کھیل مدارس میں جاری نہ کرنا بہتر ہے۔ (مستفاد: امداد المفتیین ۱۰۰۰، کفایت المفتی قدیم ۹/۲۷، جدید زکریا مطول ۱۳/۱۰۳، عزیز الفتاوی ۷۵۰)

أما إذا قصد التلهي، أو الفخر، أو ترى شجاعته فالظاهر الكراهية، وفي الدر المختار أما بدونه فيباح في كل الملاعب (إلى قوله) وأما السباق بلا جعل فيجوز في كل شئ. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، باب الإستبراء وغيره، زكريا۹/۵۷۷- ۵۷۹، كراچي۶/۴۰۲-۴۰۴)

(۳) بچوں کے لئے مردانہ کھیل اور بچیوں کے لئے زنانہ کھیل مناسب ہے، ہر علاقہ میں جو کھیل زنانہ شمار کیا جاتا ہے، وہی کھیل بچیوں کے لئے مقرر کرنا چاہئے اور جو کھیل مسابقت وغیرہ سے متعلق حدیث میں منقول ہے، وہی بچوں کے لئے مناسب ہے۔

عن عبد الله بن عبد الرحمن بن أبي حسين أن رسول الله صلى الله عليه وسلم -إلى- كل ما يلهو به الرجل المسلم باطل، إلا رميه بقوسه، وتاديبه فرسه، وملاعبته أهله، فإنهن من الحق. (سنن الترمذي، باب ماجاء في فضل الرمي في سبيل الله، النسخة الهندية ۱/۱۹۳، دارالسلام رقم:۱۶۳۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱/ شعبان المعظم ۱۴۲۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷/۸۵۵۳)

کبوتر بازی کا حکم

سوال [۱۰۹۲۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ کبوتر بازی کرنا کیسا ہے؟ دیکھنے میں ایسا آیا ہے کہ جو کبوتر پالتے ہیں ان کے گھروں میں بدحالی آئی ہے تو یہ عمل کیسا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کبوتر بازی کرنا حرام ہے؛ کیونکہ اس میں بہت سارے امور خلاف شرع اور مفاسد پیش آتے ہیں، پڑوسیوں کی بے پردگی، تالیاں بجانا، سیٹیاں بجانا وغیرہ وغیرہ اور یہ ساری چیزیں ناجائز اور حرام ہیں۔ (مستفاد: کفایت المفتی جدید ۹/۱۸۷، قدیم ۹/۱۸۰، جدید زکریا مطول ۱۳/۹۷)

عن أبي هريرةؓ، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم رأى رجلا يتبع حمامة، فقال: شيطان يتبع شيطانة. (سنن أبي داؤد، باب في اللعب بالحمام، النسخة الهندية ۲/۶۷۵، دارالسلام رقم: ٤٩٤٠)

عن عثمان أن رسول الله صلى الله عليه وسلم رأىٰ رجلا وراء حمام، فقال: شيطان يتبع شيطانة. (كنز العمال ١٥/٩٨)

فأما سائر ما يتلهى به البطالون من أنواع اللهو كالنرد، والشطرنج، والمزاجلة بالحمام، وسائر ضروب اللعب مما لايستعان به في حق، ولايستجم به لدرك واجب فمحظور كله. (الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٥/٣٣٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰/صفر المظفر ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف خاص ۴۰/۱۱۴۴۲)

پرندہ پالنا کیسا ہے؟

سوال [۱۰۹۳۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ کبوتر پالنا کیسا ہے؟ اسی طرح کسی قسم کا پرندہ پالنا جائز ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کبوتر یا دیگر پرندوں کا پالنا درست ہے، یہ آپ ﷺ کی تقریر سے ثابت ہے کہ حضرت انسؓ کے گھر میں ان کے چھوٹے بھائی نے پرندہ پال رکھا تھا۔ (مستفاد: فتاوی دارالعلوم جدید ۱۶/ ۲۸۵)

عن أنس بن مالکؓ قال: کان رسول الله صلی الله علیه وسلم: یدخل علینا ولي أخ صغیر یکنی أباعمیر، وکان له نغریلعب به، فمات، فدخل علیه النبي صلی الله علیه وسلم ذات یوم فرآه حزیناً، فقال: ماشأنه؟ قالوا: مات نغره، فقال: أبا عمیر ما فعل النغیر. (سنن أبي داؤد، باب ماجاء في الرجل یتکنی ولیس له ولد، النسخة الهندیة ۲/ ٦٧٥، دارالسلام رقم: ٤٩٦٩)

إتخاذ الحمام للبیض والأنس ونحو ذلک جائز غیر مکروه. (حاشیة أبی داؤد ۲/ ٦٧٥)

لابأس بحبس الطیور والدجاج في بیته؛ ولکن یعلفها وهو خیر من إرسالها في السکک. (شامي، کتاب الحظر والإباحة، با الإستبراء وغیره، زکریا ۹/ ٥٧٥، کراچي ٦/ ٤٠١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴/ صفر المظفر ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف خاص ۱۱۴۴۹/۴۰)

تعلیمی تاش کھیلنا جائز ہے یا نہیں؟

سوال [۱۰۹۳۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ چند آدمی تعلیمی تاش بلاشرط تعلیمی معلومات کے لئے کھیلتے ہیں، اس پر

کسی ایک شخص نے اعتراض کیا کہ اس کا کھیلنا درست نہیں، آپ شرع کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: محمد ارشد، بس اسٹینڈ، شریف نگر، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر ہار جیت پر شرط نہیں ہے، اور اس کی وجہ سے نماز وغیرہ میں غفلت بھی نہیں ہوتی ہے تو جائز ہے، ورنہ نہیں۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۴/ ۲۴۰، فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل ۱۹/ ۵۳۵)

وعلى هذا الأصل: فالألعاب التي يقصد بها رياضة الأبدان، أو الأذهان جائزة في نفسها، مالم تشتمل على معصية أخرىٰ، وما لم يؤد الانهماك فيها إلى الإخلال بواجب الإنسان في دينه ودنياه، والله سبحانه أعلم.
(تكملة فتح الملهم حكم الألعاب في الشريعة، اشرفية ديوبند ٤/ ٤٣٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴/ صفر المظفر ۱۴۰۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۴/ ۱۱۱۲)

تفریحاً تاش کھیلنا

سوال [۱۰۹۳۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نماز کا پابند ہے، جماعت کے ساتھ نماز پڑھتا ہے اور شریعت کے مطابق داڑھی بھی رکھتا ہے؛ لیکن رات کو تفریحاً تاش کھیلتا ہے، تو ایسا کرنا درست ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تاش کھیلنا ذہنی عیاشی ہے، مگر اس میں جوا ہوگا

توحرام ہو جاتا ہے اور اگر جوا نہیں ہے، تو حرام تو نہیں، مگر مکروہ ہے؛ البتہ اس کی وجہ سے آدمی فاسق نہیں ہوتا۔

ويكره اللعب الشطرنج، والنرد......ثم إن قامر به تسقط عدالته، وإن لم يقامر لا تسقط. (هداية، كتاب الكراهية، مسائل متفرقه اشرفي ٤/ ٤٧٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳/ ذی قعدہ ۱۴۱۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۲/ ۵۰۲۵)

بغرض تفریح لوڈو کھیلنا

سوال [۱۰۹۳۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہم سات آدمی ہیں اور سبھی نماز پڑھتے ہیں، ہفتہ میں ایک دن ساتوں آدمی دو تین گھنٹہ لوڈو کھیلتے ہیں، جس میں کسی طرح کی کوئی شرط نہیں ہوتی، جب اذان ہوتی ہے، تو نماز پڑھنے چلے جاتے ہیں، تو ہمارا مذہب کیا حکم کرتا ہے؟ ہم لوڈو کھیلیں یا نہیں؟ ہفتہ میں صرف ایک دن دل بہلانے کے لئے بلا کسی شرط کے کھیلتے ہیں۔

المستفتی: محمد شریف

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جسمانی یا دماغی تفریح کے لئے چار شرطوں کے ساتھ کھیل جائز ہو جاتا ہے۔

(۱) جو کھیل کھیلا جائے وہ کھیل کفار یا فساق کا نہ ہو۔

(۲) کھیل میں ہار جیت کی شرط نہ ہو۔

(۳) اس میں مشغول ہونے کی وجہ سے نماز، روزہ جیسی عبادات یا معاشی مشغولیت میں نقصان دہ نہ ہو۔

(۴) کھیل میں کوئی خلاف شرع امر نہ ہو اور سوال نامہ میں درج کردہ صورت میں اگرچہ آخری تینوں شرطوں کی پابندی ہے، مگر پہلی شرط کی پابندی نہیں ہوئی؛ اس لئے کہ لوڈو فساق کا کھیل سمجھا جاتا ہے؛ اس لئے اس سے احتیاط ہی بہتر ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۳۶۴/۱۵، جدید ڈابھیل ۵۳۸/۱۹-۵۳۹)

وعلى هذا الأصل: فالألعاب التي يقصد بها رياضة الأبدان، أو الأذهان جائزة في نفسها، مالم تشتمل على معصية أخرىٰ، وما لم يؤد الانهماك فيها إلى الإخلال بواجب الإنسان في دينه ودنياه، والله سبحانه أعلم. (تكملة فتح الملهم حكم الألعاب في الشريعة، اشرفية ديوبند ٤/ ٤٣٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍محرم الحرام ۱۴۱۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸۳۴/۳۱)

لوڈو اور کیرم بورڈ کھیلنا

سوال [۱۰۹۳۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) لوڈو کھیلنا کیسا ہے اور خاص کر طالب علم کے لئے؟
(۲) کیرم بورڈ کھیلنا کیسا ہے؟

المستفتی: محمد اکرم بجنوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: (۱/۲) لوڈو اور کیرم بورڈ کھیلنے میں کوئی فائدہ نہیں ہے، محض تضییع اوقات ہے اور احکام شرعیہ سے غفلت ہوتی ہے؛ اس لئے ایسے کھیل نہیں کھیلنا چاہئے اور طالب علموں کو بدرجہ اولیٰ ان سب کھیلوں سے اجتناب ضروری ہے۔

إن الملاهي كلها حرام. (درمختار، كتاب الحظر والإباحة، زكريا ٩/ ٥٠٢، كراچي ٦/ ٣٤٨)

وکره تحريما اللعب بالنرد، وكذا الشطرنج وكره كل لهو، لقوله عليه الصلاة والسلام كل لهو المسلم حرام إلا ثلاثة ملاعبته أهله، وتأديبه لفرسه، ومناضلته بقوسه. (در مختار، كتاب الحظر والإباحة، باب الإستبراء وغيره، زكريا ۹/ ٥٦٥- ٥٦٦، كراچي ٦/ ٣٩٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱ر شعبان المعظم ۱۴۱۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۲/ ۴۹۸۳)

کیرم کھیلنا

سوال [۱۰۹۳۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کیرم کھیلنا شرعاً کیسا ہے؟ کیا کیرم بورڈ کھیلنے میں دماغ کی ورزش ہوتی ہے یا دماغ کو تھکانا ہے، عام طور پر لوگ اپنے وقت کو پاس کرنے کے لئے کھیلتے ہیں؟ کیا کسی آدمی کی اس کھیل سے دماغی ورزش کی نیت ہو، تو کیا کھیل سکتا ہے؟

المستفتی: محمد قاسم، گجراتی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر یہ کھیل فساق یا کفار کا کھیل نہیں ہے، اسی طرح اس کی وجہ سے نماز روزہ جیسی عبادات یا معاشی مشغولیت میں کسی قسم کا نقصان نہیں ہے، تو کبھی کبھار کھیلنے کی گنجائش ہوسکتی ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۹/ ۲۰۰، جدید زکریا مطول ۱۳/ ۱۰۲)

مگر میرے خیال میں یہ فساق کا کھیل ہے، اس سے احتراز ہی بہتر ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۱۵/ ۳۶۴، جدید ڈابھیل ۱۹/ ۵۳۶)

وعلى هذا الأصل: فالألعاب التي يقصد بها رياضة الأبدان، أو الأذهان

جائزة في نفسها، مالم تشتمل على معصية أخرىٰ، وما لم يؤد الانهماك فيها إلى الإخلال بواجب الإنسان في دينه ودنياه، والله سبحانه أعلم.
(تكملة فتح الملهم حكم الألعاب في الشريعة، اشرفية ديوبند ٤/ ٤٣٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍محرم الحرام ۱۴۱۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱/ ۳۸۳۵)

پتنگ بازی جائز ہے یا نہیں؟

سوال [۱۰۹۳۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ پتنگ بازی جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: مولانا حفظ الرحمٰن، مدیر ندائے شاہی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: پتنگ بازی کے اندر وہ تمام مفاسد موجود ہیں، جو کبوتر بازی میں ہوتے ہیں، مثلاً چھتوں پر چڑھنے کے وجہ سے عورتوں کی بے پردگی، ہار جیت، تضییع اوقات، ہلاکت کا خطرہ وغیرہ وغیرہ، اطلاع ملی ہے کہ سال گذشتہ جے پور میں ۱۴؍جنوری کو پتنگ لوٹنے میں ۱۵-۱۶؍افراد چھتوں پر سے گر کر ہلاک ہوگئے ہیں۔

نیز آنحضور ﷺ نے اس طرح بازی لڑ کر لوٹنے والوں کو شیطان مردود سے تشبیہ دی ہے؛ اس لئے مذکورہ مفاسد اور آنحضور ﷺ کی ممانعت کی بنا پر پتنگ بازی وکبوتر بازی ناجائز اور حرام ہے، مسلمانوں پر ضروری ہے کہ ایسے مفاسد میں مبتلا ہونے سے لوگوں کو سختی یا حکمت سے روک تھام کیا کریں۔ (مستفاد: اصلاح الرسوم ۱۴، بہشتی زیور ۶/ ۶، مالا بد منہ ۱۶۳)

فإن كان يطيرها فوق السطح مطلعاً على عورات المسلمين (إلى قوله) عزر ومنع أشد المنع، فإن لم يمتنع بذلك ذبحها. (الدر المختار،

كتاب الحظر والإباحة، باب الإستبراء وغيره، زكريا ۹/ ۵۷۵، كراچي ۶/ ۴۰۱)

عن أبي هريرةؓ، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم رأى رجلا يتبع حمامة، فقال: شيطان يتبع شيطانة. (سنن أبي داؤد، باب في اللعب بالحمام، النسخة الهندية ۲/ ۲۷۵، دارالسلام رقم: ۴۹۴۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲ ربیع الثانی ۱۴۰۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۴/ ۱۱۸۳)

پتنگ کٹنے کے بعد اس میں لگے روپیہ کا مالک کون؟

سوال [۱۰۹۳۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ضلع رام پور میں یہ ہوتا ہے کہ پتنگ کیساتھ سو کا پچاس کا بیس کا نوٹ باندھ کراڑایا جاتا ہے، اب پتنگ کٹنے کے بعد ان روپیوں کا مالک کون ہوگا؟ آیا لوٹنے والا کیوں کہ عرفاً وہ نوٹ لوٹنے والے ہی کا سمجھا جاتا ہے، تو کیا لوٹنے والا شرعاً اس کا مالک بن جائے گا یا نہیں؟ مدلل ومفصل بحوالہ کتب جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: (حضرت حفظ الرحمٰن صاحب) مدیر ندائے شاہی ونائب مہتمم مدرسہ شاہی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: پتنگ اور نوٹ دونوں لقطہ کے حکم میں ہوں گے، مالک کو واپس کردینا واجب ہوگا، مالک نہ ملنے کی صورت میں نوٹ کا صدقہ کردینا اور پتنگ کا پھاڑ دینا لازم ہوگا۔

لأن الغني لا يحل له الانتفاع بها. (شامي، كتاب اللقطه، زكريا ۶/ ۴۳۸، كراچي ۴/ ۲۷۹)

اور اگر فتنہ کا خطرہ نہ ہو، تو پتنگ حاصل کرکے پھاڑ دینا بھی جائز ہے جیسا کہ درمختار کی عبارت سے مستفاد ہورہا ہے۔

فإن كان يطيرها فوق السطح مطلعاً على عورات المسلمين، ويكسر زجاجات الناس يرميه تلك الحمامات عزر ومنع أشد المنع، فإن لم يمتنع بذلك ذبحها. (الدر المختار، كتاب الحظر والإباحة، باب الإستبراء وغيره، زكريا ۹/ ۵۷۵، كراچي ۶/ ۴۰۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍ربیع الثانی ۱۴۰۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۸۳/۲۴)

پتنگ کٹ جانے کے بعد اس کا مالک کون ہے؟

سوال [۱۰۹۳۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ پتنگ کٹ جانے پر دوسرے لوگوں کا قبضہ کرلینا اور مالک کو واپس نہ کرنا جائز ہے یا نہیں؛ جبکہ عرف میں چل رہا ہے کہ جو پہلے پکڑ لیتا ہے، وہ اس کا عرفاً مالک بن جاتا ہے۔

المستفتی: مولانا حفظ الرحمٰن، مدیر ندائے شاہی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شریعت اسلامی میں ایسا عرف معتبر نہیں ہے، جو حکم شرع کے خلاف ہو؛ لہٰذا شرعاً لوٹنے والا اس کا مالک نہیں ہوگا؛ بلکہ وہ پتنگ اصل مالک کی ملکیت میں ہی رہے گی، مالک مل جائے تو واپس کردینا واجب ہوگا۔

والعمل بالعرف مالم يخالف الشريعة (عقود رسم المفتي قديم ۹۸)

إن قال من أخذها فهي له ولا تخرج عن مالكه باعتاقه. وفي الشامية: ولو قال من تناول من مالي فهو حلال له، فتناول رجل شيئاً لايحل. (الدر المختار، كتاب الحظر والإباحة، باب الإستبراء وغيره، زكريا ۹/ ۵۷۵، كراچي ۶/ ۴۰۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍ربیع الثانی ۱۴۰۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۸۳/۲۴)

مال کی ہار جیت کے بغیر شطرنج اور چوسر کھیلنا

سوال[١٠٩٣٩]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مارچ ٢٠٠٠ء کے رسالہ میں ندائے شاہی کے مضمون ”جوا اور سٹہ بازی“ کے تحت قرآن پاک کی آیت کریمہ **یا ایھا الذین اٰمنوا انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطان فاجتنبوہ لعکم تفلحون.** کی تفسیر کرتے ہوئے مولانا کلیم اللہ صاحب قاسمی نے صفحہ نمبر٢٨ / پر لکھا ہے کہ شطرنج اور چوسر کو احادیث صیحہ میں حرام قرار دیا گیا ہے؛ کیونکہ ان کھیلوں میں مال کی ہار جیت پائی جاتی ہے، جس سے واضح طور پر یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ اگر ان کھیلوں میں مال کی ہار جیت نہ پائی جائے ،تو یہ کھیل حرام نہیں ہوں گے، جیسا کہ آج کل لوگ دوسرے کھیلوں کی طرح شطرنج بھی بغیر شرط کے کھیلتے ہیں؛ لہٰذا مجھے آپ سے یہی دریافت کرنا ہے کہ آیا ان کھیلوں کا بغیر مال کی ہار جیت کے کھیلنا کسی درجہ میں جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو برائے مہربانی اس کی تشریح سے نوازیں کرم ہوگا۔

المستفتی: محمد ذاکر خاں

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مولانا کلیم اللہ صاحب کا مضمون اپنی جگہ درست ہے؛ اس لئے کہ یہ کھیل مال کی ہار جیت کے ساتھ تو ناجائز ہیں ہی اور آگے بڑھ کر مال کی ہار جیت کے بغیر بھی ناجائز ہیں؛ کیونکہ یہ کھیل آدمی کو اپنی ذمہ داریوں سے غافل کر دیتے ہیں اور آخرت کو بھلا کر دنیا کی رغبت میں مبتلا کر دیتے ہیں اور ان کھیلوں کے اندر شیطان کی اعانت بھی پائی جاتی ہے؛ اس لئے یہ کھیل ہار جیت کے بغیر بھی ناجائز ہیں۔

وكره تحريما اللعب بالنرد، وكذا الشطرنج (در مختار) وتحته في الشامية: وإنما كره لأن من اشتغل به ذهب عناؤه الدنيوي، وجاءه العناؤ الأخروي، فهو حرام، وكبيرة عندنا وفي إباحته اعانة الشيطان على الإسلام والمسلمين. (در مختار مع الشامي، كتاب الحظر والإباحة، باب الإستبراء وغيره، زكريا ٩/ ٥٦٥-٥٦٦، كراچي٦/ ٣٩٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰/ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۶۰۲/۳۵)

کرکٹ، ہاکی، لوڈو، تاش وغیرہ کھیلنا

سوال [۱۰۹۴۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کسی بھی کھیل مثلاً کرکٹ، ہاکی، شطرنج، لوڈو، بیٹ منٹن، تاش وغیرہ کھیلنا جائز ہے یا نہیں؟ یا اسلام میں اس کی ممانعت ہے؟ خلاصہ کیجئے یا جس کھیل کی ممانعت ہو، اس کے بارے میں خلاصہ کیجئے۔

المستفتی: سعد انور ابن عبد الحفیظ، لاجپت نگر، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کھیل خواہ گیند کا ہو یا کوئی دوسرا، اگر اس سے محض کھیل اور لہو ولعب مقصود ہے، تو مکروہ ہے اور اگر تفریح طبع یا رفع کسل، یا تحصیل قوت مقصود ہو تو جائز ہے بشرطیکہ کسی ممنوعات شرعیہ پر مشتمل نہ ہو؛ البتہ تاش شطرنج اور لوڈو کا کھیلنا کسی صورت میں مستحسن نہیں ہے۔

وقال الشاميؒ: أما إذا قصد التلهي، أو الفخر، أو لترىٰ شجاعته، فالظاهر الكراهة أما بدونه فيباح في كل الملاعب. (شامي، كتاب الحظر

والإباحة، باب الإستبراء وغيره، زكريا ٩/٥٧٧، كراچي٦/٤٠٢، امداد المفتيين١٠٠٠،
عزيز الفتاوى ص:٧٥٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ جمادی الثانیہ ۱۴۱۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۵۸۲۹/۳۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۶/۲۳ھ

کرکٹ کھیل کا حکم

سوال [۱۰۹۴۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کرکٹ کا کھیل جائز ہے یا حرام؟ کچھ دنوں قبل گجرات کے مفتیان کرام نے بیک زبان حرام قرار دیدیا ہے؛ حالانکہ محمد میاں صاحب نے دینی تعلیم کے رسالہ میں جہاں جائز کھیلوں کا تذکرہ کیا ہے اور لکھا ہے کہ کھیلا کرو، اس میں کرکٹ کا بھی تذکرہ کیا ہے۔

المستفتی: ارشد خاں شاہد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: حدیث اور روایات فقہیہ سے واضح ہے کہ لہو ولعب شرعاً دراصل ممنوع ہے؛ لیکن اگر کوئی غرض اس سے متعلق ہے جیسے تفریح طبع اور ورزش وغیرہ، تو پھر جائز ہوگا، اس اعتبار سے کرکٹ کھیلنا جائز ہے؛ لیکن شرط یہ ہے کہ یہ کھیل اس طرح ہو کہ ان میں کوئی امر خلاف شرع نہ ہو اور نہ تشبہ بالکفار ہو، نہ لباس وطرز وضع میں انگریزیت ہو، اور نہ ہی گھٹنے کھلے ہوئے ہوں، نہ اپنے نہ دوسروں کے اور نہ اس طرح اشتغال ہو کہ ضروریات اسلام نماز وغیرہ میں خلل آئے، کوئی شخص ان شرائط کے ساتھ کرکٹ کھیل سکتا ہے، تو جائز ہے ورنہ نہیں۔ آج کل چونکہ ان شرائطوں کا لحاظ نہیں کیا جاتا؛ اس لئے ناجائز کہا جاتا ہے۔ (مستفاد: عزیز الفتاوی ۱/۷۵۰، امداد المفتیین ص:۱۰۰۱-۱۰۰۲)

وقال الشاميؒ: أما إذا قصد التلهي، أو الفخر، أو لترىٰ شجاعته،

فالظاهر الكراهة. وفي الدر المختار: أما بدونه فيباح في كل الملاعب.

(شامي، كتاب الحظر والإباحة، باب الإستبراء وغيره، زكريا ۹/۵۷۷، كراچي ٦/٤٠٢، امداد المفتيين ص: ۱۰۰۰/ عزيز الفتاوى ص: ۷۵۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴/ ۶۱۸۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۶/۴ھ

علماء وطلباء کا کرکٹ وغیرہ کھیلنا

سوال [۱۰۹۴۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کرکٹ، فٹ بال، ٹینس، کھیلنا کیسا ہے؟ اگر کرکٹ کے عدم جواز کی علت انہماک اور امور دین سے غفلت ہے، تو کیا طلبۂ مدارس میں تفریح طبع کے لئے حدود شرع کی رعایت کے ساتھ اجازت دی جاسکتی ہے یا نہیں؟ اسی طرح اگر علماء بھی کھیلیں تو کوئی حرج تو نہیں؟ قرآن وحدیث وکتب سے مدلل تحریر فرمائیں۔

المستفتی: مفتی حسام الدین، مقیم امراوتی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جسم کی ورزش اور بدن کی تندرستی بڑھانے کے لئے بطور ورزش کوئی بھی ایسا کھیل جائز ہے، جو شریعت کو پامال نہ کرتا ہو اور اس کھیل کو کھیلنے والوں کیلئے ستر پوشی اور حدود کی رعایت رکھ کر تندرستی اور ورزش کی غرض سے کرکٹ، فٹ بال، وٹینس بھی کھیلنے کی گنجائش ہے، بشرطیکہ اس کھیل میں لوگوں کی تماشائی اور ہار جیت میں معاوضہ وغیرہ نہ ہو، اور نماز باجماعت سے اور اپنی دینی ودنیاوی ومعاشی ذمہ داریوں سے غفلت نہ ہو۔ (مستفاد: جواہر الفقہ قدیم ۲/۳۵۱، جدید زکریا ۴/۵۷۳، امداد المفتیین ۱۰۰۱)

وعلى هذا الأصل: فالألعاب التي يقصد بها رياضة الأبدان، أو الأذهان

جائزة في نفسها، مالم تشتمل على معصية أخرىٰ، وما لم يؤد الانهماك فيها إلى الإخلال بواجب الإنسان في دينه ودنياه، والله سبحانه أعلم.

(تكملة فتح الملهم حكم الألعاب في الشريعة، اشرفية ديوبند ٤ /٤٣٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴ ؍صفر المظفر ۱۴۲۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸ ؍۹۴۸۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۲/۲۴ھ

کرکٹ سے متعلق چند سوالات کے جوابات

سوال [۱۰۹۴۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اس زمانہ کے اکثر لوگ بے فائدہ اور نقصان دہ کھیلوں میں مدہوش اور منہمک ہیں، خصوصاً کرکٹ میں اور رات دن اسی کے نشہ میں رہتے ہیں کبھی تو کھیلتے ہیں اور کبھی تو دیکھتے ہیں اور کبھی سنتے ہیں اور اسی میں پوری زندگی کو جو کہ بہت قیمتی ہے ضائع کررہے ہیں۔

اور جو کرکٹ کھیل دو دو ملکوں کے درمیان ہوتا ہے، مثلاً ہندوستان، پاکستان وغیرہ وغیرہ میں، تو افسوس صد ہا افسوس کہ نماز ذکر تلاوت تسبیح چھوڑ کر کمینٹری سننے دیکھنے میں مدہوش ہوجاتے ہیں، خصوصًا مدارس اسلامیہ کے طلبہ اس میں زیادہ مشغول ہیں اور بعض اساتذہ بھی اس میں شامل ہیں، بڑے بڑے اساتذہ دورے میں پڑھانے والے اسی کے نشہ میں پڑگئے ہیں۔ گذشتہ سال کا واقعہ ہے کہ ضلع سہارنپور میں بہت بڑے مدرسہ کے استاذ آخری سال میں دورۂ حدیث کے آخری سبق اور آخری دعا میں حاضر ہونے سے قاصر رہے؛ کیونکہ اس دن ہندوستان اور پاکستان کے درمیان کھیل ہورہا تھا۔

بہرحال مدارس کے طلبہ کا حال یہ ہے کہ وہ تو اس وقت کھانا، پینا، سونا، نماز جماعت تلاوت، تسبیح، سبق، درس چھوڑ کر کمینٹری سنتے رہتے ہیں اور ان کا حال یہ ہے کہ ہر ایک کے پاس ایک ایک ٹی وی (T.V.) یا ریڈیو ضرور ہوتا ہے اور کم از کم ایک ایک کمرے میں تو

ایک ٹیوی یا ریڈیو ضرور ہوتا ہے اور یہ ٹی وی چھوٹا چھوٹا ہوتا ہے؛ لہٰذا اینٹینے کی ضرورت نہیں پڑتی ہے، بعض طلبہ تو مدرسہ کے باہر کمرہ کرایہ پر رکھ کر اس میں بڑا ٹی وی رکھ کر اس میں کھیل دیکھتے اور سنتے ہیں۔ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ کھیل سننے اور دیکھنے کے جتنے طریقے ہیں، وہ سب طریقے اختیار کرتے ہیں۔

میں نے اپنی آنکھ سے دورۂ حدیث، تکمیلات کے طلبہ کو اس کمینٹری کو سنتے ہوئے نماز قضا کرتے ہوئے دیکھا کہ ادھر جماعت ہو رہی ہے اور وہ مسجد کے کمرے میں بیٹھ کر کمینٹری سن رہا ہے، ادھر کان میں جماعت کی آواز آرہی ہے؛ لیکن وہ غافل کھیل سن رہا ہے، اسی طرح اذان کے وقت تلاوت کے وقت سنتے ہیں اور مسجد کے اندر بیٹھ کر بھی سنتے ہیں، درسگاہ میں بیٹھ کر بھی سنتے ہیں۔

کھیل جب ہوتا ہے، تو کھیل سنتے رہتے ہیں اور جب کھیل نہیں ہوتا، تو وہ لوگ یا تو کھیلتے ہیں یا اس کا تذکرہ کرتے رہتے ہیں اور ہر جملہ میں کم از کم ایک مرتبہ اس کا تذکرہ کرتے ہیں، ایک دوسرے کو کھلاڑیوں کے نام سے پکارتے ہیں، مثلاً ایک دوسرے کو سچن، شعیب اختر، کیف وغیرہ سے پکارتے ہیں، یہ سب کھلاڑیوں کے نام ہیں۔

مذکورہ حالت تو کرکٹ سننے والوں کی ہے، اور بعض طلبہ ورلڈ کپ فٹبال میں بالکل ایسے ہی مشغول ہیں جیسے کرکٹ سننے والوں کا حال ہے اور یہ اکثر برمہ کے رہنے والے طلبہ کا حال ہے، وہ کھیل تو چار سال میں ایک مرتبہ ہوتا ہے اور تقریباً دو ماہ تک رہتا ہے، اور ایسے دلچسپی رکھنے والے اس کو خوب دیکھتے اور سنتے ہیں اور اس فٹبال کھیلنے میں بھی خوب دلچسپی ہے، اور اکثر اس کو کھیلتے ہیں۔

بہر حال تقریباً تمام مدارس اسلامیہ کے طلبہ اس میں مشغول ہیں اِلا ماشاء اللہ دو ایک مدارس مثلاً اس میں مدرسہ شاہی مرادآباد وغیرہ یہاں تک کہ دارالعلوم دیوبند کے طلبہ بھی اس عالمی وبا (کرکٹ) میں مدہوش ہیں اور آج کل تو کم از کم ساٹھ فی فیصد طلبہ اس کے نشہ میں

پڑ کر بالکل برباد ہورہے ہیں چھوٹے چھوٹے لڑکوں کی زبان میں کھیل کا تذکرہ سنا جاتا ہے۔

ہم نے ان کو ایسے منہمک ہونے سے منع کیا تھا اور امداد الفتاوی ۲۵۳/۴ (غنا ومزامیر اورلہولعب وتصاویر کے احکام) اور فتاوی رحیمیہ جس میں تفصیلی بحث ہے ۲۷۵/۷ (باب الامامۃ) کا حوالہ بھی دیا؛ لیکن وہ طلبہ نہیں مانتے اور فتاوی دارالعلوم کے مفتی شفیع صاحب کے قول سے جواز پر استدلال کرتے ہیں اور ان کھیلوں کو جائز بلکہ اولیٰ بتاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اب یہ زمانہ صوفیانہ نہیں ہیں؛ بلکہ دنیا کے ساتھ چلنا چاہئے۔

لہٰذا بندہ مجبور ہوکر حضرت والا کے پاس ایک استفتاء بھیج رہا ہے، امید ہے کہ بالتفصیل مع دلائل کثیرہ جواب سے نوازیں۔

(۱) بغیر کسی غرض کے کرکٹ کھیلنے کا حکم کیا ہے، اور جسمانی ورزش کے لئے کھیلنے کا کیا حکم ہے اور ان دونوں صورتوں میں میدان میں بیٹھ کر دیکھنے کا کیا حکم ہے؟

(۲) عام طور پر جو دوملکوں کے درمیان کرکٹ ہوتا ہے، بغیر کسی اہتمام کے کبھی کبھی اخبار میں اس کے نتیجہ کو پڑھنے کا کیا حکم ہے اور اہتمام سے یعنی دائمی پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

(۳) کرکٹ کی کمینٹری (Commentry) کو ریڈیو میں کبھی کبھی بغیر انہاک کے سننے کا کیا حکم ہے اور انہاک سے سننے کا کیا حکم ہے؟

(۴) کرکٹ کی کمینٹری کو ٹی وی (T.V.) میں بغیر اہتمام کے سننے کا دیکھنے کا کیا حکم ہے اور ہمیشہ اس کمینٹری کو دیکھنے کا کیا حکم ہے؟

(۵) فٹ بال (Foot Ball) بغیر کسی غرض کے کھیلنے کا کیا حکم ہے اور جسمانی ورزش کے لئے کھیلنے کا کیا حکم ہے اور ان دونوں صورتوں میں میدان کے اندر بیٹھ کر دیکھنے کا کیا حکم ہے؟

(۶) ورلڈ کپ فٹ بال (World Cup Foot Ball) کبھی کبھی اخبار میں پڑھنے کا کیا حکم ہے اور اہتمام سے پڑھنے کا حکم کیا ہے؟

(۷) ورلڈ کپ فٹ بال کی کمینٹری کو عدم اہتمام کے ساتھ ریڈیو میں سننے کا حکم کیا ہے

اور بلا اہتمام سننے کا کیا حکم ہے؟

(۸) ورلڈ کپ فٹ بال کی کمینٹری کو عدم انہماک سے ٹی وی میں دیکھنے کا کیا حکم ہے اور مع انہماک دیکھنے کا کیا حکم ہے؟

(۹) کتنے کھیل جائز اور کتنے کھیل ناجائز؟ جتنے کھیل جائز ہیں کیا وہ مطلقاً جائز ہیں یا کسی شرط کے ساتھ مشروط ہیں؟

(۱۰) کھیل سنتے وقت کسی موقع پر سبحان اللہ یا الحمد للہ یا انا للہ پڑھنا کیسا ہے، مثلا کسی کھلاڑی نے چار رن بنائے یا کوئی آؤٹ (Out) ہوگیا، تو اس وقت مذکورہ اذکار پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ **بینوا بالدلائل العقلية والنقلية مع التفصيل ليشفي العليل وتوجروا بالأجر الجزيل.**

المستفتی: محمد نیاز الدین الجلیلی، کریم گنج (آسام)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: (۱) بغیر کسی غرض کے کرکٹ کھیلنا جب کہ اس میں دینی یا دنیاوی فائدہ نہ ہو درست نہیں ہے؛ کیونکہ اس میں اضاعت وقت ہے اور اگر جسمانی طاقت ورزش مقصود ہو اور اس میں خلاف شرع کوئی کام نہ ہو اور باقاعدہ ستر پوشی کا انتظام ہو اور فرائض اسلام نماز وغیرہ میں خلل نہ ہو، تو جائز ہے؛ لیکن آج کل چونکہ عمومًا یہ شرائط کرکٹ کھیلنے میں مقصود ہیں؛ اس لئے ناجائز کہا جائے گا۔

نیز کرکٹ میچ کو میدان میں دیکھنا جبکہ وہاں نوجوان لڑکیاں اور عورتیں موجود ہوں اور اسکے علاوہ دیگر خلاف شرع امور ہوں تو ناجائز اور سخت گناہ کا باعث ہے۔

وكره كل لهو أي كل لعب وعبث إلى قوله قد جاء الأثر في رخصة المسارعة لتحصيل القدرة على المقاتلة دون التلهي، فإنه مكروه. (، فتاوی رحيمية ۲۷۷/۷، امداد المفتيين ص: ۱۰۰۲، شامي، كتاب الحظر والإباحة، باب الإستبراء وغيره، زكريا ۵۶۶/۹، كراچي ۳۹۴/۶)

(۲) احکام شرعیہ مثلاً نماز وغیرہ سے غفلت نہ ہو، تو اہتمام کے ساتھ اور بغیر اہتمام کے خبریں پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاوی رحیمیہ ۷/۲۷۷)

(۳) اہتمام کے ساتھ یا بغیر اہتمام کے کرکٹ کمینٹری کو ریڈیو پر سننے میں محض وقت کا ضیاع ہے: حالاں کہ وقت اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے، ساتھ ہی ساتھ اس میں آخرت کا بھی فائدہ نہیں ہے؛ بلکہ خسارہ ہی خسارہ ہے۔ حدیث شریف میں لایعنی باتوں میں مصروف ہونے سے منع فرمایا گیا ہے۔

عن عليؓ قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: من حسن إسلام المرء ترکه مالایعنیه. (مسند أحمد بن حنبل ۱/۲۰۱، رقم: ۱۷۳۷، سنن الترمذي، باب بلا ترجمة، النسخة الهندية ۲/۵۸، دارالسلام رقم: ۲۳۱۷-۲۳۱۸)

(۴) ٹی وی پر اہتمام یا غیر اہتمام کے ساتھ کمینٹری دیکھنے میں بہت سارے مفاسد ہیں اولاً تماشائی نیم عریاں لڑکیوں کی تصاویر سامنے آنا۔ ثانیاً ہر چھ بال کے بعد ایڈوٹائز آتا ہے، جو فلم دیکھنے کے مشابہ ہے، نیز نمازوں کا ضیاع، وقت کا ضیاع وغیرہ مفاسد کو شامل ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے، اس سے احتراز کرنا اور بچنا نہایت ہی لازم اور ضروری ہے۔

وکره کل لهو أي کل لعب وعبث إلی قوله والإطلاق شامل لنفس الفعل واستماعه. (شامي، کتاب الحظر والإباحة، باب الإستبراء وغیره، زکریا ۹/۶۶، ٤، کراچي ٦/٣٩٤، فتاوی رحیمیة ٧/٢٧٨)

(۵) فٹ بال کا حکم بھی کرکٹ ہی کے مانند ہے؛ لہٰذا اس کا جواب نمبر ا/ میں آ گیا۔ (مستفاد: امداد المفتیین ص: ۱۰۰۲)

(۶) اس کا جواب نمبر ۲/ میں آ گیا۔

(۷) اس کا جواب نمبر ۳/ میں آ گیا۔

(۸) اس کا جواب نمبر ۴/ میں آ گیا۔

(۹) کھیلوں کے سلسلے میں یہ بات ذہن نشین ہو کہ اسلام نے اس معاملہ میں نہ

کھلی آزادی دی ہے اور نہ ہی تنگ نظری سے کام لیا ہے؛ بلکہ کچھ شرطوں کے ساتھ کھیلوں کی اجازت ہے۔

(۱) کھیل میں ستر کے حدود کی رعایت کی جائے۔

(۲) کھیل میں ایسا مصروف نہ ہو کہ دینی فرائض سے بھی غفلت ہوجائے۔

(۳) ایسی دوطرفہ شرطیں نہ ہوں کہ جس سے قمار کی صورت پیدا ہوجائے۔

(۴) پھر ان میں وہ کھیل جس سے جسمانی ورزش وچستی پیدا ہو، تو زیادہ پسندیدہ ہے، جس کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے گھوڑ سواری دوڑ اور تیر اندازی کو پسند فرمایا، جو جسم میں چستی وتوانائی کا باعث بنتے ہیں؛ لیکن آج کل عموماً یہ شرائط موجودہ کھیلوں کرکٹ، فٹ بال اور ٹینس میں موجود نہیں ہیں؛ اس لئے ناجائز کہا جاتا ہے۔ (امداد المفتیین ص:۱۰۰۲، جدید فقہی مسائل ۱/۲۵۴)

(۱۰) کھلاڑی کی عمدہ کارکردگی یا اس کے آؤٹ ہوجانے کی بنا پر ذکر یا تسبیح پڑھنا جائز نہیں ہے؛ بلکہ پڑھنے والا سخت گنہگار ہوگا۔

وإن سبح على أن الفاسق يعمل الفسق كان آثمًا. (الأشباه والنظائر قديم ص: ٥٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/ شعبان المعظم ۱۴۲۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸/ ۹۱۱۳)

انڈیا ٹیم کی جیت کے لئے دعا کرنا

سوال [۱۰۹۴۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ انڈیا پاکستان کا جو میچ ہوتا ہے، انڈیا میں صرف ٹیم کا مالک مسلمان ہے اور انڈیا تو اپنا دیش ہے اور پاکستان ٹیم میں سب کے سب مسلمان ہیں، تو انڈیا کی طرف سے دعا کرنی

چاہئے یا نہیں؟ یہاں مدرسہ میں کچھ لڑکے انڈیا کی تعریف کرتے ہیں اور انڈیا کے جیتنے کی دعا کرتے ہیں۔ دوسرے کہتے ہیں کہ ہندوؤں کے لئے دعا کرتے ہو، جس میں صرف ایک ہی مسلمان ہے، تو اس کے بارے میں حضرات مفتیان کرام کیا فرماتے ہیں؟ اور انڈیا والے کہتے ہیں کہ جس دیش میں رہتے ہو، اس کی برائی کرتے ہو۔

المستفتی: محمد لقمان، کانپوری، مدرسہ اشرف المدارس، ہردوئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس طرح میچ کھیلنا دیکھنا جائز نہیں، اسی طرح اس میں کسی ٹیم کے لئے دعا کرنا بھی جائز نہیں چاہے ہندوستان کی ٹیم ہو، یا پاکستان کی؛ کیونکہ یہ اعانۃ علی المعصیۃ ہے، جو شرعاً ممنوع ہے۔ قرآن پاک میں ہے۔

وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ. [المائدہ:۲]

درمختار میں ہے۔

وكره كل لهو لقوله عليه السلام كل لهو المسلم حرام.

اور شامی میں ہے۔

والإطلاق شامل لنفس الفعل واستماعه كالرقص، والسخرية، والتصفيق (إلى قوله) وكلها مكروهة؛ لأنها زي الكفار. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، باب الإستبراء وغيره، زكريا ٩/٥٦٦، كراچي ٦/٣٩٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍ ربیع الاول ۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴؍ ۶۰۵۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۳/۴ھ

(۱۹) باب استعمال الذهب والفضة وغيرها

مردوں کے لئے کن چیزوں میں چاندی کا استعمال جائز؟

سوال [۱۰۹۴۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مردوں کے لئے مقدار مقررہ سے زائد چاندی اور سونا یا دیگر اشیاء نمائش کا استعمال کرنا کیسا ہے؟ اور اس کے ساتھ نماز ہوگی یا نہیں؟

المستفتی: محمد ادریس، جامعہ ملیہ دہلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مردوں کے لئے صرف چاندی کی انگوٹھی کی اجازت ہے، اس کے علاوہ سونا، اسٹیل، تانبا وغیرہ کسی اور دھات کی کوئی انگوٹھی مردوں کے لئے جائز نہیں ہے، اور انگوٹھی کے علاوہ گھڑی کی چین وغیرہ گھڑی کی حفاظت کے لئے استعمال کرنا جائز ہے اور کپڑے میں بٹن کا استعمال کرنا بھی جائز ہے، ان کے علاوہ کسی اور طریقہ سے کسی قسم کی دھات کا استعمال مردوں کے لئے جائز نہیں ہے۔

عن عبد الله رضي الله عنه، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم إتخذ خاتما من ذهب، وجعل خاتما من ذهب، وجعل فضة مما يلي كفه، واتخذه الناس، فرمي به، واتخذ خاتما من ورق، أو فضة. (صحيح البخاري، باب خواتيم الذهب، النسخة الهندية ۲/ ۸۷۱، رقم:۵۶۳۶، ف:۵۸۶۵)

عن ابن بريدة، عن أبيه، قال: جاء رجل إلى النبي صلى الله عليه وسلم خاتم من حديد، فقال: مالي أرى عليك حلية أهل النار؟ ثم جاءه

وعليه خاتم من صفر، فقال: مالي أجد منك ريح الأصنام؟ ثم أتاه وعليه خاتم من ذهب، فقال: إرم عنك حلية أهل الجنة؟ قال: من أي شيئ أتخذه؟ قال: من ورق ولا تتمه مثقالا. (سنن الترمذي، باب ماجاء في الخاتم الحديد، النسخة الهندية ١/٣٠٨، دارالسلام رقم:١٧٨٥)

ولا يتحلي الرجل بذهب و فضة مطلقًا إلا بخاتم –ولا يتختم إلا بالفضة لحصول الاستغناء بها فيحرم بغيرها كحجر –فعلم أن التختم بالذهب، والحديد، والصفر حرام– ولايكره في المنطقة حلقة حديد. وفي الشامية: وانتطق الرجل شد وسطه بمنطقة كتنطق –وهذا أنسب هنا. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في اللبس، زكريا ٩/٥١٦، كراچي ٩/٣٥٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۷ محرم الحرام ۱۴۲۳ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶/ ۷۴۶۷)	۱۴۲۳/۱/۲۷ھ

مرد کے لئے چاندی کی انگوٹھی کے نگینہ پر سونا استعمال کرنا

سوال [۱۰۹۴۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ چاندی کی انگوٹھی کے نگینہ پر تھوڑا سا سونا استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: مجیب الرحمٰن، ندیادی متعلم مدرسہ امدادیہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: چاندی کی انگوٹھی کے نگینہ پر تھوڑا سا سونا استعمال کرنا جائز ہے۔

وحل مسمار الذهب في حجر الفص. (الدر المختار، كتاب الحظر

والإباحة، فصل في اللبس، زكريا ٥١٩/٩، كراچي ٣٦٠/٦، كوئٹه ٢٥٤/٥، الموسوعة الفقهية الكويتية ١١١/١٨، هدايه اشرفي ٤٥٧/٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ربیع الثانی ۱۴۰۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۶۳۰/۲۳)

سونے کا نگ لگی ہوئی انگوٹھی کے استعمال کا حکم

سوال[۱۰۹۴۷]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ وہ چاندی کی انگوٹھی جس میں سونے کا نگ لگا ہو، اس کو استعمال کرنا کیسا ہے؟ مدلل تحریر فرمائیں۔

المستفتی: مجیب الرحمٰن، مدرسہ افضل العلوم، تاج گنج، آگرہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: چونکہ نگینہ حلقہ کے تابع ہوتا ہے؛ اس لئے اگر وہ سونے کا ہو، پھر بھی جواز معلوم ہوتا ہے، جیسا کہ سونے کے وہ بٹن جو کپڑے سے متصل ہوتے ہیں، کپڑے کے تابع ہوکر، اس کا استعمال درست ہوگا۔

وأما الفص فلا يبالي به من أي نوع منها، وليحرر الجواز بنص.

(**طحطاوي**، كتاب الحظر والإباحة، فصل في اللبس، كوئٹه ١٨١/٤)

ثم الحلقة في الخاتم هي المعتبرة؛ لأن قوام الخاتم بها ولا معتبر بالفص حتى أنه يجوز أن يكون حجراً وغيره. كذا في السراج الوهاج.

(هندية، الباب العاشر في استعمال الذهب والفضة، زكريا قديم٥ /٣٣٥، جديد ٣٨٩/٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹/جمادی الثانیہ ۱۴۱۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۵۷۳۹/۳۳)

چاندی کے علاوہ دیگر دھاتوں کی انگوٹھی پہننا

سوال [۱۰۹۴۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مردوں کے واسطے چاندی کی انگوٹھی کے علاوہ کیا لوہے، پیتل، اوراسی طرح پتھروں کی انگوٹھیاں پہننا جائز ہے یانہیں؟

المستفتی: محمد دانش، محلّہ کسرول، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مردوں کے لئے چاندی کی ایک انگوٹھی کے علاوہ کسی اوردھات لوہے، پیتل، تانبا وغیرہ کی انگوٹھی پہننا جائز نہیں اورعورتوں کے لئے چاندی اورسونے کی انگوٹھی جائز ہےاوران کے علاوہ کسی اوردھات کی انگوٹھی عورتوں کے لئے بھی ممنوع ہے۔(مستفاد: بہشتی زیور۳/۶۲)

اسی طرح پتھر کی بھی جائز نہیں۔

عن عبد اللّٰہ بن بریدةؓ، عن أبیه، قال: إن رجلاً جاء إلی النبي صلی اللّٰہ علیه وسلم وعلیه خاتم من حدید، فقال: مالي أری علیک حلیة أهل النار، فطرحه، ثم جاءہ وعلیه خاتم من شبه، فقال: مالي أجد منک ریح الأصنام، فطرحه، قال: یا رسول اللّٰہ! من أي شيءٍ أتخذہ؟ قال: من ورق ولاتتمه مثقالا. (سنن النسائي، مقدار ما یجعل في الخاتم من الفضة، النسخة الهندیة۲/۲۴۵، دارالسلام رقم: ۵۱۹۵، سنن أبي داؤد، باب ماجاء في خاتم حدید، النسخة الهندیة۲/۵۸۰، دارالسلام رقم:۴۲۲۳)

عن أم عمرو بنت عمرو، قالت: کانت عائشةؓ تنهانا أن نتحلي الذهب، أو نضبب الآنیة، أونحلقها بالفضة، فما برحنا حتی رخصت لنا، وأذنت لنا أن نتحلی الذهب، وما أذنت لنا ولا رخصت لنا أن نحلق الآنیة،

أو نضببها بالفضة. (المصنف لإبن أبي شيبة، من كره الشرب في الإناء المفض، موسسه علوم القرآن ۱۲/ ۲۹۱، رقم: ۲٤٦۳۷)

ولايتختم إلا بالفضة لحصول الاستغناء بها فيحرم بغيرها كحجر، وتحته في الشامية: فعلم أن التختم بالذهب والحديد، والصفر حرام (إلى قوله) والتختم بالحديد، والصفر، والنحاس، والرصاص مكروه للرجال، والنساء. (شامي، كتاب الكراهية، فصل في اللبس، زكريا ۹/ ۵۱۷، کراچي ٦/ ۳۵۹-۳٦۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰؍محرم الحرام ۱۴۲۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷؍ ۸۲۱۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۳۰؍۱؍۱۴۲۵ھ

مرد کے لئے مختلف دھاتوں کی انگوٹھی پہننا

سوال [۱۰۹۴۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرے گھر سے ایک خط آیا ہے، جس میں لکھا ہے کہ سونے سے لے کر لوہے تک جو بھی دھاتیں ہیں، خواہ وہ پیتل ہو، خواہ وہ چاندی ہو، خواہ وہ کوئی بھی دھات ہو، اس کا استعمال کرنا انگوٹھی کی شکل میں ہو چاہے وہ چشمہ کی شکل میں ہو یا وہ بٹن کی شکل میں ہو، خواہ وہ کسی بھی شکل میں اس کا استعمال کرنا عوام کے لئے کیسا ہے؟ اور خواص کے لئے کیسا ہے؟ حضرت والا سے گذارش ہے کہ جلد از جلد جواب سے نوازیں۔

المستفتی: محمد عالم، سیتاپوری، متعلم مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مردوں کے لئے چاندی کے علاوہ باقی کسی بھی دھات کی انگوٹھی جائز نہیں اور مردوں کے لئے سونے چاندی کی چین اور چشمہ کا فریم بھی جائز

نہیں ہے؛ البتہ اگر بٹن کو باقاعدہ کپڑے کے ساتھ سل کر ضم کر دیا جائے، تو گنجائش ہے اور اگر دھلنے اور پریس کرنے کے وقت علاحدہ کیا جا سکتا ہے، تو جائز نہیں۔

نیز سونا، چاندی کے علاوہ ہر قسم کی دھات کا مردوں کے لئے گھڑی کی چین، بٹن، چشمہ کے فریم میں استعمال کرنا جائز ہے، انگوٹھی میں ناجائز ہے اور عورتوں کے لئے انگوٹھی میں صرف سونا، چاندی کا استعمال جائز ہے، دوسری دھاتوں کا استعمال انگوٹھی میں عورتوں کے لئے بھی ناجائز ہے۔

عن ابن بريدة، عن أبيه، قال: جاء رجل إلى النبي صلى الله عليه وسلم وعليه خاتم من حديد، فقال: مالي أرى عليه حلية أهل النار؟ ثم جاءه وعليه خاتم من صفر، فقال: مالي أجد منك ريح الأصنام؟ ثم أتاه وعليه خاتم من ذهب، فقال: إرم عنک حلية أهل الجنة؟ قال: من أي شيئ أتخذه؟ قال: من ورق ولا تتمه مثقالا. (سنن الترمذي، باب ماجاء في الخاتم الحديد، النسخة الهندية ۱/ ۳۰۸، دارالسلام رقم: ۱۷۸۵، مسند أحمد البزار مکتبه العلوم والحكم ۱۰/ ۳۰۹، رقم: ٤٤٣٠)

أن التختم بالفضة حلال للرجال بالحديث، وبالذهب، والحديد، والصفر، حرام عليهم بالحديث. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في اللبس، زكريا ۹/ ۵۱۷، كراچي ٦/ ٣٦٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶؍ رجب المرجب ۱۴۱۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۲/ ۴۵۲۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۶/۷/۶ھ

مرد کے لئے سونے چاندی کے بٹن کا استعمال

سوال [۱۰۹۵۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل

کے بارے میں : کہ ایک شخص نے سونے کے چار بٹن اپنی قمیص میں استعمال کرنے کے لئے اس سبب سے بنوائے کہ سفر میں وقت ضرورت فروخت کر کے اپنی پریشانی کو دور کرلے اور کسی کے سامنے دست سوال دراز نہ کرے۔ براہ کرم مفصل جواب سے مطلع فرمائیں کہ یہ عمل جائز ہے اور نماز میں کوئی فرق تو نہیں آتا؟

المستفتی: محمد اکرام، تحصیل اسکول، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: فتاوی رشیدیہ وغیرہ میں شامی کی عبارت سے استدلال کر کے سونے کا بٹن استعمال کرنا مردوں کے لئے مطلقاً جائز لکھا ہے اور امداد الفتاوی، فتاوی احیاء العلوم، فتاوی رحیمیہ محمودیہ وغیرہ میں شامی کی عبارت کا مطلب کاما بتولی کی گھنڈی نکال کرنا جائز قرار دیا ہے؛ لیکن مذکورہ ضرورت کی بناء پر بلاکسی اختلاف کے سب کے نزدیک جائز ہوگا۔

ولاتشد الأسنان بالذهب، وتشد بالفضة—إلى قوله— ان الأصل فيه التحريم والإباحة للضرورة. (هداية، كتاب الكراهية، فصل في اللبس، اشرفي ٤/٤٥٧)

قال الخطابي فيه استباحة استعمال اليسير من الذهب للرجال عند الضرورة كربط الأسنان، وما جرى مجراه مما لا يجري غيره فيه مجراه. (عون المعبود، باب ماجاء في ربط الاسنان بالذهب، دارالكتاب العربي ٤/١٤٨، الموسوعة الفقهية الكويتية ٢١/ ٢٨٠- ٢٨١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱/ ذی الحجہ ۱۴۰۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۵/ ۱۴۶۸)

ایضاح المسائل کے ایک مسئلہ پر اعتراض کا جواب

سوال [۱۰۹۵۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ احقر دار العلوم دیوبند میں تدریب الإفتاء کا طالب علم ہے اور حضرت مولانا محمد احتشام الحسن صاحب کاندھلوی قدس سرہ میرے حقیقی دادا ہیں، پچھلے ماہ دار العلوم کے مہمان خانہ میں جناب سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا تھا، مگر قلت وقت کے باعث کوئی علمی استفادہ نہیں کر سکا، جناب کی فقہ سے متعلق تصانیف سے خوب مستفید ہوتا ہوں، خصوصاً ایضاح المسالک سے استفادہ کیا ہے، اس کو الفاظ میں بیان کرنے سے قاصر ہوں۔ **فجزاکم الله جزيل الجزاء على هذه الخدمة المباركة.**

فی الحال یہ چند سطور محض آپ کے دریائے علم سے استفادہ کی خاطر سپرد قرطاس کر رہا ہوں، چند روز قبل آپ کی تصنیف ''ایضاح المسائل'' کا مطالعہ کر رہا تھا، دوران مطالعہ دو جگہ اشکال ہوا، اسی کے دفعیہ کے لئے جناب کو تکلیف دے رہا ہوں--- کتاب کے ص: ۱۳۸ پر جناب نے مردوں کے لئے سونے اور چاندی کے بٹنوں کو ناجائز قرار دیا ہے، اور حوالہ فتاوی رشیدیہ ۵۸۷/ کا دیا ہے؛ حالانکہ فتاوی رشیدیہ میں کئی جگہ صراحتاً جواز نقل کیا گیا ہے، اور کہیں بھی عدم جواز کی رائے منقول نہیں ہے، آپ کے بیان کردہ مسئلہ پر اشکال مقصود نہیں ہے؛ کیونکہ فقہاء کرام نے جو ''ازرار الذہب'' کے جواز کا فتوی دیا ہے، یقیناً اس سے مراد وہ گھنڈیاں جو کلابتوں کے ذریعہ کپڑے میں بن دی جاتی تھیں اور وہ ثوب کے تابع ہونیکی وجہ سے جائز تھیں اور موجودہ دور میں زنجیری بٹنوں کو ثوب کے تابع نہیں قرار دیا جاسکتا ہے؛ چنانچہ اسی طرح عدم جواز کا فتوی امداد الفتاوی نظام الفتاوی اور فتاوی رحیمیہ میں مرقوم ہے، مقصد صرف فتاوی رشیدیہ کے حوالہ پر اشکال ہے۔

المستفتی: محمد ارتضاء الحسن رضی کاندھلوی عفی عنہ، متعلم تدریب علی الافتاء دار العلوم دیوبند

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حضرت مولانا مفتی ارتضاء الحسن صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید کہ مزاج گرامی بخیر ہوں گے!

آنجناب نے خاکسار کے تحریر کردہ مذکورہ دونوں مسئلوں پر جس زور و طاقت سے اشکال فرمایا ہے، اس وقت آخری سال میں اسباق کی سخت مشغولیت کی وجہ سے اسی انداز کا جواب لکھنے اور دلائل فراہم کرنے کا موقع نہیں اور نہ ہی خاکسار میں اس کی صلاحیت ہے، تاہم آپ کے علمی ذوق وفراست اور اخلاق سے خاکسار کو بڑی خوشی ہوئی؛ اس لئے مختصر جواب پیش خدمت ہے۔

شاید اس سے شبہ کا ازالہ ہو جائے، ایضاح المسائل ۱۳۸/میں سونا، چاندی کے بٹنوں سے متعلق ہے؛ اس مسئلہ کو آنجناب دوبارہ پڑھ کر دیکھ لیں۔ اس میں دو چیزیں الگ الگ ہیں۔

(۱) سونے کا بٹن کپڑے سے الگ نہیں ہوتا ہے، یعنی کپڑے میں سی دیا گیا ہے، تو اس کا استعمال جائز ہے، یہی مفہوم فتاوی رشیدیہ میں ہے، جس کا آنجناب نے سوال نامہ میں فتاوی رشیدیہ میں موجود ہونے کا زور سے انکار کیا ہے؛ حالانکہ اس میں ہے۔

(۲) اور اگر کپڑے سے الگ ہو جاتا ہے، یعنی کپڑے میں سلا نہیں ہے، تو اس کا استعمال جائز نہیں ہے، یہی چاندی کا بھی حکم ہے۔ اور عدم جواز کا یہ مفہوم فتاوی رحیمیہ میں امداد الفتاوی وغیرہ کے حوالہ کے ساتھ موجود ہے؛ چونکہ یہ کتاب عوام ہی کے لئے لکھی گئی ہے؛ اس لئے دونوں جزؤں کا حوالہ الگ الگ دینے کے بجائے بغرض اختصار آخر میں ایک ساتھ دیدیا ہے؛ لہٰذا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ فتاوی رشیدیہ میں یہ مسئلہ نہیں ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ جمادی الثانیہ ۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴/ ۶۲۲۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۸ جمادی الثانیہ ۱۴۲۰ھ

ایضاح المسائل کے ''سونے چاندی کے بٹن لگانے'' والے مسئلہ پر اعتراض

سوال [۱۰۹۵۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بندہ نے جناب والا کی تالیف کردہ کتاب ایضاح المسائل کا مطالعہ کیا بہت پسند آئی روزمرہ پیش آنے والے اکثر مسائل کا حل پیش کیا ہے؛ لیکن احقر کی کوتاہ نظر سے ایک مسئلہ ایسا گذرا جس سے دل مطمئن نہ ہوسکا، حضور والا کے اس رسالہ میں چاندی کے بٹن لگانا منع لکھا ہے، چاہے وہ جدا ہوجاتے ہوں اور بغیر جدا ہونے والے کو جائز لکھا ہے اور حوالہ فتاوی رحیمہ، فتاوی رشیدیہ/ ۵۸۷ کا دیا ہے حالانکہ احقر نے فتاویٰ رشیدیہ کی طرف رجوع کیا، تو اس میں مذکورہ بالا صفحہ پر ہی دونوں طرح کی بات درست لکھی ہے چاہے سونے کے ہوں یا چاندی کے ہوں الگ ہوتے ہوں یا الگ نہ ہوتے ہوں، دونوں طرح ٹھیک ہے آیا اصل مسئلہ کیا ہے آگاہ فرمائیں۔

المستفتی: محمد عارف، مظفرنگری،

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: احقر کو خود بھی حیرت ہوئی کہ اس میں فتاوی رشیدیہ کا حوالہ کیسے آگیا، احقر کے ذہن میں بھی یہی ہمیشہ امداد الفتاوی کا فتوی رہا ہے اور فتاوی رحیمیہ والوں نے بھی امداد الفتاوی کو بنیاد بنایا ہے اور احقر بھی ہمیشہ اسی کو دیکھ کر مسئلہ لکھتا رہا ہے۔

الحمد للہ نفس مسئلہ اور فتاوی رحیمیہ کا حوالہ دونوں صحیح ہیں۔ رشیدیہ کا حوالہ غلطی سے آگیا۔ دراصل امداد الفتاوی ہی کا حوالہ اس میں آنا چاہئے تھا، امداد الفتاوی مطبع کراچی ۴/۱۲۵، مطبع دیوبند ۴/۱۳۱، کا ملاحظہ فرمائیں۔ انشاء اللہ آئندہ اشاعت میں بجائے رشیدیہ کے امداد الفتاوی کا حوالہ لکھ دیا جائے گا، توجہ دلانے کا بہت بہت شکریہ۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲/محرم الحرام ۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴/۵۹۲۹)

جس کرتے میں سونے چاندی کے تار ہوں اس کا استعمال

سوال [۱۰۹۵۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ سونے کے بٹن کرتے میں لگانا جائز ہے یا نہیں؟ سنا ہے کہ اگر کپڑے میں سلے ہوں، تو جائز ورنہ نہیں، تو اگر سلے ہونے کی صورت میں جائز ہے، تو اگر تانے یا بانے کی شکل میں کرتے میں سونے کے کہیں کہیں تار ہوں تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد ذاکر، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سونے، چاندی کے بٹن کا استعمال مردوں کے لئے جائز نہیں ہے؛ البتہ جو بٹن کپڑے کے ساتھ سلے ہوں، جیسے گھنڈی وغیرہ، تو ان کا استعمال درست ہے؛ کیونکہ وہ کرتے کے تابع ہوتے ہیں۔ (مستفاد: ایضاح المسائل ۱۳۸، احسن الفتاوی ۸/۷۰، محمودیہ قدیم ۱۴/۶۰ ۳، ڈابھیل ۱۹/۳۵۲)

لابأس بأزرار الديباج والذهب. (شامي، كتاب الحظروالإباحة زكريا ٩/ ٥١١، كراچى ٦/ ٣٥٥)

اگر کرتے کے اندر کہیں کہیں سونے چاندی کے تار ہوں تو اس کا استعمال جائز ہے، بشرطیکہ پورا کپڑا یا کپڑے کا اکثر حصہ دور سے دیکھنے میں سونے چاندی کے تار سے بنا ہوا معلوم نہ ہو۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۸/۶۵)

يحرم لبس الحرير ولو بحائل بينه وبين بدنه على المذهب الصحيح يحل في الحرب على الرجل لا المرأة إلا قدر أربع اصابع كأعلام الثوب مضمومة (در مختار) وتحته في الشامية: ومقتضاه حل الثوب المنقوش بالحرير تطريزًا، و نسجًا إذا لم تبلغ كل واحدة من نقوشه الربع أصابع، وإن زادت بالجمع مالم ير كله حريراً تأمل

(شامي) وفي الدر المختار: وكذا المنسوج بذهب يحل إذا كان هذاالمقدار أربع أصابع وإلا لا. (درمختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في اللبس، زكريا ۹/۵۰۶-۵۰۷، كراچي ۶/۳۵۱-۳۵۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲ / رجب المرجب ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۶۸۰۹/۳۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۷/۳ھ

مرد کے لئے سونے کی انگوٹھی پہننا

سوال [۱۰۹۵۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ سونے کی انگوٹھی مردوں کے لئے پہننا شریعت کے اندر جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: عبدالرب، کاشی پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مرد کے لئے سونے کی انگوٹھی پہننا جائز نہیں حرام ہے۔

عن أبي هريرةؓ، عن النبي صلى الله عليه وسلم، أنه نهىٰ عن خاتم الذهب. (صحيح مسلم، باب تحريم خاتم الذهب، النسخة الهندية ۲/۱۹۵، بيت الأفكار رقم: ۲۰۸۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴ / صفر المظفر ۱۴۰۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۵۴۴/۲۳)

مرد کے لئے سونے کی چیز استعمال کرنے کا حکم

سوال [۱۰۹۵۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کیا مرد کے لئے کسی بھی وقت میں سونے کی کوئی چیز استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور

جائز ہے تو کون سی حالت میں اور بادشاہ کے لئے سونا استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: حبیب الرحمٰن، متعلم مدرسہ امدادیہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: بوقت ضرورت شدیدہ جائز ہے، مثلاً اگر چاندی کے دانت سے ضرورت پوری نہ ہو، تو سونے کا دانت مباح ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی ۹/۱۵۰-۱۵۵، جدید زکریا مطول ۱۲/۳۶۰-۳۶۱، فتاوی محمودیہ قدیم ۵/۱۴۵، ڈابھیل ۱۹/۳۵۲)

عن عبد الله بن عمر رضي الله عنه، أن أباه سقطت ثنيته، فأمره النبي صلى الله عليه وسلم أن يشدها بذهب. (المعجم الأوسط، دارالفكر٦/١٤٥، رقم:٨٣٠٥)

اسی طرح میدان جنگ میں سونے کی زرہ اور خود وغیرہ کا استعمال جائز ہے۔

ولابأس بالجوشن والبيضة من الذهب، والفضة في الحرب. (عالمگيري، الباب العاشر في استعمال الذهب والفضة، زكريا قديم ٥/٣٣٥، جديد ٥/٣٨٨، شامي، كراچي ٦/٣٤٢، كوئٹه٥/٢٤١، زكريا ٩/٤٩٤)

بلاعذر عام حالتوں میں سونے کا استعمال مردوں کے لئے ناجائز اور حرام ہے، چاہے عام لوگ ہوں اور چاہے بادشاہ سب اس میں برابر ہیں۔ (مستفاد: فتوی احیاء العلوم ۱/۲۴۷)

ولايجوز للرجال التحلي بالذهب، والفضة –إلى قوله– والتختم بالذهب على الرجال حرام. (هداية، كتاب الكراهية، فصل في اللبس اشرفي ٤/٤٥٧) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵ ربیع الثانی ۱۴۰۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۳/۶۳۹)

عورتوں کا ناک میں زیور پہننا ثابت ہے یا نہیں؟

سوال [۱۰۹۵۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ عورت کا ناک میں زیور پہننا دورِ نبوت سے ثابت ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عورت کا ناک میں زیور پہننا دورِ نبوت سے ثابت نہیں ہے؛ البتہ فقہاء نے کان کے زیور پر قیاس کرتے ہوئے اسے جائز قرار دیا ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ میرٹھ ۲۸/۳۴۸، ڈابھیل ۱۹/۱۷۳، فتاوی رشیدیہ جدید ۲/۳۴۱، فتاوی دارالعلوم ۱۶/۱۷۷، کتاب الفتاوی ۶/۸۳)

لابأس بثقب أذن البنت والطفل -قلت: وهل يجوز الخزام في الأنف؟ لم أره، قلت: إن كان مما يتزين النساء به كماهو في بعض البلاد فهو فيها لثقب القرط. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، باب الإستبراء وغيره، كراچي ۶/۴۲۰، زكريا ۹/۶۰۲، هندية، زكريا قديم ۵/۳۵۷، جديد ۵/۴۱۲)

هل يجوز ثقب أنف النساء؟ إن كان للتزيين يجوز كما في ثقب الأذن. (نفع المفتي والسائل من مجموعة رسائل لكهنوى ۴/۱۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/صفر المظفر ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف خاص: ۴۰/۱۱۴۴۵)

عورت کے لئے پیر اور کان میں زیور پہننے کا جواز

سوال [۱۰۹۵۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عورت کے لئے کان میں زیور پہننا اور پیر میں زیور پہننا حدیث سے ثابت ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عورت کے لئے کان اور پیر میں زیور پہننا

حدیث سے ثابت ہے، مگر احادیث میں بجنے والا زیور پہننے سے منع کیا گیا ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی، زکریا ۱۸۱/۹، قدیم ۱۷۴/۹)

عن ابن عباسؓ، قال: خرج النبي صلى الله عليه وسلم: يوم عيد، فصلى ركعتين، لم يصل قبل ولا بعد، ثم أتى النساء، فأمرهن بالصدقة، فجعلت المرأة تصدق بخرصها وسخابها. (بخاري شريف، باب القلائد والسخاب للنساء، النسخة الهندية ۸۷۳/۲، رقم: ۵٦٥۲، ف: ۵۸۸۱)

بخرصها أي حلقة الذهب، والفضة تكون في الأذن. (عمدة القارى، باب القلائد والسخاب للنساء، دار احياء التراث العربي ۴۰/۲۲، زكريا ۸۱/۱۵، تحت رقم الحديث: ۵۸۸۱)

يباح للنساء من حلي الذهب، والفضة- ومايلبسه في أعناقهن وأرجلهن وأذنهن. (إعلاء السنن، كراچي ۲۹۴/۱۷، دارالكتب العلمية بيروت ۳۱۸/۱۷)

قال علي بن سهل بن زبير: أخبره أن مولاة لهم ذهبت بابنة الزبير إلي عمر بن الخطابؓ وفي رجلها أجراس، فقطعهاعمرؓ، ثم قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: إن مع كل جرس شيطاناً. (أبوداؤد، باب ماجاء في الجلاجل، النسخة الهندية ۵۸۱/۲، دارالسلام رقم: ۴۲۳۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ ربیع الاول ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف خاص: ۱۱۴۶۲/۴۰)

عورتوں کے لئے کالے وسنہرے موتیوں کے ہار کے استعمال کا حکم

سوال [۱۰۹۵۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ ہار کی شکل کا ایک زیور ہے، جس کو کالے اور سنہرے موتیوں سے بنایا جاتا ہے، اس زیور کو منگل سترکہتے ہیں، اس زیور کی حیثیت غیر مسلموں میں یہ ہے کہ جس روز عورت مرد کا عقد ہوتا ہے، تو شوہر اپنی زوجہ کے گلے میں یہ زیور پہناتا ہے، اور شوہر کی تاحیات بیوی اس زیور کو اپنے گلے سے نہیں نکال سکتی، یعنی شادی شدہ عورت کا یہ زیور مخصوص علامت ہے، غیر شادی شدہ عورت یہ زیور نہیں پہن سکتی، غیر مسلموں کی دیکھا دیکھی بہت سے مسلم علاقوں میں بھی اس زیور یعنی منگل سترکو لازمی قرار دیا جاتا ہے۔

لہٰذا دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا مسلم عورتوں کو منگل سترکا پہننا جائز ہے؟ یا اس میں غیر مسلموں کی مشابہت پائے جانے کی وجہ سے ناجائز اور حرام ہے؟

المستفتی: محمد خالد قاسمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کالے اور سنہرے موتیوں کا ہار استعمال کرنا عورتوں کے لئے فی نفسہ مباح ہے؛ لیکن سوال نامہ میں ہندوؤں کا جو عقیدہ اس بارے میں لکھا گیا ہے، اگر اس عقیدہ اور رسم کی پابندی میں استعمال کیا جائے، تو ان کی مشابہت کی بنا پر جائز نہیں۔

عن ابن عمرؓ قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: من تشبه بقوم فھو منھم. (أبوداؤ دشریف، باب في لبس الشھرة، النسخة الهندیة۲/۵۵۹، دارالسلام رقم: ۴۰۳۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶؍صفر المظفر ۱۴۲۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷؍۸۲۳۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۲/۶ھ

چٹکی اور بچھیا (زیور) پہننا

سوال [۱۰۹۵۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ اس وقت عام مسلم عورتوں میں پیر کا ایک زیور جسے چٹکی یا شاید بچھیا بھی کہتے ہیں، اس وقت مسلم عورتوں میں اس چیز کے پہننے کا عام رواج ہے، خاص طور پر دیہات کی عورتوں میں یہ رسم زیادہ پائی جاتی ہے، شریعت کی رو سے جواز ہے یا نہیں؟

المستفتی: جلیس احمد مدرسہ جامعہ عربیہ شہر سیتا پور (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر چٹکی اور بچھیا غیر مسلم عورتوں کا قومی ومذہبی شعار نہ ہو اور یہ چیزیں بجنے والی نہ ہوں اور مسلم وغیر مسلم عورتیں محض زینت کی غرض سے پہنتی ہوں جیسا کہ آپ کے سوال سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ چیزیں زینت ہی کی غرض سے مسلم عورتیں استعمال کرتی ہیں، تو مسلمان عورتوں کے لئے دیگر زیورات کی طرح یہ چیزیں بھی پہننا جائز ومباح ہے اور ان کے پہننے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۹/۱۷۳، جدید زکریا مطول ۱۲/۳۶۰، بہشتی زیور ۳/۶۲)

قل من حرم زينة الله التي أخرج لعباده. والقول الثاني: ذكره الإمام فخر الرازيؒ أنه يتناول جميع أنواع الزينة، فيدخل تحته جميع أنواع الملبوس، والحليٰ. (تفسير خازن قديم۲/ ۸٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱/شعبان المعظم ۱۴۱۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱/ ۳۵۵۹)

سونے وچاندی کے علاوہ دیگر دھات کی انگوٹھی کا حکم

سوال[۱۰۹۶۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عورت کے لئے سونے چاندی کے علاوہ دیگر دھات کی آرٹیفیشل انگوٹھی پہننا جائز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عورت کے لئے سونے چاندی کے علاوہ دیگر دھات کی آرٹیفیشل انگوٹھی پہننا جائز نہیں ہے؛ لیکن اگر دھات پر سونے چاندی کی پالش کی گئی ہو، تو جب تک پالش باقی رہے، اس کے پہننے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (مستفاد: دینی مسائل ۳۲۲، احسن الفتاوی ۸/۷۰، ایضاح المسائل ۱۳۷)

أما التختم بما سوی الذهب، والفضة من الحديد، والنحاس، والصفر، فمكروه للرجال، والنساء جميعًا. (بدائع الصنائع، كتاب الإستحسان، حكم التختم والأوانى، زكريا ٤/٣١٧، كراچي ٥/١٣٣، هندية، زكريا قديم ٥/٣٣٥، جديد ٥/٣٨٨، شامي، زكريا ٩/٥١٩، كراچي ٦/٣٦٠)

حدثني إياس بن حارث بن المعيقيب، وجده من قبل أمه أبو ذباب عن جده، قال: كان خاتم النبي صلى الله عليه وسلم من حديد ملوى عليه فضة. (أبو داؤد باب ما جاء فى خاتم الحديد ،النسخةالهندية ٢/٥٨٠، المعجم الكبير للطبراني، دار احياء التثراث العربي ٢٠/٣٥٢، رقم:٨٣١)

لابأس بأن يتخذ خاتم حديد قد لوي عليه فضة وألبس بفضة حتى لايرى. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في اللبس، زكريا٩/٥١٩، كراچي ٦/٣٦٠، تاتارخانية، زكريا١٨/١٢٧، رقم:٢٨٢٥٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸؍صفر المظفر ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف خاص: ۴۰؍۱۱۴۵۲)

لوہے کی انگوٹھی اور چین کا استعمال

سوال [۱۰۹۶۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ لوہے کی انگوٹھی پہننا حدیث شریف میں ممنوع ہے، اسی حدیث کی بناپر بریلوی

حضرات لوہے، پیتل، تانبے کی چین لگانا گھڑی میں مکروہ بتاتے ہیں اور نماز کے اندر مذکورہ چین لگانا مکروہ بتاتے ہیں اصل مسئلہ کیا ہے؟

المستفتی: محمد اشتیاق نور، بھاگل پوری،

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سونا، چاندی کے علاوہ کسی دوسرے دھات کی انگوٹھی عورتوں کے لئے جائز نہیں ہے۔

والتختم بالحديد، والصفر، والنحاس، والرصاص مكروه للرجال، والنساء. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في اللبس، كراچي ٣٦٠/٦، زكريا ٥١٨/٩، بدائع الصنائع، زكريا ٣١٧/٤، كراچي ١٣٣/٥، هندية، زكريا قديم ٣٣٥/٥، جديد ٣٨٨/٥)

البتہ لوہے، پیتل، تانبے کی چین استعمال کرنا جائز ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۱۳۳/۴)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/ ذی الحجہ ۱۴۱۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۵۰۶۶/۳۲)

سونے، چاندی کے علاوہ دیگر دھات کی انگوٹھی اور چین کا مسئلہ

سوال [۱۰۹۶۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مرد کو کسی بھی دھات کی انگوٹھی یا چین پہننا درست ہے یا نہیں؟ انگوٹھی یا چین کی تعداد اور وزن کتنا ہونا چاہئے؟

المستفتی: اقبال شمسی ہاؤس، طویلہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مرد کے لئے چاندی کے علاوہ کسی بھی دھات کی

انگوٹھی استعمال کرنا جائز نہیں ہے اور چاندی کی انگوٹھی کی مقدار بھی ایک مثقال سے زائد نہ ہو اور ایک مثقال کا وزن موجود گرام کے حساب سے ۴؍گرام ۳۷۴؍ملی گرام ہے۔ (مستفاد: محمودیہ قدیم ۴۲۱/۱۴، ڈابھیل ۳۶۲/۱۹-۳۶۳، احسن الفتاوی ۶۸/۸، ایضاح المسائل ۱۳۰)

ويكره للرجال التختم بما سوى الفضة، كذا في الينا بيع. (هندية، الباب العاشر في استعمال الذهب والفضة، زكريا قديم٥/ ٣٣٥، جديد ٥/٣٨٨، شامي، زكريا ٩/ ٥١٦، كراچي٦/ ٣٥٩)

اور عورتوں کے لئے صرف چاندی اور سونے کے علاوہ کسی اور دھات کی انگوٹھی استعمال کرنا جائز نہیں ہے اور عورت کی سونے، چاندی کی انگوٹھی کی کوئی مقدار اور وزن متعین نہیں ہے، جتنے وزن کی چاہیں استعمال کرسکتی ہیں۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۷۰/۸، محمودیہ قدیم ۴۲۱/۱۴، ڈابھیل ۳۶۲/۱۹-۳۶۳، احیاء العلوم ۳۲۲/۱)

والتختم بالحديد، والصفر، والنحاس، والرصاص يكره للرجال، والنساء. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في اللبس، كراچي ٦/ ٣٦٠، زكريا ٩/٥١٨، هندية، زكريا قديم ٥/ ٣٣٥، زكريا جديد ٥/٣٨٨، بدائع الصنائع، زكريا ٤/ ٣١٧، كراچي٥/ ١٣٣)

چین اگر گھڑی کے ساتھ ہے، تو مرد کو سونے، چاندی کے علاوہ دیگر دھات کی چین گھڑی میں استعمال کرنا درست ہے اور اگر گھڑی کے علاوہ ہے، جیسا کہ آج عام طور پر نوجوانوں کے گلے اور ہاتھ میں چین ڈالنے کا رواج ہے، تو اس کی قطعاً اجازت نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۴۲۱/۱۴، ڈابھیل ۳۶۲/۱۹-۳۶۳، امداد الفتاوی ۱۳۳/۴، احسن الفتاوی ۲۱۳/۸)

وتكره ....الكيس الذي يعلق، تحته فی الشامية والمراد بالكيس المعلق نحو كيس التمائم المسماة بالحمائل، فإنه يعلق بالعنق.

(شامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في اللبس، زكريا ٩/ ٥١٠، كراچي ٦/ ٣٥٤)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/ربیع الاول ۱۴۲۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵/ ۱۲۷/ ۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۳/۱۸ھ

سونے، چاندی کے علاوہ دیگر دھاتوں کی بنی انگوٹھی کے استعمال کا حکم

سوال [۱۰۹۶۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ سونا، چاندی کے علاوہ لوہا، پیتل وغیرہ دھاتوں کی انگوٹھی پہننا مرد اور عورت دونوں کے لئے مکروہ تنزیہی ہے، اور شامی وغیرہ کتب فقہ میں حرام لکھا ہے؛ اس لئے تردد پیدا ہوا کہ اس مسئلہ کا اصل حکم کیا ہے؟

اسی طرح سونا چاندی میں اگر کھوٹ مغلوب ہو، اور سونا وچاندی غالب ہو، تو اسے سونا چاندی کے حکم میں تسلیم کر کے اسی کا حکم لگایا جاتا ہے؛ لیکن شامی وغیرہ کتب فقہ میں صراحت ہے کہ اگر لوہا وپیتل وغیرہ دیگر دھاتوں کی انگوٹھی پر چاندی کا پانی پھیر دیا جائے، تو اس کا پہننا بلا کراہت جائز ہے۔ نیز اگر چاندی کی طرح سفید رنگ کی دوسری دھات ملائی جائے، جس میں چاندی مغلوب ہو اور دوسری سفید دھات غالب ہو یا دوسری دھات کے اوپر چاندی کا پانی پھیر دیا جائے، تو اس کا حکم کیا ہے؟ نیز اس کا پہننا کیسا ہے؟ اس مسئلے کو بھی تحقیق کر کے واضح فرما دیں۔

المستفتی: (مولانا) محمد سفیان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: لوہا، پیتل، تانبا، اسٹیل وغیرہ کی انگوٹھی پہننا مرد وعورت دونوں کے لئے جائز نہیں ہے، بعض کتب فقہ میں حرام کے الفاظ آئے ہیں اور بعض

میں مکروہ کے الفاظ آئے ہیں، جن کتب فقہ میں حرام کے الفاظ آئے ہیں، وہاں حرام سے مکروہ تحریمی مراد ہے؛ اس لئے کہ ثبوت حرمت کے لئے نص قطعی لازم ہے اور نص قطعی سے اس کی حرمت ثابت نہیں ہے اور حضرت گنگوہیؒ کو کراہت تحریمی سے بھی اتفاق نہیں؛ کیونکہ جن نصوص سے عدم جواز کا ثبوت ہوتا ہے، وہ نصوص قطعی الثبوت نہیں اور ان کی دلالت بھی قطعی نہیں اور کراہت تحریمی کے ثبوت کے لئے ظنی الثبوت، قطعی الدلالۃ یا قطعی الثبوت، ظنی الدلالۃ ہونا لازم ہے اور وہ نصوص اس درجہ کے نہیں ہیں؛ بلکہ ظنی الثبوت، ظنی الدلالۃ ہیں؛ اس لئے حضرت گنگوہیؒ نے کراہت تنزیہی کا حکم لگایا ہے، جو فتاوی رشیدیہ ۵۹۹/ سے واضح ہوتا ہے، حرام کے الفاظ کے ساتھ کتب فقہ کی عبارت حسب ذیل ہے۔

فعلم أن التختم بالذهب، والحديد، والصفر حرام. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في اللبس، زكريا ٩/٥١٧، كراچي ٦/٣٥٩، هداية، اشرفي ديوبند ٤/٤٥٧، الجامع الصغير ١/٤٧٧)

وأما التختم بالحديد، والرصاص، والصفر فهو حرام على الرجال، والنساء جميعًا. (الفتاوى التاتارخانية، زكريا ١٨/ ١٢٥، رقم: ٢٨٢٤٧، المحيط البرهاني، المجلس العلمي ٨/٤٩، رقم: ٩٥٦٠)

اور مکروہ کے الفاظ کے ساتھ درج ذیل عبارت ہے۔

وأما التختم بما سوى الذهب، والفضة من الحديد، والرصاص، والنحاس، والصفر فمكروه للرجال، والنساء جميعًا؛ لأنه زي أهل النار. (بدائع الصنائع، كتاب الإستحسان، حكم التختم والأواني المموهة، زكريا ٤/٣١٧، كراچي ٥/١٣٣، هندية، زكريا قديم ٥/٣٣٥، جديد ٥/٣٨٨، شامي، كراچي ٦/٣٦٠، زكريا ٩/٥١٨)

اب یہاں دو مسئلے بظاہر متعارض ہیں۔

(۱) سونا، چاندی کے برتنوں کا استعمال کرنا جائز نہیں ہے؛ لیکن اگر سونے چاندی

کے علاوہ دیگر کسی بھی دھات کے برتن کے اوپر چاندی یا سونے کا پانی پھیر دیا جائے، تو ان کا استعمال بالاتفاق جائز ہے؛ اس لئے کہ پانی پھیر دینے کے بعد ان برتنوں میں سونا چاندی وغیرہ کا حکم ثابت نہیں ہوتا اور اعتبار غالب کا ہوتا ہے۔

وأما الأواني المموهة بماء الذهب، والفضة الذي لا يخلص منه شيئ، فلا بأس بالانتفاع بها في الأكل والشرب وغير ذلك بالإجماع.

(بدائع الصنائع، كتاب الإستحسان، حكم التختم والأواني المموهة، زكريا ٣١٧/٤، كراچي ١٣٣/٥، هكذا في الفتاوى التاتارخانية ١٢١/١٨، رقم: ٢٨٢٣٢)

اسی طرح غالب اور مغلوب کے مسئلہ کا تعلق اداءِ زکوٰۃ اور معاملۂ بیع صرف سے ہے کہ اگر سونا چاندی غالب ہے، تو اس کی زکوٰۃ ادا کرنا لازم ہے اور اگر سونا چاندی غالب نہیں ہے؛ بلکہ مغلوب ہے، تو وہ عروض اور سامان کے درجہ میں ہو جاتے ہیں اور اس سونا چاندی پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی، اسی طرح معاملۂ بیع صرف میں ربا اور سود کا حکم چاندی اور سونے کے غالب ہونے پر ہوتا ہے اور مغلوب ہونے کی صورت میں ربا کا حکم نہیں لگتا، جیسا کہ ہدایہ ۱/۱۷۵-۳/۹۳ وغیرہ میں اس کی تفصیل موجود ہے۔

(۲) دوسرا مسئلہ اوپر والے مسئلہ کے برعکس ہے، وہ یہ ہے کہ چاندی، سونے کے علاوہ دیگر دھاتوں کی انگوٹھی کا استعمال مرد وعورت دونوں کے لئے ناجائز ہے، جس کے بارے میں بعض کتب فقہ میں حرام لکھا ہے، اور بعض میں مکروہ لکھا ہے اور ظنی الثبوت، ظنی الدلالۃ سے ثابت ہونے کی وجہ سے حضرت گنگوہیؒ نے مکروہ تنزیہی کہا ہے، تو ان دھاتوں کی انگوٹھی پر اگر چاندی کا پانی چڑھا دیا جائے، تو یہ کراہت بھی ختم ہو جاتی ہے، اس کی علت یہ بیان کی جاتی ہے کہ انگوٹھی کے استعمال میں اصل مقصد حصول زینت ہے اور جب ان دھاتوں کے اوپر چاندی کا پانی پھیر دیا جائے، تو حصول زینت چاندی ہی کے ذریعہ ہوتی ہے نہ کہ دوسری دھاتوں سے چاہے، وہ دوسری دھات لوہا،

پیتل، تانبا، اسٹیل ہو یا زرد رنگ کا ہو یا سفید رنگ کا ہو، کسی بھی طرح کے رنگ کی دھات ہو اس کے اوپر چاندی کا پانی پھیر دیا جائے، تو زینت چاندی ہی کے ذریعہ ہوتی ہے نہ کہ دوسری دھاتوں سے؛ اس لئے اس کا استعمال مرد وعورت دونوں کے لئے بلاکراہت جائز ہے۔

اس تفصیل سے دونوں مسئلوں کا فرق واضح ہوگیا، فقہاء کی عبارت ملاحظہ فرمائیے:

المحيط البرهاني میں علت کے ساتھ اس مسئلہ کا حکم بیان کیا گیا ہے۔

لابـأس بأن يتخذ خاتم حديد، قد سوى عليه فضة وألبس بفضة حتى لا يرى؛ لأن التزيين يقع بالفضة دون الحديد؛ لأن الحديد ليس بظاهر.

(المحيط البرهاني، المجلس العلمي٨/ ٥٠، رقم: ٩٥٦٢)

ولابـأس بأن يتخذ خاتم حديد قد لوي عليه فضة وألبس بفضة حتى لا يرى. (الفتاوى التاتارخانية، زكريا١٨/ ١٢٧، رقم:٢٨٢٥٣، هندية، زكريا قديم ٥/ ٣٣٥، جديد ٥/ ٣٨٩، شامي، زكريا ٩/ ٥١٩، كراچي ٦/ ٣٦٠)

اس سلسلہ میں حدیث شریف ملاحظہ فرمائیے:

عن معيقيب ؓ، قال: كان خاتم النبي صلى الله عليه وسلم: من حديد ملوي عليه فضة. (سنن أبي داؤد، باب ماجاء في خاتم الحديد، النسخة الهندية ٢/ ٥٨٠، دارالسلام رقم: ٤٢٢٤، سنن النسائي، لبس خاتم حديد ملوي عليه بفضة، النسخة الهندية٢/ ٢٤٦، دارالسلام رقم: ٥٢٠٨، المعجم الكبير للطبراني، دار احياء التراث العربي ٢٠/ ٣٥٢، رقم: ٨٣١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍شوال المکرّم ۱۴۳۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰/ ۱۱۲۵۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴/ ۱۰/ ۱۴۳۴ھ

عورت کے لئے سونے، چاندی کے علاوہ دیگر دھات کا زیور استعمال کرنا

سوال [۱۰۹۶۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عورتیں چوڑیاں پازیب کڑے، انگوٹھی وغیرہ زیور کو استعمال کرسکتی ہیں؟ اور مرد کی چاندی کی انگوٹھی کی مقدار کیا ہے؟ کتنے وزن تک پہننے کی اجازت ہے؟

المستفتی: ناچیز کلیم اللہ، سیتا پوری، مقام: فتح پور، کملا پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سونے اور چاندی کے میسر نہ ہونے کی صورت میں انگوٹھی کے علاوہ باقی ہر طرح کے زیورات پیتل، گلٹ، المونیم وغیرہ کا استعمال کرنا عورتوں کے لئے جائز ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۴/ ۱۲۸، فتاوی احیاء العلوم ۱/ ۳۲۲، فتاوی محمودیہ قدیم ۶/ ۳۴۷، جدید میرٹھ ۱۴/ ۸۱)

ولا بأس للنساء بتعليق الخرز في شعورهن من صفر، أو نحاس، أوشبه، أو حديد، ونحوها للزينة، والسوار منها. (هندية، الباب العشرون في الزينة و اتخاذ الخادم للخدمة، زكريا قديم ٥/ ٣٥٩، جديد ٥/ ٤١٥)

ولا يتختم إلا بالفضة فيحرم بغيرها كذهب، وحديد، وصفر، ورصاص، وزجاج وغيرها. في الشامية: والتختم بالحديد، والصفر، والنحاس، والرصاص مكروه للرجال، والنساء. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في اللبس، كراچي ٦/ ٣٦٠، زكريا ٩/ ٥١٨، هندية، زكريا قديم ٥/ ٣٣٥، جديد ٥/ ٣٨٨، بدائع الصنائع، كتاب الإستحسان، حكم التختم والأواني المموهة، زكريا ٤/ ٣١٧، كراچي ٥/ ١٣٣)

مرد کو ایک مثقال سے زائد وزن کی انگوٹھی نہیں پہننا چاہئے۔

عن عبد الله بن بريدة، عن أبيه، قال: إن رجلاً جاء إلى النبي صلى الله

علیـه وسـلـم -إلـی قوله- فقال: یا رسول الله! من أي شيءٍ أتخذه؟ قال: من ورق ولاتتمــه مثقالا. (سنن أبي داؤد، باب ماجاء في خاتم حدید، النسخة الهندیة۲/ ۵۸۰، دارالسلام رقم:۴۲۲۳، سنن الترمذي، باب ماجاء في الخاتم الحدید، النسخة الهندیة ۱/ ۳۰۸، دارالسلام رقم:۱۷۸۵، مسند البزار، مکتبة العلوم والحکم ۱۰/ ۳۰۹، رقم: ۴۴۳۰، سنن النسائي، مقدار ما یجعل في الخاتم من الفضة، النسخة الهندیة۲/ ۲۴۵، دارالسلام رقم: ۵۱۹۵)

وینبغي أن تکون فضة الخاتم المثقال ولا یزاد علیه. (فتاوی عالمگیري، الباب العاشر في استعمال الذهب والفضة، زکریا قدیم ۵/ ۳۳۵، جدید ۵/ ۳۸۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰؍ جمادی الثانیہ ۱۴۰۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۴/ ۱۲۶۱)

آرٹی فیشل زیورات کے استعمال کا حکم

سوال [۱۰۹۶۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آج کل آرٹی فیشل زیورات چل رہے ہیں، جو پیتل یا کسی اور ہلکی دھات کے بنے ہوئے ہیں، جو دیکھنے میں اور چمک دمک میں سونے کی طرح لگتے ہیں، یہ دھات لوہا نہیں ہے، ان زیورات میں عورتیں ہاتھ کے کڑے ہر وقت پہنے رہتی ہیں اور باقی گلے کا ہار، کان کے بندے، ہاتھ کی انگوٹھی وغیرہ کبھی کبھی کسی شادی وغیرہ کے موقع پر کہیں آنے جانے کے وقت پہنتی ہیں، بس ہاتھ میں یہ کڑے اور دیگر زیورات پہننا درست ہے یا نہیں؟ اور ان کو پہن کر نماز درست ہوگی یا نہیں،؟ خاص طور پر ہاتھ کے کڑے پہن کر نماز ہوگی یا نہیں؟

المستفتیہ: ساجدہ خاتون، لالباغ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عورتوں کے لئے سونے چاندی کے زیورات جس طرح استعمال کرنا جائز ہے، اسی طرح زیورات کی شکل میں تانبا، پیتل، لوہا، اسٹیل کانچ ہر چیز کا زیور استعمال کرنا جائز ہے، ہاں البتہ انگوٹھی صرف سونے اور چاندی کی جائز ہے، سونے اور چاندی کے علاوہ دیگر دھاتوں کی انگوٹھی عورتوں کے لئے بھی بطور زیور کے جائز نہیں۔

(مستفاد: امداد الفتاوی ۴/۱۳۵-۱۳۶، ایضاح المسائل ۱۳۸)

والتختم بالحديد، والصفر، والنحاس، والرصاص مكروه للرجال، والنساء. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في اللبس، زكريا ٩/٥١٨، كراچي ٦/٣٦٠، هندية، زكريا قديم ٥/٣٣٥، جديد ٥/٣٨٨، بدائع الصنائع، كتاب الإستحسان، حكم التختم والأواني المموهة، زكريا ٤/٣١٧، كراچي ٥/١٣٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱ر ربیع الاول ۱۴۲۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸/ ۹۲۲۷)

معاشرہ میں رائج مختلف دھاتوں کے زیورات کا حکم

سوال [۱۰۹۶۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عورتوں کے پہننے کے وہ زیورات جو سونا چاندی کے علاوہ ہوں، مثلاً پیتل، تانبا، رانگ وغیرہ کے بندے (لونگ) اور سلور کے کڑے وغیرہ کی جو آج کل چیزیں پہنی جارہی ہیں جائز ہیں یا نہیں؟ اگر جائز نہیں، تو پھر ان کا فروخت کرنا بھی جائز نہیں ہوگا؟ ایک مولانا نے فرمایا کہ چوڑی کی تو اجازت ہے، دیگر چیزوں کی اجازت نہیں ان کی بات کس حد تک صحیح ہے؟

المستفتی: حافظ فرحت، استاذ مدرسہ تجوید القرآن، سیانہ بلندشہر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سونے چاندی کے علاوہ دوسری دھاتوں مثلاً پیتل، تانبے، رانگ وغیرہ کے بنے ہوئے بندے لونگ سلور کے کڑے اور دیگر زیورات کانچ کی چوڑیاں یہ سب عورتوں کے لئے مباح ہیں، ان کے لئے ان سب کا پہننا اور استعمال کرنا جائز ہے۔

سوال میں مذکور مولانا کی بات درست نہیں ہے۔

ويباح للنساء من حلي الذهب، والفضة، والجواهر كل ماجرت عادتهن يلبسه مثل السوار والخلخال، والقرط، والخاتم وما يلبسه على وجوههن. وفي اعناقهن، وأيديهن، وأرجلهن، وآذانهن وغيره. (مغني لابن قدامة، دارالكتب العلمية بيروت ٢/ ٣٢٤، اعلاء السنن، كراچي ١٧/ ٢٩٤، دارالكتب العلمية بيروت ١٧/ ٣١٨)

البتہ صرف سونے اور چاندی کے علاوہ کسی اور دھات کی انگوٹھی عورت کے لئے بھی جائز نہیں ہے۔

والتختم بالحديد، والصفر، والنحاس، والرصاص مكروه للرجال، والنساء. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في اللبس، زكريا ٩/ ٥١٨، كراچي ٦/ ٣٦٠، هندية، زكريا قديم ٥/ ٣٣٥، جديد ٥/ ٣٨٨، بدائع الصنائع، زكريا ٤/ ٣١٧، كراچي ٥/ ١٣٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱ر جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵/ ۶۶۵۹)

عورتوں کے لئے دیگر دھاتوں کے زیورات پہننا

سوال [۱۰۹۶۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ عورتوں کے لئے سونے چاندی والے زیورات کے علاوہ کسی اور دھات کے زیورات استعمال کرنا کیسا ہے، نیز ان زیورات کو پہن کر نماز پڑھنا عورتوں کے لئے کیا حکم رکھتا ہے؟

المستفتی: شوکت حسین، رام پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سونے اور چاندی کے زیورات کے علاوہ دیگر ہر قسم کی دھات کا زیور پہننا بھی عورتوں کے لئے جائز ہے، بس صرف اتنا ہے کہ سونے اور چاندی کے علاوہ دیگر دھاتوں کی انگوٹھی پہننا جائز نہیں، اور وہ زیورات جن کو آرٹیفشل کے زیورات کہا جاتا ہے، ان کو پہن کر نماز پڑھنا عورتوں کے لئے بلا کراہت جائز ہے۔ (مستفاد: ایضاح المسائل ۱۳۸)

ويباح للنساء من حلي الذهب، والفضة، والجواهر كل ما جرت عادتهن يلبسه مثل السوار والخلخال، والقرط، والخاتم وما يلبسه على وجوههن. وفي اعناقهن، وأيديهن، وأرجلهن، وآذانهن وغيره. (اعلاء السنن، كتاب الحظر والإباحة، باب حرمة الذهب على الرجال وحله للنساء، دارالكتب العلمية بيروت ٣١٨/١٧، كراچي ١٧/ ٢٩٤، المغني لابن قدامة، دارالكتب العلمية بيروت ٣٢٤/٢)

والتختم بالحديد، والصفر، والنحاس، والرصاص مكروه للرجال، والنساء. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في اللبس، زكريا ٥١٨/٩، كراچي ٣٦٠/٦، هندية، زكريا قديم ٣٣٥/٥، جديد ٣٨٨/٥، بدائع الصنائع، زكريا ٣١٧/٤، كراچي ١٣٣/٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶؍ ربیع الثانی ۱۴۳۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۰۶۶۵/۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۴/۲۶ھ

عورت کے لئے چوڑی ومہندی کا استعمال

سوال [۱۰۹۶۸]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عورت اپنے ہاتھ میں کتنی چوڑی پہن سکتی ہے؟ کیاعورت کو ہاتھ میں منہدی لگانا ضروری ہے اوراگر ہاتھ میں چوڑی نہ ہوں، تو اس کے ہاتھ سے کوئی چیز کھانا کیسا ہے؟ مفصل تحریر فرمائیں۔

المستفتی: نسیم اختر جامع مسجد، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: عورت کے لئے چوڑی پہننا جائز ہے، اور جتنی چوڑیاں چاہے پہن سکتی ہے، اورعورت کے لئے مہندی لگانا جائز ہے، ضروری اور لازم نہیں ہے۔

ويكره للإنسان أن يخضب يديه ورجليه بالحناء، وكذلك الصبي ولابأس به للنساء. (كتاب الحظر والإباحة، امداديه ملتان ۲/ ۳۸۳، دارالكتاب ديوبند ۲/ ۳٦٤)

يجوز للنساء لبس أنواع الحلي كلها من الذهب، والفضة، والخاتم، والحلقة، والسوار، والخلخال، والطوق، والتعاويذ، والقلائد وغيره. (اعلاء السنن، كتاب الحظر والإباحة، باب حرمة الذهب على الرجال وحله للنساء، دارالكتب العلمية بيروت ۱۷/ ۳۱۸، كراچي ۱۷/ ۲۹۳)

اوراگرعورت کے ہاتھ میں چوڑی نہ ہوں، تو اس کے ہاتھ سے کوئی چیز کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ ذی قعدہ ۱۴۱۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۸/ ۲۸۸۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۲/۱۱/۱۶ھ

کیا بجنے والی چوڑی زیور ہے؟

سوال [۱۰۹۶۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عورت کی چوڑی زیور میں داخل ہے یا نہیں؟ اگر زیور ہے، تو چوڑی بجتی ہے اور بجنے والے زیور کو پہننے سے منع فرمایا ہے، اور اگر زیور نہیں ہے، تو پھر زیور کے علاوہ کسی چیز کو زیب وزینت کے لئے پہننا درست نہیں ہے؟

المستفتی: شمیم الرحمٰن قاسمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: فقہاء نے جس بجنے والے زیور سے منع فرمایا ہے، اس سے پازیب وغیرہ مراد ہے، جس میں گھنگرو لگے ہوئے ہوں اور چلتے پھرتے نقل وحرکت کے وقت وہ خوب بجتے ہوں؛ لہٰذا ایسے زیور جس میں گھنگرو لگے ہوئے ہوں، وہ ممنوع ہیں اور اگر گھنگرو لگے ہوئے نہیں ہیں اور متعدد چوڑیاں ہاتھ میں پہن لی جائیں اور ایک چوڑی دوسری چوڑی میں لگنے کی وجہ سے جو معمولی آواز پیدا ہوتی ہے تو اس طرح غیر اختیاری آواز ممنوع اور ناجائز نہیں ہے۔ اور سونے چاندی کی چوڑیاں زیورات میں تو شامل نہیں ہیں؛ لیکن ان کا پہننا زیب وزینت کے طور پر عورتوں کے لئے جائز ہے اور یہ بات بھی واضح ہو کہ ہر زینت کی چیز کا زیور ہونا لازم نہیں ہے؛ لہٰذا سونے چاندی کے علاوہ دیگر چوڑیاں زینت کی چیز تو ہوسکتی ہیں؛ لیکن زیورات میں شامل نہیں۔ (مستفاد: فتاوی امدادیہ ۴/۱۳۰، عزیز الفتاوی ۷۷۱، ایضاح المسائل ۱۳۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/محرم الحرام ۱۴۲۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶/۷۴۳۶)

سونے کا پانی چڑھی ہوئی گھڑی پہننا

سوال[۱۰۹۷۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہاتھ میں یا جیب کی گھڑی جس پر سونے کا پانی چڑھا ہوا ہوتا ہے، اور چین پر بھی سونے کا ملمع ہوتا ہے، جو کہ استعمال ہونے سے اتر جاتا ہے اور اصلی دھات دکھائی دینے لگتی ہے۔ برائے کرم مفصل دلیل وجواب سے مطلع فرمائیں کہ اس کا پہننا یا استعمال جائز ہے؟ اور اس سے نماز میں کوئی فرق تو نہیں آتا۔

المستفتی: اکرام باری، باری سنس تحصیل اسکول، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سونے کا پانی چڑھی ہوئی گھڑی یا چین کا استعمال کرنا اور اس کے ساتھ نماز پڑھنا جائز ہے؛ البتہ ایسی چیزوں کا استعمال نہ کرنا زیادہ احتیاط کی بات ہے،

أما التمويه التي لا يخلص فلا بأس به بالإجماع؛ لأنه مستهلك، فلا عبرة ببقائه لونا. (شامي، كتاب الحظرو الإباحة، زكريا ٤٩٧/٩، كراچي ٣٤٤/٦، قاضيخان، زكريا جديد ٢٩٩/٣، وعلى هامش الهندية ٤١٣/٣، هندية، زكريا قديم ٣٣٤/٥، جديد ٣٨٧/٥، كتاب الفقه على المذاهب الأربعة، دارالفكر ١٦/٢، هداية اشرفي ٤٥٣/٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ر شوال المکرّم ۱۴۰۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۴۶۲/۲۵)

سونے، چاندی کے پالش شدہ برتن کا استعمال

سوال[۱۰۹۷۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل

کے بارے میں: کہ جس برتن پر چاندی کی پالش ہو، جیسے چائے دانی، سرمہ دانی، چمچہ وغیرہ کیا ان کا استعمال کرنا درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد ضیاء الحق ولد محمد عتیق الحق، نجیب آباد، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سونے، چاندی کی پالش شدہ چائے دانی، وسرمہ دانی وغیرہ کا استعمال جائز ہے؛ لیکن استعمال نہ کرنا بہتر ہے۔

أما التمويه التي لا يخلص فلا بأس به بالإجماع؛ لأنه مستهلك، فلاعبرة ببقائه لونا. (شامي، كتاب الحظر الإباحة، زكريا ٩/٤٩٧، كراچي ٦/٣٤٤، قاضيخان، زكريا جديد ٣/٢٩٩، وعلى هامش الهندية ٣/٤١٣، هندية، زكريا قديم ٥/٣٣٤، جديد ٥/٣٨٧، كتاب الفقه على المذاهب الأربعة، دارالفكر ٢/١٦، هداية اشرفي ٤/٤٥٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰/ذی الحجہ ۱۴۰۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۵/۱۵۲۹)

(۲۰) باب کسب الحلال والحرام

اللہ کے حکم کو توڑ کر روزی کمانا

سوال[۱۰۹۷۲]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) روزی کمانا کیسا ہے؟

(۲) اللہ کے حکم کو توڑ کر روزی کمانا کیسا ہے؟

المستفتی: رفیق احمد، کرولہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱/۲) یہ دنیا دارالاسباب ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ تمام ضروریات کی تکمیل اسباب کے دائرہ میں فرماتے ہیں؛ لہٰذا زندگی گذارنے کے لئے کسب معاش ضروری ہے، تاکہ ہر شخص اپنی زندگی حلال غذا کھا کر گذار سکے؛ چنانچہ ارشاد باری ہے:

فَانْتَشِرُوْا فِيْ الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ. [سورة الجمعة: ۲۸]

اورحدیث شریف میں ہے۔

عن عبد الله ؓ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: طلب كسب الحلال فريضة بعد الفريضة. (شعب الإيمان، باب في حقوق الأولاد والأهلين، دارالكتب العلمية بيروت ٦/ ٤٢٠، رقم: ٨٧٤١، السنن الكبرى للبيهقي، دارالفكر ٩/ ٥٦، رقم: ١١٩٠٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷ رصفر المظفر ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴/ ۶۵۰۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۷/ ۲/ ۱۴۲۱ھ

وکالت کی اجرت حلال ہے یا حرام؟

سوال [۱۰۹۷۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ وکیل کی کمائی حلال ہے یانہیں؟ اورسب کومعلوم ہے کہ وکیل اپنی وکالت میں کیا کیا ہتکنڈے استعمال کرتا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جووکیل صرف جائز مقدمات کی پیروی کرتا ہے، اورکذب بیانی بھی نہیں کرتا،تواس کی آمدنی حلال ہے،اورجووکیل ناجائز مقدمات کی پیروی کرتا ہے اور کذب بیانی سے کام لیتا ہے، اس کی آمدنی حرام ہے۔ (امداد الفتاوی ۳۲۰/۳، محمودیہ ڈابھیل ۴۵۲/۱۶، محمودیہ میرٹھ ۶۸/۲۵)

إذا أخذ الوكيل الأجرة لإقامة الوكالة، فإنه غير ممنوع شرعاً، إذا الوكالة عقد جائز. (نتائج الأفكار ۳/۸)

أخذ الوكيل الأجرة لإقامة الوكالة، فإنه غير ممنوع شرعاً، إذا الوكالة عقد جائز، لايجب على الوكيل إقامتها، فيجوز أخذ الأجرة فيها. (فتح القدير، كتاب الوكالة، زكريا ۳/۸، كوئٹه ۷/ ۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ رصفر المظفر ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف خاص: ۱۱۴۲۲/۴۰)

ملکی قانون کی خلاف ورزی کے ساتھ تجارت

سوال [۱۰۹۷۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہندوستان میں کوئی بھی باہر سے، ایک کیلوسونا لا سکتا ہے؛ لیکن زید

بجائے ایک کیلو کے ۲؍کیلو سونا لے آیا، بارڈر پر کوئی رکاوٹ نہیں رہی، اب یہ سونا اس کے لئے حلال ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اپنے ملک کے قانون کی خلاف ورزی سے بچنا سب پر لازم ہے؛ کیونکہ اپنے آپ کو بے عزتی اور خطرہ میں ڈالنے کی شریعت نے اجازت نہیں دی، مگر جو شخص کسی ملک میں اس ملک کے قانون کی خلاف ورزی کر کے کوئی چیز خرید کر لاتا ہے، تو اس کے لئے وہ مال پوری طرح حلال ہے؛ لہٰذا زید کے لئے یہ سونا حلال ہے؛ لیکن حکومت کی قانون کی خلاف ورزی اور نقض عہد کا گناہ ہوگا۔ (مستفاد: فتاوی عثمانی ۳؍۹۰)

قال اللہ تعالیٰ: وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ . [البقرہ: ۱۹۵]

كل يتصرف في ملكه كيف شاء. (شرح المجله، رستم اتحاد ۱/ ٦٥٤ - ١١٩٢)

لا يمنع أحد من التصرف في ملكه أبداً إلا إذا أضر بغيره ضررا فاحشا.

(شرح المجلة رستم اتحاد ۱/ ٦٥٧ - رقم الماده: ١١٩٧)

إن المسلم يجب عليه أن يطيع أميره في الأمور المباحة، فإن أمر الأمير بفعل مباح وجبت مباشرته، وإن نهىٰ عن أمر مباح حرام إرتكابه، ومن هنا صرح الفقهاء بأن طاعة الإمام فيما ليس بمعصية واجبة. (تكملة فتح الملهم، باب وجوب طاعة الأمراء، اشرفية ديوبند ٣/ ٣٢٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍صفر المظفر ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف خاص: ۴۰؍۱۱۴۲۴)

قانون کے خلاف ٹرک میں کیروسین ڈلوانا

سوال [۱۰۹۷۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل

کے بارے میں: کہ میری اپنی گاڑی (ٹرک) ہے، جو کرایہ پر چلاتا ہوں، یہ ٹرک میری روزی روٹی کا ذریعہ ہے، اصل تو قانون سرکاری کی رو سے ڈیزل ڈلوانا ہوتا ہے، میرے شہر گودھرا میں مسلمانوں کے پاس تقریباً ایک ہزار گاڑیاں ہیں، جو کسب کا ذریعہ ہیں، جس میں سے ۹۵۰/ گاڑیوں کے مالک حضرات اس میں ڈیزل کے بجائے کیروسین (مٹی کا تیل) ڈلواتے ہیں جو سستا ہے اور گھاٹا بھی کم رہتا ہے سرکاری قانون کے اعتبار سے کیروسین ڈلوا کر گاڑی چلانا سرکاری گناہ بنتا ہے اور یہ کیروسین بلیک مارکیٹ میں ملتا ہے، اس کو فروخت کرتے وقت پولیس اور سرکاری افسران کی دہشت بھی رہتی ہے، تو کیا مسلمانوں کے لئے ٹرک میں اس طرح قانون کے خلاف کیروسین ڈالوانا جائز ہے؟ اور اس طرح کی کمائی کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: نثار احمد، گودھروی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ڈیلر حکومت کی جانب سے اس بات کا وکیل ہوتا ہے کہ حکومت نے جن لوگوں کو تیل فروخت کرنے کے لئے نامزد کیا ہے، انہیں کو متعینہ قیمت پر تیل فروخت کیا جائے اور یہ ڈیلر وکیل ہونے کے ساتھ ساتھ تاجر بھی ہوتے ہیں؛ کیونکہ یہ حکومت سے خرید کر متعین کردہ گراہکوں کے ہاتھ تیل فروخت کرتے ہیں؛ لہٰذا حکومت کی جانب سے وکیل ہونے کی حیثیت سے متعین کردہ گراہکوں کے علاوہ دوسروں کے ہاتھ فروخت کرنے کی صورت میں ایک قسم کی خیانت اور دھوکہ دھڑی ہے؛ لہٰذا اس کا گناہ اسی کے سر ہوگا اور شریعت اس طرح کی دھوکہ دھڑی کی اجازت نہیں دیتی اور دوسری خرابی اس میں یہ ہے کہ دوسروں کے ہاتھ فروخت کرنے کا پتہ اگر حکومت کو چل جائے، تو یہ شخص اس کی گرفت میں آجائے گا۔ قرآن کریم میں اس طرح سے اپنے آپ کو خطرہ میں ڈالنے سے منع کیا گیا ہے، ارشاد باری ہے:

وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ. [البقرہ: ۱۹۵]

لہٰذا شرعاً اور قانوناً دونوں طرح کے حکم کی خلاف ورزی کا ذمہ دار ڈیلر ہی ہوگا اور ڈیلر سے خرید کر گاڑی میں ڈالنے والے شرعاً گنہگار نہ ہوں گے، ہاں البتہ ان کو بھی اس بات سے احتراز کرنا ضروری ہے کہ وہ سرکاری قانون کی زد میں آکر اپنا نقصان نہ کرلیں؛ البتہ اگر گاڑی کے مالکان بلیک مارکیٹ سے تیل خرید کر قانونی گرفت سے بچ جائیں، تو وہ شرعاً گنہگار نہ ہوں گے۔

الوكيل إنما يستفيد التصرف من الموكل، وقد أمره بالدفع إلى فلان فلا يملك الدفع إلى غيره. (شامي، كتاب الزكاة، زكريا ٣/١٨٩، كراچي ٢/٢٦٩)

عن أبي هريرةؓ رضي الله عنه، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم مر برجل –إلى– فقال: رسول الله صلى الله عليه وسلم: ليس منا من غش.

(سنن أبي داؤد، باب النهي عن الغش، النسخة الهندية ٢/٨٩، دارالسلام رقم: ٣٤٥٢، مسند أحمد بن حنبل ٢/٢٤٢، رقم: ٧٢٩٠)

المالك للشيء هو الذي يتصرف فيه باختياره ومشيئته. (بدائع الصنائع، فصل في بيان ما يبطل به الخيار، زكريا ٢/٦٣٨، كراچي ٢/٣٧٢)

كل يتصرف في ملكه كيف شاء. (شرح المجلة، رستم اتحاد ١/٦٥٤، رقم: المادة: ١١٩٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۲ر صفر المظفر ۱۴۳۲ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹/۱۰۲۷۶)	۱۴۳۲/۲/۱۲ھ

گیس سلنڈر کو بلیک میں فروخت کرنا

سوال [۱۰۹۷۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص دو ایڈریس پر دو گیس سلینڈر خریدتا ہے، اس کے لئے ایک گیس کافی

ہے، اور دوسرا گیس سلینڈر زیادہ قیمت میں بلیک میں فروخت کرتا ہے، تو اس کے لئے بلیک میں یہ سلینڈر فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟؛ جبکہ یہ قانونی جرم ہے؟ اور اس سے حاصل شدہ رقم اس کے لئے حلال ہوگی یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دوا یڈریس پر دوسلینڈر لیتا ہے، اور ان میں سے ایک سلینڈر زیادہ قیمت میں بلیک میں فروخت کرتا ہے، تو اس کا یہ بیچنا جائز ہے اور اس سے حاصل شدہ رقم حلال ہے؛ کیونکہ اپنے پیسے سے خریدی ہوئی چیز ہی فروخت کی ہے؛ البتہ بلیک میں سلینڈر فروخت کرنا حکومت کے قانون کی خلاف ورزی کی وجہ سے اپنے آپ کو خطرہ میں ڈالنا ہے؛ اس لئے شریعت ایسے کام کی اجازت نہیں دیتی۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ میرٹھ ۲۴/۱۶۰، ڈابھیل ۱۶/۱۴۹، فتاوی عثمانی ۳/۹۰)

كل يتصرف في ملكه كيف شاء. (شرح المجله، رستم اتحاد ۱/٦٥٤-۱۱۹۲)

أن من تصرف في خالص ملكه لا يمنع منه ولو أضر بغيره. (شامي، مطلب اقتسموا أدارًا و أراد كل منهم فتح باب لهم ذلك، زكريا ۸/۱۵۳، كراچي ٥/٤٤٨)

ومن هنا صرح الفقهاء: بأن طاعة الإمام فيما ليس بمعصية واجبة...... هذه الطاعة كما أنها مشروطة بكون أمر الحاكم غير معصية، فإنها مشروطة أيضا، بكون الأمر صادرا عن مصلحة لا عن هوى، أو ظلم لأن الحاكم لايطاع لذاته وإنما يطاع من حيث أنه متول لمصالح العامة. (تكملة فتح الملهم، باب واجب طاعة الأمراء، اشرفية ديوبند ۳/۳۲۳-۳۲٤) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰ر صفر المظفر ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف خاص: ۴۰/۱۱۴۲۹)

دھوکہ کی تجارت کا حکم

سوال [۱۰۹۷۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک آدمی ڈیلر ہے؛ لیکن اس میں شرعاً یہ پریشانی ہے کہ چینی یا تیل تقسیم کرنے کا حکومت کی طرف سے کوئی معاوضہ نہیں ملتا؛ بلکہ اس میں سے کچھ بچا کر بیچتا ہے اور اپنی مزدوری لانے کا کرایہ اور مکان کرایہ نکالتا ہے، یہ عام رواج ہے۔ کیا اس طرح کا یہ معاملہ شرعاً درست ہے؟

المستفتی: مبارک حسین، مدرسہ بدر العلوم

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اسلامی شریعت میں دھوکہ اور فریب کا راستہ اختیار کرنا جائز نہیں ہے اور راشن کے مال سے کچھ بچا کر الگ سے بلیک میں فروخت کر کے اپنی مزدوری اور لانے کا کرایہ اور مکان کا کرایہ نکالنا یہ سب دھوکہ اور فریب ہے، جو شرعاً جائز نہیں ہے؛ اس لئے اس سے احتراز کرنا ضروری ہے، اگر ڈیلر کو حکومت کی طرف سے راشن تقسیم کرنے کا کوئی معاوضہ نہیں ملتا ہے، تو اس کو یہ کام چھوڑ کر جائز تجارت کا کوئی راستہ اختیار کر لینا چاہئے، جس سے جائز طریقہ سے نفع حاصل ہوجایا کرے گا۔

عن أبي بكر الصديقؓ عن النبي صلی اللہ علیه وسلم، قال: لا يدخل الجنة خب، و لا بخيل، و لا منان.

وعن أبي هريرةؓ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم: المؤمن غر كريم، والفاجر خب لئيم. (ترمذي، باب ما جاء في البخيل، النسخة الهندية ۲/ ۱۷، دارالسلام رقم: ۱۹۶۳ - ۱۹۶٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳/ ربیع الاول ۱۴۲۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷/ ۸۷۷۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۳/۱۳ھ

سعودیہ عمرہ کی نیت سے جا کر ملازمت کرنے والے کی آمدنی کا حکم

سوال [۱۰۹۷۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک صاحب عمرہ کے ویزا سے یہ نیت لے کر سعودی عرب جاتے ہیں کہ وہاں جا کر چھپ جاؤں گا، عمرہ کے ویزا کی مدت ختم کرنے کے بعد اور یہی ہوا وہ وہاں چھپے رہے اور چوری چھپے روپیہ کما کر کئی سال بعد آگئے، تو برائے کرم وضاحت فرمائیں کہ کیا ایسی کمائی جائز ہے؟

المستفتی: سید اظہر علی رضوی، علی گڈھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عمرہ کے لئے سفر میں ضمنی آمدنی اختیار کرنا جائز ہے اور جب عمرہ سے فارغ ہوگیا ہے، تو وہاں رہ کر کمائی کا طریقہ اختیار کرنا اور کمائی کا مال لانا سب جائز ہے؛ البتہ بلاویزا وہاں رہنا خلاف قانون ہونے کی وجہ سے اپنی عزت کا خطرہ ہے اور اس خطرہ کی وجہ سے ایسا طریقہ اختیار کرنے سے شریعت منع کرتی ہے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ. [البقرة: ۱۹۵]

مگر جب بحفاظت واپس آگیا ہے، تو اب اس کے مال اور ذات میں کسی قسم کی قباحت باقی نہیں رہی جیسا کہ خلاف قانون دوسرے ممالک سے بحفاظت مال لانے میں ہوتا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵؍ محرم الحرام ۱۴۱۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱؍ ۳۸۴۰)

عورت کی نوکری کا پیسہ شوہر کے لئے استعمال کرنا

سوال [۱۰۹۷۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ اگر کوئی عورت کسی کالج میں نوکری کرتی ہو اور اس کی آمدنی سے اپنا گھر چلاتی ہو، ساتھ ہی ساتھ اس کا شوہر بھی کسی نوکری کے ذریعہ گھر چلانے میں مدد کرتا ہو، تو کیا اس عورت کی کمائی جائز ہے یا نہیں؟ اگر وہ کمائی اس کا شوہر کھائے تو کیا اس کے لئے جائز ہے یا نہیں؟ وہ ان پیسوں میں سے کچھ پیسے اپنے بھائی کو اس کی کسی خوشی میں یا بغیر کسی موقع خرچ کے لئے دے، تو کیا یہ کمائی اس کے بھائی کے لئے جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ اس کا بھائی بالغ ہو، مگر ابھی پڑھائی کر رہا ہو۔

المستفتی: سعدانور ابن عبدالحفیظ، لاجپت نگر، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: عورت کے لئے بے پردہ سرکاری ملازمت کرنا بہت برا ہے، غیرت انسانی کے خلاف ہے، تاہم کوئی عورت ملازمت کرتی ہے، اس کے عوض ملنے والی تنخواہ اس کی ذاتی ملکیت ہے، اس کو جس طرح چاہے خرچ کرسکتی ہے، چاہے اپنے اوپر خرچ کرے یا شوہر پر خرچ کرے یا اس کے مشورہ سے دوسرے رشتہ داروں پر خرچ کرے، تو اس کی اجازت ہے؛ لیکن شوہر کے لئے اپنی عورت کی کمائی استعمال کرنا مردانگی کیخلاف ہے؛ لہٰذا بہتر یہ ہے کہ عورت کا روپیہ استعمال نہ کرے۔

ثم ذكر خلافًا للمرأة مع زوجها إذا اجتمع بعملها أموال كثيرة، فقيل هي للزوج، وتكون المرأة معينة له إلا إذا كان كسب علاحدة، فهو لها، وقيل: بينهما نصفان. (شامي، مطلب اجتمعا في دار واحدة واكتسبا ولا يعلم التفاوت، زكريا ٦/٢ ٥٠، كراچي ٤/٥ ٣٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴/ ۵۸۲۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۶/۲۳ھ

معاشی تنگی کی وجہ سے عورتوں کا کام کرنا

سوال [۱۰۹۸۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ گھریلو حالات کمزور ہونے کی بنا پر لڑکیوں کا بال کٹنگ کی دوکان پر نوکری کرنا تقریبات میں دلہن بنانا، بناؤ سنگھار کرنا اور ڈیزائن دار مہندی لگانے کے لئے جانا اور اس کے روپئے لینا کیسا ہے؟

المستفتی: محمد ارشد، بارہ دری، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: بازار میں بال کٹنگ کی دوکان کرنا عورتوں کے لئے جائز نہیں۔ نیز عورت کو پورا بال چھوڑے رکھنے کا حکم ہے، مردوں کی طرح چھوٹا کرنا جائز نہیں۔

ولو حلقت المرأة رأسها، فإن فعلت لوجع أصابها لا بأس به، وإن فعلت ذلك تشبيها بالرجل فهو مكروه. (هندية، الباب التاسع عشر في الختان......زكريا قديم ۵/۳۵۸، جديد ۵/۴۱٤)

عورتوں کا عورتوں کو مہندی لگانے اور عورتوں کا سنگھار کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں اور اس کی اجرت لینے میں بھی کوئی قباحت نہیں، بشرطیکہ وہاں غیر مردوں کا اختلاط نہ ہو۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/رجب المرجب ۱۴۱۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۳/ ۵۳۸۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۸/۷/۱۴۱۸ھ

جوان لڑکی کا لڑکے لڑکیوں کو ایک ساتھ پڑھانا

سوال [۱۰۹۸۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: عرض یہ ہے کہ میں ۲۵ رسالہ کنواری لڑکی ہوں، گھر میں دو بہنیں، دو بھائی اور والد ہیں، والد ضعیف اور بیمار ہیں، ان کی آمدنی اتنی ہے کہ اپنی دوا اور دیگر ضروریات کو پورا کرلیں، بھائی کی آمدنی اتنی نہیں ہے کہ وہ کھانے کے علاوہ ہماری اور ضروریات کو پورا کرسکیں، ان کے کاروبار پر بھی مجھے شک ہے کہ ناجائز اور جھوٹ وفریب پر مبنی ہے، اپنی اور بہنوں کی دوا، پڑھائی، جوتے، کپڑے و دیگر ضروریات کو پورا کرنے کے لئے میں پچھلے کئی سال سے ایک اسکول میں لڑکیوں کو پڑھاتی ہوں؛ لیکن اس سال سے اسکول میں ایسا سینٹر قائم ہوگیا ہے، جس میں لڑکے اور لڑکیاں دونوں پڑھتے ہیں، میں اس سینٹر کی ذمہ دار مقرر کی گئی ہوں، ایسے میں لڑکوں کو پڑھاتی بھی ہوں اور دفتر میں نامحرم مردوں کے ساتھ کام بھی کرتی ہوں، میرے سارے طالب علم بالغ اور شرعی نامحرم ہیں۔

(۱) ایسی صورت حال میں کیا میرا اس ادارے میں کام کرنا جائز ہے؟ کیا یہ کمائی حلال ہوگی؟ اگر میں اسی ادارے میں کام کروں تو کیا صرف نامحرم کے سامنے آنے کا گناہ پڑے گا یا کمائی بھی حرام ہوجائے گی؟

(۲) اگر میں کسی ایسے ادارے میں کام کروں جہاں صرف لڑکیاں اور عورتیں ہوں، تو وہ کمائی حلال ہوگی یا حرام؟ جبکہ کوئی ادارہ ایسا نہیں جہاں مرد نہ ہوں؟

(۳) اگر میں کہیں سروس نہ کروں، تو کیا بھائی کے بنائے ہوئے کپڑوں میں میری نماز ہوجائے گی؟ جبکہ حرام پیسوں کے کپڑوں میں نماز نہیں ہوتی؟

المستفتیہ: راعنا احمد، شیدھی سرائے، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسے اسکول میں ملازمت کرنا جس میں غیرمحرم مردوں کے ساتھ اختلاط ہو، اور ان کے سامنے بے پردگی سے پیش آنا پڑتا ہو ناجائز اور حرام ہے؛ اس لئے ایسی ملازمت عورتوں کے لئے قطعاً جائز نہیں؛ لہٰذا مذکورہ اسکول میں تعلیمی

خدمت انجام دینے کے لئے ملازمت کرنا قطعاً جائز نہیں۔ اللہ نے آپ کا رزق صرف اسی حرام ملازمت میں نہیں رکھا ہے، اور نہ ہی آپ کے اوپر شریعت کی طرف سے بھائی، بہنوں کا خرچہ ادا کرنا لازم ہے؛ بلکہ اس وقت پردہ نشین بن کر رہنا آپ کے لئے ضروری ہے، اور جلد کہیں شادی کر کے شوہر کی ماتحتی اختیار کرنا ضروری ہے، وہی شوہر آپ کی ضروریات پوری کرے گا اور آپ کے چھوٹے بھائی بہنوں کے خرچہ کا ذمہ دار آپ کا بھائی ہے، وہ اگر بہنوں کے علم کے بغیر کوئی ناجائز کمائی کھلائے، تو قیامت کے دن وہی اس کا ذمہ دار ہوگا۔ (مستفاد: امداد المفتیین ۱۰۳۰، احسن الفتاوی ۳۲/۸)

قال اللہ تعالیٰ: وَقُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا. [النور: ۳۱]

اليقين لا يزول بالشک، من شک في القليل والكثير حمل على القليل، فلا يبرأ إلا باليقين. (الأشباه والنظائر قديم ١٠٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ ربیع الثانی ۱۴۲۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵/۷۱۵۲)

پاندان بنانا

سوال [۱۰۹۸۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں پاندان بنانے کا کارخانہ کھولنا چاہتا ہوں اور پاندان وہی لوگ خریدتے ہیں، جو تمباکو کھانے کے عادی ہوتے ہیں، پاندان میں خاص طور پر ایک خانہ تمباکو کا بنایا جاتا ہے۔ مہربانی فرما کر از روئے شرع محمدی تحریر فرمائیں کہ پاندان بنانا جائز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسا پاندان بنانا جس میں ایک خانہ تمباکو کے لئے

بنایا جاتا ہے، وہ از روئے شرع محمدی علیہ الصلاۃ والسلام بلا کراہت جائز ہے؛ کیونکہ نفس تمباکو کا بیچنا ہی جائز ہے، تو اس کو رکھنے کے لئے جو آلہ ہے، وہ بدرجۂ اولیٰ جائز ہوگا۔
(مستفاد: عزیز الفتاوی ۷۴۸)

اور عموماً اس قسم کی تجارتوں میں مالیت مقصود ہوتی ہے اور شکل صورت مالیت کے تابع ہوتی ہے۔

لأنها لو كانت من خشب، أو صفر جاز اتفاقاً في ما يظهر؛ لإمكان الانتفاع بها. (شامي، باب المتفرقات من أبوابها، زكريا ۴۷۸/۷، كراچي ۲۲۶/۵، الموسوعة الفقهية الكويتية ۱۲۹/۱۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ ربیع الثانی ۱۴۱۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۵۷۰۲/۳۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۴/۳ھ

داڑھی مونڈنے والے نائی کی اجرت

سوال [۱۰۹۸۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جو نائی لوگ داڑھی مونڈتے ہیں، ان کی کمائی کیسی ہے حلال حرام یا مکروہ؟

مفتی صاحب سے گذارش ہے کہ حکم شرعی سے آگاہ فرمادیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: چونکہ داڑھی کاٹنا اور مونڈنا حرام ہے، اس لئے جو لوگ داڑھی مونڈتے ہیں، ان کی کمائی تعاون علی المعصیت کی وجہ سے مکروہ تنزیہی ہے۔
(محمودیہ ڈابھیل ۱۲۳/۱۷، میرٹھ ۲۷۲/۲۵)

رجل استأجر رجلاً ليصور له صوراً، أو تماثيل الرجال في بيت، أو فسطاط، فإني أكره ذلك وأجعل له الأجر قال هشام: تأويله إذا كان الإصباغ من قبل الأجير. (تاتارخانية، زكريا ۱۳۰/۱۵، رقم: ۲۲۴۳۱)

وجاز إجارة بيت بسواد الكوفة ليتخذ بيت نار، أو كنيسة، أو بيعة، أو يباع فيه الخمر، وقالا: لا ينبغي ذالک؛ لأنه إعانة على المعصية. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، باب الإستبراء وغيره، زكريا ٩/ ٥٦٢، كراچي ٦/ ٣٩٢)

إذا أستاجر رجلا ليحمل له خمراً فله الأجر في قول أبي حنيفةؒ. (هندية، الباب السادس عشر، زكريا قديم ٤/ ٤٤٩، جديد ٤/ ٤٨٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲ ؍صفر المظفر ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف خاص ۴۰ ؍ ۱۱۴۴۷)

نائی کی کمائی کارِ خیر میں خرچ کرنے کا حکم

سوال [۱۰۹۸۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جو مسلمان حجام (نائی) کا کام کرتے ہیں جن کے ذمہ مسلم وغیر مسلم کی داڑھی مونڈنا ایک مٹھی سے کم داڑھی کاٹنا اور انگریزی طرز کے بال کاٹنا ہے جو ان کی آمدنی کا اکثر حصہ ہے اور سر کے بال مونڈ کر اور سر کے یکسانی بال کتر کر اور چہرہ کا خط بنا کر مونچھ مونڈ کر اور مونچھ کتر کر اور بغل کے بال مونڈ کر جو آمدنی ہوتی ہے وہ مقدار کے اعتبار سے بہت کم ہوتی ہے، تو ان تمام صورتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے ان کے بال کو مسجد، مدرسہ یا کسی اور نیک کام میں خرچ کرنا صحیح ہے یا نہیں؟ نیز ان کے مال کی دعوت کھانا صحیح ہے یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں مدلل جواب تحریر فرمائیں عین نوازش ہوگی۔

المستفتی: محمد اکرم، نل والے، محلّہ پہاڑی دروازہ، بجنور (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: داڑھی مونڈنا جس کی داڑھی ہے اس کے لئے حرام ہے اور نائی چونکہ اس کے حکم کی تعمیل کرتا ہے اس لئے داڑھی مونڈنا اس کے لئے مکروہ

تحریمی ہے؛ لیکن اس عمل کی اجرت اس کے لئے کراہت کے ساتھ جائز ہے اور انگریزی بال بنوانا خود صاحب بال کے لئے مکروہ ہے اور نائی کے لئے تعاون علی الکراہیہ کی وجہ سے مکروہ تنزیہی ہے اور عمل کی اجرت نائی کے لئے حلال ہے اور جب نائی کے پاس جائز پیسہ آ گیا ہے تو وہ مسجد یا مدرسہ میں دے سکتا ہے، اس کے یہاں دعوت کھانا بھی جائز ہے اور قربانی کے جانور میں ایک شریک بن کر قربانی کرنا بھی جائز ہے جیسا کہ مندر بنانا اور بت خانہ تعمیر کرنا ناجائز ہے؛ لیکن اس کی تعمیر میں مزدوری کرنے والے کے لئے اجرت حلال ہے؛ البتہ امام اعظمؒ کے نزدیک بلا کراہت جائز ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک تعاون علی المعصیت کی وجہ سے مکروہ تنزیہی ہے۔ بہر حال اجرت حرام نہیں اور نہ ہی مکروہ تحریمی ہے اور صاحبین کا قول احتیاط پر مبنی ہے اور جب مسلمان کے ہاتھ میں اس کی اجرت آ جائے تو کسی بھی کار خیر میں وہ خرچ کر سکتا ہے۔

إن استأجره لينحت له طنبورًا أو بربطا ففعل طاب له الأجر إلا أنه يأثم به. (هندية ٤/ ٤٥٠، جديد زكريا ٤/ ٤٨٦)

عن محمدؒ: رجل استأجر رجلا ليصور له صورًا أوتماثيل الرجال في بيت أو فسطاط فإني أكره ذلک وأجعل له الأجرة. (هندية ٤/ ٤٥٠، جديد زكريا ٤/ ٤٨٦)

ولو آجر نفسه ليعمل في الكنيسة ويعمرها لا بأس به لأنه لا معصية في عين العمل وهذا عنه، وقالا: هو مكروه. (شامي، زكريا ٩/ ٥٦٢، كراچي ٦/ ٣٩٢)

أو اٰجر نفسه ليرعى له الخنازير يطيب له الأجر عنده وعندهما يكره. (رد المحتار زكريا ٩/ ٥٦٢، كراچي ٦/ ٣٩٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ رجب المرجب ۱۴۳۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۲۱۲۹/۴۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۶/۷/۳ھ

شرعی لباس کے ساتھ غیر شرعی لباس کی تجارت

سوال[۱۰۹۸۵]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بندہ کا کپڑوں کی خرید وفروخت کا کاروبار ہے، جس میں پینٹ، شرٹ غیر اسلامی لباس بھی ہوتا ہے، تو کیا غیر شرعی لباس کی خرید وفروخت میں کسی قسم کی قباحت تو نہیں ہے؟ اگر ہے تو کس درجہ کی؟

المستفتی: مطیع الرحمٰن، ٹانڈہ، بادلی، رام پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کپڑوں کی تجارت میں شرعی لباس کے ساتھ ساتھ غیر شرعی فساق کے لباس کی جو خرید وفروخت ہوتی ہے، اس میں آپ کا مقصد صرف اپنی تجارت اورکمائی ہے، فساق کا تعاون مقصود نہیں ہے، تو ایسی صورت میں آپ گنہگار نہ ہوں گے؛ ہاں البتہ تبعاً ایک قسم کا تعاون آپ کی طرف سے پایا جاتا ہے؛ اس لئے عمل تجارت فساق کے لباس کی حد تک مکروہ تنزیہی ہے اوراس تجارت کا پیسہ بلا شبہ حلال ہے؛ اس لئے کہ آپ اپنی مالیت کا پیسہ حاصل کرتے ہیں اورمال کی مالیت کا پیسہ حلال ہے، اورجو فساق فاسقانہ لباس استعمال کریں گے، وہ خود گناہ گار ہوں گے، اورآپ کے دل میں اس طرح کے لباس کی نفرت رہنی چاہئے۔

ان بيع العصير ممن يتخذه خمراً إن قصد به التجارة، فلا يحرم وإن قصد به لأجل التخمير حرم. (الأشباه والنظائر قديم ۵۳)

عن نافع عن عبد الله أن عمر رأى حلة سيراء تباع فقال: يا رسول الله! لوا بتعتها تلبسها للوفدإ ذا أتوك والجمعة؟ قال: إنما يلبس هذه من لاخلاق له، وأن النبي صلى الله عليه وسلم بعث بعد ذلک إلى عمر حلة سيراء حريرا، كساها إياه، فقال عمر: كسو تنيها، وقد سمعتک تقول فيها

ما قلت؟ فقال: إنما بعثت إليک لتبيعها، أو تکسوها. (بخاري شريف، باب الحرير للنساء، النسخة الهندية ۲/ ۸٦۸، رقم: ٥٦۱۲، ف: ٥۸٤۱، مسند أحمد بن حنبل ۲/ ۲۰ رقم: ٤۷۱۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹/ ۱۰۰۷۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۵/ ۵/ ۱۴۳۱ھ

درزی کے لئے فساق کا لباس سینا اور اس کی اجرت

سوال [۱۰۹۸٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک درزی فساق کا لباس سیتا ہے، تو اس کا یہ عمل شرعاً کیا حکم رکھتا ہے، اور اس کی اجرت کا کیا حکم ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: فساق کا لباس مثلاً ایسا لباس سینا، جس میں اعضاء کی بناوٹ اور جسم نظر آتا ہو مکروہ ہے اور اس کے ذریعہ حاصل ہونے والی آمدنی حلال ہے۔

(مستفاد: محمودیہ ڈابھیل ۱۹/ ۲۸۲، احسن الفتاوی ۸/ ۵۲)

فإذا ثبت کراهة لبسها للتختم ثبت کراهة بيعها وصيغها لما فيه من الإعانة على ما لا يجوز وکل ما أدیٰ إلى ما لا يجوز لا يجوز. (الدر مع الرد، کتاب الحظر والإباحة، فصل في المس، زکريا ۹/ ٥۱۸، کراچي ٦/ ۳٦۰)

وإن کان إسکافًا أمره إنسان أن يتخذ له خفًا على زي المجوس، أو الفسقة، أو خياطاً أمره أن يتخذ له ثوباً على زي الفسوق يکره له أن يفعل؛ لأنه سبب التشبه بالمجوس......والفسقة. (شامي، کتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع ۹/ ٥٦۲، کراچي ٦/ ۳۹۲)

إذا استأجر رجلاً لينحت له طنبورًا، أو بربطاً ففعل يطيب له الأجر إلا أنه يأثم في الإعانة على المعصية. (الفتاوى التاتارخانية، زكريا ۱۵/ ۱۳۱، رقم: ۲۲٤۳۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍صفر المظفر ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰/ ۱۱۴۴۶)

ڈگری حاصل کئے بغیر ڈاکٹری کا پیشہ کرنا

سوال [۱۰۹۸۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرا دوست ڈاکٹر نہیں ہے، اس کے پاس ڈاکٹری کی ڈگری نہیں ہے، صرف ایک مقامی ڈاکٹر کے پاس چند سال تک پریکٹس کرنے کے بعد وہ اپنا ذاتی دواخانہ شروع کرنا چاہتا ہے، یہاں یہ واضح کردینا چاہتا ہوں کہ ہمارے علاقہ میں بھی کئی ڈاکٹر بغیر ڈگری کے ہیں اور مریض ان کے پاس جاتے ہیں اور بحمد اللہ شفایاب بھی ہوتے ہیں، تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا میرا دوست ایسا دواخانہ شروع کرسکتا ہے کہ نہیں؟ اگر ہاں تو کیا اس کی آمدنی حلال شمار ہوگی؟

نیز اگر وہ شخص کسی اور کے دواخانہ میں نوکری کرے اور پورے دواخانہ کو سنبھالے اور مریضوں وغیرہ کو دیکھے اور اس کے عوض میں تنخواہ پائے تو ایسا کرنا شرعاً درست ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ڈاکٹری پیشہ کا تعلق معلومات سے زیادہ تجربات سے ہے؛ اس لئے اگر مذکورہ شخص کو ڈاکٹری پیشہ میں کامل تجربہ حاصل ہوگیا ہو اور اس کے علاج سے لوگوں کو فائدہ ہو، تو اس کا علاج کرنا اور دوسرے کے دواخانہ میں نوکری کرنا سب جائز اور درست ہے اور اس سے ملنے والی تنخواہ بھی جائز اور حلال ہوگی، مگر یہ خیال رکھنا بہت

ضروری ہوگا کہ الٹے سیدھے مریضوں کو دوا نہ دیا کرے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۴۱۸/۱۷، ڈابھیل ۳۷۷/۱۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴ رصفر المظفر ۱۴۲۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۸۷۳۵/۳۷)

ٹی وی کی مرمت کی اجرت حلال ہے یا حرام

سوال [۱۰۹۸۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (T.V) ٹی وی کی مرمت کی آمدنی کا کیا حکم ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: T.V. ٹی وی سازی اوراس کی اصلاح ومرمت کی آمدنی حلال ہے؛ کیونکہ ٹی وی اصل کے لحاظ سے آلۂ لہو ولعب نہیں ہے، اس کو اصلاحی، تعلیمی، تربیتی اور سائنسی مقاصد کے لئے بھی استعمال کیا جاسکتا ہے اور جو چیز فی نفسہ برائی کے لئے نہ ہو، مگر انسان برائی کے لئے اس کا استعمال کرے فقہاء نے اس کی اصلاح اور خرید وفروخت کو جائز قرار دیا ہے، تاہم چونکہ اس کا استعمال اکثر برائی ہی میں ہوتا ہے؛ اس لئے اس کی مرمت کی اجرت کراہت سے خالی نہیں۔ (مستفاد: جدید فقہی مسائل ۳۹۹/۱)

وعلم من هذا أنه لا يكره بيع مالم تقم المعصية به كبيع الجارية المغنية، والكبش النطوح، والحمامة الطيارة، والعصير، والخشب ممن يتخذ منه المعازف. وتحته في الشامية: لأن الإجارة على منفعة البيت؛ ولهذا يجب الأجر بمجرد التسليم، ولا معصية فيه وإنما المعصية بفعل المستأجر وهو مختار فينقطع نسبته عنه. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، باب الإستبراء وغيره، زكريا ٥٦٢/٩، كراچي ٣٩١/٦)

لابأس بأن يؤاجر المسلم دارًا من الذمی ليسكنها فإن شرب فيها الخمر، أو عبد فيها الصليب أو أدخل فيها الخنازير لم يلحق المسلم إثم في شيءٍ من ذلک؛لأنه لم يؤاجر لذلک والمعصية في فعل المستأجر، وفعله دون قصد رب الدار فلا إثم على رب الدار في ذلک. (مبسوط سرخيي، دارالکتب العلمية بيروت ٣٩/١٦)

وإذا استأجر الذمی من المسلم دارًا يسكنها، فلا بأس بذلک وإن شرب فيها الخمر، أو عبد فيها الصليب، أو أدخل فيها الخنازير، ولم يلحق المسلم في ذلک بأس؛ لأن المسلم لا يؤاجرها لذلک إنما آجرها للسكنىٰ كذا في المحيط. (هندية، الباب السادس عشر، زکريا قديم ٤٥٠/٤، جديد ٤٨٦/٤)

عن محمدؒ رجل إستأجر رجلا ليصور له صوراً، أو تماثيل الرجال في بيت، أو فسطاط، فإني أكره ذلک، وأجعل له الأجر. (هندية، الباب السادس عشر، زکريا قديم ٤٥٠/٤، جديد ٤٨٦/٤، الفتاوی التاتارخانية، زکرياه ١٣٠/١، رقم:٢٢٤٣٧)

وفي فتاویٰ أهل سمرقند: اذا استأجر رجلا لينحت له طنبوراً، أوبربطاً ففعل يطيب له الأجر إلا أنه يأثم في الإعانة على المعصية.
(الفتاوی التاتارخانية، زکريا ١٣١/١٥، رقم: ٢٢٤٣٧) *فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم*

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/صفر المظفر ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف خاص: ۱۱۴۴۸/۴۰)

ٹیلیویژن کی تجارت کی آمدنی حلال یا حرام؟

سوال [۱۰۹۸۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ T.V. (ٹی وی) کی تجارت میں آمدنی کا کیا حکم ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: T.V. (ٹی وی) فی نفسہ آلۂ لہو ولعب نہیں ہے، اس کو اصلاحی، تعلیمی، تربیتی اور سائنسی مقاصد کے لئے بھی استعمال کیا جاسکتا ہے، اور فقہاء نے ہر ایسی چیز کی خرید وفروخت کو جائز قرار دیا ہے، جس میں فی نفسہ کوئی برائی نہ ہو؛ لہٰذا ٹی وی کی تجارت کی آمدنی حلال ہے، تاہم اب تک چونکہ اس کا استعمال اکثر برائی ومنکرات کے لئے ہوتا رہا ہے؛ اس لئے اس کی تجارت کی آمدنی کراہت کے ساتھ جائز ہے۔ (مستفاد: جدید فقہی مسائل ۱/۳۹۹)

وعلم من هذا أنه لا يكره بيع مالم تقم المعصية به كبيع الجارية المغنية، والكبش النطوح، والحمامة الطيارة، والعصير، والخشب ممن يتخذ منه المعازف. وتحته في الشامية: لأن الإجارة على منفعة البيت؛ ولهذا يجب الأجر بمجرد التسليم، ولا معصية فيه وإنما المعصية بفعل المستأجر وهو مختار فينقطع نسبته عنه. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، باب الإستبراء وغيره، زكريا ۹/٥٦٢، كراچي ٦/۳۹۱)

ومن كسر لمسلم بربطًا، أو طبلا، أو مزمارًا، أو دفاً، أو أراق له سكراً، أو منصفاً، فهو ضامن، وبيع هذه الأشياء جائز، وهذا عند أبي حنيفة...... ولأبي حنيفة أنها أموال لصلاحيتها لما يحل من وجوه الانتفاع، وإن صلحت لما لا يحل فصار كالأمة المغنية، وهذا لأن الفساد بفعل فاعل مختار، فلا يوجب سقوط التقوم وجواز البيع والتضمين مرتبان على المالية والتقوم، والأمر بالمعروف باليد إلى الأمراء لقدرتهم، وباللسان إلى غيرهم. (هداية، اشرفي ديوبند ۳/۳۸۷)

وفي فتاوىٰ أهل سمرقند: إذا استأجر رجلا لينحت له طنبوراً، أوبربطاً ففعل يطيب له الأجر إلا أنه يأثم في الإعانة على المعصية. (تاتارخانية، زكريا ١٥/ ١٣١، رقم: ٢٢٤٣٧)

عن محمدؒ رجل استأجر رجلا ليصور له صوراً، أو تماثيل الرجال في بيت، أو فسطاط، فإني أكره ذلک، وأجعل له الأجر. (هندية، الباب السادس عشر، زكريا قديم ٤/ ٤٥٠، جديد ٤/٤٨٦، الفتاوى التاتارخانية، زكريا١٥/ ١٣٠، رقم: ٢٢٤٣١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ ربیع الاول ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰/ ۱۱۴۶۲)

ٹی وی، ریڈیو، موبائل وغیرہ کے سامان کا کاروبار کرنا

سوال [۱۰۹۹۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بکر ٹی وی، ریڈیوں، موبائل، کے ساتھ ساتھ مختلف لہو ولعب کے سامان کا کاروبار کرتا ہے مفتی صاحب سے گزارش ہے کہ بکر کی آمدنی حلال ہے یا حرام دلائل کے ساتھ جواب تحریر کریں۔

المستفتی: محمد زکریا، دارالعلوم دیوبند

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ٹی وی، ریڈیو، صرف فحش پروگراموں اورنا جائز نشریات کے لئے خاص نہیں؛ بلکہ ان پر جائز پروگرام بھی نشر کئے جاتے ہیں، مثلاً وہ ٹی وی جو کاروباری لوگ اپنی فیکٹری میں لگاتے ہیں، جس سے مختلف کمروں میں کام کرنے والوں کی نگرانی کی جاتی ہے؛ اس لئے ان کی مرمت کا پیشہ بنانا جائز اور آمدنی حلال ہے، اس کا حکم بھی فوٹو گرافی کی اجرت کی طرح ہے، اور ان چیزوں کا استعمال فحش پروگراموں کو نشر کرنے اور بے حیائی کی ترویج کے لئے زیادہ ہوتا ہے اور اس کی مرمت میں ایک گونہ تعاون علی الاثم ہے؛ اس لئے یہ پیشہ اختیار کرنا مکروہ ہوگا۔ اور موبائل کا حکم ان چیزوں سے الگ ہے، موبائل کی ایجاد اصلاً آپسی رابطہ اور مواصلاتی نظام کی ترقی کے لئے ہوئی ہے؛ اس لئے اس کی

مرمت کا پیشہ اختیار کرنا جائز اورآمدنی بلاشبہ حلال ہے، جو موبائل کو ناجائز کاموں میں استعمال کرے گا وہی گناہ گار ہوگا، مرمت کرنے والے پر اس کا کوئی گناہ نہ ہوگا۔ اورلہو ولعب کے سامان کی مرمت کرنے اور ان کی تجارت کرنے میں فی نفسہ گناہ نہیں ہے؛ بلکہ ان چیزوں کو ناجائز کھیلوں میں استعمال کرنے والا گنہگار ہوگا اور جائز کھیلوں میں استعمال کرنے والا گنہگار نہیں ہوگا؛ لہٰذا لہوولعب کی مرمت وتجارت کرنے والے شخص کی آمدنی حلال ہے۔ اوراس کے ساتھ ہر طرح کا معاملہ کرنا شرعاً جائز ہے۔

الأمور بمقاصدها. (الأشباه والنظائر ۵۳)

قال الله تعالیٰ: وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ اُخْرَی. [الأنعام:۱٦٤]

يجب الأجر بمجرد التسليم، ولا معصية فيه وإنما المعصية بفعل المستأجر وهو مختار فينقطع نسبته عنه. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، باب الإستبراء وغيره، زكريا ۹/٥٦۲، كراچي ٦/۳۹۱)

إذا استأجر رجلا لينحت له طنبوراً، أو بربطاً ففعل يطيب له الأجر إلاأنه يأثم في الإعانة على المعصية. (هندية، الباب السادس عشر، زكريا قديم ٤/٤٥٠، جديد ٤/٤٨٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍رجب المرجب ۱۴۳۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۰۴۶۴/۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۵/۷/۱۴۳۲ھ

جعلی سرٹیفیکٹ سے حاصل شدہ نوکری کا پیشہ حلال یا حرام؟

سوال [۱۰۹۹۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جعلی سرٹیفیکٹ کے ذریعہ سے جو نوکری حاصل کی جاتی ہے، وہ جائز ہے یا نہیں؟ اوراس کے بعد اس نوکری سے جو تنخواہ ملے گی وہ حلال ہوگی یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جعلی سرٹیفیکٹ کے ذریعہ سے جونوکری حاصل کی جاتی ہے وہ ناجائز ہے؛ اس لئے کہ یہ جھوٹ اوردھوکہ ہے تاہم جوکام اس کے ذمہ ہے، اگر وہ اس کو بحسن وخوبی انجام دیتا ہے، تو اس کے لئے اجرت لینا جائز اور حلال ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۱۹۸/۸، کتاب الفتاوی ۳۹۵/۵، آپ کے مسائل اوران کاحل جدید زکریا ۲۹۸/۷، فقہی مسائل ۴۱۳/۱)

فیطیب له وإن كان السبب حراماً. (البحر الرائق، باب الإجارة الفاسدة، زكريا ۳۳/۸، كوئٹه ۱۹/۸)

واعترض رجل من غير المقلدين، وقال إن أبا حنيفةؒ يجعل أجرة البغي طيبة، وهذا خلاف نص الحديث، وإجماع الأمة، وأجاب مولانا المرحوم الگنگوهي أن صورة المسئلة أن يستأجر رجل المرأة لعمل ما من الطحن، أو الخبز، واشترط معها، أنه يزني بها، فإن أجرة عملها طيبة. (العرف الشذي على هامش الترمذي، مكتبه البدر ۲۱۶/۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍ربیع الاول ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف خاص: ۱۱۴۵۸/۴۰)

تصویرکشی کی اجرت حلال ہے یانہیں؟

سوال [۱۰۹۹۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید ایک فوٹوگرافر ہے، اس کے یہاں ہر طرح کے فوٹو کھینچے جاتے ہیں، پاسپورٹ اور آئجنبٹی کارڈ فوٹو کے ساتھ آدمی کا پورا فوٹو اور نوجوان لڑکے لڑکیوں کے شوقیہ فوٹو بھی کھینچے جاتے ہیں، تو اس طرح کے فوٹو تیار کر کے اس کی اجرت حلال ہے یانہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جوفوٹوگرافر جائز وناجائز دونوں طرح کے فوٹو تیار کرتا ہے، تو اس کا پیشہ تو سخت گناہ کا کام ہے؛ لیکن اس کی اجرت مع الکراہت حلال ہے؛ اس لئے کہ وہ اپنے سامان کی اجرت لیتا ہے، جو وہ فوٹو کی تیاری میں خرچ کرتا ہے۔

(مستفاد: جواہر الفقہ، مکتبہ تفسیر القرآن، دہلی-۳/۳۴۷)

رجل استأجر رجلا ليصور له صوراً، أو تماثيل الرجال في بيت، أو فسطاط، فإني أكره ذلک، وأجعل له الأجر. قال هشام: تأويله إذا كان الإصباغ من قبل الأجير. (الفتاوى التاتارخانية، زكريا ١٥/١٣٠، رقم: ٢٢٤٣١، هندية، زكريا قديم ٤/٤٥٠، زكريا جديد ٤/٤٨٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/صفر المظفر ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف خاص: ۱۱۴۴۹/۴۰)

بیڑی، سگریٹ کی تجارت اور اس کا پیشہ

سوال [۱۰۹۹۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کی بیڑی، سگریٹ کی ایجنسی ہے، تھوک میں لوگ لے جاتے ہیں، تو یہ کاروبار کرنا کیسا ہے؟ اور اس کی آمدنی کا کیا حکم ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بیڑی، سگریٹ کا کاروبار بلا کراہت جائز ہے اور اس سے حاصل ہونے والی آمدنی بھی بلا کراہت حلال ہے؛ البتہ پینے والوں کے لئے پینا مکروہ ہے۔

وصح بيع الخمر ممامر ومفاده: صحة بيع الحشيشة، والأفيون –ولا شک في ذلک لأنهما دون الخمر وليسا فوق الأشربة

المحرمة فصحة بيعها يفيد صحة بيعهما. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، باب الإستبراء وغيره، كراچي ٦/٤٥٤، زكريا ٩/٣٥١٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵؍ربیع الاول ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف خاص: ۱۱۴۷۶/۴۰)

جانوروں کو ادھیا پر دینا

سوال [۱۰۹۹۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جانوروں کو ادھیا پر دینا کیسا ہے؟ یعنی مالک چرواہے کو جانور اس شرط پر دے کہ وہ اس کی پرورش کرے، تو دودھ اور بچہ دونوں میں آدھا آدھا ہوگا، اگر یہ ناجائز ہے، تو اس کے جواز کی کیا شکل ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جانوروں کو ادھیا پر دینا جائز نہیں ہے؛ البتہ اس کے جواز کی شکل یہ ہے کہ مالک جانور کی ایک مناسب قیمت لگا کر نصف حصہ دیکھ ریکھ کرنے والے کے ہاتھ فروخت کر دے، پھر اس کی قیمت معاف کر دے، تو ایسی صورت میں جانور دونوں کے درمیان مشترک ہو جائے گا اور اس کی نسل اور آمدنی بھی دونوں کے درمیان نصف نصف ہو جائے گی اور دیکھ ریکھ کرنے والا اپنی دیکھ ریکھ کی اجرت نہ لے، اسے معاف کر دے، تو اس صورت میں جانور کی نسل اور دودھ دونوں کے درمیان آدھا آدھا تقسیم ہو جائے گا۔

(مستفاد: انوار رحمت ۲۲۴، محمودیہ ڈابھیل ۱۶/۵۹۴، میرٹھ ۲۵/۱۹۴)

دفع بقرة إلى رجل على أن يعلفها، وما يكون من اللبن، والسمن بينهما أنصافًا، فالإجارة فاسدة وعلى صاحب البقرة للرجل أجر قيامه وقيمة علفه إن علفها من علف هو ملكه—والحيلة في جوازه أن يبيع نصف البقرة

منه بثمن ويبرئه عنه، ثم يأمر باتخاذ اللبن والمصل، فيكون بينهما. (هندية، الباب الخامس عشر بثمن الفصل الثالث، زكريا قديم ٤/٤٤٥،جديد ٤/٤٨١، بزازيه، زكريا جديد ٢/٢٠، وعلى هامش الهندية ٥/٣٧، قاضيخان، زكريا جديد ٢/٢١٠، وعلى هامش الهندية٢/٣٣٠)

رجل دفع بقرة إلى رجل بالعجل مناصفة، وهي التي يسمى بالفارسية كاونم، بأن دفع على أن ما يحصل من اللبن، والسمن بينهما نصفان؛ فهذا فاسدة، والحادث كله لصاحب البقرة والإجارة فاسدة -والحيلة في تجويز هذا التصرف أن يبيع نصف البقرة من المدفوع إليه بثمن معلوم، ويسلم البقرة إليه ويبرئه من الثمن، ثم يأمره، بأن يتخذ من لبنها المصل والسمن وغير ذلک فيكون ذلک بينهما.

(خلاصة الفتاوى، الفصل الثاني، اشرفية٣/١١٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱؍ربیع الاول ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف خاص: ۱۱۴۵۵/۴۰)

جانوروں کو حاملہ کرانے کے لئے انجکشن لگوانا اوراس کی اجرت لینا

سوال [۱۰۹۹۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جانوروں کو حاملہ کرانے کے لئے انجکشن لگوانا اوراس کی اجرت دینا ولینا کیسا ہے؟ جو بھی شرعی حکم ہو تحریر فرمائیں نوازش ہوگی۔

المستفتی: حسین احمد، متعلم مدرسہ شاہی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جانوروں کو حاملہ کرانے کے لئے انجکشن لگوانا دو قسموں پر ہوسکتا ہے:

(۱) جانور کے فطری راستہ سے ہٹ کر جسم کے کسی دوسرے حصہ پر لگوایا جائے، تو اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ جانور اپنی طبعی کمزوری کی وجہ سے حاملہ نہیں ہو رہی ہے اور بطور علاج انجکشن کے نر سے ملنے پر حاملہ ہو جاتی ہے، تو اس طرح انجکشن لگوانا اور اس کی اجرت لینا دینا بھی شرعاً جائز ہے۔

(۲) جانور کے رحم دان میں فطری راستہ سے انجکشن کے ذریعہ نرینہ جانور کا مادہ منویہ پہونچایا جائے، تو مادہ اور انجکشن کی اجرت وقیمت دینا اور لینا ناجائز اور حرام ہے۔

أحاديث الباب تدل على أن بيع ماء الفحل وإجارته حرام؛ لأنه غير متقوم به، وإليه ذهب الجمهور. (حاشية بذل المجهود، تحت باب في عسب الفحل، دارالبشائر الإسلامية ۱۱/۱۳۳، دار الكتب العلمية بيروت ۱۵/۹۶، نيل الأوطار، دارالكتب العلمية بيروت ۵/۱۷٤)

اور اس طرح انجکشن لگوائی کی اجرت کے سلسلہ میں فقیر کی نظر سے کوئی صریح جزئیہ نہیں گذرا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴ر ربیع الثانی ۱۴۱۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۶/۲۱۸۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۴/۴/۱۴۱۱ھ

غیر مسلم کی پوجا کی تصویریں فروخت کرنا

سوال [۱۰۹۹۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں اہل ہنود کی پوجا کی تصویریں فریم کر کے بیچتا ہوں، کیا یہ روزی میرے لئے ازروئے شریعت جائز ہے یا ناجائز؟ آگاہی فرمادیں عنداللہ ماجور ہوں گے۔

المستفتی: محمد طاہر حسن، مانپور، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آپ کا یہ کام اعانت علی المعصیت کی وجہ سے ناجائز اور حرام ہے؛ البتہ اجرت کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بلا کراہت حلال و جائز ہے اور امام ابویوسفؒ ومحمدؒ کے نزدیک مع الکراہت جائز ہے؛ اس لئے مسلمانوں کو اس طرح روزی اختیار کرنے سے احتراز کرنا جائز ہے۔

لو آجره دابة لينقل عليها الخمر، أو آجره نفسه ليرعي له الخنازير يطيب له الأجر عنده و عندهما يكره. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره، زكريا ٩/ ٥٦٢، كراچي٦/ ٣٩٢، البحرالرائق، زكريا ٨/ ٣٧٢، كوئٹه٨/ ٢٠٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍ربیع الثانی ۱۴۱۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۷۴۹/۲۵)

لہو ولعب کی اشیاء بنا کر کرایہ پر دینا

سوال [۱۰۹۹۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ وہ تمام اشیاء لہو ولعب کی جو شادی بیاہ میں مشرکین، ہنود، یا غیر مسلمین عیسائی، یہودی اور مسلمان استعمال کرتے ہیں، ان کا بنانا اور کرایہ وغیرہ پر دینا کیسا ہے؟

المستفتی: جمیل احمد قاسمی، بستوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تعاون علی المعصیۃ کی وجہ سے صاحبین کے نزدیک ناجائز ہے، اسی پر فتوی دیا جاتا ہے؛ اس لئے ان چیزوں کا بنانا اور کرایہ پر دینا سب ممنوع اور مکروہ ہے۔

وعندهما يكره له ذلك لوجود الإعانة على المعصية، وقد صح أن النبي صلى الله عليه وسلم لعن في الخمر عشراً وعد منها حاملها والمحمول إليه. (مجمع الأنهر، كتاب الكراهية، فصل في الكسب، دارالكتب العلمية، بيروت ٤/١٨٨، مصري قديم ٢/٥٣٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/محرم الحرام ۱۴۱۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۶/۲۰۹۴)

کم تنخواہ دیکر زیادہ پر دستخط کرانا

سوال [۱۰۹۹۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ گورمنٹ کے مدرسہ میں مدرس کی جو تنخواہ متعین ہوتی ہے، اس کا نصف حصہ گورنمنٹ دیتی ہے اور نصف حصہ مدرسہ کے ذمہ واجب الاداء ہوتا ہے، اگر دینی مدارس کو اس نصف کی ادائے گی میں بھی دشواری پیش آئے اور مدرسین رضاء وخوشی کے ساتھ اس سے کم پر بھی آمادہ ہوجائیں اور دستخط پورے نصف پر کریں، تو کیا ایسا کرنا جائز نہیں ہے؟ بینوا بالتفصیل توجروا عند الجلیل۔

المستفتی: ظہیر الحق نعمانی، وصیۃ العلوم، کوپاگنج، اعظم گڈھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر کم لے کر زیادہ پر دستخط کرانے کا مقصد قوم کو زیادہ حساب دکھلا کر ان سے زیادہ رقم حاصل کرنی ہے، تو یہ دھوکہ ہے، یہ ناجائز اور واجب الاحتراز ہے، اگر اس طرح زیادہ پر دستخط کا کوئی دوسرا مقصد ہے، تو اس کی صراحت کردی جائے، اس کے بعد حکم لکھا جاسکتا ہے۔

عن أبي هريرة رضي الله عنه، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم

مـر بـرجـل -إلـى-فقال: رسول الله صلى الله عليه وسلم: ليس منامن غش.
(سنـن أبـي داؤد، بـاب الـنهـي عـن الغش، النسخة الهندية۲/ ۸۹، دارالسلام رقم: ۳۴۵۲، مسند أحمد بن حنبل ۲/ ۲۴۲، رقم: ۷۲۹۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۴؍ ۱۲۱۴)

فسادات میں لوٹے ہوئے مال کی خرید وفروخت

سوال [۱۰۹۹۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ موجودہ زمانہ میں فسادات میں لوٹے ہوئے مال کی بیع وشراء کا کیا حکم ہے؟ مع دلائل جواب مرحمت فرمائیں۔

المستفتی: اخلاق احمد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ہندوستان جیسے (دارالجمہوریہ) میں لوٹ مار کرنا ناجائز اور حرام ہے اور لوٹ مار میں جو مال حاصل ہوجائے، اس کو خود استعمال کرنا ناجائز ہے، اصل مالک یا اس کے ورثاء کو پہونچا دینا لازم ہے اور اگر یہ ممکن نہ ہو، تو فقراء کو بلا نیت ثواب دیدینا لازم ہے۔

صرح الفقهاء: بأن من اكتسب مالا بغير حق، فأما أن يكون كسبه بعقد فاسد (إلى قوله) **أوبغير عقد كالسرقة، والغصب، والخيانة، والغلول، ففي جميع الأحوال المال الحاصل له حرام عليه، يجب عليه أن يرده على مالكه إن وجد المالك وإلا ففي جميع الصور يجب عليه أن يتصدق بمثل تلك الأموال على الفقراء.** (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارن پور ۱/ ۳۷، دارالبشائر الإسلامية بيروت ۱/ ۳۵۹، تحت رقم الحديث: ۵۹)

فإن عرفوا أربابها ردوها على أربابها؛ لأنه لا يخلوا عن نوع خبيث، وإن لم يعرفوا أربابها تصدقوا بها. (قاضيخان، كتاب الحظر و الإباحة، زكريا جديد ۳/ ۲۹۰، وعلى هامش الهندية ۳/ ۴۰۱)

لو أجريت أحكام المسلمين، وأحكام أهل الشرك لاتكون دار حرب. (شامي، مطلب فيما تصير به دارالإسلام، دار حرب، زكريا ۶/ ۲۸۸، كراچي ۴/ ۱۷۵، الموسوعة الفقهية الكويتية ۱۰/ ۲۹۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ ربیع الثانی ۱۴۱۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۵/ ۱۷۸۳)

غیرمسلم، مسلمان کوشراب وخنزیر کا پیسہ تحفہ میں دے تو کیا حکم؟

سوال [۱۱۰۰۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ شراب اور خنزیر کا ثمن مسلمانوں کے لئے حرام ہے، غیر مسلموں کے حق میں کیا حکم رکھتا ہے؟ شراب اور خنزیر کا پیسہ اگر ان کے حق میں جائز ہے، تو وہ مسلمانوں کو شراب اور خنزیر کا پیسہ تحفہ میں دیں، تو مسلمانوں کے لئے وہ پیسہ جائز ہوگا یا ناجائز ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: شراب اور خنزیر کا پیسہ غیر مسلموں کے لئے ان کے عقیدے کے مطابق جائز ہے؛ لہٰذا اگر غیر مسلم مسلمان کو شراب یا خنزیر کا پیسہ بطور تحفہ دے، تو مسلمان کے لئے وہ پیسہ حلال اور جائز ہوجائے گا۔

إن بلالاً قال: لعمر بن الخطابؓ إن عمالك ياخذون الخمر، والخنازير في الخراج، فقال: لا تأخذوها منهم؛ ولكن ولوهم ببيعها وخذوا أنتم من الثمن -فهذا عمرؓ قد أجاز لأهل الذمة بيع الخنازير، والخمر، وأجاز للمسلمين أخذ أثمانهما في الجزية، والخراج وذلك بمحضر من

الصحابة ولم ينكر عليه منكرٌ. (إعلاء السنن، باب حرمة بيع الخمر، والميتة، والخمر، والخنزير، والأصنام، دارالكتب العلمية بيروت ١٤/١٣٤، ١٣٥، كراچي ١١١/١٤، بدائع الصنائع، زكريا ٤/٣٣٤، كراچي ٥/١٤٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍صفر المظفر ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف خاص: ۴۰؍۱۱۴۴۲)

نشہ آور چیز کا کاروبار و بلیک مارکٹنگ کا حکم

سوال [۱۱۰۰۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ خالد نشہ آور چیز کی آمدنی وکارور بار کے ساتھ کالا بازار کا کاروبار کرتا ہے اس بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: محمد زکریا، دارالعلوم دیوبند

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شراب کی تجارت اورآمدنی حرام ہے، اگر شراب کا کاروبار کرنے والے کی غالب آمدنی یہ ہے، تو ان سے ہدیہ یا دعوت قبول کرنا یا ان کو اپنے ساتھ قربانی میں شریک کرنا جائز نہ ہوگا اور بیوی اور بچوں کے لئے ان کے مال سے اپنا نفقہ لینے کی گنجائش ہے اور شراب کے علاوہ جو نشہ آور چیزیں ہیں، جیسے گانجا، بھنگ، افیون یا دیگر منشیات ان کی تجارت اور آمدنی مکروہ ہے، اور یہی حکم ان کے ہدایا اور دعوت کا ہے اور بلیک مارکٹنگ کا کاروبار فی نفسہ جائز ہے۔

قال اللّٰه تعالىٰ: ﴿وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ﴾. [البقرة:١٩٥]

الأشربة المحرمة أربعة. (هداية، كتاب الأشربة، اشرفي ديوبند ٤/٤٩٢)

ولا يجوز بيعها لحديث مسلم" الذي حرم شربها حرم بيعها. (شامي، كتاب الأشربة، زكريا ١٠/٢٩، كراچي ٦/٤٤٩)

وصح بيع غير الخمر......ثم إن البيع وإن صح لكنه يكره.

(شامي، كتاب الأشربة، زكريا ١٠/ ٣٥، كراچي٦/ ٤٥٤)

لا يجيب دعوة الفاسق......وكذا من كان غالب ماله حرامًا.

(هندية، الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات، زكريا قديم٥/ ٣٤٣، جديد ٥/ ٣٩٧) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍رجب المرجب ۱۴۳۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۰۴۶۴/۳۹)

ٹیکسی سے شرابیوں کو شراب خانے لے جانا اوران کو کمرے کرایہ پر دینا

سوال [۱۱۰۰۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ یہاں نیوزی لینڈ میں مختلف مما لک کے مسلمان بغرض تجارت و روز گار مقیم ہیں، ان میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں، جو اچھی کمائی کے لئے حرام وحلال سے قطع نظر کچھ کاروبار کرتے ہیں۔

(۱) کچھ لوگ پوری رات اپنی ٹیکسی سے شراب خانوں سے شرابیوں اور اسی طرح جوئے خانوں رقص گاہوں اورقہوہ خانوں سے فساق و فجار کو منتقل کرتے ہیں اور پھر دن بھر سوتے ہیں اور یہ محض اچھی آمدنی کے خاطر کرتے ہیں۔

(۲) کچھ لوگ مکانات خریدتے ہیں اور پھر انہیں ایسے لوگوں کو کرایہ پر دیتے ہیں، جو ان میں شراب پیتے ہیں، خنزیر کا گوشت کھاتے ہیں اوراپنی دوست لڑکیاں لاتے ہیں، ان کا مقصد بھی اچھی آمدنی ہے۔

المستفتی: مفتی ساجد، بجنوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) ٹیکسی چلانے والے کی اجرت حلال ہے،

معصیت کا کام کرنا فساق وفجار کا اپنا ذاتی فعل ہے، وہ معصیت کے فاعل مختار ہیں؛ البتہ تعاون علی المعصیت کی وجہ سے حضرات صاحبینؒ کے نزدیک مکروہ ہے۔

وإن تحصل المعصية بفعل فاعل مختار، وليس الشراب من ضرورات الحمل؛ لأن حملها قد يكون للإراقة، أو للتخليل (إلى قوله) وعلى هذا الخلاف لو آجره دابة لينقل عليها الخمر، أو آجره نفسه ليرعي له الخنازير يطيب له الأجر عنده، وعندهما يكره. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، باب الإستبراء وغيره، كراچی ٦/٣٩٢، زكريا ٩/٥٦٢، البحرالرائق، كوئٹه ٨/٢٠٣، زكريا٨/٣٧٢)

(۲) ایسا کام کرنا تعاون علی المعصیت کی وجہ سے مکروہ ہے اور اجرت حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بلا کراہت حلال ہے اور حضرات صاحبین کے نزدیک مکروہ ہے۔

يطيب له الأجر عنده، و عندهما يكره. (شامي، كراچي ٦/٣٩٢، زكريا ٩/٥٦٢)

وهو صريح في جواز بيع الغلام من اللوطي. (شامي، كراچي ٦/٣٩٢، زكريا ٩/٥٦٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ رمحرم الحرام ۱۴۱۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۳/۵۱۰۷)

مسلم مزدور کا سرکاری دفتر میں پھینکی ہوئی خالی شراب کی بوتل کو دھل کر استعمال کرنا

سوال [۱۱۰۰۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ سرکاری دفتر میں غیر مسلم شراب پی کر خالی بوتل پھینک دیتے ہیں، وہاں مسلم

مزدور کام کرتے ہیں، وہ خالی بوتلیں اٹھالاتے ہیں، ان کو فروخت کردیتے ہیں یا صاف کر کے اپنے استعمال میں لاتے ہیں۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ شراب کی خالی بوتلیں وہاں سے اٹھانا یا فروخت کر کے پیسے اپنے صرفہ میں لانا یا بوتل صاف کر کے اپنے استعمال میں لانا مسلمان کے لئے جائز ہے یا نہیں؟ بحوالہ جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: منشی انیس احمد، نئی بستی، رام نگر، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مسئولہ میں ان بوتلوں کو پاک وصاف کر کے شرعاً اپنے استعمال میں لانا اور فروخت کر کے قیمت حاصل کرنا جائز ہے۔ نیز پانی سے اچھی طرح پاک کرلیا جائے۔

ویجوز تطهير النجاسة بالماء وبكل مائع طاهر. (مختصر القدوری، كتاب الطهارة، باب الأنجاس ۱۸)

فإن كانت شيئًا يعلم أن صاحبها لا يطلبها كالنواة، وقشر الرمان يكون إلقاؤه إباحة حتى جاز الانتفاع به بلا تعريف. (شامي، كتاب اللقطة، زكريا ٦/٤٣٦، كراچي ٤/٢٧٨، كوئٹه ٣/٣٥٠)

والبطيخ في مواضع متفرقة له أن يأخذ وينتفع بها. (بزازيه، كتاب اللقطة، زكريا جديد ٣/١١١، وعلى هامش الهندية ٦/٢١٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۴؍ ۷۰۳)

مقدمہ کا خرچ اپنے فریق سے وصول کرنا

سوال [۱۱۰۰۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل

کے بارے میں: کہ میں نے ایک شخص زید کو کچھ مال دیا، اس شخص نے اس مال کی قیمت واپس نہیں کی اور نہ ہی مال واپس کیا، تقریباً دس سال گذر گئے، پھر میں نے عدالت میں نالش کی تو ڈگری میرے نام آگئی، اس درمیان عدالت میں میرا تقریباً پانچ ہزار چار سو روپیہ خرچہ ہوا، اس کے بعد اس شخص نے اس مال کی قیمت ادا کردی اور اس پر جو سود ہوتا ہے، وہ میں نے نہیں لیا۔ اب معلوم یہ کرنا ہے کہ عدالت میں جو روپیہ میرا خرچہ ہوگیا، وہ خرچ شدہ روپیہ زید سے وصول کرنا جائز ہے یا نہیں؟ زید کہتا ہے کہ معاف کردو؛ جبکہ وہ صاحب حیثیت آدمی ہے، شرعی حکم کیا ہے؟ تحریر فرمائیں۔

المستفتی: محمد یونس، محلّہ: سرائے ترین، سنبھل، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسی حالت میں خرچۂ مقدمہ وصول کرنا بعض فقہاء جائز کہتے ہیں اور بعض ناجائز کہتے ہیں؛ اس لئے اگر معاف کردیں گے، تو زیادہ بہتر ہوگا اور اگر وصول کریں گے، تو جن فقہاء نے اجازت دی ہے، ان کے قول کے مطابق آپ کے لئے خرچۂ مقدمہ وصول کرکے استعمال کرنا حلال ہوگا۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۴/۱۵۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/محرم الحرام ۱۴۱۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۸/۲۹۶۶)

بکرے کے خصیتین کی فروختگی اور اس سے حاصل شدہ آمدنی کا حکم

سوال [۱۱۰۰۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) ایک صاحب ہیں، ان کا گوشت کا کاروبار ہے، اور کثیر تعداد میں بکرا ذبح کرکے گوشت فروخت کرتے ہیں، بکرے کے خصیتین ''فوطا'' جس کو یہاں کی

زبان میں کبورا کہتے ہیں، یہاں کے غیر مسلم اسے خرید کر بڑے شوق سے کھاتے ہیں، کیا اس کا فروخت کرنا جائز ہے؟

(۲) کچھ جان کار لوگ کہتے ہیں کہ امام شافعیؒ کے یہاں بکرے کا خصیہ یعنی فوطا کھانا جائز ہے اور فروخت کرنا بھی جائز ہے۔ کیا یہ حقیقت میں جائز ہے؟ اگر شافعی مسلک میں جائز ہے، تو مجبوری کے درجہ میں مسلک شافعی پر عمل کرکے فروخت کیا جائے، تو جائز ہوگا؟

(۳) اگر بالفرض خصیتین کی بیع شریعت مطہرہ میں بالکل ہی ناجائز ہے، تو کیا شریعت میں ایسی کوئی شکل ہے کہ خصیتین یعنی فوطا بیچ کر اس رقم سے غریبوں کی مدد کی جاسکے، جیسا کہ بینک میں جمع شدہ رقم سے جو سود ملتا ہے، اس کو غریبوں میں تقسیم کرنے کو حضرات فقہاء جائز قرار دیتے ہیں۔

المستفتی: عزیز احمد رحمانی، کچھی کومپلکس، بدھوار نیپٹھ (مہاراشٹر)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حلال جانوروں کے خصیتین حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مکروہ ہیں اور ائمہ ثلاثہؒ اور جمہورؒ کے نزدیک بلا کراہت حلال اور جائز ہیں اور حنفیہ کے یہاں اگرچہ کھانا مکرہ ہے؛ لیکن اس کو فروخت کرنا بلا کراہت جائز اور درست ہے اور اس کا پیسہ بھی حلال ہے؛ اس لئے کہ جس مسلک کے نزدیک حلال ہے، ان کے ہاتھ فروخت کرنے کے جواز میں کوئی شبہ نہیں۔ نیز خصیتین دواؤں میں بھی کام آتے ہیں۔ نیز حنفی مسلک میں اگرچہ مکروہ ہے؛ لیکن اگر کوئی دوا اور علاج کے طور پر استعمال کرے گا، تو بلا کراہت جائز ہے؛ اس لئے بیع کے جواز میں کسی قسم کا شک وشبہ نہیں ہے اور اس کے لئے شافعی مسلک اختیار کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

فجاز بيعه ولحوم السباع وشحومها وجلودها......والانتفاع بها غير الأكل. (تبيين الحقائق، زكريا ديوبند ٤/ ٣٧٨، امداديه ملتان ٤/ ٥١)

يجوز بيع الحيات إذا كان ينتفع بها للأدوية. (شامي، مطلب في بيع دودة القرمز، زكريا ٧/ ٢٦٠ ، كراچی ٥/ ٦٨)

عن مجاهد قال: كره رسول الله صلى الله عليه وسلم: من الشاة سبعاً المرارة –إلى قوله– والأنثيين (الحديث) قلت الحديث نص في كراهة هذه الأشياء السبع وهو مذهب الحنفية. (إعلاء السنن، كراچي ١٧/ ١٣٠، دار الكتب العلمية بيروت ١٧/ ١٤٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰؍رجب المرجب ۱۴۳۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹/ ۱۰۱۲۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۱/ ۷/ ۱۴۳۱ھ

حرام کمائی سے زندگی بسر کرنے کا حکم

سوال [۱۱۰۰۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرے چھوٹے بھائی کی کمائی جائز نہیں ہے، کئی سال میں اس کے ساتھ رہا، کھانا پینا بھی اسی کے ساتھ تھا، پھر میری شادی ہوگئی، تو میں الگ رہنا چاہتا تھا؛ لیکن وہ مجھے جانے نہیں دیتا تھا۔ ۱۰؍سال اپنے بھائی کے ساتھ رہا وہاں کھایا پیا اور اس کے گھر میں رہا جس میں لائٹ بھی دونمبر کی تھی، میں نے ٹھنڈا گرم پانی بھی استعمال کیا۔ اب میں ان سب چیزوں کا کفارہ ادا کرنا چاہتا ہوں، مجھے بتائیں کہ اس کا کفارہ ادا کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

المستفتی: اقبال احمد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دس سال تک بھائی کے ساتھ جو رہنا ہوا ہے، اس میں خود آپ کی کمائی بھی تھی؛ اس لئے آپ کے کھانے پینے میں کوئی ناجائز چیز نہیں رہی، آپ کی کمائی حلال تھی، مگر بھائی کی کمائی کے ساتھ مخلوط ہونے کی وجہ سے صرف شبہ اور اشتباہ رہا ہے، اس کی وجہ سے وسوسہ میں مبتلا نہ ہوئیے۔ اللہ تعالیٰ سے سچی توبہ کرلینا ضروری

ہے اس کا کوئی کفارہ شریعت سے ثابت نہیں، آپ کے بھائی کی ہدایت کے لئے دعا کر رہے ہیں۔ اللہ پاک حلال روزی کی توفیق دے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فَاُولٰٓئِكَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا. [النساء:۱۷] فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶/ذی قعدہ ۱۴۱۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱/۳۶۹۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۶/۱۱/۱۴۱۴ھ

چوری کے مال سے خریدی گئی حلال چیز کا دوسروں کے لئے استعمال کرنے کا حکم

سوال [۱۱۰۰۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک چور نے چوری کے مال سے کوئی حلال چیز خریدی تو وہ حلال چیز دوسرے لوگوں کے لئے استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: ابوالخیر، ۲۴/ پرگنوی، متعلم مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: چوری کا مال اور چوری کے مال سے خریدی ہوئی چیز استعمال کرنا کسی کے لئے جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۸/۱۰۴)

اشترىٰ بالثوب المغصوب جارية يحرم عليه وطؤها حتى يدفع قيمة الثوب إلى صاحبه. ان الصحيح لا يحل له الأكل ولا الوطء؛ لأن في السبب نوع خبث. (شامي، كتاب الغصب، مطلب شرى دارا أو سكنها...... زكريا ۹/۲۷۸، كراچي ۶/۱۹۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/شعبان المعظم ۱۴۲۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶/۷۷۹۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۵/۸/۱۴۲۳ھ

جوے کے پیسے سے خریدی گئی زمین کی پیداوار کا حکم

سوال [۱۱۰۰۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص جوا کھیلتا ہے، اس سے حاصل شدہ رقم کے ذریعہ ایک زمین خریدتا ہے اور اس میں کاشتکاری کررہا ہے، تو اس سے حاصل ہونے والی پیداوار حلال ہے یا حرام؟ نیز اس کے ذریعہ سے قربانی کرسکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: ابوالخیر، ۲۴ پرگنوی، متعلم تکمیل ادب، مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جوے کے پیسے سے جو زمین خریدی گئی ہے، اس زمین کی پیداوار اس وقت تک مشتبہ رہے گی، جب تک یہ شخص ان لوگوں کو اتنی مقدار میں پیسہ واپس نہ کردے، جس مقدار کا پیسہ جوے میں ہارنے والوں سے وصول کیا ہے، ہارنے والوں ہی کو وہ پیسہ واپس کردینا ضروری ہے، اس کے بعد زمین کی پیداوار بلا شک وشبہ حلال ہوگی، اور اس پیسہ سے قربانی حلال نہیں ہے؛ ہاں البتہ جوے میں ہارنے والوں کو اتنی مقدار میں پیسہ واپس کردینے کے بعد قربانی حلال ہوسکتی ہے۔ (مستفاد: محمودیہ قدیم ۱۳/۳۵۲، ڈابھیل ۱۸/۴۱۵، احسن الفتاوی ۸/۱۰۴)

صرح الفقهاء: بأن من اكتسب مالا بغير حق، أوبغير عقد كالسرقة، والغصب، والخيانة، والغلول، ففي جميع الأحوال المال الحاصل له حرام عليه. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارنپور ۱/۳۷، دارالبشائر الإسلامية بيروت ۱/۳۵۹، تحت رقم الحديث: ۵۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍ شعبان المعظم ۱۴۲۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶/ ۷۷۹۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۸/۵ھ

بینڈ باجہ فروخت کرکے اس کی رقم سے دوسرا کاروبار کرنا

سوال [۱۱۰۰۹]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عادل کہتا ہے کہ میرے باپ، دادا سے بینڈ باجے کا کام چلا آرہا ہے، اور میں بھی کررہا ہوں۔ اب اس کام کو ترک کرنے جارہا ہوں، تو کیا جو کچھ سامان ہے بینڈ باجے کا اس کو بیچ کر یا اس کی کمائی کا جو روپیہ ہے، اس سے کوئی دوسرا کاروبار کرسکتا ہوں یا نہیں؟ اور میرے پاس روپیہ نہیں ہے۔ حل صورت بتلائیں اور یہ پیشہ بینڈ باجہ کا صحیح ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد اسلم فیضی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بینڈ باجہ کی تجارت تعاون علی المعصیت ہونے کی وجہ سے جائز نہیں ہے، مگر ان کی قیمت حرام نہیں ہے، بلکہ کراہت کے ساتھ حلال ہے۔

وجاز بيع عصير عنب ممن يعلم أنه يتخذ خمراً؛ لأن المعصية لاتقوم بعينه؛ بل بعد تغيره وقيل يكره لإعانة على المعصية. (در مختار مع الشامي كتاب الحظرو الإباحة، باب الإستبراء وغيره، زكريا ۹/ ۵٦٠-۵٦۱، كراچي ٦/ ۳۹۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍رجب المرجب ۱۴۱۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۳/ ۵۳٦۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۵/۷/۱۴۱۸ھ

غیر مسلم کے ہاتھوں فریم کی فروختگی کا حکم

سوال [۱۱۰۱۰]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص شیشے کے فریم بنانے کا کاروبار کرتا ہے اور وہ فریم بنا کر مسلم وغیر مسلم

دونوں کوفروخت کرتا ہے؛ لیکن غیر مسلم فریم خریدکر کے اس کے اندر مورتی رکھ کر پوجا کرتے ہیں اور یہ بات اس شخص کو معلوم بھی ہے، تو اب سوال یہ ہے کہ کیا اس شخص کا غیر مسلم کو فروخت کرنا جائز ہے؟ جبکہ اس کے روپیہ سے غیر مسلم بت پرستی کا کام انجام دے رہے ہیں؟

المستفتی: محمد عبدالعظیم، جگر کالونی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شیشہ وغیرہ کے فریم بنانے کا کاروبار کرنا جائز اور درست ہے، خریدار چاہے مسلمان ہو یا غیر مسلم اور فریم کے خریدنے والے غیر مسلم، اگر ان فریموں میں مورتی وغیرہ رکھ کر پوجا وغیرہ کرتے ہیں، تو اس کا گناہ فریم بنانے والے پر نہیں ہوگا؛ کیونکہ فریم بنانے والے اور بنا کر کاروبار کرنے والے کا اصل مقصد اس کی تجارت ہے، پیسہ حاصل کرنا ہے، اور خریدنے والے جائز چیز میں استعمال کریں گے، تو ان کے لئے جائز ہے اور ناجائز چیز میں استعمال کریں گے، تو ان کے لئے ناجائز ہے اور انہی کا گناہ انہی کے سر پر ہوگا، فریم بنانے والے اور بیچنے والے کے سر پر نہیں ہوگا۔

عن عطاء في الرجل يبيع العصير ممن يجعله خمرًا. قال: أحب إلي أن يبيعه من غير من يجعله خمرًا، وإن باعه فلا بأس. (مصنف لابن أبي شيبه، كتاب البيوع و الأقضية في بيع العصير، مؤسسة علوم القرآن ۱۱/۳۶۲، رقم: ۲۲۷۰)

وفي الفتاوى العتابية: ولا بأس بيع العصير ممن يتخذه خمرًا، ولايبيع الأرض ممن يتخذها كنيسة. (الفتاوى التاتارخانية، زكريا ۸/۳۴۴، رقم: ۱۲۱۳۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍ربیع الاول ۱۴۳۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۱/ ۱۱۹۶۱)

پھولوں کے کاروبار کا شرعی حکم

سوال[۱۱۰۱۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرا پھولوں کا کاروبار ہے، جس میں موگرا، جھنڈو، کاکڑا، شیونتی، گلاب، چمبیلی وغیرہ شامل ہیں ان پھولوں کا استعمال درگاہ، مندروں میں مورتیوں پر چڑھاوے، شادیوں، گلدستوں، تصویروں اور مختلف شرکیہ افعال میں بھی ہوتا ہے۔ نیز میتوں پر اور قبروں پر ڈالنے کے لئے بھی کثرت سے استعمال ہوتا ہے؛ لہٰذا اس کا کاروبار کرنا شرعاً کیسا ہے؟ جلد سے جلد رہنمائی فرمادیں عین نوازش ہوگی، اللہ تعالی سے دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی عمر میں برکت نصیب فرمائیں اور درازی عمر نصیب فرمائے۔ آمین۔ دعا کی درخواست ہے۔

المستفتی: محمد صادق منیار، کیشو نگر، شولا پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آپ کا مقصد پھولوں کا کاروبار کرنے میں پھولوں کو بیچ کر اپنا کاروباری نفع حاصل کرنا ہے اور خریدار کہاں استعمال کریں گے، اس سے آپ کو کوئی مطلب نہیں ہے؛ اس لئے پھولوں کا کاروبار اور تجارت بلا شبہ جائز ہے اور اس کا پیسہ بھی حلال ہے اور خریدار معصیت کی جگہ استعمال کرے گا، تو اس کا گناہ خریدار کے سر ہوگا اور اچھی جگہ استعمال کرے گا، تو اس پر کوئی گناہ نہ ہوگا، فاعل مختار کے فعل کا اعتبار ہے۔

رجل آجر بيتًا ليتخذ فيه نارًا، أو بيعة، أو كنيسة، أو يباع فيه الخمر، فلا بأس به، وكذا كل موضع تعلقت المعصية بفعل فاعل مختار. (خلاصة الفتاوى، كتاب الكراهية، الفصل التاسع في المتفرقات، المكتبة الأشرفية ٤/ ٣٧)

لابأس بأن يؤاجر المسلم دارًا من الذمي ليسكنها، فإن شرب فيها الخمر، أو عبد فيها الصليب، أو أدخل فيها الخنازير لم يلحق المسلم إثم في شيءٍ من

ذلک؛ لأنہ لم یؤاجر لذلک والمعصیة في فعل المستأجر، وفعلہ دون قصد رب الدار فلا إثم علی رب الدار في ذلک. (مبسوط سرخسي، کتاب البیوع، باب الإجارة، الفاسدة، دارالکتب العلمیة بیروت ۱٦/۳٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍ربیع الثانی ۱۴۳٦ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۱/۱۱۹۹۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۵/۴/۱۴۳٦ھ

کسی شخص کا ضامن بننے پر اجرت لینا

سوال [۱۱۰۱۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید سرکاری اور غیر سرکاری نوکریاں پیسہ روپیہ لے کر لگواتا ہے، گویا زید کا یہ پیشہ ہے، حاصل شدہ رقم کا اکثر حصہ افسروں کو دیتا ہے، اور کچھ رقم ایک تیسرے شخص بکر کو دیتا ہے، جو ضامن ہے، اس بات کا کہ اگر نوکری لگ گئی، تو پوری رقم زید کو دلوائے گا، جو نوکری لگواتا ہے اور اگر کسی وجہ سے نوکری نہیں لگ پائی، تو جو رقم پیشگی زید کے پاس یعنی نوکری لگوانے والے کے پاس پہونچ چکی ہے، وہ واپس کروائیگا۔ تو سوال خاص طور پر بکر ضمانتی کے بارے میں یہ ہے کہ بکر کو جو رقم مل رہی ہے، محض ضمانت کی کہ اگر نوکری لگ گئی، تو مابقیہ رقم دلائے گا اور اگر نہیں لگی تو پیشگی رقم واپس کرائے گا، اس بکر کے لئے یہ رقم لینا جائز ہے یا نہیں؟ یہ رشوت کے حکم میں داخل ہے یا نہیں؟

المستفتی: انور حسین، کانگنج، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں بکر کا اپنے ضامن بننے پر اجرت لینا شرعاً جائز ہے؛ اس کے لئے یہ پیسہ رشوت کے حکم میں داخل نہ ہوگا۔

الکفالة والرهن شرعًا للتولیة، والتولیة ملائم للأجر. (بدائع الصنائع، کتاب الإجارة، باب حکم الإجارة، زکریا ٤/٦۱، کراچي ٤/۲۰۲)

إن شرط الكفيل تقديم مقابل، أو أجر على كفالة، وتعذر على المكفول عنه تحقيق مصلحة......جاز دفع الأجر للضرورة. (الفقه الإسلامي وأدلة، مكتبه هدیٰ انٹر نیشنل دیوبند ٥/ ١٦١، دارالفکر ٦/ ٤١٧٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳ / ربیع الاول ۱۴۳۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹/ ۱۰۳۳۲)

فرضی کارڈوں سے راشن وصول کرنا

سوال [۱۱۰۱۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے سرکاری لائسنس کے ذریعہ سرکار سے اپنے حلقہ میں راشن تقسیم کرنے کی ذمہ داری لے رکھی ہے اور اس میں زید کو کچھ نہیں بچتا ہے اور جو کمیشن ملتا ہے، وہ بمشکل پانچ سو یا سات سو روپئے ہوتے ہیں، جس سے کوئی ضرورت پوری نہیں ہوتی؛ اس لئے زید نے فرضی ناموں کی اتنی تعداد میں کارڈ بنا رکھے ہیں، جس تعداد کے راشن سرکار سے لے کر بلیک میں بیچنے میں زید کو معتدبہ نفع ہوسکتا ہے، تو کیا زید کے لئے فرضی ناموں کے کارڈ کے ذریعہ سے سرکار سے راشن وصولی کرنا اور پھر اس راشن کو بلیک میں فروخت کر کے نفع حاصل کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور اس طرح ہر راشن ایجنسی میں راشن تقسیم کرنے والوں کی طرف سے ہوتا ہے، اور حکومت اس پر خاص گرفت بھی نہیں کرتی ہے؟

المستفتی: محمد جاوید خاں، محلہ مزار ٹاٹ شاہ، رام پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اسلامی شریعت میں دھوکہ اور فریب کا راستہ اختیار کرنا جائز نہیں ہے اور فرضی کارڈوں کے ذریعہ سے راشن وصول کرنا یہ دھوکہ اور فریب ہے، جو شرعاً جائز نہیں ہے؛ اس لئے اس سے احتراز کرنا ضروری ہے، اگر زید کو اس میں نفع

اور فائدہ نہیں ہے، تو اس کو یہ کام چھوڑ کر جائز تجارت کا کوئی راستہ اختیار کر لینا چاہئے، جس سے جائز طریقہ سے نفع حاصل ہو جایا کرے گا۔

عن أبي بكر الصديقؓ، عن النبي صلى الله عليه وسلم، قال: لا يدخل الجنة خب، ولا بخيل، ولا منان.

وعن أبي هريرةؓ، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: المؤمن غر كريم، والفاجر خب لئيم. (ترمذي شريف، باب ما جاء في البخيل،النسخة الهندية ۱۷/۲، دارالسلام رقم:۱۹٦۳-۱۹٦٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴ رمحرم الحرام ۱۴۲٦ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷/ ۸٦۵۲)

(۲۱) باب المعاصي والتوبة

بار بار گناہ بار بار توبہ

سوال [۱۱۰۱۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص حافظ قرآن ہے، دین سے محبت ہے نام زید ہے؛ لیکن اس سے ایک بہت بڑا گناہ ہوا ہے، وہ یہ ہے کہ اس نے ایک مرتبہ زنا کیا توبہ کرلی، پھر زنا کیا، پھر توبہ کرلی، اسی طرح تیسری چوتھی مرتبہ حتی کہ گیارہ بارہ مرتبہ زنا کیا ہے۔اب یہ دل سے یقین کے ساتھ توبہ کرنا چاہتا ہے، اس حال میں توبہ قبول ہوگی یا نہیں؟

المستفتی: مشتاق احمد محلّہ تھانہ امروہہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: زید آخر میں بھی اپنے فعل پر نادم وپشیماں ہوکر اور آئندہ نہ کرنے کا عزم مصمم کرکے اللہ تعالیٰ کے دربار میں خلوص وللّٰہیت کے ساتھ توبہ کرے، تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ کو ضرور قبول کرے گا اور اس کے گناہ معاف ہوجائیں گے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: وَهُوَ الَّذِىْ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَعْفُوْ عَنِ السَّيِّئَاتِ وَيَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ. [الشوریٰ:۲۵]

عن أبي عبيدة بن عبد الله، عن أبيه، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: التائب من الذنب كمن لا ذنب له. (سنن ابن ماجه، باب ذكر التوبة، النسخة الهندية ۲/۳۱۳، دارالسلام رقم: ۴۲۵۰، المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ۱۰/۱۵۰، رقم: ۱۰۲۸۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰؍ جمادی الثانیہ ۱۴۱۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۲/ ۴۴۸۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۶/۶/۱۰ھ

توبہ کے بعد سماج کا گناہ کی عار دلاکر نیچی نگاہ سے دیکھنا

سوال [۱۱۰۱۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کوئی گناہ کرلے نادانی میں اور پھر وہ اس پر شرمسار ہو، تو کیا وہ گنہگار ہی رہے گا؛ جبکہ وہ اللہ سے معافی کا طلب گار ہے، تو کیا اسے سماج معاف نہیں کرسکتا، کیا اسے گنہگار ہی سمجھا جائے گا، مثال کے طور پر ایک بازاری عورت اگر یہ چاہے کہ میں بھی اس گناہ کی بستی سے نکل کر ایک سچی مسلمان عورت بن جاؤں، تو کیا مذہب اسلام نے اتنا رتبہ نہیں دیا کہ وہ ایک پاک صاف زندگی بسر کرسکے، اگر یہ رتبہ ہمارے دین نے دیا ہے، تو یہ سماج کے لوگ ایک بار کسی نہ کسی کو سدھرنے کا موقع کیوں نہیں دیتے، اسے برا بھلا کہتے ہیں۔ کیا برے انسان کو اپنایا نہیں جاتا؛ جبکہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تو کافروں کو بھی معاف کردیا ہے، تو پھر یہ سماج کیوں معاف نہیں کرسکتا؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دیجئے۔

المستفتی: عبدالرشید، میاں کالونی روڈ، آزادنگر، نزد جمالی مسجد، سرسیدنگر کرولہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب آدمی گناہوں سے شرمندہ ہوکر خالص دل سے توبہ کرتا ہے، پھر آئندہ گناہ میں مبتلا نہ ہونے کا قصد کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اسے معاف کردیتا ہے، اور جب اللہ تعالیٰ معاف کردیتا ہے، تو سماج کے لئے جائز نہیں ہے کہ گذشتہ گناہ کی عار دلاکر نیچی نگاہ سے دیکھے، پھر بھی سماج اگر اسے نفرت کی نظر سے دیکھے، تو اس کا وبال سماج پر آئیگا۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا مِنْ بَعْدِ ذٰلِکَ وَاَصْلَحُوْا فَاِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَحِیْمٌ. [سورة النور: ٥]

عن معاذ رضـ، قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: من عیر أخاہ بذنب لم یمت حتی یعملہ یعنی من ذنب قد تاب منہ. (سنن الترمذي ،

بـاب بلاترجمة، النسخة الهندية ۲/۷۷، دارالسلام رقم: ۲۵۰۵، المعجم الأوسط، دارالفکر ۵/۲۵۵، رقم: ۷۲۴۴، مشکاة المصابیح ۲/۴۱۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍رجب المرجب ۱۴۲۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶/۷۷۸۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۷/۷/۱۴۲۳ھ

اسراف اور ضرورت کی حد

سوال [۱۱۰۱۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اسراف اور ضرورت کی حد کیا ہے؟ کہ کہاں تک ہونے سے یہ چیز ضرورت مانی جائیگی؟ اور کہاں تک ہونے سے اسراف مانی جائے گی؟

بسا اوقات ایک چیز ایک شخص کے لئے ضرورت ہوتی ہے اور دوسرے کے لئے وہ ضرورت نہیں ہوتی؛ لہٰذا اس کے لئے وہ اسراف ہے، جیسا کہ شادی وغیرہ میں کہ ایک شخص اس میں خوب دھوم دھام کرنے کو ضرورت سمجھ کر کر رہا ہے کہ یہ میرے لئے ضرورت ہے؛ اس لئے یہ میرے لئے باعث گناہ نہیں اور دوسرے کے لئے وہ زائد از ضرورت ہے؛ اس لئے اس کے لئے وہ اسراف ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے۔

اب اگر ان دونوں کی کوئی حد معلوم ہوجائے تو دونوں کو سمجھایا جاسکتا ہے۔

المستفتی: طیب احمد آسامی، متعلم دارالعلوم دیوبند

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قرآن کریم میں دو قسم کے الفاظ آئے ہیں:

(۱) اسراف۔ (۲) تبذیر۔

تبذیر کہتے ہیں: کہ مال کو گناہ کے کام میں خرچ کرنا۔

اسراف کہتے ہیں: کہ جائز مواقع میں ضرورت سے زیادہ خرچ کرنا اس

لئے تبذیر اسراف کے مقابلہ میں اشد ہے، اور قرآن کریم میں مبذرین کو شیطان کا بھائی قرار دیا گیا ہے اور اسراف کے بارے میں قرآن کریم میں ''کلوا واشربوا ولاتسرفوا'' آیا کہ مناسب انداز سے کھاؤ پیو اور زائد خرچ مت کرو۔ اور اسراف کی کوئی حد شریعت کی طرف سے ایسی مقدار کے اعتبار سے متعین کرنا مشکل ہے، جو مقدار تمام مسلمانوں پر برابری کے ساتھ جاری ہوجائے؛ بلکہ بعض جگہ اور بعض لوگوں سے متعلق خرچہ کی ایک مقدار کو اسراف شمار کیا جاتا ہے اور وہی مقدار دوسرے کے حق میں اسراف نہیں سمجھی جاتی ہے، مثلاً ایک شخص محنت ومزدوری کرکے گذارہ کرتا ہے، تو اس کے لئے شادی میں اس انداز سے خرچ کرنا جو ایک سرمایہ دار خرچ کرتا ہے، قطعی طور پر اسراف ہے اور اتنا ہی خرچہ کوئی دوسرا سرمایہ دار کرتا ہے اور اس خرچ کی وجہ سے اس کے سرمایہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا ہے، تو وہ اس کے لئے اسراف نہیں ہے؛ اس لئے کوئی خاص مقدار اور حد تمام مسلمانوں کے لئے یکساں طور پر متعین کرنا دشوار ہے؛ اس لئے ہر مبتلیٰ بہ خود ہی سمجھے کہ کہاں تک اس کے لئے مناسب خرچہ ہے اور کہاں تک مناسب خرچہ سے زائد ہے؛ لہٰذا وہی خود سمجھے۔

والتحقيق أن بينهما فرقًا، وهو أن الإسراف صرف الشيء فيما ينبغي زائدا على ما ينبغي، والتبذير صرفه فيما لا ينبغي. (شامي، كتاب الفرائض، زكريا ١٠/٤٩٤، كراچي ٦/٧٥٩، الموسوعة الفقهية الكويتية ٤/١٧٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱ر جمادی الثانیہ ۱۴۲۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸/ ۹۰۲۵)

اپنے پاس کسی کی برائی کرنے والے کو منع نہ کرنے والے کا حکم

سوال [۱۱۰۱۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید بکر کے پاس بیٹھ کر عمرو، خالد کی برائی کرتا ہے اور بکر سنتا ہے، منع نہیں کرتا،

بکر کو حدیث پاک کے اعتبار سے کیا کرنا چاہئے؟ اگر وہ اس پر عمل نہ کرے، تو کیا بکر بھی حق العباد کے گناہ عظیم کا مرتکب ہوگا؟

المستفتی: عبدالرحمٰن، کتھولی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر بکر اپنی زبان سے روکنے پر قدرت رکھتا ہے، تو اس پر لازم ہے، کہ زبان سے منع کردے اور اگر زبان سے روکنے پر قدرت نہیں ہے، تو دل سے انکار کرنا اور ہاں میں ہاں نہ ملانا لازم ہے، ورنہ بکر بھی غیبت کے گناہ میں شریک ہوگا۔

(شامي، كتاب الحظر والإباحة، باب الإستبراء وغيره، زكريا ۵۸۸/۹، كراچي ۴۱۰/۶)

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: المستمع أحد المغتابين، الحديث: ان المستمع لا يخرج من إثم الغيبة إلا بأن ينكر بلسانه، فإن خاف فبقلبه. (إحياء العلوم ۷۸/۳)

عن ابن عمرؓ، قال: نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن الغيبة، وعن الاستماع إلى الغيبة. (مجمع الزوائد، باب ماجاء في الغيبة والنميمة، دارالكتب العلمية بيروت ۹۱/۸، رقم: ۱۳۱۲۲، المعجم الكبير للطراني ۳۳۱/۱۳، رقم: ۱۴۱۳۶)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۲۶۹/۲۶)

شیطان کا سب سے بڑا ہتھیار

سوال [۱۱۰۱۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ شیطان بنی آدم کو گمراہ کرنے کے لئے مختلف ہتھکنڈوں کا استعمال کرتا ہے، کبھی

جھوٹ، چغلی، غیبت، قتل وزناکاری، شراب نوشی وغیرہ؛ لیکن قرآن واحادیث کی روشنی میں یہ وضاحت فرمائیں کہ شیطان کا سب سے بڑا ہتھیار کیا ہے؟

المستفتی: محبوب عالم، نزد گلاب براس، نئی بستی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: انسان کو گمراہ کرنے کے لئے شیطان کے ہتھیار اور ہتھکنڈوں میں سب سے بڑا ہتھیار جھوٹ اور شراب ہے، جھوٹ کے ذریعہ سے ہر گناہ کے عیب چھپانے کی کوشش کرتا ہے، اس کے برخلاف جب سچ بولے گا، تو جو بھی گناہ کرے گا، تو اس کا اقرار کرنا پڑے گا نتیجہ یہ ہوگا کہ کوئی گناہ نہ کرنے پائے گا۔ اور شراب کا حال ایسا ہے کہ شراب پینے کے بعد دنیا بھر کا کوئی بھی گناہ کرے، اس کو کوئی پرواہ نہیں، شراب کی مستی میں ماں کے ساتھ منھ کالا کرے، بہن کے ساتھ، پھوپھی کے ساتھ، خالہ کے ساتھ، اسے کوئی پرواہ نہیں؛ اس لئے شراب کو ام الکبائر، ام الفواحش اور ام الخبائث کہا گیا ہے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِيْنَ. [المطففين: ١٠]

الأصل في الكذب أنه حرام بالكتاب، والسنة، وإجماع الأمة، وهو من أقبح الذنوب، وفواحش العيوب. (الموسوعة ٣٤/ ٢٠٥)

عن ابن عباسؓ، قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: الخمر أم الفواحش، واكبر الكبائر من شربها وقع على أمه وخالته، وعمته.

(المعجم الكبير، دار احياء التراث العربي ١٦/ ١٣٢، رقم: ١١٣٧٢)

عن عبد الله بن عمرو بن العاصؓ، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الخمر أم الخبائث، فمن شربها لم تقبل منه صلاته أربعين يومًا، فإن مات وهي في بطنه مات ميتة جاهلية. (المعجم الأوسط، مكتبة المعارف الرياض ٤/ ٤٠٢، رقم: ٣٦٨٠، دارالفكر ٢/ ٤٠٦، رقم: ٣٦٦٧) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍ شعبان المعظم ۱۴۲۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷/ ۸۵۳۸)

جان بوجھ کرنماز ترک کرنا

سوال [۱۱۰۱۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد میں اذان ہوگئی محلّہ والے ذی شعور اور پڑھے لکھے لوگ ہیں، جماعت کا وقت گذر رہا ہے، مگر گپ شپ میں وقت گذار دیتے ہیں؛ لیکن جماعت سے نماز کے لئے نہیں آتے اور نہ ہی نماز سے دلچسپی رکھتے ہیں، جب ان سے نماز کے لئے کہا جاتا ہے، تو یہ جواب دیتے ہیں کہ مجھے نہیں معلوم کہ پڑھنی چاہئے یا نہیں؛ لیکن پھر بھی نماز کے لئے نہیں آتے اور اپنے گھروں میں ہی اپنے کام کاج اور دیگر لہو ولعب میں مشغول رہتے ہیں، ایسے مسلمانوں کے لئے قرآن واحادیث میں کیا حکم ہے؟

المستفتی: انتظامیہ کمیٹی، جالندھر شہر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اذان سن کر جان بوجھ کر نماز میں شرکت نہ کرنے والا جو اپنی قیام گاہ میں نماز نہیں پڑھتا ہے، تو ایسے تارک صلوۃ شرعاً فاسق ہو جاتے ہیں، ان کو اپنی اس کمزوری سے نادم ہو کر توبہ کرنا لازم ہے۔

عن عبد الله ؓ قال: من سره أن يلقي الله عزوجل غدا مسلماً فليحافظ على هؤلاء الصلوات المكتوبات، حيث ينادى بهن، فإنهن من سنن الهدى، وإن الله عزوجل شرع لنبيكم سنن الهدىٰ، ومامنكم إلا وله مسجد في بيته ولو صليتم في بيوتكم كما يصلى هذا المتخلف في بيته لتركتم سنة نبيكم، ولو تركتم سنة نبيكم لضللتم. (مسند الإمام أحمد ۱/ ۳۷۲، رقم: ۳۶۲۳)

و تاركها عمداً، مجانة أي تكاسلاً فاسق. (در مختار، كتاب الصلاة، زكريا ۲/ ۵، كراچي ۱/ ۳۵۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۱/ ۴۴۵۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۶/۵/۹ھ

نکاح نہ کرنے کی وجہ سے معصیت میں مبتلا اولاد کے گناہ میں والدین شریک ہیں یا نہیں؟

سوال [۱۱۰۲۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ وہ نوجوان لڑکے لڑکیاں جو نکاح کے قابل اور ان کی قوت شہوانی شباب پر ہے، اور وہ برائی سے بچنے کی وجہ سے نکاح کرنا چاہتے ہیں؛ لیکن ان کے والدین ان کی شادی نہیں کررہے ہیں، جس کی وجہ سے ان کی زندگیاں برباد ہورہی ہیں اور طرح طرح کی بیماریوں کے شکار ہورہے ہیں۔ اور زنا جیسے سخت عظیم گناہ کے مرتکب ہورہے ہیں، کیا ان کے گناہوں کا وبال ان کے والدین پر بھی ہوگا یا نہیں؟ جو اپنے جوان لڑکے، لڑکیوں کی شادیوں میں تاخیر کررہے ہیں۔ جواب سے مطلع فرمائیں عین نوازش ہوگی۔

المستفتی: محمد قاسم غفرلہ، محلّہ کسرول، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو ماں باپ اپنے جوان لڑکے اور لڑکیوں کی شادیوں میں تاخیر کررہے ہیں اور اولاد گناہ اور معصیت میں مبتلا ہورہی ہے، ان پر اولاد کی معصیت وگناہ کا وبال پڑے گا اور ماں باپ سخت گنہگار رہوں گے۔ (مستفاد: فتاوی دارالعلوم ۷/۴۲)

عن أبي سعید، وابن عباسؓ، قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: من ولد لہ ولد فلیحسن اسمہ وأدبہ، فإذا بلغ فلیزوجہ فإن بلغ ولم یزوجہ فأصاب إثماً، فإنما إثمہ علی أبیہ. (شعب الإیمان، باب في حقوق الأولاد والأھلین، دارالکتب العلمیۃ بیروت ٦/ ٤٠١، رقم: ٨٦٦٦، مشکوۃ شریف ٢/ ٢٧١) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللّٰہ عنہ
۱۰/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۶/ ۲۲٦۱)

خودکشی

سوال [۱۱۰۲۱]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے زہریلی شئ کھالی اوراس نے بعد میں کچھ ایسی گولیاں کھالیں، جس سے اس کو نیند آگئی، پھراس کا چند گھنٹوں میں انتقال ہوگیا۔اب مزید خودکشی کے حکم سے مطلع فرمائیں شریعت مطہرہ میں اس کی مغفرت کے بارے میں کیا حکم ہے؟

المستفتی: محمد جنید اناوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: زہریلی اشیاء کھانا خودکشی کرنے کے مترادف ہے، اورخودکشی کرنا گناہ کبیرہ ہے، اس کی مغفرت اورعدم مغفرت کا فیصلہ اللہ کے قبضۂ قدرت میں ہے تاہم روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ مؤمنین اہل ایمان کو اولاً ارتکاب گناہ کی بناء پر عذاب ہوگا، پھرایمان کی وجہ سے خلاصی ہوجائے گی۔

عن أبي هريرةؓ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من قتل نفسه بحديدة، فحديدته في يده يتوجأبها في بطنه في نار جهنم خالداً مخلداً فيها أبدًا، ومن شرب سما فقتل نفسه فهو يتحساه في نار جهنم خالداًمخلدًا فيها أبداً. (مسلم شريف، باب غلظ تحريم قتل الإنسان نفسه......النسخة الهندية ۱/۷۲، بيت الأفكار رقم:۱۰۹، مسند الدارمي، دار المغني للنشر والتوزيع۳/۱۵۲٦، رقم:۲۴۰۸۷، صحيح البخاري، باب شرب السم والدوابه......النسخة الهندية۲/۸٦۰، رقم:۵۵۵۰، ف:۵۷۷۸)

إن الروايات قد صحت أن أهل التوحيد يعذبون، ثم يخرجون منها ولايخلدون. (فتح الملهم، اشرفيه ديوبند ۱/۲۲۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفااللہ عنہ
۴/ذی الحجہ ۱۴۳۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸/۹۸۳۴)

خودکشی اکبر الکبائر میں سے ہے

سوال [۱۱۰۲۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کسی شخص نے خودکشی کی، تو اس کی جو موت ہوئی تو اللہ تعالی نے اس کی موت کا جو وقت اس کے مقدر میں لکھ دیا تھا، اس وقت پر ہوئی یا اس وقت سے پہلے ہوئی؟

المستفتی: حاجی عبدالرب، جگر کالونی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قرآن کریم میں اللہ تعالی کا یہ ارشاد ہے:

قال اللّٰہ تعالیٰ: وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتَابًا مُؤَجَّلًا.

[آل عمران: ١٤٥]

کسی کے لئے خود مرنے کا حق نہیں ہے؛ اس لئے خودکشی اکبر الکبائر میں سے ہے، ہر ایک کو موت کے لئے اللہ تعالی کی طرف سے مقرر کردہ وقت کا انتظار کرنا لازم ہے، جو خودکشی کرتا ہے، وہ اس وقت کا انتظار نہیں کرتا ہے؛ اس لئے اس کے اوپر خودکشی کا سخت عذاب ہوگا اور کسی کا یہ کہنا کہ خودکشی کرنے والا اپنے مقدر سے مقررہ وقت پر مرا ہے۔ قرآن کریم کی اس آیت کے مقتضاء کے خلاف ہے اور کسی کو اپنے اختیار سے مرنے کا حق نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ وقت اور اس کا انتظار لازم ہے، اسی لئے خودکشی کی وعید انتہائی سخت انداز میں وارد ہے۔ ملاحظہ فرمائے:

عن أبي هريرة رضـ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من قتل نفسه بحديدة، فحديدته في يده يتوجأبها في بطنه في نار جهنم خالداً مخلداً فيها أبدًا. (مسلم شريف، باب غلظ تحريم قتل الإنسان نفسه......النسخة الهندية ١/ ٧٢، بيت الأفكار رقم:١٠٩)

وقال العلامة الآلوسي: وماكان لنفس ان تموت إلا بإذن الله كتابًا

مؤجلا أي مؤقتاً بوقت معلوم لا يتقدم ولا يتأخر، وقيل حكمًا لازمًا، مبرمًا.

(روح المعاني، زكريا ۱۱۹/۳)

وقال صاحب المظهري وماكان لنفس ان تموت إلا بإذن الله أي إلا بمشيئة الله، وقضائه، أو بإذنه لملک الموت في قبض روحه كتابًا مؤجلا لا يتقدم ولا يتأخر. (تفسير مظهري، زكريا جديد ۱۵۲/۲، قديم ۱۵۱/۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۰۰۱۵/۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۱/۴/۱۴۳۱ھ

خودکشی کرنے کا گناہ خود اسی پر ہوگا

سوال [۱۱۰۲۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک لڑکی ایک شخص سے شادی کرنا چاہتی ہے، اور شادی کی کوئی بھی صورت نہیں ہے؛ اس لئے کہ وہ شخص شادی شدہ ہے، تو اگر وہ منع کردے اور اس کے منع کردینے کی وجہ سے وہ لڑکی کسی گناہ میں مبتلا ہوجائے یا خودکشی کرلے، تو اس لڑکی کے خودکشی کرنے کا گناہ اس شخص پر ہوگا یا نہیں؟

المستفتی: فخر الدین، خضر آباد، دہلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: صورت مسئولہ میں لڑکی کی خودکشی کا گناہ مذکورہ شخص پر نہ ہوگا۔ قرآن شریف میں ہے۔

اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ اُخْرَىٰ. [النجم: ۳۷]

خودکشی کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جس نے اپنے آپ کو خودکشی

کرنے کے لئے پہاڑ سے نیچے گرایا وہ ہمیشہ جہنم میں اسی عذاب میں مبتلا رہے گا اور جس نے اپنے کو زہر کھا کر قتل کیا، تو وہ ہمیشہ جہنم میں زہر کھا کر مرتا رہے گا اور جو اپنے کو لوہے کے ذریعہ قتل کرے، تو اس کے ہاتھ میں لوہا دیا جائے گا اور وہ اپنے پیٹ کو بار بار اس سے چیرتا رہے گا۔

عن أبي هريرة رضؓ عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: من تردىٰ من جبل، فقتل نفسه، فهو في نار جهنم، يتردىٰ فيها خالداً مخلداً فيها أبدًا، ومن تحسي سمًا فقتل نفسه، فسمه في يده يتحساه في نار جهنم خالداً مخلدًا فيها أبداً، ومن قتل نفسه بحديدة، فحديدته في يده يتوجأبها في بطنه في نار جهنم خالداً مخلداً فيها أبدًا. (صحيح البخاري، باب شرب السم والدواء به وبما يخاف منه والخبيث، النسخة الهندية ٢/ ٨٦٠، رقم: ٥٥٥٠، ف: ٥٧٧٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴ رمحرم الحرام ۱۴۱۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۶۰۵/۳۲)

داڑھی منڈانے اور زنا کرنے میں کونسا بڑا گناہ ہے؟

سوال [۱۱۰۲۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ داڑھی مونڈوانا یا زنا ان دونوں میں سے کون سا گناہ زیادہ بڑا ہے۔ نیز داڑھی مونڈوانے والے سے تعلقات رکھنا کیسا ہے؟ آپ برائے کرم وضاحت کے ساتھ جواب تحریر فرمائیں۔

المستفتی: زبیر عالم، دڑھیال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: داڑھی مونڈنے کی حرمت حدیث سے ثابت ہے، اور زنا کی حرمت حدیث اور قرآن کریم دونوں سے ثابت ہے؛ اس لئے زنا کی حرمت اور اس کا گناہ زیادہ بڑا ہے، اور حدیث میں زنا اکبر کبائر میں شمار فرمایا ہے۔

قال عبد اللّٰہؓ: قال رجل: یا رسول اللّٰہ! اي الذنب أکبر عند اللّٰہ؟ –إلی– أن تزاني حلیلة جار الحدیث. (صحیح البخاري، باب قول اللّٰہ تعالیٰ یاأیها الرسول بلغ ما أنزل إلیك من ربك، النسخة الهندیة۲/ ۱۱۲٤، رقم:۷۲۳۱، ف:۷۵۳۲، صحیح مسلم، باب کون الشرك أقبح الذنوب، و بیان أعظمها بعده، النسخة الهندیة۱/ ٦۳، بیت الأفکار رقم:۸٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ ربیع الاول ۱۴۱۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۸/ ۳۰۷۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۰/ ۳/ ۱۴۱۳ھ

ثبوت شرعی کے بغیر محض الزام لگانے سے جرم ثابت نہیں ہوگا

سوال [۱۱۰۲۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید ایک مسجد میں تقریباً دس سال سے امامت کرتا ہے، اور چند سے سال مسجد مذکورہ میں مدرسہ بھی چلا رہے ہیں، جس میں مقامی وبیرونی طلباء زیر تعلیم ہیں۔

عید الفطر ۱۹۹۴ء سے پہلے کی بات ہے، بکر نے جو مدرسہ کا طالب علم تھا، اپنے استاذ زید پر یہ الزام لگایا کہ مجھے اور ایک دوسرے طالب علم کو اپنے کمرے میں رات بھر سلایا اور میرے ساتھ زید نے اغلام بازی کی بکر کے متعلقین نے اس بات کی لوگوں میں خوب تشہیر کی بکر کی باتوں میں آنے والے حضرات سے جو پنج وقتہ نمازی اس مسجد کے نہیں ہیں؛ بلکہ جو عیدین وغیرہ کے نمازی ہیں اور دوسرے محلّہ کے رہنے والے ہیں، بکر کے متعلقین نے کہا بکر صحیح بول رہا ہے، نابالغ بچہ کی بات غلط نہیں ہوسکتی۔

اب اگر زید مسجد میں آتا ہے، تو خون خرابہ ہوگا، گولی بھی چل سکتی ہے، زید کو کسی بھی صورت میں مسجد میں داخل نہیں ہونے دیا جائے گا، اس وقت زید اپنے آبائی وطن میں تھا، زید کو الزام کی خبر نہیں تھی، جب معلوم ہوا تو جمعہ کی نماز پڑھائی اور جمعہ میں کہا جو الزام بکر

نے مجھ پر لگایا ہے، بے بنیاد، جھوٹ غلط ہے، بکر جو کہتا ہے کہ میں زید کے کمرہ میں لیٹا تھا، اور ساتھ میں دوسرا لڑکا بھی تھا، قطعی غلط تھا، کوئی بھی میرے کمرہ میں نہیں سویا ہے۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ صرف الزام ہی سے زید کا مجرم ہونا ثابت ہوجاتا ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو جو لوگ بکر کی بات سے زید کی بدنامی کررہے ہیں۔ شریعت میں ان کے بارے میں کیا حکم ہے؟ زید قابل امامت ہے؟

المستفتی: جمیل احمد، مسجد سید صالحہ، لین کلکتہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بکر کی حمایت میں جو لوگ ثبوت شرعی کے بغیر زید پر الزام لگا رہے ہیں، اور اس کا افشاء کررہے ہیں، وہ سب شرعاً گنہگار ہوں گے، ان سب پر لازم ہے کہ مذکورہ امام صاحب سے معافی مانگ لیں، ورنہ ایسے لوگ قیامت کے دن بالکل بے سہارا اور مفلسی کی حالت میں اللہ تعالیٰ کے دربار میں پیش کئے جائیں گے، ان کی نماز، روزہ، وغیرہ سب برباد ہوجائیں گے۔

عن أبي هريرةؓ، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: أتدرون؟ ما المفلس؟ قالوا: المفلس فينا من لادرهم له ولامتاع، فقال: إن المفلس من أمتي يأتي يوم القيامة بصلاة، وصيام، وزكاة، ويأتي قد شتم هذا، وقذف هذا، وأكل مال هذا، وسفک دم هذا، وضرب هذا، فيعطي هذا من حسناته، وهذا من حسناته، فإن فنيت حسناته قبل أن يقضي ما عليه أخذ من خطاياهم فطرحت عليه، ثم طرح في النار. (صحيح مسلم، باب تحريم الظلم، النسخة الهندية ۲/ ۳۲۰، بيت الأفكار رقم: ۲۵۸۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱/ ۴۰۳۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۷/ ۵/ ۱۴۱۵ھ

مشترک لوگوں کے پیسوں کو اپنی ضروریات میں صرف کرنا

سوال [۱۱۰۲۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بکر ایک طالب علم ہے، اور وہ غریب گھرانے کا ہے، وہ مدرسہ ضیاء العلوم میں پڑھتا ہے، بکر کو زید نے پچاس روپیہ دیئے اور کہا کہ ان روپیوں کی مٹھائی لے کر اپنے ساتھیوں کو کھلا دینا اور میرے لئے دعا کرا دینا، تو اگر بکر نے ان روپیوں کو خود خرچ کیا اور ساتھیوں کو مٹھائی نہیں کھلائی؛ لیکن دعا کرادی، تو جو زید کا مقصد تھا وہ ہوگیا، تو کیا یہ روپئے بکر کے لئے جائز ہوں گے یا نہیں؟

دوسری بات یہ ہے کہ اگر بکر کے لئے یہ روپئے جائز نہیں، تو کیا مدرسہ ضیاء العلوم ہی کے طلباء کو کھلائے گا یا دوسرے مدرسہ کے طلباء کو اگر کھلا دے گا، تو حق ادا ہو جائے گا یا نہیں؟

المستفتی: وکیل احمد، سیتاپوری، متعلم مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس روپیہ کو بکر خود خرچ کر لیتا ہے اور ساتھیوں کو نہیں کھلاتا ہے، تو بکر کی طرف سے سخت خیانت ہے، بکر گنہگار ہوگا اور خائن کی دعا کہاں سے قبول ہو سکتی ہے اور ساتھیوں کو کھلانے کی قید سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ ضیاء العلوم کے طلبہ مراد ہیں؛ ہاں البتہ کھلاتے وقت دوسرے مدرسہ کے بھی ایک آدھ شریک ہو جائیں، تو مضائقہ نہیں۔ بہرحال صاحب خیر نے جو شرط لگائی ہے، اس کے مخالف نہ کرنا چاہئے، خاص طور پر طالب علم کے لئے اس طرح خیانت کا سلسلہ زہر قاتل ہے۔

المسلمون عند شروطهم. (قواعد الفقة، اشرفي ١٢١، رقم:٣١٩، صحيح البخاري، باب أجر السمسرة ١/٣٠٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۳؍ صفر المظفر ۱۴۱۸ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۳؍ ۵۱۸۶)	۱۴۱۸/۲/۲۳ھ

کیا دورحاضر کے مانگنے والوں کو دینا اعانت علی الحرام ہے

سوال [۱۱۰۲۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مسئلہ یہ ہے کہ بہت سے مفتیان کرام اورخاص طور پرامام جامع مسجد امروہہ حضرت مفتی محمد عزت اللہ صاحب دورحاضر کے مانگنے والوں کی مدد کرنے کوحرام بتلاتے ہیں اور یہ فرماتے ہیں کہ مانگنے والوں کو دینا اعانت علی الحرام ہے، اور بہت سے صحابیوں اور بزرگان دین کے بارے میں آتا ہے کہ کھانا کھارہے تھے کہ دروازہ پرفقیرآ گیا،تو وہ کھانا اس فقیرکودیدیا اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حضرت مولانا عزت اللہ صاحب نے ایسے لوگوں کے مانگنے کی حرمت بیان کی ہے، جو بلاضرورت مانگنے کے عادی بن گئے ہیں۔ حدیث میں اس کی ممانعت آئی ہے، جولوگ مانگنے کے عادی ہیں ان کو ہمیشہ فقروفاقہ اورمحتاجی کی مصیبت کا شکار ہونا پڑتا ہے۔

أبو كبشة الأنماري، أنه سمع رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: ثلاثة أقسم عليهن، وأحدثكم حديثا فاحفظوه، قال: ......ولا فتح عبد باب مسألة إلا فتح الله عليه باب فقر. (سنن الترمذي، باب ماجاء مثل الدنيا اربعة نفر، النسخة الهندية ۲/ ۵۸، دارالسلام رقم: ۲۳۲۵، المعجم الكبير للطبراني، دار احياء التراث العربي ۲۲/ ۳٤۱، رقم: ۸۵۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍ ذی قعدہ ۱۴۲۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸؍ ۸۹۵۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۲۶/۱۱/۲ھ

خوشحال کے لئے دست سوال دراز کرنا

سوال [۱۱۰۲۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کوئی طالب علم اچھے خوش حال گھر سے تعلق رکھتا ہو، گھر سے روپیہ نہیں منگا تا ہو اور وہ جس چیز کا کسی سے سوال کرتا ہو، وہ اس کے پاس موجود ہو، تو اس کے لئے یہ لینا اور سوال کرنا کیسا ہے؟

المستفتی: قمرالدین، سہرسہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: صورت مذکورہ میں سوال کرنا طلبہ اور غیر طلبہ کسی کے لئے جائز نہیں حرام ہے، ایسے طلبہ کو گھر سے منگوانا لازم ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ ایسے حالات میں سوال کرنے والا جہنم کے کنکرا اپنے لئے جمع کرتا ہے، اگر دینے والے کو حالت معلوم ہے، تو اس پر بھی دینا حرام ہے۔

عن سهل بن الحنظلية رضـ، قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: من سأل الناس عن ظهره غنى، فإنما يستكثر من جمر جهنم، قلت: يا رسول الله! وما ظهر غنى؟ قال: أن يعلم أن عند أهله ما يغديهم وما يعشيهم. (شرح معاني الآثار للطحاوي الزيادات، باب المقدار الذي يحرم الصدقة على مالكه، دارالكتب العلمية بيروت ٤/٢٠٢، رقم:٥٢١٧، المعجم الكبير للطبراني، دارإحياء التراث العربي ٦/٩٦، رقم:٥٦٢٠)

لايحل سؤال قوت يومه لمن له قوت يومه لحديث الطحاوي من سأل الناس عن ظهر غنى فإنه يستكثر من جمر جهنم (وقوله) وينبغي أن يلحق به طالب العلم لاشتغاله عن الكسب بالعلم؛ ولهٰذا قالوا إن نفقته على أبيه وإن كان صحيحًا مكتسبًا (وقوله) وإذا حرم السؤال عليه إذا ملك

قوت يومه فهل يحرم الإعطاء له إذا علم حاله (إلى قوله) فحكمه في القياس أن يأثم بذلك ؛ لأنه إعانة على الحرام. (البحر الرائق، كتاب الزكاة، باب المصرف، كوئٹه ۲/۲۵۰، زكريا۲/۴۳۷، معارف السنن، اشرفي بكڈپو ديوبند ۵/۲۵۷-۵/۲۵۹، تحت حديث الترمذي من سأل الناس و له ما يغنيه الحديث باب أن الصدقة توخذ من الأغنياء، و ترد على الفقراء ۱/۸۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۶۷۹/۲۳)

نوکرانی کو باندی کا درجہ دیکر حلال سمجھنا

سوال [۱۱۰۲۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ پہلے زمانہ میں جو باندیاں تھیں، کیا وہ جائز تھیں؟ بغیر نکاح کرے، کیا آج کے دور میں باندیاں ہیں یا نہیں؟ اگر کوئی شخص نوکرانی کو باندی بنائے، تو ایسے شخص کے بارے میں کیا حکم ہے؟

المستفتی: محمد حنیف لال مسجد، سرائے ترین، سنبھل مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: پہلے زمانہ میں جو باندیاں تھیں، وہ اس زمانہ کے جانوروں کے حکم میں تھیں، ان کو جانوروں کی طرح خرید کر لایا جاتا تھا، پھر ان کو اپنی خدمت کے لئے رکھا جاتا تھا اور تمام خدمات کے اندر خریدنے والے آقا کے لئے اس کے ساتھ ہمبستری کرنا بھی داخل تھا اور اس زمانہ میں غلام یا باندی کا وجود پوری روئے زمین میں نہیں ہے؛ بلکہ اس زمانہ میں تمام انسان آزاد ہیں اور جو کسی کے یہاں عورتیں نوکرانی بن کر کام کر رہی ہیں، وہ بھی فی نفسہ آزاد ہیں۔ مالک کے لئے ان کو چھونا بھی جائز نہیں اور ان سے

جسمانی خدمت لینا قطعی طور پر حرام ہے اوران کے ساتھ جماع کرنا قطعی طور پر زنا ہے۔
(مستفاد: عزیز الفتاوی ۱/۴۰۷)

قال الله تعالیٰ: وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُم.
[سورة النساء: ٢٤]

(وحرم نكاح المولىٰ أمته) لأن ملك المتعة ثابت للمولىٰ قبل النكاح، فيلزم إثبات الثابت. (طحطاوي على الدر، كتاب النكاح، فصل في المحرمات، كوئٹه ٢/٢١)

قال الله تعالىٰ: فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَاءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعَادُوْنَ.
[مؤمنون: ٧]

ويدخل فيما وراء ذلك الزنا، واللواط، ومواقعة البهائم، وهذا مما لا خلاف فيه. (روح المعاني، زكريا ١١/١٠، تحت رقم الآية: ٧، من سورة المؤمنون)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹/ ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵/ ۶۵۷۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۴/۹ھ

بچوں کی سال گرہ منانا

سوال [۱۱۰۳۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بچوں کی سال گرہ منانا کیسا ہے؟

المستفتی: سید اسحاق، جیلانی دواخانہ رفعت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: بچوں کی سال گرہ منانا شرعی تقریب نہیں ہے؛ البتہ اگر منکرات اور مروجہ بدعات سے پاک صاف ہو اور محض خوشی میں بلا التزام دوست واحباب کو

کھانا کھلانا ہے، تو اس کی گنجائش ہے۔ (مستفاد: فتاوی رشیدیہ جدید زکریا ۵۵۴، قدیم ۵۶۸، فتاوی رحیمیہ جدید زکریا ۱۰/ ۲۲۶، کفایت المفتی جدید زکریا مطول ۲/ ۱۱۲، قدیم ۹/ ۶۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶/ ربیع الثانی ۱۴۱۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۷۸۰/۲۵)

مختلف احکام شرعیہ کی خلاف ورزی کرنے والی عورت کا حکم

سوال [۱۱۰۳۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) مسلمانوں کی جدو جہد سے ایک اسکول کا آغاز ہوا، جس میں لڑکے لڑکیاں تعلیم پاتے ہیں، اس کی صدر مدرس (پرنسپل Princial) ایک مسلم خاتون ہیں، جن کے طور کریقے اور رہن سہن انگریزی مغربی تہذیب کے ہیں مثلاً سر کے بال کٹوائے ہوئے، بے پردہ اسکوٹر چلاتی ہوئی اسکول آتی جاتی ہیں۔

(۲) یہ خاتون پانچ سال اور اس سے اوپر کی عمر والے نابالغ لڑکے لڑکیوں پر ظہر اور عصر کی نماز بغیر طہارت کا لحاظ کئے ہوئے جبراً ادا کرنے کا حکم دیتی ہیں اور نہ پڑھنے پر سزا ان بچوں کو دیتی ہیں۔ کیا یہ ٹھیک ہے؟

(۳) یہ خاتون خود کھلا سر رکھتی ہوئی لڑکیوں کو سر پر اوڑھنی یا دوپٹہ پہننا لازم قرار دے کر اگر کوئی لڑکی نہ پہن کر آئے تو بطور سزا اسکول سے گھر کو واپس بھیج دی جاتی ہے۔ کیا ایسی خاتون بچوں پر شرعی قانون نافذ کر سکتی ہے؛ جبکہ خود عمل نہ کرے؟

(۴) ایسی خاتون پر جو خود شرعی احکام کی خلاف ورزی کرے شریعت کا کیا حکم ہے؟

(۵) ایسی خاتون کو صدر مدرس بنا کر مجلس انتظامیہ نے شرعی ذمہ داری کو کیسے ادا کیا ہے؟

(۶) یہ خاتون حال ہی میں شوہر سے طلاق لے چکی ہے، مگر عدت کی پرواہ نہ کرتے ہوئے مدرسہ میں حاضری دیتی رہی ہے، عدت نہ پوری کرنے والی مسلمان عورت پر شریعت کا کیا حکم ہے؟

مندرجہ بالا سوال کے بارے میں اسلامی شریعت کی رو سے علماء دین شرع متین کیا فرماتے ہیں؟ جواب سے مطلع فرمائیں۔

المستفتی: محمد غوث، مارا کوئر لائبریری اسٹریٹ، جی ٹی، مدراس

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) سر کے بال کٹوانا عورتوں پر حرام ہے اور ناجائز ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۴/۲۲۸)

اور بے پردہ پھرنا بھی عورتوں پر حرام ہے؛ اس لئے مذکورہ خاتون اپنے اس فعل کی وجہ سے سخت گنہگار ہوگی۔

لقوله تعالیٰ: يَا اَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِاَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِن. [سورة الاحزاب: ٥٩]

(۲) کسی کا ذاتی طور پر کسی گناہ میں مبتلا ہونا الگ چیز ہے اور اس گناہ سے دوسروں کو باز رہنے کی تلقین ایک الگ چیز ہے۔ نیز نیک عمل خود کرنا ایک مستقل نیکی ہے اور دوسروں کو نیک عمل کی ترغیب دینا دوسری الگ نیکی ہے؛ لہٰذا عورت کا خود گناہ میں مبتلا اور نیک عمل نہ کرنا ایک مستقل چیز ہے، اس گناہ کا وبال مذکورہ خاتون پر الگ سے ہوگا اور اس کا دوسروں کو اس گناہ سے باز رکھنا اور نیک کام پر پابندی کرانا الگ سے دوسری چیز ہے، اس کا الگ سے ثواب مل سکتا ہے؛ اس لئے چھوٹی بچیوں کو نماز کی تربیت دینا اس کے لئے ممنوع نہ ہوگا، ہاں البتہ ساتھ ساتھ وضو کا طریقہ اور اس کی تربیت دینا بہتر ہے۔

عن عمرو بن شعيب عن أبيه، عن جدهؓ، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: مروا أولادكم بالصلاة وهم أبناء سبع سنين، واضربوهم عليها، وهم ابناء عشر، وفرقوا بينهم في المضاجع. (سنن أبي داؤد، باب متى يؤمر الغلام بالصبي، النسخة الهندية ١/ ٧٠، دار السلام رقم: ٤٩٥)

(۳) عادی بنانے کے لئے پابندی کرانا باعث ثواب ہے، اور خود عمل نہ کرنے کا گناہ اس پر الگ سے ہوتا رہے گا۔

(۴) بہت بڑا گناہ ہے اس کا وبال اس پر ہوگا۔

(۵) معلّمہ اور استانی باشرع ہونی چاہئے، مجلس انتظامیہ پر ضروری ہے کہ ایسی خاتون کو ایسے گناہ سے باز آنے کی پابندی کرائے اور اگر باز نہ آئے، تو دوسری اچھی باشرع خاتون کا انتظام کرے تاکہ زیر تعلیم بچیوں پر فاسقہ عورت کا اثر مرتب نہ ہو۔

(٦) مطلقہ عورت پر عدت کے ایام میں گھر سے باہر نکلنا ناجائز ہے اور دوران عدت باہر نکلنے کا الگ سے گناہ ہوگا۔

قال الله تعالیٰ: لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْن. [الطلاق:١]

ولا يجوز للمطلقة الرجعية، والمبتوتة الخروج من بيتها ليلاً ولا نهاراً. (هداية، باب العدة، فصل في الحداد، اشرفي ٢/٤٢٨، مختصر القدوري ١٨٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍ رجب المرجب ۱۴۱۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۸/ ۲۷۶۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۹/ ۷/ ۱۴۱۲ھ

مسلم شخص کا ہندو کے ساتھ مندر جانا اور جے شری رام کہنا

سوال [۱۱۰۳۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ علی رضوان عرف منے جو پنجوقتہ نمازی ہیں، داڑھی اور مونچھ سے گریز کرتے ہیں۔

دفتر نگر پنچایت ملیح آباد لکھنؤ میں نوکر ہیں، ساتھ میں سات مسلم ہیں اور آٹھ غیر مسلم ہیں، ایک غیر مسلم کیساتھ اجودھیا مندر گئے، مندر پہونچ کر رامائن پڑھی، واپس آکر دفتر نگر پنچایت آئے، تو غیر مسلم ساتھیوں نے کہا کہ آپ مندر گئے تھے، اس وجہ سے آپ کا آج سے

علی رضوان نام نہیں؛ بلکہ منے مشراجی ہے، اس نام کو سن کر علی رضوان کو کوئی اعتراض نہیں ہوا؛ بلکہ اس پر حامی بھرتے رہے، حدتو یہ کردی کہ علی رضوان صاحب نے خود کھڑے ہوکر ہاتھ جوڑ کر غیر مسلم کو جے شری رام کہا، اس پر مسلم بھائی نے جو ساتھ میں ملازمت کرتے ہیں اعتراض کیا تو علی رضوان بولے کہ کیا ہوا؟ ہم نے کہہ دیا پھر مسلم بھائی بولے کہ اس جملہ کو کہتے ہوئے آپ کو کیسا لگا؟ تو علی رضوان نے کہا یہ جملہ ہم مسجد میں بھی کہہ سکتے ہیں؛ بلکہ یہ جملہ ٹیلے والی مسجد لکھنؤ میں بھی بول سکتے ہیں، اس کے بعد علی رضوان نے کہا کہ تم کس مسجد میں ملو گے، تو مسلم بھائی بولے کہ ہم فلاں مسجد میں نماز جمعہ ادا کرتے ہیں، نماز جمعہ ہونے کے بعد علی رضوان مسلم بھائی سے بولے کہ ہم نے تین مسجدوں میں آپ کو تلاش کیا، اگر آپ ملتے تو وہاں پر بھی یہ جملہ بول کے سناتے۔

مندر جانے کے بعد اس طرح کے جملہ علی رضوان کے بولنے پر ساتھ میں ملازمت کرنے والے ہندو بھائیوں کو شبہ ہورہا ہے کہ کیسا پنجوقتہ نمازی ہے؟ جب اس کا چرچا دفتر نگر پنچایت میں ہوا، تو علی رضوان بولے کہ یہ تو ہمارا مذاق تھا؛ لہٰذا بتائیں علی رضوان قرآن وحدیث کی روشنی میں کافر یا مرتد یا فاسق ہیں؟

المستفتی: طارق شمیم، دفتر نگر پنچایت، ملیح آباد، لکھنؤ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ میں مذکورہ شخص علی رضوان کے تمام ذکر کردہ افعال ہندوانہ شعار اور گناہ کبیرہ ہیں۔ اوران کا ارتکاب کرنے والا شخص گناہ گار اور فاسق معلن ہے۔ اور ازراہ مذاق واستخفاف ایسے بڑے گناہوں کا ارتکاب اور بھی بڑی جسارت مندی کی بات ہے؛ لہٰذا ان پر لازم ہے کہ دل کی ندامت وپشیمانی کے ساتھ اپنی ان حرکات پر توبہ واستغفار کریں اور آئندہ اس قسم کے گناہوں سے مکمل اجتناب کریں۔

قال عمرؓ: لاتعلموا رطانة الأعاجم، ولاتدخلوا على المشركين في

كنائسهم يوم عيدهم، فإن السخطة تنزل عليهم. (السنن الكبرىٰ للبيهقي ١١٣/١٤، رقم ١٩٣٧٤)

إنما يمنعون أن يدخلوا عليهم، وبيعهم، وكنائسهم. (الموسوعة الفقهية ١٢/٩)

اتفقوا أن التوبة من جميع المعصية واجبة سواء كانت المعصية صغيرة، أو كبيرة. (شرح النووي ٢/٢٥٤)

واتفقت الأمة على أن التوبة فرض على المؤمنين؛ لقوله تعالىٰ: وتوبوا إلى الله جميعًا أيها المؤمنون. (تفسير القرطبي، دار الكتب المصرية القاهرة ٥/٩٠، دارالكتب العلمية بيروت ٥/٦٠، تحت رقم الأية: ١٧، من سورة النساء) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍محرم الحرام ۱۴۳۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹؍۱۰۲۴۶)

ماتھے پر ٹیکہ لگانا

سوال [۱۱۰۳۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ماتھے پر ٹیکہ لگانا غیر مسلم کے قومی شعار، یا مذہبی امور میں سے ہے، تو اگر کسی علاقہ یا صوبہ میں مسلم بھی اسے اپنالے، تو عموم کی وجہ سے یہ من تشبہ بقوم فہو منہم سے خارج ہوسکتا ہے؟ اور جواز کی حد میں داخل ہوسکتا ہے یا نہیں؟

نیز اس بات سے بھی مطلع کریں کہ قومی شعار یا امور مذہبی غیر مسلم میں عموم موجب تخفیف ہے یا نہیں؟ یا صرف اول میں موجب تخفیف ہے اور ثانی میں نہیں؟

المستفتی: عتیق الرحمٰن ناگوری، مدرس دارالعلوم حسینیہ اکولہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ماتھے پر ٹیکہ لگانا اگر غیر مسلموں کا قومی شعار ہے،

تو اس کو اختیار کرنے والا مسلمان **من تشبه بقوم فهو منهم** کی وعید میں داخل ہو کر فعل حرام کا مرتکب ہوگا؛ لیکن صرف فسق کی حد تک ہوگا موجب کفر نہ ہوگا اور اگر ٹیکہ لگانا غیر مسلموں کی عبادت میں شامل ہے اور مسلمان اس کو جنگی حیلہ وغیرہ کے لئے استعمال نہیں کرتا ہے؛ بلکہ بلاضرورت شدیدہ استعمال کرتا ہے، تو فعل حرام کے ارتکاب کے ساتھ ساتھ ایمان کے چلے جانے کا بھی خطرہ ہے۔

كما استفيد من عبارة الهندية يكفر بوضع قلنسوة المجوس على رأسه على الصحيح إلا لضرورة دفع الحر والبرد......خديعة في الحرب وطليعة للمسلمين. (هندية، الباب التاسع، فصل في أحكام المرتدين، زكريا قديم ٢/٢٧٦، جديد ٢/٢٨٧، مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ٢/٥١٣، مصري قديم ١/٦٩٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶؍ربیع الثانی ۱۴۱۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۸/ ۳۱۶۲)

(۲۲) باب ما یتعلق بالسحر

جادو پر اعتماد کرنا

سوال [۱۱۰۳۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جادو جو دور حاضر میں لوگ کرتے ہیں، اس پر اعتماد کرنا جائز ہے یا نہیں؟ نیز کسی انسان کو کیا یہ اختیار رہے کہ وہ کسی بھی انسان کو اپنے جادو کے ذریعہ سے مار سکے؟

المستفتی: ضیاء الدین، مانپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جادو پر اس اعتبار سے اعتماد کرنا کہ اس کا اثر ہوتا ہے جائز ہے۔ قرآن کریم میں بھی جادو کا ذکر آیا ہے؛ چنانچہ فرمایا گیا:

وما کفر سلیمان؛ ولکن الشیاطین کفروا یعلمون الناس السحر. [البقرہ:۱۰۲]

اور خود حضور ﷺ پر بھی جادو کیا گیا تھا، اور اس کا اثر بھی ہوا۔

عن عائشة رضی اللّٰہ عنہا قالت: سحر رسول الله صلى الله عليه وسلم: حتى أنه يخيل إليه أنه فعل الشئ ومافعله. (بخاري شريف، الطب، باب السحر، النسخة الهندية ٢/٨٥٨، رقم: ٥٥٤١، ف:٥٧٦٦)

جادو کرنا اور اس کے ذریعہ لوگوں کو تکلیف پہونچانا اور ہلاک کرنا حرام ہے، رہا یہ مسئلہ کہ جادو کے ذریعہ کسی کو مار سکتا ہے اور اس کا اختیار بندے کو ہے، تو جاننا چاہئے کہ اسباب کے درجہ میں دیگر اسباب ظاہریہ مثلاً زہر وغیرہ کی طرح اس کا استعمال بھی کبھی ہلاکت تک پہونچا دیتا ہے، جیسا کہ زہر کا استعمال ہلاکت تک پہونچا دیتا ہے؛ لیکن مؤثر حقیقی ہر چیز میں اللہ تعالیٰ ہے۔

والفاعل للآثار في الحقيقة هو الله عز سلطانه بالإجماع؛ لكن جرت عادته تعالىٰ على خلقها بالأسباب من غير توقف عقلي عليها. (روح المعاني، زكريا ٢٦/٨، تحت رقم الآية٦٧، من سورة يوسف) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍رجب المرجب ۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴/ ۶۲۶۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۶/۷/۱۴۲۰ھ

جادوگر ہونے کا الزام لگانا

سوال [۱۱۰۳۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری شادی ہوئی، ایک بچہ پیدا ہوا ایک سال تین ماہ کے بعد طلاق بھی ہوگئی، میری طلاق دی ہوئی عورت کے چند رشتہ دار دنیا سے گذر گئے، اٹھارہ سال کی مدت میں درگاہ قاضی پیٹھ کے امام خاں صاحب فرماتے ہیں کہ میں جادوگر ہوں، چور ہوں...... اوران کا کہنا یہ ہے کہ میری طرف سے ہی ان کی مطلقہ عورت کے چند رشتہ دار گذر گئے ہیں، اٹھارہ سال کی مدت میں اب مجھ کو درگاہ قاضی پیٹھ کے گاؤں والے سب مل کر مار ڈالنا چاہتے ہیں۔

(۲) میری دوسری شادی بھی ہوگئی ہے، اور سات بچے بھی پیدا ہوئے، ۶؍زندہ بچے ہیں، میری دوسری بیوی کے غیر شخص سے تعلقات تھے، اس غیر شخص نے خودکشی کر لی؛ جبکہ دوسری بیوی نے بھی قرآن شریف پکڑ کر قسم کھالی ہے کہ میں جادوگر نہیں ہوں، میں چور نہیں ہو تو بھی ان کو بھروسہ نہیں ہے۔

آپ سب علماء دین ان مسئلوں میں کیا فرماتے ہیں اور ہو سکے تو قطب ابدال ولی کے ذریعہ فیصلہ فرمایئے اور ان کا نام بھی لکھ دیجئے۔

مجھ کو امام خاں صاحب اور گاؤں والے مل کر مار ڈالنے کا ارادہ کر رہے ہیں، اگر میں

جادوگر ہوتا، تو پہلی عورت کو اور دوسری بیوی کو ختم کرتا، دونوں زندہ ہیں، میری پہلی عورت کا ایک بچہ اور دوسری بیوی کے چھ بچے ہیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو جادوگر نہیں، اس پر جادوگری کا الزام لگانا بہت بڑا گناہ ہے، قطب ابدال جو یقینی ہو، ان کے ساتھ میرا تعارف نہیں؛ اس لئے ان سے فیصلہ لے کر بتلانا دشوار ہے؛ البتہ ہم پیغمبر کے امتی ہیں، ان کے احکام کے تابع ہیں کسی مسئلہ میں پیغمبر ہی کا فیصلہ پیش کر سکتے ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸؍شوال المکرّم ۱۴۱۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۵۰۰۶/۳۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۷/۱۰/۲۸ھ

جادو کرنا یا کرانا

سوال [۱۱۰۳۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آج کل عام طور پر جادو کا کرنا یا کرانا جیسے کسی سے مخالفت ہوجاتی ہے، تو وہ لوگ سامنے والوں کو جادو کرا کر ختم کرا دیتے ہیں یا برباد کرا دیتے ہیں، ایسے کرنے والے کے حق میں شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے؟

مذکورہ بالا سوال کا مدلل ومفصل جواب سے مطلع فرمائیں۔ امید کہ مزاج گرامی بخیر ہونگے۔

المستفتی: عبدالواحد، خادم مدرسہ اسلامیہ فیض العلوم، شیرکوٹ بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس طرح جادو کرنا اور کرانا حرام ہے اور گناہ کبیرہ ہے اور بسا اوقات کفر وشرک تک پہونچ جاتا ہے۔ (مستفاد: معارف القرآن ۲۲۳/۱)

قال اللّٰہ تعالیٰ: وَلٰكِنَّ الشَّيَاطِينَ كَفَرُوا يُعَلِّمُونَ النَّاسَ السِّحْرَ .

[سورۃ بقرہ:۱۰۲] فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍ذی الحجہ۱۴۱۵ھ
(فتویٰ نمبر:الف۳۲؍۴۲۶۰)

سفلی عمل کرنا یا کروانا

سوال [۱۱۰۳۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کسی مسلم خاتون کو اپنے شوہر کے بارے میں تحقیقی طور پر یہ معلوم ہوجائے کہ وہ سفلی علم کے ذریعہ سے روحانی علاج کرتا ہے اور کسی بھی انسان پر سحر بھی کر دیتا ہے اور دوسرے سے کروا بھی دیتا ہے، تو کیا اس عورت کو اپنے اس شوہر کی زوجیت میں رہنا چاہئے؟ یا اپنی عصمت وعفت اور ایمان واسلام کے تحفظ کے لئے اس سے طلاق کا مطالبہ کرنا چاہئے؟ کتاب وسنت کی روشنی میں جواب دیں۔

المستفتی: حاجی محمد عمر، معرفت ڈاکٹر محمد قمر، کٹورا تال، کاشی پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سفلیعمل کرنا گناہ کبیرہ ہے، اس کی وجہ سے آدمی فاسق بن جاتا ہے۔ قرآن کریم میں بھی سحر وجادو کی سخت مذمت آئی ہے؛ اس لئے اگر کسی نے ایسی حرکت کررکھی ہے، تو آئندہ کے لئے سچی توبہ کرنا لازم ہے، اگر توبہ نہیں کرے گا، تو وہ فاسق شمار ہوگا اور اس کے فسق وفجور کا گناہ بیوی پر نہیں ہوگا؛ بلکہ اس گناہ کا وبال اسی شخص کے سر ہوگا اور اس کی بیوی کا نکاح اس کے ساتھ بدستور باقی رہے گا، بیوی پر یہ لازم نہیں کہ اس سے طلاق کا مطالبہ کر کے علیحدگی حاصل کرلے؛ بلکہ کوشش کر کے ان حرکتوں سے اسے باز رکھنے کے اسباب فراہم کئے جائیں؛ ہاں البتہ ان حالات میں اگر دونوں کے درمیان نبھاؤ

ممکن نہیں ہے اور وہ شخص جادو اور سفلی عمل کے کام سے باز نہ آئے تو مجبوری کے تحت بیوی کو شوہر سے طلاق کا مطالبہ کرنے کی گنجائش ہے۔

ولا يجب على الزوج تطليق الفاجرة (در مختار) ولا عليها تسريح الفاجر إلا إذا خافا أن لا يقيما حدود الله فلا بأس أن يتفرقا. (شامي، كتاب الحظر والأباحة، باب الإستبراء وغيره، زكريا ۹/ ۶۱۱، كراچي ۶/ ۴۲۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۲۸۶/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۵/۱ھ

جادو کروا کر دوسروں کو تکلیف پہونچانا

سوال [۱۱۰۳۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آج کل عام طور پر جادو کرنا یا کرانا، جیسے کسی سے مخالفت ہو جاتی ہے، تو وہ لوگ سامنے والوں کو جادو کرا کے ختم کرا دیتے ہیں یعنی کسی سفلی عامل کو روپیہ دے کر جادو کرا کے سامنے والے کو ختم کرا دیتے ہیں یا برباد کرا دیتے ہیں۔ ایسے کرنے والے کے حق میں شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: عبدالواحد بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اس طرح جادو کرنا کرانا حرام اور گناہ کبیرہ ہے، اور بسا اوقات کفر وشرک تک پہونچ جاتا ہے۔ (مستفاد: معارف القرآن ۱/۲۲۳)

قال اللہ تعالیٰ: وَلَـٰكِنَّ الشَّيَاطِينَ كَفَرُوا يُعَلِّمُونَ النَّاسَ السِّحْرَ. [سورة بقره: ۱۰۳] **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ ذی الحجہ ۱۴۱۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۲۵۷/۳۱)

سحر کو ساحر پر لوٹانا

سوال [۱۱۰۳۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نامی ایک شخص ایک طویل عرصہ سے سحر میں گرفتار ہے، جو بظاہر کسی بدخواہ کی طرف سے کرایا گیا ہے، جیسا کہ اس لائن کے ماہرین نے لمبے لمبے عرصہ علاج کرنے کے بعد بتایا ہے اور مریض مذکورہ اس وقت بھی ایک ماہر فن کے زیر علاج ہے، مگر اب اس کے معالج خاص کا کہنا ہے کہ اس سحر کے ختم ہونے کی بظاہر صرف ایک ہی شکل ہے کہ اس سحر کو اسی کی طرف واپس کردیا جائے، جس نے یہ کرایا ہے، اگر ایسا کیا جاتا ہے، تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ آیا زید کسی گناہ یا بدعملی کا مرتکب خیال تو نہیں کیا جائے گا؟ مجھے امید ہے کہ آپ حضرات تشفی بخش جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: محمد زید، ساکن ڈیر سرائے، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: آپ کے کلام سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ بظاہر مسحور کی شفا صرف سحر کو ساحر پر لوٹا دینے میں ہے، تو اس سلسلہ میں جاننا چاہئے کہ سحر کرنا حرام ہے۔

السحر حرام بلاخلاف بين أهل العلم، وإعتقاد إباحته كفر. (شامي، باب المرتد، مطلب في الساحر والزنديق، زكريا ٦/ ٣٨١- ٣٨٢، كراچي ٤/ ٢٤٠)

لیکن اگر جان جانے کا خطرہ ہو، تو اس میں تفصیل یہ ہے کہ اگر کسی شخص معین کے بارے میں کہا جارہا ہے کہ فلاں معین شخص نے سحر کیا ہے، اس کی طرف لوٹایا جارہا ہے، تو اس شخص معین کے ساحر ہونے پر دو شرعی گواہوں سے ثبوت لازم ہے، اس کے بعد اولاً اس سے رابطہ قائم کیا جائے کہ معین شخص نہیں؛ بلکہ عمومی انداز سے لاعلی التعیین جس نے کیا ہوگا اس پر واپس کیا جارہا ہے، تو دفع مضرت کے لئے اس کی گنجائش ہے۔

وفي أحكام القرآن، قلت مقتضى الإطلاق تحريمه، لو تعلم لدفع الضرر عن المسلمين. وقيل بجوازه لدفع الضرر عنهم وفي موضع آخر وقد أجاز بعض العلماء تعلم السحر لأحد الأمرين، أما التميز ما فيه كفر من غير، وأما لإزالته عمن وقع فيه. (أحكام القرآن للتهانوي ١/ ٣٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍ربیع الاول ۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴؍۳؍۶۰۷)

سحر کرنے کرانے اور سحر سے پیدا ہوئی بیہوشی کی حالت میں دی گئی طلاق کا حکم

سوال [۱۱۰۴۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) کسی شخص نے اپنے دوست پر سحر جادو کرایا، جس کے اثر سے مسحور سحر زدہ کافی زمانہ تک ایک سخت تکلیف بیہوشی کی حالت میں رہا اور اسی بیہوشی کی حالت میں مسحور نے اپنی بیوی کو طلاق بھی دیدی، پھر اس مسحور شخص کی مطلقہ بیوی اپنے گھر سے چلی گئی؛ جبکہ یہ عورت اس کے نکاح میں اکیاون سالوں سے رہ رہی ہے۔

(۲) ایک دوست اپنے دوست پر سحر جادو کراتا ہے، جس کی وجہ سے مسحور (سحر زدہ) کافی پریشانیاں اور تکلیفیں اٹھاتا ہے، اور یہ دوست آئندہ بھی سحر (جادو) کرانے کا عزم رکھتا ہے۔

(۳) ایک شخص اپنی بیوی کو مجبور کرتا ہے کہ میرے دوست کے ساتھ غلط کام کرائے، نہ کرانے کی صورت میں جان سے مارڈالنے اور قتل کرڈالنے کی دھمکیاں دیتا ہے، مجبوراً یہ عورت اپنے شوہر کے دوست سے غلط کام کرالیتی ہے۔ نیز یہ شخص اپنے دوست کے ساتھ خود بھی بدفعلی (لواطت) میں مبتلا رہتا ہے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ نمبر ایک صورت میں مسحور (سحر زدہ) شخص کی بیہوشی کی طلاق واقع ہوجائے گی یا نہیں؟ نمبر دو صورت میں ایسے شوہر کے لئے کیا حکم شرعی ہے

اور بیوی جو کہ مجبوری کی حالت میں اس عمل بد کو کرا رہی ہے، اس کے لئے شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے؟ نمبر تین صورت میں سحر کرانے اور کرنے والے کے لئے کیا حکم شرعی ہے؟ آیا ایسا شخص اسلام سے خارج تو نہیں؟ نیز ایسے شخص کو کوئی سزا دی جا سکتی ہے یا نہیں؟ مفصل مدلل مع حوالہ کتب وائمہ اربعہ کا مفتی بہ موقف تحریر فرمائیں۔

المستفتی: منور علی، تندوالہ، پاکستان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) اگر واقعی ایسی بے ہوشی ہے کہ ہوش آنے کے بعد یاد نہیں ہے کہ بے ہوشی کی حالت میں کیا کہا تھا، تو ایسی بے ہوشی کی حالت میں دی گئی طلاق واقع نہیں ہوئی، نکاح بدستور باقی رہتا ہے اور اگر بیہوشی کی حالت میں دی گئی طلاق یاد ہے، تو ایسی طلاق معتبر ہوا کرتی ہے۔ اب سائل خود فیصلہ کرے کہ کونسی شکل پیش آئی تھی، اس کے مطابق عمل کرے۔

والذي يظهر لي أن كلا من المدهوش، والغضبان لا يلزم فيه، أن يكون بحيث لا يعلم ما يقول (وقوله) بأن الدهش من أقسام الجنون فلا يقع. (شامي، كتاب الطلاق، مطلب في طلاق المدهوش، زكريا ٤/٤٥٢، كراچي ٣/٢٤٤، الموسوعة الفقهية الكويتية ٢٩/١٨)

(۲) جو شخص اپنی بیوی کو بدکاری پر زبردستی کرتا ہے، وہ گناہ عظیم کا مرتکب ہے اور ایسے شخص کو حدیث میں بدترین قسم کا دیوث کہا گیا، اس کو جنت نصیب نہیں ہوگی۔

عن عمار بن ياسر، عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: ثلاثة لا يدخلون الجنة أبدًا: الديوث من الرجال، والرجلة من النساء، ومدمن الخمر، فقالوا: يا رسول الله! أما مدمن الخمر؟ فقد عرفناه، فما الديوث من الرجال؟ قال: الذي لايبالي من دخل على أهله. (شعب الإيمان، باب في الغيره واعذاء، دار الكتب العلمية بيروت ٧/٤١٢، رقم: ١٠٨٠٠)

رئیس المنافقین عبد اللہ بن اُبی بن سلول اپنی دو باندیوں کو بدکاری پر مجبور کرتا تھا، حضرت معاذہ اور حضرت امیمہ ان دونوں نے حضرت سید الکونین علیہ السلام سے شکایت فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ

وَلَا تُكْرِهُوا فَتَيَاتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِتَبْتَغُوْا عَرَضَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا. [سورة نور:۳۳] نازل فرمائی

لیکن بیوی کو چاہئے کہ ایسے شوہر سے طلاق حاصل کر کے الگ ہو جائے اور اگر طلاق نہ دے، تو قاضی شرعی یا شرعی پنچایت کے ذریعہ طلاق حاصل کر لے، اگر بیوی علیحدگی کی کوشش نہ کرے، تو خود وہ بھی گناہ میں شامل ہو جائے گی۔ نیز مسلمانوں کو چاہئے کہ اس کو اس حرکت سے باز رکھیں، ورنہ اس سے بائیکاٹ کر لیں۔

قال الله تعالیٰ: وَلَا تَرْكَنُوْا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ. [هود:۱۱۳]

(۳) سحر کرنے اور کرانے والے دونوں گناہ عظیم کے مرتکب ہیں، ایسا شخص اسلامی حکومت میں واجب القتل ہے، اگر جائز سمجھتا ہے، تو کفر کا خطرہ ہے، تجدید ایمان لازم ہو جائے گا۔

السحر حرام بلاخلاف بين أهل العلم واعتقاد إباحته كفر وعن أصحابنا ومالك وأحمد يكفر الساحر بتعلمه وفعله سواء اعتقد الحرمة، أولا ويقتل. (شامي، باب المرتد، مطلب في الساحر والزنديق، زكريا ٦/٣٨١-٣٨٢، كراچي ٤/٢٤٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍محرم الحرام ۱۴۲۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷/۸۲۰۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۲/۱/۱۴۲۵ھ

(۲۳) باب الشعر والغناء

شعروشاعری کا حکم

سوال[۱۱۰۴۱]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کیاشعروشاعری مطلقاً حرام ہے یاجائز؟ اور **وما علمناه الشعر و ماينبغي له** کا شان نزول واضح فرمادیں۔

المستفتی: محمد رضوان راجہ غالب پور، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اشعاردوطرح کے ہوتے ہیں:

(۱) وہ اشعارجن میں دینی اوراصلاحی مضامین ہوتے ہیں، ان کے ساتھ شیطان کا تعلق نہیں ہے،اس طرح کےاشعار کہنا جائزاوردرست ہے۔

(۲) وہ اشعارجن میں دنیاوی مضامین یعنی کسی کےخلاف ہواورکسی کی تعریف میں مبالغہ آرائی کرکے آسمانوں تک پہونچادینایامردوعورت کے درمیان عشق ومحبت پیداکرنے والے مضامین کےاشعار کہنا ایسے تمام اشعارشیاطین کےکلام میں شامل ہیں؛اس لئے ایسے اشعارکہنا ناجائزہےاوراس طرح کے اشعار پڑھنا گمراہی کا سبب ہےاوراسی قسم کےاشعار سےشوق رکھنے والےشعراء کے بارےمیں قرآن میں مذمت کی گئی ہے۔

قال الله تعالیٰ: وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُوْنَ. (شعراء:٤ ٢ ٢، انوار نبوت٥ ٥١ ،

المعجم الكبير، دار إحياء التراث العربي٨/٧ ٠ ٢، رقم:٦ ٨٣ ٧)

کفارودشمنان اسلام نےقرآن کریم کے بارے میں یہ افواہیں اڑانی شروع کردی

تھیں کہ قرآن کریم محض ایک شعروشاعری ہے اور پچھلے پرانے لوگوں کی کہانیاں ہیں، تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے سورہ یٰسین کی اس آیت کریمہ

وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنبَغِي لَهُ. [يس: ٦٩]

کے ذریعہ سے صاف واضح فرمادیا کہ ہم نے محمد ﷺ کو شعروشاعری نہیں سکھلائی اور نہ ہی قرآن کریم میں کوئی بات شاعرانہ ہے؛ بلکہ خالق کائنات کا کلام ہے، یہی اس آیت کریمہ کا شان نزول ہے اور اس بارے میں کتابوں میں تفصیل دیکھ لیں۔ (مستفاد: معارف القرآن ۷/۴۰۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/شوال ۱۴۲۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷/۸۵۸۳)

قوالی کا شرعی حکم

سوال [۱۱۰۴۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مزارات پر ہونے والی قوالیوں کو بہت سے علماء جائز قرار دیتے ہیں باوجود کہ ان کے ساتھ سنگیت بھی ہوتا ہے اور بہت سے علماء اس کو ناجائز قرار دیتے ہیں، اس کی حقیقت کیا ہے؟ اور یہ کہاں تک صحیح ہے؟ نیز فلمی گانے اور ڈھول دھما کہ کے ساتھ ہونے والی قوالیاں دونوں کا حکم ایک ہی ہے؟ یا ایسی قوالیوں کا کوئی استثناء ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں مسئلہ کی وضاحت فرمائیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مزارات پر ہونے والی قوالیاں ناجائز وگناہ کا عمل ہیں، ان کو جائز کہنا کسی طرح بھی درست نہیں ہے، فلمی گانے اور مروجہ قوالی دونوں کا حکم یکساں ہے، دونوں ناجائز اور معصیت ہیں۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۱۷/۴۵۱، جدید ڈابھیل ۳/۲۴۸)

السماع والقول والرقص الذي يفعله المتصوفة في زماننا حرام لايجوز القصد إليه والجلوس عليه، وهو والغناء، والمزامير سواء. (هندية، الباب السابع عشر في الغناء......زكريا قديم ٥/٣٥٢، جديد ٥/٤٠٦، شامي، كراچي ٦/٣٤٩، زكريا ٩/٥٠٣)

سئل الحلواني عمن سموا أنفسهم بالصوفية، فاختصوا بنوع لبسة، واشتغلوا باللهو، والرقص، وادعوا لأنفسهم منزلة، فقال: افتروا على الله كذبًا. (الفتاوى التاتارخانية، زكريا ١٨/١٨٧، رقم:٢٨٤٥٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍رجب المرجب ۱۴۱۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۲؍۴۹۴۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۳؍۷؍۱۴۱۷ھ

حضرت خواجہ اجمیریؒ کی جانب قوالی کی نسبت

سوال [۱۱۰۴۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عوام میں مشہور ہے کہ حضرت خواجہ اجمیریؒ نے اور ان کے سلسلہ کے بہت سے بزرگوں نے قوالی سنی ہے، یہ کہاں تک درست ہے؟ حضرت تھانویؒ نے بھی ایک واقعہ نقل فرمایا ہے، جس سے ثابت ہے کہ حضرت خواجہ نظام الدینؒ نے بھی قوالی سنی ہے، ان واقعات کے سلسلے میں ہمارے اکابرین کی کیا رائے ہے؟

المستفتی: عبدالعزیز، برتن بازار، شاہی مسجد مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: حضرت خواجہ اجمیریؒ کی طرف اس کی نسبت صحیح سند کے ساتھ ثابت نہیں ہے، اگر فی الواقع صحیح بھی ہے، تو وہ امام غزالیؒ کی شرطوں کے ساتھ ہوگا۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے تفہیمات الٰہیہ میں، علامہ شامی نے تنقیح الفتاوی

الحامدیہ ۲/۳۵۵، میں اور علامہ علاء الدین حصکفیؒ نے سکب الانہر میں ممنوع لکھا ہے۔

عبارت حصکفی ملاحظہ فرمائیے:

لا أصل له في الدين زاد في الجوهرة، وما يفعله متصوفة زماننا حرام لايجوز القصد والجلوس إليه ومن قبلهم لم يفعل كذلک. (شامي، كتاب الحظرو الإباحة، قبيل فصل في اللبس، زكريا ۹/۵۰۳، كراچي ۶/۳۴۹، هكذا في الهندية، زكريا قديم ۵/۳۵۲، جديد ۵/۴۰۶)

یعنی قوالی کی دین میں کوئی اصل نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ ۱/۱۴۰)

اگر خواجہ نظام الدینؒ کی طرف اس کی نسبت صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے، تو وہ امام غزالیؒ کی شرط کے مطابق ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/ ربیع الاول ۱۴۰۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۳/۶۰۸)

مروجہ قوالی اور کیمیائے سعادت کی شرائط

سوال [۱۱۰۴۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حضرت امام غزالیؒ نے کیمیائے سعادت میں شرطیں تحریر فرمائی ہیں کہ ان شرطوں کے ساتھ قوالی سننا جائز ہے۔ یہ کہاں تک درست ہے؛ جبکہ حدیث شریف میں گانے کی ممانعت ہے۔

المستفتی: عبد العزیز، بزار شاہی مسجد، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کیمیائے سعادت میں جو شرطیں ہیں، وہ مروجہ قوالی میں کسی حد تک نہیں ہوتی ہیں۔ خود کیمیائے سعادت میں یہی منقول ہے کہ

سن کرا گر وجد اور دنیا و مافیہا سے منحرف ہو کر سیر فی اللہ میں استغراق کی کیفیت نہیں ہوتی ہے، تو سننا زہر قاتل ہے۔

وہر کرا در دل دوستی باطل بود سماع زہر قاتل او بود وبروئے حرام باشد (وقولہ) نزدیک وے در دل جز عشق مخلوق صورت نہ بندد و اگر عشق خالق صورت بندد و بنا بر خیال تشبیہ باطل بود بایں سبب گوید کہ سماع یا بازے بود یا از عشق مخلوقے وایں ہر دو در دین مذموم است۔

کیمیائے سعادت ۲۱۸/اور اہل اللہ کے علاوہ کسی کو سیر فی اللہ کا درجہ حاصل نہیں ہے اور حدیث شریف کا مصداق بھی یہی ہے؛ اس لئے ناجائز ہی ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/ربیع الاول ۱۴۰۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۳/۶۰۶)

سماع کا جواز اور سیرت فخر العارفین" نامی کتاب کا حکم

سوال [۱۱۰۴۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مولانا عبد الحیٔ چاٹ گامی کی کتاب سیرت فخر العارفین ۱۷۵/ پر آپ نے مندرجہ ذیل عبارت نقل کر کے جواز سماع کا عنوان قائم کیا ہے۔

وهـذا يـفيد آلة اللهو ليست محرمة لعينها؛ بل لقصد اللهو منها، إمـامن سامعها، أو من المشتغل بها وبه تشعر الإضافة ألا ترىٰ أن ضرب تـلـك الآلة بـعـينـهـا حل تارة وحـرم أخرى بـاختـلاف الـنية بسماعها والأمور بمقاصدها وفيه دليل لساداتنا الصوفيةالذين يقصدون أمورًا هم أعلم بها فلا يبادرا لمعترض بالإنكار كي لايحرم بركتهم، فإنهم السادة الأخيار أمـدنـا الله تـعـالـى بـامـداداتهـم وأعاد علينامن صالح دعواتهم وبركاتهم. (در المختار ٥/٣٤٣)

الف: سیرت فخر العارفین اور صاحب کتاب کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟
ب: اگر یہ عبارت شامی کی ہے، تو واضح اور مفصل مطلب کیا ہوگا؟

المستفتی: محمد عباس لکھیم پوری، مدرسہ صراط مستقیم کھیری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: فخر العارفین نامی کتاب تلاش بسیار کے باوجود دستیاب نہیں ہوئی؛ اس لئے اس کے متعلق کچھ نہیں کہا جا سکتا؛ البتہ جو عربی عبارت آپ نے نقل کی ہے، وہ شامی، کتاب الحظر والاباحۃ، قبیل فصل في اللبس، کراچی ۳۵۰/۶، زکریا ۵۰۵/۹ میں موجود ہے۔

علامہ شامی کی بات حدیث نبوی ﷺ۔

استماع صوت الملاهي معصية والجلوس عليها فسق. الحديث

(در مختار، كتاب الحظر والإباحة، زكريا ٩/٥٠٤، كراچي ٦/٣٤٩، الفتاوى التارتارخانية، زكريا ١٨/١٨٩، رقم:٢٨٤٦٦)

کے مخالف ہونے کی وجہ سے مردود ہوگی، اس کو حجت شرعی قرار دینا جائز نہ ہوگا۔

نیست حجت قول وفعل ہیچ پیر
قول حق را فعل احمد را بگیر

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱/ربیع الاول ۱۴۱۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹۰۲/۳۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۱/۳/۱۴۱۵ھ

غزل ونعت کو گانے کی آواز میں پڑھنا

سوال [۱۱۰۴۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ غزل یا نعت کو گانے کی آواز میں پڑھنا کیسا ہے؟

المستفتی: محمد ابوصدیق، ۲۴/ پرگنہ بنگال، متعلم مدرسہ شاہی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اشعار نعت وغیرہ گانے کی آواز میں پڑھنا غیر مناسب چیز ہے، اس سے بچنا چاہئے۔

عن أبي سعيد الخدري رضی الله عنه، قال: بينا نحن نسير مع رسول الله صلى الله عليه وسلم بالعرج إذ عرض شاعرينشد، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: خذوا الشيطان، أو امسكوا الشيطان؛ لأن يمتلئ جوف رجل قيحًا خيرله من أن يمتلي شعرًا. (صحيح مسلم، الشعر، النسخة الهندية ٢/ ٢٤٠، بيت الأفكار، رقم: ٢٢٥٩)

وما نقل أنه عليه السلام سمع الشعر لم يدل على إباحة الغناء.

(شامي، كتاب الحظرو الإباحة، قبيل فصل في اللبس، زكريا ٩/ ٥٠٣، كراچي ٦/ ٣٤٩)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍محرم الحرام ۱۴۲۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵؍۷۰۳۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۲؍۱؍۱۴۲۲ھ

قوالی یا گانا سننا

سوال [۱۱۰۴۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قوالی سننا یا گانا جائز ہے یا نہیں؟ سننے میں ریڈیو، ٹیپ ریکارڈ، یا زبانی سب کا ایک حکم ہے یا الگ الگ؟

المستفتی: عبد العزیز، بازار شاہی مسجد، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قوالی سننا اور گانا دونوں ناجائز ہیں، اسی طرح ٹیپ ریکارڈ اور زبانی سب کا حکم برابر ہے، جو چیز زبانی سننا ناجائز ہے، وہ ٹیپ ریکارڈ وغیرہ میں بھی ناجائز ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی ۹؍۱۸۳، جدید زکریا مطول ۱۳؍۶۲)

عن جابر بن عبد اللّٰہؓ قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: الغناء ینبت النفاق في القلب کما ینبت الماء الزرع. (شعب الإیمان، باب حفظ اللسان، دار الکتب العلمیة بیروت ٤/٢٧٩، رقم: ٥١٠٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸؍ربیع الاول ۱۴۰۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۳/۶۰۶)

قوالی کروانے کا حکم

سوال [۱۱۰۴۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اس عالم کے اندر ثواب کی نیت سے قوالی کرنا یا قوالی کروانا یا سننا کسی حد تک جائز ہے یا نہیں؟ جو ہر جگہ عام طور پر رائج ہو رہی ہے یا بے کار کمائی کا روپیہ اس میں لگانا درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد معصوم قاسمی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قوالی کرنا کروانا اور سننا جیسا کہ آج کل رائج ہے، قطعاً جائز نہیں ہے اور شریعت میں اس کی کوئی اصل موجود نہیں ہے؛ لہٰذا ایسے ناجائز کام سے ثواب کی کوئی امید نہیں کی جاسکتی۔

لا أصل له في الدین زاد في الجوهرة، وما یفعله متصوفة زماننا حرام لایجوز القصد والجلوس إلیه ومن قبلهم لم یفعل کذلک. (سکب الأنهر علی مجمع الأنهر، کتاب الکراهیة، فصل في المتفرقات، دارالکتب العلمیه بیروت ٤/٢١٩-٢٢٠، مصری قدیم ٢/٥١١، هندیة، زکریا قدیم ٥/٣٥٢، جدید ٥/٤٠٦، شامي، زکریا ٩/٥٠٣، کراچي ٦/٣٤٩)

واستماع ضرب الدف، والمزمار وغیرذلک حرام. (شامي، کتاب الحظر والإباحة، باب الإستبراء وغیره، زکریا ۹/ ۵۶٦، کراچي ٦/ ۳۹۵)

نیز قوالی میں روپیہ لگانا بھی تعاون علی المعصیت کی بنا پر جائز نہیں ہے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ. [مائدہ:۲]

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ شعبان المعظم ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۶۸۹۰/۳۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۸/۱۶ھ

مزاروں پر عورتوں کا جانا، قوالیاں اور فحش باجے گانے کروانا

سوال [۱۱۰۴۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مزاروں پر عورتوں کا جانا، چادر چڑھانا، قوالیاں اور فحش باجے گانے کروانا کیسا ہے؟ کیا کہیں سے ثابت ہے؟

المستفتی: جسیر احمد، سرس موں گڈ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مزاروں پر صرف قرآن کریم کی تلاوت وغیرہ سے ایصال ثواب اور اہل قبور کو دیکھ کر عبرت حاصل کرنے کے لئے جانے کی اجازت ہے اور عورتوں کا اس کام کے لئے بھی نہ جانا بہتر ہے، اور سوال نامہ میں درج شدہ خرافات واہیات سب ناجائز اور حرام ہیں۔

ان الملاهي کلها حرام، ویدخل علیهم بلا إذنهم لإنکار المنکر، قال ابن مسعودؓ: صوت اللهو والغناء ینبت النفاق فی القلب کما ینبت الماء النبات وفی البزازیة: استماع صوت الملاهي کضرب قصب ونحوه

حرام؛ لقوله عليه الصلاة والسلام: استماع الملاهي معصية والجلوس عليها فسق، والتلذذ بها كفر. (در مختار، كتاب الحظر والإباحة، قبيل فصل في اللبس، زكريا ۹/۵۰۲، كراچي ۶/۳۴۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/ ذی قعدہ ۱۴۱۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴/ ۵۹۱۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۲/۱۱/۱۴۱۹ھ

ناچنا گانا، ڈھول بجانا

سوال [۱۱۰۵۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ شادی کی ہر رات میں ناچنا وگانا اور ڈھول وغیرہ پیٹنا کہاں تک صحیح ہے؟ ان سب باتوں کو شامل کر کے لڑکے ولڑکی کے نکاح میں کوئی خرابی تو نہیں آتی؟ برائے کرم اس کا جواب فتویٰ کی شکل میں عنایت فرما دیں۔ شکریہ

المستفتی: محمد نوشہ ڈبہ والے، اسلام نگر گلی-۳/ اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: لڑکے اور لڑکی کے نکاح میں کوئی خرابی نہیں آتی ہے؛ البتہ یہ سب افعال ناجائز اور حرام ہیں؛ اس لئے ان افعال کے ارتکاب کرنے والے اور ان میں شرکت کرنے والے اور لطف اندوز ہونے والے سب کے سب سخت گنہگار ہوں گے۔

استماع صوت الملاهي كضرب قصب ونحوه حرام؛ لقوله عليه الصلاة والسلام: استماع الملاهي معصية والجلوس عليها فسق، والتلذذ بها كفر. (در مختار، كتاب الحظر والإباحة، قبيل فصل في اللبس، زكريا ۹/۵۰۴، كراچي ۶/۳۴۹، الفتاوى التاتارخانية، زكريا ۱۸/۱۸۹، رقم: ۲۸۴۶۶،

هندية، زكريا قديم ٣٥٢/٥، جديد ٤٠٦/٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ربیع الثانی ۱۴۱۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۶؍۲۱۸۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۱/۴/۳ھ

ریڈیو پر گانا سننا

سوال [۱۱۰۵۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جموں ریڈیو اسٹیشن پر جو عورتیں پانچ بجے شام گیت گاتی ہیں اور وہ سب عورتیں مسلمان ہیں، اس بارے میں قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: عبد المجید، کشمیری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مذہب اسلام میں گانا، بجانا اور گیت گانا اور ریڈیو سے گانے وغیرہ سننا بھی ناجائز اور ممنوع ہے۔ نیز ان چیزوں کا ارتکاب اگر عورت کرنے لگے، یا عورتوں کے گیتوں کو ریڈیو وغیرہ سے مرد سننے لگیں، تو اور بھی بے حیائی کی بات ہے، ان سب سے احتراز لازمی ہے۔

عن جابر بن عبد اللهؓ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الغناء ينبت النفاق في القلب كما ينبت الماء الزرع. (شعب الإيمان، باب حفظ اللسان، دار الكتب العلمية بيروت ٢٧٩/٤، رقم: ٥١٠٠)

عن ابن مسعودؓ: الغناء ينبت النفاق في القلب كما ينبت الماء البقل. (كنز العمال ٩٥/١٥، رقم: ٤٠٦٥١)

قال: إن الملاهي كلها حرام. قال ابن مسعودؓ، صوت اللهو والغناء ينبت النفاق في القلب كما ينبت الماء النبات......وفي البزازية استماع

صوت الملاهي كضرب قصب ونحوه حرام؛ لقوله عليه الصلاة والسلام: استماع الملاهي معصية، والجلوس عليها فسق، والتلذذ بها كفر.

(درمختار، كتاب الحظر والإباحة، قبيل فصل في اللبس، زكريا ٩/٥٠٤، كراچي٦/٣٤٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

كتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍شعبان المعظم ۱۴۱۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۲؍۴۹۸۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۷/۸/۱۶ھ

(۲۴) باب جھوٹ، غیبت، چوری وغیرہ کا بیان

جھوٹ بولنا

سوال [۱۱۰۵۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں ایک دوکان پر کام کرتا تھا، وہاں پر مجھ سے ایک چوری ہوگئی اور وہ چوری پکڑی گئی اور میں مالک دوکان سے یہ کہہ بیٹھا میں باوضو کلام پاک اٹھا کر کہہ سکتا ہوں کہ یہ چوری میں نے نہیں کی ہے، یہ مجھ سے بہت بڑا گناہ ہوگیا ہے، اور میں بہت پریشان چل رہا ہوں۔

المستفتی: مسرت حسین، جامع مسجد، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جھوٹ اور چوری سے خالص دل سے توبہ کرلیں اور چوری کا سامان مالک کو واپس کردیں اور مالک سے معذرت خواہی کرلیں۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فَاُولٰٓئِكَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا.

[سورة النساء:۱۷]

إن أخذه من غير عقد لم يملكه ويجب عليه أن يرده على مالكه، إن وجد المالك. (بذل المجهود، باب فرض الوضوء، جديد دار البشائر الإسلامية بيروت ۱/ ۳۵۹، قديم هندي ۱/ ۳۷، ايضاح النوادر ۱/ ۱۰۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۹؍ ذی الحجہ ۱۴۱۵ھ

(فتویٰ نمبر: الف ۳۲؍ ۴۲۷۲)

جھوٹے کی پہچان کیا ہے؟

سوال [۱۱۰۵۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جھوٹے کی پہچان حدیث پاک کی روشنی میں کیا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جھوٹے کی پہچان حدیث پاک میں یوں بیان فرمائی ہے کہ ہر سنی سنائی باتوں کو بیان کیا کرے اور تحقیق کا اہتمام نہ کرے۔

عن حفص بن عاصمؓ، قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: کفیٰ بالمرء کذبًا أن یحدث بکل ما سمعه. الحدیث (مسلم شریف، مقدمه ۱/۸، دارالسلام رقم: ۵، سنن أبي داؤد،الادب، باب التشدید في الکذب، النسخة الهندیة ۲/۶۸۱، دارالسلام رقم: ۴۹۹۲، مسند البزار، مکتبة العلوم والحکم بیروت ۱۵/۲۰، رقم: ۸۲۰۱، مشکوۃ شریف ۱/۲۸) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللّٰہ عنہ
۲۱؍ جمادی الثانیہ ۱۴۱۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۷/ ۲۶۶۹)

دوسرے کی بیوی سے زنا کرنا اور اس کے شوہر کے سامنے جھوٹی قسم کھانا

سوال [۱۱۰۵۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ فرمان اور نسیم دونوں دوست ہیں، ایک دن فرمان نسیم کی بیوی کے پاس تنہائی میں گیا اور اس سے زنا بھی کرلیا، اسی کے کچھ دیر بعد نسیم اپنی بیوی کے پاس آگیا، اس نے فرمان کو اپنی بیوی کے پاس پاکر زنا کا شک کیا، تو فرمان نے جھوٹ بولتے ہوئے منع کیا کہ ایسا کچھ نہیں ہوا ہے، پھر نسیم نے زور دے کر فرمان سے قسم کھانے کو کہا اور یہ الفاظ

کہلوائے کہ اگر میں نے کوئی غلط کام کیا ہو، تو ایمان سے خارج ہو جاؤنگا، فرمان نے وضو کیا اور قرآن ہاتھ میں لے کر یہ الفاظ ادا کیے، فرمان اگر یہ قسم نہ کھاتا تو لڑکی کو طلاق ہو جاتی؛ اس لئے مجبوراً ایسی قسم کھالی۔

اب دریافت یہ کرنا ہے کہ اس طرح قسم کھالینے سے کیا ایمان باقی بچا، یا نہیں؟ اب کیا کرنا چاہئے جس سے یہ گناہ معاف ہو جائے؟ شرعی حکم تحریر فرمادیں۔

(۲) قسم کا کوئی کفارہ ادا کرنا پڑے گا یا نہیں؟

المستفتی: فرمان اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: فرمان سے بڑے بڑے دو گناہ صادر ہوئے:

(۱) اس نے نسیم کی بیوی کے ساتھ اپنا منہ کالا کر کے عظیم ترین گناہ کا ارتکاب کیا، اگر اسلامی حکومت ہوتی، تو اس کے اوپر حد زنا جاری ہوتی اور ہندوستان؛ چونکہ اسلامی حکومت نہیں ہے؛ اس لئے اس پر سچی توبہ کرنا لازم ہے اور نسیم کی بیوی پر بھی سچی توبہ لازم ہے۔

(۲) اس نے دوسرا عظیم گناہ یہ کیا ہے کہ اس نے جھوٹی قسم کھائی اور جھوٹی قسم کا کفارہ نہیں ہوتا، اس کو یمین غموس کہتے ہیں اور زمانہ ماضی کی جھوٹی قسم کی وجہ سے سچی توبہ لازم ہے۔

عن عبد الله بن عمروؓ، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: الكبائر الاشراک بالله، وعقوق الوالدين، وقتل النفس، واليمين الغموس. (صحيح البخاري، كتاب الأيمان والنذور، باب اليمين الغموس ٢/٩٨٧، رقم:٦٤١٩، ف:٦٦٧٥، سنن الترمذي، أبواب التفسير، من سورة النساء، النسخة الهندية ٢/١٣١، دارالسلام رقم: ٣٠٢٠، إعلاء السنن، دار الكتب العلمية بيروت ١١/٣٦٥، كراچي ١١/٣٤٢)

ثم لايخفي أن الحلف بالقرآن الآن متعارف، فيكون يمينًا.

(البحرالرائق، كتاب الأيمان، كوئٹه ٤/٢٨٦، زكريا ٤/٤٨٢)

وهي ثلاث غموس وهي حلفه على أمر ماض، أو حال كذباً عمدًا

وحكمها الإثم ولا كفارة فيها إلا التوبة. (ملتقي الأبحر، دارالكتب العلمية بيروت ۲/ ۲۰۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍شوال المکرم ۱۴۳۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۰۷۹۲/۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۵/۱۰/۱۴۳۳ھ

بیماری کی جھوٹی سند دکھا کر رخصت لینے اور تنخواہ کا حکم

سوال [۱۱۰۵۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بندۂ ناچیز کو صورت مسئولہ میں مندرجہ ذیل کچھ خلجان ہے، دفع فرمائیں کہ ایک دعوت وتبلیغ میں لگا ہوا آدمی کسی سرکاری دفتر میں ملازم ہے، مثلاً اس کے پاس کل ۲۰؍ یوم کی رخصت اتفاقیہ تھی، جس میں اب ۱۰؍ یوم کی رخصت اتفاقیہ باقی رہ گئی ہے اور اس کے پاس دو ماہ کی رخصت بیماری کی ہے۔

اب وہ ایک چلہ جماعت میں جائے، اس طرح کہ دس دن تو رخصت اتفاقیہ کی درخواست پیش کردے اور باقی ایک ماہ کی جبکہ وہ خود اچھا ہے، بیماری کا ڈاکٹری سرٹیفکٹ جھوٹا ادارہ میں پیش کردے، ظاہر ہے کہ ادارہ میں ابھی اسکی رخصت بیماری موجود ہے، اور اس نے جھوٹی ڈاکٹری سند پیش کی؛ اس لئے ادارہ والے اس سند کی وجہ سے تنخواہ نہیں کاٹتے اور اس کی ایک ماہ کی تنخواہ بھی جاری رہتی ہے، تو اس جھوٹی ڈاکٹری سند کی وجہ سے ایک ماہ کی تنخواہ ملنی ہے، وہ ایک ماہ کی تنخواہ لینا جائز ہے یا نہیں؟ کیا یہ کہا جاسکتا ہے کہ ہم نے بیماری سے مراد قلبی وروحانی بیماری کو مراد لیا تھا؟ کیا یہ فلسفہ تنخواہ کے جواز کی دلیل بن سکتا ہے؟

ہمارے مدرسہ میں ۱۵؍ شعبان سے تعطیل عام ہے، معلوم کرنا ہے کہ آپ مرادآباد میں کن تاریخوں تک رہیں گے؟

المستفتی: عتیق الرحمٰن، مدرسہ اسلامیہ دارالعلوم پیلی حویلی، کامٹی، ناگپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: دفتر کے ملازم کو تنخواہ لینا اسی وقت جائز ہے؛ جبکہ وہ دفتر کی شرائط کے مطابق حاضر رہے؛ لہٰذا ڈاکٹری جھوٹی سند دکھا کر رخصت لینا اوران ایام کی رخصت کی تنخواہ لینا اس کے لئے جائز نہ ہوگا اور جو رخصت علالت ضابطہ اور قانون میں مقرر ہے، اس سے روحانی علالت مراد نہیں ہے؛ بلکہ جسمانی اور مادی علالت مراد ہے؛ اس لئے یہ سرٹیفکٹ تاویل کرکے جواز کے دائرہ میں نہیں آسکتا۔

عن أبي هريرةؓ، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: من حمل علينا السلاح، فليس منا ومن غشنا فليس منا. (مسلم شریف، کتاب الایمان، باب قول النبيؐ من غشنا فليس منا، النسخة الهندية ١/ ٧٠، بيت الأفكار رقم: ١٠١)

والأجير الخاص هو الذي يستحق الأجر بتسليم نفسه في المدة. (مجمع الأنهر، كتاب الإجارة، دار الكتب العلمية بيروت ٣/ ٥٤٤، هداية اشرفي ديوبند ٣/ ٣١٠، هندية، زكريا قديم ٤/ ٥٠٠، زكريا جديد ٤/ ٥٤٣، الموسوعة الفقهية الكويتية ١/ ٢٨٨)

يجوز الكذب في ثلثة مواضع في الإصلاح بين الناس وفي الحرب ومع امرأته، قال في الذخيرة: أرادبها المعارض لا الكذب. (حاشية حموي على الأشباه قديم ٥/ ١٤٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍رجب المرجب ۱۴۲۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶/ ۷۷۵۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۸/۷/۱۴۲۳ھ

غیبت کس کو کہتے ہیں؟

سوال [۱۱۰۵٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ غیبت کس کو کہتے ہیں؟

المستفتی: عبدالرحمٰن، کھتولی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حدیث پاک میں غیبت کی تعریف یوں فرمائی گئی ہے کہ آدمی اپنے دینی بھائی کی ایسی بات دوسروں کے سامنے نقل کردے کہ جس کی بات بیان کی جارہی ہے، اس کو سن کر ایذا وتکلیف ہوتی ہو۔

عن أبي هريرةؓ، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: اتدرون ما الغيبة؟ قالوا الله ورسوله أعلم. قال ذكرك أخاك بما يكره.

(مسلم شريف، كتاب البر والصلة، باب تحريم الغيبة، النسخة الهندية ٢/٣٢٢، بيت الأفكار رقم:٢٥٨٩، سنن أبي داؤد، كتاب الأدب، باب في الغيبة، النسخة الهندية ٢/٦٦٨، دارالسلام رقم:٤٨٧٤، سنن الترمذي، أبواب البر والصلة، باب ما جاء في الغيبة، النسخة الهندية ٢/١٥، دارالسلام رقم:١٩٣٤)

اعلم أن حد الغيبة أن تذكر أخاك بمايكرهه لو بلغه سواء ذكرته بنقص في بدنه، أو في نسبه، أو في خلقه، أو في فعله، أو في قوله، أو في دينه، أو في دنياه حتى في ثوبه وداره ودابته. (إحياء العلوم، امام غزاليؒ ٣/٧٧، مرقات شرح مشكوة، امداديه ٩/١٤٣، قديم ٤/٦٢٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱؍ جمادی الثانیہ ۱۴۱۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۲۶۹/۲۶)

چغلخوری کرنا

سوال [۱۱۰۵۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جو شخص بے قابو زبان چلاتا ہے، خواہ مخواہ اس کی بات برائی کے ساتھ نقل کرنا ایسا شخص اقوال نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں کیا کہلاتا ہے؟

المستفتی: عبد الرحمٰن، کھتولی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسے شخص کو حدیث پاک میں نمام اور قتات سے موسوم کیا گیا ہے، اور نمام اور قتات جنت اور نعمت ہائے جنت سے محروم ہوگا۔

قال حذيفة: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: لا يدخل الجنة نمام وقوله عليه السلام لا يدخل الجنة قتات. الحديث (مسلم شريف، كتاب الأيمان، باب بيان غلظ تحريم النميمة، النسخة الهندية ١/ ٧٠، بيت الأفكار رقم: ١٠٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱ / جمادی الثانیہ ۱۴۱۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۲۶۹/۲۶)

غیبت کرنے اور سننے والا دونوں گنہگار ہیں

سوال [۱۱۰۵۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ غیبت کو حدیث پاک میں زنا سے بھی بدترین گناہ بتلایا گیا ہے، کیا یہ گناہ صرف غیبت کرنے والے کو ہی ہوگا یا سننے والے کو بھی جو بغور سنتا ہو؟

المستفتی: عبد الرحمٰن، کھتولی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: غیبت کو دلچسپی سے سننے والے کو بھی غیبت کا گناہ ہوگا۔

ان المستمع لا يخرج من إثم الغيبة إلا أن ينكر بلسانه، فإن خاف فبقلبه. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، زكريا ٩/ ٥٨٨، كراچي ٦/ ٤١٠، إحياء العلوم إمام غزاليؒ ٣/ ٧٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱ / جمادی الثانیہ ۱۴۱۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۲۶۹/۲۶)

انسداد فتنہ کے لئے کافر کی غیبت کرنا

سوال [۱۱۰۵۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کیا کافر کا عیب بیان کر سکتے ہیں؟ جولوگوں کو دھوکہ میں ڈال رہا ہو، اگر ہم اس کے بارے میں کسی کو خبر نہ دیں، تو فتنہ ہوسکتا ہے۔

المستفتی: محمد فاروق اسماعیل، محلّہ: جعفر ممبئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر کافر سے فتنہ کا خطرہ ہے، تو اس کے دھوکہ وفریب سے مسلمانوں کو باخبر کرنا اس غیبت میں شامل نہیں ہے، جس کی ممانعت آئی ہے؛ بلکہ حقیقت کا واضح کرنا ضروری ہے۔

بأن تذموهم وتسبوهم إذا لم يؤد ذلك إلى سب الله سبحانه.

(حاشية مشكوة ٢/٣٣٢)

جاهدو هم بهابأن تذموهم، وتعيبوهم، وتسبوا أصنامهم، ودينهم الباطل وبأن تخوّفو هم بالقتل والأخذ وماأشبه ذلک الخ.

(مرقات، كتاب الجهاد، ملتاني ٧/٢٨٨، بذل المجهود، كتاب الجهاد، باب كراهية ترك الغزو، جديد دارالبشائر الإسلامية بيروت ٩/٥٣، رقم الحديث: ٢٥٠٤، قديم هندي ٣/٤١١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷؍ ربیع الاول ۱۴۱۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۵؍ ۱۷۱۳)

غیبت کی وجہ سے بدظن ہونا

سوال [۱۱۰۶۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ بکر نے خالد سے زید کے متعلق غلط بیانی کی، زید کے کریکٹر پر الزام لگایا؛ جبکہ زید عوام میں اور علماء کے طبقہ میں بھی معتمد علیہ ہے، اور خود عالم ہے اور بکر بھی عالم ہے؛ لیکن بکر کا علم علماء اور عوام دونوں میں غیر معتبر ہے اور بکر نے جو الزام لگایا، یا اس کی دلیل کا ثبوت بھی جو کہ شریعت میں مطلوب ہے، بکر کے پاس نہیں ہے، تو آیا خالد کو بکر کی بات کا اعتبار کرنا چاہئے یا نہیں؟ اگر خالد بکر کی بات سن کر زید کی طرف سے بدظن ہوتا ہے، تو خالد کے لئے کیا حکم ہے؟ اور بکر کے لئے کیا حکم ہے مطلع فرمائیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کسی باعزت شخص پر چاہے عالم ہو یا ان پڑھ بلا کسی ثبوت کے غلط گمان و الزام قائم کرنا اور عیوب کا تجسس کرنا ناجائز اور حرام اور عنداللہ سخت عذاب کا مستحق ہوگا۔ قرآن کریم میں اسکی سخت ممانعت آئی ہے۔

نیز حدیث شریف میں عذاب ونجات کا مدار زبان کو قرار دیا ہے۔

قوله تعالىٰ: يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضًا. [الحجرات:١٢]

وقول عليه السلام عن عقبة بن عامرؓ قال: قلت يا رسول الله صلى الله! ما النجاة؟ قال املك عليك لسانک الحديث. (ترمذي شريف، أبواب الزهد، باب ما جاء في حفظ اللسان، النسخة الهندية ٢/٦٦، دار السلام رقم: ٢٤٠٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ رشعبان المعظم ۱۴۱۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۹۰۸/۲۶)

علامات نفاق کیا کیا ہیں؟

سوال[۱۱۰۶۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ منافق کی علامت حدیث میں کیا ہیں؟

المستفتی: عبدالرحمٰن، کھتولی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: حدیث شریف میں منافق کی علامات یوں بتلائی گئی ہیں کہ جب بات کرے،تو جھوٹ بولے اور جب وعدہ کرے،تو خلاف ورزی کرے اور جب امانت رکھی جائے تو خیانت کرے۔

عن أبي هريرةؓ، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: آية المنافق ثلث إذ حدث كذب، وإذا وعدا خلف، وإذا أؤتمن خان. (بخاري شريف، كتاب الايمان، باب علامة المنافق ۱/ ۱۰، رقم:۳۳، مسلم شريف، كتاب الايمان، باب خصال المنافق، النسخة الهندية ۱/ ۵٦، بيت الافكار، رقم: ۵۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۶/ ۲۲٦۹)

دارالحرب میں بجلی چوری کرنا

سوال[۱۱۰٦۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر زید اس دارالحرب (ہندوستان) میں رہتے ہوئے، سرکار سے بجلی وغیرہ کی چوری کرلے تو کیا جائز ہے؟

المستفتی: محمد فیروز بدایوں، متعلم مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ہندوستان کے بارے میں تحقیقی بات یہی ہے کہ اب دارالحرب نہیں، جہاں کے غیر مسلموں کے مال مسلمانوں کے لئے حلال ہوں؛ بلکہ ہندوستان دارالأمان ہے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۱/۹۰)

لو أجريت أحكام المسلمين، وأحكام أهل الشرك لا تكون دار حرب. (شامي، مطلب فيما تصير به دار الإسلام دار حرب، كراچي ٤/١٧٥، زكريا ٦/٢٨٨، الموسوعة الفقهية الكويتية ١٠/٢٩٤)

اور اگر دارالحرب فرض بھی کرلیا جائے تب بھی غدر حرام اور ناجائز ہونے کی وجہ سے بجلی کی چوری ناجائز ہے۔

عن أبي هريرة رضي الله عنه، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: من حمل علينا السلاح، فليس منا ومن غشنا فليس منا. (مسلم شريف، كتاب الايمان، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم من غشنا فليس منا، النسخة الهندية ١/٧٠، بيت الأفكار رقم: ١٠١، سنن أبي داؤد، كتاب البيوع، باب في النهي عن الغش، النسخة الهندية ٢/٤٨٩، دار السلام رقم: ٣٤٥٢)

وإنما يحرم على المسلم إذا كان بطريق الغدر. (فتح القدير، باب الربا، دار الفكر بيروت ٧/٣٩، كوئٹه ٦/١٧٨، زكريا ٧/٣٨) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٢٧/ ذی قعدہ ١٤١٤ھ
(فتویٰ نمبر: الف ٣١/ ٣٧٢٨)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
٢٧/ ١١/ ١٤١٤ھ

بہو کا خسر کے زیورات چرانا

سوال [١١٠٦٣]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ مذکورہ تحریر جو ایک مضمون کی شکل میں ہے، میں نے اپنے صاحبزادہ مولوی محمد انعام کو عالم دین بنایا، زمانہ تعلیم میں ان کی کڑی نگرانی رکھی اور ان کی شادی کردی، پھر ملازمت دلائی، جب ساری ذمہ داریاں میری ختم ہوگئیں اور مجھ کو کچھ ناخلف اولاد نے میرے ساتھ بجائے حسن سلوک کے بدسلوکی کا ثبوت دیا ہے، جو حسب ذیل ہے۔

مولوی انعام صاحب ملازم تھے، اہلیہ کو وہاں رکھا تھا، مولوی انعام نے اطلاع کی، وہاں قیام کے دوران حالات نامناسب دیکھے، میں نے مولوی انعام سے کہا کہ بچوں کو روانہ کردو، مجھے انکار کردیا گیا، ایک شب گزرنے کے بعد مجھے تیار کردیا، اس نے لانے سے انکار کردیا، جو حالات دیکھ چکا تھا، اس کا صدمہ قلب پر اثر انداز تھا، وہ یہ کہ دلہن پردہ کیا کرتی تھی، وہ گم کردیا، اس طرح ایک سال کا عرصہ ہوگیا، بعد ایک سال مولوی انعام الحق صاحب باغوں والی تشریف لے آئے، گاؤں میں امامت شروع کردی، باغوں والی میں ایک شادی تھی، مولوی انعام کی اہلیہ نے کہا کہ اس شادی میں دوشب میں رہوں گی، میں نے اپنے خسر سے منع کردیا کہ آپ جانا، شام کو واپس آجانا، منع کرنے کی وجہ یہ تھی کہ جس جگہ شادی تھی، وہ جگہ اخلاقی اعتبار سے مشکوک تھی۔

جس کے کرنے کا ردعمل یہ ہوا کہ بہو نے کان کے بندے چوری ہوجانے کا شوشہ چھوڑ دیا، جس کی قیمت لگ بھگ تین چار ہزار روپیہ ہوگی، شام کو مولوی انعام سے اس کا تذکرہ کیا گیا، انہوں نے فیصلہ کیا کہ ان کو ان کے وطن بھیج دیا جائے، دونوں بچوں کی بیوی کا کچھ زیور میرے پاس تھا، میں نے صندوق کھول کر بعد نماز عشاء ان دونوں میاں بیوی کے سامنے اپنے زیور کا جائز لیا، تو وہ صندوق میں موجود تھا، صبح کو ان کی بیوی آٹھ بجے اپنے وطن روانہ ہوگئی۔ اور میں نے دس بجے صندوق کھول کر پھر دیکھا، تو اس میں وہ زیور نہیں تھا، اس کا تفصیلی فیصلہ محمد انعام کے پرچے سے معلوم ہوسکتا ہے۔

بہرحال بات بڑھ گئی، محمد انعام نے اپنی اہلیہ کو معاف کرنا چاہا؛ لیکن بات بڑھتی ہی گئی اور میں ان کو اور اس کے سسرال والوں کو گالی گلوج بکتا رہا، انعام کی طرف سے مجھے بتانے والوں نے بتایا کہ میرے والد میرے ساتھ نعمانی کو اغوا کرنا چاہتے ہیں۔ یاد رہے کہ یہ ناکارہ جیل میں قیدیوں کو اچھی بات بتلانے اور تبلیغ کرنے پر حکومت کی طرف سے مامور ہے، مجھے جیسے ہی یہ خبر ملی، تو میں نے حضرت مولانا محمد ایوب صاحب مدرس دارالعلوم میرٹھ کو اطلاع دی، انہوں نے محمد انعام کو اپنے مکان پر بلوا کر میرے آمنے سامنے فیصلہ دیا، جو ان کی تحریر میں حاضر خدمت ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

کچھ دن بعد میرے چچازاد بھائی کی اہلیہ کا انتقال ہوگیا، ہم نے محمد انعام کی سسرال میں کوئی خبر نہیں کی۔ اور نہ ہی وہ اس سے قبل کبھی ہماری کسی موت میں شریک ہوئے، مگر شام کو دیکھا کہ محمد انعام مع اپنی اہلیہ کے اور خسر اور ساس کے حاضر ہے، مجھے وہ راستہ میں ملے، دعا سلام ومصافحہ کے بعد وہ چچا کے یہاں چلے گئے، شام کو دفن کے بعد وہ اپنے وطن واپس ہوگئے، رات کو میرے والد صاحب نے مجھ سے معلوم کیا کہ اسلام تم نے کیوں ان کو نہیں ٹھہرایا، میں نے گالی وغیرہ دے کر کہا کہ ابا جان جب وہ میرے مکان پر نہیں آئے اور نہ ہی مجھ سے بول چال کی، تو مجھے ان کو اپنے یہاں روکنے کا کیا حق ہے۔

بہرحال والد صاحب تو خاموش رہے لیکن یہ بات کسی صاحب نے محمد انعام سے بتلائی کہ تمہارے سسرال والوں کو خوب گالی دی جارہی ہیں، محمد انعام اگلے روز اپنے چچا کے یہاں آیا اور مجھے معلوم نہ ہوسکا کہ انہوں نے کیا کیا مجھ سے کہا، میں از خود اپنے چچا کے مکان سے مہمان اور ان کی دلجوئی کر کے واپس جارہا تھا، تو مجھے اپنے بھائی کے دروازہ سے یہ آواز سنائی دی کہ چچی میں اس کو گولی ماردوں گا اور مزید وہ الفاظ بھی سنے کہ جس کو میں بیان کرنے سے قاصر ہوں۔ بہرحال مجھے پدری جوش آیا اور میں نے کہا کہ یہ کس کو کہہ رہا ہے، بس اتنے الفاظ کہنے تھے کہ اس نے فوراً میرا گریبان تھام لیا۔ اور میری

داڑھی پکڑ کر کھینچنی شروع کی ،انہوں نے اتنی طاقت سے کام لیا کہ اگر خدا کا کرم نہ ہوتا، تو خدا شاہد ہے کہ محمد انعام نے یہ دل سے چاہا تھا کہ میری داڑھی کا ایک بال بھی باقی نہ رہے، کافی جھگڑنے کے بعد شور وشغب سن کر میرے چچا زاد بھائی آئے اورانہوں نے میری جان بچائی، پھر میرے بھائی صاحب آئے اور وہ بال جو گر گئے تھے، اکٹھا کئے، جوایک تولہ کے برابر ہوں گے۔محمد انعام نے اپنی مسجد میں رات بھر پہرہ دیا اوراگلے روز صبح کووہ مع سامان کے اپنی سسرال پھولاس اکبرپور چلے گئے۔

اب میرا یہ کہنا ہے کہ وہ محمد انعام اپنی اہلیہ کوطلاق دیں،اور چلے آئیں یاوہ سوناواپس کریں، تب معاف کیا جاسکتا ہے کہ ایسی زانی عورت کا ہمارے خاندان میں رہنا کسی طرح اچھانہیں ہے۔ حضرت مفتی صاحب اس عورت پر کیا بھروسہ کیا جاسکتا ہے کہ جس نے تقریباً بیس ہزار روپئے کے زیورات کی چوری کی ہو۔اورشرعاً قبیح اور برے کاموں میں کھلم کھلا مبتلا ہو، اگر اس کو معاف کرکے لایا بھی گیا،تواس نے ہم کو زہر دیدیا،تواس کی ذمہ داری کس پر ہوگی؟

حضرت مولانا موسیٰ صاحب امیر جماعت تبلیغ ضلع مظفرنگر کے پاس محمد انعام گیا اور معافی کے لئے کہا، میں نے انکار کردیا، تو حضرت مولانا موسیٰ صاحب نے ازروئے شریعت ایک فتوی پر اس کام کو مؤخر رکھا ہے کہ جو شارع علیہ السلام کا فیصلہ ہوگا، وہ ہم دونوں تسلیم کریں گے۔ان شاءاللہ تعالیٰ۔

اب اس واقعہ کےاندر سوال طلب امر مندرجہ ذیل ہیں :

(۱) جبکہ انعام کی بیوی نے میرے گھر کے تمام زیورات چوری کر کے بیس ہزار کا نقصان کیاہےاورمحمد انعام نے میری بےعزتی کی ہے،تو میراانعام سے مطالبہ یہ ہے کہ یاتو تم اپنی بیوی کو طلاق دو، اور یا اس سے زیورات واپس لاؤ،تب تم کو معاف کیا جاسکتا ہے، اور صلح ہوسکتی ہے،آیا میرااس سے یہ مطالبہ کرنا اورصلح کے لئے یہ شرائط قرار دینا درست ہے یانہیں؟

المستفتی: حافظ محمد اسلام، باغوں والی

منجانب: دار العلوم دیوبند

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مذکورہ میں بیٹے نے باپ کے ساتھ جو گستاخیاں اور بدسلوکی کی ہے، یہ بہت ہی بڑا گناہ ہے، اور انتہائی بے باکی و بدنصیبی کی بات ہے۔ باپ کا مقام شریعت اسلام نے بہت ہی بلند کیا ہے، اب اگر واقعی وہ بہت شرمندہ ہے، اور معافی مانگ رہا ہے، تو معاملات کی صفائی اور حقوق کی ادائیگی ضروری ہے، اگر بیٹے کی بیوی نے زیورات چوری کئے ہیں، تو ان کی واپسی کو معافی سے پہلے شرط لگانا والد صاحب کا یہ فعل صحیح ہے، لڑکے کو اور اس کی بیوی کو چاہئے کہ وہ بیس ہزار روپئے کی نقصان کی تلافی کریں اور اس کے بعد دونوں سچے دل سے نادم ہوکر والد صاحب سے معافی مانگ لیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: حبیب الرحمٰن، خیرآبادی
مفتی دار العلوم دیوبند
۱۸؍شوال المکرّم ۱۴۰۹ھ

منجانب: مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: لڑکے پر واجب ہے کہ بلا کسی تاخیر کے باپ کے پیروں پر پڑ جاوے اور اپنی بدکرداری سے نادم ہوکر معافی مانگتا رہے؛ کیونکہ باپ کی بد دعا مؤثر نہیں ہوا کرتی۔ (مستفاد: معارف القرآن ۵/۴۶۴)

عن أبي هريرة رضـ، أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: ثلاث دعوات مستجابات لا شك فيهن، دعوة الوالد، ودعوة المسافر،

ودعوة المظلوم. (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب الدعاء بظهر الغيب، النسخة الهندية ١/ ٢١٤، دارالسلام رقم: ١٥٣٦)

نیز باپ کا مذکورہ مطالبہ بھی صحیح ہے اور درست ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍شوال المکرّم ۱۴۰۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۵/ ۱۴۵۲)

جواب ثانی استفتاء نمبر الف ۲۵/ ۱۴۵۲ کا ہے

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر بیوی کا چوری کرنا شرعی شہادتوں سے ثابت ہو جائے، تو مسروقہ رقم کا مطالبہ کرنا درست ہے ورنہ نہیں۔ نیز اگر بیوی کو طلاق دینے سے گناہ میں مبتلا ہونے کا خطرہ نہیں ہے، تو باپ کے حکم سے طلاق دینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، اگر گناہ میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہے، تو طلاق نہ دے چاہے باپ ناراض ہو جائے۔

(مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۵/ ۱۳۸، ڈابھیل ۱۹/ ۳۲، امداد الفتاوی ۴/ ۴۶۴)

زنا کا الزام سخت خطرناک ہے، اگر چار چشم دید شرعی گواہوں سے ثابت نہ کر سکے، تو خسر کو اگر اسلامی حکومت ہوتی، تو ۸۰؍کوڑے لگائے جاتے؛ چونکہ اسلامی حکومت نہیں ہے؛ اس لئے اپنے اس الزام سے نادم ہو کر توبہ کر لینا اور بہو سے معافی مانگنا خسر کے لئے لازم ہے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: والذين يرمون المحصنات، ثم لم ياتوا باربعة شهداء فاجلدوهم ثمانين جلدة ولاتقبلوا لهم شهادة أبدًا. [النور: ٤]

اور صرف شکوک وشبہات کی بناء پر تجسس کرنے کی قرآن میں وعید سخت آئی ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ وَلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضًا. [سورة الحجرات: ١٢]

نیز گالی، بدگوئی، غیبت سخت حرام ہے۔

قال: رسول الله صلى الله عليه وسلم لا يدخل الجنة نمام وقوله عليه السلام لا يدخل الجنة قتات. الحديث (مسلم شريف، كتاب الأيمان، باب بيان غلظ تحريم النميمة، النسخة الهندية ١/ ٧٠، بيت الأفكار رقم: ١٠٥)

اورلڑکے نے جو باپ کی داڑھی پکڑی ہے، یہ سخت گناہ ہے اور بدنصیبی کی بات ہے، اس پر لازم ہے کہ باپ کے پیروں پر گر کر معافی مانگے اور باپ پر لازم ہے کہ جب ندامت کے ساتھ معافی مانگے تو بلا کسی شرط کے معاف کردے، اللہ تعالیٰ کے یہاں معافی کے لئے کوئی شرط نہیں ہے۔

عن أبي عبيدة بن عبد الله، عن أبيه، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: التائب من الذنب كمن لا ذنب له. (سنن ابن ماجه، أبواب الزهد، باب ذكر التوبة، النسخة الهندية ٢/ ٣١٣، دارالسلام رقم: ٤٢٥٠، المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ١٠/ ١٥٠، رقم: ١٠٢٨١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/ شوال المکرّم ۱۴۰۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۵/ ۱۴۵۲)

بلاثبوت چوری کا الزام لگانا

سوال [۱۱۰۶۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ دو سگے بھائی اور والدہ ہیں تقسیم جائداد کے وقت لوگوں کے سامنے جب والدہ نے زیور تقسیم کے لئے دیا، تو مسلم نے بڑے بھائی زید سے پوچھا کہ بھائی زید جس وقت باہر گیا تھا، تبھی آپ کی والدہ نے کل زیور دکھا دیا تھا، کیا اس وقت کا یہ زیور اتنا ہی ہے جتنا پہلے تھا، زید نے کہا یہ کم ہے، لوگوں نے پوچھا کتنا کم ہے، کچھ ناپ تول یا اندازہ ہی بتایئے، تو زید

نے کہا کہ میں وزن وغیرہ نہیں بتاؤں گا، یہاں باقی زیورات والدہ کے پاس موجود ہیں، پوچھنے پر والدہ انکار کر دیتی ہیں، جس سے مسلم و والدہ دس سال سے آج تک لڑتے رہے، زید ہمیشہ اس طرح کہہ کر اور نفرت پیدا کر کے الگ ہو جاتا ہے، ایسی صورت میں زید کا یہ فعل والدہ پر چوری کا الزام لگانا مسلم سے نفرت وغیرہ پیدا کرنا کیسا ہے؟ زید ایسے شخص کی امامت کیسی ہے؟

(۲) لوگوں نے فیصلہ دیا کہ زید و مسلم پہلے اپنے ماموں کو بلالائیں، اس کا بٹوارہ کل کر دیا جائے گا، مسلم کے جانے کے بعد زید نے محلے میں شور کر دیا کہ مسلم تالا توڑ کر زیور چرالے گئے؛ جبکہ چراتے ہوئے زید نے نہیں دیکھا اور نہ ہی چشم دید گواہ ہی ملے، پھر زید نے شک کرتے ہوئے مسلم کے خلاف نام زد رپورٹ تھانہ پر کر دی، لوگوں کو جب معلوم ہوا، تو دیکھا کہ تالا نہیں؛ بلکہ کنڈا توڑا گیا ہے، اس پر لوگوں نے کہا سبھی لوگ قسم کھائیں کہ میں نے چوری نہیں کی ہے، اس پر مسلم نے کہا کہ ٹھیک ہے؛ لیکن قسم یہ کھائی جائے کہ نہ میں نے کنڈا توڑا ہے اور نہ کسی سے توڑوایا ہے، اور نہ توڑنے والوں کے بارے میں مجھے کسی قسم کا علم ہے، سبھی لوگوں نے کہا کہ ٹھیک ہے؛ لیکن زید نے قسم کھانے سے انکار کر دیا، کہا کہ میں قسم خود نہیں کھاؤں گا اور نہ میرے بچے ایسی صورت میں زید کی یہ حرکت چوری کا الزام لگا کر رپورٹ کرانا اور قسم بھی نہ کھانا اور چھوٹے بھائی کا حصہ نہ دینا کیسا ہے؟

(۳) علماء کرام کے فتوے پر عمل نہ کرنے والے کے لئے کیا حکم ہے؟ ایسے لوگوں کی امامت وغیرہ کیسی ہے؟

المستفتی: رشید احمد، بھنگا رشید بک ڈپو، چوک بازار، بھنگا، ضلع: بہرائچ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) نہ زید کے لئے بغیر ثبوت کے والدہ پر چوری کا الزام لگانا جائز ہے اور نہ مسلم کے لئے زید کی بے ثبوت بات کو اہمیت دے کر والدہ کے بارے میں بدگمانی اور نفرت قائم کرنا جائز ہے، دونوں پر توبہ کرنا لازم ہے۔

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضًا. [سورة الحجرات: ١٢]

(۲) اگر دونوں کوقسم کھانے پر فیصلہ دیا گیا ہے، اور زید قسم سے انکار کررہا ہے، توشرعاً زید مجرم قرار پائے گا اور چوری کا حکم زید پر لگےگا؛ کیونکہ قسم سے انکار شرعاً اشیاء خود لینے پر اقرار ہوتا ہے۔

أن النكول دل على كونه باذلاً، أو مقرًا، إذلو لا ذلك لأقدم على اليمين إقامة للواجب ودفعًا للضرر عن نفسه فيترجح هذا الجانب.

(هداية، كتاب الدعوىٰ، باب اليمين اشرفي ديوبند٣/ ٢٠٣)

نیز چھوٹے بھائی کا حصہ نہ دینے والا غاصب اور فاسق ہے، اس کی امامت مکروہ ہے، اس پر واجب ہے کہ چھوٹے بھائی کا حصہ دیدے۔

عن عبدالله بن السائب بن يزيد عن أبيه عن جده، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لايأخذ أحدكم عصا أخيه لاعباأو جادًا، فمن أخذ عصا أخيه فليردها. (سنن الترمذي، كتاب الفتن، باب ماجاء لا يحل لمسلم أن يروع مسلماً، النسخة الهندية ٢/ ٣٩، دار السلام، رقم: ٢١٦٠، سنن أبي داؤد، كتاب الأدب، باب مايأخذ الشيئ على المزاح، النسخة الهندية ٢/ ٦٨٣، دارالسلام رقم: ٥٠٠٣)

وعلى الغاصب رد العين المغصوبة، وقوله عليه السلام لا يحل لأحد أن ياخذ متاع أخيه لاعبًا ولاجادًا، فإن أخذه فليرده عليه. (هداية، كتاب الغصب، اشرفي ديوبند ٣/ ٣٧٣)

(۳) اگرعلماء کے صحیح فتاوی پرعمل نہ کرتے ہوئے چھوٹے بھائی کا حصہ دبالیا ہے، تو وہ غاصب وفاسق ہے، اس کی امامت مکروہ تحریمی ہے۔

ولذا كره إمامة الفاسق ......ومفاده كون الكراهة في الفاسق

تحريمية. (طحطاوي على المراقي، فصل في بيان الأحق بالإمامة قديم١٦٥، جديد دارالكتاب ديوبند٣٠٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷؍رمضان المبارک ۱۴۱۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۹۶۵/۲۶)

خود پسندی اور تکبر کا حکم

سوال [۱۱۰۶۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جس مسلمان میں خود پسندی ہے وہ کیا ہے؟ کیا حکم لگ سکتا ہے، اس آدمی کے لئے بالتفصیل جواب سے نوازیں گے۔

المستفتی: عبدالحسیب، موضع: کاچی موہا، پوسٹ: ہری گرام، دیناجپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: خود پسندی اور تکبر دونوں ہم مصداق ہیں۔

الكبر هو أن يرىٰ نفسه فوق غيره في صفة الكمال اعجابًا من نفسه. (قواعد الفقة، اشرفي ٤٣٩)

خود پسند اور متکبر شخص کا ٹھکانہ جہنم ہے، توبہ اور استغفار کر کے ایسے افعال شنیعہ سے باز آجانا لازم ہے۔

عن معاويةؓ، قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: من أحب أن يمثل له الرجال قياما فليتبوّأ مقعده من النار. الحديث. (أبو داؤد شريف، كتاب الأدب، باب الرجل يقوم للرجال يعظمه بذالك، النسخة الهندية ٢/ ٧١٠، دارالسلام رقم: ٥٢٢٩، سنن الترمذي، كتاب الأدب، باب ماجاء في كراهية قيام الرجل للرجل، النسخة الهندية٢/ ١٠٤، دار السلام رقم: ٢٧٥٥، مسند أبي داؤد الطيالسي، دارالكتب العلمية بيروت١/ ٥٤٢، رقم: ١٠٥٣)

المرتبة الثانية أي من الإثم أن يتكبر بكبره (إلى قوله) فإذا مات إنعطف جميع همه منافرة له وموذية إياه وأحاطت به خطيئته من حيث لم يجد للخروج منه سبيلاً. (حجة الله البالغة ۱/ ۷۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶ ر جمادی الاولی ۱۴۰۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۴/ ۷۰۶)

کسی کے متعلق بدگمانی رکھنا

سوال [۱۱۰۶۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کسی بھی سچ وحق بات کو جھوٹ بنانا یا جھوٹ سمجھنا فعل مردود ہے یا نہیں؟ برائے کرم قرآن پاک یا حدیث مبارک کا حوالہ تحریر کیجئے۔

المستفتی: شوکت علی، مقبرہ دوم، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: بلا کسی قوی دلیل کے مسلمان کی کسی بات کو جھوٹ بتانا یا سمجھنا جائز نہیں ہے، یہ اس کے ساتھ بدگمانی ہے، جس کی قرآن وحدیث میں سخت ممانعت آئی ہے۔ قرآن میں اس کو گناہ فرمایا گیا ہے اور حدیث شریف میں بدترین جھوٹ کہا ہے۔

قوله تعالىٰ: يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضًا. [الحجرات: ۱۲]

اس کے تحت احکام القرآن میں ہے۔

وكذلک سوء الظن بالمسلمين الذين ظاهر هم العدالة محظور عنه وهو من الظن المحظور المنهي عنه...... عن أبي هريرة رضـ، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إياكم والظن فإن الظن أكذب الحديث فهذا من الظن

المحظور هو ظنه بالمسلم سوئكم من غير سبب يوجبه. (أحكام القرآن للجصاص، مطلب الظن على أربعة أضرب، سهيل اكيڈمي لاهور، ۳/۴۰۶، زكريا ديوبند ۳/۵۳۹)

عن الاعرج قال: قال أبو هريرة رضؓ: ياثر عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: إياكم والظن، فإن الظن أكذب الحديث. (صحيح البخاري، كتاب النكاح، باب لا يخطب على خطبة أخيه ۲/۷۷۲، رقم: ۴۹۵۰، ف: ۵۱۴۳، صحيح مسلم، كتاب البر والصلة، باب تحريم الظن والتجسس، النسخة الهندية ۲/۳۱۶، بيت الأفكار رقم:۲۵۶۳، مسند أبي داؤد الطيالسي، دار الكتب العلمية بيروت ۳/۲۰، رقم:۲۶۵۶) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶؍رجب المرجب ۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴؍ ۶۲۴۵)

کسی شخص کو اس کی بیوی کے متعلق بدگمانی میں ڈالنا

سوال [۱۱۰۶۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ احقر کی بیوی کے بارے میں چار پانچ اشخاص کا یہ کہنا ہے کہ تمہاری بیوی شادی سے قبل بدچلن تھی، جب سے میں نے یہ بات سنی ہے، اس کی طرف سے بدگمانی میں مبتلا ہوں، بہت پریشان ہوں، معلوم یہ کرنا ہے کہ ان کہنے والوں کا شریعت میں کیسا حکم ہے؟ اور بدگمانی کا علاج تحریر فرمادیں۔

المستفتی: ابصار احمد، حسن پور، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جو لوگ آپ کی بیوی کو بدچلن کہتے ہیں، تو اگر اس کے اندر یہ صفت ہے، تو یہ لوگ اس کی غیبت کرتے ہیں اور اگر یہ صفت نہیں ہے، تو اس پر بہتان لگاتے ہیں، غیبت اور بہتان دونوں ہی حرام ہیں۔

عن أبي هريرةؓ، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: أتدرون ما الغيبة؟ قالوا: الله ورسوله أعلم، قال: ذكرك أخاك بما يكره، قيل: أفرأيت إن كان في أخي ما أقول؟ قال: إن كان فيه ما تقول فقد اغتبته، وإن لم يكن فيه فقد بهته. (صحيح مسلم، كتاب البر والصلة، باب تحريم الغيبة، النسخة الهندية۲/ ۳۲۲، بيت الأفكار رقم:۲۵۸۹، سنن أبي داؤد، باب في الغيبة، النسخة الهندية ۲/ ۶۶۸، دارالسلام رقم:٤٨٧٤، سنن الترمذي، باب ماجاء في الغيبة، النسخة الهندية ۲/ ۱۵، دارالسلام رقم:١٩٣٤)

کسی سے بدگمانی نہیں کرنی چاہئے، بدگمانی کرنا گناہ ہے، ہوسکتا ہے آپ کی بیوی نے اب توبہ کرلی ہو، قرآن کریم میں ہے۔

اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْم. [الحجرات: ۱۲] فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ محرم الحرام ۱۴۱۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۲/ ۴۶۱۴)

حلف لینے کے بعد بھی بدگمانی کرنا

سوال [۱۱۰۶۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص جو کہ مسلم ہے اور اس نے اپنی اہلیہ سے اس کی پاکیزگی کردار کی یقین دہانی کے لئے قرآن کریم کی قسم کھلوائی اور کہا کہ قرآن کریم کی قسم کھاؤ کہ میں پاک ہوں، اس کی اہلیہ نے اس طرح قرآن کریم کی قسم کھا کر یقین دہانی کرائی؛ لیکن وہ شخص اس قسم کے بعد بھی اپنی اہلیہ پر شک کرتا ہے، اور خود وہ اپنے والد محترم سے اہلیہ کے کردار پر مختلف قسم کے طعنہ وجملہ کسی کرتا رہتا ہے۔ ایسے شخص کے بارے میں مفتیان کرام وعلماء عظام شرعی طور پر کیا فرماتے ہیں؟ واضح رہے کہ اہلیہ اس وقت قرآن کی تلاوت کر

رہی تھی اوراس پر ہاتھ رکھوا کرقسم لی گئی تھی۔

المستفتی: محمد حنیف، ساکن: قاضی ٹولہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب بیوی نے حلفیہ بیان دیا ہےاور پھر بھی شوہر اپنی بیوی کے بارے میں شک کرر ہا ہے، تواس حرکت اور خیال کی وجہ سے شوہر گنہگار ہوگا۔ قرآن کریم میں اس کی سخت ممانعت آئی ہے؛ بلکہ بیوی کی دل جوئی کرنا شوہر پر لازم ہے۔

اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْم. [الحجرات:۱۲] فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶ رشوال المکرّم ۱۴۱۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۵۹۰۳/۳۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۱۰/۲۶ھ

بدعہدی کرنا گناہ کبیرہ ہے

سوال [۱۱۰۶۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بڑے بھائی نے چھوٹے بھائی سے تقریباً پچاس ہزار روپیہ بطور قرض طلب کئے کہ میں اپنے لڑکے کا مکان فروخت ہونے پر لوٹا دوں گا، چھوٹے بھائی نے رقم کا انتظام ہونے پر بڑے بھائی کو رقم دیدی، اپنے لڑکے کے لئے مکان خرید نے کی بات کہہ کر رقم جو قرض لی تھی چھوٹے بھائی نے ارادہ کیا کہ آپ مکان مجھے فروخت کردو، جو رقم دوسرا دے رہا ہے، وہ مجھ سے لےلو، چھوٹے بھائی نے انتظام ہونے پر رقم یہ کہہ کردی کہ موجودہ مکان آپ کے بیٹے کا میں خریدلوں، تو کیا ٹھیک ہے، بڑے بھائی راضی ہوگئے۔

اب یہ رقم بطور قرض نہ ہوتے ہوئے پیشگی تسلیم کرلی گئی، چند روز بعد انہوں نے مکان فروخت کرنے سے انکار کردیا اور یہ کہا کہ مجھ کو دوسرا شخص مکان کی رقم زیادہ دے رہا ہے،

کیا یہ عہد شکنی نہیں ہے؟ چھوٹے بھائی نے کہا کہ جو رقم دوسرا دے رہا ہے، دس ہزار روپیہ زائد میں دیتا ہوں، بڑے بھائی راضی ہوگئے؛ لہٰذا وقت کا تعین کر دیا گیا، رقم کی ادائے گی کا اس درمیان مکان کی بجلی کا بل حتی کہ مکان کا کرایہ بھی چھوٹا بھائی کرتا رہا ہے۔ اب اچانک پھر عہد شکنی کرتے ہوئے مکان بیچنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ مجھے مکان نہیں فروخت کرنا ہے، میں تم کو رقم واپس کر دوں گا، اتفاقاً چھوٹے بھائی کی دختر سخت علیل ہوگئی، چھوٹے بھائی کے مطالبہ کے بغیر بڑے بھائی نے ہمدردی جتاتے ہوئے پچیس ہزرا روپئے علاج معالجہ کے لئے دیے اور کہا کہ حساب پھر ہو جائے گا۔

اللہ کو منظور یہی تھا چند روز بعد چھوٹے بھائی کی جوان دختر اللہ کو پیاری ہوگئی، اسی روز اخراجات کے پیش نظر از راہ ہمدردی بڑے بھائی نے بنا مطالبہ کے چھوٹے بھائی کو پچیس ہزار روپیہ پھر دیدیئے اور کہا کہ حساب پھر ہو جائے گا، چھوٹا بھائی یہی سمجھتا رہا کہ بڑے بھائی ہمدردی کر رہے ہیں، چند روز بعد غم ہلکا ہونے پر چھوٹے بھائی نے بڑے بھائی سے بات کرنی چاہی کہ مکان کی بقیہ رقم لیلو اور اپنی رقم بھی لیلو، تو بھائی نے بات کرنے سے انکار کر دیا کیا یہ عہد شکنی نہیں ہے؟ اگر ہے تو عہد شکنی کی پامالی پر شرعی حکم کیا ہے؟

المستفتی: قاری حسین، ممبئ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ میں جو لکھا گیا ہے، اگر وہ واقعہ کے مطابق صحیح ہے، تو بڑے بھائی کی طرف سے بار بار کی بدعہدی ہوئی ہے اور بدعہدی کا بہت سخت گناہ ہے، بڑے بھائی کے اوپر لازم ہے کہ اللہ سے سچی توبہ کرے اور چھوٹے بھائی سے بھی معذرت خواہی کرے حدیث شریف میں بدعہدی کرنے والے کو بد دین کہا گیا ہے۔

حدیث شریف ملاحظہ فرمائیں:

عن عبد اللّٰہ ؓ قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: لا أیمان لمن

لأمانة له، ولادين لمن لا عهدله، والذي نفسي بيده، لا يستقيم دين عبد حتى يستقيم لسانه، ولايستقيم لسانه حتى يستقيم قلبه، ولا يدخل الجنة من لايأمن جاره بوائقه. (المعجم الكبير، للطبراني، داراحياء التراث العربي بيروت ۱۰/۲۲۷، رقم: ۱۰۵۵۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/صفر المظفر ۱۴۳۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۸۸۴/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۲/۷ھ

وعدہ خلافی کرنا گناہ کبیرہ ہے؟

سوال [۱۱۰۷۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حبیب اللہ خاں، سعد اللہ خاں، انیس خاں، جاوید خاں نے مل کر ایک شخص کے ساتھ کاروبار کیا، پھر جس کے ساتھ کاروبار کیا تھا، وہ شخص ساری رقم لے کر بھاگ گیا، تو ان لوگوں نے اس کے گھر جا کر اس سے ملاقات کی سمجھایا، تو اس نے وعدہ کیا کہ ہم روپیہ دیدیں گے؛ لیکن پھر وعدہ خلافی کردی، کئی بار وعدہ کر کے توڑ دیا، تو عرض یہ ہے کہ ایسے شخص کے بارے میں شرعاً کیا حکم ہے؟ کیا شرعاً اس شخص کو ادا کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ اور اگر نہ ادا کرے تو آخرت میں کیا سزا ہوگی؟

المستفتی: حبیب اللہ، محلہ گھیر سخی، رام پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: وعدہ خلافی کرنا بہت بری چیز ہے، آپ ﷺ نے علامات منافقین میں سے ایک علامت یہ بیان فرمائی ہے کہ جب وعدہ کرے، تو وعدہ خلافی کرے۔

أربع من كن فيه كان منافقًا خالصًا، ومن كانت فيه خصلة منهن

كـانت فيه خصلة من النفاق حتى يدعها إذا اؤتمن خان، وإذا حدث كذب، وإذا عـاهد غدر وإذا خاصم فجر. (صحيح البخاري، كتاب الإيمان، با ب علامة المنافق ١/ ١٠، رقم:٣٤، صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب خصال المنافق، النسخة الهندية ١/ ٥٦، بيت الأفكار رقم:٥٨، مشكوة شريف١٧)

اوراگرایک شریک دوسرے شریک کے مال کو یا کوئی حق زبردستی لے لیتا ہے، تواس کے بارے میں حدیث شریف میں سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں؛ چنانچہ ایک روایت میں مروی ہے کہ ایک برائی کے بدلہ میں قیامت کے دن اس کی مقبول نیکیاں لے لی جائیں گی، اگر نیکیاں نہیں ہیں، تو اس کے گناہ سرڈال دیئے جائیں گے، یہاں تک کہ وہ جہنم میں ڈال دیا جائے گا اور یہ حقوق العباد کے قبیل کی چیز ہے، اس میں بہت احتیاط کی ضرورت ہے؛ لہٰذا اس بھائی کو چاہئے کہ اپنے شریک کے حصہ کو وعدہ کے مطابق دیدے اوراپنے آپ کوآخرت کے وبال سے بچالے۔

عن أبي هريرةؓ، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: أتدرون ماالمفلس قالوا: المفلس فينا من لا درهم له، ولامتاع، فقال: إن المفلس من أمتي من يأتي يوم القيامة بصلوة، وصيام، وزكوة، ويأتي قد شتم هذا وقذف هذا وأكل ما ل هذا الحديث. (مسلم شريف، كتاب البر والصلة، باب تحريم الظلم، النسخة الهندية ٢/ ٣٢٠، بيت الأفكار رقم:٢٥٨١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰؍ جمادی الاولی ۱۴۱۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۳؍ ۵۷۵۷)

مدرسہ کے نام پر کم قیمت پر زمین خرید کر اپنے نام پر زیادہ قیمت میں بیچنا

سوال [۱۱۰۷۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ ہمارے شہر میں ایک دینی ادارہ ہے، جس کے قریب ہماری کاشت کی زمین تھی، اس ادارہ کے مہتمم اور ذمہ دار حضرات نے ہم سے ملت کی لڑکیوں کی دینی تعلیم وتربیت کی اشد ضرورت کا احساس دلاتے ہوئے، ایک لڑکیوں کا مدرسہ قائم کرنے کے عزم کا اظہار کیا اور اس نیک مقصد کے لئے ہماری زمین رعایتی قیمت پر ادارہ کو دینے کے لئے زور دیا ہم نے اسے کار خیر اور ثواب جاریہ مان کر، ان حضرات کے بیان پر اعتماد کرتے ہوئے اپنی زمین برائے نام قیمت لے کر ذمہ دار حضرات کے حوالہ کردی ادھر گذشتہ چند برسوں میں اسی علاقہ میں رہائشی کالونیاں بننے کی وجہ سے زمین کی قیمتوں میں بے انتہا اضافہ ہوگیا، جس سے ان حضرات کی نیت خراب ہوگئی اور انہوں نے وہ زمین جو خالص مدرسہ (لڑکیوں کے لئے) ہم سے برائے نام قیمت پر خریدی تھی، اسے اونچی قیمت پر پلاٹ کاٹ کر فروخت کردی۔

دریافت طلب امور یہ ہیں کہ:

(۱) ذمہ دار حضرات کا یہ فعل شرعی حیثیت سے کیسا ہے؟

(۲) یہ بدعہدی اور دھوکہ دہی ہے یا نہیں؟

(۳) اس طرح کمایا گیا منافع حلال ہے یا حرام؟

(۴) اس منافع کو نیک کام میں خرچ کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

(۵) اس صورت میں ہمیں ثواب ملے گا یا نہیں؟

(۶) اس قسم کے لوگوں کو جو دینی ادارہ چلا رہے ہیں، اس کا تعاون کرنا چاہئے یا نہیں کیونکہ اس ادارہ کا حساب وکتاب بھی پابندی سے شائع نہیں کیا جاتا؟

المستفتی: اصغر پٹیل، نور پٹیل

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب دینی ادارہ ہی قائم کرنے کے نام سے زمین خریدی گئی ہے، تو اس زمین پر دینی ادارہ ہی قائم کرنا لازم تھا، اس میں دوسرا کام

کرنا یااس کوفروخت کر کے نفع حاصل کرنا دھوکہ دہی اور خیانت ہے، ہاں البتہ اگر گراں قیمت میں اس کوفروخت کر کے اسی رقم سے دوسری مناسب زمین خرید کر دینی ادارہ قائم کرتا ہے تا کہ ادارہ کا زیادہ فائدہ ہو، تو اس کی گنجائش ہے۔ اور آپ کے ثواب میں کمی نہ ہوگی ؛ کیونکہ آپ ہی کی زمین کے بل بوتے پر دوسری زمین لی گئی ہے؛ لیکن اگر ایسا پروگرام نہیں ہے؛ بلکہ صرف ذاتی منافع کے لئے فروخت کردیا ہے، تو وہ لوگ گنہگار ہوں گے، اب اس میں کون سی صورت پیش آئی ہے، آپ خود دیکھ لیں اور زمین جس کے نام سے خریدی ہے، اس کے لئے منافع تو حلال ہے اور اس کی رقم دینی کام میں بھی لگانا جائز ہے، مگر دھوکہ دہی اور بدعہدی کی وجہ سے وہ لوگ گنہگار ہوں گے اور اس قسم کے لوگوں کے ہاتھ میں دینی ادارہ کا تعاون نہ کرنا ہی بہتر ہے، پتہ نہیں اس پیسہ کا کیا کریں گے؟ مسلمانوں پر شرائط کی پابندی لازم ہوتی ہے۔

قال رسول الله عليه وسلم: المسلمون عند شروطهم. الحديث

(ترمذي شريف، أبواب الأحكام، باب ما ذكر عن النبي صلى الله عليه وسلم في الصلح بين الناس، النسخة الهندية ۱/ ۲۵۱، دار السلام رقم:۱۳۵۲)

اس سے تمام سوالات کےجوابات واضح ہوگئے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ شوال المکرم ۱۴۱۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۳/ ۵۴۷۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۳/ ۱۰/ ۱۴۱۸ھ

فراڈ کر کے اسکول کے نام پر حکومت سے رقم لینا

سوال [۱۱۰۷۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) ایک شخص ایک مذہبی اسکول کے نام پر ہر ماہ حکومت سے ایڈ لے کر، اسکول چلاتا ہے؛ لیکن اسکول میں موجود طلبہ اور ٹیچرس کم ہیں اور انہیں حکومت کے ریکارڈ میں

زیادہ دکھایا گیا ہے اور اسی حساب سے اسے حکومت سے رقم ملتی ہے؛ بلکہ ٹیچر تو دوسرے اسکول میں ۲۴ر گھنٹہ کے ملازم ہیں، ان کے نام پر بھی وہ شخص ہر ماہ حکومت سے تنخواہ وصول کرتا ہے، تو کیا حکومت سے اس طرح فراڈ کر کے رقم لینا اور اس کو اسکول اور خاص کر اپنے ذاتی خرچ میں لانا شرعاً جائز ہے۔

(۲) اور اگر جائز نہیں ہے، تو پھر علماء کو اس شخص کے ساتھ کیسا برتاؤ کرنا چاہئے، اس سے دوستی رکھنا کیا مداہنت فی الدین نہیں ہے۔

(۳) نیز ایسے شخص کو کسی شرعی کمیٹی کا رکن یا ممبر بنانا شرعاً جائز ہے؟ ایسے ہی جس ملازم کے نام پر وہ شخص رقم لیتا ہے اور وہ اسکول میں کچھ کرتا بھی نہیں، تو کیا شرعاً اس ملازم کی کچھ پکڑ ہے یا اس پر کوئی گناہ نہیں؛ جبکہ اسے اس کی خبر ہے۔

المستفتی: خان مشینری اسٹور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس طرح جھوٹ اور فریب دے کر حکومت سے اسکول کے نام پر رقم حاصل کرنا ناجائز ہے، اس خیانت میں دستخط کرنے والے ملازم بھی شامل ہوجائیں گے اور گناہ کا وبال ان پر بھی ہوسکتا ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۱۴/۶/۱۵، جدید ڈابھیل ۱۵/ ۵۹۱)

عن أبي هريرةؓ، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: من حمل علينا السلاح فليس منا، ومن غشنا فليس منا. (صحيح مسلم، كتاب الايمان، باب قول النبيؐ من غشنا فليس منا، النسخة الهندية ١/ ٧٠، بيت الأفكار رقم: ١٠١)

ولا يولي إلا أمين قادر بنفسه، أو بنائبه؛ لأن الولاية مقيدة بشرط النظر، وليس من النظر تولية الخائن؛ لأنه يخل بالمقصود. (الموسوعة الفقهية الكويتية ٤٤/٧/٢٠، شامي، كراچي ٤/ ٣٨٠، زكريا ٦/ ٥٧٨)

علماء کرام حسب استطاعت اس کو اس امر منکر سے باز آجانے کی تلقین کر سکتے ہیں اور ایسے خائن شخص کو شرعی کمیٹی کا رکن بنانا جائز نہیں ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍ربیع الاول ۱۴۱۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱/ ۳۹۱۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۲/ ۳/ ۱۴۱۵ھ

فرضی کاغذات رکھوا کر پیسہ لینا اور دھوکہ دینا

سوال [۱۱۰۷۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں ایک سرکاری ملازم ہوں، ہماری مقامی حکومت مہاراشٹر درشن کے لئے خرچ دیتی ہے، جس کی شکل یہ ہوتی ہے کہ آپ پہلے مہاراشٹر کے کسی بھی ہندو مقام پر جا کر آئے، اس کے بعد اس سفر میں ہوئے خرچ کو حکومت کو پورے ثبوت کے ساتھ پیش کریں حکومت اس کو منظوری دے کر اتنی ہی رقم تنخواہ کے علاوہ دیتی ہے۔ ہر تین سال میں ایک بار کر سکتے ہیں؛ لیکن ہمارے یہاں ۱۵؍فیصد کمیشن پر محکمہ والے فرضی کاغذات پیش کر کے اس طرح کے بل ہم کو ڈالنے پر لگاتے ہیں، جس کے لئے ہم کو کوئی کاغذی ثبوت پیش نہیں کرنا پڑتا ہے، محکمہ والے خود فرضی کاغذات پیش کر دیتے ہیں، جس کے لئے وہ ۱۵؍فی صد رقم پورے بل کی وہ لے تے ہیں؛ جبکہ ہم کسی بھی مقام پر جا کر نہیں آئیں ہوتے ہیں، تو ایسا کرنا کیسا ہے؟ کیا اس طرح کی رقم کو ہم اپنی ذات پر خرچ کر سکتے ہیں؟ رہنمائی فرمائیں۔

المستفتی: مبین شیخ، شیر پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ کی تحریر سے معلوم ہوا کہ آپ ان مقامات پر نہیں گئے، جہاں جانے کی وجہ سے وہ رقم ملتی ہے اور جب آپ ان مقامات پر نہیں گئے، تو محض فرضی طور پر اپنا سفر کاغذ پر دکھا کر سرکار سے اس کے بدلہ روپیہ لینا جائز نہیں ہے

اور یہ حکومت کے ساتھ دھوکہ دھڑی ہے، اس طرح حاصل کی ہوئی رقم کا اپنی ذات پر خرچ کرنا بھی جائز نہیں ہے؛ بلکہ اس رقم کو بلانیت ثواب فقراء پر تقسیم کرنا لازم ہے، اسی طرح انکم ٹیکس، سیل ٹیکس، رجسٹری فیس وغیرہ میں بھی اس نیت سے دے سکتے ہیں کہ جو پیسہ ہم واپس کررہے ہیں، یہ پیسہ ہمارے پاس سرکار کی طرف سے ناجائز طریقہ پر آیا ہے، پھر آئندہ اس طریقہ سے کوئی رقم حاصل نہ کی جائے۔

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ليس منا غش. (أبوداؤد، كتاب البيوع، باب في النهي عن الغش، النسخة الهندية ٢/٤٨٩، دار السلام رقم:٣٤٥٢)

الأجرة إنما تكون في مقابلة العمل. (شامي، كتاب النكاح، باب المهر، كراچي ٣/١٥٦، زكريا ٤/٣٠٧)

لايجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحدٍ بغير سبب شرعيٍ. (شامي، كتاب الحدود، مطلب في التعزير بأخذ المال، كراچي ٤/٦١، زكريا ٦/١٠٦)

من كان عنده مالٌ خبيث ولا يمكنه أن يرده إلى مالكه ويريد أن يدفع مظلمته عن نفسه فليس له حيلة إلا أن يدفعه إلى الفقراء. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، جديد دار البشائر الإسلامية بيروت ١/٣٥٩، قديم هندى ١/٣٧)

من اكتسب مالا بغير حق......ففي جميع الأحوال، المال الحاصل له حرام عليه؛ ولكن إن أخذه من غير عقد لم يملكه، ويجب عليه أن يرده على مالكه إن وجد المالك. (بذل المجهود، هندى ١/٣٧، جديد دار البشائر الإسلامية بيروت ١/٣٥٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰ ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹/۱۰۳۹۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۴/۳ھ

بیماری کا فرضی سرٹیفکٹ پیش کرنا

سوال [۱۱۰۷۴]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں ایک ذاتی ادارے کے سرکاری اسکول میں صدر مدرس ہوں ادارہ بہت بڑا ہونے کی وجہ سے ہماری نگرانی کے لئے ایک افسر مقرر کیا ہے، جو ہماری نگرانی کے ساتھ ساتھ ہماری چھٹی کی درخواست بھی منظور کرتا ہے۔

گذشتہ سال مجھے میرے حضرت مولانا شیر محمد صاحب مکرانی کے ساتھ مدینہ منورہ کا حضور ﷺ کی قبر کی زیارت کے لئے سفر کرنا تھا، اس سفر کے لئے ۱۳/دن لگنے والے تھے، اس کے لئے میں نے جب درخواست دی، تو اس افسر نے یہ کہہ کر نامنظور کردی کہ آپ صدر مدرس ہیں؛ اس لئے آپ کو چھٹی لمبی نہیں دی جاسکتی ہے۔ جس ادارہ میں میں کام کرتا ہوں اسے ایک غیر مسلم ٹرسٹ چلاتا ہے اور افسر بھی غیر مسلم ہے، اس کے بعد میں نے جھوٹا عریضہ دیا کہ میرے ہاتھ میں تکلیف ہے، اس کے علاج کے لئے مجھے ۱۵/روز کی چھٹی چاہئے، اس کے لئے بھی انہوں نے صرف پانچ دن چھٹی منظور کی، میں اس چھٹی کی منظوری کے ساتھ سفر میں روانا ہوگیا، اور پہلے گھر میں ایک عریضہ دیا کہ وہ پانچ دن کے بعد اسے پوسٹ سے اس افسر کو روانہ کردے، میں سفر سے واپس آیا، تو معلوم ہوا کہ افسر نے بعد والے عریضہ کو منظور نہیں کیا، میں اس سے ملنے گیا، تو اس وقت ساری بات سچ سچ بتادی، اس نے کہا کہ ٹھیک ہے میں پورے ۱۵/دن کی چھٹی منظور کرتا ہوں، دوسرا عریضہ دے دو؛ لیکن آئندہ اس طرح کی غلطی مت کرنا۔

اس سال مجھے میرے حضرت والا کے ساتھ رمضان کا پہلا عشرہ گزارنا تھا، اس کے لئے میں نے ۱۲/دن کی چھٹی کا عریضہ دیا، تو انہوں نے صرف پانچ دن کی چھٹی منظور کی اس طرح مجھے زیادہ دن کی چھٹی نہیں مل پائی، اگر میں ان جیسے کاموں کے لئے بیماری کا بہانہ کر

کے چھٹی لوں اور بعد میں فرضی سرٹیفکٹ دے دوں، تو کیسا ہوگا؟ کیا ایسا کرنا جائز رہے گا؟ رہنمائی فرمائیں۔

المستفتی: مبین الدین، شیر پور، دھولیہ (مہاراشٹر)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آنجناب کا مذکورہ کاموں کے لئے بیماری کا بہانہ کرکے چھٹی لینا اور بعدہ فرضی سرٹیفکٹ پیش کرنا یہ جھوٹ اور دھوکہ پر مشتمل ہے اور یہ دونوں چیزیں اسلام میں حرام ہیں، بریں بناء اس کی شریعت میں گنجائش نہیں ہے، جو کچھ ہو چکا ہے، اس سے سچے دل سے توبہ کریں۔

عن ابن عمرؓ عن النبي صلی اللّٰہ علیه وسلم قال: إذا كذب العبد تباعد عنه الملک میلا من نتن ماجاء به. (سنن الترمذی، ابواب البر والصلة، باب ماجاء فی الصدق والکذب، النسخة الهندیة ۲/۱۸، دارالسلام رقم، ۱۹۷۲)

عن أبي هریرةؓ أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم قال: من حمل علینا السلاح فلیس منا، ومن غشنا فلیس منا. (مسلم شریف، کتاب الأیمان، باب قول النبیؐ من غشنا فلیس منا ۱/ ۷۰، بیت الأفکار، رقم: ۱۰۱، سنن أبي داؤد، کتاب البیوع، باب في النهی عن الغش، النسخة الهندیة ۲/ ۴۸۹، دارالسلام رقم: ۳۴۵۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ ذیقعدہ ۱۴۳۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۲۸۴/۴۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۱۱/۳ھ

ماموں کا وعدہ خلافی کرنا اور بھانجہ کو اس کی دوکان نہ دینا

سوال [۱۱۰۷۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ احمد کی دوکان جو کہ اس کے والد نے چالیس سال قبل کرایہ پر حاصل کی تھی، ۱۵ر سال کرنے کے بعد اس کے والد کا انتقال ہوگیا، پھر احمد کی والدہ نے اپنے حقیقی بھائی کو وہ دوکان اس معاہدہ پر دیدی کہ جب میرا لڑکا احمد دوکان کرنے کے لائق ہوگا، تو انہیں دوکان واپس کرنی ہوگی؛ لیکن نامعلوم وجہ کی بنا پر احمد کے بڑے ماموں دوکان نہ کرسکے اور چابی دوکان کی پانچ سال کرنے کے بعد احمد کی والدہ کو دیدی۔

پھر تمام لوگوں کے بیچ یہ طے پایا کہ احمد کے چھوٹے ماموں دوکان اس وقت تک کریں جب تک احمد دوکان کرنے کے لائق نہیں ہوتا ہے اور جب احمد دوکان کرنے کے لائق ہوگا، تو انہیں احمد کو دوکان واپس کرنی ہوگی، اس جز کی وضاحت احمد کی والدہ نے کر رشتہ داروں واعزاء کے سامنے بھی کی تھی، اسی آپسی معاہدۂ زبانی پر یقین وخلوص کی بنا پر احمد کی دوکان کی چابی احمد کی والدہ نے اپنے چھوٹے بھائی کو دیدی۔ اب احمد اپنی اور اپنی بہنوں کی کفالت تقریباً چار سال سے خود کر رہا ہے اور اس کے پاس کوئی ذریعہ معاش نہیں ہے۔

اب اسے دوکان کی اشد ضرورت ہے، والدہ کا بھی انتقال ہو چکا ہے، احمد نے اپنے ماموں صاحب سے دوکان کا مطالبہ کیا، اب احمد کے ماموں صاحب دوکان دینے میں ٹال مٹول کر رہے ہیں اور مصنوعی کلمات جوڑ کر احمد کو گمراہ کر رہے ہیں، اب احمد کے سامنے روزی روٹی کا مسئلہ درپیش ہے اور احمد بے حد پریشان ہے، آپ احمد کے لئے راستہ شرعی اختیار کرنے کے لئے رہنمائی فرمائیں۔

المستفتی: احمد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب احمد کی والدہ نے احمد کے ماموں کو اس معاہدہ پر دوکان کو دیا تھا کہ جب تک احمد دوکان کرنے کے لائق نہ ہوجائے، اس وقت تک تم دوکان کرو، اور جب احمد دوکان کرنے کے لائق ہوجائے، تو احمد کو دوکان واپس کرنی ہوگی، تو حسب معاہدہ اب جبکہ احمد دوکان کرنے کے لائق ہوگیا، تو احمد کو دوکان واپس کرنی لازم

ہےاور احمد کے ماموں کا ٹال مٹول اور وعدہ خلافی کرنے والوں پر سخت وعید آئی ہے؛ اس لئے حسب وعدہ احمد کو دوکان واپس کرنی شرعًا ضروری اور لازمی ہے۔

واوفوا بالعهد أي ما عاهدتم عليه غيركم من العباد، ويدخل في ذلک العقود (إلى قوله) **وقد جاء عن علي كرم الله وجهه أنه عد من الكبائر نكث الصفقة أي الغدر بالمعاهد.** (روح المعاني، سورة الإسراء، تحت رقم الآية:٣٤، مكتبه زكريا ديوبند ٩/١٠٢)

قال: رسول الله صلى الله عليه وسلم: ملعون من ضار مؤمنًا أو مكربه. (ترمذي، أبواب البر والصلة، باب ماجاء في الخيانة والغش، النسخة الهندية ٢/١٥، دارالسلام رقم: ١٩٤١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍صفر المظفر ۱۴۲۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷/ ۸۷۳۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۲/۲۵ھ

وعدہ پورا نہ کرنے والا خدا کے یہاں مؤاخذہ دار ہوگا

سوال [۱۱۰۷۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ خادم ایک دوکان پر نوکری کرتا تھا، کافی عرصہ سے اچانک کافی بیمار ہوگیا اور دوکان نہیں جاسکا، میری غیر حاضری میں مالک نے دوسرا نوکر رکھ لیا، صحت یاب ہوکر میں کام پر گیا، مالک نے منع کردیا کہ میں نے آدمی کا انتظام کرلیا ہے، میں نے بہت کہا انہوں نے نہیں رکھا، وہ آدمی ساڑھے تین مہینہ رہ کر چلا گیا، مالک نے پھر مجھے بلایا اور کہا کام پر آجاؤ، میں نے کہا کہ کام پر تو آجاؤں گا؛ لیکن پہلے جتنے ٹائم خالی پھرا ہوں وہ پیسے دوگے تب آؤں گا ورنہ نہیں آؤں گا، مالک نے وعدہ کرلیا کہ کام کرو ہوجائے گا، وعدہ کے مطابق میں نے کام کرنا شروع کردیا، اس بات کے گواہ مالک کے ایک بہنوئی بھی ہیں، مالک کے میری

طرف باقی کے ۰۰۰ ۱۲۷ روپیہ نکل رہے ہیں، وعدہ کے مطابق میرے مالک کی طرف ساڑھے تین مہینے کے ۲۵ ۷ ۴۷/ روپیہ نکل رہے ہیں، مالک اپنے روپیہ کو کہتے ہیں کہ اللہ کے گھر دوگے؛ لیکن میں دنیا ہی میں دینے کو تیار ہوں؛ لیکن مالک نے جو مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ دیدوں گا، وہ وعدہ سے مکر رہے ہیں، اللہ کے گھر اس وعدہ کی پکڑ ہوگی یا نہیں؟

المستفتی: لیاقت علی، محلّہ: گلاب کی رائے کا باغ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس سلسلہ میں کوئی صریح جزئیہ تو نہیں ملا؛ لیکن اصولوں سے یہ بات مستنبط ہوتی ہے کہ جب مالک نے یہ کہدیا کہ سب ہوجائے گا، تم کام کرو تو گویا کہ اس نے دینے کا وعدہ کرلیا؛ لہٰذا مالک پر ان تین ماہ کی تنخواہ دینا ضروری ہوگا، اگر نہیں دے گا تو یقیناً خدا کے یہاں اس کی پکڑ ہوگی۔

الحدیث: قال رسول الله علیه وسلم: المسلمون عند شروطهم.

(ترمذي شريف، أبواب الأحكام، باب ما ذكر عن النبي صلى الله عليه وسلم في الصلح بين الناس، النسخة الهندية ۲۵۱/۱، دار السلام رقم:۱۳۵۲)

المرأ مؤاخذ بإقراره، المرأ يعامل في حق نفسه كما أقربه، ولايصدق على إبطال حق الغير ولا بالزام الغير حقاً، المسلمون عند شروطهم. (قواعد الفقه، اشرفي ديو بند ۱۲۰و۱۲۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/ جمادی الاولی ۱۴۱۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۹/ ۳۴۷۰)

اپنا امتحان دوسرے سے دلوانا

سوال [۱۱۰۷۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ابوبکر جو عالم دین ہے اور زید جو حافظ قرآن ہے، اور زید چاہتا ہے کہ وہ بھی

عالم کی ڈگری حاصل کرے؛ لہٰذا وہ ڈگری لینے کے لئے سرکاری بورڈ والے امتحان کا فارم بھر دیتا ہے، اور عالم کا امتحان دینے ابوبکر عالم دین کو بٹھا دیتا ہے اور امتحان لینے والے کی طرف سے بھی کوئی سختی نہیں ہے۔ کیا ابوبکر کا امتحان دینا عالم کا اس کے بدلہ جوکہ صرف حافظ ہے اور اس کو عالم کے بارے میں کچھ بھی جانکاری نہیں ہے صحیح ہے یا نہیں؟

اور اس امتحان دینے کی وجہ سے ابوبکر کے پیچھے نماز درست ہوگی یا نہیں؟

اور جبکہ ابوبکر نے توبہ کرلی ہو، قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب سے سرفراز فرمائیں۔

المستفتی: عبدالقادر، خادم مدرسہ دینیہ مسلم یتیم خانہ، شاہی عیدگاہ، جون پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسی دھوکہ بازی اور جھوٹ کی وجہ سے دونوں گنہگار ہوں گے، دونوں پر توبہ واستغفار کرنا لازم ہے اور اس جھوٹی ڈگری سے زید عالم نہ ہوگا، عالم بننا جھوٹی دوکانداری نہیں ہے؛ بلکہ اس کی بہت بڑی ذمہ داری ہوتی ہے؛ البتہ ابوبکر نے جب توبہ کرلی ہے، تو وہ گناہ سے بری ہوگیا ہے۔ حدیث میں آیا ہے۔

عن أبي عبيدة بن عبد الله، عن أبيه، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: التائب من الذنب كمن لا ذنب له. (سنن ابن ماجه، أبواب الزهد، باب ذكر التوبة، النسخة الهندية ٢/٣١٣، دارالسلام رقم: ٤٢٥٠، المعجم الكبير للطبراني، دارإحياء التراث العربي ١٠/١٥٠، رقم: ١٠٢٨١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍ذی قعدہ ۱۴۱۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۵۴۹۸/۳۳)

جوئے کے پیسے سے خریدی ہوئی اشیاء کا حکم

سوال [۱۱۰۷۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ زید جوا کھیلتا تھا اور زید نے جوا میں بہت روپیہ کمایا اور اسی جوے کے روپیہ سے زید نے اپنی شادی کی اور اپنا گھر بنایا اور کپڑے سلائی مشین بھی خریدی۔ اب زید نے جوا کا کام چھوڑ دیا اور دین سے منسلک ہوگیا، اب زید اسی سلائی مشین سے گذر بسر کرتا ہے اور دوسرا اس کے پاس کوئی ذریعہ بھی نہیں ہے گذر بسر کا، تو کیا زید کے لئے یہ سلائی مشین اور دوسری چیزیں جو زید نے خریدی ہیں، جوے کے پیسہ سے وہ زید کے لئے استعمال کرنا درست ہے یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں مدلل جواب تحریر فرمائیں۔

المستفتی: محمد اختر، بڑا احاطہ، اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جوے کے پیسے سے جو اشیاء خریدی گئی ہیں ان کی قیمت صدقہ کرنے کے بعد ان کی جائز آمدنی حلال ہوگی۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ جدید ڈابھیل ۱۸/۴۱۶، قدیم ۱۳/۳۵۲)

في القنية: لو كان الخبيث نصابًا لا يلزمه الزكوة؛ لأن الكل واجب التصدق عليه. (شامي، كراچی ۲/۲۹۱، زكريا ديوبند ۳/۲۱۸، منحة الخالق، كوئٹه ۲/۲۰۵، زكريا ۲/۳۵۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۸/شعبان المعظم ۱۴۱۸ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۳/۵۴۱۰)	۱۴۱۸/۸/۹ھ

چوری سے جوتے، چپل بیچنا

سوال [۱۱۰۷۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید اور عمر دونوں ایک چپل، جوتے کی دوکان میں ملازمت کرتے ہیں، ان دونوں کی تنخواہ تقریباً سولہ سترہ سو روپیہ ہے، ان دونوں کا مالک کام زیادہ لیتا ہے اور تنخواہ بھی

نہیں بڑھاتا، یہ دونوں اپنے مالک سے جوتا، چپل چرا کر بیچتے ہیں، پھر ان دونوں نے کسی عالم سے مسئلہ پوچھا کہ ہم لوگوں کا مالک کام زیادہ لیتا ہے اور ہم لوگوں کی تنخواہ نہیں بڑھاتا ہے اور ہم لوگ چپل، جوتا چرا کر بیچ دیتے ہیں، تو یہ عمل کیسا ہے؟، اس عالم نے جواب دیا کہ کوئی حرج نہیں ہے، یہ جواب درست ہے یا نہیں؟ ان دونوں نے اپنے صحیح روپیہ اور چوری کے روپیہ سے گھر بنایا اور اپنے بال بچوں پر خرچ کیا، تو صرف یہی شخص گنہگار ہوگا یا اس کے گھر والے بھی؟ اگر گناہ ہوا تو کیا اپنے مالک سے معافی مانگیں یا اللہ سے توبہ کریں؟ اگر مالک سے معافی مانگے تو ڈر رہے کہ ملازمت سے الگ کردے۔

المستفتی: نعیم الدین، دربھنگوی (بہار)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ صورت میں مالک کی اجازت اور رضا مندی کے بغیر جوتے چرا کر فروخت کرنا اور اس روپیہ کا خود پر اور گھر والوں پر استعمال کرنا قطعاً ناجائز اور حرام ہے، گھر والوں کے گناہوں کا وبال بھی چرانے والوں پر ہوگا۔ آپ کو چاہئے کہ فوراً اس فعل سے باز آکر سچی توبہ کریں اور جتنی رقم چرائی ہے، اس کا اندازہ کر کے کسی بھی طریقہ سے مالک کو لوٹا دیں۔

عن عبداللہ بن السائب بن يزيد عن أبيه عن جده، قال: قال رسول اللہ صلى اللہ عليه وسلم: لايأخذ أحدكم عصا أخيه لاعبا أوجادًّا، فمن أخذ عصا أخيه فليردها إليه. (سنن الترمذي، كتاب الفتن، باب ماجاء لا يحل لمسلم أن يروع مسلماً، النسخة الهندية ۲/ ۳۹، دار السلام، رقم: ۲۱۶۰، سنن أبي داؤد، كتاب الأدب، باب ما يأخذ الشيئ على المزاح، النسخة الهندية ۲/ ۶۸۳، دارالسلام رقم: ۵۰۰۳)

ويجب رد عين المغصوب مالم يتغير تغيرًا فاحشًا ويبرأ بردها، ولو بغير علم المالک، أو يجب مثله إن هلک وتجب القيمة في القيمي يوم غصبه إجماعاً. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الغصب، مطلب في

رد المغصوب، کراچي ٦/ ١٨٢، زکریا٩/ ٢٦٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍شعبان المعظم ۱۴۲۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف۳۶/ ۷۸۲۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۸/۱۷ھ

سرکاری لکڑی کا استعمال کرنا

سوال [۱۱۰۸۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ سرکاری لکڑی یا پٹہ کاٹ کر جانوروں کو کھلانا اور سرکاری لکڑی کاٹ کر یا توڑ کر جلانا کیسا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سرکاری پیڑ کے پتے اور لکڑیاں جو جلائی جاتی ہیں، اگر وہ پتے اور لکڑیاں سرکار کے قیمتی ہیں، تو پتے کھلانے اور لکڑیاں جلانے کے وجہ سے مالک گنہگار ہوگا اور جتنا چرایا اور جلایا ہے، اتنی مقدار کا اس پر ضمان لازم آئے گا اور اگر ان پتوں اور لکڑیوں کی سرکار کے یہاں کوئی قیمت نہیں، تو اس سے مالک گنہگار بھی نہیں ہوگا۔

ولو أن بقارًا رعي بقرًا، في أجمة مملوكة لإنسان فليس له ذلك وهو ضامن لمارعي. (بدائع، كتاب الأراضي، أرض الموات، زكريا٥/ ٢٨٣، کراچی ٦/ ١٩٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸؍محرم الحرام ۱۴۲۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف۳۷/ ۸۶۷۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۱/۲۸ھ

اپنے مدرسہ کے علاوہ دوسری جگہ کا کنشیشن استعمال کرنا

سوال [۱۱۰۸۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ کسی مدرسہ میں عیدین کے علاوہ دوسرے اوقات میں کنشیشن نہیں ملتا ہے، کیا اس طالب علم کو دوسرے مدرسہ کا کنشیشن لے کر عیدین، یا اس کے علاوہ دوسرے اوقات میں کسی ضرورت کی وجہ سے یا بغیر ضرورت کے استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟ جواز کی کوئی صورت ہے؟

المستفتی: سراج الاسلام، بردوانی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تجربہ کار حضرات سے یہ بات معلوم ہوئی کہ ارباب مدرسہ کو منجانب حکومت اس کا پابند بنایا جاتا ہے کہ وہ اپنے مدرسہ میں داخل شدہ طلبہ کے علاوہ کسی غیر کو کنشیشن نہ دیں اور ارباب مدرسہ اس باب میں حکومت کے وکیل ہوتے ہیں اور وکیل مالک کا امین ہوتا ہے اور امین کا امانت میں بغیر اذن مالک تصرف حرام ہے، اس لئے دوسرے مدرسہ سے کنشیشن لینے والا اور دینے والا دونوں کے لئے یہ فعل ناجائز رہے گا۔

الوكيل إنما يستفيد التصرف من الموكل وقد أمره بالدفع إلي فلان فلا يملك الدفع إلى غيره. (شامي، كتاب الزكاة، زكريا ۱۸۹/۳، كراچي ۲۶۹/۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍رمضان المبارک ۱۴۰۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۳؍۱۹۷)

مالک کا پتہ معلوم نہ ہونے کی صورت میں روپیہ واپس کرنے کا طریقہ

سوال [۱۱۰۸۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں پڑھنے کے زمانہ میں اپنے ساتھی سے دو چار روپئے کا چوڑا لیا کرتا تھا، اور حساب بھی ان کے پاس لکھا ہوا ہے، اب وہ ادا کرنا چاہتا ہوں، مگر ساتھی کا پتہ معلوم

نہیں ہے، ان کے پیسے کو کیا کروں، اس کا گناہ معاف ہوگا یا نہیں؟

المستفتی: مشتاق احمد محلّہ تھانہ، امروہہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: آپ نے اپنے ساتھی سے جتنے روپے کا چوڑا لیا ہے وہ سب روپیہ اس تک یا اس کے ورثاء تک پہونچانا ضروری ہے اور اگر اس کا پتہ معلوم نہ ہو، تو جس مدرسہ میں پڑھتے تھے، اس مدرسہ کے دفتر سے پتہ حاصل کر لیجئے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۳۸۵/۱۷، جدید ڈابھیل ۴۲۶/۱۸)

ويجب عليه أن يرده على مالكه، إن وجد المالك، وإلا ففي جيمع الصور يجب عليه أن يتصدق بمثل تلك الأموال على الفقراء. (بذل المجهود، باب فرض الوضوء، سهارن پور ۱/۳۷، دارالبشائر الإسلامية بيروت ۱/۳۵۹)

يردوا المال إلي أربابه، فإن لم يعرفوا أربابه؛ تصدّقوا به لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه. (الموسوعة الفقية الكويتية ٣٤/٢٤٦، شامي، زكريا ٩/٥٥٣، كراچي ٦/٣٨٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۴۸۲/۳۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۶/۶/۱۰ھ

(۲۵) باب التصاویر

محض آنکھ بنانے سے تصویر کا گناہ ہوگا یا نہیں؟

سوال [۱۱۰۸۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اعلیٰ حضرت امام احمد خاں فاضل بریلوی کا ایک تاریخی کلنڈر بریلوی شریف کا شائع ہوا ہے، جس میں مسجد یا مزار کا نقشہ ہے، اس نقش (تصویر) کے ایک جانب ایک آنکھ کی تصویر بھی ہے۔ نیز اس میں آنکھ سے آنسو کے ساتھ قطرے بھی گرتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔ جواب طلب امر یہ ہے کہ کیا اس طرح کسی بزرگ کے جسم کے کسی ایک حصہ کی تصویر بنانا، پھر آنکھ سے اشک بہتے ہوئے تصویر بنانا شریعت محمدیہ میں جائز ہے؟ قرآن وحدیث وتمثیل صحابہ واولیاء کرام کے جوابات تحریر فرمائیں۔

المستفتی: محمد نصیر، گلشیر، چھتیس گڑھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر تصویر میں آنکھ کے ساتھ ساتھ چہرے کا بھی کچھ حصہ شامل ہے، جس میں آنکھ لگی ہوئی ہو، اور اس میں آنسوں بہہ رہے ہوں، تو شرعاً جائز نہیں ہے اور اگر چہرے کا کوئی حصہ شامل نہیں ہے صرف آنکھ ہے، تو وہ تصویر کے حکم میں شامل نہیں ہے اور محض آنکھ بنانے سے تصویر کا گناہ نہ ہوگا اور اسطرح فرضی آنکھ کی تصویر بنا کر اس سے آنسوں کا دیکھنا محض دھوکہ ہے؛ اس لئے اس سے گریز کرنا چاہئے۔ (مستفاد جواہر الفقہ، قدیم ۳/ ۲۲۷، جدید، زکریا ۷/ ۲۵۰)

عن عکرمة عن ابن عباسؓ قال: الصورة الرأس فإذا قطع الرأس

فليس بصورة. (السنن الكبرى للبيهقي، باب الرخصة فيما يوطأ من الصور، دارالفكر ١١/ ٨٣، رقم: ١٤٩٤٥)

عن أبي هريرة رضـ، قال: الصورة الرأس، فكل شئ ليس له رأس فليس بصورة. (شرح معاني الآثار، كتاب الكراهة، باب الصور تكون في الثياب، دار الكتب العلمية بيروت ٤/ ١٠٠، رقم: ٦٨٠٦)

إن كانت الصورة باقية الهيئة قائمة الشكل حرام، وإن قطعت الرأس، أو تفرقت الأجزاء جاز. قال: وهذا هو الأصح. (فتح الباري، باب من كره القعود على الصور، دار الفكر ١٠/ ٣٩١، اشرفية ديوبند ١٠/ ٤٧٩، تحت رقم الحديث: ٥٩٥٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ رشعبان المعظم ۱۴۲۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸ / ۹۱۱۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۷/۸/۸ھ

جانوروں کی عکاسی بھی تصویر کے حکم میں ہے

سوال [۱۱۰۸۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کسی جاندار کی تصویر تو اس طرح ہوتی ہے، جس میں اس کے نقوش اور اعضاء پوری طرح ظاہر ہوتے ہیں، اگر صرف جاندار چیز کی کٹنگ اس طرح ہو، جس سے صرف یہ معلوم پڑتا ہے کہ یہ مچھلی یا طوطا یا بکری، بھینس یا بچہ، بچی ہے آدمی ہے یا جانور تو کیا ایسی عکاسی بھی تصویر کے حکم میں ہے، چاقو کا دستہ تصویر کے حکم میں ہے یا مستثنیٰ ہے؟

المستفتی: محمد یونس احمد، گڑھ، پنجاب

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: کسی بھی چیز کی اس طرح کٹنگ ہو کہ اس سے مچھلی، طوطا وغیرہ کسی بھی جاندار کی معرفت اور پہچان ہوتی ہو، اس میں سر اور چہرہ موجود ہو،

تو وہ تصویر کے حکم میں ہے، چاہے یہ تصویریں چاقو کے دستہ میں ہوں یا کواڑوں کے دستہ اور بیڈوغیرہ میں ہوں، سب ناجائز اور حرام ہیں، ہاں اگر سر کٹا ہوا ہوتو جائز ہے۔

عن أبي هريرةؓ، قال: الصورة الرأس، فكل شئ ليس له رأس فليس بصورة. (شرح معاني الآثار، كتاب الكراهة، باب الصور تكون في الثياب، دار الكتب العلمية بيروت ٤/ ١٠٠، رقم: ٦٨٠٦)

التصوير، والصورة، والمثال، والتمثال كلها بمعنى واحد، والمراد ما يقع به المعرفة، وهو الوجه والرأس ففعل الصورة هو رسم الوجه والرأس ويتعلق به حكم المنع والتحريم. (كفاية المفتي قديم ٩/ ٢٣٦، جديد زكريا مطول ١٣/ ٥٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۶ / ربیع الاول ۱۴۱۷ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۲/ ۴۷۴۰)	۱۰/ ۴/ ۱۴۱۷ھ

سر کٹی تصویر کے ذریعہ نماز کا مسنون طریقہ سکھانے کا حکم

سوال [۱۱۰۸۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ منسلک ارکان نماز (جس میں نماز کے مسنون طریقے خاکوں کے ذریعہ سمجھائے گئے ہیں) کیا یہ خاکے تصویر کے حکم میں آتے ہیں؟

(۲) ارکان نماز کے مسنون طریقے جس سے عام نمازیوں کی ناواقف کثیر تعداد بآسانی مستفیض اور مستفید ہوسکے، اس سے متعلق اپنی قیمتی آرا سے آگاہ فرمائیں نوازش ہوگی۔

المستفتی: ولی الرحمٰن

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مستفتی نے سوال نامہ کے ساتھ جو نقشہ

منسلک کیا ہے، اس میں انسانی ڈھانچہ کے ساتھ سر بالکل نہیں ہے اور شریعت میں جس تصویر کی ممانعت ہے، اس کا حکم جاندار کے سر پر لگتا ہے اور جب سر ہی نہیں ہے، تو وہ تصویر ہی نہیں ہے؛ اس لئے مذکورہ نقشہ میں جو بغیر سر کے انسانی ڈھانچے ہیں، ان کے ٹانگنے میں کوئی ممانعت نہیں ہے۔

عن أبي هريرةؓ، قال: استأذن جبرئيل عليه السلام على النبي صلى الله عليه وسلم، فقال: أدخل فقال: كيف أدخل؟ وفي بيتك ستر فيه تصاوير، فإما أن تقطع رؤسها، أو تجعل بساطاً يؤطأ، فإنا معشر الملائكة لاتدخل بيتا فيه تصاوير.

(نسائي شريف، ذكر اشد الناس عذابا، النسخة الهندية ٢/١ ٣٠، دارالسلام، رقم٥٣٦٥)

عن عكرمة قال: إنما الصورة الرأس، فإذا قطع الرأس فلا بأس.

(المصنف لإبن أبي شيبة، مؤسسه علوم القرآن ١٢/٦٣٧، رقم: ٢٥٨٠٨)

أو مقطوع الرأس أي سواء كان من الأصل، أو كان لها رأس محي (وقوله) وإنما لم يكره؛ لأنها لا تعبد بدون الرأس عادةً. (البحرالرائق، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها زكريا ٢/٥٠، كوئٹه ٢/٢٨)

(۲) مستفتی نے دوسرے سوال میں رائے اور مشورہ طلب فرمایا ہے، تو اس سلسلے میں ہماری رائے وہی ہے، جو چودہ سو سال سے صحابہ، مجتہدین، اکابر ومشائخ اور بزرگوں کی ہے، ان کی رائے انسانی ڈھانچے کے ذریعہ نماز سکھانے سے متعلق ثابت نہیں ہے، ہاں البتہ عملی مشق کے ذریعہ سے نماز سکھانا ان سے ثابت ہے، جیسا کہ حضرت محی السنۃ شاہ ابرار الحقؒ نے اپنی زندگی کے پچاس سال تک عملی مشق کے ذریعہ متعلقین کو نماز سکھائی ہے؛ اس لئے ہماری رائے وہی ہے، جو حضرت محی السنۃ شاہ ابرار الحق صاحب نوراللہ مرقدہ کی ہے، ہاں البتہ مستفتی نے جو نقشہ پیش کیا ہے، اس سے بھی کچھ مدد مل سکتی ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍ربیع الثانی ۱۴۲۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷/ ۸۷۸۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۴/۲۳ھ

اخبارات کی تصاویر کا حکم

سوال[۱۱۰۸۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) اخبار کا کوئی پنا بھی جاندار تصویروں سے خالی نہیں ہوتا ہے، ہر پنے پر جاندار زیادہ تر انسانوں کی اور کم جانوروں کی تصویر ہوتی ہیں، ایسے اخبار کو دسترخوان کی جگہ استعمال کرنا اور اس پر روٹی سالن رکھ کر کھانا کیسا ہے؟

(۲) گھروں میں جو طاق ہوتے ہیں، ان میں ان اخباروں کا بچھانا اور پھر بچے ہوئے اخباروں پر گھر کی دیگر ضروریات کا سامان رکھنا کیسا ہے؟

(۳) گھر میں روزانہ آنے والے اخبار جب تک گھروں میں ہیں، تو ان کی تصویروں پر شرعی قانون کا اطلاق ہوگا یا نہیں؟ جہاں جاندار کی تصویریں ہوتی ہیں، وہاں رحمت کے فرشتے نہیں آتے ہیں، اس سے متعلق علماء کرام کا کیا فیصلہ ہے؟

المستفتی: محمد اسحٰق، جے پوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) ایسے اخبار کا دسترخوان کی جگہ پر استعمال کرنا، جس میں تصویریں ہوں اور اس پر روٹی سالن رکھ کر کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے؛ لیکن بہتر یہ ہے کہ ایسے اخبار جس میں تصویریں ہوں، دسترخوان کی جگہ استعمال نہ کریں؛ اس لئے کہ عموماً اخباروں میں فحش اور بے حیائی کی تصویریں ہوتی ہیں، جن پر نظر پڑنا اچھی بات نہیں؛ اس لئے اجتناب ہی بہتر ہے، اور اس کی اہانت مقصود ہو تو حرج بھی نہیں ہے۔

(۲) اسی طرح گھروں کے طاق میں ان اخباروں کو بچھا کر گھر کی ضروریات کا سامان رکھنے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔

ولو كانت الصورة على وسادة ملقاة، أو على بساط مفروش

لایکره؛ لأنها تداس وتؤطا. (شامي، باب ما یفسد الصلاة، ومایکره فیها، زکریا۲/۴۱۷، کراچي ۱/۶۴۸)

(۳) گھروں میں روزانہ آنے والے ایسے اخبار، جن میں تصویریں ہوتی ہیں، یہ تصاویر دخول ملائکۂ رحمت کیلئے مانع نہیں؛ اس لئے کہ ان تصاویر کو تعظیماً رکھنا مقصود نہیں؛ بلکہ اصل مقصود ان اخباروں سے خبروں کی معلومات حاصل کرنا ہے؛ البتہ اولی اور افضل یہ ہے کہ تصویروں کو ڈھک کر یا دبا کر رکھ دیا جائے کہ نظر نہ آئیں؛ لیکن فحش تصویروں کو رکھنا جائز نہیں؛ اس لئے اس میں اخلاق پر زبردست اثر پڑتا ہے؛ لہٰذا ان کو فوراً اپھاڑ دیا جائے، مٹا دیا جائے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۹/۲۳۹، جدید زکریا مطول ۱۳/۴۰، جواہر الفقہ قدیم ۳/۲۳۷، جدید زکریا ۷/۲۶۲)

لأن الصورة إذا کانت علی بساط مفروش تکون مهانة لا تمنع من الدخول. (شامي، باب ما یفسد الصلاة، وما یکره فیها، زکریا ۲/۴۱۹، کراچي ۱/۶۴۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/محرم الحرام ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴/۶۴۷۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۱/۲۸ھ

فوٹو اسٹیٹ میں آنے والی تصویر کی شرعی حیثیت

سوال [۱۱۰۸۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ فوٹو کاپی مشین پر ہر چیز کی فوٹو کاپی اتر جاتی ہے، اکثر کاغذات پر تصویر لگی ہوتی ہے، تو کیا اس کو اتارنا فوٹو کے حکم میں ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد رئیس، ۸۸/۱۰۰، پریم نگر، کانپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جی ہاں یہ بھی فوٹو کی حکم میں ہوگا۔

عن ابن عباسؓ، قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: كل مصور في النار يجعل له بكل صورة صورها نفسًا فتعذبه في جهنم الحديث. (صحيح مسلم، باب لا تدخل الملائكة بيتًا فيه كلب و لاصورة، النسخة الهندية ۲/۲۰۲، بيت الأفكار رقم: ۲۱۱۰، مسند أحمد بن حنبل ۱/۳۰۸، رقم: ۲۸۱۱)

المصور هو الذي يصور أشكال الحيوان فيحكيها بتخطيط لها، وتشكيل. (مرقاة المفاتيح، باب التصاوير، مكتبه امدادية ملتان ۸/۳۳۰)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷؍ذی الحجہ ۱۴۱۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۶/۲۰۵۹)

فوٹو کھنچوانا کب جائز ہے؟

سوال [۱۱۰۸۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید شافعی المسلک ہے، زید اپنا فوٹو کھنچوانا چاہتا ہے، اس کے بارے میں شریعت شافعی المسلک کیا کہتی ہے؟ واضح کریں۔

المستفتی: عبد الباسط، شری رام پور، احمد نگر (مہاراشٹر)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: پاسپورٹ اور ایڈنٹی کارڈ وغیرہ کے لئے ضرورت شدیدہ میں فوٹو کھنچوانا سب کے نزدیک جائز ہے اور بغیر ضرورت شدیدہ جس طرح مسلک حنفی میں ناجائز ہے، اسی طرح مسلک شافعی میں بھی ناجائز اور حرام ہے۔

امام نوویؒ مسلک شافعی کے جلیل القدر علماء میں سے ہیں، ان کی عبارت ملاحظہ فرمائیں:

قال أصحابنا وغيرهم من العلماء: تصوير صورة الحيوان حرام شديد التحريم، وهو من الكبائر؛ لأنه متوعد عليه بهذا الوعيد

الشديد المذكور في الأحاديث سواء صنعه بما يمتهن، أو بغيره فصنعته حرام بكل حال؛ لأن فيه مضاهاة لخلق الله تعالىٰ. (نووی علی هامش المسلم ۲/ ۱۹۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴/ ۶۱۴۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۵/۹ھ

آئندہ ضرورت کی وجہ سے تصویر سازی کا حکم

سوال [۱۱۰۸۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ تصویر نکالنا بے ضرورت تو حرام ہے؛ لیکن ضرورت کے وقت اجازت دی ہے، مثلاً آئی کارڈ کے لئے تو پوچھنا یہ ہے کہ فی الحال تو ایک کی ضرورت ہوتی ہے؛ لیکن آئندہ ضرورت پیش آئے گی، یہ سوچ کر ایک سے زائد بنانا کیسا ہے؛ اس لئے کہ ایک ساتھ آٹھ یا بارہ نکلتے ہیں۔

المستفتی: عمران بہاری، انکلیشور (گجرات)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: شناختی کارڈ، آئی کارڈ اور پاسپورٹ وغیرہ کے لئے فوٹو کھنچوانا جائز اور درست ہے اور فوٹو ایک بار کھینچ کر بارہ یا چوبیس بنتے ہیں، آئندہ ضرورت کے پیش نظر ایک ساتھ بارہ یا چوبیس بنوانے میں کوئی حرج نہیں۔ (مستفاد: ایضاح المسائل ۱۱۳)

الضرورات تبيح المحظورات. (الأشباه والنظائر قديم ۱٤۰)

أما إتخاذ الصورة الشمسية للضرورة، أو الحاجة كحاجتها في جواز السفر، وفي التاشيرة، وفي البطاقات الشخصية، أو في مواضع يحتاج فيها إلى معرفة هوية المرء، فينبغي أن يكون مرخصًا فيه.

(تكملة فتح الملهم، باب تحريم تصوير صورة الحيوان، الصورة عند الحاجة، اشرفية ديوبند ٤/ ١٦٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/ ذی الحجہ ۱۴۳۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۰۵۶۲/۳۹)

جلسہ میں علماء کرام کی تصویر کھنچوانے کی شرعی حیثیت

سوال [۱۱۰۹۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ علماء دین و قائدین ملت دینی امور مثلاً تقریر وتحریر و بیان وغیرہ کی پوری کارروائی یا اس کا خلاصہ اخبارات ورسائل میں اپنی تصویر کے ساتھ شائع کراتے ہیں، کچھ حضرات تو برضاء ورغبت تصویریں شوق سے کھنچواتے ہیں اور بعض حضرات اس سلسلہ میں خاموشی اختیار کئے رہتے ہیں اور اخبار والے تصاویر وغیرہ کھینچ کر لے جاتے ہیں اور جن کی تصویر کھینچی جاتی ہے، وہ چپ رہتے ہیں منع نہیں کرتے، تو اس سلسلہ میں معلوم یہ کرنا ہے کہ مسلم علماء وذمہ داران ملت خصوصاً اور عوام الناس کا عموماً اس طرح دینی امور کی انجام دہی کے بعد اس طرح کی کارروائی مع تصویر شائع کرانا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: حامد حسین قاسمی، امرتسر (پنجاب)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تصویر اور فوٹو کھنچوانے کی دو حیثیتیں ہیں:

(۱) بے ضرورت محض نمائش کے طور پر شوقیہ تصویر کھنچوائی جائے، جس کی حدیث شریف میں بہت سخت وعید آئی ہے۔

عن عبد الله بن مسعودؓ، قال: سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول: إن أشد الناس عذابًا عند الله يوم القيامة المصورون. (صحيح البخاري،

باب عذاب المصورين يوم القيامة، النسخة الهندية٢/ ٨٨٠، رقم:٧ ٥٧١، ف: ٠ ٥٩٥، صحيح مسلم، باب لا تدخل الملائكة بيتًا فيه كلب و لاصورة، النسخة الهندية٢/ ٢٠١، بيت الأفكار رقم: ٢١٠٩

(۲) ضرورت کی وجہ سے تصویر کھنچوائی جائے تو فی نفسہ ممنوع ہونے کے باوجود ضرورت کی وجہ سے تصویر کھنچوانے کی گنجائش ہے

الضرورات تبيح المحظورات (الأشباه قديم ص ١٤٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ رصفر المظفر ۱۴۳۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹/ ۱۰۲۹۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۲/۲۸ھ

تقریبات اور جلسہ جلوس کی تصاویر کا حکم

سوال [۱۱۰۹۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے یہاں کرناٹک بنگلور میں دینی مدرسہ ہے، اس علاقہ میں کافی مشہور ہے، اس ادارہ کی پالیسی صلح کل کی ہے، کہتے ہیں کہ فتنہ فساد بری چیز ہے؛ اس لئے جہاں فاتحہ کا تقاضہ ہو جاری رکھتے ہیں اور جہاں تکرار ہو حسب موقعہ فتوی فراہم کرتے ہیں کوئی ایک موقف واضح نہیں ہے، تصویر کے بارے میں بھی کوئی واضح نظریہ نہیں ہے، بظاہر اکابرین دارالعلوم دیوبند اور تبلیغی جماعت سے تعلقات بتاتے ہیں مسلک دارالعلوم دیوبند سے صد فیصد متفق نہیں ہیں، رمضان المبارک کی طاق راتوں کے سلسلہ میں عیدین کے بعد مصافحہ و معانقہ تراویح کے درمیان مروجہ تسبیحات نیز مروجہ فاتحہ خوانی وغیرہ کے بارے میں اپنا الگ موقف ہے تبلیغی جماعت بھی اس مدرسہ کو اپنانے کے لئے تیار نہیں ہے۔

تقریباً یقین ہو چکا ہے کہ بریلویت، دیوبندیت کے درمیان ایک تیسرا ملا جلا مسلک صلح کل والا بن چکا ہے۔

اس مدرسہ کی اپنی اتنی مضبوط پہچان ہے کہ یہاں دار القضاء، دارالافتاء اور امارت شرعیہ ہے،عوام الناس رجوع ہوتی ہے، اسی غرض و غایت کے لئے کہ وہاں کا فیصلہ قبول ہے، اس میں تیسری راہ کی ہرگز کوئی حاجت نہیں ہے؛ لیکن اس کے باوجود خواہ مخواہ مداہنت سے کام لیا جاتا ہے، اب اس سلسلہ میں استفاء یہ ہے کہ

(۱) ہم اہل سنت والجماعت مسلک دار العلوم دیوبند کے حامیوں کیلئے اپنی اولاد کو اس مدرسہ میں داخل کرنا کیسا ہے؟

(۲) اس مدرسہ کا تعاون مالی اور جسمانی اعتبار سے کرنا کیسا ہے؟

(۳) زکوۃ اور چرم قربانی کا کیا یہ مدرسہ مصرف بن سکتا ہے؟ **ولاتعاونوا علی الإثم والعدوان** میں تو نہیں آئے گا؟

(۴) چونکہ صلح کل کی پالیسی ہے؛ اس لئے امراء اور سیاست داں اس ادارہ سے بہت خوش ہیں، بہت سے چھوٹے مدارس جو مکمل دارالعلوم کے نہج پر چل رہے ہیں، حلال وحرام کے بیان میں واضح نظریہ رکھتے ہیں، ان دونوں صنفوں میں کس ادارہ کو چندہ دیا جائے؟

(۵) بوقت ضرورت ایسے مدارس کے دارالافتاء سے فتوی طلب کیا جاسکتا ہے یانہیں؟ جبکہ اور شہر میں دارالافتاء ہیں جو کہ **لایخافون لومة لائم** کا نمونہ ہیں۔

(۶) اس ادارہ کے دار القضاء میں اپنے قضیات لیجائے جاسکتے ہیں یانہیں؟

(۷) چونکہ اس ادارہ کا ظاہر کچھ اور ہے باطن کچھ اور، تو کیا جن احباب کو اس کی اندرونی حقیقت معلوم ہو آنے والی نسل کو اس سے آگاہ کرنا کیسا ہے؟

حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم العالیہ ہم اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر حلفیہ بیان دیتے ہیں کہ اس ادارہ سے کوئی ذاتی دشمنی نہیں ہے، یہ مدرسہ مالی اور سیاسی قوت کے اعتبار سے اتنا آگے نکل چکا ہے کہ ان فتاوی کا اس پر اگر چہ کوئی اثر نہیں؛ لیکن ہم جیسے جاہلوں کے لئے آپ کے فتاوی باعث شرح صدر ہیں۔امید کہ مدلل جواب مرحمت فرما کر مستحق ثواب دارین ہوں گے۔

شادی بیاہ اور دیگر گھریلو تقریبات میں تصویر لینا کیسا ہے؟

جب ہم منع کرتے ہیں، تو کہتے ہیں کہ بڑے بڑے علماء سیرت پاک کے جلسوں میں مساجد، مدارس اور اداروں کے افتتاح کے مواقع پر ان کی تصاویر لی جاتی ہیں، اخبارات میں شائع کی جاتی ہیں اور علماء معذرت بھی طلب نہیں کرتے، کیا ان علماء کرام کے اس عمل کی وجہ سے تصویر کشی کے احکامات میں موجودہ زمانہ کی وجہ سے کچھ تخفیف ہوسکتی ہے؟ اس سلسلہ میں شریعت مطہرہ کا واضح نظریہ پیش فرمائیں مہربانی ہوگی۔ جزاک اللہ خیرا۔

المستفتی: محمد شفیق مفتاحی، امام جامع مسجد ٹمکور، بنگلور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ہم اتنی دور رہ کر وہاں کے مدارس کے بارے میں کوئی فیصلہ کن بات لکھ نہیں سکتے؛ اس سلسلہ میں وہاں کے مقتداء علماء اور معتبر مفتیان کرام سے رابطہ قائم کریں، حضرت مولانا مفتی شعیب اللہ صاحب بنگلور، حضرت مولانا مفتی اشرف علی صاحب مدرسہ سبیل الرشاد، مفتی زین العابدین صاحب مدرسہ شاہ ولی اللہ، مفتی افتخار صاحب وغیرہ، ان حضرات سے مشورہ کر کے جو صحیح بات مناسب ہو، اسی پر عمل کیا کریں۔

گھریلو تقریبات اور بیاہ شادی میں تصویر کشی بے ضرورت ہے؛ اس لئے تصویر کشی کا گناہ جو حدیث شریف میں وارد ہے، اس کا ارتکاب لازم آئے گا۔

عن عائشةؓ قالت: دخل عليّ رسول الله صلى الله عليه وسلم: وأنا متسترة بقرام فيه صورة، فتلون وجهه، ثم تناول الستر فهتكه، ثم قال: إن من أشد الناس عذابًا يوم القيامة، الذين يشبهون بخلق الله.
(صحيح مسلم، باب لا تدخل الملائكة بيتًا فيه كلب ولا صورة، النسخة الهندية ٢/ ٢٠٠، بيت الأفكار رقم: ٢١٠٧)

ہاں البتہ ملکی اور سماجی پروگرام میں تصویر کشی اور ویڈیو، ٹیلی کاسٹ کرنے کا حکم ضرورت کی وجہ سے الگ حیثیت رکھتا ہے، جس کے بارے میں بنگلور کے سمینار کی تجاویز

کا ملاحظہ بہتر ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ /ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸/ ۱۰۰۱۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۴/۷ھ

نیک کاموں کی تصاویر اخبار میں شائع کرانا

سوال [۱۱۰۹۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بعض مخیّر حضرات یا بعض مدارس کے ناظمین ومہتممین یا دینی وفلاحی تنظیموں کے ذمہ داران مالی اعتبار سے ادارہ یا طلبہ یا غریب عوام کی امداد مختلف انداز میں کرتے ہیں، پھر اس پوری کارروائی کو مع تصویر اخبارات ورسائل میں شائع کراتے ہیں، معلوم یہ کرنا ہے کہ کیا اسطرح کے نیک کاموں کو اخبارات ورسائل وغیرہ میں مع تصویر شائع کرانے کی اسلام میں اجازت ہے؟

المستفتی: حامد حسین قاسمی، خیرالدین ہال بازار، امرتسر (پنجاب)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ضرورت کی وجہ سے تصویر کھنچوائی جائے تو فی نفسہ تصویر کھنچوانا ممنوع ہونے کے باوجود ضرورت کی وجہ سے تصویر کھنچوانے کی گنجائش ہے، جیسا کہ پاسپورٹ، ایڈنٹی کارڈ، اسکولوں اور مدارس کے داخلہ فارم میں یا سرکاری کام کے فارم کے لئے تصویر کھنچوانے کی گنجائش ہے۔

الضرورات تبيح المحظورات. (الأشباه والنظائر قديم ١٤٠)

اسی طرح قومی اور اجتماعی ضرورت کے لئے بھی تصویر کھینچوانے کی گنجائش ہے؛ لہٰذا اگر مسلمان اور اسلام کے خلاف غیروں کی طرف سے سازش ہورہی ہو اور اس سازش کے خلاف مسلمان اجتماعی طور پر احتجاج کرتے ہیں اور احتجاج کی تشہیر کے بغیر مسلم دشمن طاقتوں

پر کوئی اثر نہیں پڑسکتا ہے، تو ایسے حالات میں اس احتجاج کی تشہیر، پاسپورٹ، ایڈنٹی کارڈ وغیرہ کی انفرادی ضرورت کے مقابلہ میں زیادہ ضرورت کی چیز ہے ؛ اس لئے ایسے پروگراموں کے خطیبوں کی تصویر اور تقریری مجمع کی تصویر اجتماعی ضرورت کے لئے معاون ثابت ہوتی ہے؛ لہٰذا مسلمانوں کے سماجی وسیاسی پروگراموں میں تصویر اور تشہیر کی ضرورت پاسپورٹ اور ایڈنٹی کارڈ اور اسکولوں میں داخلہ فارم کے لئے تصویر کی ضرورت سے کم درجہ کی ضرورت نہیں؛ کیونکہ یہاں پر اصل مقصد تصویر نہیں؛ بلکہ مسلمانوں کی باتوں کو باوزن بنانا ہے۔ (مستفاد: ایضاح المسالک ۱۳۴)

لیکن اس کا بہت لحاظ رکھا جائے کہ ایسا احتجاجی پروگرام جس کی تشہیر کی ضرورت ہے مساجد میں نہ کیا جائے اور دینی اصلاحی پروگرام میں تصویر کشی، ویڈیو فلم وغیرہ کو ہم جائز نہیں سمجھتے ہیں۔ نیز دینی اصلاحی پروگرام اور وعظ وتقریر کی تشہیر کی ایسی ضرورت نہیں ہے، جس کے ذریعہ سے باطل طاقتوں کو مؤثر کیا جائے۔ اب اس تفصیل کے بعد سوال نامہ کے دونوں سوالوں کے پیش نظر تصویر شائع کرانے والے سے معلوم کیا جائے کہ ان کی ضرورت کس خانہ میں داخل ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸؍صفر المظفر ۱۴۳۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۰۲۹۹/۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۲/۲۸ھ

داخلہ فارم کے لئے فوٹو بنوانا

سوال [۱۱۰۹۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بعض مدارس اسلامیہ کی منتظمہ نے یہ اصول ضوابط میں داخل کیا ہے کہ طلبہ تصویر کشی کراکے فارم داخلہ پر چسپاں کر کے دفتر میں جمع کریں، تو کیا طلباء کو تصویر کشی کی اجازت شریعت کی جانب سے ہے؟

المستفتی: جمیل احمد بستوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر طلباء کے فوٹو کے بغیر بدنظمی ہوتی ہے، تو ضرورۃً فوٹو بنوالینا مباح ہے، جیسا کہ پاسپورٹ وغیرہ کی ضرورت سے فوٹو بنوالینا جائز ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۲۳۱، جدید زکریا مطول ۱۳/ ۴۷-۴۴)

أما إتخاذ الصورة الشمسية للضرورة، أو الحاجة كحاجتها في جواز السفر، وفي التاشيرة، وفي البطاقات الشخصية، أو في مواضع يحتاج فيها إلى معرفة هوية المرء، فينبغي أن يكون مرخصًا فيه. (تكملة فتح الملهم، باب تحريم تصوير صورة الحيوان، الصورة عند الحاجة، اشرفية ديوبند ٤/ ١٦٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳ ر رمضان المبارک ۱۴۰۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۵/ ۱۴۲۲)

شناختی کارڈ بنوانے کے لئے فوٹو کھنچوانا

سوال [۱۱۰۹۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حکومت ہندوستان نے قانون بنایا دیا ہے کہ ہر ہندوستانی باشندے کے لیے شناختی کارڈ بنانا اور رکھنا ضروری ہے، جس کے پاس شناختی کارڈ نہیں ہوگا، اس کی شہریت مشکوک اور حق رائے دہی سے محروم کیا جاسکتا ہے؟ تو کیا اس مجبوری کے تحت مسلمان عورتوں کو شناختی کارڈ بنوانے کے لئے فوٹو کھنچوانا جائز ہے؟ شریعت کے حکم سے مطلع فرمایا جائے۔

المستفتی: نسیم ساغر شمسی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب ایک ملک میں شہری بن کر رہنا ہے اور اس سے کسی کو مفر نہیں ہے، تو اس ملک کے قانون پر عمل کرنا ہر شخص پر لازم ہوتا ہے، اور قانون کی

خلاف ورزی ایک مستقل جرم ہے، جس کی سزا نا قابل برداشت بھی ہوسکتی ہے۔ اب جب ہمارے ہندوستان میں ہر شخص کا اپنا حق شہریت ثابت کرنے کے لئے شناختی کارڈ بنوانے کا قانون بن چکا ہے اور شناختی کارڈ فوٹو کے بغیر بن نہیں سکتا، تو ایسے ناگزیر حالات میں تمام مسلمان مردوں اور عورتوں پر شرعی طور پر بھی لازم ہے کہ وہ اپنے شناختی کارڈ بنوانے کے لئے فوٹو کھنچوائیں کوئی مسلمان اس معاملہ میں قطعًا غفلت نہ برتے، کہ جس کا خمیازہ بھگتنا پڑ جائے؛ اس لئے تمام مسلمان اس معاملہ میں خبردار ہیں۔ (مستفاد: ایضاح المسالک ۱۱۲-۱۳۴، فتاوی محمودیہ قدیم ۱۷/۳٦٦، جدید ڈابھیل ۱۹/۴۹٦-۴۹۷، جواہر الفقہ قدیم ۳/۲۳۳، جدید زکریا ۷/۲۵۷)

أما إتخاذ الصورة الشمسية للضرورة، أو الحاجة كحاجتها في جواز السفر، وفي التاشيرة، وفي البطاقات الشخصية، أو في مواضع يحتاج فيها إلى معرفة هوية المرء، فينبغي أن يكون مرخصًا فيه. (تكملة فتح الملهم، باب تحريم تصوير صورة الحيوان، الصورة عند الحاجة، اشرفية ديوبند ٤/١٦٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲ر رجب المرجب ۱۴۲۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳٦/۷۳۳۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۲/۷/۱۴۲۲ھ

پاسپورٹ وداخلہ فارم وغیرہ کے لئے فوٹو کھنچوانا

سوال [۱۱۰۹۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ فوٹو کے مسئلے پر وضاحت فرمائیں: فی زمانہ فوٹو کی ضرورت پہلے کے مقابلہ میں بہت زیادہ بڑھ گئی ہے؟ ملازمت کے لئے سرکاری محکموں میں فوٹو کی ضرورت، پاسپورٹ کے لئے فوٹو کی ضرورت، شناختی کارڈ کے لئے فوٹو کی ضرورت، اسکولوں، کالجوں اور انسٹیوٹ میں داخلے کے لئے فوٹو کی ضرورت، بینک کے کھاتے کے لئے فوٹو کی ضرورت، ڈرائیونگ لائسنس کے فوٹو اب ایک ناگریز ضرورت بن گئی ہے، اس ضرورت کو ہم کہاں

لے جائیں؟ اس سے مفرنہیں۔ ایک مسلمان فوٹوگرافی کی دوکان کھول کرعوام الناس کی اس اہم ضرورت کو پورا کررہا ہے، کیا اس کوشریعت اس ذریعۂ معاش کی اجازت دے سکتی ہے؟ جبکہ دیگرفنون کی طرح فوٹوگرافی بھی ایک فن ہے۔ بینوا توجروا۔

نوٹ: اگرندائے شاہی میں گنجائش ہو، تواس کے ذریعہ جواب عنایت فرمائیں تاکہ دیگراحباب کوبھی فائدہ پہنچے، جوابی لفافہ بھی ارسال خدمت ہے۔

المستفتی: شفیق احمد غازی آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: پاسپورٹ اورایڈنٹی کارڈ کے لئے اپنا فوٹو کھنچوانا ضرورت کی وجہ سے علماء نے جائز لکھا ہے، اسی طرح اسکولوں، کالجوں، یونیورسیٹوں میں داخلہ کے لئے اور بینک میں کھاتہ کھولنے کے لئے اسی طرح لائسنس وغیرہ کے لئے، جائداد کی خرید وفروخت میں فوٹو لگانے کے لئے، مدارس میں داخلہ کے لئے اورفارم پرفوٹو لگانے کے لئے فوٹو کھنچوانا ضرورۃً جائز ہے؛ لہٰذا ان کاموں کے لئے فوٹو کھینچنا بھی جائز ہے اوران کاموں کے لئے فوٹو کھینچ کراجرت لینا بھی جائز ہے؛ لیکن ایک مسلمان کے لئے محض فوٹو گرافی کوذریعۂ معاش بنالینا غیرمناسب ہے۔ (مستفاد: ایضاح المسالک ۱۱۲-۱۳۴)

أما إتخاذ الصورة الشمسية للضرورة، أو الحاجة كحاجتها في جواز السفر، وفي التاشيرة، وفي البطاقات الشخصية، أو في مواضع يحتاج فيها إلى معرفة هوية المرء، فينبغي أن يكون مرخصًا فيه.

(تكملة فتح الملهم، باب تحريم تصوير صورة الحيوان، الصورة عند الحاجة، اشرفية ديوبند ٤/ ١٦٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍ربیع الثانی ۱۴۲۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷/ ۸۸۰۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۴/۲۳ھ

داخلۂ امتحان کیلئے لڑکے ولڑکیوں کا فوٹو کھنچوانا

سوال [۱۱۰۹۶]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ لڑکوں اور لڑکیوں کو قانونی اعتبار سے تصویر کھنچانا ضروری ہے، اسکول اور کالج وغیرہ کے لئے اور داخلہ کے امتحان کے لئے شرعی حکم کیا ہے؟ لڑکے اور لڑکیوں کے احکام مفصل قرآن وحدیث کی روشنی میں تحریر فرمائیں۔

المستفتی: سعید احمد سیوانی، مدرسہ مظاہر العلوم، سہارن پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تصویر کھنچانا مطلقاً حرام ہے، ہاں سخت مجبوری اورضرورت کی بنا پر پاسپورٹ اور شناختی کارڈ وغیرہ کے لئے کھنچانا مباح ہے، لڑکے اورلڑکیوں کے لئے مباح اورحرام ہونے میں حکم یکساں ہے؛ لہٰذا محض شوق کے لئے تصویر کھنچانا جائز نہیں۔ (مستفاد: ایضاح المسالک ۱۱۳، کفایت المفتی قدیم ۹/۲۴۳، جدید مطول ۱۳/۴۴، جواہر الفقہ قدیم ۳/۲۳۲، جدید زکریا ۷/۲۵۶، فتاوی محمودیہ قدیم ۱۴/۴۲۴، جدید ڈابھیل ۱۹/۴۶۹)

وإن تحققت الحاجة إلى استعمال السلاح الذي فيه تماثل ،فلا بأس باستعماله؛ لأن موضع الضرورة مستثناة من المحرمة كما في تناول المحرمة. (شرح سير كبير بحواله جواهر الفقه، قديم۲/۲۳۲، جديد زكريا۷/۲۵٦=۲۵۷)

أما إتخاذ الصورة الشمسية للضرورة، أو الحاجة كحاجتها في جواز السفر، وفي التاشيرة، وفي البطاقات الشخصية، أو في مواضع يحتاج فيها إلى معرفة هوية المرء، فينبغي أن يكون مرخصًا فيه. (تكملة فتح الملهم، باب تحريم تصوير صورة الحيوان، الصورة عند الحاجة، اشرفية ديوبند ٤/١٦٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/رجب المرجب ۱۴۱۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۲/۴۹۴۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۷/۷/۱۴۱۷ھ

پاسپورٹ اور شناختی کارڈ کے لئے تصویر کشی

سوال [۱۱۰۹۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جوائنٹ چیریٹی کمشنر ناگپور نے بڑی مسجد ٹرسٹ کے دیرینہ تنازعات کو فیصل فرماتے ہوئے سات نفری ایک عارضی ٹرسٹی کمیٹی بنا کر اسے حکم دیا ہے کہ بائی لاز کے مطابق عام ممبر سازی کر کے ایک منتخب شدہ ٹرسٹی کمیٹی کا انتخاب کرا کے ٹرسٹ کا چارج اسے سونپ دے؛ لہٰذا جج موصوف کے حکم کے مطابق مقامی اخبار میں عام اعلان چھپوا کر ممبر شپ کے لئے درخواستیں طلب کی گئیں، ٹرسٹی کمیٹی نے اپنی معلومات کی روشنی میں اور ایک ذیلی کمیٹی کی مدد سے موصول شدہ درخواستوں کی فرداً فرداً تصدیق کی اور ۵۹۲؍ ممبران بنا لیے۔ ممبر سازی چونکہ شخصی تصدیق پر مبنی تھی؛ اس لئے عرضداروں سے ان کے فوٹو طلب نہیں کئے؛ کیونکہ اسوقت اس کی ضرورت نہ تھی۔

اب جج موصوف کا دوسرا حکم یہ ہے کہ ایک قابل اور مذہب کے لائق شخص کو الیکشن آفیسر مقرر کر کے، اس کے ماتحت اور زیر نگرانی الیکشن کرا دیا جائے، الیکشن آفیسر ایک ایسا شخص ہونا چاہئے، جس کا ٹرسٹ کے معاملات سے دور نزدیک کا کسی طرح کا کوئی تعلق نہیں ہونا چاہئے، ٹرسٹی کمیٹی نے ایک ایسے ہی شخص کو الیکشن آفیسر مقرر کر دیا ہے۔

اب مسئلہ یہ پیدا ہوا ہے کہ الیکشن آفیسر چونکہ ممبران سے واقف نہیں ہے؛ اس لئے ووٹنگ کے وقت صرف نام اور پتے کی بنیاد پر ممبران کی قطعی شناخت کس طرح کریں گے۔ ٹرسٹی کمیٹی کے ممبران الیکشن کے دوران الیکشن کی جگہ اور اس کے اطراف میں قانوناً موجود نہیں رہ سکیں گے؛ اس لئے ممبران کی شناخت میں ان کی مدد نہیں لی جا سکتی؛ لہٰذا ٹرسٹی کمیٹی نے طے کیا ہے کہ ممبران کے شناختی کارڈ تیار کروا لئے جائیں اور ایک فوٹو الیکشن فہرست پر ممبر کے نام کے آگے چسپاں کر کے الیکشن آفیسر کے سپرد کر دی جائے، اس کی اطلاع تمام ممبران کو ایک مراسلہ مؤرخہ ۱۵؍ مئی ۲۰۰۴ء کے ذریعہ دیدی گئی ہے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ الیکشن آفیسر کے فرائض منصبی کی ادائے گی میں مدد کرنے کے لئے اور ممبران کی صحیح شناخت کی قانونی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے اور ہر قسم کی بدانتظامی اور جعلی (بوگس) ووٹنگ کے سدباب کے لئے اور صاف ستھرا منصفانہ الیکشن کرانے کے لئے ممبران سے ان کے شناختی کارڈ تیار کرنے کے لئے ان سے فوٹو مانگنا شرعاً کیسا ہے؟

المستفتی: نذیر انصاری، سکریٹری، ایڈہاک، ٹرسٹی کمیٹی، مومن پورہ، ناگ پور-۱۸

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: پاسپورٹ اور شناختی کارڈ کے لئے فوٹو کھنچوانا جائز اور درست ہے؛ اس لئے مذکورہ صورت میں شناختی کارڈ طلب کرنے کی گنجائش ہے۔ (مستفاد: ایضاح المسالک ۱۳۵)

أما إتخاذ الصورة الشمسية للضرورة، أو الحاجة كحاجتها في جواز السفر، وفي التاشيرة، وفي البطاقات الشخصية، أو في مواضع يحتاج فيها إلى معرفة هوية المرء، فينبغي أن يكون مرخصًا فيه.

(تكملة فتح الملهم، باب تحريم تصوير صورة الحيوان، الصورة عند الحاجة، اشرفية ديوبند ٤/ ١٦٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷/ ۸۳۷٦)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۵/۵/۱۴۲۵ھ

کارٹون بنانے کا حکم

سوال [۱۱۰۹۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آج کل شخصیتوں کی طرف اشارہ کرنے کے لئے کارٹون بنائے جاتے ہیں، جس میں انسانی خدوخال ظاہر نہیں ہوتا؛ لیکن اس شخصیت کی طرف اشارہ ہوجاتا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا کارٹون بنانا جائز ہے؟ یا یہ بھی تصویر سازی میں شمار ہوگا؟ اس کو بنانا اوراس سے ذریعہ آمدنی اختیار کرنا شرعاً کیا حکم رکھتا ہے؟ مدلل جواب تحریر فرمائیں۔

المستفتی: محمد قربان علی، ہری دوار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جن کارٹونوں کے سر موجود ہوں اگر چہ ان کے چہرے کے خدوخال ظاہر نہ ہوں وہ شرعاً تصویر کے دائرہ میں داخل ہیں، ان کا بنانا اوران کے ذریعہ کاروبار وغیرہ کرنا جائز نہیں ہے، عام تصویر سازی کے مقابلہ میں اس میں اورزیادہ برائی یہ ہے کہ اس میں ایک آدمی کی صورت بگاڑ کر اس کی توہین وتذلیل کی جاتی ہے۔

قال الله تعالىٰ: يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَومٌ مِنْ قَوْمٍ عَسَى اَنْ يَكُوْنُوْا خَيْرًا مِنْهُم. [الحجرات: ۱۱]

قال القرطبي: والسخرية الاستهزاء. (تفيسر قرطبي، دارالكتب المصرية القاهرة ١٦/٣٢٤، دار الكتب العلمية بيروت ١٦/٢١٣)

وقيد بالرأس؛ لأنه لا اعتبار بإزالة الحاجبين، أو العينين. (شامي، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها، زكريا ٢/٤١٨، كراچي ١/٦٤٨)

ولو قطع يداها، أو رجلاها لا ترفع الكراهة، وكذا لو أزيل الحاجبان، أو العينان. (مجمع الأنهر، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها، دار الكتب العلمية بيروت ١/١٨٩، مصرى قديم ١/١٢٦)

عن عبد الله بن مسعودؓ يقول: سمعت النبي صلى الله عليه وسلم: إن أشد الناس عذابًا عند الله يوم القيامة المصورون. (مسند أحمد بن حنبل ١/٣٧٥، رقم: ٣٥٥٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸ رربیع الاول ۱۴۳۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹/ ۱۰۳۲۲)

عورت کے نام رجسٹری کرانے میں تصویری اسٹامپ لگوانے کا حکم

سوال [۱۱۰۹۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسئلہ یہ ہے کہ گورنمنٹ نے قانون بنایا ہے کہ اگر رجسٹری عورت کے نام کرائی جائے، تو اسٹامپ کچھ کم لگتا ہے؛ جبکہ عورت کا فوٹو اسٹامپ پر بھی لگتا ہے، اسی طرح سرکاری رجسٹر پر بھی لگتا ہے۔ نیز ایک فوٹو رجسٹری آفس میں بھی کھینچا جاتا ہے؛ جبکہ دفتر میں بہت سے لوگ ہوتے ہیں، ان کے سامنے چہرہ کھولنا پڑتا ہے۔

غورطلب امر یہ ہے کہ کیا خرچ کچھ کم کرنے پر عورت کو غیروں کے سامنے بے پردہ کرنا درست ہے؟

المستفتی: محمد عثمان امروہوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر عورت کے نام رجسٹری کرانے میں واقعتاً پیسوں کی بچت ہوتی ہے تو اپنے پیسوں کی بچت کے لئے عورت کا فوٹو رجسٹری کے لئے لگانے کی گنجائش ہے، جیسا کہ شرعی شہادت دینے کے لئے غیرمحرم قاضی کے یہاں چہرہ کھولنے کی اجازت ہوتی ہے۔

أما إتخاذ الصورة الشمسية للضرورة، أو الحاجة كحاجتها في جواز السفر، وفي التاشيرة، وفي البطاقات الشخصية، أو في مواضع يحتاج فيها إلى معرفة هوية المرء، فينبغي أن يكون مرخصًا فيه. (تكملة فتح الملهم، باب تحريم تصوير صورة الحيوان، الصورة عند الحاجة، اشرفية ديوبند ٤/ ١٦٤)

فإنا أجمعنا على أنه يجوز النظر إلى وجهها لتحمل الشهادة.

(هـنـدية، كتـاب الشهادة، الباب الثاني، زكريا قديم ٣/ ٤٥٢، جديد ٣/ ٣٨٩)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ رجمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۶۷۰/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۵/۹ھ

فوٹوگرافی کی اجرت کا حکم

سوال [۱۱۱۰۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید فوٹو گرافر ہے اور فوٹو گرافی ہی اس کا ذریعہ معاش ہے، فوٹو گرافری کی آمدنی سے اپنے ہر قسم کے اخراجات پورے کرتا ہے، اس بارے میں مطلع فرمائیں کہ:

(۱) فوٹو کھینچنا۔

(۲) فوٹو کھنچوانا۔

(۳) فوٹو گرافری کا پیشہ کرنا۔

(۴) اس کی آمدنی سے اپنے اخراجات پورے کرنا یہ سب کیسا ہے؟ اگر اس کی آمدنی حرام ہے، تو اس پیسے سے خریدے ہوئے لباس کا استعمال اور اس سے خریدی ہوئی خورد ونوش کی اشیاء کا کھانا، پینا کیسا ہے؟

(۵) کیا ایسے شخص کی نماز صحیح ہو جاتی ہے؟

(۶) ایسے شخص کے یہاں دعوت طعام پر کھانا کھانا اور اس سے اپنی لڑکی کی شادی بیاہ کرنا کیسا ہے؟

(۷) کیا اس کی کمائی ہوئی آمدنی کے جائز ہونے کی کوئی صورت ہوسکتی ہے یا نہیں؟

(۸) نیز مطلع فرمائیں کہ فوٹو کھنچوانا کس کس صورت میں جائز ہے؟

اس مسئلہ کے تمام گوشوں کا جواب باصواب بے تکلف ہوکر قدرے تفصیل کے ساتھ مرحمت فرمائیں اور عنداللہ ماجور ہوں۔

المستفتی: محمد عباس، ہلدوانی، نینی تال (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱/۲) بغیر ضرورت شدیدہ فوٹو کھینچنا، کھنچوانا ناجائز اور حرام اور گناہ کبیرہ ہے اور سخت ترین عذاب الٰہی کا خطرہ ہے۔

عن عبد الله بن مسعودؓ، قال: سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول: إن أشد الناس عذابًا عند الله يوم القيامة المصورون. (صحيح البخاري، باب عذاب المصورين يوم القيامة، النسخة الهندية ۲/ ۸۸۰، رقم:۵۷۱۷، ف:۵۹۵۰)

تصوير صورة الحيوان حرام أشد التحريم، وهو من الكبائر. (عمدة القاري، باب عذاب المصورين يوم القيامة، زكريا ۱۵/ ۱۲٤، دار إحياء التراث العربي ۲۲/ ۷۰، تحت رقم الحديث: ۵۹۰)

(۳) اس کا پیشہ اختیار کرنا ناجائز اور حرام ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی ۹/ ۲۴۵، جدید زکریا مطول ۱۳/ ۵۷، امداد الفتاوی ۴/ ۱۳۲)

ولو استأجر مصوراً فلا أجر له؛ لأن عمله معصية. (شامي، قبيل مطلب الكلام على إتخاذ المسبحة، زكريا ۲/ ٤۲۰، كراچي ۱/ ٦۵۰، حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، دار الكتاب ديوبند ۱/ ۳٦۳، النهر الفائق، دار الكتب العلمية بيروت ۱/ ۲۸۵)

(۴) اس کی آمدنی امام ابوحنیفہؒ اور امام کرخی کے نزدیک حلال ہے اور صاحبین کے نزدیک مکروہ ہے اور امام کرخی کے قول پر ہی فتویٰ ہے۔

لو آجره دابة لينقل عليها الخمر، أو آجره نفسه ليرعى له الخنازير يطيب له الأجر عنده وعندهما يكره. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، باب الإستبراء وغيره، زكريا ۹/ ٥٦۲، كراچي ٦/ ۳۹۲)

رجل اکتسب مالا من حرام، ثم اشتری، فهذا علی خمسة أوجه: أما إن دفع تلک الدراهم إلی البائع أولاً ثم اشتری منه بها، أو اشتری قبل الدفع بها ودفعها، أو اشتری قبل الدفع بها ودفع غیرها، أو اشتریٰ مطلقاً ودفع تلک الدراهم، أو اشتریٰ بدراهم آخر ودفع تلک الدراهم (إلی قوله) وقال الکرخي: في الوجه الأول، والثاني لا یطیب، وفي الثلاث الأخیرة یطیب، وقال أبوبکر یطیب في الکل؛ لکن الفتوی الآن علی قول الکرخي دفعاً للحرج عن الناس. (شامي،، مطلب: إذا اکتسب حراما ثم اشتری علی خمسة أوجه، کراچي ۵/۲۳۵، زکریا۷/۴۹۰)

(۵)اس کی نماز صحیح ہوجاتی ہے۔

(۶)اس کی دعوت قبول نہ کرنا بہتر ہے۔

(۷) ضرورت پوری کرلیا کرے، پھر آمدنی کوقرض کی ادائے گی میں کردے۔

(مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۳۶۲/۶، ڈابھیل ۶۱/۱۸)

(۸) ضرورت شدیدہ مثلاً پاسپورٹ وغیرہ بنوانے کے لئے جائز ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۲۴۵/۹، جدید زکریا مطول ۴۴/۱۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱/محرم الحرام ۱۴۱۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۶۰۷/۲۵)

گڈے گڑیا کی شرعی حیثیت

سوال [۱۱۱۰۱]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بچوں کے کھلونوں میں گڑیا گڈے کی تصویریں بنی ہوئی ہوتی ہیں، تو کیا ایسے کھلونوں کو خریدنا اپنے گھر میں رکھنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد فراست علی، سرائے ترین، سنبھل (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: گڈے گڑیا ایک قسم کے مجسمے ہوتے ہیں اور حدیث شریف میں حضرت عائشہؓ کی گڑیا سے متعلق جو واقعہ مشہور ہے، یہ اس زمانہ کا ہے، جس زمانہ میں مجسمہ اور تصویر کشی وغیرہ کی ممانعت کا حکم نازل نہیں ہوا تھا، اور یہ سب غزوہ خندق اور غزوہ خیبر سے پہلے کی چیزیں ہیں، غزوہ خندق وخیبر کے بعد یہ ساری چیزیں ممنوع ہو چکیں، جیسا کہ شادی کے موقع پر دف بجانا بھی جائز تھا، وہ دف بجانا بھی منسوخ ہو چکا، شراب بھی جائز تھی وہ بھی منسوخ ہو چکی۔ (مستفاد: محمودیہ ڈابھیل ۱۹/۵۰۳، جواہر الفقہ جدید زکریا ۷/۲۵۰-۲۶۰)

قال أصحابنا وغيرهم من العلماء: تصوير صورة الحيوان حرام شديد التحريم، وهو من الكبائر؛ لأنه متوعد عليه بهذا الوعيد الشديد المذكور في الأحاديث سواء صنعه في ثوب، أوبساط، أو درهم، أودينار، أو غير ذلك، وأما تصوير الشجر، والرجل، والجبل وغير ذلك فليس بحرام، هذا حكم نفس التصوير، وأما إتخاذ المصور بحيوان، فإن كان معلقاً على حائط سواء كان له ظل أم لا، أو ثوبًا ملبوسًا، أو عمامة، أونحو ذلك فهو حرام. (مرقاة المفاتيح، مكتبه امدادية ملتان ۸/۳۲٦، شرح النووي للمسلم ۲/۱۹۹)

ويحمل أن يكون قضية عائشةؓ هذه في أول الهجرة قبل تحريم الصورة. (مرقاة المفاتيح، مكتبه امدادية ملتان٦/۲۰٦)

وادعي بعضهم أن إباحة اللعب بهن للبنات منسوخ بهذه الأحاديث. (مرقاة المفاتيح، مكتبه امدادية ملتان ۸/۳۲٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴/ ذی قعدہ ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۱/ ۱۱۷۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۱۱/۲۴ھ

چہرے والے آرڈر بنانا

سوال[۱۱۱۰۲]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرے پاس چہرے کا آرڈر ہے، میں اس مال کو بنا سکتا ہوں یا نہیں؟

المستفتی: ابوالکلام آزاد، کسرول مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حدیث شریف میں جاندار کی تصویر اور شکل بنانے پر سخت وعید آئی ہے؛ اس لئے مذکورہ آرڈر لے کر اس کی تصویر اور مجسمہ کی شکل بنانا قطعاً جائز نہیں۔(مستفاد: ایضاح النوادر ۱/۸۰)

عن عبد الله بن مسعودؓ، قال: سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول: إن أشد الناس عذابًا عند الله يوم القيامة المصورون. (صحيح البخاري، باب عذاب المصورين يوم القيامة، النسخة الهندية ۲/ ۸۸۰، رقم: ۵۷۱۷، ف: ۵۹۵۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/ رجب المرجب ۱۴۲۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸/ ۹۰۶۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴/ ۷/ ۱۴۲۷ھ

لوہا، پیتل ودیگر دھات کی مورتیاں بنانے کا حکم

سوال[۱۱۱۰۳]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ پیتل، المونیم، لوہا یا دیگر دھات کی مورتیاں انسان یا جانداروں کی شکل میں یا فحش ننگی ایک دوسرے سے چمٹی ہوئی مورتیاں بنانا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد یعقوب عرف چھوٹے بھائی، تکیہ شاہ علاء الدین، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: پیتل، المونیم، لوہا وغیرہ دھات کے مجسمے

انسان یا جانداروں کی شکل میں بنانا ناجائز اورحرام ہے اور بنانے والے پر سخت ترین عذاب الٰہی کا خطرہ ہے۔

حدیث پاک میں آیا ہے کہ قیامت کے دن جاندار کا مجسمہ بنانے والے پر سخت ترین عذاب ہوگا۔مزید جاندار کا مجسمہ بنانے کے ساتھ ایک دوسرے سے چمٹی ہوئی حالت میں بنانے میں اس سے بھی زیادہ عذاب الٰہی کا خطرہ ہے؛ اس لئے مسلمانوں کو ایسے مجسمے اورمورتیاں بنانے سے اپنے آپ کو دور رکھنے کی ضرورت ہے، روزگار کا مالک اللہ تبارک وتعالیٰ ہے اور اللہ پر بھروسہ کرکے ایسے کام کا آرڈر مسلمان ہرگز نہ لیا کریں اوراسے ٹھکراکر کسی اورکام کا آرڈر لیا کریں، اللہ پاک غیبی مدد فرمائیں گے۔(مستفاد: ایضاح النوادر ۱/۸۰، فتاوی محمودیہ ڈابھیل ۱۹/۴۷۲)

قال اللہ تعالیٰ: وَمَا مِنۡ دَآبَّةٍ فِي الۡاَرۡضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزۡقُهَا . [هود:٦]

عن عبد الله بن مسعودؓ، قال: سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول: إن أشد الناس عذابًا عند الله يوم القيامة المصورون. (صحيح البخاري، باب عذاب المصورين يوم القيامة، النسخة الهندية ٢/ ٨٨٠، رقم:٥٧١٧، ف: ٥٩٥٠، صحيح مسلم، باب لا تدخل الملائكة بيتًا فيه كلب ولا صورة، النسخة الهندية ٢/ ٢٠١، بيت الأفكار رقم: ٢١٠٩)

فظاهر كلام النووي في شرح مسلم: الإجماع على تحريم تصوير الحيوان. وقال وسواء صنعه لما يمتهن، أو بغيره، فصنعه حرام بكل حال؛ لأن فيه مضاهاة لخلق الله تعالىٰ سواء كان في ثوب، أو بساط، أودرهم أو دينار وحائط وغيرها. (شامي، باب ما يفسد الصلاة ما يكره فيها، زكريا ٢/ ٤١٦، كراچي ١/ ٦٤٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸ رمحرم الحرام ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰/۱۱۳۸۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۸/۱/۱۴۳۵ھ

آرڈر باقی رکھنے کے لئے ایک آئٹم مجسم بنانا

سوال [۱۱۱۰۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بحالت مجبوری پیتل کے مجسمہ کا ایکسپورٹ کرنا مثلاً سات آئٹم غیر جاندار کے مجسمہ ہیں اور ایک مجسمہ جاندار کا ہے، جیسے ہاتھی کا مجسمہ اب اس ایک مجسمہ کی وجہ سے آرڈر کو کینسل کر دیتے ہیں، اس حالت میں ایکسپورٹ کرنا آیا جائز ہے یا ناجائز؟

المستفتی: محمد قاسم، امروہہ گیٹ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: بقیہ اشیاء کے آرڈر کو باقی رکھنا شرعی طور پر ایسا عذر نہیں ہے، جس کی وجہ سے مجسمہ جیسی حرام اشیاء کی تیاری کی گنجائش ہو سکے؛ اس لئے جائز نہیں ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے۔

عن عبد الله بن مسعودؓ يقول: قال سمعت النبي صلى الله عليه وسلم: إن أشد الناس عذابًا يوم القيامة المصورون. (صحيح مسلم، باب لا تدخل الملائكة بيتًا فيه كلب ولا صورة، النسخة الهندية ٢/ ٢٠١، بيت الأفكار رقم: ٢١٠٩)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ ذی قعدہ ۱۴۱۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱/ ۳۷۱۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۶/ ۱۱/ ۱۴۱۴ھ

پیتل کے جانور مورتی وغیرہ بنانے اوران کی تجارت کا حکم

سوال [۱۱۱۰۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) پیتل کے جانور، مورتی، مندر بنانا کیسا ہے؟

(۲) ان کوخرید کر بیچنا کیسا ہے؟ ایسی تجارت کرنا جائز ہے یا ناجائز؟

المستفتی: علی محمد، مقبرہ اول، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) پیتل، تانبا وغیرہ کسی بھی دھات سے جانور بنانا ناجائز اور حرام ہے۔ حدیث شریف میں اس کی سخت وعید آئی ہے اور مورتی بنانا اور مندر کے اندر کی چیزیں بنانا اور بھی زیادہ شدید گناہ اور عذاب الٰہی کا باعث ہے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۱/۸۰-۸۱، فتاوی محمودیہ قدیم ۱/۲۵۸، جدید ڈابھیل ۱۹/۴۷۰، جواہر الفقہ قدیم ۴/۴۰، جدید زکریا ۷/۲۴۶)

عن عبد الله بن مسعودؓ، قال: سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول: إن أشد الناس عذابًا عند الله المصورون. (صحيح البخاري، باب عذاب المصورين يوم القيامة، النسخة الهندية ۲/ ۸۸۰، رقم: ۵۷۱۷، ف: ۵۹۵۰، صحيح مسلم، باب لا تدخل الملائكة بيتًا فيه كلب ولا صورة، النسخة الهندية ۲/ ۲۰۱، بيت الأفكار رقم: ۲۱۰۹)

(۲) پیتل وغیرہ کے جانوروں کی تجارت اور اس کی خرید وفروخت کرنا بھی ناجائز اور ممنوع ہے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۱/۸۳)

إن ماقامت المعصية بعينه يكره بيعه تحريمًا. (در مختار، كتاب الحظر والإباحة، باب الإستبراء وغيره، زكريا ۹/ ۵۶۱، كراچي ۶/ ۳۹۱، الموسوعة الفقهية الكويتية ۹/ ۲۱۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ رجب المرجب ۱۴۲۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶/ ۷۷۶۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۸/۷/۱۴۲۳ھ

(۲۶) باب ٹیلی ویژن اورمیڈیا

دورحاضرمیں ٹیلی ویژن کاحکم

سوال [۱۱۱۱۰۶]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نظام الفتاوی میں ٹی وی شریعت کی نظر میں: ٹی وی کے پروگرام کے متعلق ایک ضابطہ درج ہے، وہ یہ ہے کہ وہ پروگرام جن کو بغیر کسی آلہ کے دیکھنا درست ہے، اس کو بذریعۂ آلہ بھی دیکھنا درست ہے اور جن کو بغیر کسی آلہ کے دیکھنا درست نہیں، ان کو بذریعۂ آلہ دیکھنا درست نہیں ہے، یہ ضابطہ سمجھ میں نہیں آرہا ہے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ اگر فٹ بال کھیل دکھایا جارہا ہو اور کھیلنے والے مردوں کا لباس بھی مکمل ہو یا کرکٹ کھیل ہورہا ہو اور نماز وغیرہ کے اوقات کی رعایت کرتے ہوئے دیکھا جائے، تو یہ شرعًا درست ہوگا یا نہیں؟ آیا اس سابق ضابطہ کے تحت ان پروگراموں کے دیکھنے کو جائز قرار دیا جائے یا پھر چونکہ تصویر ذی روح کو دیکھنا درست نہیں؛ اس لئے ان پروگراموں سے دیکھنے پر عدم جواز کا فتوی دیا جائے یا سدًّا للباب ان کے دیکھنے سے روکا جائے۔

المستفتی: مفتی عتیق الرحمٰن

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یہ ضابطہ دور حاضر کے لئے مناسب نہیں ہے، دور حاضر میں عمومی طور پر ناجائز پروگرام ہوتے ہیں۔ نیز کرکٹ فی نفسہ ممنوع کھیل ہے، اس لئے ٹی وی کے پروگراموں کے علاوہ صرف ٹی وی گھر میں رکھنا بھی ممنوع اور ناجائز ہوگا،

علت کچھ بھی ہواس زمانہ میں یہ چیزیں ام الفواحش ہیں؛ اس لئے ان چیزوں کا رکھنا مطلقاً سداًللباب ناجائز ہوگا۔ نیز درمختار کی عبارت کا تقاضہ بھی عدم جواز ہی کا ہے۔

استماع صوت الملاهي معصية، والجلوس عليها فسق، والتلذذبها كفر بالنعمة. (در مختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في اللبس، كراچي٦/٣٤٩، زكريا ٩/٥٠٤، تاتارخانية، زكريا١٨/١٨٩، رقم: ٢٨٤٦٦، هندية، زكريا قديم ٥/٣٥٢، جديد ٥/٤٠٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ ذی قعدہ ۱۴۱۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱/ ۴۲۱۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/۱۱/۲۳ھ

ٹیلی ویژن کا پروگرام عکس ہے یا تصویر؟

سوال [۱۱۱۰۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ٹیلی ویژن میں جو پروگرام آتے ہیں اوراس میں جو تصویریں نظر آتی ہیں، وہ فوٹو ہیں یا عکس؟ ازراہ کرم حکم شرعی سے آگاہ فرمادیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ٹیلی ویژن میں جو پروگرام آتے ہیں اوران میں جو تصویریں نظر آتی ہیں وہ فوٹو نہیں ہیں؛ بلکہ عکس ہیں اس لئے کہ ان کو دوام اور استقرار نہیں ہوتا؛ کیونکہ درحقیقت وہ بجلی کے ذرات ہوتے ہیں، جو کیمرے سے اسکرین کی طرف منتقل ہوتے رہتے ہیں اور پھر اسی اصلی ترتیب سے اسکرین پر ظاہر ہوتے رہتے ہیں اور پھر زائل اورفناء ہوجاتے ہیں؛ لہٰذا ان پر ثابت اور مستقر تصویر کا حکم نہیں لگایا جا سکتا۔ (مستفاد: فقہی مقالات ۱۳۲/۴، درس ترمذی ۳۵۱/۲)

أما الصورة التي ليس لها ثبات واستقرار وليست منقوشة على شيئ

بصفة دائمة، فإنها بالظل أشبه. (تكلمه فتح الملهم، كتاب اللباس والزينة، التلفزيون، اشرفيه ديوبند ٤/ ١٦٤)

لا تحرم المنظور إلي فرجها الداخل إذا رآه من مرآة، أو ماء؛ لأن المرئي مثاله بالانعكاس لاهو. وتحته في الشامية: يشير إلى ما في الفتح الماء من الفرق بين الرؤية من الزجاج، والمرآة وبين الرؤية في الماء، ومن الماء حيث قال: كأن العلة والله سبحانه وتعالىٰ أعلم أن المرئي في المرآة مثاله لا هو. (شامي، زكريا ٤/ ١١٠، كراچي ٣/ ٣٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲/ ربیع الاول ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف خاص ۴۰/ ۱۱۴۵۶)

بچوں کو ٹیلی ویژن اور ویڈیو سے منع کرنا

سوال [۱۱۱۰۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں امام ہوں بچوں کو پڑھاتا ہوں اور جو بچہ .T.V اور ویڈیو دیکھنے کا شوق رکھتا ہے؛ اس پر تنبیہ کرتا ہوں تو اس کے ماں باپ مجھ سے بحث کرنے کے لئے آتے ہیں؛ اس لئے آپ کی اس بارے میں کیا رائے ہے؟ اور آپ کیا منظوری دیں گے؟ آپ حق و باطل کو دیکھتے ہوئے اس کا جواب دیں کہ ان کے ساتھ کس طرح کا برتاؤ کرنا چاہئے؟ ان کو پڑھایا جائے کہ نہیں؟

المستفتی: قاری محمد عرفان، مکان نمبر ۸۵، گلی نمبر ۳۰، اندراچوک، دہلی-۵۳

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آپ بچوں کو اور ماں باپ کو نرمی و پیار اور محبت و حکمت سے سمجھائیں۔ انشاء اللہ بحث ومباحثہ کی نوبت نہیں آئے گی۔

كما قال الله تعالىٰ: ادْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ. [سورة النحل: ١٢٥] فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍شوال المکرّم ۱۴۰۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۳؍۳۱۳)

گھر میں ریڈیو اور ٹیلی ویژن رکھنا

سوال [۱۱۱۰۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ٹیلی ویژن اور ریڈیو کا شرعاً کیا حکم ہے؟ جبکہ ہندوستان میں ہمارے برادران وطن اس کو اپنے مذہب کی اشاعت کے لئے استعمال کرتے ہیں، جس کا اثر نونہال ملت پر پڑتا ہے۔ از راہ کرام بالتفصیل وبا حوالہ جواب عنایت فرمائیں نوازش ہوگی۔

المستفتی: عبید الرحمٰن، پیرزادہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس ٹیلی ویژن .T.V ریڈیوں میں ناچ گانا کھیل تماشا اور مرد وعورت کی تصویریں آتی ہوں، اس کا خریدنا گھر میں چالو کرنا عزیز واقارب کے مرد وعورتوں کو بیٹھ کر دیکھنا اور لذت حاصل کرنا سب حرام اور گناہ کبیرہ اور خدائی وعید وعذاب کا سخت خطرہ ہے، جس طرح شراب کو ام الخبائث کہا گیا ہے، اسی طرح ٹیلی ویژن، ام الفواحش اور بے حیائیوں کی جڑ ہے۔ (مستفاد: جدید فقہی مسائل ۱؍۲۰۱)

التغني واستماعها كل ذلك حرام (وقوله) وضرب الدف، وجميع أنواع الملاهي حرام. (فتاوى عزيزى ١/ ٦٦)

ودلت المسئلة أن الملاهي كلها حرام؛ لقوله عليه الصلوة والسلام: استماع الملاهي معصية، والجلوس عليها فسق، والتلذذ بها

کفر أي بالنعمة. (الدر المختار، کتاب الحظر والإباحة، قبیل فصل في اللبس، مطبوعة کوئٹہ ٥/٢٤٦، کراچي ٦/٣٤٩، زکریا ٩/٥٠٤، الفتاوی التاتارخانیة، زکریا۱۸ ۱/۱۸۹، رقم: ٢٨٤٦٦، هندیة، زکریا قدیم ٥/٣٥٢، جدید ٥/٤٠٦، فتاوی عزیزی ١/٦٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ / جمادی الاولیٰ ۱۴۰۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۴ / ۱۳/ ۷)

قومی وملی ضرورت کے لئے ٹیلی ویژن میں پروگرام

سوال [۱۱۱۱۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قومی وملی ضرورت کے لئے قومی وملی پروگرام ٹیلی ویژن میں دینا کیسا ہے، جس سے قوم اور حکومت کو معلوم ہوجائے کہ قومی وملی کیا پروگرام ہورہا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قومی وملی ضرورت کے پیش نظر ٹیلی ویژن میں قومی وملی پروگرام دینا جائز ہے تاکہ قوم اور حکومت کو معلوم ہوجائے کہ قومی وملی پروگرام کیوں کیا جارہا ہے؟

الحاجة تنزل منزلة الضرورة عامة کانت أو خاصة. (الأشباہ والنظائر، زکریا ١/٢٦٧)

الضرورات تبیح المحظورات. (الأشباہ والنظائر، زکریا ١/٢٥١)
فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳/ صفر المظفر ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف خاص ۴۰ / ۱۱۴۴۰)

دینی پروگرام کے لئے ٹیلی ویژن کا حکم

سوال [۱۱۱۲۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ٹیلی ویژن میں خالص دینی پروگرام کا دیکھنا شرعًا کیسا ہے؟ جب کہ اس میں نامحرم کی تصویر اور کوئی فحش پروگرام نہ ہو؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ٹیلی ویژن میں خالص دینی پروگرام کا دیکھنا جب کہ اس میں کسی نامحرم کی تصویر اور کوئی فحش پروگرام نہ ہو جائز اور مباح ہے، جیسا کہ فیکٹری وغیرہ میں مالک نے ملازمین کی نگرانی اور چور وغیرہ پر نگاہ رکھنے کے لئے کیمرہ لگا لیا ہو تو اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ (مستفاد: فقہی مقالات ۴/۱۳۳، درس ترمذی ۵/۳۵۱، آپ کے مسائل اور ان کا حل جدید زکریا ۸/۴۳۵)

الأمور بمقاصدها. (الأشباه والنظائر، زكريا ص: ١٠٢)

إذا كان التلفزيون، أو الفيديو خاليًا من هذه المنكرات بأسرها؛ هل يحرم بالنظر إلى كونه تصويرًا؟ فإن لهذا العبد الضعيف –عفا الله عنه– فيه وقفة، وذلك لأن الصّورة المحرمة ما كانت منقوشة، أومنحوتةً بحيث يصبح لها صفة الاستقراء على شيئ، وهي الصور التي كان الكفار يستعملونها للعبادة، أماالصورة التى ليس لها ثبات واستقرار، وليست منقوشة على شيئ بصفةٍ دائمةٍ، فإنها بالظل أشبه منها بالصورة. (تكملة فتح الملهم، كتاب اللباس والزينة، التلفزيون، اشرفية ديوبند ٤/١٦٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰؍صفر المظفر ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف خاص ۴۰/۱۱۴۳۹)

ٹی وی میں اسلامی وغیر اسلامی پروگرام دیکھنا

سوال [۱۱۱۱۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) ٹی وی میں مطلقاً پروگرام دیکھنا کیسا ہے؟

(۲) ٹی وی میں اسلامی پروگرام دیکھنا کیسا ہے؟ اگر جائز ہے تو اور ناجائز ہے تو دہلی میں جمعیۃ علماء ہند کے پروگرام میں جو پردہ لگایا گیا تھا، اس کی حیثیت کیا ہے؟

المستفتی: ریاض الدین، کولکاتہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) ٹی وی میں زیادہ تر فحاشی اور عریانیت اور مخرب اخلاق پروگراموں کا غلبہ ہوتا ہے، اور ٹی وی سے زیادہ تر معاشرہ جن شرمناک حرکتوں میں ملوث ہے، وہ ناقابل بیان ہیں؛ اس لئے ٹی وی کا گھر میں رکھنا اور اس کے پروگراموں کا دیکھنا شرعًا ناجائز ہے۔ (مستفاد: تجاویز فقہی اجتماع، ادارۃ المباحث الفقہیہ، بنگلور)

(۲) ٹی وی میں اسلامی اور جائز پروگراموں کا دیکھنا شرعًا اس کی اجازت نہیں دی جاسکتی؛ اس لئے کہ جہاں اسلامی اور جائز پروگراموں کو دیکھا جاتا ہے، وہاں ناجائز پروگراموں سے بچنا ناممکن ہے؛ اس لئے اسلامی اور جائز پروگراموں کی بھی مطلقاً اجازت کا اعلان درست نہیں ہے۔

اور جمعیۃ علماء ہند کے پروگرام میں جو پردہ لگایا گیا تھا، اس کی حیثیت کیا ہے، وہاں کے ذمہ داروں سے معلوم فرمائیے۔ احقر بھی اس پروگرام میں شریک ہوا تھا، اور دور دور کالے پردے نظر تو آئے تھے؛ لیکن وہ پردہ کیوں لگایا تھا؟ ہمیں معلوم نہیں تھا بعد میں لوگوں نے بتایا کہ اس میں پروگرام نظر آرہا تھا اور اس پروگرام کے اندر چند مطالبے ایسے تھے، جو مسلمانوں اور شریعت کے لئے بنیادی حیثیت رکھتے ہیں، مثلاً قرآن کریم کی بے حرمتی کی مخالفت کا اعلان اور بے حرمتی کرنے والوں کو سزا دینے کا مطالبہ، اسی طرح پوٹا قانون کے

تحت بی جی پی حکومت نے جن مظلوم و بے قصور مسلمانوں کو گرفتار کرر کھا تھا، ان کے چھڑانے کا مطالبہ اور حکومت کو اس کی طرف توجہ دلانے کا مطالبہ، اسی طرح حکومت ہند سے مسلمانوں کو ریزویشن دینے کے مطالبے ایسے ضروری اور اہم چیزیں ہیں، جن کا پورے ملک میں چرچا ہونا اور حکومت کے ذمہ داروں تک پہونچانا نہایت ضروری تھا، پھر بھی اصل حیثیت کا صحیح جواب وہاں کے ذمہ داران دے سکتے ہیں؛ اس لئے سائل اگر ضرورت محسوس کرے تو وہاں کے ذمہ داروں سے رابطہ قائم کرے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۷/۸۸۳۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۶/۶/۲ھ

ٹی وی پر حج کا پروگرام دیکھنا

سوال [۱۱۱۱۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ٹی وی پر حج کے پروگرام دیکھنا، نیز ٹی وی سے حج سیکھنا کیسا ہے؟

المستفتی: زوار احمد، مال پوری جے پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ٹی وی سے حج کا سیکھنا کسی طرح بھی ممکن نہیں؛ اس لئے کہ حج کے مسائل نہایت اہم ہیں پڑھے لکھے افراد سے چار چار، پانچ پانچ مرتبہ حج کرنے کے باوجود امورِ حج میں غلطیاں واقع ہوجاتی ہیں اور حج کے موضوع پر چھوٹی بڑی بہت سی کتابیں لکھی جاچکی ہیں، ان کتابوں سے جو معلومات فراہم ہوسکتی ہیں، وہ ٹی وی دیکھ کر معلوم نہیں ہوسکتیں؛ اس لئے یہ بیجا دلیل ہے؛ لہٰذا اس بہانہ سے ٹی وی دیکھنے کی گنجائش نہیں۔ نیز اللہ تعالیٰ نے عبادت اور دین کو آلۂ لہو ولعب سے اختلاط کرنے سے منع فرمایا ہے۔

(مستفاد: فتاوی محمودیہ جدید ڈابھیل ۱۹/۵۰۸-۵۱۸، قدیم ۹/۱۷۴-۱۸۲/۳۸۲، امداد الفتاوی ۴/۲۵۷)

قال اللّٰہ تعالیٰ: یَا أَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا دِیْنَکُمْ هُزُوًا وَلَعِبًا مِنَ الَّذِیْنَ أُوْتُوْا الْکِتَابَ مِنْ قَبْلِکُمْ وَالْکُفَّارَ أَوْلِیَآءَ وَاتَّقُوْا اللّٰهَ إِنْ کُنْتُمْ مُؤْمِنِیْنَ. [سورة مائده: ۵۷]

الملاهي كلها حرام حتى الغني بضرب القضيب. (هداية، كتاب الكراهية، اشرفي ديوبند ٤/٤٥٥، رشيدية٤/٤٣٩، الدر المختار على هامش رد المختار، زكريا٩/٥٠٢، كراچي٦/٣٤٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶/۷۶۴۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۵/۹ھ

ٹیلی ویژن میں حج کی فلم دیکھنا

سوال [۱۱۱۱۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مواقع حج کی کیسٹوں کو ٹیلی ویژن یا ویڈیو وغیرہ پر دیکھا جاسکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: نیاز احمد، دیوریا

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ٹیلی ویژن، وی سی آر، لہو ولعب اور گانے بجانے کا آلہ ہے، اس کے اندر تصویروں کی بھر مار ہوتی ہے، مردوں کی نظر عورتوں پر اور عورتوں کی نظر مردوں پر پڑتی ہے، جو بنص قطعی حرام ہے اور حج کی فلم میں اگر چہ ناچ گانا نہیں ہوتا ہے، مگر مرد وعورتوں کی تصویریں مخلوط ہوتی ہیں؛ لہٰذا حج کی فلم کو ٹیلی ویژن، وی سی آر پر دیکھنا جائز نہیں ہے اور یہ فلم جس ٹیلی ویژن یا وی سی آر میں دیکھی جارہی ہے، کیا وہ ٹیلی ویژن ایسا ہے کہ جس میں کبھی کوئی ناجائز پروگرام نہ آتا ہو؛ اس لئے بھی حج کی فلم کو ٹیلی ویژن وغیرہ میں دیکھنے کی اجازت نہ ہوگی۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۴/۳۸۶)

استماع الملاهي معصية، والجلوس عليها فسق، والتلذذ بها كفر .

(الدر المختار، كتاب الحظر والإباحة، قبيل فصل في اللبس، كراچي ٦/٣٤٩، زكريا ٩/٥٠٤، الفتاوى التاتارخانية، زكريا ١٨/١٨٩، رقم: ٢٨٤٦٦، هندية، زكريا قديم ٥/٣٥٢، جديد ٥/٤٠٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۸۲۵/۳۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۶/۵/۱۴۱۷ھ

کیوٹی وی پر دینی پروگرام دیکھنا

سوال [۱۱۱۱۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کیوٹی وی کا دیکھنا سننا اور اس پر بیان کئے گئے مسائل پر عمل کرنا کیسا ہے؟

نیز اس پر جو علماء کرام بیان کرتے ہیں، وہ کس مسلک سے متعلق ہیں؟ مزید تفصیل بیان فرما کر ممنون ہوں۔

المستفتی: محمد نعیم رام نگری، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: کیوٹی وی احقر نے کبھی نہیں دیکھا؛ اس لئے اس کی حقیقت سے واقف نہیں ہے، ہاں البتہ دیکھنے والوں سے وہاں کے بعض بیانات سننے میں آئے، جو نہایت بے ثبوت اور غیر ذمہ دارانہ مسائل پر مشتمل ہوتے ہیں؛ اس لئے اس کے دیکھنے اور سننے میں کوئی دینی فائدہ نہیں ہے۔ نیز جس ٹیلی ویژن میں فحش اور حیا سوز پروگرام آتا ہے، اسی میں یہ پروگرام بھی آتا ہے؛ اسلئے ان کا دیکھنا اور سننا جواز کے دائرہ میں ہونا احقر کی سمجھ میں نہیں آتا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/ ربیع الاول ۱۴۲۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۸۷۵۷/۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۷/۳/۱۴۲۶ھ

خبریں سننے کے لئے ٹی وی رکھنا

سوال [۱۱۱۱۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید صوم وصلوۃ کا پابند ہے، دینی مزاج رکھتا ہے، زید چاہتا ہے کہ عالمی خبریں معلوم کرنے کے لئے ایک ٹی وی اپنے گھر میں لگائے، فلمی پروگرام ناٹک اور دیگر برے کاموں کے لئے استعمال نہیں کرے گا، زید خود ان چیزوں سے بہت زیادہ متنفر رہتا ہے، تو کیا عالمی حالات کو معلوم کرنے کے لئے اپنے گھر ٹی وی رکھی جاسکتی ہے اور عالمی احوال پر خبر رکھنا فرض ہے یا واجب یا مستحب ہے یا مکروہ ہے؟

المستفتی: ضمیر احمد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عالمی احوال کی خبر رکھنا آپ ﷺ کی اس سنت کے تحت داخل ہوسکتا ہے، جو آپ ﷺ سے اپنے صحابہ کرام کے واقعات اور حالات پر مطلع ہونے کے سلسلہ میں مروی ہے، جیسا کہ شمائل ترمذی شریف کی حدیث ہے۔

ویتفقد أصحابه ویسئل الناس عما في الناس، ویحسن الحسن، ویقویه ویقبح القبح ویوهیه. (شمائل ترمذي۲۳،جواهر الفقة، زکریا جدید ٦/٥٠٦، زکریا قدیم ٢/ ٤٦١)

لیکن شرط یہ ہے کہ ان خبروں کے لئے کسی خلاف شرع کام کا ارتکاب کرنا نہ پڑے اور آج کل ٹی وی میں جو خبریں نشر کی جاتی ہیں، اس میں کئی وجوہات سے ممانعت شرع موجود ہونے کی وجہ سے ناجائز اور حرام میں داخل ہوگا۔

(۱) ٹی وی میں خبریں نشر کرنے والی عموماً عورتیں ہوتی ہیں، جن کو دیکھنا حرام ہے اور اس پر حدیث شریف میں سخت وعید وارد ہوئی ہے۔

عن الحسن قال: بلغني أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لعن الله الناظر والمنظور إليه. (السنن الکبریٰ للبیهقي، دارالفکر

بیـروت ۱۰/ ۲۸۰، رقـم: ۱۳۸۶۲، شعـب الإیمـان للبیهـقـي، دارالـکتـب العلمیة بیروت ۶/ ۱۶۲، رقم: ۷۷۸۸، مشکوۃ شریف ۲۷۰)

نیز وہ عورتیں ایسی پرکشش اور باریک لباس زیب تن کئے ہوئے ہوتی ہیں کہ ان کے بدن کا اکثر حصہ برہنہ ہوتا ہے یا ایسے باریک کپڑے پہنتی ہیں، جن سے ان کے بدن کی کیفیت اور نشیب وفراز ظاہر ہوتا ہے، جس کو دیکھنا قطعاً حرام ہے۔

قال الشامي أقول: مفاده أن رؤیة الثوب بحیث یصف حجم العضو ممنوعة، ولو کثیفًا لا تری البشرة منه. (شامي، کتاب الحظر الإباحة، فصل في المس، کراچي ۶/ ۳۶۶، زکریا ۹/ ۵۲۶)

(۲) ٹی وی آلۂ لہوولعب ہے، جس کو گھر میں رکھنا بھی مکروہ تحریمی اور ناجائز ہے؛ اگرچہ اس کو استعمال نہ کریں۔

ولو أمسک في بیته شیئا من المعازف، والملاهي کره و یأثم، وإن کان لا یستعملها؛ لأن إمساک هذه الأشیاء یکون للهو عادة. (خلاصة الفتاوی ۱/ ۳۳۸، بحواله رحیمیة ۶/ ۲۹۸)

اور عالمی خبریں معلوم کرنے کے لئے ریڈیو کافی ہے اور خبریں سننے کے لئے ریڈیو کا استعمال بھی جائز اور درست ہے؛ لہٰذا ٹی وی رکھنے کی ضرورت نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍ صفر المظفر ۱۴۲۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶/ ۷۹۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۲/۲۷ھ

ٹیلی ویژن پر خبریں سننا

سوال [۱۱۱۱۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک امام صاحب ٹیلی ویژن پر خبریں سنتے ہیں، مابقیہ منکرات نہیں دیکھتے، تو ایسے امام کی اقتداء میں نماز پڑھنا کیسا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ٹیلی ویژن پر خبریں سننا جائز اور درست ہے، جبکہ اس میں کسی نامحرم کی تصویر اور کوئی فحش پروگرام نہ آتا ہو؛ لہٰذا جو امام صاحب ٹیلی ویژن پر صرف خبریں سنتے ہیں مابقیہ منکرات نہیں دیکھتے، تو ایسے امام کی اقتداء میں نماز پڑھنا بلا کراہت جائز اور درست ہے؛ لیکن اگر اس میں نامحرم کی تصویریں آتی ہوں، تو اس کا دیکھنا جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: فقہی مقالات ۱۳۳/۳، درس ترمذی ۳۵۱/۵، آپ کے مسائل اور ان کا حل ۴۳۵/۸)

الأمور بمقاصدها. (الأشباه والنظائر، زكريا ١٠٢)

إذا كان التلفزيون، أو الفيديو خاليًا من هذه المنكرات بأسرها؛ هل يحرم بالنظر إلى كونه تصويرًا؟ فإن لهذا العبد الضعيف -عفا الله عنه- فيه وقفة، وذلك لأن الصّورة المحرمة ما كانت منقوشة، أومنحوتةً بحيث يصبح لها صفة الاستقراء على شيئ، وهي الصور التي كان الكفار يستعملونها للعبادة، أماالصورة التى ليس لها ثبات واستقرار وليست منقوشة على شيئ بصفةٍ دائمةٍ، فإنها بالظل أشبه منها بالصورة. (تكملة فتح الملهم، باب تحريم تصوير صورة الحيوان، التلفزيون، اشرفية ديوبند ٤/ ١٦٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰؍صفر المظفر ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف خاص ۱۱۴۳۸/۴۰)

محض ڈسکوری کے لئے ٹی وی رکھنا

سوال [۱۱۱۱۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ محض حصول معلومات (ڈسکوری) کے لئے ٹی وی رکھنا اور استعمال کرنا جائز ہے یا ناجائز؟

المستفتی: ریاض احمد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ٹی وی عریانیت، فحاشیت اور دیگر بہت سی اخلاقی وایمانی برائیوں کی جڑ ہے، اور گھروں کے اندر ٹی وی رکھی جائے اور کسی قسم کا ناجائز پروگرام کبھی بھی اس میں نہ آسکے یہ ناممکن بات ہے؛ اس لئے عمومی طور پر ٹی وی گھروں میں رکھنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۸/۳۰۶)

قال اللّٰہ تعالیٰ: وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْتَرِیْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَيَتَّخِذَهَا هُزُوًا أُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُهِيْنٌ. [لقمان: ٦]

درء المفاسد أولیٰ من جلب المنافع، وعلى هامشه فإذا تعارضت مفسدة مصلحة قدم دفع مفسدة غالبًا؛ لأن اعتناء الشرع بالمنهيات أشد من اعتنائه بالمأمورات. (قواعد الفقه، اشرفی دیوبند ١٨، رقم: ١٣٣) فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ ربیع الاول ۱۴۲۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۲۱۲/۳۸)

خبر یا دینی پروگرام کے لئے ٹی وی رکھنا

سوال [۱۱۱۱۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ صرف خبر سننے کے لئے یا کوئی دینی پروگرام کے لئے اپنے گھر میں ٹی وی رکھنا کسی حد تک جائز ہے یا نہیں؟ جیسے آج کل ماحول ہے کہ ہندو مسلم فساد زیادہ ہوتے ہیں یا دیش بدیش کی خبروں کی معلومات ہونی ضروری ہے؟

المستفتی: محمد عثمان، محمد غفران (راجستھان)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: خبر اور دینی پروگرام سننے اور دیکھنے کے لئے گھر میں ٹی وی رکھنا جائز نہیں ہے۔ قرآن کریم میں دین کو لہو ولعب کی چیزوں میں

استعمال کرنے کو کفار کا علم بتا کر مسلمانوں کو ان سے بیزار ہونے کی تاکید فرمائی ہے۔
(مستفاد: احسن الفتاوی ۸/۲۹۹، امداد المفتیین ۱۰۰۶)

قال اللّٰہ تعالیٰ: یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا دِیْنَکُمْ ھُزُوًا وَلَعِبًا مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوْا الْکِتَابَ مِنْ قَبْلِکُمْ وَالْکُفَّارَ اَوْلِیَآءَ وَاتَّقُوْا اللّٰہَ اِنْ کُنْتُمْ مُؤْمِنِیْنَ. [مائدہ: ٥٧، پ:٦]

دنیا کی خبریں حاصل کرنے کے لئے ٹیلی ویژن کی ضرورت نہیں ہے، ریڈیو اوراخبارات کے ذریعہ سے بھی یہ مقصد حاصل ہو جاتا ہے؛ اس لئے خبروں کے واسطے ٹی وی کے بجائے ریڈیو رکھنا چاہئے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ رصفر المظفر ۱۴۲۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶/۷۵۳۲)

ٹیلی ویژن میں کرکٹ، فٹ بال وغیرہ دیکھنا

سوال [۱۱۱۲۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ٹیلی ویژن کے اندر کوئی کھیل جیسے کرکٹ اورفٹ بال وغیرہ یا خبریں سننا یا نعتیہ شعر یا کوئی جائز پروگرام دیکھنا یا سننا کیسا ہے؟ اور کرکٹ وغیرہ کھیلوں میں ستر بھی نہیں کھلتا ہے۔ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب تحریر فرمائیں نوازش ہوگی۔

المستفتی: محمد نعیم بجنوری، مقام بھنیڑہ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ٹیلی ویژن میں آنے والے کسی بھی کھیل کا دیکھنا شرعاً جائز نہیں ہے چاہے ستر کھل جاتا ہو یا نہ کھلے اس لئے کہ شرعی طور پر صرف تین قسم کے کھیل جائز ہیں، ان کے علاوہ کسی قسم کا کھیل دیکھنا جائز نہیں ہے۔

(۱) تیراندازی اور جنگی مشق۔

(۲) گھوڑے اور سواری وغیرہ سے سبقت کرنا۔

(۳) اپنی بیوی کی دل جوئی کے لئے اس کے ساتھ کھیلنا۔ اور ٹیلی ویژن میں یہ کھیل نہیں آتے ہیں۔

عن عبد اللّٰه بن عبد الرحمٰن بن أبي حسين أن رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم – إلى – كل ما يلهوبه الرجل المسلم باطل إلا رميه بقوسه، وتأديبه فرسه، وملاعبته أهله، فإنهن من الحق. (سنن الترمذي، باب ماجاء في فضل الرمي في سبيل اللّٰه، النسخة الهندية ١/٢٩٣، دارالسلام رقم: ١٦٣٧)

ان الملاهي كلها حرام، وتحته في الشامية: اللهو حرام بالنص قال عليه السلام، لهو المؤمن باطل إلا في ثلاث تأديبه فرسه، ورميه عن قوسه، وملاعبته مع أهله. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الحظر والإباحة، زكريا ديوبند ٩/٥٠٢، كراچي ٦/٣٤٨)

نیز ٹیلی ویژن چونکہ آلۂ لہو ولعب ہے، اور اس میں نامحرم عورتوں کی تصویریں بھی آتی ہیں؛ اس لئے اگر ریڈیو سے خبریں سنی جاسکتی ہیں، تو پھر ٹیلی ویژن سے سننے کا مقصد صرف تلذذ ہی ہوگا؛ اس لئے ٹیلی ویژن سے خبریں سننے سے احتراز کرنا چاہئے۔ نیز ٹیلی ویژن رکھنے کا مقصد خبریں سننا نہیں ہوتا، جیسا کہ تجربہ سے ثابت ہے؛ بلکہ اس کا اصل مقصد ناجائز پروگرام ہوتا ہے؛ لہٰذا خبریں سننے کے بہانے سے بھیٹیلی ویژن رکھنا جائز نہیں ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍ ربیع الثانی ۱۴۱۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۷/ ۲۶۵۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۲/۴/۲۸ھ

کرایہ دار ٹی وی چلائیں تو کیا اس کا گناہ مالک مکان پر بھی ہوگا

سوال [۱۱۱۲۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کے پاس ایک مکان ہے، جو چند کمروں پر مشتمل ہے اور زید نے اپنی رہائشی ضروریات کے علاوہ ایک کمرہ کرایہ پر دے رکھا ہے، جو اس کے معاشی ضروریات کے لئے معاون ثابت ہوتا ہے؛ لیکن وہ کرایہ پر رہنے والا شخص اپنے کمرہ پر ٹی وی چلاتا ہے، جس سے مکان مالک نالاں ہے اور منع کرتا ہے، مگر وہ کرایہ والا شخص یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ ٹی وی چلانا جائز ہے؛ چونکہ وہ یہ کہتا ہے کہ میں نے مختلف فرقوں کے علماء سے اس کے جواز کے بارے میں سنا ہے؛ لہٰذا حضور والا سے درخواست ہے کہ جواب عنایت فرمائیں، کیا نص وغیرہ سے جائز نہ ہونے کے باوجود کوئی وجہ جواز نکل سکتی ہے؟

المستفتی: عبدالحمید، برولان، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ٹی وی وغیرہ جو اس زمانہ میں دوکان وغیرہ میں چلایا جاتا ہے، وہ امر ممنوع اور ناجائز ہے؛ لیکن اس کا گناہ چلانے والے پر ہوگا عنداللہ آپ ماخوذ نہ ہوں گے، آپ کا بس اس پر نہیں چلتا ہے؛ اس لئے خدا کے یہاں بازپرس اس سے ہوگا۔

إنما تحصل المعصية بفعل فاعل مختار. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، زكريا ۹/ ۵٦۲، كراچي ٦/ ۳۹۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍محرم الحرام ۱۴۱۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲٦/ ۱۹۵٦)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری
۹/۱/۱۴۱۳ھ

مدارس ومساجد کے پروگرام کی سی ڈی تیار کرنا

سوال [۱۱۱۲۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ مدارس ومساجد یا عام جگہوں پر ہونے والے دینی واصلاحی اجلاس وپروگراموں کی ویڈیوگرافی کرنا سی ڈیز تیار کرنا تعلیم وتربیت مالی امداد فراہمی کے لئے یا شہرت ونا موری کے لئے شرعاً درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: ممتاز احمد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دوقسم کے اجلاس ہوتے ہیں:

(۱) خالص دینی پروگرام جس کا حکومت وسیاست سے کوئی تعلق نہیں ہے، ایسے پروگرام کی ویڈیوگرافی اور میڈیا کے لوگوں کے ذریعہ سے تصویروں کے ساتھ تشہیر کرنا جائز نہیں ہے؛ اس لئے اگران اصلاحی پروگراموں کو دوسروں تک پہونچا کر دینی فائدہ مقصود ہو، تو کیسٹوں اور سیڈیوں کے ذریعہ سے یہ کام ہوسکتا ہے، جس میں تصویروں کے لانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

(۲) قومی اور سیاسی پروگرام جن کا اصل مقصد مسلمانوں کے مطالبات کو حکومت تک پہونچانا ہے اور اس مطالبہ میں مسلمانوں کے اتحاد کو ثابت کرنا ہوتا ہے اور یہ کام میڈیا کے بغیر نہیں ہوتا؛ اس لئے ایسے اجلاس میں میڈیا کو بلا کر پروگرام کا نشر کرنا جائز ہے، جو قومی مفاد کے لئے حکومت تک پہونچانا مقصود ہو، جیسا کہ جمعیۃ علماء ہند کے پروگرام ہوتے ہیں، ان کو میڈیا کے ذریعہ نشر کرنا شرعاً جائز اور درست ہے۔

الضرورات تبيح المحظورات. (الأشباه قديم ١٤٠، زكريا جديد ٢٥١)

ما أبيح للضرورة يتقدر بقدرها. (الأشباه قديم ٥/ ١٤٠، جديد زكريا ٢٥١، شامي، زكريا ٩/ ٥٣٣، كراچي ٦/ ٣٧٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍ شعبان المعظم ۱۴۳۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹/ ۱۰۷۸۹)

مستورات کو بچوں کا پروگرام اسکرین پر دکھانا

سوال [۱۱۱۲۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہماری مسجد میں مدرسہ فرقانیہ تعلیم القرآن کے نام سے ایک مکتب چلتا ہے، جس میں تقریباً ایک ہزار طلبہ وطالبات تعلیم حاصل کررہے ہیں، سال کے آخر میں مکتب کے طلبہ و طالبات کا سالانہ جلسہ منعقد ہوتا ہے، جو مسجد کے گراؤنڈ فلور پر ہوتا ہے اور مسجد کے پہلے منزلہ پر مستورات کو پروگرام میں شرکت کرنے کی اجازت ہوتی ہے، مگر اس میں ہمارے لئے ایک مشکل یہ درپیش ہوتی ہے کہ پروگرام مسجد کے نیچے کے حصہ میں ہونے کی وجہ سے مستورات کو صرف آواز سنائی دیتی ہے؛ لہٰذا مستورات کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ وہ اپنے بچوں کو پروگرام پیش کرتا ہوا دیکھ سکیں، تو کیا مسجد کے اوپر کے حصہ میں یا مسجد کے پڑوس کے شادی ہال میں کیمرہ کے ذریعہ مستورات کو LCD یا اسکرین پر اس پروگرام کو دکھایا جا سکتا ہے؟

واضح رہے کہ اس پروگرام کو ریکارڈ یا محفوظ نہیں کیا جائے گا، صرف (Live Teli Cast) کیو ٹیلی کاسٹ کیا جائے گا۔ امید کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں مسئلہ کا حل تجویز فرما کر عنداللہ ماجور ہوں گے۔

المستفتی: خادمین مدرسہ فرقانیہ تعلیم القرآن، مکہ مسجد مؤمن پورہ، پونہ (مہاراشٹر)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں اسکرین وغیرہ نصب کر کے بچوں کے پروگرام کو کیو ٹیلی کاسٹ کرنا جائز نہیں ہے؛ کیونکہ اس میں دینی اور قومی ضرورت نہیں ہے، عورتوں کے لئے اصلاحی تقریروں کی آواز سننا ہی کافی ہے؛ لہٰذا اس کام کے لئے کیمرہ وغیرہ نصب کرنا قطعاً جائز نہیں ہے۔

قال اللّٰہ تبارک وتعالیٰ: مَا اٰتَاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا. [سورة الحشر رقم الآية: ۷]

عن عبد الله بن مسعودؓ، قال: سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول: إن أشد الناس عذابًا يوم القيامة المصورون.
(صحيح البخاري، كتاب اللباس، باب عذاب المصورين يوم القيامة، النسخة الهندية ۲/ ۸۸۰، رقم: ۵۷۱۷، ف: ۵۹۵۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍ ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹ / ۱۰۳۴۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۴/۸ھ

بیٹی کے جہیز میں ٹی وی دینا

سوال [۱۱۱۲۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے اپنی لڑکی کے جہیز میں اس خیال سے ٹی وی دیا کہ میری بیٹی کے گھر والے حدیث اور دیگر دینی معلومات سے ناواقف ہیں، وہ ٹی وی کے ذریعہ دینی باتوں کو معلوم کر کے اس پر عمل کرنے کی کوشش کریں گے، اب اگر لڑکی کے گھر والے دینی معلومات حاصل کرنے کے بجائے فحش پروگرام دیکھتے ہیں، تو کیا اس صورت میں جہیز میں ٹی وی دینے کی وجہ سے دینے والے پر شرعًا کوئی مواخذہ ہوگا، اگر مواخذہ ہو تو جہیز میں ٹی وی دینے والے کے گناہ سے بچنے کی کیا صورت ہوسکتی ہے، آیا واپس لے لی جائے یا کوئی اور صورت ہوسکتی ہے، دور حاضر میں ٹی وی رکھنا شرعًا کیسا ہے؟ کیونکہ گھر میں ہر مزاج کے آدمی ہوتے ہیں اور اس میں ہر طرح کے پروگرام دیکھے جاتے ہیں۔

المستفتی: حاجی محمد زاہد، پی اے سی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس نیت سے بیٹی کو ٹی وی دینا کہ بیٹی کے سسرال والے ٹی وی کے ذریعہ دینی معلومات حاصل کریں گے غلط اور فاسد خیال ہے؛ اس لئے کہ کوئی ایسی ٹی وی نہیں ہوتی ہے، جس میں صرف دینی معلومات ہوتی ہوں اور کسی قسم کے

منکرات نہ ہوتے ہوں، بغیر منکرات کے کوئی بھی ٹی وی نہیں ہوتی؛ بلکہ ٹی وی دے کر کے بیٹی کے گھر والوں کو منکرات فاحشات کا نظارہ دیکھنے کے لئے مزید قوت پہونچانا ہے، جہیز میں ٹی وی دینے والے کے گناہ سے بچنے کی یہی صورت ہے کہ جہیز میں ٹی وی ہی نہ دی جائے۔ دور حاضر میں ٹی وی رکھنا بیوی، بچے اور گھر والوں کو بے حیا بنانا اور ان کے اخلاق بگاڑ کر ان کو دین سے دور کرنے کے مترادف ہے۔

قال اللہ وتعالیٰ: وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْتَرِیْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَيَتَّخِذَهَاهُزُوًا اُولٰٓئِکَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ. [لقمان:٦]

وكره كل لهو، وتحته في الشامية: واستماعه كالرقص، والسخرية، والتصفيق، وضرب الأوتار من الطنبور، والبربط، والرباب، والقانون، والزمار، والصنج، والبوق، فإنها كلها مكروهة؛ لأنها زيّ الكفار، واستماع ضرب الدف، والمزمار وغير ذلک حرام. (شامي، كتاب الحظر الإباحة، فصل في البيع، كراچي ٦/٣٩٥، زكريا٩/٥٦٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/ ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰/ ۱۱۳۱۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۵/ ۱۱/ ۱۴۳۴ھ

تصویر سے متعلق مختلف مسائل کا حل

سوال [۱۱۱۲۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) تقریبات میں فوٹو ویڈیو کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟

(۲) فوٹو ویڈیو استعمال کرنے والا اٹھانے والا مصورین کی وعید میں شامل ہے یا نہیں؟

(۳) فوٹو ویڈیو میں جو اجنبی مرد عورتیں ہیں، ان کو دیکھنا جائز ہے یا نہیں؟

(۴) جن مجالس میں فوٹو ویڈیو کا استعمال ہو، تو وہاں شریعت کو قائم کرنے کے لئے ہمیں کیا کرنا ہے؟

(۵) مجبوراً فوٹو ویڈیو جائز ہونے کی مقدار کیا ہے؟

المستفتی: مولوی مختار اللہ، جماعۃ العلماء کرور، تمل ناڈو

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تصویر سازی اور ویڈیو گرافی کی شرعاً دو حیثیتیں ہیں:

اول: یہ کہ بلاضرورت صرف نمائش کے لئے فوٹو گرافی و تصویر سازی کی جائے، یہ جائز نہیں ہے، اور ایسا کرنے والا حدیث پاک ''**إن أشد الناس عذابًا یوم القیامة المصورون**''. (صحیح البخاري، باب عذاب المصورین یوم القیامة، النسخة الهندیة ۲/ ۸۸۰، رقم: ۵۷۱۷، ف: ۵۹۵۰) کی وعید میں داخل ہے۔

دوم: یہ کہ ضروت کی وجہ سے ویڈیو گرافی یا تصویر سازی کرائی جائے، تو ایسی صورت میں فی نفسہ تصویر سازی وغیرہ ناجائز ہونے کے باوجود اس کی اجازت ہوگی، جیسے پاسپورٹ، ایڈنٹی کارڈ اور داخلہ فارم میں لگانے کے لئے فوٹو کھینچوانا جائز ہے، اسی طرح اگر اسلام اور مسلمانوں کیخلاف غیروں کی طرف سے کوئی سازش ہورہی ہو اور مسلمان اس کے خلاف اجتماعی طور پر احتجاجی پروگرام کررہے ہوں اور احتجاج کی تشہیر کے بغیر مسلم دشمن طاقتوں پر وہ زیادہ مؤثر نہ ہوسکتا ہو، تو ایسے حالات میں اس احتجاجی پروگرام کی تشہیر کے لئے ویڈیو گرافی کی اجازت ہوگی؛ کیونکہ اس میں ضرورت ہے۔ (مستفاد: ایضاح المسالک ۱۳۴)

اور یہاں مقصد فوٹو گرافی نہیں؛ بلکہ مسلمانوں کی باتوں کو باوزن بنانا ہے اور دینی اصلاحی پروگراموں میں تصویر سازی ویڈیو رکارڈنگ اور لائیو ٹیلی کاسٹ وغیرہ کو ہم جائز نہیں سمجھتے؛ لہٰذا ایسے پروگرام میں ان چیزوں سے باز رہنا چاہئے اور ضرورت کی غرض سے بنائی گئی ویڈیو اور تصویر کو دیکھنا صنف مخالف کے لئے شہوت کا خوف نہ ہونے کے وقت اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ تصاویر میں ستر پوشی کا اہتمام ہو۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍ ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹/ ۱۰۳۴۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۴/۸ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد لله الذي حرم الفواحش ماظهر منها وما بطن، والصلاة والسلام على شمس الهداية محمد وآله وصحبه وسلم تسليما أما بعد!

ٹی وی اور ٹیلی ویژن کے گمراہ کن آثار

اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا ہے کہ دنیا میں بہت سے لوگ ایسے بھی ہوں گے، جو کھیل تماشا اور فحش وعریانیت کی چیزیں خرید کر ہزاروں کو گمراہی کا شکار بنادیں گے، اور ٹی وی اور ٹیلی ویژن، کھیل تماشا، عریانیت وبے حیائی اور حیاسوز پروگراموں کا سنگم ہوتا ہے، اس کے ذریعہ سے دنیا میں ہزاروں انسان فحاشی وآوارگی کا شکار بنتے جارہے ہیں، ایسوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے دردناک اور ذلت آمیز عذاب کی وعید کا اعلان فرمایا ہے، سورۂ لقمان کی آیت ملاحظہ فرمائیے:

قال الله تعالیٰ: وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْتَرِىْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَيَتَّخِذَهَا هُزُوًا اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ. [لقمان:٦]

اور بعض لوگ وہ ہیں جو کھیل تماشا کی چیزوں کو خریدتے ہیں تاکہ بے سمجھے اللہ کی راہ سے لوگوں کو گمراہ کردیں اور ان چیزوں کو لوگوں کے لئے ہنسی مذاق کا سامان ٹھہرائیں، ایسے لوگوں کے لئے ذلت کا عذاب ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے دوسری جگہ سورۂ نور میں ارشاد فرمایا ہے کہ دنیا میں ایسے لوگ بھی پیدا ہوں گے، جو مسلمانوں اور ایمان والوں میں فاحشات اور برائیاں پھیلائیں گے؛ چنانچہ آج گھر گھر ٹی وی اور ٹیلی ویژن کے ذریعہ سے فحاشی پھیلائی جارہی ہے۔ آیت کریمہ ملاحظہ فرمائیے!

قال الله تعالیٰ: اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ. [النور:١٩]

بے شک ایسے لوگ جو یہ چاہتے ہیں کہ ایمان والوں میں بدکاریاں پھیلتی جائیں، ان کے لئے دنیاوآخرت میں دردناک عذاب ہے۔

اور ایک جگہ سورۂ اعراف میں اللہ کا ارشاد ہے کہ اللہ پاک نے اندرونی اور بیرونی تمام فاحش اور حیا سوز کاموں کو حرام کردیا ہے اور معصیت اور بدکاری کے کاموں کی حرمت کا اعلان فرمادیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:

قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْی . [الاعراف:۳۳]

اے نبی آپ کہہ دیجئے کہ میرے رب نے ظاہری و باطنی ہر قسم کے فواحش اور گناہ کبیرہ اور زنا کو حرام کردیا ہے۔

اور ایک جگہ سورۂ انعام میں فرمایا: اندرونی اور بیرونی ہر طرح کے فحش اور حیا سوز کاموں سے دور رہا کرو، ایسے کاموں کے قریب تک مت ہو، اور ٹی وی اور ٹیلی ویژن انسان کے ظاہر کو بھی برباد کردیتے ہیں اور اندرونی اخلاق کو بھی ناس کردیتے ہیں۔

آیت کریمہ ملاحظہ فرمائیے:

وَلَا تَقْرَبُوْا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ . [انعام:۱۵۱]

اور تم ظاہری و باطنی ہر قسم کی برائی اور فحش پروگراموں کے قریب تک مت جاؤ۔

عکس اور سایہ: عکس اور سایہ کی حقیقت یہ ہے کہ جس چیز کا عکس نظر آتا ہے، وہ اتنی دیر کے لئے نظر آئے گا، جب تک اصل شئ عکس کے سامنے موجود ہو یا عکس کے ساتھ اصل شئ کا کنکشن اور رابطہ باقی ہو، اسی طرح کسی شئ کا سایہ اس کو کہا جاتا ہے کہ جس شئ کا سایہ ہوتا ہے، وہ شئ جب تک قائم ہو، اس وقت تک سایہ باقی رہتا ہے اور جب اصل شئ اپنی جگہ سے ہٹ جائے، تو سایہ بھی ساتھ ساتھ ہٹ جاتا ہے؛ لہٰذا سایہ اور عکس یہ ایک الگ شئ ہے، اور تصویر اس سے جداگانہ ایک دوسری شئ ہے؛ اس لئے تصویر اور عکس اور سایہ

کو ایک ہی حقیقت میں گردا ننا ان امور کی حقیقت پر ناواقفیت کی دلیل ہے، جو لوگ ان چیزوں کو ایک ہی حقیقت شمار کرتے ہیں، وہ ان چیزوں کے متعلق غور کرنے میں کامیابی حاصل نہیں کرسکیں گے، خلط مبحث کے شکار بن جائیں گے، اس بات کو مزید واضح کرنے کے لئے امور خارجیہ کے ذریعہ سے اس طرح غور کیا جاسکتا ہے کہ فوٹو اور تصویر کسی دیوار پر یا کسی لکڑی پر یا کسی کاغذ پر یا اسی طرح کسی اور شئ پر متصل ہوتی ہے اور اس شئ کے ساتھ علیٰ صفۃ الدوام باقی رہتی ہے اور جب تک کسی عمل کے ذریعہ سے یا اس کے زائل کرنے والے اشیاء کے ذریعہ سے مٹائی نہ جائے گی، اس وقت تک مٹتی نہیں، وہ اپنی جگہ موصوف کے ساتھ متصف ہو کر قائم رہتی ہے اور عکس کا حال یہ ہے مثلاً آپ شیشہ کے سامنے کھڑے ہوجایئے تو آپ کا عکس شیشے میں نظر آئے گا صرف اس وقت تک نظر آئے گا جب تک آپ شیشے کے سامنے رہیں گے اور جب آپ شیشے کے سامنے سے ہٹ جائیں گے ساتھ ساتھ عکس بھی ختم ہوجائے گا؛ لہٰذا شیشے میں جو شئ آپ کی صورت وشکل کے ساتھ نظر آرہی ہے، وہ آپ کی تصویر نہیں ہے؛ بلکہ آپ کا عکس ہے، اسی طرح جب صاف شفاف پانی کے حوض یا تالاب کے کنارے پر آپ کھڑے ہوجاتے ہیں، تو آپ کی پوری شکل وصورت اس پانی میں نظر آتی ہے، مگر اس وقت تک کے لئے نظر آتی ہے، جب تک آپ حوض یا تالاب کے کنارے پر کھڑے رہیں گے یا بلب وغیرہ کسی اور شئ کی روشنی میں کھڑے ہوتے ہیں، تو روشنی کی مخالف جانب میں آپ کا سایہ ہوتا ہے، یہ سایہ آپ کی تصویر نہیں ہے؛ بلکہ غیر مستقر سایہ ہے، جو آپ کی نقل وحرکت کے ساتھ ساتھ اپنی جگہ چھوڑ دیتا ہے، جیسا کہ اس کی وضاحت آگے درمختار اور شامی کی عبارت سے بخوبی ہوسکتی ہے اور درمختار اور شامی میں شیشہ اور پانی میں عکس دیکھنے سے متعلق مستقل بحث کی گئی ہے۔

اصل شئ اور عکس کا شرعی فرق : حضرات فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر شیشہ میں دیکھا جائے، اسی طرح پانی میں دیکھا جائے تو شرعی طور پر حلت وحرمت کا حکم لگ جاتا ہے،

مثلاً کوئی عورت شیشہ کی ایک طرف ہو اور آپ شیشہ کی دوسری جانب میں ہوں یعنی آپ اور عورت کے بیچ میں شیشہ حائل ہو، اور آپ دوسری جانب سے عورت کی شرمگاہ کو شہوت کے ساتھ دیکھ لیں، تو حرمت مصاہرت کا ثبوت ہو جائے گا، اسی طرح عورت اگر پانی کے اندر ننگی بیٹھی ہوئی ہے اور کسی اجنبی مرد نے پانی کے باہر سے اس کی شرمگاہ کو شہوت سے دیکھ لیا ہے، تو حرمت مصاہرت کا ثبوت ہو جائے گا، تو اس مسئلے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اگر کسی عورت کی شرمگاہ کو شیشہ کے چشمہ سے دیکھا جائے یا شیش محل کے اندر عورت ننگی بیٹھی ہوئی ہے اور باہر سے مرد نے اس کی شرمگاہ کو شہوت سے دیکھ لیا ہے، تو حرمت مصاہرت ثابت ہو جائے گی، اسی طرح تالاب یا حوض میں ننگی نہا رہی ہے اور باہر سے کسی مرد نے اس کی شرمگاہ کو شہوت سے دیکھ لیا ہے، تو حرمت مصاہرت ثابت ہو جائے گی۔ حضرات فقہاء نے اس مسئلہ کو اس قسم کے الفاظ سے نقل فرمایا ہے۔

وعلى هذا فالتحريم به من وراء الزجاج بناء على نفوذ البصر منه فيرى نفس المرئي بخلاف المرآة ومن الماء. (شامي، زكريا ديوبند ٤/ ١١٠، كراچي٣/٣٤)

اور اسی اصول پر شیشے کے پیچھے سے دیکھنے کی حرمت کا مسئلہ ہے، اس بنیاد پر کہ شیشے کے پیچھے سے دیکھنے سے نگاہ کا نفوذ اور نظر براہ راست ہوتی ہے؛ لہٰذا اس سے عین شئ کا دیکھنا ثابت ہو جاتا ہے، برخلاف آئینہ اور پانی میں عکس دیکھنے کے۔

شیشہ اور پانی میں عکس دیکھنا: اگر عورت کا عکس شیشہ میں نظر آجائے، اسی طرح عورت پانی سے باہر ہو اور وہ حوض یا تالاب کے کنارے پر کھڑی ہو اور حوض یا تالاب کے پانی میں اس کی شرمگاہ کا عکس نظر آجائے، تو اس کو شہوت سے دیکھنے کی وجہ سے حرمت مصاہرت کا حکم ثابت نہ ہوگا؛ اس لئے کہ اس میں عین عورت کو نہیں دیکھا گیا؛ بلکہ اس کا عکس دیکھا گیا اور عکس کا حکم شرعی طور پر وہ نہیں ہوتا، جو عین شئ کا ہوتا ہے جیسا کہ اس مسئلہ سے واضح ہو رہا ہے، مگر اس سے یہ ہرگز نہ سمجھا جائے کہ عین عورت کو دیکھنا جائز نہیں

اوراس کے عکس کو دیکھنا جائز ہے؛ بلکہ عکس کو دیکھ کر تلذذ حاصل کرنے سے آنکھ اور نگاہ کا زنا اوراس کا گناہ بھی ضرور ہوگا اور ٹیلی ویژن اور انٹرنیٹ میں جو باضابطہ طور پر ایسی گفتگو ہوتی ہے، جیسے آمنے سامنے کھڑے ہوکر گفتگو کی جاتی ہے۔

تو سوال یہ ہے کہ ٹیلی ویژن اور انٹرنیٹ کے اندر جونظر آرہا ہے، وہ عین شئ ہے یا اس کا عکس ہے، تو ظاہر بات ہے کہ کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ عین شئ ہے اور عین انسان ہے؛ بلکہ انسان کا عکس نظر آرہا ہے، جیسا کہ شیشہ کے پاس کھڑے ہونے سے انسان کا عکس نظر آتا ہے اور صاف شفاف حوض اور تالاب کے کنارے پر کھڑے ہونے سے اس کے پانی میں انسان کا پورا عکس اور شکل وصورت نظر آتی ہے، مگر شیشہ کے اندر یا پانی کے اندر حقیقی انسان نہیں ہوتا ہے؛ بلکہ انسان کا ایسا عکس ہوتا ہے کہ جب تک انسان شیشہ یا پانی کے سامنے کھڑا رہے گا، اس وقت تک نظر آئے گا اور جب شیشہ یا پانی کے سامنے سے ہٹ جائے گا، تو عکس بھی ساتھ ساتھ ہٹ جائے گا اور عکس کی شکل میں شکل وصورت کا دیکھنا اور بغیر عکس کے انسان کی اصل شکل وصورت کا دیکھنا دونوں میں بہت بڑا فرق ہے اور دونوں کا شرعی حکم بھی الگ الگ ہے اوراسی پر حرمت مصاہرت کے مسئلہ کا مدار بھی ہے۔ عمدۃ الفقہاء حضرت علامہ علاؤ الدین حصکفیؒ نے اس مسئلہ کواس طرح کے الفاظ سے نقل فرمایا ہے۔

لاتحرم المنظور إلى فرجها الداخل إذا رآه من مرآة أوماء؛ لأن المرئي مثاله بالانعكاس لا هو. (در مختار مع الشامي، كراچي ٣/ ٣٤، زكريا ٤/ ١٠٩)

عورت کے فرج داخل کو جب آئینہ کے عکس میں دیکھا جائے یا صاف شفاف پانی میں فرج داخل کا عکس دیکھا جائے، تو حرمت مصاہرت کا ثبوت نہیں ہوگا؛ اس لئے کہ شیشہ اور پانی میں جو مثالی چیز دیکھی جارہی ہے، وہ عورت کے فرج داخل کا عکس ہے عین فرج داخل نہیں ہے۔

عکس اور تصویر کا ایک اور شرعی فرق

عکس اور تصویر کے درمیان ایک شرعی فرق یہ بھی ہے کہ تصویر کشی کرنا حدیث تصویر کی وجہ سے ناجائز اور حرام ہے؛ لیکن کسی شئ کا عکس نظر آجانا اور عکس کے وجود میں آنے کا انتظام کرنا اور عکس کے وجود میں آنے کا سبب بننا ناجائز اور حرام نہیں ہے، اس گناہ میں دونوں کا حکم برابر ہے؛ لیکن اگر کسی مرد کا عکس لیا جائے، تو ناجائز نہیں ہے، مثلاً بالقصد کسی مرد کو کسی جگہ شیشہ کے سامنے کھڑا کر دیا جائے، تو اس کا عکس صاف طور پر شیشہ میں نظر آئے گا اس کی نقل وحرکت سب کچھ نظر آئے گی اور اس کو یوں بھی سمجھو کہ نائی کی دوکان پر چاروں طرف شیشہ لگا ہوا ہے، جب تم نائی کی دوکان میں داخل ہو جاؤ گے، تو تمہاری چار طرف سے چار صورتیں نظر آئیں گی، یہ سب تمہاری ذات کا عکس ہے تصویر نہیں ہے اور نہ ہی دنیا اس کو تصویر کہتی ہے اور نہ ہی ان شیشوں کے اندر تمہارا عکس آنے کی بناء پر وہ نائی گناہ گار ہوگا، جس نے شیشہ لگایا ہے؛ لیکن اس کے برخلاف کوئی شخص تمہاری بلا ضرورت کیمرے سے تصویر لیتا ہے، تو یہ ناجائز ہوگا، اسی طرح ویڈیو کیمرے میں پہلے سے وہ سارا انتظام موجود ہے اور اس کا بٹن پہلے سے دبا ہوا ہے، اب اس کے بعد اس کیمرے کے سامنے کوئی بھی پہونچ جائے، تو اس کی نقل وحرکت کا عکس اس کیمرے میں پہونچ جائے گا؛ حالانکہ وہ تصویر کشی نہیں کر رہا ہے، تو اس طرح کیمرے میں تمہارے عکس کا پہونچ جانا حرمت کا باعث نہ ہوگا، یہ نفس تصویر اور نفس عکس کے درمیا فرق کی ایک شکل پیش کی جارہی ہے۔ اس کے مدمقابل عورت کی تصویر اور عورت کے عکس کا مسئلہ ہے کہ جس طرح مرد کی تصویر کشی کرنا جائز نہیں ہے، اسی طرح عورت کی تصویر کشی بھی جائز نہیں ہے؛ لیکن مرد کے عکس کا منظر عام پر آجانا جائز ہے اور عورت کی شکل وصورت کا منظر عام پر آنا جائز نہیں ہے، حتی کہ نائی کی دوکان میں عورت کے لئے چہرہ اور مرکز زینت کو کھول کر داخل ہونا اور اس میں بیٹھ جانا مردوں کی موجودگی میں جائز نہ ہوگا،

جس کے ہر چہار جانب اس کی صورت وشکل کا عکس نظر آ رہا ہوگا؛ کیونکہ اجنبی مرد چاروں طرف کے شیشے میں اس کی صورت وشکل کا عکس دیکھ کر قطعی طور پر تلذذ حاصل کرے گا، تو حاصل یہ نکلا کہ درمختار اور شامی کی عبارت کے پیش نظر عورت کے اعضاء کے اصل دیکھنے اور پانی اور شیشہ میں عکس دیکھنے میں حرمت مصاہرت کے باب میں فرق ہے کہ اصل دیکھنے سے حرمت کا ثبوت ہوجاتا ہے اور عکس دیکھنے سے حرمت کا ثبوت نہ ہوگا، تو اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ اصل دیکھنا ناجائز ہو اور عکس کا دیکھنا جائز ہو؛ بلکہ اگر عکس دیکھنے سے تلذذ حاصل ہوتا ہو، تو اس کا دیکھنا بھی ناجائز اور حرام ہوگا؛ اگر چہ اس کے دیکھنے سے حرمت مصاہرت کا ثبوت نہ ہوتا ہو، اور بنص حدیث عکس دیکھ کر تلذذ حاصل ہونے سے نگاہ کا زنا اور بدکاری شمار ہوگی، تو اسی طرح ٹیلی ویژن میں عورتوں کی شکل وصورت نقل وحرکت جو نظر آتی ہے، اگر چہ وہ تصویر نہیں ہے، اور تصویر کشی کا حکم ثابت نہیں ہوتا ہے؛ لیکن اس میں نظر آنے والی عورتوں کی شکل وصورت کا عکس دیکھنا بھی ناجائز اور حرام ہوگا اور مزید مرد وعورت کے اختلاط اور حیا سوز اور فحش عکس کا دیکھنا دیکھنے والوں میں زبردست ہیجان پیدا ہونے کا سبب بنتا ہے؛ اسلئے ٹیلی ویژن میں اس طرح تمام حیا سوز پروگراموں کا دیکھنا قطعی طور پر ناجائز اور حرام ہے حتی کہ مردوں کے بغیر صرف عورتوں کی شکل وصورت کا عکس دیکھنا بھی ناجائز اور حرام ہوگا اور بخاری ومسلم کی روایت میں آنکھوں اور نگاہوں کا زنا بھی ثابت کیا گیا ہے، اور آنکھوں اور نگاہوں کا زنا کیسا ہوتا ہے، ظاہر ہے کہ بغیر تلذذ کے نگاہوں کے زنا کا ثبوت نہیں ہوسکتا اور جب عکس دیکھ کر تلذذ حاصل ہوتا ہے، تو عکس کا دیکھنا بھی نگاہوں کا زنا ہوگا؛ لہٰذا ٹی وی اور ٹیلی ویژن میں بھی عورتوں کا عکس دیکھنا جائز نہ ہوگا۔

عکس کی بھی تصویر لی جاسکتی ہے: یہاں ساتھ میں یہ بات بھی ثابت کرتے چلیں کہ درمختار کی عبارت سے اصل اور عکس کے درمیان فرق بیان کیا گیا تھا اور ابھی اوپر یہ بیان کیا گیا کہ اصل کی تصویر لینا جائز نہیں اور عکس لینا جائز ہے؛ لیکن ساتھ

ساتھ یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ جس طرح اصل کی تصویر کشی ہوسکتی ہے، اسی طرح عکس کی بھی تصویر کشی ہوسکتی ہے، مثال کے طور پر نائی کی دوکان میں چاروں طرف شیشہ لگا ہوا ہے اور چاروں طرف عکس نظر آرہا ہے۔ اب اگر کوئی فوٹوگرافر آپ کی اصل سے نہیں؛ بلکہ عکس سے تصویر کھینچنا چاہے، تو لے سکتا ہے، تو اس طرح بھی بلاضرورت تصویر کشی حدیث تصویر کے دائرے میں داخل ہوکر ناجائز اور حرام ہوگی؛ کیونکہ کیمرے کی تصویر جس طرح اصل سے لی جاسکتی ہے، اسی طرح عکس سے بھی لی جاسکتی ہے، اور دونوں کا حکم یکساں ہوگا۔

تصویر اور عکس کا ایک دوسرا فرق

تصویر اور عکس کی حقیقت ماقبل کی سرخیوں اور عنوانات کے ذریعہ سے آپ کے سامنے آگئی اور اس کا فرق بھی آپ کے سامنے آگیا ہے؛ لیکن تصویر اور عکس کے درمیان ایک باریک اور کیمیائی فرق بھی ہے، وہ یہ کہ تصویر کے اپنے وجود میں آنے میں کسی انسان کے عمل کا دخل لازم ہے، اگر انسان بالقصد تصویر کے وجود میں آنے کے لئے کوئی عمل نہیں کرتا ہے، تو وہ تصویر اپنے وجود میں نہیں آسکتی ہے، مگر عکس اور سایہ کے اپنے وجود میں آنے میں بالقصد اور بالارادہ کسی انسان کے عمل کا دخل نہیں ہوتا ہے، جیسا کہ سایہ اور عکس انسان کے علاوہ دیگر حیوانات، جمادات اور نباتات کے بھی ہوتے ہیں کہ شیشہ اور پانی میں انسانی عمل کے بغیر درخت اور جانوروں کا عکس نظر آجاتا ہے اور ان عکسوں کے نظر آنے میں خود ان اشیاء کا دخل نہیں ہوتا ہے، درخت کے سایہ اور عکس کے وجود میں آنے میں نہ انسان کے عمل کا دخل ہے اور نہ خود درخت کے دخل ہے، مگر اس کے برخلاف تصویروں اور مجسموں کے وجود میں آنے میں بالقصد انسان کے عمل کا دخل لازم ہے، عمل انسان کے بغیر تصویر اپنے وجود میں نہیں آسکتی تو معلوم ہوا کہ تصویر کا وجود اختیاری ہوتا ہے کہ بالفعل انسانی عمل سے اس کا وجود ہوتا ہے اور عکس اور سایہ کا وجود اضطراری ہوتا ہے کہ

ان کے وجود میں آنے میں بالقصد انسان کے عمل کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔

ٹیلی ویژن کے ڈبہ میں نظر آنے والی چیزیں تصویر ہیں یا عکس؟

اوپر کی تفصیل سے معلوم ہوگیا کہ تصویر اور عکس کے درمیان ٹکنالوجی فرق ہے، دونوں بالکل الگ الگ جداگانہ دو شئ ہیں۔ اب سوال پیدا یہ ہوتا ہے کہ ٹیلی ویژن اور ٹی وی کے ڈبے میں جو شئ نقل وحرکت کرتی ہوئی نظر آتی ہے، وہ تصویر ہے یا عکس......؟ ظاہر بات ہے کہ تصویر اور عکس کی حقیقت پر واقف کار لوگ یہی کہیں گے کہ ٹیلی ویژن اور ٹی وی کے ڈبہ میں نظر آنے والی اشیاء چاہے وہ از قبیلۂ انسان مرد وعورت کی شکلیں ہوں یا جانوروں اور جمادات کی شکلوں میں ہوں، وہ اصل شئ کی تصویر نہیں ہوتی ہیں؛ بلکہ اصل شئ کا عکس اور سایہ ہوتا ہے؛ اس لئے ان ڈبوں میں علیٰ سبیل الدوام اور استقرار وہ شکلیں نظر نہیں آتی ہیں، اگر تصویر ہوتیں تو علی سبیل الدوام اور استقرار ان ڈبوں میں موجود رہتیں؛ لہٰذا ان کو تصویر کہنا درست نہیں ہوگا؛ بلکہ اصل شئ کا عکس کہنا لازم ہوگا۔

حضرات علماء نے اسکو اس طرح کے الفاظ سے نقل فرمایا ہے۔

أما الصورة التي ليس لها ثبات واستقرار وليست منقوشة على شئ بصفة دائمة، فإنها بالظل أشبه منها بالصورة ويبدو أن صورة التلفزيون والفيديو لا تستقر على شئ في مرحلة من المراحل إلا إذا كان في صورة ’’فيلم‘‘ فإن كانت صور الإنسان حية بحيث تبدو على الشاشة في نفس الوقت الذي يظهر فيه الإنسان أمام الكيمرا، فإن الصورة لا تستقر على الكيمرا ولا على الشاشة وإنما هي أجزاء كهربائية تنتقل من الكيمرا إلى الشاشة وتظهر عليها بترتيبها الأصلي ثم تفنى وتزول. (تكملة فتح الملهم، باب تحريم تصوير صورة الحيوان، التلفزيون، اشرفية ديوبند ٤/ ١٦٤)

بہر حال وہ تصویر جس کے لئے دوام اور استقرار نہ ہو اور کسی شئ کے اوپر دوام کی صفت کے ساتھ متصف اور منقوش نہ ہو، تو بیشک وہ صورتیں تصویر کے مقابلہ میں عکس اور سایہ کے زیادہ مشابہ ہیں اور اس طور پر ظاہر ہوتی ہیں کہ ٹیلی ویژن اور ویڈیو میں وہ تصویریں کسی شئ کے اوپر کسی بھی درجہ میں مستقر اور ثبات کیساتھ متصف ہو کر ظاہر نہیں ہوتی ہیں الا یہ کہ ننگے ٹو ویل والے فلم کی شکل میں مستقر ہوتی ہوں، پس بیشک زندہ انسان کی صورتیں ٹیلی ویژن کے ڈبے کے شیشے پر صرف اس وقت ظاہر ہوتی ہیں کہ جس وقت کیمرے کے سامنے انسان ظہور پذیر ہوتا ہے؛ کیونکہ بیشک وہ تصویریں کیمرے پر ثابت اور مستقر نہیں ہوتی ہیں اور نہ ہی ٹیلی ویژن کے شیشہ کے اوپر قائم رہتی ہیں اور یقیناً وہ ایسے برقی اجزاء ہوتے ہیں جو کیمرے سے منتقل ہو کر ٹیلی ویژن کے شیشے پر پہونچتے ہیں اور اسی پر اپنے اصلی ترتیب کے ساتھ ظاہر ہوتے ہیں، پھر اس کے بعد ظاہر ہوتے ہوتے فنا ہوتے رہتے ہیں اور زائل ہوتے رہتے ہیں۔

ٹی وی اسٹیشن پر تقریر :اوپر کی تفصیلات سے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ ٹی وی اور ٹیلی ویژن میں انسان اور دیگر اشیاء کی جو شکلیں اور نقل وحرکت نظر آتی ہیں، وہ تصویر نہیں ہیں؛ بلکہ عین شئ کا عکس ہیں۔ اب اگر کوئی شخص ٹی وی اسٹیشن پر تقریر کر رہا ہے یا جہاں ویڈیو کیمرا لگا ہوا ہے، اس میں بیٹھ کر پورے مجمع میں تقریر کر رہا ہے یا قاری قرآن پڑھ رہا ہے، اور ویڈیو کیمرا سامنے لگا ہوا ہے اور براہ راست خطیب کی تقریر اور قاری کی قرأت اور اس کی تصویر ٹی وی اسکرین پر دکھائی جارہی ہے اور درمیان میں فلم اور ریکارڈنگ کا کوئی واسطہ نہیں ہے، براہ راست دکھائی دے رہی ہے، تو ایسی صورت میں دکھائی دینے والی شکل وصورت کو تصویر کہا جائے گا یا نہیں ......؟ تو اوپر کے دلائل اور تفصیلات سے واضح ہو چکا ہے کہ براہ راست دکھائی دینے والی شکلیں تصویر نہیں ہیں؛ بلکہ اصل شئ اپنی جگہ موجود ہے، اس کا عکس ویڈیو کیمرے کے ذریعہ سے براہ راست ٹی وی اور ٹیلی ویژن کے ڈبے میں نظر آرہا ہے، اور جب تک خطیب تقریر کرتا رہے گا، یا قاری قرأت کرتا رہے گا نظر

آتا رہے گا اور جب وہاں سے ہٹ جائے گا ساتھ ساتھ عکس بھی ختم ہو جائے گا اور جو عکس ٹی وی اور ٹیلی ویژن کے ڈبہ میں نظر آرہا ہے، وہ وہاں سے ختم ہو جائے گا دوبارہ قطعاً نظر نہیں آئے گا؛ اس لئے جو لوگ ٹی وی اسٹیشن میں پروگرام کے وقت ٹیلی ویژن میں دکھائی دینے والی شکلوں کو تصویر کہتے ہیں، ان کو اس بارے میں نظر ثانی کرنیکی ضرورت ہے؛ اس لئے کہ وہ تصویر ہی نہیں ہیں اور تصویر کی تعریف اس پر صادق نہیں آتی؛ بلکہ عکس اور سایہ کی تعریف اس پر صادق آتی ہے، جیسا کہ ماقبل کی تفصیلات سے واضح ہو چکا ہے۔

خطیب کی تقریر کی ویڈیو کیسٹ

اگر ویڈیو اسٹیشن میں خطیب تقریر کرہا ہے یا کوئی دوسرا پروگرام چل رہا ہے، اس کو ویڈیو کیسٹ میں محفوظ کر لیا جائے، پھر اس کے بعد جب پروگرام ختم ہو جائے، تو اسی جگہ یا دوسری جگہ ویڈیو کیسٹ میں محفوظ شدہ پروگرام بعد میں دکھایا جائے، تو اس کا کیا حکم ہے؟ جبکہ پورے پروگرام کی فلم اور ریکارڈنگ بن چکی ہے، جب چاہے وہ پروگرام دوبارہ دکھایا جا سکتا ہے، تو ایسی صورت میں ویڈیو کیسٹ میں محفوظ کیا ہوا پروگرام جو بظاہر علی صفۃ الدوام اور استقرار ہے، ان کو تصویر کے دائرے میں تسلیم کیا جائے یا نہیں؟ تو غور طلب بات یہ ہے کہ ویڈیو کیسٹ میں پروگرام کے وقت ریلوں کے ذریعہ سے جو ذرات اسی ترتیب کیساتھ چھوڑ دیئے گئے ہیں، جس ترتیب سے ویڈیو اسٹیشن میں پروگرام ہوا تھا، پھر جب چاہے اسی کا ایک منظر اور وہاں کی تصویریں اور شکلیں ٹی وی کے ذریعہ سے دیکھی جا سکتی ہیں، تو اب یہاں اس کی ٹکنالوجی پر توجہ دینے کی ضرورت ہے کہ تصویر کو علی سبیل الدوام اور استقرار کے ساتھ ساتھ انسان دیکھ سکتا ہو، جب چاہے تصویر کے آلات کے ذریعہ سے اس کا فوٹو لیا جا سکتا ہو، اسے تصویر کہا جاتا ہے؛ لیکن یہاں ایسا ہرگز نہیں ہے کہ ویڈیو کیسٹ کے ذریعہ سے پروگرام کے جو ذرات محفوظ کر لئے گئے ہیں، ان کو خوردبین سے بھی دیکھا نہیں جا سکتا چہ جائے کہ

فوٹوگرافر مشین کے ذریعہ سے ان کا نگیٹیو لیا جائے، یہ کسی طرح ممکن نہیں ہے کہ ویڈیو کیسٹ کے ذرات میں جو صورت اور شکلیں محفوظ ہیں، وہ دوسری چیز میں منتقل ہو جائیں نہ ان کا فوٹو کے لئے نگیٹیو لیا جاسکتا ہے اور نہ ہی ان ذرات کو خوردبین کے ذریعہ سے دیکھا جاسکتا ہے؛ لہٰذا ویڈیو کیسٹ میں محفوظ کردہ ذرات اور شعاعوں کو بھی تصویر کہنا نہایت مشکل ہے، ویڈیو کیمرے اور ٹیلی ویژن کے ٹکنالوجی سے واقفیت رکھنے والے لوگوں سے معلوم ہوا کہ ویڈیو کیسٹ میں ریلوں کے ذریعہ سے جو ذرات محفوظ ہو جاتے ہیں، ان کا نگیٹیو نہیں لیا جاسکتا اور نہ ہی ان کو آنکھ سے دیکھا جاسکتا ہے، حتی کہ خوردبین سے بھی نظر نہیں آسکتے، جب صورت حال یہی ہے، تو ان کو بھی تصویر نہیں کہا جاسکتا؛ اس لئے ٹی وی اسٹیشن پر کوئی جائز اور صحیح پروگرام پیش کیا جائے اور پھر دوسری جگہوں میں ٹی وی چینلوں کے ذریعہ سے ٹیلی ویژن اور ٹی وی کے ڈبے میں وہ پروگرام دیکھا جائے، تو فی نفسہ جائز ہوگا، گہرائی میں پہونچنے کے بعد ان کے عدم جواز کی بات سمجھ میں نہیں آتی؛ بلکہ مجبوراً ان کو جائز ہی کہنا پڑے گا؛ اس لئے فی نفسہ جائز پروگرام جو ٹیلی ویژن میں آئے اسے جائز کہا جائے گا اور جو ناجائز پروگرام آئے اسے ناجائز کہا جائے گا۔

دوسری طرف یہ بات بھی ہم سب کے سامنے ہے کہ جن ٹی وی اور ٹیلی ویژن کے ڈبوں میں جائز پروگرام آسکتا ہے، ان میں اکثر وبیشتر دنیا بھر کے فاحشات اور برائیوں کا پروگرام آتا رہتا ہے، تو یہ بہت ممکن ہے کہ جائز پروگرام دیکھتے دیکھتے ناجائز پروگرام بھی دیکھنے لگیں؛ اس لئے سد ذرائع کے طور پر عام ٹیلی ویژنوں میں جائز پروگرام کو بھی ممنوع قرار دیا جانا چاہئے۔

ویڈیو سی ڈی: ویڈیو کیسٹ میں ریل ہوتی ہے اور سی ڈی میں ریل بھی نہیں ہوتی، وہ تو ایک عجیب وغریب انداز کی چیز ہے کہ دیکھنے میں کچھ نہیں ہے کہ جب سی ڈی میں ویڈیو پروگرام یا کوئی اور پروگرام کمپیوٹر وغیرہ کے ذریعہ سے یا انٹرنیٹ کے ذریعہ سے بھر لیا جائے،

تو اس میں کچھ بھی پتہ نہیں چلتا ہے، جب سی ڈی کی پلیٹ کو کمپیوٹر کی سی ڈی کی جگہ پر رکھ دیا جائے یا ٹیلی ویژن کی سی ڈی کی جگہ پر رکھ دیا جائے، تو اس میں بھرے ہوئے تمام پروگرام اسی ترتیب سے نظر آتے ہیں، جس ترتیب سے اس میں بھرے گئے تھے، دنیا بھر کا تماشا بھی نظر آتا ہے، جو اس میں بھرلیا گیا تھا، اور قرآن شریف کی قرأت، قاری کی تصویر کے ساتھ دیکھی جاسکتی ہے؛ جبکہ اس میں بھرلیا گیا ہو، آج کل ائمہ حرمین کی قرأتوں کی کیسٹ جس طرح مل رہی ہے، اسی طرح کثرت کے ساتھ ان کی تصویروں کے ساتھ عمدہ قرأت کی سی ڈی بھی مل رہی ہے۔

نیز حدیث کی بڑی بڑی کتابوں کی سیڈیاں بھی مل رہی ہیں، جن کو کمپیوٹر وغیرہ میں سی ڈی کی جگہ رکھنے کے بعد تمام چیزیں آنکھوں سے دیکھی جاسکتی ہیں، صحاح ستہ اور حدیث وسیرت کی مختلف کتابوں کے ساتھ تقریباً چوبیس پچیس کتابوں کا مجموعہ سی ڈی میں آرہا ہے، اسی طرح سی ڈی میں خطیب کی تقریر قاری کی قرأت مع ان کی صورت وشکلوں کے سی ڈی میں بھری جارہی ہیں اور ٹیلی ویژن اور کمپیوٹر کے ڈبے میں ان پروگراموں کو باآسانی دیکھا جاسکتا ہے اور سی ڈی کی پلیٹ میں برقی شعاعوں کے ذریعہ سے جو پروگرام بھرلیا گیا ہے، نہ ان کا نگیٹیو بن سکتا ہے اور نہ ہی خوردبین کے ذریعہ سے ان ذرات کو دیکھا جاسکتا ہے؛ اس لئے ٹیلی ویژن اور کمپیوٹر کے ڈبے میں سی ڈی میں بھری ہوئی چیزیں تصویروں کی شکل میں نظر آجائیں، تو ان کو حقیقی معنی میں تصویر نہیں کہا جاسکتا؛ بلکہ ان کو ماقبل کی تفصیل کے مطابق اصل شیٔ کا عکس کہا جاسکتا ہے یا عکس کا عکس کہا جاسکتا ہے، جن میں تصویروں کی طرح دوام اور استقرار نہیں ہوتا؛ اس لئے سی ڈی میں بھی جائز پروگرام کا دیکھنا جائز ہوسکتا ہے اور ناجائز پروگرام کا دیکھنا ناجائز ہوگا۔

ویڈیو کیمرے کی کیسٹ

ویڈیو کیمرے کی دو قسمیں ہے:

نمبر ۱: وہ ویڈیو کیمرے جن کا کام صرف منظر کشی کرنا ہے، محفوظ کرنا اس کا کام نہیں ہے

اوراس کے منظرکشی کرتے وقت جس ٹی وی اور ٹیلی ویژن سے اس کا کنکشن ہے، اسی وقت ان ٹی وی اور ٹیلی ویژنوں میں منظر دکھائی دیگا، جیسا کہ حرمین شریفین میں مسجد حرام اور مسجد نبوی میں لگے ہوئے ویڈیو کیمروں کا حال ہے، ان کا کام صرف منظروں کا کیچ کرنا ہے، محفوظ نہیں کرتے، محفوظ کرنے کے لئے دوسری جگہ کنٹرول روم ہے، یا جن ٹیلی ویژنوں سے دیکھا جائے گا، ان ہی میں کیسٹ لگا کر محفوظ ہوسکتا ہے۔

نمبر۲ : وہ ویڈیو کیمرے جن کے ساتھ ویڈیو کیسٹ کی ریل بھی ہوتی ہیں جیسا کہ سرکاری اور غیر سرکاری پروگراموں کے موقع پر پریس والے اور ویڈیو فلم والے آتے ہیں، وہ لوگ جو کیمرے لے کر آتے ہیں، ان کیمروں میں ویڈیو کیسٹ کی ریل بھی ہوتی ہیں، ان ریلوں میں ویڈیو فلم لینے کے ساتھ ساتھ محفوظ بھی ہوجایا کرتا ہے، پھر اس کے بعد ان ویڈیو کیمروں کے کیسٹوں میں بھرے ہوئے پروگراموں کو ویڈیو چینل کے ذریعہ سے دنیا کو دکھایا جاتا ہے، اور یہی سلسلہ پوری دنیا میں کثرت کے ساتھ رائج ہے، عمومی طور پر ہر جگہ اسی طریقے سے ویڈیو فلم کے کیسٹوں میں پروگراموں کو بھرلیا جاتا ہے، پھر ویڈیو چینلوں کے ذریعہ سے دنیاوالوں کو ٹیلی ویژنوں میں دکھایا جاتا ہے۔

ویڈیو کیمرا

ویڈیو کیمرا اسکو کہا جاتا ہے، جو خارج کی چیزوں کو اخذ کر کے اپنے اندر کیچ کرتا ہے، پھر جہاں ٹی وی رکھی ہوئی ہے، اس میں ویڈیو کیمرے کی کیچ کی ہوئی چیزجوں کی توں سپلائی ہوتی ہے، مثلا جہاں میٹنگ ہورہی ہے، جلسہ ہورہا ہے یا اجتماع ہورہا ہے یا اور طریقے سے انسان اور دیگر جانور اور ہر چیز کی نقل وحرکت، صورت وشکل، رفتار وگفتار سب کچھ بعینہ ویڈیو کیمرا اخذ کرتا رہتا ہے اور جہاں ٹی وی یا ٹیلی ویژن کا ڈبہ رکھا ہوا ہے، وہاں سے اس کے شیشے میں بعینہ نظر آتا ہے۔

فرموں اور فیکٹریوں میں کیمرا

بڑی بڑی فیکٹریوں اور کارخانوں میں مالک ایک کمرے میں بیٹھا رہتا ہے اور اس کے ملازمین سیکڑوں کی تعداد میں پورے فرم میں کام کرتے ہیں اور سب لوگوں کا مالک کے سامنے ہونا نہایت دشوار ہے، کسی کا کام کسی کاؤنٹر میں، کسی کا کام کسی شعبہ سے، کس کا کام کسی ہال میں اور کسی کا کام کسی دوسرے ہال میں، کوئی نیچے کی منزل میں اور کوئی اوپر کی منزل میں کام کررہا ہے، کوئی پیکنگ کررہا اور کوئی تیاری کررہا ہے، مختلف ملازمین کی مختلف ذمہ داریاں ہیں ان سب کی نگرانی مالک ایک کمرے میں بیٹھ کر کرتا ہے اور جن ہالوں میں اور جن منزلوں میں ملازمین کام کرتے ہیں، ان میں ویڈیو کیمرا لگادیا جاتا ہے، اور تمام کیمروں کا کنکشن مالک کے کمرے میں ٹی وی کے ایک ڈبے سے ہوتا ہے اور اس ڈبے کے شیشے میں ہر منزل اور ہر ہال کے ہر قسم کے ملازمین نظر آتے ہیں۔ کون کیا کررہا ہے؟ کون کام کررہا ہے، کون نہیں کررہا ہے اور کون کام چھوڑ کر باتوں میں لگا ہوا ہے، سب کچھ مالک ایک جگہ بیٹھ کر اپنی آنکھوں سے دیکھ کر نگرانی کرلیتا ہے، اس طرح کی فیکٹریوں میں کاروباری نگرانی اور ضرورت کے لئے ویڈیو کیمرا اور ٹی وی رکھا جاتا ہے، اس میں پوری فیکٹری کی روزانہ کی کارکردگی کی فلم بنتی جاتی ہے، مگر اس فلم کو ہر خاص وعام جائز سمجھتے ہیں، اس کو ناجائز کوئی نہیں کہتا ہے، اسی طرح بڑی بڑی فیکٹریوں اور کارخانوں میں گیٹ پر بھی ویڈیو کیمرا رکھا جاتا ہے اور ذمہ دار کے کمرے میں اس کا ٹی وی رکھا جاتا ہے، اس ٹی وی میں کون آرہا ہے؟ کون جارہا ہے؟ سب کچھ نظر آتا ہے ذمہ دار کو جسے آنے کی اجازت دینی ہوتی ہے، گیٹ مین سے بتادیتا ہے کہ اسے آنے دو اور جسے نہیں آنے دینا ہوتا ہے، اس کے بارے میں منع کردیا جاتا ہے، اس طرح کی فیکٹریوں اور کارخانوں میں نگرانی کے لئے جو ویڈیو کیمرے اور ٹی وی چلتا ہے، اس کی حقیقت کو دیکھ کر سخت مزاج اور سخت گیر مفتی بھی ناجائز نہیں کہتا ہے، ہر خاص وعام اس کو جائز کہتے ہیں۔

حرمین شریفین کے ویڈیو کیمرے

حرم مکی اور حرم نبوی میں ہر جگہ ویڈیو کیمرا لگا ہوا ہے، مکہ مکرمہ اور مسجد حرام میں ہزاروں کی تعداد میں ویڈیو کیمرے لگے ہوئے ہیں اور مسجد نبوی میں امام صاحب کے سر کے اوپر بھی محراب میں کیمرا لگا ہوا ہے۔ غرضیکہ مسجد حرام اور مسجد نبوی کے تمام نمازیوں کی ان کیمروں کے ذریعہ فلم لی جاتی ہے، اور یہ تمام کیمرے کیچ کرتے ہیں، گویا کہ یہ تمام کیمرے آنکھ ہیں، وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ دیکھ کر کے کیچ کر لیتے ہیں اور پھر بعینہ پوری دنیا کے ٹی وی اور ٹیلی ویژنوں کے ڈبے میں کیمرے نے جو دیکھا تھا، وہی نظر آنے لگتا ہے اور منی میں جمرات کے دونوں جانب کیمرا لگا ہوا ہے اور منیٰ چونکہ دوطرفہ پہاڑوں کے درمیان میں واقع ہے، دونوں طرف کے پہاڑوں کے دامنوں میں اونچائی پر بھی کیمرے لگے ہوئے ہیں، ان سب کیمروں میں لاکھوں کی تعداد میں رمی کرنے والوں کا منظر پوری دنیا کو دکھایا جاتا ہے۔

اب یہاں ساتھ ہی یہ سوال اٹھتا ہے کہ فیکٹریوں میں جو کیمرے لگے ہوئے ہیں، ان میں اور حرمین شریفین میں لگے ہوئے کیمروں کے درمیان کوئی فرق ہے یا حقیقت میں یکساں ہیں، تو ظاہر بات ہے کہ جو شخص ویڈیو کیمرا اور اس کی فلم اور پھر وہ ٹی وی کے ڈبوں میں نظر آنے کی حقیقت جانتا ہو، وہ یہی کہے گا کہ دونوں کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے، یہاں یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ ویڈیو کیمرا اور ویڈیو کیسٹ دونوں الگ الگ چیز ہیں، یہاں صرف ویڈیو کیمرے کی بات ہورہی ہے، ویڈیو کیسٹ کی بات نہیں ہورہی ہے اور ویڈیو کیسٹ کے بارے میں گفتگو مستقل طور پر آگے آرہی ہے۔

فیکٹریوں میں ویڈیو کیمرا ہے، اس میں بھی لوگ بروقت نظر آتے ہیں، انہیں کیسٹ میں نہیں کیا جاتا ہے اور حرمین شریفین کے پروگراموں کو بھی یہاں بروقت دیکھنے کی بات چل رہی ہے، ریلوں کے ذریعہ سے کیسٹ والی بات یہاں نہیں چل رہی ہے، بروقت پروگرام

وجود میں آنے میں دونوں کا حال یکساں ہے، تو فیکٹریوں میں جو چلتا ہے، اس کو جائز کہتے ہیں اور حرمین کے پروگرام کو علماء اب تک ناجائز کہتے ہیں آخر اس کی وجہ کیا ہے؟

حرمین کے ویڈیو پروگرام کو ناجائز کہنے کی وجہ؟

حرمین شریفین کے پروگرام، رمضان المبارک میں تراویح کا پروگرام، نمازیوں کو اور امام حرم کو دیکھنے کی حالت میں امام حرم کے قرآن سننے، وہاں کے نمازیوں کو دیکھنے اور حج کا پروگرام، منیٰ کا پروگرام، صفا مروہ میں دوڑنے کا پروگرام طواف کا پروگرام وغیرہ وغیرہ، یہ سب پروگرام دنیا کے لوگ اسی ٹی وی میں اور اسی ٹیلی ویژن میں دیکھتے ہیں، جس میں فحش اور ناجائز اور حیا سوز پروگرام بھی دیکھا جاتا ہے اور ٹی وی، ٹیلی ویژن رکھنے والے عام طور پر اتنے محتاط نہیں ہوتے ہیں کہ ان کے ٹی وی اور ٹیلی ویژن میں حرمین شریفین کے پروگرام اور دیگر جائز پروگرام کے علاوہ کوئی ناجائز پروگرام قطعی طور پر نہ آسکتا ہو؛ لہٰذا اگر ان کو ان پروگراموں کو دیکھنے کی اجازت دی جائے اور وہ انہیں پروگراموں کو دیکھنے کے ارادے سے ٹیلی ویژن رکھیں، تو وہ ناجائز پروگرام سے اپنے آپ کو بچا نہیں سکتے۔

حدیث پاک میں آیا ہے کہ ہر بادشاہ کے ملک کی ایک سرحد ہوتی اور اللہ سب سے بڑے بادشاہ ہیں، اس کے احکام کی سرحد مشتبہ امور ہیں؛ لہٰذا جو شخص ایسے متردد فیہ اور مشتبہ پروگراموں کو دیکھنے میں مبتلا ہو جاتا ہے، وہ اچانک حرام اور ناجائز پروگرام میں بھی مبتلا ہو جائے گا اور اسے اس کا احساس بھی نہ ہو سکے گا؛ اس لئے حضرات علماء نے سد باب کے طور پر حرمین کے پروگراموں کو بھی ٹیلی ویژن میں دیکھنا ناجائز کہا ہے۔

حدیث شریف ملاحظہ فرمائیے:

عن النعمان بن بشیرؓ، قال: سمعته یقول سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول: وأهوی النعمان بإصبعه إلی أذنیه أن الحلال بین والحرام

بين وبينهما مشتبهات لا يعلمهن كثير من الناس ، فمن اتقى الشبهات استبرأ لدينه وعرضه ومن وقع في الشبهات وقع في الحرام كالراعي يرعي حول الحمي يوشک أن يرتع فيه ألا وإن لكل ملک حمى ألا وإن حمي الله محارمه ألا وإن في الجسد مضغة إذا صلحت صلح الجسد كله، وإذا فسدت فسدت الجسد كله ألا وهي القلب. (صحيح مسلم، كتاب المساقاة، باب أخذ الحلال وترك الشبهات، النسخة الهندية ٢/ ٢٨، بيت الأفكار رقم:١٥٩٩، صحيح البخاري، كتاب الإيمان، با ب فضل من استبرأ لدينه ١/ ١٣، رقم:٥٢)

حضرت نعمان بن بشیرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ سے فرماتے ہوئے سنا ہے، بیشک اللہ نے حلال چیزوں کو واضح کر کے بیان فرمادیا اور اسی طرح حرام کوبھی واضح کردیاہے، اوران دونوں کے مابین کچھ مشتبہ چیزیں ہیں، جن کاحکم بہت سے لوگ نہیں جانتے ہیں؛ لہٰذا جو شخص ان مشتبہ چیزوں سے بچے گا وہ اپنے دین اورعزت کومحفوظ کرلے گا اور جو شخص مشتبہ چیزوں میں مبتلا ہوجائے گا، وہ حرام میں مبتلا ہوجائے گا، جیسا کہ چرواہا چراگاہ کے کنارے پر چراتا ہے،تو بہت ممکن ہے کہ چرانے لگے حدود کے باہر بھی، اورآگاہ ہوجاؤ بیشک ہر بادشاہ کی حکومت کے لئے حدود اوردائرے ہیں،خبردار ہوجاؤ بیشک اللہ کے احکام کے حدود اوردائرے کی سرحد محارم ہیں،آگاہ ہوجاؤ بیشک جسم کے اندر ایک گوشت کا لوتھڑا ہے، جب وہ صحیح سالم رہے،تو پورا جسم صحیح سالم رہتا ہے، اور جب اس میں فساد اور بگاڑ آجائے تو پورے جسم میں فساد آجاتا ہے، بیشک وہ قلب ہے۔

تو معلوم ہوا کہ شریعت میں بہت سی چیزوں کو برائیوں کا دروازہ بند کرنے کے لئے ناجائز قرار دیا جاتا ہے،جن جن راستوں سے برائیوں کا دروازہ کھل سکتا ہے، ان تمام دروازوں کو پہلے ہی سے بند کردیا جاتا ہے، اورفیکٹریوں اورکارخانوں میں جو ویڈیو کیمرا اور ٹی وی چلتا ہے،ان کا دائرہ اور حدود صرف فیکٹریوں تک محدود ہوتے ہیں، ان میں ان

فیکٹریوں کے علاوہ کوئی دوسرا پروگرام آہی نہیں سکتا؛ کیوں کہ ان میں فرم اور فیکٹریوں کی ضروریات کے علاوہ دیگر ناجائز اور فحش پروگرام کے آنے کا امکان نہیں ہوتا ہے؛ اس لئے علماء نے فیکٹریوں اور کارخانوں کے ویڈیو کیمرے کو جائز قرار دیا ہے اور حرمین کے پروگراموں کو سد باب کی وجہ سے ناجائز کہا ہے۔

ویڈیو کیمرے اور ویڈیو کیسٹ کا فرق

ویڈیو کیمرا کا کام صرف کیچ کرنا ہوتا ہے، اور جس حالت میں کیمرا کیچ کر رہا ہوگا، اسی حالت میں اسی مجلس اور اسی اجتماع اور اسی پروگرام کو اس کیمرے سے متعلق چینلوں کے ذریعہ سے ٹیلی ویژنوں میں دیکھا جاسکتا ہے اور اگران ٹیلی ویژنوں میں ویڈیو کے ساتھ ساتھ کیسٹ بھی لگی ہوئی ہے، اور اس کیسٹ کے ذریعہ محفوظ کرلینا چاہے، تو محفوظ کرلیا جاسکتا ہے اور اگر ویڈیو کے ساتھ اس کی ریلوں کی کیسٹ کا بٹن نہیں دبایا گیا ہے، تو پروگرام محفوظ نہیں ہوسکے گا؛ بلکہ جس وقت ویڈیو کیمرا اسکو کیچ کر رہا ہوگا، اسی وقت اس کیمرے سے تعلق رکھنے والے ٹیلی ویژن میں پروگرام دیکھا جاسکتا ہے اور جب پروگرام ختم ہوجائے گا، تو ٹیلی ویژن میں نظر نہیں آئے گا اور نہ ہی بعد میں ان پروگراموں کو دیکھا جاسکتا ہے، تو معلوم ہوا کہ ویڈیو کیسٹ کا تعلق ٹیلی ویژن دیکھنے والوں سے ہے، وہ چاہیں تو محفوظ کرلیں اور چاہیں تو غیر محفوظ چھوڑ دیں اور ویڈیو کیمرے کا کام صرف کیچ کرنا ہوتا ہے اور وہی کیچ شدہ چیز ٹیلی ویژن کے ڈبہ میں نظر آتی ہے، اور کیسٹ کرنے کا کام علیحدہ سے ہوتا ہے، جیسا کہ ٹیپ ریکارڈ میں دو چیزیں ہوتی ہیں، ایک ریڈیو ہوتا اور ایک ریکارڈنگ ہوتی ہے، ریڈیو کے ذریعہ سے باہر کی خبریں سنی جاتی ہیں اگر انہیں ریکارڈ نہ کیا جائے تو وہ خبریں صرف اسی وقت سنی جاسکتی ہیں، بعد میں نہیں سنی جاسکتیں؛ لیکن اگر کیسٹوں میں ریکارڈنگ کرلی جائیں تو وہ خبریں دوبارہ بھی سنی جاسکتی ہیں۔

بغیر پائیلٹ کے ہوائی جہاز

اس وقت دنیا میں سائنس نے اتنی ترقی کرلی ہے کہ بغیر پائیلٹ کے ہوائی جہاز چلنے لگا، امریکہ نے افغانستان پر حملہ کرنے سے پہلے بغیر پائلٹ کے ہوائی جہاز کے ذریعہ سے افغانستان کے فوجی مقامات کا پتہ لگالیا، اسی طرح عراق پر حملہ کرنے سے پہلے بغیر پائیلٹ والے ہوائی جہاز کے ذریعہ سے عراق کے فوجی مورچوں اور فوجی مقامات اور اہم نشانات کا پتہ لگالیا جیسا کہ اس زمانہ کی نشریات کے ذریعہ سے دنیا کی خبروں میں اس کا چرچا ہوا ہے، تو ظاہر بات ہے کہ جن ہوائی جہازوں کے ذریعہ سے دوسرے ملکوں کے باریک اور خفیہ مقامات کا پتہ لگالیا جاتا ہے، ان جہازوں میں نہایت ہائی پاور ویڈیو کیمرے اور انٹرنیٹ کیمرے لگے ہوں گے، اور ان کیمروں کے ذریعہ سے جہاں کے ٹی وی سے ان کیمروں کا تعلق ہے یا جس کنٹرول روم سے ان ہوائی جہازوں کے کیمرے کا تعلق ہے، اس میں مکمل طور پر ان کیمروں سے کیچ کی ہوئی ہر چیز نظر آتی ہے، اگر کوئی فوٹو گرافر اپنے عمدہ ترین فوٹو کیمرے کے ذیعہ سے فوٹو لے لے، اس میں جو صاف ستھری ہر چیز کی فوٹو آجاتی ہے، اس سے کہیں زیادہ عمدہ اور صاف ستھرے انداز سے ان ہوائی جہازوں کے کیمرے کے ذریعہ سے ہر چیز کی تصویر اور نقل وحرکت ذرہ ذرہ کنٹرول روم کے ٹی وی میں نظر آتی ہے۔

اب ان تمام تقریروں سے ہمیں ایک بات پر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ کیمروں کے ذریعہ سے جو فوٹو کھینچا جارہا ہے، اور ہر چیز کی نقل وحرکت کیچ کی جارہی ہے، وہ ٹیلی ویژن میں بعینہ نظر آتی ہے، تو سوال یہ ہے کہ ویڈیو کیمرا جس چیز کو دیکھ کر کیچ کرتا ہے، اس چیز کی تصویریں صورتیں اور نقل وحرکت ٹیلی ویژن میں جس وقت نظر آتی ہے، اس وقت ٹیلی ویژن اس کی تصویر کھینچتا ہے یا ویڈیو کیمرا اس کی تصویر کھینچتا ہے، ان دونوں میں فوٹو گرافر کون ہے؟ تصویر کشی کون کررہا ہے، اس سلسلے میں ویڈیو کیمرا اور ٹیلی ویژن کی ٹکنالوجی سے تعلق رکھنے

والوں سے معلوم ہوا کہ فوٹو گرافر ویڈیو کیمرا ہے، ٹیلی ویژن نہیں ہے، ٹیلی ویژن میں صرف ویڈیو کیمرے نے جس کو کیچ کرلیا ہے، اسے برقی تاروں کے ذریعہ سے یا سرچ لائٹ کے ذریعہ سے ٹیلی ویژن اپنے پاس اس کی شعاعیں کھینچ لیتا ہے، جو عکس کے طور پر ٹی وی اور ٹیلی ویژن کے ڈبے میں نظر آتی ہے۔

تصویر کی حقیقت اور ٹیلی ویژن میں تصویروں کا عکس

سب سے پہلے یہ حقیقت جاننے کی ضرورت ہے کہ تصویر کی حقیقت کیا ہے؟ تصویر کسے کہا جاتا ہے، اور شریعت میں اس کی حرمت کیوں بیان کی گئی ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ کفار ومشرکین اپنے بڑوں کی تصویر اور مجسمہ بنا کر ان کو محفوظ کر لیتے تھے، پھر ان کا احترام عبادت کی حد تک کرنے لگتے تھے، پھر خدا کو بھول کر انہی کو معبود بنا لیا کرتے تھے اور ظاہر بات ہے کہ شریعت میں جس تصویر اور مجسمہ کی ممانعت کی گئی ہے، وہ تصویر اور مجسمہ اپنی حقیقت پر اس وقت ثابت ہوسکتا ہے، جب کہ دیوار یا لکڑی، پلاسٹک یا کاغذ وغیرہ کسی شئ پر علی صفۃ الدوام والاستقرار منقش ہو اور جو صورت اور تصویر علی صفۃ الدوام والاستقرار کسی شئ پر قائم اور منقش نہ ہو؛ بلکہ ظاہر ہو کر فنا ہوتی رہتی ہو، وہ اس تصویر کی حقیقت کے دائرہ میں داخل نہیں ہوسکتی، جس کو شریعت نے حرام قرار دیا ہے، اس لئے کہ جو چیز علی صفۃ الدوام والاستقرار نہ ہو، اور اپنی شکل پر قائم نہ رہے، اس کی عبادت کیسے کس طرح کی جاسکتی ہے، کسی طرح ممکن نہیں ہے کہ اس کی عبادت کی جائے؛ اس لئے تصویر کے تصویر ہونے کے لئے قائم اور ثابت رہنا لازم ہے اور اس طرح تصویر کی حقیقت ماہر علماء نے اس طرح کے الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

(۱) لأن الصورة المحرمة ما كانت منقوشة، أو منحوتة بحيث يصبح لها صفة الاستقرار على شئ وهي الصورة التي كان الكفار

یستعملونها للعبادة. (تکملة فتح الملهم، باب تحريم تصوير صورة الحيوان، التلفزيون، اشرفيه ديوبند ٤/١٦٤)

اس لئے کہ وہ تصویر جس کی حرمت بیان کی گئی ہے، ایسی ہوتی ہے جو کسی شیٔ پر منقش ہو یا ممثل ہو، اس طریقے سے کہ وہ نقشہ اس شیٔ کے اوپر دوام اور استقرار کے ساتھ متصف ہو اور یہی وہ تصویر ہے، جس کو کفار ومشرکین عبادت کے لئے بنایا کرتے تھے۔

(۲) اور ملاعلی قاریؒ نے مشکوۃ کی شرح مرقات میں صاف الفاظ میں نقل فرمایا ہے کہ تصویر اس کو کہا جاتا ہے، جو کسی دیوار یا چادر یا پردہ وغیرہ پر کسی ذی روح اور صورت حیوان کے ساتھ متصف اور متصل ہو، تو ظاہر بات ہے کہ دیوار اور چادر وغیرہ پر جو تصویر ہوتی ہے، اس میں ثبات اور استقرار ہوا کرتا ہے۔ ملاعلی قاریؒ کی عبارت ملاحظہ ہو۔

التصاوير جمع التصوير وهو فعل الصورة، والمراد به هنا ما يتصور مشبها بخلق الله من ذوات الروح مما يكون على حائط، أو ستر كذا ذكره ابن الملك. (مرقاة المفاتيح، مطبوعه اشرفيه ديوبند ٨/٣٢٥)

تصاویر: تصویر کی جمع ہے، اور وہ تصویر کا بنانا ہے اور یہاں اس سے مراد اللہ کی پیدا کی ہوئی کسی جاندار مخلوق کی خلقت کے مشابہ ایسی تصویر ہے، جو کسی دیوار یا پردہ پر قائم ہو۔

تصویر کی حقیقت کے بارے میں امام نوویؒ نے مسلم شریف کی شرح میں تھوڑی سی اور وضاحت فرمائی ہے، کہ تصویر کی دو قسمیں ہیں:

(۱) وہ تصویر جس کے لئے سایہ ہو یعنی مجسمہ اور تمثال کہ باضابطہ طور پر سایہ میں بھی اس جاندار کی ہیئت نظر آتی ہو، جیسا کہ ابھی حال ہی میں ہمارے مرادآباد میں دہلی روڈ پر چرن سنگھ کی مورتی رکھی گئی ہے اور نئی دہلی میں گاندھی جی کے ساتھ آزادی کا مطالبہ کرنے والوں کی جو آزادی لینے کے لئے جاتے ہوئے شکل دکھائی گئی ہے، اس میں گاندھی جی کی قیادت میں ہندو، مسلم، سیکھ وغیرہ مختلف مذاہب کے لوگوں کی مورتیاں بنی ہوئی ہیں، اسی

طرح مایاوتی نے جگہ جگہ ڈاکٹر امبیڈکر کا مجسمہ کھڑا کردیا ہے، یہ ہے سایہ دار تصویر۔

(۲) وہ تصویر جو کسی شئ کے ساتھ ایسے متصلا ور متصف ہو جائے کہ دیکھنے والے کو تو اچھی طرح نظر آجائے، مگر اس تصویر کا اپنی ہیئت کے ساتھ سایہ نہیں بنتا ہے، جیسا کہ دیوار پر تصویر کپڑے پر تصویر، چادر اور پردے پر تصویر وغیرہ وغیرہ چاہے ہاتھ سے بنائی گئی ہو یا کیمرے سے، تو پہلی قسم کی تصویر کی حرمت پر سب کا اتفاق ہے اور دوسری قسم کی تصویر کی حرمت میں بعض لوگوں نے اختلاف کیا ہے، جس کو جمہور نے قول باطل کہہ کر کے ٹھکرا دیا ہے، اسی سے بعض علماء عرب نے کیمرے کی تصویر کو حدیث تصویر سے خارج کیا ہے، اس وجہ سے کیمرے کی تصویر کے معاملے میں حدیث شریف کی دلالت ظنی ہوگئی، اس کی قطعیت باقی نہیں رہی۔ بہر حال اس سے واضح ہوا کہ تصویر چاہے مجسمہ کی شکل میں ہو یا دیوار یا کاغذ وغیرہ پر ہاتھ سے منقش کر کے بنائی گئی ہو یا کیمرے کے ذریعہ سے نگیٹیو تیار کر کے تصویر بنائیگئیہو، ہر صورت میں تصویر موجودات خارجیہ میں سے کسی شئ کی ایسی صفت ہونا لازم ہے، جو اس شئ کے ساتھ متصف اور مستقر ہو۔ امام نوویؒ کی عبارت کا مختصر ٹکڑا املاحظہ فرمایئے:

(۳) وقال بعض السلف: إنما ينهى عما كان له ظل، ولا بأس بالصورة التي ليس لها ظل، و هذا مذهب باطل، فإن الستر الذي أنكر النبي صلى الله عليه وسلم: الصورة فيه لا يشک أحد أنه مذموم وليس لصورته ظل. (شرح المسلم للنووي ۱۹۹/۲)

اور بعض سلف نے کہا کہ حدیث تصویر میں ان مجسموں کی ممانعت ہے، جن کے لئے اپنی ہیئت کے ساتھ سایہ کا وجود ہو اور ایسی تصویر میں کوئی حرج نہیں ہے، جو کسی شئ کے ساتھ متصل ہونے کی وجہ سے ان کے لئے سایہ نہ ہو اور یہ مذہب اور قول باطل ہے؛ اس لئے کہ وہ پردہ جس پر تصویر دیکھنے کی وجہ سے حضور ﷺ نے انکار فرمایا تھا، اس کے بارے میں کسی کو اس بات میں کوئی شک نہیں پیدا ہوسکتا کہ بیشک وہ مذموم اور بری شئ ہے؛ حالانکہ اس پردے کی تصویر کا سایہ نہیں تھا۔

(۴) اس کو صاحب روح المعانی علامہ آلوسیؒ نے اس سے بھی واضح انداز سے نقل فرمایا ہے کہ ہمارے نزدیک تصویر کے لئے اس بات میں کوئی فرق نہیں ہے کہ وہ تصویر، مجسمہ اور مورتی کی شکل میں سایہ دار ہو یا سایہ دار نہ ہو، جیسا کہ مثال کے طور پر منقش گھوڑے کی تصویر کسی کاغذ یا دیوار کے اوپر نظر آ جائے، صاحب روح المعانی کی عبارت ملاحظہ فرمایئے:

لا فرق عندنا بين أن تكون الصورة ذات ظل وأن لا تكون كذلك كصورة الفرس المنقوشة على كاغذ أو جدار مثلاً. (روح المعاني، سورة السبا، مطبوعه، زكريا ديوبند ١٢/١٧٣)

ہمارے نزدیک اس بات میں کوئی فرق نہیں ہے کہ تصویر، مجسمہ اور مورتی کی شکل میں سایہ دار ہو یا ایسا سایہ دار نہ ہو، جیسا کہ کسی کاغذ یا دیوار کے اوپر گھوڑے کی منقش تصویر۔

صاحب روح المعانی کی عبارت سے بھی واضح ہوا کہ تصویر کے تصویر ہونے کے لئے چاہے سایہ دار نہ ہو، مگر کسی جامد چیز کے ساتھ متصف اور مستقر ہونا لازم ہے۔

(۵) الموسوعۃ الفقہیہ میں شریعت کے ممنوع اور حرام تصویر کے بارے میں چند شرطیں لکھی ہیں، ان میں سے پہلی شرط تصویر محرمہ کی حقیقت سے متعلق ہے، اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ انسان یا حیوان کی ایسی تصویر ہو کہ مجسمہ اور مورتی کی شکل میں اس کا سایہ بھی ہو؛ لہٰذا اگر مجسمہ کی شکل میں سایہ نہ ہو، تو اس کا بنانا حرام نہیں ہے، جیسا کہ دیوار یا کاغذ یا کسی نقش و نگار پر منقش تصویر ہوتی ہیں، ہاں البتہ اسے مکروہ تو کہا جا سکتا ہے؛ لیکن اس کے بنانے کو حرام نہیں کہا جا سکتا، تو اس سے بھی واضح ہوا کہ جس تصویر کا سایہ نہ ہو، جس کو ہم تصویر اور فوٹو سے تعبیر کرتے ہیں، اس کا کسی جامد چیز کے ساتھ متصل اور مستقر ہونا لازم ہے، مثلاً دیوار یا کاغذ یا کسی نقش و نگار کی شیٔ پر متصف ہو۔ عبارت ملاحظہ فرمایئے:

والشرط الأول: أن تكون صورة الإنسان، أو الحيوان مما له ظل أي تكون تمثالا مجسداً، فإن كانت مسطحة لم يحرم عملها

وذلک کالمنقوش في جدار، أو ورق أوقماش؛ بل یکون مکروهاً. (الموسوعة الفقهية ١٢/١/١٠١)

اور پہلی شرط یہ ہے کہ انسان یا حیوان کی ایسی صورت کا مجسمہ ہو، جس کے لئے سایہ ہوتا ہو، یعنی جسم والے حیوان کی شکل میں مجسمہ ہو؛ لہٰذا اگر کسی شئ پر مسطح ہو، تو اس کا بنانا حرام نہیں ہے، جیسا کہ کسی دیوار یا ورق یا نقش ونگار کی شئ پر منقش تصویر ہوتی ہے، ہاں البتہ اس کا بنانا مکروہ ہوگا۔

(٦) اور اس کو علامہ بدرالدین عینیؒ نے عمدۃ القاری شرح بخاری میں اس طرح کے الفاظ سے نقل فرمایا ہے۔

والصورة ما کان رقمًا، أو تزویقا في ثوب، أو حائط. (عمدة القاری دارإحیاء التراث العربی بیروت ٢٢/ ٧٠، زکریا ١٥/ ١٢٤)

اور صورت وتصویر اسکو کہا جاتا ہے، جو لائن اور لکیر دار ہو، یا کسی کپڑے یا دیوار پر نقس ونگار کی شکل میں ہو، اسکو صاحب عنایہ نے اس طرح کے الفاظ سے نقل فرمایا ہے۔

ومنهم من قال التمثال ماتصوره علی الجدار والصورة ماتصور علی الثوب ولیس بواضح. (عنایه مع الفتح زکریا دیوبند ١/ ٤٢٩، کوئٹه ١/ ٣٦٤)

کہ تمثال وہ ہے کہ جو کسی دیوار پر ہوتا ہے اور تصویر اسے کہا جاتا ہے، جو کپڑے وغیرہ پر ہو اور ایسا واضح نہ ہو، جس کے لئے سایہ ہوتا ہو۔

حضرات محدثین اور فقہاء اور مفسرین کے مذکورہ تصریحات کے ذریعہ سے معلوم ہوگیا ہے کہ تصویر اسے کہا جاتا ہے، جو کسی جامد شئ کے اوپر مستقر ہو، چاہے ہاتھ سے بنائی گئی ہو یا کیمرے سے نگیٹیو کے ذریعہ سے تیار کی گئی ہو، ایسی نہ ہو کہ عکس اور سایہ کی طرح اپنی جگہ برقرار نہ ہو کر ظاہر ہوتی رہے، پھر زائل ہوتی رہے؛ اس لئے کہ جو چیز اصل شئ کے ساتھ ساتھ ظاہر ہوتی رہے اور پھر زائل ہوتی رہے، اس کو تصویر نہیں کہتے ہیں؛ بلکہ اس کو عکس یا سایہ کہا جاتا ہے۔

انٹرنیٹ اور کمپیوٹر

یہاں یہ بات بھی واضح ہوجانا ضروری ہے کہ انٹرنیٹ پر جو خبریں آتی ہیں، اس پر عام طور پر خبر دینے والے کی تصویر بھی نظر آتی ہے، یہ بھی درحقیقت تصویر نہیں ہے؛ بلکہ خبر دینے والے کا اسی طرح کا عکس ہے، جو ٹیلی ویژن پر آتا ہے، اور انٹرنیٹ کے ذریعہ سے دنیا کے مواصلات نہایت آسان ہو چکے ہیں، مگر انٹرنیٹ میں بھی ان ہی تمام شرائط وقیود ات کا لحاظ رکھنا ضروری ہے، جو ٹی وی اور ٹیلی ویژن میں کہا گیا ہے کہ جس طرح ٹی وی اور ٹیلی ویژن میں عورت کی مشکل صورت کا عکس دیکھنا ناجائز ہے، اسی طرح انٹرنیٹ پر بھی اس کو دیکھنا جائز نہیں ہے۔

نیز سی ڈی کے ذریعہ سے اگر کمپیوٹر میں پروگرام بھرلیا ہے، تو اس میں بھی عورتوں کا پروگرام ناجائز اور حرام ہوگا اور مردوں کے جائز پروگرام کے ساتھ ان کی تصویروں کا دیکھنا جائز اور درست ہوگا، مگر نامحرم عورتیں جن میں مردوں کی صورت دیکھ کر ہیجان وتلذذ پیدا ہوسکتا ہے، ان کے لئے دیکھنا جائز نہیں ہے اور چونکہ انٹرنیٹ حیاسوز اور فحش پروگراموں کے لئے نہیں بنایا گیا؛ بلکہ مواصلات اور خبروں کے لئے بنایا گیا ہے؛ اس لئے کمپیوٹر کی طرح انٹرنیٹ کا استعمال جائز اور درست ہے، ہاں البتہ اس میں کوئی غلط پروگرام شامل کرلیا جائے تو ناجائز ہوگا، اسی طرح کیمرے والے موبائل میں عورتوں کے لئے نامحرم مردوں کی تصویر کیمرے میں رکھنا اور مردوں کے لئے نامحرم عورتوں کی عکسی تصویر اپنے موبائل میں شامل کرنا ناجائز اور حرام ہوگا؛ اس لئے کہ ان میں ایک دوسرے کو دیکھ کر تلذذ حاصل کیا جائے گا، جس سے نگاہوں کا گناہ اور معصیت میں مبتلا ہونے کا شکار ہوسکتا ہے، جو نصِ حدیث ناجائز اور حرام ہے۔

نصوص سے استدلال کیسے کریں؟

شریعت کے صریح نصوص سے براہ راست حاصل کرنا مشکل ہے، ہاں البتہ ان سے قریب ترین نصوص شرعیہ کونظیر بنانے کی ضرورت ہے کہ اس کی حقیقت ان نظائر میں شامل ہے یانہیں اور یہ بات سب کومعلوم ہے کہ ٹیلی ویژن اور ویڈیو کیمرے کی حقیقت کونصوص تصویر سے زیادہ مشابہت حاصل ہے؛ اس لئے ٹیلی ویژن کی حقیقت کی شناسائی کے سلسلے میں حدیث تصویر کوموضوع بحث بنانا پڑے گا، ہاں البتہ ٹیلی ویژن میں جو فاحش پروگرام آتے ہیں، ان کے حکم کے متعلق نصوص شرعیہ میں صریح حکم موجود ہے؛ لہٰذا ویڈیو کیمرے اور ٹیلی ویژن کے چینل سے متعلق حقیقت پرغور کرنے کے لئے حدیث تصویر کوموضوع بحث بنانے کے لئے اولاً نصوص شرعیہ کی اقسام پرایک نظر ڈالتے جائیں، اس کے بعد حدیث تصویر کو سامنے رکھ کر مسئلہ ویڈیو کیمرا اورٹی وی چینل پر بحث کریں گے۔

نصوص شرعیہ کی چار قسمیں

قرآن کریم اوراحادیث شریفہ کی نصوص کل چار قسموں پر ہیں:

(۱) قطعی الثبوت قطعی الدلالۃ (۲) قطعی الثبوت ظنی الدلالۃ (۳) ظنی الثبوت قطعی الدلالۃ (۴) ظنی الثبوت ظنی الدلالۃ اوراس کوفقہاء نے ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے۔

بيان ذلک أن الأدلة السمعية أربعة. الأول: قطعي الثبوت والدلالة كنصوص القرآن المفسرة، أو المحكمة والسنة المتواترة التي مفهومها قطعي. والثاني: قطعي الثبوت ظني الدلالة كالآيات المؤولة، الثالث: عكسه كأخبار الآحاد التي مفهومها قطعي الرابع ظنيهما كأخبار الآحاد التي مفهومها ظني، فبالأول يثبت الفرض والحرام، وبالثاني، والثالث الواجب وكراهة التحريم، وبالرابع: السنة، أو المستحب. (شامي، كراچي ۱/۹۵و۶/۳۳۷، زكريا جديد ۱/۲۰۷و ۹/۴۸۷، هكذافي العرف الشذي ۱/۶، طحطاوي على المراقي قديم ۳۱، جديد دارالكتاب ديوبند ۵۷، حاشية شرح نقايه، مكتبه اعزازية ديو بند ۱/۴)

اس کی وضاحت یوں ہے کہ ادلہ سمعیہ چار ہیں:

(۱) قطعی الثبوت قطعی الدلالۃ، جیسا کہ قرآن کریم کی نصوص مفسرہ اور نصوص محکمہ اور وہ احادیث متواترہ جن کا مفہوم قطعی ہو۔

(۲) قطعی الثبوت ظنی الدلالۃ ،جیسا کہ وہ آیات قرآنیہ جن میں تاویل کی گنجائش ہوتی ہے۔

(۳) اس کے برعکس ہے وہ اخبار آحاد جن کی دلالت قطعی ہونے کی وجہ سے تاویل کی گنجائش نہ ہو۔

(۴) ظنی الثبوت ظنی الدلالۃ، جیسا کہ وہ اخبار آحاد جن کا مفہوم ظنی ہونے کی وجہ سے تاویل کی گنجائش ہو، اول سے فرضیت اور حرمت ثابت ہوتی ہے، ثانی اور ثالث سے واجب اور کراہت تحریمی ثابت ہوتی ہے اور رابع سے سنت یا مستحب ثابت ہوتا ہے۔

اب نصوص کی چاروں قسموں میں سے ہر ایک کی اجمالی تفصیل ذیل میں درج کی جارہی ہے۔

(۱) قطعی الثبوت قطعی الدلالۃ: اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن وحدیث کی وہ نصوص جن کا ثبوت قطعی ہو اور دلالت بھی قطعی ہو اور قطعی الثبوت کا مطلب یہ ہے کہ قرآن یا احادیث متواترہ سے ثابت ہو اور قطعی الدلالۃ کا مطلب یہ ہے کہ اس نص سے جو حکم ثابت ہورہا ہے، اس میں کسی قسم کی تاویل کی گنجائش نہ ہو اور اس نص کے ذریعہ سے کسی شئ کے کرنے کا حکم کیا جائے ،تو اس کا کرنا فرض ہوگا اور اگر ترک کرنے کا حکم کیا جائے اور اس کے اختیار سے منع کیا جائے ،تو اس نص سے اس شئ کی حرمت ثابت ہوتی ہے اور ایسے نصوص کا منکر کافر ہوجاتا ہے، جیسا کہ آیت کریمہ:

من شهد منكم الشهر فليصمه. [البقرہ: ۸۵]

جس شخص کی زندگی میں رمضان کا مہینہ آجائے، وہ رمضان کا روزہ ضرور رکھ لے۔

یہ آیت قرآن سے ثابت ہونے کی وجہ سے قطعی الثبوت اور فلیصمہ سے فرضیت صوم میں تاویل کی گنجائش نہ ہونے کی وجہ سے قطعی الدلالۃ ہے۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ . [المائده:۳]

تم پر مردار خون اور خنزیر کا گوشت حرام کردیا گیا ہے۔

یہ آیت قرآن سے ثابت ہونے کی وجہ سے قطعی الثبوت ہے اور مذکورہ اشیاء کی حرمت میں تاویل کی گنجائش نہ ہونے کی وجہ سے قطعی الدلالۃ ہے اور اسی طرح بہت سی احادیث شریفہ بھی قطعی الثبوت قطعی الدلالۃ ہیں، جیسا کہ پانچ نمازوں کا ثبوت اور نماز کے اوقات خمسہ کا ثبوت یہ احادیث متواترہ سے ثابت ہیں؛ اس لئے قطعی الثبوت ہیں اور پانچ وقت نماز کے فرض ہونے میں تاویل کی گنجائش نہ ہونے کی وجہ سے قطعی الدلالۃ ہیں اور اس موضوع کی روایات کتب احادیث میں طویل بھی آئی ہیں اور مختصر بھی اور ہم یہاں مختصر سی ایک حدیث امامت جبرئیل سے متعلق اور ایک حدیث پانچ نمازوں کی فرضیت سے متعلق اور ایک حدیث کذب علی النبی ﷺ سے متعلق نقل کرتے ہیں۔

(۱) نزل جبرئيل فأمني فصليت معه، ثم صليت معه، ثم صليت معه، ثم صليت معه، ثم صليت معه يحسب بأصابعه خمس صلوات. (صحيح مسلم ۱/ ۲۲۱، رقم: ۶۱۰، صحيح البخاري ۱/ ۷۵، رقم: ۵۱۵، ف: ۵۲۱)

حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ حضرت جبرئیل امین نے تشریف لاکر میری امامت فرمائی تو میں نے ان کے ساتھ نماز پڑھی اس کے بعد پھر دوسری نماز پڑھی، پھر تیسری نماز پڑھی، پھر چوتھی نماز پڑھی، پھر پانچویں نماز پڑھی اور حضور ﷺ نے اپنی انگلیوں سے پانچ نمازیں شمار فرمائی ہیں۔

(۲) قال يا محمد إنهن خمس صلوات كل يوم وليلة. الحديث

(صحيح مسلم ۱/ ۹۱، رقم:۱۶۲، صحيح البخاري ۱/ ۱ذ۵، رقم: ۳۴۷، ف: ۳۴۹)

(لیلۃ الاسرا میں آخری مرتبہ میں) اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے محمد یہ نمازیں دن ورات میں پانچ ہی ہوں گی۔

وفی البخاری لايبد ل القول ا لدي. الحديث

اور بخاری شریف میں اس کا اضافہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہمارے یہاں قول میں تبدیلی نہیں ہوتی۔

(۳) **من كـذب علي متعمدًأ فليتبو أمقعده من النار. الحديث** (صحيح مسلم ۱ /۷، رقم: ۳، نزهة النظر ۱۱)

جوشخص مجھ پر جھوٹ باندھے وہ اپناٹھکانہ جہنم میں بنالے۔

(۲) قطعی الثبوت ظنی الدلالۃ: یہ ایسی نص ہے، جس کا ثبوت قرآن سے ہو، مگر اس میں تاویل اور مختلف معنی مرادی نکالنے کا احتمال ہو، تو اس کا ثبوت؛ چونکہ قرآن سے ہے؛ اس لئے قطعی الثبوت ہے اور اس کے معنی مرادی میں مختلف جہتوں کا احتمال ہوتا ہے؛ اس لئے اس کی دلالت قطعی نہیں ہے؛ بلکہ ظنی ہے، جیسا کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

المطلقت يتر بصن بأنفسهن ثلثة قروء. [البقره:۲۲۸]

مطلقہ عورتیں اپنے آپ کو تین قروء تک روکے رکھیں۔

اس آیت کریمہ میں لفظ قروء دو احتمال رکھتا ہے:

(ا) قروء سے حیض مراد ہو، جیسا کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ نے یہی مراد لیا ہے۔ نیز حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا راجح قول بھی یہی ہے، مگر حضرت امام شافعیؒ اور امام مالکؒ نے قروء سے حیض مراد نہیں لیا؛ بلکہ اس سے طہر مراد لیا ہے۔ (عمدۃ القاری، داراحیاء التراث العربی بیروت ۲۰/۳۰۶، زکریا دیوبند ۱۴/۳۳۷، حاشیہ بخاری شریف ۲/۸۰۲)

لہٰذا آیت کے اس لفظ میں تاویل کی گنجائش ہونے کی وجہ سے ائمہ مجتہدین کے درمیان معنیٰ مرادی کے متعین کرنے میں اختلاف واقع ہوگیا ہے اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا. [المائده:٦]

یہ آیت کریمہ نص قرآنی ہونے کی وجہ سے قطعی الثبوت ہے؛ لیکن اس کے معنی مرادی

میں تاویل کی گنجائش ہونے کی وجہ سے ائمہ میں اختلاف ہوگیا ہے؛ چنانچہ حضرات حنفیہؒ لمستم سے جماع مراد لیتے ہیں اور حضرات ائمہ ثلاثہ امام کسائی اور حمزہ کی قراءت أو لمستم النساء کے مطابق لمس بالید مراد لیتے ہیں اور امام شافعیؒ کا مفتی بہ قول یہی ہے کہ لمستم سے لمس بالید مراد ہے؛ اس لئے ان حضرات کے نزدیک مس مرأة ناقض وضو ہے اور حنفیہؒ کے نزدیک چونکہ جماع مراد ہے؛ اس لئے مس مرأة ناقض وضو نہیں ہے؛ لہٰذا معنی مرادی میں تاویل کی گنجائش ہونے کی وجہ سے ظنی الدلالۃ ہے، اسی طرح مسح علی الخفین کی روایت بے شمار صحابہ سے تواتر کے ساتھ مروی ہے؛ لہٰذا تواتر اسانید کی وجہ سے حدیث شریف قطعی الثبوت ہے، مگر اس کے معنی مرادی میں تاویل کی گنجائش ہے؛ اس لئے کہ شیعہ امامیہ اور خوارج نے یہ کہا کہ مسح علی الخفین مطلقاً جائز نہیں ہے اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کا موزوں پر مسح کرنا سورۂ مائدہ کے نزول سے پہلے کا واقعہ ہے اور ابن رشد مالکیؒ نے بدایۃ المجتہد ۱/۱۸ر میں امام مالک کا قول نقل کیا ہے کہ مسح علی الخفین صرف مسافر کے لئے جائز ہے، مقیم کے لئے جائز نہیں ہے، مگر حضرت امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور جمہور فقہاء کے نزدیک مسح علی الخفین مسافر اور مقیم دونوں کے لئے جائز ہے۔ (ایضاح الطحاوی ۱/۲۴۱، ترمذی مع العرف الشذی، امام ترمذیؒ نے مسح علی الخفین کی روایت کو انیس صحابہ سے نقل فرمایا ہے ۱/۲۷، حاشیہ نخبۃ الفکر۱۲)

اور صاحب بدائع نے امام حسن بصری کے حوالے سے نقل فرمایا ہے کہ ستر بدری صحابہ سے مسح علی الخفین کی روایت مروی ہے۔ (بدائع الصنائع قدیم ۱/۷، جدید زکریا ۱/۷۷)

لہٰذا یہ حدیث شریف تواتر سے ثابت ہونے کی وجہ سے قطعی الثبوت ہے، مگر تاویل کی گنجائش ہونے کی وجہ سے ظنی الدلالۃ ہے۔

(۳) ظنی الثبوت قطعی الدلالۃ: یہ ایسی نص ہے جو خبر واحد یا خبر مشہور سے ثابت ہو اور اس کے معنی مرادی میں تاویل کی گنجائش نہ ہو اور تمام امت نے متفق ہو کر اس کے ایک

معنی مراد لئے ہوں، جیسا کہ حدیث پاک میں حضور پاک ﷺ کا ارشاد ہے:

ألا لایحج بعدهذا العام مشرک، و لا یطوف بالبیت عریان.

(سنن النسائی، النسخة الهندیة ۲/ ۳۱، دارالسلام رقم: ۲۹۶۰)

آ گاہ ہو جاؤ کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہیں کر سکتا اور نہ ہی بیت اللہ شریف کا ننگے ہو کر طواف کیا جا سکتا ہے۔

یہ حدیث شریف تواتر اسانید سے مروی نہ ہونے کی وجہ سے ظنی الثبوت ہے، مگر اسکے معنی مرادی میں تاویل کی گنجائش نہ ہونے کی وجہ سے قطعی الدلالۃ ہے؛ لہٰذا ۹ ھ میں حضرت صدیق اکبرؓ کی امارت کے تحت حج کے موقع پر اس اعلان کے بعد مشرک کے لئے حج کرنا اور ننگے ہو کر بیت اللہ کا طواف کرنا ہمیشہ کے لئے حرام ہو گیا ہے، اور اس کی حرمت میں امت میں سے کسی کا اختلاف نہیں ہے اور اسی طرح صدقۂ فطر کی روایت ہے۔

عن ابن عمر قال: فرض رسول الله صلى الله علیه وسلم: صدقة الفطر على الذكر والأنثیٰ، والحر، والمملوک. الحدیث (سنن الترمذي، النسخة الهندیة ۱/ ۱۴۶، دارالسلام رقم: ۶۷۵)

حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے ہر مرد اور عورت اور ہر آزاد و غلام پر صدقۂ فطر فرض فرمایا ہے:

اور یہاں فرض سے واجب مراد ہے اور یہ حدیث شریف میں خبر متواتر نہ ہونے کی وجہ سے ظنی الثبوت ہے اور صدقۂ فطر کے وجوب پر تاویل کی گنجائش نہ ہونے کی وجہ سے قطعی الدلالۃ ہے۔

(۴) ظنی الثبوت ظنی الدلالۃ: یہ ایسی نص ہے جو خبر واحد سے ثابت ہوا ور اسکے معنی مرادی میں تاویل کی بھی گنجائش ہو، جیسا کہ جمعہ سے پہلے چار رکعت سنت کی روایت ہے، حضرات حنفیہؒ اس کو سنت مؤکدہ کہتے ہیں اور یہ روایت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے اثر سے ثابت ہے۔

عن عبد اللّٰه بن مسعودؓ، أنه كان يصلي قبل الجمعة أربعًا وبعدها أربعًا.

(سنن الترمذي، النسخة الهندية ۱/ ۱۱۷-۱۱۸، دار السلام رقم: ۵۲۳)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ وہ چار رکعت جمعہ سے پہلے پڑھتے تھے، اور چار رکعت جمعہ کے بعد پڑھتے تھے۔

یہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا اثر ہے اور سنن ابن ماجہ، نسخہ ہندیہ ۱/ ۷۹، جدید دار البشائر الاسلامیہ رقم: ۱۱۲۹/ میں یہ حدیث شریف حضرت ابن عباسؓ سے مرفوعاً مروی ہے؛ لیکن سند کمزور ہے، اور یہ حدیث شریف ظنی الثبوت ہے، اور تاویل کی گنجائش ہونے کی وجہ سے ظنی الدلالۃ ہے؛ لہٰذا حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک جمعہ سے پہلے چار رکعت پڑھنا سنت ہے اور امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک چار رکعت پڑھنا سنت نہیں ہے۔ (بذل المجہود قدیم مطبع سہارنپور ۲/ ۱۹۸، جدید دارالبشائر الاسلامیہ بیروت ۵/ ۱۹۳، ایضاح الطحاوی ۲/ ۳۲۸)

اسی طرح حضرت ابوہریرۃؓ کی روایت ہے۔

إذا أقيمت الصلوة فلا صلوة إلا المكتوبة. الحديث (سنن الترمذي، النسخة الهندية ۱/ ۹۶، دار السلام رقم: ۴۲۱)

یہ حدیث شریف خبر واحد ہونے کی وجہ سے ظنی الثبوت ہے اور تاویل کی گنجائش ہونے کی وجہ سے اس کی دلالت بھی ظنی ہے؛ لہٰذا جماعت شروع ہوجانے کے بعد سنتیں پڑھنا مکروہ تحریمی یا حرام نہ ہوگا؛ بلکہ صرف مکروہ تنزیہی ہوسکتا ہے اور جماعت کھڑی ہوجانے کے بعد فجر کی سنت تو حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک بلا کراہت جائز ہے۔

حدیث تصویر پر ایک نظر

حدیث تصویر **" إنّ أشد الناس عذابًا يوم القيٰمة المصورون". الحديث**

(صحيح مسلم، النسخة الهندية ٢/ ٢٠١، بيت الأفكار رقم: ٢١٠٩، مشكوة ٢/ ٨٨٠، جواهر الفقه قديم ١٧٥/٣، جديد زكريا ١٨٩/٧)

اس کے بارے میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ نے یہ ثابت فرمایا کہ یہ حدیث شریف تواتر اسانید سے ثابت ہے اور انہوں نے تصویر سے متعلق اکتیس روایات نقل فرمائی ہیں، جن میں سے بیس روایات تصویر کشی کی حرمت سے متعلق ہیں؛ لہٰذا اگر اس حدیث شریف کے متواتر ہونیکی بات ثابت ہو جاتی ہے، تو یہ حدیث شریف قطعی الثبوت ہوگی۔

اب اس کی دلالت سے متعلق غور کرنے کی ضرورت ہے کہ اس کی دلالت قطعی ہے یا ظنی؟ نیز کس قسم کی تصویر میں قطعی اور کس قسم میں ظنی ہے، تو حضرت مفتی صاحب موصوف قدس سرہ کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی دلالت اور مفہوم بھی قطعی ہے، تو قطعی الثبوت اور قطعی الدلالۃ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ تصویر کشی مطلقاً حرام ہوگی؛ لہٰذا اس کی اباحت کے لئے اضطراری ضرورت کا ثبوت بھی لازم ہوگا، اس کے بغیر محض حاجت کی وجہ سے تصویر بنانا یا بنوانا ہرگز جائز نہیں ہوگا اور حضرت مفتی صاحب موصوف نے جواہر الفقہ میں اسی کو ثابت فرمایا ہے۔ (جواہر الفقہ قدیم ۱۷۵/۳، جدید زکریا ۱۸۹/۷)

اب اس حدیث شریف کے مضمون کے بارے میں کچھ تفصیل کی ضرورت ہے کہ حدیث تصویر کے اندر جانوروں کا وہ مجسمہ جو ہاتھ سے یا اوزار سے بنایا جاتا ہے، اس کے مراد ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے؛ بلکہ تمام امت کا اتفاق اس بات پر ہے کہ حدیث تصویر میں مجسموں کی حرمت متعین ہے؛ لہٰذا جانوروں کے مجسموں کے متعلق حدیث شریف قطعی الدلالۃ اور قطعی الثبوت ہوگی؛ اس لئے مجسمہ بنانا یا بنوانا سب قطعی حرام ہوگا اور حضرت مفتی صاحب نے جو قطعی الدلالۃ ثابت کرنے کی کوشش فرمائی ہے، اس سے اگر یہی مجسمہ کی تصویر مراد ہے، تو اس کی حرمت کے قطعی ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں ہوگا؛ لیکن بعض علماء عرب کیمرے کی تصویر کی حرمت کو حدیث شریف کے قطعیت کے مفہوم سے

مستثنیٰ قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ قطعیت میں صرف مجسمہ اور تماثیل داخل ہیں، کیمرے کی تصویر داخل نہیں ہے؛ اس لئے کہ نزول قرآن کے زمانہ میں کیمرے کی تصویر کا وجود نہیں تھا؛ لہٰذا اس میں تأویل کی گنجائش نکل سکتی ہے، اور ایسی صورت میں حدیث شریف اگرچہ قطعی الثبوت ہے، مگر کیمرے کی تصویر کے حق میں اس کی دلالت ظنی ہونے کی وجہ سے اس سے حرمت قطعیہ کا ثبوت نہیں ہوتا؛ بلکہ حرام کے قریب کراہت تحریمی کا ثبوت ہوسکتا ہے جو کہ ضرورت بمعنی حاجت کی وجہ سے مباح ہوجاتی ہے؛ لہٰذا ایسی صورت میں اسکولوں، کالجوں، کمپنیوں، فرموں، سرکاری محکموں اور مدارس کے افراد کے لئے شناختی کارڈ وغیرہ کے لئے بھی تصویر کھنچوانا جائز اور مباح ہوجائیگا۔ نیز آج کل جو ملکی سطح پر وطنی تصدیق نامہ کے طور پر شناختی کارڈ بنانے کا سلسلہ جاری ہوا ہے، اس کے لئے بھی کیمرے کی تصویر بنانا بلاتردد جائز ہوگا اور یہی توجیہ زیادہ صحیح اور راجح ہے۔

کیمرے کی تصویروں کے بارے میں جو اوپر اختلاف نقل کیا گیا ہے اور یہ ثابت کیا گیا ہے کہ اگر کیمرے کی تصویروں کو مذکورہ حدیث شریف کے حکم کے دائرہ میں داخل کیا جائے، تو حدیث شریف کے قطعی الثبوت اور ظنی الدلالت ہونے کی وجہ سے کیمرے کی تصویر کی حرمت میں تخفیف آئی ہے اور بعض علماء عرب کے قول کے مطابق کیمرے کی تصویر مذکورہ حدیث کی حرمت کے دائرے میں داخل نہیں ہے۔ (علماء عرب کے اختلاف کی تفصیل تکملۃ فتح الملہم اشرفیہ دیوبند ۱۶۲/۴ تا ۱۶۴/۴ میں موجود ہے)

لیکن سوال یہ ہے کہ ویڈیو کیمرے کے ذریعہ سے ٹیلی ویژن اور ٹی وی کے شیشے کے ڈبہ میں جو تصویریں نظر آتی ہیں، وہ کونسی تصویر ہیں، تو اس کی تفصیل ''ٹیلی ویژن کے ڈبے میں نظر آنیوالی تصویروں کی حقیقت'' کے عنوان اور ''عکس اور سایہ'' کے عنوان اور ''تصویر اور عکس کا فرق'' کے عنوان کے ذیل میں واضح کردیا ہے کہ ٹیلی ویژن میں نظر آنے والی تصویریں اور شکلیں حقیقی معنی میں تصویر نہیں ہوتی ہیں؛ بلکہ عکس ہوا کرتی ہیں، ظاہر بات ہے کہ تصویروں

کے مقابلہ میں عکس کا حکم ہلکا ہوا کرتا ہے؛ اس لئے جس طرح ضرورت کی وجہ سے کیمرے کی اصل تصویر ایڈنٹی کارڈ پاسپورٹ وغیرہ کے لئے کھینچنا اوران کو رکھنا جائز ہے، اسی طرح کسی خاص شرعی ضرورت اور خاص موقع پر خطیب کی تقریر مع تصویر کے ویڈیو کیمرے میں پیش کیا جانا بھی اوران کا ٹیلی ویژنوں میں دیکھنا فی نفسہ جائز ہوگا، مگر سد باب کے لئے یہ بھی جائز نہیں۔

ہر فی نفسہ جائز امر کو بروئے کار لانا جائز نہیں

یہاں ساتھ ہی دوسری طرف بھی دیکھنے کی ضرورت ہے کہ ہر وہ شئ جو فی نفسہ جائز ہو، اس کو بروئے کار اور بروئے عمل لانا بھی جائز ہے یا نہیں؟

یہ بات نہایت غورطلب ہے کہ بروئے عمل لانا اس وقت جائز ہوسکتا ہے کہ اس عمل کی وجہ سے کسی امر مفسد اور امر قبیح کا دروازہ نہ کھلتا ہو اور اگر امر مفسد اور برائی کا دروازہ کھلنے کا سبب بن جاتا ہو، تو پھر وہ جائز امر بھی ناجائز ہوجائے گا اور ٹیلی ویژن میں اگر خطیب کی تقریر اور قاری کی قراءت سننے اور دیکھنے کی اجازت دی جائے، تو اسی ٹیلی ویژن میں فاحش اور ننگی فلمیں بھی دیکھنے لگیں گے، پھر ناجائز اور حرام پروگرام سے روک تھام نہایت مشکل ہو جائے گی اور عام لوگوں کے دلوں سے اس کی حرمت کی اہمیت بھی کم ہو جائے گی؛ اس لئے سد باب کے طور پر خطیب کی تقریر اور مفسر کی تفسیر اور قاری کی قراءت کا پروگرام دیکھنے کو بھی جائز قرار نہیں دیا جاسکتا، اس کی مکمل تفصیل دلائل شرعیہ کے ساتھ آگے ''سد باب'' کے عنوان کے تحت مستقل طور پر آ رہی ہے۔

نگاہوں کا زنا اور گناہ کبیرہ

یہ بات آپ کے سامنے پیش کی جاچکی ہے کہ ٹیلی ویژنوں میں جو صورتیں وشکلیں نظر آتی ہیں، وہ سب اصل شئ کا عکس ہوتی ہیں، تصویر نہیں ہوتی ہیں؛ لہٰذا ٹیلی ویژن کے ڈبے

میں بغیر کسی ہیجان اور تلذذ کے کسی مرد کو دیکھا جائے تو جائز ہوگا؛ لیکن اگر مرد ناچ گانا اور فلمی شکل میں دکھائی دیتا ہے تو ناجائز اور حرام ہوگا اور اگر عورتوں کو دیکھا جاتا ہے تو چاہے ناچ گانا نہ ہو، کسی بھی طرح سے عورتوں کی صورتوں کا عکس نظر آجائے اور ان عورتوں کو دیکھ کر کے دیکھنے والوں میں ہیجان اور تلذذ پیدا ہوتا ہو، تو ناجائز اور حرام ہے اور اگر بے پردہ عورتیں نظر آجائیں اور فلمی اداکارہ نظر آجائیں، چہرہ، سر، بازو وغیرہ برہنہ حالت میں نظر آجائیں یا رقص کرتی ہوئی نظر آجائیں، تو ان تمام صورتوں کے اندر ان کا ویڈیو فلم لینا اور پھر ان کو ٹی وی چینلوں کے ذریعہ سے ٹیلی ویژنوں میں دکھانا، پھر ان کو ٹیلی ویژن میں دیکھنا سب آنکھوں کا زنا اور سراسر گناہ کبیرہ اور حرام ہے۔ ان حیا سوز فلموں کی وجہ سے دنیا بھر کے اندر فاحشات اور برائیاں پھیل رہی ہیں اور مسلمانوں میں اس طرح کے فلم اور فاحش پروگرام دکھانے والے ٹیلی ویژنوں کا رکھنا بھی گناہ کبیرہ ہے۔

حدیث پاک میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کے سامنے آنکھوں کا زنا بھی رکھا ہے، ہاتھوں کا زنا بھی رکھا ہے، پیروں کا زنا بھی رکھا ہے، کانوں کا زنا بھی رکھا ہے، زبان کا زنا بھی رکھا ہے، انسان اپنے ان اعضاء میں سے جس عضو سے بھی چاہے زنا میں مبتلا ہوجائے۔

حدیث میں آیا ہے کہ آنکھوں کا زنا دیکھ کر تلذذ حاصل کرنا ہے اور کانوں کا زنا سن کر تلذذ حاصل کرنا ہے اور زبان کا زنا گفتگو کے ذریعہ سے تلذذ حاصل کرنا ہے اور دلوں کا زنا بدکاری کے لئے مکمل طور پر مائل ہوجانا ہے، پھر آخری درجہ میں حقیقی بدکاری کا نمبر آتا ہے۔ ٹیلی ویژنوں میں جن عورتوں کو تلذذ کے ساتھ دیکھا جاتا ہے اگر چہ انکے ساتھ حقیقی بدکاری نہیں ہوسکتی مگر ٹیلی ویژنوں میں دیکھائی دینے والی عکسی صورتوں سے نگاہوں کا زنا اور کان کا زنا اور زبان کا زنا خوب ہوتا رہتا ہے۔

قیامت کے دن اللہ کے دربار میں آنکھوں کے زنا کا سوال ہوگا اور کانوں کے زنا کا بھی سوال ہوگا، زبان کے زنا کا بھی سوال ہوگا اور ٹیلی ویژنوں پر دکھائی دینے والی

صورتیں اگر چہ اصل تصویر نہیں ہیں، مگر اصل شئ کا عکس ہیں، جن کو دیکھ کر جن کی باتوں کو سن کر ہیجان اور تلذذ پیدا ہوتا ہے، تو ان سے اس طرح گناہ ہوگا، جس طرح حقیقی عورت کو دیکھ کر تلذذ حاصل کرنے کا گناہ ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب مسلمانوں کی حفاظت فرمائے، اس موضوع سے متعلق بے شمار احادیث شریفہ ہیں، ہم یہاں پر بخاری ومسلم سے صرف دو حدیثیں نقل کرتے ہیں۔ملاحظہ فرمایئے:

قال أبو هريرةؓ: عن النبي صلى الله عليه وسلم قال إن الله كتب على ابن آدم حظه من الزنا، أدرك ذلك لا محالة فزنا العين النظر، وزنااللسان النطق، والنفس تمنى وتشتهي، والفرج يصدق ذلك ويكذبه. (صحيح البخاري، ۲/۲۲-۹۷۸، رقم:۶۰۰۲، ف:۶۲۴۳/۶۳۵۹، ف:۶۶۱۲)

حضرت ابوہریرہؓ سے حضرت سیدالکونین علیہ الصلاۃ والسلام کا ارشاد مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ بیشک اللہ تبارک وتعالیٰ نے بنی آدم پر زنا کا ایک حصہ رکھا ہے، جس کی لذت وہ لازمی طور پر حاصل کرتا ہے؛ لہٰذا آنکھ کا زنا دیکھنا اور زبان کا زنا برائی کی بات کرنا ہے، اور دل کا زنا برائی کی مکمل آرزو اور خواہش میں مبتلا ہو جانا ہے اور شرمگاہ اس کو اصل شکل تک پہونچانے کا کام کرتی ہے یا تو برائی کے ثبوت تک پہونچ جاتی ہے یا اسے جھٹلا کر انکار کرجاتی ہے۔

قال أبوهريرةؓ: أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: إن الله كتب على ابن آدم حظه من الزنا أدرك ذلك لامحالة، فزنا العينين النظر، وزنا اللسان النطق، والنفس تمنى وتشتهي، والفرج يصدق ذلك أو يكذبه.

(صحيح مسلم، النسخة الهندية ۲/۳۳۶، بيت الأفكار رقم:۲۶۵۷)

حضرت ابوہریرہؓ سے نبی کریم ﷺ کا ارشاد مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اللہ نے بنی آدم پر زنا کا ایک حصہ لکھ دیا ہے، لازمی طور پر اس کی لذت وہ حاصل کرلیتا ہے؛ لہٰذا دونوں آنکھوں کا زنا ان دونوں سے دیکھنا ہے اور دونوں کانوں کا زنا ان دونوں سے برائی کی باتیں

سننا ہے اور زبان کا زنا برائی کی بات زبان پر لانا ہے اور ہاتھ کا زنا نامحرم کو ہاتھ سے پکڑنا ہے اور پیر کا زنا برائی کے ارادہ سے چلنا ہے اور دل کا زنا برائی کا پکا ارادہ کر کے برائی کی طرف پوری طرح مائل ہو جانا ہے، پھر شرم گاہ اس کو سچا کر کے دکھا دے یا اسے جھٹلا دے۔

أهو البليتين وأخف المفسدتين

جب دو حکم نص قطعی سے ثابت ہو جائیں تو دونوں کی فرضیت مسلم ہے اور دونوں میں سے کسی کو بھی ترک کر دینا امر مفسد ہے اور اصول یہ ہے کہ جب اس طرح دو امر مفسد جمع ہو جائیں تو غلبۂ مصلحت کی رعایت میں اخف مفسدہ کو برداشت کر کے اشد مفسدہ کو ترک کر دینے کا حکم ہے، اسی کو علامہ مصری نے الاشباہ والنظائر میں ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

إذا تعارض مفسدتان روعي أعظمهما ضررا بارتكاب أخفهما. (الأشباه والنظائر قديم ١٤٥)

جب دو امر مفسد آپس میں متعارض ہو جائیں تو ایسی صورت میں ان دونوں میں سے اخف مفسد کا ارتکاب کر کے اعظم مفسد کو ترک کرنے کی رعایت کی جائے گی۔

اور اس اصول کے تحت حضرات فقہاء نے بیشمار جزئیات کا استخراج فرمایا ہے، اس کے متعلق دو جزیئے بطور نظیر ہم یہاں پیش کر رہے ہیں۔

(۱) اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے اندر جھوٹ سے دور رہنے کا حکم فرمایا ہے، جیسا کہ سورۂ حج کی اس آیت کریمہ سے واضح ہوتا ہے۔

واجتنبوا قول الزور. [الحج: ٣٠] جھوٹی باتوں سے بچتے رہو

اس آیت کریمہ سے جھوٹ کا قطعی حرام ہونا واضح ہو گیا؛ لہٰذا جھوٹ بولنا بہت بڑا مفسدہ ہوگا اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے اندر قطعی طور پر اس حکم کی بھی تاکید فرمائی ہے کہ جب مسلمانوں کے دو فریق میں لڑائی جھگڑا اور فتنہ کا اندیشہ ہو تو ان کے درمیان

صلح کرادیا کریں۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاِنْ طَآئِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا. [الحجرات:۹]

اور اگر دو فریق مسلمانوں کے آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں ملاپ کرادو

دوسری آیت میں ارشادفرمایا:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ. [الحجرات: ۱۰]

مسلمان تو سب بھائی ہیں؛ اس لئے اپنے دو بھائیوں میں اصلاح کردیا کرو

تیسری جگہ ارشادفرمایا:

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ. [الانفال: ۱]

اللہ سے ڈرو اور اپنے باہمی تعلقات کی اصلاح کرو

ان تینوں آیات کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے دوفریق کے درمیان صلح کرنے کا حکم فرمایا ہے اور آیت زور میں جھوٹ سے دور رہنے کا حکم فرمایا؛ لہٰذا جھوٹ بولنا بھی مفسدہ ہوگا اور دو فریق کے درمیان صلح کرنے کی قدرت ہوتے ہوئے صلح نہ کرنا بھی مفسدہ ہے؛ لیکن صلح نہ کرنے کا مفسدہ جھوٹ کے مسفدہ سے بڑھا ہوا ہے اس لئے دوفریق کے درمیان صلح کی مصلحت کی رعایت کے پیش نظر اگر جھوٹ کی ضرورت پیش آجائے تو جھوٹ بولنا جائز ہوجائے گا،اسی کو حضرات فقہاء نے ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

الكذب مفسدة محرمة وهي متى تضمن جلب مصلحة تربو عليه جاز كالكذب للإصلاح بين الناس وعلى الزوجة لإصلاحها وهذا النوع راجع إلى ارتكاب أخف المفسدتين في الحقيقة عامة كانت أو خاصة.

(الأشباه والنظائر قديم ۱۴۹)

جھوٹ مفسدہ محرمہ ہے اور جب وہ ایسی مصلحت پر شامل ہو جائے جو جھوٹ سے بڑھا ہوا ہو تو ایسی صورت میں وہ جائز ہوجاتا ہے، مثلاً لوگوں کے مابین اصلاح کرنے کی غرض سے اسی طرح بیوی کی اصلاح کی وجہ سے (تو جائز ہے) اور یہ قسم درحقیقت دو مفسدوں میں سے اخف کے ارتکاب کی طرف راجع ہے خواہ عام ہو یا خاص۔

(۲) نماز کے اندر ستر عورت شرط ہے اور اس کا حکم قرآن سے ثابت ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَا بَنِيۡ اٰدَمَ خُذُوۡا زِيۡنَتَكُمۡ عِنۡدَ كُلِّ مَسۡجِدٍ. [الاعراف: ۳۱]

اے اولاد آدم تم مسجد کی ہر حاضری کے وقت (نماز کیلئے ہو یا طواف کیلئے) اپنا لباس پہن لیا کرو

اور اسی طرح نماز کے لئے استقبال قبلہ شرط ہے، اس کو اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

فَوَلِّ وَجۡهَکَ شَطۡرَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَام. [البقرة: ١٤٤]

اب سے اپنا چہرہ نماز میں مسجد حرام کی طرف کیا کیجئے۔

اور اسی طرح نماز کے لئے طہارت ثیاب بھی شرط ہے، اس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

وَثِيَابَکَ فَطَهِّرۡ. [سورة المدثر: ٤]

اپنے کپڑے کو پاک رکھئے۔

اسی طرح نماز کے لئے وضو بھی شرط ہے، جس کو اللہ تعالیٰ نے آیت وضو میں ارشاد فرمایا ہے:

يَا اَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا اِذَا قُمۡتُمۡ اِلَی الصَّلَاةِ فَاغۡسِلُوۡا وُجُوۡهَكُمۡ. [المآئدة: ٦]

اے ایمان والو! جب تم نماز کو اٹھنے لگو تو اپنے چہروں کو دھوؤ۔

اور دوسری طرف نماز کو اپنے وقت میں پابندی کے ساتھ پڑھنے کا حکم فرمایا ہے، جس کو اللہ تعالیٰ نے جگہ جگہ ’’وأقیموا الصلوۃ‘‘ کے الفاظ سے ارشاد فرمایا ہے؛ لہٰذا ستر عورت، استقبال قبلہ اور طہارت کے بغیر نماز پڑھنا ایک مفسدہ ہے اور نماز کو اپنے وقت میں نہ پڑھنا دوسرا مفسدہ ہے اور ترک صلاۃ کا مفسدہ ترک شرائط کے مفسدہ سے بڑھا ہوا ہے؛ اس لئے

ترک صلوۃ کے مفسدہ کی رعایت کرتے ہوئے ترک شرائط کے مفسدہ کو برداشت کرلیا جائے گا اور مذکورہ شرائط میں سے کسی شرط کے فوت ہوجانے کی حالت میں بھی نماز پڑھنے کا حکم ہوگا ،اس کو حضرات فقہاء نے ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

وقد ترعي المصلحة لغلبتها على المفسدة فمن ذلک الصلوة مع اختلال شرط من شروطها من الطهارة، والستر والاستقبال فإن في كل ذلک مفسدة لما فيه من الإخلال بجلال الله تعالىٰ في أن لايناجى إلا على أكمل الأحوال ومتى تعذر عليه شيئ من ذلک جازت الصلوة بدونه تقديما لمصلحة الصلوة على هذه المفسدة. (الأشباه والنظائر قديم ١٤٨)	اور کبھی مفسدہ کے مقابلہ میں غلبہ مصلحت کی رعایت کی جاتی ہے؛ چنانچہ اسی قبیل سے وہ نماز ہے، جو اپنی شرائط مثلا طہارت، ستر عورت، استقبال قبلہ میں سے کسی شرط کے مختل (مفقود) ہونے کے ساتھ پڑھی جائے تو اس میں عظمت خداوندی میں کوتاہی پیدا ہوجانے کی وجہ سے مفسدہ موجود ہے؛ کیونکہ اللہ سے سرگوشی اور مناجات حالت کمال میں کی جاتی ہے، مگر جب ان شرائط میں سے کسی شرط کی ادائے گی متعذر ہوجائے تو اس شرط کے بغیر نماز جائز ہوجاتی ہے، اس شرط کے فوت ہوجانے کے مفسدہ پر مصلحت صلوۃ کو ترجیح دینے اور مقدم رکھنے کے لئے۔

ان تمام نظائر اور دلائل کا نتیجہ خطیب کی تقریر اور غیروں کے مفسدہ کے معارضہ کے عنوان کے تحت مرتب کیا جائے گا۔

جائز پروگرام بھی سد باب کے لئے ناجائز ہے

شریعت کے بنیادی اصولوں میں سے ایک اہم ترین اصول یہ بھی ہے کہ جو امر فی نفسہ

جائز اور حلال ہوتا ہے اور اس کا کرنا بھی شرعاً جائز اور حلال ہے، مگر وہ امر جائز اور حلال ہونے کے باوجود اگر کسی امر حرام کا سبب یا ذریعہ بنے تو وہ امر حلال بھی شرعاً حرام ہو جاتا ہے اور شریعت میں اس کی بے شمار مثالیں اور نظائر موجود ہیں اور اس کا بنیادی اصول حضرت سید الکونین علیہ الصلاۃ والسلام نے ایک مختصر جملے میں مثال سے سمجھا دیا ہے، آقاء نے مثال یوں پیش فرمائی ہے کہ جانور چرانے والے چرواہے کے لئے ایک متعین چراگاہ ہوتی ہے وہ اپنے ہی چراگاہ کے حدود میں چرانے کا مجاز ہے اور اس کے لئے چراگاہ کے بالکل کنارے اور بارڈر پر بھی چرانا فی نفسہ جائز ہے؛ لیکن سرحد پر جانور چرتے چرتے بہت ممکن ہے کہ حدود کے باہر بھی منھ مار دے اس لئے سرحد پر چرانے سے منع کیا جاتا ہے اس لئے یہ امر حلال امر حرام کا سبب بن سکتا ہے، اسی طرح ہر بادشاہ کے لئے اس کی سلطنت اور ملک کی ایک سرحد ہوتی ہے ایسے ہی اللہ کے احکامات کی بھی سرحد ہوتی ہے اور حلال وحرام کے درمیان جو سرحد ہے اس پر عمل کرنا بھی فی نفسہ جائز ہے؛ لیکن اس پر عمل کرتے کرتے حلت کی سرحد اور دائرہ سے ہٹ کر اس کے باہر حرام میں بھی مبتلا ہونے کا قوی اندیشہ ہوتا ہے؛ اس لئے حرام اور حلال کے درمیان سرحد کو امر مشتبہ سے تعبیر کیا گیا ہے، شریعت نے اس سے بچنے اور دور رہنے کا تاکید سے حکم فرمایا ہے اور ایسا ہی زیر بحث موضوع کا بھی معاملہ ہے کہ زیر بحث موضوع میں ٹیلی ویژن میں آنے والی صورتوں وشکلوں کا دلائل کے ذریعہ سے اصل شئ کا عکس ہونا ثابت ہو چکا ہے اور کسی امر جائز کا عکس لینا حرام اور ناجائز نہیں ہے؛ البتہ تصویر لینا اور تصویر کھینچنا ناجائز ہے اور ٹی وی اور ٹیلی ویژن میں اگر ایسے جائز پروگرام ہوں جو دائرۂ شریعت تک محدود ہوں اور کسی قسم کی کوئی عورت اس پروگرام میں نہ ہو تو کیمرے میں اس پروگرام کو لینا عکس ہونے کی وجہ سے فی نفسہ جائز ہے؛ لیکن اس پروگرام کا عکس جن ٹیلی ویژنوں میں دیکھا جائے گا ان ہی ٹیلی ویژنوں میں ناجائز اور حرام پروگرام بھی دیکھا جاتا ہے۔

اب اگر عوام کو عام ٹیلی ویژنوں میں جائز پروگرام دیکھنے کی اجازت دی جائے مثلاً حرمین شریفین کی نماز، تراویح، حج وعمرہ مختلف پروگرام اسی طرح دنیا کے کسی بھی علاقے میں کوئی

جائز پروگرام یا خطیب کی تقریر یا مفسر کی تفسیر یا قاری کی قرأت مع ان کی شکل وصورت کے ٹیلی ویژنوں میں دیکھنے کی اجازت دیجائے اورلوگ ان پروگراموں کوان ٹیلی ویژنوں میں جائز سمجھ کر بلاتکلف دیکھنے لگیں توان ہی پروگراموں کو دیکھتے دیکھتے حرام اور حیاسوز پروگرام بھی دیکھنے لگیں گے؛ اس لئے ٹی وی اور ٹیلی ویژنوں میں ان جائز پروگراموں کے جائز ہونے کے باوجود ناجائز پروگراموں کے دیکھنے کا سبب بننے کی وجہ سے ناجائز ہی کہا جائے گا۔

اب اس موضوع سے متعلق احادیث شریفہ اور فقہاء کی عبارات ملاحظہ فرمایئے:

حدیث شریف ملاحظہ ہو:

عن النعمان بن بشير قال: سمعته يقول سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: وأهوى النعمان بإصبعه إلى أذنيه ان الحلال بين والحرام بين وبينهما مشتبهات لا يعلمهن كثير من الناس فمن اتقى الشبهات استبرأ لدينه وعرضه ومن وقع في الشبهات وقع في الحرام كالراعي يرعى حول الحمى يوشك أن يرتع فيه ألا وإن لكل ملك حمى ألاوأن حمى الله محارمه.

(صحيح مسلم، النسخة الهندية ۲/۲۸، بيت الأفكار رقم: ۱۵۹۹، صحيح البخاري ۱/۱۳، رقم:۵۲)

حضرت نعمان بن بشیرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ سے فرماتے ہوئے سنا ہے بیشک اللہ نے حلال چیزوں کو واضح کر کے بیان فرمادیا ہے اوراسی طرح حرام کوبھی واضح کردیا ہے اور ان دونوں کے مابین کچھ مشتبہ چیزیں ہیں جن کا حکم بہت سے لوگ نہیں جانتے ہیں؛ لہٰذا جو شخص ان مشتبہ چیزوں سے بچے گا وہ اپنے دین اور عزت کو محفوظ کرلے گا اور جو شخص مشتبہ چیزوں میں مبتلا ہوجائے گا وہ حرام میں مبتلا ہوجائے گا جیسا کہ چرواہا چراگاہ کے کنارے پر چراتا ہے، تو بہت ممکن ہے کہ چرانے لگے حدود کے باہر بھی اورآگاہ ہوجاؤ بیشک ہر بادشاہ کی حکومت کے لئے حدود اور دائرے ہیں بیشک اللہ کے حدود اور دائرہ کی سرحد محارم ہیں۔

حضرات فقہاء کی تصریحات ملاحظہ فرمائیے:

صاحب بدائع الصنائع علامہ کاسانیؒ عورتوں کی جماعت میں شرکت کی ممانعت کا حکم لکھتے ہوئے نقل فرماتے ہیں کہ جوان عورتوں کے لئے مساجد میں جا کر جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا ممنوع ہے اور حضرت عمرؓ نے اپنے دور خلافت میں سبب فتنہ سے بچنے کے لئے سدًا للذرائع عورتوں کو جماعت میں شرکت کرنے سے منع فرمادیا تھا؛ حالانکہ فی نفسہٖ جماعت میں عورتوں کا شریک ہونا جائز اور درست ہے جیسا کہ حضرت سید الکونین علیہ الصلوۃ والسلام کے زمانے میں درست تھا؛ لیکن عورتوں کا جماعت کے لئے گھر سے نکلنا فتنہ کا سبب بن سکتا ہے؛ اس لئے ممانعت کردی گئی ہے۔ اثر صحابہ اور فقہاء کی عبارت ملاحظہ فرمائیے:

ولايباح للشواب منهن الخروج إلى الجماعات بدليل ما روى عن عمرؓ أنه نهى الشواب عن الخروج ولأن خروجهن إلى الجماعة سبب الفتنة والفتنة حرام وما أدى إلى الحرام فهو حرام. (بدائع الصنائع كراچي ١/١٥٧، زكريا ١/٣٨٨)

اور جوان عورتون کے لئے جماعت کی شرکت کے لئے گھر سے نکلنا جائز اور مباح نہیں ہے؛ اس دلیل کی وجہ سے جو حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ یقیناً انہوں نے عورتوں کو جماعت میں شرکت سے ممانعت فرمائی ہے؛ اس لئے کہ ان کا جماعت میں شریک ہونا باعث فتنہ ہے اور فتنہ حرام ہے اور جو چیز حرام تک متعدی ہوتی ہے وہ بھی حرام ہے۔

(۲) اور صاحب معارف السنن نے اس کو ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

وأما الشابة وذات الجمال ومن تشتهى فيكره لهن الحضور لما ذلك من خوف الفتنة عليهن وبهن (وقوله) وعلم منه أن أصل مذهبنا كما قاله شيخنا جواز الخروج للنساء للعيدين غير أنه منعه المشايخ، وأرباب الفتوى لفساد الزمان. (معارف السنن اشرفية ديوبند ٤/٤٤٦-٤٤٧)

جوان اور خوبصورت اور مشتہاۃ عورتوں کا جماعت میں حاضر ہونا ناجائز اور مکروہ ہے؛ اس لئے کہ یہ امر عورتوں کے فتنہ میں مبتلا ہونے کا سبب ہے (اور مصنف کا قول) اس سے یہ بات بھی سمجھ میں آئی کہ ہمارا اصل مسلک عورتوں کا نماز عید کے لئے نکلنا جائز ہے، مگر مشائخ اور ارباب فتوی نے فساد زمانہ کی وجہ سے منع کردیا ہے۔

(۳) اور علامہ بدر الدین عینیؒ نے بخاری کی شرح عمدۃ القاری میں حائضہ عورت سے مباشرت اور استمتاع کے مسئلہ کے ذیل میں بحث کرتے ہوئے اس مسئلہ کو بہت واضح الفاظ میں نقل فرمایا ہے کہ استمتاع اور مباشرت فی نفسہ جائز اور درست ہے، مگر ان لوگوں کے لئے جائز ہے، جو اپنے نفس پر قابو یافتہ ہیں اور جو لوگ اپنے نفس پر قابو یافتہ نہیں ہیں، ان کے لئے حائضہ عورت سے استمتاع جائز نہیں ہے: اس لئے کہ بہت ممکن ہے کہ اصل مقام سے ہٹ کر استمتاع کرتے کرتے اصل مقام میں مبتلا ہو جائے؛ اس لئے سدًا لذرائع کے طور پر ایسے لوگوں کو حائضہ سے استمتاع کرنے سے بھی منع کر دیا گیا ہے۔

عمدۃ القاری کی عبارت ملاحظہ فرمایئے:

منها جواز مباشرة الحائض فيما فوق الإزار (وقوله) أن هذه المباشرة إنما تجوز له إذا كان يضبط نفسه ويمنعها من الوقوع في الجماع وإن كان لا يملك ذلك فلا يجوز له ذلك لأن من رعى حول الحمى يوشك أن يقع فيه. (عمدة القاري، دارإحياء التراث العربي بيروت ۳/۲٦۸، زكريا ديوبند ۳/۱۱۳)

حائضہ عورت سے مافوق الإزار مباشرت اور استمتاع جائز ہے (اور مصنف کا قول) بیشک یہ مباشرت شوہر کے لئے اس وقت جائز ہے، جب وہ اپنے نفس پر قابو یافتہ ہو اور اپنے نفس کو جماع سے روکنے پر قادر ہو اور اگر اپنے نفس پر قابو یافتہ نہیں ہے، تو اس کے لئے مافوق الإزار بھی استمتاع جائز نہیں ہے؛ اس لئے کہ جو شخص چراگاہ کے سرحد میں چراتا ہے ممکن ہے کہ سرحد سے باہر بھی چرائے ایسا ہی ممکن ہے کہ یہ شخص بھی جماع میں واقع ہو جائے۔

(۴) اور اس مسئلہ کو صاحب بدائع الصنائع نے مسجد میں جماعت ثانیہ کی ممانعت کے تحت لکھتے ہوئے فرمایا ہے کہ جماعت ثانیہ اس وقت ممنوع اور مکروہ ہے جب اصل جماعت متاثر

ہو ورنہ فی نفسہ جماعت ثانیہ جائز اور درست ہے مگر محلّہ کے لوگوں کو اگر جماعت ثانیہ کی اجازت دی جائے تو یہی جماعت ثانیہ مسجد کے اصل جماعت میں قلت کا سبب بنے گی؛ اس لئے شریعت نے محلّہ کے لوگوں کی جماعت ثانیہ کی ممانعت فرمائی ہے۔

بدائع الصنائع کی عبارت ملاحظہ فرمایئے:

وری عن أنس بن مالک رضی اللہ عنہ أن أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم كانوا إذا فاتتهم الجماعة صلوا في المسجد فرادىٰ ولأن التكرار يؤدي إلى تقليل الجماعة؛ لأن الناس إذا علموا أنهم تفوتهم الجماعة فيستعجلون فتكثر الجماعت وإذا علموا أنها لا تفوتهم يتأخرون فتقل الجماعة وتقليل الجماعة مكروه (وقوله) بخلاف ما إذا صلى فيه غير أهله لأنه لا يؤدى إلى تقليل الجماعة.

(بدائع الصنائع كراچي ١/١٥٣، بيروت ١/٦٥٥، زكريا ديوبند ١/٣٧٩-٣٨٠)

حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ کے اصحاب جب ان کی جماعت فوت ہو جاتی تو مسجد میں تنہا تنہا نماز پڑھتے تھے اور اس لئے کہ تکرار جماعت اصل جماعت میں قلت افراد کا سبب ہے؛ کیوں کہ جب لوگوں کو یہ بات معلوم ہو جائے کہ ان کی جماعت فوت ہو جائے گی، پھر اس کی تلافی نہ ہو سکے گی تو شرکت جماعت میں جلدی کریں گے اور اصل جماعت میں افراد کی کثرت رہے گی اور جب یہ معلوم ہو جائے کہ ان کی جماعت فوت نہیں ہوگی تو آنے میں تاخیر کریں گے، پھر اصل جماعت کے افراد میں کمی آجائے گی اور اصل جماعت میں کمی کا سبب مکروہ ہے؛ لیکن جب محلّہ والوں کے علاوہ دوسرے لوگ جماعت ثانیہ کریں تو یہ جائز ہے؛ اس لئے کہ ان لوگوں کی جماعت ثانیہ اصل جماعت میں قلت کا سبب نہیں ہے۔

(۵) اور مسئلہ شرعی یہ ہے کہ حالت صوم میں شوہر کے لئے بیوی سے بوس وکنار کرنا

فی نفسہ جائز ہے؛ لیکن یہی امر جائز جب جماع کا سبب بن جائے تو ممنوع اور ناجائز ہو جاتا ہے؛ اس لئے کہ جوان آدمی کے لئے یہی بوس وکنار غالبًا جماع کا سبب بن جاتا ہے اور جو چیز کسی شئ کے لئے غالبًا سبب بن جاتی ہے، اس کو حقیقی سبب کے درجہ میں قرار دیا جاتا ہے۔

فقہاء کی عبارت ملاحظہ فرمایئے:

لأنها قلما تخلو عن الفتنة قلنا الكلام فيما إذا كان بحال يأمن فإن خاف قلنا بالكراهة؛ لأنها إذا كانت سببًا غالبًا تنزل سببًا. (فتح القدير، كوئٹه ۲/ ۲۵۸، زكريا ۲/ ۳۳۷)

اس لئے کہ اسی بوس وکنار میں بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ فتنہ سے خالی ہو، ہماری گفتگو اس صورت میں ہے کہ جب ایسی حالت میں بوس وکنار کیا جائے، جس میں جماع سے امن ہو؛ لہٰذا اگر جماع کا خوف ہو تو ہم کراہت کا حکم لگائیں گے اور زیادہ راجح کراہت ہی ہے؛ اس لئے کہ جب یہ وقوع جماع کا غالبًا سبب ہے، تو اس کو اصل سبب کے درجہ میں اتار دیا جائے گا۔

مذکورہ تمام تفصیلات اور احادیث شریفہ اور فقہاء کے جزئیات سے واضح ہو چکا کہ جو امر جائز امر ممنوع کا سبب بنتا ہے، تو وہ خود بھی ناجائز اور ممنوع ہو جاتا ہے اور ویڈیو کیمرے اور ٹیلی ویژن کے چینلوں کے ذریعہ سے ٹی وی اور ٹیلی ویژن کے ڈبوں میں جو اصل جائز پروگرام کا عکس نظر آتا ہے وہ فی نفسہ جائز ہونے کے باوجود ناجائز اور حیا سوز پروگرام دیکھنے کا سبب بن سکتا ہے؛ اس لئے کہ ان ٹیلی ویژنوں میں جائز پروگراموں کو دیکھنے کی بھی شرعًا اجازت نہ ہوگی۔

خطیب کی تقریر اور غیروں کے مفسدہ کا معارضہ

اب آخر میں پوری بحث اور تفصیلات کا حاصل پیش کیا جا رہا ہے کہ آج کل کے زمانے میں دوسرے مسلک کے لوگوں کی طرف سے ٹی وی چینل کے ذریعہ سے غیر ذمہ

دارانہ بیانات پوری دنیامیں عام ہوتے جارہے ہیں،حتی کہ یہاں تک کا پروگرام آنے لگا کہ تم انٹرنیٹ میں اپنی حاجت اورضرورت پیش کردو،اوروہاں سے شریعت کا کوئی نام نہادذمہ دارآپ کواستخارہ کے ذریعہ سے مسئلہ کاحل پیش کردے آپ کی پریشانی دورکردے،عجیب عجیب خرافات ٹیلی ویژن میں آرہی ہیں،اس سلسلے میں عوام الناس خودپریشان ہیں یہ ایک اہم مفسدہ ،اورمصیبت امت کے سامنے ہے،اوردوسری طرف اہل حق کی جانب سے، باضابطہ ٹیلی ویژن کاپروگرام دیاجائے،اورعامۃ الناس ٹیلی ویژنوں میں اہل حق کاپروگرام دیکھتے جائیں؛تواوپرکی تفصیل کے مطابق اہل حق کاپروگرام اس بات کاسبب بن جائیگا کہ عوام الناس ان ہی ٹیلی ویژنوں میں حیاسوز،اورفحش پروگرام بھی دیکھنےلگیں گے،تو معلوم ہواکہ اہم ترین،دومفسدہ کے درمیان معارضہ،اورمقابلہ ہے،تواب فیصلہ کرنے کی ضرورت ہے کہ اخف المفسدتین کون ہے،تواس پرغورکرنے کی ضرورت ہے کہ حیاسوزاورفحش پروگرام میں عوام کے مبتلاہونے کاسبب بننازیادہ شدیدمفسدہ ہے،غیروں کے مفسدہ کے مقابلےمیں،اس لئے اخف مفسدہ کودورکرنے کے لئے اشدّ مفسدہ کااختیارکرنادرست نہیں ہوگا،اس لئے کہ حیاسوزپروگرام عوام الناس کےزنا،اوربدکاری میں مبتلاہونے کاسبب ہے، جواس وقت قابوسے باہرہوتاجارہاہے، پھراس کوعام کرنے کاہم خودسبب بن جائیں تونہایت خطرناک بات ہوگی،اورفرق باطلہ کی طرف سے جوغیرذمہ دارنہ بیانات ، اورپروگرام ٹیلی ویژنوں میں آرہے ہیں،وہ ہمارے بیانات کی وجہ سے بندنہیں ہوں گے، وہ اپنی جگہ بحالہ باقی رہیں گے،ہاں البتہ عوام الناس سےان کی باتوں کےمقابلےمیں ہماری باتوں کوقبول کرنے کی زیادہ امیدہے؛لیکن اس امیدکی بناءپرہم خودمفسدہ کاسبب بن جائیں تومیرےخیال میں یہ ہم سب کے لئے غیرمناسب بات ہوگی۔

ہم نے ماقبل میں اخف المفسدتین کاباضابطہ عنوان قائم کرکے متعددمثالیں ، اورنظیریں قرآن وحدیث اورفقہ کی عبارات کے ذریعہ سے پیش کردی تھیں اس اصول کوذھن

میں رکھنا نہایت اہمیت کا حامل ہے اس اصول کی روشنی میں خطیب کی تقریر، حرمین کے پروگرام، قاری کی قراءت کے جوفوائد مرتب ہو سکتے ہیں، ان سے کہیں زیادہ مفسدہ بڑھ سکتا ہے، اس لئے خطیب کی تقریر، اور مفسر کی تفسیر کا ٹیلی ویژنوں میں نشر کرنا جائز قرار دینے میں نہایت احتیاط سے کام لینے کی ضرورت ہے۔

ٹی وی اور ٹیلی ویژن کے جسمانی نقصانات

آج دنیا کے ہر خاص وعام، بچے، بوڑھے، مرد وعورت نے اس بات کا بخوبی تجربہ حاصل کرلیا ہے کہ ٹی وی اور ٹیلی ویژن سے شرعی نقصانات کے ساتھ ساتھ اس نے انسانی معاشرہ، اور انسانی زندگی کو حیاسوز بنادیا ہے اور پھر اسی کے ساتھ ساتھ دنیا کے بڑے بڑے تجربہ کاروں نے انسانی دنیا کے سامنے اپنا تجربہ، اور رپورٹ پیش کی ہے، کہ ٹی وی اور ٹیلی ویژن سے ہر سال ہزاروں بچے، بوڑھے، مرد وعورت اپنی آنکھوں کی روشنی سے محروم ہو چکے ہیں، برطانیہ، اور امریکہ کے تجربہ کار ڈاکٹروں نے ٹیلی ویژن کے نقصانات کا اہم تجزیہ قوم کے سامنے پیش کیا ہے کہ آج کی دنیا میں، نگاہوں کی کمزوری کا ایک اہم سبب ٹیلی ویژن ہے، نیز اس کے حیاسوز پروگراموں کی وجہ سے ہزاروں نوجوان لڑکے، اور لڑکیاں بدکاری میں مبتلا ہو جاتے ہیں، جس کے نتیجے میں ایک خطرناک مرض، ایڈز، کے شکار ہو جاتے ہیں، ابھی ۲۵/ مارچ بروز جمعہ ۲۰۰۵ء کو اخبار ''راشٹریہ سہارا'' میں مرض ٹی وی کا ایک تجزیہ آیا ہے، اس میں لکھا ہے کہ ایڈز، اور ٹی وی کے مرض میں ایک خاص تعلق، اور جوڑ ہے اور ہر سال ٹی وی کے مرض کی وجہ سے پوری دنیا میں تقریباً بیس لاکھ افراد موت کا شکار ہو جاتے ہیں، اور یہ ٹی وی اور ایڈز کی بیماری بھی ٹی وی اور ٹیلی ویژن سے پیدا ہو رہی ہے، اس لئے جس طرح ٹی وی اور ٹیلی ویژن کے ذریعہ سے دنیا کی خبریں معلوم ہو جاتی ہیں، اس سے کہیں زیادہ ٹی وی اور ٹیلی ویژن سے شرعی، طبعی، اور انسانی صحت کے نقصانات کا

شکار بن جانا پڑتا ہے۔ اللہ پاک ہم سب کی حفاظت فرمائے۔

حیاسوز حرکتوں سے آسمانی آفات

حدیث پاک میں آیا ہے کہ جب انسانوں میں بے حیائی عام ہوجائیگی، اور عورتوں، اور مردوں کا اختلاط زیادہ ہوجائیگا پھران کے درمیان بدکاری عام ہوجائیگی تو آسمانی عذاب کا انتظار کرو! اور جس علاقہ میں زنا کاری، بدکاری اور بے حیائی عام ہوجائیگی ان علاقوں میں آسمانی زلزلہ بھی آسکتا ہے، اور وبا کی امراض بھی عام ہوجاتی ہیں، ترمذی شریف میں بڑی اہمیت کے ساتھ آقائے نامدار ﷺ کا ارشاد ہے کہ جب برائیاں عام ہوجائیں گی تو آسمان سے پتھر برسے گا، اور خطرناک ولاعلاج بیماری پیدا ہوجائے گی، اور علاقہ میں زلزلہ آکر پورا علاقہ برباد ہوسکتا ہے، چنانچہ یورپ، اور مغربی وشمالی ایشیاء میں بے حیائی وبے پردگی کافی عرصہ سے عام ہوچکی تھی، اس کا نتیجہ چند سالوں سے معلوم ہوگیا ہے کہ وہاں کے باشندگان کس قدر ہلاکت وبربادی کے شکار بن کر برباد ہوگئے پھرانڈونیشیا اور ساحلی علاقے جہاں سیروتفریح، اور بے حیائی عام ہے، پانچ، چھ مہینہ سے ان علاقوں میں کس قدر قیامت خیز زلزلہ آرہا ہے، اور باربار آرہا ہے، بہت ممکن ہے کہ یہ سب حضرت سید الکونین علیہ الصلاۃ والسلام کی صداقت کا ظہور ہے، اللہ پاک ہم سب کی آسمانی وزمینی آفات سے حفاظت فرمائے۔

چند احادیث ملاحظہ فرمائیے:

حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ اللہ کی قسم میں جھوٹ نہیں کہتا میں نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا آپ ﷺ نے فرمایا:

ليكونن من أمتي أقوام يستحلون الحر والحرير والخمر والمعازف. (صحيح البخاري ۸۳۷/۲، رقم: ۵۳۷۳، ف ۵۵۹۰)	میری امت میں سے کچھ لوگ ایسے ہوں گے جو زنا ریشم شراب، اور گانے باجوں کو اپنے لئے حلال کرلیں گے

مذکورہ حدیث کے آخری حصہ میں انہیں باغیان دین کا تذکرہ ہے کہ ان کو زمین میں

دھنسا دیا جائے گا، اوران کو بندروں، اورسوروں کی صورت میں مسخ کردیا جائیگا۔

عن عمران بن حصين أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: في هذه الأمة خسف ومسخ وقذف فقال رجل من المسلمين يارسول الله ومتى ذلك قال إذا ظهرت القيان والمعازف وشربت الخمور، الحديث. (سنن الترمذي، النسخة الهندية ۲/ ٤٥، دارالسلام رقم: ۲۲۱۲)

حضرت عمران بن حصینؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا کہ اس امت پر زمین کو دھنسا دینے ، اورصورتوں کو بگاڑ دینے، اورآسمانوں سے اولے، اور پتھر برسانے کے ذریعہ سے آسمانی عذاب نازل کیا جائیگا تو مسلمانوں میں سے ایک صحابیؓ نے درخواست کی کہ یارسول اللہ ﷺ یہ عذاب کس وقت اورکب نازل ہوگا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب رنڈیاں ، اور گانے بجانے کی چیزیں کثرت کے ساتھ ظہورمیں آنے لگیں گی ،اورکثرت کے ساتھ لوگ شراب پینے لگیں گے۔

تجاویز: آٹھواں فقہی اجتماع ادارۃ المباحث الفقہیہ ،جمعیۃ علماء ہند

ادارۃ المباحث الفقہیہ ، جمعیۃ علماء ہند کے آٹھویں فقہی اجتماع منعقدہ ۱۷/۱۸/۱۹ ربیع الاول ۱۴۲۶ء 27/ 28/ 29/اپریل 2005ء بمقام: مفتیٔ اعظم حضرت مولانا مفتی کفایت اللہؒ ہال،عیدگاہ جدید، ٹیانری روڈ، بنگلورمیں ’’ٹیلی ویژن اورانٹرنیٹ کا دینی مقاصد کے لئے استعمال‘‘ پرغوروخوض کے بعددرج ذیل امورطے کئے گئے۔

(۱) آج ٹیلی ویژن پرزیادہ تر فحاشی،عریانیت، اورمخربِ اخلاق پروگراموں کاغلبہ ہے، ۲۴/گھنٹے اس کے مختلف چینلوں پررقص وسرود، اورحد درجہ شرمناک مناظر دکھائے جاتے ہیں، پھرڈش اینٹینا اور پرائیوٹ کیبل چینلوں نے تو تمام اخلاقی اور انسانی حدودکو پارکردیا ہے، اورآج ٹی وی زدہ معاشرہ جن شرمناک حرکتوں میں ملوث ہے،وہ ناقابل بیان ہیں، اورجس

گھر میں ٹیلی ویژن ہو وہاں کے لوگوں کا اس کے مخرب اخلاق پروگراموں سے بچنا تقریباً محال ہے، لہٰذا ٹیلی ویژن گھر میں رکھنا، اور اس کے پروگراموں کو دیکھنا شرعاً ناجائز ہے، جس کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔

(۲) اسلام میں بلا ضرورت شرعی تصویر کھچوانا ناجائز ہے، لیکن اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ٹیلی ویژن، اور دیگر ذرائع ابلاغ پر اعداء اسلام یا شر پسند فرقہ پرست طاقتوں کی طرف سے کوئی ایسی چیز سامنے آئے جس سے اسلامی عقائد، اور اقدار پر زد پڑتی ہو، اور اس کا مناسب جواب نہ دینے سے اسلام کی شبیہ بگڑنے یا مسلمانوں کے حقوق کے ناقابلِ تلافی نقصان کا اندیشہ ہو، تو اس کے دفاع کے لئے ٹیلی ویژن کے کسی پروگرام پر آنے کی ضرورۃً گنجائش ہے۔

(۳) اسلامی ٹی وی چینل قائم کرنے کو اگرچہ موجودہ دور کی ضرورت کہا جاتا ہے لیکن مختلف پہلوؤں پر غور کرنے کے بعد یہ فقہی اجتماع اس نتیجہ پر پہنچا کہ اولاً علیحدہ اسلامی ٹی وی چینل قائم کرنا عملاً مشکل ترین امر ہے، اور اگر ایسا چینل وجود میں آ بھی جائے تو اس کے ذریعہ سے فوائد کے مقابلہ میں نقصانات کہیں زیادہ ہیں، کیونکہ اس طرح کے چینلوں کو بہانہ بنا کر لوگ ٹیلی ویژن کے فحش پروگراموں تک بآسانی رسائی حاصل کرلیں گے، اور دیگر باطل فرقوں کے چینلوں سے اس کا امتیاز بھی دشوار ہوگا، نیز عام لوگوں کی دلچسپی کی چیزیں شامل کیئے بغیر خالص اسلامی چینل کے ناظرین کی تعداد غیر معمولی حد تک کم ہوگی، اور متوقع فوائد حاصل نہ ہوسکیں گے، ان وجوہ سے اسلامی چینل قائم کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

(۴) انٹرنیٹ اس دور میں ایسا معلوماتی ذریعہ ہے جس میں ہر طرح کے اچھے اور برے پروگرام پائے جاتے ہیں، گوکہ آج زیادہ تر اس ذریعہ کو ناجائز اور حرام چیزوں میں استعمال کیا جارہا ہے، لیکن اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ اس کو اگر شرعی حدود میں رہ کر استعمال کیا جائے تو منکرات وفواحش سے بچتے ہوئے اس سے عظیم تعلیمی، تجارتی اور انتظامی وغیرہ

فوائد حاصل کئے جاسکتے ہیں، اس لئے یہ فقہی اجتماع انٹرنیٹ کے جائز حدود میں استعمال کو جائز قرار دیتا ہے اور اس کے ناجائز استعمال کو ناجائز اور حرام قرار دیتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

نوٹ: تمام شرکاء نے اس تجویز سے مکمل اتفاق کیا، البتہ مولانا مفتی اشفاق صاحب (سرائے میر) نے شق نمبر ۲/ سے جزوی اختلاف کرتے ہوئے یہ نوٹ تحریر کیا ''ٹیلی ویژن پر آنے کی اجازت ہے'' سے مجھے اتفاق نہیں ہے، تجویز نمبر ۳/ سے تضاد محسوس ہوتا ہے، اور ٹیلی ویژن کے جواز کا دروازہ کھلتا ہے۔

❁ ❁ ❁

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا أَبَداً ☆ عَلٰى حَبِيْبِکَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

اَللهُ أَكْبَر كَبِيْرًا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيْرًا وَسُبْحَانَ اللهِ بُكْرَةً وَأَصِيْلاً. الحديث

(المعجم الكبير ۲/ ۱۳۵، برقم: ۱۵۷۰)

(مفتی) شبیر احمد قاسمی

خادم الحدیث والافتاء جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد (یو-پی)

(۲۷) باب الأسماء والکنی

پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام کا نام لے کر پکارنا

سوال [۱۱۱۴۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کلمہ طیبہ مکمل یعنی لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں چلتے پھرتے خوب پڑھتا ہوں؛ لیکن ایک تقریر میں سنا کہ حضور ﷺ کو اسم گرامی محمد لے کر پکارنا ادب کے خلاف ہے۔ قرآن پاک میں بھی اس کا خیال کیا گیا ہے، اکثر نبی کہہ پکارا گیا ہے، تو کیا میرا اس طرح کثرت سے پڑھنا باعث بے ادبی ہے؟ اگر ہاں تو اس کلمہ کو کس طرح پڑھیں؛ کیونکہ کلمہ اور درود دونوں ملا کر کثرت سے پڑھتا ہوں، یعنی یہ کہ کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ اور درود یعنی صلی اللہ علیہ وسلم تا کہ دونوں کا ہر وقت ورد رہے؛ بلکہ اسی میں اکثر استغفر اللہ بھی جوڑتا ہوں اجازت دی جائے کہ اس طرح کرتا رہوں یا نہیں؟ وضاحت فرمادیں۔

المستفتی: محمد فیاض الدین، بہار شریف، ٹانڈہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام کا نام لے کر پکارنے کی جو ممانعت آئی ہے، اس کا مطلب یہ ہے ہم عام بول چال میں جس طرح ایک دوسرے کا نام لے کر پکارتے ہیں، مثلاً یا زید یا عمر و اسی طرح پیغمبر علیہ السلام کو یا محمد کہہ کر پکارنا منع ہے۔ (مستفاد: معارف القرآن ۶/ ۴۵۵)

اور کلمہ طیبہ **لا إلہ إلا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ** یہ عام لوگوں کے پکارنے کے انداز کا پکارنا نہیں ہے؛ بلکہ یہ کلمہ طیبہ کا ورد اور ذکر خداوندی ہے جیسے **اشھد أن محمدا رسول اللّٰہ** میں ہے۔

لاتجعلوا دعاء الرسول بينكم كدعاء بعضكم بعضًا. قال سعيد بن زبير ومجاهد المعنى قولوا يا رسول الله! في رفق ولين ولاتقولوا يا محمد بتجهم. (تفسير قرطبي، سوره نور تحت رقم الآية:٦٣، دارالكتب العلمية بيروت ٢١٢/١٢، تفسير رازي٢٤/ ٤٠، روح المعاني١٨/ ٢٢٥، جديد زكريا ديوبند ١٠/ ٣٣٠، سوره نور تحت رقم: ٦٣)

أخرج ابن أبي حاتم وأبو نعيم في الدلائل عن ابن عباسؓ، قال كانوا يقولون يا محمد يا أبا قاسم فنهاهم الله عن ذلک بقوله سبحانه: لاتجعلوا الآية إعظاما لنبيه صلى الله عليه وسلم، فقالوا يا نبي الله يارسول الله. (روح المعاني قديم ١٨/ ٢٢٥، زكريا ديوبند ١٠/ ٣٣٠، سوره نور رقم الآية: ٦٣)

اور لا إلــه کے ذکر کا طریقہ حضرت تھانویؒ نے یہ فرمایا ہے کہ ہر دس مرتبہ میں ایک بار محمد رسول اللہ کہے(شریعت وطریقت۲۹۴) اور کلمہ طیبہ کے ساتھ درود شریف کو ملانا اکابر کے معمول سے ثابت ہے اور ساتھ میں **استغفر الله ربی من كل ذنب وأتوب إليه** پڑھنا کہیں ثابت نہیں نہ حدیث سے ثابت ہے نہ ہی اکابر کے معمول سے ثابت ہے بلکہ **استغفر الله ربی من كل ذنب وأتوب اليه** یہ الگ سے وظیفہ کے طور پر پڑھا جائے۔

ولو كان ذلک علي عمومه للزم المؤذن إذا أذن وللزم للقاري إذا مر ذكره في القرآن، وللزم الداخل في الإسلام إذا تلفظ بالشهادتين، ولكان ذلک من المشقة والحرج. (القول البديع في الصلوة على الحبيب الشفيع، دارالكتب العلمية بيروت ٢٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶ ؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶/ ۷۶۶۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۵/۲۷ھ

مرحوم کے نام پر اولاد کا نام رکھنا

سوال [۱۱۱۴۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مجھ سائل کا نام ہمایوں فر ہے، اور میری اہلیہ کا نام شائشہ ہے، میں اپنی بیوی کے ساتھ اپنی خالہ محترمہ کے مکان پر ان کے ساتھ رہتا ہوں، میری خالہ کا اکلوتہ بیٹا جس کا نام محمد بلال ہے، میری شادی سے قبل ۲۷ر سال کی عمر میں انتقال کر گیا، ہم دونوں خالہ زاد بھائیوں میں بے حد اتفاق ومحبت تھی، بلال کی شادی ہوچکی تھی، مگر کوئی اولاد نہ تھی، اب مجھ سائل کو اللہ تعالیٰ نے پہلی اولاد سے بیٹے کی شکل میں نوازا ہے۔ سوال یہ ہے کہ میں اپنی اولاد لڑکے کا نام محمد بلال رکھ سکتا ہوں یا نہیں؟ اگر نہیں تو کوئی دوسرا نام تجویز فرمادیں۔

المستفتی: ہمایوں فر، محلّہ بھٹی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اپنے مرحوم بھائی ’’بلال‘‘ کے ہم نام اپنی اولاد کا نام رکھنا بلاشبہ جائز ہے، صحابہؓ سے اس کا ثبوت ہے، صحابہ کرامؓ نے بھی اپنے مرحوموں اور شہیدوں کے نام سے اپنی اولاد کا نام رکھا ہے، حضرت زبیرؓ نے بئر معونہ میں شہید ہونے والوں کے ہم نام سے اپنی اولاد کا نام رکھا ہے، حضرت عروہ بن اسماء بن صلت بئر معونہ میں شہید ہوگئے تھے، حضرت زبیرؓ نے اپنے بیٹے عروہ بن زبیر کا نام ان کے ہم نام رکھا ہے، اسی طرح حضرت منذر بن عمرؓ بھی بئر معونہ میں شہید ہوگئے تھے، حضرت زبیر نے اپنے بیٹے منذر بن زبیر کا نام انہیں کے نام پر کھا؛ لہٰذا مرحوم بلال کے ہم نام اپنی اولاد کا نام رکھنا بلاشبہ جائز ہے، اس میں کوئی تردد نہیں ہونا چاہیئے۔

وأصيب يومئذ فيهم عروة بن اسماء بن الصلت، فسمي عروة، به ومنذر بن عمر، سمي به منذرًا. الحديث (بخاري شريف، باب غزوة الرجيع،

ورعل......النسخة الهندية ٢/ ٥٨٧، رقم: ٣٩٤٦، ف: ٤٠٩٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍صفر المظفر ۱۴۲۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۴۳۷/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۲/۵ھ

بچہ کا نام عبد اللہ، عبد الرحمٰن رکھنا

سوال [۱۱۱۴۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ظہیر احمد کے لڑکے کی پیدائش ۱۲؍ربیع الاول کی رات بارہ بجے ہوئی ہے، مفتیان کرام صاحب قرآن اور حدیث کی روشنی میں کیا نام رکھنا چاہئے؟ جواب عنایت کریں۔

المستفتی: ظہیر احمد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: حدیث پاک میں آیا ہے کہ اللہ تعالی کے نزدیک سب سے عمدہ اور محبوب ترین نام عبد اللہ اور عبد الرحمٰن ہے؛ لہٰذا آپ مذکورہ نومولود بچہ کا نام ان دونوں میں سے کوئی ایک رکھ لیجئے۔

عن ابن عمرؓ عن النبي صلی اللہ علیہ وسلم قال: أحب الأسماء إلی اللہ عبد اللہ، وعبد الرحمن. (ترمذي شریف، باب ماجاء ما یستحب من الأسماء، النسخة الهندية ٢/ ١١٠، دارالسلام رقم: ٢٨٣٣، مسند أحمد بن حنبل ٢/ ١٢٨، رقم ٦١٢٢ الدارمي دار المغني ٣/ ١٧٦٦، رقم: ٢٧٣٧، سنن أبي داؤد، باب في تغيير الأسماء، النسخة الهندية ٢/ ٦٧٦، دارالسلام رقم: ٤٩٤٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶؍ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۶۶۱۲/۳۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۴/۲۶ھ

عبدالسبحان، یا محمد سبحان نام رکھنا

سوال [۱۱۱۴۹ (الف)]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عبدالسبحان نام رکھنا جائز ہے یا نہیں؟ اور سبحان اسماء حسنہ میں سے ہیں یا نہیں؟

نیز عبد کی اضافت سبحان کی طرف صحیح ہے یا نہیں؟ نیز محمد سبحان نام رکھنا کیسا ہے؟ اگر دونوں نام صحیح نہ ہوں، تو براہ کرام کوئی نام تجویز فرمادیں۔

المستفتی: عبدالسبحان، متعلم جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سبحان نہ اللہ کا نام ہے اور نہ ہی اللہ کی صفت اصلی؛ بلکہ صفت زائدہ ہے؛ اس لئے عبدالسبحان نام رکھنا بعض بزرگوں نے ممنوع لکھا ہے۔

نیز بلا اضافت سبحان کا لفظ استعمال نہیں ہوتا ہے؛ اس لئے محمد سبحان نام رکھنا بلا اضافت درست نہیں ہے؛؛ کیونکہ سبحان کے معنی ہر قسم کے نقائص سے پاک ہونے کے ہیں اور ایسا کوئی انسان نہیں جو ہر نقص سے پاک ہو: لہٰذا اپنا نام بجائے محمد سبحان کے عبد الرحمٰن یا عبدالغفور وغیرہ رکھ لیں۔

تسمية العوام أطفالهم بعبد السبحان مما لا معنى لها، ويجب نهيهم عنها، فإن العبودية لا تضاف إلا إلى إسم من أسماء الله تعالىٰ والسبحان ليس علما له ولا وصفًا له؛ بل هو مصدر. (السعاية: ۲/ ۱٦٤)

وسبحان مصدر كغفران ولا يكاد يستعمل إلا مضافًا منصوبًا. (تفسير بيضاوي ١/ ٦٢، البقره: ٣٢)

عن ابن عمرؓ، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أحب الأسماء إلى الله عزوجل عبد الله،و عبد الرحمن. (أبوداؤد شريف، باب في تغيير الأسماء، النسخة الهندية ٢/ ٦٧٦، دارالسلام رقم: ٤٩٤٩، سنن ابن ماجه، باب ما يستحب

من الأسماء، النسخة الهندية ۲/۲۶۵، دار السلام رقم: ۳۷۲۸، صحيح مسلم، باب النهي عن التكنى بأبي القاسم……النسخة الهندية ۲/۲۰۶، بيت الأفكار رقم: ۲۱۳۲)

يلتحق بهذين الإسمين ما كان مثلهما كعبد الرحيم. (حاشية أبي داؤد ۸، فتاوی محمودیه جدید ڈابھیل ۱۶/۳۸۷)

اور عبد السبحان مختلف فیہ نام ہے؛ کیونکہ اس کا ایک معنی ہے پاکی بیان کرنے والا بندہ اور دوسرا معنی ہے کہ اس ذات کا بندہ جو ہر قسم کے نقائص سے مبرّ ہ اور پاک ہے جو اللہ تعالیٰ کی صفت خاصہ ہے، تو اس معنی کے اعتبار سے عبد السبحان نام رکھنے کی گنجائش ہے جیسا کہ روح المعانی وغیرہ کی عبارت سے واضح ہوتا ہے۔

ثم العدول عن المصدر إلى الإسم الموضوع له خاصة لا سيما وهو علم يشير إلى الحقيقة الحاضرة في الذهن ومافيه من قيامه مقام المصدر مع الفعل فإن انتصابه بفعل متروك الاظهار ولهذا لم يجز استعماله إلا فيه تعالىٰ اسماؤه وعظم كبرياؤه وكأنه قيل ما أبعد الذي له هذه القدرة عن جميع النقائص فلايكون اصطفاؤه لعبده التخصيص به إلا حكمة وصوابًا الخ. (تفسير روح المعاني بيروت ۹/۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/ ذی قعدہ ۱۴۳۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸/ ۹۸۱۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۵/۱۱/۱۴۳۰ھ

عبد السبحان نام رکھنا

سوال [ب: ۱۱۱۴۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) عبد السبحان نام رکھنا کیسا ہے؟ اگر جائز نہیں تو عدم جواز کس درجہ کا ہے؟ نیز نام رکھنے والا مسلسل گنہگار رہوگا یا ایک مرتبہ یہ گناہ نام رکھنے والے کے ساتھ خاص ہے

یا مسمیٰ کو بھی لاحق ہوگا؟

(۲) ناجائز ہونے کی صورت میں یہ بھی بتلا دیجئے کہ عدم جواز معنی کی خرابی کی وجہ سے ہے یا اس کے بے معنی ہونے کی وجہ سے؟

درصورت اول: سبحان کے ایسے کیا معنی ہیں جس سے ابہام شرک یا کوئی اور خرابی لازم آتی ہے؟

درصورت ثانی: کیا بے معنی نام رکھنا صحیح نہیں؟ نیز اگر عبدالسبحان کی کوئی صحیح تاویل ہو تو واضح فرمادیں۔

(۳) اگر مسمّٰی کی عمر کافی ہوچکی ہے اور اسی نام سے لوگوں کے درمیان مشہور ہے۔ نیز سرکاری اور غیر سرکاری کاغذات میں یہی نام درج ہے اور اس نام کی تبدیلی میں خاصی مشکل اور کئی پیچیدہ مراحل ہیں تو کیا اس کی کوئی اور صورت نکل سکتی ہے؟ تفصیل سے جواب عنایت فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

المستفتی: عبدالسبحان، سندیلہ، ہردوئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عبدالسبحان نام رکھنا کیسا ہے؟ اس سلسلے میں کافی جستجو اور تحقیق کے بعد دو رائے ہمارے سامنے آئی ہیں:

پہلی رائے یہ ہے کہ ''عبدالسبحان'' نام نہیں رکھنا چاہئے، جو حضرات عبدالسبحان نام رکھنے کو منع کرتے ہیں وہ اس کی وجہ یہ بیان فرماتے ہیں کہ سبحان تسبیح کے ہم معنی مصدر ہے، جس کے معنی پاکی بیان کرنے کے آتے ہیں اور لفظ تسبیح کا علم ہے اور علم کی دو قسمیں ہیں:

علم جنسی اور علم شخصی، یہاں علم شخصی مراد نہ ہونا متفق علیہ ہے؛ البتہ علم جنسی ہے جسے نکرہ بنا کر اضافت کے ساتھ استعمال کیا جاتا ہے اور معنی مصدری اپنی جگہ باقی رہتا ہے اور معنی مصدری اپنی جگہ باقی رہنے کی صورت میں عبدالسبحان کا معنی ہوگا ''پاکی بیان کرنے کا بندہ''

اس معنی کے پیش نظر عبد السبحان نام رکھنے کے متعلق حضرت مولانا عبد الحیؒ لکھنویؒ نے سعایہ میں تحریر فرمایا ہے کہ عوام کو اس نام کے رکھنے سے منع کرنا لازم ہے اور فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ نے عبد السبحان نام رکھنے کے متعلق جواز اور عدم جواز کے بارے میں واضح حکم نہیں لگایا ہے؛ لیکن حضرت کا رجحان عدم جواز کی طرف ہے اور اس رجحان پر سعایہ کی عبارت بھی نقل کر دی ہے۔ ملاحظہ ہو فتاوی محمودیہ ڈابھیل ۱۹/۳۸۶، میرٹھ ۲۹/۲۲۳۔

اب سعایہ کی عبارت ملاحظہ ہو:

ومن ههنا وضح ذلک أن تسمية العوام أطفالهم بعبد السبحان مما لا معنى لها ويجب نهيهم عنها فان العبودية لا تضاف إلا إلى أسماء الله تعالىٰ، والسبحان ليس علماً له ولا وصفًا له؛ بل هو مصدر فاحفظه! فإنه من الفوائد النفيسة. (السعاية، اشرفية ديوبند ۲/ ۱٦٤)

قوله سبحان مصدر لازم النصب باضمار الفعل وهو علم للتسبيح والعلم على نوعين: علم جنسي وعلم شخصي ثم أنه تارة يكون للعين والأخرىٰ للمعنىٰ فهذا من العلم الجنسي الذى للمعنى فان قلت لفظ سبحان واجب الإضافة فكيف الجمع بين الإضافة والعلمية؟ قلت: ينكر ثم يضاف، فان قلت: ما معنى التسبيح؟ قلت: التنزيه يعنى انزه الله تنزيها مما لا يليق به تعالى. (هامش صحيح البخاري ۲/ ۱۱۲۹، رقم:٧٢٦٢، ف:٧٥٦٣)

دوسری رائے یہ ہے کہ عبد السبحان نام رکھنا جائز اور درست ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ لفظ ''سبحان'' مصدر ہے اور علم جنسی ہے اور مصدر کو علم کے طور پر استعمال کرنا بھی جائز ہے اور لفظ سبحان کے معنی ہر قسم کے نقائص اور خامیوں سے مبرہ اور پاک ہونے کے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی پاک ذات کی خاص صفت ہے اور کسی مخلوق کے لئے یہ صفت منسوب نہیں ہو سکتی؛ بلکہ یہ صفت ذات باری تعالیٰ ہی کے ساتھ خاص ہے، تو ایسی صورت میں عبد السبحان کا مطلب یہ ہوگا کہ اس ذات کا بندہ جو ہر قسم کے نقائص سے پاک ہے اور عبد السبحان اور عبد

السبوح ایک ہی معنی میں ہوں گے، تو اس لحاظ سے عبدالسبحان نام رکھنے میں کوئی حرج نہ ہوگا اور ہماری رائے بھی تحقیق کے بعد اسی رائے کے موافق ہے؛ لہٰذا اگر کسی کا عبدالسبحان نام رکھا گیا تو اس کو بدلنے کی ضرورت نہیں ہے۔

مفسرین کی ذیل کی عبارات اس کی تائید میں سمجھ میں آتی ہیں، ملاحظہ فرمائیے:

ذكر انه يدل على التنزيه البليغ وذلك من حيث الاشتقاق من السبح وهو الذهاب والابعاد في الأرض، ثم العدول عن المصدر إلى الاسم الموضوع له خاصة لا سيما وهو علم يشير إلى الحقيقة الحاضرة في الذهن وما فيه من قيامه مقام المصدر مع الفعل فإن انتصابه بفعل متروك الاظهار ولهذا لم يجز استعماله إلا فيه تعالىٰ أسماءه وعظم كبرياؤه، وكأنه قيل: ما أبعد الذى له هذه القدرة عن جميع النقائص فلايكون اصطفاؤه لعبده التخصيص به الا حكمة وصوابا (إلى قوله) وقال الطيبي في قول الزمخشري: أنه دل على التنزيه البليغ عن جميع القبائح التي يضيفها إليه اعداء الله تعالىٰ. (روح المعاني، زكريا ۹/۵-۶، وبيروت ۹-۵)

ومعناه التنزيه والبراءة لله عزوجل من كل نقص فهو ذكر عظيم لله تعالىٰ لا يصح لغيره. (الجامع لاحكام القرآن ۹/ ۲۰۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲ر صفر المظفر ۱۴۳۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۱/ ۱۲۳۸۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴/ ۲/ ۱۴۳۷ھ

''اصلاح الرحمٰن'' وزارۃ اللہ دونوں ناموں کا تحقیقی جائزہ

سوال [۱۱۱۵۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص کا نام اصلاح الرحمٰن اور دوسرے کا وزارۃ اللہ ہے، یہ دونوں نام کیسے

ہیں آیا صحیح ہیں یا غلط؟ آپ اس کا تسلی بخش جواب دیکر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔

المستفتی: محمد یوسف، متعلم مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اصلاح کے معنی درست کرنے کے ہیں اور جب مصدر کی اضافت ہوتی ہے، تو کبھی مصدر اپنے مضاف الیہ کو مفعول بناتا ہے اور کبھی فاعل اور یہاں قرینہ یہی ہے کہ مضاف الیہ فاعل ہی بن سکتا ہے، تو اصلاح الرحمٰن کا مطلب یہ ہوگا کہ رحمٰن کا درست کیا ہوا، تو اس معنی کر یہ نام درست ہے اور وزارت کے معنی نیابت کے ہیں اور وزارت اللہ کا مطلب ہوگا، اللہ کا نائب اور قرآن وحدیث میں وارد ہوا ہے کہ انسان روئے زمین میں اللہ کا خلیفہ اور نائب ہے، تو اس معنی کر یہ نام جائز اور درست ہے۔

قال اللّٰه تعالیٰ: اِنَّا جَعَلْنٰکَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْض. [سورہ صٓ:۲۶]

لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْض. [النور:۵۵]

عن أبي سعيد الخدري رضـ، قال: صلى بنا رسول الله صلى الله عليه وسلم -إلى- و إن الله مستخلفكم فيها فناظر كيف تعملون. الحديث (سنن الترمذي، باب ما جاء ما أخبر النبي صلى الله عليه و سلم أصحابه بما هو كائن إلى يوم القيامة، النسخة الهندية ۲/۴۶، دارالسلام رقم: ۲۱۹۱، صحيح مسلم، باب أكثر أهل الجفة ......النسخة الهندية ۲/۳۵۳، بيت الأفكار رقم: ۲۷۴۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۵/ ذی قعدہ ۱۴۲۰ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴/ ۶۳۷۳)	۱۵/۱۱/۱۴۲۰ھ

کیا راشد اللہ اور ارشد اللہ معناً صحیح ہیں؟

سوال [۱۱۱۵۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ راشد اللہ اور ارشد اللہ دونوں نام معنی کے لحاظ سے صحیح ہیں؟

المستفتی: محمد اعلم قاسمی، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: راشد اللہ اور ارشد اللہ میں اگر لفظ من محفوظ مان لیا جائے، راشد من اللہ اور ارشد من اللہ تو جائز ہوسکتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍ ذی قعدہ ۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۶۳۷۲/۳۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۱۱/۱۳ھ

احمد نبی اور محمد نبی اور طالب نبی نام رکھنا

سوال [۱۱۱۵۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ احمد نبی، محمد نبی، طالب نبی نام رکھنا کیسا ہے؟ ایسے نام رکھنا شرع کے خلاف تو نہیں ہیں؟

المستفتی: احمد نبی، سبدیش پور، چندوسی، علی گڑھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: احمد نبی، محمد نبی طالب نبی نام رکھنے میں حدیث کے خلاف نہ ہونے کی وجہ سے کوئی قباحت نہیں ہے؛ بلکہ یہ از قبیل مرکب منع صرف ہے کہ دونوں کلموں کے درمیان کوئی نسبت اضافی نہیں ہے۔

المركبات كل اسم من كلمتين ليس بينها نسبة (وتحته في الرضي) ليس قبل العلمية بينهما نسبة، قال: إنما قلت يفرج المضاف والمضاف إليه. (رضي شرح كافيه ٢/٤ ٨)

ومنع التسمية بعبد النبى (إلى قوله) والأكثر على المنع خشية اعتقاد حقيقة العبودية كما لايجوز عبد الدار. (شامي، كتاب الحظر

والإباحة، باب الإستبراء وغيره زكريا ٩/٥٩٩، كراچي ٦/٤١٨، الموسوعة الفقهية الكويتية ١١/٣٣٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸؍ جمادی الثانیہ ۱۴۰۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۲۹۹/۲۴)

احمد نبی، محمد نبی نام رکھنا کیسا ہے؟

سوال [۱۱۱۵۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ احمد نبی نام میں کچھ کراہت ہے، میں نے ایک کتاب میں احمد نبی محمد نبی وغیرہ ناموں کے بارے میں پڑھا تھا، کہ حرام ہے، احمد نبی کی جگہ احمد علی کیسا ہے؟ دعاؤں کی پر خلوص درخواست ہے۔

المستفتی: طالب دعاء: احمد نبی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: محمد نبی واحمد نبی جیسے ناموں کے اندر نسبت اضافی نہ ہونے کی وجہ سے حدیث مسلم کی رو سے ممنوع ہے؛ بلکہ یہ نام بعلبک اور معدیکرب، حضر موت، محمد احمد کی طرح مرکب منع صرف ہیں، جس کا جواب آپ کو ۲۸؍ جمادی الثانیہ ۱۴۰۹ھ کو فتوی ۱۲۹۹/۲۴ ؍ میں دیا جا چکا ہے، البتہ اگر حدیث

عن أنس بن مالك رضي الله عنه، قال: -إلى- فقال: النبي صلى الله عليه وسلم: سموا باسمي ولا تكنوا بكنيتي. (صحيح البخاري، باب ما ذكر في الأسواق ١/٢٨٥، رقم: ٢٠٧٣، ف: ٢١٢٠، صحيح مسلم، باب النهي عن التكني بأبي القاسم……النسخة الهندية ٢/٢٠٦، بيت الأفكار رقم: ٢١٣٣)

کی طرح اشتباہ کی علت تسلیم کی جائے، تو ان کے ناموں میں علماء محققین کا اختلاف ہے، حضرت ملا علی قاریؒ نے مرقات میں پانچ توجیہات اور امام نوویؒ نے شرح

مسلم میں ٦ رتوجیہات نقل فرمائی ہیں، ان میں سے توجیہ٢ر علامہ حصکفیؒ نے درمختار میں اورعلامہ شامی نے ردالمحتار میں جائز نقل فرمائی ہے؛ اس لئے کہ ممانعت کی علت حضور ﷺ کے زمانہ کے ساتھ معلوم ہوتی ہے اورحضور کے بعد اشتباہ باقی نہ رہنے کی وجہ سے ممانعت کا حکم بھی باقی نہیں رہا ہے۔ (مستفاد: نووی علی ہامش مسلم٢/٢٠٦، الدر مع الرد، کراچی ٦/٤١٧، زکریا٩/٥٩٨، حاشیہ مشکاۃ ٢/٤٠٧)

بل ینبغي أن یقال ینتفي الحکم بانتفاء العلة في ذلک الاشتباہ وهو متعین في حال الحیوان. (مرقات، باب الأسامي، مکتبه امدادیه ملتان ٩/١٠٥)

اورعلامہ بدرالدین عینی نے عمدۃ القاری ، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم سموا باسمی......داراحیاء التراث العربی٢٢/٢٠٦، زکریا ١٥/٣١٤ کے اندر کراہت کو ترجیح دی ہے اورتحریمہ کی نفی کی ہے اورشیخ عبدالحق محدث دہلی نے اشعۃ اللمعات میں حرمت کو ترجیح دی ہے؛ لہٰذا ایسا مشتبہ نام نہ رکھنے میں احتیاط ہے اوراگر رکھ بھی لیاجائے، تو قول اول کی بناپر حرام بھی نہیں کہیں گے۔اب آپ کو اختیار ہے چاہے اپنا نام بدل دیں یاباقی رکھیں، اگر احتیاط ہی چاہتے ہیں تو بدل دیجئے ورنہ واجب نہیں۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١٣ ررجب المرجب ١٤٠٩ھ
(فتویٰ نمبر: الف ٢٥/١٣٢٠)

ثقلین اورحسنین نام رکھنا کیسا ہے؟

سوال [١١١٥٤]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ثقلین اورحسنین نام کے دو بچے ہیں، ان کا یہ نام شرعی طور پر درست ہے یانہیں؟ ہر دوصورت میں توجیہ بھی مطلوب ہے۔

المستفتی: عبدالرؤف، گلی نمبر٦، کانکی نارہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حسنین نام رکھنا بہر حال جائز ہے اور ثقلین نام رکھنا فی نفسہ جائز ہے؛ لیکن اس سے بہتر وہ نام ہے، جس میں عبدیت کا اظہار ہو یا صالحین میں سے کسی کا نام ہو اور ثقلین نہ کسی صحابی کا نام ہے، نہ کسی ولی کا؛ بلکہ اس کے معنی جن وانس کے ہیں اور جنات میں اچھے برے دونوں طرح کے ہوتے ہیں، اسی طرح انسانوں میں بھی دونوں طرح کے ہوتے ہیں اور حدیث میں آتا ہے، کہ اپنے اچھے نام تجویز کیا کرو؛ اس لئے کہ قیامت کے میدان میں تم کو تمہارے اور تمہارے آباء کے نام کے ساتھ پکارا جائے گا۔

عن أبي الدرداءؓ، قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: إنکم تدعون یوم القیامۃ بأسمائکم، وأسماء آبائکم، فأحسنوا أسمائکم.

(سنن أبي داؤد، باب في تغییر الأسماء، النسخۃ الہندیۃ ٢/٦٧٦، دارالسلام رقم: ٤٩٤٨، مسند الدارمي، دار المغني ٣/١٧٦٦، رقم: ٢٧٣٦، مسند أحمد بن حنبل ٥/١٩٤، رقم: ٢٢٠٣٥، صحیح ابن حبان، دار الفکر ٥/٣٩١، ٥٨٢٧)

لہٰذا قیامت کے میدان میں جب اس نام کے ساتھ پکارا جائے گا، تو دونوں گروہوں کو شامل ہوگا۔ الحاصل ثقلین نام اگرچہ جائز ہے، مگر بہتر نہیں ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٢٨ / ربیع الاول ١٤٢٠ھ
(فتویٰ نمبر: الف ٣٤ / ٦٠٨٥)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
١٤٢٠/٣/٢٠ھ

”محمد بشیر الدین احمد“ نام رکھنا

سوال [١١١٥٥]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرے ایک بھائی کا نام محمد بشیر الدین احمد رکھا، تو وہیں مولانا صاحب نے فرمایا کہ نام کے اول اور آخر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام رکھنا جائز نہیں، اس طرح محمد بشیر

الدین احمد صرف محمد بشیر الدین یا بشیر الدین احمد جائز ہے۔

المستفتی: مزمل الحق

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: محمد بشیر الدین احمد نام رکھنا شرعًا جائز ہے؛ اس لئے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: سموا باسمی یعنی میرے نام کی طرح نام رکھو، اس میں کوئی تفصیل نہیں ہے کہ ایک طرف حضور ﷺ کا نام آنا چاہئے یا دونوں طرف اسی طرح فرمایا: تسموا باسماء الأنبیاء کہ انبیاء کے ناموں کے مطابق نام رکھو، اس میں بھی کوئی تفصیل نہیں؛ لہٰذا محمد بشیر الدین احمد نام رکھنا درست ہے۔

عن جابر بن عبد الله الا نصاري، قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم: سموا بإسمي. الحديث (صحيح البخاري، باب من سمي بأسماء الأنبياء، النسخة الهندية ٢/٩١٥، رقم: ٥٩٥٥، ف: ٦١٩٦، صحيح مسلم، باب النهى عن التكنى بأبي القاسم......النسخة الهندية ٢/٢٠٦، بيت الأفكار رقم: ٢١٣٣)

عن أبي وهب وكانت له صحبة، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: تسموا بأسماء الأنبياء. الحديث (سنن النسائي، ما يستحب من شية الخيل، النسخة الهندية ٢/١٠٥، دار السلام رقم: ٣٥٦٥، سنن أبي داؤد، باب في تغيير الأسماء، النسخة الهندية ٢/٦٧٦، دار السلام رقم: ٤٩٥٠، مسند أحمد بن حنبل ٤/٣٤٥، رقم: ١٩٢٤١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍محرم الحرام ۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۵۹۴۴/۳۴)

شبیر احمد کے معنی

سوال [۱۱۱۵٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ میرے بھتیجے کا نام شبیر احمد ہے، اس نام کے کیا معنی ہے؟

المستفتی: مولانا مہدی حسن، ۲۴؍ پرگنہ، مغربی بنگال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شبیر کے معنی نیک اور خوبصورت کے ہیں اور یہ نام حضرت حسینؓ کا ہے، حضور ﷺ نے اپنے نواسوں کا نام حضرت ہارون کے بیٹوں کے ہم نام رکھا تھا، حضرت حسنؓ کا نام شبّر اور حضرت حسین کا نام شبیر اور محسن کا نام مشبّر تھا، حضرت محسن بچپن ہی میں گذر گئے تھے ملاحظہ فرمایئے:

قال علي بن أبي طالبؓ: لما ولد الحسن جاء رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: اروني إبني، ما سميتموه؟ قلت: سميت حربًا، فقال: بل هو حسن، فلما ولد الحسين سميناه حربًا، فجاء النبي صلى الله عليه وسلم فقال: أروني ابني، ماسميتموه؟ قلت حربًا، قال: بل هو حسين ، فلما ولد الثالث جاء النبي صلى الله عليه وسلم فقال: أروني ابني، ماسميتموه؟ قلت سميته حربًا، قال: بل هو محسن، ثم قال: سميتهم بأسماء ولد هارون "شبر، وشبير، ومشبر. (اسد الغابة في معرفة الصحابة، دارالفكر بيروت ۱/ ۴۸۸) فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍ربیع الثانی ۱۴۳۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۱/ ۱۱۹۸۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۱/۴/۱۴۳۶ھ

نبیہ سرور نام کے تبدیل کرنے کا حکم

سوال [۱۱۱۵۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرا نام نبیہ سرور ہے، اور میں اس کو تبدیل کر کے حفظ الرحمٰن رکھ لینا چاہتا ہوں، شریعت کی رو سے یہ نام بہتر رہے گا یا نہیں؟

المستفتی: نبیہ سرور، امبید کرنگر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نبیہ سرور نام کوتبدیل کر کے حفظ الرحمٰن رکھ لینا جائز اور درست ہے، اس میں کوئی قباحت نہیں ہے؛ بلکہ حفظ الرحمٰن نام نبیہ سرور کے مقابلہ میں اچھا ہے، حضور ﷺ پرانے ناموں کو اچھے ناموں کے ساتھ تبدیل کر دیا کرتے تھے، مثلاً حضرت ام المؤمنین زینب بنت جحشؓ کا نام برہ تھا، تو رسول اللہ ﷺ نے اس کو بدل کر ان کا نام زینب رکھا ہے، اسی طرح حضرت ام المؤمنین ام سلمہؓ کی بیٹی حضرت زینب بنت سلمہ کا نام بھی برہ تھا، تو حضور ﷺ نے ان کا بھی نام بدل کر زینب رکھا، اسی طرح حضرت ام المؤمنین جویریہؓ کا نام بھی برہ بنت حارث تھا، حضور ﷺ نے ان کا نام بدل کر جویریہ رکھا، اسی طرح ام المؤمنین حضرت میمونہ بنت حارثؓ کا نام بھی برہ تھا، حضور ﷺ نے ان کا نام میمونہ رکھا، اسی طرح حضرت عبداللہ بن حارث زبیدیؓ کا نام عاص تھا، حضور ﷺ نے ان کا نام بدل کر عبد اللہ بن حارث رکھا، اسی طرح حضرت عبد اللہ بن عمر بن العاصؓ کا نام عاص تھا، حضور ﷺ نے ان کا نام بدل کر عبداللہ بن عمرابن العاص رکھا؛ لہٰذا نبیہ سرور کا نام بدل کر حفظ الرحمٰن نام رکھنا جائز اور درست ہے۔ (مستفاد: انوار رسالت ۵۹۴تا۶۰۰)

عن أبي هريرة أن زينب كان اسمها برة فقيل: تزكي نفسها فسماها رسول الله صلى الله عليه وسلم زينب. (صحيح البخاري، باب تحويل الإسم إلى إسم أحسن منه، النسخة الهندية ٢/ ٩١٤، رقم: ٥٩٥١، ف: ٦١٩٢)

حدثتني زينب بنت أم سلمةؓ، قالت: كان اسمي برة، فسماني رسول الله صلى الله عليه وسلم زينب قال: ودخلت عليه زينب بنت جحش واسمها برّة فسماها زينب. (مسلم شريف، باب بيان تغيير الإسم القبح إلى حسن ـــ النسخة الهندية ٢/ ٢٠٨، بيت الأفكار رقم: ٢١٤٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۱/ ۱۲۰۵۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۶/۵/۱۴۳۶ھ

عبدالمطلب نام رکھنا

سوال [۱۱۱۵۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرا نام عبدالمطلب ہے، یہ نام شریعت کی رو سے جائز ہے یا نہیں؟ یہ نام رکھنا درست نہ ہو، تو کیا رکھیں؟

المستفتی: عبدالمطلب، سیتاپوری، متعلم مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عبدالمطلب نام رکھنا درست نہیں؛ اس لئے کہ عبد کی اضافت اللہ تعالیٰ کے اسماء کے علاوہ کی طرف جائز نہیں اور مطلب اللہ کے اسماء حسنیٰ میں سے نہیں ہے۔

أقول: ويؤخذ من قوله ولا عبد فلان منع التسمية بعبد النبي و نقل المناوي عن الدميرى أنه قيل بالجواز بقصد التشريف النسبة والأكثر على المنع خشية اعتقاد العبودية كما لايجوز عبد الدار. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، باب الإستبراء وغيره، زكريا ۵۹۹/۹، كراچي ۴۱۸/۶، الموسوعة الفقهية الكويتية ۳۳۶/۱۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰؍ربیع الاول ۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴/ ۶۰۶۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۲۰/۳/۱۲ھ

لفظ فوزان کی تحقیق

سوال [۱۱۱۵۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ فوزان کے معنی کیا ہیں اور فوزان کون سی زبان عربی، فارسی یا کس زبان کا لفظ ہے، اور محمد فوزان نام رکھنا کیسا ہے؟

المستفتی: محمد خالد قاسمی، شبانہ منزل پاٹلی پاڑہ، ٹرامبے ممبئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: فوزان فوز مادہ سے صفت کا صیغہ ہے، اس کے معنی کامیاب ہونے کے ہیں اور محمد فوزان نام رکھنا اچھا ہے۔ (فیروز اللغات جامع ۷۰۷)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵ر صفر المظفر ۱۴۲۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷/ ۸۲۳۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۲/۵ھ

عظیم الشان نام رکھنا کیسا ہے؟

سوال [۱۱۱۶۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ احقر کا نام عظیم الشان ہے، جو احقر کے گھر والوں نے رکھا، تو اس نام کا رکھنا شرعاً کیسا ہے جائز ہے یا ناجائز یا مکروہ؟ اگر کراہت ہے، تو کس درجہ کی؟ جواب سے نوازیں۔

المستفتی: عظیم الشان لکھیم پوری، متعلم مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسے نام رکھنا جن سے اپنی بڑائی اور برتری کا اظہار ہوتا ہو، مکروہ ہے اور چونکہ عظیم الشان کے معنی میں بڑائی پائی جاتی ہے؛ لہٰذا یہ نام رکھنا مکروہ ہوگا اور عظیم الشان اللہ تبارک وتعالیٰ کے صفاتی ناموں میں سے ہے اور اللہ تعالیٰ کے صفاتی ناموں کو لفظ عبد کے ساتھ رکھنا چاہئے۔

عن أبي هريرة رضـ، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: أغيظ رجل على الله يوم القيامة، وأخبثه و أغيظه عليه، برجل كان يسمىٰ ملك الأملاك، لاملك إلا الله. (مسلم شريف، باب تحريم التسمى بملك الاملاك، وبملك الملوك، النسخة الهندية ۲/ ۲۰۸، بيت الأفكار رقم: ۲۱۴۳)

أي أقبحها وأفحشها؛ لأنه يدل على غاية التكبر، وهذا الإسم يليق بالله سبحانه تعالیٰ. (بذل المجهود، باب في تفسير الإسم القبيح، دار البشائر الإسلامية، ۱۳/ ۳٦۰، سهارن پوره/ ۲٦۹)

عزيز: لأنه من أسماء الله تعالیٰ، فينبغي أن يقال عبد العزيز؛ لأن العبد موصوف بالذل، والخضوع، والعزة لله تعالیٰ: وكذا لا ينبغي أن يسمیٰ بحميد، فإنه من أسمائه وصفاته على وجه المسابقة، فلا يقال إلاعبدالحميد، وكذلك الكريم وأمثاله. (مرقاة، باب الأسماء،الفصل الثانی امدادية ملتان ۹/ ۱۱٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۵/ جمادی الثانیہ ۱۴۳۳ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹/ ۱۰۷۱۷)	۱۵/ ۶/ ۱۴۳۳ھ

صرف الدین، شرف الدین نام رکھنا

سوال [۱۱۱۶۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے اپنے بیٹے کا نام شرف الدین رکھا ہے، شین سے لکھتا ہے، اوردوسرے شخص نے بھی اپنے بیٹے کا نام صرف الدین رکھا ہے، صاد سے لکھتا ہے، دونوں آدمیوں کے بیچ نزاع ہے، تو کیا دونوں کے نام صحیح ہیں؟

المستفتی: محمد نعیم الدین، جھگڑو، دربھنگہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ان دونوں ناموں میں شرف الدین نام رکھنا زیادہ صحیح اور عمدہ ہے؛ کیونکہ شرف الدین کے معنی دین میں عزت اور بلند مرتبہ والا ہونا اورصرف الدین نام رکھنا معنی کے اعتبار سے بہتر نہیں ہے؛ کیونکہ صرف الدین کے معنی دین کے اندر تصرف کرنے اور الٹ پھیر کرنے کے ہیں ظاہر ہے یہ معنی صحیح نہیں ہیں۔

(مستفاد: مصباح اللغات ۴۲۸- ۴۶۷)

عن أبي الدرداءؓ، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إنكم تدعون يوم القيامة بأسمائكم، وأسماء آبائكم فأحسنوا أسمائكم.
(سنن أبي داؤد، باب في تغير الإسم، النسخة الهندية ٢/٦٧٦، دار السلام رقم: ٤٩٤٨)
فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴ ر جمادی الثانیہ ۱۴۱۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۲/۴۵۰۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۶/۶/۲۰ھ

پرویز نام رکھنا کیسا ہے؟

سوال [۱۱۱۶۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ پرویز کے کیا معنی ہیں؟ کیا مندرجہ ذیل نام رکھنا درست ہیں؟ پرویز خاں، محمد پرویز، پرویز احمد، پرویز الدین، پرویز اختر؟

المستفتی: محمد اقبال شمسی ہاؤس، طویلہ اسٹریٹ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: پرویز فارس کے اس بادشاہ کا نام ہے، جس نے حضور کے نامۂ مبارک کو ٹکڑے ٹکڑے کردیا تھا؛ اس لئے پرویز کا معنی چاہے کچھ بھی ہو، مگر دشمن رسول کا نام ہے؛ لہٰذا اس نام کے ساتھ مسلمان بچوں کا نام رکھنا نہایت غیر مناسب ہے۔

عبيد الله بن عبد الله، أن ابن عباس أخبره، أن سول الله صلى الله عليه وسلم، بعث بكتابه إلى كسرىٰ- فأمره أن يدفعه إلى عظيم البحرين فدفعه عظيم البحرين إلى كسرىٰ، فلما قرأه، مزقه فدعا عليهم رسول الله صلى الله عليه وسلم أن يمزقوا كل ممزق. (بخاري شريف، باب كتاب النبي صلى الله عليه وسلم إلى كسرىٰ وقيصر، النسخة الهندية ١/٦٣٧، رقم: ٤٢٤٦، ف: ٤٤٣٤)

وإسمه پرویز بن هزمز بن نوشیروان و کسریٰ. (حاشیة بخاري ٢/٦٣٧)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳ محرم الحرام ۱۴۲۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵/۷۰۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۱/۲۳ھ

یزدان نام رکھنا

سوال [۱۱۱۶۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرا نام یزدان ہے، بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ نام صحیح نہیں ہے، کوئی نام تجویز فرمادیں اور اگر اس نام میں کوئی قباحت نہ ہو، تو اسے باقی رکھا جائے؛ اس لئے کہ اسکول کی اسناد اور بینک وغیرہ کے کاغذات میں تبدیلی کرانی پڑے گی یا اسکول اور بینک میں اسے چلاتے رہیں اور الگ سے ایک اور نام رکھ لیں، شریعت کا کیا حکم ہے؟ تحریر فرمادیں۔

المستفتی: یزدان علی نئی سڑک، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: یزدان کے معنی خدا اور خیر کے خالق کے ہیں۔
(مستفاد: فیروز اللغات ۴۶۷)

اس لئے یہ نام بدل کر کوئی اچھا سا اسلامی نام رکھ لیا جائے اور سرکاری کاغذات اور اسکولی اسناد میں جس حد تک ممکن ہو تبدیلی کرالی جائے؛ کیونکہ آنحضرت ﷺ بھی صحابہؓ کے نامناسب ناموں کو اچھے ناموں سے بدل دیا کرتے تھے۔

عن أبي الدرداءؓ، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إنكم تدعون يوم القيامة بأسمائكم، وأسماء آبائكم، فأحسنوا أسمائكم. (سنن أبي داؤد، باب في تغيير الإسم، النسخة الهندية ٢/٦٧٦، دار السلام رقم: ٤٩٤٨)

كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يغير الإسم القبيح إلى الحسن.
(شامي، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره، زكريا ٩/ ٥٩٩، كراچی ٦/ ٤١٨)

عن ابن عمرؓ، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم غير اسم عاصية، وقال أنت جميلة. (مسلم شريف، باب تغيير استحباب تغيير الأسم……النسخة الهندية ٢/ ٢٠٨، بيت الأفكار رقم: ٢١٣٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٢٩/ ذی الحجہ ١٤٣١ھ
(فتویٰ نمبر: الف ٣٩/ ١٠٢٤٥)

اِرم نام رکھنا کیسا ہے؟

سوال [١١١٦٤]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری بیٹی کا نام اِرم ہے، اس کے کیا معنی ہیں، اس کا عقیقہ بھی کر دیا ہے، کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ نام ٹھیک نہیں ہے؛ لہٰذا اس کا نام اگر صحیح نہیں ہے، تو مجھے نام بدلنا ہوگا، تو کیا دوسرا عقیقہ بھی کرنا ہوگا؟ کیونکہ اگر عقیقہ کرنا ہوگا تو لمبا کرنے کا ارادہ ہے۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قرآن کریم میں جو لفظ اِرم آیا ہے، اس سے ایک بادشاہ یا شاہی خاندان کا نام مراد ہے۔ (تفسیر شیخ الہند ٧٩٠، معارف القرآن ٨/ ٧٣٦)

اور لغت میں اِرم کے معنی رہنمائی کے لئے نصب کیا ہوا پتھر کے ہیں۔ (مصباح اللغات ٣٢)

اب اگر اس نام کو باقی رکھنا چاہتے ہیں، تو آپ کو اختیار ہے، اور اس سے بھی عمدہ نام رکھنا چاہتے ہیں، تو بدلنے میں بھی اختیار ہے، مگر نام بدلنے کی وجہ سے دوبارہ عقیقہ لازم نہیں، مسنون عقیقہ شرعاً ادا ہو چکا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١٦/ ذی قعدہ ١٤٢٠ھ
(فتویٰ نمبر: الف ٣٤/ ٦٣٨٢)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
١٦/ ١١/ ١٤٢٠ھ

آسیہ نام رکھنا کیسا ہے؟

سوال [۱۱۱۶۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آسیہ نام رکھنا کیسا ہے؟ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ آسیہ نام رکھنے سے حضرت آسیہ کی طرح پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اور بعض آسیہ نام والیوں کو دیکھا گیا ہے، کہ وہ اکثر بیمار یا آسیب زدہ سی رہتی ہیں اور ان کے والدین وغیرہ کی خواہش ہے کہ اس نام کے بجائے دوسرا نام رکھ لیا جائے، کیا ایسا کرنا درست ہے؟

المستفتی: عبدالرحمٰن

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آسیہ دنیا کی ایک نیک اور مقبول ترین خاتون کا نام ہے، جن کی گود میں حضرت موسیٰؑ کی پرورش ہوئی ہے، اگرچہ وہ فرعون کی بیوی تھیں؛ لیکن اللہ کے نزدیک نہایت پارسا اور خداترس نیک خاتون تھیں اور جنت میں آپ ﷺ کی زوجہ بنیں گی، ان کے نام پر لڑکیوں کا نام رکھنا باعث سعادت ہے؛ اس لئے کہ حضور ﷺ پچھلے انبیاء یا نیک لوگوں کے ہم نام نام رکھنا پسند فرماتے تھے، اور جن لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ اس نام کی بچیاں اکثر بیمار یا آسیب زدہ رہتی ہیں یہ عقیدہ کا فساد ہے، ایسا عقیدہ درست نہیں، آسیہ کے معنی تسلی حاصل کئے جانے اور مضبوطی کے ہیں؛ اس لئے اس کے معنی میں بھی کوئی خرابی نہیں؛ البتہ والدین کو اختیار ہے کہ جو چاہیں نام رکھیں۔

عن سعد بن جنادة رضـ، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن الله زوجني في الجنة مريم بنت عمران، وإمرأة فرعون، وأخت موسىٰ عليه السلام. (المعجم الكبير للطبراني، دارإحياء التراث العربي ٦/٥٢، رقم: ٥٤٨٥)

عن عبد الرحمن بن أبي ليلى قال: قال رسول الله صلى الله عليه

وسلم: فاطمة سيدة نساء العالمين، بعد مريم ابنة عمران، وآسية امرأة فرعون، وخديجة ابنة خويلد. (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الفضائل، مؤسسه علوم القرآن ١٧/ ٢١٤، رقم:٣٢٩٣٩)

عن عائشة رضـ قالت: دخل علي رسول الله عليه وسلم مسرورًا، فقال: ياعائشة! إن الله عزوجل زوجني مريم بنت عمران، وآسية بنت مزاحم في الجنة. (عمل اليوم والليلة لإبن السني، باب الرخصة في ذلك،موسسه علوم القرآن ١/ ٥٥٦، رقم:٦٠٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٢١/ جمادی الثانیہ ١٤٢٩ھ
(فتویٰ نمبر:الف ٩٦١٧/٣٨)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
٢١/٥/١٤٢٩ھ

’’خورشیدہ‘‘ نام رکھنا

سوال[١١١٦٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری بہن کا نام خورشیدہ ہے، تو ایک مولانا صاحب نے فرمایا کہ خورشیدہ نام رکھنا ناجائز ہے، خورشیدہ کا کیا معنی ہے جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: مزمل الحق

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: خورشیدہ لفظ خورشید کی مؤنث ہے، اور خورشید کے معنی سورج اور آفتاب کے ہیں، خورشیدہ نام رکھنا جائز ہے؛ اس لئے کہ اس کے معنی میں کوئی خرابی نہیں؛ بلکہ اچھا ہے اور حضور ﷺ نے اچھا نام رکھنے کی تاکید کی ہے۔

عن أبي الدرداء رضـ، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إنكم تدعون يوم القيامة بأسمائكم، وأسماء آبائكم، فأحسنوا أسمائكم.

(سنن أبي داؤد، باب في تغيير الإسم، النسخة الهندية ٢/ ٦٧٦، دارالسلام

رقم:۴۹۴۸، مسند احمد بن حنبل ۱۹۴/۵، رقم ۲۲۰۳۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ر محرم الحرام ۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۵۹۴۴/۳۴)

کیا پروین نام اچھا نہیں ہے؟

سوال [۱۱۱۶۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کی بیوی کا نام پروین جہاں ہے، کسی نے زید سے کہا کہ یہ نام اچھا نہیں، اس نام میں تبدیلی کردو، کیا کہنے والے کی یہ بات صحیح ہے؟

المستفتی: محمد حامد، کرلا ممبئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: پروین نام رکھنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے اوراس کے معنی ستاروں کے جھرمٹ کے ہیں۔ نیز نام میں تغیر وتبدیلی کی وجہ سے دوبارہ نکاح کی ضرورت نہیں ہے۔

عن ابن عباسؓ، قال: كانت جويرية اسمها برّة، فحول رسول الله صلى الله عليه وسلم إسمها جويرية. (صحيح مسلم، باب استحباب تغيير الإسم القبيح ......النسخة الهندية ۲۰۸/۲، بيت الأفكار رقم: ۲۱۴۰، صحيح ابن خزيمة المكمتب الإسلامي ۳۷۰/۱، رقم: ۷۵۳، مسند أحمد بن حنبل ۳۱۶/۱، رقم: ۲۹۰۲)

اس روایت سے تبدیل نام کے بعد تجدید نکاح نہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴ر جمادی الثانیہ ۱۴۱۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰۴۹/۳۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۴/۶/۱۴۱۵ھ

حافظ صاحب کو امیر حمزہ کے لقب سے پکارنا

سوال [۱۱۱۶۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص حافظ قرآن ہے، لوگ اس کو امیر حمزہ کہہ کر پکارتے ہیں، تو کیا امیر حمزہ کہہ کر پکارنا درست ہے؟ اور امیر حمزہ کا مقام یہی ہے؟

المستفتی: عبدالصمد قاسمی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مذکورہ حافظ صاحب کا نام امیر حمزہ ہے، تو اس نام کے ساتھ اس کو پکارنا بلا شبہ جائز ہے، اور اگر امیر حمزہ نہیں ہے، مگر لوگ اس نام کے ساتھ پکارتے ہیں، تو وہ اس کے لئے لقب ہے اور امیر حمزہ کسی کا لقب پڑ جائے، تو اس کو اس لقب کے ساتھ پکارنے کی ممانعت نہ حدیث میں ہے اور نہ ہی فقہ میں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵ ر صفر المظفر ۱۴۱۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱ ر ۳۸۸۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/۲/۲۵ھ

احمد رضا کے نام کے ساتھ رضی اللہ عنہ لکھنا

سوال[۱۱۱۶۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں صاحب کے عرس کا ایک اشتہار چھپا ہے، جس میں امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکھا ہے۔

جواب طلب امر یہ ہے کہ برائے مہربانی رحمۃ اللہ علیہ اور رضی اللہ تعالی عنہ میں فرق مراتب تحریر فرمائیں۔ نیز یہ مژدہ سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان اطہر سے اللہ کی جانب سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سنایا گیا تھا، تو عمومی طور پر صحابہ کے ساتھ تابعین واولیاء کرام سب

کے لئے تھا یا یہ کہ صحابہ کرام کی قربانیوں کی وجہ سے صحابہ کو اللہ نے اپنی رضا کا پروانہ عطا فرمایا تھا؟ مکمل مدلل قرآن وحدیث آثار صحابہ سے تحریر فرمائیں۔

المستفتی: گلشیر، محمد نصیر، چھتیس گڈھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہنا حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لئے مستحب ہے اور یہی معمول دور صحابہ اور سلف صالحین سے چلا آرہا ہے، اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد کے علماء اور صلحاء اور اولیاء اللہ کے لئے رحمۃ اللہ علیہ کہنا مستحب ہے، یہی معمول سلف صالحین سے سلسلہ وار چلا آرہا ہے؛ اس لئے اسی کے مطابق عمل کرنا چاہئے۔

ويستحب الترضي للصحابة، والترحم للتابعين، ومن بعدهم من العلماء، والعباد والسائر الأخيار. (الدر مع الشامي، كتاب الخنثىٰ، زكريا ۱۰/۴۸۵، كراچي ۶/۷۵۴، مجمع الأنهر مصري قديم ۲/۷۴۵، دارالكتب العلمية بيروت ۴/۴۹۱، الموسوعة الفقهية الكويتية ۱۱/۱۸۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ر شعبان المعظم ۱۴۲۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴/۹۱۱۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۷/۸/۸ھ

نام کے ساتھ قاسمی، مظاہری وغیرہ لکھنا

سوال [۱۱۱۷۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نام کے ساتھ قاسمی، مظاہری، وغیرہ لکھنا کیسا ہے؟ مجھے یاد ہے، میرے یہاں مولانا عبدالحق صاحب شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند مئو تشریف لائے تھے سختی سے منع کرتے تھے۔

المستفتی: شفیع احمد، الاعظمی الرفاع

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: آپ کا سابق فتویٰ جس کا جواب ۵ر ذی الحجہ کو

یہاں سے روانہ کیا جا چکا ہے، اس میں لکھا جا چکا ہے، حضرت الاستاذ مولانا عبد الحق صاحب مدظلہ سے احقر نے براہ راست دیوبند جا کر ملاقات کر کے معلوم کیا ہے، تو انہوں نے جواب دیا مطلقاً منع نہیں کیا؛ بلکہ غلط انتساب کو منع کیا ہے، کہ اگر کوئی عثمانی فاروقی نہیں ہے اور اپنے آپ کو عثمانی فاروقی وغیرہ کی طرف منسوب کرے، اسی طرح کوئی قاسمی یا مظاہری نہیں ہے اور اپنے آپ کو ان الفاظ سے منسوب کرے، تو ناجائز اور ممنوع ہے۔

عن سعد -رضی الله عنه- قال: سمعت النبي صلى الله عليه وسلم: يقول: من ادعىٰ إلى غير أبيه، وهو يعلم أنه غير أبيه، فالجنة عليه حرام.

(صحيح البخاري، باب من ادعى إلى غير أبيه، النسخة الهندية ٢/١٠٠١، رقم: ٦٥٠٩، ف:٦٧٦٦، صحيح مسلم، باب بيان حال إيمان من رغب عن أبيه وهو يعلم،النسخة الهندية ١/٥٧،بيت الأفكار رقم:٦٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍رجب المرجب ۱۴۱۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۹/۳۲۵۳)

نام کے ساتھ عثمانی، فاروقی، علوی وغیرہ لکھنا

سوال [۱۱۱۷۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نام کے ساتھ لوگ عثمانی، فاروقی، علوی، اعظمی وغیرہ لکھتے ہیں، اس کا لکھنا کیسا ہے؟ مجھے یاد ہے کہ ایک بار میرے گاؤں میں سابق شیخ الحدیث دار العلوم مئو حضرت مولانا عبد الحق صاحب تشریف لائے تھے، ایک صاحب سے بات کے دوران سختی سے منع فرمایا تھا۔

المستفتی: احمد اعظمی، بحرین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر کوئی حضرت عثمان غنیؓ کی نسل میں سے ہے،

تو اس کا اپنے آپ کو عثمانی لکھنا اور جو لوگ حضرت صدیق اکبرؓ کی نسل سے ہیں، ان کا اپنے آپ کو صدیقی لکھنا اور جو لوگ حضرت علیؓ کی نسل سے ہیں، ان کا اپنے آپ کو علوی لکھنا اور کوئی صاحب اعظم گڈھ کے ہیں، ان کا اپنے آپ کو اعظمی وغیرہ لکھنا شرعاً جائز اور درست ہے، ہاں البتہ اگر کوئی عثمانی نہیں ہے، اور وہ اپنے آپ کو عثمانی لکھے، تو یہ جائز نہیں ہے، اسی طرح نسبت کا مسئلہ ہے اور حضرت الاستاذ مولانا عبد الحق صاحب دامت برکاتہم سے دارالعلوم دیوبند حاضر ہو کر اس سلسلہ میں معلوم کیا گیا، تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے یہی کہا ہے کہ جو لوگ غلط منسوب کرتے ہیں، ان کے لئے جائز نہیں اور ممانعت کی گئی ہے۔

عن أبي ذرؓ، أنه سمع رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول: لیس من رجل ادعی لغیر أبیه، وهو یعلمه إلا کفر. الحدیث (صحیح مسلم، باب بیان حال ایمان من رغب عن أبیه، وهو یعلم، النسخة الهندیة ۱/ ۵۷، بیت الأفکار رقم: ۶۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/ ذی الحجہ ۱۴۱۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۸/ ۲۹۱۶)

مولانا احمد رضا اور مولانا مودودی کے نام کے ساتھ رحمۃ اللہ علیہ لکھنا

سوال [۱۱۱۷۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مولانا احمد رضا بریلوی اور مولانا مودودی کو رحمۃ اللہ علیہ لکھنا یا کہنا درست ہے یا نہیں؟ ظاہر ہے ان میں سے ہر ایک کو ماننے والے موجود ہیں، اگر ہم ان کا نام بے ادبی سے لیں گے، تو وہ ہمارے اکابر کا نام بے ادبی سے لیں گے، کیا ایسی صورت میں کم سے کم ان کے ماننے والوں کے سامنے آداب والقاب کے ساتھ اور رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ پکارا جا سکتا ہے؟ اگر رحمۃ اللہ علیہ نہ کہا جائے، تو لعنت اللہ علیہ کہنا چاہئے کہ نہیں؟

المستفتی: عرفان احمد قاسمی، گونڈوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مولانا احمد رضا خاں صاحب اور مولانا مودودی صاحب دونوں اپنے اپنے عقیدہ اور کردار کی وجہ سے بدعتی اور فاسق ہیں؛ چونکہ ان کے بھی ماننے والے ہیں؛ اس لئے ان کے لئے لعنت کے الفاظ استعمال نہ کئے جائیں اور نہ ہی رحمت وترحم کے الفاظ استعمال کئے جائیں؛ کیونکہ ترحم کے الفاظ نیک صالح مؤمنین اورتابعین کے لئے بولنا مستحب ہے؛ اس لئے ان کو صرف مولانا احمد رضا خانصاحب اور مولانا مودودی صاحب کے الفاظ سے یاد کیا جائے، اس میں ان کے لئے گستاخانہ الفاظ بھی نہیں ہیں جس سے ردعمل کی بات لازم آسکے اور جن لوگوں کیلئے ترحم کے الفاظ استعمال کرنے کی ترغیب آئی ہے، ان میں یہ لوگ شامل نہیں ہیں۔

ویستحب الترضي للصحابة، والترحم للتابعين، ومن بعدهم من العلماء، والعباد والسائر الأخيار. (در مختار مع الشامي، كتاب الخنثیٰ، زكريا ١٠/٤٨٥، كراچي ٦/٧٥٤، مجمع الأنهر مصري قديم ٢/٧٤٥، دارالكتب العلمية بيروت ٤/٤٩١، الموسوعة الفقهية الكويتية ١١/١٨٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱؍صفر المظفر ۱۴۱۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۳۰۱/۲۹)

کسی کو پاک یا مقدس کا لقب دینا

سوال [۱۱۱۷۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کیا حضرت مخدوم علاء الدین صابر کلیریؒ کو صابر پاک کا لقب وخطاب دینا جائز ہے؟ شریعت یا طریقت کی روشنی میں اور کس حد تک؟

المستفتی: محمد کیس، چندوسی مسجد، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کسی کوبھی پاک یامقدس وغیرہ کا لقب دینا شرعاً درست نہیں۔حدیث شریف میں اس سے ممانعت فرمائی گئی ہے، ہاں البتہ بزرگوں کے لئے رحمۃ اللہ علیہ کے لفظ کا استعمال کرنے کی تلقین ہے۔

عن محمد بن عمرو بن عطاءؓ، قال:سميت إبنتي برّة، فقالت لي زينب بنت أبي سلمة:ان رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن هذا الإسم وسميت برة، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم لاتزكوا أنفسكم الله أعلم بأهل البر منكم. الحديث (مسلم شريف، باب استحبات تغيير الإسم القبيح،النسخة الهندية ۲/۲۰۸، بيت الأفكار رقم: ۲۱۴۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۰؍محرم الحرام ۱۴۲۱ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۶۴۴۷/۳۴)	۱۴۲۱/۱/۲۱ھ

بچوں کو پیار میں لالہ، منی پیارے وغیرہ کہنا

سوال [۱۱۱۷۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ چھوٹی عمر کے بچوں کو محبت میں لالہ، پیارے، منی، چوزہ کے لفظ سے پکارتے ہیں؛ جبکہ بچے اس کو برا بھی نہیں سمجھتے، تو کیا یہ آیت قرآنی ''**ولاتنابزوا بالألقاب**'' کے خلاف تو نہیں ہے؟

المستفتی: محمد عامر، بلیاوی، متعلم دورۂ حدیث مدرسہ شاہی مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: چھوٹے بچوں کو اصل نام چھوڑ کر کے لالہ اور پیارے اور منے وغیرہ کے الفاظ سے کبھی کبھی پیار میں بولنے میں کوئی حرج نہیں؛ لیکن مستقل طور پر اصل نام کو چھوڑ کر اسی طرح کے الفاظ سے پکارنا درست نہیں، اس سے

بڑے ہونے تک انہی بگڑے ہوئے ناموں کے ساتھ مشہور ہوجاتے ہیں، تو ایسی صورت میں یہ آیت قرآنی ''**ولاتنابزوا بالالقاب**'' (الحجرات: ۱۱) کی ممانعت کے دائرہ میں داخل ہوجاتا ہے، اس لئے احتیاط اس میں ہے کہ چھوٹے بچوں کو کبھی بھی اصل نام چھوڑ کر بگڑے ناموں سے نہ پکارا جائے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ر ذیقعدہ ۱۴۳۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰/ ۱۰۸۲۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۱۱/۹ھ

کمہار کا آباء واجداد کی طرف نسبت کر کے رشیدی، حمیدی لکھنا

سوال [۱۱۱۷۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص کے قرابت والوں کا پیشہ مٹی کے برتن بنانے کا ہے، اور وہ لوگ خود کو کمہار کہتے ہیں، ایک گھرانہ اس کا اس پیشہ کو نہیں کرتا اور نہ ہی یہ کرتا ہے نہ ہی اس کے بھائی باپ وغیرہ کرتے ہیں اور نہ دادا نے اس کام کو کیا ہے، اس گھرانے کے لوگ اپنے آپ کو باپ کی طرف نسبت کرتے ہوئے کمہار کہنے کے بجائے رشیدی، حمیدی، رحمانی، کہلاتے ہیں اس طرح کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں جو حکم شرعی ہو بتلائیے۔

المستفتی: راشد، محلّہ بھٹی، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس طرح اپنے آباء واجداد کی طرف یا پیشہ کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرنا شرعاً درست ہے۔ (مستفاد: فتوی محمودیہ قدیم ۱۳۳/۵، جدید ڈابھیل ۳۹۱/۱۹ فتاوی احیاء العلوم ۱۴۵/۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱ر رمضان المبارک ۱۴۰۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۳/ ۲۵۱)

گوشت کے پیشہ کی وجہ سے خود کو قریشی کہنا

سوال [۱۱۱۷۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک قبیلہ قریش ہندوستان آیا انہوں نے گوشت کا کاروبار کیا، مگر کچھ اور مسلمان دوسری برادری کے گوشت کا کاروبار کرنے لگے، کیا ان کو قریش قبیلے میں شامل کر لیا جائے یا وہ خود اپنی مرضی سے شامل ہو جائیں، اس کے لئے آپ کی کیا رائے ہے؟

المستفتی: ارشاد عظیم قریشی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: محض پیشہ گوشت فروشی کی وجہ سے غیر قریشی کا اپنے کو قریشی کہنا تلبیس ہے؛ اس لئے ناجائز ہے، ان کو قریشی میں شامل نہیں سمجھا جا سکتا۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۴/۲۷۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴/ربیع الاول ۱۴۰۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۵۸۹/۲۳)

دو مسلمان کا آپس میں ایک دوسرے کو فرعون اور ابوجہل کہنا

سوال [۱۱۱۷۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ دو شخص آپس میں مذاق سے ایک دوسرے کو فرعون اور ابوجہل کہتے ہیں، ایسے لوگوں کے بارے میں کیا حکم ہے؟ کیا ایسا کہہ کر پکارنا درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد سلیم، ڈرائیور، مدرسہ شاہی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آپس میں ایک دوسرے کو فرعون وابوجہل کہنا سخت گناہ اور حرام ہے۔

ولاتنابزوا بالألقاب. تحته اتفق العلماء على تحريم تلقيب الإنسان بما يكره وموضع آخر: أن الدعاء بالقبيح المكروه منها حرام.

(روح المعانی، زکریا ۱٤/ ۲۳۲-۲۳٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴۸۸/۲۹)

ازراہ تفہیم کسی کو لنگڑا کانا کہنا

سوال [۱۱۱۷۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید ایک انتہائی عام نام ہے، ایک صاحب نے زید ذکر کیا، مخاطب نے ازراہ تفہیم پوچھا کیا لنگڑا زید؟ یہی زید کا معروف نام ہے، تو کیا ازراہ تفہیم بھی کسی کو لنگڑا یا کانا کہنا منع ہے؟

المستفتی: محمد شمیم اعظمی، انور ہاؤس، طبا قیان، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: کسی لنگڑے کو اس کے سامنے اس طرح لنگڑا کہنا کہ اس کو معلوم ہو جائے گالی اور گناہ کبیرہ ہے، ازراہ تفہیم بھی لنگڑا کہنا اور اسی سے مشہور کرنا درست نہیں؛ بلکہ تفہیم کے لئے باپ، دادا کے نام سے منسوب کرنا چاہئے۔

(مستفاد: انوار ہدایت ۳۶۱)

عن أبي موسىؓ، قال:......فقال عمر حين رأى أسماء، من هذه؟ قالت: اسماء بنت عميس، قال عمر: الحبشيه هذه؟ البحرية هذه؟قالت اسماء نعم.... فغضبت وقالت: كلا والله......وأيم الله لا أطعم طعاماً ولا أشرب شراباً حتى أذكر ما قلت لرسول الله صلى الله عليه وسلم. (بخاري شريف، باب عزوة

خیبر، النسخة الهندية ۲/ ۶۰۷، رقم:۴۰۷۵، ف:۴۲۳۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱؍محرم الحرام ۱۴۲۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵/ ۷۰۳۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۲/ ۱/ ۱۴۲۲ھ

لکڑی کا صندوق جس میں نام وغیرہ لکھے ہوں اس پر بیٹھنا

سوال [۱۱۱۷۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہم نے ایک لکڑی کا صندوق بنوایا ہے، جس کے اندر چار دروازے ہیں اوران دروازوں میں کتابیں ہیں اور ان میں نام وغیرہ بھی لکھے ہیں، جیسے افتخار احمد، محمد نعیم وغیرہ کیا ہم اس صندوق پر بیٹھ سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: افتخار احمد، محلّہ بھٹی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جس صندوق اور دروازوں میں حساب کتاب کے رجسٹر رکھے ہوئے ہیں، جس میں لوگوں کے نام بھی ہوں، جیسا کہ افتخار احمد، نعیم احمد وغیرہ ایسے صندوق اور دروازوں پر بیٹھنا بلا تکلف جائز ہے؛ اس لئے کہ حساب وکتاب کا رجسٹر دنیوی معاملات سے متعلق ہے، دینی کتاب نہیں ہے، اور افتخار احمد، نعیم احمد، ان ناموں کے ساتھ محمد یا احمد لگا ہوا ہے، ان ناموں کا جزء ہے؛ اس لئے بےادبی نہیں ہے۔

وإذا كتب اسم الله تعالىٰ على كاغذ، ووضع تحت طنفسة يجلسون عليها، فقد قيل: يكره، وقد قيل:؛ لايكره، قال: ألا ترىٰ، أنه لو وضع في البيت لا بأس بالنوم على سطحه. (المحيط البرهاني، المجلس العلمي ۸/ ۱۰، رقم: ۹۴۸۱، الفتاوى التارتار خانية، زكريا ۱۸/ ۷۰، رقم: ۲۸۰۷۱، هندية، زكريا قديم ۵/ ۳۲۲، جديد ۵/ ۳۷۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸/ ۹۲۶۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۹/ ۴/ ۱۴۲۸ھ

مدینہ منورہ کو یثرب کہنا

سوال [۱۱۱۸۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مدینہ منورہ کو یثرب کہنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد ادریس، مراد پور، شاہجہاں پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مدینہ منورہ کو یثرب کہنا ممنوع ہے۔

عن البراءؓ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: من سمی المدینة یثرب، فلیستغفر اللہ عزوجل هي طابة، هي طابة. (مسند أحمد بن حنبل ٤/٢٨٥، رقم:١٨٧١٨، مجمع الزوائد، دار الکتب العلمیة بیروت ٣/٣٠٠، رقم: ٥٧٨٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/ربیع الاول ۱۴۱۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱/۳۹۱۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۲/۳/۱۴۱۵ھ

مزارات وشہر وغیرہ کے ساتھ شریف لگانا

سوال [۱۱۱۸۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کسی بزرگ یا ولی کے مزار کے ساتھ یا اس کی بنسبت اس شہر کے ساتھ لفظ ''شریف'' لگانا اوراس کو باعث تکریم سمجھنا کیسا ہے، مثلاً دیوہ شریف، اجمیر شریف وغیرہ، مگر عرض یہ ہے کہ مکہ، مدینہ، بیت اللہ اور بیت المقدس کے ساتھ لفظ شریف لگانے کی کیا اصل ہے؟

المستفتی: محمد سرتاج، بارہ بنکی،

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، بیت اللہ شریف اور بیت المقدس کے ساتھ شریف کا لفظ اس لئے لگایا جاتا ہے، کہ ان مقامات کا تقدس اور شرافت دنیا کے تمام مقامات سے بلند وبرتر ہے، اور ان کا تقدس اور شرافت قرآن وحدیث سے ثابت ہے؛ اس لئے ان کو شریف کہا جاتا ہے، ان کے علاوہ دیگر مقامات کا تقدس قرآن وحدیث سے ثابت نہیں ہے؛ لہٰذا اگر کسی مقام یا شہر میں کسی اللہ والے کی شہریت کی بنا پر اس مقام کے ساتھ شریف کا لفظ لگایا جائے اور مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ اور بیت المقدس کے تقدس کے برابر نہ سمجھا جائے، اور نہ بولنے والے کے ذہن میں اس طرح کی کوئی بات ہو اور نہ ہی ماحول میں شریف کا لفظ لگانے کی وجہ سے مقامات مقدسہ کی عظمت میں فرق آتا ہے، تو شریف کا لفظ دیگر مقامات کے ساتھ لگانے کی گنجائش حضرت گنگوہیؒ نے فتاوی رشیدیہ ۵۶۳ر میں لکھی ہے؛ لیکن احقر کو مکہ معظّمہ، مدینہ منورہ اور بیت المقدس کے علاوہ دیگر مقامات کے لئے شریف کا لفظ بولنے میں تشویش سی ہوتی ہے، اسی طرح حضرت سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اطہر کے علاوہ امت میں کسی کی بھی قبر کے ساتھ روضہ کا لفظ بولنے میں تشویش پیدا ہوتی ہے، یہ احقر کی اپنی بات ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۰ رصفر المظفر ۱۴۲۹ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸ر۹۴۶۱)	۱۴۲۹/۲/۲۰ھ

کسی قوم وبرادری کو حقیر سمجھنا

سوال [۱۱۱۸۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کسی قوم کو حقیر سمجھنا کیسا ہے، بہت سے لوگوں کو دیکھا گیا، قوموں کا نام لے کر

حقارت سے پکارتے ہیں، کیا بڑی بڑی کتابوں میں قوموں کے بارے میں کچھ آیا ہے؟

المستفتی: محمد طارق، مدرس مدرسہ تعلیم القرآن، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کسی قوم اور برادری کو حقیر سمجھنا گناہ کبیرہ ہے؛ اس لئے کہ یہ کبر اور فخر ومباہات ہے، جس کے متعلق سخت وعید آئی ہے، اور اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا کہ انسان کو الگ الگ قبیلے اور خاندان میں اس لئے پیدا فرمایا ہے کہ اعزہ اور اقرباء کی پہچان اور تعارف رہے، پھر ان کے ساتھ صلہ رحمی کا معاملہ کیا جاسکے، تفاوت مراتب کی بناء پر ہرگز نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کے نزدیک بلند مرتبہ والے اور معزز صرف وہی لوگ ہیں، جو متقی اور پرہیزگار ہیں؛ اس لئے کسی قوم کو حقیر سمجھنا ہرگز جائز نہیں، تمام مسلمان عظمت و احترام میں یکساں اور برابر ہیں، کسی بھی برادری کو دوسرے پر عنداللہ کوئی فوقیت نہیں ہے۔

قال اللہ تعالیٰ: يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللّٰهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ. [الحجرات:۱۳]

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِنْ قَوْمٍ عَسَى أَنْ يَكُونُوا خَيْرًا مِنْهُم. [الحجرات: ۱۱] فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍ جمادی الثانیہ ۱۴۱۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱/ ۴۰۵۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۴/ ۶/ ۱۴۱۵ھ

مولانا واچ سروس کا بورڈ لگانا

سوال [۱۱۱۸۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ زید کی دوکان گھڑی مرمت کرنے کی ہے، نئی گھڑیاں بھی فروخت کی جاتی ہیں، زید نے اپنی دوکان پر مولانا واچ سروس کا پورا بورڈ لگوا رکھا ہے۔ از راہ شرع کیا اس قسم کے نام کے بورڈ دوکان پر لگانے کی ممانعت ہے؟

المستفتی: مہدی حسن، مین مارکیٹ جسپور، اودھم سنگھ نگر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دوکان کو اپنے نام کے ساتھ منسوب کرنا چاہئے، لفظ مولانا کے ساتھ منسوب کرنا بہتر نہیں ہے، اس سے لفظ مولانا کی حیثیت گھٹ جاتی ہے۔

(مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۳۶۰/۱۵، جدید ڈابھیل ۳۸۲/۱۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ شعبان المعظم ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۶۸۸۶/۳۵)

دنیاوی مراعات کی وجہ سے قومیت بدلنا

سوال [۱۱۱۸۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ خالد حسین قوم کے اعتبار سے انصاری یا ترک یا مغل یا سید ہے، کیا دنیوی مراعات کے تحت اپنی قومیت کو تبدیل کر سکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد اظہار، سنبھلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس طرح قومیت اور نسبت بدلنا سخت منع ہے، حدیث شریف میں اس کی سخت وعید آئی ہے کہ ایسا کرنے والے پر جنت کو حرام کہا گیا ہے۔

عن سعد بن أبي وقاصؓ، يقول: سمع أذناي من رسول الله صلى الله عليه وسلم، وهو يقول: من ادعىٰ أبًا في الإسلام غير أبيه يعلم أنه غير أبيه، فالجنة عليه حرام. (صحيح مسلم، باب بيان حال إيمان من رغب

عن أبيه وهو يعلم، النسخة الهندية ۱/ ۵۷، بيت الأفكار رقم:٦٣، صحيح البخاري، باب من أدعى إلى غير أبيه، النسخة الهندية ۲/ ۱۰۰۱، رقم:٦٥٠٩، ف: ٦٧٦٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۸۳۴/۳۲)

قانونی مجبوری کی بناء پر خود کو دوسرے خاندان کی طرف منسوب کرنا

سوال [۱۱۱۸۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ سرکاری ملازمت میں بعض قانونی مجبوریوں کی بنا پر اعلیٰ خاندان نہ بتا کر ادنیٰ خاندان بتا کر ملازمت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اس میں کسی دوسرے مسلمان کا کوئی نقصان نہیں ہوتا۔ برائے مہربانی جواب سے نوازیں۔

المستفتی: منصار الحق، سہسپور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس طرح اپنے آپ کو دوسرے خاندان کی طرف منسوب کرنے کی حدیث شریف میں ممانعت آئی ہے؛ اس لئے جائز نہیں ہوگا۔

عن أبي ذرؓ، أنه سمع رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: ليس من رجل ادعى لغير أبيه، وهو يعلمه إلا كفر. الحديث (صحيح مسلم، باب بيان حال ايمان من رغب عن أبيه، وهو يعلم، النسخة الهندية ۱/ ۵۷، بيت الأفكار رقم:٦٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/ رجب المرجب ۱۴۱۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۹۵۰/۳۴)

لے پالک لڑکی کی ولدیت میں اپنا نام لکھانا

سوال [۱۱۱۸۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نے ایک لڑکی صرف ایک دن کی لے کر مثل اپنی لڑکی کے پالی ہے، اب اس کی شادی کا موقع ہے، میں اس لڑکی کی شادی کے کارڈ میں اپنی ولدیت لکھا سکتا ہوں یا نہیں؟ اور نکاح نامہ میں اپنی ولدیت لکھا سکتا ہوں یا نہیں؟ شرع کی رو سے جواب دینے کی زحمت کریں عین نوازش ہوگی، لڑکی کے باپ کا نام عابد حسین ہے، اور یہ مرحوم ہیں۔

المستفتی: اسلام الدین، محلّہ دولت باغ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شادی کارڈ اور نکاح نامہ میں باپ کو چھوڑ کر آپ کا اپنی ولدیت لکھنا ناجائز اور سخت گناہ کی بات ہوگی۔ حدیث شریف میں غیر باپ کی طرف منسوب کرنے کی سخت مذمت اور وعید آئی ہے؛ اس لئے عابد حسین جو لڑکی کا باپ ہے، اس کی ولدیت لکھنا ضروری ہے۔

عن أبي ذرؓ، أنه سمع رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: ليس من رجل ادعى لغير أبيه، وهو يعلمه إلا كفر، ومن ادعى ماليس له، فليس منا وليتبوأ مقعده من النار. (صحيح مسلم، باب بيان حال ايمان من رغب عن أبيه، وهو يعلم، النسخة الهندية ۵۷/۱، بيت الأفكار رقم: ۶۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍ ربیع الثانی ۱۴۱۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۷/ ۲۶۳۶)

یتیم بچی کی پرورش کرنے والے کا باپ کی جگہ اپنا نام لکھنا

سوال [۱۱۱۸۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نے ایک یتیم بچی حصول ثواب کی نیت سے اپنی پرورش میں لی ہے، اب جو دنیاوی امور کے لحاظ سے کاغذات اور ڈاکومینٹ بنتے ہیں، ان میں اس لڑکی کے والد کے نام کا مسئلہ ہے کہ آیا اس بچی کے حقیقی والد کا نام لکھا جائے یا میں اس کالم میں اپنا نام لکھوں؟

ایک مولانا صاحب یوں کہتے ہیں کہ آپ اپنا نام بھی لکھ سکتے ہیں؛ جبکہ ایک دوسرے مفتی صاحب کا کہنا ہے کہ تمام کاغذات میں اس بچی کے حقیقی باپ کا ہی نام لکھا جائے گا، آپ کے لئے اپنا نام لکھنا جائز نہیں ہے، اب میرا دماغ پریشان ہے کہ ان میں سے کس کے بیان کردہ مسئلہ پر عمل کروں؛ اس لئے آپ سے عاجزانہ ومخلصانہ درخواست ہے کہ اس سلسلہ میں میری شرعی رہنمائی فرمائیں۔

المستفتی: فیاض الدین، انصاری، ملک جہانگیر آباد، دھامپور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: یتیم بچی کے ڈاکومینٹ وغیرہ میں اس کے والد حقیقی کا نام لکھا جائے گا اور وہ بچی اپنے حقیقی والد ہی کی طرف منسوب ہوگی کفالت کرنے والے کے لئے اس کے والد کی جگہ اپنا نام لکھنا اور اس کو اپنی طرف منسوب کرنا درست نہیں ہوگا؛ البتہ بطور کنیت وتخلص کے پرورش کرنے والے کا نام حقیقی باپ کے نام کے ساتھ اضافہ کرنے کی گنجائش ہے۔

قال الله تعالیٰ: أدعوهم لأبائهم، هو أقسط عند الله، فإن لم تعلموا آباؤهم فاخوانكم في الدين (الاحزاب) وارشد بقوله إلى أن الأولىٰ والأعدل أن ينسب الرجل إلى أبيه نسبًا. (تفسیر قرطبي ١٤/١١٩)

عـن أبـي عثمان، عن سعد–رضى الله عنهم–قال: سمعت النبي صلى الله عـليـه وسـلـم: يـقول: من ادعىٰ إلى غير أبيه، وهويعلم أنه غير أبيه، فالجنة عليه حرام. (صـحيـح البخاري، باب من ادعى إلى غير أبيه، النسخة الهندية ٢/١٠٠١، رقم: ٦٥٠٩، ف:٦٧٦٦)

ولـو كـنـى إبـنه الصغير بأ بي بكرا وغيره الصحيح أنه لا بأس به، فإن الـنـاس يـريـدون التفاؤل أنه يصير أبا في ثاني الحال لا التحقيق في الحال. (هـنـدية، البـاب الثـاني والعشرون في شمية الأولاد، زكريا قديم ٥/٣٦٢، جديد٥/٤١٨، المحيط البرهاني،المجلس العلمي بيروت ٨/٩٦، رقم:٩٦٧٨، الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٥/١٧١، الفتاوى التارتارخانية، زكريا ١٨/٢٢٩، رقم:٢٨٦٠٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١٠/ربیع الثانی ١٤٣٥ھ
(فتویٰ نمبر:الف ١١٤٨١/٤٠)

(۲۸) باب الجوالة والانترنيت

ٹی وی، موبائل، کمپیوٹر وغیرہ کے احکام

سوال [۱۱۱۸۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ٹی وی، موبائل، کمپیوٹر وغیرہ کی بیع وشراء نیز گھر میں رکھنا اور ان کی مرمت کرنے کے بارے میں شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے، ان آلات نیز ویڈیو، انٹرنیٹ کا استعمال کرنا ساتھ ہی ان کے استعمال کرنے کا طریقہ سیکھنا اور سکھانا جائز ہے یا نہیں؟ عام طور پر جن چیزوں کا محض آنکھ سے دیکھنا جائز ہے، کیا ان وسائل (اسکرین) پر بھی ان کا دیکھنا جائز ہوگا یا نہیں؟ حالانکہ ٹی وی اور انٹرنیٹ آج کل انتہائی ضروری سمجھا جارہا ہے؛ کیونکہ ان میں جہاں بے شمار منکرات مثلاً بے حیائی فحاشی نیم برہنہ عورتوں کا سامنے آنا اس کے علاوہ بے شمار اچھے پروگرام بھی دکھائے جاتے ہیں، مثلاً تلاوت قرآن مجید، اذان، بیانات، اسلامی پیغامات، جدید ترقیاتی آلات، قرآن وحدیث سے ریسرچ کردہ امور وایجادات اللہ کی دوسری ان گنت نعمتیں، اگر مسلمانوں کے خلاف کچھ پروپیگنڈہ ہورہا ہو، تو اس کو دیکھ کر مسلمان تیار ہوسکتے ہیں، اس طرح مسلمان کے مفاد پر بے شمار پروگرام دکھائے جاتے ہیں، جن کو بغیر جانے مسلمانوں کا بسا اوقات نقصان عظیم کا خوف ہوتا ہے۔ ازروئے شرع ان کو دیکھا جاسکتا ہے یا نہیں؟

نیز علماء سیاست داں قوم ومرکزی حکومت کے مابین تعلقات قائم کرنے والے سیاستداں علماء جو عوام کے حقوق کے تحفظ کے لئے انتھک سعی کرتے ہیں، ایسے خواص کے لئے کیا حکم لاحق ہوگا۔ مزید ان وسائل کے اسکرین پر نظر آنے والی تصویروں کا کیا حکم ہے؟ جبکہ اس

میں جماد نہیں ہے، ان تصویرات کی تحقیق اور تصویرات کے جائز اور ناجائز ہونے کا مدار کیا ہے؟

المستفتی: مسیح الرحمٰن

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: موبائل اور کمپیوٹر کا گھر میں رکھنا ان کی بیع وشراء اور ان کی مرمت کا پیشہ اختیار کرنا بلاشبہ جائز ہے؛ کیونکہ ان دونوں کی وضع گناہ کے کاموں کے لئے نہیں ہوئی ہے؛ بلکہ موبائل ذرائع ابلاغ ومواصلاتی نظام کی ترقی کے لئے اور کمپیوٹر مختلف تعلیمی ودفتری سرگرمیوں کی انجام دہی کے لئے ایجاد کیا گیا ہے؛ البتہ جو شخص ان پر ناجائز چیزیں دیکھے گا، اس کا گناہ اسی کے سر ہوگا؛ لیکن ٹی وی ہمارے زمانہ میں مجمع الفواحش ہے، اس پر زیادہ تر فحش پروگرام نشر کئے اور دیکھے جاتے ہیں اور تجربہ سے یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ جن گھرانوں میں ٹی وی موجود ہے، اس گھر کے لوگ اس کے فحش پروگراموں سے بالکل محفوظ نہیں رہتے؛ اس لئے سداً للباب ٹی وی گھر میں رکھنے کو ناجائز قرار دیا جائے گا؛ البتہ اس پر جائز پروگرام کی نشریات بھی ہوتی ہیں؛ اس لئے اس پہلو کو مدنظر رکھتے ہوئے ٹی وی کی مرمت کا پیشہ اور اس کا کاروبار جائز ہوگا، تاہم ایک گونہ تعاون علی الاثم کی وجہ سے اس کی مرمت وکاروبار مکروہ ہوگا اور تصویرسازی، ویڈیوگرافی کے سلسلہ میں تفصیل یہ ہے کہ اگر اسے محض تفریح طبع کے لئے یا دنیاوی پروگراموں میں کیا جائے، تو یہ ناجائز ہے۔

عن عبد الله بن مسعودؓ، قال: سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول: إن أشد الناس عذابًا عند الله يوم القيامة المصورون. (صحيح البخاري، باب عذاب المصورين يوم القيامة، النسخة الهندية ٢/ ٨٨٠، رقم: ٥٧١٧، ف: ٥٩٥٠)

لیکن مسلمانوں کی ملی واجتماعی ضرورت کی خاطر مثلاً باطل قوتوں کے ذریعہ مسلمانوں کے خلاف کی جانے والی سازشیں اور پروپیگنڈوں کے خلاف آواز بلند کرنے اور اسے مضبوط بنانے کی غرض سے جو ویڈیوگرافی، تصویرسازی کی جائے یا پاسپورٹ، ایڈنٹی کارڈ

وغیرہ کے موقع پر جو فوٹو کھینچوائے جائیں تو تصویر سازی کے اصلاً ناجائز ہونے کے باوجود بھی **الضرورات تبیح المحظورات** کے ضابطہ سے علماء نے اس کی گنجائش رکھی ہے۔

الأمور بمقاصدها. (الأشباه قديم ۵۳، قواعد الفقه اشرفي ۶۲، رقم: ۵۱)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍ شعبان المعظم ۱۴۳۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹/ ۱۰۴۸۶)

دین کی نشر واشاعت کے لئے ٹی وی یا انٹرنیٹ استعمال کرنا کیسا ہے؟

سوال [۱۱۱۸۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آج کل ٹی وی چینلس اور انٹرنیٹ کے ذریعے جدت پسند اور مغربی تہذیب سے متأثر لوگ جیسے ڈاکٹر ذاکر نائک وغیرہ دین کی باتوں کا عنوان لگا کر مسلمانوں کو اپنے علماء سے دور کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں، تو اس کے دفاع کے لئے اور امت کی صحیح رہنمائی کے لئے کچھ علماء نے ٹی وی چینلس اور انٹرنیٹ پر ویڈیو کلپس کے ذریعہ اپنے دینی پروگرامس شروع کئے ہیں، تو کیا یہ پروگرامس دیکھنا جائز ہے؟ جبکہ اسلامک چینلس میں وقفہ ہوتا ہے، جس میں ناجائز تصویریں بھی آتی ہیں (مثلاً عورتوں کی تصویر) تو کیا اس طرح کے پروگراموں کو دیکھنا جائز ہے؟

المستفتی: عبید اللہ بھاگل پوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: خوش عقیدہ لوگوں کے لئے فرق باطلہ کی تردید کے واسطے ٹی وی، چینل کے بجائے لیپ ٹاپ اور انٹرنیٹ کے ذریعہ سے اپنے تردیدی بیان اور اپنے مدعیٰ کا نشر کرنا زیادہ بہتر ہے، اور ٹی وی چینل کی صورت میں نامحرم عورتوں کی عریاں

تصویر بھی آتی ہے؛ اس لئے اس کے بجائے ویب سائٹ اور انٹرنیٹ کا استعمال بہتر ہے۔

الأمور بمقاصدها. (الأشباه، قديم تحت القاعد الثانية ٥٣)

ما أبيح للضرورة يتقدر بقدرها. (الأشباه قديم تحت القاعدة الخامسة ص ١٤٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳ر صفر المظفر ۱۴۳۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۹۰۰/۴۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۶/۲/۱۳ھ

انٹرنیٹ سے کتابیں لوڈ کرنے کا حکم

سوال [۱۱۱۹۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک طالب علم جو ڈاکٹری تعلیم حاصل کرتا ہے، اور ڈاکٹری درجہ کی کتابیں انتہائی مہنگی ہوا کرتی ہیں اور وہ اسے خریدنے کی استطاعت نہیں رکھتا اور وہ طالب علم کمپنی کے نمبروں کو خفیہ طور پر نیٹ سے حاصل کر کے اس سے فائدہ اٹھاتا ہے، اور کمیٹی کی طرف سے اس طرح فائدہ اٹھانے کی اجازت نہیں ہوتی ہے، تو اس نے ان کتابوں کو حاصل کر کے نیٹ پر عام کردیا کہ جس سے ہر ڈاکٹری درجہ میں پڑھنے والا اس سے فائدہ اٹھا سکے، اب اس کے ذیل میں دو باتیں مطلوب ہیں:

(۱) کیا اس طریقہ سے کمپنی کی اجازت کے بغیر حاصل کر کے فائدہ اٹھا سکتے ہیں؟

(۲) اب جو نیٹ پر کتاب رکھ دی گئی ہے، اس سے دوسرا طالب علم فائدہ اٹھا سکتا ہے یا نہیں؟ حالانکہ دوسرے طالب علم کا اس میں کوئی دخل نہیں ہوتا ہے۔

المستفتی: محمد سلمان سورتی، گجرات

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مسئولہ صورت میں کمپنی کی اجازت کے بغیر خفیہ

طور پر نیٹ کے ذریعہ مذکورہ کتابیں حاصل کرنا جائز نہیں ہے؛ اس لئے کہ عرفی اور قانونی اعتبار سے ان کتابوں کی اشاعت کا حق کمپنی کے نام محفوظ ہے اور اس میں بلا اجازت تصرف کرنا یقیناً حق تلفی اور گناہ ہے، لیکن جب یہ کتابیں کسی طرح حاصل کر کے کسی مفت ویب سائٹ پر ڈالدی جائیں اور وہاں سے کوئی شخص فائدہ اٹھائے ،تو وہ حق تلفی کرنے والوں میں شامل نہ ہوگا؛ کیونکہ اس کے اس عمل کی وجہ سے کمپنی کا کوئی نقصان نہیں ہورہا ہے؛ بلکہ ساری ذمہ داری ناحق طور پر ویب سائٹ پر ڈالنے والے پر ہی رہے گی۔

لايجوز لأحد أن يتصرف في ملک غيره بلا إذنه. (شرح المجلة، اتحاد بکڈپو دیوبند ۱/۶۱، رقم المادہ:۹۶)

المباشر ضامن وإن لم يتعمد، المباشر هو الذي يلي الأمر بنفسه، فإنه يضمن الضرر الذي يتولد عن فعله سواء كان عن قصد منه، أو لم يكن. (شرح المجلة، اتحاد بکڈپو دیو بند ۱/ ۶۰، رقم المادة: ۹۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳ /ربیع الثانی ۱۴۳۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۱/ ۱۱۹۹۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴/۴/ ۱۴۳۶ھ

انٹرنیٹ پر کئے گئے نکاح کا حکم

سوال [۱۱۱۹۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک لڑکا عرفان الدین ولد محمد ابراہیم محلّہ شیدی سرائے مرادآباد انٹرنیٹ کے ذریعہ کمپیوٹر کے اسکرین پر نظر آ رہا تھا اور لڑکی اپنے گھر پر کمرہ میں تھی اور قاری نعیم صاحب جو قاضی بن کر نکاح پڑھا رہے تھے، ان کے پاس لڑکی موجود تھی اور قاری نعیم صاحب نے یہ سمجھا کہ لڑکا جو انٹرنیٹ پر نظر آ رہا ہے، وہ مجلس نکاح میں ہے؛ چنانچہ قاری صاحب نے انٹرنیٹ پر نکاح پڑھا دیا اور خارج میں دو گواہ موجود تھے،تو یہ نکاح منعقد ہوا

یانہیں؟ اور لڑکا آج تک دبئی سے نہیں آیا ہے؛ جبکہ نکاح کا یہ واقعہ تین سال پہلے کا ہے۔

المستفتی: شفاعت علی خان، محلّہ لاکڑی والان، کوئل والی مسجد، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوالنامہ کے مطابق قاری نعیم صاحب مرحوم نے قاضی بن کر کے انٹرنیٹ پر جونکاح پڑھایا ہے، وہ نکاح شرعی طور پر درست نہیں ہوا ہے؛ اس لئے کہ انٹرنیٹ پر جونظر آرہا تھا، وہ لڑکے کا عکس ہے، بنفس نفیس لڑکا نہیں ہے اور مجلس نکاح میں لڑکے کا بنفس نفیس یا اس کے وکیل کا براہ راست حقیقی طور پر موجود ہونا لازم ہوتا ہے اور یہاں ایسا نہیں ہوا؛ اس لئے یہ نکاح منعقد نہیں ہوا۔

ومن شرائط الإيجاب والقبول اتحادالمجلس لو حاضرين، وإن طال وتحته في الشامية: قال في البحر: فلو اختلف المجلس لم ينعقد، فلو أوجب أحدهما، فقام الآخر، أو اشتغل بعمل آخر بطل الإيجاب؛ لأن شرط الارتباط اتحاد الزمان، فجعل المجلس جامعًا تيسرًا، وأما الفور فليس من شرطه، ولو عقدا وهما يمشيان ويسيران على الدابة لايجوز. (شامي، كتاب النكاح، مطلب التزوج بإرسال كتاب،زكريا ٤/٧٦، كراچي ٣/١٤)

وشرط حضور شاهدين حرين، أو حر و حرتين مكلفين سامعين قولهما معًا على الأصح. (الدر المختار مع الشامي، زكريا ٤/٨٧تا٩٢، كراچي ٣/٢١تا٢٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍جمادی الثانیہ ۱۴۳۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۱/ ۱۲۰۷۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۶/۶/۹ھ

موبائل فون سے متعلق چند سوالات کے جوابات

سوال [۱۱۱۹۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ(۱) موبائل مسجد میں لانا درست ہے یانہیں؟

(۲) بھول یا غلطی سے کوئی شخص نہ بند کرے، تو اس سے توہین ہے، اور مسجد میں تکرار یاسخت رویہ اپنانا کیسا ہے؟

(۳) بسا اوقات حرم مسجد میں لوگ موبائل سے گفتگو کرتے ہیں کوئی تجارت کی ضروری بات کرتا ہے، کوئی اپنے بچوں کی خیریت لیتا ہے، کوئی ڈاکٹر مریضوں کو رہنمائی کرتا ہے، اس قسم کی بات مسجد میں موبائل فون پر جائز ہے؟ جب کہ یہ بات کرنے والے نمازیوں کا احترام بھی ملحوظ رکھتے ہوں، اس قسم کی گفتگو جائز ہے یانہیں؟ اس کی بھی وضاحت فرمادیں کہ اس حکم میں معتکف وغیر معتکف یکساں ہیں یا فرق ہے؟ حرم سے باہر وضوخانہ میں گفتگو کی اجازت ہے؟

(۴) نماز کی حالت میں موبائل بند کرنے کی گنجائش ہے یانہیں؟

المستفتی: سعید الرحمٰن، ممبئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) موبائل ساتھ لے کر مسجد میں آنا شرعًا جائز ہے؛ البتہ موبائل کھلا رکھ کر مسجد میں آنا احترام مسجد کے خلاف ہے؛ کیونکہ اگر اچانک موبائل کی گھنٹی بجنی شروع ہوجائے، تو مسجد میں شور وغل ہوگا؛ جو کہ ممنوع ہے؛ اس لئے مسجد میں آنے سے پہلے موبائل بند کرلینا چاہئے۔

ودل تعليلهم أن المبيع لو لم يشغل البقعة لا يكره إحضاره كدراهم يسيرة، أو كتاب ونحوه. (شامي، كتاب الصوم، باب الإعتكاف، زكريا ۳/ ٤٤٠، كراچي ۲/ ۳۲۷)

السادس أن لا يرفع فيه الصوت من غير ذكر الله تعالىٰ. (هندية، الباب الخامس في آداب المسجد، زكريا قديم ٥/ ۳۲۱، جديد ٥/ ۳۷۲)

(۲) بھولے سے موبائل بند نہ کرنے کی بناء پر مسجد میں گھنٹی بجنے لگے، تو اس کی وجہ

سے جھگڑا کرنا درست نہیں؛ بلکہ اس کو نرمی سے سمجھا دینا چاہئے اور مسئلہ شرعی سے آگاہ کر دینا چاہئے؛ اس لئے کہ بھول ونسیان سے کوئی انسان پاک نہیں۔

عن أبي ذر الغفاري، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن الله قد تجاوز عن أمتي الخطأ، والنسيان، وما استكرهوا عليه. (ابن ماجه شريف، باب طلاق المكره والناسي، النسخة الهندية ۱/۱٤۷، دارالسلام رقم: ۲۰٤۳)

السادس: أن لا يرفع فيه الصوت من غير ذكر الله تعالىٰ. (هندية، زكريا قديم ۵/ ۳۲۱، جديد ۵/ ۳۷۲)

(۳) تجارت سے متعلق کوئی ضروری بات ہو یا گھر والوں کی خیریت لینی ضروری ہو یا اسی طرح کسی مریض کی رہنمائی ضروری ہو، تو آداب مسجد کا لحاظ رکھتے ہوئے حدود مسجد کے اندر نہایت مختصر انداز میں بات کر کے موبائل بند کر دینا چاہئے جس سے کسی بھی نمازی کو کسی طرح کا خلل نہ ہو، بات کرنے والا معتکف ہو یا غیر معتکف سب کیلئے یہی حکم ہے: البتہ غیر معتکف کے لئے بہتر یہ ہے کہ حدود مسجد سے باہر وضوخانہ وغیرہ میں گفتگو کرلے۔

لابأس بالحديث في المسجد إذاكان قليلاً. (شامي، كتاب الصوم، باب الإعتكاف، زكريا ۳/ ٤٤۲، كراچی ۲/ ٤٥۰)

الكلام المباح من حديث الدنيا يجوز في المساجد، وإن كان الأولىٰ أن يشتغل بذكر الله تعالىٰ......أقول ويؤخذ من هذا أن الأمر الممنوع منه إذا وجد بعد الدخول بقصد العبادة لا يتناوله. (شامي، مطلب في الغرس في المسجد، زكريا ۲/ ٤۳٦، كراچي ۱/ ٦٦۲، الموسوعة الفقهية الكويتية ۳۷/ ۲۰۷)

(۴) آدمی کو اس بات کا اہتمام والتزام کرنا چاہئے کہ نماز شروع کرنے سے پہلے موبائل کی گھنٹی بند کر دے؛ لیکن اگر اتفاقاً کبھی گھنٹی بند کرنا بھول گیا اور دوران نماز گھنٹی بجنے لگی، تو جیب میں رکھے رکھے ایک ہاتھ سے موبائل بند کرنے کی گنجائش ہے، اس سے نماز میں کوئی خرابی نہیں آئے گی۔ (مستفاد: انوار رحمت ۱۲۲)

ولو رفع العمامة ووضعها على الأرض، أو رفعها من الأرض ووضعها على الرأس لا تفسد؛ لأنه يتم بيد واحدة من غير تكرار......ولو لبس قلنسوة، أو بيضة، أو نزعها لا تفسد. (قاضيخان، فصل فيما يفسد الصلاة، زكريا ۱/ ۸۱، وعلى هامش الهندية ۱/ ۱۲۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۶۲۸/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۶/۱۱ھ

ویڈیو کالنگ کا شرعی حکم

سوال [۱۱۱۹۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایسے موبائل سے بات کرنا جس پر مخاطب کی تصویر آتی ہو کیسا ہے؟

المستفتی: عبدالرشید قاسمی، سیڑھا بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آج کل ایسے موبائل چل پڑے ہیں، جن میں مخاطب کی صورت نظر آتی ہے اور جب تک بات کی جاتی ہے، تب تک نظر آتی ہے، اور بات ختم ہونے کے بعد ختم ہو جاتی ہے، یہ تصویر نہیں ہوتی ہے؛ بلکہ انسان کا عکس ہوتا ہے، جیسا کہ شیشے میں نظر آتا ہے، یہ اگرچہ عکس ہے؛ لیکن کسی نامحرم عورت کا عکس آتا ہو، تو بلا ضرورت قطعاً جائز نہیں ہے؛ البتہ نامحرم عورت کا عکس نہیں ہے، تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے؛ بلکہ بعض دفعہ تجارتی اور معاملاتی امور میں بہتر ہی ثابت ہوتا ہے۔

أما الصورة التي ليس لها ثبات واستقرار وليست منقوشة على شيئ بصفة دائمة، فإنها بالظل أشبه (تكملة فتح الملهم، باب تحريم صورة الحيوان، اشرفيه ديو بند ٤/ ١٦٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹/ ربیع الاول ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۴۶۳/۴۰)

موبائل میں گھنٹی کی جگہ قرأت وغیرہ لگانا

سوال [۱۱۱۹۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) موبائل فون کی گھنٹی کی جگہ السلام علیکم یالا الہ الا اللہ جیسے فٹ کرنا کیسا ہے؟

(۲) موبائل فون کی گھنٹی دوطرح کی ہوتی ہے، ایک گھنٹی تو وہ ہوتی ہے، جوفون آنے پر آگاہ کرتی ہے، دوسری گھنٹی وہ ہوتی ہے جو یہ بتاتی ہے کہ آپ کا فون مطلوبہ جگہ جارہا ہے، کیا دونوں گھنٹیوں کا مسئلۂ بالا کے بارے میں ایک ہی حکم ہے؟

(۳) ان مذکورہ گھنٹیوں کی جگہ کسی قاری کی قرأت حدراً یا ترتیلاً فٹ کرنا کیسا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱/۳) موبائل کی گھنٹی کی جگہ السلام علیکم یالا الہ الا اللہ وغیرہ کلمات یا کسی قاری صاحب کی قرأت فٹ کرنا جائز نہیں ہے؛ اس لئے کہ اولاً تو ان کلمات کا بے محل استعمال کرنا لازم آتا ہے۔ نیز ان کلمات کی توہین بھی ہوتی ہے؛ کیونکہ بسا اوقات آدمی استنجاء یا بیت الخلاء میں ہوتا ہے اور وہیں فون آنے لگتا ہے اور ان کلمات یا قرأت کی آواز آنی شروع ہوجاتی ہے؛ اس لئے ان کلمات کا یا کسی قاری صاحب کی قرأت کا موبائل کی گھنٹی میں فٹ کرنا جائز نہیں ہے۔

وكذا قولهم بكفرهإذا قرأ القرآن في معرض كلام الناس كما إذا اجتمعوا فقرأفجمعناهم جمعاً وله نظائر كثيرة كلها ترجع إلى قصد الاستخفاف به قال قاضيخان: الفقاعي إذا قال عند فتح الفقاع صل على محمد قالوا يكون آثمًا، وكذا الحارس إذا قال في الحراسة لا إله إلا الله يعني لأجل الإعلام بأنه مستيقظ. (الاشباه والنظائر قديم ۵۳)

یکره أن یقرأ في الحمام؛ لأنه موضع النجاسات ولا یقرأ في بیت الخلاء. (هندیة، الباب الرابع، زکریا قدیم ۵/۳۱۶، جدید۵/۳۶۵، قاضیخاں، زکریا جدید ۳/۳۰۶، وعلی هامش الهندیة۳/۴۲۲)

(۲) السلام علیکم کے علاوہ کوئی اور چیز کلمہ لا إلہ الا اللہ یا آذان یا آیت قرآنی وغیرہ فٹ کرنا جائز نہیں اور السلام علیکم بھی صرف اسلئے جائز ہے کہ موبائل میں فون کرنے والا بیت الخلاء میں رہ کر کے نہیں کرے گا؛ لہٰذا اس کے پاس سلام کی آواز آنے میں کوئی قباحت نہیں۔

وکذا قولهم بکفره إذا قرأ القرآن في معرض کلام الناس کما إذا اجتمعوا فقرأ فجمعناهم جمعًا. (الأشباه والنظائر قدیم ۵۳)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۵۷۹/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۴/۵ھ

موبائل کی گھنٹی میں کلمۂ طیبہ سیٹ کرنا

سوال [۱۱۱۹۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ موبائل وغیرہ کی گھنٹی آتے وقت یا ہمارے فون کی گھنٹی دوسرے کے پاس جاتے وقت میں کلمہ لا الہ الا اللہ یا کوئی دعا وغیرہ کا سیٹ کرنا کیسا ہے؟ اس سے سننے والے کو بھی فائدہ ہوگا، جائز بلا کراہت ہے یا ناجائز؟ وضاحت فرمادیں۔

المستفتی: محمد یعقوب رشیدی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: موبائل کی گھنٹی میں لا الہ الا اللہ وغیرہ بھرنا ان کلمات کی بے ادبی کے مرادف ہے، بعض دفعہ بیت الخلاء میں بھی گھنٹی آجائے، تو کلمہ کی سخت

بے حرمتی ہے؛ اس لئے لا الہ الا اللہ وغیرہ موبائل میں بھرنا جائز نہیں۔ الاشباہ والنظائر میں لکھا ہے کہ چوکیدار اگر بلند آواز سے کلمہ لا الہ الا اللہ اس لئے پڑھتا ہے تاکہ لوگوں کو اس کی بیداری کا علم ہوجائے، تو گنہگار رہوگا۔

وكذا الحارس إذا قال في الحراسة: لاإله إلا الله يعنى لأجل الإعلام بأنه مستيقظ (أي يكون آثما) (الاشباہ والنظائر قدیم ۵۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱ر صفر المظفر ۱۴۲۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸ / ۹۴۵۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۲/۱۱ھ

موبائل فون پر گھنٹی کے بجائے گانا بجنا

سوال [۱۱۱۹۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہم کسی کو فون کرتے ہیں دوسری طرف سے رینگ ٹون کی جگہ گانا لگا ہوتا ہے، بات کرنا بھی ضروری ہوتا ہے، اگر کان سے فون ہٹاتے ہیں، تو دوسری طرف سے کال وصول کرنے کا پتہ نہیں چل پاتا، ان حالات میں گانا بجنے کے باوجود فون کو کان پر لگائے رکھنا جائز ہے یا ناجائز؟

المستفتی: محمد ایوب، کیلاش نگر، دہلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب آپ کے فون میں گانا اور میوزک وغیرہ کی آوازیں نہیں ہیں اور ضرورت پر آپ نے دوسرے کو فون کیا ہے، اوراس کے فون سے فون کی گھنٹی کی آواز آنے کے بجائے گانے کی آواز آرہی ہے، اگر آپ کا ارادہ اس کا سننا نہیں ہے؛ بلکہ صاحب موبائل سے رابطہ قائم کرنا ہے، تو یہ ایسا ہے جیسا کہ سڑک پر سے جلوس نکلتے وقت گانا اور میوزک بینڈ باجہ کی آواز آپ کو سنائی دیتی ہے، اسی طرح اس فون میں سنائی دینے

والے باجے اور میوزک کی آواز کا حکم ہے کہ جس طرح بینڈ باجے کی آواز آپ کے کان میں پڑنے سے آپ گنہگار نہیں ہیں، اسی طرح یہاں بھی گناہ گار نہیں ہوں گے؛ اس لئے کہ آپ اس کے سننے کا ارادہ نہیں رکھتے ہیں، غیر اختیاری طور پر آپ کے کان میں آواز آرہی ہے؛ جبکہ آپ کے دل میں اس کی نفرت ہے۔

الأمور بمقاصدها. (الأشباه والنظائر، زكريا ١٩٢، قديم ٥٣)

وإن سمع بغتةيكون معذوراً ويجب أن يجتهد أن لا يسمع.

(شامي، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره، زكريا ٩/٥٦٦، كراچي ٦/٣٩٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ رمحرم الحرام ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰/۱۱۳۹۶)

اسکرین پر کلمہ لگا ہونے کی حالت میں موبائل بیت الخلاء میں لے جانا

سوال [۱۱۱۹۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ موبائل کی اسکرین پر کلمہ حروف مقطعات وغیرہ کا لگانا اور اس کو بیت الخلاء وغیرہ میں لیجانا کیسا ہے؟ جبکہ موبائل پر وہ چیز خوب صاف ہمہ وقت نظر آتی ہے؛ لیکن شیشہ کے اندر رہتی ہے۔

المستفتی: محمد اویس کاسگنج، ایٹہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: موبائل اسکرین پر حروف مقطعات یا کلمہ وغیرہ کے لگانے میں کوئی حرج نہیں ہے؛ البتہ بیت الخلاء جاتے وقت موبائل بجائے اپنے ہاتھ میں رکھنے کے اپنی جیب یا بیت الخلاء سے باہر رکھنے کا اہتمام کریں۔

فلو نقش اسمه تعالیٰ واسم نبیه صلی اللہ علیه وسلم استحب أن یجعل الفص في کمه إذا دخل الخلاء. (شامي، کتاب الحظر والإباحة، فصل في النظر، زکریا ۵۱۹/۹، کراچي ۳۶۱/۶، الموسوعة الفقهیة الکویتیة ۲۱/۳۴-۲۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍صفر المظفر ۱۴۲۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۸۷۳۸/۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۲/۲۹ھ

عورتوں کا ٹیلیفون پر سلام وکلام کا حکم

سوال [۱۱۱۹۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عورت ٹیلیفون اور موبائل کی گھنٹی بجنے پر جواباً غیر محرم مرد سے کس طرح بات کرے گی؟ غیر محرم نے سلام کیا تو عورتیں کس طرح جواب دیں گی؟

المستفتی: محمد حامد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر ٹیلیفون وغیرہ پر بات کرنے کا اتفاق ہو جائے اور ضرورت پڑ جائے، تو بات کرنے کی گنجائش ہے، مگر اجنبی مرد سے بات کرنے میں نرم لہجہ اختیار نہ کرے؛ بلکہ ایسا انداز اختیار کرے، جس سے الفت پیدا نہ ہو۔

قال اللہ تعالیٰ: فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِیْ فِیْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا. (الاحزاب: ۳۲)

(۲) فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر فتنہ کا اندیشہ ہو، تو اجنبیہ سے سلام نہ کیا جائے اور اس کے سلام کا زبان سے جواب نہ دیا جائے؛ بلکہ دل سے جواب دیدے اور اگر فتنہ کا اندیشہ نہیں ہے، مثلاً عورت بوڑھی ہے، تو سلام کرنے کی گنجائش ہے، فون پر

سلام کرنے میں بھی یہی تفصیل ہے۔

ولا يكلم الأجنبية إلا عجوزًا عطست، أو سلمت، وكذا الرجل مع المرأة إذا التقيا يسلم الرجل أولاً، وإذا سلمت المرأة الأجنبية على رجل إن كانت عجوزًا رد الرجل عليها السلام بلسانه بصوت تسمع، وإن كانت شابة رد عليها في نفسه، وكذا الرجل إذا سلم عليامرأة أجنبية، فالجواب فيه على العكس. (شامي، كتاب الحظر و الإباحة، فصل في النظر، زكريا ۹/ ۵۳۰، كراچي ٦/٣٦٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍ ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸؍ ۸۹۶۷)

(۲۹) باب المتفرقات

حساب

سوال [۱۱۱۹۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک گھڑی ساز کی دوکان پر گیا، تو گھڑی ساز کا نوکر تھا، اس نے ایک گھڑی کی قیمت پچاس روپیہ بتائی ہم نے اور ہمارے ساتھی نے مل کر ساجھے میں ۲۵-۲۵/ روپیہ دے کر خرید لی، پھر دوکاندار اپنی دوکان پر گیا، اس نے نوکر سے معلوم کیا کچھ فروختگی ہوئی ہے؟ تو نوکر نے بتایا ایک گھڑی پچاس روپیہ کی فروخت ہوئی ہے، تو مالک دوکاندار نے کہا کہ وہ گھڑی ۴۵/ روپیہ کی ہے جاؤ، ان لوگوں کو ۵/ روپیہ واپس کرو، اس نوکر کے دل میں بے ایمانی آگئی، اس نے ۵/ روپیہ کے بجائے ۳/ روپیہ واپس کئے یعنی ہم دونوں کو ڈیڑھ ڈیڑھ روپیہ واپس کیا اور دو روپئے اپنے پاس رکھ لیے، اب گویا کہ گھڑی کی قیمت ہر ایک کے حصہ میں تیئیس روپئے پچاس پیسے آئے دونوں کی رقم ملا کر ۴۷/ روپئے ہوئے، اس کے بعد نوکر کو کچھ خیال ہوا کہ ان لوگوں کو دھوکا دینا صحیح نہیں ہے، اس نے ہمارے دو روپیہ بھی واپس کردیئے۔ اب ہم نے ۴۷/ روپیہ میں دو روپیہ اور ملا کر حساب لگایا تو ۴۹/ روپیہ ہوئے ایک روپیہ کہاں غائب ہوگیا۔

المستفتی: حافظ ضیاء الاسلام، مدرس مدرسہ بدرالعلوم گنگوارحسنپور، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس طرح تین روپیہ واپس کرنے پر آپ نے پچاس میں سے تین روپیہ گھٹا کر ۴۷/ روپیہ سمجھا ہے، اسی طرح آپ پر لازم ہے کہ جب بقیہ دو روپیہ واپس کردئے ہیں، تو ۴۷/ میں سے دو روپیہ کو گھٹا کر دیکھتے تو بجائے ۴۹/

کے ۴۵ ؍ نظر آجاتے، جب بعد میں دو مزید بھی واپس مل گئے ہیں، تو اس کو گھٹایا جائے گا یا جوڑا جائے گا، آپ حساب کے اصول سیکھیں اور اس کی مشق کیا کریں، بعد میں ایسی پریشانیوں کا سابقہ نہیں پڑے گا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍ صفر المظفر ۱۴۱۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۹؍ ۳۳۱۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴/۲/۱۵ھ

چیل کو گوشت کھلانا صدقہ ہے؟

سوال [۱۱۲۰۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کار ثواب سمجھ کر چیلوں کو گوشت کھلانا کیسا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کار ثواب سمجھ کر چیلوں کو گوشت کھلانا اور اس پر خوب پیسہ خرچ کرنا یہ سراسر اسراف اور فضول خرچی ہے، اور عقیدہ کی خرابی کی وجہ سے ناجائز ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۷/ ۳۶)

اس لئے ضروری ہے کہ صدقہ کے لئے جائز طریقہ استعمال کیا جائے تاہم کوئی قصاب اپنے پاس بچے ہوئے ناقابل استعمال گوشت کے چھیچڑے بلی اور چیل کو کھلادے تو کوئی حرج نہیں ہے۔

ولا تبذر أي تسرف في الإنفاق في غير حق. قال الشافعي رضی الله عنه: والتبذير إنفاق المال في غير حقه، ولا تبذير في عمل الخير وهذا قول الجمهور، وقال أشهب عن مالك التبذير هو أخذ المال من حقه ووضعه في غير حقه وهو الإسراف وهو حرام لقوله تعالىٰ: إن المبذرين كانوا إخوان الشيطين. (أحكام القرآن للقرطبي، دار الكتب العلمية بيروت ۱۰/ ۱۶۱،

دارالفکر ۱۰/ ۲٤۷، تحت تفسیر رقم الآیة ۲٦، من سورة الإسراء) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹ رصفر المظفر ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف خاص ۴۰ /۱۱۴۳۱)

وسیع پنجرہ میں کبوتر پالنا

سوال [۱۱۲۰۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک کمرہ بشکل پنجرہ دس فٹ لمبا اور دس فٹ چوڑا ہے، اس میں کبوتر پال رکھے ہیں، ان کے دانہ اور پانی کا معقول انتظام ہے۔ آپ تحریر فرمائیں شرعی اعتبار سے اس کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: محمد انور ابن حاجی عبدالقیوم، ڈپٹی گنج، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر اتنا بڑا کمرہ ہے، جس کی پیمائش اوپر درج ہے، تو اس میں بند رکھنا اور اسی میں چارہ وغیرہ دیتے رہنا شرعاً جائز ہے۔

لابأس بحبس الطیور والدجاج في بیته؛ ولکن یعلفها وهو خیر من إرسالها في السکک. (فتاوی شامي، کتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغیره، زکریا ۹/ ۵۷۵، کراچی ٦/ ٤۰۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷ رذی الحجہ ۱۴۱۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۶/ ۲۰۶۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۰/۱۲/۲۷ھ

اللہ اور رسول کے واسطے مسجد میں مانگنے والے کو ملا ہوا مال کس کی ملک؟

سوال [۱۱۲۰۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جیسا کہ اکثر سائلین مسجد میں آکر اپنے لئے سوال کرتے ہیں اور اپنے سوال

میں یہ کہتے ہیں کہ اللہ کے واسطے، اللہ کے رسول کے واسطے میری نقد کپڑے سے مدد کرو، میں معذور و مجبور ہوں، اس سوال پر لوگ اس کی مدد کرتے ہیں، اس پر زید یہ کہتا ہے کہ اس سائل کے سوال میں آئی ہوئی اجناس سائل کی ملکیت نہیں ہوں گی؛ کیونکہ اس نے اللہ کے اور اللہ کے رسول کے واسطے کہہ کر مانگا ہے، اگر صرف یہ کہتا کہ میری مدد کرو، تو اس کی ملکیت ہوتی، جب اللہ کے واسطے کہہ کر مانگا ہے، تو یہ مانگا ہوا مال مسجد وغیرہ کے لئے صرف کرنا ہوگا، تو اس طرح سوال کرنے پر زید کا قول صحیح ہے کہ وہ سائل کی ملکیت نہیں؛ بلکہ مسجد کا مال ہوگا یا سائل کا ہی رہے گا؟ قول فیصل سے مطلع فرما کر ممنون ومشکور فرمائیں۔

المستفتی: قاری عبدالرحمٰن، غداپور،

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اللہ کے واسطے اور رسول کے واسطے مدد کرو کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ غریبوں پر مدد کرنے سے اللہ تعالیٰ آخرت کی مشکل آسان فرما دیتے ہیں؛ لہٰذا میری مدد کرو اللہ تعالی تمہاری مدد کریں گے اور رسول کے واسطے کا مطلب یہ ہے کہ حضور ﷺ دین اسلام لے کر تشریف لانے والے ہیں، دونوں حضور ﷺ کے دین میں دینی بھائی ہونے کی وجہ سے حضور ﷺ کے توسل سے مدد کرو، یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اور رسول کی ملکیت کیلئے وہ مانگ رہا ہے، لہذا ایسی صورت میں مانگنے والا خود ہی اس چیز کا مالک ہوگا، مسجد وغیرہ میں صرف کرنا لازم نہ ہوگا۔

إن التوسل بالنبي صلى الله عليه وسلم جائز في كل حال قبل خلقه وبعد خلقه في مدة حياته الدنيا، وبعد موته في مدة البرزخ، وبعد البعث في عرصات القيامة والجنة. (شفاء السقام ۱۲۰، بحواله تسكين الصدور ۴۰۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰؍شوال المکرم ۱۴۱۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۸؍۲۸۶۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱؍۱۱؍۱۴۱۲ھ

کیا ناپاک پانی کی اطلاع دینا ضروری ہے؟

سوال [۱۱۲۰۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص کو معلوم ہے کہ اس بالٹی میں جو پانی رکھا ہوا ہے، وہ ناپاک ہے، اب اگر کوئی شخص جس کو اس کے ناپاک ہونے کی خبر نہیں ہے، وہ اس سے وضو کرے یا غسل کرے، تو کیا جس کو اس کے ناپاک ہونے کا علم ہے، اس کو وضو یا غسل کرنے والے کو اطلاع دینی ضروری ہے؟

المستفتی: عبدالباسط اعظمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ناپاک پانی سے بےخبری میں غسل یا وضو کرنے والے کو پانی کی ناپاکی کی اطلاع کرنا ایسے لوگوں پر ضروری ہے، جن کو پہلے سے پانی کے ناپاک ہونے کا علم ہے، یہ ایک مسلمان کا دینی فریضہ ہے۔

عن زيد بن خالد الجهني، أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: ألاأخبركم بخير الشهداء الذي يأتي بشهادته قبل أن يسألها. (صحيح مسلم، الأقضية، باب بيان خير الشهود، النسخةالهندية۲/۷۷،بيت الأفكار، رقم:۱۷۱۹)

ويجب الأداة بلا طلب لو الشهادة في حقوق الله تعالىٰ. (در مختار مع الشامي، كتاب الشهادت،زكريا ۸/۱۷۵، كراچي ۵/٤٦۳، الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۵/۱۳۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ ررجب المرجب ۱۴۲۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸/ ۸۸۹۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۰/۷/ ۱۴۲۶ھ

آپسی مسائل کو صلح وصفائی سے حل کرنا

سوال [۱۱۲۰۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ احقر سیوانی کا رہنے والا ہے، احقر اور سیوانی گاؤں کے دیگر علماء کرام نے مل کر سوچا کہ ہم سب مل کر خصوصًا اپنے گاؤں کی اور عمومًا پوری امت کی فکر کریں اور امر بالمعروف نہی عن المنکر جو علماء کرام کی اہم ذمہ داری ہے، اس کی فکر کریں اور یہ کام سب سے پہلے اپنی ذات اپنے گھر اور اپنے رشتہ داروں سے شروع کریں اور پھر پورے گاؤں اور پوری امت کی فکر کریں، اس کام کے لئے گاؤں کے تمام علماء کرام جمع ہوئے اور مشورہ سے طے ہوا کہ یہ کام ہم علماء کرام کا بہت اہم ہے، اور ہمیں ضرور کرنا چاہئے؛ لہٰذا علماء کرام نے حسب مشورہ کام شروع کیا اور گاہے گاہے مثلاً ماہانہ یا سہ ماہی پر تمام علماء کرام جمع ہوتے ہیں اور آئندہ مشورہ تک کون سے امور پر کام کرنا ہے، وہ طے ہوتے ہیں اور ان پر حتی المقدور کوشش کی جاتی ہے، جن میں سے چند امور بطور تمثیل کے یہ ہیں۔

(۱) مسلم معاشرہ میں فیشن اور بے پردگی کے بڑھتے سیلاب کو روکنا۔

(۲) قبل النکاح فون پر جانبین سے اپنے منگیتر سے ہونے والی گفتگو کو روکنا۔

(۳) جو چیزیں عند الشرع منکر و ممنوع ہیں، انہیں حکمت سے ختم کرنا۔

(۴) جانبین میں کشیدگیاں اور جھگڑے ختم کروا کر فریقین میں صلح کروانا۔

(۵) ایام قربانی میں گاؤں والوں کی رضا مندی سے شریعت کی روشنی میں قربانی کا انتظام اور اطراف کے غیر مانوس علاقوں میں گوشت پہونچانے کی ترتیب۔

(۶) نوجوان موبائل کا غلط استعمال نہ کریں اس کی فکر کرنا۔

علماء کرام نے یہ جماعت سازی اور طریقۂ کار طے کرنے کے بعد کام شروع کرنے سے قبل گاؤں میں پہلے سے موجود کمیٹی کے احباب سے بھی ملاقاتیں کیں اور ان سے اپنی جماعت سازی اور طریقہ کار کا تذکرہ کیا تاکہ سب باہم اتفاق سے کام کریں، تو ان تمام احباب نے کہا کہ یہ کام بہت اچھا ہے اور کرنا ہی چاہئے۔

نیز انہوں نے بہت فرحت و مسرت کا اظہار بھی کیا اور ہماری ہمت افزائی بھی

فرمائی، کچھ وقت گذرنے کے بعد گاؤں کے چند چودھریوں نے لوگوں کو جمع کیا اور انہیں علماء کرام کی اس منظّم جماعت اور ان کے طریقہ کار سے متنفر کرنے کی بھرپور کوشش کرکے، ان تمام لوگوں کو اپنے ہاتھ پر لے لیا اور علماء کرام اور ان کے طریقۂ کار کے بارے میں نازیبا جملے بھی کہے، مثلاً گاؤں میں ایک نئی جماعت قائم کی گئی ہے، جو اپنے ذاتی فتوے ظاہر کرتی ہے، اپنے گاؤں میں پہلے سے اصلاحی جماعت قائم ہے۔ اب کوئی دوسری جماعت قائم نہیں ہوسکتی ہے حتی کہ بعض نے تو یہ بھی کہا کہ ''جس گاؤں میں علماء کرام کی جماعت بنی ہے، وہاں انہوں نے جھگڑے ہی کروائے ہیں وغیرہ؛ چنانچہ ان چودھریوں نے اس طرح کی باتیں کرکے یہ فیصلہ کیا کہ علماء کرام کی یہ جماعت ختم کرو؛ جبکہ علماء کرام کی یہ جماعت گاؤں میں موجود کمیٹی کے کاموں میں کوئی دخل اندازی نہیں کرتی ہے؛ بلکہ اس جماعت کا مقصد امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہی ہے۔

مذکورہ بالا تفصیل کے بعد ہم آپ حضرات مفتیان کرام سے چند سوالات کے جوابات کے منتظر ہیں۔

(۱) کیا گاؤں والوں کی اس طرح نقد و جرح کرنے کی وجہ سے علماء کرام اپنی جماعت ختم کردیں؟

(۲) کیا علماء کرام امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا چھوڑدیں؟

(۳) علماء کرام کی جماعت اور ان کے طریقۂ کار پر جملے کسنے والے کیا کار خیر میں رکاوٹ ڈالنے والے شمار ہوں گے یا نہیں؟

(۵) نیز ہم فریقین کے لئے شریعت کی نگاہ میں کیا رہنمائی ہے؟

المستفتی: محمد حسن سیوانی، مقام و پوسٹ: ناہی، بناس کانٹھا (گجرات)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ سے واضح ہوتا ہے کہ علماء کی تنظیم بننے سے پہلے بھی کوئی تنظیم گاؤں میں موجود تھی، اب علماء کی تنظیم بن جانے کے بعد پہلی تنظیم کے

ساتھ کیا ٹکراؤ ہے، ہم سمجھنے سے قاصر ہیں؛ اس لئے آپس کے صلح وتصفیہ کے ذریعہ سے اس مسئلہ کو حل کرنا چاہئے، یا وہاں سے قریب کے بااثر علماء جو وہاں کی نزاکت کو بہتر طور پر سمجھ سکتے ہیں، ان کے ذریعہ سے مسئلہ کا تصفیہ کرانا چاہئے۔

وَالصُّلْحُ خَيْرٌ. [النساء:۱۲۸]

عبد الله بن عمرو بن عوف المزني، عن أبيه، عن جده، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: الصلح جائز بين المسلمين، إلا صلحا حرم حلالا، أو أحل حرامًا. (سنن الترمذي، كتاب الأحكام، باب ما ذكر عن رسول الله صلى الله عليه وسلم في الصلح بين الناس، النسخة الهندية ۱/۲۵۱، دار السلام رقم: ۱۳۵۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۴ رجمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰/ ۱۱۰۸۹)	۱۴۳۴/۵/۴ھ

نماز اور خارج نماز ٹخنوں سے نیچے پائجامہ وغیرہ لٹکانے کا شرعی حکم

سوال [۱۱۲۰۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نماز کی حالت میں شلوار، پائجامہ یا پینٹ نیچے سے موڑنا یا اوپر کمر کے پاس سے موڑنا اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اگر کسی نے بغیر موڑے نماز ادا کرلی اور ٹخنے ڈھکے ہوئے ہوں تو نماز کا کیا حکم ہے؟ مدلل تحریر فرمائیں۔

المستفتی: محمد شکیل قادری رائس مل رچھا، بریلی (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ٹخنوں سے نیچے پائجامہ یا لنگی لٹکانا نماز اور خارج نماز دونوں حالتوں میں ناجائز اور مکروہ تحریمی ہے، اس حالت میں نماز پڑھی

جائے تو نماز مکروہ تحریمی ہوگی؛ لہٰذا نماز اور خارج نماز دونوں حالتوں میں ٹخنوں سے نیچے پائجامہ وغیرہ لٹکانے سے بچنا ضروری ہے، اگر کسی کا پائجامہ ٹخنوں سے نیچے ہے اور اسی حالت میں وہ نماز پڑھ رہا ہے، تو اس کی نماز ناقص اور مکروہ تحریمی ہوگی، اس سے بچنے کی شکل یہی ہے کہ پائچہ موڑ کر ٹخنوں سے اوپر کردے، پھر کراہت ختم ہوجائے گی اور نماز کے بعد بھی موڑے رکھنا چاہئے۔

حدیث شریف ملاحظہ فرمائیں:

عن أبي ذرؓ عن النبي صلی اللّٰہ علیه قال: ثلاثة لا یکلمهم اللّٰہ یوم القیامة ولا ینظر إلیهم ولا یزکیهم ولهم عذاب ألیم (إلی قوله) المسبل إزاره والمنان الخ. (مسلم شریف ۱/ ۷۱، رقم: ۲۹۳)

عن أبي هریرةؓ قال: بینما رجل یصلی مسبلا إزاره فقال له رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: اذهب فتوضأ، فقال له رجل: یارسول اللّٰہ مالک أمرته أن یتوضأ ثم سکت عنه؟ قال: إنه کان یصلی وهو مسبل إزاره، وإن اللّٰہ لا یقبل أی قبولا کاملا. (بذل المجهود ۳/ ۵۷۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍ شعبان المعظم ۱۴۳۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۱/ ۱۲۱۸۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۶/۸/۱۱ھ

فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوا فِى الدِّيْنِ

فتاویٰ قاسمیہ

منتخب فتاویٰ

حضرت مولانا مفتی شبیر احمد القاسمی

خادم الافتاء و الحدیث جامعہ قاسمیہ

مدرسہ شاہی مرادآباد، الہند

(جلد ۲۵)

المجلد الخامس و العشرون

الوصية، الفرائض

بتمام ابوابها

۱۱۲۰۶ ——— ۱۱۶۰۰

ناشر

مکتبہ اشرفیہ، دیوبند، الہند

01336-223082

مکمل اجمالی فہرست ایک نظر میں

	رقم المسأله		عنوانات
المجلد الأول	١	١٧٢	مقدمة التحقيق، الإيمان والعقائد إلى باب ما يتعلق بالارواح.
المجلد الثاني	١٧٣	٥٥٧	بقية الإيمان والعقائد من باب الحشر إلى باب ما يتعلق بأهل الكتاب، التاريخ والسير، البدعات والرسوم.
المجلد الثالث	٥٥٨	١٠٠٥	بقية البدعات والرسوم من باب رسومات جنائز إلى رسومات نكاح، كتاب العلم إلي باب ما يتعلق بالكتابة.
المجلد الرابع	١٠٠٦	١٤١٥	بقية كتاب العلم من كتابة القرآن إلي باب الوعظ والنصيحة، الدعوة والتبليغ، السلوك والاحسان، الأدعية والأذكار.
المجلد الخامس	١٤١٦	١٩٣٥	الطهارة بتمام أبوابها، الصلوة من أوقات الصلوة إلى صفة الصلوة.
المجلد السادس	١٩٣٦	٢٤٥٧	الجماعة، المساجد، الإمامة.
المجلد السابع	٢٤٥٨	٢٩٦٤	بقية الصلوة من تسوية الصفوف إلي سجود التلاوة.
المجلد الثامن	٢٩٦٥	٣٤٢٣	بقية الصلوة من الذكر والدعاء بعد الصلوة، الوتر، ادراک الفريضة، السنن والنوافل، التراويح، صلوة المسافر.

المجلد التاسع	٣٤٢٤	٣٨٩٣	بقية الصلوة، صلوة المريض، الجمعة، العيدين، الجنائز إلي حمل الجنازة.
المجلد العاشر	٣٨٩٤	٤٤٠٤	بقية الجنائز من صلوة الجنائز إلي باب الشهيد، كتاب الزكوة.
المجلد الحادي عشر	٤٤٠٥	٤٨٧٣	بقية الزكوة، كتاب الصدقات، الصوم، بتمام أبوابها إلي صدقة الفطر.
المجلد الثاني عشر	٤٨٧٤	٥٣٤٨	كتاب الحج بتمام أبوابها، النكاح إلى باب نكاح المكره.
المجلد الثالث عشر	٥٣٤٩	٥٩٤٣	بقية النكاح إلي باب المهر.
المجلد الرابع عشر	٥٩٤٤	٦٤٦٢	الرضاع، الطلاق إلي باب الكناية.
المجلد الخامس عشر	٦٤٦٣	٦٩٠٢	بقية الطلاق، الرجعة، البائن، الطلاق بالكتابة، الطلاق الثلاث، الشهادة في الطلاق، الحلالة.
المجلد السادس عشر	٦٩٠٣	٧٤٠٢	بقية الطلاق، تعليق الطلاق، التفويض، الفسخ والتفريق، الظِهار، الإيلاء، الخلع، الطلاق على المال، العدة، النفقة، ثبوت النسب، الحضانة.
المجلد السابع عشر	٧٤٠٣	٧٨٦٧	الأيمان والنذور، الحدود، الجهاد، اللقطة، الامارة والسياسة، القضاء، الوقف إلي باب المساجد.
المجلد الثامن عشر	٧٨٦٨	٨٤٠٨	بقية الوقف من الفصل الثالث، المسجد القديم إلي مصلى العيد، والمقبرة. (قبرستان)

المجلد التاسع عشر	٨٤٠٩	٨٨٥٦	بقية الوقف، باب المدارس، كتاب البيوع، البيع الصحيح، الفاسد، المرابحة، الصرف، السلم، الوفاء، الشفعة، المزارعة.
المجلد العشرون	٨٨٥٧	٩٣٥٠	الشركة، المضاربة، الربوا بتمام أنواعها.
المجلد الحادي والعشرون	٩٣٥١	٩٧٣٥	الديون، الوديعة، الأمانة، الضمان، الهبة، الإجارة.
المجلد الثاني والعشرون	٩٧٣٦	١٠٢٤٥	الغصب، الرهن، الصيد، الذبائح بتمام أنواعها، الأضحية بتمام أنواعها، العقيقة، الحقوق، بأكثر أبوابها إلي باب حقوق الأقارب.
المجلد الثالث والعشرون	١٠٢٤٦	١٠٧٠٥	بقية الحقوق، الرؤيا، الطب والرقیٰ بتمام أنواعها، كتاب الحظر والإباحة إلي باب السابع، ما يتعلق باللحية.
المجلد الرابع والعشرون	١٠٧٠٦	١١٢٠٥	بقية الحظر والإباحة، باب الأكل والشرب، الانتفاع بالحيوانات، الخمر، الدخان، الهدايا، الموالاة مع الكفار، المال الحرام، الأدب، اللهو، استعمال الذهب والفضة، كسب الحلال، الغناء، التصاوير.
المجلد الخامس والعشرون	١١٢٠٦	١١٦٠٠	الوصية، الفرائض بتمام أبوابها.
المجلد السادس والعشرون	١	١١٦٠٠	فهارس المسائل

❖❖ ❍❖❍

فہرست عناوین

مسئلہ نمبر	٤٢ كتاب الوصية	صفحہ
	(۱) باب ما يتعلق بنفس الوصية	۲۵
۱۱۲۰۶	وصیت کرنا کب واجب ہے؟ اور کب مستحب؟	۲۵
۱۱۲۰۷	عام حالات میں وصیت کرنے کی حیثیت	۲۶
۱۱۲۰۸	عام حالت میں وصیت کرنے کا حکم	۲۸
۱۱۲۰۹	وصیت کے ثبوت کی شرط	۲۹
۱۱۲۱۰	ضمناً وصیت سے رجوع کرنا	۳۰
۱۱۲۱۱	رضامندی کا اعتبار کس وقت ہے؟	۳۲
۱۱۲۱۲	وصیت نامہ رجسٹری نہ ہوا ہو تو کیا حکم ہے؟	۳۳
۱۱۲۱۳	زبانی وصیت کی ایک جائز شکل	۳۵
۱۱۲۱۴	جعلی وصیت نامہ کو گرفت کرنے کی ایک شکل	۳۶
۱۱۲۱۵	زندگی میں وصیت کا تبصرہ نہ کرنے کا حکم	۳۸
۱۱۲۱۶	تعلیق بالشرط سے وصیت کا عدم بطلان	۴۰
۱۱۲۱۷	موصی کی زندگی میں موصیٰ لہ کی موت	۴۲
۱۱۲۱۸	شئ موصیٰ بہ کو اپنی ملکیت سے خارج کرنے کا حکم	۴۳
۱۱۲۱۹	قریب المرگ وصیت کرنا	۴۴
	(۲) باب ما يجوز من الوصايا ومالايجوز	۴۶
۱۱۲۲۰	اپنا کل مال فلاحی کاموں میں لگانا	۴۶
۱۱۲۲۱	وصی کا اپنی جائیداد اللہ کی راہ میں دینا	۴۶

۱۱۲۲۲ جائیداد وقف کرنے کی صورت میں وصیت کا حکم ۴۷
۱۱۲۲۳ متوفیہ کی نماز، روزہ کے فدیہ اور حج بدل کی وصیت کا حکم ۴۹
۱۱۲۲۴ حج کے لیے بطور وصیت دیئے گئے روپیہ سے حج کرنا واجب ہے یا نہیں؟ ... ۵۰
۱۱۲۲۵ وارث مسجد کے حق میں وصیت کا منکر ہو اور گاؤں والے مدعی ہوں . ۵۱
۱۱۲۲۶ مسجد کے لیے وصیت کردہ رقم کو مدرسہ میں لگانا ۵۲
۱۱۲۲۷ مسجد کے لیے کل مال کی وصیت کرنا ۵۲
۱۱۲۲۸ مسجد کے لیے کی گئی وصیت کا حکم ۵۵
۱۱۲۲۹ مسجد کے لیے ثلث مال سے زائد کی گئی وصیت کا حکم ۵۶
۱۱۲۳۰ مسجد کے لیے مکان کی وصیت کرنے کا حکم ۵۸
۱۱۲۳۱ عمرہ کرانے کی وصیت کا شرعی حکم ۶۰
۱۱۲۳۲ کنواں بنوانے کی وصیت ۶۱
۱۱۲۳۳ اپنے باغیچہ میں تدفین کی وصیت ۶۲
۱۱۲۳۴ قبر پر سورۂ بقرہ پڑھنے کی وصیت ۶۳
۱۱۲۳۵ قطع تعلق کی وصیت کا شرعی حکم ۶۴
۱۱۲۳۶ والد کا بیٹے کو قطع تعلق کی وصیت کرنا ۶۴

(۳) باب الوصیة بالثلث ۶۶

۱۱۲۳۷ ثلث مال میں وصیت کا نفاذ ۶۶
۱۱۲۳۸ وصیت صرف ثلث مال میں واجب العمل ہے ۶۷
۱۱۲۳۹ غیر وارث کے لیے ثلث مال میں وصیت کا نفاذ ۶۹
۱۱۲۴۰ کل جائیداد کی وصیت اپنی زوجہ کے نام ۷۰
۱۱۲۴۱ زندگی میں نواسے کے نام کل مال کی وصیت کرنا ۷۱
۱۱۲۴۲ پوتوں کے لیے وصیت ثلث مال میں نافذ ہوگی ۷۳

۱۱۲۴۳ زندگی میں کسی ایک وارث کے نام کل ترکہ کی وصیت کر کے قبضہ دے دینے کا حکم ۷۴

۷۷	(۴) باب الوصية للأقرباء وغيرهم	

۱۱۲۴۴ شرعی حصص کے مطابق جائیداد تقسیم کرنے کی وصیت ۷۷
۱۱۲۴۵ جھگڑے سے بچانے کے لیے وراثت سے متعلق وصیت ۷۸
۱۱۲۴۶ مورث کی وفات کے بعد حصص شرعیہ کے مطابق کی گئی وصیت کا حکم ... ۷۹
۱۱۲۴۷ وارث کے حق میں وصیت نافذ نہیں ہوتی ۸۱
۱۱۲۴۸ وارث کے حق میں وصیت معتبر نہیں ۸۲
۱۱۲۴۹ وارث کے لیے کی گئی وصیت کا حکم ۸۴
۱۱۲۵۰ وارث کے حق میں کی گئی وصیت کا شرعی حکم ۸۶
۱۱۲۵۱ اولاد کے حق میں والد کی وصیت ۸۷
۱۱۲۵۲ والدہ کا اپنا مکان کسی ایک اولاد کے نام وصیت کرنا ۸۹
۱۱۲۵۳ وارث بھتیجے کے حق میں وصیت کا حکم ۹۰
۱۱۲۵۴ صحرائی یا سکنائی جائیداد کو کسی ایک وارث کے لیے وصیت کرنا ۹۱
۱۱۲۵۵ جب دوسرے ورثاء وصیت پر راضی نہ ہوں تو......؟ ۹۲
۱۱۲۵۶ وارث کے حق میں وصیت برضا دیگر وارثین ۹۳
۱۱۲۵۷ بیوی کو قرضہ اور ادائیگی دین مہر کے لیے مکان کی وصیت ۹۴
۱۱۲۵۸ بیٹیوں کو چھوڑ کر صرف بیٹوں کے لیے وصیت کرنا ۹۵
۱۱۲۵۹ بیٹی کے حق میں وصیت کا حکم ۹۶
۱۱۲۶۰ دیگر ورثاء کی موجودگی میں محض بیٹی کے نام کل جائیداد کی وصیت ... ۹۸
۱۱۲۶۱ ماں کی وصیت کی بناء پر لڑکے کو محروم کرنے کا حکم ۹۹
۱۱۲۶۲ ماں کا کسی وارث کو حصہ نہ دینے کی وصیت کا شرعی حکم ۱۰۰

۱۱۲۶۳	بعض ورثاء کو بے دخل کرکے بعض کے حق میں وصیت کرنے کا حکم	۱۰۱
۱۱۲۶۴	کل جائیداد ایک بیوی کی اولاد کے نام کرکے دوسرے کی اولاد کو محروم کرنے کا حکم	۱۰۳
۱۱۲۶۵	وارث کے حق میں وصیت کا مسئلہ اور بہن وراثت کی مستحق	۱۰۴
۱۱۲۶۶	تعلیق بالوصیۃ، نیز بیوی اور بھانجے کے لیے وصیت	۱۰۶
۱۱۲۶۷	بہو، لڑکے کو ہبہ اور وصیت کرنا	۱۰۸
۱۱۲۶۸	پوتوں کے حق میں کی گئی وصیت کا حکم	۱۱۰
۱۱۲۶۹	پوتوں کے حق میں دادا کی وصیت	۱۱۲
۱۱۲۷۰	نانا کی وصیت نواسے کے نام ہوئی یا نہیں؟	۱۱۶
۱۱۲۷۱	نواسے کے نام وصیت	۱۱۸
۱۱۲۷۲	مرحوم اولاد کے لیے وصیت کرنے کا حکم	۱۲۱
۱۱۲۷۳	پوتی اور نواسی کے حق میں وصیت کا حکم	۱۲۲
۱۱۲۷۴	پوتی اور نواسی کے حق میں کی گئی وصیت کا شرعی حکم	۱۲۴
۱۱۲۷۵	مکان کے ایک تہائی حصہ کی وصیت بھائی کے نام	۱۲۵
۱۱۲۷۶	بھائی کے لیے کی گئی وصیت کا حکم	۱۲۷
۱۱۲۷۷	پرورش کرنے والی عورت کا حق دیور کے مال میں ہے یا نہیں؟	۱۲۸
۱۱۲۷۸	وصیت کی ایک شکل کا حکم	۱۲۹
۱۱۲۷۹	مرض الموت میں وارث کے لیے وصیت کرنا	۱۳۱
۱۱۲۸۰	مرض الوفات میں کی گئی وصیت کا شرعی حکم	۱۳۲
۱۱۲۸۱	مرض الموت میں وقف کرنا وصیت کے درجے میں ہے	۱۳۳
۱۱۲۸۲	مرحوم کی وصیت صرف ثلث میں نافذ ہوگی بقیہ ترکہ شمار ہوگا	۱۳۵
۱۱۲۸۳	مرض الموت میں ہبہ کرنے کا حکم	۱۴۰
۱۱۲۸۴	وصیت سے متعلق چند سوالات کے جوابات	۱۴۲

۴۳ کتاب الفرائض

(۱) باب ما یتعلق بنفس الفرائض ۱۴۴

۱۱۲۸۵	شرعی تقسیم کا طریقۂ کار	۱۴۴
۱۱۲۸۶	تقسیم وراثت میں امیر بنانے کا حکم	۱۴۵
۱۱۲۸۷	تقسیم شرعی معتبر ہے نہ کہ والد صاحب کی ہدایتِ تقسیم	۱۴۶
۱۱۲۸۸	غیر شرعی طریقہ پر تقسیم کی گئی جائیداد کا شرعی حکم	۱۴۷
۱۱۲۸۹	خلاف شرع تقسیم کا حکم	۱۴۸
۱۱۲۹۰	غلط تقسیم غیر معتبر ہے	۱۵۰
۱۱۲۹۱	کیا والد صاحب کی زندگی میں اپنی لڑکیوں کو وراثت دے سکتے ہیں؟ ...	۱۵۱
۱۱۲۹۲	جھگڑے اور نقصان سے بچنے کے لیے زندگی میں تقسیم کرنا	۱۵۴
۱۱۲۹۳	زندگی میں وارثین کے درمیان میراث تقسیم کرنا	۱۵۶
۱۱۲۹۴	والد صاحب کے انتقال کے بعد پہلے لڑکے کی شادی کریں یا ترکہ تقسیم کریں؟ ..	۱۵۸
۱۱۲۹۵	تقسیم میں ملکیت کا اعتبار ہے نہ کہ قیمت کا..................	۱۵۹
۱۱۲۹۶	ترکہ کی تقسیم کس وقت کے اعتبار سے ہوگی؟	۱۶۱
۱۱۲۹۷	میراث کی ادائیگی میں کس دن کی قیمت کا اعتبار ہے؟	۱۶۲
۱۱۲۹۸	قرعہ اندازی کے ذریعہ مشترکہ موروثہ حصہ کی تعیین	۱۶۵
۱۱۲۹۹	میت کا قرض کون ادا کرے، نیز تقسیم جائیداد کے لیے قرعہ اندازی ...	۱۶۶
۱۱۳۰۰	موروثی مکان کو چھڑانے میں صرف شدہ رقم کا حکم	۱۶۸
۱۱۳۰۱	ایک وارث کے حصہ میں کم قیمت کی جائیداد آئے تو کیا حکم ہے؟ ..	۱۶۹
۱۱۳۰۲	دو بھائیوں کے درمیان فرنٹ کے حصہ کی زمین کی تقسیم	۱۷۰
۱۱۳۰۳	بھائیوں کی آپسی تقسیم کے بعد بھتیجے کا چچا کی ملکیت میں دعویٰ کرنا ...	۱۷۲
۱۱۳۰۴	تین سو گز میں بنے دو منزلہ مکان کی دو لڑکوں کے درمیان تقسیم	۱۷۳

۱۱۳۰۵ تقسیم کے بعد دوسرے بھائی کی ملکیت میں حصہ داری کا دعویٰ ۱۷۴
۱۱۳۰۶ الاشباہ کی مشکل عبارت کا حل اور دو عورتوں کی میراث کا معمہ ۱۷۶
صحیح شخص کی تفصیل ۱۷۸
مریض شخص کی تفصیل ۱۷۸

	(۲) باب: میت کے قرض کا بیان	۱۸۰

۱۱۳۰۷ قرض کی ادائیگی کیلئے مکان کو فروخت کرنے سے اولاد کو روکنے کا حق نہیں ۱۸۰
۱۱۳۰۸ قرض کی ادائیگی تقسیم میراث پر مقدم ہے ۱۸۱
۱۱۳۰۹ اولاً قرض کی ادائیگی کی جائے اس کے بعد ترکہ تقسیم ہو ۱۸۲
۱۱۳۱۰ شوہر کے انتقال کے بعد مہر و جہیز کا حکم ۱۸۳
۱۱۳۱۱ دین مہر میں دیئے گئے مکان کی تقسیم ۱۸۴
۱۱۳۱۲ دین مہر بیوی کی ملک ہے اس میں وراثت جاری نہیں ہوگی ۱۸۵
۱۱۳۱۳ دین مہر میں ایک حصہ دینے کے بعد بقیہ حصوں میں وراثت کا مطالبہ کرنا .. ۱۸۷
۱۱۳۱۴ ادائے مہر کے بعد ہبہ کرنے کی اجازت ہے ۱۸۸
۱۱۳۱۵ مہر میں طے شدہ تین سو گز زمین میں شوہر کے بھائی بہنوں کا حصہ ۱۸۹
۱۱۳۱۶ تقسیم ترکہ سے قبل زکوٰۃ نکالنا ۱۹۰
۱۱۳۱۷ میت کے متروکہ مال سے ان کی زکوٰۃ ادا کرنا ۱۹۲
۱۱۳۱۸ حصص کی تقسیم صرف ترکہ میں ہوگی ۱۹۳
۱۱۳۱۹ ترکہ سے متعلق چند سوالات کے جوابات ۱۹۵

	(۳) باب: ترکہ اور تقسیم	۱۹۸

۱۱۳۲۰ متروکہ مال باپ کی ملکیت کہلائے گا یا بیٹے کی ۱۹۸
۱۱۳۲۱ والد اور لڑکے کی قیمت سے خریدے گئے مکان میں لڑکی کا حصہ ... ۱۹۹
۱۱۳۲۲ باپ کی ماتحتی میں رہ کر کمائے ہوئے سرمایہ کی اولاد مالک نہیں ۲۰۱

۱۱۳۲۳	مال مشترک کی تقسیم	۲۰۲
۱۱۳۲۴	مشترک کاروبار میں کسی شریک کے الگ سے کمائے ہوئے مال میں وراثت ..	۲۰۳
۱۱۳۲۵	والد اور اولاد کے مشترکہ مال کی والد کے انتقال کے بعد تقسیم	۲۰۵
۱۱۳۲۶	شرکت میں ملنے والا منافع مرحوم کے تمام شرعی ورثاء کا حصہ ہے ...	۲۰۶
۱۱۳۲۷	فروخت شدہ مکان میں وراثت جاری نہیں ہوگی	۲۰۷
۱۱۳۲۸	کیا فروخت شدہ جائیداد ترکہ ہے؟	۲۰۹
۱۱۳۲۹	مقبوضہ اور فروخت شدہ جائیداد کی قیمت ترکہ میں شامل ہوگی	۲۱۱
۱۱۳۳۰	شئ مرہون میں وراثت کا حکم	۲۱۳
۱۱۳۳۱	موہوبہ مکان میں وراثت جاری نہیں ہوتی	۲۱۵
۱۱۳۳۲	مصلحتاً دوسرے کے نام سے خریدی گئی اشیاء ترکہ میں شامل ہوں گی ...	۲۱۶
۱۱۳۳۳	پرانی اور نئی جائیداد کی تقسیم	۲۲۰
۱۱۳۳۴	گھر یا جائیداد میں درخت ہو تو اس کی تقسیم	۲۲۱
۱۱۳۳۵	کھیتی باڑی میں بہنوں کا بھی حق ہے	۲۲۲
۱۱۳۳۶	کیا بیوی کے حج کیلئے جمع کردہ رقم ترکہ میں شامل ہوگی؟	۲۲۴
۱۱۳۳۷	پہلی بیوی کے نام بیمہ پالیسی میں جمع شدہ رقم کا حکم	۲۲۶
۱۱۳۳۸	بچوں کے نام سے کی گئی پالیسی بھی مرحوم کے ترکہ میں شامل ہوگی ...	۲۲۸
۱۱۳۳۹	وارث کے لیے وصیت کردہ ایفڈ یترکہ ہے..................	۲۲۹
۱۱۳۴۰	مرحوم کے اسکول کی آمدنی جمیع وارثین کے درمیان تقسیم ہوگی	۲۳۱
۱۱۳۴۱	ایکسیڈنٹ میں ملنے والی رقم کا مستحق کون؟	۲۳۲
۱۱۳۴۲	ایکسیڈنٹ میں ملنے والی معاوضہ کی رقم ترکہ ہے	۲۳۳
۱۱۳۴۳	کمپنی کی طرف سے ملنے والی رقم ترکہ میں شامل ہوگی	۲۳۴
۱۱۳۴۴	حادثاتی موت میں سرکاری معاوضہ میراث ہے یا نہیں؟	۲۳۵

۱۱۳۴۵ سرکاری ملازم کو ملنے والی پینشن میراث ہے یا بیوی کا حق تبرع؟ ... ۲۳۷
۱۱۳۴۶ پنشن میں وراثت جاری ہوگی یا نہیں؟ ۲۳۷
۱۱۳۴۷ کیا پرائیویٹ فنڈ بیوی کو ملے گا؟ ۲۳۹
۱۱۳۴۸ ایک شخص کے ترکہ سے متعلق چند سوالات کے جوابات ۲۳۹
۱۱۳۴۹ میت کی متروکہ جائیداد اور زیورات کی تقسیم ۲۴۳
۱۱۳۵۰ شوہر کے انتقال پر جہیز، زیورات اور بچے کا حکم ۲۴۵
۱۱۳۵۱ جہیز، مہر، منگنی وغیرہ کی رقومات کا حکم ۲۴۸
۱۱۳۵۲ مرحومہ کے زیورات، مہر، جہیز وغیرہ کی شرعی تقسیم ۲۵۰

(۴) باب الوصیۃ قبل الموت ۲۵۲

۱۱۳۵۳ تقسیم ترکہ قبل نفاذ وصیت کا حکم ۲۵۲
۱۱۳۵۴ مرض الوفات کی وصیت کا حکم ۲۵۴
۱۱۳۵۵ مرض الموت میں پورا مکان مہر میں دینے کا حکم ۲۵۶
۱۱۳۵۶ پورے ترکہ کو کارِ خیر میں وصیت کرنے کی شرعی حیثیت ۲۵۷
۱۱۳۵۷ وارث کے حق میں ہبہ پر شرعی ثبوت کے ساتھ وصیت کا ثبوت ہو تو؟ ... ۲۵۹
۱۱۳۵۸ وراثت کے متعلق وصیت بنانا ۲۶۱
۱۱۳۵۹ وارثین کے حق میں وصیت نافذ نہیں ہوتی ۲۶۳
۱۱۳۶۰ وارث کے حق میں وصیت ۲۶۵
۱۱۳۶۱ والدہ کی موت کے بعد وصیت کا حکم ۲۶۷
۱۱۳۶۲ مورث کا بیٹوں کو مکان کی وصیت کرنا ۲۶۹
۱۱۳۶۳ اولاد کو محروم کر کے پوری جائیداد بیوی کے نام وصیت کرنا ۲۷۱
۱۱۳۶۴ ایک بیوی اور اس کی اولاد کے لیے میراث سے متعلق وصیت کرنا ۲۷۳
۱۱۳۶۵ مرحوم کا بھتیجوں کے لیے وصیت کرنا ۲۷۶

۱۱۳۶۶	پھوپھی کا اپنا حصہ بھتیجوں کے نام وصیت کرنا	۲۷۸
۱۱۳۶۷	شوہر کا بیوی واولاد کے لیے میراث میں وصیت کرنا	۲۷۹
۱۱۳۶۸	مرحوم بیٹی کا حصہ اس کی لڑکی کے لیے وصیت کرنا	۲۹۰
۱۱۳۶۹	بھانجہ اور بہن کے حق میں وصیت اور ترکہ کی تقسیم	۲۸۱
۱۱۳۷۰	مؤنث اولاد کو محروم کر کے نرینہ اولاد کے لیے وصیت کرنا	۱۸۳
۱۱۳۷۱	ہبہ شدہ مکان کے علاوہ میں وراثت اور وصیت کا نفا	۲۸۵
	(۵) باب موانع الإرث	**۲۸۷**
۱۱۳۷۲	اہل اسلام کے حق میں اختلاف دارین موانع ارث نہیں	۲۸۷
۱۱۳۷۳	اختلاف دارین کی وجہ سے مسلمانوں کے درمیان موانع ارث کا حکم جاری نہیں ہوتا	۲۸۸
۱۱۳۷۴	پاکستان ہجرت کرنے سے حق میراث ختم نہیں ہوتا	۲۹۱
۱۱۳۷۵	ہندو مذہب اختیار کرنے والی لڑکی وراثت سے محروم ہو جائے گی ..	۲۹۳
۱۱۳۷۶	مرتدہ کا اپنا حصہ بھتیجے کے نام کرنا	۲۹۴
۱۱۳۷۷	عیسائی مسلمان کا وارث نہیں	۲۹۵
۱۱۳۷۸	جائیداد کی تقسیم سے متعلق چند سوالات وجوابات	۲۹۷
	(۶) باب ذوی الفروض	**۳۰۰**
۱۱۳۷۹	والدین کی میراث میں بیٹی کا حصہ	۳۰۰
۱۱۳۸۰	باپ کی میراث میں بیوی اور بیٹی کا حصہ	۳۰۰
۱۱۳۸۱	والدین کے ترکہ میں بہنوں کا حصہ	۳۰۱
۱۱۳۸۲	ایک لڑکے اور تین لڑکیوں کے درمیان ترکہ کی تقسیم	۳۰۳
۱۱۳۸۳	والدہ کے زیور کی بھائی اور پانچ بہنوں کے درمیان تقسیم	۳۰۴
۱۱۳۸۴	بھائی بہنوں کے درمیان جائیداد کی تقسیم کا ایک مسئلہ	۳۰۵

۱۱۳۸۵	والدین، تین بیٹے اور ایک بیٹی کے درمیان ترکہ کی تقسیم	۳۰۷
۱۱۳۸۶	بیوی کا شوہر کے ترکہ میں کتنا حصہ ہے؟ وغیرہ سے متعلق چند سوالات ...	۳۰۸
۱۱۳۸۷	میت کے ترکہ میں بیوی اور بھتیجوں کو کتنا ملے گا؟	۳۱۲
۱۱۳۸۸	شوہر اور والدین کے درمیان ترکہ کی تقسیم	۳۱۳
۱۱۳۸۹	شوہر کی دو حالتیں ہیں	۳۱۴
۱۱۳۹۰	بیوی کے متروکہ مال میں شرعی حق	۳۱۵
۱۱۳۹۱	شوہر کے انتقال کے بعد بیوی کس کس چیز کی مالک ہوگی؟	۳۱۷
۱۱۳۹۲	بیوی اولاد کی عدم موجودگی میں شوہر کے چوتھائی حصہ کی حقدار	۳۱۸
۱۱۳۹۳	ورثہ میں محض ایک بہن موجود ہو تو تقسیم ترکہ	۳۱۹
۱۱۳۹۴	ایک لڑکا و لڑکی کے درمیان ترکہ کی تقسیم	۳۲۰
۱۱۳۹۵	مرحومہ کے وارثین میں شوہر، لڑکا اور باپ ہو تو ترکہ کی تقسیم	۳۲۱
۱۱۳۹۶	تین بیٹے، دو بیٹیاں اور بیوی کے درمیان ترکہ کی تقسیم	۳۲۲
۱۱۳۹۷	بیوی چچیرے بھائی میں ترکہ کی تقسیم	۳۲۳
۱۱۳۹۸	بیوی، تین لڑکیوں اور دو بھائیوں کے درمیان ترکہ کی تقسیم	۳۲۴
۱۱۳۹۹	باپ کی جائیداد میں علاتی بہن کا حصہ	۳۲۶
۱۱۴۰۰	بہن اور چچا زاد بھائیوں کے درمیان تقسیم ترکہ کا طریقہ	۳۲۷
۱۱۴۰۱	لاپتہ بیٹے کی عدم موجودگی میں وراثت کی تقسیم	۳۲۸
۱۱۴۰۲	گم شدہ کا مال ورثہ کے درمیان تقسیم کرنا	۳۳۰
۱۱۴۰۳	لاپتہ وارث کا حصہ محفوظ رکھا جائے گا	۳۳۱
۱۱۴۰۴	مفقود الخبر لڑکے کا حصہ کیا کیا جائے؟	۳۳۲
۱۱۴۰۵	لاپتہ شخص کا باپ کی میراث میں حصہ اور ورثا کا اس کو فروخت کرنے کا حکم	۳۳۴
۱۱۴۰۶	ایک نواسے کے علاوہ کوئی نہ ہو تو کیا حکم ہے؟	۳۳۵

۱۱۴۰۷	کیا سسر شرعی وارث ہے؟	۳۳۶
	(۷) باب العصبات	**۳۳۹**
۱۱۴۰۸	ترکہ میں سب لڑکے برابر حقدار ہیں........................	۳۳۹
۱۱۴۰۹	دو لڑکوں کے درمیان تقسیم کا طریقہ	۳۴۰
۱۱۴۱۰	ماں کے ترکہ میں سوتیلے بیٹے کا حصہ	۳۴۲
۱۱۴۱۱	شرعی گواہ یا رجسٹری کے بغیر محض دعویٰ سے ملکیت ثابت نہ ہوگی	۳۴۲
۱۱۴۱۲	اولاد کی عدم موجودگی میں بھائیوں کو حصہ ملے گا یا نہیں؟	۳۴۳
۱۱۴۱۳	کیا چچازاد بھائی اور بہن وارث ہو سکتے ہیں؟	۳۴۴
۱۱۴۱۴	اصحاب الفروض نہ ہونے کی صورت میں چچازاد بھائی کا حصہ	۳۴۵
۱۱۴۱۵	بھتیجا کے وارث بننے کی شکل........................	۳۴۶
۱۱۴۱۶	کیا ماموں زاد بھائی بہن وارث ہو سکتے ہیں؟	۳۴۷
۱۱۴۱۷	بھانجے کے وارث ہونے کی شکل........................	۳۴۸
۱۱۴۱۸	کیا بھانجہ وارث ہوسکتا ہے؟........................	۳۴۸
۱۱۴۱۹	ماموں، خالہ وغیرہ شرعی وارث ہیں یا نہیں؟	۳۴۹
۱۱۴۲۰	اکلوتے علاتی بھائی کا نصف میراث کا دعویٰ کرنا	۳۵۰
۱۱۴۲۱	پاگل بھائی کی دیکھ بھال اور جائیداد کی تقسیم	۳۵۱
۱۱۴۲۲	ورثہ میں صرف ایک لڑکی ہو تو کیا حکم ہے؟........................	۳۵۲
۱۱۴۲۳	پوتوں کا پھوپھیوں کو حصہ دینا	۳۵۳
	(۸) باب استحقاق الإرث و عدمه	**۳۵۶**
۱۱۴۲۴	اولاد کو زندگی میں تقسیم کے مطالبہ کا حق نہیں	۳۵۶
۱۱۴۲۵	موت سے پہلے کسی کے مال میں وراثت جاری نہیں ہوتی	۳۵۸
۱۱۴۲۶	باپ کی وفات کے بعد جائیداد سے اولاد کا حق متعلق ہوتا ہے	۳۶۱

١١٤٢٧ ترکہ میں بلاثبوت دعویداری کالعدم ہے ٣٦٢
١١٤٢٨ مرحوم کی ملکیت میں اپنا دعویٰ کرنا ٣٦٤
١١٤٢٩ تمام شرعی ورثاء کو حصۂ وراثت دینا لازم ٣٦٥
١١٤٣٠ جائیدادیں بیٹوں کے درمیان برابری ضروری ہے ٣٦٦
١١٤٣١ باپ سے ملی ہوئی جائیداد میں بیٹوں کا برابر کا حصہ ٣٦٩
١١٤٣٢ جہیز اور زیورات میراث کا بدل نہیں ٣٧٠
١١٢٣٣ حفاظت کی غرض سے جائیداد کسی وارث کے نام کرنے سے وہ مالک نہ ہوگا ... ٣٧١
١١٤٣٤ بیوہ عورت کا اپنا مکان بیچ کر زندگی گزارنا ٣٧٢
١١٤٣٥ والدہ نے مکان چار لڑکوں کے ہاتھ فروخت کردیا تو دیگر ورثاء کا اس میں حق نہیں .. ٣٧٣
١١٤٣٦ باپ بیٹے نے مل کر جس مکان کو چھڑایا ہو اس میں لڑکیاں حقدار ہیں یا نہیں؟ ٣٧٥
١١٤٣٧ جن لڑکوں نے باپ سے قرض لے کر مکان بنایا اس میں دیگر ورثاء کا حق نہیں ٣٧٦
١١٤٣٨ قرض لے کر دوکان کھولنے والے کا انتقال ہوجائے تو دوکان کس کو ملے گی؟ ٣٧٧
١١٤٣٩ کیا باپ کی زندگی میں ذاتی محنت سے خریدی گئی جائیداد میں دوسرے
ورثاء شریک ہیں؟ ٣٧٨
١١٤٤٠ موروثہ جائیداد وارث کا حق ہے، دیگر لوگوں کو اس میں دباؤ کا حق نہیں ٣٨٠
١١٤٤١ داماد کے علاج میں خرچ کی ہوئی رقم کا مطالبہ ترکہ سے کرنا ٣٨٢
١١٤٤٢ مرحوم کے ترکہ سے شادی کا خرچہ الگ سے نہیں ملے گا ٣٨٤
١١٤٤٣ بھائی کا اپنی لڑکیوں کے نام بیع نامہ رجسٹری کرانا ٣٨٥
١١٤٤٤ باپ کی جائیداد کسی ایک بھائی کی بیوی کے مہر میں دینا ممنوع ٣٨٦
١١٤٤٥ ماں کے انتقال کے بعد بڑی بیٹی کی بھی موت آجائے تو اس کی اولاد
وارث ہوگی یا نہیں؟ ٣٨٨
١١٤٤٦ کیا دوسری شادی کرنے کے بعد لڑکیوں کا حصہ ختم ہوجائے گا؟ ... ٣٨٩

۱۱۴۴۷ لڑکیوں کوصحرائی زمین میں حصہ ملے گا یانہیں؟ ۳۹۰
۱۱۴۴۸ کیاماں کے مال کی حقدار صرف لڑکیاں ہیں؟ ۳۹۱
۱۱۴۴۹ والدہ کی موت سے قبل فوت شدہ لڑکیوں کا حصہ ۳۹۳
۱۱۴۵۰ کیاوراثت میں جنین کوبھی حصہ ملے گا؟ ۳۹۴
۱۱۴۵۱ بیوی کے مال میں بچوں کا حصہ ہے یانہیں؟ ۳۹۶
۱۱۴۵۲ دوسری بیوی کی اولاد کی جائیداد میں پہلی بیوی کی اولاد کا حق ہے یانہیں؟ ... ۳۹۶
۱۱۴۵۳ پہلی بیوی کے لڑکے کا شوہر کی جائیداد میں حصہ ۳۹۷
۱۱۴۵۴ پہلی بیوی کا لڑکا شرعی وارث ہے یانہیں؟ ۳۹۸
۱۱۴۵۵ دونوں بیویوں کی اولاد وارث ہوگی ۴۰۰
۱۱۴۵۶ ٹھیکیداری میں سے دونوں بیویوں اوران کی اولاد کوحصہ ملے گا ۴۰۲
۱۱۴۵۷ کیاشوہر کے بنائے ہوئے ہوٹل میں خسر بھی وارث ہے؟ ۴۰۳
۱۱۴۵۸ شوہر کے انتقال کے بعد عورت دوسری جگہ نکاح کرنے سے وراثت سے محروم نہیں ہوتی ۴۰۴
۱۱۴۵۹ شوہر سے الگ رہنے کی وجہ سے بیوی وراثت سے محروم نہیں ہوگی ۴۰۶
۱۱۴۶۰ ناشزہ نفقہ کی مستحق نہیں ہے لیکن وراثت کی حقدار ہے ۴۰۷
۱۱۴۶۱ شوہر کی جگہ بیوی کا ترکہ کا مطالبہ کرنا ۴۰۸
۱۱۴۶۲ مرحوم کی بیوی کا زندگی میں ہی حصہ مانگنا ۴۰۹
۱۱۴۶۳ بیوی کا شوہر کے والد کی جائیداد میں کوئی حصہ نہیں ہے ۴۱۰
۱۱۴۶۴ مطلقہ بیوی کی اولاد شرعی وارث ہیں لیکن مطلقہ وارث نہیں ۴۱۱
۱۱۴۶۵ مطلقہ اوراس کے بیٹے کا شوہر کی جائیداد میں حصہ ۴۱۳
۱۱۴۶۶ عدت مکمل ہونے کے بعد مطلقہ کا سابق شوہراس کا وارث نہیں ۴۱۴
۱۱۴۶۷ بہن کے حصے میں بھائی کا حق ۴۱۶

۱۱۴۶۸	بہن کے نام ایف ڈی میں بھائی کا حصہ	۴۱۶
۱۱۴۶۹	ربیب وارث نہیں ہے	۴۱۸
۱۱۴۷۰	بھتیجے کو حصہ دینے کی شرعی حیثیت	۴۱۸
۱۱۴۷۱	پوتا شرعی وارث ہے یا نہیں؟	۴۲۰
۱۱۴۷۲	مشترکہ حادثہ میں وفات پانے والا وارث ہے یا نہیں؟	۴۲۱
۱۱۴۷۳	نومسلمہ اور اس کے بچوں کو حصہ ملے گا یا نہیں؟	۴۲۴
۱۱۴۷۴	تقسیم میراث سے متعلق ایک سوال	۴۲۵
	(۹) باب الحجب و الحرمان	**۴۲۹**
۱۱۴۷۵	وارث شرعی کو میراث سے محروم کرنے کا حکم	۴۲۹
۱۱۴۷۶	قانوناً بے دخلی کی وجہ سے حق وراثت ختم نہیں ہوتا	۴۳۲
۱۱۴۷۷	دوسرے کو مالک بنائے بغیر اپنا حق چھوڑنے سے حق باطل نہیں ہوتا	۴۳۴
۱۱۴۷۸	”ہم لوگ وراثت نہیں لیں گے“ کہنے سے حق وراثت ساقط نہیں ہوگا ...	۴۳۵
۱۱۴۷۹	اپنا حق نہ لینے سے وراثت سے محروم نہیں ہوتا	۴۳۷
۱۱۴۸۰	”آخرت میں اپنا حق لوں گی“ کہنے سے وراثت سے محرومی نہیں ہوتی	۴۳۹
۱۱۴۸۱	اولاد کو عاق کرنے سے وہ وراثت سے محروم نہیں ہوتی	۴۴۰
۱۱۴۸۲	اپنے بیٹے کو عاق کرنے کی صورت کیا ہوگی؟	۴۴۲
۱۱۴۸۳	زندگی میں اپنی اولاد کو محروم الارث کرنا	۴۴۳
۱۱۴۸۴	نافرمان لڑکے کو وراثت سے محروم کرنا	۴۴۴
۱۱۴۸۵	قانونی پیچیدگی کی وجہ سے لڑکیوں کو وراثت سے محروم کرنا	۴۴۵
۱۱۴۸۶	والد کا اپنی لڑکیوں کو وراثت سے محروم کرنا	۴۴۶
۱۱۴۸۷	لڑکیوں کو میراث سے محروم کرنا	۴۵۱
۱۱۴۸۸	لڑکیوں کی شادی کرانے سے وہ وراثت سے محروم نہیں ہوتیں	۴۵۲

۱۱۴۸۹	مرضی سے نکاح کرنے کی بناپر جائیداد سے محروم کرنا	۴۵۳
۱۱۴۹۰	کیا شادی کے بعد لڑکیوں کا کوئی حصہ نہیں ہے؟	۴۵۵
۱۱۴۹۱	شادی میں ملنے والے زیورات وغیرہ میراث کا بدل نہیں	۴۵۷
۱۱۴۹۲	لڑکیوں اور بہنوں کو وراثت سے محروم کرنا	۴۶۰
۱۱۴۹۳	تنہائی میں بہنوں سے حصہ نہ لینے کا اقرار کرانا	۴۶۱
۱۱۴۹۴	بیٹے کی موجودگی میں بہن وارث نہیں	۴۶۳
۱۱۴۹۵	بھائی کا بہن کو حصہ دینے میں ٹال مٹول کرنا	۴۶۵
۱۱۴۹۶	دو بھائیوں کا پوری جائیداد پر قبضہ کر کے باقی بھائی بہنوں کو حصہ نہ دینا....	۴۶۶
۱۱۴۹۷	والدین کی موجودگی میں بھائی بہن محروم	۴۶۷
۱۱۴۹۸	والد کی موجودگی میں بھائی وراثت سے محروم ہو جاتا ہے..........	۴۶۸
۱۱۴۹۹	باپ کی موجودگی میں بہن بھائی کو وراثت میں سے کچھ نہ ملے گا ...	۴۷۰
۱۱۵۰۰	مرحوم کی بیوی کا مرحوم کے والد سے جائیداد مانگنا	۴۷۱
۱۱۵۰۱	حقیقیات کی موجودگی میں علاتیات محروم ہو جاتے ہیں	۴۷۲
۱۱۵۰۲	حقیقی اولاد کی موجودگی میں سوتیلی اولاد وارث نہیں ہوتی	۴۷۳
۱۱۵۰۳	حقیقی بھائی کی موجودگی میں علاتی بھائی محروم	۴۷۴
۱۱۵۰۴	بھائی کی موجودگی میں بھتیجوں کا حصہ	۴۷۵
۱۱۵۰۵	بھائی کی موجودگی میں بھتیجا، بھتیجی، چچازاد، خالہ زاد محروم ہوں گے	۴۷۶
۱۱۵۰۶	کیا بھتیجی باپ کے واسطے سے دادا کی وارث بن سکتی ہے؟........	۴۷۷
۱۱۵۰۷	بھتیجے کی وجہ سے بھتیجیاں، بھانجے اور بھانجیاں محروم ہو جاتی ہیں ...	۴۷۸
۱۱۵۰۸	شوہر کا بھتیجہ وارث نہیں ہے	۴۷۸
۱۱۵۰۹	چچازاد بھائی، حقیقی بہن کی وجہ سے محروم ہو جائے گا.............	۴۷۹
۱۱۵۱۰	شوہر اور ماں باپ کی موجودگی میں بھائی بہن نانا اور خالائیں محروم	۴۸۰

۱۱۵۱۱	بیٹے کی موجودگی میں پھوپھی محروم	۴۸۲
۱۱۵۱۲	میت کی اولاد کی موجودگی میں اخیافی بھائی کا حصہ	۴۸۳
۱۱۵۱۳	مرحوم بیٹی کے لڑکے کا نانی کی جائیدا میں حصہ	۴۸۴
۱۱۵۱۴	بیٹی کی موجودگی میں نواسی محروم	۴۸۵
۱۱۵۱۵	سوتیلی وعلاتی بہن کا میراث میں حصہ	۴۸۶
۱۱۵۱۶	کیا بہنوں کی موجودگی میں بھانجے یا بھانجی کو حصہ ملے گا؟	۴۸۹
۱۱۵۱۷	بیٹے کی موجودگی میں نواسے،نواسیاں محروم	۴۹۰
۱۱۵۱۸	شوہر کے انتقال کے بعد دوسری جگہ نکاح کرنے سے بیوہ وراثت سے محروم نہیں ہوتی	۴۹۱
۱۱۵۱۹	داماد شرعی وارث نہیں اور لا پتہ وارث کا حق محفوظ رکھا جائے گا	۴۹۳
۱۱۵۲۰	والدین کا متوفیہ بچی کے علاج میں خرچ شدہ روپیوں کا مطالبہ کرنا	۴۹۴
۱۱۵۲۱	بیٹے کی موجودگی میں محروم پوتی اور بیوہ بہو کے ساتھ صلہ رحمی کا طریقہ	۴۹۶
۱۱۵۲۲	محروم پوتی اور بیوہ کو بطور صلہ رحمی کچھ دینے کا شرعی حکم	۴۹۸
۱۱۵۲۳	پوتے و بہو کے حصۂ وراثت، نان ونفقہ اور زیورات کا حکم	۴۹۹
۱۱۵۲۴	دادی کی جانب سے پوتوں کو ملی ہوئی زمین میں پوتیوں کا حصہ ہے یا نہیں؟ ...	۵۰۲
۱۱۵۲۵	پوتے کے نام جائیداد کرنے کی شرعی حیثیت	۵۰۳
۱۱۵۲۶	پوتے شرعی وارث نہیں	۵۰۷
۱۱۵۲۷	والد کی حیات میں وفات پانے والی اولاد وارث نہیں	۵۰۹
۱۱۵۲۸	مرحوم بیٹے کی بیوی اور اولاد کا حصہ	۵۰۹
۱۱۵۲۹	کیا لڑکے کی موجودگی میں پوتوں کو حصہ ملے گا؟	۵۱۱
۱۱۵۳۰	بیٹے کی موجودگی میں یتیم پوتے محروم	۵۱۲
۱۱۵۳۱	دادا کی جائیداد میں پوتوں کا حصہ	۵۱۳

۱۱۵۳۲	شرعی وارث کوتسلیم نہ کرنے سے وہ حصۂ وراثت سے محروم نہ ہوگا ...	۵۱۴
۱۱۵۳۳	والد کی موجودگی میں اولاد محروم	۵۱۷
۱۱۵۳۴	زنا سے پیدا شدہ بچہ وراثت کا حقدار نہیں	۵۱۸
۱۱۵۳۵	لے پاک وارث نہیں	۵۲۰
۱۱۵۳۶	متبنیٰ کو وراثت میں حصہ نہیں ملے گا	۵۲۱
۱۱۵۳۷	مورث کی اولاد کی موجودگی میں لیپا لک کا حکم	۵۲۳
۱۱۵۳۸	کیا باپ کے متروکہ مال میں متبنیٰ بیٹے کا حصہ ہے؟	۵۲۳
۱۱۵۳۹	متبنیٰ کا باپ کی ملکیت میں کوئی حق نہیں	۵۲۵
۱۱۵۴۰	لڑکے کا اپنا حصہ متبنیٰ کے نام ہبہ کرنا........................	۵۲۶
	(۱۰) باب: مالِ حرام میں وراثت کا بیان	**۵۲۸**
۱۱۵۴۱	کیا سرکاری مقبوضہ زمین میں وراثت جاری ہوگی؟	۵۲۸
۱۱۵۴۲	لاٹری کی رقم سے خریدی گئی جائیداد کا ورثہ کے لیے استعمال	۵۲۹
۱۱۵۴۳	کیا پگڑی میں وراثت جاری ہوگی؟	۵۳۰
۱۱۵۴۴	حق کرایہ داری میں وراثت جاری ہوگی یا نہیں؟	۵۳۱
۱۱۵۴۵	کرایہ کی دوکان میں وراثت	۵۳۲
۱۱۵۴۶	وراثت میں ملی سودی رقم، اور اس سے خریدے گئے ترکہ کا حکم	۵۳۳
۱۱۵۴۷	وراثت میں ملی سودی رقم کا حکم	۵۳۴
۱۱۵۴۸	کیا پگڑی کی رقم میں وراثت جاری ہوگی؟	۵۳۶
	(۱۱) باب التصرف فی الترکة	**۵۳۸**
۱۱۵۴۹	لڑکی مرحوم والد کا مکان بیچے تو کیا حکم ہے؟	۵۳۸
۱۱۵۵۰	کسی ایک وارث کو ترکہ کی جائیداد کو فروخت کر دینا	۵۳۹
۱۱۵۵۱	تقسیم سے قبل کی وراثت جائیداد کے کسی حصہ کو فروخت کرنا	۵۴۲

۱۱۵۵۲	بیوی کی متروکہ جائیداد میں غیر شرعی تصرف کا حکم	۵۴۵
۱۱۵۵۳	باپ کے ترکہ سے بھائیوں کی رضامندی سے خریدی گئی زمین کس کی ملک؟	۵۴۶
۱۱۵۵۴	لڑکی کا اپنے بھائیوں سے چھپ کر کچھ جائیداد والدین کیلئے ایصال ثواب کرنا	۵۴۸
۱۱۵۵۵	میت کا کل ترکہ مسجد میں دینے کی وصیت کرنا	۵۴۹
۱۱۵۵۶	تقسیم وراثت سے پہلے ورثاء کا اپنا حصہ راہِ خدا میں خرچ کرنا	۵۵۰
۱۱۵۵۷	بیٹا باپ کی جائیداد بیچ دے اور پوتا اپنے نام کرالے تو کیا حکم ہے؟	۵۵۱
۱۱۵۵۸	ترکہ کے مکان کی کسی وارث نے ازسر نو تعمیر کی تو تقسیم ترکہ کس طرح ہو؟ ..	۵۵۲
۱۱۵۵۹	تقسیم سے پہلے ترکہ میں تصرف، نیز لڑکیوں کی تمام ترکہ میں حصہ داری ..	۵۵۳
۱۱۵۶۰	بھائی بہنوں کی شادی کا خرچہ ترکہ سے مجریٰ کرنا	۵۵۶
۱۱۵۶۱	شادی کے خرچہ کو متروکہ میراث میں مجریٰ کرنا	۵۵۸
۱۱۵۶۲	کسی وارث کے مال کو دھوکہ دے کر اپنے نام جائیداد کرانا	۵۵۹
۱۱۵۶۳	ماں کے لیے یتیم بچوں کے ترکہ کو فروخت کرنے کی اجازت نہیں ...	۵۶۱
۱۱۵۶۴	تنہا ایک وارث کو کاروبار اپنے نام رجسٹرڈ کرانا جائز نہیں	۵۶۲
۱۱۵۶۵	ایک وارث کا دوسرے وارث کے حصہ میں تصرف کا حکم	۵۶۵
۱۱۵۶۶	چچا کے کل متروکہ مال میں چچی کا تصرف	۵۶۸
۱۱۵۶۷	والد کے مکان میں اقامت پذیر لڑکی سے کرایہ مانگنا	۵۷۰
۱۱۵۶۸	تقسیم سے قبل ترکہ میں ہوئے تجارتی نفع کا حکم	۵۷۲
۱۱۵۶۹	قبل التقسیم ترکہ میں کسی وارث کے تصرف کا حکم	۵۷۴
۱۱۵۷۰	مشترکہ کمائی سے خریدی گئی جائیداد میں سب بھائی برابر کے حقدار ہیں ...	۵۷۶
۱۱۵۷۱	کاروبار میں لگائے گئے ترکۂ میت کے منافع کے حقدار کون؟	۵۷۷
۱۱۵۷۲	تقسیم سے قبل ترکہ میں ہونے والا نفع سب ورثاء کے درمیان مشترک ہے ...	۵۷۸
۱۱۵۷۳	ترکۂ مشترک سے خریدی گئی زمین میں دوسرے ورثاء کا حصہ ہے یا نہیں؟ ...	۵۷۹

۱۱۵۷۴ میت کے ترکہ میں تجارت کی صورت میں شرکت کا حکم ۵۸۱

	(۱۲) باب التخارج	۵۸۵

۱۱۵۷۵ بدلِ صلح میں وراثت جاری ہوگی ۵۸۵

۱۱۵۷۶ تخارج کے بعد ترکہ میں حق نہیں رہتا، اور تقسیم کے وقت کی قیمت کا اعتبار ہے ... ۵۸۶

۱۱۵۷۷ تقسیم کے بعد ایک فریق کا دوسرے سے نیک نامی کے نام پر رقم طلب کرنا ۵۸۷

۱۱۵۷۸ رقم کے ذریعہ مصالحت کرنے والوں کا جائیداد میں کوئی حصہ نہیں ۵۸۹

۱۱۵۷۹ مصالحت علی المال کے بعد بقیہ مال کی دو بھائیوں کے درمیان تقسیم ۵۹۰

۱۱۵۸۰ اندازاً بہن کو اس کا حصہ دینے کی شرعی حیثیت ۵۹۱

۱۱۵۸۱ بہنوں کو زمین کے بدلے آٹھ سال بعد اس کی قیمت دینا ۵۹۲

۱۱۵۸۲ ایک وارث کا مکان پر صلح کرنا ۵۹۴

۱۱۵۸۳ جائیداد نہ دے کر لڑکیوں کو ان کے حصہ کی قیمت دینا کیسا ہے؟.... ۵۹۶

۱۱۵۸۴ شوہر کا بیوی کے بھائیوں سے ان کا حصہ خریدنا ۵۹۷

۱۱۵۸۵ دونوں بہنوں کا جائیداد کے عوض پچاس پچاس ہزار پر مصالحت کرنا ۵۹۹

	(۱۳) باب المناسخة	۶۰۱

۱۱۵۸۶ مناسخہ کا ایک مسئلہ ۶۰۱

	(۱۴) متفرقات	۶۰۴

۱۱۵۸۷ تقسیم ترکہ ۶۰۴

۱۱۵۸۸ تقسیم ترکہ کی ایک صورت ۶۰۷

۱۱۵۸۹ والد کی جائیداد کی ۲۷؍ سال بعد تقسیم ۶۱۰

۱۱۵۹۰ عورت کا ملکیت کا دعویٰ بلا دلیل معتبر نہیں ۶۱۱

۱۱۵۹۱ وراثت سے متعلق چند سوالات کے جوابات ۶۱۳

۱۱۵۹۲ مرحوم کے ترکہ کی تقسیم اور اس کے زیورات وغیرہ میں زکوٰۃ کا حکم ۶۱۹
۱۱۵۹۳ تقسیم ترکہ سے متعلق چند سوالات کے جوابات ۶۲۰
۱۱۵۹۴ تقسیم ترکہ کے ایک مسئلہ کی وضاحت ۶۲۴
۱۱۵۹۵ مرحوم کی بیوی سے شادی کرکے مرحوم کے ترکہ سے اس کو محروم کردینا ۶۲۸
۱۱۵۹۶ ایک شخص کے ترکہ سے متعلق چند سوالات کے جوابات ۶۳۱
۱۱۵۹۷ باقر حسین کے ترکہ سے متعلق چند سوالات کا شرعی حکم ۶۳۶
۱۱۵۹۸ ترکہ کی تقسیم سے متعلق ایک سوال اور جواب ۶۴۱
۱۱۵۹۹ متوفیہ کے ترکے اور بچے کا حکم ۶۴۵
۱۱۶۰۰ جائیداد کی تقسیم میں نزاع اور اس کا حل ۶۴۷

٤٢ كتاب الوصية

١ باب ما يتعلق بنفس الوصية

وصیت کرنا کب واجب ہے؟ اور کب مستحب؟

سوال [۱۱۲۰٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: وصیت کرنافی نفسہٖ مباح ہے اور قیود لگی ہوں، مثلاً اس پر کسی کا قرض ہوتو وصیت کرنا واجب اور مستحب ہے، کیا یہ عبارت درست ہے کیونکہ ایک مولانا صاحب کہہ رہے ہیں کہ وصیت کرنا فی نفسہٖ مستحب ہے اور قیود کے ساتھ واجب ومباح وغیرہ ہے، دونوں میں سے کون سی بات درست ہے؟

المستفتی: مجیب الرحمٰن

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: وصیت کی دو قسمیں ہیں:

(۱) ایسی چیز کی وصیت کرنا جس کی ادائیگی اس کے اوپر لازم ہے، مثلاً کسی سے قرض لے رکھا ہے یا کسی اور طریقہ سے کسی کا حق اس پر لازم ہے تو اس کے ترکہ میں اس حق کی ادائیگی لازم اور واجب ہے، اسی طرح اس کے ذمہ نماز یا روزہ یا حج کا فریضہ باقی ہے تو اس سلسلے میں وصیت کرنا لازم اور واجب ہے، ورنہ اللہ کے یہاں مؤاخذہ دار ہوگا۔

(۲) ایسی چیز کی وصیت جو اس کے اوپر لازم نہیں مثلاً: سرمایہ والا آدمی یہ چاہتا ہے کہ کسی غیر رشتہ دار کو اپنے تمام سرمایہ میں سے کچھ دے کر مالک بنادے، یا اپنے سرمایہ میں سے کچھ مدرسہ یا مسجد وغیرہ میں دینے کا ارادہ ہے تو اس کی وصیت کرنا مستحب ہے واجب نہیں۔

عن سعد بن أبي وقاص رضي الله عنه قال: مرضت عام الفتح مرضا أشفيت منه على الموت فأتاني رسول الله صلى الله عليه وسلم يعودني، فقلت: يا رسول الله! إن لي مالا كثيرا،

وليس يرثني إلا ابنتي فأوصي بمالي كله؟ قال: لا، قلت: فثلثي مالي، قال: لا، قلت: فالشطر؟ قال: لا، قلت: فالثلث؟ قال: الثلث والثلث كثير، إنک إن تذر ورثتک أغنياء خير من أن تذرهم عالة يتكففون الناس. (سنن الترمذي، باب ما جاء في الوصية بالثلث، النسخة الهندية ٢/٣٣ دار السلام رقم: ٢١١٦، صحيح البخاري، باب رثاء النبي ﷺ سعدابن خوله، النسخة الهندية ١/١٧٣رقم: ١٢٨١، ف: ١٢٩٥، صحيح مسلم، كتاب الوصية، النسخة الهندية ٢/٣٩ بيت الأفكار رقم: ١٦٢٨)

الوصية بما عليه من الفرائض والواجبات كالحج والزكاة والكفارات واجبة وفي المواهب تجب على مديون بما عليه لله تعالىٰ أو للعباد. (شامي، كتاب الوصايا، زكريا ١٠/٣٣٦، كراچی ٦/٦٤٨، بدائع الصنائع زكريا ٦/٤٢٤، كراچی ٧/٣٣١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍شعبان ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۷۱۳/۳۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۸/۱۶ھ

عام حالات میں وصیت کرنے کی حیثیت

سوال [۱۱۲۰۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر مرنے والے کے ذمہ دین ہوتو وصیت کرنا واجب ہے اسی طرح دوسری قیودات کے ساتھ سنت وغیرہ ہے، مگر عام حالات میں وصیت کرنے کی کیا حیثیت ہے، بعض کتب مثلاً قدوری وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مستحب ہے اور بعض سے محض جواز معلوم ہوتا ہے، دلیل کے ساتھ تحریر فرمائیں کہ عام حالات میں وصیت کرنے کی کیا حیثیت ہے؟

المستفتی: مجیب الرحمٰن

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: وصیت کی دو قسمیں ہیں:

(۱) وصیت واجبہ: اس کی شکل یہ ہے کہ اگر دوسروں کا حق مریض کے اوپر لازم ہے یا مریض کا حق دوسروں پر لازم ہے یا کوئی اور حقوق دوسروں کے اس کے اوپر لازم ہیں تو ان صورتوں میں وصیت کرنا مریض پر واجب ہے، اور اس طریقے سے صراحت کے ساتھ وصیت لکھ دے کہ فلاں کا اتنا مال یا اتنا پیسہ میرے اوپر لازم ہے، یا فلاں کے اوپر میرا اتنا پیسہ یا دیگر مال لازم ہے تا کہ مرنے کے بعد ورثاء میت کی وصیت کے مطابق میت کا قرضہ ادا کردیں، یا میت کا قرضہ وصول کرلیں، اور میت کے قرض کی ادائیگی میں ثلث مال وغیرہ کی قید نہیں، بلکہ جمیع مال سے میت کا قرضہ ادا کیا جائے گا، اس کو حدیث شریف میں ان الفاظ کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

عن ابن عمر رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال النبی ﷺ: ما حق امرئ مسلم یبیت لیلتین وله ما یوصي فیه إلا ووصیته مکتوبة عنده. (سنن الترمذی، باب ماجاء فی الحث علی الوصیة، النسخة الهندیة ۲/ ۳۲ دار السلام رقم: ۲۱۱۸، صحیح البخاری، کتاب الوصایا، النسخة الهندیة ۱/ ۳۸۲، رقم: ۲۶۵۷، ف: ۲۷۳۸، صحیح مسلم کتاب الوصیة، النسخة الهندیة ۲/ ۳۸-۳۹ بیت الأفکار رقم: ۱۶۲۷)

(۲) وصیت اختیاری واستحبابی: اس کی شکل یہ ہے کہ مریض کے اوپر کسی کا حق لازم نہیں اور نہ ہی دوسروں پر مریض کا حق ہے، بلکہ مریض یہ چاہتا ہے کہ اپنے سرمایہ میں سے کچھ غیر وارث کو مل جائے، یا کارِ خیر میں دیدے، تو اس بات کی اپنی مرضی سے وصیت کرنا ایک امر مستحب ہے، اور میت کے ثلث مال سے اس وصیت کو نافذ کیا جائے گا، جن کتابوں میں وصیت کرنا مستحب لکھا ہے وہاں پر وہی وصیت مراد ہے جو نمبر ۲/ میں درج ہے۔

عن سعد بن أبی وقاص رضی قال: مرضت عام الفتح مرضا أشفیت منه علی الموت فأتانی رسول الله ﷺ یعودنی، فقلت: یا رسول الله! إن لی مالا کثیرا، ولیس یرثنی إلا ابنتی فأوصي بمالی کله؟ قال: لا، قلت: فثلثی مالی، قال: لا، قلت: فالشطر؟ قال: لا، قلت: فالثلث؟ قال: الثلث والثلث

كثير، إنک إن تذر ورثتک أغنياء خير من أن تذرهم عالة يتكففون الناس. (سنن الترمذی، باب ما جاء فی الوصیة بالثلث، النسخة الهندية ٢/٣٣ دار السلام رقم: ٢١١٦، صحيح البخاری، باب رثاء النبی ﷺ سعدابن خوله، النسخة الهندية ١/١٧٣ رقم: ١٢٨١، ف: ١٢٩٥، صحيح مسلم، کتاب الوصية، النسخة الهندية ٢/٣٩ بيت الأفكار رقم: ١٦٢٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/ رجب المرجب ۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۰۵۴)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۸/ ۷/ ۱۴۲۷ھ

عام حالت میں وصیت کرنے کا حکم

سوال [۱۱۲۰۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: وصیت کے متعلق یہ نہ بتایا جائے کہ کن حالات میں واجب اور کن حالات میں مستحب ہے؟ بلکہ صرف یہ بتلایا جائے کہ عام حالات میں وصیت کرنے کی کیا حیثیت ہے؟ آیا فی نفسہٖ مباح ہے یا مستحب ہے؟

المستفتی: مجیب الرحمٰن

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: عام حالات میں وصیت کرنا فی نفسہٖ جائز ہے، لیکن بعض نے استحباب کی بات بھی کہی ہے۔

فالوصية غير واجبة بل جائزة وبه أخذ أبو الليث. (بدائع كتاب الوصية زكريا ٦/٤٢٤، كراچی ٧/٣٣١)

فالقياس يأبى جواز الوصية إلا أنهم استحسنوا جوازها بالكتاب العزيز. (بدائع، كتاب الوصية زكريا ٦/٤٢٢، كراچی ٧/٣٣٠)

الوصية غير واجبة وهي مستحبة، قال ابن الهمام: أقول الحكم

بالاستحباب على الوصية مطلقا لايناسب. (فتح القدير، باب في صفة الوصية، كوئٹه ۹/۴۳۳، زكريا ۱۰/۴۴۳، دار الفكر ۱۰/۴۱۳، البحر الرائق كوئٹه ۸/۴۰۴ زكريا ۹/۲۱۳)

وقد أجمع على الأمر بها لكن مذهب الأربعة أنها مندوبة لا واجبة. (إرشاد الساري، باب الوصايا، دار الفكر ۶/۲۴۶ تحت رقم الحديث: ۲۷۳۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍صفر المظفر ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۸۹۳)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۲/۱۴ھ

وصیت کے ثبوت کی شرط

سوال [۱۱۲۰۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مکان حافظ نور الحسن عرف منن کا تھا، ان کی ایک لڑکی ہے جس کی عمر ساڑھے ۱۹؍سال ہے، نور الحسن کا انتقال ہو گیا ہے، لڑکی کے ایک چچا ہیں، ریاض الحسن وہ کہتے ہیں کہ تمہارے والد یہ مکان ہمارے نام سے وصیت کر گئے ہیں، جبکہ وہ نابالغہ تھی، اب ساڑھے ۱۹؍سال عمر ہے، انتقال سے قبل زمین کی تقسیم ہو گئی تھی، دونوں بھائی کے حق میں برابر برابر، اب چچا کہتے ہیں کہ ہم کو وصیت کر گئے ہیں، تمہارے والد، دریافت طلب امر یہ ہے کہ یہ زمین کس کو ملے گی، کون اس کا حقدار ہے، قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دیں؟

المستفتی: رئیس احمد برولان مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ریاض الحسن کے محض دعویٰ سے وصیت کرنا ثابت نہ ہوگا، بلکہ دو عادل باشرع مرد یا ایسا ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت یا سرکاری رجسٹری کاغذ کا ہونا لازم ہوگا، جس میں نور الحسن اور گواہوں کے دستخط ہوں، اس کے بغیر وصیت کا دعویٰ صحیح نہ ہوگا، اور شرعی وارث کو محروم نہیں کیا جائے گا، نیز ریاض الحسن بھی نور الحسن کا شرعی وارث ہے اور وارث کے حق میں وصیت صحیح نہیں ہوتی ہے، لہٰذا مذکورہ وصیت اگر

معتبر اور ثابت ہوجائے گی تب بھی وارث کے حق میں ہونے کی وجہ سے باطل ہوجائے گی، کیونکہ دوسرے ورثاء اس پر راضی نہیں ہیں۔

عن ابن عباس قال: قال رسول الله ﷺ: لاتجوز الوصية لوارث، إلا إن شاء الورثة. (السنن الكبریٰ للبيهقی، باب نسخ الوصية للوالدين والأقربين الوارثين، دار الفكر ۳۵٦/۹، رقم: ۱۲۷۹۷ – ۱۲۷۹۸، سنن الدارقطنی، دار الكتب العلمية بيروت ۸٦/٤، رقم: ٤۲۵۱)

عن أبی أمامة الباهلی –رضی الله عنه– قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول فی خطبته عام حجة الوداع، إن الله تبارک و تعالیٰ قد أعطیٰ كل ذی حق حقه فلا وصية لوارث. (سنن الترمذی، باب ما جاء لا وصية لوارث، النسخة الهندية ۲/ ۳۲ دار السلام رقم: ۲۱۲۰)

ولاتجوز لوارث لقوله عليه السلام إن الله تعالیٰ أعطیٰ كل ذی حق حقه ...... **لاوصية للوارث.** (هداية كتاب الوصايا رشيديه ٤/ ٦٤۱، اشرفی ديوبند ٤/ ٦۵۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم جمادی الثانیہ ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۵۳۱۲/۳۳)

ضمناً وصیت سے رجوع کرنا

سوال [۱۱۲۱۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میری والدہ صاحبہ نے میرے پاس تین سو روپیہ جمع کیے اور جمع کرتے وقت یہ وصیت کی کہ جب میرا انتقال ہوجائے اور میرے بھائی کفن دفن نہ کریں تو ان پیسوں سے کفن دفن کردینا، اور اگر بھائیوں نے کفن دفن کردیا تو یہ پیسے اپنی بہن کی لڑکی کی شادی میں لگادینا، پھر ایسا ہوا کہ میرے یہاں تنگی آگئی، تو والدہ صاحبہ نے کہا کہ ان پیسوں سے تم اپنی مجبوری رفع کرلو، میں نے کرلی، کچھ عرصہ بعد والدہ صاحبہ کا انتقال ہوگیا، ان کا کفن دفن ان کے

بھائیوں نے کردیا، پھر میری ہمشیرہ نے اپنی لڑکی کی شادی کی ان کو بھی بھات میرے بھائی صاحب نے اچھا دیدیا تھا اور وہ پیسہ میرے ہی پاس رہا، اب سوال یہ ہے کہ جب والدہ صاحبہ نے یہ کہا تھا کہ تم خرچ کرلوتو یہ نہیں کہا تھا کہ ہمیشہ کے لیے رکھ لو، اور نہ یہ کہا تھا کہ میری وصیت کے مطابق عمل کرنا۔

اب دریافت طلب بات یہ ہے کہ وہ تین سو روپیہ والدہ صاحبہ کے کیا کروں آیا بہن کو دیدوں یا نہ دوں، یا قرآن کریم لے کر مسجد و مدرسہ میں برائے ایصالِ ثواب والدہ صاحبہ دیدوں، کیا کروں؟ شریعت سے جو حکم ہو تحریر فرمادیں جس سے مجھ پر کوئی وبال نہ رہے۔

المستفتی: خورشید فاطمہ عمرہ بجنور یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مسئولہ میں جب تنگدستی کے وقت والدہ صاحبہ نے وصیت کی ہوئی رقم خرچ کرنے کی اجازت دیدی تو اس اجازت دینے میں ضمناً وصیت سے رجوع پایا جارہا ہے، لہٰذا یہ رقم آپ کے لیے عطیہ ہوگئی ہے،، اب آپ پر کوئی چیز لازم نہیں ہے، نہ وہ رقم بہنوں کو دینا ضروری ہے اور نہ ہی قرآن کریم وغیرہ لے کر مسجد و مدرسہ میں دینا ضروری ہے، بلکہ آپ کو اختیار ہے پھر بھی اگر قرآن کریم وغیرہ خرید کر مسجد یا مدرسہ میں وقف کردیا جائے تو آپ کے اور آپ کی والدہ صاحبہ کے حق میں صدقۂ جاریہ ہونے کی وجہ سے بہتر ہوگا

قال: وإذا صرح بالرجوع أو فعل ما يدل على الرجوع كان رجوعا أما الصريح فظاهر وكذا الدلالة لأنها تعمل عمل الصريح فقام مقام قوله قد أبطلت. (هدايه، كتاب الوصايا، باب فى صفة الوصية اشرفى ٤/ ٦٦٠، مختصر القدورى ص: ٢٨٥، هنديه زكريا قديم ٦/ ٩٢، جديد ٦/ ١٠٩) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ / جمادی الاولیٰ ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۴۰۴۴)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/۵/۲۹ھ

رضامندی کا اعتبار کس وقت ہے؟

سوال [۱۱۲۱۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کے ۵/ لڑکے ہیں ایک لڑکا زید کی زندگی میں انتقال کرجاتا ہے، اس کے دو لڑکے ہیں زید نے اپنے بڑے لڑکے کو کچھ دے کر راضی کرلیا، پھر وصیت نامہ لکھا کہ میں نے ایک لڑکے کو تو جو کچھ دینا تھا وہ دیدیا، اور بقیہ میرے تین لڑکے کی اولاد میں برابر برابر تقسیم کردیں، اور اسی وصیت نامہ پر بڑے لڑکے کی دستخط بھی ہے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ وراثت کس طرح تقسیم ہوگی؟ بڑے لڑکے کو بھی حصہ ملے گا یا نہیں؟

المستفتی: حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالجبار صاحب مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بڑے لڑکے کی رضامندی کا اعتبار زید کے مرنے کے بعد ہے، زندگی میں راضی ہونے کا اعتبار نہیں۔

عن ابراهيم قال: إذا أوصى الرجل بوصية لوارث فأجاز الورثة قبل أن يموت ثم رجع الورثة بعد موته فهم على رأس أمرهم. (المصنف لابن أبي شيبة، مؤسسة علوم القرآن ١٦/١٤٢، رقم: ٣١٣٦٥)

ولاتعتبر إجازة الورثة في حال حياة الموصى حتى كان لهم أن يرجعوا بعد موت الموصى. (مجمع الأنهر، كتاب الوصايا، دار الكتب العلمية بيروت ٤/٤١٩، مصري قديم ٢/٦٩٢، هدايه اشرفی ٤/٦٥٥، بدائع الصنائع زكريا ٦/٤٨٣، كراچی ٧/٣٧٠)

إن إجازتهم في حال حياة المورث ساقطة؛ لأن إجازتهم في ذٰلك الوقت غير معتبرة أصلا. (فتح القدير زكريا ١٠/٤٤٨، دار الفكر ١٠/٤١٧، کوئٹه ٩/٣٤٧)

صلبی لڑکوں کی موجودگی میں پوتے وصیت کے باوجود شرعی وارث نہیں ہوسکتے، البتہ اگر پوتوں کے حق میں اجنبی کی طرح وصیت کرجائے تو ایک ثلث یا اس سے کم میں وصیت نافذ ہوسکتی ہے۔

عن عامر بن سعد، عن أبيه رضي الله عنه قال: مرضت، فعادني النبي

صلی اللہ علیہ وسلم -إلی- قلت: أرید أن أوصی بالنصف؟ قال: النصف کثیر، قلت: فالثلث؟ قال: الثلث کثیر أو کبیر، قال: فأوصی الناس بالثلث، فجاز ذٰلک لهم. (صحیح البخاری، باب الوصیة بلثلث، النسخة الهندیة ۱/۳۸۳، رقم: ۲٦٦۳، ف: ۲۷٤٤)

وتصح الوصیة بالثلث للأجنبی وإن لم یجیزوا. (مجمع الأنهر، کتاب الوصایا، دار الکتب العلمیة بیروت ٤/٤۱۹، مصری قدیم ۲/٦۹۲) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/ذی قعدہ ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/۳۶۲)

وصیت نامہ رجسٹری نہ ہوا ہو تو کیا حکم ہے؟

سوال [۱۱۲۱۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: حاجی امام بخش ولد خیر اللہ قوم قصاب محلّہ اصالت پورہ مرادآباد کے تین لڑکے تھے: مولیٰ بخش، علی بخش، ولی محمد، اور امام بخش کی موجودگی میں ولی محمد کا انتقال ہوگیا اور ولی محمد کا ایک لڑکا نیاز محمد موجود تھا تو حاجی امام بخش نے اپنے بیٹے مولیٰ بخش کو ذمہ دار بنایا کہ اپنے پوتے نیاز محمد کے حق میں کل دولت میں سے ایک ہزار روپیہ کی وصیت کردیں، یہ ۱۸۹۷ء کی بات ہے اور حاجی امام بخش اس وقت اپنے ضعف اور بیماری کی وجہ سے سرکاری کاغذات کچہری جاکر نہیں بنا سکتے تھے، اس لیے اپنے بیٹے مولیٰ بخش کو اختیار دیا کہ ایک ہزار روپیہ کی مالیت نیاز محمد کے لیے وصیت میں رجسٹری کردیں اور اپنے بیٹے علی بخش کے ذریعہ سرکاری اسٹام خرید کر وصیت نامہ سرکاری کاغذ پر لکھ دیا، مگر اس کی رجسٹری نہیں ہو پائی، وصیت نامہ سوالنامہ کے ساتھ منسلک ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ حاجی امام بخش نے اپنے پوتے نیاز محمد کے لیے جو وصیت کی ہے یہ شرعی نقطۂ نظر سے صحیح ہے یا نہیں؟ اور آج سے ۹۷ سال پہلے کی ایک ہزار روپیہ کی مالیت پر وصیت جاری ہوچکی ہے یا نہیں؟ جو بھی شرعی حکم ہو دلائل کے ساتھ تحریر فرمائیں۔

نوٹ: اس سے پہلے مدرسہ شاہی مرادآباد سے مولیٰ بخش اور علی بخش کے وارثین نے وصیت نامہ کو ظاہر نہ کرکے صرف ولی محمد کو باپ کی موجودگی میں مرجانا دکھا کر فتویٰ حاصل کیا ہے جس میں مفتی صاحب نے سوال کے مطابق ولی محمد کے لڑکے نیاز محمد کو محروم قرار دیا ہے، اب یہ سوال وضاحت کے ساتھ لکھا جارہا ہے۔

المستفتی: صغیر احمد ظہیر احمد اصالتپورہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ۲۳؍محرم الحرام ۱۴۱۵ھ کو اسی واقعہ سے متعلق ایک سوال آیا تھا جس میں ولی محمد کے لڑکے نیاز محمد کے حق میں وصیت کا کوئی تذکرہ نہیں تھا، اس لیے اس میں سوال کے مطابق نیاز محمد کو محروم قرار دیا گیا تھا، اور اب وصیت نامہ کے ثبوت کے ساتھ سوال آیا ہے، اس لیے اس کا جواب دوسرا ہوگا کہ سرکاری اسٹامپ پر تحریر شدہ مذکورہ وصیت نامہ اگرچہ رجسٹری نہیں ہوا ہے مگر شرعی اعتبار سے یہ وصیت نامہ معتبر ہوگا اس لیے ولی محمد کے لڑکے نیاز محمد کے حق میں اس کے دادا نے جو وصیت کی ہے وہ شرعی طور پر صحیح ہے، لہٰذا اگر ایک ہزار کی مالیت تہائی مال سے کم ہے تو ایک ہزار کی مالیت پر وصیت جاری ہوکر نیاز محمد کو پورے ایک ہزار مل جائیں گے، اور اگر ایک ہزار کی مالیت تہائی مال سے زائد ہے تو صرف ایک تہائی مالیت پر وصیت جاری ہوگی، اور نیاز محمد اسی ایک تہائی کا حقدار ہوجائے گا۔

عن عامر بن سعد، عن أبیه رضی الله عنه قال: مرضت، فعادنی النبی صلی اللہ علیہ وسلم –إلی– قلت: أرید أن أوصی بالنصف؟ قال: النصف کثیر، قلت: فالثلث؟ قال: الثلث کثیر أو کبیر، قال: فأوصی الناس بالثلث، فجاز ذٰلک لهم. (صحیح البخاری، باب الوصیة بالثلث، النسخة الهندیة ۱/۳۸۳، رقم: ۲۶۶۳، ف: ۲۷۴٤)

ولاتجوز بما زاد علی الثلث. (هدایه، کتاب الوصایا اشرفی ٤/٦٥٤) **فقط** واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍صفر المظفر ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۳۸۶۹)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/۲/۱۸ھ

زبانی وصیت کی ایک جائزشکل

سوال [۱۱۲۱۴۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ساجدہ کا انتقال ہوا، ساجدہ نے دوکمرے اوران کمروں کے برابر ایک دوکان آبادی میں اوردودوکانیں بازارمیں چھوڑیں، ساجدہ کا یہ کہنا تھا کہ آبادی والے کمروں اور دوکان میں میراج اوردرسگاہ بنے گی، اولاد سے ساجدہ نے کہا اپنے انتقال سے دو ماہ قبل، لیکن یہ بات ایک وارث کے سامنے کہی اور دیگر وارث موجودنہیں تھے،ویسے ساجدہ کہتی یہی تھی کہ آبادی والے کمرے اوردوکان میں میراج اوردرسگاہ بنے گی اور بازارکی دوکانوں کے لیے کہتی تھی کہ تم آپس میں سب وارث تقسیم کرلینا۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ یہ وصیت ساجدہ کی صرف دوکمروں اورایک دوکان آبادی والی میں چلے گی یابازار والی میں بھی چلے گی، اور دونوں جگہوں کی جائیداد ملا کرتہائی مال لگایا جائے گا یاصرف آبادی والی جائیداد میں تہائی مال میں یہ وصیت چلے گی،اورتہائی مال میں حج اوردرسگاہ بنوائی جائے گی، یا کل روپیہ آبادی والے کمروں کا حج اوردرسگاہوں میں صرف ہوگا اوردوکانیں بازاروالی الگ رہ جائیں گی ،کیا صورت ہوگی ؟

ساجدہ کے وارث یہ ہیں: شوہر، ۶ رلڑکے، ایک لڑکی،

المستفتی: سعیداحمدغفرلہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زبانی وصیت کا بھی اعتبار ہوتا ہے،بشرطیکہ تمام وارثین اس کی تصدیق کرتے ہوں،لہٰذا سوالنامہ میں جس وصیت کا ذکر ہے اس کو نافذ کرنے میں تمام وارثین متفق ہوں،تواس کے نافذ کرنے کی صورت یہ ہے کہ اگرحج اوردرسگاہ آبادی والے کمرے اور دوکان کے پیسہ سے بنائی جاسکتی ہےاور وہ کل ترکہ کی تہائی کے اندر ہےتو صرف اسی سے حج بھی کرایا جائے اوردرسگاہ بھی بنائی جائے اوراگرآبادی والے کمرے اور دوکان کی قیمت کل ترکہ کی ایک تہائی سے بہت زیادہ ہےتو یہ کمرے اور دوکان کل کے کل

وصیت میں داخل نہ ہوں گے، بلکہ کل ترکہ کی ایک تہائی کی مقدار وصیت میں داخل ہوسکتی ہے اور اگر یہ کمرے اور دوکان کل ترکہ کی ایک تہائی سے بہت ہی کم ہے، اور حج اور درسگاہ ان کی قیمت سے پوری نہیں ہوتی ہے تو ایک تہائی مقدار کے اندر رہ کر بازار والی دوکانوں سے بھی اس کام کے لے لینے کی اجازت ہے۔

عن عامر بن سعد، عن أبيه رضي الله عنه قال: مرضت، فعادني النبي صلى الله عليه وسلم -إلي- قلت: أريد أن أوصى بالنصف؟ قال: النصف كثير، قلت: فالثلث؟ قال: الثلث كثير أو كبير، قال: فأوصى الناس بالثلث، فجاز ذلك لهم. (صحيح البخاري، باب الوصية بالثلث، النسخة الهندية ١/٣٨٣، رقم: ٢٦٦٣، ف: ٢٧٤٤)

عن إبراهيم النخعي قال: إذا أوصىٰ بحج أو زكاة فهي من الثلث حج أو لم يحج. (السنن الكبرىٰ للبيهقي، باب الوصية بالحج، دار الفكر ٩/٣٧٩، رقم: ١٢٨٦٨، المصنف لابن أبي شيبة، مؤسسة علوم القرآن بيروت ١٦/١٦٣، رقم: ٣١٤٦٨)

ولا تجوز بما زاد على الثلث لقول النبي صلى الله عليه وسلم في حديث سعد بن أبي وقاص رضي: الثلث كثير (وقوله) إلا أن يجيزها الورثة بعد موته. (هدايه، كتاب الوصية، باب في صفة الوصية، اشرفي ٤/ ٦٥٤- ٦٥٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍محرم الحرام ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۵۷۶)

جعلی وصیت نامہ کوگرفت کرنے کی ایک شکل

سوال [۱۱۲۱۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جلال الدین کا انتقال ہوگیا، ان کے ورثاء میں دولڑکے جمال الدین، کمال الدین، چھ لڑکیاں: صاحبزادی بیگم، شمشادی بیگم، دلشادی بیگم، سکندر بیگم، منی بیگم، روبانہ بیگم ہی۔

۲۴؍ستمبر ۱۹۸۱ء میں والد کا انتقال ہوگیا تھا، پھر ۱؍ اکتوبر ۱۹۸۱ء کو ایک کاغذ اسٹامپ

پر یہ تحریر لکھی گئی، کہ میرے والد جلال الدین نے مرنے سے قبل یہ وصیت کی تھی کہ میرے مرنے کے بعد میرا مسکونہ مکان میرے دونوں لڑکوں کو ملے گا، ان کے مرنے کے بعد وصیت کے مطابق ہم مقرات بحالت صحت نفس وثبات عقل خوب سوچ سمجھ کر بذریعہ تحریر ہذا اقرار کرتی ہیں کہ وصیت مذکورہ صحیح ہے، اس کے نفاذ میں ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہے، بموجب وصیت مذکورہ ہمارے ہر دو برادران جمال الدین وکمال الدین مالکان ہیں ہم یا ہمارا کوئی وارث اب یا آئندہ وصیت مذکورہ کے خلاف معترض نہیں ہوگا۔

دریافت یہ کرنا ہے کہ شرعاً یہ وصیت صحیح تھی یا نہیں، اور جب بہنوں نے تحریر لکھدیا اور اپنے سہام سے دستبردار ہوگئیں اور کاغذ پر دستخط کردیئے صرف ایک بہن سکندر پروین کے دستخط کسی وجہ سے نہیں ہوسکے تھے تو یہ مکان بھائیوں کا ہوگیا، یا سب بھائی بہنوں کو شریعت کے مطابق اب حصہ ملے گا، اب بہنیں اتنے عرصہ کے بعد اپنا اپنا حصہ طلب کررہی ہیں، شرعی حکم کیا ہے؟

المستفتی: جمال الدین تمبا کو والان مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: وصیت نامہ خود بتلا رہا ہے کہ یہ جعلی وصیت نامہ ہے اس لیے کہ مالک اپنی زندگی میں بحالت ہوش وحواس اپنی ملکیت کے بارے میں خود لکھتا ہے اور یہاں مالک کے مرنے کے بعد لڑکوں نے باپ کی طرف سے خود اپنے حق میں لکھا ہے، ایسا وصیت نامہ شرعاً معتبر نہیں ہے، اگر باپ نے اپنی زندگی میں اپنی مرضی سے لکھا ہوتا اور تمام بیٹیاں اپنی رضامندی سے باپ کے وصیت نامہ پر دستخط کردیتیں تب اس کا اعتبار کیا جاسکتا تھا، اصل مسئلہ تو یہ ہے کہ وارثین کے حق میں وصیت درست نہیں ہے، لیکن دوسرے ورثاء کی رضامندی سے درست ہے، اور یہاں جو وصیت نامہ لکھا گیا ہے وہ خود مورث کی طرف سے نہیں ہے اس لیے وصیت نامہ کا اعتبار نہیں ہے۔

عن ابن عباس قال: قال رسول اللہ ﷺ: لاتجوز الوصیة لوارث، إلا إن شاء الورثة. (السنن الکبریٰ للبیهقی، باب نسخ الوصیة للوالدین والأقربین الوارثین،

دار الفکر ۹/۳۵٦، رقم: ۱۲۷۹۷ - ۱۲۷۹۸، سنن الدار قطنی، دار الکتب العلمية بیروت ٤/۸٦، رقم: ٤٢٥١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍جمادی الثانیہ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۱۴۱/۶۷٦۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۷/۶/۱۴۲۱ھ

زندگی میں وصیت کا تبصرہ نہ کرنے کا حکم

سوال [۱۱۲۱۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) میری بہن کا نام رشیدہ طلعت ہے اس کی تاریخ وصال ۷؍اکتوبر ۲۰۰۹ء ہے، میری بہن بہنوئی کے کوئی اولاد نہیں ہے، میری بہن کا ایک بھائی حیات ہے، اور شوہر عقیل احمد ہے۔

(۲) پھر میرے بہنوئی عقیل احمد کا انتقال ۱۵؍جنوری ۲۰۱۳ء کو ہو گیا میرے بہنوئی کا ایک بھائی ہے، شکیل احمد اور چار بہنیں ہیں، مبین فاطمہ، رئیس فاطمہ، ممتاز فاطمہ، ریاض فاطمہ، بہنوئی کی اپنی ذاتی خریدی ہوئی یا ان کے والد محترم کی طرف سے دی ہوئی کوئی ملکیت نہیں ہے، بہن رشیدہ طلعت کو والد مرحوم کے ذاتی مکان کا ایک تہائی سے زیادہ حصہ بذریعۂ عدالت دیدیا گیا تھا، بہن کے مکان کا رقبہ ۵۷۵ مربع فٹ ہے، بہن نے اپنی حیات میں اپنے مکان کا نہ کسی کو وارث بنایا اور نہ کسی کے نام لکھا، بہن کافی زمانہ سے بیمار چل رہی تھی، بہن بہنوئی نے ایک بالغہ لڑکی جس کا نام روشنی بنت ممتاز فاطمہ (بہنوئی کی بہن) کو اپنی خدمت کے لیے رکھ لیا تھا، بہنوئی کے انتقال کے بعد وہ لڑکی جو کچھ عرصہ سے خدمت کرتی تھی یہ کہتی ہے کہ یہ مکان آپ کے بہنوئی صاحب نے میرے نام بذریعۂ وصیت نامہ ۸؍جولائی ۲۰۰۴ء کو کر دیا تھا، وصیت نامہ کی ایک کاپی (یہ وصیت نامہ فرضی ہے) منسلک ہے، ہبہ زبانی یادداشت کے نام سے بہن کی طرف سے بہنوئی کو جواب بہنوئی کے انتقال کے بعد دکھایا ہے وہ بھی فرضی ہے، اس کی ایک کاپی منسلک ہے۔

المستفتی: انجینئر غلام حسین شوکت باغ مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب بہن بہنوئی کی زندگی میں وصیت کا کوئی تبصرہ نہیں ہوا ہے اوران کی وفات کے بعد وصیت کی بات پیش کی جارہی ہے تو اس پرثبوت شرعی لازم ہے، آخر اس کی وجہ کیا ہے کہ ان کی زندگی میں وصیت کا تذکرہ کیوں نہیں آیا، اس لیے منسلک وصیت نامہ فرضی معلوم ہوتا ہے لہٰذا اس پرحکم شرعی نہیں لگایا جاسکتا اور رشیدہ طلعت کا زبانی ہبہ کرنے کا جو تذکرہ ہے اس میں صرف یہ لکھا ہے کہ گواہان اور عزیزوں کی موجودگی میں ہبہ کیا ہے، لیکن اس ہبہ نامہ میں نہ کسی گواہ کا نام موجود ہے اور نہ ہی عزیزوں میں سے کسی کا نام ہے، اور نہ کسی گواہ کے دستخط موجود ہیں، اور ہبہ نامہ لکھنے کا جو ضابطہ اور اصول ہے یہ تحریر اس سے بالکل ہٹی ہوئی ہے، اس لیے یہ ہبہ نامہ بے ثبوت ہوگا، اور شرعی ثبوت کے بغیر کوئی حکم نہیں لگایا جاسکتا، لہٰذا مذکورہ جائیداد رشیدہ طلعت کے وارثین کے درمیان شرعی طور پر تقسیم ہوگی، اور سوالنامہ کے مطابق وارثین میں شوہر اور ایک حقیقی بھائی ہے اس لیے پوری جائیداد دو حصوں میں تقسیم ہوکر نصف حصہ شوہر کو ملے گا، اور نصف حصہ حقیقی بھائی غلام حسین کو ملے گا اور اس کے بعد شوہر عقیل احمد کا انتقال ہوا تو اس کا آدھا حصہ اس کے حقیقی وارثین کے درمیان تقسیم ہو جائے گا، اور اس کے حقیقی وارثین میں ایک بھائی اور چار بہنیں ہیں، لہٰذا اس کا نصف حصہ چھ میں تقسیم ہوکر بھائی کو دو ملیں گے، اور چاروں بہنوں کو ایک ایک مل جائے گا، لہٰذا مذکورہ جائیداد درج ذیل نقشہ کے مطابق تقسیم ہوگی۔

۱۲
۲

رشیدہ طلعت میتہ

شوہر عقیل احمد — بھائی غلام حسین

۱ — ۱/۶

۶ — تداخل

عقیل احمد میت

بھائی	بہن	بہن	بہن	بہن
شکیل احمد	مبین فاطمہ	رئیس فاطمہ	ممتاز فاطمہ	ریاض فاطمہ
۲	۱	۱	۱	۱

۱۲
المبلغ
الأحیاء

سہام	غلام حسین	شکیل احمد	مبین فاطمہ	رئیس فاطمہ	ممتاز فاطمہ	ریاض فاطمہ
	۶	۲	۱	۱	۱	۱

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۰۸۳)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۵/۳ھ

تعلیق بالشرط سے وصیت کا عدم بطلان

سوال [۱۱۲۱۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ محمد صدیق مرحوم نے یہ وصیت کی ہے کہ میرے مرنے کے بعد میری ساری جائیداد کی مالک میری بیوی ہوگی، بیوی کی موت کے بعد میرا بھانجہ اقبال حسین مالک ہوگا، جبکہ محمد صدیق کی بوقت وفات دو بہنیں بھی موجود تھیں، تو کیا اقبال حسین کے حق میں وصیت درست ہوگی؟ جو بیوی کی موت پر معلق رکھا ہے، یا اس تعلیق کی وجہ سے وصیت اقبال حسین کے حق میں باطل ہے؟

المستفتی: افضل حسین تحصیل اسکول بڑھیا والی مسجد مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: وصیت معلق کرنے سے باطل نہیں ہوئی، لیکن چونکہ بیوی شرعاً وارث ہے اور شریعت میں دوسرے وارثین کی موجودگی میں وارث کے حق

میں وصیت نافذ نہیں ہوتی، اس لیے بیوی کو ساری جائیداد نہیں مل سکتی، اور اقبال حسین چونکہ شرعاً وارث نہیں ہے اس لیے اس کے حق میں وصیت درست ہے، مگر ساری جائیداد میں وصیت درست نہ ہوگی، بلکہ کل جائیداد کو تین حصوں میں تقسیم کر کے ایک حصہ وصیت کی بنا پر اقبال حسین کو بیوی کے مرنے کے بعد ملے گا، اور بیوی کے مرنے تک وہ حصہ بیوی کے قبضہ میں رہے گا، بعد وفات اقبال حسین کو ملے گا، اب کل جائیداد میں سے ایک ثلث اقبال حسین کے لیے الگ کر لینے کے بعد باقی دو ثلث ۸؍سہام میں تقسیم ہو کر بیوی کو ۲؍سہام اور دونوں بہنوں کو تین تین سہام ملیں گے، اور اگر بیوی کا کوئی شرعی وارث نہیں ہے اور اس نے اپنا حصہ اقبال حسین کو دینے کے لیے کہا ہے تو بیوی کے دو سہام بھی اقبال حسین کو ملیں گے، اور بہنوں کے سہام میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۴/۲۸۳)

والوصية تارة تكون منجزة و تارة معلقة بشرط فيجب أن يعلم بأن تعلق الوصية بالشرط جائز . (البحر الرائق، كتاب الوصايا كوئٹه ٨/٤٠٥، زكريا ٩/٢١٤ وهكذا فى المغنى لابن قدامه ٦/٩٠، رقم: ٤٦٦٣)

وقال أبو حنيفةؒ إذا قال أوصيت أن يخدم عبدى فلانا سنة ثم هو لفلان فقال فلان لا أقبل الوصية قال يخدم الورثة سنة (إلى قوله) فإن مات فلان خدم تمام السنة للورثة ثم يدفع إلى الوصى له بعد تمام السنة. (البحر الرائق، كتاب الوصايا زكريا ٩/٢١٥، كوئٹه ٨/٤٠٥)

ولأن الشرط الفاسد فى معنى الربا وهو يعمل فى المعاوضات دون التبرعات . (هدايه، كتاب الهبة، باب مايصح رجوعه و مالايصح، اشرفى ٣/٢٩٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍محرم الحرام ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۵۹۵/۲۵)

موصی کی زندگی میں موصیٰ لہ کی موت

سوال [۱۱۲۱۷]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ چند لوگوں نے مل کر کچھ خاص خاص مقدار پیسہ جمع کر کے ایک شرکت کی سوسائٹی قائم کی اوراس میں جو نفع ہوتا ہے وہ اپنے اپنے حصوں کے تناسب سے سب کو مل جاتا ہے، اور اگر گھاٹا ہو جائے تو اس میں سب شریک ہو جاتے ہیں، تو ایسی سوسائٹی میں جناب عزیز احمد مرحوم بھی شریک تھے، اتفاق سے انہوں نے اپنی بیوی کو زندگی میں طلاق دیدی اور اولاد بھی پیدا نہ ہوئی، تو عزیز احمد نے بحالت صحت اپنی شرکت اپنے بڑے بھائی عبداللطیف کے نام کردی، کہ میرے مرنے کے بعد اس سوسائٹی میں عبداللطیف شریک رہے گا، لیکن اتفاق سے ایسا ہوا کہ پہلے عبداللطیف کا انتقال ہوگیا، پھراس کے بعد عزیز احمد کا انتقال ہوا، اب سوال طلب امر یہ ہے کہ عزیز احمد کا ایک اور بھائی ہے بنام علی احمد، یہ چاہتا ہے کہ عزیز احمد کی شرکت مجھے مل جائے اور عبداللطیف کی بیوی یہ چاہتی ہے کہ چونکہ میرے شوہر کے نام کردیا ہے، اس لیے مجھے ملنا چاہیے؟ اب شریعت کا جو حکم ہو وہ تحریر فرمادیں۔

المستفتی: سکینہ بیگم پیرزادہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عزیز احمد کا اس طرح نام کردینا کہ میرے مرنے کے بعد عبداللطیف اس سوسائٹی میں شریک رہے گا یہ وصیت شرعاً دو وجہوں سے باطل ہے۔

(۱) عبداللطیف عزیز احمد کا شرعی وارث ہے، اور وارث کے لیے وصیت شرعاً درست نہیں ہے۔

عن أبی أمامة الباهلی -رضی الله عنه- قال: سمعت رسول الله ﷺ یقول فی خطبته عام حجة الوداع، إن الله تبارک وتعالیٰ قد أعطیٰ کل ذی حق حقه فلا وصیة لوارث. (سنن الترمذی، باب ما جاء لا وصیة لوارث، النسخة الهندیة ۲/ ۳۲، دار السلام رقم: ۲۱۲۰)

(۲) موصی کے انتقال سے پہلے موصیٰ لہ کا انتقال ہو چکا ہے، تو شئ موصیٰ بہ مالک کی ملکیت کی طرف لوٹ گئی ہے، اس لیے مذکورہ وصیت شرعاً درست نہیں ہے، اور سارا حق عزیز کا شرعی وارث علی احمد کو مل جائے گا۔

وقبول الوصية بعد الموت (وقوله) فإن قبلها موصىٰ له في حال الحياة أو ردها فذٰلک باطل. (الجوهرة النيرة، كتاب الوصايا، امداديه ملتان ۲/ ۳۹۱، دار الكتاب ديوبند ۲/ ۳۷۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/ محرم الحرام ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۲۱۰۰)

شئ موصیٰ بہ کو اپنی ملکیت سے خارج کرنے کا حکم

سوال [۱۱۲۱۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسماۃ شکوراً بیوی محمد حسین جسپور نے وصیت کی کہ میرے مکان کا نصف حصہ میرے مرنے کے بعد مسجد کو دیدیا جائے، کچھ عرصہ کے بعد اپنے لڑکے سے ناراضی ختم ہوگئی، اور مسماۃ مذکورہ نے مکان کی رجسٹری لڑکے کے نام کرادی، اور یہ کہہ دیا کہ اس کی قیمت مسجد کو دیدینا، مسماۃ مذکورہ کا انتقال ہوگیا۔

سوال یہ ہے کہ لڑکے پر رقم مسجد کو دینا لازم ہے یا نہیں؟ یا رقم دینا استحسانا ہے، نیز اس مسجد کے علاوہ اس بستی میں ایک دوسری مسجد اور تعمیر ہوئی ہے جس پر کافی قرض ہوگیا ہے حتی کہ تعمیری قرض ابھی تک ادا نہیں ہوا ہے، اور لڑکا اس دوسری مسجد مقروض کی زیادہ ضرورت دیکھ کر چاہتا ہے کہ اس کے ذریعہ مسجد کا قرض ادا ہو جائے اور پہلی مسجد کا معاملہ ایسا نہیں ہے، لہٰذا صورت مسئولہ میں مسجد مقروض کو نصف یا اس سے کم وزیادہ دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

جواب باصواب سے مطلع فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

المستفتی: محمد شفیع غفرلہ محلّہ علی خاں کاشی پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: وصیت کے بعد اگر موصی کسی بھی طریقے سے عین اور شیٔ موصیٰ بہ کو اپنی ملکیت سے نکال دے تو وصیت ختم ہوجاتی ہے، لہٰذا مذکورہ صورت میں جب مسماۃ مذکورہ نے اپنے بیٹے سے راضی ہوکر مکان مذکور بیٹے کے نام رجسٹری کرکے مالک بنا دیا تو مذکورہ مسجد کے حق میں وصیت باطل ہوچکی ہے، اب بیٹے کا مسجد کو دینا احسان اور تبرع ہوگا، اور جس کو چاہے دے سکتا ہے۔

ولو أوصیٰ بعبده لفلان ثم کاتبه أو دبره أو أخرجه عن ملکه بوجه من الوجوه کان رجوعا حتی لو عاد إلی ملکه لایکون وصیة. (عالمگیری، کتاب الوصایا الباب الأول زکریا قدیم ٦/٩٣، جدید ٦/١١٠)

ولو باع العین الموصیٰ بها ثم اشتراها أو وهبها ثم رجع فیها بطلت الوصیة. (هندیه جدید زکریا ٦/١٠٩، قدیم ٦/٩٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍ربیع الاول ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۲۱۵۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۱۱/۳/۷ھ

قریب المرگ وصیت کرنا

سوال [۱۱۲۱۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص اپنی زندگی میں وراثت کو غیر شرعی طریقے سے اپنے وارثین میں وصیت کے نام سے تقسیم کردیتا ہے کہ یہ تو لے لینا۔

اسی میں جواب طلب بات یہ ہے کہ آیا قریب المرگ انسان کے لیے اپنی وراثت کی وصیت یا وقف اپنے وارثین کے لیے جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ وہ اس میں انصاف بھی نہیں کرپاتا کسی کو زیادہ دیتا ہے تو کسی کو کم دیتا ہے، اگر یہ جائز نہیں ہے تو کیا شکل ہوگی کہ اس کی خواہش بھی پوری ہوجائے کہ زندگی ہی میں ہر وارث کو اس کا حق وراثت بتا دیا جائے، اس میں یہ بھی واضح کریں کہ

زندگی میں تقسیم وراثت کرتے وقت لڑکے اور لڑکی کو برابر رکھا جائے یا نہیں؟ اگر کوئی شخص ناجائز طریقے سے اپنی زندگی میں شرعی مسائل کا خیال نہ کرکے اس کے خلاف وصیت نامہ لکھ دے کہ میرا فلاں لڑکا اس کا مالک ہے اور فلاں لڑکا اس کا مالک ہے، اور فلاں لڑکی اس کی مالک ہے، تو اس کے مرنے کے بعد اس وصیت نامہ کا اعتبار ہوگا یا نہیں؟ اگر نہیں ہوگا تو اس کے وارثین پر اس وقت موت کے بعد کیا واجب ہوتا ہے؟ آیا اسلامی فتویٰ کے مطابق دوبارہ تقسیم کریں یا نہیں؟ اگر دوبارہ تقسیم واجب ہوتی ہے اور جن کو زیادہ مال وصیت نامہ میں ملا ہے وہ اس دوبارہ تقسیم کو نہ مانے اور کہہ دے کہ جو ہمارے باپ کہہ کر مرے ہیں وہ صحیح ہے، اور کے فتویٰ کو ہم نہیں مانتے تو اس شکل میں گناہ مرنے والے پر ہوگا یا اس دوبارہ تقسیم کرنے کو نہ ماننے والوں پر ہوگا؟

المستفتی: عطاء اللہ مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: وارثین کے لیے وصیت جائز نہیں ہے، اگر زندگی میں میراث تقسیم کرنا ہے تو لڑکیوں کو لڑکوں کے برابر دینا لازم ہے، ورنہ باپ گنہگار ہو جائے گا۔

عن أبی أمامة الباهلی –رضی الله عنه– قال: سمعت رسول الله ﷺ یقول فی خطبته عام حجة الوداع، إن الله تبارک و تعالیٰ قد أعطیٰ کل ذی حق حقه فلا وصیة لوارث. (سنن الترمذی، باب ما جاء لا وصیة لوارث، النسخة الهندیة ۲/ ۳۲ دار السلام، رقم: ۲۱۲۰)

فسویٰ بینهم یعطی البنت کالابن عند الثانی وعلیه الفتویٰ، ولو وهب فی صحته کل المال للولد جاز و أثم. (در مختار، کتاب الهبة زکریا ۸/ ۵۰۱، کراچی ۵/ ۶۹٦، قاضیخان زکریا جدید ۳/ ۱۹٤، وعلی هامش الهندیة ۳/ ۲۹۷، هندیه زکریا قدیم ٤/ ۳۹۱، جدید ٤/ ٤۱٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/ رمضان المبارک
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۵۹۷)

۲ باب ما یجوز من الوصایا و مالایجوز

اپنا کل مال فلاحی کاموں میں لگانا

سوال [۱۱۲۲۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص جولا ولد ہے، اور گود لیا ہوا ایک بچہ رکھتا ہے، اور وہ اپنی ساری جائیداد اس گود لیے ہوئے بچہ کو دینا چاہتا ہے، یا اس کا کچھ حصہ یا کل فلاحی کاموں میں لگا دینا چاہتا ہے، کیا اس کو ایسا کرنے کا حق ہے، جبکہ اس کے جائز ورثاء موجود ہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مذکورہ شخص بحالت صحت وبحالت ہوش و حواس اپنا مال لے پالک کو دینا چاہتا ہے یا کل مال فلاحی کاموں میں خرچ کر دینا چاہتا ہے تو اس کے لیے جائز اور درست ہے، ہاں مرض الموت میں جائز نہیں ہے، البتہ مرض الموت میں صرف ایک ثلث میں ایسا کرنا جائز ہوتا ہے۔

المالک هو المتصرف فی الأعیان المملوكة كيف شاء من الملک. (بیضاوی شریف رشید ۱/۷)

الملک ما من شانه أن يتصرف فيه بوصف الاختصاص. (شامی مطلب: فی تعریف المال زکریا ۷/۲۳۵، کراچی ۵/۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱/ ربیع الثانی ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴۱۲/۲۹)

وصی کا اپنی جائیداد اللہ کی راہ میں دینا

سوال [۱۱۲۲۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: مرنے والے کی وصیت تھی کہ میرے مرنے کے بعد میرا کفن دفن یعنی میت کا جملہ خرچ میرے ہی پیسہ سے کیا جائے اور باقی جو روپیہ پیسہ بچے وہ اللہ کی راہ میں دیدیا جائے، لہٰذا متوفی کے پڑوس میں ایک مسجد و مدرسہ بھی ہے، جس میں فرش، پلاسٹر وغیرہ کے لیے پیسہ کی ضرورت ہے، اب جناب والا سے معلوم یہ کرنا ہے کہ کفن دفن وغیرہ کے بعد جو روپیہ بچے اس میں پڑوس کی مسجد اور مدرسہ کا کیا حق بنتا ہے، کیا باقی مساجد و مدرسہ کو بھی دینا ضروری ہے؟ اگر ضروری ہے تو کتنا؟ واضح رہے کہ وارثین بھی لینا نہیں چاہتے ہیں بلکہ نفاذ وصیت پر تیار ہیں۔

المستفتی: محمد نسیم قریشی اصالت پورہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر واقعی وارثین وصیت کے نفاذ پر تیار اور خوش ہیں اور کوئی چھوٹے نابالغ وارث موجود نہیں ہیں تو مرحوم کے مابقیہ کل مال کو محلّہ کی مسجد و مدرسہ میں خرچ کرنے کی اجازت ہے، دیگر مساجد اور مدارس میں دینا کوئی ضروری نہیں، کیونکہ اپنے پڑوس کا زیادہ حق ہوتا ہے اور اگر مرحوم کا کوئی وارث نابالغ ہے تو اس کا حصہ محفوظ رکھنا لازم ہے۔

وتجوز بالثلث للأجنبي ...... لاالزيادة عليه إلا أن تجيز ورثته بعد موته وهم كبار. (تنوير الأبصار، كتاب الوصايا، زكريا ١٠/٣٣٩، كراچى ٦/٦٥٠)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۲۴؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۵ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۰۲۱)	۱۴۱۵/۵/۲۴ھ

جائیداد وقف کرنے کی صورت میں وصیت کا حکم

سوال [۱۱۲۲۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کے تین بھائی اور چار بہنیں تھیں، زید کے دو بھائیوں کی شادی باپ کی سرپرستی میں ہوگئی تھی، کچھ دنوں کے بعد باپ اللہ کو پیارے ہو گئے، والدہ کچھ دن حیات

رہیں، پھر وہ بھی اللہ کو پیاری ہوگئیں، اور چاروں بہنیں شادی شدہ تھیں، بعدہ دونوں بھائی چھوٹے بھائی سے الگ ہوگئے، چھوٹا ادھر ادھر اپنی محنت ومشقت اور مزدوری کرتا رہا، پھر اللہ نے اس کی روزی میں برکت عطا کی اور اپنی گاڑھی کمائی سے اپنا مکان بنوایا، پھر اس کے بعد اپنی شادی کرلی، اب مذکورہ شخص کے دونوں بھائی اور زید اور تینوں بہنیں اللہ کو پیاری ہوچکی ہیں، اب ہم تینوں بیوہ ہیں اور تینوں بیواؤں کے پاس اپنے اپنے شوہر کا مکان اور جائیداد الگ الگ موجود ہے، میرے شوہر حیات تھے تو میرے اور ان میں معاہدہ ہوا تھا کہ اگر میرا پہلے انتقال ہوجائے تو میرا مکان اور جائیداد مسجد میں وقف کردینا، میں نے اپنے شوہر کے فرمان کے مطابق ایسا ہی کیا ہے کیا ان بیواؤں کا حق میرے مکان اور جائیداد میں ہوتا ہے یا نہیں؟ یا جو میں نے ایسا کیا ہے یہ ٹھیک ہے یا نہیں؟ جواب سے مطلع فرمائیں۔

المستفتی: زیتون بیوہ، گودھنا، سیتاپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر آپ کا سوال صحیح اور درست ہے، تو آپ کا ایسا کرنا کل مکان وجائیداد میں سے ایک تہائی میں درست ہے، باقی دوتہائی آپ کے جو شرعی ورثاء ہیں ان کے درمیان ان کے حقوق کے مطابق تقسیم ہوگی، کیونکہ وصیت صرف ایک ثلث میں نافذ ہوتی ہے۔

عن عامر بن سعد، عن أبیه رضی الله عنه قال: مرضت، فعادنی النبی ﷺ -إلی- قلت: أرید أن أوصی بالنصف؟ قال: النصف کثیر، قلت: فالثلث؟ قال: الثلث کثیر أو کبیر، قال: فأوصی الناس بالثلث، فجاز ذٰلک لهم . (صحیح البخاری، باب الوصیة بالثلث، النسخة الهندیة ۱/۳۸۳، رقم: ۲۶۶۳، ف: ۲۷۴۴)

اگر آپ اپنے شوہر کے وارثین اور تعداد لکھ دیتیں تو حصہ بھی بنادیا جاتا، آپ کے شوہر کی جائیداد میں سے مذکورہ بیواؤں کو بطور وراثت کوئی حق نہیں مل سکتا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۷۱۱)

متوفیہ کی نماز، روزہ کے فدیہ اور حج بدل کی وصیت کا حکم

سوال [۱۱۲۲۳]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: متوفیہ کے ذمہ دوسال کے روزے اور تین سال کی زکوٰۃ واجب ہے، آیا تقسیم سے پہلے ادا کیے جاسکتے ہیں یانہیں؟ ان کی ادائیگی کے بارے میں متوفیہ کی وصیت بھی ہے، متوفیہ نے زبانی بھی وصیت کی کہ میرے مال سے جومنقولہ یا غیرمنقولہ ہے اس سے پہلے حج بدل ادا کرادیں، روزے، زکوٰۃ کا بدل دیں، اس کے بعد جو بچے وہ وقف للہ کردیں، آیا اس طرح وصیت کرنا شرع محمدی میں درست ہے؟ کل یا کچھ حصہ کے بارے میں وصیت کرسکتے ہیں؟ تحریر کریں، مہربانی فرماکر درج بالا مسائل پر ازروئے شرع فتویٰ دیں۔

المستفتی: احسان الحق محلّہ بھٹی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر متوفیہ نے زکوٰۃ کی ادائیگی، روزہ ونماز کا فدیہ اور حج بدل کی وصیت کی ہے تو متوفیہ کے کل ترکہ میں سے تہائی حصہ نکال کر اس میں سے اولاً زکوٰۃ، روزہ، نماز اور حج بدل وغیرہ میں وصیت کے مطابق صرف کردیئے جائیں، اوران سب کی ادائیگی کے بعد بھی تہائی حصہ میں سے بچ جائے تو وقف للہ کو نافذ کردیں ورنہ نہیں، اورکل ترکہ کا دوتہائی مذکورہ ورثاء کا حق ہوگا، اور ورثاء کو دوتہائی میں سے مذکورہ چیزوں میں خرچ کرنے پر شرعاً مجبور نہیں کیا جائے گا۔

إذا مات من علیه زکاة، أو فطرة، أو کفارة، أو نذر لم تؤخذ من ترکته عندنا إلا أن یتبرع ورثته وهم من أهل التبرع ولم یجبروا علیه و إن أوصیٰ تنفذ من الثلث. (شامی، باب صدقة الفطر، کراچی ۲/ ۳۵۹، کوئٹه ۲/ ۷۸، زکریا ۳/ ۳۱۱، هندیه زکریا قدیم ۱/ ۱۹۳، جدید ۱/ ۲۵۵، الجوهرة النیرة، امدادیه ملتان ۱/ ۱۶۵، دار الکتاب دیوبند ۱/ ۱۶۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵ رشعبان المعظم ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۲۴۱)

حج کے لیے بطور وصیت دیئے گئے روپیہ سے حج کرنا واجب ہے یا نہیں؟

سوال [۱۱۲۲۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: معلوم ہو کہ میرے خسر نے انتقال سے پہلے مجھے حج بدل کرنے کی وصیت کی اور ساتھ ہی رقم بھی ادا کردی، تقریباً ڈھائی ماہ ہو چکے ہیں، مرحوم نے اپنے متعلقین کے لیے گھر، کھیت وغیرہ کافی جائیداد چھوڑی ہے، میرا خود کا معاملہ یہ ہے کہ میرے پاس کھیت ہے، نقد رقم اتنی نہیں کہ خود کا فرض ادا کرسکوں، میرے بڑے بھائی ان کی بھی حیثیت ہے، مگر ابھی تک حج کے لیے نہیں گئے، والدہ وہ بھی نہ جاسکیں، والد کا انتقال ہو چکا ہے، یہاں میں نے اپنی حالت بیان کردی ہے تاکہ آپ نیک مشورہ سے نوازیں۔

المستفتی: محمد رفیق، نزد درگاہ مسجد قاضی پورہ، امراؤتی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب آپ کے خسر نے آپ کو حج بدل کرنے کے لیے رقم دے کر وصیت کردی تو آپ پر واجب ہے کہ ان رقموں سے حج بدل خود کریں اور بصورت عذر دوسرے کے ذریعہ حج بدل کروادیں، ورنہ آپ سخت گنہگار ہوں گے، البتہ اگر آپ نے اپنا حج ابھی تک نہیں کیا ہے اور آپ پر حج فرض بھی نہیں ہے، تو آپ کا حج بدل کرنا مکروہ تنزیہی اور غیر مستحسن ہے، اگر آپ پر حج فرض ہو چکا ہے تو مکروہ تحریمی ہے، آپ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ پر حج فرض نہیں ہے، بہرصورت اگر آپ حج بدل کریں گے تو حج ادا ہو جائے گا۔ (مستفاد: جواہر الفقہ قدیم ۱/۵۰۷، جدید زکریا ۴/۲۱۵، فتاویٰ دارالعلوم ۶/۵۷۶)

اور اگر آپ حج بدل کر کے اس کی اجرت لینا چاہتے ہیں تو جائز نہیں ہے۔

ولا يجوز الاستئجار على الطاعات. (رسم المفتي قديم ص: ۳۷، جواهر الفقه قديم ۱/۵۰۱، جديد زكريا ۴/۲۰۸)

عن إبراهيم النخعي أنه قال: إذا أوصىٰ بحج أو زكاة فهي من الثلث حج أو لم يحج. (السنن الكبرىٰ للبيهقي، باب الوصية بالحج، دار الفكر ۹/۳۷۹، رقم: ۱۲۸۶۸،

المنصف لابن أبی شیبة مؤسسة علوم القرآن ١٦/ ١٦٣ رقم: ٣١٤٦٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶ر صفر المظفر ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۰۴۴)

وارث مسجد کے حق میں وصیت کا منکر ہو اور گاؤں والے مدعی ہوں

سوال [۱۱۲۲۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ گاؤں والوں کا کہنا ہے کہ بڑے بھائی نے مرتے وقت یہ وصیت کی تھی کہ سو گز مکان میں سے ساٹھ گز مسجد میں وقف ہوگا، اور چالیس گز چھوٹے بھائی کو دیدیا جائے گا، تو کیا یہ وصیت جاری ہوگی یا نہیں؟ جبکہ چھوٹے بھائی کا کہنا ہے کہ میرے بھائی نے کوئی وصیت نہیں کی، بلکہ گاؤں والے مجھ کو مکان سے محروم کر دینے کا پروپیگنڈہ کر رہے ہیں؟

المستفتی: نصیر احمد محلّہ زاہد نگر مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ساٹھ گز میں وصیت کسی بھی طرح نافذ نہیں ہوگی، نیز اگر دو عادل آدمی کی شہادت سے وصیت کا ثبوت نہ ہو تو کل سو گز ورثاء کے درمیان تقسیم ہو جائے گا اور اگر وصیت کے لیے دو عادل باریش یا پابند صوم وصلاۃ آدمی شہادت دیدیں تو بڑے بھائی کے سو گز میں سے صرف ایک تہائی مسجد کو مل سکتا ہے، بقیہ نصیر احمد اور نور جہاں کے درمیان حصص شرعی کے طور پر تقسیم ہوگا۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۸/ ۴۱۵، جدید زکریا مطول ۱۳/ ۳۳۶)

ثم تنفذ وصایا من ثلث ما بقی بعد الدین. (شریفیه ص: ۷)

وإذا شهد شاهدان أن المیت أوصی إلی هذا الرجل (إلی قوله) أجزت شهادتهما. (عالمگیری، کتاب الوصایا، الباب العاشر فی الشهادة علی الوصیة، زکریا جدید ٦/ ١٨٢، زکریا قدیم ٦/ ١٥٩) **فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹ر صفر المظفر ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۶۵۵)

مسجد کے لیے وصیت کردہ رقم کو مدرسہ میں لگانا

سوال [۱۱۲۲۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے اپنی وفات سے قبل ہزار روپیہ دے کر یہ وصیت کی کہ ان کو مسجد وغیرہ میں لگا دینا، پھر اس کا انتقال ہوگیا، اب آیا ان کو مدرسہ میں لگا دیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد ادریس رامپوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ ہزار روپیہ مرحوم کی شرط کے مطابق مسجد میں صرف کرنا واجب ہوگا، مدرسہ میں لگانا جائز نہ ہوگا۔

أما الوصية لمسجد كذا أو قنطرة كذا، صرف إلى عمارته وإصلاحه. (بزازيه كتاب الوصايا زكريا جديد ٣/٢٦٢، وعلى هامش الهندية ٦/٤٣٨)

شرط الواقف كنص الشارع، مالم يكن مخالفا للشرع. (الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٦/١٠٠)

صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة. (شامی، مطلب: مراعاة غرض الواقفين واجبة كراچی ٤/٤٤٥، زكريا ٦/٦٦٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶؍ ربیع الثانی ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۱۲۰۹)

مسجد کے لیے کل مال کی وصیت کرنا

سوال [۱۱۲۲۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حبیب احمد نے اپنی زندگی میں اپنی تمام جائیداد، صحرائی وسکنائی، محلّہ کی مسجد و مدرسہ کو وصیت کردی تھی، اس کے بعد حبیب احمد کا انتقال ہوگیا ہے، حبیب احمد نے حسب

ذیل ورثاء کو چھوڑا، بیوی خدیجہ، بھائی مولوی مختار احمد صاحب، دونوں وارثوں نے مورث کی وصیت کو قائم رکھا، اور اس سے راضی رہے، مرحوم کے بھائی مولوی مختار احمد صاحب نے نماز جنازہ پڑھا کر تمام نمازیوں کے سامنے یہ اعلان کر دیا تھا کہ بھائی کے ترکہ میں سے جو حصہ میرا ہوتا ہے وہ میں مرحوم کی وصیت کے مطابق مسجد و مدرسہ ہی کو دیتا ہوں، اور اب مولوی مختار احمد کے انتقال کے بعد ان کے وارثوں نے بھی مسجد و مدرسہ کے حق میں ہی چھوڑ دیا، مسجد و مدرسہ نے حبیب احمد کے انتقال کے بعد قانونی کارروائی کی تا کہ وصیت شدہ جائیداد مسجد و مدرسہ کی ملکیت میں آجائے، اور ان دونوں وارثوں یعنی مرحوم کے بھائی اور مرحوم کی بیوی نے مسجد و مدرسہ کے نام داخل و خارج ہونے میں کسی قسم کی کوئی رکاوٹ نہیں ڈالی، جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ دونوں وارثوں نے یہ جائیداد وصیت شدہ اپنی ملکیت سے نکال کر بخوشی مسجد و مدرسہ کی ملکیت میں دیدی، اب بھائی اور بیوہ کا اس جائیداد سے کوئی تعلق اور واسطہ نہیں رہتا، لیکن مورث کی زبانی وصیت کے مطابق کہ وصیت شدہ آراضی کی پیداوار سے بیوہ اپنا گذارہ کرتی رہے گی، کیونکہ اس کے گذارے کے لیے کوئی دوسرا ذریعہ نہیں، لہٰذا بیوہ تا حیات اس جائیداد کی پیداوار سے گذارا کرتی رہی، اب بیوہ کا انتقال ہو گیا ہے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ: (۱) اس صورت میں بیوہ کے وارثوں کا کوئی حق و حصہ نکلتا ہے کہ نہیں؟

(۲) حبیب احمد کے دونوں وارثوں کے حصص قائم کر دیئے جائیں؟

(۳) وصیت شدہ کی پیداوار جو بیوہ کے انتقال کے وقت کھیت میں کھڑی ہوئی تھی اس میں بیوہ کے وارثوں کا کوئی حصہ ہوتا ہے کہ نہیں؟

المستفتی: حاجی نور احمد قصبہ منڈاوٴ ضلع بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: انفاق اور صرف کرنے کی قید لگائے بغیر مسجد کے لیے وصیت نافذ ہونے میں اختلاف ہے، امام ابوحنیفہؒ و امام ابو یوسفؒ کے نزدیک وصیت باطل ہوجاتی ہے، اور امام محمدؒ کے نزدیک جائز و درست ہوجاتی ہے۔

لو قال أوصيت بثلث مالي للمسجد جاز عند محمدؒ وقال أبو يوسف لايجوز إلا أن يقول ينفق على المسجد، في الخانية: ولو أوصىٰ بثلث ماله للمسجد وعين المسجد أو لم يعين فهي باطلة في قول أبي يوسف جائزة في قول محمد ولو أوصىٰ بأن ينفق ثلثه على المسجد جاز في قولهم. (البحر الرائق، كتاب الوصايا، باب الوصية بثلث المال، كوئٹه ۸/۴۱۳، زكريا ۹/۲۲۹-۲۳۰، الدر مع الرد زكريا ۱۰/۳۵۹، كراچی ۶/۶۶۴، زكريا ۱۰/۴۰۳، كراچی ۶/۶۹۶، بزازيه زكريا جديد ۳/۲۶۱ وعلى هامش الهندية ۶/۴۳۷، قاضيخان زكريا جديد ۳/۳۶۸ وعلى هامش الهندية ۳/۴۹۷)

نیز شرعی ورثاء کے ہوتے ہوئے کل جائیداد ترکہ کی وصیت شرعاً نافذ نہیں ہوتی بلکہ کل جائیداد کی وصیت کی صورت میں ایک تہائی میں وصیت نافذ ہوتی ہے باقی دو تہائی جائیداد وارثین کے درمیان تقسیم ہو جائے گی۔

لايجوز بما زاد على الثلث. (الجوهرة النيرة، كتاب الوصايا، امداديه ملتان ۲/۳۸۹، دار الكتاب ديوبند ۲/۳۷۰، مختصر القدوري ص: ۲۸۱، هدايه اشرفی ۴/۶۵۴، البحر الرائق كوئٹه ۸/۴۰۲، زكريا ۹/۲۱۴)

ہاں البتہ جو وارث اپنا حصہ بخوشی چھوڑ دے گا اس کے حصہ میں بھی وصیت نافذ ہو جائے گی۔

وإن أجاز أحدهما دون الآخر يجعل في حق الذي جاز. (الجوهرة النيرة، كتاب الوصايا، امداديه ملتان ۲/۳۸۹، دار الكتاب ديوبند ۲/۳۷۰، شامی زكريا ۱۰/۳۴۰، كراچی ۶/۶۵۱، فتح القدير زكريا ۱۰/۴۴۸، دار الفكر ۱۰/۴۱۷، كوئٹه ۹/۳۴۷)

امام محمدؒ کے قول کے مطابق اگر مذکورہ وصیت کو صحیح اور نافذ قرار دیا جائے تو مولانا مختار احمد صاحب مرحوم کے حصہ میں بھی وصیت نافذ ہو کر مسجد کو مل جائے گا، اسی طرح اگر بیوہ نے بھی صراحت کے ساتھ اپنا حصہ مسجد کو دینے کے لیے کہہ دیا تھا تو وہ بھی مسجد کو مل جائے گا، اور بیوہ کے ورثاء نہ جائیداد ملے گی اور نہ اس کی پیداوار میں سے کچھ مل سکتا ہے اور اگر بیوہ نے اپنا حصہ مسجد کو دینے کے لیے صراحت کے ساتھ رضا مندی کا اظہار نہیں کیا ہے تو بیوہ کے حصے

میں وصیت نافذ نہیں ہوگی؟ لہٰذا کل جائیداد کے دوثلث میں بیوہ کا جو حصہ شرعاً نکل سکتا ہے وہ تمام فقہاء کے قول کے مطابق مسجد کو نہیں ملے گا، بلکہ بیوہ کے شرعی ورثاء کو جائیداد و پیداوار سب مل جائے گی، ہاں البتہ وہ لوگ اپنی رضامندی سے مسجد کو دینا چاہتے ہیں تو جائز ہوسکتا ہے ورنہ نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم جمادی الثانیہ ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۱۲۱۳)

مسجد کے لیے کی گئی وصیت کا حکم

سوال [۱۱۲۲۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حاجی خلیل کی ایک بیوی اور دولڑکوں نے حاجی صاحب کو خرچہ وغیرہ کچھ نہیں دیا اور بہت تنگ کیا، اس لیے حاجی صاحب نے تقریباً دس سال سے مسجد میں قیام کرلیا، اور حاجی صاحب نے دوکان اور ۹ر بیگہ زمین کا بیع نامہ بیوی اور لڑکوں کے نام کردیا اور بقیہ چھ بیگہ زمین مسجد کے نام اس شرط پر رجسٹری کردی کہ زندگی میں میری اور بعد مرنے کے مسجد کی، ۹۳ء میں حاجی صاحب کا انتقال ہوگیا پاکستان جاکر اور زمین چھ بیگہ پر دونوں لڑکے ظفیر اور ظہیر نے قبضہ کرلیا، اور مسجد کو بالکل دینا نہیں چاہتے، جبکہ مسجد کے منتظمین کل زمین چھ بیگہ مسجد کے لیے لینے پر بضد ہیں، اس صورت میں منتظمین مسجد کو کیا کرنا چاہئے؟ مرحوم کی دولڑکیاں بھی ہیں۔

المستفتی: منتظمین مسجد شاہ آباد رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: حاجی خلیل احمد صاحب نے اپنی زندگی میں چھ بیگہ زمین مسجد کے نام اس شرط پر رجسٹری کی ہے کہ زندگی میں میری اور میرے مرنے کے بعد مسجد کی، یہ وصیت کی ہے، اور وصیت کا نفاذ میت کے ثلث مال میں ہوتا ہے، لہٰذا چھ بیگہ زمین اگر کل جائیداد کا ثلث ہے تو وہ مسجد کی ہے اور اگر ثلث سے زیادہ ہے تو زیادہ ورثاء کی ہے، اور

بقدر ثلث مسجد کی ہوگی۔

عن عامر بن سعد، عن أبيه رضى الله عنه قال: مرضت، فعادني النبي ﷺ -إلي- قلت: أريد أن أوصي بالنصف؟ قال: النصف كثير، قلت: فالثلث؟ قال: الثلث كثير أو كبير، قال: فأوصى الناس بالثلث، فجاز ذلك لهم. (صحيح البخاري، باب الوصية بالثلث، النسخة الهندية ١/٣٨٣، رقم: ٢٦٦٣، ف: ٢٧٤٤)

ولا تجوز بما زاد على الثلث لقوله عليه السلام في حديث سعد بن أبي وقاص (الثلث والثلث كثير) بعد ما نفى وصيته بالكل والنصف. (هدايه، كتاب الوصايا باب في صفة الوصية اشرفى ٤/٦٥٤-٦٥٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم شعبان المعظم ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۶۱/۴۵)

مسجد کے لیے ثلث مال سے زائد کی گئی وصیت کا حکم

سوال [۱۱۲۲۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: محمد گل شیر مرحوم ولد محمد اسماعیل مرحوم ساکن شہزاد پور ضلع بجنور نے اپنی اولاد سے چھپا کر جو کہ پانچ لڑکے اور تین لڑکیاں ہیں، اپنی آراضی کاشت کی جو کہ کل ۷۵ گز ہے، اور اخیر میں بعض لوگوں کے کہنے اور بہکانے میں چالیس بیگہ زمین جس میں باغ کھڑا ہے، جامع مسجد شیر کوٹ کو وصیت کردی تھی، جو کہ ان کی وفات کے بعد ہم وارثین کو معلوم ہوا، اس باغ کی آمدنی جامع مسجد شیر کوٹ والے لینے لگے، اور باغ میں جو کاشت ہوتی تھی ان کے وارثین یعنی اولاد استعمال کرتی رہی، اب جامع مسجد شیر کوٹ کی کمیٹی نے اس باغ پر مکمل قبضہ کرلیا ہے، اور وارثین کو کاشت کرنے سے روک دیا ہے، اور باغ کا کٹان کرا رہے ہیں، سوال یہ ہے کہ یہ وصیت جو کہ چالیس بیگہ زمین کی ہے، صحیح اور درست اور نافذ العمل ہے یا نہیں؟ جبکہ ان کی ملکیت میں صرف پچھتر بیگہ آراضی ہی تھی، بعض علماء سے معلوم کیا تو انہوں

نے بتایا کہ ان کو صرف ۲۵ ربیگہ ہی وصیت کرنے کا حق تھا، زیادہ کا نہیں تھا، اگر وصیت صحیح نہیں ہے تو کیا کمیٹی جامع مسجد شیر کوٹ کو کٹان کا حق ہے؟ اور چالیس بیگہ آراضی پر قبضہ کرنے کا حق ہے؟ جواب باصواب سے نوازیں۔

المستفتی: دلدار احمد ولد گل شیر احمد شہزاد پور بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جن علماء نے یہ مسئلہ بتایا ہے کہ کل آراضی کی ایک تہائی میں وصیت نافذ ہوگی، جبکہ اس کے علاوہ کوئی اور جائیداد اس کے پاس نہ ہو، صحیح اور درست ہے، لہٰذا اگر واقعۃً مرحوم نے مسجد کے لیے وصیت کی ہے تو چالیس بیگہ میں وصیت نافذ نہیں ہوگی بلکہ پچیس صرف بیگہ میں وصیت نافذ ہوسکتی ہے، اور مسجد کے ذمہ داران کے لیے پچیس بیگہ سے زائد پر قبضہ کرنا جائز نہیں ہے، اور پچیس بیگہ سے زائد کی آمدنی اور پیداوار مسجد کے لیے حلال نہیں ہوگی۔

ثم تصح الوصية للأجنبي بالثلث من غير إجازة الوارث ...... وإن ردوا الزيادة بطلت. (تبيين الحقائق، كتاب الوصايا زكريا ۷/۵ ۷۳-۷۳۶، امداديه ملتان ۱۸۲/۶، البحر الرائق كوئٹه ۴۰۴/۸، زكريا ۲۱۳/۹)

وتكون الزيادة عن الثلث موقوفة على الإجازة فإن أجاز الورثة الزائد عن الثلث للأجنبي نفذت الوصية، وإن ردوا الزيادة بطلت. (الفقه الإسلامي هدى انٹر نيشنل ۵۷/۸)

عن سعد بن أبي وقاص رضي الله عنه قال: كان النبي صلى الله عليه وسلم يعودني و إنما أنا مريض بمكة فقلت لي مال أوصي بمالي كله قال: لا، قلت: فالشطر قال: لا، قلت: فالثلث؟ قال: الثلث والثلث كثير، أن تدع ورثتك أغنياء خير من أن تدعهم عالة يتكففون الناس في أيديهم (الحديث). (صحيح البخاري باب فضل النفقة على الأهل، النسخة الهندية ۸۰۶/۲، رقم: ۵۱۴۵، ف: ۵۳۵۴)

عن سالم عن أبيه قال قال النبي صلى الله عليه وسلم: من أخذ من الأرض شيئا بغير

حقه خسف به یوم القیامة إلی سبع أرضین. (بخاری، إثم من ظلم شيئا من الأرض، النسخة الهندية ١ /٣٣٢، رقم: ٢٣٩٠، ف: ٢٤٥٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳ر ذی الحجہ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۳۳۰)

مسجد کے لیے مکان کی وصیت کرنے کا حکم

سوال [۱۱۲۳۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک بیوہ عورت جس کے دو بچے ہیں، دونوں کی شادی کردی ہے، لڑکے کا انتقال ہو چکا ہے، لڑکے کی بیوی نے دوسرا نکاح کرلیا ہے بچے ماں کے ساتھ ہیں، لڑکے کے انتقال کے بعد ماں نے لڑکی داماد کو اپنے گھر بلا کران کو مالک بنادیا ہے، ماں دماغ سے کچھ کمزور ہے، محلّہ میں مسجد ہے، ماں کو چڑھا کر لوگوں نے مکان مسجد کے نام وصیت کروا دیا ہے، لڑکا لڑکی داماد کی غیر موجودگی میں، لڑکی داماد کو بلائے ہوئے سترہ سال ہو چکے ہیں، لڑکی کو سسرال سے بلا کر وہاں کی مالیت سے بے دخل کروادیا ہے، چھ لڑکیاں ہیں، جن میں تین لڑکیاں جوان ہیں اس وقت لڑکی بے سہارا ہے، داماد نے جو کچھ کمایا وہ بچوں کی پرورش اور ساس کے اخراجات میں خرچ کردیا، ان حالات میں اپنی جوان لڑکیوں کو لے کر کہاں جائے، مسجد والے تنبیہ کر رہے ہیں کہ مکان خالی کرو، کیا ان حالات میں وصیت جائز ہے، مسجد والوں کو ان حالات میں مسجد کے لیے مکان لینا جائز ہے یا نہیں؟ ماں دماغی حالات میں ہوتی ہے تو کہتی ہے کہ مکان تیرا ہے، تجھے کوئی نہیں نکال سکتا اور جب دماغ میں کمی ہوتی ہے تو کہتی ہے کہ نکل، گھر سے نکل جا، لڑکی بہت پریشان ہے، لڑکی نہ سسرال کی رہی اور نہ میکے کی، اور داماد بہت پریشان ہے، لڑکی ماں کی خدمت کرنے کو تیار ہے، لڑکی کہتی ہے کہ ماں تمہاری پوری زندگی خدمت کروں گی، ہر اعتبار سے خدمت انجام دوں گی، کبھی شکایت کا موقع نہیں آنے دوں گی، ماں تم میرے اوپر مہربانی کرو، مسجد والوں سے لڑکی داماد نے بات کی تو جواب دیا کہ

مسجد کو ایسا مال لینا جائز ہے؟ کیا مسجد والوں کا کہنا صحیح ہے؟

المستفتی: اعظم کاشی پوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر مذکورہ عورت نے ہوش وحواس کی درستگی کی حالت میں مسجد کے نام سے مکان کی وصیت کی ہے، اور اس عورت کے پاس اس مکان کے علاوہ کوئی دوسری جائیداد نہیں ہے تو اس عورت کی موت کے بعد مذکورہ مکان کی صرف ایک تہائی میں وصیت نافذ ہوگی، باقی دو تہائی، اس عورت کی اولاد کے درمیان شرعی حساب سے تقسیم ہوگا، سوالنامہ میں درج ہے کہ اس عورت کے لڑکے کا انتقال عورت کی زندگی میں ہو چکا ہے اور اس لڑکے کی بیوی اور اس کی اولا یں موجود ہیں، اور اس عورت کی ایک لڑکی بھی موجود ہے جو اس گھر میں رہ رہی ہے تو عورت کی لڑکی اور اس کے پوتے پوتی اس کے شرعی وارث ہوں گے، مکان کے دو تہائی کے حقدار وہی لوگ ہوں گے اور لڑکے کی بیوی چونکہ مذکورہ عورت کی وارث نہیں ہے، اس لیے لڑکے کی بیوی کو اس میں سے کوئی حصہ نہیں ملے گا، اور یہ بات بھی یاد رکھیں کہ یہ وصیت عورت کے مرنے کے بعد نافذ ہوگی، اس کی زندگی میں مسجد والے مسجد کے لیے ایک ثلث حصہ لینے کا مطالبہ نہیں کر سکتے، اور جب تک وہ عورت زندہ رہے گی اس وقت تک پورے مکان کی وہی مالک رہے گی، لہٰذا مسجد والوں کو عورت کی زندگی میں مکان کا کوئی حصہ لینے کا حق نہیں ہے، اور اگر عورت وصیت پر بدستور قائم رہے اور اس کو باطل نہ کرے، پھر اسی حالت میں مر جائے تو مر جانے کے بعد مسجد والوں کو ایک ثلث کے مطالبہ کا حق ہوسکتا ہے، اور باقی دو ثلث اس کے شرعی وارثین کے درمیان تقسیم ہو جائے گا، اور عورت اپنی زندگی میں اس وصیت کو باطل کرنے کا حق بھی رکھتی ہے۔

ولاتجوز بما زاد على الثلث وقوله: ويجوز للموصى الرجوع عن الوصية لأنه تبرع لم يتم فجاز الرجوع عنه. (هدايه، كتاب الوصايا، باب في صفة الوصية، اشرفى ٤/٦٥٤ - ٦٦٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹ر شوال المکرم ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۱۸۱)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۱۰/۱۹ھ

عمرہ کرانے کی وصیت کا شرعی حکم

سوال [۱۱۲۳۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: محمد عامر مرحوم کینسر کے مریض تھے، مرحوم اپنے والد اور خسر کو عمرہ کرانے کا ارادہ رکھتے تھے، مرحوم نے حج کو جاتے وقت کاروباری نائب اپنے بہنوئی سے کہا کہ آپ اگلے سال والد اور ہمارے خسر صاحب کو عمرہ کرادینا، اگر میں اس سفر سے واپس نہ بھی آؤں تو آپ یہ کام کرادیں، اور خسر صاحب سے یہ کہا (کسی دوسرے موقع پر) کہ آپ کو (ہمارے والد) پاپا کو لے کر اگلے سال جانا ہے، نائب سے کہا کہ یومیہ کچھ (۲۰۰) رقم علاحدہ جمع کرنا شروع کردینا، مرحوم سفرحج سے واپس آئے، تقریباً چار ماہ بعد انتقال فرما گئے، اس وقت تک (انتقال تک) مبلغ تینتیس ہزار روپیہ جمع ہو چکے تھے، مرحوم کے ورثاء میں ایک بچی جس کی عمر انتقال کے وقت سوا ماہ زوجہ، والد اور والدہ ہیں تو کیا مرحوم کے مال متروکہ سے اس ارادہ کی تکمیل کرائیں؟ یا وراثت تقسیم کرادیں، جواب سے نوازیں؟

المستفتی: محمد آصف رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مرحوم محمد عامر نے اپنے خسر اور اپنے باپ دونوں کے لیے ایک ساتھ عمرہ کے خرچہ کی وصیت کی ہے، اب مرحوم کی موت کے بعد جمع کردہ ۳۳ / ہزار روپیہ اور مرحوم کا دیگر سرمایہ جمع کرنے کے بعد اولاً تین حصہ کیے جائیں گے، اور تین حصہ کرنے کے بعد ثلث مال یعنی تہائی حصہ میں وصیت نافذ ہونے کی بات تھی، لیکن خسر کے ساتھ اپنے باپ کے عمرہ کی وصیت کو بھی جوڑ دیا تھا، اس لیے اس ایک تہائی کو دو حصوں میں تقسیم کردیا جائے گا، ایک حصہ باپ کا جس میں باپ کے وارث ہونے کی وجہ سے وصیت نافذ نہ ہوگی، اور ایک حصہ خسر کا جس میں خسر کے وارث نہ ہونے کی وجہ سے وصیت نافذ ہوگی اس لیے کل سرمایہ ۶ / حصوں میں تقسیم کرنے کے بعد سدس یعنی چھٹا حصہ اتنا ہے کہ عمرہ کا خرچہ پورا ہوجاتا ہے تو خسر کے حق میں وصیت نافذ ہوجائے گی اور باپ کے حق میں

وصیت نافذ نہ ہوگی بلکہ باپ کو وراثت کا شرعی حصہ ملے گا۔

ومن أوصیٰ لأجنبي ولوارثه فللأجنبي نصف الوصية وتبطل وصية الوارث لأنه أوصیٰ بما يملك الإيصاء به و بما لا يملك فصح في الأول وبطل في الثاني. (هدايه، كتاب الوصايا، باب الوصية بثلث المال اشرفي ٤/ ٦٦٧- ٦٦٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍محرم الحرام ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۶۴۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۱/۲۰ھ

کنواں بنوانے کی وصیت

سوال [۱۱۲۳۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حسین کے نانا محسن نے اپنی زندگی میں حسین کو کچھ رقم دی کہ اسے تجارت میں لگا لو، بعد میرے مرنے کے اپنی نانی کی کفالت اسی پیسے سے کرنا اور اپنی نانی کے فوت ہونے پر نفع کے پیسے کا ایک کنواں بنوا دینا تاکہ اس کے پانی سے سیراب ہونے والوں کی دعائیں میرے ساتھ رہیں، لیکن آج نانا نانی کی وفات کے بعد کنواں کا رسم ورواج ختم ہوگیا، نل وٹنکی کا استعمال ہے، اب کیا کنواں ہی کی بناء ضروری ہے یا ٹنکی مسجد میں بنوادی جائے اور ایک ٹوٹی مسجد کے باہر کردی جائے جس سے راہگیر وغیرہ استفادہ کریں، واضح رہے کہ نانا کی زندگی میں حسین نے ایک بار ذکر کرتے ہوئے محسن سے دریافت کیا تھا کہ اب تو کنواں کا استعمال وبناء مفقود ہوگیا، کیا میں ٹنکی نہ بنوادوں گا تو نانا محسن کنواں ہی بنانے پر مصر رہے، اب حسین اس وقت کیا کرے؟ اگر کنواں کے علاوہ دیگر کوئی امر کرنے پر نانا کی وصیت پوری ہوتی ہے تو احسان فرما کر مطلع فرمائیں، نوازش ہوگی۔

المستفتی: احمد علی پرتاپگڈھی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب نانا محسن کا اصرار کنواں بنانے پر رہا ہے تو

وصیت پوری ہونے کے لیے کنواں ہی بنانا لازم ہوگا۔

شرط الواقف کنص الشارع. (الأشباه قدیم ص: ۱۷۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۲۷۴۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۲/۶/۱۱ھ

اپنے باغیچہ میں تدفین کی وصیت

سوال [۱۱۲۳۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرے والد بزرگوار نے اپنی قبر اپنی حیات میں باغیچہ میں کھدوائی ہے اور اپنی اہلیہ کو بھی اپنے ہی بغل میں دفن کرنے کی وصیت کی ہے، میرے تایازاد بھائیوں کا اس پر کچھ اعتراض ہے، چونکہ خاندان کے سبھی لوگ اور پردادا بھی جس کا یہ باغیچہ ہے، قبرستان میں دفن ہیں، قبرستان گھر سے قریب ہی ہے۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ ان کی وفات کے بعد ان کو قبرستان میں دفن کریں یا جہاں انہوں نے اپنی قبر کھدوائی ہے وہاں دفنایا جائے، قبرستان میں دفن ہونے سے ان کو اس لیے کراہت ہے کہ وہاں خنزیروں کی آمد ورفت سے گندگی رہتی ہے، باغیچہ تقسیم ہو چکا ہے؟

المستفتی: محمد نسیم المورہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آپ کے والدین کی وصیت شرعاً معتبر نہیں ہے، ان کو باغیچہ میں دفنانے کے بجائے عام مسلمانوں کے قبرستان میں دفنانا مسنون ہوگا۔
(مستفاد: احسن الفتاویٰ ۴/ ۳۰۵)

ولو أوصىٰ بأن یدفن فی دارہ فوصیته باطلة إلا أن یوصی أن یجعل دارہ مقبرة للمسلمین. (هندیه، کتاب الوصایا، الباب الثانی، زکریا قدیم ٦/ ٩٥، جدید ٦/ ١١٢، کتاب الفقه علی المذاهب الأربعة، دار الفکر ٣/ ٣٣٠، البحر الرائق زکریا

۳۰۱/۹، کوئٹه ۴۵۳/۸)

بل ينقل إلى مقابر المسلمين. (شامی، باب صلاة الجنازة، مطلب: فی دفن الميت زكريا ۱۴۰/۳، كراچی ۲۳۵/۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍رجب المرجب ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۸۴۷/۲۶)

قبر پر سورۂ بقرہ پڑھنے کی وصیت

سوال [۱۱۲۳۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بعض حضرات اپنے متعلقین کو وصیت کر دیتے ہیں کہ ہمارے دفن کے بعد ہماری قبر پر سورۂ بقرہ مکمل پڑھنا، لہٰذا چند حضرات مل کر سورۂ بقرہ پڑھ دیتے ہیں۔

دریافت یہ کرنا ہے کہ اس طرح کی وصیت کرنا بعدہٗ اجتماعی شکل میں پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: جلیل احمد ٹانڈہ رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس کی وصیت کرنا اور اس کے مطابق قرآن شریف پڑھنا درست ہے، مگر لازم نہیں۔

ويستحب إذا دفن الميت أن يجلسوا ساعة عند القبر بعد الفراغ بقدر ما ينحر جزور و يقسم لحمها يتلون القرآن ويدعون للميت كذا في الجوهرة النيرة. (هنديه، كتاب الصلاة، الباب الحادى عشر فى الجنائز، الفصل السادس فى القبر والدفن، زكريا قديم ۱۶۶/۱، جديد ۲۲۷/۱، الجوهرة النيرة امداديه ملتان ۱۳۳/۱، دار الكتاب ديوبند ۱۳۲/۱، طحطاوى على المراقى قديم ۳۳۸، جديد دار الكتاب ديوبند ۶۱۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍رجب المرجب ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱۱۴/۳۱)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/۷/۳ھ

قطع تعلق کی وصیت کا شرعی حکم

سوال [۱۱۲۳۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میری والدہ کو والد مرحوم کی وصیت ہے کہ مرحوم کے بیٹے کی دوسری اہلیہ سے نہ ملیں، اگر دوسری اہلیہ سے تعلق رکھا جائے گا تو میں راضی نہیں ہوں، شرع کی رو سے جواب دیں؟

المستفتی: حاجی محمد اکرم طویلہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بلاکسی جرم اور شرعی قصور کے کسی سے قطع تعلق کرلینا ممنوع ہے اور اسی طرح قطع تعلق کی وصیت بھی شرعی طور پر صحیح نہیں ہوتی ایسی وصیت کو پورا کرنا بھی بیوی اور دوسرے متعلقین پر لازم نہیں ہے، لہٰذا بیٹے کی دوسری اہلیہ سے تعلق قائم کرنا آپس میں مل جل کر رہنا باعث گناہ نہیں ہوگا، بلکہ ثواب ملے گا، اس لیے کہ قطع تعلق کرنے سے حدیث میں ممانعت آئی ہے۔

عن أبی أیوب عن النبی ﷺ: لا یحل لمسلم أن یهجر أخاه فوق ثلاث. (صحیح البخاری، کتاب الاستیذان، باب السلام للمعرفة وغیر المعرفة، ۲/ ۹۲۱، رقم: ۵۹۹۶، ف: ۶۲۳۷)

عن عبد اللّٰه عن النبی ﷺ قال: (إلی قوله) فإذا أمر بمعصیة فلا سمع ولا طاعة. (صحیح البخاری، کتاب الأحکام، باب السمع والطاعة للإمام مالم تکن معصیة ۲/ ۱۰۵۷، رقم: ۶۸۶۱، ف: ۷۱۴۴) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍ رجب المرجب ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۱۲۱)

والد کا بیٹے کو قطع تعلق کی وصیت کرنا

سوال [۱۱۲۳۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: بڑے بیٹے کو والد مرحوم کی وصیت ہے کہ چھوٹے بیٹے کی دوسری اہلیہ سے نہ ملیں، جوکوئی اس سے تعلق رکھے تو میں راضی نہیں، اس بات کو دس سال کا عرصہ گذر چکا ہے لیکن والدہ کا کہنا ہے کہ اس سے تعلق رکھ لیں، شرع کی رو سے کیا حکم ہے، جواب دیجئے ؟

المستفتی: حاجی محمد اکرم شمسی طویلہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگرچھوٹے بیٹے کی دوسری اہلیہ نے اپنے خسر صاحب کے ساتھ ازخود کسی قسم کی بےادبی نہیں کی ہے بلکہ اس لیے خسر صاحب ناراض ہیں کہ بیٹے نے اس عورت سے والد کی اجازت کے بغیر نکاح کیا ہے، تو ایسی صورت میں یہ عورت (دوسری اہلیہ) شرعاً کسی قسم کی قصور وار یا مجرم نہیں ہے، اور کسی مسلمان سے بلاکسی شرعی جرم کے قطع تعلق کرنا جائز نہیں ہے، اس لیے اب اس ناراضگی کو ختم کر کے دل صاف کر لینا چاہیے، اور آپس کی رشتہ داری اور تعلقات کو بحال کرنے سے والد مرحوم کی نافرمانی نہ ہوگی، اور والد مرحوم کے لیے سب لوگ دعا کریں اور جس بہو سے ناراض تھے وہ بھی اپنے خسر صاحب مرحوم کے لیے ہمیشہ دعائے مغفرت کرتی رہے، حدیث شریف میں اس طرح قطع تعلق کرنے کی ممانعت آئی ہے۔

عن أنس ؓ قال قال رسول الله ﷺ: لاتقاطعوا و لاتدابروا و لا تباغضوا ولا تحاسدوا و كونوا عباد الله إخوانا، ولا يحل لمسلم أن يهجر أخاه فوق ثلاث. (ترمذی، أبواب البر و الصلة، باب ماجاء فی الحسد، النسخة الهندية ٢/١٥ دار السلام رقم: ١٩٣٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١٤/رجب المرجب ١٤١٥ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣١/٤١٢٠)

٣ باب الوصية بالثلث

ثلث مال میں وصیت کا نفاذ

سوال [۱۱۲۳۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کے دو ماموں تھے، عبد الرشید، عبد الواحد، دونوں کی مشترکہ زمین سو بیگہ تھی، بڑے ماموں عبد الرشید لاولد تھے، انہوں نے اپنے چھوٹے بھائی عبد الواحد کو یہ وصیت کی تھی کہ پچاس بیگہ زمین جو ہمارے حصہ کی ہے زید کو دیدینا، لیکن عبد الواحد نے نہ دی، اور مجھ سے کہا کہ اگر تم اپنی فلاں زمین جو مارکیٹ میں ہے، اپنے خالو کو دیدو تو میں تم کو تیس بیگہ زمین دیدوں گا، چنانچہ زید نے وہ زمین اپنے خالو کو دیدی، اس کے بعد بھی ماموں نے حسب وعدہ ۳۰ ربیگہ زمین نہ دی اور اپنے لڑکوں کو وصیت کر گئے کہ تیس بیگہ زمین زید کو دیدینا، پھر چھوٹے ماموں کا بھی انتقال ہو گیا، پھر بھی ان کے لڑکوں نے زید کو زمین نہ دی۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید اس تیس بیگہ زمین کا حقدار شریعت کی رو سے ہے یا نہیں؟

نوٹ: جو زمین میں نے اپنے خالو کو دی تھی وہ زمین آج بھی پڑی ہوئی ہے، جس کی مالیت اس زمانہ میں تقریباً بیس لاکھ روپیہ ہیں اس کا کون حقدار ہے، آیا زید یا زید کا خالو؟

المستفتی: محمد اسلام ٹھاکر دوارہ مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عبد الرشید نے اپنے حصہ پچاس بیگہ زمین کی جو وصیت اپنے بھانجہ زید کو کی ہے اس کے ایک ثلث یعنی پونے سترہ بیگہ زمین میں وصیت نافذ ہوگی اور از روئے شرع پونے سترہ بیگہ زمین زید کی ملک ہوگی، اور دو ثلث یعنی سوا تیس بیگہ بقیہ ورثاء کا حق ہے، اس میں وصیت نافذ نہ ہوگی۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۳۱۲/۱۵، ۴۴۸/۱۱، جدید ڈابھیل

٢٠/٢١٦، ٢١٣، کفایت المفتی قدیم ٨/ ٤٣٩، جدید زکریا مطول ١٣/ ٣٢٢-٣٢٣، امداد المفتیین ٢/ ١٠٤١)

عـن عـامـر بـن سـعد، عن أبيه رضى الله عنه قال: مرضت، فعادنى النبى ﷺ –إلى– قلت: أريد أن أوصى بالنصف؟ قال: النصف كثير، قلت: فالثلث؟ قال: الثلث كثير أو كبير، قال: فأوصى الناس بالثلث، فجاز ذٰلک لهم. (صحيح البخارى باب الوصية بالثلث، النسخة الهندية ١/ ٣٨٣ رقم: ٢٦٦٣، ف: ٢٧٤٤)

لأن الوصية بأكثر من الثلث إذا لم تجز تقع باطلة، وفى الشامية: وإنما المراد بطلان الزائد. (شامى كتاب الوصايا، باب الوصية بثلث المال، كراچى ٦/ ٦٦٧، زكريا ١٠/ ٣٦٣)

نیز عبدالواحد کے کہنے پر زید نے جو زمین اپنے خالو کو دی ہے وہ تیس بیگہ زمین کے عوض پر دی ہے، اگر زید کو مذکورہ تیس بیگہ مل جائے تو مارکیٹ کی زمین زید کے خالو کی ملک ہوگی، اور جب تک تیس بیگہ زمین زید کو نہیں ملتی ہے اس وقت تک مارکیٹ کی زمین زید کی ملکیت میں رہے گی، زید کے خالو مارکیٹ کی زمین کے حقدار اس وقت تک نہیں ہوں گے جب تک زید کو تیس بیگہ زمین نہ دی جائے۔

إذا باع دارا من إنسان ببلدة أخرىٰ ولم يسلمها إليه إلا باللفظ ثم امتنع المشترى عن تسليم الثمن كان له ذٰلک، كذا فى المحيط. (هنديه، كتاب البيوع، الباب الرابع، الفصل الثانى، زكريا قديم ٣/ ١٧، جديد ٣/ ١٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١١ر شعبان المعظم ١٤٢٥ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٧/ ٨٥٣١)

وصیت صرف ثلث مال میں واجب العمل ہے

سوال [١١٢٣٨]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عبدالکریم صاحب کا انتقال ہوا، تین آدمی کہ جن کے پاس ایک بینک کی کاپی تھی، ١٨٤٣٥ روپئے درج تھے، اس کتاب کو اپنے چچازاد بھائی عبدالحکیم کو دیدینے کو کہا ہے،

اور انہیں تین آدمی کے پاس جن کے پاس بینک کی کاپی تھی،۸۶۰۰ روپئے تھے، اور پچیس ہزار ایک سو روپئے کی چینی تھی، اب ان تینوں آدمیوں کا کہنا ہے کہ عبدالکریم نے اپنے کل روپئے کو اور چینی کے روپئے کو مسجد میں دیدینے کو کہا ہے، نیز یہ بھی کہا کہ اگر نہیں دوگے تو روز حشر میں دامن گیر ہوں گا، جب کہ ان ۴ ورثاء میں ایک لڑکی، ایک چچازاد بھائی عبدالحکیم، دونواسی، دونواسے موجود ہیں، یہ مذکورہ ترکہ کس طرح تقسیم ہوگا، آیا مذکورہ وصیت کے بعد ورثاء کو حصہ ملے گا یا نہیں؟ وضاحت کے ساتھ تحریر فرمائیں، عین کرم ہوگا۔

المستفتی: جمیل احمد حسن پور مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس مالیت کو مسجد میں دینے کی وصیت کی ہے اگر وہ مرحوم کی کل ملکیت کا ایک ثلث یا اس سے کم ہے تو وصیت کے مطابق اس مالیت کو مسجد میں دینا ضروری ہوگا اور اگر کل ملکیت کے ایک ثلث سے زیادہ ہے، تو صرف ایک تہائی مسجد میں دیدے اور باقی دو تہائی ورثاء کے درمیان تقسیم کردینا لازم ہوگا۔

عن عامر بن سعد، عن أبيه رضى الله عنه قال: مرضت، فعادني النبي صلى الله عليه وسلم –إلي– قلت: أريد أن أوصي بالنصف؟ قال: النصف كثير، قلت: فالثلث؟ قال: الثلث كثير أو كبير، قال: فأوصى الناس بالثلث، فجاز ذلك لهم. (صحيح البخاري، باب الوصية بالثلث، النسخة الهندية ١/٣٨٣، رقم: ٢٦٦٣، ف: ٢٧٤٤)

ولاتجوز بما زاد على الثلث. (هدايه، كتاب الوصايا، رشيديه ٤/٦٣٨ اشرفي ديوبند ٤/٦٥٤، تبيين الحقائق امداديه ملتان ٦/١٨٢، زكريا ٦/٣٧٥، هنديه زكريا قديم ٦/٩٠، جديد ٦/١٠٦، مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ٤/٤١٨، البحر الرائق كوئٹه ٨/٤٠٣، زكريا ٩/٢١٢، تاتارخانية زكريا ١٩/٣٨١، رقم: ٣١٨٥٩)

اور باقی دوثلث میں ایک ثلث لڑکی کو ملے گا اور ایک ثلث چچازار بھائی عبدالحکیم کو ملے گا، نواسیاں محروم ہوں گی۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍صفر المظفر ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۴۳۱۷)

غیر وارث کے لیے ثلث مال میں وصیت کا نفاذ

سوال [۱۱۲۳۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسماۃ شاہدہ خانم بیوہ نسیم الدین جس کا عقد ثانی مسمیٰ رونق امیر الدین کے ہمراہ ہوگیا، عقد ثانی کے وقت بیوہ کے پاس نسیم الدین سے ایک لڑکی ارم خانم تھی جو کہ رونق امیر الدین کی سوتیلی لڑکی اور سگی بھتیجی ہوئی، پھر شاہدہ خانم کا انتقال ہوگیا، تو رونق امیر الدین نے سوتیلی لڑکی اور سگی بھتیجی ہے ارم خانم کے بارے میں ایک وصیت نامہ لکھا کہ میرے مرنے کے بعد میری جائیداد ونقد روپیہ کی میری سوتیلی لڑکی ارم خانم مالک ہوگی، پھر رونق امیر الدین کا انتقال ہوگیا، تو یہ وصیت کتنے میں نافذ ہوگی؟ اور ورثاء میں والد نصیر الدین، والدہ محمودہ، دو بھائی: نعیم الدین، عظیم الدین اور چار بہنیں موجود ہیں، انہیں بھی ملے گا یا نہیں؟

المستفتی: لڈن خاں، مفتی ٹولہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ارم خانم چونکہ امیر الدین کی شرعی وارث نہیں ہے اس لیے اس کے حق میں وصیت تو نافذ ہوگی مگر کل ترکہ میں سے صرف ایک ثلث میں نافذ ہوگی باقی دوثلث اس کے شرعی ورثاء کے درمیان تقسیم ہوجائیں گے۔

عن عامر بن سعد، عن أبيه رضى الله عنه قال: مرضت، فعادني النبي ﷺ -إلي- قلت: أريد أن أوصى بالنصف؟ قال: النصف كثير، قلت: فالثلث؟ قال: الثلث كثير أو كبير، قال: فأوصى الناس بالثلث، فجاز ذٰلك لهم . (صحيح البخاري، باب الوصية بالثلث، النسخة الهندية ۱/۳۸۳، رقم: ۲٦٦۳، ف: ۲۷٤٤)

ولايجوز بما زاد على الثلث. (هدايه كتاب الوصايا اشرفى ديو بند ٤/٦٥٤، رشيديه ٤/٦٣٨)

لہٰذا کل ترکہ میں سے ایک تہائی ارم خانم کو دینے کے بعد بقیہ دوتہائی ترکہ مذکورہ ورثاء کے درمیان حسب ذیل طریقے سے تقسیم ہوگا۔

۳
امیرالدین میـــــــــــــــــــــــــــــــــــت

والد	والدہ	بھائی	بہن
۲	۱	محروم	محروم

بقیہ دوتہائی تین سہام میں تقسیم ہو کر والد کو۲/ سہام اور والدہ کو ایک سہام ملے گا، اور سب بھائی بہن محروم ہو جائیں گے۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم محرم الحرام ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر:۳۱/ ۳۷۸۹)

کل جائیداد کی وصیت اپنی زوجہ کے نام

سوال [۱۱۲۴۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حمید احمد خاں ولد عزیز احمد خاں نے اپنے انتقال پر حسب ذیل وارثان چھوڑے اور مرنے سے قبل مرحوم نے سال ۱۹۸۰ء میں اپنی تمام جائیداد کی ایک وصیت بحق اپنی زوجہ مسماۃ کوثر اختر لکھ دی تھی کہ میرے مرنے کے بعد میری کل جائیداد کی میری زوجہ مسماۃ کوثر اختر تنہا مالک ہوگی، اور مسماۃ سرفراز بیگم ہمشیرہ حمید احمد خاں اور ضمیر احمد خاں برادر حقیقی حمید احمد خاں نے اپنے اپنے بیان حلفی میں وصیت مذکورہ کی تائید وتوثیق کردی کہ وصیت مذکورہ صحیح ہے، اور ہماری جائیداد کا حمید احمد خاں سے کوئی تعلق نہیں ہے، یہ بیان حلفی مقدمہ عدالت ججی مرادآباد ۱۹۸۲/۱۳۱ء مسماۃ صدیق فاطمہ بنام مسماۃ کوثر اختر وغیرہ میں داخل ہیں۔

نام وارثان: حمید احمد خاں، ایک بیوہ مسماۃ کوثر اختر، برادر حقیقی ضمیر احمد، ہمشیرہ حقیقی مسماۃ سرفراز بیگم، برادر تایازاد رفیق الرحمٰن، خان ولد عبدالغفور خان۔

نوٹ: حمید احمد خاں کے انتقال کے بعد ان کے حقیقی برادر ضمیر احمد اور حقیقی ہمشیرہ سرفراز بیگم نے بیان حلفی کے ذریعہ وصیت مذکورہ کی تائید وتوثیق کردی اور وصیت نامہ کا اقرار کرتے

ہوئے کہا کہ جائیداد کا حمید احمد خان سے ہمارا کوئی تعلق نہیں تو اب حمید احمد کے تایا زاد بھائی رفیق الرحمٰن کی اولاد کا یہ دعویٰ کرنا کہ اس میں ہمارا حق ہے، کیسا ہے؟ کیا شرعاً حمید احمد کے تایا زاد بھائی رفیق الرحمٰن کی اولاد کو مل سکتا ہے یا نہیں؟ جو بھی شرعی حکم ہو مفصل تحریر فرمائیں۔

المستفتی: ہاشم اختر گھیر سید خاں مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر حمید احمد خاں کے انتقال کے وقت اس کے حقیقی بھائی ضمیر احمد اور حقیقی بہن، سرفراز بیگم باحیات تھے، تو رفیق الرحمٰن تایا زاد بھائی اور اس کی اولاد شرعاً حمید احمد خاں کے ورثاء میں شامل نہیں ہیں، اور جب حمید احمد خاں کے انتقال کے بعد اس کے حقیقی بھائی اور بہن نے مذکورہ وصیت پر رضا مندی کا اظہار کرلیا ہے، تو شرعاً کوثر اختر کے حق میں پوری جائیداد کی وصیت درست اور صحیح ہوچکی ہے، اور پوری جائیداد کی مالک شرعی طور پر کوثر اختر ہوگی، اور اس میں رفیق الرحمٰن کی اولاد کا دعویٰ شرعاً ناجائز اور باطل ہوگا۔

عن ابن عباس قال: قال رسول الله ﷺ: لاتجوز الوصية لوارث، إلا إن شاء الورثة. (السنن الكبرىٰ للبيهقي، باب نسخ الوصية للوالدين والأقربين، دار الفكر ۹/۳۵٦، رقم: ۱۲۷۹۷ – ۱۲۷۹۸، سنن الدار قطني، دار الكتب العلمية بيروت ٤/٨٦، رقم: ٤٢٥١)

لاتجوز لوارثه إلا أن يجيزها الورثة. (هدايه كتاب الوصايا، باب في صفة الوصية رشيديه ٤/٦٤١، اشرفي ديوبند ٤/٦٥٧، مجمع الأنهر دار الكتب العلمية بيروت ٤/٤١٨، البحر الرائق كوئٹه ٨/٤٠٣، زكريا ٩/٢١٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰/ربیع الاول ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/۲۶۱۴)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۲/۳/۳۰ھ

زندگی میں نواسے کے نام کل مال کی وصیت کرنا

سوال [۱۱۲۴۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: ولی داد خاں کا انتقال ہوگیا، وارثین میں ۳/ بیٹے علی محمد خاں، ولی محمد خاں، وزیر محمد خاں تھے، علی محمد، ولی محمد باپ کی زندگی ہی میں وفات پاچکے تھے، علی محمد نے صرف ایک بیٹا چھوڑکر انتقال کیا تھا، جس کا نام فقیر محمد خاں ہے جبکہ ولی محمد کے کوئی اولاد نہیں تھی، باقی ولی داد خاں کے انتقال کے وقت صرف وزیر محمد خاں حیات تھے، پھر وزیر محمد کے انتقال کے وقت صرف وزیر کی دو بیٹیاں عقیلہ، جمیلہ زندہ تھی، جبکہ وزیر محمد خاں کا بیٹا ان کی زندگی میں ہی فوت ہو چکا تھا، انتقال کے وقت صرف ایک بیٹی تھی، جو آج بھی حیات ہے، یعنی وزیر کی پوتی، وزیر محمد خاں نے اپنی زندگی میں اپنی بیٹی جمیلہ کے دو بیٹوں کے نام کل مال کی وصیت کردی تھی، اس وصیت کا شرعاً اعتبار ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو کتنے میں وصیت نافذ ہوگی، اور اس وقت وزیر محمد کے وارثین میں صرف ایک بھتیجہ فقیر محمد خاں اور ایک پوتی قمری بیگم موجود ہے، ان کو شرعاً حصہ ملے گا یا نہیں؟ اگر ملے گا تو کتنا کتنا؟ شرعی حکم تحریر فرمائیں؟

المستفتی: نسیم احمد غازی پوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بشرط صحت سوال وبعد ادائے حقوق وزیر محمد خاں کا اپنے دونوں نواسوں کے نام کی ہوئی وصیت کل مال کے صرف تہائی حصے میں نافذ ہوگی، باقی ترکہ وزیر محمد خاں کی پوتی اور بھتیجہ کے درمیان درج ذیل نقشہ کے مطابق تقسیم ہوگا۔

وزیر محمد فاروق ـــ میــــــت ـــ ۲

پوتی	بھتیجہ
۱	۱

وزیر محمد خاں کے ترکہ میں سے تہائی حصہ میں وصیت نافذ ہوگی، اور بقیہ مال دو سہام میں تقسیم ہوکر ایک حصہ پوتی قمری بیگم اور بقیہ ایک حصہ بھتیجہ محمد رفیق کو ملے گا۔

ولاتجوز بما زاد على الثلث. (هداية، كتاب الوصايا رشيديه ٤/٦٣٨ اشرفي ديوبند ٤/٦٥٤، تبيين الحقائق امداديه ملتان ٦/١٨٢، زكريا ٦/٣٧٥، هنديه زكريا قديم ٦/٩٠، جديد ٦/١٠٦، مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ٤/٤١٨،

البحر الرائق کوئٹہ ۸/۴۰۳، زکریا ۹/۲۱۲، تاتارخانیة زکریا ۱۹/۳۸۱، رقم: ۳۱۸۵۹)

ثـم تنفذ وصاياه من ثلث ما بقيي ...... ثم يقسم الباقي بين الورثة على سهام الميراث. (فتاویٰ عالمگیری، کتاب الفرائض، الباب الأول زکریا قدیم ۶/۴۴۷، جدید ۶/۴۴۰، سراجی ص: ۴-۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/ رجمادی الاولیٰ ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۷۲۳۰)

پوتوں کے لیے وصیت ثلث مال میں نافذ ہوگی

سوال [۱۱۲۴۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حاجی رمضان احمد کے پانچ لڑکے تھے، عبد اللطیف، حبیب احمد، عبد الحمید، نثار حسین، اسحاق حسین، پانچوں لڑکوں میں سے ایک لڑکے عبد الحمید کا انتقال حاجی رمضان کی موجودگی میں ہوگیا تھا، حاجی رمضان نے مرنے سے پہلے ایک وصیت چند حضرات کے سامنے تحریر کرادی تھی، اور اس وصیت نامہ پر موجودہ اولاد کے دستخط کرادیئے، حاجی رمضان ایک لڑکے سے ناراض ہوگئے تھے، ناراضگی کی وجہ یہ ہوئی کہ عبد اللطیف نے غیر قوم میں والد کی مرضی کے خلاف شادی کرلی تھی، اس جرم میں حاجی رمضان نے عبد اللطیف کو ایک چھوٹا سا مکان دے کر بقیہ جائیداد سے محروم کردیا تھا، وصیت نامہ کا مضمون یہ ہے کہ: عبد اللطیف کو صرف فلاں مکان دے رہا ہوں، عبد اللطیف کو بقیہ جائیداد سے مطلب نہیں، اور عبد الحمید جن کا انتقال باپ کی موجودگی میں ہوگیا تھا، ان کے نام وصیت فرمائی کہ عبد الحمید کو وراثت میں جو حصہ ملتا میں اس حصہ کی عبد الحمید کے بچوں کے لیے وصیت کرتا ہوں، ضروری بات یہ معلوم کرنی ہے کہ کیا وصیت نامہ صحیح ہے یا غلط؟ کیا عبد الحمید کے بچوں کو وراثت میں حصہ ملے گا یا نہیں؟

المستفتی: مکرم الحق

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: عبد الحمید کی اولاد وارثین سے خارج ہونے کی

وجہ سے ان کے حق میں ایک ثلث یا اس سے کم وصیت نافذ ہوگی، زیادہ ہونے کی صورت میں حاجی رمضان کی موت کے بعد موجودہ ورثاء کی اجازت پر موقوف ہوگی۔

وتجوز بالثلث للأجنبی عند عدم المانع وإن لم یجز الوارث ذٰلک لا الزیادة علیه إلا أن تجیز ورثته بعد موته. (در مختار، کتاب الوصایا، کراچی ٦٥٠/٦، زکریا ٣٣٩/١٠، مصری ٥٧١/٥، هدایه رشیدیه ٦٣٨/٤، اشرفی دیوبند ٦٥٥/٤، هندیه زکریا قدیم ٩٩/٦، جدید ١١٦/٦، الجوهرة النیرة، امدادیه ملتان ٣٨٩/٢، دار الکتاب دیوبند ٣٦٩/٢، البحر الرائق کوئٹه ٤٠٤/٨، زکریا ٢١٤/٩)

وفی الدر المختار: وأما الجد و ولد الولد فیدخل فی ظاهر الروایة وقیل لا واختاره فی الاختیار، وفی الشامیة ثم قال لکن فی شرح الحموی بخطه أن الدخول هو الأصح. (در مختار مع الشامی، باب العتق فی المرض، کراچی ٦٨٦/٦، زکریا ٣٩٠/١٠، مصری ٤٨٦/٥)

ولا تعتبر إجازة الورثة فی حال حیاة الموصی حتی کان لهم أن یرجعوا بعد موت الموصی و تصح الوصیة بالثلث للأجنبی وإن لم یجیزوا. (مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر، دار الکتب العلمیة بیروت ٤١٩/٤) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/ ذی قعدہ ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۳۶۱)

زندگی میں کسی ایک وارث کے نام کل ترکہ کی وصیت کرکے قبضہ دیدینے کا حکم

سوال [۱۱۲۴۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک مکان جس کے دو شخص مالک تھے، شہزادہ مرحوم اوران کی والدہ شہزادہ نے ایک وصیت کے ذریعہ اپنی زندگی میں اور بیوی کے انتقال کے بعد اپنی جائیداد بیٹی کے نام کردی، اور دادی نے بھی ایک وصیت کے ذریعہ شہزادہ مرحوم (بیٹے) کی زندگی میں ان کی

بیٹی کے نام جائیداد کردی، یہ وصیت تحریری موجود ہے، اور زبانی بھی لڑکے کے چچا شہزادہ کے بھائی و پھوپھی وغیرہ کی موجودگی میں ایسا کیا، ان کی گواہی موجود ہے، شہزادہ مرحوم نے دو شادیاں کیں، پہلی بیوی سے لڑکی ہے، جس کا اوپر بھی ذکر ہے، اور جس کے نام دادی اور باپ نے وصیت کی ہے اور دوسری بیوی کو شہزادہ نے شادی کے سال دو سال کے بعد طلاق دیدی، اس سے ایک لڑکا ہے، وصیت میں شہزادہ نے اپنے لڑکے کا کوئی ذکر نہیں کیا، اور نہ دادی نے لہٰذا چند سوال نیچے تحریر ہیں، ان کے جواب سے ان لوگوں کے مسائل حل ہوجائیں گے، برائے کرم قرآن وحدیث کی روشنی میں جو جواب ہوتا ہو، عنایت فرمائیں:

(۱) کیا دادی وصیت کے ذریعہ تنہا اپنی پوتی کو جائیداد دے سکتی ہے جبکہ چچا اور پھوپھی اس کے لیے راضی ہیں؟

(۲) کیا شہزادہ مرحوم وصیت کے ذریعہ لڑکی کو کل جائیداد کی وصیت کر کے قبضہ دے سکتے ہیں، موجودہ حالت میں تنہا لڑکی مکان پر قابض ہے، قبضہ والد نے اپنی زندگی میں اور دادی نے بھی اپنی زندگی میں لڑکی کو کرایا دیا تھا۔

(۳) لڑکا اپنے حصے کا مطالبہ اوپر کے حالات کے باوجود کر رہا ہے، کیا اس کا مطالبہ درست ہے؟ اگر درست ہے تو شرعاً اس کا کتنا حق ہوتا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بشرط صحت سوال اگر واقعی معاملہ وصیت کا ہی ہوا ہے تو وصیت موت کے بعد نافذ ہوتی ہے، اور زندگی میں جو قبضہ ہوا ہے شرعاً وہ قبضہ عاریت ہوگا، اور شریعت اسلامی میں وارثین کے حق میں وصیت نافذ نہیں ہوتی ہے اس لیے مذکورہ صورت میں لڑکی پورے ترکہ کی مالک نہ ہوگی، بلکہ اس لڑکے کا بھی شرعی حق ہوگا، لہٰذا کل ترکہ تین سہام میں تقسیم ہوکر دو لڑکے کو اور ایک لڑکی کو ملے گا۔

عن أبی أمامة –رضی الله عنه– قال: سمعت رسول الله ﷺ یقول: إن الله قد أعطیٰ کل ذی حق حقه فلا وصیة لوارث. (سنن أبی داؤد، الوصایا،

باب ما جاء فی الوصیة للوارث، النسخة الهندیة ۲/ ۳۹٦، دار السلام رقم: ۲۸۷۰)

ولاتجوز لوارثه لقوله علیه السلام إن الله قد أعطیٰ کل ذی حق حقه ألا لا وصیة للوارث. (هدایه کتاب الوصایا رشیدیه ٤/ ٦٤١، اشرفی دیو بند ٤/ ٦٥٧، شامی کراچی ٦/ ٦٥٥، زکریا ١٠/ ٣٤٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍ جمادی الثانیہ ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۷۰۸)

٤ باب الوصية للأقرباء وغيرهم

شرعی حصص کے مطابق جائیداد تقسیم کرنے کی وصیت

سوال [۱۱۲۴۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں اپنی جائیداد سے متعلق یہ دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ میرے مرنے کے بعد کس طرح تقسیم ہوگی؟ میرے ورثاء میں ایک بیوی چار لڑکے، دولڑکیاں ہیں، کیا یہ وصیت کرسکتا ہوں کہ میرے مرنے کے بعد میرے ورثاء شرعی حصص کے مطابق تقسیم کریں، اور کیا وصیت نامہ میں ان کے حصے متعین ونامزد کرسکتا ہوں؟ تاکہ ان کے درمیان آئندہ جھگڑے نہ ہوں، ترکہ میں ۱۹۲ گز ہیں۔

المستفتی: جمیل احمد نئی بستی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ آپ کے مرنے کے بعد آپ کے مذکورہ ورثاء کے درمیان آپ کی جائیداد کس طرح تقسیم ہوگی، اور آپ کی وفات کے بعد ہر ایک کو جو شرعی حق ملنا ہے اس کے متعلق نامزد کر کے حصہ متعین کر کے ایک وصیت نامہ اس طرح لکھنا چاہتے ہیں کہ ہر ایک حقدار کو اپنا شرعی حق مل جائے، اور آپس میں کوئی اختلاف اور لڑائی پیدا نہ ہو، تو آپ کے لیے ایسا کرنا جائز اور درست ہے، تاکہ آپ کے وارثین کے درمیان جھگڑا پیدا نہ ہو۔

وأما إذا أراد الرجل أن يقسم أملاكه فيمابين أولاده في حياته لئلا يقع بينهم نزاع بعد موته، فإنه وإن كان هبة في الاصطلاح الفقهي، ولكنه في الحقيقة والمقصود استعجال لما يكون بعد الموت وحينئذ ينبغي أن يكون سبيله سبيل الميراث. (تكمله فتح الملهم، كتاب الهبات، مذهب الجمهور التسوية بين الذكر والأنثىٰ اشرفيه ديو بند ۲/ ۷۵)

لہٰذا آپ کی مذکورہ جائیداد درج ذیل نقشہ کے مطابق مذکورہ وارثین کے درمیان آپ کی وفات کے بعد تقسیم ہوگی۔

توافق/۱۶

میـــــــــــــــــــــــــــــت

	بیوی	لڑکا	لڑکا	لڑکا	لڑکا	لڑکی	لڑکی
سہام	۱	۱۴	۱۴	۱۴	۱۴	۷	۷
ترکہ	۱۰ / ۲۴ر گز	۳/۵ ۳۳ر گز	۳/۵ ۳۳ر گز	۳/۵ ۳۳ر گز	۳/۵ ۳۳ر گز	۴/۵ ۱۶ر گز	۴/۵ ۱۶ر گز

مذکورہ جائیداد ۸۰ر سہام میں تقسیم ہوکر اسی کے تناسب سے ۱۹۲ گز متروکہ جائیداد میں سے ہر ایک کو اتنا ملے گا جو اس کے نام کے نیچے ترکہ کے سامنے درج ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷ر صفر المظفر ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۴۶۹)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۲/۲۷ھ

جھگڑے سے بچانے کے لیے وراثت سے متعلق وصیت

سوال [۱۱۲۴۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرے نام ۸۰ر گز مکان ہے اور میں بیوہ ہوں، میرا کوئی ذریعۂ معاش بھی نہیں، میرے چار بیٹے، تین بیٹیاں ہیں، جن میں سے ایک بیٹا دماغی طور پر معذور ہے، ایک بیٹا نافرمان اور مجھے پریشان کرنے والا ہے، میں اپنی زندگی میں چاہتی ہوں کہ اپنے بچوں کے متعلق وصیت کردوں تو کتنے کتنے گز کی وصیت کروں، شریعت کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: اکبری بیگم زوجہ محمد حفیظ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: وارثین کے حق میں وصیت درست نہیں ہوتی

ہے، اگر موت کے بعد وصیت پر ایک آدھ وارث راضی نہ ہوتو وہ وصیت منسوخ ہوجاتی ہے اور متروکہ جائیداد شرعی حصوں کے حساب سے سب کے درمیان تقسیم ہوجاتی ہے، اگر آپ کا مقصد یہ ہے کہ آپ کے فوت ہوجانے کے بعد بچوں کے درمیان اختلاف اور جھگڑا پیدا نہ ہو تو ایسی صورت میں شرعی حصوں کے حساب سے وصیت کی جاسکتی ہے کہ کل جائیداد گیارہ حصوں میں تقسیم ہوکر چاروں لڑکوں کو دو دو حصہ اور تینوں لڑکیوں کو ایک ایک حصہ ملے گا۔

عن أبی أمامة الباهلی –رضی الله عنه– قال: سمعت رسول الله ﷺ یقول فی خطبته عام حجة الوداع، إن الله تبارک وتعالیٰ قد أعطیٰ کل ذی حق حقه فلا وصیة لوارث. (سنن الترمذی، باب ما جاء لا وصیة لوارث، النسخة الهندیة ۲/ ۳۲ دار السلام رقم: ۲۱۲۰، سنن أبی داؤد، کتاب الوصایا، باب ما جاء فی الوصیة للوارث، النسخة الهندیة ۲/ ۳۹۶، دار السلام رقم: ۲۸۷۰)

ولا لوارثه إلا بإجازة ورثته لقوله علیه السلام: لا وصیة لوارث.

(شامی، کتاب الوصایا، کراچی ۶/ ۶۵۵-۶۵۶، زکریا ۱۰/ ۳۴۶)

وأما إذا أراد الرجل أن یقسم أملاکه فیمابین أولاده فی حیاته لئلا یقع بینهم نزاع بعد موته، فإنه وإن کان هبة فی الاصطلاح الفقهی، ولکنه فی الحقیقة والمقصود استعجال لما یکون بعد الموت وحینئذ ینبغی أن یکون سبیله سبیل المیراث. (تکمله فتح الملهم، کتاب الهبات، مذهب الجمهور التسویة بین الذکر والأنثیٰ، اشرفیه دیوبند ۲/ ۷۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴ / ربیع الثانی ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۰۵۰)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۳۴/۴/۱۴ھ

مورث کی وفات کے بعد حصص شرعیہ کے مطابق کی گئی وصیت کا حکم

سوال [۱۱۲۴۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ عالی جناب محمد قمرالدین صاحب مرحوم کی دو بیویاں ہیں، پہلی بیوی کے بطن سے چھ لڑکے، دو لڑکیاں ہیں، سب کی شادی مرحوم کی زندگی میں ہوئی، دوسری بیوی سے دو لڑکے اور دو لڑکیاں شادی شدہ اور دو لڑکے زیر تعلیم ہیں، تو مرحوم نے اپنی زندگی میں ساری جائیداد کی اپنی اولاد کو مدنظر رکھتے ہوئے تعیم کے اور چند گواہوں کے سامنے وصیت کی تاکہ کل کے دن یعنی میری زندگی کے بعد کسی بچے کی حق تلفی نہ ہو، اور جائیداد کے تعلق سے کسی قسم کا ایک دوسرے سے لڑائی جھگڑا نہ ہو، ان ساری باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے، اور آئندہ کا خیال کرتے ہوئے مرحوم نے اپنی زندگی میں جائیداد تقسیم کردی، اور اب آخری ایک وصیت نامہ لکھا تاکہ میرے مرنے کے بعد ہی اس پر عمل ہو، تو اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس وصیت نامہ پر عمل کیا جائے یا نہ کیا جائے، کیونکہ ان کی زندگی میں عمل کیا گیا تو کیا ضروری ہے کہ ان کے گذر جانے کے بعد بھی اس پر عمل کیا جائے، اس بارے میں شریعت کے لحاظ سے علماء دین کیا فرماتے ہیں؟

المستفتی: محمد عظیم الدین مشیرآباد، حیدرآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر وصیت نامہ اس طرح تحریر میں آیا ہے کہ فخر الدین کے مرنے کے بعد دونوں بیویوں کو آٹھواں حصہ اور لڑکیوں کو لڑکوں کے اعتبار سے آدھا ملے گا، اور فخر الدین کی موت کے بعد ہی مالک ہوں گے، تو یہ درحقیقت فخر الدین کی موت کے بعد حکم شرعی پر عمل کرنے کے لیے ان کی طرف سے وصیت ہے نہ کہ جائیداد کی وصیت، اس لیے اس طرح وصیت نامہ پر عمل درست ہے اور ہر ایک کو اپنے اپنے حقوق کے مطابق حصہ ملے گا، اور اگر تقسیم شرعی سے قطع نظر کرکے حصہ متعین کرکے وصیت کی ہے، تو وہ وصیت نافذ نہ ہوگی، بلکہ حصۂ شرعی کے اعتبار سے تقسیم کرنا لازم ہوگا، کیونکہ شرعاً وارثین کے لیے وصیت درست نہیں ہے۔

عن أبی أمامة الباهلی –رضی الله عنه– قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول فی خطبته عام حجة الوداع، إن الله تبارک وتعالیٰ قد أعطیٰ كل ذی حق حقه فلا وصية لوارث. (سنن الترمذی باب ما جاء لا وصية لوارث

النسخة الهندية ۲/ ۳۲ دار السلام رقم: ۲۱۲۰، سنن أبی داؤد، کتاب الوصایا، باب ما جاء فی الوصیة للوارث، النسخة الهندیة ۲/ ۳۹٦، دار السلام رقم: ۲۸۷۰)

ولا لوارثه إلا بإجازة ورثته لقوله علیه السلام: لاوصیة لوارث. (شامی، کتاب الوصایا، کراچی ٦/ ٦٥٥-٦٥٦، زکریا ۱۰/ ۳٤٦، کوئٹه ٥/ ٤٥٩، الجوهرة النیرة، امدادیه ملتان ۲/ ۳۸۹، دار الکتاب دیوبند ۲/ ۳٦۹)

ومنها کون الموصیٰ له أجنبیا حتی لا تجوز الوصیة لوارث. (مجمع الأنهر، قدیم ۲/ ٦۹۱، جدید دار الکتب العلمیة بیروت ٤/ ٤۱۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵ ؍رجب المرجب ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۸۲۲)

وارث کے حق میں وصیت نافذ نہیں ہوتی

سوال [۱۱۲۴۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے والد صاحب نے ایک مکان اپنے ذاتی سرمایہ سے خریدا تھا، ہمارے والد صاحب کے دو بھائی اور ایک بہن ہیں، اس مکان کے لیے ہمارے والد بزرگوار نے وصیت کردی تھی اور زبانی ہبہ بھی کردیا تھا، دو یا تین عزیزوں کے سامنے اپنی وفات سے پہلے کہ بعد میرے مرنے کے میری دونوں لڑکیاں آدھے آدھے مساوی طور پر مالک مکان ہوں گی، اس کے باوجود ہمارے چچا صاحب جن کا نومبر ۱۹۹۰ء کو انتقال ہوگیا ہے، ہم پر دعویٰ تقسیم کا ۱۹۸۵ء میں عدالت میں کردیا کہ ہم بھی مالک ہیں، جبکہ ہمارے مرحوم والد صاحب نے وصیت نامہ لکھ دیا اور ہبہ بھی کردیا تو کیا اب بھی شرعاً ہمارے چھوٹے چچا اوران کی بیوہ اوران کی لڑکی کو اس مکان میں حصہ پہنچ سکتا ہے کہ نہیں؟

المستفتی: دختر ان قمر جہاں وچندا بی محلّہ فیل خانہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اسلامی شریعت میں وارث کے حق میں وصیت

نافذ نہیں ہوتی ہے، اور مالک جائیداد کی دونوں لڑکیاں شرعی وارث ہیں اور مالک جائیداد کے بھائی بہن بھی شرعی وارث ہیں بشرطیکہ مالک جائیداد کا کوئی لڑکا موجود نہ ہو۔

عن أبی أمامة الباهلی –رضی الله عنه– قال: سمعت رسول الله ﷺ یقول فی خطبته عام حجة الوداع، إن الله تبارک و تعالیٰ قد أعطیٰ کل ذی حق حقه فلا وصیة لوارث. (سنن الترمذی، باب ما جاء لا وصیة لوارث، النسخة الهندیة ۲/ ۳۲ دار السلام رقم: ۲۱۲۰، سنن أبی داؤد، کتاب الوصایا، باب ما جاء فی الوصیة للوارث، النسخة الهندیة ۲/ ۳۹۶، دار السلام رقم: ۲۸۷۰)

لاتجوز الوصیة للوارث. (الجوهرة النیرة، کتاب الوصایا، ملتانی ۲/ ۳۸۹، دار الکتاب دیوبند ۲/ ۳۶۹، مجمع الأنهر، دار الکتب العلمیة بیروت ٤/ ٤١٨، هدایه، رشیدیه ٤/ ٦٤١، اشرفی دیوبند ٤/ ٦٥٧، شامی کراچی ٦/ ٦٥٥، زکریا ١٠/ ٣٤٦)

لہٰذا کل ترکہ تین حصوں میں تقسیم ہو کر دونوں لڑکیوں کو برابر برابر دو حصے اور بھائی بہن کو ایک حصہ دیا جاسکتا ہے، اور بھتیجی اور بھائی کی بیوہ وغیرہ کو نہیں ملتا ہے، جبکہ بھتیجی کا باپ اور بیوی کا شوہر مالک جائیداد سے پہلے مرگیا ہو اور اگر زندہ تھا اور بعد میں انتقال کیا ہے تو اس کے حصہ میں اس کی بیوہ اور لڑکی وارث ہوسکتی ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۶ ربیع الاول ۱۴۱۲ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۵۷۳)	۱۴۱۲/۳/۴ھ

وارث کے حق میں وصیت معتبر نہیں

سوال [۱۱۲۴۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید، عمر، بکر تین حقیقی بھائی ہیں، دادالٰہی مکان پورا سب سے بڑے بھائی زید کے نام ہے، زید نے اس مکان میں سے آدھا حصہ اپنے تایازاد بھائی خالد کو بذریعۂ رجسٹری ہبہ کردیا، اور زید کی بیوی مریم اور ایک لڑکی بھی حیات تھی، اس کے بعد بقیہ آدھا مکان سب سے

چھوٹے بھائی بکر نے اپنے نام کرالیا، پھر زید کا انتقال ہوا، اس کے بعد عمر کا انتقال ہوا، اور زوجۂ زید مریم کا بھی انتقال ہوگیا، تایازاد بھائی خالد کی کوئی اولاد نہیں تھی، وہ آخر تک چچازاد بھائی بکر کے پاس رہے، بکر ہی نے ان کی خدمت کی، اب خالد کا انتقال ہوا، انہوں نے ایک چچازاد بھائی بکر اور دوسرے چچازاد بھائی زید کی ایک لڑکی کل دو وارث چھوڑے، پھر بکر کا بھی انتقال ہوگیا، اور خالد کے مکان میں بکر کے بچے قابض ہیں، اب زید کی لڑکی ان سے اپنے باپ کا حق مانگتی ہے، تو کیا اس کا کوئی اس مکان میں حق ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو کس طرح تقسیم کیا جائے گا؟ اور بکر نے بھی اپنے پانچ وارث: تین لڑکے اور ایک لڑکی اور بیوہ بیوی چھوڑے ہیں، زید کی لڑکی کا اگر اس میں حصہ ہے تو اس کے چچازاد بھائیوں یعنی بکر کے بچوں نے اب تک جو اس کی امداد کی ہے اس کو واپس لے سکتے ہیں یا نہیں؟ اس کی صراحت فرمادیں؟

ایک جواب طلب امر یہ ہے کہ ان تینوں بھائیوں (زید، عمر، بکر) میں سے عمر نے ایک مکان اپنے ذاتی پیسہ سے خریدا تھا، اور عمر کی حیات ہی میں اس کے والدین اور ایک بڑے بھائی زید کا انتقال ہوگیا، عمر نے اپنے انتقال کے وقت صرف ایک اپنا حقیقی بھائی اور دوسرے بڑے بھائی زید کی ایک لڑکی، کل یہ دو وارث چھوڑے تو زید کی لڑکی اپنے چچا کے مکان میں حقدار ہوگی یا نہیں؟ اگر ہوگی تو وہ مکان جو عمر نے میراث میں چھوڑا ہے کس طرح ان دونوں کے درمیان تقسیم ہوگا؟

المستفتی: محمد آصف ہلدوانی نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر مذکورہ مکان دادالٰہی ہے اور اس کے حقدار صرف زید، عمر، بکر تھے اور زید نے عمر وبکر کے حصہ کی قیمت ادا نہیں کی ہے اور صرف بڑے ہونے کی وجہ سے پورا مکان اپنے نام کرالیا ہے، تو اس صورت میں زید شرعاً پورے مکان کا مالک نہیں ہوا ہے، بلکہ تینوں کا برابر حق اس مکان میں شامل ہے، لہٰذا نصف حصہ تایا زاد بھائی خالد کے ہاتھ رجسٹری ہبہ بھی شرعاً صحیح نہیں ہوا، اور بقیہ نصف حصہ بکر کا اپنے نام کرالینا بھی درست نہ ہوگا، اس لیے اولاً پورا مکان تین حصوں میں تقسیم ہوکر زید، عمر، بکر کے

درمیان برابر برابر تقسیم ہوگا، اور اس کے بعد ان کے واسطے سے ان کے ورثاء کو حسب حکم شرع حصہ ملتا جائے گا، لہٰذا زید، عمر، بکر کے حصوں کا مسئلہ حل ہونے سے پہلے ان کی اولاد کے حقوق بیان نہیں کیے جا سکتے۔

عن أبی أمامة الباهلی –رضی الله عنه– قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول فی خطبته عام حجة الوداع، إن الله تبارك وتعالىٰ قد أعطىٰ كل ذی حق حقه فلا وصية لوارث. (سنن الترمذی، باب ما جاء لا وصية لوارث، النسخة الهندية ۲/ ۳۲ دار السلام رقم: ۲۱۲۰، سنن أبی داؤد، كتاب الوصايا، باب ما جاء فی الوصية للوارث، النسخة الهندية ۲/ ۳۹۶، دار السلام رقم: ۲۸۷۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱/ ربیع الاول ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۵۸۲)

وارث کے لیے کی گئی وصیت کا حکم

سوال [۱۱۲۴۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرے شوہر جعفر احمد ولد شبیر احمد ساکن تلی تال، نینی تال نے اپنے مملوکہ و مسکونہ مکان نمبر ۳۱۶/ ۳۳۶، واقع بڑا بازار نے اپنے مکان مذکور کی بابت ایک وصیت بتاریخ ۱۸/ اکتوبر ۱۹۹۷ء میرے حق میں تحریر و تکمیل کرا کر رجسٹری کرا دی اور وصیت مذکور کے ذریعہ میرے شوہر نے مجھ کو مکان مذکور کا کلیۃً مالک وقابض قرار دیدیا، میرے شوہر مذکور کا انتقال ہوئے عرصہ قریب سوا سال ہو چکا ہے، میرے شوہر لاولد فوت ہوئے، ان کے کوئی اولاد اناث یا ذکور پیدا نہیں ہوئی، میرے شوہر کے کئی بھائی تھے اور ایک بہن تھی، ان کے کئی بھائیوں کا انتقال ان کی زندگی ہی میں ہو چکا تھا، ان کے انتقال کے بعد صرف ایک بھائی اور بہنیں زندہ ہیں، میرے شوہر کے انتقال کے بعد ان کے بھائی کا بھی انتقال ہوگیا، میرے شوہر کے انتقال کے بعد میرے شوہر کے بھائی کے وارثان اور بہنیں اپنا اپنا حق ہونا ظاہر

کرتے ہیں، اور مجھ سے دس قسم کا مطالبہ کررہے ہیں، آپ یہ بتائیے کہ وصیت مذکور کے ہوتے ہوئے اشخاص مذکورہ بالا کا کوئی حصہ مکان مذکور میں ہوتا ہے، اور اگر ہوتا ہے تو کتنا کتنا ہوتا ہے، میں اپنے شوہر کی منکوحہ ہوں، میرا مکان مذکور میں از روئے شریعت کتنا حصہ ہوتا ہے، تفصیل سے بتانے کی زحمت گوارہ فرمائیں؟

المستفتی: مسماۃ انتخاب بیگم ساکنہ بڑا بازار تلی تال، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ اور وصیت نامہ دونوں پر بخوبی غور کیا گیا ہے، شریعت اسلامی میں وارث کے حق میں وصیت نافذ نہیں ہوتی، جبکہ دوسرے وارثین اس وصیت کے نفاذ پر متفق نہ ہوں، اس لیے انتخاب بیگم کے حق میں اس کے شوہر جعفر احمد نے جو وصیت کی ہے، وہ شرعاً کالعدم ہے، کیونکہ انتخاب بیگم خود جعفر احمد کی شرعی وارث ہے، لہٰذا شریعت کے ضابطہ کے مطابق انتخاب بیگم کو کل جائیداد میں سے ایک چوتھائی ملے گا، اور تین چوتھائی شوہر کے بھائی اور بہن کو حصص شرعیہ کے اعتبار سے ملے گا۔

عن أبی أمامة الباهلی –رضی الله عنه– قال: سمعت رسول الله ﷺ یقول فی خطبته عام حجة الوداع، إن الله تبارک و تعالیٰ قد أعطیٰ کل ذی حق حقه فلا وصیة لوارث. (سنن الترمذی، باب ما جاء لا وصیة لوارث، النسخة الهندیة ۲/ ۳۲ دار السلام رقم: ۲۱۲۰، سنن أبی داؤد، الوصایا، باب ماجاء فی الوصیة للوارث، النسخة الهندیة ۲/ ۳۹٦، دار السلام رقم: ۲۸۷۰)

ولا لوارثه إلا بإجازة ورثته لقوله علیه السلام: لاوصیة لوارث. (شامی، کتاب الوصایا، کراچی ٦/ ٦٥٥- ٦٥٦، زکریا ١٠/ ٣٤٦، کوئٹه ٥/ ٤٥٩، الجوهرة النیرة، امدادیه ملتان ۲/ ۳۸۹، دار الکتاب دیوبند ۲/ ۳٦۹) **فقط واللّٰہ سبحانہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲٦ ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ٦٦۱۰)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۴/۲٦ھ

وارث کے حق میں کی گئی وصیت کا شرعی حکم

سوال [۱۱۲۵۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری بہن شفیقہ خاتون کے کوئی اولاد نہیں ہے، اس کے شوہر کا انتقال ہوگیا ہے، شوہر کا بھی کوئی وارث نہیں ہے، میری بہن نے میرے ایک لڑکے اور ایک لڑکی کو لے کر پالا، پوسا، اور جوان ہونے کے بعد ان دونوں کی شادی بھی کردی۔

اب دریافت یہ کرنا ہے کہ میری بہن کے کل ترکہ کے مالک اس کے مرنے کے بعد اس کے شرعی ورثاء (تین حقیقی بھائی: محمد تصور، محمد افسر، محمد انور، ایک بہن: رفیقہ) ہوں گے، یا لے پالک لڑکا اور لڑکی بھی، اور اگر میری بہن اپنی حیات میں اپنی جائیداد اپنے کسی وارث کو دیدے تو وہ مالک ہوجائے گا یا نہیں؟ یا وصیت کرنا چاہے تو کتنے حصے کی وصیت کرسکتی ہے؟

المستفتی: محمد انور گلاب باڑی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بہن کی زندگی میں اس کے مال میں اس کے بھائی بہنوں کا کوئی حق نہیں ہے، اور جب بہن کا انتقال ہوجائے گا تو تینوں بھائی اور بہن اپنے حصۂ شرعی کے مطابق اس کے ترکہ کے حقدار ہوں گے، اور لے پالک لڑکے اور لڑکی کا آپ کی بہن کے مال میں شرعاً کوئی حق نہیں ہے، اور آپ کی بہن اپنی زندگی میں اپنے مال و جائیداد کی ہر طرح کی مالک ہے جس طرح چاہے تصرف کرے، اگر وہ کسی وارث یا غیر وارث کو دینا چاہے تو دے سکتی ہے، اور کسی وارث کے حق میں وصیت کرنے کا اعتبار نہیں ہے، اگر وصیت کرے گی تو دیگر وارثین کی اجازت کے بغیر وہ نافذ نہیں ہوگی۔

﴿قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآئَكُمْ اَبْنَآئَكُمْ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ. [الأحزاب: ٤] ﴾

عن أبی أمامة الباهلی –رضی الله عنه– قال: سمعت رسول الله

ﷺ **یقول فی خطبته عام حجة الوداع، إن الله تبارک وتعالیٰ قد أعطیٰ کل ذی حق حقه فلا وصیة لوارث.** (سنن الترمذی، باب ما جاء لا وصیة لوارث، النسخة الهندیة ۲/۳۲ دار السلام رقم: ۲۱۲۰، سنن أبی داؤد، الوصایا، باب ماجاء فی الوصیة للوارث، النسخة الهندیة ۳۹۶/۲، دار السلام رقم: ۲۸۷۰)

وشروطه ثلاثة: موت مورث حقیقة أو حکماً کمفقود. (شامی، کتاب الفرائض کراچی ۷۵۸/۶، زکریا ۴۹۱/۱۰)

ولأن الترکة فی الاصطلاح ما ترکه المیت من الأموال صافیا عن تعلق حق الغیر بعین من الأموال کما فی شروح السراجیة. (شامی، کراچی ۷۵۹/۶، زکریا ۴۹۳/۱۰،ونحو ذٰلك فی حاشیة السراجی ص: ۳)

کل یتصرف فی ملکه کیف شاء. (شرح المجلة رستم اتحاد ۶۵۴/۱ رقم المادۃ: ۱۱۹۲)

ولا لوارثه إلا بإجازة ورثته لقوله علیه السلام: لاوصیة لوارث إلا أن یجیزها الورثة. (شامی، کتاب الوصایا، کراچی ۶۵۵/۶ زکریا ۳۴۶/۱۰، کوئٹه ۴۵۹/۵، الجوهرة النیرة، امدادیه ملتان ۳۸۹/۲، دار الکتاب دیوبند ۳۶۹/۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰؍رجب المرجب ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۲۱۶)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۳۰؍۷؍۱۴۳۴ھ

اولاد کے حق میں والد کی وصیت

سوال [۱۱۲۵۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے والد محترم محمد ظہور مرحوم کے کل چار مکان تھے، انہوں نے انتقال سے تقریباً ایک ماہ قبل یہ وصیت کی تھی کہ ۱۵۰؍گز آراضی والا مکان جو کسرول میں ہے، وہ دونوں بڑے لڑکوں: واحد نور، زاہد حسین کے نام کرا دینا، اور تقریباً ۵۵؍گز آراضی والا مکان جو نئی

بستی میں ہے جس میں طالب حسین رہتا ہے وہ طالب حسین کے نام کرادینا، اور جس میں میں (ظہور احمد) رہتا ہوں وہ واجد حسین کے حق میں کرادینا، اور چوتھا مکان بیچ کر واجد حسین کی شادی کرادینا، اور یہ بھی وصیت کی کہ شادی کے بعد جو رقم بچے وہ آپس میں تقسیم کرلینا۔

تو دریافت یہ کرنا ہے کہ والد محترم کی وصیت جو ہم لوگوں کے حق میں کی ہے وہ نافذ ہوگی یا نہیں؟ اگر وصیت نافذ نہیں ہوگی تو ان مکانوں کی تقسیم کس طرح ہوگی؟ اور جو مکان بیچ کر بڑے بھائیوں نے واجد حسین کی شادی کی ہے اس میں جو روپیہ بچا ہے وہ شرعاً سب ورثاء کو ملے گا یا نہیں؟

کل ورثاء درج ذیل ہیں: چار لڑکے: واحد نور، زاہد حسین، طالب حسین، واجد حسین، ایک لڑکی مہر جہاں۔

المستفتی: طالب حسین، نئی بستی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: وارث کے حق میں وصیت اس وقت درست ہوتی ہے کہ جب دوسرے ورثاء راضی ہوجائیں، اور جب دوسرے ورثاء نے بخوشی چوتھا مکان فروخت کرکے وصیت کے مطابق واجد حسین کی شادی کردی ہے، تو اس مکان میں وصیت درست ہوگئی، اور جو رقم بچ گئی ہے وہ تمام ورثاء کے درمیان حقوق کے مطابق تقسیم کرنا لازم ہوگا اور اس کے علاوہ رہائشی مکانات کے بارے میں جو وصیت کی گئی ہے اس میں چونکہ سب ورثاء متفقہ طور پر راضی نہیں ہیں، اس لیے اس میں وصیت نافذ نہ ہوگی، بلکہ تمام مکانات کی قیمت لگا کر ۹/ سہام بنا کر ۲/۲ سہام لڑکوں کو اور ایک سہام لڑکی کو ملے گا۔

عن ابن عباس قال: قال رسول اللّٰہ ﷺ: لاتجوز الوصیة لوارث، إلا إن شاء الورثة. (السنن الکبریٰ للبیهقی، باب نسخ الوصیة للوالدین والأقربین الوارثین، دار الفکر ۹/۳۵٦، رقم: ۱۲۷۹۷ - ۱۲۷۹۸، سنن الدار قطنی، دار الکتب العلمیة بیروت ٤/۸٦، رقم: ٤۲۵۱)

إن اللّٰہ أعطیٰ کل ذی حق حقه ألا لا وصیة للوارث (إلی قوله) إلا أن

يجيزها الورثة …… **(قوله) و لأن الامتناع لحقهم فتجوز بإجازتهم.** (هدایه، کتاب الوصایا، رشیدیه ٤/٦٤١، اشرفی دیو بند ٤/٦٥٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲ر صفر المظفر ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۱۸۴)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۲/۲۲ھ

والدہ کا اپنا مکان کسی ایک اولاد کے نام وصیت کرنا

سوال [۱۱۲۵۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زینب کی چار بیٹیاں، ایک بیٹا ہے، تین بیٹیوں اور ایک بیٹے کی شادی ہوچکی ہے، موجودہ حالات میں جس مکان میں زینب کی رہائش ہے اس کے تمام مالکانہ حقوق زینب کو حاصل ہیں، کیا زینب اپنا مکان کسی ایک اولاد کے نام کرسکتی ہے، اور ایسا کرنے میں کوئی شرعی عذر تو نہیں؟ اور اس کا طریقہ کیا ہوگا؟ کیا وصیت کے ذریعہ اس کام کو کیا جاسکتا ہے؟ جبکہ کہتے ہیں کہ وصیت ایک تہائی سے زیادہ نہیں ہوسکتی؟ برائے مہربانی جواب تحریر فرمادیں۔

المستفتی: اکبری بیگم زوجہ محمد حفیظ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زینب کا اپنی اولاد میں سے کسی ایک کے نام پر اپنے پورے مکان کو کردینا، دیگر اولاد پر ظلم ہے، جس کی شریعت میں اجازت نہیں ہے، اس لیے زینب کے لیے یہ درست نہیں ہے کہ وہ اپنا پورا مکان کسی ایک کے نام پر کردے اور اگر وہ اپنا مکان اپنی زندگی میں اولاد میں تقسیم کرنا چاہتی ہے تو اسے ہر ایک کو برابر حصہ دینا چاہیے، اور اولاد سب کی سب وارث ہوتی ہیں اور ان میں کسی ایک کے نام پر شرعی طور پر وصیت نافذ نہیں ہوگی، جب تک کہ دوسرے ورثاء بخوشی اس کی اجازت نہ دیں۔

عن عمرو بن خارجة قال: قال رسول الله ﷺ: لا وصية لوارث إلا أن يجيز الورثة. (سنن کبریٰ للبیهقی، دار الفکر بیروت ٩/٣٥٨، رقم: ١٢٨٠٣، سنن

الدار قطنی، دار الکتب العلمیة بیروت ٨٦/٤، رقم: ٤٥٢)

وإن قصد به الإضرار سوی بینهم، یعطی الابنة مثل ما یعطی للإبن وعلیه الفتویٰ. (فتاویٰ عالمگیری، کتاب الهبة، الباب السادس، زکریا قدیم ٣٩١/٤، جدید ٤١٦/٤، فتاویٰ قاضیخان جدید زکریا ١٩٤/٣، وعلی هامش الهندیة زکریا ٢٧٩/٣)

ولاتجوز الوصیة للوارث عندنا إلا أن یجیزها الورثة. (عالمگیری، کتاب الوصایا، الباب الأول، زکریا قدیم ٩٠/٦، جدید ١٠٦/٦، در مختار مع الشامی، کراچی ٦٥٥/٦، زکریا ٣٤٦/١٠، هدایه رشیدیه ٦٤١/٤، اشرفی دیو بند ٦٥٧/٤، مجمع الأنهر، دار الکتب العلمیة بیروت ٤١٨/٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٢ رشعبان المعظم ١٤٢٧ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٩٠٧٩/٣٨)

وارث بھتیجے کے حق میں وصیت کا حکم

سوال [١١٢٥٣]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: حاجی بابو کا انتقال ہوگیا، انہوں نے اپنے مرنے کے بعد دو لڑکیاں اور دو بھتیجے ایک بیوی کو چھوڑا، شریعت مطہرہ کی روشنی میں بتلائیں کہ کس کا کتنا حق بنتا ہے؟ جبکہ ایک بھتیجہ نعیم احمد کہتا ہے کہ میرے چچا حاجی بابو نے پورے مکان کی میرے لیے وصیت کردی ہے، تو یہ وصیت نافذ ہوگی یا نہیں؟ ورثاء میں زوجہ، زیب النساء بنت آمنہ بنت امینہ، ابن الاخ نعیم، ابن الاخ حنیف۔

المستفتی: خلیل احمد، اظہر علی لالباغ حسن پور ضلع امروہہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بھتیجہ نعیم وارث ہے اور وارث کے حق میں وصیت نافذ نہیں ہوتی ہے، لہٰذا وہ بھی دیگر بھتیجوں کی طرح ایک وارث ہی کے درجہ میں ہوگا،

چنانچہ کل ترکہ ۴۸ ر سہاموں میں تقسیم ہوکر بیوی کو ٦، اور دونوں لڑکیوں کو ١٦/ ١٦ ر اور دونوں بھتیجوں کو پانچ پانچ ملیں گے۔

عن أبی أمامة الباهلی –رضی الله عنه–قال: سمعت رسول الله ﷺ یقول فی خطبته عام حجة الوداع، إن الله تبارک وتعالیٰ قد أعطیٰ کل ذی حق حقه فلا وصیة لوارث. (سنن الترمذی، باب ما جاء لا وصیة لوارث، النسخة الهندیة ۲/ ۳۲ دار السلام رقم: ۲۱۲۰، سنن أبی داؤد، الوصایا، باب ماجاء فی الوصیة للوارث، النسخة الهندیة ۲/ ۳۹٦، دار السلام رقم: ۲۸۷۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱٦/ ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۲۹۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۳۴/۱۱/۱٦ھ

صحرائی یا سکنائی جائیداد کو کسی ایک وارث کے لیے وصیت کرنا

سوال [۱۱۲۵۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) کیا کسی وارث کے حق میں وصیت کرنے کی اجازت ہے یا نہیں؟ مثلاً باپ بیٹے کے نام کچھ جائیداد وصیت کرسکتا ہے یا نہیں؟

(۲) کیا صحرائی جائیداد میں وصیت کسی وارث کے حق میں کرنے کی گنجائش ہے، یا سکنائی میں؟ اگر کرسکتے ہیں تو کتنے حصوں کی کرسکتے ہیں؟

المستفتی: سراج الحق کانٹھ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: صحرائی یا سکنائی کسی قسم کی جائیداد میں بیٹے یا کسی دوسرے وارث کے حق میں وصیت نافذ نہیں ہوتی، جس کے حق میں وصیت کی جائے گی وہ صرف حق میراث پاسکتا ہے، وصیت کی بنا پر نہیں پائے گا۔

عن أبی أمامة الباهلی –رضی الله عنه–قال: سمعت رسول الله

ﷺ یقول فی خطبته عام حجة الوداع، إن الله تبارک وتعالیٰ قد أعطیٰ کل ذی حق حقه فلا وصیة لوارث. (سنن الترمذی، باب ما جاء لا وصیة لوارث، النسخة الهندیة ۲/۳۲ دار السلام رقم: ۲۱۲۰، سنن أبی داؤد، الوصایا، باب ماجاء فی الوصیة للوارث، النسخة الهندیة ۲/۳۹۶، دار السلام رقم: ۲۸۷۰)

ولا تجوز لوارثه لقوله علیه السلام إن الله قد أعطی کل ذی حق حقه ألا لاوصیة للوارث. (هدایه، کتاب الوصایا، رشیدیه ٤/٦٤١، اشرفی دیوبند ٤/٦٥٧، شامی کراچی ٦/٦٥٥-٦٥٦، زکریا ١٠/٣٤٦، الجوهرة النیرة امدادیه ملتان ٢/٣٨٩، دار الکتاب دیوبند ٢/٣٦٩، مجمع الأنهر، دار الکتب العلمیة بیروت ٤/٤١٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/ذی الحجہ ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۰۷۵)

جب دوسرے ورثاء وصیت پر راضی نہ ہوں تو......؟

سوال [۱۱۲۵۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرے والد کی سات اولادیں ہیں، میں دوسرے نمبر کا لڑکا ہوں، جس میں چار لڑکے اور تین لڑکیاں ہیں، میرے والد صاحب نے میرے کہنے پر ایک وصیت کی تھی، جس کا مضمون اس طرح ہے کہ میری سات اولادیں ہیں جس میں بڑی لڑکی کا انتقال ہوگیا اور دو لڑکے اور دو لڑکیوں کی شادی بیاہ ہوگیا، صرف دو چھوٹے لڑکے رہ گئے ہیں، ان کی شادی نہیں ہوئی ہے، میری یہ خوشی ہے کہ جو میرا مکان ہے وہ میں ان دونوں کو دیدوں، اس لیے وصیت کررہا ہوں تاکہ ان کی شادی بیاہ میں پریشانی نہ ہو، اس وصیت کے بعد والد صاحب کی زندگی میں دونوں چھوٹے بھائیوں کی شادی بھی ہوگئی، اور والد صاحب کا بعد میں انتقال ہوگیا، جبکہ اور بھائی بہن کا کہنا ہے کہ والد صاحب نے وصیت غلط کی، ہم سب بھی مکان کے مالک ہیں، علماء دین بتائیں کہ وصیت غلط ہے یا ٹھیک؟

المستفتی: محمد ہاشم علی محلّہ جگر کالونی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب دوسرے ورثاء وصیت پر راضی نہیں ہیں تو شرعی طور پر باپ کی وصیت لڑکوں کے بارے میں نافذ نہ ہوگی، تمام ترکہ تمام ورثاء کے درمیان شرعی حصص کے اعتبار سے تقسیم ہوگا۔

عن عمرو بن خارجة قال: قال رسول الله ﷺ: لاوصية لوارث إلا أن يجيز الورثة. (سنن کبریٰ للبیهقی، دار الفكر بيروت ٣٥٨/٩، رقم: ١٢٨٠٣، سنن الدار قطنی، دار الكتب العلمية بيروت ٨٦/٤، رقم: ٢٤٥٢)

ولاتجوز لوارثه ......إلا أن يجيزها الورثة . (هدايه، كتاب الوصايا، رشيديه ٦٤١/٤، اشرفی دیوبند ٦٥٧/٤، شامی کراچی ٦٥٥/٦، زكريا ٣٤٦/١٠، الجوهرة النيرة، امداديه ملتان ٣٨٩/٢، دار الكتاب ديو بند ٣٦٩/٢، مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ٤١٨/٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۲۱ر شوال المکرّم ۱۴۱۸ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۴۵۱)	۱۴۱۸/۱۰/۲۱ھ

وارث کے حق میں وصیت برضا دیگر وارثین

سوال [۱۱۲۵٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے اپنی وفات سے قبل اپنے فرزندوں کے لیے اپنی ساری زمین کی وصیت کردی تھی، اور یہ واضح رہے کہ زید کے کل تین فرزند ہیں، بعد وفات وہ دونوں وصیت کے مطابق کل زمین پر قبضہ کرنے کی کوشش کررہے ہیں، اور تیسرا لڑکا بقیہ کل مال پر قابض ہے، اب آپ شریعت کی روشنی میں اس بات کی مکمل ومدلل وضاحت فرمائیں، کہ یہ وصیت کرنا اور قبضہ کرنا صحیح ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد منیر لکھیم پوری مدرسہ شاہی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید کی اس وصیت سے اگر تیسرا لڑکا اور دیگر وارثین راضی نہیں ہیں تو یہ وصیت جائز نہ ہوگی، ایسی صورت میں کل زمین اور بقیہ مال کو تمام وارثین کے درمیان ان کے حصوں کے بقدر تقسیم کیا جائے، بغیر تقسیم کیے قبضہ کرنا جائز نہیں؟

عن عمرو بن خارجة قال: قال رسول الله ﷺ: لاوصية لوارث إلا أن يجيز الورثة. (سنن کبریٰ للبیهقی، دار الفكر بيروت ٩/٣٥٨، رقم: ١٢٨٠٣، سنن الدار قطني، دار الكتب العلمية بيروت ٤/٨٦، رقم: ٢٤٥٢)

ولا لوارثه إلا بإجازة ورثته لقوله عليه السلام: لاوصية لوارث إلا أن يجيزها الورثة يعني عند وجود وارث آخر كما يفيده. (در مختار مع الشامي، كتاب الوصايا، كراچی ٦/٦٥٥-٦٥٦، زكريا ١٠/٣٤٦، كوئٹه ٥/٤٥٩، الجوهرة النيرة، امداديه ملتان ٢/٣٨٩، دار الكتاب ديوبند ٢/٣٦٩، هدايه رشيديه ٤/٦٤١، اشرفي ديوبند ٤/٦٥٧، مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ٤/٤١٨) **فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍ ربیع الثانی ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۶۱۱۰)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۴/۱۳ھ

بیوی کو قرضہ اور ادائیگیٔ دین مہر کے لیے مکان کی وصیت

سوال [۱۱۲۵۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) عبد الغفور کی تین اولادیں تھیں، دو لڑکے عبد اللہ وعبد الستار اور ایک لڑکی جس کا ان کی زندگی میں ہی انتقال ہوگیا تھا، عبد الغفور نے اپنی ملکیت میں دو قطعہ مکانات چھوڑے اور دونوں کا نمبر ۸۳۹ تھا، اور عبد الغفور کا انتقال ہوا، تو ان دونوں مکانوں میں سے ایک ایک عبد اللہ وعبد الستار کو وراثت میں ملا۔

(۲) عبد اللہ کے ذمہ مبلغ ۵۰۰۰؍ روپیہ قرضہ تھا، اس نے اپنی بیوی کو تحریری وصیت کی

کہ یہ مکان مہر اور قرض کی ادائیگی کے عوض تمہارا ہے، بیوی کا مہر ایک ہزار تھا، اور قرض پانچ ہزار، اور عبداللہ کے مرنے کے بعد وصیت کے مطابق اس کا مکان اس کی بیوی مٹھّیا کے نام اندراج ہوگیا لیکن بیوہ مذکورہ نے قرضہ ادا نہیں کیا ہے، تو شرعی طور پر بیوہ مذکور مکان کی مالک ہوئی یا نہیں، مٹھّیا نے اپنے مرنے سے قبل اپنی چار لڑکیوں کو وصیت کی کہ یہ مکان مجھے تمہارے باپ سے مہر وقرض کی ادائیگی کے عوض ملا ہے، تم باپ کا قرضہ ادا کردینا یہ مکان تمہاری ملکیت ہے، اس طرح لڑکیوں نے مکان کو اپنے چچا عبدالستار کے لڑکے کے مشورہ سے فروخت کردیا۔

المستفتیہ: رمضانی محلّہ قاضی پورہ ٹانڈہ رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: (۱-۲) جب مٹھّیا نے قرضہ ادا نہیں کیا ہے تو مذکورہ مکان کا چھٹا حصہ اپنے ایک ہزار دین مہر کے عوض اس کی ملکیت میں آگیا ہے، اور باقی حصے پانچ ہزار کے عوض قرض خواہوں کے حق میں معلق ہے اگر اس کی وصیت کے مطابق لڑکیوں نے قرضہ ادا کردیا ہے تو چھٹا حصہ ماں کی وراثت سے اور بقیہ پانچ حصے ادائے قرض کے عوض لڑکیوں کی ملکیت میں آگئے، اور پورے مکان میں عبدالستار کے لڑکے محمد اسماعیل کا کوئی حق شرعاً باقی نہیں رہا ہے، کیونکہ قرضہ کی ادائیگی وراثت پر مقدم ہوا کرتی ہے۔

ثم تقضی دیونه من جمیع ما بقی من ماله. (شریفیه ص: ٦، تاتارخانیة زکریا ۲۰/۲۱۸، رقم: ۳۳۰۸٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵ رمضان المبارک ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/۲۳۸۷)

بیٹیوں کو چھوڑ کر صرف بیٹوں کے لیے وصیت کرنا

سوال [۱۱۲۵۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر کسی کے چار بیٹے اور چار بیٹیاں ہوں تو کیا وہ شخص اپنی ساری جائیداد کی

وصیت صرف بیٹوں کے نام کرکے اپنی بیٹیوں کو بے دخل کردے، اور وصیت نامہ کی رجسٹری کرادے ،تو کیا یہ وصیت شرعی طور پر صحیح ہے؟

المستفتی: مبشر حسین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صرف بیٹوں کے نام وصیت کرکے بیٹیوں کو حق وراثت سے محروم کرنا ناجائز ہے اور اس پر احادیث مبارکہ میں سخت ترین وعیدوارد ہوئی ہیں، نیز شرعی طور پر وارث کے حق میں وصیت درست نہیں ہوتی اور بیٹے چونکہ وارث ہیں وہ شریعت کی طرف سے متعین حصہ کے حقدار ہیں،اس سے زائد جس کی وصیت کی گئی ہے وہ جائز نہیں ہے، وہ نافذ نہ ہوگی، اورلڑکیوں کا جو حق بیٹھتا ہے وہ لڑکیوں کے لیے متعین رہے گا، اورلڑکیوں کا حصہ لڑکوں کو دینے سے سخت ترین عذاب کے مستحق ہوں گے۔

عن أنس بن مالک رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: من فر من میراث وارثه قطع الله میراثه من الجنة یوم القیامة. (ابن ماجه، أبواب الوصایا، باب الحیف فی الوصیة،، النسخة الهندیة ۲/ ۱۹٤، دار السلام رقم: ۲۷۰۳)

عن أنس بن مالک رضی اللہ عنہ قال: إن لتحت ناقة رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم یسیل عليّ لعابها فسمعته یقول: إن الله عز وجل قد أعطی کل ذی حق حقه، فلا وصیة لوارث. (دار قطنی سهارنپور ٤/ ۳۸، رقم: ٤۰۲۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍محرم الحرام ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۶۰۸/۳۹)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۴/۱/۱۴۳۳ھ

بیٹی کے حق میں وصیت کا حکم

سوال [۱۱۲۵۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہندہ کے پاس دوتولہ سونا تھا اس نے اس کے بارے میں یہ وصیت کی کہ یہ سونا ایک تولہ میرے دونوں بیٹوں کا ہے، لیکن قبل اسکے کہ یہ سونا دونوں میں تقسیم ہوتا، چھوٹے بھائی

کی شادی کا مسئلہ درپیش آ گیا، اور وہ سونا چھوٹے بیٹے کی شادی میں دیدیا گیا، دینے والوں میں بڑا بھائی اور اس کی والدہ دونوں کی مرضی شامل تھی، کچھ عرصہ کے بعد چھوٹے بھائی نے کسی ضرورت کے تحت وہ سونا فروخت کر کے اس کی رقم اپنے مصرف میں لے لی، اب سالہا سال گذر جانے کے بعد بڑا بھائی اپنے اس ایک تولہ سونا کے لینے کا خواہش مند ہے تو کیا اس کا یہ مطالبہ درست ہے، اور اگر درست ہے تو ادائیگی کے لیے کس بھاؤ کا اعتبار ہوگا اس وقت کے بھاؤ کا جب وہ بکا تھا یا موجودہ وقت کے بھاؤ کے حساب سے قیمت تقسیم کرنی ہوگی؟

المستفتی: محمد انور کلرس اینڈ کیمیکل مرچینٹ کاشی پور نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: والدہ نے دو تولہ سونے کے بارے میں جو وصیت کی تھی کہ یہ سونا میرے دونوں بیٹوں کا ہے، یہ وصیت ہی درست نہیں ہوئی، اس لیے کہ وارث کے حق میں وصیت درست نہیں ہے، پھر بعد میں والدہ نے بڑے لڑکے کی مرضی کے ساتھ چھوٹے لڑکے کی شادی میں دیدیا ہے تو اس کا دینا درست ہوگیا، اور چھوٹا لڑکا اس کا مالک ہوگیا، لہٰذا بڑے لڑکے کا اس سونے کی قیمت کا مطالبہ کرنا درست نہیں ہے۔

عن أبی أمامة الباهلی -رضی الله عنه- قال: سمعت رسول الله ﷺ یقول فی خطبته عام حجة الوداع، إن الله تبارک وتعالیٰ قد أعطیٰ کل ذی حق حقه فلا وصیة لوارث. (سنن الترمذی، باب ما جاء لا وصیة لوارث، النسخة الهندیة ٢/٣٢ دار السلام رقم: ٢١٢٠، سنن أبی داؤد، الوصایا، باب ماجاء فی الوصیة للوارث، النسخة الهندیة ٢/٣٩٦، دار السلام رقم: ٢٨٧٠)

وتتم الهبة بالقض الکامل. (شامی، کتاب الهبة زکریا ٨/٤٩٣، کراچی ٥/٦٩٠)

وتتم بالقبض الکامل لقوله علیه الصلاة والسلام لاتجوز الهبة إلا مقبوضة. (مجمع الأنهر، دار الکتب العلمیة بیروت ٣/٤٩١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٣رذی قعدہ ١٤٣٤ھ
(الف فتویٰ نمبر: ١١٢٧/٤٠/٤)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
١٤٣٤/١١/٣ھ

دیگر ورثاء کی موجودگی میں محض بیٹی کے نام کل جائیداد کی وصیت

سوال [۱۱۲۶۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) کہ حاجی محمد احمد نے انتقال سے قبل اپنی اکلوتی لڑکی عشرت النساء کے نام اپنی تمام منقولہ وغیر منقولہ جائیداد کی وصیت کی تھی، تو دریافت یہ کرنا ہے کہ دیگر ورثاء کے ہوتے ہوئے یہ وصیت صرف بیٹی کے نام معتبر ہوگی یا نہیں؟

(۲) حاجی محمد احمد ساکن دیوی استھان قصبہ محمدی لکھیم پور کا مؤرخہ ۲۳/اگست ۲۰۰۰ء کو انتقال ہوگیا، ورثاء میں ایک بیوی صغریٰ بیگم ایک بیٹی عشرت النساء، دو چھوٹے بھائی سید احمد، محمد حسین اور ایک بہن سکینہ کو چھوڑا، تو ہر وارث کو کتنے کتنے حصے ملیں گے؟ تحریر فرمائیں۔

المستفتی: محمد حسین قاسمی، محلہ دیوی استھان محمدی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) دوسرے ورثاء کی مرضی اور اجازت کے بغیر صرف ایک وارث کے حق میں شریعت اسلامی میں وصیت نافذ نہیں ہوتی، اور ایسی صورت میں وصیت کو کالعدم قرار دے کر تمام ترکہ منقول وغیر منقول کو تمام شرعی ورثاء کے درمیان حصص شرعی کے اعتبار سے تقسیم کر دینا لازم ہوتا ہے، لہٰذا مذکورہ واقعہ میں عشرت النساء تمام منقولہ وغیر منقولہ جائیداد کی مالک نہیں ہے، بلکہ اس میں سب کا حق متعلق ہے۔

عن أبی أمامة الباهلی –رضی الله عنه– قال: سمعت رسول الله ﷺ یقول فی خطبته عام حجة الوداع، إن الله تبارک وتعالیٰ قد أعطیٰ کل ذی حق حقه فلا وصیة لوارث. (سنن الترمذی، باب ما جاء لا وصیة لوارث، النسخة الهندیة ۲/۳۲ دار السلام رقم: ۲۱۲۰، سنن أبی داؤد، الوصایا، باب ماجاء فی الوصیة للوارث، النسخة الهندیة ۲/۳۹۶، دار السلام رقم: ۲۸۷۰)

ولاتجوز لوارثه لقوله علیه السلام إن الله قد أعطی کل ذی حق حقه ألا لا وصیة للوارث (إلی قوله) إلا أن یجیزها الورثة. (هدایه، کتاب الوصایا، رشیدیه ۴/۶۴۱،

اشرفی دیوبند ٤/٦٥٧، شامی کراچی ٦/٦٥٥، زکریا ١٠/٣٤٦، الجوهرة النيرة امدادیہ ملتان ٢/٣٨٩، دار الكتاب دیوبند ٢/٣٦٩، مجمع الأنهر دار الكتب العلمية بيروت ٤/٤١٨)

(۲) بشرط صحت سوال وبعد ادائے حقوق ماتقدم وعدم موانع ارث حاجی محمد احمد کا کل ترکہ مذکورہ ورثاء کے درمیان درج ذیل نقشہ کے مطابق تقسیم ہوگا۔

حاجی محمد احمد میت ۴۰/۸

بیوی	بیٹی	بھائی	بھائی	بہن
صغریٰ بیگم	عشرت النساء	سید احمد	محمد حسین	سکینہ
۱/۵	۴/۲۰	۶	۶	۳

کل ترکہ چالیس سہام میں تقسیم ہوکر ہر وارث کو اتنا اتنا ملے گا جو اس کے نام کے نیچے درج ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱ رشوال المکرّم ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۶ ۷۸۳۶)

ماں کی وصیت کی بناء پر لڑکے کو محروم کرنے کا حکم

سوال [۱۱۲۶۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک ماں نے اپنے بڑے لڑکے کے بارے میں یہ وصیت کی کہ میرے مرنے کے بعد میرے لڑکے رفیق احمد کو کچھ نہ ملے تو شرعاً کیا وہ لڑکا وراثت سے محروم ہو جائے گا یا نہیں؟

المستفتی: نسیم احمد کسرول مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ماں کے وصیت کرنے سے کہ میرے مرنے کے بعد میرے لڑکے کو کچھ نہ ملے اس وصیت سے بیٹا ماں کی وصیت سے محروم نہ ہوگا، کیونکہ وراثت

ملک غیر اختیاری ہے، لہٰذا ماں کو یہ حق نہیں ہے کہ اپنے مرنے کے بعد ورثاء میں سے کسی کو محروم کردے، شریعت نے جو حصہ جس وارث کا متعین کردیا ہے وہ اس کو ضرور پہنچے گا، چاہے لڑکا ماں کی ہمیشہ نافرمانی ہی کرتا رہا ہو، اس کو اس کا شرعی حق مل کر رہے گا، نیز بلا کسی وجہ کے وارث کو محروم کرنا سخت گناہ ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۵/۶۳، جدید ڈابھیل ۲۰/ ۴۸۸، امداد المفتیین ۲/ ۱۰۴۹)

عـن أنـس بن مالک قال: قال رسول الله ﷺ: من فر من ميراث وارثه قطع الله ميراثه من الجنة يوم القيامة. (ابن ماجه، أبواب الوصايا، باب الحيف فی الوصية،، النسخة الهندية ۲/ ۱۹٤، دار السلام رقم: ۲۷۰۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍رجب المرجب ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۱۱۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۳؍۷؍۱۴۲۴ھ

ماں کے کسی وارث کو حصہ نہ دینے کی وصیت کا شرعی حکم

سوال [۱۱۲۶۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زرینہ بیگم کی آٹھ اولادیں ہیں، چھ لڑکے: ان شاء اللہ، سبحان اللہ، الحمد للہ، رضوان اللہ، سلیم، اسلام، اور دو لڑکیاں: پروین، حنا، زرینہ اور اس کے شوہر ماشاء اللہ کی مشترکہ جائیداد ہے، ماشاء اللہ کا انتقال پہلے ہوا، اس کے بعد زرینہ نے یہ کہا کہ ان شاء اللہ کو کچھ نہیں دینا ہے، اور اس کی شہادت زرینہ کا بیٹا اسلام دیتا ہے، اور یہ قسم کھا کر کہتا ہے کہ ماں نے یہ کہہ دیا ہے کہ ان شاء اللہ کو کچھ نہیں دینا ہے، اس کے بعد ان شاء اللہ نے اسلام سے کہا کہ اگر تم یہ بات مسجد میں جا کر قسم کھا کر کہو تو میں اپنا حصہ چھوڑ دوں گا، چنانچہ اسلام نے مسجد میں جا کر بھی قسم کھالی اور جب بقیہ ۲/ بھائیوں اور تیسرے بھائی کی بیوی کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے کہا کہ اسلام نے جھوٹی قسم کھائی ہے بلکہ ماں نے ہم سے کہا تھا کہ ان شاء اللہ کا بھی حصہ ہے، اس کے بعد زرینہ کا انتقال ہوگیا، اب سوال یہ ہے کہ ان شاء اللہ وارث ہوگا یا نہیں؟ حکم شرعی واضح فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔

المستفتی: ان شاء اللہ محمد شیخ علاؤ الدین پیرزادہ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: میراث میں وارثین کو جو متروکہ مال حصہ میں ملتا ہے وہ منجانب اللہ ملتا ہے، مرنے والے مورث کا اس میں کوئی دخل نہیں ہوتا ہے اور اسلام کا یہ کہنا ہے کہ والدہ نے ان شاء اللہ کو کچھ نہ دینے کی وصیت کی ہے، اگر یہ بات اپنی جگہ صحیح بھی ہے تب بھی اس وصیت کا کوئی اعتبار نہیں، اسلام قسم کھائے یا نہ کھائے ،اس معاملہ پر گواہ پیش کرے یا نہ کرے؟ ہر حال میں ان شاء اللہ کو بھی اتنا ہی ملے گا جتنا اس کے بھائیوں کو ملے گا، اسی طرح اگر زندگی میں ماں باپ نے کسی بچہ کو عاق کر دیا ہے تو اس کا بھی اعتبار نہیں ہوتا ہے، اور عاق کرنے کے بعد بھی وارث ہو جاتا ہے، لہٰذا مذکورہ سوال میں ان شاء اللہ کو محروم کرنے کے لیے اسلام کی کوشش خوامخواہ کی ہے اس کی کوشش کا ان شاء اللہ کے اپنے ماں باپ کا وارث بننے میں کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۴/۳۶۴)

﴿قال اللّٰہ تعالیٰ: يُوصِيكُمُ اللّٰهُ فِيٓ اَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ. [النساء: ۱۱]﴾

الإرث جبري لايسقط بالإسقاط. (تکملہ شامی، مطلب: واقعة الفتاویٰ کراچی ۷/۵۰۵، زکریا ۱۱/۶۷۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۲۴؍جمادی الثانیہ ۱۴۳۶ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۳۰۰۸)	۱۴۳۶/۶/۲۴ھ

بعض ورثاء کو بے دخل کر کے بعض کے حق میں وصیت کرنے کا حکم

سوال [۱۱۲۶۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جمیلہ خاتون کے پاس دو مکان تھے، ایک مکان شوہر سے دین مہر میں ملا تھا، دوسرا بھی شوہر نے دیا تھا، اور سارے اختیارات بھی دیدئے تھے، پھر جمیلہ نے اپنی تمام جائیداد منقولہ وغیر منقولہ اپنی زندگی میں اپنے دولڑکوں ریاست حسین اور امیر حسین اور ایک لڑکی حبیبہ

خاتون کے نام وصیت کردی، جس میں یہ لکھا تھا کہ میرے مرنے کے بعد میری جائیداد کے مالک یہ دولڑکے اور ایک لڑکی ہوگی، اور میری طرح سارے اختیارات انہیں رہیں گے، اس وصیت نامہ میں دولڑکوں لیاقت اور شوکت کے نام کوئی وصیت نہیں کی تو کیا لیاقت اور شوکت کو بھی اس مکان میں سے کچھ ملے گا یا نہیں؟ واضح رہے کہ جس مکان کے بارے میں وصیت کی تھی اس میں سے ایک کرایہ داروں کے پاس تھا، وہ خالی نہیں کررہے تھے، تو مقدمہ چلا اور پھر کرایہ داروں سے خالی کرالیا گیا، پھر والدہ جمیلہ خاتون نے ایک دخل نامہ میرے نام لکھوایا جس دخل نامہ میں لیاقت وشوکت کے دستخط بھی ہیں تو اس دخل نامہ لکھوانے سے ہماری ملکیت میں وہ مکان آگیا یا نہیں؟

وارثوں کے حق میں دخل نامہ اور وصیت نامہ لکھنے کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اس کا اعتبار ہوتا ہے یا نہیں؟ اگر اعتبار نہیں تو جمیلہ کا ترکہ شرعاً کس طرح تقسیم ہوگا۔

المستفتی: ریاست حسین محلّہ گوئیاں باغ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: دخل نامہ لکھوانے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ فریق مخالف کے ہاتھ سے نکال لیا جائے، یہ مقصد نہیں ہوتا کہ ملکیت میں ہو جائے، نیز ورثاء کو محروم کرکے بعض دوسرے ورثاء کے حق میں وصیت شرعاً صحیح نہیں ہوتی، اس لیے مذکورہ وصیت نامہ کالعدم شمار ہوگا، اور تمام شرعی ورثاء میں ہر ایک کو اپنا اپنا حق شرعی مل جائے گا، لہٰذا جمیلہ کی وفات کے وقت جتنے ورثاء زندہ تھے ان سب کو جمیلہ کے ترکہ سے اور وصیت شدہ جائیداد میں سے شرعی حق ملے گا۔

عن أبي أمامة الباهلي -رضي الله عنه- قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول في خطبته عام حجة الوداع، إن الله تبارك وتعالىٰ قد أعطىٰ كل ذي حق حقه فلا وصية لوارث. (سنن الترمذي، باب ما جاء لا وصية لوارث، النسخة الهندية ۲/۳۲ دار السلام رقم: ۲۱۲۰، سنن أبي داؤد، الوصايا، باب ماجاء في الوصية للوارث، النسخة الهندية ۲/۳۹٦، دار السلام رقم: ۲۸۷۰)

قولـه عليه السلام إن الله تعالىٰ أعطى كل ذى حق حقه ألا لا وصية للـوارث ولأنـه يتـاذى البعض بإيثار البعض. (هـدايـه، كتـاب الـوصـايا، رشيديه ٤/ ٦٤١، اشـرفـی ديـوبـنـد ٤/ ٦٥٧، شـامـی كـراچی ٦/ ٦٥٥، زكريا ١٠/ ٣٤٦، مجمع الأنهـر، دار الـكتـب الـعـلمية بيروت ٤/ ٤١٨، الجوهرة النيرة، امداديه ملتان ٢/ ٣٨٩، دار الكتاب ديو بند ٢/ ٣٦٩) **فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۴۴۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۶/۵/۷

کل جائیداد ایک بیوی کی اولاد کے نام کر کے دوسرے کی اولاد کو محروم کرنے کا حکم

سوال [۱۱۲۶۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حاجی محمد معروف بن محمد معشوق صاحب کا انتقال ۲۰۰۶ء میں ہوگیا ہے، انہوں نے اپنی حیات میں دو بیویاں کی تھیں اور دونوں سے اولاد بھی ہیں، حاجی محمد معروف صاحب نے اپنے انتقال سے پہلے اپنی پراپرٹی وغیرہ اپنی پہلی بیوی کے بچوں کے نام کردی، جوکہ لکھت روپ میں ہے، اور دوسری بیوی اوران کے بچوں کو کسی بھی اعتبار سے اپنے ترکہ میں شریک نہیں کیا، حضرت والا سے درخواست ہے کہ جواب مرحمت فرمادیں کہ حاجی محمد معروف نے جو اپنی آدھی اولاد کے نام اپنا کل ترکہ کیا اور کچھ کو بالکل بھی نہ دیا، کیا ایسا کرنا درست ہے؟ اور شرعی اعتبار سے اس لکھی ہوئی تحریر کی کیا حیثیت ہے جو حاجی محمد معروف نے لکھوائی ہے؟ جواب دے کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں؟

المستفتی: فیض الرحمٰن مصطفیٰ آباد، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوالنامہ میں پہلی بیوی کی اولاد کو دینے سے متعلق جو تحریر منسلک ہے وہ تحریر وصیت کی ہے زندگی میں بحالت صحت ہبہ کرکے مالک بنانے

کی نہیں ہے، اور کچھ ورثاء کو نہ دے کر کچھ ورثاء کو دینے کی وصیت کرنا شرعاً معتبر نہیں ہے، لہٰذا اگر دوسری بیوی کی اولادیں بھی محمد معروف ہی سے پیدا ہوئی ہیں تو وہ اولادیں محمد معروف کی وارث ہیں، اور دوسری بیوی سے اگر ایسی اولادیں بھی ہیں جو محمد معروف سے پیدا نہیں ہوئی ہیں، بلکہ کسی دوسرے شوہر سے پیدا شدہ ہیں تو وہ اولادیں محمد معروف کی وارث نہیں ہوں گی، اس تفصیل کے بعد شرعی حکم یہ ہے کہ محمد معروف نے جو تحریر لکھوائی ہے وہ وصیت نامہ ہے، اور وصیت دوسرے ورثاء کی مرضی کے بغیر نافذ نہیں ہوگی، بلکہ ساری جائیداد مملوکہ متروکہ سب کی سب میراث شمار ہوں گی، اور ہر ایک شرعی وارث اس میراث میں شرعی حصہ کا حقدار ہوگا، اور دونوں بیوی اگر زندہ ہوں تو وہ دونوں بھی وارث ہوں گی۔

عن أبی أمامة الباهلی –رضی الله عنه– قال: سمعت رسول الله ﷺ یقول فی خطبته عام حجة الوداع، إن الله تبارک وتعالیٰ قد أعطیٰ کل ذی حق حقه فلا وصیة لوارث. (سنن الترمذی، باب ما جاء لا وصیة لوارث، النسخة الهندیة ۲/۳۲ دار السلام رقم: ۲۱۲۰، سنن أبی داؤد، الوصایا، باب ماجاء فی الوصیة للوارث، النسخة الهندیة ۲/۳۹۶، دار السلام رقم: ۲۸۷۰)

ولا لوارثه إلا بإجازة ورثته لقوله علیه السلام: لاوصیة لوارث إلا أن یجیزها الورثة. (شامی، کتاب الوصایا، کراچی ۶/۶۵۵-۶۵۶، زکریا ۱۰/۳۴۶)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍محرم الحرام ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۰۹۲۱)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۱/۵ھ

وارث کے حق میں وصیت کا مسئلہ اور بہن وراثت کی مستحق

سوال [۱۱۲۶۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جناب عبدالشکور صاحب کا انتقال ہوا، انہوں نے ترکہ میں دس لاکھ روپئے اور

اٹھاسی گز زمین مع مکان جس کی قیمت تقریباً ۲/ لاکھ روپیہ ہے، چھوڑا، وارثین میں بیوی شکوراًا اور تین لڑکے: عبدالرحیم، عبدالکریم، عبدالعلیم اور چار لڑکیاں: سروری بیگم، نرگس بیگم، انیسہ، حلیمہ چھوڑیں، والد صاحب نے چھوٹے بھائی کے نام یہ وصیت کی تھی کہ دس لاکھ میں سے میرے بیٹے عبدالعلیم کو پانچ لاکھ پہنچے۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا والد صاحب کی اس طرح وصیت درست ہے؟ نیز بہنوں کی شادی کے موقع پر ہم تینوں بھائیوں نے باپ کے ساتھ بڑھ چڑھ کر خرچ کیا اور وسعت سے زیادہ جہیز دیا، کیا وہ اب بھی وراثت کی حقدار ہیں؟ نیز اگر وہ وراثت کی حقدار ہیں تو خرچ کیا ہوا روپیہ وغیرہ ان کے حصہ سے نکالا جا سکتا ہے، یا نہیں؟ شرع کی رو سے والد صاحب کا ترکہ کس کو کتنا پہنچتا ہے؟

المستفتی: عبدالکریم مسجد بنجاران، کانٹھ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: وارث کے حق میں وصیت درست نہیں ہے، لہٰذا آپ کے والد صاحب نے جو عبدالعلیم کے نام وصیت کی ہے، اس کا شرعاً کوئی اعتبار نہیں ہے، بلکہ باپ کے ترکہ میں تمام ورثاء حصص شرعیہ کے مطابق حق دار ہوں گے۔

عن أبي أمامة الباهلي –رضي الله عنه– قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول في خطبته عام حجة الوداع، إن الله تبارك وتعالىٰ قد أعطىٰ كل ذي حق حقه فلا وصية لوارث. (سنن الترمذي، باب ما جاء لا وصية لوارث، النسخة الهندية ۲/ ۳۲ دار السلام رقم: ۲۱۲۰، سنن أبي داؤد، الوصايا، باب ماجاء في الوصية للوارث، النسخة الهندية ۲/ ۳۹۶، دار السلام رقم: ۲۸۷۰)

شریعت اسلامیہ نے والدین کے ترکہ میں تمام ورثاء کا حق بیان کیا ہے خواہ لڑکے ہوں یا لڑکیاں، شادی شدہ ہوں یا غیر شادی شدہ، لہٰذا بہنیں بھی حصۂ شرعیہ کی حقدار ہیں۔

﴿لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ نَصِيبًا مَفْرُوضًا. [النساء: ۷] **﴾**

نیز بھائیوں نے بہنوں کی شادی کے موقع پر جو کچھ باپ کے ساتھ حسن سلوک اور تعاون کیا ہے اس کو بہنوں سے وصول کرنے کا حق نہیں ہے۔

ولایجوز لأحدهما أن یتصرف فی نصیب الآخر إلا بأمره وکل واحد منهما کالأجنبی فی نصیب صاحبه. (هندیه کتاب الشرکة، الباب الأول زکریا قدیم ۳۰۱/۲، جدید ۳۱۱/۲)

أما إذا کان بغیر أمره فلأنه تبرع بإسقاط الحق عنه فلایملک أن یجعل ذٰلک مضمونا علیه. (بدائع کتاب الهبة زکریا ۱۸۹/۵)

لہٰذا بشرط صحت سوال مرحوم عبدالشکور کا ترکہ تمام ورثاء کے درمیان درج ذیل نقشہ کے مطابق تقسیم ہوگا۔

تداخل

میـــــــــــــــــــــــــــــــت

	بیوی	لڑکا	لڑکا	لڑکا	لڑکی	لڑکی	لڑکی	لڑکی	لڑکی
	شکوراً	عبدالکریم	عبدالرحیم	عبدالعلیم	سروری بیگم	نرگس بیگم	انیسہ	رحیمہ	
سہام	۱ / ۱۰	۱۴	۱۴	۱۴	۷	۷	۷	۷	
ترکہ	۳۴۳۷ ۴۰/۸۰	۴۸۱۲ ۴۰/۸۰	۴۸۱۲ ۴۰/۸۰	۴۸۱۲ ۴۰/۸۰	۲۴۰۶ ۲۰/۸۰	۲۴۰۶ ۲۰/۸۰	۲۴۰۶ ۲۰/۸۰	۲۴۰۶ ۲۰/۸۰	

مرحوم کا کل ترکہ ۸۰؍سہام میں تقسیم ہو کر ہر وارث کو اتنے روپیہ ملیں گے جو اس کے نام کے نیچے درج ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸؍جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۶۷۰۱/۳۵)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۵/۲۸ھ

تعلیق بالوصیۃ، نیز بیوی اور بھانجے کے لیے وصیت

سوال [۱۱۲۶۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ محمد صدیق مرحوم نے یہ وصیت کی کہ میرے مرنے کے بعد میری ساری جائیداد کی مالک میری بیوی ہوگی، بیوی کی موت کے بعد میرا بھانجا اقبال حسین مالک ہوگا، تو کیا اقبال حسین کے حق میں وصیت درست ہوگی؟ جو بیوی کی موت پر معلق رکھی ہے، یا اس تعلیق کی وجہ سے اقبال حسین کے حق میں وصیت باطل ہے؟

المستفتی: افضل حسین، تحصیل اسکول مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: وصیت معلق کرنے سے باطل نہیں ہوتی، بلکہ معلق کرنا درست ہے، شرط کے وجود کے بعد وصیت نافذ ہوجاتی ہے، لہٰذا بیوی کی موت کے بعد اقبال حسین کو محمد صدیق مرحوم کے کل ترکہ کا تہائی حصہ مل جائے گا اور بقیہ ورثاء کا حق ہے، وہ بقدر حصص شرعیہ ورثاء کو مل جائے گا، نیز بیوی کے حق میں ورثاء کی موجودگی میں وصیت نافذ نہیں ہوتی، بلکہ مابقیہ کا چوتھائی حصہ اور اقبال حسین کو ملنے والا کل ترکہ کا تہائی حصہ اپنی نگرانی میں قبضہ میں رکھنے کا حق ہے، موت کے بعد اقبال حسین کو تہائی حصہ وصیت کی بناء پر مل جائے گا، اور اگر بیوی نے بھی ورثاء کی عدم موجودگی میں اپنا حصہ اقبال حسین کو دینے پر رضامندی کا اظہار کیا ہے تو بیوی کا چوتھائی حصہ بھی اقبال حسین کو حاصل ہوگا۔

والوصية تارة تكون منجزة و تارة معلقة بشرط فيجب أن يعلم بأن تعلق الوصية بالشرط جائز. (البحر الرائق، کتاب الوصايا، زكريا ۹/ ۲۱٤، کوئٹه ۸/ ٤٠٤)

ولأن الوصية يتسامح فيها ولهذا صح تعليقها على الخطر والغرر وصحت للحمل وبه، وبما لايقدر على تسليمه وبالمعدوم والمجهول فجاز أن يتسامح فيها بقبول الخط. (إعلاء السنن کراچی ۳۱۹/۱۸، دار الكتب العلمية بيروت ۳٥٤/۱۸، أوجز المسالك، كتاب الأقضية، الأمر بالوصية قديم ۳٦۳/٥ ۲۹٤/٤، جديد دار القلم بيروت ۳٦۳/٥، وهكذا المغنى لابن قدامه ٦/ ۹۰، رقم: ٤٦٦۳)

وقال أبو حنيفة رحمہ اللہ إذا قال أوصيت أن يخدم عبدى فلانا سنة ثم هو لفلان فقال فلان لا أقبل الوصية قال يخدم الورثة سنة ثم الموصى له

ولاتبطل وصيته للثاني بإباء الأول الخدمة...... أى الموصىٰ له بعد تمام السنة. (البحر الرائق زكريا ۹/ ۲۱۵، كوئٹه ۸/ ۸۰۵)

لأن الشرط الفاسد فى معنى الربوا وهو يعمل فى المعاوضات دون التبرعات. (هدايه، كتاب الهبة اشرفى ديوبند ۳/ ۲۹۲، رشيديه ۳/ ۲۷۶، الدر المختار كراچى باب المتفرقات بعد باب السلم ۵/ ۲۴۹، زكريا ۷/ ۵۰۹، امداد الفتاویٰ ۴/ ۲۸۳)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/ ذی الحجہ ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۵۸۲)

بہو، لڑکے کو ہبہ اور وصیت کرنا

سوال [۱۱۲۶۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) ساس اپنی بہو یا اپنے لڑکے یا اپنی مطلقہ بہو کو شوہر کی وراثت یا اپنے مال میں ہبہ یا وصیت کرسکتی ہے؟

(۲) وصیت کا حق کہاں تک ہے؟

(۳) کیا وراثت کی تقسیم وصیت کی تعمیل کے بعد ہوگی؟

(۴) وصیت کی رو سے ایک شخص کو اختیار ہے کہ جس طرح چاہے اپنے مال کو اپنے ورثاء میں تقسیم کردے یا ان کو محروم کردے؟

(۵) وصیت کے لیے ضروری شرائط کیا ہیں؟ مدلل بیان کریں۔

(۶) وصیت کس قسم کی ہو، کسی خاص حصہ یا کل کے متعلق ہونی چاہیے؟

(۷) ہبہ وصیت کے لفظی معانی وتفریق وشرعی مسائل مدلل بیان فرمائیں؟

المستفتی: حکیم محمد حسیب قادری دواخانہ، پتھنہ سبور، بھاگلپور بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) لڑکے کو بحالت صحت ہبہ کرکے قبضہ دیدینا

توجائز ہے لیکن لڑکے کے وارث ہونے کی وجہ سے اس کے حق میں وصیت جائز نہیں ہے۔

عن أبی أمامة الباهلی -رضی الله عنه- قال: سمعت رسول الله ﷺ یقول فی خطبته عام حجة الوداع، إن الله تبارک و تعالیٰ قد أعطیٰ کل ذی حق حقه فلا وصیة لوارث. (سنن الترمذی، باب ما جاء لا وصیة لوارث، النسخة الهندیة ۲/ ۳۲ دار السلام رقم: ۲۱۲۰، سنن أبی داؤد، الوصایا، باب ماجاء فی الوصیة للوارث، النسخة الهندیة ۲/ ۳۹۶، دار السلام رقم: ۲۸۷۰)

لاتجوز الوصیة للوارث. (الجوهرة النیرة، کتاب الوصایا، ملتانی ۲/ ۳۸۹، دار الکتاب دیوبند ۲/ ۳۶۹، مجمع الأنهر، دار الکتب العلمیة بیروت ٤/ ٤۱۸، هدایه رشیدیه ٤/ ٦٤۱، اشرفی دیوبند ٤/ ٦٥۷، شامی کراچی ٦/ ٦٥٥، زکریا ۱۰/ ۳٤٦)

ولاتجوز لوارثه. (هدایه، کتاب الوصایا، رشیدیه ٤/ ٦٤۱، اشرفی دیوبند ٤/ ٦٥۷، شامی کراچی ٦/ ٦٥٥، زکریا ۱۰/ ۳٤٦، الجوهرة النیرة، امدادیه ملتان ۲/ ۳۸۹، دار الکتاب دیوبند ۲/ ۳٦۹، مجمع الأنهر، دار الکتب العلمیة بیروت ٤/ ٤۱۸)

ہاں البتہ لڑکے کی بیوی چاہے مطلقہ ہو یا نکاح میں موجود ہو اس کے حق میں وصیت درست ہے، اس لیے کہ وہ ورثاء میں شامل نہیں ہے، چاہے اپنے ذاتی مال میں وصیت کرے یا اپنے شوہر سے وراثت میں ملے ہوئے مال میں دونوں میں جائز ہے۔

(۲) وصیت صرف ایک تہائی مال میں جائز ہے۔

عن عامر بن سعد، عن أبیه رضی الله عنه قال: مرضت، فعادنی النبی ﷺ -إلی- قلت: أرید أن أوصی بالنصف؟ قال: النصف کثیر، قلت: فالثلث؟ قال: الثلث کثیر أو کبیر، قال: فأوصی الناس بالثلث، فجاز ذٰلک لهم. (صحیح البخاری، باب الوصیة بالثلث، النسخة الهندیة ۱/ ۳۸۳، رقم: ۲٦٦۳، ف: ۲۷٤٤)

ولاتجوز بما زاد علی الثلث. (هدایه، اشرفی دیوبند ٤/ ٦٥٤، رشیدیه ٤/ ٦٤۸)

(۳) جی ہاں، وراثت کی تقسیم تنفیذ وصیت کے بعد ہی ہوتی ہے۔

ثم تنفذ وصایاه من ثلث ما بقی من الدین. (سراجی ص: ٤)

(۴) جی نہیں، کیونکہ وصیت صرف تہائی میں نافذ ہوتی ہے اس لیے وصیت کے ذریعہ سے ورثاء کو محروم کرنے کی کوئی صورت نہیں۔ (هدايه اشرفي ديوبند ٤/ ٦٥٤، رشيديه ٤ /٦٤٨)

(۵) وصیت کے لیے کیا کیا شرائط ہیں؟ اور کتنی شرطیں ہیں، کتاب الوصایا کا مطالعہ کیجئے، فتویٰ کے جواب میں کتاب نہیں لکھی جاتی، بلکہ جتنا آپ معلوم کریں گے، اتنے کا جواب دیا جاتا ہے۔

(۶) سوال کو واضح کیجئے، معمہ حل کرنے کا موقع نہیں۔

(۷) ہبہ اور وصیت کے لفظی معانی وتفریق شرعی سب ہدایہ کتاب الہبۃ اور کتاب الوصایا میں دس دس بیس بیس صفحات میں موجود ہیں، وہاں مطالعہ فرمایئے، یہاں آپ جو جزئیہ معلوم کریں گے صرف اسی کا جواب دیا جاتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۶/ ذیقعدہ ۱۴۲۰ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۳۶۱)	۱۴۲۰/۱۱/۶ھ

پوتوں کے حق میں کی گئی وصیت کا حکم

سوال [۱۱۲۶۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرے والد صابر حسین نے اپنی زندگی میں ایک وصیت نامہ تحریر کیا ہے جس میں اپنے ایک بیٹے اعجاز حسین اور دس پوتے: محمد شعیب، محمد سفیان، محمد سہیل، محمد سالم (پسران شمشاد حسین مرحوم)، محمد سلمان، محمد فیضان، محمد جنید (پسران قمر الزماں مرحوم)، محمد نوشاد، محمد حماد (پسران دلشاد حسین)، محمد زبیر (پسر بدر الزماں) کے نام وصیت کی اور یہ لکھا کہ میرے مرنے کے بعد میری کل جائیداد کے میرے پسر و میرے پوتے مذکوران بحصۂ مساوی حقدار ہوں گے۔

واضح رہے کہ صابر حسین کے انتقال کے وقت ان کے شرعی ورثاء میں تین لڑکے: اعجاز حسین، دلشاد حسین، بدر الزماں ایک لڑکی افروز جہاں حیات ہیں۔

دریافت یہ کرنا ہے کہ وصیت کل مال میں نافذ ہوگی یا ثلث مال میں، اور شرعی ورثاء کو

کتنے کتنے حصے ملیں گے، شرعی تقسیم فرمادیں؟

المستفتی: اعجاز حسین پیرزادہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دوسرے ورثاء کی اجازت کے بغیر کسی ایک وارث کے حق میں وصیت نافذ نہیں ہوتی، لہٰذا صابر حسین کا اپنے بیٹے اعجاز حسین کے لیے وصیت کرنا اس وقت درست ہوسکتا ہے جبکہ دوسرے بالغ ورثاء اس وصیت کی اجازت دیدیں، البتہ پوتے چونکہ اولاد کی موجودگی میں شرعی وارث نہیں ہوتے تو ان کے حق میں مورث کے کل مال میں سے صرف ایک تہائی حصہ میں وصیت نافذ ہوگی، اس سے زائد میں نافذ نہ ہوگی، اور یہ ایک تہائی حصہ پوتوں کے درمیان برابر برابر تقسیم ہوگا، اور مابقیہ دوتہائی جائیداد صابر حسین کے زندہ ورثا کے درمیان مندرجہ ذیل نقشہ کے اعتبار سے تقسیم ہوگی۔

میت ۷

لڑکا	لڑکا	لڑکا	لڑکی
اعجاز حسین	دلشاد حسین	بدرالزماں	افروز جہاں
۲	۲	۲	۱

ایک تہائی پوتوں کو دینے کے بعد مابقیہ دوتہائی جائیداد سات سہام میں تقسیم ہوکر ہر ایک وارث کے اتنے سہام ہوں گے، جو اس کے نام کے نیچے درج ہیں۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۴/ ۴۸۷)

عن أبی أمامة الباهلی –رضی الله عنه– قال: سمعت رسول الله ﷺ یقول فی خطبته عام حجة الوداع، إن الله تبارک وتعالیٰ قد أعطیٰ کل ذی حق حقه فلا وصیة لوارث. (سنن الترمذی، باب ما جاء لا وصیة لوارث، النسخة الهندیة ۲/ ۳۲ دار السلام رقم: ۲۱۲۰، سنن أبی داؤد، الوصایا، باب ماجاء فی الوصیة للوارث، النسخة الهندیة ۲/ ۳۹۶، دار السلام رقم: ۲۸۷۰)

وتجوز بالثلث للأجنبی عند عدم المانع وإن لم یجز الوارث ذٰلک لا الزیادة علیه. (شامی، کتاب الوصایا کراچی ۶/ ۶۵۰، زکریا ۱۰/ ۳۳۹)

ولاتصح الوصية بما زاد على الثلث. (مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ٤/٤١٨)

من شرائطها: أن يكون الموصى به مقدار الثلث لا زائدا عليه وهو ليس بسديد على إطلاقه فإن الموصى إذا ترك ورثه فإنما لا تصح وصيته بما زاد على الثلث. (البحر الرائق كوئٹه ٨/٤٠٣، زكريا ٩/٢١٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍ جمادی الثانیہ ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۷۲۰)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۵/۶/۱۴۳۳ھ

پوتوں کے حق میں دادا کی وصیت

سوال [۱۱۲۶۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرے والدین نے ۱/۱۰/۱۹۸۲ء کو اپنی تمام جائیداد اور املاک کو بمطابق مرضیٔ خود اپنے تمام وارثین کو تقسیم کردیا، لیکن آج تک اتنے سال گذرنے کے بعد بھی وصیت پر عمل نہیں ہوا، اور یہی وارثین قانون وضابطہ کے مطابق ان املاک کے مالک بنے ہیں، حالت یہ ہے کہ وارثین کے درمیان تلواریں کھینچی ہوئی ہیں، یہ وصیت لکھنے کے بعد والدین نے اپنے تمام وارثین سے مع چند گواہان کے دستخط لے لیے تھے، چند سالوں کے بعد یعنی ۱۹/۴/۱۹۹۰ء کو پھر ایک وارث کے خط کے جواب میں والد صاحب نے لکھا کہ وہ خود مختار ہیں، لہٰذا وہ پھر ایک جائیداد کو جو دوسرے وارث کے حصے میں آئی تھی، بصورت دیگر وارث تبدیل کررہے ہیں، اس پر صرف والد صاحب اور والدہ صاحبہ کے دستخط ہیں، دیگر وارثین یا گواہان کے نہیں ہیں، والدین کی وفات کو کئی سال گذر جانے کے باوجود حالات جوں کے توں ہیں، اب اگر بٹوارہ کیا جائے تو کیا یہ وصیت قابل عمل ہے؟ اور اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ یہ وصیت پوتوں کے حق میں ہے۔

مسئلہ: ایک شخص عبدالوہاب کے چار بیٹے اور ایک بیٹی تھی، اس کی زندگی میں ہی دو بیٹے وفات پاگئے، زندہ بیٹے عبدالتواب، عبدالمعبود لیکن بیٹی سائرہ کا انتقال اس شخص کی وفات کے بعد ہوا ایسی صورت میں بعد وفات اس شخص کے تمام املاک اور اثاثہ کی تقسیم کس طرح ہوگی، کیا پوتے پوتیاں بھی حقدار ہوتی ہیں، ان تینوں حالات میں تقسیم کی کیا شکل ہوگی؟

مسئلہ: حدود شرعیہ میں اس مسئلہ کا کیا حل ہے کہ بکر کے چار بیٹے ہیں اور ایک بیٹی اور بکر کی جائیداد ایک بیٹے کے ساتھ شراکت میں تھی، اور بکر نے اپنی زندگی میں ہی اپنے اس بیٹے کی وفات کے بعد پورے حصہ کی قیمت ادا کر کے پوری جائیداد کے تنہا مالک بن گئے، بعد میں مزید تعمیر ومرمت کرا کر اسی جائیداد کو اس مرحوم بیٹے کے ورثاء کو کرایہ پر دیدی، اور تاحیات وہ ان سے کرایہ وصول کرتے رہے، بعد وفات بکر کے آج تک انہوں نے کوئی کرایہ ادا نہیں کیا، کیا ان کو کرایہ ادا کرنا واجب ہے یا نہیں؟ اور اس کرایہ کو وصول کرنے کا حق کس کو ہے؟

بکر کے ورثاء ضرورت مند ہیں، کیا وہ جائیداد کو بیچ سکتے ہیں، ورثاء میں تقسیم کا طریقۂ کار کیا ہوگا؟ جبکہ ورثاء میں چار بیٹوں میں سے دو کی موت ان کی زندگی میں ہوچکی تھی، اور بیٹی سائرہ کی موت خود ان کی موت کے بعد ہوئی تھی، ان کی بیوی بتول بیگم کی بھی موت ان کی موت کے بعد ہوئی تھی۔

والد کا نام: حاجی عبدالوہاب صاحب، والدہ کا نام: محترمہ بتول بیگم، بڑے بیٹے کا نام: عبدالودود صاحب، منجھلے بیٹے کا نام: عبدالقدوس (یہ دونوں والد صاحب سے پہلے انتقال کر گئے) تیسرے بیٹے کا نام: عبدالتواب، چھوٹے بیٹے عبدالمعبود (الحمد للہ حیات ہیں) دختر کا نام: سائرہ بی، (والدین کی وفات کے بعد انتقال کر گئیں)۔

والد صاحب کی وفات کی تاریخ ۲۸/فروری ۱۹۹۳ء، والدہ کی وفات: ۶/دسمبر ۱۹۹۳ء، منجھلے بھائی کی وفات: ۳۰/جون ۱۹۷۱ء، بڑے بھائی کی وفات ۱۸/فروری ۱۹۷۳ء، ہمشیرہ کی وفات: ۹/جون ۱۹۹۶ء، تاریخ وصیت یکم اکتوبر ۱۹۸۲ء، تاریخ ترمیم وصیت: ۱۹/اپریل ۱۹۹۰ء۔

المستفتی: محمد اقبال شمسی طویلہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال میں تین چیزیں معلوم کی گئی ہیں:

(۱) وصیت کے متعلق (۲) وارثین کے درمیان جائیداد کس طرح تقسیم ہو (۳) بیٹے کی وفات کے بعد بیٹے کی شراکت کی پوری قیمت ادا کر کے پوری جائیداد کے تنہا مالک بن گئے، اور مرحوم بیٹے کے ورثاء کو کرایہ پر دیدیا، اور تاحیات اس سے کرایہ وصول کرتے رہے، ان تینوں سوالوں میں سے کوئی بھی سوال بالکل واضح اور صاف نہیں ہے، اس لیے سائل سے بار بار ٹیلیفون میں زبانی معلوم کیا گیا ہے۔

(۱) پہلے سوال کے بارے میں جس وصیت کا ذکر ہے اس میں سوال نامہ میں وضاحت نہیں ہے، کہ بیٹوں کے لیے وصیت کی تھی، یا مرحوم بیٹا کی اولاد جو کہ پوتے ہیں، ان کے حق میں وصیت کی تھی، لیکن ٹیلیفون میں زبانی معلوم ہوا کہ وصیت پوتوں کے حق میں کی ہے، تو شرعی حکم یہ ہے کہ بیٹے باپ کے وارث ہونے کی وجہ سے ان کے حق میں وصیت نافذ نہیں ہوتی ہے وہ شرعاً کالعدم سمجھی جاتی ہے، لیکن بیٹوں کی موجودگی میں چونکہ پوتے وارث نہیں ہوتے ہیں اس لیے شرعاً پوتوں کے حق میں وصیت معتبر ہو جاتی ہے، لہٰذا سوالنامہ میں جس وصیت کا ذکر ہے وہ شرعی طور پر پوتوں کے حق میں معتبر بھی ہے اور قابل عمل بھی ہے۔

ثم تصح الوصية للأجنبي بالثلث من غير إجازة الوارث. (تبيين الحقائق، كتاب الوصايا، زكريا ٧/ ٣٧٥- ٣٧٦، امداديه ملتان ٦/ ١٨٢، البحر الرائق كوئٹه ٨/ ٤٠٤، زكريا ٩/ ٢١٣)

سوال (۲) کا حاصل یہ ہے کہ شخص مذکور کے چار بیٹوں میں باپ کی زندگی میں دو کی وفات ہوگئی اور ایک بیٹی اور دو بیٹے زندہ تھے، لہٰذا وصیت نافذ ہوجانے کے بعد وصیت میں جو پوتوں کے نام وصیت کی گئی ہے وہ پوتوں کو دینے کے بعد بقیہ جائیداد چالیس سہام میں تقسیم ہوکر بیوی کو پانچ اور دونوں لڑکوں کو چودہ، چودہ اور لڑکی کو سات سہام ملیں گے، جو درج ذیل نقشہ کے مطابق تقسیم ہوگی، لیکن مسئلہ چونکہ مناسخہ ہے اس لیے نتیجہ میں زندہ ورثاء کو وہ ملے گا

جونقشہ کے نیچے الاحیاء کے ذیل میں لکھا گیا ہے:

عبد الوہاب میت

بیوی	بیٹے	بیٹے	بیٹی
بتول	عبدالتواب	عبدالمعبود	سائرہ
۱/۵	۱۴/۵۶	۱۴/۵۶	۷

۵ تماثل ۵

بتول میت

لڑکا	لڑکا	لڑکی
عبدالتواب	عبدالمعبود	سائرہ
۲/۸	۲/۸	۱

تداخل ۱/۸

سائرہ میت

شوہر	لڑکا	لڑکی	لڑکی	لڑکی	لڑکی	لڑکی	لڑکی	لڑکی
۱/۸	۶	۳	۳	۳ ۳	۳	۳	۳	۳

المبلغ ۱۶۰

الأحیاء

عبد التواب	عبد المعبود	شوہر سائرہ	ابن سائرہ	بنت سائرہ	بنت سائرہ	بنت سائرہ	بنت سائرہ	بنت سائرہ	بنت سائرہ
۶۴	۶۴	۸	۶	۳	۳	۳	۳	۳	۳

عبدالوہاب کی وصیت کے بعد بقیہ ترکہ ۱۶۰؍سہام میں تقسیم ہوکر ہر وارث کو اتنا ملے گا جو اس کے نیچے درج ہے۔

(۳) اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اگر کسی جائیداد کے متعلق پوتوں کے حق میں وصیت

کی تھی کہ جیتے جی خود مالک رہے گا اور پوتے دادا کی زندگی میں کرایہ ادا کرتے رہیں گے، اور خود کی وفات کے بعد پوتے اس جائیداد کے مالک ہو جائیں گے، تو ایسی صورت میں مرحوم عبد الوہاب کے انتقال کے بعد پوتے وصیت کی وجہ سے اس جائیداد کے مالک ہو جائیں گے، لہٰذا پوتوں پر اب اس کا کرایہ ادا کرنا لازم نہ ہوگا؟ لیکن اگر وصیت اس جائیداد کے علاوہ کسی اور جائیداد کے بارے میں کر رکھی ہے، جو پوتوں کی کرایہ داری پر نہیں تھی، تو وصیت شدہ جائیداد کے پوتے مالک ہو جائیں گے، اور اس جائیداد کا کرایہ ادا کرنا ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰؍ ربیع الاول ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۵۲۲)

نانا کی وصیت نواسے کے نام ہوئی یا نہیں؟

سوال [۱۱۲۷۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرے نانا جان حیات تھے ان کو مجھ سے بہت زیادہ محبت تھی، انہوں نے ہی میری کفالت (پرورش) کی میرے ساتھ بہت ہی مشفقانہ برتاؤ رکھتے تھے، محبت ہونے کی وجہ سے مرحوم نے آخری وقت اپنے تینوں لڑکوں سے (یعنی ماموؤں سے) ایک دوکان اور نو بیگہ زمین کے بارے میں وصیت کی، وصیت کردہ جائیداد میں ان کے تینوں لڑکے دوکان نہیں دیتے، اس سلسلے میں شرعاً کیا حکم ہے، آیا ان کی وصیت کے مطابق وہ دوکان میری ملکیت ہوئی یا نہیں؟ اس دوکان کو شرعاً لینے کا میں حقدار رہوں یا نہیں؟ دلائل کے ساتھ شرعاً وضاحت فرمائیں۔

محترم نانا مرحوم صاحب کو جاں بحق ہوئے تقریباً گیارہ سال ہو چکے ہیں، اپنی زندگی میں انہوں نے کافی زمین چھوڑی ان کے تینوں لڑکوں کو گو مجھ سے محبت ہے، اور مجھ پر ان کو مکمل اعتماد ہے، ان کی چھوڑی ہوئی جائیداد میں سے ہم چاروں نے زمین ٹھیکہ لے کر اور بٹائی پر دے کر ترقی کی، ہم چاروں نے اپنی محنت سے ایک ٹریکٹر خریدا، اور بیس بیگہ زمین خریدی اور ایک چکی لگائی، اب میرے تینوں ماموں اپنا اپنا حصہ لے کر علاحدہ ہوئے ہیں، جو

ہم چاروں نے مل کرمحنت سے چکی لگائی ،ٹریکٹرخریدا، اوربیس بیگہ زمین خریدی،اس میں سے شرعاً میرا کیا حق ہوتا ہے، آیا جتنا حصہ ان تینوں ماموں کا ہوتا ہے، اتنا میرا بھی ہوتا ہے یا نہیں؟ یا کچھ کم ہوتا ہے،شرعاً وضاحت فرمائیں کہ شریعت کیا حکم نافذ کرتی ہے۔

نوٹ: میرے تینوں ماموں اپنا اپنا حصہ الگ تقسیم کرر ہے ہیں، مجھے اس محنت میں سے اوراس مذکورہ جائیداد میں سے کچھ نہیں دیتے، اب میری آرزوئیں ختم ہورہی ہیں کہ تیس سال میں نے اتنی تکلیف اور مشقت اٹھائی، کیا اس مشقت کا کوئی بھی حق نہ ہوگا، شریعت مطہرہ نے ہماری اس مشقت کا جوعلاج کیا ہے؟ آپ دلائل کے ساتھ وضاحت فرمائیں۔

المستفتی: مظاہرالحق قاسمی نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مذکورہ دوکان ونو بیگہ زمین کی مالیت آپ کے نانا مرحوم کی کل جائیداد وکل ترکہ کا تہائی یا اس سے کم ہے،تو مذکورہ وصیت شرعاً صحیح ودرست ہے،اورمذکورہ اشیاء کے حقدار آپ ہوں گے۔

عن أبی أمامة الباهلی –رضی الله عنه–قال: سمعت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم يقول فی خطبته عام حجة الوداع، إن الله تبارک وتعالیٰ قد أعطیٰ كل ذی حق حقه فلا وصية لوارث. (سنن الترمذی، باب ما جاء لا وصية لوارث، النسخة الهندية ۲/۳۲ دار السلام رقم: ۲۱۲۰، سنن أبی داؤد، الوصايا، باب ماجاء فی الوصية للوارث، النسخة الهندية ۲/۳۹٦، دار السلام رقم: ۲۸۷۰)

لاتجوز بما زاد علی الثلث إلا أن يجيزها الورثة. (الجوهرة النيرة، كتاب الوصايا، امداديه ملتان ۲/۳۸۹، دار الكتب العلمية ديوبند ۲/۳۷۰، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٤/٤۱۹، تاتارخانية زكريا ۱۹/۳۸۱ رقم: ۳۱۸۵۹)

(۲) آپ کا سرمایہ جتنا لگا اس کے بقدر ٹریکٹر، بیس بیگہ زمین اور دیگر مشترکہ کمائی کے آپ شرعاً حقدار ہوں گے۔

كما استفاده من الشامی : في زوج امرأة وابنها اجتمعا فی دار واحدة و

أخذ كل منهما يكتسب على حدة ويجمعان كسبهما ولايعلم التفاوت ولاالتساوی ولا التمييز فأجاب بأنه بينهما سوية وكذا لو اجتمع إخوة يعملون فی تركة أبيهم ونماالمال فهو بينهم سوية و لو اختلفوا فی العمل والرائ. (الشامی، فصل فی الشركة الفاسدة، كراچی ٤/٣٢٥، زكريا ٦/٥٠٢) **فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم**

كتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰/شوال المکرّم ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۲۰۰۶)

نواسے کے نام وصیت

سوال [۱۱۲۷۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) زید اور ساجد دونوں دوست ہیں، رشتہ داری یا کنبہ یا برادری کا کوئی تعلق نہیں، زید نے ساجد کو ایک چیز خرید کر دیدی اور کہہ دیا کہ یہ میرے نواسے کو دیدیجیو تو ساجد یہ خریدی ہوئی چیز نواسوں کو دے گا یا نہیں؟

(۲) چاند خاں اور مقبول احمد دونوں دوست تھے، رشتہ داری، برادری کا کوئی تعلق نہ تھا، چاند خاں کی بھابھی نے اپنے نام کے مکان کا حصہ چاند خاں کے دوست مقبول احمد کے نام کر دیا، یعنی قطعی بیع کر دیا، اس میں چاند خاں کا کوئی حوالہ نہیں، اب مقبول احمد کے وارثان بیوہ لڑکے لڑکی سب یہ کہتے ہیں کہ ہم سے نواسوں کو دینے کے لیے کہہ دیا تھا کہ یہ میرے نواسوں کو دیدیجیو، اس وقت نواسے کم سن چھوٹے بچے تھے، اب نواسوں کو دینا چاہیے یا نہیں؟ اور بیوہ مقبول احمد کی یہ بھی کہتی ہے کہ اسی کو انہوں نے اپنے لڑکے سے بچا کر ہمارے شوہر کے نام کر دیا تھا۔

(۳) یعنی قطعی بیع مقبول احمد کے نام ہے، اس میں چاند خاں کے کسی بھی وارث کا کوئی حوالہ نہیں ہے، اور ہم سے مکان سلطان احمد چاند خاں کے لڑکے خالی کرانا چاہتے ہیں، کیا ان کو ہم سے مکان خالی کرانے کا حق حاصل ہوتا ہے؟

(۴) کیا شریعت میں زبانی ہبہ جائز ہے یا نہیں؟ اور ہبہ کے کیا معنی ہیں؟

(۵) ایک شخص نے مکان کا نصف حصہ اپنے نواسے کو ہبہ کر دیا، اور مالک بھی بنا دیا اور قبضہ بھی دیدیا، وہ آج بھی قابض ہے، کیا یہ جائز نہیں؟ جب یہ ہبہ کیا تھا اس وقت مکان کے اندر ایک بوسیدہ دیوار تھی، جب بڑے نواسے کی شادی ہوئی تو اسی شخص کے لڑکے اور لڑکی کی بہنوں نے نواسے کے پیسے سے رضامندی اور خوشی سے نئی دیوار تعمیر کرادی تھی، اور جب لڑکی والوں کے گھر لڑکی والوں نے یہ سوال رکھا کہ لڑکی کے نام آدھا مکان لکھو، اس شخص نے یعنی لڑکے نے وہاں کے لوگوں میں یہ کہا کہ لکھنے کے لیے ہمارے پاس پیسے نہیں ہیں، آدھا گھر ان کا ہے اور آدھا گھر ہمارا ہے، وہ اپنے آدھے میں اوپر بنائے اور نیچے بنائے، نکالنے کا کوئی نہیں ہے، گویا یہ بھی ہبہ پر راضی تھے۔

المستفتی: نسیم الدین مسجد لوہاران امروہہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) صورت مذکورہ میں ساجد، زید کا وصی ہے اور وصی پر شرعی طور پر شئ موصی بہ کا موصیٰ لہ کو ادا کر دینا واجب ہوتا ہے، لہٰذا ساجد پر واجب ہے کہ ذکر کردہ اشیاء زید کے نواسوں کو دیدے، ورنہ سخت گنہگار ہوگا۔

ومن أوصیٰ إلی رجل فقبل الوصی فی وجه الموصی وردها فی غیر وجهه فلیس برد، لأن المیت مضی لسبیله معتمدا علیه. (هدایه، کتاب الوصایا، باب الوصی وما یملکه، اشرفی دیوبند ٤/٦٩١، رشیدیه ٤/٦٧٥)

(۲) اگر واقعہ صحیح ہے تو چاند خاں کی بھابھی نے مقبول احمد کے نام جو کر دیا ہے وہ شرعاً بیع التلجئۃ ہے۔

بیع التلجئة ویأتی متنافی الإقرار وهو أن یظهر عقدا وهما لایریدانه یلجأ إلیه لخوف عدو وهو لیس ببیع فی الحقیقة بل کالهزل. (الدر المختار، مطلب: فی بیع التلجیة زکریا ٧/٥٤٢، کراچی ٥/٢٧٣)

اور مذکورہ مکان میں سے نواسوں کے لیے نافذ وصیت کی وجہ سے ایک ثلث ملے گا،

اور بقیہ دوثلث بھابھی کے ورثاء شرعی کے درمیان تقسیم ہوگا اس لیے کہ شرعاً وارث کی موجودگی میں ایک تہائی سے زائد پر وصیت نافذ نہیں ہوتی۔

عن سعد بن أبي وقاصؓ حديثا طويلا، وطرفه: قال: النصف كثير، قلت: فالثلث، قال: الثلث كثير أو كبير، قال: فأوصى الناس بالثلث، فجاز ذٰلک لهم. (صحيح البخاری، الوصايا، باب الوصية بالثلث ۱/۳۸۳، رقم: ۲۶۶۳، ف: ۲۷٤٤)

لاتجوز بما زاد على الثلث الخ. (الجوهرة النيرة، كتاب الوصايا، امداديه ملتان ۲/۳۸۹، دار الكتاب ديوبند ۲/۲۷۰، مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ٤/٤۱۹، تاتارخانية زكريا ۱۹/۳۸۱، رقم: ۳۱۸۵۹)

(۳) سوال نمبر۲؍ سے واضح ہوتا ہے کہ اس بیع کا مقصد مقبول احمد کو مالک بنانا نہیں ہے، بلکہ اس طریقے سے نواسوں کو پہنچ جائے، اور نواسوں کو بطور وصیت ایک تہائی مل سکتا ہے، اور دو تہائی شرعی ورثاء کو ملے گا، اس لیے اگر چاند خاں کے لڑکے شرعی وارث ہیں تو دو تہائی سے خالی کرا سکتے ہیں۔

لاتجوز بما زاد على الثلث إلا أن يجيزها الورثة. (الجوهرة النيرة، كتاب الوصايا، امداديه ملتان ۲/۳۸۹، دار الكتاب ديوبند ۲/۳۷۰، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٤/٤۱۹، تاتارخانية زكريا ۱۹/۳۸۱، رقم: ۳۱۸۵۹)

(۴) جی ہاں زبانی ہبہ جائز ہے، لیکن جو صورت سوالنامہ میں درج ہے وہ ہبہ کی نہیں ہے بلکہ بیع التلجئۃ کی صورت ہے۔

(۵) جب زندگی میں نصف مکان ہبہ کر کے مالک بنا دیا ہے اور قبضہ بھی دیدیا ہے تو شرعاً یہ صورت ہبہ کی ہے، اور ہبہ مکمل ہو چکا ہے، اس میں وارثین کا کوئی حق باقی نہیں رہا۔

الهبة تصح بالإيجاب والقبول …… وتتم بالقبض. (الجوهرة النيرة، كتاب الهبة امداديه ملتان ۲/۹، دار الكتاب ديو بند ۲/۱۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍رمضان المبارک ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/۲۳۹۴)

مرحوم اولاد کے لیے وصیت کرنے کا حکم

سوال [۱۱۲۷۲]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ فیاض حسین ولد اختیار حسین کے آٹھ اولادیں تھیں، ۴؍لڑکے اور ۴؍لڑکیاں، ایک لڑکے کا انتقال ۱۵؍سال کی عمر میں ہی ہوگیا تھا، اور دوسرے لڑکے کا انتقال ۳۲؍سال کی عمر میں ہوا، اس نے اپنے پیچھے ایک بیوہ اور ۲؍لڑکیاں چھوڑیں۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ میرے انتقال کے بعد میری کل جائیداد میرے وارثین کے درمیان کس طرح تقسیم ہوگی، اور مرحوم لڑکے کی دولڑکیوں کے نام بھی میں کچھ وصیت کرنا چاہتا ہوں، تو کیا ان کو بھی شرعی اعتبار سے میرے مال میں سے حصہ ملے گا، شریعت کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں۔

المستفتی: فیاض حسین ٹھیکری گودھی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگرآپ کا مقصد زندگی میں تقسیم کرنے سے یہ ہے کہ ہرایک وارث کو زندگی میں اس کے متعینہ مال کو دے کر اس کو مالک وقابض بنادیا جائے تو ایسی صورت میں لڑکیوں کو بھی لڑکوں کے برابر دینا مستحب اور اولیٰ ہے، اور اگر مقصود یہ ہے کہ میری وفات کے بعد وارثین کے درمیان کوئی نزاع اور جھگڑا نہ ہو اور ہر وارث کو اس کا پورا حق صحیح طور پر مل جائے تو کل مال آٹھ حصوں میں تقسیم کرکے لڑکوں کے نام ۲؍۲؍حصے اور لڑکیوں کے نام ایک ایک حصہ کردیا جائے، اور یہ وصیت نامہ لکھ دیا جائے کہ میری وفات کے بعد ہر وارث حسب تحریر وصیت اپنا اپنا حق وصول کرلے۔

قال العبد الضعيف عفا الله عنه: قد ثبت بما ذكرنا أن مذهب الجمهور في التسوية بين الذكر والأنثىٰ في حالة الحياة أقوىٰ و أرجح من حيث الدليل ولكن ربما يخطر بالبال أن هذا فيما قصد فيه الأب العطية

والصلة، وأما إذا أراد الرجل أن يقسم أملاكه فيما بين أولاده في حياته لئلا يقع بينهم نزاع بعد موته فإنه وإن كان هبة في الاصطلاح الفقهي ولكنه في الحقيقة والمقصود استعجال بما يكون بعد الموت وحينئذ ينبغي أن يكون سبيله سبيل الميراث. (تكمله فتح الملهم كتاب الهبات، مذهب الجمهور التسوية بين الذكر والأنثىٰ اشرفيه ديو بند ۲/ ۷۵)

اور مرحوم لڑکے کی جن دولڑکیوں کا سوالنامہ میں ذکر ہے وہ شرعی اعتبار سے اس وصیت کے دائرے میں داخل نہیں ہیں، البتہ مرحوم بیٹے کی دونوں بیٹیوں کوا لگ سے مخصوص جائیداد ہبہ کرکے مالک بنادیں، یا کل جائیداد میں سے ایک ثلث سے کم جائیدا دان کے لیے وصیت میں لکھ دیں، تو ایسی صورت میں ان کو ہبہ شدہ یا وصیت والی جائیداد مل جائے گی، اور اگران کے نام ہبہ یا وصیت نہیں کی تو ان کو آپ کی جائیداد میں سے کچھ نہ ملے گا۔

ثم تقدم وصيته من ثلث ما بقي بعد تجهيزه و ديونه . (تنوير الأبصار مع الدر، كتاب الفرائض زكريا ۱۰/ ۴۹۵- ۴۹۶، كراچی ۶/ ۷۶۰، سراجی /۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍ جمادی الثانیہ ۱۴۳۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۳۰۱۶)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۶/۶/۲۲ھ

پوتی اور نواسی کے حق میں وصیت کا حکم

سوال [۱۱۲۷۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: نفیسہ خاتون کا انتقال ہوا، ان کا ایک مکان تقریباً دوسو گز کا ہے اس کی قیمت آٹھ لاکھ روپیہ سے کم نہیں، ان کی اولادوں میں تین بیٹے اور پانچ بیٹیاں موجود ہیں، انہوں نے اپنی زندگی میں اپنی ملکیت کے مکان کے بارے میں مذکورہ وارثین کے واسطے ایک وصیت نامہ لکھا ہے کہ جیتے جی میں مالک، میرے مرنے کے بعد میرے لڑکے لڑکیوں کے درمیان ہر ایک کو شرعی حصہ کے مطابق ملے گا، اور ملکیت کے مکان کے علاوہ کچھ زیورات اور کچھ کپڑے ان کے

پاس موجود تھے، ان زیورات اور کپڑوں کے بارے میں اپنی ایک پوتی اور ایک نواسی کے بارے میں وصیت کی ہے کہ میرے مرنے کے بعد ان زیورات میں سے فلاں فلاں زیور پوتی کو دینا ہے، اور فلاں فلاں کپڑا نواسی کو دینا ہے اور ان کے ایک جوڑی بندے مرحومہ کی بیٹی نے اپنی ماں کو بنا کر دیئے تھے تو ماں نے مرنے سے پہلے اپنی بیٹی کو بندے یہ کہہ کر واپس کر دئے کہ یہ تم نے مجھے بنوا کر دیئے تھے یہ تمہارے ہیں تم لے لو، اور جن زیورات اور کپڑوں کے بارے میں وصیت کی تھی ان کی قیمت بیس ہزار روپیہ سے اوپر نہیں ہے، یعنی ان کی کل ملکیت کا بیسواں حصہ بھی مشکل سے ہے، اور مرحومہ کی وفات کے بعد ان کے لڑکے اور لڑکیوں نے اپنا اپنا حصۂ شرعی مکان میں سے حاصل کرلیا ہے، اب پوچھنا یہ ہے کہ پوتی اور نواسی کے بارے میں جو وصیت کی ہے، وہ شرعی طور پر نافذ ہوگی یا نہیں؟ اور لڑکی کو جو بندے دیئے ہیں وہ اس کی حقدار ہے یا نہیں؟ مرحومہ کے کچھ پیسے بھی تھے، ان پیسوں کو تجہیز و تکفین کے لیے ان کے بیٹے کو دیدیا گیا؟

المستفتی: محمد وصی پیر غیب مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوالنامہ پر غور کیا گیا ہے اس کے مطابق یہ بات ثابت ہوئی کہ جن زیورات کے بارے میں وصیت کی گئی ہے وہ ثلث مال سے بھی بہت ہی کم ہے، اور پوتی نواسی شرعی طور پر وارث نہیں ہوتیں، البتہ ان کے حق میں وصیت نافذ ہوتی ہے، لہٰذا جن زیورات کے بارے میں پوتی اور نواسی کو دینے کے لیے وصیت کی گئی ہے تو ان میں سے جس کو جو زیور دینے کے واسطے وصیت کی گئی ہے، اس کو وہ زیور وصیت کے مطابق دیدینا لازم اور ضروری ہے۔

الوصية غير واجبة وهي مستحبة وقوله ولاتجوز الوصية بما زاد على الثلث وقوله: ولاتجوز لورثته لقوله عليه السلام: إن الله تعالىٰ أعطىٰ كل ذى حق حقه ألا لا وصية للوارث. (هدايه، كتاب الوصايا، اشرفى ديوبند ٤/٦٥٤ - ٦٥٧)

اور بیٹی نے جو بندے بنا کر ماں کو دیئے تھے اور ماں نے اپنی زندگی میں وہ زیور بیٹی کو جو یہ کہہ کر دے دیئے ہیں کہ تم نے بنا کر دیئے تھے یہ زیور میں تم ہی کو دیتی ہوں، تو یہ دینا

بھی صحیح ہو گیا ہے، وہ بندے اسی بیٹی کو ملیں گے اور تجہیز و تکفین کے لیے جو پیسے بیٹے کے ہاتھ میں دیئے گئے، اس میں سے تجہیز و تکفین کے بعد اگر کچھ بچ گیا ہے تو اس میں سارے وارثین کا حق متعلق ہوگا۔

الأول يبدأ بتكفينه و تجهيزه من غير تبذير و لا تقتير. (سراجی ص: ۳)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰/ صفر المظفر ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۴۸۹)

پوتی اور نواسی کے حق میں کی گئی وصیت کا شرعی حکم

سوال [۱۱۲۷۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میری والدہ اپنے انتقال سے پہلے مجھ سے یہ کہہ گئی تھیں کہ میری دو تولہ کی چوڑیاں ہیں وہ میری پوتی کو اور میری نواسی کو آدھا آدھا تولہ اس میں سے دیدینا، اور جو ایک تولہ اور بچے گا اس میں سے تم دونوں بہن بھائی آدھا آدھا تولہ کرلینا، کیا میں ایسا کروں یا نہیں؟ کیونکہ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ اس طرح وصیت نہیں مانی جاتی ہے، لڑکوں کا زیادہ اور لڑکیوں کا کم ہوتا ہے، یہ بات میری والدہ نے انتقال سے قریب دو تین سال پہلے کہی تھی۔

نوٹ: انتقال سے تقریباً دو مہینہ پہلے جب انہوں نے اپنی طبیعت زیادہ خراب دیکھی تو کہنے لگیں، میری چوڑیاں بیچ کر میرا علاج کرو، تو ان کے منجھلے بیٹے نے جیسے بھی ہوسکا، علاج کیا لیکن وہ پھر بھی اللہ کو پیاری ہوگئیں، مگر ہم لوگوں نے ان سے چوڑیوں کے بارے میں کوئی تذکرہ نہیں کیا، اور نہ ہی وہ چوڑیاں بکیں، علاج تو ان کے لڑکے یعنی میرے بھائی نے کیا، میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ میں جیسے انہوں نے کہا تھا، آدھا آدھا تولہ دینے کو ایسا ہی کروں یا کوئی اور طریقہ ہے، آپ میرے اس مسئلے پر مجھے صحیح جواب دیں؟

المستفتی: محمد فاہم محلّہ سیدھی سرائے مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آپ کی والدہ نے انتقال سے پہلے جو وصیت کی تھی وہ صرف پوتی اور نواسی کے حق میں ایک تہائی چوڑی یا اس کی ایک تہائی قیمت میں نافذ ہوگئی، لہٰذا چوڑی یا چوڑی کی قیمت چھ حصوں میں تقسیم کرکے ایک حصہ پوتی کو اور ایک حصہ نواسی کو وصیت کے مطابق دیدیا جائے گا، ان دونوں کا دوحصہ چوڑیوں کی تہائی ہے، جس میں شرعاً وصیت نافذ ہوتی ہے، بقیہ چار حصے جو چوڑیوں کی دوتہائی ہیں، وہ شرعی وارثین کے درمیان تقسیم ہوجائیں گے، اور ماں باپ نے جو بعد میں بیماری کے وقت کہا ہے کہ میری چوڑیاں بیچ کر علاج کراؤ تو اس میں وصیت کا حصہ شامل نہیں ہوگا، بلکہ دوتہائی جو وصیت کا حصہ نہیں ہے، وہی مراد ہے، مگر بیٹے نے چوڑیاں بیچ کر علاج کرانے کے بجائے اپنے پیسوں سے جو علاج کرایا ہے وہ اس کی طرف سے ماں کی خدمت اور تبرع ہے۔

وتجوز بالثلث للأجنبي عند عدم المانع. (شامی، کتاب الوصایا، کراچی ٦/ ٦٥٠، زکریا ١٠/ ٣٣٩)

وتصح الوصية بالثلث للأجنبي وإن لم يجيزوا. (مجمع الأنهر، کتاب الوصایا، دار الکتب العلمية بيروت ٤/ ٤١٩، تبيين الحقائق، امداديه ملتان ٦/ ١٨٢، زکريا ٧/ ٣٧٥، البحر الرائق کوئٹه ٨/ ٤٠٤، زکريا ٩/ ٢١٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۲۸؍ رجب المرجب ۱۴۲۸ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۳۸۴)	۲۸؍ ۷؍ ۱۴۲۸ھ

مکان کے ایک تہائی حصہ کی وصیت بھائی کے نام

سوال [۱۱۲۷۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کسی شخص نے اپنے ذاتی ملکیتی مکان کے ایک تہائی حصہ کا وصیت نامہ اپنے چھوٹے بھائی کے نام کردیا اور باقی جائیداد چھوڑ کر وہ انتقال کرگیا اور اپنے وارثین کی حیثیت سے ایک بیوی اور پانچ لڑکے اور پانچ لڑکیاں چھوڑی ہوں تو ان وارثین کا حق کتنے

سہام ہوں گے؟ اور مرحوم کی بیوی کا کتنا حصہ ہوگا؟ اور کیا ساری جائیداد کی مالک تنہا مرحوم کی بیوی ہوسکتی ہے؟ اور وصیت نامہ کی کیا حیثیت رہے گی؟

المستفتی: امیر قریشی کاشی پور نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر ایک تہائی میراث میں وصیت کی ہے تو شرعاً وصیت صحیح ہو جائے گی اور ایک تہائی چھوٹے بھائی کو دینے کے بعد بقیہ ترکہ وارثین کے درمیان تقسیم ہو سکے گا اور وصیت شرعاً معتبر ہوگی، اور مرحوم کی بیوی کو اس میں رکاوٹ پیدا کرنے کا حق نہیں ہوگا، اور نہ ہی وہ ساری جائیداد کی تنہا مالک بن سکتی ہے۔

وتصح الوصية بالثلث للأجنبي وإن لم يجيزوا. (مجمع الأنهر، كتاب الوصايا، دار الكتب العلمية بيروت ٤/ ٤١٩، تبيين الحقائق، امداديه ملتان ٦/ ١٨٢، زكريا ٧/ ٣٧٥، البحر الرائق كوئٹه ٨/ ٤٠٤، زكريا ٩/ ٢١٣)

ثم تنفذ وصاياه من ثلث ما بقي بعد الدين ثم يقسم الباقي بين ورثته بالكتاب والسنة. (سراجی ص: ٤)

اور ایک تہائی چھوٹے بھائی کو بطور وصیت دینے کے بعد بقیہ ترکہ ورثاء کے درمیان حسب ذیل طریقے سے تقسیم ہوگا۔

۱۲۰ / ۸

مرحوم میـــــــــــت

زوجہ	لڑکا	لڑکا	لڑکا	لڑکا	لڑکا	لڑکی	لڑکی	لڑکی	لڑکی	لڑکی
۱					۷					
۱۵	۱۴	۱۴	۱۴	۱۴	۱۴	۷	۷	۷	۷	۷

وصیت کا ایک ثلث نکالنے کے بعد باقی دو ثلث مذکورہ بالا طریقے سے تقسیم ہوکر ہر وارث کو اتنا ملے گا جو اس کے نیچے درج ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰ ر ذی الحجہ ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۵۰۶)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۱/۱۲/۳۰ھ

بھائی کے لیے کی گئی وصیت کا حکم

سوال [۱۱۲۷۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرے بڑے بھائی کا نام امیر الدین ہے، میں ان کا چھوٹا بھائی عظیم الدین ہوں، میرے لیے میرے بڑے بھائی یہ وصیت کرکے دنیا سے انتقال کر گئے، کہ میرے مرنے کے بعد صرف عظیم الدین میرے مال وجائیداد کا حق دار بنے گا اور والدین دو بھائی چار بہن موجود ہیں، اور نہ ان کی بیوی ہے نہ بچہ، ان کی بیوی کا بہت پہلے انتقال ہو چکا۔

گواہان: محمودہ بیگم، شاہانہ بیگم، عبدالقادر، نعیم الدین۔

المستفتی: عظیم الدین محلّہ گوئیاں باغ مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر سائل اپنے بیان میں سچا ہے اور واقعتاً امیر الدین نے اپنے سارے مال وجائیداد کو عظیم الدین کی ملکیت میں دینے کی وصیت کی ہے اور اس کی باقاعدہ شہادت شرعی بھی موجود ہے، تو صرف ایک تہائی میں وصیت نافذ ہو سکتی ہے اور یہ بھی عظیم الدین کے باپ کی وجہ سے اور ورثاء کے دائرہ سے خارج ہونے کی وجہ سے ہے اور بقیہ دو تہائی ماں باپ کو حسب ذیل طریقے سے ملیں گے۔

امیر الدین میــــــــــــ۶ــــــــــــت

باپ	ماں
۵	۱

ایک تہائی عظیم کو دینے کے بعد دو ثلث کو چھ حصوں میں تقسیم کرکے ایک ماں کو اور پانچ باپ کو ملیں گے۔

وتصح الوصیت بالثلث للأجنبی وإن لم یجیزوا. (مجمع الأنہر، کتاب الوصایا، دار الکتب العلمیة بیروت ۴/ ۴۱۹، تبیین الحقائق، امدادیہ ملتان ۶/ ۱۸۲، زکریا

۳۷۵/۷، البحر الرائق کوئٹہ ۴۰۴/۸، زکریا ۲۱۳/۹)

لا تجوز بما زاد على الثلث إلا أن يجيزها الورثة. (الجوهرة النيرة، امدادیه ملتان ۳۸۹/۲، دار الكتاب ديوبند ۳۷۰/۲، تاتارخانية زكريا ۳۸۱/۱۹، رقم: ۳۱۸۵۹)

ثم تنفذ وصاياه من ثلث ما بقي بعد الدين ثم يقسم الباقي بين الورثة على سهام الميراث. (هنديه، كتاب الفرائض، الباب الأول زكريا قديم ۴۴۷/۶، جديد ۴۴۰/۶، سراجی ص: ۴-۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶/ ربیع الثانی ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱۱۴/۲۸)

پرورش کرنے والی عورت کا حق دیور کے مال میں ہے یا نہیں؟

سوال [۱۱۲۷۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک عورت نے اپنے دیور کو بچپن ہی سے پالا تھا، اب اس عورت کے اس دیور نے اپنی جملہ زمین مسجد کے نام کردی، اب وہ عورت اور اس کے بچے یہ چاہتے ہیں کہ ہم نے انہیں بچپن ہی سے پالا تھا، اور ہمیں جوان سے خونی محبت ہے ہمیں اس کا صلہ ضرور ملنا چاہیے، تو کیا یہ درست ہے؟ اور کچھ لوگ اس پر زور بھی دے رہے ہیں کہ وہ شخص اپنی مسجد کے نام وصیت کردہ زمین میں سے کم از کم آدھی زمین کی وصیت کو ختم کر کے اپنی بھابھی اور اس کے بچوں کو دیدے تو کیا جو لوگ اس بات پر زور دے رہے ہیں وہ گنہگار رہوں گے یا نہیں؟

المستفتی: قاری عزیز الرحمٰن کگرالہ ضلع بدایوں

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آدمی اپنی ملکیت میں جس طرح چاہے تصرف کا حق رکھتا ہے، اس لیے دیور کا اپنی تمام ملکیت کو مسجد کے نام وصیت کرنا صحیح ہے۔

المالك هو المتصرف في الأعيان المملوكة كيف شاء من

الملک. (بیضاوی شریف رشیدیه ۱/ ۷)

اورشریعت میں صلہ رحمی کی بھی بہت بڑی اہمیت ہے، اس لیے دیورکواپنے اختیار کے ساتھ ساتھ اعزاء کے ساتھ ہمدردی کا خیال رکھنا بھی ایک نیکی کی بات تھی، اس لیے جولوگ زوردے رہے ہیں وہ گنہگار نہیں ہوں گے۔

عن جریر بن عبد الله قال: قال رسول الله ﷺ: من لا یرحم الناس لا یرحمه الله. (سنن الترمذی، أبواب البر والصلة، باب ما جاء فی رحمة الناس، النسخة الهندیة ۲/ ۱٤، دار السلام رقم: ۱۹۲۲) **فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍صفر المظفر ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۵۴۲)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۲/۲/۱۲ھ

وصیت کی ایک شکل کا حکم

سوال [۱۱۲۷۸]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) کہ زیب النساء کے دو حقیقی بھائی تھے، محمد خالد، محمد عارف، اور تین علاتی بھائی تھے، محمد عابد، محمد زاہد، بدرالدین، اور پانچ علاتی بہنیں تھیں: حلیمہ، تسلیمہ، نعیمہ، محمودہ، سارہ بی۔

(۲) زیب النساء کی زندگی میں حقیقی بھائی محمد خالد کا انتقال ہوگیا تھا اس کے بعد انہوں نے ایک وصیت نامہ لکھا، جس میں محمد خالد کی اولاد کے نام اور حقیقی بھائی محمد عارف کے نام وصیت کی، اس کے بعد اتفاق سے محمد عارف کا بھی انتقال زیب النساء کی زندگی میں ہوگیا، پھر دوبارہ زیب النساء نے کوئی وصیت نہیں کی اور زیب النساء کا انتقال ہوگیا، بوقت انتقال مذکورہ علاتی بھائی و بہنیں سب موجود تھے۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ زیب النساء کی جائیداد متروکہ میں سے علاتی بہنوں کی موجودگی میں محمد عارف کی اولاد کو حق پہنچتا ہے یا نہیں؟

(۳) نیز ایک فتویٰ مدرسہ شاہی مرادآباد سے لیا گیا جس میں وصیت کا کوئی ذکر نہیں

اورعلاتی بہنوں کو بیان کیا گیا اورعلاتی بھائیوں کوصرف بھائی ذکرکیا گیا، علاتی یا حقیقی بھائی کی تفصیل نہیں کی ،اس کا کیاحکم ہے؟

المستفتی: حسین احمد محلّہ رفعت پورہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بشرط صحت سوال وبعدادائے حقوق ماتقدم وعدم موانع ارث زیب النساء کا ترکہ ورثاء اور موصیٰ لہم کے درمیان درج ذیل طریقہ سے تقسیم ہوگا۔

زیب النساء میت ۳۳/۳

موصیٰ لہم	اولاد خالد	ورثاء بھائی علاتی	عابد	زاہد	بدرالدین	علاتی بہنیں	حلیمہ	تسلیمہ	نعیمہ	محمودہ	سارہ بی
	۱/۱۱		۴	۴	۲/۴		۲	۲	۲	۲	۲

کل ترکہ کا ایک تہائی بطور وصیت خالد کی اولاد کو ملے گا، اور باقی دوتہائی ترکہ علاتی بھائی بہنوں کو مذکورہ طریقہ سے ملے گا، اورمحمد عارف کی اولاد کو دووجہوں سے نہیں ملے گا:

(۱) محمد عارف، زیب النساء کا وارث تھا اورشرعاً وارث کے حق میں وصیت درست نہیں ہوتی۔

عن أبی أمامة الباهلی –رضی الله عنه– قال: سمعت رسول الله ﷺ یقول فی خطبته عام حجة الوداع، إن الله تبارک وتعالیٰ قد أعطیٰ کل ذی حق حقه فلا وصیة لوارث. (سنن الترمذی، باب ما جاء لا وصیة لوارث، النسخة الهندية ۲/ ۳۲ دار السلام رقم: ۲۱۲۰، سنن أبی داؤد، الوصايا، باب ماجاء فی الوصية للوارث، النسخة الهندية ۲/ ۳۹۶، دار السلام رقم: ۲۸۷۰)

لاوصية للوارث. (هدايه، كتاب الوصايا، رشيديه ٤/ ٦٤١، اشرفی ديوبند ٤/ ٦٥٧)

(۲) موصیٰ لہ کی موت اگرموصی سے پہلے واقع ہوجاتی ہے تو وصیت موصیٰ لہ کے ورثاء کی طرف منتقل نہیں ہوتی ہے، بلکہ باطل ہوتی ہے۔

ولو مات الموصیٰ له فی حیاة الوصی بطلت. (هدایه، اشرفی دیو بند ٤/ ٦٨٤، رشیدیه ٤/ ٦٦٨)

اور محمد خالد کی اولاد چونکہ وارث نہیں تھی، اس لیے ان کے حق میں وصیت جاری ہوگی، اور مدرسہ شاہی سے محمد زاہد صاحب نے ۱۵/ ذی قعدہ کو فتویٰ نکلوایا ہے، اس پر عمل نہ کیا جائے، اس لیے کہ اس میں سوال ناقص تھا تو جواب بھی ناقص گیا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۲۵/ ذی قعدہ ۱۴۱۱ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۴۵۶)	۲۵/ ۱۱/ ۱۴۱۱ھ

مرض الموت میں وارث کے لیے وصیت کرنا

سوال [۱۱۲۷۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میری امی جان انتقال سے تین مہینہ پہلے کہہ رہی تھیں، اسٹامپ لاؤ، اس میں اپنی ساری جائیداد تمہارے نام لکھدوں، میں نے اس کہنے پر غور نہیں کیا، پھر انتقال سے ۲۵/ دن پہلے لیٹی تھیں، ہم آ کر بیٹھ گئے، امی اٹھ کر بیٹھ گئیں، اور زیور والے صندوق کی چابی نکال کر دینے لگیں، تو ہم چیخ مار کر رونے لگے تو چابی اپنے پاس رکھ لیں پھر میری خود کی ڈائری میں یہ لکھ دیا کہ میں نے اپنی ساری چیز، زیور اور برتن اپنے لڑکے حافظ خورشید کو دیدیا ہے، اپنی زندگی میں کسی کا حق نہیں اور بہنوں سے کہہ دیا کہ جب میں اس دنیا میں نہ رہوں تو چابی نکال کر حافظ خورشید کو دیدینا، اگر اس طریقہ پر قبضہ صحیح ہے تو فبہا ورنہ تقسیم کرکے بتادیجئے، ان کے درمیان ماں شوہر ایک لڑکا تین لڑکیاں ترتیب وار اپنی تینوں لڑکیوں کو ایک ایک انگوٹھی دے کر یہ سب کیا یا لکھا ہے؟

المستفتی: حافظ خورشید احمد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بشرط صحت سوال وبعد ادائے حقوق ما تقدم وعدم

موانع ارث آپ اپنی والدہ کے وارث ہیں اور شریعت میں وارث کے لیے وصیت درست نہیں ہے، اور مرض الموت میں جس چیز کوکسی کی ملکیت میں دی جاتی ہے وہ وصیت کے دائرہ میں داخل ہو جاتی ہے۔

عن أبی أمامة الباھلی -رضی الله عنه- قال: سمعت رسول الله ﷺ یقول فی خطبته عام حجة الوداع، إن الله تبارک وتعالیٰ قد أعطیٰ کل ذی حق حقه فلا وصیة لوارث. (سنن الترمذی، باب ما جاء لا وصیة لوارث، النسخة الهندیة ۲/۳۲ دار السلام رقم: ۲۱۲۰، سنن أبی داؤد، الوصایا، باب ماجاء فی الوصیة للوارث، النسخة الهندیة ۲/۳۹۶، دار السلام رقم: ۲۸۷۰)

لاتجوز الوصیة للوارث. (هدایه، کتاب الوصایا رشیدیه ۴/۶۴۱، اشرفی دیوبند ۴/۶۵۷)

لہٰذا آپ کی والدہ کی تمام ملکیت تمام ورثاء کے درمیان اس طرح تقسیم ہو جائے گی۔

مرحومہ میت　۶۰/۱۲

شوہر	ماں	لڑکا	لڑکی	لڑکی	لڑکی
۳	۲				
۱۵	۱۰	۱۴	۷	۷	۷

کل ترکہ ۶۰ر سہام میں تقسیم ہو کر شوہر کو ۱۵ر، ماں کو ۱۰ر، لڑکے کو ۱۴ر اور لڑکیوں کو ۷ر۷ر سہام ملیں گے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶ر ربیع الثانی ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۳۹۸۲)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/۴/۲۶ھ

مرض الوفات میں کی گئی وصیت کا شرعی حکم

سوال [۱۱۲۸۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: ایک صاحب نے اپنے مرض الوفات میں یہ وصیت کردی کہ اگر میرے یہاں اولادنرینہ کا سلسلہ باقی رہا تو میرے کل مال کا مالک ہوگا، اگر سلسلہ ختم ہوگیا تو کل مال کی مسجد مالک ہوگی، حالانکہ ان کی لڑکی موجود تھی، کیا یہ وصیت شرعی طور پر درست ہے؟

المستفتی: مولانا عبدالباسط مظاہری بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: یہ وصیت صرف ایک تہائی مال میں نافذ ہوگی، لہٰذا مسجد ایک تہائی مال کی مالک ہوجائے گی، بقیہ ورثاء میں تقسیم ہوگا۔

عن سعد بن أبی وقاصحدیثا طویلا وطرفه: فقلت: أوصی بالنصف، قال: النصف کثیر، قلت: فالثلث، قال: الثلث، والثلث کثیر أو کبیر، قال: فأوصی الناس بالثلث فجاز ذٰلک لهم. (صحیح البخاری، الوصایا، باب الوصیة بالثلث ۱/۳۸۳، رقم: ۲۶۶۳، ف: ۲۷۴٤)

لا تجوز بما زاد علی الثلث. (هدایه، کتاب الوصایا، رشیدیه ٤/٦٣٨، اشرفی دیوبند ٤/٦٥٤، مجمع الأنهر، دار الکتب العلمیة بیروت ٤/٤١٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶ ربیع الاول ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۸۲۹)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/۳/۱۶ھ

مرض الموت میں وقف کرنا وصیت کے درجے میں ہے

سوال [۱۱۲۸۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) کہ میرے والد مرحوم تقریباً چھ ماہ کے عرصہ سے کینسر جیسے مہلک مرض کے عارضہ میں مبتلا تھے، علاج ومعالجہ کے باوجود وبصحت نہیں ہو پارہے تھے، زندگی سے مایوس ہوچکے تھے، لہٰذا دریافت طلب امر یہ ہے کہ پندرہ روز قبل والد مرحوم اس دار فانی سے رخصت ہوکر عالم بقا کی طرف روانہ ہوگئے، لیکن والد مرحوم کے انتقال سے دو یوم قبل میں نے

والد مرحوم سے عرض کیا کہ آپ کی کچھ زمین ہے جو رہائشی ہے، آپ اس زمین کو وقف کردیجیے، میں اس پر مدرسہ بنوادوں گا، والد مرحوم حالانکہ برابر بول بھی نہیں پاتے تھے مگر ان سے کچھ پوچھو تو تتلاتی ہوئی زبان سے جواب دیتے تھے، والد مرحوم نے کہا کہ میری طرف سے وقف ہے، تم اس جگہ پر مدرسہ بنوالینا، میں نے کہا کہ میں ایک کاغذ پر لکھوالیتا ہوں، آپ اس پر اپنا انگوٹھا لگادیجیے، والد مرحوم نے کہا کہ تم لکھوا کر لے آؤ میں انگوٹھا لگادوں گا۔

اس کے بعد اس بات کا تذکرہ میں نے اپنے چھوٹے بھائی سے کیا، چھوٹے بھائی نے اپنی نامرضی کا اظہار کیا اور کہا کہ ہمارے رہنے کے واسطے جگہ کم رہ جائے گی، اس لیے وقف نہیں کروانا، میں نے والد مرحوم سے چھوٹے بھائی کی بات نقل کی اور کہا کہ آپ چھوٹے بھائی کو بلا کر اس سے بات کیجیے، وہ وقف کروانے سے منع کررہا ہے، یہ سن کر والد مرحوم خاموش ہوگئے، اور چھوٹے بھائی سے اس بارے میں کوئی بات ہی نہیں کی، میں نے بھی بار بار اصرار نہیں کیا، کہ میں والد مرحوم کو تکلیف دوں، اس واقعہ کے دو روز کے بعد والد مرحوم کا انتقال ہوا اور آخری وقت تک ہوش وحواس درست تھے، ہاں اتنا ضرور تھا کہ وہ کہتے تھے کہ اب میں بچوں گا نہیں، میرا آخری وقت آچکا ہے، لہٰذا قلمبند فرمائیں کہ مذکورہ زمین وقف مانی جائے گی یا نہیں؟ تسلی بخش جواب تحریر فرمائیں؟ نوازش ہوگی۔

(۲) دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ والد مرحوم نے زید کو کچھ زمین فروخت کی، لیکن ابھی بیعنامہ نہیں کیا تھا، کیونکہ زید پر ابھی بارہ ہزار روپیے باقی تھے، زید کے پاس ابھی پیسے کا انتظام نہیں تھا، والد مرحوم نے کہا کہ زید پر ہمارے بارہ ہزار روپئے باقی ہیں، جب وہ پیسے دیدے تو فلاں زمین کا اس کے نام بیعنامہ کردینا، لیکن ساتھ ساتھ والد مرحوم نے ایک بات اور کہی کہ اس بارہ ہزار میں سے دو ہزار اسی کو چھوڑ دینا اور صرف دس ہزار روپئے لے لینا تو کیا ہم زید سے پورے بارہ ہزار روپئے لے کر بیع نامہ کریں یا دو ہزار روپئے والد مرحوم کی وصیت کے مطابق زید کو چھوڑ دیں، کیا مرض الوفات کی وصیت نافذ ہوتی ہے؟ شریعت مطہرہ کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں، مندرجہ بالا وصیت بھی والد مرحوم نے انتقال سے دو روز پہلے ہی کی، اس وصیت کا زید کو علم نہیں ہے، وہ تو ہم کو بارہ ہزار روپئے ہی دے گا۔

المستفتی: محمد خالد قاسمی، شکتی نگر ممبئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) والد صاحب کا مرض الموت میں یہ کہنا کہ یہ زمین میری طرف سے وقف ہے، وصیت کے درجے میں ہے، لہٰذا اگر سب ورثاء اس پورے مکان کو وقف کرنے پر راضی ہوں تو پورا مکان وقف قرار دیا جائے گا، اور اگر ورثاء راضی نہ ہوں تو یہ وصیت صرف ایک تہائی مکان میں نافذ ہوگی، اس سے زیادہ میں نہیں۔

إعتاقه و محاباته و هبته و وقفه و ضمانه كل ذٰلك حكمه كحكم وصية فيعتبر من الثلث. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الوصايا، باب العتق في المرض، كراچی، ٦/٦٧٩- ٦٨٠، زكريا ديوبند ١٠/ ٣٨٠)

(۲) میت نے مرض الوفات میں زید کو دو ہزار روپے کی قیمت میں تخفیف کا جو ارادہ ظاہر کیا ہے یہ بھی وصیت کے درجے میں ہے، اگر سب ورثاء راضی ہوں تو پورے دو ہزار روپے کی تخفیف کی جائے گی، اور اگر راضی نہ ہوں تو دو ہزار روپے کے صرف ایک تہائی کے بقدر تخفیف ہوگی۔

إعتاقه و محاباته و هبته و وقفه و ضمانه كل ذٰلك حكمه كحكم وصية فيعتبر من الثلث. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الوصايا، باب العتق في المرض، كراچی، ٦/٦٧٩- ٦٨٠، زكريا ديوبند ١٠/ ٣٨٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳ ؍جمادی الاولیٰ ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۳۱۳/۳۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۸/۵/۲۳ھ

مرحوم کی وصیت صرف ثلث میں نافذ ہوگی بقیہ ترکہ شمار ہوگا

سوال [۱۱۲۸۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) میں ایک بیوہ عورت ہوں، میری عمر تقریباً ۷۵؍سال ہے، میرے شوہر کا آج سے تقریباً ۱۳؍سال قبل انتقال ہو چکا ہے، الحمد للہ میرے چار لڑکے اور پانچ لڑکیاں

ہیں،سب الحمدللہ حیات ہیں۔

(۲) آج سے تقریباً ۴۰؍سال قبل میرے شوہر نے ایکسپورٹ کا کاروبار شروع کیا، کچھ وقت انہوں نے باہر کے لوگوں سے شراکت کی، ان میں سے ایک نے تقریباً ۳۱؍سال قبل اور دوسرے نے تقریباً ۲۸؍سال قبل میرے شوہر سے الگ ہوکر اپنا اپنا کاروبار شروع کردیا، اور جوں جوں میرے لڑکے بڑے ہوتے چلے گئے ان سب کو میرے شوہر اپنے کاروبار میں شامل کرتے رہے۔

(۳) سال ۷۰ءتا ۸۴ء میرے شوہر اور میرے لڑکے مل کر ایک ہی کاروبار میں شریک رہے،سال ۸۴ء میں میرے شوہر نے حالات کے مدنظر چار لڑکوں میں سے ایک لڑکے کوالگ کردیا، اور کہا کہ اب تم اپنا کاروبار الگ سنبھالو اور جولڑکا الگ ہوا اس کا حساب و کتاب بنا کر اس کے حوالے کردیا گیا ،جس وقت یہ حساب بنایا گیا، میری معلومات کے مطابق اس کا مندرجہ ذیل طریقۂ کار اپنایا گیا:

الف: میرے شوہر نے اپنے تمام اثاثہ کوایک جگہ اکٹھا کیا، اس میں چند جائیداد الگ کیں ،اوران جائیداد کوراہِ خدا میں صرف کرنے کی وصیت کی ،اوراس کے علاوہ ایک باغ بھی الگ کیا ،اورایک رقم میرے لیے محفوظ کردی، اور باقی لڑکوں کو یہ حکم دیا کہ اس بچے ہوئے اثاثہ کو برابر پانچ حصہ بنا کر چار حصہ چار بھائی آپس میں بانٹ لو اور ایک حصہ جوان کا اپنا تھا اس میں باغ شامل کرکے کہا کہ یہ میرا حصہ مانا جائے اور بعد میں اپنی زندگی میں اس کو شریعت کے مطابق وارثان میں تقسیم کردیا۔

ب: اتفاق ایسا ہوا کہ اس وصیت کو بنانے کے بعد چند ہی ماہ میں میرے شوہر کا انتقال ہوگیا، اپنے شوہر کے انتقال کے کچھ عرصہ بعد مجھ کو علم ہوا کہ مزید کچھ رقم میرے شوہر نے کچھ الگ سے ایک اثاثہ کی شکل میں چھوڑی ہے، جو میرے سب سے بڑے لڑکے کے پاس محفوظ ہے،اس رقم کا خلاصہ اس طرح دیتی ہوں:

ت: اندازاً جو ترکہ میرے شوہر نے تقسیم کیا تھا وہ صرف ۲۵؍ فیصدی تھا اور مزید

۷۵/ فیصدی میرے بڑے لڑکے کے پاس الگ سے محفوظ تھا، مثلاً میرے شوہر کا کل ترکہ تقریباً ایک روپیہ تھا، اس میں سے ۲۵/ پیسے تو میرے شوہر کی وفات کے بعد وارثان میں تقسیم ہوگئے، باقی ۷۵/ پیسے میرے بڑے لڑکے کے پاس محفوظ تھے۔

ث: مجھ کو اپنی بڑی لڑکی کے ذریعہ معلوم ہوا کہ یہ رقم میرے شوہر نے اس کے پاس بطور امانت رکھی ہے، اور یہ ہدایت دی ہے کہ اس کا استعمال راہِ خدا میں کیا جائے، مجھ کو احساس ہوتا ہے کہ باوجود ۱۳/ سال گذر جانے کے اس رقم کا کچھ حصہ ہی صرف ہوا ہے اور باقی آج بھی میرے بڑے لڑکے کے پاس محفوظ ہے (یہ رقم جس اثاثہ کی شکل میں محفوظ تھی آج کے بھاؤ سے وہ تقریباً ۳/ تا ۵/ گنا بڑھ گئی ہے)۔

میرے دوسرے بچے یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ اس رقم کا ذکر میرے شوہر نے ان سے بھی کیا، مگر کبھی راہِ خدا کے نام وقف کرنے کا کوئی ذکر نہیں کیا، اس بات کا میں اعتراف کرتی ہوں، حالانکہ میں ان کی بیوی تھی، انہوں نے کبھی مجھ سے راہ خدا میں وقف کرنے کا تذکرہ نہیں کیا۔

البتہ اگر کبھی بھی میں نے ان سے ان کے مکمل اثاثہ کے بارے میں معلوم بھی کیا تو انہوں نے یہی کہا کہ مجھ کو خود اندازہ نہیں، ہاں البتہ میرے بعد تم کو کسی قسم کی تکلیف نہیں ہوگی، اس کی ایک وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ میرے بڑے لڑکے کا دبدبہ زیادہ ہونے کی وجہ سے میرے شوہر کچھ باتوں میں کھل کر بولنے کی ہمت نہیں کرتے تھے، مجھ کو یہ بھی احساس ہوتا ہے کہ میرے شوہر نے جو جائیداد وغیرہ بھی راہ خدا میں صرف کرنے کی وصیت کی تھی، وہ ۱۳/ سال گذر جانے کے باوجود جوں کی توں پڑی ہوئی ہے، میں اس کا ذمہ دار اپنے چاروں لڑکوں کو برابر مانتی ہوں کہ وہ جس طرح پوری دلجمعی سے اپنے کاروبار کے مسائل کو حل کرتے ہیں، ان تمام جائیداد کے مسائل حل کرنے میں اپنا وقت صرف کیوں نہیں کرتے ہیں؟ میں آپ سے گذارش کرتی ہوں کہ میرے اس مسلہ کا حل حدیث اور قرآن کی روشنی میں مندرجہ ذیل حقائق کو سامنے رکھ کر بیان کردیں۔

(۱) یہ رقم ترکہ کے تقسیم سے پہلے میرے شوہر نے میرے بڑے لڑکے کے حوالہ کی تھی؟

(۲) یہ رقم میرے شوہر کی زندگی میں بالکل خرچ نہیں ہوئی، جس وقت میرے شوہر کا

انتقال ہوا یہ رقم پوری کی پوری محفوظ تھی؟

(۳) میرے بڑے لڑکے کا یہ کہنا ہے کہ چونکہ یہ اثاثہ اس کے والد نے اس کے ذمہ کیا ہے، لہٰذا اس کو خرچ کرنے کا وہ مکمل اختیار رکھتا ہے، اور یہ اس کی مرضی ہے کہ وہ چاہے تو دوسروں سے مشورہ لے سکتا ہے، چاہے نہیں، اور وہ اس بات پر زور دیتا ہے کہ وہ جو کر رہا ہے بالکل صحیح کر رہا ہے، اور اپنے اس عمل کا خدا تعالیٰ کی بارگاہ میں خود ذمہ دار ہوگا؟

(۴) میرے باقی بچے جن میں پانچ لڑکیاں اور تین لڑکے شامل ہیں وہ اس بات کی دلیل پیش کرتے ہیں کہ شریعت کی رو سے کسی بھی انسان کو مکمل اثاثہ کا ایک تہائی سے زیادہ راہِ خدا میں وقف کرنے کا اختیار نہیں ہے، لہٰذا اس کا ایک تہائی نکال کر باقی حصہ وارثین میں شریعت کی رو سے تقسیم ہونا چاہیے اور ایک تہائی حصہ کو راہِ خدا میں خرچ کرنے کو ان کے ہر مشورہ اور خواہش کا احترام کیا جائے، لہٰذا میں آپ سے درخواست کرتی ہوں کہ اس مسئلہ میں میری رہنمائی فرمائیں تاکہ میری کسی بھی اولاد کے ساتھ حق تلفی نہ ہو اور ساتھ ہی میرا سب سے بڑا لڑکا جس سے میں سب سے بڑا ہونے کے ناطہ سب سے زیادہ محبت کرتی ہوں کسی لاعلمی کی وجہ سے گناہ کا مرتکب نہ ہو جائے؟

المستفتیه: توحیدہ خاتون سنبھل مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفیق: سوالنامہ میں میت کے دو طرح کے اموال کے بارے میں شرعی حکم معلوم کیا گیا ہے ہر ایک کے متعلق تفصیل درج ہے:

(۱) آپ کے شوہر نے اپنی زندگی میں جن جائیدادوں کے بارے میں باقاعدہ راہِ خدا میں صرف کرنے کی وصیت کی ہے جس کے گواہ موجود ہیں ان میں تو بہرحال وصیت کے احکامات نافذ ہوں گے، یعنی میت کے کل ترکہ کے صرف تہائی حصہ کو راہِ خدا میں صرف کیا جائے گا، اور بقیہ دو تہائی حصہ وارثین میں تقسیم ہوگا۔

عن سعد بن أبی وقاص حدیثا طویلا وطرفه: فقلت: أوصی بالنصف، قال: النصف کثیر، قلت: فالثلث، قال: الثلث، والثلث کثیر أو کبیر، قال:

فأوصى الناس بالثلث فجاز ذٰلک لهم. (صحيح البخارى، الوصايا، باب الوصية بالثلث ۱/۳۸۳، رقم: ۲٦٦۳، ف: ۲۷٤٤)

لا تجوز بما زاد على الثلث. (هدايه، كتاب الوصايا، رشيديه ٤/٦۳۸، اشرفى ديوبند ٤/٦٥٤، مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ٤/٤١٩)

(۲) اور جو رقم بڑے لڑکے کے پاس رکھی ہوئی ہے اس کے بارے میں چونکہ دیگر وارثین وصیت کے متعلق لاعلمی کا اظہار کرتے ہیں، اس لیے اس وصیت کا حکم صرف اسی وقت جاری ہوسکتا ہے جبکہ:

الف: میت کے اس رقم کو راہِ خدا میں صرف کرنے کے متعلق دو شرعی گواہ یا پختہ تحریری ثبوت موجود ہو۔

وإن أنكر سأل المدعى البينة. (هدايه، كتاب الدعوىٰ، اشرفى ديوبند ۳/۲۰۲، رشيديه ۳/۱۸٦)

إذا قال اشهدوا أنى أوصيت لفلان بألف درهم و أوصيت أن لفلان فى مالى ألف درهم فالأولىٰ وصية. (شامى، كتاب الوصايا، كراچى ٦/٦٥٠، زكريا ۱۰/۳۳۸)

اگر ایسا شرعی ثبوت موجود نہ ہو تو اس رقم پر وصیت کا حکم نافذ نہیں ہوسکتا بلکہ وہ مکمل رقم خواہ اس میں کتنا ہی اضافہ ہوگیا ہو میت کے سبھی وارثین میں حسب حصص شرعیہ تقسیم کرنی ضروری ہوگی اگر آپ کے بڑے لڑکے نے ایسا نہ کیا تو وہ خائن شمار ہوگا اور عنداللہ سخت ترین عذاب الٰہی کا مستحق ہوگا۔

قال رسول الله ﷺ: ألا لا تظلموا، ألا لايحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه. (مسند أحمد ٥/٧٢، رقم: ۲۰۹۷۱، سنن الدار قطنى، دار الكتب العلمية بيروت ۳/۲۲، رقم: ۲۸٦۳، مشكوٰة ۱/۲٥٥)

لايجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعى. (شامى، كتاب الوصايا، مطلب: فى التعزير زكريا ٦/۱۰٦، كراچى ٤/٦١)

واضح رہے کہ جو رقم ہبہ، صدقہ یا وقف کے لیے الگ نکال کر رکھدی جاتی ہے وہ جب تک اپنے مصرف میں خرچ نہ ہو جائے اس وقت تک مالک کی ملکیت سے خارج نہیں ہوتی، اور مرنے کے بعد اس کے ترکہ میں شمار ہوتی ہے، لہٰذا حسب تحریر سوال جبکہ میت کی زندگی میں مذکورہ رقم جوں کی توں موجود رہی اور صدقہ کی نیت کے باوجود انتقال کے وقت تک صدقہ کے محل تک نہیں پہنچی تو محض نیت کر لینے سے وہ آپ کے شوہر کی ملکیت سے خارج نہیں ہوئی، بلکہ انتقال ہوتے ہی اس رقم سے میت کے سبھی وارثین کا حق متعلق ہو چکا ہے۔

وإذا قال عبدی هذا لفلان و داری هذه لفلان ولم يقل وصية و لا كان في ذكر وصية ولا قال بعد موتي كان هبة قياسا و استحسانا فإن قبضها في حال حياته صح وإن لم يقبضها حتى مات فهو باطل. (عالمگیری، کتاب الوصایا، الباب الثانی زکریا قدیم ۶/ ۹۴، جدید ۶/ ۱۱۱)

ب: اور اگر آپ کا بڑا لڑکا اس پوری رقم کے راہِ خدا میں صرف کرنے کی ہدایت پر دو شرعی گواہ یا پختہ ثبوت پیش کر دے پھر بھی اس کا نفاذ صرف ایک تہائی رقم میں ہوسکتا ہے، باقی دو تہائی رقم بہرحال وارثین میں تقسیم کرنی لازم ہے، آپ کے بڑے لڑکے پر فرض ہے کہ وہ جلد از جلد اس رقم کو مستحقین تک پہنچا کر اپنا ذمہ فارغ کرے، ورنہ وہ مرتکب خیانت ہو کر وصی اور وکیل ہونے کی ذمہ داری سے معزولی کا مستحق ہوگا۔

لاينبغي له أن يعزله حتى يبدو له منه خيانة فإن علم منه خيانة عزله. (عالمگیری، الباب التاسع فی الوصی و مایملکه، زکریا قدیم ۶/ ۱۳۹، جدید ۶/ ۱۵۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/ ربیع الثانی ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۷۳۴)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۴/۲۵ھ

مرض الموت میں ہبہ کرنے کا حکم

سوال [۱۱۲۸۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ محمد اکبر کے دولڑکے، صابر حسین اور عابد حسین اور ایک لڑکی للّو ہیں، عابد حسین کا انتقال اکبر کی زندگی ہی میں ۱۹۹۰ء میں ہوگیا۔

عابد کے تین لڑکے محمد عالم، محمد مرسلین، محمد آصف اور تین لڑکیاں: رقیہ خاتون، رضیہ خاتون، اوما خاتون ہیں، اس کے بعد اکبر کا ماہ ستمبر ۲۰۰۱ء میں انتقال ہوا، انتقال سے کچھ وقت پہلے جب ان کے ہوش درست تھے تو عزیز رشتہ داران کے پاس جمع تھے، انہوں نے ہاتھ سے کچھ اشارہ کیا، تو موجودہ لوگوں نے معلوم کیا کہ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں، اور آپ نے چھوٹے بیٹے عابد کی اولاد کے لیے کیا کیا ہے؟ تو انہوں نے مکان کے بارے میں انگلی سے آدھے آدھے کا اشارہ کیا، کہ آدھا مکان صابر کا اور آدھا عابد کے بچوں کا اور زبان سے بھی کہا، اس پر ان کی بیٹی للّو اور عابد کی بہو خیر النساء اور اکبر کا بڑا بیٹا صابر اور صابر کے لڑکے اور دیگر رشتہ دار، لڈن چکی والے، مقصود بھائی وغیرہ گواہ موجود ہیں جو اس وقت ان کے پاس موجود تھے، معلوم یہ کرنا ہے کہ شریعت کی روشنی میں یہ ہبہ درست ہے یا نہیں؟ واضح رہے کہ اپنے ہاتھ سے اشارہ کرتے وقت زبان سے بھی انہوں نے آدھے آدھے کا لفظ کہا تھا؟ شریعت کی روشنی میں جواب دے کر ممنون فرمائیں۔

المستفتی: محمد حنیف محلّہ نئی بستی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مرض الوفات میں ہبہ اور عطیہ وصیت کے حکم میں ہوتا ہے، اس لیے واقعتاً سوال میں ذکر کردہ لوگوں کی موجودگی میں عابد کی اولاد کے لیے آدھے مکان کی جو وصیت کی گئی تھی اور ان گواہوں نے وصیت کی بات اچھی طرح سمجھی ہے، اور یہ سب لوگ اس کی گواہی دے رہے ہیں، تو مرحوم اکبر کے کل ترکہ و مکان کے کل ۹ ر حصے ہوں گے، اس میں سے ایک تہائی حصہ جس میں ۳ ر حصے آتے ہیں، وہ عابد کی اولاد کو ملیں گے، باقی دو تہائی جس میں چھ حصے آتے ہیں، اس میں دو حصے بیٹی للّو اور چار حصے صابر کو ملیں گے، لیکن اگر بیٹا صابر اور بیٹی للّو باپ کی اس وصیت کا احترام کرتے ہوئے مرحوم عابد کی اولاد کو آدھا مکان بخوشی دینا چاہتے ہیں تو یہ جائز اور درست ہے، اور اگر بخوشی دینا نہ چاہیں تو

۹/حصوں میں سے ۳/حصے دینے ہوں گے۔

والهبة من المريض للوارث في هذا نظير الوصية لأنها وصية حكما حتى تنفذ من الثلث. (هدایه، کتاب الوصایا، رشیدیه ٤/٦٤١، اشرفی دیوبند ٤/٦٥٧)

ولاتجوز بما زاد على الثلث ......إلا أن يجيزها الورثة بعد موته وهم كبار. (هدایه، اشرفی دیوبند ٤/٦٥٥، رشیدیه ٤/٦٣٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/شعبان المعظم ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۷۲۴۲)

وصیت سے متعلق چند سوالات کے جوابات

سوال [۱۱۲۸۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) نتھو نامی ایک شخص کا دعویٰ ہے کہ ظہوراً نے جس کا میں وارث ہوں، میرے نام کل مال کی وصیت کردی تھی، تو کیا وارث کے حق میں وصیت کرنا جائز ہے؟

(۲) ایک عورت نے جبکہ اس کے وارثین بھی موجود ہیں ایک شخص کو کل مال کی وصیت کردی تھی، کیا یہ شرعاً جائز ہے، وصیت کرنے والی مرچکی ہے؟

(۳) ایک شخص نے عدالت میں دعویٰ کیا ہے کہ فلاں نے مجھے کل مال کی وصیت کردی تھی، اور وصیت کنندہ کے وارث بھی موجود ہیں، انہوں نے اس دعویٰ کے خلاف عذر داری دائر کردی ہے، اور مدعی کے اس ناجائز دعویٰ کی وجہ سے عذر دار فریق کی اتنی رقم صرف ہوگئی ہے کہ مدعی کا وصیت سچی ہونے کی شکل میں جو تہائی حصہ کی قیمت ہوگی وہ رقم اس سے زیادہ ہے، یعنی مدعی کی تہائی حصہ جتنی قیمت کا ہوتا ہے اس سے زیادہ رقم مدعی نے کل زمین کی وصیت کا غلط دعویٰ پیش کرکے عذر دار فریق کی خرچ کرادی اب اگر اس شکل میں عذر دار فریق پوری زمین کا مقدمہ جیت لے اور مدعی کو اس کی وجہ سے تہائی حصہ زمین نہ دے کہ اس نے اس سے زیادہ ہماری رقم خرچ کرادی، جو کہ اس کے غلط دعویٰ کے نتیجے میں خرچ کرنی پڑی تو شرعاً

کوئی حرج تو نہیں ہے،اس رقم کا ذمہ دار مدعی کو ہی سمجھا جائے گا؟ اس کی وضاحت فرمائیں۔

المستفتی: شمس الحق قاسمی غفرلہ، موسیٰ پور سنبھل مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: (۱) وارث کے لیے وصیت کرنا جائز نہیں اگر کوئی وارث کے لیے وصیت کرے تو وہ باطل ہے۔

قال ومنها أن لايكون وارث الموصى وقت موت الموصى فإن كان لا تصح. (بدائع الصنائع، كتاب الوصايا، زكريا ٦/٤٣٣)

(۲) وارثین کی موجودگی میں کسی اور کے لیے کل مال کی وصیت کرنا جائز نہیں۔

قال: يعني أن الباطل هو أحد الشيئين الذين قصدهما الموصى وهو استحقاق الزائد على الثلث فإنه بطل لحق الورثة. (شامي، كتاب الوصايا، باب الوصية بثلث المال كراچی ٦/٦٦٧، زكريا ١٠/٣٦٣)

(۳) بر تقدیر صحت سوال مسئولہ صورت میں موصیٰ لہ کا ایک تہائی حق دیدینا لازم ہے اس پر بغیر اس کی اجازت کے قبضہ کرنے کی گنجائش نہیں ہے، البتہ اس مقدمہ میں جو رقم آپ کی خرچ ہوئی ہے اس کا مطالبہ بذریعہ عدالت آپ کر سکتے ہیں۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۴/۱۴۱) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍صفر المظفر ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۶۰۱۴)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۲/۲ھ

٤٣ كتاب الفرائض

١ باب ما يتعلق بنفس الفرائض

شرعی تقسیم کا طریقۂ کار

سوال [۱۱۲۸۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) میرے چھوٹے بھائی ہیڈ ماسٹر عبد الشھو د خاں مرحوم نے اپنے فنڈ وتنخواہ میں کچھ روپیہ چھوڑا، مرحوم کی تجہیز وتکفین مرحوم ہی کے پیسے سے کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) مرحوم نے مبلغ دو ہزار روپیہ اپنی چھوٹی بہن سے قرض لیا تھا، اور مرحوم نے اپنی درست صحت میں اس قرض کی ادائیگی کی وصیت زبانی، رو برو گواہان کی تھی، یہ قرض مرحوم ہی کے پیسے سے ادا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(۳) مرحوم کی تجہیز وتکفین وقرض مرحوم کے فنڈ وتنخواہ سے کاٹ کر بقیہ روپیہ ان کے وارثین میں تقسیم ہونا چاہیے یا نہیں؟

(۴) اس سلسلے میں جبکہ جامعہ قاسمیہ میں ان کے فنڈ وتنخواہ کا روپیہ موجود ہے، جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی کے محترم جناب مہتمم صاحب کو تصدیق کر کے سب وارثین کو تقسیم کرنا چاہیے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) شریعت کا یہی حکم ہے کہ سب سے پہلے میت کے ترکہ میں سے متوسط درجہ کی تجہیز وتکفین کا خرچ نکال لیا جائے۔

ويبدأ بتكفينه و تجهيزه بلا تبذير و لا تقتير. (شریفیه ص: ۳)

(۲) یہ قرض تجہیز وتکفین کے بعد مرحوم کے ترکہ میں سے ہی ادا کرنا واجب ہے۔

ثم يبدأ بقضاء دينه من جميع ماله الباقي بعد التجهيز و التكفين. (شريفيه ص:۵)

(۳) اگر مرض الموت میں کسی غیر مورث کے لیے وصیت نہیں کی ہے تو بقیہ سارا مال وارثین کے درمیان ان کے حقوق کے بقدر تقسیم کرنا لازم ہے۔

ثـم يـقسـم البـاقـي هـذا رابـع الأربـعة وهو أن يقسم ما بقى من ماله بعد التفكين والدين والوصية بين ورثته أى الذين ثبت إرثهم بالكتاب. (شريفيه ص:۷)

(۴) اس زمانۂ فتن میں یہی بہتر ہے کہ مذکورہ صورت میں مہتمم صاحب ہی ہر وارث کا حصہ اسی کے ہاتھ میں دیدیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶ ربیع الاول ۱۴۰۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۵۹۷)

تقسیم وراثت میں امیر بنانے کا حکم

سوال [۱۱۲۸۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) زید نے اپنے انتقال کے وقت اپنے پیچھے بارہ اولاد چھوڑی، جس میں نو لڑکے اور تین لڑکیاں ہیں، ان تمام لڑکوں اور لڑکیوں نے مل کر اپنے میں سے ایک کو امیر منتخب کیا ہے، سوائے دو لڑکوں کے کہ انہوں نے کسی کو اپنا امیر نہیں بنایا ہے، اور یہ بھی معلوم ہے کہ کل جائیداد منقولہ وغیر منقولہ اکیس حصے کے اعتبار سے تقسیم ہوگی، اور یہ بھی ملحوظ رہے کہ سارے وارثین کی عمر ۴۵ رسال سے متجاوز ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا امیر وراثت کی تقسیم ان دونوں کی رضامندی واطلاع کے بغیر کرسکتا ہے؟

(۲) اسی طرح دیگر وارثین کی خوشنودی کے بغیر اپنی اطاعت کی تاکید کرتے ہوئے کیا امیر وراثت کی تقسیم اپنے اعتبار سے کرنے کا حق رکھتا ہے؟

(۳) اسی طرح بعض وارثین نے ایک عمارت کا جو وارثین کے درمیان مشترک تھی،

دوسرے وارثین کو مطلع کیے بغیر سودا کرلیا ہے، اس سودے کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ کیا اس طرح کا سودا کرنا شرعی اعتبار سے درست ہے؟ شریعت کی روشنی میں جواب دیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تقسیم وراثت میں امیر بنانے اور اس کی اطاعت کو سارے ورثاء پر لازم کرنے کی ضرورت نہیں، بلکہ آپس میں سب مل کر جائیداد منقولہ وغیر منقولہ کو ۲۱ر حصوں میں تقسیم کرکے بانٹ لیں، اور جس کو امیر بنایا ہے اس کا وراثت کو اپنے اعتبار سے تقسیم کرنا جائز نہیں ہے، بلکہ شرعی تقسیم لازم ہے، نیز بعض وارثین کا دیگر بعض وارثین کی اجازت کے بغیر تصرف کرنا اور اس کو بیچنا درست نہیں ہے۔

﴿ يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْ اَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ. [النساء: ۱۱] ﴾

ثم يقسم الباقي هذا رابع الأربعة وهو أن يقسم ما بقي من ماله بعد التفكين والدين والوصية بين ورثته أي الذين ثبت إرثهم بالكتاب. (شريفيه ص: ۷)

لايجوز لأحد أن يتصرف في ملك غيره بلا إذنه أو وكالة منه أو ولاية عليه وإن فعل كان ضامنا. (شرح المجلة ۱/ ۶۱ رقم: ۹۶) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰ر جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۵۲۴)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۳۵/۵/۱۱ھ

تقسیم شرعی معتبر ہے نہ کہ والد صاحب کی ہدایتِ تقسیم

سوال [۱۱۲۸۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: والد صاحب جس طرح سے تقسیم کرنے کے لیے زندگی میں کہہ گئے ہیں، اگر اس طرح سب کو اتفاق ہو تو اس طرح تقسیم کرنا درست ہے، اور اگر کچھ وارثین تو راضی ہوں لیکن کچھ جن کے پاس زیادہ مال قبضہ میں ہے راضی نہ ہوں، تو پھر کس طرح تقسیم کی جائے؟

المستفتی: ممتاز حسن

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر والد کی ہدایت کے مطابق تقسیم کرنے پر سب ورثاء راضی نہیں ہیں، تو ان کی ہدایت کے مطابق تقسیم کرنا جائز نہیں ہوگا، بلکہ قانون شرعی کے مطابق تقسیم کرنا لازم ہوگا، اس لیے کہ وراثت کی ملکیت اختیاری نہیں ہوتی بلکہ اضطراری طور پر قانونِ الٰہی کے تحت یہ ملکیت حاصل ہوتی ہے۔

إن سبب الملک نوعان: إختیاری کالشراء وقبول الهبة و إضطراری کالإرث. (حاشیه سراجی ص:۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ شعبان المعظم ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۲۳۲۷)

غیر شرعی طریقہ پر تقسیم کی گئی جائیداد کا شرعی حکم

سوال [۱۱۲۸۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید اور خدیجہ دونوں بھائی بہن ہیں، دونوں نے والدین کے انتقال کے بعد تقریباً پندرہ سال پہلے آپسی رضامندی سے جائیداد کو تقسیم کرلیا تھا، لیکن یہ شرعی تقسیم نہیں ہوئی تھی، جس کی بناء پر بہن کو اپنا حق صحیح طور پر نہیں ملا تھا، اور اب پندرہ سال بعد جائیداد کی قیمت بڑھ گئی ہے، اور بہن اپنے شرعی حق کا مطالبہ کررہی ہے، تو مفتی صاحب سے گذارش ہے کہ مندرجہ بالا مسئلہ میں پہلی تقسیم ہی کا اعتبار کیا جائے یا از سرنو جائیداد تقسیم کی جائے گی، جو بھی شرعی حکم ہو براہِ کرم مع دلائل جواب مرحمت فرمائیں۔

المستفتی: محمد عارف گجراتی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: پندرہ سال پہلے بھائی بہن نے رضامندی سے جو جائیداد تقسیم کی ہے وہ اگر شریعت کے خلاف ہے، اور مسئلہ معلوم نہ ہونے کی وجہ سے اس

طرح تقسیم ہوئی ہے، اور بعد میں مسئلہ معلوم ہونے کے بعد پتہ چلا ہے کہ شریعت کی رو سے غلط تقسیم ہوئی ہے، تو ایسی صورت میں اس تقسیم کو کالعدم قرار دے کر دوبارہ شریعت کے مطابق تقسیم کرسکتے ہیں، اور جب بعد میں دوبارہ شریعت کے مطابق ازسرنو تقسیم کی جائے گی تو اس دوسری بار تقسیم کا اعتبار ہوگا اور پہلی تقسیم کالعدم ہوجائے گی۔

إذا حدثت القسمة ثم تبين فيها غبن فاحش وهو الذى لايدخل تحت تقويم المقومين كأن قوم المال بألف وهو لايساوى خمس مأة فسخت قسمة التقاضى بإتفاق الحنفية لأن تصرف القاضى مقيد بالعدل ولم يوجد والغبن حصل بغير رضا المالك، فصار كبيع الأب والوصى ينقض بالغبن الفاحش وتفسخ أيضا قسمة التراضى فى الأصح لأن شرط جوازها المعادلة ولم توجد فوجب نقضها وهذا هو الصحيح المعتمد المفتىٰ به عند الحنفية كما ذكر ابن عابدين أى أن قسمة التراضى تفسخ بالغبن الفاحش كقسمة التقاضى. (الفقه الإسلامى و أدلته، هدى انٹرنیشنل دیوبند ۵/۵۵۳-۵۵۴، المحيط البرهانى، المجلس العلمى ۱۱/۱۸۸، رقم: ۱۳۵۶۱، شامى زكريا ۹/۳۸۷، کراچی ۶/۲۶۷، البنايه اشرفيه ديوبند ۱۱/۴۵۰، الموسوعة الفقهية الكويتية ۳۱/۱۵۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/ ربیع الثانی ۱۴۳۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۲۰۰۵)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۷/۴/۱۴۳۶ھ

خلاف شرع تقسیم کا حکم

سوال [۱۱۲۸۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہندہ نے اپنے شوہر کے انتقال کے بعد اپنے شوہر کا مکان فروخت کر کے وہ رقم بطور امانت واسطے حج بیت اللہ کے اپنے حقیقی بھائی کے پاس رکھ دی تھی، کوئی محرم نہ ملنے کی وجہ سے حج بیت اللہ نہ جاسکی، اور پچھلے دنوں ہندہ کا انتقال ہوگیا، مرحومہ ہندہ کی بطور امانت والی رقم

کو کیا کیا جائے؟ یا وارثین میں کس طرح تقسیم کی جائے، ہندہ بے اولاد تھی، تو کیا مرحومہ ہندہ کی اس رقم سے ہندہ کا حج بدل کرایا جا سکتا ہے، ہندہ نے اپنی زندگی میں وصیت کی تھی کہ اگر میں نہ رہوں تو میرا یہ پیسہ میری فلاں حقیقی بہن کو دیدینا، اتفاق سے ہندہ کی زندگی میں ہی اس بہن کا انتقال ہو گیا، جس بہن کے حق میں وصیت کی تھی، جس وقت بہن کے حق میں وصیت کی تھی، اس کا شوہر، دو نابالغ لڑکے اور چار لڑکیاں تھیں، ہندہ کے شوہر کی پانچ بہنیں تھیں، دو بہنوں کا انتقال ہو گیا، ہندہ کے شوہر کی تین بہنیں حیات ہیں، کیا ہندہ کے مرحوم شوہر کی مرحوم بہنوں کی اولاد کا حق بنتا ہے، ان میں لڑکی لڑکوں کو کتنا کتنا ملے گا، مرحومہ ہندہ کے والد محترم حیات ہیں، مرحومہ ہندہ کے چار بھائی ہیں، مرحومہ ہندہ کی چار بہنیں حیات ہیں، ان سب کا علیحدہ علیحدہ حق بتا دیں، اور کیا مرحومہ ہندہ کی امانت رکھنے والا بھائی ہندہ کی اس رقم کو اپنے طور سے کسی مسجد یا مدارس میں یا غریب وغرباء میں بطور امداد ہندہ کے نام سے دے سکتا ہے؟

المستفتی: عبدالرؤف ہلدوانی، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ہندہ کے لیے پورا مکان فروخت کرنا جائز نہیں تھا، اس مکان میں ہندہ صرف چوتھائی حصہ کی حقدار تھی، شوہر کی بہنوں کو دو ثلث ملیں گے، کل ۱۲/ سہام میں تقسیم ہو کر ہندہ کو ۳/ اور بہنوں کو ۸/ اور باقی دو شوہر کے قریبی حقیقی چچا یا تایا یا ان کی مذکور اولاد کو ملے گا، لہٰذا امانت کی رقم کو اسی حساب سے تقسیم کر کے حقداروں کو دیدینا لازم ہے، اور شوہر کی موت کے وقت جو بہنیں زندہ تھیں سب وارث ہو جائیں گی، نیز ہندہ کی وصیت اس کی رقم میں سے ایک تہائی میں نافذ ہو سکتی تھی، مگر موصیٰ لہا کے پہلے مرنے کی وجہ سے وصیت بھی ختم ہو گئی ہے۔

ویشترط في الوصیة القبول صریحا أو دلالة ...... قبول الوصیة إنما یکون بعد الموت. (هندیه، کتاب الوصایا، الباب الأول زکریا جدید ۶/ ۱۰۶، قدیم ۶/ ۹۰)

اب اس کے حصہ کی رقم سے حج بدل بھی جائز نہیں ہے، بلکہ اس کے وارثین کو ملے گی یہ مسئلہ مناسخہ کا ہے، تمام وارثین اور مرنے والوں کو نام بنام علی الترتیب ذکر کیے بغیر مسئلہ کا جواب مکمل طور پر ممکن نہیں، شوہر اور بیوی کے خاندان کے لوگوں کو مرنے والوں کی ترتیب

کے ساتھ نا مزد لکھیں۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶؍محرم الحرام ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر:۳۳/ ۵۱۵۶)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۱/۲۶ھ

غلط تقسیم غیر معتبر ہے

سوال [۱۱۲۹۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) زید نے ایک عورت سے شادی کی اس سے تین بچے پیدا ہوئے، دو لڑکے اور ایک لڑکی: عبد الرحیم، سلیم احمد، لڑکی آمنہ، بعدہٗ زید کی بیوی کا انتقال ہو گیا، اس کے بعد زید نے دوسری شادی کرلی، اس سے بھی تین ہی بچے پیدا ہوئے، محمد ایوب، عبد القیوم، آمنہ، اب زید کا انتقال ہو گیا، بوقت انتقال زید نے دونوں بیویوں کی اولاد اور دوسری بیوی کو چھوڑا اور تین مکانات چھوڑے۔

(۲) زید کی پہلی بیوی سے پیدا شدہ لڑکے سلیم احمد کا انتقال ہو گیا؟

(۳) اور کچھ ہی دنوں کے بعد پہلی بیوی کی ہی لڑکی آمنہ کا بھی انتقال ہو گیا، یہ دونوں غیر شادی شدہ تھے، ان دونوں نے بوقت انتقال ایک حقیقی بھائی عبد الرحیم اور دو علاتی بھائی محمد ایوب، عبد القیوم ایک علاتی بہن آمنہ کو چھوڑا؟

(۴) اس کے بعد زید کی دوسری بیوی کا انتقال ہو گیا، اس نے اپنے تینوں بچوں کے علاوہ زید کی پہلی بیوی سے پیدا شدہ لڑکے عبد الرحیم کو بھی چھوڑا، بعدہٗ زید کی دوسری بیوی سے پیدا شدہ لڑکی آمنہ کا بھی انتقال ہو گیا، اس نے اپنی اولاد میں پانچ لڑکوں کو چھوڑا، محمد غفران، محمد عثمان، محمد اسلم، عبد السلام، محمد اسلام، شوہر کا پہلے ہی انتقال ہو گیا ہے، زید کے انتقال کے بعد مال کی تقسیم کے ساتھ ساتھ مکانات کی تقسیم بھی باہمی رضامندی سے اس طرح کرلی گئی ہے کہ ایک مکان پہلی بیوی سے پیدا شدہ لڑکے عبد الرحیم کو دیدیا، اور دوسرا مکان دوسری بیوی سے پیدا شدہ لڑکوں کو دیدیا، اور دونوں ہی اس فیصلہ پر بخوشی رہتے سہتے چلے آرہے ہیں، زید کی دوسری

بیوی سے پیدا شدہ لڑکوں نے دوسری بیوی کی موجودگی میں فروخت بھی کر دیا اب جبکہ زید کے انتقال کو قریب پچاس سال اور زید کی دوسری بیوی کے انتقال کو پچیس سال گذر گئے، زید کی دوسری بیوی سے پیدا لڑکوں نے دوبارہ تقسیم جائیداد کا دعویٰ پیش کر دیا پہلی بیوی سے پیدشدہ الڑکے سلیم احمد مرحوم اور لڑکی آمنہ مرحومہ کے حصہ کا حقدار کون ہوگا؟ بالتفصیل جواب عنایت فرمائیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوالنامہ میں درج شدہ صورت سے جو تقسیم ہوئی ہے وہ شرعی طور پر صحیح نہیں ہوئی، اس لیے کہ اس میں بعض ورثاء کو حق سے محروم کر دیا گیا ہے، جیسا کہ دوسری بیوی کی لڑکی آمنہ اور اس کے ورثاء کو کوئی حق نہیں دیا ہے، لہٰذا دوبارہ شرعی طریقہ سے تقسیم ہونا لازم ہے، اور کسی بھی وارث کو محروم نہ کیا جائے، نیز دوسری بیوی کے لڑکوں نے جو کچھ فروخت کر دیا ہے اس کا حساب بھی تقسیم میں شامل کرنا ہوگا، لہٰذا ان کے حصہ میں سے فروخت شدہ کو بھی مجریٰ کرنا ہوگا۔

ولو ظهر غبن فاحش في القسمة تفسخ. (البحر الرائق، كتاب القسمة زكريا ۲۸۳/۸، كوئٹه ۱۵٦/۸، تبيين الحقائق امداديه ملتان ۲۷۳/۵، زكريا ٤۱۹/٦)

ولو استحق بعض شائع في الكل تفسخ بالاتفاق لأن باستحقاق جزء شائع ينعدم معنى القسمة وهو الإفراز لأنه يوجب الرجوع بحصته في نصيب الآخر. (هدايه، كتاب القسمة اشرفى ديوبند ٤/ ٤۲۰-٤۲۱) **فقط واللّٰہ سبحانہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۵۲۵۰/۳۳)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۸/۴/۱۴۱۸ھ

کیا والد صاحب کی زندگی میں اپنی لڑکیوں کو وراثت دے سکتے ہیں؟

سوال [۱۱۲۹۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) کوئی صاحب جائیداد اپنی حیات میں اپنی لڑکیوں کو ترکہ دے سکتا ہے یا نہیں؟

(۲) میرے والدمحترم نے اپنی وفات سے دوتین سال قبل اپنی لڑکیوں کوان کا ترکہ ادا کر کے ہم بھائیوں کے حق میں ایک یادداشت تقسیم نامہ مرتب کیا تھا، ابھی ہماری والدہ ماجدہ بقید حیات ہیں، اس یادداشت تقسیم نامہ کے گواہان بھی باحیات ہیں، اس یادداشت میں لڑکیوں کوترکہ دینے کا تذکرہ نہیں کیا، ایسی صورت میں ہم بھائیوں کواپنی بہنوں کوہمارے والدمحترم کی جائیداد میں سے ترکہ دینا ہوگا یا نہیں؟

(۳) ہماری موروثی آراضی پر ہم تمام بھائیوں نے باہمی مشورہ سے ایک بھائی کو نگراں مقرر کیا تھا، اس بھائی نے اس آراضی کی کاشت فصل نہ دے کرتمام آراضی پر قبضہ کرلیا، ہم دیگر بھائیوں کوحصہ دینے سے انکارکردیا، چنانچہ میں نے عدالت عالیہ سے رجوع کیا، جس میں جملہ بھائی بہنوں کو مدعیٰ علیہ بنانا پڑا، عدالت عالیہ نے بھائیوں، بہنوں کے درمیان آراضی تقسیم کرنے کا فیصلہ صادر فرمایا، بربنائے تصفیہ عدالت عالیہ بہنیں بھی آراضی میں حصہ تقسیم چاہتی ہیں، جس میں ہر بہن کی متضاد رائے ہے، بڑی بہن یہ کہتی ہے کہ والد محترم نے اپنی حیات میں دے دیا ہے، اب میں نہیں لوں گی، دوسری بہن یہ کہتی ہے کہ عدالت عالیہ کے حکم کی روشنی میں ہم کو ہماراحق دیں، تیسری بہن یہ کہتی ہے کہ والدمحترم نے ہماراحصہ برابرنہیں دیاہے، اس لیے ہم کوآپ جواب دیں، کہ ہماراکیاعمل ہوناچاہیے؟

(۴) بڑے برادران یہ کہتے ہیں کہ تمہاری وجہ سے ہم کودوبارہ ترکہ بہنوں کو دیناپڑ رہاہے، جس کی وجہ سے میرے برادران مجھ سے ناراض ہیں تو کیا میرا عدالت میں اپنے حصہ کے لیے رجوع کرنا غلط تھا؟

المستفتی: محمداصغرکیراف حاجی ظہیرالدین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) اگرکوئی شخص اپنی زندگی میں اپنی جائیداد میں سے لڑکیوں کوکچھ حصہ دیناچاہے تولڑکوں کے حق کی رعایت کرتے ہوئے تمام لڑکیوں کو برابر برابر حصہ دینا شرعاً درست اور جائز ہے، لیکن اس کا اس طرح دیناترکہ نہیں بلکہ ہبہ کہلاتا ہے۔

یعطی الإبنة مثل ما یعطی الإبن وعلیه الفتویٰ. (هندیه، الباب السادس فی الهبة للصغیر، زکریا قدیم ٤/٣٩١، جدید ٤/٤١٦، شامی زکریا ٨/٥٠٢، کراچی

٦٩٦/٥، قاضیخان زکریا جدید ١٩٤/٣، وعلی هامش الهندیة زکریا ٢٧٩/٣)

(۲) آپ کے والد صاحب نے اپنی حیات میں اپنی لڑکیوں کو جو حصۂ جائیداد دے کر قابض بنادیا شرعاً وہ ہبہ تھا، اب والد صاحب کے انتقال کے بعد ترکہ کی تقسیم میں وہ لڑکیاں بھی شریک رہیں گی، اگرچہ والد صاحب کے یادداشت نامہ میں ان کا تذکرہ نہ ہو۔

عن النضر بن أنس قال: نحلني أنس نصف داره قال: فقال أبو بردة: إن سرک يجوز ذٰلک فاقبضه فإن عمر بن الخطاب قضى في الإنحال: أن ما قبضه منه فهو جائز، ومالم يقبض فهو ميراث قال فدعوت يزيد الرشک فقسمها. (السنن الكبرىٰ للبيهقي، باب ما جاء في هبة المشاع دار الفكر ١٥٨/٩، رقم: ١٢١٨٦، المصنف لابن أبي شيبة، مؤسسة علوم القرآن ٥٢١/١٠، رقم: ٢٠٥٠٢)

(۳) تقسیم ترکہ سے پہلے آپ کے بھائی نے جوزمین پر ناجائز قبضہ کرلیا تھا، جس سے تمام وارثین کا حق تلف ہو رہا تھا، ایسا کرنا سخت گناہ ہے، ایسی صورت میں آپ کا عدالت سے رجوع ہونا اور عدالت کا سب بھائی بہنوں کے حق میں فیصلہ کرنا بالکل درست اور بجا ہے، شرعی رو سے بھی تمام بہنوں کو ترکہ میں سے اپنا حصہ ملے گا، البتہ کوئی بہن باپ کی زندگی میں حصہ مل جانے کی وجہ سے میراث میں سے اپنا حق اپنے بھائیوں کو دیدے تو یہ اس کی مرضی ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ رشیدیہ قدیم ص: ۶۰۷، جدید زکریا ص: ۶۰۱، فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۴/ ۴۳۷، جدید ڈابھیل ۲۰/ ۲۸۵)

عن سليمان بن موسىٰ قال: قال رسول الله ﷺ: من قطع ميراثا فرضه الله، قطع الله ميراثه من الجنة. (سنن سعيد بن منصور، باب من قطع ميراثا فرضه الله،، دار الكتب العلمية بيروت ٩٦/١، رقم: ٢٨٥-٢٨٦)

عن أنس بن مالک -رضي الله عنه- قال: قال رسول الله ﷺ: من فر من ميراث وارثه، قطع الله ميراثه من الجنة يوم القيامة. (سنن ابن ماجه، باب الحيف في الوصية، النسخة الهندية ١٩٤/٢، دار السلام رقم: ٢٧٠٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳ر جمادی الثانیہ ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۸۸۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۷/۶/۳ھ

جھگڑے اور نقصان سے بچنے کے لیے زندگی میں تقسیم کرنا

سوال [۱۱۲۹۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: آج کے دور میں میراث کے معاملہ میں حق تلفی ہی نظر آتی ہے، بھائی بھائی تو میراث کو باہمی طور پر یا عدالتی طور پر آسانی سے تقسیم کر لیتے ہیں، مگر بہنوں کو حصۂ میراث سے اکثر وبیشتر محروم ہی دیکھا جا رہا ہے، اگر کوئی لڑکی ہمت کر کے اپنا حصہ طلب کر لیتی ہے یا عدالت کے سہارے سے اپنے حصہ کا مطالبہ کر لیتی ہے تو قطع تعلقی کا شکار ہو جاتی ہے، اور ہمیشہ کے لیے بہن بھائیوں کی محبت عداوت میں بدل جاتی ہے، شریعت مطہرہ چونکہ رسم ورواج کے تابع نہیں اس لیے مسلمانوں کو تو شریعت کے مطابق ہی عمل کرنے میں اصل کامیابی ہے۔

(۱) میراث کی تقسیم کاشتکاری کی زمین یا فیکٹری، کارخانہ جات کی جائیداد میں ہے یا رہائشی مکانات میں بھی ہے، زیور اور کپڑوں میں بھی ہے یا نہیں؟

(۲) موجودہ روش کے مدنظر اگر کوئی باپ اپنی اولاد کو اس قضیہ سے بچانے کے لیے اور لڑکی کا حق اپنی موجودگی میں کسی شکل میں پہنچانے کی غرض سے بصورت ہبہ یا عطیہ کی شکل میں میراث تقسیم کر دے تو کیسا ہے؟ تاکہ حق والے کو حق بھی مل جاوے اور بہن بھائیوں میں رنجش بھی نہ ہو، مثال دے کر سمجھانے کی زحمت فرمائیں، مال کے علاوہ اگر جائیداد رہائشی کا اندازہ تین لاکھ روپیہ ہیں اور ایک لڑکی تین لڑکے ہوں تو ہر ایک کو کتنا ملے گا، اگر چار لڑکے دو لڑکیاں ہوں تو ہر ایک کو کتنا ملے گا؟

(۳) اس سلسلے میں تعلیم یافتہ اور غیر تعلیم یافتہ ہر ایک اس حق تلفی میں مبتلا ہے، لڑکی کے حق رسانی کے خود ساختہ رسم بھانجے یا بھانجی کی شادی پر کچھ خرچہ کر دینا لڑکی کا حق ادا کر دینا مانا گیا ہے، اس کی کیا وضاحت ہے؟

المستفتی: محمد یونس مظاہری احمد گڑھ، سنگرور پنجاب

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) شریعت میں میراث کے حقدار لڑکوں کی طرح لڑکیاں بھی ہوتی ہیں، اور بھائیوں کی طرح بہنیں بھی ہوتی ہیں، ہاں البتہ لڑکوں کے مقابلہ میں لڑکیوں کو نصف ملتا ہے، مثلاً ایک لڑکی اور تین لڑکے ہیں تو کل سرمایہ جائیداد وغیرہ تمام متروکہ اشیاء سات حصوں میں تقسیم ہوکر ایک لڑکی کو اور دو- دو لڑکوں کو ملے گا، اور میراث میں کاشتکاری کی زمین فیکٹری کارخانہ جات کی جائیداد، رہائشی مکان، دوکان، زیور، کپڑے، روپیہ، پیسے سب شامل ہیں، ہر چیز اسی حساب سے تقسیم ہوگی جو یہاں پیش کی گئی ہے۔

(۲) اگر یہی شکل ہے کہ بیٹیوں اور بہنوں کو میراث میں سے بالکل نہیں دیا جاتا ہے، اگر کوئی بہن یا بیٹی اپنے حق میراث کا مطالبہ کرے تو عداوت اور دشمنی کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے، اس سے بچنے کے لیے اگر باپ اپنی زندگی میں یہ طریقہ اختیار کرتا ہے کہ لڑکیوں کو اس کے مرنے کے بعد جو شرعی حصہ مل سکتا ہے اسی کے حساب سے صحرائی یا سکنائی جائیداد اس کے نام منتقل کر دیتا ہے یا روپیہ پیسہ بینک بیلینس کے طور پر لڑکی کے کھاتہ میں منتقل کر دیتا ہے تو یہ نہایت مناسب شکل ہے، تاکہ باپ کی موت کے بعد اس کے حصہ کا جھگڑا پیدا نہ ہو، اور ساتھ ہی ہر ماحول کے ہر علاقہ کے علماء اور اہل حل وعقد پر ضروری ہے کہ مسلمانوں کو اس بارے میں ترغیب دیں کہ بہن بیٹیوں کو میراث سے محروم نہ کریں، ورنہ اس کے حق کی وجہ سے جہنم کا ایندھن بننا پڑے گا۔

میت ۷ تباین ترکہ ۳۰۰۰۰۰

	لڑکا	لڑکا	لڑکا	لڑکی
سہام	۲	۲	۲	۱
ترکہ	۸۵۷۱۴ ۲/۷	۸۵۷۱۴ ۲/۷	۸۵۷۱۴ ۲/۷	۴۲۸۵۷ ۱/۷

میت ۱۰ تداخل ترکہ ۳۰۰۰۰۰

	لڑکا	لڑکا	لڑکا	لڑکا	لڑکی	لڑکی
سہام	۲	۲	۲	۲	۱	۱
ترکہ	۶۰۰۰۰	۶۰۰۰۰	۶۰۰۰۰	۶۰۰۰۰	۳۰۰۰۰	۳۰۰۰۰

میـــــت ۷ تباین ترکہ ۲۰۰۰۰۰

	لڑکا	لڑکا	لڑکا	لڑکی
سہام	۲	۲	۲	۱
ترکہ	۵۷۱۴۲ ۶/۷	۵۷۱۴۲ ۶/۷	۵۷۱۴۲ ۶/۷	۲۸۵۷۱ ۳/۷

(۳) تعلیم یافتہ غیر تعلیم یافتہ ہر طبقہ کے لوگ واقعی اس معصیت میں مبتلا ہیں کہ بہن اور لڑکیوں کو میراث سے محروم کر دیتے ہیں، اور پھر بھانجہ بھانجی کی شادی پر خرچ کر دینا ہرگز حق میراث کی تلافی نہیں ہوسکتی، حق میراث بدستور اپنی جگہ باقی رہے گا۔

عن أنس بن مالک –رضی الله عنه– قال: قال رسول الله ﷺ: من فر من میراث وارثه، قطع الله میر اثه من الجنة یوم القیامة. (سنن ابن ماجه، باب الحیف فی الوصیة، النسخة الهندیة ۲/۱۹٤، دار السلام رقم: ۲۷۰۳، سنن سعید بن منصور، باب من قطع میراثا فرضه الله، دار الکتب العلمیة بیروت ۱/۹٦، رقم: ۲۸۵–۲۸٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۲۵۰/۳۸)

زندگی میں وارثین کے درمیان میراث تقسیم کرنا

سوال [۱۱۲۹۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید جن کے تین لڑکے اور چار لڑکیاں ہیں، زید کے پاس ۶۷۸۵؍گز آبادی کی زمین اور ۳۰۷؍بیگہ کھیت کی زمین ہے، زید اپنی زندگی ہی میں اپنی جائیداد کو اپنے ان بچوں کے درمیان تقسیم کرنا چاہتے ہیں، قرآن وحدیث کی روشنی میں بتائیں کہ زید کی جائیداد کس طریقہ سے تقسیم ہوگی؟

المستفتی: عتیق الرحمٰن سنبھلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: زید کے اس سوال کے پیچھے دو باتیں سمجھ میں آتی

ہیں: (۱) زیدزندگی میں یہ چاہتا ہے کہ تمام اولا دکو جائیداد کا باضابطہ مالک بنا کرخود خالی ہاتھ ہوجائے، اگر یہی مقصد ہے تو لڑکیوں کو بھی لڑکوں کے برابر دینا چاہیے، لہٰذا کل جائیداد سات حصوں میں تقسیم ہوکر ہر ایک کو ایک ایک حصہ دیدیا جائے۔

(۲) زید کا یہ مقصد نہیں ہے کہ اولاد کو مالک بنا کر خود خالی ہاتھ ہو جائے بلکہ یہی مقصد ہے کہ زید کی موت کے بعد اولاد میں ہر ایک کو اپنا اپنا شرعی حق مل جائے، تو ایسی صورت میں تقسیم میراث کی طرح لڑکیوں کو لڑکوں کے مقابلے میں آدھا آدھا دیا جائے، اوراس طرح تقسیم نامہ لکھوا کر رجسٹری کروالیا جائے کہ مرنے کے بعد ہر ایک وارث کو اتنا اتنا حصہ ملے گا اوراس کو متعین کردیا جائے کہ فلاں جائیداد فلاں کو ملے، فلاں جائیداد فلاں کو ملے، لہٰذا سکنائی وصحرائی دونوں طرح کی جائیداد کو دس حصوں میں تقسیم کر کے لڑکوں کو دو- دو اور لڑکیوں کو ایک ایک حصہ کے حساب سے ہر ایک کے نام سے جائیداد کو متعین کردیا جائے تاکہ مرنے کے بعد بلاکسی اختلاف اور انتشار کے ہر ایک اپنے اپنے حصہ پر قابض ہوجائے، اس طرح زندگی میں ہر ایک کا حصہ متعین کردیا جائے تو بہتر اور مناسب اقدام ہے۔

يعطى الإبنة مثل ما يعطى الإبن وعليه الفتوىٰ. (هنديه، الباب السادس فى الهبة للصغير، زكريا قديم ٣٩١/٤، جديد ٤١٦/٤، شامى زكريا ٥٠٢/٨، كراچى ٦٩٦/٥، قاضيخان زكريا جديد ١٩٤/٣، وعلى هامش الهندية زكريا ٢٧٩/٣)

المختار: التسوية بين الذكر والأنثىٰ فى الهبة. (البحر الرائق، كتاب الهبة، زكريا ٤٩٠/٧، كوئٹه ٢٨٨/٧)

وأما إذا أراد الرجل أن يقسم أملاكه فيما بين أولاده فى حياته لئلا يقع بينهم نزاع بعد موته، فإنه وإن كان هبة فى الاصطلاح الفقهى ولكنه فى الحقيقة، والمقصود استعجال لما يكون بعد الموت وحينئذ ينبغى أن يكون سبيله سبيل الميراث. (تكملة فتح الملهم، كتاب الهبات، مذهب الجمهور، التسوية بين الذكر والأنثىٰ، اشرفيه ديوبند ٧٥/٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/ جمادی الثانیہ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۱۵۸۲)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۶/۲۸ھ

والد صاحب کے انتقال کے بعد پہلے لڑکے کی شادی کریں یا ترکہ تقسیم کریں؟

سوال [۱۱۲۹۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جناب فدا حسین کا انتقال ہو گیا، انہوں نے اپنی وفات کے بعد تین پسران ایک دختر اور بیوہ بقید حیات چھوڑے، ایک دختر کا انتقال ان کی حیات میں ہو گیا، والد صاحب کی جائیداد سے جو آمدنی ہے اس میں ایک پسر کی شادی نہیں ہوئی ہے، تحریر فرمائیں کہ آمدنی والد صاحب کی پہلے تقسیم ہوگی یا پہلے پسر کی شادی ہوگی؟ شرعاً تحریر فرمائیں۔

المستفتی: سجاد حسین عرف بابو ولد فدا حسین فیل خانہ مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: فدا حسین مرحوم کی متروکہ جائیداد ومکان کی آمدنی تمام شرعی وارثین کے درمیان پہلے تقسیم کرنا لازم اور واجب ہے، جس کی شادی ہونی ہے وہ اپنے حصہ میں سے خرچ کرے گا، البتہ اگر دوسرے ورثاء بلا جبر ودباؤ کے اپنی مرضی اور خوشی سے شادی میں اپنے اپنے حصے میں سے خرچ کرنا چاہتے ہیں تو کوئی مضائقہ نہیں۔

عن ابن عباس – رضی اللہ عنہ – عن النبی ﷺ قال: ألحقوا الفرائض بأهلها. (صحیح البخاری، باب میراث الولد من أبیه و أمه، النسخة الهندیة ۹۹۷/۲، رقم: ٦٤٧٥، ف: ٦٧٣٢، صحیح مسلم، باب ألحقوا الفرائض بأهلها، النسخة الهندیة ۳٤/۲، بیت الأفكار، رقم: ١٦١٥)

الملک ما من شانه أن یتصرف فیه بوصف الاختصاص. (الموسوعة الفقهیة الكویتیة ۲۹/۱٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ ؍رجب المرجب ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۹۱/۲۴)

تقسیم میں ملکیت کا اعتبار ہے نہ کہ قیمت کا

سوال [۱۱۲۹۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کا انتقال ہوا، اس نے تین لڑکے چھوڑے، بکر، خالد، عمر، یہ تینوں لڑکے باپ زید کے رہائشی مکان میں رہتے ہیں، جو اس طرح پر بنا ہوا ہے کہ مکان کا ایک حصہ بالکل الگ بنا ہوا ہے، جس کا دروازہ راستہ سب الگ ہے، جس کو مشن رائے سے بکر نے لے لیا، اور سرکاری کاغذات میں اس حصہ کو اپنے نام کرالیا، خالد اور عمر نے مکان کا وہ حصہ اپنے نام کرالیا جو دو منزل بنا ہوا تھا، اوپر کی منزل خالد نے اور نیچے کی منزل عمر نے لے لی، اور ہر ایک نے سرکاری کاغذات میں ایک ایک منزل مکان اپنے اپنے نام کرالیا، جتنا حصہ نیچے بنا ہوا ہے اتنا ہی حصہ اوپر بنا ہوا ہے، کوئی کمی زیادتی نہیں ہے، اوپر کی منزل خالد کے نام ہے اور نیچے کی منزل عمر کے نام ہے، ان دونوں خالد اور عمر کا انتقال ہوگیا ہے، ان دونوں نے اپنے اپنے وارثین میں سے مندرجہ ذیل حضرات کو چھوڑا ہے، خالد ایک زوجہ ایک لڑکا، ایک لڑکی، عمر ایک زوجہ، ۲/لڑکے، ایک لڑکی، ان تمام وارثین نے مشن رائے کو وہ دو منزل مکان دو لاکھ اسی ہزار روپیہ میں فروخت کردیا، اب نیچے کے مکان والے عمر کے وارثین یہ کہتے ہیں کہ رقم میں ہمارا حصہ زیادہ ہے، کیونکہ نیچے کے مکان کی حیثیت زیادہ ہوتی ہے، اس لیے ہمیں زیادہ حصہ چاہیے تو اس رقم کو آدھا آدھا تقسیم کیا جائے گا، یا کمی زیادتی کے ساتھ اور پھر کتنی کمی زیادتی کے ساتھ اور ایسے ہی ہر ایک مورث کے وارث کو کتنا کتنا حصہ ملے گا، قرآن وحدیث کی روشنی میں موجودہ رقم میں ہر ایک وارث کا کتنا حصہ ہوگا، متعین فرمادیں؟

المستفتی: محمد محی الدین مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب تعمیری حیثیت سے اوپر اور نیچے دونوں حصے برابر ہیں اور دوسرے لوگوں کے نزدیک دونوں کی حیثیت یکساں ہے تو دونوں کی قیمت برابر لگے گی، بعضے پہلو سے دیکھا جائے تو اوپر کے حصہ کی حیثیت نیچے سے بڑھی ہوئی مانی جاتی ہے، کہ اوپر کے حصہ میں ضرورت کے لیے تعمیر کی جاسکتی ہے، سردیوں میں اوپر کی چھت دھوپ کے لیے استعمال

ہوسکتی ہے، اوپر کا حصہ نیچے کے مقابلے میں ہوا دار ہوتا ہے، اگر ایسی شکل ہے تو دونوں کی قیمت میں کوئی خاص فرق نہ ہوگا، اور چونکہ مذکورہ مکان دونوں بھائیوں کو وراثت میں ملا ہے اور تقسیم وراثت کے موقع پر دونوں کی قیمت برابر برابر سمجھی گئی تھی، اس لیے آج بھی دونوں کی قیمت برابر سمجھی جائے گی، لہٰذا جب دونوں کا حصہ ایک ساتھ ایک ہی شخص کے ہاتھ فروخت کر دیا تو دونوں بھائیوں کو اس قیمت کا نصف نصف ملے گا، لہٰذا کسی ایک کو زیادہ حق کا مطالبہ کرنا درست نہ ہوگا، اس لیے کہ اس مکان میں دونوں بھائیوں کا برابر برابر حق ہے، تو قیمت میں بھی دونوں برابر برابر ہوں گے، لہٰذا ہر ایک کو دو لاکھ اسی ہزار کے اعتبار سے ملے گا، اس کے بعد ہر ایک کے وارثین کے درمیان مذکورہ ایک لاکھ چالیس ہزار درج ذیل نقشہ کے حساب سے تقسیم ہوں گے۔

وقال محمد رحمه الله تعالیٰ: يقسم بالقيمة فإن كانت قيمتها سواء كان ذراع بذراع. (عناية على فتح القدير، كتاب القسمة، فصل في كيفية القسمة، زكريا ۹/۴۵۲، دار الفكر ۹/۴۴۳، كوئٹه ۸/۳۶۶)

بشرط صحت سوال و بعد ادائے حقوق ما تقدم و عدم موانع ارث مرحوم خالد کا ترکہ اس کے ورثاء میں درج ذیل طریقہ پر تقسیم ہوگا۔

خالد میت　　۸ (۲۴/۳)　　توافق/۸　　۱۴۰۰۰۰/۱۷۵۰۰

بیوی	لڑکا	لڑکی
۱	۱۴	۷
۱۷۵۰۰	۸۱۶۶۶ ۲/۳	۴۰۸۳۳ ۱/۳

مرحوم خالد کا کل ترکہ ۱۴۰۰۰۰ میں سے ہر ایک کو اتنا اتنا ملے گا جو اس کے نام کے نیچے درج ہے۔ بشرط صحت سوال و بعد ادائے حقوق ما تقدم و عدم موانع ارث مرحوم عمر کا ترکہ اس کے ورثاء میں درج ذیل طریقہ پر تقسیم ہوگا۔

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍ شعبان المعظم ۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۰۹۱/۳۸)

ترکہ کی تقسیم کس وقت کے اعتبار سے ہوگی؟

سوال [۱۱۲۹۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کا انتقال ہوگیا، اس نے اپنے بعد چھ لڑکے: سلیم، کلیم، بکر، حامد، خالد، شاہد، اور دو لڑکیاں: زینب، فاطمہ اور زوجہ فہمیدہ کو چھوڑا۔

انتقال کے بعد بھائیوں نے ترکہ میں سے اپنی بہنوں کا پورا حصہ حساب لگا کر بے باق کر دیا، اس طرح کہ سو روپیہ حصہ بنا تو پچاس روپیہ ان کو دیئے گئے، اور پچاس روپیہ انہوں نے معاف کر دیئے، گویا کہ آدھا حصہ دیا اور آدھا حصہ معاف کرالیا، بھائیوں نے اپنا حصہ نہیں لیا، اور والدہ کا حصہ بھی نہیں دیا، بلکہ چھ بھائی اور والدہ کا حصہ ملا کر کاروبار کیا گیا، والد کے انتقال کے بعد والدہ کے نام کی زمین جائیداد سب بھائیوں نے اپنے نام کرالیا، اب تمام بھائی بٹوارہ کرنا چاہتے ہیں، اور والدہ بھی اپنا حصہ لینا چاہتی ہیں، تو تقسیم ترکہ کی کیا صورت ہوگی؟ نیز والدہ کا حصہ آج کے حساب سے نکلے گا یا پہلے کے حساب سے، یاد رہے کہ زید کے انتقال کو دس سال سے زیادہ ہو چکے ہیں۔

المستفتی: محمد خالد کلکتہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مستفتی سے زبانی فون پر معلوم ہوا کہ بہنوں کے حصوں میں سے جو کچھ بھائیوں نے روک لیا ہے، اگر بہنوں کی طرف سے مطالبہ ہو تو آج بھی ان کے حصوں کا حساب لگا کر ان کو دینے کے لیے تیار ہیں، تو اگر بہنوں کو دیا جائے تو وہ کس حساب سے دیا جائے، تو اس کے بارے میں حکم شرعی یہ ہے کہ چونکہ بھائیوں نے ضرورت اور مجبوری کی وجہ سے بہنوں سے لیا تھا، اس لیے بہنوں کی طرف سے قرضہ کے درجہ میں مانا جائے گا، اور قرضہ کی ادائیگی کا حکم شرعی یہ ہے کہ جس وقت ان سے لیا تھا یا استعمال کی اجازت لی تھی، اس وقت کی قیمت اور معیار کا اعتبار رہوگا، مثلاً: اگر اس وقت ایک ہزار روپیہ لیا تھا تو آج بھی

ایک ہزار روپیہ ہی واپس ہوگا، اس پر نفع جو ہوا ہے اس نفع میں حصہ دار نہیں ہوں گے۔

عن فضالة بن عبيد صاحب النبي ﷺ أنه قال: كل قرض جر منفعة فهو وجه من وجوه الربا. (السنن الكبرىٰ للبيهقي، البيوع، باب كل قرض جر منفعة فهو ربا، دار الفكر ۲۸٦/۸، رقم: ۱۱۰۹۲)

عن علي –رضي الله عنه– قال: كل قرض جر منفعة فهو ربا. (كنز العمال، الدين والسلم، دار الكتب العلمية بيروت ۹۹/٦، رقم: ۱۵۵۱۲)

دوسری بات یہ ہے کہ جائیداد جو اپنے نام کرالی ہے اس کے بارے میں مستفتی سے زبانی معلوم ہوا کہ بہنوں کا جو حساب بیٹھتا ہے ان کا حساب پورا کرنے کے بعد نام کرائی گئی ہے، تو ایسا کرنا شرعاً درست ہے، سوال میں تیسری بات یہ ہے کہ ماں کا حصہ بھی بھائیوں کے حصہ کے ساتھ آپس کی رضامندی سے شامل کرکے کاروبار چلایا گیا ہے، تو گویا کہ ماں بھی بھائیوں کے ساتھ کاروبار میں شریک ہے، لہٰذا جس تناسب کے ساتھ بھائیوں کے ساتھ ماں کا حصہ شامل کیا گیا ہے اسی تناسب سے ماں نفع میں بھی حصہ دار ہوگی۔

والحاصل أن المفهوم من كلامهم أن الأصل في الربح أن يكون على قدر المال. (شامي، كتاب المضاربة، زكريا ٤٣١/٨، كراچی ٦٤٦/٥)

ولو دفع إليه ألف درهم مضاربة على أنهما شريكان في الربح، ولم يبين مقدار ذٰلك فالمضاربة جائزة، لأن مطلق الشركة يقتضي المساواة. (هنديه، كتاب المضاربة، الباب الثاني، زكريا قديم ٢٨٨/٤، جديد ٢٩٦/٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
٦ ربیع الاول ۱۴۳۱ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۹۴۱/۳۸)	۱۴۳۱/۳/٦ھ

میراث کی ادائیگی میں کس دن کی قیمت کا اعتبار ہے؟

سوال [۱۱۲۹۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: (۱) ہم نے پہلے زمین باپ کے انتقال کے بعد فروخت کی، اس کے روپیہ مجھ کو بیس ہزار ملے، اور اس وقت بہنوں کو حصہ دینا مجھے معلوم نہ تھا، اب میں بہنوں کو (جو حصہ شریعت نے مقرر کیا ہے) دینا چاہتا ہوں، اب میں ایک بھائی اور دو بہنیں میری اس بیس ہزار روپیہ میں شامل ہیں تو ان کو کتنا حصہ دیا جائے گا؟

نیز اس وقت کے حساب سے زمین کا ریٹ آٹھ ہزار روپیہ تھا اور اب ریٹ دو لاکھ روپیہ ہے، تو کس حساب سے حصہ دیا جائے گا، جب کہ زمین آٹھ ہزار روپیہ کے حساب سے پہلے بک چکی ہے، اب زمین بالکل نہیں ہے۔

(۲) والدہ کے مرنے کے بعد ماں کی زمین بھی ہم نے فروخت کر دی، وہ پینتیس ہزار روپیہ میں فروخت ہوئی، جب والدہ کی زمین بکی تو ۳۵۰۰۰ ر ہزار روپیہ کو تھی، اب اس کی بھی موجودہ قیمت دو لاکھ روپیہ ہے، اب زمین بالکل نہیں ہے۔

غور طلب مسئلہ دونوں شقوں میں یہ ہے کہ زمین تو ہم پہلے ہی فروخت کر چکے ہیں اور حصہ اب دینا چاہتے ہیں جب کہ اب قیمت دو لاکھ روپیہ کے حساب سے ہے، آپ برائے مہربانی یہ تحریر فرما دیں کہ کونسی قیمت کے حساب سے بہنوں کا حصہ دینا ہوگا؟

نوٹ: باپ اور ماں کے انتقال کے بعد جب زمین فروخت ہوئی، تو اس وقت بہنیں زندہ تھیں، اور اب دونوں بہنوں کا انتقال ہو چکا ہے۔

المستفتی: عبدالملک

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آٹھ ہزار اور دو لاکھ میں ۲۲ ر گنا کا فرق ہوتا ہے، اور حضرات فقہاء کے درمیان اس مسئلہ میں کچھ اختلاف ہے، حضرت امام ابو یوسفؒ نے یوم البیع کی قیمت کا اعتبار کیا ہے اور حضرت امام محمدؒ نے یوم الاداء کی قیمت کا اعتبار کیا ہے۔

وعندهما لا يبطل البيع لأن المتعذر التسليم بعد الكساد وذلک لايوجب الفساد لاحتمال الزوال بالرواج لكن عند أبي يوسف تجب قيمة يوم البيع، وعند محمدؒ يوم الكساد وهو آخر ما تعامل الناس بها و في

الذخيرة: الفتوىٰ على قول أبى يوسف، وفى المحيط: والتتمة والحقائق وبقول محمد يفتى رفقا بالناس. (شامی، كتاب البيوع، مطلب مهم: فى أحكام النقود إذا كسدت...... زكريا ٧/٥٥، كراچى ٤/٥٣٣، تبيين الحقائق امداديه ملتان ٤/١٤٢، زكريا ٤/٥٦٥، البحر الرائق كوئٹه ٦/٢٠١، زكريا ٦/٣٣٦-٣٣٧)

امام ابو یوسفؒ کے قول کے مطابق اگر یوم البیع کا اعتبار کیا جائے تو صرف آٹھ ہزار روپئے بنتے ہیں، جس میں صاحب حق کا بڑا نقصان ہے، اور اگر امام محمدؒ کے قول کے مطابق یوم الاداء کی قیمت کا اعتبار کیا جائے تو دو لاکھ روپئے بیگہ کے اعتبار سے صاحب حق کو ملے گا تو ایسی صورت میں بیچنے والے کا بڑا نقصان ہے، تو ایسے معاملہ میں علامہ ابن عابدینؒ شامی نے صلح کے طور پر ایک اصول نقل کیا ہے جس میں درمیان کا راستہ اختیار کیا گیا، فریقین درمیان درمیان کی کسی خاص مقدار پر صلح کر کے راضی ہو جائیں تو ایسی صورت میں مسئلہ کا حل آسان ہے، اور حدیث پاک میں ہے:

عن ابن عباس –رضى الله عنهما– قال قال رسول الله ﷺ: لا ضرر ولا ضرار. (سنن ابن ماجه، باب من بنى فى حقه مايضر بجاره، النسخة الهندية ١٦٩/٢، دار السلام رقم: ٢٣٤١، مسند أحمد ابن حنبل ٣١٣/١، رقم: ٢٨٦٧، المعجم الكبير للطبرانى، دار احياء التراث العربى ٨٦/٢، رقم: ١٣٨٧)

اسی کی روشنی میں علامہ شامیؒ نے اپنی کتاب ''تنبیہ الرقود علی مسائل العقود'' میں ایسے مسائل میں درمیان کا راستہ جانبین کی تراضی کے ساتھ اختیار کرنے کو بہتر لکھا ہے، لہٰذا دونوں جانب کے لوگ آپس میں بیٹھ کر دس ہزار اور دو لاکھ کے درمیان میں کسی خاص مقدار پر صلح کر کے راضی ہوجائیں اور بہنوں کو اسی کی ادائیگی کر دیں۔

وإنما الشبهة فيما تعارفه الناس من الشراء بالقروش و دفع غيرها بالقيمة فليس هنا شيئ معين حتى تلزمه به سواء غلا أو رخص ووجهه ما أفتى به بعض المفتيين كما قدمنا آنفا وقوله فإذا باع شخص سلعة بمأة قرش مثلا ودفع له المشترى بعد الرخص ما صارت قيمته تسعين قرشا من

الـريـال أو الذهب مثلاً ليحصل للبائع ذٰلک المقدار الذی قدره و رضی به ثـمـنـا لسـلـعتـه لكن قد يقال لما كان راضيا وقت العقد بأخذ غير القروش بـالـقيـمة من أی نـوع كـان صـار كـأن الـعـقد وقع على الأنواع كلها فإذا رخـصـت كان عليه أن يأخذ بذٰلک العيار الذی كان راضيا به وإنما اخترنا الـصـلـح لتفاوت رخصها وقصد الإضرار كما قلنا، وفی الحديث: لا ضرر ولا ضـرار فی قوله أما إذا صار ماكان قيمته مأة من نوع يساوی تسعين ومن نوع آخر خمسة و تسعين ومن آخر ثمانية و تسعين، فإن ألزمنا البائع بأخذ مـا يسـاوی التسـعين بمأة فقد اختص الضرر به وإن ألزمنا المشتری بدفعه بتسعين اختص الضرر به فينبغی وقوع الصلح على الأوسط. (تنبیه الرقود علی مسائل النقود، رسائل ابن عابدین، ثاقب بکڈپو دیوبند ٢/ ٦٧) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١٤؍ محرم الحرام ١٤٣٦ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٤١/ ١١٨٣٠)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
١٤٣٦/١/١٤ھ

قرعہ اندازی کے ذریعہ مشترکہ موروثہ حصہ کی تعیین

سوال [١١٢٩٨]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عبد الصمد مرحوم کے چار بیٹے ہیں: رفیق احمد، عبد العزیز، عبد الغنی، عبد الحق، ان سب کا ایک ہی مکان ہے، یہ مکان ٢٠٠ ؍گز آراضی میں بنا ہوا ہے، سب سے بڑے بیٹے رفیق احمد مرحوم ہیں، ان کے بچے مکان کے اگلے حصہ میں رہتے ہیں، اور ہمیشہ سے اسی میں رہتے آئے ہیں، رفیق احمد کے برابر میں عبد العزیز رہتے ہیں، اوپر کے اگلے حصہ میں عبد الغنی رہتے ہیں، اور اوپر کے پچھلے حصے میں عبد الحق رہتے ہیں، اور یہ سب ہمیشہ سے ایسے ہی رہتے آئے ہیں، اب یہ آپس میں گھر تقسیم کرنا چاہتے ہیں، مکان کی تقسیم زمین سے ہی ہونی ہے، لہٰذا آپ یہ بتائیے کہ اگلا حصہ رفیق احمد کا ہے یا ان کے اوپر عبد الغنی جو رہتے ہیں ان کا ہے، رفیق احمد ہمیشہ

اگلے حصہ میں رہتے ہیں، برائے کرم قرآن وحدیث کی روشنی میں مفصل جواب تحریر کریں۔

المستفتی: محمد شریف پیرزادہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جوآدمی جس حصہ میں رہ رہا ہے اس کو اس حصہ میں دوسرے شرکاء کی رضامندی سے رہنے اور ملکیت میں لینے کا حق ہوسکتا ہے، اگر آپس میں رضامندی نہیں ہے تو پورے مکان کو چار حصوں میں برابر تقسیم کیا جائے اس کے بعد رضامندی اور خوشی سے ہرایک حصہ دار ایک ایک حصہ لے لے اور اگر رضامندی نہیں تو قرعہ ڈالا جائے اور جس کے نام جو حصہ نکلتا رہے وہ وہ حصہ لیتا جائے۔

عن عامر يقول: سمعت النعمان بن بشير عن النبي ﷺ قال: مثل القائم على حدود الله عز و جل والواقع فيها كمثل قوم استهموا على سفينة فأصاب بعضهم أعلاها و بعضهم أسفلها. (صحيح البخاري، الشركة، باب هل يقرع في القسمة والاستهام فيه، النسخة الهندية ۱/۳۳۹، رقم: ۲۴۲۹، ف: ۲۴۹۳)

ويفرز كل نصيب عن الباقي بطريقه وشربه ...... ثم يلقب نصيبا بالأول والذي يليه بالثاني والثالث على هذا ثم يخرج القرعة فمن خرج اسمه أولا فله السهم الأول ومن خرج ثانيا فله السهم الثاني. (هدايه، كتاب القسمة، فصل في كيفية القسمة، اشرفی دیوبند ۴/۴۱۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰؍جمادی الثانیہ ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۴۴۷۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۰/۶/۱۴۱۶ھ

میت کا قرض کون ادا کرے، نیز تقسیم جائیداد کے لیے قرعہ اندازی

سوال [۱۱۲۹۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرے والد حاجی اشتیاق حسین ولد مشتاق حسین ساکن محلّہ شیدی سرائے

مرادآباد کا انتقال ہو چکا ہے، میرے والد صاحب کی دو بیویاں ہیں، پہلی بیوی حسن جہاں، ان کے تین لڑکے: محمد اقبال، محمد اسلام، محمد اکرام، تین لڑکیاں: ثمر جہاں، فردوس جہاں، کوثر جہاں، دوسری بیوی عشرت جہاں، ان کے چار لڑکے: شہزادانور، تاج انور، نورانور، نفیس انور ہیں، میرے والد صاحب کے تین قطعہ مکان ہیں، مکان کی آراضی ایک مکان ۳۰۰/ ورگ میٹر کا ہے، دوسرا مکان ۲۵۰/ ورگ میٹر کا ہے، تیسرا مکان ۲۰۰/ ورگ میٹر کا ہے، تینوں مکانوں کا کل رقبہ ۷۵۰ ورگ میٹر ہے۔

برائے مہربانی اس کا شرعاً فیصلہ دیں کہ ہم سب وارثوں کے حصہ میں کتنی کتنی ورگ میٹرز مین آئے گی، اوراس جائیداد کا بٹوارہ آپسی مصالحت سے کریں یا قرعہ سے کریں، شرعاً اورحدیث کے ذریعہ سے بتائیں اوراس کا فیصلہ دیں، اوراگر میرے والد صاحب پر کسی بھی طرح کا قرضہ ہوتو کون ادا کرے گا؟

المستفتی: حاجی محمد اسلام ولد حاجی اشتیاق، شیدی سرائے مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بشرط صحت سوال وبعد ادائے حقوق ما تقدم وعدم موانع ارث اشتیاق احمد کا ترکہ حسب ذیل نقشہ کے مطابق تقسیم ہوگا۔

۸ / ۲۷۲ / ۱۳۶ — حاجی اشتیاق میت — ۷۵۰ / ۳۷۵

زوجہ حسن جہاں	زوجہ عشرت جہاں	ابن اقبال	ابن اسلام	ابن اکرام	ابن شہزادانور	ابن تاج انور	ابن نورانور	ابن نفیس انور	بنت ثمر جہاں	بنت فردوس	بنت کوثر
	۱				۷						
۱۷	۱۷	۲۸	۲۸	۲۸	۲۸	۲۸	۲۸	۲۸	۱۴	۱۴	۱۴
۱۱۹/۱۳۶ ۴۶	۱۱۹/۱۳۶ ۴۶	۲۸/۱۳۶ ۷۷	۲۸/۱۳۶ ۷۷	۲۸/۱۳۶ ۷۷	۲۸/۱۳۶ ۷۷	۲۸/۱۳۶ ۷۷	۲۸/۱۳۶ ۷۷	۲۸/۱۳۶ ۷۷	۸۲/۱۳۶ ۳۸	۸۲/۱۳۶ ۳۸	۸۲/۱۳۶ ۳۸

حاجی اشتیاق احمد کا کل ترکہ ۲۷۲ سہام میں تقسیم ہوکر اسی کے تناسب سے ترکہ میں سے ہر فرد کو اتنا ملے گا جتنا اس کے نام کے نیچے درج ہے، اور والد مرحوم کا قرضہ ان کے مابقیہ

جمیع مال سے ادا کیا جائے گا۔

ثم تقضیٰ دیونه من جمیع ما بقی من ماله. (سراجی / ٤)

جائیداد کو شرعی اعتبار سے برابر تقسیم کیا جائے، البتہ کون سا جانب کس کو ملے گا؟ اس کے لیے قرعہ اندازی کی اجازت ہے، تاکہ کسی طرح کا اعتراض نہ رہے۔

عن عامر یقول: سمعت النعمان بن بشیر عن النبی ﷺ قال: مثل القائم علی حدود الله عز و جل والواقع فیها کمثل قوم استهموا علی سفینة فأصاب بعضهم أعلاها و بعضهم أسفلها. (صحیح البخاری، الشرکة، باب هل یقرع فی القسمة والاستهام فیه، النسخة الهندیة ۱/۳۳۹، رقم: ۲۴۲۹، ف: ۲۴۹۳)

ویعدله علی سهام القسمة ...... والقرعة لتطییب القلوب و إزاحة تهمة المیل حتی لو عین لکل منهم نصیبا من غیر اقتراع جاز. (هدایه کتاب القسمة فصل فی کیفیة القسمة، اشرفی ٤/٤١٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۶۱۷۴)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۵/۲۶ھ

موروثی مکان کو چھڑانے میں صرف شدہ رقم کا حکم

سوال [۱۱۳۰۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: سائل واحد نور نے اپنے مکان محلّہ کسرول والے کا ایک کمرہ کرایہ دار سے خالی کرایا، جس میں ۲۶/ ہزار روپیہ خرچ ہوئے اس کا بار کس وارث کو کتنا اٹھانا ہوگا، حاجی محمد ظہور کے ورثاء میں ۴/ لڑکے ایک لڑکی ہے، اسی طرح اس مکان میں ایک کرایہ دار رہ رہا ہے، اور وہ بھی روپیہ لے کر خالی کرے گا تو وہ کون ادا کرے گا؟ سب برابر کے شریک رہیں گے یا نہیں؟

المستفتی: واحد نور نئی بستی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مکان کے خالی کرنے میں جو رقم خرچ ہوئی ہے

اس میں تمام ورثاء اپنے اپنے حصہ کے بقدر خرچ کے ذمہ دار ہوں گے، اوراسی طرح آئندہ جو مکان خالی کرانا ہے اس میں بھی تمام ورثاء اپنے اپنے حصہ کے بقدر خرچ کے ذمہ دار ہوں گے۔

ولو قضیٰ الدين بعض الورثة فله الرجوع على الباقين شرط أو لم يشترط. (هنديه، الباب الثامن فى قسمة التركة و على الميت أو له دين، زكريا قديم ۵/ ۲۲۲، جديد ۵/ ۲۵۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷ / ربیع الاول ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۷۱۳/۳۲)

ایک وارث کے حصہ میں کم قیمت کی جائیداد آئے تو کیا حکم ہے؟

سوال [۱۱۳۰۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہم چھ بھائی اور چار بہنیں ہیں، والد کا ترکہ آپس میں آپ کے فتویٰ ”الف ۵۴۲۰/۳۳“ کے مطابق تقسیم کرلیا ہے، لیکن اب پوچھنا یہ ہے کہ کچھ بھائیوں کا حصہ سڑک کی طرف ہے، جو قیمتی ہے، اور کچھ لوگوں کا سڑک سے ہٹ کر اندر ہے، تو جن لوگوں کا حصہ سڑک کی طرف ہے، کیا ان کو حصہ قیمتی ہونے کی وجہ سے دیگر بھائیوں، بہنوں کو کچھ رقم یا زمین زیادہ دینا چاہیے یا نہیں؟ شرعی حکم کیا ہے؟

المستفتی: ریاض الحسن، کالا پیادہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب تقسیم جائیداد میں کسی وارث کے حصہ میں کم قیمت کی جائیداد آئے اور دوسرے کے حصہ میں زیادہ قیمتی حصہ پہنچ جائے تو ایسی صورت میں شرعی حکم یہ ہے کہ جتنی زائد قیمت قیمتی حصہ کو پہنچتی ہے، اس کا حساب لگا کر دوسرے وارث کو اتنی قیمت دیدے جس سے دونوں وارثوں کی جائیداد کی قیمت برابر ہوجائے، مثال کے طور پر ایک کی جائیداد کی قیمت دس ہزار ہے، اور دوسرے کی جائیداد کی قیمت بارہ ہزار ہے، تو بارہ ہزار والا ایک ہزار

روپیہ دس ہزار والے کو ادا کردے تو دونوں کے حصے گیارہ گیارہ ہزار کے بن جائیں گے۔

ثم یرد من وقع البناء فی نصیبه دراهم من الآخر بقدر فضل البناء لأنه أکثر قیمة من العرصة غالبا (أو من کان نصیبه أجود) أی أو یرد من کان نصیبه أجود سواء کان الذی هو أصابه البناء لو أصابه العرصة دراهم علی الآخر حتی یساویه فتدخل الدراهم فی القسمة لأجل ضرورة المعادلة.

(البنایة فی شرح الهدایة، اشرفیه دیو بند ۱۱/ ۴۳۴–۴۳۵)

وعلی هٰذا: الأصل یخرج ما إذا اقتسما دارا و فضلا بعضها علی بعض بالدراهم أو الدنانیر لفضل قیمة البناء، والموضع أن القسمة جائزة؛ لأنها وقعت عادلة من حیث المعنی؛ لأن الدار قد یفضل بعضها علی بعض بالبناء والموضع فکان ذٰلک تفضیلا من حیث الصورة تعدیلا من حیث المعنی ولو لم یسمیا قیمة فضل البناء وقت القسمة جازت القسمة استحسانا وتجب قیمة فضل البناء وإن لم یسمیاها فی القسمة. (بدائع الصنائع، کتاب القسمة، فصل فی صفات القسمة، زکریا ۵/ ۴۷۷، کراچی ۷/ ۲۷–۲۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍ ربیع الثانی ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۵۹۵)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۳/ ۴/ ۱۴۲۳ھ

دو بھائیوں کے درمیان فرنٹ کے حصہ کی زمین کی تقسیم

سوال [۱۱۳۰۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ فضل حسن ونور الحسن دونوں حقیقی بھائی ہیں، ان کے والد کی کافی جائیداد تھی، دونوں بھائیوں کے حصے میں جو جائیداد تقسیم کی رو سے آئی ہے اس کی شکل یوں ہے کہ ایک قطعہ زمین ۶۸۰؍ میٹر ہے، یہ زمین پیچھے کی جانب ہے اور ایک زمین ۶۶۵؍ میٹر ہے، یہ مین سڑک سے ملی ہے، اب دونوں بھائیوں میں تقسیم اس طریقہ سے ہوئی کہ پیچھے کی جانب کی

۶۸۰/میٹر مکمل فضل حسن کے حصہ میں آئی اور ۳۷/میٹر مین سڑک والی زمین میں سے آئی تو ۵۳ ۷/میٹر فضل حسن کے حصہ میں آئی اور سڑک کے حصہ میں سے ۳۷/میٹر فضل حسن کو دینے کے بعد باقی ۵۹۱/میٹر رہ جاتے ہیں، یہ نور الحسن کے حصہ میں آئی، اتنی بات میں کوئی اختلاف نہیں، اب دونوں بھائیوں میں یہ اختلاف ہوا کہ سڑک کی جانب سے فرنٹ میں سے نور الحسن کو کتنا ملنا چاہیے اور فضل حسن کو کتنا ملنا چاہیے، نور الحسن کا کہنا ہے کہ زمین کی مقدار کے حساب سے فرنٹ کا حصہ تقسیم ہوگا، فضل حسن کہتا ہے کہ فرنٹ کا حصہ دونوں میں برابر تقسیم ہوگا، اس پر نور الحسن کہتا ہے، اگر فرنٹ میں سے فضل حسن کو برابر ملتا ہے تو مجھے ۱۶۲/میٹر کم لینے کا کیا شوق ہے؟ مجھے جو ۱۶۲/میٹر کم مل رہا ہے وہ صرف فرنٹ کی جانب کم ہونے کی وجہ سے یہ کمی برداشت کرنی پڑ رہی ہے، اگر فرنٹ دونوں کو برابر ملتا ہے تو مجھے اس کمی کا کیا شوق ہے؟ اس کمی کی وجہ صرف یہی ہے کہ فرنٹ کا حصہ زیادہ مل رہا ہے، اب مفتی صاحب شرعی حکم بتلادیں کہ فرنٹ کے حصہ کا پلاٹ کس طرح تقسیم ہوگا، جس کی لمبائی ۲۱/میٹر اور گہرائی ۳۱/میٹر ہے، سوال یہ ہے کہ ۶۶۵/میٹر میں سے ۳۷/میٹر کس طریقے سے نکال کر فضل حسن کو دیا جائے جو بھی شرعی حکم ہو، واضح فرمائیں؟

المستفتی: حافظ نور الحسن ولد حافظ محمد حسن محمد ڈیریا، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوالنامہ کے ساتھ ساتھ سائل نے جائیداد کے محل وقوع کا نقشہ بھی پیش کیا ہے، جائیداد کے محل وقوع اور سوالنامہ دونوں پر شرعی طور پر غور کیا گیا، ۶۶۵/میٹر میں سے جب فضل حسن کے حصہ میں ۳۷/میٹر آیا ہے اور فرنٹ کا حصہ ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک ۲۱/میٹر ہے تو شرعی طور پر ۳۷/میٹر کے تناسب سے پوری زمین میں نسبت دیکھی جائے گی تو پوری زمین ۳۷/میٹر کے تناسب سے کل ۹/حصے بن جاتے ہیں، تو گویا کہ ۳۷/میٹر آرہا ہے، لہٰذا نو سہاموں میں سے ہر سہام کی چوڑائی فرنٹ کی طرف سے ۷/فٹ ۷/انچ رہے گی اور اسی چوڑائی کے ساتھ ہر ایک کی گہرائی ۳۱/میٹر رہے گی، لہٰذا فضل حسن کو شرعی طور پر فرنٹ کی طرف سے ۷/فٹ ۷/انچ چوڑائی ملے گی، یہی اس کا

شرعی حق ہوگا، اس سے زیادہ مطالبہ کا حق نہیں ہے۔

والأصل: أن ینظر فی ذٰلک إلی أقل الأنصباء حتی إذا کان الأقل ثلاثا جعلها أثلاثا وإن کان سدسا جعلها أسداسا لیمکن القسمة. (هدایه، کتاب القسمة، فصل فی کیفیة القسمة، اشرفی دیوبند ٤/ ٤١٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍ربیع الثانی ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٦/ ٨٠٠٦)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۳/ ۴/ ۱۴۲۴ھ

بھائیوں کی آپسی تقسیم کے بعد بھتیجے کا چچا کی ملکیت میں دعویٰ کرنا

سوال [۱۱۳۰۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: چار باغ ہیں اور چار ہی بھائی ہیں، اور چاروں باغوں میں چاروں کے نام ہیں، ۱۹۷۷ء میں چاروں بھائیوں کو ایک ایک باغ مل جاتا ہے، اور یہ بٹوارہ چاروں بھائیوں نے خود ہی کیا تھا اور سرکاری اسٹامپ پر گواہوں کی موجودگی میں سب کے دستخط کروالیے گئے جو کہ سب کے پاس موجود ہیں، اور آج تک اپنی اپنی جگہوں پر قابض ہیں، لیکن آج تک چاروں باغوں میں چاروں بھائیوں کے نام چلے آرہے ہیں، بعد میں دو بھائیوں کا انتقال ہوجاتا ہے، اور ان کی اولاد مالک ہوجاتی ہے، ان میں سے ایک لڑکا کہتا ہے کہ میں ان اسٹامپوں کے فیصلہ کو نہیں مانتا، میرا چچا کے مال میں چوتھائی کا حصہ نکلتا ہے۔

سوال یہ ہے کہ شریعت اسلامیہ کے نقطۂ نظر سے چچا کے مال میں بھتیجہ کا حصہ نکلتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: امتیاز علی عرف بٹو، حسن پور جے پی نگر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب چاروں بھائیوں نے آپسی رضامندی سے باضابطہ طور پر چاروں باغات تقسیم کرلیے ہیں اور ہر ایک نے ایک ایک باغ پر قبضہ بھی کرلیا ہے تو ان میں سے ہر ایک اپنے اپنے باغ کے شرعی طور پر مالک ہوچکے ہیں، اور اس

تقسیم کے بعد کسی کا حق دوسرے کے حصہ میں باقی نہیں رہتا، لہٰذا ان بھائیوں کے کسی لڑکے کا اپنے چچا کے باغ میں سے کسی حق کا مطالبہ کرنا جائز نہیں۔

رجل مات و ترک دارا و ابنین فاقتسما الدار و أخذ کل واحد منهما النصف، واشهد علی القسمة والقبض والوفاء ثم ادعی أحدهما بیتا فی ید صاحبه لم یصدق علی ذٰلک. (هندیه، الباب الحادی عشر فی دعویٰ الغلط فی القسمةط زکریا جدید ۵/۲۶۳-۲۶۴، قدیم ۵/۲۲۸)

وأما حکم القسمة فتعیین نصیب کل واحد منهم من نصیب صاحبه بحیث لا یبقی لکل واحد منهم تعلق بنصیب صاحبه. (هندیه، القسمة، الباب الأول، زکریا جدید ۵/۲۳۷، قدیم ۵/۲۰۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۵۵۹)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۴/۸ھ

تین سو گز میں بنے دو منزلہ مکان کی دولڑکوں کے درمیان تقسیم

سوال [۱۱۳۰۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ محمد لئیق صاحب کا انتقال ہوا، دولڑکے اور چار لڑکیاں ہیں، تقسیم ترکہ میں شرعی طور پر جو بھی حصہ لڑکیوں کا بن سکتا تھا، وہ لڑکیوں کو دیدیا گیا، اورلڑکیوں کے حصہ میں دو مکان آئے جس میں سے ایک مکان ۸۰؍گز میں بنا ہوا ہے، اور دوسرا دوسوبیس گز میں بنا ہوا ہے، اور دونوں مکان دومنزلہ بنے ہوئے ہیں، اب ان دونوں بھائیوں کے درمیان کل تین سو گز کس طریقے پر تقسیم ہوگا، اگر ڈیڑھ ڈیڑھ سو ڈیڑھ سو گز تقسیم کرتے ہیں تو کسی کے عملہ میں عمارتی حصہ زائد پہنچتا ہے، تو ایسی صورت میں شرعی تقسیم کس طرح سے ہوگی؟ وضاحت فرمادیں، جس میں زمین دونوں بھائیوں میں برابر برابر پہنچے، اور عملہ بھی برابر برابر پہنچے۔

المستفتی: محمد اسجد تمبا کو والا ان مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر تین سوگز زمین کی کیفیت اس طریقہ سے ہے کہ ۸۰/گز الگ سے ہے وہ بھی دومنزلہ بنا ہوا ہے، اور دوسوبیس گز الگ سے ہے، وہ بھی دومنزلہ بنا ہوا ہے، اور اس میں چالیس گز کا آنگن بھی ہے، تو شرعی طور پر دو بھائیوں کے درمیان تقسیم ہونے کی صورت یہ ہوگی، کہ دونوں کے پاس ڈیڑھ سو، ڈیڑھ سوگز زمین پہنچ جائے، تو ۸۰/گز عمارت مکمل ایک شخص کے پاس آجائے، اور دوسوبیس گز والی عمارت میں سے ستر گز زمین مع عملہ کے اس کو دی جائے، تو اس طریقہ سے اس کے پاس ایک سو پچاس گز پہنچ جائے گی اور باقی ڈیڑھ سو گز مع عملہ کے دوسرے بھائی ......کو پہنچے گی، اس کے بعد دونوں کے عملہ کا حساب لگا دیا جائے، جس کے پاس عملہ زیادہ پہنچ رہا ہے تو وہ حساب لگا کر دوسرے فریق کو زیادہ کی قیمت ادا کردے، تاکہ دونوں طرف برابر کا حساب ہوجائے، اس طریقہ سے شرعی تقسیم ہوسکتی ہے۔

وإذا كان أرض و بناء فعن أبي يوسف أنه يقسم كل ذٰلك على اعتبار القيمة لأنه لايمكن اعتبار المعادلة إلا بالتقويم، وعن أبي حنيفةؒ أنه يقسم الأرض بالمساحة لأنه هو الأصل في الممسوحات ثم يرد من وقع البناء في نصيبه أو من كان نصيبه أجود دراهم على الآخر، حتى يساويه فتدخل الدراهم في القسمة ضرورة. (هدايه، كتاب القسمة، فصل في كيفية القسمة، اشرفي ديوبند ٤/ ٤١٦) **فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۶۵۰)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۵/۱۹ھ

تقسیم کے بعد دوسرے بھائی کی ملکیت میں حصہ داری کا دعویٰ

سوال [۱۱۳۰۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: تین بھائیوں کے مکانات مشترک تھے، جن میں دو کمرے مع برآمدے کے اور

ایک بیٹھک تھی، ابھی باقاعدہ تقسیم نہیں ہوئی تھی، بڑا بھائی بیٹھک میں اور بچلا بیچ والے گھر میں، چھوٹا طرف والے کمرے میں رہتا تھا، چھوٹے بھائی نے اپنا حصہ بڑے بھائی کو رہنے کے لیے دیدیا، اور بیٹھک میں بڑے بھائی کو بطور ہمدردی دوکان کرادی اس کے بعد چھوٹے بھائی نے اپنا حصہ بچلے بھائی کو بیچ دیا، اب بچلے بھائی نے بیٹھک کی طرف والے حصے کو جو زیادہ قیمت کا تھا اپنے حصے میں شامل کرلیا، اور طرف والا مکان بڑے بھائی کو دیدیا، اس کے بہت دنوں کے بعد بچلے بھائی نے سڑک کی طرف والے حصہ میں دوکانیں تعمیر کروالیں، اس وقت بھی بڑا بھائی خاموش رہا، دوکانیں بن جانے کے بعد بڑے بھائی نے کہا کہ میرا حصہ سڑک کی طرف والا ہے، چار آدمیوں میں یہ فیصلہ ہوگیا کہ بچلا بھائی بڑے بھائی کا برآمدہ صحیح کر کے بنوادیگا، جس سے اس زائد قیمت کی تلافی ہوجائے گی، اس پر فریقین رضامند ہوگئے، بعدہٗ بڑے بھائی کا انتقال ہوگیا، اور بچلے بھائی نے حسب وعدہ برآمدہ بنوادیا، لیکن اب بڑے بھائی کے اہل وعیال یہ کہہ رہے ہیں کہ ہمیں ایک دوکان دینی پڑے گی، اس لیے کہ تم نے زیادہ قیمت والا حصہ لیا ہے، شرعی فیصلہ سے آگاہ فرمائیں، کرم ہوگا۔

المستفتی: اسرار احمد نجیب آباد، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب آپس کی تراضی سے بٹوارہ ہوا ہے اور بعد میں بڑے بھائی کے برآمدہ صحیح کر کے بنوادینے پر فریقین راضی ہوگئے تھے، اور صحیح کر کے بنوا بھی دیا، پھر اس کے بعد دوکانیں بن جانے کے بعد اس میں سے بھی لینے کے لیے دعویٰ کرنا شرعاً معتبر نہ ہوگا، دعویٰ باطل ہوگا۔

ثم ادعیٰ صاحب الأوکس غلطا فی التقویم لم تقبل بینته فی ذٰلک لأن القسمة منهم إقرار بالتساوی فإذا ادعی التفاوت وقد أنکر ما أقر به فلا یسمع ولم یفصل بینهما إذا کانت القسمة بالقضاء أو بالتراضی. (بنایه، کتاب القسمة، باب دعویٰ الغلط فی القسمة اشرفیه دیوبند ۱۱/ ٤٥٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍ ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۲۶۵)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۹/۴/ ۱۴۱۸ھ

الاشباہ کی مشکل عبارت کا حل اور دو عورتوں کی میراث کا معمہ

سوال [۱۱۳۰۶]: رجل قيل لـه أوص .... فقـال بما أوصى .... إنما ترثني عمتاك و خالتاك و أختاك و جدتاك و زوجتاك فقال .... تزوج بجدتي رجل مريض أم أمه و أم أبيه و المريض متزوج بجدتي الصحيح كذلك فولدت كل من جدتى الصحيح من المريض بنتين فالبنتان من جدتى الصحيح أم أمه خالتاه و اللتان من أم أبيه عمتاه و قد كان المريض متزوجا أم الصحيح فولدت بنتين فهما أختاه الصحيح لأمه و المريض لأبيه فإذا مات المريض و لامرأته الثمن وهما جدتا الصحيح ولبناته الثلثان وهن عمتا الصحيح و خالتاه و لجدتيه السدس وهما امرأتا الصحيح ولأختيه لأبيه ما بقى وهما أختا الصحيح لأمه و المسئلة تصح من ثمانية و أربعين.

مذکورہ عبارت کو اچھی طرح حل فرمائیں، اور ہر ایک کے رشتے کی وضاحت فرمائیں:

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ایک شخص مرض الوفات میں مبتلا ہے اس سے کسی نے کہا کہ آخری وقت ہے میرے لیے بھی کچھ وصیت کر کے جاؤ، تو اس کے جواب میں اس بیمار شخص نے کہا کہ میں کس کے لیے وصیت کروں، میری میراث کی مستحق تو تیری دونوں پھوپھیاں، تیری دونوں خالائیں، تیری دونوں دادیاں، اور نانی، تیری دونوں بہنیں اور تیری دونوں بیویاں ہی بن رہی ہیں لہٰذا میرا ترکہ سب لوٹ کر تیرے ہی پاس جائے گا، لہٰذا وصیت کرنے کی ضرورت نہیں ہے، اب رہی یہ بات کہ مریض شخص کا قول کہ تیری پھوپھیاں، خالائیں، دادیاں، بہنیں، اور بیویاں وارث بن رہی ہیں، اس کی شکل کیا ہوگی، اور ایک کا دوسرے سے کیا رشتہ بنے گا۔

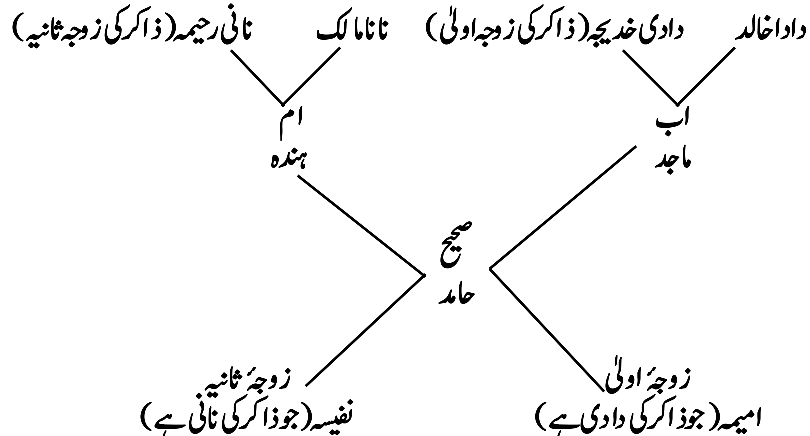
تو یہ بات غور طلب اور وضاحت طلب ہے جس کو مصنفؒ نے اپنے قول ''فقل

تزوج'' سے بیان کیا ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ ایک صحیح اور تندرست شخص نے قریب الموت شخص کی دادی اور نانی سے شادی کر رکھی ہے، یعنی قریب المرگ شخص کی دادیاں صحیح اور تندرست شخص کی بیویاں ہیں، اسی اعتبار سے قریب المرگ شخص کہہ رہا ہے کہ تیری دونوں بیویاں میرے ترکہ کی مستحق اور وارث ہوں گی، کیونکہ یہ دونوں اس کے رشتہ کی دادیاں ہیں اور دادیوں کو ثمن ملتا ہے، اولاد کی موجودگی میں، اسی طرح قریب المرگ شخص صحیح شخص کی دادی اور نانی سے شادی کر چکا ہے اور ان میں سے ہر ایک سے دو دو لڑکیاں ہوئی ہیں۔

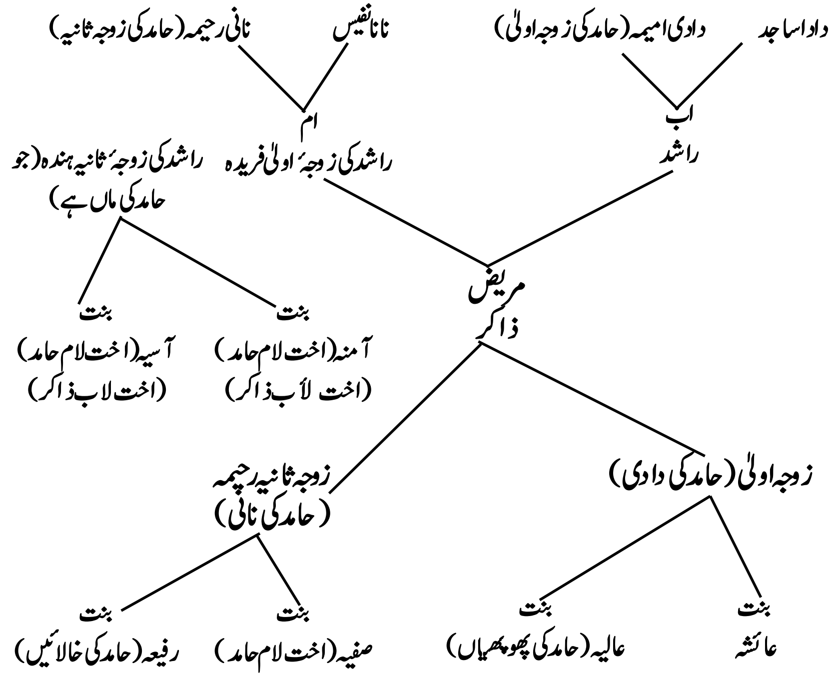
اب اس قریب المرگ شخص کا یہ کہنا کہ میرے انتقال کے بعد میری دونوں بیویوں کو میراث ملنے والی ہے جو تمہاری دادیاں ہیں بالکل صحیح ہے، کیونکہ قریب المرگ شخص کی دونوں بیویاں صحیح کی دادی اور نانی ہیں اسی طرح اس کا قول کہ تیری دونوں پھوپھیوں کو میری میراث سے ملنے والا ہے، صحیح ہے، کیونکہ قریب الموت شخص کی وہ دولڑکیاں جو صحیح کی دادی سے پیدا ہوئی ہیں وہ صحیح کی پھوپھیاں اور قریب المرگ کی لڑکیاں بنتی ہیں، اسی طرح مریض کا قول کہ تیری دونوں خالائیں وارث بنیں گی، صحیح ہے کیونکہ مریض کی وہ دولڑکیاں جو صحیح کی نانی سے پیدا ہوئی ہیں وہ صحیح شخص کے لیے خالہ اور قریب المرگ کی لڑکیاں ہوتی ہیں، پس مریض کی دونوں بیویوں یعنی صحیح کی دادی اور نانی کو ثمن ملے گا، اور مریض کی چاروں لڑکیوں کو یعنی صحیح کی دونوں خالاؤں اور پھوپھیوں کو ثلثان ملے گا، نیز مریض شخص کے باپ نے صحیح کی ماں سے شادی کر رکھی ہے اور اس سے دولڑکیاں ہیں، یہ دونوں لڑکیاں قریب المرگ شخص کی باپ شریک بہنیں بنتی ہیں، جبکہ صحیح شخص کی ماں شریک بہنیں بنتی ہیں، لہٰذا قریب المرگ شخص کا قول کہ تیری دونوں بہنیں بھی وارث بن رہی ہیں، بالکل صحیح ہے کیونکہ اس کی باپ شریک بہنیں صحیح کی ماں شریک بہنیں بن رہی ہیں، اب صورت مسئولہ میں ثمن، ثلثان، سدس پانے والے جمع ہوگئے۔

لہٰذا مسئلہ بنا ۲۴/ سے، پھر عدد رؤس اور سہام کے درمیان نسبت دیکھی تو کسر واقع ہو رہا ہے، پھر عدد رؤس اور عدد رؤس کے درمیان نسبت دیکھی تو تماثل کی نسبت ہے، لہٰذا کسی ایک عدد کو لے کر اصل مسئلہ میں ضرب دیا تو مسئلہ کی تصحیح ۴۸/ سے ہوئی، جیسا کہ حسب ذیل نقشہ سے واضح ہے:

صحیح شخص کی تفصیل



مریض شخص کی تفصیل



ذاکر میت ۴۸/۲۴

زوجۂ اولیٰ	زوجۂ ثانیہ	دادی	نانی	بنت	بنت	بنت	بنت	اخت لاب	اخت لاب
خدیجہ	رحیمہ	امیمہ	نفیسہ	عائشہ	عالیہ	صفیہ	رفیعہ	آمنہ	آسیہ
۳/۶		۴/۸			۱۶/۳۲			۱/۲	
۳	۳	۴	۴	۸	۸	۸	۸	۱	۱

مسئلہ کی تصحیح ۴۸ر سے ہوکر ہر وارث کو اتنا ملے گا جو اس کے نیچے درج ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴ر ربیع الاول ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۰۹۹۸)

۲ باب میت کے قرض کا بیان

قرض کی ادائیگی کیلئے مکان کوفروخت کرنے سے اولاد کوروکنے کا حق نہیں

سوال [۱۱۳۰۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) بندہ جس مکان میں رہائش پذیر ہے وہ سائل واہلیہ کی ملکیت ہے، دونوں حیات ہیں، اور کسی مرض الموت میں بھی مبتلا نہیں ہیں، ایسی صورت میں سائل کا سوال یہ ہے کہ اس مکان میں اولاد کا حق ہے یا نہیں؟

(۲) یہ کہ سائل مقروض ہے بظاہر ادائیگی کی کوئی صورت نہیں کہ سائل اس کوفروخت کر کے قرضہ ادا کردے، کیا ایسی صورت میں میری کسی اولاد کے لیے یہ جائز ہے کہ مکان بکنے میں ایسی رکاوٹیں ڈالے جو نا قابل قبول ہوں، اور قرضہ ادا کرنے کی وہ ترکیب بتلائیں جونا قابل قبول ہواور خود اپنے پاس سے ادا کرے؟

المستفتی: عبدالعزیز دوکاندار نزد مدرسہ شاہی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱-۲) آپ کو اپنا مکان فروخت کر کے قرضہ ادا کرنے کا ہر وقت شرعی طور پر حق حاصل ہے، اولاد کو اس میں رکاوٹ ڈالنے کا شرعاً کوئی حق نہیں ہے۔

المـالک هو المتصرف في الأعيـان المملوكة كيف شاء من الملك. (بیضاوی شریف رشیدیه ۱/۷)

المـالک للشيئ هو الذی يتصرف فيه باختياره ومشيئته. (بدائع الصنائع، النكاح، فصل فی بيان ما يبطل به الخيار زكريا ۲/۶۳۸، كراچی ۲/۳۲۷) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ ربیع الثانی ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۷۶۷)

قرض کی ادائیگی تقسیم میراث پر مقدم ہے

سوال [۱۱۳۰۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرے والد سریع الاسلام صاحب نے کچھ روپیہ بینک سے اپنے کاروبار کے واسطے قرض لیا، میرے والد صاحب نے حصہ مکان کے کاغذ قرض کے عوض میں دیدیئے، کافی عرصہ گذر جانے کے بعد انہوں نے بینک کی ادائیگی نہیں کی، اس طرح ان پر بینک کا بیاج کافی زیادہ ہوگیا اور اسی قرضہ میں ان کا انتقال ہوگیا، بینک والے برابر اطلاع دیتے رہے، بوقت انتقال میرے والد صاحب پہلی بیوی سے: رفیع الاسلام، سمیع الاسلام، سید اسلام، معراج الدین اور پھول جمال بیگم اور دوسری بیوی سے میری والدہ عائشہ پروین، نورالاسلم، محمد شعیب، محمد شف، یاسمین جہاں، شہناز پروین وارثان چھوڑے ہیں، مجبوراً ہم تین بھائیوں نے رفیع الاسلام، سمیع الاسلام، معراج الدین نے بینک کی نیلامی میں اس حصہ مکان کو خرید لیا، بینک نے کاغذی رو سے بھی مکان کا حصہ ہمارے نام کردیا ہے، سوال یہ اٹھتا ہے کہ حصہ مکان کس کا ہوگا؟

المستفتی: سمیع الاسلام

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آپ کے والد سریع الاسلام صاحب کے ذمہ چونکہ بینک کا قرض تھا، اس لیے وارثین پر ضروری تھا کہ وہ تجہیز وتکفین کے بعد ہونے والے ترکہ سے قرض ادا کرتے، اس کے بعد ہی بچے ہوئے ترکہ میں وراثت جاری ہوتی، اس لیے آپ تینوں بھائیوں نے باپ کے حصے کا جو نیلامی مکان بینک سے خریدا ہے اتنی قیمت کو ترکہ میں سے الگ کیا جائیگا، گویا جتنے پیسوں سے مکان خریدا ہے اتنے پیسوں کو ادائے قرض کے درجے میں مان لیا جائے گا، لہٰذا وہ مکان اور دیگر ترکہ میں سے نیلامی مکان خریدنے والوں کا پیسہ مجریٰ کر کے ان کو ادا کردیا جائیگا، اس کے بعد مکان اور دیگر ترکہ میں سے جو بچے گا اس کو تمام ورثاء کے درمیان شریعت کے مطابق تقسیم کیا جائے گا، اور اس میں خریدنے والے بھی برابر کے شرعی حصہ کے حقدار ہوں گے۔

ثم يقسم الباقي بعد ذٰلک بين ورثته الذى ثبت إرثهم بالكتاب أو السنة. (در مختار مع الشامي، كتاب الفرائض، زكريا ۱۰/۴۹۷، كراچی ۶/۷۶۲، سراجی/ ٤، الفتاویٰ التاتارخانية زكريا ٢٠/٢١٨، رقم: ٣٣٠٨٦، مجمع الأنهر مصرى قديم ٢/٧٤٧ دار الكتب العلمية بيروت ٤/٤٩٥، الموسوعة الفقهية الكويتية ٣/ ٢١) **فقط واللہ** سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/ شعبان المعظم ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۳۰۶)

اولاً قرض کی ادائیگی کی جائے اس کے بعد ترکہ تقسیم ہو

سوال [۱۱۳۰۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: محمد اسلام صاحب مرحوم نے اپنے بیٹے محمد اکرم سے بطور قرض اکرم کی بیوی کا زیور طلب کیا، چند یوم کے وعدہ پر اپنے کاروبار کے واسطے، اس درمیان میں محمد اسلام صاحب کا انتقال ہوگیا، مذکورہ مرحوم نے جس کے پاس وہ امانت رکھی تھی، مرحوم کی بیوی نے بالا بالا خفیہ طور پر وہ امانت حاصل کر کے اپنے تصرف میں لے لیا، جس کی وہ چیز ہے وہ برابر تقاضہ کرر ہا ہے، شریعت کی رو سے اس کا دین دار کون ہے؟ وہ قرضہ کس کے ذمہ عائد ہوتا ہے، اوراس کی ادائیگی کس طرح ہوگی؟ اور کون ادا کرے گا؟ مذکورہ مرحوم کے پاس تین چار لاکھ کا ایک پختہ مکان تین منزلہ ہے جس مکان میں کارخانہ ساز وسامان مشینری ومال وغیرہ رکھا ہوا ہے، جس کی قیمت تقریباً ایک لاکھ سے اوپر ہوتی ہے، مذکور مرحوم نے اپنی ایک بیوی پانچ لڑکے اور چار لڑکیاں چھوڑی ہیں، ہنوز کوئی تقسیم نہیں ہوئی ہے؟

المستفتی: محمد اکرم محلہ ٹھٹیرہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب مرحوم نے ہی لے کر رہن رکھا ہے تو اولاً

مرحوم کے ورثاء وہی زیور حاصل کر کے محمد اکرم کی بیوی کو ادا کرنے کی کوشش کریں اور اگر جس کے پاس ہے، اس سے حاصل نہ کر سکیں تو مرحوم کے ترکہ میں سے اتنی مقدار زیور خرید کر دیدیں، یا اس کی قیمت مرحوم کے ترکہ سے لے کر ادا کرنا لازم ہے۔

فإنها تصير مضمونة في يد المرتهن، وللمعير أن يرجع على المستعير بقيمته. (شامی، کتاب العاریة زکریا ۸/۴۸۱، کراچی ۵/۶۸۲، البحر الرائق کوئٹہ ۷/۲۸۳، زکریا ۷/۴۸۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/ربیع الاول ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۲۱۶۸)

شوہر کے انتقال کے بعد مہر وجہیز کا حکم

سوال [۱۱۳۱۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاق دیدی تھی، پھر تین مہینے کے بعد اس شخص کا انتقال ہو گیا اور اس نے ابھی تک اپنی بیوی کا مہر بھی ادا نہیں کیا تھا اور اس کی شادی میں اس کو جہیز بھی ملا تھا تو یہاں دو باتیں دریافت طلب ہیں:

(۱) جو جہیز اس کو شادی میں ملا تھا وہ کس کی ملکیت شمار ہوگا؟ اور چونکہ اس نے ابھی تک مہر بھی ادا نہیں کیا تھا تو کیا اس کے ذمہ مہر واجب الأ دا رہا یا نہیں؟

اب شوہر تو انتقال کر چکا ہے لہٰذا اب اس کا مہر کون ادا کرے گا؟

المستفتی: محمد واصف امروہہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جہیز کا سارا سامان جو لڑکی کے ماں باپ لڑکی کو دیتے ہیں وہ لڑکی کی حقیقی ملکیت ہوتا ہے، اس میں شوہر کا کوئی حصہ نہیں ہوتا ہے، اور لڑکی کو اس سامان میں پورا پورا حق ہے کہ جسے چاہے استعمال کی اجازت دے اور جسے چاہے نہ دے

اورلڑکی کا مہر شوہر کے انتقال کے بعد اس کے ترکہ میں سے سب سے پہلے ادا کیا جائے گا۔

کل أحد یعلم أن الجهاز ملک المرأة و أنه إذا طلقها تأخذه کله و إذا ماتت یورث عنها. (شامی، باب المهر، مطلب: فی دعویٰ الأب أن الجهاز عاریة، زکریا ٤/ ٣١١، کراچی ٣/ ٥٨٥)

وإذا مات الزوج وقد سمی لها مهر فلورثتها أن یأخذوا ذٰلک من ترکة الزوج. (تاتارخانیة زکریا ٤/ ٢٠٣، رقم: ٥٩٦٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍ربیع الثانی ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۰۷۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۴/ ۴/ ۱۴۳۴ھ

دین مہر میں دیئے گئے مکان کی تقسیم

سوال [۱۱۳۱۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے والد صاحب نے ایک مکان کھپریل (۵۶؍گز) والدہ کے دین مہر میں لکھ دیا تھا، پھر جب ماں کا انتقال ہوگیا تو سات سال کے بعد والد صاحب نے وہ مکان اپنے لڑکے فہیم الدین کے نام پکا بیع نامہ کرادیا، پھر بیع نامہ کے پانچ سال بعد والد صاحب کا بھی انتقال ہوگیا، اب والدہ کے دیگر وارثین ماں کے حصہ دین مہر میں اپنا حصہ مانگ رہے ہیں، اور خریدار فہیم الدین بھی بخوشی حصہ دینے کے لیے تیار ہے تو ماں کے حصہ میں سے ہر ایک وارث کو کتنے کتنے حصے ملیں گے، وارثین میں والدہ کے انتقال کے وقت والد صاحب حیات تھے، (اب انتقال ہوگیا، اور اپنا حصہ بیچ دیا تھا) چار لڑکے: محمود حسن، ریاض الحسن، فہیم الدین، فیاض الدین، چار لڑکیاں: دینی بیگم، بدرالنساء، عابدہ بیگم، پروین جہاں کو چھوڑا؟

المستفتی: فہیم الدین پیرزادہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ماں کے مرنے کے بعد ماں کے ترکہ میں سے

باپ صرف چوتھائی حصہ کا حقدار تھا، باقی لڑکے اور لڑکیوں کے حقوق تھے، اور باپ کے لیے یہ جائز نہیں تھا کہ ماں کا پورا مکان صرف ایک لڑکا فہیم الدین کے نام کردیں، یہ باپ کی طرف سے دوسرے وارثین کے حقوق کا غصب ہے، اس کی واپسی فہیم الدین پر پہلے ہی سے لازم تھی، اور اب جب فہیم الدین بخوشی دینے کے لیے تیار ہے تو معاملہ آسان ہوگیا، لہٰذا وہ مکان تمام وارثین کے درمیان ان کے حقوق کے مطابق شرعاً تقسیم ہونا چاہیے، جس میں خود فہیم الدین کا بھی ایک حصہ ہے۔ (مستفاد: امداد المفتیین ص: ۱۰۴۵)

وأصل هذا أن الدين المشترک بين اثنين إذا قبض أحدهما شيئا منه فلصاحبه أن يشاركه في المقبوض. (هدايه، باب الصلح فى الدين، فصل فى الدين المشترك، اشرفى ديوبند ۳/۲۵۳)

مرحوم کا ترکہ بارہ سہام میں تقسیم ہوکر دو دو حصہ لڑکوں کو اور ایک ایک حصہ لڑکیوں کو ملے گا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍ ربیع الاول ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۷۱۱۲)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۳/۱۴ھ

دین مہر بیوی کی ملک ہے اس میں وراثت جاری نہیں ہوگی

سوال [۱۱۳۱۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مسمیٰ نورالدین نے مسماۃ حلیمہ سے قبل ۱۹۴۷ء شادی کی، اس سے تین لڑکیاں اور ایک لڑکا پیدا ہوا، بعدہٗ حلیمہ اپنا شیرخوار لڑکا گود میں لے کر پاکستان بوقت ۱۹۴۹ء محلّہ کے ایک آدمی کے ساتھ فرار ہوگئی (جس کا نام محمد اسماعیل ہے) چند سال کے بعد مسمی نورالدین نے مسماۃ حلیمہ کی بہن خدیجہ سے نکاح کیا، ان دونوں گواہوں کی موجودگی میں (۱) کا کا نمبر دار (۲) راحم عرف مور محلّہ دار، اور اس سے کوئی بچہ تولد نہیں ہوا، تا حیات زوجیت میں رہی، نورالدین کے والد نے بوقت نکاح کل املاک ۴۱ ربیگہ زمین بعوض مہر خدیجہ کے نام کردیا،

نورالدین کے انتقال کے بعد خدیجہ نے اپنی زندگی ہی میں ان ۴۱ بیگہ زمینوں میں سے ۲۵/ بیگہ سابقہ تین لڑکیوں جو حلیمہ سے تھیں مالک بنادی اور تین بیگہ اپنے اخراجات کے لیے فروخت کردی، اور ۱۳/ بیگہ مسجد اور مدرسہ کے نام وقف کردیا، نیز مرتے وقت خدیجہ نے اپنے تمام زیورات کو یہ کہہ کردو آدمی کے حوالہ کیا کہ یہ اللہ کے نام خیرات کردینا اور مرگئی، زیورات اب تک ان دونوں آدمیوں کے پاس ہیں۔

اب دریافت طلب مسئلہ ہے کہ نورالدین کا شیرخوارلڑکا مسمیٰ گلزارجاوید جواپنے آپ کواس کالڑکا بتاتا ہے جس کو لےکر حلیمہ فرارہوئی تھی، اب وہ پاکستان سے آکر اپنے باپ نورالدین کی جائیداد (جو بعوض مہر خدیجہ کے نام تھی، جس کو خدیجہ نے مسجد اور مدرسہ کے نام وقف کی تھی) کا اور مذکورہ زیورات کا ۵۴/ سال کے بعد دعویدار بتاتا ہے، تو کیا حق دعویٰ اور حق وراثت کا مستحق ہے، یانہیں؟

نوٹ: یہ بھی یادرہے کہ مسمیٰ گلزار جاوید نے خدیجہ کی زندگی ہی میں ڈیڑھ لاکھ روپئے اور پانچ تولےسونا لے چکا تھا۔

المستفتی: محمد نذیر، جماپورہ مالیرکوٹلہ پنجاب

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جواکتالیس بیگہ زمین خدیجہ کو دین مہر کےعوض میں ملی ہے وہ اس کی حقیقی ملکیت ہے، اس میں کسی دوسرے کا کوئی حق متعلق نہیں ہے، وہ اپنی زندگی میں جس طرح چاہے استعمال کرسکتی تھی، لہٰذا جب اس نے بخوشی ۲۵/ بیگہ زمین مذکورہ تینوں لڑکیوں کو ہبہ کردی تو وہ ان لڑکیوں کی ملکیت ہوگئی ہے، اور جو تیرہ بیگہ زمین مسجد اور مدرسہ کے نام وقف کردی ہے وہ وقف بھی درست ہوگیا، اوراپنی ملکیت کے زیورات کے متعلق جو وصیت کرگئی ہے وہ وصیت بھی درست ہوگئی ،بشرطیکہ خدیجہ کا کوئی ایک حقیقی وارث موجود نہ ہواوراگراس کا کوئی وارث موجود تھا، اوروہ اس وصیت پر رضا مندرہاہےتو تمام زیورات کوکار خیر میں وصیت کے مطابق خرچ کردینا لازم ہےاورنورالدین کالڑکا مسمیٰ گلزارجاوید خدیجہ کا حقیقی وارث نہیں، اس لیے کسی بھی چیز میں حق کادعویٰ کرنا اس کے لیے درست نہیں۔

المالک هو المتصرف فی الأعيان المملوكة كيف شاء من الملک. (بیضاوی شریف رشیدیہ ١/٧)

لایجوز لأحد أن یأخذ مال أحد بلا سبب شرعی. (قواعد الفقه اشرفی ص: ١١٠، رقم: ٢٦٩) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم ربیع الاول ١٤٢٥ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٧/٨٢٧٥)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
١/٣/١٤٢٥ھ

دین مہر میں ایک حصہ دینے کے بعد بقیہ حصوں میں وراثت کا مطالبہ کرنا

سوال [١١٣١٣]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرے والد نے بڑے بھائی کی شادی کے موقعہ پر اس کی بیوی کو اپنے حصۂ مکان کے تین حصے کر کے (اس لیے کہ تین لڑکے تھے) ایک حصہ اپنے بڑے لڑکے کی بیوی کو بیع نامہ کر دیا تھا۔

اب دریافت یہ کرنا ہے کہ بقیہ دو حصوں کے صرف دو لڑکے ہی مالک ہوں گے، یا ان دو حصوں میں تینوں لڑکے اور ۵/لڑکیاں حصہ دار ہوں گی؟

المستفتی: مسعود احمد طویلہ مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بڑے لڑکے کا وراثت میں اپنے حصہ کا مطالبہ کرنا شرعاً جائز اور درست ہے، اس لیے کہ بڑے لڑکے کی بیوی کو مکان کا جو حصہ مہر میں دیا گیا ہے وہ باپ کی طرف سے دین مہر کی ادائیگی ہے اور اس میں وارثین کا کوئی حق نہیں ہوتا ہے، بلکہ وہ دین مہر اسی عورت کی تنہا ملکیت ہے، نیز مکان کے بقیہ دو حصے تینوں لڑکے اور پانچوں لڑکیوں میں حسب حصص شرعیہ تقسیم ہوں گے، لہٰذا بقیہ جائیداد کو گیارہ حصوں میں تقسیم کر کے لڑکوں کو دو- دو حصہ اور لڑکیوں کو ایک ایک حصہ ملے گا۔

﴿يُوصِيكُمُ اللّٰهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ. [النساء: ١١]﴾

ومع الإبن للذكر مثل حظ الأنثيين. (سراجی ص: ۱۲)

وصح ضمان الولي مهرها أي سواء كان ولي الزوج أو الزوجة صغيرين كانا أو كبيرين ولو المرأة صغيرة ولو عاقدا لأنه سفير لكن بشرط صحته فلو في مرض موته وهو وارثه لم يصح وإلا صح من الثلث أي وارث الولي كان يكون الولي أبا الزوج أو أبا الزوجة. (در مختار مع الشامی، باب المهر، مطلب: في ضمان الولي المهر زكريا ديوبند ٤/٢٨٦-٢٨٧، كراچی ٣/١٤٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳ / ربیع الثانی ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۶۵۹)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۴/۱۳ھ

ادائے مہر کے بعد ہبہ کرنے کی اجازت ہے

سوال [۱۱۳۱۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرا نام عبدالغفار ہے، میرے دولڑکے، اور دولڑکیاں ہیں، ان میں سے دو کی شادی ہوچکی ہے، اور دو غیر شادی شدہ ہیں، اور میری بیوی بھی حیات ہے، والدین نہیں ہیں، میری تین ایکڑ زمین ہے، جس میں سنترے کا باغ ہے، فی الحال اس کی قیمت دس لاکھ روپئے ہوتی ہے، رہنے کا مکان نصف کچا اور نصف پکا، جو پکا ہے وہ شادی والے لڑکے کی کمائی سے تعمیر ہوا ہے، اس کی قیمت دو لاکھ ہوتی ہے۔

نفسِ مسئلہ یہ ہے کہ قبل از حج بیت اللہ ایسی وصیت کرنے کا ارادہ ہے کہ شرعی اعتبار سے کسی وارث کی حق تلفی نہ ہو اور وارثین کو ان کا حق مل جائے، اور میرا یہ بھی ارادہ ہے کہ جو تین ایکڑ زمین ہے اس کو دونوں لڑکوں کے نام کردوں، اور لڑکیوں کو نقد رقم دیدوں، کیونکہ زمین کو اگر اتنے حصوں میں تقسیم کیا جائے گا تو اس کی حیثیت کم ہو جائے گی، اور لڑکیاں نقد لینے پر راضی بھی ہیں، اور بیوی کا مہر پانچ ہزار روپیہ ہے، وہ بھی ادا کرنا ہے تو اس صورت میں لڑکیوں کے نام کتنی کتنی رقم آئے گی؟ اور بیوی کے حصہ میں مہر کے علاوہ کتنی آئے گی؟ اسی

طرح رہنے کا جو مکان ہے اس کو بھی لڑکوں کے نام پر کرنے کا ارادہ ہے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس میں لڑکیوں کا کتنا حصہ نکلے گا؟ اگر نکلے گا تو لڑکیوں کے حصے پر کتنی کتنی رقم آئے گی؟ لڑکیاں اس میں نقد کی شکل میں لینے پر راضی ہیں، نقد رقم ادا کرنے کے لیے ضامن میرے لڑکے ہوں گے۔

المستفتی: محمد عبدالغفار، ضلع امراؤتی مہاراشٹر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سب سے پہلے بیوی کا مہر ادا کرنا واجب ہے اور بیوی کا مہر ادا کرنے کے بعد بقیہ مال میں سے حسب منشاء بیوی کو جتنا چاہیں دیدیں، اس کے بعد مابقیہ مال لڑکے اور لڑکیوں کے درمیان برابر برابر تقسیم کردیں۔

وإن قصده يسوى بينهم، يعطى البنت كالإبن عند الثانى، وعليه الفتوىٰ أى قول أبى يوسف من أن التنصيف بين الذكر والأنثىٰ أفضل من التثليث الذى هو قول محمد. (در مختار مع الشامى، كتاب الهبة، زكريا ۸/۵۰۱- ۵۰۲، كراچى ۵/۶۹۶)

یہ زندگی میں جائیداد کے ہبہ کرنے کی صورت ہے، لیکن اگر زندگی میں نہیں دیتے تو آپ کے مرنے کے بعد بیوی کو مہر کے علاوہ آٹھواں حصہ ملے گا اس کے بعد مابقیہ مال میں سے لڑکیوں کو لڑکوں کے نصف کے حساب سے ملے گا، یعنی کل ترکہ ۴۸؍ سہام میں تقسیم ہوکر بیوی کو چھ، دونوں لڑکوں کو چودہ چودہ اور دونوں لڑکیوں کو سات سات ملیں گے، اب آپ کی مرضی ہے، اپنی جائیداد کے بارے میں جو طریقہ چاہیں اختیار کرلیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍ رجب المرجب ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۷۴۶)

مہر میں طے شدہ تین سو گز زمین میں شوہر کے بھائی بہنوں کا حصہ

سوال [۱۱۳۱۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: احمد نبی خاں مرحوم کے چار بیٹے اور پانچ لڑکیاں ہیں: محمد علی عرف بابو جی مرحوم، احمد علی خاں، چندہ خاں، سلیم خاں، احمد نبی خاں نے اپنے لڑکے محمد علی کی زوجہ کے مہروں میں اپنی جائیداد کا کچھ حصہ لکھا تھا، وہ اپنی جائیداد کے خود مالک تھے، محمد علی کی زوجہ کا بھی انتقال ہو گیا، ان کی اولادوں میں آٹھ لڑکے اور تین لڑکیاں موجود ہیں، لہٰذا معلوم یہ کرنا ہے کہ محمد علی کی زوجہ کے مہروں میں جو جائیداد ہے اس میں ان کی اولاد کے علاوہ ان کے شوہر کے بھائیوں اور بہنوں کا بھی حصہ ہوگا یا نہیں؟ زوجہ محمد علی کے مہروں میں صرف ۳۰۰ر گز آراضی ہے۔

المستفتی: محمد علیم خاں مغل پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: احمد نبی خاں نے اپنی جائیداد میں سے جو حصہ اپنے بیٹے محمد علی خاں عرف بابو جی کی زوجہ کے مہروں میں لکھ کر کے دیدیا ہے، اس حصہ کی مالک محمد علی خاں کی زوجہ ہی ہوگی، اس میں کسی کا حق نہیں ہے، البتہ اس حصہ کو چھوڑ کر بقیہ جو حصے احمد نبی خاں کی ملکیت میں باقی ہیں، ان میں احمد نبی کے تمام ورثاء کا حق متعلق ہے، اور محمد علی کی زوجہ کے مہروں کے حصہ میں جو جائیداد ہے اس میں صرف اس کی اولاد کا حق متعلق ہوگا، لہٰذا زوجہ کے حصہ کو ۱۹ر حصہ کر کے ہر لڑکے کو دو دو حصہ اور ہر لڑکی کو ایک ایک حصہ ملے گا۔

إذا مات الزوجان وقد سمى لها مهرا ثبت ذٰلک بالبنية أو بتصادق الورثة فلورثتها أن يأخذوا ذٰلک من ميراث الزوج. (عالمگیری، الباب السابع فی المهر، الفصل الثانی عشر فی اختلاف الزوجین فی المهر، زکریا جدید ۱/ ۳۸۸، قدیم ۱/ ۳۲۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۲۱ر جمادی الثانیہ ۱۴۲۵ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۴۱۵)	۱۴۲۵/۶/۲۱ھ

تقسیم ترکہ سے قبل زکوٰۃ نکالنا

سوال [۱۱۳۱۶]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک بیوہ عورت ہے اس کے ایک لڑکا اور دولڑکیاں ہیں، عورت کے شوہر کا انتقال ہوئے تقریباً بیس برس ہوگئے، وہ اپنے لڑکے کے ساتھ رہتی تھی، عورت کے پاس اپنا زیور اور نقدی شوہر کے میراث سے جو ملا تھا یہ سب اس لڑکے کے پاس تھا جو اس کی دیکھ بھال کرتا تھا، وہ بہت سیدھی عورت تھیں، حساب وکتاب کے بارے میں کچھ نہیں جانتی تھیں، لہٰذا اب تینوں کی والدہ کا انتقال ہوگیا، لڑکا مال کو وارثان میں تقسیم کرنا چاہتا ہے لیکن وہ کہتا ہے کہ اس مال پر زکوٰۃ نہیں دی گئی ہے، زکوٰۃ تقریباً تیس چالیس ہزار روپیہ ہوتی ہے، عورت کی وفات کے بعد یہ مال وارثان کا ہوگیا، اس مال پر زکوٰۃ کے بارے میں صرف لڑکے کو ہی معلوم ہے، کسی بھی ٹائم انہوں نے اپنی لڑکیوں سے ذکر نہیں کیا، لڑکے کے علاوہ کوئی بھی گواہ نہیں ہے، تو کیا وارثوں کو زکوٰۃ کا روپیہ نکال کر تقسیم کیا جائے گا؟

المستفتی: محمد نسیم تمباکو اسٹریٹ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) مذکورہ عورت نے اگر واقعتاً زکوٰۃ نہ نکالی ہو اور نہ ہی انتقال کے وقت گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ نکالنے کی وصیت کی ہو تو ترکہ تقسیم کرنے سے قبل اس کے وارثین پر زکوٰۃ نکالنا ضروری نہیں، بلکہ بغیر زکوٰۃ نکالے بھی وہ آپس میں ترکہ تقسیم کرسکتے ہیں، مگر گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ ادا نہ ہونے کی وجہ سے مذکورہ عورت اللہ کے یہاں مؤاخذ دار ہوگی، اس لیے وارثین کو اس بات کا خیال رکھنا چاہیے۔

ثم تقدم دیونه التی لها مطالب من جهة العباد و أما دین الله تعالیٰ فإن أوصیٰ به وجب تنفیذه من ثلث الباقی وإلا لا، وفی الشامی: قوله: وأما دین الله تعالیٰ: محترز قوله من جهة العباد وذٰلک کالزکاة والکفارات و نحوها فإنها تسقط بالموت فلا یلزم الورثة أدائها إلا إذا أوصیٰ بها أو تبرعوا بها هم من عندهم. (شامی، کتاب الفرائض، زکریا ۱۰/ ۴۹۵، کراچی ۶/ ۷۶۰)

وافتراضها عمری أی علی التراضی وتحته فی الشامیة: وإذا لم یؤد

إلی آخر عمره یتضیق علیه الوجوب حتی لو لم یؤد حتی مات یأثم. (شامی، کتاب الزکاۃ زکریا ۳/۱۹۱، کراچی ۲/۲۷۱، الموسوعۃ الفقهیة الکویتیة ۹/۱۰، ۲۳/۲۹۶) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰؍ربیع الاول ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۵۳۶)

میت کے متروکہ مال سے ان کی زکوٰۃ ادا کرنا

سوال [۱۱۳۱۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) میری والدہ مرحومہ کے ورثاء میں دو لڑکے محمد نعیم، محمد شکیل اور دو لڑکیاں ہیں، مرحومہ کا ترکہ ان کے مابین کس طرح تقسیم ہوگا؟

(۲) سات سال سے زکوٰۃ بھی نہیں دی گئی وہ کس طرح ادا ہوگی؟

المستفتی: محمد نعیم تمبا کو والان مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: (۱) بشرط صحت سوال وبعد ادائے حقوق ما تقدم وعدم موانع ارث مرحومہ کا ترکہ درج ذیل نقشہ کے مطابق تقسیم ہوگا۔

میت ۶

لڑکا	لڑکا	لڑکی	لڑکی
محمد شکیل	محمد نعیم	شاہنہ خاتون	شاہانہ خاتون
۲	۲	۱	۱

آپ کی والدہ مرحومہ کا ترکہ ۶؍سہام میں تقسیم ہوکر ہر وارث کو اتنا ملے گا جو اس کے نام کے نیچے درج ہے۔

(۲) آپ کی والدہ کی وفات سے قبل جو زکوٰۃ ان پر لازم تھی، وہ انہوں نے ادا نہیں

کی تو ان کی وفات کے بعد ورثاء کے ذمہ اس کی زکوٰۃ ادا کرنا واجب اور ضروری نہیں ہے، البتہ اگر وصیت کی ہو تو اس کی زکوٰۃ مرحومہ کے تہائی مال سے ادا کردی جائے، اور اگر بلا وصیت اس کی زکوٰۃ ورثاء نے ادا کردی تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحومہ سے زکوٰۃ کا ذمہ ساقط کردے گا۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۵/ ۴۵، جدید ڈابھیل ۲۰/ ۳۴۲)

و أما دين الله تعالىٰ فإن أوصىٰ به وجب تنفيذه من ثلث الباقي وإلا لا، (در مختار) وفي الشامية: تحته قال الزيلعي: فإنها تسقط بالموت فلا يلزم الورثة أدائها إلا إذا أوصىٰ بها أو تبرعوا بها هم من عندهم. (در مختار مع الشامي، كتاب الفرائض، زكريا ١٠/ ٤٩٥، كراچی ٦/ ٧٦٠)

اور سات سال کی زکوٰۃ ادا کرنے کی شکل یہ ہوگی کہ سات سال پہلے ان کے زیورات کی قیمت کیا رہی ہے اس کو معلوم کرکے اس کا چالیسواں حصہ نکال لیں، اس کے بعد اگلے سال مابقیہ کا چالیسواں حصہ نکال لیں، پھر اس کے بعد والا سال جو بچا ہے اس کا چالیسواں نکال لیں، اس ترتیب سے سات سال کی زکوٰۃ نکالی جاسکتی ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۵؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۶۴۷)	۱۴۲۱/۵/۵ھ

حصص کی تقسیم صرف ترکہ میں ہوگی

سوال [۱۱۳۱۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کا آج سے تقریباً ڈیڑھ سال قبل انتقال ہوا، بوقت انتقال وارثین میں پہلی بیوی جس کو وہ طلاق دے چکے تھے سے دو لڑکے اور ایک دوسری بیوی سے ایک لڑکی چھوڑی، اور ترکہ میں ۳؍ چھوٹے مکان اور ایک خالی دوکان چھوڑی، اور کچھ زیورات بھی تھے، جو زید کی بیٹی اور دوسری بیوی کے ہیں، بیوی اپنے زیور کو میکہ سے لائی تھی، ان دونوں کے زیورات زید ہی کے پاس رکھے ہوئے رہتے تھے، اب پہلی بیوی کے دونوں بیٹے اس میں حصہ مانگ

رہے ہیں، شرعاً کس کو کتنا حصہ ملے گا؟

واضح رہے کہ زید اپنی زندگی ہی میں دونوں لڑکوں کو قانونی طور پر محروم کر چکا تھا، اور دوسری بیوی سے کہتا تھا کہ یہ مکان تمہارا ہے اور دوکان میری بیٹی کی ہے، اور زیورات کے بارے میں دوسری بیوی سے کہتا تھا کہ تم اس کو امانت کے طور پر پہنتی رہو، یہ میری بیٹی کا ہے، زندگی میں میں اس کا مالک ہوں اور مرنے کے بعد میری بیٹی اس کی مالک ہے، اور تمہارا (یعنی بیوی کا) اس میں کوئی حق نہیں ہے، لیکن ان مذکورہ باتوں کے سلسلے میں کوئی تحریری ثبوت نہیں ہے البتہ بیماری کی حالت میں زید نے اسپتال میں اپنی بیٹی سے کاتب بلانے کو کہا تھا لیکن کاتب نہیں آسکا، اس وقت دوسری بیوی کے دو بھائی تنزیل الرحمٰن اور مطیع الرحمٰن وہاں موجود تھے، اور ایک دن رات کو زید کی دیورانی ان سے ملاقات کرنے گئی تھی تو اس سے بھی کہا تھا، اور انتقال سے پندرہ روز پہلے زید کی بیوی اور بیٹی دونوں کے زیورات کو الگ الگ کر رکھا تھا، جس کو ان کے بھائی نے بھی دیکھا ہے، اب بتلائیں کہ زید کے لڑکے کا ان زیورات میں شرعاً کوئی حق بنتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: ایک خاتون مرادآباد یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید کا قانونی طور پر اپنے لڑکوں کو میراث سے محروم اور ناحق کرنا اور بیویوں سے یہ کہنا کہ یہ مکان تمہارا ہے اور دوکان بیٹی کی ہے، اسی طرح زیورات کے بارے میں یہ کہنا کہ تم اس کو بطور امانت پہنتی رہو، میرے مرنے کے بعد میری بیٹی اس کی مالک ہے، شرعاً ان باتوں کا کوئی اعتبار نہیں، اس کی وجہ سے زید کے انتقال کے بعد اس کی بیوی اور بیٹی مذکورہ مکان و دوکان اور زیورات کے مالک نہیں ہوں گی، بلکہ حسب حصص شرعیہ لڑکے بھی اس میں حقدار ہوں گے، البتہ وہ زیور جو دوسری بیوی میکہ سے لائی ہے وہ اسی کی ملک ہے، اس میں لڑکے کا شرعاً کوئی حق نہیں، لہٰذا بشرط صحت سوال وبعد ادائے حقوق ما تقدم و عدم موانع ارث مرحومہ زید کا کل ترکہ بیوی کے زیورات کے علاوہ بوقت

انتقال موجودتمام وارثین کے درمیان درج ذیل نقشہ کے مطابق تقسیم ہوگا۔

۴۰
میـــــــــــــــــت

بیوی	لڑکا	لڑکا	لڑکی
۱/		۷	
۵	۱۴	۱۴	۷

مرحوم زید کا کل ترکہ ۴۰؍سہاموں میں تقسیم ہوکر ہر وارث کو اتنا حصہ ملے گا جو اس کے نیچے درج ہے۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍ جمادی الثانیہ ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۷۱۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۶/۲۸ھ

ترکہ سے متعلق چند سوالات کے جوابات

سوال [۱۱۳۱۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) عبدالرحمٰن نے بوقت وفات یہ وارث چھوڑے تو اس کی ملکیت ان وارثوں پر کس حساب سے تقسیم ہوگی؟ بیوی: مریم، بھائی: رجب، بھائی: کھجولا، بہن: سائرہ، بہن: ڈنگری، یہ کل پانچ وارث ہیں۔

(۲) عبدالرحمٰن نے زمین اپنے پیسے سے خریدی، اس میں بیوی مریم کا نام لکھوایا لیکن اپنے خرچ سے عمارت بنوائی اور اپنے قبضے میں رکھا تو کیا یہ زمین وعمارت عبدالرحمٰن کی ملکیت شمار ہوگی یا بیوی مریم کی؟

(۳) عبدالرحمٰن کی بیوی مریم نے عبدالرحمٰن کے انتقال کے بعد تقسیم وراثت کیے بغیر جائیداد کا کسی کو ہبہ یا بیع نامہ کردیا تو یہ ہبہ یا بیع نامہ پورے طور پر صحیح ہوگا، یا صرف اتنے حصے کا جس کی حقدار مریم وراثت کے اعتبار سے ہوتی ہے؟

(۴) عبدالرحمٰن کو ایک دوکان میونسپل بورڈ کی طرف سے کرایہ پر ملی، ان کی وفات

کے بعد ان کی بیوی مریم اس دوکان پر قابض رہیں، اور میونسپل بورڈ کو کرایہ ادا کرتی رہیں، یہ دوکان کس کی ملکیت مانی جائے گی؟

نوٹ: واضح رہے کہ میونسپل بورڈ سے اجازت لے کر ایسی دوکان کو بیچنے کا حق بھی کرایہ دار کو ہوتا ہے، اور کرایہ دار کی موت کے بعد ایسی دوکان پر اس کے وارثوں کا حق ہو جاتا ہے۔

المستفتی: مولانا عبدالہادی صاحب مدرسہ نورالعلوم ہرہرپور پرتا بگڈھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) بشرط صحت سوال وبعد ادائے حقوق ماتقدم وعدم موانع ارث عبدالرحمٰن کا ترکہ حسب ذیل طریقہ سے تقسیم ہوگا۔

عبدالرحمٰن میــت $\frac{۸}{۴}$

بیوی	بھائی	بھائی	بہن	بہن
مریم	رجب	کھجولا	سائرہ	ڈنگری
$\frac{۱}{۲}$	۲	$\frac{۳}{۲}$	۱	۱

کل ترکہ ۸؍ سہام میں تقسیم ہو کر ہر ایک کو اتنا ملے گا جو اس کے نیچے درج ہے۔

(۲-۳) اگر دین مہر کے عوض میں بیوی کا نام لکھوایا ہے تو وہ زمین بیوی کی ملکیت ہوگی، اور اگر دین مہر کے عوض میں نہیں ہے، بلکہ صرف بیوی کو خوش کرنے کے لیے یا کسی خاص مصلحت کی بناء پر لکھوایا ہے تو اس سے زمین بیوی کی ملکیت نہ ہوگی بلکہ شوہر کی ملکیت ہوگی، اور بعد میں اس میں شوہر کا مالکانہ تصرف بھی اس بات پر دال ہے کہ محض نام کرنا مقصود ہے، مالک بنانا مقصود نہیں ہے، اس لیے وہ زمین عبدالرحمٰن کی ملکیت ہے، اور اس کی موت کے بعد اس میں اس کے تمام ورثاء کا حق متعلق ہوگا، لہٰذا عبدالرحمٰن کی موت کے بعد تقسیم سے قبل دوسرے ورثاء کی شرعی اجازت کے بغیر بیوی کا ہبہ یا بیع کا تصرف جائز نہیں ہوگا، ہاں البتہ اس کا جو شرعی حق بنتا ہے اس میں اس کا تصرف جائز ہوسکتا ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۳/۳۸)

وبیع التلجئة ...... وهو أن يظهر عقدا وهما لايريدانه يلجأ إليه

لخوف عدو و تحته فی الشامية: فالهزل أعم من التلجئة لأنه يجوز أن لايكون مضطرا إليه و أن يكون سابقا و مقارنا. (در مختار مع الشامی، باب الصرف، مطلب: فی بيع التلجئة زكريا ۷/۵٤۲، كراچی ۵/۲۷۳، هنديه زكريا قديم ۳/۲۰۷، جديد ۳/۱۹٦، بدائع الصنائع زكريا ٤/۳۸۹، كراچی ۵/۱۷٦، المبسوط للسرخسی دار الكتب العلمية بيروت ۲٤/۱۲۲)

(۴) ہندوستان میں جو جائیداد کرایہ دار کے پاس ہوتی ہے اس کی دو قسمیں ہیں:

(۱) وہ جائیداد جس کو قانوناً مالک اپنے اختیار سے خالی کرا سکتا ہے، اور جب چاہے کرایہ میں اضافہ کرا سکتا ہے جیسے اوقاف کی جائیداد۔

(۲) وہ جائیداد جس کو مالک قانوناً اپنے اختیار سے جب چاہے خالی نہیں کرا سکتا اور نہ ہی جتنا چاہے کرایہ میں اضافہ کرا سکتا ہے، انہیں میں سے وہ جائیداد بھی ہے جو سوالنامہ میں میونسپل بورڈ کی ہے، تو ایسی جائیداد کرایہ دار کے ہاتھ میں نیم ملکیت ہوتی ہے...... جیسے قانوناً کرایہ دار کے ورثاء کا حق متعلق ہو جاتا ہے، شرعاً بھی اس میں کرایہ دار کے ورثاء کا حق متعلق ہو جائے گا، لہٰذا اس دوکان کو فروخت کرنے اور خریدنے میں کرایہ دار کے تمام ورثاء کا حق متعلق ہوگا۔

الثابت بالعرف كالثابت بالنص. (قواعد الفقه اشرفی ص: ۷٤، رقم: ۱۰۱، المبسوط للسرخسی، دار الكتب العلمية بيروت ۱۹/٤۱، ۳۰/۲۲۰، البناية اشرفيه ديوبند ۹/۲۳۸، الموسوعة الفقهية الكويتية ۱٦/۲٦۱) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰؍ ذی قعدہ ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۳۶۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۱۱/۱۰ھ

۳ باب ترکہ اور تقسیم

متروکہ مال باپ کی ملکیت کہلائے گا یا بیٹے کی

سوال [۱۱۳۲۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرے شوہر ابرار احمد نے اپنا حصۂ مکان ایک قریشی کے لیے فروخت کیا، وہ رقم میں نے اپنے ماموں کے پاس امانت رکھی، محمد عامر بچہ تھا، اکرام بھائی نے جنرل مرچینٹ والوں کی دوکان پر یونہی بلا مشاہرہ کاروباری مشق کی کچھ عرصہ بعد ندیم بھائی کے یہاں ملازم ہو گئے، غالباً چار سو روپئے ماہانہ، اس کے بعد قاری اختر علی صاحب کے ساتھ شرکت میں کاروبار کیا، میں نے محمد عامر کے والد کی وہ رقم جو کہ مکان کے حصہ کی تھی لا کر دی، اور کاروبار میں شرکت اسی رقم سے باقاعدہ ہو گئی، کاروبار میں کافی ترقی ہوئی اور اس کے بعد نواب بھائی سے دوکان کرایہ پر لی جو کہ بغیر پگڑی کے دیدی، اب کاروبار اور دوکان محمد عامر ہی چلانے لگا، انہوں نے جو کچھ ابرار صاحب ان کے والد مرادآباد سے مال لا کر رام پور کے دوکانداروں کو دیتے تھے، بند کرادیا، اور کہا کہ آپ صرف دوکان پر بیٹھیں، کوئی علیحدگی کا تصور بھی نہیں تھا، کاروبار میں اللہ نے اتنی برکت دی کہ بچیوں کی شادی کیں اور محمد عامر کی شادی کی، اور محمد عامر نے حج بھی کیا۔

یہ کاروباری نوعیت تھی، یہ مال محمد عامر کی ملکیت قرار دیا جائے گا یا محمد عامر کے والد محمد ابرار صاحب کا، ابرار صاحب کا صرف ایک ہی بیٹا تھا اور باقی لڑکیاں تھی، جب محمد عامر کی بیوی گھر آئی تو ساتھ میں رہی، ایک ہی چولہا تھا، اور جب تک دلہن بیوگی کی حالت میں رہی سابقہ طریق پر رہی، صرف معلوم یہ کرنا ہے کہ یہ مال کس کی ملک قرار دیا جائے گا، شرعی فیصلہ سے آگاہ فرمایا جائے؟

المستفتی: زوجہ ابرار احمد رام پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سوال میں اصل چیز جس پر حکم شرعی کا مدار ہے وہ واضح

نہیں ہوئی، وہ یہ ہے کہ محمد عامر جب تنہا دوکان چلا رہا تھا تو اس زمانہ میں محمد عامر کے والد محمد ابرار زندہ تھے یا نہیں؟ اگر محمد عامر کے والد زندہ تھے اور ابرار کی نگرانی میں عامر دوکان چلا رہا تھا، پھر اسی دوکان کی آمدنی سے عامر اوران کی بہنوں کی شادی ہوئی تھی تو ایسی صورت میں سارا سرمایہ محمد عامر کے والد محمد ابرار ہی کی ملکیت ہوگا، لہٰذا وہ دوکان اس کا سامان محمد عامر کا نہیں ہوگا اور ابرار کے انتقال کے بعد دوکان کا سارا سرمایہ محمد ابرار کے وارثین کے درمیان شرعی طور پر تقسیم ہوگا اور سب وارثین اپنے اپنے شرعی حصہ کے حقدار ہوں گے، کس کو کتنا ملے گا، تمام وارثین کی تفصیل کے بعد لکھا جاسکتا ہے اور اگر یہ معاملہ ایسا ہوا ہے کہ محمد ابرار زندہ ہے اور عامر کا انتقال ہوگیا ہے جیسا کہ سوالنامہ میں عامر کی بیوی کے بیوہ ہونے کا ذکر ہے، اگر واقعہ ایسا ہے تو پوری دوکان کا مالک عامر کا والد ابرار ہوگا اب ابرار کو اختیار ہوگا کہ عامر کی اولاد اوراس کی بیوی کو اس میں سے کچھ دیدیا کرے۔

الأب و ابنه یکتسبان فی صنعة واحدة ولم یکن لهما شيء فالکسب کله للأب إن کان الابن فی عیاله لکونه معینا له ألا تریٰ لو غرس شجرة تکون للأب ثم ذکر خلافا فی المرأة مع زوجها إذا اجتمع بعملهما أموال کثیرة فقیل هی للزوج وتکون المرأة معینة له. (شامی، الشرکة، مطلب: اجتمعا فی دار واحدة واکتسبا …… زکریا ۵۰۲/۶، کراچی ۳۲۵/۴، هندیه زکریا جدید ۳۳۲/۲، قدیم ۳۲۹/۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍صفر المظفر ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۷۱۵/۳۷)

والد اور لڑکے کی قیمت سے خریدے گئے مکان میں لڑکی کا حصہ

سوال [۱۱۳۲۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرے والد کی دو اولادیں ہیں ایک لڑکا جس کا نام عزیز النبی، دوسری لڑکی جس کا نام نجمہ بی بی ہے، میرے والد نے ایک مکان فروخت کیا، چھ ہزار روپئے میں، پھر میرے

بھائی عزیز النبی نے بطور قرض یا جس طرح بھی ہو دس ہزار روپئے کا انتظام کرکے والد صاحب کو دیا، پھر ایک دوسرا مکان تقریباً ۲۶۰۰۰/ ہزار روپئے میں خریدا۔

یہاں یہ خیال رہے کہ اس مکان میں سولہ ہزار روپئے والد کے مکان کا اور دس ہزار روپئے بھائی کے ذریعہ انتظام ہوا، والد کے انتقال کے کافی دنوں بعد تک میرے بھائی اس ملکیت میں میرا حق بتاتے تھے، اور دینے کا وعدہ بھی کرتے تھے، فی الحال مکان کی قیمت تقریباً ۵/۵۰ لاکھ روپئے ہے، جبکہ میرے بڑے بھائی بہت خوشگوار اور پرسکون زندگی بسر کررہے ہیں، اس کے مقابلے میں میں ایک چھوٹے سے مکان میں غریبی کی زندگی گذار رہی ہوں، ابھی کچھ دنوں پہلے سے بھائی میرا حق وحصہ بھی دینے سے انکار کرتے ہیں، میں نے سنا ہے کہ میرے بھائی نے میری سادگی کا فائدہ اٹھا کر والد کی موجودگی میں ہبہ نامہ یا وصیت نامہ بنوالیا تھا، اس وقت سارے کاغذات میرے بھائی کے نام ہیں، صرف لائٹ بل والد صاحب کے نام سے آتا ہے، کیا شریعت کی رو سے اس مکان میں جو مشترکہ جائیداد ہے، میرا حق ہوتا ہے، ہوتا ہے تو کتنا؟ کیا از روئے شریعت ہمارا حق کا مطالبہ کرنا حق بجانب ہے کہ نہیں؟

لہٰذا آپ سے گذارش ہے کہ شریعت کی روشنی میں ہماری اس جائیداد میں ہمارا جو حصہ ہوتا ہے اس کی وضاحت فرما کر عنداللہ ماجور ہوں؟

المستفتی: نجمہ بی بی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ میں اس بات کی وضاحت ہے کہ عزیز النبی نے دس ہزار روپیہ دوسروں سے قرض وغیرہ لے کر کے مکان کی خریداری میں دیا ہے، اور باپ نے وہ دس ہزار روپیہ واپس نہیں کیا، اس لیے دس ہزار روپیہ کی ملکیت میں عزیز النبی مکان میں شریک ہے، لہٰذا چھبیس ہزار میں سے دس ہزار کی ملکیت کو مجریٰ کرنے کے بعد باقی سولہ ہزار کی ملکیت تین حصوں میں تقسیم ہو کر دو حصہ عزیز النبی کو اور ایک حصہ بہن نجمہ بی بی کو ملے گا۔

﴿لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ. [النساء: ۱۲]﴾ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/ جمادی الثانیہ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۱۴۲/۴۰)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۶/۱۸ھ

باپ کی ماتحتی میں رہ کر کمائے ہوئے سرمایہ کی اولاد مالک نہیں

سوال [۱۱۳۲۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک باپ کے سات بیٹے ہیں، باپ نے حسب ضرورت ایک بیٹے کو بقدر کفایت سامانِ زندگی دے کر الگ کر دیا، اور چھ بیٹے باپ کے ساتھ زندگی گذار رہے تھے، پھر بعد میں چھ بھائیوں میں سے زید باپ کی زندگی میں ہی ہر طرح کی ذمہ داریوں کا سرپرست بن گیا، اور زید کی نگرانی میں پانچوں بھائی آٹے کی مشین ''چکی'' اور تقریباً نو ہینڈلوم کے ذریعہ کام کرتے رہے، یہاں تک کہ حالات خوشحال زندگی میں تبدیل ہوگئے، چنانچہ زید نے اچانک پانچوں بھائیوں میں سے ایک بھائی یعنی خالد کو بغیر کچھ دیئے ہوئے الگ کر دیا، الگ کرنے کے بعد ابھی کچھ ہی مدت گذری تھی کہ زید نے زمین خریدی اور اس کو اپنے نام اور بقیہ چار بھائیوں کے نام لکھوا دیا، اور ایک لمبی مدت گذرنے کے بعد والد صاحب کا انتقال ہوگیا۔

الف: زید نے خالد کو بغیر کچھ دیئے ہوئے الگ کر دیا تو خالد کا زید پر کیا حق بنتا ہے؟

ب: اور اگر حق بنتا ہے تو اس کا ذمہ دار صرف زید ہے یا بقیہ چار بھائی بھی ہیں؟

ج: کیا خریدی گئی زمین میں بھی خالد کا حصہ بنتا ہے کہ نہیں؟ اگر بنتا ہے تو کیوں اور کیسے؟

نوٹ: تشفی بخش دلائل کے ساتھ تفصیلی جوابات مطلوب ہیں۔

المستفتی: محمد عبد اللہ حاجی لنگی مئو

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: باپ کی زندگی میں باپ کی ماتحتی میں کاروبار کرتے ہوئے جو سرمایہ جمع ہوا ہے وہ باپ کی ملکیت ہے، لہٰذا باپ نے ایک بیٹے کو جو مناسب سامان وجائیداد وغیرہ دے کر الگ کیا ہے وہ باپ کی جانب سے ہبہ ہے، جس کا وہ بیٹا مالک ہوگیا، لیکن باپ کی زندگی میں کسی ایک بیٹے کا اپنے کسی بھائی کو فیملی اور کاروبار سے

الگ کرنے کا حق نہیں ہے، کیونکہ تمام کاروبار کا مالک اپنی زندگی میں باپ ہے، اس لیے مسئولہ صورت میں حکم شرعی یہ ہے کہ زید نے والد کی حیات میں جو زمین اپنے اور خالد کے علاوہ دیگر بھائیوں کے نام سے خریدی ہے، خالد کا بھی اس میں سب بھائیوں کے برابر حق بنتا ہے، اور پورے کاروبار میں بھی خالد سب کے برابر کا حصہ دار ہے، کیونکہ اسے کاروبار سے بے دخل کرنے کا باپ کے علاوہ کسی کو اختیار نہیں تھا، اسی طرح باپ کی وفات کے بعد اس کے چھوڑے ہوئے ترکہ میں خالد اور اس لڑکے کو بھی سب بیٹوں کے برابر حق وراثت حاصل ہے، جسے باپ نے اپنی زندگی میں کمائی اور کاروبار سے الگ کر دیا تھا۔

الأب و ابنه يكتسبان في صنعة واحدة ولم يكن لهما شيئ فالكسب كله للأب إن كان الابن في عياله لكونه معينا له. (شامی، الشركة، مطلب: اجتمعا في دار واحدة واكتسبا …… زكريا ٦/٥٠٢، كراچی ٤/٣٢٥، هنديه زكريا جديد ٢/٣٣٢، قديم ٢/٣٢٩)

لو اجتمع إخوة يعملون في تركة أبيهم و نما المال فهو بينهم سوية وإن اختلفوا في العمل والرأى. (شامی كراچی ٤/٣٢٥، زكريا ٦/٥٠٢)

الإرث جبرى لايسقط بالإسقاط. (تكملة رد المحتار، مطلب: في حادثة الفتوىٰ، زكريا ١١/٦٧٨، كراچی ٧/٥٠٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵ / جمادی الثانیہ ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۰۸۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۶/۵ھ

مال مشترک کی تقسیم

سوال [۱۱۳۲۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: خورشید علی نے اپنی ذاتی ملکیت سے ایک دوکان خریدی اور اس دوکان پر اپنے چھوٹے بھائی مجاہد علی کو بٹھا دیا، اور دونوں بھائی مشترکہ طور پر برابر دوکان چلاتے رہے، اور اسی کی آمدنی سے بفضل ایزدی ایک دوسری دوکان خریدی گئی اور دونوں دوکان کی آمدنی سے

مجاہد علی کی شادی بھی کردی گئی، اب اس کا ایک لڑکا پیدا ہوا اور پھر اس کا انتقال ہوگیا، اب اس کے ورثاء میں اس کی ایک بیوی اور ایک لڑکا موجود ہے جس کی عمر ڈھائی ماہ ہے تو ایسی صورت میں دونوں دوکان کس طرح تقسیم ہوں گی، اور اس کے علاوہ چھ بھائی ہیں تو کیا ان چھ بھائیوں کو بھی اس میں سے کچھ ملے گا یا نہیں؟ نیز ان کے بال بچوں کا متولی بننے کا زیادہ حقدار کون ہے؟

المستفتی: شہزاد پکا باغ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جب دونوں بھائیوں نے مشترکہ طور پر کاروبار کیا ہے تو پورے کاروبار اور دونوں دوکانوں میں دونوں بھائی برابر کے شریک ہوگئے ہیں، اس لیے دونوں دوکانوں کی قیمت لگا کر نصف قیمت کی دوکان خورشید علی کو ملے گی اور بقیہ نصف قیمت کی دوکان آٹھ سہام میں تقسیم ہوکر ایک سہام مجاہد علی کی بیوی کو ملے گا، اور سات سہام مجاہد کے ڈھائی ماہ کے بچہ کو ملے گا، اور ان کے دیگر چھ بھائیوں کو مذکورہ کاروبار اور دوکانوں میں شرعاً کوئی حق نہیں پہنچتا ہے، نیز بال بچوں کا متولی وہی ہوسکتا ہے جو ان کے حقوق کی زیادہ حفاظت کرسکتا ہے، اور مرحوم کی دیگر ملکیت کا مالک بھی مذکورہ طریقہ پر مرحوم کی بیوی اور لڑکا ہے۔

كما استفيد من عبارة الشامي: في زوج امرأة و ابنها اجتمعا في دار واحدة وآخذ كل منهما يكتسب على حدة و يجمعان كسبهما ولايعلم التفاوت و لا التساوى ولا التمييز فأجاب بأنه بينهما سوية. (شامی، الشركة، مطلب: اجتمعا في دار واحدة واكتسبا ...... زكريا ٦/ ٥٠٢، كراچی ٤/ ٣٢٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/ ۳۲۱۱)

مشترک کاروبار میں کسی شریک کے الگ سے کمائے ہوئے مال میں وراثت

سوال [۱۱۳۲۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: علی نے کپڑوں کی تجارت شروع کی اور جس دوکان میں یہ تجارت کررہے ہیں وہ ان کے والد اور چچاؤں کے نام ہے، اوران کا کاروبار بھی کپڑوں کا ہی ہے، لیکن علی نے اپنے بھائیوں کے ساتھ مل کر جو کاروبار شروع کیا اس کے لیے اس نے اپنے بڑوں کے کاروبار سے جو مشترکہ ہے، کچھ بھی مدد نہیں لی، اوراپنے بل بوتے پر اور ادھار مال لاکر کاروبار کو آگے بڑھایا اوراب بھی کسی سے کوئی مدد یا رقم لیے بغیر کاروبار کررہے ہیں، لیکن اب مشترکہ تجارت اور جائیداد میں تقسیم درپیش ہے تو کیا تقسیم کے وقت دوکان کے ساتھ اس میں موجود مال کو بھی شامل کیا جائے گا، جبکہ اس مال کے لیے مشترکہ تجارت سے کچھ بھی رقم نہیں لی گئی، اور خود اپنے بل بوتے پر مال بنایا ہے، برائے کرم وراثت تقسیم کرکے اس معاملہ میں شریعت کی روشنی میں مدلل حوالوں کے ساتھ جلد سے جلد جواب دیں؟

المستفتی: ایم، اے، ایچ، اطہر، وقف بورڈ گلبرگہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) صورت مسئولہ میں جب علی نے بھائیوں کے ساتھ مل کر اپنے والد اور چچا کے نام کی مشترکہ دوکان میں اپنے بل بوتے اور سرمایہ کے ساتھ کاروبار کررکھا ہے، تو والد اور چچاؤں کی جائیداد کی تقسیم کے وقت اس میں موجود مال کو ان کی وراثت میں شامل نہیں کیا جائے گا، البتہ اگر دوکان کے ذریعہ سے کاروبار کیا گیا ہے تو اس کا مناسب کرایہ علی کو ادا کرنا پڑے گا۔

إذا أخذ أحد الورثة مبلغا من نقود التركة قبل القسمة بدون إذن الآخرين و عمل فيه وخسر كانت الخسارة عليه كما أنه إذا ربح لايسوغ لبقية الورثة أن يقاسموا الربح. (شرح المجلة رستم اتحاد ۱/ ۶۱۰، رقم: ۱۰۹۰)

لو تصرف أحد الورثة فى التركة المشتركة وربح فالربح للمتصرف وحده. (هنديه، الشركة، الباب السادس فى المتفرقات زكريا قديم ۲/ ۳۴۶، جديد ۲/ ۳۴۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱؍ ذی الحجہ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۳۴۳)

والداوراولاد کے مشترکہ مال کی والد کے انتقال کے بعد تقسیم

سوال [۱۱۳۲۵]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ریاض الدین نے اپنے بڑے لڑکے محمد اکرام کو دہلی میں سلائی کا ایک کارخانہ کچھ دے کر کروایا تھا، محمد اکرام نے کچھ دنوں تک اس کارخانے میں محنت کی، پھراس نے اس کارخانے میں سے اپنا حصہ لے لیا، اورالگ ہوگیا، اس کا اس کارخانے سے کوئی تعلق نہ رہا، اس کے بعد ریاض الدین نے اپنے لڑکے محمد عمران کواس کارخانے میں لگادیا، اوراس نے اسے سنبھالا اوراپنے چھوٹے بھائی محمد عرفان محمد ریحان کولگایا، یہ سب کارخانہ میں کام کرتے رہے، پھراسی کارخانہ کی آمدنی سے عمران کی شادی ہوئی اوراس نے ایک مکان خریدا، چار لاکھ پانچ ہزارروپیہ کا، اب عمران اسی مکان پر قابض ہے اور کارخانے والے مکان کی مشین وغیرہ بھی یہیں اسی نئے مکان میں منتقل کرلی ہے، اور پرانے کارخانے والے مکان کوکرایہ پر اٹھادیا، کرایہ خودوصول کرتا ہے۔

تودریافت یہ کرنا ہے کہ نئے مکان اورکارخانہ والا مکان دونوں میں دوچھوٹے بھائی محمد عرفان اورمحمد ریحان کا حق ہوتا ہے یانہیں؟ یہ تمام کاروبار باپ کے ساتھ ہوتا تھا، شرعی حکم کیا ہے؟ تحریرفرمائیں۔

المستفتی: ریاض الدین محلّہ نئی بستی، سنبھل مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جب باپ کے ساتھ رہ کرہی یہ تمام کاروبار ہوا ہے تو سب کی آمدنی شرعاً باپ کی ہی ملکیت ہے، لہٰذا باپ کے بعد سب کے اندر تمام ہی ورثاء کا حق حصص شرعی کے اعتبار سے متعلق ہوگا۔

الأب و ابنه يكتسبان في صنعة واحدة ولم يكن لهما شيئ فالكسب كله للأب إن كان الابن في عياله لكونه معينا له. (شامی، الشركة، مطلب:

اجتمعا فی دار واحدة واکتسبا ...... زکریا ۶/۵۰۲، کراچی ۴/۳۲۵، هندیه زکریا جدید ۲/۳۳۲، قدیم ۲/۳۲۹) **فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍شوال المکرّم ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۵۹۱۰)

شرکت میں ملنے والا منافع مرحوم کے تمام شرعی ورثاء کا حصہ ہے

سوال [۱۱۳۲۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کی شرکت تین بیکریوں میں ہے اس کا پروفٹ آتا ہے، وہ کن لوگوں کے مابین تقسیم ہوگا، لڑکوں کے یا لڑکیاں بھی حقدار رہوں گی؟

المستفتی: اہلیہ شعیب رشید اصالت پورہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید کی شرکت والی تین بیکریوں سے جو پروفٹ آتا ہے اس میں اس کے تمام وارثین اپنے اپنے حصۂ شرعی کے بقدر مالک ہیں، بیوی کو آٹھواں حصہ اور "لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ" کے مطابق ہر لڑکے کو دوہرا اور لڑکی کو اکہرا حصہ ملے گا۔

﴿فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ. [النساء:۱۲]﴾

﴿قال الله تعالىٰ: يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْ اَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ. [النساء:۱۱]﴾

لاشک أن أعيان الأموال يجرى فيها الإرث. (تاتارخانية زكريا ۲۰/۲۱۳، رقم: ۳۳۰۷۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍شعبان المعظم ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۲۲۸)

فروخت شدہ مکان میں وراثت جاری نہیں ہوگی

سوال [۱۱۳۲۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں مسماۃ طاہرہ نے اپنے ایک رشتہ دار کو جو زمینوں اور مکانات کی خرید وفروخت کا کاروبار کرتے تھے، ایک خطیر رقم دی کہ مجھے وہ ایک رہائشی مکان دلائیں، چنانچہ انہوں نے مجھے ایک مکان میں ٹھہرایا لیکن اس کو میرے نام پر نہیں کیا، اور کچھ عرصہ بعد مجھے اس مکان سے نکال دیا، کیونکہ وہ مکان خود ان کے نام پر مکمل نہیں ہوا تھا، بعد میں انہوں نے مجھے ایک دوسرے مکان میں ٹھہرایا لیکن میں اس مکان سے خوش نہ تھی، میری دانست میں میں نے جو رقم ان کو دی تھی وہ مکان اس سے کم لاگت کا تھا، پھر انہوں نے اس مکان کا (جی، پی، اے) میرے نام لکھ دیا، جس کی ظاہری حیثیت مختار نامہ کی ہوتی ہے، مگر وہ ملکیت سپرد کرنے کے طور پر بھی استعمال ہوتا ہے، اہل شعبہ اس کی تحقیق آپ کو دے سکتے ہیں۔

اس رشتہ دار کے معاملات صاف اور واضح نہیں تھے، اس لیے میں نے فوراً اس مکان کی رجسٹری اپنے شوہر کے نام پر کردی، اس خیال سے کہ کہیں اس مکان کو بھی مجھ سے واپس نہ لے لیں، اس کے باوجود میں اس رشتہ دار سے برابر کہتی رہی کہ وہ مکان مجھے پسند نہیں ہے، مجھے دوسرا مکان دلاؤ۔

ایک دن اس رشتہ دار نے مجھے اپنے گھر بلوایا، اور مجھ سے کہنے لگے کہ طاہرہ مجھے محسوس ہورہا ہے کہ میرا آخری وقت ہے، مجھے اب اپنی زندگی زیادہ باقی معلوم نہیں ہوتی، میں نے تم کو اس سے اچھا مکان دلوانے کا وعدہ کیا تھا، لیکن اب یہ ممکن نہیں ہوتا، لہٰذا تم اسی مکان میں رہو، اور جو زیادتی میری طرف سے تم پر ہوئی ہے اس کو معاف کردو، وہ رشتہ دار اصلاً میری بہن کے شوہر تھے، مجھے ان کا زندگی سے مایوس ہوکر اس طرح بات کرنے سے ترس آیا اور میں نے انہیں اسی وقت معاف کردیا، اور ان کے اس مطالبہ کو کہ اس مکان پر خوش رہو، قبول بھی کرلیا، طیب قلب سے، اور مطمئن ہوگئی، اور ان سے کہہ دیا کہ مجھے کسی دوسرے مکان کی

ضرورت نہیں ہے، پھر ان کا انتقال ہو گیا، آج اس مکان میں رہتے ہوئے مجھے قریب بارہ سال کا عرصہ گذر چکا ہے، اور اس رشتہ دار کا انتقال ہوئے قریب دس سال بعد اس کے رشتہ دار مجھ سے کہتے ہیں کہ وہ مکان شرعی طور پر فروخت نہیں ہوا تھا، اس لیے وہ اب بھی مرحوم کی ملکیت میں ہے، اور چونکہ وہ اب رہے نہیں، اس لیے ان کے ورثاء کا حصہ ہے۔

رہی بات میری رقم کی جو میں نے مرحوم کو دی تھی وہ قرض شمار ہوگی، وہ مرحوم کے مال سے واجب الأ داء ہوگی، مگر چونکہ تم مرحوم کے مکان میں ۱۲/ سال سے رہ رہی ہو اس لیے تمہاری رقم سے بارہ سال کا کرایہ منہا کر کے ادا کیا جائیگا، اور کہہ رہے ہیں کہ میں اس مکان کی رجسٹری ان کے ورثاء کے نام کر دوں، جو مرحوم کی زندگی ہی میں میں نے اپنے شوہر کے نام کر دیا تھا، مجھے پوچھنا یہ ہے کہ کیا واقعی وہ مکان میری ملکیت نہیں ہے، اور کیا میں شرعی طور پر اس کو چھوڑ دینے کی پابند ہوں، جبکہ میں نے اس کی لاگت سے زیادہ رقم مرحوم کو دی تھی، یہ صحیح ہے کہ میں ابتدا میں اس مکان سے مطمئن نہیں تھی لیکن مرحوم کے انتقال سے قبل کی گفتگو میں میں نے اس مکان کو قبول کر لیا تھا، اور اس وقت بغیر کسی تکدر کے اس پر مطمئن ہوگئی تھی، اور مرحوم پر کسی قسم کا پھر مطالبہ نہیں کیا، اور مرحوم کی زندگی ہی میں وہ مکان پہلے ہی اپنے شوہر کے نام کر دیا تھا، اور آج بھی وہ میرے شوہر کے نام رجسٹرڈ ہے، مہربانی فرما کر شرعی حکم بیان فرمائیں۔

المستفتی: طاہرہ بیگم زوجہ نصیر الدین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں جب ایک خطیر رقم کے عوض طاہرہ کو یہ مکان دیا گیا ہے اور اخیر میں جانبین سے اس پر رضامندی بھی ہوگئی تو ایسی صورت میں بہنوئی کا اس خطیر رقم کے عوض دیا گیا مکان شرعاً طاہرہ کی ملک بن گیا ہے، اب اس میں مالک مکان یعنی طاہرہ کے بہنوئی کے کسی وارث کا حق نہ ہوگا۔

إذا حصل الإیجاب والقبول لزم البیع. (هدایه، کتاب البیوع، اشرفی ۳/ ۲۰، شامی زکریا ۷/ ۴۷، کراچی ٤/ ٥٢٨، مختصر القدوری ص: ۷۱)

وحاصله: أن التخلیة قبض –إلی– ولو قال البائع للمشتری بعد البیع خذ

لايكون قبضا، ولو قال خذه يكون تخلية إذا كان يصل إلى أخذه. (شامي، مطلب: في شروط التخلية، زكريا ديوبند ٧/٩٦-٩٧، كراچی ٤/٥٦٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۷۲۴۹)

کیا فروخت شدہ جائیداد ترکہ ہے؟

سوال [۱۱۳۲۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص مسمیٰ عظمت اللہ نے اپنے مکان کو اپنی زندگی ہی میں اپنے بھائی عبداللہ مرحوم کے لڑکوں (یعنی اپنے بھتیجوں) کے ہاتھ ۳۰/ ہزار میں فروخت کردیا تھا، عظمت اللہ اپنے اس مکان کا بلاشرکت غیرے خود اکیلا مالک تھا، بھتیجوں نے وہ پورا تیس ہزار روپیہ عظمت اللہ کو ادا کردیا تھا، عظمت اللہ کا چونکہ کوئی لڑکا نہیں تھا، اور اس کی بیوی کا بھی کافی عرصہ ہوا انتقال ہو چکا تھا، صرف ایک لڑکی تھی جس کی شادی ہوگئی تھی، اس لیے بھتیجے ہی اس کی بیماری میں اور کمزوری ومعذوری میں اس کی خدمت اور دیکھ بھال کرتے تھے، جب عظمت اللہ کی نواسی کی شادی ہوئی تو شادی میں بھی بھتیجوں نے کافی خرچ کیا، تقریباً ۱۸/ ہزار روپیہ عظمت اللہ کی خدمت اور اس کی نواسی کی شادی میں بھتیجوں کا خرچ ہوا اور یہ ۱۸/ ہزار روپیہ اس ۳۰/ ہزار سے الگ ہیں، جو مکان کی قیمت میں بھتیجوں نے ادا کردیا تھا۔

تو اس طرح ۴۸/ ہزار روپیہ عظمت اللہ کی طرف بھتیجوں کا پہنچ گیا، بھتیجوں نے اس خریدے ہوئے مکان میں اپنا کچھ سامان بھی رکھ دیا تھا، اور عظمت اللہ کو بھی اس مکان میں رہنے کے لیے جگہ دیدی تھی، تاکہ رہائش کے لیے ان کو پریشانی نہ ہو، عظمت اللہ کا چھوٹا بھائی تھا رحمت اللہ، اس نے عظمت اللہ کو اپنی طرف کھینچنے کی کوشش کی اس کو اپنے گھر کھلانا پلانا، شروع کردیا، اور اپنے لڑکوں کو دیکھ بھال کے لیے لگادیا، عظمت اللہ کے دوسرے بھتیجوں (یعنی عبداللہ مرحوم کے لڑکوں) کو اس پر کوئی اعتراض نہیں ہوا، کیونکہ رحمت اللہ بھی بھائی ہے، بھائی بھائی کی خدمت

کرے تو کیا حرج ہے؟ لیکن جب عظمت اللہ نے اس مکان سے اپنے بھتیجوں کا رکھا ہوا سامان نکلوا کر دوسری جگہ رکھوا دیا تب یہ بات سمجھی گئی کہ یہ سب کچھ رحمت اللہ ہی عظمت اللہ سے کرا رہا ہے، اور خدمت کا مقصد صرف اس مکان کا حاصل کرنا ہے، جبکہ رحمت اللہ کو یہ بات اچھی طرح معلوم ہے کہ یہ مکان عبد اللہ بھائی مرحوم کے لڑکوں نے خرید لیا ہے اور اس کی پوری قیمت بھی عظمت اللہ مالک مکان کو ادا کردی ہے، یہ بات اور دوسرے رشتہ داروں کو محلّہ والوں کو اور پڑوس والوں کو بھی اچھی طرح معلوم ہے، عبد اللہ کے لڑکوں کو جب اس بات کا علم ہوا کہ ان کا سامان اس مکان سے اٹھوا کر کسی اور جگہ رکھوا دیا گیا ہے تو انہوں نے عظمت اللہ سے کھل کر بات کی کہ تمہارا اس مکان میں اب کوئی حق یا دخل نہیں رہا، یہ مکان تو ہمارا ہو چکا ہے، ہم نے تو اپنا بڑا سمجھ کر پریشانی سے بچانے کے لیے تم کو اس مکان میں جگہ دیدی تھی، اگر یہ حرکت کرو گے تو تمہاری چارپائی نکال کر باہر ڈال دیں گے، تب عظمت اللہ نے وہ سامان اس مکان میں دوبارہ رکھوایا، اس کے بعد عظمت اللہ نے اپنے بھتیجوں میں سے بڑے بھتیجے محمد طفیل کے نام وصیت نامہ لکھوایا، تا کہ کل کو کوئی اس مکان میں کسی طرح کا جھگڑا نہ کرے، تو اب عظمت اللہ کا انتقال ہو چکا ہے اس نے اپنے انتقال کے بعد اپنا ایک حقیقی بھائی رحمت اللہ ایک حقیقی بہن نور جہاں، تین بھتیجے یعنی عبد اللہ مرحوم کے لڑکے ایک نواسی، یہ چھ وارث چھوڑے ہیں، اور وہ مکان چھوڑا جس کو عبد اللہ مرحوم کے لڑکوں کے ہاتھ بیچ کر اس مکان کا ان کو مالک بنا دیا ہے۔

تو اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس مذکورہ مکان میں جس کو مالک نے اپنی زندگی میں فروخت کر کے بھتیجوں کو مالک بنا دیا ہے، بھتیجوں کے علاوہ دوسرے ورثاء کا اس مکان میں اب کوئی حق باقی ہے یا نہیں؟ اور بحق وراثت اس مکان میں اپنے حق کا مطالبہ کرنا صحیح ہے یا سراسر غلط ہے، جبکہ سب ورثاء کو یہ بات بخوبی معلوم ہے کہ عظمت اللہ نے یہ مکان اپنی زندگی ہی میں بھتیجوں کے ہاتھ فروخت کر دیا ہے، بالفرض اگر ورثاء کا مطالبہ صحیح ہے تو یہ بھی فرمائیں کہ ان چھ ورثاء میں سے کس کو ملے گا اور کس کو نہیں ملے گا اور جس کو ملے گا تو کتنا ملے گا؟

المستفتی: محمد طفیل و محمد شفیق ہلدوانی، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگرعظمت اللہ نے مذکورہ بھتیجوں کے ہاتھ فروخت کردیا تھا جیسا کہ سوالنامہ میں مذکور ہےتو وہ مکان صرف ان بھتیجوں کی ملکیت ہے جن کے نام فروخت کردیا تھا، اب عظمت اللہ کے انتقال کے بعد اس کے ورثاء کا اس میں کسی قسم کا کوئی حق متعلق نہیں ہے۔

عن أبی حمید الساعدي، أن رسول الله ﷺ قال: لایحل لامرئ أن یأخذ مال أخیه بغیر حقه، وذٰلک لما حرم الله مال المسلم علی المسلم. (مسند أحمد بن حنبل ٤٢٥/٥، رقم: ٢٤٠٠٣)

لایجوز لأحد أن یأخذ مال أحد بلا سبب شرعي. (قواعد الفقه اشرفی ص: ١١٠، رقم: ٣٦٩، شرح المجلة رستم اتحاد ٦٢/١، رقم: ٩٧، هندیه زکریا قدیم ١٦٧/٢، جدید ١٨١/٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳/ ذی قعدہ ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۳۵۵)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۱۱/۳ھ

مقبوضہ اور فروخت شدہ جائیداد کی قیمت ترکہ میں شامل ہوگی

سوال [۱۱۳۲۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایوب صدیقی کا انتقال ہوگیا ان کے ورثاء میں تین لڑکے اور پانچ لڑکیاں ہیں، مرحوم کے پاس تین مکان، ایک آٹے والی چکی اور ایک باغ ہے، ان تمام اشیاء کو ان تمام وارثین کے درمیان کس طرح تقسیم کیا جائے گا؟

نوٹ: والدصاحب کی حیات میں میرے دو بڑے بھائی چکی وغیرہ کے کاروبار میں والدصاحب کے ساتھ بیٹھا کرتے تھے، اور اب بھی پوری جائیداد ان کے قبضہ میں ہے، اور اس کاروبار میں اس وقت سے اب تک بڑھوتری ہورہی ہے۔

تو دریافت یہ کرنا ہے کہ والد صاحب کے انتقال کے وقت جو جائیداد اور اثاثہ تھا وہ تقسیم ہوگا یا آگے بھی جو ترقی ملی ہے اس کی بھی تقسیم ہوگی؟ شرعی حکم کیا ہے؟

(۲) باپ کے متروکہ جائیداد میں سے باغ دونوں بھائیوں نے فروخت کر دیا ہے، کیا اس کی قیمت میں، میں شرعی حقدار ہوں؟

المستفتی: محمد جمال صدیقی ولد ایوب صدیقی ہلدوانی نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں تمام کاروبار و جائیداد شرعاً مرحوم باپ کی ملکیت میں شمار ہوگی، اور جو بیٹے والد کے ساتھ ان کی حیات میں کاروبار و دوکان وغیرہ پر بیٹھتے رہے ہیں، وہ شرعی طور پر باپ کے معاون و مددگار تھے، لہٰذا باپ کی وفات کے بعد انہیں متروکہ جائیداد میں کسی قسم کے مالکانہ تصرف وقبضہ کا اختیار نہ ہوگا، اور باپ کی وفات کے بعد دو بڑے بیٹوں کے باپ کے متروکہ کاروبار و چکی کا انتظام سنبھالنے کی وجہ سے اس میں جو ترقی اور اضافہ ہوا ہے، اس اضافہ سمیت تمام کاروبار و جائیداد شرعی ورثاء کے درمیان حسب حصص شرعیہ نیچے درج کیے ہوئے نقشہ کے مطابق تقسیم ہوگی۔

میت ۱۱

لڑکا	لڑکا	لڑکا	لڑکی	لڑکی	لڑکی	لڑکی	لڑکی
۲	۲	۲	۱	۱	۱	۱	۱

کل جائیداد ۱۱ ر برابر سہام میں تقسیم ہوکر ہر بھائی کو ۲/۲ ر اور ہر بہن کو ایک ایک سہام ملے گا۔

الإبن إذا كان فی عيال الأب يكون معينا له فيما يصنع، ما اكتبسه الإبن يكون لأبيه إذا اتحدت صنعتهما، ولم يكن مال سابق لهما، وكان الإبن فی عيال أبيه لأن مدار الحكم كونه معينا له. (تکمله شامی، مطلب: واقعة الفتاویٰ زکریا ۶۷۷/۱۱، کراچی ۵۰۴/۷)

لو اجتمع إخوة يعملون في تركة أبيهم و نما المال، فهو بينهم سوية، ولو اختلفوا في العمل والرائ. (شامی، مطلب: اجتمعا فی دار واحدة واکتسبا …… زکریا ۶/۵۰۲، کراچی ۴/۳۲۵)

(۲) آپ کے والد صاحب کے متروکہ جائیداد میں سے جو باغ بڑے بھائیوں نے فروخت کردیا ہے، اس کی قیمت میں آپ بڑے بھائیوں کے ساتھ حقدار ہیں، شرعی طور پر اس میں سے آپ کو بھائیوں کے برابر حصہ ملے گا۔

الإرث جبري لا يسقط بالإسقاط. (تکملہ شامی، مطلب: واقعة الفتاویٰ کراچی ۷/۵۰۵، زکریا ۱۱/۶۷۸)

عن أنس بن مالك –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله ﷺ: من فر من ميراث وارثه، قطع الله ميراثه من الجنة يوم القيامة. (سنن ابن ماجه، باب الحيف في الوصية، النسخة الهندية ۲/۱۹۴، دار السلام رقم: ۲۷۰۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍رجب المرجب ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۴۵۹)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۱؍۷؍۱۴۳۲ھ

شئ مرہون میں وراثت کا حکم

سوال [۱۱۳۳۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حمید مرزا کا ایک مکان ۶۶ ۳؍گز ۹؍گرہ کا تھا، حمید مرزا نے یہ مکان ایک ہندو مہاجن کے پاس گروی رکھ دیا تھا، پھر ہندو مہاجن کا روپیہ ادا نہ کر سکے تو اس نے مقدمہ کردیا، پھر ایک دوسرے مسلم آدمی سے آٹھ ہزار روپیہ لے کر حمید مرزا نے اس ہندو مہاجن سے چھڑا کر مسلم آدمی کے پاس گروی رکھ دیا تھا، پھر حمید مرزا یہ مکان مسلم آدمی سے چھڑانے سے قبل انتقال کر گئے، پھر مسلم آدمی سے مقدمہ بازی ہوئی، جس کی پیروی سعید مرزا اور ان کی اولادوں نے کی اور تمام اخراجات مقدمہ کے بھی سعید مرزا نے برداشت کیے، حالانکہ مرزا کی

اولاد میں ایک اورلڑکا حفیظ مرزا بھی پاکستان میں تھے، اور اب بھی حیات ہیں اورلڑکی سعادت بیگم بھی تھی، پھر سعید مرزا نے اپنی حیات میں مکان ۱۹۸۰ء میں مسلم مہاجن کو آٹھ ہزارروپیہ دے کر چھڑالیا تھا، واپسی بیع نامہ سعید مرزا کے نام ہوگیا۔

تو دریافت یہ کرنا ہے کہ اس گروی پر رکھے ہوئے مکان کو سعید مرزا نے چھڑایا تھا تو اس میں سعید مرزا ہی حقدار ہوگا یا سعادت بیگم اور حفیظ مرزا کو بھی حصہ ملے گا، اگر سب کو حصہ ملے گا تو جو مقدمہ میں خرچ ہوا اور مسلم مہاجن کو جو روپیہ دیا وہ سعید مرزا کو ملے گا یا نہیں؟ اور ہر ایک وارث کو کتنے کتنے گز ملیں گے؟

المستفتی: وحید مرزا محلّہ نئی سڑک مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: گروی رکھی ہوئی چیز مالک کی ملکیت سے خارج نہیں ہوتی، اسی طرح مالک کی وفات کے بعد وارثین کی میراث بننے سے خارج نہیں ہوتی، ہاں البتہ جس قرض پر رکھی گئی ہے اس کی ادائیگی میں ہر وارث اپنے حصے کے تناسب سے شریک ہو جائیں گے، لہٰذا اگر ایک وارث نے پیروی کر کے اپنے پیسہ سے چھڑالی ہے تو دوسرے وارثین پر لازم ہے کہ اپنے اپنے حصوں کے تناسب سے قرض میں شریک ہو کر پیروی کرنے والے نے جو خرچ کیا ہے اس کو وہ پیسہ ادا کریں، نیز پیروی کرنے والے کے حصہ سے بھی اسی تناسب سے کاٹا جائے گا، کیونکہ یہ میراث میں سے قرض ادا کرنے کے حکم میں ہے اور قرض جمیع میراث سے ادا کرنا ہوتا ہے۔

ثم تقضیٰ دیونه من جمیع ما بقی من ماله ثم تنفذ وصایاه من ثلث ما بقی بعد الدین ثم یقسم الباقی بین ورثته. (سراجی ص: ٤)

لہٰذا مذکورہ مسئلہ میں صرف سعید مرزا حقدار نہ ہوگا، بلکہ سب ورثاء شریک ہوں گے، اور سعید مرزا کو خرچ چکانے کے بعد مذکورہ ورثاء کے درمیان حسب ذیل نقشہ کے مطابق تقسیم ہوگی:

حمید مرزا میت ۵

لڑکا	لڑکا	لڑکی
سعید مرزا	حفیظ مرزا	سعادت بیگم
۲	۲	۱

کل ۵/سہام میں تقسیم ہوکر سعید، حفیظ کو دو، دو اور سعادت بیگم کو ایک ملے گا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/صفر المظفر ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۶۵۳)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۲/۲۷ھ

موہوبہ مکان میں وراثت جاری نہیں ہوتی

سوال [۱۱۳۳۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں (نورالحسن) نے اپنی دادی سے ایک مکان اپنی تائی کے نام کرادیا تھا، وہ مکان دادی کے والد کا تھا، اور دادی کے سوا اور کوئی وارث نہیں تھا، تائی کے کوئی لڑکا نہیں تھا، تاؤ کا انتقال ہوگیا تھا، ان کی تین لڑکیاں ہیں: بانو، سلیمہ، نور جہاں، بانو اور سلیمہ کی شادیاں ہوچکی ہیں، نور جہاں نے شادی نہیں کی، مکان ایک منزلہ تھا، اب دو منزلہ ہوگیا ہے، سلیمہ اور بانو نے آج تک اپنی ماں کی کوئی خدمت پیسے سے نہیں کی وہ فالج کے مرض میں مبتلا ہوکر ۲۸/ اگست کو انتقال کرگئیں، میں نورالحسن اور ایک میرا بھائی شمس الحسن اپنی سگی ماں سے ہیں، ایک دوسرا بھائی ابوالحسن دوسری ماں سے ہے، یعنی وہ سوتیلا بھائی ہے، میرے علاوہ کسی بھائی نے تائی کی مدد نہیں کی ہے، میں ان کے ہر آڑے وقت کام آیا ہوں، میں نے مکان تائی کے نام اس لیے کرایا تھا کہ وہ آخر میرے نام کردیں گی، آپ شرعی اعتبار سے تحریر فرمائیں کہ مکان مجھے ملے گا یا نہیں؟ میرے نام بدقسمتی سے ان کی کوئی تحریر نہیں ہے، یا اس کی تقسیم کس طرح ہوگی؟ جواب سے مستفید فرمائیں۔

نوٹ: ہم نے اپنی تائی رفیقاً کے نام جو مکان ہبہ کروایا تھا وہ ایک منزلہ تھا اب اس پر دوسری منزل نور جہاں نے تعمیر کرائی ہے، تو دوسری منزل نور جہاں کی ملکیت ہے یا اس کی بھی شرعی تقسیم ہونی ہے؟

المستفتی: نورالحسن اصالت پورہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نورالحسن کی دادی نے اپنی زندگی میں وہ مکان نورالحسن کی تائی رفیقاً کے نام ہبہ کرکے قبضہ دیدیا تھا، اور رفیقاً نے اپنی حیات میں کسی کے نام کوئی وصیت نہیں کی تھی، اس لیے وہ مکان رفیقاً کے انتقال کے بعد ان کی تینوں لڑکیوں بانو، سلیمہ،نور جہاں کے درمیان برابر برابر تقسیم ہوگا۔

الهبة تصح بالإيجاب والقبول والقبض لابد منه لثبوت الملك.

(هدایه، کتاب الهبة، اشرفی ۳/۲۸۳)

رفیقاً کے شوہر کے بھتیجے نورالحسن، شمس الحسن اور ابوالحسن وراثت میں شریک نہ ہوں گے، اور نور جہاں نے اپنی ماں کی موجودگی میں اپنے پیسے سے جو اوپری منزل تعمیر کروائی ہے وہ شرعاً ماں کی ملکیت شمار ہوکر اس کی بھی تقسیم ہوگی، البتہ نور جہاں کو خرچ کیے ہوئے پیسوں کے واپس لینے کا حق ہوگا۔

والمستحقون للتركة عشرة أصناف فيبدأ بذوي الفروض (إلى قوله) ثم يوضع في بيت المال. (در مختار مع الشامی، کتاب الفرائض، زکریا ۱۰/۴۹۸-۵۰۳، کراچی ۶/۷۶۲-۷۶۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵؍ربیع الثانی ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۴۷۹۶)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۵/۴/۱۴۱۷ھ

مصلحتاً دوسرے کے نام سے خریدی گئی اشیاء ترکہ میں شامل ہوں گی

سوال [۱۱۳۳۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہم چھ بھائی وایک بہن: عبدالوحید، عبدالحفیظ، عبدالرشید، عبدالعزیز، سعید احمد، عبدالحمید، ریحانہ نسرین ہیں۔

والد صاحب ٹھیکیدار تھے، ٹھیکیداری کے زمانے میں انہوں نے ایک پلاٹ اور ایک

ٹرک لیا تھا، پلاٹ والدہ کے نام کا ہے، ٹرک دوسرے نمبر کے بھائی کے ذمہ تھا، اور ٹھیکیداری تیسرے نمبر کے بھائی کے ذمہ تھی، خاندان کا مشترکہ کاروبار یہ ہی تھا، تین چھوٹے بھائی اس وقت پڑھتے تھے، ٹرک پہلے ڈرائیور چلاتا تھا، بعد میں دوسرے نمبر کے بھائی ڈرائیوری کرنے لگے اور اس کے ساتھ چھوٹے بھائی کنڈیکٹری کرنے لگے تھے، بہن کی شادی کے لیے والدہ کے نام کا پلاٹ (اس میں سے آدھا پلاٹ) شادی کے وقت والدہ صاحب نے فروخت کردیا تھا، آدھا پلاٹ (۱۸۰۰ر اسکوائر فٹ) باقی ہے، ٹرک کی کمائی پر والدین نے بعد میں تین پلاٹ تقریباً ۱۲/۱۲ر اسکوائر فٹ کے کچھ سال کے وقفے سے خریدے، اس میں سے دو پلاٹ دوسرے نمبر کے بھائی (عبدالحفیظ) کے نام اور ایک پلاٹ چوتھے نمبر کے بھائی (عبد العزیز) کے نام خریدا گیا، کیونکہ اب ٹرک پر چار بھائی محنت کرنے لگے تھے، اس درمیان دوسرا ٹرک بھی خریدا گیا، والدین کی حیات میں چار بھائی اور ایک بہن کی شادی ہوچکی تھی، دو چھوٹے بھائیوں کی شادی ہونا باقی تھی، والد صاحب کا رہتا ہوا گھر نا کافی ہونے کی وجہ سے تیسرے نمبر کے بھائی (عبدالرشید) نے ایک پلاٹ خود خرید کر خود کا گھر تعمیر کیا، اور اس میں وہ رہنے لگے، اس درمیان والد صاحب کا انتقال ہوگیا، والد صاحب کے انتقال کے بعد دوسرے نمبر کے بھائی (عبدالحفیظ) نے بھی والد کے لیے تین پلاٹوں میں سے ایک پر اپنا گھر تعمیر کرلیا، اور اس میں وہ رہنے لگے، ان کے پاس والد صاحب کا لیا ہوا ایک ٹرک آج بھی موجود ہے، والد صاحب کے انتقال کے تقریباً دو سال بعد والدہ کا بھی انتقال ہوگیا، والدہ کے انتقال کے بعد دوسرا ٹرک کچھ وجوہات کی بنا پر فروخت کرنا پڑا، اس کی فروخت کی گئی رقم ۴۵ر ہزار روپئے تینوں چھوٹے بھائیوں کو دی گئی، اس کے بعد سے بڑے بھائی (عبدالحفیظ) نے ٹرک کی کمائی میں سے ایک پیسہ بھی نہیں دیا، تینوں چھوٹے بھائی اپنے اپنے طور پر والد کے انتقال کے بعد کچھ کام (آٹو چلا کر اور پرنٹنگ کا کام) کر کے خود کی فیملی اور والدہ کے ساتھ والد صاحب کے پرانے گھر میں رہنے لگے، اس درمیان بہن کی شادی سے بچا ہوا آدھا پلاٹ والدہ نے تینوں چھوٹے بھائیوں کو دیدیا، اور اس بات کا بڑے بھائیوں اور بہن

کو بھی گواہ بنایا کہ یہ آدھا پلاٹ تینوں چھوٹے بھائیوں کا ہے، اوراس کا تیسرے نمبر کے بھائی (عبدالرشید) خود اقرار کرتے ہیں، یہ بات والدہ مرحومہ نے کئی مرتبہ کہی، اپنی حیات میں انہوں نے یہاں تک کہہ دیا کہ تم کورا اسٹامپ پیپر لا دو تا کہ ’’میں اس پر سائن کردوں‘‘ کہ یہ پلاٹ تینوں چھوٹے بیٹوں کا ہے، لیکن ہم نے ایسا نہیں کیا، کیونکہ ہمیں اپنے بڑے بھائیوں پر پورا بھروسہ تھا وہ اس بات سے نہیں پھریں گے، یہ بات سبھی جانتے ہیں، اسی وجہ سے اس پلاٹ کا ٹیکس جب سے وہ لیا گیا تھا، ۲۰۱۲ء تک چھوٹے بیٹے نے ادا کیا اوراس کے آنکھنے (مارکنگ) کا خرچ بھی چھوٹے بیٹے نے ادا کیا، اور بڑے بھائی (عبدالرشید) اس بات کے گواہ ہیں، کیونکہ ٹیکس اور پھیر پھار پر جو بھی خرچ آیا ان ہی کے ہاتھوں ادا کیا گیا، اور انہوں نے ہی اس کے کاغذات بھی لاکر چھوٹے بھائی کے پاس دیئے ہیں، والدہ کے انتقال کے بعد تیسرے نمبر کے بھائی (عبدالرشید) نے اپنا مکان فروخت کرکے والدہ کا لیا ہوا پلاٹ جو چوتھے نمبر کے بھائی (عبدالعزیز) کے نام تھا، اپنا گھر تعمیر کرا لیا، اب وہ اس میں رہتے ہیں، جبکہ وہ پلاٹ ان کے نام نہیں ہے، دونوں چھوٹے بھائیوں کی شادی تینوں چھوٹے بھائیوں نے اپنی محنت سے کی ان شادیوں میں بڑے بھائیوں نے کچھ مدد نہیں کی، تینوں چھوٹے بھائی والد صاحب کے پرانے گھر میں ہی رہتے ہیں، جو کہ ۶۵۰ راسکوائر فٹ کا ہے اور اب وہ شکستہ ہوگیا ہے، بڑے بھائی (عبدالحفیظ) نے جو گھر تعمیر کیا وہ پلاٹ ان ہی کے نام سے لیا گیا تھا، ان کے نام پر ایک اور پلاٹ لیا گیا تھا، جو ابھی خالی پڑا ہوا ہے، اس کے علاوہ بھی ان دونوں بھائیوں کے پاس اور بھی پلاٹس موجود ہیں، لیکن وہ والدین کے انتقال کے بعد لیے ہوئے تھے، اس سے ہمیں کوئی لینا دینا نہیں ہے، بڑے تینوں بھائی اب یہ کہتے ہیں کہ والد صاحب کا پرانا گھر اور والدہ کے نام کا آدھا پلاٹ ہی سب بہن بھائیوں میں تقسیم ہوگا، باقی نہیں، کیا شرعی اعتبار سے یہ صحیح ہے؟

والدین کی حیات میں مشترکہ کمائی سے خریدے ہوئے پلاٹس (بڑے بھائی کے نام کے) اور ایک ٹرک پر کیا ان ہی دونوں بھائیوں کا حصہ ہے، باقی چھوٹے بھائیوں کا نہیں

ہے؟ کیا والدین کا رہتا ہوا گھر ۶۵۰ / اسکوائر فٹ) کا اور بہن کی شادی میں سے بچا ہوا آدھا پلاٹ (جو کہ والدہ نے اپنے حیات میں تینوں چھوٹے بھائیوں کو دیدیا تھا) کیا ان دونوں کا ہی بٹوارہ ہوگا؟ یا والدین کے حیات میں مشترکہ کمائی سے خریدے ہوئے تمام پلاٹس اور ان پر تعمیر کیے دونوں بھائیوں کے مکانات بھی بٹوارہ میں شامل ہوں گے؟

یہ بات آپ کے علم میں ہو کہ والدین کے انتقال کو تقریباً ۱۴/ سال ہو رہے ہیں، اور ان کی جائیداد کا ابھی تک بٹوارہ نہیں ہوا ہے۔ برائے کرم اس مسئلہ کا حل شریعت کے مطابق بتائیے، اللہ تعالیٰ آپ کو اس کا اجر عظیم عطا فرمائے۔

المستفتی: عبدالعزیز امراوتی مہاراشٹر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوالنامہ میں خاندانی جائیداد کا بڑا الجھاؤ پیش کیا گیا ہے، شریعت کا حکم یہ ہے کہ باپ کی زندگی میں جتنی جائیداد اور ٹرک وغیرہ خریدے گئے ہیں وہ سب کے سب باپ ہی کی ملک ہیں، جن لوگوں کے نام سے خریدے گئے ہیں وہ مالک نہیں ہوسکتے، لہٰذا باپ نے جو پلاٹ بیوی کے نام سے خریدا ہے اس کا بھی در حقیقت باپ ہی مالک ہے، اور جو ٹرک خریدے تھے، ان کا بھی باپ ہی مالک ہے، پھر عبدالحفیظ کے نام سے ۲/ پلاٹ اور عبدالعزیز کے نام سے ایک پلاٹ خریدا گیا ان کا بھی باپ ہی مالک ہے، اور اس کو شریعت میں بیع التلجئۃ کہا جاتا ہے، اور باپ کا جو پرانا مکان تھا اس کا بھی باپ مالک ہے، لہٰذا باپ کی وفات کے وقت منقولہ وغیر منقولہ ساری جائیداد شرعی طور پر بطور میراث تقسیم ہوگی، اور چونکہ والدہ کا بھی انتقال ہوگیا ہے اس لیے اس کو جو ملتا ہے وہ بھی چھ لڑکوں اور لڑکی کے درمیان ۱۳/ حصوں میں تقسیم ہوکر ہر لڑکے کو دو- دو حصے اور لڑکی کو ایک حصہ ملے گا اور جن لوگوں نے پلاٹ کے اوپر مکانات بنا لیے ہیں ان مکانات کی زمین کو موجودہ قیمت لگا کر وارثین کے درمیان تقسیم کرنا ہوگی۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۳/ ۳۶-۳۷)

بیع التلجئة وهو أن يظهر عقدا وهما لايريدانه يلجأ إليه لخوف عدو وهو ليس ببيع بل كالهزل. (شامی، باب الصرف، مطلب: فی بیع التلجئة، زکریا

۷/ ٤٢ ٥، کراچی ٥/ ٢٧٣، معجم لغة الفقهاء کراچی ص: ١١٣، قواعد الفقه اشرفی ص: ٢١٣، معجم المصطلحات و الألفاظ الفقهية دار الفضيلة ١/ ٤٠٥) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲/ ربیع الاول ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۰۹۸۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۳/۲ھ

پرانی اور نئی جائیداد کی تقسیم

سوال [۱۱۳۳۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک صاحب کا انتقال ہوگیا، اور مرنے کے بعد انہوں نے ایک زمین چھوڑی تھی، اور ورثاء میں تین لڑکیاں، دولڑکے، لڑکیاں شادی شدہ اپنی جگہوں پر تھیں، اور ایک لڑکا سیر وتفریح میں تھا، کہ دوسرے لڑکے نے ان سب وارثوں کی اجازت کے بغیر زمین بیچ دی تھی، اسی موقع پر اس بیچنے والے کو کہیں اور ایک دوسری زمین ہاتھ لگ گئی جس پر قبضہ کر کے اس نے رہائش شروع کر دی، اور برابر وہ اس طرح رہتا رہا کہ دولڑکیوں کا انتقال ہوگیا جو کہ اس زمین بیچنے والے کی بہنیں ہیں، اب موجودہ وقت میں اس زمین بیچنے والے کا ایک بھائی ہے جو پہلے تفریح کرنے والا تھا اور ایک بہن، اس وقت ۲۰ ر شعبان کو اس زمین بیچنے والے کا بھی انتقال ہوگیا، جبکہ اس کی ارض مسکونہ موجود ہے، جو اسے ہاتھ لگی تھی، تو اس مذکورہ صورت میں اس کے دوسرے ایک بھائی اور بہن کو اس پرانی بیچی ہوئی زمین کی قیمت میں سے کتنا حصہ دلایا جائے اور قیمت دینے میں اس بیچنے کے وقت کا اعتبار کیا جائے یا موجودہ وقت میں زمین کی قیمت دیکھی جائے کیونکہ اب زمین کی قیمت پہلے سے بہت بڑھ چکی ہے، یہ بھی خیال رہے کہ اس زمین بیچنے والے کی دو بہنوں کا انتقال پہلے ہی ہو چکا ہے، جو اس پرانے زمین چھوڑنے والے کی لڑکیاں تھیں، اور اس بیچنے والے کی بہنیں ہیں، اور ان دونوں کی اولاد موجود ہیں، دوسرے کیا اب اس کی موجودہ بہنوں اور دوسرے تفریح کرنے والے بھائی کو اس زمین بیچنے والے کی موجودہ رہائش والی زمین میں حصہ دیا جائے اور کتنا دیا جائے، کیونکہ

اس بیچنے والے کا بھی انتقال ہوگیا ہے، اور یہ رہائش والی زمین چھوڑی ہے جس پر اس زمین بیچنے والے کا لڑکا اور ایک منکوحہ لڑکی رہتی ہے، اولاً پرانی زمین کے احکامات اور ثانیاً موجودہ رہائش والی زمین کے احکامات تحریر فرمائیں؟

المستفتی: اصغر حسین امیر جماعت ہلدوانی نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سوالنامہ میں کل پانچ وارثین ہیں: تین لڑکیاں اور دو لڑکے، ایک لڑکے نے باقی چار وارثین کی اجازت کے بغیر جائیداد فروخت کی ہے، جو اس کے لیے جائز نہیں تھا، لہٰذا جائیداد فروخت کرکے جو رقم آئی ہے اس رقم میں تمام وارثین کا حق متعلق ہے، اور پھر جب اس نے اس رقم سے دوسری جائیداد خریدی ہے تو اس دوسری جائیداد میں تمام وارثین کا حق متعلق ہوگیا، لہٰذا پرانی جائیداد میں سے جو کچھ بچی ہوئی ہے اور نئی جائیداد جس میں رہائش ہے دونوں قسم کی جائیدادوں میں پانچوں کا حق متعلق ہے، اور جو حقدار وفات پاچکے ہیں ان کا حق ان کی اولاد میں منتقل ہوگا، اور جو حقدار زندہ ہیں وہ اپنا حق براہ راست وصول کریں گے، لہٰذا پرانی جائیداد اور نئی جائیداد سات حصوں میں تقسیم ہوکر دو دو حصہ دونوں بھائیوں کو ملے گا، اور ان کے واسطے سے ان کی اولادوں کو اور ایک ایک حصہ تینوں بہنوں کو ملے گا اور بہنوں کے بعد ان کی اولادوں کو ملے گا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/شوال المکرّم ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۱۷۵/۳۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۱۱/۱۳ھ

گھریا جائیداد میں درخت ہوتو اس کی تقسیم

سوال [۱۱۳۳۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: دو بھائی زاہد حسین، واجد حسین، برابر کے مکانوں میں رہتے ہیں، زاہد حسین نے اپنے آنگن میں ایک نیم کا درخت لگایا، پھر انہی دونوں مکانوں کے متصل ایک اور مکان

خریدلیا، اور دونوں بھائیوں نے مل کر خریدا، پھر دونوں بھائیوں نے نئی پرانی تمام زمین کو برابر برابر تقسیم کرلیا، وہ درخت والا حصہ زاہد حسین ہی کے حصہ میں آیا، پھر دونوں بھائیوں نے نئی پرانی دونوں زمینوں کے برابر ایک اور زمین اسی مکان کے پیچھے خرید لی، اب زاہد حسین بعد والی خریدی ہوئی جگہ میں رہتے ہیں اور یہی ان کا حصہ ہے، تو وہ درخت جو زاہد حسین نے لگایا تھا وہ زاہد حسین کا ہوگا یا دونوں بھائیوں کا مشترکہ ہوگا؟ درخت والا حصہ اب واجد حسین کے پاس ہے، شرعی حکم تحریر فرمادیں؟

المستفتی: زاہد حسین مغل پورہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: گھر یا جائیداد میں درخت بھی ہے تو اس کی تقسیم میں درخت اسی کی ملکیت ہوتی ہے جس کے حصہ کی زمین میں درخت ہوتا ہے، لہٰذا مذکورہ سوال میں جس درخت کا ذکر ہے وہ درخت واجد حسین کے حصہ میں آیا، اس لیے شرعی طور پر وہ درخت واجد حسین ہی کا ہوگا، اگرچہ تقسیم سے پہلے وہ درخت زاہد حسین نے ہی لگایا ہو۔

ویدخل الشجرة فی قسمة الأراضی وإن لم یذکروا الحقوق والمرافق کما تدخل فی بیع الأراضی. (عالمگیریه، کتاب القسمة، الباب الرابع، زکریا جدید ۵/۲۴۹، قدیم ۵/۲۱۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/محرم الحرام ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۴۶۴/۳۶)

کھیتی باڑی میں بہنوں کا بھی حق ہے

سوال [۱۱۳۳۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے والد انتقال فرما چکے ہیں اور والدہ حیات ہیں، ہم تین بہنیں اور دو بھائی ہیں، میری دونوں چھوٹی بہنیں مالی طور پر نہایت کمزور ہیں، حالانکہ میرے والد پنڈت نگلہ میں کافی

زمین چھوڑ کر گئے ہیں، جس پر میرے دونوں بھائی قابض ہیں، وہ کافی زمین بیچ بھی چکے ہیں، کاغذات پر مالکان میں وہ صرف اپنا ہی نام دکھاتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ کھیتی باڑی کی زمین میں بیٹی کا کوئی حصہ نہیں ہوتا جبکہ پنڈت نگلہ کی زمین پچھلے کئی سال سے رہائشی علاقہ میں تبدیل ہو چکی ہے، اور اس وقت مرادآباد کے ایک محلّہ کے طور پر جانی جاتی ہے، آپ سے عرض ہے کہ براہ کرم روشنی ڈالیں، شریعت کی رو سے ہمارا کتنا حصہ ہے، یعنی اس زمین میں ہم بہنیں کتنی حصہ دار ہیں؟

المستفتی: سلطانی بیگم زوجہ محمد حسین جھبو کا نالہ کسرول مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آپ کے والد نے انتقال کے وقت جو کھیتی باڑی کی زمین پنڈت نگلہ میں چھوڑی ہے اس میں بھائیوں کے ساتھ بہنوں کا بھی حصہ ہے، اور بھائیوں کا یہ کہنا غلط ہے کہ کھیتی باڑی کی زمین میں لڑکیوں کا حصہ نہیں ہوتا، لہٰذا آپ کے والد صاحب مرحوم نے مرتے وقت بشمول پنڈت نگلہ کی زمین جتنی جائیداد کے مالک تھے سب کی سب شرعی طریقہ پر ان کی اولاد لڑکے لڑکیوں اور بیوی کے درمیان شرعی حصے کے مطابق مندرجہ ذیل طریقے پر تقسیم ہوگی:

شوہر میت ۸

بیوی	لڑکا	لڑکا	لڑکی	لڑکی	لڑکی
۱	۲	۲	۱	۱	۱

کل ترکہ ۸؍سہام میں تقسیم ہو کر اسی کے تناسب سے ہر وارث کو اتنا اتنا ملے گا جو اس کے نام کے نیچے درج ہے۔

لأن التركة ......عند الحنفية..... الأموال و الحقوق المالية التي كان يملكها الميت فشمل الأموال المادية من عقارات و منقولات و ديون على الغير. (الفقه الاسلام و أدلته، هدیٰ انٹر نیشنل دیوبند ۸/۲٦۸، دار الفکر ۱۰/۷۷۲٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ربیع الثانی ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۰۷۱/۴۰)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۳/۴/۱۴۳۴ھ

کیا بیوی کے حج کیلئے جمع کردہ رقم ترکہ میں شامل ہوگی؟

سوال [۱۱۳۳۳۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ منشی بشیر کا انتقال ہوگیا، انہوں نے اپنے پیچھے ایک بیٹا راشد اور ایک بیوی سلمہ اور دو بیٹیاں حبیبہ اور خدیجہ چھوڑے، اور ترکہ میں چار لاکھ روپیہ اور چار مکانات چھوڑے۔

چار لاکھ میں سے دو لاکھ زندگی ہی میں بیوی کے حج کے نام سے اپنے ایک نواسے کے پاس جمع کردیئے تھے، اور بقیہ دو لاکھ بینک میں صراحتاً یہ کہہ کر چھوڑا تھا کہ میرے مرنے کے بعد یہ میری بیوی کی ضروریات میں استعمال ہوگا۔

اور مکانات کی تفصیل یہ ہے کہ چار مکانات میں سے ایک مکان میں اپنے بیٹے کو مع اہل وعیال کے ٹھہرایا تھا، اور ایک میں خود بنفس نفیس مع اہلیہ کے سکونت پذیر تھے، اور دو مکانات خالی تھے، نیز اپنی ایک زمین اپنی حیات ہی میں بیچ کر اپنے لڑکے راشد کو دو لاکھ روپیہ اس نیت کے ساتھ دے چکے تھے کہ بقیہ ترکہ میں اس کا کوئی حصہ نہیں رہے گا۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ:

(۱) جو دو لاکھ روپیہ زندگی میں اپنی بیوی کے نام حج کے لیے اپنے نواسے کے پاس جمع کیے اس میں دیگر ورثاء کا کوئی استحقاق ہوگا یا نہیں؟

(۲) مابقیہ دو لاکھ روپیہ جس کے متعلق زندگی میں یہ کہہ دیا تھا کہ یہ میرے بعد میری بیوی کی ضرورت میں استعمال ہوگا، اس میں دیگر وارثین کا استحقاق ہوگا یا نہیں؟ جبکہ اپنی زندگی میں اپنے بیٹے راشد کو دو لاکھ روپیہ اس نیت سے دے چکے تھے کہ اب اس کا مابقیہ مال میں کوئی حصہ نہیں ہوگا؟

(۳) مذکورہ چار مکانات میں وارثین کا استحقاق ہوگا یا نہیں؟ اور تقسیم مکانات کی کیا شکل ہوگی؟ مالیت بنا کر تقسیم کریں گے یا مکانات کی تقسیم ہوگی؟

نوٹ: ایک مکان کا اپنے بڑے لڑکے راشد کو مالک بنایا تھا، اور ایک مکان اپنے اور بیوی

کے استعمال میں رکھا تھا، اس نیت کے ساتھ کہ میرے بعد میری بیوی اس مکان میں رہے گی۔

المستفتی: رضوان عثمان آباد مہاراشٹر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ترکہ میں جو چار لاکھ روپئے اور چار مکان چھوڑے ہیں، سب کے سب مرحوم کے متروکہ میراث میں شمار ہوں گے، اور بیوی کے حج کے نام سے نواسے کے پاس جو دو لاکھ روپئے جمع کردیئے تھے اور بیوی کے حج کو جا کر ان پیسوں کو خرچ کرنے سے پہلے پہلے مرحوم کا انتقال ہوگیا تو وہ پیسہ بیوی کے نام سے وصیت کے درجے میں ہے اور اسی طرح بیوی کے خرچ کے لیے جو دو لاکھ روپئے بینک میں جمع کر رکھا ہے اور بیوی کے نام سے الگ کھاتہ میں جمع نہیں کیا ہے تو وہ پیسہ بیوی کے لیے ہبہ نہیں ہوا، بلکہ وہ پیسہ بھی وصیت کے درجے میں ہے، بیوی چونکہ وارث ہے اور وارث کے حق میں دیگر ورثاء کی اجازت ومرضی کے بغیر وصیت نافذ نہیں ہوتی، لہٰذا اگر بیوی کے نام کی مذکورہ وصیت کے نفاذ میں دیگر ورثاء کی اجازت نہیں ہے تو وہ چار لاکھ روپئے مرحوم کی میراث میں شامل ہوں گے، البتہ اگر دیگر ورثاء بخوشی اجازت دیدیں تو بیوی کو وہ رقم مل جائے گی۔

عن أبی أمامة الباهلی -رضی الله عنه- قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول فی خطبته عام حجة الوداع، إن الله تبارك وتعالیٰ قد أعطیٰ كل ذی حق حقه فلا وصية لوارث. (سنن الترمذی، باب ما جاء لا وصية لوارث، النسخة الهندية ۲/۳۲ دار السلام رقم: ۲۱۲۰، سنن أبی داؤد، الوصايا، باب ماجاء فی الوصية للوارث، النسخة الهندية ۲/۳۹٦، دار السلام رقم: ۲۸۷۰)

وقد جاء فی الحديث: الحيف فی الوصية من أكبر الكبائر وفسروه بالزيادة على الثلث وبالوصية للوارث قال إلا أن يجيزها الورثة بعد موته وهم كبار. (هدايه آخرين، كتاب الوصية، باب فی صفة الوصية، اشرفی ديوبند ٤/٦٥٥)

اور اگر اپنے لڑکے راشد کو دو لاکھ روپئے دے کر قبضہ دے دیا تھا تو وہ اس کا مالک ہوگا مگر یہ شرط لگانا درست نہیں ہے کہ مرنے کے بعد میراث میں راشد کا کوئی حصہ نہ ہوگا اور

راشد کو جو مکان رہنے کے لیے دیا تھا وہ اگر بطور ہبہ نہیں دیا تھا، تو وہ بھی مرحوم کی ملکیت ہے اور بیوی جس مکان میں رہتی تھی اگر بیوی کے نام منتقل نہیں کیا ہے تو وہ بھی مرحوم کی ملکیت میں ہے، لہٰذا چاروں مکانات مرحوم کی میراث میں شامل ہوں گے، اور ان چاروں کی تقسیم مرحوم کے شرعی ورثاء کے درمیان ان کی قیمت کے اعتبار سے ہوگی، اور مرحوم کا ترکہ حسب ذیل نقشہ کے مطابق تقسیم ہوگا۔

۳۲/۸

میـــــــت

بیوی	لڑکا	لڑکی	لڑکی
سلمہ	راشد	حبیبہ	خدیجہ
۱/۴	۷/۱۴	۷	۷

مرحوم کا کل ترکہ ۳۲ رحصوں میں تقسیم ہوکر اسی کے تناسب سے ہر وارث کو اتنا اتنا ملے گا جو اس کے نام کے نیچے درج ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم ذی الحجہ ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۰۸۸۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۱۲/۱ھ

پہلی بیوی کے نام بیمہ پالیسی میں جمع شدہ رقم کا حکم

سوال [۱۱۳۳۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: راشد حسین مرحوم نے ایک بیمہ پالیسی اپنے نام کرائی تھی، اس میں نومنی (وارث) کی حیثیت سے انہوں نے اپنی زوجہ ریحانہ (پہلی بیوی) کو نامزد کیا ہے اس کی قسطیں راشد حسین اپنی حیات میں جمع کرتے رہے، پھر پہلی بیوی کا انتقال ہوگیا، راشد حسین نے دوسری شادی کر لی، اور دونوں بیویوں سے اولاد ہیں، اور سب غیر شادی شدہ ہیں۔

دریافت یہ کرنا ہے کہ بیمہ پالیسی میں جمع شدہ رقم صرف نومنی کی ہوئی؟ بیوی کی

اولادوں کو ملے گی یا پھر دوسری بیوی جو حیات ہے؟ اور سب اولادیں حصہ دار ہوں گی؟ شرعی حکم کیا ہے؟ پہلی بیوی کے بطن سے ایک لڑکا تین لڑکیاں، دوسری بیوی کے بطن سے صرف ایک لڑکا ہے۔

المستفتی: ممتاز حسین محلّہ کٹار شہید مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نومنی کے ذریعہ صرف ایک وارث کو رقم کا مستحق بنا کر دوسروں کو محروم کرنا شریعت میں معتبر نہیں ہے، بلکہ بعد از وفات نومنی کی رقم کو موجودہ وارثین کے درمیان حسب حصص شرعیہ تقسیم کیا جائے گا، لہٰذا پالیسی میں جو رقم جمع کی جائے گی وہ شرعی ورثاء کے درمیان تقسیم ہوگی اور جمع شدہ رقم پر جو اضافہ ملے گا وہ حلال نہیں ہے، اسے غریبوں کے درمیان بلا نیت ثواب تقسیم کر دینا لازم ہے اور مابقیہ جائز رقم پہلی بیوی اور دوسری بیوی کی اولادوں میں اور جو بیوی زندہ ہے اس کے درمیان شرعی حصوں کے اعتبار سے تقسیم ہوگی، جیسا کہ حسب ذیل نقشہ سے واضح ہوتا ہے:

راشد حسین میــــــــــــــــــــــت ۸

بیوی	لڑکا	لڑکا	لڑکی	لڑکی	لڑکی
۱	۲	۲	۱	۱	۱

مرحوم راشد حسین کا ترکہ اس کے وارثین کے درمیان آٹھ برابر سہام میں تقسیم ہو کر ہر وارث کو اتنا اتنا ملے گا جو اس کے نام کے نیچے درج ہے۔

عن أبی أمامة الباهلی –رضی الله عنه– قال: سمعت رسول الله ﷺ یقول فی خطبته عام حجة الوداع، إن الله تبارک وتعالیٰ قد أعطیٰ کل ذی حق حقه فلا وصیة لوارث. (سنن الترمذی، باب ما جاء لا وصیة لوارث، النسخة الهندیة ۲/ ۳۲ دار السلام رقم: ۲۱۲۰، سنن أبی داؤد، الوصایا، باب ماجاء فی الوصیة للوارث، النسخة الهندیة ۲/ ۳۹۶، دار السلام رقم: ۲۸۷۰)

الإرث جبري لایسقط بالإسقاط. (تکمله شامی، مطلب: واقعة الفتاویٰ

زکریا ۱۱/۶۷۸، کراچی ۷/۵۰۵)

من اجتمع عنده مال حرام ویرید أن یدفع مظلمته عن نفسه فلیس له حیلة إلا أن یدفعه إلی الفقراء. (بذل المجهود، باب فرض الوضوء، سارنپور ۱/۳۷، دار البشائر الإسلامیه ۱/۳۵۹ تحت رقم الحدیث ۵۹، شامی زکریا ۹/۵۵۳، کراچی ۶/۳۸۵)

نوٹ: راشد حسین کی پہلی بیوی جس کا انتقال راشد حسین کی حیات میں ہوگیا تھا، اس کے لیے راشد حسین کی متروکہ جائیداد میں کوئی شرعی حصہ نہیں ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم صفر المظفر ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۲۷۰)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱/۲/ ۱۴۳۲ھ

بچوں کے نام سے کی گئی پالیسی بھی مرحوم کے ترکہ میں شامل ہوگی

سوال [۱۱۳۳۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے اپنی زندگی میں دولڑکوں کے لیے مکان تیار کروادیئے وہ اسی میں رہ رہے ہیں، اور تیسرے لڑکے کے لیے بکنگ کروادی تھی، اس کی قسطیں باقی ہیں ابھی اس جگہ پر قبضہ نہیں ہوا ہے، نیز تمام بچوں اور دو پوتیوں کے نام پالیسی بھی کی تھی، اس کی قسطیں زید جمع کرتا تھا، اب زید کے انتقال کے بعد قسطیں (مکان و پالیسی کی) زید کے ترکہ سے جمع کی جائیں گی؟ یا یہ کہ ہر ایک پالیسی والا خود جمع کرے گا؟

المستفتیه: اهلیه شعیب رشید اصالت پوره مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید نے بکنگ کرکے جو دومکان تیار کروائے ہیں اس کا زید خود مالک ہے، اسی طریقے سے تیسرے بیٹے کے نام سے جو بکنگ کروادی ہے اور اس کی کچھ قسطیں بھی جمع ہوچکی ہیں، اس کا بھی زید مالک ہے، زید نے صرف اس مصلحت سے نام کروایا ہے تاکہ زید کی موت کے بعد اس کی اولاد کے درمیان اختلاف وانتشار پیدا نہ ہو اس لیے

یہ نام کرادینا مالک بنانے کی دلیل نہیں ہے، بلکہ یہ بیع التلجئۃ کی ایک شکل ہے اس لیے جو دو مکان تیار ہو چکے ہیں جن میں دو بیٹے رہ رہے ہیں اور جس مکان کی قسطیں جمع ہونا شروع ہو گئیں ہیں، وہ اس کی قسطوں کے بقدر یہ سب چیزیں زید کی ملکیت اور جائیداد ہیں، وہ سب زید کی اولادوں کے درمیان حصۂ شرعی کے اعتبار سے تقسیم ہوں گی، ایسا نہیں کہ تیار شدہ مکانوں کو اس میں رہنے والے لڑکوں کے لیے ہبہ شمار کرلیا جائے اور باقی اولاد اس سے محروم ہو جائے اسی طرح پالیسی میں جن بچوں اور وارثین کے نام سے جو پیسہ جمع کیے ہیں وہ بھی زید کی ملکیت ہیں، وراثت میں اس کا بھی تناسب کے ساتھ حساب لگانا ضروری ہے، اور بیٹوں کی موجودگی میں پوتے چونکہ غیر وارث ہیں اس لیے پوتوں کے نام سے جو پیسے جمع ہوئے ہیں وہ پوتوں کے لیے ہبہ ہے، اور آئندہ کی پالیسی زید کے ترکہ میں سے جمع نہیں ہوگی، یہ بات یاد رکھنا چاہیے کہ لائف انشورنش کی پالیسی وغیرہ کرانا شرعی طور پر ناجائز اور حرام ہے۔ (ایضاح النوادر/۱۳۱، امداد الفتاویٰ ۳/ ۳۶، ۳۷)

بيع التلجئة وهو أن يظهر عقدا وهما لايريدانه يلجأ إليه لخوف عدو وهو ليس ببيع بل كالهزل. (شامي، باب الصرف، مطلب: في بيع التلجئة، زكريا ٧/ ٥٤٢، كراچى ٥/ ٢٧٣، معجم لغة الفقهاء كراچى ص: ١١٣، قواعد الفقه اشرفى ص: ٢١٣، معجم المصطلحات والألفاظ الفقهية دار الفضيلة ١/ ٤٠٥)

وتتم الهبة بالقبض الكامل. (شامي، كتاب الهبة، زكريا ٨/ ٤٩٣، كراچى ٥/ ٦٩٠)

إن أعيان المتوفىٰ المتروكة عنه مشتركة بين الورثة على حسب حصصهم. (شرح المجلة رستم اتحاد ١/ ٦١٠ رقم المادة ١٠٩٢) **فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍ شعبان المعظم ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۲۲۸)

وارث کے لیے وصیت کردہ ایفڈ یترکہ ہے

سوال [۱۱۳۳۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: میں رخسانہ بیگم زوجہ رفیق احمد خاں سرسید نگر کرولہ اسلام نگر گلی نمبر ۱۰/ A ڈھیمری روڈ مرادآباد کی باشندہ ہوں، ۱۹۹۶ء میں میری والدہ جن کا نام حسن آراء ہے، اور نگینہ میں رہائش تھی، کا انتقال ہوگیا، انہوں نے اپنے نام حسن آراء اور میرے نام سے ایک ایف ڈی مبلغ پچاس ہزار روپئے کی بڑودہ بینک نگینہ میں کرائی تھی، اور ایف ڈی میں یہ شرط بھی لکھائی تھی کہ میرے انتقال کے بعد یہ روپئے رخسانہ بیگم کو ہی ملیں، اب میرے والد اور بھائی کی نیت خراب ہورہی ہے، وہ کہتے ہیں کہ اس روپئے کا حقدار میں ہوں، واضح رہے کہ میری والدہ اپنے انتقال سے قبل کہہ چکی تھی، کہ تمہارے اور تمہارے بچوں کے لیے کچھ نہ کچھ ضرور کروں گی، اس لیے اس روپئے کا حقدار میں ہوتی ہوں، یا والدہ کے دیگر ورثاء شوہر (یعنی میرے والد) اور ایک لڑکا اور دولڑکیاں بھی حقدار ہوں گی، براہ کرم قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب تحریر فرمائیں؟

المستفتی: رخسانہ زوجۂ رفیق اسلام نگر، سرسید نگر مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آپ کی والدہ کا ایک ایف ڈی مبلغ پچاس ہزار روپیہ بینک میں آپ کے نام کر کے یہ شرط لگانا کہ میرے انتقال کے بعد یہ روپئے آپ ہی کو ملیں یہ وصیت کے درجے میں ہے اور وارث کے لیے وصیت ناجائز ہے، لہٰذا آپ کے علاوہ دیگر ورثاء بھی اس روپئے کے شرعاً حقدار ہوں گے۔

عن أبي أمامة الباهلي -رضي الله عنه- قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول في خطبته عام حجة الوداع، إن الله تبارك وتعالىٰ قد أعطىٰ كل ذي حق حقه فلا وصية لوارث. (سنن الترمذي، باب ما جاء لا وصية لوارث، النسخة الهندية ۲/ ۳۲ دار السلام رقم: ۲۱۲۰، سنن أبي داؤد، الوصايا، باب ماجاء في الوصية للوارث، النسخة الهندية ۲/ ۳۹۶، دار السلام رقم: ۲۸۷۰)

ولا لوارثه إلا بإجازة ورثته لقوله عليه السلام: لاوصية لوارث إلا أن يجيزها الورثة يعني عند وجود وارث آخر . (شامي، كتاب الوصايا، كراچی

٦/٦٥٥-٦٥٦، زکريا ١٠/٣٤٦، كوئٹه ٥/٤٥٩، الجوهرة النيرة، امداديه ملتان ٢/٣٨٩، دار الكتاب ديوبند ٢/٣٦٩، هدايه رشيديه ٤/٦٤١، اشرفي ديوبند ٤/٦٥٧، مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ٤/٤١٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍محرم الحرام ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۳۴۰۳ ۶)

مرحوم کے اسکول کی آمدنی جمیع وارثین کے درمیان تقسیم ہوگی

سوال [۱۱۳۴۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے ایک اسکول کرایہ کے مکان میں بحیثیت بزنس کے کھولا اور اسی اسکول کی آمدنی سے گھر کے اخراجات پورے ہوتے ہیں، اور اس اسکول کی ہیڈ معلّمہ مرحوم کی اہلیہ شروع ہی سے ہیں، اور مرحوم کی بڑی لڑکی بحیثیت معلّمہ کے تھیں، اور بڑی ہونے کی وجہ سے نظام وہی چلارہی تھیں، اب اس لڑکی کی شادی ہوچکی ہے، باوجود اس کے اسکول کی ساری آمدنی اپنے شوہر اور سسرال والوں پر خرچ کرتی ہیں، اور اسکول کو اپنی ملکیت سمجھ کر ایسا کرتی ہیں، اب سوال یہ ہے کہ از روئے شرع یہ اسکول مرحوم کے مذکر اولاد کا ہے یا مؤنث کا؟ تفصیل سے قرآن وحدیث کی روشنی میں مکمل ومدلل جواب تحریر فرمائیں۔

المستفتی: شہزاد خاں کرتپوری، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: زید نے ایک اسکول کرایہ کے مکان میں بحیثیت بزنس کے کھولا اور اس کی آمدنی سے گھر کے اخراجات پورے ہوتے تھے، تو اب زید کے مرنے کے بعد اس اسکول کی ذمہ داری اس کو حاصل ہوگی جو مرحوم کے پورے گھر کے ذمہ دار ہیں، اور مذکورہ بیٹی کو ٹیچر کی حیثیت سے صرف تنخواہ مل سکتی ہے، پوری آمدنی مرحوم کی ذمہ دار اولاد کے ہاتھ میں آئے گی، اور پھر یہ تمام آمدنی تمام وارثین کے درمیان وراثت کے طریقہ

پر تقسیم ہوگی، اوراس میں مذکورہ لڑکی کا جتنا حصہ بن سکتا ہے اس کو اتنا ہی ملے گا اس سے زیادہ نہیں، اسی طرح لڑکوں کو لڑکیوں سے دوگنا کے حساب سے ملے گا۔

﴿لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ. [النساء: ١٢]﴾ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۱۴۵)

ایکسیڈنٹ میں ملنے والی رقم کا مستحق کون؟

سوال [۱۱۳۴۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کا ایک ایکسیڈینٹ حادثہ میں انتقال ہوا، اس کی بیوی نے مقدمہ دائر کیا، تو سرکار سے اب اس کو کچھ پیسہ ملنے والا ہے، اس پیسہ کو لینے میں زید کی بیوی اور زید کے باپ کے درمیان کشمکش ہے تو یہ پیسہ جو گورنمنٹ کی طرف سے اس کے رشتہ داروں کو مدد کے طور پر مل رہا ہے اس کے مستحق کون کون ہیں؟ اور کتنے کتنے کے مستحق ہیں؟ زید کی کوئی اولاد نہیں ہے؟

المستفتی: ڈاکٹر نسیم احمد ٹانڈہ بادلی رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایکسیڈنٹ میں مرنے والے کے پسماندگان کو حکومت کی طرف سے جو رقم ملنے والی ہے، وہ دیت کے حکم میں ہوکر تمام شرعی ورثاء کے درمیان حصص شرعی کے طور پر تقسیم ہوگی، لہٰذا اس رقم کے حصول کی کوشش میں جو رقم خرچ ہوئی ہے، اولاً خرچ کرنے والے کو اسی میں سے وہ پیسہ ادا کردیا جائے اس کے بعد بیوی کو حاصل شدہ کل رقم میں سے ایک چوتھائی دیدیا جائے، باقی تین چوتھائی باپ کو ملیں گی۔

عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده قال: كان رسول الله ﷺ يقوم دية الخطأ على أهل القرىٰ -إلى- وقال رسول الله ﷺ: إن العقل ميراث بين ورثة القتيل على قرابتهم. (سنن أبي داؤد، باب ديات الأعضاء،

النسخة الهندية ۲/ ۲۲۷ دار السلام رقم: ٤٥٦٤)

ويستحق القصاص من يستحق ميراثه على فرائض الله تعالىٰ يدخل فيه الزوج والزوجة وكذا الدية. (قاضيخان، باب القتل، فصل فيمن يستوفىٰ القصاص، زكريا جديد ۳/ ۳۲۳، وعلى هامش الهندية ۳/ ٤٤٢، حاشية چلپى، مكتبه امداديه ملتان ٦/ ١٢١، زكريا ٧/ ٢٥٧، هنديه زكريا قديم ٦/ ٧، جديد ٦/ ١١)

۲۸؍محرم ۱۴۲۱ھ میں ایسا ہی جواب لکھا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷؍ذی قعدہ ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۸۵۵)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۸/ ۱۱/ ۱۴۲۳ھ

ایکسیڈنٹ میں ملنے والی معاوضہ کی رقم ترکہ ہے

سوال [۱۱۳۴۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: محمد حفیظ عرف ٹُلاّ کا ایکسیڈینٹ میں انتقال ہوگیا، حکومت سے کچھ رقم ملے گی، تو اس کے ورثاء میں ایک ماں اصغری ایک لڑکا شاکر علی ہے، کتنا کتنا حصہ دیا جائے گا، شریعت اسلامی کی روسے تحریر فرمادیں۔

المستفتی: شاکر علی کندرکی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایکسیڈینٹ میں مرنے والوں کے پسماندگان کو حکومت کی طرف سے جو رقم ملتی ہے، وہ ہندوستان جیسے ممالک میں اگرچہ باضابطہ دیت نہیں ہے، لیکن دیت کے مشابہ ہے، اس لیے شرعی ورثاء کے درمیان میراث کی طرح تقسیم کردی جائے گی، لہٰذا ملی ہوئی رقم ۶؍سہام میں تقسیم ہوکر ایک ماں کو اور پانچ لڑکے کو ملیں گے۔

عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده قال: كان رسول الله ﷺ يقوم دية الخطأ على أهل القرىٰ –إلى– وقال رسول الله ﷺ: إن العقل

میراث بین ورثة القتیل علی قرابتهم. (سنن أبی داؤد، باب دیات الأعضاء، النسخة الهندیة ۲/ ۲۲۷ دار السلام رقم: ٤٥٦٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ ذی قعدہ ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۳۸۴)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۶/ ۱۱/ ۱۴۲۰ھ

کمپنی کی طرف سے ملنے والی رقم ترکہ میں شامل ہوگی

سوال [۱۱۳۴۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: محمد اسماعیل بن مشتاق احمد موضع کوبے پور ضلع فیض آباد یوپی کا ۱۶/ اکتوبر کو انتقال ہوگیا، مرحوم بحرین کی مشہور کمپنی الکبیر میں ملازم تھے، انتقال کے بعد کمپنی مرحوم کے ورثاء کو کچھ دینا چاہتی ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ مرحوم چار بھائی تھے، اور ماں باپ کے ساتھ ہی چاروں ایک ساتھ رہتے تھے، کھیتی پانی گھر کا سارا نظام مشترک ہے، ایک بھائی کا انتقال تقریباً دس سال پہلے ہو چکا ہے، باقی دو بھائی محمد ظہیر اور محمد صغیر اور مرحوم تینوں ایک ساتھ گھر میں رہ رہے ہیں، محمد ظہیر اور محمد صغیر گھریلو کام کھیتی باڑی، پالیسر وغیرہ دیکھتے ہیں اور مرحوم الکبیر کمپنی میں ملازم تھے، اور گھر کا سارا نظام میل ومحبت کے ساتھ مشترک چل رہا ہے، اور مرحوم نے اپنے پیچھے اپنی بیوی ماجیہ خاتون اور دو لڑکے محمد عمران اور عبدالرحمٰن اور ماں ختم النساء اور دو بھائی محمد ظہیر، محمد صغیر مع ان کی بیویاں اور اولادیں نیز اپنے بڑے بھائی محمد فرقان مرحوم کی بیوی اور اولادوں کو چھوڑا ہے، اس وقت مرحوم کے گھریلو نظام کے ذمہ دار مرحوم کے بھائی محمد ظہیر ہیں، تو الکبیر کمپنی جو رقم دینا چاہتی ہے اس میں ان ورثاء میں سے کس کا کتنا حق بنے گا؟

المستفتی: محمد ظہیر کوے پور، فیض آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: محمد اسماعیل مرحوم کے انتقال پر ''الکبیر'' کمپنی کی طرف سے ملنے والی رقم ان کے شرعی وارثوں کو شرعی حصوں کے اعتبار سے ملے گی، لہٰذا مذکورہ

رقم ۴۸ر حصوں میں تقسیم ہوکر بیوی کو ۶ر حصہ والدہ کو ۸ر حصہ اور ہر لڑکے کو ۱۷/۱۷ر حصہ ملیں گے۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ ۱۰/۵۲۴، انوار رحمت ص: ۳۵۲)

وإذا اصطلح القاتل و أولياء القتيل على مال سقط القصاص و وجب المال قليلا كان أو كثيرا. (هداية، كتاب الجنايات، باب القصاص، فيما دون النفس اشرفي ديوبند ٤/٥٧١)

عن ابرهيم، عن علي –رضي الله عنه– في فارسيين اصطدما فمات أحدهما فضمن الحي الميت. (المصنف لإبن أبي شيبة الديات، الرجل يصدم الرجل مؤسسة علوم القرآن ١٤/ ٢٢١، رقم: ٢٨٢٠٥)

نقشہ ذیل میں ملاحظہ فرمائیں:

حمید مرزا میـــــــــــــــــــــــت ۲۴/۴۸

بیوی	ماں	لڑکا	لڑکا
۳/۶	۴/۸	۱۷/۱۷	۱۷

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸ر جمادی الاولیٰ ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۶۸۱)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۵/۸ھ

حادثاتی موت میں سرکاری معاوضہ میراث ہے یا نہیں؟

سوال [۱۱۳۴۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کسی حادثہ میں موت ہونے پر حکومت کی طرف سے معاوضہ دیا جاتا ہے اس کا لینا جائز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: حادثاتی موت پر حکومت کی طرف سے ملنے والا معاوضہ دیت کے حکم میں ہے، جس کا لینا جائز اور درست ہے اور اس معاوضہ میں تمام ورثاء کا حق ہوگا، خواہ حکومت نے مخصوص وارثین کے لیے نامزد تعاون کا اعلان کیا ہو یا نامزد تعاون کا اعلان نہ کیا ہو۔ (مستفاد: انوار رحمت ص:۳۵۲)

عن ابن طاؤس قال: فی الكتاب الذی عند أبی وهو عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی شبه العمد مثل حديث معمرو: قال فی ذٰلک الكتاب عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم إذا اصطلحوا فی العمد فهو على مااصطلحوا عليه. (مصنف عبد الرزاق، المجلس العلمی ۹/۲۸۳، رقم: ۱۷۲۱۶)

عن طاؤس و كان عنده كتاب من النبی قال فی ذٰلک الكتاب عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم إذا اصطلحوا فی العمد فهو على ما اصطلحو عليه فهذا صريح فی أن المال يحتاج إلى اصطلاح. (تكمله فتح الملهم، باب صحة الإقرار بالقتل، اشرفيه ديوبند ۲/ ۳۷۱)

إذا اصطلح القاتل و أولياء القتيل على مال سقط القصاص ووجب المال قليلا كان أو كثيرا –إلى قوله– و أصل هذا أن القصاص حق جميع الورثة وكذا الدية. (هدايه، الجنايات، باب القصاص فيما دون النفس، اشرفی ٤/ ۵۷۱ – ۵۷۲)

عن عمرو بن عوف المزنی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لا يترک مفرج فی الإسلام حتى يضم إلى قبيلة قال ابن الأثير فی النهاية ولايترک مفرج فی الإسلام قيل: وهو القتيل يوجد بأرض فلاة لايكون قريباً من قرية فإنه يودیٰ من بيت المال ولا بطل دمه. (مجمع الزوائد ٦/ ۲۹۳، معجم الكبير للطبرانی، دار احياء التراث العربی ۱۷/ ۲٤، رقم: ۳٦)

عن ابرهيم، عن علی –رضی الله عنه– فی فارسيين يصطدمان قال يضمن الحی دية الميت. (المصنف لإبن أبی شيبة، الديات، الرجل يصدم الرجل، مؤسسة علوم القرآن ١٤/ ۲۲۱، رقم: ۲۸۲۰۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍ربیع الاول ۱۴۳۵ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۴۶۰)

سرکاری ملازم کو ملنے والی پنشن میراث ہے یا بیوی کا حق تبرع؟

سوال [۱۱۳۴۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: سرکاری ملازم کی وفات کے بعد اس کی بیوی کے لیے پنشن جاری رہتی ہے، سوال یہ ہے کہ پنشن کی رقم صرف بیوی کا حق ہے؟ یا بطور ترکۂ میت تمام ورثاء کا حق اس سے متعلق ہوگا؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سرکار کی طرف سے ملنے والی پنشن صرف بیوی کا حق ہے، اس میں میراث جاری نہ ہوگی، کیونکہ میراث میت کے مملوکہ مال میں جاری ہوتی ہے، جبکہ پنشن میت کی ملک نہیں بلکہ سرکار کی طرف سے محض تبرع اور احسان ہے۔

نیز یہ رقم صرف بیوی ہی کو مل سکتی ہے، اگر بیوی نہ ہو تو یہ رقم نہیں ملتی اور بیوی کی موت پر بند ہو جاتی ہے اور کسی موقع پر ہم نے کسی بڑے کا فتویٰ دیکھ کر میراث جاری ہونے کو لکھا تھا جو صحیح نہیں تھا اب ہم نے اس سے رجوع کرلیا ہے۔

المراد من التركة: ما تركه الميت خاليا عن تعلق حق الغير بعينه.

(البحر الرائق، كتاب الفرائض زكريا ٩/٣٦٥، كراچی ٨/٤٨٩)

إن الأصل الأول فى نظام الميراث الإسلامي: أن جميع ما ترك الميت من أملاكه ميراث للورثة. (تكملة فتح الملهم اشرفيه ديوبند ٢/٤) **فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۵۱۴)

پنشن میں وراثت جاری ہوگی یا نہیں؟

سوال [۱۱۳۴۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرے نانا ریلوے محکمہ میں ملازم تھے، ان کا انتقال ہوگیا، اس کے بعد میری

نانی کو پنشن ملنے لگی، پنشن کی رقم میں سے کچھ خرچ کرتی رہیں، اور تقریباً تین لاکھ روپئے بچ گئے، جو ان کے اور ان کی بیٹی کے مشترکہ کھاتے میں جمع ہوتی رہی تھی، اب نانی کی حیات میں ہی ان کے ایک بیٹے شکیل مسعود کا انتقال ہو گیا، ان کے بیوی بچے موجود ہیں۔

اب دریافت یہ کرنا ہے کہ مذکورہ تین لاکھ روپئے پنشن کے نانا کے ہیں یا نانی کے؟ اور اس کی تقسیم کس طرح ہوگی؟ نانا، نانی کی اولادوں میں دو لڑکے شکیل مسعود، (جو نانا کے بعد اور نانی سے پہلے انتقال کر گئے تھے)، ہلال مسعود، پانچ لڑکیاں: نسرین مسعود، شہناز مسعود، رخسانہ مسعود، نکہت مسعود، شیما مسعود ہیں۔

المستفتی: مدثر حیدر، محلّہ مغل پورہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: پنشن کے بارے میں تاریخ ۱۴؍شعبان ۱۴۳۴ھ ''فتویٰ: الف: ۴۰/ ۱۱۲۳۶'' کے جواب میں لکھا جا چکا تھا کہ مرحوم کی میراث ہے جو اس کے سارے ورثاء پر شرعی حق کے اعتبار سے تقسیم ہو جائے گی، لیکن بعد میں تحقیق سے یہ بات سامنے آئی کہ پنشن کا پیسہ دو وجہوں سے میراث اور ترکہ میں شامل نہیں ہو سکتا:

(۱) عمر بھر کی پنشن کا سارا پیسہ اکٹھے یک مشت نہیں مل سکتا۔

(۲) بیوی کب تک زندہ رہے گی کسی کو نہیں معلوم ہے اور بیوی جب تک زندہ رہے گی تب تک اس کے نام سے پنشن کا پیسہ منجانب سرکار آتا رہتا ہے لہٰذا کتنی مقدار پنشن کا پیسہ ہے وہ معلوم اور متعین نہیں ہو سکتا اور میراث میں وہی چیز تقسیم ہوتی ہے جو معلوم اور متعین ہوتی ہے، اسی لیے ملازم کی موت کے بعد اس کی بیوی کے نام سے جو پنشن جاری ہوتی ہے وہ میراث نہیں بن سکتی وہ بیوی کے ساتھ خاص ہے، جب تک وہ زندہ رہے گی سرکار اسی کو دیتی رہے گی، لہٰذا پنشن کا پیسہ تنہا بیوی ہی کا حق رہے گا، وارثین کا حق اس سے متعلق نہیں ہوگا، اور گذشتہ جواب جس میں پنشن کو میراث قرار دیا گیا ہے اس سے ہم رجوع کرتے ہیں۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ میرٹھ ۱۹۳/۳۰، امداد الفتاویٰ ۳۴۲/۴، فتاویٰ دارالعلوم ۵۳۴/۱۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم محرم الحرام ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۲۳۶)

کیا پرائیویٹ فنڈ بیوی کو ملے گا؟

سوال [۱۱۳۴۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرا بھائی محمد رضوان جس کا ایکسیڈ ینٹ میں انتقال ہو چکا ہے وہ ایک گورنمنٹ اسکول میں ٹیچر تھا، اس لیے اس کا اسکول میں فنڈ بھی جمع ہے، سوال یہ ہے کہ اس فنڈ کے پیسے میں اس کی بیوی اور بچی کے علاوہ محمد رضوان کے بھائی اور بہنوں کو حصہ پہنچتا ہے یا نہیں؟ محمد رضوان کے ۷ر بھائی، ۴ر بہنیں ہیں؟

المستفتی: غلام محمد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سرکار سے جو فنڈ ملنے والا ہے اس پر محمد رضوان کو ملک تام حاصل نہیں ہے، اس لیے اس میں وراثت جاری نہیں ہوگی، اور سرکار کے قانون کے مطابق اس کی بیوی کو اس کا فنڈ ملے گا اور یہ مسئلہ ایکسیڈ ینٹ اور حادثات میں ہلاک ہونے کے نتیجے میں سرکار کی طرف سے جو ملتا ہے اس سے بالکل الگ ہے، دونوں مسئلوں میں فرق ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۴/ ۳۴۱، محمودیہ جدید ڈابھیل ۲۰/ ۴/ ۴۰۴، کتاب الفتاویٰ ۶/ ۳۶۳) فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵ر ربیع الاول ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۰۱۳)

ایک شخص کے ترکہ سے متعلق چند سوالات کے جوابات

سوال [۱۱۳۴۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) میری والدہ نے مجھے شادی سے پہلے الگ کر دیا تھا، ۱۹۷۰ء میں مجھے پانچ ہزار روپئے دیئے جو میں نے اپنی ہی محنت سے کمائے تھے، پھر ان روپیوں میں سے میں نے طباعت کی مشین لگائی اور پیکنگ کے گتے کے ڈبے بنانے شروع کیے، اور ۱۹۷۷ء میں اپنی

ہی کمائی سے میں نے شادی کی، اور شادی کے بعد بچوں کی پرورش کا سلسلہ شروع ہوگیا، پڑھائی، لکھائی وغیرہ اور رہائش کا مکان بھی تعمیر کرایا، اور پھر بچوں کی شادی کا سلسلہ بھی شروع ہوگیا، دولڑکی اور ایک لڑکے کی میں نے شادی کردی ہے اور اب دولڑکی اور تین لڑکے شادی سے باقی ہیں، اور ان کی تعلیم کا سلسلہ بھی جاری ہے، اور جس لڑکے کی میں نے شادی کی تھی وہ لڑکا میرے اس کاروبار میں معاون تھا، جو سرکاری کاغذات میں بھی میری ہی ملکیت چڑھا ہوا ہے، میرے اور بچے بھی اسی کاروبار میں لگے رہتے ہیں، اور سارا مال ابھی میری ہی ملکیت میں ہے، اور کسی بچے کو میں نے اس ملکیت میں سے کوئی حصہ نہیں دیا ہے، کہ اسی دوران میرے شادی شدہ بچہ کا ایک حادثہ میں انتقال ہوگیا اور مرحوم کی شادی سے قبل میں نے مرحوم کے نام سے بینک میں کاروباری روپئے کی لین دین کی خاطر کھاتے کھلوائے تھے، جو میری ہی ملکیت ہے، اور میری ہی مرضی سے وہ روپئے کی لین دین کرتے تھے، آیا اس کے نام سے بینک میں جمع کی ہوئی رقم کا مالک مرحوم کے انتقال کے بعد میں ہی ہوں یا مرحوم ہے؟

(۲) میں نے اپنی ہی ملکیت سے لڑکے کی بیوی کو زیور دیا تھا، لیکن اس کو اس زیور کا مالک نہیں بنایا تھا، تو وہ زیور کس کی ملکیت ہے؟

(۳) بیوہ کا مہر کس کے ذمہ ہے؟

(۴) مہر فاطمی کی مقدار کتنی ہے؟

(۵) شادی کے دو مہینے کے بعد میں نے مرحوم کا انشورنش کرایا اور میں نے ہی اس کی قسط بھی جمع کی تھی، تو وہ کس کی ملکیت ہے؟

(۶) اگر میری ملکیت میں مرحوم کی کچھ ملکیت ہے تو کتنی ہے؟ اور بیوہ کو کتنا حصہ ملے گا؟ جبکہ مرحوم کے کوئی اولاد نہیں ہے؟

المستفتی: محمد اسلام انعام پرنٹنگ پریس، شیر کوٹ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) آپ کا بڑا لڑکا آپ کے کاروبار میں معاون تھا،

اورآپ نے سہولت کی غرض سے بینک میں اس کے نام سے رقم جمع کرائی تھی،تو محض اس کے نام سے جمع کرانے سے بڑالڑکا اس کا مالک نہیں ہوتا ہے، بلکہ اس رقم کے مالک آپ ہی ہیں۔

الأب و ابنه يكتسبان في صنعة واحدة ولم يكن لهما شيئ فالكسب كله للأب إن كان الابن في عياله لكونه معينا له. (هنديه، الباب الرابع في شركة الوجوه، زكريا جديد ۲/۳۳۲، قديم ۲/۳۲۹، شامي زكريا ٦/۵۰۲، كراچی ٤/۳۲۵)

(۲) اگرزیوردیتے وقت یہ صراحت کردی تھی کہ بطور ملکیت نہیں دی ہے بلکہ بطور عاریت دی ہے تو ایسی صورت میں لڑکے کی بیوی اس زیور کی مالک نہیں ہے، اوراگر زیور چڑھاتے وقت کوئی صراحت نہیں کی گئی ہے،تو آپ کی برادری کے عرف کا اعتبار ہوگا، اگر آپ کی برادری میں اور خاندان میں بہو کو جو زیوردیا جاتا ہے وہ بطور ملکیت دیا جاتا ہے تو بہو مالک ہو جائے گی اور اگر بطور عاریت دیا جاتا ہے تو بہو مالک نہیں ہوگی ، بلکہ خسر ہی اس کا مالک رہے گا، اس سلسلے میں آپ کا معاملہ کس پہلو سے منطبق ہے وہ آپ خود ہی سوچ لیں۔

الثابت بالعرف كالثابت بالنص. (رسم المفتي زكريا ص: ۱۷٦، شامي زكريا ٦/۵۵٦، كراچی ٤/۳٦٤، البنايه اشرفيه ديوبند ۹/۲۳۸)

وإذا بعث الزوج إلى أهل زوجته أشياء عند زفافها منها ديباج فلما زفت إليه أراد أن يسترد من المرأة الديباج ليس له ذٰلک، إذا بعث إليها على جهة التمليک ...... جهز بنته و زوجها ثم زعم أن الذى دفعه إليها ماله وكان على وجه العارية عندها، وقالت هو ملكي جهزتني به أو قال الزوج ذٰلک بعد موتها ...... وقال في الواقعات: إن كان العرف ظاهراً بمثله في الجهاز كما في ديارنا فالقول قول الزوج. (هنديه، الباب السابع في المهر، الفصل السادس عشر في جهاز البنت، زكريا قديم ۱/۳۲۷، جديد ۱/۳۹۳)

(۳) مہر شوہر کے ذمہ قرض ہے اور قرض کی ادائیگی ضروری ہے، لہٰذا بیوہ کا مہر شوہر کے ترکہ سے ادا کرنا لازم ہے، چنانچہ انشورنش میں جو پیسہ اس کے نام سے جمع ہے، اسی میں سے اولاً بیوہ کا مہر ادا کرنا لازم ہے۔

ثم تقضیٰ دیونه من جمیع ما بقی من ماله. (سراجی ص:٤)

(۴) اورمہر فاطمی کی مقدار ڈیڑھ کلو تیس گرام نوسو ملی گرام چاندی ہے، اور جس دن یہ مہر ادا کیا جائے گا اسی دن کی قیمت کا اعتبار رہوگا۔ (مستفاد: انوار نبوت/ ٦٥٢، ایضاح الطحاوی ۱۹۳/۳، ایضاح المسائل ص:۱۳۰)

(۵) اوراس کے نام انشورنش کرانے کا مطلب یہی ہے کہ جو قسط باپ نے بیٹے کے نام سے جمع کیا ہے، وہ قسط جمع کرنے کے ساتھ ساتھ باپ کی طرف سے بیٹے کو مالک بناتا ہے، اس لیے آپ اپنی طرف سے قسط جمع کرنے کی وجہ سے اس کے مالک نہیں ہوں گے بلکہ وہ بیٹے کی ملکیت ہے، لہٰذا انشورنش کا جو پیسہ ملے گا اس کا رأس المال حلال اور پاک ہوگا اور اس میں سے اولاً مہر ادا کرنا لازم ہوگا اور جو کچھ بچے گا، وہ میراث میں تقسیم ہوگا اور جو سود ملے گا وہ حلال نہیں ہے، بلکہ وہ حرام ہے، بلانیت ثواب غریبوں کو دیدینا لازم ہے۔

الأب إذا شریٰ خادما للصغیر ونقد الثمن من مال نفسه لا یرجع علیه. (شامی، کتاب النکاح، باب المهر، مطلب: انفق علی معتدة الغیر، کراچی ۳/ ۱۵۵، زکریا ٤/ ۳۰۷)

من ملک بملک خبیث ولم یمکنه الرد إلی المالک فسبیله التصدق علی الفقراء ...... قال إن المتصدق بمثله ینبغی أن ینوی به فراغ ذمته ولا یرجوا به المثوبة. (معارف السنن، اشرفی دیوبند ۱/ ۳٤)

(٦) آپ کی ملکیت میں سے کسی چیز کا آپ کی زندگی میں کوئی مالک نہیں ہے، لہٰذا نہ مرحوم ہوں گے، نہ دوسری اولاد، نہ ہی بیوہ، بلکہ آپ کی موت کے بعد آپ کی ملکیت میراث بنے گی۔

الترکة مابقی بعد المیت من ماله صافیا عن تعلق حق الغیر بعینه. (حاشیه سراجی ص:۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/ ربیع الثانی ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۰٦۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۳/ ۴/ ۱۴۳۴ھ

میت کی متروکہ جائیداد اور زیورات کی تقسیم

سوال [۱۱۳۴۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میری ہمشیرہ امینہ بی بی اسماعیل بیوریا کا انتقال ہوا، مرحومہ نے ترکہ میں ایک مکان ۱۲۲۵/۴ اور کچھ چھوٹے چھوٹے زیورات اور ایک مخصوص زیور جس کو گجراتی میں کان سلا کہتے ہیں، چھوڑا ہے۔

اب دریافت طلب امور یہ ہیں:

(۱) مکان کی حیثیت یہ ہے کہ وہ والدین کی جانب سے امینہ بی بی اور ان کی بہن فاطمہ بی بی اسماعیل بیوریا کو مشترکہ طور پر ملا تھا، مرحومہ نے اپنی بہن کو اس مکان کا آدھا حصہ دیئے جانے کی وصیت کی ہے۔

(۲) اور جو چھوٹے چھوٹے زیورات ہیں ان میں پرچیاں لکھوا کر رکھوادی ہیں ان کے متعلق کوئی صراحت نہیں کی ہے ان کا کیا حکم ہے؟

(۳) اور مخصوص زیور کے متعلق یہ وصیت کی ہے کہ اس کے ذریعہ میری نماز کا فدیہ اور تجہیز وتکفین کا خرچ پورا کر کے بقیہ خیرات کر دیا جائے۔

(۴) مرحومہ نے مندرجہ ذیل ورثاء چھوڑے ہیں: شوہر، ماں، بیٹا، بیٹی، ان کے درمیان مرحومہ کا ترکہ کس طرح تقسیم ہوگا؟

(۵) اگر کوئی وارث تقسیم وراثت کے وقت بلانے پر حاضر نہ ہو تو اس کے حصہ کے متعلق شرعی حکم کیا ہے؟

المستفتی: محمد اسماعیل بیوریا، گجرات

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: وصیت نامہ بار بار پڑھا گیا اور اس کے ذیل میں جو سوالات ہیں وہ بھی بار بار پڑھے گئے یہ ایسی گول مول تحریر ہے جس سے اصل مقصد

واضح نہیں ہوتا ہے، لیکن پھر بھی وصیت نامہ اور سوال سے جو مقصد سمجھ میں آیا ہے وہ یہ ہے کہ مرحومہ اوران کی بہن کو والدین کی طرف سے ایک مکان ملا، آدھا مرحومہ کا آدھا مرحومہ کی بہن کا، اور دونوں حصے مرحومہ کے قبضے میں رہے، اور مرحومہ نے وصیت نامہ میں بہن کا حصہ بہن اور اس کے ورثاء کو منتقل کردینے کی وصیت کی ہے، اگر وصیت نامہ کا یہی مقصد ہے تو شرعی طور پر یہ وصیت جائز نہیں بلکہ لازم اور واجب ہے، اور اس وصیت کے مطابق بہن کا نصف حصہ اس کو یا اس کے ورثاء کو دیدینا واجب ہے۔

عن عبد الله بن عمر –رضی الله عنهما– أن رسول الله ﷺ قال: ما حق امرئ مسلم له شيئ يوصی فيه يبيت ليلتين إلا و وصيته مكتوبة عنده. (صحيح البخاری، باب الوصايا، النسخة الهندية ۳۸۲/۱، رقم: ۲٦۵۷، ف: ۲۷۳۸، صحيح مسلم، كتاب الوصية، النسخة الهندية ۳۸/۲-۳۹، بيت الأفكار رقم: ۱٦۲۷)

اور دوسری یہ بات سمجھ میں آئی کہ مرحومہ کے چھوٹے چھوٹے کچھ زیورات ہیں جن میں پرچیاں لکھ کر رکھی ہوئی ہیں، اور تیسری بات یہ سمجھ میں آئی کہ مرحومہ کو والد نے جو زیور اپنی طرف سے دیا تھا وہ تجہیز و تکفین میں خرچ کردیں، اور جو بچے اس کو خیرات کردیں، تو اب دیکھنا یہ ہے کہ دونوں قسم کے زیورات سے مرحومہ کی تجہیز و تکفین کے بعد جو کچھ بچا رہے اس کا ایک تہائی کار خیر میں خیرات کردیں، باقی دو تہائی شرعی ورثاء کے درمیان تقسیم کرنا لازم ہوگا، اسی مکان میں سے مرحومہ کا جو آدھا حصہ ہے وہ بھی شرعی وارثین کے درمیان تقسیم ہوگا، مذکورہ نصف مکان اور زیورات کے دو ثلث مذکورہ ورثاء کے درمیان شرعی طور پر تقسیم ہوجائیں گے۔

ثم ديونه التی لها مطالب من جهة العباد ثم وصيته من ثلث ما بقی ثم يقسم الباقی بين ورثته. (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الفرائض، زكريا ۴۹۳/۱۰ - ۴۹۷، كراچی ۷٦۰/٦-۷٦۱)

اور تقسیم کے وقت جو وارث موجود نہ ہو اس کا حصہ محفوظ کرلیا جائے اور اس کا حصہ اس کو کسی بھی طریقہ سے پہنچادیا جائے، اور مذکورہ ورثاء کے درمیان مذکورہ ترکہ حسب ذیل نقشہ کے مطابق تقسیم ہوگا:

٣٦ / ١٢　　　　　　　　　　　　　　　　　٣

میـــت

شوہر	ماں	بیٹا	بیٹی
٣ / ٩	٢ / ٦	٧ / ١۴	٧

مرحومہ کا کل ترکہ ٣٦ ؍سہام میں تقسیم ہوکر ہر وارث کو اتنا ملے گا جو اس کے نام کے نیچے درج ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٣؍ جمادی الثانیہ ١۴٢١ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٥/١۴٧٦٧)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
٣/٦/١۴٢١ھ

شوہر کے انتقال پر جہیز، زیورات اور بچے کا حکم

سوال [١١٣٥٠]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (١) زید اور ہندہ کی شادی تقریباً ٣؍سال قبل ہوئی تھی، ہندہ کے والد صاحب نے جہیز میں بہت سارا سامان اور سونا دیا تھا، زید کے والد (سسر) نے بھی اپنی بہو ہندہ کو ہدیۃً کافی سونا دیا تھا، تقریباً ایک سال کے بعد ایک لڑکا پیدا ہوا، اس کے دو سال کے بعد زید کا انتقال ہوگیا، اب دیا ہوا جہیز اور سونا اور سسرال سے دیئے ہوئے سونے کا مالک کون ہوگا؟

(١) شادی کے تقریباً تین سال بعد زید کا انتقال ہوگیا، زید نے اپنی ملکیت میں کافی بڑا کاروبار جس میں کافی اثاثہ اور زمین وغیرہ چھوڑی اور باپ کے ساتھ بھی کاروبار میں شرکت تھی، لہٰذا ان میں کون کون کتنے حصے کا مالک ہوگا، اور زید کے ماں باپ، بھائی بہن، بیوی اور اولاد کو کتنا حصہ ملے گا؟

(٣) ہندہ کے ہمراہ دو سال کا بچہ ہے اس کی پرورش کس کے ذمہ ہوگی؟ ہندہ اگر نکاح ثانی کرتی ہے تو بچہ اپنے ساتھ رکھ سکتی ہے یا نہیں؟ اور اس کی پرورش کا حق کس پر ہوگا؟

(۴) ہندہ کے والد کا دیا ہوا جہیز اور سونا اس کے سسر یعنی زید کے والد صاحب کے

پاس ہے، ہندہ نے اپنے جہیز اور سامان کا مطالبہ کیا تو زید کے والد صاحب نے کہا کہ لڑکا ہمیں دے دو اور اپنا جہیز کا سامان لے جاؤ، کیا ان کا یہ شرط رکھنا صحیح ہے؟

آپ سے درخواست ہے کہ براہ کرم قرآن وحدیث کی روشنی میں وضاحت کے ساتھ جواب دے کر ممنون فرمائیں، عین نوازش ہوگی۔

المستفتی: محمد الیاس بیگ شہید نگر آگرہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) ہندہ کے والد نے جہیز میں جتنا سامان اور سونا وغیرہ دیا تھا وہ سب ہندہ کی ملکیت ہے، اس میں سسرال والوں میں سے کوئی مالک نہیں ہے، اور زید کے خسر (سسر) نے ہدیۃً جو زیور دیا تھا، وہ بھی ہندہ کی ملکیت میں ہے، لہٰذا ان سب چیزوں کی تنہا ہندہ مالک ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل ۱۲/ ۱۱۵)

المختار للفتویٰ أن یحکم بکون الجهاز ملکا لا عاریة، لأنه الظاهر الغالب إلا فی بلدة جرت العادة بدفع الکل عاریة فالقول للأب. (شامی، باب المهر، مطلب: فی دعویٰ الأب أن الجهاز عاریة، زکریا ٤/ ٣٠٩، کراچی ٣/ ١٥٧)

حکم الهبة ثبوت الملک للموهوب له غیر لازم. (تاتارخانیة زکریا ١٤/ ٤١٣، رقم: ٢١٥٣٧)

(۲) زید کے انتقال کے وقت اس نے اپنی ملکیت میں جو کاروبار، اثاثہ، زمین اور روپیہ پیسہ چھوڑا ہے، وہ سب کا سب زید کی طرف سے وارثین کے لیے میراث ہے، چونکہ زید کے ماں باپ زندہ ہیں اس لیے زید کے بھائی بہن وارث نہیں بنیں گے، لہٰذا زید کا کل سرمایہ چوبیس حصوں میں تقسیم ہو کر اس کی بیوی کو تین سہام، اس کے باپ کو چار سہام، اور ماں کو چار سہام ملیں گے، باقی تیرہ سہام زید کے لڑکے کو باپ کی میراث کے طور پر ملیں گے۔

(۳) زید کے بیٹے کی پرورش کا حق تا نکاح ثانی زید کی بیوی کو حاصل ہوگا، اور اگر زید کے خاندان میں دوسرا نکاح کرتی ہے تب بھی زید کی بیوی کو حاصل ہوگا، اور اگر اجنبی سے نکاح کرتی ہے تو بچہ کی نانی کو حق پرورش حاصل ہوگا۔

عن عمرو بن شعیب عن أبیه عن جده أن امرأة قالت: یا رسول الله! إن ابنی هذا کان بطنی له وعاء، وثدیی له سقاء، وحجری له حواء، و إن أباه طلقنی و أراد أن ینزعه منی، فقال لها رسول الله صلی الله علیه وسلم: أنت أحق به مالم تنکحی. (سنن أبی داؤد / الطلاق، باب من أحق بالولد، النسخة الهندیة ۱/ ۳۱۰، دار السلام رقم: ۲۲۷۶)

الأم والجدة أحق بالغلام حتی یستغنی وقدر بسبع سنین -إلی- وإنما یبطل حق الحضانة لهؤلاء النسوة بالتزوج إذا تزوجن بأجنبی. (شامی، الباب السادس عشر فی الحضانة زکریا قدیم ۱/ ۵۴۱، جدید ۱/ ۵۹۲-۵۹۳)

(۴) زید کے والد کو یہ کہنے کا حق نہیں ہے کہ لڑکا ہمیں دیدو اور اپنا جہیز کا سامان لے جاؤ، بلکہ جہیز کا سامان اور سونا وغیرہ جو ہندہ کی ملکیت میں ہے وہ لے جانے کا حق ہر وقت ہندہ کو حاصل ہے، اس پر پابندی لگانے کا حق کسی کو نہیں ہے، ہاں البتہ یہ بات الگ ہے کہ دونوں خاندان کے لوگ آپس کی رضامندی اور مشورے سے کوئی بات طے کرلیں۔

عن أبی حرة الرقاشی عن عمه أن رسول الله صلی الله علیه وسلم قال: لا یحل مال امرئ مسلم إلا بطیب نفسه منه. (مسند أبی یعلیٰ الموصلی، دار الکتب العلمیة بیروت ۲/ ۹۱، رقم: ۱۵۶۷، مسند أحمد بن حنبل ۵/ ۷۲، رقم: ۲۰۹۷۱، مسند الدار قطنی، البیوع، دار الکتب العلمیة بیروت ۳/ ۲۲، رقم: ۲۸۶۲-۲۸۶۳)

عن سعید بن زید بن عمرو بن نفیل أن رسول الله صلی الله علیه وسلم قال: من اقتطع شبرا من الأرض ظلما طوقه الله إیاه یوم القیامة من سبع أرضین. (مسلم شریف، کتاب المساقات والمزارعة، باب تحریم الظلم وغصب الأرض، النسخة الهندیة ۲/ ۳۲، بیت الأفکار رقم: ۱۶۱۰، صحیح البخاری کتاب المظالم، باب إثم من ظلم شیئا من الأرض، النسخة الهندیة ۱/ ۳۳۲، رقم: ۲۳۸۸، ف: ۲۴۵۲، سنن أبی داؤد، کتاب الأدب، باب من یأخذ الشیئ من مزاح، النسخة الهندیة ۲/ ۶۸۳، دار السلام رقم: ۵۰۰۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰/ ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۳۸۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۴/۳۰ھ

جہیز، مہر، منگنی وغیرہ کی رقومات کا حکم

سوال [۱۱۳۵۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میری بیٹی کی شادی تقریباً چھ ماہ قبل علی گڈھ میں محمد جاوید خاں مرحوم ولد محمد یوسف خاں کے ساتھ ہوئی تھی، جاوید مرحوم کا حادثہ میں انتقال ہوگیا، میں نے اپنی بیٹی کو شادی کے وقت نو لاکھ تیس ہزار روپئے، گاڑی کے واسطے اور دو لاکھ بیس ہزار روپئے فرنیچر و دیگر الیکٹرانک سامان کے واسطے اور جہیز کے دیگر سامان دیئے تھے، مرحوم نے ملے ہوئے نقد روپئے سے اپنے بھائی کی شادی اور دیگر ضروریات میں صرف کرلیا ہے، تقریبا تین لاکھ روپئے اپنے بہنوئی کو بطور قرض دیا ہے اور چار لاکھ روپئے اپنے والد کی معرفت ایک زمین کے لیے پیشگی دیا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ:

(۱) میں اتنی ساری رقومات اور جہیز کے سامان کو مرحوم جاوید کے والد سے اور ان کے بہنوئی سے از روئے شرع مطالبہ کرکے حاصل کرسکتا ہوں؟

(۲) مہر کی رقم سو گرام سونا اور گیارہ ہزار روپئے نقد تھی کیا میں از روئے شرع مرحوم جاوید کے والد سے یا مرحوم کی جائیداد اور نقد جو بینک میں ہے اس سے حاصل کرسکتا ہوں؟

(۳) مرحوم جاوید کے ترکہ میں سے میری بیٹی کو کتنا حصہ ملے گا جبکہ بچے نہیں ہیں؟

(۴) مرحوم جاوید کو منگنی میں ایک لاکھ روپیہ نقد اور ایک عدد ہیرے کی انگوٹھی دی تھی، مرحوم جاوید کی طرف سے شادی میں جو زیور آیا تھا اس کا کیا ہوگا؟

(۵) مرحوم جاوید نے اپنے کمائے ہوئے روپئے سے علی گڈھ میں ایک مکان اور زمین اپنے والد اور والدہ کے نام سے خریدی کیا اس مکان اور زمین میں ترکہ سے حصہ ملے گا؟

المستفتی: حسن افروز بنکی چک گورکھپور یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) نو لاکھ تیس ہزار روپئے گاڑی کے واسطے اور

دولاکھ بیس ہزار روپئے فرنیچر اور دیگر الیکٹرانک سامان وغیرہ کے واسطے جو دیا ہے یہ کل گیارہ لاکھ پچاس ہزار روپئے ہوئے، یہ ساری رقم لڑکی کے جہیز میں شامل ہے، اور جہیز کے دیگر جو سامان دیئے تھے وہ بھی لڑکی کے جہیز میں شامل ہیں، یہ سب کے سب لڑکی کی ملکیت ہیں، اور اس پیسے کو آپ کے داد ماداور لڑکی کے سسرال والوں نے دیگر چیزوں میں جو خرچ کردیا ہے وہ سارے پیسے مرحوم کے ترکہ میں سے مرحوم کے والد سے آپ کو وصول کرنے کا حق ہے۔

إن كل أحد يعلم أن الجهاز ملك المرأة و أنه إذا طلقها تأخذه كله و إذا ماتت يورث عنها. (شامی، باب المهر، مطلب: فی دعویٰ الأب أن الجهاز عارية، زكريا ٤/ ٣١١، كراچی ٣/ ١٥٨)

أما لو مات فادعت ورثته فلا خلاف فی كون الجهاز للبنت. (شامی زكريا ٤/ ٣٠٩، كراچی ٣/ ١٥٧)

(۲) مہر میں جو سو گرام سونا اور گیارہ ہزار روپئے نقد طے ہوئے ہیں، وہ لڑکی کا حق شرعی ہے، مرحوم کی جائیداد اور نقدی رقم جو بینک میں ہے اس میں سے یہ مہر وصول کرنا لڑکی کے لیے بلا تردد جائز اور درست ہے، اور مرحوم کے وارثین پر لازم ہے کہ لڑکی کا طے شدہ مہر مرحوم کے ترکہ میں سے ادا کریں۔

المرأة تأخذ مهرها من التركة من غير رضا الورثة، إن كانت التركة دراهم و إن كانت التركة شيئا يحتاج إلى البيع فيبيع ما كان يصلح ليستوفی صداقها. (خلاصة الفتاویٰ، الفصل السابع فی الدعویٰ والشهادة، اشرفيه ديوبند ٤/ ٢٤١)

(۳) مرحوم کے ترکہ میں سے دین کی ادائیگی اور جہیز کی مذکورہ اشیاء کی ادائیگی کے بعد جو کچھ بھی ترکہ بچے گا اس کو چار حصوں میں تقسیم کرکے ایک حصہ آپ کی بیٹی کا ہے۔

﴿وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ وَلَدٌ﴾ . [النساء: ١٢]

(۴) اگر عرف میں منگنی کے موقع پر جو کچھ دیا جاتا ہے وہ بطور ہبہ ہوتا ہے تو مرحوم جاوید کو جو ایک لاکھ روپیہ اور ہیرے کی انگوٹھی دی گئی ہے وہ بطور ہبہ ہے، اور مرحوم جاوید کی

ملکیت ہے اور شادی کے موقع پر دلہن کو جو زیورد یا جاتا ہے وہ اگر برادری کے عرف میں بطور ملکیت دیا جاتا ہے تو دولہن ان زیورات کی مالک ہے، اور اگر برادری کے عرف میں بطور ہبہ نہیں دیا جاتا ہے اور دولہن کو مالک نہیں بنایا جاتا ہے، بلکہ واپس لے لیا جاتا ہے تو وہ بطور عاریت ہے، لہٰذا جو بھی شکل آپ کی برادری کے عرف میں ہے اس کا اعتبار کرنا ضروری ہے۔

الثابت بالعرف كالثابت بالنص. (رسم المفتي، مظاهر علوم سعيديه ص: ٩٥، زكريا ص: ١٧٦، ١٧٣، شامي زكريا ٥٥٦/٦، شامي كراچى ٣٦٤/٤)

(۵) مرحوم جاوید کے بھائی بہنیں بھی ہیں، اور اس کو معلوم ہے کہ بھائی بہن بھی ماں باپ کے وارث ہوتے ہیں، اس کے باوجود اس نے ماں باپ کے نام سے جو جائیداد خریدلی ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ ماں باپ کے نام سے مصلحتاً بیع تلجئہ نہیں کرنا چاہتا ہے بلکہ بیع قطعی کر دینا چاہتا ہے اس لیے اس جائیداد کے ماں باپ ہی مالک ہیں جو ماں باپ کے نام سے خریدی گئی ہے۔

إن الملكة تثبت بمجرد العقد إذا استجمع البيع شرائط الانعقاد والصحة واللزوم والنفاذ. (شرح المجلة لخالد اتاسى ٣٥٧/٢) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍رجب المرجب ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۱۸۱/۴۰)

مرحومہ کے زیورات، مہر، جہیز وغیرہ کی شرعی تقسیم

سوال [۱۱۳۵۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میری بیوی حمل سے تھی اور بچے کی ولادت کے لیے اپنے میکہ لکھنؤ بخوشی گئی تھی، وہاں اچانک انتقال ہوگیا، کچھ دن ہوئے، میرا بیٹا ہے تقریباً ۵؍ سال کا جو پیدائشی طور پر ٹانگوں سے مفلوج ہے اس سے چلا پھرا نہیں جاتا، اس وقت اپنے ننہال میں ہے، جس وقت مرحومہ اپنے میکے لکھنؤ گئی تھی میرا اور اپنے گھر کا سارا زیور لے کر اپنے میکے گئی تھی، اور میرے زیور مانگنے پر میرے سسرال والے زیور دینے سے انکار کر رہے ہیں، اور کہہ رہے ہیں کہ ان

سارے زیورات پرلڑکا حقدار ہے تمہارا حق نہیں ہے، اگر میں بچہ کا باپ ہوں اور پرورش میں کروں تو کیا میرا حق نہیں ہے زیور اور بچے پر؟

المستفتی: محمد وسیم عرف پپو، اصالت پورہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: لڑکی کو میکہ کی طرف سے جو زیورات ملے ہوئے ہیں وہ لڑکی ہی کی ملکیت ہیں، اورشوہر کی طرف سے جو زیورات دیئے گئے ہیں وہ اگر بطور ملکیت دیئے گئے ہیں تو وہ بھی لڑکی کی ملکیت میں شمار ہوں گے اور اگر مالکانہ طور پر نہیں دیئے ہیں مگر آپ کے معاشرہ میں یہی رواج ہے کہ جو زیورات دیئے جاتے ہیں وہ لڑکی کے ہو جاتے ہیں تو ایسی صورت میں یہ سب لڑکی کی طرف سے متروکہ میراث میں شمار ہوں گے اور ان زیورات کے علاوہ الگ سے اگر مہر متعین ہو چکا ہے اور اس کی ادائیگی نہیں ہوئی ہے تو شوہر کے اوپر مہر بھی بطور قرض کے لازم ہے اور بیوی کی موت کے بعد یہ ساری چیزیں اس کی متروکہ میراث ہیں، وہ کل بارہ حصوں میں تقسیم ہو کر تین حصے شوہر کو ملیں گے، دو، دو حصے ماں باپ کو ملیں گے باقی پانچ حصے مرحومہ کے لڑکے کو ملیں گے۔ (مستفاد: امداد المفتیین /۵۶۰-۵۶۱)

فإن كل أحد يعلم أن الجهاز ملك المرأة و أنه إذا طلقها تأخذه كله و إذا ماتت يورث عنها. (شامی، باب المهر، مطلب: فی دعویٰ الأب أن الجهاز عارية، زکریا ٤/٣١١، کراچی ٣/١٥٨)

والعرف فی الشرع له اعتبار لذا عليه الحكم قد يدار. (شامی، مطلب: فی السفر بالزوجة، زکریا ٤/٢٩٥، کراچی ٣/١٤٧)

المختار للفتویٰ أن يحكم بكون الجهاز ملكا لا عارية، لأنه الظاهر الغالب إلا فی بلدة جرت العادة بدفع الكل عارية. (شامی، باب المهر، مطلب: فی دعیٰ الأب أن الجهاز عارية، زکریا ٤/٣٠٩، کراچی ٣/١٥٧، الأشباه و النظائر قديم ص: ١٧٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲/ربیع الاول ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۴۵۶)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۳/۲ھ

٤ باب الوصية قبل الموت

تقسیم ترکہ قبل نفاذ وصیت کا حکم

سوال [١١٣٥٣]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: محمد زبیر کا کچھ دن پہلے انتقال ہوگیا، ان کے کوئی اولاد نہ تھی اور ان کی بیوی حیات ہے، زبیر کا ایک ہی بھائی اقبال تھا، جس کا ان کی زندگی ہی میں انتقال ہوگیا تھا، اقبال کی بھی کوئی اولاد نہ تھی، زبیر کی ایک ہی بہن تھی جس کا ان کی زندگی میں انتقال ہوگیا، البتہ مرحومہ بہن کی اولاد حیات ہے، زبیر کی والدہ والد کا بھی انتقال ہوگیا تھا، مرحومہ بہن کی اولادوں میں تین لڑکے، تین لڑکیاں ہیں۔

زبیر کی والدہ نے ان کے والد سے ١٩٤٠ء میں طلاق لے کر دوسرا نکاح کرلیا تھا، ان کے والد نے دوبارہ شادی نہیں کی، زبیر کی والدہ کا اپنے دوسرے شوہر سے منصور نامی ایک بیٹا حیات ہے، چنانچہ منصور زبیر کا سوتیلا بھائی ہوا، یعنی ایک ماں اور دو باپ۔

تو دریافت یہ کرنا ہے کہ کیا منصور کو زبیر کا وارث سمجھا جائے گا، یا ان کی مرحوم بہن کی اولاد ان کی وارث ہے، مرحومہ بہن کے تین لڑکے، تین لڑکیاں ہیں، دونوں کے وارث نہ ہونے کی صورت میں کیا ہمیں ان کے خاندان میں وارث تلاش کرنا ہوگا، کسی بھی وارث کے نہ ملنے کی صورت میں کیا ان کی میراث راہِ خیر میں خرچ کی جاسکتی ہے؟

یہاں اس بات کا ذکر ضروری ہے کہ زبیر اپنی زندگی میں اپنے کاروباری پارٹنر سے بارہا یہ بات کہتے تھے کہ میری بہن کا انتقال ہوچکا ہے، میرے بھائی کی کوئی اولاد نہیں، اور میری بہن کی اولاد میری وارث نہیں ہوسکتی، منصور کے متعلق ان کے ذہن میں کوئی شبہ نہیں تھا، اس لیے کہ وہ ان کے باپ کی اولاد نہیں، اس وجہ سے وہ ان کا وارث نہیں ہوسکتا، کیونکہ ان کے خیال میں وارث باپ کے تعلق سے ہوتا ہے، ماں کے تعلق سے نہیں، وہ اپنے پارٹنر

سے بار ہا یہ کہتے تھے کہ میرا بیوی کے علاوہ کوئی وارث نہیں، نیز ان کی بیوی کو اس کا حق دینے کے بعد باقی رقم مساجد اور ہسپتالوں وغیرہ میں خرچ کردی جائے؟

المستفتی: عبداللہ بلرامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زبیر کا ماں شریک بھائی جس کو اخیافی بھائی کہا جاتا ہے وہ زبیر کا شرعی وارث ہے، لہٰذا اس کی وصیت کے مطابق اولاً کل مال کا ایک تہائی حصہ مساجد کے لیے الگ کرلیا جائے اسکے بعد بقیہ مال میں سے ایک چوتھائی اس کی بیوی کو ملے گا، اور اخیافی بھائی کے اصحاب رد میں سے ہونے کی وجہ سے بقیہ سارا ترکہ منصور کو مل جائے گا۔

﴿وَاِنْ كَانَ رَجُلٌ يُوْرَثُ كَلَالَةً اَوِ امْرَاَةٌ وَلَهٗ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا السُّدُسُ. [النساء: ١٢]﴾

عن عبد الله بن عمر أن عمر بن الخطاب رضى الله عنه سئل عن الوصية؟ فقال عمر: الثلث وسط من المال، لا بخس ولا شطط. (السنن الكبرىٰ للبيهقى، باب الوصية بالثلث، دار الفكر ٣٦٩/٩، رقم: ١٢٨٣٩)

ما فضل عن فرض ذوى الفروض ولا مستحق له يرد على ذوى الفروض. (سراجى ص: ٤٣)

ولا يضرب الموصىٰ له بأكثر من الثلث عند أبى حنيفةؒ. (در مختار مع الشامى، باب الوصية بثلث المال زكريا ٣٦٣/١٠، كراچى ٦٦٨/٦)

والوصية تصرف فى ثلث المال. (بدائع زكريا ٤٢٣/٦، كراچى ٣٣٠/٧)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍ شعبان المعظم ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۴۷۱)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۸/۱۴ھ

مرض الوفات کی وصیت کا حکم

سوال [۱۱۳۵۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: تسنیم کوثر نام کی ایک خاتون کی وفات ۲۷/اپریل ۲۰۱۳ء کو ہوگئی،ان خاتون کے چار بھائی حیات ہیں، حسن مسعود، ان سے بڑے ہیں،اورارشد متین،سرور، ندیم ان سے چھوٹے ہیں، تسنیم کوثر طلاق شدہ تھیں ان کی کوئی اولادنہیں تھی،اورلگ بھگ پندرہ سال پہلے مع جہیز کے سامان کے میکے آگئی تھیں،ان کا پورا خرچ مسرور نام کے بھائی اٹھاتے تھے،اور ہر ماہ خرچ کے لیے لگ بھگ ۵۵۰۰ سو روپئے دیتے تھے،مئی ۲۰۱۲ء میں تسنیم کوثر کو دل کا دورہ پڑا تو مسرور نے ہی ان کے علاج معالجہ پر لگ بھگ ساڑھے تین لاکھ روپئے خرچ کیے، دوسرے بھائی حسن اورارشد اورندیم نے نہ تو علاج پر کوئی روپیہ خرچ کیا اور نہ ہی کوئی ماہ واری خرچ دیتے تھے، کبھی کبھار عید، بقرعید پر حسن اور ارشد نے ۱۰۰،۲۰۰ روپئے یا ایک جوڑی کپڑے بنائے ہوں گے، تسنیم نے اپنی وفات سے کچھ دن پہلے اپنی دوتایازاد بہنوں اورخالہ سے کہا کہ میرا جو زیور ہے میری وفات کے بعد میرے بھائی مسرور کو دیدیا جائے،اوروہ زیور بھی تایازاد بہنوں کے حوالہ کردیا،اس کے علاوہ ان کے پاس کچھ نقدی بھی تھی، جو مسرور نے تسنیم کو خرچ کے لیے دیئے تھے، ویسے کے ویسے ہی تایازاد بہنوں کے پاس رکھوادیئے،اس کے علاوہ تسنیم کے سامان میں بھی کئی جگہ روپئے رکھے ملے، کچھ اس حالت میں جیسے مسرور نے خرچ کے لیے دیئے تھے،اور کچھ ٹکڑوں میں جگہ جگہ رکھے ملے،اس کے علاوہ تسنیم کا گھریلو سامان جو جہیز کا اوران کا خریدا ہوا ہے،تو سوال یہ ہے کہ:

(۱) کیا مسرور تایازاد بہنوں کے پاس رکھا زیور، پیسے لے سکتا ہے؟ یا یہ زیوراور روپئے سب بھائیوں میں بانٹے جائیں گے؟

(۲) گھر میں جگہ جگہ جو روپئے ملے ہیں جو مسرور نے ہی دیئے ہیں، وہ روپئے مسرور لے سکتا ہے یا یہ روپئے بھی سب بھائیوں میں تقسیم ہوں گے؟

(۳) مسرور نے تسنیم کے استعمال شدہ ۶،۷/جوڑی کپڑے اورایک نیا جوڑا ثواب

کی نیت سے بغیر دوسرے بھائیوں سے پوچھے غرباء کو دیدئے، اس میں کوئی گناہ یا حق تلفی تو نہیں ہے؟

(۴) تسنیم کے پاس باورچی خانہ میں مسالا وغیرہ اور گھریلو سامان ہے جو مسرور کے دیئے روپیوں سے خریدا گیا ہے وہ مسرور لے سکتا ہے یا وہ سامان بھی سب میں بٹے گا؟

نوٹ: تسنیم اور مسرور پہلے تو ساتھ ہی رہتے تھے لیکن ۱۲؍سال سے مسرور دوسرے شہر میں رہتے ہیں اور تسنیم کے پاس ہر مہینہ آتے رہتے تھے۔

المستفتی: احسن مسرور دیووہار کالونی سول لائن مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تسنیم کوثر کا خرچہ مسرور صاحب نے جو اٹھایا ہے وہ ان کی طرف سے تبرع ہے، جس کے عوض وہ کسی چیز کے حقدار نہیں ہوتے ہیں، اور تسنیم کوثر نے زیورات کی وصیت جو مسرور صاحب کے نام سے کی ہے وہ دیگر ورثاء کی رضامندی پر موقوف ہے، اور گھر میں جگہ جگہ جو روپئے ملے ہیں تو چوں کہ مسرور صاحب نے تسنیم کوثر کو ہبہ کر کے قبضہ دیدیا تھا جس بناء پر وہ ان کی مالک بن چکی تھیں لہٰذا اب ان کی وفات کے بعد وہ ترکہ شمار ہوگا، اسی طرح ان کے کپڑے اور باورچی خانہ میں رکھے مسالہ جات وغیرہ یہ سب تمام شرعی ورثاء کے درمیان تقسیم ہوں گے اور کپڑے جو مسرور صاحب نے فقراء کو دیدیئے ہیں اس میں چونکہ تمام ورثاء کا حق تھا اس لیے مسرور صاحب ان کپڑوں کی قیمت ادا کریں جو ترکہ میں شامل ہوگا۔

وتتم الهبة بالقبض الكامل لقوله عليه السلام لاتجوز الهبة إلا مقبوضة. (مجمع الأنهر، كتاب الهبة، دار الكتب العلمية بيروت ۳/ ۳۹۱، مصری قدیم ۲/ ۳۵۳، شامی کراچی ۵/ ۶۹۰، زکریا ۸/ ۵۲۰، الفتاویٰ التاتارخانية زكريا ۱٤/ ٤۲۱، رقم: ۲۱۵٦۳، شرح المجلة رستم اتحاد ۱/ ٤۷۳، رقم المادة: ۸٦۱)

إقرار المريض لوارثه لايجوز إلا بإجازة بقية الورثة. (هنديه، الباب السادس فی أقارير المريض و أفعاله، زكريا جديد ٤/ ۱۸۱، قديم ٤/ ۱۷٦)

ثــم لـلـرجـوع مـوانـع ...... قال أو بموت أحد المتعاقدين لأن بموت الموهوب له ينتقل الملك إلى الورثة. (بناية اشرفيه ديوبند ١٠/ ١٩٠)

التـركة فـي الاصـطـلاح مـا تركه الميت من الأموال صافيا عن تعلق حق الغير بعين من الأموال. (شامی كراچی ٦/٧٥٩، زكريا ١٠/٤٩٣)

ثـم يـقسم الباقي بين ورثته بالكتاب والسنة وإجماع الأمة. (سراجی ص: ٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵؍ جمادی الثانیہ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۱۶۴)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۵/ ۶/ ۱۴۳۴ھ

مرض الموت میں پورا مکان مہر میں دینے کا حکم

سوال [۱۱۳۵۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اسلام الدین کی ملکیت میں صرف ایک مکان تھا جس کی قیمت تقریباً ڈھائی لاکھ روپیہ ہے، انہوں نے اپنے مرض الموت میں انتقال سے چند روز قبل یہ پورا مکان اپنی بیوی کو مہر میں دیدیا جبکہ ان کا مہر صرف مہر فاطمی ہے تو کیا مرض الموت میں ڈھائی لاکھ روپیہ کی مالیت کا مکان مہر میں دینا درست ہے، جبکہ اسلام الدین کے ورثاء میں ایک بیوی، ایک لڑکا اور پانچ لڑکیاں ہیں؟

المستفتی: محمد اسلم متولی جامع مسجد عمری کلاں مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مرض الموت میں شوہر نے مہر کے عوض میں جو ڈھائی لاکھ کی مالیت کا مکان بیوی کو دیدیا تھا یہ وصیت کے حکم میں ہے اور وارث کے لیے شرعاً وصیت جائز نہیں ہے، لہٰذا بیوی کو مکان نہیں ملے گا، بلکہ اس مکان کی قیمت میں سے بقدر مہر ملے گا، مہر فاطمی کی مقدار ڈیڑھ کلو تیس گرام نو سو ملی گرام چاندی ہے اس کی قیمت بازار سے

معلوم کرلی جائے، گیارہ، بارہ ہزار اس کی قیمت بنتی ہے، لہٰذا مذکورہ مکان کی قیمت میں سے ہی گیارہ، بارہ ہزار روپیہ مہر میں دیا جاسکتا ہے، باقی مکان یا مکان کی پوری قیمت تمام ورثاء کے درمیان شرعی حصوں کے اعتبار سے تقسیم ہوگی، جس میں مرنے والے کی بیوی کا بھی حصہ ہوگا۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۴/۳۳۱)

عن أبي أمامة الباهلي –رضي الله عنه– قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول في خطبته عام حجة الوداع، إن الله تبارك وتعالىٰ قد أعطىٰ كل ذي حق حقه فلا وصية لوارث. (سنن الترمذي، باب ما جاء لا وصية لوارث، النسخة الهندية ۲/۳۲ دار السلام رقم: ۲۱۲۰، سنن أبي داؤد، الوصايا، باب ماجاء في الوصية للوارث، النسخة الهندية ۲/۳۹٦، دار السلام رقم: ۲۸۷۰، سنن ابن ماجه، لاوصية لوارث، النسخة الهندية ۲/۱۹٤ دار السلام رقم: ۲۷۱۳)

والهبة من المريض للوارث في هذا نظير الوصية لأنها وصية حكما. (هدايه، كتاب الوصايا، باب في صفة الوصية، اشرفی ٤/٦٥٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱/رجب المرجب ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۴۵۵)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۷/۸ھ

پورے ترکہ کو کارِ خیر میں وصیت کرنے کی شرعی حیثیت

سوال [۱۱۳۵٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میری ہمشیرہ مشکاۃ جہاں بیوہ راحت علی مرحوم نے مجھے اور ظفر علی کو بلا کر کہا کہ میرے مکان کو فروخت کردو، اس کو فروخت کر کے چار حصہ کرو، ایک حصہ خود نفیس الرحمٰن کو جو کہ بیوہ کے بھائی ہیں کو دینا اور دوسرا حصہ اللہ کے نام کا کر دینا، اور تیسرا حصہ ظفر علی کے لڑکے عدنان کو دینا، اور چوتھا حصہ میرے اوپر اور میرے موت گڑھے کے لیے رکھ دینا۔

اب ان کا انتقال ہوگیا، وہ مکان ابھی تک فروخت نہیں ہوا ہے، ان کی کوئی اولاد بھی

نہیں ہے، شرعی اعتبار سے اس مکان کی تقسیم ان کی بتلائی ہوئی وصیت کے مطابق ہوگی یا اس میں وارثین کو بھی شامل کیا جائے گا؟ بیوہ کی ایک بہن ایک بھائی حیات ہیں، جن کی اولادیں بھی ہیں، ان کی حیات میں ایک بھائی کا انتقال ہو چکا جن کی ایک بیوہ، ایک لڑکا، اور تین لڑکیاں ہیں، جن کی شادیاں ہو چکی ہیں، تینوں کا انتقال ان کی حیات میں ہو چکا تھا، جن کی اولادیں زندہ ہیں، اور سب کی شادیاں ہو چکی ہیں؟

المستفتی: نفیس الرحمٰن ولد شفیق الرحمٰن مسجد قلعہ والی رامپور یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بیوہ نے جو وصیت کی ہے وہ وصیت ترمیم ہو کر کے نافذ ہوگی، اس کی شکل یہ ہوگی کہ مکان کی پوری قیمت میں سے جتنے پیسہ کی بیوہ کے کفن دفن میں ضرورت پڑے اس پر خرچہ کیا جائے اس کے بعد باقی سارے پیسے ۱۸؍ حصوں میں تقسیم ہو کر تین حصے کارخیر میں خرچ ہوں گے، اور تین حصے بھتیجے عدن کو ملیں گے اور یہ تین حصے تہائی میں وصیت نافذ ہونے کی وجہ سے ملیں گے، اس کے بعد بقیہ بھائی کو آٹھ حصہ اور بہن کو چار حصہ اس طریقہ پر تقسیم ہوگا:

۱۸/۳ میــــــت ۶

کارخیر	بھتیجا	بھائی	بہن
۱/۶		۲/۱۲	
۳	۳	۸	۴

مذکورہ ورثاء میں سے ہر ایک کو بیوہ کے ترکہ میں سے اتنا اتنا ملے گا جو ان کے نیچے درج ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍ محرم الحرام ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۳۵۷)

وارث کے حق میں ہبہ پر شرعی ثبوت کے ساتھ وصیت کا ثبوت ہو تو؟

سوال [۱۱۳۵۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرے تین لڑکے اور دولڑکیاں ہیں، پانچوں شادی شدہ ہیں، میری دونوں لڑکیوں نے کبھی کوئی مالی مطالبہ نہیں کیا اور نہ آئندہ کوئی مالی مطالبہ کرنا چاہتی ہیں، البتہ ان دونوں لڑکیوں کی حق شناسی کی جاتی ہے، ایک ہمارا رہائشی مکان ہے، جس کو ابھی اولادوں میں تقسیم نہیں کیا ہے، جس کی قیمت اندازاً چار لاکھ روپیہ ہے، میرے بڑے دونوں لڑکے اپنے وطن سے باہر کاروبار کے سلسلے میں تقریباً ۳۵ ؍سال قبل چلے گئے، ان دونوں لڑکوں کا کاروبار میرے شوہر نے ہی اپنے پاس سے کرایا، حالانکہ جس وقت میرے بڑے دونوں لڑکے ہمارے پاس سے باہر گئے اس وقت ہمارے کاروبار کی پوزیشن بہت کمزور تھی، یہاں تک کہ ہم اس وقت ایک لاکھ کے مقروض تھے، اس کے بعد میرے شوہر اور میرے تیسرے بیٹے محمد سلطان کی جدو جہد سے کاروبار سنبھلا، کاروبار سنبھلنے کے بعد میرے بڑے دونوں لڑکے جو باہر چلے گئے وہ دونوں میرے شوہر سے وقتاً فوقتاً کثیر رقم لیتے رہے، یہاں تک کہ ان دونوں کی طرف تقریباً چار لاکھ روپیہ پہنچ گئے، جبکہ ان دونوں بڑے لڑکوں نے میری اور نہ میرے شوہر کی کوئی خدمت کی، بلکہ بڑے لڑکے کی بداخلاقی کی وجہ سے میرے شوہر اس سے بہت تنگ آکر لفظ عاق کا استعمال کردیا کرتے تھے، میرے شوہر میرے چھوٹے بیٹے محمد سلطان کی خدمت اور کاروبار کی محنت کی وجہ سے ۱۹۹۳ء میں فیکٹری کا نصف حصہ جس کی قیمت اس وقت پچھتر ہزار روپیہ ہوگی، میرے چھوٹے بیٹے محمد سلطان کو ہبہ کردی، بقیہ نصف حصہ میرا چھوٹا بیٹا محمد سلطان اپنی کمائی سے پہلے ہی حاصل کر چکا تھا، میرے شوہر نے ایک آراضی جس کی قیمت اندازاً پچاس ہزار روپیہ ہوگی وہ چھوٹے بیٹے محمد سلطان کو ہبہ کی۔

تیسری فیکٹری سے متعلق آمد ۱۹۹۵ء میں جو تقریباً ایک لاکھ پچاس ہزار روپیہ ہوگی، میرے چھوٹے بیٹے محمد سطان کے نام میرے شوہر نے وصیت کی اس کے بعد میرے شوہر کا

۲۰۰۰ء میں انتقال ہوگیا، اب بڑے دونوں لڑکے یہ سوال کرتے ہیں کہ صرف چھوٹے بیٹے محمد سلطان ہی کے نام ہبہ اور وصیت جائیداد وکاروبار کی کیوں کی ہے، جبکہ ہم بھی موجود ہیں حالانکہ بڑے دونوں لڑکوں کی کمائی ہمیں ۲۵؍سال سے حاصل نہیں ہے اور نہ ہمیں کوئی کمائی دی ہے، یہ سب محنت میرے شوہر اور میرے چھوٹے لڑکے محمد سلطان کی ہے جس کو ہبہ و وصیت کیا ہے، جبکہ رہائشی مکان ابھی باقی ہے، اس کو میں اپنی اولاد میں تقسیم کی نیت رکھتی ہوں، ایسی صورت میں میری اور میرے چھوٹے بیٹے محمد سلطان کی شرع کی رو سے کیا غلطی ہے اور میرے شوہر کا میرے چھوٹے بیٹے محمد سلطان کے نام ہبہ و وصیت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: بھوری بیگم کانٹھ امروہہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آپ کے شوہر نے اپنی زندگی میں چھوٹے بیٹے محمد سلطان کو جو فیکٹری کا نصف حصہ اسی طرح دیگر آراضی جو ہبہ کی ہیں اگر اس ہبہ کا شرعی ثبوت ہے یعنی تحریری شکل میں موجود ہے، اور قبضہ بھی محمد سلطان کو دیدیا ہے تو ایسی صورت میں ہبہ درست ہے اور اس میں دیگر ورثاء کا حق نہ ہوگا بلکہ محمد سلطان ہی اس کا مالک ہوگا۔

وتتم الهبة بالقض الكامل . (در مختار على الشامي، كتاب الهبة، زكريا ٨/٤٩٣، كراچی ٥/٦٩٠)

البتہ ہبہ کے علاوہ محمد سلطان کے نام جو وصیت کی ہے اس کا شرعاً کوئی اعتبار نہیں ہے بلکہ وہ کالعدم ہے اس میں بڑے دونوں لڑکے بھی برابر کے حقدار ہوں گے۔

عن أبي أمامة الباهلي -رضي الله عنه- قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول في خطبته عام حجة الوداع، إن الله تبارك وتعالىٰ قد أعطىٰ كل ذي حق حقه فلا وصية لوارث . (سنن الترمذي، باب ما جاء لا وصية لوارث، النسخة الهندية ٢/٣٢ دار السلام رقم: ٢١٢٠، سنن أبي داؤد، الوصايا، باب ماجاء في الوصية للوارث، النسخة الهندية ٢/٣٩٦، دار السلام رقم: ٢٨٧٠، سنن ابن ماجه، لا وصية

لوارث، النسخة الهندية ۲/ ۱۹٤ دار السلام رقم: ۲۷۱۳)

لہٰذا ہبہ کے علاوہ جائیداد وغیرہ جن کی مرحوم نے وصیت کی تھی یا جو کچھ جائیداد مال نقدی وغیرہ بوقت موت مرحوم کی ملک میں تھی، وہ سب درج ذیل نقشہ کے مطابق تقسیم ہوگی:

۶۴ / ۸

میت

بیوی	لڑکا	لڑکا	لڑکا	لڑکی	لڑکی
۱					
۸	۱۴	۱۴	۱۴	۷	۷

مرحوم کا کل ترکہ ۶۴ رسہام میں تقسیم ہوکر ہر وارث کو اتنا ملے گا جو اس کے نیچے درج ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲ ر ربیع الاول ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۷۰۸۹)

وراثت کے متعلق وصیت بنانا

سوال [۱۱۳۵۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) اگر کوئی اپنی زندگی میں اپنی وراثت سے متعلق وصیت بنانا چاہے تو وہ بنا سکتا ہے یا نہیں؟ کیا وہ اپنی مرضی سے اپنی جائیداد کا بٹوارہ کرسکتا ہے؟ اگر کرسکتا ہے تو اس بٹوارہ کا طریقہ ارسال فرمائیں۔

(۲) اپنی وراثت سے وہ اولاد میں سے کسی کو بطور ہدیہ دے سکتا ہے یا نہیں؟ اگر دے سکتا ہے تو کتنا دے سکتا ہے؟

(۳) وراثت درج ذیل ہے اس کی تقسیم کس طرح کی جائے، وارث کل چار ہیں: لڑکا، لڑکی شادی شدہ، لڑکی شادی شدہ، بیوی۔

جائیداد کی تفصیل: الف: زراعت کل ۶۱۴ ر آر جو ایک ساتھ نہیں الگ الگ ۵ ر

ٹکڑوں میں ہے،ان کی تفصیل: ۸۱/آر،۸۹/آر، ۱۵۸/آر،۱۸۴/آر،۱۰۲/آر،کل ۶۱۴/آر جن کی مجموعی قیمت ۶۱۴۰۰۰۰ روپئے ہے، اور مکانات کی کل قیمت تقریباً اٹھارہ لاکھ روپئے، کل اناسی لاکھ چالیس ہزار روپئے ہوئے۔

(۴) اگر لڑکیوں میں صرف زراعت تقسیم کرنا ہو تو کیا ایسا کیا جا سکتا ہے، مکانات کے عوض اتنی قیمت کی زراعت دی جاسکتی ہے، اگر ہاں تو لڑکیوں کے حصے میں کل زمین زراعت کتنے آر دینا ہوگی؟

المستفتی: قاضی حمید الدین، افضل الدین قاضی محلّہ تھانیسر شید پور دھولیہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱-۳) آدمی کے مرنے سے پہلے اس کی جائیداد وراثت نہیں بنتی ہے اور وارثین کے بارے میں دوسرے ورثاء کی مرضی کے بغیر وصیت درست نہیں ہوتی ہے، ہاں البتہ اتنی بات کی گنجائش ہے کہ مرنے کے بعد جس وارث کو وراثت میں جتنا مل سکتا ہے اتنے حصہ پر ہر وارث کو استعمال کے لیے قبضہ دے دیا جائے، مالک نہ بنایا جائے تاکہ مرنے کے بعد ہر وارث کے اپنے اپنے حصہ پر پہلے سے قابض ہونے کی وجہ سے ان کے درمیان میں کوئی جھگڑا اور اختلاف واقع نہ ہوسکے، اگر سائل کے مرنے کے وقت سوالنامہ میں ذکر کردہ چاروں ورثاء زندہ رہتے ہیں تو ۷۹۴۰۰۰۰/روپئے درج ذیل نقشہ کے مطابق تقسیم ہوں گے اور زراعت کی زمین اور رہائشی مکانات ہر ایک میں لڑکی کا بھی حصہ ہوتا ہے جو ذیل کے نقشہ سے واضح ہو جائے گا۔

تداخل ترکہ:

میـــــــــــــــــــــــــــت

	بیوی	لڑکا	لڑکی	لڑکی
سہام	۱/۴	۱۴	۷ ۷	۷
ترکہ	۹۹۲۵۰۰/روپئے	۳۴۷۳۷۵/روپئے	۱۷۳۶۸۷۵/روپئے	۱۷۳۶۸۷۵/روپئے

(۴) لفظ آر یہاں مرادآباد میں مستعمل نہیں ہے اور نہ ہمیں اس کا معنی معلوم ہے، لہٰذا ترکہ کو اوپر کے نقشہ کے مطابق تقسیم کیا جائے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/ذی الحجہ ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۰۸۹۰)

وارثین کے حق میں وصیت نافذ نہیں ہوتی

سوال [۱۱۳۵۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) ہمارے والد صاحب نے کما کر کھیت ومکان خریدا، اس کے بعد ہمارے بڑے بھائی صاحب محمد قیس گھر سے بٹوارہ کر کے الگ ہو گئے، الگ ہونے کے بعد ہمارے والد صاحب نے ایک اور مکان خریدا جو خود چھوٹے بھائی محمد فیروز کے نام بیع نامہ ہے اور ہم لوگ دو بھائی: محمد قیس، محمد فیروز اور چار بہنیں ہیں اور والد، والدہ باحیات ہیں، والد صاحب کو فکر ہوئی کہ اپنی زندگی میں مسئلہ حل کردیں، تو انہوں نے چند لوگوں کے سامنے جھگڑا ختم کرنے کے لیے ۹۰ ڈسمل آراضی بڑے بھائی محمد قیس کے نام سے رجسٹرڈ وصیت کردی، اور ۹۸/ ڈسمل آراضی جو میری ماں کے نام سے تھی چھوٹے بھائی محمد فیروز کے نام سے رجسٹرڈ وصیت کردی اور والد، والدہ چھوٹے بھائی محمد فیروز کے ساتھ رہتے ہیں، اور دو مکان جو بٹوارہ سے پہلے کے تھے سب بڑے بھائی محمد قیس کے نام وصیت کردی، جبکہ بڑے بھائی محمد قیس والد صاحب کے سخت نافرمان ہیں، اور والد صاحب کا کہنا ہے کہ اپنی زندگی میں دین یا دنیا کی میری کوئی بات نہیں مانی ہے یہاں تک کہ والد صاحب کو اور والدہ صاحبہ کو اور چھوٹے بھائی محمد فیروز کی اہلیہ اور ان کے بچوں کو اس گھر سے نکال کر قبضہ کرلیا، جس کو والد صاحب نے اپنی کمائی سے خریدا اور بنایا تھا، اور وہ مکان جو بٹوارہ کے بعد محمد فیروز اور والد صاحب نے مل کر خریدا تھا اور محمد فیروز کے نام بیع نامہ بھی ہے، وہ چھوٹے بھائی محمد فیروز کو دیدیا، اور

والد صاحب نے اپنی زندگی میں کئی بار کھیت اور زمین کو خریدا، لیکن اپنی مرضی سے نفع کے تحت کبھی ضرورت کے تحت فروخت کر دیا، اب سوال یہ ہے کہ یہ جس انداز سے بٹوارہ ہوا ہے، کیا اس میں بہنوں کا بھی حق ہے؟

(۲) بٹوارہ میں جو کمی زیادتی ہوئی ہے کیا شریعت کے حساب سے جائز ہے یا نہیں؟

(۳) یہ زمین جائیداد جو اپنی ضرورت کے لیے یا نفع کے لیے والد صاحب نے فروخت کیا کیا وہ ناجائز ہے یا جائز؟

المستفتی: محمد فیروز بن سیف اللہ مہراج گنج یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: باپ نے جھگڑے کو نمٹانے کے لیے دونوں لڑکوں کے نام سے جائیداد کی جو رجسٹری وصیت کر دی ہے، شرعی طور پر وارثین کے حق میں وصیت نافذ نہیں ہوئی، چاہے جس کے نام وصیت کی ہے، وہ فرمانبردار ہو یا نافرمان، لہٰذا باپ کی وفات کے بعد وصیت شدہ تمام جائیداد میراث بن جائے گی، اور بھائیوں کے ساتھ بہنیں بھی میراث میں شریک ہو جائیں گی، لہٰذا اگر ماں باپ دونوں گذر جائیں اور صرف بیٹے اور بیٹیاں زندہ ہوں تو کل جائیداد آٹھ سہام میں تقسیم ہو کر دونوں بھائیوں کو دو دو حصے ملیں گے اور چاروں بہنوں کو ایک ایک حصہ ملے گا، ہاں البتہ چھوٹے بھائی فیروز کے نام سے جو مکان باپ اور فیروز کے مشترکہ پیسے سے خرید کر فیروز ہی کے نام سے بیع نامہ رجسٹری کر دی گئی، اس کا مالک فیروز رہے گا، اس لیے کہ یہ وصیت نہیں ہے بلکہ فیروز کے نام سے خریدا گیا ہے تاہم اگر باپ اپنی زندگی میں تقسیم کر کے مالک بنانا چاہتا ہے تو لڑکیوں کو لڑکوں کے برابر دینا لازم ہو جائے گا، ورنہ باپ گنہگار رہوگا۔

عن أبی أمامة الباهلی –رضی الله عنه– قال: سمعت رسول الله ﷺ یقول فی خطبته عام حجة الوداع، إن الله تبارک وتعالیٰ قد أعطیٰ کل ذی حق حقه فلا وصیة لوارث. (سنن الترمذی، باب ما جاء لا وصیة لوارث،

النسخة الهندية ٢/ ٣٢ دار السلام رقم: ٢١٢٠، سنن أبی داؤد، الوصايا، باب ماجاء فی الوصية للوارث، النسخة الهندية ٢/ ٣٩٦، دار السلام رقم: ٢٨٧٠، سنن ابن ماجه، لاوصية لوارث، النسخة الهندية ٢/ ١٩٤ دار السلام رقم: ٢٧١٣)

ولاتجوز لوارثه لقوله عليه السلام: إن الله أعطى كل ذی حق حقه ألا لاوصية لوارث ولأنه يتأذى البعض بإيثار البعض ففی تجويزه قطيعة رحم.

(هدايه، كتاب الوصايا، باب فی صفة الوصية اشرفی ٤/ ٦٥٧)

والقبض الكامل فی المنقول ما يناسبه وفی العقار ما يناسبه. (شرح المجلة رستم اتحاد ١/ ٤٦٢ - ٤٦٣)

لابأس بتفضيل بعض الأولاد فی المحبة لأنها عمل القلب وكذا فی العطايا إن لم يقصد به الإضرار وإن قصده فسویٰ بينهم يعطی البنت كالإبن عند الثانی، وعليه الفتویٰ، وتحته فی الشامية: أی على قول أبی يوسفؒ: من أن التنصيف بين الذكر والأنثیٰ أفضل من التثليث الذی هو قول محمدؒ.

(شامی، كتاب الهبة زكريا ٨/ ٥٠١- ٥٠٢، كراچی ٥/ ٦٩٦، هنديه زكريا قديم ٤/ ٣٩١، جديد ٤/ ٤١٦، قاضيخان زكريا جديد ٣/ ١٩٤، وعلى هامش الهندية ٣/ ٢٧٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶؍ ربیع الاول ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۴۹۹)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۳/۶ھ

وارث کے حق میں وصیت

سوال [۱۱۳۶۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) زید نے اپنے انتقال کے وقت ترکہ میں ایک مکان چھوڑا اور کچھ نقد روپیہ چھوڑا، اور وارثوں میں ایک حقیقی بھائی ایک حقیقی بہن اور منجھلے حقیقی بھائی کی اولاد اور اپنی لڑکی

کی اولاد یہ سب وارث چھوڑے، زید کی بیوی کا اور اس کی لڑکی کا اور منجھلے بھائی کا زید کی حیات میں انتقال ہو چکا تھا، لڑکی کی اولاد میں چار لڑکیاں (زید کی نواسی ہیں) منجھلے متوفی بھائی کی اولاد میں تین لڑکے، ایک لڑکی (زید کے بھتیجے اور بھتیجی) چار ہیں۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید کا یہ مذکورہ ترکہ (مکان اور نقدی روپیہ) ان مذکورہ ورثاء میں کس طرح تقسیم ہوگا؟ کس کس کو ملے گا؟ اور کس کس کو نہیں ملے گا؟ اور جس کو ملے گا تو کتنا ملے گا؟

(۲) زید نے جو مکان ترکہ میں چھوڑا ہے اس پورے مکان کی اپنی زندگی میں اس نے اپنے منجھلے متوفی بھائی کے تین لڑکوں میں سے بڑے لڑکے محمد طفیل کے نام وصیت کر دی تھی کہ تا زندگی میرا اور میرے مرنے کے بعد تیرا ہے، تو اب یہ وصیت شرعاً مانی جائے گی یا نہیں؟ اس مسئلہ کے جواب باصواب سے مشرف فرما کر عند اللہ ماجور ہوں اور سب باتوں کا جواب تفصیل سے سمجھا کر تحریر فرمائیں؟

المستفتی: رحمت اللہ دوکاندار ہلدوانی نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۲) بر تقدیر صحت واقعہ وبعد ادائے حقوق متقدمہ علی الارث زید نے جو مکان اپنے منجھلے بھائی کے لڑکے محمد طفیل کے نام وصیت کیا تھا وہ شرعاً معتبر ہے، اس لیے کہ وہ میت کا شرعی وارث نہیں ہے، اور غیر وارث کے لیے وصیت جائز ہے۔

عن عبد الله بن عمر أن عمر بن الخطاب رضی الله عنه سئل عن الوصية؟ فقال عمر: الثلث وسط من المال، لا بخس ولا شطط. (السنن الکبریٰ للبیهقی، باب الوصية بالثلث، دار الفکر ۹/۳۶۹، رقم: ۱۲۸۳۹)

وتجوز بالثلث للأجنبی عند عدم المانع وإن لم يجز الوارث ذٰلک. (در مختار مع الشامی، کتاب الوصية، باب الوصية بالثلث، زکریا ۱۰/۳۳۹، کراچی ۶/۶۵۰)

لہٰذا اگر ورثاء اجازت دیدیں تو پورا مکان محمد طفیل کو مل جائے گا، ایسی صورت میں صرف نقد روپئے ترکہ شمار ہوں گے، اور اگر ورثاء پورے مکان میں نفاذ وصیت کی اجازت

نہیں دیتے تو مکان اور روپیوں کو جمع کر کے اس کے تین حصے کریں گے، جن میں سے ایک ثلث میں وصیت نافذ ہوگی، لہٰذا ایک ثلث کے بقدر جتنا مکان آتا ہے وہ محمد طفیل کو ملے گا باقی دوثلث میں وراثت جاری ہوگی۔

فإن الموصی إذا ترک ورثه فإنما لا تصح بما زاد علی الثلث والمراد بعدم الصحة عد النفاذ حتی لا ینفذ بل یتوقف علی الإجازة. (البحر الرائق، کتاب الوصایا، زکریا ۹/ ٤ ۲۱، کوئٹه ۸/ ٤ ۰ ٤، شامی زکریا ۱۰/ ۹ ۳ ۳، کراچی ٦/ ٦٥۰)

(۱) سوال میں مذکور لوگوں میں سے صرف حقیقی بھائی بہن وارث ہوں گے جن کے درمیان کل ترکہ درج ذیل نقشے کے مطابق تین حصوں میں تقسیم ہوکر دو حصہ بھائی کو، ایک حصہ بہن کو مل جائے گا۔

زید میـــــــــــــــــت ۳

حقیقی بھائی	حقیقی بہن
۲	۱

فللذکر مثل حظ الأنثیین، الأقرب فالأقرب (إلی قوله) ثم جزء أبیه أی الإخوة ثم بنوهم وإن سفلوا. (سراجی ص: ۲۲ باب العصبات) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳ ربیع الثانی ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ٦۰۹۵)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۴/۳ھ

والدہ کی موت کے بعد وصیت کا حکم

سوال [۱۱۳٦۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میری والدہ کے پاس دو دو کانیں اور دو مکانات تھے، انہوں نے اپنی زندگی میں اپنی دو کانیں اپنے دو لڑکوں محمد یامین، محمد سرفراز کو دیدی تھیں، اور دو مکان چار لڑکے: تنویر احمد، سلیم احمد، محمد عمر فاروق، تسلیم احمد، تین لڑکیاں: شاہین بانو، پروین بانو، مبین بانو، کو دیدیئے

تھے، اور قبضہ بھی دیدیا تھا لیکن اس کے ساتھ ہی ایک تحریر وصیت نامہ کے طور پر یہ لکھی تھی کہ ان دوکانوں اور مکانوں کی زندگی بھر میں مالک رہوں گی، اور میرے انتقال کے بعد دو دوکانیں بڑے لڑکے محمد یامین اور محمد سرفراز کو ملیں گی، اور دونوں مکانات چار لڑکے اور تین لڑکیوں کو ملیں گے، پھر والدہ کا انتقال ہوگیا، تو اب دریافت یہ کرنا ہے کہ والدہ کی وصیت کے مطابق تقسیم ہوگی یا دونوں دوکانوں اور دونوں مکانوں کی تقسیم حسب حصص شرعیہ ہوگی؟ شرعی حکم تحریر فرمادیں؟

المستفتی: محمد عمر فاروق ہلدوانی نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر سوال نامہ واقعہ کے مطابق صحیح اور درست ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ والدہ نے بڑے دونوں لڑکوں کو دوکان استعمال کے لیے دی اور حقیقت میں والدہ ہی مذکورہ ساری جائیداد کی مالک ہے اور مرنے کے بعد جن کے قبضہ میں جو جائیداد ہے ان کے مالک ہونے کی جو وصیت کی ہے اس وصیت کا سارا مدار والدہ کی وفات کے بعد ورثاء پر ہے، اگر سارے ورثاء اس کے نفاذ کی بخوشی اجازت دیتے ہوں تو وہ نافذ ہوگی، ورنہ وہ وصیت باطل ہو جائے گی، اور سوالنامہ سے یہ بات واضح ہورہی ہے کہ سارے ورثاء اس وصیت نامہ پر راضی نہیں ہیں، اس لیے دونوں دوکان اور دونوں مکان والدہ کی میراث شمار ہوکر ساری اولادوں میں شرعی حصوں کے حساب سے تقسیم ہوں گے، اس میں دوکانوں کی قیمت لگا کر تقسیم کی جائے اور مکان اگر بڑے بڑے ہیں تو گزوں کے حساب سے تقسیم کردیئے جائیں، اگر چھوٹے ہیں تو قیمت کے حساب سے تقسیم کردیئے جائیں، لہٰذا والدہ کی وفات کے بعد مذکورہ ورثاء کے درمیان دونوں دوکان اور دونوں مکان درج ذیل نقشہ کے مطابق تقسیم ہوں گے۔

۱۵
میـــــــــــــــــــــــــــــــــــت

لڑکا	لڑکا	لڑکا	لڑکا	لڑکا	لڑکا	لڑکی	لڑکی	لڑکی
۲	۲	۲	۲	۲	۲	۱	۱	۱

مرحومہ کا ترکہ ۱۵ ر حصوں میں تقسیم ہوکر اسی کے تناسب سے ترکہ میں سے لڑکوں کو دو

دو حصے اور لڑکیوں کو ایک ایک حصہ ملے گا۔

عن أبی أمامة الباهلیؓ قال: سمعت رسول الله ﷺ یقول: فی خطبته عام حجة الوداع ...... إن الله أعطیٰ کل ذی حق حقه فلا وصیة لوارث. (سنن الترمذی، باب ماجاء فی الوصیة للوارث، النسخة الهندیة ۲/۳۲، دار السلام رقم: ۲۱۲۰)

عن عبد الله ابن عباسؓ قال: قال رسول الله ﷺ: لاتجوز الوصیة لوارث، إلا إن شاء الورثة. (السنن الکبریٰ للبیهقی باب نسخ الوصیة للوالدین والأقربین، دار الفکر ۹/۳۵۶ -۳۵۷ -۳۵۸، رقم: ۱۲۷۹۷- ۱۲۷۹۸ - ۱۲۸۰۳، سنن الدار قطنی، دار الکتب العلمیة بیروت ۴/۸۶ رقم: ۲۴۵۱ - ۲۴۵۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۲۵/صفر المظفر ۱۴۳۵ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۴۴۹)	۱۴۳۵/۲/۲۵ھ

مورث کا بیٹوں کو مکان کی وصیت کرنا

سوال [۱۱۳۶۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) بارہ سال قبل زید کا انتقال ہوا، زید نے اپنے ترکہ میں ایک مکان جس میں ۴/ کمرے، دو دوکانیں، ایک ہال، ایک دو چھتی چھوڑی، اپنی زندگی میں زید نے اپنے تمام اہل خانہ کے سامنے اس مکان کو اپنے بیٹوں کے لیے خاص کر دیا تھا، زید کی بیوی بیٹے اور بیٹیاں اس پر گواہ ہیں۔

(۲) زید کے ورثاء میں تین بیٹے اور پانچ بیٹیاں ہیں، بیٹیاں مکان مذکورہ میں اپنے حصہ کا مطالبہ کر رہی ہیں، قرآن وحدیث کی روشنی میں حصہ کی تقسیم کس طرح ہوگی؟

(۳) اگر زید کی بیٹیاں اپنا حصہ معاف کرنا چاہیں تو شرعاً معافی کا طریقہ کیا ہوگا؟

المستفتی: رشیدہ خاتون معرفت: محمد نعیم چابک سوار دہلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سوالنامہ سے معلوم ہوا کہ زید نے بیٹوں کو ہبہ

کر کے قبضہ نہیں دیا ہے، بلکہ مرنے کے بعد یہ مکان خاص طور پر بیٹوں کو ملنے کی وصیت کی ہے اور وارثین کے حق میں وصیت معتبر نہیں ہوتی ہے، اس لیے مذکورہ مکان میں تمام شرعی ورثاء کا حق ان کے حصوں کے اعتبار سے موجود ہے، اور بیٹیوں کا اس مکان میں اپنے حصہ کا مطالبہ کرنا قرآن وحدیث کی روشنی میں صحیح اور درست ہے، لہٰذا مذکورہ مکان ۸۸؍سہام میں تقسیم ہوکر زید کی بیوی کو ۱۱؍اور لڑکوں کو چودہ چودہ اور لڑکیوں کو سات سات سہام ملیں گے۔

سوال نامہ میں تیسرا سوال قائم کیا گیا کہ اگر بیٹیاں معاف کریں تو معاف کرنے کا طریقہ کیا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جب بیٹیاں اپنے حق کا مطالبہ کررہی ہیں تو معاف کرنے کا طریقہ معلوم کرنے کا کوئی موقع نہیں ہے، ان کا حق ان کو دیدیا جائے۔

عن أبی أمامة الباهلی –رضی الله عنه– قال: سمعت رسول الله ﷺ یقول فی خطبته عام حجة الوداع، إن الله تبارک وتعالیٰ قد أعطیٰ کل ذی حق حقه فلا وصیة لوارث. (سنن الترمذی، باب ما جاء لا وصیة لوارث، النسخة الهندیة ۲/۳۲ دار السلام رقم: ۲۱۲۰، سنن أبی داؤد، الوصایا، باب ماجاء فی الوصیة للوارث، النسخة الهندیة ۲/۳۹٦، دار السلام رقم: ۲۸۷۰، سنن ابن ماجه، لاوصیة لوارث، النسخة الهندیة ۲/۱۹٤ دار السلام رقم: ۲۷۱۳)

عن عبد الله ابن عباس قال: قال رسول الله ﷺ: لاتجوز الوصیة لوارث، إلا إن شاء الورثة. (السنن الکبریٰ للبیهقی باب نسخ الوصیة للوالدین والأقربین، دار الفکر ۹/۳٥٦ – ۳٥۷ – ۳٥۸ رقم: ۱۲۷۹۷ – ۱۲۷۹۸ – ۱۲۸۰۳، سنن الدار قطنی، دار الکتب العلمیة بیروت ٤/۸٦ رقم: ۲٤٥۱ – ۲٤٥۲)

الإرث جبری لا یسقط بالإسقاط. (تکملة رد المحتار، مطلب: واقعة الفتاویٰ کراچی ۷/٥۰٥، زکریا ۱۱/٦۷۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍رجب المرجب ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۲۱۰)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۸/۱ھ

اولاد کو محروم کر کے پوری جائیداد بیوی کے نام وصیت کرنا

سوال [۱۱۳۶۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرے والد صاحب نے بڑے بھائی سے تین چار بیویاں چھڑائیں اور بیوی کو نہ چھوڑنے کے سلسلے میں عرصۂ دراز تک ان سے ناراض رہے، پھر یہی سلسلہ میرے ساتھ کرنا چاہا، جبکہ بیوی میں کوئی کمی نہیں، میں نے اس سلسلے میں کہا نہیں مانا، تو وہ مجھ سے ناراض رہے، عرصۂ دراز کے بعد سخت بیمار ہو گئے، میں نے اپنی جانب سے علاج ومعالجہ میں کوئی کمی نہیں کی، جبکہ اس وقت بڑے بھائی بمبئی میں تھے، لیکن چونکہ وہ بیوی کو چھوڑنے کے سلسلے میں کہا نہ ماننے پر مجھ سے ناراض تھے، اس لیے اپنی کل جائیداد جو تقریباً ۳۰/۳۵ بیگہ ہے، میری والدہ کے نام وصیت کردی، کہ جب تک یہ زندہ ہے تو تمام جائیداد کی یہ مالک ہے، اور اس کے مرنے کے بعد بڑے لڑکے عبد السلام کا لڑکا اس کا مالک ہے، اور یہ وصیت رجسٹرڈ کرادی، جب لوگوں کو معلوم ہوا کہ حاجی جی نے ایسا کیا ہے جبکہ مولوی عبد الغفار بھی ہر دکھ درد میں ان کے شریک رہے تو انہوں نے والد صاحب سے کہا تو اس پر انہوں نے کہا کہ یہ وصیت میں ختم کرادوں گا، لیکن ان کو اتنا وقت نہیں ملا اور انتقال کر گئے۔

اب اس میں دریافت طلب امر یہ ہے کہ والد کا مذکورہ کہا نہ ماننے کی وجہ سے کیا شرعاً بیٹا نافرمان ہو گیا کہ جس کی وجہ سے عاق اور محروم کرنا درست ہو، نیز مذکورہ وصیت کی کیا حیثیت ہے؟ کیا اس میں دیگر ورثاء کا حق ہے یا نہیں؟ وارثین میں دو بھائی: عبد السلام، عبد الغفار، ایک بہن: نور جہاں، اور بیوی ہے، حدیث وفقہ کی روشنی میں جواب سے نوازیں کہ کس کو کتنا حصہ ملے گا؟

المستفتی: عبد الغفار رشیدی گنگوہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب لڑکا مطیع وفرمانبردار اور خدمت گذار رہے اس کے باوجود باپ ناراض ہے، تو بیٹا نافرمان نہیں کہلائے گا، نیز شریعت کے اندر نافرمان بیٹے کو بھی وراثت سے عاق کرنے سے عاق نہیں ہوتا ہے۔

الإرث جبری لا یسقط بالإسقاط. (تکملة رد المحتار، مطلب: واقعة الفتاویٰ کراچی ۷/۵۰۵، زکریا ۱۱/۶۷۸)

اور بیوی چونکہ شرعی وارث ہے اس لیے وارث کے حق میں شریعت اسلامیہ میں وصیت معتبر نہیں ہوتی ہے، اس لیے مذکورہ وصیت شرعاً نافذ نہیں ہوگی، جب بیوی کے حق میں نافذ نہیں ہوئی تو اس کے بعد پوتے کے حق میں بھی نافذ نہیں ہوئی، لہٰذا مرحوم کا ترکہ ان کے وارثین کے درمیان ان کے حقوق کے مطابق تقسیم ہوگا، جس میں عبدالغفار بھی اپنے حصہ کا برابر کا شریک ہوگا۔

عن أبی أمامة الباهلی –رضی الله عنه– قال: سمعت رسول الله ﷺ یقول فی خطبته عام حجة الوداع، إن الله تبارک وتعالیٰ قد أعطیٰ کل ذی حق حقه فلا وصیة لوارث. (سنن الترمذی، باب ما جاء لا وصیة لوارث، النسخة الهندیة ۲/۳۲ دار السلام رقم: ۲۱۲۰، سنن أبی داؤد، الوصایا، باب ماجاء فی الوصیة للوارث، النسخة الهندیة ۲/۳۹۶، دار السلام رقم: ۲۸۷۰، سنن ابن ماجه، لاوصیة لوارث النسخة الهندیة ۲/۱۹٤ دار السلام رقم: ۲۷۱۳)

لہٰذا مرحوم کا ترکہ حسب ذیل طریقہ سے تقسیم ہوگا:

۲۰/۴

میـــــت

بیوی	بیٹا	بیٹا	بیٹی
۱		۳	
۵	۶	۶	۳

مرحوم کا کل ترکہ ۲۰؍ سہام میں تقسیم ہوکر ہر وارث کو اتنا ملے گا جو اس کے نیچے درج ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍ محرم الحرام ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۷۰۴۳)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۱/۲۴ھ

ایک بیوی اور اس کی اولاد کے لیے میراث سے متعلق وصیت کرنا

سوال [۱۱۳۶۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: پہلی بیوی سے ۹/اولاد ہیں، جس میں پانچ بیٹیاں اور چار بیٹے ہیں، ایک کنوارے بیٹے کا انتقال ہوگیا ہے اور ایک بیٹی شادی شدہ کا انتقال ہوگیا ہے جس کی تین اولاد ہیں، جس میں دو بیٹے ایک بیٹی ہے، دوسری بیوی سے چار اولاد، تین لڑکی اور ایک لڑکا موجود ہیں۔

ہم سب پہلی بیوی کے بچے ہیں، ہم سب اپنے والدین کے ساتھ رہتے ہیں، جب ہماری والدہ کی شادی ہوئی تو ہمارے والد کرایہ کے مکان میں رہتے تھے، اپنی ذاتی کوئی جائیداد نہیں تھی، ہماری والدہ نے برابر محنت کی اور اسی محنت سے یہ جائیداد خریدی، اس جائیداد کے علاوہ ہمارے پاس ایک دادالٰہی دوکان ہے۔

جب ہمارے والد کی دوسری شادی ہوئی تو ہماری والدہ کو ان کی شادی کا پتہ نہیں چلا، کچھ سالوں کے بعد جب ان سے اولاد ہوئی تب ظاہر ہوا کہ ہمارے والد نے دوسری شادی کی ہے، ہماری دوسری والدہ کو شروع ہی سے مانگ کر کھانے کی عادت تھی، جس کی وجہ سے ہمارے والد اور ان کی دوسری بیوی سے تناؤ پیدا ہوا، اکثر اس بات کا جھگڑا ہوتا تھا کہ تو مانگ کر کھانا چھوڑ دے، جب کہ میں تیرا پورا خرچہ اٹھاتا ہوں تو بھیک مانگ کر مجھے بدنام کیوں کرتی ہے، اسی وجہ سے کئی بار وہاں لاکر اپنے سامنے رکھا مگر ہر بار وہ موقعہ دیکھ کر گھر سے فرار ہوگئی، کتنی بار ایسا کرنے پر وہ باز نہیں آئی تو بچوں کو اپنے پاس بلاکر رکھ لیا، مگر بچوں کو انہوں نے ہمارے والد کے پاس رہنے نہ دیا، کیونکہ ان کی بھیک مانگنے پر خلل پڑ رہا تھا اور وہ بہت بہلا و پھسلا کر بچوں کو اپنے ساتھ ہی لے گئی، جب بچہ بڑا ہوا ان کی شادی کا جب وقت آیا تب بھی ہمارے والد سے کسی طرح کا مشورہ نہیں کیا اور ان کی دخل اندازی ان کو گوارہ نہیں ہوئی، اور اکیلے ہی اپنی مرضی سے رشتہ کر کے ان کی شادی کی، ان سب باتوں کو دیکھتے ہوئے اپنی دوسری بیوی اور بچوں سے یہ کہہ دیا کہ اگر تم لوگ میرے ساتھ رہو گے تو میرے مالمیں

حق رہے گا ورنہ تم میرے مال سے محروم رہوگے۔

یہ سب کہنے کے باوجود ان پر کوئی اثر نہیں ہوا اور وہ لوگ بھیک مانگ کر کھاتے رہے، کسی نے اگر پوچھا کہ تمہارے باپ کہاں ہیں؟ تو کہہ دیا کہ میرے باپ مرگئے، اس بات کو گذرے ہوئے ۲۰؍سال سے زیادہ ہوچکے، اور کسی طرح کا کوئی لین دین، تعلق نہیں رہا۔

جب ہمارے والد ۱۹۹۷ء میں حج کو جارہے تھے تو جاتے وقت لکھت روپ میں اور زبانی وصیت کی جس میں انہوں نے پہلی بیوی کی ۹؍اولادوں کے نام وصیت کی جس میں انہوں نے دوسری بیوی اور ان کی اولادوں کے نام کسی طرح کا تحریری یا زبانی کوئی حصہ نہیں دیا، اور یہاں تک کہہ دیا کہ ۱۹۷۴ء میں جب پہلا حج کیا تھا تب انہیں بلا کر کہا کہ میں تیرے مہر کے بدلے تجھے حج کرادوں گا مگر انہوں نے حج کرنے سے انکار کردیا، اور کہا کہ میرے مہر کے روپئے سے زیور بنا دیجئے، انہوں نے جانے سے پہلے ہی مہر کے بدلے زیور بنا دیا تھا، مگر چار سال پہلے ہمارے والد کی موت کی خبر انہوں نے سنی تو انہوں نے اپنے مہر اور جائیداد میں حصہ کا زبانی دعویٰ کیا کہ مجھے جائیداد میں حصہ چاہیے، اور جائیداد و کل آمدنی کا بھی حصہ چاہیے، جبکہ ہمارے والد نے جو وصیت کی اس میں اس کا کسی طرح کا کوئی ذکر نہیں کیا، مگر جو ایک دادا الٰہی دوکان ہے اس کا وصیت میں کوئی ذکر نہیں پہلی بیوی سے تین لڑکے اور چار لڑکیاں ہیں اور دوسری بیوی سے ایک لڑکا تین لڑکیاں باپ کی موت کے وقت سے باحیات ہیں، اور جو کچھ بھی وصیت ہے اس کا ان سے گھر کا داماد اور بیٹے اور بیٹے کا ایک دوست گواہ ہے، ان کے سامنے یہ وصیت کی گئی ہے۔

المستفتی: محمد صادق بھٹی محلّہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مرحوم نے دوسری بیوی اور اس کی اولاد کے بارے میں وراثت سے متعلق جو وصیت کی ہے وہ معتبر نہیں ہے۔

عن أبي أمامة الباهلي -رضي الله عنه- قال: سمعت رسول الله

صلی اللہ علیہ وسلم **یقول فی خطبته عام حجة الوداع، إن الله تبارک وتعالیٰ قد أعطیٰ کل ذی حق حقه فلا وصیة لوارث.** (سنن الترمذی، باب ما جاء لا وصیة لوارث، النسخة الهندیة ۲/۳۲ دار السلام رقم: ۲۱۲۰، سنن أبی داؤد، الوصایا، باب ماجاء فی الوصیة للوارث، النسخة الهندیة ۲/۳۹۶، دار السلام رقم: ۲۸۷۰، سنن ابن ماجه، لاوصیة لوارث، النسخة الهندیة ۲/۱۹٤ دار السلام رقم: ۲۷۱۳)

اور بیوی بدچلنی کی وجہ سے گنہگار تو ضرور ہوگی لیکن وراثت سے محروم نہیں ہوگی۔

الإرث جبری لا یسقط بالإسقاط. (تکملة رد المحتار، مطلب: واقعة الفتاویٰ، کراچی ۷/۵۰۵، زکریا ۱۱/٦۷۸)

ہاں البتہ پہلی بیوی نے جو اپنی محنت سے مکان خریدا ہے وہ اس کا اپنا ہے، اس میں کسی کا حق نہیں ہوگا، مگر دادالٰہی جو دوکان ہے اس میں سب کے لیے حق وراثت جاری ہوگا، لہٰذا چاروں لڑکے اور ساتوں لڑکیاں وراثت کی حقدار ہوں گی، اور مرحوم کی دادالٰہی جائیداد یا اس کا بینک بیلینس وغیرہ اگر موجود ہو تو سب درج ذیل نقشہ کے مطابق تقسیم ہوگا۔

۲۴۰
۱۲۰
۸

میــــــــــــــــت

بیوی	بیوی	لڑکا	لڑکا	لڑکا	لڑکا	لڑکی	لڑکی	لڑکی	لڑکی	لڑکی	لڑکی	لڑکی
۱ / ۱۵ / ۳۰		۷ / ۱۰۵ / ۲۱۰										
۱۵	۱۵	۲۸	۲۸	۲۸	۲۸	۱۴	۱۴	۱۴	۱۴	۱۴	۱۴	۱۴

کل ترکہ دوسو چالیس سہام میں تقسیم ہوکر ہر وارث کو اتنا ملے گا جو اس کے نام کے نیچے لکھا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍شعبان المعظم ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۴۸۳)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۸/۱۴ھ

مرحوم کا بھتیجوں کے لیے وصیت کرنا

سوال [۱۱۳۶۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید لا ولد ہے، ایک بیوی، دو بھتیجے، دو بھتیجی، ایک حقیقی بہن چھوڑ کر انتقال کر گیا، جھگڑا یہ ہے کہ زید کی عمر اسی یا پچاسی سال ہے، اس نے آخری وقت میں اپنے بھتیجوں کے نام ساری زمین کی رجسٹرڈ وصیت کی، اس وقت زید کی بیوی موقع پر موجود تھی، بعدہٗ بیوی نے کسی کے کہنے سے کہا کہ میرا حق تلف ہو گیا، علماء نے بتایا کہ چوتھائی حق ہے، زید نے کہا کہ بیوی کے نام زمین کرے گا، زید اور بیوی اور بیوی کا بھائی تینوں گئے، زید بیوی کے نام ساری زمین کا بیع نامہ کرنے کے لیے تیار ہو گیا، لیکن رقم نہ ہونے کی وجہ سے آدھی زمین کا بیع نامہ ہو گیا، کچھ دن کے بعد میں دین دار لوگوں نے رائے دی کہ اس جائیداد کو اللہ کی راہ میں دیدیں تو زید نے زبانی وصیت بھی کی بیعنامہ لکھنے کے لیے تیار رہے، لیکن کمزوری کی وجہ سے نہ جا سکے اور بیوی سے تاکید کی کہ ساری زمین اللہ کی راہ میں جانی چاہیے، عقل کی اور بدن کی کمزوری کی وجہ سے نماز نہ پڑھی، کچھ رشتہ داروں نے معلوم کر کے ڈیڑھ سال کی نمازوں کے فدیوں کی وصیت کرادی، اور انتقال کر گئے، بھتیجوں کے نام رجسٹری دس ماہ پہلے ہوئی، بیوی کے نام بیعنامہ ڈیڑھ مہینہ پہلے، زبانی وصیت اللہ کی راہ میں ایک مہینہ پہلے کی، کل زمین ساڑھے تیرہ بیگہ ہے، معلوم کرنے کا مقصد یہ ہے کہ رجسٹری کا اعتبار ہوگا یا بیع نامہ کا، یا اللہ کی راہ میں زبانی وصیت کا؟

(۲) مرض الموت کی مدت کتنی مانی جائے گی؟

(۳) ورثاء میں میراث کی تقسیم کب ہوگی؟ ابھی زید کی بیوی زندہ ہے اس کی کوئی آمد نہیں ہے علاوہ اس زمین کے؟

المستفتی: محمد سجاد حسین نور پور عرب بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مسئولہ صورت میں زید کے بھتیجے اس کے شرعی

وارث ہیں، لہٰذا ان کے حق میں کی گئی وصیت کا شرعاً کوئی اعتبار نہیں ہے، اور بیوی کے نام جو آدھی زمین کا رجسٹرڈ بیع نامہ کرایا ہے وہ بیوی کے حق میں ہبہ ہے اور شرعی طور پر بیوی اس کی مالک ہوچکی ہے، اس لیے کہ مالک بنانے ہی کی غرض سے یہ رجسٹری کرائی گئی ہے، اور بقیہ آدھی جائیداد شوہر کی ملکیت میں باقی رہی، اس کے بعد اس نے اپنی چھوٹی ہوئی نمازوں کے لیے فدیہ کی جو وصیت کی ہے وہ مابقیہ آدھی جائیداد کے ثلث میں نافذ ہوگی، لہٰذا اپنی ڈیڑھ سال کی چھوٹی ہوئی نمازوں کا فدیہ ادا کرنے کی صورت یہ ہے کہ پونے سات بیگہ زمین بیوی کو دینے کے بعد مابقیہ پونے سات بیگہ زمین کو تین حصوں میں کرکے ایک حصہ فروخت کرکے اس کی قیمت کے ذریعہ چھوٹی ہوئی نمازوں کا فدیہ ادا کردیا جائے، باقی دو حصہ شرعی وارثوں کے درمیان تقسیم ہوگا، بقیہ جائیداد ۸ر حصوں میں تقسیم ہوکر بیوی کو دو، بہن کو چار، اور مرحوم کے بھتیجوں کو ایک ایک ملے گا۔

عن أبی أمامة الباهلی –رضی الله عنه– قال: سمعت رسول الله ﷺ یقول فی خطبته عام حجة الوداع، إن الله تبارک وتعالیٰ قد أعطیٰ کل ذی حق حقه فلا وصیة لوارث. (سنن الترمذی، باب ما جاء لا وصیة لوارث، النسخة الهندیة ۲/۳۲ دار السلام رقم: ۲۱۲۰، سنن أبی داؤد، الوصایا، باب ماجاء فی الوصیة للوارث، النسخة الهندیة ۲/۳۹۶، دار السلام رقم: ۲۸۷۰، سنن ابن ماجه، لاوصیة لوارث النسخة الهندیة ۲/۱۹٤ دار السلام رقم: ۲۷۱۳)

إذا وهب أحد الزوجین لصاحبه لا یکون له حق الرجوع. (الفتاویٰ التاتارخانیة زکریا ۱٤/٤٤۹، رقم: ۲۱٦۷۰)

عن أبی منصور قال: قال إبراهیم: إذا وهبت المرأة لزوجها، أو وهب الرجل لامرأته فالهبة جائزة، ولیس لواحد منهما أن یرجع فی هبته. (شرح معانی الآثار، باب الرجوع فی الهبة، دار الکتب العلمیة بیروت ۳/۳۵۵، رقم: ۵۷۰۳)

ومات وعلیه صلوات فائتة وأوصیٰ بالکفارة (در مختار) بأن کان لایقدر علی أدائها ولو بالإیماء فیلزمه الإیصاء بها یعطی لکل صلاة نصف

صاع من بر كالفطرة وكذا حكم الوتر من ثلث ماله. (شامی، باب قضاء الفوائت، مطلب: فی إسقاط الصلاة عن المیت، زکریا ۲/ ۵۳۲-۵۳۳، کراچی ۲/ ۷۲، الموسوعة الفقهیة ۲۱/ ۱۴۹) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۳۵۰)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۹/ ۴/ ۱۴۳۲ھ

پھوپھی کا اپنا حصہ بھتیجوں کے نام وصیت کرنا

سوال [۱۱۳۶۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: محترمہ رئیسہ خاتون اپنے حصہ اور بھائی سے ترکہ میں ملے ہوئے حصہ کی اپنے بھتیجوں کے نام وصیت کرنا چاہتی ہیں، شرعاً حکم کیا ہے؟

المستفتی: حاجی مطیع الرحمٰن مفتی ٹولہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شرعی مسئلہ یہ ہے کہ کسی بھی وارث کے حق میں اس وقت تک وصیت درست نہیں ہوتی ہے کہ جب تک دوسرے ورثاء راضی ہوکر اس کی اجازت نہ دیدیں، اس کے برخلاف اگر دوسرے ورثاء بخوشی اجازت دیدیں یا دوسرے کوئی وارث نہیں ہیں بلکہ جن کے حق میں وصیت کی جارہی ہے وہی ورثاء ہیں، اوران کے درمیان برابری کی وصیت ہے تو ایسی صورت میں وارثین کے حق میں بھی وصیت درست ہوجاتی ہے، لہٰذا مذکورہ صورت میں صرف یہی پانچ بھتیجے وارث ہیں، اور کوئی وارث نہیں ہے، لہٰذا ان کے درمیان وصیت درست ہوجائے گی۔

عن عبد الله ابن عباس قال: قال رسول الله ﷺ: لاتجوز الوصية لوارث، إلا إن شاء الورثة. (السنن الکبریٰ للبیہقی، باب نسخ الوصیة للوالدین والأقربین، دار الفکر ۹/ ۳۵۶-۳۵۷-۳۵۸ رقم: ۱۲۷۹۷ - ۱۲۷۹۸ - ۱۲۸۰۳، سنن الدار قطنی،

دار الکتب العلمية بيروت ٤/٨٦، رقم: ٢٤٥١- ٢٤٥٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱/ شعبان المعظم ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۱۵۹)

شوہر کا بیوی واولاد کے لیے میراث میں وصیت کرنا

سوال [۱۱۳٦٧]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے والد صاحب کو دادا کے انتقال کے بعد ترکہ میں جو مکان ملا تھا، والد صاحب نے زندگی ہی میں آدھے مکان کی وصیت ہماری والدہ کے نام کی تھی، اور باقی آدھا حصہ اولادوں کے نام وصیت کر دیا تھا۔

تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ ہمارے والد صاحب کی یہ وصیت شرعاً درست ہے یا نہیں؟ اگر یہ درست نہیں تو ہم دو بھائی، دو بہن اور والدہ میں سے کس کو کتنا حصہ ملے گا؟

المستفتی: محمد رئیس محلّہ نواب پورہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آپ کی والدہ آپ کے والد کی وارث ہوتی ہیں، اسی طرح آپ لوگ بھی اپنے والد کے وارث شرعی ہیں، اس لیے والد صاحب نے جو وصیت کی ہے وہ نہ تو آپ کی والدہ کے حق میں نافذ ہوگی اور نہ ہی آپ لوگوں کے حق میں، اس لیے کہ دوسرے وارثین کی اجازت کے بغیر اس طرح کی وصیت شرعاً معتبر نہیں ہے، لہٰذا آپ کے والد کا جو دادا الٰہی مکان ہے وہ شرعی وارثین کے درمیان تقسیم ہوگا، جس میں آپ کی والدہ اور آپ سب لوگ شامل ہوں گے، بشرطیکہ اس مکان میں آپ کے والد کے کوئی اور شرعی وارث کسی بھی جانب کے موجود نہ ہوں، لہٰذا مذکورہ وارثین کے درمیان وہ مکان درج ذیل نقشہ کے مطابق تقسیم ہوگا۔

۴۸/۸

میــــــــــــــــــــــــــــت

بیوی	لڑکا	لڑکا	لڑکی	لڑکی
۱/۶	۱۴	۷/۱۴	۷	۷

مرحوم کا کل ترکہ ۴۸ ر حصوں میں تقسیم ہوکر ہر وارث کو اتنے ملیں گے جو اس کے نام کے نیچے درج ہیں۔

عن عبد الله ابن عباس قال: قال رسول الله ﷺ: لاتجوز الوصية لوارث، إلا إن شاء الورثة. (السنن الكبرىٰ للبيهقي، باب نسخ الوصية للوالدين والأقربين، دار الفكر ۹/۳۵٦ -۳۵۷- ۳۵۸، رقم: ۱۲۷۹۷- ۱۲۷۹۸ - ۱۲۸۰۳، سنن الدار قطني، دار الكتب العلمية بيروت ۴/۸٦، رقم: ۴۲۵۱ - ۴۲۵۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷ر جمادی الثانیہ ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۴ ۱۰۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۷/٦/۱۴۳۳ھ

مرحوم بیٹی کا حصہ اس کی لڑکی کے لیے وصیت کرنا

سوال [۱۱۳٦۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) عقیلہ خاتون کا انتقال ہوگیا، ان کے ورثاء میں دو لڑکے، معروف علی، مرغوب علی، تین لڑکیاں: شہناز فاطمہ، شیما خاتون، اسماء خاتون، ایک مرحومہ بیٹی شاذیہ خاتون کی لڑکی درخشاں عروج نواسی ہے، جسے عقیلہ خاتون نے پالا ہے، شرعاً کس کو کتنے حصے ملیں گے؟

(۲) عقیلہ خاتون نے اپنی حیات میں گواہان منور علی معراج علی کے سامنے وصیت کی تھی، میں اپنی مرحومہ لڑکی شاذیہ کا حصہ اپنی نواسی درخشاں عروج کو دوں گی؟

المستفتی: شیما، شہناز، اسماء، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: برتقدیر صحت سوال وعدم موانع ارث وبعد ادائے

حقوق ماتقدم، مرحومہ کا ترکہ حسب حصص شرعیہ تقسیم کیا جائے گا، اور انہوں نے گواہوں کے سامنے نواسی کے لیے جو وصیت کی ہے اس وصیت کی مقدار بیٹی کا جو شرعی سہام بنتا ہے وہی بتایا ہے، اور بیٹی کا شرعی سہام ایک ثلث سے کم ہی ہے، لہٰذا ایک بیٹی کا جو حصہ بنتا ہے، وہ نواسی کو بھی دیا جائے گا، اس کے بعد بقیہ ترکہ درج ذیل نقشہ کے مطابق تقسیم ہوگا، اور اس نقشہ میں نواسی کو ملنے والا وصیت کا حصہ بھی بتایا جارہا ہے تاکہ اس میں کوئی کمی زیادتی نہ ہوسکے:

عقیلہ خاتون میت ۸

لڑکا	لڑکا	لڑکی	لڑکی	لڑکی	نواسی موصی لہا
معروف	مرغوب	شہناز	شیماء	اسماء	درخشاں
۲	۲	۱	۱	۱	۱
					حصۂ وصیت

کل ترکہ آٹھ برابر سہام میں تقسیم ہوکر لڑکوں کو ۲/۲، لڑکیوں کو ایک ایک اور نواسی موصیٰ لہا کو ایک سہام ملے گا۔

عن عبد الله بن عمر أن عمر بن الخطاب رضی الله عنه سئل عن الوصية؟ فقال عمر: الثلث وسط من المال، لابخس ولا شطط. (السنن الکبریٰ للبیهقی، باب الوصية بالثلث دار الفكر ۹/۳٦۹ رقم: ۱۲۸۳۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱ر ربیع الاول ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۳۱۰)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۱/۳/۱۴۳۲ھ

بھانجہ اور بہن کے حق میں وصیت اور ترکہ کی تقسیم

سوال [۱۱۳٦۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ محمد خورشید صاحب کا انتقال ہوگیا، ان کے ورثاء میں تین بھائی: محمد شاہد، محمد اختر، محمد اقبال، اور پانچ بہنیں: بیگم جہاں، روشن جہاں، رونق جہاں، نزہت جہاں، عشرت جہاں ہیں، انتقال سے پہلے انہوں نے یہ وصیت کی کہ آدھا مال میرے بھانجے منصور احمد اور

آدھا مال میری بہن نزہت جہاں کو دیدیا جائے۔

اب سوال یہ ہے کہ ان کی وصیت نافذ ہوگی یا نہیں؟ اگر نافذ ہوگی تو کتنے میں؟ اور وارثین شرعی وراثت کے حق دار ہوں گے یا نہیں؟ واضح فرمائیں۔

المستفتی: منصور احمد محلّہ بھٹی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: خورشید صاحب نے انتقال سے پہلے جو اپنے بھانجے منصور احمد اور بہن نزہت جہاں کے لیے وصیت کی تھی وہ شرعاً صرف بھانجے کے حق میں ایک تہائی مال میں نافذ ہوگی اور بہن کو وصیت کی وجہ سے کچھ نہیں ملے گا، البتہ شرعاً جو اس کا حق بنتا ہے وہ اس کو ضرور ملے گا، اور ایک تہائی مال بھانجے منصور احمد کو دینے کے بعد بقیہ مال مذکورہ شرعی ورثاء میں حسب ذیل نقشہ کے مطابق تقسیم ہوگا:

$\frac{۳۳}{۳}$

میـــت

بھانجہ موصی لہ	بھائی	بھائی	بھائی (۲)	بہن	بہن	بہن	بہن	بہن
$\frac{۱}{۱۱}$	۴	۴	۴	۲	۲	۲	۲	۲

کل جائیداد ۳۳ر سہام میں تقسیم ہوکر ایک تہائی بطور وصیت یعنی ۱۱ر سہام منصور احمد کو اور ما بقیہ ۲۲ر سہام میں سے بطور میراث کے ہر ایک بھائی کو ۴، ۴ر اور ہر ایک بہن کو ۲، ۲ر کے حساب سے ملیں گے۔

ولو كان الإبن الذى لم يوص أجاز جميع وصية أبيه ولم يجز الآخر وصية الأجنبى يأخذ ثلث المال بغير إجازة؛ لأن الثلث محل الوصية، ووصية الأجنبى أقوىٰ من الوصية للوارث، والضعيف لايزاحم القوى فلهذا أخذ الثلث. (المبسوط للسرخسى، دار الكتب العلمية بيروت ۲۹/۳)

ولو أوصىٰ لوارثه ولأجنبى صح فى حصة الأجنبى و يتوقف فى حصة الوارث. (خانية، فصل فيمن تجوز وصيته و فيمن لا تجوز و صيته، زكريا جديد ۳۶۶/۳،

وعلى هامش الهندية ٣/٤٩٦)

أو أوصت لكل واحد منهما بنصف المال يأخذ الأجنبي أولا ثلث المال بلا منازعة؛ (إلى قوله) لأن الوصية بقدر الثلث مقدم على الميراث.

(خانية، فصل فيمن تجوز وصيته وفيمن لا تجوز وصيته، زكريا جديد ٣/٣٦٧، وعلى هامش الهندية ٣/٤٩٧، المبسوط للسرخسي ٢٧/١٧٥-١٧٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/صفر المظفر ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۱۸۵)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۸/۲/۲۷ھ

مؤنث اولاد کو محروم کر کے نرینہ اولاد کے لیے وصیت کرنا

سوال [۱۱۳۷۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عبداللطیف خاں کی ایک جائیداد ہے، واقع اصالت پورہ مرادآباد میں جو کہ عمارتی ہے، ان کے چھ لڑکے عاجز علی خاں، احسان علی خاں، قیصر علی خاں، کوثر علی خاں، قمر علی خاں، خورشید علی خاں، اور تین لڑکیاں: جمیلہ، شاہجہاں، سلمہ ہیں، اور مکان میں دوسوسات گز آراضی ہے، اب عبداللطیف خاں نے اپنی تمام جائیداد کے بارے میں چھ بیٹوں کے حق میں وصیت لکھ دی کہ ان کے مرنے کے بعد چھ بیٹوں کے درمیان مذکورہ جائیداد برابر برابر وصیت نامہ کے مطابق تقسیم ہوگی، اور دولڑکیوں کی (جمیلہ، شاہجہاں) کی شادی ہوگئی اور ایک لڑکی سلمہ نابالغہ تھی، اس کی شادی کے خرچہ واخراجات کی بھائیوں کے ذمہ وصیت کی۔

(۱) اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ عبداللطیف خاں کی وفات کے بعد اس کی وصیت نافذ ہوجائے گی یا نہیں؟ جبکہ وصیت کے مطابق تینوں لڑکیاں وراثت سے محروم ہوجاتی ہیں؟

(۲) دوسرا سوال اس میں یہ پیدا ہوتا ہے کہ باپ کی وصیت کے مطابق چھ لڑکوں نے مذکورہ جائیداد تقسیم کرلیا، عاجز علی خاں کی وفات کے بعد صرف چھ لڑکیاں تھیں، ان کی کوئی نرینہ اولاد نہیں رہی، ان کی وفات کے بعد چھ لڑکیوں نے اپنا حصہ کوثر علی خاں کے نام

رجسٹری ہبہ کردیا، تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ عاجز علی خاں کی تمام جائیداد صرف اس کی لڑکیوں کو ملے گی یا مرحوم کے بھائیوں کا بھی کچھ حصہ ہے؟

المستفتی: کوثر علی خاں اصالت پورہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) عبداللطیف خاں کا اپنی تینوں لڑکیوں کو نہ دے کر مرنے کے بعد ساری جائیداد اپنے چھ لڑکوں کو دینے کی وصیت کرنا شرعی طور پر جائز نہیں ہے، لہٰذا مؤنث ورثاء کو محروم کر کے نرینہ اولاد کے لیے جو وصیت کی گئی ہے وہ صحیح نہیں ہوئی۔

عن أبی أمامة الباهلی –رضی الله عنه– قال: سمعت رسول الله ﷺ یقول فی خطبته عام حجة الوداع، إن الله تبارک وتعالیٰ قد أعطیٰ کل ذی حق حقه فلا وصیة لوارث. (سنن الترمذی، باب ما جاء لا وصیة لوارث، النسخة الهندیة ۲/۳۲ دار السلام رقم: ۲۱۲۰، سنن أبی داؤد، الوصایا، باب ماجاء فی الوصیة للوارث، النسخة الهندیة ۲/۳۹٦، دار السلام رقم: ۲۸۷۰، سنن ابن ماجه، لاوصیة لوارث النسخة الهندیة ۲/۱۹٤ دار السلام رقم: ۲۷۱۳)

اس لیے عبداللطیف خاں کی وفات کے بعد ان کی جائیداد اسلامی شریعت کے مطابق لڑکے اور لڑکیاں سب کے درمیان حصۂ شرعی کے اعتبار سے تقسیم ہوگی، لڑکوں کو لڑکیوں کے مقابلہ میں دوگنا ملے گا، اور کل ترکہ پندرہ سہام میں تقسیم ہوکر ہر ایک لڑکے کو دو، دو اور ہر ایک لڑکی کو ایک ایک ملے گا جو درج ذیل نقشہ کے مطابق ہوگا:

۱۵
عبداللطیف میـــــــــــــت

لڑکا	لڑکا	لڑکا	لڑکا	لڑکا	لڑکا	لڑکی	لڑکی	لڑکی
۲	۲	۲	۲	۲	۲	۱	۱	۱

(۲) دوسرے سوال میں یہ جو لکھا گیا ہے کہ عاجز علی کی چھ لڑکیوں نے ان کے مرنے کے بعد پورے ترکہ پر قبضہ کر کے کوثر علی کے نام ہبہ رجسٹری کردیا ہے، درست نہیں ہے، بلکہ عاجز علی کے وارثین میں اس کی لڑکیوں کے ساتھ اس کے بھائی اور بہنیں بھی ہوں

گے، اور کل ترکہ دو تہائی لڑکیوں کو ملے گا اور ایک تہائی بھائی بہنوں کو ملے گا، لہٰذا کل ترکہ ۱۱۷/سہام میں تقسیم ہوکر اس کی لڑکیوں کو ۱۳، ۱۳/سہام ملیں گے، اور بھائیوں کو چھ چھ اور بہنوں کو تین تین سہام ملیں گے، جو درج ذیل نقشہ سے واضح ہوتا ہے:

۱۱۷/۳

عاجز علی میـــــــــــــــت

لڑکی	لڑکی	لڑکی	لڑکی	لڑکی	لڑکی	بھائی	بھائی	بھائی	بھائی	بھائی	بہن	بہن	بہن
۱۳	۱۳	۱۳	۲/۱۳	۱۳	۱۳	۶	۶	۶	۶	۱/۶	۳	۳	۳

لہٰذا پچھلی تقسیم اور عبداللطیف کی وصیت کو منسوخ کر کے اس کے ترکہ کو اسی طریقہ سے تقسیم کرنا چاہیے جو اوپر کے نقشہ میں شریعت کا حکم لکھا گیا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/جمادی الثانیہ ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۸۶۲/۳۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۶/۲۳ھ

ہبہ شدہ مکان کے علاوہ میں وراثت اور وصیت کا نفاذ

سوال [۱۱۳۱۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بیوہ بلقیس اپنے والد کے ترکہ سے ملے ہوئے ایک مکان کی مالک تھیں اور بلقیس لاولد نے اپنے لے پالک لڑکے جاوید کے نام کل مکان کی وصیت کی، لیکن یہ مسئلہ معلوم ہونے کے بعد کہ وصیت صرف ایک تہائی میں نافذ ہوتی ہے، بلقیس نے اپنے کل مکان میں سے باقی دو تہائی حصے جاوید کے نام ہبہ کر دیئے، اور جاوید اسی وقت سے آج تک اس پر قابض بھی ہے، نیز بلقیس نے انتقال کے وقت ایک بھائی محمد شریف اور ایک بہن کو چھوڑا، لہٰذا وصیت کتنے حصے میں نافذ ہوگی اور کس کو کتنا ملے گا؟

المستفتی: جاوید اکرم پیر غیب مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر بلقیس پورے مکان کی شرعی طور پر مالک تھی

اوراس نے اس کے دو تہائی حصے ہبہ کرکے لے پالک کو قبضہ دیدیا ہے اور لے پالک اس پر قبضہ کرکے رہ رہا ہے تو وہ مکان کے دو تہائی کا شرعی طور پر مالک بن چکا ہے، اور باقی ایک تہائی بلقیس کی ملکیت میں رہا ہے، اور اسی ایک تہائی کی مرتے دم تک ترکہ کی حیثیت رہی ہے، تو گویا کہ اس کی کل ملکیت ایک تہائی رہی جب اس کی وصیت کردی تو شرعی طور پر اس کے تہائی حصہ میں مالک ہوسکتا ہے، لہٰذا اس کے تہائی حصے میں سے جس کی وصیت کردی تھی، تین حصے کرکے ایک حصہ وصیت کی بنا پر لے پالک کو ملے گا، اور باقی دو حصے وارث کا حق ہیں، لہٰذا مکان کے نو حصے کرکے چھ حصے کا مالک ہبہ کی بنیاد پر اور ایک حصہ کا وصیت کی بنیاد پر لے پالک ہوگیا، لہٰذا لے پاک کے کل سات حصے ہوگئے اور باقی ۲/ حصے وارثین کے درمیان تقسیم ہوں گے۔

عن عبد الله بن عمر أن عمر بن الخطاب رضی الله عنه سئل عن الوصية؟ فقال عمر: الثلث وسط من المال، لا بخس ولا شطط. (السنن الكبرىٰ للبيهقی، باب الوصية بالثلث، دار الفكر ۹/ ۳٦۹، رقم: ۱۲۸۳۹)

ولو قال جعلت لک هذه الدار ...... فاقبضها فهو هبة. (عالمگيری، كتاب الهبة، الباب الأول جديد ٤/ ۳۹٦، قديم ٤/ ۳۷٥) **فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/ ربیع الاول ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳٦/ ۷۵۸۳)

۵ باب موانع الإرث

اہل اسلام کے حق میں اختلاف دارین موانع ارث نہیں

سوال [۱۱۳۷۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میری حقیقی والدہ سے دو اولادیں ہوئیں، ایک میں اور ایک میری بہن، ہمارے بچپن میں ہماری حقیقی والدہ کا انتقال ہو گیا، بہن کی شادی کے بعد ہمارے والد نے دوسری شادی کر لی، دوسری ماں سے ایک لڑکی تولد ہوئی، اس کے بعد میری یہ دونوں بہنیں یعنی سگی اور سوتیلی اپنے اپنے شوہروں کے ساتھ پاکستان چلی گئیں میری سوتیلی ماں بھی اپنی بیٹی کی محبت میں پاکستان چلی گئی، اور انہوں نے بھی وہیں سکونت اختیار کر لی، ان کے جانے کے لگ بھگ دس برس بعد میرے والد کا انتقال یہیں پر انڈیا میں ہو گیا، میرے والد کی ایک داد الٰہی جائیداد جوان کو وراثت میں ملی تھی، مرحوم نے چھوڑی، شریعت کی رو سے جس کا مالک واحد میں ہی ہوتا ہوں، جسے اب میں فروخت کرر ہا ہوں، حقیقی بہن اور ان کے شوہر کا انتقال ہو چکا ہے، دوسری بہن کے شوہر کا بھی انتقال ہو گیا ہے، بچے موجود ہیں تو فروخت شدہ جائیداد کا روپیہ کس طرح تقسیم کیا جائے؟

المستفتی: محمد فاروق چندوسی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دونوں بہنیں پاکستان چلی جانے کی وجہ سے وراثت سے محروم نہ ہوں گی، بلکہ ان کا حق بدستور باقی رہے گا، اور ان کی وفات کے بعد ان کا حق ان کے شرعی ورثاء کو ملے گا، ہاں البتہ وہ سب مل کر بخوشی اگر آپ کو دیدیں گے تب آپ کو مل سکتا ہے ورنہ نہیں۔

ولیس اختلاف الدار بمانع من الإرث عند الشافعي أصلا وهو عندنا مانع فیما بین الکفار دون المسلمین. (شریفیه ص: ۱۹، تاتارخانیة زکریا ۲۰/ ۲۱۷

رقم: ۳۳۰۸۳، سکب الأنهر، دار الکتب العلمیة بیروت ٤ /٤٩٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۳۱۶)

اختلاف دارین کی وجہ سے مسلمانوں کے درمیان موانع ارث کا حکم جاری نہیں ہوتا

سوال [۱۱۳۷۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ رحیم اللہ کے چھ صاحبزادے تھے: منشی عبد الرحیم، حکیم عبد الرحمٰن، منشی عبد الکریم، حکیم عبد الحکیم، منشی عبد العزیز، شیخ عبد اللہ ان سب کا انتقال ہو چکا ہے، اوران کی اولاد زیادہ تر پاکستان جا چکی، اب منشی عبد العزیز اور منشی عبد الحکیم صاحب کی اولاد یہاں پر تھیں، اسی کے متعلق جناب سے استفسار ہے کہ حکیم عبد الحکیم کے ایک بیٹے عبد الحمید تھے جو لا ولد تھے، اوران کے ساتھ کوئی دوسرا نہ تھا، ساری زندگی تنہائی میں گذاری، اپنی روٹی خود پکا کر کھاتے تھے، کسی سے کوئی رابطہ وتعلق نہ تھا، مگر اخیر میں جب خود پکانے سے معذور ہو گئے تو ان کے چچا زاد بھائی کے لڑکے مولانا حسین احمد صاحب نے ان کی کافی خدمت کی، اوران کا ایک جو بہت بڑا مکان تھا اور سات آٹھ بیگہ زمین تھی، بڈھانہ لے کر ان کا ہبہ اپنے نام کرالیا۔

تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہبہ کرنے والے نے جبکہ شئ موہوب پر قبضہ نہیں کرایا اور اپنا قبضہ اس مکان سے نہیں ہٹایا اور ہبہ کرنے کے لیے جب گئے تو اپنا تالا لگا کر گئے اور تالی اپنے پاس رکھی، اور آ کر پھر اسی مکان میں قیام کیا، اوران کا سامان اسی میں تھا، تو یہ ہبہ صحیح ہوا یا نہیں؟ کیا اس مکان میں شرعی طور سے حاجی حنیف صاحب کے لڑکے خورشید، انیس اور رئیس کو بھی ملے گا یا نہیں؟ جو کہ ان کے چچا زاد بھائی کے لڑکے ہیں، ان کے عصبہ میں پانچ ہیں، حافظ ظریف احمد اور مولوی حسین احمد، پسران حافظ شریف احمد اور خورشید احمد، انیس احمد رئیس احمد پسران حاجی محمد حنیف، یہ پانچوں عصبہ کے درجے میں ہیں، کیا یہ پانچوں زمین اور مکان کے حصہ دار بنیں گے، یا فقط مولوی حسین احمد صاحب؟

المستفتی: محمد شعبان بستوی، کاندھلہ مظفر نگر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ سوال کے ہر پہلو پر غور کرنے کے بعد یہ بات سامنے آتی ہے کہ عبدالحمید صاحب نے مولانا حسین احمد صاحب کو جو جائیداد ہبہ کی ہے وہ دو قسموں پر ہے: (۱) سات آٹھ بیگہ زراعت کی زمین اگر ہبہ نامہ رجسٹری کرنے کے بعد عبد الحمید نے مولانا حسین احمد کو زمین پر قبضہ دیدیا ہے اور انہوں نے اپنے اختیار سے زمین میں تصرف کرلیا ہے، تو اس زمین کا ہبہ شرعاً تام ہو چکا ہے، لیکن سوال نامہ میں زمین کے قبضہ کے بارے میں صاف وضاحت نہیں ہے، اس لیے سائل خود حالات کا جائزہ لے لے،

رجل قال لختنه: (ایں زمین ترا) فاذهب فازرعها فإن قال الختن عند ما قال هذه المقالة قبلت صارت الأرض له فيتم بالقبول. (عالمگیری، کتاب الهبة، الباب الأول، زکریا قدیم ٤/٣٧٥، جدید ٤/٣٩٧، فتاویٰ قاضیخان جدید زکریا ٣/١٨١، وعلی هامش الهندية زكريا ٣/٢٦٣، فتاویٰ بزازیه جدید زکریا ٣/١٢٦، وعلی هامش الهندية زكريا ٦/٢٤١، تاتارخانية زكريا ٤/٤٢٨، رقم: ٢١٥٩٤)

المراد بالقبض الكامل فى المنقول ما هو المناسب وفى العقار أيضا ما يناسبه. (مجمع الأنهر قديم ٢/٣٥٤، جديد دار الكتب العلمية بيروت ٣/٤٩٢)

اور اگر زمین پر پوری طرح قبضہ نہیں دیا گیا ہے بلکہ عبدالحمید کے تصرف میں وہ زمین رہی ہے تو ہبہ درست نہ ہوگا اور یہ زمین عبدالحمید کے حقیقی بھتیجے جو قاضی عبدالوحید کی اولاد ہیں انہیں کی وراثت میں منتقل ہوجائے گی، اور اختلاف دارین کی وجہ سے مسلمانوں کے درمیان موانع ارث کا حکم جاری نہیں ہوتا ہے، بلکہ اختلاف دارین کے باوجود وراثت کا تعلق بدستور باقی رہتا ہے، اس لیے عبدالحمید کے چچازاد، تایازاد بھائی کی اولاد عصبہ نہیں ہوگی، جن کا نام سوالنامہ میں مذکور ہے۔

وهو عندنا مانع فيما بين الكفار دون المسلمين لثبوت التوارث بين أهل البغي و أهل العدل (شريفيه) وتحته في هامشه: وأما في حق المسلمين فقد لايكون مانعا كأهل البغي والعدل (إلى قوله) يرث كل واحد عن صاحبه. (شریفیه شرح سراجی ص: ٢٠-١٩، تاتارخانية زكريا ٢٠/٢١٧، رقم:

۳۳۰۸۳، سكب الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ٤/ ٤٩٨)

(۲) مکان کے بارے میں حکم شرعی یہ ہے کہ اگر مولانا حسین احمد نے قاضی عبد الحمید صاحب کے ساتھ اسی مکان میں رہائش اختیار نہیں کی ہے، بلکہ مولانا حسین احمد کی کوئی الگ سے رہائش ہے اور صرف عبدالحمید کی خدمت کر کے رہنے کے لیے اپنی رہائش گاہ چلے جاتے ہیں تو ایسی صورت میں جبکہ مکان کی تالی وغیرہ مولانا حسین احمد کے حوالہ نہیں کی ہے اور عبدالحمید کا سامان بھی اسی مکان میں ہے تو شرعی طور پر مکان کا ہبہ تام نہیں ہوا، عبدالحمید کے مرنے کے بعد اس کے شرعی ورثاء کو وہ مکان ملے گا، اور شرعی ورثاء وہ نہیں کہ جن کا نام سوالنامہ میں مذکور ہے، بلکہ عبدالحمید کے شرعی ورثاء اس کے حقیقی بھتیجے ہیں، جو پاکستان میں رہتے ہیں، انہیں کو یہ مکان ملے گا، اس لیے کہ ایسے آدمی کے قبضۂ کامل کے لیے مکان خالی کر کے تالی بھی حوالہ کر دینا لازم ہے جو واہب کے ساتھ نہیں رہتا ہے۔

رجل وهب دارا لرجل فيها متاع الواهب وسلم لايجوز لأن الموهوب له مشغول بما ليس بهبة فلا يصح التسليم. (قاضيخان جديد زكريا ٣/ ١٨٥، وعلى هامش الهندية زكريا ٣/ ٢٦٨، هنديه زكريا قديم ٤/ ٣٨٠، جديد ٤/ ٤٠٢، الجوهرة النيرة، امداديه ملتان ٢/ ١١، دار الكتاب ديوبند ٢/ ١٠، مجمع الأنهر قديم ٢/ ٣٥٤، جديد دار الكتب العلمية بيروت ٣/ ٤٩١)

لو كان لرجل دارا وفيها أمتعة فوهبها من رجل لايجوز لأن الموهوب مشغول بما ليس بموهوب فلا يصح التسليم. (شامي كراچی ٨/ ٤٣٨، زكريا ١٢/ ٥٨٥)

اور اگر مولانا حسین احمد نے عبدالحمید کے ساتھ اسی مکان میں رہائش اختیار کر رکھی ہے، اور عبدالحمید نے اپنی پوری کفالت حسین احمد کے حوالے کر رکھی ہے، اور اسی نے اس کی تمام ضروریاتِ زندگی کا ذمہ لے رکھا ہے، اور موت تک عبدالحمید کو حسین احمد نے اپنی کفالت میں رکھ رکھا ہے، اور مکان کو پوری طرح اپنے تصرف میں لے لیا ہے، اور سارے اختیارات اور اقتدار حسین احمد کے ہاتھ میں منتقل ہو چکے ہیں تو ایسی صورت میں مسئلہ ہبہ میں ان دونوں کی حالت زوجین کی طرح ہے، کہ جس طرح اگر بیوی نے شوہر کے ہاتھ مکان ہبہ کر دیا ہے، اور خود شوہر کے ساتھ اس میں رہتی ہے، اور اس کا سامان بھی اسی میں ہے، تو ایسی صورت میں شوہر کا قبضہ

کامل سمجھا جاتا ہے، تو یہاں بھی ایسا ہی ہوگا، اس لیے کہ عبدالحمید کو حسین احمد کی کفالت ہی میں اس کے تابع ہو کر رہنا ہے اور اس کا ساز وسامان بھی وہیں رہے گا، اب سائل خود حالات کا جائزہ لے لے، اس لیے کہ سوالنامہ میں ان دونوں پہلوؤں کی پوری وضاحت نہیں ہے۔

ولو وهبت امرأة دارها من زوجها وهي ساكنة فيها وزوجها أيضا ساكن فيها جازت الهبة ويصير الزوج قابضا للدار لأن المرأة و متاعها في يد الزوج فصح التسليم. (مجمع الأنهر قديم ٢/ ٣٥٤، جديد دار الكتب العلمية بيروت ٣/ ٤٩١، شامي كراچی ٨/ ٤٣٨، زكريا ١٢/ ٥٨٥، فتاویٰ قاضيخان جديد زكريا ٣/ ١٨٥، وعلى هامش الهندية زكريا ٣/ ٢٦٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۷۶۵)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۶/۱۷ھ

پاکستان ہجرت کرنے سے حق میراث ختم نہیں ہوتا

سوال [۱۱۳۷۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسمیٰ بشیر احمد کی چھ اولاد تھیں، تین لڑکے: ضمیر احمد، رئیس احمد، گلزار احمد، تین لڑکیاں: شاہ جہاں بیگم، مصطفائی بیگم، تارہ بیگم، انہوں نے بوقت انتقال دو مکان ترکہ میں چھوڑے، اور دیگر نقدی رقم اور سونا چاندی وغیرہ ترکہ میں چھوڑا، اتفاق سے ان کے انتقال کے وقت میں ان کا لڑکا رئیس احمد مذکورہ جائیداد اور دیگر ترکہ پر قابض رہا تو کیا شرعی طور پر رئیس احمد کے قابض رہنے کی وجہ سے دوسری اولاد اپنے حق سے محروم ہو جائے گی، یا ان کو شرعی طور پر اپنا حصہ مل سکتا ہے، جو شرعی حکم ہو تحریر فرمایا جائے، اور ضمیر احمد، گلزار احمد، مصطفائی بیگم، تارہ بیگم یہ لوگ پاکستان ہجرت کر گئے، اور یہاں انڈیا میں شاہجہاں بیگم اور رئیس احمد دو ہی رہے، تو کیا پاکستان جانے کی وجہ سے وراثت سے محروم ہوں گے، یا ان کا حصہ ان کو ملے گا، نیز شاہ جہاں بیگم کو بھی کچھ نہیں دیا، کیا ان کو بھی اپنا حصہ مل سکتا ہے یا نہیں؟

اس طرح بشیر احمد کی بیوی خوشنودی بیگم کے بھی دو مکان ایک مکان ان کو بحق مہر ملا تھا، اور دوسرا خریدا گیا تھا اور بوقت انتقال اپنی ساری اولاد کے لیے انہوں نے وصیت نامہ تحریر کردیا ہے کہ سب اولاد کو اپنا اپنا حصہ ملے، لیکن رئیس احمد نے باپ اور ماں دونوں کے تمام ترکہ پر تنہا قبضہ کر رکھا ہے، دیگر وارثین کو ان کا حصہ نہیں دے رہا ہے، تو شرعی طور سے رئیس احمد کے بارے میں کیا حکم ہے؟ جو بھی شرعی حکم ہو تحریر فرمائیں؟

المستفتی: ضمیر احمد مقیم گوئیاں باغ مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بشرط صحت سوال وبعد ادائے حقوق ما تقدم وعدم موانع ارث بشیر احمد مرحوم اوران کی زوجہ خوشنودی بیگم کا ترکہ ان کی اولاد میں سے ہر ایک کو بقدر حصص شرعیہ ملے گا، رئیس احمد کے لیے، دوسرے وارثین کے حقوق کو دبا کر رکھنا جائز نہیں ہے، پاکستان ہجرت کرکے جانے کی وجہ سے شرعاً ان کے حقوق میں کوئی فرق نہیں آئے گا، اگر رئیس احمد مسئلہ معلوم ہونے کے بعد بھی دوسرے بھائی بہنوں کے حقوق رکھے اوران کا حق ان کو نہ دے تو قرآنی وعید کے مطابق رئیس احمد کا انجام عند اللہ سخت خطرناک ہے۔

﴿وَلَا تَأْكُلُوْا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَا اِلَى الْحُكَّامِ لِتَأْكُلُوْا فَرِيْقًا مِنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ. [البقرة: ١٨٨]﴾

ترجمہ: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: کہ آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق اور ناجائز طریقے سے مت کھاؤ اوران کے جھوٹے مقدمہ کو حکام کے یہاں اس غرض سے رجوع مت کرو کہ اس کے ذریعہ سے لوگوں کے مالوں کا ایک حصہ ظلم و ناجائز طریقے سے کھا جاؤ، جبکہ تم کو اپنے ظلم اور جھوٹ کا علم بھی ہو۔ (معارف القرآن ۱/۴۰۱)

﴿يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَأْكُلُوْا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّا اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ وَلَا تَقْتُلُوْا اَنْفُسَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا، وَمَنْ يَفْعَلْ ذٰلِكَ عُدْوَانًا وَظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيْهِ نَارًا وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا. [النساء: ٢٩-٣٠]﴾

ترجمہ ومطلب: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: کہ اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے

کا مال ناحق اور ناجائز طریقہ پر مت کھاؤ، لیکن جب آپس کی رضامندی سے تجارت اور خریداری کے طور پر ہو، تو کوئی مضائقہ نہیں، اور تم ایک دوسرے کو قتل بھی مت کرو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ تم پر بڑے مہربان ہیں، اور قرآنی ہدایت کے باوجود اگر کوئی اس کی خلاف ورزی کرے اور جان بوجھ کر تعدی اور ظلم کی راہ سے کسی کا مال ناحق لے لے یا کسی کو ناحق قتل کردے تو ہم عنقریب اس کو جہنم میں داخل کریں گے، برادری اور کنبہ کے لوگوں کو چاہیے کہ مظلوم کا حق دلوادیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵ر صفر المظفر ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۹۱۳۹)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۱/۲/۲۶ھ

ہندو مذہب اختیار کرنے والی لڑکی وراثت سے محروم ہوجائے گی

سوال [۱۱۳۷۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرے والد مختار احمد خاں کا انتقال ہوگیا ہے، انہوں نے ایک دوکان جو سنبھلی گیٹ چوراہے پر ہے، وہ دوکان میرے والد کے نام سے ہے، میرے والد کی اولاد میں دو لڑکیاں اور تین لڑکے ہیں، جس میں سے ایک لڑکی نے والد کی حیات میں ہندو مذہب اختیار کرلیا تھا، اور ہندو لڑکے سے شادی کرلی تھی، وہ دوکان ہمیں بیچنی ہے، دوکان ۱۶ر گز میں ہے، جس کی قیمت ۲۱ر لاکھ روپئے طے ہوگئی ہے، مجھے قرآن وحدیث کی روشنی میں بتایا جائے کہ ایک لڑکی نے جو غیر مذہب قبول کیا ہے، اس کا حصہ بنتا ہے یا نہیں؟ اور باقی جو ایک لڑکی اور تین لڑکے ہیں، ان کا شریعت کے حساب سے کتنا حصہ بنتا ہے؟

المستفتی: امتیاز احمد اصالت پورہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جو لڑکی ہندو مذہب اختیار کرکے مرتد ہوگئی ہے، شریعت میں وہ مسلم ماں باپ کی وارث نہیں ہوگی، وہ محروم الارث بن گئی ہے، لہٰذا ممتاز احمد

کے وارثین کی فہرست سے وہ خارج ہوگئی ہے، اور ممتاز احمد کی مذکورہ جائیداد شرعی وارثین کے درمیان درج ذیل طریقہ کے مطابق تقسیم ہوگی:

۱/۷ تداخل ۱۶/ گز دوکان کی قیمت ۳۰۰۰۰۰ / ۲۱۰۰۰۰۰

ممتاز احمد میت

	لڑکا	لڑکا	لڑکا	لڑکی	لڑکی
سہام	۲	۲	۲	۱	مرتدہ
ترکہ	۶۰۰۰۰۰	۶۰۰۰۰۰	۶۰۰۰۰۰	۳۰۰۰۰۰	محروم

مذکورہ نقشہ کے مطابق ۲۱/ لاکھ روپئے میں سے ہر لڑکے کو ۶/ لاکھ اور مسلم لڑکی کو ۳/ لاکھ روپئے ملیں گے، اور ہندو مذہب اختیار کرنے والی لڑکی کو کچھ نہیں ملے گا۔

عن أسامة بن زيدؓ أن رسول الله ﷺ قال: لايرث المسلم الكافر ولا الكافر المسلم. (ترمذی شريف، أبواب الفرائض، باب ما جاء في إبطال الميراث بين المسلم والكافر، النسخة الهندية ۲/ ۳۱، دار السلام رقم: ۲۱۰۷)

المانع من الإرث أربعة: الرق وافرا كان أو ناقصا ...... واختلاف الدينين، وفي الخانية: يقول عليه السلام لايتوارث أهل ملتين شيئ. (سراجی ص: ۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ شوال المکرم ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۱۶۵۲)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۱۰/۱۶ھ

مرتدہ کا اپنا حصہ بھتیجے کے نام کرنا

سوال [۱۱۳۷۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کے دو لڑکے ہیں: عمر، بکر، ایک لڑکی عابدہ، عابدہ باپ کی زندگی میں مرتدہ ہو کر کسی غیر مسلم لڑکے کے ساتھ کہیں چلی گئی، پھر زید کا انتقال ہوگیا تو زید کے انتقال کے بعد

عابدہ نے کوٹ میں جا کر بھتیجا کو اپنا حصہ لکھ دیا، تو کیا عابدہ کے مرتد ہونے کے بعد بھتیجا کو اپنا حصہ دیدینا صحیح ہوگا یا نہیں؟

المستفتی: محمد افتخار بانکوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: باپ کی زندگی میں لڑکی عابدہ کے مرتد ہوجانے کی وجہ سے وہ باپ کے متروکہ مال میں سے کسی بھی حصہ کی حقدار نہیں ہوگی، اس لیے بھتیجہ کو اپنا حصہ دینے کا سوال پیدا نہیں ہوتا، بلکہ زید کے انتقال کے بعد صرف دو لڑکوں کے موجود ہونے کی وجہ سے کل مال دو حصوں میں تقسیم ہوکر آدھا آدھا دونوں بھائی کو مل جائے گا اور عابدہ میت کے حکم میں ہوگی۔

عن أسامة بن زيدؓ أن رسول الله ﷺ قال: لايرث المسلم الكافر ولا الكافر المسلم. (ترمذی شریف، أبواب الفرائض، باب ما جاء فی إبطال المیراث بین المسلم والکافر، النسخة الهندیة ۲/۳۱، دار السلام رقم: ۲۱۰۷)

لاخلاف بين فقهاء المذاهب فى أن المرتد لايرث أحدا لأنه صار فى حكم الميت وكذٰلک المرتدة لا ترث أحدا. (الموسوعة الفقهیة ۳/۲۵، عالمگیری زکریا قدیم ۶/۴۵۵، جدید ۶/۴۴۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍صفر المظفر ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۲۴۲)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۲/۱۵ھ

عیسائی مسلمان کا وارث نہیں

سوال [۱۱۳۷۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عبدالرحمٰن مرحوم نے یکے بعد دیگرے تین شادیاں کیں پہلی شادی عیسائی عورت سے کی، اس سے ایک لڑکی ہے اور دوسری شادی بھی عیسائی عورت سے کی، اس سے دو لڑکیاں

ہیں، بیوی اب تک عیسائی ہے، اور دونوں بچیاں مسلمان ہوگئیں، ایک نے مسلمان مرد سے شادی کی، اور ایک نے عیسائی مرد سے شادی کی، اور یہ تینوں موجود ہیں، اور تیسری شادی مسلمان عورت سے کی اس سے ایک لڑکا اور ایک لڑکی ہے، پہلی بیوی کا شوہر کی موجودگی میں انتقال ہوگیا، اور تیسری بیوی کا شوہر کے انتقال کے بعد اب ترکہ کس طرح تقسیم ہوگا، ترکہ میں صرف آٹھ کمرے چھوڑے ہیں؟

المستفتی: قمر سلطان اصالت پورہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مرحوم عبدالرحمٰن کی وہ بیوی جو عیسائی ہے اور مذہب اسلام کو مرحوم کی حیات تک اختیار نہیں کیا ہے تو وہ اختلاف دین کی وجہ سے عبدالرحمٰن کے ترکہ سے محروم ہوجائے گی البتہ عیسائی بیوی سے پیدا شدہ دونوں مسلمان لڑکیاں شرعاً وارث ہوں گی۔

عن أسامة بن زيدؓ أن رسول الله ﷺ قال: لايرث المسلم الكافر ولا الكافر المسلم. (ترمذی شریف، أبواب الفرائض، باب ما جاء فی إبطال المیراث بین المسلم والکافر، النسخة الهندیة ۲/۳۱، دار السلام رقم: ۲۱۰۷)

لايورث اليهودي والنصراني من المسلم (إلى قوله) وهذا هو الموافق لمذهب الجمهور. (شامی زکریا ۱۰/۵۰۶)

لہٰذا اس صورت میں مرحوم عبدالرحمٰن کا ترکہ درج ذیل نقشہ کے مطابق تقسیم ہوگا:

میــــــــــــت ۴۸/۸

بیوی	لڑکی	لڑکی	لڑکی	لڑکی	لڑکا
۱					
۶	۷	۷	۷	۷	۱۴

مرحوم کا ترکہ ۴۸؍ سہام میں تقسیم ہوکر ہر وارث کو اتنا ملے گا جو اس کے نام کے نیچے درج ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰؍ جمادی الثانیہ ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۵۸۲۲)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۱۹/۶/۲۰ھ

جائیداد کی تقسیم سے متعلق چند سوالات وجوابات

سوال [۱۱۳۷۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) ہمارے والد صاحب چار بھائی تھے، بہن کوئی نہیں، ہمارے دادا کا انتقال ہوا، تو دادی اوران کے چار فرزند تھے، مگر ایک فرزند بنام اکرام حسین شروع ہی میں پاکستان چلے گئے تھے، غالباً ۱۹۴۸ء میں، حکومت ہند کے قانون کی رو سے ایسے شخص کا ہند میں کوئی حصہ نہیں، شرعی لحاظ سے کیا حکم ہے؟

(۲) آراضیٔ مسکونہ اور زرعی زمینات میں نام ۳/ ہی بھائیوں کا درج ہے، جو پاکستان منتقل ہوگئے ان کا نام کاغذات میں درج ہی نہیں، حکم کیا ہے؟

(۳) ہمارے بڑے تائے انہوں نے ہماری تائی کو بمعاوضہ مہر اپنے حصہ کی بیع کردی تھی، جس کی تحریر موجود ہے، یہ لاولد تھے، البتہ ان کے دوسرے بھائیوں کی اولاد ہے، پاکستان والے بھائی کی بھی اور ہند میں مقیم ان کے دونوں بھائیوں کی بھی اولاد ہے، شرعاً حکم کیا ہے؟

(۴) تائے مرحوم نے جو مکان ہماری تائی کو زرمہر کے عوض دیا تھا، تائی مرحومہ کا بھی انتقال ہوگیا وہ تو لاولد تھیں، لیکن ان کے دیوروں کی اولاد ہے، اور مرحومہ کے بھائیوں کی اولاد ہے، ۲/لڑکے، ۳/لڑکیاں، حکم شرعی کیا ہے؟

(۵) مرحومہ تائی نے ایسا کیا کہ ان کو تائے مرحوم نے جو مکان بیع کیا تھا بمعاوضہ مہر، تائی مرحومہ نے اپنے دیور الطاف حسین کے ۲/بیٹوں کو اپنے مکان کی وصیت تحریر کردی، دوسرے دیور کی اولاد کے حق میں نہیں کی، تو یہ وصیت شرعاً کس طرح اور کس حد تک نافذ ہوسکتی ہے؟ یعنی جن کو وصیت میں مکان لکھ دیا ہے وہ حقدار ہیں یا مرحومہ کے بھتیجے اور بھتیجیاں، ۲/بھتیجے ہیں اور ۳/بھتیجیاں، ان کا بھی کچھ حق مرحومہ کے مکان میں ہے یا دوسرے دیور کی اولاد کا بھی کچھ حصہ ہے؟

(۶) ہماری مرحومہ دادی نے دادا مرحوم کے انتقال کے بعد ایک قطعۂ آراضی خریدا تھا، مرحومہ کی اولاد میں چار لڑکے تھے، ۳/ ہندوستان میں ایک پاکستان میں، دادی مرحومہ کا

ترکہ کس طرح تقسیم ہوگا؟

(۷) اب جس وقت یہ فتویٰ منگایا جارہا ہے ہماری دادی کے ۴ رلڑکے یعنی ہمارے والد جوسب سے چھوٹے تھے اور ہمارے تینوں تائے ۲ ر ہندوستان میں ایک پاکستان میں، انتقال کر چکے ہیں، البتہ ان کی اولادیں ہیں، پہلے لکھا جا چکا ہے کہ بڑے تائے لا ولد تھے، دو تائے کی اولاد ہے، ہمارے والد کی بھی اولاد ہے، تقسیم کس طرح ہو کہ اللہ تعالیٰ بھی خوش ہوں، کسی کو محرومی کا احساس بھی نہ ہو؟

المستفتی: محمد خالد عفی عنہ، امن نگر یعقوب پورہ حیدرآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱-۲) آپ کے جو چچا پاکستان چلے گئے تھے شریعت کی رو سے آپ کے دادا کی میراث میں وہ بھی برابر کے شریک ہیں، اور سرکاری کاغذات میں نہ ہونے کی وجہ سے وہ وراثت سے محروم نہ ہوں گے، اور اب چونکہ ان کا انتقال ہو چکا ہے اس لیے ان کا حصہ ان کے وارثین کو مل جائے گا۔

اختلاف الدار لایؤثر فی حق المسلمین. (شامی، کتاب الفرائض، کراچی ۶/۷۶۸، زکریا ۱۰/۵۱۰، شریفیه ۱۹/، تاتارخانية زکریا ۲۰/۲۱۷، رقم: ۳۳۰۸۳)

(۳-۴-۵) جب بڑے تایا نے اپنا حصہ آپ کی تائی کو بمعاوضہ مہر دیدیا تھا تو تائی اس کی شرعی طور پر مالک ہو چکی ہیں اور انہوں نے اپنے حصہ کے متعلق دیور کے دو بیٹوں کے متعلق وصیت کر دی تھی تو ان کے حصہ کو تین حصوں میں تقسیم کر کے ایک حصہ ان کو مل جائے گا جن کے نام وصیت کی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ وصیت اجنبی کے لیے ایک تہائی میں ہو جاتی ہے، اور دیور کے بیٹے حقیقی وارث نہیں ہیں، اس لیے ایک تہائی میں وصیت صحیح ہوگئی، اور باقی دو تہائی مرحوم کے بھتیجوں کو ملیں گے، جتنے بھی بھتیجے زندہ ہیں ان کی تعداد کے حساب سے دو تہائی ان کے درمیان تقسیم ہوں گے۔

وتجوز بالثلث للأجنبی عند عدم المانع. (در مختار مع الشامی، کتاب الوصایا، کراچی ۶/۶۵۰، زکریا ۱۰/۳۳۹، عالمگیری زکریا قدیم ۶/۹۰، جدید ۶/۱۰۶)

(٦) آپ کی دادی نے جوآراضی دادا کے انتقال کے بعد خریدی تھی وہ چار حصوں میں تقسیم ہوکر چاروں لڑکوں میں سے ہرایک کوایک ایک حصہ مل جائے گا، اور ہرایک کا حصہ اب ان کی اولادوں کومل جائے گا، اور وہ حصہ اولادوں کے درمیان تقسیم ہوگا، اور یہ کیسے تقسیم ہوگا اس کے لیے ساری اولادوں کی تفصیل اور مرنے والوں کی ترتیب وغیرہ بیان کرنی ضروری ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰ رصفر المظفر ۱۴۳۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۳۸ ۹۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۰/۲/۲ھ

٦ باب ذوی الفروض

والدین کی میراث میں بیٹی کا حصہ

سوال [۱۱۳۷۹]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: والدین کی میراث میں کیا بیٹی کا حصہ ضروری ہے؟ اگر ہے تو کتنا ہے؟

المستفتی: زواراحمد مال پوری، جے پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: والدین کی میراث کاحقدار جس طرح بیٹا ہوتا ہے بالکل اسی طرح بیٹی بھی ہوتی ہے، صرف اتنا فرق ہے کہ بیٹی کو بیٹا کے مقابلے میں نصف ملتا ہے۔

﴿يُوصِيكُمُ اللّٰهُ فِيٓ اَوۡلَادِكُمۡ لِلذَّكَرِ مِثۡلُ حَظِّ الۡاُنۡثَيَيۡنِ فَاِنۡ كُنَّ نِسَآءً فَوۡقَ اثۡنَتَيۡنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ. [النساء: ۱۱] ﴾ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۱۶۴۱/۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۵/۹ھ

باپ کی میراث میں بیوی اور بیٹی کا حصہ

سوال [۱۱۳۸۰]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک صاحب کچھ جائیداد کے مالک تھے، جس میں آبائی ترکہ کے حصہ کی اور کچھ ان کی خریدشدہ ملکیت تھی، ان صاحب کا انتقال ہوگیا، ان کے انتقال پر ان کی اولاد اور ان کی بیوہ حسب حصہ الگ الگ مالک بنے اب ان ہی صاحب کے ایک لڑکے کا دور دراز حادثہ میں انتقال ہوگیا، جس کی ایک بیوی ایک بچی موجود ہے، اس لڑکے کے حصہ کی مالک اس کی بیوہ

اور بچی ہی ہوگی یا بقیہ بھائیوں بہنوں اور ماں کو بھی اس کے حصہ میں سے کچھ ملے گا؟ براہ کرم وضاحت فرمائیں۔

المستفتی: سید محمد طیب حسن مدرس اردو سیکشن مدرسہ شاہی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بشرط صحت سوال حادثہ میں فوت ہونے والے کی بیوی کو اس کی کل ملکیت کا آٹھواں حصہ اور لڑکی کو نصف حصہ اور باقی مرحوم کے بھائی، بہن اور ماں کو حصص شرعیہ کے اعتبار سے ملے گا۔

والعصبة كل من يأخذ ما أبقته أصحاب الفرائض. (سراجی ص:٤) فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸ر صفر المظفر ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۳۴۰)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۸/۲/۱۴۱۶ھ

والدین کے ترکہ میں بہنوں کا حصہ

سوال [۱۱۳۸۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہماری بہنوں کی شادی کے موقع پر بہنوں کو اسکوٹر، سونے چاندی کی اشیاء اور تانبے کے پیتل کے برتن وغیرہ بنے تھے، اور اس تصور سے مذکورہ اشیاء دی جاتی ہیں کہ لڑکیوں کو وراثت تو دی نہیں جاتی، اس لیے جہیز کے موقع پر جتنا دینا چاہیے اس سے زائد دیدیا جائے تاکہ ان کا حق والد کی زندگی میں ہی ادا ہوجائے۔

سوال طلب امر یہ ہے کہ ہمارے والد کی وفات ہوچکی ہے، ہم اپنی بہنوں کو شرعی ضابطہ کے مطابق وراثت دینا چاہتے ہیں، اگر ہم جہیز کے موقع پر دی گئی اشیاء وضع کر کے پھر جتنا حصہ بنتا ہو دیدیں، تو کیا جائز ہے؟ ان کی حق تلفی تو شمار نہ ہوگی؟

المستفتی: محمد اسلم محمد پور، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جوسامان والدین کی طرف سے لڑکی کو جہیز میں دیا جاتا ہے وہ لڑکی کے لیے والدین کی طرف سے ہبہ اور عطیہ ہوتا ہے، اسی طرح والدین کے نہ ہونے کی صورت میں بھائیوں اور رشتہ داروں کی طرف سے جو سامان جہیز میں دیا جاتا ہے وہ عطیہ اور تبرع ہوتا ہے، چاہے سامان دیتے وقت اس بات کی نیت کر لی ہو کہ یہ وراثت کا بدل ہے، تب بھی وہ عطیہ ہی ہوتا ہے، لہٰذا والدین کی وفات کے بعد متروکہ مال میں بہنوں کی میراث پوری پوری باقی رہتی ہے، شرعی طور پر ان کی میراث انہیں کا حق ہے ان کو نہ دینے والے سے اللہ کے دربار میں ذرہ ذرہ کا حساب ہوگا اور ان کے گلے میں سات زمینوں کا طوق ڈال دیا جائے گا، اور قیامت کے دن ان کو جنت کے حصوں سے محروم کردیا جائے گا۔ (مستفاد: انوار نبوت ص: ۷۰۰)

﴿وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ نَصِيْبًا مَفْرُوْضًا. [النساء: ۷] ﴾

عن سعيد بن زيد قال سمعت رسول الله ﷺ يقول: من أخذ من حق امرئ من المسلمين شبرا بغير حق طوقه الله تعالىٰ يوم القيامة سبع أرضين. (المعجم الأوسط، دار الفكر ٦/١٦٧، رقم: ٨٣٨٣، صحيح مسلم، باب تحريم الظلم و غصب الأرض وغيرها، النسخة الهندية ٢/٣٢ بيت الأفكار رقم: ١٦١٠، بخارى شريف، باب إثم من ظلم من الأرض شيئا ١/٢٣٢، رقم الحديث: ٢٣٨٨، ف: ٢٤٥٢)

عن أنس بن مالك رضـ قال: قال رسول الله ﷺ: من فر من ميراث وارثه قطع الله ميراثه من الجنة يوم القيامة. (ابن ماجه أبواب الوصايا، باب الحيف فى الوصية، النسخة الهندية ٢/١٩٤، دار السلام رقم: ٢٧٠٣، سنن سعيد بن منصور، باب من قطع ميراثا فرضه الله، دار الكتب العلمية بيروت ١/٩٦، رقم: ٢٨٥-٢٨٦) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴ / جمادی الاولیٰ ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۷۹۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۵/۵ھ

ایک لڑکے اور تین لڑکیوں کے درمیان ترکہ کی تقسیم

سوال [۱۱۳۸۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عبدالعزیز نے ایک مکان اپنی حیات میں صرف نچلی منزل تعمیر کروائی تھی، دوسری اور تیسری منزل اس کے فرزند نے اپنی کمائی ہوئی رقم سے مکمل کروائی ہے، عبدالعزیز مرحوم کی میراث کے حسب ذیل حقدار ہیں، ایک لڑکا اور تین لڑکیاں، اب عبدالعزیز کا انتقال ہوگیا، تفصیل حسب ذیل ہے:

(۱) مکان جناب عبدالعزیز صاحب نے اپنی حیات میں اپنے خود کے پلاٹ پر خود اپنی ذاتی رقم سے نچلی منزل ۱۹۶۶ء میں بنوائی تھی۔

(۲) بعد میں دوسری منزل موصوف کی حیات میں ان کے فرزند ممتاز احمد نے اپنی خود کی کمائی سے ۱۹۶۷ء میں تعمیر کروائی تھی۔

(۳) ۱۹۹۰ء میں تیسری منزل بھی ممتاز احمد نے خود کی کمائی سے والد صاحب کے انتقال کے بعد بنوائی تھی۔

(۴) عبدالعزیز عرف مدار صاحب مرحوم کے صرف ایک لڑکا اور تین لڑکیاں ہیں، اس مکان کا بٹوارہ لڑکے اور لڑکیوں میں کس طرح ہوگا؟

المستفتی: ممتاز احمد ناگپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مرحوم عبدالعزیز کے لڑکے ممتاز احمد نے باپ کی حیات میں اپنی کمائی سے جو پہلی منزل تعمیر کرائی ہے وہ شرعاً باپ ہی کی ملکیت شمار ہوگی، اور باپ کے انتقال کے بعد جو دوسری منزل تعمیر کرائی ہے وہ اگرچہ ممتاز احمد کی ملکیت ہے لیکن تقسیم میراث سے پہلے اس طرح تعمیر کرانا صحیح نہیں تھا۔

ولایجوز لأحد أن یتصرف فی نصیب الآخر إلا بإذنه. (هدایه، کتاب

الشركة، اشرفی دیو بند ۲/ ۶۲٤)

لایجوز لأحد أن یتصرف فی ملک غیره بلا إذنه أو وکالة منه أو ولایة علیه وإن فعل کان ضامنا. (شرح المجلة رستم اتحاد ۱/ ٦١ رقم المادة: ٩٦)

تاہم اب کل مکان کی قیمت لگائی جائے گی اوراس اوپری منزل کی قیمت الگ کر کے ممتاز احمد کو دیدی جائے گی، اور نچلی اور پہلی منزل کی قیمت مرحوم عبدالعزیز کے وارثوں کے درمیان پانچ حصوں میں تقسیم ہوگی، دوحصہ ممتاز احمد کوملیں گےاور ایک ایک حصہ ہرلڑکی کو ملے گا۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍شعبان المعظم ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر:۳۲/۴۹۹۳)

والدہ کے زیور کی بھائی اور پانچ بہنوں کے درمیان تقسیم

سوال [۱۱۳۸۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) میرے والد اور والدہ کا انتقال ہوگیا ہے، میری والدہ کا کچھ زیور ہے اس کو میں تقسیم کرنا چاہتا ہوں، میری پانچ بہنیں ہیں، کس طرح تقسیم کیا جائے؟

(۲) ایک بہن کو والدہ نے اپنی زندگی میں تین چوڑیاں دیں تھیں، اب جو زیور بچا ہے اس میں سے حصہ دیا جائے گا یا نہیں؟

المستفتی: رضوان علی خاں مغلپورہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) برتقدیر صحت سوال وبعد ادائے حقوق ما تقدم علی الارث وعدم موانع ارث مرحومہ کا کل ترکہ درج ذیل نقشہ کے مطابق تقسیم ہوگا:

میــــــــــــــــــــــــــــــــت ۷

بیٹا	بیٹی	بیٹی	بیٹی	بیٹی	بیٹی
۲	۱	۱	۱	۱	۱

مرحومہ کا کل ترکہ ۷ ؍سہام میں تقسیم ہوکر ہر وارث کو اتنا اتنا ملے گا جو اس کے سامنے درج ہے۔

(۲) آپ کی والدہ نے بہن کو تینوں چوڑیاں اگر بطور ہبہ دی تھیں تو ایسی صورت میں وہ اس کی اسی وقت مالک بن گئی تھی، والدہ کو چاہئے تھا کہ اسی وقت اورلڑکیوں کو بھی برابر دیدیتیں اس لیے نہ دینے میں والدہ گنہگار رہوں گی اس لیے کہ اس بہن کو بقیہ ترکہ میں سے بھی حصہ ملے گا تو ایسی صورت میں دیگر ورثاء کے مقابلے میں اس بہن کو زیادہ ملے گا۔

وتتم الهبة بالقض الكامل لقوله عليه السلام لاتجوز الهبة إلا مقبوضة. (مجمع الأنهر، كتاب الهبة، دار الكتب العلمية بيروت ٣/ ٣٩١، مصرى قديم ٢/ ٣٥٣، شامى كراچى ٥/ ٦٩٠، زكريا ٨/ ٥٢٠، الفتاویٰ التاتارخانية، زكريا ١٤/ ٤٢١، رقم: ٢١٥٦٣، شرح المجلة رستم اتحاد ١/ ٤٧٣، رقم المادة: ٨٦١)

ولو وهب جميع ماله من ابنه جاز وهو آثم. (بزازيه، الجنس الثالث فى هبة الصغير، زكريا جديد ٣/ ١٢٣ وعلى هامش الهندية ٦/ ٢٣٧، قاضيخان زكريا جديد ٣/ ١٩٤ وعلى هامش الهندية ٣/ ٢٧٩، هنديه زكريا قديم ٤/ ٣٩١، جديد ٤/ ٤١٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۱۳؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۰۹۵)	۱۴۳۴/۵/۱۳ھ

بھائی بہنوں کے درمیان جائیداد کی تقسیم کا ایک مسئلہ

سوال [۱۱۳۸۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کا انتقال ہوگیا اس نے چار ایکڑ زمین اور وارثین میں چار لڑکے، تین لڑکیاں چھوڑیں، اب یہ زمین گیارہ حصوں میں تقسیم ہوکر ہر ایک لڑکے کو ۲؍ حصے اور ہر ایک لڑکی کو ۱؍ حصہ ملنا چاہیے، لیکن ان چار لڑکوں نے اس طرح تقسیم نہیں کیا بلکہ ہر ایک لڑکے نے ایک ایک ایکڑ لے کر اس پر قبضہ کرلیا اور بہنوں کو نہیں دیا، بعد میں ان میں سے ایک لڑکے کو اللہ نے

توفیق دی اور وہ کہتا ہے کہ میرے دوسرے بھائی اپنی بہنوں کو حصہ دیں یا نہ دیں، لیکن میرے قبضہ میں جو ایک ایکڑ زمین ہے، اس میں تین بہنوں کا بھی حصہ ہے، میں تینوں بہنوں کا اس میں سے حصہ دوں گا، تو اس ایک بھائی کے قبضہ میں جو ایک ایکڑ زمین ہے اس کے کتنے حصے ہوں گے، ۱۱/ حصے یا ۵/ حصے، ایک عالم کا کہنا ہے کہ اس ایک بھائی کے قبضہ میں جو ایک ایکڑ زمین ہے اس میں صرف پانچ حصے ہوں گے، ۲/ حصے اس بھائی کو اور تینوں بہنوں کو تین حصے اور چونکہ دوسرے بھائیوں نے اپنے حصہ کے بقدر بلکہ اس سے زائد پر قبضہ کیا ہے، اس لیے اس بھائی کے قبضے کی ایک ایکڑ زمین میں دوسرے بھائیوں کا حصہ نہیں اس طرح ہر بھائی اپنی قبضہ کی ایک ایکڑ زمین میں پانچ حصہ کر کے ۲/ حصہ وہ خود رکھے اور تین حصہ تین بہنوں کو دے۔

دوسرے ایک عالم صاحب کہتے ہیں کہ جس طرح مجموعی طور پر ۴/ ایکڑ زمین میں ۱۱/ حصہ ہوئے، اسی طرح ہر بھائی نے انفرادی طور پر ایک ایک ایکڑ زمین پر قبضہ کیا ہے ہر ایک بھائی جب اپنی تین بہنوں کو حصہ دے گا تو ہر ایک بھائی اپنے زیر قبضہ ایک ایکڑ زمین کے بھی ۱۱/ حصے کرے گا، ۲/۲/ حصے ہر بھائی کے، لیکن چونکہ ہر ایک بھائی نے اپنا حصہ وصول کرلیا ہے اس لیے ان کا وہ حصہ ان کے پاس نہ جاتے ہوئے خود اسی کے پاس رہے گا، اس طرح آٹھ حصے خود اس بھائی کے پاس رہیں گے اور ۳/ حصہ تینوں بہنوں کو دینا ہوگا، اب آپ فیصلہ فرمائیں کہ کس کی بات حق ہے؟

المستفتی: عتیق الرحمٰن مدرسہ اسلامیہ دار العلوم نا گپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: صحیح صورت یہی ہے جو دوسرے عالم صاحب نے بتائی ہے کہ ہر بھائی اپنے ایک ایکڑ کو ۱۱/ حصوں میں تقسیم کردے، اور اس میں سے آٹھ حصے اپنے پاس رکھ لے اور تین حصے تینوں بہنوں کو ایک ایک کر کے دیدے، جب ایک بھائی دیدے گا اس کے بعد اگر اللہ نے دوسرے بھائیوں کے دل میں ڈال دیا تو وہ بھی اس طریقہ سے اپنے ایک ایکڑ میں سے بہنوں کو گیارہ سے تین حصے دیں گے، گویا کہ چار ایکڑ زمین چوالیس حصوں میں تقسیم ہو کر ہر بہن کو چار حصے اور ہر بھائی کو آٹھ آٹھ حصے ملیں گے، اور جو بھائی اپنے قبضے کے ایک

ایکڑ میں سے گیارہ حصے کرکے تین حصے نکال کر بہنوں کو دیدے گا وہ اپنے ذمہ سے بری ہو جائے گا، اور دوسرے بھائیوں کے اوپر ذمہ داریاں باقی رہ جائیں گی۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍ رجب المرجب ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۷۷۵۲)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۸؍۷؍۱۴۲۳ھ

والدین، تین بیٹے اور ایک بیٹی کے درمیان ترکہ کی تقسیم

سوال [۱۱۳۸۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرے بیٹے سلطان حسین کا انتقال ہوگیا، میں اس کا باپ اور میری بیوی زندہ ہیں، یعنی ماں بھی زندہ ہے، سلطان حسین مرحوم کے تین بیٹے ایک بیٹی اور ان کی بیوی جو ہر جہاں بھی زندہ ہیں، سلطان حسین میونسپل بورڈ کے اسکول میں اردو ٹیچر تھے، ان کی ایک ماہ کی تنخواہ اور فنڈ بیمہ کے روپیہ نگر نگم کو دینے ہیں، اس کے علاوہ مرحوم کی جائیداد میں زمین بھی ہے، مہربانی کرکے آپ فرائض نکال دیجئے کہ کس کو کتنا حصہ ملے گا، آپ کے اس فرائض کو سرکار میں پیش کیا جائے گا، تاکہ ہر شخص اپنا اپنا مال وجائیداد جائز طریقے سے حاصل کرسکے، اس کے علاوہ بیوی جو ہر جہاں کو چھوڑے ہوئے تقریباً بیس سال ہو چکے ہیں، مرحوم کا بیوی سے بیس سال سے کوئی واسطہ نہیں تھا۔ دونوں ۲۰؍ سال سے الگ الگ رہتے تھے، مرض میں بھی بیوی سے ۲۰؍ سال سے کوئی تعلق نہیں رہا۔

ایسی حالت میں بتائیں کہ بیوی مرحوم کے نکاح میں تھی یا نہیں؟ بیوی اب وارث رہی یا نہیں، اس کا بھی خلاصہ فرائض میں نکالنے کی مہربانی کریں، بڑا لڑکا اور بڑے لڑکے سے چھوٹی بہن اور سب سے چھوٹا لڑکا اپنی ماں جو ہر جہاں کے پاس بچپن سے ہی رہتے آئے ہیں، مگر بڑے لڑکے اور لڑکی سے چھوٹا لڑکا جواہر سلطان بچپن سے اپنے باپ کے پاس رہتا تھا، اور باپ کی خدمت کرتا تھا، اور آخر وقت تک اس نے اپنے باپ مرحوم کی خدمت کی ہے، لہٰذا ایسی

حالت میں مرحوم کے پاس موجود لڑکے کا کیا حق بنتا ہے، اور یہ بھی بتا دیں کہ مرحوم کی جگہ پر ملنے والی نوکری پر اس لڑکے کا حق بنتا ہے یا ان کا جو اپنی ماں کے پاس رہتے آئے ہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بشرط صحت سوال وبعد ادائے حقوق ما تقدم وعدم موانع ارث مرحوم کا کل ترکہ اور اثاثہ درج ذیل نقشہ کے مطابق بٹے گا:

مرحوم میت ۱۶۸/۲۴

بیوی	ماں	باپ	لڑکا	لڑکا	لڑکا	لڑکی
۳	۴	۴				
۲۱	۲۸	۲۸	۲۶	۲۶	۲۶	۱۳

کل ترکہ ۱۶۸ر سہام میں تقسیم ہو کر بیوی کو ۲۱ر ماں باپ کو ۲۸/۲۸ر، لڑکوں کو ۲۶/۲۶/۲۶ر، لڑکی کو ۱۳ر ملیں گے، اگر بیوی کو طلاق نہیں دی ہے تو چاہے میکے میں رہتی ہو وہ وارث بن جائے گی، نیز جو بچے باپ کے ساتھ رہتے تھے اور جو ماں کے ساتھ رہتے تھے ان کے درمیان میراث تقسیم ہونے میں کوئی فرق نہیں ہے، سب برابر کے حقدار ہوں گے اور سرکاری نوکری میں فرق نہ ہوگا، البتہ حکومت جس کو چاہے دے سکتی ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍ ذی الحجہ ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۵۰۶۰/۳۲)

بیوی کا شوہر کے ترکہ میں کتنا حصہ ہے وغیرہ سے متعلق چند سوالات؟

سوال [۱۱۳۸۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلۂ ذیل کے بارے میں: کہ زینت جو اپنے شوہر کے ایک حادثے میں فوت ہو جانے کی وجہ سے بیوہ ہو چکی ہے اور حاملہ ہونے کی وجہ سے اس کی مدتِ عدت وضع حمل ہے، اس سے متعلق جواب طلب امور یہ ہیں:

الف: شوہر جس کے پس ماندگان میں والدین اور دو شادی شدہ بڑے بھائی ہیں جن

کی علیحدہ علیحدہ فیملیاں ہیں، مرحوم کی پہلی زوجہ جو موجودہ زوجہ سے پہلے ہی فوت ہوچکی تھی اس سے ایک بیٹی ہے، اس صورت میں بیوہ کا، شوہر کی موروثی وذاتی ملکیت میں کیا حصہ ہوگا ؟

ب: کیا بیوہ ایام عدت میں اپنے والد کے گھر (جہاں والدین اور ایک غیر شادی شدہ بھائی ہے اور کسی نامحرم کی آمدورفت بھی نہیں ہے) گزار سکتی ہے؟

ج: اگر وہ ایام عدت والد کے گھر گزارتی ہے تو کیا شوہر کے ترکہ سے محروم کی جاسکتی ہے؟ کیا ان ایام کا نان ونفقہ وہ شوہر کی ذاتی ملکیت سے حاصل کرنے کی حق دار ہوگی؟

د: شوہر پر کچھ قرض بھی ہے، یہ قرض اس کی چھوڑی ہوئی املاک سے ادا کیا جائے یا اس کی ادائیگی کے لیے حادثہ کے عوض کے طور پر ملنے والی رقم کا انتظار کیا جائے، یہ بھی وضاحت کرنے کی زحمت فرمائیں کہ اس رقم پر کس کا حق ہوسکتا ہے، یا تنہا بیوی ہی حقدار ہے؟

ہ: شادی میں شوہر کی جانب سے جو زیور بیوہ کو دیا گیا، اب اس کا حق دار کون ہے؟ اسی طرح جہیز کے متعلق بھی تحریر فرمائیں، اگر وہ مستقل طور پر والد کے گھر رہائش اختیار کرتی ہے تو کیا اپنا جہیز لانے کی حق دار ہے؟

و: شوہر کے والدین یا بھائیوں کو یہ حق حاصل ہے کہ بیوہ کے اپنے والد کے گھر چلے جانے کی صورت میں اس کو شوہر کے ترکہ سے محروم کردیں اور مرحوم کی ذاتی ملکیت پر خود قابض ہوجائیں؟ جواب کافی شافی عنایت فرمائیں اور عنداللہ ماجور ہوں۔

المستفتی: محمد حنیف انصاری محلّہ ہلالی سرائے سنبھل مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) زیر بحث مسئلہ میں مرحوم کے ترکہ میں سے اولاً اس کا سارا قرضہ ادا کیا جائے گا، اور قرضہ ادا کرنے کے بعد جو کچھ بچے گا اس میں سے مرحوم کی بیوہ کا کل مال کا آٹھواں حصہ ہے اور مرحوم کے ماں باپ میں سے ہر ایک کو کل مال کا چھٹا چھٹا حصہ ملے گا اور مرحوم کی بیوہ کے پیٹ میں جو بچہ ہے اس کو لڑکا ماننے کی صورت میں مرحوم کی بیٹی بھی بیٹے کے ساتھ عصبہ بن جائے گی، اور مرحوم کے بھائی بہن سب محروم ہو

جائیں گے، چاہے بھائی بہن، شادی شدہ ہوں یا غیر شادی شدہ ہوں، ان کو کوئی حصہ نہیں ملے گا، مسئلہ درج ذیل نقشہ کے مطابق بنے گا۔

$\frac{۷۲}{۲۴}$

میــت

بیوہ	ماں	باپ	لڑکی	حمل
$\frac{۳}{۹}$	$\frac{۴}{۱۲}$	$\frac{۴}{۱۲}$	$\frac{۱۳}{۱۳}$	۲۶

اور اگر حمل کو لڑکی فرض کی جائے تو مرحوم کی بیوہ کو کل مال کا آٹھواں حصہ اور ماں باپ کو چھٹا چھٹا حصہ اور دونوں لڑکیوں کو کل مال کے دو ثلث ملیں گے، جو درج ذیل نقشہ کے مطاق ہوگا:

$\frac{۲۷}{۲۴}$

میــت

بیوہ	ماں	باپ	لڑکی	لڑکی
۳	۴	۴	۸	۸

مرحوم کا مسئلہ عائلہ ۲۷ر سے بن کر بیوہ کو تین ماں باپ کو چار چار اور دونوں لڑکیوں کو آٹھ آٹھ ملے، اور مرحوم کے بھائی بہن اب بھی محروم ہو جائیں گے، حمل کی دونوں شکلیں آپ کے سامنے لکھ دی ہیں، لہٰذا بہتر یہ ہے کہ وضع حمل تک انتظار کریں، اور وضع حمل کے بعد جو بھی شکل بنے اس کے مطابق ترکہ تقسیم کرلیں۔

(۲) بیوہ کے لیے شوہر کے گھر پر ہی عدت گزارنا لازم ہے، ہاں البتہ اگر اپنی جان، یا مال یا آبروریزی کا خطرہ ہو تو ماں باپ کے گھر جا کر عدت گزار سکتی ہے۔

وعلى المعتدة أن تعتد في المنزل الذي يضاف إليها بالسكنىٰ حال وقوع الفرقة والموت. (هنديه، الباب الرابع عشر في الحداد، زكريا قديم ١/ ٥٣٥، جديد ١/ ٥٨٧)

وتعتدان أي معتدة طلاق و موت في بيت وجبت فيه و لاتخرجان منه إلا أن تخرج أو ينهدم المنزل أو تخاف انهدامه أو تلف مالها. (شامي، باب العدة، مطلب: الحق أن على المفتي أن ينظر في خصوص الوقائع زكريا ٥/ ٢٢٥، كراچی ٣/ ٥٣٦)

(۳) ایام عدت چاہے شوہر کے گھر گزارے یا ماں باپ کے گھر بہر صورت شوہر کے

ترکہ سے محروم نہیں ہوگی، بلکہ شوہر کے ترکہ میں سے جو اس کا حق شرعی ہے وہ ہر حال میں اس کو ملے گا، اور ایام عدت کا نان ونفقہ شوہر کے مال میں سے الگ سے نہیں ملے گا بلکہ شوہر کے ترکہ میں سے میراث کی شکل میں جو ملتا ہے صرف وہی ملے گا۔ (مستفاد: کفایت المفتی ۳۱۲/۸)

الحق متی یثبت لایبطل بالتاخیر و لا بالکتمان. (قواعد الفقه ص:۷۷)

لانفقة للمتوفیٰ عنها زوجها سواء کانت حاملا أو حائلا. (هندیه، الباب السابع عشر فی النفقات، الفصل الثالث فی نفقة المعتدة، زکریا جدید ۱/ ۶۰۵، قدیم ۱/ ۵۵۸)

(۴) راجح قول کے مطابق حادثہ کے عوض میں جو کچھ ملتا ہے وہ دیت کے حکم میں ہو کر وارثین کے درمیان حق شرعی کے طور پر تقسیم ہوگا، جو ما قبل کے نقشہ میں واضح کیا جا چکا ہے، اور ہر حال میں تقسیم وراثت سے پہلے اس کا پورا قرض ادا کرنا لازم ہے، اس میں اس کا چھوڑا ہوا ترکہ بھی ہوگا، اور حادثہ کے عوض میں ملنے والے پیسے بھی شامل ہوں گے۔ (مستفاد: انوار رحمت/ ۳۵۱)

ثـم تـقدم دیونه التی لها مطالب من جهة العباد. (شامی، کتاب الفرائض، زکریا ۱۰/ ۴۹۵، کراچی ۶/ ۷۶۰)

(۵) شادی کے موقعہ پر شوہر کی طرف سے بیوہ کو جو زیورات ملے ہیں اگر شوہر نے بیوہ کو اس کا مالک بنا دیا تھا یا شوہر کی برادری میں بطور تملیک دینے کا رواج ہے تو وہ بیوہ ہی کا ہوگا، اور اپنے ساتھ لانے کی حق دار ہوگی، اور جہیز کا سامان بہر صورت بیوہ کی ملکیت ہے، اس میں کسی دوسرے کا حق متعلق نہیں، اور لڑکی چاہے شوہر کے گھر عدت گذارے یا والد کے گھر، ہر صورت میں اس کو جہیز ملے گا، نیز اگر شوہر نے مہر ادا نہیں کیا تھا تو تقسیم ترکہ سے پہلے شوہر کے ترکہ میں سے بیوہ کا مہر ادا کرنا بھی لازم ہے، اس کے بعد بقیہ ترکہ وارثین کے درمیان اسی طریقہ سے تقسیم ہوگا جو اوپر نقشہ میں مذکور ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل جدید ۲۰/ ۲۶۷-۲۶۹)

جهـز ابـنـتـه بـجهاز و سلمها ذٰلک لیس له الاسترداد منه ولا لورثته بعده إن سلمها ذٰلک فی صحته وبه یفتیٰ. (شامی، باب المهر، مطلب: فی دعویٰ الأب أن الجهاز عارية زکریا ۴/ ۳۰۸، کراچی ۳/ ۱۵۷)

(٦) بیوہ کواس کا حصۂ شرعیہ دینا ہر حال میں لازم ہے، چاہے وہ شوہر کے گھر میں عدت گزارے یا کسی اور جگہ، کسی صورت میں اس کا حق باطل نہ ہوگا۔

الحق متى يثبت لايبطل بالتاخير و لا بالكتمان. (قواعد الفقه ص:۷۷)

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفااللہ عنہ
۱۱؍ربیع الاول ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۵۳۰)

میت کے ترکہ میں بیوی اور بھتیجوں کو کتنا ملے گا؟

سوال [۱۱۳۸۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) کسی شخص کی کوئی اولاد نہ ہواس کے انتقال کے بعد صرف ایک بیوہ حیات ہو تو وہ کتنے حصہ کی حقدار ہوگی، جبکہ مرحوم کے دو حقیقی بھائیوں کی اولادیں بھتیجے موجود ہیں؟

(۲) کسی شخص کے انتقال کے بعد ان کے دو حقیقی بھائیوں میں سے ایک بھائی کے صرف ایک پسر ود وسرے بھائی کے پانچ پسر موجود ہوں تو شرعاً کس کو کتنا حصہ ملے گا؟

(۳) کسی شخص کے پاس اس کی اپنی دادالٰہی جائیداد صحرائی وسکنائی باغات وغیرہ ہوں اور اس کا انتقال ہو جائے تو اس کی بیوہ اور حقیقی بھتیجوں کو کتنا حق ملے گا؟

المستفتی: راشد خاں محلّہ گھیر میاں خاں رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر مرحوم کی اولاد نہیں ہے تو ایسی صورت میں بیوی کو کل مال کا ایک چوتھائی ملتا ہے لہٰذا مذکورہ صورت میں ایک چوتھائی بیوی کو ملے گا، بقیہ حقیقی بھائیوں کی نرینہ اولاد کو ملے گا۔

الربع للواحدة فصاعدة عند علم الولد وولد الابن و إن سفل. (سراجی ص:۷)

اور سوال نامہ میں درج شدہ صورت میں مرحوم کی جائیداد درج ذیل طریقہ سے تقسیم ہوگی:

مسئلہ ۸/۴

مرحوم میت

بیوی	بھتیجا	بھتیجا	بھتیجا	بھتیجا	بھتیجا	بھتیجا
۱/						
۲	۱	۱	۱	۱	۱	۱

کل ترکہ ۸/ سہام میں تقسیم ہوکر بیوی کو ۲/ اور ہر ایک بھتیجا کو ایک ایک ملے گا، اور ایک بھائی کے جو ایک پسر ہے اس کو اتنا ہی ملے گا جو دوسرے بھائی کے پانچ لڑکوں میں سے ایک کو ملتا ہے، اس سے زیادہ نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴/ ربیع الثانی ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۹۷۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۴/۴/۱۴۱۵ھ

شوہر اور والدین کے درمیان ترکہ کی تقسیم

سوال [۱۱۳۸۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اقبال احمد ولد الطاف حسین نے اپنے نکاح کے وقت اپنا نصف مکان رقبہ تقریباً ۲۵/ مربع گز واقع محلہ اصالت پورہ کا بیع نامہ اپنی زوجہ فرید النساء بالعوض دین مہر بیع قطعی کیا تھا، اس کے بعد فرید النساء کی لا ولد موت واقع ہوگئی، لہٰذا مرحومہ فرید النساء کے حصۂ مکان میں شوہر اقبال احمد وفرید النساء کے والد عابد حسین شرعاً کتنے کتنے حصے کے مالک ہوں گے، علاوہ مذکورہ بالا اشخاص کے فرید النساء کے حصۂ مکان میں اور کوئی وارث شرعاً ہوتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد طاہر اصالت پورہ مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بشرط صحت سوال وبعد ادائے حقوق ما تقدم وعدم موانع ارث فرید النساء کے مذکورہ ترکہ میں سے نصف اس کے شوہر اقبال احمد کو ملے گا، نیز اس مکان کے علاوہ اگر کوئی دوسری چیز ہے، مثلاً زیورات وغیرہ تو اس کا بھی نصف حصہ شوہر کو ملے

گا، اسی طرح اگرفریدالنساء کی ماں بھی زندہ ہے تو بقیہ نصف میں سے ایک تہائی ماں کو ملے گا، اوردوتہائی باپ کو ملے گا، اوراگر ماں زندہ نہیں ہے بلکہ فرید النساء سے پہلے گذرگئی ہے تو بقیہ نصف مکمل باپ عابد حسین کوملیگا،اورزیورات وغیرہ میں سے بھی اسی تناسب سے ملے گا۔

وثلث ما بقي بعد فرض أحد الزوجين وذلک في مسئلتين زوج و أبوين. (سراجی ص:۱۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیراحمدقاسمی عفااللہ عنہ
یکم جمادی الاولیٰ ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر:۳۴/۶۱۳۳)

شوہر کی دوحالتیں ہیں

سوال [۱۱۳۸۹]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بعض جگہوں پر یہ دستور ہے کہ لڑکی کے انتقال کے بعد اگراس کی اولادنہ ہوتو اس کے میکہ والے لڑکی کو دیا ہوا کل سامان واپس لے لیتے ہیں۔

دریافت یہ کرنا ہے کہ میکہ والوں کا کل سامان لے لینا درست ہے یا نہیں یا اس مال میں شوہر کا بھی حصہ ہے؟

المستفتی: محمد مصطفیٰ کمال ٹانڈہ بادلی،رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: میکے کی طرف سے لڑکی کو جوسامان دیاجاتا ہے وہ کل کاکل لڑکی کی ملکیت ہے، اور جب لڑکی کا انتقال ہوجائے تو بچے ہونے کی صورت میں لڑکی کی کل ملکیت میں سے ایک چوتھائی شوہر کا حق ہے، میکے والوں کو تین چوتھائی لے جانے کا حق ہوتا ہے، اوراولادنہ ہونے کی صورت میں کل مال کا نصف حصہ شوہر کا حق ہوتا ہے، اور باقی نصف میکے والوں کو لے جانے کا حق ہوتا ہے۔اس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشادفرمایا ہے:

﴿وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ اَزْوَاجُكُمْ اِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُنَّ وَلَدٌ فَاِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ. [النساء: ١٢]﴾ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶؍محرم الحرام ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۵۵۸۲/۳۳)

بیوی کے متروکہ مال میں شرعی حق

سوال [۱۱۳۹۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسماۃ اللہ دی کے پہلے شوہر عبد العزیز سے عبد الرشید، محمد حنیف، عبد الوحید، خاتون یہ چار اولاد ہوئیں، شوہر اول کے انتقال کے بعد دوسرے شوہر عبد المجید سے دولڑکی شمو اور شہناز ہوئیں، اللہ دی اور ان کے شوہر عبد المجید اس وقت جس نئے تعمیر شدہ مکان میں رہتے ہیں نئی تعمیر سے پہلے پرانی تعمیر کی حالت میں یہ مکان کسی بنیے کے پاس گروی (رہن) رکھا ہوا تھا، یہ مکان دراصل اللہ دی کے والد بشیر احمد کا تھا اور انہوں نے ہی گروی رکھا تھا، اللہ دی کے نانا کا الگ ایک مکان تھا، جو اللہ دی کے نام تھا، اللہ دی نے اپنے نانا کا مکان بیچ کر یہ گروی رکھا ہوا مکان چھڑا لیا، پھر اس کو نئے طریقہ سے بنایا گیا، اس مکان کی تعمیر کے لیے اللہ دی کے شوہر ثانی عبد المجید نے اپنا ذاتی مکان بیچ کر اس کی قیمت میں سے بھی دو تہائی سے زیادہ پیسہ دیا، اور دس ہزار روپیہ نقدا لگ دیا، ۲۵؍کٹے سیمینٹ کے اور چار چوکھٹ اور ایک ونڈو یہ سب نقد اور سامان عبد المجید نے اس کی تعمیر کے لیے دیا، عبد المجید کے علاوہ محمد حنیف اور عبد الوحید (جو پہلے شوہر کی اولاد ہیں) کا بھی پیسہ اس میں لگا، جتنا بھی لگا، اس مکان کی پہلی اور دوسری منزل کی تعمیر تو عبد المجید اور عبد الوحید اور محمد حنیف ان تینوں کی شرکت سے ہوئی، اس کے بعد عبد الوحید کا انتقال ہو گیا تھا، اس لیے تیسری منزل عبد المجید اور محمد حنیف نے مل کر بنائی، اس تیسری منزل کی تعمیر میں بھی ۲۵؍ہزار روپیہ عبد المجید نے دیئے، دوسرے یہ کہ عبد المجید محمد حنیف کا سامان جو باہر دہلی وغیرہ لے جا کر بیچتے تھے، تو اس کے پیسے سے کچھ

اچھے پڑتے کے سودے محمد حنیف کو لا کر دیتے تھے، اور ان کے نفع میں دونوں کا حصہ ہوتا تھا، ۱۹۸۰ء سے ۱۹۹۰ء تک ان دونوں کا یہ کاروباری سلسلہ چلتا رہا، اور اس کا جو بھی نفع عبد المجید کے حصہ کا ہوتا تھا وہ بھی برابر تیسری منزل کی تعمیر میں لگتا رہا، محمد حنیف نے ان سودوں کے نفع کا کوئی حساب عبد المجید کو الگ سے نہ دیا اور نہ سمجھایا، بلکہ عبد المجید نے جب بھی پوچھا کہ ان سودوں کے پڑتے کا کیا حساب ہے تو محمد حنیف نے یہی جواب دیا کہ یہ سب اس میں یعنی مکان کی تیسری منزل میں لگ گیا، تو عبد المجید کو بھی اس پر کوئی خلش یا اعتراض نہ ہوا، کیونکہ ایک گھر کی بات تھی، بہرحال ۱۹۹۲ء تک مکان کی تیسری منزل بھی مع پلاسٹر فرش کے مکمل ہو گئی تھی اب اللہ دی بہت کمزور ہو چکی ہیں اور آئے دن بیمار رہتی ہیں، ان کے شوہر عبد المجید کا کہنا اپنی بیوی سے یہی ہے کہ یہ مکان تمہارا ہے، ہم سب نے مل کر اسے بنایا ہے، اس مکان میں میرا کیا حق ہے؟ اور کتنا ہے؟ تم اپنی زندگی میں اس مسئلے کو طے کر دو تو وہ یہ جواب دیتیں ہیں کہ تمہارا اس مکان میں کوئی حق نہیں ہے، بس اس میں رہتے رہو، کل کو اللہ دی کے انتقال کے بعد اللہ دی کے لڑکے نے اس مکان سے عبد المجید کو بے دخل کر دیا تو وہ بے چارے کہاں جائیں گے اس لیے آپ کو زحمت دی گئی ہے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس مکان میں اس وقت اللہ دی کی زندگی اور اللہ دی کے انتقال کے بعد عبد المجید کا کیا حق نکلتا ہے، محترم سے گذارش ہے کہ اس کو کسی قدر وضاحت کے ساتھ سمجھا کر تحریر فرمائیں؟

المستفتی: عبد المجید کباڑی، ہلدوانی نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عبد المجید نے اس مکان کی تعمیر وغیرہ میں جو خرچ کیا ہے وہ اگر اللہ دی کے حکم سے کیا ہے تو ایسی صورت میں جتنا پیسہ عبد المجید نے اس مکان میں خرچ کیا ہے پورے مکان کی قیمت لگا کر اتنے حصہ کے بقدر عبد المجید مالک ہوگا، اور اللہ دی کے مرنے کے بعد کل مکان میں سے چوتھائی حصہ کا مالک بھی شرعی وراثت کی بناء پر عبد المجید ہوگا، اس لیے اس شبہ کی ضرورت نہیں کہ اللہ دی کے مرنے کے بعد اللہ دی کی اولاد عبد

المجید کواس مکان سے بے دخل کر کے نکال سکے گی۔

﴿فَإِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ. [النساء: ١٢]﴾ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١١/ ذی قعدہ ١٤٢١ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٥/ ٦٩٤٠)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
١١/١١/١٤٢١ھ

شوہر کے انتقال کے بعد بیوی کس کس چیز کی مالک ہوگی؟

سوال [١١٣٩١]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کشوری بیگم زوجہ اشفاق حسین مرحوم ان کے تین لڑکے شمشاد حسین سرفراز حسین، محمد یاسین، ایک لڑکی خیر النساء، گذشتہ سال میری شادی فوزیہ قدیر بنت محمد قدیر، محمد یاسین مرحوم بن اشفاق حسین سے ہوئی تھی، شادی کے آٹھ ماہ بعد میرے شوہر محمد یاسین کا انتقال ہو گیا، ان کے انتقال کے ایک ماہ بعد محمد یاسین مرحوم کے والد اشفاق حسین کا انتقال ہو گیا، میری شادی کے وقت میرے شوہر نے کچھ زیور اور کچھ کپڑے چار آدمیوں میں دیئے تھے، (میرے شوہر اپنے بھائیوں سے الگ رہتے تھے، شادی سے پہلے بھی) اور کچھ تحفہ میرے شوہر نے تنہائی میں (منھ دکھائی) دیئے تھے، اور کچھ تحفہ ونقد ان کے رشتہ داروں نے دوستوں نے مجھے منھ دکھائی میں دیئے تھے، میں نے عدت بھی اپنے میکے میں مکمل کی ہے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ میرے شوہر کے انتقال کے بعد جو زیورات وکپڑے چار آدمیوں میں دیئے گئے تھے ان پر کس کا حق ہے؟ اور جو میرے شوہر نے مجھے منھ دکھائی میں اور رشتہ داروں، دوستوں نے تحائف میں نقد روپیہ، زیور، کپڑے منھ دکھائی میں دیئے ہیں ان پر کس کا حق ہے؟ میری کوئی اولاد نہیں ہے، ان کا ایک مکان ہے جو کہ کشوری بیگم کے نام ہے، ان کا انتقال میرے شوہر سے پہلے ہو گیا تھا، اس مکان میں میرا کتنا حصہ ہوتا ہے؟

المستفتیہ: فوزیہ قدیر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جو زیور شوہر نے دیا ہے وہ اگر مالکانہ طور پر دیا

ہے تو آپ اس کی مالک ہیں اور جو تحفہ اور نقد روپیہ منھ دکھائی میں کسی نے بھی دیا ہے وہ سب آپ کی ملکیت ہے اور جو کپڑا وغیرہ دیا گیا وہ بھی آپ کی ملکیت ہے اور شوہر نے منھ دکھائی میں تنہائی میں جو کچھ بھی دیا ہو وہ بھی آپ کی ملکیت ہے۔ (مستفاد: محمود یہ ڈابھیل ۱۲/ ۱۲۶)

إذا بعث الزوج إلى أهل زوجته أشياء عند زفافها، منها ديباج فلما زفت إليه، أراد أن يسترد من المرأة الديباج، ليس له ذٰلک إذا بعث إليها على جهة التمليک. (هندية، كتاب النكاح، باب المهر، الفصل السادس عشر في جهاز البنت، زكريا قديم ۱/ ۳۲۷، جديد ۱/ ۳۹۳)

ماں کشوری کی میراث کی جائیداد میں شوہر کو جو کچھ بھی ملے گا اس کا چوتھائی آپ کو ملے گا۔

والربع: للمرأة إذا لم يكن للميت ولد ولا ولد ابن. (مختصر القدوري، كتاب الفرائض ص: ۲۹۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍ شوال ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۷۹۴/۳۹)

بیوی اولاد کی عدم موجودگی میں شوہر کے چوتھائی حصہ کی حقدار

سوال [۱۱۳۹۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہماری بہن کی شادی کو بارہ سال ہو گئے لیکن اللہ کی مرضی کہ اولاد کوئی نہیں ہے اور تقریباً چار ماہ پہلے ہمارے بہنوئی صاحب کا انتقال ہو گیا ہے، ہماری بہن اس وقت عدت میں ہیں، ہمارے بہنوئی کے دو بھائی اور ہیں، یعنی یہ کل تین بھائی تھے، ہماری بہن کی اب یہ خواہش ہے کہ باقی زندگی اب میں یہیں گذار دوں گی، یعنی فی الحال دوسرا نکاح کرنے کا ارادہ نہیں ہے، جبکہ ہمارے بہنوئی کے بھائی اور ان کی بیویاں یہ چاہتی ہیں کہ یہ عدت پوری کر کے اپنے میکے چلی جائیں یا پھر کہیں نکاح کر لیں، اور یہ مکان پراپرٹی، بینک بیلینس جو ہے وہ سب ہمارا ہو جائے، اس لیے وہ دونوں مل کر بات بات پر جھگڑا کر رہی ہیں، آپ سے

درخواست ہے کہ جواب تحریر فرمادیں کہ ہماری بہن اس پراپرٹی، مکان اور بینک بیلینس میں کتنے کتنے حصہ کی حقدار ہے؟

المستفتی: محمد ریحان اصالت پورہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شوہر کے انتقال کے بعد اگر شوہر سے کوئی اولاد نہ ہو تو بیوی اس کے کل ترکہ کے چوتھائی حصہ کی حقدار ہوتی ہے اور یہ اس کا شرعی حق ہے، جائیداد، بینک بیلینس وغیرہ سب چیزوں میں چوتھائی حصہ اس کا ہے، بیوی نے دوسری شادی کرلی ہو تب بھی اس کا حق باقی رہے گا، دوسری شادی نہ کی ہو تب بھی اس کا حق بدستور باقی رہے گا، اس کے حق پر کسی کو دخل اندازی کرنے کا حق نہیں ہے۔

﴿**ولهن الربع مما تركتم إن لم يكن لكم ولد، فإن كان لكم ولد فلهن الثمن.** [النساء: ١٢]﴾

أما للزوجات فحالتان: الربع للواحدة فصاعدا عند عدم الولد. (سراجی ص:١٢)

والربع لها عند عدمهما. (در مختار مع الشامی، كتاب الفرائض، زكريا ١٠/٥١٢، كراچی ٦/٧٧٠) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍شعبان المعظم ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۷۸۶)

ورثاء میں محض ایک بہن موجود ہو تو تقسیم ترکہ

سوال [۱۱۳۹۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ماں بدھو نے اپنا ترکہ اپنی دولڑکیاں: نینا وکمیا کے نام کردیا، اس کے بعد بدھو کا انتقال ہوگیا، پھر کمیا کا انتقال ہوگیا، بوقت انتقال ان کے شوہر بھی حیات نہیں تھے، ان کی

بہن نینا حیات تھی، اور کمیا کی ایک لڑکی نظیرن تھی جو اپنی ماں کمیا کی حیات ہی میں انتقال کرگئی تھی، نظیرن نے اپنے دو بچے چھوڑے ایک لڑکا عبد الکریم اور ایک لڑکی حسینی بیگم، تو معلوم یہ کرنا ہے کہ کمیا کا ترکہ از روئے شرع کس کس کو ملے گا؟

المستفتی: عبد الکریم حسینی بیگم بارہ دری مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سائل سے بار بار معلوم کیا گیا کہ کمیا کے باپ دادا کی اولاد میں سے کوئی مرد زندہ ہے یا نہیں؟ تو جواب ملا کہ کوئی بھی مرد نہیں ہے، اگر واقعہ ایسا ہی ہے تو کمیا کا سارا ترکہ اس کی بہن نینا کو ملے گا۔

أحدها أن یکون فی المسئلة جنس واحد ممن یرد علیه عند عدم من لا یرد علیه فاجعل المسئلة من رؤسهم. (سراجی ص: ٤٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/ ربیع الثانی ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ٦١٣٦)

ایک لڑکا و لڑکی کے درمیان ترکہ کی تقسیم

سوال [۱۱۳۹۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جناب محبّ علی کا انتقال ہوگیا، ان کے انتقال کے بعد ان کے ورثاء نے آپسی رضامندی سے محبّ علی کی بیوی مبارک النساء کو ۱۷۹ گز دیدی اور انہوں نے اس پر قبضہ کرلیا، اور محبوب علی کو ۲۰۸/ گز زمین دیدی گئی، اور وہ ۲۰۸/ گز زمین اپنے بھتیجوں کے نام رجسٹرڈ کر کے انتقال کر گئے، اور ۴۵۷/ گز زمین مصطفیٰ اور شہنشاہ بانو دونوں کی مشترکہ تھی، لیکن تقسیم کے وقت یہ بات کاغذات میں تحریر نہیں کی گئی کہ ۴۵۷/ میں سے مصطفیٰ کی زمین کتنی ہے اور شہنشاہ بانو کی کتنی ہے تو اب شہنشاہ بانو کو شرعاً کتنی زمین ملے گی؟

المستفتی: اعظم علی پیرزادہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بشرطِ صحت سوال وبعد ادائے حقوق وعدم موانع ارث اگر ۴۵۷ رگز زمین مصطفیٰ اور شہنشاہ بانو کو باپ کی وراثت میں ملی ہے تو ان دونوں کے درمیان مذکورہ زمین تین حصوں میں تقسیم ہو کر دو مصطفیٰ کو اور ایک شہنشاہ بانو کو ملے گا اور ۴۵۷ رمیں سے -۳۰۴ گز مصطفیٰ کو اور -۱۵۲ رگز شہنشاہ بانو کو ملیں گے۔

﴿لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ. [النساء: ١٢]﴾ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴ رشعبان المعظم ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۳۵۷۸)

مرحومہ کے وارثین میں شوہر، لڑکا اور باپ ہو تو ترکہ کی تقسیم

سوال [۱۱۳۹۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرے فرزند محمد عارف کا نکاح ورخصتی سہانہ بی بنت صابر حسین سیالکوٹ لاجپت نگر کے ساتھ ۹/۱۰/۲۰۰۱ء بروز منگل کو ہوئی، پہلا بچہ جو لڑکا ہے، کی پیدائش مؤرخہ: ۲۸/۷/۲۰۰۲ء کو ہوئی تھی، دوسرے بچے کی پیدائش میں سہانہ بی کا ۱۹/۶/۲۰۰۴ء کو انتقال ہو گیا، بچہ ماں کے پیٹ ہی میں انتقال کر گیا۔

دریافت یہ کرنا ہے کہ جو جہیز وغیرہ رخصتی پر سہانہ بی کے گھر والوں نے دیا تھا اب اس میں کس کس کا حصہ ہے؟ سہانہ کے ورثاء میں اس کے والد اور ایک لڑکا اور شوہر ہے؟

المستفتی: نزاکت حسین نواب پورہ بازار مفتی مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سہانہ بی کے گھر والوں نے جو جہیز وغیرہ رخصتی کے وقت دیا تھا اس کی مالک چونکہ سہانہ بی تھی اس لیے اس کے انتقال کے بعد مرحومہ کا شوہر اور بچہ اور مرحومہ کا

باپ وارثین میں شامل ہوں گے، بارہ حصہ کرکے تین حصہ شوہر کو اور دو حصہ باپ کو، باقی سات حصہ مرحومہ کے بیٹے کو ملیں گے۔ (مستفاد: کفایت المفتی ۵/ ۱۲۷، جدید زکریا مطول ۱۳/ ۳۷۶-۳۷۷)

أن الجهاز للمرأة إذا طلقها تأخذه كله و إذا ماتت يورث عنها.

(شامي، باب المهر مطلب: في دعوىٰ الأب أن الجهاز عارية، زكريا ٤/ ٣١١، كراچی ٣/ ١٥٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶؍ رجب المرجب ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۴۴۱)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۸/۷/ ۱۴۲۵ھ

تین بیٹے، دو بیٹیاں اور بیوی کے درمیان ترکہ کی تقسیم

سوال [۱۱۳۹۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ وجاہت علی حیات ہیں، ان کی جائیداد میں ۳؍ مکان، ۳؍ دوکانیں اور ان کی بیوی بھی حیات ہے، ان کے تین بیٹے اور دو بیٹیاں حیات ہیں، ان کی پانچ اولاد کو ترکہ میں سے کتنا کتنا حصہ ملے گا؟ اس بارے میں تفصیل سے تحریر فرمائیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: وجاہت علی کے انتقال کے بعد ان کا ترکہ سوالنامہ میں مذکورہ ورثاء کے درمیان درج ذیل نقشہ کے مطابق تقسیم ہوگا:

$\frac{۶۴}{۸}$ میــــــــــــــــــــــــــــت

بیوی	لڑکا	لڑکا	لڑکا	لڑکی	لڑکی
$\frac{۱}{۸}$					
۸	۱۴	۱۴	۱۴	۷	۷

کل ترکہ ۶۴؍ سہام میں تقسیم ہوکر ہر وارث کو اتنا ملے گا جو اس کے نام کے نیچے درج ہے اور اس کی زندگی میں کسی بھی لڑکے اور لڑکی اور وارثین کو کوئی حصہ نہیں مل سکتا، ساری

جائیداد کا مالک خود وجاہت علی ہے اور اس کو زندگی میں جائیداد تقسیم کرنے پر زور وزبردستی یا دباؤ ڈالنے کا کسی کو کوئی حق نہیں ہے۔

المالک هو المتصرف فی الأعيان المملوكة كيف شاء من الملک. (بيضاوی شريف رشيديه ۱/۷)

الملک ما من شانه أن يتصرف فيه بوصف الاختصاص. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۹/۱٤، شامی زكريا ۱۰/۷، ۲۳۵، كراچی ٤/۵۰۲، ۵/۵۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍رجب المرجب ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۵۰۹)

بیوی چچیرے بھائی میں ترکہ کی تقسیم

سوال [۱۱۳۹۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ دو بھائی تھے جس میں بڑے بھائی کا نام رفیق احمد اور ان کی بیوی کا نام انتخاب بیگم اور چھوٹے بھائی کا نام نفیس احمد اور ان کی بیوی کا نام فیاضی بیگم تھا، ان دونوں بھائیوں کا اپنا زرخرید مکان ہے، جس میں چھوٹے بھائی نفیس احمد نے اپنے مکان کو اپنی بیوی فیاضی بیگم کے نام وصیت کردی تھی، اور بڑے بھائی رفیق احمد اپنی بیوی کے نام اپنا آدھا مکان کرنا چاہتے تھے، اسی دوران ۱۹۸۰ء میں عید آگئی، اور عید کی نماز کے لیے عیدگاہ گئے تو وہیں دوران فسادِ مرادآباد گولی لگنے کی وجہ سے جان بحق ہوگئے اور مکان کا معاملہ ادھورہ رہ گیا، پھر چھوٹے بھائی نفیس احمد اور ان کی بیوی کا بھی انتقال ہوگیا، اس وقت رفیق احمد کی بیوی انتخاب بیگم موجود ہیں، اور اس مکان کے حصۂ تحتانی میں کرایہ دار رہتے ہیں، اور اب تک کرایہ دار اپنا کرایہ اس بیوہ انتخاب بیگم کو دیتے رہے اور بیوہ ان کو وصول کرکے کرایہ کی رسید بھی دیتی رہی، لیکن اب ڈھائی سال سے رفیق احمد اور نفیس احمد کے چچیرے بھائی انیس احمد نے کرایہ داروں سے کہا کہ مکان کا مالک میں ہوں اور اس نے بیوہ کو کرایہ دینے سے کرایہ داروں کو منع کردیا اور بیوہ

اب معذور ہے، ضعیف ہے تو اب سوال یہ ہے اس مکان میں کیا صرف چچیرے بھائی وغیرہ کا حق ہے یا اس بیوہ کا بھی حق ہے، مسئلہ وضاحت کے ساتھ تحریر فرمائیں؟

المستفتیہ: انتخاب بیگم محلّہ پیرزادہ مرادآباد یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بشرط صحت سوال اگر رفیق احمد کی کوئی اولاد، بھائی وغیرہ نہیں ہے تو رفیق احمد کے حصہ میں سے چوتھائی حصہ کی حقدار انتخاب بیگم ہوگی، اور بقیہ تین چوتھائی رفیق احمد کے چچیرے بھائیوں کو مل جائے گا، لہٰذا بیوہ انتخاب بیگم کو بالکلیہ محروم کردینا جائز نہیں ہوگا، ایک چوتھائی کی مالک بیوہ مذکورہ ہوگی، لہٰذا اتنے کا کرایہ اسی کو ملے گا۔

﴿وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ اِنْ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ وَلَدٌ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ. [النساء:۱۲]﴾

أما للزوجات فحالتان: الربع للواحدة فصاعدة عند عدم الولد.

(سراجی ص: ۱۰)

نیز محض نام کرنے یا مالک بنانے کے ارادے سے شرعاً ملکیت مستقل نہیں ہوتی ہے۔

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۲۱۹/۲۴)

بیوی، تین لڑکیوں اور دو بھائیوں کے درمیان ترکہ کی تقسیم

سوال [۱۱۳۹۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ تین بھائی شرکت میں کاروبار چلا رہے ہیں اور پوری ملکیت میں برابر کے شریک ہیں، اسی دوران ایک بھائی کا انتقال ہوگیا، مرحوم نے ایک بیوہ اور تین لڑکیاں شادی شدہ چھوڑی ہیں اور دو بھائی، قرآن وسنت کی روشنی میں ارشاد فرمائیں کہ مرحوم کا ترکہ کس

طرح تقسیم ہوگا، لڑکیوں کو کتنا؟ بیوہ کو کتنا؟ بھائیوں کو کتنا کتنا ملے گا؟

المستفتی: حاجی عبدالحکیم صاحب سیفی حسن پور جے پی نگرامروہہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: برتقدیر صحت سوال وبعد ادائے حقوق متقدمہ علی الارث مرحوم کے ترکہ کا دو ثلث لڑکیوں کو ملے گا اور بیوی کو اس کا ثمن اور جو مال اس کے بعد بچے گا وہ بھائیوں کو مل جائے گا، لہٰذا مرحوم کا کل ترکہ درج ذیل نقشہ کے مطابق تقسیم ہوگا:

۱۴۴/۲۴ میــــــــت مضروب ۶

بیوی	لڑکی	لڑکی	لڑکی	بھائی	بھائی
۳/۱۸	(۱۶) ۳۲	۳۲	۳۲	(۵) ۱۵	۱۵

یعنی مرحوم کا کل ترکہ ۱۴۴ر سہام میں تقسیم ہوکر بیوی کو ۱۸ر تینوں لڑکیوں کو ۳۲/۳۲/۳۲ر اور بھائیوں کو ۱۵/۱۵ر سہام ملیں گے۔

﴿ فَإِنْ كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ. [النساء: ۱۱] ﴾

﴿ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ. [النساء: ۱۲] ﴾

عن جابر بن عبد اللهؓ قال جاء ت امرأة سعد بن الربيع بابنتيهامن سعدؓ إلى رسول الله ﷺ: فقالت يا رسول الله ﷺ: هاتان ابنتا سعد بن الربيع، قتل أبوهما معك يوم أحد شهيدا و إن عمها أخذ مالهما، فلم يدع لهما مالا ولا تنكحان إلا ولهما مال، قال: يقضي الله في ذٰلك فنزلت آية الميراث فبعث رسول الله ﷺ إلى عمهما، فقال: أعط ابنتي سعد الثلثين وأعط أمهما الثمن و ما بقي فهو لك. (ترمذي شريف، باب ما جاء في ميراث البنات، النسخة الهندية ۲/ ۲۹ دار السلام رقم: ۲۰۹۲) **فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸ر محرم الحرام ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۵۹۸۳)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۸/۱/ ۱۴۲۰ھ

باپ کی جائیداد میں علاتی بہن کا حصہ

سوال [۱۱۳۹۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) احقر کے والد مرحوم کا انتقال ہو چکا ہے، وارثین میں ہماری والدہ ہیں، اور ہم دو بھائی ہیں اور پانچ بہنیں ہیں، اور ایک علاتی بہن ہے، مرحوم کا ترکہ مذکورہ وارثین میں کس طرح تقسیم ہوگا؟

(۲) ہماری علاتی بہن جو ہمارے والد صاحب کی پہلی بیوی سے ہیں اور سب سے بڑی بہن ہیں جن کا بچپن ہی سے ہمارے یہاں آنا جانا بھی نہیں ہے، کیا ان کو بھی ترکہ دینا ضروری ہوگا، اگر ضروری ہو اور وہ نہ لیں تو کیا کرنا ہوگا؟ اسی طرح اگر ہمارے بھائی بہن وغیرہ نہ دیں تو ہماری کیا ذمہ داری ہوگی؟ کیونکہ بڑا بھائی میں ہی ہوں؟

(۳) اسی طرح اگر ہمارا چھوٹا بھائی وراثت کو شرعی طور پر تقسیم کرنے پر راضی نہ ہو اور رواج کی بنا پر دونوں بھائیوں کے ہی پاس وراثت رکھنے کے لیے کہے تو ایسی صورت میں میری ذمہ داری کیا ہوگی؟ کیا میں خود وراثت نہ لوں تو میں اس سے بری ہو جاؤں گا؟

المستفتی: مجیب الرحمٰن غوری نوادہ سمدھن قنوج

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بر تقدیر صحت سوال وعدم موانع ارث وبعد ادائے حقوق ما تقدم مرحوم کا ترکہ ان کے وارثین کے درمیان درج ذیل نقشہ کے مطابق تقسیم ہوگا:

مرحوم میت $\frac{۸۰}{۸}$

بیوی	لڑکا	لڑکا	لڑکی	لڑکی	لڑکی	لڑکی	لڑکی	لڑکی (دوسری بیوی سے)
				(۷)				
$\frac{۱}{۱۰}$	۱۴	۱۴	۷	۷	۷	۷	۷	۷

مرحوم کا کل ترکہ ۸۰/ برابر سہام میں تقسیم ہو کر ہر وارث کو اتنا اتنا ملے گا جو اس کے نیچے درج ہے، نیز آپ کی علاتی بہن جو میت کی صلبی لڑکی ہے، وہ اپنے باپ کے ترکہ میں

پوری پوری حقدار ہے، اگر بھائی اپنی بہن کومحروم کریں تو سخت گنہگار رہوں گے، اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سات زمین کا طوق ان کے گلے میں ڈالے گا۔

عن سعید بن زیدؓ قال سمعت رسول الله ﷺ یقول: من أخذ من حق امرئ من المسلمین شبرا بغیر حق طوقه الله تعالیٰ یوم القیامة سبع أرضین. (صحیح مسلم، باب تحریم الظلم وغصب الأرض وغیرها، النسخة الهندیة ۲/۳۳، بیت الأفكار رقم: ۱۶۱۰، صحیح البخاری، باب إثم من ظلم من الأرض شیئا، النسخة الهندیة ۱/۳۳۲، رقم: ۲۳۸۸، ف: ۲۴۵۲)

عن أنس بن مالك –رضی الله عنه– قال: قال رسول الله ﷺ: من فر من میراث وارثه، قطع الله میراثه من الجنة یوم القیامة. (سنن ابن ماجه، باب الحیف فی الوصیة، النسخة الهندیة ۲/۱۹۴، دار السلام رقم: ۲۷۰۳)

(۳) انتہائی مجبوری میں آپ کے حصے میں بہن کی میراث میں سے جتنا حصہ آرہا ہے اتنا حصہ آپ اس کو ادا کردیں۔

إن أعیان المتوفی المتروكة عنه مشتركة بین الورثة علی حسب حصصهم. (شرح المجلة، رستم اتحاد ۱/۶۱۰، رقم المادة: ۱۰۹۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍ربیع الاول ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۹۳۰)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۳/۹ھ

بہن اور چچازاد بھائیوں کے درمیان تقسیم ترکہ کا طریقہ

سوال [۱۱۴۰۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرا کوئی لڑکا نہیں ہے، نہ لڑکی ہے، یعنی میں لا ولد ہوں، میری ایک سگی بہن ہے، جو پاکستان میں ہے، ان کے دو بچے اور ایک بچی ہے، میرے والد کے بھائی کے لڑکوں کے لڑکے ہیں، یعنی چچازاد بھائی کے لڑکے ہیں، نہ میری اہلیہ موجود ہے اور نہ اہلیہ کا کوئی

بھائی، باپ موجود ہے، اہلیہ کے خالہ زاد بہن کے لڑکے ہیں، جن میں سے ایک کو میں نے لے پالک متبنیٰ بنا رکھا ہے، میری دوسری اہلیہ کے ایک لڑکا تھا، پہلے شوہر سے، کیا مذکورہ لوگوں میں سے کوئی میرا وارث ہوسکتا ہے؟

المستفتی: کلیم احمد، شیام لال لائن ٹمیا برج کلکتہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آپ کے انتقال کے بعد اگر آپ کی سگی بہن زندہ رہے تو کل ترکہ کا نصف حصہ آپ کی بہن کو ملے گا، بقیہ آپ کے چچا زاد بھائی کے لڑکوں کو ملے گا، اور اگر آپ کی سگی بہن کا انتقال آپ سے پہلے ہو جائے تو آپ کا سارا ترکہ آپ کے چچا زاد بھائی کے لڑکوں کو ملے گا۔

ثم جزء أبيه أی الإخوة ثم بنوهم و إن سفلوا ثم جزء جده أی الأعمام ثم بنوهم و إن سفلوا. (سراجی ص:۳۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم ذیقعدہ ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۸۹۵۱)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۱۱/۱ھ

لا پتہ بیٹے کی عدم موجودگی میں وراثت کی تقسیم

سوال [۱۱۴۰۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ناظم کا انتقال ہوگیا، ان کے ورثاء میں ایک لڑکا ناظر (جو سترہ سال سے لا پتہ ہے) اور ایک لڑکی ناظمہ اور چار بھائی: سلیم احمد، تسلیم، خورشید، عالم ہیں۔

دریافت یہ کرنا ہے کہ مرحوم ناظم کی جائیداد کس طرح تقسیم ہوگی، ناظر لڑکا جو لا پتہ ہے اس کا حصہ کس کو ملے گا؟ اور ناظم مورث کے بھائیوں کو لڑکے کے لا پتہ ہونے کی وجہ سے ملے گا یا نہیں؟ شرعی تقسیم فرما دیں۔

المستفتی: محمد سلیم پیر کا باز رکرولہ مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مرحوم ناظم کی کل جائیداد ۳؍حصوں میں تقسیم ہوکر ایک حصہ لڑکی کو دیا جائے گا، اور بقیہ دو حصے مفقود الخبر لڑکے کے ہیں اس کا حصہ محفوظ رکھنا ضروری ہوگا، جب تک پورے طریقے سے اس کے مرنے کا یقین نہ ہو جائے، اور محفوظ رکھنے کی بہتر صورت یہ ہوگی کہ اس کا حصہ سرکاری بینک میں محفوظ کردیا جائے، تاکہ اس کے حصے میں کوئی گڑبڑی پیدا نہ ہوسکے، اور جب اس کی موت کا یقین ہو جائے تو اس کا حصہ اول دو حصوں میں تقسیم ہوکر آدھا اس کی حقیقی بہن کو مل جائے گا، پھر اس کے بعد جو ایک حصہ بچے گا اس میں اس کے چچا و تایا برابر کے شریک ہوجائیں گے۔

فإذا مات واحد من أقاربه يوقف نصيبه إلى أن يظهر حاله حي أم ميت لإحتمال الحياة والموت للحال. (بدائع الصنائع، كتاب المفقود، زكريا ٥/٢٨٧، كراچى ٦/١٩٦، تبيين الحقائق، امداديه ملتان ٣/٣١٢، زكريا ٤/٢٣٢، هنديه زكريا قديم ٦/٤٥٦، جديد ٦/٤٤٨)

هو غائب لم يدر أحي هو فيتوقع قدومه أم ميت (إلى قوله) فلا ينكح عرسه ولا يقسم ماله. (در مختار، كتاب المفقود كراچى ٤/٢٩٢، زكريا ٦/٤٥٧)

ويوقف ماله حتى تصح موته أو تمضى عليه مدة ...... ففى ظاهر الرواية أنه إذا لم يبق أحد من أقرانه حكم موته ...... المفقود موقوف الحكم فى حق غيره حتى يوقف نصيبه من مال مورثه كما فى الحمل ...... وماله لورثته الموجودين عند الحكم بموته. (شريفيه ص:١٥٢-١٥٣، شامى زكريا ٦/٤٥٦، كراچى ٤/٢٩٢)

أن القاضي يحفظ ماله يقيم من ينصبه للحفظ لأنه مال لا حافظ له لعجز صاحبه عن الحفظ فيحفظ عليه القاضي نظراً له، كما يحفظ مال الصبى والمجنون الذى لا ولى لهما. (بدائع، كتاب المفقود، زكريا ٥/٢٨٧، كراچى ٦/١٩٦، تبيين الحقائق زكريا ٤/٢٢٩، امداديه ملتان ٣/٣١٠)

لو أخذ القاضي وديعة المفقود ممن هى بيده ووضعها عند ثقة لا

بأس به. (شامی، کتاب المفقود زکریا ٦/٤٥٧، کراچی ٤/٢٩٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰/ذی الحجہ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۳۵۱)

گم شدہ کا مال ورثاء کے درمیان تقسیم کرنا

سوال [۱۱۴۰۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید تقریباً آٹھ سال سے پتہ نہیں کہ کہاں چلا گیا ہے، زید کے ساتھ میں اس کی بیوی اور ایک لڑکی تقریباً ۱۳/سال کی ہمراہ ہیں، یہ تینوں شخص روپوش ہیں، زید نے اپنی آراضیٔ صحرائی کا اپنے بڑے بھائی کو مختار بنا دیا، تقریباً عرصہ ۳۵/سال ہو گئے ہیں اب تک اس زمین کو یہی بوجوت رہے ہیں، پہلے اس زمین کی آمد نصف اپنے بھائی کو دیتے رہے، اب ان کے بعد زید کی لڑکی کو جو اس سے پہلے بیوی کی تھی، کل آمد دیتے رہے۔

اب عرصہ ایک سال کا ہو گیا، اس لڑکی کا بھی انتقال ہو گیا، اس نے اپنے ورثاء میں ٦/بچے چھوڑے، ۴/لڑکے اور ۲/لڑکیاں اور زید کے کوئی لڑکا نہیں ہے، نہ اس بیوی سے اور نہ جو ہمراہ زید کے ہے اس بیوی سے، زید کے چار بھائی ہیں، دو بڑے بھائی ان کے سامنے گذر چکے ہیں اور دو حقیقی بھائی حیات ہیں اور جو دو بھائی انتقال کر چکے ہیں ان سے دونوں کے ایک ایک لڑکا موجود ہے، اور وہ اپنے اپنے حصہ پر قابض ہیں، ضرورت اس بات کی ہے کہ شرعاً جس کا جتنا حصہ ہو اظہار فرمائیں؟

المستفتی: رشید احمد افضل گڈھ بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ سوال اگر صحیح ہے تو زید شرعاً مفقود (گم شدہ) کے حکم میں ہے اور شریعت میں اس کا حکم یہ ہے کہ اس کی ملکیت کی تمام اشیاء جائیداد

اور نقدی رقوم وغیرہ سب حاکم عادل کے مشورہ سے محفوظ رکھنا واجب ہے، اس زمانہ میں بہتر صورت یہ ہے کہ اس کے نام بینک میں جمع کر دیا جائے، اور جب پورے علاقہ سے اس کے ہم عصر سب لوگ فوت ہو جائیں تو اس کا ترکہ شرعی ورثاء میں تقسیم کیا جا سکتا ہے، اس سے قبل نہیں، اور فی الحال زید سے بڑے بڑے حضرات زندہ ہیں اس لیے زید پر موت کا حکم لگا کر تقسیمِ ترکہ کا حکم لگانا جائز نہیں ہوگا۔

إذا غاب الرجل فلم يعرف له موضع ولا يعلم أحي هو أم ميت نصب القاضي من يحفظ ماله ويقوم عليه ويستوفي حقه لأن القاضي نصب ناظرا لكل عاجز عن النظر لنفسه والمفقود بهذه الصفة وصار كالصبي والمجنون.

(هدايه، باب المفقود ٢/ ٦٢٠)

ويوقف ماله حتى تصح موته أو تمضي عليه مدة و اختلف الروايات في تلك المدة ففي ظاهر الرواية أنه إذا لم يبق أحد من أقرانه حكم بموته.

(شريفيه ص: ١٣٧، سراجي ص: ٦١، الدر المختار كراچی ٤/ ١٩٢، زكريا ٦/ ٤٥٦)

اور اب اس کی ملکیت کا نگراں وہی ہوگا جس کو اس نے مختار بنایا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷؍ صفر المظفر ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۶۴۸)

لاپتہ وارث کا حصہ محفوظ رکھا جائے گا

سوال [۱۱۴۰۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے اپنی زندگی میں چند افراد کے درمیان وصیت کی کہ میرا ایک مکان اور ایک لڑکی (لالی) اور یہ چند ہزار روپیہ نقد ہیں، عمر کو سونپ رہا ہوں، کہ میرے بعد عمر میری لڑکی اور جائیداد کی دیکھ بھال کریں اور اگر کہیں اس لڑکی کا رشتہ ہو جائے تو یہ ترکہ اس کے بچوں کو سونپ دیں، یا پھر جیسا مناسب سمجھیں کریں، زید کے مرنے کے بعد عمر اس لڑکی اور

متروکہ سامان کو اپنے گھر لے آیا اور کچھ دنوں بعد اس لڑکی کا نکاح کر دیا لیکن نکاح کے کچھ دنوں بعد سے وہ لڑکی لا پتہ ہے، جس کو قریب دس سال سے زیادہ کا عرصہ ہو گیا، اس کا حقیقی وارث تو کوئی نہیں، لیکن بکر کا کہنا ہے کہ میں اس کا وارث اور رشتہ دار ہوں، لہٰذا جواب طلب امر یہ ہے کہ عمر اس مکان کو کیا کرے؟ اس نام نہاد رشتہ دار کے حق میں دستبردار ہو جائے یا کسی ادارے کو وقف کر دے، کیونکہ زید مکمل طور پر عمر کو مختار بنا گیا تھا، کہ میرے مرنے کے بعد عمر کو پورا اختیار ہوگا، جیسا چاہے کرے، بکر جیسے دور کے رشتہ دار اور بھی ہیں؟

المستفتی: احمد حسن ہلدوانی، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکور جائیداد اور نقدی رقوم زید کے دوسرے وارث نہ ہونے کی صورت میں سب کی حقدار زید کی لڑکی ہے، اور لڑکی کے گم ہو جانے کے بعد عمر پر لازم ہے کہ اس کی جائیداد اور رقوم کی حفاظت کا معقول انتظام اتنے عرصہ تک کے لیے کریں کہ جتنے میں مذکورہ لڑکی کی ہم عصر عورتیں فوت ہو جائیں، اس کے لیے بہترین صورت یہی ہے کہ جائیداد کو نقدی شکل میں لا کر مذکورہ گم شدہ لڑکی کے نام بینک میں جمع کر دیئے جائیں یا مکان نام کر دے، اور بکر کی رشتہ داری زید کے ساتھ کس طرح ہے اس کی تفصیل معلوم ہونے پر کچھ لکھا جا سکتا ہے، نیز لڑکی کے شوہر کا حال بھی معلوم ہونا ضروری ہے۔

المفقود حي في ماله حتى لا يرث منه أحد و ميت في مال غيره حتى لا يرث من أحد ويوقف ماله حتى تصح الخ. (شريفيه ص: ١٣٧) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ ربیع الاول ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۶۸۸)

مفقود الخبر لڑکے کا حصہ کیا کیا جائے؟

سوال [۱۱۴۰۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ زید نے نکاح کیا جس سے تین لڑکے اور پانچ لڑکیاں پیدا ہوئیں، الحمدللہ سبھی باحیات ہیں، اب زید کی بیوی کا انتقال ہوگیا، اس کے بعد زید نے نکاح ثانی کیا تو زید کے اس بیوی سے تین لڑکے پیدا ہوئے اور الحمدللہ تینوں باحیات ہیں، لیکن زید کی پہلی بیوی کا ایک لڑکا جو سب سے بڑا تھا، وہ اپنی والدہ صاحبہ کی زندگی میں گھر سے فرار ہوگیا تھا، اور کئی سالوں تک مفقود الخبر رہا، گھر کے کسی آدمی کو اس کی خبر نہیں تھی، کہ وہ کہاں ہے، اور اس کے والد یعنی زید اور زید کے بھائی سبھی ان کی تلاش میں لگے رہے، مگر کہیں سے اس کی کوئی خبر نہ ملی۔

اب اس کی والدہ کا یعنی زید کی پہلی بیوی کا انتقال ہوگیا ہے، اس کے بعد زید کو کسی طرح سے پتہ چلا کہ وہ لڑکا دہلی جیل میں ہے، چنانچہ زید اور زید کے بھائی دہلی جاکر اسے رہا کرواکر گھر لے آئے، مگر وہ لڑکا بہت کم اپنے گھر پر رہتا تھا، ہمیشہ فرار رہتا تھا، ہفتہ پندرہ روز پر اپنے گھر آتا تھا، اور ایک دو روز رہ کر پھر بھاگ جاتا تھا، اور چور ڈاکوؤں کے ساتھ رہتا تھا، اور اس کا مشغلہ ہی چوری کرنا ہوگیا تھا، اب تقریباً ۱۵؍سال سے اپنے گھر نہیں آیا ہے، اور نہ اس کی کوئی خبر ہے، اور اب زید کی دوسری بیوی کا بھی انتقال ہوگیا ہے اور تقریباً ایک سال کے بعد زید شوہر کا بھی انتقال ہوگیا، آپ سے گذارش ہے کہ زید نے جو وراثت چھوڑی ہے اسے کس طرح تقسیم کیا جائے، اور اس لڑکے کا جو پندرہ سال سے لاپتہ ہے کیا کیا جائے؟ حصہ رکھا جائے یا نہیں؟ اگر رکھا جائے گا تو کتنا رکھا جائے گا؟ اور کس کے پاس رکھا جائے گا؟ اور کب تک رکھا جائے گا؟

المستفتی: محمد زبیر دولت باغ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بشرط صحت سوال وبعد ادائے حقوق وعدم موانع ارث زید کا مال ۷؍سہام میں تقسیم ہوکر دو دو لڑکوں کو اور ایک ایک لڑکیوں کو ملے گا، مرحوم زید کا جو لڑکا مفقود ہے اس کے حصے کو کسی امانت دار کے پاس اس وقت تک محفوظ رکھا جائے گا جب تک ان کی عمر نوے سال نہ ہو جائے، اس کے بعد بھی اگر واپس نہ آئے تو اس کو مردہ

تسلیم کر کے اس کے مال کو ان کے وارثوں کے درمیان تقسیم کر دیا جائے گا۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ ۶/۴۷۲، جدید زکریا ۱۱/۲۷۳)

المفقود حي في ماله حتى لا يرث منه أحد ...... واختلف الروايات في تلك المدة...... وقال بعضهم تسعون سنة وعليه الفتوىٰ. (سراجی فی المیراث ص:۹۲) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/صفر المظفر ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۷۰۶۴)

لاپتہ شخص کا باپ کی میراث میں حصہ اور ورثاء کا اس کو فروخت کرنے کا حکم

سوال [۱۱۴۰۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ رفیع احمد کے والد کا انتقال ہوا، والد کی متروکہ جائیداد رفیع احمد کے تین بھائی، چار بہنیں اور رفیع احمد کی اولاد کے درمیان تقسیم ہوئی، واضح رہے کہ تقسیم جائیداد کے وقت رفیع احمد گھر پر موجود نہیں تھے، کیونکہ رفیع احمد اپنے والد صاحب کے انتقال سے پہلے گھر سے لاپتہ ہو گئے تھے، اور بارہ سال کا عرصہ گذر گیا ہے، اب تک رفیع احمد گھر نہیں آئے، اس وقت نہ ہی ان کا کوئی پتہ ہے، اور نہ ہی یہ معلوم ہے کہ وہ بقید حیات ہیں یا نہیں؟ اس لیے تقسیم میراث کے وقت رفیع احمد کی اولاد ان کے قائم مقام تھی اور رفیع احمد کا میراث میں جو حصہ تھا وہ ان کی اولاد کو ملا، اب ان کی اولاد میراث سے حاصل شدہ جائیداد کو فروخت کرنا چاہتی ہے تو کیا رفیع احمد کی اولاد اس جائیداد کو فروخت کر سکتی ہے یا نہیں؟ کیا ان کے آنے کا انتظار کرنا ضروری ہے یا فی الفور بیچ سکتے ہیں؟

المستفتی: ناصر کلیم، محلّہ مرزا ہادی پورہ، مئوناتھ بھنجن

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: رفیع احمد چونکہ باپ کی زندگی سے لاپتہ ہے، اس

لیے باپ کے انتقال کے بعد رفیع احمد کی اولاد شرعاً میراث کی حقدار نہ ہوگی، اور نہ ہی انہیں فروخت کرنے کا حق ہوگا، بلکہ رفیع احمد کے حصے کو محفوظ رکھا جائے گا، اور جب ان کی موت کا یقین ہو جائے تو ان کا حصہ باپ کے وارثین میں حسب حصص شرعیہ تقسیم ہو جائے گا، اس وقت وارثین اس جگہ میں رہ سکتے ہیں لیکن فروخت نہیں کر سکتے۔

ولایرث المفقود أحدا مات فی حال فقده؛ لأن بقاءه حیا فی ذٰلک الوقت یعنی وقت موت ذٰلک الأحد باستصحاب الحال وهو لایصلح حجة فی الاستحقاق بل فی دفع الاستحقاق علیه، ولذا جعلناه حیا فی حق نفسه فلا یورث ماله فی حال فقده میتا فی حق غیره فلا یرث هو غیره .

(فتح القدیر، کتاب المفقود، دار الفکر ٦/١٤٩، زکریا ٦/١٤٠، کوئٹه ٥/٣٧٤)

وأما حال المفقود فعبارة مشائخنا رحمهم الله عن حاله أنه حی فی حق نفسه میت فی حق غیره (إلی قوله) ولکن معنی هذه العبارة أنه تجری علیه أحکام الأحیاء فیما کان له فلا یورث ماله ولا تبین امرأته کأنه حي حقیقة وتجری علیه أحکام الأموات فیما لم یکن له فلا یرث أحدا کأنه میت حقیقة. (بدائع الصنائع، کتاب المفقود، زکریا ٥/٢٨٧، کراچی ٦/١٩٦)

وأما الموقوف من ترکة غیره فإنه یرد علی ورثة ذٰلک الغیر ویقسم بینهم کأن المفقود لم یکن. (عالمگیری، الباب الثامن فی المفقود والأسیر، زکریا قدیم ٦/٤٥٦، جدید ٦/٤٤٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍شعبان المعظم ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۸۹۲۶)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۸/۳ھ

ایک نواسے کے علاوہ کوئی نہ ہو تو کیا حکم ہے؟

سوال [۱۱۴۰۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: واضح ہو کہ مسمیٰ محمود حسین ولد عبد الکریم بخش ساکن محلّہ لال مسجد باڑہ شاہ صفا مرادآباد کا انتقال جب ہوا تو ان کے خاندان میں ان کا کوئی حقیقی عزیز حیات نہ تھا، سائل مسمیٰ مقصود عالم جو کہ مرحوم کا نواسہ ہوتا ہے، صرف وہی حیات تھا اور ہے، مرحوم کی جملہ اولاد و بی بی مرحوم کی حیات ہی میں سب انتقال کر گئے، اس لیے میرا یہ کہنا ہے کہ میں مرحوم کے ترکے کا تنہا قانوناً وشرعاً مالک ہوں یہ میرا کہنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: مقصود عالم ولد عبدالسلام نئی بستی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بشرط صحت سوال وبعد ادائے حقوق ما تقدم وعدم موانع ارث اگر محمود حسن مرحوم کے مقصود عالم کے علاوہ کوئی دوسرا شرعی وارث نہیں ہے تو محمود حسین مرحوم کا جملہ ترکہ مقصود عالم نواسۂ مرحوم کو ملے گا۔

وذوی الأرحام أصناف أربعة: الصنف الأول ینتمی إلی المیت وهم أولاد البنات (إلی قوله) و أقرب الأصناف، الصنف الأول (إلی قوله) کترتیب العصبات. (سراجی ص:۴۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍رجب المرجب ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۷۸۲)

کیا سسر شرعی وارث ہے؟

سوال [۱۱۴۰۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) ایک خاتون کا انتقال ہوگیا، اس نے اپنے ورثاء میں ایک لڑکی چھوڑی، شوہر ماں اور باپ کو چھوڑا، اس کا ترکہ کس طرح تقسیم ہوگا۔

(۲) مرحومہ کے ساس سسر یعنی شوہر کے ماں باپ کو بھی اس کے مال سے کچھ حصہ ملے گا؟

(۳) شوہر کی طرف سے جو زیور اور بری، دولہن کو دی گئی تھیں، کیا یہ بھی مرحومہ کے

ترکہ میں شامل ہوں گی؟ جبکہ زیور کے بارے میں ہماری بستی کا عرف ورواج یہ ہے کہ اس کا مالک شوہر یا اس کے ماں باپ سمجھے جاتے ہیں، اور بری کا مالک دولہن کو ہی سمجھا جاتا ہے، کسی بھی وقت دولہن سے بری واپس نہیں لی جاتیں؟

(۴) مرحومہ کی بیٹی کی عمر تقریباً ڈیڑھ برس ہے اس کی پرورش کا حق کس کو ہے، جبکہ اس بچی کی نانی مصر ہے کہ میں ہی اس کو پالوں گی، اور اس بچی کا باپ اور دادی بھی کہتی ہیں کہ ہم اس بچی کو پالیں گے؟

(۵) اگر شوہر نے مہر ادا نہیں کیا تو کیا مہر بھی مرحومہ کے ترکہ میں شامل ہوگا؟

المستفتی: ناصر حسین نگلیا عمری کلاں مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: برتقدیر صحت واقعہ و بعد ادائے حقوق متقدمہ علی الارث وعدم موانع ارث مرحومہ کا ترکہ درج ذیل نقشہ کے مطابق تقسیم ہوگا:

۱۳/۱۲

میــــــــــــــــــــــــــــت

شوہر	بیٹی	ماں	باپ
۳	۶	۲	۲

کل ترکہ ۱۳ر سہام میں تقسیم ہوکر ۳ر سہام شوہر کے اور ۶ر بیٹی کے اور دو، دو ماں باپ کے ہوں گے۔

(۲) مرحومہ کی ساس سسر کا مرحومہ کے ترکہ میں کوئی حصہ نہیں۔

ویستحق الإرث برحم و نکاح صحیح وولاء. (در مختار مع الشامی، کتاب الفرائض، زکریا ۱۰/۴۹۷، کراچی ۶/۷۶۲)

(۳) جب آپ کے عرف میں زیورات دولہن کی ملک نہیں سمجھے جاتے، شوہر یا اس کے والدین ہی ان کے مالک ہوتے ہیں، تو زیورات مرحومہ کا ترکہ نہ بنیں گے، اور بریاں اگر دولہن کی سمجھی جاتی ہیں تو بریاں ترکہ میں داخل ہوں گی۔

قلت ومن ذٰلک ما یبعثه إلیها قبل الزفاف في الأعیاد والمواسم من

نحو ثياب و حلي وكذا ما يعطيها من ذٰلک أو من دراهم أو دنانير صبيحة ليلة العرس ويسمىٰ في العرف صبحة. (شامی، باب المهر، مطلب: فيما يرسله إلى الزوجة، زكريا ٣٠٣/٤، كراچی ١٥٣/٣)

(۴) باپ اگر نانی کی پرورش پر راضی نہیں ہے اور نہ خرچہ دینے کو تیار ہے بلکہ دادی کی پرورش پر راضی ہے تو ایسی صورت میں بچی کو دادی کی پرورش میں دینے کی گنجائش ہے۔

أرادت أم أمه تربيته بأجر و أم أبيه ترضىٰ بذٰلک مجانا فأجبت بأنه يدفع للمتبرعه. (شامي، باب الحضانة، زكريا ٢٥٧/٥، كراچی ٥٥٩/٣)

(۵) شوہر نے اگر مہر ادا نہیں کیا، اور نہ ہی مرحومہ نے معاف کیا تو مہر بھی مرحومہ کے ترکہ میں داخل ہوگا اور مذکورہ وارثین میں سے ہر ایک کو اپنے حصہ کے تناسب سے ملے گا۔

وموت أحدهما كحياتها في الحكم أصلا وقدرا لعدم سقوطه بموت أحدهما. (در مختار مع الشامي، مطلب: مسائل الإختلاف في المهر زكريا ٢٩٩/٤، كراچی ١٥٠/٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵ / جمادی الثانیہ ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۱۸۹)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۶/۵ھ

۷ باب العصبات

ترکہ میں سب لڑکے برابر حقدار ہیں

سوال [۱۱۴۰۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کے تین لڑکے عمر، بکر خضر ہیں، جن میں عمر شادی شدہ ہے گھر کے سارے لوگ مشترکہ رہتے ہیں، مع عمر واہلیہ، زید کا پیتل کا کاروبار ہے، جس میں بکر اور خضر بھی شریک ہیں، اور اس کے ذریعہ سے گھر کے سارے اخراجات وضروریات پورے ہوتے ہیں، جبکہ عمر کا کاروبار الگ ہے، اور اس سے گھر کے اخراجات کا کوئی تعلق نہیں ہے، اب زید کے انتقال کے بعد زید کا کاروبار بکر اور خضر سنبھالتے ہیں، معلوم ہو کہ عمر کو کاروبار زید نے کرایا تھا، لہٰذا دریافت یہ کرنا ہے کہ وراثت کو تقسیم کے وقت زید کے کاروبار میں کیا عمر کی حصہ داری ہے؟ شرعی حکم سے آگاہ فرمائیں؟

المستفتی: فہیم احمد مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: موت کے وقت جو سرمایہ زید نے چھوڑا تھا اس میں عمر بھی بکر وخضر کی طرح میراث کا حقدار ہے۔

الأب و ابنه يكتسبان في صنعة واحدة ولم يكن لهما شيئ فالكسب كله للأب إن كان الابن في عياله لكونه معينا له ألا ترىٰ لو غرس شجرة تكون للأب (إلى قوله) وفي الخانية: زوج بنيه الخمسة في داره وكلهم في عياله واختلفوا في المتاع فهو للأب وللبنين الثياب التي عليهم لا غير. (شامی، الشرکة، مطلب: اجتمعا في دار واحدة واكتسبا ...... زکریا ۶/ ۵۰۲، کراچی ۴/ ۳۲۵، ھندیه زکریا جدید ۲/ ۳۳۲، قدیم ۲/ ۳۲۹، شرح المجلة رستم ۲/ ۷۴۱، رقم: ۱۳۹۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴ ربیع الاول ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۵۴۱)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۳/۴ھ

دولڑکوں کے درمیان تقسیم کا طریقه

سوال [۱۱۴۰۹]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) زید کی ملکیت میں ایک دوکان جس کی مقصر ۸۰/فٹ ہے، قیمت تقریباً تیس لاکھ روپئے ہے اور ایک مکان جس کی مقصر ۶۴ ۵ فٹ ہے، قیمت تقریباً آٹھ لاکھ ہے، زید کے دولڑکے ہیں بڑے لڑکے کا نام خالد اور چھوٹے لڑکے کا نام ابوبکر ہے، زید کی مملوکہ دوکان اور مکان میں خالد بڑالڑکا اور ابوبکر چھوٹالڑکا برابر کے حقدار ہوں گے یا کم وبیش کے؟

(۲) زید کے پاس ایک دوکان ہے جس کی قیمت تیس لاکھ روپئے ہے اور ایک مکان ہے جس کی قیمت آٹھ لاکھ روپئے ہے، زید کے دو بیٹے ہیں، زید نے پوری دوکان اور مکان کا وہ حصہ جس کی قیمت تین لاکھ روپیہ ہے چھوٹے بیٹے کو دیدیا اور مکان کا وہ حصہ جس کی قیمت پانچ لاکھ روپیہ ہے وہ بڑے لڑکے کو دیدیا، اس طرح تقسیم کرنے سے زید غیر عادل کہلائے گا یا نہیں؟ اور عنداللہ مجرم ہوگا یا نہیں؟

المستفتی: عبادالرحمٰن جسپور ادھم سنگھ نگر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) حسب تحریر سوال زید کی مملوکہ دوکان و مکان میں اس کی وفات کے بعد اس کے دونوں لڑکے اپنے حصص شرعیہ میں برابر کے حقدار ہوں گے، یعنی ترکہ میں شرعاً لڑکوں کا جو حصہ بن رہا ہے وہ ان دونوں لڑکوں میں برابر تقسیم ہوگا، وارثین کی پوری فہرست سوالنامہ میں مذکور نہیں ہے، بریں بنا زید کی ملکیت سے لڑکوں کے شرعی حصے کی صحیح تعیین یہاں ممکن نہیں ہے، اب اگر واقعی میں ان دونوں لڑکوں کے علاوہ کوئی لڑکی یا بیوی وغیرہ زید کی وفات کے وقت موجود نہیں رہی ہے تو دونوں کو آدھا آدھا ملے گا، اور اگر بیوی اور لڑکیاں بھی موجود ہیں تو ان کے ناموں کی وضاحت سے پہلے ہر ایک کے حصص کی تعیین نہیں ہوسکتی۔

﴿يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْ اَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ. [النساء: ۱۱] ﴾

وإيثار اسمى الذكر والأنثىٰ (إلى قوله) للتنصيص على استواء الصغار والكبار من الفريقين فى الاستحقاق من غير دخل للبلوغ والكبر فى ذٰلك أصلا. (روح المعانی، سورة النساء تحت رقم الآية:۱۱، زکریا ۳۳۹/۳)

وعصبة من يأخذ الكل إذا انفرد -إلى قوله- أولى العصبات بالميراث الابن. (البحر الرائق، کتاب الفرائض، کوئٹه ۴۹۷/۸، زکریا ۳۸۱/۹)

(۲) زندگی میں ہبہ کرتے وقت اولاد میں برابری کرنا باپ پر لازم ہے، لہٰذا مذکورہ صورت میں اگر باپ نے برابری کا معاملہ نہیں کیا ہے تو باپ شرعاً گنہگار ہوگا۔

ويكره تفضيل بعض الأولاد على البعض فى الهبة على الصحة. (البحر الرائق، کتاب الهبة، کوئٹه ۲۸۸/۷، زکریا ۴۰۰/۷)

أخرج المسلم حديثا طويلا طرفه هذا: فقال رسول الله ﷺ: يا بشير ألك ولد سوى هذا، قال نعم، فقال أكلهم وهبت له مثل هذا، قال: لا، قال: فلا تشهدنى إذا، فإنى لا أشهد على جور. (تكملة فتح الملهم، كتاب الهبات، باب كراهة تفضيل بعض الأولاد، اشرفيه ديوبند ۷۵/۲)

وفى رواية: فاتقوا الله واعدلوا فى أولادكم. (تكملة فتح الملهم، اشرفيه ديوبند ۷۴/۲، مسلم شريف ۳۷/۲، رقم: ۱۶۲۳، بخاری شريف ۳۵۲/۱، رقم: ۲۵۱۵، ف: ۲۵۸۷)

روى البخارى تعليقا: وقال النبى ﷺ: اعدلوا بين أولادكم فى العطية. (صحيح البخارى ۳۵۲/۱)

وإن وهب ماله كله لواحد جاز قضاء وهو آثم كذا فى المحيط. (البحر الرائق، کتاب الهبة، کوئٹه ۲۸۸/۷، زکریا ۴۹۰/۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍صفر المظفر ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۸۸۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۲/۱۴ھ

ماں کے ترکہ میں سوتیلے بیٹے کا حصہ

سوال [۱۱۴۱۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کیا ماں کے ترکہ میں سگے بیٹوں کے ساتھ وہ سوتیلا بیٹا بھی برابر کا شریک ہوگا کہ جس کا باپ تو یہی تھا جس کے اور بیٹے ہیں لیکن ماں یہ نہیں تھی یعنی ان بھائیوں میں ایک بھائی صرف باپ شریک ہے، ماں شریک نہیں؟

المستفتی: فخر الاسلام امام مسجد سرائے ترین سنبھل

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: میت کے ترکہ میں میت کے شوہر کا بیٹا شریک نہیں ہے، کیونکہ میت سے جزئیت کا تعلق نہیں، لہٰذا وہ وارث نہ ہوگا۔

ثم العصبات بأنفسهم أربعة أصناف جزء الميت ثم أصله إلى آخره.

(رد المحتار، كتاب الفرائض، زكريا ١٠/٥١٨، كراچی ٦/٧٧٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ر محرم الحرام ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۵۹۸۶)

شرعی گواہ یا رجسٹری کے بغیر محض دعویٰ سے ملکیت ثابت نہ ہوگی

سوال [۱۱۴۱۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اصغری بیگم کا انتقال ہوگیا، ورثاء میں کوئی اولاد نہیں تھی، صرف ۴ر بھتیجے: شوکت حسین (جنہیں اصغری نے گود لے کر پالا تھا)، محمد علی، احمد علی، واجد علی، تین بھتیجیاں: زیب النساء، مہر النساء، شاہد النساء کو چھوڑا، وہ اپنا کل ترکہ اپنے گود لیے ہوئے لڑکے شوکت حسین کو دینا چاہتی تھی، اور پوری زندگی یہ کہتی رہی کہ میں نے اپنا حصہ تجھے دیدیا، شرعاً بتائیں ان کا

ترکہ سب بھتیجوں، بھتیجیوں کو ملے گا یا صرف شوکت حسین کو ملے گا؟

المستفتی: شوکت حسین باڑہ صفا مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شوکت حسین کو دینا شرعی گواہ یا رجسٹری وغیرہ کے ذریعہ سے ثابت نہ ہو تو اس کہنے کے دعویٰ سے شوکت حسین کو تمام ملکیت نہیں ملے گی بلکہ چاروں بھتیجوں میں برابر برابر تقسیم ہوگی اور بھتیجیاں شرعی طور پر وارث نہیں ہیں۔

والعصبة كل من يأخذ ما أبقته أصحاب الفرائض وعند الانفراد يحرز جميع المال. (سراجی ص: ٤، البحر الرائق زكريا ٣٨١/٩، كوئٹه ٤٩٧/٨، شامی زكريا ٥١٨/١٠، كراچی ٧٧٤/٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍ربیع الاول ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۶۹۱)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۲/۳/۱۴۱۹ھ

اولاد کی عدم موجودگی میں بھائیوں کو حصہ ملے گا یا نہیں؟

سوال [۱۱۴۱۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص نے اپنے ذاتی پیسے سے ایک مکان خریدا، اس مکان میں اس کے بھائیوں کا کوئی حق نہیں ہے، اب اس کا انتقال ہوگیا اور اس کی اولاد کوئی نہیں ہے، البتہ بیوی ہے، اور اس کے دو بھائی ہیں، اب اس شخص کی طرف سے اس کے بھائی وارث ہونے کا دعویٰ کر کے اس مکان میں سے اپنا حصہ مانگ رہے ہیں تو کیا اس شخص کے بھائیوں کا اس متروکہ گھر میں سے اپنا حصہ مانگنا درست ہے اور کیا وہ وارث بنیں گے جبکہ اس کی بیوی بھی موجود ہے؟

المستفتی: محمد سفیان قاسمی گودی حمیر پور مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں جبکہ مرحوم کی صرف ایک

بیوی ہے اوراولاد و والدین میں سے کوئی نہیں ہے، تواس کے دونوں بھائیوں کا وارث ہونے کا دعویٰ کرنا درست ہے، چنانچہ مرحوم کا کل ترکہ ۸/ سہام میں تقسیم ہو کر بیوی کو دو حصے اور دونوں بھائیوں کو تین تین حصے ملیں گے۔ جیسا کہ مندرجہ ذیل نقشہ سے واضح ہے:

۴/۸

میـــــــــــــــــــــــــــــت

بیوی	بھائی	بھائی
۱/	(۳)	
۲	۳	۳

والعصبة كل من يأخذ ما أبقته أصحاب الفرائض وعند الانفراد يحرز جميع المال. (سراجی ص: ٤، البحر الرائق زكريا ٩/ ٣٨١، كوئٹه ٨/ ٤٩٧، شامی زكريا ١٠/ ٥١٨، كراچی ٦/ ٧٧٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳/ رجب المرجب ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۱۷۹)

کیا چچازاد بھائی اور بہن وارث ہو سکتے ہیں؟

سوال [۱۱۴۱۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مشیت اللہ کی خرید کردہ جائیداد ہے، اور پہلی بیوی کی کوئی اولاد پیدا نہیں ہوئی، دوسری بیوی آمنہ بیگم زندہ ہے، اس سے بھی کوئی بچہ پیدا نہیں ہوا، مشیت کا کوئی قریبی رشتہ دار نہیں ہے، سگے چچیرے بھائی اور بہن ہیں، مشیت اللہ کی جائیداد میں سگے چچیرے بھائی اور بہنوں کو بھی حصہ پہنچتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد ایوب کاشی پوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بشرط صحت سوال مشیت اللہ کی دوسری بیوی کو کل

جائیداد میں سے چوتھائی ملے گا، باقی تین چوتھائی چچازاد بھائیوں کے درمیان برابر تقسیم ہوگا، اور چچازاد بہنوں کو کچھ نہیں ملے گا۔

والعصبة كل من يأخذ ما أبقته أصحاب الفرائض وعند الانفراد يحرز جميع المال. (سراجی ص: ٤، البحر الرائق زکریا ۹/۳۸۱، کوئٹه ۸/٤٩٧، شامی زکریا ۱۰/٥١٨، کراچی ٦/٧٧٤) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍شوال المکرّم ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۹۰۹)

اصحاب الفروض نہ ہونے کی صورت میں چچازاد بھائی کا حصہ

سوال [۱۱۴۱۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ محمودہ کا انتقال ہوا، ان کی نہ کوئی اولاد ہے اور نہ ہی شوہر ہے، صرف ایک چچازاد بھائی وقارالحسن حیات ہیں، تو محمودہ خاتون کا ترکہ کس کو ملے گا؟

المستفتی: مولوی عبدالعزیز بچھرایوں مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بشرط صحت سوال وبعد ادائے حقوق ما تقدم وعدم موانع ارث محمودہ خاتون کا کل ترکہ ایسی صورت میں اس کے چچازاد بھائی وقارالحسن کو ملے گا، اس لیے کہ جب ذوی الفروض میں سے کوئی وارث موجود نہیں ہے اور ایک شخص عصبات میں سے موجود ہے تو ساری جائیداد وترکہ اسی کو ملے گا۔

والعصبة كل من يأخذ ما أبقته أصحاب الفرائض وعند الانفراد يحرز جميع المال. (سراجی ص: ٤، البحر الرائق زکریا ۹/۳۸۱، کوئٹه ۸/٤٩٧، شامی زکریا ۱۰/٥١٨، کراچی ٦/٧٧٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱٦؍ربیع الثانی ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/۲٦۴۲)

بھتیجا کے وارث بننے کی شکل

سوال [۱۱۴۱۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ منور حسین نے اپنی زندگی میں اپنا ایک مکان اپنی بیوی فراغت النساء کے نام ہبہ زبانی کردیا تھا، اور ایک تحریر بطور یادداشت دو گواہوں: شمس الاسلام، سکندر ضیاء کے سامنے لکھ دی تھی، اور قبضہ ودخل بھی دیدیا تھا اس کے بعد فراغت النساء مکان کا کرایہ وصول کرتی تھیں، پھر منور حسین کا انتقال ہوگیا۔

دریافت یہ کرنا ہے کہ یہ ہبہ مکمل ہوگیا یا نہیں؟ پھر فراغت النساء کا بھی انتقال ہوگیا، اگر ہبہ مکمل ہوگیا تو فراغت النساء کے ورثاء میں اب صرف دو بھتیجے: انوار الحسن، سکندر ضیاء، چھ بھتیجیاں: چاند، شبانہ، فرزانہ، رانا، شاہانہ، رخسانہ ہیں، اولاد کوئی نہیں ہے؟

اور اگر ہبہ مکمل نہیں ہوا ہے تو منور حسین ہی اس مکان مذکورہ کے مالک قرار پائیں گے، تو ان کے انتقال پر ان کے ورثاء میں ایک بیوی فراغت النساء اور ماموں زاد بھائی بہن ہیں، ماموں زاد بھائی چار ہیں: صابر حسین، اختر حسین، ذاکر حسین، ساغر حسین، اور ماموں زاد بہنیں پانچ ہیں: چندہ بیگم، رئیسی بیگم، نویسی بیگم، بن بیگم، نور جہاں، شرعی حکم تحریر فرمادیں؟

المستفتی: انوار الحسن فیض گنج مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر واقعی فراغت النساء کو ہبہ کر کے قبضہ دیدیا تھا اور اس کے سرکاری کاغذ بھی تیار کردیئے تھے، تو ایسی صورت میں فراغت النساء اس کی مالک ہوچکی ہے، اور فراغت النساء کی وفات کے بعد جبکہ بوقت وفات اس کے بھائی اور بہنیں کوئی موجود نہ ہوں تو اس کے حقیقی بھتیجے وارث ہوں گے اور بھتیجیاں وارث نہیں ہوتیں، لہٰذا سوالنامہ میں صرف دو بھتیجوں کا ذکر ہے، اگر ان کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے تو مذکورہ مکان دونوں بھتیجوں کے درمیان نصفا نصفی تقسیم ہوگا۔

وتتم الهبة بالقبض الكامل . (شامی، کتاب الهبة کراچی ۵/ ۶۹۰، زکریا ۸/ ۴۹۳)

وتتم الهبة بالقبض الكامل لقوله عليه السلام لاتجوز الهبة إلا مقبوضة. (مجمع الأنهر، كتاب الهبة، دار الكتب العلمية بيروت ۳/ ۳۹۱، مصری قديم ۲/ ۳۵۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷ر جمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۱۱۱)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۵/۱۷ھ

کیا ماموں زاد بھائی بہن وارث ہو سکتے ہیں؟

سوال [۱۱۴۱۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مشیت اللہ کی خود خرید کردہ جائیداد ہے اور اس کی پہلی بیوی کا انتقال ہو گیا، کوئی اولاد پیدا نہیں ہوئی، دوسری بیوی سے بھی کوئی اولاد نہیں ہے، دوسری بیوی آمنہ بیگم ہے، جو زندہ ہے، مشیت اللہ کا کوئی قریبی رشتہ دار نہیں ہے، اس وقت مشیت اللہ کے سگے ماموں زاد بھائی اور بہنیں ہیں، مشیت اللہ کی جائیداد میں سگے ماموں زاد بھائی اور بہنوں کا حصہ ہوتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: عبدالرشید، کاشی پور نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: بشرط صحت سوال وبعد ادائے حقوق ماتقدم وعدم موانع ارث اگر مشیت اللہ کے آبائی کوئی رشتہ دار زندہ نہیں ہیں صرف نہالی رشتہ داروں میں ماموں زاد بھائی بہن زندہ ہیں تو کل جائیداد کو ۴ر سہام میں تقسیم کر کے ایک موجودہ بیوی کو ملے گا، باقی تین ماموں زاد بھائی بہنوں کو ملے گا۔ (سراجی باب ذوی الارحام) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳ر شوال المکرّم ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۹۳۳)

بھانجے کے وارث ہونے کی شکل

سوال [۱۱۴۱۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص کا انتقال ہوا، اس کے ورثاء میں ذوی الفروض اور عصبات میں سے کوئی نہیں ہے، ذوی الارحام میں صرف بھانجے اور بھتیجے کی لڑکی ہے تو اس کی وراثت کس طرح تقسیم ہوگی؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اس صورت میں صرف بھانجے وارث ہوں گے اور بھتیجے کی لڑکی محروم ہو جائے گی، کیونکہ ذوی الارحام میں جو اقرب الی المیت ہوتا ہے وہ اولیٰ بالمیراث ہوتا ہے۔

الحكم فيهم كالحكم في الصنف الأول أعني أولٰهم بالميراث أقربهم إلى الميراث. (سراجی فصل فی الصنف الثالث ص:٤٩)

وتحته في الشريفية بنت الأخت أولى من ابن بنت الأخ لأنها أقرب. (شريفيه ص:١٢٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰؍ربیع الاول ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/۱۶۹۱)

کیا بھانجہ وارث ہوسکتا ہے؟

سوال [۱۱۴۱۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ محمد احمد کا انتقال ہوگیا، یہ غیر شادی شدہ تھا، اس کا ایک بھائی مشکور احمد تھا، اس کا انتقال محمد احمد سے پہلے ہو چکا تھا، اور مشکور احمد کی کوئی اولاد نہیں ہوئی، صرف بیوی موجود ہے اور محمد احمد مرحوم کی دو بہنیں تھیں: محمدی، انیسہ خاتون، محمدی کے شوہر کا انتقال محمدی سے پہلے ہو چکا تھا، نیز محمدی کے دو بیٹے ہیں: محمد جاوید، محمد پرویز، محمد پرویز کا انتقال بھی محمدی سے

پہلے ہو چکا تھا، اورانیسہ خاتون کے شوہر کا انتقال بھی انیسہ خاتون سے پہلے ہو چکا تھا، اوران کے بھی دو بیٹے ہیں: محمد عاصم، محمد ناظم، شریعت کی روشنی میں کس کو کتنا حصہ ملے گا؟

نوٹ: محمد احمد کی دونوں بہنوں محمدی، انیسہ خاتون کا انتقال محمد احمد سے پہلے ہو چکا تھا۔

المستفتی: شجاع الرحمٰن سنبھلی گیٹ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: محمد احمد کے ورثاء میں اپنے خاندان کا کوئی بھی مرد زندہ نہیں ہے، اور اسی طرح اس کی کوئی بہن بھی زندہ نہیں رہی، بلکہ اس کی موت کے وقت ایک بہن محمدی کا ایک بیٹا محمد جاوید زندہ رہا، اور دوسری بہن انیسہ خاتون کے دو بیٹے محمد عاصم، محمد ناظم زندہ رہے ہیں، لہٰذا محمد احمد کا سارا ترکہ محمد جاوید، محمد عاصم اور محمد ناظم جو اس کے حقیقی بھانجے ہیں ان تینوں کے درمیان تقسیم ہوجائے گا، لہٰذا ۲۷۰۰۰/ روپئے ان تینوں کے درمیان درج ذیل نقشہ کے مطابق تقسیم ہوں گے۔

میت ۳	تداخل	۹۰۰۰ / ۲۷۰۰۰ روپئے
	بھانجہ محمد جاوید	بھانجہ محمد عاصم	بھانجہ محمد ناظم
سہام	۱	۱	۱
ترکہ	۹۰۰۰ روپیہ	۹۰۰۰ روپیہ	۹۰۰۰ روپیہ

کل ۲۷۰۰۰/ روپیہ مذکورہ تینوں میں سے ہر ایک کو ۹۰۰۰/ روپیہ ملیں گے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ　　الجواب صحیح
۱۹/ ذی قعدہ ۱۴۳۲ھ　　احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۵۳۱)　　۱۴۳۲/۱۱/۱۹ھ

ماموں، خالہ وغیرہ شرعی وارث ہیں یا نہیں؟

سوال [۱۱۴۱۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: (۱) مسماۃ فاطمہ زوجہ عبدالحمید مرحوم نے اپنے انتقال پر ایک مکان چھوڑا ہے، اورورثان میں چارلڑکیاں اورلڑکا چھوڑا، تقسیم پران میں سے کس کو کتنا حصہ ملے گا؟

(۲) یہ پانچوں بہن، بھائی شادی شدہ ہیں اور لا ولد ہیں، لڑکے نے شادی کے بعد اپنی بیوی کو طلاق دیدی تھی، دوبارہ شادی نہیں کی، اس لیے وہ لاولد رہا، چاروں بہنیں بھی لاولد ہی ہیں، اب اس لڑکے کا بھی انتقال ہو چکا ہے۔

لہٰذا یہ بتانے کی زحمت فرمائیں کہ اس لڑکے کے حصہ کا مالک کون ہوگا؟ چاروں بہنوں میں تقسیم ہوگا یا کسی اور وارث کو بھی پہنچتا ہے، جیسے کہ اس کے چچا یا تایا کی اولادیں ہیں، ننہال میں ماموں وغیرہ اورخالاؤں کی اولادیں ہیں، ان کو تو کچھ نہیں ملے گا؟ اگر ملے گا تو کتنا حصہ ان میں تقسیم ہوگا

المستفتی: محمد شمیم قریشی، اصالت پورہ مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: فاطمہ کا مکان اولاً چھ حصوں میں تقسیم ہوکر بیٹے کو دو اور چاروں بیٹیوں کو ایک ایک ملے گا، اوراس کے بعد جب بیٹا لاولد فوت ہوگیا، اوراس کی بیوی بھی نہیں ہے تو ایسی صورت میں بیٹے کے دونوں حصے چھ حصوں میں تقسیم ہوکر چاروں بہنوں کو ایک ایک حصہ ملے گا اور باقی دو حصے بیٹے کے تایا، چچا کی نرینہ اولاد کو ملیں گے اور تایا چچا کی نرینہ اولاد کے نام بنام تفصیل سامنے آجائے توان کے بارے میں لکھا جا سکتا ہے کہ کس کو کس طریقہ سے کتنا ملے گا؟ اور بیٹے کے ننہال والوں کو نہ اس کی ماں کی طرف سے کچھ پہنچے گا اور نہ اس کی طرف سے لہٰذا ماموں، خالہ اور ان کی اولاد میں سے کوئی بھی اس مکان میں کسی بھی حصہ کا حقدار نہ ہوگا۔

﴿لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ. [النساء: ١١]﴾ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۳۰؍شوال المکرّم ۱۴۳۲ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۵۰۴/۳۹)	۱۴۳۲/۱۰/۳۰ھ

اکلوتے علاتی بھائی کا نصف میراث کا دعویٰ کرنا

سوال [۱۱۴۲۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرے شوہر کا انتقال ہو گیا ہے، میرے شوہر کے ایک لڑکا پہلی بیوی سے ہے، اور مجھ سے دو لڑکے اور ایک لڑکی ہے، لیکن پہلی بیوی والا لڑکا کہتا ہے کہ والد صاحب کے حصہ سے مجھے آدھا ملے گا، آپ سے گذارش ہے کہ شرعاً اس کو کتنا ملے گا اور مجھے اور میری اولاد کو کتنا ملے گا؟

المستفتیہ: نورجہاں بیگم کرولہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: برتقدیر صحت سوال وعدم موانع ارث وبعد ادائے حقوق ماتقدم مرحوم کا ترکہ درج ذیل نقشہ کے مطابق تقسیم ہوگا:

میـــــــــــــــــــــــــــت ۸

بیوی	لڑکا	لڑکا	لڑکا	لڑکی
۱	۲	۲	۲	۱

مرحوم کا کل ترکہ ۸ر سہام میں تقسیم ہو کر بیوی کو ایک سہام اور لڑکوں کو دو، دو اور لڑکی کو ایک سہام ملے گا، پہلی بیوی کے لڑکے کا یہ کہنا کہ والد صاحب کے ترکہ میں سے میں اکیلا آدھے کا حقدار ہوں، صحیح و درست نہیں ہے، بلکہ والد صاحب کے ترکہ میں سے اس کو بھی دیگر لڑکوں کی طرح دو ہی سہام ملیں گے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶ر جمادی الثانیہ ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۷۲۷۷)

پاگل بھائی کی دیکھ بھال اور جائیداد کی تقسیم

سوال [۱۱۴۲۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: زید جسمانی وذہنی طور پر کمزور و گونگا بھی ہے، اچھا برا سوچنے وسمجھنے کی صلاحیت اس کو بالکل نہیں ہے، اس کی عمر تقریباً ۵۴؍ سال ہے، اس کی کوئی اولاد نہیں ہے، کیونکہ اس کی شادی نہیں ہوئی ہے، اور وہ اپنے حقیقی بھائی کی سرپرستی میں انہیں کے ساتھ رہتا ہے، زید کے چار بھائی ہیں، جن کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

(۱) دو بھائی حقیقی جو زید کی ماں سے ہیں اور ایک بہن جو حیات ہیں۔

(۲) دو بھائی جن کا انتقال ہو چکا ہے، دوسری ماں سے ہیں اور ان کی اولادیں حیات ہیں، زید کی ایک چھوٹی سی جائیداد ہے جس کا وہ تنہا مالک ہے یہ جائیداد اس کو والد سے بذریعہ ہبہ تحریری ملی تھی۔

سوال یہ ہے کہ مندرجہ حالات میں زید کی دیکھ بھال وزید کی ملکیت کا ترکہ کس کو جاتا ہے؟ اور کتنا جاتا ہے؟ زید کی حیات میں یا زید کی وفات کے بعد؟

المستفتی: محمد تحسین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: زید کی دیکھ بھال اس کے حقیقی بھائیوں کے ذمہ ہے، اس کی زندگی میں شرعاً اس کی جائیداد تقسیم نہیں ہوگی، اس کی جائیداد کا وہی تنہا مالک رہے گا، ہاں البتہ دونوں حقیقی بھائیوں اور حقیقی بہن کی زندگی میں زید کا انتقال ہو جاتا ہے تو اس کی جائیداد پانچ حصوں میں تقسیم ہو کر ہر بھائی کو دو، دو اور بہن کو ایک حصہ ملے گا۔

﴿لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ. [النساء: ۱۱]﴾ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۴؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۰ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۷۵۶)

ورثاء میں صرف ایک لڑکی ہو تو کیا حکم ہے؟

سوال [۱۱۴۲۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ برکتی بیوہ نواسی صاحب کا انتقال ہوا، ورثاء میں صرف ایک لڑکی چھوڑی، جس کا اب انتقال ہو گیا ہے، اور اس کے ایک لڑکا شفیع احمد اور ایک لڑکی حشمہ موجود ہیں، اسی طرح مرحومہ برکتی کے دیور کی اولاد بھی ہے، جن میں سے دو لڑکے منشی اور شوکت علی کا انتقال ہو گیا ہے، اور دو لڑکے محمد جان اور عبدالعزیز زندہ ہیں، فریقین میں سے کون مرحومہ کا وارث بنے گا؟ ازروئے شرع جائیداد کی تقسیم فرما کر ممنون فرمائیں؟

المستفتی: شفیع احمد رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بشرط صحت سوال وبعد ادائے حقوق ماتقدم وعدم موانع ارث برکتی مرحومہ کا کل ترکہ مرحومہ کی لڑکی کو ملے گا، لڑکی کے انتقال کے بعد اس کے لڑکے اور لڑکی کی طرف منتقل ہو جائے گا، لہٰذا کل ترکہ ۳/سہام میں تقسیم ہو کر لڑکے شفیع احمد کو ۲/ اور لڑکی حشمہ کو ایک ملے گا، برکتی کے دیور کی اولاد کو شرعاً کچھ نہیں ملے گا۔

الرد ضد العول ما فضل من فرض ذوی الفروض ولا مستحق له یرد علی ذوی الفروض بقدر حقوقهم (إلی قوله) ثم مسائل الباب علی أقسام أربعة: أحدها أن یکون فی المسئلة جنس واحد ممن یرد علیه عند عدم من لا یرد علیه فاجعل المسئلة من رؤسهم وفی هامشه: وحینئذ تکون المسئلة واحدة. (سراجی ص:۵۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/ربیع الثانی ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۲۰۰/۲۴)

پوتوں کا پھوپھیوں کو حصہ دینا

سوال [۱۱۴۲۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید ایک زمیندار صاحب ثروت شخص ہے، اور اس کے کچھ بڑے لڑکے اور کچھ

لڑکیاں ہیں، زید اپنی حیات میں اپنی جائیداد تقسیم کرتا ہے، لڑکوں کو حصہ دیتا ہے، اور لڑکیوں کو حصہ نہیں دیتا ہے، اور پھر تقسیم کے بعد دنیا سے کوچ کر جاتا ہے، پھر زید کے لڑکے بھی اپنی بہنوں کو حصہ نہیں دیتے اور انتقال کر جاتے ہیں، بہرحال وہ جائیداد زید کے پوتوں کے نام آجاتی ہے، زید کی لڑکیوں کی حیات میں، تو کیا اس صورت میں پوتوں کو اپنی پھوپھی کا حصہ دینا لازم اور واجب ہے؟ اور نہ دینے کی صورت میں گنہگار زید ہے یا بیٹے، اور پوتے سب شریک ہیں؟

المستفتی: محمد شہزاد بجنوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر زید نے اپنی زندگی میں جائیداد لڑکوں کو بطور ہبہ مالک بنا کر کے قبضہ میں دیدی ہے تو لڑکے اس جائیداد کے مالک ہو جائیں گے، مگر لڑکیوں کو نہ دینے کی وجہ سے زید سخت گنہگار رہوگا، اور اگر زید نے ہبہ کر کے مالک نہیں بنایا ہے، صرف وصیت کی ہے کہ مرنے کے بعد جائیداد کے مالک لڑکے ہوں گے، لڑکیاں نہیں ہوں گی تو شرعاً ایسی وصیت معتبر نہیں ہے، اور زید کے مرنے کے بعد لڑکیوں کو جائیداد میں سے شرعی حق کے مطالبہ کا حق حاصل ہوگا اور نہ دینے کی صورت میں لڑکے لڑکیوں کے حقوق کے غاصب شمار ہوں گے، اور اللہ کی طرف سے سخت پکڑ ہوگی، اسی طرح جب پوتوں کو معلوم ہے کہ ان کی پھوپھیوں کا حق دبایا گیا ہے، تو ان کا فرض بنتا ہے کہ پھوپھیوں کا حق نکال کر دیدیں اگر نہیں دیں گے تو پوتے بھی گنہگار رہوں گے۔

وتتم الهبة بالقبض الكامل (تحته في الشامية) فيشترط القبض قبل الموت. (در مختار مع الشامی، کتاب الهبة، زکریا ۸/۴۹۳، کراچی ۵/۶۹۰)

لايتم التبرع إلا بالقبض. (قواعد الفقه اشرفی ص: ۱۰، قاعده: ۲۶۲)

عن أنس بن مالك –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله ﷺ: من فر من ميراث وارثه، قطع الله ميراثه من الجنة يوم القيامة. (سنن ابن ماجه، باب الحيف في الوصية، النسخة الهندية ۲/۱۹۴، دار السلام رقم: ۲۷۰۳)

عن ابن عباس قال: قال رسول الله ﷺ: لاتجوز وصية لوارث، إلا

إن شاء الورثة. (السنن الکبریٰ للبیهقی، باب نسخ الوصیة للوالدین والأقربین، دار الفکر ۹/۳۵٦، رقم: ۱۲۷۹۷ - ۱۲۷۹۸، سنن الدار قطنی، دار الکتب العلمیة بیروت ٤/۸٦، رقم: ۲٤٥۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ رمحرم الحرام ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۰۹۲۹)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۶/۱/۱۴۳۴ھ

۸ باب استحقاق الإرث و عدمه

اولاد کو زندگی میں تقسیم کے مطالبہ کا حق نہیں

سوال [۱۱۴۲۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: نذیر احمد کے دو بیٹے، فیروز وجمشید، چار بیٹیاں اور بیوی زبیدہ ہیں، نذیر نے احمد اپنی پشتینی زمین میں سے بیچ کر چاروں لڑکیوں کو ان کا حق وحصہ دیدیا اور فیروز کو اس کے مطالبہ پر چار لاکھ روپیہ قرض دیا، نذیر احمد کا فیروز سے کچھ اختلاف ہوگیا، نذیر احمد نے قرض کی رقم کا تقاضہ شروع کر کے تقریباً پچاس ہزار روپیہ حاصل کیا، اس کے بعد نذیر احمد نے ایک پنچایت بلائی، جس میں اپنے ہم موافق عبد السبحان، شفیع احمد، اور محمد کو پنچ منتخب کیا، فیروز پریشان حال نے مولوی احمد اللہ کو پنچایت میں شامل کروایا، (نذیر احمد کے پاس تین منزلہ مکان تقریباً ۳۲ رکڑی رقبہ کا، ایک نیم تعمیر شدہ مکان ۸ رکڑی رقبہ کا ایک احاطہ، چار بسہ کی ایک دوکان تقریباً تین کڑی رقبہ کی، ایک ماروتی کار کے علاوہ گھریلو تمام اثاثہ ہیں) پنچایت میں نذیر احمد اور ہم موافق کا جارحانہ رویہ رہا، فیروز کو بری طرح گھر سے نکالنا چاہا، مگر مولوی احمد اللہ کی زبردست کوششوں سے نذیر احمد فیروز کو صرف ۸ رکڑی کا نیم تعمیر شدہ مکان اور تین کڑی رقبہ کی دوکان مع رجسٹری دینے پر آمادہ ہوئے، موقع کی نزاکت دیکھ کر مولوی احمد اللہ نے ۴/ ۶/ ۲۰۰۶ء کو ایک پنچایت نامہ لکھا جس کی فوٹو کاپی استفتاء کے ساتھ منسلک ہے:

(۱) پنچ نامہ پر ایک فریق زبیدہ کے دستخط نہیں ہیں۔

(۲) زبیدہ کے ذریعہ فیروز کے مکان کی رجسٹری ہونا طے تھی، مگر زبیدہ نے پنچوں سے رجسٹری کرنے سے انکار کردیا۔

(۳) نذیر احمد نے جمشید کو ۳۲ رکڑی رقبہ کا تین منزلہ مکان نیز فیروز کے علم کے بغیر چار بسہ کا احاطہ ماروتی کار و گھریلو تمام اثاثہ بھی دیدیا۔

(۴) نذیر احمد دماغی مریض تھے، مستقل زیر علاج رہتے تھے، ۲۰۰۸/۱۰/۲۳ء کو انتقال کرگئے۔

(۵) پنچایت میں ہی فیروز نے نذیر احمد کو ایک لاکھ روپئے نقد لوٹا دیئے۔

(۶) پنچ نامہ میں نذیر احمد کے دونوں مکان ودوکان اوراحاطہ کے رقبہ اور مالیت کا ذکر نہیں ہے، اب سوال یہ ہے کہ:

(۱) کیا ایک فریق زبیدہ کے دستخط کے بغیر یہ پنچ نامہ شرعی طور پر درست ہے؟

(۲) کیا زبیدہ کے ذریعہ پنچنامہ کی خلاف ورزی سے اس کی شرعی حیثیت باقی ہے؟

(۳) کیا نذیر احمد کے دباؤ میں پنچوں کے ذریعہ لیا گیا فیصلہ شرعی ہے؟

(۴) کیا نذیر احمد کے ذریعہ فیروز کو دیا گیا حصہ شریعت کے مطابق ہے؟

المستفتی: فیروز کمال صدر چوک مئوناتھ بھنجن

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نذیر احمد اپنی زندگی میں اپنی ساری جائیداد منقولہ اور غیر منقولہ کے خود مالک ہیں اور ان کی زندگی میں ان کی اولاد میں سے کسی کو کسی قسم کے حق کا مطالبہ کرنا درست نہیں ہے، سوالنامہ سے معلوم ہوتا ہے کہ فیروز احمد کا بیٹا ہے اور بیٹا باپ کی جائیداد میں فریق نہیں ہوتا ہے اور زبیدہ فیروز کی ماں ہے، فریق نہیں ہے، اس لیے پورے سوالنامہ کے جواب کا حاصل یہی ہے کہ دونوں بیٹوں میں سے کسی کو بھی فریق بن کر باپ سے کسی بھی طرح کے حق کے مطالبہ کرنے کا حق نہیں ہے، ہاں البتہ باپ اپنی مرضی سے بخوشی کچھ دینا چاہے تو باپ کو اختیار ہے اور باپ کے اوپر کسی کا دباؤ ڈالنا جائز نہیں ہے اور باپ کا فریق بن کر کے جائیداد دلوانے کے لیے پنچ نامہ جو بنوایا گیا ہے وہ غیر شرعی ہے اس لیے کہ باپ کے اوپر پنچوں کے ذریعہ سے دباؤ ڈالنے کا حق نہیں ہے۔

قال مشائخ بلخ: الإرث يثبت بعد موت المورث. (البحر الرائق، كتاب الفرائض، زكريا ٩/٣٦٤، كوئٹه ٨/٤٨٨، الفتاویٰ التاتارخانية زكريا ٢٠/٢١٥، رقم: ٣٣٠٧٨، الموسوعة الفقهية الكويتية ١١/٢١٤)

وفی الخانية: زوج بنيه الخمسة فی داره و كلهم فی عياله واختلفوا فی المتاع فهو للأب وللبنين الثياب التی عليهم لا غير. (شامی، مطلب: اجتمعا فی دار واحدة واكتسبا...... زكريا ۶/ ۵۰۲، كراچی ۴/ ۳۲۵)

إذا كان الولد فی عيال أبيه ومعينا له يكون جميع ما تحصل من الكسب لأبيه. (الفتاویٰ الكاملية ص: ۵۱، بحواله فتاویٰ عثمانی ۳/ ۵۲)

المالک هو المتصرف فی الأعيان المملوكة كيف شاء من الملک. (بيضاوی شريف رشيد ۱/ ۷، شرح المجلة رستم اتحاد ۱/ ۶۵۴، رقم المادة: ۱۱۹۲، البنايه اشرفيه ديو بند ۸/ ۲۱۹)

لايجوز التصرف فی مال غيره بلا إذنه ولا ولايته. (شامی، كتاب الغصب، مطلب فيما يجوز من التصرف بمال الغير...... زكريا ۹/ ۲۹۱، كراچی ۶/ ۲۰۰، الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۸/ ۲۹۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۰۹۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۵/۱۳ھ

موت سے پہلے کسی کے مال میں وراثت جاری نہیں ہوتی

سوال [۱۱۴۲۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں اپنے والدین کی سب سے بڑی اولا دہوں، میرے دو چھوٹے بھائی اور ایک لے پالک بہن ہے، میں شادی شدہ ہوں، میرا کھانا پینا، والدین سے الگ ہے، لیکن ابھی سب لوگ ایک ہی گھر میں رہتے ہیں، میری والدہ میری بیوی کو بہت پریشان کرتی ہیں، اور بھائیوں سے بھی گالیاں دلواتی ہیں، وہ چاہتی ہیں کہ میں یہ گھر چھوڑ کر کہیں چلا جاؤں، اور میں اس حالت میں نہیں ہوں کہ کہیں کرایہ کا مکان لے سکوں:

(۱) دریافت یہ کرنا ہے کہ کیا ان حالات میں جبکہ آپس میں نبھاؤ نہیں ہو پا رہا ہے، والدین

کی یہ ذمہ داری ہے کہ مکان تقسیم کردیں تاکہ آپسی لڑائی جھگڑا ختم ہوجائے،اورسکون نصیب ہو۔

(۲) میرے والد نے اپنے دادالٰہی مکان میں سے تقریباً ۲۵ ؍گز جگہ مجھے دیدی تھی، جس کی قیمت ڈیڑھ لاکھ روپیہ تھی، میں نے اس پر قبضہ کر کے تعمیر شروع کردی تھی، لیکن پھرتایا وغیرہ سے تنازع ہوا اور مجبور ہوکر والد صاحب نے ان کے ہاتھ فروخت کردی اور اس کی قیمت سے والد صاحب نے دونوں چھوٹے بھائیوں کو کاروبار کرادیا، اس میں سے مجھ کو کچھ نہیں دیا،تو کیا شرعاً یا اخلاقاً مجھے بھی حصہ ملنا چاہیے یا نہیں؟

(۳) ایک مکان والدہ کے نام ہے جس کی قیمت ساڑھے تین لاکھ روپیہ ہوگی ، کیا اس میں میرا حق ہوتا ہے یا نہیں؟

(۴) والدہ کہتی ہیں کہ اگر میرے پاس رہنا ہے تو بیوی کو طلاق دو تو کیا حکم ہے؟

المستفتی: محمد عارف اصالت پورہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) انتقال سے پہلے پہلے مکان باپ کی ملکیت ہے، کسی وارث کا اس میں کوئی حق نہیں ہے، اس لیے شرعاً باپ کی یہ ذمہ داری نہیں کہ وہ مکان اپنی اولاد کے درمیان تقسیم کرے۔(مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۴/ ۴۳۸ ،جدید ڈابھیل ۲۰/ ۲۳۷)

إن حقيقة الملك للوارث تثبت عند موت المورث وقبل الموت تثبت مجرد حق الملك. (البنايه، كتاب الفرائض، اشرفيه ديوبند ۱۳/ ۳۹۴)

قال مشائخ بلخ: الإرث يجرى بعد موت المورث. (الفتاوىٰ التاتارخانية ۲۰/ ۲۱۵، رقم: ۳۳۰۷۸)

(۲) جب آپ کے والد نے ۲۵ ؍گز جگہ آپ کو دیدی اور آپ نے اس پر قبضہ بھی کرلیا تو اس جگہ کے آپ مالک ہوگئے،جب والد صاحب نے آپسی نزاع کی وجہ سے وہ جگہ فروخت کردی تو ان پر لازم تھا کہ اس کی قیمت آپ کو دیتے، والد صاحب کا اس زمین کو فروخت کر کے اس کی قیمت سے چھوٹے بھائیوں کو کاروبار کرانا شرعاً جائز نہیں ہے۔(مستفاد:احسن الفتاویٰ ۷/ ۲۵۴)

عن سمرة رضى الله عنه عن النبى صلى الله عليه وسلم: قال: إذا كانت الهبة لذى رحم محرم لم

یر جع فیها. (مستدرك حاكم، كتاب البيوع، مكتبه نزار مصطفىٰ الباز جديد ٣/٨٧٦، قديم ٢/٦٠، رقم: ٢٣٢٤)

ولايرجع في الهبة من المحارم بالقرابة كالأباء والأمهات وإن علوا، والأولاد وإن سفلوا، وأولاد البنين و أولاد البنات في ذٰلك سواء. (فتاویٰ خانية، فصل في الرجوع في الهبة، زكريا جديد ٣/١٨٨، وعلى هامش الهندية ٣/٢٧٢، شامي زكريا ٨/٥١٢، كراچی ٥/٧٠٤)

(۳) جومکان والدہ کے نام ہے، ان کے انتقال سے پہلے کسی وارث کا اس میں کوئی حق نہیں ہے، ان کے انتقال کے بعد حسب ضابطہ شرعیہ آپ کا بھی اس میں حق ہوگا۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۴/ ۴۴۱، ڈابھیل ۲/ ۲۳۷)

لأن حقيقة الملك للوارث تثبت عند موت المورث وقبل الموت تثبت مجرد حق الملك. (البنايه، كتاب الفرائض، اشرفيه ديوبند ١٣/٣٩٤)

قال مشائخ بلخ: الإرث يجري بعد موت المورث. (الفتاویٰ التاتارخانية ٢٠/٢١٥، رقم: ٣٣٠٧٨)

(۴) بلاوجہ شرعی طلاق دینا کفران نعمت ہے، جواللہ تعالیٰ کو از حد ناپسند اور مبغوض ہے، اگر بیوی میں اخلاقی، معاشرتی کسی قسم کی خرابی نہیں ہے، اور بلاوجہ آپ کی والدہ آپ کو طلاق دینے پر مجبور کررہی ہیں تو ایسی صورت میں آپ پر ان کی اطاعت ضروری نہیں ہے، بلاوجہ بیوی کو طلاق دینا ظلم اور قابل مواخذہ فعل ہے، اس لیے آپ کے لیے اپنی بیوی کو طلاق دینا جائز نہیں ہے، آپ کسی اور طریقے سے اپنی ماں کو خوش کرنے کی کوشش کریں۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۴/ ۱۵، ڈابھیل ۱۹/ ۳۲)

وأما الطلاق فإن الأصل فيه الحظر ...... والإباحة للحاجة إلى الخلاص فإذا كان بلا سبب أصلا لم يكن فيه حاجة إلى الخلاص بل يكون حمقا و سفاهة رأى و مجرد كفران النعمة. (شامي، كتاب الطلاق زكريا ٤/٤٢٨، كراچی ٣/٢٢٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/ رجب المرجب ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۰/ ۷۷۴۹)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۲/ ۷/ ۱۴۲۳ھ

باپ کی وفات کے بعد جائیداد سے اولاد کا حق متعلق ہوتا ہے

سوال [۱۱۴۲۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مکان جو۶۲ رگز کی آراضی میں تین منزل بنا ہوا ہے، میرے نام رجسٹری شدہ ہے، میرے شوہر بھی حیات ہیں، میرے تین لڑکے ہیں جن میں سے دو بڑے لڑکوں کی شادی ہوگئی ہے، اور ابھی چھوٹا لڑکا کنوارا ہے، میری چھ لڑکیاں ہیں ان میں سے ایک شادی شدہ لڑکی کا انتقال ہوگیا ہے، اس کے بچے حیات ہیں، میری باقی پانچوں لڑکیاں بھی شادی شدہ ہیں۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس مکان میں سے ہم دونوں میاں بیوی اور ہمارے لڑکوں اور لڑکیوں کا کتنا کتنا حصہ بنتا ہے، یہ مکان دو منزل تک میرے شوہر نے بنوایا ہے، اور تیسری منزل پر ایک ایک کمرہ ہمارے شادی شدہ دونوں لڑکوں نے بنوایا ہے، ہمارے ان دونوں لڑکوں کا کہنا ہے کہ ہم نے جو اس مکان میں کمرہ وغیرہ بنوانے میں روپیہ خرچ کیا ہے، ہمارے حصوں کے ساتھ ہمیں وہ روپیہ بھی واپس ملنا چاہیے، واضح ہو کہ ہمارے یہ دونوں لڑکے ہمارے اسی مکان میں اپنے بچوں کے ساتھ رہتے ہیں، آپ سے التماس ہے کہ از روئے شرع مطلع فرمائیں کہ اس مکان میں کس کا کتنا حصہ بنتا ہے؟ کیا دونوں بیٹوں کو وہ روپیہ بھی واپس دینا ضروری ہے، جو انہوں نے اس مکان میں کمرہ وغیرہ بنوانے میں لگایا ہے؟

المستفتی: ڈاکٹر عبدالرشید ساکن محلّہ کٹار شہید مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مذکورہ مکان کے مالک آپ تنہا ہیں، آپ کی حیات میں آپ کی اولاد کا وراثت کا مطالبہ درست نہیں ہے، اس لیے کہ اولاد کا حق اس مکان میں آپ کی وفات کے بعد متعلق ہوگا اور اوپر کے دونوں کمرے اگر مذکورہ دونوں بچوں نے باپ کی فیملی میں رہ کر کما کر کے بنائے ہیں تو وہ دونوں کمرے بھی باپ ہی کی ملکیت ہیں، تو ایسی صورت میں بیٹوں کا ان کمروں کی تعمیر میں خرچہ کا الگ سے مطالبہ کرنا درست نہیں ہے،

اور باپ کی زندگی میں پورا مکان تینوں منزلوں کے ساتھ باپ ہی کی ملکیت ہے، اس میں کسی کا حق نہیں ہے، اور زندگی میں باپ سے حصہ مانگنے کا حق کسی بھی اولاد کو نہیں ہے، اور باپ اپنی زندگی میں اپنی ملکیت میں جس طرح چاہے تصرف کرسکتا ہے اور اگر آپ نے اپنے شوہر کو زمین پر تعمیر کی اجازت دی ہے تو اگر چہ زمین آپ کی ہے مگر عمارت شوہر کی شمار ہوگی، لہٰذا اس عمارت میں اولادوں کا حصہ داری کا دعویٰ کرنا درست نہیں ہے۔

قال مشائخ بلخ: الإرث یجری بعد موت المورث. (الفتاویٰ التاتارخانیة ۲۰/۲۱۵، رقم: ۳۳۰۷۸)

وفی الخانیة: زوج ...... بنیه الخمسة فی داره و کلهم فی عیاله واختلفوا فی المتاع فهو للأب وللبنین الثیاب التی علیهم لا غیر. (شامی، مطلب: اجتمعا فی دار واحدة واکتسبا...... زکریا ۶/۵۰۲، کراچی ۴/۳۲۵)

إذا کان الولد فی عیال أبیه ومعینا له یکون جمیع ما تحصل من الکسب لأبیه. (الفتاویٰ الکاملیة ص: ۵۱، بحواله فتاویٰ عثمانی ۳/۵۲)

المالک هو المتصرف فی الأعیان المملوکة کیف شاء من الملک. (بیضاوی شریف رشیدیه ۱/۷، شرح المجلة رستم اتحاد ۱/۵۶۴، رقم المادة: ۱۱۹۲، البنایه اشرفیه دیوبند ۸/۲۱۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۰۹۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۵/۱۳ھ

ترکہ میں بلاثبوت دعویداری کالعدم ہے

سوال [۱۱۴۲۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: دس سال پہلے میں اور میری والدہ مکان کے سلسلے میں بہت پریشان تھیں، لوگوں کی بڑی خوشامد کی تو انہوں نے والدہ صاحبہ کو ایک مکان رہنے کے لیے دیدیا، دیتے وقت انہوں نے والدہ صاحبہ سے کہا کہ تم اکیلی ہو، تمہارے ساتھ کون رہے گا، تو انہوں نے کہا کہ

میری بیٹی چمن رہے گی، لکھت میں میرا نام ہے یا نہیں، اس بارے میں یقین سے ابھی نہیں کہا جا سکتا، کیونکہ کاغذ ہمارے پاس نہیں ہے، جنہوں نے مکان دیا ہے، ان کے پاس ہے، کاغذ ملنے پر پتہ چلے گا، والدہ صاحبہ کے صحن میں میں نے اپنے پیسے سے دو کمرے بنوائے اور میں اس میں رہنے لگی، کچھ دنوں کے بعد میری والدہ صاحبہ نے بہت سے لوگوں سے میری بیٹی کے لیے یہ کہنا شروع کر دیا کہ یہ مکان میرے مرنے کے بعد میری نواسی آبگینہ کا ہے، انتقال سے پندرہ دن پہلے والدہ صاحبہ نے اپنے بڑے داماد سے کہا کہ یہ مکان میں مسجد کے نام کروں گی، پھر ان کا انتقال ہو گیا، انتقال کے چار پانچ روز کے بعد میرے بھانجے داماد نے کہا کہ مرحومہ کہہ کر گئی ہے، کہ سب تمہارا ہے، میری والدہ صاحبہ کے کچھ زیور اور کچھ روپئے موجود ہیں، ایک پوتا اور دو بیٹیاں ہیں، چمن بیگم، پھول بیگم، پھول بیگم کے تین لڑکیاں ہیں، چمن بیگم کے دو لڑکیاں ہیں اور دو لڑکے ہیں، لہٰذا علماء دین اس بارے میں کیا فرماتے ہیں؟

المستفتیه: چمن بیگم رفعت پورہ مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آپ کی والدہ کی طرف منسوب کر کے دعویٰ کرنے والے کئی طرح کے لوگ ہیں، اور کئی قسم کا دعویٰ ہے، اور کسی قسم کے دعویٰ کے لیے شرعی ثبوت نہیں ہے، اور نہ ہی کوئی معتبر دستاویز ہے، اس لیے ان دعویٰ داروں میں سے کسی کو نہیں ملے گا بلکہ شرعی ورثاء کے درمیان حصص شرعی کے طور پر تقسیم ہوگا، اگر دینے والے نے آپ کی والدہ کے ساتھ آپ کا نام بھی کاغذ میں لکھا ہے، اور دونوں کا برابر لکھا ہے، تو نصف آپ کا اور نصف والدہ کے ورثاء کا ہے جس میں آپ بھی شامل ہوں گی، آپ اپنی والدہ کی اولاد کی تعداد اور تفصیل تحریر فرمائیں اس کے بعد تقسیم کا نقشہ پیش کیا جا سکتا ہے۔

إنه متى عرف بثبوت الشيئ من طريق الإحاطة والتيقن فهو على ذٰلك مالم يتيقن بخلافه. (قواعد الفقه اشرفی دیو بند ص:۲۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱ر صفر المظفر ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۹۲۱/۳۶)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۲/۱۲ھ

مرحوم کی ملکیت میں اپنا دعویٰ کرنا

سوال [۱۱۴۲۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے پانچ ایکڑ زمین ترکہ میں چھوڑی، زید کی وفات کے بعد ایک شخص نے دعویٰ کیا کہ یہ میری زمین ہے، لیکن دعویدار کے پاس کوئی سرکاری کاغذات وغیرہ نہیں ہیں، اسی طرح دوسرے شخص نے دعویٰ کیا کہ اس زمین میں دو ایکڑ زمین میری ہے، اس لیے کہ زید نے مجھ سے روپئے قرض لیے تھے، اور کہا تھا کہ میں واپس کردوں گا، ورنہ میری دو ایکڑ زمین لے لینا، اس دعویدار کے پاس بھی کوئی سرکاری کاغذات ثبوت کیلئے نہیں، تیسرے شخص نے کہا کہ میری بھی ایک ایکڑ زمین اس میں ہے، اس کے پاس بھی کوئی ثبوت کیلئے نہیں ہے، زید کے لڑکے نے کہا کہ پوری زمین میرے والد صاحب کی تھی، لہٰذا پوری زمین کا مستحق میں ہوں، زید کی بیماری طویل تھی، زمانۂ مرض میں ہم کو یا کسی بااثر آدمی کو کیوں نہیں بتلایا گیا نیز اب بھی اگر کوئی سرکاری ثبوت پیش کردے تو میں زمین دینے کے لیے تیار ہوں، زید نے جس شخص سے زمین خریدی تھی سرکاری کاغذات ابھی اس کے پاس ہی ہیں، البتہ اس کا کہنا ہے کہ میں نے اپنی زمین زید کو فروخت کی تھی، اور زید کئی سالوں سے وفات تک زمین کو بوتا رہا، اب ایسی صورت میں دعویداروں کو کچھ حصہ ملے گا یا پوری زمین زید کے لڑکے کو ملے گی؟

المستفتی: محمد ناظم الدین اکولہ، ناسک مہاراشٹر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: شریعت میں کسی مرحوم کی ملکیت میں حق ثابت کرنے کے لیے شرعی ثبوت لازم ہے، اور شرعی ثبوت سرکاری کاغذات یا شرعی گواہ کا ہونا لازم ہے اور سوالنامہ میں مذکورہ تینوں مدعیوں میں سے کسی کے پاس بھی ایسا شرعی ثبوت موجود نہیں ہے، اس لیے ان تینوں دعویٰ کرنے والوں میں سے کسی کو بھی اس زمین میں سے کوئی حصہ نہیں ملے گا، اور ساری زمین زید کے لڑکے ہی کی شمار ہوگی۔

وإذا ادعى الرجلان أرضا يعني يدعى كل واحد منهما أنها في يده لم يقض أنها في يد واحد منهما حتى يقيما البينة (إلى قوله) فلا تستحق لأحدهما بغير حجة. (هدايه، قبيل باب دعوى النسب ۳/۲۲٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲ ر جمادی الثانیہ ۱۴۲٦ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۸۸۵۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲٦/٦/۱۲ھ

تمام شرعی ورثاء کو حصۂ وراثت دینا لازم

سوال [۱۱۴۲۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے چودہ بیگہ آراضی چھوڑی، اپنے وارثوں میں تین لڑکے عامر، شاہد، اور راغب چھوڑے، اور ایک لڑکی زاہدہ چھوڑی، لیکن لڑکی زاہدہ کا حصہ زید نے اپنی زندگی میں کچھ چیز یا رقم دے کر ادا کر دیا، باقی رہے، تین لڑکے عامر، شاہد اور راغب یہ چودہ بیگہ زمین کے برابر کے حصہ دار ہوئے، عامر نے جب انتقال کیا تو اپنے وارثوں میں دو بیویاں اور پانچ لڑکے چھوڑے اور دو لڑکیاں چھوڑیں۔ اور شاہد نے تین لڑکے اور دو لڑکیاں چھوڑیں۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ شاہد اور راغب کے لڑکے اس چودہ بیگہ آراضی پر قابض ہیں جو کہ زید نے چھوڑی ہے اور عامر کی اولاد بھی اس زید کے ترکہ کی برابر کی حصہ دار ہے، کیونکہ یہ ان کے ہی باپ اور دادا کا ترکہ ہے، عامر کے لڑکے شاہد اور راغب کے لڑکوں سے اپنے حصے کو علیحدہ کرنا چاہتے ہیں، جو کہ ان شاہد و راغب کی اولادوں کے ساتھ مشترک ہے، جو چاہتے ہیں وہ کرتے ہیں ان کو نہ تصرف دینا چاہتے ہیں، اور نہ زمین کا ماحصل دیانتداری سے دیتے ہیں، اس وجہ سے عامر کے لڑکے فائق وشائق وناظم وطاہر اپنے تیسرے حصے کو جو عند اللہ ان کا ہے، علیحدہ کرنا چاہتے ہیں، لیکن ان دونوں چچاؤں کے لڑکے اس تیسرے حصہ کو تقسیم کر کے نہیں دینا چاہتے، لہٰذا بحوالہ کتب معتبرہ حکم شریعت بتایا جائے کہ تیسرا حصہ جو کہ زید کی متروکہ جائیداد میں فائق وشائق وناظم وطاہر کا ہے اس کو تقسیم کرنا ضروری وواجب

ہے یا نہیں؟ اور نہ تقسیم کرنے کی صورت میں تقسیم نہ کرنے والوں کے لیے حکم شرعی کیا ہے؟

المستفتی: عبدالحفیظ محلّہ کٹکوئی امروہہ مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: عامر کی اولاد کا حق ان کو علیحدہ تقسیم کر کے دیدینا واجب اور لازم ہے، اور اگر دوسرے شرکاء ان کے حقوق تقسیم کر کے ان کو حوالہ نہیں کریں گے تو سخت گنہگار ہوں گے۔

إذا كان كل واحد من الشركاء ينتفع بنصيبه قسم بطلب أحدهم لأن القسمة حق لازم فيما يحتملها عند طلب أحدهم. (هدايه، كتاب القسمة، فصل فيما يقسم ولا يقسم، اشرفی ديوبند ٤/ ٤١٣) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳/ ذی الحجہ ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۲۶۴)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/۱۲/۲۳ھ

جائیداد میں بیٹوں کے درمیان برابری ضروری ہے

سوال [۱۱۴۳۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جب میرے شوہر بیمار ہوئے ۱۹۸۶ء یا ۱۹۸۵ء میں اور ان کی حالت ناساز ہوئی تو انہوں نے میرے بیٹے محمد افضل عرف جلال کو بلوایا اور یہ کہا کہ میری طبیعت خراب ہے، کسی وقت بھی کچھ بھی ہوسکتا ہے، اگر اس درمیان کچھ بھی ہوجاتا ہے اور میں اللہ کو پیارا ہو جاتا ہوں تو میرے بعد جو میرے بچے اور بچیاں ہیں ان کی تم پرورش اور جائیداد وغیرہ کا بٹوارہ کیسے کروگے، کیونکہ یہ بچے چھوٹے ہیں، اور اسکول جاتے ہیں اور کسی روزگار میں شامل نہیں ہیں، میرے بعد جو کچھ بھی ہے شہر سے کرولہ تک ان سب کے تم اور وہ برابر کے مالک ہو یہ میرے شوہر نے کہا تو میرا بیٹا افضل عرف جلال نے یہ کہا کہ یہ معاہدہ مجھے منظور نہیں ہے، اگر برابر سے بانٹنا ہے تو آج ہی اور ابھی بانٹیے تو میرے شوہر نے کہا کہ یہ بچے ہیں روزگار

کیسے چلے گا؟ کاروبار کیسے چلے گا؟ اس کا حل کیا ہے؟ تو میرے بیٹے نے جواب دیا کہ برابر سے بانٹنا ہے، تو آج ہی بانٹو، ابھی میرے جسم کے اندر طاقت اور جان ہے، اور کمانے کی طاقت اور قوت رکھتا ہوں، چونکہ جب آپ کے بچے بڑے ہوں گے اور برابر سے بانٹوں گا تو میں نے کیا کمایا؟ تو میرے شوہر نے کہا: کہ اس کا حل کیا ہے بتاؤ؟ تو میرے بیٹے نے کہا کہ وہ کام کروں گا جو ایک باپ اپنی اولاد کے لیے کرتا ہے، ان کی شادی کروں گا، انہیں مکان دوں گا، رہنے کے لیے، انہیں کاروبار کراؤں گا جو بھائی ساتھ رہے گا اسے ساتھ رکھوں گا، یہ بات میرے بیٹے نے میری موجودگی میں میرے بڑے بھائی محمد سلطان کی موجودگی میں میری نند سروری کی موجودگی میں کہی، کہ یہ ساری ذمہ داری پوری کروں گا، لیکن برابر سے نہیں بانٹوں گا، اس لیے میرے شوہر نے اقرار کیا، راضی اور خوشی سے میرے بیٹے کی اس بات کو، ہم تینوں میں سے ایک اللہ کو پیارا ہو گیا اور میرے بیٹے نے جو وعدہ اپنے باپ سے کیا تھا وہ بخوبی انجام دیا، اور میں اپنے بیٹے سے راضی ہوں اور اس نے یہ کام انجام دے دیا، اب جو جائیداد میرے نام ہے اور میرے شوہر کے نام ہے اس جائیداد میں میرے چھوٹے بیٹے ہیں ان کا کتنا حق بنتا ہے؟ میری اور میرے شوہر کی جو جائیداد ہے اور جس پر میرے بیٹے نے کہا تھا کہ میں برابر کا نہیں دوں گا، کیا اس جائیداد میں میرے چھوٹے بچوں کا حق برابر کا ہے یا نہیں؟

نوٹ: میرے بیٹے محمد افضل عرف جلال نے جو وعدہ میرے شوہر سے کیا تھا وہ میرے ایک بیٹے محمد معظم کے ساتھ پورا نہیں کیا تو اس بیٹے کا کتنا حق بنتا ہے، اس جائیداد میں جو میرے اور میرے شوہر کے نام ہے؟

المستفتیہ: شاہجہاں چاندوالی مسجد گل شہید مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوالنامہ بغور پڑھا گیا اس کا حکم شرعی یہی ہے کہ باپ کی موت کے بعد اس کی تمام جائیداد میں اس کے لڑکے برابر کے حقدار ہوں گے، اور بڑے بیٹے افضل نے جو کہا ہے کہ میں برابر نہیں دوں گا، اور اس کو باپ نے قبول کیا ہے تو اس کو باپ کی طرف سے بڑے بیٹے افضل کو زیادہ دینے کے بارے میں وصیت کے درجہ میں

قرار دیا جا سکتا ہے، اور کسی ایک وارث کو زیادہ دینے اور دوسرے وارث کو کم دینے کی وصیت شریعت میں نافذ نہیں ہوتی؛ اس لیے چھوٹے بیٹے معظم کو بھی بڑے بیٹے افضل کے برابر ملے گا، چھوٹے بیٹے کے حق میں کمی کرنے کا حق کسی کو نہیں۔

اسی طرح جو ماں کے نام کی جائیداد ہے اس میں بھی سب بیٹے برابر کے حقدار ہوں گے، البتہ بیٹیاں ماں باپ کی میراث میں بیٹوں کے آدھے کا حقدار ہوتی ہیں۔

﴿لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ. [النساء: ١١] ﴾

قال الآلوسی فی تفسیرہ: وإیثار اسمی الذکر والأنثیٰ للتنصیص علی استواء الکبار والصغار من الفریقین فی الاستحقاق من غیر دخل للبلوغ والکبر فی ذٰلک أصلا. (روح المعانی، سورہ نساء زکریا ٣/ ٣٣٩)

عن أبی أمامة الباهلی –رضی الله عنه– قال: سمعت رسول الله ﷺ یقول فی خطبته عام حجة الوداع، إن الله تبارک وتعالیٰ قد أعطیٰ کل ذی حق حقه فلا وصیة لوارث. (سنن الترمذی، باب ما جاء لا وصیة لوارث، النسخة الهندیة ٢/ ٣٢ دار السلام رقم: ٢١٢٠، سنن أبی داؤد، الوصایا، باب ماجاء فی الوصیة للوارث، النسخة الهندیة ٢/ ٣٩٦، دار السلام رقم: ٢٨٧٠، سنن ابن ماجه، لاوصیة لوارث، النسخة الهندیة ٢/ ١٩٤ دار السلام رقم: ٢٧١٣، مصنف عبد الرزاق، المجلس العلمی بیروت ٤/ ٣٤٨، رقم: ٧٢٧٧)

الإرث جبری لا یسقط بالإسقاط. (تکملة رد المحتار، مطلب: واقعة الفتاویٰ، کراچی ٧/ ٥٠٥، زکریا ١١/ ٦٧٨)

ولاتجوز لوارثه لقوله علیه السلام إن الله أعطی کل ذی حق حقه ألا لاوصیة للوارث، ولأنه یتأذی البعض بإیثار البعض ففی تجویزہ قطیعة الرحم. (ہدایہ کتاب الوصایا، رشیدیہ ٤/ ٦٤١، اشرفی دیوبند ٤/ ٦٥٧)

لو اجتمع إخوة یعملون فی ترکة أبیهم و نما المال فهو بینهم سویة ولو اختلفوا فی العمل والرائ. (شامی، مطلب اجتمعا فی دار واحدة واکتسبا ...... زکریا ٦/ ٥٠٢، کراچی ٤/ ٣٢٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵ / شوال المکرم ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۱۸۹)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۵/ ۱۰/ ۱۴۳۱ھ

باپ سے ملی ہوئی جائیداد میں بیٹوں کا برابر کا حصہ

سوال [۱۱۴۳۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرے والد صاحب دو بھائی تھے،ایک کا نام طارق دوسرے کا نام عابد تھا، والد سے ملا ہوا ایک مکان گاؤں کے اندر تھا، یہ مکان طارق نے لے لیا اور دوسرے بھائی عابد سے کہا کہ آپ گاؤں کے پڑوس والے کھیت میں مکان بنالو، عابد نے کھیت والی زمین میں مکان بنالیا جو کافی بڑی زمین تھی، اور گاؤں کے اندر والے مکان سے تقریباً چار گنا تھی، مکان بننے کے بعد اچھی خاصی زمین بچ گئی، جس میں دونوں بھائی الگ الگ کھیتی کرتے رہے، پھر چک بندی ہوئی اور چک بندی میں دونوں بھائی طارق اور عابد کے نام درج ہو گئے، لیکن بعد میں آبادی سے متصل ہونے کی وجہ سے اس میں کھیتی کا کام نہیں ہو پا رہا تھا، اور جس کا مکان وہاں تھا اسی کے قبضہ میں رہی۔

تو دریافت یہ کرنا ہے کہ مکان تعمیر ہونے کے بعد باقی ماندہ زمین میں طارق اور عابد دونوں بھائیوں کا شرعاً حصہ ہے یا عابد جس کے قبضہ میں ہے اسی کی زمین رہے گی؟ شرعی حکم واضح فرمادیں۔

المستفتی: عابد خیرآباد سیتاپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: باپ سے ملی ہوئی جائیداد میں طارق اور عابد دونوں بھائیوں کا برابر حصہ ہے، اور محض عابد کے اس زمین پر قبضہ کرنے کی وجہ سے عابد اس زمین کا تنہا مالک نہیں ہے، بلکہ دوسرے بھائی کا بھی اس میں شرعی حصہ ہے، اور دونوں اس زمین کے آدھے آدھے حصے کے مالک ہیں، اور سوالنامہ سے معلوم ہوا کہ چک بندی میں بھی دونوں بھائیوں کے نام درج ہیں؛ اس لیے دونوں بھائی برابر کے شریک ہوں گے۔

أن أعيان المتوفى المتروكة عنه مشتركة بين الورثة على حسب حصصهم. (شرح المجلة رستم اتحاد ۱/ ۶۱۰، رقم المادة: ۱۰۹۲)

فشركة الأملاك العين يرثها رجلان و يشتريانها فلا يجوز لأحدهما

أن يتصرف فی نصيب الآخر إلا بإذنه وكل واحد منهما فی نصيب صاحبه كالأجنبی . (هدايه، كتاب الشركة، اشرفی ديوبند ۲/ ٦٢٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/ جمادی الثانیہ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۱۵۴)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۶/۲۴ھ

جہیز اور زیورات میراث کا بدل نہیں

سوال [۱۱۴۳۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید ایک زمین دار شخص ہے، اس کے لڑکے لڑکیاں بھی ہیں، زید لڑکوں کو تو زمین میں سے حصہ دیتا ہے، مگر لڑکیوں کے بارے میں کہتا ہے کہ میں اس کے حصہ کا جہیز وزیورات دیتا ہوں، کیا اس صورت میں زید لڑکیوں کا حصہ ادا کرنے والا ہوگا اور گناہ سے بری ہوجائے گا؟

المستفتی: محمد ارشد بجنوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جہیز وزیورات لڑکیوں کو دینا صلہ رحمی اور حسن سلوک ہے، اس کی وجہ سے زید کے مرنے کے بعد اس کی میراث جو من جانب اللہ لڑکیوں کا واجبی حق ہے وہ اس سے محروم نہیں ہوں گی، ان کو اپنا حق شرعی ملے گا۔

عن سليمان بن موسیٰ قال: قال رسول الله ﷺ: من قطع ميراثا فرضه الله، قطع الله ميراثه من الجنة. (سنن سعيد بن منصور، باب من قطع ميراثا فرضه الله، دار الكتب العلمية بيروت ۱/ ۹٦، رقم: ۲۸۵-۲۸٦)

عن أنس بن مالك –رضی الله عنه– قال: قال رسول الله ﷺ: من فر من ميراث وارثه، قطع الله ميراثه من الجنة يوم القيامة. (سنن ابن ماجه، باب الحيف فی الوصية، النسخة الهندية ۲/ ۱۹٤، دار السلام رقم: ۲۷۰۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳/ محرم الحرام ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۰۹۳)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۱/۱۳ھ

حفاظت کی غرض سے جائیداد کسی وارث کے نام کرنے سے وہ مالک نہ ہوگا

سوال [۱۱۲۳۴۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: حسن خاں عندالوفات تین لڑکے: قبول خاں، مقبول خاں گورا خاں، ایک بیوی: بکی بی بی کو چھوڑ کر رخصت ہوئے، بعد وفات جس وقت سرکاری بندو بست آیا، قبول خاں بڑے بھائی کے عمر دراز ہونے کی وجہ سے اور دیگر دونوں بھائیوں کے چھوٹے ہونے کی وجہ سے زمین و جائیداد کا پٹہ قبول خاں کے نام ہوگیا، تینوں بھائی اور ان کی والدہ ایک ساتھ زندگی گذارتے رہے، بعدہٗ قبول خاں عندالوفات اپنے لڑکے تجمل خاں اور والدہ بکی بی بی اور دونوں بھائی مقبول خاں، گورا خاں کو چھوڑ کر رخصت ہوئے، مذکورہ زمین و جائیداد میں جو بنام قبول خاں تھی اس کو تجمل خاں اور ان کے دونوں چچا مقبول خاں، گورا خاں برابر سرابر عمل دخل کرتے رہے، اور آپس میں بنٹن پتر بھی کر لیے اور بکی بی بی کی پرورش بھی کرتے رہے، اسی دوران جب سرکاری چک بندی آئی تو تجمل خاں حسب تقسیم مذکورہ بالا یعنی اپنے دونوں چچاؤں کے نام منظوری دینے گئے، لیکن کچھ لوگوں کے یہ کہنے پر کہ تیرے باپ کے نام پر زمین جائیداد ہے، اس لیے تو اس کا حقدار ہے، اب وہ یکسر مکر گئے، اور دونوں چچاؤں کا نام کٹوا کر اپنا نام درج کروا لیا، اور ساری زمین جائیداد پر عمل دخل کرنے کے لیے کوٹ میں مقدمہ دائر کر چکے ہیں۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ قبول خاں کے بڑے بھائی ہونے کے ناطے حسن خاں کی زمین ان کے نام ہوگئی، اور ایسے معاملے ہمارے علاقہ میں کئی ایک ہوئے بھی ہیں اب کیا قبول خاں شرعاً اپنے باپ حسن خاں کی پوری زمین کے مالک ہو سکتے ہیں؟ اور کیا دونوں بھائیوں مقبول خاں، گورا خاں اور والدہ بکی بی بی یہ تینوں حسن خاں کی زمین سے محروم ہو سکتے ہیں؟ اور اگر زمین و جائیداد کے حصہ سے محروم نہیں ہو سکتے تو پھر قبول خاں کے لڑکے تجمل خاں کا باوجود بنٹن پتر اور چچاؤں کے عمل دخل کو مانتے ہوئے ان کو محروم کرنے کے لیے مقدمہ دائر کرنا کیسا ہے؟

المستفتی: عبدالحنان کٹک اڑیسہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کسی مصلحت اور جائیداد کی حفاظت کی غرض سے کسی وارث کے نام کر دینے کی وجہ سے وہ وارث پوری جائیداد کا تنہا وارث اور مالک نہیں بن سکتا، بلکہ اس میں سب کا حق بدستور باقی رہتا ہے، مذکورہ مسئلہ کے حالات سے صاف واضح ہے کہ خود تجمل خاں بھی ایک زمانہ تک اپنے آپ کو تنہا مالک نہیں سمجھتا تھا، لہٰذا تجمل کے لیے اپنے چچاؤں کا حق روک لینا اور مزید مقدمات قائم کرنا شرعاً جائز نہیں ہے، محض اپنا نام درج کر دینے کی وجہ سے وہ جائیداد کا حقیقی مالک نہیں ہوا، چچاؤں کا حق چچاؤں کو دیدینا لازم ہوگا۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۳/ ۳۱)

بیع التلجئة ویأتی متنافی الإقرار وهو أن یظهر عقدا وهما لایریدانه یلجأ إلیه لخوف عدو وهو لیس ببیع فی الحقیقة. (شامی، باب الصرف، مطلب: فی بیع التلجئة زکریا ۷/ ۵٤۲، کراچی ۵/ ۲۷۳، بدائع الصنائع زکریا ٤/ ۳۸۹، کراچی ۵/ ۱۷٦، المبسوط، دار الکتب العلمیة بیروت ۲٤/ ۱۲۲) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ صفر المظفر ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۲۲۴)

بیوہ عورت کا اپنا مکان بیچ کر زندگی گزارنا

سوال [۱۱۴۳۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مشکوٰۃ جہاں بیوہ راحت علی مرحوم کے پاس ایک مکان ہے، بیوہ کے کوئی اولاد نہیں ہے، بیوہ اپنے مکان کو فروخت کر کے اس کے پیسے سے اپنی زندگی گذارنا چاہتی ہے اور اپنی زندگی میں اس کو فروخت کر دینا چاہتی ہے، تاکہ مرنے کے بعد خاندانی جھگڑے پیدا نہ ہوں، کیا ان کی زندگی میں وارثین حقدار رہوں گے یا نہیں؟

بیوہ کے رشتہ داروں میں ایک بھائی ایک بہن حیات ہیں، جن کی اولادیں بھی ہیں، ایک

بھائی کا انتقال ہو چکا ہے، ان کی بیوہ، ایک لڑکا اور دو لڑکیاں ہیں، جن کی شادیاں ہوچکی ہیں، تین بہنوں کا انتقال ہو چکا ہے، جن کی اولادیں زندہ ہیں، اور سب کی شادیاں ہوچکی ہیں؟

المستفتی: ظفر علی محلّہ پنجابیان رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مشکوٰۃ جہاں جب تک زندہ ہے، اپنے مکان کی خود مالک ہے اس کی زندگی میں اس کا کوئی رشتہ دار وارث نہیں بن سکتا، وہ اپنی زندگی میں جیسے چاہے تصرف کرسکتی ہے، اس میں کسی کو دخل دینے کا حق نہیں، چاہے بیچ کر کے کارِ خیر میں پیسہ خرچ کرے یا اپنی ذات پر خرچ کرے۔

قال مشائخ بلخ: الإرث یجری بعد موت المورث. (الفتاویٰ التاتارخانیة ۲۰/ ۲۱۵، رقم: ۳۳۰۷۸)

المالک هو المتصرف فی الأعیان المملوکة کیف شاء من الملک. (بیضاوی شریف رشیدیه ۱/ ۷)

کل یتصرف فی ملکه کیف شاء. (شرح المجلة رستم اتحاد ۱/ ٦٥٤، رقم المادة: ۱۱۹۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/ ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۳۰۶)

والدہ نے مکان چار لڑکوں کے ہاتھ فروخت کردیا تو دیگر ورثاء کا اس میں حق نہیں

سوال [۱۱۴۳۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: حکیم صاحب مرحوم کی آٹھ اولادیں ہیں، دو لڑکیاں، چھ لڑکے، دو لڑکیوں اور دو بڑے لڑکوں کی شادی حکیم صاحب نے اپنی بذات خود کمائی سے اپنی حیات میں ہی کردی تھی، شادی کے بعد وہ دونوں بڑے لڑکے حکیم صاحب سے الگ ہو گئے اور حکیم صاحب سے الگ

ہونے کے بعد جوان دونوں شادی شدہ لڑکوں نے کمایا وہ صرف اپنی ذات خاص پرخرچ کیا، حکیم صاحب نے ان دونوں شادی شدہ لڑکوں کی کمائی سے کوئی واسطہ نہیں رکھا، حکیم صاحب سے ان دونوں شادی شدہ لڑکوں کی جتنی مدد ہوسکی یہ مدد کرتے رہے، ان چاروں شادی شدہ اولادوں کی شادی کے تقریباً آٹھ برس کے بعد حکیم صاحب نے ایک اور زمین خریدی، اور اس زمین کو اپنے چار چھوٹے لڑکوں کے نام کردیا، جس وقت یہ زمین خریدی اس برس چار چھوٹے لڑکوں میں سے صرف ایک ہی لڑکا بالغ تھا، اور باقی اس کے نابالغ لڑکے تھے، زمین خریدنے کے کچھ عرصہ بعد حکیم صاحب نے اس مکان کو تعمیر کرنے کے لیے سوچا اور ایک نقشہ ان چاروں لڑکوں کے نام سے بنوایا جن چار لڑکوں کے نام پر زمین تھی، اور مکان تعمیر کرانا شروع کردیا، مکان کی تعمیر ہوگئی، لیکن پیسوں کی کمی کی وجہ سے یہ مکان نامکمل رہ گیا۔

چونکہ اس مکان کا پلاسٹر فرش، کواڑ وغیرہ مکمل نہ ہوسکے، بعد میں اس نامکمل مکان کو حکیم صاحب کے ایک لڑکے نے جس کا نام اس مکان کے بیع نامہ میں لکھا ہوا ہے، اپنی کمائی سے مکمل کرادیا، مکان مکمل ہونے کے بعد حکیم صاحب نے ایک اور لڑکا جو بالغ تھا، شادی کردی، اور اس کے کچھ عرصہ کے بعد حکیم صاحب انتقال فرما گئے، لیکن حکیم صاحب اپنے تین لڑکوں کی شادی اپنی حیات میں نہ کرسکے، اور وہ تینوں لڑکے آج بھی غیر شادی شدہ ہیں، اور انہیں میں وہ لڑکا بھی ابھی غیر شادی شدہ ہے جس نے اس نامکمل مکان کو اپنی مزدوری کی کمائی سے مکمل کرادیا تھا، لہٰذا علماء دین سے گذارش ہے کہ وہ مذکورہ امور کی تمام باتوں کو دھیان میں رکھتے ہوئے اس مسئلہ کا تفصیل سے جواب لکھیں، کہ ان دو مکان اور ایک زمین کے علاوہ مکان میں باقی وہ اولادیں بھی حقدار ہیں جن کا اس مکان کے بیع نامہ میں کوئی نام نہیں لکھا ہوا ہے، یا صرف وہ چار لڑکے ہی ان میں حقدار ہیں جن کے نام یہ مکان، زمین حکیم صاحب نے اپنی حیات میں اپنی خوشی سے بغیر کسی کے بہکائے ہوئے کردی تھی؟

المستفتی: سلیم احمد کچا باغ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بیع نامہ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حکیم

صاحب مرحوم نے مذکورہ مکان، مذکورہ چاروں لڑکوں کے نام کسی مصلحت وغیرہ کے پیش نظر نہیں کیا ہے، بلکہ انہیں کے بدست قیمت دلا کر انہیں کو اس کا مالک بنانا مقصود ہے، اس لیے مذکورہ مکان کے حقدار یہی چاروں لڑکے ہوں گے، اس میں دوسرے ورثاء کا کوئی حق نہیں ہوگا۔(مستفاد: امداد الفتاویٰ ۳/ ۳۷) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍ ربیع الثانی ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۵۶۷)

باپ بیٹے نے مل کر جس مکان کو چھڑایا ہو اس میں لڑکیاں حقدار ہیں یا نہیں؟

سوال [۱۱۴۳۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک مکان نایاب بیگم زوجہ حبیب الرحمٰن نے اپنا ۱۹۶۳ء میں رہن رکھا، ۵۰۰؍ روپیہ میں پانچ سال کے لیے، پھر بیماری کی وجہ سے نایاب بیگم کا ۱۹۶۳ء میں انتقال ہوگیا، اس کے بعد حبیب الرحمٰن نے اپنی اور اپنے بچوں کی مزدوری سے رہن رکھا ہوا مکان واپس کرلیا، ۱۹۶۷ء میں جبکہ حبیب الرحمٰن کے ۴؍ لڑکے ۲؍ لڑکیاں ہیں، سب بچوں کی شادی ہو چکی ہے، اب لڑکوں کا کہنا ہے کہ اس مکان میں لڑکیوں کا کوئی حصہ نہیں ہے، نہ قانوناً نہ شرعاً، مکان کی آراضی ۱۰۴؍ گز ہے، لہٰذا آپ بتائیے کہ شرعاً ہر ایک کا کس قدر حق ہوگا؟

المستفتی: محمد فاروق

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب باپ بیٹے نے مل کر رہن چھڑوایا ہے اور بیٹے اس وقت باپ کی فیملی میں تھے تو اس وقت کی حاصل شدہ تمام جائیداد کا مالک باپ ہی ہوگیا، لہٰذا مذکورہ مکان بھی شرعاً باپ ہی کی ملکیت سے چھڑایا گیا ہے، اس لیے باپ کے تمام ورثاء لڑکے لڑکیاں سب حقدار ہوں گے، کل ۸؍ سہام میں تقسیم ہو کر لڑکوں کو دو، دو اور لڑکیوں کو ایک ایک حصہ ملے گا۔

الأب و ابنه يكتسبان في صنعة واحدة ولم يكن لهما شيئ فالكسب كله للأب إن كان الابن في عياله لكونه معينا له. (شامی، الشركة، مطلب: اجتمعا في دار واحدة واكتسبا …… زكريا ٦/ ٥٠٢، كراچی ٤/ ٤٢٥، هنديه زكريا جديد ٢/ ٣٣٢، قديم ٢/ ٣٢٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶ ربیع الثانی ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۴۳۰)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۶/ ۴/ ۱۴۱۶ھ

جن لڑکوں نے باپ سے قرض لے کر مکان بنایا اس میں دیگر ورثاء کا حق نہیں

سوال [۱۱۴۳۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ باپ کے کاروبار سے ایک بیٹے نے ۵۰/ ہزار روپئے لے کر ایک مکان خریدا اور وہ ۵۰/ ہزار روپئے کچھ عرصہ میں تھوڑے تھوڑے کر کے ماں باپ کو واپس کر دیئے، اسی طرح چھوٹے بیٹے نے باپ کے کاروبار سے ۵۰/ ہزار روپئے کے قریب لے کر ایک مکان خریدا اور کچھ عرصہ میں ماں باپ کو وہ روپئے واپس کر دیئے، کیا ان دونوں مکانوں میں ماں باپ کے دوسرے ورثاء حقدار ہوں گے؟

اور ماں باپ کے وارثین میں ۴/ لڑکے اور ۲/ لڑکیاں ہیں اور یہ دونوں مکان ان دونوں لڑکوں کی اپنی ملکیت ہے، لہٰذا ماں باپ کا ترکہ ۴/ لڑکوں اور ۲/ لڑکیوں کے درمیان کس طرح تقسیم ہوگا؟ واضح فرمائیں۔

المستفتی: عبد الرحمٰن محلّہ پیر غیب مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوالنامہ سے پتہ چلتا ہے کہ مذکورہ دونوں بیٹوں نے باپ سے ۵۰/ ۵۰/ ہزار روپئے بطور قرض لیے ہیں اور بطور قرض لے کر اپنے اپنے ناموں سے مکان خرید لیے اور بعد میں باپ کو ۵۰/ ۵۰/ ہزار روپئے لیا ہوا قرض ادا کر دیا ہے

تو ایسی صورت میں یہ دونوں مکان خریدنے والے لڑکوں کی ملکیت شمار ہوں گے، اور باپ کے کسی دیگر وارث کا حق ان دونوں مکانات میں متعلق نہیں ہوگا۔

اعلم أن أسباب الملک ثلاثة: ناقل کبیع وهبة وخلافة کإرث و إصالة وهو الاستيلاء حقيقة بوضع اليد أو حكما بالتهيئة كنصب شبكة الصيد. (در مختار مع الشامی، کتاب الصید زکریا ۱۰/۴۷، کراچی ۶/۴۶۳)

لأن منفعة النفل تخصه و منفعة الكسب له. (مجمع الأنهر، کتاب الکراهية، فصل فی الکسبط دار الکتب العلمية بيروت ۴/۱۸۵، مصری قديم ۲/۵۲۸، الموسوعة الفقهية الكويتية ۱۲/۱۵۲، ۳۳/۱۰۶)

إن القرض تبرع ألا يرىٰ أنه لايقابله عوض للحال. (بدائع الصنائع، فصل فی شرائط رکن القرض، کراچی ۷/۳۹۴، زکریا ۶/۵۱۹)

المالک هو المتصرف كيف شاء. (بيضاوی شريف، مكتبه رشيديه ۱/۷)

المراد من التركة ما تركه الميت خاليا عن تعلق حق الغير. (البحر الرائق، کتاب الفرائض، زکریا ۹/ ۳۶۵، کوئٹہ ۸/۴۸۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶؍شعبان المعظم ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۱۶۲۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۸/۶ھ

قرض لے کر دوکان کھولنے والے کا انتقال ہوجائے تو دوکان کس کو ملے گی؟

سوال [۱۱۴۳۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسماۃ ریحانہ پروین کا نکاح ابو الکلام عرف منے ولد قدرت اللہ صاحب سے ہوا، قدرت اللہ صاحب نے بہو مسماۃ ریحانہ پروین کو زیور چڑھایا، اور ریحانہ پروین کے والد نے بھی زیور چڑھائے، ریحانہ پروین اور ابو الکلام عرف منے ولد قدرت اللہ کے تعلقات باہم آخر تک باقی رہے۔

لیکن قدرت اللہ صاحب اپنی بہو سے ناراض ہو گئے اور اپنا چڑھایا ہوا زیور واپس لے لیا، اب ریحانہ پروین کے پاس صرف اپنے والد کا زیور باقی ہے۔

درمیان میں ابوالکلام عرف منے نے اپنی بیوی ریحانہ پروین سے ان کا زیور بطور قرض لے کر دوکان کی اور اسی کے ساتھ ریحانہ پروین کے پدر بزرگوار جناب محمد اسلام صاحب نے اپنے داماد ابو الکلام صاحب کو ۵۵؍ ہزار روپئے بطور قرض دوکان کرنے کے لیے دیئے، ابو الکلام صاحب کا انتقال ہو چکا ہے، مرنے سے قبل انہوں نے اس کا اقرار کیا کہ یہ دوکان میری بیوی کی ہے، اسی کے حوالے کر دی جائے، اس لیے کہ اس میں سب روپئے اسی کے لگے ہیں۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ دوکان کا مالک کون ہوگا؟ بیوی یا دوسرے حضرات؟ ابوالکلام کے والد قدرت اللہ، بہن گلزار بیگم، عشرت بیگم، ریموری بیگم، زینت بیگم، گلنا بیگم، اور نانا چچا کی اولاد بھی ہیں؟

المستفتی: محمد اسلم محمد اکرم، اصالت پورہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مذکورہ میں دوکان میں سے ۵۵۰۰؍ ہزار روپیہ کی مالیت ابو الکلام کے خسر ریحانہ کے والد جناب محمد اسلم صاحب کو ملے گی، اور مابقیہ بیوی ریحانہ کو ملے گی، دوسروں کا کوئی حق نہیں ہوگا۔

أو کان الکل دین المرض وهو ما کان ثابتا بإقراره في مرضه فإنه یصرف الباقي إلیهم علی حسب مقادیر دیونهم. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۳/ ۱۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍ شوال المکرّم ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۳۰/۲۴)

کیا باپ کی زندگی میں ذاتی محنت سے خریدی گئی جائیداد میں دوسرے ورثاء شریک ہیں؟

سوال [۱۱۴۳۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: (۱) مثلاً زید دو بھائی اور چار بہنیں ہیں، سبھی صاحب اولاد ہیں، زید کی دو بہنوں کا انتقال والد کی موجودگی میں ہی ہو چکا ہے، کیا ان دو بہنوں کا حق والد کی جائیداد میں یا ان کی اولاد کا حق نانا کی جائیداد میں پہنچے گا یا نہیں؟

(۲) زید نے والد کی موجودگی میں اپنی محنت کی کمائی سے کچھ جائیداد اپنے نام سے خریدی ہے، کیا اس میں بھی دوسرے بھائی اور بہنوں کا حق ہوگا یا نہیں؟

(۳) اب والد کا انتقال ہوگیا ہے، دو بھائی اور دو بہن موجود ہیں، والد کی جائیداد میں اور موجودہ رقم جو چھوڑ گئے ہیں اس میں بھائیوں کو کتنا اور بہنوں کو کتنا کتنا ملے گا؟ قرآن و حدیث کی روشنی میں مفصل جواب سے نوازیں۔ عین کرم ہوگا۔

نوٹ: واضح رہے کہ مرحوم کی بیوی کا انتقال بھی مرحوم سے پہلے ہو چکا تھا۔

المستفتی: محمد جمیل، گلشہید نزد چاندوالی مسجد مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) زید کی جن دو بہنوں کا باپ کی حیات میں انتقال ہوا ہے، باپ کے انتقال کے بعد متروکہ جائیداد میں ان کا کوئی حق نہیں ہے، اسی طرح زید کے بھائی بہن کی موجودگی میں بہن کی اولاد یعنی بھانجوں وغیرہ کا نانا کی جائیداد میں کوئی حق نہیں ہے۔

وشروطه ثلاثة: موت مورث حقيقة أو حكما كمفقود أو تقديراً كجنين فيه غرة ووجود وارثه عند موته حيا و حقيقة أو تقديرا. (شامی، کتاب الفرائض، زکریا ۱۰/ ٤٩١، کراچی ٦/ ٧٥٨)

(۲) حسب تحریر سوال زید نے والد کی حیات میں اپنی ذاتی محنت سے جو جائیداد خریدی ہے، شرعاً اس میں کسی دوسرے کا کوئی حق نہیں ہے۔

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله عليه: أقول سئل في ابن كبير ذي زوجة و عيال، له كسب مستقل حصل بسببه أموالا مات: هل هي لوالده خاصة، أم تقسم بين ورثته؟ أجاب هي للإبن تقسم بين ورثته. (تنقیح الفتاویٰ

الحامدیة ۲/ ۱۷، بحواله محموديه ڈابھیل ۲۰/ ٤١١)

(۳) بتقدیر صحت سوال وعدم موانع ارث و بعد ادائے حقوق ماتقدم مرحوم کی جائیداد وارثین کے درمیان درج ذیل نقشہ کے مطابق تقسیم ہوگی:

مرحوم میــــــــــــــــــــــــــت ۶

لڑکا	لڑکا	لڑکی	لڑکی
۲	۲	۱	۱

مرحوم کے ترکہ میں سے ہر وارث کو اتنا اتنا ملے گا جو اس کے نیچے درج ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴ رجب المرجب ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۱۵۱)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۴/ ۷/ ۱۴۳۱ھ

موروثہ جائیداد وارث کا حق ہے، دیگر لوگوں کو اس میں دباؤ کا حق نہیں

سوال [۱۱۴۴۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کی زندگی میں اس کی ایک شادی شدہ لڑکی کا انتقال ہوگیا، مرنے والی نے کچھ اولاد چھوڑی، پھر زید کا انتقال ہوا، زید نے مرتے وقت تین لڑکیاں، دو بھائی، ایک بہن چھوڑی، زید کے بھائی نے زید کی تینوں لڑکیوں اور چوتھی لڑکی کی اولاد کو اپنے حساب سے اس شرط پر موروثہ جائیداد پر قبضہ دیا کہ تم چاروں متوفی کے محلّہ کی مسجد کو دس دس ہزار روپیہ دوگی، چنانچہ شرط کے مطابق دو لڑکیوں اور تیسری کی اولاد نے جمع کردیا، مگر تیسری لڑکی کہتی ہے، میں چچا کے پاس جمع نہیں کروں گی، بلکہ اپنی مرضی سے صرف کروں گی، اور جس مسجد کو چاہوں گی دوں گی، بالآخر اس لڑکی نے ایک اجنبی آدمی کے پاس دس ہزار روپیہ جمع کردیا، اور کہا کہ فتویٰ منگا لیا جائے، فتویٰ جیسے کہے ویسے کرلیا جائے، نیز یہ بھی ملحوظ رہے کہ جو روپیہ مسجد کے نام سے جمع ہوا ہے اس کے سلسلے میں پنچایت میں دو فریق ہوگئے، ایک کہتا ہے کہ

بستی کی تمام مساجد کو دیا جائے، دوسرا کہتا ہے کہ صرف متوفی کے محلّہ کی مسجد کو دیا جائے، مندرجہ ذیل چند امور جواب طلب ہیں:

(۱) زید کی وراثت کس طرح تقسیم کی جائے؟

(۲) جمع شدہ چالیس ہزار روپیہ کو متوفی کے بہن بھائی تقسیم کرنے کا حق رکھتے ہیں؟

(۳) چچا کا یہ شرط لگانا کہ ہم موروثہ جائیداد پر لڑکیوں کا قبضہ اس وقت کرائیں گے جبکہ دس دس ہزار روپیہ مسجد کو دیں، اس شرط کی شرعاً کیا حیثیت ہے؟

(۴) کیا جمع شدہ تمام روپیہ متوفی کے محلّہ کو دیا جائے یا بستی کی جملہ مساجد پر تقسیم کر دیا جائے؟

المستفتی: مولانا ابوسعد دونکپوری ٹانڈہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) بشرط صحت سوال وبعد ادائے حقوق متقدمہ علی الارث وعدم موانع ارث زید کا ترکہ درج ذیل نقشہ کے مطابق تقسیم ہوگا:

$\frac{۴۵}{۳}$

زید میت

لڑکی	لڑکی	لڑکی	بھائی	بھائی	بہن	متوفی لڑکی کی اولاد
	(۲)		(۱)			
۱۰	۱۰	۱۰	۶	۶	۳	محروم

زید کا کل ترکہ ۴۵ رحصوں میں تقسیم ہوکر ہر وارث کو اتنا ملے گا جو اس کے نیچے درج ہے، اور متوفیٰ لڑکی کی اولاد اس لیے محروم ہے کیونکہ اس کا انتقال زید کی زندگی میں ہوگیا تھا۔

(۲) جمع شدہ چالیس ہزار روپیہ زید کے بھائی بہن تقسیم کرنے کا حق نہیں رکھتے، اس لیے کہ یہ روپیہ زید کی لڑکیوں کی ملک ہے۔

عن أبی حرۃ الرقاشی عن عمه أن رسول الله ﷺ قال: ألا! لا یحل مال امرئ إلا بطیب نفسٍ منه. (شعب الإیمان للبیهقی، دار الکتب العلمیة بیروت ۳۸۷/٤، رقم: ٥٤٩٢، السنن الکبریٰ للبیهقی دار الفکر بیروت ٥٠٦/٨، رقم: ١١٧٤٠)

ولهذا لايجوز لأحد أن يتصرف في ملك الغير بغير إذنه. (قواعد الفقه اشرفی ص: ۱۱۰)

(۳) چچا کا یہ شرط لگانا کہ ہم موروثہ جائیداد پر قبضہ اس وقت کرائیں گے جبکہ دس دس ہزار روپئے مسجد میں دیں، یہ شرط باطل ہے، اس کی شرعاً کوئی حیثیت نہیں، بلکہ لڑکیوں کو اختیار ہے، کہ وہ جہاں چاہیں جس طرح چاہیں، صرف کریں، کسی کو مشورہ اور دباؤ کا حق نہیں اور جمع شدہ تمام روپیہ مالکوں کو واپس کردینا لازم ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۶/ ۲۱۸، ڈابھیل ۱۵/ ۱۵۷)

ولهذا لايجوز لأحد أن يتصرف في ملك الغير بغير إذنه. (قواعد الفقه اشرفی ص: ۱۱۰)

المالك للشيئ هو الذي يتصرف فيه باختياره و مشيئته. (بدائع الصنائع، النكاح، فصل في بيان ما يبطل به الخيار، زكريا ۲/ ۶۳۸، كراچی ۲/ ۳۲۷)

الملك ما من شانه أن يتصرف فيه بوصف الاختصاص. (شامی مطلب: في تعريف المال، زكريا ۷/ ۲۳۵، كراچی ۵/ ۵۰، الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۹/۱٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸؍ ربیع الاول ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۰۸۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۳/۲۸ھ

داماد کے علاج میں خرچ کی ہوئی رقم کا مطالبہ ترکہ سے کرنا

سوال [۱۱۴۴۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ محمد بلال ولد عبد المتین ساکن محلّہ بھٹی مراد آباد عمر تقریباً ۳۰؍ سال کا مؤرخہ: ۱۰؍ نومبر ۲۰۰۶ء کو ایک سال کی بیماری کے بعد انتقال ہوگیا، بلال میرے خالہ زاد بھائی تھے، بچپن سے اب تک میں بلال کی والدہ جو کہ میری حقیقی خالہ ہیں کے ساتھ رہتا چلا آرہا ہوں، بلال

میرے ساتھ کاروبار میں شریک تھے، شادی سے قبل ایک ساتھ رہتے تھے، جب وہ شیر خوار تھے، تو بلال کے والد نے ان کی والدہ کو طلاق دیدی تھی، بلال کا کوئی سگا بھائی یا سگی بہن نہیں ہے، والدہ، والد حیات ہیں، والد نے طلاق کے بعد سے طلاق نامہ کے مطابق کسی بھی مطالبہ کی آج تک کوئی ادائیگی نہیں کی، اور نہ ہی بچہ کی پرورش کی اور نہ ہی دورانِ زندگی بلال سے کوئی رابطہ قائم کیا، البتہ بعد انتقال شکل ضرور دیکھی، بلال کی والدہ حیات ہیں، بیوی بھی حیات ہے، اور عدت میں ہے، لیکن اولاد کوئی نہیں ہے۔

(۱) مرحوم پر اس کے سسر نے بیماری کے دوران کچھ پیسہ اس کے علاج میں خرچ کیا تھا کیا وہ پیسہ قرض مانا جائے گا یا نہیں؟

(۲) بیوی کو دورانِ زندگی مہر کی ادائیگی نہیں کی گئی تھی، پہلے قرضہ کی ادائیگی ضروری ہے، یا مہر کی؟

(۳) اگر کچھ میراث بچتی ہے تو والد کا حق کتنی فیصدی اور بیوی کا حق کتنی فیصدی نکلتا ہے؟

(۴) بلال کے والد نے پیدائش سے انتقال تک اس پر کوئی پیسہ خرچ نہیں کیا اور نہ کوئی رابطہ رکھا، ایسے حالات میں کیا مرحوم کی میراث میں سے اس کے والد کا کوئی حق نکلتا ہے؟ اگر نکلتا ہے تو کتنی فیصدی؟

المستفتی: ہمایوں قمر ولد محمد کفیل محلّہ بھٹی مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: (۱) اگر خسر نے بیماری کے موقع پر علاج میں جو خرچ کیا ہے اس کے بارے میں اس بات کی وضاحت نہیں کی ہے کہ یہ بطور قرض کے خرچ کیا جارہا ہے، تو یہ خرچ تبرع اور ہدیہ شمار ہوگا، قرضہ نہیں مانا جائے گا۔

هي تمليك العين مجانا أي بلا عوض. (شامي، كتاب الهبة، زكريا ٨/٤٨٨، كراچی ٥/٦٨٧)

(۲) اگر خسر کے علاج والا پیسہ تبرع اور ہدیہ میں شمار ہو جائے تو وہ قرض ہی شمار نہیں ہے، اس لیے بیوی کا مہر جو کہ قرض ہے اس کی ادائیگی بہر حال لازم رہے گی۔

إن المهر قد وجب بالعقد وصار دينا في ذمته. (بدائع، باب المهر، زكريا ٢/ ٥٨٤، كراچی ٢/ ٢٩١)

(۳-۴) چاہے بلال کے والد نے بلال پر کچھ بھی خرچ نہ کیا ہو شرعی طور پر پھر بھی بلال کے والد بلال کے شرعی وارث شمار ہوں گے، کل ترکہ چار سہام میں تقسیم ہوکر بلال کی بیوی کو مہر کے علاوہ ایک اور بلال کی ماں کو ایک اور بلال کے باپ کو دو ملیں گے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ رشوال المکرّم ۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۱۳۶)

مرحوم کے ترکہ سے شادی کا خرچہ الگ سے نہیں ملے گا

سوال [۱۱۴۴۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے تمام بچوں کی شادی کردی ہے، ایک لڑکا غیر شادی شدہ ہے، اس کی شادی زید کے ترکہ سے کی جائے گی یا وہ اپنی کمائی سے کرے گا؟

المستفتی: اہلیہ شعیب رشید اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: غیر شادی شدہ لڑکے کو شادی کا خرچہ ترکہ میں سے الگ سے نہیں ملے گا، بلکہ اس کو دیگر لڑکوں کی طرح حصۂ شرعی ملے گا، ہاں البتہ اس کی شادی کے وقت میں اس کے دوسرے بھائیوں کا اخلاقی فریضہ ہے، کہ اس کی شادی میں اپنی جیب خاص سے خرچ کرنے میں بھرپور حصہ لیں۔

أن أعيان المتوفى المتروكة عنه مشتركة بين الورثة على حسب حصصهم. (شرح المجلة رستم اتحاد ١/ ٦١٠، رقم المادة: ١٠٩٢)

ولايجوز لأحدهما أن يتصرف في نصيب الآخر إلا بأمره وكل واحد منهما كالأجنبي في نصيب صاحبه. (فتاویٰ عالمگیریه، كتاب الشركة،

الباب الأول زكريا جديد ٢/ ٣١١، قديم ٢/ ٣٠١، هدايه اشرفى ٢/ ٦٢٤)

تتعلق بتركة الميت حقوق أربعة مرتبة (إلى قوله) ثم يقسم الباقي بين ورثته بالكتاب والسنة وإجماع الأمة. (السراجي في الميراث ص:۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍ شعبان المعظم ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۲۲۸)

بھائی کا اپنی لڑکیوں کے نام بیع نامہ رجسٹری کرانا

سوال [۱۱۴۴۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: پیر بخش کے چار لڑکے تھے، پیر بخش نے اپنے چاروں لڑکوں کو اپنی زندگی میں حصہ دے کر جائیداد تقسیم کر دی تھی، پھر پیر بخش کے بڑے لڑکے کلوا جن کے صرف تین لڑکیاں ہیں، انہوں نے اپنی زندگی میں اپنی جائیداد اپنی تینوں لڑکیوں کے نام بیع نامہ رجسٹری کرادیا، پھر ان کا انتقال ہو گیا، تو دریافت یہ کرنا ہے کہ اس میں بڑے لڑکے کے بھائی یا بھتیجوں کا کچھ حق ہے یا نہیں؟ شرعی حکم تحریر فرمادیں؟

المستفتی: محمد صدیق، کوری روانہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بڑے لڑکے کلوا کو اپنی زندگی میں اپنی جائیداد اور ملکیت کے بارے میں ہر طرح کا اختیار رہا ہے، اور شریعت نے اس کو اختیار دیا ہے کہ اپنی جائیداد اپنی زندگی میں فروخت کر دے، یا کسی کو دیدے یا اپنے پاس رکھے، جب اس نے اپنی زندگی میں تینوں لڑکیوں کے نام بیع نامہ رجسٹری کر دیا تھا، تو وہ جائیداد ان لڑکیوں کی ملکیت بن گئی اس جائیداد میں اب کلوا کے کسی وارث کا حق متعلق نہیں رہا، لہٰذا کلوا کے مرنے کے بعد اس کے بھائی یا بھتیجوں کو حق شرعی کے مطالبہ کرنے کا حق باقی نہیں رہا، اس لیے کہ حق شرعی ہی باقی نہیں رہا۔

المالک هو المتصرف في الأعيان المملوكة كيف شاء من

الملک. (بیضاوی شریف رشیدیه ۱/ ۷)

لایجوز لأحد من المسلمین أخذ مال أحد بغیر سبب شرعی. (شامی، کتاب الحدود، مطلب: فی التعزیر بأخذ المال، کراچی ٤/ ٦١، زکریا ٦/ ١٠٦، البحر الرائق کوئٹه ٥/ ٤١، زکریا ٥/ ٦٨، هندیه زکریا قدیم ٢/ ١٦٧، جدید ٢/ ١٨١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۸۹۸۹)

باپ کی جائیداد کسی ایک بھائی کی بیوی کے مہر میں دینا ممنوع

سوال [۱۱۴۴۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: قاری عبد الکریم اور عبد الحکیم دونوں بھائی ۹۰/ گز جگہ میں بنے ہوئے مکان کے مالک تھے، عبد الحکیم کے چار لڑکے (عبد الوحید، رفیق، شفیق اور شاہد) ہیں اور دو لڑکیاں ہیں، عبد الحکیم اور ان کی بیوی کا انتقال ہو گیا اور گھر کی ذمہ داری بڑے لڑکے عبد الوحید پر آ گئی، عبد الوحید نے اپنے چھوٹے بھائی رفیق احمد کی شادی اور ان کی بیوی کے مہر میں اپنے باپ کا حصہ لکھوا دیا، پختگی کے لیے رجسٹری کرادی، اور گواہ کے طور پر اپنے دونوں بہنوئیوں کے دستخط کرادیئے اور قاری عبد الکریم نے اپنا حصہ عبد الحکیم کے پوتے کے نام کر دیا، صورت مذکورہ میں مندرجہ ذیل مسائل دریافت طلب ہیں:

(۱) جبکہ باپ کے حصے کی تقسیم نہیں ہوئی ہے، تو کیا دونوں بہنوئیوں کے دستخط کر دینے سے بہنوں کی طرف سے اجازت شمار ہوگی یا نہیں؟

(۲) اگر بہنوں کی جانب سے اجازت شمار نہ ہو تو کیا خود عبد الوحید جس نے مکان مہر میں لکھوایا ہے اس کا حصہ اور جس کی بیوی ہے اس کا حصہ حق مہر میں دیا جائے گا یا نہیں؟

(۳) اگر دونوں کا حصہ مہر میں دینا واجب ہے تو چونکہ باپ کا پورا حصہ مہر میں لکھوایا تھا اس لیے مہر میں کچھ اور بھی دیا جائے گا؟

(۴) اگر عبدالوحید اور شوہر کا حصہ بھی مہر میں واجب نہ ہو تو پھر رفیق احمد کی بیوی کا مہر کیا ہوگا؟

المستفتی: نفیس احمد امروہی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سائل اگر اپنے بیان میں سچا ہے تو مذکورہ مکان میں بھائیوں اور بہنوں کا شرعی حق ہے، پورا مکان دین مہر میں شمار نہیں ہوگا، بلکہ عبدالوحید اور رفیق احمد کا حصہ دین مہر میں شمار ہوسکتا ہے، باقی دو بھائیوں اور دو بہنوں کے حصے دین مہر میں شمار نہیں ہوں گے، بلکہ ان کے حصے ان کے لیے بدستور مکان میں جاری رہیں گے، لہٰذا مذکورہ مکان میں سے عبدالوحید اور رفیق احمد کا حصہ دین مہر میں شمار کرکے مکان کے بقیہ حصے دیگر ورثاء کے حق میں باقی رہیں گے، جو حسب ذیل نقشہ سے واضح ہوتا ہے۔

۲/۱۰ میت توافق/۵ ترکہ ۹/۴۵ گز

بھائی	بھائی	بھائی	بھائی	بہن	بہن
عبدالوحید	رفیق	شفیق	شاہد	فاطمہ	رقیہ
۲	۲	۲	۲	۱	۱
۹رگز	۹رگز	۹رگز	۹رگز	۴رگز ۱/۲	۴رگز ۱/۲

اور سوالنامہ میں رجسٹری کی نقل کے نام سے جو کاغذ منسلک کردیا گیا ہے یہ سرکاری رجسٹری کا کاغذ نہیں ہے، بلکہ اس کو رجسٹری کا کاغذ کہنا ہی درست نہیں ہے۔

لایجوز لأحد أن یتصرف فی ملک غیرہ بلا إذنه أو وكالة منه أو ولاية عليه وإن فعل كان ضامنا. (شرح المجلة تسليم رستم باز ۱/۶۱، رقم المادة: ۹۶/) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴رشعبان المعظم ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/۱۱۶۲۲)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۸/۴ھ

ماں کےانتقال کے بعد بڑی بیٹی کی بھی موت آجائے تواس کی اولا دوارث ہوگی یانہیں؟

سوال [۱۱۴۴۵]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مسماۃ حفیظن خاتون کا انتقال ہوگیا، بوقت انتقال انہوں نے وارثین میں صرف چارلڑکیاں چھوڑیں، اورترکہ میں جوزمین چھوڑی تھی اس پرلڑکیوں کے چچازاد بھائی نے جبراً قبضہ کرلیا،ان چاروں لڑکیوں میں سے ایک بڑی لڑکی قمر جہاں نے اپنے ذاتی روپیہ سے اس زمین کے بارے میں چچازاد بھائی پرمقدمہ دائرکردیا،اورزمین کا فیصلہ لڑکیوں کے حق میں ہوگیا، لیکن ان میں سے بڑی لڑکی کلثوم بیگم کا مقدمہ سے پہلےانتقال ہوگیاتھا،البتہ ان کی اولاد اورشوہر باحیات ہیں،مقدمہ جیتنے پرحکومت نے باقی تینوں زندہ لڑکیوں کے نام اس زمین کا فیصلہ کردیا،تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس زمین میں کلثوم بیگم کی اولاد کوحصہ ملے گا یانہیں؟ اوربقیہ تینوں لڑکیوں کوکتنا کتنا حصہ ملے گا؟ اورمقدمہ میں جوقمر جہاں کا روپیہ خرچ ہوا ہے،اس کا ذمہ دارکون ہوگا؟ نیزقمر جہاں کا مقدمہ میں جوروپیہ خرچ ہوا ہےاس کا حساب اس کے پاس نہیں ہے کہ کتنا خرچ ہوا ہے؟ اگراس خرچ کے ذمہ دارتمام شرکاء ہوں گےتو اس کی ادائیگی کی کیاشکل ہوگی؟

المستفتی: محمد مبین ومستقیم ٹھیکری،مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگرمذکورہ زمین اورجائیداد مسماۃ حفیظن ہی کی ملکیت ہے اوراس کا ان چاروں لڑکیوں کے علاوہ کوئی دوسرا شرعی وارث بھی نہیں ہے،تو مذکورہ زمین چاروں لڑکیوں کے درمیان برابرتقسیم ہوگی ،اورکلثوم بیگم جن کا انتقال مسماۃ حفیظن کے مقدمہ کی ڈگری سے پہلے ہو چکا ہے وہ بھی اس زمین میں برابر کی شریک ہیں، اس کا حصہ اس کے وارثین یعنی اس کے شوہراوراس کی اولاد کو ملے گا ،اورمقدمہ میں جوقمر جہاں کا پیسہ خرچ ہوا ہے اس پیسہ میں زندہ تینوں لڑکیاں اورکلثوم بیگم کے ورثاء برابر کے شریک ہوں گے،لہٰذا مقدمہ کے خرچہ کوچار حصہ کرکے ہرایک، ایک ایک حصہ کا ذمہ دارہوگا،

لہٰذا قمر جہاں کے علاوہ باقی تینوں لڑکیوں کے حصہ میں خرچہ مقدمہ کی جو ذمہ داری عائد ہوئی ہے وہ قمر جہاں کو ادا کریں، اب رہی یہ بات کہ مقدمہ میں کتنا خرچ ہوا اس کی ایک مقدار تخمیناً قمر جہاں بتلادے، اسی کے مطابق خرچہ کی مقدار کا اعتبار کیا جائے گا۔

ورجع على شريكه بحصته منه أى من الثمن إذا أدى من مال نفسه.

(البحر الرائق، كتاب الشركة كوئٹه ۵/۱۷۶، زكريا ۵/۲۹٤، هدايه اشرفی ديوبند ۲/ ٦۳۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴ ربیع الثانی ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳٦/ ۷۵۹٦)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۴/۱۴ھ

کیا دوسری شادی کرنے کے بعد لڑکیوں کا حصہ ختم ہو جائے گا؟

سوال [۱۱۴۴٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: والد محترم کے تین لڑکے، ایک لڑکی ہے، ترکہ میں ۴۸ر بیگہ زمین ہے، تقسیم کے وقت ان تینوں بھائیوں نے بہن کو زمین میں حصہ میں دینے سے انکار کردیا، وجہ یہ ہوئی کہ لڑکی کی شادی باپ کی موجودگی میں ہوگئی تھی، شوہر کا انتقال ہوگیا، پھر لڑکی نے دوسری شادی کرلی، تو کیا دوسری شادی کرنے کے بعد لڑکیوں کا حصہ شرعاً ختم ہوجاتا ہے یا نہیں؟

المستفتیه: بی بی شاہین مغل پورہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: خدائی حکم کے مطابق لڑکی کی شادی خواہ والد کی موجودگی میں ہوئی یا ان کے انتقال کے بعد ہوئی ہو، بہرصورت لڑکی کو اپنے والد کے ترکہ سے حصہ ملے گا، شادی کرنے سے ان کا حق ساقط نہیں ہوتا، بدستور باقی رہتا ہے، ان کی میراث دبانا سخت گناہ ہے۔ (مستفاد: معارف القرآن ۲/ ۳۲۱، فتاویٰ محمودیہ قدیم ۸/ ۳۵٦، ڈابھیل ۲۰/ ۳۴۷)

﴿يُوصِيكُمُ اللّٰهُ فِيْ أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ. [النساء: ۱۱]﴾

یعنی اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے تمہاری اولاد کے میراث پانے کے باب میں وہ یہ کہ لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے برابر ہے۔ (معارف القرآن ۲/ ۳۱۹)

بین الأخ والأخت للذكر مثل حظ الانثيين. (المبسوط، دار الکتب العلمية بيروت ۲۸/ ۲۱۰)

لہٰذا والد کی زمین میں تین لڑکے اور ایک لڑکی کے درمیان بشرط صحت سوال وبعد ادائے حقوق ماتقدم وعدم موانع ارث درج ذیل طریقہ سے تقسیم ہوگی:

مسئلہ ۷ تباین ترکہ ۴۸ / بیگہ زمین

لڑکا	لڑکا	لڑکا	لڑکی
۲	۲	۲	۱
۱۳ ۵/۷	۱۳ ۵/۷	۱۳ ۵/۷	۶ ۶/۷

کل ترکہ ۷/ سہام میں تقسیم ہوکر ہر لڑکے کو ۱۳- اور لڑکی کو ۶- سہام ملیں گے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴/ رجب المرجب ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۱۱۱)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۶/ ۷/ ۱۴۱۵ھ

لڑکیوں کو صحرائی زمین میں حصہ ملے گا یا نہیں؟

سوال [۱۱۴۴۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عبد السلام کا انتقال ہوگیا، ان کے ورثاء میں ایک بیوی، شہزادی بیگم اور ۵/ لڑکے دو لڑکیاں ہیں، ہر ایک وارث کو کتنے کتنے حصے ملیں گے، اور لڑکیوں کو صحرائی زمین میں حصہ ملے گا یا نہیں؟ شرعی حکم تحریر فرمائیں۔

المستفتی: حبیب الرحمٰن اصالت پورہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: برتقدیر صحت واقعہ وبعد ادائے حقوق ماتقدم علی

الارث مرحوم عبدالسلام کا ترکہ درج ذیل نقشہ کے مطابق تقسیم ہوگا۔

مسئلہ ۹۶/۸

میت

بیوی	لڑکا	لڑکا	لڑکا (۷)	لڑکا	لڑکا	لڑکی	لڑکی
۱							
۱۲	۱۴	۱۴	۱۴	۱۴	۱۴	۷	۷

مرحوم کا کل ترکہ ۹۶؍سہام میں تقسیم ہوکر ہر وارث کو اتنا ملے گا جو اس کے نیچے درج ہے۔

(۲) میت کی متروکہ ہر چیز میں خواہ وہ جائیداد ہو یا غیر جائیداد، صحرائی ہو یا غیر صحرائی، ہر وارث کا حق متعلق ہوتا ہے، اس میں لڑکے اور لڑکی کے درمیان کوئی تفریق نہیں ہے، یہ الگ بات ہے کہ لڑکے کو لڑکی کے مقابلہ میں دوگنا ملتا ہے۔

ثم يقسم الباقي بين ورثته الذين ثبت إرثهم بالكتاب والسنة. (در مختار، كتاب الفرائض زكريا ١٠/ ٤٩٧، كراچی ٦/٧٦١-٧٦٢، مجمع الأنهر مصری قديم ٢/٧٤٧، دار الكتب العلمية بيروت ٤/٤٩٥، البحر الرائق كوئٹه ٨/٤٨٩، زكريا ٩/٣٦٧، سراجی ص: ٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍رجب المرجب ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۶۸۴۴)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۹؍۷؍۱۴۲۱ھ

کیا ماں کے مال کی حقدار صرف لڑکیاں ہیں؟

سوال [۱۱۴۴۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک لڑکی کو اس کے مرحوم باپ نے ایک قطعہ زمین صحرائی (کاشت کی) دی تھی، اس لڑکی کا انتقال ہوگیا، اس کے لڑکا اور لڑکیاں ہیں، لڑکیاں کہتی ہیں کہ ماں کے مال کی صرف لڑکیاں ہی مالک ہیں، لڑکا نہیں، کیا یہ صحیح ہے؟

(۲) ۸؍سال سے جو لوگ لڑکے کے حقوق (حصہ) لڑکیوں کو دے رہے ہیں اور

لڑکے کواس کے حصہ سے محروم کر رکھا ہے کیا وہ لوگ بھی حقوق العباد کو غصب کرانے میں اللہ اور رسول کے مجرم ہیں یا نہیں؟ اور انہیں ایسا کرنا چاہیے تھا یا نہیں؟

(۳) یتیم بچوں اور بیوی کے عزیز واقارب پر کچھ حقوق ہیں یا نہیں؟

المستفتی: محمد سمیع سہس پور بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ ماں کے ترکہ کی صرف لڑکیاں حقدار ہیں، اللہ تعالیٰ نے جس طرح باپ کے ترکہ کے حقدار لڑکے اور لڑکی دونوں کو بنایا ہے اسی طرح ماں کے ترکہ کے حقدار بھی دونوں کو بنایا ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿**يُوصِيكُمُ اللّٰهُ فِيۡ اَوۡلَادِكُمۡ لِلذَّكَرِ مِثۡلُ حَظِّ الۡاُنۡثَيَيۡنِ.** [النساء: ١١] ﴾

﴿**وقوله تعالىٰ: وَلِلرِّجَالِ نَصِيۡبٌ مِمَّا تَرَكَ الۡوَالِدَانِ وَالۡاَقۡرَبُوۡنَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيۡبٌ مِمَّا تَرَكَ الۡوَالِدَانِ.** [النساء: ١٢] ﴾

(۲) اگر دینے والے زندہ ہیں اور بحالت صحت اپنی زندگی میں دے دیں تو اس میں لڑکوں کے حقوق ابھی متعلق نہیں ہوئے، بلکہ مرنے کے بعد ہی متعلق ہو سکتے ہیں، وہ لوگ اپنے مال کے خود مالک ہیں جس طرح چاہیں صرف کر سکتے ہیں۔

المالک هو المتصرف فی الأعيان المملوكة كيف شاء من الملك. (بيضاوی شريف رشيديه ١/٧)

البتہ تمام اولاد کے ساتھ برابری نہ کرنے کا گناہ ہوگا۔

ولو وهب فی صحته كل المال للولد جاز و أثم. (در مختار، كتاب الهبة، زكريا ٨/٥٠٢، كراچی ٥/٦٩٦، هنديه زكريا قديم ٤/٣٩١، جديد ٤/٤١٦، قاضيخان زكريا جديد ٣/١٩٤، وعلى هامش الهندية ٣/٢٧٩)

(۳) جی ہاں حقوق ہیں کہ اگر وہ مستحق زکوٰۃ ہیں تو زکوٰۃ نیز نفلی صدقہ وخیرات کرتے رہیں، اور اگر یتیم اور بیوہ حقیقی بھائی بہن یا ذو رحم محرم ہیں تو ان کا نفقہ باقاعدہ ادا کرنا لازم ہوتا ہے، جبکہ یہ لوگ نادار ہوں۔

النفقة لكل ذى رحم محرم إذا كان صغيرا فقيرا أو كانت امرأة بالغة فقيرة أو كان ذكرا بالغا فقيرا زمنا أو أعمىٰ. (هدايه، كتاب الطلاق، باب النفقة، اشرفى ديو بند ۲/ ٤٤٦) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍شوال المکرّم ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۲/ ۳۶۷۲)

والدہ کی موت سے قبل فوت شدہ لڑکیوں کا حصہ

سوال [۱۱۴۴۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میری والدہ حنیفہ خاتون کا ۴؍ ماہ قبل انتقال ہوگیا، میری والدہ حنیفہ خاتون کے تین لڑکے: محمد شاہد، محمد راشد، محمد ماہر، اور دو لڑکیاں: شکیلہ عظمیٰ، شاہدہ عظمیٰ۔ محمد شاہد وشکیلہ کا انتقال والدہ کی زندگی میں ہی ہوگیا تھا، اب ہماری والدہ کے انتقال کے بعد ان کے حصے میں سے محمد شاہد وشکیلہ عظمیٰ کا حصہ بنتا ہے یا نہیں؟ اگر حصہ بنتا ہے تو کتنا ہے؟ استدعا کرتا ہوں کہ حصص قائم فرما کر اس کی وضاحت فرمادیں۔

المستفتی: محمد ماہر ولد عبد السلام

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: برتقدیر صحت سوال وعدم موانع ارث وبعد ادائے حقوق ما تقدم مرحومہ حنیفہ خاتون کی زندگی میں جن وارثوں کا انتقال ہوگیا وہ حنیفہ خاتون کی وفات کے بعد شرعاً ان کے وارث نہیں ہوں گے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ میرٹھ ۳۰/ ۸۶)

الإرث يثبت بعد موت المورث. (البحر الرائق، كتاب الفرائض كوئٹه ۸/ ٤٨٨، زكريا ۹/ ٣٦٤)

وهل إرث الحى من الحى أم من الميت؟ المعتمد الثانى: (في الدر المختار) وتحته فى الشامية: لأن التركة فى الاصطلاح ما تركه الميت من

الأموال. (شامی، کتاب الفرائض، زکریا ۱۰/۴۹۳، کراچی ٦/۷٥۸)

البتہ حنیفہ خاتون کی وفات کے وقت جو دولڑکے اور ایک لڑکی زندہ رہیں وہ حنیفہ خاتون کے وارث ہوں گے، لہٰذ حنیفہ خاتون کا کل ترکہ پانچ حصوں میں تقسیم ہوکردو، دو حصے دونوں لڑکوں کو اور ایک حصہ لڑکی کو ملے گا۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ میرٹھ ۳۰/۲۲۱)

ومع الابن للذكر مثل حظ الانثيين. (سراجی ص:۱۲)

وإذا اختلط البنون والبنات عصب البنات فيكون للابن مثل حظهما.

(البحر الرائق کوئٹہ ۸/٤۹٤، زکریا ۹/۳۷٥)

جیسا کہ حسب ذیل نقشہ سے واضح ہے:

مسئلہ ۵
میـــــــــــــــــــــــــــــــت

لڑکا	لڑکا	لڑکی
محمد ماہر	محمد راشد	شاہدہ نجمیٰ
۲	۲	۱

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍ ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۳۷۱)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۴/۲۸ھ

کیا وراثت میں جنین کو بھی حصہ ملے گا؟

سوال [۱۱۴۵۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جناب مشرف سعید خاں صاحب نے نعیمہ خاتوں بنت محمد حسین مہدی محلّہ طویلہ سے نکاح کیا، ان کے پیٹ سے سعید کے دو لڑکے شاہ باز، جانباز پیدا ہوئے، اس کے بعد ان کی اہلیہ نعیمہ خاتون کا انتقال ہوگیا، مشرف سعید خاں نے دوسری شادی پروین خاتون بنت بھورے سے کی، شادی کے نتیجہ میں دوسری بیوی حاملہ ہوئیں اسی درمیان مشرف سعید کا بھی

انتقال ہوگیا، مشرف کا لوگوں پر کچھ قرضہ بھی ہے، اوران کی والدہ زبیدہ بھی حیات ہیں، لہٰذا اب ان کے ترکہ میں کس کا کتنا حق ہوگا؟ نیز مہر کی بھی دونوں قسموں کی بھی وضاحت فرمائیں؟

المستفتی: محمد مظفر حسین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بشرط صحت سوال وبعدا دائے ماتقدم وعدم موانع ارث مشرف سعید کا ترکہ شرعی ورثاء میں اور حمل کے حق میں اس طرح تقسیم ہوگا کہ موجودہ بیوی کے پیٹ میں جو حمل ہے اس کو ایک لڑکا مان لیا جائے اور اس کا حصہ اس کے حق میں جو زیادہ خیر خواہ ہوگا اسی کے پاس بطور امانت رکھا جائے، اگر ایک لڑکا ہی پیدا ہوتا ہے تو وہ حصہ اس کا ہوگا، اور اگر ایک لڑکی پیدا ہوتی ہے تو لڑکی ہونے کے اعتبار سے اس کا حصہ جو بن سکتا ہے وہ اس کو دیدیا جائے اور بقیہ دیگر ورثاء کے درمیان ان کے حقوق کے بقدر تقسیم کردیا جائے اور فی الحال ترکہ درج ذیل نقشہ کے مطابق تقسیم ہوگا:

مشرف سعید میت $\frac{۷۲}{۲۴}$

بیوی	ماں	حمل	لڑکا	لڑکا
۳	۴			
۹	۱۲	۱۷	۱۷	۱۷

کل ترکہ میں سے پہلے اس کا قرض ادا کردیا جائے اس کے بعد بقیہ ترکہ ۷۲؍ سہام میں تقسیم ہوکر ہر وارث کو اتنا ملے گا جو اس کے نیچے درج ہے اور حمل کو بھی لڑکا ہی فرض کرلیا گیا ہے۔

إنه یوقف نصیب ابن واحد أو بنت واحدة وعلیه الفتویٰ ویوخذ الکفیل. (سراجی ص: ۸۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍ ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۲۵۲)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۹/۴/ ۱۴۱۸ھ

بیوی کے مال میں بچوں کا حصہ ہے یا نہیں؟

سوال [۱۱۴۵۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: رشیدہ کی شادی نظام الدین سے بارہ سال قبل ہوئی تھی، اوراس کے پانچ بچے ہیں، پھر نظام الدین نے رشیدہ کی ایسی پٹائی کی کہ اس میں رشیدہ کی جان چلی گئی، فریقین میں باہمی مصالحت ہوئی، جس میں دس ہزارروپئے مہر کا دیا، حالانکہ مہر معین پندرہ ہزارروپیہ تھا، اور جہیز کے بدل کے طور پر بیس ہزارروپئے دیئے اور یہ رقم نظام الدین نے رشیدہ کے والد کوادا کی۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا اس رقم میں رشیدہ کے بچوں کا حصۂ وراثت ہے اور اگر ہے تو کتنا؟

المستفتی: شاکر علی دڑھیال رام پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر رشیدہ کے والد کے ساتھ والدہ نہیں ہیں تو کل مال کے چھ حصے کر کے ایک حصہ رشیدہ کے والد کو ملے گا، بقیہ رشیدہ کے بچوں کو ملے گا، اوراگر رشیدہ کی ماں بھی زندہ ہے تو چھ حصہ میں سے ایک حصہ ماں کو ایک حصہ باپ کو اور بقیہ چار حصے بچوں کو ملیں گے، اورلڑکوں کو لڑکیوں کے مقابلہ میں ڈبل ملے گا، اگر بچوں کی تفصیل سوالنامہ میں بیان کردی جاتی تو ہر ایک کا حصہ بھی الگ الگ کر کے بیان کردیا جاتا۔

ومع الابن للذکر مثل حظ الانثیین وهو یعصبهن. (سراجی ص:۱۲)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱؍صفر المظفر ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۹۳۲/۳۶)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۲/۲۱ھ

دوسری بیوی کی اولاد کی جائیداد میں پہلی بیوی کی اولاد کا حق ہے یا نہیں؟

سوال [۱۱۴۵۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ میرے والد محمد حسین نے اپنی حیات میں دو شادیاں کیں، پہلی شادی جمیلہ سے کی، ایک لڑکی اور دو لڑکے پیدا ہوئے، تینوں بچوں کے بعد جمیلہ کا انتقال ہوگیا ہے، اس کے بعد والد صاحب نے دوسری شادی افروزہ سے کی، اور ان سے پانچ لڑکے پیدا ہوئے، اس کے بعد میرے والد محمد حسین کا انتقال ہوگیا، اور اب جو دوسری بیوی کے پانچ لڑکے ہیں، انہوں نے اپنے والد کے انتقال کے پانچ سال بعد اپنے پیسوں سے ایک جگہ خریدی، اس جگہ کے بارے میں جمیلہ کے دو بچے کہتے ہیں کہ اس میں ہمارا بھی حق ہے، جبکہ پہلی بیوی اور دوسری بیوی کی اولادیں الگ الگ ہیں، لہٰذا مفتی صاحب سے گذارش ہے کہ ہماری صحیح رہنمائی فرمائیں۔

المستفتی: محمد اسماعیل نئی بستی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جبکہ باپ محمد حسین صاحب کے انتقال کے بعد دوسری بیوی کی اولاد نے اپنے پیسوں سے جگہ خریدی ہے تو وہ جگہ دوسری بیوی کی اولاد کی ہوگی اس میں پہلی بیوی کی اولاد کا شرعاً کوئی حق نہیں ہے، ان کے لیے مذکورہ جگہ میں حق کا دعویٰ کرنا شرعاً جائز نہیں ہے۔

لایجوز لأحد أن یتصرف فی ملک الغیر بغیر إذنه، لایجوز لأحد من المسلمین أخذ مال أحد بغیر سبب شرعی. (قواعد الفقه اشرفی ص: ۱۱۰، رقم: ۲۶۹- ۲۷۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍ شوال المکرم ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۴۴۶)

پہلی بیوی کے لڑکے کا شوہر کی جائیداد میں حصہ

سوال [۱۱۴۵۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرا نکاح محمد اخلاق ولد منشی کریم سے ہوا تھا، ڈھائی سال نکاح میں رہی انہیں

سالوں میں میرے ایک لڑکا ظہیر عالم پیدا ہوا اور کچھ مہینوں بعد گھریلو جھگڑوں کی وجہ سے تقریباً تیس سال پہلے مجھے طلاق ہوگئی، تب ہی انہوں نے دوسری شادی کر لی تھی، اور دوسری بیوی سے تین لڑکے: شاہنواز، آفتاب عالم، شان عالم، اور دو لڑکیاں: شہناز اور فاطمہ پیدا ہوئیں۔

لہٰذا جاننا چاہتی ہوں کہ میرے لڑکے ظہیر عالم کا اپنے والد کی ملکیت میں کتنا حق بنتا ہے؟ ان کے پاس ۴۵؍ گز کا مکان ہے، جس کی قیمت تقریباً بارہ لاکھ ہوگی، میرے شوہر ابھی حیات ہیں؟

المستفتیہ: اختری بیگم قاضی ٹولہ عباسی اسکول مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آپ کا بیٹا ظہیر عالم اپنے والد کا شرعی وارث ہے، لیکن وراثت والد کی زندگی میں نہیں ملتی ہے، والد کے انتقال کے بعد اس کو اپنا شرعی حصہ ہر چیز میں ملے گا، جس مکان کا سوالنامہ میں ذکر ہے، والد کی موت کے وقت اگر وہ مکان موجود ہوتو اس میں بھی حصہ ہوگا اور اس کے علاوہ دیگر جائیداد، روپیہ پیسہ ہر چیز میں اس کا شرعی حق ثابت ہوجائے گا، دوسری بیوی کے لڑکوں میں سے ہر ایک کو جتنا ملے گا اتنا ہی ظہیر عالم کو ملے گا۔

يشترط لثبوت الحق في الميراث ثلاثة شروط: وهي موت المورث وحياة الوارث ومعرفة حق القرابة. (الفقه الاسلامي و أدلته، هدیٰ انٹر نیشنل دیوبند ۸/ ۲۵۳)

وشروطه: ثلاثة: موت مورث حقيقة أو حكما كمفقود. (شامی، کتاب الفرائض، زکریا ۱۰/ ۴۹۱، کراچی ۶/ ۷۵۸) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللّٰہ عنہ
۳۰؍ رجب المرجب ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۲۰۹/۴۰)

پہلی بیوی کا لڑکا شرعی وارث ہے یا نہیں؟

سوال [۱۱۴۵۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرے تین نکاح ہوئے، پہلی بیوی ایک سال رہ کر ماں باپ کے یہاں چلی

گئی پھر واپس میرے پاس نہیں آئی، اس سے ایک لڑکا ہے، تین سال کے بعد کورٹ سے طلاق ہوئی، اس نے کورٹ میں لکھ کر دیا کہ مجھے اور میرے بچہ کو پرورش کے لیے شوہر کی طرف سے کچھ نہیں چاہیے، مہر اور عدت کے پیسے بھی لوٹا دیئے، اب اس کا انتقال ہوا ہے۔

میرے اس لڑکے کی عمر ۴۳؍سال کی ہے، اس درمیان میں نے لڑکے کے لیے گاؤں میں پلاٹ لیا تھا، تو اس لڑکے نے لینے سے صاف انکار کیا، لڑکے کے نانا نے لڑکے کو چھ کمرے کا پلاٹ مکان بنا کر دیا ہے، اندازاً اس کی قیمت دس لاکھ روپئے ہے، اس کے بعد میں نے دوسرا نکاح کیا، دوسری بیوی زندہ ہے اور وہ میرے نکاح میں ہے، ان سے میری کوئی اولاد زندہ نہیں ہے، میں نے اس کے نام پر ایک مکان اور دوکان لی ہے، پھر میں نے تیسرا نکاح کیا، ان سے میرا ایک لڑکا اور ایک لڑکی ہے، اور دونوں شادی شدہ ہیں، میں نے تیسری بیوی کے نام پر ایک مکان لیا ہے، پہلی بیوی کے لڑکے کو وراثت سے بے دخل کرنے کی نیت سے میں نے دوسری اور تیسری بیوی کے نام سے مکان نہیں خریدے تھے، بلکہ لڑکے کے آنے سے پہلے ہی میں نے دونوں بیویوں کو الگ الگ رکھ کر ان کے نام پر مکان خرید لیے تھے، اس وقت لڑکا آ کر مجھے ملے گا، اس کی مجھے کوئی امید نہیں تھی۔

اب معاملہ یہ ہے کہ میرے نام پر کوئی بھی پراپرٹی نہیں ہے، صرف دو لاکھ کا سونا ہے، اب اس حالت میں کیا کرسکتا ہوں؟ تاکہ قیامت کے دن میری پکڑ نہ ہو، جواب قرآن و حدیث کی روشنی میں مطلوب ہے۔

المستفتی: ڈاکٹر بشیر پونہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: پہلی بیوی کے بطن سے جو لڑکا پیدا ہوا ہے اس سے ناامید ہو کر جو جائیداد آپ نے دوسری اور تیسری بیوی کے نام کر دی ہے وہ جائیداد انہیں لوگوں کی ملکیت بن گئی ہے، اس جائیداد میں پہلی بیوی کے لڑکے کا کوئی حق باقی نہیں رہا۔

تنعقد الهبة بالإيجاب والقبول وتتم بالقبض الكامل لأنها من التبرعات والتبرع لا يتم إلا بالقبض، والقبض الكامل في المنقول ما يناسبه

و فی العقار ما يناسبه، فقبض مفتاح الدار قبض لها والقبض الكامل فيما يحتمل القسمة بالقسمة حتى يقع القبض على الموهوب بالإصالة، من غير أن يكون بتبعية قبض الكل وفيما لا يحتمل القسمة بتبعية الكل والتمكن من القبض كالقبض. (شرح المجلة اتحاد بکڈپو دیوبند ۱/ ٤٦٢، رقم المادة: ٨٣٧)

ہاں البتہ آپ کی ملکیت میں دو لاکھ کا جو سونا ہے، یا کوئی دیگر مملوک ہے، آپ کے مرنے کے بعد ان میں پہلی بیوی کا لڑکا بھی شرعی وراثت کا حق دار ہوگا، آپ کی موت کے وقت جو بھی شرعی وارث موجود ہوں گے، وہ سب آپ کے متروکہ مال میں وارث بنیں گے، سوالنامہ کے مطابق آپ کے دو لڑکے اور ایک لڑکی ہیں، آپ کا ترکہ ۸۰؍ سہام میں تقسیم ہوکر دونوں بیویوں میں سے ہر ایک کو ۵/۵؍ ملیں گے، اور بیٹی کو ۱۴؍، دونوں بیٹیوں کو ۲۸/۲۸؍ ملیں گے، جیسا کہ حسب ذیل نقشہ سے واضح ہوتا ہے:

۸۰ / ۸

میـــــــــــــــــــــــــــــت

	بیوی	بیوی	لڑکا	لڑکا	لڑکی
	۱		۷		
سہام	۵	۵	۲۸	۲۸	۱۴

کل ترکہ ۸۰؍ سہام میں تقسیم ہوکر ہر وارث کو سہام میں اتنا اتنا ملے گا جو ان کے نام کے نیچے سہام کے سامنے درج ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍ ربیع الثانی ۱۴۳۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۱۹۹۰)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۲/۴/ ۱۴۳۶ھ

دونوں بیویوں کی اولاد وارث ہوگی

سوال [۱۱۴۵۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کی ملکیت میں ستائیس بیگہ زراعت کی زمین ہے، اور ایک مکان ہے جس

میں سات دوکانیں ہیں، اور زید کی دو شادیاں ہوئی ہیں، پہلی بیوی وفات پاچکی ہے، جس سے ایک لڑکا ہے، دوسری بیوی سے ایک لڑکا دولڑکیاں ہیں، زید کی خواہش ہے کہ اپنی زندگی میں ہی جائیداد تقسیم کردوں، اور یہ چاہتا ہے کہ کسی حصہ دار کواس کی خدمت کی وجہ سے کچھ زیادہ دے دوں، تقسیم جائیداد کس طرح ہوگی؟ اور کسی حصہ دار کواس کے حصہ سے زیادہ دینا شرعاً درست ہے یانہیں؟

المستفتی: محمد افضل خاں شاجہاں پور میرٹھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید کی جائیداد صحرائی اورسکنائی اس کی موت کے بعداس کی شرعی اولاد کے درمیان شرعی حصوں کے حساب سے تقسیم ہوگی، پہلی بیوی کالڑکا اور دوسری بیوی کے لڑکے دونوں کو برابر حصہ ملے گا، اور دونوں لڑکیوں کولڑکوں کے حصے کے مقابلے میں آدھا آدھا ملے گا، اور جو بیوی زندہ ہے، اس کوکل مال کا آٹھواں حصہ ملے گا جو درج ذیل نقشہ کے مطابق تقسیم ہوگی:

۴۸ / ۸ میت

بیوی	لڑکا	لڑکا	لڑکی	لڑکی
۱ / ۶		(۷)		
	۱۴	۱۴	۷	۷

کل جائیداد ۴۸ ؍سہام میں تقسیم ہوکر زندہ بیوی کو چھ اورلڑکوں کو چودہ، چودہ اور لڑکیوں کوسات سات ملیں گے، اور اگر زید اپنی زندگی میں اولاد کے درمیان جائیداد تقسیم کرکے دیدینا چاہتا ہے تو لڑکیوں کوبھی لڑکوں کے برابر ملے گا، لہٰذا بیوی کو جتنا دینا چاہے دیدے، اس کے بعد بقیہ جائیداد چار سہام میں تقسیم ہوکر دولڑکوں اور دولڑکیوں کے درمیان برابر برابر تقسیم ہوجائے گی، اورکسی بچے کوکسی بچے سے زیادہ دینے سے باپ گنہگار رہوگا۔

لا بأس بتفضيل بعض الأولاد فی المحبة لأنها عمل القلب وكذا في العطايا إن لم يقصد به الإضرار وإن قصده فسویٰ بينهم يعطی البنت كالابن

عند الثاني وعليه الفتوىٰ، ولو وهب في صحته كل المال للولد جاز و أثم، وتحته في الشامية: قوله: وعليه الفتوىٰ: أى على قول أبي يوسف من أن التنصيف بين الذكر والأنثىٰ أفضل من التثليث الذى هو قول محمدؒ.

(شامي، كتاب الهبة زكريا ٨/١ ٥٠-٢ ٥٠، كراچی ٦/ ٦٦٩، هنديه زكريا قديم ٤/١ ٣٩، جديد ٤/٦ ٤١، قاضيخان زكريا جديد ٣/ ١٩٤، وعلى هامش الهندية ٣/ ٢٧٩)

ہاں البتہ اگر کسی کونقصان پہنچانے کا ارادہ نہ ہوتو کسی کی زیادہ خدمت کرنے کی بناپر اس کوکچھ زیادہ دینے سے باپ گنہگار نہ ہوگا۔(مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل ۲۰/ ۲۷۸)

لا بأس بأن يعطىٰ من أولاده من كان عالما متأدبا ولا يعطىٰ منهم من كان فاسقا فاجرا. (مجمع الأنهر، كتاب الهبة، دار الكتب العلمية بيروت ٣/ ٤٩٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍صفر المظفر ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۴۵۱)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۲/۱۲ھ

ٹھیکیداری میں سے دونوں بیویوں اوران کی اولاد کوحصہ ملے گا

سوال [۱۱۴۵۶]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: فضل الحق کی شادی ہندہ سے ہوئی تھی، اس سے ایک لڑکا ریاض الحق پیدا ہوا، پھر بیوی کا انتقال ہوگیا، توفضل الحق نے دوسری شادی زینب سے کی، جس سے تین لڑکے: شمس الحق، ضیاء الحق، رضوان الحق، اور دولڑکیاں: خورشیدہ اور سلمٰی پیدا ہوئیں، فضل الحق ٹھیکہ کا کام کرتے تھے، باپ ہی کی زندگی میں بڑے بیٹے ریاض الحق بھی باپ کے ساتھ لگ گئے تھے، اب باپ کا انتقال ہوگیا ہے، تو کیا مذکورہ ٹھیکہ میں دیگرورثاء کا بھی حق ہے یانہیں؟ اور اگر ہے تو ہر ایک کا کتنا کتنا؟

المستفتی: رضوان الحق

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ریاض الحق باپ کی زندگی میں ان کے ساتھ مل کر جو

ٹھیکہ کررہے تھے، وہ درحقیقت باپ ہی کی ملک ہے، اب جبکہ باپ کا انتقال ہوگیا تو دونوں بیویوں کے بطن اور فضل الحق کے نطفہ سے جواولا دہیں، وہ سب باپ کے ٹھیکہ میں شرعی حقدار ہیں، البتہ لڑکوں کولڑکیوں کے مقابلے میں دوگنا ملے گا،اور فضل الحق کی تمام جائیداد (ٹھیکہ وغیرہ) ان کے ورثاء کے درمیان مندرجہ ذیل نقشہ کے مطابق تقسیم ہوگی۔(مستفاد:عزیزالفتاویٰ ۱/۱۵۶)

الأب و ابنه يكتسبان في صنعة واحدة ولم يكن لهما شيئ فالكسب كله للأب إن كان الابن في عياله لكونه معينا له. (شامي، باب الشركة، مطلب: اجتمعا في دار واحدة واكتسبا ...... زكريا ٦/٥٠٢، كراچی ٤/٣٢٥، هنديه زكريا جديد ٢/٣٣٢، قديم ٢/٣٢٩)

$\frac{۸۰}{۸}$

میــــــــــــــــــــــــــــــــــــــت

بیوی	لڑکا	لڑکا	لڑکا	لڑکا	لڑکی	لڑکی
زینب	ریاض الحق	شمس الحق	ضیاءالحق	رضوان الحق (۷)	خورشیدہ	سلمیٰ
۱/۱۰	۱۴	۱۴	۱۴	۱۴	۷	۷

فضل الحق کا کل ترکہ ۸۰؍سہام میں تقسیم ہوکر ہر وارث کواتنا ملے گاجواس کے نام کے نیچے درج ہے۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍جمادی الاولیٰ ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر:۳۷/ ۸۸۳۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۶/۲ھ

کیا شوہر کے بنائے ہوئے ہوٹل میں خسر بھی وارث ہے؟

سوال [۱۱۴۵۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرے شوہر نے ایک پلاٹ خریدا جس کی رجسٹری انہیں کے نام ہے، اس میں ایک مسافر ہوٹل تعمیر کرایا، اور تعمیر میں کافی صرفہ ہوا اور تین لاکھ تہتر ہزار آٹھ سودس روپئے قرض کے باقی رہے، شوہر صاحب اس کوادا نہ کرسکے حتی کہ وہ شہید ہوگئے، یہ تمام قرضہ میں نے اپنے

والدین اور بھائیوں سے لے کر ادا کیا، اس وقت اس ہوٹل کو میں اور میرے دولڑکے چلا رہے ہیں، شریعت کی روشنی میں بتائیے کہ اس ہوٹل اور اس کی آمدنی کا کون کون حقدار ہے؟

المستفتی: نرگس جہاں آگرہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر سوال واقعہ کے مطابق ہے تو وہ ہوٹل آپ کے شوہر کی ملکیت ہے، لہٰذا آپ کے شوہر کے انتقال کے بعد اس کے شرعی ورثاء اس میں حقدار ہوں گے۔

ثم يقسم الباقي بعد ذلك بين ورثته أي الذين ثبت إرثهم بالكتاب أو السنة. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الفرائض زكريا ١٠/ ٤٩٧، كراچی ٦/ ٧٦١-٧٦٢، مجمع الأنهر مصري قديم ٢/ ٧٤٧، دار الكتب العلمية بيروت ٤/ ٤٩٥، البحر الرائق كوئٹه ٨/ ٤٨٩، زكريا ٩/ ٣٦٧، سراجی ص: ٥)

اور شرعی ورثاء میں آپ کے شوہر کا باپ بھی شامل ہے، ان کا بھی چھٹا حصہ ہے اور جو قرضہ آپ نے ادا کیا ہے اس قرضہ کی ادائیگی میں آپ کے خسر کو بھی قرض کی ادائیگی کا بار برداشت کرنا پڑے گا، اگر الگ سے وہ اس کو ادا نہ کریں تو ان کے حصہ میں مجریٰ کر سکتے ہیں، اور بقیہ میں آپ اور شوہر کی اولاد شرعی حصوں کے اعتبار سے شریک ہوں گے، اور شرعی حصوں کی تعیین جب ہی ہو سکتی ہے جب آپ کے شوہر کی نرینہ اور مؤنث تمام اولاد کی نشاندہی کر دی جائے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۲؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۶۴۰)	۱۴۲۱/۵/۲ھ

شوہر کے انتقال کے بعد عورت دوسری جگہ نکاح کرنے سے وراثت سے محروم نہیں ہوتی

سوال [۱۱۴۵۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: محمد حسین کا انتقال ۱۹۹۰ء میں ہوا تھا، مرحوم کے دولڑکے غیور حسین اور محمد سلمان

ایک لڑکی مزمل اور ایک بیوی ہے، (بیوی نے ۱۹۹۷ء کو دوسرا نکاح کر لیا تھا، مرحوم نے ایک مکان ۲۸/گز مربع دومنزلہ، ایک مکان ۲ ۵/گز مربع دومنزلہ اور ایک مکان ۹۷/گز مربع دو منزلہ چھوڑا، کل جگہ ۱۷۷ گز مربع ہوئی، اور یہ سب جگہیں تارے والی مسجد پیرزادہ میں واقع ہیں، از روئے شرع کس وارث کو کتنا حصہ دیا جائے گا؟ واضح فرمائیں۔

المستفتی: مزمل بنت محمد حسین پیرزادہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شوہر کے انتقال کے بعد بیوی شوہر کی شرعی وارث بن جاتی ہے بعد میں کسی سے شرعی نکاح کر لینے کی وجہ سے بیوی میراث پانے سے محروم نہ ہوگی، اس کی میراث کا حصہ اس کے شرعی حق کے طور پر بدستور باقی رہتا ہے۔

(مستفاد: فتاویٰ محمودیہ جدید ۲۰/ ۲۸۶، کفایت المفتی قدیم ۸/ ۳۸۸، جدید زکریا مطول ۱۳/ ۲۷۵)

ویستحق الإرث بإحدیٰ خصال ثلاث: بالنسب وهو القرابة و السبب وهو الزوجية والولاء. (هنديه، كتاب الفرائض، الباب الأول زكريا قديم ٦/٤٤٧، جديد ٦/٤٤٠)

وفي فتح القدير: قوله: (والشيئ بانتهائه يتقرر) لأن انتهائه عبارة عن وجوده بتمامه فيستعقب مواجبه الممكن إلزامها من المهر والإرث والنسب.

(فتح القدير، كتاب النكاح، باب المهر، زكريا ٣/ ٣١٠، دار الفكر ٣/ ٣٢٢، كوئٹه ٣/ ٢٠٩)

لہٰذا محمد حسین مرحوم کی مذکورہ وارثین کے درمیان ۱۷۷ گز زمین درج ذیل نقشہ کے مطابق تقسیم ہوگی جس میں بیوی بھی اپنے پورے حصہ کی حقدار ہوگی۔

مرحوم میت ۸/۴۰ — تباین — ترکہ ۱۷۷ گز

	بیوی	لڑکا	لڑکا	لڑکی
		غیور حسن	محمد سلمان	مزمل
		(۷)		
سہام	۱ / ۵	۱۴	۱۴	۷
ترکہ	۵/۴۰ ۲۲ گز	۳۸/۴۰ ۶۱ گز	۳۸/۴۰ ۶۱ گز	۲۹/۴۰ ۳۰ گز

مرحوم محمد حسین کی ۷۷ر گز زمین ۴۰ر حصوں میں تقسیم ہوکر ہر ایک وارث کو اتنے گز ملیں گے جو اس کے نام کے نیچے سہام کے سامنے درج ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ر جمادی الثانیہ ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۶۳۹)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۶/۲۰ھ

شوہر سے الگ رہنے کی وجہ سے بیوی وراثت سے محروم نہیں ہوگی

سوال [۱۱۴۵۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ محمد میاں ساکن پیرغیب کا چند ماہ پہلے انتقال ہوگیا ہے، محمد میاں کی شادی تقریباً ۱۵ر سال کا عرصہ ہوا ہوئی تھی، اور شادی کے بعد محمد میاں کی شریک حیات سے ایک مردہ بچہ بھی پیدا ہوا تھا، اس کے بعد دونوں لوگوں میں کشیدگی پیدا ہوگئی، اور تقریباً ۱۴ر سال سے محمد میاں کی بیوی اپنے میکے یعنی والد کے گھر پر ہے، دونوں لوگوں کے درمیاں طلاق بھی نہیں ہوئی تھی، محمد میاں کے تین سگے بھائی حیات ہیں۔

معلوم یہ کرنا ہے کہ محمد میاں کے مال یعنی زیور وغیرہ میں اس کی بیوی کو کیا حق پہنچتا ہے، کیونکہ محمد میاں کے انتقال کے بعد ان کی بیوی کا جہیز واپس کیا جارہا ہے؟

المستفتی: محمد یوسف ولد محمد جان پیرغیب مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: محمد میاں کے چونکہ کوئی اولاد نہیں تھی، اور نہ ہی انہوں نے اپنی بیوی کو طلاق دی تھی، اس لیے محمد میاں کی بیوی ان کے کل ترکہ سے شرعاً چوتھائی حصہ کی حقدار ہے، اس کے بعد بقیہ مال محمد میاں کے تینوں بھائیوں کے درمیان برابر برابر تقسیم ہوگا۔

﴿ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ اِنْ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ وَلَدٌ. [النساء: ۱۲] ﴾

وللزوجة الربع ...... حيث لا ولد ومع الولد أو ولد الإبن و إن سفل. (البحر

الرائق، کتاب الفرائض، کوئٹہ ٨/٤٩٣، زکریا ٩/٣٧٤، سراجی ص:٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷ر شوال المکرّم ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۹۲۱)

ناشزہ نفقہ کی مستحق نہیں ہے لیکن وراثت کی حقدار ہے

سوال [۱۱۴۶۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کا انتقال ہوا، اور اس نے ایک بیوی اور ایک لڑکا چھوڑا، بیوی نا اتفاقی کی بنا پر ۶/۷ سال سے اپنے باپ کے گھر رہتی تھی، اس دوران زید نے ماں اور بیٹے کو نفقہ کے طور کچھ نہیں دیا، تو اب یہ بیوی اور لڑکا اس کے وارث بنیں گے یا نہیں؟ اور اس مدت کا نفقہ میت کے مال سے دیا جائے گا یا نہیں؟

المستفتی: سعید الرحمٰن اصالت پورہ مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جبکہ زید نے اپنی بیوی کو طلاق نہیں دی یا شرعی تفریق سے نکاح سے الگ نہیں کیا، تو شرعاً بیوی زید کی وارث ہوگی، اگرچہ بیوی نافرمان رہی ہو، گذشتہ سالوں کا نان ونفقہ فرمانبردار بیوی کے لیے بھی شوہر پر واجب نہیں ہوتا۔

إذا مضت مدة لم ينفق الزوج عليها، وطالبته بذلك فلا شيئ لها.

(هدايه، كتاب الطلاق، باب النفقة، اشرفي ديوبند ٢/ ٤٤٠)

نیز لڑکا اس کا عصبہ بنے گا، ماں باپ و بیوی کو شرعی حصہ دینے کے بعد بقیہ سارا مال لڑکے کو ملے گا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ر ذی قعدہ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۹۷۸)

شوہر کی جگہ بیوی کا ترکہ کا مطالبہ کرنا

سوال [۱۱۴۶۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: راقم کے والد حاجی نذیر احمد صاحب کانپور کے باشندہ تھے، اور تین چھوٹے بڑے پختہ وغیر پختہ مکان کے مالک تھے، انہوں نے اپنی حیات میں دو کچے مکان جس کی قیمت ڈھائی ہزار روپیہ ہے ۶۰-۱۹۵۹ء میں فروخت کردیئے تھے، اور پوری رقم میرے بڑے بھائی کو دے کر یہ تاکید کی کہ وہ کبھی بھی اپنا دعویٰ میرے پختہ مکان پر نہیں کریں گے، چونکہ مملوکہ ملکیت دوسرے تین بھائی کی ہوگی، میرے بڑے بھائی تاحیات یہ بات مانتے رہے، اور کہتے رہے اور اپنی اہلیہ (میری بھابھی) جو حیات ہیں ان سے تاکید کی کہ جو رقم فروخت کردہ مکان سے حاصل ہوئی ہے، اس سے انہوں نے مرادآباد میں ایک قطعہ مکان خرید لیا ہے اور فروخت شدہ مکان کی قیمت کسی بھائی یا بہن کو نہیں دی ہے، لہٰذا تیسرے مکان میں ان کو کوئی حق نہیں ملے گا۔

ہم چاروں بھائی ریلوے ملازم تھے، اور مرادآباد میں رہ رہے تھے، لہٰذا ہم نے آپس میں طے کیا کہ اب کانپور جانا ممکن نہ ہوگا، اور کرایہ دار بھی مکان خالی نہیں کرے گا، لہٰذا فروخت کردیا گیا، اور از روئے شرع رقم تین بھائیوں اور بہنوں میں تقسیم کردی، جب اسی مکان مملوکہ کا میری بھابھی کو علم ہوا کہ فروخت ہوگیا تو اپنے شوہر کے تاکید کیے ہوئے الفاظ سے مکر گئیں، اور دعویٰ کرتی ہیں کہ فروخت شدہ رقم میں ان کا بھی حصہ ہوتا ہے؟

المستفتی: نصیر الدین ہمگری کالونی کانٹھ روڈ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب والد صاحب نے اپنی زندگی میں اپنے بڑے لڑکے کو دو مکان یہ کہہ کر دیدئے تھے کہ بقیہ مکانوں میں اس کا کوئی حصہ نہیں رہے گا، اور اسی کے مطابق آپ کے بڑے بھائی نے بھی اپنی زندگی میں کبھی ان بقیہ مکانوں پر استحقاق کا دعویٰ نہیں کیا، لہٰذا اب آپ کی بڑی بھابھی کے لیے بھی ان بقیہ مکانوں پر استحقاق کا دعویٰ کرنا صحیح

نہیں اور اگر وہ پھر بھی بقیہ مکانوں پر استحقاق کا دعویٰ کرے تو ان مکانوں کو بھی شامل کیا جائے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۷/۲۵۴)

وحکما أنها (الهبة) لاتبطل بالشروط. (در مختار مع الشامی، کتاب الهبة، زکریا ۸/ ٤٩٠، کراچی ٥/٦٨٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲/محرم الحرام ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ٦٩٩١)

مرحوم کی بیوی کا زندگی میں ہی حصہ مانگنا

سوال [۱۱۴۶۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرے والدین مشتاق حسین اور زیتون بیگم کے نام ۹۰/گز زمین ہے اور میرے بھائی اشتیاق حسین کا انتقال ہو چکا ہے، اس کی بیوی اپنے شوہر کا حق مانگ رہی ہے، جبکہ والدین حیات ہیں تو کیا مرحوم بیٹے کی بیوی اور بچوں کو حق ملے گا، اگر میرے والدین زندگی میں تقسیم کرنا چاہیں تو موجودہ تین لڑکے اور تین لڑکیوں کے درمیان کس طرح تقسیم کریں اور مرحوم بیٹے کی بیوی بچوں کو کتنا کتنا دیں؟

المستفتی: ممتاز حسین اصالت پورہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب اشتیاق حسین مرحوم اپنے والدین کی زندگی میں فوت ہو گیا ہے، اور اشتیاق حسین مرحوم کے دوسرے بھائی زندہ ہیں، تو ایسی صورت میں اشتیاق حسین مرحوم کی بیوی اور بچے اشتیاق حسین کے والدین کے وارث نہیں بنیں گے، ہاں البتہ اگر اشتیاق حسین کے والدین اس کی بیوی اور بچوں کو بطور تحفہ کچھ دیدیں تو اس کے مالک ہو سکتے ہیں اور یہ ایک صلہ رحمی کے طور پر والدین کی طرف سے اچھا اور بہتر اقدام ہوگا، اور اشتیاق حسین کی بیوی اور بچوں کو اپنی مرضی سے بطور صلہ رحمی کچھ دینے کے بعد بقیہ جائیداد

اپنی زندگی میں موجودہ اولاد کے درمیان تقسیم کرنا چاہیں تو ماں باپ کو اختیار ہے کہ تقسیم کردیں، مگر زندگی میں تقسیم کرنے میں لڑکیوں کو بھی لڑکوں کے برابر دینے کا حکم ہے، نیز مرحوم کے نابالغ بچوں کے اخراجات حسب استطاعت دادا پر لازم ہیں۔

وإن قصد به الإضرار سوّیٰ بينهم يعطى الابنة مثل ما يعطى للابن وعليه الفتویٰ. (هنديه، الباب السادس فى الهبة للصغير، زكريا قديم ٤/٣٩١، جديد ٤/٤١٦، قاضيخان زكريا جديد ٣/١٩٤، وعلى هامش الهندية ٣/٢٧٩)

قلت: اعلم أنه إذا مات الأب فالنفقة على الأم والجد على قدر ميراثهما أثلاثا فى ظاهر الرواية، وفى رواية على الجد وحده كما سيأتى. (شامى، مطلب: الكلام على نفقة الأقارب، زكريا ٥/٣٣٩-٣٤٠، كراچى ٣/٦١٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍ربیع الثانی ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۰۵۴)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۵/۴/۱۴۳۴ھ

بیوی کا شوہر کے والد کی جائیداد میں کوئی حصہ نہیں ہے

سوال [۱۱۴۶۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: محمد عظیم کی شادی ۵؍سال پہلے ہوئی تھی، اس کی بیوی کا نام مہ جبیں بیگم ہے، ابھی چار مہینہ پہلے اچانک محمد عظیم کا انتقال ہوگیا، اب سوال یہ ہے کہ محمد عظیم کے والداور والدہ دونوں زندہ ہیں، اور اس کے کوئی اولاد پیدا نہ ہوسکی، اور اس کی بیوی مہ جبیں بھی زندہ ہے اور اس کی کوئی جائیداد ماں باپ سے الگ نہیں ہے، محمد عظیم کے والد صفدر حسین کے پاس اپنی ملکیت میں مکان اور زمین جائیداد موجود ہے جو صفدر حسین کی اپنی خریدی ہوئی ہے، اور محمد عظیم کی سسرال والے کہتے ہیں کہ مرحوم بیٹے کے باپ کی جائیداد میں سے اس کی بیوی مہ جبیں کو حق ملنا چاہیے، جبکہ صفدر حسین کے تین بیٹے اور تین بیٹیاں بھی موجود ہیں، شریعت کا جو بھی حکم ہو اس کو واضح کیجئے؟

المستفتی: صفدر حسین گھاس منڈی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صفدر حسین کے بیٹے محمد عظیم کی بیوی مہ جبیں صفدر حسین کی نہ شرعی وارث ہے اور نہ ہی صفدر حسین کی جائیداد میں کسی قسم کی حقدار ہے، اور مہ جبیں کے میکے والوں کا مطالبہ شرعاً اور قانوناً دونوں اعتبار سے غلط ہے۔

لایجوز لأحد من المسلمین أخذ مال أحد بغیر سبب شرعی. (شامی، کتاب الحدود، مطلب: فی التعزیر بأخذ المال، کراچی ٤/٦١، زکریا ٦/١٠٦، البحر الرائق کوئٹه ٥/٤١، زکریا ٥/٦٨، هندیه زکریا قدیم ٢/١٦٧، جدید ٢/١٨١)

ولایجوز التصرف فی مال غیره بلا إذنه ولا ولایته. (در مختار مع الشامی ٩/٢٩١، کراچی ٦/٢٠٠)

وشروطه ثلاثة: موت مورث حقیقة أو حکما ...... ووجود وارثه عند موته حیا حقیقة أو تقدیرا. (شامی، کتاب الفرائض، زکریا ١٠/٤٩١، کراچی ٦/٧٥٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶ر شوال المکرّم ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۴۹۴)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۱۰/۱۶ھ

مطلقہ بیوی کی اولاد شرعی وارث ہیں لیکن مطلقہ وارث نہیں

سوال [۱۱۴۶۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرے پہلے سسر کا نام انوار حسین تھا اور ان کی بیوی کا نام مہر بانوں ہے، میرے سسر انوار حسین نے میری ساس مہر بانو کو طلاق دیدی تھی، میرے سسر انوار حسین کے دو لڑکیاں تھیں، دونوں لڑکیوں بچپن ہی سے اپنی نانی کے یہاں والدہ ماجدہ کے ساتھ پرورش پائی، دونوں لڑکیاں جوان ہوگئیں، بڑی لڑکی کی مجھ سے (خود سکندر) علی کے ساتھ شادی ہو گئی، میری ایک چھوٹی سالی باقی رہ گئی ہے، جس کی ابھی شادی نہیں ہوئی ہے، میرے سسر

انوار حسین نے دوسری شادی کرلی، جس سے ایک لڑکا پیدا ہوا، اس کی عمر تقریباً ۷/۸ سال ہے وہ میرا سوتیلا سالا ہوتا ہے، میرے سسر نے ایک مکان دہلی اور ایک مکان امروہہ میں چھوڑا ہے، اور میرے سسر انوار حسین ہمدرد دواخانہ میں نوکری کرتے تھے، ان کا فنڈ اور بیمہ ہے، میری بیوی اور میری سالی اور میرا سوتیلا سالا ملکیت جائیداد میں اور نقدی میں کون کتنے کا مالک ہوتا ہے اس کا آپ ہمیں حساب بنادیں؟

نوٹ: سسر کے ورثاء میں ابھی دوسری بیوی بھی زندہ ہے اور ایک لڑکا اور مطلقہ بیوی سے دو لڑکیاں موجود ہیں۔

المستفتی: سکندر علی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بشرط صحت سوال وبعد ادائے حقوق ماتقدم وعدم موانع ارث انوار حسین مرحوم کا کل ترکہ شرعی ورثاء کے درمیان درج ذیل طریقے سے تقسیم ہوگا:

$\frac{۳۲}{۸}$

انوار حسین میــــــــــــــــــــــــــــــــــــت

زوجہ ثانیہ	لڑکا	لڑکی	لڑکی
$\frac{۱}{۴}$	۱۴	$\frac{۷}{۷}$	۷

کل ترکہ ۳۲/ سہام میں تقسیم ہوکر زوجۂ ثانیہ کو ۴/ اور لڑکے کو ۱۴/ اور دونوں لڑکیوں میں سے ہر ایک کو سات سات سہام ملیں گے، پہلی بیوی جس کو طلاق دے چکا ہے، اس کو کوئی حق نہیں ملے گا، اور اس کے بطن سے انوار حسین کی جو دو لڑکیاں پیدا ہوئی ہیں ان کو اپنے باپ کے ترکہ میں سے پورا پورا حق ملے گا، ماں کو طلاق دینے سے اولاد محروم نہیں ہوسکتی۔

﴿ يُوصِيكُمُ اللّٰهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ. [النساء: ۱۱] ﴾

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴/ ربیع الثانی ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۶۳۹)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۲/۴/۱۴ھ

مطلقہ اوراس کے بیٹے کا شوہر کی جائیداد میں حصہ

سوال [۱۱۴۶۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ارشد علی ولد فرزند علی ساکن محلّہ سرائے کشن لال مرادآباد میرے فرزند ارجمند جن کا نام فیضان علی تھا، جن کی شادی ۲۷؍مئی ۲۰۰۰ء میں ہمراہ روبینہ بنت علی جان صاحب ساکن محلّہ شاہ آباد گیٹ رامپور سے ہوئی تھی، میاں بیوی کے درمیان کسی بات کو لے کر تکرار ہوگئی، اس نے اتنا طول پکڑا کہ طلاق کی نوبت آگئی، ۲۰۰۹ء میں طلاق واقع ہوگئی، بہر کیف اس درمیان ۲۶؍مئی ۲۰۱۴ء میں اچانک طبیعت بگڑنے کی صورت میں عزیزم فیضان علی کا انتقال ہوگیا، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

غور طلب امر یہ ہے کہ اب عزیزم فیضان علی کی مطلقہ بیوی روبینہ اپنے حق کا مطالبہ کررہی ہے، اور مکان میں رہائش بھی کرنا چاہتی ہے، کیا یہ روبینہ کے لیے جائز ہے، اور عزیزم فیضان علی کے نام سے کوئی جائیداد نہیں ہے، نیز عزیزم فیضان علی کے صاحبزادے صبور علی والدہ کے ساتھ ہیں، لہٰذا آنجناب سے مؤدبانہ درخواست ہے کہ جواب عنایت فرماکر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں کہ فیضان علی مرحوم کی مطلقہ بیوی کا مجھ سے حق کا مطالبہ کرنا شرعاً جائز ہے یانہیں؟ اسی طرح مرحوم فیضان علی کے بیٹے کا بھی میری جائیداد میں حق ہے یا نہیں؟

المستفتی: ارشد علی ولد فرزند علی محلّہ سرائے کشن لال مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب فیضان علی نے اپنی موت سے کئی سال پہلے اپنی بیوی روبینہ کو طلاق دے کر زوجیت سے الگ کردیا ہے تو اسلامی شریعت میں روبینہ کا فیضان علی کے ساتھ کوئی رشتہ باقی نہیں رہا، لہٰذا فیضان علی کی وفات پر روبینہ کسی طرح اس کی وارث نہیں بن سکتی، نیز سوال نامہ میں اس بات کا ذکر ہے کہ فیضان علی کی ملکیت میں کوئی بھی چیز نہیں رہی ہے، اس لیے فیضان علی کے بیٹے صبور علی کو باپ کا ترکہ نہ ہونے کی وجہ سے کچھ

نہیں ملے گا، اگر باپ کا کچھ بھی ترکہ ہے تو صبور علی کو اپنے باپ کی شرعی میراث ملے گی، مگر روبینہ کو کوئی چیز نہیں ملے گی، نیز دادا کے اوپر اپنے پوتے کی پرورش کا خرچہ لازم ہوتا ہے، بشرطیکہ دادا کی پرورش میں رہے اور دادا اپنی مرضی سے پوتے کے نام کچھ جائیداد کرنا چاہے تو پوتے کو مل سکتی ہے، ورنہ پوتے کو دوسری اولاد کی موجودگی میں کچھ نہیں ملے گا، نیز ابھی دادا خود زندہ ہے، اس لیے اس کی جائیداد میں سے کسی کو مطالبہ کرنے کا حق نہیں ہے۔

وأجمعوا أنه لو طلقها في الصحة في كل طهر واحدة ثم مات أحدهما لايرثه الآخر. (فتح القدير، باب طلاق المريض، زكريا ۱۲۹/٤، كوئٹه ۲/٤، دار الفكر ۱٤٥/٤)

قوله طلقها رجعيا أو بائنا في مرض موته ومات في عدتها ورثت وبعدها لا ...... لأن النكاح في العدة يبقى في حق بعض الآثار فجاز أن يبقى في حق إرثها عنه بخلاف ما بعد الانقضاء لأنه لا إمكان، والزوجية في هذه الحالة ليست بسبب لإرثه عنها، فيبطل في حقه خصوصا إذا رضي به. (البحر الرائق، باب طلاق المريض، زكريا ۷۰/٤، كوئٹه ٤۲/٤، البنايه اشرفيه ديو بند ٤۱/٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍ ذی قعدہ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۱۶۷۶)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۲/۱۱/۱۴۳۵ھ

عدت مکمل ہونے کے بعد مطلقہ کا سابق شوہر اس کا وارث نہیں

سوال [۱۱۴۶۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کی دو بیویاں تھیں، پہلی بیوی کو طلاق دیدی، بعد طلاق زید نے دین مہر دینا چاہا مگر اس نے مہر لینے سے انکار کر دیا کہ قیامت میں لوں گی، زید نے مطلقہ کو مہر دینے کی بارہا کوشش کی مگر ہر بار وہ مہر لینے سے انکار ہی کرتی رہی اور معاف بھی نہیں کیا، حتی کہ بیوی کا انتقال ہو گیا، لہٰذا بتایا جائے کہ اس کی مہر کی ادائیگی کی کیا صورت ہوگی؟

آپ نے تحفۂ خواتین ماہ ربیع الاول ۱۴۲۵ھ دینی مسائل اور ان کا حل کے جواب

میں لکھا ہے کہ مسئولہ صورت میں وہ مہر بیوی کے ترکہ میں شامل ہوگا۔

اب سوال یہ ہے کہ مرحومہ کے وارث کون ہوں گے، والدین بھائی وغیرہ، یا مرحومہ کی اولاد اور شوہر وغیرہ، کیونکہ مرحومہ کے شوہر کے علاوہ دولڑکے، دولڑکیاں بھی ہیں، جو شادی شدہ ہیں، اور زید سے علیحدہ رہتے ہیں۔

الغرض اگر ورثاء بھی اس مہر کو بوجہ رنجش لینے سے انکار کردیں تو ایسی صورت میں اگر زید اس دین مہر کو جس کی مقدار صرف گیارہ سو روپیہ ہے، بطور صدقہ جاریہ کے ایک مشت کسی مسجد یا مدرسہ میں دیدے تو مہر ادا ہوجائے گا یا نہیں؟ اور زید اس قرض سے سبکدوش ہوکر عند اللہ بری ہوجائے گا یا نہیں؟ نیز یہ بھی بتایا جائے کہ ورثاء میں کن کن کو کتنا کتنا حصہ ملے گا؟ اور دین مہر کی کل رقم صرف گیارہ سو روپیہ ہے۔

المستفتی: ریاض الدین پورنیہ بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں مرحومہ بیوی کا مہر اس کے شرعی وارثین میں تقسیم ہوگا، اور اس کے وارثین میں والدین اور اولاد شامل ہیں، طلاق دینے والا شوہر عدت کے بعد اس کا وارث نہ ہوگا، لہٰذا مہر کی کل رقم چھ حصوں میں کرکے ایک ایک حصہ والدین کو ملے گا، اور بقیہ حصے میں لڑکے اور لڑکیاں ”لِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ“ کے ضابطہ سے مستحق ہوں گے، اگر سب وارثین کی مرضی سے یہ رقم صدقہ جاریہ میں لگادیں تو درست ہے مگر سابقہ شوہر کو ورثاء کی مرضی کے بغیر اسے کسی جگہ استعمال کا حق نہیں ہے۔

﴿یُوْصِیْکُمُ اللّٰہُ فِیْ اَوْلَادِکُمْ لِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ. [النساء: ۱۱]﴾

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/ذی قعدہ ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۸۹۵۵)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۷/۱۱/۱۴۲۶ھ

بہن کے حصے میں بھائی کا حق

سوال [۱۱۴۶۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں اپنی بہن اور بہنوئی کے گھر رہتا تھا، بہنوئی کے ساتھ کام کرتا تھا، وہ لوگ اپنی اولاد کی طرح مجھے رکھتے تھے، میں بھی اولاد کی طرح ان کے ساتھ کام کرتا تھا، بہنوئی کوشگر کی بیماری تھی، وہ بہت کمزور ہوگئے تھے، ۱۹۸۳ء میں ان کا انتقال ہوگیا، بچوں کی ساری ذمہ داری میرے سر پر آگئی، میری بہن بولی کہ بھائی ان لڑکیوں کا تو ہی باپ ہے، اور تو ہی بھائی بھی ہے، تو میں نے ان لڑکیوں کی خاطر اپنی شادی بھی نہیں کی ہے، اس کے بعد بہن کا بھی انتقال ہوگیا، بہن کے مرنے کے تین سال بعد دونوں لڑکیوں کی شادی کی، ۳۵؍سال تک میں بمبئی میں رہتا رہا، اب میں نے اپنی شادی کی تو ان لوگوں نے مجھے بمبئی سے نکال دیا، اور کہا کہ تمہارا کوئی کام نہیں ہے، میرے بہن بہنوئی، دو کروڑ بیس لاکھ روپئے کی پروپرٹی چھوڑ کر گئے ہیں، میری بہن کے لڑکا کوئی نہیں تھا، پانچ لڑکیاں تھی، ان کے مال میں میرا کچھ حصہ نکلتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: ابوشحمہ اصالت پورہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بہن کا جو سرمایہ اس کا اپنا ذاتی تھا، اور شوہر کی دولت میں سے بہن کا حق آٹھواں حصہ بھی ہے، یہ آٹھواں حصہ اور بہن کا دیگر ذاتی سرمایہ تین حصوں میں تقسیم ہوکر دو حصہ پانچوں لڑکیوں کو ملیں گے اور بقیہ ایک حصہ بھائی کے عصبہ ہونے کی وجہ سے اس کو ملے گا، اور سالہ بہنوئی کا وارث نہیں ہوتا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍شعبان المعظم ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۴۷۳)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۸/۱۴ھ

بہن کے نام ایف ڈی میں بھائی کا حصہ

سوال [۱۱۴۶۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: میرے والد صاحب کا انتقال ہوگیا ہے، ہم دو بہن بھائی ہیں، میرے والد صاحب کی ایک ایف ڈی ہے جس میں میری بہن نومنی ہے، کیا اس ایف ڈی کی رقم میں میرا کوئی حق بنتا ہے؟

المستفتی: محمد توقیر محلّہ بھٹی مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایف ڈی کی پالیسی میں محض نومنی یا کسی کے نام سے اس کو نامزد کرادینے سے دیگر ورثاء کا حصہ سوخت یا ختم نہیں ہوجاتا بلکہ شرعاً سب وارثین حسب حصص شرعیہ اس میں شریک ہوں گے، اور اس ایف ڈی میں جو سود کی رقم آئے گی وہ حرام اور ناجائز ہے، کسی کے لیے بھی حلال نہیں ہے، اگر انکم ٹیکس یا سیل ٹیکس وغیرہ لازم ہے تو اس میں دے سکتے ہیں، ورنہ نادار فقراء کو بغیر نیت ثواب صدقہ کر دینا لازم ہے، اور رأس المال جو جمع کیا گیا ہے وہ وارثین کے درمیان حصص شرعیہ کے مطابق تقسیم ہوگا۔

وتتم بالقبض الكامل لأنها من التبرعات، والتبرع لايتم إلا بالقبض. (شرح المجلة، رستم ۱/ ٤٦٢)

وتتم الهبة بالقبض الكامل لقوله عليه السلام لاتجوز الهبة إلا مقبوضة. (مجمع الأنهر، كتاب الهبة، دار الكتب العلمية بيروت ۳/ ٤٩١، مصرى قديم ۲/ ۳٥۳، شامی کراچی ٥/ ٦٩٠، زکریا ۸/ ٥۲۰، الفتاویٰ التاتارخانية زكريا ١٤/ ٤٢١، رقم: ۲۱٥٦۳، شرح المجلة رستم اتحاد ۱/ ٤۷۳، رقم المادة: ۸٦۱)

من ملك بملك خبيث ولم يمكنه الرد إلى المالك فسبيله التصدق على الفقراء. (معارف السنن، اشرفی بکڈپو دیوبند ۱/ ۳٤)

والحيلة عند الحنفية في جواز ذٰلك مع الكراهة أن يتصدق بها على الفقير. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۳٦/ ۲٤٤) فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍ محرم الحرام ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۳۵۵)

ربیب وارث نہیں ہے

سوال [۱۱۴۶۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں نے ایک رانڈ عورت سے نکاح کیا تھا اس کے ساتھ ایک بچہ نادان آیا تھا، میں نے اس کو پال پوس کر بڑا کیا، اب ایک بچہ اسی بیوی سے میرے نطفہ سے پیدا ہوا ہے تو کیا بیوی کے ساتھ آیا ہوا بچہ میرے مال کا حقدار ہوسکتا ہے، ان دونوں بھائیوں میں بہت دشمنی چل رہی ہے، تو پہلے والے لڑکے کو جدا کرکے اس کو ہٹا سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: محمد اسجد گلاب باڑی کٹ گھر مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو بچہ بیوی کے ساتھ آیا تھا وہ شرعی طور پر آپ کا وارث نہیں ہے، آپ کی دولت میں شرعی طور پر کسی حصہ کا حقدار نہیں ہے، اور جو لڑکا آپ سے پیدا ہوا ہے وہ آپ کا وارث ہے اور جو بچہ بیوی کے ساتھ آیا ہے وہ آپ کے خاندان کا فرد نہیں ہے اور اس کے لیے قرآن وحدیث اور فقہ سے وراثت ثابت نہیں ہے، اور اپنی اولاد کے لیے ثابت ہے۔

﴿قال اللّٰہ تعالی: يُوصِيكُمُ اللّٰهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ. [النساء: ١١]﴾ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/ ربیع الثانی ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۹۶۵)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۸/ ۴/ ۱۴۱۵ھ

بھتیجے کو حصہ دینے کی شرعی حیثیت

سوال [۱۱۴۷۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عائشہ خاتون کا انتقال ہوا، اس کے ورثاء میں پانچ لڑکے اور پانچ لڑکیاں ہیں جبکہ ایک لڑکا شمیم والدہ کی حیات میں ہی انتقال کر گیا تھا، جس کا ایک لڑکا محمد وسیم ہے، مرحومہ

محمد شمیم کے بھائی اپنے بھتیجے کو بخوشی حصہ دینا چاہتے ہیں، مفتی صاحب سے درخواست ہے کہ ہر وارث کو کتنا ملے گا؟ واضح فرمائیں۔

المستفتی: محمد ندیم گل شہید مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عائشہ خاتون کے وارثین میں شرعی طور پر اس لڑکے کی اولاد شامل نہیں ہے، جس کا انتقال عائشہ کی زندگی میں ہی ہوگیا تھا لیکن اگر سارے وارثین اپنی رضامندی سے مرحوم لڑکے کی اولاد کو بھی اتنا دینا چاہتے ہیں جتنا ایک بھائی کا حصہ بن سکتا ہے، تو وارثین کی طرف سے یہ ایک بہترین صلہ رحمی کا اقدام ہے، ان شاء اللہ اس سے تمام وارثین من جانب اللہ اجر وثواب کے مستحق ہوں گے۔

عن أبی هريرة -رضی الله عنه- عن النبی ﷺ قال: من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فليصل رحمه. (بخاری، باب إكرام الضيف وخدمته إياه بنفسه، النسخة الهندية ۲/۹۰۶، رقم: ۵۹۰۰، ف: ۶۱۳۸)

عن أنس بن مالك -رضی الله عنه أن رسول الله ﷺ قال: من أحب أن يبسط فی رزقه وينسأ له فی أثره فليصل رحمه. (بخاری شريف، باب من بسط له فی الرزق لصلة الرحم، النسخة الهندية ۲/۸۸۵، رقم: ۵۷۵۲، ف: ۱۵۹۸۶)

اور کل ترکہ درج ذیل طریقہ پر تقسیم ہوگا:

میت ۱۵

لڑکا	لڑکا	لڑکا	لڑکا	لڑکا	لڑکی	لڑکی	لڑکی	لڑکی	لڑکی
۲	۲	۲	۲	۲	۱	۱	۱	۱	۱

کل ترکہ ۱۵/ سہام میں تقسیم ہوکر مرحوم کے زندہ لڑکوں میں سے ہر لڑکے کو ۲/۲ اور لڑکیوں کو ایک ایک ملے گا، اور مرحوم لڑکے کی اولاد کو دینے کی صورت میں کل ترکہ ۱۷/ سہام میں تقسیم ہوکر ہر ایک کو ۲/۲ اور لڑکیوں کو ایک ایک ملے گا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/ جمادی الثانیہ ۱۴۳۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۲۰۷۶/۴۱)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۶/۶/۵ھ

پوتا شرعی وارث ہے یا نہیں؟

سوال [۱۱۴۷۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کیا دادا، پردادا کی موروثی جائیداد میں بیٹے کے ہوتے ہوئے پوتا پوتی کا بھی حق ہوتا ہے؟

ایک بیٹا اپنے باپ سے یہ کہہ کر اپنا حق جائیداد سے مانگ رہا ہے کہ یہ ہمارے دادا کی موروثی جائیداد ہے اس میں میرا بھی حق ہے، جبکہ باپ کہتا ہے کہ بیٹا میرے مرنے کا انتظار کرو، جب تک میں زندہ ہوں تمہارا کوئی حق نہیں، بس رہتے رہو، مہربانی فرما کر جتنی جلدی ممکن ہو ارشاد فرمائیں نوازش ہوگی؟

المستفتی: ماسٹر عبدالحق ہلدوانی نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دادا، پردادا کی موروثی جائیداد میں بیٹے کے ہوتے ہوئے پوتا، پوتی کا کوئی حق نہیں ہوتا ہے، اور یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ موروثی جائیداد میں سے جو ملا ہوا ہے، اس میں اور خود کی خریدی ہوئی جائیداد میں ملکیت کے اعتبار سے اور آئندہ نسلوں میں وراثت جاری ہونے کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں ہوتا ہے، جس طرح خود کی خریدی ہوئی جائیداد میں سے بیٹے کی موجودگی میں پوتے وارث نہیں ہوتے ہیں، اسی طرح موروثی جائیداد میں بیٹے کی موجودگی میں پوتے وارث نہیں ہوں گے، لہٰذا بیٹے نے باپ سے موروثی جائیداد میں سے اپنا حق جائیداد کا جو مطالبہ کیا ہے وہ ناجائز مطالبہ ہے، کیونکہ باپ کے ہوتے ہوئے موروثی جائیداد میں سے بیٹا کسی بھی حصہ کا حق دار نہیں ہوتا ہے، باپ کو اختیار ہے کہ اپنی زندگی میں بحالت صحت موروثی جائیداد میں مکمل طور پر مالکانہ تصرف کرنا چاہے یا بیچ کھائے یا کسی کو تحفہ میں دیدے۔

عن المغيرة عن أصحابه في قول زيد بن ثابت و علي بن أبي طالب و ابن مسعود رضي الله عنهم إذا ترك المتوفیٰ ابنا فالمال له، وقوله: إذا

ترک ابنا وابن ابن فليس لابن الابن شيئ، وكذٰلك إذا ترك ابن ابن و أسفل منه ابن ابن و بنات ابن أسفل فليس للذى أسفل من ابن الابن مع الأعلى شيئ، كما أنه ليس لابن الابن شيئ. (السنن الكبرىٰ للبيهقي، كتاب الفرائض، باب ترتيب العصبة، دار الفكر ٩/٣٠٢، رقم: ١٢٦٢٩)

يحجب الأبعد بالأقرب كالابن ويحجب أولاد الابن. (الدر المنتقىٰ في شرح الملتقىٰ، كتاب الفرائض، دار الكتب العلمية بيروت ٤/٥١٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷؍ ربیع الثانی ۱۴۳۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۲۰۰۶)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۶/۴/۱۷ھ

مشترکہ حادثہ میں وفات پانے والا وارث ہے یا نہیں؟

سوال [۱۱۴۷۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) کہ میری شادی تقریباً ۱۴؍ سال قبل مولانا قمر الدین ولد جناب مولانا امام الدین صاحب کے ساتھ ہوئی تھی۔

(۲) تین سال تک ہم زوجین اپنے ساس وخسر کے ساتھ مشترکہ طور پر رہتے رہے۔

(۳) اس کے بعد چند گھریلو وجوہات کی بنا پر ہمارے خسر نے ایک علیحدہ مکان ہمارے شوہر کو دے کر ہمیں مشترکہ نظام خانہ زندگی سے الگ کر دیا۔

(۴) مکان کا مکمل مالک وقابض اپنے بیٹے کو بنا دیا تھا، اور اپنے حق سے دستبردار ہو گئے تھے، اور بذات خود اپنے دوسرے بیٹے شرف الدین کے ساتھ دوسرے مکان میں رہائش پذیر تھے، اور وہ حصہ اس حصہ سے رقبۃً بڑا ہے، جو میرے شوہر کو دیا تھا، نیز ان کے دو ہی لڑکے تھے، ایک لڑکے کا انتقال ہو گیا تھا۔

(۵) مکان میں کچھ تعمیرات بھی ہمارے شوہر نے کرائی۔

(۶) ہمارے شوہر اپنے والد کے مدرسہ میں تنخواہ دار ملازم تھے۔

(۷) ہمارے شوہر چند وجوہات کی بنا پر والد کے مدرسہ سے مستعفی ہوکر نینی تال امامت کرنے کے لیے چلے گئے، تقریباً ڈیڑھ سال تک انہوں نے امامت کی اور ہم اپنے والد کے گھر چلے آئے، دوران قیام نینی تال مکان پر ہمارے شوہر ہی دخیل وقابض رہے۔

(۸) اس کے بعد ہمارے خسر کو پھر ان کی سخت ضرورت محسوس ہوئی تقریبا ۱۲ر نفر کا ایک وفد اپنے لڑکے مولانا قمرالدین کو بلانے کے لیے روانہ کیا ہمارے شوہر آنے کے لیے تیار نہیں تھے، لیکن وہ چند شرطوں کے ساتھ آ گئے، جن کا ہمیں علم نہیں ہے۔

(۹) گذشتہ سال ہمارے شوہر اوران کے والد مولانا امام الدین صاحب ایک حادثہ میں ایک ساتھ شہید ہوگئے، ان کے بعد حتمی طور پر یہ معلوم نہیں کہ پہلے کس کا انتقال ہوا، پوسٹ مارٹم رپورٹ کے مطابق ہمارے شوہر کا انتقال پہلے قرار دیا گیا۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ مولانا امام الدین کی جائیداد میں ہمارے شوہر حقدار ہوں گے یا نہیں؟ انہوں نے کافی جائیداد چھوڑی اور اپنے انتقال پر ایک بیوی ایک لڑکا اور ۲ر لڑکیاں چھوڑیں، نیز ہمارے مرحوم شوہر پر پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کا شرعاً اعتبار کیا جائے گا یا نہیں؟

(۱۰) ہمارے خسر نے جو مکان اپنے لڑکے کو دیدیا تھا اس میں ہم اور ہمارے بچے حقدار ہوں گے یا نہیں؟ شریعت کی روشنی میں جواب مرحمت فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

المستفتی: بیوہ مولانا قمرالدین مرحوم رام نگر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوالنامہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مولانا قمر الدین صاحب مرحوم کو باپ نے جو مکان دیا ہے وہ مالکانہ طور پر دے کر علیحدہ کر دیا ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ مولانا قمر الدین صاحب ان کے والد حضرت مولانا امام الدین صاحب مرحوم کا مدرسہ بھی چھوڑ کر نینی تال جا کر امامت کرنے لگے اور باپ کے اپنے مدرسہ میں بلانے کے باوجود آنے کے لیے تیار نہیں تھے، اور دس بارہ نفری لوگوں کو سفارشی بنا کر کے بلایا گیا، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ مولانا قمر الدین صاحب ان کے والد حضرت مولانا امام الدین صاحب کی فیملی سے بالکل الگ تھلگ رہے ہیں، لہٰذا اس علیحدگی میں جو مکان مولانا

قمرالدین صاحب کودیا گیا ہے وہ شرعی طور پر باپ کی طرف سے ہبہ ہے اور ہبہ پر مالکانہ قبضہ بھی ثابت ہو چکا ہے، اس لیے وہ مکان مولانا قمرالدین کی ملکیت ہے۔

وتصح بإيجاب ...... وبقبول ...... وتتم الهبة بالقبض الكامل. (در مختار مع الشامی، کتاب الهبة، زكريا ٤٩٣/٨، کراچی ٦٩٠/٥)

ويتم بالمالك وحده والقبول شرط ثبوت الملك للموهوب له. (هنديه، كتاب الهبة، الباب الأول، زكريا جديد ٣٩٥/٤، قديم ٣٧٤/٤)

اب رہی مشترکہ حادثہ میں دونوں کی موت واقع ہونے کی صورت جبکہ حتمی طور پر باپ کی موت کا پہلے ہونا ثابت نہیں ہے، اسی طرح بیٹے کی موت کا بھی پہلے ہونا ثابت نہیں ہے تو ایسی صورت میں ایک دوسرے کے وارث بنیں گے یا نہیں؟

توحکم شرعی یہ ہے کہ نہ بیٹا باپ کا وارث بنے گا اور نہ ہی باپ بیٹے کا وارث بنے گا اور پوسٹ مارٹم کے ذریعہ سے تقدم وتأخر کو ثابت کرنا شرعاً معتبر نہیں ہے، کیونکہ حق وراثت میں جہالت مورث اور جہالت وارث دونوں ہی مانع وراثت ہیں، لہٰذا جب مولانا قمر الدین کا بیٹا موجود ہے، اور حضرت مولانا امام الدین صاحب کا بھی ایک بیٹا موجود ہے تو ایسی صورت میں مولانا قمرالدین کی جائیداد میں بھی مولانا امام الدین کے بیٹے اور بیٹیاں وارث نہیں بنیں گے، اسی طرح مولانا امام الدین صاحب کی جائیداد میں بھی مولانا قمر الدین کے بیٹے اور بیٹیاں اور بیوی وارث نہیں ہوں گے، ہاں البتہ مولانا قمرالدین کی ماں قمرالدین کی جائیداد میں چھٹے حصے کی حقدار رہے گی۔

وبقي من الموانع جهالة تاريخ الموتىٰ كالغرقىٰ و الهدمىٰ والقتلىٰ ومنها جهالة الوارث. (در مختار مع الشامی، کتاب الفرائض، زكريا ٥١٠/١٠، کراچی ٧٦٨/٦)

إذا ماتت جماعة بينهم قرابة ولا يدرى أيهم مات أولا كما إذا غرقوا فى السفينة معا ...... ولم يعلم التقدم والتأخر فى موتهم جعلوا كأنهم ماتوا معا، فمال كل واحد منهم لورثته الأحياء ولايرث بعض هؤلاء الأموات من

بعض هذا هو المختار عندنا . (الشريفيه ص:۱۵۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ جمادی الثانیہ ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۰۹۳)

نومسلمہ اور اس کے بچوں کو حصہ ملے گا یا نہیں؟

سوال [۱۱۴۷۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کی دو بیوی ہیں، دونوں حیات ہیں پہلی بیوی جس سے زید کا نکاح ۲۰۰۵ء میں ہوا تھا، نکاح کے بعد اس سے ایک لڑکا ہے، جس کا نام محمد کفیل حمزہ ہے۔

دوسری بیوی نومسلمہ ہے، ایمان لانے سے پہلے اس کے بطن سے زید کے دو بچے ہیں، ایک لڑکی اور ایک لڑکا، نکاح کے تین ماہ کے بعد ایک لڑکی زید سے اور پیدا ہوئی، زید کی اپنی کوئی جائیداد نہیں ہے، اگر والد کی جائیداد میں سے آگے چل کر کوئی حصہ زید کو پہنچتا ہے تو مندرجہ بالا بچوں کا اس حصہ میں سے کس کو شرعی طور پر کتنا حصہ ملے گا؟

المستفتی: محمد یامین جھبو کا نالہ مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں زید کو جو کچھ بھی والد کی طرف سے ملے گا اس میں صرف زید کی پہلی بیوی سے پیدا شدہ محمد کفیل حمزہ ہی شرعاً حقدار ہوں گے، اور نومسلمہ بیوی سے نکاح سے پہلے جو اولاد ہوئی ہے یا نکاح کے تین مہینہ بعد جو لڑکی پیدا ہوئی ہے وہ سب اس کی وارث نہیں ہوں گی، اس لیے کہ شرعاً ان بچوں کا نسب زید سے ثابت نہیں ہوا، بشرطیکہ زید کی نومسلمہ بیوی نے آخری بچہ کی ولادت سے تین مہینہ پہلے ہی ایمان لا کر زید سے نکاح کیا ہو، لیکن اگر زید کی نومسلمہ بیوی نے تینوں بچوں کی پیدائش سے پہلے خفیہ طور پر اسلام لا کر زید سے نکاح کر لیا تھا، اور پھر یہ بچے پیدا ہوئے ہیں، اور بعد میں جو نکاح ہوا ہے وہ نکاح صرف ظاہراً لوگوں کو دکھانے کے لیے ہوا ہے، تو زید کے وہ سارے بچے بھی زید کے وارث قرار

پائیں گے، اور یہ سب باتیں اسی وقت صحیح طور پر معلوم ہوسکتی ہیں جب زید سے براہ راست اس بارے میں گفتگو کی جائے۔ (مستفاد: کفایت المفتی جدید۸/ ۲۸۸، فتاویٰ دار العلوم ۱۷/ ۵۳۹)

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال النبي ﷺ: الولد للفراش وللعاهر الحجر. (بخاری شريف، باب للعاهر الحجر، النسخة الهندية ٢/ ١٠٠٧، رقم: ٦٥٦٠، ف: ٦٨١٨)

ويستحق الإرث برحم و نكاح صحيح فلا توارث بفاسد ولا باطل اجماعا و ولاءً. (در مختار مع الشامي، كتاب الفرائض، زكريا ١٠/ ٤٩٧، كراچی ٦/ ٧٦١، مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ٤/ ٤٩٥، مصری قديم ٢/ ٧٤٧)

وإذا تزوج الرجل امرأة فجاءت بولد لأقل من ستة أشهر منذ يوم تزوجها لم يثبت نسبه. (هدايه، كتاب الطلاق، باب ثبوت النسب، اشرفی ديوبند ٢/ ٤٣٢، هنديه زكريا قديم ١/ ٥٣٦، جديد ١/ ٥٨٨) **فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍محرم الحرام ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۳۵۶)

تقسیم میراث سے متعلق ایک سوال

سوال [۱۱۴۷۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں آپ سے شرعی طور پر وراثت کی تقسیم کے بارے میں کچھ پوچھنا چاہتی ہوں، تاکہ میں احکام شرعیہ کے مطابق اپنی ملکیت کو تقسیم کرسکوں، پہلے تو یہ عرض کرنا مناسب ہوگا کہ میرے پاس جو آراضی ہے وہ میرے والد محترم نے ۱۹۶۵ء میں ۱۶۵؍گز جگہ تین لڑکیوں کے نام سے خریدی تھی (جس میں ایک میرے نام اور دو میری دوسری بہنیں ہیں) اس آراضی سے ہونے والی آمدنی کو میرے والد اور بھائی لوگ وصول کرتے رہے (میرے تین بھائی ہیں اور ہم سب چھ بہنیں ہیں) ۱۹۶۵ء میں میری شادی ہوگئی اور میں اپنی سسرال چلی گئی، میرے دو بچے ہیں، ایک لڑکا جس کی عمر اس وقت ماشاء اللہ ۱۷؍سال مکمل

ہونے جارہی ہے اوراس سے دوسال بڑی ایک لڑکی جس کی عمر ۱۹/سال ہے، اوراس کی شادی کوبھی ماشاء اللہ ایک سال مکمل ہو چکا ہے، اس آراضی پر ہمارے ایک کرایہ دار نے قبضہ کرلیا جس کو خالی کرانے میں میرے والد اور بھائی لوگوں کو کافی مشکلات پیش آرہی تھیں، چنانچہ انہوں نے مجھ سے کہا کہ تم اس جگہ کو خالی کرالو، پھر والد نے مجھ سے کہا: اور اللہ کے حکم سے اس جگہ کو میں نے ۱۹۸۸ء میں خالی کرالیا، حالات کے تقاضہ کے تحت وہاں مجھے رہنا پڑا، جگہ بہت اجاڑ اور سنسان اور دیہاتی ہے، مگر اللہ کے سہارے وہاں رہی، ۱۹۸۹ء میں اسکول کی بنیاد ڈالدی، اسکول کی بلڈنگ اور تمام فرنیچر اور ضروری سامان میں نے خود ذاتی پیسہ سے تیار کیا، اوراس جگہ پر رہنے کے لیے بھی کچھ حصہ صحیح کرنا پڑا، جس کو میں نے خود کیا، لیکن یہ سب کام بنا کسی لالچ وغرض کے کرتی رہی، اور نیت یہ تھی کہ جس وقت بھی والد محترم مجھ سے جگہ مانگیں گے فوراً دیدوں گی، میرے والد کی اور بھی بہت ملکیت ہے، جس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے، ۶/ بیگہ زمین ایک بھائی کے نام پر اور ۱۲/ بیگہ زمین ایک بھائی کے نام پر خریدی گئی، تین بیگہ زمین دوسرے بھائی کے نام سے، ۲۰/ بیگہ زمین والدہ کے نام سے، تین بیگہ زمین دو بہنوں کے نام سے، ۴۵/ بیگہ باغ والدہ اور میری چار بہنوں کے نام سے، ۴۰/ بیگہ کھیت والدہ اور چار بہنوں کے نام سے، ایک کوٹھی میرے والد کے نام سے جس میں تینوں بھائی مقیم ہیں۔

غرض ایک دن میرے والد نے ہم تین بہنوں کے نام سے جو آراضی ۱۶۵/گز جس کا ذکر کر چکی ہوں اس کو پورا کا پورا میرے نام، ان دونوں بہنوں نے اپنا حصہ بھی ہبہ کردیا، جو کہ ہبہ زبانی کے علاوہ تحریری بھی ہے، جس پر ان کے شوہروں اور دو دو گواہوں کے دستخط بھی موجود ہیں، میری ان دونوں بہنوں کو اس جگہ کے بدلے دوسری جگہ دیدی گئی، اور یہ جگہ مجھ کو یہ کہہ کردی گئی کہ اس کو میں نے اپنی محنت سے اس کرایہ دار سے خالی کرایا جس کو خالی کرانے میں کافی مقدمہ داری اور پریشانی کا سامنا تھا، دوسرے یہ وہاں اکیلے بچوں کو لے کر رہی (میرے شوہر میرے ساتھ نہیں ہیں، جب میں اس جگہ آئی تو اس وقت میری بچی ۹/سال اور بیٹا ۷/سال کا تھا اسکول قائم کیا، اور یہ اسکول اسی طرح چلتا رہا، یہ اسکول میں نے اپنی والدہ

کے نام سے قائم کیا ہے، یہاں دیہات میں آبادی مسلم ہے، یہاں کی ضرورت کو دیکھتے ہوئے میں نے اسکول قائم کیا کیونکہ یہاں کوئی اسکول نہیں تھا۔

(۱) اب آپ مجھے اسلامی رو سے یہ بتانے کی تکلیف کریں کہ ان دونوں بہنوں کا اس پر کوئی شرعی حق تو نہیں ہے؟

(۲) اگر اس جگہ کو میں پورا کا پورا قوم کے نام یعنی اسکول کے نام کر دوں تا کہ اسی طرح یہ آگے چلتا رہے تو مجھ سے کسی کی حق تلفی تو نہ ہوگی؟

(۳) میرے دو بچوں کا اس میں کہاں تک اور کتنا حصہ ہوسکتا ہے؟

(۴) میرے قرض، نماز، روزہ، اور زکوۃ، حج وغیرہ کا فدیہ میری موت کے بعد اس جائیداد میں سے کس طرح سے ادا ہوسکتا ہے؟

(۵) والد کی جس خرید جائیداد کی تفصیل میں نے اوپر عرض کی ہے اس میں سے بہنوں اور بھائیوں کا کس طرح ورثاء میں شمار ہوگا؟

(۶) جو جگہ الگ الگ بھائیوں کے نام سے خریدی گئی ہے کیا وہ ورثاء میں تقسیم ہوتے وقت والد کی ملکیت میں سمجھی جائے گی، یا صرف وہی ملکیت والد کی سمجھی جائے گی، جو اس وقت ان کے نام پر ہے، والد صاحب اگر اپنی حیات میں والدہ یا کسی بھائی بہن کا حصہ فروخت کر دیں تو اس پر ان کا اختیار ہوگا، والد کے بعد بچی ہوئی جائیداد کس طرح تقسیم ہوگی؟ امید ہے کہ آپ شرعی نقطۂ نظر سے سمجھا کر ہمیں راستہ دکھائیں گے، جس کو اپنا کر ہم اپنا فرض ادا کرسکیں، اور ہم سے کوئی ایسی بھول نہ ہو جائے جس سے اللہ کے حضور ہماری پکڑ اور رسوائی ہو۔

المستفتیه: ایک مسلم خاتون

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) ان بہنوں نے آپ کو بخوشی ہبہ کر دیا ہے اور اس پر آپ کا قبضہ بھی ہے، اب آئندہ ان بہنوں کا اس میں کوئی حق باقی نہیں رہا۔

الهبة عقد مشروع (الی قوله) والقبض لا بد منه لثبوت الملک.

(هدايه، كتاب الهبة، اشرفى ۳/ ۲۸۳، رشيديه ۳/ ۲۶۷)

(۲) اسکول کوئی خالص دینی ادارہ نہیں ہے اس لیے پورا کا پورا قوم کے نام کر کے اپنے بچوں کو بے سہارا بنانا اچھی بات نہیں بلکہ ایسا کیا جائے کہ پورا اسکول بچوں کے نام کر دیا جائے، اور بچے اس کی فیس سے گذارا کر سکیں، بچوں کو بے سہارا چھوڑنے سے حضور ﷺ نے منع فرمایا ہے۔

عن عامر بن سعد، عن أبيه رضي الله عنه قال: مرضت عام الفتح -إلى- إنك إن تذر ورثتك أغنياء خير من أن تذرهم عالة يتكففون الناس، وإنك لن تنفق نفقة إلا أجرت فيها. (سنن الترمذي، باب ما جاء في الوصية بالثلث، النسخة الهندية ٣٣/٢ دا السلام رقم: ٢١١٦، مسند أحمد بن حنبل ١٧٩/١، رقم: ١٥٤٦، مسند البزار مكتبه العلوم والحكم ٢٩٣/٣، رقم: ١٠٨٥)

(۳) آپ اپنی زندگی میں جتنا چاہے دے سکتی ہیں، آپ کو اختیار ہے۔

(۴) آپ اپنی زندگی ہی میں تمام امور کا فرض اور قرض دونوں ادا کر دیں، موت کے بعد کی خبر نہیں، اگر حج فرض ہے، کسی محرم کو ساتھ لے کر ضرور حج کر لیجئے، ہر سال کی زکوٰۃ ہر سال ادا کیجئے، اگر باقی رہی ہے تو اول فرصت زکوٰۃ وقرض ادا کر دینا لازم ہے۔

(۵) جو جگہ دوسرے بھائی بہنوں کے نام کر کے قبضہ دیدیا ہے وہ ان کی ملکیت ہے، اس میں دوسروں کا حق نہیں۔

(٦) جو جائیداد والد کے نام مزید باقی ہیں ان میں والد کے مرنے کے بعد سب اپنے اپنے حصۂ شرعی کے حقدار ہوں گے اور والد صاحب نے جو جائیداد بھائی بہنوں میں سے کسی کو دے کر قبضہ دیدیا ہے اس کو اپنے اختیار سے فروخت کرنے کا والد صاحب کو حق نہیں ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍محرم الحرام ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۴۶۳۴)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۹؍۱؍۱۴۱۷ھ

۹ باب الحجب والحرمان

وارث شرعی کو میراث سے محروم کرنے کا حکم

سوال [۱۱۴۷۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مرحوم عبداللہ صاحب کی دو اہلیہ ہیں، بڑی اہلیہ سے دو لڑکے ہیں اور چھوٹی اہلیہ سے تین لڑکے ہیں، عبداللہ کے انتقال کے بعد جائیداد کی تقسیم کے وقت جائیداد کے ۴؍ حصے کیے گئے، پانچویں بھائی کو حصہ میں شریک اس لیے نہیں کیا گیا کہ وہ سرکاری ملازم انجینئر تھے اور اپنی تنخواہ مشترکہ خاندان میں نہیں دیتے تھے، تو ان کی معقول تنخواہ کو ہی ایک تصور کر کے جائیداد کی تقسیم عمل میں آئی، عبداللہ صاحب کی بڑی اہلیہ کی اولاد میں جائیداد کے دو حصے اور چھوٹی اہلیہ کی اولاد میں جائیداد کے دو حصے آئے جبکہ انہیں تین حصے ملنے چاہیے تھے، لیکن چونکہ ایک بھائی کی تنخواہ کو ہی ایک حصہ تصور کیا گیا تھا اس لیے دو حصے ملے، اس کے بعد بڑی اہلیہ کے دونوں لڑکوں میں تقسیم ہوگئی، اور اب چھوٹی اہلیہ کے تین لڑکوں میں تقسیم کا معاملہ در پیش ہے، تو وہ بھائی جن کی تنخواہ کو ایک حصہ مانا گیا تھا وہ اب باقی دو بھائیوں کے حصہ میں آئی جائیداد میں حصہ کے طلب گار ہیں، جبکہ انہوں نے کبھی بھی اپنی تنخواہ مشترکہ خاندان میں نہیں دی ہے، تو جب پہلے ہی باپ کی جائیداد میں انہیں حصہ نہیں دیا گیا تو اب بھائیوں میں تقسیم کے وقت کیا ان کا حق بنتا ہے؟ کیا ان کا جائیداد میں اپنا حصہ طلب کرنا درست ہے؟

مزید تفصیل یہ ہے کہ مرحوم عبداللہ کی چھوٹی اہلیہ کے تین لڑکے بکر، عمر اور زید ہیں، والد کے انتقال کے بعد ان کی متروکہ تجارت ومکان کی تقسیم نہیں ہوئی، تینوں بھائی بکر عمر اور زید نے آپسی رضامندی سے بغیر کسی معاہدہ کے تجارت کو جاری رکھا، تاہم بکر اور زید ہی نے تجارت میں مکمل وقت دیا، عمر اپنی سرکاری ملازمت میں مصروف رہے، دفتری اوقات کے بعد کا ۲۵؍ فیصد وقت تجارت میں دیا کرتے تھے لیکن دوسرے شہروں کو تبادلہ کی صورت میں

اتنا وقت بھی نہ دے پاتے، درمیان ملازمت وہ معطل کیے گئے اس کے بعد تجارت میں پورا وقت دیتے، بکر کے پانچ لڑکوں میں سے تین لڑکے اپنے والد کے ساتھ تجارت سے جڑ گئے، اور گذشتہ بیس سالوں سے تجارت کے فروغ میں سرگرم ہیں، ان کی محنت سے مزید دو نئے تجارتی مراکز قائم ہوئے، جبکہ دوسرے بھائی زید کے لڑکے تعلیم حاصل کرکے کمپنی میں ملازمت کرنے لگے، بکر کے تین لڑکے جو گذشتہ بیس سال سے محنت کررہے ہیں، انہوں نے اب تک کوئی شراکت یا معاوضہ نہیں لیا، اور نہ ایسا کوئی معاہدہ تجارت سے جڑنے سے قبل طے پایا تھا، لیکن مسلسل محنت کرکے خرید وتجارتی مراکز قائم کیے۔

عمر کی سرکاری ملازمت سے ملنے والی تنخواہ سے متعلق یہ معاہدہ طے پایا تھا کہ وہ گھر کے خرچ کی ذمہ داری لیں گے، تاہم انہوں نے ایسا نہیں کیا اور اپنی تنخواہ کی رقم خود ہی جمع کرکے اپنے لیے ایک مکان بنا کر کرایہ پر دیدیا، اور ایک پلاٹ بھی خریدا اور معاہدہ کے مطابق گھر خرچ کے لیے کچھ نہیں دیا، بلکہ اپنا اور اپنے اہل وعیال کا مکمل خرچ مشترکہ خاندان اور مشترکہ تجارت سے ہی پورا کرتے رہے، ان کے لڑکے نے بھی علیحدہ تجارت شروع کی، اور اس کی آمدنی بھی مشترکہ خاندان میں جمع نہیں ہورہی ہے وہ خود ہی جمع کررہے ہیں، زید کے لڑکوں کی تعلیم کا خرچ اسی مشترکہ خاندان وتجارت سے ہی ہوا، بڑے لڑکے کی تعلیم مکمل ہونے کے بعد ملازمت ملی تو اس لڑکے کی تنخواہ بھی مشترکہ خاندان میں جمع نہیں ہوتی بلکہ وہ بھی خود ہی جمع کررہے ہیں، مرحوم عبداللہ کی وفات سے تا حال تمام معاملات جیسے تعلیم، شادی، بیاہ اور دیگر تمام اخراجات تینوں بھائیوں نے مشترکہ تجارت کی آمدنی سے ہی پورے کیے ہیں، برائے کرم وراثت کی تقسیم کے معاملہ کے شریعت کی روشنی میں مدلل حوالوں کے ساتھ جلد سے جلد جوابات عنایت فرمائیں؟

المستفتی: ایم اے، ایچ اطہر وقف بورڈ گلبرگہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) عبداللہ کی دوسری بیوی کے تین لڑکے زید عمر بکر میں سے عمر کو سرکاری ملازمت کی وجہ سے اپنے والد عبداللہ کی وراثت سے جو محروم رکھا گیا ہے وہ شرعاً غلط ہے، اور وہ اپنے والد کے متروکہ مال میں سے ہر صورت میں شرعی میراث کے حقدار

ہیں، اور مذکورہ خاندان میں عبداللہ کی میراث کی تقسیم شرعی طور نہیں ہوئی ہے اس لیے کہ عبداللہ کی دونوں بیویاں بھی اس کی میراث کی شرعی وارث ہیں، اسی طرح اگر عبداللہ کی دونوں بیویوں میں سے کسی کے بطن سے عبداللہ کی کوئی لڑکی بھی ہے تو وہ بھی اپنے شرعی حصہ کی حقدار ہے۔

ثم يقسم الباقي بين ورثته أى الذين ثبت إرثهم بالكتاب أو السنة. (در مختار، كتاب الفرائض، زكريا ١٠/ ٤٩٧، كراچى ٦/ ٧٦١-٧٦٢، مجمع الأنهر مصرى قديم ٢/ ٧٤٧، دار الكتب العلمية بيروت ٤/ ٤٩٥، البحر الرائق كوئٹه ٨/ ٤٨٩، زكريا ٩/ ٣٦٧، سراجى ص:٦)

المجمع على توريثهم من الذكور عشرة ...... الابن. (تاتارخانية ٢/ ٢٢٣، رقم: ٣٣٠٩٥)

فريق لايحجبون هذا الحجب بحال ألبتة وهم ستة ثلاثة من الرجال الابن. (شريفيه ص:٥٨، تاتارخانية ٢٠/ ٢٦٠، رقم: ٣٣٢٠٢، شامى زكريا ١٠/ ٥٢٠، كراچى ٦/ ٧٧٩)

(۲) اور عبداللہ کی دوسری بیوی کے تینوں لڑکے زید عمر بکر نے بلا کسی معاہدہ کے مشترکہ کاروبار آپسی رضامندی سے جو شروع کیا ہے اس کاروبار کے رأس المال اور نفع دونوں میں تینوں بھائی برابر کے شریک ہوں گے، لہٰذا پوری تجارت کو تین حصے کر کے تینوں بھائیوں کا ایک ایک حصہ شمار ہوگا، اگرچہ ان میں سے کسی کی محنت زیادہ اور کسی کی محنت کم رہی ہو، اس لیے کہ آپس کی رضامندی سے ایسا ہوتا رہا ہے۔

وكذا لو اجتمع إخوة يعملون فى تركة أبيهم و نما المال فهو بينهم سوية ولو اختلفوا فى العمل والرائ. (شامى زكريا ٦/ ٥٠٢، كراچى ٤/ ٣٢٥)

إذا بذر بعض الورثة الحبوب المشتركة بإذن الكبار ...... فى الأرض الموروثة تصير جملة الحاصلات مشتركة بينهم. (شرح المجلة، اتحاد بكڈپو ديوبند ١/ ٦٠٩، رقم: ١٠٨٩)

(۳) بکر کے تینوں لڑکوں نے از خود محنت کر کے الگ سے تجارتی جو نئے مراکز قائم کیے ہیں اس کے مالک بکر کے ہی لڑکے ہوں گے اور اس درمیان عمر نے گھر کا چونکہ خرچہ نہیں اٹھایا ہے اس لیے عمران نئے مراکز میں شریک نہیں ہوں گے۔

لو تصرف أحد الورثة مبلغا من نقود التركة قبل القسمة بدون إذن الآخرين و عمل فيه و خسر كانت الخسارة عليه كما أنه إذا ربح لايسوغ لبقية الورثة أن يقاسموه الربح. (شرح المجلة، رستم اتحاد بکڈپو دیوبند ۱/ ۶۱۰، رقم: ۱۰۹۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱؍ ذی الحجہ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۳۴۲)

قانوناً بے دخلی کی وجہ سے حق وراثت ختم نہیں ہوتا

سوال [۱۱۴۷۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں اپنے شوہر اوران کے گھر والوں کے لیے آپ سے فتویٰ چاہتی ہوں، مسئلہ یہ ہے کہ میری شادی سے پہلے ۲۰۰۸ء میں ہی میرے شوہر کے کاروبار میں نقصان ہوگیا تھا، جس وجہ سے ان پر کافی قرض ہوگیا تھا، اوراسی وجہ سے انہیں گھر چھوڑنا پڑا تھا، قرضداروں نے میرے شوہر کے نہ ہونے پر ان کے والد صاحب کو پریشان کیا تھا جس کی وجہ سے غصہ میں والد صاحب نے ان کو اپنی جائیداد سے قانوناً بے دخل کردیا تھا، اخبار میں چھپوادیا تھا، اس کے بعد ۲۰۰۹ء میں ان سے ہماری شادی کی، ہم ان ہی کے گھر میں ان کے ساتھ رہتے تھے، میرے شوہر نے دوسرا کاروبار شروع کیا، اس دوران میرے شوہر کا ذہنی توازن خراب ہوگیا اوران کو پھر نقصان ہوگیا، کاروبار بھی انہوں نے خود شروع کیا تھا، نقصان ہونے کی وجہ سے والد صاحب بھی ناراض ہوگئے تھے، جس وجہ سے انہوں نے ہم سے دوسال تک کوئی تعلق نہیں رکھا، اور میرے شوہر کے بہن بھائیوں سے بھی تعلق رکھنے کو منع کردیا تھا کہ ہم سے کوئی نہ ملے، اور جھوٹ لکھوا دیا کہ میرے شوہر نے ان کے ساتھ اوراپنے بھائیوں کے ساتھ مار پیٹ کی جبکہ میرے شوہر اپنے والد کی بہت عزت کرتے تھے، شادی کے بعد بھی اگر کبھی انہوں نے مارا یا چار لوگوں کے سامنے میرے شوہر کو بہت بے عزت کیا پر میرے شوہر نے

انہیں کوئی جواب نہیں دیا، اس کے بعد بھی انہوں نے یہ سب کیا۔

ڈیڑھ سال پہلے ان کے والد جب بیمار ہوئے تو میرے شوہر کو یاد کیا اور ہمیں بلوایا اور ہم سے کہا کہ میں نے تمہیں معاف کیا، جو غلط فہمیاں ہوئی تھیں تم مجھے معاف کردو، آٹھ دن بعد والد صاحب کا انتقال ہو گیا، میرے شوہر کے چھوٹے بھائی نے انہیں یہ بات بتائی کہ والد صاحب تم سے تعلق رکھنے کو منع کر گئے ہیں، ہم لوگ وہاں سے آ گئے، ان کے بعد ان لوگوں نے ہم سے کوئی واسطہ نہیں رکھا، ہم نے بات کرنے کی کوشش کی بھی تو ہم سے بات نہیں کی گئی، وہ لوگ ہم سے کوئی واسطہ نہیں رکھتے، اس وقت میرے شوہر بیمار ہیں انہیں کینسر ہو گیا ہے، میرے شوہر اپنی بہنوں اور بھائیوں سے بات کرنا چاہ رہے ہیں، ملنا چاہ رہے ہیں پھر انہوں نے صاف کہہ دیا کہ اس بھائی کے لیے ہمارے دل میں کوئی جگہ نہیں ہے، میری دو چھوٹی چھوٹی بچیاں ہیں اور کوئی میری مدد کو تیار نہیں ہو رہا ہے، میری آپ سے گذارش ہے کہ آپ ہمیں اس بات کا فتویٰ دیں کہ اگر وہ ہم سے تعلق نہیں رکھتے تو گنہگار کون ہوتا ہے؟ میرے شوہر کے والد یا ان کی بہنیں بھائی، ہمارے مذہب میں تعلق ختم کرنا کیسا مانا جاتا ہے؟ اور کیا تعلق ختم کرنے والے کی بخشش ہوتی ہے یا نہیں؟ میرے شوہر کا اپنے والد کی جائیداد میں حق ہوتا ہے یا نہیں؟ اور ہمیں ان سے اپنا حصہ مانگنا چاہیے یا نہیں؟ کیونکہ ایسا کرنے سے دوریاں اور بھی بڑھ سکتی ہیں؟

آپ سے گذارش ہے کہ دونوں مسئلوں پر غور کر کے ہمیں فوراً فتویٰ دیدیں آپ کی بہت مہربانی ہوگی۔

المستفتی: آفرینہ عامر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: بشرط صحت سوال اگر کسی آدمی سے غلطی ہو جائے اور وہ اپنی غلطی پر نادم و شرمندہ ہو تو اسے معاف کر دینا چاہیے، اور بھائیوں کے لیے قطع تعلق و ترک کلام جائز نہیں ہے، اور جبکہ بھائی اس وقت کینسر کے مرض میں جوجھ رہا ہے اسے بھائیوں کی ہمدردی کی سخت ضرورت ہے اور بھائیوں پر والد صاحب کے منع کرنے کو لازم پکڑنا جائز نہیں ہے اور والد صاحب کی جائیداد میں آپ کے شوہر کا بھی حصہ ہے، اس لیے کہ صرف قانوناً

بےدخل کردینے کی وجہ سے آدمی حق وراثت سے محروم نہیں ہوتا ہے، کیونکہ وراثت ایک منجانب اللہ ثابت شدہ حق ہے، بندوں کو وہ حق ختم کرنے کا حق نہیں ہے، لہٰذا بہرصورت آپ کا شوہر اپنے باپ کا شرعی وارث ہے اور شرعی طور پر جو بھی اس کا حصہ بنتا ہے وہ اس کو ملے گا۔

إن ميراث من ورثه الله تعالىٰ فی كتابه ثابت لايستثنى منه إلا بسنة أو إجماع. (تفسير قرطبی، سورة النساء تحت رقم الآية: ١١، دار الكتب العلمية المصرية القاهرة، جزء ٥، ٣/٥٩، دار الكتب العلمية بيروت ٥/٤٠)

عن عمران بن حصين قال قال رسول الله ﷺ: لا طاعة لمخلوق فی معصية الخالق. (المعجم الكبير للطبرانی، دار إحياء التراث العربی بيروت ١٨/١٧٠، رقم: ٣٨١)

عن أبی هريرة ؓ قال: قال رسول الله ﷺ: لايحل لمسلم أن يهجر أخاه فوق ثلاث فمن هجر فوق ثلاث فمات دخل النار. (سنن أبی داؤد، الأدب، باب فی هجرة الرجل أخاه، النسخة الهندية ٢/٦٧٣، دار السلام رقم: ٤٩١٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸؍جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۵۵۱)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۸/۵/۱۴۳۵ھ

دوسرے کو مالک بنائے بغیر اپنا حق چھوڑنے سے حق باطل نہیں ہوتا

سوال [۱۱۴۷۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک حویلی سنبھل کھگو سرائے میں حکیم الدوالی مشہور ہے جس کے مالک تین بھائی رہے، اول عنایت اللہ، منجھلے استاذ حکیم اللہ، چھوٹے کلیم اللہ عرف کلو۔

تو استاذ عنایت اللہ اپنی سسرال میں چلے گئے، کیونکہ مال وغیرہ نہیں تھا، حویلی مذکورہ بالا دونوں چھوٹے بھائی کے واسطے بغیر کسی معاوضہ کے چھوڑ گئے، مرمت تینوں بھائی زندگی بھر کراتے رہے، بہر حال تین بھائیوں کا انتقال ہو گیا، حویلی میں حکیم اللہ وکلیم اللہ عرف کلو کی اولاد رہتی چلی آرہی ہے، وقت کی ستم ظریفی نے حکیم اللہ استاذ کی اولاد کو تنگ کیا، لہٰذا برضا مندی کنبہ انہوں نے

اپنا حصہ ایک تہائی دوسرے برادر کے ہاتھ فروخت کر دیا، اور ترک سکونت کر لی اب بقیہ حصوں پر کلیم اللہ کی اولاد مستفید ہو رہی ہے، عنایت اللہ کے پوتوں کو کثرت اولاد کے باعث اب اپنی جگہ کی ضرورت پیش پیش ہے، چنانچہ اپنے چچازادوں سے سوال کیا ہے، انہوں نے جواب دیا کہ جو حویلی میں شریک تھے وہ اپنا حصہ فروخت کر گئے، آپ صرف کنبہ دار ہیں نہ کہ مالک مال، لہٰذا اب ہم فساد جھگڑے شیطانیت سے بچنے کے واسطے شرعی فیصلہ چاہتے ہیں کہ اگر عنایت اللہ کی اولاد، پوتے وغیرہ حویلی میں یا ترکہ میں حقدار ہیں تو شریعت کے فیصلہ کے واضح حکم سے آگاہ فرمائیں، ورنہ کسی ملک پر خدا بے ایمان نہ کرے، اور ہر شیطانیت سے محفوظ فرمائیں؟

المستفتی: منشی محمد رفیق سرائے ترین مسجد رستم خاں

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر عنایت اللہ نے بصراحت اپنے حصہ کا مالک دوسرے بھائیوں کو نہیں بنایا تھا تو پورے مکان کا ایک تہائی حصہ عنایت اللہ کی اولاد کو (پوتے و پوتیوں وغیرہ) کو ملے گا اور ایک تہائی حکیم اللہ کی اولاد کو ملے گا، جو وصول کر چکا ہے، اسی طرح کلیم اللہ کی اولاد بھی ایک تہائی حصہ میں شریک ہے، لہٰذا شرعی رو سے کلیم اللہ کی اولاد پر لازم ہے کہ ایک تہائی حصہ عنایت اللہ کی اولاد کے حوالہ کر دے اور ہر فرد کو کتنا کتنا مل سکتا ہے وہ ورثا کی تعداد اور نام لکھنے پر بتلایا جا سکتا ہے۔

نوٹ: اگر عنایت اللہ نے دوسرے بھائیوں کو اپنے حصہ کا مالک بنا دیا ہے تو مسئلہ کی نوعیت دوسری ہوگی۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍رمضان المبارک ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۲۲۵)

”ہم لوگ وراثت نہیں لیں گے“ کہنے سے حق وراثت ساقط نہیں ہوگا

سوال [۱۱۴۷۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ ہم چھ بھائی ہیں، اور تین بہنیں ہیں، مسئلہ یہ ہے کہ جس وقت والد صاحب حیات تھے اس وقت بہن سب یہ کہہ رہی تھیں کہ والد صاحب کیا کیا حساب لگاتے رہتے ہیں ہم کو حصہ نہیں دیجئے، اور نہ ہم سب لیں گی، اور اب ہم سبھی بھائیوں میں لڑائی ہونے سے ۲/ بہن حصہ لینے کو تیار ہے اور بہن کی تمام ہی باتوں کے گواہ رشتہ دار ہیں، کیا ایسے حالات میں بہنوں کو حصہ دینا جائز ہے یا نہیں؟

اور تینوں یہی جواب دیا کرتی تھیں کہ ہم کو حصہ نہیں چاہیے، آپ سبھی بھائیوں کو برابر بانٹ دیں اور اب والد صاحب کے مرنے کے بعد بھائیوں میں لڑائی ہونے سے ۲/ بہن حصہ لینے کو تیار ہیں، کیا حصہ دینا جائز ہے یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں، کل جگہ کی پیمائش ۱۹۹/ گز ہے۔

المستفتی: محمد توصیف محلّہ مغل پورہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: باپ کی زندگی میں بہنوں نے جو یہ کہا ہے کہ ''ہم لوگ وراثت نہیں لیں گے'' اس کہنے کی وجہ سے ان کا حق وراثت ساقط نہیں ہوگا، اس لیے کہ خود باپ کو بھی اختیار نہیں تھا، بلکہ مرنے کے بعد حق وراثت متعلق ہوتا ہے، نیز اگر باپ کے مرنے کے بعد بھی کسی بہن نے کہہ دیا ہے کہ ''ہم نہیں لیں گے'' تب بھی حق ساقط نہ ہوگا، بلکہ اس کا حق اس کے قبضے میں آجانے کے بعد پھر اپنے اختیار سے کسی بھائی کو یا کسی اور کو دیدے، تب حق منتقل ہوسکتا ہے۔

لو قال الوارث تركت حقي لم يبطل حقه، إذ الملك لا يبطل بالترك.

(تکملہ رد المحتار، مطلب: فی حادثة الفتاویٰ، زکریا ۱۱/ ٦٧٨، کراچی ۷/ ۵۰۵)

لہٰذا بہنوں کا حق وراثت بدستور باقی ہے، اور باپ کی موت کے بعد چھ بھائی اور تین بہنوں کے درمیان جائیداد درج ذیل نقشہ کے مطابق تقسیم ہوگی، بشرطیکہ مرحوم کی بیوی پہلے ہی فوت ہوگئی ہو۔

۱۵ — تباین — ترکہ ۱۱۹ گز

میت

	لڑکا	لڑکا	لڑکا	لڑکا	لڑکا	لڑکا	لڑکی	لڑکی	لڑکی
سہام	۲	۲	۲	۲	۲	۲	۱	۱	۱
ترکہ	۱۳/۱۵ ۱۵ گز	۱۳/۱۵ ۱۵ گز	۱۳/۱۵ ۱۵ گز	۱۳/۱۵ ۱۵ گز	۱۳/۱۵ ۱۵ گز	۱۳/۱۵ ۱۵ گز	۱۴/۱۵ ۷ گز	۱۴/۱۵ ۷ گز	۱۴/۱۵ ۷ گز

باپ کا ترکہ ۱۵ سہام میں تقسیم ہوکر اسی کے تناسب سے ۱۱۹ ر گز میں سے ہر ایک کو اتنا ملے گا جو اس کے نیچے ترکہ کے سامنے درج ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶ ر صفر المظفر ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۴۸۱)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۲/۲۶ھ

اپنا حق نہ لینے سے وراثت سے محروم نہیں ہوتا

سوال [۱۱۴۷۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (الف) ہمارے والد مرحوم کے انتقال کو پانچ سال گذر گئے، ان کی کمپنی کو ان کی زندگی میں ان کے بڑے بیٹے چلا رہے تھے، اور اب بھی چلا رہے ہیں اور دوسرے چھوٹے بھائی تعلیم حاصل کر رہے تھے، اور اب بھی کر رہے ہیں، اور نفع میں سب بھائی برابر کے شریک ہیں، بڑے بھائی کا کہنا ہے کہ میں نے پانچ سال محنت کی، کیا اس محنت کے بدلہ ترکہ میں سے تنخواہ کے طور پر ماہانہ کچھ رقم شریعت کی رو سے مل سکتی ہے یا نہیں؟

(ب) مرحوم کی زندگی ہی میں پہلی بیوی اور دوسری بیوی کے درمیان جھگڑا ہوگیا جو بعد میں اتنا بڑھ گیا کہ دوسری بیوی (جو سرکاری ملازمہ ہے) اس کو جھگڑا ختم کرنے کے لیے اپنے شوہر کے سامنے یہ اقرار کرنا پڑا کہ میرے شوہر کی جائیداد میں میرا کوئی حصہ نہیں ہے، پھر اس کو رجسٹریشن کرایا جو ابھی موجود ہے، تو کیا شریعت کی رو سے ترکہ میں دوسری بیوی کا حصہ ہے یا نہیں؟

(ج) دوسری بیوی کے ترکہ میں شرکت وعدم شرکت کی صورت میں ترکہ مذکورہ وارثین کے درمیان کیسے تقسیم ہوگا؟

نوٹ: مرحوم کے ورثاء میں دو بیویاں چھ بیٹے، چار بیٹیاں ہیں۔

المستفتی: عبد السلام مہاراشٹری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (الف) بڑے بھائی نے باپ کی فیملی میں رہ کر جو محنت کی ہے اس محنت کی الگ سے ماہانہ یا سالانہ کوئی اجرت نہیں ملے گی بلکہ جو کچھ کمایا ہے وہ باپ کی ملکیت ہے، اور شریعت میں بیٹے کو باپ کا معاون سمجھا جاتا ہے، مگر اس میں الگ سے بیٹے کی کوئی ملکیت نہیں ہوتی، لہٰذا ماہانہ یا سالانہ تنخواہ کے طور پر کوئی رقم بڑے بھائی کو نہیں ملے گی۔

الأب و ابنه یکتسبان فی صنعة واحدة ولم یکن لهما شیئ فالکسب کله للأب إن کان الابن فی عیاله لکونه معینا له. (شامی، الشرکة، مطلب: اجتمعا فی دار واحدة واکتسبا …… زکریا ۶/۵۰۲، کراچی ۴/۳۲۵، هندیه زکریا جدید ۲/۳۳۲، قدیم ۲/۳۲۹)

(ب) شوہر کی زندگی میں بیوی شوہر کے مال کی مالک نہیں ہوتی تو اس کو ساقط کرنے کا حق بھی نہیں ہے، لہٰذا بیوی نے اپنا حق نہ لینے کا جو رجسٹریشن کرایا تھا، شریعت میں اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے، شوہر کے مرنے کے بعد وہ غیر اختیاری طور پر شوہر کی وراث بن گئی، لہٰذا دوسری بیوی کو بھی وراثت میں اتنا ملے گا جتنا پہلی بیوی کو ملے گا۔

یتفق الفقهاء علی عدم صحة الإسقاط قبل وجوب الحق وقبل وجود سبب الوجوب لأن الحق قبل ذٰلک غیر موجود بالفعل فلا یتصور ورود الإسقاط علیه فإسقاط مالم یجب و لا جریٰ سبب وجوبه لا یعتبر إسقاطا.

(الموسوعة الفقهیة ۴/ ۲۵۱)

(ج) مرحوم کا ترکہ درج ذیل نقشہ کے اعتبار سے تقسیم ہوگا:

$\frac{۱۲۸}{۸}$

میت

بیوی	بیوی	لڑکا	لڑکا	لڑکا	لڑکا	لڑکا	لڑکا	لڑکی	لڑکی	لڑکی	لڑکی
(۱)							(۷)				
۸	۸	۳۲	۳۲	۳۲	۳۲	۳۲	۳۲	۱۶	۱۶	۱۶	۱۶

بشرط صحت سوال وبعد ادائے حقوق ماتقدم وعدم موانع ارث مرحوم کا کل ترکہ ۱۲۸ر سہاموں میں تقسیم ہوکر ہر وارث کو اتنا ملے گا جو ہر ایک کے نیچے درج ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ر جمادی الثانیہ ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۲۴/۷۷۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۹/۶/۱۴۲۳ھ

’’آخرت میں اپنا حق لوں گی‘‘ کہنے سے وراثت سے محرومی نہیں ہوتی

سوال [۱۱۴۸۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک لڑکی جس کا نام خالدہ تھا اور والد کا نام محمد حامد تھا، خالدہ اپنے والد کی واحد اولاد تھی، کہ ان کی والدہ کا انتقال ہوگیا اور والد نے دوسری شادی کرلی، شادی کے بعد خالدہ کی پرورش اس کے خالو نے کی، والد نے سرپرستی سے ہاتھ اٹھالیا تھا، جبکہ والد صاحب خود ثروت اور جائیداد والے آدمی تھے۔

خالدہ کی شادی اس کے والد نے اپنے سالے کے ساتھ کردی، خالدہ کی والدہ کا ایک ذاتی مکان بھی تھا، جو کہ آج بھی موجود ہے، خالدہ نے اپنی سوتیلی ماں سے اس مکان کا مطالبہ کیا کہ میری والدہ کا مکان ہے، مجھے دیدو، مگر سوتیلی ماں نے منع کردیا، اس پر خالدہ نے کہا کہ اب میں خدا کے یہاں لوں گی، خالدہ کے آٹھ بچے ہیں، ۵ر لڑکے تین لڑکیاں، سب بچوں کی شادی ہوگئی ہے، ۴ر لڑکوں کا انتقال ہوگیا ہے، خالدہ کی والدہ اور والد کا بھی انتقال ہوگیا ہے اور خود خالدہ کا بھی انتقال ہوگیا ہے، خالدہ کے سوتیلے بہن بھائی تھے، انہوں نے بھی خالدہ کو کچھ حصہ نہیں دیا، کچھ جائیداد فروخت کی تھی، اس میں سے کچھ روپیہ دے رہے تھے، تو خالدہ کی اولاد نے نہیں لیے، اس لیے کہ ان کی والدہ نے یہ کہا تھا کہ خدا کے گھر لوں گی، خالدہ کی لڑکیوں میں سے ایک لڑکی بہت غریب ہے، اور یہ چاہتی ہے کہ اس کی والدہ کا روپیہ جو کہ اب بھی بینک میں موجود ہے، وہ اسے مل جائے جو اس کے حصہ کا ہے، اور اس کی بڑی بہن بھی یہ چاہتی ہے کہ میں اپنے حصہ کا روپیہ بھی اپنی غریب بہن کو دیدوں، اس سے کوئی خرابی تو نہیں آئے گی، اور

والدہ کی ناراضگی کا سبب تو نہیں بنے گا، کیونکہ والدہ کا ۲۵ رسال قبل انتقال ہو چکا ہے؟

المستفتی: محمد عاکف رفعت پورہ مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوتیلی والدہ کے نہ دینے کی وجہ سے اور خالدہ کا رنجیدہ ہو کر یہ کہہ دینا کہ میں آخرت میں لوں گی، اس سے خالدہ کا حق اپنی ماں کی میراث میں سے ختم نہ ہوگا، بلکہ صورت مذکورہ میں سوتیلی والدہ خالدہ کے حقوق کی غاصبہ ہے اور اس میں خالدہ کا حق بحالہٖ باقی ہے، اگر چہ خالدہ نے یہ کہہ دیا ہو کہ میں آخرت میں لوں گی، لہٰذا خالدہ کے ورثاء کے لیے اس میں سے اپنا اپنا حق حاصل کر لینا جائز اور درست ہوگا۔

الحق متی یثبت لایبطل بالتاخیر ولا بالکتمان. (قواعد الفقہ، اشرفی دیوبند ص:۷۷) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳ ؍ربیع الثانی ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/ ۳۴۲۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۳/۴/۱۴۱۴ھ

اولاد کو عاق کرنے سے وہ وراثت سے محروم نہیں ہوتی

سوال [۱۱۴۸۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید جو قاری و دیندار ہونے کے ساتھ ساتھ کئی دینی اداروں میں عرصہ دراز تک خدمات بھی انجام دے چکا ہے، اس کی بیوی ہندہ شوہر کی بے حد نافرمان اور زبان دراز ہے، چوری کرنے اور جھوٹ بولنے میں اپنا ثانی نہیں رکھتی، آئے دن گھر میں جھگڑا رکھتی ہے، شوہر کو منہ نہیں لگاتی، شب و روز بے حجاب گھومتی پھرتی، اور معمولی معمولی کاموں سے بے پردہ سڑکوں پر گھومتی ہے، اپنے اور اپنی اولاد کے عیوب پر پردہ ڈالنے کی غرض سے اپنے شوہر پر طرح طرح کے الزامات اور تہمتیں لگاتی رہتی ہے، کہیں کہتی ہے کہ میرا آدمی جھوٹ بولتا ہے، کہیں کہتی ہے کہ میرا آدمی اغلام باز ہے، کہیں کہتی ہے کہ میرا آدمی چور ہے، وغیرہ وغیرہ،

جبکہ یہ سارے عیوب اور ان سے بھی کہیں زیادہ ہندہ اور اس کی اولاد میں موجود ہیں، ہاں ہندہ کی اس بکواس سے زید سماج کی نظروں سے ضرور گر گیا ہے۔

زید اور ہندہ سے پیدا ہونے والی تین لڑکیاں اور ایک لڑکا ہے دو لڑکیاں اور لڑکے کی شادی ہندہ اپنی مرضی سے کر چکی ہے، اگر چہ شادیوں کے جملہ مصارف زید ہی نے برداشت کیے، ماں نے اپنی اولاد کی تربیت بھی اس ڈھنگ سے کی ہے کہ جو عیب ماں کے اندر ہیں اس سے کہیں زیادہ اولاد میں موجود ہیں، حد تو یہ ہے کہ لڑکیاں اجنبیوں سے تعلقات قائم کرنے میں شرم محسوس نہیں کرتیں، چوری کرنے اور جھوٹ بولنے میں پوری مہارت حاصل ہے، لڑکا اپنے باپ زید کے مقابلہ پر کئی مرتبہ آ چکا ہے، اور اس میں بھی باپ کی نافرمانی تو در کنار جھوٹ بولنے، چوری کرنے کی بری عادتیں پورے ثبوت وشواہد کے ساتھ موجود ہیں، زید اگر کوئی اصلاحی پہلو اختیار کرتا ہے تو پھر ہندہ اور اس کی ساری اولاد زید کا ہر طرح مقابلہ کرتے ہیں، حد تو یہ ہے کہ لڑکے نے یہ کہنا شروع کر دیا ہے کہ میرے باپ کی میری عورت پر غلط نظر ہے، زید کے والد جو پوری بستی کے مسلّم بزرگ تھے وہ بھی ہندہ اور اس کی اولاد کے کارناموں سے اس قدر عاجز تھے کہ اپنی عمر کے آخری حصہ میں ہندہ سے بے تعلق ہو گئے تھے، اور اسی میں وہ اللہ کو پیارے ہو گئے، زید کا کہنا ہے کہ جس بیوی اور اولاد نے میرے لیے اس دنیا میں جینا حرام کر دیا ہے اور مجھے اس قدر ذلیل کر دیا ہے کہ مجھے سماج میں اچھی نظروں سے نہیں دیکھا جاتا، ان کو میں اپنے مال و جائیداد میں سے کچھ نہیں دوں گا، اس لیے آپ سے درخواست ہے کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں وضاحت سے تحریر فرمادیں کہ ایسی بیوی اور لڑکیوں اور لڑکوں کا کوئی حصہ زید کے مال میں ہے یا نہیں؟ زید کا اپنا فیصلہ یہ کہاں تک درست ہے کہ میں لڑکے کو عاق کر کے اپنی جائیداد وغیرہ دینی مدارس ومساجد کو وقف کروں گا؟

المستفتی: مولوی ظفر احمد قاسمی، محلّہ منہاران ٹانڈہ بادلی رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ہمارے ہندوستان میں اولاد کو عاق کرنے اور میراث سے ناحق قرار دینے کا جو طریقہ ہے، اس کا شریعت میں کوئی اعتبار نہیں ہے، موت

کے بعد عاق شدہ اولاد بدستور میراث کی حقدار رہیں گی، اگر اولاد نافرمان اور باغی ہیں تو ان کو محروم کرنے کی یہ شکل صحیح ہوسکتی ہے کہ اپنی زندگی میں ہی ساری جائیداد صدقہ کردے یا کسی کو ہبہ کر کے قبضہ دیدے، اور عاق کرنے کا کوئی فائدہ مرتب نہیں ہوتا ہے۔

الإرث جبری لا یسقط بالإسقاط. (تکملة رد المحتار، مطلب: واقعة الفتاویٰ، کراچی ۵۰۵/۷، زکریا ۶۷۸/۱۱)

لابأس بأن یعطی من أولاده من کان عالما متأدبا ولایعطی منهم من کان فاسقا فاجرا. (مجمع الأنهر، دار الکتب العلمیة بیروت ۴۹۷/۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ رمحرم الحرام ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹۹۰/۲۸)

اپنے بیٹے کو عاق کرنے کی صورت کیا ہوگی؟

سوال [۱۱۴۸۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں عاق کے متعلق معلومات کرنا چاہتا ہوں، یہ کس پارے میں یا کس حدیث میں تحریر ہے؟ اور کن حالات کے لیے مناسب ہے؟ فتاویٰ عالمگیری میں اگر جائز ہے تو اس کا اردو میں ترجمہ چاہتا ہوں اگر کوئی شخص عاق کرنے سے ترکہ سے محروم نہیں ہوسکتا پھر اس کے جائز ہونے کا کیا فائدہ، بہت سی اولادوں میں سے صرف ایک ہی بیٹا اگر عاق کردینے کے قابل ہو اور جائیداد صرف ایک ہی ہو اس کے مدنظر جواب درکار ہے؟

المستفتی: حاجی سراج الدین محمد علی روڈ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: عاق کرنے کے بارے میں قرآن وحدیث میں کہیں حکم نہیں ہے، اگر آپ لڑکے کے نافرمان ہونے کی وجہ سے اس کو ترکہ سے محروم کرنا چاہتے ہیں تو اپنی زندگی میں اپنی جائیداد فرمانبردار اولاد کو ہبہ کر کے قبضہ دیدیجئے، یا کسی کارِ

خیر میں لگا دیجئے۔(مستفاد: امداد الفتاویٰ ۴/ ۳۱۸)

لابأس بأن يعطى من أولاده من كان عالما متأدبا ولايعطى منهم من كان فاسقا فاجرا. (مجمع الأنهر، كتاب الهبة، دار الكتب العلمية بيروت ٣/٤٩٧، عالمگیری زکریا قدیم ٤/٣٩١، جدید ٤/٤١٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶ر محرم الحرام ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۶۱۵)

زندگی میں اپنی اولاد کو محروم الارث کرنا

سوال [۱۱۴۸۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص مسمیٰ شوکت علی جو کہ مرادآباد کے رہنے والے تھے، اپنی خاندانی جائیداد کو اپنے لڑکوں کو نہ دے کر دیگر تین لوگوں کو جن میں سے دو لے پالک ہیں اور ایک بہن کا لڑکا ہے، ان لوگوں کو وصیت کردی، جبکہ ان کی بہن اپنا حصہ بذریعۂ رجسٹری تقریباً ۴۰ر سال پہلے شوکت کے چچا کو فروخت کرچکی ہے، حاجی شوکت علی کی کل اولاد صرف دو لڑکے ہیں اور بیوی پہلے ہی انتقال کرچکی ہے، ان دونوں لڑکوں کو شوکت علی نے عاق کر دیا ہے، شوکت علی کا انتقال ہوگیا ہے۔

المستفتی: ہادی حسن پیرزادہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زندگی میں اپنی اولاد کو عاق اور محروم الارث کردینے سے شرعی طور پر اولاد وراثت سے محروم نہیں ہوتی، اس لیے شوکت علی کے دونوں لڑکے بدستور وارث رہیں گے۔(امداد الفتاویٰ ۴/۳۶۴)

الإرث جبري لا يسقط بالإسقاط. (تكملة رد المحتار، مطلب: واقعة الفتاویٰ، کراچی ٧/٥٠٥، زکریا ١١/٦٧٨)

اور اجنبی کے حق میں کل ترکہ میں سے ایک ثلث سے زائد پر وصیت جاری نہیں ہوتی۔

عن سعد بن وقاص حديثا طويلا و طرفه: فقلت: أوصى بالنصف، قال: النصف كثير، قلت: فالثلث، قال: الثلث، والثلث كثير أو كبير، قال: فأوصى الناس بالثلث فجاز ذٰلك لهم. (صحيح البخاري، الوصايا، باب الوصية بالثلث ١/٣٨٣، رقم: ٢٦٦٣، ف: ٢٧٤٤)

لا تجوز بما زاد على الثلث. (هدايه، كتاب الوصايا، رشيديه ٤/٦٣٨، اشرفي ديوبند ٤/٦٥٤، مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ٤/٤١٩)

لہٰذا شوکت علی کا کل ترکہ تین سہام میں تقسیم ہوکر ایک سہام ان تمام لوگوں کو ملے گا جن کے حق میں وصیت کی ہے اور باقی دو سہام دونوں لڑکوں کو برابر برابر ملیں گے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ رمحرم الحرام ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۷۹۸)

نافرمان لڑکے کو وراثت سے محروم کرنا

سوال [۱۱۴۸۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرے دو لڑکے اور دو لڑکیاں ہیں، پہلی بیوی سے، میری بیوی کو گذرے ہوئے چالیس سال سے زائد ہوگئے، قریب پندرہ سال کے بعد میں نے دوسری شادی کرلی، میری دوسری بیوی سے کوئی اولاد نہیں ہے اور میری دوسری بیوی حیات ہے، میں نے اپنے لڑکوں اور لڑکیوں کی شادی کردی ہے، میرے لڑکوں نے علیحدہ علیحدہ اپنے اپنے مکان بنالیے ہیں، آج میرے پاس صرف پرانے مکان کا حصہ ہے، جو کہ ہمارے دادا کا ہے، اب کوئی ذریعہ نہ ہوتے ہوئے میں اپنے اس حصہ کو فروخت کررہا ہوں، میرا ایک لڑکا جو کہ نہایت بدتمیز اور مجھے بے ساختہ غلط الفاظ سے بولتا ہے، بیجا الفاظ میں، لہٰذا اس جائیداد میں سے شریعت کی روشنی میں میرے لڑکوں اور لڑکیوں کا کتنا فی صد حصہ ہوتا ہے، اور میری دوسری بیوی کے لیے شرع سے کیا حکم ہے؟ نیز ایسے بدلحاظ اور والد کے ساتھ زبان درازی کرنے والے لڑکے کا شرعاً حکم کیا ہے؟

المستفتی: محمد ظفر عرف پٹن

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: باپ اپنی زندگی میں سارے مکان کا خود مالک ہے اس کی اولادوں میں سے کسی کا کوئی حق یا حصہ اس کی جائیداد میں نہیں ہے، اور باپ کو پورا پورا اختیار ہے کہ اپنے مکان اور جائیداد کو جس طرح چاہے استعمال کرے، چاہے فروخت کردے یا ہبہ کردے یا کسی کو تحفہ میں دیدے، چاہے بیچ کر اپنے استعمال میں لے لے، سارے اختیارات باپ کو حاصل ہیں، غرضیکہ باپ کی زندگی میں بیٹوں میں سے کسی کا کوئی حق اس کی جائیداد میں نہیں ہے، جو بیٹا باپ کے ساتھ بدتمیزی کرتا ہوا سے کچھ نہ دے کر دوسرے بیٹوں، بیٹیوں اور موجودہ بیوی کو جس قدر چاہے دینے کا حق ہے۔

كل يتصرف فى ملكه كيف شاء. (شرح المجلة رستم اتحاد ۱/۶۵٤، رقم المادة: ۱۱۹۲)

المالک هو المتصرف فى الأعيان المملوكة كيف شاء من الملك. (بيضاوى شريف رشيديه ۱/۷)

لابأس بأن يعطى من أولاده من كان عالما متأدبا ولايعطى منهم من كان فاسقا فاجرا. (مجمع الأنهر، كتاب الهبة قديم ۲/۳۵۸، دار الكتب العلمية بيروت ۳/٤۹۷، هنديه زكريا قديم ٤/۳۹۱، جديد ٤/٤۱٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/رجب المرجب ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۱۳۳)

قانونی پیچیدگی کی وجہ سے لڑکیوں کو وراثت سے محروم کرنا

سوال [۱۱۴۸۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرے دو لڑکے، دو لڑکیاں ہیں، میں زمین اور گھر وغیرہ بانٹنا چاہتا ہوں، تاکہ میرے بعد ان میں کوئی نزاع نہ ہو، لڑکیاں شادی شدہ ہیں، لڑکے بھی اپنے پیروں پر ہیں،

اور چونکہ زمینداری ختم ہوگئی ہے، سب کاشتکار ہیں، ہم چونکہ اب زمین کے مالک نہیں ہے، بلکہ موروثی دار ہیں، اس لیے گورنمنٹ قانون کے بموجب اب لڑکیوں کو حصہ نہیں مل رہا ہے، آپ لکھیں کہ میں صرف لڑکوں میں بانٹ دوں یا جو شریعت کا حکم ہو اس پر عمل کروں؟

المستفتی: محمد عقیل خاں غازی آبادی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اپنی زندگی میں اگر مالیت تقسیم کریں تو سب کو برابر برابر تقسیم کریں، اور حکومت کے اس قانون کی وجہ سے لڑکیاں زمین کی وراثت سے محروم نہ ہوں گی۔

وإن قصده فسویٰ بينهم يعطي البنت كالابن عند الثاني وعليه الفتویٰ. (در مختار مع الشامي، كتاب الهبة كراچی ٥/٦٩٦، زكريا ٨/٥٠١، هنديه زكريا قديم ٤/٣٩١، جديد ٤/٤١٦، قاضيخان جديد ٣/١٩٤، وعلى هامش الهندية ٣/٢٧٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹ر صفر المظفر ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۰۳۶)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۲/۱۹ھ

والد کا اپنی لڑکیوں کو وراثت سے محروم کرنا

سوال [۱۱۴۸۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میت یعنی عبد القیوم اپنے پیچھے تین لڑکے: انور، اکبر، ارشد اور تین لڑکیاں: جہاں آرا، سائرہ، طاہرہ اور بیوی: افسری بیگم کو چھوڑا۔

عبد القیوم کی حیات میں ۱۹۷۴ء میں عبد القیوم کے پاس ایک رہائشی مکان دو آراضی اور سوا دو لاکھ روپیہ نقد تھے، ۱۹۷۴ء میں عبد القیوم نے اپنے تینوں لڑکے انور، اکبر اور ارشد کے ساتھ مل کر سوا دو لاکھ روپیہ سے کاروبار شروع کیا اور تینوں بیٹے باپ کے ساتھ کاروبار میں ہاتھ بٹاتے رہے، کاروبار آگے بڑھتا گیا، دورانِ کاروبار اسی کاروباری رقم سے کچھ آراضی کھیتی کی خریدی گئی اور ایک فیکٹری پیتل کی، ایک قالین کی اور ایک کولڈ اسٹور بنا، اور

اکتوبر ۱۹۸۸ء میں پانچ کروڑ روپئے نقد بچے، اور اکتوبر ۱۹۸۸ء میں ہی لڑکوں کے درمیان کاروبار کا بٹوارہ کیا، اور عبد القیوم نے اپنے بڑے لڑکے انور کو کاروبار سے الگ کردیا، اور خود اپنے دونوں چھوٹے لڑکے اکبر اور ارشد کے ساتھ کاروبار کرتے رہے، اور ۱۹۸۸ء میں نقد بچے پانچ کروڑ روپئے اپنے تینوں لڑکوں انور، اکبر اور ارشد میں برابر تقسیم کردیئے، نہ اپنے لیے کچھ رکھا اور نہ ہی اپنی بیوی اور لڑکیوں کو کچھ دیا۔

عبد القیوم نے کولڈ اسٹور فروخت کرنے کا ارادہ کیا اور چاروں باپ بیٹوں کی اتفاق رائے سے نوے لاکھ روپئے کولڈ اسٹور کی قیمت مع تمام مشینری طے ہوئی، اور انور نے کولڈ اسٹور مع تمام مشینری خریدا، اور تینوں بھائیوں میں پانچ کروڑ کی تقسیم شدہ رقم میں سے اپنے حصہ کی رقم سے کولڈ اسٹور کے عوض اپنے دونوں بھائیوں اکبر اور ارشد کو تیس تیس لاکھ روپیہ کرکے کل ساٹھ لاکھ روپئے دیدئے، جبکہ عبد القیوم نے کولڈ اسٹور کی فروخت شدہ رقم نوے لاکھ روپئے میں سے کچھ نہیں لیا، اور نہ ہی اپنی بیوی اور تینوں لڑکیوں کو کچھ دیا۔

انور نے تقسیم شدہ اپنے حصے کی رقم سے کاروبار الگ کرنا شروع کیا، اکبر اور ارشد نے بھی اپنے اپنے حصہ کی رقم سے کاروبار الگ شروع کیا، عبد القیوم یعنی والد اپنے دونوں چھوٹے بیٹے اکبر وارشد کے کاروبار میں ساتھ رہے۔

دسمبر ۱۹۹۰ء کار حادثہ میں عبد القیوم یعنی والد کا اور ۲۰۰۶ء میں عبد القیوم کی بیوی افسری بیگم یعنی والدہ کا انتقال ہوگیا، اس وقت عبد القیوم کے وارثین میں عبد القیوم کے تین لڑکے: انور، اکبر، ارشد اور تین لڑکیاں: جہاں آرا، سائرہ، طاہرہ باحیات ہیں۔

(۱) عبد القیوم کی مذکورہ بالا جائیداد غیر منقولہ میں کس کس وارث کا کتنا حصہ ہے؟

(۲) چونکہ عبد القیوم نے مذکورہ بالا رقم ۱۹۸۸ء میں اپنے تینوں لڑکوں میں برابر تقسیم کردی ہے، اپنی تینوں لڑکیوں کو کچھ نہیں دیا ہے، مذکورہ بالا رقم میں سے کسی رقم میں عبد القیوم کی تینوں لڑکیوں کا حصہ بنتا ہے، یا نہیں؟ اگر بنتا ہے تو کس کس رقم میں بنتا ہے اور کتنا کتنا بنتا ہے؟

(۳) اگر عبد القیوم کی لڑکیوں کا مذکورہ بالا رقم میں حصہ بنتا ہے تو انور کو ۱۹۸۸ء اکتوبر میں عبد القیوم نے پانچ کروڑ کی تقسیم شدہ رقم میں سے ۱۶۶۶۶۶۶۶/ روپئے اور فروخت کیے گئے کولڈ

اسٹور کی رقم میں سے تیس لاکھ روپئے دیئے ہیں، ان دونوں رقموں میں عبدالقیوم کی تینوں لڑکیوں کا کتنا کتنا حصہ بنے گا؟ کتاب وسنت کی روشنی میں مفصل ومدلل جواب تحریر فرمائیں۔

المستفتی: محمد انور ڈپٹی گنج مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوالنامہ شروع سے آخر تک بغور پڑھا گیا ہے اس کا ماحصل یہ نکلا کہ ۱۹۷۴ء سے والد نے بیٹوں کو ساتھ میں لے کر جو کاروبار کیا تھا وہ کاروبار مع نفع کے سب عبدالقیوم صاحب کی ملکیت ہے، اور ۱۹۷۴ء سے اکتوبر ۱۹۸۸ء تک جتنا بھی کمایا گیا ہے اور جتنی جائیدادیں خریدی گئی ہیں، وہ سب کی سب عبدالقیوم صاحب کی ملکیت ہیں اور شرعی طور پر تینوں بیٹے باپ کے معاون ثابت ہوں گے۔

إذا عمل رجل في صنعة هو وابنه الذي في عياله فجميع الكسب لذلك الرجل وولده يعد معينا له وكذا إذا أعانه ولده الذي في عياله عند غرسه شجرة فتلك الشجرة للأب لايشاركه ولده فيها. (شرح المجلة، رستم باز، اتحاد دیوبند ۷٤١/٢، رقم المادة: ١٣٩٨، شامي كراچي ٣٢٥/٤، زكريا ٥٠٢/٦، هندية زكريا قديم ٣٢٩/٢، جديد٣٣٢/٢)

وفي الخانية: زوج ...... بنيه الخمسة في داره وكلهم في عياله واختلفوا في المتاع فهو للأب وللبنين الثياب التي عليهم لا غير. (شامي، مطلب: اجتمعا في دار واحدة واكتسبا...... زكريا ٥٠٢/٦، كراچي ٣٢٥/٤)

اور سوالنامہ سے واضح ہوتا ہے کہ اکتوبر ۱۹۸۸ء میں والد نے جائیداد منقولہ میں سے پانچ کروڑ روپئے تینوں بیٹوں کے درمیان تقسیم کر کے مالک بنا دیا ہے اور سوالنامہ میں جائیداد غیر منقولہ کا تذکرہ موجود ہے، مگر اس کی تقسیم کا ذکر موجود نہیں ہے، اور تینوں لڑکیوں اور بیوی کو کچھ نہیں دیا اور تینوں لڑکیوں اور بیوی کو کچھ نہ دینے کی وجہ سے عبدالقیوم صاحب ضرور گناہ گار ہوں گے، لیکن جو پانچ کروڑ روپیہ لڑکوں کے درمیان تقسیم کر کے مالک بنا دیا گیا ہے تو شرعی طور پر تینوں لڑکے اپنے اپنے حصوں کے مالک بن چکے ہیں اور ان کے مذکورہ حصوں

میں باپ کے مرنے کے بعد تینوں لڑکیوں اور بیوی کا کوئی حق متعلق نہیں رہا، ہاں البتہ عبد القیوم صاحب کی وفات کے وقت ۱۹۸۸ء سے پہلے خریدی ہوئی جو غیر منقول جائیداد موجود رہی ہے جس کا سوالنامہ میں تذکرہ ہے تو وہ عبدالقیوم صاحب کی متروکہ میراث ہوگی، شرعی طور پر وہ غیر منقول جائیداد تینوں لڑکوں اور تینوں لڑکیوں اور بیوی کے درمیان بطور میراث تقسیم ہونا ضروری ہے، اور تقسیم کی صورت یہ ہوگی کہ کل جائیداد غیر منقولہ ۷۲/سہاموں میں تقسیم ہوکر ۹/سہام عبدالقیوم کی بیوی کے لیے اور ۱۴/۱۴/سہام تینوں بیٹوں کے لیے اور ۷/۷/سہام تینوں لڑکیوں کے لیے لازمی ہیں۔

الملک ما من شانه أن يتصرف فيه بوصف الاختصاص. (شامی مطلب: فی تعریف المال زکریا ۷/۲۳۵، کراچی ۵/۵۰)

كل يتصرف فى ملكه كيف شاء. (شرح المجلة رستم اتحاد ۱/۶۵٤، رقم المادة: ۱۱۹۲)

وتتم الهبة بالقبض الكامل لقوله عليه السلام لاتجوز الهبة إلا مقبوضة. (مجمع الأنهر، كتاب الهبة، دار الكتب العلمية بيروت ۳/۳۹۱، مصرى قديم ۲/۳۵۳، شامی کراچی ۵/۶۹۰، زکریا ۸/۵۲۰، الفتاویٰ التاتارخانية زكريا ۱٤/٤۲۱، رقم: ۲۱۵۶۳، شرح المجلة رستم اتحاد ۱/٤۷۳، رقم المادة: ۸۶۱)

يكره تفضيل بعض الأولاد على البعض فى الهبة حالة الصحة –إلى– وإن وهب ماله كله لواحد جاز قضاء وهو آثم. (البحر الرائق کوئٹہ ۷/۲۸۸، زکریا ۷/٤۹۰)

رجل وهب في صحته كل المال للولد جاز في القضاء ويكون آثما فيما صنع. (هنديه زكريا قديم ٤/۳۹۱، جديد ٤/٤۱۶)

إن التركة فى الاصطلاح: ما تركه الميت من الأموال صافيا عن تعلق حق الغير بعين من الأموال. (شامی، كتاب الفرائض، زكريا ۱۰/٤۹۳، كراچی ۶/۷۵۹، حاشيه سراجی ص: ٤)

اور انور قیوم نے جو کولڈ اسٹور خرید لیا ہے وہ ان کی اپنی ملکیت ہوگئی ہے اس میں کسی کا

کوئی حق متعلق نہیں ہے، اور باپ سے انور قیوم کی دیگر بیٹیوں کی طرح جو رقم یعنی ۱۶۶۶۶۶۶۶/ روپیہ ملا ہے اس کا انور قیوم شرعی طور پر مالک ہو چکا ہے، اس میں عبد القیوم کی لڑکیوں کا کوئی حصہ متعلق نہیں ہے، اوراس طرح کولڈ اسٹور کی رقم میں سے جو تیس لاکھ روپیہ ملا ہے اس میں بھی بیوی اور بیٹیوں کا کوئی حق متعلق نہیں ہے، نیز تینوں بیٹوں کو غیر منقول جائیداد میں سے جو کچھ بھی باپ نے مالک بنا کر قبضہ دیدیا ہے ان جائیدادوں کے بھی تینوں بیٹے شرعی طور پر مالک ہو چکے ہیں، یہ بات الگ ہے کہ باپ کے اوپر لازم تھا کہ اپنی بیٹیوں کو بھی دیتا، مگر باپ نے بیٹیوں کو نہیں دیا، اس کا گناہ باپ کے سر ہوگا، اوراس کی وجہ سے بیٹے گنہگار نہیں ہوں گے، اور اللہ کے دربار میں بیٹوں سے سوال نہیں ہوگا، تاہم اگر انور قیوم اپنی مرضی سے اتنا پیسہ نکال کر کے بہنوں کو دینا چاہیں جو باپ کی طرف سے بہنوں کا حصہ بیٹھتا ہے تو وہ انور قیوم کی طرف سے بہنوں کے لیے تبرع ہوگا اور اللہ کی ذات سے امید کی جاتی ہے کہ اللہ کے دربار میں اتنے حصۂ مالیت کے متعلق باپ سے باز پرس نہیں ہوگی۔

إن الملكية تثبت بمجرد العقد إذا استجمع البيع شرائط الإنعقاد والصحة واللزوم والنفاذ. (شرح المجلة للأتاسی ۲/۳۵۷، بحواله محموديه ڈابهيل ۲۰/۱٤۲)

وتتم الهبة بالقض الكامل. (مجمع الأنهر، كتاب الهبة، دار الكتب العلمية بيروت ۳/۳۹۱، مصری قديم ۲/۳۵۳، شامی كراچی ۵/٦۹۰، زكريا ۸/۵۲۰، الفتاویٰ التاتارخانية زكريا ۱٤/٤۲۱، رقم: ۲۱۵٦۳، شرح المجلة رستم اتحاد ۱/٤۷۳، رقم المادة : ۸٦۱)

يملك الموهوب له الموهوب بالقبض فالقبض شرط لثبوت الملك. (شرح المجلة رستم اتحاد ديوبند ۱/٤۷۳، رقم: ۸٦۱)

رجل وهب في صحته كل المال للولد جاز فی القضاء ويكون آثما فيما صنع. (هنديه زكريا قديم ٤/۳۹۱، جديد ٤/٤۱٦) **فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۱۰۶/۴۰)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۵/۱۹ھ

لڑکیوں کو میراث سے محروم کرنا

سوال [۱۱۴۸۷]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہندوستان میں بعض جاہل مسلمان لڑکیوں اور نکاح ثانی کرنے والی عورتوں کو میراث سے محروم رکھ کر منوجی کے قاعدے اور رواج کے مطابق صرف بیٹوں کو جائیداد دلانا چاہتے ہیں اور لڑکیوں کے بارے میں ان کا بہانہ یہ ہوتا ہے کہ شادی غمی تیوہار وغیرہ تقریبات میں ہم ان کو کچھ نقد وجنس دے کر ان کا حق ادا کر چکے ہیں، شریعت مطہرہ میں باپ کے مال اور جائیداد میں میراث کا کیا حکم ہے؟ اگر کوئی باپ مرتے وقت وصیت نہ کرسکا ہو اور دو بیٹے اور ایک بیٹی چھوڑ گیا ہو تو اس کے مال کی تقسیم کس طرح ہوگی؟ اللہ تعالیٰ آپ کو حق بات لکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

المستفتی: محفوظ علی گوہر مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: لڑکیوں کو میراث سے محروم رکھنا صریح نص قطعی کے خلاف ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں لڑکیوں کو حصہ دلانے کو بڑی اہمیت کے ساتھ بیان فرمایا اور مستقلاً ان کے حصوں کو بیان فرمایا اور جو لوگ لڑکیوں اور بہنوں کو حصہ نہیں دیتے اور وہ یہ سمجھ کر بادل ناخواستہ شرماشرمی میں معاف کردیتی ہیں کہ ملنے والا تو ہے نہیں تو کیوں برائی مول لیں تو ایسی معافی شرعاً معافی نہیں ہوتی، ان کا حق ذمہ میں واجب رہتا ہے، یہ میراث دبانے والے سخت گنہگار رہیں اور شادی بیاہ میں جو خرچ کیا جاتا اسے ترکہ میں سے شمار کرنا غلط ہے، اس سے حق وراثت لڑکیوں کا ساقط نہیں ہوتا ہے اور اسی طرح بیوہ عورتوں کو نکاح ثانی کرنے پر شوہر اول کی میراث سے محروم کرنا سراسر ظلم ہے۔ (مستفاد: اصلاح الرسوم/۱۴۰، معارف القرآن ۲/۳۲۱)

إن الميراث يشترك فيه الرجال والنساء والكبار والصغار وكان العرب في الجاهلية لايورثون البنات ولا النساء ولا الصبيان شيئا من الميراث ولا يورثون إلا من جاز الغنيمة وقاتل على ظهور الخيل ...... جاء الإسلام

فأبطل هذه العادة القاسية و أنزل سبحانه حكم توريث النساء بقوله ”لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا“. (تكملة فتح الملهم، كتاب الفرائض، الميراث حق الرجال و النساء، اشرفيه ديو بند ۲/۵)

عن أنس بن مالک –رضی الله عنه– قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: من فر من ميراث وارثه، قطع الله ميراثه من الجنة يوم القيامة. (سنن ابن ماجه، باب الحيف فی الوصية، النسخة الهندية ۲/۱۹٤، دار السلام رقم: ۲۷۰۳)

اور باپ اگر مرتے وقت اپنے وارثین میں صرف دو بیٹے اور ایک بیٹی چھوڑ گیا ہو اور کوئی دوسرا وارث نہ ہو تو باپ کا ترکہ پانچ سہام میں تقسیم ہو کر دونوں بیٹوں کو دو، دو حصے اور ایک بیٹی کو ایک حصہ ملے گا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۲۳ / جمادی الثانیہ ۱۴۲۵ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۴۲۱)	۱۴۲۵/۶/۲۳ھ

لڑکیوں کی شادی کرانے سے وہ وراثت سے محروم نہیں ہوتیں

سوال [۱۱۴۸۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید ۳/ بھائی اور ۴/ بہنیں ہیں، والد مرحوم نے سب بھائی بہنوں کی شادی اپنی حیات میں کر دی تھی، والد صاحب کی وفات ہوئے ۲۴/ سال ہو گئے ہیں، اور والدہ صاحبہ کی وفات ہوئے ۱۱/ سال ہو گئے ہیں، والد صاحب کی حیات میں کسی بہن نے کوئی حصہ نہیں مانگا، نہ والدہ کی حیات میں، اب ایک بہن حصہ مانگ رہی ہے، جو کہ والد صاحب کے مکان میں مع شوہر اور بچوں کے رہ رہی ہے، والد صاحب نے ایک وصیت لکھی تھی، جو ساتھ میں منسلک ہے، جس میں لکھا ہے کہ لڑکیوں کی شادی کر دی ہے، جن سے اب کوئی لینا دینا نہیں رہا، وہ اپنے اپنے گھروں میں آرام سے رہ رہی ہیں اور میری جائیداد میں تینوں بیٹے برابر کے حقدار ہیں، لہٰذا قرآن وحدیث کی روشنی میں مسئلہ واضح فرما دیں کہ ان بھائیوں اور بہنوں کے

درمیان ترکہ کس طرح تقسیم ہوگا؟ اور جس مکان میں ایک بہن رہ رہی ہے اس میں بقیہ بھائی بہنوں کا حصہ ہوگا یا نہیں؟ اگر ہے تو کس حساب سے تقسیم ہوگا؟

المستفتی: محمد اسلم سیتا پوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آپ کے والد صاحب نے اپنی لڑکیوں کی شادی میں جو روپئے خرچ کیے ہیں وہ ان کی طرف سے تبرع اور احسان ہے اس کی وجہ سے لڑکیوں کا حق میراث ساقط نہیں ہوگا، لہٰذا والد صاحب نے جو وصیت کی ہے وہ شرعاً معتبر نہیں، بلکہ والد صاحب کی تمام جائیداد اور وہ مکان جس میں ایک بہن مع شوہر کے رہ رہی ہے دس حصوں میں تقسیم ہو کر دو، دو حصے بھائیوں کو اور ایک ایک حصہ بہنوں کو ملے گا۔

﴿**قال الله تعالیٰ: لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ.** [النساء: ۱۱]﴾

عن أبی أمامة الباهلی –رضی الله عنه– قال: سمعت رسول الله ﷺ یقول فی خطبته عام حجة الوداع، إن الله تبارک وتعالیٰ قد أعطیٰ کل ذی حق حقه فلا وصیة لوارث. (سنن الترمذی، باب ما جاء لا وصیة لوارث، النسخة الهندیة ۳۲/۲ دار السلام رقم: ۲۱۲۰، سنن أبی داؤد، الوصایا، باب ماجاء فی الوصیة للوارث، النسخة الهندیة ۳۹۶/۲، دار السلام رقم: ۲۸۷۰، سنن ابن ماجه، لاوصیة لوارث، النسخة الهندیة ۱۹۴/۲ دار السلام رقم: ۲۷۱۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۱۸؍ شوال المکرّم ۱۴۳۴ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۲۶۰/۴۰)	۱۸/۱۰/۱۴۳۴ھ

مرضی سے نکاح کرنے کی بنا پر جائیداد سے محروم کرنا

سوال [۱۱۴۸۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید جو کہ ایک عاقل و بالغ ہے اس نے اپنی برادری اور اپنے میل کی ایک لڑکی سے

نکاح کرنے کے لیے اپنے والدین سے مشورہ کیا، مگر والدین اس نکاح کے لیے تیار نہیں ہوئے، تو خود اس نے والدین کے نا چاہتے ہوئے اس لڑکی سے نکاح کرلیا، جس سے ناراض ہوکر والدین نے زید کو اپنی کل جائیداد منقولہ وغیر منقولہ سے بے دخل کردیا، اور زید کے ایک بھائی کو بھی اس شبہ میں کہ اس نے نکاح میں شرکت کی ہے، بے دخل کردیا، اس کے بعد زید کی والدہ حج کو چلی گئیں، زید کے کچھ رشتہ داروں نے زید کی والدہ کو مشورہ دیا کہ وہ زید سے ملاقات کرکے چلی جائے لیکن زید کی والدہ نے اس سے ملنے کو منع کردیا، چاہے حج ہو یا نہ ہو، تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید کے والدین کا بے دخل کرنے کا معاملہ صحیح ہے یا نہیں؟ کیا اس طرح بے دخل کرنے سے شرعی طور پر زید بے دخل ہوجائے گا اس طرح کرنے سے زید کی والدہ کے حج میں تو کوئی خرابی نہیں آئے گی؟ کیا شرعی طور پر والدین کو بے دخل کرنے کا حق ہے یا نہیں؟

المستفتی: نزاکت علی ولد حافظ شرافت علی، ٹانڈہ بادلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عاقل وبالغ لڑکے لڑکی کو شریعت نے یہ حق دیا ہے کہ اپنی پسند اور مرضی کے مطابق نکاح کریں، اور ماں باپ کو ان کی پسند پر راضی ہوجانا چاہیے، اس لیے کہ انہیں کو آپس میں نبھاؤ کرنا ہے اس لیے ماں باپ کو اس نکاح پر سختی نہیں کرنی چاہیے، نیز شریعت میں جائیداد سے بے دخل کرنے کا اعتبار نہیں ہے، بلکہ والدین کے انتقال کے بعد ہر ایک اولاد کو اپنا حق میراث حاصل کرنے کا حق باقی رہتا ہے، اور دوسری طرف اولاد پر بھی ضروری ہے کہ والدین کو ہر طرح سے خوش رکھیں، اور ان کی ناراضگی سے بچنے کی کوشش کریں، نیز اولاد سے ناراضگی کی حالت میں والدہ نے جو حج کیا ہے اس حج میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔

﴿**قال الله تعالیٰ: وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا.** [الأحقاف: ۱۵]﴾

عن سلیمان بن موسیٰ قال: قال رسول الله ﷺ: من قطع میراثا فرضه الله، قطع الله میراثه من الجنة. (سنن سعید بن منصور، باب من قطع میراثا فرضه الله،، دار الکتب العلمیة بیروت ۱/۹٦، رقم: ۲۸۵-۲۸٦)

عن أنس بن مالک -رضی الله عنه- قال: قال رسول الله ﷺ: من

فر من میراث وارثه، قطع الله میراثه من الجنة یوم القیامة. (سنن ابن ماجه، باب الحیف فی الوصیة، النسخة الهندیة ۲/ ۱۹٤، دار السلام رقم: ۲۷۰۳)

إذا زال الصغر زالت الولایة عندنا. (تاتارخانیة زکریا ٤/ ۸۷، رقم: ٥٦٠۸)

الإرث جبری لا یسقط بالإسقاط. (تکملة رد المحتار، مطلب: واقعة الفتاویٰ، کراچی ۷/ ٥۰٥، زکریا ۱۱/ ٦۷۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ رمحرم الحرام ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۲۵۶)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۱/۹ھ

کیا شادی کے بعد لڑکیوں کا کوئی حصہ نہیں ہے؟

سوال [۱۱۴۹۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرے نانا مرحوم محمد محسن کے وارثوں میں دو بیٹے محمد شبیر عالم اور محمد عمران عالم اور دولڑکیاں ہیں، نانی بھی بقید حیات نہیں ہیں، نانا مرحوم کی چھوڑی ہوئی وراثت میں، رہائش کی زمین، پیداوار کی زمین، باغیچہ اور تالاب ہیں، نانا کے انتقال کے بعد دونوں بھائیوں نے چھ زمینوں کو بیچ کر آپس میں تقسیم کرلیا، اور جو زمین بچی اسے دونوں بھائیوں نے غلط طریقے سے اپنے اپنے نام کاغذات بنوالیے ہیں۔

اس میں دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ دولڑکیوں جن میں ایک میری والدہ اور ایک خالہ ہیں، کو میرے نانا کی وراثت میں سے کیا حصے ملے گا؟

نیز جب تقسیم وراثت کی بات آتی ہے تو محلّہ ٹولہ کے لوگ کہتے ہیں کہ شادی کے بعد بیٹیوں کا کوئی حصہ نہیں ہوتا، اس سلسلے میں شرعی ہدایات سے روشناس کرا کر ممنون فرمائیں؟

المستفتی: محمد جاوید اختر سمری بختیار پور سہرسہ بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: برتقدیر صحت سوال مسئولہ صورت میں جبکہ آپ

کے نانا محمد محسن نے اپنی زندگی میں بیٹیوں کو اپنی جائیداد کا کوئی حصہ مالکانہ طور پر نہیں دیا ہے تو ایسی صورت میں اس جائیداد میں ان کی تمام اولاد (بیٹوں، بیٹیوں) کا حق ہوگا صرف بیٹوں کا اس پر قابض ہونا اور بیٹیوں کو محروم کردینا بڑا ظلم اور سخت گناہ ہے اور بیٹیوں کو اپنے حق کے مطالبہ کا اختیار حاصل ہے، بریں بنا بیٹوں کو چاہیے کہ وہ والد کا ترکہ سبھی موجودہ وارثین میں حسب حصص شرعیہ تقسیم کریں، تاکہ آخرت کی جواب دہی سے محفوظ رہ سکیں اور آپ کے نانا مرحوم کا سارا ترکہ درج ذیل نقشہ کے مطابق تقسیم ہوگا:

محمد محسن میـــــــ ۶ ـــــــت

لڑکا	لڑکا	لڑکی	لڑکی
۲	۲	۱	۱

آپ کے نانا مرحوم کا کل ترکہ ۶/ حصوں میں تقسیم ہوکر ہر وارث کو ترکہ میں سے اتنا ملے گا جو اس کے نام کے نیچے درج ہے۔

﴿ **يُوصِيكُمُ اللّٰهُ فِيٓ اَوۡلَادِكُمۡ لِلذَّكَرِ مِثۡلُ حَظِّ الۡاُنۡثَيَيۡنِ.** [النساء: ١١] ﴾

الإرث جبری لا يسقط بالإسقاط. (تكملة رد المحتار، مطلب: واقعة الفتاوىٰ، كراچی ٥٠٥/٧، زكريا ٦٧٨/١١)

عن سعيد بن زيد قال سمعت رسول الله ﷺ يقول: من أخذ من حق امرئ من المسلمين شبرا بغير حق طوقه الله تعالىٰ يوم القيامة سبع أرضين.

(المعجم الأوسط، دار الكتب العلمية بيروت ١٦٧/٦، رقم: ٨٣٨٣، صحيح بخاری، كتاب المظالم، باب إثم من ظلم شيئا من الأرض ٣٣٣/١، رقم: ٢٣٨٨، ف: ٢٤٥٢، مسلم، كتاب المساقات والمزارعة، باب تحريم الظلم و غصب الأرض، النسخة الهندية ٣٣/٢، بيت الأفكار رقم: ١٦١٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴/محرم الحرام ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۵۹۱/۳۹)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۱/۱۵ھ

شادی میں ملنے والے زیورات وغیرہ میراث کا بدل نہیں

سوال [۱۱۴۹۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اللہ بخش کے تین بیٹے محمد شاہد، عبد السلام، عبد القیوم، دو بیٹی: سعیداً اور مجیداً، اللہ بخش مرحوم کی بیوی امیراً، اپنے انتقال کے وقت اللہ بخش نے مذکورہ بالا ورثاء چھوڑے۔

پھر سعیداً کا انتقال ہوا اس کے ورثاء میں ماں اسیرن، تین بھائی: محمد شاہد، عبد القیوم، عبد السلام، ایک بہن مجیداً، پھر امیراً کا انتقال ہوگیا، اس کے ورثاء میں تین لڑکے، ایک لڑکی مذکورہ بالا ہیں۔

اب دو بھائی عبد السلام، عبد القیوم ایک بہن مجیداً حیات ہیں، مجیداً اپنی سسرال میں ہے، اللہ بخش کے تینوں لڑکے ان کی وفات کے بعد اپنے حصہ پر قابض رہے، عبد القیوم نے اپنے بڑے بھائی محمد شاہد سے اپنا مکان بنانے کے بہانے سے رہنے کیلئے مانگا، جس میں کچھ حصہ عبد السلام کا بھی ہے، اس پر عبد القیوم نے قبضہ کر رکھا ہے، عبد القیوم نے جب اپنا مکان بنا لیا تو اس سے کئی بار مکان خالی کرنے کی بات کی گئی اس نے انکار کر دیا اور اپنا مکان کرایہ پر اٹھا رکھا ہے، اس درمیان محمد شاہد کی طبیعت خراب ہوئی تو انہوں نے اپنے علاج کی وجہ سے اپنا حصہ اپنے چھوٹے بھائی عبد السلام کو فروخت کر دیا، اس کے بعد محمد شاہد کا انتقال ہوگیا، ان کے انتقال کے بعد مرحوم کے مکان میں جو کہ عبد السلام نے خرید لیا ہے، عبد القیوم اور بہن مجیداً حصہ مانگ رہے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ مرحوم محمد شاہد کے مکان میں عبد القیوم اور مجیداً کا حصہ ہے یا نہیں؟ جبکہ مرحوم نے اپنا حصہ اپنی زندگی میں اپنے بھائی عبد السلام کو بیچ دیا ہے، جس کا رجسٹری بیعنامہ بھی ہے؟

(۲) اگر بہن کا حصہ اللہ بخش کے مکان میں نکلتا ہے تو عبد السلام نے تقریباً پچاس ہزار روپیہ اپنی بہن مجیدا کو بھات میں کپڑے زیور نقد کی صورت میں دیئے ہیں تو ان کا کیا ہوگا؟

المستفتی: عبد السلام آزاد نگر ہلدوانی نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: (۱) بشرط صحت سوال وبعد ادائے حقوق ما تقدم و

عدم موانع ارث اللہ بخش کا مال متروک درج ذیل نقشہ کے مطابق تقسیم ہوگا:

۱۳۴۴۰
۲۶۸۸
۳۸۴
۶۴
۸

اللہ بخش میت

لڑکا	لڑکا	لڑکا	لڑکی	لڑکی	بیوی
شاہد	عبدالسلام	عبدالقیوم	سعیداً	مجیداً	امیراً
۱۴	۱۴	۱۴	۷	۷	۱
۸۴	۸۴	۸۴		۴۲	۸
۵۸۸	۵۸۸	۵۸۸		۲۹۴	۴۸
	۲۹۴۰	۲۹۴۰		۱۴۷۰	

۶
۴۲۶
۶

سعیداً میت ۱/۷ تداخل

ماں	بھائی	بھائی	بھائی	بہن
امیراً	شاہد	عبدالقیوم	عبدالسلام	مجیداً
۱	۱۰	۱۰	۱۰	۵
۷	۷۰	۷۰	۷۰	۳۵
		۳۵۰	۳۵۰	۱۷۵

امیراً میت ۷ تباین ۵۵

لڑکا شاہد	لڑکا عبدالقیوم	لڑکا عبدالسلام	لڑکی مجیدا
۲	۲	۲	۱
۱۱۰	۱۱۰	۱۱۰	۵۵
	۵۵۰	۵۵۰	۲۷۵

شاہد میت ۵ تباین ۷۶۸

بھائی عبدالقیوم	بھائی عبدالسلام	لڑکی مجیداً
۲	۲	۱
۱۵۳۶	۱۵۳۶	۷۶۸

۱۳۴۴۰
المبلغ
شاہد الأحیاء

بھائی عبدالسلام	بھائی عبدالقیوم	لڑکی مجیداً
۵۳۷۶	۵۳۷۶	۲۶۸۸

مورث اعلیٰ کا ترکہ ۱۳۴۴۰ر سہام میں تقسیم ہوکر ہر وارث کو اتنا ملے گا جو اس کے نام کے نیچے درج ہے، نیز اللہ بخش کی جائیداد میں تینوں بیٹوں کے ساتھ بہن مجیداً کا بھی حق ہے، لیکن اللہ بخش کے تینوں بیٹوں نے اپنی بہن کو حصہ دیئے بغیر پوری جائیداد پر قبضہ کرنے کے ساتھ بہن کا حصہ ہڑپ کرلیا اور بہن کو کچھ نہیں دیا، یہ ناجائز اور حرام ہے، اور بہن کے ساتھ خیانت ہے، نیز عبدالسلام نے اپنی بہن مجیداً کی شادی میں جو زیورات بھات وغیرہ دیئے تھے، اور دیتے وقت اس کی صراحت نہیں کی تھی کہ میراث کا جو حصہ ہے وہ تمہاری شادی میں خرچ کیا جارہا ہے، اور بہن نے اسے بخوشی قبول کرلیا ہے، اس لیے مجیداً کی شادی میں جو خرچ ہوا ہے وہ بہن کا حصہ شرعی شمار نہیں ہوگا، نیز سوال میں ذکر کردہ صورت میں عبدالسلام سے عبدالقیوم اور بہن مجیداً دونوں مطالبہ کررہے ہیں تو مجیداً کا مطالبہ تو درست ہے لیکن عبد القیوم نے جبکہ اپنے حصۂ شرعی پر قبضہ کرلیا ہے تو اب عبدالسلام سے مطالبہ بیجا مطالبہ ہے، اور عبدالسلام کے لیے محمد شاہد سے اس کا حصہ خریدنا، جبکہ اس میں بہن کا حصہ نہ ہو تو جائز ہے۔

عن سعيد بن زيد قال سمعت رسول الله ﷺ يقول: من أخذ من حق امرئ من المسلمين شبرا بغير حق طوقه الله تعالىٰ يوم القيامة سبع أرضين.

(المعجم الأوسط ، دار الكتب العلمية بيروت ١٦٧/٦ ، رقم: ٨٣٨٣، بخاری، كتاب المظالم، باب إثم من ظلم شيئا من الأرض ٣٣٣/١، رقم: ٢٣٨٨، ف: ٢٤٥٢، مسلم، كتاب المساقات والمزارعة، باب تحريم الظلم و غصب الأرض، النسخة الهندية ٣٣/٢، بيت الأفكار رقم: ١٦١٠)

عن أنس بن مالك – رضى الله عنه – قال: قال رسول الله ﷺ: من فر من ميراث وارثه، قطع الله ميراثه من الجنة يوم القيامة. (سنن ابن ماجه، باب

الحیف فی الوصیة، النسخة الهندیة ۲/ ۱۹٤، دار السلام رقم: ۲۷۰۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۰۱۲)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۴/ ۵/ ۱۴۲۷ھ

لڑکیوں اور بہنوں کو وراثت سے محروم کرنا

سوال [۱۱۴۹۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) کلام پاک کے حکم کے تحت شرع محمدی میں ترکہ میں لڑکی اور لڑکا و بیوہ کا کتنا کتنا حصہ ہے؟

(۲) مروجہ قانون میں زرعی آراضی میں اور چکبندی میں عورت کا حصہ نہیں رکھا گیا ہے، تو اس سلسلے میں شرعی حکم کیا ہے؟

وہ شخص جو اپنی بہنوں یا والدہ کو دیہی وزرعی آراضی میں مروجہ قانون زمینداری خاتمہ و چک بندی کے تحت حصہ نہیں دیتا ہے اس کے متعلق شرعی احکامات کیا ہیں، یا اکثر رہائشی مکان میں لڑکی کو حق نہیں دیتے ہیں ان کے متعلق بھی شرعی حکم تحریر فرمائیں، نیز جو شخص زرعی آمدنی وصول کر کے لڑکی کو نہ دے کر صرف لڑکے کو دیتا ہے اس کے متعلق بھی تحریر فرمائیں کہ شرعاً کیا حکم ہے؟

آنجناب سے گذارش ہے کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں مدلل جواب تحریر فرمائیں کیونکہ خادم کے وکالت کے پیشہ کے اندر اکثر و بیشتر یہ سوالات آتے ہیں، اور لوگ بہن و عورت کو حصہ دینے سے مروجہ قانون کا سہارا لیتے ہیں؟

المستفتی: خواجہ محمد رائق محلّہ کٹرہ لکھنؤ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: لڑکیوں اور بہنوں کو وراثت سے محروم کر دینا اسلامی شریعت میں جائز نہیں ہے، حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص کسی وارث کو وراثت سے محروم کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو جنت سے محروم کر دے گا، اس لیے جو شخص خاتمہ زمینداری اور چک بندی کے بعد

بھی لڑکیوں یا بہنوں کا شرعی حق نہیں دے گا، وہ سخت ترین عذابِ الٰہی کا مستحق ہوگا۔

عن أنس بن مالک –رضی الله عنه– قال: قال رسول الله ﷺ: من فر من میراث وارثه، قطع الله میراثه من الجنة یوم القیامة. (سنن ابن ماجه، باب الحیف فی الوصیة، النسخة الهندیة ۲/۱۹٤، دار السلام رقم: ۲۷۰۳)

عن سعید بن زید بن عمرو بن نفیل ان رسول الله ﷺ قال: من اقتطع شبرا من الأرض ظلما طوقه الله إیاه یوم القیامة من سبع أرضین. (مسلم شریف، کتاب المساقات والمزارعة، باب تحریم الظلم وغصب الأرض، النسخة الهندیة ۲/۳۲، بیت الأفکار رقم: ۱٦۱۰، صحیح البخاری کتاب المظالم، باب إثم من ظلم شیئا من الأرض، النسخة الهندیة ۱/۳۳۲، رقم: ۲۳۸۸، ف: ۲٤۵۲، سنن أبی داؤد کتاب الأدب، باب من یأخذ الشیئ من مزاح، النسخة الهندیة ۲/٦۸۳، دار السلام رقم: ۵۰۰۳)

نیز زرعی آمدنی وصول کر کے باپ اپنی زندگی میں صرف لڑکوں کو ہبہ کر کے مالکانہ قبضہ دیدیا کرتا ہے اور لڑکیوں کو کچھ بھی نہیں دیتا ہے تو اولاد کے ساتھ بے انصافی کی وجہ سے باپ گنہگار ہوگا۔

ولو وهب فی صحته کل المال للولد جاز و أثم. (در مختار، کتاب الهبة زکریا ۸/۵۰۲، کراچی ۵/٦۹٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱٦/ذی قعدہ ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۵۱۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۱۱/۱٦ھ

تنہائی میں بہنوں سے حصہ نہ لینے کا اقرار کرانا

سوال [۱۱۴۹۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہم پانچ بہن بھائی ہیں، میں سب سے چھوٹا ہوں، خاندانی بٹوارے میں باپ کی جو جائیداد ملی تو بڑے بھائی نے تینوں بہنوں سے الگ الگ بلا کر پوچھا کہ تم اپنا حصہ لوگی یا نہیں؟ بڑے بھائی نے الگ الگ بلا کر اس لیے پوچھا کہ بقول بھائی کے وہ لوگ ایک

دوسرے کے دباؤ میں آکر منع نہ کردیں، جو اصل بات ان کے دل میں ہو وہی کہیں، تو تینوں نے الگ الگ انکار کردیا کہ ہم اپنا حصہ نہیں لیں گی۔

اس بیچ دس سال کے وقفہ میں بڑے بھائی نے تین بار زمین بیچی اس کا پیسہ ہم دونوں بھائیوں میں ہی تقسیم ہوا، ابھی کچھ ماہ پہلے جب میں نے کچھ زمین بیچنے کا ارادہ کیا تو تینوں بہنوں نے اپنا حصہ مانگا، جبکہ بڑے بھائی نے زمین بیچی تو کسی نے نہیں مانگا، جب میں نے کہا کہ بڑے بھائی نے زمین بیچی تب تم تینوں نے کچھ نہیں کہا، اب میں بیچ رہا ہوں تو تم کیوں مانگ رہی ہو، تو کہا: تم دونوں میں جو اختلاف ہوگیا ہے تو میں نے کہا کہ تم نے بٹوارے کے وقت پوچھے جانے پر یہ شرط نہیں رکھی تھی، کہ ہم دونوں میں اختلاف ہو جائے گا، تو ہم بہنیں اپنا اپنا حصہ مانگ لیں گی۔

کیا شرعی لحاظ سے ایک بار انکار کرنے کے بعد دوبارہ حصہ مانگنا درست ہے، کیا اسلام میں زبان اور نیت کی کوئی اہمیت نہیں ہے، انسان کی زبان ہی تو سب کچھ ہے، اگر زبان کی اہمیت نہیں تو کیا یہ بات طلاق میں بھی لاگو ہوسکتی ہے، شروع سے ابھی تک رہائشی مکان ساری جائیداد پر جس میں کھیت، باغ، مکان کا کرایہ سب آتے ہیں، بڑے بھائی کا قبضہ ہے، پہلے جب بہنوں نے اپنا حصہ لینے سے منع کردیا تو بڑے بھائی اس بات سے راضی تھے، اور اپنی مرضی سے زمین بیچتے رہے، اور جب مجھ سے اختلاف ہوگیا وہی بھائی اور بھتیجے کہتے ہیں کہ بہنوں کو حصہ دو، اب جائیداد میں تو شرع کی بات کرنے لگے، رہائشی مکان کے بارے میں کہتے ہیں کہ میں اپنی مرضی سے دوں گا اپنے پیسہ کے لحاظ سے، میں آبائی شہر سے دوسرے شہر میں رہتا ہوں، ان مسئلوں کا شرعی حل کیا ہے؟

المستفتی: ڈاکٹر ایم ایم عالم فیضی کلینک بلرامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: حق وراثت کی بنا پر میراث میں وارثین کو جو بھی ملتا ہے وہ انسان کے اختیار سے نہیں ملتا، اس کا اصل اختیار اللہ تعالیٰ کو ہے اور وارثین غیر اختیاری اور اضطراری طور پر میراث کے مالک ہوتے ہیں، لہٰذا میت کے مرنے کے بعد اس کا ترکہ وارثین کے درمیان تقسیم کرکے ہر ایک کے قبضہ میں منتقل کردینا لازم اور واجب ہوتا

ہے،اور تقسیم کرکے قبضہ میں دینے سے پہلے زبانی معافی کا اقرار کروانے سے معاف نہیں ہوتا ہے، لہٰذا بہنوں کو الگ الگ تنہائی میں بلا کر جوان سے اس بات کا اقرار کروایا ہے کہ وہ اپنا حصہ لینے سے انکار کردیں،تو ان کے قبضے میں آنے سے پہلے محض لینے سے انکار کردینے سے ان کا حق ساقط نہیں ہوتا ہے، بدستور باقی رہتا ہے، اس لیے تنہائی میں بہنوں سے نہ لینے کا جو اقرار کرایا گیا ہے اس سے بہنوں کا حق ختم نہیں ہوا ،لہٰذا بڑے بھائی کے حصے میں بہنوں کا جو حق آیا ہے اس کا دینا بڑے بھائی پر لازم ہے،اور چھوٹے بھائی کے حصے میں بہنوں کا جوحق آیا ہے اس کا دینا چھوٹے بھائی پر لازم ہے،اور بہنوں کا بعد میں مطالبہ کرنا شرعی طور پر ناجائز نہیں ہے، بلکہ جائز ہے، لہٰذا بھائیوں پر لازم ہے کہ بہنوں کا حصہ بہنوں کو بے غرض ہوکر دیدیں۔

لو قال الوارث: تركت حقي لم يبطل حقه إذا الملك لا يبطل بالترك، وتحته في حاشية الحموي: لو قال وارث: تركت حقي لي إلى آخر كلامه، وفيه التصريح بأن إبراء الوارث من إرثه في الأعيان لايصح. (الأشباه والنظائر، الفن الثالث ۲/۱۶۰)

الإرث جبري لا يسقط بالإسقاط. (تكملة رد المحتار، مطلب: واقعة الفتاوىٰ كراچی ۷/۵۰۵، زكريا ۱۱/۶۷۸)

يتفق الفقهاء على عدم صحة الإسقاط قبل وجوب الحق وقبل وجود السبب الوجوب لأن الحق قبل ذٰلك غير موجود بالفعل فلا يتصور ورود الإسقاط عليه فإسقاط مالم يجب ولا جرى سبب وجوبه لايعتبر إسقاطا.

(الموسوعة الفقهية الكويتية ۴/۲۵۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳ رصفر المظفر ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۴۶۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۲/۲۳ھ

بیٹے کی موجودگی میں بہن وارث نہیں

سوال [۱۱۴۹۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: لطیفہ خاتون نے اپنے دو مکان میں سے ایک ایک اپنی اولاد وں لڑکا ضیاء الرحمٰن اورلڑکی انور جہاں کو اپنی زندگی میں دے کر قابض و مالک بنا دیا تھا، دونوں اپنے اپنے مکان میں رہنے لگے، پھر لطیفہ کا انتقال ہو گیا اور تقریباً ۱۶/ سال ضیاء الرحمٰن اسی مکان میں رہتے رہے، اس درمیان ان کی بہن انور جہاں نے کوئی مطالبہ نہیں کیا۔

کیا اب ضیاء الرحمٰن جو انتقال کر چکے ہیں، تو وہ اس کے مکان میں اپنا حصہ طلب کر سکتی ہے؟ جبکہ ضیاء الرحمٰن کے ورثاء میں ان کا ایک لڑکا زعیم الرحمٰن عمر ۱۶/ سال موجود ہے۔

تو دریافت یہ کرنا ہے کہ شرعاً ضیاء الرحمٰن کے ترکہ اور مذکورہ مکان میں ضیاء الرحمٰن کی بہن کا حصہ ہے یا نہیں؟ یا سارا ترکہ و مکان ضیاء الرحمٰن کے لڑکے زعیم کو ملے گا؟ شرعی حکم تحریر فرمادیں۔

المستفتی: زعیم الرحمٰن محلّہ بھٹی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بشرط صحت سوال وبعد ادائے حقوق جب لطیفہ خاتون کا دیا ہوا مکمل مکان ضیاء الرحمٰن کی ملکیت تھا تو اب ضیاء الرحمٰن کی موت کے بعد ضیاء الرحمٰن کا مکان اس کے شرعی ورثاء کو ملے گا اور شرعی ورثاء میں حقیقی بیٹے کی موجودگی میں حقیقی بہن وارث نہیں بنتی، اس لیے ضیاء الرحمٰن کے مکان میں اس کی بہن انور جہاں کا کوئی حق باقی نہیں رہا، بلکہ اس کا بیٹا زعیم الرحمٰن ہی اس کا وارث و مالک ہوگا۔

عن زید بن ثابت قال: ومیراث الإخوة للأب و الأم إنهم لایرثون مع الولد الذکر ولا مع ولد الابن الذکر و لا مع الأب شیئا. (السنن الکبریٰ للبیهقی، دار الفکر بیروت ۹/ ۲۸۸، رقم: ۱۲۵۸۱)

وبنو الأعیان والعلات کلهم یسقطون بالابن وابن الابن و إن سفل. (سراجی ص:۱۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۱۷۰)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۸/۵/۲۷ھ

بھائی کا بہن کو حصہ دینے میں ٹال مٹول کرنا

سوال [۱۱۴۹۵]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرے والد نے آدھا مکان بیچ دیا تھا اور آدھا بچا ہوا مکان میرے بھائی کے پاس ہے، میری والدہ کا انتقال ہو چکا ہے، میں نے ساری زندگی ان کی خدمت کی جو آخری خدمت ہوتی ہے، وہ بھی میں نے اپنی والدہ کی کرلی، وہ اپنی زندگی میں اپنے آدھے حصے کے پیسوں کے متعلق بھائی سے کہہ چکی تھیں کہ میری بیٹی کو اس کے پیسے دیدینا اور اس مکان میں جو میرا حصہ بنتا ہے اس کے پیسے بھی دینے کو کہہ گئی تھیں، اور مجھے کہا تھا کہ بیٹی تو دستخط کردینا، بھائی تجھے بعد میں پیسے دے گا، لیکن یہ سب انہوں نے منھ زبانی کہا تھا، لکھت میں بھائی کو کردیا تھا، لہٰذا اب آپ مجھے یہ بتائیے کہ شرعاً میں اس حصے کے پیسوں کی حقدار رہوں یا نہیں؟ گیارہ سال ہوگئے، اس مکان کی رجسٹری ہوئے اور چھ سال ہوگئے ماں کے انتقال کو، میں بہت غربت میں ہوں، میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے، اور پندرہ سال سے مستقل بیمار ہوں، مجھے بتائیے کہ میں وہ پیسے مکان کے حصے کے بھائی سے مانگوں یا نہیں؟

المستفتیه: ثریا سخاوت

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آپ کو بھائی سے اپنے حصہ کے پیسے کا مطالبہ کرنا بلاشبہ جائز اور درست ہے، اور بھائی کے اوپر بھی لازم ہے کہ آپ کا پورا حصہ یا اس کی قیمت بلاکسی ٹال مٹول کے آپ کو جلد ادا کردے ورنہ بھائی سخت گنہگار رہوگا۔

عن أنس بن مالك – رضی الله عنه – قال: قال رسول الله ﷺ: من فر من ميراث وارثه، قطع الله ميراثه من الجنة يوم القيامة. (سنن ابن ماجه، باب الحيف فی الوصية، النسخة الهندية ۲/ ۱۹٤، دار السلام رقم: ۲۷۰۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍ شعبان المعظم ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۲۳۱)

دو بھائیوں کا پوری جائیداد پر قبضہ کر کے باقی بھائی بہنوں کو حصہ نہ دینا

سوال [۱۱۴۹۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ والدین کا انتقال ہوگیا، ان کے ورثاء میں تین لڑکے، تین لڑکیاں ہیں، ایک بھائی دماغی اعتبار سے معذور ہے، دو بھائیوں نے تمام جائیداد کم وبیش لے لی، بہنوں کو کچھ بھی نہیں دیا، تو دریافت یہ کرنا ہے کہ والدین کی جائیداد میں بھائی بہنوں کو کس قدر حصے ملیں گے؟

(۲) میرے والد نے انتقال سے پہلے بارہ تولہ سونا میرے پاس رکھا تھا اس کے بعد میں نے دو تین مرتبہ یہ زیور والد کو واپس کرنا چاہا، لیکن انہوں نے اسے نہیں لیا اور کہا کہ اسے اپنے پاس رکھ لے، اور میری بات مان لے، میں یہ دریافت کرنا چاہتی ہوں کہ زیور میرا ہی رہے گا، یا سب بھائی بہنوں کا حصہ ہوگا؟ شرعی حکم تحریر فرمائیں۔

المستفتی: کاشف محلّہ اصالت پورہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شرعی اعتبار سے لڑکیاں بھی میراث کی حقدار ہوتی ہیں، لہٰذا ان کو حق وراثت سے محروم کرنا کسی بھی صورت میں جائز اور درست نہیں، اور مرحوم کا کل ترکہ نو حصوں میں تقسیم ہوکر لڑکوں کو دو، دو اور لڑکیوں کو ایک ملے گا، اور ترکہ کے اندر وہ زیور بھی شامل ہوگا جو باپ نے سائلہ کے پاس رکھا تھا، اس لیے کہ زیور سائلہ کو بطور ہدیہ دینا ثابت نہیں بلکہ بطور حفاظت رکھنا ثابت ہے، اس میں دونوں سوالوں کے جوابات ہوگئے۔

﴿قال اللّٰه تعالیٰ: **لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ**. [النساء: ١١]﴾

عن سعيد بن زيد قال سمعت رسول الله ﷺ يقول: من أخذ من حق امرئ من المسلمين شبرا بغير حق طوقه الله تعالىٰ يوم القيامة سبع أرضين. (المعجم الأوسط، دار الكتب العلمية بيروت ١٦٧/٦، رقم: ٨٣٨٣، صحيح البخاري، كتاب المظالم، باب إثم من ظلم شيئا من الأرض ٣٣٣/١، رقم: ٢٣٨٨، ف: ٢٤٥٢، مسلم، كتاب المساقات والمزارعة، باب تحريم الظلم و غصب الأرض، النسخة الهندية ٣٣/٢، بيت الأفكار رقم: ١٦١٠)

عن أنس بن مالک – رضی الله عنه– قال: قال رسول الله ﷺ: من فر من میراث وارثه، قطع الله میراثه من الجنة یوم القیامة. (سنن ابن ماجه، باب الحیف فی الوصیة، النسخة الهندیة ۲/ ۱۹٤، دار السلام رقم: ۲۷۰۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/ ذی قعدہ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۱۶۹۳)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۱۱/۵ھ

والدین کی موجودگی میں بھائی بہن محروم

سوال [۱۱۴۹۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرے لڑکے محمد اسلام کا تقریباً تین ماہ قبل انتقال ہوگیا، جن کے وارثین میں ماں باپ اور پانچ بھائی اور دو بہنیں حیات ہیں، اوران کی ابھی شادی نہیں ہوئی تھی، مرحوم نے ترکہ میں ایک مکان تقریباً ۳۰۰ رگز کا چھوڑا، یہ مکان چھ بھائیوں کو ان کے والد نے خرید کر دیا تھا، اب معلوم یہ کرنا ہے کہ ان کے ترکہ کے شرعاً کون کون حقدار ہیں

المستفتی: بشیر احمد مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: برتقدیر صحت سوال مرحوم کے شرعی وارث صرف والد اور والدہ ہیں، بھائی بہن باپ کی موجودگی میں وارث نہیں ہوں گے، لہٰذا سوال میں مذکور مکان میں سے محمد اسلام کا جو ایک حصہ تھا اس کے شرعاً تین حصے کرکے ایک حصہ مرحوم کی والدہ کا اور دو حصے مرحوم کے والد کو ملیں گے۔

عن زید بن ثابت قال: ومیراث الإخوة للأب و الأم إنهم لایرثون مع الولد الذکر ولا مع ولد الابن الذکر و لا مع الأب شیئا. (السنن الکبریٰ للبیهقی دار الفکر بیروت ۹/ ۲۸۸، رقم: ۱۲۵۸۱)

وبنو الأعیان والعلات کلهم یسقطون بالابن وابن الابن و إن سفل

وبالأب بالاتفاق. (سراجی ص: ۱۱)

ولـلأم ثـلـث الكل عند عدم هؤلاء المذكورين. (سراجی ص:۱۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/ذیقعدہ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۶۹۴۲)

والد کی موجودگی میں بھائی وراثت سے محروم ہوجاتا ہے

سوال [۱۱۴۹۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری شادی ۲۸/اکتوبر ۱۹۹۰ء کو ہوئی تھی، منکوحہ ولیمہ کے دن سے بیمار تھی، اسی دن سے علاج شروع ہوگیا تھا، اور برابر علاج چلتا رہا، تین ماہ دیگر ڈاکٹروں سے علاج میں کراتا رہا، لیکن کوئی مناسب حل نہ ملنے پر مجبوراً ہرتھلہ روڈ پر موجود ہوسپٹل میں ۱۵/روز وہاں علاج چلتا رہا، اسی دوران ڈاکٹروں کی رپورٹوں سے پتہ چلا کہ میری منکوحہ کو کینسر کا موذی مرض ہے اس کے بعد تمام ہی منکوحہ کے رشتہ داروں کی رائے ومشورہ سے منکوحہ کو دہلی آل انڈیا میں علاج کرانے کے واسطے لے گیا، وہاں پر لگ بھگ تین ماہ تک علاج چلتا رہا، اس پر بھی میری منکوحہ کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا، ڈاکٹروں نے آپریشن کرانے کو کہا، تب میں نے اپنی سسرال والوں سے مشورہ کیا تو انہوں نے بھی یہی جواب دیا کہ آپریشن ہی کرالو، تب میں نے اپنی منکوحہ کو دہلی آل انڈیا میں داخل آپریشن کے لیے کردیا، آپریشن کے تین دن بعد ہی میری منکوحہ کا انتقال ہوگیا، سارے علاج وغیرہ میں جو رقم صرف میں آئی وہ تنہا میری تھی۔

بیماری کے دوران جب میری منکوحہ کو اپنی حالت غیر مناسب محسوس ہوئی تب انہوں نے مجھ سے کہا، آپ کسی طرح سے مجبور و پریشان نہ ہوں اور نہ ہی میرے علاج کے لیے کسی سے ادھار یا قرض لینا، اگر روپیہ کی ضرورت پڑے تو چاہے آپ میرے جہیز کی کوئی بھی چیز بیچ کر رقم کا انتظام کرلیں، کیونکہ میرے جہیز میں لگی رقم تنہا میری ہی اپنی ہے اسی دوران میری

منکوحہ کے بڑے بھائی نے ایک ہزار روپیہ مجھے اپنی بہن کے علاج کے لیے دینے کی کوشش کی اس پر میری منکوحہ نے اپنے بڑے بھائی سے کہا کہ مجھے کسی کے احسان وروپیہ کی ضرورت نہیں، اور نہ ہی میں اپنے اوپر اپنے بھائی کا کسی بھی طرح کا قرضہ پسند کروں گی، میں اپنے علاج کے لیے سارا جہیز بیچ سکتی ہوں، کیونکہ شادی میں جو بھی سامان وخرچہ کیا گیا ہے، وہ میری اپنی ملکیت تھی، میری منکوحہ کسی اسکول میں ٹیچر تھی، میری منکوحہ کے بڑے بھائی سامان واپس لینا چاہتے ہیں، اور یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ شرعی مسئلہ ہے، سامان واپس لینے کا، لیکن میری منکوحہ کے والد سامان واپس لینے کو منع فرماتے ہیں، کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ تم نے علاج میں کوئی کمی نہیں چھوڑی، اپنی جانب سے بہت کوشش کی، روپیہ اوروقت بھی بہت خرچ کیا، مگر خدا کو یہی منظور تھا، اس مسئلہ پر غور فرما کر جواب دینے کی مہربانی کریں، سامان واپس دیا جائے یا نہیں؟ کیونکہ یہ میری منکوحہ کا سامان ہے۔

نوٹ: اس جہیز کو لینے کا بھائی حقدار ہوسکتا ہے یا نہیں؟ نیز مرحومہ کی والدہ کا انتقال پہلے ہو چکا ہے۔

المستفتی: فیاض الحسن خاں محلّہ گوئیاں باغ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: بشرط صحت سوال اگر مرحومہ کی حقیقی والدہ نہیں ہیں اور صرف والد اور بھائی زندہ ہیں تو مرحومہ کی ساری ملکیت جہیز ودیگر ترکہ دوحصوں میں تقسیم ہوکر ایک حصہ شوہر کو ملے گا اور ایک حصہ باپ کو اور مرحومہ کا بھائی شرعاً محروم ہوگا، اس کو حصہ نہیں ملے گا۔

عن زيد بن ثابت قال: وميراث الإخوة للأب و الأم إنهم لايرثون مع الولد الذكر و لا مع ولد الابن الذكر و لا مع الأب شيئا. (السنن الکبریٰ للبیهقی، دار الفکر بیروت ۹/۲۸۸، رقم: ۱۲۵۸۱)

وبنو الأعيان و العلات كلهم يسقطون بالابن و ابن الابن و إن سفل وبالأب بالاتفاق. (سراجی ص: ۱۱)

المالک هو المتصرف فی الأعيان المملوكة كيف شاء من

الملك. (بیضاوی شریف رشیدیه ۱/ ۷)

اور اگر مرحومہ کے باپ اپنا حق داماد کو دینا چاہیں تو داماد کو لینے کا حق ہے، اور اس میں مرحومہ کے بھائی وغیرہ کو اعتراض کا حق نہیں ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍ ربیع الثانی ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۶۵۳)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۹/ ۴/ ۱۴۱۲ھ

باپ کی موجودگی میں بہن بھائی کو وراثت میں سے کچھ نہ ملے گا

سوال [۱۱۴۹۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کا ایکسیڈینٹ موٹر سائیکل پر پیچھے بیٹھے ہوئے ایک ٹرک سے ہو گیا، جس میں دو تین دن کے بعد زید کی موت واقع ہو گئی، ہوسپٹل میں ایکسیڈینٹ کے بعد پولیس نے داخل کیا، اس واسطے یہ کیس بھی پولیس کیس ہے، زید کی موت کے بعد زید کے والد نے عدالت میں پولیس کے کہنے سے اور دیگر احباب کے کہنے سے اس کے معاوضہ کا دعویٰ کیا، جس کا معاملہ دہلی عدالت میں زیر غور ہے، اب یہ بات معلوم کرنی ہے کہ یہ کیس کرنے پر جو روپیہ عدالت کے فیصلہ کے مطابق گورنمنٹ زید کے والد کو دے گی اس روپیہ کو لینا درست ہے یا نہیں؟

اگر درست ہے تو پھر اس روپیہ کو کسی مدرسہ یا مسجد یا کسی غریب کو بھی دے سکتے ہیں یا نہیں؟ نیز متولی زید کے کوئی برادر حقیقی نہیں بلکہ دو تین حقیقی بہنیں ہیں اور ایک والد ہیں، بہنوں میں ایک بیوہ بھی، تو وہ روپیہ بہنوں اور والد کے درمیان کس طرح تقسیم کیا جائے، بہن تینوں ہی نادار ہیں، زید اپنی حیات میں ان کی مدد کیا کرتا تھا؟

المستفتی: سید منصور علی قصبہ ہلدوا پور بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید کے والد کے لیے اس روپیہ کا لینا شرعاً درست ہے، اور وہ روپیہ زید کے شرعی ورثاء کے درمیان حصص شرعی کے اعتبار سے تقسیم ہوگا،

اگر زید کے بیوی واولاد نہیں ہے تو مذکورہ صورت میں کل روپیہ زید کے والد کو ملے گا، اور شرعاً باپ کی موجودگی میں بہنوں کو حصہ نہیں ملتا ہے، البتہ باپ اپنی مرضی سے بہنوں کو دینا چاہے تو دے سکتا ہے، نیز مسجد میں بھی دینا لازم نہیں ہے بلکہ والد کی مرضی ہے کہ وہ جہاں چاہے جس طرح چاہے خرچ کرے۔

عن علي قال: تقسم الدية علی ما يقسم عليه الميراث. (سنن سعيد بن منصور، دار الكتب العلمية بيروت ١/ ١٠٠، رقم: ٣٠٨)

والولاية حكمها حكم سائر الأموال فلهٰذا لو أوصیٰ بثلث ماله تدخل الدية فيه. (تبيين الحقائق، كتاب الجنايات، فصل و إن صولح علی مال، امداديه ملتان ٦/ ١١٤، زكريا ٧/ ٢٤٣)

قوله وكذٰلك الدية لوارثه بينهم. (حاشيه چلپی علی التبيين امداديه ملتان ٦/ ١١٤، زكريا ٧/ ٢٤٢) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰؍ ربیع الاول ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۷۴۱)

مرحوم کی بیوی کا مرحوم کے والد سے جائیداد مانگنا

سوال [۱۱۵۰۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) میرے بیٹے شرافت حسین کا انتقال ہوگیا ہے اس نے اپنے پیچھے بیوی اور ایک لڑکا، ایک لڑکی چھوڑی ہے، اور ہم والدین بھی حیات ہیں، ہمارے دولڑکے اور چھ لڑکیاں ہیں۔

تو دریافت یہ کرنا ہے کہ شرافت حسین کی بیوی میری جائیداد میں شرافت حسین کے حصہ کا مطالبہ کرتی ہے، تو شرعاً میری جائیداد میں شرافت حسین کی بیوی یا اس کے بچوں کا کوئی حق ہے یا نہیں؟ جبکہ ہمارے دیگر لڑکے اور لڑکیاں موجود ہیں، شرعی حکم تحریر فرمائیں۔

(۲) اور جو جائیداد شرافت حسین کے نام ہے، اس میں شرعاً کون کون لوگ حقدار ہوں گے؟

المستفتی: لیاقت حسین تحصیل اسکول مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب آپ کی زندگی میں آپ کے بیٹے شرافت حسین کا انتقال ہو چکا ہے اور آپ کے دوسرے لڑکے بھی موجود ہیں تو ایسی صورت میں آپ کے مرنے کے بعد آپ کی جائیداد میں شرافت حسین کی بیوی اور اولاد کو کوئی بھی حصہ پانے کے حقدار نہیں ہوں گے، اور آپ کی زندگی میں آپ کی جائیداد اور دولت میں سے کسی بھی شخص کو حصہ مانگنے کا حق نہیں، نہ موجودہ لڑکوں کو حق ہے اور نہ کسی اور کو۔

بیانه: أن شرط الإرث وجود الوارث حیا عند موت المورث. (شامی، کتاب الفرائض، کراچی ۶/۷۶۹، زکریا ۱۰/۵۱۱)

وقال مشائخ بلخ: الإرث یجری بعد موت المورث. (الفتاویٰ التاتارخانیة ۲۰/۲۱۵، رقم: ۳۳۰۷۸)

اور شرافت حسین مرحوم کی جائیداد اور ترکہ اس کے وارثین کے درمیان تقسیم ہوگا، اور اس کے وارثین میں ماں باپ، بیوی اور اس کی اولاد شامل ہوں گی، جو درج ذیل نقشہ کے مطابق تقسیم ہوگا۔

۷۲/۲۴

میـــــــــــــت

بیوی	ماں	باپ	لڑکا	لڑکی
۳/۹	۴/۱۲	۴/۱۲	۱۳	
			۲۶	۱۳

مرحوم شرافت حسین کا ترکہ ۷۲/سہام میں تقسیم ہو کر بیوی کو ۹/سہام ماں باپ کو بارہ بارہ سہام اور لڑکے کو ۲۶/اور لڑکی کو ۱۳/سہام ملیں گے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳/ربیع الاول ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۷۰۹۵)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۳/۴ھ

حقیقیات کی موجودگی میں علاتیات محروم ہو جاتے ہیں

سوال [۱۱۵۰۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: زید کا انتقال ہوا، زید کے وارثین میں سے ایک حقیقی بھائی اور بہن ہے اور ایک باپ شریک بھائی اور ایک بہن ہے، زید کے پاس ۳۰۰؍ ڈسمل زمین تھی تو کیا زید کے باپ شریک بھائی بہن کو کچھ ملے گا یا نہیں؟ اور کس کا کتنا حصہ ہوگا؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بشرط صحت سوال اگر زید کے حقیقی بھائی اور بہن موجود ہیں تو ان کی موجودگی میں علاتی (باپ شریک) بھائی بہن کو وراثت میں کوئی حصہ زید کے ترکہ سے نہیں ملے گا۔

عن علي رضی قال: قضى رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم: أن أعيان بني الأم يتوارثون دون بني العلات. (سنن الترمذی، باب ماجاء فی میراث الإخوة فی الأب و الأم، النسخة الهندية ۲/ ۲۹، دار السلام، رقم: ۲۰۹۵)

إن أعيان بني الأم يتوارثون دون بني العلات. (سراجی ص: ۲۲)

اور اگر حقیقی بھائی و بہن صرف دو ہی ہیں تو کل زمین تین حصوں میں تقسیم ہو کر دو حصے بھائی کو اور ایک حصہ بہن کو ملے گا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍ ذیقعدہ ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۶۹۹)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۷/ ۱۱/ ۱۴۱۴ھ

حقیقی اولاد کی موجودگی میں سوتیلی اولاد وارث نہیں ہوتی

سوال [۱۱۵۰۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے والد سلطان حسین نے ہماری والدہ حسین بانو کے دین مہر کے عوض میں باغ ومکان دیدیا، اب اس باغ ومکان میں ہماری سوتیلی بہن میمونہ خاتون کے بچوں کا کوئی حصہ بنتا ہے یا نہیں؟ میمونہ خاتون کا انتقال ہو چکا ہے؟

المستفتی: اقبال حسین ولد سلطان حسین نواب پورہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حقیقی اولاد کی موجودگی میں سوتیلی اولاد محروم ہو جاتی ہے، اس لیے سوالنامے میں درج شدہ صورت میں میمونہ خاتون کی اولاد کو حسین بانو کے دین مہر کے مکان وباغ میں سے کچھ بھی نہیں مل سکتا۔

عن علي رضی اللہ عنہ قال: قضى رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم: أن أعيان بني الأم يتوارثون دون بني العلات يرث الرجل أخاه لأبيه و أمه دون إخوته لأبيه. (سنن ابن ماجه، باب ميراث العصبة، النسخة الهندية ۲/۱۹۶-۱۹۷، دار السلام رقم: ۲۷۳۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ رشوال المکرّم ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۹۴۸)

حقیقی بھائی کی موجودگی میں علاتی بھائی محروم

سوال [۱۱۵۰۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے دو شادیاں کیں، پہلی بیوی سے زیب النساء، محمد خالد اور محمد عارف تھے، دوسر بیوی سے محمد زاہد، بدرالدین وغیرہ ہیں، مسماۃ زیب النساء کا انتقال ہوگیا، جو کہ پہلی بیوی کی اولاد تھیں، مسماۃ مذکورہ بیوہ کی اولاد تھی، ان کا ترکہ ان کے حقیقی بھائی کو صرف ملے گا، یا زید کی دوسری بیوی کی اولاد کو ملے گا؟ سوتیلے بہن بھائی کو نہیں ملے گا؟

المستفتی: محمد ساکن محلّہ رفعت پورہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حقیقی بھائی بہن کی موجودگی میں سوتیلے بھائی بہن کو کچھ نہیں ملتا ہے، سارا ترکہ ماں باپ شریک بھائی بہن کو مل جائے گا، صرف باپ شریک علاتی بھائی بہن کو نہیں ملے گا، لہٰذا زیب النساء کا سارا ترکہ محمد خالد، محمد عارف کو مل جائے گا، اور محمد زاہد وبدرالدین وغیرہ محروم ہو جائیں گے۔

عن علي رضؓ قال: إن تقرؤن من بعد وصية يوصى بها أو دين، وإن رسول الله ﷺ قضى بالدين قبل الوصية، وأن أعيان بنى الأم يتوارثون دون بنى العلات، يرث الرجل أخاه لأبيه و أمه، دون أخيه لأبيه. (منسد أحمد بن حنبل ١/١٤٤، رقم: ١٢٢٢)

يرجحون بقوة القرابة أعنى به ذا القرابتين أولى من ذى قرابة واحدة ذكرا كان أو أنثىٰ لقوله عليه السلام: أن أعيان بنى الأم يتوارثون دون بنى العلات. (سراجی ص:٢١، شريفيه ص:٤٧) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۱۲۴۲)

بھائی کی موجودگی میں بھتیجوں کا حصہ

سوال [۱۱۵۰۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اشتیاق حسین صاحب کا انتقال ہوگیا ان کے ورثاء میں ایک حقیقی بھائی دلاور حسین ہے، اور اشتیاق حسین کی شادی نہیں ہوئی تھی ،اس لیے بیوی بچے نہیں تھے، مذکورہ بالا بھائی دلاور حسین کے علاوہ ۹؍ بھتیجے اور ۱۵؍ بھتیجیاں ہیں، کیا بھائی کی موجودگی میں بھتیجوں کو بھی حصہ ملے گا یا نہیں؟ جواب تحریر فرمادیں، اور ہر ایک کو کیا ملے گا؟

المستفتی: دلاور حسین مغلپورہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بشرط صحت سوال وبعد ادائے حقوق ما تقدم وعدم موانع ارث اشتیاق حسین کا وارث صرف اس کا بھائی دلاور حسین ہے اور بھائی کی موجودگی میں بھتیجے اور بھتیجیاں وارث نہیں ہوتی ہیں، لہٰذا بھتیجے اور بھتیجیوں کو ان کے تایا دلاور حسین کے ترکہ سے کچھ نہیں ملے گا اور سارا ترکہ تنہا بھائی دلاور حسین کو مل جائے گا۔

الأقرب فالأقرب يرجحون بقرب الدرجة أعنى أولٰهم بالميراث

–إلى – ثم جزء أبيه إى الإخوة ثم بنوهم. (السراجی فی المیراث ص: ۲۲)

قال رحمه الله: ثم الأخ لأب و أم ثم الأخ لأب ثم ابن الأخ لأب و أم ثم ابن الأخ لأب. (تبيين الحقائق، كتاب الفرائض، زكريا ٤٨٦/٧، امداديه ملتان ٢٣٨/٦، المبسوط، دار الكتب العلمية بيروت ٢١٩/٤، ١٧٤/٢٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/محرم الحرام ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۳۹۹)

بھائی کی موجودگی میں بھتیجا، بھتیجی، چچازاد، خالہ زاد محروم ہوں گے

سوال [۱۱۵۰۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید غیر شادی شدہ تھا نہ اس نے کسی کو اپنا متبنیٰ بنایا تھا، جس وقت اس کا انتقال ہوا، اس وقت اس کے ایک حقیقی بھائی، چار سگے بھتیجے، چار سگی بھتیجیاں، ایک چچیرہ بھائی، چار خلیرے بھائی، اور تین خلیری بہنیں موجود ہیں، متوفی نے پانچ لاکھ روپئے بینک بیلینس اور ایک مکان ترکہ میں چھوڑا ہے، موجودہ رشتہ داروں میں سے متوفیٰ کے مال سے کس کو کتنا حصہ شریعت مطہرہ کی رو سے پہنچے گا؟

المستفتی: ڈاکٹر محمد انور مسجد مسلم کالونی پٹیالہ پنجاب

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر سائل کا سوال اپنی جگہ درست ہے تو ایسی صورت میں اس کی ساری جائیداد اور بینک بیلینس وغیرہ سب چیزوں کا تنہا اس کا حقیقی بھائی وارث بنے گا، اور اس کے علاوہ بھتیجے، بھتیجیاں، چچا زاد، خالہ زاد بھائی بہنوں میں سے کسی کو حق وراثت حاصل نہیں ہوگا۔

ويسقط بنو العلات أيضا بالأخ لأب و أم. (سراجی ص: ۱۷) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴/جمادی الاولیٰ ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۶۹۰)

کیا بھتیجی باپ کے واسطے سے دادا کی وارث بن سکتی ہے؟

سوال [۱۱۵۰۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہم اپنے والد صاحب کے دولڑکے تھے، ایک بڑے والے ۱۹۵۷ء میں حج کے لیے ہمراہ والدہ صاحبہ کے گئے تھے، وہاں سے واپس آنے کے بعد چالیسویں دن انتقال ہو گیا، انہوں نے اپنی اولاد میں دولڑکیاں اور ایک بیوی کو چھوڑا، بیوی اور بڑی لڑکی کا بعد میں انتقال ہو گیا، چھوٹی لڑکی فاطمہ حیات رہی، والد صاحب کے انتقال کے وقت وہ فاطمہ پانچ برس کی تھی، اس کی خدا کے فضل سے پرورش ہوئی اور باعزت طور سے شادی چچا نے یعنی احمد نبی نے کی تھی، والد کا انتقال شادی سے پہلے ہی ہو چکا تھا،۱۹۶۳ء میں دادا کا انتقال ہوا، اور شادی فاطمہ کی ۱۹۶۶ء میں ہوئی ہے، اب میری بھتیجی فاطمہ کا مطالبہ ہے کہ میرے والد صاحب مرحوم کا حصہ مجھے دیا جائے، اب آپ سے گذارش ہے کہ ازروئے شرع میری بھتیجی کو برادر مرحوم کا حصہ پہنچتا ہے یا نہیں؟ چونکہ ہمارے والد صاحب بعد انتقال ہمارے بھائی کے لگ بھگ چھ سال حیات رہے، والد صاحب نے اپنی زندگی میں تمام جائیداد وترکہ کا مجھے مالک بنادیا تھا، مجھے فاطمہ کے بارے میں والد صاحب نے شادی اور پرورش کی وصیت کی تھی، اس کو میں نے پورا کردیا، آپ اس کا پورا خلاصہ فرمادیں۔

المستفتی: احمد نبی نگلیہ عاقل رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: بشرط صحت سوال وبعد ادائے حقوق ما تقدم وعدم موانع ارث آپ کے والد کا وارث اگر آپ کے علاوہ بوقت وفات اور کوئی نہیں تھا تو صرف آپ ہی وارث ہوں گے، اور آپ کی بھتیجی آپ کے والد کی وارث نہیں ہے، وہ باپ کے واسطے سے دادا کی وارث نہیں ہوسکتی۔

ویسقطن بالابن. (سراجی ص:۱۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ر شوال المکرّم ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۶۹۲۲/۳۵)

بھتیجے کی وجہ سے بھتیجیاں، بھانجے اور بھانجیاں محروم ہوجاتی ہیں

سوال [۱۱۵۰۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عطاء اللہ کا انتقال ہوگیا ہے، اس کے ورثاء میں صرف تین حقیقی بھانجے: وحید الدین، فاروق، نایاب اور چھ بھانجیاں: منی، مودا، ہاجرہ، حسینہ، زرینہ، امینہ موجود ہیں، اور عطاء اللہ کے حقیقی بھتیجے تو نہیں ہیں، البتہ چچا کے دولڑکے: (۱) جمیل (۲) نبیل، دولڑکیاں: جمیلہ، شکیلہ (منی) ہیں تو کیا ان بھتیجوں کو بھی شرعاً حق ملے گا یا نہیں؟

المستفتی: عبدالعزیز بچھرایوں، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بشرط صحت سوال وبعدا دائے ماتقدم وعدم موانع ارث عطاء اللہ مرحوم کے ترکہ کے لیے سوالنامہ کے ذکر کردہ افراد میں سے صرف چچا زاد بھائی کے لڑکے وارث بنیں گے، بھانجے، بھانجیاں اور چچا زاد بھائی کی لڑکیاں شرعاً وارث نہیں بن سکتے، لہٰذا عطاء اللہ مرحوم کا کل ترکہ دو سہام میں تقسیم ہوکر ایک جمیل کو اور ایک نبیل کو ملے گا، ان کے علاوہ اور کوئی وارث نہ ہوگا۔ (مستفاد: شریفیہ ص:۴۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ ربیع الثانی ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۳۷۶)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۶/۳/۹ھ

شوہر کا بھتیجہ وارث نہیں ہے

سوال [۱۱۵۰۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: الطاف حسین نے ستر گز کا ایک مکان خرید کر آدھا ۳۵ رگز بیوی کو ہبہ کیا اور آدھا مکان ۳۵ رگز بیوی کے مہر میں ادا کیا، اس طرح ۷۰ رگز مکان کی رجسٹری بیوی شہیدن کے نام کرادی، اب شہیدن کا انتقال ہوگیا، ان کے وارثین میں دو بھائی محمد علی اور نیاز علی ہیں،

جبکہ شوہر الطاف حسین کا ایک حقیقی بھتیجہ طاہر حسین بھی موجود ہے، اب معلوم یہ کرنا ہے کہ ہر وارث کو کتنا کتنا حصہ ملے گا؟ اور طاہر حسین وارث بنے گا یا نہیں؟

المستفتی: نسیم اختر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: برتقدیرِ صحت سوال وعدم موانع ارث وبعد ادائے حقوق ما تقدم مرحومہ کا ترکہ ان کے ورثاء کے درمیان درج ذیل نقشہ کے مطابق تقسیم ہوگا:

شہیدن میت ۲ — تداخل — ۳۵/۷۰ گز

بھائی محمد علی	بھائی نیاز علی
۱/۳۵	۱/۳۵

مرحومہ کا کل ترکہ دو برابر سہام میں تقسیم ہوکر ہر ایک کو ایک ایک حصہ ملے گا، نیز ہبہ کے ذریعہ سے اور دین مہر کے ذریعہ سے شہیدن پورے مکان کی تنہا مالک ہوچکی تھی، اور طاہر حسین کا شہیدن مرحومہ کے ساتھ کسی قسم کا رشتۂ وراثت نہیں ہے، اس لیے طاہر حسین کو شہیدن کے ترکہ میں سے کچھ نہیں ملے گا۔

ویستحق الإرث بإحدی خصال ثلاث بالنسب وهو القرابة والسبب وهو الزوجية والولاء. (هنديه، كتاب الفرائض، الباب الأول زكريا جديد ٦/٤٤٠، قديم ٦/٤٤٧) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍ربیع الاول ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۹۲۳)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۳/۸ھ

چچازاد بھائی، حقیقی بہن کی وجہ سے محروم ہوجائے گا

سوال [۱۱۵۰۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: زید کا انتقال ہوا، ورثاء میں ایک بیوی دو دختران ایک ہمشیرۂ حقیقی اور تین چچازاد بھائی ہیں، از روئے شرع زید کے وارث کون کون ہوں گے؟ اور ترکہ کس کا کس قدر ہوگا؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب ورثاء میں لڑکیوں کے ساتھ حقیقی بہن بھی ہو اور پھر مرنے والے کے سگے بھتیجے یا چچازاد بھائی یا بھتیجے بھی ہوں، تو ایسی صورت میں عصبہ بنفسہ اور عصبہ مع غیرہ کا تعارض ہوتا ہے، لیکن اس میں ایک اصول یہ ہے کہ جو قریب ترین وارث ہوتا ہے اسی کو وراثت ملتی ہے اور دور والا محروم ہوتا ہے، لہٰذا چچازاد بھائی عصبہ بنفسہ ہونے کے باوجود حقیقی بہن کی وجہ سے محروم ہوجائیں گے، اب مذکورہ ورثاء کے درمیان میت کا ترکہ چوبیس برابر سہام میں تقسیم ہوکر بیوی کو تین سہام اور دونوں لڑکیوں کو ۸/۸، کل ۱۶/ سہام ملیں گے، باقی بچے پانچ، یہ پانچ سہام بہن کو مل جائیں گے اور سارے چچازاد بھائی محروم ہوجائیں گے۔

إذا اجتمعت العصبات بعضها عصبة بنفسها و بعضها عصبة بغيرها و بعضها عصبة مع غيرها فالترجيح منها بالقرب إلى الميت لا بكونها عصبة بنفسها حتى أن العصبة مع غيرها إذا كانت أقرب إلى الميت من العصبة بنفسها كانت العصبة مع غيرها أولىٰ. (هنديه، الباب الثالث في العصبات، زكريا قديم ٦/ ٤٥٢، جديد ٦/ ٤٤٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۱۹/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۷ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۸۳۵)	۱۴۱۷/۵/۱۹ھ

شوہر اور ماں باپ کی موجودگی میں بھائی بہن نانا اور خالائیں محروم

سوال [۱۱۵۱۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کی ابھی چند دنوں پہلے زینب سے شادی ہوئی تھی، اور زینب کی شادی ننہال والوں نے کی تھی، باپ سے اس کا کوئی تعلق نہ تھا، اب زینب کا کسی بیماری میں انتقال ہوگیا

اور زینب نے بہت سارا مال چھوڑا، جو جہیز میں دیا جاتا ہے، جیسے زیور، کپڑا وغیرہ، یہ تو زینب کی ملکیت والا مال ہے اور کچھ مال تو ایسا ہے جس میں میاں بیوی دونوں شریک ہیں اور کچھ مال تو ایسا ہے جس میں تقسیم نہیں ہوسکتی، تو کن کن مالوں میں وراثت جاری ہوگی، اور جس میں وراثت نہیں جاری ہوگی، اس مال کا کیا حکم ہوگا؟ ورثاء کی تعداد یوں ہے، شوہر، ماں باپ ایک حقیقی بھائی، ایک ماں شریک بھائی، ایک ماں شریک بہن، ایک نانا، تین خالائیں، ان میں سے کن کن لوگوں کو کتنا کتنا حصہ ملے گا؟ زید نے جو زیور اپنی بیوی کو دیا تھا کچھ پیسہ قرض لے کر زیور بنوایا تھا اور وہ قرض ابھی تک ادا نہیں کیا تو کیا اس قرض کو ترکہ کے مال سے ادا کیا جائے گا یا زید اپنی طرف سے قرضہ ادا کرے؟

المستفتی: محمد سرور اعظمی متعلم دار العلوم دیوبند

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (الف) لڑکی کو رخصت کرتے وقت جو سامان دیا جاتا ہے اس کو عرف میں جہیز کہتے ہیں اور جہیز کا سامان لڑکی کی ملکیت ہوا کرتا ہے، چاہے جس کسی نے بھی وہ سامان دیا ہو، ملکیت لڑکی کی ہو جاتی ہے، لہٰذا زینب کے مرنے کے بعد وہ ساری ملکیت اس کے شرعی ورثاء کے درمیان شرعی حصوں کے اعتبار سے تقسیم ہوگی، اور زیر نظر مسئلے میں زینب کے شرعی وارث صرف تین ہیں، اس کا شوہر زید اس کی ماں اور اس کا باپ، زینب کی ملکیت کے زیورات اور جہیز کے سارے سامان ان ہی تینوں کو ملیں گے، اگرچہ سامان دینے والے اس کے نانہال والے کیوں نہ ہوں اور اس کے حقیقی علاتی بھائی بہنیں اور خالائیں محروم ہو جائیں گی۔

وأما إذا جرت في البعض يكون الجهاز تركة يتعلق بها حق الورثة وهو الصحيح. (شامي، مطلب في دعویٰ الأب أن الجهاز عارية، زكريا ٤/ ٣٠٩، كراچی ٣/ ١٥٧)

اب شرعی ورثاء کے درمیان اس کی تمام ملکیت درج ذیل طریقہ سے تقسیم ہوگی:

$\frac{٦}{٢}$ میــــــــــــت

باپ	ماں	شوہر
	(۱)	
۱	۱	$\frac{۱}{۳}$

(ب) اگر زید نے بیوی کو یہ زیورات بطور عاریت خرید کر دیئے ہیں تو اصل مالک زید ہے، زید کو یہ حق ہے کہ اس زیور کو بیچ کر قرضہ ادا کرے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍صفر المظفر ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۲۵۹)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۲/۱۹ھ

بیٹے کی موجودگی میں پھوپھی محروم

سوال [۱۱۵۱۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرے والد جناب عبدالستار خان صاحب مرحوم نے اپنے انتقال پر چار دختران اور دو بیٹے بطور وارث چھوڑے، میرے والد کی ایک بہن بھی حیات ہیں، جن کی شادی ہو چکی ہے، میرے والد نے جائیداد سکنائی میں دو مکانات چھوڑے ہیں: مکان واقع بریلی آراضی ۲۹۲ رگز ہے، یہ مکان میرے والد نے محکمہ کسٹوڈین سے اپنی ذاتی آمدنی سے خرید لیا ہے، یہ مکان میرے والد کے عزیزوں کا ہی تھا، جو تقسیم کے وقت پاکستان منتقل ہو گئے تھے، تو اس مکان میں میری پھوپھی کا بھی کوئی حصہ نکلتا ہے، اگر نہیں تو ہم وارثان کے کتنے کتنے سہام ہوں گے؟

المستفتی: عبدالقادر خاں بروالان مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: آپ کے والد کے جواعزہ پاکستان چلے گئے ہیں اس مکان میں ان کا بھی حصہ ہے، ان کا حصہ الگ کرنے کے بعد جو آپ کے والد کا حصہ بچے گا اس میں آپ کی پھوپھی آپ کے والد کی وارث نہیں بنے گی، ہاں البتہ اگر وہ مکان آپ کے دادا کا ہے تو آپ کی پھوپھی کو بھی آپ کے والد کا آدھا حصہ ملے گا، لہٰذا مسئولہ مکان میں جو حصہ آپ کے والد کا ہے وہ درج ذیل نقشہ کے مطابق تقسیم ہوگا:

میت ۸

بیٹا	بیٹا	بیٹی	بیٹی	بیٹی	بیٹی
۲	۲	۱	۱	۱	۱

کل مال ۸؍ حصہ میں تقسیم ہوکر بیٹوں کو ۲،۲؍ اور بیٹیوں کو ایک ایک سہام ملیں گے۔
فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍ محرم الحرام ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۹۹۵)

میت کی اولاد کی موجودگی میں اخیافی بھائی کا حصہ

سوال [۱۱۵۱۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید تین بھائی ہیں: زید، ذکی، زبیر، ان میں زبیر ما بقیہ دونوں کے ربیب کی شکل میں بھائی ہے، کہ ماں ایک اور باپ الگ ہے، اور خود زید وذکی یہ دونوں آپس میں سوتیلے بھائی ہیں، اب مسئلہ یہ ہے کہ زید وذکی کی حیات میں زبیر کا انتقال ہوگیا تو کیا ان کے مال میں دونوں بھائیوں کا حق ہوگا؟ جبکہ زبیر کی اولاد بھی موجود ہے، نیز اس سے کچھ دن بعد ذکی کی وفات ہوگئی (جو لاولد ہے) تو ان کے ترکہ کا مستحق زید ہوگا، جبکہ وہ سوتیلا بھائی ہے؟ چونکہ فی الحال نہ باپ نہ ماں، نہ بیوی ہے، اور کیا ان کے علاوہ اور کوئی مستحق میراث رشتہ دار ہے یا نہیں؟ نیز زبیر کی اولاد کو بھی حق میراث حاصل ہوگا؟ خلاصہ کے طور پر نقشہ ملاحظہ ہو:
عارف کے تین لڑکے:

(۱) ذکی: یہ سوتیلا بھائی (۲) زید: ماں ایک (۳) زبیر: ربیب ہے۔

عارف سے پہلے شوہر سے زبیر کی پیدائش ہے، نیز ذکی کا سالہ (بیوی کا بھائی) میراث سے حق الخدمت کا طالب ہے، کیا شرعاً اس کا حق اس میں لگے گا؟

المستفتی: محمد عمران کٹیہاری بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئلہ کی وضاحت یوں ہے کہ زید زبیر کا ماں شریک بھائی ہے اور جب زبیر کی اولاد موجود ہے اور ان میں نرینہ اولاد بھی ہو تو زید زبیر کا

وارث نہیں بنے گا، بلکہ زبیر کا سارا ترکہ اس کی اولاد میں حصہٴ شرعی کے مطابق تقسیم ہوگا، اور ذکی کی زبیر کے ساتھ کسی طور پر قرابت داری نہیں ہے اس لیے ذکی زبیر کا کسی طرح سے بھی وارث نہیں بن سکتا، جب ذکی لاولد فوت ہوگیا اور زید ذکی کا علاتی بھائی ہے، لہٰذا ذکی کا سارا ترکہ اس کے علاتی بھائی زید کو ملے گا، اور زبیر کی اولاد ذکی کی کسی طرح کی قرابت دار نہیں ہے اس لیے زبیر کی اولاد ذکی کی کسی طرح کی وارث نہیں بنے گی۔

وأما لأولاد الأم فأحوال ثلاث (إلى قوله) ويسقطون بالولد و هو الابن وإن سفل. (سراجی: ص: ۱۰-۱۱)

الأقرب فالأقرب يرجحون بقرب الدرجة أعني أولٰهم بالميراث جزء الميت أى البنون ثم بنوهم و إن سفلو. (سراجی ص: ۲۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ر جمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۱۳۰/۴۰)

مرحومہ بیٹی کے لڑکے کا نانی کی جائیداد میں حصہ

سوال [۱۱۵۱۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میری والدہ کا انتقال ہوگیا ہے ان کی چار لڑکیاں ہیں، لڑکا کوئی نہیں تھا، مرحومہ نے اپنے پیچھے کچھ جائیداد چھوڑی ہے، مرحومہ کی حیات میں ان کی سب سے بڑی بیٹی کا انتقال ہوچکا ہے، باقی تین بیٹیاں حیات ہیں، جس بیٹی کا انتقال والدہ مرحومہ کی موجودگی میں ہوا تھا، ان کے دو بیٹے تھے، جس میں سے ایک بیٹا بھی گذر چکا ہے، اور ایک حیات ہے، کیا مرحومہ بیٹی کا حیات بیٹا اپنی نانی کی جائیداد میں حصہ دار ہے یا نہیں؟ جبکہ اس بیٹے کی والدہ کا انتقال اس کی نانی کی حیات ہی میں ہوچکا تھا؟

المستفتیہ: بیوہ حاجی عبدالودود مرحوم فیض گنج مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جب مرحومہ کی بیٹی کا انتقال ان کی زندگی میں ہو

چکا تھا، تو فوت شدہ بیٹی کا لڑکا جو مرحومہ کا نواسہ ہے وہ مرحومہ کا شرعی وارث نہیں بن سکتا، بلکہ مرحومہ کی جائیداد اور ترکہ مرحومہ کی موت کے وقت جو لڑکیاں زندہ تھیں صرف انہیں کو ملے گا، ہاں البتہ اگر مرحومہ کا کوئی حقیقی یا علاتی بھائی یا بھتیجا زندہ ہوتا تو زندہ بیٹیوں کو دو تہائی دینے کے بعد ایک تہائی مرحومہ کے بھائی یا بھتیجے کو مل سکتا تھا، لیکن سوالنامہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مرحومہ کا کوئی بھائی یا بھتیجا وغیرہ موجود نہیں ہے، تو ایسی صورت میں مرحومہ کی جائیداد اور سرمایہ مرحومہ کی تینوں زندہ لڑکیوں کے درمیان برابر تقسیم ہوگا۔

أحدها أن يكون في المسئلة جنس واحد فمن يرد عليه عند عدم من لا يرد عليه فاجعل المسئلة من رؤسهم. (سراجی ص:٤٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍ جمادی الثانیہ ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۴۱۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۶/۲۲ھ

بیٹی کی موجودگی میں نواسی محروم

سوال [۱۱۵۱۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ذکیہ خاتون کا انتقال ہوگیا، ان کے ورثاء میں ان کے شوہر حافظ سلامت جان لڑکے ولی الرحمٰن، مطیع الرحمٰن، لڑکیاں: شائستہ جمال، صابرہ خاتون، انہوں نے ایک کوٹھے کا مکان چھوڑا، ذکیہ خاتون نے اپنا مکان اپنے ذاتی پیسے سے اور دونوں بیٹوں کے پیسے سے مل کر بنایا، تیسری منزل کا مکان ان کے بڑے لڑکے ولی الرحمٰن نے بنایا ہے، چھوٹے لڑکے مطیع الرحمٰن دہلی میں رہتے تھے، اب مطیع الرحمٰن بھی دہلی سے آگئے ہیں، ذکیہ خاتون نے ایک نواسی پالی ہے جس کا نام حمیرہ ہے، حمیرہ کے باپ نے شائستہ جمال کو طلاق دیدی تھی، شائستہ نے دوسری شادی کرلی، حمیدہ کی ماں شائستہ جمال اور باپ دونوں حیات ہیں، حمیرہ کا باپ سے کوئی واسطہ قائم نہیں ہے، حمیرہ نانی، نانا ہی کے زیر سایہ پلی ہے، اس کی تقسیم کس طرح ہوگی؟

المستفتی: محمد انور، کمبل کا تعزیہ مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بشرط صحت سوال وبعد ادائے حقوق ماتقدم وعدم موانع ارث ذکیہ خاتون کا ترکہ مذکورہ وارثین کے درمیان درج ذیل نقشہ کے مطابق تقسیم ہوگا:

۲۴/۴

ذکیہ خاتون میـــــــــــــــــــــــــــت

زوج	ابن	ابن	بنت	بنت	نواسی
سلامت جان	ولی الرحمٰن	مطیع الرحمٰن	شائستہ	صابرہ	حمیرہ
		(۳)			محروم
۱					
٦	٦	٦	۳	۳	

ذکیہ خاتون کا ترکہ ۲۴؍سہام میں تقسیم ہوکر ترکہ میں سے ہر وارث کو اسی تناسب سے اتنا ملے گا جو ان کے نام کے سامنے درج ہے، البتہ نواسی حمیرہ خاتون اپنی والدہ کے حیات ہونے کی وجہ سے محروم ہوگی، اور ولی الرحمٰن و مطیع الرحمٰن نے والدہ کے ساتھ گھر کی تعمیر میں روپئے اس شرط پر خرچ کیے ہیں کہ تقسیم وراثت کے وقت خرچ کی ادائیگی کے بعد وراثت تقسیم ہوگی، تو اس صورت میں خرچ ادا کرنے کے بعد وراثت تقسیم کی جائے گی، اور اگر بلا معاہدہ خرچ کیے ہیں تو یہ تبرع اور احسان ہے، لہٰذا دوسرے ورثاء بھی اس میں برابر کے شریک ہوں گے اور بڑے لڑکے ولی الرحمٰن نے جو والدہ کی اجازت سے اپنے ذاتی پیسہ کے ذریعہ تیسری منزل کی تعمیر کی ہے اس میں کسی کا حق نہیں، لہٰذا تقسیم وراثت کے وقت تیسری منزل کی قیمت کو بھی مستثنیٰ کیا جائیگا۔

(مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۱/ ۴۲۷، جدید ڈابھیل ۲۰/ ۳۱۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰؍جمادی الاولیٰ ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۱۵۳)

سوتیلی وعلاتی بہن کا میراث میں حصہ

سوال [۱۱۵۱۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: (۱) احقر کے والد مرحوم کا سات سال قبل انتقال ہو گیا، مگر ابھی وراثت تقسیم نہیں ہوئی، سوال یہ ہے کہ والد صاحب کی پہلی شادی تقریباً چالیس سال پہلے ہوئی تھی، اور ایک لڑکی پیدا ہوئی، پھر والد صاحب نے طلاق دیدی، وہ لڑکی بھی اپنی ماں کے ساتھ چلی گئی، پھر دوسری شادی ہوئی، جس سے ہم لوگ ہیں، اس پہلی بیوی کی لڑکی کو ہم لوگ اچھی طرح جانتے تک نہیں ہیں، کیا والد صاحب کی وراثت میں اس کو بھی حصہ دینا ضروری ہے؟ تو اگر زمین کا معاوضہ اس کو دیدیا جائے تو کیا یہ جائز ہے؟

(۲) والد صاحب کے انتقال کے وقت ہم دو بھائی اور پانچ بہنیں ہیں جن میں سے دو کی شادی ہو چکی ہے، اور ہماری والدہ ہے، والد صاحب کی پہلی بیوی کی لڑکی، یعنی ہماری سوتیلی بہن، والد کا مکان اور زمین ان ورثاء میں کیسے تقسیم کیا جائے؟

(۳) والد صاحب کے انتقال کے بعد ہم دونوں بھائیوں نے کمانا شروع کیا اور اپنی کمائی سے والد صاحب کے گھر کو پختہ اور عمدہ بنایا ہے، تو کیا یہ جائز ہے کہ مکان کی زمین کی قیمت لگا کر سب وارثوں میں تقسیم کردی جائے، اور عمارت صرف ہم دونوں بھائیوں کی ہی رہے، واضح رہے کہ ہم دونوں بھائی کماتے رہے اور خرچہ وغیرہ کر کے جوڑتے رہے، والدہ اور وہ تین بہنیں خود کما کر اپنا خرچہ چلاتی رہیں؟

المستفتی: محمد نسیم سمدھن، ضلع قنوج

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) آپ کی سوتیلی علاتی بہن آپ کے والد صاحب کی نسبی حقیقی وارث ہے، اس کا درجہ وراثت میں ایسا ہی ہے جیسا آپ لوگوں کا، لہٰذا والد صاحب کے ترکہ میں سے اس کو حصہ دینا ضروری ہے، اور اس کی وراثت ان تمام جائیداد اور اموال سے متعلق ہے، جو آپ کے والد کے ترکہ میں شامل ہے، چاہے وہ زمین ہو یا روپیہ پیسہ، لہٰذا اس کا حق ہے، کہ اپنے والد کے ترکہ میں سے بعینہٖ حصہ لے البتہ اگر وہ زمین کے بدلے معاوضہ لینے پر بخوشی راضی ہو جائے تو جائز ہے۔

﴿ يُوصِيكُمُ اللّٰهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ فَإِنْ كُنَّ نِسَاءً

فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ وَإِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ. [النساء: ۱۱] ﴾

إذا لم يكن في التركة دين وقد ترك الزوج دراهما وعروضا وصولحت على دراهم إن كان ما أخذت من الدراهم أكثر من نصيبها جاز ويجعلوا المثل من الدراهم بالمثل والباقي بمقابلة العروض. (هنديه، الفصل الثالث والعشرون في الصلح، زكريا قديم ٦/٤٢٤، قديم ٦/٤٢٦)

(۲) برتقدیر صحت سوال وبعد ادائے حقوق متقدمہ وعدم موانع ارث آپ کے والد کا ترکہ حسب ذیل نقشہ کے مطابق ہوگا:

۸۰/۸

میت

بیوی	لڑکا	لڑکا	لڑکی	لڑکی	لڑکی	لڑکی	لڑکی	لڑکی
۱/۱۰	۱۴	۱۴ (۷)	۷	۷	۷	۷	۷	۷

آپ کے والد کے انتقال کے بعد ترکہ میں چھوڑا ہوا مکان اور زمین ۸۰/سہام میں تقسیم ہوکر ہرایک وارث کواتنا اتنا ملے گا جواس کے نیچے درج ہے، بیوی کو۱۰/سہام، دونوں لڑکوں کو۱۴/،۱۴/سہام اور چھ لڑکیوں کو۷/۷/ ملے گا۔

(۳) آپ والدصاحب کےانتقال کے بعد جو پیسہ آپ لوگوں نے مذکورہ مکان میں لگایا ہےاس وقت اس کو مجریٰ کر سکتے تھے، جب پیسہ لگانے سے پہلے تمام وارثین سے اس کی اجازت لی ہوتی،آپ لوگوں نے تمام وارثین سے اجازت نہیں لی اس لیے آپ لوگوں کی طرف سے تبرع ہوگا، اسی طرح والدہ کے انتقال کے بعد تمام وارثین کا حق متعلق ہو چکا تھا، اورآپ لوگ خوداس مکان میں رہنے لگے،آپ لوگوں کے رہنے پر دوسرے وارثین نے اشکال نہیں کیا، اس لیے آپ لوگوں کا رہنا بھی ان کی طرف سے تبرع ہے،ورنہ سب کووالد کےانتقال کے بعد سے آج تک کی رہائش کا کرایہ کا مطالبہ کرنے کا حق تھا،اس لیے جانبین سے تبرع سمجھا جائے گا، پیسہ لگانا آپ لوگوں کی طرف سے تبرع ہے،اور کرایہ نہ لینا ان لوگوں کی طرف سے تبرع ہے، اس لیے زمین اورمکان میں تمام وارثین کا حق شمار ہوگا، پورے مکان کی قیمت لگا کر مذکورہ نقشہ

کے مطابق تقسیم کردی جائے یا مکان کو گزوں کے حساب سے تقسیم کرکے، ہر ایک کے حوالے کردیا جائے۔(مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۱/۴۴۵، جدید ڈابھیل ۱۴/۱۹۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳/ جمادی الثانی ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۰۹۳)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۳/۶/۱۴۲۴ھ

کیا بہنوں کی موجودگی میں بھانجے یا بھانجی کو حصہ ملے گا؟

سوال [۱۱۵۱۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے والد صاحب نے اپنے سرمایہ سے ایک مکان خریدا، ہمارے والد صاحب کا لگ بھگ ۱۸/ سال پہلے انتقال ہوگیا، والد صاحب کے کوئی اولاد نرینہ نہیں ہے، صرف ہم دو بہنیں بڑی قمر جہاں، چھوٹی چندا بی، بڑی بہن سے کہا اس مکان کی تقسیم کرلو، ہماری بہن اور بہنوئی صاحب نے کہا: تقسیم کیا کرنا، آدھا تمہارا، آدھا ہمارا، کچھ عرصہ بعد ہمارے بہنوئی کا بھی انتقال ہوگیا، اس کے بعد اپنی بہن سے کہا کہ اب مکان کی تقسیم کرلو، تو کہنے لگیں جس کی اولاد زیادہ ہوجائے وہ زیادہ حصہ کی حقدار ہے، اور جس کی اولاد کم ہو وہ کم کی حقدار ہے، ہماری بہن کے سات لڑکے دو لڑکیاں ہیں، اور میرے دو بچے ایک لڑکا، ایک لڑکی ہے، اس کے باوجود دوسرے لوگوں سے کہلوایا تو کہنے لگیں کہ میرے بڑے لڑکے سے بات کرو، سب کچھ وہی کرے گا، میں نے اپنے بھانجہ سے کہا تو کہنے لگا میں یہ جگہ نہیں دوں گا، یہ حصہ نہیں دوں گا، یہ چیزیں نکال کر تقسیم کرلو، کیا شرعاً ایسا ہی ہوتا ہے کہ جس کے بچے زیادہ ہوں اس کو زیادہ ملے گا، اور جس کے کم بچے ہوں تو اس کو کم ملے گا، یا برابر تقسیم ہونا چاہیے؟

المستفتی: چندا بی فیل خانہ، تحصیل اسکول مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: برتقدیر صحت واقعہ مرحوم کے وارثین میں چونکہ صرف آپ ہی دو بہن ہیں، اس لیے ان کے کل ترکہ کی شرعاً حقدار آپ دونوں بہنیں ہیں،

بھانجی، بھانجوں کا کوئی دخل اس میں نہیں ہے، لہٰذا شرعاً کل ترکہ دو حصوں میں تقسیم ہو کر ایک حصہ آپ کا اور ایک آپ کی بہن کا حصہ ہوگا۔

كما لو ترك بنتين ...... فاجعل المسئلة من اثنتين. (سراجی ص: ٤٤)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲ /ذی قعدہ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۹۴۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۱۱/۱۲ھ

بیٹے کی موجودگی میں نواسے، نواسیاں محروم

سوال [۱۱۵۱۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: احمد نور نے اپنے انتقال کے وقت ایک لڑکا محمد جعفر اور نواسہ نزاکت حسین، نواسی ناظمہ کو چھوڑا، جبکہ احمد نور کی موجودگی میں ان کی دو بیویاں اور ایک لڑکی زاہدہ کا انتقال ہوگیا تھا، نواسی وارث ہوگی یا نہیں؟

المستفتی: محمد عارش انصاری، چوک پختہ باغ مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سوالنامہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ احمد نور کی وفات کے وقت نہ اس کی کوئی بیوی زندہ تھی اور نہ ہی کوئی لڑکی صرف ایک لڑکا محمد جعفر زندہ تھا، لہٰذا احمد نور کی ساری جائیداد اور ترکہ سب محمد جعفر کو میراث کے طور پر ملے گا، اور محمد جعفر کی موجودگی میں احمد نور کے نواسے اور نواسیاں وارث نہیں بن سکتے۔

الأقرب فالأقرب أي يرجحون بقرب الدرجة أعني به أولهم بالميراث الذي يستحق بالعصوبة جزء الميت أي البنون ثم بنوهم و إن سفلوا. (شريفيه ص: ٤٦، مطبع مصطفائيه) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/ذی الحجہ ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۵۵۶)

شوہر کے انتقال کے بعد دوسری جگہ نکاح کرنے سے بیوہ وراثت سے محروم نہیں ہوتی

سوال [۱۱۵۱۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عورت نے اپنے شوہر کے مرنے کے بعد، عدت گذار کر دوسرے شخص سے نکاح کرلیا ہے تو کیا دوسری جگہ نکاح کرنے کی وجہ سے سابق شوہر متوفیٰ کے ترکہ میں سے میراث میں جو حق ملتا ہے وہ باقی رہے گا یا ساقط ہو جائے گا؟ مدلل جواب دیں۔

المستفتی: محمد یوسف ہلدوانی نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: خدائی حکم کے مطابق دوسرے سے نکاح کرنے کی وجہ سے سابق شوہر کے ترکہ سے حق وراثت ساقط نہیں ہوتا، بدستور باقی رہتا ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی: ۳۸۰/۸) جو ذیل کے دلائل سے مدلل ہوسکتا ہے۔

﴿وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ اِنْ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ وَلَدٌ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَا اَوْ دَيْنٍ. [النساء: ۱۲] ﴾

أسباب الإرث ثلاثة: نسب و نكاح وولاء، فالنسب: القرابة يرث بعضهم بعضا، والنكاح: هو أن يرث أحد الزوجين من صاحبه بسبب النكاح. (تفسير خازن ۱/۳۲۹)

لأن النبي صلى الله عليه وسلم قضى لبروع بنت واشق بالميراث وكان زوجها مات عنها قبل أن يدخل بها صداقا. (أوجز المسالك قديم ۵/۳۹۹)

إذا ثبت صحة النكاح ثبت الميراث لعموم الآية. (أوجز المسالك قديم ۵/۳۹۹)

ونكاح صحيح و لو بلا وطئ ولا خلوة إجماعا. (شامی، كتاب الفرائض، كراچی ۶/۷۶۲، زكريا ۱۰/۴۹۷، كوئٹه ۵/۵۳۸)

الحق متى يثبت لا يبطل بالتاخير والكتمان. (قواعد الفقه ص: ۷۷)

الحق لا يزول بتقادم الزمان. (قواعد الفقه ص: ۷۷)

وجوب الحق لا یفوت بالتاخیر. (قواعد الفقه ص: ١٣٦)

عبارت نمبر۱: مطلب یہ ہے کہ سورہ نساء آیت نمبر۱۲؍ میں اللہ تعالیٰ کا یہی حکم دیتا ہے کہ شوہر کی موت کے فوراً بعد بیوی کا دین مہر اب تک ادانہیں کیا گیا ہے تو کل ترکہ میں سے اولاً دین مہر بیوی کو ادا کیا جائے اس کے بعد اگر وصیت نہ کی ہو تو کل ترکہ میں سے اولاد نہ ہونے کی صورت میں بیوہ ایک چوتھائی مال کی حقدار ہے، اور اولاد کی موجودگی میں کل ترکہ میں سے آٹھویں حصہ کی حقدار ہے۔

عبارت نمبر۲: عبارت کا مطلب ہے کہ ثبوتِ ارث کے لیے شریعت اسلامی نے تین امور کو سبب قرار دیا ہے: نسب اور، قرابت کا تعلق، رشتۂ زوجیت، مالک ومملوکیت کا تعلق ان میں سے میاں بیوی میں سے ہر ایک دوسرے کا صرف نکاح کی سبب سے وارث ہو جاتا ہے۔

عبارت نمبر۳: جو کہ حدیث ہے۔

عبارت نمبر۴-۵: کا مطلب ہے کہ صرف سحت نکاح کی وجہ سے حق وراثت ثابت ہو جاتا ہے، اگر چہ میاں بیوی آپس میں ہمبستر بھی نہ ہو پاتے ہوں۔

عبارت نمبر۶-۷-۸: عبارت کا مطلب یہ ہے کہ خدائی قانون میں جب حق ثابت ہو جاتا ہے تو وہ حق صاحب حق کے تصرف کے بغیر ساقط نہیں ہوسکتا ہے، چاہے صاحب حق کے ذاتی حالات میں تغیرات بھی ہو جائیں، مثلاً صاحب حق کا انتقال ہو جائے، یا وطن بدل دیں یا دوسری ازدواجی زندگی وغیرہ اختیار کرلیں، کسی بھی صورت میں حق باطل نہیں ہوسکتا ہے، لہٰذا مذکورہ دلائل سے بیوی کا حق وراثت دوسرے شخص سے نکاح کے بعد بھی ثابت رہنا واضح ہو چکا ہے، خدائی حکم یہی ہے کہ مرنے کے بعد فوراً وراثت تقسیم کی جائے، تقسیم میں تاخیر کرنا خود وارثین کی کوتاہی ہے، اس کوتاہی کی وجہ سے بیوی کا نہ حق میراث ساقط ہوسکتا ہے، اور نہ دوسرے شخص سے حق نکاح مؤخر ہوسکتا ہے، کہ جو حق اللہ تعالیٰ نے بیوہ کے لیے سورۂ بقرہ آیت: ۲۳۴-۲۳۵ میں ثابت فرمایا ہے۔ ’’نیز وراثت سے محروم ہونے کے تمام اسباب نو میں منحصر ہیں: (۱) غلامیت (۲) قتل (۳) اختلاف مذہب دین (۴) کفار میں اختلاف ملک (۵) ردت

(٦) جہالت تاریخ (۷) جہالت وارث (۸) لعان (۹) نبوت۔

ان اسباب میں سے کوئی بھی بیوی کے دوسرے شخص سے نکاح کرنے میں صادق نہیں آتا، لہٰذا ہر حال میں بیوی کا حق وراثت باقی رہے گا، حتی کہ بیوی کی موت کے بعد اس کے ورثاء کو وہ حق مل جائے گا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ٦٨٦)

داماد شرعی وارث نہیں اور لاپتہ وارث کا حق محفوظ رکھا جائے گا

سوال [۱۱۵۱۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسماۃ پیاری مرحومہ کے ایک لڑکا رشید اور ایک لڑکی خاتون تھی، لڑکا آٹھ سال کی عمر میں پاکستان چلا گیا تھا، آج اکتیس سال ہو گئے، اس کا پتہ نہیں، زندہ ہے یا انتقال ہو گیا، کچھ معلوم نہیں، اور لڑکی مسماۃ خاتون کا انتقال مسماۃ پیاری مرحومہ کی زندگی میں ہی ہو گیا، اب مسماۃ پیاری مرحومہ کے انتقال کے وقت داماد مہدی حسن اور خاتون کی اولاد کا صاحبزادہ اور تین لڑکیاں: رئیسہ، زیتون اور چھوٹی تھیں، مسماۃ پیاری مرحومہ کے نواسے نواسیاں کے علاوہ پانچ بھتیجے: بدن، مند، رافت خاں، کلو اور زاہد اور دو بھتیجیاں: نسیم جہاں، چھوٹی بھی ہیں، مسماۃ پیاری مرحومہ نے اپنی جائیداد اپنی زندگی میں تیس ہزار روپے میں فروخت کر دی تھی، اور پچیس ہزار روپۓ زندگی میں خرچ کیے تھے، اور باقی پانچ ہزار روپۓ حاجی بشیر احمد صاحب کے پاس امانت ہیں۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ ان حالات میں مسماۃ پیاری مرحومہ کا ترکہ ان ورثاء کے درمیان کس طرح تقسیم ہوگا؟ اور کس کس کو کتنا حق پہنچتا ہے؟

المستفتی: مہدی حسن محلّہ بر ولان، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ساس کے ترکہ میں سے داماد کو کچھ نہیں ملتا، سوالنامہ

میں درج شدہ صورت میں مسماۃ پیاری مرحومہ کا تمام ترکہ لڑکے رشید کو ملےگا، اگر فی الحال کراچی پاکستان میں اس کا پتہ نہیں چل رہا ہے، تو اس کا حق کسی معتمد علیہ شخص کے پاس محفوظ رکھا جائے۔

سوالنامہ سے پتہ چلتا ہے کہ فی الحال رشید کی عمر ۳۹ رسال ہوگئی، اگر پتہ نہ چلے تو مزید ۵۱ رسال تک اس کا حق محفوظ رکھنا لازم ہے، اس کے بعد دوسرا حکم ہوسکتا ہے۔

ففی ظاهر الرواية: إذا لم يبق أحد من أقرانه حكم بموته (وقوله) وقال بعضهم تسعون سنة وعليه الفتوىٰ، (وقوله) وموقوف الحكم فی حق غيره حتی يوقف نصيبه من مال مورثه كما فی الحمل. (سراجی ص: ٦٢)

فإن كان المفقود ممن يحجب الحاضرين لم يصرف إليهم شيئ بل يوقف المال كله. (شريفيه ص: ١٣٨)

نیز بھتیجے، بھتیجیاں اور نواسے، نواسیوں وغیرہ کو مذکورہ صورت میں کچھ نہیں مل سکتا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ رجمادی الثانیہ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۵۴ ۷)

والدین کا متوفیہ بچی کے علاج میں خرچ شدہ روپیوں کا مطالبہ کرنا

سوال [۱۱۵۲۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میری بیٹی کا ایک ماہ پہلے انتقال ہو چکا ہے اس کا ایک لڑکا ہے، تین سال شادی کو ہوئے ہیں، میری بیٹی کی طبیعت خراب تھی، اس میں خرچ میں نے کیا ہے اور میرے داماد نے بھی کیا ہے اور میری دوسری بیٹی نے بھی، اور میں بہت غریب ہوں، دوسری لڑکی جوان گھر میں شادی کرنے کو ہے اور میں بیوہ ہوں، میرا کوئی سہارا نہیں ہے، ایک بھائی مجبور ہے، ٹانگ میں پولیو ہے، داماد سے سامان مانگ رہی ہوں تو وہ دینے سے انکار کر رہا ہے، اور داماد مجھ سے اپنا حصہ مانگ رہا ہے، اور اپنے لڑکے کا بھی حصہ مانگ رہا ہے اور مجھ کو ۲ ر پرسینٹ

دینے کو تیار ہے، مہر زبردستی معاف کرایا ہے، پہلے لڑکی نے منع کیا، پھر لوگوں کے کہنے پر کہہ دیا، لڑکی کو تکلیفیں بہت دی ہیں، ان لوگوں کے کہنے سے میں نے معاف کر دیا ہے، دل سے معاف نہیں کیا ہے، میرے اوپر قرضہ ہے، جو شادی کے لیے لیا تھا، لڑکے کا اور اس لڑکی کے شوہر کا جہیز میں کوئی حصہ ہے یا نہیں؟ شوہر باحیثیت ہے، زمین جائیداد سب کچھ ہے، بس نیت خراب ہے، سامان دینے کو تیار نہیں ہے، داماد نے زبردستی لڑکی والوں سے جہیز کے پیسے فرنیچر کے ۲۲ر ہزار روپئے منگائے، لڑکی والوں کی حیثیت نہیں تھی، لیکن پھر بھی کسی طرح انتظام کر کے ان کی مانگ پوری کر دی، لڑکی والوں نے سوٹ کی سلائی کے لیے بھی پیسے بھیجے تھے، پھر بھی انہوں نے دوبارہ پیسے منگائے اور ہمیں ناحق دبا رکھا ہے۔

المستفتی: چمن آرا، محلّہ بھٹی مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: آپ نے شادی شدہ لڑکی کے علاج میں جو کچھ خرچ کیا ہے اگر خرچ کرتے وقت آپ نے لڑکی سے یہ کہہ دیا ہو کہ ہم بطور قرض خرچ کر رہے ہیں بعد میں تمہارے مال سے وصول کریں گے، تو اب لڑکی کے ترکہ میں سے آپ وصول کر سکتی ہیں اور اگر کچھ کہے بغیر آپ نے خرچ کیا ہے تو اب نہیں لے سکتی ہیں، نہ اپنے داماد سے اور نہ اس کے ترکہ سے اسی طرح اگر آپ نے داماد سے یہ کہہ دیا کہ میں اپنا خرچ تم سے وصول کروں گی، اور اس نے اقرار کر لیا ہے تو اب آپ اس سے وصول کر سکتی ہیں اور اگر نہیں کہا ہے تو اب نہیں لے سکتی ہیں اور لڑکی کو شادی کے وقت جو مال واسباب بطور جہیز دیا گیا تھا وہ سب اس لڑکی کی ملکیت ہے اور اس کے ترکہ میں شامل ہے اس سے داماد کو محروم کرنا گناہ اور ظلم ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی ۸/۳۳۷)

جهز ابنته بجهاز و سلمها ذٰلک ليس له الاسترداد منها و لا لورثته بعده إن سلمها ذٰلک فی صحته هذا إذا كان العرف مستمرا أن الأب يدفع مثله جهازا لا عارية. (شامی، مطلب: انفق علی معتدة الغير، کراچی ۳/۱۵۵، زکریا ۴/۳۰۶)

والأم كالأب فی تجهيزها. (شامی، زکریا ۴/۳۰۹، کراچی ۳/۱۵۷)

المختار للفتویٰ أن یحکم بکون الجهاز ملکا لا عاریة لأنه الظاهر الغالب. (شامی، مطلب: فی دعویٰ الأب أن الجهاز عاریة، زکریا ۳۰۹/٤، کراچی ۱۵۷/۳)

اور مرحومہ نے وارثین میں شوہر ایک لڑکا اور ماں کو چھوڑا ہے، تو شوہر کو ترکہ کا ایک چوتھائی اور ماں کو چھٹا حصہ اور باقی لڑکے کو ملے گا اور مرحومہ کا ترکہ مندرجہ ذیل نقشہ کے اعتبار سے تقسیم ہوگا:

	۱۲ میــــــــــت	
شوہر	ماں	لڑکا
۳	۲	۷

مرحومہ کا ترکہ ۱۲/ سہام میں تقسیم ہو کر ہر وارث کو اتنا ملے گا جو اس کے نام کے نیچے درج ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/ شوال المکرّم ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۱۶۷/۳۷)

بیٹے کی موجودگی میں محروم پوتی اور بیوہ بہو کے ساتھ صلہ رحمی کا طریقہ

سوال [۱۱۵۲۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ خسر کے باحیات ہونے کی صورت میں اس کی بہو جو بیوہ ہے اور عمر تیس برس کے قریب ہے اور غیر رسمی رجحان کے تحت ابھی تک شادی نہیں کی ہے اور اپنے والد کے پاس رہتی ہے، تین سال بعد مارچ میں اس کے وراثت مانگنے پر آپ کا فتویٰ الف: ۸۱۷۱/۳۶/ آیا ہے کہ اس کا اور اس کی دو بیٹیوں کا کوئی حصہ نہیں ہے، ایسی صورت میں باپ کے علاوہ کیا خسر پران کی پرورش کی کوئی ذمہ داری شرعاً عائد ہوتی ہے جس کے لیے خسر کو مجبور کیا جائے۔

اگر اس کا واضح جواب نہیں ہے تو اسے نہ لکھا جاوے کیونکہ مخالف کو اس سے شبہات پیدا کرنے کا موقع فراہم ہوتا ہے، جبکہ صلہ رحمی رحم وکرم پر ہے جس پر سب کا اتفاق ہے، ذمہ

داری ہاں یا نہ میں ضرور لکھی جائے؟

المستفتی: محمد ابراہیم خاں پرمیشرا پورا کسرڑ وامہاراج گنج

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ۷؍محرم الحرام کو آپ کے جس سوال کا جواب لکھا گیا تھا اس میں صرف ایک ہی سوال تھا، آنجناب نے جو یہ فرمایا کہ دوسوال ہیں، ایک کا جواب نہیں لکھا ہے، ایسا سوال ہمارے پاس نہیں آیا، اگر آپ نے بھیجا ہوگا تو آپ جانیں، ہاں اس سوال کے آخر میں اتنی بات تھی کہ اگر پوتیوں کو دادا کے ترکہ اور جائیداد میں سے کوئی حق نہیں ہوتا تو پھر دادا کے ذمہ کیا ہے؟ اگر اس سے دوسرا سوال مراد ہے کہ دادا کے ذمہ کیا ہے تو اس کا جواب ہم نے اسی استفتاء کے ضمن میں لکھ دیا تھا، کہ صلہ رحمی کے طور پر حقیقی پوتیوں کو اتنا دیدینا چاہیے جس سے صلہ رحمی کا حق بھی ادا ہو اور ان کی ضرورت بھی پوری ہوجائے، اور اب آپ نے دوسوالات الگ الگ لفافہ میں روانہ کیے، ایک میں ہمارے پچھلے فتاویٰ کے حوالہ سے لکھا ہے، خسر کے مال میں بہو کا کوئی حصہ نہیں، جیسا کہ ہم نے لکھا ہے، اور اس کی دونوں بیٹیوں کا بھی کوئی حق واجب دادا کے مال میں نہیں ہے، تو کیا دادا کے اوپر پوتیوں کی شرعی کوئی ذمہ داری ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ پہلے استفتاء میں ہم نے جو صلہ رحمی کے طور پر دینے کی بات کہی وہ نفقہ اور خرچہ کے علاوہ جائیداد میں سے دینے کو لکھا ہے کہ دادا کی وفات کے بعد دادا کے ترکہ میں سے پوتیوں کو کچھ نہیں ملتا ہے؛ اس لیے زندگی میں صلہ رحمی کے طور پر کچھ دیدے، لیکن اب سوال یہ پوچھا جارہا ہے کہ زندگی میں دادا پر کیا لازم ہے؟ تو دادا پر زندگی میں دونوں پوتیوں کا نان ونفقہ ویسا ہی لازم ہے جیسا کہ باپ پر لازم تھا، اسی طرح شادی بیاہ دادا پر لازم ہے، اور دادا کے فوت ہوجانے کے بعد چچا پر لازم ہے، اور یہ نان ونفقہ کی ذمہ داری صلہ رحمی کے طور پر نہیں ہے، بلکہ قانون شریعت واحکام شریعت کے مطابق ہے

ولو وجد معها أی مع الأم جد لأب بأن کان للفقیر أم وجد للأب و أخ عصبي أو ابن أخ أو عم کانت النفقة علی الجد وحده کما صرح به الخانية. (شامی، کتاب الطلاق، باب النفقة مطلب: ضابط فی حصر أحکام نفقة

الأصول والفروع، کراچی ۳/ ۶۲۵، زکریا ۵/ ۳۰۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶ ؍صفر المظفر ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۹۲۴)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۲/۱۷ھ

محروم پوتی اور بیوہ کو بطور صلہ رحمی کچھ دینے کا شرعی حکم

سوال [۱۱۵۲۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرے لڑکے شبیر احمد کا انتقال ہو گیا، ایک لڑکا لاپتہ ہے، ۴؍ لڑکے، سات لڑکیاں حیات ہیں، ابھی پوری خاندانی جائیداد میرے والد محترم کے نام سے ہے جو باحیات ہیں، میں نے ابھی جلد ہی صرف ۲۵؍ ڈسمل کھیت خریدا ہے، شبیر احمد مرحوم کے دو لڑکیاں ہیں جو میری پوتی ہیں، شبیر احمد پہلے سے مجھ سے الگ ہو کر زندگی گذارتے تھے، اب شبیر احمد کی بیوی جو میری بہو ہے، مجھ سے وراثت چاہتی ہے جبکہ میں باحیات ہوں، میرے دوسرے چار لڑکے اور سات لڑکیاں بھی ہیں، ایسی صورت میں میری بہو و پوتیوں کا میری یا میرے والد محترم کے نام والی جائیداد میں کتنا حصہ ہوتا ہے، مجھے بتایا جائے کہ جو شرعی حق ہو، اسے میں ادا کروں، اگر حق نہیں ہوتا ہے تو پھر میرے ذمہ کیا ہے؟ اسے بھی واضح کیا جائے؟

المستفتی: محمد ابراہیم خاں ساکن پرمیشرا اکسرٹ وامہراج گنج

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب ابراہیم خود زندہ ہے تو اس کی جائیداد اور سرمایہ میں سے کسی شئ میں حق کا مطالبہ کرنا کسی کے لیے جائز نہیں، نہ اس کے موجود لڑکے، لڑکیوں کو اس میں کوئی حق ہے اور نہ ہی مرحوم کے لڑکے شبیر احمد کی بیوی اور لڑکیوں کو کوئی حق ہے، بلکہ ابرہیم کی موت کے بعد بھی شبیر احمد کی بیوی اور اولاد کو ابراہیم کی جائیداد اور سرمایہ میں سے کچھ نہیں مل سکتا ہے، کیونکہ حقیقی اور صلبی اولاد کی موجودگی میں اسلامی شریعت میں پوتے اور پوتیوں کو میراث نہیں ملتی اور بہو اپنے خسر کی وارث نہیں ہوتی۔

لایجوز لأحد أن یأخذ مال أحد بغیر سبب شرعی. (قواعد الفقه، اشرفی دیوبند ص: ۱۱۰)

الأقرب فالأقرب یرجحون بقرب الدرجة أعنی أولٰهم بالمیراث جزء المیت أی البنون ثم بنوهم. (سراجی ص:۲۲)

مستفتی نے سوال نامہ میں یہ سوال کیا کہ اگر کوئی شرعی حق نہیں ہوتا ہے تو صلہ رحمی اور ہمدردی کے طور پر کیا حق لازم ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ شبیر احمد کی بیوہ اور اس کی لڑکیاں جو ابراہیم کی حقیقی پوتیاں ہیں، ان کے ساتھ صلہ رحمی کا معاملہ کرنا لازم اور ضروری ہے، لہٰذا صلہ رحمی کے طور اپنے سرمایہ اور جائیداد میں سے کچھ دیدینا چاہیے، ان کے ساتھ قطع رحمی کسی طرح روا نہیں، اور صلہ رحمی کے طور پر کتنا دینا چاہیے؟ اس کی مقدار متعین نہیں، بلکہ اتنا دیدے جس سے ان کا دل خوش ہوجائے۔

عن محمد بن جبیر بن مطعم عن أبیه قال: قال رسول الله ﷺ: لایدخل الجنة قاطع. (ترمذی، أبواب البر والصلة، النسخة الهندیة ۲/ ۱۳، دار السلام رقم: ۱۹۰۹)

عن سهل بن سعد قال: قال رسول الله ﷺ: أنا و کافل الیتیم فی الجنة کهاتین و أشار بإصبعیه. (ترمذی، أبواب البر والصلة، باب ما جاء فی رحمة الیتیم و کفالته، النسخة الهندیة ۲/ ۱۳، دار السلام رقم: ۱۹۱۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍ محرم الحرام ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۸۷۱)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۷؍ ۱؍ ۱۴۲۴ھ

پوتے و بہو کے حصۂ وراثت، نان ونفقہ اور زیورات کا حکم

سوال [۱۱۵۲۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید اور اس کا بھائی اپنے والدین کے ساتھ مشترک رہتے تھے، اور مشترک قیام و طعام کا نظم تھا، نیز زید اور اس کا بھائی گھر کے نظام کے تحت الگ الگ مکانات میں رہتے

تھے، ضابطہ میں زید کے والدین نے اپنی کوئی بھی جائیداد یا ملکیت تقسیم نہیں کی ہے اور نہ ہی زید کی باضابطہ الگ سے کوئی اپنی نجی ملکیت ہے، زید اور اس کا بھائی دونوں شادی شدہ ہیں اور دونوں کے بچے بھی ہیں، اتفاق ایسا ہوا تقریباً آٹھ ماہ پہلے ۲/شوال المکرّم کو زید کا اچانک انتقال ہوگیا، زید نے اپنے پیچھے بیوہ اہلیہ اور ایک دو سال کا بیٹا چھوڑا، زید کے انتقال کے تقریباً ساڑھے چار ماہ بعد مزید ایک لڑکی پیدا ہوئی، دونوں بچے بقید حیات ہیں، زید کی اہلیہ کو شادی کے موقع پر جو زیور زید کے والد کی طرف سے چڑھایا گیا تھا وہ بھی موجود ہے، اسی طرح جو سامان جہیز کے طور پر زید کے خسر نے اپنی بیٹی کو دیا تھا وہ بھی موجود ہے، اتفاق ایسا ہو رہا ہے کہ زید کے والد اور ان کے عزیز متعلقین کی طرف سے مسلسل اس طرح کی خبریں ہیں کہ زید کے سسر اپنی لڑکی کے بارے میں تصفیہ کرلیں، مندرجہ بالا صورت حال کی روشنی میں زیر تحریر چند باتوں کے قرآن وحدیث کی روشنی میں جوابات مطلوب ہیں:

(۱) زید کے والد کی جائیداد و ملکیت میں سے زید مرحوم کے لڑکے لڑکی اور بیوی کو کچھ حق پہنچتا ہے یا نہیں؟

(۲) زید کے لڑکے لڑکی اور بیوہ اہلیہ کے نان ونفقہ و پرورش کی ذمہ داری کس پر ہے، نیز بچوں کا حقدار کون ہے؟

(۳) زید کے والد نے شادی کے موقع پر جو زیور زید کی بیوی کو چڑھایا تھا وہ زید کی حیات اور مرنے کے بعد تک اس کی بیوی کے پاس ہے، اب اس کی حیثیت کیا ہے، اور کس کی ملکیت ہے، اسی طرح جو جہیز زید کی اہلیہ کو شادی کے موقعہ پر اس کے والد کی طرف سے ملا تھا وہ بھی اسی کے پاس ہے، اب اس کی حیثیت کیا رہے گی؟ اور آئندہ وہ کس کی ملکیت ہے؟

المستفتی: محمد ناصر دھامپور بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) زید مرحوم کے والد ابھی زندہ ہیں اور انہوں نے اپنی جائیداد اور دوسری مملوکہ چیزیں اپنی اولاد کے درمیان تقسیم نہیں کی ہیں تو زید کے والد کی جائیداد اور ملکیت میں زید کی بیوہ اور لڑکے لڑکیوں کا کوئی حق نہیں، اسی طرح ان کے

انتقال کے بعد بھی ان کے ترکہ میں سے زید کی بیوہ اور اولاد کو کوئی حصہ نہیں ملے گا، ہاں البتہ زید کے والد اپنی خوشی سے پوتے اور پوتیوں کو کچھ دینا چاہیں تو وہ ان کی مرضی ہے۔

وشروطه ثلاثة: موت مورث حقيقة أو حكما و وجود وارثه عند موته حيا حقيقة أو تقديراً والعلم بجهة إرثه. (شامی، کتاب الفرائض، کراچی ٦/٧٥٨)

كل يتصرف فى ملكه كيف شاء. (شرح المجلة رستم اتحاد ١/٦٥٤، رقم المادة: ١١٩٢)

(۲) جب زید کے انتقال کے وقت اس کی ملکیت میں کوئی چیز نہیں تھی تو بیوہ کے نان ونفقہ کی ذمہ داری اس کے میکہ والوں پر ہے، اور بچوں کے ضروری خرچ واخراجات کی ذمہ داری ان کے دادا پر ہے، اور جب تک بیوہ کسی اجنبی جگہ (بچوں کے غیر محرم سے) نکاح نہ کرلے، بچوں کی پرورش کا حق بیوہ ہی کو ہے، اور اگر اجنبی جگہ نکاح کرلے گی تو پھر پرورش کا حق بچوں کی نانی کو حاصل ہوگا، اور اگر نانی تیار نہ ہو تو دادی کو ہوگا۔

وكذا تجب النفقة لولده الكبير العاجز عن الكسب كأنثىٰ مطلقا وفى الشامي: أى ولو لم يكن بها زمانة تمنعها عن الكسب فمجرد الأنوثة عجز إلا إذا كان لها زوج فنفقتها عليه ما دامت زوجة. (شامی، کتاب الطلاق، باب النفقة کراچی ٣/٦١٤، زکریا ١٠/٤٩١)

إذا مات الأب فالنفقة على الأم والجد على قدر ميراثهما أثلاثا فى ظاهر الرواية، وفى رواية: على الجد وحده. (شامی، باب النفقة، مطلب: الكلام على نفقة الأقارب کراچی ٣/٦١٤، زکریا ٥/٣٣٩)

ولو وجد معها جد لأب بأن كان للفقير أم و جد لأب و أخ عصبى أو ابن أخ أو عم كانت النفقة على الجد وحده. (شامی زکریا ٥/٣٥٨، کراچی ٣/٦٢٥)

أحق الناس بحضانة الصغير حال قيام النكاح أو بعد الفرقة الأم (إلى قوله) وإن لم يكن له أم تستحق الحضانة بأن كانت غير أهل للحضانة أو متزوجة بغير محرم أو ماتت فأم الأم أولىٰ من كل واحدة وإن علت فإن لم يكن للأم أم فأم

الأب أولیٰ. (هندیه، الباب السادس عشر فی الحضانة زکریا قدیم ۱/ ۵٤۱، جدید ۱/ ۵۹۲)

(۳) شادی کے موقع پر سسرال والوں کی طرف سے جو زیورات زید کی اہلیہ پر چڑھائے گئے تھے اگر ان کی برادری اور خاندان میں بہو کو مالک بنادینے کا رواج ہے تو وہ بیوہ کی ملکیت ہیں اور میکہ والوں کی طرف سے جو زیورات اس کو ملے تھے وہ ہر حال میں بیوہ ہی کی ملکیت ہیں۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ جدید ڈابھیل ۲۰/ ۲۶۹)

قلت: ومن ذٰلک ما یبعثه إلیها قبل الزفاف فی الأعیاد والمواسم من نحو ثیاب و حلی وکذا ما یعطیها من ذٰلک أو من دراهم أو دنانیر صبیحة لیلة العرس ویسمی فی العرف صبحة،فإن کان ذٰلک تعورف فی زماننا کونه هدیة لا من المهر ولا سیما المسمی صبحة. (شامی، کتاب النکاح، باب المهر، مطلب: فیما یرسله إلی الزوجة، کراچی ۳/ ۱۵۳، زکریا ٤/ ۳۰۳)

المختار للفتویٰ أن یحکم بکون الجهاز ملکا لا عاریة لأنه الظاهر الغالب. (شامی، مطلب: فی دعویٰ الأب أن الجهاز عاریة کراچی ۳/ ۱۵۷، زکریا ٤/ ۳۰۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۶۴۲)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۶/۲۲ھ

دادی کی جانب سے پوتوں کو ملی ہوئی زمین میں پوتیوں کا حصہ ہے یا نہیں؟

سوال [۱۱۵۲۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کے ماں باپ نے زید کو اپنے سے علیحدہ کردیا، گھر میں چھپر پڑے تھے، زید کو زمین وغیرہ کاشت والی نہیں دی، زید کے دو لڑکے، تین لڑکیاں تھی، بغیر کسی لڑکے لڑکی کی شادی کیے ہوئے زید کا انتقال ہوگیا، پڑوسیوں نے زید کی ماں سے کہا کہ ان بچوں کی پرورش کے لیے اور اپنی بیوہ کے گذارہ کے لیے کچھ کاشت کی زمین دیدو، جس سے ان لوگوں

کا گذارا ہوتا رہے، تو زید کی ماں نے کہا کہ میں زمین بالکل نہیں دوں گی، چاہے جس طرح ان کا گذارہ ہو، مجبوراً زید کی بیوی نے دوسرا نکاح کرلیا، کچھ عرصہ کے بعد بڑے پوتے کو زمین وگھر دیا، اس کے بعد چک بندی میں دونوں پوتوں کے نام آدھی آدھی زمین ملی، گھر کی زمین چھوٹے بھائی نے نہیں لی، وہ بڑے بھائی کے پاس رہی، اب زید کی لڑکیوں کا اس میں حصہ بنتا ہے یا نہیں؟ تو اس کی تشریح فرمائیں۔

المستفتی: منیر احمد چھاؤ جھکھیری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر زید کے انتقال کے وقت مذکورہ زمینوں میں سے کوئی بھی اس کی ملکیت میں نہیں رہی، اور زندگی کے گذر جانے کے بعد ہی مذکورہ زمین دونوں لڑکوں کو مذکورہ طریقے سے ملی ہے تو اس میں لڑکیوں کا شرعاً کوئی حق نہیں ہے، اس لیے کہ اس زمین کا تعلق زید کے ترکہ سے نہیں ہے، اور لڑکیاں زید کے ورثاء میں سے ہیں، اور زید نے وراثت میں مذکورہ زمین نہیں چھوڑی ہے۔

الملک الثابت للوارث هو الملک الذی کان للمورث. (قواعد الفقه اشرفی دیو بند ص: ۱۲۸)

الملک لایثبت ابتداءً بغیر سبب الحرة. (قواعد الفقه اشرفی دیو بند ص: ۱۲۸) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍ربیع الاول ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۳۰۷۵)

پوتے کے نام جائیداد کرنے کی شرعی حیثیت

سوال [۱۱۵۲۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: دو بھائی تھے، جس میں بڑے بھائی کا انتقال ہوگیا اور ان کے والد ابھی زندہ

ہیں، بڑے بیٹے نے پانچ بچے چھوڑے ہیں، ایک لڑکی اور چار لڑکے، دادا پہلے سے ہی اپنے بڑے بیٹے اوران کے بچوں کے ساتھ رہتے تھے، بیٹے کے انتقال کے بعد بھی وہ اپنے پوتوں اوران کی ماں کے ساتھ رہتے رہے، اور ان بچوں سے بہت لگاؤ رکھتے تھے، جب کہ وہ خود بہت مریض رہتے تھے، نظر بھی بہت کمزور تھی، ان کی خدمت ہمارا فرض تھا، بیٹے کے انتقال کے بعد دادا نے مکان تو پوری طرح نام کر دیا، اس پر ان کے چھوٹے بیٹے نے اعتراض بھی کیا، مگر وہ نہیں مانے، اب بچی جنگل کی زمین، اس میں انہوں نے میرے بچوں کا نام ڈلوا دیا، جو کہ شرکت میں رہا، زمین تقریباً نو بیگہ ہے، ایک تو ساڑھے پانچ یا چھ دوسری تین بیگہ ہے، بیٹے کے چھ سال بعد دادا کا بھی انتقال ہو گیا، ان چودہ سالوں میں چچا نے دو بار اپنی مرضی سے تقسیم کی بات اٹھائی، پہلی بار اپنی مرضی سے سڑک والی تین بیگہ زمین لی، اب بچی دوسری زمین جو کہ اندر ہے، وہ بچوں کو دیدی، خیر کوئی بات نہیں، بچے اس زمین کو کسی گاؤں والے کو ٹھیکہ پر اٹھا دیتے تھے، قریب سات سال تک اسی طرح چلتا رہا۔

اس کے بعد تقسیم کی بات خاندان والوں سے کہی، ہماری تقسیم کرادو، یہ خبر میرے پاس بار بار آتی رہی، میں نے جواب دیا تقسیم تو ہوگئی، اب کیسی تقسیم؟ بار بار بات کو ٹالنا چاہا، نہیں مانی گئی، بات سر پر آگئی، نہیں تقسیم دوبارہ ہونی ہی ہے، چچا نے ساتھ میں یہ شرط رکھی دونوں زمین کی الگ کوئی حیثیت نہیں رکھی جانی ہے، بیگہ برابر کی جائے گی، یعنی باہر جو تین بیگہ ہے اس میں برابر کرنے کے لیے اندر سے شامل کی جائے گی، قیمت نہیں لگے گی، بیگہ برابر ہونی ہے اس طرح دو حصے اپنی مرضے سے بنائے گئے، خیر خاندان کے دو لوگوں کے بیچ بیٹھ کر بات طے ہونا قرار پائی، دونوں لوگوں نے بات رکھی، حصہ آپ نے بنائے ہیں، پنچایت کا اصول ہے، ایک آدمی نے حصہ بنایا، پسند کرنے کا حق دوسرے کو ہوتا ہے، دونوں لوگوں نے یہ بات کہی، چچا نے کہا ٹھیک ہے، اب بچوں سے اوران کی ماں سے حصہ معلوم کیا گیا، بتاؤ! کون سا حصہ لینا ہے، اس پر ہم نے کہا اچھی طرح یہ بات صاف کرلو، پہلے کا طے آج بدلا جا رہا ہے آج کا طے آئندہ بدلا جائے گا تب میں بتاؤں گی، ان لوگوں نے کہا، جب ہمارے سامنے طے ہو رہا ہے تو بدلا کیوں جائیگا؟ چچا نے بھی

کہا، بدلا کیوں جائے گا؟ تین بار میرے یہ جملے دوہرانے پر ایک ہی جواب ملتا رہا کیوں بدلا جائے گا، ہمارے سامنے طے ہو رہا ہے، تو اس کے بعد پھر معلوم کیا، اب بتاؤ کون سا حصہ لینا ہے، میں نے کہا تین بیگہ والی میں جو شامل ہو کر مل رہا ہے وہ حصہ لینا ہے، جواب ملا ٹھیک ہے۔

اس تقسیم کے مطابق دونوں اپنی اپنی زمین پر قابض رہے اور سات سال تک پھر اسی طرح اپنا اپنا اناج لیتے رہے، تین بیگہ والی زمین بچے رشتہ کے چچا کے مشورہ سے گاؤں کے آدمی کو زمین اٹھا دیتے تھے، اس سے انکا کوئی تعلق نہیں، شرکت والی میں جتنا اناج چچا دیتے (یعنی بھیج دیتے) ہم رکھ لیتے، خیر کوئی بات نہیں، تقسیم کے مطابق پھر سات سال تک یہ سلسلہ چلتا رہا، بغیر کسی وجہ کے آٹھواں سال آنے پر شرکت والی زمین کے گیہوں نہیں دیئے، میرا بچہ اور میں معلوم کرنے دونوں ان کے گھر گئے، جواب ملا تم نے لے تو لیے، باہر والی کے، یعنی تین بیگہ والی کے اس کے بعد جو تقسیم میں موجود تھے، ان سے کہا گیا، جواب ملا وہ پھر سے تقسیم چاہتا ہے، جسے ہم نے کہا یہ بات پہلے ہی آپ کے سامنے طے ہوئی تھی، آئندہ بدلا نہ جائے، بار بار ہمارے ساتھ ایسا کیوں ہوتا ہے، آخر کتنی بار تقسیم ہوگی، گیہوں کو سمیٹ کر اپنے گھر بیٹھ گئے۔

اب پھر وہی پریشانی سامنے ہے، تقسیم کا بار بار دباؤ بنایا جا رہا ہے، یعنی کافی حد تک مجھے اور میرے بچوں کو پریشان کیا جا رہا ہے، میری نظر میں سچ اور حق یہ ہے جو طے ہو گیا، اسی پر ہمیں آمادہ رہنا چاہیے، انسان کی زبان ہی سب کچھ ہے، کچھ لوگ کہتے ہیں، کیوں نہیں لکھوائی تھی، میں نے سوچا، جب بڑوں کے بیچ بیٹھ کر ایک بات طے ہو رہی ہے، اس پر بھروسہ کیا اور نہ میرے حالات تھے، نام کرانے میں بھی کافی پیسہ خرچ ہوتا ہے، جبکہ میرے سر تین بھائی تھے، ان کی تقسیم بھی زبانی چلی آرہی ہے، کبھی کسی نے اس طرح نہیں کیا، جیسا ہمارے ساتھ ہو رہا ہے، باپ کے نہ ہونے سے دوسرے اب تو دادا بھی نہیں، ایک چچا گھر میں وہ بھی ہر وقت پریشان کرنے پر آمادہ ہیں، اگر دادا نام نہ ڈلواتے تو شاید چچا یہ بھی نہیں دیتا، یہ بھی اس مالک کا رحم وکرم ہے کہ زمین میں نام ڈلوا گئے اور مکان پوری طرح نام کر گئے، زمین کی تقسیم کا یہ تیسرا نمبر ہے، کیا ایمانداری یا سچائی ایسے لوگوں کے لیے کوئی معنی نہیں رکھتی، جو لکھا ہے اس میں ایک

ایک بات حقیقت ہے، پہلے یہ تین بیگہ چچا نے لی، دوبارہ تقسیم میں یہ تین بیگہ میرے بچوں کے پاس آگئی، اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ تقسیم کے دو سال بعد تین بیگہ والی یعنی بچوں والی زمین کے برابر مکان بن گئے، آبادی میں آگئی، جس کی وجہ سے اس کی قیمت اب بڑھ گئی، اس بات سے پریشان ہوکر وہ تقسیم چاہتا ہے، جولوگ تقسیم میں موجود تھے، وہ اپنی جان یہ کہہ کر بچا رہے ہیں کیا کریں نہیں مان رہا، تو پھر سے تقسیم کرلو، انہیں آٹھ سال پہلے کا کوئی وعدہ یاد نہیں جو کہ تین بار دوہرایا گیا، گواہوں کو بھی اپنی ڈوڑ میں لیے ہوئے ہیں، وہ بھی کہتے ہیں، پھر سے تقسیم کرو، میرے بچے اور میں اس بات کو لے کر بہت پریشان ہیں، آپ جلد سے جلد سچ کا فیصلہ دیں، جسے میں ان کے سامنے رکھ سکوں، آبادی میں آنے سے قیمت کا کافی فرق ہوگیا ہے؟

یاد رہے، ہر بار انہوں نے اپنی طرف سے ہی تقسیم کی، اور اپنی مرضی کے موافق، جبکہ ہم نے ایک بار بھی کچھ نہیں کیا، اب ہماری کمزوری کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ہم کو ناجائز طریقے سے زیر کرایا جا رہا ہے۔

شریعت محمدی ﷺ کیا کہتی ہے؟ قرآن و حدیث کی روشنی میں حق اور سچ کا فیصلہ چاہتی ہوں؟ برائے کرم جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتیہ: نرگس جہاں نزد نظام والی مسجد سنبھل

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: پوتے پوتیاں بیٹے کی موجودگی میں اپنے دادا کے وارث نہیں ہوتے ہیں، ہاں البتہ دادا نے اپنی زندگی میں قانونی اور عملی طور پر جو چیز پوتے پوتیوں کو ہبہ کرکے قبضہ دیدیا ہے وہ چیز پوتے پوتیوں کی ملکیت ہے، سوالنامہ سے معلوم ہوتا ہے کہ پوتے پوتیوں کے لیے دادا نے مکان ہبہ کرکے رجسٹری کردیا ہے، اس لیے پوتے پوتیاں مکان کے اتنے حصے کے مالک ہیں جتنا ان کے نام کردیا ہے، اور اگر پورا مکان نام کردیا ہے تو پورے ہی کے مالک ہیں۔

وتتم الهبة بالقبض الكامل لقوله عليه السلام لاتجوز الهبة إلا مقبوضة. (مجمع الأنهر، كتاب الهبة، دار الكتب العلمية بيروت ۳/ ۳۹۱، مصري قديم

۳۵۳/۲، شامی کراچی ۶۹۰/۵، زکریا ۸/ ۵۲۰، الفتاویٰ التاتارخانیة زکریا ۱۴ /۱ ۴۲، رقم: ۲۱۵۶۳، شرح المجلة رستم اتحاد ۴۷۳/۱، رقم المادة ۸٦١)

اورسوالنامہ سے واضح ہوتا ہے کہ صحرائی جائیداد میں پوتوں کا صرف نام ڈالا ہے، ہبہ کر کے قبضہ نہیں دیا ہے،اوراس کی بھی صراحت نہیں کی کہ کتنے بیگھے پوتوں کے نام کیے ہیں اور ہبہ کے صحیح ہونے کے لیے قبضہ شرط ہوتا ہے اور جائیداد میں قبضہ کے صحیح ہونے کے لیے وہ جائیداد متعین ہونا لازم ہے اورسوالنامہ سے واضح ہوتا ہے کہ پوتوں کے نام سے جو جائیداد کی گئی ہے وہ متعین نہیں ہے، بلکہ جائیداد کی تعیین کیے بغیر صرف نام ڈال دیا ہے، اس لیے شرعی طور پر جائیداد کا ہبہ درست نہیں ہوا ہے، اوراگر دادا نے وصیت کے طور پر نام ڈلوایا ہے تو ایک تہائی میں وصیت نافذ ہوتی ہے،اب اس اعتبار سے مقامی لوگ اس مسئلے کو بہتر انداز سے حل کردیں۔

وتتم بالقبض الكامل لأنها من التبرعات، والتبرع لايتم إلا بالقبض، والقبض الكامل فى المنقولة ما يناسبه وفى العقار ما يناسبه. (شرح المجلة ۴٦۲/۱-۴٦۳، رقم: ۸۳۷)

ولا يشترط القبض بالبراجم لأن معنى القبض هو التمكين والتخلى وارتفاع الموانع عرفا و عادة و حقيقة. (بدائع الصنائع زکریا ۳۴۲/۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۱۳۲/۴۰)

پوتے شرعی وارث نہیں

سوال [۱۱۵۲٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: محمد نور کا انتقال ہوگیا، ان کے ورثاء میں پانچ لڑکے: عبدالواحد، عبدالمجید، محمد ذاکر، محمد یاسین، محمد یامین، اور تین لڑکیاں: صابرہ بیگم، زرینہ بیگم، سردار بیگم ہیں۔

دریافت یہ کرنا ہے کہ محمد نور اپنے دوسری بیوی کے بڑے لڑکے عبدالمجید کے ساتھ

تجارت کرتے رہے، اور دونوں نے مشترک طور پر بہت سی جائیدادیں بھی خریدیں، لیکن تمام جائیدادوں میں نام اپنے والد محمد نور کا ہی ڈلواتے رہے، اس کے بعد عبدالمجید کا محمد نور کے سامنے ہی انتقال ہوگیا، اور انہوں نے صرف ایک لڑکا ایک دن کا چھوڑا، اور لڑکے کی ماں دو دن کا لڑکا چھوڑ کر اپنے والدین کے گھر چلی گئی، لڑکے کی پرورش دادا، دادی نے کی، اچانک کئی سال کے بعد دادا کا انتقال ہوگیا، کیا ایسی صورت میں عبدالمجید نے جو مشترکہ جائیدادیں خریدیں اور والد کا نام ڈلواتے رہے تو اس میں عبدالمجید کا لڑکا حق دار ہوگا یا نہیں؟

کیا قرآن وحدیث میں اس سلسلے میں کوئی صراحت ہے کہ دادا کی اولاد نرینہ یعنی لڑکے کی موجودگی میں دادا کے پوتے محروم ہو جاتے ہیں وہ دادا کے وارث نہیں بن سکتے، قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب لکھ دیں۔

المستفتی: اقبال حسین ولد عبدالمجید کٹا باغ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب عبدالمجید کا انتقال اس کے باپ کی موجودگی میں ہو چکا ہے اور عبدالمجید کے دیگر بھائی بھی موجود ہیں، تو ایسی صورت میں عبدالمجید کے باپ کے انتقال کے بعد عبدالمجید کے باپ کی ملکیت اور ترکہ میں سے عبدالمجید کی اولاد کو میراث کے طور پر کوئی چیز نہیں ملے گی، ہاں البتہ عبدالمجید کے بھائی بہن اپنی خوشی سے عبدالمجید کی اولاد کو کچھ دینا چاہیں تو دے سکتے ہیں، اور وہ بھی ان کی مرضی پر موقوف ہے، یا عبدالمجید کے باپ نے مرنے سے پہلے اپنی زندگی میں بطور ہبہ اپنے پوتے کو کچھ دے دیا ہوتا یا اس کے نام کی کوئی وصیت کردی ہوتی تو اس کو کچھ مل سکتا تھا، وراثت اور میراث کے طور پر اس کو کچھ نہیں ملے گا۔

﴿**يُوصِيكُمُ اللّٰهُ فِيٓ اَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ فَاِنْ كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ .** [النساء: ۱۱] ﴾

ولايرث ولد الابن مع الابن. (بخاری شریف، کتاب الفرائض، باب میراث ابن الابن إذا لم یكن ابن ۲/ ۹۹۷)

فإن اجتمع الولد للصلب وولد الابن مكان فی الولد للصلب ذكر فإنه لا

میراث معه لأحد من ولد الابن فإن لم یکن فی الولد للصلب ذکر و کانت اثنتین فأکثر من ذٰلک من البنات للصلب فإنه لا میراث لبنات الابن معهن. (مؤطا إمام مالك، كتاب الفرائض، ميراث الصلب، اشرفی دیوبند ص:۳۲۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍شعبان المعظم ۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۰۹۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۷/۸/۱۴۲۷ھ

والد کی حیات میں وفات پانے والی اولاد وارث نہیں

سوال [۱۱۵۲۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عبد الستار کے نولڑکیاں تھیں، ان میں سے ایک لڑکی بلقیس کا والدین کے سامنے ہی انتقال ہو گیا۔
تو دریافت یہ کرنا ہے کہ بلقیس کو والد کے ترکہ سے حصہ ملے گا یا نہیں؟

المستفتی: امیر دولہا نئی بستی مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: والدین کی موجودگی میں جو اولاد فوت ہو جاتی ہے وہ والدین کی وارث نہیں بنتی، اور نہ ہی اس کی اولاد وارث بنتی ہے، لہٰذا بلقیس جب والدین کی زندگی میں فوت ہو گئی ہے تو بلقیس یا اس کی اولاد والدین کی جائیداد کی وارث نہیں بنے گی۔

إن شرط الإرث وجود الوارث حیا عند موت المورث. (شامی، کتاب الفرائض، زکریا ۱۰: ۵۱۱، کراچی ۶/۷۶۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍جمادی الاولیٰ ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۶۷۸)

الجوب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۹/۵/۱۴۳۳ھ

مرحوم بیٹے کی بیوی اور اولاد کا حصہ

سوال [۱۱۵۲۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: رحمت اللہ کے تین لڑکے ہیں: مبین، نور محمد، امین، مذکورہ لڑکوں میں سے مبین کا انتقال ہوگیا، رحمت اللہ کی موجودگی میں، اس کے آٹھ سال کے بعد رحمت اللہ کا انتقال ہوا، مبین کی اولاد میں صرف ان کی ایک لڑکی ہے، جس کی شادی نور محمد اور امین نے مل کر کردی، اب مبین کی بیوہ باقی رہ گئی، تو اس بیوہ کو رحمت اللہ کی میراث میں سے کتنا حصہ ملے گا؟

المستفتی: محمد ندیم امروہا کانٹھ شاہجہاں پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مسئولہ صورت میں رحمت اللہ کے لڑکوں میں سے جس لڑکے کا انتقال ان کی حیات میں ہوگیا تھا، رحمت اللہ کی وفات کے بعد اس لڑکے کی بیوہ اور بیٹی کا ان کے ترکہ میں کوئی شرعی حصہ نہیں ہے، کیونکہ یہ دونوں رحمت اللہ کے شرعی وارثین میں داخل نہیں ہیں۔

إن شرط الإرث وجود الوارث حيا عند موت المورث. (شامی، کتاب الفرائض زکریا ۱۰: ۵۱۱، کراچی ٦/٧٦٩)

وبنات الابن كبنات الصلب ...... ويسقطن بالابن. (سراجی ص: ۱۲-۱۳)

ورثته أى الذين ثبت إرثهم بالكتاب أو السنة ...... أو الإجماع ...... ويستحق الإرث برحم و نكاح وولاء والمستحقون للتركة عشرة أصناف مرتبة. (شامی، زکریا ١٠/٤٩٧-٤٩٨، کراچی ٦/٧٦٢)

ويستحق الإرث بإحدىٰ خصال ثلاث بالنسب وهو القرابة والسبب هو الزوجية والولاء. (هنديه، قبيل الباب الثانى فى ذوى الفروض زكريا قديم٦/٤٤٧، جديد ٦/٤٤٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۲۹ / جمادی الاولیٰ ۱۴۳۲ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۴۲۳)	۱۴۳۲/۵/۲۹ھ

کیا لڑکے کی موجودگی میں پوتوں کو حصہ ملے گا؟

سوال [۱۱۵۲۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) منی بیگم کا انتقال ہوگیا، اس کے ورثاء میں شوہر عبداللہ، ایک لڑکا عبدالغنی ہے، دوسرا لڑکا عبدالمجید تھا جو اپنے ماں باپ کی زندگی میں انتقال کر گیا تھا، (اس کا ایک لڑکا عبدالحکیم ہے) تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ منی بیگم کی جائیداد میں ان کے پوتے عبدالحکیم کا حصہ ہے کہ نہیں؟

(۲) پھر عبداللہ کا انتقال ہوگیا، ان کے ورثاء میں صرف ایک لڑکا عبدالغنی تھا، اور دوسرے لڑکے عبدالمجید مرحوم کا لڑکا عبدالحکیم ہے، جو عبداللہ کا پوتا تھا، اسے شرعاً حصہ ملے گا یا نہیں؟

المستفتی: محمد سلیم، اندرا چوک، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب عبدالمجید کا انتقال اپنے والدین کی زندگی میں ہوگیا ہے تو اس کی اولاد اپنے دادا، دادی کی وارث نہیں بنے گی، جبکہ عبدالمجید کا حقیقی بھائی عبدالغنی زندہ ہے، لہٰذا عبدالمجید کا لڑکا عبدالحکیم عبداللہ کا وارث نہیں بنے گا، ہاں البتہ اگر عبداللہ نے اپنی حیات میں اپنی مرضی سے اپنے پوتے کو بطور ہبہ کچھ دیدیا ہوتا تو مل سکتا تھا۔

العصبات بأنفسهم أربعة أصناف، الأول جزء الميت (قوله) فيقدم في هذه الأصناف والمدرجين فيها الأقرب فالأقرب أى يرجحون بقرب الدرجة أعني به أولٰهم بالميراث يستحق بالعصوبة جزء الميت أى البنون ثم بنوهم. (شريفيه ص: ٤٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷ر شوال المکرم ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۷۹۵)

بیٹے کی موجودگی میں یتیم پوتے محروم

سوال [۱۱۵۳۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کے تین لڑکے ہیں: عمر، بکر، حمید۔ عمر کی چند اولا دیں ہیں، اس کا انتقال ہو گیا ہے تو اب سوال یہ ہے کہ جب عمر کا انتقال ہو گیا تو عمر کی حقیقی اولاد کو وراثت ملے گی یا نہیں؟ اگر نہیں ملے گی تو آخر ایسا کیوں ہے؟ حالانکہ وہ مال کے زیادہ محتاج ہیں اور یتیم کا شریعت میں بہت زیادہ خیال کیا گیا ہے، اور یہاں وراثت سے محروم کیا جارہا ہے، ہندو لوگ اس کی وجہ سے بہت برا بھلا کہتے ہیں، تو ان کو خاموش کرنے کے لیے کیا جواب دیں؟

المستفتی: انوارالاسلام مدناپوری مغربی بنگال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مرنے والے کی کوئی اولاد موجود ہو تو پوتا خواہ یتیم ہو یا اس کا باپ زندہ ہو، کسی بھی صورت میں وراثت کا حقدار نہیں ہوتا ہے، لہٰذا مذکورہ صورت میں عمر کے انتقال کے بعد عمر کی اولاد کو زید کے مال سے وراثت نہیں ملے گی، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام بلکہ کسی بھی مذہب وملت میں میراث کی تقسیم کا معیار حاجت وضرورت پر نہیں ہے، بلکہ رشتہ داری وقرابت کے درجات پر ہے، کہ قریب کے ہوتے ہوئے بعید کو محروم سمجھا جائے، لہٰذا حقیقی بیٹوں کے ہوتے ہوئے ان کے حصہ میں کمی کرکے پوتوں کو دینا ضابطہ شریعت کے خلاف ہوگا، اب رہا یتیم کی پرورش کا مسئلہ تو شریعت نے دادا کو اس کا پورا اختیار دیا ہے کہ اپنی زندگی میں پوتوں کو اتنا دے کر مالک بنا سکتا ہے جتنا دوسری اولاد کو میراث میں مل سکتا ہے، یا اس سے زیادہ بھی دے سکتا ہے، اس پر شریعت کی طرف سے دادا پر کوئی دار وگیر نہیں ہے، لہٰذا اگر ہندوؤں کو اعتراض کرنا ہے تو دادا پر کریں، شریعت پر نہ کریں، شریعت نے دادا کو اختیار دے رکھا ہے، لیکن اگر دادا نے زندگی میں پوتوں کو نہیں دیا ہے تو قانون شرعی کے مطابق دادا کے قریب تر وارثین کو دادا کی وراثت ملے گی، اور وہ دادا کے بیٹے

اور بیٹیاں ہیں اور پوتے، پوتیاں دور کے رشتہ دار ہیں، اس لیے ان کو نہیں ملے گا۔

عن ابن عباس قال قال رسول الله ﷺ : ألحقوا الفرائض بأهلها فما بقي فهو لأولى رجل ذكر. (بخاري شريف، كتاب الفرائض، باب ميراث ابن الابن إذا لم يكن ابن ٢/٩٩٧، رقم: ٦٤٧٨، ف: ٦٧٣٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم رجب المرجب ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۷۲۵)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱/۷/۱۴۲۳ھ

دادا کی جائیداد میں پوتوں کا حصہ

سوال [۱۱۵۳۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرے والد کا انتقال ۲۰۰۴ء میں ہوا ہے، اور میرے دادا صاحب کا انتقال ۱۷/اپریل ۲۰۰۷ء کو معلوم ہوا ہے، معلوم یہ کرنا ہے کہ میرے دادا صاحب کے ذاتی مال میں (ایف ڈی بینک بیلینس وغیرہ میں ہمارا یعنی میری والدہ اور ایک پوتا ایک پوتی کا) حصہ ہے یا نہیں؟ اور ہم سب کے علاوہ دولڑکے محمد فاہم، محمد ناظم ہیں، میرے دادا کا جو مکان ہے، وہ اولاد دراولاد وقف ہے، جس کے کاغذات بھی میرے پاس محفوظ ہیں، اور جس میں ہم رہتے ہیں وہ کرایہ کا مکان ہے۔

معلوم یہ کرنا ہے کہ دادا والے مکان میں ہمارا حصہ ہے یا نہیں؟ جو اولاد دراولاد وقف ہے؟

المستفتی: محمد سالم شمسی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب آپ کے والد کا انتقال آپ کے دادا سے پہلے ہو گیا ہے اور دادا کے آپ کے والد کے علاوہ دولڑکے زندہ ہیں تو ایسے حالات میں آپ کے دادا کی وفات کے بعد ان کے ترکہ میں سے آپ، آپ کی بہن، اور آپ کی والدہ میراث پانے کے مستحق نہیں ہیں، ہاں البتہ آپ کے دادا کے دولڑکے محمد فاہم، محمد ناظم اپنی خوشی سے آپ لوگوں کو بھائی کی اولاد ہونے کے صلے میں کچھ دیدیں تو ان کے اختیار کی بات ہے، ان

پرکوئی زوروزبردستی نہیں ہے۔

أخرج البیهقی فی سننه عن زید بن ثابت و علي و بن مسعود حدیثا طویلاً و طرفه: إذا ترک أبناء و ابن ابن فلیس لابن الابن شیئ. (سنن کبریٰ للبیهقی، دار الفکر بیروت ۳۰۲/۹، رقم: ۱۲۶۲۹)

فی الهندیة: فالأقرب یحجب الأبعد کالابن یحجب أولاد الابن. (هندیه، کتاب الفرائض، الباب الرابع فی الحجب، قدیم ۴۵۲/۶، جدید ۴۴۴/۶)

وفی البحر: ویحجب بالابن أی ولد الابن یحجب بالابن ذکورهم و إناثهم فیه سواء. (البحر الرائق زکریا ۳۷۵/۹، کوئٹه ۴۹۴/۸)

وفی السراجیة: الأقرب فالأقرب یرجحون بقرب الدرجة أعنی اولٰهم بالمیراث جزء المیت أی البنون ثم بنوهم وإن سفلوا. (سراجی ص:۲۲)

جس مکان کے وقف علی الاولاد کرنے کا ذکر سوالنامہ میں ہے، اور اس کے متعلق سائل وقف کے کاغذات لائے تھے، وہ مکمل نہیں ہیں، اس لیے اس بارے میں کچھ لکھنے سے معذرت خواہ ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰ / صفر المظفر ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۴۸۸/۳۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۲/۳۰ھ

شرعی وارث کو تسلیم نہ کرنے سے وہ حصۂ وراثت سے محروم نہ ہوگا

سوال [۱۱۵۳۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: محمد حسین کی زوجہ زہرہ بی بی، جن کے تین لڑکے ہیں: نظر حسین، حافظ حسین، ذاکر حسین۔

نظر حسین بن محمد حسین کے تین لڑکے: ناصر حسین، ماجد حسین، عطا حسین۔

ذاکر حسین بن محمد حسین کے تین لڑکے: حسرت علی، علی اظہر، علی یاور۔

علی اظہر بن ذاکر حسین کے تین لڑکے: ابرار احمد قاسمی، اخلاق حسین، اظہار حسین۔

علی یاور بن ذاکرحسین کا ایک لڑکا: نفیس احمد۔

شجرہ میں تحریر کردہ حافظ حسین لا ولد تھے، ان کی شادی بھی نہیں ہوئی تھی، انہوں نے اپنا حصہ ۵/آنہ ۴/ پائی میں سے ۳/آنہ ۴/ پائی حصہ شجرہ میں تحریر کردہ اپنے بھتیجے حقیقی علی اظہر کے حق میں بطور حق الخدمت ہبہ کر دیا جسے علی اظہر نے قبول ومنظور کیا، حافظ حسین کے مملوکہ و مقبوضہ بقیہ حصے میں سے ایک آنہ نظرحسین اور ایک آنہ ذاکرحسین کو ملا، اس ہبہ کے بعد حافظ حسین کے دونوں بھائی نظرحسین اور ذاکرحسین کے نام کے ساتھ کھتونی پر علی اظہر کا نام بھی درج ہوگیا، ہبہ نامہ یہ لکھا گیا کہ علی اظہر جو کہ میرا بھتیجا حقیقی ہے اور میرے برادر حقیقی ذاکر حسین کا فرزند صلبی ہے، بطور حق الخدمت: ہبہ کرتا ہوں وہ نسل در نسل اور بطن بعد بطن متمتع ہوتا رہے، کبھی کوئی اس پر دعویٰ کرے تو وہ ناجائز اور باطل ہوگا، اور روبروحاکم کے پیش ہوکر اس کا دعویٰ خارج ہوگا، مگر شجرہ میں تحریر کردہ حسرت علی اور نفیس احمد نے اس پر حقیقت کا دعویٰ دائر کر دیا ہے، اس طرح وہ پریشان وحیران کرنا چاہتے ہیں، دریافت طلب امر یہ ہے کہ (۱) ان کا یہ دعویٰ شرعاً ناجائز اور باطل ہے کہ نہیں؟

(۲) شجرہ میں تحریر کردہ ذاکرحسین کے انتقال کے بعد ان کے تینوں لڑکوں: علی یاور، علی اظہر، حسرت علی کا نام کھتونی پر درج ہوا، اور وراثتاً داخل خارج ہوا، اور ہر ایک اس پر قابض ودخیل ہوا، شرعاً تینوں کا ایک تہائی حق ہے کہ نہیں؟

(۳) حسرت علی جو کہ شجرہ میں تحریر ہیں، علی اظہر کو اپنا بھائی ہونے کا انکار کرتے ہیں، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ ذاکرحسین نے علی اظہر کو اپنی اولاد صلبی تسلیم کیا ہے اور علی اظہر کے چچا حافظ حسین نے بھی تسلیم کیا کہ اظہر ذاکرحسین کا لڑکا ہے، اور ہبہ نامہ میں صاف طور پر یہ درج ہے اور نظرحسین نے بھی علی اظہر کو اپنا بھتیجا حقیقی یعنی ذاکرحسین کا لڑکا ہونا تسلیم کیا، اور دلچسپ بات یہ ہے کہ داخل وخارج کے وقت حسرت علی اور علی یاور نے بھی علی اظہر کو اپنا برادر حقیقی ہونا تسلیم کیا ہے، اور داخل وخارج بھی کرایا، اور داخل وخارج میں ذاکرحسین کے وارث کی حیثیت سے علی اظہر کا نام درج ہوا۔

چک بندی میں بھی حسرت علی نے علی اظہر کو اپنا بھائی تسلیم کیا، چک بندی ہی میں علی

یاور نے بھی علی اظہر کو اپنا حقیقی بھائی ہونا تسلیم کیا، اوراب ہبہ والی آراضی پر حسرت مقدمہ قائم کر کے بھی علی اظہر کو اپنا حقیقی بھائی ہونا تسلیم کرر ہے ہیں، مگر حسرت علی ادھر کچھ دنوں سے انکار کرنے لگے ہیں اور علی اظہر کے وراثت کے حصہ کو ہضم کرلینا چاہتے ہیں، علی اظہر کا تو انتقال ہوگیا ہے، علی اظہر کے حق کا انکار کر کے اپنے بھتیجوں کے حق کا انکار کر کے اپنے بھتیجوں کے حق کو مار لینا چاہتے ہیں، تو کیا حسرت کے انکار کر دینے سے علی اظہر کا حق وراثت منقطع ہوجائے گا آپ سے درخواست ہے کہ ہم تینوں بھائیوں پر رحم کریں اور علی اظہر کے وراثت والے حصہ میں علی اظہر کے تینوں لڑکوں کا حق شرعی ہونا بیان کردیں؟

المستفتی: ابرار احمد قاسمی انٹر کالج جگن پور فیض آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) واہب حافظ حسین نے اپنی جائیداد میں سے جو حصہ علی اظہر کو ہبہ کر کے اپنی زندگی ہی میں قبضہ کرادیا تھا تو یہ ہبہ درست وصحیح ہے اور علی اظہر اپنے حصۂ موہوب بہ کا مالک ہے، لہٰذا حسرت علی اور نفیس احمد کا علی اظہر پر حقیت کا دعویٰ کرنا شرعاً ناجائز ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۳۸۱/۱۷، جدید ڈابھیل ۴۶۹/۱۶)

وتتم الهبة بالقض الكامل ولو الموهوب شاغلا لملك الواهب لا مشغولا به (إلى قوله) في محوز مفرغ مقسوم و مشاع لايبقىٰ منتفعا به بعد أن يقسم (إلى قوله) ولا تتم فيما يقسم ولو لشريكه أو لأجنبي (إلى قوله) فإن قسمه و سلمه صح ولو سلمه شائعا لا يملكه فلا ينفذ تصرفه فيه. (در مختار مع الشامي، كتاب الهبة كراچی ٥/ ٦٩٠، زكريا ٨/ ٤٨٣)

(۲) ذاکر حسین کے ترکہ سے علی اظہر، علی یاور، حسرت علی تینوں برابر کے حصہ دار ہیں، لہٰذا ذاکر حسین کے ترکہ سے علی اظہر کے محروم ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔

كما قال في الدر: ويقسم الباقي بعد ذٰلك بين ورثته أي الذين ثبت إرثهم بالكتاب أو السنة (إلى قوله) ويستحق الإرث ولو لمصحف به يفتى برحم و نكاح وولاء، قال الشامي تحت قوله: (أي الذين ثبت إرثهم

بالکتاب) أی بالقرآن وهم الأبوان والزوجان والبنون والبنات. (شامی، کتاب الفرائض، کراچی ٦/٧٦٢، زکریا ١٠/٤٩٧)

أولٰهم بالميراث جزء الميت أی البنون وبنوهم. (سراجی، باب العصبات ص: ١٣)

(۳) حسرت علی جو علی اظہر کے بھائی ہونے کا انکار کررہے ہیں اس کی وجہ سے علی اظہر کے حصۂ میراث پر کسی قسم کا اثر نہیں پڑے گا، بلکہ مستحق کو اپنا حق ملے گا، لہٰذا یہ انکار بیکار ہے۔

ويستحق الإرث ولو لمصحف به يفتی برحم و نكاح و ولاء. (شامی کراچی ٦/٧٦٢، زکریا ١٠/٤٩٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ر جمادی الثانیہ ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۱۹۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۶/۹ھ

والد کی موجودگی میں اولاد محروم

سوال [۱۱۵۳۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں مستری محمد اسحاق ولد مستری عبد الرحمٰن صاحب مرحوم آہنگر ساکن ہلدوانی ضلع نینی تال میں اپنے باپ کا ایک ہی لڑکا ہوں نہ میرا کوئی بھائی ہے اور نہ بہن ہے، ایک بھائی تھا جس کا باپ کی ہی زندگی میں انتقال ہو گیا تھا، اور نہ ہی میرا کوئی چچا یا تایا ہے، میرے باپ نے جائیداد چھوڑی ہے، میں اس کو فروخت کرنا چاہتا ہوں، میرے لڑکے اور لڑکیاں کہتی ہیں کہ میرے دادا کی جائیداد میں ہمارا بھی حصہ ہوتا ہے، اس مسئلہ میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ مطلع فرمائیں۔

المستفتی: محمد اسحاق

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: بشرط صحت سوال مذکورہ جائیداد کے مالک آپ ہی ہیں، آپ کے ہوتے ہوئے آپ کی اولاد آپ کے والد کے ترکہ کی حقدار نہیں ہوسکتی،

آپ کے لیے فروخت کرنا شرعاً جائز ہوگا،لیکن یہ بے رحمی کی بات ہے کہ باپ اپنی زندگی میں ساری جائیداد فروخت کرڈالے اور اولاد محروم رہ جائے۔

أخرج البيهقي في سننه عن زيد بن ثابت وعلي و ابن مسعود حديثا طويلاً وطرفه: إذا ترك أبناء و ابن ابن فليس لابن الابن شيئ. (سنن كبرىٰ للبيهقي، دار الفكر بيروت ۹/۳۰۲، رقم: ۱۲۶۲۹)

الأقرب فالأقرب يرجحون بقرب الدرجة أعني اولٰهم بالميراث جزء الميت أى البنون ثم بنوهم وإن سفلوا. (سراجی ص:۲۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱ار رمضان المبارک ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/۱۵۴)

زنا سے پیدا شدہ بچہ وراثت کا حقدار نہیں

سوال [۱۱۵۳۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) ایک شخص ببو شادی شدہ ہے، صاحب اولاد ہے، وہ ایک غیر مسلمہ عورت سے ملتا ہے، زنا کا صدور بھی ہوتا ہے، غیر مسلمہ کا شوہر انتقال کر چکا ہے۔

تو دریافت یہ کرنا ہے کہ غیر مسلمہ عورت سے اب جو بچے ہورہے ہیں وہ ببو کی اولاد شمار ہوگی یا نہیں؟ اور ببو کی وراثت میں حصہ پائے گی یا نہیں؟

(۲) اور اگر یہ عورت مسلمان ہوکر ببو کے نکاح میں آجائے تو یہ بچے بھی ساتھ آئیں گے، تو پھر وراثت میں حق ہوگا یا نہیں؟

المستفتی: بھائی راشد شاہ آباد رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: (۱) ببو کے غیر مسلمہ عورت کے ساتھ زنا کرنے کے نتیجے میں جو اولاد پیدا ہوئی ہے وہ ببو کی اولاد ہرگز شمار نہ ہوگی، کیونکہ زنا سے پیدا شدہ اولاد ثابت

النسب نہیں ہوتی، نیز یہ اولا دبو کی وراثت کی حقدار بھی نہ ہوگی ۔(مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۱۹۱/۹)

الـوطـئ فيه زنا لايثبت به النسب. (رد المحتار، كتاب الطلاق، قبيل باب الحضانة كراچی ٣/ ٥٥٥، زكريا ٥/ ٢٥٢)

ولـد الزنا واللعان بجهة الأم. (در مختار، كتاب الفرائض، باب توريث ذى الأرحام، كراچى ٦/ ٧٩٩، زكريا ١٠/ ٥٥٨)

وفى الشامى: تحت بجهة الأم لا شقيقا. (شامى، كراچى ٦/ ٨٠٠،زكريا ١٠/٥٥٨)

عـن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده قال قام رجل فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن فلانـا إبـنـى عـاهـرت بـأمـه فـى الجاهلية فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لادعوة فى الإسلام ذهب أمر الجاهلية الولد للفراش وللعاهر الحجر. (سنن أبى داؤد، الطلاق، باب الولد للفراش، النسخة الهندية ١/ ٣١٠، دار السلام رقم: ٢٢٧٤، مسند أحمد بن حنبل ٢/ ٢٠٧، رقم: ٦٩٣٣، مشكوٰة شريف ص:٦٨٨)

(۲) اوراگر یہ غیر مسلمہ جس سے بہو نے زنا کیا تھا مع اولاد کے مسلمان ہوکر بہو کے نکاح میں آجائے تب بھی مذکورہ اولاد کا بہو کی وراثت میں قطعاً حق نہ ہوگا۔

رجل زنىٰ بامرأة وحبلت منه فلما استبان حبلها تزوجها الذى زنىٰ بها فالنكاح جائز (إلى قوله) وإن جاءت به لأقل من ستة أشهر ، وفى الخانية: من وقت النكاح لايثبت به النسب ولاترث منه. (تاتارخانية زكريا ٥/ ٢٦٥، رقم: ٧٨٠٩)

الوطئ فيه زنا لايثبت به النسب. (شامى، كراچى ٣/ ٥٥٥،زكريا ٥/ ٢٥٢)

ويـرث ولـد الزنا واللعان بجهة الأم. (در مختار كراچى ٦/ ٧٩٩، زكريا ١٠/ ٥٥٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍ربیع الاول ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۲۱۲)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۳/۴ھ

لے پاک وارث نہیں

سوال [۱۱۵۳۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) میں چھ ماہ کی تھی، میری سگی پھوپھی نے مجھے گود لے لیا تھا، بچپن سے ہی سگے والدین کو ماما اور مامی اور پھوپھا، پھوپھی کو پاپا امی کہتی ہوں، شادی تک پاپا امی (پھوپھا پھوپھی) کے ساتھ رہتی تھی اور شادی کے بعد انہیں کے گھر آنا جانا تھا، ماہ رمضان میں میری امی (پھوپھی) کا انتقال ہوگیا، پاپا (پھوپھا) گھر میں اکیلے رہنے لگے تو امی کے زیور اور گھر کا کچھ سامان مجھے دیدیا، جن کے بارے میں میرے شوہر کہتے ہیں کہ اس پر تمہارا کوئی حق نہیں ہے، بلکہ یہ ان کے شرعی ورثاء کا حق ہے، تو ہمیں بتائیں کہ میری امی (پھوپھی) کے ورثاء میں ان کے دو سگے بھائی، دو بہنیں اور ایک شوہر ہیں تو کس کو کتنا ملے گا؟

(۲) اور میرے شوہر مجھے پاپا (پھوپھا) کے گھر رہنے بھی نہیں دیتے، کہتے ہیں کہ پاپا اور تمہارا ایک ہی گھر میں رہنا جائز نہیں ہے، چاہے تمہارے ساتھ نوکرانی اور بچے ہوں یا نہ ہوں تو کیا میں اپنے پاپا (پھوپھا) کے ہمراہ ایک مکان میں رہ سکتی ہوں؟ یا شرعاً ممانعت ہے؟

المستفتیہ: غوثیہ عالم محلّہ بھٹی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) آپ کی پھوپھی کی موت کے وقت مذکورہ زیورات ان کی ملک میں تھے تو وہ زیورات ان کے شرعی ورثاء کو ملیں گے، اور آپ ان کی شرعی وارث نہیں ہیں، بلکہ ان کے شرعی وارث سوالنامہ میں ذکر کردہ دو سگے بھائی، دو سگی بہنیں اور ان کے شوہر ہیں، لہٰذا مذکورہ زیورات اور دیگر ترکہ جو آپ کے پھوپھی کی ملکیت تھا ان کے شرعی وارثین کے درمیان درج ذیل نقشہ کے مطابق تقسیم ہوگا:

میت ۱۲/۱۲

شوہر	حقیقی بھائی	حقیقی بھائی	حقیقی بہن	حقیقی بہن
۱/۶	۲	۱/۲	۱	۱

مرحومہ کا کل ترکہ بارہ سہام میں تقسیم ہو کر چھ سہام شوہر کو اور دو، دو دونوں بھائیوں کو اور ایک ایک سہام دونوں بہنوں کو ملیں گے۔

إن الجهاز ملک المرأة وأنه إذا طلقها تأخذه كله وإذا ماتت يورث عنها ولايختص بشيئ منه. (شامی، باب النفقة، مطلب: فيما لوزفت إليه بلا جهاز کراچی ۳/۵۸۵، زکریا ٦/۲۹۹)

وأما إذا جرت في البعض يكون الجهاز تركة يتعلق بها حق الورثة وهو الصحيح. (شامی، مطلب في دعویٰ الأب أن الجهاز عارية زكريا ٤/۳۰۹، کراچی ۳/۱۵۷)

(۲) آپ کے پھوپھا آپ کے شرعی محرم نہیں ہیں، اس لیے ان کے ساتھ تنہائی میں ایک گھر میں شب باشی کرنا آپ کے لیے جائز نہیں ہے، لہٰذا آپ کے شوہر جو کہہ رہے ہیں وہ شرعی طور پر صحیح اور درست ہے، نیز گھر میں نوکرانی ہو تب بھی پھوپھا آپ کے لیے غیر محرم ہیں۔

أيتهما فرضت ذكرا لم تحل للأخرىٰ أبدا لحديث مسلم: لا تنكح المرأة على المرأة، وفي الشامية: ولا على خالتها ولا إبنة أخيها ولا إبنة أختها. (شامی زکریا ٤/۱۱۷، کراچی ۳/۳۸-۳۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳/ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۹۷۲/۳۸)

متبنیٰ کو وراثت میں حصہ نہیں ملے گا

سوال [۱۱۵۳٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: احمد سلیم کا انتقال ہوا اور ان کی بیوی عائشہ خاتون کا انتقال ان سے پہلے ہو چکا تھا، احمد سلیم سے کوئی اولاد پیدا نہیں ہوئی، اور احمد سلیم کے ایک بھائی جمال احمد اور دو بہنیں ثریا اور نسرین باحیات ہیں، اور یہ بات بھی واضح ہو کہ احمد سلیم نے عقیل احمد کے لڑکے علیم احمد کے خرچۂ اخراجات کی کفالت کی ہے، صرف خرچۂ اخراجات کی کفالت کی وجہ سے علیم احمد، احمد سلیم کی

میراث کا مستحق ہو جائے گا یا نہیں؟ جبکہ عقیل احمد نے علیم احمد کو کوئی جائیداد وغیرہ ہبہ نہیں کی اور نہ ہی اس کے لیے کوئی وصیت کی ہے، اب اس سلسلے میں شریعت کا جو حکم ہے واضح فرمائیں۔

المستفتی: سید جمال احمد محلہ مغل پورہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوالنامہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ احمد سلیم کے شرعی وارث صرف اس کا بھائی جمال احمد اور اس کی دو بہنیں ثریا اور نسرین ہیں، اور ان تینوں کے علاوہ اس کا کوئی شرعی وارث نہیں، لہٰذا احمد سلیم کے اوپر اگر قرض ہے تو سب سے پہلے اس کے قرض کی ادائیگی لازم ہے، اس کے بعد اگر کوئی وصیت ہے تو ایک تہائی مال میں سے وصیت پوری کرنی لازم ہوتی ہے، اگر قرض اور وصیت نہیں ہے تو سارے ترکہ ان ہی تینوں کے درمیان شرعی حصوں کے اعتبار سے تقسیم ہوگا، لہٰذا کل ترکہ چار حصوں میں تقسیم ہوکر دو حصے احمد سلیم کے بھائی جمال احمد کو ملیں گے، اور ایک ایک حصہ ان کی دو بہنیں ثریا اور نسرین کو ملے گا، اب رہا عقیل احمد کے بیٹے علیم احمد جن کی کفالت احمد سلیم نے کی تھی یا احمد سلیم نے جسے اپنا متبنیٰ (لے پالک) بنایا تھا، تو شرعی طور پر لے پالک شرعی میراث کا حقدار نہیں ہوتا ہے، اس لیے علیم احمد کو سلیم کے ترکہ میں سے کوئی حصہ نہیں ملے گا۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ میرٹھ ۱۰۸/۳-۱۱۰، معارف القرآن ۸۴/۷)

یبدأ بتجهیزه من غیر تبذیر ولا تقتیر، ثم تقضی دیونه من جمیع ما بقی من ماله ثم تنفذ وصایاه من ثلث ما بقی بعد الدین ثم یقسم الباقی بین ورثته بالکتاب والسنة وإجماع الأمة. (سراجی مکتبہ بلال دیوبند ص:۳)

والمتبنیٰ لایلحق فی الأحکام بالابن فلا یستحق المیراث ولایرث عنه. (أحکام القرآن للتهانوی ؒ ۵/ ۱۸٤)

وما جعل أدعیاء کم أبناء کم فلایثبت بالتبنی شیئ من أحکام البنوة من الإرث وحرمة النکاح وغیر ذٰلک. (تفسیر مظهری سورة الأحزاب تحت رقم الآیة: ٤، زکریا قدیم ۷/ ۲۸٤، جدید ۷/ ۲۹۲) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۹/ ذی الحجہ ۱۴۳۲ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۵۵۷)

مورث کی اولاد کی موجودگی میں لیپا لک کا حکم

سوال [۱۱۵۳۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زیتون نے اپنے ایک بھتیجے نواب جان کو گود لے کر پالا تھا، پھر نواب جان کا انتقال ہوگیا، زیتون بیگم حیات ہے،اب زیتون بیگم اپنے لیپا لک نواب جان کے ورثاء میں اپنی جائیداد اپنی زندگی میں تقسیم کرنا چاہتی ہے،تو نواب جان کے ورثاء میں ایک بیوی دو لڑکے تین لڑکیوں کے درمیان کس طرح تقسیم کرے؟ اور کیا اپنے لیپا لک کی اولادوں کو دینے کا حق ہے یا نہیں؟ شرعی حکم تحریر فرمادیں؟

المستفتی: شفیق کسرول مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر زیتون بیگم کے بھائی یا دوسرے بھتیجے وغیرہ زندہ ہیں تو نواب جان کی اولادوں میں سے کوئی بھی زیتون بیگم کے وارث نہیں بن سکتے، اس لیے زیتون بیگم کو اختیار ہے کہ اپنی زندگی اور صحت کے زمانہ میں اپنی جائیداد نواب جان کی اولادوں کو دینا چاہتی ہے،تو جس کو جتنا چاہے اپنی مرضی سے دے سکتی ہے۔

المالک هو المتصرف في الأعيان المملوكة كيف شاء من الملك. (بیضاوی شریف رشیدیہ ۱/ ۷)

كل يتصرف في ملكه كيف شاء. (شرح المجلة رستم اتحاد ۱/ ٦٥٤، رقم المادة: ۱۱۹۲) **فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ صفر المظفر ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۶۳۰)

کیا باپ کے متروکہ مال میں متبنیٰ بیٹے کا حصہ ہے؟

سوال [۱۱۵۳۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: محمد فاضل کی شادی تقریباً چالیس سال قبل ہوئی تھی، لیکن ان کے کچھ عرصہ تک اولاد نہیں ہوئی، اس لیے انہوں نے اپنی سالی کے لڑکے نزاکت کو لے کر پال لیا جب وہ دس گیارہ سال کا ہوگیا، تو محمد فاضل نے دوسری شادی منی بیگم سے کی لیکن اس سے تقریباً پندرہ سولہ سال تک کوئی اولاد نہیں ہوئی، ڈاکٹروں سے علاج کرایا تو انہوں نے کہا کہ ان کے اولاد نہیں ہوگی، لیکن سولہ سال کے بعد منی بیگم سے یکے بعد دیگرے لڑکی پیدا ہوئیں، جن کی اس وقت عمر تقریباً تیرہ، گیارہ سال ہے، لیپا لک نزاکت جس کو محمد فاضل کی پہلی بیوی نے پالا اس کی عمر ۳۸/ سال ہے، اور محمد فاضل کا انتقال ہوگیا تو دونوں بیوی اور دو لڑکی اور لیپا لک موجود ہیں، ہر ایک کو کتنا کتنا حصہ ملے گا؟ نیز لیپا لک نزاکت کو بھی کچھ ملے گا یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ سوال میں فاضل کے لیپا لک نزاکت کو اس کی وراثت میں سے کچھ نہیں ملے گا، اس لیے کہ کوئی شخص کسی بچے کو لیپا لک یعنی منھ بولا بیٹا بنالے تو حقیقت میں وہ اس کا بیٹا اور وہ شخص اس کا باپ نہیں بنتا، اس بچے کا حقیقی باپ وہی ہے جس کے نطفہ سے وہ پیدا ہوا ہے اور اس بچے کا نسب بھی اسی حقیقی باپ سے ثابت ہوگا اور اسی کا وارث بنے گا۔

﴿**قال اللّٰہ تعالیٰ: وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآئَكُمْ اَبْنَآئَكُمْ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِى السَّبِيْلَ.** [الأحزاب: ٥]﴾

وحرم الإسلام التبنی وأبطل کل آثارہ وذٰلک بقولہ تعالیٰ: وما جعل ادعیاء کم ابناء کم ذٰلکم قولکم بافواھکم. (الموسوعة الفقهية ١٠/١٢١، تفسير قرطبى، سورة الأحزاب تحت تفسير الآية: ٤ دار الكتب العلمية بيروت ١٤/٨٠، تفسير معارف القرآن ٧/٨٤، تفسير روح المعانى زكريا ١٢/٢٢٤)

اور مرحوم محمد فاضل کا ترکہ حسب ذیل نقشہ کے اعتبار سے تقسیم ہوگا:

$\frac{۱۶}{۸}$

میــــــــــــــت

بیوی	بیوی	لڑکی	لڑکی
(۱)		(۷)	
۱	۱	۷	۷

مرحوم محمد فاضل کا کل ترکہ ۱۶؍سہام میں تقسیم ہوکر ہر وارث کو اتنا ملے گا جتنا اس کے نام کے نیچے درج ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍ربیع الثانی ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۸۰۰۸)

متبنیٰ کا باپ کی ملکیت میں کوئی حق نہیں

سوال [۱۱۵۳۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں سانس کا مریض ہوں اور اب میری حالت نازک ہے، زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں، میری پہلی بیوی سے دو لڑکیاں ایک لڑکا ہے، پہلی بیوی کے انتقال کے بعد نکاح ثانی کیا، دوسری بیوی سے بھی دو لڑکیاں اور ایک لڑکا ہے، لیکن دوسری بیوی کے ساتھ دو سال کی ایک لڑکی آئی، میں نے اس کو اپنے بچوں سے زیادہ عزیز سمجھ کر پالا، اس نے بھی میری بہت خدمت کی، اس کے نکاح میں بھی میں نے متبنیٰ سمجھتے ہوئے اپنی ولدیت لکھائی، میں یہ بھی چاہتا ہوں کہ یہ لڑکیوں میں برابر کی شریک مانی جائے، اس کے علاوہ میری بیوی کا کیا حق نکلتا ہے؟ سب کی شادی کر چکا ہوں اور سب بال بچے دار ہیں، صرف ایک لڑکے محمد عالم کی شادی نہیں کرسکا ہوں؟

المستفتی: شمس الدین کاشی پور نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جو لڑکی دوسری بیوی کے ساتھ آئی ہوئی ہے وہ شرعی طور پر آپ کے ورثاء میں داخل نہیں ہے، آپ کے مرنے کے بعد وہ آپ کے ترکہ میں سے کسی قسم کے حصہ شرعی کی مستحق نہیں رہے گی، البتہ اگر آپ اپنی زندگی میں اپنے اختیار اور مرضی سے اس کو کچھ دے کر مالک بنا دیں گے، اور وہ اس کو اپنے قبضہ میں لے لیتی ہے تو اس کی مالک بن سکتی ہے۔

والقبض لابد منه لثبوت الملك. (هدايه، كتاب الهبة، اشرفی دیوبند ۳/ ۲۸۳ رشيديه ۳/ ۲۶۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍صفر المظفر ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۶۶۰)

لڑکے کا اپنا حصہ متبنیٰ کے نام ہبہ کرنا

سوال [۱۱۵۴۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) ایک مکان شہزادی بیگم کا ہے ان کا انتقال ہوگیا، ورثاء میں ایک لڑکا عبد الرشید، دولڑکیاں: نفیسہ بیگم، حنیفہ بیگم ہیں، شوہر کا پہلے ہی انتقال ہوگیا تھا۔

(۲) پھر حافظ عبد الرشید نے اپنا حصہ اپنے لیپا لک لڑکے مجاہد حسین (جوان کا چچازاد بھتیجا بھی ہے) کو رجسٹری ہبہ کر دیا تھا، اور حافظ عبد الرشید کا انتقال ہوگیا۔

(۳) پھر نفیسہ بیگم کا انتقال ہوگیا، اس نے اپنے ورثاء میں تین لڑکے: محمد اسلم، محمد انور، محمد سرور، دولڑکیاں: عشرت جہاں، نصرت جہاں چھوڑی ہیں، شوہر کا پہلے ہی انتقال ہو گیا تھا، ترکہ میں ۸۰ر گز کا مکان ہے۔

اب دریافت یہ کرنا ہے کہ شہزادی کے مکان میں سے ہر ایک مذکورہ وارث کو کتنے کتنے حصے ملیں گے؟

المستفتی: محمد انور محلّہ قاصدی پیر غیب مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوالنامہ سے واضح ہوا کہ عبد الرشید نے اپنا حصہ مجاہد حسین کے نام ہبہ کر دیا، لیکن ہبہ نامہ میں بہنوں کے حصے کا ذکر نہیں ہے، گویا کہ پورا مکان عبد الرشید کی ملکیت معلوم ہورہا ہے، اور سوالنامہ میں وضاحت ہے کہ عبد الرشید کی دو بہنیں بھی ہیں اس لیے عبد الرشید مذکورہ مکان کے چار حصے کر کے دو حصوں کا مالک ہے، اور اس کی دو بہنیں ایک ایک حصہ کی مالک ہوں گی، اس لیے اگر عبد الرشید کا ہبہ تسلیم بھی کر لیا جائے تو صاحبین کے قول کے مطابق اس کا ہبہ مجاہد حسین کے حق میں نافذ ہو چکا ہے، لیکن مجاہد کو پورا مکان نہیں ملے گا، بلکہ عبد الرشید کا حصہ یعنی مکان کا آدھا حصہ ملے گا، اور باقی نصف حصہ عبد الرشید کی دونوں بہنوں کا حق ہے، لہٰذا مذکورہ بالا ۸۰ر گز مکان میں سے چالیس

گز مجاہد حسین کو اور بیس بیس گز ہر ایک بہن کو ملے گا، اور نفیسہ بیگم کا انتقال ہو چکا ہے، اس لیے اس کا حصہ بیس گز اس کی اولاد کی طرف منتقل ہو جائے گا، ہر لڑکے کو پانچ گز اور ہر لڑکی کو ڈھائی گز ملے گا۔

وهبة المشاع فيما يحتمل القسمة من رجلين أو من جماعة عندهما صحيحة و عند أبي حنيفة فاسدة وليست بباطلة حتى يفيد الملك عند القبض. (تاتارخانية زكريا ١٤/ ٤٢٤ رقم: ٢١٥٧٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۱۵ / ربیع الاول ۱۴۳۴ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۰۰۰)	۱۵/ ۳/ ۱۴۳۴ھ

۱۰ باب: مالِ حرام میں وراثت کا بیان

کیا سرکاری مقبوضہ زمین میں وراثت جاری ہوگی؟

سوال [۱۱۵۴۱]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ سرکاری آراضی جس پر باپ دادا نے قبضہ کررکھا ہے، اس میں لڑکوں کے ساتھ لڑکیوں کا حصہ بنتا ہے یانہیں؟

المستفتی: مقصودعلی ٹانڈہ بادلی رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سرکاری زمین پر ناجائز قبضہ ہے،تو سرکاری زمین سرکارکوواپس کردینی چاہئے ،لیکن اگر یہ قبضہ ۳۳؍سال سے زیادہ عرصہ سے چلاآرہاہے اور سرکار کی طرف سے کوئی دعویٰ نہیں ہے، تو شرعی طور پر قابضین کی ملکیت شمار ہوگی ، اوراس میں قابضین کے وارثین کے لیے میراث جاری ہوگی ،اوراس جائیداد میں لڑکوں کے ساتھ لڑکیوں کا بھی شرعی حق جاری ہوگا ،اورلڑکی کولڑکے کے آدھے کے حساب سے حق جاری ہوگا ،اگرایک لڑکی اورایک لڑکا ہےتو تین حصوں میں تقسیم ہوکرلڑکے کودواورلڑکی کوایک اوراگر دولڑکےاور دولڑکی ہیں تو چھ حصوں میں تقسیم ہوکرلڑکوں کودو،دو،اورلڑکیوں کوایک ایک حصہ ملےگا۔

اعلم أنه نقل العلامة ابن الغرس في الفواكه البدرية عن المبسوط: إذا ترك الدعویٰ ثلاثا و ثلاثين سنة ولم يكن مانع من الدعویٰ، ثم ادعیٰ لا تسمع دعواه لأن ترك الدعویٰ مع التمكن يدل على عدم الحق ظاهراً، ومثله في البحر، وفي جامع الفتاویٰ: وقال المتأخرون من أهل الفتویٰ لا تسمع الدعویٰ بعد ستة و ثلاثين سنة . (شامی، کتاب الخنثیٰ، زكريا ۱۰/ ٤٦٨، كراچی ٧٤٢/٦، زكريا ١١٧/٨، كراچی ٤٢٢/٥، تنقيح الفتاویٰ الحامدية، دار الكتب

العلمية بيروت ۱۹/۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲ر شوال ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/۷۰/۱۱۶۷۱)

لاٹری کی رقم سے خریدی گئی جائیداد کا ورثاء کے لیے استعمال

سوال [۱۱۵۴۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے والد صاحب لاٹری کا کام کیا کرتے تھے، اسی کی آمدنی سے انہوں نے کچھ جائیداد خریدی ہے، جوتقریباً ۲۱ر بیگھہ ہے، اب ان کا انتقال ہو چکا ہے۔

دریافت یہ کرنا ہے کہ یہ زمین ان کے ورثاء کے لیے استعمال کرنا یا اس کو بیچنا اور اس کی رقم سے فائدہ اٹھانا شرعاً کیسا ہے؟ ان کے ورثاء میں تین لڑکے تین لڑکیاں ایک بیوی ہے؟

المستفتی: اقبال مصطفیٰ محلّہ غوری امروہہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آپ کے مسئلہ کے مطابق اسی طرح کا سوال حضرت تھانویؒ سے بھی کیا گیا تھا جس میں رشوت کے پیسے سے متعلق سوال کیا گیا تھا، کہ رشوت کے پیسہ سے باپ نے مکان خریدا تھا، اس مکان سے اولاد اور وارثین کے لیے فائدہ اٹھانا جائز ہے یا نہیں؟ تو حضرت تھانویؒ نے فتاویٰ شامی کی مختلف عبارتوں سے استدلال کر کے یہ جواب تحریر فرمایا تھا، کہ فتویٰ کی رو سے حلال ہے، گوتقویٰ کے خلاف ہے، یعنی فتویٰ کی رو سے اس سے فائدہ اٹھانے کی گنجائش ہے، مگر تقویٰ اور دیانت کے اعتبار سے اس سے فائدہ نہیں اٹھانا چاہیے، اور اس سے فائدہ اٹھانے سے اپنے آپ کو دور رکھنا چاہیے۔ (ملاحظہ ہو: امداد الفتاویٰ ۴/ ۱۴۷-۱۴۸)

اور آپ کا مسئلہ بھی تقریباً اسی طرح کا ہے کہ والد نے لاٹری کے پیسہ سے زمین خریدی ہے اس کے بعد ان کی وفات ہوگئی، اب آپ لوگوں کو میراث میں وہ زمین مل گئی ہے،

لہٰذا قانون اورفتویٰ کی روسے اس زمین کے آپ مالک ہیں، لیکن جب تک اس میں زمین کی قیمت کے بقدر پیسہ صدقہ نہ کردیں گے اس وقت تک اس سے فائدہ اٹھانا آپ لوگوں کے لیے دیانۃً جائزنہیں ہے۔

والحاصل أنه إن علم أرباب الأموال وجب رده عليهم و إلا فإن علم عين الحرام لا يحل له، ويتصدق به بنية صاحبه وإن كان مالا مختلطا مجتمعا من الحرام ولا يعلم أربابه و لا شيئا منه بعينه حل له حكما، و الأحسن ديانة التنزه عنه –إلى– ومفاده الحرمة وإن لم يعلم أربابه وينبغي تقييده بما إذا كان عين الحرام ليوافق ما نقلناه إذا لو اختلط بحيث لا يتميز يملكه ملكا خبيثا لكن لا يحل له التصرف فيه مالم يؤد بدله كما حققناه. (شامی، باب البیع الفاسد، مطلب: فیمن ورث مالا حراما زکریا ۷/۳۰۱- ۳۰۲، کراچی ۵/۹۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفااللہ عنہ
۱۲؍رجب المرجب ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۷۵۳)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۲؍۷؍۱۴۳۳ھ

کیا پگڑی میں وراثت جاری ہوگی؟

سوال [۱۱۵۴۳]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک جائیداد ہمارے سسرصاحب کے پاس کرایہ پرتھی،ان کا انتقال ہوگیا، ان کے انتقال پرہمارے سالوں نے اس جائیداد کو پگڑی لے کرخالی کردیا، ہمارے سسر کی آٹھ لڑکیاں ہیں اور تین بیٹے ہیں، یہ بیٹے اپنی بہنوں سے کہتے ہیں کہ اس پگڑی میں تمہارا حصہ نہیں ہوتا ہے، یہ صرف بھائیوں کا حصہ ہے، بیٹوں کی ماں بھی بیٹوں کے ساتھ ہیں، ان کی بات کوصحیح ٹھہرارہی ہے،شرع میں بہنوں کا حصہ ہے یانہیں؟

المستفتی: محمد فہیم مغل پورہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کرایہ داری سے دست برداری کےعوض میں جو

پیسہ ملا ہےاس میں جس درجہ کا حق بھائیوں کا ہے اسی درجہ کا حق بہنوں کا بھی ہے۔

ونص الجواب الحمد لله رب العالمين نعم إذا مات شخص وله وارث شرعي يستحق خلو حانوت مورثه عملاً بعرف ما عليه الناس وأما إذا مات شخص عليه دين ولم يخلف ما يفي بدينه فإنه يوفي من خلو حانوته. (الحموی علی الأشباه والنظائر، زکریا ص: ۲۸۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ربیع الاول ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۰۱۵)

حق کرایہ داری میں وراثت جاری ہوگی یا نہیں؟

سوال [۱۱۵۴۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک دوکان جوکہ باپ کے نام کرائے پر تھی، باپ کے انتقال کے بعد دوکان کا کرایہ بڑے بیٹے گلزار کے نام ہو گیا، گلزا دوکان کا کرایہ نہ دے پائے، اس لیے دوکان کا کرایہ نامہ (چھوٹا بیٹا) جاوید کے نام کر دیا۔

باپ کے چھ بیٹے ہیں اور دو بیٹیاں ہیں، الطاف نے اور ماں نے کرایہ نامہ (چھوٹے بیٹے) جاوید کے نام کرا دیا، دوکان کو چلانے والے الطاف ہیں، چھوٹا بیٹا جس کے نام کرایہ نامہ ہے، اب وہ اس دوکان کو بیچنا چاہ رہا ہے تو اس دوکان پر چھ بیٹے اور دو بہنوں کا حصہ ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد جاوید بن محمد کامل امروہہ گیٹ مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر کرایہ دار دوسرے کرایہ دار کو اپنے حق کرایہ داری سے دست برداری کے عوض میں پیسہ لے کر کرایہ داری منتقل کر دیتا ہے اور اس پر مالک جائیداد بخوشی دستخط کر دیتا ہے تو ایسی صورت میں حق کرایہ داری سے دست برداری پر جو پیسہ لیا گیا ہے وہ پیسہ اس کے سارے ورثاء کے درمیان شرعی حصہ کے اعتبار سے تقسیم ہو جائے گا۔

فیجوز فی العقود الاتفاق علی التنازل عن الحق فی التعویض عن الأموال. (الفقه الإسلامی و أدلته، هدی انٹرنیشنل ۹/ ۷٤۱)

فإذا أراد صاحبها النزول عنها لغیره بعوض جعلوا ذٰلک بطریق الفراغ کالنزول عن الوظائف وقدمنا عن المفتی أبی سعود أنه أفتی بجوازه. (شامی، مطلب: فی بیان مشد المسکة زکریا ۷/ ٤۳، کراچی ٤/ ٥٢٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳/ ذی قعدہ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۱۶۸۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۳/ ۱۱/ ۱۴۳۵ھ

کرایہ کی دوکان میں وراثت

سوال [۱۱۵۴۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: شرف الدین کا انتقال ہوا، ۵/ ستمبر ۱۹۸۷/ کو، ان کے ورثاء میں تین لڑکے: شاہنواز، محمد جاوید، محمد پرویز، تین لڑکیاں: فریدہ خاتون، افروز جہاں، نیلوفر خاتون تھیں۔

شرف الدین کے پاس میونسپلٹی رامپور کی ایک دوکان ۲۱۲/ گز کی کرایہ پر تھی، ان کے انتقال کے بعد ان کے دولڑکے شاہنواز، محمد پرویز دوکان کا کرایہ ادا کرتے تھے، ۵/ جولائی ۱۹۹۷ء کو ان کے لڑکے محمد جاوید کا انتقال ہوگیا، اس کے ورثاء میں ایک بیوہ شگفتہ ناز، دو لڑکیاں نبیلہ اور مدیحہ اور دو بھائی اور تین بہنیں تھیں، ۱۷/ ستمبر ۱۹۹۷ء میں شاہنواز و محمد پرویز نے دوکان کا بقیہ کرایہ ادا کر کے وہ دوکان میونسپلٹی سے خرید لی، اب معلوم یہ کرنا ہے کہ اس دوکان کی ملکیت کس کی مانی جائے گی، اور اس کی تقسیم کس طرح ہوگی؟

المستفتی: شاہنواز رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کرایہ کی جائیداد ہندوستان میں دو قسموں پر ہے: (۱) وہ جائیداد جن کو کرایہ دار سے خالی کرانے کا مالک کو اختیار نہیں ہے۔

(۲) وہ جائیداد جن کو خالی کرانے کا مالک کو اختیار رہتا ہے، جیسا کہ مساجد و مدارس وغیرہ کی جائیداد یں ہیں، تو جن جائیداد کو خالی کرانے کا اختیار نہیں ہے، ان میں شرعاً کرایہ دار کے تمام ورثاء کا حق متعلق ہو جاتا ہے، خریدنے کی صورت میں حق خریداری سب کو حاصل ہو جاتا ہے، اور رہائش اور منافع حاصل کرنے کی صورت میں حق رہائش اور حق منفعت بھی سب کو حاصل ہو جاتے ہیں، اور جن کو خالی کرانے کا اختیار ہوتا ہے ان کا معاملہ صرف قابض تک محدود رہتا ہے، ان میں ورثاء وغیرہ کسی کا کوئی حق متعلق نہیں ہوتا اور سوالنامہ میں جس جائیداد کا ذکر ہے یہ ان جائیداد میں سے ہے جن کو خالی کرانے کا اختیار نہیں ہے، لہٰذا اشرف الدین کو اس جائیداد کی نیم ملکیت حاصل تھی، اور اس درجہ کی ملکیت اس کے انتقال کے بعد اس کے تمام ورثاء کو بھی حاصل ہوگی، اس لیے خریداری کا اختیار بھی سب کو حاصل ہے، پس جاوید کے ورثاء کو بھی خریداری کا حق تھا، لہٰذا شاہنواز اور محمد پرویز نے اگرچہ پیسہ ادا کر دیا ہے، مگر یہ دونوں جاوید کے ورثاء سے ان کے حصہ کی رقم حاصل کر کے ان کو بھی خریداری میں شامل کر لیں اس لیے کہ ان کو بھی اس کی خریداری میں شرکت کا حق ہے۔

الحق متی ثبت لایبطل بالتاخیر ولا بالکتمان. (قواعدہ الفقہ اشرفی ص:۷۷)

الثابت بالعرف کالثابت بالنص. (قواعد الفقہ اشرفی ص:۷٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۳/ ذی قعدہ ۱۴۲۰ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ٦۲۳٦۲)	۱۴۲۰/۱۱/۳ھ

وراثت میں ملی سودی رقم، اور اس سے خریدے گئے ترکہ کا حکم

سوال [١١٥٤٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ صابر کو اپنے والد حامد سے وراثت میں کچھ مال حاصل ہوا اور کچھ زمین بھی ملی ہے، تحقیق یہ ہے کہ جتنا مال ہے وہ بھی سود کا مال ہے اور جو مکان ہے، وہ بھی سود کے پیسے سے خریدا ہوا ہے، اور اسی روپیہ سے بنوایا ہے اور جتنی زمین ہے وہ بھی سود کے مال سے خریدی ہوئی

ہے،صابر یہ معلوم کرنا چاہتا ہے کہ اس کے لیے زمین کی پیداوار کا استعمال کرنا، مکان کو استعمال کرنا اور جو نقد مال ہے، اس کا استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟ ایک طرف زمین اور مکان اور نقد مال لاکھوں کی قیمت کا ہے، اور دوسری طرف سود کا خیال آتا ہے، مجھے کیا کرنا چاہیے؟

المستفتی: اقبال احمد جامعہ مارکیٹ ککرالہ ضلع بدایوں

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوالنامہ سے واضح ہوتا ہے کہ زمین، مکان، دیگر اموال سب سودی رقم کے ہیں اور آپ کو معلوم بھی ہے کہ سب کے سب سود کے ہیں تو ایسی صورت میں آپ پر واجب ہے کہ جن لوگوں سے سود لیا گیا ہے ان کی رقم ان کو واپس کردیں (یہ حکم بشرط سہولت اور مقدار بھی معلوم ہونے پر ہے) اور اگر اصل مالک معلوم نہ ہو تو بغیر نیت ثواب سب کا صدقہ کردینا ہوگا۔

أخذ مورثه رشوة أو ظلماً إن علم ذٰلک بعینه لا یحل له أخذه وإلا فله أخذه حکماً أما في الدیانة فیتصدق به بنیة إرضاء الخصماء. (شامی، مطلب: فیمن ورث مالا حراما زکریا ۷/ ۳۰۱، کراچی ۵/ ۹۹، بزازیه زکریا جدید ۳/ ۲۰۳، وعلی هامش الهندیة ٦/ ٣٦٠، مجمع الأنهر دار الکتب العلمیة بیروت ٤/ ١٨٧، مصری قدیم ۲/ ۵۲۹) **فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۳۱۹۲)

وراثت میں ملی سودی رقم کا حکم

سوال [۱۱۵۴۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: محمد احمد کا انتقال ہوا، ان کے پچاس ہزار روپئے ایف ڈی میں رکھے ہوئے تھے، اور وہ نینی تال کے بوچڑ خانہ کی مسجد سے متصل ایک کمرہ میں رہتا تھا، اس کے علاوہ بینک

میں بھی کچھ روپے رکھے ہوئے تھے، کل ملا کر ایک لاکھ پچھتر ہزار روپے تھے، ان روپیوں کو حاصل کرنے میں ستائیس ہزار روپیہ خرچ ہوا، باقی ایک لاکھ اڑتالیس ہزار روپیہ موجود ہے، اس میں کچھ سود کا پیسہ بھی ہے جو بینک میں بڑھ گیا تھا، اور مرحوم کے کوئی حقیقی بھائی حقیقی بہن اور کوئی چچا، تایا وغیرہ بھی نہیں تھے، نہ ان کی اولادیں تھیں، نہ مرحوم نے شادی کی، ہاں البتہ مرحوم کے پردادا کے تین لڑکوں کی اولادیں زندہ ہیں، عبدالعزیز، عبدالعزیز کے دو لڑکے تھے، ان میں سے محمد عارف کا انتقال مرحوم سے پہلے ہو گیا تھا، ان کا بیٹا ناظم زندہ ہے اور عبدالعزیز کے دوسرے بیٹے محمد یوسف مرحوم محمد احمد انتقال کے وقت زندہ رہے، محمد یوسف کے بھی دو لڑکے ہیں: عبدالستار، عبدالستار کے دو لڑکے ہیں، محمد یونس اور محمد حنیف مرحوم محمد احمد کے انتقال کے وقت محمد یونس زندہ تھے، اور حنیف کا پہلے انتقال ہو چکا تھا۔

عبدالغفار: عبدالغفار کے دو لڑکوں میں ایک لڑکا محمد فرحین زندہ ہے، جبکہ دوسرا لڑکا منن محمد احمد سے پہلے انتقال کر چکا ہے، حاصل یہ نکلا کہ محمد احمد کے انتقال کے وقت ان پردادا کے تین پڑپوتے زندہ ہیں، محمد یوسف، محمد یونس اور فرحین عرف چھدا، باقی سب کا انتقال ہو چکا تھا، تو بتائیے کہ محمد احمد کا متروکہ پیسہ شرعی ورثاء کے درمیان کس طرح تقسیم ہوگا؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مرحوم کے شرعی ورثاء میں محمد یوسف، محمد یونس اور محمد فرحین عرف چھدا شامل ہیں اور ان کے نیچے کے لوگ وارثین میں شامل نہیں ہیں، اور نہ ہی پردادا کی مؤنث اولادیں وارث ہوسکتی ہیں، لہٰذا بر تقدیر صحت سوال وعدم موانع ارث و بعد ادائے حقوق ما تقدم مرحوم کا متروکہ ایک لاکھ اڑتالیس ہزار روپیہ مرحوم کے مذکورہ شرعی ورثاء کے درمیان درج ذیل نقشہ کے مطابق تقسیم ہوگا:

میت ۳ — تباین — ترکہ ۱۴۸۰۰۰ روپیہ

محمد یوسف	محمد یونس	محمد فرحین
۱	۱	۱
۱/۳ ۴۹۳۳۳ روپیہ	۱/۳ ۴۹۳۳۳ روپیہ	۱/۳ ۴۹۳۳۳ روپیہ

مرحوم کا کل ترکہ تین سہام میں تقسیم ہوکر ہر وارث کو اتنا اتنا ملے گا جو اس کے نام کے نیچے ترکہ میں سے درج ہے اور ہر ایک کے اپنے حصہ میں جو سود کا پیسہ آیا ہے وہ نادار فقیروں میں بلا نیت ثواب صدقہ کردیں، اس کے علاوہ باقی روپیہ اپنی ذاتی ضروریات میں خرچ کر سکتے ہیں۔

من ملک بملک خبیث ولم یمکنه الرد إلى المالک فسبیله التصدق على الفقراء ...... والظاهر أن المتصدق بمثله ینبغی أن ینوی به فراغ ذمته ولایرجو به المثوبة. (معارف السنن، اشرفیه دیوبند ۱/ ۳٤)

لأن سبیل الکسب الخبیث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه. (شامی، کتاب الحظر و الإباحة، فصل فی البیع زکریا ۹/ ۵۵۳، کراچی ٦/ ۳۸۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍ شوال المکرّم ۱۴۳۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۸۰۵)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۰/۱۰/۲۹ھ

کیا پگڑی کی رقم میں وراثت جاری ہوگی؟

سوال [۱۱۵۴۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرے دادا نے ایک دوکان کرائے پر لی تھی، دادا کے انتقال کے بعد میرے والد مرحوم نے وہ دوکان سنبھالی اور ایک کیمیکلز کا کاروبار بھی کیا، والد صاحب کی حیات میں ہی وہ دوکان پہلے بڑے بھائی نے سنبھالی اور بعد میں چھوٹے بھائی دوکان پر بیٹھنے لگے، اور بڑے بھائی نے والد صاحب کا دوسرا کاروبار سنبھال لیا، ۱۹۹۲ء میں بابو جی (والد صاحب) کا انتقال ہوگیا اور ہماری والدہ بھی جنت رساں ہوگئیں، ہم تین بہنیں اور دو بھائی ہیں، سب کی شادیاں ہوچکی ہیں، چھوٹے بھائی جن کے پاس دوکان تھی، انہوں نے دوکان خالی کردی اور پگڑی کی شکل میں رقم حاصل کی ہے، کیا اس رقم میں ہم بہنیں بھی حقدار ہیں، جبکہ دونوں بھائیوں نے وہ رقم آپس میں بانٹ لی ہے؟ مہربانی کرکے دینی مشورہ فراہم کریں۔

المستفتیه: ریحانہ پروین کانٹھ کا پل مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: پرانے کرائے دار جن سے دوکان خالی کرانے کا اختیار مالک جائیداد کو نہیں ہوتا ہے ان کرایہ داروں کو جائیداد پر ہندوستانی قانون کے مطابق برقرار رہنے کا حق باقی رہتا ہے، شریعت کے نزدیک یہ قانون غلط اور ناجائز ہے اور کرایہ دار کا خالی نہ کرنا یہ بھی ایک ناجائز عمل ہے؛ لیکن بعض فقہاء نے بدل خلو کے طور پر حق قرار کا عوض لینے کی گنجائش لکھی ہے، اس اعتبار سے خالی کرنے پر پگڑی کی جو رقم ملی ہے، اس میں سب کا حق متعلق ہے، جیسے لڑکوں کا حق ہے ویسے ہی لڑکیوں کا بھی حق ہے، لہٰذا بھائیوں پر لازم ہے کہ بہنوں کو ان کے حصوں کے تناسب سے ان پیسوں میں سے ادا کریں۔

عن زید بن ثابت و علي و ابن مسعود: إذا ترک المتوفی ابنا فالمال لـه (إلی قوله) فإن ترک بنین و بنات فالمال بینهم للذکر مثل حظ الأنثیین.

(السنن الکبریٰ للبیهقی ۳۰۲/۹، رقم: الحدیث ۱۲۶۲۹)

فإذا أراد صاحبها النزول عنها لغیره بعوض جعلوا ذٰلک بطریق الفراغ کالنزول عن الوظائف. (شامی ، مطلب فی بیان مشد المسکة زکریا ۴۳/۷، کراچی ۵۲٤/٤)

ویصیر الخلو فی الحانوت حقا له فلایملک صاحب الحانوت إخراجه منها ولا إجارتها لغیره. (شامی زکریا ۳۷/۷، کراچی ۵۲۱/٤) **فقط واللّٰہ** سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۷؍رجب المرجب ۱۴۳۶ھ	احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۲۱۴۲/۴۱)	۱۴۳۶/۷/۷ھ

۱۱ باب التصرف فی الترکة

لڑکی مرحوم والد کا مکان بیچے تو کیا حکم ہے؟

سوال [۱۱۵۴۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص حاجی نور محمد کا انتقال تقریباً ۷ر سال پہلے ہو چکا ہے، مرحوم نے اپنی ایک جائیداد مراد آباد میں تین منزل عمارت جس میں ۹ر کمرے جس کا رقبہ ۱۲۳ر گز اور تین بیٹے اور ۵ر بیٹیاں: محمد حنیف، محمد رئیس، محمد عمر، صابرہ بیگم، آمنہ، آسیہ، رابعہ، ریشما وارث چھوڑے ہیں، باپ نے اپنی زندگی میں ایک کرایہ دار دوسری منزل پر رکھا تھا جس کا کرایہ وہ خود لیتے تھے، ایک منزل پر ایک بیٹی ریشما رہتی تھی، ایک منزل پر محمد رئیس اپنے بچوں کے ساتھ رہتا ہے، یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ کرایہ دار آج بھی رہتا ہے، اور اس کا کرایہ باپ کے بعد باپ کے کہنے کے مطابق بیٹوں کو دیا جاتا ہے، اب یہ مکان بہنیں بیچنا چاہتی ہیں تو اس مکان کا ترکہ کس طرح نکلے گا؟ جبکہ بھائی مکان بیچنا نہیں چاہتے، جواب سے مستفیض فرمائیں؟

المستفتی: محمد حنیف، محمد رئیس، محمد عمر اصالتپورہ مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں مرحوم حاجی نور محمد کی متروکہ جائیداد میں ان کے سبھی وارثین کا شرعاً حق ہے اور لڑکوں پر لازم ہے کہ وہ اپنی بہنوں کو ان کا شرعی حق جلد از جلد ادا کردیں، اور اس کی دو شکلیں ہوسکتی ہیں یا تو اس مکان کو بیچ کر جو رقم ملے، ہر بہن کو اس کے حصہ کی رقم دیدی جائے یا لڑکے اپنی جانب سے بہنوں کے حصہ کی رقم دے کر ان سے ان کا حصہ خرید لیں، الغرض جو بھی شکل ہو جلد از جلد بہنوں کا حق ادا کرنا چاہیے۔

عن ابن عباسؓ قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: الحقوا الفرائض بأهلها. (صحیح البخاری، باب میراث ابن الابن إذا لم یکن ابن، النسخة الهندیة ۲/ ۹۹۷، رقم: ٦٤٧٨، ف: ٦٧٣٥)

عن سلیمان بن موسیٰؓ قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: من قطع میراثا

فرضه الله، قطع الله ميراثه من الجنة. (سنن سعيد بن منصور، باب من قطع ميراثا فرضه الله، دار الكتب العلمية بيروت ۱/۹٦، رقم: ۲۸۵-۲۸٦)

اور مکان میں شرعی تقسیم درج ذیل طریقے پر ہوگی:

نور محمد میت ۱۱

لڑکا	لڑکا	لڑکا	لڑکی	لڑکی	لڑکی	لڑکی	لڑکی
۲	۲	۲	۱	۱	۱	۱	۱

کل ترکہ گیارہ برابر سہام میں تقسیم ہوکر ہرلڑکے کو دو سہام اور ہرلڑکی کو ایک حصہ ملے گا۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴ ربیع الثانی ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر:۴۰/۱۱۰۵۲)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴/۴/۱۴۳۴ھ

کسی ایک وارث کوترکہ کی جائیداد کوفروخت کردینا

سوال [۱۱۵۵۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مرتے وقت مقصود النساء نے تقریباً ۱۳۵ گز آراضی اور ۱۳۵ گز میں ایک مکان ایک منزل تقریباً ۲۷۰ منجملہ آراضی چھوڑی، اولاد میں ایک لڑکا محمد جان، اور چار لڑکیاں: صابرہ خاتون، بانو، طیبہ اور ایک چوتھی لڑکی، کل پانچ اولاد چھوڑیں، محمد جان نے یہ مکان و آراضی چار قسطوں میں فروخت کردی، بوقت فروختگی مکان قسط اول، محمد جان کی چاروں بہنیں موجود تھی، جنہوں نے محمد جان سے بلا جبر وتشدد کے کوئی مطالبہ اپنے حصۂ وراثت کا نہیں کیا اور پھر بعد فروختگی کے اس کا اظہار کیا، اسی طرح دوسری اور تیسری قسط کا معاملہ تھا، تیسری قسط کے فروخت ہونے پر دو بہنیں زندہ تھی، صابرہ خاتون اسی مکان میں رہتی تھی، جس نے اپنے بھائی محمد جان سے کسی قسم کا مطالبہ وحصہ وراثت کا نہیں مانگا، اور مشتری کو بوقت فروختگی کوٹھری کا دخل دیدیا، او دوسری بہنوں نے بھی اپنا حصۂ وراثت نہیں مانگا، ان چاروں

بہنوں میں دو بہنوں کی اولاد ہے، اوردو بہنیں لاولد فوت ہوگئیں، اب باقی چوتھی قسط پر جو ۱۶/ ۱۰/ ۶۱ء کوفروخت کی اس وقت صرف ایک بہن صابرہ خاتون موجود تھی، انہوں نے اس مرتبہ بھی کوئی اپنے حصۂ وراثت کا بلا جبر وتشدد کے کوئی مطالبہ نہیں کیا، اور ناہی زندگی میں اظہار کیا۔

دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ ان مذکورہ دو بہنوں کی اولاد اس آراضی اور مکان مذکور میں اپنی اپنی والدہ مرحومہ کے حصوں اور وراثت کا مطالبہ کررہی ہے، کیا شریعت کی رو سے ان مذکورہ بہنوں کی اولاد کو حصہ دیا جائے یا نہیں؟ محمد جان ۱۹۷۵ء میں اور صابرہ خاتون ۱۹۷۸ء میں مرگئے تھے، محمد جان نے یہ مکان فروخت کردیا، اور جن لوگوں نے یہ مکان ان سے خریدا تو یہ تہائی خریداروں پر شرعی طور پر واجب ہے؟

المستفتی: یوسف خاں محلّہ چاہ غوری امروہہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مختلف وجوہات کی بناء پر سوالنامہ میں درج شدہ بہنوں کی اولاد وورثاء کا دعویٰ قضاء مسموع نہیں ہوگا:

(۱) جب محمد جان نے زندگی بھر مالکانہ تصرف کرتے ہوئے مختلف قسطوں میں فروخت کرڈالا اور مذکورہ بہنوں نے بلا جبر وخوف کے اپنے حق کا دعویٰ نہیں کیا، یہاں تک کہ محمد جان کا انتقال ہوگیا، تو بعد کا دعویٰ شرعاً مسموع نہیں ہوگا۔

رجل تصرف زمانا في أرض و رجل آخر يرى تصرفه فيها ثم مات المتصرف ولم يدع الرجل حال حياته لاتسمع دعواه بعد وفاته. (شامی، کتاب الخنثیٰ مسائل شتی، زکریا ۱۰/ ۴۶۸، کوئٹه ۵/ ۵۲۴، کراچی ۶/ ۷۴۲، تنقیح الفتاویٰ الحامدية، دار الكتب العلمية بيروت ۲/ ۳)

(۲) مدعیان بہنوں نے جب اپنی زندگی میں مطالبہ نہیں کیا تو ان کی وفات کے بعد ورثاء کا دعویٰ شرعاً قابل سماعت نہ ہوگا۔

وفی الحامدية عن الولوالجية: رجل تصرف زمانا فی أرض و رجل آخر يرى الأرض والتصرف ولم يدع ومات على ذٰلك لم تسمع بعد ذٰلك دعوىٰ

وللہ فتترک علی ید المتصرف الخ . (شامی، کتاب الخنثیٰ، مسائل شتی، زکریا ۱۰/۴٦٨، کوئٹه ٥/٥٢٤، کراچی٦/٧٤٢، تنقیح الفتاویٰ الحامدیة، دار الکتب العلمیة بیروت ۲/۳)

(۳) جب بوقت فروختگی اعزاء واقارب اور ورثاء سکوت اختیار کریں اور کسی قسم کا اقدام نہ کریں تو بعد کا دعویٰ مسموع نہیں ہوا کرتا۔

باع عقارا أو حیوانا أو ثوبا و ابنه أو امرأته أو غیرهما من أقاربه حاضر یعلم به ثم ادعی الابن مثلاً أنه ملکه لا تسمع دعواه. (الدر المختار زکریا ۱۰/٤٦٧-٤٦٩، کراچی ٦/٧٤٢-٧٤٣، کوئٹه ٥/٥٢٤)

(۴) اگر اجنبی بھی بوقت بیع وتسلیم مبیع خاموش رہے اور مشتری خرید کر اپنا تصرف شروع کردے تو بعد کا دعویٰ قابل قبول نہیں ہوا کرتا، اور اسی پر فتویٰ بھی ہے۔

الأجنبی سکوته ولو جارا لایکون رضا إلا إذا سکت الجار وقت البیع والتسلیم وتصرف المشتری فیه زرعا و بناء فحینئذ لا تسمع دعواه علی ما علیه الفتویٰ قطعا للإطماع الفاسدة. (الدر المختار، کتاب الخنثیٰ، مسائل شتیٰ، زکریا ۱۰/ ٤٦٩، کراچی ٦/٧٤٣، کوئٹه ٥/٧٢٥)

(۵) سوالنامہ میں درج شدہ صورت سے ظاہر ہو رہا ہے کہ بہنوں نے بوقت بیع جبر وتشدد نہ ہونے کے باوجود کسی طرح کی پیش کش نہیں کی جس کو ہبہ سکوتی بالقرائن کی دلیل قرار دیا جاسکتا ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۳/۴٦۹)

(٦) بیعنامہ اور اقرار نامہ میں صاف صاف وضاحت موجود ہے کہ ہر قسم کے موانع سے پاک وصاف ہے جس کی تفصیل بیع نامہ میں موجود ہے، لہٰذا ان تمام وجوہات کی بنا پر سوالنامہ میں درج شدہ بہنوں کے ورثاء کا دعویٰ شرعاً مخدوش اور غیر مسموع ہوگا، بالفرض اگر واقع میں ان بہنوں کا حق تھا اور وہ مظلوم رہی ہیں جس کا کوئی معتبر ثبوت نہیں ہے، تو ان کو اپنا حق آخرت میں ملے گا، دنیا میں ورثاء کو دعویٰ کا حق نہیں ہوگا۔

قالوا: إن الحق لایسقط بالتقادم کما فی قضاء الأشباه فلاتسمع الدعویٰ فی هذه المسائل مع بقاء الحق للآخرة. (شامی زکریا ۱۰/٤٦٨،

کراچی ٦/٧٤٣، کوئٹه ٥/٤ ٥٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍ جمادی الثانیہ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۵۲/۲۴)

تقسیم سے قبل وارث کا جائیداد کے کسی حصہ کو فروخت کرنا

سوال [۱۱۵۵۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کریم بخش کی پانچ اولاد تھیں، چار بیٹے: حشمت اللہ، عظمت اللہ، عبد اللہ، رحمت اللہ، ایک بیٹی: نور جہاں، حشمت اللہ کا انتقال تو باپ کی زندگی میں ہو گیا تھا، کریم بخش کا اپنا ایک ذاتی مکان تھا جو خود انہوں نے اپنی کمائی سے بنایا تھا، ان کا جب انتقال ہوا تو انہوں نے چار مذکورہ اولاد اور اپنی بیوی مسماۃ طھورن، یہ پانچ چھوڑے اور ترکہ میں یہ مکان چھوڑا، کریم بخش مرحوم نے اپنے مکان کے آدھے سے کچھ کم حصہ ۵۰۰؍ روپیہ میں کسی کے پاس گروی رکھ دیا تھا، ان کے انتقال کے بعد ان کی بیوی نے خود محنت مزدوری کر کے وہ ۵۰۰؍ روپیہ ادا کر کے اس مکان کو چھڑا لیا تھا اور اپنے گذر بسر کے لیے اس مکان کا کچھ حصہ کرائے پر دیدیا تھا۔

کریم بخش کے ان تین مذکورہ لڑکوں میں رحمت اللہ سب سے چھوٹا سب سے زیادہ تیز اور گرم مزاج تھا، گھر کے سب لوگوں سے زبردستی اور جھگڑا کر کے اپنی بات منوانا اس کی عادت تھی، کریم بخش کا یہ مکان مین روڈ پر تھا، اور اس مکان کا ایک ایک حصہ بقدر حصہ دونوں بڑے بھائیوں (عظمت اللہ اور عبد اللہ) کی بیویوں کے مہر میں بھی لکھا تھا، ابھی اس مکان کا باقاعدہ بٹوارہ نہیں ہوا تھا، کہ رحمت اللہ نے سب کی مرضی کے خلاف اس مکان کے ایک تہائی حصہ سے بھی زیادہ حصہ کو بیچنے کا ارادہ کر لیا، اور جھگڑا کر کے گھر کے سب لوگوں سے زبردستی اس بات کو منوانے کی کوشش کی کہ اس کو بیچ کر اس کی رقم سے باقی جگہ میں تم سب کے لیے مکان بنواؤں گا اس سے اس کی والدہ نے بھی اور دونوں بڑے بھائیوں کی بیویوں نے بھی

منع کیا، مگر رحمت اللہ نے تمام کو گالیاں بکیں اور کچھ دوسرے لوگوں سے بھی دباؤ ڈلوایا غرضیکہ اس طرح مجبوراً مرضی کے خلاف عبداللہ کی بیوی نے پھر عظمت اللہ کی بیوی نے بھی اپنی رضامندی سے دستخط کردیئے، اس طرح تہائی سے بھی زیادہ حصہ مکان کا رحمت اللہ نے بیچ دیا، اور اس کی پوری رقم اپنے قبضہ میں کرلی، اور پھر اس رقم سے سب سے پہلے ایک پھڑ خرید کر اس میں دوکان شروع کردی پھر اس رقم میں سے باقی جگہ کے مین روڈ والے ایک حصہ پر اس نے ایک کوٹھری بنائی اور پھڑ بیچ کر دوکان اس کوٹھری میں رکھدی اور پھر باقاعدہ بٹوارہ کے بغیر ان دونوں بھائیوں (عظمت اللہ، رحمت) نے مین روڈ کی طرف کی بنی ہوئی اور بلا بنی ہوئی جگہ سب اپنے قبضہ میں کرکے مین روڈ کی طرف کی جگہ کو آدھی آدھی بانٹ لی۔

عبداللہ کے لیے اندر کا حصہ بغیر بنا ہوا جو کھنڈر کی طرح تھا اور ایک تہائی سے بہت کم تھا چھوڑ دیا، عبداللہ کی بیوی نے سختی سے کہا بھی کہ یہ ناانصافی ہمارے ساتھ کیوں ہورہی ہے، کہ مین روڈ کی طرف کی جگہ سب تم نے لے لی اور ہمیں اندر کی جگہ دیدی اور وہ بھی کم، تو رحمت اللہ نے بگڑ کر کہا کہ ابھی کوئی بٹوارہ تھوڑا ہی ہورہا ہے، اس کے کچھ عرصہ کے بعد عبداللہ کے لڑکوں نے عظمت اللہ سے اس کی جگہ میں سے آدھی جگہ خریدنا چاہی تو رحمت اللہ نے ان کو نہیں خریدنے دی، اور گالیاں بکنی شروع کردیں۔

رحمت اللہ خود اس کو لینا چاہتا تھا، مگر اس کے پاس پیسے نہیں تھے، اور عظمت اللہ اس کو بیچنا چاہتے تھے، تو عبداللہ کی بیوی نے یہ سوچ کر کہ عظمت اللہ کسی غیر کو بیچ دیں گے، وہ غیر آدمی پتہ نہیں کیسا ہوگا، اس لیے رحمت اللہ کو لینے کا موقع دیدیا اور اس بیچاری نے اپنا زیور بھی رحمت اللہ کو دیدیا کہ لو یہ زیور کہیں گروی رکھ کر اور پیسہ لاکر خود اس زمین کو خریدلو تو اس طرح یہ زمین اس کو خریدوادی، تو اس عورت کا تو اس رحمت اللہ کے ساتھ یہ حسن سلوک، رحمت اللہ نے اگرچہ پھر یہ زیور گروی رکھا ہوا چھڑا کر اپنی بھابھی کو واپس کردیا، مگر اس زمین کے روپیہ میں سے جس کو وہ سب سے پہلے بیچ چکا ہے، کسی کو بھی ایک پائی نہیں دی، جبکہ اس زمین کے روپیہ میں دونوں بھائیوں (عظمت اللہ اور عبداللہ) کا اور بہن نور جہاں اور والدہ طہورن سب کا حصہ نکلتا

تھا،اس پیسے سے جو جگہ بنائی یا جو کاروبار کیا اس کا اب تک اکیلا ہی مالک ہے، ۲۵؍سال کے عرصہ میں اس نے اس کاروبار کو بہت بڑھالیا ہے، اور زمین کے بیچنے کے بعد باقی بچی ہوئی زمین میں سے بھی ایک تہائی سے زیادہ جگہ پر قابض ہے، جس کا اوپر ذکر ہوا۔

(۱) تو اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ رحمت اللہ کا یہ مذکورہ سخت رویہ بے حد غلط اور سراسر ظلم اور زیادتی ہے یا نہیں؟

(۲) یہ بھی فرمائیں کہ کریم بخش کے انتقال کے بعد ان کا مذکورہ بالا متروکہ مکان تینوں بیٹوں، ایک بیٹی ایک بیوی ان پانچ وارثوں کے درمیان کس طرح تقسیم ہوگا؟

(۳) اس مکان میں سے ایک تہائی سے بھی زیادہ جگہ جو رحمت اللہ نے سب ورثاء کی مرضی کے خلاف بیچ کر اس کا روپیہ اپنے ہی پاس رکھا اس روپئے میں بھی سب ورثاء کا حصہ تھا تو اس روپیہ سے جو نفع کمایا ہے اس میں بھی سب کا حصہ ہے تو اب رحمت اللہ کے ذمہ سب ورثاء کو ان کا حصہ دینا لازم اور ضروری ہے یا نہیں؟ اور اب رحمت اللہ سب ورثاء کو ان کا حصہ کس طرح دے اور کتنا دے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کریم بخش کے انتقال کے بعد مذکورہ جائیداد میں اس کے تمام شرعی ورثاء کا حق متعلق تھا، اور رحمت اللہ کا دوسرے حقداروں کی مرضی کے بغیر تقسیم سے قبل جائیداد کے کسی بھی حصہ کو فروخت کرنا جائز نہیں تھا، اور اگر فروخت کر دیا تھا تو اس کی قیمت میں تمام ورثاء کا حق تھا، لہٰذا اس کو فروخت کر کے جو بھی چیز اس نے خرید لی ہے اس میں دوسرے ورثاء کا حق تھا، ورنہ فروخت شدہ حصہ اس کے حق میں سے مجریٰ کر کے اس کا حصہ منتقل ہوگا، اور اگر فروخت شدہ اس کے حق سے زیادہ ہے تو جتنا زیادہ ہے اتنے کی قیمت دوسرے ورثاء کو ادا کر دینا اس پر شرعاً لازم ہے، ہاں البتہ جس پیسہ سے اس نے اب تک نفع اٹھایا ہے اس نفع میں دوسرے ورثاء کا حق نہیں اور اس نے جو کچھ بھی کیا ہے وہ سب سراسر ظلم اور بے انصافی ہے، اس لیے تمام ورثاء سے معافی تلافی کرنا اس پر لازم ہے، اور جو حصہ فروخت کر کے اس نے فائدہ اٹھایا ہے وہ حصہ اس کے حق وراثت میں مجریٰ ہو جائے گا

اور جو کچھ حق سے زائد ہے، اس کی قیمت دوسرے ورثاء کو دیدینا لازم ہوگا۔

عن أبی حمید الساعدي، أن رسول الله ﷺ قال: لایحل لامرئ أن یأخذ مال أخیه بغیر حقه، وذٰلک لما حرم الله مال المسلم علی المسلم. (مسند أحمد بن حنبل ٥/٤٢٥، رقم: ٢٤٠٠٣)

لایجوز لأحد أن یتصرف فی ملک غیره بلا إذنه أو وکالة منه أو ولایة علیه وإن فعل کان ضامنا. (شرح المجلة رستم اتحاد ١/٦١، رقم المادة: ٩٦)

لو تصرف أحد الورثة فی الترکة المشترکة وربح فالربح للمتصرف وحده. (هندیه، الباب السادس فی المتفرقات زکریا قدیم ٢/٣٤٦، جدید ٢/٣٤٣)

اور کریم بخش کا ترکہ اس طرح تقسیم ہوگا:

کریم بخش میت ۸

بیوی	لڑکا	لڑکا	لڑکا	لڑکی
۱	۲	۲	۲	۱

کل آٹھ سہام میں تقسیم ہوکر ہر ایک کو اتنا ملے گا جو اس کے نیچے درج ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳/ ذی قعدہ ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۳۵۶)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۱۱/۳ھ

بیوی کی متروکہ جائیداد میں غیر شرعی تصرف کا حکم

سوال [۱۱۵۵۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) جب حمیدن کے گیارہ شرعی ورثاء موجود ہیں تو کیا حمیدن کے شوہر کو یہ حق پہنچتا ہے کہ حمیدن کی تمام جائیداد صرف ایک وارث کے نام کرادیں، یا کسی غیر کے ہاتھ فروخت کردیں جبکہ دوسرے ورثاء اس سے قطعاً راضی نہیں ہیں؟

(۲) کیا کسی شرعی وارث کے لیے وصیت کرنا جائز ہے؟

المستفتی: محمد طالب محلّہ کٹار شہید مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) حمیدن کے انتقال کے وقت جو کچھ حمیدن کی ملکیت میں تھا وہ اس کے تمام ورثاء کو بقدر حصص شرعیہ پہنچے گا، اس کے شوہر کو یہ حق نہیں ہے کہ تمام ملکیت پر قبضہ کر کے ایک شخص کے نام کرادے یا کسی غیر کے ہاتھ فروخت کر دے، ہاں اگر بالغین ورثاء اپنے حق میں اجازت دیدیں تو جائز ہوگا، ورنہ نہیں۔

وکل ما جاز بإجازة الوارث يتملكه المجاز له. (هدايه، كتاب الوصايا، في صفة الوصية، اشرفی ٤/٦٥٦، الموسوعة الفقهية الكويتية ٤٣/٢٥٩، البنايه اشرفيه ديوبند ١٣/٣٩٤)

ولا تجوز لوارثه لقوله عليه السلام: إن الله تعالىٰ أعطىٰ كل ذى حق حقه ألا لا وصية لوارث ولأنه يتأذى البعض بإيثار البعض ففي تجويزه قطيعة الرحم (إلى قوله) إلا أن يجيزها الورثة. (هدايه، كتاب الوصايا، باب في صفة الوصية، اشرفی ٤/٦٥٤-٦٥٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴ محرم الحرام ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲۸۸/۲۹)

باپ کے ترکہ سے بھائیوں کی رضامندی سے خریدی گئی زمین کس کی ملک؟

سوال [۱۱۵۵۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے والدین کے انتقال کے بعد جو کچھ اثاثہ تھا وہ ہمارے سپرد کر دیا گیا، چونکہ گھر میں سب سے بڑا میں ہی تھا، اس لیے سب ذمہ داری میرے سپرد کر دی، بھائیوں کو پڑھایا لکھایا، خرچ وغیرہ سب کرتا رہا، بعد میں ہم نے چھوٹے بھائی کو دیدیا، صرف پانچ فٹ جگہ بازار میں دوکان کی تھی، اس کے بارے میں میں نے کہا: جب تک میں بیٹھوں گا بعد میں

کوئی بھی بیٹھے،لیکن چھوٹے بھائی اس کے لیے تیار نہیں ہوئے،تو ہم انکے اوپر بگڑے کہ تم لوگوں کے ساتھ اتنا کچھ کیا پھر بھی بات نہیں مانتے،اس کے بعد اس جگہ کی قیمت لگائی گئی، فیصلہ ہوا کہ جو چار ہزار روپیہ کی جگہ ہے اور جو مال ہے اس کی قیمت الگ سے جوڑی جائے گی،لیکن ساتھ یہ بھی شرط ہے کہ دوکان بیچ نہیں سکتے ،بغیر پوچھے،اس کے بعد ہم نے سب روپیہ ادا کر دیا،اب ہم کو روپیوں کی بہت ضرورت ہے اور ہم اس دوکان کو بیچنا چاہتے ہیں، قیمت اس کی بتیس ہزار روپیہ لگ رہی ہے، بھائیوں سے پوچھا تو بھائی لوگ صرف پندرہ ہزار دے رہے ہیں،ہم نے دوسرے کے ہاتھ بیچ دی،اب بھائی لوگ فساد مچار ہے ہیں کہ کیوں بیچی،اگر روپیہ چاہتے ہوتو چار ہزار ہم سے لے لو،تو ایسی صورت میں ہم پر کیا کیا حق بنتا ہے؟ جبکہ اس جگہ کی قیمت بھائیوں کو دی جا چکی ہے،بعد میں بیچنے کے وقت پوچھا تو کوڑی کے دام لگا رہے ہیں،اب جب بیچ دی تو آواز اٹھارے ہیں،شریعت مطہرہ میں جوان کا حق ہم پر ہوتا ہوآپ تحریر فرمادیں،ہمیں منظور ہے؟

المستفتی: عبدالرشید سانڈی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب آپ نے اپنے بھائیوں کی رضامندی سے دوکان اور دوسرے اسباب خرید کر اس پر قبضہ کرلیا تو ان چیزوں پر آپ کی مکمل ملکیت حاصل ہوگئی، لہٰذا آپ اپنی مملوکہ شئ کسی کے ہاتھ کسی بھی قیمت پر فروخت کر سکتے ہیں اور اس پر آپ کے بھائیوں کو اعتراض کرنے کا شرعی حق حاصل نہیں ہے۔

وإذا قبض المشتری المبیع فی البیع الفاسد بأمر البائع وفی العقد عوضان، کل واحد منهما مال، ملک المبیع ولزمته قیمته. (هدایه، باب البیع الفاسد، فصل فی أحکامه، اشرفی دیوبند ۳/ ۶۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍رجب المرجب ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۱۳۵)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۹؍۷؍۱۴۲۴ھ

لڑکی کا اپنے بھائیوں سے چھپ کر کچھ جائیداد والدین کیلئے ایصال ثواب کرنا

سوال [۱۱۵۵۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: سیدہ کے والدین کے انتقال کے بعد اس کے بھائیوں نے مال اسباب آپس میں تقسیم کرلیا، سیدہ کو کچھ نہیں دیا، اس مال کا ایک بہت ہی معمولی جز سبھی کی لاعلمی میں سیدہ کے پاس ہے، کیا سیدہ اس جز کو کسی کو بتائے بغیر کسی کار خیر میں والدین کو ایصال ثواب کی نیت سے خرچ کرسکتی ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بشرط صحت سوال وعدم موانع ارث وبعد ادائے حقوق متقدمہ سیدہ کے والدین کے انتقال کے بعد سیدہ کے والدین کی پوری جائیداد کو پانچ حصوں میں تقسیم کرکے بھائیوں کو دو دو حصہ اور بہن کو ایک حصہ دینا لازم اور ضروری ہے، لہٰذا سیدہ کے بھائیوں کا باپ کی پوری جائیداد اپنے ہی میں بانٹ کرلے لینا اور بہن سیدہ کو کچھ نہ دینا، قرآن کریم کی صریح نص کے خلاف ہے، جو شرعاً جائز نہیں، اور بھائیوں کی لاعلمی کی وجہ سے باپ کی جائیداد کا معمولی سا حصہ سیدہ کے پاس محفوظ ہے، اگر وہ اس کے شرعی حصہ کی مقدار کے برابر ہے تو اس کو اس نیت سے روکے رکھنا جائز ہے کہ وہ اس کا شرعی حق ہے، اور بھائیوں کو اطلاع کردے کہ اس کو اس کا حق قدرتی طور پر مل چکا ہے، اگر وہ حصہ شرعی سے زائد ہے تو اس کو بھائیوں کو دیدے اور اپنے حصہ کو اپنی ذات پر اور دیگر کار خیر میں خرچ کرسکتی ہے۔

﴿يُوصِيكُمُ اللّٰهُ فِيٓ اَوۡلَادِكُمۡ لِلذَّكَرِ مِثۡلُ حَظِّ الۡاُنۡثَيَيۡنِ﴾ . [النساء: ۱۱]

والفتویٰ الیوم علی جواز الأخذ عند القدرة من أی مال کان لا سیما فی دیارنا لمداومتهم العقوق. (شامی، کتاب الحجر زکریا ۹/۲۲۱، کراچی ۶/۱۵۱) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/رجب المرجب ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۴۵۱)

میت کا کل ترکہ مسجد میں دینے کی وصیت کرنا

سوال [۱۱۵۵۵]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص بہار کے رہنے والے تھے، انہوں نے بہار میں رہتے ہوئے اپنی بیوی کو طلاق دیدی تھی اور اس مطلقہ عورت سے اولاد بھی ہے، دولڑکے تین لڑکیاں، اولاد کی پرورش ماں نے کی ہے، اوراس شخص کی جوملکیت تھی وہ سب اس شخص نے مہر کے عوض مطلقہ کو دیدی تھی اوراس کے بعد وہ قصبہ لاوڑ ضلع میرٹھ میں مؤذن رہے اوراب وہ اپنی جو رقم تھی جمع کرتے رہے، اوراولاد سے اپنی زندگی میں قطع تعلق رکھا، اب اس شخص کا انتقال ہوگیا ہے اور تمام اولاد کی شادی ان کے بغیر ہی کی گئی یعنی ان کوشادی کی اطلاع نہیں دی گئی، صرف ایک لڑکا باقی ہے جس کی شادی ابھی نہیں ہوئی ہے، مرنے والے نے جو رقم مسجد میں رہ کرکمائی ہے وہ چھتیس ہزار روپئے ہے، اورمرنے والے نے وصیت کی تھی کہ اس رقم کو میرے مرنے کے بعد تمام مسجد میں دیدینا، اب جومرنے والے کی اولاد اس رقم کا مطالبہ کررہی ہے، تو کیا یہ تمام رقم مسجد میں رکھیں یا ورثاء کوتقسیم کردیں، یا دونوں میں، اگر دونوں میں تقسیم کرنا ہے تو براہ کرم حصوں کی بالتفصیل تقسیم فرماکرشکریہ کا موقع عنایت فرمائیں؟

المستفتی: ملاجی رئیس الدین قصبہ لاوڑ میرٹھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگرمرنے والے نے یہ وصیت کی ہے کہ تمام رقم مسجد میں ہی دیدی جائے تو شریعت کا حکم یہ ہے کہ جب مرنے والے کے حقیقی وارث موجود ہوں تو صرف ایک تہائی میں وصیت نافذ ہوتی ہے، لہٰذا سوالنامہ میں درج کردہ ۳۶/ ہزار روپئے تین حصوں میں تقسیم ہوکرایک حصہ مسجد کو وصیت کی بناء پر ملے گا، باقی دو حصے مرحوم کے شرعی اور حقیقی وارثین کو ملیں گے، اسی طرح ان ۳۶/ ہزار روپئے کے علاوہ مرحوم کا اگر دیگر ترکہ ہوتو وہ ورثین کے درمیان تقسیم ہو جائے گا، لہٰذا کل ۳۶/ ہزار روپئے ۲۱/ حصوں میں

تقسیم ہوکر سات حصے مسجد کوملیں گےاور باقی چودہ حصے میں سے دو، دو حصے تینوں لڑکیوں کوملیں گےاور چار، چار حصے دونوں لڑکوں کوملیں گے۔

ولاتجوز بمازاد علی الثلث لقول النبی علیه السلام فی حدیث سعد بن أبی وقاص: الثلث، والثلث کثیر بعد ما نفی وصیته بالکل، ولأنه حق الورثة. (هدایه کتاب الوصایا، باب فی صفة الوصیة، اشرفی دیوبند ٤/٥٥-٦٥٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍شعبان المعظم ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۱۲/۴)

تقسیم وراثت سے پہلے ورثاء کا اپنا حصہ راہِ خدا میں خرچ کرنا

سوال [١١٥٥٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میری والدہ محترمہ کا انتقال ہوگیا، ان کے ہم تین وارث ہیں ایک لڑکا، دو بہنیں، ہم لوگوں نے آپس میں باتفاق رائے یہ طے کیا کہ ان کا جو کچھ بھی ہے، روپیہ کپڑے وغیرہ وہ سب اللہ کی راہ میں تقسیم کردیا جائے، تاکہ اس کا مرحومہ کو ثواب ملے، اس بات کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم تینوں نے یہ طے کیا کہ جو جیسا مناسب سمجھے، ضرورت کے مطابق خرچ کردے، اس پر تینوں میں سے کسی کو کوئی اعتراض نہیں ہے، کیا یہ ضروری ہے کہ اس روپیہ وکپڑے وغیرہ کو تینوں ورثاء پہلے شرعی طور پر تقسیم کرلیں اور اس کے بعد اس کو اللہ کی راہ میں خرچ کریں، برائے مہربانی اس پر تفصیل سے روشنی ڈال کر ہم لوگوں کو صحیح رہنمائی فرمائیں تاکہ جانے انجانے میں کوئی غلط قدم نہ اٹھ جائے؟

المستفتی: سید نظام الدین گھیر سعید خاں مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر سب ورثاء بالغ ہیں اور بخوشی اپنا اپنا حصہ کار خیر میں دینے پر تیار ہیں تو تقسیم سے قبل اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی گنجائش ہے، مگر پھر بھی

بہتر اور افضل یہی ہے کہ اولاً تقسیم کر کے ہر وارث اپنے اپنے حصہ کو قبضہ میں لے لے، اور اس کے بعد آزادانہ طور پر اپنی اپنی ملکیت کو راہِ خدا میں بے تکلف خرچ کر دے۔ (مستفاد: بہشتی زیور ۵/ ۶۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍ربیع الاول ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۷۱۶)

بیٹا باپ کی جائیداد بیچ دے اور پوتا اپنے نام کرالے تو کیا حکم ہے؟

سوال [۱۱۵۵۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: تمام پور شورا پور ضلع گلبرگہ کے باشندے مرحوم عبد الکریم صاحب چودھری کی ایک موروثی زمین ۱۹۶۶ء میں اس وقت کے مطابق کل سترہ سو روپئے میں مرحوم عبد الکریم صاحب چودھری کی لاعلمی میں عبد الکریم صاحب کے حقیقی بیٹے مرحوم عظمت اللہ چودھری اور بھتیجا عبد الواحد چودھری ایڈوکیٹ نے میونسپلٹی کو فروخت کر دی تھی، چند سال کے بعد فروخت کنندہ کے حقیقی بیٹے عارف الدین چودھری (جو اس وقت تحصیل آفس میں ملازم تھے) نے خرید وفروخت کی باضابطہ قانونی کارروائی کے بغیر کسی طرح سے اس زمین کو اپنے نام کرلیا تھا، اور کاغذی مالکانہ حیثیت حاصل کرلی تھی، اس وقت سے اب تک ۴۶؍ برس ہو چکے ہیں، اور اب تک وہ زمین عارف الدین کے نام سے ہی ہے، اس پس منظر میں وضاحت طلب پہلو یہ ہے کہ عبد الکریم چودھری کی طرف سے میونسپلٹی کو زمین فروخت کیے جانے اور عارف الدین صاحب کے اپنے نام سے کرالینے کے بعد:

(۱) عارف الدین صاحب چودھری اس کے مالک ہوتے ہیں یا نہیں؟

(۲) اور اگر ملکیت ثابت نہیں ہے تو اس زمین کا شرعی حکم کیا ہے؟

المستفتی: عارف الدین چودھری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عظمت چودھری اور عبد الواحد چودھری

ایڈوکیٹ نے عبدالکریم چودھری کی لاعلمی میں اس کی موروثی زمین کو جوفروخت کیا ہے وہ بیع درست نہیں ہوئی، وہ زمین بدستور عبدالکریم کی ملکیت میں شمار ہوگی اور پھر بعد میں عبدالکریم کے بیٹے عارف الدین نے تحصیل آفس میں ملازم ہونے کے رشتہ سے اس زمین کو جو اپنے نام کرالیا ہے اس سے وہ اس زمین کا مالک نہیں ہوگا، بشرطیکہ عبدالکریم کے دیگر ورثاء کی طرف سے اس زمین میں حق وراثت کا مطالبہ جاری رہا ہو تو ایسی صورت میں سارے وارثین کو اس زمین سے اپنا اپنا شرعی حصہ وصول کرنے کا حق حاصل ہوگا۔

عن أبی حرة الرقاشی عن عمه أن رسول الله ﷺ قال: لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه. (شعب الإيمان للبيهقی، دار الكتب العلمية بيروت ٣٨٧/٤، رقم: ٥٤٩٢، السنن الكبریٰ للبيهقی دار الفكر بيروت ٥٠٦/٨، رقم: ١١٧٤٠)

لايجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعی. (شامی، كتاب الحدود، فصل فی التعزير بأخذ المال، كراچی ٦١/٤، زكريا ١٠٦/٦، البحر الرائق كوئٹه ٤١/٥، زكريا ٦٨/٥، هنديه زكريا قديم ١٦٧/٢، جديد ١٨١/٢)

لايجوز لأحد أن يتصرف فی ملک غيره بلا إذنه أو وكالة منه أو ولاية عليه وإن فعل كان ضامنا. (شرح المجلة رستم اتحاد ٦١/١- ٩٦)

وفی الشرع: الظلم عبارة عن التعدی عن الحق إلى الباطل وهو الجور وقيل هو التصرف فی ملک الغير و مجاوزة الحد. (قواعد الفقه اشرفی ديو بند ص:٣٦٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍رجب المرجب ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۷۵۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۸؍۷؍۱۴۳۳ھ

ترکہ کے مکان کی کسی وارث نے ازسرنو تعمیر کی تو تقسیم ترکہ کس طرح ہو؟

سوال [۱۱۵۵۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ زید نے اپنا مکان اپنی بیوی کو مہروں میں لکھ دیا اور مالک بنا دیا، زید کی پانچ اولاد تھیں، جس میں تین لڑکے اور دو لڑکیاں، دو لڑکوں کا انتقال زید کی موجودگی میں ہی ہو گیا تھا، جن کی اولاد موجود ہے، بیوی حیات رہی، اس کا انتقال بعد کو ہوا، تینوں لڑکوں میں سے بڑے لڑکے نے اس مہر والے والدہ کے مکان کو از سر نو بنایا، دوسرے دو لڑکوں نے کچھ نہیں دیا کہ یہ تو والدہ کا ہے، نہ معلوم وہ کس کو دیدے، بہر حال اب صرف بڑا لڑکا حیات ہے، اور دوسرے چھوٹوں کی اولاد ہے، اور ایک لڑکی حیات ہے تو اس مکان میں بڑا لڑکا جس نے اپنے صرفہ سے بنایا تھا اس کا کتنا حصہ ہے؟ اور چھوٹے دو لڑکوں کی اولاد کا کتنا حصہ ہے، اور لڑکی کا کتنا حصہ ہے، جو شادی شدہ اور بال بچے دار ہے؟ براہ کرم جلد سے جلد اس کا جواب ارسال فرمائیں تو نوازش ہوگی۔

المستفتی: سید مہربان علی قصبہ ہڈمیاں بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر زید کی بیوی کے انتقال کے وقت صرف بڑا لڑکا موجود تھا تو دو چھوٹوں کی اولاد کو حصہ نہیں ملے گا، اور بوقت انتقال جتنی لڑکیاں زندہ تھیں ان کو ان کے حقوق کے مطابق حصہ ملے گا، نیز مکان میں تعمیر سے پہلے حالت کے اعتبار سے حصص تقسیم ہوں گے۔

إن شرط الإرث وجود الوارث حیا عند موت المورث. (شامی، کتاب الفرائض، زکریا ۱۰/ ۵۱۱، کراچی ۶/ ۷۶۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍ شوال المکرّم ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۹۱۷)

تقسیم سے پہلے ترکہ میں تصرف، نیز لڑکیوں کی تمام ترکہ میں حصہ داری

سوال [۱۱۵۵۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) زید کے انتقال کے بعد اس کے وارثین میں چار لڑکے اور دو لڑکیاں ہیں،

متروکہ مال میں منقولہ اور غیر منقولہ دونوں ہیں، از روئے شریعت متروکہ مال کی تقسیم کس طرح ہوگی؟ اور کس حساب سے ہوگی؟

(۲) لڑکیاں صرف منقولہ اموال میں اپنے شرعی حصہ کی مستحق ہیں، یا صرف اموال غیر منقولہ میں یا دونوں میں سے اپنا شرعی حصہ لے سکتی ہیں؟

(۳) از روئے شریعت اموال غیر منقولہ کے تحت زیورات، نقد رقم، لباس، چار پائی، تخت، میز کرسی، برتن، فرش اور دیگر روزانہ کام آنے والی اشیاء آتی ہیں یا نہیں؟

(۴) زید کے انتقال کو گیارہ سال کا عرصہ ہوگیا، لیکن ورثاء میں اس کی متروکہ میراث تقسیم نہیں ہوئی، اتنا عرصہ گذرنے کے بعد میراث کی تقسیم کا نہ ہونا یہ فعل شرعی ہے یا غیر شرعی؟

(۵) متروکہ اموال منقولہ وغیر منقولہ کا ورثاء میں شرعی تقسیم سے قبل کسی بھی وارث کا اپنے ذاتی کام میں لانا اور اس میں تصرف، ترمیم وتوسیع اور اس میں شکست وریخت اور اس کی ہیئت کذائی کی تبدیلی جائز ہے یا نہیں؟

(۶) زید کی غیر منقولہ جائیداد میں سے مکان کے بیرونی حصہ میں بعض ورثاء نے دوکانیں تعمیر کرادی ہیں، اس بارے میں ورثاء میں سے ایک وارث (لڑکی) سے نہ تو مشورہ کیا گیا نہ اس کاروئی سے اسے آگاہ کیا گیا، ایسی صورت میں دیگر ورثاء کا یہ عمل قرآن و حدیث کے مطابق ہے یا نہیں؟ اور جائز ہے یا ناجائز؟

(۷) ورثاء میں سے ایک وارث (لڑکی) اپنے والد مرحوم کی میراث کی تقسیم اور اس کا حق شرعی دیئے جانے کا مطالبہ کرتی ہے، تو اس کا یہ عمل از روئے شریعت جائز ہے یا ناجائز؟ وضاحت فرمائی جائے۔

المستفتی: افتخار احمد، معرفت حکیم عبدالقوی صدیقی جے پور راجستھان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: (۱)

زید میت ۱۰

ابن	ابن	ابن	ابن	بنت	بنت
۲	۲	۲	۲	۱	۱

زید کا ترکہ مندرجہ بالا نقشہ کے مطابق دس سہام میں تقسیم ہوکر لڑکوں کو دو دو اور لڑکیوں کو ایک ایک سہام ملے گا۔

(۲) لڑکیاں اموال منقولہ اور غیر منقولہ دونوں میں شرعی حصہ کی مستحق ہیں اس لیے کہ ان کا والدین کے ساتھ نسبی رشتہ کا تعلق ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۱۱/ ۴۴۱)

ثم يقسم الباقي بين ورثته الذين ثبت إرثهم بالكتاب والسنة. (در مختار، كتاب الفرائض، زكريا ۱۰/ ۴۹۷، كراچی ۶/ ۷۶۱-۷۶۲، مجمع الأنهر مصری قديم ۷۴۷/۲، دار الكتب العلمية بيروت ۴۹۵/٤، البحر الرائق كوئٹه ۴۸۹/۸، زكريا ۳۶۷/۹، سراجی ص: ۶)

و يستحق الإرث بنسب و نكاح وولاء. (مجمع الأنهر قديم ۷۴۷/۲، دار الكتب العلمية بيروت ۴۹۵/٤)

(۳) سوال میں ذکر کردہ تمام چیزیں منقولہ اشیاء میں داخل ہیں، اموال غیر منقولہ میں نہیں، غیر منقولہ اس کو کہتے ہیں کہ جو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل نہ ہوسکیں۔

(۴) انتقال کے بعد وراثت کی تقسیم میں اتنی تاخیر کرنا شرعاً درست نہیں، اس لیے کہ ایسی صورت میں بہت سے وارثین کا حق مارا جاتا ہے، کیونکہ مورث کے مرنے کے بعد اسی وقت سے ہر وارث کو اپنے حصہ سے فائدہ اٹھانے کا حق حاصل ہوجاتا ہے اور تقسیم نہ ہونے کی صورت میں بہت سے وارث ایسے رہ جاتے ہیں جو اپنے حق سے فائدہ نہیں اٹھا پاتے، مثلاً: شادی شدہ لڑکیاں، اسی طرح وہ لڑکے جو باپ کی فیملی میں نہیں ہیں، وغیرہ وغیرہ بلکہ ان کے حق سے وہی لوگ فائدہ اٹھالیتے ہیں جن کے قبضہ میں میراث ہوتی ہے۔

(۵) وراثت تمام ورثاء کا مشترک حق ہے، جب تک متعین طور پر اپنے حصہ کا پتہ نہ چل جائے محض اپنے ذاتی مفاد کے لیے اس میں ترمیم وتبدیلی اور تصرف کرنا ناجائز ہے، اس لیے فوری طور پر تقسیم کرلینی چاہئے، اس کے بعد اپنے حصہ میں آزادانہ تصرف کریں۔

(۶) دوکانیں تعمیر کرانے میں مضائقہ تو نہیں ہے، مگر اس کا کرایہ تمام ورثاء کو پہنچنا چاہیے، کیونکہ یہ حق مشترک ہے، لہٰذا اس میں لڑکی سے اجازت لینا ضروری تھا، اور اس کی اجازت کے بغیر دوکان بنانا جائز نہیں، اور اگر لڑکی نے اجازت دی ہے تو اس کا حق اس کو پہنچنا ضروری ہے۔

(۷) شرعاً لڑکی اپنے والدین کے ترکہ کی وارث ہوتی ہے، اس لیے اس کا اپنے حق کا مطالبہ کرنا خلاف شریعت اور ناجائز نہیں ہے، بلکہ یہ بالکل عین شریعت کے مطابق صحیح اور درست ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵ / ربیع الاول ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۵۵۶)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۳/۲۵ھ

بھائی بہنوں کی شادی کا خرچہ ترکہ سے مجریٰ کرنا

سوال [۱۱۵۶۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہم پانچ بھائی ہیں اور پانچ بہنیں ہیں، سوال یہ ہے کہ تین بھائی ایک جگہ اور دو بھائی الگ الگ ہیں، جو الگ ہیں یہ بڑے بھائی ہیں، اور تین چھوٹے ہیں جو ایک جگہ ہیں، سب شادی شدہ ہیں اور والد صاحب کا انتقال ہو چکا ہے اور والدہ حیات ہیں اور تین بھائی انہیں کی شرکت میں ہیں اور والد صاحب کے زمانہ میں بڑی بہن اور بڑے بھائی کی شادی ہوئی، اور باقی کچھ شادی موجودگی میں والد صاحب کی ہوئی ہیں، اور کچھ والد صاحب کے انتقال کے بعد ہوئی ہیں، لیکن جو شادی ہوئی، علاوہ دو کے سب خرچ انہیں تین بھائیوں نے کیا ہے، اور دو بھائیوں نے کچھ خرچ نہیں کیا ہے، اب سوال یہ ہے کہ جو ترکہ میں جائیداد ہے، یا کچھ مال ہو تو اس کی تقسیم از روئے شرع کس طرح ہوگی؟ آیا ان دو بھائیوں کو بھی کچھ ملے گا یا نہیں؟ جبکہ ان کی شادی والد صاحب نے کی، اور انہوں نے کچھ خرچ بھی نہیں کیا، تو ان کا حصہ بھی کچھ جائیداد میں ہوگا یا نہیں؟ اگر ہوگا تو کتنا ہوگا؟ اور جو ان تین بھائیوں نے خرچ کیا ہے وہ بھی مجریٰ ہوگا یا نہیں؟ اور باپ کی جائیداد میں بہنوں کا حصہ ہے یا نہیں؟ اور والدہ کا کیا حصہ ہے؟ اور باقی بھائیوں کا کیا حصہ ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: بشرط صحت سوال وبعد ادائے حقوق ما تقدم وعدم

موانع ارث آپ کے والد صاحب کا کل ترکہ تمام وارثین کے درمیان درج ذیل نقشہ کے مطابق تقسیم ہوگا:

۹۰/۶

میت

ماں	لڑکا	لڑکا	لڑکا	لڑکا	لڑکا	لڑکی	لڑکی	لڑکی	لڑکی	لڑکی
۱/۱۵	۱۰	۱۰	۱۰	۵/۱۰	۱۰	۵	۵	۵	۵	۵

کل ترکہ ۹۰؍سہام میں تقسیم ہوکر ہر وارث کو اتنا ملے گا جو اس کے نیچے درج ہے، صورت مسئولہ میں جن لوگوں کی شادی باپ کی موجودگی میں ہوئی ہے، ان کی شادی کا خرچہ باپ کے ترکہ میں کاٹا نہیں جائے گا بلکہ وہ لوگ باپ کے ترکہ میں پوری طرح حصہ دار ہوں گے، چاہے ان لوگوں نے دوسرے بھائی بہنوں کی شادی میں مدد کی ہو یا نہ کی ہو، اور جن بھائی بہنوں کی شادی والد کی وفات کے بعد ہوئی ہے اور ان کی شادی میں بھائیوں نے اپنی طرف سے خرچ کیا ہے تو وہ ان بھائیوں کی طرف سے تبرع اور احسان ہے، یہ خرچ اپنے بھائیوں سے وصول کرنے کا حق نہ ہوگا، ہاں البتہ اگر یہ بات پہلے طے کر لی گئی ہوتی کہ شادیوں میں جو خرچ ہوگا وہ ان بھائی بہنوں کے حصے میں سے کاٹ لیا جائے گا تو گویا بھائیوں نے مدد نہیں کی ہے بلکہ ان کی شادیوں میں قرض دیا ہے، تو ایسی صورت میں ان کے حصہ میں مجریٰ کرنے کی گنجائش ہے، اور اگر ایسی بات پہلے سے طے نہیں ہوئی تو میراث میں سے مجریٰ کرنا جائز نہ ہوگا، لہٰذا باپ کا ترکہ شادی شدہ اور غیر شادی شدہ سب کو پورا پورا حصہ شرعی اعتبار سے ملے گا، ہاں البتہ بہنوں کو بھائیوں کے مقابلہ میں آدھا ملے گا۔

ولایجوز لأحدهما أن یتصرف فی نصیب الآخر إلا بأمره وکل واحد منهما کالأجنبی فی نصیب صاحبه. (عالمگیری، کتاب الشرکة، الباب الأول، الفصل الأول، زکریا قدیم ۲/۳۰۱، جدید ۲/۳۱۱، هدایه اشرفی دیوبند ۲/۶۲۴)

أما إذا کان بغیر أمره فلأنه تبرع بإسقاط الحق عنه فلا یملک أن

یجعل ذٰلک مضمونا علیه. (بدائع الصنائع، فصل فی حکم الهبة کرچی ۶/ ۱۳۲، زکریا ۵/ ۱۸۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۶۶۱)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۸/۵/ ۱۴۲۱ھ

شادی کے خرچہ کو متروکہ میراث میں مجریٰ کرنا

سوال [۱۱۵۶۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: حاجی محمد یاسین صاحب کا انتقال ہوا، ان کے ورثاء میں ان کی بیوی انجم پروین، اور تین لڑکے: تبریز یاسین (۱۷/ سال)، نوید یاسین (۱۸/ سال)، جاوید یاسین (۱۰/ سال) اور دو بیٹیاں: شگفتہ یاسین (۱۸/ سال)، سلمہ یاسین (۹/ سال) ہیں، انتقال کے چار سال بعد شگفتہ یاسین کی اور آٹھ سال بعد تبریز یاسین کی شادی ہوئی اور غیر شادی شدہ بھائی بہنوں نے اس امید سے اجازت دی کہ باپ کے بقیہ متروکہ مال میں سے ہم سب کی شادیاں ہوں گی، اب تبریز جن کی شادی ہو چکی ہے وہ الگ ہونا چاہتے ہیں اور غیر شادی شدہ بھائی بہن یہ چاہتے ہیں کہ پہلے ہماری شادیاں باپ کے متروکہ مال میں سے ہو جائیں جیسا کہ تبریز کی شادی باپ کے متروکہ مال سے ہوئی ہے اس کے بعد جائیداد کی تقسیم شرعی اعتبار سے ہو؟

المستفتی: نوید یاسین ولد حاجی محمد یاسین مرحوم اصالت پور مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: حاجی محمد یاسین کا ترکہ اس کے شرعی ورثاء کے درمیان حسب ذیل نقشہ کے مطابق تقسیم ہوگا:

محمد یاسین میت ۸ / ۶۴

بیوی	لڑکا	لڑکا	لڑکا	لڑکی	لڑکی
انجم پروین	تبریز یاسین	نوید یاسین	جاوید یاسین	شگفتہ پروین	سلمہ یاسین
۱/۸	۱۴	۱۴	۱۴	۷	۷

کل ترکہ ۶۴ر سہام میں تقسیم ہوکر جن ورثاء نے متروکہ میراث سے شادیاں کی ہیں اور غیر شادی شدہ ورثاء نے اس بات پر اجازت دی ہے کہ ان کی شادیاں بھی متروکہ میراث سے ہوں گی ،تو ایسی صورت میں سب کی شادیاں متروکہ میراث سے ہونی چاہئیں، اور ہر ایک کے خرچے میں مساوات کی رعایت بھی ضروری ہے، لہٰذا اگر دوسروں کی شادی سے قبل شادی شدہ افراد الگ ہو جانا چاہیں تو تقسیم ترکہ کے وقت ان کے حصوں سے شادی کا خرچ مجریٰ کر لینا ضروری ہے تاکہ میراث میں سب کے حصے برابر باقی رہیں،لہٰذا ان لوگوں کے حصوں میں سے اتنا کم کردے جتنا شادی میں خرچ ہوا ہو۔

لایجوز لأحد من المسلمین أخذ مال أحد بغیر سبب شرعي. (شامی، کتاب الحدود، مطلب: فی التعزیر بأخذ المال کراچی ٤/ ٦١، زکریا ٦/ ١٠٦، البحر الرائق کوئٹه ٥/ ٤١، زکریا ٥/ ٦٨، هندیه زکریا قدیم ٢/ ١٦٧، جدید ٢/ ١٨١)

لایجوز لأحد أن یتصرف فی ملک الغیر بغیر إذنه. (قواعد الفقه، اشرفی دیوبند ص: ١١٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ر جمادی الاولیٰ ۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۰۰۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۰/۵/۱۴۲۷ھ

کسی وارث کے مال کو دھوکہ دے کر اپنے نام جائیداد کرانا

سوال [۱۱۵۶۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: محشر بانو کا انتقال ہوا، ان کے ورثاء میں دو لڑکے ہیں: وقار علی اور محمد علی، پھر محمد علی کا انتقال ہوا، بوقت انتقال ایک بیوی فردوس جہاں اور ایک لڑکا عمران علی کو چھوڑا، اور جب فردوس جہاں مرض الموت میں مبتلا ہوئی تو بیماری کی حالت میں عمران علی کی عدم موجودگی میں وقار علی کا بیٹا ناصر عرف نستور جمال نے فردوس جہاں کے حصے اور عمران علی کے حصے کا بیع نامہ لکھوا کر فردوس جہاں سے دستخط کروالیے اور اس کی جانکاری عمران علی کو نہیں تھی ، پھر فردوس

جہاں کے انتقال کے بعد اس جعلی بیع نامہ کو دکھا کر پولیس کے ذریعہ عمران علی کو اپنے حصۂ پدری و مادری سے بے دخل کر کے گھر سے نکال دیا۔

اب سوال یہ ہے کہ ناصر عرف نستورنے فردوس سے بیماری کی حالت میں جو بیعنامہ لکھوایا ہے وہ شرعی طور پر درست ہوا یا نہیں؟ نیز عمران علی کا حصہ اس کی جانکاری کے بغیر جو لکھوالیا ہے وہ بھی درست ہوا یا غلط ہوا؟ شرعی حکم سے آگاہ فرمائیں۔

المستفتی: عمران علی ولد محمد اصغر علی کسرول مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عمران علی کے شہر میں موجود ہوتے ہوئے اس کی ماں سے بیماری کی حالت میں خفیہ طور پر جو دستخط کرائے گئے ہیں وہ محض فریب اور دھوکہ دہی کی بات سمجھ میں آتی ہے، کس حالت اور کس طرح دستخط کرائے ہیں اس کی کوئی وضاحت نہیں اور نہ ہی اس میں باشرع دو عادل گواہوں کی شہادت کا ذکر ہے، ایسی صورت میں یہ محض دھوکہ اور فریب کی خریداری ہے جو شریعت میں جائز نہیں ہے، نیز اس دھوکہ دہی کے باوجود عمران علی کے حق پدری میں وہ بیع کسی طرح معتبر نہیں ہے اور محمد علی کے کل ترکہ کو آٹھ حصوں میں تقسیم کر کے سات حصے عمران علی کا حق ہے اس میں ماں کو کسی قسم کے تصرف کا حق نہیں ہے اگر ماں نے بحالت صحت شرعی گواہوں کی موجودگی میں بھی عمران علی کا حصہ بیچ دیا ہوتا تب بھی وہ بیع معتبر نہیں ہوتی، لہٰذا عمران علی کا حصہ عمران علی کو حوالہ کرنا شرعی طور پر لازم ہے، اور اس کو جو گھر سے نکال دیا گیا ہے وہ محض ظلم وزیادتی پر محمول ہے۔

عن سعید بن زید بن عمرو بن نفیل ان رسول الله ﷺ قال: من اقتطع شبرا من الأرض ظلما طوقه الله إياه يوم القيامة من سبع أرضين. (مسلم شریف، باب تحريم الظلم وغصب الأرض وغيرها، النسخة الهندية ۲/۳۳، بيت الأفكار رقم: ۱٦۱۰)

وقال أيضا: من أخذ شبرا من الأرض ظلما فإنه يطوقه يوم القيامة من سبع أرضين. (مسلم شريف، باب تحريم الظلم وغصب الأرض، النسخة الهندية ۲/۳۳، بيت الأفكار رقم: ۱٦۱۰)

لايجوز لأحد أن يتصرف في ملك الغيره بغير إذنه. (قواعد الفقه اشرفي ديو بند ص: ۱۱۰) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/ ذی قعدہ ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۰۹۵۴)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۵/۱۱/۱۴۳۳ھ

ماں کے لیے یتیم بچوں کے ترکہ کو فروخت کرنے کی اجازت نہیں

سوال [۱۱۵٦۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرے بڑے بھائی قمر علی کا انتقال ۲۲/ستمبر ۲۰۱۰ء میں ہوگیا تھا، جنہوں نے اپنے پیچھے اپنی بیوہ اور چار بچے، تین لڑکے، ایک لڑکی کو چھوڑا، بڑا لڑکا ٦/سال کا اور باقی دو ۵/و۴/ سال کے ہیں اور لڑکی تین سال کی ہے، میرے بھائی کی بیوی نے ایک کے بعد ایک جائیداد کو بیچنا شروع کردیا اب بس ایک رہائشی مکان اور دوکان بچی جبکہ بیچی گئی جائیداد سے تیس ہزار روپئے ماہوار کی آمدنی تھی، مگر بچوں کے مستقبل کو ذہن میں نہیں رکھا، کچھ شواہد سے معلوم ہوا ہے کہ بچی ہوئی جائیداد کو بیچ کر کہیں اور نکاح کرنا چاہتی ہیں۔

اب آپ سے یہ معلوم کرنا ہے کہ کیا باقی بچی جگہ جائیداد بچانے کی نیت سے تاکہ بچوں کا حال ومستقبل خراب نہ ہو، دین وشریعت کی رو سے کچھ کیا جاسکتا ہے؟

المستفتیہ: گل رانا مغل پورہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: قمر علی کی متروکہ جائیداد میں اس کی بیوی کا حق صرف آٹھواں حصہ بنتا ہے، اور اتنی جائیداد کا اسے بیچنے کا حق ہے، اس کے علاوہ بقیہ جائیداد وترکہ قمر علی کے یتیم بچوں کا حق ہے جس کو بیچنا قمر علی کی بیوہ کے لیے جائز نہیں ہے، اور بیچنے کی صورت میں وہ یتیموں کا ناحق مال کھانے والی ہے، جس کی سزا اللہ رب العزت نے جہنم کو قرار دیا ہے جو جائیداد بیچی گئی ہے اس کی رقم اور بقیہ جائیداد کو آٹھ حصوں میں تقسیم کرکے

آٹھواں حصہ بیوی کا ہے اور بقیہ سارا اولاد کے نام رجسٹری کرا کے محفوظ کردیا جائے تاکہ کوئی شخص اس کو ضائع نہ کرے، اور علاقہ کے بااثر لوگوں پر لازم ہے کہ جائیداد کو بیچنے سے بیوی پر پابندی لگائیں، اور یتیم بچوں کا حق ضائع نہ ہونے دیں۔

وما ملكه اليتيم من مال غير تركة أمه فليس لوصى أمه التصرف فيه منقولا أو غيره لأن الوصى قائم مقام الأم وليس للأم التصرف فى مال طفلها. (شرح المجلة رست اتحاد ١/٥٤٦ رقم المادة: ٩٧٤)

مرحوم کا ترکہ درج ذیل نقشہ کے مطابق تقسیم ہوگا:

میت ۸

بیوی	لڑکا	لڑکا	لڑکا	لڑکی
۱	۲	۲	۲	۱

مرحوم کا کل ترکہ آٹھ حصوں میں تقسیم ہوگا جس میں سے ایک حصہ بیوی کو اور دو، دو لڑکوں کو اور ایک حصہ لڑکی کو ملے گا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۴۸۴/۴۰)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۱/۴/۱۴۳۵ھ

تنہا ایک وارث کو کاروبار اپنے نام رجسٹرڈ کرانا جائز نہیں

سوال [۱۱۵۶۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرے والد محترم مرحوم کا بیڑی کا کاروبار ہے جو والد نے تقریباً ۱۹۵۵ء میں شروع کیا تھا، والد صاحب کے سامنے کاروباری پوزیشن کچھ خراب ہوگئی تھی، والد صاحب کا انتقال ۱۹۸۰ء میں ہوا، والد کا نام جناب اختر الدین صاحب، والدہ کا نام: صابرہ بی، اور بیٹوں کے نام: افسر الدین، سلیم الدین، نسیم الدین، شمیم الدین، نعیم الدین، فہیم الدین، وسیم الدین، بیٹیاں: راشدہ بی، ساجدہ بی، خالدہ بی، اس کے بعد ہم سب لوگ کاروبار میں محنت

کرتے رہے ۱۹۹۳ء کے قریب اس کاروبار میں ایک بھائی نے پیسہ لگایا اور اس کے بعد ایک اور بھائی بھی اس کاروبار میں شریک ہوگئے، پھر ان دونوں نے اس کاروبار کو اپنے نام رجسٹرڈ کرالیا، جس کی خبر گھر میں ان دونوں کے علاوہ کسی کو بھی نہیں تھی، کیا یہ صحیح ہے؟ جب کہ ہم سب لوگ کاروبار میں محنت کرتے رہے، وقتاً فوقتاً تھوڑا بہت پیسہ بھی لگاتے رہے، کیا باقی بھائی بہنوں کا اس کاروبار میں کوئی حق ہے یا نہیں؟ اور اگر ہے تو کس وارث کا کتنا حق ہے؟ واضح رہے کہ فی الوقت ایک بھائی کا انتقال ہو چکا ہے، وارثین میں بیوی آمنہ بی تین بیٹیاں: اسماء، صائمہ، آسیہ ہیں، میری والدہ کا بھی انتقال دو سال پہلے ہو چکا ہے، البتہ بھائی کا انتقال پہلے ہوا ہے، اور ماں کا انتقال بعد میں ہوا ہے۔

المستفتی: فہیم الدین و برادران، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: برتقدیر صحت واقعہ مسئولہ صورت میں مذکورہ معاملہ میں قدرے تفصیل ہے، اولاً تو یہ دیکھا جائے گا کہ والد صاحب کے انتقال کے وقت ان کا کل ترکہ کیا تھا؟ اس ترکہ میں ان کے وارثین حسب حصص شرعیہ مستحق ہوں گے، جن میں بیٹیاں اور بیوی بھی شامل ہے، اس کے بعد جو چلتا ہوا کاروبار ہے اس سے جو نفع حاصل ہوگا اس میں وہ سب بھائی اپنے حصوں اور اپنی طرف سے لگائی ہوئی مزید رقم کے تناسب سے حقدار ہوں گے، کسی بھائی کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ دوسروں کی مرضی کے بغیر کاروبار اپنے نام رجسٹرڈ کرالے، البتہ اس نفع میں بیٹیوں اور بیوی کا حصہ نہیں ہے، اور اصل ترکہ وارثین کے درمیان درج ذیل تناسب سے تقسیم ہوگا:

اختر الدین میت

بیوی صابرہ	بیٹا افسر	بیٹا نسیم	بیٹا تسلیم	بیٹا شمیم	بیٹا نعیم	بیٹا فہیم	بیٹا وسیم	بٹی راشدہ	بٹی ساجدہ	بیٹی خالدہ
۱ — ۱۷/۳۰۶۰	۱۴	۱۴/۲۵۲۰	۱۴/۲۵۲۰	۱۴/۲۵۲۰	۱۴/۲۵۲۰	۱۴/۲۵۲۰	۱۴/۲۵۲۰	۷/۱۲۶۰	۷/۱۲۶۰	۷/۱۲۶۰

توافق

افسر میـــــــــــــــــــــــــــــت

ماں	بیوی	بیوی	بیٹی	بیٹی	بیٹی	بھائی	بھائی	بھائی	بھائی	بھائی	بھائی	بہن	بہن	بہن
صابرہ	آمنہ	اسماء	صائمہ	آسیہ (۱۶)	نسیم	سلیم	تسلیم	شمیم	نعیم	فہیم	وسیم	راشدہ	ساجدہ	خالدہ
۴	۳													
۶۰/۴۲۰	۴۵/۳۱۵	۸۰/۵۶۰	۸۰/۵۶۰	۸۰/۵۶۰	۲/۱۴	۲/۱۴	۲/۱۴	۲/۱۴	۲/۱۴	۲/۱۴	۲/۱۴	۱/۷	۱/۷	۱/۷

تداخل

صابرہ بی میـــــــــــــــــــــــــــــت

بیٹا	بیٹا	بیٹا	بیٹا	بیٹا	بیٹا	بیٹا	بیٹی	بیٹی	بیٹی
نسیم	تسلیم	شمیم	نعیم	فہیم	وسیم		راشدہ	ساجدہ	خالدہ
۲/۴۶۴	۲/۴۶۴	۲/۴۶۴	۲/۴۶۴	۲/۴۶۴	۲/۴۶۴		۱/۲۳۲	۱/۲۳۲	۱/۲۳۲

۲۴۴۸۰

المبلغ

الأحیـــــــــــــــــــــــــــاء

آمنہ	نسیم	سلیم	تسلیم	شمیم	نعیم	فہیم	وسیم	راشدہ	ساجدہ	خالدہ	اسماء	صائمہ	آسیہ
۳۱۵	۲۹۹۸	۲۹۹۸	۲۹۹۸	۲۹۹۸	۲۹۹۸	۲۹۹۸	۲۹۹۸	۱۴۹۹	۱۴۹۹	۱۴۹۹	۵۶۰	۵۶۰	۵۶۰

مرحوم اختر الدین کا ترکہ ۲۴۴۸۰ ر حصوں میں تقسیم ہوکر اس میں سے ہر وارث کو اتنا اتنا ملے گا جو اس کے نام کے نیچے درج ہے۔

لأن الترکة ما ترکه المیت من الأموال صافیا عن تعلق حق الغیر بعین من الأموال. (شامی، کتاب الفرائض، زکریا ۴۹۳/۱۰، کراچی ۷۵۹/۶)

إذا أخذ أحد الورثة مبلغا من نقود الترکة قبل القسمة بدون إذن الآخرین وعمل فیه و خسر کانت الخسارة علیه کما أنه إذا ربح لایسوغ لبقیة الورثة أن یقاسموه الربح. (شرح المجلة رستم اتحاد ۶۱۰/۱، رقم المادة: ۱۰۹۰، وهکذا فی الهندیة زکریا قدیم ۳۴۶/۲، جدید ۳۴۳/۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

الجواب صحیح	کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ	۱۶ر محرم الحرام ۱۴۳۵ھ
۱۴۳۵/۱/۱۶ھ	(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۳۸۴/۴۰)

ایک وارث کا دوسرے وارث کے حصہ میں تصرف کا حکم

سوال [۱۱۵۶۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص مسمیٰ حاجی عرفان مرحوم لاولد تھے، بوقت انتقال ان کے ورثاء میں مرحوم کی بیوہ مسماۃ عظمت آپا اور پانچ بھتیجے، جن کی تفصیل اس طرح ہے:

(۱) شاہد علی حقیقی بھائی کے لڑکے جن کے چار بھتیجے: محمد یامین، اسلام الدین، حنیف احمد، شریف، باپ شریک بھائی کے لڑکے ہیں، حاجی عرفان صاحب کے تعلقات ایک بھتیجے شاہد علی سے خوشگوار رہے، اور دوسرے بھتیجوں سے تعلقات بعض ناگفتہ بہ حالات کے پیش نظر ناخوشگوار تھے، جس کی دلیل ان ہر دو قسم کے بھتیجوں کے ساتھ حاجی صاحب مرحوم اور ان کی اہلیہ کا وہ طرز عمل ہے جس کے اہل محلّہ شاہد ہیں، اسی وجہ سے حاجی صاحب نے اپنی جائیداد کی وصیت اپنے بھتیجے شاہد علی کے لڑکے طاہر علی کے نام کردی تھی، مرحوم کی اہلیہ جخن عظمت آپا کا تعلق بھی شاہد علی اور ان کے بچوں کے ساتھ خوشگوار رہا، اور وہ بھی حسب وصیت اور تعلق کی بنیاد پر حاجی صاحب مرحوم کی صحرائی وسکنائی جائیداد طاہر علی کو دینے کا وعدہ کرتی رہیں، لیکن حالات نے اچانک کروٹ لی، جخن عظمت نے جنت کمانے کے شوق میں مرحوم شوہر کی ساری جائیداد سارے ورثاء کو محروم کر کے ایک مدرسہ تعلیم القرآن کے نام کردی، واضح ہو کہ یہ مدرسہ جس آراضی پر تعمیر ہے وہ جخن کے مرحوم شوہر کی عطیہ کی ہوئی ہے، جسے جخن عظمت آپا نے یہ جائیداد محروم کرنے کے ارادے سے ان کے نام کرنی چاہی ان کے مرحوم شوہر نے بھتیجوں کا وہ گروپ جو اس جائیداد کی جانب سے مایوس تھا، جخن عظمت کی حمایت میں کھڑا ہو کر حالات کو مزید بگاڑنے لگا، نوبت یہاں تک آئی کہ طاہر علی نے وصیت کو بنیاد بنا کر عظمت آپا کے خلاف عدالت میں دعویٰ کردیا کہ اس کی وصیت میرے نام ہے، لہٰذا یہ جائیداد مجھے دلوائی جائے، ادھر یہ ہوا کہ جس مدرسہ کے نام یہ جائیداد کی گئی ہے اس کے مہتمم جو ایک دیندار اور علاقہ کے معروف عالم دین ہیں (مولانا قاسم) انہوں نے اہتمام سے

استعفیٰ اس بنیاد پر دیدیا کہ جن کو اپنے مرحوم شوہر حاجی محمد عرفان کی جائیداد حاجی صاحب کے ورثاء کے درمیان شرعی تقسیم کیے بغیر مدرسہ کے نام کرنے کا حق نہیں ہے، اور نہ مدرسہ کو وہ جائیداد قبول کرنی چاہیے، انتظامیہ نے استعفیٰ قبول کرلیا، اب شکل یہ ہے کہ طاہر کی جانب سے قائم کیے ہوئے مقدمہ پر مدرسہ اپنا روپیہ پیسہ خرچ کر کے جن عظمت آپا کی طرف سے مقدمہ لڑ رہا ہے، مدرسہ کا پیسہ مقدمہ میں استعمال ہو رہا ہے، لوگ مسئلہ کی اصل صورت حال سے ناواقفیت کی بنا پر یہی سمجھتے ہیں کہ مدرسہ دینی ادارہ ہے اس کو جائیداد ملے گی تو مدرسہ کا فائدہ ہوگا، لہٰذا بہر صورت مدرسہ کا ساتھ دیا جائے، اور اب انتظامیہ نے مقدمہ پر باقاعدہ مدرسہ کی رسید بک لے کر چندہ کرنا شروع کر دیا ہے، اسی مدرسہ کے ایک مدرس جو عالم ہیں، بہار کے رہنے والے ہیں وہ بستی کے دیگر علماء کی طرح اس طرح مدرسہ کو جائیداد لینے اور اس پر مقدمہ لڑانے کے لیے مدرسہ کا پیسہ استعمال کرنے کے لیے دبے لفظوں میں منکر تو ہیں لیکن چندہ کرنے والوں کے ساتھ گھومتے پھرتے ہیں اور چندہ کرنے میں شریک ہیں، اور اپنا عذر یہ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک پردیسی ہوں، مدرسہ کا تابع ہوں، لہٰذا انتظامیہ جو حکم کرے گی مجھے ماننا پڑے گا۔

جواب طلب امر یہ ہے کہ: (۱) حاجی عرفان صاحب مرحوم کی جائیداد صحرائی وسکنائی کی شرعی تقسیم کی کیا شکل ہوگی؟ کیا حاجی صاحب مرحوم کی وصیت ان کے پوتے طاہر علی کے حق میں شرعاً نافذ ہوگی، اگر ہاں تو کتنے مال میں وصیت نافذ ہوگی، پوری جائیداد میں یا اس کے کتنے حصہ میں؟

(۲) کیا حقیقی بھتیجے اور باپ شریک بھائی کے لڑکے میراث پانے میں برابر کے حق دار ہیں، یا کم وبیش کا فرق ہے؟

(۳) حقیقی بھائی کا صرف ایک لڑکا ہے، اور باپ شریک بھائی کے چار لڑکے ہیں تو کیا سب بھتیجے برابر کے شریک ہیں یا تقسیم میراث میں یہ اعتبار بھی کیا جائے گا، کہ ایک بھائی کا ایک لڑکا آدھی جائیداد اور دوسرے بھائی کے چار لڑکے ہیں، دوسری آدھی میں سب شریک ہوں گے؟

(۴) اگر سب بھتیجے برابر کے شریک ہیں تو ایک بیوہ اور پانچ بھتیجوں میں حاجی کی کل

جائیداد وصیت کے ہوتے ہوئے کس طرح تقسیم ہوگی؟

(۵) کیا حاجی صاحب مرحوم کی بیوہ کو شرعاً یہ حق ہے کہ وہ ساری جائیداد میں تن تنہا تصرف کر کے جس کو جو چاہے دیں اور جس کو چاہے محروم کر دیں؟

(۶) کیا مدرسہ کو اس طرح کی جائیداد قبول کرنے کا حق ہے؟ کیا مدرسہ کی دینی تعلیم اور دین سے نا آشنا منتظمین کو مدرسہ کے لیے اس قسم کی جائیداد لینے کا صرف اس لیے حق ہے کہ یہ دینی ادارہ ہے، مدرسہ کے لیے جو پیسہ لیا جا رہا ہے وہ جائز ہے یا نا جائز؟

(۷) اس صورت حال کا سب سے افسوس ناک پہلو یہ ہے کہ بستی کے سارے علما اس پوری صورت حال میں حاجی عرفان کی بیوہ عظمت آپا کے لیے ساری جائیداد میں تن تنہا تصرف کے حق اور پھر اس سے بڑھ کر جانتے بوجھتے، مدرسہ کی اس جائیداد کو قبول کرنے اور اس سلسلے میں مقدمہ بازی میں عوام کا روپیہ خرچ کرنے کو جائز نہیں مانتے اور عوام اس خوش فہمی میں مبتلا ہیں کہ آپا عظمت نے کسی کو جائیداد نہ دے کر جنت کما لی ہے کہ ساری جائیداد اللہ کی راہ میں دیدی، لہٰذا کوئی کون ہوتا ہے ان کو روکنے والا؟

اس مکمل صورت حال کو سامنے رکھ کر آپ ہمارے ساتوں سوالوں کا ترتیب وار مفصل ومدلل جواب عنایت فرما دیں، تا کہ اس مسئلہ کو لے کر اس کی شرعی حیثیت کے بارے میں بستی میں جو کنفیوزن اور تردد کی فضاء پائی جاتی ہے وہ آپ کے بے لاگ اور شرعی دوٹوک جواب سے واضح اور متعین ہو جائے۔

نوٹ: یہ وضاحت بھی فرما دیں کہ مذکورہ بالا تفصیل کی روشنی میں اگر مقدمہ (جس کے نام جائیداد کی گئی ہے) مقدمہ جیت جاتا ہے تو اس کے لیے جائیداد محض دنیاوی عدالت میں جیتنے سے جائز ہو جائے گی؟

المستفتی: اہل محلّہ مولویان وقاضیان قصبہ سہس پور بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حاجی عرفان صاحب کی جائیداد میں بھتیجے شاہد علی کے لڑکے طاہر علی کے حق میں شرعاً تہائی مال میں وصیت نافذ ہوسکتی ہے، حقیقی بھتیجہ کے ہوتے

ہوئے...... باپ شریک بھائی کے تمام لڑکے محروم ہوجائیں گے،اور وصیت پوری کرنے کے بعد باقی مال کو چار حصوں میں تقسیم کرکے ایک حصہ بیوی جنن عظمت آپا کو اور بھتیجہ شاہد علی کو بقیہ تین حصے مل جائیں گے...... اور جنن عظمت آپا کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ تنہا اس جائیداد میں تصرف کرے اور جس کو چاہے دیدے،اور ورثاء کو محروم کردے، اسی طرح پوری جائیداد مسجد یا مدرسہ میں وقف کردینے کا بھی حق نہیں ہے، اور یہ وہم غلط ہے کہ وارثین کا حق مار کر مدرسہ کو پوری جائیداد وقف کردینے سے جنت کمالی گئی ہے، لہٰذا ایک تہائی میں وصیت نافذ کرنے کے بعد بقیہ جائیداد کو چار حصہ کرکے ایک حصہ جنن عظمت آپا کی ملکیت ہے وہ صرف اپنی ہی ملکیت کے حصہ کو مدرسہ کے لیے دینا چاہے تو دے سکتی ہے، باقی حصے میں عظمت آپا کا کوئی حق نہیں ہے اور عظمت نے بقیہ حصہ میں تصرف کرکے مدرسہ کو جو دیا ہے وہ دینا صحیح نہیں ہوا ہے، وہ جائیداد حقداروں کو واپس کردینا لازم اور ضروری ہے، نیز حقداروں کے حق مارنے کے لیے اہل مدرسہ کا مقدمہ بازی کرنا قطعاً جائز نہیں ہے، اہل مدرسہ پر لازم ہے کہ حقداروں کے حق کو فوراً واپس کردیں۔

لایجوز التصرف فی مال غیره بلا إذنه ولا ولایته. (در مختار مع الشامی، الغصب، مطلب: فیما یجوز من التصرف بمال الغیر زکریا ۲۹۱/۹، کراچی ۲۰۰/۶، الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۹٦/۲۸، شرح المجلة رستم اتحاد ۶۱/۱، رقم المادة: ۹٦)

لایجوز لأحد أن یأخذ مال أحد بلاسبب شرعی. (قواعد الفقه، اشرفی ۱۱۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳/ رجب المرجب ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۴۷۵/۳۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۳/۷/۱۴۳۵ھ

چچا کے کل متروکہ مال میں چچی کا تصرف

سوال [۱۱۵٦٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: میرے چچا اور چچی لاولد تھے ان کے پاس تقریباً چودہ بیگہ زمین تھی وہ کہا کرتے تھے کہ اگر میرا انتقال ہوگیا تو یہ زمین تیری چچی کی رہے گی، اس کے بعد تو اور تیرے بچے مالک ہوں گے، بلکہ انہوں نے ایک بار وصیت بھی لکھ دی تھی، بہرحال چچا کا انتقال ہوگیا اور اس آراضی کا دنیاوی قانون کے اعتبار سے چچی کے نام داخل خارج ہوگیا، اس لیے چند سال اس کی پیداوار سے بافراغت اپنی بسر اوقات کرتی رہیں، اب چچی آراضی مذکورہ کو مدرسہ اسلامیہ کے نام وقف کرنا چاہتی ہیں، لہٰذا دریافت طلب امر یہ ہے کہ شریعت مطہرہ کی رو سے آراضی مذکورہ میں کچھ میرا بھی حق یا حصہ ہے یا نہیں؟

المستفتی: شاہد علی ولد عزت سہس پور بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: چچا کے انتقال کے وقت آپ کے چچا کے بھائیوں اور بہنوں میں سے اگر کوئی زندہ رہا تو شرعی قانون کے مطابق مال کو تین حصہ کر کے ایک حصہ میں آپ کے حق میں وصیت ہوسکتی ہے، اور باقی دو حصہ کے چار حصہ کر کے چوتھائی حصہ چچی کا ہوگا، اور باقی تین حصے چچا کے بھائیوں اور بہنوں کے لیے ہوں گے، اور اگر بھائی بہنیں موجود نہیں تھے تو آپ کے چچا کے جتنے بھتیجے موجود ہیں وہ سب ایک چوتھائی کے بعد مابقیہ تین حصہ کے حقدار ہوں گے، جس میں آپ بھی شامل ہوں گے، مگر یہ تفصیلی وضاحت اس وقت لکھی جاسکتی ہے جبکہ آپ چچا کے بھائی بہن اور بھتیجوں کی پوری وضاحت لکھ دیں گے، اس سے پہلے مکمل جواب مشکل ہے، ہاں البتہ آپ کی چچی کو پوری جائیداد میں تصرف کرنا یا پوری جائیداد مسجد یا مدرسہ میں وقف کردینے کا حق نہیں ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۲/۸ ۳۵، جدید زکریا مطول ۱۳/ ۴۴۵)

لایجوز لأحد أن یتصرف فی ملک غیره بلا إذنه أو وکالة منه أو ولایة علیه وإن فعل کان ضامنا. (شرح المجلة رستم اتحاد ۱/ ۶۱- ۹۶)

لایجوز التصرف فی مال غیره بلا إذنه ولا ولایته. (در مختار مع الشامی، الغصب، مطلب: فیما یجوز من التصرف بمال الغیر زکریا ۹/ ۲۹۱، کراچی ۶/ ۲۰۰،

الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۸/۲۹٦، شرح المجلة رستم اتحاد ۱/٦۱، رقم المادة: ۹٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷ ؍صفر المظفر ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳٦/ ۷۹۳۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۷/۲/۱۴۲۴ھ

والد کے مکان میں اقامت پذیر لڑکی سے کرایہ مانگنا

سوال [۱۱۵٦۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) مسماۃ ذکیہ بی کے تین بھائی اور تین بہنیں ہیں، آج سے تقریباً ۲۵ ؍سال قبل جب تینوں بھائی دوسری جگہ رہنے چلے گئے، والد صاحب نے میری پریشانی دیکھ کر مجھ سے کہا کہ یہ میرا گھر خالی ہے تم لے لو اور بنا کر رہو، اور خود والد صاحب بھائیوں کے پاس رہنے چلے گئے، والد صاحب نے مجھے مکان دینے کی نوعیت نہیں بیان کی تھی کہ ہدیہ کے طور پر یا عاریت کے طور پر، میں نے اس وقت والد کے دیئے ہوئے کچے مکان کی پختہ تعمیر کرائی، جس میں اس وقت ساٹھ ہزار روپئے لگے تھے، اب بھائی لوگ اس وقت مکان خالی کرا رہے ہیں، والد کا بھی انتقال ہو چکا ہے اور ایک بہن کا جو شرعی حق بنتا ہے صرف وہی دینے کو تیار ہیں، اور میں نے جو تعمیر میں خرچ کیا اسی طرح گاہے بگاہے پانچ سال کا مکان ٹیکس بھی بھرا ہے، سب کو کرایہ میں جوڑ رہے ہیں، اب دریافت طلب امر یہ ہے:

(۱) کہ والد نے جو مجھے مکان رہنے کو دیا ہے وہ کس نوع پر شمار ہوگا، کرایہ دینا پڑے گا؟

(۲) متنازعہ مکان جس کو میں نے آج سے ۲۵ ؍سال قبل تعمیر کرایا، جس کا خرچ ساٹھ ہزار روپیہ لگا تھا، اس کا خرچہ آج کے حساب سے جوڑا جائے گا یا نہیں؟ نیز وہ خرچ مجھے علیحدہ ملے گا یا نہیں؟ جبکہ بھائی لوگ مکان کا کرایہ اس طرح جوڑتے ہیں، ابتداء میں ۱۵ ؍سال تک دوسو روپئے ماہانہ، اور آخری گیارہ سال کے ایک ہزار روپیہ ماہانہ، جبکہ میں اس وقت ۲۰ ؍۲۵ ؍روپیہ ماہانہ کرایہ دیتی تھی، وہ بھی نہ بن پڑتا تھا، تو والد نے مجھے مکان رہنے کے

لیے دیا تھا، جو بھی شریعت کا فیصلہ ہو تحریر فرمائیں؟

المستفتیه: زکیہ بی کھنڈوہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر سوال اپنی جگہ سچائی پر مبنی ہے کہ والد نے بیٹی کو بلا صراحت رہنے کی اجازت دی ہے تو ایسی صورت میں جتنے سال بھی وہاں تعمیر کر کے رہی ہے وہ عاریت اور تبرع کے طور پر شمار کیا جائے گا اس کا کوئی بھی کرایہ کسی کو بھی نہ مقرر کرنے کا حق ہے اور نہ لینے کا حق ہے، اور بھائیوں کی طرف سے کرایہ کا مطالبہ کرنا شرعاً درست نہیں ہے، ہاں البتہ اگر وہ زمین میراث میں شمار کی جائے تو زکیہ بی کی تعمیر کردہ عمارت کی قیمت آج کے حساب سے لگائی ہوگی، آج جس کنڈیشن میں وہ عمارت ہے اس عمارت کی جو بھی قیمت سمجھدار لوگ آکر لگا دیں گے وہ پوری قیمت زکیہ بی کو ادا کرنی بھائیوں پر لازم ہے، اس کے بعد زکیہ بی اپنے حصہ میراث کی اس زمین میں حقدار بھی رہے گی۔

عن أبي أمامة الباهلي -رضي الله عنه- قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول في خطبته عام حجة الوداع، إن الله تبارك وتعالىٰ قد أعطىٰ كل ذي حق حقه فلا وصية لوارث. (سنن الترمذي باب ما جاء لا وصية لوارث النسخة الهندية ۲/ ۳۲ دار السلام رقم: ۲۱۲۰، سنن أبي داؤد الوصايا، باب ماجاء في الوصية للوارث، النسخة الهندية ۲/ ۳۹٦، دار السلام رقم: ۲۸۷۰، سنن ابن ماجه، لا وصية لوارث النسخة الهندية ۲/ ۱۹٤ دار السلام رقم: ۲۷۱۳)

ولا بأس بتفضيل بعض الأولاد في المحبة لأنها عمل القلب وكذا في العطايا. (خانيه زكريا جديد ۳/ ۱۹٤، على هامش الهندية ۳/ ۲۷۹، تاتارخانية ۱٤/ ٤٦۲ رقم: ۲۱۷۲۵، در مختار مع الشامي زكريا ديوبند ۸/ ۵۰۱، كراچی ۵/ ٦۹٦، الموسوعة الفقهية الكويتية ٤۵/ ۲۰۰)

وتعتبر القيمة يوم الوجوب، وقال: يوم الأداء (در مختار) وتحته في الشامية: يعتبر يوم الأداء بالإجماع وهو الأصح. (شامي زكريا ۳/ ۲۱۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲٦؍ شوال المکرم ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۵۰۰)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۱۰/۲٦ھ

تقسیم سے قبل ترکہ میں ہوئے تجارتی نفع کا حکم

سوال [۱۱۵۶۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید وبکر، خالد وعمر چار بھائی تھے، چاروں وطن میں ساتھ ساتھ رہتے تھے، والد موجود تھے، دونوں بڑوں یعنی زید وبکر کو والد نے ممبئ کمانے کے لیے بھیجا، مہینہ دو مہینہ کے بعد بڑا والا بھائی زید واپس گھر چلا آیا اور دوسرا بھائی بکر ممبئ کمانے میں لگا رہا، پھر سال دو سال کے بعد تیسرے نمبر والے بھائی خالد کو بکر نے ممبئ بلایا، دونوں نے مل کر دس بارہ سال کمایا، اس کے بعد نمبر دو والے بھائی بکر نے نمبر ایک والے بھائی زید کے لیے قرض لے کر اور اپنی بیوی کا زیور بیچ کر اور نمبر دو والے بھائی بکر اور نمبر تین والے بھائی خالد نے کما کر پیسہ ایجنٹ کو دیا اور نمبر ایک والے بھائی زید کو کمانے کے لیے دبئ بھیج دیا، پھر زید نے خالد کو دبئ بلایا، دوکان بنائی، اس کے بعد نمبر دو والے بھائی بکر کو بلایا، تین سال تک دوکان میں تھوڑی سی آمدنی تھی، پھر دو سال کے بعد والد کا انتقال ہو گیا، دوکان کی قیمت ۳۲/ ہزار درہم رکھی گئی، بڑے بھائی زید نے آٹھ ہزار درہم اپنا حصہ لے لیا، اور دوکان اور کاروبار سے الگ ہو گیا اور بقیہ تین بھائیوں کا حصہ ایک ساتھ رہا، دوکان کو بکر چلاتا رہا، پھر اسی دوران بکر نے ایک اور دوکان دوسری جگہ اپنے نام کے لائسنس سے بنوالی، اسی دوران پہلی دوکان کا لائسنس جو زید کے نام تھا زید نے بٹوارے کے دو تین سال کے بعد لے لیا، پھر بکر اپنے نام کا لائسنس اس پہلی دوکان پر لگا کر کام کرنے لگا، پھر یہ دوکان دو تین سال کے بعد ٹوٹ گئی اور بکر اپنے نام کے لائسنس کو دوسری دوکان پر لے گیا پھر کما کما کر پورا گھر کا خرچہ دیا، اور اللہ کی رحمت سے آمدنی بہت زیادہ ہوگئی، دو تین دوکان اور بنائی اور کما کر گھر والوں کو سب دیتا رہا، پھر ۱۹۹۶ء میں عمر کا قتل ہو گیا، اس وقت عمر کے سارے بچے نابالغ تھے، سب سے بڑا والا بچہ چھ سات سال کا تھا، اس کو گولی لگ گئی تھی، اس کے علاج پر دس لاکھ روپئے کے قریب خرچ ہوئے جو بکر نے دیئے، اور تیسرے نمبر والا بھائی خالد کے گھر بیٹھ گیا، بکر کما کما کر دس بارہ سال تک

گھر والوں کو دیتا رہا، اور مقدمہ وغیرہ و دیگر اخراجات میں تقریباً آٹھ لاکھ درہم قرض ہو گیا، پھر خالد بٹوارے کے لیے وزٹ ویزا لے کر دبئی آیا تو اس وقت بکر کے ذمہ تقریباً آٹھ لاکھ درہم کا قرض تھا، اور سب دوکان کی قیمت چھ لاکھ تھی، خالد قرض میں حصہ دار بننے کے لیے تیار نہیں ہوا تو اس صورت میں کاروبار میں خالد کا حصہ ہوا یا نہیں؟

عمر کے بیوی بچوں کی دیکھ بھال اور سارے اخراجات بکر اٹھاتا رہا، سب بچے نابالغ تھے، خرچہ و مصارف کا یہ سلسلہ پندرہ سال چلا، بکر کاروبار کرتا رہا، بکر کا لڑکا بھی دس بارہ سال سے بکر کے ساتھ پورے طور پر کاروبار میں لگ کر ڈیوٹی دے رہا ہے، اب بکر کے پاس سترہ لاکھ درہم کی پراپرٹی ہے، عمر کمانے کے لیے کبھی دبئی نہیں آیا، صرف ایک بار گھومنے کے لیے ایک ہفتہ کے لیے دبئی آیا تھا، اب جو یہ سترہ لاکھ درہم کی پراپرٹی بکر کے پاس ہے اس میں عمر کے بچوں کا کتنا حق ہے؟

پندرہ سال کے عرصہ میں عمر کے بچوں کو خصوصی طور پر بڑھا کر خرچہ دیتا رہا، اسی دوران بکر نے عمر کے بیوی بچوں کے لیے تقریباً ۱۰؍ لاکھ روپئے (انڈین) کی زمین و گھر بھی خرید کر دیا ہے۔

المستفتی: عبدالخالق یو اے ای اعظم گڑھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سوالنامہ میں لکھی ہوئی پوری داستان کا حاصل یہ نکلا کہ باپ کی وفات تک سارے بیٹے کم و زیادہ مشترکہ کاروبار میں شریک رہے ہیں، اور باپ کی وفات کے وقت سوالنامہ کے مطابق ۳۲؍ ہزار درہم کا سرمایہ تھا، اس میں چار بیٹوں میں سے ایک بیٹا اپنا حصہ آٹھ ہزار درہم لے کر الگ ہو گیا، اس سے معلوم یہ ہوتا ہے کہ ہر ایک بیٹا، ۸/۸؍ ہزار درہم کا حصہ دار ہے، لیکن درمیان میں خالد کاروبار چھوڑ کر گھر بیٹھ گیا ہے تو جس وقت وہ گھر بیٹھ رہا تھا اس کا حصہ الگ کر کے اس کو دیدینا چاہیے تھا، اور اگر آپس میں رضامندی سے کام چلتا رہا ہے اور خالد کو گھر کی دیکھ بھال کے لیے گھر چھوڑا گیا ہے تو خالد کو کاروبار میں مکمل شریک سمجھا جائے گا، لیکن سوال یہ ہے کہ جب خالد نے اپنی حصہ داری کا دعویٰ کیا تو بکر نے آٹھ لاکھ درہم کا قرض کیسے دکھایا، اور دوکان کی قیمت کل چھ لاکھ درہم کی بن رہی تھی، پھر

سترہ لاکھ درہم کا سرمایہ کہاں سے آگیا ہے؟ اس سے تجارتی اتار چڑھاؤ کی بات سمجھ میں آتی ہے، قرض ادا کرنے کے بعد ایماندارانہ طور پر مشترکہ تجارت میں سے خالد کا جو بھی شرعی حصہ بنتا ہے وہ اس کو دیدینا چاہیے، اور عمر کی موت کے وقت جو بھی سرمایہ تھا اس کا تہائی حصہ عمر کے وارثین کا حق بنے گا، اور بکر نے عمر کے بیوی بچوں کے لیے انڈیا میں جو جائیداد دی ہے اگر وہ عمر کے حصہ سے دی ہے تو اس کا حساب لگا کر کے اس کو عمر کا حصہ قرار دیا جا سکتا ہے۔

لو اجتمع إخوة یعملون فی ترکة أبیهم ونما المال فهو بینهم سویة ولو اختلفوا فی العمل والرائ. (شامی، مطلب: اجتمعا فی دار واحدة واکتسبا ولا یعلم التفاوت فهو بینهما بالسویة، زکریا ۶/ ۵۰۲، کراچی ۴/ ۳۲۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/ محرم الحرام ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۸۵۵)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۹/۱/۱۴۳۱ھ

قبل التقسیم ترکہ میں کسی وارث کے تصرف کا حکم

سوال [۱۱۵۶۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مسماۃ نصیباً نے انتقال کے بعد اپنے ورثاء میں شوہر وزیر احمد دولڑکے صدیق احمد وشبیر احمد اور ایک لڑکی بانو بیگم کو چھوڑا، پھر شوہر وزیر احمد کا بھی انتقال ہوگیا، اب صرف دو لڑکے اور ایک لڑکی وارث بچے، صدیق احمد نے تقسیم کے بغیر ہی مکان کا آدھا حصہ ۱۹۶۳ء میں فروخت کردیا اور اس کے بعد یہ مکان تقریباً پانچ مرتبہ اور فروخت ہوا، آخر میں اسے بائع اول صدیق احمد کی لڑکی شاہجہاں نے خریدلیا، اب صدیق احمد کی بہن بانو بیگم کی جانب سے شبیر احمد کی اولاد نے مسماۃ شاہجہاں بیگم پر مقدمہ دائر کیا ہے کہ اس مکان میں ہمارا بھی حصہ ہے، اب پوچھنا یہ ہے کہ پورے نصف مکان پر جسے شاہجہاں نے خریدا ہے بیع کے احکام جاری ہوں گے یا صدیق کے حصہ کے بقدر ہی بیع مانی جائے گی، حالانکہ تمام خریدنے والے

آدھے مکان کی قیمت دیتے رہے ہیں۔

نوٹ: کل مکان کی آراضی ۱۰-۲۱۳؍مربع میٹر ہے جس میں شاہجہاں نے نصف ۵۵-۱۰۶؍مربع میٹر خریدا ہے۔

المستفتی: سید عاصم علی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب صدیق احمد نے فروخت کردیا تھا اور اس وقت شبیر احمد اور بانو بیگم کی طرف سے کوئی اعتراض نہیں ہوا ہے اور اس کے بعد یکے بعد دیگرے چار پانچ مرتبہ اس پر خرید وفروخت کا معاملہ چلتا رہا ہے اور نہ شبیر احمد و بانو بیگم یا ان کے ورثاء نے دعویٰ کیا اور نہ ہی اعتراض پیش کیا ہے پھر اب اتنی مدت گذرنے کے بعد ورثاء کی طرف سے دعویٰ شرعی طور پر معتبر نہیں ہے، ہاں البتہ دعویٰ معتبر نہ ہونے کی وجہ سے عند اللہ ان کا حق باطل بھی نہ ہوگا، بلکہ ان کو آخرت میں ملے گا، لہٰذا بہتر یہ ہے کہ خریدار شاہجہاں ان ورثاء کو بھی ثمن میں سے کچھ دے کر راضی کرلے، اور اسی طرح بائع بھی کچھ دے کر راضی کرلے تاکہ آخرت میں کسی حقدار کا دعویٰ باقی نہ رہے۔

باع عقاراً...... وابنه أو امرأته حاضر يعلم به ثم ادعىٰ الابن مثلاً أنه ملكه لاتسمع دعواه، وتحته في الشامية: رجل تصرف زمانا في أرض ورجل آخر يرى الأرض والتصرف ولم يدع ومات (إلى قوله) وإن لم يسبقه بيع (وقوله) إذا ترك الدعوىٰ ثلاثا و ثلاين سنة ولم يكن مانع من الدعوىٰ ثم ادعىٰ لا تسمع دعواه لأن ترك الدعوىٰ مع التمكن بدل على عدم الحق ظاهراً (وقوله) فلا تسمع الدعوىٰ في هذه المسائل مع بقاء الحق للآخرة. (شامی، کتاب الخنثیٰ، مسائل شتی زکریا ۱۰/۴۶۷، کراچی ۶/۷۴۲، کوئٹہ ۵/۵۲۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍ربیع الثانی ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۷۱۲)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۷؍۴؍۱۴۱۹ھ

مشترکہ کمائی سے خریدی گئی جائیداد میں سب بھائی برابر کے حقدار ہیں

سوال [۱۱۵۷۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کے پانچ بھائی ہیں، دو بھائی گھر کا کھیتی باڑی کا کام دیکھتے ہیں، تین بھائی باہر ممبئی، سعودی وغیرہ میں کام کرتے ہیں، کبھی کبھی باہر کے لوگ گھر پر کچھ پیسہ بھیجتے ہیں، ابھی موروثی جائیداد کا بٹوارہ نہیں ہوا ہے، سب مشترک چل رہا ہے، سوال یہ ہے کہ جو بھائی باہر رہ کر کام کررہے ہیں ان کی جو کمائی ہے آیا وہ کمائی ہوئی رقم اور جائیداد کے خود مالک ہیں، کسی اور کا حصہ اس میں نہیں ہے یا وہ مشترک ہے سارے بھائیوں کا اس میں حصہ ہے؟

المستفتی: ماسٹر صدیق عمر گونڈہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: حسب تحریر سوال اگر پانچوں بھائی مشترکہ طور پر کمائی کرتے ہیں اور سب ایک ساتھ رہتے ہیں، اور کوئی بھی الگ نہیں ہوا ہے، اور ہر ایک کے درمیان پہلے سے یہی سمجھوتہ رہا ہے کہ ہم سب ایک ساتھ ہیں، ہماری کمائی بھی سب کے درمیان مشترک رہا کرے گی چاہے کسی کی کمائی زیادہ ہو اور کسی کی کمائی کم ہو تو ایسی صورت میں سب اپنی اپنی کمائی اور خریدی ہوئی جائیداد مشترک کرکے تقسیم کرلیں اور تقسیم کے وقت برابر کی تقسیم ضروری ہے، اور ایسے حالات میں عام طور پر بعد میں کسی کی نیت خراب ہوجاتی ہے، اس لیے بھائیوں کے درمیان پہلے سے ایک تحریر مرتب ہونی چاہیے تاکہ سب لوگ اس تحریر کے پابند رہیں اور اگر معاملہ ایسا نہیں ہے، بلکہ ہر ایک اپنی اپنی کمائی اپنے اپنے پاس رکھتے ہیں اور اگر عملاً مشترک نہیں ہیں اور باہر کے رہنے والے گھر پر رہنے والوں کے پاس جو پیسے بھیجتے ہیں، گھر کی ذمہ داری سمجھ کر نہیں بھیجتے ہیں، بلکہ بھائیوں کی مدد سمجھ کر بھیجتے ہیں، تو حکم دوسرا ہوگا، کہ ہر ایک اپنی کمائی کا خود ہی مالک ہوگا، جبکہ باہر جاکر کام کرنے والوں نے باپ کے سرمایہ سے کام شروع نہ کیا ہو اور بہتر یہی ہے کہ وہاں کے قریب کے کسی مفتی سے یا بڑے

عالم کو بیچ میں ڈال کر بھائیوں کے درمیان صلح کی شکل میں تصفیہ کرادیں۔

وکذا لو اجتمع إخوة یعملون فی ترکة أبیهم ونما المال فهو بینهم سویة ولو اختلفوا فی العمل والرائ. (شامی، مطلب: اجتمعا فی دار واحدة واکتسبا ولا یعلم التفاوت فهو بینهما بالسویة زکریا ۶/۵۰۲، کراچی ۴/۳۲۵) **فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹ / ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۲۶۴)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۹/۴/۱۴۲۸ھ

کاروبار میں لگائے گئے ترکۂ میت کے منافع کے حقدار کون؟

سوال [۱۱۵۷۱]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ صالحہ خاتون ایک کاروبار میں شریک تھیں، ان کے چھ لڑکیاں اور پانچ لڑکے ہیں، اس میں سے دو لڑکے بھی اسی کاروبار میں شریک تھے، ۲۴ / اگست ۱۹۹۹ء کو صالحہ خاتون کا انتقال ہوگیا، بعد انتقال ان کے تیسرے لڑکے نے کہا کہ والدہ کی جو بھی رقم کاروبار میں موجود ہے، وہ میں سب کو ادا کردوں گا، اور مجھے والدہ کے برابر شریک کرلیا جائے اس بات کو تسلیم کرلیا گیا، مگر آج تک تیسرے لڑکے نے والدہ کی رقم ورثاء کو ادا نہیں کی، ۲۲/ اگست سے آج تک کاروبار میں نفع ہوا والدہ کی رقم سے لہٰذا اس نفع کے حقدار تمام ورثاء ہوں گے یا صرف تیسرا لڑکا تنہا حقدار ہوگا جبکہ تیسرے لڑکے نے آج تک والدہ کی رقم ورثاء کو ادا نہیں کی؟

المستفتی: محمد اکبر مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب یہ بات طے ہوگئی ہے کہ والدہ کی شرکت کا سارا سرمایہ ادا کرکے والدہ کی جگہ شریک بن جائے گا، توجب تک والدہ کے سرمایہ کی قیمت وارثین کو ان کے حقوق کے مطابق ادا نہیں کرے گا، اس وقت تک مذکورہ کاروبار میں والدہ کی جگہ تیسرا لڑکا شریک نہ ہوگا، بلکہ جس دن ادا کرے گا اسی دن سے شریک شمار کیا جائیگا، لہٰذا والدہ کی وفات کے

بعداب تک جونفع ہوااس میں تمام ورثاءاپنے اپنے حقوق کے مطابق حقدارہوں گے۔

الحق لایسقط بتقادم الزمان. (قواعد الفقه اشرفی دیوبند ص:۷۷) **فقط واللہ** سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیراحمدقاسمی عفااللہ عنہ
۲۲رشوال المکرّم۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر:۳۴/۶۹۱۵)

تقسیم سے قبل ترکہ میں ہونے والانفع سب ورثاء کےدرمیان مشترک ہے

سوال [۱۱۵۷۲]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرے شوہر نے اب سے بیس سال قبل ایک فرم ایکسپورٹ کی دوکان ایک شخص کے ساتھ کھول کرا یکسپورٹ کا کاروبار شروع کیا، لگ بھگ دس سال بعد میرالڑکا اسکول سے تعلیم پا کرآیاتو میرے شوہر نے اس شخص کے ساتھ پارٹنرشب ختم کرکے اپنے بیٹے کوفرم میں ۵۰رپرسینٹ کا پارٹنربنایااور پچاس پرسینٹ میرے شوہر پر ہوگئے میرے شوہر نے اپنی سب اولادوں کی شادی بھی کرلی، میرے شوہر کا لگ بھگ تین سال قبل انتقال ہوگیا، انہوں نے پیچھے ایک لڑکا اورتین لڑکیاں اورایک بیوی چھوڑی، میں جاننا چاہتی ہوں کہ میرے شوہر نے فرم، سے یا اپنی الگ انکم سے جوبھی اپنی زندگی میں جائیداد وغیرہ خرید کراس کوتعمیر کیا، فرم و رہائش کے مکان میں پیسہ لگایا وہ کس کامانا جائے گا، وہ کس طرح تقسیم کیا جائے گا،اور یہ کہ میرے لڑکے نے تین سال گذرجانے پربھی حق داروں کوحق ادانہیں کیاان کے انتقال کے بعدان کے سرمایہ سے جوبھی کاروبارآج تک ہواہےان کےنفع میں وارثوں کاحق بنتاہےیانہیں؟

المستفتی: رضاءالرحمٰن عبداللہ جواد تمبا کووالا امرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سوال نامہ میں جوصورت ذکرکی گئی ہےاس میں آپ کےشوہرنےاپنی ملکیت سے جوبھی کچھ خریدااورجائیداد تیارکی اورتعمیروغیرہ کرائی ہے وہ

سب ان کے شرعی ورثاء کا حق ہے جوان کے درمیان تقسیم ہوگا اور اب تک آپ کے بیٹے نے جو دیگر ورثاء کا حق نہیں دیا ہے اس کی وجہ سے گنہگار ہوں گے،اس کے لیے ان کو اپنی ماں اور بہنوں سے معافی تلافی لازم ہے، اور اب تک باپ کے سرمایہ سے جو بھی کچھ کاروبار ہوا ہے اس کے نفع میں سب ہی ورثہ شریک ہوں گے اور تقسیم کی تاریخ کے دن جو بھی مرحوم کا ترکہ اور اس کا نفع ہے سب اس کے شرعی ورثاء کے درمیان درج ذیل نقشہ کے مطابق تقسیم ہوگا:

۴۰/۸

میت

بیوی	لڑکا	لڑکی		لڑکی	لڑکی
۱/۵	۱۴	۷	۷/۳۵	۷	۷

کل ترکہ ۴۰/ برابر حصوں میں تقسیم ہوکر بیوی کو پانچ حصے،لڑکے کو ۱۴/ حصے اور ہر لڑکی کو ۷/۷/ حصے ملیں گے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۸/۲۹۷، جدید زکریا مطول ۱۳/ ۴۴۹، فتاویٰ محمودیہ جدید ڈابھیل ۲۰/ ۳۰۹)

التركة في الاصطلاح ما تركه الميت من الأموال صافيا عن تعلق حق الغير بعين من الأموال. (شامی، کتاب الفرائض، زکریا ۱۰/۴۹۳، کراچی ۶/۷۵۹)

وكذا لو اجتمع إخوة يعملون في تركة أبيهم ونما المال فهو بينهم سوية ولو اختلفوا في العمل والرائ. (شامی، مطلب: اجتمعا في دار واحدة واكتسبا ولا يعلم التفاوت فهو بينهما بالسوية، زکریا ۶/۵۰۲، کراچی ۴/۳۲۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴/شعبان المعظم ۱۴۳۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۷۸۰/۳۸)

ترکۂ مشترک سے خریدی گئی زمین میں دوسرے ورثاء کا حصہ ہے یا نہیں؟

سوال [۱۱۵۷۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں : کہ مختار احمد، وکیل احمد، افتخار احمد تین بھائی ہیں والد کا انتقال ہوگیا، جبکہ افتخار احمد ابھی گود ہی میں تھے، اور مختار احمد شروع ہی سے الگ ہوگئے اور وکیل احمد چھوٹے بھائی افتخار احمد کو لے کر والدہ کے ساتھ رہنے لگے، وکیل احمد عمر میں بڑے اور گھر کے ذمہ دار اور کاروبار کے مالک تھے، کچھ مدت کے بعد وکیل احمد نے جنگل کا کام شروع کیا، بمبئی بھی رہے، پھر ایک دوکان بستی شہر میں کی اور دوسری گاؤں کے قریب مہولی بازار میں کی، افتخار احمد جب کاروبار دیکھنے کے لائق ہوگئے تو وکیل احمد نے بستی کی دوکان ان کے سپرد کر کے خود مہولی بازار کی دوکان پر بیٹھنے لگے، دونوں دوکانوں کی آمدنی سے مہولی بازار میں گھر بنا اور مشترکہ آمدنی سے بستی میں زمین خریدی گئی اس کے بعد وکیل احمد مسلسل بیمار رہنے لگے، حتی کہ دماغ سے معذور ہوگئے، اب سارا بار افتخار احمد کے اوپر پڑا۔

ادھر وکیل احمد کے لڑکے نااہل اور غیر ذمہ دار ہوگئے، مگر اب تک دونوں بھائی باقاعدہ الگ نہیں ہوئے ہیں، اگرچہ رفتہ رفتہ افتخار احمد نے اپنا انداز بالکل بدل دیا، اپنی لڑکی کی شادی میں تقریباً دو لاکھ روپئے خرچ کر ڈالے اور وکیل احمد کی لڑکی کی شادی میں دس ہزار روپیہ روپئے خرچ کیے، وکیل احمد کے لڑکے نے کئی مرتبہ دوکان کھولی مگر ناکام رہے، بالآخر لون پر ٹریکٹر نکال لیا، اور افتخار احمد نے اس کو اس اقدام سے روکنے میں خاصی دلچسپی نہیں لی، ورنہ غالبًا یہ کام نہ ہوتا اور اب اس سے بالکل بری ہونا چاہتے ہیں کہ ہمارا اس سے کوئی مطلب نہیں تم اپنے حصے کی زمین و جائیداد بیچ کر قرض ادا کرو، مجبور لڑکے نے اپنے چچا مختار احمد کے ہاتھ گاؤں والا گھر بیچ دیا، جس پر افتخار احمد کو بہت اعتراض ہوا، پھر اس نے بستی کی زمین فروخت کرنی چاہی، چند قریبی خیر خواہ اور سمجھ دار لوگوں نے بیچ میں پڑ کر ڈیڑھ لاکھ میں افتخار احمد کے ہاتھ اس کا سودا کرا دیا، واضح رہے کہ اب تک دونوں بھائی عرفاً ایک ہی میں ہیں، جائیداد اور جملہ املاک کا باقاعدہ تفصیلی بٹوارہ نہیں ہوا ہے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ:

(۱) کیا موجودہ صورتحال میں افتخار احمد کی بستی کی دوکان سے حاصل ہونے والی آمدنی میں وکیل احمد کا حصہ ہے یا نہیں؟ جبکہ وکیل احمد نے ہی ان کو پالا پوسا پڑھایا، لکھایا، شادی بیاہ

کیا، اوردوکان کھول کران کے ذمہ کی اوراب دماغ سے معذور معطل ہوکرلاچار پڑے ہیں؟

(۲) افتخار احمد کا وکیل احمد کوبستی کی دوکان مال نقدی وغیرہ میں حصہ نہ دینا کیسا ہے؟ جائز یاناجائز حق بنتاہے یانہیں؟

المستفتی: علی احمد خاں کبیرنگر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوالنامہ میں ذکر کردہ تمام جائیداد دونوں بھائیوں کے درمیان مشترکہ سلسلہ آمدنی سے خریدی گئی ہیں، شروع میں بڑے بھائی وکیل احمد کی محنت زیادہ رہی، بعد میں چھوٹے بھائی افتخار احمد کی محنت اور عمل دخل زیادہ رہا بھائیوں کے درمیان مشترک کاروبار میں ایسا ہوتا رہتا ہے، لہٰذا اب تک کی جتنی آمدنی خرچہ، اخراجات عمل میں آئے ہیں سب مشترکہ کاروبار اور جائیداد سے متعلق ہی شمار ہوں گے اوراب جائیداد کاروبار، آمدنیاں اوردوکان کے سرمائے تقسیم ہوں گے، تودونوں بھائیوں کے درمیان نصف نصف برابر برابر تقسیم ہوں گے کسی کو کسی سے زیادہ نہیں ملیں گے، لہٰذا بستی کی دوکان اورمہولی بازار کی دوکان دونوں کا سرمایہ دونوں بھائیوں کے درمیان آدھا آدھا تقسیم ہوگا، بستی کی دوکان بھی آدھی آدھی ہوگی، اورمہولی بازار کی دوکان بھی آدھی آدھی ہوگی۔

وكذا لو اجتمع إخوة يعملون فى تركة أبيهم ونما المال فهو بينهم سوية ولو اختلفوا فى العمل والرائ. (شامی، مطلب: اجتمعا فی دار واحدة واكتسبا ولا يعلم التفاوت فهو بينهما بالسوية، زكريا ٦/ ٥٠٢، كراچی ٤/ ٣٢٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۱؍ربیع الاول ۱۴۲۴ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۹۹۸)

میت کے ترکہ میں تجارت کی صورت میں شرکت کا حکم

سوال [۱۱۵۷۴]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل

کے بارے میں: حاجی حشمت حسین مرحوم نے اپنے انتقال کے بعد اپنی پہلی بیوی الفت خاتون (جن کا انتقال مرحوم حشمت حسین کی زندگی میں ہی ہوگیا تھا) سے پانچ بیٹے: عشرت حسین، مسرت حسین، عظمت حسین، نصرت حسین وفرحت پرویز اور دولڑکیاں: نفیسہ، شفیقہ۔

زوجۂ ثانیہ: بیوہ عقیلہ خاتون (جو ابھی حیات ہیں) سے دولڑکے نابالغ: شفقت حسین ورفعت حسین چھوڑے۔

انتقال کوتقریباً ۳۱ ربرس گذر چکے، انتقال کے بعد مرحوم حشمت حسین نے جو کاروبار چھوڑا تھا اس پر مسرت حسین، عظمت حسین، نصرت حسین وفرحت پرویز قابض رہے، اورآج تک چھوڑے گئے کاروبار یا اس سے متعلق کسی بھی جائیداد کو تقسیم نہیں کیا گیا ہے، والد کے انتقال کے بعد ایک عارضی تقسیم کر کے صرف عشرت حسین کو ان کا حصہ ادا کردیا گیا تھا، زوجہ ثانیہ بیوہ عقیلہ خاتون کے دو نابالغ بیٹے شفقت حسین ورفعت حسین کی پرورش شادیوں اور رفعت حسین کی تعلیم کی ذمہ داری بھی عشرت حسین، عظمت حسین، نصرت حسین اورفرحت پرویز نے اٹھائی، اور رفعت حسین کی رہائش کے واسطے ایک کمرہ بھی اس حصہ پر تعمیر کروایا جو حصہ زوجہ ثانیہ بیوہ عقیلہ خاتون کے مہر میں لکھا ہوا ہے۔

اب جب تقسیم کی بات کہی جاتی ہے تو جائیداد اور کاروبار پر قابض چاروں بھائی: مسرت حسین، عظمت حسین، نصرت حسین، فرحت حسین کہتے ہیں کہ زوجہ ثانیہ بیوہ عقیلہ خاتون کے دونوں بیٹے شفقت حسین ورفعت حسین کو کاروبار کے حصوں کی وہ رقم ادا کی جائے گی جو ہم نے والد کے انتقال کے بعد اپنے بھائی عشرت حسین کو ان کے حصوں کی ادا کی تھی، اور کہتے ہیں کہ ہم نے اسی وقت بیوہ عقیلہ خاتون کے دونوں نابالغ بیٹوں شفقت حسین ورفعت حسین کے حصوں کی رقم بھی اپنے پاس محفوظ کرلی تھی، اورآج تک وہی رقم ہمارے پاس محفوظ ہے، اور چاروں بھائی مسرت حسین، عظمت حسین، نصرت حسین، فرحت پرویز کا کہنا ہے کہ ہم تقسیم سے پہلے زوجۂ ثانیہ بیوی عقیلہ خاتون کے دونوں بیٹوں شفقت حسین ورفعت حسین سے وہ رقم وصول کریں گے جو ہم نے ان کی شادیوں اور رہائشی کمرے کی تعمیر میں خرچ کی ہے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ جس کاروبار اور اس سے متعلق کسی جائیداد کو جب آج تک تقسیم ہی نہیں کیا گیا ہے اور نہ ہی آج تک تقسیم کی بابت بتایا گیا اور نہ ہی تقسیم کیا گیا، نہ کوئی حصہ اور رقم ادا کی گئی تو اس کاروبار اور اس سے متعلق جائیداد کو کس طرح تقسیم کیا جانا چاہیے، اور اس کاروبار و جائیداد پر مرحوم حشمت حسین کی زوجہ ثانیہ بیوہ عقیلہ خاتون اور ان کے دونوں بیٹوں شفقت حسین ورفعت حسین کا کتنا حق بنتا ہے؟ اور کیا شفقت حسین ورفعت حسین کو اپنی شادیوں، تعلیم اور رہائشی کمرہ کی تعمیر پر خرچ کی گئی رقم ان چاروں بھائیوں مسرت حسین، عظمت حسین، نصرت حسین وفرحت پرویز کو لوٹانی پڑے گی؟ مہربانی فرما کر شریعت کی روشنی میں بالوضاحت بیان فرمادیں؟

المستفتی: رفعت حسین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حشمت حسین کے انتقال کے بعد مال پر قابض چاروں لڑکوں کو چاہیے تھا کہ حشمت حسین کے تمام شرعی ورثاء کے درمیان ان کا ترکہ اسی وقت شرعی ضابطہ کے مطابق تقسیم کردیتے، لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا، جس کی وجہ سے وہ عند اللہ گنہگار ہوئے، مورث اعلیٰ کے انتقال کے بعد اس کا تمام ترکہ وارثوں کی ملکیت بن جاتا ہے، لہٰذا شرعی حصوں کے مطابق اس کی تقسیم ہونی چاہیے تھی، افسوس کہ ۳۱ ؍سال گذر چکے اور شرعی تقسیم عمل میں نہیں آئی اور مشترک کاروبار چل رہا ہے، جس میں دونوں بیویوں کی اولاد شریک کاروبار ہے، اور سوال میں جس تقسیم کا ذکر کیا گیا ہے اس کا شرعاً اعتبار نہیں ہے، لہٰذا تمام ورثاء کو ایک جگہ بیٹھ کر قرآن وحدیث کے مطابق موجودہ کاروبار کی مالیت اور جائیداد وغیرہ کی موجودہ مالیت کا حساب لگا کر کل ترکہ کو حصص شرعیہ کے مطابق تقسیم کرنا چاہیے، اس لیے کہ باپ کی وفات کے بعد کاروبار میں جو ترقی ہوئی ہے وہ باپ کی مالیت کو رأس المال بنا کر ہوئی ہے، اور عارضی تقسیم کے وقت اگر عشرت بھائی کو تمام پونجی تقسیم کر کے جو شرعی حصہ بنتا ہے وہی عشرت کو دیا ہے تب تو عشرت مزید کسی چیز کا حقدار نہیں، اگر حساب شرعی کے اعتبار

سے وہ کم ہے تو اس کو پورا کرنا واجب ہے، اور رفعت وشفقت یہ چونکہ آخر تک شریک کاروبار رہے، اس لیے اب جبکہ ۳۱؍سال کے بعد جائیداد وغیرہ کی تقسیم ہوگی تو عشرت کو مستثنیٰ کرنے کے بعد باقی سب بھائی چھوٹے بڑے کاروبار جائیداد روپیوں، فرم وغیرہ میں برابر کے شریک ہوں گے، البتہ زوجہ ثانیہ عقیلہ کو جو آٹھواں حصہ مہر میں دیا گیا تھا وہ اس کا حق ہے، وہ تقسیم میں شامل نہیں ہوگا، اور اس حصہ پر رفعت حسین کی رہائش کے لیے جو تعمیر وغیرہ کی گئی ہے اس خرچ کو اگر سب لوگوں نے بخوشی کیا ہے اور خوشی سے تعمیر کردیا تھا، تو ان سب لوگوں کی طرف سے تبرع واحسان ہے، اس کا کوئی معاوضہ نہیں ہے، اور اگر خرچ وتعمیر کے وقت یہ بات طے کرلی گئی تھی کہ اس خرچہ کا حساب لگایا جائے گا، تب حساب لگانا جائز ہے، اسی طرح تعلیم اور شادی وغیرہ میں جو خرچ کیا گیا ہے وہ بھی تبرع واحسان ہے، اس کے مطالبہ کا شرعاً حق نہیں ہے اور سوال میں یہ جو لکھا گیا ہے کہ رفعت وشفقت کے حصہ کی رقم تقسیم کرکے محفوظ رکھ دی گئی تھی تو یہ ایک عجیب معمہ ہے، آج ۳۱؍سال کے بعد یہ بات کہی جارہی ہے جبکہ کم از کم ۱۸/۱۹؍سال پہلے یہ دونوں بالغ ہوچکے ہوں گے، اس لیے یہ معمہ سمجھ میں نہیں آیا ہے۔

ولایجوز لأحدهما أن یتصرف فی نصیب الآخر إلا بأمره وکل واحد منهما کالأجنبی فی نصیب صاحبه. (هندیه، کتاب الشرکة، الباب الأول، الفصل الأول زکریا قدیم ۲/ ۳۰۱، جدید ۲/ ۳۱۱، هدایه اشرفی دیوبند ۲/ ۶۲٤)

أما إذا کان بغیر أمره فلأنه تبرع فلا یملک أن یجعل ذٰلک مضمونا علیه. (بدائع، فصل فی حکم الهبة زکریا ٥/ ۱۸۱، کراچی ٦/ ۱۳۲)

وکذا لو اجتمع إخوة یعملون فی ترکة أبیهم ونما المال فهو بینهم سویة ولو اختلفوا فی العمل والرائ. (شامی، مطلب: اجتمعا فی دار واحدة واکتسبا ولا یعلم التفاوت فهو بینهما بالسویة زکریا ٦/ ۵۰۲، کراچی ٤/ ۳۲۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷؍شعبان المعظم ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۳۶۴)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۹/۱۷ھ

۱۲ باب التخارج

بدلِ صلح میں وراثت جاری ہوگی

سوال [۱۱۵۷۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ان حالات میں ملا ہوا معاوضہ مسجد یا مدرسہ میں لگا یا جاسکتا ہے یا نہیں؟ حالات اور واقعہ یہ ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کا گلا گھونٹ کر جان سے مار ڈالا، اور پھر اقبال جرم بھی کرلیا، چند مصلحتوں اور حالات کے تحت محلّہ کے لوگوں نے معاملہ تھانہ یا عدالت میں نہ جانے دیا، محلّہ کے لوگوں نے اپنے ہی درمیان اس معاملہ کو طے کیا کہ مرحوم کی تمام تر اشیاء، زیورات جو بوقت نکاح مرحومہ کے بھائی اور اس کی والدہ نے دی تھی، مرحوم کے بھائی اور والدہ کو واپس دلایا گیا، اور بطور سزا مبلغ ۸۰۰۰/ روپیہ جرمانہ نقد کی صورت میں مرحوم کے بھائی اور اس کی والدہ کو دلائے گئے، مرحومہ سے ایک بچہ بھی ہے جس کی عمر تقریباً دس ماہ ہے، بچہ کی پرورش اس کے باپ پر ہوگی، مرحومہ کا بھائی اور والدہ اس رقم کو لے کر صدقۂ جاریہ میں لگانا چاہتے ہیں، تا کہ ایصال ثواب پہنچتا رہے، برائے کرم حالات پر گہری روشنی ڈال کر جواب سے جلد از جلد مطلع فرمائیں نوازش ہوگی۔

المستفتی: جلیل احمد سیوہارہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: وإذا اصطلح القاتل و أولياء القتيل على مال سقط القصاص ووجب المال قليلا كان أو كثيرا، ......لأنه حق ثابت للورثة، وقول البناية: هو الدية على قدر حصصهم في الميراث. (ھدایہ، كتاب الجنايات، اشرفی دیوبند ٤ / ٥٧١، بنایہ قدیم ٤/ ٤٦٥، ٣/ ٥٠٨، اشرفیہ دیوبند)

ان عبارات سے چند امور معلوم ہوئے:

(۱) اس طرح صلح کر کے مقتول کے ورثاء کے لیے قاتل سے مال کی خاص مقدار کا

حاصل کرنا شرعاً جائز ہے، چاہے مال کی مقدار دیت مغلظہ سے کم ہو یا زیادہ۔

(۲) مقتول عورت کے شرعی ورثاء یافتہ رقم کے حقدار رہوں گے۔

(۳) تقسیم میراث کی طرح یافتہ رقم بھی ورثاء کے درمیان ان کے حصوں کے بقدر تقسیم ہوگی۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۳/ ۴۱۹)

نیز مرحومہ کے بچہ کی پرورش کے تمام اخراجات باپ پر لازم ہے، البتہ مرحومہ کی ماں کو شوہر سے خرچ لے کر سات سال تک پرورش کا حق حاصل ہے۔

والحاضنة أما أو غيرها أحق به أى بالغلام حتى يستغنى عن النساء وقدر بسبع و به يفتيٰ. (الدر المختار مع الشامی زکریا ۵/ ۲٦۷، کراچی ۳/ ۵٦٦)

لہٰذا یافتہ رقم موجودہ شرعی ورثاء کے درمیان درج ذیل طریقے سے تقسیم ہوگی:

میــــت ۶

والدہ	لڑکا	بھائی	قاتل شوہر
۱	۵	محروم	محروم

۸۰۰۰/ روپیہ چھ سہام میں تقسیم ہوکر ایک حصہ والدہ کو اور پانچ حصے بچہ کو ملیں گے، بھائی اور شوہر محروم ہوں گے، اب والدہ اپنا حصہ اپنی خوشی سے مدرسہ یا مسجد میں لگا سکتی ہے، بچہ کا حصہ محفوظ رکھنا واجب ہے، اس کو مدرسہ یا مسجد میں دینا جائز نہیں ہوگا، اسی طرح سامان وزیورات اور مہر سب ٦/ سہام میں تقسیم ہوکر والدہ کو ایک اور بچہ کو ۵/ سہام ملیں گے، اور بچہ کے حقوق بالغ ہونے تک محفوظ رکھنا لازم ہے، والدہ اپنے حقوق میں سے جتنا چاہے ایصال ثواب کرسکتی ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴/ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ٦٦۵)

تخارج کے بعد ترکہ میں حق نہیں رہتا، اور تقسیم کے وقت کی قیمت کا اعتبار ہے

سوال [۱۱۵۷٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: والد صاحب کے انتقال کے بعد ایک کھیت فروخت کر کے قرضہ ادا کر دیا تھا اور انتقال کے بعد گھر کا اکثر خرچہ بڑے بھائیوں نے اپنی تنخواہ سے پورا کیا تھا تو اس کا کیا حکم ہوگا؟ اگر تقسیم میں قیمت لگا سکتے ہیں تو کونسی قیمت کا اعتبار ہوگا؟ انتقال کے وقت کی قیمت کا اعتبار ہوگا؟ یا تقسیم کے وقت کی قیمت کا؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: محمد یوسف قاسمی اسلام پوری پنچ محل

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر عبدالحق اتنا لے کر الگ ہوا ہے جو اس کے حق سے کم ہے تو باب تخارج کے قاعدے سے درست ہو چکا ہے اور اگر زیادہ لیا ہے تو نابالغ کی حق تلفی کی وجہ سے درست نہیں ہوا ہے، دوبارہ شرعی تقسیم لازم ہے۔

بھائیوں نے اپنی تنخواہ سے جو خرچ کیا ہے شرعاً اب اس کا حساب نہیں لگایا جائے گا۔

لا رجوع فيما تبرع عن الغير. (قواعد الفقه اشرفی ص:۱۰٦)

تقسیم میں جو قیمت لگائی جائے گی اس میں تقسیم کے وقت کے اعتبار سے اصل متروکہ کی قیمت لگائی جائے گی۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۴/ ۲۶۸)

وجاز دفع القيمة، وفي الشامي: يعتبر يوم الأداء بالإجماع، وهو الأصح فهو تصحيح للقول الثاني الموافق لقولهما، وعليه فاعتبار يوم الأداء يكون متفقا عليه عنده وعندهما. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الزكاة، باب زكاة الغنم زكريا ۳/ ۲۱۰-۲۱۱، كراچی ۲/ ۲۸٦، فتح القدير زكريا ۲/ ۲۲۷، دار الفكر ۲/ ۲۱۹، كوئٹه ۲/ ۱٦۷، بدائع الصنائع زكريا ۲/ ۱۱۵، كراچی ۲/ ۲۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/ ربیع الثانی ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۷۷۴)

تقسیم کے بعد ایک فریق کا دوسرے سے نیک نامی کے نام پر رقم طلب کرنا

سوال [۱۱۵۷۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ عمر، بکر اور زید یہ تینوں بھائی مشترک ملکیت اور کاروبار میں برابر کے شراکت دار ہیں، کسی وجہ سے یہ اشتراک اختلاف کا سبب بنا تو عمر، بکر اور زید نے آپس میں مل کر اور کچھ بزرگوں کو ثالث بنا کر تمام ملکیت اور کاروبار کو تینوں شرکت داروں نے اتفاق رائے سے آپس میں برابر برابر تقسیم کرلیا، ہر چیز کی موجودنرخ کے حساب سے قیمت طے کی گئی اور اس طے شدہ قیمت میں جس بھائی نے جو چیز لینی چاہی اتفاق رائے سے لے لی، اس تقسیم میں ایک فیکٹری بھی شامل ہے جس کو عمر نے زید اور بکر کو طے شدہ قیمت ادا کر کے لے لیا تھا، اس کے ساڑھے نو ماہ بعد زید اور بکر اس فیکٹری کی نیک نامی کا معاوضہ طلب کررہے ہیں جبکہ تقسیم کے وقت فیکٹری کی پوری قیمت لگائی گئی تھی، اور اس وقت فیکٹری کی قیمت میں نیک نامی کی کوئی بات نہیں ہوئی تھی، اور نہ کوئی الگ سے قیمت لگائی گئی تھی، لیکن سرکاری نقطۂ نظر سے نیک نامی کی مد شامل کررہے ہیں، جبکہ آج تک مشترکہ ملکیت کا بٹوارہ ان کے درمیان اسلامی نقطۂ نظر سے کیا گیا ہے۔

سوال طلب امر یہ ہے کہ زید، بکر جو نیک نامی کا معاوضہ طلب کررہے ہیں آیا یہ صحیح ہے یا نہیں؟ از روے شرع جواب تحریر فرمائیں۔

المستفتی: محمد عطاء اللہ ناگ پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جب آپ کی تراضی سے حقوق تقسیم کرکے ہر صاحب حق نے اپنا حق وصول کرلیا ہے اور فیکٹری کی طے شدہ قیمت ادا کر کے عمر نے اپنے قبضہ میں لے لی ہے اور بوقت تقسیم کسی کو کوئی اشکال بھی نہیں رہا ہے اور تقریباً ساڑھے نو ماہ بعد فیکٹری کی عمدگی اور نیک نامی میں اپنے حق کا دعویٰ کرنا شرعی طور پر باطل ہے اور شرعاً اس دعویٰ کا کوئی اعتبار نہ ہوگا۔

ولو اختلفا في التقويم لم يلتفت إليه، لأنه دعوىٰ الغبن ولا معتبر به في البيع ، فكذا في القسمة لوجود التراضي. (هدايه، باب دعوىٰ الغلط في القسمة والاستحقاق فيها اشرفي ديوبند ٤/ ٤٢٠، البنايه اشرفي ديو بند ١١/ ٤٥٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰؍ ذی الحجہ ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/۴/ ۲۴۸)

رقم کے ذریعہ مصالحت کرنے والوں کا جائیداد میں کوئی حصہ نہیں

سوال [۱۱۵۷۸]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: باپ کے انتقال کے بعد بیٹیوں نے اپنے بھائیوں سے کہا کہ باپ کے چھوڑے ہوئے مکان میں ہمارے حصوں کی رقم دیدی جائے بیٹوں نے اپنی بہنوں سے کہا کہ تم سب بہنیں باہم مشورہ کرکے بتاؤ کہ تمہیں اپنے اپنے حصے کے بدلے ہرایک کو کتنی کتنی رقم لینی ہے بہنوں نے باہم مشورہ کرکے اپنے بھائیوں سے کہا کہ وہ پانچ پانچ ہزار روپیہ لینے پر راضی ہیں، بھائیوں نے اپنی بہنوں کو پانچ پانچ ہزار روپئے دیدیئے، اب ایک لمبی مدت کے بعد بھائیوں نے وہ مکان بیچنا چاہا تو اب کسی بہن کو کیا یہ کہنے کا حق ہے کہ اس وقت یہ مکان جتنی قیمت کا فروخت ہوا اتنی رقم میں سے میرا حصہ مجھے دیا جائے؟

المستفتی: مصباح الدین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: برتقدیر صحت سوال جب بہنوں میں سے ہرایک نے اپنی رضامندی اورخوشی سے والد کے متروکہ مکان میں سے اپنے حصے کے مقابلہ میں پانچ پانچ ہزار روپئے نقد رقم لے لی ہے تو ایسی صورت میں اب اس مکان میں بہنوں کا حق نہیں رہا، بعد میں اگر وہ مکان زیادہ قیمت میں فروخت ہوتا ہے تو کسی بہن کو شرعاً یہ کہنے کا حق نہیں ہے کہ اب یہ مکان جتنی قیمت میں فروخت ہورہا ہے اس میں سے میرا حصہ دیا جائے۔
(مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۱۷/ ۵۰۶)

إذا كانت التركة بين ورثة فأخرجوا أحدهما منها بمال أعطوه إياه والتركة عقار أو عروض صح قليلا كان ما أعطوه أو كثيرا (إلى قوله) لأنه بيع الجنس بخلاف الجنس فلا يشترط التساوي ويعتبر التقابض في المجلس. (عالمگیری، الباب الخامس عشر في صلح الورثة والوصي زكريا قديم ٤/ ٢٦٨، جديد ٤/ ٢٧٥)

أخرجت الورثة أحدهم عن التركة وهي عرض أو هي عقار بمال

أعطاه له أو أخرجوه عن تركة هي ذهب (إلى قوله) صح في الكل صرفا للجنس بخلاف جنسه قل ما أعطوه أو كثر. (شامي، فصل في التخارج زكريا ۷۲۵/۸، کراچی ٦٤٢/٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴/ رجب المرجب ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۱۹۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴/۷/ ۱۴۳۴ھ

مصالحت علی المال کے بعد بقیہ مال کی دو بھائیوں کے درمیان تقسیم

سوال [۱۱۵۷۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے والد صاحب کا انتقال ہوگیا، انہوں نے اپنے انتقال پر صرف دو لڑکے اور چار لڑکیاں چھوڑیں، ترکہ میں دو مکان چھوڑے، ایک تین منزلہ، دوسرا بغیر تین منزلہ، اور اس مکان کو چاروں لڑکیوں نے بھائیوں کی مرضی سے اپنے حصہ کے بدلے لے لیا، لہٰذا تین منزلہ مکان کی ہم دو بھائیوں کے درمیان تقسیم کس طرح ہوگی؟ شریعت کا اس سلسلے میں کیا حکم ہے؟

المستفتی: عطاء الرحمٰن تمبا کو والان، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب چاروں لڑکیوں نے اپنے والد سے ملنے والی جائیداد پر ایک مکان لے کر مصالحت کرلی تو باقی تین منزلہ مکان کی تقسیم صرف دو بھائیوں کے درمیان آدھی آدھی ہوگی۔

التخارج والمراد هٰهنا به أن يصالح الورثة على إخراج بعضهم عن الميراث بشيئ معلوم من التركة وهو جائز عند التراضي. (شریفیہ ص: ۸٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/ ربیع الاول ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳٦/ ۷۵۸۰)

اندازاً بہن کو اس کا حصہ دینے کی شرعی حیثیت

سوال [۱۱۵۸۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر کوئی بھائی اپنی بہن کا حق دینے کے بجائے اندازاً باہم رضامندی سے نیز اس حق پر بہن کا قبضہ کیے بغیر ایک مقدار خاص پر صلح کر لے تو یہ درست ہے یا نہیں؟ یا پھر بہن کو قبضہ دینا (زمین میں تخلیہ وگھر وغیرہ خالی کرنا) ضروری ہے، ساتھ میں یہ بھی ظاہر کر دے کہ اگر بہن ازخود قبل قبضہ اپنا حق معاف کر دے تو پھر کیا حکم ہے؟ ایسے مسائل کی وجہ سے معاشرہ تباہ ہے؟

المستفتی: محمد عمران کٹھاری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ہمارے ہندوستان میں عام مزاج بن چکا ہے کہ بہن کا حصہ کسی بھی حیلہ سے مار لیا جائے، کبھی بہن پر دباؤ ڈالا جاتا ہے، جس سے وہ شرما حضوری سے معاف کر دیتی ہے، اور کبھی ایسا کیا جاتا ہے کہ بہن کا حق بنتا ہے اس حق کو کھل کر اسے دیئے بغیر اس کے حصہ کے مقابلے میں معمولی چیز پر صلح کرانے کی کوشش کرتے ہیں اور بہن بھی اس لیے مجبور ہو جاتی ہے کہ اس کے قبضہ میں کچھ نہیں ہوتا، سب کچھ بھائی کے قبضہ میں ہوتا ہے اور بہن بھی یہ سوچ لیتی ہے کہ جو بھی مل رہا ہے وہ غنیمت ہے، اگر نہ لے تو کہیں وہ بھی ہاتھ سے نہ نکل جائے اور بھائی سے تعلقات بھی خراب ہو جائیں، ان وجوہات کی بناء پر بہن کو مجبوراً راضی ہونا پڑتا ہے، اور بھائی اس کا نام دیتا ہے کہ بہن نے بخوشی اتنے پر صلح کر لی ہے، آخر ایسا کیوں نہیں ہوتا ہے کہ سارا بہن کے قبضہ میں دیدیا جائے اور بھائی اس طرح کی چیز پر صلح کر لے جس طرح کی چیز دے کر بہن سے صلح کی جاتی ہے یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ نام کی صلح ہے، حقیقت میں بہن کا حصہ مار لینے کے لیے حیلہ ہے اس لیے بلا کسی حیلہ جوئی کے بہن کا حصہ بہن ہی کو دیدیا جائے ورنہ قیامت کے دن ساتوں زمینوں کا طوق ڈالا جائے گا۔

عن سعید بن زید قال: سمعت النبی ﷺ یقول: من أخذ شبرا من

الأرض ظلما فإنه يطوقه الله إياه يوم القيامة من سبع أرضين. (مسلم شريف، باب تحريم الظلم وغصب الأرض، النسخة الهندية ۲/ ۳۳، بيت الأفكار رقم: ۱۶۱۰)

عن أنس بن مالك –رضى الله عنه– قال: قال رسول الله ﷺ: من فر من ميراث وارثه، قطع الله ميراثه من الجنة يوم القيامة. (سنن ابن ماجه، باب الحيف فى الوصية، النسخة الهندية ۲/ ۱۹٤، دار السلام رقم: ۲۷۰۳، سنن سعيد بن منصور، دار الكتب العلمية بيروت ۱/ ۹٦، رقم: ۲۸۵ – ۲۸٦) **فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۱۲۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۹؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ

بہنوں کو زمین کے بدلے آٹھ سال بعد اس کی قیمت دینا

سوال [۱۱۵۸۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے والد صاحب کا انتقال اپریل ۲۰۰۴ء میں ہوا، وارثین میں ایک بیوی تین لڑکے، دو لڑکیاں چھوڑیں، والد صاحب نے وراثت میں جو جائیدادیں چھوڑی ہیں، ان جائیدادوں سے متعلق انتقال ہی کے سال میں بھائی صاحبان نے خود قیمت لگا کر ہمارا حصہ روپیوں کی شکل میں بنا دیا تھا، جو رقم ۲۰۰۴ء میں بھائی صاحبان نے بنائی، ان کا پہلا آفر تھا، کچھ جائیدادوں کا حصہ اپنے ناموں میں کرالیں، نہیں تو اگلے تین سال میں روپیوں کی شکل میں بھائی صاحبان نے ادا کرنے کا وعدہ کیا تھا، چونکہ ہم بہنیں عورت ذات کیسے جائیدادوں کی دیکھ ریکھ کرتیں، اس لیے ہم بہنیں تین سال والی بات پر مہلت دینے کو تیار ہوگئیں، مگر انہوں نے تین سال کی مدت میں رقم نہیں ادا کی، اور اب آٹھ سال بعد ان میں سے ایک جائیداد فروخت کر کے ہمیں روپیہ دیا جو کہ کئی گنا زائد قیمت پر فروخت ہوئی، ہمارا یہ کہنا ہے کہ ان آٹھ سالوں کے دوران جائیدادوں کی قیمت ۲۰۰۴ء کے مقابلہ میں کئی گنا زیادہ ہوگئی ہیں، کیا ہمیں شریعت آج کے ریٹ لگوانے کا حق دیتی ہے؟

(۱) والد صاحب کی جائیدادیں ایک بیوی، تین لڑکے، دو لڑکیوں کے درمیان کس حساب سے تقسیم ہوگی؟

(۲) ستمبر ۲۰۰۹ء میں والدہ کا انتقال ہوا، والدہ کی وراثت تین لڑکے اور دو لڑکیوں کے درمیان کس حساب سے تقسیم ہوگی؟

(۳) اسی طرح والدہ کی جائیداد کی قیمت ۲۰۰۹ء کی جگہ آج کی موجودہ قیمت کے حساب سے لگے گی یا نہیں؟

(۴) جائیدادوں کی جو رقم ۲۰۰۴ء کی بھائی صاحبان نے بنائی تھی، تاخیر سے ادائیگی کا وہ دس فیصد اضافہ کر کے دے رہے ہیں، ہمارے لیے یہ اضافی رقم لینا درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: دختران عبد المجیب صاحب، پیرزادہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بشرط صحت سوال وبعد ادائے حقوق ما تقدم وعدم موانع ارث مورث اعلیٰ کا ترکہ درج ذیل نقشہ کے مطابق تقسیم ہوگا:

مورث اعلیٰ میــــت ۶۴/۸

بیوی	لڑکا	لڑکا	لڑکا	لڑکی	لڑکی
۱/۸	۱۴	۱۴	۱۴	۷	۷

(۷)

تماثل

بیوی میــــت ۸ ۸

لڑکا	لڑکا	لڑکا	لڑکی	لڑکی
۲	۲	۲	۱	۱

الاحیــــاء المبلغ ۶۴

لڑکا	لڑکا	لڑکا	لڑکی	لڑکی
۱۶	۱۶	۱۶	۸	۸

مورث اعلیٰ کا کل ترکہ ۶۴ رسہام میں تقسیم ہوکر ہر وارث کو اتنا اتنا ملے گا جو اس کے نیچے

درج ہے، چونکہ بہنوں کو والد کی میراث میں سے کچھ نہیں دیا گیا ہے اس لیے والد کی وفات کے بعد جو پیسہ دینے کے لیے طے کیا گیا تھا، اور بعد میں اتنے عرصہ تک وہ پیسہ نہیں دیا گیا ہے، تو اس کا اعتبار نہیں ہوگا، بلکہ آج کے زمانے میں جو بھی بہنوں کا والد کی جائیدا میں حصہ بنے گا وہی دینا لازم ہوگا یا ادائیگی کے وقت میں اس کی جو بھی قیمت بنے گی وہی قیمت بہنوں کو دینا لازم ہوگی۔

وعندهما في الفصلين جميعا يؤدى قيمتها يوم الأداء. (بدائع الصنائع، فصل صفة نصاب التجارة، كراچى ٢/٢٣، زكريا ٢/١١٥)

وعندهما يوم الأداء. (هنديه، الباب الثالث فى زكاة الذهب زكريا قديم ١/١٨٠، جديد ١/٢٤١، البحر الرائق زكريا ٢/٤٠٠، كوئٹه ٢/٢٢٩)

تعتبر القيمة يوم الوجوب، قالا: يوم الأداء ...... وهو الأصح ويقوم في البلد الذى المال فيه ولو في مفازة ففى أقرب الأمصار إليه، وتحته في الشامية: قوله: هو الأصح ...... ذكر فى البدائع: أنه قيل أن المعتبر عنده فيها يوم الوجوب وقيل يوم الأداء، وفى المحيط يعتبر يوم الأداء بالإجماع وهو الأصح فهو تصحيح للقول الثانى الموافق لقولهما وعليه فاعتبار يوم الأداء يكون متفقا عليه عنده وعندهما. (شامى، الزكاة، باب زكاة الغنم كراچى ٢/٢٨٦، زكريا ٣/٢١١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/ربیع الاول ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۵۰۹/۴۰)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۳/۲۹ھ

ایک وارث کا مکان پر صلح کرنا

سوال [۱۱۵۸۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے والد صاحب کا انتقال ہوگیا، ان کے ورثاء میں ایک بیوی اور چھ لڑکے: محمد مختار، عبد المنان، عبد الحنان، عبد الرحمٰن، حفظ الرحمٰن، محمد ابراہیم ہیں، انہوں نے

ترکہ میں ایک کرایہ کا مکان رکھیال روڈ پر چھوڑا جسے والد کے انتقال کے بعد محمد مختار کے علاوہ ہم پانچ بھائیوں نے خرید لیا تھا، پھر اب بیچ دیا ہے، دوسرا مکان انصارنگر میں ہے، جس کی زمین والدصاحب کی تھی، اوراس پر مکان تعمیر کرانے میں سب بھائی شریک تھے، تیسرا مکان باپونگر میں ہم سب بھائیوں نے مل کر خریدا لیکن اس کی آدھی رقم محمد مختار بھائی نے تنہا ادا کی اور بقیہ آدھی ہم سب پانچ بھائیوں نے ادا کی پھر مختار بھائی نے کہا کہ انصارنگر والا مکان مجھے دیدو اور کہیں مجھے کچھ نہیں چاہیے تو انہیں ہم پانچ بھائیوں نے وہ مکان دیدیا اب وہ رکھیال روڈ والے مکان میں سے اور باپونگر والے مکان میں بھی حصہ مانگتے ہیں۔

تو کیا شرعاً انہیں مصالحت کے مطابق انصارنگر والا مکان ہی ملے گا یا سب مکانوں میں حصہ دار ہوں گے؟ اور جس مکان (انصارنگر) پر انہوں نے مصالحت کی ہے وہ بھی حسب حصص شرعیہ تقسیم ہوگا، شرعی حکم سے مطلع فرمائیں۔

المستفتی: عبدالمنان رکھیال روڈ احمد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یہ واقعہ ٔ مصالحت اگر صحیح ہے تو اب مصالحت کرنے کے بعد شریعت کی رو سے محمد مختار کو صرف انصارنگر کا مکان ہی ملے گا کیونکہ محمد مختار نے انصارنگر کے مکان پر مصالحت کرلی ہے، اور وہ بقیہ میراث سے دست بردار ہو چکا ہے، لہٰذا اب اس کو بقیہ میراث سے کچھ نہ ملے گا، اور بقیہ میراث دوسرے وارثین کے درمیان ہی تقسیم ہوگی، اور رکھیال روڈ کا مکان چونکہ مورث کی ملکیت میں نہیں تھا بلکہ اس مکان کو محمد مختار کے علاوہ پانچ بھائیوں نے مل کر خریدا تھا اس لیے یہ مکان صرف پانچ بھائیوں کو ملے گا، محمد مختار کو نہ ملے گا، کیونکہ میراث میں وہی چیز ملتی ہے جو مورث کی ملکیت میں ہو، اور رکھیال روڈ کا مکان والد مرحوم کی ملکیت میں نہیں تھا۔

إذ الوارث إنما یملک ما کان علی ملک المورث فما لم یملکه یستحیل وراثته. (بدائع الصنائع، فصل فی بیان ما ینتهی به عقد الإجارة کراچی ۲۲۲/٤، زکریا ٤/ ۹۰)

ولو أخرجوا واحدا من الورثة فحصته تقسم بین الباقی علی السواء،

إن كان ما أعطوه من مالهم غير الميراث وإن كان المعطى مما ورثوه فعلى قدر ميراثهم يقسم بينهم وصلح أحدهم عن بعض الأعيان صحيح. (شامي، فصل في التخارج زكريا ۸/۴۲۷-۴۲۸، كراچى ۵/۶۴۴، مجمع الأنهر مصرى قديم ۲/۳۲۰، دار الكتب العلمية بيروت ۳/۴۴۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۱۶۴۰)

جائیداد نہ دے کر لڑکیوں کو ان کے حصہ کی قیمت دینا کیسا ہے؟

سوال [۱۱۵۸۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حاجی بنن کا انتقال ہوگیا، ان کے ورثاء میں ایک بیوی سعیدہ خاتون سات لڑکے: شفاعت احمد، سہراب احمد، مہتاب احمد، شاہنواز احمد، سرفراز احمد، ذوالفقار احمد، مسعود احمد، تین لڑکیاں: عالم جہاں، بدر جہاں، چاندنی بیگم ہیں۔

حاجی بنن خاں مرحوم اپنی حیات میں یہ طے کر چکے تھے اور سب بھائی بہنوں کو بٹھا کر کہا تھا کہ سب لڑکوں کو مکان میں حصہ ملے گا، اورلڑکیوں کو ان کے حصے کی رقم دیدینا، تو دریافت یہ کرنا ہے کہ بہنوں کو والد کی ہدایت کے مطابق ان کے حصہ کی رقم دی جائے گی یا مکان میں جو حصہ آئے گا وہی دینا ضروری ہے، اگر قیمت دینی ہو تو اس وقت کی قیمت دی جائے یا موجودہ وقت جب تقسیم ہو رہی ہے اسی وقت کی قیمت دینی ہوگی؟ ترکہ میں کل مکان ۴۷۶/ گز کا ہے شرعی حکم تحریر فرمادیں؟

المستفتی: مہتاب احمد خاں محلہ مغل پورہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر سب ورثاء کے درمیان عین مکان تقسیم کرنے میں تنگی کا خطرہ ہے اور باپ حاجی بنن خاں نے اسی مصلحت سے اس بات کی وصیت

کردی ہے کہ لڑکیوں کو ان کے حصہ کی قیمت دیدی جائے، تاکہ مکان کی رہائش میں تنگی نہ پڑے، تو ایسی صورت میں مکان کی صحیح اور مناسب قیمت لگا کر لڑکیوں کو اپنے اپنے حصہ کی قیمت دے دینا شرعاً جائز اور درست ہے، اور اس میں اس دن کی قیمت کا اعتبار ہوگا جس دن ان کی جائیداد کی قیمت ان کو دی جائے گی۔

إذا كانت التركة بين ورثة فأخرجوا أحدهم منها بمال أعطوه إياه والتركة عقار أو عروض صح قليلا كان أو كثيرا . (مختصر القدوری، کتاب الصلح ۱۳۵، هدایه فصل فی التخارج، اشرفی ۳/ ۲۵۶)

ولو أخرجت الورثة أحدهم عن التركة وهي غرض أو هي عقار بمال (إلى قوله) صرفا للجنس بخلاف جنسه قل أو كثر. (تکمله شامی، فصل فی التخارج، زکریا ۱۲/ ۳۴۸-۳۳۹، کراچی ۸/ ۲۶۱)

ثم قول أبي حنيفة فيه إنه تعتبر القيمة يوم الوجوب وعندهما يوم الأداء. (فتح القدیر، کتاب الزکاة، فصل فی العروض، دار الفکر ۲/ ۲۱۹، زکریا ۲/ ۲۲۷، کوئٹه ۲/ ۱۶۷،ومثله فی حاشیة الطحطاوی علی المراقی ۱/ ۲۱۸، ونحوه فی التاتارخانیة، زکریا ۳/ ۱۷۰، رقم: ۴۰۱۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/ محرم الحرام ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۰۹۲۴)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۵/ ۱/ ۱۴۳۴ھ

شوہر کا بیوی کے بھائیوں سے ان کا حصہ خریدنا

سوال [۱۱۵۸۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرے شوہر کا ۱۳/ سال ہوئے انتقال ہوگیا، میرے دو لڑکے اور ایک لڑکی ہے، تینوں بچوں کی شادی ہوچکی ہے، میرے والد نے اپنے سب بچوں کے نام ایک ایک مکان کردیا تھا، سب اپنے حصہ کے گھروں میں رہتے ہیں، میرے والد کے پاس ایک مکان الگ

سے فالتو تھا، یعنی کسی کے نام نہیں تھا، میرے والد کے مرنے کے بعد اس مکان میں سب بہن بھائی اور میں خود بھی حصہ دار ہو گئی، میرے شوہر نے میرے سب بھائی بہن سے رقم دے کر ان کے حصے میرے نام سے خرید لیے اور سب سے رجسٹری کرالی، اس کے خرچہ میں کافی پیسہ میں نے بھی اپنے پاس سے ڈالا تھا، اب مسئلہ یہ ہے کہ کیا میں اس مکان کی تنہا مالک ہوں یا نہیں؟ کیا اس کو تقسیم کرنے کا مجھے حق حاصل ہے یا نہیں؟ یا اس مکان میں وراثت چلے گی؟ کیا میں اپنی مرضی سے اپنے بچوں کی ضروریات کے حساب سے جسے جتنا چاہوں دے سکتی ہوں، اور اپنے لیے بھی رکھنے کی حقدار ہوں؟ برائے مہربانی شرعی مسئلہ کیا ہے؟ بتائے کہ کتنا حق بنتا ہے؟ اور کسی کا حق تو کٹتا نہیں؟

المستفتیه: گوہر جہاں محلّہ بھٹی مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب آپ کے شوہر نے مذکور مکان میں سے آپ کے بھائی بہنوں کے جو حصے تھے ان حصوں کی قیمت دے کر ان سے آپ کے نام سے مکان خرید لیا ہے اور خریدنے میں آپ کا اپنا ذاتی پیسہ بھی شامل رہا ہے تو ایسی صورت میں اس پورے مکان کی آپ تنہا مالک ہیں، اس میں کسی دوسرے کا حق نہیں ہے، نہ آپ کے شوہر کے وارثین کا کوئی حق ہے، نہ آپ کے بھائی بہن کا کوئی حق ہے؟ لہٰذا آپ اپنی مرضی سے جس طرح چاہیں اس مکان میں تصرف کر سکتی ہیں۔

المالک هو المتصرف فی الأعیان المملوکة کیف شاء من الملک.

(بیضاوی شریف رشید ۱/ ۷، وهکذا فی شرح المجلة رستم اتحاد ۱/ ٦٥٤، رقم المادة: ۱۱۹۲، البنایه اشرفیه دیوبند ۸/ ۲۱۹، بدائع زکریا ۲/ ٦۳۸، کراچی ۲/ ۳۲۷، الموسوعة الفقهیة الکویتیة ۱٤/ ۲۹، شامی ٥/ ۱۰، کراچی ٤/ ٥۰۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍ رجب المرجب ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۱۹۹)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۶/ ۷/ ۱۴۳۴ھ

دونوں بہنوں کا جائیداد کے عوض پچاس پچاس ہزار پر مصالحت کرنا

سوال [١١٥٨٥]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مرحومہ فاطمہ اپنے پیچھے ایک بیٹا زید اور دو بیٹیاں زینب اور عائشہ چھوڑ جاتی ہے، ترکہ میں مکان کی چوحدی کی زمین کے علاوہ کچھ بھی نہیں تھا، ورثاء کی تقسیم سے متعلق پیش کش پر دونوں بہنوں نے یہ کہا کہ ہم اس بات پر اتفاق کرتے ہیں کہ مکان کو ہم الگ نہیں بانٹیں گے، اور ہم لوگ اپنے حصہ میں آنے والی جائیداد کو آپ کے نام لکھ دیتے ہیں آپ ہمیں پچاس پچاس ہزار روپیہ مدد کے طور پر دیدیں اس پر بھائی زید راضی ہوگیا اور کہا کہ اگر میں مرجاتا ہوں تو میرے بیٹوں پر یہ حق ہوگا کہ وہ اس رقم کو ادا کریں، اور اپنے بیٹوں کو گواہ بنایا بعد میں جب زینب اور عائشہ کی اولادوں کو سارے معاملہ کا پتہ چلا تو انہوں نے اپنی ماں سے دوبارہ اس مسئلہ پر بات کرنے کو کہا، مگر زینب اور عائشہ اپنے بھائی کے ساتھ کیے ہوئے معاملہ پر اٹل رہی۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: بشرط صحت سوال وبعد ادائے حقوق ما تقدم وعدم موانع ارث مرحوم فاطمہ کا ترکہ مذکورہ وارثین میں درج ذیل نقشہ کے اعتبار سے تقسیم ہوگا:

٢/٤

فاطمہ میت

لڑکا	لڑکی	٥٠؍ہزار	لڑکی	٥٠؍ہزار	بھائی	تین بہنیں
زید	زینب	پر مصالحت	عائشہ	پر مصالحت		
٢	١		١			

جب زینب اور عائشہ نے ماں کی طرف سے ملنے والی جائیداد پر اپنے بھائی زید سے پچاس پچاس ہزار روپیہ لے کر مصالحت کرلی، جیسا کہ سوال سے معلوم ہوتا ہے تو اب روپئے کی ادائیگی کے بعد زید ترکہ میں ملی ہوئی پوری جائیداد کا مالک ہے لیکن جب تک روپیوں کی ادائیگی نہ ہوگی، اس وقت تک زید پوری جائیداد کا مالک نہ ہوگا۔

وإذا كانت التركة بين ورثة فأخرجوا أحدهم منها بمال أعطوه إياه

والتركة عقار أو عروض جاز قليلا كان ما أعطوه أو كثيرا . (مختصر القدوری، كتاب الصلح ۱۳۵، هدايه فصل فی التخارج اشرفی ۲۵٦/۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍صفر المظفر ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳٦/ ۷۵۱۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۲/۲۴ھ

(۱۳) باب المناسخة

مناسخہ کا ایک مسئلہ

سوال [۱۱۵۸۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) زید کا انتقال ہوا، اس نے ورثاء میں زوجہ زینب، ماں رحیمہ، باپ عبد اللہ، حقیقی بہن ذاکرہ، علاتی بہن، زاہدہ اور اخیافی بہن زہدہ کو چھوڑا۔

(۲) اس کے بعد رحیمہ کا انتقال ہوا، اس نے شوہر عبد اللہ، حقیقی بیٹی ذاکرہ اور اخیافی بیٹی زہدی اور چچا راشد کو چھوڑا۔

(۳) اس کے بعد عبد اللہ کا انتقال ہوا اس نے ورثاء میں بیوی ہندہ، دو بیٹیاں: ذاکرہ اور زاہدہ اور ایک بھائی رشید کو چھوڑا۔

(۴) اس کے بعد ذاکرہ کا انتقال ہوا اور اس نے شوہر لئیق، علاتی بہن زاہدہ اور اخیافی بہن زہدی کو چھوڑا۔

(۵) اس کے بعد زاہدہ کا انتقال ہوا اس کے ورثاء میں شوہر ندیم، دو بیٹیاں: نعیمہ، نفیسہ اور چچا رشید ہیں۔

(۶) اس کے بعد زہدی کا انتقال ہوا، اس کے ورثاء میں شوہر ماجد، تین بیٹیاں: ماجدہ، مجیدہ اور ساجدہ اور باپ عبد المجید ہیں۔

مفتی صاحب سے گذارش ہے کہ اس مسئلہ کی وضاحت فرمائیں کہ کس وارث کو کتنا حصہ ملے گا؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: برتقدیر صحت سوال وبعد ادائے حقوق ماتقدم علی الارث وعدم موانع ارث مرحوم زید کا ترکہ ان کے شرعی ورثاء کے درمیان درج ذیل نقشہ کے مطابق تقسیم ہوگا۔

۱۵۷۲۴۸
۴۰۳۲
۵۷۶
۷۲
۱۲

زید میت

زوجة (زینب)	ام (رحیمة)	اب (عبد اللّٰہ)	اخت لأب وأم (ذاکره)	اخت لاب (زاهده)	اخت لأم (زهدی)
۳	۲	۷			
۱۸		۴۲			
۱۴۴					
۱۰۰۸					
۳۹۳۱۲					

۶/۱۲ — ۱/۲

تداخل

رحیمة میت

زوج (عبد اللّٰہ)	بنت (ذاکره)	بنت (اخت لام) (زهدیٰ)	عم (راشد)
۳	۴	۴	۱
	۳۲	۳۲	۸
		۲۲۴	۵۶
			۲۱۸۴

۸/۲۴ — ۱۵/۴۵

توافق/۳

عبد اللّٰہ میت

زوجة (هنده)	بنت (ذاکره)	بنت (زاهده)	أخ (رشید)
۳	۸	۸	۵
۴۵	۱۲۰	۱۲۰	۷۵
۳۱۵		۸۴۰	۵۲۵
۱۲۲۸۵			۲۰۴۷۵

٧/٦

ذاکرہ　میـــت　　تباین　　١٥٢

أخت لأم	اخت لأب	زوج
(زھدیٰ)	(زاھدہ)	(لئیق)
١	٣	٣
١٥٢	٤٥٦	٤٥٦
		١٧٧٨٤

١/١٢

زاھدہ　میـــت　　تداخل　　١٠٨/١٢٩٦

عم	بنت	بنت	زوج
(رشید)	(نفیسہ)	(نعیمہ)	(ندیم)
١	٤	٤	٣
١٠٨	٤٣٢	٤٣٢	٣٢٤
٤٢١٢	١٦٨٤٨	١٦٨٤٨	١٢٦٣٦

٣٩/١٣/١٢

زھدیٰ　میـــت　　تباین　　٣٧٦

اب	بنت	بنت	بنت	زوج
(عبد المجید)	(ساجدہ)	(مجیدہ)	(ماجدہ)	(ماجد)
٢	٨	٨	٨	٣
٦	٣٠٠٨	٣٠٠٨	٣٠٠٨	٩
٢٢٥٦				٣٣٨٤

١٥٧٢٤٨

المبلغ

الأحیـــاء

زینب	راشد	ہندہ	رشید	لئیق	ندیم	نعیمہ	نفیسہ	ماجد	ماجدہ	مجیدہ	ساجدہ	عبدالمجید
٣٩٣١٢	٢١٨٤	١٢٢٨٥	٢٤٦٨٧	١٧٧٨٤	١٢٦٣٦	١٦٨٤٨	١٦٨٤٨	٣٣٨٤	٣٠٠٨	٣٠٠٨	٣٠٠٨	٢٢٥٦

ہر وارث کو مرحوم کے ترکہ میں سے اتنا اتنا حصہ ملے گا جو اس کے نیچے درج ہے، نیز اس سوال کا نقشہ ’’فتاویٰ تاتارخانیہ ٢٠/٣١٤-٣١٥‘‘ میں بھی موجود ہے۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

٤/ رجمادی الاولیٰ ١٤٣٤ھ

(الف فتویٰ نمبر: ٣٠/٢٦٥)

۱۴ متفرقات

تقسیم ترکہ

سوال [۱۱۵۸۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص اپنے وطن سے برسوں پہلے شہر احمد آباد میں آئے، یہاں قیام کیا، کاروبار مٹھائی کا شروع کیا، اولاد میں ۱۰/لڑکے اور ۲/لڑکیاں ہیں، کاروبار بڑھتا گیا، البتہ کاروبار کی ۲/ دوکانیں اور ایک کوٹھری کرایہ پر ہیں، اور جائیداد میں ۳/ ذاتی مکان، اچھی خاصی نقدی، تانبہ، پیتل کے برتن وغیرہ اور مٹھائی بنانے کے برتن اور آلات چھوڑے ہیں، ان دس لڑکوں میں سے دو نے والد صاحب سے اپنا حق مانگ لیا، اور دونوں نے حصہ لینے کے بعد کہہ دیا کہ اب تم پر ہمارا حق نہیں، ایک لڑکا نافرمان ہی رہا، اور والد صاحب سے الگ رہا چوتھے لڑکے نے سرکاری گناہ کیے تھے، جس میں اس کو چھڑوانے میں کئی لاکھ خرچ ہوا، اور انہوں نے کہا تھا کہ میں یہ پورا قرض ادا کروں گا، قرض تو ادا نہیں کیا البتہ والد صاحب سے بغاوت پر رہا، سب سے بڑا لڑکا شادی کے بعد الگ ہوگیا، اس نے اپنا ذاتی کاروبار شروع کیا، الگ رہنے لگا، اب بھی الگ رہتا ہے۔

ان میں سے ایک لڑکا اپنی ذاتی رقم سے سعودی گیا اور قریب ۲/سال ملازمت کی، اس میں اچھی کمائی کر کے وہ اپنے والد صاحب سے الگ ہوگیا، اور اپنا ذاتی کاروبار کرنے لگا، جس میں اس نے والد صاحب سے کسی قسم کا مالی وذاتی تعاون نہیں لیا، البتہ والد صاحب کے ساتھ حسن سلوک میں کوئی کمی نہیں کی، اس درمیان زید نامی شخص نے اپنی دونوں لڑکیوں کی شادی بھی کردی، اول دو لڑکوں نے اپنا حق لینے کے بعد اپنی مرضی سے شادی کی، نمبر۳/ جو نافرمان ہے، اس نے شادی نہیں کی، ہاں زید کی بیوی قریب ۲۰/سال پہلے دنیا سے رخصت ہوگئی، لہٰذا مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات بالتفصیل تحریر فرمادیں، کہ ہم غیر عالموں کو ایک ایک سوال کا جواب سمجھ میں آئے۔

نوٹ: ۲۰/سال پہلے تمام لڑکے کاروبار میں محنت میں برابر شریک تھے۔

(۱) مرحوم زید کے مال میں سے ۱۰/لڑکے اور ۲/لڑکیاں سب کو میراث میں حصہ ملے گا یا نہیں؟ اگر ملے گا تو کتنا ملے گا؟

(۲) جن دو لڑکوں نے اپنا حصہ لیا اور کہہ دیا کہ ہمارا کوئی حق نہیں، ان کو ملے گا یا نہیں؟

(۳) جو لڑکا (عاق) نافرمان ہے اس کو ملے گا یا نہیں؟

(۴) ایک لڑکے نے سرکاری گناہ میں ملوث ہوئے خرچ کی رقم واپس کرنے کا وعدہ کیا تھا اس سے اس کو لیا جائے گا یا نہیں، یا پھر اس کو میراث میں سے رقم میں کمی کی جائے گی یا نہیں؟

(۵) کرائے کی دو دو کانیں اور ایک کوٹھری میراث میں گنتی کی جائے گی یا نہیں؟

(۶) مرحوم زید قریب ۱۰/سال بیمار رہے وفات سے تقریباً ۲/سال پہلے بیمار ہوئے ڈاکٹر نے ناامیدی ظاہر کردی، پھر بھی کچھ طبیعت ٹھیک ہوئی تو اسی بیماری میں انہوں نے اپنے ۴/لڑکوں کے متعلق وصیت نامہ لکھوایا تو یہ وصیت نامہ بیماری کی حالت میں لکھوایا تو شرعاً معتبر ہے یا نہیں؟

(۷) دونوں دوکانیں اچھی چلتی ہیں تو کاروبار کی گڈویل Goodwel کا اعتبار ہوگا یا نہیں؟

(۸) اگر یہ ۴/لڑکے میراث میں سے دوسروں کو حق نہ دیں تو شرعاً کیا حکم ہے؟

المستفتی: محمد طارق مٹھائی والے

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱تا۳) زید کے ترکہ میں سے اس کی مذکر و مؤنث دونوں اولادوں کو حصہ ملے گا، کل مال متروکہ ۲۲/حصوں میں تقسیم ہوکر لڑکوں کو دو، دو اور لڑکیوں کو ایک ایک ملے گا، اور جن لڑکوں نے اپنا حصہ کہہ کر پیشگی لے لیا تھا وہ تبرع شمار ہوگا اس کی وجہ سے وہ ترکہ سے محروم نہیں ہوں گے، اس لیے کہ ترکہ میت کے چھوڑے ہوئے مال کو کہتے اور جو لڑکا نافرمان ہے وہ بھی شرعی وارث بنے گا۔

﴿قال الله تعالی: لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ. [النساء: ۱۲]﴾

لأن التركة ما تركه الميت من الأموال صافيا عن تعلق حق الغير بعين من

الأموال. (شامی، کتاب الفرائض، زکریا ١٠/٤٩٣، کراچی ٦/٧٥٩، حاشیه سراجی ص: ٤)

(٤) حسب تحریرِ سوال اگر مذکورہ لڑکے نے سرکاری گرفت سے بچنے کے لیے اپنے اوپر کیے گئے خرچ کو باپ کا خرچ سمجھا تو اس پر لازم ہے کہ وہ رقم والد کے انتقال کے بعد ان سب ورثاء میں حسب حصص شرعیہ تقسیم کرے یا والد کی طرف سے ملنے والے حصہ میں سے یہ رقم منہا کرالے۔

إن الواجب فی باب القرض رد مثل المقبوض. (بدائع الصنائع، کتاب الفرائض، فصل فی شرائط رکن القرض، زکریا ٦/٥١٨، کراچی ٧/٣٩٤)

(٥) جو دو کانیں اور ایک کوٹھری کرایہ پر دے رکھی تھی، وہ بھی میراث میں شمار ہو کر سب ورثاء کو ان کے شرعی حصص کے مطابق ملے گی۔

لأن التركة ما تركه الميت من الأموال صافيا عن تعلق حق الغير بعين من الأموال. (شامی، کتاب الفرائض زکریا ١٠/٤٩٣، کراچی ٦/٧٥٩، حاشیه سراجی ص: ٤)

ثم يقسم الباقي بين ورثته بالكتاب والسنة وإجماع الأمة. (سراجی ص: ٤-٥)

(٦) باپ نے اپنے مرض الوفات میں چار بیٹوں کے نام جو وصیت نامہ لکھوایا ہے اس کا شرعاً کوئی اعتبار نہیں ہے کیونکہ وارث کے حق میں وصیت معتبر نہیں ہوتی، البتہ دیگر ورثاء اگر راضی ہوں تو اس کا نفاذ ہوسکتا ہے۔

عن أبي أمامة الباهلي -رضي الله عنه- قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول في خطبته عام حجة الوداع، إن الله تبارك وتعالىٰ قد أعطىٰ كل ذي حق حقه فلا وصية لوارث. (سنن الترمذی، باب ما جاء لا وصية لوارث، النسخة الهندية ٢/٣٢ دار السلام رقم: ٢١٢٠، سنن أبی داؤد، الوصايا، باب ماجاء فی الوصية للوارث، النسخة الهندية ٢/٣٩٦، دار السلام رقم: ٢٨٧٠)

عن عبد الله بن عباس -رضي الله عنه- قال: قال رسول الله ﷺ: لاتجوز الوصية لوارث إلا إن شاء الورثة. (السنن الكبرىٰ للبيهقی، باب نسخ الوصية للوالدين والأقربين، دار الفكر ٩/٣٥٦، ٣٥٧، ٣٥٨ رقم: ١٢٧٩٧، ١٢٧٩٨، ١٢٨٠٣، سنن الدار قطنی، دار الكتب العلمية بيروت ٤/٨٦، رقم: ٢٤٥١، ٢٤٥٢)

(۷) کاروبار گڈ ویل یعنی نام کی حیثیت کو عرف میں قابل قیمت مان لیا گیا ہے اس لیے اس کی قیمت لگا کر ورثاء میں تقسیم کیا جائے گا۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۴/ ۷۱، نظام الفتاویٰ ۱/ ۱۳۲، ایضاح النوادر ص: ۴۸)

(۸) اگر چار لڑکے ساری جائیداد کو آپس میں تقسیم کر لیتے ہیں اور دوسرے ورثاء کو ان کا حق نہیں دیتے ہیں تو یہ دوسرے ورثاء کے مال کو غصب کرنے والے شمار ہوں گے جس پر حدیث شریف میں بہت سخت وعید وارد ہوئی ہے۔

عن أنس بن مالک –رضی الله عنه– قال: قال رسول الله ﷺ: من فر من میراث وارثه، قطع الله میراثه من الجنة یوم القیامة. (سنن ابن ماجه، باب الحیف فی الوصیة، النسخة الهندیة ۲/ ۱۹۴، دار السلام رقم: ۲۷۰۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۵۳۲)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۵/۲۲ھ

تقسیم ترکہ کی ایک صورت

سوال [۱۱۵۸۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مسماۃ اللہ دی کی پہلے شوہر عبد العزیز سے (عبد الرشید، محمد حنیف، عبد الوحید اور خاتون) چار اولادیں ہوئیں، شوہر اول کے انتقال کے بعد دوسرے شوہر عبد المجید سے دو لڑکی شمو اور شہناز ہوئیں، اللہ دی اور ان کے شوہر عبد المجید اس وقت جس نئے تعمیر شدہ مکان میں رہتے ہیں، نئی تعمیر سے پہلے پرانی تعمیر کی حالت میں یہ مکان کسی بنئے کے پاس گروی رہن رکھا ہوا تھا، یہ مکان دراصل اللہ دی کے والد بشیر احمد کا تھا، اور انہوں نے ہی گروی رکھا تھا، پھر اس کو نئے طریقہ سے بنوایا گیا، اس مکان کی تعمیر کے لیے اللہ دی کے شوہر عبد المجید نے اپنا ذاتی مکان بیچ کر اس کی قیمت میں سے بھی دو تہائی سے زیادہ پیسہ اور دس ہزار روپیہ نقد الگ دیا، ۲۵؍ کٹے سیمنٹ کے اور چار چوکھٹ اور اور ایک دو ونڈو یہ سب نقد اور سامان عبد

المجید نے اس کی تعمیر کے لیے دیا، عبدالمجید کے علاوہ محمد حنیف اور عبدالوحید (جو پہلے شوہر کی اولاد ہیں) کا بھی پیسہ اس میں لگا جتنا بھی لگا، اس مکان کی پہلی اور دوسری منزل کی تعمیر تو عبدالمجید اور محمد حنیف نے مل کر کرائی، اس تیسری منزل کی تعمیر میں بھی ۲۵/ہزار روپیہ نقد عبدالمجید نے دیئے۔

اور دوسرے یہ کہ عبدالمجید محمد حنیف کا سامان جو باہر دہلی وغیرہ میں لے جا کر بیچتے تھے، تو اس کے پیسے سے کچھ دنوں تک ان دونوں کا یہ کاروباری سلسلہ چلتا رہا، تو اس کا جو بھی نفع عبدالمجید کے حصہ کا ہوتا تھا، وہ بھی برابر تیسری منزل کی تعمیر میں لگتا تھا، محمد حنیف نے ان سودوں کے نفع کا کوئی حساب عبدالمجید کو الگ سے نہ دیا اور نہ سمجھایا بلکہ عبدالمجید نے جب بھی پوچھا کہ ان سودوں کے پڑتے کا حساب کیا ہے، تو محمد حنیف نے یہی جواب دیا کہ یہ سب اس میں (یعنی مکان کی منزل میں) لگ تو گیا، عبدالمجید کو بھی اس پر کوئی خلش یا اعتراض نہیں ہوا، کیونکہ ایک ہی گھر کی بات تھی، بہرحال ۱۹۹۲ء تک مکان کی تیسری منزل بھی مع پلاسٹر وفرش کے مکمل ہوگئی تھی۔ اب اللہ دی بہت کمزور ہوچکی ہیں، آئے دن بیمار رہتی ہیں، ان کے شوہر عبدالمجید کا کہنا ہے کہ یہ مکان تمہارا ہے، ہم سب نے مل کر اس کو بنایا ہے، اس مکان میں میرا کیا حق ہے، اور کتنا ہے، تم اپنی زندگی میں اس مسئلہ کو طے کردو، تو وہ جواب دیتی ہیں کہ تمہارا اس مکان میں کوئی حق نہیں، بس اس میں رہتے رہو کل کو اللہ دی کے انتقال کے بعد اللہ دی کے لڑکے نے اس مکان سے عبدالمجید کو بے دخل کردیا تو وہ بیچارے کہاں جائیں گے، اس لیے آپ کو زحمت دی گئی ہے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس مکان اس وقت (یعنی اللہ دی کی زندگی میں) اور اللہ دی کے انتقال کے بعد عبدالمجید کا کیا حق نکلتا ہے، اس کو سمجھا کر کسی قدر وضاحت کے ساتھ تحریر فرمائیں، عین نوازش ہوگی، اللہ پاک آپ کو اس کا اجر جزیل عطا فرمائے

المستفتی: عبدالمجید کباڑی، بھارت اسٹور ہلدوانی نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سوال میں اس بات کا ذکر نہیں ہے کہ مکان کو گروی سے کس نے چھڑایا، لیکن پورے سوالنامہ سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ مکان مسماۃ اللہ دی کو اس کے والد بشیر احمد سے بطور وراثت مل گیا تھا، پھر اس مکان کی تعمیر میں عبد

المجید، عبدالوحید، محمد حنیف یہ تینوں شریک رہے ہیں۔

لیکن تینوں نے کتنا کتنا خرچ کیا ہے، اس کی وضاحت نہیں ہے بلکہ مشترکہ کمائی سے کم زیادہ تینوں نے خرچ کیا ہے اس لیے نئی تعمیر شدہ حصہ میں دوسری منزل میں عبدالوحید اور محمد حنیف کا برابر پیسہ شمار کیا جائے گا، لہٰذا نئی تعمیر کی ایک مناسب قیمت لگائی جائے، اور دوسری منزل کی الگ قیمت لگائی جائے، اور تیسری منزل کی الگ، دوسری منزل تک میں تینوں برابر شریک ہوں گے، اور عبدالوحید کے انتقال پر اس کا حصہ اس کی ماں اور اس کے دونوں بھائی اور بہن خاتون کے درمیان شرعی طور پر تقسیم ہوگا۔

یہ اس صورت میں ہے کہ جبکہ عبدالوحید بغیر شادی شدہ فوت ہوگیا ہو، اور اگر عبدالوحید شادی شدہ ہو تو اس کی بیوی اور اولاد بھی ورثاء میں شریک ہوں گے، اور اگر اولاد میں کوئی لڑکا بھی ہو تو اس کے بھائی اور بہن وارث نہیں بنیں گے، ورثاء کی تفصیل سوالنامہ میں نہیں ہے، اس لیے فیصلہ کا جواب نہیں لکھ سکا، اور عبدالوحید کے بعد دوسری منزل تک اس کے حصہ کو مجریٰ کرنے کے بعد باقی دوسری منزل اور تیسری منزل تک ملبہ میں عبدالمجید، محمد حنیف برابر شریک ہوں گے اور زمین میں کسی کا حق نہیں ہوگا، مکمل اللہ دی کی ہے، اللہ دی کی وفات کے بعد عمارت کی زمین اللہ دی کے ورثاء میں شرعی طور پر تقسیم ہوگی۔

$\frac{۲۸}{۴}$

اللہ دی میـــــــــــــــــــــــــــــــــــت

شوہر	لڑکا	لڑکا	لڑکی	لڑکی	لڑکی
$\frac{۱}{۴}$	۶	۶	۳	۳	۳

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۶ / جمادی الاولیٰ ۱۴۲۴ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۰۵۴)

والد کی جائیداد کی ۲۷؍سال بعد تقسیم

سوال [۱۱۵۸۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: والد محترم کی حیات ۱۹۸۱ء سے میں ہی ان کی تجارتی دوکان سنبھال رہا ہوں، خرید وفروخت سب پر میرا ہی قبضہ تھا (اگرچہ صراحتاً والد صاحب مرحوم نے مجھے یہ نہیں کہا کہ یہ تجارت تیری ہے، میں نے دوکان تیرے حوالہ کردی) مگر کاروبار کے سلسلے میں اپنے تمام اختیارات انہوں نے میرے حوالہ کردیئے تھے، بلکہ زندگی کے آخری سالوں میں دوکان کا حساب وکتاب بھی مجھ سے لینا چھوڑ دیا تھا۔

اب سوال یہ ہے کہ جو تجارت میں تقریباً ستائیس سال سے سنبھال رہا ہوں، والد مرحوم کی حیات میں سات سال اور پھر ان کے انتقال کو آج بیس سال گذر گئے، اس کی آمدنی کا کیا حکم ہے؟ کیونکہ اس تجارت کی آمدنی سے میں نے ایک بہن کا نکاح اور خود اپنا نکاح بھی کیا، نیز اسی کی آمدنی سے گھر کے تمام اخراجات کے علاوہ کئی حج اور عمرے بھی میں نے کیے ہیں، اگر یہ ساری تجارت والد صاحب کا ترکہ شمار ہوگی تو اب تک اس میں جو تصرف (دانستہ ونادانستہ) مجھ سے ہو چکے ہیں ان کو میں کیسے اور کس حساب سے تمام وارثین (شرکاء) کو ادا کروں، تفصیلی جواب دیں تاکہ میں اہل حقوق کا حق ادا کرکے عند اللہ وعند الناس مؤاخذہ آخرت سے بری ہو جاؤں؟ نیز والدین کی استعمال شدہ گھریلو اشیاء بھی فی الحال میرے ہی استعمال میں ہیں جو لاعلمی سے ہنوز تقسیم نہیں ہوسکیں، اس کے متعلق بھی حکم شرعی بیان فرمادیں۔

المستفتی: رشید احمد سعد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آپ اس بات کو دیکھ لیں کہ جب آپ کے والد صاحب کا انتقال ہورہا تھا اس وقت تجارتی دوکان کا سرمایہ کتنا رہا ہے وہ سب کا سب آپ کے والد کا ترکہ شمار ہوگا، چاہے والد نے آپ کو ذمہ دار بنا دیا ہو پھر بھی ملکیت والد ہی کی

ہوگی، اور والد کے انتقال کے بعد اس تجارتی سرمایہ کے سہارے سے آپ نے کتنا کمایا، اس کو دیکھ لیں، اور آج موجود حالات میں کتنا باقی ہے، اس کو دیکھ لیا جائے، اگر فی الحال جو سرمایہ موجود ہے وہ والد صاحب کے انتقال کے وقت کے سرمایہ سے کم نہیں ہے تو بہنوں سے بات چیت کر کے آپس کی تراضی سے موجودہ سرمایہ کو شرعی طور پر تقسیم کرلیں۔

اور جو آپ نے حج وعمرہ میں خرچ کیا اور اپنی شادی کی اور بہنوں کی شادی کی ہے، ان سب کو والد صاحب کے سرمایہ کے سہارے پر حاصل کیے گئے، منافع میں سے شمار کیا جائے گا، لیکن یہ منافع آپ کی محنت سے حاصل ہوئے ہیں، اس لیے اس میں آپ ہی کا حق ہے، لہٰذا والد صاحب کی وفات کے وقت کی مالیت آج کی موجودہ مالیت سے زیادہ نہیں ہے، تو موجودہ حالت میں جو کچھ بھی سرمایہ ہے اس کو آپس کی تراضی سے تقسیم کرلیں چونکہ آپ کے معاملات لمبی مدت تک کے درمیان الجھے ہوئے ہیں، اس لیے ہم اس سے مزید وضاحت سے لکھنے سے قاصر ہیں، آپس کی صلح، رضامندی سے کم وزیادہ کی معافی کے ساتھ معاملہ صاف کرلینا چاہیے۔

الأب و ابنه يكتسبان في صنعة واحدة ولم يكن لهما شيئ فالكسب كله للأب إن كان الابن في عياله لكونه معينا له(إلى قوله) فإن قالوا هم أو امرأته بعد موته إن هذا استفدناه بعد موته فالقول لهم، وإن اقروا أنه كان يوم موته فهو ميراث من الأب. (شامي، الشركة، مطلب: اجتمعا في دار واحدة واكتسبا ...... زكريا ٦/٢ ٥٠، كراچی ٤/٣٢٥، هنديه زكريا جديد ٢/٣٣٢، قديم ٢/٣٢٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۶۵۴)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۶/۲۸ھ

عورت کا ملکیت کا دعویٰ بلا دلیل معتبر نہیں

سوال [۱۱۵۹۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کی شادی مسماۃ بنت فلاں سے عرصہ چار ماہ قبل ہوئی تھی، زید شادی ہونے

کے۱۲؍دن بعدا یکسیڈ ینٹ میں جاں بحق ہوگیا، مسماۃ کو جبراً عدت گزارنے کے لیے مرحوم کے والدین نے اپنے گھر پر روک لیا، دوران عدت مسماۃ کی والدہ نانی اور بہنیں برابر مسماۃ کے پاس رہی ہیں، مسماۃ نے اپنی والدہ نانی یا بہنوں کے بہکانے میں ہم والدین سے یہ کہنا شروع کردیا کہ مرحوم نے اپنا لیپ ٹاپ موبائل، زیور وغیرہ مجھے دیدیا تھا جبکہ اس طرح کی کوئی بھی بات مرحوم نے اپنی زندگی کے ان بارہ دنوں میں اپنے ماں باپ یا اور کسی رشتہ دار سے نہیں بتائی تھی، خدا ہم وارثین کا گواہ ہے، نکاح کے وقت قاضی کے سامنے روبرو گواہان ووکیل مہر کے مبلغ ۲۵؍ہزار نقد دیدیئے گئے تھے، مہر باقی نہیں رہا تھا، زید مرحوم کے پاس یا نام سے کوئی بھی منقول یا غیر منقول نقدی یا جائیداد نہیں ہے، مرحومہ کے والدین نے جو باحیات ہیں، شادی کی سبھی ضروریات اورانتظامات سنبھالے، مسماۃ مرحومہ مندرجہ بالا اشیاء پر اپنا حق جتا کر ہم والدین سے لینا چاہتی ہیں اور عدت پوری ہونے کے بعد اپنے میکہ جانا چاہتی ہے، مرحوم کے والدین ذہنی کشمکش کا شکار ہے۔

مندرجہ بالا مختصر حالات کی روشنی میں ہم والدین کو نیچے لکھے سوالات کے جوابات قرآن وحدیث کی روشنی میں دینے کی زحمت گوارہ کریں، ہم نے مندرجہ بالا تحریر حقائق کی روشنی میں خدا کو حاظر وناظر مان کر لکھی ہے: سوال یہ ہے:

(۱) کیا مہر نقد دینے کے بعد بھی مہر باقی رہا؟

(۲) مرحوم نے جو اشیاء لیپ ٹاپ، موبائل شادی کے زیورات وغیرہ چھوڑے ہیں کیا ان پر مسماۃ کا حق ہوتا ہے، جبکہ والدین باحیات ہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: (۱) جب ۲۵؍ہزار روپئے نقدا دا کردیئے گئے ہیں تو اس سے مہر کی ادائیگی ہو چکی ہے، شرعاً دوبارہ مطالبہ کا حق نہیں ہے، بشرطیکہ مہر کی مقدار اتنی ہی رہی ہو۔

عن أبی حرة الرقاشی عن عمه أن رسول الله ﷺ قال: لا يحل مال امرئ مسلم إلا بطيب نفس منه. (شعب الإيمان للبيهقی، باب فی قبض اليد عن

الأموال المحرمة، دار الكتب العلمية بيروت ٤/٣٨٧، رقم: ٥٤٩٢، السنن الكبرىٰ للبيهقي، دار الفكر بيروت ٨/٥٠٦، رقم: ١١٧٤٠، مسند أحمد بن حنبل ٥/٧٢، رقم: ٢٠٩٧١، سنن الدار قطني، دار الكتب العلمية بيروت ٣/٢٢، رقم: ٢٨٦٢)

(۲) مرحوم کی ملکیت میں جو لیپ ٹاپ اور زیورات وغیرہ ہوں ان کو چار حصوں میں تقسیم کر کے ایک حصہ مرحوم کی بیوی کا حق ہے اور ایک حصہ مرحوم کی ماں کا حق ہے، اور دو حصے مرحوم کے والد کا حق ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍شوال المکرّم ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۱۶۵۸)

وراثت سے متعلق چند سوالات کے جوابات

سوال [۱۱۵۹۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) شریعت اور قرآن وحدیث میں وراثت کے بارے میں کیا فرمایا اللہ نے اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے؟

(۲) کیا وراثت کا مال باپ کے مرنے کے بعد ماں کا ہو جاتا ہے اور ماں کے مرنے کے بعد وراثت بٹنی چاہئے؟

(۳) دوکان، مکان اور کچھ قیمتی سامان جس کی قیمت پچاس سے ساٹھ لاکھ کے قریب ہوتی ہے، جو ہمارے والد موت کے وقت چھوڑ گئے تھے، اب ہم تین بھائی اور ایک بہن اور ماں ہیں، اب ہم سب میں سے کس کو کتنا حصہ ملے گا، کس طرح سے تقسیم کریں آپ ہمیں حساب بتائیں؟

(۴) دو سال ہمارے والد کے انتقال کو ہو گئے، ہمارے والد کے ساتھ والد کی ہی دوکان میں چھوٹا بھائی کاروبار کرتا تھا، والد کے انتقال کے بعد بھی چھوٹا بھائی ہی کاروبار کر رہا ہے، اب سوال یہ ہے کہ اس دوکان میں والد کے انتقال کے وقت ایک سے ڈیڑھ لاکھ کا مال تھا، اس مال اور اس مال کے منافع میں اور دو سال میں اس مال کو بڑھایا گیا، کیا ان سب میں

ماں اور تین بھائی اور ایک بہن کا بھی حصہ ہوگا؟

(۵) بیٹی کی شادی کے وقت باپ نے بطور تحفہ پچیس ہزار روپئے دیئے تھے، تو کیا بیٹی اپنا اور وراثت کا حصہ مانگ نہیں سکتی؟ کیا اس کے حصہ میں وہ پچیس ہزار بھی کاٹے جائیں گے؟ اور اگر بیٹی غریب ہے اور وہ اپنا حق مانگتی ہے تو کیا وہ گنہگار ہے؟

(۶) بارہ سال قبل بڑے بیٹے کو والد نے گھر سے خود نکال دیا، کیونکہ دونوں کے درمیان دین کو لے کر بہت انتشار تھا، والد جماعت اہل حدیث کے خیال کے تھے اور بیٹا جماعت دیوبند خیالات کا تھا، تو کیا اس بیٹے کا وراثت میں کچھ حق نہیں ہے اور اگر وہ حق مانگے تو وہ گنہگار ہے؟

(۷) دوکان اور گھر کے مالک ہمارے والد ہی تھے، اور گھر میں دو بھائی ساتھ ہی تھے، ان بھائیوں کا کہنا ہے کہ ہم والد کے ساتھ تھے، اس لیے یہ سب مال ہمارا ہے، اور ماں کا بھی یہی کہنا کہ یہ سب مال میرا ہے، اور ماں سب کچھ اپنے نام کروانا چاہتی ہے، اور ماں یہ کہتی ہے کہ جسے لینا ہو میرے مرنے کے بعد لے، میرے زندہ رہتے ہوئے نہیں ملے گا، حالانکہ والد کے مرتے ہی وراثت کے سلسلے کو لے کر بہت جھگڑا اور بہت انتشار ہوا ہے، پولیس اسٹیشن تک ماں لے کر چلی گئی ہے تو کیا ماں کا یہ فیصلہ صحیح ہے، اور وراثت نہیں بٹنے سے آپس میں خون خرابے تک بات جا رہی ہے تو ماں کو کیا کرنا چاہیے؟

(۸) ماں کو خرچ کوئی بھی بیٹا نہیں دے رہا ہے، ماں کا خرچ اسی دوکان سے پورا ہو رہا ہے جو باپ چھوڑ گیا، تو جو بیٹا باہر ہے، صرف اس کے حصے میں ہی ماں کا ہر مہینے کا خرچ نکالا جائے گا، یا سب بیٹوں کو دینا ہوگا؟

ماں کا ہر مہینے کا خرچ کوئی بھی بیٹا نہیں دیتا ہے جو بیٹا گھر میں ہے وہ بھی نہیں دیتا جو باہر ہے، وہ بھی نہیں دیتا ہے تو کیا وراثت کی تقسیم کے وقت تینوں بیٹوں سے اور بیٹی سے باپ کے انتقال سے لے کر وراثت بٹنے تک ماں کا خرچ لینا ہوگا، باپ کے انتقال سے وراثت کے تقسیم ہونے تک کیا تینوں بیٹے اور ایک بیٹی سے بھی خرچ لینا ہوگا، اور ماں بیٹی سے بھی خرچ مانگ رہی ہے، اس دوران اگر کسی اولاد کا انتقال ہو جائے تو کیا حکم ہے، تو کیا مرنے والے کی جو اولاد ہے اس کو ملے گا، اور اگر ایک بیٹا یوں کہے کہ میں نہ تو شریعت کو مانتا ہوں اور نہ کسی

مولانا کو جانتا ہوں، نہ کسی عالم کی بات سنتا اور نہ ہی قانون کی بات مانوں گا تو جو یہ کہے اس کا کچھ علاج ہے، کیا وہ گناہ کرر ہا ہے، جو شریعت کو نہ مانے اس پر کیا وعید ہے؟

(۹) دو بیٹے اور پانچ بیٹیاں ہوں اور باپ نے حیات میں ہی ایک بیٹے کے نام یہ ساری جائیداد کردی ہو تو کیا باقی اولادوں کا اس مال پر کچھ بھی حق نہیں ہے اور کیا باپ نے یہ صحیح کیا ہے؟، اگر بے اولاد ہوا اور شوہر نے بہت سارا مال چھوڑا ہو تو کیا پورا مال بیوی کا ہوگا؟ یا ان دونوں کے رشتہ داروں کا بھی کچھ حق ہے؟

(۱۰) برائے مہربانی قرآن وحدیث کے حوالے سے آپ ان سارے سوالوں کا جواب تفصیل سے دیں، کیونکہ آپ کے ہی جواب سے بہت سارے گھروں کا انتشار ختم ہو جائے گا، اور سب کی سمجھ میں ہر بات آجائے گی، کیونکہ ساری دنیا ابھی دین سے دور ہوتی جارہی ہے نہ خدا کا حکم جانتی ہے نہ نبی کا فرمان، اگر آپ لوگ اس کا ذریعہ بنتے ہو تو بہت ہی اچھا ہوگا، اللہ آپ کو اس کی جزائے خیر دے، آپ کے ان جوابات سے بہت سارے جھگڑے اور فساد کا انتشار ختم ہوگا، اور ذرا جلدی کیجئے؟

(۱۱) اگر اولاد نافرمان ہو تو باپ اپنی اولاد کو وصیت کرکے وراثت سے محروم کرسکتا ہے؟

(۱۲) کیا شرعی طور پر اس کی اجازت ہے کہ آدمی اپنا پورا مال اللہ کی راہ میں لگادے اور اپنی اولاد کو وراثت سے محروم کردے؟

(۱۳) اپنے شرعی حق نہ ملنے پر کیا قانونی لڑائی لڑنے کی اجازت ہے؟

المستفتی: انصار شیخ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) وراثت تقسیم کرنے کے متعلق اللہ تعالیٰ نے عدل وانصاف اور امانت ودیانت کا حکم فرمایا ہے:

﴿وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوْ الْقُرْبٰى وَالْيَتَامٰى وَالْمَسَاكِيْنُ فَارْزُقُوْهُمْ مِنْهُ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَعْرُوْفًا. [النساء: ۸]﴾

﴿بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ. [الحجرات: ۹]﴾

(۲) باپ کے مرنے کے بعد میراث کا مال سب کا سب ماں کا نہیں ہوتا ہے، بلکہ تمام شرعی ورثاء اس کے وارث ہوتے ہیں، مرنے والے کی بیوی کل مال کے آٹھویں حصہ کی حقدار ہوتی ہے بقیہ مال لڑکے اور لڑکی کے درمیان **''للذکر مثل حظ الانثیین''** کے اعتبار سے تقسیم ہوتا ہے، یعنی ہر لڑکے کو لڑکی کے مقابلے میں دوگنا ملتا ہے۔

﴿**فَاِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ.** [النساء: ١٢]﴾

﴿**يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْ اَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ.** [النساء: ١١]﴾

(۳) برتقدیر صحت سوال وعدم موانع ارث و بعد ادائے حقوق ماتقدم دو کان و مکان اور قیمتی سامان اور نقدی، مرحوم کا کل ترکہ ۸/ برابر سہام میں تقسیم ہوکر بیوی اور لڑکی کو ایک ایک اور ہر لڑکے کو دو، دو ملیں گے۔ جیسا کہ حسب ذیل نقشہ سے واضح ہے:

میت ۸

بیوی	لڑکا	لڑکا	لڑکا	لڑکی
۱	۲	۲	۲	۱

(۴) وراثت تقسیم کرنے کا حکم اس وقت ہوتا ہے جب آدمی کا انتقال ہوجاتا ہے، لہٰذا دوکان اور ان کا سرمایہ جو کچھ بھی والد صاحب کے انتقال کے وقت رہا ہے، اس کو اسی وقت تقسیم کرنا ضروری ہے، اور اسی وقت کا حساب لگانا چاہیے، اگر اس وقت تمام وارثین کے مانگنے کے باوجود تقسیم نہیں ہوا ہے، اور دو سال کے درمیان اس سے نفع بڑھا ہے، تو نفع حاصل کرنے والے کے محنتانہ کو مجری کر کے بقیہ نفع تقسیم کرلیا جائے۔

تتعلق بتركة الميت حقوق أربعة مرتبة ...... ثم يقسم الباقي بين ورثته. (سراجی ص:٤)

وشروطه ثلاثة: موت مورث حقيقة أو حكما كمفقود أو تقديرا كجنين ووجود إرثه عند موته حيا حقيقة أو تقديراً كالحمل، والعلم بجهة إرثه. (شامی، کتاب الفرائض، زکریا ١٠/ ٤٩١، کراچی ٦/ ٧٥٨)

(۵) بیٹی کی شادی میں جو کچھ بھی خرچ ہوتا ہے اور جو کچھ بھی اس کو دیا جاتا ہے وہ ماں باپ کی

طرف سے تبرع ہوتا ہے، اس کو میراث سے کٹوتی کرنا جائز نہیں ہے، بیٹی باپ کے ترکہ میں میراث پانے کی پوری طرح حقدار ہوتی ہے، اس کو نہ دینے میں اس کے بھائی سخت گناہ گار ہوں گے۔

عن سعید بن زید بن عمرو بن نفیل ان رسول الله ﷺ قال: من اقتطع شبرا من الأرض ظلما طوقه الله إياه يوم القيامة من سبع أرضين. (مسلم شریف، کتاب المساقات والمزارعة، باب تحریم الظلم وغصب الأرض، النسخة الهندية ۲/ ۳۲، بيت الأفكار رقم: ۱۶۱۰، صحيح البخاری، كتاب المظالم، باب إثم من ظلم شيئا من الأرض، النسخة الهندية ۱/ ۳۳۲، رقم: ۲۳۸۸، ف: ۲۴۵۲، سنن أبی داؤد، كتاب الأدب، باب من يأخذ الشيئ من مزاح، النسخة الهندية ۲/ ۶۸۳، دار السلام رقم: ۵۰۰۳)

عن أنس بن مالک – رضی الله عنه– قال: قال رسول الله ﷺ: من فر من ميراث وارثه، قطع الله ميراثه من الجنة يوم القيامة. (سنن ابن ماجه، باب الحيف فی الوصية، النسخة الهندية ۲/ ۱۹۴، دار السلام رقم: ۲۷۰۳، سنن سعيد بن منصور، باب من قطع ميراثا، فرضه الله، دار الكتب العلمية بيروت ۱/ ۹۶، رقم: ۲۸۵ –۲۸۶)

(۶) باپ اور بیٹے کے درمیان مسلکی اختلاف کی وجہ سے یا بیٹے کو فیملی سے الگ کردینے کی وجہ سے بیٹا باپ کی وراثت سے محروم نہیں ہوتا ہے، دوسرے بیٹوں کی طرح یہ بھی برابر کا حقدار ہوگا۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۴/ ۳۱۸)

عن النعمان بن بشير أن رسول الله ﷺ قال: ألک بنون سواه؟ قال: نعم، قال فكلهم أعطيت مثل هذا، قال: لا، قال: فلا أشهد على جور. (مسلم شریف، باب كراهة تفضيل بعض الأولاد فی الهبة النسخة الهندية ۲/ ۳۷، بيت الأفكار رقم: ۱۶۲۳)

(۷) آدمی کے مرنے کے بعد نہ اس کی بیوی سارے مال کی حقدار ہوتی ہے، اور نہ اس کے ساتھ رہنے والے کل مال کے حقدار ہوتے ہیں، بلکہ تمام شرعی وارثین وراثت کے حقدار ہوتے ہیں، لہٰذا جو دو بیٹے ساتھ رہتے ہیں ان کو جتنا جتنا ملے گا، اتنا اتنا اس بیٹے کو بھی ملے گا جو باپ سے الگ رہتا ہے، اور بیوی کو صرف آٹھواں حصہ ملے گا، اس سے زیادہ کی وہ حقدار نہیں ہے۔

أن أعيان المتوفیٰ المتروكة عنه مشتركة بين الورثة على حسب

حصصهم. (شرح المجلة رستم اتحاد ۱/ ۶۱۰، رقم المادة: ۱۰۹۲)

﴿ **فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ**. [النساء: ۱۲] ﴾

(۸) باپ کے مرنے کے بعد ماں کا خرچ جوان بیٹوں پر لازم ہے اگر تینوں بیٹے کمانے کے لائق ہیں، تو تینوں پر ماں کا خرچ لازم ہے، ہاں البتہ اگر کوئی زیادہ کماتا ہے اور کوئی کم تو زیادہ کمانے والے پر اپنی حیثیت کے اعتبار سے زیادہ اور کم کمانے والے اپنی حیثیت کے اعتبار سے کم خرچ دیں گے، مہینہ، ہفتہ اور دنوں کے اعتبار سے خرچ کا طریقہ بنالیا جائے، نیز اگر ماضی میں خرچ نہیں دیا ہے تو ماضی کا خرچ ماں کو مانگنے کا حق نہیں ہے، البتہ بعد کا خرچ مانگنے کا حق ہے، ہاں اگر ماں پر قرض ہو چکا ہے تو قرض ادا کرنے کے ذمہ دار بھی اس کے بیٹے ہیں۔

أشار بقول: ولأبويه إلى أن جميع ما وجب للمرأة يجب للأب والأم على الولد من طعام و شراب و كسوة و سكنىٰ حتى الخادم . (البحر الرائق، باب الطلاق، باب النفقة كوئٹه ٤/ ٢٠٦، زكريا ٤/ ٣٥١)

لأن النفقة تختلف بحسب اليسار والإعسار. (البحر الرائق، باب النفقة كوئٹه ٤/ ١٨٦، زكريا ٤/ ٣١٥)

تنقیح: اس سوال میں یہ بھی پوچھا گیا ہے کہ اس دوران اگر کسی کا انتقال ہو جائے تو اس کا کیا حکم ہے؟ تو اس کا جواب اس وقت تک نہیں لکھا جائے گا جب تک میت کے ورثاء کی تفصیل نہ لکھی جائے، نیز بحث و جھگڑے کے درمیان شریعت کو ماننے یا نہ ماننے کی جو باتیں کہی گئی ہیں اس سے توبہ کرنا ضروری ہے، اور مال کی بنیاد پر ایک دوسرے پر الزام تراشی کرنا نہایت غلط بات ہے۔

(۹) اگر باپ نے زندگی میں ایک بیٹے کے نام ساری جائیداد کر کے اس کو قبضہ دیدیا ہے تو وہ اس کے نام ہبہ ہو گیا ہے، دوسری اولادوں کا اس میں حق نہیں ہے، مگر اس کی وجہ سے باپ گناہ گار ہوگا۔

ويكره تفضيل بعض الأولاد على البعض في الهبة حالة الصحة ...... **فإن وهب ماله كله لواحد جاز قضاء وهو آثم**. (البحر الرائق، كتاب الهبة زكريا ٧/ ٤٩٠، كوئٹه ٧/ ٢٨٨، قاضيخان زكريا جديد ٣/ ١٩٤، وعلى هامش الهندية ٣/ ٢٧٩، هنديه زكريا قديم ٤/ ٣٩١، جديد ٤/ ٤١٦)

تنقیح: آگے جو مزید فرضی سوالات کرر کھے ہیں ان کے جوابات دینے کے لیے ہمیں موقع نہیں ہے، اور استفتاء میں اس طرح کے سوالات نامناسب ہیں، کبھی سوال کیا جا رہا ہے کہ دو بیٹے، پانچ بیٹیاں اور کبھی کیا جارہا ہے کہ ۳ /بیٹے ایک بیٹی وغیرہ، اس طرح کے فرضی سوالات کا جواب ہم نہیں دیا کرتے، ایسے سوالوں کا جواب دیا جاتا ہے جو واقعی ہوں۔

ایک ضروری ہدایت: سائل سے گذارش ہے کہ ایک استفتاء میں زیادہ سے زیادہ ۳/ سوال کی گنجائش ہوتی ہے، ورنہ اصلاً ایک سوال اور اگر مناسبت ہو تو دو سوال، اور آپ نے تیرہ سوال کر ڈالے ہیں جن میں کئی سوالات اگر مگر کر کے فرضی ہیں، تین سے زائد سوال ہونے کی صورت میں ہم جواب کے پابند نہیں ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/محرم الحرام ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۸۶۶)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۲/۱/۱۴۳۱ھ

مرحوم کے ترکہ کی تقسیم اور اس کے زیورات وغیرہ میں زکوٰۃ کا حکم

سوال [۱۱۵۹۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرے لڑکے سیف الرحمٰن کا انتقال ان کی شادی کے تقریباً ۵/ ماہ بعد ہو گیا تھا ان کی املاک کی تفصیل درج ہے:

(۱) فرم میں ان کے حصہ کی رقم کی تقسیم؟

(۲) ان کی زمین وجائیداد کی تقسیم

(۳) جو زیوران کی اہلیہ کو بری میں دیا گیا تھا جس پر مالکانہ حقوق دونوں میاں بیوی کے تھے، اس سے ماں باپ کا کوئی تعلق نہیں تھا۔

(۴) جو زیور تحائف کی شکل میں سیف الرحمٰن کے دوستوں نے ان کی اہلیہ کو دیئے تھے، ان ساری املاک میں سیف الرحمٰن کی اہلیہ کا شرع میں کتنا حصہ نکلتا ہے، اور ان کے زیورات وغیرہ کی زکوٰۃ کی ادائیگی کس کے ذمہ ہوگی؟

المستفتی: حفظ الرحمٰن

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سیف الرحمٰن مرحوم کے فرم میں جو حصہ ہے اس کی رقم اور ان کی زمین و جائیداد کل چار حصوں میں تقسیم ہو کر ایک حصہ ان کی بیوی کو ملے گا اور ایک حصہ ان کی والدہ کو ملے گا اور دو حصہ سیف الرحمٰن کے والد کو ملیں گے۔

﴿وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ اِنْ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ وَلَدٌ. [النساء: ١٢]﴾

والربع لها عند عدمهما. (در مختار، کتاب الفرائض، زکریا ١٠/٥١٢، کراچی ٦/٧٧٠)

اور جو زیورات سیف الرحمٰن کے والد نے ان کی اہلیہ کو بری میں بطور ملکیت دیئے ہیں، وہ تمام زیورات سیف الرحمٰن کی اہلیہ کی ملکیت ہیں، ان میں کسی دوسرے کا حق نہیں ہے، نیز جو زیورات سیف الرحمٰن کے دوستوں نے ان کی اہلیہ کو دیئے ہیں وہ تمام زیورات سیف الرحمٰن کی اہلیہ کی ملکیت ہیں، ان میں کسی دوسرے کا حق نہیں ہے، اور ان تمام زیورات کی زکوٰۃ سیف الرحمٰن کی اہلیہ کے ذمہ لازم ہے۔

وكذا ما يعطيها من ذٰلك أو من دراهم أو دنانير صبيحة ليلة العرس ويسمىٰ في العرف صبحة فإن كل ذٰلك تعورف في زماننا كونه هدية لا من المهر.

(شامی، کتاب النکاح، باب المهر، زکریا ٤/٣٠٣، کراچی ٣/١٥٣) **فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ رشعبان ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۶۹۰۰/۳۵)

تقسیم ترکہ سے متعلق چند سوالات کے جوابات

سوال [۱۱۵۹۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) زید کا ایکسیڈینٹ ہوا، کچھ علاج کے بعد زید لا ولد ہی انتقال کر گیا، اس نے اپنے پیچھے ایک بیوی عفت جہاں اور باپ شمیم الدین اور تین بھائی: محمد شاہد، محمد عمران، محمد فرحان چھوڑے، لہٰذا جواب طلب امر یہ ہے کہ زید کا ترکہ کس طرح تقسیم ہوگا؟

(٢) عفت جہاں کے پاس جو زید کی چھوڑی ہوئی رقم ہے اس کے بارے میں عفت جہاں کا کہنا ہے کہ میرے شوہر زید نے اپنی زندگی میں ہی مجھ کو اس کا مالک بنا دیا تھا، وہ خالص اور خالص میری رقم ہے، اس بیان پر شریعت کیا کہتی ہے؟

(٣) زید مرحوم کا جو باقی ترکہ اور کاروبار میں لگی رقم ہے اس کا کیا حکم ہے؟

(٤) شوہر سے وصول ہونے والی رقم میں مہر کا کیا حکم ہے؟ شوہر کے ترکہ سے اس رقم کو لیا جائے گا یا نہیں؟

(٥) زید مرحوم کے تینوں بھائی نے مل کر زید مرحوم کا علاج کرایا، لیکن وہ صحت یاب نہ ہو سکے اور انتقال کر گئے، اب یہ تینوں بھائی، مرحوم بھائی کی بیوہ عفت جہاں سے علاج میں خرچ ہونے والی رقم کا مطالبہ کرتے ہیں یہ اخلاقاً و شرعاً کہاں تک درست ہے؟

(٦) شوہر کی طرف سے جو زیور شادی پر بیوی کو چڑھایا جاتا ہے اس کا کیا حکم ہے؟

(٧) اب زید کا باپ شمیم الدین بھی انتقال کر چکا ہے، ورثاء میں صرف تین لڑکے ہیں؟

(٨) شوہر اپنی زندگی میں بیوی کو جو زیور یا پیسہ شادی کے بعد دے اس کا مالک کون ہوگا؟

المستفتی: رئیس احمد آزادنگر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (١-٧) زید مرحوم کا ترکہ مندرجہ ذیل نقشہ کے مطابق اولاً چار حصوں میں تقسیم ہوکر ایک حصہ بیوی عفت جہاں کو اور تین حصہ ان کے باپ شمیم الدین کو ملے گا اور شمیم الدین کے انتقال کے بعد ان کے یہ تینوں حصے ان کے تین لڑکوں کے درمیان برابر برابر تقسیم ہو جائیں گے۔

زید میـــــــــــــت ٤

زوجہ	اب	اخ	اخ	اخ
عفت جہاں	شمیم الدین	شاہد	عمران	فرحان
١	٣	محروم	محروم	محروم

شمیم الدین میـــت ٣		٣
ابن	ابن	ابن
شاہد	عمران	فرحان
١	١	١

المبلغ ٤			
میـــت			
عفت جہاں	شاہد	عمران	فرحان
١	١	١	١

(٢) زید کی چھوڑی ہوئی رقم کے بارے میں عفت جہاں کا کہنا کہ میرے شوہر زید نے مجھے اپنی زندگی میں مالک بنادیا تھا تو اس بارے میں شرعی حکم یہ ہے کہ چونکہ یہ رقم زید کی بیوی کے قبضہ میں ہے اور زید کے بھائیوں کی طرف سے اس رقم پر حق میراث کا دعویٰ ہے اور زید کی بیوی انکار کررہی ہے، اور اپنی ملکیت کا دعویٰ کررہی ہے ایسی صورت میں زید کے بھائیوں پر اس بات پر گواہ پیش کرنا لازم ہے کہ وہ زید کی رقم ہے، اگر ان کے پاس شرعی گواہ نہیں ہیں تو زید کی بیوی کا حلفیہ بیان معتبر ہوگا، اگر وہ حلفیہ بیان دیدے کہ وہ اس کی ملکیت ہے تو اس کی ملکیت شمار ہوگی۔

(٣) زید مرحوم کا جو باقی ترکہ اور کاروبار میں لگی رقم ہے اس کو مذکورہ نقشہ کے مطابق وارثین میں تقسیم کیا جائے گا۔

(٤) شوہر کے ترکہ سے مہر کی ادائیگی لازم ہے۔

(٥) زید مرحوم کے بھائیوں نے مل کر جو رقم زید کے علاج میں خرچ کی تھی اس وقت اگر یہ بات پہلے سے طے ہوچکی تھی کہ زید اس کو اپنے مال سے ادا کرے گا تو بھائیوں کو زید کے ترکہ سے مطالبہ کرنے کا حق ہوگا، اور اگر اس طرح کی کوئی بات پہلے سے طے نہیں ہوئی تھی تو شرعاً زید کے بھائیوں کی طرف سے بیماری میں جو خرچ ہوا ہے وہ تبرع اور صلہ رحمی میں شمار ہوگا، اور اب زید کی بیوی سے مطالبہ کا حق نہیں ہوگا۔

(٦) شوہر نے شادی کے وقت جو زیور بیوی کو دیا تھا اگر وہ بطور ملکیت دیا تھا تو بیوی اس کی مالک ہوچکی ہے، اور اگر بطور ملکیت نہیں دیا تھا اور کوئی صراحت نہیں کی تھی تو برادری میں جو اس سلسلے میں معمول متعارف ہے اسی پر عمل ہوگا، اگر برادری میں یہ بات متعارف ہے کہ جو زیور

دولہن کودیا جاتا ہے دولہن اس کی مالک ہوتی ہے تو بیوی اس کی مالک ہو جائے گی، اور اگر برادری میں یہی دستور ہے کہ جو زیور بیوی کو دیا جاتا ہے وہ عاریت شمار ہوتا ہے تو شوہر اس کا مالک ہوگا۔

(۸) شوہر شادی کے بعد مہر سے الگ جو زیور بنا کر دیتا ہے وہ عام طور پر بطور ملکیت خوشی کے ماحول میں بنا کر دیتا ہے اس لیے جو پیسہ یا زیور زندگی میں شادی کے بعد دیا ہے وہ بیوی کی ملکیت ہوگی، ہاں البتہ اگر صاف اور واضح طریقہ پر شوہر نے یہ کہہ کر دیا ہے کہ اس کا مالک میں ہی رہوں گا تم کو صرف بطور عاریت دے رہا ہوں، تو وہ شوہر کی ملکیت ہوگی، مگر روپیہ پیسہ اس طرح نہیں دیا جاتا ہے، اس لیے روپیہ بہرحال عورت کی ملکیت ہی میں داخل ہوگا۔

وإذا مات أحدهما ثم وقع الاختلاف بين الباقي وورثة الميت فعلى قول أبي حنيفة و محمد ما يصلح للرجال فهو للرجل إن كان حيا ولورثته إن كان ميتا و ما يصلح للنساء فهو على هذا، وما يصلح لهما فعلى قول محمد هو للرجل، إن كان حيا ولورثته إن كان ميتا، وقال: أبو حنيفة: المشكل للباقي منهما وما كان من متاع التجارة والرجل معروف لتلك فهو للرجل كذا في المحيط. (هنديه، الفصل السابع عشر في اختلاف الزوجين في متاع البيت زكريا جديد ۱/۳۹۵، قديم ۱/۳۲۹)

ثم تقضىٰ ديونه من جميع ما بقي من ماله. (سراجی ص: ٤)

القول قول القابض في مقدار ما قبضه. (الأشباه والنظائر ص: ۱۱۰)

القبض مؤكد للملك في المقبوض. (هدايه اشرفی ۲/ ۳۳۱)

القول قول القابض ضمينا أو أمينا لأنه أعرف بمقدار المقبوض. (نصب الراية ٤/۲۸۳)

الثابت بالعرف كالثابت بالنص. (قواعد الفقه ص: ٧٤)

لايرجع في الهبة من المحارم بالقرابة كالآباء والأمهات إلى قوله وكذٰلك الإخوة والأخوات. (تاتارخانية زكريا ١٤/٤٤٩، رقم: ٢١٦٧١)

عن سمرة ؓ عن النبي ﷺ قال: إذا كانت الهبة لذي رحم محرم لم

یرجع فیھا. (المستدرك للحاكم مكتبه نزار مصطفى الباز ۸۷٦/۳، رقم: ۲۳۲٤)

البینة علی المدعی والیمین علی من أنکر. (قواعد الفقه اشرفی ص:٦٦)

بیوی کے جہیز کا سامان اور مہر کی ادائیگی، اس کے نام کا زیور اور اس کے نام کی نقد رقم کے علاوہ باقی جو ملکیت کا ترکہ زید نے چھوڑا ہے وہ حسب ذیل نقشہ کے مطابق تقسیم ہوگا:

زید میــــــــــــــــــــــــــــــــــــت ۴

زوجہ	اب	اخ	اخ	اخ
عفت جہاں	شمیم الدین	شاہد	عمران	فرحان
۱	۳	محروم	محروم	محروم

بیوی کو دیئے ہوئے روپیہ اور زیور کے علاوہ زید کی ملکیت کا جو بقیہ ترکہ ہے وہ مذکورہ نقشہ کے مطابق چار حصوں میں تقسیم ہو کر بیوی کو ایک اور باپ کو تین ملیں گے، اور بھائی محروم ہو جائیں گے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۴۰۷)

تقسیم ترکہ کے ایک مسئلہ کی وضاحت

سوال [۱۱۵۹۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) میں آس محمد پسر محمد عمر خاں کی پیدائش اصیل پور، موانہ ضلع میرٹھ میں ہوئی۔

(۲) جب میری عمر تین سال ہوئی تو مجھے میرے پھوپھا پھوپھی اپنے گھر کٹھور، موانہ ضلع میرٹھ میں لے آئے۔

(۳) پھوپھا پھوپھی کے کوئی اولاد نہیں ہوئی، اور مجھے اولاد مانکر تعلیم حاصل کرائی، اور شادی وغیرہ سب کام کیے۔

(۴) میرے پھوپھا جی نے اپنی ملکیت سے کچھ زمین بذریعہ بیع نامہ میرے نام

کردی، جوقریب ۲۰؍بیگہ کچی ہے۔

(۵) پھوپھا جی کا انتقال ۲۰۰۳ء میں یعنی ۸؍سال پہلے ہوگیا، اورملکیت پھوپھی جی کے نام پر آ گئی، اوراس ملکیت کی وصیت میرے نام پر پھوپھی جی نے کردی، اس وصیت کا اعتراض میرے پھوپھا جی کے خاندان والوں نے نہیں کیا، اور پھوپھی کا بھی انتقال ۱۶؍جنوری ۲۰۱۰ء کو ہوگیا اور ملکیت میرے نام آ گئی۔

(۶) کہنا یہ ہے کہ میرے حقیقی والدہ کا انتقال اصیل پور میں ۸؍دسمبر ۱۹۸۵ء میں اور حقیقی والد کا انتقال اصیل پور میں ستمبر ۱۹۸۶ء میں ہوگیا۔

(۷) میرے حقیقی والد کی ملکیت ۳؍حصوں میں تقسیم ہوگئی، کیونکہ ہم تین بھائی اور ایک بہن ہیں اور جو حصہ میرا ہے وہ میں نے اپنے دونوں بھائیوں کو بونے یعنی گزربسر کرنے کو دیدیا ہے، بھائیوں کا انتقال ہو چکا ہے، میں اپنا حصہ اپنے بھتیجوں سے لے رہا ہوں کیا یہ جائز ہے؟

(۸) میرے ایک لڑکا اور ۵؍لڑکیاں ہیں، میرا لڑکا بڑا بد اخلاق اور اس کی بیوی اور زیادہ بد اخلاق ہے، مدتوں سے الگ رہ رہے ہیں، لڑکے کو ۱۲؍بیگھہ کچی زمین اور ایک مکان ایک دوکان بازار میں دیدی ہے، مگر پھر بھی میری بےعزتی کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ تیرا کچھ بھی نہیں ہے، سب کچھ ہمارا ہے، اور لڑکیوں کو برا بھلا کہتے ہیں، لڑکیوں کی شادی ہوچکی ہے۔

(۹) اب میں ان حالات میں بڑا پریشان ہوں اور جی چاہتا ہے کہ میں خودکشی کرلوں مگر اللہ سے ڈر لگتا ہے۔

اب مندرجہ بالا (اوپر) کی باتوں کو دیکھتے ہوئے جی چاہتا ہے کہ میں اپنی ملکیت سے کچھ نہ دے کر کسی اور کو دوں، یا پھر پوتوں کو دوں، اب محترم بتایئے کہ اس ملکیت میں جو مندرجہ ذیل ہے، سب کا سب میرا حق ہے یا نہیں؟ اسی میں سے کچھ حصہ بیچ کر اپنے اور اپنی بیوی کے خرچہ میں لے سکتا ہوں؟ تحریر فرمائیں۔

حقیقی باپ سے:	۷؍بیگہ زمین جنگل میں	(اس میں پورا حق ہے یا نہیں؟)
پھوپھا جی سے	۲۰؍بیگہ زمین جنگل میں	(اس میں پورا حق ہے یا نہیں؟)

پھوپھی جی سے ۴؍ بیگہ زمین جنگل میں اور (اس میں کتنا حق ہے؟)
ایک مکان، ایک دوکان
۳۱؍ بیگہ پکی

عرض خدمت ہے کہ مندرجہ بالا ملکیت کا کتنا حق میرا ہے؟ اگر پورا ہے تو میں کسی کو بھی دے سکتا ہوں، اورلڑکیوں کو اس ملکیت سے کتنا؟ تحریر تفصیل سے لکھیں۔

المستفتی: آس محمد ولد محمد عمر قصبہ کٹھور، ضلع میرٹھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: پھوپھانے اپنی زندگی میں جو۲۰؍ بیگہ بیع نامہ کرکے آپ کودیدی ہے، شرعی طور پر اس ۲۰؍ بیگہ کے آپ مالک ہیں، اور پھوپھی نے اپنی ملکیت کی جو وصیت آپ کے حق میں کی ہے کہ اس سلسلے میں اگر پھوپھی کے شرعی وارثین بخوشی وصیت شدہ جائیداد آپ کو دینے پر راضی ہیں تو اس کے بھی آپ مالک ہوجائیں گے، اور اگر راضی نہیں ہیں تو پھوپھی کی ملکیت کی ایک تہائی میں وصیت نافذ ہوجائے گی، اور آپ ایک تہائی کے وارث ہوسکتے ہیں، حقیقی والد اور والدہ کی جائیداد جو تین حصوں میں تقسیم ہوئی وہ شرعاً غلط ہوئی، بلکہ آپ کے ماں باپ کی جائیداد سات حصوں میں تقسیم ہوگی، دو، دو حصے تینوں بھائیوں کو اور ایک حصہ بہن کا ہے، لہٰذا آپ ماں باپ کی جائیداد کے سات حصوں میں سے صرف دوحصہ کے مالک ہوسکتے ہیں، اور ایک حصہ بہن کو دینا سب پر لازم ہے۔

عن أبی أمامة الباهلی –رضی الله عنه– قال: سمعت رسول الله ﷺ یقول فی خطبته عام حجة الوداع، إن الله تبارک وتعالیٰ قد أعطیٰ کل ذی حق حقه فلا وصیة لوارث. (سنن الترمذی، باب ما جاء لا وصیة لوارث، النسخة الهندیة ۲/ ۳۲ دار السلام رقم: ۲۱۲۰، سنن أبی داؤد، الوصایا، باب ماجاء فی الوصیة للوارث، النسخة الهندیة ۲/ ۳۹۶، دار السلام رقم: ۲۸۷۰، سنن ابن ماجه، باب لاوصیة لوارث، النسخة الهندیة ۲/ ۱۹٤ دار السلام رقم: ۲۷۱۳)

اور آپ کے جو دو حصے بنتے ہیں وہ آپ اپنے بھتیجوں سے لے سکتے ہیں اور آپ نے

اپنے ایک لڑکے اور پانچ لڑکیوں کے بارے میں جو لکھا ہے اور اس سلسلے میں آپ نے جو پوچھا ہے اس میں آپ کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ لڑکیوں کی شادی ہونے کے بعد لڑکیاں باپ کی وارث نہیں ہوتیں صرف لڑکا ہی وارث ہوتا ہے، اس لیے آپ نے لڑکے کو بارہ بیگہ زمین اور ایک مکان اور ایک دوکان بازار میں دیدی، ایسا کرنا اور ایسا سمجھنا شرعی طور پر غلط ہے، جس طرح لڑکا باپ کی جائیداد کا وارث بنتا ہے اسی طرح لڑکیاں بھی باپ کی جائیداد کی وارث بنتی ہیں، لہٰذا آپ کے مرنے کے بعد آپ کی کل جائیداد سات حصوں میں تقسیم ہوکر دو حصہ لڑکے کو اور ایک ایک لڑکیوں کو ملے گا، بشرطیکہ آپ کی بیوی کا انتقال پہلے ہو چکا ہو، اور اگر بیوی زندہ ہے تو بیوی کو آٹھواں حصہ ملے گا، تو آپ کی کل جائیداد آٹھ حصوں میں تقسیم ہوکر ایک حصہ بیوی کو دو حصہ لڑکے کو اور ایک ایک حصہ لڑکیوں کو ملے گا، اور آپ کے مرنے سے پہلے آپ کی کسی بھی جائیداد کا نہ آپ کا بیٹا حقدار ہے نہ آپ کی بیٹیاں نہ آپ کی بیوی، بلکہ مکمل طور پر مالکانہ حق آپ ہی کو حاصل ہے، آپ کے بیٹے کو اس بارے میں آپ کے اوپر کسی بھی طرح نہ اعتراض کا حق ہے اور نہ آپ سے مطالبہ کرنے کا حق ہے، آپ اس میں جیسے چاہیں تصرف کر سکتے ہیں۔

وإذا أوصىٰ بأكثر من ثلث ماله لأجنبى فهذه الوصية فيما زاد على الثلث لاتجوز إلا بإجازة الوارث. (تاتارخانية ١٩/ ٣٨١ رقم: ٣١٨٥٩)

أخرج الدارمى عن الحسن فى الرجل يوصى بأكثر من الثلث فيرضى الورثة قال هو جائز. (مسند الدارمى، دار المغنى ٤/ ٢٠٣٦، رقم: ٣٢٣٧)

كل يتصرف فى ملكه كيف شاء. (شرح المجلة رستم اتحاد ١/ ٦٥٤، رقم المادة: ١١٩٢)

المالك هو المتصرف فى الأعيان المملوكة كيف شاء من الملك. (بيضاوى شريف، رشيديه ١/ ٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٢٩/ ربیع الثانی ١٤٣٢ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٩/ ١٠٣٩٢)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
٢٩/ ٤/ ١٤٣٢ھ

مرحوم کی بیوی سے شادی کر کے مرحوم کے ترکہ سے اس کو محروم کردینا

سوال [۱۱۵۹۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) حافظ عبدالستار صاحب انصاری اپنی لاولد اہلیہ کے انتقال کے بعد بہار سے ایک انصاری خاندان کی لڑکی مسماۃ صابرہ خاتون کو نکاح شرعی کے ذریعہ زوجہ بنا کر بجنور لائے، یہاں تک کہ سولہ سال بعد حافظ صاحب کا انتقال ہوگیا، انتقال کے وقت حافظ صاحب نے ایک مکان پندرہ ہزار کے زیورات، انیس ہزار نقد روپیہ اپنے اور اپنی بیوی بچوں کے سلے اور بغیر سلے بہت سے جوڑے، چار کوئنٹل گندم، چینی، تیل، چاول، لحاف گدے اور بہت سا خانگی سامان اور پانچ عدد چھوٹے بچے چھوڑے، صابرہ خاتون نے عدت کے ایام پورے کیے تو خاندان کے کچھ لوگوں نے ہنگامی مجلس قائم کر کے فی الفور ایک غیر ذمہ دار اور ناکارہ لڑکا محمد راشد سے عقد ثانی کرا کر صابرہ کو خالی ہاتھوں مکان سے بے دخل کر کے باہر نکال دیا ہے، جس کا بظاہر محمد راشد سمیت کوئی پرسان حال نہیں ہے، صابرہ کا نکاح بہار میں ہوا تھا، اس کی مہر کی مقدار کے بارے میں کوئی ثبوت نہیں ہے، ایسی صورت میں صابرہ کا مہر حافظ صاحب کے وارثین پر خصوصاً جن کے قبضے میں ان کا مال ہے واجب ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو اس کی کتنی مقدار طے کی جائے؟

(۲) عدت کے بعد اچانک شور ہوا کہ صابرہ ایک بدکار اور زانیہ عورت ہے لیکن اس کے ثبوت کے لیے کوئی شرعی اور عینی شاہد نہیں ہے اتنا ثبوت ملتا ہے کہ صابرہ حافظ صاحب کے بھتیجے محمد راشد (شوہر ثانی) کو دل سے چاہتی ہے وہ راشد کو کھانا کھلاتی ہے اور اس کے پاس آتی جاتی ہے اور کبھی راشد اس کے پاس آتا جاتا تھا؟ دونوں کو تنہا مکان میں بیٹھے بات چیت کرتے بھی متعدد بار دیکھا گیا ہے، ان حالات میں دونوں یا کسی ایک کو زانی قرار دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

(۳) صابرہ سے کل مال واسباب کے ساتھ پانچ بچوں (بڑی لڑکی گیارہ سال،

چھوٹا لڑکا تقریباً ۳ ر سال) کو لے لیا گیا ہے، اہل محلّہ نے طے کیا ہے کہ مکان کا آٹھواں حصہ چھوڑ کر باقی پورا مکان تین سالہ بچے کو بالغ ہونے پر دیا جائے گا، اور زیورات شادی کے موقع پر لڑکے یا لڑکیوں کو دیئے جائیں گے، باقی کل روپیہ و خانگی سامان بھی بچوں پر خرچ کیا جائے گا، یہ بھی طے ہوا ہے کہ بچوں کی پرورش جس کے سپرد کی گئی ہے وہ بچوں کے لیے عمومی امداد اور خصوصی چندہ بھی فراہم کرے گا، یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ بچوں کے فراق میں صابرہ دن رات روتی ہے، اور لوگوں کے سامنے اپنی خواہش ظاہر کرتی ہے کہ پانچوں بچوں کو مستقبل میں ہدایت یافتہ بنانا ہے، ایسی صورت میں بچوں کی پرورش کے لیے ماں کو ترجیح دی جائے گی یا اس کی اجازت کے بغیر پانچوں بچے دوسرے کے حوالے کیے جاسکتے ہیں؟ خواہ وہ حافظ صاحب کا قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو؟

(۴) پلان شدہ اور ہنگامی عقد ثانی کے بعد محمد راشد اپنی بیوی صابرہ کو مار پیٹ کر اور بھوکا پیاسا رکھ کر ہفتہ عشرہ میں طلاق دینے کا فیصلہ کر چکا ہے، جو کہ یقینی ہے، ایسی صورت میں صابرہ کو مکان کا آٹھواں حصہ دینا طے کیا گیا ہے؟ اور کچھ نہیں۔

سوال یہ ہے کہ حافظ صاحب کے سیکڑوں شاگردوں کے ذریعہ جو سامان اور قیمتی ہدایا ان کے اور ان کی بیوی بچوں کے لیے آئے ہیں یا حافظ صاحب کی ذاتی رقم سے جو سامان گھر میں ہے اس میں بھی آٹھواں یا کم وبیش حصہ شرعاً صابرہ کو ملے گا یا نہیں؟

(۵) اگر راشد نے اپنی رضا ورغبت سے پچاس مسلمانوں کے سامنے کوئی چیز اپنے چچا یا چچی کو زبانی ہبہ کر دی تھی تو وہ کچھ مہینوں کے بعد یہ کہہ کر کہ ہبہ تحریر میں نہیں ہے، زبانی ہبہ کو رد کر سکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد یامین قاضی ٹولہ بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حافظ عبدالستار صاحب مرحوم کا کل ترکہ اس کے شرعی ورثاء کے درمیان حسب ذیل نقشہ کے مطابق تقسیم ہوگا:

۴۸/۸

حافظ عبد الستار میت

بیوی	لڑکا	لڑکی	لڑکی	لڑکی	لڑکی
۱/۶	۱۴	۷	۷	۷	۷

(۷)

کل ترکہ ۴۸؍سہام میں تقسیم ہوکر ہر چیز میں سے بیوی کو ۶؍، لڑکے کو چودہ اور لڑکیوں کو ۷؍۷؍سہام ملیں گے، بھائی یا بھتیجے وغیرہ کو مکان نقد رقم، زیورات، سامان، وغیرہ میں سے کوئی چیز شرعاً نہیں ملے گی، صابرہ اور اس کی اولاد کو مکان سے بے دخل کرنا سخت ظلم اور زیادتی ہے، نیز دوسرے شخص سے نکاح کرنے کی وجہ سے یا اس کے اعمال خراب ہونے کی وجہ سے حق سے محروم نہ ہوگی، نیز اس کے مہر کی مقدار اگر معلوم نہیں ہے تو مہر مثل اس کا حق ہوگا، وہاں ایسی عورت کا مہر کیا بن سکتا ہے، اس کو دیکھ لیا جائے، اگر حافظ صاحب کے مال و مکان پر بھائی یا بھتیجوں نے قبضہ کر رکھا ہے تو شرعی طور پر وہ لوگ حافظ صاحب کے وارثین نہیں ہیں، ورثاء صرف وہی لوگ ہیں جو نقشہ میں درج ہیں۔

(۲) محض آنے جانے کی وجہ سے زنا کا الزام لگانا جائز نہیں ہے، اگر اسلامی حکومت ہوتی تو الزام لگانے والوں پر ۸۰/۸۰؍کوڑے لگائے جاتے۔

﴿ وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمَانِيْنَ جَلْدَةً وَلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا. [النور: ٤] ﴾

(۳) بچوں کی پرورش کا حق سب سے زیادہ بچوں کی ماں کو پہنچتا ہے، مستفتی سے زبانی معلوم ہوا کہ راشد نے طلاق دیدی ہے اور دوسرے شخص کے یہاں صابرہ نے پناہ لی ہے ایسی صورت میں بچوں کا حق ماں ہی کو پہنچتا ہے، اور ترکہ وملکیت کے بارے میں جو فیصلہ کیا گیا ہے وہ شرعاً باطل ہے، مذکورہ نقشہ کے خلاف جو فیصلہ ہوگا وہ شرعاً معتبر نہ ہوگا۔

(۴) جو ہدایا حافظ صاحب کو ملے ہیں وہ سب میراث میں شامل ہوجائیں گے۔

(۵) راشد نے جو کچھ بھی دیا ہے چچا کے مرنے کے بعد یا صابرہ سے شادی یا طلاق کے بعد واپس لینے کا حق نہیں ہے۔

فلا رجوع فيها (إلى قوله) أو يموت أحد المتعاقدين (إلى قوله) وكذٰلك ما وهب أحد الزوجين للآخر للمقصود فيها الصلة (وقوله) ولو أبانها بعد ما وهب فلا رجوع. (هدايه، باب ما لم يصح رجوعه و ما لايصح، اشرفی ۲۸۹/۳-۲۹۰)

ہاں البتہ خاص طور پر صابرہ کوشادی سے قبل جو دیا تھا اس کو واپس لینے کا مسئلہ وہ بھی واپس لینا ایسا ہے جیسا کہ کتے نے قے کر کے دوبارہ چاٹ لی ہے۔

عن ابن عمر –رضی الله عنه– أن رسول الله ﷺ قال: مثل الذی يعطی العطية ثم يرجع فيها كالكلب أكل حتی إذا شبع قاء ثم عاد فرجع فی قيئه. (سنن الترمذی، باب ماجاء فی كراهية الرجوع فی الهبة، النسخة الهندية ۲/۳٤، دار السلام رقم: ۲۱۳۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍جمادی الاولیٰ ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۵۲۸۰/۳۳)

ایک شخص کے ترکہ سے متعلق چند سوالات کے جوابات

سوال [۱۱۵۹۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کے دو بیٹے ایک زوجہ سے ابوبکر اور عمر ہیں، دوسری زوجہ سے ایک بیٹا خالد ہے، زید نے ترکہ میں ایک مکان اور کچھ صحرائی زمین چھوڑی، ایک مدت کے بعد اس کے بیٹے خالد نے صحرائی زمین سے اپنا حصہ لے کر قبضہ کیا اور علیحدہ ہو گیا، خالد نے مکان کا اپنا حصہ عمر (علاتی بھائی) کو فروخت کر کے بے دخلی یعنی علاحدگی اختیار کی اور عمر نے خالد سے اس کا حصۂ مکان خریدتے وقت کہا کہ بڑے بھائی ابوبکر کے بچے زیادہ ہیں، ان کو ضرورت ہے، چنانچہ یہ مکان ابوبکر اور ان کی اولاد کے استعمال میں رہا، اور ہے، اور صحرائی زمین جو ابوبکر اور عمر کے حصے میں آئی، اس پر بھی عمر کی مرضی سے قبضہ اور تصرف ابوبکر اور ان کی اولاد کا رہا اور ہے، ابوبکر نے صحرائی زمین میں باغ لگوایا، اور اس کے تمام مصارف خود برداشت کیے

اوراس باغ کی آمدنی اسی قدیم رہائشی مشترک مکان کے تعمیری اخراجات میں صرف ہوتی رہی، مگر جب فاضل رقم بچی تو عمر کو دی گئی،اس نے لی، واضح ہو کہ عمر نے کوئی شادی نہیں کی، بلکہ اپنی زندگی کا ایک طویل حصہ اپنے بھائی ابوبکر کے ساتھ گذارا،ایک عرصہ تک کاروبار بھی مشترک رہا،عمر نے ایک موقوفہ زمین کرایہ پر لےکر اپنی رقم سے دوکان بنائی،اوراس میں کام کرتا رہا،ایک مدت کے بعد اپنے بھائی ابوبکر کو بھی اس کاروبار میں شریک کیا اورآمدنی دونوں تقسیم کرتے رہے،اورعمر نے متعدد باراس امر کا اعتراف کیا کہ میرے پاس پیسہ جب سے جمع ہوا ہے جب سے بھیا (ابوبکر) دوکان پر آئے ، کچھ دنوں کے بعداس دوکان کی کرایہ داری میں عمر کے نام کے ساتھ ان کے بڑے بھتیجہ (ابوبکر کے بڑے بیٹے) کا نام بھی درج کرادیا گیا ہے، نیز کچھ عرصہ بعد ابوبکر کی جگہ ان کا چھوٹا بیٹا عمر کے ساتھ اسی کرایہ کی دوکان میں کام کرنے لگا،اس کے بعد یہ نوعیت رہی کہ عمراس دوکان پر بیٹھتے ضرور تھے مگر آمدنی سے دستبردار ہوگئے ،اوران کا چھوٹا بھتیجا ہی ان کی مرضی سے قابض ومتصرف رہا،اور ہے،اس کے بعد عمر نے ایک قطعۂ آراضی خرید کر اس میں ایک دوکان اوراس کے اوپر مکان اپنے بڑے بھتیجے (ابوبکر کے بڑے بیٹے) کی نیت سے بنوایا،لیکن اس بھتیجے کو باہر ملازمت مل گئی، اس لیے یہ ذاتی دوکان خالی پڑی رہی، چنانچہ عمر نے کرایہ والی دوکان اپنے چھوٹے بھتیجے کو چھوڑکراس نئی بنائی ہوئی دوکان پر کام شروع کردیا،اورتادمِ آخر یہ دوکان عمر کے قبضہ میں اور تصرف میں رہی، اوراس کے علاوہ عمر نے اپنی ہی رقم سے مذکورہ آبائی مشترک مکان سے بالکل متصل ایک جگہ خرید کر اپنے خرچ سے ایک دومنزلہ بیٹھک بنائی، جو عمراوران کے بڑے بھائی ابوبکر نیز ابوبکر کی اولاد کے استعمال میں رہی ،اور ہے، ان سب حالات میں عمر بوجہ مجرد ہونے کے عملاً بیشتر معاملات دنیوی، رہائش اورخوردونوش وغیرہ میں اپنے بھائی ابوبکراوران کے بعدان کے چھوٹے بیٹے کے ساتھ رہے، یہاں تک کہ انہوں نے ایک موقعہ پر بینک کے اپنے کھاتے میں اپنے چھوٹے بھتیجے کا نام بھی شاید اس مصلحت سے درج کرا دیا کہ کبھی طبیعت زیادہ ناساز ہونے پر مطلوبہ رقم وہاں سے نکال کران کے خرچ کے لیے وہاں سے

لاسکیں، نیز عمر نے متعدد بار اپنے دونوں بھتیجوں کو معتد بہ رقمیں دیں کہ اپنے پاس رکھو۔

معلوم ہو کہ اب عمر کا انتقال ہو چکا ہے اور وہ اپنی زندگی میں بار بار متفرق مواقع پر مختلف حضرات کے سامنے (جن میں سے بعض اس کے اعزاء اور خاص راز دار اور اعتماد کے احباب بھی شامل ہیں) یہ جملہ کہتے رہتے تھے۔

(۱) میں کیا کروں گا جو کچھ ہے سب انہیں کا ہے (دونوں بھتیجوں کا)

(۲) اور میں یہ دوکان فروخت کر کے کیا کروں گا ایک دوکان بڑے بھتیجے کے لیے بنوائی تھی وہ باہر چلا گیا، اور یہ چھوٹا یہاں ہے، میرے مرنے کے بعد جیسے چاہیں گے کرلیں گے۔

(۳) سب کچھ انہیں کا ہے۔

(۴) نیز ایک بھتیجہ سے بھی کہا کہ سب کچھ تمہارا ہی ہے۔

(۵) ایک بھتیجے کے ختم قرآن شریف کی تقریب میں خاندان کے سب چھوٹوں کو انعام دیا، مگر ان دو حقیقی بھتیجوں کو نہیں دیا، اعزاء نے کہا ان کو کیوں نہیں دیا، تو کہا کہ ان کو کیا دوں ان کا تو سب کچھ ہے ہی۔

(۶) کبھی کسی کے یہ دریافت کرنے پر کہ جمع شدہ جائیداد و مال آپ کے بعد کس کا ہو گا؟ کہتے کہ یہ میرے بھتیجے نہیں ہیں جو میری خدمت کر رہے ہیں! انہیں کا ہوگا، سب کچھ میرے ان بھتیجوں کا ہی ہے، مگر انہوں نے تحریری طور پر بھتیجوں کے نام کچھ نہیں کیا، شاید اس خیال سے کہ اگر میں نے ان کے نام زندگی میں کر دیا تو میری خدمت کا نفسیاتی دباؤ ختم ہو جائے گا، اور میرے ہاتھ کٹ جائیں گے، مگر زبان سے برابر یہی کہتے رہے کہ سب کچھ ان ہی کا ہے۔

(۷) اور ایک مرتبہ کسی کے اس کہنے پر کہ آپ کی یہ ذاتی دوکان، آپ کی علالت کی وجہ سے بند پڑی رہتی ہے اس میں تو آپ اپنے بڑے بھائی کے نواسوں کو کمپیوٹر وغیرہ کا سینٹر کھلوا دیجئے، تو اس پر خاموشی اختیار کی اور کوئی جواب نہیں دیا، سائل کا تأثر یہ ہے کہ مجھے محسوس ہوا کہ نواسوں کے بارے میں ان کی مرضی نہیں ہے، پھر سائل نے کہا کہ پھر اس دوکان کو بیچ دیجئے تو کہا: میرے بھتیجوں کو تکلیف ہوگی، پتہ نہیں ان کا کیا ارادہ ہے کیا کام کریں گے، سب

کچھ تو انہیں کا ہے، میں بیچ کر کیا کروں گا۔

(۸) ایک صاحب سے ایک بار کہا کہ جو کچھ ہے میں بھتیجہ کو دے دوں گا، آخر وہ دوکان (کرایہ کی) پر بیٹھا ہے، میرا نام تو چل رہا ہے۔

جب انہیں حالات کچھ آخری سے محسوس ہوئے تو انہوں نے بھتیجے سے کہہ کر بھتیجی کو بلایا کہ اس نے میری بہت خدمت کی اور اس کو اپنے پاس بٹھا کر برابر دیکھتے رہے۔

(۹) ایک بار ان سے کسی نے پوچھا کہ تمہارے بعد یہ دوکان وغیرہ یعنی تمہارا مال کس کا ہوگا؟ تو انہوں نے بڑی ناگواری سے جواب دیا کہ لوگ مجھ سے یہ پوچھتے کیوں ہیں؟ کیا یہ میرے بھتیجے نہیں ہیں، یہ سب کچھ انہیں کا ہے۔ ان سب باتوں کے تحریری اور زبانی گواہ موجود ہیں۔

سوال یہ ہے کہ مندرجہ بالا تفصیلات اور طرز عمل کی روشنی میں ان کی زبان سے اقرار شدہ مندرجہ بالا الفاظ کیا شرعاً اپنے ظاہر پر محمول ہو کر ہبہ کے زمرہ میں شمار ہوں گے، یا وصیت کے زمرہ میں شامل ہوں گے، جب کہ ان کے بیشتر ترکہ پر ان کی حیات ہی سے قبضہ بھی بھتیجوں کا ہی ہے، اور وہ اس پر مطمئن تھے، یا عندالشرع یہ الفاظ اپنے ظاہر پر محمول نہ ہوں گے، اور پھر کیا اس میں میراث کے قانون پر عمل ہوگا، واضح ہو کہ مندرجہ بالا واقعہ پر میراث کا کوئی تنازع نہیں ہے، نہ کوئی دعویدار ہے، کیونکہ اقارب واجانب سب کا مرحوم کے برملا کہنے کی وجہ سے یہی ذہن ہے کہ سب کچھ بھتیجوں کا ہے، عمر کے ورثاء مندرجہ ذیل ہیں:

اگر میراث کا قانون نافذ ہوگا تو کس کو کتنا کتنا حصہ ملے گا؟

باپ شریک تین بہنیں، حقیقی دو بھتیجے، حقیقی پانچ بھتیجیاں، باپ شریک ایک بھتیجا، باپ شریک دو بھتیجیاں، ایک حقیقی بھانجہ

المستفتی: علی انور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو جائیداد عمر نے کسی کے نام سے نہیں خریدی ہے بلکہ خود اپنے نام سے خریدی ہے وہ عمر ہی کی تادم حیات ملکیت ہے، اور اس کے مرنے کے بعد

اس کی خرید کردہ زمین اور اس پر تعمیر کیا گیا مکان اور اس کے اوپر تعمیر کی گئی دوکان اور آبائی جائیداد میں سے اس کا شرعی حصہ یہ سب اس کی متروکہ جائیداد ہے جو اس کے شرعی ورثاء کے درمیان تقسیم ہوگی اور سوالنامہ میں جن لوگوں کا نام درج ہے ان میں سے کون وارث بنے گا اور کون وارث نہیں بنے گا؟ کس کا کتنا حصہ ہوگا وہ حسب ذیل نقشہ سے ملاحظہ فرمائیے:

میــــــــــــــــــــــــــــــــــــت $\frac{۱۸}{۳}$

علاتی	علاتی	علاتی	حقیقی	حقیقی	۵/حقیقی	علاتی	۲/علاتی	حقیقی
بہن	بہن	بہن	بھتیجہ	بھتیجہ	بھتیجیاں	بھتیجا	بھتیجیاں	بھانجہ
	(۲)		(۱)		محروم	محروم	محروم	محروم
۴	۴	۴	۳	۳				

عمر کی کل جائیداد ۱۸/ سہام میں تقسیم ہوکر ہر ایک علاتی بہن کو ۴/۴/ اور ہر ایک حقیقی بھتیجہ کو ۳/۳/ ملیں گے، اور اس کے علاوہ سب لوگ محروم ہو جائیں گے، اب اس کے بعد سوالنامہ میں درج کیے گئے نکات پر غور کرنے کے بعد ان کا شرعی حکم مندرجہ ذیل ہے:

(۱) زید کی جائیداد اس کی نرینہ اور مؤنث اولاد کے درمیان تقسیم ہوگئی ہے۔

(۲) خالد نے صحرائی زمین میں سے اپنے حصہ پر قبضہ کرلیا، اور مکان میں سے اپنا حصہ عمر کے ہاتھ فروخت کردیا، لہٰذا سوالنامہ کے مطابق اس کا معاملہ صاف ہے۔

(۳) عمر نے کرایہ کی دوکان سے متصل زمین خرید کر اپنی دوکان بنالی یہ اس کی ملکیت ہے۔

(۴) آبائی مکان سے متصل زمین خرید کر دو منزلہ عمارت بنائی، یہ بھی اس کی ملکیت ہے۔

(۵) جو رقمیں دونوں بھتیجوں کو دی ہیں وہ عمر کی طرف سے بھتیجوں کے لیے ہبہ ہیں۔

(۶) ’’جو کچھ ہے بھتیجوں کا ہے‘‘ صرف اتنا کہنا کافی نہیں، جبکہ شرعی گواہ بنا کر باضابطہ طور پر دونوں بھتیجوں کو ہبہ کر کے قبضہ نہ دیا ہو، اس لیے موقعہ بموقعہ کہتے رہنے سے شرعاً وقانوناً ہبہ کا ثبوت نہیں ہوگا۔

(۷) ’’ان کو کیا دوں سب کچھ تو انہیں کا ہے‘‘ اتنا کہنے سے دولت کا ہبہ نہیں ہوتا ہے جب تک قبضہ دے کر باضابطہ ہبہ نہ کیا جائے، اور خود قبضہ سے دستبردار نہ ہوجائے۔

(۸) ”جو کچھ ہے بھتیجوں کو دے دوں گا“ اور دوسروں کو دینے سے بھتیجوں کو تکلیف ہوگی، محض اس طرح کہنے سے نہ ہبہ درست ہوسکتا ہے اور نہ ہی بھتیجے اس کہنے کی وجہ سے مالک ہوسکتے ہیں۔

(۹) بھتیجی کو بلا کر یہ کہنا کہ اس نے میری بہت خدمت کی اور اس کو برابر دیکھتے رہنے سے نہ وہ بھتیجی وارث بن سکتی ہے اور نہ اس کی ملکیت میں کوئی چیز اس عمل کی وجہ سے منتقل ہوسکتی ہے۔

(۱۰) ”کیا یہ میرے بھتیجے نہیں ہیں، سب کچھ انہیں کا ہے“ اتنا کہنے سے نہ ہبہ کا ثبوت ہوسکتا ہے اور نہ ہی بھتیجے جائیداد کے مالک ہوسکتے ہیں۔

(۱۱) ان سب ورثاء کے تحریری اور زبانی گواہ کا کیا مطلب ہے، کیا اس نے بھتیجوں کی ملکیت میں منتقل کرنے کے لیے کوئی ہبہ نامہ یا بیعنامہ تحریر کروایا تھا، اگر کوئی تحریری ہبہ نامہ یا بیع نامہ لکھوایا ہے تو اس کو پیش کیا جائے، اس کو دیکھنے کے بعد شرعی حکم پر غور کیا جاسکتا ہے۔
فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/ ربیع الاول ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۲۳۱/۳۸)

باقر حسین کے ترکہ سے متعلق چند سوالات کا شرعی حکم

سوال [۱۱۵۹۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) ۱۹۶۵ء میں محمد باقر کے انتقال کے وقت ان کی بیوی اور تین لڑکے: محمد احمد، سید احمد، محمد حسین، اور چار لڑکیاں: شریفن، فاطمہ، تقدیرن، سکینہ بطور وارث شرعی موجود تھے، کاروبار مشترک تھا۔

(۲) والدہ محترمہ کے انتقال کے وقت ہم تین بھائی اور تین بہنیں بطور وارث شرعی موجود تھے، ایک بہن شریفن کا انتقال والدہ کی وفات سے قبل ہوگیا تھا، اس وقت بھی کاروبار مشترک تھا۔

(۳) ہماری مشترکہ فیملی تھی، والد صاحب مرحوم کپڑے کی بنائی کرکے گھر کا خرچہ پورا کرتے تھے، اور ہم سبھی لوگ والد صاحب کا ہاتھ بٹاتے تھے، بڑے بھائی محمد صاحب نے تمباکو کی دوکان ۱۹۴۴ء میں کی جس کی آمدنی سے شادیاں اور گھریلو ضروریات پوری ہوئیں، اس کے بعد

١٩٥٩ء میں میں نے کپڑے کی دوکان کی جس کی آمدنی مشترک تھی، اور کچھ منقولہ اور غیر منقولہ جائیداد مثلاً کھیت وغیرہ خریدے گئے، بڑے بھائی محمد احمد تمبا کو کی دوکان کی دیکھ ریکھ کرتے تھے، کاروبار متأثر ہوا تو میری کپڑے کی دوکان سے گھریلو اخراجات پورے ہوتے رہے۔

١٩٦٥ء میں والد کا انتقال ہوگیا، فیملی مشترکہ تھی، اور یہ سلسلہ ١٩٨٢ء تک چلتا رہا، اب معلوم یہ کرنا ہے کہ مشترکہ آمدنی وکاروبار کی تقسیم کس طرح ہوگی؟ والد مرحوم نے اپنی حیات میں میری شریک حیات کو سات تولہ سونا دیا تھا، جس کو میرے بڑے بھائی نے والد کے انتقال کے بعد لے لیا، اسی طرح اہلیہ کو جہیز میں ملی بعض اشیاء مثلاً سائیکل وغیرہ پر بھی بڑے بھائی کا قبضہ رہا۔

١٩٨٢ء میں ایک عارضی تقسیم اس طرح عمل میں آئی کہ گھریلو استعمال اشیاء کے تین حصے کر کے ایک تہائی حصہ بڑے بھائی نے مجھے دیدیا اور تقریباً سو چیزوں کی تقسیم نہیں کی، مکان پختہ تھا، جس میں دونوں بھائی رہائش پذیر تھے، شادی کے بعد چوتھائی مکان جو خام تھا اس میں میری رہائش تھی، ١٩٨٢ء میں بوقت نزاع وہی چوتھائی حصہ مکان مجھے دیا گیا جبکہ مکان والد مرحوم نے خریدا تھا، اس کی رجسٹری بھی والد صاحب کے نام ہے، اور مشترک تیس بیگہ زمین میں مجھے دس بیگہ زمین بھی دی گئی، بڑے بھائی محمد احمد کا کہنا ہے کہ سارا کاروبار ہماری محنت، ہمارے پیسے اور ہمارے تجربے سے ہوا، اس لیے ١٩٨٢ء تک جتنی منقولہ یا غیر منقولہ جائیداد ہے اس کے وہ تنہا مالک ہیں، جو کچھ بھی تمہیں دیا گیا محض تبرعاً دیا گیا، استحقاقاً نہیں، جبکہ ١٩٦٥ء میں والد مرحوم کے انتقال کے بعد کپڑے وغیرہ کی دوکان کی مشترکہ آمدنی سے متعدد اشیاء خریدی گئی، مثلاً تیس بیگہ کھیت تینوں بھائی کے نام سے لیا گیا، جس کا مشترکہ بیع نامہ بھی کرایا گیا:

(١) اب معلوم یہ کرنا ہے کہ والد مرحوم کے انتقال کے وقت کی جائیداد کس طرح تقسیم ہوگی؟

(٢) والدہ مرحومہ کے انتقال کے بعد وراثت کی تقسیم کی کیا صورت ہوگی؟

(٣) والد صاحب مرحوم نے میری شریک حیات کو سات تولہ سونا جو ہبہ کیا تھا اور

اس پر اہلیہ کا قبضہ بھی ہو گیا تھا، کیا یہ صحیح ہے؟

(۴) بڑے بھائی کا اہلیہ سے والد کا ہبہ کردہ سونا لینا شرعاً جائز ہے؟

(۵) پختہ مکان کا حصہ بڑے بھائیوں کے قبضہ میں ہے، کیا یہ شرعاً صحیح ہے؟

(۶) اہلیہ کے جہیز کی اشیاء پر قبضہ کرنا (مشترکہ فیملی کی دلیل ہے) کیا یہ شرعاً صحیح ہے؟

(۷) بڑے بھائی کا یہ کہنا ہے کہ سارا کاروبار ہماری ذہانت، مالیت، تجربہ سے ہوا ہے، اس لیے کل جائیداد منقولہ و غیر منقولہ کے ہم مالک ہیں، ان کا یہ دعویٰ شرعاً درست ہے؟

(۸) ۱۹۸۲ء میں جو عارضی تقسیم ہوئی تھی کیا وہ شرعاً قطعی تقسیم سمجھی جائے گی؟

(۹) آج مؤرخہ ۷/ اکتوبر تک باضابطہ تقسیم نہیں ہوئی ہے تو کیا بڑے بھائی کا اپنی منقولہ و غیر منقولہ اشیاء کی وصیت یا ہبہ کرنا اپنی لڑکی کے لیے صحیح ہے؟

(۱۰) منگل کے بازار قصبہ محمد لکھیم پور میں ایک مکان والد صاحب کی حیات میں مشترکہ آمدنی سے خریدا گیا اور بڑے بھائی کے نام سے رجسٹری کرائی گئی تو کیا وہ اس مکان کے شریک و مالک ہو گئے؟

(۱۱) کپڑے کی دوکان مشترکہ تھی، اس کی آمدنی بھی مشترکہ تھی، بعد میں کاروبار متأثر ہوا، دوکان پر قرضہ آ گیا، تو اس قرضہ کی ادائیگی شرعاً کس کے ذمہ ہو گی؟ برائے مہربانی دلائل شرعیہ کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: محمد حسین قاسمی محلّہ دیوی استھان قصبہ محمدی لکھیم پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) محمد باقر کی متروکہ جائیداد ۸۰/ سہام میں تقسیم ہو کر ان کی بیوی حمیدہ کو دس سہام، ہر مذکر اولاد کو چودہ چودہ سہام اور ہر مؤنث اولاد کو سات سات سہام ملیں گے، پھر شریفن جس کا انتقال باقر کے بعد ہوا ہے، اس کے سات سہاموں کے جو اس کو والد سے ملے ہیں، ۴۵/ سہام ہو کر اس کی ماں کو ۹/، اس کے ہر بھائی کو دس اور ہر بہن کو پانچ پانچ سہام ملیں گے۔

(۲) پھر حمیدہ جن کا انتقال سب سے آخر میں ہوا ہے ان کا ترکہ نو سہاموں میں تقسیم ہو کر ان کے ہر لڑکے کو دو اور ہر لڑکی کو ایک سہام ملے گا۔

(۳) اگر باقر حسین نے اپنے بیٹے محمد حسین کی بیوی کو سات تولہ سونا بطور ملکیت دیدیا تھا تو ایسی صورت میں محمد حسین کی بیوی اس سونے کی مالک ہے، اس میں محمد احمد اور دوسرے کسی وارث کا کوئی حق نہیں ہے، نیز اسی طرح سے محمد حسین کی سسرال کی طرف سے بطور جہیز جو مردانہ یا زنانہ سامان آیا ہے اس میں بھی محمد احمد، اور دوسرے بھائی، بہنوں کا کوئی حق نہیں ہے، بلکہ یہ محمد حسین کی بیوی کا حق ہے۔

وتتم الهبة بالقض الكامل . (مجمع الأنهر، كتاب الهبة، دار الكتب العلمية بيروت ٣/٤٩١، مصرى قديم ٢/٣٥٣، شامى كراچى ٥/٦٩٠، زكريا ٨/٥٢٠)

والمختار للفتوىٰ بكون الجهاز ملكا لا عارية لأنه الظاهر الغالب .

(شامى، مطلب فى دعوىٰ الأب أنه الجهاز عارية زكريا ٤/٣٠٩، كراچى ٣/١٥٧)

(۴-۵) محمد حسین کی بیوی کے جہیز پر محمد احمد قبضہ کرے یا نہ کرے فیملی شرعی طور مشترک ہے، اور جہیز کے سامان پر محمد احمد یا کسی اور کو حتی کہ شوہر کو بھی بیوی کی اجازت کے بغیر تصرف اور قبضہ کا حق نہیں ہے۔

لايجوز لأحد أن يأخذ مال أحد بلا سبب شرعي، ولايجوز لأحد أن يتصرف فى ملك أحد بغير إذنه. (قواعد الفقه اشرفى ص: ١١٠)

(۶) عارضی تقسیم کے وقت پختہ مکان کو اگر تقسیم میں رکھا گیا ہے اور دو بھائیوں کو پختہ مکان اور ایک بھائی کو خام مکان دیا گیا ہے اور اس طرح تقسیم آپسی رضا مندی سے ہوئی ہے تو وہ تقسیم صحیح ہوگئی ہے، لیکن اگر تقسیم آپسی رضا مندی سے نہیں ہوئی ہے بلکہ زور اور دباؤ سے اس طرح تقسیم ہوئی ہے یا اس پختہ مکان کو تقسیم ہی نہیں کیا گیا ہے، تو ان دونوں صورتوں میں مکان میں تمام وارثین کا حق ہے، جس میں تینوں بھائیوں اور تینوں بہنوں کا حصہ ہے، لہٰذا وہ مکان نو حصوں میں تقسیم ہو کر ایک ایک حصہ بہنوں کو اور ۲/۲ حصہ بھائیوں کو ملیں گے۔

(۷) باپ کی موجودگی میں اور باپ کی وفات کے بعد مشترکہ فیملی میں رہ کر بڑے

بھائی کی ذہانت، مالیت اور تجربہ سے جو مال حاصل ہوا ہے وہ باپ کی زندگی میں باپ کی ملکیت ہے، اور باپ کی وفات کے بعد مشترکہ فیملی کی ملکیت ہے، اور بڑے بھائی کا دعویٰ جو سوالنامہ میں ہے، وہ شرعی طور پرنا جائز ہے۔

الأب و ابنه يكتسبان في صنعة واحدة ولم يكن لهما شيئ فالكسب كله للأب إن كان الابن في عياله لكونه معينا له. (شامی، الشركة، مطلب: اجتمعا في دار واحدة واكتسبا ...... زكريا ٦/ ٥٠٢، كراچی ٤/ ٣٢٥، هنديه زكريا جديد ٢/ ٣٣٢، قديم ٢/ ٣٢٩، شرح المجلة، رستم اتحاد ٢/ ٧٤١، رقم المادة: ١٣٩٨)

لو اجتمع إخوة يعملون في تركة أبيهم ونما المال فهو بينهم سوية ولو اختلفوا في العمل والرائ. (شامی، مطلب: اجتمعا في دار واحدة واكتسبا ولا يعلم التفاوت فهو بينهما بالسوية زكريا ٦/ ٥٠٢، كراچی ٤/ ٣٢٥)

(۸) ۱۹۸۲ء میں جو عارضی تقسیم ہوئی ہے، اگر وہ تقسیم آپس کی تراضی ورضامندی سے ہوئی ہے تو جتنی اشیاء کی تقسیم ہوئی تھی، اس حد تک تقسیم درست ہے، اور اس کے علاوہ جتنی اشیاء تقسیم سے رہ گئی ہیں، ان کی شرعی تقسیم لازم اور ضروری ہے۔

عن عبد الله بن عمرو بن عوف المزني عن أبيه عن جده أن رسول الله ﷺ: قال الصلح جائز بين المسلمين إلا صلحا حرم حلالا أو أحل حراما والمسلمون على شروطهم إلا شرطا أحل حراما أو حرم حلالا. (ترمذی، الأحكام، باب ماذكر عن رسول الله ﷺ في الصلح بين الناس، النسخة الهندية ١/ ٢٥١، دار السلام رقم: ١٣٥٢)

(۹) آپس کی تراضی سے جن اشیاء کی تقسیم ہوئی ہے اور تقسیم کے بعد ہر ایک نے اپنے اپنے حصہ پر قبضہ کرلیا ہے تو ہر شخص اپنے حصے کی چیزوں کے بارے میں وصیت یا ہبہ کرنے کا حق رکھتا ہے، اور جن اشیاء کی اب تک تقسیم نہیں ہوئی ہے، ان میں سے کسی چیز کے بارے میں تقسیم سے پہلے وصیت یا ہبہ کرنا جائز نہیں ہے، نیز اس سے ہٹ کر ایک الگ مسئلہ یہ بھی ہے کہ وارث کے حق میں ہبہ تو جائز ہے وصیت جائز نہیں ہے۔

لايجوز لأحد أن يأخذ مال أحد بلا سبب شرعي، ولايجوز لأحد أن

يتصرف في ملك أحد بغير إذنه. (قواعد الفقه اشرفی ص: ۱۱۰)

(۱۰) باپ کی زندگی میں جو چیزیں خریدی جاتی ہیں، اگر باپ کسی مصلحت سے کسی بیٹے یا بیٹی کے نام کردیتا ہے تو اس کو بیع تلجئہ کہا جاتا ہے، اس سے ملکیت ثابت نہیں ہوتی ہے، شرعی طور پر اس کا مالک باپ ہی ہوا کرتا ہے، اس لیے وہ مکان باپ محمد باقر کی ملکیت ہے، اوران کی وفات کے بعد تمام ورثاء کا اس سے حق متعلق ہے۔

بيع التلجئة وهو أن يظهر عقدا وهما لايريدانه يلجأ إليه لخوف عدو وهو ليس ببيع بل كالهزل. (شامی، باب الصرف، مطلب: فی بیع التلجئة زکریا ۵۴۲/۷، کراچی ۲۷۳/۵، بدائع الصنائع زکریا ۳۸۹/٤، کراچی ۱۷٦/۵، هندیه زکریا قدیم ۲۰۷/۳، جدید ۱۹٦/۳)

(۱۱) جب مشترکہ زندگی میں مشترکہ دوکان میں نقصان یا قرضہ آ گیا تو اس نقصان اورقرضہ کی ذمہ داری پوری مشترکہ فیملی پر ہے، اس لیے اس قرضہ کی ادائیگی میں تمام بھائی بہن اپنے اپنے حصہ کے بقدر شریک ہوں گے۔

والوضيعة على قدر المالين متساويا و متفاضلا لأن الوضيعة اسم لجزء هالك من المال فيقدر بقدر المال. (بدائع الصنائع، فصل فی بیان شرائط جواز أنواع الشرکة کراچی ٦۲/٦، زکریا ۸۳/۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍شعبان المعظم ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۷۹۴/۳٦)

ترکہ کی تقسیم سے متعلق ایک سوال اور جواب

سوال [۱۱۵۹۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرے والد حاجی محمد وصی کا انتقال ۱۹۷۸ء میں ہوا، اس وقت ان کے ترکہ میں ایک کارخانہ، کلکتہ، ہینڈلوم کے نام سے، دواحاطہ چار مکان تھے، اور کرایہ کی تین دوکانیں

تھیں: ہندوستان اینڈ کمپنی سندیلہ، انڈین میڈیکل اسٹور سندیلہ، فرینڈس فارما لکھنؤ، ورثاء میں ہم چھ بھائی: اعجاز الحق، اظہار الحق، معراج الحق، افضال الحق، تنویر الحق، احسان الحق، اور تین بہنیں: حمیرہ، عذراء خاتون، بشریٰ خاتون تھے، ۱۹۸۴ء میں مذکورہ ترکہ کو ہمارے درمیان ماموں نے تقسیم کیا، تقسیم کے وقت تمام دوکانوں کے سامان اور مکانات کی قیمت لگائی گئی جو حسب ذیل ہے:

(۱) ہندوستان اینڈ کمپنی	158000	اعجاز الحق کے قبضہ میں
(۲) انڈین میڈیکل اسٹور	40000	معراج الحق کے قبضے میں
فرینڈس فارما	43000	اظہار الحق کے قبضے میں
کلکتہ ہینڈلوم	162000	// //
جائیداد کی قیمت	403000 روپئے	

(۱) مکان	20000	معراج الحق کو دیا گیا	
(۲) کلکتہ ہینڈلوم	25000	اظہار الحق کو دیا گیا	
(۳) احاطہ	15000	تنویر الحق کو دیا گیا	
(۴) احاطہ	15000	احسان الحق کو دیا گیا	403000
(۵) مکان حنیف کے	25000	اعجاز الحق کو دیا گیا	160000
پیچھے والا			563000
(۶) آبائی مکان	60000	بالائی منزل افضال الحق تحتانی منزل اظہار الحق	
کل	160000		

مذکورہ ورثاء میں بشریٰ خاتون، افضال الحق، تنویر الحق، احسان الحق غیر شادی شدہ تھے، اس لیے تقسیم کے وقت ان کی شادیوں کے لیے کچھ رقم نکالی گئی:

(۱) بشریٰ خاتون کے لیے	25000
(۲) افضال الحق کے لیے	15000

(۳) تنویرالحق کے لیے	15000	563000
(۴) احسان الحق کے لیے	15000	70000
کل	70000 روپئے	493000

شادی کے لیے رقم نکالنے کے بعد مابقیہ رقم کو چھ جگہ تقسیم کر کے ہر بھائی کو 82166 روپئے دیئے گئے، اور کرایہ کی دوکانوں میں ہندوستان اینڈ کمپنی اعجاز الحق کو، انڈین میڈیکل اسٹور معراج الحق کو اور فرینڈس فار ما لکھنؤ اظہار الحق کو دی گئی، واضح رہے کہ ان دونوں کے سامان کی قیمت لگا کر ان کی موجودہ حیثیت کو نظر انداز کر دیا گیا، نیز ماموں صاحب نے زبانی طور پر کہہ رکھا تھا کہ ہر ایک کی شادی کے وقت متعینہ رقم کے علاوہ جو بھی خرچ آئے گا وہ بڑے بھائی اعجاز الحق اور اظہار الحق کے ذمہ ہوگا، چنانچہ بشریٰ خاتون، افضال الحق اور تنویر الحق کی شادی میں ایسا ہی ہوا کہ انہوں نے شادی کے لیے اپنی جیب سے کچھ روپئے ادا نہیں کیے، جبکہ احسان الحق کی شادی کے وقت ۱۹۹۷ء میں ان کی جیب خاص سے اظہار الحق نے ۵۰۰۰۷/ روپئے نقد لیے۔

مندرجہ ذیل وبالا تفصیل کو سامنے رکھ کر شرعی فیصلہ مطلوب ہے جو کچھ بھی شریعت کا فیصلہ ہے ہم سارے بھائی اس کو تسلیم کریں گے۔ (ان شاء اللہ)

(الف) تقسیم کے وقت احسان الحق موجود نہیں تھے۔

(ب) اس وقت احسان الحق کی عمر ۱۶/ سال تھی اور وہ اپنے بڑے بھائیوں کے ماتحت تھے۔

(ج) مذکورہ تقسیم میں مکانات کی جو قیمت لگائی گئی ہے وہ اس وقت کے لحاظ سے بھی بہت کم ہے۔

(د) دونوں احاطوں کی قیمت ۱۵۰۰۰/ روپئے لگائی گئی جبکہ ان میں سے ایک دوسرے سے طول وعرض اور قیمت کے حساب سے دوگنا ہے۔

(ہ) مذکورہ تقسیم کے وقت جو بھائی جس دوکان یا کارخانہ پر قابض تھا وہ اسی کے

حوالہ کردیا گیا، چھوٹے بھائیوں کو مستقل نظر انداز کردیا گیا۔

(و) ١٩٧٦ء میں والدہ کا انتقال ہوگیا تھا، ان کا تمام زیور بھائیوں کے مشورہ سے ماموں نے بشریٰ خاتون کو دیدیا تھا۔

(ز) اعجاز الحق واظہار الحق کے ذمہ معراج الحق کی جو رقم تھی اس کی ادائیگی کا وقت چھ ماہ متعین کیا گیا تھا لیکن ان دونوں نے تقسیم کے بعد دس سال کے عرصہ میں وہ رقم ادا کی، تقسیم کے وقت احسان الحق، تنویر الحق، افضال الحق بے روزگار تھے۔

نوٹ: مذکورہ ترکہ کے علاوہ ایک بڑا مکان جس کو تین حصہ کرکے والدصاحب نے اپنی زندگی میں اپنی تینوں لڑکیوں کو دیدیا تھا۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ مذکورہ تقسیم اگر درست ہے تو واضح فرمائیں اور اگر صحیح نہیں ہے تو صحیح تقسیم فرمائیں؟

المستفتی: معراج الحق، افضال الحق، تنویر الحق سندیلہ ہردوئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سائل نے جو تفصیلات لکھی ہیں اس تفصیل سے بھی اصل حقیقت سے واقف نہ ہوسکے، ہم شریعت کی ایک اصولی بات پیش کرسکتے ہیں کہ باپ کی وفات کے بعد اس کی میراث میں سے ہر وارث کو اس کا شرعی حق ملنا لازم ہے، اور جتنی جائیداد اور بیلینس وغیرہ کا ذکر کیا گیا ہے ان سب کے اندر ہر ایک کا شرعی حق متعلق ہے، ہاں البتہ آپس میں شرعی حق متعلق ہونے کے بعد متروکہ مال میں آپسی تبادلہ یا آپس کی قیمت کا لین دین کرکے معاملہ صاف کرنا درست ہے اس لیے مذکورہ وارثین کے شرعی سہام ہم بنادیتے ہیں اگر ان سہاموں کے مطابق پہلی والی تقسیم ہوئی ہے تو وہ صحیح ہے، اور اگر نہیں ہوئی ہے تو اسی کے مطابق تقسیم کی جائے:

میت ١٥

لڑکا	لڑکا	لڑکا	لڑکا	لڑکا	لڑکا	لڑکی	لڑکی	لڑکی
٢	٢	٢	٢	٢	٢	١	١	١

کل ترکہ ۱۵؍سہام میں تقسیم ہوکر ہر وارث بھائی کو دو، دو اور ہر ایک بہن کو ایک ایک ملیں گے، اور تقسیم میں اسی نقشہ کی پابندی لازم ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍جمادالاولیٰ ۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۰۱۵)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۷/۵/۳۰ھ

متوفیہ کے ترکے اور بچے کا حکم

سوال [۱۱۵۹۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) میری اہلیہ کا انتقال ہوگیا، ورثاء میں شوہر، ایک لڑکا، ایک لڑکی، ماں باپ کو چھوڑا، ترکہ میں کچھ سامان ہیں، مہر وغیرہ میرے ہی پاس ہے، ترکہ کی تقسیم کس طرح ہوگی؟

(۲) لڑکے کی عمر تقریباً دس سال ہے، اور لڑکی کی عمر تقریباً پانچ سال ہے ان بچوں کی پرورش کی ذمہ داری کس پر ہے؟ دادا، دادی یا نانا، نانی پر؟

المستفتی: احمد حارث رفعت پورہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: (۱) آپ کی اہلیہ کے انتقال کے وقت ان کی ملکیت میں جو چیزیں موجود تھیں وہ تمام چیزیں ان کے ورثاء کے لیے میراث ہیں، اسی طرح آپ کی اہلیہ مرحومہ کا جو مہر آپ کے پاس ہے وہ بھی میراث میں شامل ہوگا، اور تمام شرعی وارثین کے درمیان درج ذیل نقشہ کے مطابق تقسیم ہوگا:

۳۶/۱۲

میـــــــت

شوہر	ماں	باپ	لڑکا		لڑکی
۳	۲	۲		(۵)	
۹	۶	۶	۱۰		۵

مرحومہ کا کل ترکہ سامان اور مہر وغیرہ ۳۶؍سہام میں تقسیم ہوکر شوہر کو نو حصے، ماں باپ کو چھ چھ حصے اور لڑکے کو دس اور لڑکی کو پانچ حصے ملیں گے۔

إن جميع ما ترك الميت من أملاكه ميراث للورثة سواء كان من أشياء استعماله الشخصية كالثياب والأواني أو من أشياء يمكن الاسترباح منها كالأرض وعروض التجارة والنقود. (تكملة فتح الملهم اشرفيه ديو بند ۲/ ٤)

أن أعيان المتوفىٰ المتروكة عنه مشتركة بين الورثة على حسب حصصهم. (شرح المجلة رستم اتحاد ١/ ٦١٠، رقم المادة: ١٠٩٢)

(۲) لڑکا جب دس سال کا ہو چکا ہے تو اس کی پرورش کی ذمہ داری نہ دادا، دادی پر ہے نہ نانا، نانی پر بلکہ وہ آپ کے پاس ہی رہے گا کیونکہ آپ ہی اس کی تعلیم وتربیت کا بہتر انتظام کر سکتے ہیں، رہی بات لڑکی کی تو جو نانی اگر چاہے تو اس کو حق پرورش مل سکتا ہے، البتہ خرچ کی ذمہ داری آپ کے اوپر ہوگی، آپ جس معیار کا خرچ اپنی بچی پر کرنا چاہیں اسی معیار کا خرچ نانی کر سکتی ہے اس سے زائد نہیں، اور پڑھائی کے بارے میں جس خرچہ کے ذریعہ جس اسکول میں آپ چاہیں گے اس کی اسی اسکول میں اسی خرچہ کے ساتھ پڑھائی ہو سکتی ہے، نانی کو صرف اپنے پاس رکھنے کا حق ہے، ورنہ پھر دادی ہی کے پاس رہے گی۔

الحضانة تثبت للأم......ثم أي بعد الأم بأن ماتت أو لم تقبل أو سقطت حقها أو تزوجت بأجنبي أم الأم ثم أم الأب، وفي كتب الشافعية: مؤنة الحضانة في مال المحضون لوله وإلا فعلى من تلزمه نفقته وقواعد تقتضيه فيفتى به. (در مختار مع الشامي، كتاب الطلاق، باب الحضانة، زكريا ٥/ ٢٦٢، كراچی ۳/ ٥٦٢)

وتجب النفقة بأنواعها على الحر لطفله يعم الأنثى والجمع الفقير. (شامي، باب النفقة، زكريا ٥/ ٣٣٦، كراچی ٣/ ٦١٢)

وبعد الفطام يفرض القاضي نفقة الصغار على قدر طاقة الأب وتدفع إلى الأم حتى تنفق على الأولاد فإن لم تكن الأم ثقة تدفع إلى غيرها لينفق على الولد. (هنديه، الفصل الرابع في نفقة الأولاد زكريا قديم ١/ ٥٦١، جديد ١/ ٦٠٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹/ ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۵۲۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۴/۹ھ

جائیداد کی تقسیم میں نزاع اور اس کا حل

سوال [۱۱۶۰۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید مرحوم کے ورثاء: اہلیہ (مرحومہ)، بڑا بیٹا (مرحوم) اس کی اہلیہ اور ایک بیٹی، منجھلا بیٹا، چھوٹا بیٹا، پانچ بیٹیاں۔

زید کے انتقال کے بعد بڑے بیٹے نے والدہ کی نگرانی میں ترکہ کے تعلق سے جو حصہ کیا تھا وہ درج ذیل ہے:

زید کی کل پراپرٹی اس طرح ہے: ایک آبائی مکان اور ۳/ ہزار اسکوائر فٹ پر مشتمل ایک پلاٹ جس پر آج ایک چارمنزلہ عمارت بنی ہوئی ہے۔

زید نے ۱۹۶۲ء میں آٹھ لوم کی شکل میں ایک کارخانہ، بڑے بیٹے کو تجارت کی غرض سے ذمہ داری کے لیے دیا تھا، اس کارخانے پر بڑے بیٹے نے خود کی محنت اور بھائیوں کے تعاون سے کل ۷۲/لوم کیئے۔

بڑے بیٹے کا نظریہ یہ تھا کہ ہر بھائی کا اپنا ۲۴/لوم کا کارخانہ ہونا چاہیے، سو آج اس شکل میں موجود ہے، جس میں چھوٹے بھائی کا ۱۲/۱۲/لوم کی شکل میں دو گالے اور دو بھائیوں کا ۲۴/۲۴/لوم کی شکل میں ایک ایک گالے ہیں۔

بڑے بھائی اور منجھلے بھائی کی ۲۴/۲۴/لومی لاگت ۲۰/۲۰/لاکھ روپئے ہیں، اور یہ دونوں گالے Ownenship کے ہیں، جبکہ چھوٹے بھائی کے ۱۲/۱۲/لوم کے دونوں گالے کرایہ کی زمین پر ہیں جو اس نے اپنی مرضی سے لیے ہیں، اس کی لاگت تقریباً ۱۸/لاکھ روپئے ہے، حالانکہ اس سے کہا گیا تھا کہ وہ بھی Ownenship کا گالا لے لے۔

بڑا بھائی اور چھوٹا بھائی کارخانے کی ذمہ داری سنبھالے ہوئے تھے، منجھلا بھائی ٹیچنگ کے پیشے سے منسلک ہے، بڑے بھائی نے والدہ کی خیاتی اور نگرانی میں پانچوں بہنوں کو ۲/۲/ لاکھ روپئے ترکہ کے حصے کے طور پر دیدئے ہیں، جس جگہ چارمنزلہ بلڈنگ واقع ہے وہ

بلڈنگ بڑے بھائی نے اپنے رشتہ دار سے ۱۴؍ لاکھ روپئے قرض لے کر تعمیر کرنا شروع کی، اس درمیان میں اس بلڈنگ کی دو منزلہ تعمیر ہوگئی، جس میں گراؤنڈ فلور پر دو کانیں ہیں اور دو منزلے پر فلیٹ ہیں، بڑے بھائی کو ۱۴؍ لاکھ روپئے قرض ادا کرنے کی ہمیشہ بے چینی رہتی تھی۔

یہاں یہ بتانا ضروری ہے کہ ۲۴؍ ۲۴؍ رلوم اور ۱۲؍ ۱۲؍ رلوم کے دو گالوں سے پہلے صرف ۲۴؍ رلوم اور ۱۲؍ رلوم کے گالے کی کل پراپرٹی تھی، اور یہ قرض اسی دور کا تھا، اس لیے ۱۴؍ لاکھ روپئے میں بیچ دیا، اور اس قرضہ کو ادا کر دیا، ایسی صورت میں گھر کے خرچ کے لیے اس نے چھوٹے بھائی سے کہا کہ تم اپنے گھر کا خرچ جو ۱۲؍ رلوم کا گالا ہے اس کی انکم سے چلانا، اسی درمیان چار منزلہ کے دوکان کا ایک گالہ بکنے پر اس کے تمام روپئے بلڈنگ کی مزید تعمیر میں لگا دیئے، اس وقت ان کے پاس صرف ۳۰؍ ہزار روپئے نقد صورت میں موجود تھے، منجھلے بھائی سے انہوں نے کہا کہ تمہیں اپنے گھر کا خرچ اپنی تنخواہ میں پورے سال چلانا ہے، اور میں جو ۳۲؍ ہزار میرے پاس موجود ہیں اس سے اپنے گھر کا خرچ سال بھر چلا لوں گا، اس طرح ۱۲؍ رلوم کی انکم سے چھوٹے بھائی کے گھر کا خرچ چلتا رہا، بڑے بھائی نے ۳۰؍ ہزار روپئے جو اس کے پاس موجود تھے، اس سے اپنا سال بھر کا خرچ چلایا، اور منجھلے بھائی نے اپنی تنخواہ سے پہلے دوسرے منزلے کی تعمیر کے بعد بڑے بھائی نے تیسرے اور چوتھے منزلے کی تعمیر کو Dvelopment پر دیدیا۔

چار منزلہ بلڈنگ کی تمام دوکانیں فروخت کردی گئیں، اور اس چار منزلہ عمارت میں تین فلیٹ کو چھوڑ کر تمام فلیٹ فروخت کردیئے گئے، انہی روپیوں سے یہ تمام تعمیر ہوئی اور بڑے بھائی نے پہلے خود حج کیا اور بعد میں دونوں بھائیوں کو حج کے لیے بھیجا، جو تین فلیٹ فروخت نہیں کیے گئے ان میں ایک گراؤنڈ فلور تھا، دوسرا دوسرے منزلے پر، اور تیسرا تیسرے منزلے پر تھا، بڑے بھائی کا ارادہ آبائی مکان کو بھی نئے سرے سے تعمیر کرنے کا تھا، جس کے لیے اس نے ۳؍ لاکھ روپئے کی رقم اپنے پاس جمع رکھی تھی، بقیہ رقم کا انتظام گراؤنڈ فلور اور تیسرے منزلے کے فلیٹ کو بیچ کر ہونا تھا، اس نے والدہ کی موجودگی میں دونوں بھائیوں سے یہ پوچھ لیا کہ کون کہاں رہنا چاہتا ہے؟ کیونکہ ایک فلیٹ دوسرے منزلے پر راہی منزل

میں موجود تھا، اس لیے اس کا ماننا تھا کہ اگر آبائی مکان تعمیر کیا جائے گا تو اس میں اتنے ہی منزلے بنائے جائیں گے، جتنے کی ضرورت ہے۔

اس درمیان بڑے بھائی کا ۲۰/مئی ۲۰۰۴ء کو اچانک انتقال ہوگیا، اس کے بعد والدہ نے چھوٹے بیٹے سے اس کی اپنی مرضی معلوم کی، کہ وہ کس بلڈنگ میں رہنا چاہتا ہے، اس نے اپنی والدہ سے کہا کہ وہ چار منزلہ بلڈنگ کے دوسرے منزلے کے فلیٹ میں رہنا چاہتا ہے، جس کا کل رقبہ ۱۱/سو اسکوائر فٹ ہے، اور جس کی آج کی walution ۳۵/ سے ۴۰/ لاکھ کے درمیان ہے، بڑے بھائی نے جب اپنی حیات میں منجھلے بھائی سے پوچھا تھا کہ وہ کہاں رہنا چاہتا ہے؟ تو اس نے یہ کہا تھا کہ وہ اس آبائی مکان میں رہنا چاہتا ہے جسے نئے سرے سے تعمیر کیا جائے گا، آبائی مکان صرف دومنزلوں پر مشتمل ہے جس کے دونوں فلیٹ کا رقبہ ۵۰۷-۵۰۷/اسکوائر فٹ ہے، اور جس کی آج کی walution ۲۱/لاکھ روپئے ہوتی ہے، آبائی مکان کے گراؤنڈ فلور پر چار دوکانیں ہیں، دوکان (۱) کا رقبہ ۱۰۰/اسکوائر فٹ، (۲) کا رقبہ ۹۵/ (۳) کا رقبہ ۹۰/اور (۴) کا رقبہ ۱۱۰ اسکوائر فٹ ہے، ہر دوکان کی آج کی waluation تقریباً چار لاکھ روپئے ہے، اور ایک ۱۰۰/اسکوائر فٹ کا کمرہ جس کی آج کی waluation ۳/لاکھ روپئے ہے ان دومنزلوں کی تعمیر میں بڑے بھائی کے پاس رکھا ہوا ہے، ۳/لاکھ روپیہ، گراؤنڈ فلور کے فلیٹ کو بیچ کر حاصل کیا ہوا ۱۰/لاکھ روپیہ اور تیسرے منزلے کے فلیٹ کو بیچ کر ساڑھے سات لاکھ روپئے یعنی کل ساڑھے بیس لاکھ روپئے کا خرچ آیا۔

بڑے بھائی نے علماء سے مشورہ کرکے والدہ کی حیات میں اس طرح جائیداد کا حصہ کردیا کہ پانچوں بہنوں کو ۲/۲/لاکھ روپئے تینوں بھائیوں کو ۲۴/۲۴/لوم اور ایک ایک فلیٹ۔

بڑے بھائی کے انتقال کے بعد آبائی مکان کی تعمیر منجھلے بھائی نے کی تھی، دوکان ۱/ بھابی کے حصے میں دے دی گئی، دوکان ۲/منجھلے بھائی کے حصے میں، اوپر دوکان ۳/چھوٹے بھائی کے حصے میں دیدی گئی، اور چوتھی دوکان والدہ کو دی گئی تاکہ اس سے ان کے علاج و معالجہ کا خرچ چلتا رہے، والدہ اور بڑے بھائی نے یہ طے کیا تھا کہ جو بھی چار منزلہ بلڈنگ کے

فلیٹ میں رہے گا اس کا حق اس بلڈنگ تک محدود رہے گا، اور جو بھائی آبائی مکان کی بلڈنگ میں رہے گا اس کا آبائی مکان تک، کیونکہ دونوں کی waluation میں فرق تھا۔

اس تقسیم کو تینوں بھائیوں اور بہنوں نے والدہ کی حیات میں تسلیم کرلیا تھا، اس کے گواہ گھر کے افراد ہیں، ۱۶/نومبر کو ۲۰۰۸ء کو والدہ کا انتقال ہوگیا۔

۲۰۱۳ء میں چھوٹے بھائی کا کہنا کہ وہ اس تقسیم کو نہیں مانتا، اس تقسیم میں اس کے کہنے کے مطابق کئی باتیں شامل نہیں ہیں، اس لیے ان کو بھی شامل کیا جائے، جبکہ والدہ اور بڑے بھائی کی حیات میں اس نے اس تقسیم پر کبھی اعتراض نہیں کیا، ٹیچنگ کے پیشے سے جو تنخواہ منجھلے بھائی کو ملا کرتی تھی اس بابت والدہ اور بڑے بھائی کا یہ کہنا تھا کہ وہ کچھ سالوں ۱۰۰۰/ روپئے، ۱۲۰۰/روپئے اور ۱۵۰۰/روپئے کی رقم والدہ کے پاس جمع کرے جس کو وہ چولہا الگ ہونے تک یعنی ۱۹۹۹ء تک دیتا رہا، اس وقت اس کی تنخواہ اسکول کی Paysheet کے مطابق ۱۰۲۴۲/دس ہزار دوسو بیالیس روپیہ تھی، منجھلا بھائی اسی تنخواہ سے اپنا ذاتی خرچ بھی اٹھاتا تھا، اور گھر سے کوئی رقم نہیں لیتا تھا۔

تقسیم پر چھوٹے بھائی کے اعتراضات:

(۱) اسے دوکان چھوٹی دی گئی۔

(۲) اس کا کہنا ہے کہ منجھلا بھائی جو ٹیچنگ کرتا ہے اس کی تنخواہ کو بھی پراپرٹی کی تقسیم میں شامل کیا جائے۔

(۳) کارخانے کی Valuation کا فرق بھی شامل حال رکھا جائے۔

(۴) چھوٹا بھائی چارمنزلہ عمارت کے اپنے فلیٹ میں ورثاء کے لیے کسی حق کو تسلیم نہیں کرتا۔

درج بالا اعتراضات چھوٹے بھائی نے والدہ اور بڑے بھائی کی حیات میں کبھی نہیں اٹھائے، اس کے گھر کے تمام افراد گواہ ہیں۔

نوٹ: آبائی مکان کا کمرہ بڑے بھائی اور منجھلے بھائی کے تصرف میں ہے، ماں کے قبضہ میں جو دوکان تھی وہ انہوں نے اپنی زندگی ہی میں فروخت کردی تھی، منجھلے بھائی ٹیچنگ کے ساتھ ساتھ کاروبار بھی دیکھا کرتے تھے، اوران کی تنخواہ کی آمدنی اجمال میں جمع ہوتی تھی۔

استدعا: بھائیوں کے درمیان ناچاقی دن بدن سنگین ہوتی جارہی ہے اس لیے بصد ادب گذارش ہے کہ ممکن اولین فرصت میں مسئلہ کا واضح حل عنایت فرمائیں، کرم ہوگا۔

المستفتی: محمد فراز

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوالنامہ میں گھریلو جھگڑے اول الجھاؤ کی پیچیدہ باتیں درج ہیں، جس کا حاصل اور آخری نتیجہ یہی سمجھا گیا ہے کہ چھوٹے بھائی کو بڑے بھائیوں کی طرف سے کی گئی تقسیم میں اشکال ہے، اور سوالنامہ سے معلوم ہوتا ہے کہ تقسیم میں قیمت کے اعتبار سے برابری کا خیال نہیں رکھا گیا، بلکہ ہر ایک کو الگ الگ گالے اور الگ الگ رہائش دی گئی ہے جس میں لوم کے اعتبار سے برابری کا خیال نہیں رکھا گیا اور رہائشی مکانات کی تقسیم میں بھی قیمت کا لحاظ نہیں کیا گیا، اس لیے کسی سمجھ دار آدمی کو بیچ میں ڈال کر تمام جائیداد کی قیمت کا حساب لگا کر تقسیم کیا جائے، اور اس کے بعد جس کو زیادہ اشکال ہو اسے ان حصوں میں سے ایک حصہ لینے کے لیے اختیار دیا جائے تاکہ جھگڑا اور نزاع ختم ہوجائے اور تقسیم کے اندر شرعاً قرعہ ڈالنے کی بھی اجازت ہوتی ہے کہ جس کے نام سے جو حصہ نکلے وہ وہی حصہ لے لے، اور چھوٹے بھائی کا یہ کہنا درست ہے کہ کارخانے کی Valuatiion کا خیال رکھا جائے۔

لیکن یہ کہنا درست نہیں ہے کہ جس فلیٹ میں وہ رہتا ہے اس میں دوسروں کا حق شامل نہیں ہے، بلکہ اس میں اور دوسرے بھائی جن فلیٹوں میں رہتے ہیں یا آبائی مکان میں رہتے ہیں ان سب کا تقسیم میں شامل ہونا لازم ہے، اور منجھلے بھائی کی ٹیچری کی تنخواہ کی جو بات کہی جاتی ہے، اس کے بارے میں حکم شرعی یہ ہے کہ جب تک سب لوگ ایک ساتھ رہ رہے ہیں اس وقت تک ٹیچری کے ذریعہ سے جو تنخواہیں اسے ملی ہیں وہ بھی مجموعی آمدنی میں شامل کر کے تقسیم میں داخل کرنی چاہیے، اور تقسیم ہوجانے کے بعد اس کی ٹیچری کی تنخواہ میں کسی دوسرے بھائی کا حق نہیں ہوگا، نیز مشترک رہتے ہوئے جن دیگر بھائیوں نے جو کمایا ہوگا اس میں منجھلے بھائی کا بھی حق ہوگا۔

وفی الخیریة: فی زوج امرأة و ابنها اجتمعا فی دار واحدة و أخذ کل منهما یکتسب علی حدة و یجمعان کسبهما ولا یعلم التفاوت ولا

التساوی و لا التمييز فأجاب بأنه بينهما سوية، وكذا لو اجتمع إخوة يعملون فی تركة أبيهم ونما المال فهو بينهم سوية ولو اختلفوا فی العمل والرائ.

(شامی، مطلب: اجتمعا فی دار واحدة واكتسبا ولا يعلم التفاوت فهو بينهما بالسوية زكريا ٦/٥٠٢، كراچی ٤/٣٢٥، شرح المجلة رستم اتحاد ٢/٧٤١ رقم المادة: ١٣٩٨، هنديه زكريا قديم ٢/٣٢٩، جديد ٢/٣٣٢) **فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١٧/شعبان المعظم ١٤٣٤ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٤٠/ ١١٢٦٧)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
١٧/٨/١٤٣٤ھ

سب ہی ناظرین سے گذارش ہے کہ عنداللہ شرف قبولیت اور خاتمہ بالخیر کی دعاء فرمائیں۔

ربنا تقبل منا انک أنت السميع العليم، وتب علينا إنک أنت التواب الرحيم، اللهم وفقنا لما تحب و ترضىٰ عدد ما تحب و ترضىٰ، وصلى الله تعالىٰ على حبيبه سيدنا و مولانا وسندنا وإمامنا محمد و علىٰ آله و أصحابه أجمعين.

يارب صل و سلم دائما أبداً ☆ علی حبيبک خير الخلق كلهم

الله أكبر كبيرا والحمد لله كثيرا وسبحان الله بكرة و أصيلا.

(صحيح مسلم، النسخة الهندية ١/ ٢٢٠، بيت الأفكار رقم: ٦٠١، سنن الترمذی، النسخة الهندية ٢/١٩٩، دار السلام رقم: ٣٥٩٢)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

خادم جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد (یوپی) الہند

فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّيْنِ

فتاویٰ قاسمیہ

منتخب فتاویٰ

حضرت مولانا مفتی شبیر احمد القاسمی
خادم الافتاء و الحدیث جامعہ قاسمیہ
مدرسہ شاہی مرادآباد، الہند

(جلد ۲۶)

المجلد السادس و العشرون

فہارس مسائل

۱ ——— ۱۱۶۰۰

ناشر
مکتبہ اشرفیہ، دیوبند، الہند
01336-223082

فتاویٰ قاسمیہ

صاحب فتاویٰ

حضرت مولانا مفتی شبیر احمد القاسمی

پہلا ایڈیشن محرم الحرام ۱۴۳۷ھ

ناشر

مکتبہ اشرفیہ، دیوبند، ضلع سہارنپور، الہند

01336-223082

ASHRAFI BOOK DEPOT

DEOBAND, SAHARANPUR, INDIA

Phone: 01336-223082

Mob. : 09358001571،08810383186

مکمل اجمالی فهرست ایک نظر میں

	رقم المسأله		عنوانات
المجلد الأول	١	١٧٢	مقدمة التحقيق، الإيمان والعقائد إلى باب ما يتعلق بالارواح.
المجلد الثاني	١٧٣	٥٥٧	بقية الإيمان والعقائد من باب الحشر إلى باب ما يتعلق بأهل الكتاب، التاريخ والسير، البدعات والرسوم.
المجلد الثالث	٥٥٨	١٠٠٥	بقية البدعات والرسوم من باب رسومات جنائز إلى رسومات نكاح، كتاب العلم إلي باب ما يتعلق بالكتابة.
المجلد الرابع	١٠٠٦	١٤١٥	بقية كتاب العلم من كتابة القرآن إلي باب الوعظ والنصيحة، الدعوة والتبليغ، السلوک والاحسان، الأدعية والأذكار.
المجلد الخامس	١٤١٦	١٩٣٥	الطهارة بتمام أبوابها، الصلوة من أوقات الصلوة إلى صفة الصلوة.
المجلد السادس	١٩٣٦	٢٤٥٧	الجماعة، المساجد، الإمامة.
المجلد السابع	٢٤٥٨	٢٩٦٤	بقية الصلوة من تسوية الصفوف إلي سجود التلاوة.
المجلد الثامن	٢٩٦٥	٣٤٢٣	بقية الصلوة من الذكر والدعاء بعد الصلوة، الوتر، ادراک الفريضة، السنن والنوافل، التراويح، صلوة المسافر.

المجلد التاسع	٣٤٢٤	٣٨٩٣	بقية الصلوة، صلوة المريض، الجمعة، العيدين، الجنائز إلي حمل الجنازة.
المجلد العاشر	٣٨٩٤	٤٤٠٤	بقية الجنائز من صلوة الجنائز إلي باب الشهيد، كتاب الزكوة.
المجلد الحادي عشر	٤٤٠٥	٤٨٧٣	بقية الزكوة، كتاب الصدقات، الصوم، بتمام أبوابها إلي صدقة الفطر.
المجلد الثاني عشر	٤٨٧٤	٥٣٤٨	كتاب الحج بتمام أبوابها، النكاح إلى باب نكاح المكره.
المجلد الثالث عشر	٥٣٤٩	٥٩٤٣	بقية النكاح إلي باب المهر.
المجلد الرابع عشر	٥٩٤٤	٦٤٦٢	الرضاع، الطلاق إلي باب الكناية.
المجلد الخامس عشر	٦٤٦٣	٦٩٠٢	بقية الطلاق، الرجعة، البائن، الطلاق بالكتابة، الطلاق الثلاث، الشهادة في الطلاق، الحلالة.
المجلد السادس عشر	٦٩٠٣	٧٤٠٢	بقية الطلاق، تعليق الطلاق، التفويض، الفسخ والتفريق، الظِهار، الإيلاء، الخلع، الطلاق على المال، العدة، النفقة، ثبوت النسب، الحضانة.
المجلد السابع عشر	٧٤٠٣	٧٨٦٧	الأيمان والنذور، الحدود، الجهاد، اللقطة، الامارة والسياسة، القضاء، الوقف إلي باب المساجد.
المجلد الثامن عشر	٧٨٦٨	٨٤٠٨	بقية الوقف من الفصل الثالث، المسجد القديم إلي مصلى العيد، والمقبرة. (قبرستان)

المجلد التاسع عشر	٨٤٠٩	٨٨٥٦	بقية الوقف، باب المدارس، كتاب البيوع، البيع الصحيح، الفاسد، المرابحة، الصرف، السلم، الوفاء، الشفعة، المزارعة.
المجلد العشرون	٨٨٥٧	٩٣٥٠	الشركة، المضاربة، الربوا بتمام أنواعها.
المجلد الحادي والعشرون	٩٣٥١	٩٧٣٥	الديون، الوديعة، الأمانة، الضمان، الهبة، الإجارة.
المجلد الثاني والعشرون	٩٧٣٦	١٠٢٤٥	الغصب، الرهن، الصيد، الذبائح بتمام أنواعها، الأضحية بتمام أنواعها، العقيقة، الحقوق، بأكثر أبوابها إلي باب حقوق الأقارب.
المجلد الثالث والعشرون	١٠٢٤٦	١٠٧٠٥	بقية الحقوق، الرؤيا، الطب والرقیٰ بتمام أنواعها، كتاب الحظر والإباحة إلي باب السابع، ما يتعلق باللحية.
المجلد الرابع والعشرون	١٠٧٠٦	١١٢٠٥	بقية الحظر والإباحة، باب الأكل والشرب، الانتفاع بالحيوانات، الخمر، الدخان، الهدايا، الموالاة مع الكفار، المال الحرام، الأدب، اللهو، استعمال الذهب والفضة، كسب الحلال، الغناء، التصاوير.
المجلد الخامس والعشرون	١١٢٠٦	١١٦٠٠	الوصية، الفرائض بتمام أبوابها.
المجلد السادس والعشرون	١	١١٦٠٠	فهارس المسائل

فہرست مضامین

مقدمة التحقیق

مسئلہ نمبر صفحہ نمبر

- تقریظ: استاذ الاساتذہ حضرت اقدس مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری مدظلہ . ٣٧
- تقریظ: استاذ الاساتذہ حضرت مولانا نعمت اللہ صاحب مدظلہ ٣٩
- تقریظ: استاذ الاساتذہ حضرت اقدس مولانا ریاست علی صاحب مدظلہ .. ٤٠
- تقریظ: حضرت اقدس مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی دامت برکاتہم ٤١
- تقریظ: حضرت اقدس مولانا مفتی حبیب الرحمٰن صاحب خیرآبادی مدظلہ . ٤٣
- تقریظ: حضرت اقدس مولانا نورعالم خلیل امینی صاحب دامت برکاتہم ... ٤٥
- تقریظ: حضرت اقدس مولانا مفتی محمد خالد سیف اللہ صاحب رحمانی مدظلہ ٤٧
- تقریظ: حضرت اقدس مولانا مفتی محمد سلمان صاحب منصور پوری مدظلہ .. ٥١
- موقع حمد وثناء: حضرت اقدس مولانا سید اشہد رشیدی صاحب مدظلہ ٥٣
- مقدمۃ التحقیق ٥٥

❑	الفصل الأول: حضرت امام ابوحنیفہ کا مقام	٥٨

- امام ابوحنیفہؒ تابعی کی صف میں ٥٩
- امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مقام کبارِ مجتہدین میں ٦٠
- امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ صحاح ستہ کے رواۃ میں سے ٦٣
- جمیع مستدلات الإمام صحیح. ٦٤

○ قلت روایت کا سبب ۶۶
○ ”إذا صح الحديث فهو مذهبي“ کا مطلب ۶۷

□	الفصل الثاني: اہم ترین شہرۂ آفاق فقہاء کا تعارف	۶۹

○ (۱) الامام زفر بن ہذیل ۱۱۰-۱۵۸ھ ۶۹
○ (۲) الامام حماد بن ابی حنیفہ المتوفی: ۱۷۰ھ ۶۹
○ (۳) امام مالک بن انسؒ ۹۳-۱۷۹ھ ۷۰
○ (۴) الامام عبد اللہ ابن المبارک ۱۱۸-۱۸۱ھ ۷۰
○ (۵) الامام قاضی ابو یوسفؒ ۱۱۳-۱۸۲ھ ۷۱
○ (۶) الامام محمد بن الحسن الشیبانی ۱۳۱-۱۸۹ھ ۷۲
○ (۷) الامام حسن بن زیاد اللؤلؤی المتوفی: ۲۰۴ھ ۷۲
○ (۸) الامام محمد بن ادریس الشافعی ۱۵۰-۲۰۴ھ ۷۳
○ (۹) الامام اسماعیل بن حماد المتوفی ۲۱۲ھ ۷۳
○ (۱۰) الامام شداد ابن الحکیم المتوفی ۲۲۰ھ ۷۴
○ (۱۱) الامام عیسیٰ بن ابان المتوفی: ۲۲۱ھ ۷۴
○ (۱۲) الامام احمد بن حنبلؒ ۱۶۴-۲۴۱ھ ۷۴
○ (۱۳) الامام محمد بن مقاتل الرازی المتوفی: ۲۴۲ھ ۷۵
○ (۱۴) الامام محمد بن الاظہر المتوفی: ۲۵۸ھ ۷۵
○ (۱۵) ابو حفص الکبیر ۷۵
○ (۱۶) ابو حفص الصغیر المتوفی: ۲۶۴ھ ۷۵
○ (۱۷) امام محمد بن شجاع الثلجی المتوفی: ۲۶۶ھ ۷۶
○ (۱۸) الامام محمد بن سلمہ ۷۶

- (۱۹) امام ابوعلی الدقاق ۷۶
- (۲۰) الامام ابوسعید بردعی المتوفی:۳۱۷ھ ۷۶
- (۲۱) الامام ابوبکر الاسکاف المتوفی:۳۳۳ھ ۷۷
- (۲۲) الامام ابوالحسن الکرخی ۲۶۰-۳۴۰ھ ۷۷
- (۲۳) الامام ابوعمر الطبری المتوفی:۳۴۰ھ ۷۷
- (۲۴) الامام ابوجعفر الہندوانی المتوفی:۳۶۲ھ ۷۷
- (۲۵) الامام ابوبکر الجصاص الرازی ۳۰۵-۳۷۰ھ ۷۸
- (۲۶) فقیہ ابواللیث سمرقندی المتوفی:۳۸۳ھ ۷۸
- (۲۷) الامام ابوبکر الخوارزمی المتوفی:۴۰۳ھ ۷۸
- (۲۸) الامام ابوالحسین المتوفی:۴۲۸ھ ۷۸
- (۲۹) الامام ابوزید الدبوسی المتوفی:۴۳۰ھ ۷۹
- (۳۰) الامام شمس الائمہ الحلوانی المتوفی:۴۴۸ھ ۷۹
- (۳۱) الامام فخر الاسلام بزدوی ۴۰۰-۴۸۲ھ ۷۹
- (۳۲) الامام صدر الاسلام البزدوی ۴۲۱-۴۹۳ھ ۷۹
- (۳۳) الامام نجم الدین نسفی المتوفی:۵۳۷ھ ۸۰
- (۳۴) امام طاہر بن احمد المتوفی:۵۴۲ھ ۸۰
- (۳۵) الامام الکرمانی ۴۵۷-۵۴۳ھ ۸۰
- (۳۶) الامام سراج الدین العوشی ۸۰
- (۳۷) امام ابونصر احمد بن محمد المتوفی:۵۸۶ھ ۸۱
- (۳۸) امام علاؤالدین الکاسانی المتوفی:۵۸۷ھ ۸۱
- (۳۹) الامام فخر الدین قاضی خان المتوفی:۵۹۲ھ ۸۱
- (۴۰) امام مرغینانی المتوفی:۵۹۳ھ ۸۲

(۴۱) الامام ابوالحسن الرازی المتوفی:۵۹۸ھ ۸۲
(۴۲) الامام محمود بن احمد المتوفی:۶۱۶ھ ۸۲
(۴۳) الامام ظہیرالدین بخاری المتوفی ۶۱۹ ھ ۸۲
(۴۴) الامام ناصرالدین سمرقندی المتوفی:۶۵۶ھ ۸۳
(۴۵) امام جلال الدین الخبازی ۶۲۹-۶۹۱ھ ۸۳
(۴۶) الامام فخرالدین زیلعی المتوفی:۷۴۳ھ ۸۳
(۴۷) الامام تاج الشریعہ المتوفی:۷۴۷ھ ۸۳
(۴۸) الامام البابرتی ۷۱۴-۷۸۶ھ ۸۴
(۴۹) امام بزازی المتوفی:۸۲۷ھ ۸۴
(۵۰) محقق ابن ہمام ۷۹۰-۸۶۱ھ ۸۴
(۵۱) الامام ابن کمال باشا المتوفی:۹۴۰ھ ۸۴
(۵۲) الامام چلپی المتوفی:۹۴۷ھ ۸۵
(۵۳) الامام ابراہیم الحلبی المتوفی:۹۵۶ھ ۸۵
(۵۴) الامام الفقیہ ابن نجیم المصری ۹۲۶-۹۷۰ھ ۸۵
(۵۵) الامام التمر تاشی ۹۳۹-۱۰۰۴ھ ۸۵
(۵۶) الملاعلی قاری المتوفی:۱۰۱۴ھ ۸۶
(۵۷) الامام الشرنبلالی المتوفی:۱۰۶۹ھ ۸۶
(۵۸) الامام شیخی زادہ المتوفی:۱۰۷۸ھ ۸۶
(۵۹) الامام الحصکفی ۱۰۲۵-۱۰۸۸ھ ۸۶
(۶۰) الامام الطحطاوی المتوفی:۱۲۳۱ھ ۸۷
(۶۱) الامام ابن عابدین ۱۱۹۸-۱۲۵۲ھ ۸۷
(۶۲) الامام علاؤالدین ابن عابدین ۱۲۴۴-۱۳۰۶ھ ۸۷

(۶۳) الامام الرافعی ۱۲۴۸-۱۳۲۳ھ ۸۷

الفصل الثالث: چند اہم محدثین کا تعارف ۸۸

(۱) الامام علقمہ بن قیس المتوفی:۶۲ھ ۸۸
(۲) الامام عبیدۃ السلمانی المتوفی:۷۲ھ ۸۸
(۳) القاضی شریح المتوفی:۷۸ھ ۸۹
(۴) الامام محمد بن الحنفیہ ۱۶-۸۱ھ ۸۹
(۵) الامام ابراہیم التیمی المتوفی:۹۲ھ ۹۰
(۶) الامام عروہ بن الزبیر ۲۲-۹۳ھ ۹۰
(۷) الامام سعید بن المسیب ۱۳-۹۴ھ ۹۱
(۸) الامام سعید بن جبیر ۴۵-۹۵ھ ۹۱
(۹) الامام ابراہیم النخعیؒ ۴۶-۹۶ھ ۹۱
(۱۰) الامام عمر بن عبدالعزیز ۶۱-۱۰۱ھ ۹۱
(۱۱) الامام الشعبیؒ ۱۹-۱۰۳ھ ۹۲
(۱۲) الامام مجاہد بن جبرؒ ۲۱-۱۰۴ھ ۹۲
(۱۳) الامام عکرمہؒ ۲۵-۱۰۵ھ ۹۳
(۱۴) الامام سالم بن عبداللہ المتوفی:۱۰۶ھ ۹۳
(۱۵) الامام طاؤس بن کیسان ۳۳-۱۰۶ھ ۹۳
(۱۶) الامام الحسن البصریؒ ۲۱-۱۱۰ھ ۹۴
(۱۷) الامام محمد بن سیرین ۳۳-۱۱۰ھ ۹۴
(۱۸) الامام الحکم بن عتیبہ ۵۰-۱۱۳ھ ۹۵
(۱۹) الامام عطاء بن ابی رباح ۲۷-۱۱۴ھ ۹۵

○ (۲۰) الامام نافع مولیٰ بن عمر المتوفی: ۱۱۷ھ ۹۵
○ (۲۱) الامام عمرو بن شعیب المتوفی: ۱۱۸ھ ۹۶
○ (۲۲) الامام حافظ قتادہ ۶۱-۱۱۸ھ ۹۶
○ (۲۳) الامام حماد بن ابی سلیمان المتوفی: ۱۲۰ھ ۹۶
○ (۲۴) الامام ابن شہاب الزہری ۵۸-۱۲۴ھ ۹۷
○ (۲۵) الامام منصور بن معتمر المتوفی: ۱۳۲ھ ۹۷
○ (۲۶) الامام یحییٰ بن سعید الانصاری المتوفی ۱۴۳ھ ۹۷
○ (۲۷) الامام عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ ۷۴-۱۴۸ھ ۹۷
○ (۲۸) الامام الاوزاعی ۸۸-۱۵۸ .... ۹۸
○ (۲۹) الامام شعبہ بن الحجاج ۸۲-۱۶۰ھ ۹۸
○ (۳۰) الامام سفیان الثوری ۹۷-۱۶۱ھ ۹۹
○ (۳۱) الامام حماد بن سلمہ المتوفی: ۱۶۷ھ ۹۹
○ (۳۲) الامام حماد بن زید ۹۸-۱۷۹ھ ۹۹
○ (۳۳) الامام ابن علیہ ۱۱۰-۱۹۳ھ ۱۰۰
○ (۳۴) الامام سفیان بن عیینہ ۱۰۷-۱۹۸ھ ۱۰۰
○ (۳۵) الامام یحییٰ بن سعید القطان ۱۲۰-۱۹۸ھ ۱۰۰
○ (۳۶) الامام ابوداؤد الطیالسی ۱۲۳-۲۰۴ھ ۱۰۱
○ (۳۷) الامام الحافظ عبدالرزاق الصنعانی ۱۲۶-۲۱۱ھ ۱۰۱
○ (۳۸) الامام الحمیدی المتوفی: ۲۱۹ھ ۱۰۱
○ (۳۹) الامام سعید بن منصور المتوفی: ۲۲۷ھ ۱۰۲
○ (۴۰) الامام محمد بن سعید ۱۶۸-۲۳۰ .... ۱۰۲
○ (۴۱) الامام یحییٰ بن معین ۱۵۸-۲۳۳ھ ۱۰۳

- (۴۲) الامام علی بن المدینی ۱۶۱-۲۳۴ھ ۱۰۳
- (۴۳) الحافظ ابوبکر بن ابی شیبه ۱۵۹-۲۳۵ھ ۱۰۳
- (۴۴) الامام اسحاق بن راهویه ۱۶۱-۲۳۸ھ ۱۰۴
- (۴۵) الامام الدارمی ۱۸۱-۲۵۵ھ ۱۰۴
- (۴۶) الامام محمد بن اسماعیل البخاری ۱۹۴-۲۵۶ھ ۱۰۴
- (۴۷) الامام مسلم القشیری ۲۰۴-۲۶۱ھ ۱۰۵
- (۴۸) الامام داؤد الظاهری ۲۰۱-۲۷۰ھ ۱۰۵
- (۴۹) الامام ابن ماجه ۲۰۹-۲۷۳ھ ۱۰۵
- (۵۰) الامام ابوداؤد السجستانی ۲۰۲-۲۷۵ھ ۱۰۶
- (۵۱) الامام الترمذی ۲۰۹-۲۷۹ھ ۱۰۶
- (۵۲) الامام البزار المتوفی: ۲۹۲ھ ۱۰۶
- (۵۳) الامام النسائی ۲۱۵-۳۰۳ھ ۱۰۷
- (۵۴) امام ابویعلی الموصلی ۲۱۰-۳۰۷ھ ۱۰۷
- (۵۵) الامام محمد بن خزیمه ۲۲۳-۳۱۱ھ ۱۰۷
- (۵۶) الامام الطحاوی ۲۲۹-۳۲۱ھ ۱۰۸
- (۵۷) الامام ابن حبان ۲۷۰-۳۵۴ھ ۱۰۸
- (۵۸) الامام الطبرانی ۲۶۰-۳۶۰ھ ۱۰۸
- (۵۹) الامام الحافظ الدارقطنی ۳۰۶-۳۸۵ھ ۱۰۹
- (۶۰) الامام الحاکم النیسابوری ۳۲۱-۴۰۵ھ ۱۰۹
- (۶۱) الامام الحافظ ابن حزم الظاهری ۳۸۴-۴۵۶ھ ۱۰۹
- (۶۲) الامام البیهقی ۳۸۴-۴۵۸ .... ۱۱۰
- (۶۳) الامام الحافظ ابوعبدالله الحمیدی ۴۲۰-۴۸۸ھ ۱۱۰

- (۶۴) الامام الغزالی ۴۵۰-۵۰۵ھ ۱۱۰
- (۶۵) الامام الحافظ ابن الاثیر ۵۵۵-۶۳۰ھ ۱۱۱
- (۶۶) الامام المنذری ۵۸۱-۶۵۶ھ ۱۱۱
- (۶۷) الحافظ الذہبی ۶۷۳-۷۴۸ھ ۱۱۱
- (۶۸) الامام جمال الدین الزیلعی المتوفی:۷۶۲ھ ۱۱۲
- (۶۹) الامام ابن کثیر ۷۰۱-۷۷۴ھ ۱۱۲
- (۷۰) الامام الہیثمی ۷۳۵-۸۰۷ھ ۱۱۲
- (۷۱) الامام الحافظ ابن حجر العسقلانیؒ ۷۷۳-۸۵۲ھ ۱۱۲
- (۷۲) الحافظ بدر الدین العینی ۷۶۲-۸۵۵ھ ۱۱۳
- (۷۳) الامام السخاوی ۸۳۱-۹۰۲ھ ۱۱۳
- (۷۴) الامام جلال الدین السیوطیؒ ۸۴۹-۹۱۱ھ ۱۱۳
- (۷۵) الشیخ الامام علی المتقی ۸۸۸-۹۷۵ھ ۱۱۴
- (۷۶) الحافظ العجلونی ۱۰۸۷-۱۱۶۲ھ ۱۱۴

❐	الفصل الرابع: فقہائے مجتہدین کے طبقات ودرجات	۱۱۵

- طبقۂ اولیٰ ۱۱۵
- طبقۂ ثانیہ ۱۱۵
- طبقۂ ثالثہ ۱۱۵
- طبقۂ رابعہ ۱۱۵
- طبقۂ خامسہ ۱۱۶
- طبقۂ سادسہ ۱۱۶
- طبقۂ سابعہ ۱۱۶

- علامہ ابن کمال پاشا کی بات پر وضاحتی گفتگو ۱۱۶
- فتویٰ نویسی کے اہم اصول اور الفاظ ترجیح کی رعایت ۱۱۸

❑	الفصل الخامس: مفتی اور قاضی کی ذمہ داری اور دائرہ عمل	۱۲۰

- (۱) دیانت پر فتویٰ ۱۲۱
- (۲) قاضی اور مفتی کا فرق ۱۲۴
- (۳) جاہل قاضی کا فیصلہ ۱۲۶
- (۴) مفتی کے فتوی پر قاضی کا فیصلہ ۱۲۶
- (۵) دیانت وقضاء کا فرق ۱۲۷
- (۶) مسائل دیانت وقضاء میں تعارض ۱۲۹
- (۷) ایک واقعہ میں فتویٰ وفیصلہ میں تعارض کا حل ۱۳۱
- (۸) مفتی کی ذمہ داری اور دائرہ عمل ۱۳۲
- (۹) مفتی کے لئے واقعہ کی تحقیق ۱۳۳
- (۱۰) مفتی پر ہر سوال کا جواب لازم نہیں ۱۳۶
- (۱۱) غیر واضح سوال کا جواب ۱۳۷
- (۱۲) عدالت میں پیشی سے قبل فیصلہ درست نہیں ۱۳۸
- (۱۳) ''المرأۃ کالقاضی'' کی اصطلاح ۱۳۹
- (۱۴) ''الزوج کالقاضی'' کی اصطلاح ۱۴۳
- (۱۵) قضائے قاضی ظاہراً وباطناً ۱۴۳

❑	الفصل السادس: مسئلۂ تقلید پر مختصر ومدلل بحث	۱۴۷

- (۱) تقلید کی ضرورت ۱۴۷
- (۲) اقسام نصوص ۱۴۸

○ بحث کا خلاصہ ۱۵۴
○ (۳) تقلید مطلق ۱۵۶
○ (۴) ائمہ اربعہ کی تقلید لازم کیوں؟ ۱۵۸
○ (۵) صحابہ کی تقلید ۱۶۱
○ (۶) تقلید شخصی ۱۶۱
○ (۷) عوام اور غیر مجتہد کے لئے ایک امام کی تقلید کی پابندی ۱۶۴
○ (۸) مقلد کی قسمیں ۱۶۷
○ مفتی ناقل اور مقلد محض کا فتویٰ ۱۶۸
○ مقلد محقق اور مفتی مجتہد ۱۷۱
○ مقلد محقق کا انتقال عن المذہب ۱۷۴
○ (۹) مقلد محقق کا تفرد ۱۷۵
○ تفرد افضل نہیں ۱۷۷
○ تفرد کی شرائط ۱۷۷
○ تفرد کے اقسام ۱۷۸
○ مقلد محض کا مقلد محقق کے تفرد کا اتباع ۱۸۱
○ (۱۰) شہرۂ آفاق پانچ محققین کے تفردات ۱۸۳
○ (۱) حضرت امام طحاویؒ کے تفردات ۱۸۳
○ (۲) علامہ ابن تیمیہ کے تفردات ۱۸۵
○ (۳) شیخ ابن الہمام کے تفردات ۱۸۷
○ (۴) مسند الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے تفردات ۱۹۳
○ (۵) حضرت شیخ الاسلامؒ کے تفردات ۱۹۵
○ مکتوب گرامی حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ ۱۹۸

❐	**الفصل السابع: مسئلۂ تلفیق پر مدلل بحث**	۲۰۱

- بحث ۱ : تلفیق کی حقیقت ۲۰۱
- بحث ۲ : تلفیق کا حکم ۲۰۲
- بحث ۳ : تلفیق کے اقسام ۲۰۴
- خارقِ اجماع تلفیق ۲۰۵
- مقلد مقید اور مقلد محض ۲۰۵
- مجتہد مقید کی تلفیق ۲۰۶
- (۱) الگ الگ دو مسئلوں میں تلفیق ۲۰۶
- (۲) دو وقتوں میں دو عمل کی تلفیق ۲۰۸
- (۳) عمل واحد میں مجتہد مقید کی تلفیق ۲۰۸
- (۴) ایک وقت میں دو عمل کی تلفیق ۲۰۹
- مقلد مقید کی تلفیق ۲۱۱
- مقلد مقید کی تلفیق کی قسمیں ۲۱۱
- (۱) عمل واحد میں تلفیق ۲۱۱
- (۲) ایک وقت میں متعدد عمل کی تلفیق ۲۱۳
- (۳) مقلد مقید کی دو وقتوں میں دو عمل کی تلفیق ۲۱۴
- (۴) مقلد مقید کی الگ الگ دو مسئلوں میں اپنی رائے سے تلفیق ۲۱۵
- (۵) مذہب واحد میں مقلد محض کی تلفیق ۲۱۶
- تلفیق کی کونسی قسم جائز ۲۱۸
- دیایانات ومعاملات میں تلفیق ۲۱۸

❐	**الفصل الثامن: ضرورت، حاجت اور عمومِ بلویٰ پر مدلل بحث**	۲۲۰

- (ا) بحث ضرورت ۲۲۰
- (ا) ضرورت کی لغوی تعریف ۲۲۰
- اصطلاحی تعریف ۲۲۱
- (۲) ضرورت کے مراتب خمسہ ۲۲۲
- اضطراری ضرورت کا حکم ۲۲۶
- امور محرمہ کی اباحت کی شرائط واصول ۲۲۷
- (۳) ضرورت کے اسباب ۲۲۹
- (ا) حرمت کا تعلق حقوق اللہ سے ہو اور جان کی حفاظت سے متعلق ہو ... ۲۳۱
- (۲) حرمت کا تعلق حقوق اللہ سے ہو اور ایمان وکفر سے متعلق ہو ۲۳۲
- (۳) حرمت کا تعلق حقوق العباد میں سے حقوق مالی کے ساتھ ہو ۲۳۳
- (۴) حرمت کا تعلق حقوق العباد میں سے حقوق جانی کے ساتھ ہو ۲۳۴
- (۵) ضرورت کی تاثیر نفی گناہ کی حد تک ہے یا رفع حرمت تک؟ ۲۳۵
- (۶) کیا ضرورت پر مبنی احکام قانون شرعی سے مستثنیٰ ہوتے ہیں؟ ۲۳۶
- (۷) ضرورت کی تاثیر تمام محرمات میں ہوتی ہے یا چند ابواب میں؟ ۲۳۸
- ضرورت اور حاجت کا فرق ۲۳۸
- (۳) ضرورت وحاجت میں فرق کے لئے اصول ستہ ۲۴۰
- دلیل ظنی کا حکم ۲۴۱
- مکروہ کے لئے لفظ ’’حرام‘‘ کا استعمال ۲۴۲
- کراہت تحریمی کے لئے لفظ ’’کراہت‘‘ کا استعمال ۲۴۳
- اصول نمبر ۶: رکن اصلی اور رکن زائد ۲۴۷
- (۴) حاجت کی مثالیں اور مواقع استعمال ۲۴۹
- ریشم کا حکم ۲۵۰

مثال نمبرا: حریراورریشم کا پہننامرد کے لئے ناجائزاورممنوع ہے۔ ۲۵۰
مثال نمبر۲: محرم کا حلق رأس ۲۵۱
مثال نمبر۳: سونے کا استعمال ۲۵۲
مثال نمبر۴: ہدی کے جانور پرسوار ہونا ۲۵۳
مثال نمبر۵: تصویر کا حکم ۲۵۴
مثال نمبر۶: ران ستر عورت ہے ۲۵۵
مثال نمبر۷: رشوت کا حکم ۲۵۶
بحث نمبر۳: مسئلہ عمومِ بلویٰ ۲۵۷
(۱) عمومِ بلویٰ کی تعریف ۲۵۷
(۲) عمومِ بلویٰ کا حکم ۲۵۸
(۳) عموم بلویٰ کی وضاحتی مثالیں ۲۶۰
مثال نمبرا: غسالہ میت: ۲۶۰
مثال نمبر۲: گوبر کی راکھ: ۲۶۰
مثال نمبر۳: پیشاب کی چھینٹیں: ۲۶۱
مثال نمبر۴: ناپاک چربی: ۲۶۱
مثال نمبر۵: بیع الوفاء: ۲۶۲
مثال نمبر۶: استنجاء بالحجر: ۲۶۲
مثال نمبر۷: تر نجاست سے جوتے کی پاکی: ۲۶۳
(۴) عرف اورعموم بلویٰ کا ضرورت سے کیا تعلق ۲۶۴
(۵) ضرورتِ عامہ وضرورتِ خاصہ کا فرق ۲۶۵
الفصل التاسع: ''عدول عن المذہب'' پر مدلل بحث ۲۶۶
(۱) تلفیق کا عدمِ جواز ۲۶۶

- (۳) کس قسم کی ضرورت کی وجہ سے عدول عن المذہب جائز ہے؟ ۲۶۷
- (۴) مذہب غیر کے اختیار کرنے کی شرائط ۲۷۰
- (۵) عموم بلویٰ کی وجہ سے عدول عن المذہب ۲۷۲
- (۶) مقلد مجتہد کا عدول عن المذہب ۲۷۳
- (۱) مقلد مجتہد کا تفرد ۲۷۴
- تفرد کا اتباع جائز نہیں ۲۷۵
- (۷) محقق کے لئے اپنے تفردات پر فتویٰ کا عدمِ جواز ۲۷۵
- محقق کا ضرورت کی وجہ سے مذہب غیر پر فتویٰ ۲۷۷
- مقلد غیر مجتہد کے عدول عن المذہب کی شرط ۲۷۷
- (۸) قولِ ضعیف پر فتویٰ ۲۷۹
- قول ضعیف کی موجودگی میں عدول عن المذہب ۲۸۲
- دیانات ومعاملات میں عدول ۲۸۴
- عدول عن المذہب کی وضاحتی مثالیں ۲۸۴
- دیانات میں عدول عن المذہب کی مثالیں ۲۸۴
- (۱) جمع بین الصلاتین: ۲۸۴
- (۲) دمِ حیض: ۲۸۶
- (۳) ممتدۃ الطہر: ۲۸۶
- (۴) حجاز مقدس میں عصر کی نماز دومثل سے قبل ۲۸۸

الفصل العاشر: اہم ترین کتبِ فقہ کا تعارف ۲۹۱

- (۱) الاصل ۲۹۱
- (۲) البحر الرائق ۲۹۱

○ (۳) بدائع الصنائع ۲۹۱
○ (۴) البنایہ ۲۹۱
○ (۵) تبیین الحقائق ۲۹۲
○ (۶) التجرید ۲۹۲
○ (۷) تحفۃ الفقہاء ۲۹۲
○ (۸) تحفۃ الملوک ۲۹۲
○ (۹) تقریرات رافعی ۲۹۳
○ (۱۰) تنویر الابصار وجامع البحار ۲۹۳
○ (۱۱) الجامع الصغیر فی الفروع ۲۹۳
○ (۱۲) جامع الفتاوی ۲۹۳
○ (۱۳) الجامع الکبیر فی الفروع ۲۹۳
○ (۱۴) الجامع الوجیز (فتاوی بزازیہ) ۲۹۴
○ (۱۵) الجوہرۃ النیرۃ ۲۹۴
○ (۱۶) حاشیہ چلپی ۲۹۴
○ (۱۷) حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار ۲۹۴
○ (۱۸) حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح ۲۹۵
○ (۱۹) خزانۃ الفقہ ۲۹۵
○ (۲۰) خلاصۃ الفتاوی ۲۹۵
○ (۲۱) الدر المختار ۲۹۵
○ (۲۲) درر الحکام فی شرح غرر الاحکام ۲۹۶
○ (۲۳) الذخیرۃ ۲۹۶

○ (۲۴) ردالمحتار علی الدر المختار ۲۹۶
○ (۲۵) سکب الانہر ۲۹۶
○ (۲۶) السیر الصغیر ۲۹۷
○ (۲۷) السیر الکبیر ۲۹۷
○ (۲۸) شرح المجلۃ ۲۹۷
○ (۲۹) شرح الصغیری ۲۹۷
○ (۳۰) شرح منظومۃ بن وہبان ۲۹۷
○ (۳۱) شرح وقایہ ۲۹۸
○ (۳۲) شرح النقایہ ۲۹۸
○ (۳۳) عقود الدرایہ فی تنقیح الفتاوی الحامدیہ ۲۹۸
○ (۳۴) عمدۃ المفتی ۲۹۸
○ العنایہ ۲۹۸
○ (۳۵) غنية المستملي شرح منية المصلي ۲۹۹
○ (۳۶) فتح القدیر ۲۹۹
○ (۳۷) فتاوی ابی اللیث ۲۹۹
○ (۳۸) الفتاوی البقالی ۲۹۹
○ (۳۹) الفتاوی التاتارخانیہ ۲۹۹
○ (۴۰) فتاوی حسام الدین ۳۰۰
○ (۴۱) الفتاوی الخانیہ ۳۰۰
○ (۴۲) فتاوی الخجندي ۳۰۰

- (۴۳) فتاوی خواہرزادہ ۳۰۰
- (۴۴) الفتاوی السراجیہ ۳۰۱
- (۴۵) الفتاوی السغدی ۳۰۱
- (۴۶) الفتاوی الصیرفیہ ۳۰۱
- (۴۷) الفتاوی الظہیریۃ ۳۰۱
- (۴۸) الفتاوی العتابیہ ۳۰۱
- (۴۹) الفتاوی القاسمیہ ۳۰۲
- (۵۰) الفتاوی الولوالجیۃ ۳۰۲
- (۵۱) الفتاوی الہندیہ ۳۰۲
- (۵۲) فقہ البیوع ۳۰۲
- (۵۳) کتاب الحجۃ علی اہل المدینۃ ۳۰۳
- (۵۴) الکفایۃ ۳۰۳
- (۵۵) کنز الدقائق ۳۰۳
- (۵۶) المبسوط للسرخسي ۳۰۳
- (۵۷) مجمع الانہر ۳۰۳
- (۵۸) المحیط البرہانی ۳۰۴
- (۵۹) مختصر القدوری ۳۰۴
- (۶۰) مراقی الفلاح ۳۰۴
- (۶۱) ملتقی الابحر ۳۰۴
- (۶۲) الملتقط ۳۰۵
- (۶۳) منحۃ الخالق ۳۰۵
- (۶۴) النوازل ۳۰۵

○ (٦٥) النہرالفائق ۳۰۵
○ (٦٦) نورالایضاح ۳۰۵
○ (٦٧) ہدایہ ۳۰٦

❐	الفصل حادی عشر: چنداردوفتاوی کی نشاندہی	۳۰۷

○ (۱) فتاویٰ رشیدیہ ۳۰۷
○ (۲) باقیات فتاوی رشیدیہ ۳۰۷
○ (۳) امدادالفتاویٰ ۳۰۷
○ (۴) فتاوی عبدالحیؒ ۳۰۸
○ (۵) فتاوی احیاءالعلوم ۳۰۸
○ (٦) کفایت المفتی ۳۰۸
○ (۷) فتاوی خلیلیہ ۳۰۸
○ (۸) عزیزالفتاوی/ امدادالمفتین ۳۰۹
○ (۹) فتاوی دارالعلوم (جدید) ۳۰۹
○ (۱۰) فتاوی شیخ الاسلام ۳۰۹
○ (۱۱) امدادالاحکام ۳۱۰
○ (۱۲) جواہرالفقہ ۳۱۰
○ (۱۳) فتاوی محمودیہ ۳۱۰
○ (۱۴) منتخبات نظام الفتاویٰ ۳۱۱
○ (۱۵) فتاوی رحیمیہ ۳۱۱
○ (۱٦) احسن الفتاوی ۳۱۱
○ (۱۷) آپ کے مسائل اوران کاحل ۳۱۲

- (۱۸) فتاوی عثمانی ۳۱۲
- اسلام اور جدید معاشی مسائل ۳۱۲
- (۱۹) فتاویٰ حقانیہ ۳۱۲
- (۲۰) کتاب الفتاویٰ ۳۱۳
- (۲۱) قاموس الفقہ ۳۱۳
- (۲۲) کتاب المسائل ۳۱۳
- (۲۳) کتاب النوازل ۳۱۳
- (۲۴) محمود الفتاوی ۳۱۴
- فتاوی دینیہ ۳۱۴
- (۲۵) فتاوی ریاض العلوم گورینی ۳۱۴
- (۲۶) انوار رحمت ۳۱۴
- (۲۷) ایضاح النوادر ۳۱۵
- (۲۸) انوار مناسک ۳۱۵

الفصل الثاني عشر: چند اکابر دیوبند کا مختصر تعارف	۳۱۶

- (۱) حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوریؒ متوفی: ۱۲۹۷ھ ۳۱۶
- (۲) حضرت نانوتویؒ متوفی: ۱۲۹۷ھ ۳۱۷
- (۳) حضرت گنگوہیؒ متوفی: ۱۳۲۳ھ ۳۱۸
- (۴) مولانا یعقوب صاحب نانوتویؒ متوفی: ۱۳۰۲ھ ۳۱۸
- (۵) مولانا سید احمد دہلویؒ متوفی: ۱۳۱۱ھ ۳۱۸
- (۶) مولانا محمد علی مونگیریؒ متوفی: ۱۳۴۶ھ ۳۱۹
- (۷) حضرت مولانا احمد حسن محدث امروہویؒ متوفی: ۱۳۳۰ھ ۳۲۰

(۸) حضرت شیخ الہندؒ متوفی :۱۳۳۹ھ ۳۲۰
(۹) حضرت مولانا خلیل احمد انبھٹویؒ متوفی :۱۳۴۶ھ ۳۲۱
(۱۰) حضرت مولانا عبدالعلی میرٹھیؒ متوفی :۱۳۴۷ھ ۳۲۲
(۱۱) مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب عثمانیؒ متوفی :۱۳۴۷ھ ۳۲۲
(۱۲) حضرت مولانا منصور علی خان مرادآبادیؒ متوفی :۱۳۳۷ھ ۳۲۳
(۱۳) حضرت مولانا عبدالحق پرقاضویؒ متوفی :۱۳۴۲ھ ۳۲۴
(۱۴) حضرت مولانا محمد حسن مرادآبادیؒ متوفی :۱۳۶۴ھ ۳۲۴
(۱۵) حضرت مولانا محمود حسن سہسوانیؒ متوفی :۱۳۳۹ھ ۳۲۴
(۱۶) حضرت مولانا قاری عبدالرحمٰن امروہویؒ متوفی :۱۳۶۷ھ ۳۲۵
(۱۷) حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ متوفی :۱۳۶۲ھ ۳۲۵
(۱۸) حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ متوفی :۱۳۴۷ھ ۳۲۶
(۱۹) حضرت مولانا مرتضٰی حسن چاندپوریؒ متوفی :۱۳۷۱ھ ۳۲۷
(۲۰) مولانا عبیداللہ سندھیؒ متوفی :۱۳۶۳ھ ۳۲۷
(۲۱) مولانا حکیم اسحاق کھٹوریؒ متوفی :۱۳۷۴ھ ۳۲۸
(۲۲) علامہ انور شاہ کشمیریؒ متوفی :۱۳۵۲ھ ۳۲۸
(۲۳) حضرت مولانا امین الدین دہلویؒ متوفی :۱۳۳۸ھ ۳۲۹
(۲۴) حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلویؒ متوفی :۱۳۷۲ھ ۳۲۹
(۲۵) حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ متوفی :۱۳۷۷ھ ۳۳۰
(۲۶) حضرت مولانا سید احمد مدنیؒ متوفی :۱۳۵۸ھ ۳۳۱
(۲۷) حضرت میاں اصغر حسین دیوبندیؒ متوفی :۱۳۶۳ھ ۳۳۱
(۲۸) حضرت مولانا محمد میاں منصور انصاریؒ متوفی :۱۳۴۶ھ ۳۳۱

○ (۲۹) حضرت مولانا اعزاز علی امروہویؒ متوفی: ۱۳۷۴ھ ۳۳۲
○ (۳۰) حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدنیؒ متوفی: ۱۳۷۴ھ ۳۳۲
○ (۳۱) علامہ شبیر احمد صاحب عثمانیؒ متوفی: ۱۳۶۹ھ ۳۳۳
○ (۳۲) حضرت مولانا علامہ ابراہیم صاحب بلیاویؒ متوفی: ۱۳۸۷ھ ۳۳۴
○ (۳۳) حضرت جی مولانا الیاس صاحبؒ متوفی: ۱۳۶۳ھ ۳۳۴
○ (۳۴) حضرت مولانا سید فخر الدین احمد صاحبؒ متوفی: ۱۳۹۲ھ ۳۳۵
○ (۳۵) حضرت مولانا عبدالعلی صاحب لکھنویؒ متوفی: ۱۳۸۰ھ ۳۳۶
○ (۳۶) حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب کیمل پوریؒ متوفی: ۱۳۸۶ھ ... ۳۳۷
○ (۳۷) حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ متوفی: ۱۳۹۰ھ ۳۳۷
○ (۳۸) حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ متوفی: ۱۳۸۷ھ ۳۳۷
○ (۳۹) حضرت مولانا عزیز گل پشاوریؒ متوفی: ۱۴۱۰ھ ۳۳۸
○ (۴۰) حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ متوفی: ۱۴۰۲ھ ۳۳۸
○ (۴۱) حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندیؒ متوفی: ۱۳۹۶ھ ۳۳۹
○ (۴۲) حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ متوفی: ۱۴۰۲ھ ۳۴۰
○ (۴۳) حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ متوفی: ۱۳۹۴ھ ... ۳۴۰
○ (۴۴) حضرت مولانا بدر عالم میرٹھیؒ متوفی: ۱۳۸۵ھ ۳۴۱
○ (۴۵) حضرت مولانا مفتی مہدی حسن شاہ جہاں پوریؒ متوفی: ۱۳۹۶ھ .. ۳۴۱
○ (۴۶) حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ متوفی: ۱۴۱۷ھ ۳۴۲
○ (۴۷) حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحبؒ متوفی: ۱۴۲۰ھ ۳۴۳
○ (۴۸) حضرت مولانا معراج الحق صاحبؒ متوفی: ۱۴۱۲ھ ۳۴۳
○ (۴۹) حضرت مولانا شاہ مسیح اللہ خاں صاحبؒ متوفی: ۱۴۱۲ھ ۳۴۴
○ (۵۰) مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ متوفی: ۱۳۸۲ھ ۳۴۴

- (۵۱) حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ متوفی: ۱۳۹۷ھ ۳۴۵
- (۵۲) سید الملت حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب دیوبندیؒ متوفی: ۱۳۹۵ھ ۳۴۵
- (۵۳) حضرت مولانا محمد منظور نعمانی صاحبؒ متوفی: ۱۴۱۷ھ ۳۴۶
- (۵۴) حضرت مولانا عبدالجبار صاحبؒ متوفی: ۱۴۰۹ھ ۳۴۶
- (۵۵) حضرت جی مولانا یوسف صاحبؒ متوفی: ۱۳۸۴ھ ۳۴۷
- (۵۶) حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحبؒ متوفی: ۱۴۱۶ھ ۳۴۸
- (۵۷) حضرت مولانا عبیداللہ بلیاویؒ متوفی: ۱۴۰۹ھ ۳۴۹
- (۵۸) حضرت مولانا عمر صاحب پالنپوریؒ متوفی: ۱۴۱۸ھ ۳۴۹
- (۵۹) عارف باللہ حضرت مولانا قاری صدیق احمد صاحب باندویؒ متوفی: ۱۴۱۸ھ .. ۳۴۹
- (۶۰) حضرت شاہ ابرار الحق صاحب ہردوئیؒ متوفی: ۱۴۲۶ھ ۳۵۰
- (۶۱) فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ متوفی: ۱۴۲۷ھ ۳۵۰
- (۶۲) حضرت مولانا رشید الدین حمیدیؒ متوفی: ۱۴۲۲ھ ۳۵۱
- (۶۳) حضرت مولانا نصیر احمد خاں صاحبؒ متوفی: ۱۴۳۱ھ ۳۵۲
- (۶۴) حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ، متوفی: ۱۴۳۲ھ ۳۵۳

الفصل الثالث عشر: مدرسہ شاہی کا دارالافتاء	۳۵۴

- مدرسہ شاہی میں احقر کا تقرر ۳۵۵
- مفتی محمد سلمان صاحب منصور پوری کا تقرر ۳۵۸
- ’’فتاویٰ قاسمیہ‘‘ ۳۶۰

الفصل الرابع عشر: شکریہ کے مستحقین	۳۶۲

- آخری گزارش: ۳۶۶

۱/ کتاب الإیمان والعقائد

❑	۱/ باب ما یتعلق بالإیمان والإسلام	۳۶۷

۱ دین کے پانچ ارکان ۳۶۷
۲ اسلام کا بانی کون ہے؟........................ ۳۶۹
۳ کیا حالتِ نزع کا ایمان معتبر ہے؟ ۳۷۰
۴ اعمال کس طرح مقبول ہوں؟ ۳۷۱
۵ کلمۂ شہادت کے بعد ارکان خمسہ بھی لازم........................ ۳۷۲
۶ کیا موجودہ زمانہ میں کافروں کو دعوتِ اسلام دینا فرض ہے؟........................ ۳۷۳
۷ دین کہاں سے چلا اور کہاں آکر ختم ہوا؟ ۳۷۶
۸ اسلام میں کیفیت معتبر ہے یا کمیت؟ ۳۷۷

❑	۲/ باب ما یتعلق باللّٰہ تعالیٰ وصفاتہ	۳۷۹

۹ لفظ ''خدا'' کی تحقیق ۳۷۹
۱۰ ''اللہ فرماتے ہیں'' کہنے کا حکم ۳۸۰
۱۱ اللہ تعالیٰ کے لئے جمع کی ضمیر کا استعمال ۳۸۱
۱۲ اللہ رب العزت کے لئے واحد اور جمع دونوں صیغوں کا استعمال کرنا جائز ہے ۳۸۳
۱۳ اسماء الٰہی لفظ ''عبد'' کے بغیر بطور علم استعمال کرنا........................ ۳۸۳
۱۴ کیا دنیا میں اللہ کا دیدار ممکن ہے؟........................ ۳۸۵
۱۵ مؤمنین کو آخرت میں دیدارِ الٰہی نصیب ہوگا ۳۸۶
۱۶ ''اللہ تعالیٰ ہر جگہ حاضر وناظر ہے'' کا صحیح مطلب ۳۸۷

۱۷ اللہ رب العزت کو حاضر وناظر ماننا ۳۸۸
۱۸ اللہ تعالیٰ کے لئے حاظر وناظر کا عقیدہ رکھنا ۳۸۹
۱۹ چپل کی شول پر لفظ ''اللہ'' بلاقصد یا بالقصد لکھنے کا حکم ۳۹۰
۲۰ ''اللہ جھوٹ بول سکتا ہے'' (العیاذ باللہ) ۳۹۱
۲۱ بیگن کے ٹکڑے میں لفظ ''اللہ'' اور ''محمد'' سے متعلق ایک سوال ۳۹۳
۲۲ ''اللہ اکبر'' والے گھنٹہ کا استعمال ۳۹۵
۲۳ ''رام'' اور ''رحیم'' ملا کر کہنے کا حکم ۳۹۶

۳/ باب ما یتعلق بعلم الغیب ۳۹۷

۲۴ کیا علم غیب کے متعلق آیات متعارض ہیں؟ ۳۹۷
۲۵ علم غیب کی حقیقت ۴۰۰
۲۶ حضور ﷺ کو علم غیب حاصل تھا یا نہیں؟ ۴۰۲
۲۷ حضور ﷺ کے متعلق علم غیب کا عقیدہ رکھنا ۴۰۷
۲۸ کیا اللہ کے رسول ﷺ کو علم غیب عطا کیا گیا تھا؟ ۴۰۹
۲۹ کیا حضور ﷺ کو علم غیب تھا؟ ۴۱۰
۳۰ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب تھے؟ ۴۱۲
۳۱ نبی اکرم ﷺ کے لئے علم غیب ماننے اور علماء دیو بند کو کافر کہنے والے کا حکم ۴۱۳
۳۲ علم غیب کا عقیدہ رکھنے والے کے پیچھے نماز کا حکم ۴۱۷
۳۳ حضور ﷺ کے متعلق حاضر وناظر کا عقیدہ رکھنا ۴۱۹
۳۴ اولیاء اللہ کو صاحب عطا، حاضر وناظر اور مشکل کشاں گردانا ۴۲۱
۳۵ حضور ﷺ کا میلاد کی مجلس میں تشریف لانا ۴۲۳

۳٦ علم غیب ذاتی وعطائی کی حقیقت ۴۲۴
۳۷ بصیغۂ ندا صلوۃ وسلام پڑھنا ۴۲۸
۳۸ حضور ﷺ کو حاضر وناظر مان کر درود شریف پڑھنا........................ ۴۲۹
۳۹ حضور ﷺ کو ''امام الاکبر، اکرم الاکرمین'' کہنا اور علم غیب کا عقیدہ رکھنا ۴۳۱

□	٤ / باب الاستمداد بغير الله	۴۳۳

۴۰ دعا میں ''یارسول اللہ! کرم کر دیجئے خدا کے واسطے'' کہنا........................ ۴۳۳
۴۱ ''یارسول اللہ! میری پھوٹی قسمت سنبھال دیجئے'' کہنا ۴۳۴
۴۲ سلام کے بعد ''حق لا الہ الا اللہ، یاغوث! المدد'' پڑھنا........................ ۴۳۴
۴۳ ''یا شیخ عبدالقادر جیلانی شئ للہ'' کا وظیفہ پڑھنا ۴۳٦
۴۴ قبر والوں سے دعا کی درخواست کرنا........................ ۴۳۷
۴۵ ''بابا میری مدد کرو'' کہنا ۴۳۸
۴٦ ''یا مصطفیٰ کرم کیجئے خدا کے واسطے'' کہنے کا حکم ۴۳۹
۴۷ دفع مصائب کی غرض سے بکرا ذبح کرنا ۴۴۰
۴۸ وباء سے بچنے کے لئے کالی بکری ذبح کرنا ۴۴۲
۴۹ دفع مصائب کے لئے بکرا ذبح کرنا ۴۴۳
۵۰ شفایابی کے لئے بکرا ذبح کرنا ۴۴۴
۵۱ اجمیر سے لائے ہوئے دھاگے کو باعث شفا سمجھنا........................ ۴۴۵

□	٥/ باب ما يتعلق بالتوسل	۴۴٦

۵۲ اللہ سے براہ راست مانگیں یا وسیلہ سے؟ ۴۴٦
۵۳ زندگی میں آپ ﷺ کے وسیلہ سے دعا مانگنا........................ ۴۴۷

۵۴ آپ ﷺ کی وفات کے بعد آپ ﷺ کے وسیلہ سے دعا مانگنا ۴۴۸
۵۵ آپ ﷺ کی وفات کے بعد آپ ﷺ کے توسل سے دعا مانگنا ۴۵۰
۵۶ حضور ﷺ کے وسیلہ سے دعا مانگنے کا ثبوت ۴۵۱
۵۷ حضور ﷺ کے وسیلہ سے دعا مانگنا ۴۵۲
۵۸ نبی اکرم ﷺ یا بزرگوں کے وسیلہ سے دعا مانگنا ۴۵۳
۵۹ اولیاء اللہ کے وسیلہ سے دعا مانگنا ۴۵۴
۶۰ نبی، صحابی یا کسی بزرگ کے طفیل دعا و مناجات کرنا ۴۵۶
۶۱ اے اللہ! کرم فرما محمد کے واسطے یا رسول اللہ! کرم فرمایئے اللہ کے واسطے ۴۵۷
۶۲ صاحب قبر سے دعا کی درخواست کرنا کیسا ہے؟ ۴۶۰
۶۳ مزارات کا سفر اور اولیاء اللہ کے وسیلہ سے دعائیں مانگنا.............. ۴۶۲

□	٦/ باب ما يتعلق بالارتداد	۴۶۴

۶۴ کافر، مرتد، زندیق، منافق اور فاسق کسے کہتے ہیں؟ ۴۶۴
۶۵ ایک احتمال بھی مؤمن ہونے کا ہو تو تکفیر کا حکم ۴۶۷
۶۶ دل میں ایمانیات سے متعلق کلام کرنے سے کیا آدمی کافر ہو جائے گا؟ . ۴۶۸
۶۷ لاعلمی میں کلمہ کفر کہنے پر تجدید ایمان و نکاح لازم نہیں.............. ۴۷۰
۶۸ بلا ارادہ زبان سے الفاظ کفر صادر ہونے کا حکم ۴۷۱
۶۹ دل میں خیال آئے کہ نماز کوئی چیز نہیں تو کیا حکم ہے؟.............. ۴۷۴
۷۰ ذہن میں برے خیالات اور شیطانی وسوسہ آنا ۴۷۵
۷۱ کسی کو خدا کہنے کا شرعی حکم ۴۷۷
۷۲ اللہ تعالیٰ کی شان میں نازیبا الفاظ کہنا ۴۷۹
۷۳ اللہ کو پھر بھی چین نہیں آیا ۴۷۹

۷۴ ''خدا زنا کرسکتا ہے'' کہنا (العیاذ باللہ) ۴۸۰
۷۵ اللہ تعالیٰ کی شان میں بے ہودہ الفاظ کہنا ۴۸۱
۷۶ اللہ ورسول کی شان میں گستاخی کرنا ۴۸۳
۷۷ اللہ تعالیٰ کی شان میں بے ہودہ الفاظ کہنے کا حکم ۴۸۵
۷۸ اے اللہ! تو نے یہ کیسی اذیت بھیج دی؟ ۴۸۷
۷۹ خدا اور رسول کی توہین کرنے والے کا حکم ۴۸۸
۸۰ ''اللہ بھی آکر تمبا کو سے منع کرے تو بھی نہ چھوڑوں گا'' ۴۸۸
۸۱ ''کوئی خدا نہیں'' کہنے والے کا حکم ۴۸۹
۸۲ اذان کے ساتھ استہزاء واستخفاف کفر ہے ۴۹۱
۸۳ مالی پریشانی کی وجہ سے خدا اور رسول کو گالی دینا ۴۹۲
۸۴ ''تم کو بھی چھوڑ دیا اور خدا ورسول کو چھوڑ دیا'' کہنا ۴۹۳
۸۵ غصہ کی حالت میں ''میں کسی خدا اور رسول کو نہیں مانتا'' کہنے کا حکم ۴۹۵
۸۶ ''میری شادی اللہ کو منظور ہی نہیں تھی'' کہنے کا حکم ۴۹۶
۸۷ ''حضرت فاطمہؓ اللہ سے بڑی اور ان کی والدہ ہیں'' کہنے کا حکم ۴۹۸
۸۸ حسن وحسین کی تختی کے بارے میں اللہ رب العزت فیصلہ نہ کرسکا ۴۹۹
۸۹ جو میں ہوں وہ تو ہے اور میں تو شرک در شرک ہے ۵۰۰
۹۰ ''اللہ کے نور سے حضور اکرم ﷺ اور آپ کے نور سے سارا جہاں پیدا ہوا'' کہنا ۵۰۵
۹۱ تقدیر کا مضحکہ کفر ہے ۵۰۶
۹۲ علماء حق کی توہین اور ان کو منافق کہنا ۵۰۷
۹۳ ''مفتی سے جو چاہے لکھوا لو'' کہنے والے کا حکم ۵۰۹
۹۴ ''ہم بے شرع ہی رہیں گے اور ہم فتویٰ نہیں مانتے'' کہنا؟ ۵۱۰
۹۵ اکابر علماء دیو بند وندوۃ العلماء کو کافر کہنا ۵۱۱

۹۶	قرآن، رسول اللہ ﷺ، اذان اور علماء کی توہین کا حکم	۵۱۳
۹۷	بریلوی علماء کا اکابر دیوبند کو کافر کہنا	۵۱۵
۹۸	حضرت نانوتویؒ حضرت گنگوہیؒ وغیرہ کو- العیاذ باللہ- کافر کہنے والے کی نماز جنازہ ...	۵۱۶
۹۹	ہندی انگریزی نہ جاننے والے علماء کو پچھلے درجہ کا گنوار سمجھنا	۵۱۷
۱۰۰	کیا عورت کی ران پر تعویذ باندھنا موجب کفر ہے؟	۵۲۰
۱۰۱	’’قرآن اللہ کا کلام کیسے ہوسکتا ہے‘‘ کہنے والے کا حکم	۵۲۴
۱۰۲	قرآن شریف اٹھا کر پھینک دینا	۵۲۶
۱۰۳	قرآن شریف کو پھاڑنے اور ردی کہنے والے کا حکم	۵۲۸
۱۰۴	کسی شخص کا یہ کہنا کہ میں قرآن کو نہیں مانتا یہ کوئی چیز نہیں	۵۳۰
۱۰۵	تعلیم قرآن اور صحابہ سے بدظنی رکھنے والے کا حکم	۵۳۲
۱۰۶	مسجد میں بیٹھ کر دین کی باتوں کا مذاق اڑانا	۵۳۳
۱۰۷	بیوی کا مذاق میں کہنا کہ میں نماز نہیں پڑھوں گی	۵۳۵
۱۰۸	دو نمازوں کے منکر اور حدیث کو غیر معتبر سمجھنے والے شخص کا حکم	۵۳۶
۱۰۹	اہل قرآن اور صرف تین وقت کی نماز کے قائل کا حکم	۵۳۸
۱۱۰	بچہ سے پریشان ہوکر ’’ہم نماز نہیں پڑھیں گے‘‘ کہنے کا حکم	۵۳۹
۱۱۱	ضروریات دین کا انکار کفر ہے	۵۴۱
۱۱۲	شرعی تقسیم وراثت کو نہ ماننے والے کا حکم	۵۴۳
۱۱۳	مرنے کے بعد مٹی ہوجاؤ گے حساب کچھ نہیں اور میں قرآن کو نہیں مانتا ..	۵۴۵
۱۱۴	’’مجھے ایسے ثواب کی ضرورت نہیں‘‘ کہنے کا حکم	۵۴۶
۱۱۵	لکڑی کا گنبد خضرا بیت اللہ شریف کی شبیہ بنا کر اس کا طواف کرنا	۵۴۷
۱۱۶	سود کی حرمت کے منکر کا حکم	۵۵۰

۱۱۷ نماز پنجگانہ اور احادیث متواترہ کا منکر خارج از اسلام ۵۵۱

۱۱۸ کسی عالم کا ہندوستان کے مسلمانوں کو کافر کہنا ۵۵۳

۱۱۹ نمازیوں کی پیشانی کا داغ کیا شیطان کے پیشاب سے بنتا ہے؟ ۵۵۴

۱۲۰ سجدہ کے نشان کو کوڑھ کا نشان بتانا ۵۵۶

۱۲۱ کیا مرتد ہونے کی وجہ سے نکاح فسخ ہو جاتا ہے؟ ۵۵۷

۱۲۲ مرتد کی بیوی کا حکم ۵۶۰

۱۲۳ صاحب قبر کی قدم بوسی کا حکم ۵۶۱

۱۲۴ ''میں آپ کے سایہ میں جی رہا ہوں'' کہنے کا حکم ۵۶۲

۱۲۵ سجدہ تعظیمی اور دست وقدم بوسی کا حکم ۵۶۳

۱۲۶ قدم بوسی ودست بوسی کا شرعی حکم ۵۶۶

۱۲۷ کیا ارتداد کی وجہ سے نکاح ٹوٹ جاتا ہے؟ ۵۶۷

۱۲۸ کیا اس وقت منافقین ہیں؟ ۵۶۹

۱۲۹ ہندوستان میں ہندوؤں کو کافر کے بجائے غیر مسلم کہنا ۵۶۹

۱۳۰ ''میں ہندو ہو جاؤں گا'' کہنا کفر ہے ۵۷۰

۱۳۱ کفریہ گانہ لکھنے اور سننے کا حکم ۵۷۲

۱۳۲ ہندو سنتھال کے ساتھ بھاگنے والی لڑکی کا حکم ۵۷۳

۱۳۳ مسلم رسم رواج کے مطابق گڈے گڑیا کی شادی کرنا ۵۷۳

۱۳۴ قسم کے لئے ''میں تو مندر جاتا ہوں'' کہنے کا حکم ۵۷۵

۱۳۵ شادی کے موقع پر دیوتاؤں کی پوجا کرنا ۵۷۶

۱۳۶ مسلم نیتاؤں کا مالا پرشاد چڑھانا ۵۷۷

۱۳۷ ہندوؤں کی پوجا پاٹ میں شرکت کرنا موجب کفر ہے ۵۷۸

۱۳۸ بتوں کی پوجا، سادھوؤں کی خدمت اور مندر میں روپے پیسے دینا ۵۷۹

۱۳۹ پنڈتوں سے ٹونا ٹوٹکا کرانے والی عورت کا حکم ۵۸۰

❐ ۷/ باب ما یتعلق بالقدر و القضاء ۵۸۲

۱۴۰ مسئلہ تقدیر کی حقیقت ۵۸۲
۱۴۱ اللہ کی مرضی کے بغیر کچھ نہ ہونے کا مطلب ۵۸۳
۱۴۲ ہر کام خدا کی مشیت سے ہوتا ہے ۵۸۴
۱۴۳ تقدیرِ مبرم اور تقدیرِ معلق کی تعریف ۵۸۶
۱۴۴ دعاؤں کے ذریعہ کون سی تقدیر بدل جاتی ہے؟ ۵۸۷
۱۴۵ عمل کا ذمہ دار بندہ ہے روزی تقدیر سے ملتی ہے ۵۸۹
۱۴۶ اشیاء کی طرف نفع ونقصان کی نسبت کرنا ۵۸۹
۱۴۷ کیا زوجین کا رشتہ عالم ارواح میں ہی طے ہوجاتا ہے؟ ۵۹۱
۱۴۸ تقدیر کے خلاف غیر دانستہ طور پر کوئی بات نکالنا ۵۹۲
۱۴۹ کیا سفلی عمل کے ذریعہ سے کاروبار بند ہوجاتا ہے؟ ۵۹۳
۱۵۰ پیر پڑنے اور پیر سڑ جانے کا عقیدہ ۵۹۴
۱۵۱ ماہِ شعبان میں شادی کرنا کیسا ہے؟ ۵۹۵
۱۵۲ ماہِ صفر کے آخری بدھ کو بلائیں اترنے کی حقیقت ۵۹۶
۱۵۳ اپنی نماز جنازہ خود پڑھانے کا عدم ثبوت ۵۹۸
۱۵۴ لفظ ''اتفاق'' کا استعمال کرنا کیسا ہے؟ ۵۹۹

❐ ۸/ باب ما یتعلق بالأرواح والقبور ۶۰۱

۱۵۵ رحم کی دعا کرنے سے موت کا حکم ۶۰۱
۱۵۶ نیک بندوں کو موت کی شدت کا احساس ۶۰۲

١٥٧ روح اور جان میں فرق ٦٠٤
١٥٨ روح کی حقیقت اور جسم کے ساتھ اس کا تعلق ٦٠٦
١٥٩ جنین میں روح چار ماہ میں ڈالی جاتی ہے ٦٠٧
١٦٠ علیین اور سجین میں روحیں کس حالت میں رہتی ہیں؟ ٦٠٨
١٦١ کیا عالم دنیا کا انسان عالم برزخ کے عذاب کا مشاہدہ کرسکتا ہے؟ ٦٠٩
١٦٢ مرنے کے بعد کیا مؤمنین کی روحیں ایک دوسرے سے ملتی ہیں؟ ٦١٠
١٦٣ قبر میں کیا انبیاء سے بھی سوال ہوتا ہے؟ ٦١١
١٦٤ میت کو قبر میں فرشتے کس جسم سے کس طرح بیٹھاتے ہیں؟ ٦١٢
١٦٥ جب نبی ﷺ نے پوری امت کی مغفرت کروالی تو جہنم وعذاب قبر کے کیا معنی؟ .. ٦١٤
١٦٦ کیا رمضان المبارک یا جمعہ کے دن مرنے والے کافر سے عذاب اٹھادیا جاتا ہے؟ ... ٦١٧
١٦٧ کیا ماہ رمضان میں مرنے والے سے قبر میں سوال و جواب ہوگا؟ ٦١٩
١٦٨ عذاب جسم کو ہوتا ہے یا روح کو؟ ٦٢٠
١٦٩ قبر میں عذاب وراحت کا تعلق برزخی جسم سے ہوگا ٦٢٢
١٧٠ بزرگ کا قبر میں چندہ دہندگان کے لئے دعا کرنا ٦٢٤
١٧١ ایک عہدنامہ کا حکم ٦٢٥
١٧٢ اہل قبور کا زندوں کے لئے دعائیں مانگنا ٦٢٧

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست مضامین

۱/ بقية كتاب الإيمان والعقائد

❐	۹/ باب ما يتعلق بالحشر والنشر	۲۸

مسئلہ نمبر / صفحہ نمبر

۱۷۳ کیا محرم کے دن قیامت قائم ہوگی؟ ۲۸
۱۷۴ قیامت کے دن سورج کتنا قریب ہوگا؟ ۲۹
۱۷۵ میزان عدل پہلے قائم ہوگی یا پل صراط؟ ۳۱
۱۷۶ پل صراط کا راستہ کتنے برس کا ہے؟ ۳۳
۱۷۷ کیا جمعرات کو امت کے اعمال پیش ہوتے ہیں؟ ۳۴
۱۷۸ قیامت میں ماں کی طرف نسبت کر کے پکارا جائے گا؟ ۳۶
۱۷۹ قیامت کے دن والد کی طرف منسوب کر کے پکارا جائے گا ۳۷
۱۸۰ کیا بلا عقیقہ فوت ہونے والا بچہ سفارشی ہوگا؟ ۳۸
۱۸۱ بلا عقیقہ فوت ہونے والی اولاد بھی سفارشی ہوگی ۳۹
۱۸۲ روزِ محشر میں قرض کی ادائے گی کی کیفیت ۴۱
۱۸۳ قاتل اور حق تلفی کرنے والے کی توبہ قبول ہوتی ہے یا نہیں؟ ۴۲

❐	۱۰/ باب ما يتعلق بالجنة والجهنم	۴۴

۱۸۴ جنت کہاں ہے؟ ۴۴

۱۸۵ جنت میں جانے والی سب سے پہلی خاتون ۴۴
۱۸۶ ایک جنتی کو کتنی حوریں ملیں گی ۴۶
۱۸۷ کیا انسان جنت میں چالیس سال تک متواتر صحبت کرتا رہے گا؟..... ۴۷
۱۸۸ جنت میں حور و بیوی سے ہمبستری و منی مذی کا حکم ۴۸
۱۸۹ کیا جنت میں توالد و تناسل ہوگا اور ایک جنتی مرد کو کتنے مردوں کی طاقت دی جائے گی؟ ۵۰
۱۹۰ مطلقہ اور کنواری لڑکی جنت میں کس کے ساتھ رہے گی؟ ۵۲
۱۹۱ کیا مؤمنین کو جہنم میں عذاب نہیں ہوگا؟ ۵۳
۱۹۲ کیا جہنمیوں کا لباس کالا ہوگا؟ ۵۴
۱۹۳ نابالغی میں وفات پانے والی اولاد والدین کی سفارشی ہوگی ۵۶
۱۹۴ اولادِ مشرکین کا حکم ۵۷
۱۹۵ غیر مسلموں کے بچے جنت میں جائیں گے یا جہنم میں؟ ۵۸
۱۹۶ غیر مسلم کے نابالغ بچے جنتی ہیں یا جہنمی؟ ۵۹
۱۹۷ مرتے وقت کلمہ نصیب نہ ہونے والا شخص جنتی ہے یا جہنمی؟ ۶۱

۱۱/ باب ما یتعلق بالملائکة و الجن ۶۳

۱۹۸ حضرت جبرئیل، میکائل، اسرافیل اور عزرائیل علیہم السلام کے نام.... ۶۳
۱۹۹ کس آسمان پر کس فرشتے کی ڈیوٹی ہے؟ ۶۵
۲۰۰ ملک الموت کی روح کون قبض کرے گا؟ ۶۶
۲۰۱ کیا حضور ﷺ کی وفات کے بعد حضرت جبرئیل دنیا میں تشریف لائے ہیں؟ ۶۶
۲۰۲ کیا کسی بزرگ کو خواب میں حضرت جبرئیل کا پانی پلانا صحیح ہے؟ ۶۷
۲۰۳ کیا حضرت جبرئیل کا کسی مریض کو پانی پلانا ممکن ہے؟ ۶۹

۲۰۴ کیا کسی ولی یا بزرگ کے پاس حضرت جبرئیل آسکتے ہیں؟ ۶۹
۲۰۵ جناتوں کا انسانوں پر سوار ہونا ۷۱
۲۰۶ بزرگانِ دین کا انتقال کے بعد لوگوں پر سوار ہونا ۷۴
۲۰۷ جنات وشیاطین میں فرق ۷۶
۲۰۸ جنات میدانِ حشر میں کس شکل میں ہوں گے؟ ۷۸
۲۰۹ ہمزاد کیا ہے؟ ۷۸
۲۱۰ جنات وشیاطین میں فرماں برداری اور نافرمانی کا مادہ ۷۹
۲۱۱ جنات کی صحبت سے حمل قرار پانے کے متعلق چند سوالات ۸۱
۲۱۲ چاند، سورج گھومتے ہیں یا زمین گھومتی ہے؟ ۸۴
۲۱۳ فلک اطلس، فلک ثابتہ ۸۵
۲۱۴ خانہ کعبہ کا رابعہ بصری کی تعظیم میں اٹھ کر ان کے پاس آنا ۸۶

۸۷	۱۲/ باب ما یتعلق بالأنبیاء	❑

۲۱۵ کیا حضور ﷺ حضرت آدم علیہم السلام کی خلقت سے قبل نبی تھے؟ ۸۷
۲۱۶ حضور ﷺ کے متعلق اہل دیوبند کا عقیدہ ۸۸
۲۱۷ کیا حضور ﷺ اللہ تعالیٰ کے مجبورِ محض اور محتاج بندے ہیں؟ ۹۰
۲۱۸ امہات المؤمنین تمام مؤمنین کی مائیں اور حضور ﷺ روحانی باپ ہیں. ۹۱
۲۱۹ حضور ﷺ کو اپنا بڑا بھائی ماننا ۹۲
۲۲۰ امتی کا آپ ﷺ کو ’’بھائی‘‘ کہنا ۹۳
۲۲۱ حضور ﷺ کا نکاح کس نے پڑھایا؟ ۹۴
۲۲۲ آپ ﷺ کا ختنہ ہوا تھا یا نہیں؟ ۹۶
۲۲۳ وفات کے بعد حضور ﷺ کو کس طرح غسل دیا گیا؟ ۹۷

۲۲۴	حضور پاک ﷺ کی نمازِ جنازہ میں کیا پڑھا گیا؟	۹۸
۲۲۵	آپ ﷺ کی نماز جنازہ کس طرح ادا کی گئی؟	۱۰۰
۲۲۶	کیا کفار بھی حضور ﷺ کی امت ہیں؟	۱۰۱
۲۲۷	شبِ معراج میں اقتداء کرنے والے انبیاء علیہم السلام کی تعداد	۱۰۲
۲۲۸	حضرت مریم وآسیہ علیہما السلام کی حضور ﷺ سے جنت میں شادی	۱۰۳
۲۲۹	جنت میں حضور اکرم ﷺ سے حضرت مریم وغیرہ کا نکاح	۱۰۴
۲۳۰	پیر کو ''سید الکونین'' کہنا	۱۰۶
۲۳۱	معجزۂ شق القمر کیسے ہوا؟	۱۰۷
۲۳۲	مکرم، معظم، قبلہ وکعبہ، حضور پرنور اور مختار کل وغیرہ تعظیماً لکھنا	۱۰۸
۲۳۳	کیا حضور ﷺ کی عمر کے ۲۷؍سال معراج میں گذرے ہیں؟	۱۰۸
۲۳۴	کیا انبیاء علیہم السلام وارث ہوتے ہیں؟	۱۰۹
۲۳۵	کیا حضور ﷺ پر زکوۃ فرض نہیں تھی؟	۱۱۱
۲۳۶	کیا حضور ﷺ پر مہر دینا واجب تھا؟	۱۱۳
۲۳۷	کیا حضور ﷺ پر عورتوں سے پردہ فرض تھا؟	۱۱۹
۲۳۸	حضور ﷺ کے معجزات سے متعلق چند سوال وجواب	۱۲۰
۲۳۹	عبد اللہ طارق کے چند اعتراضات کے جوابات	۱۲۲
۲۴۰	حضور ﷺ کے پیشاب، خون اور دیگر فضلات کا حکم	۱۲۷
۲۴۱	کیا حضور ﷺ کا خون اور فضلات پاک تھے؟	۱۲۹
۲۴۲	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ	۱۳۰
۲۴۳	سایۂ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت	۱۳۱

۲۴۴ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ تھا؟ ۱۳۱
۲۴۵ کیا حضور ﷺ کا سایہ تھا؟ ۱۳۲
۲۴۶ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ تھا یا نہیں؟ ۱۳۴
۲۴۷ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے نور ہیں ۱۳۵
۲۴۸ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سراپا نور ہیں؟ ۱۳۷
۲۴۹ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نور ہیں؟ ۱۳۸
۲۵۰ حضور ﷺ کا مرض الموت میں دو روز قبل اپنی وفات کی خبر دینا ۱۴۲
۲۵۱ نبی مر گئے، امت یتیم ہوگئی سے حیات قبر کا انکار ثابت نہیں ہوتا ۱۴۳
۲۵۲ کیا حضور پاک ﷺ مٹی میں مل گئے ہیں- العیاذ باللہ- ۱۴۵
۲۵۳ حضور ﷺ کا پردہ فرمانے کے بعد دنیا میں کسی سے ملاقات کے لئے آنا ۱۴۶
۲۵۴ کیا حضور اکرم ﷺ کے والدین مؤمن تھے؟ ۱۴۷
۲۵۵ حضور ﷺ کی خدمت میں سلام بھیجنا اور مدینہ بلوانے کی درخواست کروانا ۱۴۹
۲۵۶ حضور ﷺ کی خدمت میں سلام بھیجنا اور حاجت براری کے لئے دعا کرانا ۱۵۰
۲۵۷ اجتماعی طور پر ”یا نبی سلام علیک“ پڑھنے کی شرعی حیثیت ۱۵۱
۲۵۸ روضۂ اقدس پر ہلکی آواز سے درود پڑھنا ۱۵۳
۲۵۹ بارگاہ رسالت میں درود وسلام کے علاوہ دوسری دعائیں کرنا ۱۵۴
۲۶۰ روضۂ اقدس پر بذریعۂ فون سلام پیش کرنا ۱۵۵
۲۶۱ دوران صلاۃ حضور ﷺ کا خیال آنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی ۱۵۷
۲۶۲ نماز میں حضور ﷺ کا خیال آنا مفسد صلاۃ نہیں؟ ۱۵۸
۲۶۳ کیا حضرت تھانویؒ نے نماز میں حضور ﷺ کے خیال آنے کو مفسد صلوۃ لکھا ہے؟ ۱۵۹

۲۶۴	نماز میں حضور ﷺ کے خیال آنے کی شرعی حیثیت................	۱۶۰
۲۶۵	نماز میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال آنا	۱۶۲
۲۶۶	نبی ﷺ کی ذات مبارک سے متعلق چند سوالات کے جوابات	۱۶۳
۲۶۷	حضرت آدم وحوا علیہما السلام سے توالد وتناسل کے جاری ہونے والے سلسلہ کی حقیقت	۱۶۵
۲۶۸	حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام کے نبی ہونے کی دلیل	۱۶۷
۲۶۹	حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ختنہ کی حقیقت	۱۶۹
۲۷۰	کیا شاہد یوسف نے شیر خوارگی کی حالت میں گواہی دی؟............	۱۷۰
۲۷۱	جناتوں کے نبی جن ہوتے تھے یا انسان؟..........................	۱۷۲
۲۷۲	کیا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت عزرائیل علیہ السلام کی آنکھ پھوڑ دی تھی؟	۱۷۴
۲۷۳	کیا حضرت خضر علیہ السلام زندہ ہیں؟...........................	۱۷۵
۲۷۴	حضرت ایوب علیہ السلام کے جسم میں کیڑے نہ پڑنے سے متعلق تحقیقی فتویٰ	۱۷۷
۲۷۵	کیا حضرت زلیخا زانیہ تھیں؟ -العیاذ باللہ-..........................	۱۷۸
۲۷۶	حضرت داؤد علیہ السلام کی امت کو کیا کہتے ہیں؟.....................	۱۸۰
۲۷۷	فرعون کے ماتحت لوگوں کو امت کہنا	۱۸۱
۲۷۸	شداد کے زمانہ کے نبی کا نام اور شداد کی بنائی ہوئی جنت کا مقام	۱۸۲
۲۷۹	کیا بھلائی کی طرف بلانے والے کو نبی یا ولی کہا جا سکتا ہے؟.........	۱۸۳
۲۸۰	کیا عورت نبی ورسول ہو سکتی ہے؟................................	۱۸۴
۲۸۱	مہاتما گاندھی کو نبی کہنا	۱۸۶
۲۸۲	گوتم بدھ کو نبی کہنا	۱۸۷

۲۸۳ ہندوؤں کے ’’وید‘‘ آسمانی کتاب ہیں یا نہیں؟ ۱۸۸
۲۸۴ رام جی اور کرشن رسول ہیں یا نہیں؟ ۱۸۹
۲۸۵ کیا ہندوؤں کو اہل کتاب کہا جا سکتا ہے؟ ۱۹۰
۲۸۶ کیا رام چندر جی، لچھمن وغیرہ نبی ہیں؟ ۱۹۱
۲۸۷ ہولی کے موقع پر تعطیل اور رام کرشنا کا حکم ۱۹۳

❑	۱۳/ باب ما يتعلق بالصحابة	۱۹۵

۲۸۸ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین معیار حق ہیں؟ ۱۹۵
۲۸۹ حضور ﷺ کے بعد سب سے افضل کون ہیں؟ ۱۹۶
۲۹۰ کیا صحابہ حضور ﷺ کے بھائی نہیں ہیں؟ ۲۰۰
۲۹۱ کیا حضور ﷺ نے اصحاب صفہ کو تعلیم دی ہے اور حضرت انس خادم رسول ہیں ۲۰۲
۲۹۲ صحابہ کرامؓ کی تخصیص اور ان کی شانِ مبارک میں گستاخیاں ۲۰۵
۲۹۳ حضرت نعمان بن بشیرؓ کی کوئی نافرمان اولاد تھی؟ نیز نافرمان اولاد کو محروم کرنا ۲۰۶
۲۹۴ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا دیونی کے ساتھ کشتی لڑنا ۲۰۸
۲۹۵ کیا حضرت ابوشحمہ رضی اللہ عنہ کو حد زنا لگائی گئی؟ ۲۰۹
۲۹۶ حضرت ابوشحمہؓ کا شراب پی کر بدکاری کرنے کے واقعہ کی تحقیق ۲۱۱
۲۹۷ حضرت ابوشحمہؓ کے زنا کے واقعہ کی تحقیق ۲۱۳
۲۹۸ کیا حضرت ابوشحمہؓ نے شراب پی تھی؟ ۲۱۶
۲۹۹ کیا حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ کو وصیت لکھوانے سے روکا تھا؟ ۲۱۸
۳۰۰ لکھنؤ کا مدح صحابہ کا جلوس ۲۱۹

۳۰۱　امام اہل سنت ہال میں مدحِ صحابہ کی محفل کا انعقاد ۲۲۰
۳۰۲　جلوسِ محمدی و مدحِ صحابہ کا حکم ۲۲۱
جواب منجانب دارالافتاء وقف دارالعلوم دیوبند ۲۲۴
دارالافتاء مدرسہ شاہی کا جواب ۲۲۴
۳۰۳　جلوسِ مداح صحابہ کا حکم ۲۲۶
۳۰۴　صحابہؓ پر زنا بالجبر اور ڈکیتی کا الزام لگانا- العیاذ باللہ- ۲۳۰
۳۰۵　کیا شیخینؓ کے ہاتھ پر بیعت نہ کرنے والے صحابہ غلطی پر تھے؟ ۲۳۳
۳۰۶　کیا حضرت عمارؓ کو قتل کرنے والا گروہ معیار حق نہیں؟ ۲۳۶
۳۰۷　حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر اشکال کا جواب ۲۳۹
۳۰۸　حضرت معاویہؓ کی امارت پر اشکال کا جواب ۲۴۱
۳۰۹　ولی کو ''رضی اللہ عنہ'' کہنا ۲۴۳
۳۱۰　کیا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا مہر نقد تھا؟ ۲۴۴
۳۱۱　کیا حلیمہ سعدیہ مشرف بہ اسلام ہوئی تھیں؟ ۲۴۶
۳۱۲　ابو طالب کے ایمان کے بارے میں علماء امت کا مسلک ۲۴۷
۳۱۳　کیا حضرت فاطمہؓ، حضرت ابو بکرؓ سے ناراض تھیں؟ ۲۴۸

❐ ١٤ / باب ما يتعلق بالتقليد　۲۵۳

۳۱۴　اہل سنت والجماعت ۲۵۳
۳۱۵　فرقۂ ناجیہ ۲۵۵
۳۱۶　اہل سنت والجماعت کے عقائد کی کتابیں ۲۵۶

۳۱۷	ائمۂ اربعہ حق پر ہیں؟	۲۵۷
۳۱۸	ائمۂ اربعہ میں سے کسی ایک کی اقتداء کی شرعی حیثیت	۲۵۹
۳۱۹	کیا چاروں اماموں پر ایمان لانا ضروری ہے؟	۲۶۲
۳۲۰	ائمہ اربعہ کی تقلید	۲۶۴
۳۲۱	ایک امام کی تقلید لازم کیوں؟	۲۶۵
۳۲۲	تقلید شخصی واجب ہے؟	۲۶۶
۳۲۳	کیا حنفی حدیث پر فقہ کو ترجیح دیتے ہیں؟	۲۶۸
۳۲۴	ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھنا کس مسلک میں جائز ہے؟	۲۶۹
۳۲۵	اختلافی مسائل میں جس پر چاہے عمل کرنا کیسا ہے؟	۲۷۰
۳۲۶	سہولت کے پیش نظر چاروں مسلک پر عمل کرنا	۲۷۱
۳۲۷	عارضی طور پر مذہب بدلنا	۲۷۲
۳۲۸	محض پیسوں کی خاطر تبدیلیٔ مسلک کا حکم	۲۷۳
۳۲۹	غیر مقلدین کا حنفیوں کو صحاح ستہ کا دشمن بتانا	۲۷۴
۳۳۰	غیر مقلدین کے حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ پر ایک اعتراض کا جواب	۲۷۶
۳۳۱	غیر مقلدین کا فرقہ اہل سنت والجماعت میں ہے یا نہیں؟	۲۷۹
۳۳۲	غیر مقلدین کی طرف سے حنفیوں کے لئے چیلنج	۲۸۰

۱۵ / باب الفرق الضالة ۲۸۲

۳۳۳	بریلوی، غیر مقلدین، جماعت اسلامی	۲۸۲
۳۳۴	''ایمان کمزور ہو گئے ذمہ دار کون؟'' نامی کتاب کی چند گمراہ کن باتوں کا جواب	۲۸۳
۳۳۵	''مجلس اشاعت التوحید والسنہ''	۲۸۶

جواب منجانب دارالافتاءدارالعلوم دیوبند ۲۸۹
جواب منجانب: دارالافتاء جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد ۲۹۰
۳۳۶ پرویزی عقائدرکھنے والے کاحکم ۲۹۰
۳۳۷ فرقۂ وارثی ۲۹۲
۳۳۸ فرقۂ مہدویہ کاحکم ۲۹۳

۲۹۴	۱۶/ باب في الشيعية	❑

۳۳۹ شیعہ کافر ہیں یانہیں؟ ۲۹۴
۳۴۰ فرقہ اثنا عشریہ سے متعلق چندسوالات کے جوابات ۲۹۵
۳۴۱ شیعہ کافر ہیں؟.................................... ۲۹۸
۳۴۲ کیاشیعہ اثنا عشریہ کافر ہیں؟ اوران کے ذبیحہ کاحکم ۲۹۹
۳۴۳ شیعہ کے بارہ اماموں کے اسماء ۳۰۰
۳۴۴ بارہ خلفاء کے مصداق.............................. ۳۰۱
۳۴۵ شیعہ کاذبیحہ، نمازِ جنازہ اوران کے یہاں شادی کرنے کاحکم.......... ۳۰۳
۳۴۶ شیعہ روافض کے ساتھ کھانا پینا اوران کے اموال مساجد وغیرہ میں صرف کرنا ۳۰۴
۳۴۷ شیعوں کے مکان پرقرآن خوانی میں شرکت اورشیرینی کھانا ۳۰۶
۳۴۸ تعزیہ بنانے والے کاشریعت میں کیاحکم ہے؟ ۳۰۷

۳۰۹	۱۷/ باب في القادياني	❑

۳۴۹ مسلمان کے لئے قادیانیوں سے میل جول رکھنااوران کی تقریبات میں شرکت کرنا کیسا ہے؟ ۳۰۹
۳۵۰ مؤمنہ عورت کے لئے قادیانی شوہر کے پاس رہنا جائز نہیں ہے ۳۱۰
۳۵۱ مرزاغلام احمد قادیانی ختم نبوت، معراج جسمانی کامنکر ہے؟ ۳۱۰

❑	۱۸/ باب في البريلوية	۳۱۳

۳۵۲ بریلوی فرقہ کی ابتداء کب ہوئی؟ ۳۱۳
۳۵۳ ایک بریلوی طالب علم کے نازیبا جملے کا جواب ۳۱۴
۳۵۴ دیوبندیوں اور بریلویوں کے عقائد میں کیا کیا فرق ہیں؟ ۳۱۶

❑	۱۹/ باب في المودودية وغيرها	۳۲۰

۳۵۵ کیا جماعتِ اسلامی اہل سنت والجماعت میں سے ہیں؟ ۳۲۰
۳۵۶ مودودی مسلک کی حقیقت ۳۲۰
۳۵۷ کیا جماعتِ اسلامی راہ راست پر ہیں؟ ۳۲۲
۳۵۸ مودودی صاحب اوران کی جماعت کا حکم ۳۲۴
۳۵۹ جماعتِ اسلامی ۳۲۵
۳۶۰ ابوالاعلیٰ مودودی کی کتابیں پڑھنا ۳۲۸
۳۶۱ جماعتِ اسلامی اوراس سے تعلق رکھنے والے کا حکم ۳۲۸
۳۶۲ جماعتِ اسلامی اور ڈاکٹر اسرار پاکستانی کی تحریک کا شرعی حکم ۳۳۰

❑	۲۰/ باب مايتعلق بأهل الكتاب	۳۳۳

۳۶۳ کیا شریعت عیسوی میں خنزیر حلال تھا؟ ۳۳۳
۳۶۴ کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں خنزیر حلال تھا؟ ۳۳۴
۳۶۵ اہل کتاب سے نکاح اوران کے ذبیحہ کا حکم ۳۳۵
۳۶۶ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے امتیوں کی تعداد اوران کی شریعت میں خنزیر کا حکم ۳۳۷
۳۶۷ کیا دور حاضر کے انگریز اہل کتاب ہیں؟ ۳۳۹

۲/ کتاب التاریخ والسیر

۱/باب مایتعلق بالأنبیاء وأتباعهم ۳۴۱

۳۶۸ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کس دن ہوئی؟ ۳۴۱
۳۶۹ سید الکونین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تاریخ ولادت ۳۴۲
۳۷۰ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام قاسم رزق اللہ بھی تھا؟ ۳۴۳
۳۷۱ کتنی عورتوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دودھ پلایا ہے؟ ۳۴۴
۳۷۲ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ووفات کس مہینے میں ہوئی؟ ۳۴۶
۳۷۳ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم الرسل ہونے کی دلیل ۳۴۷
۳۷۴ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مرض الوفات میں تکلیف ہوئی تھی؟ ۳۴۸
۳۷۵ آپ ﷺ کے اجداد کے عرب مستعربہ میں سے ہونے کی تحقیق ۳۴۹
۳۷۶ بنائے کعبہ کے وقت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بے ہوش ہونا ۳۵۰
۳۷۷ شعبِ معراج سے قبل حضور کونسی نماز پڑھتے تھے؟ ۳۵۱
۳۷۸ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ماہ کے معمولات ۳۵۲
۳۷۹ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنے حج کیے؟ ۳۵۳
۳۸۰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اطہر پر مکھی بیٹھتی تھی یا نہیں؟ ۳۵۴
۳۸۱ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جمائی یا چھینک آتی تھی؟ ۳۵۵
۳۸۲ وہ کو لوگ ہیں جنہیں کبھی احتلام نہیں ہوتا ۳۵۷
۳۸۳ سرورِ کائنات کے دندانِ مبارک کون سی جنگ میں شہید ہوئے؟ ۳۵۸

۳۸۴	نبی اکرم کو زہر دینے والی اور اصحابِ کہف سے متعلق سوال............	۳۵۹
۳۸۵	حضور کے راستہ میں ام جمیل عوراء بنت حرب کا کانٹا ڈالنا.................	۳۶۰
۳۸۶	حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیسے ہوا جبکہ آپ مکہ میں ہی تھیں؟	۳۶۲
۳۸۷	عہد نبوی کے جھنڈے کی کیفیت	۳۶۳
۳۸۸	گنبد خضریٰ کی جالی پر لگے نشان کی حقیقت............................	۳۶۵
۳۸۹	کتنے غزوات میں اقدام کی نوبت آئی؟..................................	۳۶۶
۳۹۰	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کتنے صاحبزادے تھے؟.........................	۳۶۶
۳۹۱	حضرت آدم علیہ السلام نے کس درخت کا دانہ کھایا تھا؟..................	۳۶۸
۳۹۲	حضرت آدم کی توبہ کہاں کتنی مدت کے بعد قبول ہوئی؟..................	۳۶۹
۳۹۳	حضرت اسماعیل کی قربانی کے موقعہ پر مذبوح دنبہ کے گوشت کا کیا گیا تھا؟	۳۷۰
۳۹۴	حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دنبہ کی قربانی کا گوشت کیا ہوا؟............	۳۷۱
۳۹۵	حضرت ایوب علیہ السلام کا مرض کیا تھا؟................................	۳۷۲
۳۹۶	حضرت داؤد علیہ السلام کی قوم کا نام....................................	۳۷۳
۳۹۷	عزیز مصر کی بیوی زلیخا کے نام سے کیسے مشہور ہوگئی؟.....................	۳۷۴
۳۹۸	حضرت آمنہ، حضرت مریم، حضرت فاطمہ کو حیض ونفاس آتا تھا یا نہیں؟	۳۷۵
۳۹۹	حضرت ہاجرہ وسارہ کے والدین کا نام....................................	۳۷۶
۴۰۰	حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کن کن صحابہ کی نماز جنازہ نہیں پڑھائی؟......	۳۷۷
❑	۲/باب ما يتعلق بالصحابة وغيرهم	۳۷۹
۴۰۱	حضرات شیخین کی قبریں روضۂ اقدس میں کس رخ پر ہیں؟............	۳۷۹

۴۰۲ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات کا سبب اور آپ کی نماز جنازہ پڑھانے والے صحابی رسول ۳۸۰
۴۰۳ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو نیزہ مارنے والا شخص کون تھا؟ ۳۸۱
۴۰۴ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو کس نے شہید کیا؟ ۳۸۲
۴۰۵ حضرت عاتکہؓ نے حضرت عمرؓ سے کب نکاح کیا؟ ۳۸۳
۴۰۶ کیا حضرت عمر نے بیوی کو مسجد سے روکنے کے لئے رات میں دوپٹہ کھینچا تھا؟ ۳۸۴
۴۰۷ حضرت عثمان غنیؓ کے قتل کا سبب کیا بنا؟ ۳۸۴
۴۰۸ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قاتل کون؟ ۳۸۶
۴۰۹ حضرت عثمانؓ کے دور میں جمعہ کی اذانیں کہاں دی جاتی تھیں؟ ۳۸۷
۴۱۰ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کیسے ہوئی؟ ۳۸۹
۴۱۱ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کس نے شہید کیا؟ ۳۹۱
۴۱۲ حضرت امیر معاویہؓ جنگ بدر میں میں کس جماعت کی طرف سے تھے؟ ۳۹۲
۴۱۳ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا مدفن ۳۹۳
۴۱۴ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خون پینے والے صحابی رسول ۳۹۴
۴۱۵ کیا حضرت انس رضی اللہ عنہ کی تین سو اولادیں تھیں؟ ۳۹۵
۴۱۶ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کتنے عرصہ تک زندہ رہے؟ ۳۹۶
۴۱۷ ہجرت کے بعد سب سے پہلے کس صحابی کی وفات ہوئی؟ ۳۹۷
۴۱۸ کیا ابوالعباس عبداللہ سفاح حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ہیں؟ ۳۹۸
۴۱۹ ابوجہل عبدالمطلب کا لڑکا ہے یا نہیں؟ ۳۹۹
۴۲۰ محمد بن ابی بکر کو کس نے قتل کیا؟ ۴۰۰

۴۲۱	یزید کی امارت کو خلافت حقہ قرار دینا یا کافر کہنا	۴۰۰
۴۲۲	خانۂ کعبہ کی غلاف پوشی کی ابتداء	۴۰۲
۴۲۳	کشتی نوح سے متعلق ایک سوال	۴۰۳
۴۲۴	کیا سورۂ نوح میں ذکر کردہ پانچوں بت اللہ کے نیک صالح بندے تھے؟	۴۰۴
۴۲۵	فرعون کہاں غرق ہوا؟	۴۰۶
۴۲۶	فرعون لڑکیوں کو کیوں نہیں قتل کرتا تھا؟	۴۰۷
۴۲۷	کیا فرعون نے حضرت آسیہ کی اولاد کو مار ڈالا تھا؟	۴۰۸
۴۲۸	سامری نے جو مخلوق دیکھی تھی وہ شیطان تھی یا آسمانی؟	۴۰۹
۴۲۹	کفار مکہ کا بنا تحقیق کے پڑا ہوا خون چاٹنا	۴۱۰
۴۳۰	کیا کسی غیر صحابی کی حذو النعل بالنعل اقتداء کرنا شرعاً واجب ہے؟......	۴۱۱
۴۳۱	ائمہ اربعہ کے والدین کے نام اور خاندان	۴۱۲
۴۳۲	ائمہ اربعہ کا زمانہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کتنے عرصہ بعد ہے؟	۴۱۳
۴۳۳	کیا حضرت امام اعظم کی لڑکی حنیفہ نام کی تھی؟	۴۱۴
۴۳۴	علامہ ابن تیمیہ کے چند تفردات اور ان کا مسلک	۴۱۵
۴۳۵	سائبہ کی نحوست کس شخص سے شروع ہوئی؟	۴۱۷
۴۳۶	حضور کی موافقت میں اویس قرنی نے کس ماہ میں دندان شہید کئے تھے؟	۴۱۸
۴۳۷	علامہ سندھی کی سوانح	۴۲۰
۴۳۸	گوشت خوری کی ابتداء کہاں سے ہوئی	۴۲۱

۳/ کتاب البدعات والرسوم

۱/ باب: بدعت کی تعریف اور اس کے اقسام ۴۲۳

۴۳۹ بدعت کی تعریف ۴۲۳

۴۴۰ بدعت کی تعریف اور اس کا شرعی حکم ۴۲۴

۴۴۱ جو چیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں اس کا کرنا بدعت ہے؟ ۴۲۵

۴۴۲ بدعت حسنہ، بدعت سیئہ ۴۲۶

۴۴۳ بدعات ورسومات سے کس طرح روکا جائے؟ ۴۲۸

۲/ باب: ماہ محرم کی رسومات ۴۳۰

۴۴۴ دسویں محرم کے کھچڑے کی شرعی حیثیت ۴۳۰

۴۴۵ دسویں محرم کو شربت کی سبیل لگانا ۴۳۱

۴۴۶ یوم عاشوراء میں دسترخوان وسیع کرنا ۴۳۲

۴۴۷ دس محرم کو دسترخوان وسیع کرنے اور فاتحہ خوانی کا حکم ۴۳۳

۴۴۸ عاشوراء کے دن تعزیہ نکالنا ۴۳۴

۴۴۹ دس محرم کو حلیم بنانے اور تقسیم کرنے کا حکم ۴۳۵

۴۵۰ کیا تعزیہ داری جائز ہے؟ ۴۳۶

۴۵۱ یوم عاشوراء میں ڈھول تاشہ کے ساتھ جلوس نکالنا ۴۳۷

۴۵۲ محرم میں ڈھول تاشے بجانا ۴۳۸

۴۵۳ یوم عاشوراء کے روزے کا حکم ۴۳۹

۴۵۴ محرم میں کھچڑا بنا کر تقسیم کرنا ۴۴۰

۴۵۵ دس محرم کو شربت تقسیم کرنا ۴۴۱

۴۵۶ دس محرم میں حلیم بنا کر سرمایہ دار کے گھر بھیجنا ۴۴۳
۴۵۷ محرم الحرام میں تعزیہ بنانا اور کھانا بنا کر تقسیم کرنا ۴۴۳
۴۵۸ ماہ محرم کی رسومات۔ ۴۴۵
۴۵۹ دس محرم کو گٹکا (لاٹھی ڈنڈے کا کھیل) کھیلنا ۴۴۷
۴۶۰ محرم کے موقع پر لنگر کرنا۔ ۴۴۹
۴۶۱ دس محرم کو کھچڑا پکا کر لوگوں کو کھلانا۔ ۴۵۰
۴۶۲ ماہ محرم کی چند بدعات وخرافات کا شرعی حکم۔ ۴۵۱
۴۶۳ محرم کے دن سونا خریدنے کا فائدہ ۴۵۳

❏ ۳/ باب: ماہ ربیع الاول کی رسومات ۴۵۴

۴۶۴ ۱۲/ بارہ ربیع الاول کو جلوس نکالنا ۴۵۴
۴۶۵ ۱۲/ بارہ ربیع الاول کے موقع پر جلوس نکالنا ۴۵۵
۴۶۶ ربیع الاول کے مہینہ میں جلسہ جلوس کی شرعی حیثیت ۴۵۶
۴۶۷ ذکرِ ولادت شریفہ کا حکم ۴۵۷
۴۶۸ عید میلاد النبی ۴۵۸
۴۶۹ ۱۲/ بارہ ربیع الاول کو عید میلاد النبی منانا ۴۵۹
۴۷۰ عید میلاد النبی اور جلوس کی شرعی حیثیت ۴۶۰
۴۷۱ قیام میلاد کا شرعی حکم ۴۶۲
۴۷۲ بارہ وفات میں اکھٹا ہو کر میلاد کرنا ۴۶۳
۴۷۳ عید میلاد النبی میں کھڑے ہو کر یا نبی سلام علیک پڑھنا ۴۶۴
۴۷۴ میلاد میں شیرینی تقسیم کرنا ۴۶۶
۴۷۵ ذکر ولادت شریفہ کے وقت قیام وسلام ۴۶۷

۴۷۶ میلاد میں قیام کی شرعی حیثیت ۴۶۸
۴۷۷ جشنِ عید میلاد النبی منانا ۴۶۹
۴۷۸ میلاد شریف کرنا کیسا ہے؟ ۴۷۰
۴۷۹ ذکرِ ولادتِ شریفہ میں صلوٰۃ وسلام کا شرعی حکم ۴۷۱
۴۸۰ محفلِ میلاد میں قیام وسلام ۴۷۲
۴۸۱ بارہ ربیع الاول کو مسجد میں چراغاں کرنا اور اگر بتی جلانا ۴۷۳
۴۸۲ عید میلاد النبی کے دن جلسہ جلوس کا اہتمام ۴۷۴
۴۸۳ محفلِ میلاد میں حضور کے حاضر وناظر ہونے کے عقیدہ سے قیام کرنا ۴۷۵
۴۸۴ مروجہ میلاد کا شرعی حکم ۴۷۶
۴۸۵ بلند آواز سے میلاد پڑھنا اور قیام کرنا ۴۷۸
۴۸۶ عید میلاد النبی میں چندہ کر کے حلوہ بنانا ۴۷۹
۴۸۷ محفلِ میلاد النبی میں کتاب تاریخ حبیب الہ پڑھنا ۴۸۰
۴۸۸ میلاد یا جمعہ کے دن بآ واز بلند صلوٰۃ وسلام پڑھنا ۴۸۱
۴۸۹ میلاد میں سلام پڑھنا ۴۸۲
۴۹۰ بریلوی حضرات کے یہاں پیش آنے والے مختلف بدعات کا تحقیقی جائزہ ۴۸۳
۴۹۱ علماء دیوبند کا میلاد کی مجلسوں میں شرکت کرنا ۴۸۷
۴۹۲ فاسق شخص کا میلاد پڑھنا ۴۸۸
۴۹۳ محفل میلاد میں اور بعد نماز جمعہ قیام وسلام ۴۸۹
۴۹۴ کھڑے ہوکر مروجہ میلاد پڑھنا ۴۹۰

❑ ۴/ باب: ماہ ربیع الاول کی بدعات ۴۹۲

۴۹۵ کیا کونڈے کرنا جائز ہے؟ ۴۹۲

۴۹۶ رجب کے کونڈے بھرنے کی اصل ۴۹۳
۴۹۷ ماہ رجب کے کونڈوں کی شرعی حیثیت ۴۹۴
۴۹۸ رجب کا کونڈا اور اس کی حقیقت ۴۹۵
۴۹۹ ۲۲/رجب کے کونڈوں کی حقیقت ۴۹۷
۵۰۰ کونڈے اور حلوہ کی حقیقت ۴۹۸
۵۰۱ امام جعفر صادق کے نام سے کونڈے کرنا ۴۹۹
۵۰۲ امام جعفر صادق کے نام سے کونڈے کرنا کیسا ہے؟ ۵۰۰
۵۰۳ گیارہویں اور کونڈوں کی نیاز کرنا ۵۰۱
۵۰۴ کھانے پر فاتحہ خوانی اور کونڈوں کی نیاز کا حکم ۵۰۲
۵۰۵ رجب کے کونڈوں کی ممانعت کیوں ہے؟ ۵۰۳

❑ ۵/ باب: ماہ شعبان کی بدعات ۵۰۵

۵۰۶ شب برأت میں جلسہ جلوس کرنا ۵۰۵
۵۰۷ شب برأت کی بعض بدعات ۵۰۶
۵۰۸ شب برأت میں حلوہ بنانا ۵۰۷
۵۰۹ شب برأت کے حلوہ کا شرعی حکم ۵۰۸
۵۱۰ شب برأت میں جلسہ کرنا اور اس میں شرکت کرنا ۵۰۹
۵۱۱ شب برأت میں کی جانے والی مختلف عبادات کا حکم ۵۱۰
۵۱۲ شب برأت کے موقع پر مسجد میں شبینہ کرنا ۵۱۳
۵۱۳ شب قدر وشب برأت میں چراغاں کرنا ۵۱۴
۵۱۴ شب برأت وشب قدر میں میٹھا کھانا پکانا اور مٹھائیاں تقسیم کرنا ۵۱۵
۵۱۵ لیلۃ القدر اور شب برأت میں مسجد سجانا ۵۱۶

۵۱٦ شب برأت وشب قدر میں قبر کی زیارت کرنا ۵۱۷
۵۱۷ شب برأت وشب قدر میں شیرینی تقسیم کرنا ۵۱۸
۵۱۸ شب معراج وشب برأت کی فضیلت ۵۱۹
۵۱۹ لیلۃ القدر سے متعلق چند سوالات وجوابات ۵۲۰

٦/ باب: نماز کے بعد کھڑے ہوکر صلوٰۃ وسلام کا رواج ۵۲٦

۵۲۰ نمازوں کے بعد کھڑے ہوکر صلوٰۃ وسلام پڑھنا ۵۲٦
۵۲۱ جمعہ کی نماز کے بعد کھڑے ہوکر صلوٰۃ وسلام ۵۲٦
۵۲۲ نمازوں کے بعد دعا میں ''الفاتحہ'' کہنا ۵۲۸
۵۲۳ نماز فجر وجمعہ کے بعد قیام میلاد کرنے کی ضد کرنا ۵۲۸
۵۲۴ کیا نمازوں کے بعد کھڑے ہوکر مروجہ صلوٰۃ وسلام پڑھنا بدعت ہے؟ ۵۳۰
۵۲۵ حاجی امداد اللہ ودیگر بزرگوں کے اقوال سے قیام پڑا ستدلال ۵۳۲
۵۲٦ کھڑے ہوکر صلوٰۃ وسلام پڑھنا ۵۳۴
۵۲۷ مسجد میں بریلوی کے طریقہ پر کھڑے ہوکر صلوٰۃ وسلام اور دیگر منکرات ۵۳۵
۵۲۸ مروجہ صلوٰۃ وسلام ۵۳٦
۵۲۹ صلوٰۃ وسلام پڑھنے کا صحیح طریقہ ۵۳۷
۵۳۰ مجلس میں کھڑے ہوکر صلوٰۃ وسلام پڑھنا ۵۳۸
۵۳۱ سلام مسجد میں پڑھیں یا درگاہ شریف پر؟ ۵۳۹
۵۳۲ مروجہ صلاۃ وسلام اور آپ ﷺ کے عالم الغیب ہونے کا عقیدہ ۵۴۰
۵۳۳ اذان یا نماز کے بعد یارسول اللہ پڑھنا ۵۴۵
۵۳۴ فجر کی نماز اور اذان کے بعد صلوٰۃ وسلام پڑھنا ۵۴٦

۵۳۵ اجتماعی طور پر درود پڑھنے کا حکم ۵۴۸

۵۳۶ نئے مکان میں قیام سے پہلے میلاد کرانا ۵۴۹

۵۳۷ ماہ شعبان میں مروج میلاد کا حکم ۵۵۰

۷/ باب: آذان کے بعد نماز سے قبل صلوٰۃ وسلام کا رواج ۵۵۲

۵۳۸ اذانِ پنجگانہ کے بعد صلوٰۃ وسلام پڑھنا ۵۵۲

۵۳۹ نماز سے قبل صلوٰۃ پڑھنا ۵۵۳

۵۴۰ اذان کے بعد مروجہ صلوٰۃ وسلام کا شرعی حکم ۵۵۳

۵۴۱ دورانِ اذان واقامت صلوٰۃ وسلام پڑھنا ۵۵۵

۵۴۲ اذان کے بعد جماعت سے قبل صلوٰۃ وسلام پڑھنا ۵۵۶

۵۴۳ اذان کے بعد صلوٰۃ وسلام کی شرعی حیثیت ۵۵۷

۵۴۴ اذان کے بعد صلوٰۃ وسلام پڑھنے کا شرعی حکم ۵۵۸

۸/ حضور ﷺ کے اسمِ مبارک پر انگوٹھا چومنا ۵۶۰

۵۴۵ خطبہ کی اذان میں انگوٹھا چومنا ۵۶۰

۵۴۶ اذان میں کلمۂ شہادت پر انگوٹھا چومنا ۵۶۱

۵۴۷ اذان واقامت میں ''محمد رسول اللہ'' پر انگوٹھا چومنا ۵۶۲

۵۴۸ حضرت ابوبکر صدیقؓ کا حضور ﷺ کا نام سن کر انگوٹھا چومنا ۵۶۳

۵۴۹ اذان میں ''اشہد ان محمداً'' پر انگوٹھا چومنا ۵۶۴

۵۵۰ حضور ﷺ کا نامِ مبارک سن کر انگوٹھا چومنا ۵۶۵

۵۵۱ نامِ مبارک پر انگوٹھا چومنے کی شرعی حیثیت ۵۶۶

۵۵۲	انگوٹھا چومنے کی حدیث موضوع ہے۔	۵۶۸
۵۵۳	اذان میں انگوٹھے چومنا کیسا؟	۵۶۹
۵۵۴	نام مبارک سن کر انگوٹھا چومنے اور آنکھوں پر پھیرنے کی شرعی حیثیت	۵۷۰
۵۵۵	شہادتین میں انگوٹھا چومنا	۵۷۱
۵۵۶	کلمۂ شہادت پر انگوٹھا چومنے کی شرعی حیثیت	۵۷۲
۵۵۷	تکبیر میں حضور ﷺ کا نام آنے پر انگوٹھا چومنا	۵۷۳

فہرست مضامین

۳/ بقية كتاب البدعات والرسوم

۹/ باب: رسومات جنائز

صفحہ نمبر

مسئلہ نمبر		صفحہ نمبر
۵۵۸	مردہ کے نام پر کھانا کھلانے کی رسم	۳۰
۵۵۹	''اٹھاؤنا'' رسم کا شرعی حکم	۳۱
۵۶۰	میت کے گھر والوں کے کھانا پکانے کی شرعی حیثیت	۳۲
۵۶۱	انتقال کے بعد کھلائے جانے والے کھانے مصرف کون ہیں؟	۳۴
۵۶۲	میت کے گھر والوں کا دعوت کرنا	۳۵
۵۶۳	میت کے اوپر آیت کریمہ لکھی ہوئی چادر ڈالنا	۳۷
۵۶۴	قبر کے اندر عہد نامہ رکھنا	۳۸
۵۶۵	شوہر کے جنازے کے نیچے سے نکلنے سے عدت مکمل نہیں ہوتی	۳۹
۵۶۶	نمازِ جنازہ کے معاً بعد چھوہارہ تقسیم کرنا	۴۰
۵۶۷	نمازِ جنازہ کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا	۴۱
۵۶۸	قبرستان میں تین جگہوں پر جنازہ رکھنا	۴۲
۵۶۹	دفن کرتے وقت صلوٰۃ وسلام پڑھنا	۴۳
۵۷۰	چار لکڑیوں پر قل پڑھ کر قبر کے چاروں کونوں پر گاڑنا	۴۴
۵۷۱	قبروں پر ہری شاخ گاڑنا	۴۵

٥٧٢ دفن کے بعد قبر پر شاخ گاڑنا ٤٦
٥٧٣ تدفین کے بعد قبر پر موم بتی، اگربتی جلانا اور قرآن کریم پڑھنا ٤٧
٥٧٤ تنہا یا جماعت کی شکل میں قبر پر ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا ٤٨
٥٧٥ تدفین کے بعد قبر کی طرف ہاتھ اٹھا کر فاتحہ پڑھنا ٤٩
٥٧٦ تدفین کے بعد مٹھائی غلہ وغیرہ تقسیم کرنا ٥٠
٥٧٧ حیلۂ اسقاط ٥١
٥٧٨ بیوی کے انتقال کے دس دن بعد بہنوئی کا سالے سے ہدیہ قبول کرنا..... ٥٢
٥٧٩ قبر پر اذان ٥٣
٥٨٠ قبر پر اذان دینا ٥٤
٥٨١ قبر پر اذان دینے کی شرعی حیثیت ٥٥
٥٨٢ قبر پر اذان دینے کا شرعی حکم ٥٦
٥٨٣ کیا قبر پر اذان دینا مسنون ہے؟ ٥٧
٥٨٤ قبر پر اذان دینے کا ثبوت کہاں سے ہے؟ ٥٨
٥٨٥ کیا تدفین کے بعد قبر پر اذان دینا ضروری ہے؟ ٥٩
٥٨٦ کیا قبر پر اذان دینا بدعت ہے؟ ٦٠
٥٨٧ تدفین کے بعد قبر پر اذان دینا بدعت ہے ٦١
٥٨٨ تدفین کے بعد قبر پر اذان دینا ٦٢
٥٨٩ تدفین کے بعد پر اذان دینے کا شرعی حکم ٦٣
٥٩٠ دفن کرنے کے بعد قبر پر اذان دینا ٦٤
٥٩١ قبر پر اذان کی شرعی حیثیت ٦٥
٥٩٢ قبر پر اذان، تیجہ، دسواں وغیرہ کا شرعی حکم ٦٦

٥٩٣ تدفین کے بعد صلوٰۃ وسلام اور قبر پر اذان دینا ٦٧
٥٩٤ تیجہ، دسواں اور چالیسویں کی شرعی حیثیت ٦٨
٥٩٥ تیجہ، دسواں، بیسواں، چالیسواں ٧٠
٥٩٦ فاتحہ، تیجہ، چالیسواں ٧١
٥٩٧ تیجہ، دسواں اور چالیسویں کا شرعی حکم ٧٣
٥٩٨ تیجہ، دسواں اور چالیسواں کرنا ٧٤
٥٩٩ تیجہ، دسواں اور چالیسواں کرنا کیسا ہے؟ ٧٥
٦٠٠ تیجہ و چہلم کرنے کی شرعی حیثیت ٧٦
٦٠١ دسویں اور چالیسویں کا حکم ٧٧
٦٠٢ تیجہ کرنا، یا قل پڑھوانا ٧٨
٦٠٣ تیجہ، دسویں، چالیسویں وغیرہ کا شرعی حکم ٨٠
٦٠٤ دسویں، گیارہویں، تیرہویں، بیسویں وغیرہ کی حقیقت ٨١
٦٠٥ تیجہ، دسویں، چالیسویں وغیرہ کا التزام کرنا ٨٢
٦٠٦ تیجہ، چالیسواں اور چنوں پر کلمۂ طیبہ پڑھوانا ٨٥
٦٠٧ برسی میں چنوں پر کلمۂ طیبہ پڑھنا ٨٧
٦٠٨ تعزیہ داری، تیجہ، دسواں اور میلا د مروجہ ٨٨
٦٠٩ کیا قرآن کریم میں دسویں، بیسویں کا ثبوت ہے؟ ٩٠
٦١٠ تیجہ کا ثبوت کہاں سے ہے؟ ٩١
٦١١ کیا تیجہ اور چالیسواں کا ثبوت ہے؟ ٩٢
٦١٢ تیجہ دسویں وغیرہ میں تقریر کرنا ٩٣
٦١٣ گیارہویں منانا اور اس کی دعوت کھانا ٩٥

۶۱۴ دسویں، چالیسویں میں قرآن کریم پڑھنا ۹۵
۶۱۵ چالیسویں دن میت کے گھر پر جمع ہو کر کھانا کھانا ۹۶
۶۱۶ تیجہ، دسویں اور اس میں شرکت کا حکم ۹۸
۶۱۷ تیجہ، دسویں، چالیسویں میں شرکت کرنا ۹۹
۶۱۸ تیجہ، دسواں اور چالیسواں نہ کرنے کی وصیت کرنا ۱۰۰
۶۱۹ دسویں چالیسویں کی فاتحہ دلانا ۱۰۱
۶۲۰ تیجہ وغیرہ کے وقت "درود تاج" اور مندرجہ ذیل اشعار پڑھنا ۱۰۲
۶۲۱ طلبہ کو دسویں، بیسویں اور چالیسویں کی دعوت میں بھیجنا ۱۰۴
۶۲۲ تیجہ وغیرہ کا کھانا کن لوگوں کے لئے جائز ہے؟ ۱۰۵
۶۲۳ مختلف بدعات کے کھانے کا حکم ۱۰۶
۶۲۴ دسویں، چالیسویں اور تیجہ کا کھانا ۱۰۸
۶۲۵ تیجہ اور چالیسویں کے کھانے کا حکم ۱۰۹
۶۲۶ کیا تیجہ، چالیسویں وغیرہ کا کھانا کھانا جائز ہے؟ ۱۱۰

۱۰/ باب: فاتحہ، نیاز، عرس اور مزار کی بدعات

۶۲۷ فاتحہ دینا ۱۱۲
۶۲۸ کھانے وغیرہ پر فاتحہ و نیاز دلانا ۱۱۲
۶۲۹ میٹھی چیز پر فاتحہ دینا ۱۱۳
۶۳۰ کھانے یا مٹھائی پر فاتحہ ۱۱۴
۶۳۱ فاتحہ کا کھانا کھانا جائز ہے یا نہیں؟ ۱۱۵
۶۳۲ فاتحہ و نیاز کا شرعی حکم ۱۱۶

۶۳۳	بارش نہ ہونے پر غلہ وغیرہ جمع کر کے نیاز کرنا	۱۱۷
۶۳۴	شریعت اسلامی میں نیاز کی حقیقت	۱۱۸
۶۳۵	نیاز کی تعریف اوراس کی حقیقت	۱۲۰
۶۳۶	امام حسینؓ کے نام پرامام باڑے میں جانور کی نیاز اوراس کے کھانے کا حکم	۱۲۰
۶۳۷	عرس اور قدم بوسی کی شرعی حیثیت	۱۲۱
۶۳۸	عرس میں قوالی کا حکم	۱۲۳
۶۳۹	کیا صحابہ کرامؓ واولیاء عظامؒ نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جشن منایا ہے؟	۱۲۵
۶۴۰	مزارات پر عرس، قوالی، سماع خانہ، اور رہائش گاہ کی تعمیر	۱۲۶
۶۴۱	مزارات پر عرس، قوالی اور قبروں پر چادر چڑھانا	۱۲۷
۶۴۲	اہل اللہ کی قبروں کی طرف پیٹھ کرنے سے بچنے کے لئے الٹا چلنا	۱۲۸
۶۴۳	اولیاء اللہ کے مزار پر عرس کرنا	۱۲۹
۶۴۴	عرس میں شرکت کرنا، اور قبروں پر چڑھاوا چڑھانا	۱۳۰
۶۴۵	بزرگوں کی قبروں سے متعلق چند سوالات کے جوابات	۱۳۱
۶۴۶	اولیاء کی قبروں کو ثواب سمجھ کر چھومنا	۱۳۴
۶۴۷	عیدگاہ میں قوالی کرنا	۱۳۵
۶۴۸	اولیاء اللہ کو درود وسلام پیش کرنے کی شرعی حیثیت	۱۳۶
۶۴۹	قل شریف پڑھنا اور مزار کا چڑھاوا کھانا	۱۳۸
۶۵۰	مزار پر سجدۂ تعظیمی کرنا	۱۳۹
۶۵۱	مزار پر چادر پوشی، طواف کرنا، اور قبروں کو چومنا	۱۴۰
۶۵۲	ایصال ثواب کے وقت مزار کی جانب ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا	۱۴۱
۶۵۳	مزار پر ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا	۱۴۲

۶۵۴	قبر کو بوسہ دینا	۱۴۳
۶۵۵	قبر پر چڑھائی ہوئی مٹھائی کھانا	۱۴۳
۶۵۶	قبروں پر پھول ڈالنا	۱۴۴
۶۵۷	قبروں پر پھولوں کی چادر چڑھانا	۱۴۵
۶۵۸	قبر پر پھول اور چادر ڈالنا	۱۴۷
۶۵۹	مزار پر جمعرات کو نذر و نیاز دینا اور عورتوں کا اس میں شریک ہونا	۱۴۷
۶۶۰	عورتوں کا قبرستان جانا	۱۴۸
۶۶۱	مزارات پر مستورات کی حاضری کا حکم	۱۴۹
۶۶۲	عورتوں کا قبرستان جا کر سجدہ وغیرہ کرنا	۱۵۰

۱۱/ باب: فرائض پنجگانہ اور عیدین کے بعد کی رسومات

۶۶۳	نمازوں کے بعد مصافحہ سے متعلق ایک جامع فتویٰ	۱۵۲
۶۶۴	فجر اور عصر کی نمازوں کے بعد مصافحہ کی شرعی حیثیت	۱۵۸
۶۶۵	نمازوں کے بعد مصافحہ	۱۶۰
۶۶۶	بعد نمازِ فجر و عصر مصافحہ کی شرعی حیثیت	۱۶۲
۶۶۷	نمازوں کے بعد مصافحہ و معانقہ کا شرعی حکم	۱۶۳
۶۶۸	بعد نمازِ فجر و عصر امام کا مقتدیوں سے مصافحہ کرنا	۱۶۵
۶۶۹	نمازِ عیدین کے بعد مصافحہ سے متعلق جامع فتوی	۱۶۶
۶۷۰	عید کے دن معانقہ کی شرعی حیثیت	۱۷۴
۶۷۱	عید کی مبارک باد پیش کرنا	۱۷۶
۶۷۲	نمازِ عید کے بعد مصافحہ و معانقہ کا حکم	۱۷۷

۶۷۳ نمازِ عید کے بعد مصافحہ کی شرعی حیثیت ۱۷۹
۶۷۴ عید کی نماز کے بعد مصافحہ کا شرعی حکم ۱۸۱
۶۷۵ عیدین کی نماز کے بعد گلے ملنا اور مصافحہ کرنا ۱۸۲
۶۷۶ عیدین کی نماز کے بعد مصافحہ ومعانقہ ۱۸۴
۶۷۷ عیدین کی نماز کے بعد سلام ومصافحہ کا حکم ۱۸۵
۶۷۸ عیدین کے موقع پر معانقہ کی شرعی حیثیت ۱۸۷
۶۷۹ نمازِ عید کے بعد مصافحہ ومعانقہ کے ذریعہ ناراضگی دور کرنا ۱۸۸
۶۸۰ عیدین اور فرض نمازوں کے بعد مصافحہ اور معانقہ ۱۹۰
۶۸۱ عیدین کے خطبہ کے بعد اجتماعی دعا مانگنا ۱۹۱
۶۸۲ عیدین کے خطبہ کے بعد دعا کرانا ۱۹۲
۶۸۳ عیدین کی نماز کے بعد متولی کا امام صاحب کو پگڑی باندھنا ۱۹۳
۶۸۴ عید کی نماز کے بعد شیرینی تقسیم کرنا ۱۹۵
۶۸۵ نمازِ عید کے بعد مصافحہ، معانقہ اور دعا کا حکم ۱۹۶
۶۸۶ خطبہ کی اذان کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا ۱۹۷
۶۸۷ مسجد میں امام صاحب کا مقتدیوں کو لیکر اجتماعی ذکر کرنا ۱۹۸
۶۸۸ ہر نماز کے بعد کلمۂ طیبہ پڑھنے کا معمول بنانا ۱۹۹

❑ ۱۲/ باب: رسومات نکاح

۶۸۹ کیا محرم کے مہینہ میں نکاح کرنا ممنوع ہے؟ ۲۰۱
۶۹۰ شادی کے لئے کسی خاص تاریخ کا انتظار کرنا ۲۰۲
۶۹۱ منگنی کی حقیقت اور شادی کی رسومات ۲۰۲

٦٩٢	شادی سے ایک دن قبل میلاد شریف پڑھنا	۲۰۴
٦٩٣	طے شدہ رشتہ کے بعد ساس کی موت ہونے پر رشتہ کو منحوس سمجھنا	۲۰۵
٦٩٤	رشتہ ختم ہونے کے بعد سگائی کے وقت دیئے گئے تحفہ کی واپسی	۲۰۷
٦٩٥	لڑکی والوں سے جوڑے کی رقم اور پرسنٹیز لینا	۲۰۸
٦٩٦	شادی کے موقع پر لڑکی والوں سے موٹی رقم لینا	۲۰۹
٦٩٧	شادی میں مجبور کر کے حلال یا حرام مال لینا	۲۱۰
٦٩٨	لڑکے کے اولیاء کا نکاح کے اخراجات کا مطالبہ کرنا	۲۱۲
٦٩٩	شادی میں مدعو حضرات کا روپیہ کپڑا دینا	۲۱۳
٧٠٠	سیدھا دیجا	۲۱۴
٧٠١	تلک کی رقم کا حکم	۲۱۴
٧٠٢	بھات کی شرعی حیثیت	۲۱۵
٧٠٣	بھات کھلانے کی رسم	۲۱٦
٧٠٤	نیوتا کا شرعی حکم	۲۱۷
٧٠٥	نوشہ سے مختلف مقامات پر روپئے لینا	۲۱۸
٧٠٦	شادی کے موقعہ پر پیسوں کا لین دین	۲۱۹
٧٠٧	شادی کے موقعہ پر رسم ''نشرح'' کا ادا کرنا	۲۲۰
٧٠٨	دولہے کو ہلدی لگانا	۲۲۱
٧٠٩	دولہے اور دلہن کو اپٹن لگانا	۲۲۲
٧١٠	شادی کے موقعہ پر زوجین کو اپٹن لگانا	۲۲۳
٧١١	اپٹن لگانے کی شرعی حیثیت	۲۲۴
٧١٢	نکاح کے وقت نوشہ کو کلمہ پڑھوانا	۲۲۴

۷۱۳	مجلس نکاح میں نوشہ کو کلمہ پڑھوانا	۲۲۵
۷۱۴	نکاح سے قبل لڑکا یا لڑکی کو کلمۂ طیبہ، ایمان مفصل اور ایمان مجمل پڑھوانا	۲۲۶
۷۱۵	بارات میں جانے سے قبل دولہے کا دو رکعت نماز پڑھنا	۲۲۷
۷۱۶	ایجاب وقبول سے قبل دولہے کو تین مرتبہ کلمہ پڑھوانا تین بار قبول کروانا	۲۲۷
۷۱۷	نکاح میں دولہا سے تین مرتبہ قبول کروانا	۲۲۸
۷۱۸	دولہے کا دو رکعت نماز پڑھنا	۲۲۹
۷۱۹	دولہا کے سر پر عمامہ باندھنا	۲۳۰
۷۲۰	سہرا باندھنا	۲۳۱
۷۲۱	دولہے کے پر سہرا یا گجرا باندھنا	۲۳۲
۷۲۲	سہرا باندھنے کی رسم میں شرکت کرنا	۲۳۳
۷۲۳	دولہے کا سہرا کس پھول کا ہو؟	۲۳۴
۷۲۴	پھولوں کا سہرا باندھنا اور پیسے بکھیرنا	۲۳۵
۷۲۵	دولہے کا مہندی لگانا اور سہرا باندھنا	۲۳۵
۷۲۶	روپیوں اور رگلاب کے ہار کے استعمال کا حکم	۲۳۷
۷۲۷	دولہے کے گلے میں ہار ڈالنا	۲۳۷
۷۲۸	دولہے کو پگڑی، سہرا اور گلے میں ہار پہننے کا حکم	۲۳۸
۷۲۹	نوشہ کے گلے میں نوٹوں کا ہار ڈالنا	۲۴۰
۷۳۰	دولہے کو شادی کے دن تکیہ پر بٹھانے کی رسم	۲۴۱
۷۳۱	شادی کے موقع پر گولا داغنا	۲۴۲
۷۳۲	شادی میں بے حجابانہ مخلوط اجتماع کا حکم	۲۴۴
۷۳۳	شادی کی ویڈیو فلم بنانا	۲۴۵

۷۳۴ مجلس نکاح کی ویڈیو بنانا ۲۴۶
۷۳۵ شادی میں گانے بجانے اور بے حجابانہ اختلاط کا شرعی حکم ۲۴۸
۷۳۶ جس نکاح میں ناچ گانے ہوں کیا وہ منعقد نہیں ہوتا ۲۴۹
۷۳۷ لڑکے والے باجہ لائیں تو گناہ گار کون؟ ۲۵۰
۷۳۸ لڑکی سے نکاح کی اجازت لیتے وقت دوسری لڑکیوں کا ہاں کہنا ۲۵۱
۷۳۹ منکرات والی شادی میں قاضی کے نکاح پڑھانے کا حکم ۲۵۳
۷۴۰ خلاف شرع شادی میں دعوت کھانا ۲۵۳
۷۴۱ خرافات والی شادی میں مقتدی حضرات کی شرکت ۲۵۵
۷۴۲ مختلف منکرات والی شادی میں شرکت ۲۵۶
۷۴۳ خلافِ شرع شادی میں شرکت ۲۵۸
۷۴۴ شادی کی مختلف رسومات کا بیان ۲۵۹
۷۴۵ نکاح کے وقت پیش آنے والی مختلف رسومات ۲۶۱
۷۴۶ نکاح کے بعد مصافحہ ومعانقہ ۲۶۵
۷۴۷ عقدِ نکاح کے بعد دولہے کا سلام کرنا ۲۶۶
۷۴۸ زوجین کو تخلیہ کا موقع نہ دینا ۲۶۷
۷۴۹ شادی کے بعد چوتھی کرنا ۲۶۹
۷۵۰ شادی کے ساتویں ماہ میں گود بھرائی کی رسم ۲۶۹

❑ ۱۳/ باب: متفرق بدعات ورسوم

۷۵۱ ربن کاٹ کر دوکان کا افتتاح کرنا ۲۷۲
۷۵۲ بلی کے راستہ کاٹنے کی حیثیت ۲۷۲

۷۵۳ عدت پوری ہونے پر میکہ سے نئے کپڑے اور مٹھائی آنا ۲۷۴
۷۵۴ راستہ میں ویلکم لکھنا ۲۷۵
۷۵۵ چھوٹے بچہ کے دودھ کو معاف کرنے کی رسم ۲۷۶
۷۵۶ سورج گرہن کے وقت بحالت حمل میں قینچی چلانے اور کروٹ لیٹنے کا حکم ۲۷۷
۷۵۷ بسم اللہ وغیرہ رسوم کی دعوت کا حکم ۲۷۷
۷۵۸ یوم پیدائش، یوم شادی وغیرہ منانا ۲۷۹
۷۵۹ پھٹے ہوئے بنیان کے سلنے کا حکم ۲۸۰
۷۶۰ مجالس دینیہ وسیاسیہ میں پھولوں کا ہار پہننا ۲۸۰
۷۶۱ ہولی کے پانچ یا چھ روز کے بعد بارش ہونے کو ضروری سمجھنا ۲۸۱
۷۶۲ مسجد میں عید ملن کا پروگرام کرنا ۲۸۲
۷۶۳ چیل کوؤں کو گوشت کھلانا ۲۸۳
۷۶۴ چند بدعات کی شرعی حیثیت ۲۸۴
۷۶۵ انبیاء، اولیاء و دیگر لوگوں کی یوم پیدائش منانے کی شرعی حیثیت ۲۸۷
۷۶۶ گود بھرائی کا حکم ۲۹۰
۷۶۷ الوداع جمعہ اور چودھویں روزے کا اہتمام کرنا ۲۹۰
۷۶۸ دعوت کھانے کے بعد ہاتھ اٹھا کر جہراً دعا کا التزام ۲۹۱
۷۶۹ خوشیوں کے موقع پر تحفہ تحائف کا لین دین ۲۹۲
۷۷۰ خوشی کے موقع پر تحائف کا لینا دینا ۲۹۳
۷۷۱ جلائی ہوئی بتی کو جلتے رہنے دینا ۲۹۳
۷۷۲ نفاس والی عورت سے چھوت منانے کی رسم ۲۹۴
۷۷۳ رات گیارہ بجے آندھی آنے پر اذان دینا ۲۹۵

۴/ کتاب العلم

۱/ باب ما یتعلق بطلب العلم

مسئلہ نمبر .... صفحہ نمبر

۷۷۳ عربی زبان کے فضائل ۲۹۷
۷۷۴ دینی علوم کے مقابلے میں دنیاوی علوم کو ترجیح دینے کا حکم ۳۰۱
۷۷۵ علم دین سیکھنا مقدم ہے یا تبلیغ میں جانا؟ ۳۰۳
۷۷۶ کیا عالم دین پر درس و تدریس لازم ہے؟ ۳۰۴
۷۷۷ طالب علم کے لئے والد کے مخلوط مال کے استعمال کا حکم ۳۰۵
۷۷۸ والدہ کی اجازت کے بغیر دینی تعلیم حاصل کرنا ۳۰۷
۷۷۹ والدین کی اجازت کے بغیر دینی تعلیم حاصل کرنے کا حکم ۳۰۸
۷۸۰ محض کتابوں کے مطالعہ سے علم دین حاصل کرنا ۳۰۹
۷۸۱ جشنِ ختم بخاری ۳۱۱
۷۸۲ جشنِ بخاری کے لئے مجبور کرنا ۳۱۲
۷۸۳ حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری کی تکمیل پر دعوت کیوں کی؟ ۳۱۴
۷۸۴ کتاب کے افتتاح یا اختتام پر طالب علموں سے شیرینی کھانا ۳۱۵
۷۸۵ پرائمری تعلیم سرکاری نصاب تعلیم کے مطابق ہو یا مدرسہ کے؟ ۳۱۶
۷۸۶ انگلش و ہندی میڈیم اسکول قائم کرنا ۳۱۷
۷۸۷ علماء و طلباء کے لئے انگلش پڑھنا کیسا ہے؟ ۳۱۹
۷۸۸ مسلمانوں کے لئے اپنے بچوں کو انگریزی تعلیم دلانے کا حکم ۳۲۰
۷۸۹ مخلوط تعلیم کا حکم ۳۲۰
۷۹۰ امام اعظم ابو حنیفہؒ کے رجوع کردہ مسائل ۳۲۳

۲/باب ما یتعلق بالإفتاء و آدابہ

۷۹۱ کیا مفتی صاحب پر سوال کا جواب دینا ضروری ہے؟ ۳۲۵
۷۹۲ اعتراض پر جواب مذکور ۳۲۸
۷۹۳ اہل علم اور مفتیانِ کرام کی شان میں احتیاط سے کام لینا ۳۳۲
۷۹۴ فتوی دینے کے لئے ماہر مفتی کی شاگردی لازم ہے ۳۳۲
۷۹۵ علماء ومفتیان کا مسئلہ بتانے کے لئے آگے بڑھ کر خود کو پیش کرنے کا حکم ۳۳۳
۷۹۶ فتوی میں حدیث کا حوالہ لکھیں یا کتب فقہ کا ۳۳۴
۷۹۷ جہاں حدود شرعیہ قائم نہ ہو وہاں مفتی زنا کی کیا سزا لکھے؟ ۳۳۶
۷۹۸ کیا مختلف فیہ مسئلہ میں نرمی ہے؟ ۳۳۷
۷۹۹ کیا عالم دین فتوی پر دستخط کرسکتا ہے؟ ۳۳۸
۸۰۰ کیا کافیہ کے طالب علم کے لئے مسئلہ بیان کرنا جائز ہے؟ ۳۳۹
۸۰۱ عالم دین کے لئے محض مطالعہ سے مسئلہ بیان کرنے کا حکم ۳۴۱
۸۰۲ فتوی کو نہ ماننے والے کا حکم ۳۴۲
۸۰۳ فتوی کے انکار کا شرعی حکم ۳۴۳
۸۰۴ قرآن وحدیث اور شرعی فتووں کو پس پشت ڈالنے کا حکم ۳۴۵
۸۰۵ امامت کے لئے بہاری نہ ہونے کی شرط کی تائید کرنے والے مفتی کا حکم ۳۴۶
۸۰۶ کتاب دائمی اوقات الصلوۃ کی حیثیت ۳۴۸
۸۰۷ بریلی کے ایک فتوی کی حقیقت ۳۴۹

۳/ باب ما یتعلق باصطلاحات العلم

۸۰۸ سنت اور مستحب میں کیا فرق ہے؟ ۳۵۲
۸۰۹ دینار کتنے تولہ یا ماشہ کا ہوتا ہے؟ ۳۵۳
۸۰۱ داڑھی سے متعلق فتح الباری کے ایک جزئیہ کی وضاحت ۳۵۴
۸۱۱ وماء الورد المنقطع الرائحة کی ترکیب ۳۵۵
۸۱۲ نور الایضاح کی عبارت ''وضیق الوقت'' کی تشریح ۳۵۶
۸۱۳ صدقۂ فطر کی مقدار سے متعلق ایضاح المسائل کی عبارت کی وضاحت ۳۵۷
۸۱۴ ہدایہ کی عبارت ''المعانی الموجبة للغسل'' کی تشریح ۳۵۸
۸۱۵ تجارت وغیرہ کے ضروری مسائل کس کتاب سے حاصل کریں؟ ۳۵۹
۸۱۶ تشہد کو عدالت کے گواہ پر قیاس کرنے کا شرعی حکم ۳۶۰
۸۱۷ بہشتی زیور کے ایک مسئلہ کا حل ۳۶۱
۸۱۸ الأشباہ کی ایک مشکل عبارت کا حل ۳۶۲
۸۱۹ بہشتی زیور کے ''کمین'' لفظ کی وضاحت ۳۶۴
۸۲۰ یونٹ ٹرسٹ کمپنی سے متعلق ایضاح المسائل کی ایک عبارت کا حل ۳۶۵
۸۲۱ نحو سے متعلق چند سوالات کے جوابات ۳۶۶
۸۲۲ اسلام شانتی نامی کتاب تقسیم کرنے کا شرع حکم ۳۶۹
۸۲۳ اردو میں لفظ ابن کا قاعدہ ۳۶۹
۸۲۴ کلمہ طیبہ میں ''محمد'' اور اذان میں ''محمداً'' کیوں ہے؟ ۳۷۱
۸۲۵ علم الصیغہ کی ایک عبارت کا حل ۳۷۱
۸۲۶ کیا مصدر کا فعل مذکر ومؤنث دونوں ہوسکتا ہے؟ ۳۷۳

۸۲۷ لفظ ''سبحانہ'' شبہ تانیث کی وجہ سے کیسے غیر منصرف ہے؟ ۳۷۴
۸۲۸ رب کی طرف راجع ضمیر مذکر ہو یا مؤنث ۳۷۵
۸۲۹ جاوداں کی ضد کیا ہے؟ ۳۷۶
۸۳۰ اہل ذکر سے کون مراد ہیں؟ ۳۷۷
۸۳۱ کل مخلوقات کی تعداد کتنی ہے؟ ۳۷۸
۸۳۲ ''غروب سے قبل نمودار ہونے والی سرخی'' کیا علامات قیامت میں سے ہے؟ ... ۳۷۹
۸۳۳ ''ایمان کمزور ہو گئے ذمہ دار کون'' نامی کتاب کی شرعی حیثیت ۳۸۰
۸۳۴ تیرہویں، چودھویں شب میں چاند کب نکلتا ہے؟ ۳۸۱
۸۳۵ ایضاح النوادر کے چند مسائل پر اعتراضات کے جوابات ۳۸۲
۸۳۶ کیا تقویۃ الایمان حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی کتاب ہے؟ ۳۸۷

۴/باب ما یتعلق بتعلیم النساء

۸۳۷ مدرسۃ البنات کا شرعی حکم ۳۸۸
۸۳۸ لڑکیوں کا دار الاقامہ میں رہ کر تعلیم حاصل کرنے کا شرعی حکم ۳۸۹
۸۳۹ مدرسۃ البنات اور عمر رسیدہ عورتوں کے گشت کا حکم ۳۹۰
۸۴۰ لڑکیوں کے مدرسہ سے متعلق کچھ سوالات وجوابات ۳۹۲
۸۴۱ مدرسۃ البنات میں مدرس کا پڑھانا کیسا ہے؟ ۳۹۵
۸۴۲ کیا دور حاضر میں لڑکیوں کو تعلیم دلانا ضروری ہے؟ ۳۹۶
۸۴۳ ان کالجوں میں علوم دنیوی حاصل کرنا جن میں مخلوط تعلیم ہوتی ہے ۳۹۷
۸۴۴ بے پردہ غیر محرم لڑکیوں کو پڑھانے اور ان کو پردہ سے روکنے کا حکم ۳۹۹

۸۴۵ مراہقہ اور بالغہ لڑکیوں کا بے پردہ تعلیم حاصل کرنا ۴۰۰
۸۴۶ کیا ۲۰ رسالہ لڑکی کا مخلوط تعلیم حاصل کرنا جائز ہے؟ ۴۰۱
۸۴۷ غیر محرم کو بغیر پردہ قرآن کی تعلیم دینا ۴۰۲
۸۴۸ بالغہ منھ بولی بہن کو قرآن کریم پڑھانے کا شرعی حکم ۴۰۳
۸۴۹ جامعۃ البنات میں تعطیل کس دن ہو؟ ۴۰۵
۸۵۰ مدرسہ نسواں میں پاس پڑوس سے آنے والے پانی کا حکم ۴۰۶
۸۵۱ جلسۂ نسواں کی شرعی حیثیت ۴۰۷
۸۵۲ عورتوں کا تقریر کرنا کیسا ہے؟ ۴۰۹
۸۵۳ دعوت نامہ پر فارغات کا نام لکھنا ۴۱۰
۸۵۴ کیا عورتوں کا رات کے جلسوں میں شرکت کرنا درست ہے؟ ۴۱۱
۸۵۵ خواتین کی مدرسی کی شرعی حیثیت ۴۱۱
۸۵۶ لڑکیوں کا گاڑیاں چلانا ۴۱۳

۵/ باب ما یتعلق بالکتابة و آدابها و آحکامها

۸۵۷ کیا صلعم، ص یا عہ لکھنے سے درود شریف کا ثواب مل سکتا ہے؟ ۴۱۵
۸۵۸ حضور ﷺ کے نام کے ساتھ ص: یا صلعم لکھنا کافی نہیں ۴۱۶
۸۵۹ غیر نبی کے لئے علیہ السلام اور غیر صحابی کے لئے رضی اللہ عنہ کا استعمال کرنا کیسا ہے؟ ۴۱۷
۸۶۰ علیہ السلام اور رضی اللہ عنہ کے استعمال کا محل ۴۱۹
۸۶۱ واقعہ ہرقل کے علاوہ دیگر خطوط میں مکمل تسمیہ لکھنے کا ثبوت ۴۲۰
۸۶۲ صحابہ کرام کا خطوط کے شروع میں مکمل بسم اللہ لکھنا ۴۲۲

۸۶۳ تسمیہ کے بجائے باسمہ سبحانہ تعالیٰ لکھنا کیسا ہے ۴۲۴
۸۶۴ اہم تحریر کے شروع میں پورا بسم اللہ نہ لکھا جائے تو کیسا ہے؟ ۴۲۵
۸۶۵ کیا صرف زبان سے پڑھ لینے سے سنت ادا ہو جائے گی؟.......... ۴۲۶
۸۶۶ ۷۸۶ لکھنے سے بسم اللہ کی سنت ادا ہوگی یا نہیں؟ ۴۲۷
۸۶۷ کیا ۷۸۶ بسم اللہ کے قائم مقام ہے؟ ۴۲۹
۸۶۸ ’’۷۸۶‘‘ ۴۳۰
۸۶۹ ۷۸۶ لکھنے کا شرعی حکم ۴۳۱
۸۷۰ تسمیہ کا عدد ۴۳۲
۸۷۱ بسم اللہ کی جگہ ۷۸۶ لکھنے کا حکم شرعی ۴۳۳
۸۷۲ ۷۸۶ لکھنے کا مقصد ۴۳۴
۸۷۳ کیا ’’۷۸۶‘‘ بسم اللہ کا عدد ہے ۴۳۵
۸۷۴ بسم اللہ کے بجائے ۷۸۶ لکھنا ۴۳۷
۸۷۵ خطوط میں ۷۸۶ لکھنا کیسا ہے؟ ۴۳۸
۸۷۶ کیا بسم اللہ کی جگہ ۷۸۶ لکھنا جائز ہے؟ ۴۳۹

۶/ ماب ما یتعلق بالقرآن الکریم

۱/ فصل في علوم القرآن

۸۷۷ وحی، تفسیر وتاویل کی تعریف ۴۴۱
۸۷۸ تفسیر قرآن کا آغاز کب ہوا؟ ۴۴۳
۸۷۹ قرآن کریم میں اعراب کس نے لگائے ہیں؟ ۴۴۴

۸۸۰	قرآن شریف میں اعراب کی تعداد	۴۴۵
۸۸۱	آیات کی تعداد میں اختلاف کی وجہ	۴۴۶
۸۸۲	قرآن کریم کی کل آیتوں کی تعداد	۴۴۷
۸۸۳	قرآن میں رکوع اور تمام حروف کی مقدار	۴۴۷
۸۸۴	تسمیہ قرآن کریم کا جزء ہے یا نہیں؟	۴۵۱
۸۸۵	سورہ فاتحہ قرآن کریم کا جزء ہے یا نہیں؟	۴۵۲
۸۸۶	قرآن کریم ختم کرنے کا مسنون طریقہ	۴۵۳
۸۸۷	حافظ صاحب کا دس جہنمیوں کی سفارش کرنا	۴۵۵
۸۸۸	کیا تالی کا ثواب سامع سے زیادہ ہے؟	۴۵۶
۸۸۹	کیا مقتدی کو قراءت قرآن کا ثواب ملتا ہے؟	۴۵۷
۸۹۰	قرآن کریم کو بلا سمجھے پڑھنے کو بے سود کہنے والے کا حکم	۴۵۸
۸۹۱	خیر و برکت کے لئے غیر مسلم کے یہاں قرآن پڑھنے کا شرعی حکم	۴۶۱
۸۹۲	اوقات نماز سے متعلق آیات قرآنیہ	۴۶۲
۸۹۳	قرآن کریم میں نماز کا حکم کتنی بار آیا ہے؟	۴۶۳
۸۹۴	کیا قرآن کے نہج پر اتحاد قائم نہیں ہوسکتا؟	۴۶۳
۸۹۵	اہل کتاب سے نکاح کے متعلق آیات قرآنی	۴۶۵
۸۹۶	کیا سائنس قرآن سے نکلا ہے؟	۴۶۶
۸۹۷	مسابقۃ القرآن الکریم کی شرعی حیثیت	۴۶۷
۸۹۸	مسابقہ قرأت کے جلسہ کی شرعی حیثیت	۴۶۹
۸۹۹	کیا قراء مصر کی متواترہ قرأت بدعت ہے؟	۴۷۲

۹۰۰ قرآن سے متعلق عبداللہ طارق کے چند شبہات کا تحقیقی جواب....... ۴۷۴
۹۰۱ حروف مقطعات کو باعث اجروثواب وغیرہ سمجھنے کا حکم ۴۸۲
۹۰۲ سورۃ کہف میں ''ولیطلطف'' بڑے حرفوں میں لکھنے کی وجہ ۴۸۳
۹۰۳ الهداية كالقرآن کا صحیح مطلب ۴۸۴

۲/ فصل في تفسير القرآن

۹۰۴ قرآن مقدس میں قصوں کے ذکر کرنے کا مقصد ۴۸۶
۹۰۵ حروف مقطعات کے مصداق کیا ہیں؟........... ۴۸۶
۹۰۶ ''وإن الذين اختلفوا'' کی تفسیر ۴۸۷
۹۰۷ ''لكم دينكم ولي دين'' کی تفسیر ۴۸۸
۹۰۸ حرمت عليكم الميتة الخ کی صحیح تفسیر پر اعتراض ۴۹۱
۹۰۹ الصمد کا ترجمہ اور تفسیر ۴۹۲
۹۱۰ ''وما اهل به لغير الله'' کی صحیح تفسیر........... ۴۹۳
۹۱۱ ''استغفرلهم'' کی تفسیر ۴۹۴
۹۱۲ ''ليغفرلک الله ما تقدم من ذنبک وماتاخر'' کا ترجمہ ۴۹۶
۹۱۳ ''كل نفس ذائقة الموت'' کی تفسیر........... ۴۹۸
۹۱۴ ''لوكان فيها ألهه الا لله'' کی تفسیر ۵۰۰
۹۱۵ کیا ''إن الله وملائكته'' پڑھنے یا سننے سے درود بھیجنا لازم ہے؟ ... ۵۰۱
۹۱۶ ''وامرأة مؤمنة إن وهبت نفسها'' کی تفسیر ۵۰۳
۹۱۷ ''الم يان للذين أمنوا'' کی تفسیر........... ۵۰۵

۹۱۸	سورۂ والضحی کے بعد سورۂ ناس تک تکبیر کہنے کا حکم	۵۰۶
۹۱۹	سورۃ فلق، ناس اور دہر مکی ہیں یا مدنی	۵۰۷
۹۲۰	کیا طوال مفصل منسوخ ہو چکا ہے؟	۵۰۹
۹۲۱	قرآن کریم کا اشعار میں ترجمہ کرنا	۵۱۱
۹۲۲	مساجد میں تفسیر کا سب سے اچھا وقت کون سا ہے؟	۵۱۳
۹۲۳	فارغ التحصیل علماء کے لئے مساجد میں تفسیر کرنے کا شرعی حکم	۵۱۴
۹۲۴	تفسیر بالرائے کے چند نمونے اور اس سے متعلق احکام	۵۱۵
۹۲۵	تفسیر بالرائے کے چند نمونے	۵۲۰
۹۲۶	غیر عالم کا قرآن کریم کی تفسیر کرنا	۵۲۲
۹۲۷	غیر عالم کے لئے قرآن وحدیث کی تفسیر کرنا کیسا ہے؟	۵۲۴
۹۲۸	غیر عالم کا معارف القرآن پڑھ کر سنانا	۴۲۵
۹۲۹	غیر عالم کے لئے قرآن کریم کی تفسیر کرنے کا شرعی حکم	۵۲۸
۹۳۰	کیا عامی تفسیر بیان کرسکتا ہے؟	۵۳۰
۹۳۱	غیر عالم کا مسجد میں قرآن کریم کا ترجمہ وتفسیر پڑھ کر سنانا	۵۳۱
۹۳۲	عامی کا بیان القرآن، تفہیم القرآن وغیرہ کا پڑھ کر سنانا	۵۳۲
۹۳۳	کیا غیر عالم کے لئے معتبر تفسیر کی کتاب پڑھ کر سنانا جائز ہے؟	۵۳۳
۹۳۴	غیر عالم دین کا مودودی صاحب کی تفسیر پڑھنے کا حکم	۵۳۵
۹۳۵	تفہیم القرآن کے درس قرآن کا حکم	۵۳۷
۹۳۶	مودودی اور اہلحدیث کی تفسیر مسجد سے ہٹانے کا حکم	۵۳۸
۹۳۷	کیا داڑھی منڈے کے لئے قرآن کریم کی تفسیر کرنا جائز ہے؟	۵۳۹

۳/ فصل في تجويد القرآن الكريم

۹۳۸ ضاد کا مخرج ۵۴۱

۹۳۹ ہر غنہ کی مقدار ایک الف ہے ۵۴۲

۹۴۰ بوقت وقف ''خلق الانسان'' کے مد کی مقدار ۵۴۲

۹۴۱ ''ہوی غوی'' وغیرہ پر وقف کے وقت مد کرنے کا حکم ۵۴۳

۹۴۲ ''أن لا'' پر نون غنہ ہے یا نہیں؟ ۵۴۴

۹۴۳ ضمہ اور کسرہ کو معروف پڑھیں یا مجہول ۵۴۵

۹۴۴ قولہ الحق پر وقف ہے یا کن فیکون پر؟ ۵۴۵

۹۴۵ اردو میں قراءت کی بہترین کتاب ۵۴۶

۹۴۶ جلسہ گاہ میں قراءت سبعہ تلاوت کرنے کا حکم ۵۴۷

۴/ فصل في تلاوة القرآن وآدابه

۹۴۷ قرآن شریف کی تلاوت افضل ہے یا مسائل کا معلوم کرنا ۵۴۹

۹۴۸ متعدد سورتوں کے فضائل ۵۵۰

۹۴۹ سورۂ کہف کس وقت پڑھیں؟ ۵۵۰

۹۵۰ سورہ توبہ کے شروع میں بسم اللہ پڑھنے کا مسئلہ ۵۵۱

۹۵۱ کیا گھر میں رکھے سبھی قرآن کریم میں تلاوت کرنا لازم ہے؟ ۵۵۳

۹۵۲ عورتوں کی آواز میں تلاوت قرآن وغیرہ سننے کا حکم ۵۵۳

۹۵۳ ترتیل اور ادائے گی حروف کی صحت کے بغیر ختم قرآن کرنے کا حکم ۵۵۵

۹۵۴ عربی کے علاوہ دیگر زبانوں میں تلاوت کا حکم ۵۵۶
۹۵۵ کیا قرآن پاک کو الٹا پڑھنا جائز ہے؟ ۵۵۸
۹۵۶ قرآن کریم کی چند سورتوں کی آیات کو کاٹ کاٹ کر ختم کرنے کا حکم ... ۵۵۹
۹۵۷ کیا تہبند پہن کر تلاوت کرنا جائز ہے؟ ۵۶۱
۹۵۸ ننگی پنڈلی پر قرآن کریم رکھ کر تلاوت کرنا ۵۶۲
۹۵۹ تمباکو والا پان منھ میں رکھ کر قرآن شریف کی تلاوت کرنا ۵۶۳
۹۶۰ دوران تلاوت اذان ہو جائے تو کیا کریں؟ ۵۶۴
۹۶۰ ناخواندہ عورت کا قرآن کی ہر سطر پر انگلی پھیرتے ہوئے بسم اللہ پڑھنا ۵۶۵
۹۶۱ قبرستان میں تلاوت کرنے کا حکم ۵۶۶
۹۶۲ کیا دوران تعلیم باآواز بلند قرآن شریف پڑھنا جائز ہے؟ ۵۶۷
۹۶۳ راستے میں چلتے پھرتے تلاوت کرنے کا حکم ۵۶۸
۹۶۴ کیا بازار میں تلاوت کرنا جائز ہے؟ ۵۶۹
۹۶۵ حافظ قرآن کا راہ چلتے تلاوت کرنا کیسا ہے؟ ۵۷۱
۹۶۶ موبائل پر قرآن چالو کر کے گھر کے کام یا نماز وغیرہ پڑھنا ۵۷۱
۹۶۷ مصروف عمل لوگوں کے پاس تلاوت کرنے کا شرعی حکم ۵۷۳
۹۶۸ اپنے کاموں میں مشغول لوگوں کے پاس تلاوت کی شرعی حیثیت ۵۷۴
۹۶۹ بلا وضو تلاوت قرآن کا حکم ۵۷۵
۹۷۰ کیا بلا وضو تلاوت کرنا جائز ہے؟ ۵۷۶
۹۷۱ بلا وضو سورتوں اور دیگر وظائف کا پڑھنا کیسا ہے؟ ۵۷۷
۹۷۲ کیا بلا وضو آیات قرآنیہ کا لکھنا جائز ہے؟ ۵۷۸
۹۷۳ آیات قرآنیہ لکھے ہوئے کاغذ کو بلا وضو چھونے کا حکم ۵۸۰

۹۷۴ مادون الآیۃ کو بلا وضو چھونا جائز ہے ۵۸۰
۹۷۵ جنبی کیلئے ذکر اللہ اور زبانی قرآن پڑھنے کا حکم ۵۸۱
۹۷۶ کیا جنبی کے لئے تلاوت کرنا جائز ہے؟ ۵۸۳
۹۷۷ جنابت میں دعائیہ آیتوں کے دعاء کی غرض سے پڑھنے کا حکم ۵۸۴
۹۷۸ کاپی پر حرف قرآن کا ترجمہ لکھنا اور حائضہ کا اس کو پڑھنا.............. ۵۸۵
۹۷۹ جزدان سے متعلق چند سوالات کے جوابات ۵۸۶
۹۸۰ قرآن کریم کو آنکھوں سے لگانے، سر پر رکھنے اور بوسہ دینے کا حکم ۵۸۸
۹۸۱ دماغی کمزوری کی بنیاد پر قرآن بھولنے کا حکم ۵۹۰
۹۸۲ قرآن بھولنے کی وعید کا تعلق کتنا قرآن بھولنے پر ہے؟ ۵۹۱
۹۸۳ قرآن کریم ہاتھ میں لے کر قسم کھانا کیسا ہے؟..................... ۵۹۲
۹۸۴ ٹی وی، وی سی آر میں قرآن کریم بھرنا اور سننا ۵۹۴
۹۸۵ ریڈیو سے گانا، ناٹک، خبریں، قرآن کریم سننا ۵۹۵
۹۸۶ قرآن کو ریڈیو اور ٹیپ ریکارڈ میں بھرنا اور سننا ۵۹۵
۹۸۷ ریڈیو، ٹیلی ویژن اور ٹیپ ریکارڈ پر قرآن کریم سننے کا حکم ۵۹۶
۹۸۸ قرآن کریم کی ریکارڈنگ کیسٹوں کا شرعی حکم ۵۹۷
۹۸۹ ٹیلی ویژن پر قرآن سننے کا حکم ۵۹۸
۹۹۰ کیسٹ سے تلاوت سننے سے ثواب ملے گا یا نہیں؟ ۵۹۹
۹۹۱ قرآن کے بارے میں کفریہ کلمات کہنے کا حکم ۶۰۰
۹۹۲ کیا حروف مقطعات کی انگوٹھی پہن کر بیت الخلاء جانا جائز ہے؟ ۶۰۱
۹۹۳ زوجین کا برہنہ لیٹنے سے قرآن کی بے ادبی کا حکم.................... ۶۰۲
۹۹۴ قرآن کریم ہاتھ سے گر جائے تو کیا کریں؟ ۶۰۳

۹۹۵	قرآن پڑھتے ہوئے لیموں کو پیروں سے کچل کر سفر پر روانہ ہونے کا شرعی حکم........	۶۰۴
۹۹۶	کیا غلاف کے اندر بند تعویذ کے ساتھ بیت الخلاء میں جانا جائز ہے؟	۶۰۴
۹۹۷	ایک سالہ بچے کے قرآن پر پیشاب کرنے کا کفارہ کیا ہوگا؟	۶۰۵
۹۹۸	بچے کے پیشاب کی دھار قرآن کریم پر چلی گئی تو کیا کریں؟	۶۰۶
۹۹۹	جماعت اسلامی کا دعوت کے بہانے ہندی قرآن غیر مسلم کو تقسیم کرنے کا حکم	۶۰۷
۱۰۰۰	غیر مسلم کو ہندی قرآن ہدیہ کرنے کا شرعی حکم	۶۰۸
۱۰۰۱	کیا ہدایت کی امید سے قرآن کریم غیر مسلم کو ہدیہ کرنا جائز ہے؟	۶۱۰
۱۰۰۲	غیر مسلم کو ہندی میں چھپا ہوا قرآن دینے کا حکم..................	۶۱۱
۱۰۰۳	کیا غیر مسلموں کو قرآن شریف بانٹنا جائز ہے؟	۶۱۲
۱۰۰۴	غیر مسلم کا قرآن شریف وغیرہ فروخت کرنا	۶۱۵
۱۰۰۵	غیر مسلم کو قرآنی آیات سے تعویذ لکھ کر دینا	۶۱۶

○❖○

فہرست مضامین

۴/بقیة كتاب العلم

۵/فصل في كتابة القرآن وأحكامه

مسئلہ نمبر .... صفحہ نمبر

۱۰۰۶ کھانے کی چیزوں پر کلمہ طیبہ یا آیات قرآنی کا لکھا ہوا ہونا ۲۷

۱۰۰۷ سورۂ براءت کے شروع میں بسم اللہ کیوں نہیں لکھی گئی؟ ۲۸

۱۰۰۸ آیات قرآنیہ کو ابجد ہوز کے عدد کے اعتبار سے لکھنے کا حکم ۲۹

۱۰۰۹ قرآن کریم کو ہندی یا انگریزی رسم الخط میں لکھنا ۳۰

۱۰۱۰ قرآن شریف ہندی میں چھاپنا اور پڑھنا کیسا ہے؟ ۳۴

۱۰۱۱ مدارس میں بلیک بورڈ پر آیات قرآنیہ لکھنے کا حکم ۳۵

۱۰۱۲ کیا قرآنی آیات لکھے ہوئے اسٹیکر مکان یا دوکان میں چسپاں کرنا جائز ہے؟ ۳۷

۱۰۱۳ سبق کے اختتام پر قلم سے قرآن میں نشان لگانے اور تاریخ لکھنے کا حکم ۳۸

۱۰۱۴ کیا پوسٹر و اشتہارات میں قرآنی آیات لکھنا جائز ہے؟ ۳۹

۱۰۱۵ آیات قرآنیہ لکھے ہوئے پوسٹر دیواروں پر چسپاں کرنا ۴۰

۱۰۱۶ آیات قرآنیہ والے پوسٹر دیواروں پر چسپاں کرنا کیسا ہے؟ ۴۲

۱۰۱۷ آیات قرآنیہ فریم میں کر کے گھروں میں آویزاں کرنے کا حکم ۴۳

۱۰۱۸ کیا اخبار میں قرآن کی آیت چھاپنا جائز ہے؟ ۴۵

۱۰۱۹ قرآنی آیات کو کٹوری یا برتنوں میں لکھوانا کیسا ہے؟ ۴۶

۱۰۲۰ آیات قرآنیہ لکھے ہوئے برتنوں کی تجارت کا حکم ۴۸

۱۰۲۱ آیات قرآنیہ لکھے ہوئے پیالہ کے استعمال کا حکم ۴۹
۱۰۲۲ کیا برتنوں پر قرآنی آیات لکھنا جائز ہے؟ ۵۰
۱۰۲۳ کتاب اللہ کے بوسیدہ اوراق کو کیا کریں؟ ۵۲
۱۰۲۴ قرآن کریم کے بوسیدہ اوراق کیا کئے جائیں؟ ۵۴
۱۰۲۵ بوسیدہ قرآن کریم کو جلانا ۵۵
۱۰۲۶ بوسیدہ اوراق قرآن کا حکم ۵۶
۱۰۲۷ قرآن کریم کے پھٹے پرانے اوراق کو جلانے کا حکم ۵۷
۱۰۲۸ قرآن کریم کے بوسیدہ اوراق کو جلا کر اڑانا ۵۹
۱۰۲۰ قرآن کے بوسیدہ اوراق کو جلا کر دفن کرنا ۶۰
۱۰۳۰ قرآن کریم کے بوسیدہ اوراق جلانا ۶۱
۱۰۳۱ قرآنی آیات لکھے ہوئے اخبارات اور خطوط کا حکم ۶۳
۱۰۳۲ اخبار کے قرآنی تراشوں کو کیا کریں؟ ۶۴
۱۰۳۳ اسلامی مضامین والے بوسیدہ اردو اخبار کو کیا کریں؟ ۶۶
۱۰۳۴ آیات قرآنیہ واحادیث نبویہ کے S.M.S ڈلیٹ کرنا ۶۷
۱۰۳۵ قرآن کے بوسیدہ اوراق ڈالے گئے کنویں میں لنٹر ڈال کر فلیش ٹینک بنانا ۶۸
۱۰۳۶ بغیر متن کے ترجمۂ قرآن کی اشاعت ۷۱
۱۰۳۷ متن کے ساتھ ترجمۂ قرآن کی اشاعت ۷۲
۱۰۳۸ غیر عربی رسم الخط میں قرآن کی کتابت ۷۴
۱۰۳۹ بریل کوڈ میں قرآن مجید کی کتابت ۷۷
۱۰۴۰ موبائل پر قرآن مجید ۷۸
۱۰۴۱ اسکرین والے موبائل کو لے کر بیت الخلاء میں داخل ہونا ۸۱

۶/ فصل في قراءة القرآن و اهداء الثواب

۱۰۴۲ سورۂ یٰسین کا ختم کرنا کیسا ہے؟ ۸۵
۱۰۴۳ اجتماعی قرآن خوانی ۸۶
۱۰۴۴ قرآن پڑھ کر ایصال ثواب حدیث سے ثابت ہے ۸۷
۱۰۴۵ اجتماعی ختم قرآن کرنا کیسا ہے؟ ۸۸
۱۰۴۶ قرآن خوانی کے ذریعہ ایصال ثواب ۸۹
۱۰۴۷ قرآن خوانی ۹۰
۱۰۴۸ ایصال ثواب کے لئے اجتماعی قرآن خوانی کا حکم ۹۱
۱۰۴۹ قرآن پڑھ کر نابالغ بچہ کا ایصال ثواب کرنا کیسا ہے؟ ۹۲
۱۰۵۰ خوشی یا غمی کے موقعہ پر ایصال ثواب یا دعا کرنے کا حکم ۹۳
۱۰۵۱ قرآن خوانی کے لئے لوگوں کو جمع کرنا کیسا ہے؟ ۹۴
۱۰۵۲ ہفتہ میں ایک دن مقرر کر کے ختم قرآن کرنے کی شرعی حیثیت ۹۶
۱۰۵۳ آیت کریمہ کے ختم سے متعلق سوال کا جواب ۹۷
۱۰۵۴ ایضاح المسائل میں قرآن خوانی کے مسئلہ پر حوالہ نہ ہونے کی وجہ سے تذبذب ۹۸
۱۰۵۵ مائک میں اجتماعی قرآن خوانی کی شرعی حیثیت ۹۹
۱۰۵۶ اجتماعی قرآن خوانی کے لئے مائک سے اعلان کرنے کا شرعی حکم ۱۰۲
۱۰۵۷ مروجہ قرآن خوانی اور شبینہ کا شرعی حکم ۱۰۳
۱۰۵۸ کیا مروجہ قرآن خوانی جائز ہے؟ ۱۰۴
۱۰۵۹ اجتماعی قرآن خوانی کی شرعی حیثیت ۱۰۵

١٠٦٠ اجتماعی قرآن خوانی ١٠٦
١٠٦١ برکت اور ایصال ثواب کے لئے قرآن خوانی اور شیرینی تقسیم کرنا ١٠٧
١٠٦٢ دوکان کے افتتاح میں قرآن خوانی کروا کر دعوت کھلانے کا شرعی حکم .. ١٠٨
١٠٦٣ دفع مصائب، خیر و برکت کے لئے قرآن خوانی کرانے کا شرعی حکم ... ١٠٩
١٠٦٤ دفع ضر و حصول برکت کے لئے قرآن خوانی ١١٢
١٠٦٥ قرآن خوانی سے متعلق چند سوالات کے جوابات ١١٣
١٠٦٦ قرآن خوانی کے لئے لوگوں کو گھر پر بلانے کی شرعی حیثیت ١١٥
١٠٦٧ قرآن خوانی کے لئے طلبہ کو جمع کرنا اور ان کی دعوت کرنا ١١٦
١٠٦٨ قرآن خوانی کے بعد کھانا کھلانے کی شرعی حیثیت ١١٧
١٠٦٩ ختم قرآن کے موقع پر دعوت کی رسم ١١٨
١٠٧٠ قرآن خوانی کے بعد شیرینی تقسیم کرنا ١١٩
١٠٧١ قرآن خوانی کے لئے دعوت وغیرہ کا التزام کرنا ١٢٠
١٠٧٢ قرآن خوانی کے چند روز بعد جوڑے کا انعام دینا کیسا ہے؟ ١٢٤
١٠٧٣ ایصال ثواب کے لئے قرآن پڑھوا کر کھانا کھلانا کیسا ہے؟ ١٢٥
١٠٧٤ دسویں، تیسویں، چالیسویں میں قرآن پڑھنا پڑھانا ١٢٦
١٠٧٥ فاتحہ خوانی اور شیرینی کا حکم ١٢٧
١٠٧٦ قرآن خوانی کے عوض دعوت کھانا یا پیسہ لینا کیسا ہے؟ ١٢٩
١٠٧٧ قرآن خوانی پر اجرت لینا یا اس کے بدلے کھانا کھانا ١٣٠
١٠٧٨ قرآن خوانی کے کھانے پینے کا حکم ١٣١

۷/ فصل في الأجرة والهدايا على تلاوة

۱۰۷۹ آغاز تعلیم قرآن رسم بسم اللہ کی شرعی حیثیت ۱۳۳
۱۰۸۰ کیا حضرت عمرؓ نے بارہ سال کی عمر میں سورۂ بقرہ حفظ کی تھی؟ ۱۳۴
۱۰۸۱ کیا استاذ کا ختم قرآن پر ہدیہ قبول کرنا جائز ہے؟ ۱۳۶
۱۰۸۲ تکمیل قرآن پر اساتذہ کا والدین کا ہدیہ قبول کرنا ۱۳۷
۱۰۸۳ حفظ قرآن پر دعوت کرنا کیسا ہے ۱۳۸
۱۰۸۴ ناظرہ یا حفظ کی تکمیل پر تقریب کا اہتمام کرنا ۱۴۰
۱۰۸۵ حفظ قرآن کی تکمیل پر عزیز واقارب کو مدعو کرنا................ ۱۴۱
۱۰۸۶ تکمیل حفظ کے بعد باہم چندہ کر کے دعوت کرنا ۱۴۵
۱۰۸۷ تکمیل حفظ قرآن پر دعا اور کھانے وغیرہ کا حکم ۱۴۶
۱۰۸۸ قرآن پڑھانے والی کا تحفہ قبول کرنا کیسا ہے؟ ۱۴۷
۱۰۸۹ ٹیوشن پر بچوں کو قرآن پڑھانا ۱۴۸
۱۰۹۰ قاری کا تحفہ وہدیہ قبول کرنا ۱۵۰
۱۰۹۱ ختم کلام پاک پر اجرت لینا حرام ہے ۱۵۱
۱۰۹۲ قرآن خوانی کی اجرت کا حکم ۱۵۲
۱۰۹۳ کیا ۴۰/ دن سورۂ بقرہ پڑھ کر اجرت لینا، دینا جائز ہے؟ ۱۵۳
۱۰۹۴ دوکان ومکان میں قرآن خوانی اور اس کی اجرت کا شرعی حکم ۱۵۴
۱۰۹۵ ختم قرآن کا نذرانہ.................................... ۱۵۶
۱۰۹۶ کیا قرآنی آیات سے گنڈے تعویذ کرنا شرک ہے؟ ۱۵۷
۱۰۹۷ کیا قرآنی آیات واحادیث شریفہ سے جھاڑ پھونک کرنا جائز ہے؟ ... ۱۵۹
۱۰۹۸ بطور رقیہ قرآن خوانی کی اجرت کا جواز ۱۶۰

۱۰۹۹ بطور علاج قرآن خوانی (رقیہ) کی اجرت کا حکم ۱۶۲
۱۱۰۰ قرآن کی آیت سے تعویذ لکھ کر اس کا عوض لینا جائز ہے ۱۶۳

۸/باب ما یتعلق بالحدیث و شرحہ

۱۱۰۱ ثقہ، جرح، تعدیل کی تعریف ۱۶۵
۱۱۰۲ کیا حضور ﷺ نے دس لاکھ احادیث بیان فرمائی ہیں؟ ۱۶۶
۱۱۰۳ کیا امام بخاری کے استاذ صحابیٔ رسول ہیں؟ ۱۶۶
۱۱۰۴ گناہ کبیرہ کے مرتکب کا شمائل ترمذی کی تعلیم دینا ۱۶۸
۱۱۰۵ احادیث کی دعائیں ہندی زبان میں شائع کرنا ۱۶۹
۱۱۰۶ حدیث متواتر کا انکار.. ۱۷۱
۱۱۰۷ اللہ کے مقابلہ میں سرکار دو عالم ﷺ کا علم کتنا ہے؟.............. ۱۷۲
۱۱۰۸ إذا قاتل أحدکم......علی صورته میں ہ ضمیر کا مرجع.............. ۱۷۳
۱۱۰۹ جنت میں داخلہ قبل الحساب ہوگا یا بعد الحساب؟.................. ۱۷۴
۱۱۱۰ مال حرام کھانے والے کی دعا قبول نہ ہونے والی حدیث کا مأخذ ۱۷۵
۱۱۱۱ چار کروڑ نیکیوں کی دعاء حدیث سے ثابت ہے ۱۷۶
۱۱۱۲ حضرت فاطمہؓ کی وفات کے بعد غسل کا حدیث سے ثبوت................ ۱۷۸
۱۱۱۳ چند حدیثوں کے مصداق کی تعیین.................................. ۱۷۹
۱۱۱۴ کیا دونوں ہاتھوں سے لینے دینے کے متعلق حدیث ہے؟.............. ۱۸۱
۱۱۱۵ ازواج مطہرات سے متعلق حدیث کی تحقیق ۱۸۲
۱۱۱۶ هذا الکلب علمنا السنة کی تشریح ۱۸۴
۱۱۱۷ حضرت آدمؑ کا حضور ﷺ کے وسیلے سے دعا مانگنے والی حدیث کا مأخذ . ۱۸۶

۱۱۱۷ "الماء من الماء"والی حدیث شریف منسوخ ہے ۱۸۷
۱۱۱۸ حضور ﷺ کا والدین کے لئے استغفار کی اجازت طلب کرنا ۱۸۸
۱۱۱۹ "الاسلام یعلو ولا یعلی"والی حدیث کس کتاب میں ہے؟ ۱۹۰
۱۱۲۰ اصحابی کالنجوم کے ہم معنی حدیث ۱۹۱
۱۱۲۱ حدیث " سیدة أهل الجنة فاطمه" کی تحقیق ۱۹۲
۱۱۲۲ ڈوبتے سورج کے واپس آنے سے متعلق روایت کی تحقیق ۱۹۳
۱۱۲۳ سبحان ربک رب العزة الخ کی فضیلت سے متعلق روایت ۱۹۵
۱۱۲۴ چہرۂ انور کی روشنی میں سوئی میں دھاگا ڈالنے والی روایت کی تحقیق ۱۹۶
۱۱۲۵ مٹی ڈالتے وقت آیت پڑھنے والی حدیث کی تحقیق ۱۹۷
۱۱۲۶ کیا حضور ﷺ کا شیطان آپ کا فرماں بردار ہو گیا تھا؟ ۱۹۸
۱۱۲۷ دوسرے کی دنیا کے لئے اپنی آخرت برباد کرنا ۱۹۹
۱۱۲۸ دو بھائیوں میں صلح کرادینا نماز، روزہ اور صدقہ سے بہتر ۲۰۰
۱۱۲۹ حضرت آدم علیہ السلام کا دعاء میں حضور ﷺ کا واسطہ دینا ۲۰۱
۱۱۳۰ تا قیامت حرمین شریفین میں کافر کی حکومت قائم نہ ہوگی............. ۲۰۳
۱۱۳۱ زبانی عبادت کا ثواب مردے کو بخشنے کا ثبوت حدیث شریف سے ۲۰۴
۱۱۳۲ نمازی کے سامنے سے گزرنے والے پر سخت وعید والی حدیث ۲۰۶
۱۱۳۳ دو حدیثوں کی تحقیق ۲۰۷
۱۱۳۴ ۵۶/اعتراضات کتاب کی دو حدیثوں کے حوالہ پر اعتراض ۲۰۹
۱۱۳۵ "کنت نبیا و آدم بین الماء و الطین"حدیث کی تحقیق ۲۱۱
۱۱۳۶ حضور ﷺ تشریف نہ لاتے پھر بھی دنیا قائم ہوتی کہنا کیسا ہے؟ ۲۱۵

۱۱۳۷ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اسلام لانے سے قبل دس سالہ بچی کو زندہ درگور کرنا ۲۱۶
۱۱۳۸ پیر و جمعرات کے روز خدمت اقدس ﷺ میں اعمال پیش کئے جانے کی تحقیق ۲۱۸
۱۱۳۹ فإذا كانت غداة الفطر......والی حدیث موضوع ہے یا ضعیف ۲۱۹
۱۱۴۰ یوم عاشوراء میں پیش آنے والی مشہور باتوں کی تحقیق ۲۲۰
۱۱۴۱ کیا فرائض کے بعد سر پکڑ کر "یا قوی، یا نور" پڑھنا حدیث سے ثابت ہے؟ ۲۲۱
۱۱۴۲ نماز سے فراغت کے بعد ہاتھ رکھ کر سر پر "یا قوی" پڑھنے سے متعلق حدیث کی تحقیق ۲۲۲
۱۱۴۳ میت کے ساتھ ہمزاد کے مدفون ہونے والی حدیث کی تحقیق ۲۲۳
۱۱۴۴ حدیث "مسجد میں خارج کردہ ریح فرشتہ منہ میں لے کر مسجد سے باہر جاتا ہے" کی تحقیق....... ۲۲۵
۱۱۴۵ ابو برزہ کے قول کی تحقیق ۲۲۶
۱۱۴۶ محدثین فقہاء اور اہل ادب کے نزدیک اشتمال صماء کی صورت ۲۲۷
۱۱۴۷ قربانی کے جانور سے متعلق ایک حدیث کی وضاحت ۲۲۸
۱۱۴۸ "لاغيبة لفاسق و لامجاهر" کی وضاحت ۲۳۰
۱۱۴۹ صحیح بخاری کی ایک حدیث کی تشریح........................... ۲۳۲
۱۱۵۰ "إذا كذب العبد تباعد عنه الملائكة ميلا" ۲۳۳
۱۱۵۱ صلوۃ الاستسقاء سے قبل تین روزے رکھنے سے متعلق ایک اثر ۲۳۴
۱۱۵۲ حدیث کے الفاظ "أن تشير بأصبع" سے کیا مراد ہے؟ ۲۳۶
۱۱۵۳ حدیث "تنكح المرأة لأربع الخ" کا صحیح مفہوم................. ۲۳۷
۱۱۵۴ حدیث قیامت کے دن سورج سوا نیزے پر ہوگا کا صحیح مطلب ۲۳۸
۱۱۵۵ حدیث "عضوه بهن أبيه" کا صحیح ترجمہ ۲۳۹
۱۱۵۶ حدیث میں لفظ سہام کا مفہوم ۲۴۱
۱۱۵۷ "وقال ابن نمير ملان" کی وضاحت ۲۴۳

۱۱۵۸ ترمذی شریف میں ’’ من غیر وجه‘‘ کا مطلب ۲۴۵
۱۱۵۹ ’’یکفیه من ذلک رأس الجوزاء‘‘ کی تشریح ۲۴۹
۱۱۶۰ ’’إذا سفرتم في الأمور فاستعینوا......‘‘ کا صحیح مطلب ۲۵۰

۹/ باب مایتعلق بالاحادیث الضعیفة و الموضوعة

۱۱۶۱ دو حدیثوں کی تحقیق اور غلط حدیث بیان کرنا کیسا ہے؟............... ۲۵۳
۱۱۶۲ ’’اطلبوا العلم ولو بالصین‘‘ حدیث ہے یا نہیں؟ ۲۵۵
۱۱۶۳ ’’تسافروا تصحوا‘‘ والی حدیث کیسی؟ ۲۵۶
۱۱۶۴ حب الوطن من الإیمان ۲۵۷
۱۱۶۵ ’’الدنیا جیفة‘‘ حدیث ہے یا نہیں؟ ۲۵۹
۱۱۶۶ ’’السؤال ذل‘‘ حدیث ہے یا نہیں؟ ۲۶۰
۱۱۶۷ سؤر المؤمن شفاء حدیث ہے؟ ۲۶۱
۱۱۶۸ ’’علماء أمتي کأنبیاء بني إسرائیل‘‘ ۲۶۲
۱۱۶۹ ’’کل قلیل قصیر فتنة......‘‘ کیا یہ حدیث ہے؟ ۲۶۳
۱۱۷۰ ’’قوموا لیلها‘‘ حدیث کی تحقیق ۲۶۳
۱۱۷۱ کیا لولاک لما خلقت الأفلاک حدیث ہے؟............... ۲۶۵
۱۱۷۲ ’’لولاک لما خلقت الأفلاک‘‘ کی تحقیق ۲۶۶
۱۱۷۳ کیا ’’من زار العلماء فقد زارني‘‘ کے الفاظ کے ساتھ کوئی حدیث ہے؟ ۲۶۷
۱۱۷۴ حدیث ’’من عرف نفسه فقد عرف ربه‘‘ کی تحقیق............ ۲۶۸
۱۱۷۵ ’’المدرسة بیتي والمسجد بیت الله‘‘ کی تحقیق............ ۲۶۹
۱۱۷۶ ’’المشورة أمانة‘‘ کس درجہ کی حدیث ہے؟ ۲۷۰

۱۱۷۷ مشورہ کے بارے میں احادیث نبویہ ۲۷۰
۱۱۷۸ مشورہ سے متعلق حدیث ۲۷۱
۱۱۷۹ ایک واقعہ کی تحقیق ۲۷۲
۱۱۸۰ اکثر لوگ اور ایک چوتھائی لوگ ایماندار ہیں حدیث ہے یا نہیں؟ ۲۷۳
۱۱۸۱ بلوغ کے بعد والدین شادی نہ کریں تو ہر حیض پر نبی کے قتل کا گناہ ہوگا؟ ۲۷۵
۱۱۸۲ کیا بے نمازی عورت چار آدمیوں کو جہنم میں لے جائے گی؟ ۲۷۶
۱۱۸۳ کیا تاش کھیلنا ستر بار کعبۃ اللہ کو ڈھانا اور ستر مرتبہ ماں سے زنا کرنا جیسا ہے؟ ۲۷۶
۱۱۸۴ تمام گناہ معاف کرانے والی نماز ۲۷۷
۱۱۸۵ جزامی سے بات کرتے وقت دستی پنکھے سے آڑ کرنا ۲۷۸
۱۱۸۶ جنبی کا غسل کے ذریعہ پاک ہونے سے متعلق ایک حدیث کی تحقیق ۲۷۹
۱۱۸۷ حضور ﷺ پر عورت کوڑا ڈالتی تھی اس حدیث کی تحقیق ۲۸۰
۱۱۸۸ کیا حضرت بلالؓ کے سیاہ پن کا ٹیکہ جنتیوں کو لگایا جائے گا؟ ۲۸۱
۱۱۸۹ حیاۃ الحیوان کی ایک حدیث کی تحقیق ۲۸۱
۱۱۹۰ ایک حدیث کی تحقیق ۲۸۲
۱۱۹۱ کیا درود پڑھنے والے کی سانس سے بادل اور بادل کے ہر قطرہ سے سونا پیدا ہوتا ہے؟ ... ۲۸۳
۱۱۹۲ عہد نامہ میں بیان کردہ فضیلت کا ثبوت ۲۸۴
۱۱۹۳ فرائض پنجگانہ کے ترک کے گناہ سے متعلق حدیث ۲۸۵
۱۱۹۴ قیامت میں بے نمازیوں کو خنزیر بنادئے جانے والی حدیث کی تحقیق ۲۸۶
۱۱۹۵ فاتحہ سے متعلق موضوع روایت ۲۸۶

۱۰/ باب الوعظ والنصیحة

۱۱۹۶ عشاء کے بعد سیرت پاک کا جلسہ منعقد کرنے کا شرعی حکم ۲۸۸
۱۱۹۷ رات میں کتنی دیر جلسے کیے جاسکتے ہیں؟.................... ۲۸۹
۱۱۹۸ پروگرام کے موقع پر اجتماعی درود پڑھنے کا شرعی حکم ۲۹۲
۱۱۹۹ جلسہ میں شریک نہ ہوکر صرف دعاء میں شرکت کرنا................ ۲۹۴
۱۲۰۰ مسجد میں جلسہ کے دوران منبر پر بیٹھ کر بیان کرنا ۲۹۵
۱۲۰۱ اذان فجر کے بعد تقریر کرنا کیسا ہے؟ ۲۹۶
۱۲۰۲ انجمن کا نام مجلس دعوۃ الخیر رکھنا........................ ۲۹۷
۱۲۰۳ کیا داعیٔ اسلام کے لئے جھوٹ بولنا جائز ہے؟ ۲۹۸
۱۲۰۴ برے کام سے رکنا اور روکنا دونوں موجب ثواب ہے ۲۹۹
۱۲۰۵ منکر پر نکیر کا طریقہ ۳۰۰
۱۲۰۶ غلطی ہونے پر علی الاعلان ٹوکنا کیسا ہے؟.................. ۳۰۱
۱۲۰۷ حکمت و دانائی سے کسی کو تنبیہ کرنا ۳۰۲
۱۲۰۸ قبر پر ہونے والی منکرات وخرافات سے روکنے کا شرعی حکم ۳۰۳
۱۲۰۹ فسادات روکنے کی غرض سے پختہ قبر کو ڈھانا ۳۰۴
۱۲۱۰ ضرورت سے زائد مسجد میں لائٹنگ کرنے سے روکنا ۳۰۵
۱۲۱۱ کیا داڑھی منڈے کے لئے وعظ ونصیحت کرنا جائز ہے؟ ۳۰۶
۱۲۱۲ واعظہ حلیمہ خاتون سے متعلق چند سوالات ۳۰۷
۱۲۱۳ چند مقررین کی قابل اعتراض باتوں کی تحقیق ۳۱۱

۵/ کتاب الدعوۃ والتبلیغ

۱/ باب الدعوۃ ومتعلقاتہا

۱۲۱۴ کیا تبلیغ نبیوں والا کام ہے؟ ۳۱۴
۱۲۱۵ ظہورِ اسلام کا مطلب ۳۱۶
۱۲۱۶ اسلام میں دعوتِ اسلام کا درجہ ۳۱۷
۱۲۱۷ دعوتِ ایمان افضل ہے یا دعوتِ اصلاح؟ ۳۱۸
۱۲۱۸ مولانا الیاسؒ کے متعلق مثل انبیاء عقیدہ رکھنا کیسا ہے؟ ۳۲۲
۱۲۱۹ تبلیغی جماعت بھی اعلائے کلمۃ اللہ کا مصداق ۳۲۳
۱۲۲۰ کیا خانقاہ اور جماعت کے علوم سے مستفید حضرات عالم کہلائے جانے کے مستحق ہیں؟ ۳۲۵
۱۲۲۱ دعوت وتبلیغ سے متعلق علماء کانپور کے چند سوالات اور دار العلوم دیوبند کی ۳۲۵
۱۲۲۲ تبلیغی جماعت کے طریقۂ کار کو بدعت کہنے کا حکم ۳۳۴
۱۲۲۳ تبلیغی جماعت پر شبہ کا جواب ۳۳۶
۱۲۲۴ تبلیغی جماعت پر اعتراضات کے جوابات ۳۳۸
۱۲۲۵ تبلیغی جماعت پر اعتراض اور اس کا جواب ۳۴۶
۱۲۲۶ تبلیغی جماعت میں جانا کیسا ہے؟ ۳۴۹
۱۲۲۷ تبلیغی جماعت سے متعلق چند امور کا حکم ۳۵۰
۱۲۲۸ جماعت میں نکلنے کا مقصد اصلاحِ نفس ہے ۳۵۳
۱۲۲۹ تبلیغ والوں کا علماء کے لئے تین سال اور عوام کے لئے ڈیڑھ سال مقرر کرنا.. ۳۵۴
۱۲۳۰ چلہ اور چار مہینے کی تعیین میں کیا حکمت؟ ۳۵۵
۱۲۳۱ چلہ کی خصوصیت ۳۵۷

۱۲۳۲ کیا دورِ نبوت وصحابہ میں کوئی صحابی تبلیغ کی خاطر مسجد میں ٹھہرے ہیں؟ . ۳۵۸
۱۲۳۳ تبلیغ والوں کا مسجد میں سونا ۳۶۰
۱۲۳۴ تبلیغی جماعت والوں کا مسجد میں ٹھہرنا ۳۶۱
۱۲۳۵ تبلیغی جماعت والوں کا مسجد میں قیام کرنا ۳۶۳
۱۲۳۶ تبلیغ دین کی خاطر مسجد میں قیام کرنا ۳۶۵
۱۲۳۷ تبلیغ والوں کا مسجد میں قیام وطعام ۳۶۶
۱۲۳۸ تبلیغی جماعت والوں کا مساجد میں سونا ۳۶۷
۱۲۳۹ قرآن کی تعلیم افضل ہے یا گشت؟ ۳۶۸
۱۲۴۰ کیا گشت کا عمل قرآن سے بھی اونچا ہے؟ ۳۷۰
۱۲۴۱ گشت کرنا اور لوگوں کو نماز کی دعوت دینا ۳۷۱
۱۲۴۲ گشت کرنے کے وقت مسجد سے باہر نکل کر دعا کرنے کا ثبوت ۳۷۲
۱۲۴۳ گشت کر کے نماز پڑھنے پر سات لاکھ نمازوں کا ثواب ۳۷۳
۱۲۴۴ ہفتہ واری گشت میں مسجد کے دروازہ پر کسی کو کھڑا کرنا ۳۷۵
۱۲۴۵ مختلف مقامات سے آنے والی تبلیغی جماعت میں شرکت ۳۷۵
۱۲۴۶ ۲۵ رد سمبر میں تبلیغی اجتماع کا حکم ۳۷۶
۱۲۴۷ کیا اللہ کے راستہ میں جانا حضور ﷺ کی زیارت سے افضل ہے؟ ۳۷۸
۱۲۴۸ اصلاح مدرسہ میں ہے یا تبلیغی جماعت میں؟ ۳۷۹
۱۲۴۹ کیا تبلیغ والوں پر جہاد وغیرہ کی فضیلت سے متعلق احادیث صادق آسکتی ہیں؟ ۳۸۱
۱۲۵۰ کیا طلباء کے لئے بیان کی گئی فضیلت تبلیغ کرنے والوں پر صادق آتی ہے؟.. ۳۸۳
۱۲۵۱ کیا جماعت میں نکلنے والے کو طالب علم کہہ سکتے ہیں؟ ۳۸۴
۱۲۵۲ کیا جماعت میں جانے والے کو عالم کہہ سکتے ہیں؟ ۳۸۵

۱۲۵۳ مکتب بند کر کے تبلیغی جماعت میں جانا ۳۸۶
۱۲۵۴ تبلیغ میں بھیجے گئے اساتذہ کو تنخواہ دینا........................ ۳۸۷
۱۲۵۵ تبلیغی نصاب کی عبارت پر اعتراض........................ ۳۸۸
۱۲۵۶ فضائل اعمال کے چند واقعات پر اعتراض کا جواب ۳۸۹
۱۲۵۷ فضائل اعمال سے متعلق ایک اعتراض ۳۹۱
۱۲۵۸ کیا جنت البقیع میں مدفون شخص کو عذاب ہوسکتا ہے؟ ۳۹۳
۱۲۵۹ سیرت کے جلسہ کی وجہ سے مشورہ کو مؤخر کرنا ۳۹۶
۱۲۶۰ مساجد میں تبلیغی نصاب سنانے کا موزوں وقت ۳۹۷
۱۲۶۱ فضائل اعمال کی تعلیم کس وقت کی جائے؟ ۳۹۸
۱۲۶۲ بعد نماز فجر دعا سے قبل تبلیغی نصاب پڑھنا ۴۰۰
۱۲۶۳ کیا ’’فضائل اعمال‘‘ سننے سے تلاوت قرآن کا ثواب مل جائے گا؟ ۴۰۰
۱۲۶۴ فضائل اعمال کی تعلیم کو ’’حدیث پاک پڑھی جائے گی‘‘ سے تعبیر کرنے کا حکم . ۴۰۲
۱۲۶۵ ’’فضائل اعمال‘‘ کی تعلیم میں شرکت نہ کر کے وظیفہ پڑھنا ۴۰۳
۱۲۶۶ مائک میں ’’فضائل اعمال‘‘ کی تعلیم ۴۰۴
۱۲۶۷ مسجد میں نماز کے بعد مائک میں ’’فضائل اعمال‘‘ پڑھنا ۴۰۵
۱۲۶۸ کیا عشاء کے بعد تعلیم کرنا سمر میں داخل ہے؟ ۴۰۷
۱۲۶۹ داڑھی منڈے شخص کا تعلیم کرنا ۴۰۹
۱۲۷۰ تبلیغی جماعت میں جانے والے ان پڑھ مرد وعورت کا وعظ کرنا ۴۱۱
۱۲۷۱ اپنی مرضی سے تبلیغی جماعت کا امیر بننا ۴۱۳
۱۲۷۲ ادنی جنتی کی جنت دنیا سے دس گنا بڑی ہوگی........................ ۴۱۴
۱۲۷۳ قرض لے کر جماعت میں جانا ۴۱۶

۱۲۷۴ اہلِ خانہ کے حقوق میں کوتاہی کے ساتھ تبلیغی اصول کی پابندی ۴۱۸
۱۲۷۵ اہل وعیال کو محتاج چھوڑ کر جماعت میں جانا جائز نہیں؟ ۴۱۹
۱۲۷۶ بیمار والدہ کی بات نہ مان کر جماعت میں جانا؟ ۴۲۰
۱۲۷۷ کمزور والد کی خدمت کریں یا جماعت میں جائیں؟ ۴۲۲
۱۲۷۸ جماعت کا کام کرتے ہوئے والدین کی فرماں برداری لازم ہے ۴۲۴
۱۲۷۹ کاروباری اوقات میں کسی ایک شریک کا تبلیغی میٹنگ میں شرکت کرنا .. ۴۲۶
۱۲۸۰ تبلیغی اجتماعات میں دوکانیں لگانے سے متعلق چند سوالات ۴۲۷
۱۲۸۱ تبلیغ کے لئے جانے والے صحابی کے مردہ گدھے کا زندہ ہونا ۴۲۸
۱۲۸۲ زکوۃ کی رقم جماعت میں خرچ کرنے سے متعلق چند سوالات کے جوابات ۴۲۹
۱۲۸۳ کیا تبلیغی اجتماعات کے لئے صدقات واجبہ کی رقوم استعمال کرسکتے ہیں؟ ۴۳۴
۱۲۸۴ عطیہ میں دی ہوئی رقم کی واپسی نہیں ہوتی ۴۳۵
۱۲۸۵ تبلیغی اجتماع کی باقی ماندہ رقم سے مرکز کے لئے جنریٹر خریدنا ۴۳۷
۱۲۸۶ دعوت وتبلیغ کے لئے بنائی گئی عمارت میں اسکول قائم کرنا ۴۳۸
۱۲۸۷ تبلیغی جماعت کے پنڈال میں تین صف درمیان میں چھوڑ کر نماز پڑھنا ۴۳۹
۱۲۸۸ ایک ہی شہر کے مختلف محلوں میں چلہ لگانے والی جماعت مقیم ہے یا مسافر؟ ۴۴۰
۱۲۸۹ ایک شہر کی متعدد مساجد میں قیام کرنے والی چلہ کی جماعت مسافر ہے یا مقیم؟ ۴۴۱
۱۲۹۰ ''مرکز نظام الدین'' کے اکابر کی نیت اقامت معتبر ہے یا نہیں؟ ۴۴۳

۲ / باب: مستورات کی جماعت

۱۲۹۱ مستورات کی جماعت کی شرعی حیثیت ۴۴۷
۱۲۹۲ مستورات کا جماعت میں نکلنا کیسا ہے؟ ۴۴۸

۱۲۹۳ مستورات کی جماعت سے متعلق تحقیقی فتویٰ ۴۵۰
۱۲۹۴ عورتوں کا جماعت میں نکلنا ۴۵۶
۱۲۹۵ چند شرائط کے ساتھ مستورات کا جماعت میں جانا ۴۵۷
۱۲۹۶ عورتوں کا تبلیغِ دین اور تعلیمِ دین کے لئے باہر نکلنا ۴۶۰
۱۲۹۷ مستورات کی جماعت اور اجتماعات کا شرعی حکم ۴۶۳
۱۲۹۸ مستورات کی جماعت کا حکم ۴۶۸
۱۲۹۹ مستورات کی جماعت کا حکم ۴۶۹
۱۳۰۰ مستورات کی جماعت سے متعلق چند سوالات کے جوابات ۴۷۲
۱۳۰۱ عورتوں کے لئے جماعت میں نکلنے کا حکم ۴۷۴
۱۳۰۲ مستورات کی جماعت کی شرعی حیثیت ۴۷۷
۱۳۰۳ خواتین کا محرم کے ساتھ تبلیغ دین کے لئے سفر کرنا ۴۷۹
۱۳۰۴ مستورات کا با محرم تبلیغی جماعت میں سفر کرنا ۴۸۰
۱۳۰۵ عورتوں کا گھر سے باہر نکل کر تبلیغ کرنا ۴۸۲
۱۳۰۶ مستورات کا جماعت میں بیان کرنا ۴۸۳
۱۳۰۷ مستورات کے اجتماع کا حکم ۴۸۵
۱۳۰۸ خالص مستورات کے اجتماع میں عورت کا بیان اور دعا کرانا ۴۸۶
۱۳۰۹ مستورات کی جماعت پر اعتراض اور جواب ۴۸۷
۱۳۱۰ مستورات کا جماعت میں نکلنے کا حکم ۴۸۹
۱۳۱۱ مستورات کی جماعت پر اعتراض کا جواب ۴۹۱
۱۳۱۲ کیا عورت تبلیغی جماعت میں جا سکتی ہے؟ ۴۹۷
۱۳۱۳ مستورات کی جماعت کا شرعی حکم ۴۹۸
۱۳۱۴ مستورات کی جماعت کے بارے میں فتاوی دار العلوم پر نظر ثانی ۵۰۲

۱۳۱۵ مستورات کے سلسلے میں مدرسہ شاہی کا فتوی دار العلوم کے فتوی کے خلاف نہیں... ۵۱۰
۱۳۱۶ عورتیں نماز کے لئے مسجد نہیں جاسکتیں تو جماعت میں کیسے؟ اعتراض کا جواب.... ۵۱۳
۱۳۱۷ دودھ پیتی بچی کو چھوڑ کر جماعت میں جانے کا حکم ۵۱۸

	٦/ کتاب السلوک والإحسان	۵۲۲

۱۳۱۸ شریعت اور طریقت کے درمیان فرق ۵۲۲
۱۳۱۹ مدرسہ اور خانقاہ کے علوم میں فرق ۵۲۳
۱۳۲۰ اصلاح کے لئے بیعت کافی ہے یا جماعت میں نکلنا بھی ضروری ہے؟ .. ۵۲۴
۱۳۲۱ بیعت ہونے کے فوائد اور نہ ہونے کے نقصانات ۵۲۷
۱۳۲۲ کیا حضرت حاجی امداد اللہ متبع شریعت تھے؟ ۵۳۲
۱۳۲۳ پیر کے اوصاف کیسے ہوں؟ ۵۳۲
۱۳۲۴ مرتکب کبیرہ سے بیعت ہونے کا حکم ۵۳۴
۱۳۲۵ مختلف منکرات کے مرتکب شخص سے بیعت کا حکم ۵۳۸
۱۳۲۶ ”منکوحۃ الغیر“ سے شادی کرنے والے سے بیعت ہونا ۵۴۷
۱۳۲۷ عرس وقوالی کرانے اور قبروں پر سجدہ کرنے والے سے بیعت ہونا ۵۴۸
۱۳۲۸ مستحق خلافت کون ہے؟ ۵۴۹
۱۳۲۹ خواب کی خلافت اور فاسق کے ہاتھ پر بیعت ہونے کی شرعی حیثیت... ۵۵۰
۱۳۳۰ ”دوسروں کو اللہ اللہ سکھاؤ“ کہنے سے خلافت کا حکم ۵۵۵
۱۳۳۱ جو کسی کا مرید نہیں وہ شیطان کا مرید ہے؟ ۵۵۵
۱۳۳۲ عورتوں کو خلافت دینا ۵۵۶
۱۳۳۳ کیا عورت بیعت کرسکتی ہے؟ ۵۵۷
۱۳۳۴ کیا انسان کا تصور عبادت ہے؟ ۵۵۸

۱۳۳۵ کشف وکرامات کی شرعی حیثیت ۵۵۸
۱۳۳۶ کشف ومکاشفہ کا شرعی حکم ۵۶۰
۱۳۳۷ کشفِ قبور کا حکم ۵۶۲
۱۳۳۸ کیا بطور کشف وکرامت بیداری میں حضور ﷺ کی زیارت ممکن ہے؟ .. ۵۶۳
۱۳۳۹ کیا اولیاء کے جنازوں میں فرشتے شریک ہوتے ہیں؟ ۵۶۶
۱۳۴۰ کیا ولی کی قبر سے روشنی نکلنا، مردہ کا بات کرنا اور بیک وقت دو مجلسوں میں شرکت کرنا ممکن ہے؟ ۵۶۶
۱۳۴۱ کیا کتے سے رہنمائی حاصل کی جاسکتی ہے؟ ۵۶۹
۱۳۴۲ مفرد اسمِ ذات کا ذکر اور ذکرِ جہری ۵۷۰
۱۳۴۳ شیخ کا بچا ہوا تبرک کھانے پینے کا حکم ۵۷۲
۱۳۴۴ مریدہ کا شیخ کا رومال کفن میں بطور تبرک استعمال کرنا ۵۷۳
۱۳۴۵ مسجد میں اجتماعی ذکر جہری کرنے کا شرعی حکم ۵۷۵
۱۳۴۶ چند آدمیوں کا اکٹھا ہوکر ذکر جہری کرنا ۵۷۶
۱۳۴۷ لاؤڈ اسپیکر میں ذکر کرنا ۵۷۷
۱۳۴۸ ”لا الہ الا اللہ حافظ جمال اللہ“ کی ضرب لگانا ۵۷۸
۱۳۴۹ ختم خواجگان میں خلیفہ کا کچھ اضافہ کرنا ۵۷۸
۱۳۵۰ ”هُوَ الأَسَامَهُ سِرُنَا هُوَ“ کا وظیفہ پڑھنا ۵۸۰
۱۳۵۱ ”مناجات مقبول“ میں اضافہ شدہ اشعار کی تحقیق ۵۸۰
۱۳۵۲ کیمیائے سعادت کا شرعی حکم ۵۸۲
۱۳۵۳ شیخ کی تعریف میں مبالغہ بھرا خط لکھنے اور اس کو شائع کرنے کا حکم ۵۸۲
قابل استفسار عبارات اور جملے مندرجہ ذیل ہیں: ۵۸۳
۱۳۵۴ بزرگان دین کی قدم بوسی اور دست بوسی کی شرعی حیثیت ۵۸۷
۱۳۵۵ مریدین کا لوٹتے وقت شیخ کی طرف پیٹھ نہ کرنا ۵۸۹

۱۳۵۶	خرقۂ تبرک کیا ہے؟	۵۹۰
۱۳۵۷	اولیاء کو قدرت تصرف حاصل ہے یا نہیں؟	۵۹۱
۱۳۵۸	تمبا کو استعمال کرنے والے پیر کا حکم	۵۹۲
۷/ کتاب الأدعیة والأذکار		۵۹۳
۱۳۵۹	(الف) حضور ﷺ سے کن کن مواقع پر ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا ثابت ہے؟	۵۹۳
۱۳۵۹	(ب) دعا کے وقت ہتھیلیاں آسمان کی طرف اٹھانا	۵۹۴
۱۳۶۰	دعا مانگنے کا مسنون طریقہ	۵۹۵
۱۳۶۱	دعا کے وقت دونوں ہاتھوں کے درمیان قدرے فاصلہ رکھنا	۵۹۶
۱۳۶۲	بنا ہاتھ پھیلائے دعا کرنے کا حکم	۵۹۷
۱۳۶۳	اجتماعی دعا میں جہراً آمین کہنا	۵۹۸
۱۳۶۴	اجتماعی دعا میں جمع کا صیغہ استعمال کرنا	۵۹۹
۱۳۶۵	عورت کے دعا مانگنے کا مسنون طریقہ	۶۰۲
۱۳۶۶	کیا دعا مانگتے وقت عورت ہاتھوں کو دوپٹہ کے اندر رکھے گی؟	۶۰۳
۱۳۶۷	دعا کو ختم کرنے کا مسنون طریقہ	۶۰۴
۱۳۶۸	ختم دعا کے بعد ہاتھ منہ پر پھیرتے وقت کلمہ طیبہ پڑھنا	۶۰۵
۱۳۶۹	’’بحق لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ‘‘ پر دعا کو ختم کرنا	۶۰۶
۱۳۷۰	دعا کی قبولیت کے اوقات	۶۰۹
۱۳۷۱	اذکار سے کون سے گناہ معاف ہوتے ہیں؟	۶۱۰
۱۳۷۲	ذکر اللہ کی جگہ پر کب تک رحمت نازل ہوتی رہتی ہے؟	۶۱۲
۱۳۷۳	کیا ذکر اللہ سے بخل اور جہاد میں نہ جانے کی تلافی ہوسکتی ہے؟	۶۱۴
۱۳۷۴	دعا میں سعودیوں اور یہودیوں پر لعنت کرنا	۶۱۴

۱۳۷۵ کیا ایسی کوئی سنت ہے جو تمام سنتوں کے قائم مقام ہو؟ ۶۱۶
۱۳۷۶ نورِ الٰہی کے توسل سے دعا مانگنا ۶۱۹
۱۳۷۷ حضور ﷺ اور بزرگوں کے وسیلہ سے دعا مانگنا ۶۲۰
۱۳۷۸ وسیلہ سے دعا مانگنا اور غیر اللہ سے حاجت روائی کرنا ۶۲۱
۱۳۷۹ نئی دوکان میں عالم کو بلوا کر دعا کروانا ۶۲۳
۱۳۸۰ مغرب سے قبل دعا کا ثبوت ۶۲۴
۱۳۸۱ اذانِ مغرب سے قبل ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا ۶۲۵
۱۳۸۲ مغرب کی نماز سے قبل ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا ۶۲۷
۱۳۸۳ مغرب کی نماز سے قبل ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا ۶۲۸
۱۳۸۴ مغرب کی اذان کے وقت دعا کرنا ۶۲۹
۱۳۸۵ مغرب سے قبل دعا کا ثبوت ۶۳۰
۱۳۸۶ غروب آفتاب سے قبل دعا مانگنا ۶۳۲
۱۳۸۷ مغرب کی اذان کے بعد دعا کرنا ۶۳۴
۱۳۸۸ غروب سے قبل دعاؤں میں مشغول ہو جانا ۶۳۵
۱۳۸۹ عشاء کے بعد اجتماعی دعا پر اصرار کرنا ۶۳۷
۱۳۹۰ مصیبت میں نجات کی دعا کریں یا صبر کی؟ ۶۴۰
۱۳۹۱ ”سبحان اللّٰہ، الحمد للّٰہ، اللّٰہ أکبر، لا إلہ الا اللّٰہ“ کی فضیلت ۶۴۲
۱۳۹۲ کلمہ طیبہ کے پڑھنے سے ستون کا ہلنا ۶۴۳
۱۳۹۳ مشورہ کی دعا کا ثبوت ۶۴۴
۱۳۹۴ دعائے گنج العرش کی شرعی حیثیت ۶۴۵
۱۳۹۵ قبر پر مٹی ڈالنے کی دعا ۶۴۶

۱۳۹۶	کھانے کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا	۶۴۷
۱۳۹۷	دائمی مصائب سے نجات اور ادائے گی قرض کی دعا	۶۴۸
۱۳۹۸	گھر و مکان کی پریشانی سے نجات دلانے والی دعا و عمل	۶۵۰
۱۳۹۹	ایک دعا کی تحقیق	۶۵۱
۱۴۰۰	''أللهم صل علی محمد النبي الخ'' کے معمول کا نظام بنانا	۶۵۲
۱۴۰۱	ٹی وی دیکھتے ہوئے ذکر کرنا	۶۵۳
۱۴۰۲	ایک ہی صفحہ پر دعائے طعام اور گائتری منتر لکھنا	۶۵۵
۱۴۰۳	روضۂ اقدس پر ہلکی آواز میں درود پڑھنا	۶۵۵
۱۴۰۴	حضور ﷺ کے اسم مبارک پر کہاں کہاں درود پڑھا جائے؟	۶۵۷
۱۴۰۵	سب سے افضل درود	۶۵۹
۱۴۰۶	''اللهم صل علی سیدنا مولانا محمد وعلی وآل سیدنا مولانا محمد''	۶۵۹
۱۴۰۷	روضۂ اقدس پر حضور ﷺ سے تزکیہ کے لئے کہنا	۶۶۰
۱۴۰۸	جماع اور رفعِ حدث کی حالت میں حضور ﷺ پر درود بھیجنا	۶۶۲
۱۴۰۹	''صلی اللہ علیہ وسلم'' کی جگہ ادھورا درود پڑھنا	۶۶۲
۱۴۱۰	ایک درود شریف اور اس کی تحقیق	۶۶۴
۱۴۱۱	ایک درود سے متعلق سوال	۶۶۵
۱۴۱۲	درود ابراہیمی کا پہلا ٹکڑا پڑھنے سے سنت کی ادائے گی کا حکم	۶۶۸
۱۴۱۳	اجتماعی طور پر آیت کریمہ یا درود شریف وغیرہ کا سلسلہ جاری کرنا	۶۶۹
۱۴۱۴	ہر روز ''سورہ یٰسین'' ختم کرنے کے بعد دعا کرنا	۶۷۱
۱۴۱۵	(الف) جب موت کی یاد ستائے تو کیا کرے؟	۶۷۲
۱۴۱۵	(ب) سجدہ کی حالت میں دعا مانگنے کا ثبوت	۶۷۳

فہرست مضامین

۸/ کتاب الطھارۃ

❏	۱/ باب ما یتعلق بالوضوء	۳۳

مسئلہ نمبر صفحہ نمبر

۱۴۱۶ وضو کی فضیلت ۳۳
۱۴۱۷ وضو کا حکم کب نازل ہوا؟............ ۳۵
۱۴۱۸ وضو کے بعد کی دعا ۳۶
۱۴۱۹ مسواک صرف مردوں کے لئے سنت ہے یا عورتوں کے لئے بھی؟... ۳۷
۱۴۲۰ مسواک کی موٹائی ولمبائی کیا ہونی چاہئے؟ ۳۸
۱۴۲۱ مسواک نہ ہونے کی صورت میں کیا کریں؟ ۴۰
۱۴۲۲ وضو سے کون سے گناہ جھڑتے ہیں؟............ ۴۱
۱۴۲۳ سر کا مسح بھولنے کا حکم ۴۲
۱۴۲۴ مسح کا مسنون طریقہ ۴۴
۱۴۲۵ کیا مسح علی الراس کے لئے ماءِ جدید لینا ضروری ہے؟ ۴۶
۱۴۲۶ وضو میں دونوں ہاتھوں کو گٹوں تک کتنی دفعہ دھونا سنت ہے؟......... ۴۷
۱۴۲۷ وضو میں تثلیث کی سنت کب ادا ہوتی ہے؟ ۴۸
۱۴۲۸ نماز جنازہ یا کسی اور عبادت کے لئے کئے گئے وضو سے فرض نماز پڑھنا ۴۹
۱۴۲۹ جنازہ کے لئے کئے گئے وضو یا تیمّم سے نماز پنجگانہ پڑھنے کا حکم...... ۵۱

۱۴۳۰	وضو میں قبلہ کی طرف پشت کرنا	۵۲
۱۴۳۱	وضو سے پہلے پیر تر کرنے کا حکم	۵۳
۱۴۳۲	وضو کے لئے دوسرے سے پانی منگانے کا حکم	۵۴
۱۴۳۳	کیا استنجاء میں استعمال شدہ لوٹے سے وضو کرنا جائز ہے؟	۵۵
۱۴۳۴	درمیان وضو سلام اور اس کا جواب	۵۷
۱۴۳۵	دورانِ وضو دینی یا دنیاوی باتیں کرنے کا حکم	۵۹
۱۴۳۶	دوران وضو چار یا پانچ مرتبہ منہ دھلنے کا حکم	۶۰
۱۴۳۷	بہت دیر تک وضو کرنے کا حکم	۶۱
۱۴۳۸	وضو کے بعد کھڑے ہو کر چلو سے ٹنکی کا پانی پینا	۶۲
۱۴۳۹	نل یا حوض وغیرہ سے وضو کرنے کے بعد بقیہ پانی کس طرح پئے؟ ..	۶۳
۱۴۴۰	کیا وضو کے بعد آسمان کی طرف دیکھنا مسنون ہے؟	۶۴
۱۴۴۱	گرم پانی کی حصول یابی کے لئے ٹھنڈا پانی بہانے کا حکم	۶۵
۱۴۴۲	ووٹ کی روشنائی ناخن پر جم جائے تو وضو کا حکم	۶۶
۱۴۴۳	اعضائے وضو میں لگی ہوئی روشنائی وسفیدہ کا حکم	۶۷
۱۴۴۴	چوری کی بجلی سے کئے گئے وضو کا حکم	۶۸
۱۴۴۵	خروجِ ریح پر ہاتھ منہ دھونے کا حکم تعبدی ہے؟	۷۰
۱۴۴۶	کیا ٹخنوں سے نیچے پائجامہ پہننے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے؟	۷۰
۱۴۴۷	کیا عمداً ستر کھولنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے؟	۷۱
۱۴۴۸	محض کشف عورت سے وضو نہیں ٹوٹتا	۷۲
۱۴۴۹	کیا دودھ پلانا ناقض وضو ہے؟	۷۳
۱۴۵۰	پستان سے دودھ نکلنا ناقض وضو ہے یا نہیں؟	۷۴
۱۴۵۱	سجدہ میں کون سی ہیئت نوم ناقض وضو ہے؟	۷۵

۱۴۵۲ ایسی کون سی ٹیک ہے جس کو ہٹانا ممکن نہیں؟ ۷۶
۱۴۵۳ انجکشن سے خون نکالنے یا بڑے مچھر، چیچڑی کے کاٹنے سے وضوٹوٹ جائے گا یا نہیں؟ ۷۷
۱۴۵۴ کیا شراب پینے سے وضوٹوٹ جاتا ہے؟ ۷۸
۱۴۵۵ مذی ناقض وضو ہے موجب غسل نہیں؟ ۸۰

❐	۲ / باب ما يتعلق بالاستنجاء	۸۱

۱۴۵۶ کیا استنجاء میں پانی استعمال کرنا ضروری ہے؟ ۸۱
۱۴۵۷ ٹیشو پیپر سے استنجاء کا حکم ۸۲
۱۴۵۸ ہندوستان میں قدمچہ کس سمت میں رکھنا چاہئے؟ ۸۳
۱۴۵۹ کیا سرڈھک کر استنجاء کرنا مسنون ہے؟ ۸۷
۱۴۶۰ دورانِ استنجاء بایاں ہاتھ پیٹ پر اور دایاں ہاتھ سر پر رکھنے کا حکم ۸۷
۱۴۶۱ شبہ کی بنا پر درمیانی حصہ میں پانی پہنچانا ضروری نہیں ۸۹
۱۴۶۲ بیت الخلاء میں تھوکنے کا شرعی حکم ۹۰

❐	۳/ باب ما يتعلق بالغسل	۹۱

۱۴۶۳ بلوغت کی عمر ۹۱
۱۴۶۴ لڑکا اور لڑکی شرعاً کب بالغ شمار ہوتے ہیں؟ ۹۲
۱۴۶۵ لیس دار پانی نکلنے سے غسل واجب نہیں ہوتا ۹۳
۱۴۶۶ بغیر انزال کے جماع کرنے سے غسل کا حکم ۹۴
۱۴۶۷ بلا انزال محض غیبوبت حشفہ موجب غسل ہے؟ ۹۵
۱۴۶۸ بلا انزال خواب میں جماع کرنے سے غسل کا حکم ۹۶
۱۴۶۹ غسل جنابت کے بعد بغیر وضو کے نماز پڑھنے کا حکم ۹۷
۱۴۷۰ کیا غسل کے وضو سے نماز پڑھنا جائز ہے؟ ۹۸

۱۴۷۱ غسل خانہ میں برہنہ نہانا اور حضرت ایوب اور موسیٰ علیہما السلام کا برہنہ نہانا ۹۸
۱۴۷۲ کیا غسل خانہ میں برہنہ غسل کرنا جائز ہے؟ ۱۰۰
۱۴۷۳ غسل خانہ میں ننگے نہانے کی شرعی حیثیت ۱۰۱
۱۴۷۴ برہنہ غسل کرنے والے کا اسی غسل سے نماز پڑھنے کا حکم ۱۰۲
۱۴۷۵ جنبی شخص ٹب سے پانی کیسے نکالے؟ ۱۰۳
۱۴۷۶ داڑھ میں مسالہ بھرے ہونے کی صورت میں غسل کا حکم ۱۰۴
۱۴۷۷ کیا بیوی سے صحبت کے لئے غسل کرنا ضروری ہے؟ ۱۰۵
۱۴۷۸ دانتوں کا کیپ صحت غسل کے لئے مانع نہیں؟ ۱۰۶

۴/ باب ما یتعلق بالمیاہ والآبار ۱۰۸

۱۴۷۹ حوض شرعی کی مقدار ۱۰۸
۱۴۸۰ ستون اور فوارہ دہ دردہ کی مقدار میں مانع ہیں؟ ۱۰۹
۱۴۸۱ پانی کب ناپاک ہوتا ہے؟ ۱۱۰
۱۴۸۲ ٹنکیوں کو پاک کرنے کا طریقہ ۱۱۱
۱۴۸۳ کنویں میں آدمی کے داخل ہونے سے کنویں کی ناپاکی کا حکم ۱۱۳
۱۴۸۴ کنویں کا سارا پانی نکالنے کا مسئلہ خاص ہے یا عام؟ ۱۱۴
۱۴۸۵ ناپاک کنویں کو پاک کرنے کا طریقہ ۱۱۵
۱۴۸۶ جس کنویں میں بکرے نے پیشاب کردیا، اس کی پاکی کا طریقہ ۱۱۶
۱۴۸۷ آب خورہ سے استنجاء کرنے کا حکم ۱۱۷
۱۴۸۸ آبِ زمزم سے وضو وغسل کی شرعی حیثیت ۱۱۹
۱۴۸۹ کنویں کی ناپاکی کا علم نہ ہو تو نمازوں کا اعادہ کب سے کریں؟ ۱۲۰
۱۴۹۰ پھولا ہوا کتا کنویں میں پایا گیا تو کتنی نمازیں لوٹائیں؟ ۱۲۱

۱۴۹۱	ٹنکی کے اندر پرندہ پھول پھٹ جائے تو کیا حکم ہے؟..............	۱۲۳
۱۴۹۲	ٹنکی میں میڈک مرنے کے بعد پھول کر پھٹ جائے	۱۲۴
۱۴۹۳	کنویں میں چپل گر جائے تو کتنا پانی نکالیں؟	۱۲۶
۱۴۹۴	دہ دردہ کنویں میں پیشاب کرنے کا حکم	۱۲۷
۱۴۹۵	جس بورنگ کو ۶۰ رفٹ پر چھوڑ دیا جائے، اس کے پانی کا حکم	۱۲۸
۱۴۹۶	(الف) بیت الخلاء کے گڑھے سے کنویں کی دوری کتنی ہو؟	۱۲۹
۱۴۹۶	(ب) کیا گندا پانی فلٹر کرنے سے پاک ہوجائے گا؟	۱۳۰
۱۴۹۷	ہینڈ پائپ کے قریب بیت الخلاء بنوانا	۱۳۵
۱۴۹۸	کیا چوری کی بجلی سے بھرے گئے پانی سے وضو ہوجائے گا؟.........	۱۳۹
۱۵۹۹	چوری کی بجلی سے ٹنکی میں پانی بھرنے اور اس سے کئے گئے وضو وغسل کا حکم	۱۴۰
۱۵۰۰	سرکاری ٹنکی کا پانی بغیر اجازت استعمال کرنا....................	۱۴۱
۱۵۰۱	کیا چوری کی بجلی سے حاصل شدہ پانی سے وضو کر کے نماز پڑھنا جائز ہے؟	۱۴۲
۱۵۰۲	حرام کمائی سے لگائے گئے کنویں یا حوض سے نکلنے والے پانی کا حکم ..	۱۴۳
۱۵۰۳	مسجد میں چوری کی بجلی سے پانی گرم کرنے اور وضو ونماز کا حکم	۱۴۴
۱۵۰۴	غیر قانونی طور پر ہیٹر سے گرم کئے ہوئے پانی سے وضو ونماز کا حکم	۱۴۵
۱۵۰۵	دائمی شراب پینے والے کے پسینہ اور جھوٹے کا حکم	۱۴۶
۱۵۰۶	کیا ناپاک پانی سے استنجا کرنے کی وجہ سے کپڑے ناپاک ہوجائیں گے؟	۱۴۸
۱۵۰۷	ناپاک ٹنکی کے پانی سے دھوئے ہوئے گوشت اور کپڑوں کا حکم	۱۴۹
۱۵۰۸	کیا ٹنکی میں پانی آنے والے اور پانی نکلنے والے نل کو کھولنے سے ...	۱۵۰
۱۵۰۹	ٹنکی میں گلہری مر کر پھول کر پھٹ گئی........................	۱۵۱
۱۵۱۰	شامی کی ایک عبارت کی وضاحت	۱۵۲

❐	۵/ باب ما يتعلق بالتيمم	۱۵۵

۱۵۱۱ کیا مریض تیمّم کرسکتا ہے؟ ۱۵۵
۱۵۱۲ کیا بیماری کی وجہ سے تیمّم کرنا جائز ہے؟ ۱۵۶
۱۵۱۳ ڈاکٹر چہرہ پر پانی لگانے سے منع کرے تو وضو کا حکم ۱۵۷
۱۵۱۴ ٹرین میں حالت جنابت میں تیمّم کرنے کا حکم ۱۵۸
۱۵۱۵ جنابت کا تیمّم کرنے والا وضو کے بقدر پانی پر قادر ہو تو کیا حکم ہے؟ ... ۱۵۸
۱۵۱۶ جنابت سے تیمّم کرکے امامت کرنا ۱۶۰
۱۵۱۷ متیمّم کے پیچھے متوضی کی نماز کا حکم ۱۶۱
۱۵۱۸ جنابت کے تیمّم سے نماز پڑھنا درست ہے، الگ سے وضو کی ضرورت نہیں ۱۶۳
۱۵۱۹ تیمّم سے پڑھی گئی نمازوں کے اعادہ کا حکم ۱۶۴
۱۵۲۰ نماز کے لئے کئے گئے تیمّم سے نماز جنازہ پڑھنے کا حکم ۱۶۶
۱۵۲۱ پینٹ والی دیوار پر تیمّم کا حکم ۱۶۷
۱۵۲۲ مسجد کی دیوار پر تیمّم کرنا درست ہے؟ ۱۶۸

❐	۶/ باب المسح على الخفين	۱۶۹

۱۵۲۳ موزے پر مسح کی شرائط کیا ہیں؟ ۱۶۹
۱۵۲۴ وضو کے کچھ دیر کے بعد موزہ پر مسح کرنے کا حکم ۱۷۰
۱۵۲۵ خفین پر مسح کا جواز، مسح کی مدت اور اس کی مقدار ۱۷۱
۱۵۲۶ صحت مند شخص کا خفین پر مسح کرنا جائز ہے؟ ۱۷۳
۱۵۲۷ مقیم نے ایک دن ایک رات سے قبل سفر شروع کیا اور مسافر نے تین دن . ۱۷۵
۱۵۲۸ خفین کے اوپر سوتی موزہ پہن کر مسح کرنے کا حکم ۱۷۶
۱۵۲۹ دبیز موٹے اونی موزہ پر مسح کا حکم ۱۷۷

۱۵۳۰ سوتی موزہ پر خفین پہن کر مسح کرنے کا حکم ۱۷۹
۱۵۳۱ کیا موزے پر مسح کرنا جائز ہے؟ ۱۸۰
۱۵۳۲ موزے کی چین ٹخنوں سے نیچے تلوے تک کھلنے کا حکم ۱۸۱
۱۵۳۳ موزے پر مسح سے متعلق ''ایضاح المسائل'' کے ایک مسئلہ کی وضاحت ۱۸۳

❑	۷/ باب في النجاسات و أحكامها	۱۸۵

۱۵۳۴ انسان کے آنسو، پسینہ اور لعاب کا حکم ۱۸۵
۱۵۳۵ منی ائمہ اربعہ میں سے کس کے نزدیک پاک ہے؟ ۱۸۶
۱۵۳۶ کپڑے میں لگی ہوئی منی کو پاک کرنے کا طریقہ ۱۸۷
۱۵۳۷ بدن سے نجاست غیر مرئی کی تطہیر کا طریقہ ۱۸۸
۱۵۳۸ روٹی پر لگی ہوئی گوبر کی راکھ کا حکم ۱۸۹
۱۵۳۹ باوضو گیلے پیر ناپاک فرش پر رکھنے سے پیر پاک ہے یا ناپاک؟ ۱۹۰
۱۵۴۰ چاول کی دیگ میں چوہا گر جائے تو کیا کریں؟ ۱۹۱
۱۵۴۱ دودھ پیتی بچی اور بچے کے پیشاب کا حکم ۱۹۲
۱۵۴۲ جانور کے پیشاب کی چھینٹوں کا حکم ۱۹۳
۱۵۴۳ نگلی ہوئی چھالی پیچھے کے راستہ سے نکل آئے ۱۹۴
۱۵۴۴ تقاطر سے کیا مراد ہے؟ ۱۹۵
۱۵۴۵ مرغ کو ذبح کر کے گرم پانی میں ڈال دیں تو کیا حکم؟ ۱۹۶
۱۵۴۶ (الف) مذبوحہ مرغی کو آگ پر تپانا ۱۹۸
۱۵۴۶ (ب) ناپاک گرم پانی میں ڈالنے کی وجہ سے ذبح شدہ مرغ پاک رہے گا یا ناپاک؟. ۱۹۹
۱۵۴۷ کتے اور خنزیر کا بدن پاک ہے یا ناپاک؟ ۲۰۰
۱۵۴۸ دھوبی کے یہاں دھلے کپڑوں کا حکم ۲۰۲

۱۵۴۹ دھوبی کے دھلے ہوئے کپڑے کا حکم ۲۰۳
۱۵۵۰ ڈرائی کلین سے دھلے ہوئے ناپاک کپڑے کا حکم ۲۰۵
۱۵۵۱ ڈرائی کلین میں دھلے ہوئے کپڑے کا حکم ۲۰۸
۱۵۵۲ نومولود بچہ کی رطوبت اور سر کے بال پاک ہیں یا ناپاک؟ ۲۱۰

❐	۸/ باب أحكام المعذورين	۲۱۲

۱۵۵۳ معذور شرعی کون؟ ۲۱۲
۱۵۵۴ عذر شرعی کا تحقق کب ہوتا ہے؟ ۲۱۳
۱۵۵۵ قطرات کے مریض کی طہارت کا طریقہ ۲۱۴
۱۵۵۶ سلسل البول کے وضو ونماز کا حکم ۲۱۵
۱۵۵۷ قطرہ آنے کا شبہ ہونے کے بعد نماز کس طرح پڑھے؟ ۲۱۷
۱۵۵۸ قطرہ آنے والے مریض کی نماز ۲۱۸
۱۵۵۹ کیا فالج زدہ شخص کو تیمّم کرنے کی اجازت ہے؟ ۲۱۹
۱۵۶۰ کیا نابینا شخص ناپاکی کی حالت میں نماز اور قرآن پڑھ سکتا ہے؟ ۲۲۰
۱۵۶۱ نابینا جنابت کی حالت میں نماز، روزہ اور تلاوت کرسکتا ہے یا نہیں؟ .. ۲۲۲
۱۵۶۲ والدہ کا اپنے مست لڑکے کو نہلانے کا شرعی حکم ۲۲۳
۱۵۶۳ مریضہ عورت کا شوہر نہ ہو تو استنجاء معاف ۲۲۴
۱۵۶۴ پائیریا کا مریض کس طرح وضو کرے؟ ۲۲۵

❐	۹/ باب الحيض	۲۲۷

۱۵۶۵ لڑکی کب بالغ ہوتی ہے؟ ۲۲۷
۱۵۶۶ لڑکی کے بلوغ کی عمر اور علامت ۲۲۸

۱۵٦٧ شریعت اسلامیہ کی نظر میں لڑکی کب بالغ ہوتی ہے؟ ۲۲۹
۱۵٦٨ جس کو تین دن سے کم خون آئے وہ حائضہ ہوگی یا نہیں؟ ۲۳۱
۱۵٦٩ کیا حالت حیض میں بیوی سے مکمل علیحدگی اختیار کرنا لازم ہے؟ ۲۳۳
۱۵٧٠ حالت حیض میں زینت اختیار کرنا جائز ہے یا نہیں؟ ۲۳۴
۱۵٧١ حائضہ عورت کا غسل اور اس سے صحبت کا حکم ۲۳۴
۱۵٧٢ حالت حیض میں قرآن کی تلاوت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ ۲۳٦
۱۵٧٣ حائضہ عورت فضائل اعمال کو ہاتھ میں لے کر تعلیم کر سکتی ہے؟....... ۲۳٧
۱۵٧٤ کیا عادت مکمل ہونے کے بعد غسل سے قبل جماع کرنا جائز ہے؟.... ۲۳٨
۱۵٧٥ حیض سے متعلق چند سوالات وجوابات ۲۳۹
۱۵٧٦ رحم میں کو پر پٹی رکھنے کی حالت میں غسل حیض کا حکم ۲۴۱
۱۵٧٧ طہر متخلل سے متعلق تفصیلی فتویٰ ۲۴۲
۱۵٧٨ حائضہ ونفساء کے لئے قرآن کی تلاوت کا حکم ۲۴٧
۱۵٧٩ حیض ونفاس کی حالت میں تلاوت اور ذکر اللہ کی شرعی حیثیت ۲۴٨
۱۵٨٠ حائضہ نفساء کا قرآن شریف، درود شریف وغیرہ کا پڑھنا ۲۴۹
۱۵٨١ پندرہ دن میں نفاس ختم ہوگیا تو غسل کر کے نماز پڑھنے کا حکم ۲۵۰
۱۵٨٢ اسقاط حمل کے بعد خون جاری رہتے ہوئے نماز وجماع کا حکم....... ۲۵۱
۱۵٨٣ مستحاضہ عورت کا مسئلہ ۲۵۲

۹ / کتاب الصلوۃ

۱۵٨٤ فرائض پنج گانہ ادا کرنے کی فضیلت ۲۵۴
۱۵٨٥ نماز ہجرت سے قبل فرض ہوئی یا بعد میں؟ ۲۵٦

۱۵۸۶ نماز پڑھنے کا مقصد ۲۵۸
۱۵۸۷ نماز پڑھنے کا فائدہ ۲۵۹
۱۵۸۸ غاصب وظالم کی نماز کا حکم ۲۶۰
۱۵۸۹ شرابی کی نماز کا حکم ۲۶۲
۱۵۹۰ نمازی کی پیشانی پر سیاہ نشان کی شرعی حیثیت ۲۶۳

□	۱ / باب أوقات الصلاۃ	۲۶۵

۱۵۹۱ مساجد کے متعینہ اوقات کی شرعی حیثیت ۲۶۵
۱۵۹۲ نماز کے اوقات گھٹانے بڑھانے کا حقدار کون؟ ۲۶۶
۱۵۹۳ اختلافات مطالع کی وجہ سے ایک ہی نماز کے مکرر فرض ہونے کی صورت .. ۲۶۷
۱۵۹۴ ۱۵ر ڈگری پر صبح صادق ہوتی ہے یا ۱۸ر ڈگری پر؟ ۲۶۸
۱۵۹۵ فجر کی نماز کا افضل وقت ۲۶۹
۱۵۹۶ نماز فجر غلس میں پڑھنے کا حکم ۲۷۲
۱۵۹۷ رمضان میں نماز فجر اول وقت میں پڑھنا ۲۷۴
۱۵۹۸ رمضان میں نماز فجر غلس میں پڑھیں یا اسفار میں؟ ۲۷۵
۱۵۹۹ رمضان میں فجر کی نماز کس وقت ادا کی جائے؟ ۲۷۷
۱۶۰۰ نماز فجر طلوع شمس سے کتنی دیر پہلے پڑھی جائے؟ ۲۷۹
۱۶۰۱ طلوع شمس سے پندرہ منٹ قبل نماز فجر پڑھنا ۲۸۱
۱۶۰۲ تین منٹ قبل نماز فجر شروع کرنا ۲۸۳
۱۶۰۳ فجر کا وقت تنگ ہونے کی صورت میں پہلے فرض پڑھیں یا سنت؟ ۲۸۴
۱۶۰۴ طلوع شمس کے وقت پڑھی گئی نماز کا حکم ۲۸۵

۱۶۰۵	نماز فجر میں آفتاب نکل آئے تو کیا حکم ہے؟	۲۸۶
۱۶۰۶	صبح صادق کے بعد سنت فجر کے علاوہ دوسری نفل نماز پڑھنا	۲۸۸
۱۶۰۷	نماز فجر کے بعد سنت فجر، نیز عصر و فجر کے بعد ''تحیۃ الوضوٗ'' پڑھنے کا حکم	۲۸۹
۱۶۰۸	فجر کے وقت میں سنت و فرض کے علاوہ دیگر نماز پڑھنا	۲۹۰
۱۶۰۹	طلوع شمس اور نماز فجر کے درمیان سنن ونوافل پڑھنا	۲۹۲
۱۶۱۰	فجر کی سنتوں کا وقت کب تک رہتا ہے؟	۲۹۳
۱۶۱۱	وقت زوال کی تحقیق	۲۹۴
۱۶۱۲	استواء شمس کی مقدار	۲۹۶
۱۶۱۳	زوال کی ابتدا و انتہا	۲۹۷
۱۶۱۴	نصف النہار، وقت زوال اور ضحوۃ الکبریٰ کی تشریح	۲۹۸
۱۶۱۵	ظہر کی نماز کس وقت پڑھی جائے؟	۳۰۱
۱۶۱۶	جمعہ کا وقت کب شروع ہوتا ہے؟	۳۰۲
۱۶۱۷	نصف النہار کے وقت تلاوت قرآن، نماز جنازہ اور نکاح پڑھانے کا حکم	۳۰۳
۱۶۱۸	مثل اول معلوم کرنے کا طریقہ	۳۰۴
۱۶۱۹	عصر کا وقت کب سے شروع ہوتا ہے؟	۳۰۵
۱۶۲۰	حنفیہ کے نزدیک بھی ایک مثل پر عصر پڑھنا جائز ہے؟	۳۰۸
۱۶۲۱	حجاز مقدس میں عصر کی نماز مثل اول پر پڑھیں یا مثلین پر؟	۳۱۰
۱۶۲۲	حرم میں حنفی شخص کے عصر میں اقتدا پر شبہ کا جواب	۳۱۲
۱۶۲۳	شافعی وقت میں نماز پڑھنا	۳۱۴
۱۶۲۴	عصر کی نماز سے فراغت کے بعد سورج غروب ہوگیا	۳۱۵
۱۶۲۵	غروب آفتاب اور مغرب کا وقت ایک ہے یا الگ الگ؟	۳۱۵

۱۶۲۶ مغرب کی اذان ونماز کے درمیان فاصلہ کی مقدار ۳۱۶
۱۶۲۷ مغرب کی اذان واقامت کے درمیان کافصل ۳۱۸
۱۶۲۸ رمضان میں مغرب میں اذان اور جماعت میں دس منٹ کا وقفہ کرنا .. ۳۲۰
۱۶۲۹ عصر وفجر کے ممنوع اوقات کی انتہا ۳۲۱
۱۶۳۰ غروب پرعصر جائز اورطلوع پرفجر ناجائز کیوں؟ ۳۲۲
۱۶۳۱ نورالایضاح کی عبارت کا صحیح محمل ۳۲۳
۱۶۳۲ اوقات مکروہہ میں فرض نماز پڑھنا ۳۲۴
۱۶۳۳ عصراورفجر کے بعد قضا نماز پڑھنا ۳۲۵
۱۶۳۴ طلوع شمس سے قبل فجر کی سنت کی قضاء ۳۲۶
۱۶۳۵ طلوع شمس سے قبل فجر کی سنت کی قضاء ۳۲۸
۱۶۳۶ بعد نماز عصر نماز جنازہ اور سجدۂ تلاوت کرنا............ ۳۲۸
۱۶۳۷ نماز فجر وعصر کے بعد قضاء عمری پڑھنا............ ۳۲۹
۱۶۳۸ بعد نماز عصر سنن کی قضاء کا حکم ۳۳۱
۱۶۳۹ طلوع شمس کے وقت اعلان کاالتزام ۳۳۲
۱۶۴۰ فجر کے بعد طلوع آفتاب کا اعلان کرنا ۳۳۳
۱۶۴۱ طلوع شمس کا اعلان کرنا............ ۳۳۴
۱۶۴۲ نماز فجر کی قضا اور طلوع شمس کا اعلان ۳۳۵
۱۶۴۳ مسجد کے مائک سے نماز فجر کا وقت ختم ہونے کا اعلان کرنا............ ۳۳۶
۱۶۴۴ مسجد میں طلوع شمس کا اعلان کرنا............ ۳۳۷
۱۶۴۴ کیا طلوع آفتاب کا اعلان کرنا کارثواب ہے؟............ ۳۳۹
۱۶۴۶ مساجد میں فجر کی نماز کا وقت ختم ہونے کا اعلان کرنا ۳۴۰

۱۶۴۷ طلوع آفتاب کا اعلان کرنا ۳۴۱
۱۶۴۸ طلوع شمس کا مائک سے اعلان کرنا ۳۴۲
۱۶۴۹ طلوع شمس کا مائک سے اعلان کرنا ۳۴۳
۱۶۵۰ اختتام فجر کے وقت طلوع شمس کے اعلان کا التزام ۳۴۴

❐	۲ / باب الأذان	۳۴۶

۱۶۵۱ اذان دینے کی فضیلت ۳۴۶
۱۶۵۲ اذان کی ابتدا کب اور کیسے ہوئی ؟ ۳۴۷
۱۶۵۳ کیا حضور ﷺ نے اذان دی ہے؟ ۳۴۹
۱۶۵۴ اذان کے بعد دعا کی فضیلت ۳۵۰
۱۶۵۵ کیا شہر کی ایک مسجد کی اذان کی آواز ریڈیو کے ذریعہ دوسری ۳۵۲
۱۶۵۶ مؤذن متبع شریعت ہو ۳۵۴
۱۶۵۷ مؤذن کسے بنایا جائے ؟ ۳۵۵
۱۶۵۸ اذان دینے کا مستحق کون؟ ۳۵۶
۱۶۵۹ کیا بے وقت اذان دینے والے ضعیف مؤذن کو معزول کر سکتے ہیں ؟ ۳۵۸
۱۶۶۰ فرد واحد کا اذان واقامت اور نماز پڑھانا ۳۵۹
۱۶۶۱ کیا مؤذن کو اذان سن کر نماز پڑھنے والوں کے بقدر ثواب ملتا ہے؟ .. ۳۶۰
۱۶۶۲ کیا اذان کے لئے مسجد ہونا شرط ہے؟ ۳۶۰
۱۶۶۳ کیا اذان کے بغیر نماز صحیح ہوجائے گی؟ ۳۶۲
۱۶۶۴ بغیر اذان وتکبیر کے تنہا تنہا نماز ادا کرنا ۳۶۳
۱۶۶۵ اذان پنجگانہ اندرون مسجد دی جائے یا باہر؟ ۳۶۴

١٦٦٦ حدود مسجد میں اذان دینا کیسا ہے؟ ٣٦٥
١٦٦٧ مسجد کے اندر محراب کے پاس اذان دینا ٣٦٧
١٦٦٨ مسجد کے اندر اذان دینا ٣٦٨
١٦٦٩ مسجد کے اندر اذان دینا ٣٦٩
١٦٧٠ مسجد کے اندر اذان دینا ٣٧١
١٦٧١ مسجد میں اذان دینا ٣٧٢
١٦٧٢ مسجد کے اندر بغیر مائک کے اذان دینا ٣٧٣
١٦٧٣ مائک میں اذان کی شرعی حیثیت ٣٧٤
١٦٧٤ لاؤڈ اسپیکر پر اذان کا شرعی حکم ٣٧٥
١٦٧٥ لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ اذان دینا کیسا ہے؟ ٣٧٦
١٦٧٦ مسجد کے اندر مائک میں اذان پنجگانہ دینا ٣٧٧
١٦٧٧ حیعلہ کہاں سے شروع کرے؟ ٣٧٨
١٦٧٨ فجر کی اذان میں ''الصلوۃ خیر من النوم'' کا اضافہ کس نے کیا؟ ٣٧٩
١٦٧٩ کانوں میں انگلی ڈال کر اذان دینا ٣٨١
١٦٨٠ اذان میں ''مد'' کی مقدار ٣٨٢
١٦٨١ اذان میں آواز میں لچک پیدا کرنا ٣٨٣
١٦٨٢ اذان میں راگ پیدا کرنا ٣٨٥
١٦٨٣ اذان میں تجوید کی رعایت مقصود نہیں ٣٨٦
١٦٨٤ غلط خواں کی اذان ٣٨٧
١٦٨٥ لاعلمی میں پورب کی طرف رخ کرکے اذان دینا ٣٨٩
١٦٨٦ اذان کے بعد مسجد سے نکل کر بلاعذر دوسری مسجد میں جانا ٣٩٠

۱۶۸۷	اذان وتکبیر کہہ کر جماعت سے الگ ہوجانا	۳۹۰
۱۶۸۸	ایک مسجد میں فرض پڑھ کر دوسری میں اذان واقامت کہنا	۳۹۱
۱۶۸۹	کیا باوضو اذان دینا ضروری ہے؟	۳۹۳
۱۶۹۰	بلا وضو اذان دینا کیسا ہے؟	۳۹۴
۱۶۹۱	بغیر وضو کے اذان دینے کا شرعی حکم	۳۹۵
۱۶۹۲	مؤذن کا دوسرے شخص کو اذان کی اجازت دینا	۳۹۶
۱۶۹۳	مؤذن کی اجازت کے بغیر دوسرے شخص کا اذان دینا..........	۳۹۶
۱۶۹۴	کیا دس سالہ بچہ اذان واقامت کہہ سکتا ہے؟	۳۹۷
۱۶۹۵	نابینا شخص کی اذان واقامت	۳۹۸
۱۶۹۶	عورتوں کی اذان واقامت	۳۹۹
۱۶۹۷	بیٹھ کر اذان واقامت کہنا	۴۰۰
۱۶۹۸	اذان میں صرف ”علی الصلوۃ“ یا ”الصلوۃ“ کہنا	۴۰۱
۱۶۹۹	الفاظ چبانے والے کی اذان واقامت	۴۰۲
۱۷۰۰	تاش کھیلنے والے کی اذان واقامت	۴۰۳
۱۷۰۱	ٹخنوں سے نیچے پائجامہ پہننے والے کی اذان واقامت	۴۰۴
۱۷۰۲	فاسق کی اذان	۴۰۵
۱۷۰۳	بغیر داڑھی والے کی اذان واقامت...............	۴۰۶
۱۷۰۴	داڑھی کٹانے والے کا اذان دینا	۴۰۷
۱۷۰۵	داڑھی منڈانے والے کی اذان واقامت	۴۰۹
۱۷۰۶	داڑھی منڈے کی اذان.................	۴۱۰
۱۷۱۱	داڑھی کو حد شرع سے کم کرنے والے کی اذان واقامت	۴۱۴

۱۷۱۲ مدعی نبوت کی اذان واقامت ۴۱۵
۱۷۱۳ صبح صادق کے بعد فوراً اذان دینے کا حکم ۴۱۶
۱۷۱۴ ظہر کی اذان کا وقت ۴۱۸
۱۷۱۵ تہجد کی نماز کے لئے اذان دینا ۴۱۹
۱۷۱۶ تیز آندھی کے وقت اذان دینا ۴۲۰
۱۷۱۷ قبر پر اذان ۴۲۱
۱۷۱۸ ٹرین میں اذان واقامت کہنے میں جنگل کی اذان واقامت کا ثواب ۴۲۲
۱۷۱۹ گاؤں کی اذان تین بیگہ دوری پر واقع مدرسہ کے لئے کافی ہے؟ ۴۲۳
۱۷۲۰ ایک مسجد کی اذان سب مسجدوں کے لئے کافی نہیں ۴۲۴
۱۷۲۱ فرم میں اذان دینا ۴۲۵
۱۷۲۲ اذان سے قبل فرائض ونوافل پڑھنا ۴۲۷
۱۷۲۳ شافعی مسجد میں حنفی کی اذان کا حکم ۴۲۸
۱۷۲۴ غم اور برے اخلاق کو دور کرنے کے لئے کان میں اذان دینا ۴۲۹
۱۷۲۵ ''الصلاۃ خیر من النوم'' کہنا بھول گیا تو اذان کا اعادہ ہوگا یا نہیں؟ ۴۳۰
۱۷۲۶ اذان کے کلمات چھوٹ جانے پر اعادہ کا حکم ۴۳۱
۱۷۲۷ دوران اذان بجلی کا چلا جانا ۴۳۳
۱۷۲۸ دوران اذان بجلی چلی جائے تو اذان کا حکم ۴۳۳
۱۷۲۹ دوران اذان بجلی چلی جائے تو تکمیل کا طریقہ ۴۳۵
۱۷۳۰ دوران اذان لاؤڈ اسپیکر خراب ہونے پر تکمیل کا طریقہ ۴۳۶
۱۷۳۱ بجلی جانے پر از سر نو اذان دینا ۴۳۷
۱۷۳۳ اذان کا جواب دینا واجب ہے یا سنت؟ ۴۳۹

۱۷۳۴ اذان کے جواب کی شرعی حیثیت ۴۴۰
۱۷۳۵ اذان کے جواب کا مسنون طریقہ ۴۴۱
۱۷۳۶ ''لاحول ولاقوۃ'' کس حدیث سے ثابت ہے؟ ۴۴۳
۱۷۳۷ حیعلتین میں ''لاحول'' کیوں پڑھا جاتا ہے؟ ۴۴۵
۱۷۳۸ ''الصلاۃ خیر من النوم'' کا جواب کس جملہ سے دیا جائے؟ ۴۴۶
۱۷۳۹ کیا تالی پر اذان کا جواب دینا واجب ہے؟ ۴۴۷
۱۷۴۰ کیا حائضہ ونفساء پر اذان کا جواب دینا واجب ہے؟ ۴۴۸
۱۷۴۱ جنبی کا اذان وسلام کا جواب دینا ۴۴۹
۱۷۴۲ دوران اذان بیت الخلاء میں داخل ہونا ۴۵۰
۱۷۴۳ اذان میں تشہد پر ''صلی اللہ علیہ وسلم'' پڑھنا ۴۵۱
۱۷۴۵ ''أشهد أن'' کے جواب میں صرف درود پڑھے یا ''أشهد أن'' بھی کہے؟ .. ۴۵۳
۱۷۴۶ مؤذن کے تشہد پڑھنے پر سامع کا ''صلی اللہ علیہ وسلم'' کہنا ۴۵۴
۱۷۴۷ تلاوت کے دوران اذان شروع ہونے کا حکم ۴۵۶
۱۷۴۸ اذان کے وقت دنیاوی باتیں کرنا ۴۵۷
۱۷۴۹ اذان کے بعد دعا کا مسنون طریقہ ۴۵۸
۱۷۵۰ اذان کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا ۴۵۹
۱۷۵۱ مغرب کی اذان واقامت کے درمیان دعا مانگنا ۴۶۱
۱۷۵۲ اذان میں شہادت کے وقت انگلی اٹھانا ۴۶۳

۳ / باب الإقامة والتثويب ۴۶۴

۱۷۵۳ اذان واقامت کے لئے کوئی جہت متعین نہیں ۴۶۴
۱۷۵۴ تیسری صف میں کھڑے شخص کا تکبیر کہنا ۴۶۵

١٧٥٥ کیا امام کے دائیں جانب ہی کھڑے ہوکر تکبیر پڑھنا ضروری ہے؟ .. ٤٦٦
١٧٥٦ تکبیر اقامت کے لئے مسجد میں کوئی جگہ متعین نہیں ٤٦٧
١٧٥٧ امام کے بائیں طرف کھڑے ہونے والے کی اقامت کہنا ٤٦٧
١٧٥٨ منفرد کے لئے اقامت کا شرعی حکم ٤٦٨
١٧٥٩ تنہا فرض پڑھتے وقت اقامت کہنا ٤٦٩
١٧٦٠ اقامت کا مسنون طریقہ ٤٧٠
١٧٦١ بحالت وصل اقامت کے کلمات کہنے کا مسنون طریقہ ٤٧٢
١٧٦٢ اقامت میں حیعلتین پر چہرہ دائیں بائیں گھمانا ٤٧٣
١٧٦٤ اقامت میں حیعلتین پر چہرہ گھمانا ٤٧٩
١٧٦٥ اقامت میں دائیں بائیں گردن پھیرنا ٤٨٠
١٧٦٦ امام صاحب کا اقامت کہنا ٤٨١
١٧٦٧ داڑھی منڈے کی اقامت ٤٨٢
١٧٦٨ مؤذن کی اجازت کے بغیر دوسرے کا تکبیر کہنا.................. ٤٨٣
١٧٦٩ مؤذن کے علاوہ دوسرے پر تکبیر کہنے کی پابندی لگانا................ ٤٨٤
١٧٧٠ مؤذن کی اجازت کے بغیر کسی اور کا تکبیر کہنا ٤٨٦
١٧٧١ تکبیر کہنے کا زیادہ حقدار کون؟......................... ٤٨٦
١٧٧٢ مؤذن کی اجازت کے بغیر تکبیر کہنا ٤٨٨
١٧٧٣ مؤذن کے علاوہ دوسرے شخص کا ہمیشہ تکبیر کہنا................ ٤٨٩
١٧٧٤ مؤذن کی اجازت کے بغیر تکبیر کہنا ٤٩١
١٧٧٥ داڑھی منڈے کا تکبیر پڑھنا ٤٩٢
١٧٧٦ اقامت کے جواب کا مسنون طریقہ..................... ٤٩٣

۱۷۷۷　اقامت کا جواب دینا مستحب ہے ۴۹۴
۱۷۷۸　دومرتبہ تکبیر کہنے کا حکم ۴۹۵
۱۷۷۹　کیا حضور ﷺ ''حي علی الفلاح'' پر مصلے پر جایا کرتے تھے؟ ... ۴۹۷
۱۷۸۰　اقامت میں حضور ﷺ مصلی پر کب تشریف لے جاتے تھے؟ ۴۹۷
۱۷۸۱　اقامت کے وقت مقتدی صف سیدھی کب کریں؟ ۵۰۱
۱۷۸۲　اقامت کے وقت مقتدی کب کھڑے ہوں (جامع فتوی) ۵۰۲
۱۷۸۳　اقامت کے وقت مقتدی کب کھڑے ہوں؟ ۵۱۱
۱۷۸۴　مقتدی حضرات نماز کے لئے کس وقت کھڑے ہوں؟ ۵۲۰
۱۷۸۵　نماز میں کس وقت کھڑے ہوں؟ ۵۲۱
۱۷۸۶　مقتدی کب کھڑے ہوں؟ ۵۲۲
۱۷۸۹　امام اور مقتدی تکبیر میں کس وقت کھڑے ہوں؟ ۵۲۵
۱۷۹۰　اقامت بیٹھ کر سننا سنت ہے یا کھڑے ہوکر؟ ۵۲۷
۱۷۹۱　امام تکبیر سے قبل کھڑا ہوگا یا ''حي علی الفلاح'' پر؟.................. ۵۲۸
۱۷۹۲　مقتدی تکبیر کے ساتھ ساتھ کھڑے ہوں یا ''حي علی الصلوۃ'' پر؟ ۵۳۰
۱۷۹۳　تکبیر کے شروع ہونے کے وقت مقتدی کھڑے ہوں یا بیٹھے رہیں؟ . ۵۳۱
۱۷۹۴　امام کے مصلے پر آنے سے قبل تکبیر کہنا........................... ۵۳۳
۱۷۹۵　تکبیر کھڑے ہو کر سننا افضل ہے یا بیٹھ کر؟ ۵۳۴
۱۷۹۶　قیام جماعت کے وقت کھڑا ہونا کیسا ہے؟ ۵۳۶
۱۷۹۷　"حي علی الصلوۃ" پر کھڑا ہونا ۵۳۸
۱۷۹۸　''حي علی الصلوۃ'' تک بیٹھے رہنا.................................. ۵۴۰
۱۸۰۰　کیا تکبیر کے وقت مکبّر کے علاوہ مقتدیان کا کھڑا ہونا ممنوع ہے؟ ۵۴۲

۱۸۰۱ تکبیر ہوتے ہی مصلیوں کے کھڑے ہونے کی دلیل ۵۴۴

۱۸۰۲ تکبیر کے وقت مقتدی کو کب کھڑا ہونا چاہئے ۵۴۵

۱۸۰۳ اقامت میں حیعلتین پر دائیں بائیں جانب منہ پھیرنا ۵۴۶

۱۸۰۴ تکبیر کے شروع ہی میں کھڑے ہوجانا ۵۴۷

۱۸۰۵ تکبیر کہتے وقت مقتدی کب کھڑے ہوں؟ ۵۴۸

۱۸۰۶ شروع تکبیر میں کھڑا ہونا مسنون ہے ۵۵۰

۱۸۰۷ اقامت کے وقت کب کھڑے ہوں؟ ۵۵۱

۱۸۰۸ امام ''قد قامت الصلوۃ'' پر تکبیر کہے گا تو مقتدی صف سیدھی کر کے .. ۵۵۲

۱۸۰۹ اوقات نماز میں سونے والے کو جگانا ۵۵۴

۱۸۱۰ اذان کے بعد لوگوں کو نماز کے لئے بلانا ۵۵۵

۱۸۱۱ اذان کے بعد بے نمازیوں کو بلا بلا کر مسجد لے جانا ۵۵۶

۱۸۱۲ نماز فجر سے قبل لوگوں کو ''اٹھو نماز پڑھو'' کی صدا لگا کر بیدار کرنا ۵۵۷

۱۸۱۳ نماز فجر کے بعد لوگوں کے گھر گھر جا کر ان کو جگانا ۵۵۸

۱۸۱۴ فجر کی اذان کے بعد محلے والوں کو نام لے کر جگانا ۵۵۹

۱۸۱۵ اذان فجر کے بعد محلّہ میں نماز پڑھنے کا اعلان کرنا ۵۶۰

۱۸۱۶ اذان کے بعد اقامت سے پہلے ''صلاۃ وسلام'' پڑھنا ۵۶۱

۱۸۱۷ نماز سے قبل ''صلوۃ'' پڑھنا ۵۶۳

۱۸۱۸ اذان کے بعد ''صلوۃ'' پڑھنا ۵۶۴

۱۸۱۹ اذان کے بعد پابندی سے ''صلوۃ وسلام'' پڑھنا ۵۶۴

❐	٤ / باب شروط الصلوۃ	۵٦٦

۱۸۲۰ حامل نجاست کی نماز ۵۶۶
۱۸۲۱ جیب میں گلا سڑا اور بدبودار انڈا ہونے کی حالت میں نماز ۵۶۷
۱۸۲۲ جیب میں نکسیر صاف کی گئی دستی ہونے کی حالت میں نماز ۵۶۸
۱۸۲۳ جیب میں بوتل میں پیشاب ہونے کی حالت میں نماز ۵۶۹
۱۸۲۴ نابالغ فجر کے وقت تری دیکھے تو عشاء فرض ہوگی یا نفل.......... ۵۷۰
۱۸۲۵ نشہ کی حالت میں نماز کا حکم ۵۷۲
۱۸۲۶ ناپاک کپڑے کے ساتھ بچہ نمازی عورت کی پیٹھ پر چڑھ گیا.......... ۵۷۳
۱۸۲۷ نابینا شخص کا احتلام والے کپڑے میں نماز پڑھنا ۵۷۴
۱۸۲۸ وقت نکل جانے کے خوف سے ناپاکی کی حالت میں نماز پڑھنا ۵۷۵
۱۸۲۹ گوبر کے فرش پر نماز پڑھنا ۵۷۷
۱۸۳۰ ناپاک جگہ پر چادر بچھا کر نماز پڑھنا ۵۷۸
۱۸۳۱ گندے نالے کے اوپر شیشہ بچھا کر نماز پڑھنا ۵۷۹
۱۸۳۲ بدن جھلکنے والے کپڑے میں عورت کا نماز پڑھنا................. ۵۸۰
۱۸۳۳ نئے کپڑے کو دھو کر نماز پڑھنے کا حکم ۵۸۱
۱۸۳۴ بلا استنجاء نماز پڑھنا........................ ۵۸۲
۱۸۳۵ بیت الخلاء کی ٹنکی پر نماز پڑھنا........................ ۵۸۳
۱۸۳۶ میت کو نہلائے جانے والے پٹلہ پر نماز ۵۸۳
۱۸۳۷ ناپاک چڈی پہن کر نماز پڑھنا ۵۸۴
۱۸۳۸ ہندوستانی مسلمان صرف مغرب کی سمت میں کیوں نماز پڑھتے ہیں؟ ۵۸۵
۱۸۳۹ تحویل قبلہ کی نوعیت ۵۸۶
۱۸۴۰ متعین ستارے سے مسجد کا رخ متعین کرنے کا شرعی حکم ۵۹۰
۱۸۴۱ استقبال قبلہ پر غیر مسلم کے اعتراض کا جواب ۵۹۱

۱۸۴۲ مسجد کے قبلہ کا رخ کتنی ڈگری کے اندر ہو؟ ۵۹۴
۱۸۴۳ عین قبلہ کا رخ شرط نہیں ہے ۵۹۵
۱۸۴۴ استقبال قبلہ میں عین قبلہ ہے یا جہت قبلہ بھی کافی ہے؟ ۵۹۷
۱۸۴۵ مسجد کی دیوار قبلہ کعبہ کے رخ سے منحرف ہو تو کیا حکم ہے؟ ۶۰۰
۱۸۴۶ قبلہ کے متعلق چند سوالات ۶۰۱
۱۸۴۷ قبلہ اور وقت کا تعین نہ ہو تو نماز کا حکم ۶۰۳
۱۸۴۸ کیا مریض پر استقبال قبلہ لازم ہے؟ ۶۰۵
۱۸۴۹ اسپنج پر سجدہ کرنے سے سجدہ ادا ہوگا یا نہیں؟ ۶۰۷
۱۸۵۰ نیت کا طریقہ ۶۰۷
۱۸۵۱ نیت کیا ہے؟ ۶۰۸
۱۸۵۲ نیت دل کے ارادہ کا نام ہے؟ ۶۰۹
۱۸۵۳ کیا زبان سے نیت کرنا حضور ﷺ سے ثابت ہے؟ ۶۱۰
۱۸۵۴ امام کے لئے امامت کی نیت لازم نہیں ۶۱۱
۱۸۵۵ امام کن الفاظ سے نیت کرے؟ ۶۱۲
۱۸۵۶ فرائض وسنن سے قبل نیت کرنے کا طریقہ ۶۱۳
۱۸۵۷ جمعہ کی سنن قبلیہ کی نیت کس طرح کریں؟ ۶۱۴
۱۸۵۸ جمعہ کی سنن قبلیہ وبعدیہ کی نیت کا طریقہ ۶۱۵
۱۸۵۹ کیا سنتوں کی نیت میں سنت رسول اللہ کہنا ضروری ہے؟ ۶۱۷

❐	۵/ باب صفة الصلوة	۶۱۸

۱۸۶۰ بحالت قیام پیروں کی انگلیوں کا رخ ۶۱۸
۱۸۶۱ تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھوں کو اٹھانے کا مسنون طریقہ ۶۱۸

۱۸۶۲ تکبیر تحریمہ میں ہاتھ کہاں تک اٹھائے جائیں؟ ۶۱۹
۱۸۶۳ کیا کان کی لو کو چھونا ضروری ہے؟ ۶۲۱
۱۸۶۳ تکبیر تحریمہ سے قبل تسمیہ پڑھنا ۶۲۲
۱۸۶۴ صرف لفظ ''اللہ'' سے تکبیر تحریمہ ۶۲۳
۱۸۶۵ تکبیر تحریمہ میں لفظ ''اکبر'' کو بہت آہستہ سے کہنا ۶۲۴
۱۸۶۶ امام کا تکبیر میں ''ااااللہ'' کہنا ۶۲۵
۱۸۶۷ تکبیر تحریمہ میں لفظ ''اللہ'' کے بعد لفظ ''اکبر'' کو چھوڑ دینا ۶۲۶
۱۸۶۸ تکبیرات انتقالیہ کا مسنون طریقہ ۶۲۷
۱۸۶۹ تکبیرات انتقالیہ کہنے کا مسنون طریقہ ۶۲۸
۱۸۷۰ تکبیراتِ انتقالیہ کو زیادہ کھینچنا ۶۳۰
۱۸۷۱ الفاظ تکبیر کو کھینچنا ۶۳۱
۱۸۷۲ کیا حضور ﷺ سے ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا ثابت ہے؟ ۶۳۲
- زیر ناف ہاتھ باندھنے کا تحقیقی جائزہ ۶۳۳
- سینہ پر ہاتھ باندھنے کی روایات ۶۳۴
- ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کی روایات ۶۳۷
- غیر مقلدین کے پیشوا کا فتویٰ ۶۴۰
۱۸۷۳ سری نماز میں قراءت شروع ہونے کے بعد ثناء پڑھنا ۶۴۱
۱۸۷۴ نماز میں ثناء درود شریف اور دعا کا ترک کرنا ۶۴۱
۱۸۷۵ نماز میں سورۂ فاتحہ سے قبل ''بسم اللہ'' پڑھنا سنت مؤکدہ ہے یا غیر مؤکدہ؟ ۶۴۲
۱۸۷۶ سورت اور ہر رکعت کے شروع میں بسم اللہ پڑھنا ۶۴۳
۱۸۷۷ نماز میں سورۂ فاتحہ اور سورت سے قبل تسمیہ پڑھنا ۶۴۵

۱۸۷۸ سورت ملانے سے پہلے ''بسم اللہ'' پڑھنا ۶۴۶
۱۸۷۹ مقتدی امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھے یا نہ پڑھے؟ ۶۴۷
۱۸۸۰ فاتحہ خلف الامام کا حکم ۶۴۹
۱۸۸۱ قراءت خلف الامام کا مسئلہ ۶۵۰
۱۸۸۲ قراءت خلف الامام کا حکم ۶۵۲
۱۸۸۳ کیا فاتحہ اور ضم سورت کے درمیان مقتدیوں کے فاتحہ پڑھنے ۶۵۳
○ قرأت خلف الامام کا تحقیقی جائزہ ۶۵۶
○ سورۂ فاتحہ پڑھنے سے متعلق چار صحابہ کی روایات ۶۵۷
○ مقتدی کے لئے مطلق قراءت کی ممانعت ۶۶۱
○ جہری نماز میں قراءت کی ممانعت ۶۶۱
○ سری نماز میں قراءت کی ممانعت ۶۶۶
○ جہری اور سری دونوں نمازوں میں ممانعت ۶۷۱
○ خلفاء راشدین کا فتوی ۶۷۳
○ روایات کا تحقیقی جائزہ ۶۷۳
○ امام کو رکوع میں پانے والا رکعت پالیتا ہے ۶۷۶
○ رکعت کے معتبر ہونے کی روایات ۶۷۷
○ روایات کا تحقیقی جائزہ ۶۸۱
۱۸۸۴ قراءت خلف الامام اور آمین بالجہر کا حکم ۶۸۴
۱۸۸۵ مکبّر کا بلند آواز سے آمین کہنا ۶۸۵
۱۸۸۶ آمین بالجہر کا حکم ۶۸۶
۱۸۸۷ نماز میں آمین بالجہر یا آمین بالسر ۶۸۸
۱۸۸۸ سری نماز میں مقتدی کا آمین کہنا ۶۸۹

○ مسئلہ آمین بالسّر کا تحقیقی جائزہ ۶۹۰
○ نماز میں آمین کہنے کی فضیلت ۶۹۱
○ آمین بالجہر کی روایت ۶۹۲
○ آمین بالسّر کی روایت ۶۹۳
○ دونوں قسم کی روایات کا جائزہ ۶۹۳
○ راوی کے ضعف کا اثر امام ابوحنیفہؒ پر نہیں پڑتا ۶۹۴
○ مزید پانچ حدیثیں ۶۹۵
○ حضرت وائل بن حجرؓ کی مزید روایت ۶۹۵
○ خلیفۂ راشد حضرت عمر فاروقؓ کا اثر ۶۹۶
○ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا اثر ۶۹۶
○ حضرت علیؓ اور ابن مسعودؓ کا مشترکہ اثر ۶۹۷
○ حضرت عمر فاروقؓ وحضرت علیؓ کا مشترکہ اثر ۶۹۷
۱۸۸۹ ضم سورت کے وقت ’’بسم اللہ‘‘ پڑھنا ۶۹۸
۱۸۹۰ دوران نماز ہر سورت کے شروع میں ’’بسم اللہ‘‘ جہراً پڑھنا ۶۹۹
۱۸۹۱ ضم سورت کے وقت ’’بسم اللہ‘‘ سراً پڑھنا ۷۰۰
۱۸۹۲ کیا آپ ﷺ رفع یدین کیا کرتے تھے؟ ۷۰۱
۱۸۹۳ کیا خلفائے اربعہ رفع یدین نہیں کرتے تھے؟ ۷۰۳
۱۸۹۴ نماز کا صحیح طریقہ ۷۰۴
۱۸۹۵ رفع یدین ۷۰۵
۱۸۹۶ عدم رفع یدین کی حدیثِ صحیح ۷۰۸
۱۸۹۷ کیا آستینوں میں بت چھپائے رکھنے کی وجہ سے رفع یدین کا حکم تھا؟ . ۷۰۹

○	مسئلہ رفع یدین کا تحقیقی جائزہ	۷۱۰
○	رفعِ یدین کی منسوخ روایات	۷۱۱
○	عدم رفع یدین کی روایات	۷۱۳
○	روایات کا جائزہ	۷۱۷
۱۸۹۸	رفع یدین، آمین بالجہر، سینہ پر ہاتھ رکھنا اور نماز میں پیروں کو کشادہ رکھنا	۷۱۸
۱۸۹۹	رکوع، سجود کی تکبیرات سنت ہیں یا واجب؟	۷۲۶
۱۹۰۰	کیا قومہ کی دعا مرد عورت دونوں پڑھیں گے؟	۷۲۶
۱۹۰۱	قومہ وجلسہ میں کتنی دیر بیٹھے اور کیا پڑھے؟	۷۲۷
۱۹۰۲	فرائض میں قومہ اور جلسۂ استراحت کی دعا پڑھنا	۷۲۹
۱۹۰۳	کیا نماز کی ہر رکعت میں دونوں سجدے فرض ہیں؟	۷۳۱
۱۹۰۴	سجدہ میں جاتے وقت کی تکبیر کب پوری کی جائے؟	۷۳۲
۱۹۰۵	سجدہ میں کہنیوں کی حالت کا حکم	۷۳۳
۱۹۰۶	سجدہ میں پیروں کی انگلیاں کیسے رکھیں؟	۷۳۴
۱۹۰۷	سجدہ میں ’’سبحان ربی الکریم‘‘ کہنا	۷۳۶
۱۹۰۸	سجدۂ ثانیہ سے کھڑے ہونے کا مسنون طریقہ	۷۳۷
۱۹۰۹	قعدہ میں ہاتھوں کو رانوں پر رکھنے کی کیفیت	۷۳۸
۱۹۱۰	تشہد میں انگلی اٹھانے کا مسنون طریقہ	۷۳۹
۱۹۱۱	تشہد میں حلقہ بنا کر آخر تک اسی طرح رکھنا	۷۴۱
۱۹۱۲	تشہد میں انگلی سے اشارہ کرنے کے بعد حلقہ کھولنا بہتر ہے یا نہیں؟ ..	۷۴۲
۱۹۱۳	تشہد میں کلمۂ شہادت کی انگلی کب تک اٹھائیں؟	۷۴۳
۱۹۱۴	تشہد میں انگلی کب اٹھائی جائے؟	۷۴۵

۱۹۱۵	نماز میں اشارہ بالسبابہ کی کیفیت اور اس کا شرعی حکم	۷۴۶
۱۹۱۶	تشہد میں انگلی اٹھانے اور حلقہ کھولنے کا مستحب طریقہ	۷۴۷
۱۹۱۷	رفع سبابہ کی شرعی حیثیت	۷۴۸
۱۹۱۸	قعدہ میں اپنی انگلیوں کو اپنی ہیئت پر رکھنا	۷۵۱
۱۹۱۹	عذر کی بنا پر صرف التحیات پڑھ کر سلام پھیرنا	۷۵۱
۱۹۲۰	مقتدی کا التحیات پڑھ کر امام سے قبل سلام پھیرنا	۷۵۲
۱۹۲۱	لفظ ''سلام'' واجب ہے یا سنت؟	۷۵۴
۱۹۲۲	ایک سلام پھیرنے کے بعد حدث لاحق ہو گیا	۷۵۵
۱۹۲۳	لفظ ''سلام'' کے علاوہ کسی دوسرے فعل سے نماز سے نکلنا	۷۵۶
۱۹۲۴	سلام پھیرتے وقت نگاہ کہاں رکھیں؟	۷۵۷
۱۹۲۵	نماز میں دوسرے سلام کی مقدار	۷۵۸
۱۹۲۶	سلام پھیرنے کا مسنون طریقہ	۷۵۹
۱۹۲۷	نماز میں سلام پھیرنے کا مسنون طریقہ	۷۶۰
۱۹۲۸	سلام پھیرنے کا طریقہ	۷۶۲
۱۹۲۹	بحالت مجبوری ٹرین یا بس میں بیٹھ کر نماز پڑھنا	۷۶۴
۱۹۳۰	بس میں نماز کا طریقہ	۷۶۵
۱۹۳۱	بیٹھ کر نماز پڑھنے کا طریقہ	۷۶۶
۱۹۳۲	شیخ فانی اشارہ سے نماز پڑھے	۷۶۷
۱۹۳۳	بیٹھ کر نماز پڑھنے میں سرین کو اٹھانا کیسا ہے؟	۷۶۸
۱۹۳۴	بیٹھ کر نماز پڑھنے کی صورت میں رکوع میں کتنا جھکا جائے؟	۷۶۹
۱۹۳۵	بیٹھ کر نماز ادا کرنے میں سرین کو اٹھانا	۷۷۰

٩/ بقیة کتاب الصلوٰة

٦/ باب السترة

مسئلہ نمبر: | | صفحہ نمبر

١٩٣٦ سترہ کی شرعی حیثیت اور شرائط ٣٢

١٩٣٧ سترہ کی مقدار ٣٤

١٩٣٨ نمازی کے آگے سے گذرنے کا گناہ ٣٥

١٩٣٩ نمازی کے آگے سے گذر کر خالی صف کو پر کرنا ٣٧

١٩٤٠ نمازی کے سامنے سے گذرنے اور اس کو پریشان کرنے کا حکم ٣٨

١٩٤١ نمازی کے آگے سے گذرنے کی حد ٣٩

١٩٤٢ مسجد کبیر میں نمازی کے آگے سے گذرنے کی حد ٤٠

١٩٤٣ نمازی کے سامنے سے گذرنا ٤٢

١٩٤٤ نمازی کے آگے کتنے فاصلہ سے گذرنے کی گنجائش ہے؟ ٤٣

١٩٤٥ نمازی کے سامنے والے چبوترہ کے اوپر سے گذرنے کا حکم ٤٤

١٩٤٦ نمازی کے سامنے بیٹھے شخص کا ہٹ کر جانا ٤٦

١٩٤٧ چٹائی سترہ کے قائم مقام ہے یا نہیں؟ ٤٧

١٩٤٨ نمازی کے سامنے سے گذرنا ٤٩

❐ ٧/ باب صلوٰۃ المساجد

١٩٤٩ مسجد صغیر، مسجد کبیر ٥١

١٩٥٠ مسجد کبیر ٥٢

١٩٥١ احاطۂ مسجد کی حد ٥٣

۱۹۵۲ تحیۃ المسجد ۵۳
۱۹۵۳ منبر کی سیڑھیوں کی مسنون تعداد ۵۴
۱۹۵۴ منبر مسنون ۵۵
۱۹۵۵ کیا ایک لاکھ نمازوں کا ثواب مسجد حرام ہی کے ساتھ مخصوص ہے؟ ۵۸
۱۹۵۶ مسجد حرام میں ایک لاکھ کا ثواب کہاں تک ملے گا ۵۹
۱۹۵۷ کیا بیت اللہ میں نماز پڑھنے کا ثواب صرف مردوں کیلئے ہے...... ۶۲
۱۹۵۸ حرم شریف کی قضاء نماز کے ثواب کا بیان ۶۳
۱۹۵۹ تعمیر مسجد کے دوران دوسری مسجد میں جماعت سے نماز ادا کرنا ۶۴
۱۹۶۰ دوران تعمیر مسجد میں نماز پنجگانہ ادا کرنا ضروری نہیں ۶۵
۱۹۶۱ منقش مصلیٰ ۶۶
۱۹۶۲ مساجد سے روکنے کا حکم ۶۷
۱۹۶۳ شہید کردہ مسجد میں نماز کا شرعی حکم ۶۹
۱۹۶۴ عیدگاہ کے دروازہ پر تعمیر شدہ مسجد میں نماز ۷۰
۱۹۶۵ امام صاحب کے حجرہ کا دروازہ مسجد میں کھولنے کا حکم ۷۲
۱۹۶۶ احاطۂ مسجد میں بنے ہوئے حجرہ میں مؤذن کی رہائش ۷۳
۱۹۶۷ وضو کی جگہ پر امام کا کپڑے دھونا ۷۴
۱۹۶۸ مسجد کی چھت سے اونچی عمارت بنانا ۷۵
۱۹۶۹ جمعہ کے علاوہ مسجد کی دوسری تیسری منزل بند رکھنا ۷۶
۱۹۷۰ مسجد کی دوکانوں پر امام صاحب کا کھڑے ہوکر نماز پڑھانا...... ۷۸
۱۹۷۱ مسجد چھوڑ کر مدرسہ میں نماز پڑھنا ۸۰
۱۹۷۲ کارخانوں میں نماز عشاء وتراویح ادا کرنے سے مسجد کا ثواب حاصل نہ ہوگا ۸۲

۱۹۷۳ ہندو کی شادی ہونے والے مکان میں نماز تراویح پڑھنا ۸۳
۱۹۷۴ قبرستان میں نماز پڑھنا کیسا ہے؟ ۸۴
۱۹۷۵ قبروں کو برابر کر کے ان پر نماز پڑھنا ۸۵
۱۹۷۶ بوسیدہ قبرستان میں نماز پڑھنے کا حکم ۸۶
۱۹۷۷ قبروں پر بنی ہوئی مسجد میں نماز پڑھنا ۸۷
۱۹۷۸ مزار پر قبر کے متصل مصلے پر نماز پڑھنا ۸۸
۱۹۷۹ زکوٰۃ کی رقم سے بنائی گئی مسجد میں نماز کا حکم ۹۰
۱۹۸۰ حرام کمائی سے بنائی گئی مسجد میں نماز ۹۱
۱۹۸۱ چوری کے ریت سے بھرائی کی گئی مسجد میں نماز پڑھنے کا شرعی حکم ۹۲
۱۹۸۲ مساجد میں قالین وغیرہ بچھانا ۹۳
۱۹۸۳ قالین کے گدّے پر نماز ۹۵
۱۹۸۴ اندرون مسجد خراب ہونے کی وجہ سے باہر نماز پڑھنا ۹۶
۱۹۸۵ مسجد کا پانی گھر لیجا کر وضو کرنا ۹۷
۱۹۸۶ ایک مسجد کے گرم پانی سے وضو کر کے دیگر مسجد میں جا کر نماز پڑھنا ۹۸
۱۹۸۷ صفوں کو پیروں کی ٹھوکروں سے بچھانا اور سمیٹنا ۹۹
۱۹۸۸ کارپوریشن کی زمین میں نماز کا شرعی حکم ۱۰۰
۱۹۸۹ مغصوبہ زمین میں نماز پڑھنا ۱۰۱
۱۹۹۰ گرمی کی بناء پر صحن مسجد میں نماز ادا کرنا ۱۰۳
۱۹۹۱ موسم گرما میں صحن مسجد میں جماعت ۱۰۴
۱۹۹۲ صحن مسجد یا دالان مسجد میں نماز پڑھنا ۱۰۴
۱۹۹۳ موسم گرما میں مسجد کی چھت پر جماعت قائم کرنا ۱۰۶
۱۹۹۴ گرمی کی وجہ سے دوسری منزل میں جماعت کرنا ۱۰۷

۱۹۹۵	شدید گرمی کی وجہ سے مسجد کی چھت پر جماعت کرنا...............	۱۰۸
۱۹۹۶	شدت گرمی کی وجہ سے مسجد کی چھت پر جماعت	۱۰۹
۱۹۹۷	مساجد میں ناک کان اور بغیر سر والی تصاویر لٹکانا...............	۱۱۰
۱۹۹۸	چھوٹے بچوں کو مسجد میں نماز کی عملی مشق کرانا...............	۱۱۴
۱۹۹۹	مسجد میں نماز کے بعد حلقہ بنا کر دنیاوی باتیں کرنا...............	۱۱۴
۲۰۰۰	مسجد میں دینی باتیں سنانے کے لئے روک کر سوال کرنا...............	۱۱۶
۲۰۰۱	نماز کے بعد مسجد میں سوال اور سائل کی مدد...............	۱۱۷
۲۰۰۲	مسجد میں کسی شخص کے فساد مچانے سے متعلق چند سوالات	۱۱۸
۲۰۰۳	کئی منزلہ مسجد کی کسی بھی منزل کو جماعت خانہ بنالینا اور چھت پر نماز پڑھنا...............	۱۲۲
۲۰۰۴	سودی قرض کی رقم سے بنائے گئے اسکول میں نماز...............	۱۲۴
۲۰۰۵	سودی میلوں میں مجمع کے ساتھ نماز باجماعت...............	۱۲۶
۲۰۰۶	ہوائی جہاز میں نماز کا جواز	۱۲۷
۲۰۰۷	کیا مساجد میں نماز کی ترکیب والی تصاویر ٹانگنا جائز ہے؟......	۱۲۸
۲۰۰۸	مظاہر العلوم کا فتویٰ	۱۳۰
۲۰۰۹	استفتاء...............	۱۳۱
۲۰۱۰	ماہنامہ مظاہر العلوم میں شائع ہونے والا فتویٰ...............	۱۳۲
۲۰۱۱	مظاہر العلوم وقف کا فتویٰ...............	۱۳۳
۲۰۱۲	جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی کا فتویٰ...............	۱۳۴
۲۰۱۳	محاکمہ متعلقہ مسئلہ تصویر از مولانا خلیل احمد صاحب...............	۱۳۸

۸/ باب الجماعة

۲۰۱۴	باجماعت نماز واجب ہے یا سنت؟...............	۱۴۴

۲۰۱۵	تارک جماعت مردود الشہادہ ہے..................	۱۴۵
۲۰۱۶	تارک جماعت کا حکم..................	۱۴۶
۲۰۱۷	کسی کے انتظار میں جماعت میں تاخیر کرنا..................	۱۴۷
۲۰۱۸	راستہ خراب ہونے کی وجہ سے ترک جماعت..................	۱۴۸
۲۰۱۹	کیا نابینا پر باجماعت نماز ادا کرنا ضروری ہے..................	۱۵۰
۲۰۲۰	مدرسہ میں ظہر کی نماز باجماعت پڑھ کر مسجد میں دوبارہ جماعت سے نماز پڑھنا..................	۱۵۰
۲۰۲۱	کیا لوگوں کے طعنہ کے سبب تنہا گھر میں نماز پڑھنا بہتر ہے......	۱۵۲
۲۰۲۲	ملا کہنے کی وجہ سے نماز باجماعت ترک کردینا..................	۱۵۳
۲۰۲۳	مسجد میں دوران نماز الگ نماز پڑھنا..................	۱۵۵
۲۰۲۴	مسجد میں جماعت کے بعد تنہا نماز پڑھنا..................	۱۵۶
۲۰۲۵	مال کی حفاظت کی وجہ سے مسجد نہ جا کر تنہا نماز پڑھنا..................	۱۵۷
۲۰۲۶	اجرت لے کر نماز تراویح پڑھانے والے کی اقتداء کرے یا تنہا نماز پڑھے..................	۱۵۸
۲۰۲۷	معذور شخص کا گھر پر نماز پڑھنا..................	۱۵۹
۲۰۲۸	برص کی بیماری میں گھر پر نماز پڑھنا..................	۱۶۱
۲۰۲۹	کوڑھی کے لئے جماعت کا سقوط..................	۱۶۲
۲۰۳۰	کوڑھ کے مریض کا جماعت میں شریک ہونا..................	۱۶۳
۲۰۳۱	کھانسی کے مریض کا مسجد میں نماز کے لئے جانا..................	۱۶۴
۲۰۳۲	جماعت کے وقت سنت ونفل پڑھنے کا حکم..................	۱۶۵
۲۰۳۳	جماعت شروع ہونے کے بعد نوافل کی نیت باندھنا..................	۱۶۷
۲۰۳۴	جماعت کھڑی ہونے کے بعد اگلی صف میں سنن ونوافل پڑھنا	۱۶۸

۲۰۳۵	جماعت کے وقت تنہا صف میں نماز پڑھنا	۱۶۹
۲۰۳۶	جماعت کے قعدۂ اخیرہ میں شمولیت افضل ہے یا الگ سے دوسری جماعت کرنا	۱۷۱
۲۰۳۷	دس تا پندرہ سال تک کے بچوں کو لے کر جماعت کرنا	۱۷۲
۲۰۳۸	عیدگاہ میں پنجوقتہ نماز ادا کرنا	۱۷۳
۲۰۳۹	ایک ہی باؤنڈری میں مسجد چھوڑ کر مدرسہ میں نماز پڑھنے کا حکم؟	۱۷۴
۲۰۴۰	دوسری منزل پر جماعت کرنا	۱۷۵
۲۰۴۱	مسجد کی چھت پر نماز باجماعت ادا کرنا	۱۷۷
۲۰۴۲	شدید گرمی کی وجہ سے مسجد کی چھت پر نماز پڑھنا	۱۷۸
۲۰۴۳	رمضان میں نماز عشاء کی جماعت محلّہ میں ادا کرنا	۱۷۹
۲۰۴۴	خارج از مسجد جماعت ادا کرنا	۱۸۲
۲۰۴۵	مسجد کے علاوہ جگہ میں جماعت سے نماز پڑھنا	۱۸۳
۲۰۴۶	دوران نماز کسی مقتدی کا الگ سے زور سے تلاوت کرنا	۱۸۵
۲۰۴۷	قیام اللیل کی جماعت	۱۸۶
۲۰۴۸	تہجد کی جماعت	۱۸۸
۲۰۴۹	نوافل کی جماعت	۱۸۹
۲۰۵۰	رمضان المبارک میں باجماعت تہجد پڑھنا	۱۹۰
۲۰۵۱	مسجد میں جماعت ثانیہ کرنا	۱۹۱
۲۰۵۲	متعدد اعذار کی بنا پر نماز کے تکرار کا حکم	۱۹۲
۲۰۵۳	دارالحدیث میں جماعت ثانیہ	۱۹۵
۲۰۵۴	جماعت ثانیہ کرنے والوں کی نماز مع الکراہت ادا ہوتی ہے	۱۹۷
۲۰۵۵	جس ہال میں پنجگانہ نماز ہوتی ہو اس میں جماعت ثانیہ کرنا	۱۹۹

۲۰۵۶	محلّہ کے لوگوں کے لئے جماعت ثانیہ	۲۰۰
۲۰۵۷	ایک مسجد میں تکرار جماعت کا حکم	۲۰۱
۲۰۵۸	مسجد تنگ ہونے کی وجہ سے جماعت ثانیہ قائم کرنا	۲۰۲
۲۰۵۹	ایک ہی مسجد میں متعدد بار نماز جمعہ قائم کرنا	۲۰۴
۲۰۶۰	مسجد کی سہ دری یا حجرہ میں جماعت ثانیہ کرنے کا حکم	۲۰۶
۲۰۶۱	مسجد یا اس سے متصل دوسری جگہ میں دوسری جماعت کرنا	۲۰۷
۲۰۶۲	کیا دوسری صف میں جماعت ثانیہ کی جاسکتی ہے؟	۲۱۰
۲۰۶۳	مسجد میں جماعت ثانیہ کرنا	۲۱۱
۲۰۶۴	محلّہ کی مسجد میں جماعت ثانیہ	۲۱۳
۲۰۶۵	ایک مسجد میں جمعہ کی جماعت ثانیہ کرنا	۲۱۴
۲۰۶۶	دومنزلہ مسجد میں بیک وقت دو جماعت کا قائم کرنا	۲۱۵
۲۰۶۷	اختلاف کی وجہ سے دو جماعتیں کرنا	۲۱۶
۲۰۶۸	محراب سے ہٹ کر جماعت ثانیہ کرنا مکروہ تنزیہی ہے	۲۱۷
۲۰۶۹	مسجد میں جماعت ثانیہ کا حکم	۲۱۸
۲۰۷۰	اہل محلّہ کا مسجد سے متصل حجرہ میں جماعت ثانیہ کرنا	۲۱۹
۲۰۷۱	جہاں امام اور مؤذن متعین نہ ہوں وہاں جماعت ثانیہ کرنا	۲۲۱
۲۰۷۲	محلّہ کی مسجد میں جماعت ثانیہ مکروہ تحریمی ہے	۲۲۲
۲۰۷۳	جماعت خانہ میں جماعت ثانیہ	۲۲۳
۲۰۷۴	جماعت ثانیہ سے متعلق ایک جامع فتویٰ	۲۲۵
۲۰۷۵	ایسی مسجد میں تکرار جماعت جائز ہے	۲۲۹
۲۰۷۶	مسافر کا محلّہ کی مسجد میں متعینہ جماعت سے قبل اپنی جماعت کرنا	۲۳۱
۲۰۷۷	بازار کی مسجد میں متعدد جماعت کرنا	۲۳۲

۲۰۷۸	کن صورتوں میں جماعت ثانیہ جائز اور کن صورتوں میں ممنوع	۲۳۴
۲۰۷۹	جماعت ثانیہ کہاں جائز اور کہاں مکروہ ہے......................	۲۳۵
۲۰۸۰	چار صورتوں میں جماعت ثانیہ جائز ہے......................	۲۳۷
۲۰۸۱	بارش کی وجہ سے ایک ہی مسجد میں متعدد بار نماز جمعہ یا نماز عید ادا کرنا	۲۳۸

❑ ۹ / باب الإمامة

(۱) فصل: فی أوصاف الإمام

۲۰۸۲	شریعت اسلامی میں امام کا مرتبہ......................	۲۴۰
۲۰۸۳	امام کیسا ہونا چاہئے؟......................	۲۴۲
۲۰۸۴	امامت کا زیادہ حق دار کون؟......................	۲۴۴
۲۰۸۵	کیا اسلام میں امام کا اعلیٰ نسب والا ہونا مطلوب ہے؟............	۲۴۶
۲۰۸۶	حافظ اور عالم میں امامت کا حقدار کون؟......................	۲۴۸
۲۰۸۷	افضل کے ہوتے ہوئے مفضول کو مستقل امام متعین کرنا..........	۲۴۹
۲۰۸۸	اعلیٰ کے ہوتے ہوئے ادنیٰ کی امامت......................	۲۵۰
۲۰۸۹	امام ومؤذن کے فرائض وذمہ داریاں......................	۲۵۱
۲۰۹۰	امام صاحب ومؤذن نماز سے کتنی دیر قبل مسجد میں آئیں	۲۵۲
۲۰۹۱	امام کا تکبیر سے قبل یا تکبیر ہوتے ہوئے مصلے پر بیٹھنا..........	۲۵۳
۲۰۹۲	بوقت اقامت امام صاحب کا سیدھے مصلے پر جانا..............	۲۵۴
۲۰۹۳	امام رکوع وسجود کی تسبیحات کے درجات میں سے کس پر عمل کرے	۲۵۵
۲۰۹۴	امام کا دو تین منٹ تاخیر کر کے نماز پڑھانا..............	۲۵۶
۲۰۹۵	متعینہ شخص کے انتظار میں جماعت میں تاخیر کرنا..........	۲۵۷

۲۰۹۶	کیا امام پر مقتدیوں کی رعایت کرنا لازم ہے؟	۲۵۸
۲۰۹۷	امام کو مقتدیوں کی کس قدر رعایت کرنی چاہیئے	۲۶۰
۲۰۹۸	کسی کی آہٹ پر امام کا رکوع کو لمبا کرنا	۲۶۳
۲۰۹۹	نماز میں بٹن کھلا رکھنے والے امام کی امامت	۲۶۵
۲۱۰۰	گریبان کھلے ہونے کی حالت میں نماز پڑھانا	۲۶۶
۲۱۰۱	صاحب عمامہ کی بلا عمامہ والے امام کے پیچھے نماز	۲۶۷
۲۱۰۲	چین والی گھڑی پہن کر نماز پڑھانا	۲۶۹
۲۱۰۳	تہبند اور بنیائن پہن کر امامت کرنا	۲۷۰
۲۱۰۴	پٹھانی سوٹ پہن کر نماز پڑھانا	۲۷۱
۲۱۰۵	لقطہ کی قمیص پہن کر نماز پڑھانے کا حکم	۲۷۲
۲۱۰۶	شخص واحد کا دو جگہ نماز جمعہ کی امامت کرنا	۲۷۴
۲۱۰۷	غیر شادی شدہ کی امامت	۲۷۵
۲۱۰۸	قاری وعالم اگر انگریزی ڈاکٹر ہوں تو ان کی امامت کا کیا حکم ہے؟	۲۷۶
۲۱۰۹	امامت کے ساتھ تجارت کا حکم	۲۷۸
۲۱۱۰	ثوب جاذب سے استنجاء کرنے والے شخص کی امامت	۲۷۸
۲۱۱۱	سیاہ خضاب لگانے والے کی امامت	۲۷۹
۲۱۱۲	بیوی کو خوش کرنے کیلئے سیاہ خضاب لگانے والے کی امامت	۲۸۱
۲۱۱۳	سیاہ خضاب لگانے والے کی امامت	۲۸۲
۲۱۱۴	امامت کی اجرت مقرر کرنا	۲۸۳
۲۱۱۵	باتنخواہ امام کی امامت	۲۸۴
۲۱۱۶	مسجد کی دوکان کے کرایہ سے تنخواہ پانے والے کی امامت	۲۸۵
۲۱۱۷	جمعہ کی نماز پڑھا کر سرکار سے پورے ماہ کی تنخواہ لینے والے کی امامت	۲۸۶

۲۱۱۸	کیا امام کو ملنے والا کھانا امام کے اہل خانہ کھا سکتے ہیں؟	۲۸۷
۲۱۱۹	طلبہ کے نام پر سرکاری وظیفہ لے کر اس کو نہ دینے والے کی امامت	۲۸۸
۲۱۲۰	چندہ کی رقم سے ۲۵؍ فیصد رقم لینے والے معلم کی امامت	۲۸۹
۲۱۲۱	زکوٰۃ وصدقات کھا کر تعلیم حاصل کرنے والے کی امامت	۲۹۱
۲۱۲۲	حلال وحرام پیشہ والے کے یہاں کھانا کھانے والے کی امامت	۲۹۲
۲۱۲۳	حضرت حسینؓ مع رفقاء شہید نہ ہوتے تو دین ٹھوکریں کھاتا کہنے والے کی امامت	۲۹۵
۲۱۲۴	الیکشن میں کھڑے ہونے والے امام کے پیچھے نماز کا حکم	۲۹۶
۲۱۲۵	کیا طبیب امامت کرسکتا ہے؟	۲۹۷
۲۱۲۶	ڈاکٹر عالم کی امامت	۲۹۸
۲۱۲۷	پیشاب کی نالی بنے ہوئے غسل خانہ میں غسل کرنے والے کی امامت	۲۹۹
۲۱۲۸	مسائل نماز سے ناواقف شخص کی امامت	۳۰۰
۲۱۲۹	فجر کی نماز اول وقت میں پڑھ کر دوسری جگہ امامت کرنا	۳۰۱
۲۱۳۰	امام کو حدث لاحق ہونے پر دوسرے شخص کو خلیفہ بنانے کی ایک شکل	۳۰۲
۲۱۳۱	دوران نماز ڈرائونی آواز سے برابر ڈکار لینے والے امام کی امامت	۳۰۳
۲۱۳۲	بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کے پیچھے کھڑے ہوکر نماز پڑھنے والوں کی اقتداء	۳۰۴
۲۱۳۳	ایک نماز فوت ہونے والے صاحب ترتیب کی امامت کا حکم	۳۰۶
۲۱۳۴	کھڑے ہوکر نماز پڑھنے والوں کا بیٹھ کر نماز پڑھانے والے کی اقتداء کرنا	۳۰۷
۲۱۳۵	ایک وضو سے کئی وقتوں کی نماز پڑھانا	۳۰۹
۲۱۳۶	تیمّم کرنے والے کے پیچھے باوضو پڑھنے والوں کی اقتداء	۳۱۰
۲۱۳۷	نصف عضو پر وضو نصف پر مسح کرنے والے کی امامت	۳۱۲

۲۱۳۸ بیٹھ کر اشارہ سے پڑھنے والے کے پیچھے رکوع سجدہ کرنے والوں کی نماز کا حکم ۳۱۳
۲۱۳۹ امام مسجد سے مسئلہ دریافت کرنا ۳۱۴
۲۱۴۰ تعویذات کی اجرت لینے والے کی امامت ۳۱۵
۲۱۴۱ تعویذات پر اجرت لینے والے کے پیچھے نماز ۳۱۶
۲۱۴۲ تعویذ گنڈہ کرنے والے امام کے پیچھے نماز پڑھنا ۳۱۷
۲۱۴۳ گھر کی عورتوں کی امامت کرنا ۳۱۸
۲۱۴۴ محرم اور غیر محرم عورتوں کو نماز پڑھانا ۳۱۹
۲۱۴۵ طلاق دینے والے کی امامت ۳۲۰
۲۱۴۶ مجبوراً پردہ کا انتظام نہ کر پانے والے کی امامت ۳۲۰
۲۱۴۷ کمیشن پر چندہ کرنے والے کی امامت ۳۲۱

۲ / فصل: في النيابة عن الإمام

۲۱۴۸ شاہی امام کی تاخیر کی بناء پر نائب امام کے نماز پڑھانے پر تنازع ۳۲۳
۲۱۴۹ امام کے ہوتے ہوئے بضرورت اس کے نائب امام کو رکھ سکتے ہیں یا نہیں؟ ۳۲۴
۲۱۵۰ مقررہ امام کی موجودگی میں بغیر اس کی اجازت کے دوسرے کا امامت کرنا ۳۲۶
۲۱۵۱ امام کی موجودگی میں دوسرے شخص کو نماز پڑھانے کا حق نہیں ۳۲۷
۲۱۵۲ متعینہ امام کا بغیر کسی عذر کے وقتیہ اور نماز جمعہ دوسروں سے پڑھوانا ۳۲۸
۲۱۵۳ کیا اجازت شدہ شاگرد امامت کر سکتا ہے؟ ۳۳۰
۲۱۵۴ امام صاحب کی عدم موجودگی میں دوسرے شخص کا نماز پڑھانا...... ۳۳۱

۳/ فصل : في إمامة الصبي

۲۱۵۵ بارہ سال کے طالب علم کی امامت ۳۳۳
۲۱۵۶ عالم وقاری کے ہوتے ہوئے تیرہ سالہ لڑکے کی امامت ۳۳۴
۲۱۵۷ کتنی عمر میں لڑکا امامت کے قابل بن سکتا ہے؟ ۳۳۵
۲۱۵۸ باشعور نابالغ کی امامت ۳۳۶
۲۱۵۹ بالغ کا نابالغوں کی امامت کرنا درست ہے یا نہیں؟ ۳۳۷
۲۱۶۰ اٹھارہ سالہ لڑکے کی امامت ۳۳۸
۲۱۶۱ نابالغ بچوں کی امامت ۳۳۹
۲۱۶۲ ناظرہ خواں کی امامت ۳۴۰
۲۱۶۳ امرد کی امامت ۳۴۱
۲۱۶۴ بے ریش امرد کی امامت ۳۴۲
۲۱۶۵ بے ریش امام کے پیچھے نماز کا حکم ۳۴۳

۴/فصل : فی إمامة تارک الصلاة

۲۱۶۶ امام صاحب کو فجر کی نماز پڑھانا یاد نہیں رہا ۳۴۵
۲۱۶۷ آنکھ نہ کھلنے کی وجہ سے فجر کی نماز قضا کرنے والے کی امامت ۳۴۶
۲۱۶۸ فجر کی نماز باجماعت نہ پڑھنے والے مؤذن کی امامت ۳۴۷
۲۱۶۹ جماعت سے نماز نہ پڑھنے والے کی امامت ۳۴۸
۲۱۷۰ تارک جماعت کی امامت ۳۴۹
۲۱۷۱ تارک صلوٰۃ کی امامت ۳۵۱
۲۱۷۲ ایک دو نماز ترک کرنے والے کا جمعہ وعیدین کی امامت کرنا ۳۵۲

۲۱۷۳ عمداً نماز پنجگانہ چھوڑنے والا امامت کا اہل نہیں ۳۵۳
۲۱۷۴ مہینہ میں صرف ۷ یا ۸ دن نماز پڑھنے والے کی امامت ۳۵۴
۲۱۷۵ دووقت کی نماز پڑھنے والے کی امامت ۳۵۶
۲۱۷۶ جمعہ کے دن تارکِ فجر کا نماز جمعہ کی امامت کرنا ۳۵۷
۲۱۷۷ سنتوں کا اہتمام نہ کرنے والے کی امامت ۳۵۸
۲۱۷۸ نوافل کی پابندی نہ کرنے والے کی امامت ۳۵۹
۲۱۷۹ سنت کی رعایت کرنے والے امام پر زبانِ طعن دراز کرنا ۳۶۱

۵ / فصل: في إمامة الفاسق

۲۱۸۰ فاسق کی تعریف اور اس کے پیچھے نماز کا حکم ۳۶۴
۲۱۸۱ فاسق کی امامت کا حکم ۳۶۵
۲۱۸۲ فاسق کی امامت کا حکم ۳۶۷
۲۱۸۳ فاسق کی امامت کا حکم ۳۶۸
۲۱۸۴ مرتکب کبائر کی امامت ۳۷۰
۲۱۸۵ خلاف شرع امور کے مرتکب کی امامت ۳۷۱
۲۱۸۶ مختلف محرمات کے مرتکب امام کا حکم ۳۷۴
۲۱۸۷ مختلف منہیات کے مرتکب کی امامت ۳۷۵
۲۱۸۸ خلاف سنت افعال کے مرتکب کی امامت ۳۷۷
۲۱۸۹ کیا امور شنیعہ کا مرتکب امامت نہیں کرسکتا؟ ۳۷۸
۲۱۹۰ مختلف منکرات سے متصف شخص کی امامت ۳۸۱
۲۱۹۱ بداخلاق و بدکردار امام کی امامت ۳۸۲
۲۱۹۲ والدین کو برا بھلا کہنے والے کی امامت ۳۸۳

۲۱۹۳	اسباب کے منکر کی امامت	۳۸۵
۲۱۹۴	موبائل کی دوکان اور مینڈھے لڑوانے والے کی امامت	۳۸۸
۲۱۹۵	مندر تعمیر کرنے والے کی امامت	۳۹۰
۲۱۹۶	نسبندی کرائے ہوئے شخص کا جماعت میں شریک ہونا اور امامت کرنا	۳۹۱
۲۱۹۷	نسبندی کرانے والے کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟	۳۹۲
۲۱۹۸	نسبندی کرانے والے کی امامت اور ناجائز وحرام میں فرق	۳۹۳
۲۱۹۹	نسبندی شدہ شخص کی امامت کا حکم	۳۹۵
۲۲۰۰	نسبندی کرانے والے کی امامت	۳۹۶
۲۲۰۱	نسبندی کرانے والے کی امامت	۳۹۷
۲۲۰۲	اپنی نسبندی کرانے والے کے پیچھے نماز	۳۹۸
۲۲۰۳	نسبندی کرانے اور ٹخنوں سے نیچے پائجامہ پہننے والے کی امامت	۳۹۹
۲۲۰۴	چوری کرنے والے اور سود لینے والے کی امامت	۴۰۰
۲۲۰۵	سودی کاروبار سے وابستگی رکھنے والے کی امامت	۴۰۱
۲۲۰۶	رشوت دے کر زمین حاصل کرنے والے کی امامت	۴۰۲
۲۲۰۷	لاٹری کی خرید وفروخت کرنے والے کی امامت	۴۰۴
۲۲۰۸	مسلم فنڈ میں ملازم شخص کی امامت	۴۰۵
۲۲۰۹	سودخور کی امامت	۴۰۶
۲۲۱۰	مسلم فنڈ میں ملازمت کرنے والے کی امامت	۴۰۸
۲۲۱۱	لون پر سود لینے والے کی امامت	۴۰۹
۲۲۱۲	زانی کی امامت	۴۱۱
۲۲۱۳	زانی امام کے پیچھے نماز	۴۱۲
۲۲۱۴	لوطی کی امامت کا حکم	۴۱۳

۲۲۱۵ بدفعلی کے مرتکب کی امامت ۴۱۵
۲۲۱۶ لواطت کرنے والے شخص کی امامت ۴۱۶
۲۲۱۷ بدفعلی کرانے والے کی امامت ۴۱۷
۲۲۱۸ متہم باللواطت کی امامت کا حکم ۴۱۸
۲۲۱۹ مسجد کا موقوفہ مکان اپنے نام کرانے والے کی امامت ۴۱۹
۲۲۲۰ غیر مسلم کی دوکان پر قبضہ کرنے والے شخص کی امامت ۴۲۰
۲۲۲۱ پڑوسی کی دیوار پر ناجائز قبضہ کرنے والے کی امامت ۴۲۱
۲۲۲۲ غاصب وظالم کی امامت ۴۲۳
۲۲۲۳ شراب پینے والے کی امامت ۴۲۵
۲۲۲۴ سالن میں خنزیر کا گوشت ملانے والے کی امامت ۴۲۶
۲۲۲۵ جاندار کی تصویر بنانے والے کی امامت ۴۲۸
۲۲۲۶ ہاتھ پر ٹیٹو (تصویر) بنوانے والے کی امامت، اذان واقامت ۴۲۹
۲۲۲۷ بیڑی سگریٹ پینے والے کی امامت ۴۳۰
۲۲۲۸ تمباکونوش اور کفریہ کلمات کہنے والے کی امامت ۴۳۲
۲۲۲۹ گٹکا کھانے والے کی امامت ۴۳۴
۲۲۳۰ متکبر کی امامت ۴۳۴
۲۲۳۱ قتل کے ملزم کی امامت ۴۳۵
۲۲۳۲ قاتل کے پیچھے نماز کا حکم ۴۳۶
۲۲۳۳ قاتل کی امامت ۴۳۷
۲۲۳۴ قاتل کی امامت ۴۳۸
۲۲۳۵ چغل خور اور غیبت کرنے والے کی امامت ۴۴۰
۲۲۳۶ اغلام باز وچغل خور کی امامت ۴۴۱

۲۲۳۷	غیبت کرنے والے کی امامت	۴۴۲
۲۲۳۸	قاطع تعلق کی امامت	۴۴۳
۲۲۳۹	کاذب کی امامت	۴۴۴
۲۲۴۰	جھوٹی قسم کھانے والے کی امامت	۴۴۵
۲۲۴۱	قرآن کریم کی جھوٹی قسم کھانے والے کی امامت	۴۴۶
۲۲۴۲	جھوٹ بول کر قرض اور سود لینے والے کی امامت	۴۴۷
۲۲۴۳	جھوٹ سے توبہ کرنے والے کی امامت	۴۴۸
۲۲۴۴	چوری کا مال خریدنے والے کی امامت	۴۵۰
۲۲۴۵	دھوکہ میں رکھنے والے کی امامت	۴۵۰
۲۲۴۶	دھوکہ دے کر پیسہ لینے والے شخص کی امامت	۴۵۱
۲۲۴۷	دھوکہ دینے والے اور والدہ کو پیٹنے والے کی امامت	۴۵۳
۲۲۴۸	ٹی وی کی آواز آنے والے مکان میں امام کے قیام کا حکم	۴۵۴
۲۲۴۹	چرس کا کاروبار جائز بتانے نیز ٹی وی دیکھنے والے کی امامت	۴۵۵
۲۲۵۰	امام ومقتدیوں کا گھر میں ٹیلی ویژن رکھنا	۴۵۶
۲۲۵۱	باجے والی بارات کا نکاح پڑھانے والے کی امامت	۴۵۸
۲۲۵۲	سنیما دیکھنے اور بیوی کو بے پردہ گھمانے والے کی امامت	۴۵۹
۲۲۵۳	ٹی وی دیکھنے والے کی امامت	۴۶۰
۲۲۵۴	والی بال کا کھیل دیکھنے والے کی امامت	۴۶۱
۲۲۵۵	ناچ گانا ڈھولک بجانے والے کی امامت	۴۶۲
۲۲۵۶	ٹی وی دیکھنے والے امام کے پیچھے نماز کا حکم	۴۶۴
۲۲۵۷	ٹی وی دیکھنے والے کے پیچھے نماز کا حکم	۴۶۵
۲۲۵۸	سنیما ہال اور محفل قوالی میں شرکت کرنے والے کی امامت	۴۶۶

۲۲۵۹	کبڈی اور والی بال کا کھیل دیکھنے والے کی امامت	۴۶۷
۲۲۶۰	ٹی وی دیکھنے والے کی امامت اور اس سے بیعت ہونے کا حکم	۴۶۸
۲۲۶۱	ٹیلی ویژن دیکھنے اور ریڈیو سننے والے کی امامت	۴۶۹
۲۲۶۲	سودی کاروباری اور سنیما ہال بنانے والے کے بھائی کی امامت	۴۷۰
۲۲۶۳	شرعی تقسیم نہ ماننے والے کی امامت	۴۷۲
۲۲۶۴	مسلمانوں کو مسجد سے باہر نکالنے والے کی امامت	۴۷۳
۲۲۶۵	مدرسہ کی رسید چوری کر کے چندہ کرنے والے کی امامت	۴۷۴
۲۲۶۶	ادھار لے کر ادا نہ کرنے والے کی امامت	۴۷۵
۲۲۶۷	حرام کاروباری شخص کے بیٹے کی امامت	۴۷۷
۲۲۶۸	انگریزی بال رکھنے والے کی امامت	۴۷۸
۲۲۶۹	ٹخنہ سے نیچے پاجامہ پہننے والے کی امامت	۴۷۹
۲۲۷۰	داڑھی کی شرعی حیثیت اور محلوق اللحیہ کی امامت	۴۸۰
۲۲۷۱	داڑھی کٹانے والے کی امامت اور داڑھی کی شرعی حد	۴۸۲
۲۲۷۲	داڑھی منڈے امام کی امامت	۴۸۳
۲۲۷۳	داڑھی تراشنے والے کی امامت	۴۸۴
۲۲۷۴	یکمشت سے کم داڑھی والے کی امامت	۴۸۵
۲۲۷۵	خش خشی داڑھی والے کی امامت	۴۸۶
۲۲۷۶	خش خشی داڑھی رکھنے والے کی امامت	۴۸۷
۲۲۷۷	داڑھی کٹانے والے نیز مسائل سے ناواقف کی امامت	۴۸۹
۲۲۷۸	داڑھی کٹانے والے کی امامت	۴۹۰
۲۲۷۹	داڑھی کٹانے والے کے پیچھے پڑھی گئی نماز کا حکم	۴۹۱
۲۲۸۰	ایک انچ داڑھی رکھنے والے کی امامت	۴۹۳

۲۲۸۱	مجوو داڑھی کٹے کی امامت............	۴۹۴
۲۲۸۲	محلوق اللحیہ کی امامت............	۴۹۵
۲۲۸۳	داڑھی کٹانے والے کی امامت اور نمازِ جمعہ کے بعد لمبی دعائیں کرنے کا حکم............	۴۹۶
۲۲۸۴	داڑھی منڈے حافظ کی امامت............	۴۹۸
۲۲۸۵	محلوق اللحیہ کی فرائض اور تراویح کی امامت کا حکم............	۴۹۹
۲۲۸۶	امام اور مقتدی دونوں کا محلوق اللحیہ ہونا............	۵۰۰
۲۲۸۷	داڑھی کٹانے سے توبہ کرنے والے کی امامت............	۵۰۲
۲۲۸۸	داڑھی کٹانے سے توبہ کرنے والے کی امامت............	۵۰۳
۲۲۸۹	مدرسۃ البنات میں پڑھانے والے شخص کی امامت............	۵۰۴
۲۲۹۰	تعویذ کی وجہ سے نامحرم عورتوں سے بے پردہ بات کرنے والے کی امامت............	۵۰۶
۲۲۹۱	بے پردہ نامحرم عورتوں کو تعویذ دینے والے کی امامت............	۵۰۸
۲۲۹۲	تعویذ کے بہانے غیر محرم عورتوں کو دیکھنے اور چھونے والے کی امامت	۵۰۹
۲۲۹۳	بے حجابانہ باتیں اور تعویذ گنڈے کرنے والے کی امامت......	۵۱۱
۲۲۹۴	نامحرم عورتوں سے بے پردہ بات کرنے والے کی امامت............	۵۱۲
۲۲۹۵	مسجد میں تعویذ گنڈے اور نامحرم عورتوں سے بے پردہ گفتگو کرنے والے کی امامت............	۵۱۴
۲۲۹۶	مرد کا اجنبی عورتوں کی امامت کرنا............	۵۱۵
۲۲۹۷	اپنی بیوی کو بدکار کہنے والے کی امامت............	۵۱۷
۲۲۹۸	بیوی سے جھگڑا کرنے والے کی امامت............	۵۱۸
۲۲۹۹	نوجوان لڑکیوں کو باپردہ فن ادب پڑھانے والے کی امامت......	۵۱۹

۲۳۰۰	جس کی بیوی بے پردہ سفر کرتی ہو اس کی امامت کا حکم	۵۲۱
۲۳۰۱	نامحرم عورت کو بہن یا بھابھی بنا کر رکھنے والے کی امامت	۵۲۲
۲۳۰۲	مطلقہ ثلاثہ کو ساتھ رکھنے والے کی امامت	۵۲۴
۲۳۰۳	منکوحۃ الغیر کا نکاح پڑھانے والے کی امامت	۵۲۴
۲۳۰۴	دوران عدت نکاح پڑھانے والے کی امامت	۵۲۸
۲۳۰۵	مہتمم صاحب کی اجازت کے بغیر نکاح پڑھانے والے کی امامت	۵۳۱
۲۳۰۶	مطلقہ سمجھ کر نکاح پڑھانے والے کی امامت	۵۳۳
۲۳۰۷	منکوحہ یا معتدہ کا نکاح پڑھانے والے کی امامت	۵۳۵
۲۳۰۸	شخص واحد سے دو بہنوں کا نکاح پڑھانے والے کی امامت	۵۳۶
۲۳۰۹	نرودھ استعمال کرنے والے کی امامت	۵۳۷
۲۳۱۰	بلا عذر شرعی حمل ساقط کرانے والے کی امامت	۵۳۸
۲۳۱۱	مفتی اور فتویٰ کی تحقیر کرنے والے کی امامت	۵۳۹
۲۳۱۲	ہجڑے کی امامت اور اس کی نماز جنازہ پڑھنے کا حکم	۵۴۰
۲۳۱۳	سرکاری امداد لینے والے کی امامت	۵۴۲
۲۳۱۴	غیر مسلم میت پر قرآن خوانی کرنے والے کی امامت	۵۴۳
۲۳۱۵	امام صاحب کا غیر مسلموں کے ساتھ میل ملاپ رکھنا	۵۴۴
۲۳۱۶	بی جے پی پارٹی کی حمایت کرنے والے کی امامت	۵۴۶
۲۳۱۷	بی جے پی کو ووٹ دینے والے کی امامت	۵۴۸
۲۳۱۸	داڑھی منڈے کے بجائے متبع شریعت امام ہو	۵۵۰
۲۳۱۹	فاسق امام کے پیچھے پڑھی ہوئی نمازوں کے اعادہ کا حکم	۵۵۱
۲۳۲۰	فاسق کی امامت بعد التوبہ درست ہے	۵۵۳
۲۳۲۱	گناہوں سے توبہ کرنے والے کی امامت	۵۵۴

۲۳۲۲ گناہ کبیرہ سے توبہ کرنے والے کی امامت ۵۵۵
۲۳۲۳ گناہ سے توبہ کے بعد امامت کا حکم ۵۵۷
۲۳۲۴ گناہوں سے توبہ کرنے والے کی امامت ۵۵۹
۲۳۲۵ تائب کی امامت بلا کراہت درست ہے ۵۶۰

۶/الفصل: فی اقتداء الحنفی بغیرہ

۲۳۲۶ کس مسلک وفرقہ کے امام کے پیچھے نماز جائز ہے اور کس کے پیچھے ناجائز؟ ۵۶۲
۲۳۲۷ حنفی شخص کا شافعی مسلک کے مطابق امامت کرنا ۵۶۳
۲۳۲۸ اہل حق امام کو چھوڑ کر بدعتی کے پیچھے نماز پڑھنا ۵۶۵
۲۳۲۹ جس امام کا عقیدہ معلوم نہ ہو اس کے پیچھے نماز پڑھنا ۵۶۶
۲۳۳۰ غلط عقیدہ والے کی امامت ۵۶۶
۲۳۳۱ حضرت تھانوی کو کافر کہنے والے کی امامت ۵۶۸
۲۳۳۲ حرم مکی کے امام کے پیچھے نماز نہ پڑھنے والے کی امامت ۵۶۹
۲۳۳۳ مذہب بدل کر نماز پڑھانا ۵۷۰
۲۳۳۴ دیوبندی عالم کو بریلوی کہنے والے کی امامت ۵۷۲
۲۳۳۵ غیر مقلدین کے پیچھے نماز پڑھنا ۵۷۲
۲۳۳۶ غیر مقلد کی اقتدا ۵۷۴
۲۳۳۷ حنفی شخص کا غیر مقلدین کی اقتداء کرنا ۵۷۴
۲۳۳۸ منکر تقلید کی امامت ۵۷۵
۲۳۳۹ جو امام سورۂ فاتحہ کے ساتھ سورت نہ ملاتا ہو اس کی اقتداء کرنا ۵۷۷
۲۳۴۰ شیعوں کے بچوں کو تعلیم دینے اور تعویذ گنڈے کرنے والے کی امامت ۵۷۸

۲۳۴۱ فرقۂ مودودی کے لوگوں کی امامت ۵۷۹
۲۳۴۲ فرقۂ مودودی کے کارکن کی امامت ۵۸۰
۲۳۴۳ فرقۂ مودودی سے تعلق رکھنے والے کے پیچھے نماز کا حکم ۵۸۱
۲۳۴۴ مودودی امام کے پیچھے نماز کا حکم ۵۸۳
۲۳۴۵ بدعتی امام کے پیچھے نماز پڑھنا ۵۸۴
۲۳۴۶ بدعتی امام کے پیچھے نماز پڑھنا بہتر ہے یا تنہا پڑھنا ۵۸۵
۲۳۴۷ فاسق اور بدعتی کے پیچھے نماز پڑھنا ۵۸۶
۲۳۴۸ میلا دالنبی میں قیام نہ کرنے والے کی امامت ۵۸۸
۲۳۴۹ میلا د پڑھنے والے اور تعزیہ بنانے والے کی امامت ۵۸۸
۲۳۵۰ تیجہ، دسواں، بارہ وفات کا چندہ کرنے والے کی امامت ۵۹۰
۲۳۵۱ بریلوی امام کے پیچھے نماز پڑھنا ۵۹۱
۲۳۵۲ گیارہویں منانے والے کے پیچھے نماز نہ پڑھنا ۵۹۲
۲۳۵۳ بریلوی امام کے پیچھے نماز ۵۹۳
۲۳۵۴ بریلوی امام کی اقتدا کرنا ۵۹۴
۲۳۵۵ بریلوی شخص کی امامت ۵۹۵
۲۳۵۶ بریلوی خیالات والے شخص کے پیچھے نماز کا حکم ۵۹۶
۲۳۵۷ رافضیوں کی رسموں میں شرکت کرنے والے کی امامت ۵۹۸
الف:۲۳۵۸ محرم کا تعزیہ بنانے والے امام کی امامت ۵۹۹

۷/فصل: غلط خواں کی امامت

ب:۲۳۵۸ غلط خواں کی امامت ۶۰۱
۲۳۶۹ غلط خواں کے پیچھے صحیح خواں کی نماز ۶۰۲

۲۳۶۰	غلط خواں کے پیچھے صحیح خواں کی نماز..................	۶۰۴
۲۳۶۱	باشرع جاہل کی امامت کیسی؟..................	۶۰۵
۲۳۶۲	نماز میں السلام علیکم کے بجائے سلام علیکم کہنے والے کی امامت	۶۰۶
۲۳۶۳	اللہ اکبر کی جگہ اللہ اکدر کہنے والے کی امامت..................	۶۰۷
۲۳۶۴	ولا الضالین کی جگہ ولا الدالین پڑھنے والے کی امامت..................	۶۰۸
۲۳۶۵	ولا الضالین کی ادائے گی پر قدرت نہ رکھنے والے کی امامت......	۶۰۹
۲۳۶۶	آلمین اور دوالین پڑھنے والے کی امامت..................	۶۱۰
۲۳۶۷	الف اور عین میں فرق نہ کر پانے والے کی امامت..................	۶۱۱
۲۳۶۸	ذال کی جگہ جیم پڑھنے والے کی امامت..................	۶۱۲
۲۳۶۹	ق کوک، س کوص اور ح کوہ پڑھنے والے کی امامت..................	۶۱۳
۲۳۷۰	ق کوک، اور سین کوص پڑھنے والے کی امامت..................	۶۱۵
۲۳۷۱	لفظ عین ادا نہ کر پانے والے کی امامت..................	۶۱۶
۲۳۷۲	حروف کاٹ کر پڑھنے والے کی امامت..................	۶۱۸
۲۳۷۳	بہت تیز قرآن پڑھنے والے کی امامت..................	۶۱۹
۲۳۷۴	مجہول پڑھنے والے کی امامت..................	۶۲۰
۲۳۷۵	لحن جلی کرنے والے کی امامت..................	۶۲۱
۲۳۷۶	لحن جلی کرنے والے امام کے پیچھے نماز پڑھنا..................	۶۲۲
۲۳۷۷	لحن جلی وخفی کے مرتکب کی امامت..................	۶۲۳
۲۳۷۸	غیر مجود کی امامت کا حکم..................	۶۲۵
۲۳۷۹	لکنت سے نماز پڑھنے والے کی امامت..................	۶۲۶
۲۳۸۰	غلط قرآن پڑھنے والے کے پیچھے صحیح خواں کی نماز..................	۶۲۷
۲۳۸۱	حروف کی صحیح ادائیگی نہ کرنے والے کی نماز..................	۶۲۸

۲۳۸۲ جوامام ح ہ ص س ط ت میں فرق نہ کرتا ہو اس کی امامت ۶۲۹
۲۳۸۳ غیرالمغضوب کی جگہ غیرالمغضوبی کہنے والے کی امامت ۶۳۰
۲۳۸۴ گناہوں سے تائب شخص کی امامت ۶۳۲

۸/ فصل: في إمامة المعذور

۲۳۸۵ معذور شخص کا امام بننا ۶۳۴
۲۳۸۶ معذور ومشکوک شخص کے لئے امامت کرنا ۶۳۵
۲۳۸۷ سجدہ کی حالت میں پیشاب کا قطرہ آجانے والے کی امامت ۶۳۸
۲۳۸۸ جس کو پیشاب کا قطرہ ٹپکتا ہو اس کی امامت ۶۳۹
۲۳۸۹ سلس البول کے مریض کی امامت ۶۴۰
۲۳۹۰ سلس بول میں مبتلا امام کے پیچھے پڑھی گئی نماز کا حکم ۶۴۱
۲۳۹۱ تقاطر کی بیماری میں نماز پڑھانے کا حکم ۶۴۲
۲۳۹۲ سلسل البول کے مریض کی امامت ۶۴۴
۲۳۹۳ امام کی عدم موجودگی میں نابینا محتاج حافظ کو امام بنانا ۶۴۵
۲۳۹۴ باسند عالم کی موجودگی میں نابینا حافظ کو امام بنانا ۶۴۷
۲۳۹۵ نابینا کا امام کی عدم موجودگی میں نماز پڑھانا ۶۴۸
۲۳۹۶ نابینا شخص کا جمعہ کی امامت کرنا ۶۴۹
۲۳۹۷ نابینا کی امامت ۶۵۰
۲۳۹۸ نابینا کی امامت کا حکم ۶۵۱
۲۳۹۹ اعمیٰ کی امامت کی کراہت کی علت ۶۵۲
۲۴۰۰ نابینا عالم حافظ قاری کی امامت ۶۵۳
۲۴۰۱ محتاط نابینا کی امامت ۶۵۴

۲۴۰۲ غیر محتاط نابینا کی امامت ۶۵۶
۲۴۰۳ کیا نابینا کی امامت مکروہ ہے؟ ۶۵۷
۲۴۰۴ لنگڑے کی امامت ۶۵۷
۲۴۰۵ لنگڑے شخص کی امامت ۶۵۸
۲۴۰۶ پیروں سے معذور کی امامت ۶۶۰
۲۴۰۷ صرع کے مریض کی امامت ۶۶۱
۲۴۰۸ برص کے مریض کی امامت ۶۶۱
۲۴۰۹ مقطوع الید کی امامت ۶۶۲
۲۴۱۰ مجبوب اور خنثیٰ مشکل کی امامت ۶۶۳
۲۴۱۱ جو شخص تشہد میں مسنونہ حالت پر نہ بیٹھ سکتا ہو اس کی امامت ۶۶۵
۲۴۱۲ جو شخص رکوع وسجدے پر قادر نہ ہو اس کی امامت ۶۶۶
۲۴۱۳ فالج زدہ شخص کی امامت ۶۶۷

۹ / فصل: في عزل الإمام وتحقيره

۲۴۱۴ مقتدیوں سے بغض وکینہ رکھنے والے کی امامت ۶۶۹
۲۴۱۵ مقتدی کی نماز جنازہ میں شرکت نہ کرنے والے کی امامت ۶۷۰
۲۴۱۶ فتنہ کو دبانے کے لئے جھوٹ بولنے والے کی امامت ۶۷۲
۲۴۱۷ امامت کو حاضری کے لئے مانع بتانے والے کی امامت ۶۷۳
۲۴۱۸ اعزاء کی بیماری کی وجہ سے دیر سے آنے والے کی امامت ۶۷۴
۲۴۱۹ گروپ بندی کر کے مقتدیوں کو بھڑکانے والے کی امامت ۶۷۵
۲۴۲۰ بدکار آدمی کی حمایت کرنے والے کی امامت ۶۷۷
۲۴۲۱ منصب امامت کے خلاف عمل کرنے والے کی امامت ۶۷۸

۲۴۲۲	شرعی قباحت کی وجہ سے متنفر شخص کی امامت	۶۷۹
۲۴۲۳	افعال شنیعہ کے مرتکب کا ناراض مقتدیوں کی امامت کا حکم	۶۸۱
۲۴۲۴	کچھ مقتدیوں کی ناراضگی کی صورت میں امامت	۶۸۴
۲۴۲۵	بلا اجازت مسجد کا بلب، پانی اور پنکھا وغیرہ استعمال کرنے والے کی امامت	۶۸۵
۲۴۲۶	محلّہ کے گھرانوں میں آنے جانے والے کی امامت	۶۸۶
۲۴۲۷	دیر رات تک ٹہلنے اور دوستوں سے ملاقات کرنے والے کی امامت	۶۸۸
۲۴۲۸	امام کے اندر شرعی قباحت نہ ہونے کی صورت میں نماز کا حکم	۶۹۰
۲۴۲۹	اکثر مقتدی خوش ہوں تو امامت بلا کراہت جائز ہے	۶۹۱
۲۴۳۰	نائب امام کے ساتھ گھناؤنی سازش کرنے والے امام کی امامت	۶۹۳
۲۴۳۱	امامت کے حصول کی خاطر موجود امام کے خلاف لوگوں کو اکسانے والے کی امامت	۶۹۵
۲۴۳۲	جس سے لوگ ناراض ہوں اس کی امامت	۶۹۶
۲۴۳۳	گشت نہ کرانے کی وجہ سے کسی مقتدی کا امام سے ناراض ہو جانا	۶۹۸
۲۴۳۴	اکثر نمازیوں کی رضامندی کے باوجود متولی کا امام کو معزول کرنا	۷۰۰
۲۴۳۵	نہی عن المنکر کی وجہ سے مقتدی کا امام سے ناراض ہونا	۷۰۱
۲۴۳۶	مقتدی کو نکیر کرنے پر کیا امام پر تاوان لازم ہے؟	۷۰۲
۲۴۳۷	امام کو جھاڑو دینے پر مجبور کرنے والے کی نماز	۷۰۴
۲۴۳۸	امام مسجد کا مسجد کے اندر جھاڑو دینا	۷۰۵
۲۴۳۹	فتنہ وفساد کی بنا پر امام کو مسجد سے ہٹا دینا	۷۰۶
۲۴۴۰	کسی ایک شخص کے کہنے پر بلا عذر شرعی امام کو ہٹانا	۷۰۸
۲۴۴۱	امام صاحب پر جھوٹا الزام لگانے والوں کی نماز	۷۰۹

۲۴۴۲	دنیوی غرض کی وجہ سے امام صاحب سے ناراض ہونا	۷۱۳
۲۴۴۳	امام کی مخالفت کرنے والے کی نماز کا حکم	۷۱۴
۲۴۴۴	ناپسندیدہ امام کے پیچھے نماز پڑھنا	۷۱۵
۲۴۴۵	امام کو منافق کہنے والے کی نماز کا حکم	۷۱۶
۲۴۴۶	امام صاحب کی بےعزتی کرنے والوں کی نماز کا حکم	۷۱۸
۲۴۴۷	امام سے ناراض ہوکر الگ نماز پڑھنا	۷۱۹
۲۴۴۸	ذاتی اختلاف کی وجہ سے جماعت ثانیہ اور غلط قرآن پڑھنا	۷۲۱
۲۴۴۹	ناراض امام کے پیچھے پڑھی ہوئی نماز کا اعادہ کرنا	۷۲۳
۲۴۵۰	قطع تعلق کرنے والے امام کی اقتدا کرنا	۷۲۴
۲۴۵۱	بلاعذر شرعی امام سے ناراض ہوکر اقتدا ترک کرنا	۷۲۵
۲۴۵۲	مقتدیوں کو منافق کہنے والے کے پیچھے نماز کا حکم	۷۲۶
۲۴۵۳	غیر مقلدین اور بریلوی امام کی اقتداء	۷۲۷
۲۴۵۴	حنفی کا وتر میں ائمہ حرم کی اقتدا کا حکم	۷۲۸
۲۴۵۵	حنفی کا قرآن دیکھ کر نماز پڑھانے والے کی اقتدا کا حکم	۷۳۰
۲۴۵۶	امام صاحب کی عدم موجودگی میں دوسرے شخص کا نماز پڑھانا	۷۳۱
۲۴۵۷	حنفی مقتدی کی شافعی امام کے پیچھے نماز وتر کا حکم	۷۳۵

فہرست مضامین

۹/ بقية كتاب الصلاة

۱۰/ باب تسوية الصفوف

مسئلہ نمبر .... صفحہ نمبر

۲۴۵۸ نماز میں صف سیدھی کرنا واجب ہے ۳۳

۲۴۵۹ حضرت عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ کا صف سیدھی کرنے کا اہتمام ۳۴

۲۴۶۰ تکبیر ختم ہونے پر تسویۂ صفوف کا اعلان کرنا ۳۵

۲۴۶۱ امام اقامت سے قبل صفیں سیدھی کرائے یا اقامت کے بعد ۳۶

۲۴۶۲ امام کا نماز سے قبل صفیں درست کروانا ۳۸

۲۴۶۳ کیا صفوں کو سیدھا کرانا امام کی ذمہ داری ہے؟ ۳۹

۲۴۶۴ کیا صفوں کو سیدھا کرانا امام پر لازم ہے؟ ۴۱

۲۴۶۵ صفوں کی درستگی کا ذمہ دار کون ہے، امام صاحب یا مقتدی حضرات؟ ۴۳

۲۴۶۶ امام کے علاوہ دوسرے شخص کا صفوں کو سیدھا کرانا ۴۴

۲۴۶۷ امام کا صفیں درست کرائے بغیر نماز شروع کرنا ۴۷

۲۴۶۸ تکبیر اولی میں امام صاحب کا مصلے پر بیٹھنا ۴۸

۲۴۶۹ صحابہ کرام مؤذن کے تکبیر کہنے کے ساتھ ساتھ کھڑے ہوتے تھے ۴۹

۲۴۷۰ فقہاء نے ”حي على الصلاة“ پر کھڑے ہونے کو کیوں کہا؟ ۵۰

۲۴۷۱ صف کب سیدھی کریں؟ ۵۲

۲۴۷۲ مقتدی نماز کے لئے کب کھڑے ہوں؟ ۵۴

۲۴۷۳ صفوں کی ترتیب کا مسنون طریقہ ۵۵

۲۴۷۴ صفوں کو سیدھا کرنے سے متعلق چند سوالات ۵۹

۲۴۷۵ امام کے پیچھے کون کھڑا ہو؟ ۶۳

۲۴۷۶ جماعت کے لئے کس وقت کھڑے ہوں؟ ۶۴

۲۴۷۷ نماز کے لئے کس وقت کھڑا ہونا چاہئے؟ ۶۵

۲۴۷۸ نماز میں قیام کا صحیح طریقہ ۶۸

۲۴۷۹ نماز میں ٹانگیں چیر کر کھڑا ہونا ۶۹

۲۴۷۹ دونوں پیروں کے درمیان چار انگل کے فاصلہ کی شرعی حیثیت ۷۰

۲۴۸۰ صحت اقتداء کے لئے اتصال صفوف شرط ہے؟ ۷۲

۲۴۸۱ صحت اقتداء کے لئے اتصال صفوف شرط ہے؟ ۷۳

۲۴۸۲ نماز باجماعت میں ٹخنوں سے ٹخنے ملانا ۷۴

۲۴۸۳ کیا دروں کے موٹے پردے صحت اقتداء کے لئے مانع ہیں؟ ۷۶

۲۴۸۴ مقتدی کا وسط صف میں بیٹھ کر نماز پڑھنا ۷۷

۲۴۸۵ معذور شخص کا پہلی صف میں بیٹھ کر نماز پڑھنا ۷۹

۲۴۸۶ پہلی صف مکمل ہونے سے قبل دوسری صف بنانا ۸۰

۲۴۸۷ کیا ستون کے آگے کھڑے ہو سکتے ہیں؟ ۸۱

۲۴۸۸ ایک صف چھوڑ کر دوسری میں نماز پڑھنا ۸۲

۲۴۸۹ دائیں بائیں جانب جگہ چھوڑ کرصرف بیچ میں صف بچھانا.............. .. ۸۳
۲۴۹۰ بارش کی بناء پر دو تین صفوں کا خلا کرنا.............................. .. ۸۵
۲۴۹۱ تین صفوں کے بقدر راستے مانع اتصال ہیں ۸۷
۲۴۹۲ صفوں کے درمیان میں وضو کی نالی کا فاصلہ ۸۹
۲۴۹۳ حرم شریف میں جماعت سے نماز پڑھنے کے متعلق چند سوالات ۹۰
۲۴۹۴ جو پہلے آکر بیٹھ جائے وہی اس جگہ کا حقدار ہے ۹۲
۲۴۹۵ صف میں رومال رکھ کر وضو کے لئے جانا ۹۳
۲۴۹۶ صف اول میں رومال رکھ کر جگہ گھیرنا ۹۴
۲۴۹۷ پہلی صف میں جگہ متعین کرنا ۹۵
۲۴۹۸ مصلی کا اپنے لئے جگہ مخصوص کرنا................................... .. ۹۷
۲۴۹۹ امام کی دونوں جانب قرآن سیکھنے والے طلبہ کا کھڑا ہونا ۱۰۰
۲۵۰۰ ۱۳/۱۴/سالہ لڑکے کا صف اول میں کھڑا ہونا ۱۰۲
۲۵۰۱ بڑوں کی صف میں بچہ کا کھڑا ہونا ۱۰۳
۲۵۰۲ ۹/۸/سالہ بچہ کا مردوں کے ساتھ صف میں کھڑا ہونا ۱۰۵
۲۵۰۳ کتنی عمر کا بچہ صف اول میں کھڑا ہوسکتا ہے؟ ۱۰۶
۲۵۰۴ مسجد سے متصل گھر میں عورت امام کی اقتداء کرسکتی ہے؟............... .. ۱۰۷
۲۵۰۵ عورت کا شوہر کے ساتھ کھڑے ہوکر نماز پڑھنا ۱۰۸
۲۵۰۶ ایک مرد وعورت جماعت کریں تو عورت پیچھے کھڑی ہوگی؟ ۱۰۹
۲۵۰۷ امام کا محراب سے باہر کھڑا ہونا ۱۱۰

۲۵۰۸ امام کا مقتدیوں کی صف سے کچھ آگے کھڑا ہونا ۱۱۱
۲۵۰۹ امام کا مقتدیوں کی صف میں کچھ آگے کھڑا ہونا ۱۱۲
۲۵۱۰ امام کا ایک بالشت اونچائی پر کھڑے ہونے کا حکم ۱۱۴
۲۵۱۱ مقتدی امام کے مقابلے ایک بالشت اوپر کھڑے ہوں تو کیا حکم ہے؟.. .. ۱۱۵
۲۵۱۲ امام صاحب کا مصلیٰ دو انچ اونچا بنانا ۱۱۶
۲۵۱۳ امام کتنی اونچائی پر کھڑا ہوسکتا ہے؟ ۱۱۷
۲۵۱۴ دو انچ اونچے فرش پر امام کے کھڑے ہونے کا جواز ۱۱۸
۲۵۱۵ در یا محراب میں امام کا قدم باہر ہونا ۱۱۹
۲۵۱۶ جگہ کی تنگی کی وجہ سے امام کا مقتدیوں کے بیچ میں ایڑی کے برابر آگے کھڑا ہونا ۱۲۱
۲۵۱۷ گرمی کی وجہ سے امام کا مقتدیوں کی صف میں کھڑا ہونا ۱۲۲
۲۵۱۸ جگہ کی تنگی کی وجہ سے امام و مقتدی کا ایک صف میں کھڑے ہونا ۱۲۳
۲۵۱۹ جگہ کی تنگی کے باعث امام و مقتدی کا ایک صف میں کھڑے ہونا ۱۲۴

۱۱/ باب مدرک، مسبوق، لاحق

۲۵۲۰ امام کی تکبیر سے قبل تکبیر کہنے والے مقتدی کی نماز درست نہیں......... .. ۱۲۶
۲۵۲۱ مسبوق کا تکبیر کہتے ہوئے سجدہ میں جانا ۱۲۷
۲۵۲۲ مقتدی امام کے ساتھ ساتھ تکبیر اور انتقال رکن کرے ۱۲۸
۲۵۲۳ درمیان صلوۃ مکبر کا زور سے تکبیر کہنا ۱۲۹
۲۵۲۴ امام کے قرأت شروع کردینے کے بعد مقتدی کا ثناء پڑھنا ۱۳۰
۲۵۲۵ نماز کے فرائض وسنن ونوافل میں امام کی متابعت........................ .. ۱۳۱

۲۵۲۶ کیا امام کی اتباع سنن و مستحبات میں ضروری ہے؟ ۱۳۳
۲۵۲۷ ارکان فعلی وقولی میں امام کی اتباع کا حکم ۱۳۴
۲۵۲۸ تکبیرات انتقالیہ میں مقتدی کا امام سے سبقت کر جانا ۱۳۵
۲۵۲۹ امام کی تکبیر کے مکمل ہونے سے قبل مقتدیوں کا انتقال رکن کرنا ۱۳۷
۲۵۳۰ رکوع میں آنے والے مسبوق کو بغیر ہاتھ اٹھائے وباندھے امام کے ساتھ شریک ہوجانا ۱۳۸
۲۵۳۱ مقتدی کے رکوع میں جاتے ہی امام نے سر اٹھالیا ۱۳۹
۲۵۳۲ مقتدی کا امام سے قبل سجدہ کرنا ۱۴۰
۲۵۳۳ امام کے سلام مکمل کرنے سے پہلے مقتدی کا سلام پورا کر لینا ۱۴۱
۲۵۳۴ امام کے سلام پورا ہونے سے قبل مقتدی کا سلام پورا ہونا ۱۴۲
۲۵۳۵ مسبوق کا امام کے ساتھ سلام پھیر دینا ۱۴۳
۲۵۳۶ خوف حدث وغیرہ کی بناء پر امام سے پہلے سلام پھیرنا ۱۴۵
۲۵۳۷ مسبوق کا قعدۂ اخیرہ میں تشہد کے بعد خاموش رہنا ۱۴۶
۲۵۳۸ مسبوق کے التحیات میں بیٹھتے ہی امام تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہوگیا تو مسبوق کیا کرے؟ ۱۴۷
۲۵۳۹ قعدہ اولیٰ میں بیٹھتے ہی امام کھڑا ہوجائے ۱۴۸
۲۵۴۰ قعدۂ اولیٰ یا اخیرہ میں مسبوق کے تشہد مکمل کرنے سے پہلے امام کا کھڑا ہوجانا ۱۴۹
۲۵۴۱ تکبیر تحریمہ کہنے کے بعد بیٹھنے سے قبل امام سلام پھیر دے تو کیا حکم ہے؟ ۱۵۲
۲۵۴۲ مسبوق نے حالت تشہد میں نماز میں شرکت کی اور امام تیسری کیلئے کھڑا ہوگیا ۱۵۳
۲۵۴۳ مسبوق امام کے سلام پھیرنے کی صورت میں تشہد مکمل کرے گا یا نہیں؟ ۱۵۵
۲۵۴۴ قعدۂ اولیٰ میں شریک ہونے والا التحیات پوری کرے یا تیسری رکعت کیلئے کھڑا ہو؟ ۱۵۷
۲۵۴۵ مسبوق تشہد مکمل کرے یا امام کی متابعت میں کھڑا ہوجائے؟ ۱۵۹

۲۵۴۶ مسبوق قعدۂ اخیرہ میں امام کے ساتھ کیا پڑھے ۱۶۰
۲۵۴۷ مسبوق اپنی بقیہ رکعت میں سے کس میں سورۃ ملائے گا ۱۶۲
۲۵۴۸ مسبوق چھوٹی ہوئی رکعت میں کونسی سورت پڑھے؟ ۱۶۳
۲۵۴۹ مقتدی کا بھول سے امام کے ساتھ سجدۂ تلاوت میں شریک نہ ہونا ۱۶۴
۲۵۵۰ دوران صلوٰۃ مقتدی کا سوجانا ۱۶۵
۲۵۵۱ جلوس کے شور کی وجہ سے مقتدی سجدہ ہی میں رہ گئے، امام نے سلام پھیر دیا تو کیا کریں ؟ ۱۶۶
۲۵۵۲ مدرک امام کے سلام پر اپنے کو مسبوق سمجھتے ہوئے کھڑا ہوجائے پھر لوٹ آئے تو کیا حکم ہے ؟ ۱۶۸
۲۵۵۳ مسبوق نے صرف ایک رکعت پائی تو باقی نماز کس طرح پڑھے گا؟ ۱۶۹
۲۵۵۴ مغرب کی ایک رکعت پانے والا دوسری رکعت میں قعدہ کرے گا؟ ۱۷۰
۲۵۵۵ رباعی نماز میں مسبوق اپنی بقیہ تین رکعت کس طرح پوری کرے؟ ۱۷۱
۲۵۵۶ مسبوق پر دعاء قنوت کون سی رکعت میں واجب ہے؟ ۱۷۲
۲۵۵۷ امام کا نقص مقتدی مسبوق کا نقص ہے ۱۷۳
۲۵۵۸ مسبوق مقتدی سجدۂ سہو میں شریک ہوگا یا نہیں؟ ۱۷۵
۲۵۵۹ امام کے سلام پھیرنے کے بعد مقتدیوں کے متنبہ کرنے پر دوسری منزل والوں کا سلام پھیرنا ۱۷۶
۲۵۶۰ دوران نماز ریح خارج ہوجائے تو وضو کے بعد ما بقیہ نماز کس طرح ادا کریں؟ ۱۷۷

۱۲/ باب القراءۃ

۲۵۶۱ مغرب، عشاء، فجر میں جہر اور ظہر وعصر میں سر کی عقلی ونقلی دلیل ۱۷۹
۲۵۶۲ رات کی نمازیں جہری اور دن کی سری کیوں ہیں؟ ۱۸۲
۲۵۶۳ نماز عشاء، فجر ومغرب میں قرأت بالجہر ہے تو ظہر عصر میں کیوں نہیں؟ ۱۸۴

۲۵۶۴ ظہر اور عصر میں سری قرأت کی حکمت ۱۸۵
۲۵۶۵ جمعہ میں جہراً اور ظہر میں سراً قرأت کرنے کی وجہ؟..................... ۱۸۶
۲۵۶۶ ایک رکعت میں مختلف روایتوں میں قرأت کرنا ۱۸۷
۲۵۶۷ فرض نماز میں قرأت سبعہ کرنا ۱۸۸
۲۵۶۸ فرض کی دو بھری اور خالی رکعتوں کا مطلب ۱۹۰
۲۵۶۹ فرض کی دوسری رکعت میں سورۃ ملانے کے بجائے تیسری میں ملانا..... ۱۹۱
۲۵۷۰ فرض کی پہلی ۲؍رکعت اور نفل کی چاروں میں سورۃ ملانا.................. ۱۹۲
۲۵۷۱ بوقت جماعت مسجد کے لاؤڈ اسپیکر کی آواز کتنی تیز رکھیں؟ ۱۹۴
۲۵۷۲ امام کا بلند آواز سے تکبیر کہنا اور قرأت کرنا ۱۹۵
۲۵۷۳ ایک آیت کو ٹکڑے کرنے اور ترنم سے قرأت کرنے کا حکم ۱۹۶
۲۵۷۴ قرأت سر کی تعریف ۱۹۷
۲۵۷۵ کیا فرض نماز میں لقمہ نہیں دے سکتے؟ ۱۹۸
۲۵۷۶ امام کو لقمہ دینے سے نماز میں کوئی خرابی نہیں آتی ۱۹۹
۲۵۷۷ امام کو سبحان اللہ اور اللہ اکبر سے لقمہ دینا ۲۰۱
۲۵۷۸ امام کو غلط لقمہ دینا ۲۰۲
۲۵۷۹ اگر امام کو یقین ہو تو مقتدیوں کے قول کا اعتبار نہیں ۲۰۴
۲۵۸۰ مقتدی کا غلط لقمہ دینا ۲۰۵
۲۵۸۱ غلط لقمہ قبول کرنے سے نماز کا حکم ۲۰۷
۲۵۸۲ نماز کے دوران بچے کے کہنے پر کسی مقتدی کا زور سے تکبیر کہنا.......... ۲۰۸
۲۵۸۳ لقمہ دینے پر تکبیر کہنے والے کی نماز کا حکم ۲۰۹

۲۵۸۴ بغل میں نماز پڑھنے والا کوئی رکن چھوڑ دے تو کیا حکم ہے؟.......... .. ۲۱۲
۲۵۸۵ تین رکعت پر سلام پھیرنے والے کو برابر والے کا لقمہ دینا.......... .. ۲۱۳
۲۵۸۶ تین آیات کے بقدر پڑھنے کے بعد مقتدی کا لقمہ دینا ۲۱۴
۲۵۸۷ عصر میں جہراً سورۂ فاتحہ پڑھنے پر مقتدی کا اردو میں لقمہ دینا ۲۱۵
۲۵۸۸ قرآن میں دیکھ کر لقمہ دینے سے کیا نماز فاسد ہو جاتی ہے؟.......... .. ۲۱۶
۲۵۸۹ نماز میں سورۂ فاتحہ کی آیت پر وقف کرنا اولی ہے یا وصل کرنا ۲۱۷
۲۵۹۰ نماز کی مسنون سورتیں.............................. .. ۲۱۸
۲۵۹۱ ظہر میں اوساط مفصل اور عشاء میں طوال مفصل پڑھنا.................. .. ۲۲۰
۲۵۹۲ نماز میں ترتیب وار قرآن پڑھنا.............................. .. ۲۲۲
۲۵۹۳ خلاف ترتیب قراءت کرنا ۲۲۳
۲۵۹۴ کیا قرأت میں تواتر آیات شرط ہے؟.............................. .. ۲۲۴
۲۵۹۵ درمیانی سورت میں ایک آیت چھوڑ کر پڑھنے کا حکم ۲۲۵
۲۵۹۶ کیا نماز پنجگانہ، تراویح اور سنن ونوافل میں ترتیل لازم ہے؟ ۲۲۶
۲۵۹۷ فجر کی پہلی رکعت دوسری سے کتنی لمبی ہونی چاہئے؟ ۲۲۸
۲۵۹۸ ایک رکعت میں مکمل سورۃ پڑھنا اولیٰ ہے ۲۳۰
۲۵۹۹ پہلی رکعت میں سورۂ زلزال دوسری میں عادیات کے درمیان افلایعلم سے پڑھنا.......... ۲۳۲
۲۶۰۰ پہلی رکعت میں سورۂ زلزال اور دوسری میں والعٰدیات پڑھنا ۲۳۳
۲۶۰۱ پہلی رکعت میں سورۂ بروج کی آخری تین آیتیں، دوسری میں سورۂ قریش پڑھنا.... .. ۲۳۵
۲۶۰۲ نماز جمعہ میں سورۂ اعلی اور غاشیہ کی قرأت پر ایک اعتراض کا جواب ۲۳۶
۲۶۰۳ وتر میں کسی سورۃ کو متعین کرنا.............................. .. ۲۳۹

۲٦۰۴ وتر کی پہلی رکعت میں والضحی دوسری میں الم نشرح تیسری میں والتین پڑھنا ۲۴۰
۲٦۰۵ پہلی رکعت میں سورۃ کا ابتدائی حصہ اور دوسری میں آخری حصہ پڑھنا یا اس کے برعکس کرنا ۲۴۲
۲٦۰٦ تہجد میں قل ھو اللہ احد کتنی مرتبہ پڑھی جائے؟ ۲۴۳
۲٦۰۷ نماز میں سورۂ فاتحہ میں رب العلمینه ولاالضالینه پڑھنا ۲۴۴
۲٦۰۸ سورۂفاتحہ کی آیتوں کے آخر میں ہ پڑھنا ۲۴۵
۲٦۰۹ سورۂ نازعات کے بعد والی سورۃ چھوڑ کر اگلی سورۃ پڑھنا............ .. ۲۴٦
۲٦۱۰ تین آیات کی مقدار پڑھنے کے بعد ایک آیت چھوٹ جانے کا حکم ۲۴۷
۲٦۱۱ سورۂ فاتحہ کی ایک آیت چھوڑنے کا حکم ۲۴۸
۲٦۱۲ سورت کے درمیان آیت چھوٹ جانا ۲۴۹
۲٦۱۳ بھولنے کی وجہ سے چند آیتیں چھوڑ کر آگے سے پڑھنا ۲۵۰
۲٦۱۴ نستعین کی جگہ نستاعین پڑھنے کا حکم ۲۵۱
۲٦۱۵ ولا الضالین کے مد کو چھ سات الف کی مقدار کھینچنا............... .. ۲۵۲
۲٦۱٦ اِخفاء کی جگہ اِدغام اور ذال کی جگہ ظا پڑھنا...................... .. ۲۵۳
۲٦۱۷ لفظی یا اعرابی غلطی کا حکم ۲۵۴
۲٦۱۸ صَدَقْنَا کے بجائے صَدَقُنَا پڑھنا ۲۵٦
۲٦۱۹ وقف تام کی صورت میں معنی بدلنے سے نماز کا حکم ۲۵۷
۲٦۲۰ لایتکلمون إلا عذابا پڑھنے سے نماز کا حکم ۲۵۹
۲٦۲۱ سینین کی جگہ سینا پڑھنا ۲٦۰
۲٦۲۲ الجحیم کی جگہ الجنة پڑھنا ۲٦۱
۲٦۲۳ ونمارق مصفوفة بالضم اور ولا أنتم کی جگہ ولنتم پڑھنا ۲٦۲

۲۶۲۴ نماز میں یذرون کے بجائے تذرون پڑھ دینا ۲۶۳
۲۶۲۵ مِمَّايَعْلَمُوْنَ کی جگہ مِمَّالايَعْلَمُوْنَ پڑھنا ۲۶۴
۲۶۲۶ ولاأنتم عابدون ما أعبد چھوٹ جانے سے نماز درست ۲۶۵
۲۶۲۷ لایعلمون کی جگہ یشعرون پڑھنا ۲۶۷
۲۶۲۸ جزاءً وفاقا کے بجائے جزاء من ربک پڑھنا ۲۶۷
۲۶۲۹ بالصبر کی جگہ بالحق پڑھنا ۲۶۹
۲۶۳۰ رب السموات والأرض ومابینهما میں والأرض چھوٹ گیا ۲۷۰
۲۶۳۱ وأما الیتیم کی جگہ وأما الإنسان پڑھنا ۲۷۱
۲۶۳۲ وَمَا یَخْفٰی کی جگہ وَمَایَعْفیٰ پڑھنا ۲۷۳
۲۶۳۳ ناعمة کی جگہ ناصبه پڑھنے سے نماز فاسد ۲۷۴
۲۶۳۴ حبل من مسد کی جگہ حبل مسد پڑھنے کا حکم ۲۷۶
۲۶۳۵ فحش غلطی ہونے کے بعد دوبارہ صحیح کرکے پڑھنے کا حکم ۲۷۷
۲۶۳۶ قرأت میں فحش غلطی کا معیار ۲۷۸
۲۶۳۷ قرآن بھول جانے والا نماز کس طرح ادا کرے؟.......... .. ۲۷۹
۲۶۳۸ متشابہ کی وجہ سے دوسری جگہ سے پڑھنا پھر لوٹ آنا ۲۹۰

۱۳/ باب الجمع بین الصلوٰتین

۲۶۳۹ ہلکی بارش پر جمع بین الصلوۃ کا حکم ۲۸۲
۲۶۴۰ معمولی بارش کی وجہ سے جمع بین الصلوتین کرنا ۲۸۴
۲۶۴۱ ایک ہی وقت میں متعدد وقتیہ نمازیں پڑھنا ۲۸۵

۱۴/ باب صلوۃ النساء

۲۶۴۲ کیا مرد وعورت کی نماز میں فرق ہے؟ ۲۸۶
۲۶۴۳ عورتوں ومردوں کی نماز میں فرق سے متعلق احادیث ۲۸۷
۲۶۴۴ مستورات حرم مکی میں نماز پڑھیں یا گھر میں؟ ۲۸۹
۲۶۴۵ عورت قیام میں پاؤں کو ملائے یا درمیان میں فاصلہ رکھے؟ ۲۹۱
۲۶۴۶ کیا عورتوں کے لئے قیام میں ٹخنے ملانا مسنون ہے؟ ۲۹۱
۲۶۴۷ عورت سینہ بند نہ پہنے تو کیا نماز ہوجائے گی؟ ۲۹۳
۲۶۴۸ عورتوں کی ہتھیلیوں کو نماز میں کھلا رکھنے کا حکم ۲۹۴
۲۶۴۹ عورت ومرد کے رکوع میں فرق ۲۹۵
۲۶۵۰ عورت کا سجدہ میں جانے اور اٹھنے کا طریقہ ۲۹۶
۲۶۵۱ پیشانی کو اوڑھنی سے ڈھانک کر اس پر سجدہ کرنا ۲۹۷
۲۶۵۲ عورتوں کا حرم میں چہرہ ڈھانک کر نماز پڑھنا ۲۹۸
۲۶۵۳ سجدہ میں پیر کی انگلیوں کا رخ ۲۹۹
۲۶۵۴ سجدے میں گھٹنوں کو زمین پر رکھنا واجب ہے یا سنت؟ ۳۰۰
۲۶۵۵ عورت کا دوسرے سجدہ کے بعد بیٹھ کر کھڑا ہونا ۳۰۱
۲۶۵۶ بازؤں کو پہلو سے ملائیں یا کہنیوں کو زمین پر بچھائیں؟ ۳۰۲
۲۶۵۷ سجدہ میں عورتوں کا تورک کرنا ۳۰۳
۲۶۵۸ عورتوں کا نماز ودیگر عبادت کے لئے مسجد جانا ۳۰۵
۲۶۵۹ عورتوں کی جماعت کا حکم ۳۰۶

٢٦٦٠ تنہا عورتوں کی جماعت کا حکم ٣٠٧
٢٦٦١ تنہا عورتوں کا جماعت کرنا ٣٠٨
٢٦٦٢ عورتوں کا مساجد میں باجماعت نماز ادا کرنا ٣١١
٢٦٦٣ حافظہ عورت کا تراویح کی نماز با جماعت پڑھانا ٣١٢
٢٦٦٤ عورتوں کا رمضان میں نماز تراویح پڑھنے کے لئے مساجد میں جانا..... .. ٣١٣
٢٦٦٥ عورت کا نماز پنج گانہ اور تراویح کی امامت کرنا ٣١٤
٢٦٦٦ مستورات کا مسجد میں نماز پڑھنا ٣١٥
٢٦٦٧ عورتوں کا بلا عذر فرض نماز بیٹھ کر پڑھنا ٣١٧
٢٦٦٨ عورت کا جینس پہن کر نماز پڑھنا ٣١٨
٢٦٦٩ عورت کا ساڑی پہن کر نماز پڑھنا ٣١٩
٢٦٧٠ عورت کا چست لباس پہن کر نماز پڑھنا ٣٢٠
٢٦٧١ نماز کی حالت میں عورت کی کلائی کھل جائے تو کیا حکم ہے؟ ٣٢١
٢٦٧٢ کھلے ہوئے یا جوڑا بنائے ہوئے بالوں پر دوپٹہ ڈال کر نماز پڑھنا...... .. ٣٢٢
٢٦٧٣ ہاف آستین والے کپڑوں میں عورتوں کی نماز ٣٢٣
٢٦٧٤ لپ اسٹک لگا کر نماز وروزہ کا حکم ٣٢٤
٢٦٧٥ عورتیں قضاء نماز کس طرح پڑھیں؟ ٣٢٥

١٥/ باب ما يكره في الصلاة ومالايكره

٢٦٧٦ مسجد کے دروں میں نماز پڑھنا ٣٢٧
٢٦٧٧ مسجد کے دروازہ پر امام صاحب کا کھڑا ہونا ٣٢٨

۲۶۷۸ امام صاحب کی ایڑی کا محراب سے باہر نہ ہونا ۳۲۹
۲۶۷۹ محراب کے مقابل صف کے درمیان کھڑے ہو کر نماز پڑھانا ۳۳۱
۲۶۸۰ امام صاحب کا محراب کے اندر کھڑے ہو کر امامت کرنا ۳۳۲
۲۶۸۱ امام صاحب کا محراب کے اندر نماز پڑھانا کیوں مکروہ ہے؟ ۳۳۳
۲۶۸۲ در میں نماز پڑھنے یا پڑھانے کا حکم ۳۳۴
۲۶۸۳ امام صاحب کا محراب میں کھڑا ہونا ۳۳۶
۲۶۸۴ مقتدی کی رعایت میں امام صاحب کا رکوع کو لمبا کرنا ۳۳۷
۲۶۸۵ مقتدی کا امام صاحب کے رکوع وسجدہ کے بعد رکوع وسجدہ کرنا ۳۳۹
۲۶۸۶ مقتدی کا امام کی تکبیر مکمل ہونے سے قبل انتقال رکن کرنا ۳۴۰
۲۶۸۷ امام صاحب کا اوپر کی منزل پر نماز پڑھانا ۳۴۱
۲۶۸۸ مسبوق امام کے ساتھ سجدۂ سہو کے لئے سلام پھیر دے تو کیا حکم ہے؟ ۳۴۲
۲۶۸۹ امام کے سلام ثانی سے قبل مقتدی کا نماز مکمل کر لینا ۳۴۳
۲۶۹۰ مقتدی امام سے قبل سلام پھیر دے تو کیا حکم ہے؟ ۳۴۴
۲۶۹۱ بحالت مجبوری قعدۂ اخیرہ میں صرف تشہد اور رکوع وسجود میں ایک مرتبہ تسبیح پڑھنا ۳۴۵
۲۶۹۲ پچھلی صف میں تنہا نماز پڑھنا ۳۴۶
۲۶۹۳ ایک سانس میں دونوں طرف سلام پھیرنا ۳۴۷
۲۶۹۴ نماز یا غیر نماز میں کتے کی طرح بیٹھنا.......................... .. ۳۴۸
۲۶۹۵ مائک پر نماز پڑھانا کیسا ہے؟ ۳۵۰
۲۶۹۶ لاؤڈ اسپیکر پر فرائض پنج گانہ کی ادائے گی کا حکم ۳۵۱
۲۶۹۷ لاؤڈ اسپیکر پر نماز ۳۵۱

۲۶۹۸ کثیر مجمع میں مائک سے نماز پڑھانا ۳۵۳
۲۶۹۹ نماز میں لاؤڈ اسپیکر استعمال کرنا ۳۵۳
۲۷۰۰ نماز میں سر پر ٹوپی رکھنا مسنون ہے یا مستحب ۳۵۶
۲۷۰۱ ننگے سر نماز پڑھنا ۳۵۷
۲۷۰۲ بغیر ٹوپی کے نماز پڑھنا ۳۵۸
۲۷۰۳ بغیر ٹوپی کے مستقل نماز پڑھنا ۳۵۹
۲۷۰۴ ٹوپی میں نماز پڑھنا کیسا ہے؟ ۳۶۰
۲۷۰۵ مسجد میں رکھی ہوئی ٹوپیوں کا استعمال کرنا ۳۶۱
۲۷۰۶ چٹائی، پلاسٹک اور ربینت کی ٹوپی میں نماز ۳۶۳
۲۷۰۷ رومال سر پر باندھ کر نماز پڑھنا ۳۶۴
۲۷۰۸ بغیر ٹوپی کے یا چٹائی وغیرہ کی ٹوپی پہن کر نماز پڑھنا ۳۶۵
۲۷۰۹ چٹائی کی ٹوپی پہن کر نماز پڑھنا ۳۶۶
۲۷۱۰ داڑھی ورخسار چھپا کر نماز پڑھانا ۳۶۷
۲۷۱۱ پیشانی ڈھک کر نماز پڑھنا ۳۶۸
۲۷۱۲ ٹوپی، چادر، یا دوپٹہ سے پیشانی پر سجدہ کرنا ۳۶۹
۲۷۱۳ دوران نماز کپڑوں کو ہاتھوں سے جھاڑنا ۳۷۱
۲۷۱۴ رکوع سے اٹھنے کے بعد دونوں ہاتھوں سے دامن صحیح کرنا ۳۷۲
۲۷۱۵ رکوع سے اٹھتے یا سجدہ میں جاتے وقت دونوں ہاتھوں سے دامن سمیٹنا ۳۷۳
۲۷۱۶ رکوع سے اٹھتے اور سجدے میں جاتے وقت دامن سیدھا کرنا ۳۷۵
۲۷۱۷ دوران صلوۃ دونوں ہاتھوں سے کپڑے درست کرنا ۳۷۶

۲۷۱۸ جیب میں روپئے رکھ کر نماز پڑھنا ۳۷۷
۲۷۱۹ روپیہ اور کرنسی جیب میں رکھ کر نماز پڑھنا ۳۷۸
۲۷۲۰ جیب میں تصویر والا آئی کارڈ رکھ کر نماز پڑھنا ۳۷۹
۲۷۲۱ جیب میں تصویر رکھ کر نماز پڑھنا ۳۸۱
۲۷۲۲ چاند، ستارے، اور درخت کی تصویروں والے جانماز کا حکم ۳۸۲
۲۷۲۳ خانۂ کعبہ اور مسجد نبوی کے منقش مصلے پر نماز ۳۸۳
۲۷۲۴ خانہ کعبہ کے تصویر دار مصلے پر نماز ۳۸۴
۲۷۲۵ منقش مصلے پر نماز ۳۸۶
۲۷۲۶ منقش مصلے پر نماز کا شرعی حکم ۳۸۷
۲۷۲۷ اشتمال صماء کی کون سی ہیئت ممنوع ہے؟ ۳۸۸
۲۷۲۸ انگریزی فیشن والے کپڑے میں نماز ۳۹۰
۲۷۲۹ باریک کپڑے میں نماز ۳۹۱
۲۷۳۰ چست لباس میں نماز پڑھنا ۳۹۲
۲۷۳۱ پینٹ شرٹ پہن کر نماز پڑھنا ۳۹۳
۲۷۳۲ چست لباس پہن کر نماز پڑھنا ۳۹۴
۲۷۳۳ امام صاحب کا کڑھائی والا کرتا پہن کر نماز پڑھانا ۳۹۵
۲۷۳۴ چوری کے کپڑوں میں نماز پڑھنا ۳۹۷
۲۷۳۵ سینٹ لگا کر نماز پڑھنے کا حکم ۳۹۷
۲۷۳۶ سینٹ لگا کر نماز پڑھنے کا حکم ۳۹۹
۲۷۳۷ کیا داڑھی منڈانے کا گناہ نماز کے اندر بھی ہوتا ہے؟ ۴۴۰

۲۷۳۸ سونے کی انگوٹھی پہن کر نماز پڑھنا ۴۰۱
۲۷۳۹ تصویروں کی آمدنی سے گزارہ کرنے والے کی نماز کا حکم ۴۰۲
۲۷۴۰ سودی رقم کے ذریعہ لگائے ہوئے نل سے وضو کر کے نماز پڑھنا......... ۴۰۲
۲۷۴۱ چوری کے کپڑوں میں پڑھی گئی نمازوں کا حکم ۴۰۴
۲۷۴۲ نماز میں کھانسنے کا حکم ۴۰۵
۲۷۴۳ دوران نماز بلغم آجائے تو کیا کریں؟ ۴۰۶
۲۷۴۴ اندھیرے میں نماز پڑھنے کا حکم ۴۰۷
۲۷۴۵ جنازہ سامنے ہوتے ہوئے فرض نماز پڑھنا ۴۰۸
۲۷۴۶ چشمہ لگا کر نماز پڑھنا ۴۰۹
۲۷۴۷ جلتے چراغ کے سامنے نماز پڑھنا ۴۰۹
۲۷۴۸ امام صاحب کا سجدہ سے مقتدیوں کے بعد کھڑا ہونا ۴۱۰
۲۷۴۹ دوران نماز پائجامہ کا ٹخنے سے نیچے رہنا....................... ۴۱۲
۲۷۵۰ نماز میں ٹخنہ سے نیچے پتلون کو موڑ لینا........................ ۴۱۳
۲۷۵۱ ٹخنہ سے نیچے لٹکنے والی پینٹ کو موڑ کر نماز ادا کرنا ۴۱۴
۲۷۵۲ ٹخنوں سے نیچے پائجامہ یا پتلون ہونے کی حالت میں نماز پڑھنا ۴۱۵
۲۷۵۳ ٹخنوں سے نیچے پائجامہ یا پتلون ہونے کی حالت میں نماز پڑھنا ۴۱۶
۲۷۵۴ ٹخنے سے نیچے والے پائجامہ کو اوپر چڑھا کر نماز پڑھنا ۴۱۷
۲۷۵۵ بٹن کھول کر آستین موڑ کر، چین والی گھڑی پہن کر نماز پڑھنا ۴۱۸
۲۷۵۶ آستین اور گریبان کا بٹن کھلا رکھ کر نماز پڑھنا ۴۱۹
۲۷۵۷ آستین چڑھا کر گریبان کھول کر اور پائجامہ موڑ کر نماز پڑھنا ۴۲۱

۲۷۵۸ کیا آستین کی کف پلٹنے سے نماز نہیں ہوتی؟ ۴۲۳
۲۷۵۹ نیکر پہن کر نماز پڑھنا ۴۲۴
۲۷۶۰ چین والی گھڑی پہن کر نماز پڑھنا ۴۲۵
۲۷۶۱ مرد عورت کا چین کی گھڑی پہن کر نماز پڑھنا ۴۲۶
۲۷۶۲ گھڑی پہن کر نماز پڑھنا ۴۲۶
۲۷۶۳ تصویر والے کپڑے میں نماز پڑھنا ۴۲۷
۲۷۶۴ عورت کا جاندار کی تصویر والا ہار پہن کر نماز پڑھنا ۴۲۸
۲۷۶۵ زنجیر والے بٹن لگا کر نماز پڑھنا ۴۲۹
۲۷۶۶ دوران نماز سلوگن پڑھنے سے نماز مکروہ ہو جاتی ہے ۴۲۹
۲۷۶۷ دوران نماز مسجد میں لٹکی ہوئی تسبیح پر نگاہ کا پڑنا ۴۳۰
۲۷۶۸ پان کا ٹکڑا منھ میں لے کر نماز پڑھنا ۴۳۱
۲۷۶۹ منھ میں گولی رکھ کر نماز پڑھنا ۴۳۳
۲۷۷۰ نئے جوتے پہن کر نماز پڑھنا ۴۳۴
۲۷۷۱ کیا پلاسٹک کی چٹائی پر نماز پڑھنا مکروہ ہے؟ ۴۳۴
۲۷۷۲ گھڑی دیکھ کر رکعت کا تعین کرنے سے نماز فاسد ہوگی یا نہیں؟ ۴۳۶
۲۷۷۳ کپڑے پر ایک درہم سے کم نجاست لگی ہو تو نماز کا حکم ۴۳۶
۲۷۷۴ ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں ڈالنا ۴۳۷
۲۷۷۵ کیا وضو کے بعد بیڑی پینے سے نماز میں کراہت آتی ہے؟ ۴۳۸
۲۷۷۶ شیعہ کی اذان سے پڑھی گئی نماز کا حکم ۴۳۹

١٦/ باب ما يفسد الصلاة وما لايفسد

٢٧٧٦ عمل کثیر کی مقدار وتعریف ٤٤١
٢٧٧٧ عمل کثیر کی تعریف ٤٤٢
٢٧٧٨ نماز میں دونوں ہاتھوں کے استعمال یا ایک ہاتھ کے ۳؍مرتبہ سے زائد استعمال کا حکم ٤٤٣
٢٧٧٩ آللّٰہ اکبر، اور اکبار کے معنی ٤٤٥
٢٧٨٠ تکبیر تحریمہ اور تکبیرات انتقالیہ کو سراً کہنا ٤٤٥
٢٧٨١ کھڑے ہوکر تکبیر تحریمہ کہنے کے بعد بلا تکبیر رکوع میں چلے جانا ٤٤٦
٢٧٨٢ امام کے دعائیہ آیت میں سکتہ کرنے پر مقتدیوں کا آمین کہنا ٤٤٧
٢٧٨٣ کسی کے کہنے پر مقتدی کا زور سے تکبیر کہنے کا حکم ٤٤٨
٢٧٨٤ خارج صلوۃ شخص کے کہنے پر مقتدی کا تکبیر کہنا ٤٥٠
٢٧٨٥ نماز میں خارجی شخص کا لقمہ قبول کرنا ٤٥١
٢٧٨٦ اشارہ سے لقمہ دینے والے کی نماز کا حکم ٤٥٢
٢٧٨٧ مائک کی خرابی سے اوپری منزل والوں کو امام کی نقل وحرکت کا پتہ نہ چلنا ٤٥٣
٢٧٨٨ امام کے سلام سے قبل مقتدی کا سلام پھیرنا ٤٥٤
٢٧٨٩ عصر کی نماز کی ایک رکعت میں صرف ایک سجدہ کیا ٤٥٦
٢٧٩٠ نماز میں اردو زبان میں دعا مانگنا ٤٥٧
٢٧٩١ بھول سے جیب میں رکھی نجاست کے ساتھ نماز پڑھنے کا حکم ٤٥٨
٢٧٩٢ قنوت نازلہ میں وعدہ اور وعید کے الفاظ کی تبدیلی کا حکم ٤٥٩
٢٧٩٣ دوران نماز بیوی کا بوسہ لینا ٤٦٠
٢٧٩٤ دوران نماز ٹارچ جلانا ٤٦١

۲۷۹۵ نماز میں موبائل کی گھنٹی بجنے لگےتو کیا کریں؟ ۴۶۲
۲۷۹۶ دوران نماز موبائل کی گھنٹی بند کرنا ۴۶۳
۲۷۹۷ جیب سے موبائل نکال کر آنکھوں سے دیکھ کر بند کرنا ۴۶۴
۲۷۹۸ ایک ہاتھ سے بجلی کا بٹن دبانے سے نماز فاسد نہیں ہوتی ۴۶۵
۲۷۹۹ دوران نماز موبائل بند کرنا ۴۶۷
۲۸۰۰ امام صاحب نے سجدہ سے اٹھتے ہوئے پنکھے کا بٹن دبادیا............. .. ۴۶۸
۲۸۰۱ رومال اورانگوچھا سامنے رکھ کرنماز پڑھنا........................ .. ۴۶۹
۲۸۰۲ رومال سے اعضاء وضو پوچھ کر سجدہ کی جگہ رکھنا ۴۷۱
۲۸۰۳ مسجد کی چٹائی پر اپنا تولیہ وغیرہ بچھا کرنماز پڑھنا..................... .. ۴۷۲
۲۸۰۴ سجدہ میں زمین پر بالکل قدم نہ رکھنا یا رکھنے کے بعد اٹھالینا ۴۷۳
۲۸۰۵ عورت کےصف میں کھڑے ہونے سے کس کس کی نماز فاسد ہوگی؟.. .. ۴۷۴
۲۸۰۶ مسجد حرام میں مردوں وعورتوں کا مخلوط نماز پڑھنا ۴۷۵
۲۸۰۷ کیا مسجد حرام میں محاذات میں سہولت کی کوئی شکل ہے؟ ۴۷۶
۲۸۰۸ مسجد نبوی میں عورت کی محاذات کا حکم ۴۷۷
۲۸۰۹ سلام کے جواب میں وعلیکم السلام کہہ دیا تو کیا حکم؟ ۴۷۸
۲۸۱۰ اگلی صف میں فرجہ دیکھ کر آگے چل کر فرجہ میں داخل ہونا ۴۷۹
۲۸۱۱ نابینا و بہرے شخص کو ہر رکن میں قریب والے نمازی کا اشارہ کرنا ۴۸۰
۲۸۱۲ نابینا رکوع نہ کرسکا تو نماز فاسد ہوگئی.............................. .. ۴۸۱
۲۸۱۳ بچہ کے پستان چوسنے سے دودھ نکل جائےتو نماز فاسد ہوجاتی ہے ۴۸۲
۲۸۱۴ نماز کی حالت میں ماں سے بچہ نے دودھ پی لیا تو نماز فاسد ہوگی یا نہیں؟ ۴۸۳

۲۸۱۵ نماز کی حالت میں لکھنے کا حکم ۴۸۴
۲۸۱۶ نماز میں پینٹ شرٹ کے پیچھے کا حصہ کھل جائے تو کیا حکم ہے؟ ۴۸۵
۲۸۱۷ سجدہ میں دونوں پیروں کا ایک رکن کے بقدر اٹھے رہنا ۴۸۶
۲۸۱۸ نماز میں داہنا پاؤں ایک جگہ جمائے رکھنا ۴۸۷
۲۸۱۹ رکوع وسجدہ میں انگوٹھے کا اپنی جگہ سے ہٹ جانا ۴۸۸
۲۸۲۰ داہنے پیر کا انگوٹھا ہلنے سے نماز کا حکم ۴۸۹
۲۸۲۱ دوران نماز امام کا انگوٹھا اور قرأت کے وقت گردن ہلنا ۴۹۰
۲۸۲۲ نماز میں پیر کا انگوٹھا ہلنا ۴۹۱
۲۸۲۳ نماز میں پاؤں کو آگے پیچھے کرنا ۴۹۲
۲۸۲۴ بلا عذر ایک رکن میں دو بار کھجلانا ۴۹۳
۲۸۲۵ ایک رکن میں عذر یا بلا عذر متعدد بار کھجلانا ۴۹۵
۲۸۲۶ ایک رکن میں تین مرتبہ کھجلانا ۴۹۶
۲۸۲۷ ایک رکن میں چار مرتبہ کھجلانا ۴۹۸
۲۸۲۸ ایک رکن میں پانچ دفعہ کھجلانا مفسد صلاۃ ہے ۴۹۹

۱۷/ باب قضاء الفوائت

۲۸۲۹ صاحب ترتیب کون ہے؟ ۵۰۱
۲۸۳۰ محض توبہ اور ندامت سے آدمی صاحب ترتیب نہیں بنتا ۵۰۲
۲۸۳۱ فوت شدہ نمازوں کی قضاء کرکے صاحب ترتیب بنا جاسکتا ہے ۵۰۳
۲۸۳۲ چھ سے زائد نماز چھوٹ جائیں تو پھر صاحب ترتیب کب بنے گا؟ ۵۰۴
۲۸۳۳ کیا قضاء نماز ادا کرنے سے ترتیب لوٹ آئے گی؟ ۵۰۵

۲۸۳۴ صاحب ترتیب کوفوت شدہ نماز یاد آنے کا حکم ۵۰۶
۲۸۳۵ تراویح کی نماز فوت ہونے سے ترتیب باقی رہتی ہے یا ختم ہوجاتی ہے؟ ۵۰۸
۲۸۳۶ فوت شدہ نمازوں کی تعداد معلوم نہ ہوتو قضاء کا طریقہ.................. .. ۵۰۸
۲۸۳۷ عیسوی سن کے حساب سے قضاء نمازوں کی ادائے گی کا حکم ۵۰۹
۲۸۳۸ سنتوں کی قضا.. .. ۵۱۱
۲۸۳۹ فوت شدہ نمازوں کی قضاء برسرعام نہ کی جائے ۵۱۲
۲۸۴۰ جمعہ کی صحت اسی دن کی نماز فجر پر موقوف نہیں.......................... .. ۵۱۳
۲۸۴۱ قضائے عمری کا آسان طریقہ ۵۱۴
۲۸۴۲ قضائے عمری کا طریقہ اور عصر وفجر کے بعد اس کی ادائے گی کا حکم ۵۱۵
۲۸۴۳ بعد نماز عصر وفجر قضائے عمری پڑھنا ۵۱۶
۲۸۴۴ نوافل کے وقت قضائے عمری پڑھنے سے نوافل کا ثواب ۵۱۷
۲۸۴۵ سنن مؤکدہ کی جگہ قضائے عمری ادا کرنا ۵۱۸
۲۸۴۶ نماز عصر کے بعد قضائے عمری اور نماز فجر کی اذان کے بعد تہجد کا حکم ۵۱۹
۲۸۴۷ بعد نماز فجر یا عصر قضاء نمازوں کی ادائیگی کا حکم ۵۲۰
۲۸۴۸ نماز عصر کے بعد فرائض کی قضاء.. .. ۵۲۱
۲۸۴۹ طلوع شمس سے قبل سنت فجر کی قضاء ۵۲۲
۲۸۵۰ طلوع شمس کے کتنی دیر بعد نماز فجر کی قضاء کریں........................ .. ۵۲۳
۲۸۵۱ کیا ناپاک پانی سے وضو کر کے پڑھی گئی نوافل کا اعادہ لازم ہے؟..... .. ۵۲۴
۲۸۵۲ ناپاک پانی سے وضو کرنے والے کے پیچھے پاک پانی سے وضو کرنے والوں کی نماز
اور سنن بعدیہ ووتر کا حکم ۵۲۵

۲۸۵۳ چھوٹی ہوئی نمازوں کا فدیہ ۵۲۶
۲۸۵۴ فوت شدہ نمازوں کے فدیہ کا شرعی حکم ۵۲۷
۲۸۵۵ کیا نماز اور روزہ کا فدیہ ہوتا ہے؟ ۵۲۸
۲۸۵۶ زندگی میں نمازوں کا فدیہ ادا کرنا ۵۲۹
۲۸۵۷ پوری زندگی کبھی نماز نہ پڑھنے والے کا فدیہ ۵۳۱
۲۸۵۸ کیا شوہر اپنی کمائی سے بیوی کی نماز کا فدیہ دے سکتا ہے؟ ۵۳۳
۲۸۵۹ بیماری کی حالت میں چھوٹی ہوئی نمازوں کا فدیہ ۵۳۴
۲۸۶۰ مریض کے لئے نماز وروزہ کا فدیہ دینا ۵۳۵
۲۸۶۱ بیماری کے کن ایام کا فدیہ دینا ضروری ہے ۵۳۶
۲۸۶۲ بیماری میں بالغ ہونے اور انتقال کرجانے والی لڑکی کی نمازوں کے فدیہ کا حکم ۵۳۸
۲۸۶۳ کس قسم کے نمازی پر نمازوں کا فدیہ لازم ۵۳۹
۲۸۶۴ بغیر وصیت کے نمازوں کا فدیہ دینا ۵۴۰
۲۸۶۵ ورثاء میں بالغ اور نابالغ اولاد ہوں تو مرحوم کی نمازوں کے فدیہ کا حکم ۵۴۱
۲۸۶۶ ایک فقیر کو متعدد نمازوں کا فدیہ دینا ۵۴۲
۲۸۶۷ دو ماہ کی نمازوں کا فدیہ ۵۴۳
۲۸۶۸ تین ماہ کی نمازوں اور ایک ماہ کے روزہ کے فدیہ کی مقدار ۵۴۴
۲۸۶۹ ایک سال کی نمازوں کا کفارہ اور اس کا مصرف ۴۴۵
۲۸۷۰ ایک فقیر کو ایک دن میں کتنی نمازوں کا فدیہ دیا جائے؟ ۵۴۶
۲۸۷۱ کم پیسے سے نماز وروزہ کا فدیہ کیسے ادا کریں؟ ۵۴۸
۲۸۷۲ صلوۃ المعادۃ ۵۴۹
۲۸۷۳ ترک واجب کی بنا پر صلوۃ معادہ کا تفصیلی جواب ۵۵۱

۲۸۷۴ ترک واجب کی بنا پر صلوۃ معادہ کی شرعی حیثیت ۵۵۴
۲۸۷۵ صلوۃ المعادۃ میں نئے نمازیوں کی شرکت ۵۵۶
۲۸۷۶ صلوۃ المعادۃ میں شرکت کرنے والے کا حکم ۵۵۷
۲۸۷۷ صلوۃ المعادۃ میں نو وارد کی شرکت کا حکم ۵۵۸
۲۸۷۸ تاخیر واجب کی بنا پر صلوۃ معادہ میں مسبوق اور نو وارد کی شرکت ۵۶۱
۲۸۷۹ ترک واجب کی بنا پر صلوۃ معادہ کی اقتداء ۵۶۲
۲۸۸۰ صلوۃ المعادہ میں نئے شریک ہونے والے مقتدیوں کی نماز کا حکم ۵۶۳

۱۸/ باب الحدث في الصلاة

۲۸۸۱ دوران نماز حدث کا لاحق ہونا ۵۶۵
۲۸۸۲ جمعہ کی نماز کے دوران حدث کا لاحق ہونا ۵۶۶
۲۸۸۳ پہلی صف میں موجود مقتدی کو حدث لاحق ہوجائے تو کیا کرے؟..... .. ۵۶۷
۲۸۸۴ حدث لاحق ہونے کی وجہ سے نمازیوں کے سامنے سے گذرنا........ .. ۵۶۸
۲۸۸۵ حدث لاحق ہونے پر مقتدی کو امام بنانا اور اس کا اپنی جگہ پر نماز پوری کرنا ۵۶۹

۱۹/ باب سجود السهو

۲۸۸۶ کتنی تاخیر سے سجدۂ سہو واجب ہے ۵۷۱
۲۸۸۷ تیسری رکعت پر تین تسبیح پڑھنے سے کم مقدار بیٹھنا ۵۷۲
۲۸۸۸ عصر کی تیسری رکعت میں دو تسبیح کے بقدر بیٹھ گیا ۵۷۳
۲۸۸۹ محض گمان پر سجدۂ سہو کرنا............ .. ۵۷۴

۲۸۹۰ سورۂ فاتحہ کی دو تین آیت پڑھ کر دوبارہ مکمل پڑھنا ۵۷۶
۲۸۹۱ کیا تشہد کے کسی جزو کے تکرار سے سجدۂ سہو واجب ہے؟ ۵۷۷
۲۸۹۲ سورۂ فاتحہ کو ”اهدنا الصراط“ تک پڑھنے کے بعد دوبارہ ازسر نو پڑھنا ۵۷۸
۲۸۹۳ ثناء کے بعد سورۂ فاتحہ کے بجائے التحیات پڑھنا ۵۷۹
۲۸۹۴ پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ سے قبل تشہد پڑھنا ۵۸۰
۲۸۹۵ ثناء سے قبل تشہد پڑھنے کے سلسلے میں احسن الفتاوی میں تسامح ۵۸۱
۲۸۹۶ نفل نماز میں سورۂ فاتحہ کا تکرار موجب سجدۂ سہو نہیں ۵۸۲
۲۸۹۷ سورۂ فاتحہ کے بعد التحیات پڑھنے کا حکم ۵۸۳
۲۸۹۸ سورۂ فاتحہ کے بعد ضم سورۃ کے بجائے التحیات پڑھ لی ۵۸۴
۲۸۹۹ سجدۂ سہو کی وجہ سے التحیات تین مرتبہ پڑھنا ۵۸۵
۲۹۰۰ وتر کے قعدہ اولیٰ میں التحیات کے بعد درود پڑھ لیا تو سجدہ سہو کا حکم ۵۸۶
۲۹۰۱ سجدۂ سہو کے بعد التحیات کی جگہ سورۂ فاتحہ پڑھ دی ۵۸۸
۲۹۰۲ نماز میں سجدۂ تلاوت کے بعد سورۂ فاتحہ پڑھنا ۵۸۹
۲۹۰۳ قعدہ اخیرہ میں تکرار تشہد اور سورۂ فاتحہ پڑھنے سے سجدۂ سہو نہیں ۵۹۱
۲۹۰۴ سورۂ فاتحہ کے بعد سورۃ نہیں ملائی تو کیا حکم ہے؟ ۵۹۳
۲۹۰۵ فرض کی تیسری رکعت میں ضم سورۃ سے عدم سجدۂ سہو کی علت ۵۹۳
۲۹۰۶ فرض کی آخری رکعت میں سورۃ ملانے سے سجدہ سہو ۵۹۴
۲۹۰۷ سورت ملائے بغیر رکوع میں چلا گیا تو کیا کریں؟ ۵۹۶
۲۹۰۸ ظہر کی چار سنتوں کے قعدہ اولیٰ میں التحیات کے بعد درود پڑھ لیا تو کیا حکم ہے؟ ۵۹۷
۲۹۰۹ ظہر کی سنن قبلیہ کے قعدہ اولیٰ میں التحیات کے بعد درود پڑھ لیا تو سجدۂ سہو کا حکم ۵۹۸

۲۹۱۰ قعدہ میں تشہد کے بجائے سورۂ فاتحہ پڑھ لی ۶۰۰
۲۹۱۱ ظہر کی سنن قبلیہ میں دو رکعت پر قعدہ بھول گیا تو سجدۂ سہو ۶۰۱
۲۹۱۲ أقرب الی القیام اور اقرب الی القعود کی تشریح.................... .. ۶۰۲
۲۹۱۳ قیام سے تشہد کی طرف لوٹنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی ۶۰۴
۲۹۱۴ تیسری رکعت کے لئے کھڑے ہونے کے بعد قعدہ اولیٰ طرف لوٹ آنا........ .. ۶۰۶
۲۹۱۵ قعدۂ اخیرہ میں دو رکعت سمجھ کر تیسری کے لئے کھڑا ہونا ۶۰۷
۲۹۱۶ مغرب میں دو رکعت پر سلام پھیرنے پر سجدۂ سہو کا وجوب ۶۰۸
۲۹۱۷ رباعی نماز میں دو رکعت پر سلام پھیرنے پر مقتدیوں کے ٹوکنے سے نماز کا حکم ۶۱۰
۲۹۱۸ رباعی نماز میں ۲؍رکعت پر سلام پھیرنا ۶۱۱
۲۹۱۹ چوتھی رکعت کے لئے کھڑا ہونا بھول جائے پھر لقمہ دینے پر کھڑا ہوا تو کیا حکم ہے؟ ۶۱۳
۲۹۲۰ امام قعدۂ اولیٰ کئے بغیر کھڑا ہو گیا ۶۱۴
۲۹۲۱ رباعی نماز میں قعدۂ آخرہ کے بعد پانچویں رکعت پوری کر لینا ۶۱۵
۲۹۲۲ قعدۂ اخیرہ فرض ہے ۶۱۷
۲۹۲۳ ایک سجدہ یا رکوع چھوڑ دیا تو کیا حکم ہے؟..................... .. ۶۱۸
۲۹۲۴ تراویح کی دوسری رکعت میں قعدہ کو مؤخر کر دینا ۶۲۰
۲۹۲۵ ایک سجدہ بھول جائے تو کب ادا کرے؟ ۶۲۱
۲۹۲۶ وتر میں دعاء قنوت بھول کر رکوع میں چلا گیا ۶۲۳
۲۹۲۷ دعاء قنوت پڑھنا بھول جائیں تو کیا کریں؟...................... .. ۶۲۴
۲۹۲۸ وتر کی تیسری رکعت میں دو رکوع کرنے سے سجدۂ سہو کا وجوب ۶۲۵
۲۹۲۹ دعاء قنوت کی جگہ سورۂ فاتحہ پڑھنے کا حکم ۶۲۷

۲۹۳۰ دعاءِ قنوت بھول کر رکوع میں چلے جانا ۶۲۷
۲۹۳۱ عیدین و جمعہ میں سجدۂ سہو معاف ہونے کی علت ۶۲۸
۲۹۳۲ جمعہ وعیدین میں سجدۂ سہو کا حکم ۶۳۰
۲۹۳۳ کیا مسبوق پر امام کے ساتھ سلام پھیرنے سے سجدۂ سہو واجب ہے؟ ۶۳۱
۲۹۳۴ مسبوق کا امام کے ساتھ سلام پھیرنا ۶۳۲
۲۹۳۵ مدرک نے امام کے سلام کے بعد بھول کر پانچویں رکعت پڑھ لی ۶۳۳
۲۹۳۶ مدرک نے امام کے سلام پر کھڑے ہوکر دو رکعت اور پڑھ لی ۶۳۵
۲۹۳۷ امام کے سلام کے بعد مدرک نے پانچویں رکعت پڑھ لی تو کیا حکم ہے؟ ۵۳۶
۲۹۳۸ لاحق پر سجدۂ سہو واجب نہیں ۵۳۷
۲۹۳۹ سجدۂ سہو کے بعد امام کی اقتداء کرنا ۶۳۸
۲۹۴۰ مقتدی محل سہو کے بعد نماز میں شامل ہوا تو اس پر سجدۂ سہو کا حکم ۶۳۹
۲۹۴۱ کیا سجدۂ سہو بھولنے کی صورت میں نماز واجب الاعادہ ہے؟ ۵۴۱
۲۹۴۲ دونوں طرف سلام کے بعد مفسد صلوۃ عمل سے قبل سجدۂ سہو کرنا ۶۴۲
۲۹۴۳ سہو کے بعد امام کو حدث لاحق ہوا اور خلیفہ نے سجدۂ سہو نہیں کیا ۶۴۳
۲۹۴۴ دوران نماز کھانسی کی بناء پر ایک آیت پیچھے سے لوٹانا ۶۴۴
۲۹۴۵ مغرب کی رکعت کی تعداد بھولنے پر سجدۂ سہو کرنے سے کیا نماز ہوجائے گی؟ ۶۴۵
۲۹۴۶ مغرب کی دوسری رکعت پر سلام پھیرنا موجب سہو ہے ۶۴۶
۲۹۴۷ صلوۃ الاستخارہ میں کسی آیت کا بار بار تکرار موجب سہو نہیں ۶۴۷
۲۹۴۸ دعاء ماثورہ پڑھ کر سجدۂ سہو کرنا ۶۴۹
۲۹۴۹ ایک سجدۂ تلاوت کی جگہ دو سجدہ کرنا موجب سہو ہے ۶۵۰

۲۰/ باب سجود التلاوة

۲۹۵۰ حنابلہ کے نزدیک سجدۂ تلاوت کتنے ہیں؟ ۶۵۲
۲۹۵۱ کیا تمام سجدۂ تلاوت واجب ہیں؟ ۶۵۳
۲۹۵۲ سجدۂ تلاوت کس پر واجب ہے؟ ۶۵۴
۲۹۵۳ فرض نماز میں آیت سجدہ پڑھ کر سجدہ کرنا ۶۵۵
۲۹۵۴ ایک ہی مجلس میں آیت سجدہ کا تکرار ۶۵۶
۲۹۵۵ آیت سجدہ لکھنے سے سجدہ لازم ہے یا نہیں؟ ۶۵۷
۲۹۵۶ ٹیپ ریکارڈ میں آیت سجدہ سننا ۶۵۸
۲۹۵۷ ٹیپ ریکارڈ سے آیت سجدہ سننے کا حکم ۶۵۹
۲۹۵۸ امام رکوع میں سجدہ کی نیت کرے اور مقتدی نہ کریں ۶۶۰
۲۹۵۹ رکوع میں سجدہ تلاوت کی ادائے گی میں دوسورتوں کی تخصیص ۶۶۲
۲۹۶۰ صبح صادق کے بعد نماز فجر سے قبل سجدۂ تلاوت کا حکم ۶۶۳
۲۹۶۱ اوقات مکروہہ میں سجدۂ تلاوت کرنا ۶۶۴
۲۹۶۲ عصر کی نماز کے بعد سجدۂ تلاوت کرنا ۶۶۵
۲۹۶۳ اوقات ممنوعہ میں سجدۂ تلاوت کرنا ۶۶۶
۲۹۶۴ ایضاح المسائل کے ایک مسئلہ کی وضاحت ۶۶۷

فہرست مضامین

۹/ بقیة کتاب الصلاة

❑	۲۱/ باب الدعاء والذکر بعد الصلوۃ	۲۹

مسئلہ نمبر		صفحہ نمبر
۲۹۶۵	نماز کے بعد مقتدیوں کی طرف رخ کر کے تسبیح پڑھنا	۲۹
۲۹۶۶	فجر وعصر کے بعد امام کس طرف رخ کر کے بیٹھے؟	۳۰
۲۹۶۷	عصر وفجر کے بعد دائیں یا بائیں رخ کر کے بیٹھنے کی حکمت	۳۱
۲۹۶۸	امام صاحب کا بعد نماز عصر ہمیشہ قبلہ رو بیٹھنا	۳۳
۲۹۶۹	امام صاحب کا مکمل طور پر مقتدیوں کی طرف گھوم جانا	۳۴
۲۹۷۰	امام کا بعد نماز فجر وعصر کس طرح بیٹھنا افضل ہے؟	۳۵
۲۹۷۱	نماز کے بعد اذکار کی فضیلت	۳۶
۲۹۷۲	نماز کے بعد دعا	۳۸
۲۹۷۳	فرض نمازوں کے بعد دعا مانگنا	۴۰
۲۹۷۴	(الف) فرض نمازوں کے بعد اجتماعی دعا کا ثبوت	۴۱
۲۹۷۴	(ب) کیا فرض نمازوں کے بعد اجتماعی دعا میں امام کی اقتدا ضروری ہے؟	۴۴
۲۹۷۵	فرائض پنج گانہ کے بعد دعا مانگنے کا شرعی حکم	۴۶
۲۹۷۶	فرائض کے بعد دعا مانگنے کا طریقہ	۴۷
۲۹۷۷	دعا کی ابتدا ''بسم اللہ'' سے کرنا	۴۹

۲۹۷۸ دعا کے شروع میں تحمید اور اختتام "برحمتک" بلند آواز سے کہنا ۵۱
۲۹۷۹ امام صاحب کا دعا کے شروع وآخر میں جہر کرنا ۵۲
۲۹۸۰ (الف) فرض نماز کے بعد دعا مانگنا کیسا ہے؟ ۵۳
۲۹۸۰ (ب) نماز کے بعد دعا نماز کا جزو نہیں ۵۴
۲۹۸۱ فرائض کے بعد اجتماعی دعا ۵۵
۲۹۸۲ کیا اجتماعی دعائیں قبولیت کا درجہ زیادہ رکھتی ہیں؟ ۵۸
۲۹۸۳ فرض نماز کے بعد مداومت کے ساتھ اجتماعی دعا ۵۹
۲۹۸۴ نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کی کیفیت ۶۰
۲۹۸۵ نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا ۶۲
۲۹۸۶ پنجوقتہ نمازوں کے بعد دعا مانگنا ۶۳
۲۹۸۷ نماز کے بعد لمبی دعا کرنا کیسا ہے؟ ۶۵
۲۹۸۸ نماز مختصر اور دعا لمبی کرانا ۶۶
۲۹۸۹ نماز، تسبیحات اور تلاوت کو مختصر کر کے لمبی دعا کرنا ۶۷
۲۹۹۰ فرض کے بعد دعا بالجہر کو لازم سمجھنا ۶۸
۲۹۹۱ نمازوں کے بعد سراً یا جہراً دعا کرنا ۷۰
۲۹۹۲ بعد نماز امام جہراً دعا کرے یا سراً؟ ۷۴
۲۹۹۳ نماز کے بعد جہراً دعا مانگیں یا سراً؟ ۷۵
۲۹۹۴ نماز میں سری وجہری دعا کرنا کیسا ہے؟ ۷۷
۲۹۹۵ نماز کے بعد بآواز بلند دعا کرانا ۷۸
۲۹۹۶ سجدہ میں سر رکھ کر دعا مانگنا ۷۹
۲۹۹۷ فرض نماز کے بعد فوراً سجدہ کرنا ۸۱
۲۹۹۸ فرائض کے بعد پیشانی پر ہاتھ رکھ کر "یا قویّ" پڑھنا ۸۲

۲۹۹۹ بعد نماز عصر وفجر سر پر ہاتھ رکھ کر ''یا قویّ'' پڑھنا ۸۳
۳۰۰۰ دعا کے بعد چہرے پر ہاتھ پھیرتے وقت کلمہ طیبہ پڑھنا ۸۴
۳۰۰۱ فجر کے بعد دعا سے قبل امام صاحب کا ''یٰسین'' پڑھ کر سنانا ۸۵
۳۰۰۲ ہر روز فجر کے بعد امام صاحب کا سورہ ''یٰسین'' پڑھنا اور مقتدی کا سننا ۸۶
۳۰۰۳ نماز کے بعد ''جب پڑے مشکل شہ مشکل کشا کا ساتھ ہو'' پڑھنا ۸۷
۳۰۰۴ نماز کے بعد بلند آواز سے کلمہ طیبہ پڑھنا ۸۹
۳۰۰۵ سنن ونوافل کے بعد اجتماعی طور پر جہراً دعا کرنا ۹۰
۳۰۰۶ نماز عصر کے بعد ''پانچ منٹ کا مدرسہ'' مائک میں پڑھنا ۹۱
۳۰۰۷ تعلیم دعا سے قبل ہو یا بعد میں ۹۲
۳۰۰۸ دعا سے قبل تعلیم کرنا ۹۳
۳۰۰۹ فرائض اور نوافل کے درمیان دعاؤں کے ذریعہ فصل کرنا ۹۴
۳۰۱۰ فرائض وسنن میں فصل کرتے ہوئے اوراد وظائف پڑھنا.............. ۹۶
۳۰۱۱ فرض کے بعد سنتوں سے قبل حدیث سنانا ۱۰۰
۳۰۱۲ نماز کے بعد طویل دعا یا وعظ وحدیث کے ذریعہ سنتوں میں فصل کرنا ۱۰۵
۳۰۱۳ دینی امور کے لئے سنن وفرائض میں فصل کرنا ۱۰۸
۳۰۱۴ دعا سے قبل مسجد یا دینی ضرورت کے لئے چندہ کرنا................. ۱۰۹
۳۰۱۵ بعد نماز جمعہ دعا سے قبل چندہ کا ڈبہ پھرانا ۱۱۰

❑	۲۲/ باب الوتر	۱۱۱

الفصل الأول: في الوتر

۳۰۱۶ ایک رکعت وتر ۱۱۱
۳۰۱۷ ایک رات میں دو مرتبہ وتر پڑھنا ۱۱۲
۳۰۱۸ شافعی امام کی اقتداء میں حنفی کی نماز وتر کا حکم ۱۱۳

۳۰۱۹	شافعی المسلک کے پیچھے حنفی کا وتر نماز پڑھنا	۱۱۵
۳۰۲۰	فتنہ کے اندیشہ کے وقت دو سلام سے وتر پڑھنا	۱۱۸
۳۰۲۱	وتر کی نماز ایک سلام سے پڑھنے سے متعلق احادیث	۱۲۰
۳۰۲۲	تین رکعت وتر ایک سلام کے ساتھ	۱۲۲
۳۰۲۳	دعائے قنوت کی تکبیر کے وقت ہاتھ اٹھانا	۱۲۴
۳۰۲۴	وتر کے قعدۂ اولیٰ میں بیٹھنا	۱۲۵
۳۰۲۵	وتر میں دعائے قنوت پڑھنا واجب ہے	۱۲۶
۳۰۲۶	جسے دعائے قنوت یاد نہ ہو تو وہ کیا پڑھے؟	۱۲۷
۳۰۲۷	طلوعِ صبح صادق کے بعد نماز وتر کی قضاء	۱۲۸
۳۰۲۸	وتروں کے بعد دو رکعت نفل پڑھنا	۱۲۹
۳۰۲۹	وتر کے بعد کی دو رکعت بیٹھ کر پڑھنا افضل ہے یا کھڑے ہو کر؟	۱۳۰
۳۰۳۰	کیا فرائض اور وتر کے درمیان ترتیب واجب ہے؟..................	۱۳۲
۳۰۳۱	عشاء اور وتر کے مابین ترتیب کا حکم بعض شرائط کے ساتھ مقید	۱۳۴
۳۰۳۲	عشاء امام صاحب کے پیچھے اور وتر مقتدی کے پیچھے پڑھنا	۱۳۷
۳۰۳۳	تراویح نہ پڑھنے والے کا وتر کی جماعت میں شریک ہونا..........	۱۳۸
۳۰۳۴	جس نے عشاء کی نماز باجماعت ادا نہ کی ہو وہ وتر کی جماعت میں شرکت کرسکتا ہے یا نہیں؟	۱۳۹
۳۰۳۵	اکیلے عشاء پڑھنے والے کا وتر کی جماعت میں شریک ہونا	۱۴۰
۳۰۳۶	نماز عشاء کی جماعت چھوٹنے والے کا وتر کی نماز باجماعت پڑھنا ..	۱۴۱
○	ایک سلام کے ساتھ تین رکعت وتر کا تحقیقی جائزہ	۱۴۲
○	ایک سلام کے ساتھ تین رکعت وتر کی گیارہ (۱۱) روایات	۱۴۳
○	روایات کا تحقیقی جائزہ....................................	۱۴۷
○	بوقتِ قنوتِ وتر رفعِ یدین کا ثبوت	۱۴۹

□	الفصل الثاني: في القنوت النازلة	۱۵۰
۳۰۳۷	قنوت نازلہ کا حدیث سے ثبوت	۱۵۰
۳۰۳۸	قنوت نازلہ	۱۵۲
۳۰۳۹	مسلمانوں پر ظلم وستم کے وقت قنوت نازلہ پڑھنا	۱۵۳
۳۰۴۰	فاسق وفاجر مسلمانوں کے لئے قنوت نازلہ پڑھنا	۱۵۵
۳۰۴۱	سخت مصیبت کے وقت فجر میں قنوت نازلہ پڑھنا	۱۵۷
۳۰۴۲	قنوت نازلہ میں ملکوں کے ناموں کا اضافہ کرنا	۱۵۸
۳۰۴۳	قنوت نازلہ میں مقتدی حضرات کا آمین کہنا	۱۵۹
۳۰۴۴	قنوت نازلہ میں آمین کے جہر اور ارسال ووضع ید کی شرعی حیثیت ...	۱۶۰
۳۰۴۵	نماز مغرب میں قنوت نازلہ	۱۶۲
۳۰۴۶	ظہر، عصر، مغرب کی قنوتِ نازلہ میں حکمرانوں پر لعنت کرنا	۱۶۳
۳۰۴۷	جمعہ کی نماز میں قنوت نازلہ پڑھنے کی شرعی حیثیت	۱۶۴
۳۰۴۸	مغرب، عشاء اور ظہر میں قنوت نازلہ پڑھی جانے والی احادیث منسوخ ہیں .	۱۶۵
□	۲۳/ باب إدراک الفريضة	۱۶۶
۳۰۴۹	جماعت کھڑی ہونے کے وقت سنن ونوافل کا حکم	۱۶۶
۳۰۵۰	فجر کی جماعت کھڑی ہونے کے بعد سنت فجر پڑھنے کی شرعی حیثیت	۱۶۷
۳۰۵۱	فجر کی جماعت کے وقت سنت پڑھنا	۱۷۲
۳۰۵۲	جب جماعت کھڑی ہو جائے تو فجر کی سنت کب تک پڑھی جائے؟ .	۱۷۳
۳۰۵۳	دورانِ جماعت فجر کی سنت کا حکم	۱۷۵
۳۰۵۴	فجر کی سنت کب تک پڑھ سکتے ہیں؟	۱۷۶
۳۰۵۵	دوران نماز فجر کی سنت کہاں پڑھی جائے؟	۱۷۸

۳۰۵۶ فجر کی سنتیں کہاں اور کب تک پڑھی جا سکتی ہے؟ ۱۸۰
۳۰۵۷ جس حال میں نماز فجر ہو رہی ہو اس میں سنت پڑھنا ۱۸۱
۳۰۵۸ جماعت کو حاصل کرنے کے لئے صرف تشہد پر سلام پھیرنا ۱۸۲
۳۰۵۹ فجر کی سنتیں نماز کے فوراً بعد پڑھنا ۱۸۳

□	۲٤/ باب السنن و النوافل	۱۸۵

۳۰۶۰ سنت کی نیت کا طریقہ ۱۸۵
۳۰۶۱ سننِ قبلیہ و بعدیہ سب از قبیل نوافل ۱۸۶
۳۰۶۲ نوافل و سنن گھر پر پڑھنا ۱۸۷
۳۰۶۳ سنن و نوافل گھر میں پڑھیں یا مسجد میں؟ ۱۸۸
۳۰۶۴ فرائض کے بعد سنن و نوافل کے لئے جگہ بدلنا مسنون ہے ۱۸۹
۳۰۶۵ فرائض کے بعد نوافل پڑھنے کے لئے جگہ تبدیل کرنا ۱۹۱
۳۰۶۶ سننِ قبلیہ چھوٹ جائیں تو کب ادا کریں؟ ۱۹۲
۳۰۶۷ طلباء کو نماز سکھانے کے لئے نفل کی جماعت کرنا ۱۹۳
۳۰۶۸ نماز میں ضم سورہ سے قبل ''بسم اللہ'' پڑھنا ۱۹۵
۳۰۶۹ نماز میں ضم سورت سے قبل ''بسم اللہ'' پڑھنا ۱۹۶
۳۰۷۰ سجدوں کے درمیان دعا کس نماز میں پڑھی جائے؟ ۱۹۷
۳۰۷۱ رباعیات مندوبہ کے قعدۂ اولیٰ میں تشہد کے بعد درود اور تیسری رکعت میں ثناء کا حکم ۱۹۸
۳۰۷۲ رباعی سنت مؤکدہ کی تیسری رکعت کی ابتداء میں ثناء پڑھنا ۱۹۹
۳۰۷۳ قومہ اور بین السجدتین منقول تسبیح ۲۰۰
۳۰۷۴ اذان سے قبل سنتیں پڑھ لینا کیسا ہے؟ ۲۰۲
۳۰۷۵ صبح صادق کے بعد سنت فجر کے علاوہ نفل پڑھنا ۲۰۳

۳۰۷۶ صبح صادق کے بعد تہجد کی نیت سے پڑھی گئی نماز سنت فجر کے قائم مقام ہے .. ۲۰۴
۳۰۷۷ فجر کے بعد طلوع آفتاب سے قبل سنت فجر پڑھنا ۲۰۵
۳۰۷۸ فجر کی سنت امام سے آگے پڑھنا ۲۰۶
۳۰۷۹ فجر کی سنت فرض کے بعد پڑھنا ۲۰۷
۳۰۸۰ فجر کی سنت دو کی جگہ چار پڑھ لیں تو کیا حکم ہے؟ ۲۰۹
۳۰۸۱ فجر کی سنت دو کے بجائے بھول سے چار رکعت پڑھنا ۲۱۰
۳۰۸۲ صبح صادق کے بعد قبل الاذان یا بعدہ تحیۃ المسجد پڑھنا ۲۱۱
۳۰۸۳ فجر کی جماعت کھڑی ہوجائے تو سنت کب تک پڑھ سکتے ہیں؟ ۲۱۱
۳۰۸۴ فجر کی سنت چھوٹ جائے تو قضاء کا کیا حکم؟ ۲۱۲
۳۰۸۵ ظہر کے بعد قبلیہ چار رکعت کو مقدم کرے یا بعدیہ دو رکعت کو؟ ۲۱۴
۳۰۸۶ ظہر کی سنت چھوٹ جائیں تو نماز کے بعد کیا ان کی اہمیت کم ہوجاتی ہے؟. ۲۱۵
۳۰۸۷ عصر وعشاء کی سنتیں مستحب ہیں ۲۱۶
۳۰۸۸ نماز عصر سے قبل نوافل ۲۱۷
۳۰۸۹ عصر سے قبل تحیۃ الوضوء پڑھنا ۲۱۸
○ جمعہ سے پہلے چار رکعت سنت مؤکدہ ۲۱۹
○ جمعہ سے قبل چار رکعت سنت کا تحقیقی جائزہ ۲۱۹
○ جمعہ سے پہلے چار سنتوں کی روایات ۲۲۰
○ روایات کا تحقیقی جائزہ ۲۲۳
○ حضرت ابن مسعودؓ کے اثر کو مستدل کیوں بنایا گیا؟ ۲۲۴
○ نماز جمعہ کے بعد کتنی رکعتیں سنت مؤکدہ ہیں؟ ۲۲۷
○ جمعہ کے بعد کی چار رکعت ظہر بالشبہ نہیں ہیں ۲۲۸
○ جمعہ پڑھا کر دوسری جگہ جمعہ میں بنیت نفل شرکت کرنا ۲۲۹

۳۰۹۰ تہجد کی کتنی رکعات ہیں؟ ۲۳۰
۳۰۹۱ بغیر سوئے نصف رات کے بعد تہجد پڑھنا ۲۳۱
۳۰۹۲ تہجد میں بیدار ہونے کے لئے ”الارم والی گھڑی“ رکھنا ۲۳۲
۳۰۹۳ تہجد کی جماعت ۲۳۳
۳۰۹۴ تہجد کی نماز باجماعت ادا کرنا ۲۳۵
۳۰۹۵ ماہ رمضان میں تہجد واوابین کو باجماعت ادا کرنا ۲۳۶
۳۰۹۶ رمضان میں تہجد اور صلاۃ التسبیح کی جماعت کا حکم ۲۳۸
۳۰۹۷ تہجد کی نماز باجماعت پڑھنا جس میں تین سے زائد مقتدی ہوں کیسا ہے؟ ۲۴۲
۳۰۹۸ نماز اشراق ۲۴۳
۳۰۹۹ نماز اشراق کا وقت کب ہوتا ہے؟ ۲۴۴
۳۱۰۰ نماز اشراق کا وقت کب تک رہتا ہے؟ ۲۴۵
۳۱۰۱ چاشت کے وقت چاشت کی نماز پڑھنا افضل ہے یا قرآن کی تلاوت؟ ۲۴۶
۳۱۰۲ صلاۃ التسبیح اور صلاۃ الاستخارہ کا طریقہ ۲۴۸
۳۱۰۳ نماز میں تسبیح وآیات کس طرح شمار کی جائیں؟ ۲۵۰
۳۱۰۴ علاج کرانے کے لئے استخارہ کرنا ۲۵۱
۳۱۰۵ کسی کام کو کرنے سے پہلے استخارہ ۲۵۲
۳۱۰۶ طلب بارش کا انوکھا اور ناجائز طریقہ ۲۵۳
۳۱۰۷ سورج گرہن کی نماز ۲۵۴
۳۱۰۸ سورج گرہن، چاند گرہن سے متعلق ہندو روایات معتبر نہیں ۲۵۶
۳۱۰۹ نماز کسوف کا طریقہ ۲۵۷

❐	۲۵/ باب التراویح	۲۶۱

الفصل الأول في صلاة التراويح

۳۱۱۰	گرمی کی وجہ سے صرف تراویح کی جماعت مسجد کی چھت پر کرنا	۲۶۱
۳۱۱۱	فرم میں نماز عشاء اور تراویح پڑھنا..............................	۲۶۲
۳۱۱۲	کھلے میدان میں تراویح کی نماز	۲۶۳
۳۱۱۳	گھر میں تراویح پڑھنے والے فرض نماز کہاں پڑھیں؟	۲۶۴
۳۱۱۴	زکوۃ وغیرہ کی رقم سے تعمیر شدہ مدرسہ میں نماز وتراویح کا حکم........	۲۶۶
۳۱۱۵	مسجد سے متصل مدرسہ میں ''الم ترکیف'' سے تراویح پڑھنا	۲۶۷
۳۱۱۶	ایک مسجد میں ایک ساتھ الگ الگ دو تراویح کی کراہت	۲۶۸
۳۱۱۷	ایک مسجد میں بیک وقت دو تین جگہ تراویح	۲۶۹
۳۱۱۸	مسجد میں اوپر نیچے تراویح کی جماعت کا حکم	۲۷۰
۳۱۱۹	دو منزلہ مسجد میں دو نماز تراویح کی پڑھنا	۲۷۱
۳۱۲۰	ایک ہی مسجد میں اوپر نیچے تراویح کی نماز ادا کرنا..................	۲۷۲
۳۱۲۱	تراویح پڑھانے کا زیادہ حقدار کون؟	۲۷۳
۳۱۲۲	مستقل امام تراویح کا زیادہ حقدار ہے یا مقامی حافظ؟	۲۷۵
۳۱۲۳	محلّہ کی مسجد میں تراویح پڑھانے کا حقدار کون ہے امام مسجد یا اہل محلّہ؟	۲۷۶
۳۱۲۴	مسجد میں تراویح پڑھانے کا امام حقدار ہے یا مقامی حافظ؟	۲۷۷
۳۱۲۵	تراویح میں قرآن کریم امام کی اجازت کے بغیر پڑھنا مکروہ ہے؟ ..	۲۷۸
۳۱۲۶	امام صاحب کا دوسری جگہ تراویح سنانے جانا	۲۷۹
۳۱۲۷	دو حافظوں کا مل کر تراویح پڑھانا	۲۸۲
۳۱۲۸	ایک ہی شخص کا دو جگہ نماز تراویح پڑھانا..........................	۲۸۲
۳۱۲۹	دس دن میں ایک جگہ اور دس دن دوسری جگہ قرآن سنانا کیسا ہے؟ ..	۲۸۴
۳۱۳۰	بلوغ کی علامات کیا کیا ہیں؟ اور نابالغ کی تراویح کی امامت کا حکم .	۲۸۵
۳۱۳۱	تراویح میں نابالغ کی امامت	۲۸۶

۳۱۳۲	ساڑھے تیرہ سالہ عمر کے لڑکا کا تراویح میں قرآن سنانا	۲۹۴
۳۱۳۳	۱۴؍سال ۸؍ماہ کا لڑکا تراویح پڑھا سکتا ہے یا نہیں؟	۲۹۵
۳۱۳۴	پندرہ سال سے کم عمر والے حافظ کی تراویح کا مسئلہ	۲۹۶
۳۱۳۵	پندرہ سالہ بے ریش لڑکے کے پیچھے تراویح	۲۹۸
۳۱۳۶	بے ریش پندرہ سالہ حافظ کی تراویح	۲۹۹
۳۱۳۷	قمری اعتبار سے پندرہ سالہ حافظ کی تراویح	۳۰۰
۳۱۳۸	پندرہ سالہ حافظ کی تراویح	۳۰۱
۳۱۳۹	پندرہ سالہ لڑکے کی تراویح	۳۰۲
۳۱۴۰	کیا پندرہ سال کا لڑکا تراویح پڑھا سکتا ہے؟	۳۰۴
۳۱۴۱	بلا ریش ساڑھے سولہ سالہ حافظ کی تراویح	۳۰۵
۳۱۴۲	سولہ سال کے لڑکے کے پیچھے نماز تراویح	۳۰۶
۳۱۴۳	کیا سترہ سال کا لڑکا تراویح کی نماز پڑھا سکتا ہے؟	۳۰۷
۳۱۴۴	سترہ سال کے لڑکے کا تراویح میں امامت کرنا	۳۰۹
۳۱۴۵	اٹھارہ سالہ بے ریش لڑکے کے پیچھے تراویح	۳۱۰
۳۱۴۶	کیا ۱۸؍سال ۱۰؍ماہ کا لڑکا تراویح میں قرآن سنا سکتا ہے؟	۳۱۱
۳۱۴۷	داڑھی کٹانے والے کا نماز تراویح پڑھانا	۳۱۳
۳۱۴۸	داڑھی کٹانے والے کے پیچھے نماز تراویح	۳۱۴
۳۱۴۹	داڑھی کٹانے والے حافظ کے پیچھے تراویح	۳۱۵
۳۱۵۰	داڑھی منڈے حافظ کے پیچھے نماز تراویح	۳۱۶
۳۱۵۱	داڑھی کترنے والے حافظ کے پیچھے نماز تراویح	۳۱۷
۳۱۵۲	داڑھی کٹانے والے کے پیچھے نماز تراویح	۳۱۸
۳۱۵۳	فاسق امام کے پیچھے نماز تراویح کا حکم	۳۱۹

۳۱۵۴	کیا حضور ﷺ نے پورے رمضان تراویح کی نماز ادا فرمائی ہے؟...	۳۲۰
۳۱۵۵	پورے رمضان میں مروج تراویح کا آپ ﷺ سے ثبوت	۳۲۲
۳۱۵۶	کیا آٹھ رکعت تراویح ثابت ہیں؟	۳۲۴
۳۱۵۷	آٹھ رکعت تراویح سلف سے ثابت نہیں	۳۲۵
۳۱۵۸	تراویح ۲۰/رکعت یا آٹھ رکعت	۳۲۷
۳۱۵۹	بیس رکعت تراویح کا ثبوت	۳۲۸
۳۱۶۰	بیس رکعت تراویح کا ثبوت	۳۲۹
۳۱۶۱	۲۰/رکعت تراویح کا مسئلہ	۳۳۰
۳۱۶۲	تراویح سے متعلق سوالات وجوابات.........................	۳۳۱
۳۱۶۳	قرآن سنانے کے لئے سفر کرنا............................	۳۳۳
۳۱۶۴	تراویح کی صحت کے لئے سامع کا ہونا ضروری نہیں ہے؟..........	۳۳۴
۳۱۶۵	تراویح کی ہر دو رکعت کے لئے نیت کرنا........................	۳۳۴
۳۱۶۶	تراویح کی نماز بیٹھ کر ادا کرنا..............................	۳۳۵
۳۱۶۷	دوران تراویح آیت سجدہ کا اعلان کرنا	۳۳۶
۳۱۶۸	سجدۂ تلاوت کے بعد بغیر کچھ پڑھے رکوع میں جانا............	۳۳۷
۳۱۶۹	تراویح میں مقتدیوں کی رعایت کی جائے یا امام کی ضعف عمری کی؟	۳۳۸
۳۱۷۰	روزانہ تراویح میں کتنے پارے پڑھے جائیں؟	۳۴۰
۳۱۷۱	روزمرہ تراویح میں پارہ کی مقدار	۳۴۱
۳۱۷۲	کم از کم کتنی مدت میں تراویح میں قرآن ختم کرنا مسنون ہے؟.....	۳۴۳
۳۱۷۳	نماز تراویح میں ہر سورت کے شروع میں جہراً ''بسم اللہ'' پڑھنا.....	۳۴۵
۳۱۷۴	ہر سورت کے شروع میں ''بسم اللہ'' جہراً پڑھنے سے متعلق تحقیقی فتویٰ	۳۴۷
۳۱۷۵	ہر سورت کے شروع میں ''بسم اللہ'' جہراً پڑھی جائے یا سراً؟	۳۵۰

۳۱۷۶ تراویح میں ہر سورۃ کے شروع میں ’’بسم اللہ‘‘ جہراً پڑھنا ۳۵۱
۳۱۷۷ تراویح میں سورت ملانے کے بعد سورۂ فاتحہ پڑھنا؟ ۳۵۳
۳۱۷۸ تراویح میں ایک سورت کا تکرار ۳۵۴
۳۱۷۹ نماز تراویح میں سورتیں مکرر پڑھنا ۳۵۵
۳۱۸۰ تراویح میں دو تین آیات چھوٹ جائیں تو کس طرح اعادہ کریں؟....... ۳۵۶
۳۱۸۱ ترویحہ کی مقدار ۳۵۷
۳۱۸۲ ترویحہ کتنی دیر کا ہونا چاہئے؟ ۳۵۸
۳۱۸۳ ترویحہ میں ’’سبحان ذی العزۃ‘‘ پڑھنا ۳۵۹
۳۱۸۴ تراویح میں دو رکعت پر ’’سبحان اللہ‘‘ پڑھنا اور چار رکعت پر ۳۶۰
۳۱۸۵ تراویح میں ہر دو رکعت کے بعد ’’فضل من اللہ‘‘ پڑھنا ۳۶۱
۳۱۸۶ تراویح کے ہر ترویحہ میں جہراً تسبیح پڑھنا ۳۶۲
۳۱۸۷ تنہا عشاء پڑھنے والے شخص کا تراویح اور وتر با جماعت پڑھنا...... ۳۶۳
۳۱۸۸ وتر با جماعت پڑھنے کے بعد تراویح کی نماز پڑھنا.............. ۳۶۴
۳۱۸۹ عشاء کی نماز فاسد ہونے کی صورت میں تراویح اور وتر کے اعادہ کا حکم ۳۶۵
۳۱۹۰ حافظ کی موجودگی میں غیر حافظ کا ’’الم ترکیف‘‘ سے تراویح پڑھانا .. ۳۶۶
۳۱۹۱ نماز تراویح میں مکمل قرآن نہ سنا کر اس کو عشاء فجر اور تہجد میں تقسیم کرنا ۳۶۷
۳۱۹۲ کیا پہلے عشرہ میں قرآن سن کر بقیہ ایام کی تراویح ساقط ہو جاتی ہیں؟ ۳۶۹
۳۱۹۳ ختم کے بعد تراویح ’’الم ترکیف‘‘ سے پڑھی جائے؟ ۳۷۰
۳۱۹۴ نماز تراویح میں امام کا قرآن کو ہاتھ میں لے کر پڑھنا ۳۷۲
۳۱۹۵ تراویح میں قرآن دیکھ کر پڑھنا ۳۷۳
۳۱۹۶ قرآن کریم دیکھ کر امامت کرنا ۳۷۵
۳۱۹۷ تراویح کی نماز بریلویوں کی مسجد میں پڑھی جائے یا غیر مقلدین کی؟ ۳۷۷

۳۱۹۸	چھوٹی ہوئی تراویح وتر کے بعد پڑھنا	۳۷۸
۳۱۹۹	تراویح کی چھوٹی ہوئی رکعت وتر سے قبل ادا کریں یا بعد میں؟	۳۷۹
۳۲۰۰	تراویح میں ایک رکعت پر سلام پھیرنا........................	۳۸۰
۳۲۰۱	دو رکعت پر قعدہ کئے بغیر چار رکعت پڑھا دیں تو بعد کی دو رکعت معتبر ہوں گی ..	۳۸۱
۳۲۰۲	تراویح میں دو رکعت پر قعدہ بھول گیا........................	۳۸۲
۳۲۰۳	ایک سلام سے پڑھی گئی تراویح کی چار رکعت میں دو رکعت صحیح ہونے کی وجہ	۳۸۳
۳۲۰۴	چار رکعت نماز تراویح کی نیت باندھی پھر قعدہ اخیرہ بھول گیا	۳۸۴
۳۲۰۵	ختم تراویح کا مسنون طریقہ	۳۸۶
۳۲۰۶	تراویح میں دو رکعت کے قعدہ کے بعد کھڑے ہو کر مزید دو رکعت پڑھنا	۳۸۷
۳۲۰۷	ختم قرآن کے موقع پر ''سورۂ اخلاص'' کو تین مرتبہ پڑھنا	۳۸۸
۳۲۰۸	ختم قرآن کے موقع پر آخر میں دعائیہ آیتوں کا پڑھنا کیسا؟	۳۸۹
۳۲۰۹	تراویح کی قضاء........................	۳۹۰
۳۲۱۰	ختم کے دن مسجد اور اس کے درختوں کو لائٹوں سے سجانا	۳۹۱
۳۲۱۱	تراویح میں ختم قرآن کے بعد امام صاحب سے پھونک مروانا	۳۹۲
۳۲۱۲	دوران تراویح اور ختم کے دن شیرینی تقسیم کرنا	۳۹۳
۳۲۱۳	تراویح میں ختم قرآن کے موقع پر شیرینی تقسیم کرنا	۳۹۴
۳۲۱۴	ختم تراویح کے دن حافظ صاحب سے دم کروانے کی شرعی حیثیت ..	۳۹۵
۳۲۱۵	شبینہ	۳۹۷
۳۲۱۶	ایک رات یا تین رات میں قرآن ختم کرنا کیسا ہے؟	۳۹۸
۳۲۱۷	تین روزہ شبینہ پڑھنا	۳۹۹
۳۲۱۸	لاؤڈ اسپیکر میں شبینہ کا حکم	۴۰۰
۳۲۱۹	رمضان یا غیر رمضان میں نفلوں کے اندر شبینہ پڑھنا..........	۴۰۱

۳۲۲۰	شبینہ متعارفہ کا حکم	۴۰۲
۳۲۲۱	مروجہ شبینہ کا حکم	۴۰۴
۳۲۲۲	مروجہ شبینہ کا شرعی حکم	۴۰۶
۳۲۲۳	عورتوں کے لئے تراویح کی نماز	۴۰۷
۳۲۲۴	عورتوں کا تراویح میں قرآن سنانا	۴۰۸
۳۲۲۵	عورت کا نماز تراویح پڑھانا	۴۱۰
۳۲۲۶	عورتوں کا تراویح پڑھنے کے لئے جانا..........................	۴۱۱
۳۲۲۷	بالغ لڑکے کا تراویح میں عورتوں کی امامت کرنا	۴۱۳
۳۲۲۸	عورتوں کا تراویح کی نماز باجماعت پڑھنا	۴۱۵
۳۲۲۹	عورتوں کی تراویح کی جماعت کا حکم	۴۱۶
۳۲۲۹	تراویح میں سورۂ فاتحہ کو ایک سانس میں پڑھنا	۴۱۷
۳۲۲۹	دس پندرہ روز میں قرآن ختم کر کے الم ترکیف سے تراویح پڑھنا ...	۴۱۹
۳۲۲۹	جو دعا ہر چار رکعت کے بعد پڑھی جاتی ہے اس کی کیا حیثیت؟	۴۲۰
❑	**الفصل الثاني: في أجرة التراويح**	۴۲۲
۳۲۳۰	تراویح کی اجرت سے متعلق چند سوالات کے جواب	۴۲۲
۳۲۳۱	تراویح میں ختم قرآن پر اجرت کا شرعی حکم..................	۴۲۶
۳۲۳۲	تراویح کی اجرت کے جواز کے پمفلٹ کا تحقیقی جواب	۴۳۴
۳۲۳۳	اجرت ختم قرآن سے متعلق ایک اہم فتویٰ	۴۴۵
۳۲۳۴	اجرت علی التراویح کے حیلہ کی مختلف شکلوں کا حکم	۴۶۱
۳۲۳۵	امیر شریعت کے جواز اجرت تراویح کی دلیل کا جائزہ	۴۶۴
۳۲۳۶	تراویح کی اجرت کے جواز سے متعلق مونگیر کے فتوی کی شرعی حیثیت	۴۶۷
۳۲۳۷	تفسیر، امامت وغیرہ کرنے والے کے لئے نذرانۂ تراویح کا حکم ...	۴۶۸

۳۲۳۸	اجرت تراویح کے لئے امامت کے حیلہ کی حقیقت	۴۷۰
۳۲۳۹	حافظ صاحب کے نذرانہ سے متعلق کس فتوی پر عمل کیا جائے؟	۴۷۲
۳۲۴۰	تراویح میں حافظ صاحب کو اجرت دینے سے متعلق سوالات کے جوابات	۴۷۵
۳۲۴۱	اجرت لے کر تراویح پڑھانے والے کے پیچھے نماز کا حکم	۴۷۹
۳۲۴۲	قرآن سننے اور سنانے کی اجرت کا شرعی حکم	۴۸۱
۳۲۴۳	تراویح کا نذرانہ	۴۸۴
۳۲۴۴	تراویح میں قرآن پاک سنانے کی اجرت ایک متفقہ اور شرعی فیصلہ .	۴۸۹
۳۲۴۵	ایک مہینے کے لئے حافظ قرآن کو امامت کے لئے مقرر کر کے روپیہ دینا .	۴۹۲
۳۲۴۶	حیلہ بنا کر تراویح کی اجرت لینا	۴۹۳
۳۲۴۷	قرآن سنانے کی اجرت کسی بھی حال میں جائز نہیں	۴۹۴
۳۲۴۸	حافظ کے ذمہ تراویح کے ساتھ ایک دو وقت کی نماز کر کے نذرانہ دینا	۴۹۵
۳۲۴۹	چند نمازوں کی امامت کے ساتھ تراویح پڑھانے والے کا نذرانہ قبول کرنا ..	۴۹۶
۳۲۵۰	ختم قرآن کے موقع پر حفاظ کو کسی بھی حیلہ سے ہدیہ کرنا جائز نہیں ...	۴۹۷
۳۲۵۱	تراویح کی اجرت کی چند صورتیں	۴۹۹
۳۲۵۲	تراویح کی اجرت سے متعلق چند سوالات کے جوابات	۵۰۱
۳۲۵۳	ماہِ رمضان میں حفاظ کو نذرانہ دینے کی چند شکلیں	۵۰۳
۳۲۵۴	اجرت تراویح سے متعلق چند سوالات کے جوابات	۵۰۵
۳۲۵۵	تراویح سنانے والے کو بلا شرط ہدیہ دینا	۵۰۸
۳۲۵۶	تراویح میں بخوشی روپے اور کپڑے دینے کا حکم	۵۰۸
۳۲۵۷	تراویح میں ختم قرآن پر حافظ صاحب کو جوڑا دینا	۵۱۰
۳۲۵۸	حافظ تراویح کو عطر، شہد اور مٹھائی ہدیہ میں دینا	۵۱۲
۳۲۵۹	حصول علم کی خاطر نادار طالب علم کا تراویح کی اجرت لینا	۵۱۳

۳۲۶۰	نادار طالب علم کے لئے تراویح پر اجرت لینا	۵۱۴
۳۲۶۱	حافظ طالب علم کو تراویح کی اجرت دینا	۵۱۴
۳۲۶۲	تراویح میں قراءت قرآن اور سماعت قرآن پر اجرت لینا	۵۱۵
۳۲۶۳	حافظ وسامع کو روپیہ یا جوڑا دینے کے لئے چندہ کرنا	۵۱۷
۳۲۶۴	ناجائز کمائی کی رقم ہدیہ کے نام سے تراویح سنانے والے کو دینا	۵۱۸
۳۲۶۵	تراویح کے نذرانہ کا شرعی حکم	۵۱۹
۳۲۶۶	ختم قرآن کے موقع پر حافظ یا امام کو ہدیہ دینا	۵۲۰
۳۲۶۷	قرآن کریم کے سننے سنانے پر اجرت لینا	۵۲۲
۳۲۶۸	تراویح پڑھانے والے کو نذرانہ دینا	۵۲۴
۳۲۶۹	تراویح کے نذرانہ کی شرعی حیثیت	۵۲۵
۳۲۷۰	اجرت تراویح کے لئے چندہ کرنا	۵۲۷
۳۲۷۱	چندہ کرکے قاری وسامع کی خدمت کرنا اور ختم پر شیرینی تقسیم کرنا ...	۵۲۸
۳۲۷۲	تراویح میں حافظ وسامع کو اجرت دینا	۵۲۹
۳۲۷۳	قاری اور سامع کو اجرت دینا	۵۳۱
۳۲۷۴	تراویح میں قرآن سننے والے کا اجرت لینا	۵۳۲
۳۲۷۵	تراویح کی اجرت	۵۳۳
۳۲۷۶	اجرت لے کر قرآن سنانے والے کے پیچھے تراویح پڑھنا	۵۳۳
۳۲۷۷	اجرت علی التراویح کی شرعی حیثیت	۵۳۴
۳۲۷۸	تراویح پڑھانے والے حافظ صاحب کو نذرانہ دینا	۵۳۵
۳۲۷۹	ختم تراویح پر نذرانہ اور مٹھائی تقسیم کرنا	۵۳۷
۳۲۸۰	تراویح میں ختم قرآن پر اجرت لینا	۵۳۸
۳۲۸۱	تراویح پڑھانے والے حافظ کو ہدیہ دینا	۵۳۹

۳۲۸۲ تراویح میں قرآن سنا کر اجرت لینا ۵۴۰
۳۲۸۳ حافظ صاحب کا اجرت لے کر قرآن سنانا اور مقتدیوں کا سننا کیسا ہے؟ ۵۴۱
۳۲۸۴ اجرت لے کر تراویح پڑھانے والے کے پیچھے نماز تراویح ۵۴۳
۳۲۸۵ تراویح میں ختم قرآن پر اجرت لینا ۵۴۳
۳۲۸۶ حافظوں کے لئے تراویح کا پیسہ لینا کیسا ہے؟ ۵۴۵
۳۲۸۷ سامع کی اجرت ۵۴۶
۳۲۸۸ سامع وقاری کی اجرت کا حکم ۵۴۷
۳۲۸۹ قاری وسامع کی اجرت کے لئے چندہ کرنا ۵۴۷
۳۲۹۰ سامع کا آمدورفت کا کرایہ وصول کرنا ۵۴۸
۳۲۹۱ سامع کا اجرت طے کرنا ۵۴۹
۳۲۹۲ سامع کی اجرت کا شرعی حکم ۵۵۰
۳۲۹۳ حافظ قرآن کو مسجد کے فنڈ سے آمدورفت کا کرایہ دینا ۵۵۲
۳۲۹۴ ''الم تر کیف'' سے تراویح پر اجرت لینا ۵۵۲
۳۲۹۵ سورۂ فیل سے تراویح پڑھانے پر اجرت لینے کا حکم ۵۵۳
۳۲۹۶ تراویح میں ملی ہوئی رقم کو کیا کریں؟ ۵۵۴
۳۲۹۷ تراویح میں موصول اجرت کا مصرف ۵۵۵
۳۲۹۸ تراویح میں لی ہوئی اجرت کس طرح واپس کی جائے؟ ۵۵۷
۳۲۹۹ تراویح میں ملے ہوئے روپیوں کو مسجد میں دینا ۵۵۸
۳۳۰۰ کوئی حافظ بلا اجرت تراویح پڑھانے کے لئے تیار نہ ہو تو کیا کریں؟ ۵۵۸
۳۳۰۱ کوئی حافظ بلا اجرت تراویح پڑھانے کے لئے تیار نہیں ۵۶۰
۳۳۰۲ جس مسجد میں نذرانہ لینے دینے کا معاملہ نہ ہو اس میں انفرادی طور پر کچھ دینا ۵۶۱
۳۳۰۳ حافظ صاحب کو رکشہ کرایہ دینا کیسا ہے؟ ۵۶۲

۳۳۰۴	ختم قرآن کے موقع پر مستقل امام کو روپیہ پارچہ دینا	۵۶۳
۳۳۰۵	مستقل امام کو رمضان میں زائد ملنے والی تنخواہ تراویح کی اجرت نہیں....	۵۶۴
۳۳۰۶	تراویح میں امام صاحب کا قرآن پڑھا کر پیسہ لینا............	۵۶۶
۳۳۰۷	مستقل امام صاحب کو ختم تراویح کے موقع پر ہدیہ دینا	۵۶۷
۳۳۰۸	مسجد کے مستقل امام کو تراویح میں نذرانہ دینا	۵۶۸
۳۳۰۹	امام صاحب کا رمضان میں تنخواہ سے زائد اجرت لینا............	۵۶۹
۳۳۱۰	رمضان میں امام صاحب کو مقتدی حضرات کا تحفہ تحائف دینا	۵۷۰
۳۳۱۱	ختم تراویح کے موقع پر حافظ صاحب کے علاوہ امام ومؤذن کو تنخواہ بڑھا کر دینا	۵۷۱
۳۳۱۲	رمضان میں تراویح سنانے والے مستقل امام کو تنخواہ بڑھا کر دینا....	۵۷۳
۳۳۱۳	مستقل امام کو ختم تراویح کے موقع پر ڈبل تنخواہ دینا............	۵۷۳
۳۳۱۴	رمضان میں امام کا ڈبل تنخواہ لینا	۵۷۴
۳۳۱۵	مستقل امام کو ملنے والے تراویح کے نذرانہ کی شرعی حیثیت	۵۷۵
۳۳۱۶	تنخواہ میں اضافہ کرکے اجرت علی التراویح کا حیلہ	۵۷۷

□	۲۶/ باب صلاۃ المسافر	۵۷۸

۳۳۱۷	کسی کی اقتداء میں نماز کے لئے سفر کی ممانعت اور حصولِ علم	۵۷۸
۳۳۱۸	دہلی کی جامع مسجد میں جمعۃ الوداع پڑھنے کے لئے سفر کی ممانعت ..	۵۷۹
۳۳۱۹	محض ارادہ سے آدمی مسافر نہیں ہوتا	۵۸۰
۳۳۲۰	محض نیت سفر کی وجہ سے وطن اقامت باطل ہوگا یا نہیں؟	۵۸۱
۳۳۲۱	معصیت کے ارادہ سے سفر کرنا بھی موجب تخفیف ہے	۵۸۳
۳۳۲۲	یکبارگی مسافت سفر کا ارادہ کرنا قصر کے لئے لازم	۵۸۴
۳۳۲۳	مسافر ومقیم شرعاً کب ہوتے ہیں؟	۵۸۵
۳۳۲۴	مسافت شرعی کی مقدار	۵۸۶

۳۳۲۵ مسافت سفر میں ۴۵ یا ۴۸ رمیل شرعی کا اعتبار ۵۸۷

۳۳۲۶ شرعی مسافت سفر کی تعیین سے متعلق ایک تحقیقی جائزہ ۵۹۰

۳۳۲۷ ۴۸ رمیل کتنا کلومیٹر ہے؟ ۵۹۲

۳۳۲۸ مسافت سفر سے متعلق ’’ایضاح المسائل‘‘ کے مسئلہ پر اعتراض کا جواب ۵۹۴

۳۳۲۹ مسافت شرعی کی مقدار پر تحقیقی فتویٰ ۶۰۰

۳۳۳۰ مسافت سفر کی تحقیق ۶۰۵

۳۳۳۱ ۷۰ رکلومیٹر مسافت سفر نہیں ہے ۶۰۷

۳۳۳۲ وطن اصلی و وطن اقامت کی تعریف ۶۰۹

۳۳۳۳ وطن اقامت اور وطن اصلی ۶۱۱

۳۳۳۴ وطن اقامت سے اپنے آبائی وطن آئے تو نماز میں قصر وا تمام کا کیا حکم ہے؟ ۶۱۳

۳۳۳۵ ’’ایضاح المسائل‘‘ کے ایک مسئلہ کی وضاحت ۶۱۴

۳۳۳۶ وطن اقامت کس طرح کے سفر سے باطل ہوتا ہے؟ ۶۱۶

۳۳۳۷ ’’شرح وقایہ‘‘ کی عبارت: ’’ویبطل الوطن الأصلی‘‘ کی وضاحت ۶۱۹

۳۳۳۸ وطن اصلی تبدیل کرنے کی صورت میں نماز کا حکم ۶۲۲

۳۳۳۹ وطن اقامت سفر شرعی سے باطل ہو جاتا ہے ۶۲۳

۳۳۴۰ مسافت سفر کی ابتداء وانتہاء کا حکم ۶۲۵

۳۳۴۱ مسافت سفر کے ارادہ سے سفر شروع کرنے کے بعد درمیان میں ... ۶۲۶

۳۳۴۲ نماز کا وقت شروع ہونے کے بعد سفر کرنے والا اتمام کرے گا یا قصر؟ ۶۲۸

۳۳۴۳ نیت اقامت میں ایام سفر معتبر نہیں ۶۲۹

۳۳۴۴ شہر کے فناء متصل سے نکلنے کے بعد قصر کرنا ۶۳۰

۳۳۴۵ مسافر شرعی کس مقام سے قصر کرے گا؟ ۶۳۲

۳۳۴۶ قصر کے لئے اپنے مقام سے سفر شرعی کا ارادہ کرنا لازم ہے ۶۳۳

۳۳۴۷	قصر کے لئے مسافت سفر کا ہونا لازم ہے	۶۳۴
۳۳۴۸	ساڑھے ۸۲/ کلومیٹر سے کم مسافت میں قصر نہ کرنا چاہئے	۶۳۵
۳۳۴۹	اتمام کے لئے پندرہ دن کا شمار کب سے؟	۶۳۷
۳۳۵۰	مسافت سفر کا شمار کہاں سے ہوگا؟	۶۳۹
۳۳۵۱	مسافر کہاں سے نمازوں میں قصر شروع کرے گا؟	۶۴۱
۳۳۵۲	مسافت سفر سے کم سفر کی صورت میں آدمی مقیم ہے	۶۴۲
۳۳۵۳	پندرہ دن سے کم قیام کی صورت میں آدمی مقیم نہیں ہوتا	۶۴۳
۳۳۵۴	کلکتہ سے فجر پڑھ کر بذریعہ ہوائی جہاز دہلی پہنچا تو فجر کے وقت کے بیس منٹ باقی ہیں .	۶۴۴
۳۳۵۵	مسافر کے پیچھے مقیم کی نماز	۶۴۵
۳۳۵۶	جس شہر کی مسافت شرعی مسافت سے بڑی ہو، اس میں شرعی مسافت کہاں سے بنے گی؟	۶۴۶
۳۳۵۷	ایک شہر میں ۱۸/ دن ٹھہرنے کی نیت کی پھر دوسرے میں تین دن گزارے	۶۴۷
۳۳۵۸	نوح سے دہلی آنے والا مسافر نہیں ہے	۶۴۹
۳۳۵۹	''ایضاح المسائل'' کے ایک مسئلہ کی وضاحت	۶۵۰
۳۳۶۰	بریلی اور ہردوئی آمد ورفت کرنے والے کا مسئلہ	۶۵۱
۳۳۶۱	ایک جگہ ۱۵/ دن قیام کا ارادہ مگر دن میں دیگر مقامات کا دورہ	۶۵۳
۳۳۶۲	ہرتھلا اور پاکبڑہ مرادآباد میں شامل ہوکر مقام واحد	۶۵۵
۳۳۶۳	دو الگ الگ مقاموں کے بلدواحد ہونے کا مدار اتصال پر ہے	۶۵۷
۳۳۶۴	شہر سے متصل باہر کی طرف پھیلی ہوئی آبادی بھی شہر کے حکم میں	۶۵۷
۳۳۶۵	شہر سے متصل ہوجانے والے گاؤں کا حکم	۶۵۹
۳۳۶۶	ایک ماہ کے قیام کا ارادہ تھا مگر تین دن کے بعد واپسی کا ارادہ ہوگیا تو کیا کرے؟	۶۶۰
۳۳۶۷	کسی جگہ پندرہ دن کی نیت کے بغیر ۲۸/ دن گذاردے تو قصر ہی کرتا رہے گا؟	۶۶۱
۳۳۶۸	ویزا ختم ہونے کے بعد خفیہ طور پر ۳/ ماہ رہنے کا ارادہ ہو تو قصر کرے یا تمام؟	۶۶۳

۳۳۶۹	دوراستوں میں سے مقدار مسافت سفر والے میں قصر اور کم والے میں اتمام.	۶۶۴
۳۳۷۰	بڑے شہروں کا کس طرح اعتبار کیا جائے؟	۶۶۶
۳۳۷۱	وطن اقامت اور وطن اصلی کا ایک مسئلہ	۶۶۸
۳۳۷۲	جائے ملازمت وطن اصلی ہے یا وطن اقامت	۶۷۰
۳۳۷۳	جائے ملازمت وطن اصلی کے حکم میں ہے	۶۷۱
۳۳۷۴	کیا وطن اقامت و ملازمت وطن اصلی کے حکم میں ہیں؟	۶۷۲
۳۳۷۵	جائے ملازمت وطن اصلی کے حکم میں کب ہے؟	۶۷۳
۳۳۷۶	مدارس کے طلبہ اور سرکاری ملازمین مدرسہ اور جائے ملازمت پر مقیم یا مسافر.	۶۷۴
۳۳۷۷	کیا وطن اصلی سے ۲۰ رکلومیٹر کی دوری کی جائے ملازمت وطن اصلی سے ملحق ہے.	۶۷۶
۳۳۷۸	وطن اقامت سے بیس کلومیٹر دوری پر جائے ملازمت پر جانا	۶۷۷
۳۳۷۹	وطن اقامت اور جائے ملازمت میں قصر کرے یا اتمام؟	۶۷۸
۳۳۸۰	صرف بیٹے کے قیام پر وطن تأہل کا حکم	۶۷۹
۳۳۸۱	تبلیغی جماعت مسافت سفر جانے کے بعد مختلف دیہاتوں کا دورہ کرے تو؟	۶۸۰
۳۳۸۳	جائے ملازمت میں اتمام یا قصر؟	۶۸۳
○	بیوی کا انتقال ہو جائے یا طلاق ہو جائے تو کیا حکم؟	۶۹۱
○	شکل ۱: جائے ملازمت میں مع اہل وعیال قیام	۶۹۶
○	شکل ۲: جائے ملازمت یا جائے کاروبار میں تجرد کے ساتھ رہائش.	۶۹۸
○	چند شبہات کا ازالہ	۷۰۱
○	(۶) مسئلہ قصر واتمام میں شبہ پیدا ہو جائے تو کیا حکم؟	۷۰۶
۳۳۸۴	فیملی کے ساتھ رہنے والے ملازم مقیم ہیں یا مسافر؟	۷۰۸
۳۳۸۵	جائے تجارت میں اتمام یا قصر؟	۷۰۹
۳۳۸۶	جائے ملازمت کا حکم	۷۱۰

۳۳۸۷	جائے ملازمت میں اتمام یا قصر؟	۷۱۷
۳۳۸۸	جائے ملازمت میں جب بیوی بچوں کے ساتھ رہے تو قصر جائز نہیں	۷۱۹
۳۳۸۹	جائے ملازمت کتنی دوری پر ہو تو قصر لازم ہے؟	۷۲۰
۳۳۹۰	ڈرائیور سفر میں نماز پوری پڑھے یا قصر کرے؟	۷۲۲
۳۳۹۱	امام یا ملازم باپ کے پاس تعلیم کے لئے باہر گئے بیٹے مقیم ہوں گے یا مسافر؟	۷۲۳
۳۳۹۲	دو چار دن جائے ملازمت میں قیام کی صورت میں قصر کریں یا اتمام؟	۷۲۴
۳۳۹۳	جس بستی میں آئندہ رہنے کا ارادہ ہو اس میں قصر و اتمام کا حکم	۷۲۵
۳۳۹۴	وطن تأہل میں قصر و اتمام کا حکم	۷۲۶
۳۳۹۵	سسرال کو وطن اصلی میں شامل کرنے کی تخصیص	۷۳۰
۳۳۹۶	وطن تأہل جاتے ہی اتمام کرے گا	۷۳۱
۳۳۹۷	متعدد شہروں میں شادی کر رکھی ہو تو ہر بیوی کے یہاں اتمام لازم ..	۷۳۲
۳۳۹۸	سنگاپور، امریکہ وغیرہ کی ہر بیوی کے پاس اتمام	۷۳۴
۳۳۹۹	داماد سسرال میں قصر کرے گا یا اتمام؟	۷۳۵
۳۴۰۰	بیوی میکے میں قصر کرے گی یا اتمام؟	۷۳۶
۳۴۰۱	لڑکی میکے میں قصر کرے گی یا اتمام؟	۷۳۷
۳۴۰۲	دولہن پہلی رات سسرال میں قصر کرے گی یا اتمام	۷۳۷
۳۴۰۳	شوہر سسرال میں اتمام کرے گا یا قصر؟	۷۳۹
۳۴۰۴	مسافر کے لئے جمعہ کی امامت	۷۴۰
۳۴۰۵	مسافر کا جمعہ کی امامت کرنا	۷۴۱
۳۴۰۶	مسافر کے چار رکعت والی نماز پڑھانے کا حکم	۷۴۲
۳۴۰۷	مسافر امام نے مقیم مقتدیوں کو چار رکعت پڑھادی	۷۴۴
۳۴۰۸	مسافر امام نے چار رکعت پڑھادی	۷۴۶

۳۴۰۹ مسافر امام کا مقیم مقتدیوں کو رباعی نمازیں پڑھانا ۷۴۸
۳۴۱۰ مسافر کا مقیمین کو نماز عشاء چار رکعت پڑھانے کا حکم ۷۴۹
۳۴۱۱ مسافر کا ظہر چار رکعت ادا کرنا ۷۵۰
۳۴۱۲ دوران سفر نماز عصر چار رکعت ادا کرنا ۷۵۱
۳۴۱۳ مسافر شخص نے عشاء کی نماز میں مقیم حضرات کی امامت کی تو کیا حکم ہے؟ ۷۵۳
۳۴۱۴ جب مسافر امام رباعی نماز میں دو رکعت پر سلام پھیر دے تو مقتدی لوگ بقیہ دو رکعت کس طرح پوری کریں؟ ۷۵۵
۳۴۱۵ مقیم کا مسافر کی اقتداء کرنا............ ۷۵۵
۳۴۱۶ مسافر مقیمین کو رباعی نماز پڑھا دے ۷۵۶
۳۴۱۷ مقیم مقتدی کی رباعی نماز مسافر کے پیچھے پڑھی گئی کب تک اعادہ کی گنجائش ہے؟ ۷۵۸
۳۴۱۸ امام کے پیچھے پڑھی گئی عصر کی فاسد نماز دوسرے دن صاحب ترتیب اور مسافر کس طرح قضا کریں؟ ۷۵۹
۳۴۱۹ ٹرین پر کس طرح نماز پڑھیں؟ ۷۶۱
۳۴۲۰ ٹرین میں بیٹھ کر نماز پڑھنا ۷۶۲
۳۴۲۱ ٹرین میں مجبوری کے وقت فرض نماز بیٹھ کر پڑھنا ۷۶۳
۳۴۲۲ دوران سفر بس یا ریل میں نماز کا حکم ۷۶۴
۳۴۲۳ بس پر نماز کا طریقہ اور قصر کہاں سے کرنا درست ہے؟ ۷۶۶

فہرست مضامین

۹/بقیة کتاب الصلاة

٢٧/ باب صلاة المريض

۳۴۲۴ پیشاب کے قطرے نکلتے رہیں تو نماز کیسے پڑھے ۳۲
۳۴۲۵ اشارہ سے نماز پڑھانے والوں کے پیچھے رکوع سجدہ کرنے والوں کا نماز پڑھنا ۳۴
۳۴۲۶ قیام پر قدرت کے باوجود بیٹھ کر نماز پڑھنا ۳۵
۳۴۲۷ تھوڑی دیر قیام پر قدرت رکھنے والے کا ہر رکعت میں تھوڑی دیر کے لئے قیام کرنا ... ۳۷
۳۴۲۸ سجدہ پر قدرت نہ ہونے کی وجہ سے بیٹھ کر اشارہ سے نماز پڑھنا ۳۸
۳۴۲۹ عمر رسیدہ سانس کا مریض جو طہارت حاصل کرنے پر قادر نہ ہو، کس طرح نماز پڑھے ؟ ۳۹
۳۴۳۰ غیر کی مدد سے وضو پر قادر شخص کا تیمّم سے نماز پڑھنا ۴۰
۳۴۳۱ آپریشن شدہ آنکھ والا شخص وضو کر کے نماز پڑھے یا تیمّم کر کے؟...... ۴۱
۳۴۳۲ ریاحی مریضہ کے لئے ایک وضو سے نماز کا حکم ۴۲
۳۴۳۳ جس کو پیشاب کی نلکی لگی ہوئی ہے وہ کس طرح نماز پڑھے؟............ ۴۴
۳۴۳۴ آں حضرت ﷺ نے بیماری کے زمانہ میں کرسی پر بیٹھ کر نماز کیوں نہیں پڑھائی ؟ ۴۵
۳۴۳۵ بلا عذر شدید کرسی پر نماز پڑھنا............................. ۴۶
۳۴۳۶ کیا حضور ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھنا ثابت ہے؟ ۴۷
۳۴۳۷ کھڑے ہو کر اشارہ سے نماز پڑھنا اولیٰ ہے یا بیٹھ کر؟ ۴۸

۳۴۳۸ کیا کھڑے ہوکر اشارہ سے اور کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھنا برابر ہے؟ ۵۳

۳۴۳۹ کرسی پر نماز کے متعلق ایک جامع فتوی ۵۶

۳۴۴۰ کرسی پر نماز کا حکم ۶۰

۳۴۴۱ معذور کا کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھنا ۶۷

۳۴۴۲ گھر سے پیدل چل کر آنے والے کا کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھنا ۶۸

۳۴۴۳ کمر کی تکلیف میں مبتلا شخص کا کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھنا ۶۹

۲۸/ باب الجمعة

(۱) فصل في الفضائل ووقتها

۳۴۴۴ جمعہ کی فضیلت ۷۲

۳۴۴۵ جمعہ کے دن جلد از جلد مسجد پہونچنے کی فضیلت ۷۳

۳۴۴۶ ساعتِ اجابت کب ہے؟ ۷۵

۳۴۴۷ جمعہ کے دن مرنے والے کی فضیلت ۷۷

۳۴۴۸ محلّہ کی مسجد چھوڑ کر جمعہ پڑھنے کے لئے جامع مسجد جانا ۸۰

۳۴۴۹ مسلسل تین جمعہ چھوڑنے والے کا حکم ۸۱

۳۴۵۰ عرفہ کا دن افضل ہے یا جمعہ کا دن؟ ۸۲

۳۴۵۱ جمعہ و جمعرات کی درمیانی شب میں سورۃ کہف پڑھنے کی فضیلت ۸۳

۳۴۵۲ جمعۃ المبارک کہنا کیسا ہے؟ ۸۴

۳۴۵۳ زوال شمس سے قبل نماز جمعہ کی ادائیگی ۸۶

۲/ فصل في شرائط الجمعة

۳۴۵۴ نماز جمعہ کا وجوب اور شرائط ۸۹

۳۴۵۵ اقامت جمعہ وعیدین کے شرائط ۹۰

۳۴۵۶ قیام جمعہ کے لئے شہر یا قریۂ کبیرہ کا ہونا لازم ہے ۹۱

۳۴۵۷ جمعہ کی نماز کس جگہ جائز ہے؟ ۹۳

۳۴۵۸ کتنی بڑی آبادی میں جمعہ کا قیام جائز ہے؟ ۹۴

۳۴۵۹ قیام جمعہ کے لئے کتنی آبادی شرط ہے؟ ۹۶

۳۴۶۰ جمعہ کے قیام کے لئے کتنی آبادی ضروری ہے؟ ۹۹

۳۴۶۱ چند لوگوں کا مسجد کے باہر خطبہ وجماعت کے ساتھ نماز جمعہ ادا کرنا ۱۰۰

۳۴۶۲ جمعہ کی شرائط مفقود ہونے والے گاؤں میں رہنے والے علماء ومفتیان کی ذمہ داری ۱۰۲

۳۴۶۳ دیہات میں جمعہ کے جواز کی شرائط ۱۰۴

۳۴۶۴ دیہات میں جمعہ سے متعلق چند سوالات وجوابات ۱۰۶

۳۴۶۵ گاؤں میں نماز جمعہ سے متعلق چند سوالات کے جوابات ۱۱۱

۳۴۶۶ گاؤں میں نماز جمعہ ہو تو علماء شرکت کریں یا نہ کریں؟ ۱۱۳

۳۴۶۷ جمعہ نہ پڑھنے پر گاؤں میں انتشار کا خدشہ ہو تو کیا کریں؟ ۱۱۷

۳۴۶۸ شرائط جمعہ مفقود ہونے والی جگہ میں مقتدی حضرات کی ذمہ داری ۱۱۹

۳۴۶۹ جہاں جمعہ صحیح نہیں وہاں صرف ظہر کی نماز پڑھنا لازم ہے ۱۲۱

۳۴۷۰ دیہات میں نماز جمعہ ادا کرنے سے ظہر ساقط نہیں ہوگی ۱۲۱

۳۴۷۱ قریۂ صغیرہ میں ظہر کی جگہ جمعہ پڑھنا ۱۲۲

۳۴۷۲ جن دیہاتوں میں پہلے سے جمعہ ہوتا آرہا ہے ان کا حکم ۱۲۳
۳۴۷۳ دیہات میں جمعہ جائز ہے یا نہیں؟ ۱۲۴
۳۴۷۴ گاؤں میں جمعہ پڑھنا ۱۲۵
۳۴۷۵ چھوٹے گاؤں میں جمعہ کا حکم ۱۲۷
۳۴۷۶ قریۂ صغیرہ میں جمعہ کی نماز کا حکم ۱۲۸
۳۴۷۷ گاؤں میں نماز جمعہ وعیدین کا فرق ۱۲۹
۳۴۷۸ قریۂ صغیرہ میں جمعہ وعیدین کی نماز پڑھنا ۱۳۱
۳۴۷۹ دیہات میں نماز جمعہ قائم کرنے کا حکم ۱۳۲
۳۴۸۰ گاؤں میں نماز جمعہ ۱۳۳
۳۴۸۱ قریۂ صغیرہ میں نماز جمعہ ۱۳۴
۳۴۸۲ چھوٹے گاؤں میں نماز جمعہ جائز نہیں ۱۳۶
۳۴۸۳ قریۂ صغیرہ میں نماز جمعہ کا حکم ۱۳۷
۳۴۸۴ گاؤں کے پروا میں جمعہ کی نماز صحیح نہیں ۱۳۸
۳۴۸۵ چھوٹے پوروہ میں نماز جمعہ ۱۳۹
۳۴۸۶ دس گھروں کی آبادی والے گاؤں میں جمعہ قائم کرنا ۱۴۱
۳۴۸۷ چالیس مکان کی آبادی والے گاؤں میں نماز جمعہ ۱۴۲
۳۴۸۸ دوسو کی آبادی پر مشتمل گاؤں میں نماز جمعہ ۱۴۳
۳۴۸۹ چارسو کی آبادی میں جمعہ ۱۴۵
۳۴۹۰ پانچ سو کی آبادی میں نماز جمعہ قائم رکھیں یا بند کردیں؟ ۱۴۶
۳۴۹۱ چھ سوا فراد پر مشتمل آبادی میں نماز جمعہ کا حکم ۱۴۷
۳۴۹۲ ایک ہزار کی آبادی میں نماز جمعہ ۱۴۸

۳۴۹۳	ایک ہزار کی آبادی میں نماز جمعہ، نیز امام کی امامت اور مسجد میں تالا لگانا	۱۴۹
۳۴۹۴	تیرہ سو افراد کی آبادی والے گاؤں میں نماز جمعہ پڑھنا جائز نہیں	۱۵۲
۳۴۹۵	تقریباً پندرہ سو کی آبادی میں نماز جمعہ کا قیام	۱۵۳
۳۴۹۶	پندرہ سو کی آبادی میں نماز جمعہ کا حکم	۱۵۴
۳۴۹۷	ڈیڑھ ہزار کی آبادی میں جمعہ اور جامع مسجد کا اطلاق	۱۵۶
۳۴۹۸	ڈیڑھ ہزار کی آبادی والے گاؤں میں جمعہ کی نماز	۱۵۷
۳۴۹۹	اٹھارہ سو کی آبادی پر مشتمل قصبہ میں نماز جمعہ	۱۵۸
۳۵۰۰	دو ہزار کی آبادی میں نماز جمعہ	۱۵۹
۳۵۰۱	دو ہزار کی آبادی والے گاؤں میں جمعہ کا قیام	۱۶۱
۳۵۰۲	دو ہزار کی آبادی والے کس طرح کے گاؤں میں نماز جمعہ جائز ہے؟	۱۶۳
۳۵۰۳	اکیس سو کی آبادی میں نماز جمعہ کا حکم	۱۶۴
۳۵۰۴	دو ہزار سے زائد آبادی جس میں ضرورت کے سامان ملتے ہوں قریہ کبیرہ کے حکم میں ہے	۱۶۵
۳۵۰۵	ڈھائی ہزار کی آبادی میں جمعہ قائم کرنا جائز ہے؟	۱۶۷
۳۵۰۶	ڈھائی ہزار کی آبادی میں نماز جمعہ کا حکم	۱۶۸
۳۵۰۷	پچیس سو کی آبادی میں نماز جمعہ پڑھنا	۱۶۹
۳۵۰۸	ڈھائی تین ہزار کی آبادی میں نماز جمعہ کا حکم	۱۷۱
۳۵۰۹	دو، تین ہزار کی آبادی میں نماز جمعہ کا قیام	۱۷۳
۳۵۱۰	۲۷۰۰ر آبادی والے گاؤں میں نماز جمعہ کا قیام	۱۷۴
۳۵۱۱	دو ہزار نو سو ساٹھ افراد کی آبادی میں نماز جمعہ کا حکم	۱۷۷
۳۵۱۲	غیر مسلموں کی آبادی میں مزدوروں کا نماز جمعہ ادا کرنا	۱۷۹
۳۵۱۳	تقریباً تین ہزار آبادی میں نماز جمعہ کا جواز	۱۸۰

۳۵۱۴	تین ہزار کی آبادی میں نماز جمعہ	۱۸۱
۳۵۱۵	کیا تین ہزار کی آبادی میں قیام جمعہ جائز ہے؟	۱۸۳
۳۵۱۶	تین ہزار کی آبادی پر مشتمل گاؤں میں نماز جمعہ	۱۸۴
۳۵۱۷	تین ہزار والی آبادی میں جمعہ جائز ہے	۱۸۶
۳۵۱۸	تین ہزار کی آبادی والا گاؤں قریہ کبیرہ ہے	۱۸۷
۳۵۱۹	تین ہزار سے زائد کی آبادی میں جمعہ جائز ہے	۱۸۸
۳۵۲۰	3150 کی آبادی میں نماز جمعہ کا حکم	۱۸۹
۳۵۲۱	تین ہزار سے زائد آبادی والی بستی میں نماز جمعہ	۱۹۰
۳۵۲۲	تین ساڑھے تین ہزار کی آبادی میں جمعہ	۱۹۱
۳۵۲۳	چار ہزار کی آبادی میں نماز جمعہ کا حکم	۱۹۲
۳۵۲۴	چار پانچ ہزار کی آبادی والے گاؤں میں جمعہ قائم کرنا	۱۹۳
۳۵۲۵	تقریباً پانچ ہزرا کی آبادی میں جمعہ کا حکم	۱۹۴
۳۵۲۶	پانچ ہزار سے زائد آبادی میں نماز جمعہ کا حکم	۱۹۵
۳۵۲۷	تقریباً ساڑھے چھ ہزار کی آبادی میں جمعہ کا قیام	۱۹۶
۳۵۲۸	سات ہزار کی آبادی میں نماز جمعہ	۱۹۸
۳۵۲۹	سات ہزار آبادی والے گاؤں قریۂ کبیرہ کے حکم میں ہیں	۱۹۹
۳۵۳۰	آٹھ ہزار کی آبادی میں نماز جمعہ	۲۰۱
۳۵۳۱	قصبہ میں نماز جمعہ ادا کرنا	۲۰۳
۳۵۳۲	قریۂ کبیرہ میں مسجد کی جگہ بیٹھک میں نماز جمعہ ادا کرنا	۲۰۴
۳۵۳۳	قریۂ کبیرہ میں نماز جمعہ	۲۰۵
۳۵۳۴	بڑے گاؤں میں نماز جمعہ	۲۰۶

۳۵۳۵ بڑی آبادی میں نماز جمعہ ۲۰۷
۳۵۳۶ قریۂ کبیرہ میں نماز جمعہ کا قیام ۲۰۹
۳۵۳۷ قریۂ کبیرہ میں جمعہ کے بجائے ظہر پڑھنا ۲۱۱
۳۵۳۸ بڑے گاؤں میں نماز جمعہ جائز ہے ۲۱۲
۳۵۳۹ قصبہ سے دو میل دور آبادی میں جمعہ جائز نہیں ۲۱۳
۳۵۴۰ ملے ہوئے دو گاؤں کو ایک شمار کر کے جمعہ قائم کرنا ۲۱۶
۳۵۴۱ دو متصل آبادیوں میں جمعہ قائم کرنا ۲۱۷
۳۵۴۲ تین چار بستیوں کا ایک جگہ مل کر جمعہ قائم کرنا ۲۱۸
۳۵۴۳ متصل چار گاؤں میں نماز جمعہ کا حکم ۲۱۹
۳۵۴۴ متصل دو آبادی میں جمعہ کی نماز کا حکم ۲۲۰
۳۵۴۵ مختلف گاؤں کو ایک مان کر ان میں جمعہ ہوسکتا ہے؟ ۲۲۲
۳۵۴۶ شہر سے متصل ہونے والی آبادی میں نماز جمعہ وعیدین ۲۲۴
۳۵۴۷ درمیان میں دو تین کلومیٹر کے فاصلے والی دو بستیوں کو ایک شمار کر کے جمعہ قائم کرنا ۲۲۶
۳۵۴۸ شہر سے ڈیڑھ کلومیٹر دوری پر واقع مدرسہ کی مسجد میں نماز جمعہ ۲۲۷
۳۵۴۹ جنگل میں واقع مدرسہ میں جمعہ کا قیام ۲۲۸
۳۵۵۰ فرم میں جہاں اذن عام نہ ہو نماز جمعہ کا حکم ۲۲۹
۳۵۵۱ فناء شہر میں قیام جمعہ درست ہے ۲۳۰
۳۵۵۲ فناء شہر میں نماز جمعہ ۲۳۱
۳۵۵۳ جیل میں نماز جمعہ ۲۳۲
۳۵۵۴ کیا جیل میں جمعہ پڑھنا جائز ہے؟ ۲۳۴
۳۵۵۵ جیل میں جمعہ ۲۳۵

۳۵۵۶ جیل میں نماز جمعہ وعیدین کے قیام کا حکم ۲۳۸
۳۵۵۷ فرم کے اندر بنائی گئی مسجد میں نماز جمعہ کا حکم ۲۳۹
۳۵۵۸ فرم میں نماز جمعہ ۲۴۰
۳۵۵۹ فرم اور مکانوں میں نماز جمعہ سے متعلق سوالات ۲۴۲
۳۵۶۰ شہر سے خارج فیکٹری میں جمعہ کی نماز کا حکم ۲۴۵
۳۵۶۱ پرانی جامع مسجد میں جمعہ کی نماز بند کر کے نئی مسجد میں پڑھنا ۲۴۶
۳۵۶۲ مسجد سے متصل پارک میں نماز جمعہ کا حکم ۲۴۸
۳۵۶۳ کبھی کبھار جماعت ہونے والی مسجد میں نماز جمعہ کا حکم ۲۴۹
۳۵۶۴ ہندو کی کمپنی کی تعمیر کے دوران عبادت خانہ بنا کر نماز جمعہ ادا کرنا ۲۵۰
۳۵۶۵ چندہ کی وجہ سے عیدگاہ میں جمعہ پڑھنا ۲۵۲
۳۵۶۶ تعمیر مسجد کے دوران حدود مسجد سے باہر جمعہ ادا کرنا ۲۵۳
۳۵۶۷ مستقل امام اور کبھی کبھار جماعت نہ ہونے والی مسجد میں نماز جمعہ ۲۵۴
۳۵۶۸ مدرسہ میں نماز جمعہ پڑھنا ۲۵۵
۳۵۶۹ شہر کی بڑی مسجد خالی رہنے کے باوجود چھوٹی مسجد میں جمعہ ۲۵۶
۳۵۷۰ میدان میں جمعہ کی نماز ادا کرنا ۲۵۷
۳۵۷۱ کثرت کی وجہ سے دیوار حائل مکانات پر نماز جمعہ پڑھنا ۲۵۹
۳۵۷۲ قریۂ کبیرہ میں متعدد مساجد میں جمعہ کا حکم ۲۶۰
۳۵۷۳ قصبہ کی تینوں مسجدوں میں جمعہ کی نماز کا حکم ۲۶۱
۳۵۷۴ ایک محلّہ کی دو مسجد میں نماز جمعہ ۲۶۲
۳۵۷۵ ایک شہر میں متعدد مساجد میں نماز جمعہ ۲۶۳

۳۵۷۶ شہر کی چھوٹی چھوٹی مسجدوں میں جمعہ ۲۶۴
۳۵۷۷ شہر کی چھوٹی مسجد میں نماز جمعہ قائم کرنا ۲۶۵
۳۵۷۸ محلّہ کی چھوٹی چھوٹی مسجدوں میں جمعہ قائم کرنا........................ ۲۶۶
۳۵۷۹ ایک شہر میں متعدد مساجد میں جمعہ قائم کرنا........................ ۲۶۷
۳۵۸۰ چھ ہزار کی آبادی میں متعدد مقامات پر نماز جمعہ قائم کرنا ۲۶۸
۳۵۸۱ ایک شہر میں متعدد جگہوں پر جمعہ کا جواز ۲۶۹
۳۵۸۲ برابر کی دو مسجدوں میں جمعہ کا قیام ۲۷۱
۳۵۸۳ ایک مسجد میں دو مرتبہ جمعہ پڑھنا........................ ۲۷۲
۳۵۸۴ کیا ایک ہی مسجد میں دو مرتبہ نماز جمعہ جائز ہے؟ ۲۷۲
۳۵۸۵ ایک ہی مسجد میں مقتدیوں کی کثرت کی بناء پر دو مرتبہ نماز جمعہ ادا کرنا ۲۷۴
۳۵۸۶ جمعہ کے دن چار رکعت احتیاط الظہر پڑھنا ۲۷۵
۳۵۸۷ احتیاط الظہر ۲۷۶
۳۵۸۸ جمعہ کے بعد احتیاط الظہر پڑھنا ۲۷۷
۳۵۸۹ بڑی آبادی میں جمعہ کے بعد کچھ لوگوں کا جماعت سے ظہر کی نماز پڑھنا ۲۷۸
۳۵۹۰ نماز جمعہ کے بعد ظہر کی جماعت ۲۷۹
۳۵۹۱ احتیاط الظہر کا ثبوت اور شرائط........................ ۲۸۱

۳/ فصل في أذان الجمعة

۳۵۹۲ جمعہ کی اذان اول کا وقت زوال کے فوراً بعد ۲۸۲
۳۵۹۳ جمعہ کی اذان اوّل کے متعلق ایک استفتاء اور اس کا جواب ۲۸۳
۳۵۹۴ جمعہ کی اذان اوّل کے بعد بیع وشراء وغیرہ ممنوع کاموں کے ارتکاب

سے لوگوں کو بچانے کے لئے کیا اذان اول کو مؤخر کرنا جائز ہے؟ ۲۸۹

۳۵۹۵ جمعہ کی اذان اول "إذا نودی للصلوۃ" کا مصداق کیسے؟ ۳۰۶

۳۵۹۶ جمعہ کی اذان اول کا مسنون وقت اور اذان ثانی کے درمیان کتنا فاصلہ ۳۰۷

۳۵۹۷ کیا جمعہ کی اذان اول کے بعد کھانا کھانا حرام ہے؟ ۳۰۹

۳۵۹۸ مسجد کی کون سی اذان پر دوکان بند کی جائے؟ ۳۱۳

۳۶۰۰ جمعہ کی اذان اول پر خرید وفروخت کی ممانعت ۳۱۳

۳۶۰۱ جمعہ کی اذانِ اول کے جواب کا شرعی حکم............... ۳۱۷

۳۶۰۲ جمعہ کی اذان ثانی کا جواب اور اذان کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعاء مانگنا ۳۲۲

۳۶۰۳ اذان ثانی کا جواب اور دوران خطبہ آپ ﷺ کے نام پر درود پڑھنا ۳۲۳

۳۶۰۴ جمعہ میں خطبہ کی اذان کا جواب دینا کیسا ہے؟............... ۳۲۳

۳۶۰۵ خطبہ کی اذان میں کلمہ شہادت پر درود پڑھنا............... ۳۲۵

۳۶۰۶ دور نبوت میں اذان جمعہ کہاں دی جاتی تھی؟ ۳۲۶

۳۶۰۷ خطبہ سے قبل اذان کہاں دی جائے؟............... ۳۲۷

۳۶۰۸ اذان ثانی کہاں دی جائے؟ ۳۲۹

۳۶۰۹ اذان ثانی کا محل کیا ہے؟............... ۳۳۰

۳۶۱۰ جمعہ کی اذان ثانی کہاں پر ہو؟............... ۳۳۴

۳۶۱۱ جمعہ کی اذان ثانی امام اور منبر کے سامنے دینا............... ۳۳۵

۳۶۱۲ جمعہ کی اذان ثانی کہاں دی جائے؟............... ۳۳۶

۳۶۱۲ کیا جمعہ کی اذان ثانی منبر کے سامنے دی جائے؟............... ۳۳۷

۳۶۱۳ جمعہ کی اذان ثانی کا محل ۳۳۹

۳۶۱۴ ایک مسجد میں نماز جمعہ پڑھانے کے بعد دوسری مسجد میں جمعہ کی اذان واقامت کہنا ۳۴۱

۳۶۱۵ اذان ثانی سے قبل مؤذن کا ''إن الله و ملائكته'' وغیرہ پڑھنا ۳۴۲
۳۶۱۶ کیا اذان اول پر عورتوں کے لئے ظہر کی تیاری لازم ہے؟ ۳۴۳
۳۶۱۷ جمعہ کے خطبات عورتوں کو جمع کر کے سنانا ۳۴۴
۳۶۱۸ کیا عورتوں پر جمعہ وعیدین کی نماز واجب ہے؟ ۳۴۶
۳۶۱۹ جمعہ سے قبل چار رکعت سنت مؤکدہ ۳۴۷
۳۶۲۰ نماز جمعہ کے بعد کتنی رکعتیں سنت مؤکدہ ہیں؟ ۳۴۸
۳۶۲۱ جمعہ کے بعد کی چار رکعت ظہر بالشبہ نہیں ہیں ۳۴۹
۳۶۲۲ جمعہ پڑھا کر دوسری جگہ جمعہ میں بنیت نفل شرکت کرنا ۳۵۱
۳۶۲۳ جمعہ کی سنن قبلیہ اور سنن بعدیہ کل ملا کر ۱۴؍ رکعت ہیں یا بارہ رکعت؟ ۳۵۲

۴/ فصل في الخطبة

۳۶۲۴ منبر میں کتنی سیڑھی ہونا افضل ہے؟ ۳۶۱
۳۶۲۵ خطبۂ جمعہ منبر کے کس زینہ سے دیا جائے؟ ۳۶۲
۳۶۲۶ خطیب کے منبر پر چڑھنے کے بعد لوگوں کو سلام کرنے سے متعلق روایت تحقیقی جائزہ ۳۶۳
۳۶۲۷ خطبۂ جمعہ میں عصا ہاتھ میں لینا ۳۶۷
۳۶۲۸ ہاتھ میں عصا لے کر خطبہ دینا ۳۶۸
۳۶۲۹ کیا حضور ﷺ سے عصا لے کر خطبہ دینا ثابت ہے؟ ۳۶۹
۳۶۳۰ عصا ہاتھ میں لے کر خطبہ دینا ۳۷۱
۳۶۳۱ کیا حضور ﷺ نے عصا ہاتھ میں لے کر خطبہ دیا ہے؟ ۳۷۳
۳۶۳۲ عصا ہاتھ میں لے کر خطبہ دینا ۳۷۴
۳۶۳۳ خطبۂ جمعہ کی مقدار ۳۷۵

۳۶۳۴ عذر کی وجہ سے چوکی یا زمین پر خطبہ دینا ۳۷۶

۳۶۳۵ جمعہ کے دونوں خطبوں کے درمیان بیٹھنا سنت ہے؟ ۳۷۷

۳۶۳۶ خطبہ کے بعد حضور ﷺ مصلے پر بیٹھتے تھے یا جماعت شروع فرماتے تھے؟ ۳۷۸

۳۶۳۷ خطبہ میں امام کا خلفاء راشدین ودیگر صحابہ کا نام نہ لینا ۳۷۹

۳۶۳۸ دوران خطبہ دشمنان اسلام پر لعنت بھیجنا ۳۸۰

۳۶۳۹ دوران خطبہ ''السلطان ظل اللہ'' کے الفاظ کہنا ۳۸۱

۳۶۴۰ خطبہ میں ''والسلطان ظل اللہ الخ'' پڑھنا ۳۸۲

۳۶۴۱ خطبہ میں ''السلطان ظل اللہ'' پڑھنے کے عدم جواز کے فتوی سے رجوع ۳۸۳

۳۶۴۲ محراب کے اندر منبر پر خطبہ دینا ۳۸۵

۳۶۴۳ خطبہ ہاتھ باندھ کر دے یا کھول کر؟ ۳۸۶

۳۶۴۴ خطبۂ اولیٰ میں سامعین کا ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا ۳۸۷

۳۶۴۵ خطبۂ جمعہ میں لقمہ دینا ۳۸۸

۳۶۴۶ خطبہ دینے میں موروثی دعوی کی شرعی حیثیت ۳۸۹

۳۶۴۷ خطبۂ جمعہ اور نماز الگ الگ شخصوں کا پڑھانا ۳۹۱

۳۶۴۸ ایک شخص نماز جمعہ پڑھائے اور دوسرا خطبہ دے ۳۹۲

۳۶۴۹ خطبۂ جمعہ زبانی دینا بہتر ہے یا کتابوں کو دیکھ کر؟ ۳۹۳

۳۶۵۰ دوران خطبہ متولی کا امام صاحب کو پگڑی باندھنا ۳۹۴

۳۶۵۱ ناپاک پانی سے غسل کر کے جمعہ کا خطبہ دیا اور نماز پڑھا دی ۳۹۵

۳۶۵۲ مقامی زبان میں منظوم خطبہ دینا ۳۹۶

۳۶۵۳ خطبہ کے درمیان اردو میں تقریر کرنا ۳۹۸

۳۶۵۴ دوران خطبہ آیات واحادیث کا ترجمہ کرنا ۳۹۹

۳۶۵۵ اردو زبان میں جمعہ کا خطبہ ۴۰۰
۳۶۵۶ اردو میں خطبہ دینا یا اردو میں ترجمہ کرنا ۴۰۲
۳۶۵۷ اردو زبان میں جمعہ کا خطبہ ۴۰۴
۳۶۵۸ مخلوط خطبہ دینا ۴۰۵
۳۶۵۹ جمعہ وعیدین کے دونوں خطبوں کے درمیان اردو میں تقریر کرنا ۴۰۵
۳۶۶۰ جمعہ کے دن مسجد میں مائک کے ذریعہ سے تقریر کرنا ۴۰۷
۳۶۶۱ جمعہ کی دونوں اذانوں کے درمیان وعظ ونصیحت ۴۰۸
۳۶۶۲ خطبۂ جمعہ سے قبل یا نماز جمعہ کے بعد وعظ ونصیحت کرنا ۴۱۰
۳۶۶۳ جمعہ سے قبل منبر پر بیٹھ کر تقریر کرنا ۴۱۱
۳۶۶۴ خطبۂ جمعہ سے قبل وعظ کرنا ۴۱۳
۳۶۶۵ خطبۂ جمعہ سے قبل اردو زبان میں منبر پر وعظ کہنا ۴۱۴
۳۶۶۶ جمعہ کی اذان اول وثانی کے درمیان وعظ کا شرعی حکم ۴۱۵
۳۶۶۷ درمیان خطبہ مقتدیوں کو ضروری ہدایت کرنا ۴۱۶
۳۶۶۸ خطبہ کی اذان کے بعد خطبہ کے مسائل وآداب بتانا ۴۱۸
۳۶۶۹ تقریر اور خطبہ کے دوران سنت پڑھنے کا متعین شدہ وقت نہ دینے کا حکم ۴۱۹
۳۶۷۰ نماز جمعہ کے بعد دعا سے قبل چندہ کو لکھوانا ۴۲۰
۳۶۷۱ خطبہ سے قبل چندہ کرنا ۴۲۲
۳۶۷۲ دوران خطبہ مسجد کا چندہ کرنا ۴۲۴
۳۶۷۳ خطبہ کے دوران چندہ کرنا ۴۲۴
۳۶۷۴ جمعہ کے دن خطبہ سے پہلے یا سلام پھیرتے ہی چندہ کرنا ۴۲۶
۳۶۷۵ خطبۃ الوداع ۴۲۷

۳۶۷۶ خطبۃ الوداع کا ثبوت، اور نہ پڑھنے پر امام کو ذلیل کرنا ۴۲۸
۳۶۷۷ جمعۃ الوداع اور اس کے مخصوص خطبہ کا حکم ۴۲۹
۳۶۷۸ رمضان المبارک کے آخری جمعہ میں خطبۃ الوداع پڑھنا ۴۳۰
۳۶۷۹ جمعۃ الوداع کو بطور عید منانے کی شرعی حیثیت ۴۳۲

۱/ فصل في الإمامة والقضاء وغيرها

۳۶۸۰ عیدین کی امامت کا مستحق کون ہے؟ ۴۳۴
۳۶۸۱ کیا عید کے دن فجر نماز چھوڑنے والا عید کی امامت کرسکتا ہے؟ ۴۳۵
۳۶۸۲ عیدین میں دو شخصوں کا مل کر امامت کرنا ۴۳۵
۳۶۸۳ حنفی امام کا بارہ تکبیریں کہنے اور عورتوں کی امامت کا حکم ۵۳۷
۳۶۸۴ نماز عید میں مقتدی کے لقمہ دینے پر تکبیرات زوائد کہنے کا حکم ۵۳۸
۳۶۸۵ جن لوگوں کی نماز فاسد ہوگئی امام کا ان کی نماز پڑھانا ۵۳۹
۳۶۸۶ عید کی نماز میں سجدہ کرنے میں تاخیر ہونا ۴۴۰
۳۶۸۷ نماز عید سے قبل سنن ومستحبات ۴۴۱
۳۶۸۸ ایک صوبہ میں عید کی نماز پڑھنے کے بعد دوسرے صوبہ میں پڑھنا ۴۴۲
۳۶۸۹ عذر کی وجہ سے بھی دوسرے دن نماز عید قضاء ہی ہوتی ہے ۴۴۳
۳۶۹۰ نماز عید دوسرے دن قضاء ہوتی ہے ادا نہیں ۴۴۴
۳۶۹۱ عید کی نماز کے بعد قبرستان جانا کیسا ہے؟ ۴۴۵
۳۶۹۲ عید کی نماز کے وقت جنازہ آجائے تو پہلے کون سی نماز پڑھیں؟ ۴۴۶
۳۶۹۳ عید کے موقع پر گھروں سے چندہ کرکے گلیوں کو کاغذات اور لائٹ سے مزین کرنا ... ۴۴۷
۳۶۹۴ ۱۴۰۸ھ کو دس ذی الحجہ کس دن تھی؟ ۴۴۸

۳۶۹۵ عیدگاہ کومزین کرنااورراستوں میں جھنڈے لگانا ۴۴۹

۳۶۹۶ عیدگاہ ایک راستہ سے جانااوردوسرے سے آنا ۴۵۰

۲/ فصل في صلاة العيدين

۳۶۹۷ عیدین کی نماز کامسنون طریقہ ۴۵۱

۳۶۹۸ نمازعیدمیں تکبیرات زوائد چھ ہیں یابارہ؟ ۴۵۲

۳۶۹۹ عیدکی نماز میں تکبیرات زوائدبھول جائےتو؟ ۴۵۶

۳۷۰۰ عیدکی نمازکی پہلی رکعت کی تکبیرات زوائدبھول جائےتو؟ ۴۵۷

۳۷۰۱ عیدین میں خطبوں کی مسنون مقداراورتعداد ۴۵۹

۳۷۰۲ کیانمازعیدین کےخطبہ میں تکبیرات تشریق والاخطبہ ضروری ہے؟ ۴۶۰

۳۷۰۳ عیدین کےخطبہ میں تکبیرتشریق کی تعداداورطریقہ ۴۶۲

۳۷۰۴ اردومیں عیدین کاخطبہ مکروہ ۴۶۴

۳۷۰۵ عیدین کی نمازکےبعدخطبہ سےقبل اردوزبان میں بیان کرنا ۴۶۵

۳۷۰۶ عیدین کےخطبوں کےدرمیان تقریرکرنا ۴۶۶

۳۷۰۷ عیدین کےخطبہ میں امام کےسرپرچھتری پکڑنےکاحکم ۴۶۷

۳/ فصل في صلاة العيد في المسجد

۳۷۰۸ مسنون عیدگاہ ۴۶۸

۳۷۰۹ نمازعیدکون سی عیدگاہ میں اداکی جائے؟ ۴۶۹

۳۷۱۰ عیدکی نمازمساجدمیں اداکی جائےیاعیدگاہ میں؟ ۴۷۱

۳۷۱۱ بلاعذر عیدگاہ چھوڑ کر مسجد میں نماز عید ۴۷۳
۳۷۱۲ عیدگاہ میں نہ جاکر مسجد میں بلاعذر نماز عید ادا کرنا ۴۷۴
۳۷۱۳ شہر کی جامع مسجد میں عیدین کی نماز ادا کرنا ۴۷۵
۳۷۱۴ عیدین کی نماز مسجد میں ادا کرنے سے عیدگاہ کا ثواب ۴۷۷
۳۷۱۵ فتنہ سے بچنے کے لئے کچھ لوگوں کا محلّہ کی مسجد میں نماز عید ادا کرنا ۴۷۹
۳۷۱۶ مساجد میں عید کی نماز پڑھنا ۴۸۲
۳۷۱۷ عیدگاہ سے ڈیڑھ گھنٹہ قبل مساجد میں عید کی نماز ادا کرنا ۴۸۳
۳۷۱۸ عیدگاہ سے پہلے مساجد میں نماز عید ۴۸۴
۳۷۱۹ قبلہ رخ قبریں ہوتو عیدگاہ میں نماز پڑھنا کیسا ہے؟ ۴۸۵
۳۷۲۰ جو لوگ عید کی نماز میں پیچھے رہ گئے وہ کیا کریں؟ ۴۸۶
۳۷۲۱ ہر جگہ نماز عید ہونے کے بعد جو لوگ باقی رہ جائیں ان کا الگ سے نماز عید پڑھنا ۴۸۷
۳۷۲۲ ایک عیدگاہ میں دوبار عید کی نماز پڑھنا ۴۸۸
۳۷۲۳ ایک ہی عیدگاہ میں دوسری جماعت قائم کرنا ۴۸۹
۳۷۲۴ بارش کی وجہ سے ایک ہی مسجد میں دومرتبہ نماز عید ادا کرنا ۴۹۰
۳۷۲۵ عذر کی وجہ سے ایک مسجد میں دومرتبہ نماز عید ادا کرنا ۴۹۱
۳۷۲۶ جہاں جمعہ جائز نہیں وہاں عید کی نماز کا حکم ۴۹۲
۳۷۲۷ جہاں جمعہ جائز نہیں وہاں مفتی کا نماز عید پڑھنا ۴۹۳
۳۷۲۸ جہاں عید کی نماز نہیں ہوتی وہاں اشراق کا حکم ۴۹۵

۴/ فصل في تكبيرات التشريق

۳۷۲۹ ایام تشریق میں تکبیر تشریق کا وجوب ۴۹۶
۳۷۳۰ عید کی نماز کے بعد تکبیر تشریق ہے یا نہیں؟ ۴۹۷
۳۷۳۱ عیدین کی نماز میں تکبیر تشریق مشروع ہے یا نہیں؟ ۴۹۸
۳۷۳۲ تین مرتبہ تکبیر تشریق پڑھنا کیسا ہے؟ ۴۹۹
۳۷۳۳ تکبیرات تشریق تین مرتبہ پڑھنا افضل ہے یا ایک مرتبہ؟ ۵۰۱
۳۷۳۴ تکبیر تشریق کن لوگوں پر واجب ہے ۵۰۲
۳۷۳۵ تکبیرات تشریق سے متعلق چند سوالات وجوابات ۵۰۴
۳۷۳۵ ایک مسجد میں نماز عید الاضحیٰ کے بعد دیگر محلوں میں قربانی کا کیا حکم ہے ...۵۰۵
۳۷۳۵ سات شرکاء میں سے ایک نے پہلے نماز پڑھ کر قربانی کر دی دیگر شرکاء
نے ابھی نماز نہیں پڑھی ہے ۵۰۸

۵/ فصل في من يجب عليه صلاة العيد

۳۷۳۶ کیا عورتوں پر عید کی نماز واجب ہے؟ ۵۱۰
۳۷۳۷ کیا عورتوں پر نماز عید الفطر و عید الاضحیٰ واجب ہے؟........................ ۵۱۱
۳۷۳۸ عورتوں کا عیدین کی نماز پڑھنا........................ ۵۱۲
۳۷۳۹ عورتوں کا تنہا عیدین کی نماز باجماعت ادا کرنا ۵۱۳
۳۷۴۰ عورتیں عیدین کے دن کون سی نماز پڑھیں؟ ۵۱۴
۳۷۴۱ عورتوں کا گھروں میں عید کی نماز جماعت سے پڑھنا........................ ۵۱۵

۶/ فصل في الدعاء، و المصافحة

۳۷۴۲ عیدین کے بعد دعا کب مانگی جائے؟ ۵۱۸
۳۷۴۳ کیا عید کی نماز کے بعد دعاء کرنا حضور ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے؟ ۵۲۰
۳۷۴۴ عیدین کی نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا ۵۲۱
۳۷۴۵ نماز عید اور خطبہ دونوں کے بعد دعا مانگنا کیسا ہے؟ ۵۲۲
۳۷۴۶ عیدین کے خطبہ کے بعد دعاء کرنا کیسا ہے؟ ۵۲۳
۳۷۴۷ نماز عید کے بعد دعا ۵۲۴
۳۷۴۸ عید کی نماز کے بعد دعاء............................... ۵۲۵
۳۷۴۹ دعا عید کی نماز کے بعد ہو یا خطبہ کے بعد؟ ۵۲۷
۳۷۵۰ نماز عید کے بعد دعا کے سلسلے میں اکابر دیوبند کا معمول ۵۲۸
۳۷۵۱ عیدین کی نماز میں دعاء کب کی جائے خطبہ سے پہلے یا بعد میں؟ ۵۲۹
۳۷۵۲ نماز عیدین کے بعد مصافحہ سے متعلق جامع فتوی ۵۳۱
۳۷۵۳ عید کی مبارک باد پیش کرنا ۵۳۹
۳۷۵۴ عید کے دن معانقہ کی شرعی حیثیت ۵۴۰
۳۷۵۵ عام نماز و عیدین کے بعد مصافحہ کی حیثیت....................... ۵۴۲
۳۷۵۶ عید کے دن معانقہ کا التزام ۵۴۵
۳۷۵۷ نماز عیدین کے بعد مصافحہ کا جواز.......................... ۵۴۶

۱۰/ كتاب الجنائز

۱/ باب الجنائز و متعلقا تها

۳۷۵۸ انتقال کے وقت کے مسنون اعمال ۵۴۸
۳۷۵۹ جاں کنی کے وقت کس طرح لٹایا جائے ۵۵۰
۳۷۶۰ میت سے مکھی اڑانے کے لئے نیم کی ٹہنی استعمال کرنا ۵۵۱
۳۷۶۱ میت کا نماز جنازہ سے قبل چہرہ دیکھنا ۵۵۲
۳۷۶۲ کفن پہنانے کے بعد جنازہ سے قبل چہرہ دکھانا ۵۵۳
۳۷۶۳ نماز جنازہ کے بعد میت کا چہرہ دیکھنا ۵۵۴
۳۷۶۴ کن لوگوں کے لئے نماز جنازہ کے بعد میت کا چہرہ دیکھنا جائز ہے؟ ۵۵۶
۳۷۶۵ نماز جنازہ کے بعد میت کا چہرہ دیکھنے کا اعلان کرنا ۵۵۷
۳۷۶۶ صفوں کی درستگی کے بعد میت کا چہرہ دکھانا اور عورتوں کا اکٹھا ہونا ۵۵۹
۳۷۶۷ قبر میں اتارنے کے بعد میت کا چہرہ دیکھنا ۵۶۰
۳۷۶۸ میت کا چہرہ دیکھنا ۵۶۱
۳۷۶۹ مرنے کے بعد شوہر اپنی بیوی کو دیکھ سکتا ہے یا نہیں ۵۶۳
۳۷۷۰ کیا شوہر اپنی متوفی بیوی کے قریب جا سکتا ہے؟ ۵۶۴
۳۷۷۱ شوہر کا اپنی متوفیہ بیوی کا چہرہ دیکھنا ۵۶۵
۳۷۷۲ شوہر کا بیوی کی وفات کے بعد اس کا چہرہ دیکھنا ۵۶۵
۳۷۷۳ کیا ناپاک عورت بھی اپنے متوفی شوہر کا چہرہ دیکھ سکتی ہے؟ ۵۶۶
۳۷۷۴ والد صاحب کا بیٹے کو اپنے جنازہ میں شرکت سے روکنا ۵۶۷

۲/ باب غسل المیت

۳۷۷۵ انسانی اعضاء کے ٹکڑوں کو جمع کر کے غسل دینا ۵۶۹

۳۷۷۶ آپریشن کی وجہ سے میت پر ٹیپ لگے ہونے کی حالت میں غسل کا حکم ۵۷۰
۳۷۷۷ کیا جلے ہوئے شخص کو غسل دینا لازم ہے؟ ۵۷۱
۳۷۷۸ شوہر کا بیوی کو انتقال کے بعد چھونا اور غسل دینا ۵۷۱
۳۷۷۹ کیا میت کو شروع سے آخر تک دستانہ پہن کر غسل دینا چاہئے؟ ۵۷۲
۳۷۸۰ بوقت غسل میت کا پیر کس جانب ہو؟ ۵۷۴
۳۷۸۱ میت کو غسل دینے کے بعد لٹانے کا طریقہ ۵۷۴
۳۷۸۲ میت کو کافور لگانے کا ثبوت ۵۷۵
۳۷۸۳ میت کے بدن پر صابن لگانا ۵۷۶
۳۷۸۴ کیا میت کو غسل دینے والے پر غسل کرنا ضروری ہے؟ ۵۷۸
۳۷۸۵ میت کے غسالہ کا کیا کریں؟ ۵۷۹
۳۷۸۶ حضرت فاطمہؓ کے غسل کا واقعہ ۵۸۰

۳/ باب تکفین المیت

۳۷۸۷ آب زمزم سے کفن کا کپڑا اتر کرنا ۵۸۴
۳۷۸۸ آب زمزم سے کفن دھونا ۵۸۴
۳۷۸۹ غلاف کعبہ کا ٹکڑا کفن میں دینا ۵۸۵
۳۷۹۰ جس کپڑے میں انتقال ہوا ہے اس کو نکالنا ۵۸۷
۳۷۹۱ کفن کس کپڑے کا ہو؟ ۵۸۷
۳۷۹۲ مرد میت کے لیے کتنے کپڑے مسنون ہیں؟ ۵۸۸
۳۷۹۳ عورت اور مرد کے کفنِ مسنون کے کپڑوں کی تعداد ۵۸۹

۳۷۹۴ مرد عورت کے کفن میں مسنون کپڑوں کی مقدار ۵۹۰
۳۷۹۵ کفن میں آیات یا دعا لکھ کر قبر میں دفن کرنا ۵۹۱
۳۷۹۶ جنازہ کے اوپر کلمہ طیبہ لکھی چادر ڈالنا ۵۹۳
۳۷۹۷ جنازہ پر قرآنی آیات لکھی ہوئی چادر ڈالنا ۵۹۴
۳۷۹۸ آیات قرآنیہ لکھی ہوئی چادر میت پر ڈالنا ۵۹۵
۳۷۹۹ عورت کے کفن پر لال چادر ڈالنا ۵۹۶
۳۸۰۰ تجہیز و تکفین کے بعد میت کی پیشانی پر تسمیہ لکھنا ۵۹۶
۳۸۰۱ میت کی پیشانی پر بسم اللہ لکھنا ۵۹۷
۳۸۰۲ کیا بیوی کی تجہیز و تکفین و تدفین کی ذمہ داری شوہر پر ہے ۵۹۸

۴/ باب فضل صلوة الجنازة وغيرها

۳۸۰۳ نماز جنازہ کی ابتداء کب ہوئی؟ ۶۰۱
۳۸۰۴ جنازۂ نبی ﷺ تجہیز و تکفین کی کیفیت اور آپ کی نماز جنازہ ۶۰۲
۳۸۰۵ حضرت فاطمہؓ کو غسل کس نے دیا، نماز کس نے پڑھائی؟ ۶۰۴
۳۸۰۶ ہجرت سے قبل فوت ہونے والوں کی اور حضرت خدیجہؓ کی نماز جنازہ ۶۰۵
۳۸۰۷ نابالغ بچوں کے فوت ہو جانے پر ماں باپ کے صبر کی فضیلت ۶۰۷
۳۸۰۸ پیر کے دن مرنے کی کیا فضیلت ہے؟ ۶۰۸
۳۸۰۹ جنازہ کو چالیس قدم تک کندھا دینے کی فضیلت ۶۱۰
۳۸۱۰ جنازہ کو کندھا دینے کی فضیلت ۶۱۱
۳۸۱۱ نماز جنازہ میں آخری صف میں کھڑا ہونا کیوں افضل ہے؟ ۶۱۱
۳۸۱۲ نماز جنازہ پڑھنے کے فضائل ۶۱۲

۳۸۱۳ جنازہ کے ساتھ پیدل جانے کے فضائل ۶۱۳
۳۸۱۴ زندگی میں کفن دفن کا انتظام کرنا ۶۱۴
۳۸۱۵ مشترک جنازوں کا الگ الگ ثواب ۶۱۵
۳۸۱۶ نماز جنازہ کی صفوف میں طاق عدد کا حکم ۶۱۷
۳۸۱۷ میت کے استعمالی کپڑے غیر مسلم کو خیرات میں دینا ۶۱۸

۵/ باب تعجيل صلاة الجنازة وتأخيرها

۳۸۱۸ نماز عید کے وقت جنازہ آجائے تو کیا کریں؟ ۶۱۹
۳۸۱۹ فرض نمازوں کے بعد سنن پڑھنا افضل ہے یا نماز جنازہ؟ ۶۲۰
۳۸۲۰ نماز جنازہ سنن ونوافل سے قبل پڑھی جائے یا بعد میں؟ ۶۲۱
۳۸۲۱ پہلے نماز جنازہ ادا کی جائے یا نماز تراویح؟ ۶۲۳
۳۸۲۲ بوقت زوال آفتاب نماز جنازہ ۶۲۴
۳۸۲۳ اوقات مکروہہ میں نماز جنازہ پڑھنا ۶۲۵
۳۸۲۴ عین زوال اور قبر پر نماز جنازہ کا حکم ۶۲۷
۳۸۲۵ رشتہ داروں کے انتظار میں تجہیز وتکفین میں تاخیر کرنا ۶۲۹
۳۸۲۶ رشتہ دار کے لئے میت کی تجہیز وتکفین میں تاخیر ۶۳۱
۳۸۲۷ لاش کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا ۶۳۲
۳۸۲۸ میت کی منتقلی سے متعلق ایک تحقیقی فتویٰ ۶۳۳

۶/ باب صلاة الجنازة في المسجد

۳۸۲۹ مسجد حرام کے اندر جنازہ رکھ کر نماز پڑھنا ۶۴۴

۳۸۳۰ مسجد میں نماز جنازہ ۶۴۵
۳۸۳۱ کیا مسجد کے اندر نماز جنازہ نہیں ہوتی ہے؟ ۶۴۶
۳۸۳۲ مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا ۶۴۷
۳۸۳۳ مسجد کے اندر نماز جنازہ پڑھنے سے ادا ہوگی یا نہیں؟ ۶۴۸
۳۸۳۴ احاطۂ مسجد میں جنازہ کی چارپائی رکھنے کی شرعی حیثیت ۶۵۰
۳۸۳۵ مسجد میں جنازہ کی نماز پڑھنا ۶۵۱
۳۸۳۶ مسجد کے حصہ میں نماز جنازہ ۶۵۲
۳۸۳۷ خارج مسجد صحن میں نماز جنازہ ادا کرنا ۶۵۳
۳۸۳۸ مسجد میں ہونے والی نماز جنازہ میں شرکت کرنے کا حکم ۶۵۴
۳۸۳۹ مسجد کی توسیع کے وقت جنازہ گاہ کو مسجد کے اندر داخل کرنا ۶۵۵
۳۸۴۰ امام اور کچھ مقتدی مسجد سے باہر اور مابقیہ مسجد میں، تو کیا حکم ہے؟ ۶۵۸
۳۸۴۱ اعتراض بر جواب مذکور ۶۵۸
۳۸۴۲ نماز جنازہ میں کچھ مقتدیوں کا اندرون مسجد کھڑا ہونا ۶۶۴
۳۸۴۳ مسجد میں نماز جنازہ جبکہ امام اور کچھ مقتدی خارج مسجد ہوں ۶۶۵
۳۸۴۴ جنازہ مسجد سے باہر ہو اور امام و مقتدی سب اندر ہوں تو کیا حکم ہے؟ ۶۶۷
۳۸۴۵ نماز جنازہ میں امام کے ساتھ کچھ مقتدی مسجد سے باہر اور کچھ اندر ہوں ۶۶۸
۳۸۴۶ عیدگاہ میں نماز جنازہ ۶۶۹
۳۸۴۷ عیدگاہ میں نماز جنازہ اور چپل پہن کر چلنے کا حکم ۶۷۰
۳۸۴۸ قبرستان میں نماز جنازہ ۶۷۱
۳۸۴۹ قبرستان کی خالی جگہ میں نماز جنازہ ۶۷۲

۳۸۵۰ قبرستان کی خالی جگہ پرنماز جنازہ پڑھنے کا حکم.................. ۶۷۳

۳۸۵۱ قبرستان میں دوبارہ نماز جنازہ پڑھنا.................. ۶۷۴

۳۸۵۲ عیدگاہ یا صحن مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا ۶۷۵

۳۸۵۳ جوتے پہن کر نماز جنازہ پڑھنا.................. ۶۷۶

۳۸۵۴ سڑک پرنماز جنازہ.................. ۶۷۸

۳۸۵۵ سڑکوں پرنماز جنازہ پڑھنا.................. ۶۷۹

۷/ باب من يستحق بالصلاة على الميت

۳۸۵۶ نماز جنازہ پڑھانے کا حقدار کون ہے؟ ۶۸۱

۳۸۵۷ اولاً نماز جنازہ پڑھانے کا حقدار کون ؟ ۶۸۲

۳۸۵۸ باشرع حافظ قرآن ولی کی موجودگی میں نماز جنازہ پڑھانے کا حقدار کون ہوگا ؟ ... ۶۸۳

۳۸۵۹ نماز جنازہ ولی سے اجازت لے کر پڑھائی جائے ۶۸۴

۳۸۶۰ ولی کی طرف سے اجازت شدہ شخص کے علاوہ دوسرے کا نماز جنازہ پڑھانا ... ۶۸۵

۳۸۶۱ ولی نماز جنازہ پڑھانے کا حقدار ہے یا محلّہ کی مسجد کا امام؟ ۶۸۷

۳۸۶۲ نماز جنازہ پڑھانے کا زیادہ حقدار کون ہے امام جامع مسجد یا امام حي ؟ ۶۸۸

۳۸۶۳ عورت کی نماز جنازہ کے لئے امام کس سے اجازت لے گا؟ ۶۹۱

۳۸۶۴ بیوی کی نماز جنازہ پڑھانے کا حقدار شوہر یا والد؟ ۶۹۲

۳۸۶۵ دیوبندی امام کے پیچھے بریلوی کی نماز جنازہ ۶۹۳

۳۸۶۶ شیعہ اور حنفیہ مل کر نماز جنازہ ادا کریں تو کیا حکم ہے؟ ۶۹۵

۸/ باب من يصلىٰ عليه ومن لا يصلىٰ عليه

۳۸۶۷	فاسق شخص کی نماز جنازہ کا حکم	۶۹۶
۳۸۶۸	بے نمازی کی نماز جنازہ کا حکم	۶۹۷
۳۸۶۹	مردہ بچے کی نماز جنازہ سے متعلق تحقیقی فتویٰ	۶۹۸
۳۸۷۰	شکم مادر سے مردہ پیدا ہونے والے بچہ پر نماز جنازہ نہیں	۷۰۷
۳۸۷۱	مرا ہوا بچہ پیدا ہو تو کیا اس کا نام رکھا جائے گا؟	۷۰۸
۳۸۷۲	بچہ پیدا ہونے کے بعد انتقال کر جائے تو کیا حکم ہے؟	۷۰۹
۳۸۷۳	بچہ مردہ پیدا ہو تو نماز جنازہ پڑھیں یا نہ پڑھیں؟	۷۰۹
۳۸۷۴	ڈکیت اور چور کی نماز جنازہ	۷۱۰
۳۸۷۵	ڈاکو کی نماز جنازہ اور غسل کا حکم	۷۱۱
۳۸۷۶	ڈاکہ زنی اور چوری کے دوران مقتول شخص کی نماز جنازہ	۷۱۲
۳۸۷۷	ڈاکو کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی یا نہیں؟	۷۱۳
۳۸۷۸	کیا خودکشی کرنے والے کی نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی؟..........	۷۱۶
۳۸۷۹	خودکشی کرنے والے کی نماز جنازہ پڑھنا	۷۱۷
۳۸۸۰	خودکشی کرنے والے کی نماز جنازہ کا حکم	۷۱۸
۳۸۸۱	سیلاب میں بہہ کر آئی عورت کی نماز جنازہ کا حکم	۷۱۹
۳۸۸۲	غیر مسلم کے نومولود بچہ کی تجہیز و تکفین	۷۲۰
۳۸۸۳	غیر مسلم کی اسلامی طریقہ پر تدفین کرنا	۷۲۲
۳۸۸۴	مرتد کے نابالغ بچہ کی نماز جنازہ پڑھنے کا حکم	۷۲۳
۳۸۸۵	مسلم لڑکی جس نے ہندو سے شادی کی اور غیر مسلم لڑکی جو مسلمان کے پاس ہے ان کے کفن دفن کا حکم	۷۲۵
۳۸۸۶	مندروں میں جا کر بتوں کی پوجا کرنے والے کی نماز جنازہ کا حکم	۷۲۷

۳۸۸۷ کفریہ عقائد رکھنے والوں کی نماز جنازہ کا حکم ۷۲۸

۹/ باب حمل الجنازة

۳۸۸۸ جنازہ گھر سے نکالنے سے قبل میت کے لئے دعاءِ مغفرت کرنا ۷۳۱
۳۸۸۹ جنازہ لے جاتے وقت کیا پڑھیں؟ ۷۳۲
۳۸۹۰ قبرستان دور ہونے کی وجہ سے جنازہ کو راستہ میں رکھنا پھر لے جانا ۷۳۳
۳۸۹۱ اپنی متوفیہ عورت کو شوہر کا کندھا دینا ۷۳۴
۳۸۹۲ کافر کا مسلم اور مسلم کا کافر کے جنازہ میں شرکت کرنا ۷۳۵
۳۸۹۳ جنازہ کو دیکھ کر کھڑا ہونا ۷۳۶

❍❖❍

فہرست مضامین

۱۰/بقیة كتاب الجنائز

۶/ باب صلاة الجنازة

مسئلہ نمبر:		صفحہ نمبر
۳۸۹۴	نماز جنازہ کا مسنون طریقہ	۳۴
۳۸۹۵	نماز جنازہ کی نیت کس طرح کی جائے	۳۶
۳۸۹۶	نماز جنازہ کا طریقہ	۳۸
۳۸۹۷	کیا جنازہ میں مقتدی کے لئے دعاء پڑھنا لازم ہے؟	۳۹
۳۸۹۸	متعدد میتوں پر ایک ساتھ نماز جنازہ پڑھنا	۴۰
۳۸۹۹	نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ اور سورت پڑھنا	۴۲
۳۹۰۰	نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنے کا حکم	۴۳
۳۹۰۱	نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ بنیت قرأۃ حنفیہ کے یہاں کیوں ممنوع ہے؟	۴۵
۳۹۰۲	نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ اور ضم سورۃ	۴۷
۳۹۰۳	نماز جنازہ میں ہر تکبیر پر ہاتھ کیوں اٹھایا جاتا ہے؟	۴۸
۳۹۰۴	نماز جنازہ میں چوتھی تکبیر کے بعد ہاتھ چھوڑنے کا مسئلہ	۵۰
۳۹۰۵	نماز جنازہ میں چوتھی تکبیر کے بعد ہاتھ چھوڑ دینا	۵۰

۳۹۰۶ چوتھی تکبیر کے بعد ہاتھ چھوڑ دینے کا مسئلہ اور بارش میں جوتے پہن کر نماز پڑھنا ۵۱
۳۹۰۷ نماز جنازہ میں امام صاحب دعا بھول جائیں تو؟ ۵۳
۳۹۰۸الف نابالغ بچے یا بچی کی نماز جنازہ میں کون سی دعا پڑھی جائے؟ ۵۴
۳۹۰۸ب نابالغ لڑکے اور لڑکی کی نماز جنازہ کی دعا میں کونسی ضمیر پڑھیں ۵۵
۳۹۰۹ جس بچہ کے زندہ یا مردہ نیز مذکر و مؤنث ہونے کا پتہ نہ چلے تو اس کی نماز جنازہ میں کون سی دعا پڑھی جائے ۵۶
۳۹۱۰ نماز جنازہ میں تین تکبیر پر سلام پھیر دینا ۵۷
۳۹۱۱ نماز جنازہ میں تین یا پانچ تکبیر کہنے کا حکم ۵۸
۳۹۱۲ نماز جنازہ میں پانچ تکبیریں کہنا ۶۰
۳۹۱۳ جس شخص سے نماز جنازہ میں کئی تکبیریں چھوٹ جائیں تو وہ کس طرح پڑھے؟ ۶۱
۳۹۱۴ نماز جنازہ پڑھے بغیر دفن کرنے کا حکم ۶۲
۳۹۱۵الف عورت و مرد کے جنازے ایک ساتھ آجائیں تو چار پائیوں کی ترتیب ۶۳
۳۹۱۵ب متعدد نابالغ بچوں کی نماز جنازہ میں کونسی دعا پڑھیں؟ ۶۴
۳۹۱۶ بڑوں کے ساتھ نابالغ بچوں کے جنازہ رکھنے کی ترتیب ۶۵
۳۹۱۷ نماز جنازہ کی صفوں میں جگہ چھوڑنا ۶۶
۳۹۱۸ نماز جنازہ کی صفوں میں کتنا فصل ہو؟ ۶۷
۳۹۱۹ مسلمان اور کافر کی لاش مخلوط ہو جائیں تو نماز جنازہ کا طریقہ ۶۸
۳۹۲۰ غائبانہ نماز جنازہ کا حکم ۶۹

۳۹۲۱	غائبانہ نماز جنازہ	۷۰
۳۹۲۲	ولی کی اجازت سے پڑھائی گئی نماز جنازہ دوبارہ پڑھنا......	۷۱
۳۹۲۳	ولی کی اجازت یا عدم اجازت سے پڑھی گئی نماز جنازہ کا تکرار	۷۳
۳۹۲۴	نماز جنازہ میں قہقہہ مار کر ہنسنا	۷۴
۳۹۲۵	نماز جنازہ کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا	۷۴
۳۹۲۶	نماز جنازہ کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا	۷۵

۱۱ / باب القبور

۳۹۲۷	ایک ہی قبر میں چند مردوں کو دفن کرنا	۷۷
۳۹۲۸	صندوق یا بکس میں دفن کرنا	۷۸
۳۹۲۹	مسجد یا مدرسہ کے ذمہ دار کا احاطہ مسجد یا مدرسہ میں دفن ہونا کیسا ہے؟	۷۹
۳۹۳۰	میت کو قبر میں رکھنے والوں کا جوتے چپل پہنے رکھنا	۸۰
۳۹۳۱	دوران تدفین قبرستان میں جوتا چپل پہن کر چلنا	۸۱
۳۹۳۲	قبر کس کیفیت کی ہونی چاہئے؟	۸۲
۳۹۳۳	قبر کی گہرائی کتنی ہو؟	۸۳
۳۹۳۴	قبر میں اوپر کے حصے کی گہرائی کتنی ہو؟	۸۳
۳۹۳۵	قبر کے اندرونی حصہ کی مٹی سے لپائی کرنا	۸۶
۳۹۳۶	ڈھائی ہوئی قبر کو ہموار کرنا	۸۷
۳۹۳۷	قبر میں ملنے والی ہڈیوں کا کیا کریں	۸۸
۳۹۳۸	مصنوعی دانتوں کو قبر میں رکھنا	۸۸
۳۹۳۹	دفن کرنے کے بعد ایک قبر سے نکال کر دوسری جگہ دفن کرنا......	۸۹

۳۹۴۰	شک کی بنیاد پر دفن کے بعد میت کو قبر سے نکالنا............	۹۰
۳۹۴۱الف	معائنہ کی غرض سے دفن شدہ نعش کو نکالنا............	۹۱
۳۹۴۱ب	چوبیس گھنٹہ پہلے اپنی قبر تیار کر کے رکھنا............	۹۳
۳۹۴۱ج	زندگی میں اپنی قبر تیار کر کے اس میں دفن کی وصیت کرنا......	۹۴

۱۲/باب التدفین

۳۹۴۲	میت کو قبر میں لٹانے کا مسنون طریقہ کیا ہے؟............	۹۶
۳۹۴۳	میت کو قبر میں دائیں کروٹ قبلہ رخ لٹانا............	۹۷
۳۹۴۴	قبر پر تختہ کس طرح سے بچھانا بہتر ہے؟............	۹۸
۳۹۴۵	تدفین کی دعاء منها خلقنکم کا ثبوت............	۹۹
۳۹۴۶	قبر میں مٹی بیٹھ کر ڈالیں یا کھڑے ہوکر............	۱۰۰
۳۹۴۷	قبر میں مٹی ڈالنے کا صحیح طریقہ............	۱۰۰
۳۹۴۸	دفن کے کئی دن بعد آنے والے کا قبر پر مٹی ڈالنا............	۱۰۱
۳۹۴۹	تختہ وغیرہ کے بغیر میت پر مٹی ڈالنا............	۱۰۲
۳۹۵۰	قبر میں رکھنے کے بعد سینے پر ہاتھ رکھ کر دعا کرنا............	۱۰۳
۳۹۵۱	عورت کو دفن کرتے وقت پردہ کرنا............	۱۰۴
۳۹۵۲	پاٹن کس طرح سے بچھائے جائیں............	۱۰۵
۳۹۵۳	میت کو پوسٹ مارٹم کے لئے قبر سے نکالنا............	۱۰۶
۳۹۵۴	پوسٹ مارٹم کی شرعی حیثیت............	۱۰۷
۳۹۵۵	میت کا پوسٹ مارٹم کرانا............	۱۰۸
۳۹۵۶	ایکسیڈنٹ میں ملنے والے معاوضہ کا حکم............	۱۰۹
۳۹۵۷	ایکسیڈنٹ یا حادثہ میں مرنے والوں کا معاوضہ............	۱۱۰

۳۹۵۸ سونا نگلنے والے کا پیٹ چاک کرنا ۱۱۱

❐ ۱۳ / باب الدعاء بعد الدفن وغیره

۳۹۵۹ دفن میں مدد کرنے والوں سے میت کی طرف سے معافی مانگنا ۱۱۳
۳۹۶۰ تدفین کے بعد پسماندگان سے مصافحه ومعانقه کرنا ۱۱۴
۳۹۶۱ میت کو دفنانے کے بعد اجتماعی دعا کرنا ۱۱۶
۳۹۶۲ دفن کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا ۱۱۷
۳۹۶۳ دفن کرنے کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کا حکم ۱۱۸
۳۹۶۴ قبر پر ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا ۱۱۹
۳۹۶۵ دفن کرنے کے بعد اجتماعی طور پر جہری دعا کرنا ۱۲۲
۳۹۶۶ دفن کے بعد کے اعمال ۱۲۳
۳۹۶۷ بعد دفن اجتماعی طور پر دعا کرنا ۱۲۶
۳۹۶۸ دفنانے کے بعد قبر کی طرف متوجہ ہوکر سورہ بقرہ کی آیات پڑھنا ۱۲۷
۳۹۶۹ دفن کے بعد فاتحہ خوانی کرنا ۱۲۹
۳۹۷۰ قبر پر سورۂ بقرہ پڑھنے کا طریقہ ۱۳۰
۳۹۷۱ بعد دفن جنازہ میں شریک ہونے والوں کیلئے کھانے کا اہتمام ۱۳۱
۳۹۷۲ تدفین کے بعد کھانا کھانے کے لئے اعلان کرنا ۱۳۲

❐ ۱۴ / باب إلقاء الأشجار والعطور......

۳۹۷۳ قبر میں بیر کی شاخ رکھنا ۱۳۴
۳۹۷۴ دفناتے وقت تختوں پر بیر کی ٹہنی ڈالنا ۱۳۵
۳۹۷۵ قبر کی نشاندہی کے لئے قبر پر پودا لگانا ۱۳۵

۳۹۷۶ قبر پر شاخ گاڑنا ۱۳۷

۳۹۷۷ قبر پر شاخ گاڑنا ۱۴۰

۳۹۷۸ قبر پر پھول یا ہری پتی گھاس وغیرہ ڈالنا ۱۴۲

۳۹۷۹ قبر پر کتنی شاخیں گاڑیں ۱۴۳

۳۹۸۰ قبر پر درخت لگانا ۱۴۴

۳۹۸۱ کیا علمائے دیوبند قبروں پر شاخ گاڑنے کو منع کرتے ہیں؟ ۱۴۵

۳۹۸۲ بعد دفن قبر پر اگربتی جلانا گلاب کا پھول چھڑکنا ۱۴۶

❏ ۱۵/ باب البناء علی القبور

۳۹۸۳ کن لوگوں کی قبروں پر کتبہ لگانے کی گنجائش ہے؟ ۱۴۸

۳۹۸۴ قبر پر کتبہ لگانا کیسا ہے؟ ۱۴۹

۳۹۸۵ قبروں پر نام و تاریخ وفات کا کتبہ لگانا ۱۵۰

۳۹۸۶ قبر کی چاروں جانب پختہ عمارت تعمیر کرنا ۱۵۱

۳۹۸۷ قبر پر عمارت بنانا ۱۵۲

۳۹۸۸ قبروں پر کتبہ وغیرہ لگانا ۱۵۳

❏ ۱۶/ باب التعزية والحداد (سوگ منانا)

۳۹۸۹ موت ہوجانے کی وجہ سے کھانا نہ پکانا ۱۵۴

۳۹۹۰ کیا تین دن تک سوگ منانا ضروری ہے؟ ۱۵۵

۳۹۹۱ میت کے اہل خانہ کا تین دن تک کھانا نہ پکانا اور دوسروں
کا کھانا بھیجنا ۱۵۶

۳۹۹۲ نوحہ کرنا حرام ہے ۱۵۸

۳۹۹۳	تعزیتی جلسہ	۱۵۸
۳۹۹۴	تعزیتی جلسہ کرنا	۱۶۰
۳۹۹۵	تعزیت کا مسنون طریقہ کیا ہے؟	۱۶۴

۱۷ / باب زیارة القبور

۳۹۹۶	مزار کی شرعی حیثیت	۱۶۶
۳۹۹۷	کن کن لوگوں کی قبروں کی زیارت کے لئے مسافت سفر طے کرنا جائز ہے؟	۱۶۹
۳۹۹۸	زیارت قبور اور ایصال ثواب کا مستحب طریقہ	۱۷۱
۳۹۹۹	کیا اہل قبور سلام سن کر اس کا جواب دیتے ہیں؟	۱۷۲
۴۰۰۰	راستہ گزرتے ہوئے مزارات کو سلام کرنا	۱۷۳
۴۰۰۱	قبرستان میں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا	۱۷۶
۴۰۰۲	قبر بوسی کا مسئلہ	۱۷۷
۴۰۰۳	روزانہ فجر کے بعد زیارت قبور کے لئے جانا	۱۷۸
۴۰۰۴	زیارت قبور کے لئے عورت کا قبرستان جانا	۱۷۹
۴۰۰۵	عورتوں کا مزارات پر جانا اور چادر چڑھانا	۱۸۰
۴۰۰۶	عورتوں کے لئے قبروں کی زیارت کا حکم	۱۸۱
۴۰۰۷	عورتوں کے لئے زیارت قبور	۱۸۳
۴۰۰۸	عورتوں کا اولیاء کی قبروں پر جانا	۱۸۴
۴۰۰۹	قبروں پر چادر چڑھانا	۱۸۵
۴۰۱۰	حاجت روائی کی خاطر چراغاں کرنا	۱۸۶

۱۸/باب ایصال الثواب للمیت

۴۰۱۱ کیا مؤمن اپنی قبر میں ثواب کا محتاج ہے؟ ۱۸۸
۴۰۱۲ ایصال ثواب زندہ مردوں دونوں کو کیا جاسکتا ہے؟ ۱۸۹
۴۰۱۳ ایصال ثواب سے عذاب میں تخفیف ہوتی ہے یا راحت میں اضافہ ہوتا ہے! ۱۸۹
۴۰۱۴ مرنے کے بعد بعض جائز وناجائز اعمال ۱۹۱
۴۰۱۵ کیا میت کو ثواب پہنچتا ہے؟ ۱۹۲
۴۰۱۶ کیا ایصال ثواب کرنے والے کو بھی ثواب ملتا ہے؟ ۱۹۳
۴۰۱۷ قرآن خوانی، میلاد، خیرات اور نوافل کے ثواب کی مقدار ۱۹۴
۴۰۱۸ کیا مردہ ایصال ثواب کرنے والے کو پہچانتا ہے؟ ۱۹۵
۴۰۱۹ ایصال وثواب کا بہتر طریقہ ۱۹۷
۴۰۲۰ غریبوں کو کھانا کھلائیں یا مسجد و مدرسہ کی تعمیر کرائیں ۱۹۸
۴۰۲۱ مالی صدقات کا ثواب مرحومین کو پہونچانا کس حدیث سے ثابت ہے؟ ۱۹۹
۴۰۲۲ کیا عبادات بدنیہ کا ثواب پہونچانا بھی حدیث سے ثابت ہے؟ ۲۰۰
۴۰۲۳ کیا قرآن خوانی کا ثواب مردوں کو نہیں پہونچتا ۲۰۱
۴۰۲۴ قرآن پڑھ کر متعدد اموات کو ثواب پہنچانا ۲۰۳
۴۰۲۵ نابالغ بچہ کا ایصال ثواب کرنا ۲۰۵
۴۰۲۶ نابالغ کو ایصال ثواب اور دودھ بخشنا ۲۰۵
۴۰۲۷ قبر کے پاس قرآن کریم دیکھ کر پڑھنا ۲۰۶

۴۰۲۸	قبر پر بیٹھ کر قرآن کریم دیکھ کر پڑھنا...........	۲۰۷
۴۰۲۹	قبر پر قرآن کریم دیکھ کر پڑھنا...........	۲۰۹
۴۰۳۰	ایصال ثواب کے لئے تیجہ اور سوا لاکھ کلمہ طیبہ پڑھنا...........	۲۱۰
۴۰۳۱	کلمہ طیبہ پڑھ کر ایصال ثواب کرنا...........	۲۱۱
۴۰۳۲	نماز، روزہ اور مالی صدقہ کا ثواب مرحومین کو بخشنا...........	۲۱۲
۴۰۳۳	تراویح میں پڑھے گئے قرآن شریف کا ثواب بخشنا...........	۲۱۳
۴۰۳۴	چنے پڑھوا کر ایصال ثواب...........	۲۱۳
۴۰۳۵	درود شریف پڑھ کر ایصال ثواب...........	۲۱۵
۴۰۳۶	ایصال ثواب کی نیت سے مسجد میں صفیں خرید کر دینا...........	۲۱۵
۴۰۳۷	بلا وضو کئے ایصال ثواب کرنا...........	۲۱۶
۴۰۳۸	نماز جنازہ کے بعد ایصال ثواب کے لئے اعلان کرنا...........	۲۱۷
۴۰۳۹	کسی دوسرے مقام پر ایصال ثواب اور کھانا...........	۲۱۸
۴۰۴۰	ایصال ثواب کے لئے دن کی تعیین کرنا...........	۲۱۹
۴۰۴۱	مروجہ اجتماعی قرآن خوانی سے متعلق چند سوالات...........	۲۲۰
۴۰۴۲	قرآن خوانی کے لئے اعلان اور لوگوں کو جمع کرنا کیسا ہے؟	۲۲۳
۴۰۴۳	قرآن خوانی کے لئے اعلان کر کے بلانا...........	۲۲۶
۴۰۴۴	ایصال ثواب کے لئے اجتماعی قرآن خوانی کا حکم...........	۲۲۷
۴۰۴۵	قرآن خوانی میں تلاوت کے بعد کچھ سورتیں پڑھ کر دعا کرنا	۲۲۸
۴۰۴۶	گھر بلا کر قرآن خوانی کرانا...........	۲۲۹
۴۰۴۷	مدرسہ کے طلبہ سے ایصال ثواب کرانا...........	۲۳۰
۴۰۴۸	مدرسہ کے اوقات میں طلبہ سے قرآن خوانی کرانا...........	۲۳۱

۴۰۴۹ طلبہ کا قرآن خوانی کے بعد کھانا پینا ۲۳۲
۴۰۵۰ اکٹھے ہوکر بآواز بلند قرآن خوانی اور اس کے بعد کچھ انعام لینا یا کھانا پینا ۲۳۳
۴۰۵۱ قرآن خوانی کے بعد کچھ کھانا پینا یا ہدیہ پیش کرنے کا حکم ۲۳۴
۴۰۵۲ فاتحہ کی حقیقت ۲۳۶
۴۰۵۳ مروجہ فاتحہ خوانی کے بعد کھانا کیسا ہے؟ ۲۳۷
۴۰۵۴ کھانے پینے کی چیزوں پر فاتحہ پڑھنا ۲۳۸
۴۰۵۵ کھانے پر فاتحہ خوانی کا حکم ۲۳۹
۴۰۵۶ میت کے ورثاء اور مالداروں کے لئے ایصال ثواب کا کھانا کھانا کیسا ہے؟ ۲۴۰
۴۰۵۷ خودکشی کرنے والے کو ایصال ثواب کرنا ۲۴۱
۴۰۵۸ رقم لے کر ایصال ثواب کرنا ۲۴۲

❏ ۱۹/ باب الشہید

۴۰۵۹ شہید حقیقی کی تدفین کیسے کی جائے ۲۴۳
۴۰۶۰ کیا فسادات میں مقتول مسلمان شہید ہوں گے؛ ۲۴۴
۴۰۶۱ کیا ہندو مسلم لڑائی میں قتل ہونے والے شہید ہیں؟ ۲۴۵
۴۰۶۲ ہندو پاک کے درمیان لڑنے والے مسلمان شہید ہیں، یا نہیں؟ ۲۴۶
۴۰۶۳ ایکسیڈنٹ میں مرنے والا شہید ہے یا نہیں؟ ۲۴۸
۴۰۶۴ ایکسیڈنٹ سے ہلاک ہونے والے شہید حکمی ۲۴۹
۴۰۶۵ مال کی حفاظت میں مقتول شہید ہے یا نہیں ۲۵۰

۴۰۶۶ کیا اپنی جان ومال کی حفاظت کرتے ہوئے مارا جانے والا شہید ہے؟ ۲۵۱
۴۰۶۷ کیا بندوق سے ظلماً مارا ہوا شخص شہید ہے ۲۵۳
۴۰۶۸ حاملہ عورت کا ولادت کے دردزہ میں انتقال ۲۵۴
۴۰۶۹ حاملہ عورت ولادت میں فوت ہوجائے تو پیٹ چیر کر بچہ نکالنا ۲۵۵

۱۱/ کتاب الزکوٰۃ

۱/باب الزکاۃ ومتعلقاتها

۴۰۷۰ زکوٰۃ نہ دینے کا عذاب ۲۵۷
۴۰۷۱ بیت المال قائم کرنا ۲۵۸
۴۰۷۲ بیت المال سے قرض دینا ۲۵۹
۴۰۷۳ زکوٰۃ وصول کرنے کی کمیٹی بنانا ۲۶۰
۴۰۷۴ زکوٰۃ وفطرہ کا پیسہ بیت المال کی شکل میں جمع کرنا ۲۶۱
۴۰۷۵ غریب علماء کے نام ٹرسٹ قائم کرنا ۲۶۲
۴۰۷۶ فقیر زکوٰۃ کی رقم کہاں خرچ کرے؟ ۲۶۳
۴۰۷۷ محلّہ کی کمیٹی کا زکوٰۃ کی رقم جمع کرکے برادری کے فقراء وغرباء پر خرچ کرنا ۲۶۴
۴۰۷۸ اپنی برادری کو زکوٰۃ دینے کے لئے زکوٰۃ کی رقم جمع کرکے رکھنا ۲۶۶
۴۰۷۹ زکوٰۃ کا ثواب مرحومین کو پہنچانا اور ان کی رسید دوسروں کے نام سے کٹوانا ۲۶۷
۴۰۸۰ غیر صاحب نصاب کے لئے سوال کرنا کیسا ہے؟ ۲۶۸
۴۰۸۱ جس شخص کو زکوٰۃ دی اس کے یہاں کھانا کھانا ۲۶۹

۴۰۸۲ ولی کا یتیم کے زکوٰۃ کے مال کو اپنے مال میں ملانا ۲۷۰

۲/باب وجوب الزکاۃ

۴۰۸۳ نمو کی تعریف اور وجوب زکوٰۃ کی شرط ۲۷۲
۴۰۸۴ حوائج اصلیہ کی شرط ۲۷۳
۴۰۸۵ غیر استعمالی گھریلو سامان پر زکوٰۃ کا حکم ۲۷۶
۴۰۸۶ زائد برتن وشوکیس وغیرہ میں زکوٰۃ کا حکم ۲۷۸
۴۰۸۷ دیگچی برتن وغیرہ حوائج اصلیہ میں داخل ہیں ۲۷۹
۴۰۸۸ ملک تام کی تعریف ۲۸۰
۴۰۸۹ حولان حول کے بعد زکاۃ واجب ہوتی ہے ۲۸۱
۴۰۹۰ سال کی ابتدا وانتہا میں نصاب مکمل ہونے پر وجوب زکوٰۃ ۲۸۲
۴۰۹۱ وجوب زکوٰۃ کے لئے سال گذرنا شرط ہے ۲۸۳
۴۰۹۲ پہلے عشرہ میں زکوٰۃ نکالنے والے کا دوسرے عشرہ میں جمع کردہ رقم کی زکوٰۃ ۲۸۵
۴۰۹۳ حولان حول کے بعد زکوٰۃ صحیح مال پر ۲۸۵
۴۰۹۴ کیا ایک مرتبہ زکاۃ نکالدینے کے بعد دوبارہ اس مال پر زکوٰۃ نہیں ہے؟ ۲۸۶
۴۰۹۵ نصاب زکوٰۃ کی مقدار ۲۸۷
۴۰۹۶ موجودہ اوزان کے اعتبار سے زکوٰۃ کا نصاب ۲۸۸
۴۰۹۷ سونے، چاندی کا نصاب شرعی موجودہ اوزان کے اعتبار سے ۲۸۹
۴۰۹۸ جیب میں رکھے ہوئے خرچ کے پیسے بھی نصاب میں شامل ہیں ۲۹۰

۴۰۹۹	موجودہ دور کے تولہ کے حساب سے سونے کا نصاب آٹھ تولہ سات گرام ۴۸۰ ملی گرام ہے..................	۲۹۱
۴۱۰۰	کیا دور حاضر میں سونے کے نصاب کو انفع للفقراء قرار دیا جاسکتا ہے؟..................	۲۹۳
۴۱۰۱	درمیان سال میں لائے ہوئے مال تجارت پر زکوٰۃ..................	۲۹۷
۴۱۰۲	سال کے درمیان اضافہ شدہ پر بھی زکوٰۃ لازم..................	۲۹۸
۴۱۰۳	ضم نصاب کی صورت میں مزکی کا سونے چاندی یا ان کی رقم سے زکوٰۃ ادا کرنا..................	۲۹۹
۴۱۰۴	مال نصاب پر گذشتہ برسوں کی زکاۃ..................	۳۰۰
۴۱۰۵	گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ دینا واجب ہے یا نہیں؟..................	۳۰۲
۴۱۰۶	حج کے لئے رکھے ہوئے روپیوں پر زکوٰۃ..................	۳۰۲
۴۱۰۷	حج کی منظوری پر جو رقم جمع نہیں ہوئی اس کی زکوٰۃ..................	۳۰۳
۴۱۰۸	حج کمیٹی میں دی گئی رقم پر زکوٰۃ کا حکم..................	۳۰۴
۴۱۰۹	حج کے لئے بھیجی گئی رقم پر زکوٰۃ کا حکم..................	۳۰۶
۴۱۱۰	پرائیویٹ ٹور کو حج کے لئے دی گئی رقم پر زکوٰۃ..................	۳۰۷
۴۱۱۱	گروپ لیڈر کے پاس جمع شدہ رقم پر زکوٰۃ..................	۳۱۰
۴۱۱۲	حج کمیٹی کی واپس کردہ رقم کی زکوٰۃ کا حکم..................	۳۱۱
۴۱۱۳	مال حرام پر زکوٰۃ اور حج کا حکم..................	۳۱۲
۴۱۱۴	مالِ حرام کی زکوٰۃ..................	۳۱۴
۴۱۱۵	مال حرام میں زکوٰۃ کا حکم..................	۳۱۵
۴۱۱۶	رشوت اور مال حرام کی زکوٰۃ..................	۳۱۷

۴۱۱۷	مال حرام کی زکوٰۃ کے بجائے پورا مال صدقہ کردینا لازم ہے؟	۳۲۰
۴۱۱۸	مخلوط مال میں حرام مال واپس کرنے کے بعد مابقیہ پر زکوٰۃ	۳۲۱
۴۱۱۹	بقدر حلال پر زکوٰۃ، اور بقدر حرام واجب التصدق	۳۲۲
۴۱۲۰	حرام وحلال برابر ہوتو زکوٰۃ کیسے نکالیں؟	۳۲۳
۴۱۲۱	حلال کو حرام سے الگ کر کے زکوٰۃ ادا کرنا	۳۲۵
۴۱۲۲	حلال مال، حرام کے مقابلہ میں مغلوب ہو اور بقدر نصاب ہوتو زکوٰۃ کیسے؟	۳۲۶
۴۱۲۳	مالِ مغصوب کی زکاۃ کس پر واجب ہے	۳۲۷
۴۱۲۴	وقف شدہ معقول فنڈ کی رقم پر زکوٰۃ ہے یا نہیں	۳۲۸
۴۱۲۵	مدارس، مساجد، قومی ورفاہی فنڈ کے مال پر زکوٰۃ کا حکم	۳۲۹
۴۱۲۶	صاحب نصاب طالب علم پر زکوٰۃ کا وجوب	۳۳۰
۴۱۲۷	پرائیویٹ یونٹ فنڈ پر زکوٰۃ کا حکم	۳۳۱
۴۱۲۸	GPF پر زکوٰۃ فرض ہے یا نہیں؟	۳۳۴
۴۱۲۹	زکوٰۃ کے مسائل	۳۳۵
۴۱۳۰	والد کی فیملی میں رہنے والی اولاد صاحب نصاب ہوتو دونوں پر زکوٰۃ وقربانی واجب ہے	۳۳۶
۴۱۳۱	ایک ہزار روپیہ پر سال گذرنے سے زکوٰۃ کا حکم	۳۳۸
۴۱۳۲	چوبیس ہزار روپیہ پر کتنی زکوٰۃ ہے؟	۳۳۹
۴۱۳۳	۷۵/ ہزار کی مالیت پر زکوٰۃ جبکہ ۲/ ہزار کا مقروض ہو	۳۴۰
۴۱۳۴	ڈیڑھ لاکھ روپیہ پر حولان حول کی صورت میں زکوٰۃ کا وجوب	۳۴۲
۴۱۳۵	مالک مکان کو یکمشت دی گئی رقم کی زکوٰۃ کس کے ذمہ لازم ہے؟	۳۴۲

۴۱۳۶	بائع کو دی گئی ایڈوانس رقم پر زکوٰۃ ادا کرنا کس پر لازم ہے؟	۳۴۴
۴۱۳۷	کرایہ کی پیشگی ادا شدہ رقم اور پگڑی کی زکوٰۃ	۳۴۴
۴۱۳۸	ڈپوزٹ کی زکوٰۃ کس پر واجب ہے؟	۳۴۸
۴۱۳۹	امانت کی زکوٰۃ کی ادائے گی کس پر لازم ہے؟	۳۴۹
۴۱۴۰	ذاتی مکان میں زکوٰۃ واجب نہیں	۳۵۰
۴۱۴۱	ناقص مکان اور زمین پر زکوٰۃ کا حکم	۳۵۱
۴۱۴۲	فروخت شدہ مکان کی قیمت پر زکوٰۃ	۳۵۲
۴۱۴۳	تصویروں کو فروخت کر کے اس کی آمدنی سے زکوٰۃ دینا	۳۵۳
۴۱۴۴	کیا NS C پر زکوٰۃ واجب ہے؟	۳۵۴
۴۱۴۵	مالدار تاجر پر زکوٰۃ اور ادائیگی کا طریقہ	۳۵۵
۴۱۴۶	پیتل کی بنائی گئی تصویروں کی آمدنی پر زکوٰۃ	۳۵۶
۴۱۴۷	شادی کے لئے جمع شدہ مال میں زکوٰۃ کا حکم	۳۵۷
۴۱۴۸	مکان وشادی کے لئے جمع شدہ رقم پر زکوٰۃ	۳۵۷
۴۱۴۹	ضرورت کے لئے جمع شدہ رقم پر زکوٰۃ	۳۵۸
۴۱۵۰	بینک میں جمع شدہ رقم پر زکوٰۃ	۳۵۹
۴۱۵۱	حولان حول کے بعد بینک یا ڈاکخانہ میں جمع شدہ رقم کی زکوٰۃ کا حکم	۳۶۱
۴۱۵۲	قرض کی زکوٰۃ کی ادائے گی کا حکم	۳۶۲
۴۱۵۳	قرض کی زکوٰۃ کس طرح ادا کی جائے؟	۳۶۳
۴۱۵۴	مدیون پر زکوٰۃ	۳۶۴
۴۱۵۵	قرض کے علاوہ مابقیہ رقم پر زکوٰۃ واجب ہوگی	۳۶۶
۴۱۵۶	قرض کی زکوٰۃ کون ادا کرے گا	۳۶۷

۴۱۵۷	دین اور قرض کی زکوٰۃ کس پر لازم	۳۶۸
۴۱۵۸	قرض وصول ہونے سے پہلے اس کی زکوٰۃ ادا کرنا واجب نہیں	۳۷۲
۴۱۵۹	قرض وصول ہونے پر اس کی زکوٰۃ کا حکم	۳۷۳
۴۱۶۰	مال غیر مقبوض پر قبضہ سے پہلے زکوٰۃ کا حکم	۳۷۴
۴۱۶۱	قرض کی وصولیابی کے بعد گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ	۳۷۵
۴۱۶۲	طویل الأجل قرض اور کونسا دین مانع زکوٰۃ	۳۷۷
۴۱۶۳	قسطوں میں وصول ہونے والی رقم پر زکوٰۃ کس طرح ادا کریں؟	۳۷۹
۴۱۶۴	بونڈس اور حکومت کو بطور قرض دی گئی رقم کی زکوٰۃ	۳۸۰

۳/باب زكاة الذهب والفضة والحلي

۴۱۶۵	سونے چاندی کی زکوٰۃ	۳۸۲
۴۱۶۶	موجودہ اوزان کے اعتبار سے سونے چاندی کا نصاب زکوٰۃ	۳۸۳
۴۱۶۷	صرف چھ تولہ سونا ہو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں	۳۸۴
۴۱۶۸	سو تولہ چاندی سے زائد مقدار پر زکوٰۃ کا وجوب	۳۸۵
۴۱۶۹	ایک ہزار روپیہ کے سونے پر کتنی زکوٰۃ واجب ہوگی؟	۳۸۶
۴۱۷۰	سامان تجارت اور تھوڑے سونے پر زکوٰۃ	۳۸۸
۴۱۷۱	سونا چاندی علیحدہ طور پر بقدر نصاب نہ ہو تو زکوٰۃ کس طرح نکالے	۳۸۹
۴۱۷۲	سونا چاندی الگ الگ نصاب کو نہیں پہونچے تو؟	۳۹۰
۴۱۷۳	سوا کلو چاندی اور ۴؍ تولہ سونے کی زکوٰۃ کس طرح ادا کی جائیگی؟	۳۹۱
۴۱۷۴	پانچ تولہ سونا اور تین تولہ سونے کے بقدر روپیہ پر زکوٰۃ......	۳۹۳
۴۱۷۵	چار تولہ سونا اور دو تولہ چاندی سے وجوب زکوٰۃ	۳۹۴

۴۱۷۶ سونے چاندی کی زکوٰۃ کس قیمت سے ادا کریں؟............ ۳۹۵
۴۱۷۷ زیورات پر زکوٰۃ کس حساب سے دی جائے گی............ ۳۹۷
۴۱۷۸ سونے چاندی کی زکوٰۃ کس قیمت سے ادا کی جائے؟...... ۳۹۸
۴۱۷۹ زیورات کی زکوٰۃ کس قیمت سے ادا کی جائے؟............ ۳۹۹
۴۱۸۰ رشتہ دار کے پاس رکھی چاندی پر زکوٰۃ کا حکم............ ۴۰۰
۴۱۸۱ گروی رکھے ہوئے زیور پر زکوٰۃ کا حکم............ ۴۰۱
۴۱۸۲ مسلم فنڈ میں رکھے زیور پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟............ ۴۰۲
۴۱۸۳ گزشتہ سالوں کی ادائے گی کا طریقہ............ ۴۰۴
۴۱۸۴ سالوں سے مدفون زیورات کی زکوٰۃ کی ادائے گی کا طریقہ ۴۰۴
۴۱۸۵ زیورات کی زکوٰۃ ادا کرنا شوہر پر واجب ہے یا بیوی پر...... ۴۰۶
۴۱۸۶ بیوی کے زیورات میں شوہر پر زکوٰۃ کب واجب ہوگی...... ۴۰۹
۴۱۸۷ بیوی کے زیورات یا مال کی زکوٰۃ شوہر کا ادا کرنا............ ۴۱۰
۴۱۸۸ شادی کے لئے رکھے ہوئے زیورات کی زکوٰۃ ماں باپ پر ہے یا لڑکی پر؟............ ۴۱۰
۴۱۸۹ سسرال سے ملے ہوئے زیورات کی زکوٰۃ کس پر............ ۴۱۱
۴۱۹۰ شادی میں ملے ہوئے زیورات پر زکوٰۃ............ ۴۱۳
۴۱۹۱ ایضاح المسائل کے ایک مسئلہ کی وضاحت............ ۴۱۴
۴۱۹۲ ہیرے جواہرات کی زکوٰۃ............ ۴۱۵

❏ ۴/باب أموال التجارة

۴۱۹۳ مال تجارت میں زکوٰۃ کی ادائے گی کا طریقہ............ ۴۱۹

۴۱۹۴ مال تجارت میں زکوٰۃ کس طرح ادا کی جائے؟ ۴۲۰
۴۱۹۵ تجارت کے مال کی زکوٰۃ کیسے نکالی جائے گی؟ ۴۲۱
۴۱۹۶ مشترکہ کاروبار میں زکوٰۃ کی ادائے گی کیسے ہو؟ ۴۲۲
۴۱۹۷ کمپنی اور مشترکہ کاروبار کے حصہ داروں کی زکوٰۃ ۴۲۳
۴۱۹۸ استعمالی مشینوں پر زکوٰۃ ۴۲۵
۴۱۹۹ سامان تجارت کی زکوٰۃ ادا کرنے کا طریقہ ۴۲۶
۴۲۰۰ تجارت کے سامان پر زکوٰۃ کا حکم ۴۲۷
۴۲۰۱ پلاٹ پر زکوٰۃ کا حکم ۴۲۸
۴۲۰۲ تجارتی زمین پر زکوٰۃ واجب ہے ۴۳۰
۴۲۰۳ فروخت کرنے کے لئے خریدی گئی زمین پر زکوٰۃ ۴۳۱
۴۲۰۴ تجارتی زمین پر زکوٰۃ ادا کرنے کا طریقہ ۴۳۳
۴۲۰۵ بلڈر کے مکان وزمین پر زکوٰۃ سے متعلق ایک مسئلہ ۴۳۴
۴۲۰۶ فلیٹ اور بلڈنگ کے خریداروں کی پیشگی رقم پر زکوٰۃ ۴۳۶
۴۲۰۷ تجارتی پلاٹ اور اموال تجارت میں کس طرح زکوٰۃ ۴۳۸
۴۲۰۸ تجارتی پلاٹ کی زکوٰۃ کس وقت کی قیمت کے اعتبار سے ہوگی؟ ۴۴۰
۴۲۰۹ پیٹرول کی زکوٰۃ وخمس کی شرعی حیثیت ۴۴۲
۴۲۱۰ تجارتی زمین کی زکوٰۃ ۴۴۶
۴۲۱۱ پیشگی رقم پر زکوٰۃ کا حکم ۴۴۹
۴۲۱۲ بیعانہ کی رقم ادا کرنے کے بعد مابقیہ رقم پر زکوٰۃ ۴۵۰
۴۲۱۳ تجارتی زمین پر ہر سال ادائیگی زکوٰۃ کے وقت کی قیمت معتبر ہے ۴۵۱
۴۲۱۴ وکیل بالشراء کے پاس پھنسے ہوئے روپیوں پر زکوٰۃ ۴۵۲

۴۲۱۵	جس مال تجارت کی قیمت ادا کر کے قبضہ نہیں کیا اس کی زکوٰۃ	۴۵۴
۴۲۱۶	غیر مقبوض مال کی زکوٰۃ....................................	۴۵۷
۴۲۱۷	ناقص اور نامکمل مکان کی زکوٰۃ کی ادائیگی کا طریقہ............	۴۵۸
۴۲۱۸	استعمال کے لئے خریدے گئے پلاٹ کی رقم پر زکوٰۃ............	۴۵۹
۴۲۱۹	مکان بنانے کے ارادے سے خریدی گئی زمین میں تجارت کی نیت کرنا........................	۴۶۰
۴۲۲۰	مکان بنانے کی نیت سے خریدے گئے پلاٹ پر فروخت گی سے قبل زکوٰۃ نہیں........................	۴۶۱
۴۲۲۱	تجارت کی نیت سے خریدنے کے بعد پلاٹ پر مکان بنانے کے ارادہ سے زکوٰۃ لازم نہیں ہوتی؟..................	۴۶۳
۴۲۲۲	تجارت کی نیت سے خریدے گئے پلاٹ میں رہائشی مکان بنانا	۴۶۴
۴۲۲۳	استعمالی عمارت یا دوکان کی آمدنی پر زکوٰۃ..................	۴۶۵
۴۲۲۴	فلیٹ اور بلڈنگ بنا کر فروخت کرنے پر زکوٰۃ کا حکم............	۴۶۶
۴۲۲۵	رہائش کے لئے خریدی گئی زمین پر فلیٹ تعمیر کر کے فروخت کرنے پر زکوٰۃ کا حکم؟..............................	۴۶۸
۴۲۲۶	کرایہ پر دی گئی جائیداد کی آمدنی پر زکوٰۃ واجب ہے............	۴۶۹
۴۲۲۷	ٹینٹ ہاؤس کے سامانوں کی زکوٰۃ کا حکم......................	۴۷۰
۴۲۲۸	دوکان اور اسکول کی آمدنی پر زکوٰۃ..........................	۴۷۱
۴۲۲۹	کپڑوں کے تھانوں کی زکوٰۃ تخمینہ سے ادا کرنا..................	۴۷۲
۴۲۳۰	تجارتی مرغیوں پر زکوٰۃ انڈے اور بچے پیدا کرنے والی پر نہیں	۴۷۳
۴۲۳۱	کمپنی کی عمارتوں میں رہائش پذیر ملازموں پر بلڈنگ کی زکاۃ واجب ہے یا کمپنی پر..............................	۴۷۴

۴۲۳۲ پگڑی کی زکوٰۃ کس پر ۴۷۵
۴۲۳۳ کمپنی کے حصص اور شیئرز کی زکوٰۃ ۴۷۷
۴۲۳۴ شیئرز کی زکوٰۃ کیسے ادا کریں؟ ۴۷۸
۴۲۳۵ شیئرز کی اصل رقم اور منافع دونوں پر زکوٰۃ ۴۷۹
۴۲۳۶ شیئرز کی زکوٰۃ میں رأس المال اور منافع دونوں کا اعتبار...... ۴۸۰
۴۲۳۷ انشورنس میں جمع شدہ رقم کی زکوٰۃ کیسے ادا کی جائے ۴۸۲

۵/باب أداء الزکوٰۃ

۴۲۳۸ مالیت کا حساب لگائے بغیر محض اندازے سے زکوٰۃ ادا کرنا ۴۸۴
۴۲۳۹ زکوٰۃ دیتے وقت یہ نیت کرنا کہ مستحق ہے تو زکوٰۃ ورنہ امداد ۴۸۴
۴۲۴۰ زکوٰۃ کی الگ کردہ رقم کے علاوہ سے زکوٰۃ دینا ۴۸۵
۴۲۴۱ غیر مستحق کو زکوٰۃ کی رقم دینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی...... ۴۸۷
۴۲۴۲ حولان حول سے قبل زکوٰۃ دینا ۴۸۸
۴۲۴۳ پیشگی زکوٰۃ ادا کرنا ۴۸۹
۴۲۴۴ پیشگی زکوٰۃ ادا کرنا ۴۹۰
۴۲۴۵ پیشگی زکوٰۃ ادا کرنا ۴۹۱
۴۲۴۶ پیشگی زکوٰۃ ادا کرنے کے بعد فقیر ہوگیا ۴۹۲
۴۲۴۷ انگریزی تاریخ کے حساب سے زکوٰۃ ادا کرنے والا قمری تاریخ
کا تعین کس طرح کرے؟ ۴۹۳
۴۲۴۸ گذشتہ سال کی زکوٰۃ کس قیمت سے نکالی جائے؟ ۴۹۴
۴۲۴۹ کپڑے کے ذریعہ زکوٰۃ کی ادائیگی میں کس دن کی قیمت
کا اعتبار ہے؟ ۴۹۵

۴۲۵۰ ادائیگی زکوٰۃ کے وقت کی قیمت معتبر ہے ۴۹۶
۴۲۵۱ زکوٰۃ میں یوم الأداء کی قیمت کا اعتبار ہے ۴۹۷
۴۲۵۲ بہن کے کھاتے یا موبائیل وغیرہ میں زکوٰۃ کی رقم ڈالنا ۴۹۸
۴۲۵۳ زکوٰۃ میں گھٹیا چیز دینے سے متعلق ایک مفصل فتویٰ ۴۹۹
۴۲۵۴ مستحق زکوٰۃ کو تحفہ یا ہدیہ کہہ کر زکوٰۃ دینا ۵۰۴
۴۲۵۵ بالغ اولاد کی طرف سے والدین کا زکوٰۃ وفطرہ ادا کرنا ۵۰۵
۴۲۵۶ قرض بتا کر دینے سے ادائیگی زکوٰۃ کا حکم ۵۰۶
۴۲۵۷ مقروض کو مالک بنائے بغیر صرف زبان سے کہہ دینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی؟ ۵۰۸
۴۲۵۸ فقیر کو نصاب سے زیادہ زکوٰۃ کی رقم دینا ۵۰۹
۴۲۵۹ بقدر نصاب زکوٰۃ کی رقم کسی کو دینا ۵۱۰
۴۲۶۰ اداء زکوٰۃ میں ضم نصاب کا حکم ۵۱۱
۴۲۶۱ مستحق کے نام سے زکوٰۃ لے کر اپنے اوپر خرچ کرنا ۵۱۲
۴۲۶۲ گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ کی ادائے گی کا طریقہ اور اس کے استعمال کا حکم ۵۱۴
۴۲۶۳ مال تجارت کی زکوٰۃ کی ادائے گی کا طریقہ ۵۱۵
۴۲۶۴ مستحق زکوٰۃ ملازم کو دی ہوئی چیز واپس لے کر دوسرے کو دینا ۵۱۷
۴۲۶۵ چھوٹے بھانجے کو اسکول خرچ میں زکوٰۃ دینا ۵۱۸
۴۲۶۶ نئے سلے ہوئے کپڑے زکوٰۃ میں دینا ۵۱۹
۴۲۶۷ استعمال شدہ کپڑا زکوٰۃ میں دینا ۵۲۰
۴۲۶۸ مستعمل کپڑے زکوٰۃ میں دینا ۵۲۱

۴۲۶۹	زکوٰۃ میں بری کا استعمالی کپڑا دینا..................	۵۲۲
۴۲۷۰	استعمال شدہ کپڑے اور برتن زکوٰۃ میں دینا..................	۵۲۳
۴۲۷۱	زکوٰۃ میں رقم کے بجائے کپڑا، برتن وغیرہ دینا..................	۵۲۴
۴۲۷۲	زکوٰۃ کی رقم سے غریب بچوں کو کپڑے اور کتابیں دینا......	۵۲۵
۴۲۷۳	بعد التملیک زکوٰۃ کی رقم سے تبلیغی حضرات کے لئے لحاف سلوانا	۵۲۶
۴۲۷۴	زکوٰۃ وصدقات کی رقم سے مسلمانوں کی حفاظت کی غرض سے اسلحے خریدنا..................	۵۲۷
۴۲۷۵	زکوٰۃ کی رقم سے غریب شخص کو سامان خرید کر دینا..................	۵۲۸
۴۲۷۶	زکوٰۃ کی رقم سے غریب کو حج کرانا..................	۵۲۹
۴۲۷۷	زکوٰۃ کی رقم سے قرآن کریم اور دینی کتابیں خرید کر تقسیم کرنا	۵۳۰
۴۲۷۸	زکوٰۃ کی رقم سے فیس ادا کرنا..................	۵۳۱
۴۲۷۹	زکوٰۃ کے روپئے سے ہنر سیکھنے کے لئے ماسٹر رکھنا......	۵۳۲
۴۲۸۰	مدز کوٰۃ سے سید کا قرض ادا کرنا..................	۵۳۳
۴۲۸۱	شادی کے لئے زکوٰۃ کی رقم لینا..................	۵۳۴
۴۲۸۲	زکوٰۃ کی رقم غریب کی شادی میں دینا..................	۵۳۷
۴۲۸۳	زکوٰۃ کے پیسے سے شادی کرانا..................	۵۳۷
۴۲۸۴	غریب بچی کی شادی میں بقدر نصاب زکوٰۃ دینا..................	۵۳۹
۴۲۸۵	بذریعہ چیک زکوٰۃ کی رقم دینا..................	۵۴۰
۴۲۸۶	چیک کے ذریعہ دی گئی رقم میں زکوٰۃ کی ادائیگی کی تفصیل......	۵۴۱
۴۲۸۷	زکوٰۃ کی رقم مریض کی دوا یا تعمیر میں لگانا..................	۵۴۳
۴۲۸۸	زکوٰۃ کی رقم سے اسپتال میں غرباء کا علاج کرانا..................	۵۴۳

۴۲۸۹	زکوٰۃ کی رقم سے پتھری کی دوا منگا کر تقسیم کرنا	۵۴۵
۴۲۹۰	غریب کا قرض اپنی زکوٰۃ کی رقم سے ادا کرنا	۵۴۷
۴۲۹۱	قرضدار سے زکوٰۃ کی رقم لے کر قرضہ کی ادائے گی	۵۴۸
۴۲۹۲	مقروض کی زکوٰۃ ادا کرنے کا طریقہ	۵۴۹
۴۲۹۳	زکوٰۃ کی رقم سے مقروض کے قرض کی ادائیگی اور زکوٰۃ کا حکم	۵۵۰
۴۲۹۴	اپنے مقروض کو زکوٰۃ کی رقم دے کر اس سے قرضہ وصول کرنا	۵۵۲
۴۲۹۵	زکوٰۃ کی رقم مدیون کے قبضہ میں دے کر واپس لینے سے زکوٰۃ وقرض کی ادائیگی	۵۵۳
۴۲۹۶	ادائیگی زکوٰۃ کے لئے قرض دار کا مقروض کو زکوٰۃ کی رقم دینا	۵۵۴
۴۲۹۷	مقروض فقیر شخص کا زکوٰۃ کی رقم سے مکان بنانا	۵۵۵
۴۲۹۸	فقیر کو زکوٰۃ کی رقم سے مکان خرید کر دینا	۵۵۶
۴۲۹۹	زکوٰۃ کی رقم سے کمرے بنوانا	۵۵۷
۴۳۰۰	مستحق زکوٰۃ کو زکوٰۃ کی رقم سے مکان بنا کر دینا	۵۵۸
۴۳۰۱	زکوٰۃ کی رقم سے مکان بنا کر مستحق کو دینا	۵۵۹
۴۳۰۲	مال زکوٰۃ سے مکان تعمیر کر کے فقیر کو مالک بنانا	۵۶۱
۴۳۰۳	زکوٰۃ کی رقم سے غریب کو کرایہ پر مکان دلوانا	۵۶۳
۴۳۰۴	پگڑی میں زکوٰۃ کی رقم دینے سے زکوٰۃ ادا ہوجائیگی یا نہیں؟	۵۶۴
۴۳۰۵	کیا پگڑی پر فقیر کو مکان لے کر دینے سے زکوٰۃ ادا ہوجائیگی؟	۵۶۵
۴۳۰۶	سودی قرض لے کر زکوٰۃ ادا کرنا	۵۶۶
۴۳۰۷	سودی قرض کی ادائیگی میں زکوٰۃ کی رقم دینا	۵۶۷
۴۳۰۸	زکوٰۃ کا پیسہ سودی قرض میں دینا	۵۶۸
۴۳۰۹	زکوٰۃ کی رقم سے سودی قرض ادا کرنے یا منہا کرنے کا حکم	۵۶۹

۶/باب المصرف

۴۳۱۰ صاحب نصاب کون ہے؟ ۵۷۲
۴۳۱۱ صدقہ واجبہ اور زکوٰۃ کے مستحق کون؟ ۵۷۲
۴۳۱۲ فقیر و مسکین کسے کہتے ہیں؟ ۵۷۳
۴۳۱۳ فی سبیل اللہ کا مصداق ۵۷۴
۴۳۱۴ بدائع کی عبارت سے غلط فہمی ۵۸۰
۴۳۱۵ کیا فی سبیل اللہ کے مصداق ، مدارس ،مساجد اور اکیڈمیاں ہوسکتی ہیں؟ ۵۸۲
۴۳۱۶ زکوٰۃ وصدقۂ فطر کا بہترین مصرف ۵۸۳
۴۳۱۷ زکوٰۃ کس کو دیں طلبہ کو یا غریب لوگوں کو؟ ۵۸۴
۴۳۱۸ غیر مالک نصاب غریب کو زکوٰۃ لینا ۵۸۵
۴۳۱۹ غریب شخص زکوٰۃ لے سکتا ہے ۵۸۶
۴۳۲۰ سخت مجبوری میں زکوٰۃ کا روپیہ لینا ۵۸۷
۴۳۲۱ کیا رکشہ چلانے والا صاحب نصاب ہے ۵۸۸
۴۳۲۲ جس شخص پر صدقۃ الفطر واجب ہو اس کو زکوٰۃ دینا ۵۸۹
۴۳۲۳ صدقہ فطر کے نصاب کا مالک مستحق زکوٰۃ نہیں ۵۹۰
۴۳۲۴ کسی کو زبردستی زکوٰۃ دینا ۵۹۲
۴۳۲۵ استحقاق زکوٰۃ سے متعلق سوالات وجوابات ۵۹۳
۴۳۲۶ صدقات واجبہ کے مصارف ۶۰۰
۴۳۲۷ رشتہ داروں اور طلباء مدارس کو زکوٰۃ دینا ۶۰۴

۴۳۲۸ صاحب نصاب اقرباء کو زکوٰۃ دینا ۶۰۵
۴۳۲۹ کن رشتہ داروں کو زکوٰۃ دینا جائز ہے؟ ۶۰۶
۴۳۳۰ زکوٰۃ کا طریقہ اور رشتہ داروں یا کنبہ کو زکوٰۃ دینا ۶۰۷
۴۳۳۱ زکوٰۃ کی رقم سے بیٹے کا قرض ادا کرنا ۶۰۸
۴۳۳۲ اپنی اولاد کو زکوٰۃ دینا ۶۰۹
۴۳۳۳ بیٹی کو زکوٰۃ دینا ۶۱۰
۴۳۳۴ بیٹے کا باپ کو زکوٰۃ دینا ۶۱۱
۴۳۳۵ فقیر خسر کو داماد زکوٰۃ دے سکتا ہے یا نہیں؟ ۶۱۲
۴۳۳۶ مالدار والد کی غریب اولاد کو زکوٰۃ دینا ۶۱۳
۴۳۳۷ دولت مند شخص کی نابالغ اولاد کو زکوٰۃ دینا ۶۱۴
۴۳۳۸ نافرمان وشرابی اولاد کو زکوٰۃ اور امداد دینے یا وراثت سے
محروم کردینے کا حکم ۶۱۵
۴۳۳۹ کیا بھائی بھائی کو زکوٰۃ دے سکتا ہے؟ ۶۱۷
۴۳۴۰ تجارت کو فروغ دینے کے لئے بھائی کو زکوٰۃ دینا ۶۱۸
۴۳۴۱ بھائی کا اپنی بہن یا بھائی کو زکوٰۃ دینا ۶۱۹
۴۳۴۲ کیا بھائی بہن کو زکوٰۃ دے سکتا ہے؟ ۶۲۰
۴۳۴۳ حقیقی بہن کو زکوٰۃ دینا ۶۲۱
۴۳۴۴ بالغ غیر شادی شدہ بہن کو زکوٰۃ دینا ۶۲۲
۴۳۴۵ بہن کا بھائی کو زکوٰۃ کی رقم دینا ۶۲۳
۴۳۴۶ بہن کا بھائی کو بطور قرض زکوٰۃ کی رقم دینا ۶۲۴
۴۳۴۷ بہن بھائی بہنوئی سالے وغیرہ کو زکوٰۃ دینے کا حکم ۶۲۵

۴۳۴۸	بھائی بھتیجہ، بہن بھانجی، پھوپھی کوزکوٰۃ دینا	۶۲۶
۴۳۴۹	ساتھ میں رہنے والی بھابھی کوزکوٰۃ دینا	۶۲۷
۴۳۵۰	نابالغ کوزکوٰۃ دینا	۶۲۸
۴۳۵۱	سیدکوزکوٰۃ	۶۲۹
۴۳۵۲	سیداور بنی ہاشم کوزکوٰۃ دینا	۶۳۰
۴۳۵۳	سیدہ بیوہ عورت کوزکوٰۃ دینا	۶۳۳
۴۳۵۴	کیا آل ہاشم کوبھی صدقات واجبہ دینا جائز نہیں؟	۶۳۴
۴۳۵۵	صاحب نصاب لڑکی کی شادی کے لئے زکوٰۃ دینا	۶۳۵
۴۳۵۶	زکوٰۃ، فطرہ، قربانی کی کھال کس کودی جائے؟	۶۳۶
۴۳۵۷	ایک فقیر کو بیک وقت مکمل نصاب کا مالک بنانا	۶۳۷
۴۳۵۸	غریب کومال زکوٰۃ دے کرصاحب نصاب بنانا	۶۳۸
۴۳۵۹	زکوٰۃ کی رقم سے جنگی ہتھیار خریدنا یا تنخواہ میں دینا	۶۳۹
۴۳۶۰	وکیل کا زکوٰۃ کی رقم مؤکل کی بیوہ اولاد کودینا	۶۴۱
۴۳۶۱	تنخواہ نہ کافی ہونے والے ملازم کازکوٰۃ لینا	۶۴۲
۴۳۶۲	تجارت اوراچھی مزدوری کرنے والے کازکوٰۃ لینا	۶۴۳
۴۳۶۳	۲۵؍۳۰، بیگہ زمین کے مالک کاادائے قرض کے لئے زکوٰۃ وصول کرنا	۶۴۴
۴۳۶۴	غیرصاحب نصاب جائیداد کے مالک کوزکوٰۃ دینا	۶۴۵
۴۳۶۵	مالداروں کے گھر رہنے والی غریب لڑکی کوزکوٰۃ دینا	۶۴۶
۴۳۶۶	حج کے لئے زکوٰۃ کا سوال کرنا	۶۴۷
۴۳۶۷	نابینا حاجی کی مدد کے لئے بیناکوزکوٰۃ کی رقم سے بھیجنا	۶۴۸
۴۳۶۸	تبلیغ والوں کومدزکوٰۃ سے کھانا کھلانا	۶۴۹

۴۳۶۹ ڈاکٹری کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے زکوٰۃ وصدقہ دینا...... ٦۵٠
۴۳۷۰ صاحب نصاب کوعلاج کے لئے زکوٰۃ دینا...... ٦۵١
۴۳۷۱ غریب مریض کےعلاج ومعالجہ کے لئے زکوٰۃ دینا...... ٦۵٢
۴۳۷۲ صدقات وزکوٰۃ ہسپتال میں صرف کرنا...... ٦۵٣
۴۳۷۳ زکوٰۃ کی رقم غریبوں کے لئے تیارشدہ ہوسپٹل میں لگانا...... ٦۵۴
۴۳۷۴ صاحب نصاب فقیر برادری کے افرادکوزکوٰۃ دینا...... ٦۵٦
۴۳۷۵ سود یا زکوٰۃ کی رقم سے موٹرلگوانا...... ٦۵٧
۴۳۷۶ زکوٰۃ کی رقم تجہیزوتکفین میں خرچ کرنا...... ٦۵٨
۴۳۷۷ ڈپوزٹ میں دینے کے لئے زکوٰۃ کی رقم دینا...... ٦۵٩
۴۳۷۸ زکوٰۃ کی رقم کمیٹی کی رجسٹری وغیرہ میں صرف کرنا...... ٦٦٠
۴۳۷۹ صدقات واجبہ کی رقم سے بیت المال کی رسید چھپوانا...... ٦٦٢
۴۳۸۰ زکوٰۃ،فطرہ،صدقہ کی رقم سے مسافرخانہ تعمیر کرنا...... ٦٦٢
۴۳۸۱ زکوٰۃ کی رقم سے تعمیری قرض کی ادائیگی...... ٦٦٣
۴۳۸۲ کیامقروض مستحق زکوٰۃ ہے؟...... ٦٦۵
۴۳۸۳ کیامقروض مستحق زکوٰۃ ہے؟...... ٦٦٧
۴۳۸۴ مقروض کوزکوٰۃ کی رقم دینا...... ٦٦٨
۴۳۸۵ مقروض کوزکوٰۃ کی رقم دینا...... ٦٦٩
۴۳۸۶ مقروض شخص کی زکوٰۃ سے امداد کرنا...... ٦٧٠
۴۳۸۷ قرضدارکوزکوٰۃ دینے کاحکم...... ٦٧١
۴۳۸۸ مقروض کوقرض سے زائدزکوٰۃ دینا...... ٦٧٢
۴۳۸۹ غریب مقروض کو مالدارقرضخواہ کازکوٰۃ کی رقم دینا...... ٦٧٣

۴۳۹۰	زکوٰۃ کی رقم سے قرض کی ادائیگی	۶۷۴
۴۳۹۱	مالدار مقروض کو زکوٰۃ دینا	۶۷۵
۴۳۹۲	مالدار کا اپنا قرض ادا کرنے کے لئے زکوٰۃ لینا	۶۷۶
۴۳۹۳	غیر مستحق کا زکوٰۃ لے کر تجارت کرنا	۶۷۹
۴۳۹۴	کاروبار شروع کرنے کے لئے مدزکوٰۃ سے کتنی رقم دے سکتے ہیں؟	۶۸۰
۴۳۹۵	تجارت کو فروغ دینے کے لئے زکوٰۃ حاصل کرنا	۶۸۰
۴۳۹۶	کاروباری مقروض فقیر کو زکوٰۃ دینا	۶۸۲
۴۳۹۷	تجارتی مقروض کو زکوٰۃ دینے کا شرعی حکم	۶۸۳
۴۳۹۸	تجارتی مقروض مستحق زکوٰۃ ہے یا نہیں؟	۶۸۴
۴۳۹۹	سودی قرض ادا کرنے کے لئے زکوٰۃ دینا	۶۸۶
۴۴۰۰	غریب قاتل کو زکوٰۃ دینا	۶۸۸
۴۴۰۱	شیعہ کو زکوٰۃ دینا	۶۸۹
۴۴۰۲	کیا شیعہ کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے؟	۶۹۰
۴۴۰۳	غریب غیر مسلم کو زکوٰۃ کا پیسہ دینا	۶۹۱
۴۴۰۴	زکوٰۃ وصدقۃ الفطر غیر مسلم کو دینا	۶۹۲

۱۱/ بقية كتاب الزكوٰة

مسئلہ نمبر: ۷/ باب: مدارس میں زکوٰۃ صرف کرنے کا بیان صفحہ نمبر

۴۴۰۵ کس طرح کے مدارس کے لئے چندہ وصول کرنا جائز ہے؟............ ۳۱
۴۴۰۶ کیا مدرسے زکوٰۃ کا مصرف نہیں؟.................................. ۳۳
۴۴۰۷ مدرسہ میں زکوٰۃ کی رقم صرف کرنا.................................. ۳۴
۴۴۰۸ کس طرح کے مدارس میں زکوٰۃ جائز ہے؟............................ ۳۶
۴۴۰۹ مدرسوں کے لئے ضرورت سے زائد زکوٰۃ وصول کرنے کا حکم؟...... ۳۷
۴۴۱۰ محض چند طالبات کو وظیفہ دینے کے لئے زکوٰۃ کی وصولیابی کا حکم ۳۷
۴۴۱۱ زکوٰۃ کی رقم مدرسہ کی کن مدات میں صرف کر سکتے ہیں؟............ ۳۹
۴۴۱۲ مدرسہ کی زکوٰۃ کا مصرف اور تملیک کا طریقہ.......................... ۳۹
۴۴۱۳ چندہ کی رقم مدرسہ کی کن ضروریات میں خرچ کی جاسکتی ہے؟...... ۴۰
۴۴۱۴ زکوٰۃ کے دو اہم مصرف میں سے کسی کو دینا زیادہ افضل ہے؟...... ۴۲
۴۴۱۵ امداد نہ آنے والے مدرسہ میں زکوٰۃ صرف کرنا.......................... ۴۳
۴۴۱۶ مہتمم صاحب کا دوسرے مدرسہ کے طالب علم کو زکوٰۃ کی رقم دینا ۴۴
۴۴۱۷ دار الافتاء، دار المطالعہ وغیرہ کے لئے زکوٰۃ کی رقم سے کتابیں خریدنا ۴۵
۴۴۱۸ مقروض مدرس کو زکوٰۃ دینا جائز ہے.................................. ۴۶
۴۴۱۹ امام صاحب کے لئے صدقات واجبہ کی رقم وصول کرنا.......... ۴۷

۴۴۲۰ ڈرافٹ کا خرچہ مدز کوٰۃ سے ادا کرنا ۴۸
۴۴۲۱ ذمہ دار حضرات زکوٰۃ مصرف میں نہ خرچ کریں تو گناہ کس پر ہے؟ ۴۹
۴۴۲۲ نا معلوم سفراء کو زکوٰۃ دینے کا مسئلہ ۴۹
۴۴۲۳ مدرسہ کے آٹا پسائی کی اجرت زکوٰۃ کی رقم سے دینا ۵۰
۴۴۲۴ زکوٰۃ کی رقم سے ماہانہ فیس ادا کرنا ۵۱
۴۴۲۵ محفل قرأت کے اخراجات زکوٰۃ کی رقم سے پورے کرنا ۵۳
۴۴۲۶ زکوٰۃ، صدقات اور چرم قربانی کی رقم سے انجمن اور مدرسہ کی کتابیں خریدنا کیسا ہے؟ ۵۴
۴۴۲۷ زکوٰۃ کی رقم اور غلہ بلا تملیک مطبخ میں استعمال کرنا ۵۵
۴۴۲۸ مدرسہ کے مطبخ کا قرض زکوٰۃ سے ادا کرنا ۵۶
۴۴۲۹ زکوٰۃ کی رقم سے بلا تملیک قرض ادا کرنا ۵۷
۴۴۳۰ زکوٰۃ کی رقم سے مدرسہ کا قرض ادا کرنا ۵۸
۴۴۳۱ مستحق زکوٰۃ سفیر کو زکوٰۃ دینا ۵۹
۴۴۳۲ کیا مالدار طلباء مصرف زکوٰۃ ہیں؟ ۶۰
۴۴۳۳ زکوٰۃ کی رقم طالب علم کے لئے حلال ہے ۶۱
۴۴۳۴ مالدار طالب علم کو زکوٰۃ کی قم دینا ۶۲
۴۴۳۵ غنی طالب علم کے لئے زکوٰۃ لینا نیز مدرسہ کا کھانا کھانا ۶۴
۴۴۳۶ مستطیع طلباء کے لئے مدرسہ سے کھانا ۶۴
۴۴۳۷ مستطیع طالب علم کے لئے مدرسہ سے امداد لینا ۶۵
۴۴۳۸ غنی طالب علم کا مدرسہ سے وظیفہ لینا ۶۷

۴۴۳۹ غنی اور سید طالب علم پر زکوٰۃ کی رقم صرف کرنا ۶۸
۴۴۴۰ زکوٰۃ کی رقم سے طلبہ کو بٹھا کر کھانا کھلانا ۶۹
۴۴۴۱ مالدار و مستحقین زکوٰۃ طلبہ کا ایک ساتھ کھانا پکانا ۷۰
۴۴۴۲ زکوٰۃ وصدقات کی رقم سے بنے ہوئے کھانے کو غیر امدادی طلبہ کا کھانا ۷۲
۴۴۴۳ مدرسہ میں زکوٰۃ کی رقم سے بننے والے کھانے کا اساتذہ یا مہمان کا استعمال کرنا ۷۳
۴۴۴۴ کیا طالب علم مدرسہ کے کھانے کو بیچ سکتا ہے؟ ۷۴
مدارس میں مال زکوٰۃ کا استعمال کیسے ہو؟ (ایک تحقیقی جائزہ) ۷۸
کس قسم کے مدارس کیلئے زکوٰۃ وصول کرنا جائز ہے؟ ۷۸
ضرورت مند علماء کو زکوٰۃ دینا ۷۹
مالدار طالب علم کے لئے زکوٰۃ ۸۰
حیلۂ تملیک کیسے ہو؟ ۸۱
فقیر کا قرض لے کر مدرسہ کی ضروریات میں خرچ کرنا ۸۴
کیا عمارت کی تعمیر کے قرض کو مدز کوٰۃ سے ادا کیا جا سکتا ہے؟ ۸۵
زکوٰۃ کے پیسہ سے مطبخ کا قرض ادا کرنا ۸۵
تملیک کی بہترین شکل ۸۷
مدزکوٰۃ سے سفراء کی تنخواہ ۸۸
کیا مہتمم امیر المؤمنین کے حکم میں ہوسکتا ہے؟ ۸۹
مہتمم معطیین وطلبہ دونوں کا وکیل ۹۰
خلاصہ ۹۲
وکالت نامہ پر دستخط کافی کیوں نہیں ۹۳

۸/ باب: حیلۂ تملیک

۴۴۴۵ حیلۂ تملیک ۹۵
۴۴۴۶ تملیک وحیلۂ تملیک میں فرق ۹۶
۴۴۴۷ کیاحیلۂ تملیک سے زکوٰۃ ادا ہوجائے گی؟ ۹۷
۴۴۴۸ بغیر تملیک کے زکوٰۃ ادانہیں ہوتی ہے ۹۸
۴۴۴۹ کیاحیلۂ تملیک من گھڑت ہے؟ ۱۰۰
۴۴۵۰ تملیک کا صحیح طریقہ ۱۰۰
۴۴۵۱ دینی ضروریات کے لئے حیلۂ تملیک ۱۰۱
۴۴۵۲ صدقات واجبہ کی چیز کھا کرا ندا زے سے تملیک کرنا ۱۰۲
۴۴۵۳ تملیک کے لئے پیسہ لیکر واپس نہ کرنے پر زبردستی کرنا ۱۰۳
۴۴۵۴ صاحب نصاب معذور سے یا کسی کوانعام دے کر تملیک کرانا ۱۰۴
۴۴۵۵ کیابذریعۂ چیک حیلۂ تملیک کی شکل ہوسکتی ہے؟ ۱۰۴
۴۴۵۶ فدیہ کی رقم کی تملیک کیسے ہو؟ ۱۰۷
۴۴۵۷ عشر اور صدقہ کے تملیک کی صورت ۱۰۹
۴۴۵۸ حیلۂ تملیک کی بہتر شکل کیا ہے؟ ۱۱۰
۴۴۵۹ تملیک کی بہترین شکل ۱۱۱
۴۴۶۰ تملیک کی بہترین شکل ۱۱۴
۴۴۶۱ زکوٰۃ کی تملیک کی آسان شکل ۱۱۶
۴۴۶۲ تملیک کے لئے کیا فارم داخلہ کی وکالت کافی ہے؟ ۱۱۷
۴۴۶۳ کیافارم میں مدزکوٰۃ کے خانہ میں امداد لکھنا جائز ہے؟ ۱۱۹

۴۴٦۴	تملیک میں فقیر نے آدھا روپیہ رکھ لیا تو اس کا ضمان	۱۲۱
۴۴٦۵	حیلۂ تملیک کن مدارس میں کیا جاسکتا ہے؟	۱۲۲
۴۴٦٦	زکوٰۃ کی رقم دینی ضروریات میں صرف کرنے کیلئے حیلۂ تملیک کرنا	۱۲۳
۴۴٦۷	مقروض کے قرض کو زکوٰۃ میں بدلنے کا حیلہ	۱۲۴
۴۴٦۸	حیلۂ تملیک کی ناجائز شکلیں	۱۲۵
۴۴٦۹	وجوب زکوٰۃ سے بچنے کیلئے حیلہ کرنا	۱۲۷
۴۴۷۰	تعمیر کیلئے حیلۂ تملیک کرنا	۱۲۸

۹/ باب: مدز کوٰۃ تنخواہ یا تعمیر میں صرف کرنے کا حکم

۴۴۷۱	حیلۂ تملیک	۱۳۰
۴۴۷۲	حیلۂ تملیک کی اجازت کہاں ہے؟	۱۳۰
۴۴۷۳	مدز کوٰۃ سے طلبہ کی فیس ادا کرنا	۱۳۲
۴۴۷۴	زکوٰۃ کی رقوم میں تنخواہوں کیلئے تملیک کرانا	۱۳۴
۴۴۷۵	صدقات واجبہ کی رقم سے مدرسین کو تنخواہ یا بچوں کو سپارہ دلانا......	۱۳۵
۴۴۷٦	صدقات واجبہ کی رقم تنخواہوں یا دیگر ضروریات مدرسہ میں صرف کرنا	۱۳۷
۴۴۷۷	مدز کوٰۃ سے مدرسین کی تنخواہ دینا	۱۳۸
۴۴۷۸	زکوٰۃ کی رقم سے مدرسین یا امام کو تنخواہ دینا	۱۴۰
۴۴۷۹	مدز کوٰۃ سے سفراء کی تنخواہ	۱۴۱
۴۴۸۰	ٹیوشن پڑھانے والے کو زکوٰۃ کی رقم سے تنخواہ دینا	۱۴۲
۴۴۸۱	زکوٰۃ، فطرہ اور چرم قربانی کا پیسہ تنخواہ میں دینا	۱۴۴
۴۴۸۲	مدز کوٰۃ کی تملیک کے بعد مدرسین کے مشاہرات یا تعمیر میں صرف کرنا	۱۴۴

۴۴۸۳	زکوٰۃ کی رقم تنخواہ یا تعمیر میں صرف کرنے کی شرعی حیثیت......	۱۴۵
۴۴۸۴	صدقات واجبہ کی رقم تنخواہوں اور تعمیرات میں صرف کرنا......	۱۴۶
۴۴۸۵	مدارس کی تعمیر اور مدرس کی تنخواہ میں حیلۂ تملیک سے مال زکوٰۃ دینا	۱۴۸
۴۴۸۶	زکوٰۃ کی رقم حیلہ کے بعد اساتذہ کی تنخواہ اور تعمیر میں لگانا...........	۱۵۰
۴۴۸۷	زکوٰۃ، صدقہ، چرم قربانی کی رقم تنخواہ وتعمیر میں لگانے کی ممانعت	۱۵۳
۴۴۸۸	مدرسہ کے مد زکوٰۃ کی رقم بطور قرض لے کر مسجد کی تعمیر میں لگالیا تو کیا کریں	۱۵۴
۴۴۸۹	زکوٰۃ، صدقات، فطرہ اور چرم قربانی کی رقم مسجد میں استعمال کرنا	۱۵۶
۴۴۹۰	زکوٰۃ کی رقم مسجد کی دوکانوں میں لگانے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی	۱۵۷
۴۴۹۱	زکوٰۃ، فطرہ، صدقہ کی رقم سے مسافر خانہ تعمیر کرنا....................	۱۵۷
۴۴۹۲	مد زکوٰۃ سے فقراء کیلئے، مکانات، ہسپتال اور مدرسوں کی تعمیر......	۱۵۸
۴۴۹۳	تملیک کے بعد مسجد و مدرسہ کی عمارت میں صرف کرنے والے کو زکوٰۃ کی رقم دینا....................................	۱۵۹
۴۴۹۴	زکوٰۃ کی تملیک کرا کے عمارت میں لگانا..........................	۱۶۰
۴۴۹۵	بلا حیلۂ تملیک رقوم زکوٰۃ تعمیر میں لگانا..........................	۱۶۱
۴۴۹۶	کیا زکوٰۃ کی رقم تعمیر میں صرف کرنا جائز ہے؟......................	۱۶۲
۴۴۹۷	تعمیر میں زکوٰۃ کی رقم صرف کرنے کا حکم..........................	۱۶۳
۴۴۹۸	مدرسہ کی عمارت میں زکاۃ کی رقم صرف کرنے کا حکم................	۱۶۴
۴۴۹۹	زکوٰۃ کی رقم مدرسہ کی عمارت میں لگانا..........................	۱۶۵
۴۵۰۰	بلا ضرورت تعمیر کیلئے تملیک جائز نہیں..........................	۱۶۶
۴۵۰۱	اراضیٔ مدرسہ کی خریداری اور تعمیر میں زکوٰۃ کی رقم لگانا........	۱۶۷

۴۵۰۲	زکوٰۃ کی رقم مدرسہ کی تعمیر یا مدرس کی تنخواہ میں استعمال کرنا......	۱٦۸
۴۵۰۳	زکوٰۃ کی رقم بعد تملیک مدرسہ میں صرف کرنا......	۱٦۹
۴۵۰۴	تملیک کے بعد زکوٰۃ کی رقم تعمیر میں صرف کرنا......	۱۷۰
۴۵۰۵	تملیک کے بعد زکوٰۃ کی رقم مسجد میں صرف کرنا......	۱۷۱
۴۵۰٦	تملیک کے بعد زکاۃ کی رقم تعمیر میں لگانا جائز ہے	۳۷۲
۴۵۰۷	بغیر تملیک کے زکوٰۃ کی رقم سے مدرسہ بنانا اور اسکول کیلئے کرایہ دینا	۱۷۳
۴۵۰۸	زکوٰۃ فطرہ کی رقم مدرسہ کی عمارت میں صرف کرنا......	۱۷۴
۴۵۰۹	زکوٰۃ و چرم قربانی کی رقم سے مدرسہ کی زمین خریدنا اور تعمیر کرنا	۱۷۵
۴۵۱۰	زکوٰۃ، صدقات یا چرم قربانی کا روپیہ تعمیر مدرسہ میں لگانا......	۱۷٦

❑ ۱۰/ باب: سفراء کے احکام

۴۵۱۱	سفراء مدارس اور عاملین کے درمیان فرق ہے......	۱۷۹
۴۵۱۲	کیا سفراء عاملین کے حکم میں ہیں؟......	۱۸۲
۴۵۱۳	مہتمم معطیین وطلبہ دونوں کا وکیل......	۱۸۲
۴۵۱۴	مہتمم وسفراء طلبہ ومعطیین دونوں کے وکیل......	۱۸۵
۴۵۱۵	چندہ کے لئے مدرسہ کی تصویر لینا......	۱۸۵
۴۵۱٦	چندہ دہندگان کو اختیار ہے جس کو چاہیں دیں......	۱۸٦
۴۵۱۷	کیا چندہ دہندگان کی آمدنی کی تحقیق لازم ہے؟......	۱۸۸
۴۵۱۸	حلال وحرام کاروباری شخص سے چندہ لینا......	۱۸۹
۴۵۱۹	خنزیر کے بالوں سے برش بنانے والوں کا چندہ لینا......	۱۹۱
۴۵۲۰	برادری، بدعتی اور ریڈیو والے کا مدرسہ میں چندہ دینا کیسا ہے؟	۱۹۲

۴۵۲۱ سفیر کی شرعی حیثیت ۱۹۴
۴۵۲۲ وصولی کے ایام کے اخراجات کی رقم تنخواہ سے وضع کرنا ۱۹۵
۴۵۲۳ کیا پورے دن وصولی کرنا لازم ہے؟ ۱۹۶
۴۵۲۴ سفراء حضرات کا تحائف قبول کرنا ۱۹۶
۴۵۲۵ سفیر کو زکوٰۃ کی رقم خرچ کرنے میں کلی اختیار دینا ۱۹۸
۴۵۲۶ سفیر کا بوقت ضرورت مدرسہ کی رقم استعمال کرنا ۱۹۸
۴۵۲۷ سفیر کا فضول خرچی کرنا جائز نہیں ۲۰۰
۴۵۲۸ کیا سفیر دوران سفر اعلیٰ کھانا کھا سکتا ہے؟ ۲۰۰
۴۵۲۹ سفراء کا زکوٰۃ کی رقم سفر وطعام میں خرچ کرنا ۲۰۱
۴۵۳۰ سفیر کا سائیکل کی مرمت مدرسہ کی رقم سے کروانا ۲۰۲
۴۵۳۱ سفیر کا دوران سفر رشتہ داروں کے یہاں کھانا کھا کر سفر خرچ میں لکھنا ۲۰۳
۴۵۳۲ کیا لفٹ ملنے والے سفیر کا کرایہ وصول کرنا جائز ہے؟ ۲۰۳
۴۵۳۳ مدرسہ کا چندہ سفیر کے پاس امانت ہوتا ہے ۲۰۶
۴۵۳۴ محصلین کا واجب التملیک اور غیر واجب التملیک رقم کو ایک ہی جیب میں رکھنا ۲۰۷
۴۵۳۵ سفیر کا چندہ کی رقم ذاتی استعمال میں لانا ۲۰۸
۴۵۳۶ محصلین کا بطور قرض چندہ کی رقم لینا ۲۰۹
۴۵۳۷ چندہ کرنے والے مدارس کا اسی رقم سے سفر خرچ اور تنخواہ لینا ۲۱۰
۴۵۳۸ وکیل کا زکوٰۃ کی رقم اپنے خرچ میں لانا اور مدرسہ کا رجسٹر اپنے نام کرانا ۲۱۱
۴۵۳۹ وکیل کے پاس رقم آتے ہی موکل کی زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے ۲۱۳

۴۵۴۰	بلاتملیک چندہ کی رقم ذاتی استعمال میں لانا..................	۲۱۴
۴۵۴۱	مدرسہ کے فنڈ میں جمع کیے بغیر تنخواہ وصول کرنا..................	۲۱۵
۴۵۴۲	مکتب کے استاذ کا چندہ وصول کرکے اپنی تنخواہ لینا..................	۲۱٦
۴۵۴۳	مدرسین کا چندہ کی رقم بلاتملیک تنخواہ کے طور پر رکھنا..................	۲۱۷
۴۵۴۴	تملیک سے قبل مدرس سفیر کا اپنی تنخواہ وصول کرنا..................	۲۱۸
۴۵۴۵	بغیر تملیک کے مدرس کا زکوٰۃ کی رقم اپنی تنخواہ میں وضع کرانا......	۲۱۹
۴۵۴٦	سفراء مدارس کا اپنی تنخواہ خود تملیک کرکے لینا..................	۲۲۰
۴۵۴۷	سفیر کا زکوٰۃ کی رقم میں تبدیلی کرنا..................	۲۲۱
۴۵۴۸	چندہ کی رقم ذاتی رقم سے مخلوط ہوجائے تو کس طرح علیحدہ کریں؟	۲۲۲
۴۵۴۹	موکل کا زکوٰۃ کی رقم ذاتی استعمال میں لاکر دوبارہ غریب کو دینا	۲۲۳
۴۵۵۰	وکیل کا زکوٰۃ کی رقم اپنی ضروریات میں خرچ کرکے دوسرے روپیوں سے ادا کرنا..................	۲۲۵
۴۵۵۱	مدرسہ سے چور کے پیسہ چھین کر فرار ہونے کی صورت میں ضمان کا حکم	۲۲٦
۴۵۵۲	محصلین سے زکوٰۃ کی رقم چوری ہوجائے تو کیا حکم ہے؟..................	۲۲۷
۴۵۵۳	چندہ کی رقم کھوجائے تو ضمان کا حکم..................	۲۲۹
۴۵۵۴	سفیر سے زکوٰۃ کی رقم چوری ہوجائے تو کیا حکم ہے؟..................	۲۳۰
۴۵۵۵	چندہ کرتے وقت زکوٰۃ کی رقم چوری ہوجانے کا حکم..................	۲۳۱
۴۵۵٦	باہر جاکر قرآن سنانے والے مدرس کو رمضان کی تنخواہ نہ دینے کا فیصلہ	۲۳۳
۴۵۵۷	چندہ کرنے والے مدرس کو تنخواہ سے زائد رقم دینا..................	۲۳۴
۴۵۵۸	مدرس کو حسن کارکردگی پر انعام دینا..................	۲۳٦

۴۵۵۹ تنخواہ دار محصلین کو فیصد کے حساب سے رقم دینا ۲۳۷
۴۵۶۰ مدرسین کو چندہ کا معاوضہ دینا ۲۳۸
۴۵۶۱ تنخواہ دار ملازم کو حسن کارکردگی کی بناء پر فیصدی انعام ۲۳۸
۴۵۶۲ حسن کارکردگی کے عوض فی صدی انعام ۲۴۰
۴۵۶۳ سفراء وملازمین کو حسن کارکردگی پر فیصدی انعام ۲۴۱
۴۵۶۴ مدرسین کو رمضان المبارک میں چندہ کرنے پر انعام یا ڈبل تنخواہ دینا ۲۴۲
۴۵۶۵ چندہ کرنے والے مدرسین کو انعام دینا ۲۴۳
۴۵۶۶ چندہ وصول کنندہ کو تنخواہ سے زائد رقم دینا ۲۴۴
۴۵۶۷ مدرس سفیر کو ڈبل تنخواہ دینا ۲۴۵
۴۵۶۸ کمیشن پر چندہ کرنے سے متعلق چند سوالات ۲۴۶
۴۵۶۹ کمیشن پر چندہ ۲۵۰
۴۵۷۰ کمیشن لینے کے باوجود منکر کی امامت کا حکم ۲۵۲
۴۵۷۱ کمیشن پر چندہ کی دو صورتیں ۲۵۳
۴۵۷۲ تنخواہ دار ملازم کو فیصدی انعام دینا ۲۵۵
۴۵۷۳ زکوٰۃ کے پیسہ سے انعام کا لینا ۲۵۶
۴۵۷۴ اجرت پر چندہ کرنا ۲۵۷
۴۵۷۵ غیر ملازم کا نصفا نصفی کمیشن پر چندہ کرنا ۲۵۸
۴۵۷۶ پرسینٹ پر چندہ کرنا ۲۶۰
۴۵۷۷ غیر تنخواہ دار ملازم کا کمیشن پر چندہ کرنا ۲۶۰
۴۵۷۸ رسید کاٹنے والا انعام کا مستحق ہے ۲۶۱

۴۵۷۹ پچاس فیصد کمیشن پر چندہ کرانے کا حکم ۲۶۲
۴۵۸۰ کمیشن یا انعام پر چندہ کرانے کا حکم ۲۶۴
۴۵۸۱ سال میں پچاس ہزار روپئے کے وصولیابی کی شرط پر سفیر کی تنخواہ مقرر کرنا ۲۶۵
۴۵۸۲ آدھا آدھا چندہ تقسیم کرنے کی شرط پر چندہ کرانا ۲۶۶
۴۵۸۳ چندہ کرنے والوں کو کمیشن دینا ۲۶۷
۴۵۸۴ کمیشن پر چندہ کرنے سے متعلق چند سوالات کے جوابات ۲۶۸
۴۵۸۵ زکوٰۃ کی رقم بنام انعام سفیر کو دینا ۲۶۹
۴۵۸۶ کیا چندہ پر کمیشن لینا از روئے شرع درست ہے؟ ۲۷۱
۴۵۸۷ کمیشن پر چندہ اور فیصدی انعام ۲۷۲
۴۵۸۸ رمضانی سفیر کا پورے سال کی تنخواہ لینا ۲۷۳
۴۵۸۹ فیصد کے اعتبار سے چندہ کرنے پر انعام ۲۷۴
۴۵۹۰ کمیشن پر چندہ اور سفراء کا تملیک سے قبل اپنی تنخواہ نکال لینا...... ۲۷۵
۴۵۹۱ چندے کی رقم سے تنخواہ کیساتھ ۲۰/۲۵/ فیصد رقم لینا............ ۲۷۶
۴۵۹۲ کیا تنخواہ دار مدرس کا چندہ پر فیصدی انعام لینا درست ہے؟ ۲۷۶

۱۱/ باب: مکاتب میں زکوٰۃ صرف کرنے کا حکم

۴۵۹۳ مکتب میں زکوٰۃ ۲۸۰
۴۵۹۴ مکاتب میں زکوٰۃ دینا............ ۲۸۱
۴۵۹۵ مکتب زکوٰۃ وصدقات کا مصرف نہیں............ ۲۸۳
۴۵۹۶ کیا مکتب کے اخراجات کیلئے زکوٰۃ کی وصولیابی درست ہے؟ ۲۸۴
۴۵۹۷ محض مقامی طلبہ والے مدرسہ کے ذمہ داروں کا زکوٰۃ وصول کرنا ۲۸۷

۴۵۹۸	کس وقت مکتب کے لئے زکوٰۃ کی رقم وصول کرنا جائز ہے؟...........	۲۸۸
۴۵۹۹	مکتب میں زکوٰۃ کی رقم صرف کرنا جائز نہیں	۲۸۹
۴۶۰۰	غیر مستحق غریب مکتب والوں کا زکوٰۃ وصول کرنا.............	۲۹۱
۴۶۰۱	مقامی مدارس زکوٰۃ کے مستحق نہیں؟.......................	۲۹۲
۴۶۰۲	کیا مقامی حفظ قرآن کے مدرسے زکوٰۃ کے مصرف ہیں............	۲۹۴
۴۶۰۳	غیر اقامتی مدارس ومکاتب میں صدقات واجبہ کی رقم دینا.........	۲۹۵
۴۶۰۴	غیر اقامتی مدارس میں زکوٰۃ فطرہ صدقہ کی رقم دینا.............	۲۹۶
۴۶۰۵	پرائمری درجات کے مدارس میں زکوٰۃ وصدقات دینا..............	۲۹۷
۴۶۰۶	مقامی یتیم بچیوں والے مدرسے میں زکوٰۃ کا حکم................	۲۹۸
۴۶۰۷	اپنے گھر میں جاری کردہ مدرسہ کیلئے صدقات واجبہ لینا..........	۲۹۹
۴۶۰۸	مکتب میں زکوٰۃ کی رقم لگانا..............................	۳۰۰
۴۶۰۹	مقامی مکتب میں زکوٰۃ دینا................................	۳۰۱
۴۶۱۰	بچیوں سے فیس وصول کرنے والے مکتب میں زکوٰۃ دینے کا حکم	۳۰۲
۴۶۱۱	مکتب میں بچوں سے فیس اور زکوٰۃ لینا........................	۳۰۸
۴۶۱۲	مکتب میں حیلۂ تملیک کا حکم	۳۰۹
۴۶۱۳	جس مکتب میں مستحق زکوٰۃ طلبہ نہ ہوں وہاں تملیک کا حکم..........	۳۱۰
۴۶۱۴	مکتب کے محصلین کو زکوٰۃ دینا.............................	۳۱۱
۴۶۱۵	مکتب کی تعمیر کیلئے حیلۂ تملیک کرنے کی اجازت نہیں..........	۳۱۲
۴۶۱۶	مکتب کے بچوں کی کتاب وکاپی خریدنے کیلئے تملیک کی اجازت نہیں	۳۱۳
۴۶۱۷	مکتب میں بعد تملیک زکوٰۃ وصدقہ کی رقم صرف کرنا..........	۳۱۵

۴۶۱۸ مکتب میں زکوٰۃ کی رقم تملیک یا بلا تملیک استعمال کرنے کا حکم ۳۱۶
۴۶۱۹ مکتب کے استاذ کو تملیک کے بعد زکوٰۃ کی رقم دینا ۳۱۷

۱۲/ باب: اسکول میں زکوٰۃ کی رقم صرف کرنے کا حکم

اسکول میں زکوٰۃ کی رقم لگانا ۳۱۹
۴۶۲۱ جونیئر ہائی اسکول میں زکوٰۃ کی رقم ۳۱۹
۴۶۲۲ جونیئر اسکول میں حیلہ سے مال زکوٰۃ صرف کرنا ۳۲۰
۴۶۲۳ کمیٹی کا مکتب میں زکوٰۃ کا روپیہ دینا ۳۲۲
۴۶۲۴ مخلوط تعلیم والے مدرسہ میں زکوٰۃ ۳۲۳
۴۶۲۵ مدرسہ کے نام پر چلنے والے اسکول میں زکوٰۃ دینا ۳۲۳
۴۶۲۶ کیا زکوٰۃ کی رقم مشترکہ مدرسہ واسکول میں دینے سے ادا ہو جائے گی ۳۲۵
۴۶۲۷ زکوٰۃ کی رقم اسپتال واسکول میں لگانا ۳۲۶
۴۶۲۸ غیر سرکاری ہاسپٹل میں زکوٰۃ ۳۲۷
۴۶۲۹ زکوٰۃ اور چرم قربانی کی رقم حیلۂ تملیک کے بعد اسکول میں صرف کرنا ۳۲۸
۴۶۳۰ کسی کمیٹی کا انجمن کو زکاۃ کی رقم سے چلانا ۳۲۹
۴۶۳۱ زکوٰۃ کی رقم اسکول کی ماہانہ فیس وغیرہ میں صرف کرنا ۳۳۰
۴۶۳۲ زکوٰۃ کی رقم سے اسکولی غریب بچوں کی فیس جمع کرنا ۳۳۲
۴۶۳۳ اسکول کے اساتذہ کی تنخواہ مد زکوٰۃ سے دینا ۳۳۳
۴۶۳۴ زکوٰۃ کی رقم ہائی اسکول اور ماسٹروں کی تنخواہ میں دینا ۳۳۴
۴۶۳۵ حیلۂ تملیک کے بعد دینی مدرسہ کے پرائمری درجات کے ماسٹروں کو تنخواہ دینا ۳۳۵

۱۳/ باب العشر والخراج

۴۶۳۶ عشر زکوٰۃ ہے یا امداد وصدقہ ۳۳۷
۴۶۳۷ گنے کی قیمت پر زکوٰۃ کا حکم ۳۳۷
۴۶۳۸ زمین کی پیداوار پر زکوٰۃ کا حکم ۳۳۸
۴۶۳۹ گنے کی زکوٰۃ نکالنے کا طریقہ ۳۳۹
۴۶۴۰ زرعی زمین پر زکوٰۃ واجب نہیں ۳۳۹
۴۶۴۱ آسام کی زمین عشری ہے یا خراجی ۳۴۰
۴۶۴۲ ہندوستان کی کونسی زمین میں عشر واجب ہے؟ ۳۴۱
۴۶۴۳ ہندوستانی زمینیں عشری ہیں یا نہیں؟ ۳۴۲
۴۶۴۴ موجودہ ہندوستانی زمین عشری ہے یا نہیں؟ ۳۴۳
۴۶۴۵ کیا موجودہ ہندوستانی زمینیں عشری ہیں؟ ۳۴۳
۴۶۴۶ ہندوستان کی زمین عشری ہے یا خراجی ۳۴۴
۴۶۴۷ ہندوستانی زمینوں کی عشری حیثیت ۳۴۶
۴۶۴۸ ہندوستانی زمین کی پیداوار کا حکم ۳۴۸
۴۶۴۹ مؤونت الخراج میں کب عشر اور کب نصف عشر واجب ہے؟ ۳۴۹
۴۶۵۰ ہندوستانی زمین کی پیداوار سے عشر نکالے بغیر فروخت کرنا ۳۵۳
۴۶۵۱ مال عشر سے مکتب کے اساتذہ کو تنخواہ دینا ۳۵۳
۴۶۵۲ صدقہ اور عشر کے غلہ سے مدرسین کا کھانا کھانا ۳۵۴
۴۶۵۳ عشر کی رقم سے ہتھیار خریدنا، محلّہ یا عیدگاہ کی سڑک بنانا یا کتابیں خریدنا ۳۵۵

(۱۲) کتاب الصدقات

۴۶۵۴	صدقۂ نافلہ وواجبہ کی تعریف	۳۵۶
۴۶۵۵	صدقۂ واجبہ اور نافلہ کا مصرف	۳۵۷
۴۶۵۶	ماہ رمضان میں صدقہ وخیرات کا ثواب ستر گنا ملتا ہے	۳۵۸
۴۶۵۷	روزانہ صدقہ ضروری ہے یا اکھٹے کئی دنوں کا صدقہ کر سکتے ہیں؟	۳۶۲
۴۶۵۸	اہل قرابت کو بغیر بتائے صدقہ خیرات کا حکم	۳۶۲
۴۶۵۹	آمدنی کا چالیسواں حصہ اللہ کے نام پر نکالنے کی نیت کی اس کا مصرف	۳۶۳
۴۶۶۰	اصول وفروع کو کون سا صدقہ دے سکتے ہیں؟	۳۶۴
۴۶۶۱	ضرورت مند سید کو نفلی صدقہ دینا	۳۶۵
۴۶۶۲	امام کی تنخواہ کیلئے چندہ	۳۶۶
۴۶۶۳	پرانے کپڑوں کا مصرف	۳۶۷
۴۶۶۴	نفلی صدقات کی رقم سے وکیل عالم دین کا کتابیں خریدنا	۳۶۷
۴۶۶۵	چندہ کرنے والوں کا صدقہ کی رقم سے تیار کردہ کھانا خود کھانا کیسا ہے؟	۳۶۸
۴۶۶۶	ہندو کو صدقہ وخیرات دینا	۳۶۹
۴۶۶۷	کافر کو کون سا صدقہ دے سکتے ہیں؟	۳۷۰
۴۶۶۸	فساد زدگان کیلئے جمع شدہ رقم کو دوسرے مد میں صرف کرنا	۳۷۰
۴۶۶۹	کسی شخص کا اللہ کے نام پر سوال کرنا	۳۷۱
۴۶۷۰	پیشہ ور فقیر کا ایک دن کا رزق ہونے کے باوجود سوال کرنا	۳۷۲
۴۶۷۱	طلبۂ علوم دینیہ پر خرچ کرنا صدقہ ہے جس سے رجوع جائز نہیں	۳۷۴
۴۶۷۲	نذر وغیرہ صدقات کے گوشت کو خریدنا	۳۷۵
۴۶۷۳	کیا مسجد کیلئے استنجاء خانہ بنانا صدقۂ جاریہ ہے؟	۳۷۵

۴۶۷۴ مظلومین کے لئے جمع شدہ رقم مسجد و مدرسہ میں دینا؟ ۳۷۶
۴۶۷۵ نفلی حج بدل سے بہتر تعمیر مدرسہ ۳۷۷
۴۶۷۶ مرحوم والد کے نام سے صدقہ کرنے کی بہتر صورت ۳۷۹
۴۶۷۷ اولاد والدہ کا حج بدل کروائے یا اتنی رقم صدقات جاریہ میں لگادے؟ ۳۷۹
۴۶۷۸ منظوری نہ ملنے کے سبب حج بدل کی رقم کو صدقۂ جاریہ میں لگانا ۳۸۱
۴۶۷۹ جان کے بدلے جان کی نیت سے جانور ذبح کرنا ۳۸۲
۴۶۸۰ دفع مرض کیلئے صدقہ کرنا ۳۸۴
۴۶۸۱ طلباء کو بکری کا گوشت کھلانے کیلئے دی گئی رقم سے گائے کا گوشت خریدنا کیسا ہے؟ ۳۸۵
۴۶۸۲ کیا بکرا ذبح کرنا ہی صدقہ ہے؟ ۳۸۶
۴۶۸۳ جان کے بدلے جان سمجھ کر مریض کی طرف سے بکرا ذبح کرنا ۳۸۷
۴۶۸۴ عمارت کی بنیاد میں خون ڈالنے کیلئے بکرا ذبح کرنا ۳۸۸

۱۳/ کتاب الصوم

۱ /باب الصوم و متعلقاته

۴۶۸۵ رمضان کے روزہ کی فرضیت کب ہوئی؟ ۳۹۰
۴۶۸۶ روزہ کی نیت میں لفظ غدٍ پر اشکال وجواب ۳۹۱
۴۶۸۷ بصوم غدٍ نویت الخ کا ثبوت کس حدیث سے ہے؟ ۳۹۲
الف: ۴۶۸۸ مرض کے بڑھنے کے اندیشے کی وجہ سے افطار کرنا ۳۹۳
ب: ۴۶۸۸ کیا اسقاط حمل کے بعد خون نہ آئے تو نماز روزہ واجب ہے؟ ۳۹۴
۴۶۸۹ حالت نفاس میں روزہ کا حکم ۳۹۴

۲/باب رؤیة الهلال

۴۶۹۰	کیا رؤیت ہلال کے شرعی ضوابط پر عمل کرنا لازم ہے............	۳۹۶
۴۶۹۱	رؤیۃ الہلال کے شرعی اعلان پر عمل کرنا............	۳۹۷
۴۶۹۲	کیا مستند علماء کا فیصلہ رؤیت ہلال کے بارے میں واجب العمل ہے؟	۳۹۸
۴۶۹۳	کیا ہلال کمیٹی کا اعلان معتبر ہے؟............	۳۹۹
۴۶۹۴	دار العلوم کی خبر پر روزہ توڑنا............	۴۰۰
۴۶۹۵	رؤیت ہلال کے مسئلہ میں کس کی خبر معتبر ہے؟............	۴۰۰
۴۶۹۶	کتاب القاضی الی القاضی کے تحت رؤیت ہلال کا فیصلہ............	۴۰۲
۴۶۹۷	امامت اور کتاب القاضی الی القاضی کے شرائط............	۴۰۴
۴۶۹۸	ایک جگہ کی رؤیت کا کتنی مسافت تک اعتبار رہوگا؟............	۴۰۶
۴۶۹۹	کیا ایک جگہ کی رؤیت دوسری جگہ کی رؤیت کیلئے کافی ہے؟......	۴۰۸
۴۷۰۰	اختلاف مطالع............	۴۱۱
۴۷۰۱	کہاں تک کی رؤیت کا اعتبار ہوگا اور اختلاف مطالع سے کیا مراد ہے؟	۴۱۴
۴۷۰۲	رمضان میں سعودیہ سے ہندوستان آنے والا شخص روزہ کب تک رکھے؟	۴۱۶
۴۷۰۳	اختلاف مطالع کی وجہ سے ۳۲/روزے کی فرضیت کی ایک صورت	۴۱۶
۴۷۰۴	شرعی ثبوت کے بعد اختلاف کی وجہ سے عیدین کو مؤخر کرنا......	۴۱۸
۴۷۰۵	رمضان المبارک کی تاریخ میں اختلاف............	۴۲۰
۴۷۰۶	سوال بر جواب............	۴۲۱
۴۷۰۷	عید الفطر کی تاریخ میں اختلاف............	۴۲۱
۴۷۰۸	ہلال کمیٹی غلط اعلان کردے تو کیا حکم ہے؟............	۴۲۲
۴۷۰۹	شرعی شہادت کے باوجود سابقہ اجتماعی غلط فیصلہ برقرار رکھنا......	۴۲۳
۴۷۱۰	شرعی شہادت کے باوجود بلا عذر عید الاضحیٰ کو ایک دن مؤخر کرنا......	۴۲۵

۴۷۱۱	سعودیہ عربیہ کی رؤیت ہلال کا فیصلہ معتبر ہے یا غیر معتبر............	۴۲۹
(الف)۴۷۱۲	سعودیہ کی رؤیت ہندوستان کیلئے معتبر نہیں..............	۴۳۲
(ب)۴۷۱۲	کیا مکہ کی رؤیت ہندوستان کیلئے معتبر ہے؟....................	۴۳۲
۴۷۱۳	نینی تال کے پہاڑوں کے اوپر سے دیکھے ہوئے چاند کا اعتبار	۴۴۰
۴۷۱۴	ہیلی کاپٹر اور ہوائی جہاز سے دیکھے ہوئے چاند کا اعتبار............	۴۴۱
۴۷۱۵	چشمہ لگا کر چاند دیکھنا..	۴۴۲
۴۷۱۶	دوربین وخوردبین کی رؤیت کا حکم..............................	۴۴۳
۴۷۱۷	پاکستانی رؤیت ہلال کے شرعی اعلان پر ہندوستان میں عمل......	۴۴۳
۴۷۱۸	ریڈیو کے ذریعے رؤیت ہلال کی خبر کا شرعی حکم..................	۴۴۴
۴۷۱۹	ریڈیو میں دلی سے اعلان..	۴۴۵
۴۷۲۰	ریڈیو اسٹیشن کے اعلان پر اعلان کرنا..............................	۴۴۷
۴۷۲۱	ریڈیو کی خبر کا اعتبار رہے یا نہیں..................................	۴۴۸
۴۷۲۲	تار، ٹیلیفون اور ریڈیو کی خبر کا حکم..................................	۴۴۹
۴۷۲۳	آبزرویٹری کی پیشن گوئی سے رویت ہلال کے ثبوت کا حکم......	۴۵۱

۳/ باب السحور والإفطار

۴۷۲۴	منتہائے سحر اور صبح صادق سے قبل اذان فجر دینا..................	۴۵۵
۴۷۲۵	سحری کا وقت..	۴۵۶
۴۷۲۶	سحری کا آخری وقت اور حدیث ابو داؤد میں اذان کے وقت پانی پینے کا مطلب............................	۴۵۷
۴۷۲۷	دوران سحری اذان ہونے پر کھانا کھائے یا رک جائے............	۴۵۹
۴۷۲۸	انتہائے سحر سے متعلق امداد الفتاویٰ کی عبارت کی توضیح............	۴۶۰
۴۷۲۹	سحری سے قبل مسجدوں میں اٹھنے کا اعلان کرنا....................	۴۶۱

۴۷۳۰	سحری کیلئے لوگوں کو بیدار کرنا اور وقت بتانا........................	۴۶۲
۴۷۳۱	سحری کیلئے بیدار کرنے کی غرض سے وقفہ وقفہ سے اعلان کرنا......	۴۶۳
۴۷۳۲	سحری وافطار کیلئے نقارہ بجانا........................	۴۶۴
۴۷۳۳	سحری اور افطار کی دعاء کا ثبوت........................	۴۶۶
۴۷۳۴	لاؤڈ اسپیکر پر ختم سحری وطلوع آفتاب کا اعلان........................	۴۶۷
۴۷۳۵	حالت جنابت میں سحری کھانا........................	۴۶۸
۴۷۳۶	افطار کے وقت اذان دینا سنت ہے یا اعلان کرنا........................	۴۶۹
۴۷۳۷	سائرن اور اذان میں وقفہ ہو یا اذان اور جماعت میں؟........................	۴۷۰
۴۷۳۸	حرام کمائی کرنے والے کی افطار کا حکم........................	۴۷۱
۴۷۳۹	ہندؤں کے یہاں افطار کرنے کا حکم........................	۴۷۲
۴۷۴۰	غیر مسلموں کے یہاں روزہ افطار کرنے کا حکم........................	۴۷۴
۴۷۴۱	ہندو کی افطاری سے افطار کرنا........................	۴۷۴
۴۷۴۲	غیر مسلم کے یہاں افطاری کرنے والے کے روزہ کا حکم........................	۴۷۵

۴/باب مایفسد الصوم و مالا یفسد

۴۷۴۳	پائریا کے مریض کا خون پیٹ میں جانا........................	۴۷۶
۴۷۴۴	روزہ میں تمبا کو پاؤڈر سے تیار شدہ توتھ پیسٹ کا استعمال......	۴۷۷
۴۷۴۵	روزہ میں گل منجن کرنا........................	۴۷۸
۴۷۴۶	روزے میں انجکشن، گلوکوز اور خون چڑھانا........................	۴۷۹
۴۷۴۷	روزہ کی حالت میں انجکشن لگوانا اور گلوکوز چڑھوانا........................	۴۸۰
۴۷۴۸	روزہ دار کا انجکشن لگوانا یا خون نکلوانا........................	۴۸۱
۴۷۴۹	گلوکوز چڑھانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا........................	۴۸۲
۴۷۵۰	بحالت صوم آنکھوں میں دوا ڈالنا........................	۴۸۳

۴۷۵۱ روزہ کی حالت میں آنکھ میں دواڈالنا............ ۴۸۴
۴۷۵۲ کیا کان میں دواڈالنا مفسد صوم ہے؟............ ۴۸۵
۴۷۵۳ روزہ کی حالت میں خون دینا............ ۴۸۶
۴۷۵۴ روزہ کی حالت میں بدن میں خون یا گلوکوز چڑھوانا............ ۴۸۷
۴۷۵۵ روزہ کی حالت میں انجکشن لگا کر ڈاڑھ نکالنا............ ۴۸۸
۴۷۵۶ روزے کی حالت میں آپریشن کرانا............ ۴۸۹
۴۷۵۷ حالت صوم میں ڈائیلیسس کرانا............ ۴۹۰
۴۷۵۸ بحالت صوم پتہ کا آپریشن............ ۴۹۱
۴۷۵۹ حالت صوم میں پھیپھڑے سے پانی نکالنا............ ۴۹۲
۴۷۶۰ روزہ کی حالت میں انہیلر کا استعمال............ ۴۹۳
۴۷۶۱ بحالت صوم دمہ کے مریض کا انہیلر استعمال کرنا............ ۴۹۷
۴۷۶۲ کیا زبان کے نیچے دوا رکھنا مفسد صوم ہے؟............ ۴۹۸
۴۷۶۳ کیا کانچ کو اندر داخل کرنے سے روزہ فاسد ہو جائیگا؟............ ۵۰۱
۴۷۶۴ بحالت صوم بواسیری مسے کو اندر داخل کرنا............ ۵۰۲
۴۷۶۵ ناپاکی کی حالت میں روزہ رکھنے کا حکم............ ۵۰۴
۴۷۶۶ روزہ کی حالت میں تھوک نگلنا............ ۵۰۵
۴۷۶۷ بحالت روزہ اگربتی جلانا............ ۵۰۵
۴۷۶۸ حالت صوم میں اگربتی اور دیگر دھوئیں کا حکم............ ۵۰۷
۴۷۶۹ روزہ کی حالت میں اگربتی جلانا............ ۵۰۸
۴۷۷۰ بحالت صوم مشت زنی............ ۵۰۹
۴۷۷۱ حالت صوم میں انزال ہو جائے تو کیا حکم ہے؟............ ۵۰۹
۴۷۷۲ بحالت صوم امرد کی تقبیل اور معانقہ سے انزال ہونا............ ۵۱۰

۴۷۷۳ حالت صوم میں منھ کی بو مضر نہیں ۵۱۱
۴۷۷۴ حالت صوم میں بیوی سے بوس وکنار ۵۱۳
۴۷۷۵ بیوی کا تھوک نگلنے سے روزہ کا حکم ۵۱۴
۴۷۷۶ روزہ کی حالت میں بیوی کا بوسہ لینا ۵۱۵
۴۷۷۷ حالت صوم میں بیوی کو یاد کرنے سے انزال ہونا ۵۱۶
۴۷۷۸ روزہ دار کا مرتد ہوکر پھر اسلام لے آنا ۵۱۷
۴۷۷۹ غلطی سے وقت سے پہلے افطار کرنے کا حکم ۵۱۸

۵/ باب القضاء والکفارۃ والفدیۃ

۴۷۸۰ بغیر چاند دیکھے محض ریڈیو کی خبر پر ۳۰ر رمضان کو افطار کرنا ۵۲۰
۴۷۸۱ اذان تک سحری کھانا ۵۲۱
۴۷۸۲ جان بوجھ کر روزہ توڑ دینے کا حکم ۵۲۱
۴۷۸۳ روزہ کا فدیہ ادا کرنے کا شرعی طریقہ ۵۲۲
۴۷۸۴ روزہ کا فدیہ کن صورتوں میں ہے؟ ۵۲۳
۴۷۸۵ فدیہ صوم کے مستحق کون؟ ۵۲۴
۴۷۸۶ روزہ کا فدیہ کب اور کس کو دیا جائے؟ اور فدیہ کی مقدار ۵۲۴
۴۷۸۷ روزہ ونماز کا کفارہ ۵۲۶
۴۷۸۸ بچوں و جوان ومسکینوں کو کفارہ کا کھانا کھلانا ۵۲۷
۴۷۸۹ بہشتی زیور کتاب الصوم کے ایک مسئلہ کی تشریح ۵۲۷
۴۷۹۰ ماہواری کی وجہ سے چھوٹے ہوئے روزوں کی قضاء یا فدیہ ۵۳۰
۴۷۹۱ شوگر کے مریض کو فدیہ ادا کرنا ۵۳۱
۴۷۹۲ بیماری کی وجہ سے چھوٹے ہوئے روزوں کا فدیہ ۵۳۲
۴۷۹۳ بیس سال کے روزوں اور انیس سال کی نمازوں کا فدیہ ۵۳۴

۴۷۹۴ روزہ کا فدیہ کا فر کو دینا ۵۳۴
۴۷۹۵ دائمی مرض اور صحت کی نا امیدی میں روزہ کا فدیہ ۵۳۵
۴۷۹۶ دل کے مریض والے آدمی کا روزہ، امامت اور فدیہ کا حکم ۵۳۶
۴۷۹۷ روزہ رکھنے کی طاقت نہیں تو کیا کرے؟ ۵۳۸
۴۷۹۸ مرض کے سبب روزہ رکھنے کی طاقت نہیں ۵۳۹
۴۷۹۹ رمضان میں سخت بیماری میں مبتلاء مریض کیا کرے؟ ۵۴۰
۴۸۰۰ ۵۵؍سالہ آدمی شیخ فانی نہیں ۵۴۱
۴۸۰۱ سانس کی مریضہ کا روزہ میں مشین استعمال کرنا ۵۴۲
۴۸۰۲ اسہال کی وجہ سے روزہ توڑنا ۵۴۴
۴۸۰۳ مرضعہ، حاملہ روزہ نہ رکھ سکے تو کیا کرے؟ ۵۴۵

۶/باب الاعتکاف

۴۸۰۴ اعتکاف سے متعلق چند سوالات ۵۴۷
۴۸۰۵ کس مسجد میں اعتکاف مسنون ہے؟ ۵۴۹
۴۸۰۶ غیر شرعی مسجد میں اعتکاف کا حکم ۵۵۰
۴۸۰۷ کیا اعتکاف کیلئے مسجد شرعی شرط ہے؟ ۵۵۱
۴۸۰۸ گاؤں کی مسجد چھوڑ کر دوسرے گاؤں کی مسجد میں اعتکاف ۵۵۲
۴۸۰۹ کیا نفلی اعتکاف کے لئے روزہ شرط ہے؟ ۵۵۳
۴۸۱۰ دوران اعتکاف انتقال ہو جائے تو کیا حکم ہے؟ ۵۵۴
۴۸۱۱ رمضان میں کتنے دن کا اعتکاف مسنون ہے؟ ۵۵۵
۴۸۱۲ کیا عورت کے اعتکاف میں بیٹھنے سے سنت ادا ہو جائیگی؟ ۵۵۶
۴۸۱۳ خانقاہی اعتکاف ۵۵۷
۴۸۱۴ آخری عشرہ میں ایک دو دن یا تین دن کا اعتکاف ۵۵۹

۴۸۱۵ اعتکاف میں نیابت ۵۶۰
۴۸۱۶ حالت حیض میں اعتکاف ۵۶۱
۴۸۱۷ ایام حیض میں اعتکاف کرنا ۵۶۲
۴۸۱۸ اعتکاف کی حالت میں قرآن سننے کیلئے دوسری مسجد جانا ۵۶۳
۴۸۱۹ جس کا اعتکاف ٹوٹ جائے تو وہ کیا کرے؟ ۵۶۴
۴۸۲۰ کیا اعتکاف کی قضاء لازم ہے؟ ۵۶۵
۴۸۲۱ بلا عذر شرعی اعتکاف کو فسخ کرنا ۵۶۶
۴۸۲۲ معتکف کا وضو کرنے کیلئے مسجد سے باہر نکلنا اور بیڑی پینا ۵۶۶
۴۸۲۳ حالت اعتکاف میں لیڈی ٹیچر کا اسکول میں حاضری دینا ۵۶۷
۴۸۲۴ حالت اعتکاف میں دوا کھا کر روزہ توڑ دینا ۵۶۹
۴۸۲۵ خادم کی موجودگی میں پانی لانے کیلئے معتکف کا مسجد سے باہر جانا ۵۶۹
۴۸۲۶ غسل تبرید کیلئے مسجد سے باہر نکلنے کا حکم؟ ۵۷۰
۴۸۲۷ جنبی معتکف غسل کیلئے مسجد سے باہر کیسے نکلے؟ ۵۷۱
۴۸۲۸ میت کی تجہیز و تکفین کیلئے معتکف کا مسجد سے باہر نکلنا ۵۷۲
۴۸۲۹ عشرۂ اخیرہ کے اعتکاف میں نماز جنازہ کیلئے مسجد سے باہر نکلنا ۵۷۴
۴۸۳۰ و فیه استحباب الاعتکاف الخ کی وضاحت ۵۷۷
۴۸۳۱ اعتکاف واجب اور نفل کے سلسلے میں عمدۃ القاری کی عبارت کی تشریح ۵۷۸
۴۸۳۲ قربت مشروعہ و مقصودہ سنت مؤکدہ ہے یا مستحب ۵۷۹
۴۸۳۳ عمدۃ القاری کی عبارت ''الاعتکاف مطلقا'' کی وضاحت ۵۸۱
۴۸۳۴ سنت مؤکدہ، مستحب اور قربت مقصودہ ۵۸۲
۴۸۳۵ اعتکاف کی قضاء اور وقت ۵۸۵

۴۸۳۶ کیا نفلی روزہ رکھنے کیلئے بیوی کی اجازت ضروری ہے؟............ ۵۸۷
۴۸۳۷ شب برأت کی تعیین.................................... ۵۸۸
۴۸۳۸ لیلۃ القدر میں اجتماعی سورۂ یاسین پڑھ کر دعا کرنے کا حکم........... ۵۸۸
۴۸۳۹ شوال کے چھ روزے کی فضیلت................................ ۵۹۰
۴۸۴۰ نصف شعبان کے روزہ کی شرعی حیثیت.......................... ۵۹۱
۴۸۴۱ پندرھویں شعبان کولیکر دیوبندی، بریلوی اور غیر مقلدین میں اختلاف ۵۹۳
۴۸۴۲ پندرہ شعبان کے روزے کا حکم................................ ۵۹۵
۴۸۴۳ کیا صوم عاشوراء منفرداً مکروہ ہے؟............................ ۵۹۶
۴۸۴۴ نویں ذی الحجہ کا روزہ کب رکھا جائے؟.......................... ۵۹۸
۴۸۴۵ سنیچر، صرف عاشوراء اور نوروز کا روزہ کیوں مکروہ ہے؟............... ۵۹۹
۴۸۴۶ نفلی روزوں میں رمضان کے قضاء روزوں کی نیت.................... ۶۰۰
۴۸۴۷ یوم الشک میں روزہ رکھنا...................................... ۶۰۱

۸/باب صدقة الفطر

۴۸۴۸ صدقۂ فطر سے متعلق چند سوالات کے جوابات....................... ۶۰۳
۴۸۴۹ کیا غریب شخص پر بھی صدقۃ الفطر ادا کرنا لازم ہے؟................ ۶۰۶
۴۸۵۰ صدقۂ فطر... ۶۰۷
۴۸۵۱ فطرہ کی مقدار... ۶۰۷
۴۸۵۲ صدقۂ فطر کی مقدار....................................... ۶۰۸
۴۸۵۳ صدقۂ فطر کی مقدار کیا ہے؟................................ ۶۰۹
۴۸۵۴ تعداد صدقۂ فطر.. ۶۱۰
۴۸۵۵ صدقۃ الفطر کا وزن....................................... ۶۱۱

۴۸۵۶	موجودہ اوزان کے اعتبار سے صدقۃ الفطر کی مقدار....................	۶۱۳
۴۸۵۷	صدقۂ فطر ایک مسکین کو دیا جائے یا متعدد کو؟....................	۶۱۴
۴۸۵۸	مقررین صدقۂ فطر میں کھجور کا نصاب کیوں نہیں بیان کرتے؟......	۶۱۵
۴۸۵۹	مالدار مسافر پر صدقۂ فطر لازم ہونے میں کہاں کے مال کا اعتبار؟	۶۱۶
۴۸۶۰	وہاں کی قیمت کا اعتبار ہوگا جہاں سے صدقۂ فطر ادا کیا جائے......	۶۱۷
۴۸۶۱	فطرہ کی رقم کنٹرول ریٹ سے لگائی جائے یا بازار ریٹ سے؟	۶۱۸
۴۸۶۲	صدقۂ فطر میں کہاں کی قیمت کا اعتبار ہوگا؟....................	۶۱۹
۴۸۶۳	صدقۃ الفطر کی ادائے گی میں کس جگہ کی قیمت کا اعتبار ہے......	۶۲۰
۴۸۶۴	صدقۂ فطر کن کن چیزوں سے ادا کر سکتے ہیں؟....................	۶۲۱
۴۸۶۵	صحابہ کرام کا کشمش اور کھجور سے صدقۂ فطر ادا کرنا....................	۶۲۲
۴۸۶۶	چاول کے ذریعہ سے صدقۂ فطر ادا کرنا....................	۶۲۳
۴۸۶۷	صدقۂ فطر کے روپیہ سے کپڑا دینا....................	۶۲۳
۴۸۶۸	صدقۂ فطر کی رقم دوسری جگہ ارسال کرنا....................	۶۲۴
۴۸۶۹	صدقۂ فطر و چرم قربانی کی رقم مدرسہ کی تعمیر میں لگانا....................	۶۲۵
۴۸۷۰	کیا فطرہ کی رقم مکتب میں صرف کرنا درست ہے؟....................	۶۲۵
۴۸۷۱	غیر مالک نصاب شخص کو صدقۃ الفطر و چرم قربانی کی رقم دینا......	۶۲۶
۴۸۷۲	صدقۂ فطر کی رقم دوسرے ملک میں بھیجنا....................	۶۲۷
۴۸۷۳	کیا غیر مالک نصاب ملازم صدقہ کا مصرف ہے؟....................	۶۲۸

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست مضامین

۱۴/ کتاب الحج

❐	۱ / باب من یجب علیه الحج	۳۲

مسئلہ نمبر — صفحہ نمبر

۴۸۷۴ حج کب فرض ہوا؟ اور کیا حضور ﷺ نے فرضیت سے قبل کوئی حج کیا؟ ۳۲
۴۸۷۵ حج فرض ہونے کے بعد ادا نہ کرنے کا گناہ ۳۳
۴۸۷۶ حج فرض ہونے کے بعد ادائے گی میں تاخیر نہ کریں............ ۳۴
۴۸۷۷ حج کس پر فرض ہوتا ہے؟............ ۳۵
۴۸۷۸ کیا حاجی پر واپسی تک گھر والوں کا نان ونفقہ لازم ہے؟ ۳۷
۴۸۷۹ استطاعت سے پہلے حج کرنا ۳۸
۴۸۸۰ حاجیوں کو مع اپنی محرم عورتوں کے مسائل حج سیکھنے کے لئے جمع کرنا .. ۳۹
۴۸۸۱ کیا نفلی حج کرنے والوں کی وجہ سے حج فرض کرنے والوں کی درخواست منظور نہیں ہوتی ۴۰
۴۸۸۲ کیا ماہ شوال مکہ میں پانے والے پر حج فرض ہے؟ ۴۲
۴۸۸۳ رمضان میں عمرہ کرنا بہتر ہے یا نفلی حج؟ ۴۳
۴۸۸۴ عورت کے لئے نفلی حج بہتر ہے یا کار خیر میں رقم صرف کرنا......... ۴۴
۴۸۸۵ منظوری نہ ملنے کی وجہ سے حج کی رقم علاج میں خرچ ہوجانے پر کیا حج نہ کرنے کا گناہ ملے گا؟ ۴۶
۴۸۸۶ بواسیر کے مریض کا حج کرنا............ ۴۸

۴۸۸۷ پہلے حج بدل کی قسم کھانے کا حکم ۴۸
۴۸۸۸ مستطیع کے لئے پہلے حج کو جانا لازم ہے یا بیرون ملک جماعت میں؟ ... ۵۰
۴۸۸۹ باپ کی فیملی میں رہ کر کمانے والے شخص پر کیا حج فرض ہے؟ ۵۱
۴۸۹۰ والدین کا اولاد کے مال سے حج کرنا ۵۲
۴۸۹۱ کیا باپ کے حج سے پہلے بیٹے کا حج ہو جائے گا؟ ۵۳
۴۸۹۲ غرباء کو حج کرانے کے لئے چندہ جمع کرنا ۵۴
۴۸۹۳ رشتہ طے ہو جانے کے بعد میاں بیوی کے نام سے حج کی درخواست دینا ۵۵
۴۸۹۴ اشہر حج آنے سے قبل مستطیع کے روپئے تلف ہو گئے ۵۶
۴۸۹۵ حج نہ کر کے اس کی رقم دیگر دینی مصارف میں خرچ کرنا ۵۷
۴۸۹۶ وعدہ خلافی کر کے حج نہ کرانا ۵۸
۴۸۹۷ لوگوں کے حق مار کر حج کو جانا ۵۹
۴۸۹۸ بہن کا حصہ نہ دینے والے کا حج قبول ہوگا یا نہیں؟ ۶۰
۴۸۹۹ ایضاً ۶۱
۴۹۰۰ بھائی کا بہنوں کا حصہ نہ دے کر حج کو جانا ۶۲
۴۹۰۱ ضعیف و کمزور والدہ کو حج پر لیجائیں یا اہلیہ کو؟ ۶۳
۴۹۰۲ حج پر والدہ کو ساتھ لے جائیں یا بیوی کو؟ ۶۵
۴۹۰۳ حج کے لئے بیوی کو ساتھ لے جائیں یا والدہ کو؟ ۶۵
۴۹۰۴ چھوٹی بیوی کو حج پر ساتھ لے جانے سے کیا بڑی بیوی کی حق تلفی نہ ہوگی؟ . ۶۶
۴۹۰۵ کیا زمین کو فروخت کر کے حج پر جانا ضروری ہے؟ ۶۸
۴۹۰۶ کیا زیورات کو بیچ کر حج کرنا ضروری ہے؟ ۶۹
۴۹۰۷ حج کے لئے جمع شدہ رقم سے حج کرے یا مکان کا کرایہ ادا کرے؟ ... ۷۰
۴۹۰۸ تعمیرِ مکان، بچوں کی شادی اور حج میں سے پہلے کس کو انجام دیں؟ .. ۷۱

۴۹۰۹	حج فرض ہونے کے بعد سارے روپئے شادی اور عمارت میں لگانے کا حکم ..	۷۲
۴۹۱۰	مستطیع پہلے حج کرے یا اولاد کی شادیوں کا نظم؟	۷۴
۴۹۱۱	لڑکی کی رخصتی کرے یا نفلی حج؟	۷۵
۴۹۱۲	بیٹی کی شادی کی وجہ سے حج کو مؤخر کرنا	۷۶
۴۹۱۳	لڑکی کی شادی کریں یا حج؟	۷۸
۴۹۱۴	غیر مستطیع کا قرض لے کر حج کو جانا	۷۹
۴۹۱۵	فیس دے کر حج کی منظوری کرانا	۸۰
۴۹۱۶	تصویروں کی آمدنی سے حج کرنے کا حکم	۸۱
۴۹۱۷	حجامت کی آمدنی سے حج کرانے کا حکم	۸۳
۴۹۱۸	وکالت کی آمدنی سے حج بیت اللہ کرنے کی شرعی حیثیت	۸۴
۴۹۱۹	حج یا عمرہ کے لئے حلال اور پاک مال ضروری ہے	۸۵
۴۹۲۰	مال مخلوط میں سے صرف حلال مال سے حج کرنا	۸۶
۴۹۲۱	مال حرام سے حج کرنا	۸۷
۴۹۲۲	بقدر استطاعت مال حرام ہو تو حج کا حکم	۸۹
۴۹۲۳	رشوت دے کر حج کرنا	۹۰
۴۹۲۴	حج کی منظوری کرانے کے لئے رشوت دینے کا حکم	۹۱
۴۹۲۵	بینک سے لون لے کر حج کرنا	۹۲
۴۹۲۶	بینک سے قرض لے کر حج کو جانا	۹۳
۴۹۲۷	حج کے لئے بینک سے قرض لینا	۹۴
۴۹۲۸	پگڑی کی رقم سے حج کرنے کا حکم	۹۵
۴۹۲۹	سرکاری ملازم کا بیماری کی چھٹی لے کر حج کو جانا	۹۶
۴۹۳۰	سعودی میں دوران ملازمت حج کرنے کا حکم	۹۷

۴۹۳۱ حکومت کے قانون کے خلاف ہر سال حج کرنا ۹۸
۴۹۳۲ دوران حج ایکسیڈنٹ کی بنا پر حج کمیٹی سے رقم لینا ۹۹
۴۹۳۳ حکومت ہند سے حاجیوں کو ملنے والی سبسڈی جائز ہے یا نہیں؟ ۱۰۰
۴۹۳۴ قرعہ اندازی کے ذریعہ حج ادا کرنے کا حکم ۱۰۱
۴۹۳۵ حج وعمرہ کی مختلف اسکیموں کا حکم ۱۰۳
۴۹۳۶ حج بیسی اور اس کے ذریعہ حج کا حکم ۱۰۴
۴۹۳۷ حج کمیٹی اور ٹور ایجنٹ اجیر ہیں یا وکیل بالأ جرة؟ ۱۰۶
۴۹۳۸ دوران حج خارجی اوقات میں تجارت کرنا ۱۰۸
۴۹۳۹ سفید صحن مسجد حرام میں داخل ہے یا نہیں؟ ۱۰۹
۴۹۴۰ کیا حاجیوں پر عید الاضحیٰ کی نماز واجب ہے؟ ۱۱۰

❒	۲ / باب اشتراط المحرم للمرأة	۱۱۲

۴۹۴۱ عورت پر حج کب فرض ہوتا ہے؟........................ ۱۱۲
۴۹۴۲ محرم کا خرچ نہ ہونے کی صورت میں عورت پر حج فرض نہیں ۱۱۳
۴۹۴۳ عورتوں کا بے پردہ حج پر جانا ۱۱۴
۴۹۴۴ شوہر بیوی کو حج کرائے تو کونسا حج ادا ہوگا؟ ۱۱۶
۴۹۴۵ عورت کے ساتھ جانے والے محرم کا کونسا حج ادا ہوگا؟ ۱۱۷
۴۹۴۶ عورت بلا محرم سفر حج پر نہیں جاسکتی ۱۱۸
۴۹۴۷ مشتہاۃ عورت کا بلا محرم حج کو جانا ۱۱۹
۴۹۴۸ بلا محرم شرعی عورت کا حج کے لئے جانا ۱۲۰
۴۹۴۹ کیا بیوی بغیر شوہر کے حج کرسکتی ہے؟ ۱۲۱
۴۹۵۰ ایئرپورٹ سے ایئرپورٹ تک محرم یا شوہر کے ساتھ اور جہاز میں بلا محرم سفر .. ۱۲۱
۴۹۵۱ مشتہاۃ عورت کا بغیر محرم کے ۴۸ رمیل کا سفر کرنا ۱۲۳

۴۹۵۲	عورت کا بغیر محرم کے حج کرنا	۱۲۵
۴۹۵۳	شوہر کی اجازت کے بغیر غیر محرم کے ساتھ حج کو جانا	۱۲۶
۴۹۵۴	غیر محرم کے ساتھ حج کا سفر کرنا	۱۲۸
۴۹۵۵	شوہر کے مقروض ہونے کی حالت میں بیوی کا حج کرنا	۱۲۹
۴۹۵۶	حج کے لئے غیر محرم عورتوں کو ساتھ لے جانا	۱۳۰
۴۹۵۷	شوہر کی مرضی کے بغیر داماد کے ساتھ حج پر جانا	۱۳۱
۴۹۵۸	داماد کے ساتھ حج کو جانا	۱۳۲
۴۹۵۹	کیا عورت داماد کے ساتھ حج کو جا سکتی ہے؟	۱۳۳
۴۹۶۰	اپنی بیوی کے ساتھ پھوپھی زاد بہن کو حج پر لے جانا	۱۳۴
۴۹۶۱	بہو کا اپنی ساس کے ہمراہ غیر محرم کی معیت میں سفر حج کرنا	۱۳۵
۴۹۶۲	سالی کا بہنوئی کے ساتھ حج کو جانا	۱۳۶
۴۹۶۳	عورت کا بہن اور بہنوئی کے ساتھ حج کو جانا	۱۳۷
۴۹۶۴	بیٹے کے ساتھ انتقال شدہ بہن کی طرف سے حج بدل کو جانا	۱۳۸
۴۹۶۵	محرم نہ ہونے کی صورت میں سہیلی کے ساتھ حج کو جانا	۱۳۹
۴۹۶۶	عورت کا اپنی بہن اور بہنوئی کے ساتھ حج کو جانا	۱۴۰
۴۹۶۷	بیوہ کا اپنی بہن اور بہنوئی کے ہمراہ حج کو جانا	۱۴۱
۴۹۶۸	عورت اپنے دیور کے ساتھ حج کو جا سکتی ہے یا نہیں؟	۱۴۲
۴۹۶۹	کیا بھاوج دیور کے ساتھ حج کو جا سکتی ہے؟	۱۴۳
۴۹۷۰	بنائے ہوئے بھائی کے ساتھ حج پر جانا	۱۴۳
۴۹۷۱	چچی کا بھتیجے کے ساتھ حج کو جانا	۱۴۵
۴۹۷۲	دوران عدت حج کا سفر کرنا	۱۴۵
۴۹۷۳	حالت عدت میں سفر حج	۱۴۶

۴۹۷۴	حمل کی وجہ سے حج کو ملتوی کرنا	۱۴۷
۴۹۷۵	دوران سفر شوہر کا انتقال ہوگیا	۱۴۸
۴۹۷۶	مکہ میں حج سے پہلے شوہر کا انتقال ہوگیا	۱۴۹
۴۹۷۷	دوران حج شوہر کا انتقال ہوجائے تو عورت کیا کرے؟	۱۵۰
۴۹۷۸	سفر حج کی پرواز سے قبل شوہر کا انتقال ہوجائے تو کیا بیوی حج بدل کرے؟	۱۵۱
۴۹۷۹	عورت کا بلا محرم سفر کر کے حج کرنا	۱۵۳
۴۹۸۰	بوڑھی عورت کا جوان پوتے کے ساتھ حج کو جانا	۱۵۴
۴۹۸۱	بوڑھی عورت کا بلا محرم حج کرنا	۱۵۶
۴۹۸۲	عمر دراز عورت کا بلا محرم سفر حج کو جانا	۱۵۶
۴۹۸۳	کیا ۵۵ رسالہ عورت تنہا حج کو جاسکتی ہے؟	۱۵۷
۴۹۸۴	۵۷ رسالہ عورت کا انٹرنیشنل گروپ سے حج کرنا	۱۵۸
۴۹۸۵	۵۸ رسالہ عورت کے لئے غیر محرم کے ساتھ سفر حج کا حکم	۱۵۹
۴۹۸۶	ساٹھ سالہ عورت کا قافلہ کے ساتھ حج کو جانا	۱۶۰
۴۹۸۷	۶۵ رسالہ عورت کا بلا محرم سفر حج پر جانا	۱۶۱
۴۹۸۸	۶۵ رسال کی عورت کا بلا محرم حج کا سفر کرنا	۱۶۲
۴۹۸۹	کیا ۶۵-۷۰ رسالہ عورت بلا محرم حج پر جاسکتی ہے؟	۱۶۳
۴۹۹۰	۶۵ ر ۷۰ رسال کی عورت کا بلا محرم شرعی سفر حج کے لئے جانا	۱۶۴
۴۹۹۱	۷۰ رسال کی عورت کے لئے نامحرم کے ساتھ سفر حج کا حکم	۱۶۵
۴۹۹۲	۷۰ رسالہ عورت کا بغیر محرم کے حج کرنا	۱۶۶
۴۹۹۳	۷۵ رسالہ عورت کا بلا محرم سفر حج پر جانا	۱۶۷
۴۹۹۴	۸۰ رسالہ عورت کا سمدھی سمدھن کے ساتھ حج پر جانا	۱۶۸
۴۹۹۵	۸۰ رسالہ عورت کا بلا محرم حج کو جانا	۱۶۸

۴۹۹۶ ۸۵؍سالہ عورت کا ۸۵؍سالہ پھوپھی زاد بھائی کے ساتھ حج کو جانا... ۱۶۹

۳/ باب رسومات الحج ۱۷۱

۴۹۹۷ حجاج کرام کا حج سے قبل اعزہ واقرباء سے ملاقات کے لئے جانا ۱۷۱
۴۹۹۸ حجاج کرام کی روانگی کے وقت مسجد میں دعا کا اہتمام کرنا ۱۷۲
۴۹۹۹ حاجی کی رخصتی ۱۷۳
۵۰۰۰ حج کو جاتے وقت دعوت وغیرہ کا التزام ۱۷۵
۵۰۰۱ حجاج کرام کا روانگی سے قبل دعوت کرنا ۱۷۸
۵۰۰۲ حج کے لئے جانے سے قبل دعوت اور دیگر منکرات کا حکم ۱۷۹
۵۰۰۳ حاجی کے لئے ہدیہ قبول کرنا ۱۸۰
۵۰۰۴ حج سے واپسی میں ضمناً گھریلو سامان لانا ۱۸۲
۵۰۰۵ حج سے واپسی کے بعد عزیز واقارب کی دعوت ۱۸۲

۴/ باب المیقات والإحرام ۱۸۴

۵۰۰۶ مکہ کا باشندہ جب کبھی سال چھ مہینے میں ریاض وغیرہ جاکر واپس آئے تو احرام باندھنے کا حکم ۱۸۴
۵۰۰۷ کاروبار اور تجارت کی وجہ سے ہر مرتبہ احرام کے ساتھ مکہ مکرمہ میں داخل ہونا لازم نہیں. ۱۸۵
۵۰۰۸ ملازم کا بغیر احرام کے مکہ میں جاکر کام کرنا ۱۸۶
۵۰۰۹ اہل حل کا بلا احرام مکہ مکرمہ میں آنا جانا ۱۸۷
۵۰۱۰ کیا جدہ ایئرپورٹ میقات میں داخل ہے؟ ۱۸۹
۵۰۱۱ بغیر تلبیہ پڑھے میقات سے گذر جانا ۱۹۱
۵۰۱۱ حدود میقات کے اندر آکر احرام باندھنا اور عمرہ کرنا ۱۹۲
۵۰۱۲ مدینہ منورہ سے بلا احرام مکہ مکرمہ میں تشریف لانے کا حکم ۱۹۳
۵۰۱۳ عمرہ کے احرام سے حج کرنا ۱۹۶

۵۰۱۴ حالت احرام میں نیکر پہننا ۱۹۷
۵۰۱۵ حاجی کا غیر مخیط لنگوٹ استعمال کرنا ۱۹۸
۵۰۱۶ حالت احرام میں لنگوٹ اور نیکر پہننا ۱۹۹
۵۰۱۷ احرام میں سلا ہوا تہبند پہننا ۲۰۰
۵۰۱۸ حج میں بالوں پر خضاب لگانا ۲۰۱
۵۰۱۹ بوقت سعی سر ڈھکنا ۲۰۲
۵۰۲۰ بحالت احرام عورت کا زیورات استعمال کرنا ۲۰۳
۵۰۲۱ حالت احرام میں پاؤں کی کونسی ہڈی ڈھانکنا ممنوع ہے؟ ۲۰۴
۵۰۲۲ قربانی وحلق سے قبل سلے ہوئے کپڑے پہننے اور بیوی سے صحبت کرنے کا حکم .. ۲۰۵
۵۰۲۳ حالت احرام میں بوٹ پہننا ۲۰۶
۵۰۲۴ احرام سے متعلق چند سوالات ۲۰۷

۵/ باب الإفراد والقران والتمتع ۲۱۰

۵۰۲۵ اہل مکہ وحل صرف حج افراد کریں گے ۲۱۰
۵۰۲۶ مکی یا حلی کا حج قران کرنے کا شرعی حکم ۲۱۱
۵۰۲۷ مکی یا حلی کے لئے حج تمتع کا شرعی حکم ۲۱۲
۵۰۲۸ آفاقی قران، تمتع وافراد تینوں کرسکتا ہے جب کہ مکی صرف افراد ۲۱۳
کیا مکۃ المکرمہ میں غیر ملکی مقیم کے لئے حج قران وتمتع کرنا جائز ہے؟ ۲۱۴
۵۰۲۹ مضافات حرم میں مقیم غیر ملکی آفاقی ہیں یا میقاتی؟ ۲۱۴
۵۰۳۰ کیا مکہ یا جدہ میں مع اہل وعیال رہنے والے تمتع یا قران کرسکتے ہیں؟ ۲۱۸
۵۰۳۱ مکہ والوں کے لئے حج تمتع وحج قران کا حکم ۲۲۰
۵۰۳۲ حج تمتع کا طریقہ ۲۲۱
۵۰۳۳ کیا متمتع عمرہ کا احرام کھولنے کے بعد حج کا احرام باندھنے سے قبل عمرہ کرسکتا ہے؟. ۲۲۲

۵۰۳۴ متمتع کا عمرہ کے بعد حج سے قبل طواف کرنا ۲۲۳
۵۰۳۵ کیا جدہ والے حج تمتع وقران کر سکتے ہیں؟ ۲۲۴
۵۰۳۶ متمتع کا بار بار عمرہ کرنا ۲۲۵
۵۰۳۶ عمرہ کا احرام کہاں سے؟ ایک تحقیق ۲۲۵
۵۰۳۷ متمتع کا اشہر حج میں بار بار عمرہ کرنا ۲۲۷
۵۰۳۸ عمرہ حلی سے حج تمتع درست نہیں ہوگا ۲۳۰
۵۰۳۹ دورِ حاضر میں اپنے علاقہ سے ہدی کا جانور لے جانا ۲۳۲
۵۰۴۰ کیا سعی سے قبل نفلی طواف کرنا واجب ہے؟ ۲۳۳
۵۰۴۱ قارن ومتمتع کی ہدی کا حلق سے پہلے ذبح ہونا معلوم ہو جائے تو دم واجب ہے یا نہیں؟ ۲۳۵
۵۰۴۲ عمرۂ تمتع میں آٹھویں ذی الحجہ کے بعد عورت کا حیض جاری رہا تو کیا کرے گی؟ ۲۳۶
۵۰۴۳ منیٰ روانگی سے قبل عورت کو حیض آ گیا ۲۳۸
۵۰۴۴ متمتعہ کے حیض کی وجہ سے عمرہ چھوڑنے کا حکم ۲۳۹
۵۰۴۴ احرام عمرہ کے بعد یوم الترویہ تک عورت پاک نہ ہو تو اس کا حکم ۲۳۹
۵۰۴۵ طوافِ زیارت کئے بغیر سعی کرنے کا حکم ۲۴۲

❏	۶/ باب ما یتعلق بالطواف	۲۴۷

۵۰۴۶ مسجد حرام کی چھت پر طواف کرنا ۲۴۷
۵۰۴۷ کیا طواف پے در پے کرنا لازم ہے؟ ۲۴۸
۵۰۴۸ کیا طواف میں ستر عورت واجب ہے؟ ۲۵۰
۵۰۴۹ دورانِ طواف کعبۃ اللہ کی طرف سینہ یا پیٹھ کرنا ۲۵۳
۵۰۵۰ طواف عمرہ یا زیارت کا ایک چکر بے وضو کرنا ۲۵۶
۵۰۵۱ طواف کا ایک چکر چھوٹ جائے تو کیا حکم ہے؟ ۲۵۷
۵۰۵۲ شدید بیماری کی وجہ سے طوافِ زیارت مؤخر کرنا ۲۶۲

۵۰۵۳ عذر کی وجہ سے ۱۲/ ذی الحجہ کے بعد طواف زیارت کرنے کا حکم ۲۶۳
۵۰۵۴ گیارہ ذی الحجہ میں حائضہ عورتوں کے طواف زیارت کا حکم ۲۶۵
۵۰۵۵ عورت کو ۱۲/ ذی الحجہ کے بعد بھی دو روز ماہواری جاری رہی تو طواف زیارت کا کیا حکم ہے؟ ۲۶۷
۵۰۵۶ عذر کی وجہ سے طواف زیارت حالت حیض میں کرنے کی گنجائش ہے یا نہیں؟ ۲۶۹
۵۰۵۷ ۱۲/ ذی الحجہ کو غروب کے بعد طواف زیارت کا ایک چکر کیا تو ایک صدقہ لازم ۲۷۱
۵۰۵۸ اکثر اشواط غروب کے بعد کیے تو دم واجب ۲۷۲
۵۰۵۹ طواف زیارت نہ کرنے والے کا حکم ۲۷۳
۵۰۶۰ طواف زیارت کیے بغیر گھر آنے والی عورت شوہر کے لیے حلال نہیں ہے؟ . ۲۷۵
۵۰۶۱ جو عورت طواف زیارت اور سعی کیے بغیر لوٹ آئے اس کا حکم ۲۷۶
۵۰۶۲ طواف وداع کے بعد سعی کا حکم ۲۷۷
۵۰۶۳ طواف وداع کے بعد الٹا واپس ہونا ۲۷۸
۵۰۶۴ عورت کے دوران سفر حیض آنے سے متعلق چند سوالات ۲۷۹
۵۰۶۵ حالت طواف میں پہلی مرتبہ حیض آیا پھر طواف پورا کر لیا تو کیا حکم ہے؟ ۲۸۲
۵۰۶۶ حالت حیض میں طواف زیارت کر لیا تو کیا سالم اونٹ ذبح کرنا ضروری ہے؟ ۲۸۳
۵۰۶۷ طواف زیارت سے قبل ہمبستری کی صورت میں بدنہ واجب ہے.... ۲۸۴

۷/ باب مسائل منی ومزدلفہ وعرفات ۲۸۶

۵۰۶۸ رمی جمار کی حقیقت ۲۸۶
۵۰۶۹ شوہر کا بیوی کی طرف سے رمی کرنا ۲۸۷
۵۰۷۰ مزدلفہ میں کتنی کنکریاں لیں؟ ۲۸۸
۵۰۷۱ حج میں بسبب مرض رمیٔ جمار چھوڑنے کا حکم ۲۸۹

۵۰۷۲ کیا صحت مند کے لئے رمی میں نیابت جائز ہے؟ ۲۹۰
۵۰۷۳ رمی، قربانی، حلق میں ترتیب کا وجوب ۲۹۱
۵۰۷۴ مزدلفہ میں داخل ہونے سے قبل راستہ میں مزدلفہ سمجھ کر سورج طلوع ہونے تک بیٹھ جائے تو کیا حکم؟ ۲۹۲
۵۰۷۵ نائب کے رمیٔ جمار نہ کر پانے کا حکم ۲۹۳
۵۰۷۶ تیسرے دن کی رمی چھوٹ جائے تو کیا حکم ہے؟ ۲۹۴
۵۰۷۷ رمی کے لئے وکیل بنانا ۲۹۵
۵۰۷۸ گیارھویں و بارھویں کی رمی زوال سے قبل کرنا ۲۹۶
۵۰۷۹ دس ذی الحجہ کو رمی، قربانی اور حلق میں ترتیب فوت ہونے کا حکم ۲۹۹
۵۰۸۰ رمی میں نیابت سے دم واجب نہیں ہوتا ۳۰۰
۵۰۸۱ سعی سے قبل طواف کرنا ۳۰۴
۵۰۸۲ حج کی سعی حج کے مہینوں میں کرنے پر اشکال کی وضاحت ۳۰۵
۵۰۸۳ وقوفِ عرفہ کے معاف ہونے کی شکل ۳۰۸
۵۰۸۴ منی میں قیام کرنے کے بجائے دوسری جگہ قیام کرنا ۳۱۰
۵۰۸۵ احرام کھولنے کے لئے ایک کا دوسرے کے بال مونڈنا ۳۱۱
۵۰۸۶ کیا چھوٹے بال والی عورت حلق کرائے گی؟ ۳۱۲
۵۰۸۷ مزدلفہ میں ایام منی میں جو خیمے لگائے جاتے ہیں ان میں وقوف کا حکم ۳۱۴
۵۰۸۸ مزدلفہ کے راستہ میں مغرب وعشاء کو صبح صادق سے اتنی دیر پہلے تک مؤخر کرنا جتنی میں دونوں نمازیں پڑھ سکیں ۳۱۵
۵۰۸۹ عرفات اور مزدلفہ میں جمع بین الصلاتین ۳۱۶
۵۰۹۰ منیٰ مزدلفہ اور عرفات میں آفاقی کے لئے قصر و اتمام کا مسئلہ ۳۱۹
۵۰۹۱ منی و مزدلفہ میں قصر و اتمام کا حکم ۳۱۹

۵۰۹۲ منی مکہ میں شامل ہے یا نہیں؟ ۳۲۱

۵۰۹۳ حج میں حاجی نمازیں پوری پڑھے گا یا قصر کرے گا؟ ۳۲۳

۵۰۹۴ منی مزدلفہ میں قصر و اتمام سے متعلق چند سوالات کے جوابات ۳۲۴

۵۰۹۵ منی مزدلفہ میں قصر و اتمام سے متعلق دار العلوم کے فتوی کا حکم ۳۳۲

○ قصر و اتمام کے مسئلہ میں منی و مزدلفہ مکہ مکرمہ شہر کے جزو ہیں ۳۳۴

○ فنائے شہر کسے کہتے ہیں؟ ۳۳۵

○ کیا فنائے شہر کا شہر سے متصل ہونا لازم ہے؟ ۳۳۶

○ شہر کی آبادی سے فنائے مصر کی دوری ۳۳۸

○ فنائے شہر کا مصالحِ شہر کے لئے پورے سال استعمال ہونا لازم ہے یا ایک آدھ دفعہ کافی ہے؟ ۳۴۴

○ مکہ مکرمہ اور منی کے درمیان کا فاصلہ ۳۴۶

○ مکہ مکرمہ اور مزدلفہ کا فاصلہ ۳۴۹

○ مکہ مکرمہ اور عرفات کا فاصلہ ۳۵۰

○ جس جگہ سے شہر کا اتصال ہونا ہے، کیا اس میں پہلے سے آبادی شرط ہے؟ ۳۵۳

○ مقام واحد بننے کے لئے صرف ایک جانب سے اتصال کافی ہے یا ہر طرف سے؟ . ۳۵۶

○ کیا شہری اعتبار سے پہاڑ آبادی کے اتصال کو مانع ہے؟ ۳۵۸

○ حدود کے توقیفی ہونے کی وجہ سے اتصال کی صورت میں قصر و اتمام میں فرق نہیں .. ۳۶۰

○ منی و مزدلفہ کے بارے میں علماء کے اختلاف کا مختصر جائزہ ۳۶۲

○ برصغیر کے علماء کا اختلاف ۳۶۳

○ معمولی فاصلہ اتصال کو مخل نہیں ۳۶۴

○ علمائے عرب کی رائے ۳۶۵

○ رئیس شئون الحرمین شیخ سبیلؒ کا فتوی ۳۶۶

○ شیخ سبیلؒ کے فتوی کے ایک جزو کو تسلیم اور دوسرے پر رد کیسے؟ ۳۶۹

○ شیخ سبیلؒ کا مکمل فتویٰ بعینہٖ ملاحظہ فرمائیے ۳۷۳
○ موسمِ حج میں منیٰ با قاعدہ شہر بن جاتا ہے ۳۷۵
○ حکمِ حاکم رافع اختلاف ۳۷۶
○ منیٰ مصالح بلد کے لئے بھی مستعمل ہے ۳۸۱
○ منیٰ ومزدلفہ میں قصر واتمام کا مسئلہ فاصلہ کی علت کے ساتھ معلول ہے یا توقیفی؟ ۳۸۲
○ حدود حرم کے باہر کا حصہ بھی شہر میں داخل ۳۸۳
○ ایک شبہ کا ازالہ اور باغات کا حکم ۳۸۵
○ شہر کی آبادی سے نکلتے ہی قصر کا حکم کس طرح کے لوگوں کے لئے ہے؟ ۳۸۶
○ منیٰ میں جمعہ کیوں جائز ہے؟ ۳۸۹
○ موسم حج میں شہر منیٰ وشہر مکہ قطعی طور پر ایک ہو جاتے ہیں ۳۹۱
○ ایضاح المناسک میں لکھے ہوئے مسئلہ سے رجوع ۳۹۳
○ حدیث ''منیٰ مناخ من سبق'' کا مطلب ۳۹۳
○ دو محلوں کے درمیان پہاڑوں کے حائل ہونے کا مسئلہ ۳۹۵
○ قصر واتمام کے مسئلہ میں اتمام افضل ۳۹۷
○ مقالہ کا خلاصہ ۳۹۹

❑ ۸/ باب الهدی ۴۰۳

۵۰۹۶ ذی الحجہ کے چاند دیکھنے کے بعد بال وناخن وغیرہ کاٹنا حاجی کے لئے ممنوع نہیں ۴۰۳
۵۰۹۷ حاجی پر بقرعید کی قربانی لازم ہے یا نہیں؟ ۴۰۴
۵۰۹۸ ایامِ نحر میں غیر صاحب نصاب حاجی پر مالی قربانی واجب نہیں ۴۰۵
۵۰۹۹ مفرد بالحج کے لئے قربانی کی شرعی حیثیت ۴۰۶
۵۱۰۰ حاجی کے لئے بینک کے توسط سے قربانی کرانے کا حکم ۴۰۷
۵۱۰۱ کیا حاجی پر دونوں جگہ قربانی واجب ہے؟ ۴۰۹

۵۱۰۲ حج کمیٹی والوں کا جبراً قربانی کا پیسہ وصول کرنا ۴۱۰
۵۱۰۳ حج کمیٹی کا پیشگی طور پر حاجیوں سے قربانی کی رقم وصول کرنے کی شرعی حیثیت ۴۱۲
۵۱۰۴ کیا مکی، حلی، میقاتی کے لئے حج تمتع کی قربانی کا گوشت کھانا جائز ہے؟ ۴۱۴

❏	۹ / باب العمرة	۴۱۶

۵۱۰۵ والدین کا نابالغ اولاد کی طرف سے عمرہ کرنا ۴۱۶
۵۱۰۶ حالت حیض میں عورت ارکان عمرہ ادا کر کے حلال ہوگی تو دم لازم ... ۴۱۷
۵۱۰۷ حج سے پہلے عمرہ کرنا ۴۱۸
۵۱۰۸ اشہر حج میں بار بار عمرہ کرنا ۴۱۹
۵۱۰۹ عمرہ کرنے کی وجہ سے حج کی فرضیت ۴۲۰
۵۱۱۰ کیا عمرہ کی قضا ضروری نہیں؟ ۴۲۱

❏	۱۰/ باب الحج عن الغير	۴۲۴

۵۱۱۱ حج بدل کی ادائے گی کا طریقہ ۴۲۴
۵۱۱۲ حج بدل کا آسان طریقہ ۴۲۵
۵۱۱۳ حج بدل کرنے کا حکم ۴۲۶
۵۱۱۴ کیا حج بدل کرنے والے کا اپنا حج ادا ہو جائے گا؟ ۴۲۷
۵۱۱۵ حج بدل کس سے کرائیں؟ ۴۲۸
۵۱۱۶ کیا حج بدل کرنے والے کے لئے حاجی ہونا شرط ہے؟ ۴۲۹
۵۱۱۷ غیر حاجی سے حج بدل کرانا ۴۳۰
۵۱۱۸ حج بدل کے لئے کہاں سے جانا شرط ہے؟ ۴۳۲
۵۱۱۹ سعودی میں مقیم شخص سے حج بدل کرانے کی صورت میں سفر خرچ کا حکم ۴۳۳
۵۱۲۰ حج کے لئے بینک میں جمع شدہ روپئے کا انتقال کے بعد کیا کیا جائے؟ ۴۳۴

۵۱۲۱ قرض خواہ کا قرض دار کو حج بدل کے لئے لے جانا ۴۳۶
۵۱۲۲ کیا داماد اپنے پیسوں سے مرحوم سسر کی طرف سے حج بدل کرسکتا ہے؟ ۴۳۷
۵۱۲۳ حج بدل کن لوگوں کی طرف سے کیا جاسکتا ہے؟ ۴۳۷
۵۱۲۴ کیا حاجی زندہ یا مردہ عورت کا حج بدل کرسکتا ہے؟ ۴۳۹
۵۱۲۵ مرحوم ماں کی طرف سے بیٹے کا حج فرض ادا کرنا ۴۴۰
۵۱۲۶ پوتے کا دادا کی طرف سے بلا وصیت حج بدل کرنا ۴۴۱
۵۱۲۷ کیا بالغہ بہن کی شادی حج بدل پر مقدم ہے؟ ۴۴۳
۵۱۲۸ مرحوم بیٹے کی طرف سے حج کرنا ۴۴۴
۵۱۲۹ کیا بیٹی ماں کی طرف سے حج بدل کرسکتی ہے؟ ۴۴۵
۵۱۳۰ دادا، دادی کی طرف سے حج بدل کرنا ۴۴۶
۵۱۳۱ مریض شخص کا حج بدل کرانا ۴۴۷
۵۱۳۲ جس شخص پر حج فرض ہو اور اس کا انتقال ہوجائے تو کیا حکم ہے؟ ۴۴۸
۵۱۳۳ حج بدل میں تمتع ۴۵۰
۵۱۳۴ حج بدل میں حج تمتع ۴۵۱
۵۱۳۵ حج بدل میں قربانی کس پر لازم ہے؟ ۴۵۱
۵۱۳۶ حج بدل میں تمتع کی قربانی اور اس کا خرچ مامور پر لازم ہے ۴۵۲
۵۱۳۷ حج بدل میں تمتع کی صورت میں قربانی کا حکم ۴۵۳
۵۱۳۸ حج بدل سے متعلق چند سوالات وجوابات ۴۵۵
۵۱۳۹ کیا حج بدل میں جمع کردہ رقم پر زکوۃ واجب ہے؟ ۴۵۷
۵۱۴۰ حج بدل کرنے والے روضۂ اقدس پر کس کی طرف سے سلام پیش کریں؟ ۴۵۹
۵۱۴۱ ''ایضاح المناسک'' کے مسئلہ حج بدل میں تمتع کرنے کی وضاحت .. ۴۶۰

۴۶۲	۱۱/ باب الجنایات	

۵۱۴۲ دمِ جنایت کا مصرف ۴۶۲
۵۱۴۳ کیا دمِ جنایت کے گوشت کا حکم قربانی کے گوشت کی طرح ہے؟ ۴۶۲
۵۱۴۴ دم جنایت کہاں ادا کریں؟ ۴۶۳
۵۱۴۵ کیا دمِ احصار حدودِ حرم میں ادا کرنا لازم ہے؟ ۴۶۴
۵۱۴۶ دمِ جنایت حرم میں کسی دوسرے کے ہاتھ سے بھیجنا ۴۶۶
۵۱۴۷ صدقۃ الفطر کتنے ریال کا ہوتا ہے؟ ۴۶۶
۵۱۴۸ حالت جنابت میں طواف کرنا ۴۶۷
۵۱۴۹ حاجی کا منٰی میں قربانی نہ کرنا ۴۶۸
۵۱۵۰ زوال سے قبل رمی کرنے سے وجوب دم ۴۶۹
۵۱۵۱ رمی سے قبل قربانی کرنے کا حکم ۴۷۰
۵۱۵۲ متمتع کے وکیل نے رمی سے قبل قربانی کردی تو کیا حکم ہے؟ ۴۷۱
۵۱۵۳ کیا رمضان کے بعد عمرہ کرنے والے مکی پر اس سال حج کرنے سے دم جبر لازم ہے؟ ۴۷۳
۵۱۵۴ حلق کرانے سے قبل خوشبودار صابن استعمال کرنا یا ناخن کاٹنا ۴۷۴
۵۱۵۵ بلا عذر وقوف مزدلفہ ترک ہوگیا تو؟ ۴۷۵
۵۱۵۶ جو حج فاسد ہوجائے اس کا اسی سال اعادہ کرنا ۴۷۶
۵۱۵۷ کیا فاسد شدہ حج کی قضاء اس سال ممکن ہے؟ ۴۸۳

۱۵/ کتاب النکاح

❐	۱/ باب فضائل النکاح وغیرها	۴۸۵

۵۱۵۸ نکاح کے فضائل ۴۸۵
۵۱۵۹ فوائدِ نکاح ۴۸۸
۵۱۶۰ مستحباتِ نکاح ۴۸۹
۵۱۶۱ شرعی شادی ۴۹۱
۵۱۶۲ شادی بیاہ کا مسنون طریقہ ۴۹۲
۵۱۶۳ نکاح کا مسنون طریقہ ۴۹۲
۵۱۶۴ نکاح کا طریقہ ودعا ۴۹۳
۵۱۶۵ کم خرچ والے نکاح کی فضیلت ۴۹۵
۵۱۶۶ اقسامِ نکاح ۴۹۶
۵۱۶۷ نکاح کی اقسام ۴۹۷
۵۱۶۸ کن حالات میں نکاح جائز نہیں ۴۹۹
۵۱۶۹ کیا شادی نہ کرنے سے آدمی گنہگار ہوگا؟ ۵۰۰
۵۱۷۰ غیر شادی شدہ بالغ اولاد کے گناہ میں کیا ماں باپ شریک ہیں؟ ۵۰۱
۵۱۷۱ خطبۂ نکاح ۵۰۲
۵۱۷۲ نکاح میں خطبہ کی حیثیت اور مروجہ طریقہ پر نکاح پڑھانے کا ثبوت .. ۵۰۴
۵۱۷۳ خطبۂ نکاح کس طرح پڑھا جائے؟ ۵۰۶
۵۱۷۴ نکاح کا خطبہ بیٹھ کر یا کھڑے ہوکر پڑھنا مسنون ہے ۵۰۷
۵۱۷۵ نکاح کے وقت پیش آنے والے امور کا حکم ۵۰۹

۵۱۷۶	نکاح کے بعد دعا کی حیثیت	۵۱۱
۵۱۷۷	دورانِ حج بیت اللہ میں نکاح کرنا........................	۵۱۱
۵۱۷۸	مجلسِ نکاح مسجد میں منعقد کرنے پر انتظامی قانون نافذ کرنا	۵۱۳
۵۱۷۹	زیارت میں نکاح پڑھوانا	۵۱۶
۵۱۸۰	سمیلن میں اجتماعی نکاح، مہر، نیز حالت حیض میں اور نابالغ لڑکی کے نکاح کا حکم	۵۱۷
۵۱۸۱	اجتماعی شادی	۵۲۱
۵۱۸۲	حکومت کی جانب سے جاری کردہ نکاح کے رجسٹریشن کا حکم	۵۲۳

☐	۲/ باب الخِطبة	۵۲۷

۵۱۸۳	منگنی کے متعلق چند مسائل	۵۲۷
۵۱۸۴	مخطوبہ کو دیکھنا مستحب اور افضل	۵۲۸
۵۱۸۵	نکاح سے قبل منگیتر کو دیکھنا........................	۵۲۹
۵۱۸۶	نکاح سے قبل لڑکی لڑکے کا فوٹو دیکھنا	۵۳۱
۵۱۸۷	نکاح سے قبل لڑکی کو دیکھنے کا حکم	۵۳۱
۵۱۸۸	مخطوبہ عورت کو دیکھنے کا شرعی حکم	۵۳۳
۵۱۸۹	رشتہ طے کرنے میں کھانے کے عوض کا حکم	۵۳۴
۵۱۹۰	منگنی ختم ہونے کی صورت میں اس میں دیئے گئے سامان کی واپسی ..	۵۳۵

☐	۳/ باب الإطعام في النكاح	۵۳۷

۵۱۹۱	بارات کے لغوی وشرعی معنی	۵۳۷
۵۱۹۲	بارات	۵۳۷
۵۱۹۳	بارات کی شرعی حیثیت	۵۳۹
۵۱۹۴	بارات کی شرعی حیثیت	۵۴۰

۵۱۹۵	شادی میں بارات کا حکم	۵۴۲
۵۱۹۶	بارات اور جہیز کا حکم	۵۴۳
۵۱۹۷	کیا لڑکی کو لانے کے لئے چند لوگوں کا جانا بارات ہے؟	۵۴۴
۵۱۹۸	کیا لڑکی کے نکاح پر دعوت کا نظم کرنا ولیمہ ہے؟	۵۴۵
۵۱۹۹	بارات لے جانا اور بارات میں شرکت کرنا	۵۴۷
۵۲۰۰	بارات اور اس کے کھانے کا حکم	۵۴۸
۵۲۰۱	لڑکی والوں کے یہاں دعوت	۵۵۱
۵۲۰۲	لڑکی والوں کے یہاں کھانا کھانا کیسا ہے؟	۵۵۲
۵۲۰۳	لڑکی کی شادی میں رشتہ داروں کی دعوت کرنا	۵۵۳
۵۲۰۴	بارات میں کتنے لوگ جاسکتے ہیں؟	۵۵۵
۵۲۰۵	شادی میں باراتیوں کی تعداد متعین کرنا	۵۵۷
۵۲۰۶	باراتیوں کی تعداد اور کھانے کا معیار متعین کرنا	۵۵۸
۵۲۰۷	بارات میں کتنے لوگ جائیں؟	۵۵۹
۵۲۰۸	لڑکی والوں کے یہاں کھانے کا انتظام	۵۶۱
۵۲۱۰	حضرت مفتی صاحب رومیؒ کی طرف سے یاددہانی	۵۶۱
۵۲۱۱	شبِ زفاف کہاں مسنون ہے؟ اور بارات کے کھانے کا حکم	۵۶۵
۵۲۱۲	منڈھے کی دعوت کا حکم	۵۶۷
۵۲۱۳	دعوت ولیمہ و دیگر دعوتوں کے اقسام	۵۶۸
۵۲۱۴	ولیمہ کے معنی اور ولیمہ کا وقت کب ہے؟	۵۶۹
۵۲۱۵	ولیمہ کی علت اور اصولی شرائط	۵۷۰
۵۲۱۶	کیا دوسری شادی میں بھی ولیمہ کرنا مسنون ہے؟	۵۷۱
۵۲۱۷	ولیمہ کا کھانا کتنے لوگوں کو کھلائیں؟	۵۷۲

۵۲۱۸ بارات روانگی سے قبل دعوت سے ولیمہ کی ادائیگی ہوگی یا نہیں؟ ۵۷۳
۵۲۱۹ ہمبستری سے قبل ولیمہ کرنا ۵۷۴
۵۲۲۰ شبِ زفاف سے قبل ولیمہ کرنا ۵۷۵
۵۲۲۱ ہمبستری سے قبل ولیمہ کرنے سے سنت ادا ہوگی یا نہیں؟ ۵۷۶
۵۲۲۲ نکاح کے بعد رخصتی سے قبل ولیمہ ۵۷۸
۵۲۲۳ ولیمہ سے متعلق چند سوالات کے جوابات ۵۷۸
۵۲۲۴ ولیمہ تیسرے دن یا بعد میں کیا جائے تو کیا حکم ہے؟ ۵۸۳
۵۲۲۵ نکاح میں چھوہارے تقسیم کرنے کی ذمہ داری کس پر اور ولیمہ کتنے دن بعد تک ہوسکتا ہے؟ ۵۸۴
۵۲۲۶ ولیمہ کی دعوت میں لڑکے والوں کا ہدیہ قبول کرنا کیسا ہے؟ ۵۸۵
۵۲۲۷ شادی میں مدعوئین کے ہدیہ تحائف کا حکم ۵۸۶
۵۲۲۸ اسٹینڈنگ (کھڑے ہوکر کھانے) میں شرکت کا حکم ۵۸۷
۵۲۲۹ کس طرح کی دعوت ولیمہ میں شرکت ضروری ہے؟ ۵۸۹
۵۲۳۰ خرافات والی شادی میں ولیمہ کی دعوت کھانا ۵۹۱
۵۲۳۱ ولیمہ کے لئے قرض لینا از روئے شرع کیسا ہے؟ ۵۹۲
۵۲۳۲ عقیقہ کی نیت سے خریدے گئے جانور سے ولیمہ کرنا اور اس کے برعکس کا حکم .. ۵۹۳

❒	۴/ باب الجهاز	۵۹۵

۵۲۳۳ جہیز کا صحیح معنی ۵۹۵
۵۲۳۴ جہیز میں کتنا سامان دیا جائے؟ ۵۹۷
۵۲۳۵ کیا حسبِ استطاعت جہیز دینا جائز ہے؟ ۵۹۸
۵۲۳۶ جہیز دینے کی جائز صورت ۶۰۰
۵۲۳۷ جہیز دینے کا ثبوت ہے یا نہیں؟ ۶۰۱
۵۲۳۸ شادی کے موقع پر جہیز دینا ۶۰۲

۵۲۳۹ جہیز کی مقدار کیا ہے؟ ۶۰۳
۵۲۴۰ جہیز کا مطالبہ کرنا ۶۰۴
۵۲۴۱ شادی میں بطور مطالبہ یا بلا مطالبہ جہیز کا حکم ۶۰۵
۵۲۴۲ لڑکے والوں کے مطالبہ پر لڑکی والوں کا رقم دینا ۶۰۷
۵۲۴۳ لڑکی والوں سے سامان یا نقد روپیوں کا مطالبہ کرنا ۶۰۸
۵۲۴۴ لڑکے والوں کو مطالبۂ جہیز میں سودی رقم دینا ۶۰۹
۵۲۴۵ جہیز کی مطلوبہ رقم سود سے ادا کرنے کا حکم ۶۱۱
۵۲۴۶ جہیز سے متعلق چند سوالات کے جوابات ۶۱۲
۵۲۴۷ جہیز کے معنی شرعی اور اس کا حکم ۶۱۴
۵۲۴۸ جہیز سے متعلق مزید چند سوالات اور جوابات ۶۱۶
۵۲۴۹ مفتی اور مقتدیٰ کے لئے جہیز لینا کیسا ہے؟ ۶۱۹
۵۲۵۰ شادی میں لین دین کی شرعی حیثیت ۶۲۰
۵۲۵۱ بلا مطالبہ شادی سے قبل یا بعد میں لڑکے کو ملنے والی اشیاء کا حکم ۶۲۲
۵۲۵۲ کیا جہیز میراث میں شمار ہوگا اور بھائی اپنی بہنوں کو وراثت سے محروم کرسکتا ہے؟ ۶۲۳
۵۲۵۳ سسرال والوں کا لڑکی کو جہیز کی وجہ سے پریشان کرنا ۶۲۴
۵۲۵۴ نکاح سے قبل مہر اور زیورات وغیرہ کا لین دین کرنا ۶۲۷
۵۲۵۵ جہیز میں تالا، قینچی، سروتہ دینا ۶۲۸
۵۲۵۶ خسر کا داماد کو نکاح سے پہلے یا بعد میں سائیکل وغیرہ دینا ۶۲۸
۵۲۵۷ سسر داماد کو دیا ہوا سامان واپس لے سکتا ہے یا نہیں؟ ۶۳۰
۵۲۵۸ لڑکی والوں کا ولیمہ میں دیئے ہوئے روپیوں کو واپس لینا ۶۳۰
۵۲۵۹ جہیز میں ملی ہوئی بھینس سے پیدا شدہ بچہ کا مالک کون؟ ۶۳۱
۵۲۶۰ جہیز میں آئی گائے کس کی ملک ہوگی ۶۳۲

۵۲۶۱	شادی سے قبل بیوی کو دیئے گئے سامان کا حکم	۶۳۳
۵۲۶۲	عورت کا زیور سسرال میں چوری ہو جائے تو لڑکی والے اس کی قیمت لے سکتے ہیں؟	۶۳۵
۵۲۶۳	سسرال والوں کا لڑکی کے جہیز کو اپنے قبضہ میں رکھنا	۶۳۶
۵۲۶۴	شادی کے موقع پر دیئے ہوئے پیسے کو لڑکی کے باپ کا اپنے اختیار سے خرچ کرنا	۶۳۷
۵۲۶۵	شرعاً مہر اور جہیز کس کی ملک ہیں؟........	۶۳۹
۵۲۶۶	جہیز، زیورات اور استعمالی سامان کا مالک کون؟	۶۴۰
۵۲۶۷	شادی کے موقع پر دیئے گئے جہیز اور زیورات وغیرہ کس کی ملکیت ہیں؟	۶۴۱
۵۲۶۸	شوہر کی طرف سے دیئے گئے زیور اور جہیز کا مالک کون؟	۶۴۲
۵۲۶۹	لڑکی کو میکے کی طرف سے ملنے والے سامان کا مالک کون؟	۶۴۴
۵۲۷۰	شادی کے موقع پر دولہن کو ملنے والے زیورات سامان وغیرہ کا مالک کون؟	۶۴۵
۵۲۷۱	زیور اور جہیز کے سامان پر ملکیت کس کی ہے؟	۶۴۶
۵۲۷۲	مہر، جہیز اور زیورات کا حکم........	۶۴۹
۵۲۷۳	نکاح کے وقت دیئے گئے زیورات وغیرہ کا حکم	۶۵۰
۵۲۷۴	دولہن پر چڑھائے جانے والے زیور کا حکم	۶۵۲
۵۲۷۵	سسر کی طرف سے بہو کو دیئے گئے زیورات کا مالک کون؟........	۶۵۳
۵۲۷۶	شادی میں چڑھائے ہوئے زیور کا مالک کون؟	۶۵۴
۵۲۷۷	کیا تھان اور زیورات مہر کا حصہ ہیں؟	۶۵۵
۵۲۷۸	شادی میں عورت کو چڑھائے گئے کپڑوں اور زیورات کا مالک کون؟.	۶۵۶
۵۲۷۹	شوہر کی طرف سے دیئے گئے زیورات کا حکم	۶۵۷
۵۲۸۰	زیورات کا حکم	۶۵۸
۵۲۸۱	زیورات کا مالک کون ہے؟........	۶۶۰
۵۲۸۳	منہ دکھائی کے زیورات کا مالک کون؟	۶۶۲

۵۲۸۴ جہیز کی واپسی اور لڑکی پر ظلم کرنے کا حکم ۶۶۲
۵۲۸۵ متوفیہ کے مہر، جہیز میکے میں علاج کا خرچ اور زیورات کا حکم ۶۶۵
۵۲۸۶ لڑکے کے والد کا چڑھایا ہوا سامان طلاق کے بعد کس کا ہوگا ؟ ۶۶۷
۵۲۸۷ طلاق کے بعد زیورات کی واپسی کا حکم ۶۶۸
۵۲۸۸ طلاق کے بعد جہیز کی واپسی اور نفقہ کا حکم ۶۶۹
۵۲۸۹ لڑکی کا انتقال ہوگیا تو جہیز واپس ہوگا یا ورثاء میں تقسیم ہوگا؟ ۶۷۱
۵۲۹۰ استعمال کی وجہ سے ختم شدہ جہیز کے سامان کا حکم ۶۷۱
۵۲۹۱ لڑکی کے والد بارات کا خرچ لے سکتے ہیں یا نہیں؟ ۶۷۲
۵۲۹۲ بلا تفریق دوسرا نکاح کرنے کے بعد مہر وسامان جہیز کا حکم ۶۷۳
۵۲۹۳ جہیز اور مہر کے بارے میں شریعت کے خلاف پنچایت کے فیصلہ کا حکم ۶۷۴

۵/ باب الأجرة في النكاح ۶۷۷

۵۲۹۴ اجرتِ نکاح ۶۷۷
۵۲۹۵ نکاح خوانی کی اجرت کی شرعی حیثیت ۶۷۸
۵۲۹۶ نکاح خوانی کی اجرت کا حکم ۶۷۹
۵۲۹۷ اصل اور نائب امام میں سے اجرت نکاح کا مستحق کون؟ ۶۸۰
۵۲۹۸ نکاح خوانی کی اجرت نکاح خواں کو دی جائے یا محلّہ کے امام کو؟ ۶۸۲
۵۲۹۹ اعتراض پر جواب مذکور ۶۸۳
۵۳۰۰ نکاح خوانی کی اجرت کس کو ملے؟ ۶۸۴
۵۳۰۱ نکاح خوانی کی اجرت کا حقدار کون ؟ ۶۸۵
۵۳۰۲ اجرت نکاح کا حقدار کون؟ ۶۸۶
۵۳۰۳ نکاح کے بعد دولہے کی طرف سے دی گئی رقم کا حقدار ۶۸۸
۵۳۰۴ نکاح کی اجرت پر کس کا حق ہے؟ ۶۸۹

۵٣٠۵	نکاح خوانی کی اجرت کا کچھ حصہ مسجد کو دینے پر مجبور کرنا	٦٩١
۵٣٠٦	نکاح خوانی کی اجرت کا مستحق کون قاضی یا مسجد کا امام؟	٦٩٢
۵٣٠٧	نکاح پڑھانے کے لئے حلقہ باٹنے اور اس کی اجرت کا حکم	٦٩٣
۵٣٠٨	گاؤں پنچایت والوں کا نکاح خوانی کی اجرت مقرر کرنا	٦٩٤
۵٣٠٩	نکاح خوانی کی اجرت کی ادائیگی کس کے ذمہ واجب؟	٦٩۵
۵٣١٠	نکاح کی اجرت سے متعلق چند سوالات کے جوابات	٦٩٧
۵٣١١	نکاح کا رشتہ کرانے پر کمیشن یا دلالی لینا	٧٠٠
۵٣١٢	نکاح کے وکیل اور گواہوں کا پیسہ لینا	٧٠١
۵٣١٣	برادری والوں کا نکاح خواں کی اجرت پانچ سو طے کرنے اور امام سے متعلق کرنے کا حکم	٧٠٢

٦/ باب من أحق بالإنكاح ٧٠٤

۵٣١٤	نکاح پڑھانے کا حق دار کون ہے؟	٧٠٤
۵٣١۵	کیا نکاح خواں کا عاقل بالغ ہونا شرط ہے	٧٠۵
۵٣١٦	دولہے کا خود اپنا نکاح پڑھانا	٧٠٧
۵٣١٧	نکاح پڑھانے کا حق کس کو ہے؟	٧٠٨
۵٣١٨	نکاح پڑھانا کس کا حق ہے؟	٧٠٩
۵٣١٩	نکاح کس سے پڑھوایا جائے؟	٧١٠
۵٣٢٠	محلوق اللحیہ کا اپنی لڑکی کا نکاح پڑھانا	٧١١
۵٣٢١	دیوبندی کا نکاح بدعتی نے پڑھا دیا تو کیا حکم ہے؟	٧١٣
۵٣٢٢	فاسد العقیدہ کے پڑھائے ہوئے نکاح کا حکم	٧١٤
	مذکورہ مدرسہ سے متعلق ''مدرسہ ضیاء العلوم'' کرتپور بجنور کا جواب	٧١٦
	دارالعلوم دیوبند کا جواب	٧١٧

۵۳۲۳ کیا بوقت عقد دماغ کا حاضر ہونا ضروری ہے؟.................. ۷۱۸
۵۳۲۴ نکاح پڑھاتے وقت سکہ رائج الوقت کہنا بھول جائے تو کیا حکم ہے؟ . ۷۱۹
۵۳۲۵ کیا حاملہ کا نکاح پڑھانے والا اپنے نکاح کی تجدید کرے گا؟ ۷۲۰

۷/ باب نکاح الفضولي ۷۲۲

۵۳۲۶ لڑکے کے وکیل و گواہوں نے مجلس نکاح میں ایجاب وقبول کے بعد لڑکی کو اطلاع کر دی، لڑکی نے اجازت دے دی ۷۲۲
۵۳۲۷ فضولی کے پڑھائے ہوئے نکاح کا حکم ۷۲۴
۵۳۲۸ فضولی کا نکاح کرانا ۷۲۵

۸/ باب تعدد النکاح ۷۲۷

۵۳۲۹ ایک نکاح سے زائد پر پابندی مسلم پرسنل لاء کے خلاف ۷۲۷
۵۳۳۰ از روئے شرع ایک شخص کتنی شادی کر سکتا ہے؟................ ۷۲۸
۵۳۳۱ حق زوجیت ادا نہ کرنے کی وجہ سے دوسری شادی کرنا.......... ۷۲۹
۵۳۳۲ نکاح ثانی................................... ۷۳۱
۵۳۳۳ ایک سے زائد عورتوں سے شادی کرنا ۷۳۲
۵۳۳۴ بیوی کی رضامندی کے بغیر دوسری شادی کرنا ۷۳۳
۵۳۳۵ زوجۂ اول کی طلاق کا مسئلہ عدالت میں ہوتے ہوئے دوسری شادی کرنا ۷۳۵
۵۳۳۶ پہلی بیوی کی طلاق کا مقدمہ عدالت میں ہوتے ہوئے دوسری شادی کرنے کا حکم ۷۳۶
۵۳۳۷ دوسری شادی کرنے پر اعزاء کا طلاق دینے پر مجبور کرنا.......... ۷۳۶
۵۳۳۸ پہلی بیوی کے نہ آنے پر دوسری شادی کرنا.................. ۷۳۷
۵۳۳۹ دوسری شادی کرنے پر پہلی بیوی کا میکہ چلے جانا ۷۳۹
۵۳۴۰ دوسری شادی کرنے کے لئے پہلی بیوی کی اجازت ضروری ہے؟ ... ۷۴۱

۵۳۴۱ پہلی بیوی کی اجازت کے بغیر دوسری شادی کرنا ۷۴۲
۵۳۴۲ مرد کو چار شادیوں کا اختیار ہے، عورت اس میں مخل نہیں ہوسکتی ۷۴۳

❐	۹/ باب نکاح المکره	۷۴۵

۵۳۴۳ نکاح بالجبر کی ایک صورت ۷۴۵
۵۳۴۴ جبراً نکاح کا حکم ۷۴۶
۵۳۴۵ کیا جبراً قبول کرانے سے نکاح منعقد ہو جائے گا ۷۴۸
۵۳۴۶ زبردستی لڑکی کا ناح کرنا اور لڑکی کا شوہر کے ساتھ چھ سال رہنا ۷۴۸
۵۳۴۷ زبردستی نکاح کرانے سے نکاح کا انعقاد ۷۵۰
۵۳۴۸ لڑکی کو نکاح پر مجبور کرنا اور رات گذارنا ۷۵۱

فہرست مضامین

١٥/ بقية كتاب النكاح

١٠/ باب الشهود والتوكيل في النكاح

مسئلہ نمبر .... صفحہ نمبر

٥٣٤٩ کراماً کاتبین کو گواہ بنا کر نکاح کرنا ٣٨
٥٣٥٠ کیا صحت نکاح کے لئے شرعی نصاب شہادت لازم ہے؟ ٣٩
٥٣٥١ نکاح میں قاضی کے علاوہ دو گواہوں کا ہونا شرط ہے............. ٤١
٥٣٥٢ بغیر گواہ کے نکاح کی ایک صورت.............................. ٤٢
٥٣٥٣ قاضی و گواہوں کے انتقال کی وجہ سے نکاح کا حکم ٤٣
٥٣٥٤ عاقدین اور دو گواہوں کی موجودگی میں نکاح کا حکم ٤٤
٥٣٥٥ زوجین کا دو گواہوں کی موجودگی میں نکاح کرنا ٤٥
٥٣٥٦ کیا مجلس نکاح میں رجسٹرڈ گواہوں کا ہونا ضروری ہے؟ ٤٧
٥٣٥٧ گواہوں کو متعین کئے بغیر مجمع عام میں نکاح پڑھانا ٤٨
٥٣٥٨ اجازت کے بعد مجمع عام میں رجسٹرڈ گواہوں اور وکیلوں کی عدم موجودگی میں نکاح ٤٩
٥٣٥٩ گواہوں کی تعیین کئے بغیر مجلس کے نکاح کا حکم ٥٠
٥٣٦٠ زید نے قرآن پر ہاتھ رکھ کر کہا تو میری بیوی اور لڑکی نے کہا تو میرا شوہر ہے ٥٢
٥٣٦١ بغیر گواہ کے نکاح ٥٣
٥٣٦٢ محض ایک عورت کی موجودگی میں عقد نکاح...................... ٥٤

۵۳۶۳ نکاح میں دوعورتوں کو گواہ بنانا ۵۶
۵۳۶۴ بغیر گواہوں کے ایجاب وقبول کرنے سے نکاح کا حکم ۵۷
۵۳۶۵ بلا نکاح فرضی رسید کا حکم ۵۸
۵۳۶۶ کیا نکاح کے گواہ باپ اور بھائی بن سکتے ہیں؟ ۵۹
۵۳۶۷ زید نکاح کا منکر اور ہندہ مدعیہ تو کس کا قول معتبر؟ ۶۰
۵۳۶۸ دولہن سے اجازت لیتے وقت گواہوں کی موجودگی ۶۱
۵۳۶۹ کیا لڑکی سے اجازت لیتے وقت گواہوں کا سامنے ہونا ضروری ہے؟ ۶۲
۵۳۷۰ لڑکی نے کہا ابا جی مالک ہیں تو کیا حکم ہے؟ ۶۴
۵۳۷۱ کیا نکاح میں وکیل اور گواہ کو عاقدین کا علم ہونا ضروری ہے؟ ۶۶
۵۳۷۲ ولی، گواہ اور نکاح خواں کے بغیر نکاح کرنا ۶۷
۵۳۷۳ کیا صحت نکاح کے لئے وکیل اور قاضی کا ہونا لازم ہے؟ ۶۸
۵۳۷۴ نکاح میں وکیل اور گواہ ۶۹
۵۳۷۵ نکاح میں باپ وکیل سے مراد کون ہیں اور وکیل محرم ہونا ضروری ہے؟ ۷۰
۵۳۷۶ قاضی کا انشاء پر دلالت کرنے والے حال کے صیغہ سے نکاح پڑھانا ۷۱
۵۳۷۷ حال کے صیغہ سے ایجاب وقبول کا حکم ۷۲
۵۳۷۸ قاضی کے پوچھنے پر زوجین کا راضی ہوں کہنا ۷۳
۵۳۷۹ نکاح خواں اور اولیاء کی غیر موجودگی میں نکاح کرنا ۷۴
۵۳۸۰ قاضی اور مہر کی وضاحت کے بغیر نکاح کا حکم ۷۵
۵۳۸۱ والد کے اجازت لینے کی صورت میں وکیل اور گواہ کا حکم ۷۶
۵۳۸۲ مجبوری میں دی گئی اجازت کا حکم ۷۸
۵۳۸۳ لڑکی سے نکاح کی اجازت کون کون لے سکتا ہے؟ ۷۹

۵۳۸۴ غیر محرم کا وکیل بن کر اجازت لینے کا حکم ۸۰
۵۳۸۵ لڑکی کا قبول کرنے کے بعد اس سے انکار کرنا ۸۱
۵۳۸۶ اجازت کے وقت بالغہ لڑکی کا کھلکھلا کر ہنسنا ۸۲
۵۳۸۷ مریضہ کو اجازت دینا یاد ہے تو کیا حکم؟ ۸۳
۵۳۸۸ مذاق میں ایجاب وقبول ۸۵
۵۳۸۹ لڑکی کا نکاح میں ایجاب وقبول کے بجائے دستخط کرنا ۸۷
۵۳۹۰ عورت نے شرعی گواہوں کی موجودگی میں کسی کو اختیار دیا اور اس نے قبول کرلیا ۸۸
۵۳۹۱ بوقت نکاح لڑکی کے نام کی تبدیلی ۸۹
۵۳۹۲ نکاح کی رسید میں لڑکی، لڑکے کا نام بدلا ہوا ہو تو کیا حکم؟ ۹۱
۵۳۹۳ بیوی کا نام بوقت نکاح شاہین سلطانہ کے بجائے شاہین پروین لینا ۹۲
۵۳۹۴ قاضی نے چھوٹی بہن کے بجائے شادی شدہ بڑی بہن کے نام سے نکاح پڑھادیا ۹۴
۵۳۹۵ قاضی نے لڑکی کا نام بدل دیا تو نکاح ہوا یا نہیں؟ ۹۵
۵۳۹۶ قاضی نے دو بہنوں کے نکاح میں ایک کا نام دوسری کی جگہ لے لیا ... ۹۶
۵۳۹۷ دو بہنوں کے نکاح میں قاضی نے نام بدل دیا ۹۹
۵۳۹۸ قاضی نے لڑکی کا نام بدل کر نکاح پڑھایا ۱۰۰
۵۳۹۹ قاضی نے لڑکی کا نام بدل دیا ۱۰۲
۵۴۰۰ عقد نکاح کے وقت ولدیت بدل جائے تو کیا حکم ہے؟ ۱۰۳
۵۴۰۱ مجلس نکاح میں نکاح پڑھاتے وقت ولدیت کا بدل جانا ۱۰۴
۵۴۰۲ کیا نکاح نامہ میں حقیقی باپ کا نام لکھنا لازم ہے؟ ۱۰۵
۵۴۰۳ کیا ولدیت کی جگہ حقیقی باپ کا نام لکھنا لازم ہے؟ ۱۰۶
۵۴۰۳ جھوٹے اقرار اور جھوٹی خبر سے انعقاد نکاح کا حکم ۱۰۷

۱۱/ فون،انٹرنیٹ اورکورٹ میرج کا نکاح

۵۴۰۴ کورٹ میرج ۱۱۲
۵۴۰۵ کورٹ سے نکاح کرنا ۱۱۳
۵۴۰۶ کورٹ میرج اور عدالتی طلاق کا حکم ۱۱۴
۵۴۰۷ فون پر نکاح ۱۱۵
۵۴۰۸ ٹیلیفون پر نکاح ۱۱۶
۵۴۰۹ کیا ٹیلی فون پر نکاح ہو جائے گا؟ ۱۱۷
۵۴۱۰ فون پر نکاح کی شرعی حیثیت ۱۱۸
۵۴۱۱ ٹیلی فون پر لڑکی سے اجازت لینا ۱۲۰
۵۴۱۲ فون پر نکاح کی جائز شکل ۱۲۲
۵۴۱۳ فون اور انٹرنیٹ پر نکاح سے متعلق ایک جامع فتویٰ ۱۲۳
۵۴۱۴ بذریعہ انٹرنیٹ نکاح کا حکم ۱۲۹
۵۴۱۵ انٹرنیٹ وموبائیل کے ذریعہ کئے گئے نکاح کا حکم ۱۳۰
۵۴۱۶ انٹرنیٹ اور موبائل کے ویڈیو کانفرنس میں نکاح باطل ۱۳۱

۱۲/ باب النکاح الصحیح

۵۴۱۷ رسمی نکاح ۱۳۳
۵۴۱۸ نکاح ہونے کے بعد دوبارہ نکاح کرنا ۱۳۴
۵۴۱۹ کیا عزت نفس کی خاطر دوبارہ نکاح کرسکتے ہیں؟ ۱۳۵

٥٤٢٠　والد کے انتقال کی وجہ سے شادی کی تاریخ کو مؤخر کرنا ١٣٦
٥٤٢١　گاؤں والوں کا بالغین کا نکاح کروانا ١٣٧
٥٤٢٢　دس بیگھہ زمین نام کرنے کی شرط پر میکہ سے واپس آنا ١٣٨
٥٤٢٣　نکاح بالکتابہ کی ایک صورت ١٣٩
٥٤٢٤　شادی کا خرچ اولاد کے ذمہ ہے یا والد کے؟ ١٤٠
٥٤٢٥　مرد کا ٤٥/ سال کی عمر میں دوسری شادی کرنا ١٤٢
٥٤٢٦　٤٥/ سالہ بیوہ سے نکاح پر لوگوں کا اعتراض ١٤٣
٥٤٢٧　شادی شدہ نہ ہونے کی شرط پر نکاح ١٤٤
٥٤٢٨　طلاق کی نیت سے نکاح ١٤٥
٥٤٢٩　قرناء عورت سے شادی کا حکم ١٤٦
٥٤٣٠　جس لڑکی میں زنانہ حیثیت مکمل نہیں اس سے نکاح ١٤٨
٥٤٣١　اندام نہانی بند والی عورت سے نکاح کا حکم ١٤٩
٥٤٣٢　کیا احکام شرعیہ سے ناواقف عورت کا نکاح صحیح نہیں؟ ١٥٠
٥٤٣٣　دھوکہ دے کر بیمار عورت سے نکاح کرا دینا ١٥١

١٣/ باب من يحل نكاحه

٥٤٣٤　سوتیلی ماں کی حقیقی بہن سے نکاح ١٥٤
٥٤٣٥　عورت اور اس کی سوتیلی لڑکی سے نکاح ١٥٤
٥٤٣٦　دو حقیقی بھائیوں کا الگ الگ ماں اور بیٹی سے نکاح کرنا ١٥٦
٥٤٣٧　ماں کی خالہ زاد بہن سے نکاح ١٥٧

۵۴۳۸ پچیری خالہ سے نکاح ۱۵۸
۵۴۳۹ نانا کی خالہ زاد بہن کے لڑکے یا چچیرے بھائی کے پوتے کی لڑکی سے نکاح ... ۱۵۸
۵۴۴۰ خالہ کی سوتن کی لڑکی کی لڑکی سے نکاح ۱۵۹
۵۴۴۱ ماں کی حقیقی چچی سے نکاح ۱۶۰
۵۴۴۲ ماں کی ماموں زاد بہن سے نکاح ۱۶۱
۵۴۴۳ باپ کی چچا زاد بہن سے نکاح ۱۶۱
۵۴۴۴ باپ کی ربیبہ سے نکاح ۱۶۲
۵۴۴۵ قبل الدخول طلاق دینے کے بعد بیٹی سے جواز نکاح اور ماں سے عدم جواز ۱۶۳
۵۴۴۶ پہلی بیوی کے لڑکوں کا دوسری بیوی کی لڑکیوں سے نکاح ۱۶۵
۵۴۴۷ دوسرے شوہر کی اولاد سے نکاح کرنا ۱۶۶
۵۴۴۸ خالہ کی نواسی سے نکاح ۱۶۷
۵۴۴۹ چچا کے انتقال کے بعد چچی سے نکاح ۱۶۸
۵۴۵۰ چچا اور بھتیجی کا آپس میں نکاح ۱۶۹
۵۴۵۱ چچا زاد بہن کی لڑکی سے نکاح ۱۷۱
۵۴۵۲ چچا زاد پھوپھی سے نکاح ۱۷۲
۵۴۵۳ چچا زاد بھائی کے بیٹے سے نکاح ۱۷۲
۵۴۵۴ چچا زاد بہن کی لڑکی سے نکاح ۱۷۳
۵۴۵۵ چچا زاد بھائی کی لڑکی سے نکاح ۱۷۴
۵۴۵۶ عدت مکمل ہونے کے بعد چچا زاد بھائی کی مطلقہ سے نکاح ۱۷۵

۵۴۵۷ متوفی چھوٹے بھائی کی بیوی سے نکاح ۱۷۶
۵۴۵۸ بھائی کے انتقال کے بعد بھابھی سے نکاح ۱۷۷
۵۴۵۹ اپنے بھائی کے سالے کی لڑکی سے نکاح ۱۷۷
۵۴۶۰ بیٹے کا نکاح سالی سے کرنا ۱۷۸
۵۴۶۱ چچازاد ماموں سے نکاح کرنے کا حکم ۱۷۹
۵۴۶۲ سگے ماموں کی نواسی سے نکاح ۱۸۰
۵۴۶۳ دو سگی بہنوں کی اولادوں کے آپس میں نکاح کا شرعی حکم ۱۸۱
۵۴۶۴ بھائی کی اولاد سے اپنی اولاد کا نکاح ۱۸۳
۵۴۶۵ ایک بھائی کے لڑکے کا دوسرے بھائی کی پوتی سے نکاح ۱۸۴
۵۴۶۶ سوتیلے بھائیوں کی اولاد کا باہم نکاح ۱۸۵
۵۴۶۷ بھانجی کے لڑکے سے نکاح ۱۸۶
۵۴۶۸ پھوپھی زاد بہن کی لڑکی سے نکاح ۱۸۷
۵۴۶۹ متوفی بیوی کی بھانجی سے نکاح ۱۸۷
۵۴۷۰ سمدھن کے ساتھ نکاح ۱۸۸
۵۴۷۱ داماد کی والدہ سے نکاح ۱۸۹
۵۴۷۲ استاذ کی بیوی سے نکاح ۱۹۰
۵۴۷۳ غیر مختون سے نکاح ۱۹۱
۵۴۷۴ اجنبیہ کو بہن کہنے کے بعد اسی سے نکاح ۱۹۲
۵۴۷۵ کسی کو سگی بہن یا بھانجہ کہنے کے بعد اس سے نکاح ۱۹۲
۵۴۷۷ سوتیلی سالی سے نکاح ۱۹۴

۱۴/باب نکاح الحاملة والمزنية

۵۴۷۸ حاملہ سے نکاح ۱۹۸
۵۴۷۹ حمل والی عورت سے نکاح ۱۹۹
۵۴۸۰ اپنی چھ ماہ کی حاملہ مزنیہ سے نکاح ۲۰۰
۵۴۸۱ حبلیٰ من الزنا سے نکاح ۲۰۱
۵۴۸۲ حالت حمل میں نکاح اور طلاق کا حکم ۲۰۲
۵۴۸۳ زانیہ حاملہ سے نکاح ۲۰۴
۵۴۸۴ حاملہ مزنیہ سے نکاح ۲۰۵
۵۴۸۵ حبلیٰ من الزنا سے نکاح ۲۰۶
۵۴۸۶ دومہینہ کی حاملہ سے نکاح ۲۰۷
۵۴۸۷ شادی کے دو ماہ کے بعد تین ماہ کی حاملہ ۲۰۸
۵۴۸۸ نکاح کے تین ماہ بعد ولادت ہونے والا نکاح صحیح ہے یا نہیں؟ ۲۱۰
۵۴۸۹ لاعلمی میں تین ماہ کی حاملہ سے نکاح ۲۱۱
۵۴۹۰ مزنیہ حاملہ سے نکاح اور وطی کا حکم ۲۱۲
۵۴۹۱ حبلیٰ من الزنا کا نکاح اور نکاح پڑھانے والے کا حکم ۲۱۳
۵۴۹۲ حبلیٰ من الزنا سے شادی اور اس کا مہر ۲۱۵
۵۴۹۳ حبلیٰ من الزنا سے نکاح اور مہر وغیرہ کا حکم ۲۱۶
۵۴۹۴ کیا سات ماہ کی حاملہ سے نکاح صحیح ہے؟ ۲۱۷
۵۴۹۵ مزنیہ سے زانی کا نکاح ۲۱۸

۵۴۹۶ اپنی مزنیہ سے نکاح ۲۲۰

۵۴۹۷ زانی کا اپنی مزنیہ سے نکاح ۲۲۱

۵۴۹۸ اپنی مزنیہ سے حالت حمل میں نکاح ۲۲۱

۵۴۹۹ اپنی مزنیہ حاملہ سے نکاح ۲۲۲

۵۵۰۰ زانی کا اس کی مزنیہ سے نکاح ۲۲۳

۵۵۰۱ اپنی مزنیہ سے نکاح اور وطی ۲۲۵

۵۵۰۲ ناجائز تعلقات کے بعد باہم نکاح اور اولاد کا حکم ۲۲۵

۵۵۰۳ کیا زنا سے حمل شدہ لڑکی کا نکاح زانی سے درست ہے؟ ۲۲۷

۵۵۰۴ ولد الزنا سے نکاح ۲۲۸

۵۵۰۵ زانی اور مزنیہ کے بیٹے اور بیٹی کا آپس میں نکاح ۲۲۸

۵۵۰۶ زانیہ وزانی کی اولاد کا باہم نکاح ۲۲۹

۵۵۰۷ زانی کی اولاد کا مزنیہ کی اولاد سے نکاح ۲۳۱

۵۵۰۸ زانی اور مزنیہ کے فروع کا نکاح ۲۳۱

۵۵۰۹ کیا زانی مزنیہ کے فروع کا آپس میں نکاح درست ہے؟ ۲۳۲

۵۵۱۰ ممسوسہ کی لڑکی سے اپنے لڑکے کا نکاح کرنا ۲۳۵

۵۵۱۱ زانیہ بیوی کو رکھنے اور اس کے حمل واسقاط کا حکم ۲۳۶

۵۵۱۲ مزنیہ سالی کی لڑکی سے زانی کے لڑکے کا نکاح ۲۳۷

۵۵۱۳ مکرہ علی الزنا سے نکاح ۲۳۸

۵۵۱۴ بہنوئی سے حاملہ سالی کا بھائی سے نکاح ۲۳۹

۵۵۱۵ حالت حیض میں نکاح ۲۴۰

۵۵۱۶ حیض کی حالت میں نکاح ۲۴۰

۱۵/ باب من لا یحل نکاحه

۵۵۱۷ غیر مقلد کے ساتھ حنفی لڑکی کا نکاح ۲۴۲
۵۵۱۸ غیر مقلد عورت سے نکاح ۲۴۲
۵۵۱۹ حنفی المسلک کا شیعہ سے نکاح ۲۴۳
۵۵۲۰ سنی لڑکے اور شیعہ لڑکی کا نکاح ۲۴۵
۵۵۲۱ شیعہ لڑکی کو سنی سمجھ کر نکاح کرنا ۲۴۶
۵۵۲۲ سنی لڑکے کا جبرا غالی شیعہ کی لڑکی سے نکاح کا حکم ۲۴۷
۵۵۲۳ کیا شیعہ سے سنی کا نکاح ہوسکتا ہے؟ ۲۴۸
۵۵۲۴ شیعہ عورت سے نکاح، اس سے پیدا شدہ بچوں کے نسب اور وراثت کا حکم ۲۵۰
۵۵۲۵ قادیانی کا سنی عورت سے نکاح اور اولاد کا حکم ۲۵۱
۵۵۲۶ اہل قرآن کی لڑکی سے نکاح ۲۵۲
۵۵۲۷ عیسائی رسم ورواج کے مطابق شادی کرنا ۲۵۳
۵۵۲۸ شیعہ سے رشتہ مناکحت قائم کرنا ۲۵۴
۵۵۲۹ نومسلمہ کا اسلام لانے کے بعد نکاح ۲۵۵
۵۵۳۰ نومسلمہ شادی کے لئے کتنے حیض گزارے گی؟ ۲۵۶
۵۵۳۱ نومسلمہ کنواری لڑکی کا نکاح فوری طور پر کرنا ۲۵۸
۵۵۳۲ نومسلمہ نکاح کے لئے تین حیض گزارے یا چھ حیض؟ ۲۵۹
۵۵۳۳ غیر مسلم بیوہ یا مطلقہ کا اسلام لانے کے بعد مسلمان سے فوراً نکاح ۲۶۱

۵۵۳۳ غیر مسلم کے ساتھ رہ کر تین بچے بھی ہوگئے ان کے نسب کا کیا حکم؟ ... ۲۶۲
۵۵۳۳ زانیہ کے ساتھ نکاح اور چھ ماہ سے قبل ولادت کا حکم؟ ۲۶۳
۵۵۳۳ غیر مسلم شادی شدہ عورت سے ناجائز تعلقات اور بچوں کا حکم؟ ۲۶۴
۵۵۳۳ غیر مسلم کنواری لڑکی سے ناجائز تعلقات اور چار ماہ کے حمل کی
حالت میں نکاح ۲۶۶
۵۵۳۳ شادی شدہ غیر مسلم عورت کے اسلام قبول کرنے کے بعد مسلمان سے
نکاح کے لئے عدت کا حکم ۲۶۷
۵۵۳۳ غیر مسلم کنواری لڑکی کے قبول اسلام کے بعد استبراء رحم کے بغیر نکاح . ۲۶۹
۵۵۳۴ دور حاضر میں باندی کے ساتھ بیوی جیسا سلوک ۲۷۰
۵۵۳۵ باندی سے نکاح کرنے کا حکم ۲۷۱

۱۶/ باب استبراء الرحم

۵۵۳۶ کنواری باندی سے ہمبستری کے لئے استبراء رحم لازم نہیں؟ ۲۷۲
۵۵۳۷ کیا ہندو رسم ورواج کے مطابق شادی کرسکتے ہیں؟ ۲۷۳
۵۵۳۸ ارتداد کی صورت میں نکاح اور مہر کا حکم ۲۷۴
۵۵۳۹ غیر مسلم کے ساتھ فرار ہونے والی لڑکی کے احکام ۲۷۶
۵۵۴۰ کیا غیر مسلم کے ساتھ بھاگنے والی عورت کا نکاح ختم ہوجاتا ہے؟ ۲۷۷
۵۵۴۱ غیر مسلم کیساتھ فرار ہونے والی لڑکی کے نکاح کا حکم ۲۷۸
۵۵۴۲ مسلمان لڑکے کا ہندو لڑکی سے شادی کرنا ۲۸۱
۵۵۴۳ مسلم لڑکے کا کافرہ لڑکی سے نکاح ۲۸۱
۵۵۴۴ مرتد کا نکاح کسی سے منعقد نہیں ہوتا ۲۸۳

۱۷/ باب المحرمات

۵۵۴۵ کن کن عورتوں سے نکاح حرام ہے؟ ۲۸۴
۵۵۴۶ بیٹے کی مطلقہ سے نکاح ۲۸۵
۵۵۴۷ باپ کی منکوحہ سے نکاح ۲۸۶
۵۵۴۸ قبل الدخول طلاق شدہ باپ کی منکوحہ سے نکاح کا عدم جواز ۲۸۸
۵۵۴۹ باپ کی سوتیلی بہن سے نکاح ۲۸۹
۵۵۵۰ خالہ سے نکاح ۲۹۰
۵۵۵۱ سگی خالہ سے نکاح ۲۹۱
۵۵۵۲ کیا خوشدامن اور خسر کی والدہ محرمات میں سے ہیں؟ ۲۹۲
۵۵۵۳ خالو اور پھوپھا محرم ہیں یا غیر محرم؟ ۲۹۳
۵۵۵۴ بیوی کی خالہ اور پھوپھی محرم ہیں یا غیر محرم؟ ۳۹۴
۵۵۵۵ بھانجی اور چچازاد بہن سے نکاح ۲۹۵
۵۵۵۶ دور کے ماموں، بھانجی اور خالہ بھانجے کا نکاح ۲۹۶
۵۵۵۷ علاتی بھائی بہن کا نکاح ۲۹۷
۵۵۵۸ لاعلمی میں اپنی محرم عورت سے نکاح ۲۹۸
۵۵۵۹ لاعلمی میں محرم عورت سے نکاح ۲۹۹
۵۵۶۰ بھانجی سے شادی کرنے والے کی عورت کا پکایا ہوا کھانا کھانے کا حکم ... ۲۹۹
۵۵۶۱ بغیر نکاح کے عورت کو ساتھ رکھنا ۳۰۰
۵۵۶۱ دو بہنیں ایک دوسرے سے چسپاں ہیں ان کا نکاح کیسے ہو؟ ۳۰۱

۱۸/ باب المحرمات بالصهرية

۵۵۶۲ حرمت مصاہرت کے متعلق چند سوالات وجوابات ۳۰۳
۵۵۶۳ کیا حرمت مصاہرت کے ثبوت کے بعد بیوی کو ساتھ رکھنے کی کوئی شکل ہے؟ .. ۳۰۸
۵۵۶۴ محرمات ابدیہ سے حرمت مصاہرت ثابت ہونے کا ثمرہ ۳۱۰
۵۵۶۵ اجنبیہ منکوحہ سے حرمت مصاہرت کا کیا فائدہ؟ ۳۱۱
۵۵۶۶ کیا شرعی شہادت کے بغیر محض عورت کے دعوی سے حرمت مصاہرت ثابت ہوجائے گی؟....... ۳۱۲
۵۵۶۷ کیا تنہا عورت کی گواہی حرمت مصاہرت کے لئے کافی ہے؟ ۳۱۶
۵۵۶۸ خسر سے حرمت کے ثبوت کے شرائط ۳۱۷
۵۵۶۹ شرعی گواہ نہ ہونے کی صورت میں زنا کا اقرار کرے یا نہ کرے؟ ۳۱۹
۵۵۷۰ کیا محض افواہ سے بیوی شوہر پر حرام ہوجائے گی؟ ۳۲۰
۵۵۷۱ نابالغ بچی سے زنا کے نتیجے میں حرمت مصاہرت کا حکم ۳۲۱
۵۵۷۲ بحالت نابالغ اپنی لڑکی کو شہوت سے چھونا ۳۲۲
۵۵۷۳ دس گیارہ سال کی بیٹی کو چھونے سے حرمت مصاہرت ثابت ہوگی یا نہیں؟ ... ۳۲۳
۵۵۷۴ کیا بارہ سال بعد حرمت مصاہرت کا ثبوت ہوگا؟ ۳۲۴
۵۵۷۵ لمس بالید سے حرمت مصاہرت کا حکم ۳۲۵
۵۵۷۶ اپنی لڑکی یا سالی سے زنا کرنے سے کیا بیوی حرام ہوجائے گی؟ ۳۲۶
۵۵۷۷ چچی کا بوسہ لینے کا حکم ۳۲۷
۵۵۷۸ کیا مذاق میں بھی مس، تقبیل وغیرہ سے حرمت مصاہرت ثابت ہوجاتی ہے؟ . ۳۲۸
۵۵۷۹ عورت کو شہوت سے ہاتھ لگانے کا حکم ۳۳۰
۵۵۸۰ عورت کے پاس شرعی گواہ ہونے کی صورت میں حرمت مصاہرت ... ۳۳۱

۵۵۸۱ بہو سے زنا بالجبر پر کوئی گواہ نہ ہو تو کیا حکم ہے؟ ۳۳۲
۵۵۸۲ خسر منکر اور عورت کے پاس شرعی گواہ نہیں ہے تو کیا حکم ہے؟ ۳۳۳
۵۵۸۳ عورت کے دعویٰ اور خسر واہل محلّہ کے انکار سے حرمت مصاہرت کا حکم ۳۳۴
۵۵۸۴ خسر کا بہو سے بدفعلی کا ارادہ کرنا ۳۳۵
۵۵۸۵ شوہر پر بہو سے ہمبستری کرنے کا الزام لگانا ۳۳۷
۵۵۸۶ بہو نے خسر پر زنا کا الزام لگایا............................ ۳۳۷
۵۵۸۷ بہو کا سسر پر زنا بالجبر کا الزام لگانا........................ ۳۳۸
۵۵۸۸ ۷۰؍سالہ خسر پر بہو کا زنا کا الزام لگانا......................... ۳۴۰
۵۵۸۹ بہو کا سسر پر سینہ پر ہاتھ لگانے کا دعویٰ کرنا ۳۴۱
۵۵۹۰ لڑکے کو والد کی طرف سے زنا یا دواعی زنا کا یقین ہے تو کیا حکم ہے؟ ۳۴۲
۵۵۹۱ زوجین خسر سے زنا کے ثبوت کے اقراری ہوں تو کیا حکم ہے؟ ۳۴۴
۵۵۹۲ خسر کا شہوت کے ساتھ بہو کا ہاتھ پکڑنا........................ ۳۴۶
۵۵۹۳ خسر کا شہوت کے ساتھ بہو کو چھونا........................ ۳۴۷
۵۵۹۴ خسر کا بہو سے زنا کرنا ۳۴۹
۵۵۹۵ خسر کا بہو کے ساتھ زنا بالجبر کرنے کا حکم........................ ۳۵۰
۵۵۹۶ کیا خسر کے بہو سے زنا کرنے سے شوہر پر حرام ہو جائے گی؟ ۳۵۱
۵۵۹۷ کیا بیٹی سے جماع کرنے سے بیوی ہمیشہ کے لئے حرام ہو جاتی ہے؟ ۳۵۲
۵۵۹۸ ربیبہ سے زنا کرنے کا حکم ۳۵۳
۵۵۹۹ ممسوسہ بالشہوۃ کی بیٹی سے نکاح ۳۵۴
۵۶۰۰ موطوءہ کی بیٹی سے نکاح تکرار ہے ۳۵۵
۵۶۰۱ زانی مزنیہ کی لڑکی سے نکاح ۳۵۶

۵۶۰۲ مزنیہ کی فروع سے زانی کا نکاح ۳۵۸
۵۶۰۳ اپنی مزنیہ کی بیٹی سے نکاح ۳۵۹
۵۶۰۴ باپ کی مزنیہ سے نکاح کا عدم جواز ۳۶۰
۵۶۰۵ زانی کا مزنیہ کی ماں یا بیٹی کے ساتھ نکاح کا فساد ۳۶۱
۵۶۰۶ مزنیہ کی لڑکی سے نکاح کرنے والے کے یہاں کھانا کھانا ۳۶۲
۵۶۰۷ باپ کا لڑکے کی مطلقہ سے نکاح ۳۶۳
۵۶۰۸ بیٹے کا باپ کی ممسوسہ سے نکاح ۳۶۳
۵۶۰۹ بیٹے کا ماں کو شہوت کے ساتھ چھونے کا حکم ۳۶۴
۵۶۱۰ حقیقی بہن سے صحبت کرنے کی وجہ سے کیا بیوی حرام ہوجاتی ہے؟ ... ۳۶۵
۵۶۱۱ ساس کی شرم گاہ کو دیکھنا ۳۶۶
۵۶۱۲ شہوت کے ساتھ ساس کو مس کرنا اور بوسہ لینا ۳۶۷
۵۶۱۳ دھوکے سے داماد کا ساس کو بحالتِ شہوت چھونا ۳۶۸
۵۶۱۴ صحبت کے ارادے سے ساس کو بیوی سمجھ کر ہاتھ لگانا ۳۶۹
۵۶۱۵ شہوت کے ساتھ ساس کو چھونے سے کیا بیوی حرام ہوجائے گی ۳۷۰
۵۶۱۶ خوش دامن سے مجامعت کرنے کا حکم ۳۷۱
۵۶۱۷ کیا سالی سے زنا کرنے کی وجہ سے نکاح ٹوٹ جاتا ہے؟ ۳۷۲
۵۶۱۸ کیا سالی سے زنا کرنے سے نکاح نہیں ٹوٹتا؟ ۳۷۳
۵۶۱۹ سالی سے بدکاری کے بعد بیوی نکاح میں رہے گی یا نہیں؟ ۳۷۴
۵۶۲۰ منکوحہ اپنے بہنوئی سے زنا کرائے تو شوہر پر حرام ہوگی یا نہیں؟ ۳۷۴
۵۶۲۱ سالی سے وطی کرنے سے بیوی حرام ہوگی یا نہیں؟ ۳۷۶
۵۶۲۲ مزنیہ کی بہن سے نکاح اور سالی سے زنا کا حکم ۳۷۶

۵۶۲۳ سالی کو اٹھا کر لے جا کر اپنے ساتھ رکھنے سے کیا نکاح ٹوٹ جائے گا؟ ۳۷۷
۵۶۲۴ کیا مزنیہ کے اصول وفروع زانی پر حرام ہیں؟ ۳۷۸
۵۶۲۵ سالی کے سینے کو چھونے کا حکم ۳۷۹
۵۶۲۶ سالی سے زنا کرنے کا حکم ۳۸۰
۵۶۲۷ بیوی کی بہن سے زنا کرنا ۳۸۱
۵۶۲۸ سالی سے زنا کرلے تو حرمت مصاہرت کا حکم ۳۸۲
۵۶۲۹ سالی کے ساتھ زنا کرنا اور اپنے لڑکے کا اس کی لڑکی سے نکاح کرنا ... ۳۸۳
۵۶۳۰ کیا نامحرم سے ناجائز تعلقات کی وجہ سے بیوی حرام ہو جاتی ہے؟.... ۳۸۴
۵۶۳۱ اجنبی کے ساتھ غلط تعلقات کا نکاح پر اثر ۳۸۵

۱۹/ باب الجمع بین المحارم

۵۶۳۲ دو علاتی بہنوں کو ایک نکاح میں جمع کرنا ۳۸۷
۵۶۳۳ بیوی کی موجودگی میں بیوی کی سگی بہن سے نکاح ۳۸۷
۵۶۳۴ دو بہنوں کو ایک نکاح میں جمع کرنا ۳۸۸
۵۶۳۵ بیوی کی موجودگی میں سالی سے نکاح ۳۹۰
۵۶۳۶ بیوی کے نکاح میں ہوتے ہوئے اس کی بہن سے نکاح ۳۹۱
۵۶۳۷ دو سگی بہنوں کا ایک ساتھ نکاح میں رکھنا ۳۹۲
۵۶۳۸ دو سگی بہنوں کے ایک نکاح میں اجتماع کا عدم جواز ۳۹۳
۵۶۳۹ بیوی کی بہن سے زنا اور نکاح کرنے کا حکم ۳۹۴
۵۶۴۰ بیوی کے نکاح میں رہتے ہوئے اس کی بہن سے شادی کرنا ۳۹۵
۵۶۴۱ سالی سے نکاح ۳۹۶

۵۶۴۲ سگی سالی سے نکاح ۳۹۸
۵۶۴۳ بیوی کی موجودگی میں سگی سالی سے نکاح ۳۹۹
۵۶۴۴ بیوی کی موجودگی میں سالی سے نکاح اور اولاد کا حکم ۴۰۰
۵۶۴۵ دو بہنیں ایک مرد کے نکاح میں اور ان کی اولاد کا نکاح ۴۰۱
۵۶۴۶ دو بہنوں سے الگ الگ نکاح اور ان سے پیدا شدہ اولاد کا حکم ۴۰۲
۵۶۴۷ پھوپھی اور بھتیجی کو ایک نکاح میں جمع کرنا ۴۰۳
۵۶۴۸ ماں بیٹی کو نکاح میں جمع کرنا ۴۰۴
۵۶۴۹ خالہ، بھانجی کو ایک ساتھ نکاح میں رکھنا ۴۰۶
۵۶۵۰ بیوی اور اس کی بھتیجی کو ایک نکاح میں جمع کرنا ۴۰۷
۵۶۵۱ بیوی کے رہتے ہوئے اس کی حقیقی بھانجی سے نکاح ۴۰۸
۵۶۵۲ بیوی کی ماں شریک اخیافی بہن سے نکاح ۴۰۹

۲۰/ باب النکاح الفاسد والباطل

۵۶۵۳ نکاح فاسد کی وضاحت ۴۱۲
۵۶۵۴ نکاح فاسد وباطل کی تحقیق سے متعلق ایک جامع فتویٰ ۴۱۳
۵۶۵۵ کیا دو مردوں کے درمیان بھی نکاح ہونے لگا؟ ۴۱۹
۵۶۵۶ عنین اور خنثیٰ مشکل کسے کہتے ہیں؟ ۴۱۹
۵۶۵۷ خنثیٰ سے نکاح ۴۲۰

۲۱/ باب نکاح منکوحۃ الغیر

۵۶۵۸ لاپتہ شوہر کی بیوی کا دوسرا نکاح ۴۲۲

۵۶۵۹ شوہر کی موجودگی میں دوسرے سے کورٹ میرج کرنا ۴۲۳
۵۶۶۰ شوہر سے طلاق لئے بغیر دوسرے سے نکاح ۴۲۴
۵۶۶۱ ایک کے نکاح میں رہتے ہوئے دوسرے سے نکاح ۴۲۵
۵۶۶۲ دوسرے کی بیوی سے نکاح ۴۲۶
۵۶۶۳ دوسرے کی منکوحہ سے نکاح ۴۲۷
۵۶۶۴ دوسرے کی منکوحہ سے نکاح کی شرعی حیثیت ۴۲۹
۵۶۶۵ کسی کی منکوحہ سے نکاح ۴۳۰
۵۶۶۶ منکوحۃ الغیر کا دوسری جگہ شادی کرنا ۴۳۱
۵۶۶۷ منکوحۃ الغیر کی کسی دوسرے شخص سے شادی کرنا ۴۳۲
۵۶۶۸ منکوحۃ الغیر اور معتدہ سے نکاح ۴۳۳
۵۶۶۹ منکوحۃ الغیر کا دوسرے مرد سے نکاح ۴۳۵
۵۶۷۰ منکوحۃ الغیر کے نکاح سے متعلق چند سوالات کے جوابات ۴۳۶
۵۶۷۱ منکوحۃ الغیر سے نکاح کے متعلق چند سوالات وجوابات ۴۳۸
۵۶۷۲ منکوحۃ الغیر کا شرعی تفریق کے بغیر نکاح ۴۳۹
۵۶۷۳ شرعی تفریق حاصل کئے بغیر منکوحۃ الغیر کا دوسری جگہ نکاح ۴۴۱
۵۶۷۴ منکوحۃ الغیر کا دوسرے مرد سے شادی کرنا ۴۴۲
۵۶۷۵ منکوحہ کا تفریق سے قبل دوسرے شخص سے نکاح ۴۴۳
۵۶۷۶ منکوحۃ الغیر سے نکاح اور اس کی دعوت قبول کرنے کا حکم ۴۴۴
۵۶۷۷ کیا منکوحۃ الغیر سے نکاح منعقد ہی نہیں ہوتا ۴۴۵
۵۶۷۸ کیا منکوحۃ الغیر سے نکاح کرنا حرام ہے؟ ۴۴۷
۵۶۷۹ منکوحۃ الغیر سے قصداً نکاح کرنا ۴۴۹

۵۶۸۰ منکوحۃ الغیر کا نکاح ۴۵۰
۵۶۸۱ منکوحۃ الغیر کا نکاح کرنا ۴۵۱
۵۶۸۲ شرعی تفریق حاصل کئے بغیر منکوحہ کا دوسری جگہ نکاح ۴۵۲
۵۶۸۳ منکوحۃ الغیر کی دوسرے سے شادی اور اولاد کا حکم ۴۵۳
۵۶۸۴ منکوحۃ الغیر سے نکاح اور اولاد کا حکم ۴۵۴
۵۶۸۵ منکوحۃ الغیر کے دوسرے سے نکاح کے بعد مہر اور پیدا شدہ بچہ کا حکم ... ۴۵۵
۵۶۸۶ منکوحۃ الغیر سے نکاح اور اس سے پیدا شدہ بچہ کا نسب ۴۵۷
۵۶۸۷ منکوحہ غیر کو اپنے پاس رکھنا ۴۵۸
۵۶۸۸ دوسرے کی بیوی کو اغواء کر کے نکاح کرنا ۴۵۹
۵۶۸۹ منکوحہ کی اجازت کے بغیر چوری چھپے دوسرے مرد سے نکاح کر دینے کا حکم ... ۴۶۱
۵۶۹۰ شادی شدہ عورت کا نامحرم مرد کے ساتھ بھاگ جانا ۴۶۲
۵۶۹۱ دوسرے کی بیوی کو بھگا کر اس سے نکاح ۴۶۴
۵۶۹۲ لڑکی کے گھر والوں کا لڑکے کو طلاق پر مجبور کرنا، نیز دوسری جگہ شادی کرنا .. ۴۶۵
۵۶۹۳ منکوحہ کو فروخت کرنا ۴۶۷
۵۶۹۴ رجعت کردہ بیوی کا دوسری جگہ نکاح ۴۶۸
۵۶۹۵ غیر کی منکوحہ سے نکاح اور اس کی سزا ۴۶۹
۵۶۹۶ شرعی تفریق حاصل کئے بغیر دوسرے سے...... متعلق چند سوالات ... ۴۷۱
۵۶۹۷ شوہر کے طلاق دیئے بغیر دوسرے کے ساتھ کورٹ میرج ۴۷۳
۵۶۹۸ شوہر سے طلاق لئے بغیر دوسرے سے نکاح ۴۷۴
۵۶۹۹ شوہر اول سے شرعی تفریق کے بغیر دوسرے سے نکاح ۴۷۵
۵۷۰۰ شوہر اول سے طلاق لئے بغیر دوسرے کے پاس رہنا ۴۷۶

۵۷۰۱ شوہر اول سے طلاق کے بغیر دوسرے سے نکاح ۴۷۷
۵۷۰۲ موجودہ شوہر سے خلاصی حاصل کئے بغیر دوسرے سے نکاح ۴۷۸
۵۷۰۳ بغیر طلاق دوسری جگہ نکاح ۴۷۹
۵۷۰۴ بغیر طلاق وشرعی تفریق کے نکاح ثانی ۴۸۰
۵۷۰۵ شرعی تفریق حاصل کئے بغیر دوسرا نکاح ۴۸۱
۵۷۰۶ تین طلاق کے بعد بغیر حلالہ نکاح کا عدم جواز ۴۸۲
۵۷۰۷ مطلقہ ثلاثہ سے اس کی عدت میں نکاح اور نسب کا حکم ۴۸۳
۵۷۰۸ مطلقہ کی عدت میں جان بوجھ کر دوسرے شخص کا نکاح باطل ۴۸۵
۵۷۰۹ تین طلاق کے بعد بغیر حلالہ کے نکاح ۴۸۶
۵۷۱۰ زانیہ بیوی کا بغیر طلاق کے زانی سے نکاح ۴۸۷
۵۷۱۱ تین طلاق کے بعد بلا حلالہ نکاح ثانی ۴۸۷
۵۷۱۲ سسر کا اپنی بیٹی کے شوہر سے طلاق لئے بغیر دوسری جگہ نکاح کرنا ۴۸۹
۵۷۱۳ بغیر شرعی تفریق کے دوسری جگہ نکاح کا حکم ۴۹۰
۵۷۱۴ طلاق یا شرعی تفریق کے بغیر دوسری جگہ نکاح ۴۹۰
۵۷۱۵ بغیر طلاق نکاح ثانی کا حکم ۴۹۳
۵۷۱۶ بغیر شرعی تفریق کے نکاح ثانی کا حکم ۴۹۴
۵۷۱۷ بغیر طلاق اور شرعی تفریق کے نکاح ثانی کا حکم ۴۹۶
۵۷۱۸ شوہر سے طلاق لئے بغیر دوسری جگہ نکاح کرنا ۴۹۷
۵۷۱۹ شوہر سے طلاق حاصل کئے بغیر عدالت مجاز سے نکاح فسخ کرا کر دوسرے سے نکاح ... ۴۹۹
۵۷۲۰ شوہر سے طلاق لئے بغیر دوسری جگہ نکاح ۴۹۹
۵۷۲۱ عدالت کی طلاق کے بعد دوسری جگہ نکاح ۵۰۱

۵۷۲۲ شوہر سے تفریق حاصل کئے بغیر دوسری جگہ نکاح کرنے کا حکم ۵۰۲
۵۷۲۳ بغیر تفریق کے نکاح ۵۰۳
۵۷۲۴ طلاق لئے بغیر منکوحہ کا دوسری جگہ نکاح........................ ۵۰۴
۵۷۲۵ شوہر سے تفریق حاصل کئے بغیر بیوی کا دوسرا نکاح کرلینا........ ۵۰۶
۵۷۲۶ پہلے شوہر سے طلاق حاصل کئے بغیر دوسری جگہ نکاح ۵۰۷
۵۷۲۷ مطلقہ حلالہ سے منع کرے تو کیا حکم ہے؟........................ ۵۰۸
۵۷۲۸ حمل کی حالت میں طلاق کے بغیر دوسرے سے نکاح اور بچہ کا ثبوت ... ۵۱۰
۵۷۲۹ شوہر سے طلاق لئے بغیر دوسری جگہ نکاح کرنا........................ ۵۱۱
۵۷۳۰ کورٹ کی طلاق کے بعد دوسری جگہ نکاح کا حکم ۵۱۲

۲۲/ باب نکاح المعتدة

۵۷۳۱ معتدہ کو نکاح کا پیغام دینا ۵۱۴
۵۷۳۲ دوران عدت دوسرے سے نکاح ۵۱۶
۵۷۳۳ مطلقہ کا عدت کی تکمیل سے قبل دوسرا نکاح کرنا ۵۱۷
۵۷۳۴ تکمیل عدت سے قبل دوسرا نکاح کرنا........................ ۵۱۸
۵۷۳۵ کیا مطلقہ دوران عدت نکاح کرسکتی ہے؟ ۵۱۹
۵۷۳۶ بحالت عدت مطلقہ کا دوسرا نکاح کرنا........................ ۵۲۰
۵۷۳۷ درمیان عدت نکاح کا حکم ۵۲۱
۵۷۳۸ دوران عدت نکاح کرنا ۵۲۲
۵۷۳۹ دوران عدت نکاح کرنا ۵۲۳
۵۷۴۰ دوران عدت نکاح کا حکم شرعی........................ ۵۲۴

۵۷۴۱ عدت سے قبل بغیر حلالہ کے شوہر کا مطلقہ سے نکاح کرنا ۵۲۵
۵۷۴۲ عدت گذارے بغیر نکاح ۵۲۷
۵۷۴۳ معتدہ کا دوسری جگہ نکاح کرنا ۵۲۷
۵۷۴۴ طلاق نامہ پر انگوٹھا لگوانے سے طلاق، عدت کے اندر نکاح ۵۲۸

۲۲/ باب نکاح المطلقه

۵۷۴۵ مطلقہ مغلظہ کا بعد العدۃ دوسری جگہ نکاح کرنا ۵۳۰
۵۷۴۶ طلاق کے ڈھائی ماہ بعد دوسرا نکاح کرنا.......................... ۵۳۱
۵۷۴۷ مطلقہ مرتدہ سے دوبارہ نکاح ۵۳۲
۵۷۴۸ مطلقہ مرتدہ کا پہلے شوہر سے نکاح ۵۳۳
۵۷۴۹ مطلقہ ثلاثہ کا طلاق کے گیارہ ماہ بعد دوسرا نکاح کرنا ۵۳۴
۵۷۵۰ حلالہ کے بعد نکاح کرنا اور اہل بستی کا اس کو حرام کہنا ۵۳۶
۵۷۵۱ خلع شدہ عورت سے بلا حلالہ نکاح............................ ۵۳۷
۵۷۵۲ کیا طلاق کے بعد بیوی دوسری شادی کرسکتی ہے؟ ۵۳۸
۵۷۵۳ شوہر ثانی سے طلاق کے بعد شوہر اول سے نکاح................ ۵۴۰
۵۷۵۴ تیسرا شوہر طلاق دیدے تو اول وثانی شوہر کے لئے نکاح کا حکم ۵۴۱
۵۷۵۵ عدت گزرنے کے بعد دوسرا نکاح ۵۴۲
۵۷۵۶ مطلقہ بائنہ سے نکاح کرنا.................................. ۵۴۳
۵۷۵۷ مطلقہ غیر مدخول بہا کا عدت گزارے بغیر نکاح ۵۴۵
۵۷۵۸ مطلقہ مغلظہ کا بعد العدۃ دوسری جگہ نکاح کرنا ۵۴۷
۵۷۵۹ عدت گذرنے کے بعد نکاح کرنا ۵۴۸

٥٧٦٠ طلاق ثلاثہ کے بعد ڈھائی سال تک شوہر کے ساتھ رہ کر دوسرے سے شادی کرنا . ٥٥٠

٢٤/ باب الولایۃ والکفاءۃ

٥٧٦١ والدین میں سے حق ولایت کس کو حاصل ہے؟ ٥٥٢
٥٧٦٢ محض والد کی ناراضگی سے مناسب رشتہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا ٥٥٣
٥٧٦٣ مناسب رشتہ ملنے پر باپ کی ناراضگی کے ساتھ نکاح ٥٥٥
٥٧٦٤ اولیاء کی رضامندی کی صورت میں کفو یا غیر کفو میں نکاح کا حکم ٥٥٦
٥٧٦٥ والد کی موجودگی میں بھائی کا غیر کفو میں بہن کا نکاح کرانا ٥٥٧
٥٧٦٦ والدہ کی مرضی کے بغیر اپنی پسند سے نکاح کرنا................ ٥٥٩
٥٧٦٧ والدین کا لڑکے کی پسند کے خلاف دوسری جگہ نکاح کرانا ٥٥٩
٥٧٦٨ والدین کا بالغ لڑکے کو نکاح پر مجبور کرنا ٥٦١
٥٧٦٩ اولیاء کی اجازت کے بغیر نابالغہ کے نکاح کا حکم ٥٦٢
٥٧٧٠ بالغہ کا جبراً نکاح کرنا................................. ٥٦٤
٥٧٧١ اولیاء کا جبراً بالغہ کا نکاح کرنا ٥٦٥
٥٧٧٢ لڑکی کو بتائے بغیر اس کی شادی کر دینا ٥٦٧
٥٧٧٣ لڑکی کی اجازت کے بغیر والد کی اجازت سے نکاح پڑھانا.......... ٥٦٨
٥٧٧٤ نکاح میں زوجین کی رضامندی کا لحاظ ٥٦٩
٥٧٧٥ کیا بالغہ لڑکی کا اپنی مرضی سے کیا ہوا نکاح درست ہے؟ ٥٧١
٥٧٧٦ کیا لڑکی ولی یا اس کی اجازت کے بغیر نکاح نہیں کر سکتی؟ ٥٧٢
٥٧٧٧ عاقل بالغ لڑکی کا گواہوں کی موجودگی میں نکاح کرنا ٥٧٣
٥٧٧٨ اولیاء کے علاوہ دیگر لوگوں کی موجودگی میں عاقل بالغ لڑکے لڑکی کا نکاح ٥٧٤

۵۷۷۹ بالغ لڑکی کا والدین کی اجازت کے بغیر نکاح کرنا ۵۷۵
۵۷۸۰ والدین کی اجازت کے بغیر بالغہ لڑکی کا نکاح ۵۷۷
۵۷۸۱ گھر والوں کی رضامندی کے بغیر لڑکی کا نکاح ۵۷۸
۵۷۸۲ بالغان کا والدین کی رضامندی کے بغیر نکاح کرنا ۵۷۹
۵۷۸۳ عاقل بالغ لڑکی کا ولی کی اجازت کے بغیر نکاح ۵۸۱
۵۷۸۴ ولی کی اجازت کے بغیر عاقل، بالغ لڑکی کا نکاح ۵۸۲
۵۷۸۵ بالغ لڑکے اور لڑکی کا والدین کی رضامندی کے بغیر نکاح کرنا ۵۸۳
۵۷۸۶ ولی کا لڑکی کی اجازت کے بغیر، اور لڑکی کا ولی کے اجازت کے بغیر نکاح کرنا .. ۵۸۴
۵۷۸۷ بالغہ لڑکی اور لڑکے کا اپنا نکاح خود کرنا ۵۸۶
۵۷۸۸ والدین کی اجازت کے بغیر بالغ لڑکے اور لڑکی کا نکاح کرنا ۵۸۸
۵۷۸۹ پچیس سالہ لڑکی کا بذات خود کفو میں نکاح کرنا ۵۸۹
۵۷۹۰ بالغہ لڑکی کا والدین کی رضامندی کے بغیر کفو میں نکاح ۵۹۰
۵۷۹۱ بالغہ لڑکی کا والدین کی رضامندی کے بغیر مناسب مہر پر کفو میں نکاح کرنا... ۵۹۲
۵۷۹۲ بیس سالہ لڑکی کا والدین کی رضامندی کے بغیر کفو میں نکاح کرنا..... ۵۹۲
۵۷۹۳ اولیاء کی رضامندی کے بغیر غیر کفو میں نکاح ۵۹۳
۵۷۹۴ ولی کی اجازت کے بغیر ایک ہی خاندان کے لڑکی ولڑکے کا نکاح....... ۵۹۵
۵۷۹۵ اسلام میں کفاءت اور مساوات کا حکم ۵۹۷
۵۷۹۶ مقصد کفاءت ۵۹۹
۵۷۹۷ لڑکی کے والدین کی رضامندی شرط ہے نہ کہ لڑکے کے والدین کی .. ۶۰۰
۵۷۹۸ غیر کفو میں نکاح سے متعلق مختلف مقام کے فتاوی ۶۰۱
۵۷۹۹ اعلی خاندان بتا کر اعلی نسب کی لڑکی سے نکاح ۶۰۴

۵۸۰۰ غیر برادری میں عالم سے نکاح کرنا ۶۰۶
۵۸۰۱ دیوبندی لڑکی کا بریلوی لڑکے سے نکاح کرنا ۶۰۸
۵۸۰۲ پٹھان مرد کا انصاری لڑکی سے نکاح ۶۰۹
۵۸۰۳ کیا انصاری درزیوں کے ہم کفو ہیں؟ ۶۱۰
۵۸۰۴ بالغہ پٹھان لڑکی کا نیلگر لڑکے کے ساتھ نکاح ۶۱۱
۵۸۰۵ سیفی برادری لڑکے کا انصاری برادری لڑکی کیساتھ نکاح ۶۱۴
۵۸۰۶ سیفی برادری لڑکے کا فقیر برادری لڑکی کے ساتھ نکاح ۶۱۵
۵۸۰۷ سلمانی برادری کا قریشی میں نکاح کرنا ۶۱۷

۲۴/ باب خیار البلوغ

۵۸۰۸ نابالغی کی حالت میں والدین کا نکاح کرانا ۶۱۹
۵۸۰۹ نابالغی کی حالت میں والدین کا کرایا ہوا نکاح لازم ہے ۶۲۰
۵۸۱۰ دادا دادی کا تیرہ سال کے لڑکے کا زبردستی نکاح کرنا ۶۲۱
۵۸۱۱ نابالغی میں والدین کے کرائے ہوئے نکاح میں خیار کا حکم ۶۲۳
۵۸۱۲ نابالغی میں نکاح ہو جانے کے بعد والدین کا اس کو فسخ کرنا ۶۲۵
۵۸۱۳ حالت صغر میں کیا ہوا نکاح کب فسخ ہوسکتا ہے؟ ۶۲۶
۵۸۱۴ بچپن میں کیئے ہوئے رشتہ کو جوانی میں ختم کرنا ۶۲۷
۵۸۱۵ نابالغی میں اہل محلّہ کے کیئے ہوئے نکاح کو بلوغ کے بعد ختم کرنا ۶۲۸

۲۵/ باب المهر

۵۸۱۶ چار قسم کے مہروں کی تفصیل ۶۳۰

۵۸۱۷ دورنبوت کی مہریں ۶۳۳
۵۸۱۸ دورنبوت وصحابہ رضی اللہ عنہ کے مہر ۶۳۵
۵۸۱۹ جملہ بنات رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مہر کتنا تھا ۶۳۶
۵۸۲۰ امہات المؤمنینؓ کا مہر کتنا تھا؟ ۶۳۷
۵۸۲۱ مہر کے سلسلے میں عرب وعجم کا حکم یکساں ہے یا الگ الگ؟ ۶۳۸
۵۸۲۲ مہر سے متعلق چند سوالات ۶۴۰
۵۸۲۳ مہر سے متعلق چند سوالات وجوابات ۶۴۳
۵۸۲۴ مہر سے متعلق چند سوالات وجوابات ۶۴۴
۵۸۲۵ استطاعت سے زائد مہر باندھنا ۶۴۶
۵۸۲۶ لڑکے پر زور ڈال کر اس کی حیثیت سے زیادہ مہر باندھنا ۶۴۷
۵۸۲۷ جبراً مہر مثل سے زیادہ مہر لوگوں نے مقرر کردیا تو کیا حکم ہے؟ ۶۴۸
۵۸۲۸ اقل مہر اور اکثر مہر کی مقدار ۶۴۹
۵۸۲۹ مہر کی کم سے کم اور زیادہ سے زیادہ مقدار ۶۵۰
۵۸۳۰ اقل مہر کی مقدار ۶۵۱
۵۸۳۱ دس درہم کی مقدار تولہ اور پیسوں کے حساب سے ۶۵۱
۵۸۳۲ دور حاضر کے اوزان کے اعتبار سے دس درہم کی مقدار ۶۵۲
۵۸۳۳ مہر میں پانچ روپیہ مقرر کئے تو نکاح ہوگیا؟ ۶۵۳
۵۸۳۴ دس درہم سے کم مہر مقرر کرنا ۶۵۴
۵۸۳۵ مہر فاطمی، مہر ام حبیبہؓ اور اقل مہر کی تفصیل ۶۵۴
۵۸۳۶ اقل مہر اور مہر فاطمی کی مقدار ۶۵۶

۵۸۳۷ حضور ﷺ کے زمانہ کے اعتبار سے مہر فاطمی کی مقدار ۶۵۷

۵۸۳۸ مہر فاطمی کی مقدار ۶۵۸

۵۸۳۹ مہر فاطمی کی مقدار ۶۵۸

۵۸۴۰ مہر فاطمی کی مقدار کیا ہے؟ ۶۵۹

۵۸۴۱ مہر فاطمی کے دونوں قولوں کا حدیث سے ثبوت ۶۵۹

۵۸۴۲ مہر فاطمی ومہر شرعی پیغمبری کی مقدار ۶۶۰

۵۸۴۳ مہر فاطمی کی مقدار پر تحقیقی جواب ۶۶۲

۵۸۴۴ مہر کی ادائیگی کی شرعاً کیا حیثیت ہے؟ ۶۶۷

۵۸۴۵ مہر معجّل اولیٰ ہے یا مؤجل؟ ۶۶۸

۵۸۴۶ مہر معجّل، مؤجل اور مہر عند الطلب کسے کہتے ہیں؟ ۶۶۸

۵۸۴۷ مہر مؤجل ومعجّل کا حدیث سے ثبوت ۶۶۹

۵۸۴۸ مہر معجّل ومؤجل میں فرق ۶۷۱

۵۸۴۹ مہر مؤجل ومعجّل کی ادئیگی کا طریقہ ۶۷۲

۵۸۵۰ مہر میں اشرفی کی جگہ روپے، پیسے دینا ۶۷۲

۵۸۵۱ شب زفاف میں بیوی کو بطور گفٹ کوئی چیز دینا ۶۷۳

۵۸۵۲ شب عروسی میں مہر کا تذکرہ کیسے کریں؟ ۶۷۴

۵۸۵۳ مہر ہمبستری سے پہلے دی جائے یا بعد میں؟ ۶۷۵

۵۸۵۴ ادائے گی مہر سے قبل بیوی سے ہمبستری کرنا ۶۷۶

۵۸۵۵ مہر معجّل میں برضا قدرت دینے کے بعد دوبارہ منع کرنے کا حق نہیں . ۶۷۷

۵۸۵۶ چارسو مثقال چاندی کا وزن ۶۷۹

۵۸۵۷ مہر کی ادائے گی میں تاخیر کرنے یا نہ دینے کا حکم ۶۷۹
۵۸۵۸ دین مہر کی مالک بیوی ہے ۶۸۰
۵۸۵۹ کیا مہر کی ادائیگی کے بعد بیوی میکہ نہیں جاسکتی؟ ۶۸۲
۵۸۶۰ کیا مہر کے ساتھ جوڑے کی رقم کا بھی مطالبہ درست ہے؟ ۶۸۳
۵۸۶۱ بیوی کے انتقال کے بعد مہر کس کو ملے گا؟.......................... ۶۸۴
۵۸۶۲ عورت کے انتقال کے بعد بھی مہر کی ادائے گی واجب ہے ۶۸۵
۵۸۶۳ متوفی بیوی کا مہر کس طرح ادا کریں؟.......................... ۶۸۵
۵۸۶۴ بیوی مہر کا مطالبہ کس سے کرے؟ ۶۸۶
۵۸۶۵ دین مہر کی ادائے گی مرحوم کے ترکہ سے کی جائے گی؟.............. ۶۸۷
۵۸۶۶ بیوی کی اجازت کے بغیر شوہر کا مہر میں تصرف کرنا ۶۸۸
۵۸۶۷ لڑکے کا باپ کی طرف سے ماں کا مہر ادا کرنا ۶۸۹
۵۸۶۸ شوہر کی وفات کے بعد اس کے والد سے مہر کا مطالبہ کرنا ۶۹۰
۵۸۶۹ شوہر مہر ادا نہ کرے تو باپ پر ادا کرنا لازم ہے؟..................... ۶۹۲
۵۸۷۰ برائے حلالہ نکاح میں مہر کی مقدار و معافی کا حکم ۶۹۴
۵۸۷۱ شادی سے قبل زنا کرانے والی عورت کا مہر ۶۹۵
۵۸۷۲ موجودہ وقت کے اعتبار سے مہر فاطمی کی مقدار ۶۹۶
۵۸۷۳ رائج الوقت کے اعتبار سے مہر فاطمی کی مقدار ۶۹۶
۵۸۷۴ رائج الوقت سکہ کے مطابق مہر فاطمی کی مقدار ۶۹۷
۵۸۷۵ موجودہ اوزان کے اعتبار سے مہر فاطمی کی مقدار ۶۹۸
۵۸۷۶ مہر شرعی پیغمبری.. ۶۹۸

۵۸۷۷ مہر پیغمبری کیا ہے؟ ۶۹۹
۵۸۷۸ مہر شرع پیغمبری کی تعریف ومقدار ۷۰۰
۵۸۷۹ مہر فاطمی ومہر شرع پیغمبری ۷۰۰
۵۸۸۰ مہر شرع پیغمبری اورمہر فاطمی کی مقدار ۷۰۱
۵۸۸۱ مہر شرع پیغمبری کی تحقیق ۷۰۲
۵۸۸۲ مہر فاطمی اورشرع پیغمبری میں فرق ۷۰۳
۵۸۸۳ مہر شرعی پیغمبری کی مقدار کیا ہے؟ ۷۰۴
۵۸۸۴ مہر فاطمی اورمہر پیغمبری کی مقدار کیا ہے؟ ۷۰۶
۵۸۸۵ شوہر کومہر فاطمی کی مقدار معلوم نہ ہونے پر مہر مثل کا وجوب ۷۰۷
۵۸۸۶ سکہ رائج الوقت سے کیا مراد ہے؟ ۷۰۷
۵۸۸۷ مہر فاطمی کی نقدی قیمت ۷۰۹
۵۸۸۸ مہر فاطمی کس قیمت سے ادا کی جائے گی؟ ۷۱۰
۵۸۸۹ مہر کی ادائے گی میں کس وقت کی قیمت کا اعتبار ہے؟ ۷۱۰
۵۸۹۰ مہر فاطمی میں چاندی کی قیمت دی جائے تو کونسی قیمت معتبر ہوگی؟ ۷۱۲
۵۸۹۱ ایک زمانہ کے بعد مہر کی ادائے گی کا حکم ۷۱۳
۵۸۹۲ مہر فاطمی کی قیمت نکاح کے وقت کے اعتبار سے دی جائے گی یا طلاق کے؟ .. ۷۱۴
۵۸۹۳ مہر فاطمی کی مقدار اور مہر کس ریٹ سے ادا کریں؟ ۷۱۵
۵۸۹۴ مہر میں قیمت کا اعتبار عقد کے وقت کا ہوگا یا ادائیگی کے وقت کا؟ ۷۱۶
۵۸۹۵ شوہر کا مہر دینے سے انکار کرنا ۷۱۸
۵۸۹۶ شوہر بیوی کو طلاق دے کر مہر نہ دے تو کیا حکم ہے؟ ۷۱۹

۵۸۹۷ نا قابل جماع عورت کا مہر ۴۲۰
۵۸۹۸ رتقاء کو طلاق دینے پر نصف مہر لازم ۴۲۱
۵۸۹۹ رخصتی سے قبل طلاق کی صورت میں مہر کی ادائیگی کا حکم ۴۲۲
۵۹۰۰ ہمبستری سے قبل طلاق کی صورت میں مہر کا حکم ۴۲۴
۵۹۰۱ خلوت سے قبل طلاق کی صورت میں مہر کا حکم ۴۲۴
۵۹۰۲ خلوت صحیحہ سے قبل طلاق کی صورت میں مہر کا حکم ۴۲۵
۵۹۰۳ خلوت صحیحہ سے قبل طلاق ہوجائے تو کتنا مہر ملے گا؟ ۴۲۶
۵۹۰۴ طلاق قبل الدخول کی صورت میں مہر اور نکاح کے خرچہ کا حکم ۴۲۷
۵۹۰۵ طلاق ثلاثہ کے بعد دین مہر اور جہیز کا حکم ۴۲۸
۵۹۰۶ خلوت صحیحہ کے بعد مہر اور عدت کا حکم ۴۳۰
۵۹۰۷ خلوت صحیحہ کے بعد کتنا مہر لازم ہے؟ ۴۳۱
۵۹۰۸ مطلقہ مدخولہ کا مہر کتنا ہے، نصف یا کامل؟ ۴۳۲
۵۹۰۹ بدکارہ بیوی کو طلاق دینے کے بعد مہر کا حکم ۴۳۴
۵۹۱۰ شوہر پر دباؤ ڈال کر طلاق لینے کی صورت میں مہر اور جہیز کا حکم ۴۳۵
۵۹۱۱ طلاق ثلاثہ کے بعد لڑکی والوں کا مہر اور جہیز کا مطالبہ کرنا ۴۳۶
۵۹۱۲ کیا مطلقہ مغلظہ کا مہر اور عدت کا نفقہ شوہر پر لازم ہے؟ ۶۳۷
۵۹۱۳ بیوی کا طلاق وعدت کے بعد مہر کا مطالبہ کرنا ۴۳۹
۵۹۱۴ کیا طلاق مغلظہ کے بعد اسی سے نکاح کی صورت میں دوبارہ مہر واجب ہوگا؟ ۴۴۰
۵۹۱۵ نفقۂ واجبہ کے ذریعہ ادائے مہر کی نیت کرنا ۴۴۱
۵۹۱۶ شوہر کی جانب سے مہر کے ارادے سے دیئے گئے زیورات کا حکم ۴۴۲

۵۹۱۷ مہر میں زیور دینا ۷۴۳
۵۹۱۸ بیوی کو مہر میں زیور دینا ۷۴۴
۵۹۱۹ بیوی کو دیئے ہوئے سامان میں سالوں بعد مہر کی نیت کرنے کا حکم ۷۴۵
۵۹۲۰ مہر میں نصف کی جگہ قاضی غلطی سے پورا مکان لکھدے تو کیا حکم ہے؟ ... ۷۴۶
۵۹۲۱ یہ دوسو گز کا مکان ہے اس کو بیچ کر مہر لو کہنے سے مہر کی ادائے گی ۷۴۸
۵۹۲۲ مہر کے روپیوں کے عوض زمین خرید کر دینا ۷۴۹
۵۹۲۳ چیک کے ذریعہ مہر ادا کرنا ۷۵۰
۵۹۲۴ ساس کا بیٹی کے دین مہر کو داماد کے قرضہ میں مجری کرنا ۷۵۱
۵۹۲۵ مہر فاطمی قسطوار ادا کرنا ۷۵۲
۵۹۲۶ حسب حیثیت تھوڑا تھوڑا مہر ادا کرنا ۷۵۳
۵۹۲۷ مہر میں دیئے گئے مکان میں وراثت کا حکم؟ ۷۵۴
۵۹۲۸ کیا لڑکی کے مطالبۂ طلاق کی وجہ سے مہر معاف ہوجاتا ہے؟ ۷۵۶
۵۹۲۹ مہر معاف کرنے کے بعد مہر کا مطالبہ کرنا ۷۵۷
۵۹۳۰ بیوی مہر واپس کرنے کے بعد ثواب کی مستحق ہوگی؟ ۷۵۸
۵۹۳۱ مہر کس کا حق ہے؟ ۷۵۹
۵۹۳۲ مہر کی ادائیگی کی صورت ۷۵۹
۵۹۳۳ مہر معاف کرنا ۷۶۰
۵۹۳۴ بیوی مہر معاف کرسکتی ہے یا نہیں؟ ۷۶۱
۵۹۳۵ مہر معاف کرانے یا عورت کے خود معاف کرنے کا حکم ۷۶۲
۵۹۳۶ بیوی نے پہلی رات مہر لینے سے انکار کردیا تو کیا حکم ہے؟ ۷۶۲

۵۹۳۷ شب زفاف میں مہر کی معافی کرانا ۷۶۳
۵۹۳۸ شب زفاف میں معاف کیے ہوئے مہر کی حیثیت ۷۶۴
۵۹۳۹ مہر معاف کردوں گی کہنے سے مہر کا حکم ۷۶۶
۵۹۴۰ زبردستی دین مہر معاف کروانا ۷۶۷
۵۹۴۱ شوہر کے انتقال کے بعد مہر معاف کروانا ۷۷۰
۵۹۴۲ میت کے کان میں مہر معاف کرنا ۷۷۱
۵۹۴۳ مجبور ہوکر طلاق دینے کی صورت میں مہر کا حکم ۷۷۳

فہرست مضامین

۱۶/ کتاب الرضاع

مسئلہ نمبر		صفحہ نمبر
۵۹۴۴	ثبوت رضاعت کیلئے شرعی شہادت	۳۵
۵۹۴۵	کیا حرمت رضاعت کے لئے دودھ کا اترنا لازم ہے؟	۳۷
۵۹۴۶	دودھ پیٹ میں نہ جانے کی صورت میں رضاعت کا حکم	۳۸
۵۹۴۷	لے پالک کو حقیقی بہن، بھتیجی یا بھانجی کا دودھ پلانا	۳۹
۵۹۴۸	دودھ پلانے کی صورت میں دودھ نہ نکلنے سے رضاعت کا حکم	۴۱
۵۹۴۹	مدت رضاعت میں ایک دومرتبہ دودھ پینے کا حکم	۴۲
۵۹۵۰	بہن کا اپنے شیر خوار بھائی کو دودھ پلانا	۴۳
۵۹۵۱	خطاً دودھ پلانے سے حرمت رضاعت کا حکم	۴۴
۵۹۵۲	بچے کا رضاعی باپ کون ہے؟ سابقہ شوہر یا موجودہ شوہر	۴۵
۵۹۵۳	رضاعی بہن کی علاتی بہن سے نکاح کا حکم	۴۶
۵۹۵۴	آٹھ ماہ بعد دوسرا بچہ پیدا ہونے کی صورت میں پہلے بچہ کو دودھ پلانے کا حکم	۴۷
۵۹۵۵	بیوی کا دودھ پینے سے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوتی	۴۸
۵۹۵۶	بیوی کے پستان کو چوسنے سے نکاح کا حکم	۵۰

۵۹۵۷ اہلیہ کا دودھ پینے سے نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑتا ۵۱
۵۹۵۸ رضاعی بھائی کے دیگر بھائیوں سے نکاح کا حکم ۵۲
۵۹۵۹ رضاعی لڑکی کا نکاح مرضعہ کے کسی بھی لڑکے سے جائز نہیں ۵۳
۵۹۶۰ رضیع کا مرضعہ کی کسی بھی اولاد سے نکاح جائز نہیں ۵۴
۵۹۶۱ مرضعہ کا اپنی بیٹی کا نکاح رضاعی بیٹے سے کرنا ۵۵
۵۹۶۲ رضیع کے بھائی کا مرضعہ کی بیٹی سے نکاح ۵۶
۵۹۶۳ رضاعی بھائی کے دیگر بھائیوں کا مرضعہ کی لڑکی سے نکاح ۵۷
۵۹۶۴ رضاعی بھائی بہن کی اولادوں کا باہم نکاح ۵۸
۵۹۶۵ رضاعی ماموں سے نکاح ۵۹
۵۹۶۶ رضاعی بھتیجی سے نکاح ۶۰
۵۹۶۷ حقیقی ماموں کی سوتیلی ماں کا دودھ پینے سے رضاعت کا حکم ۶۱
۵۹۶۸ مرضعہ کا اپنے بیٹے کا نکاح رضاعی بیٹے کی بہن سے کرنا ۶۳
۵۹۶۹ والدین کا بالجبر رضاعی بہن سے نکاح کرانا ۶۴
۵۹۷۰ رضاعی بہن سے نکاح کے بعد تفریق کی شکل ۶۵
۵۹۷۱ رضاعی بھائی بہن کا آپس میں نکاح کرنا ۶۶
۵۹۷۲ رضاعی بھائی بہنوں کے آپس میں نکاح کا حکم ۶۷
۵۹۷۳ رضاعی بہن سے نکاح ۶۹
۵۹۷۴ رضاعی بھائی بہن کا نکاح ۷۰
۵۹۷۵ کیا رضاعی بہن سے نکاح کرنا جائز نہیں؟ ۷۱
۵۹۷۶ دودھ شریک بھائی سے نکاح درست نہیں ۷۳

۵۹۷۷ رضاعی بھائی بہن کا نکاح اوراس سے پیدا شدہ اولاد کا حکم ۷۳
۵۹۷۸ رضاعی بہن سے نکاح اوراس سے پیدا شدہ بچہ کا نسب ۷۵
۵۹۷۹ رضاعی بہن کی بہن سے نکاح کرنا ۷۶
۵۹۸۰ رضاعی بھائی بہن کا لاعلمی میں نکاح کرنا ۷۷
۵۹۸۱ ڈھائی سال کے بعد دودھ پلانے والی مرضعہ کی بیٹی کا رضیع سے نکاح ۷۹
۵۹۸۲ رضیع کے چھوٹے بھائی کا مرضعہ کی بیٹی سے نکاح.............. ۸۰
۵۹۸۳ رضیع کے دوسرے بھائی کا مرضعہ کی بیٹی سے نکاح............. ۸۱
۵۹۸۴ رضاعت متحقق نہ ہونے کی وجہ سے پھوپھی زاد بھائی سے نکاح ۸۱
۵۹۸۵ مدت رضاعت کے بعد دودھ پینے اوراس سے نکاح کا حکم ۸۲
۵۹۸۶ دو رضاعی بھائی میں سے ایک کی بیٹی اوردوسرے کے پوتے سے نکاح ۸۴
۵۹۸۷ رضاعی بیٹے کی بیوی سے نکاح کرنا ۸۴
۵۹۸۸ اپنے بیٹے کی رضاعی بہن سے نکاح کرنا ۸۵

۱۷/ کتاب الطلاق

۱/ باب صفة الطلاق و من أحق به

۵۹۸۹ طلاق کا مسنون طریقہ ۸۷
۵۹۹۰ طلاق بدعی ۸۸
۵۹۹۱ طلاق کا حق دار کون ہے؟ اور بیوی کا طلاق کے بعد شوہر لکھنا....... ۸۹
۵۹۹۲ شوہر کے علاوہ کی طلاق غیر معتبر ہے ۹۰

۵۹۹۳ شوہر کے طلاق دیئے بغیر لڑکی والوں کا طلاق کی شہرت دینے کا حکم .. ۹۱
۵۹۹۴ بیوی نے طلاق دے کر پردہ کرلیا ۹۳
۵۹۹۵ شوہر کو طلاق کی تعداد یاد نہ ہوتو کیا حکم ہے؟ ۹۵
۵۹۹۶ عورت حنفی اور شوہر اہل حدیث ہوتو طلاق میں کن کا اعتبار ہوگا؟ ۹۷
۵۹۹۷ بے قصور طلاق دینے سے بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے ۹۸
۵۹۹۸ بیوی کو ڈرانے کے لئے طلاق دینے سے کون سی طلاق واقع ہوگی؟ . ۹۹
۵۹۹۹ نکاح کی حرص دلاکر طلاق حاصل کرنا ۱۰۰
۶۰۰۰ ان بری باتوں پر لوگوں نے طلاق دیدی ہیں کہنا.............. ۱۰۱
۶۰۰۱ مرتد کی طلاق ۱۰۲
۶۰۰۲ غیر مسلم عدالت میں مسلم جج کے طلاق کے فیصلہ کا حکم............ ۱۰۳
۶۰۰۳ عدالت کی طلاق کا حکم ۱۰۵
۶۰۰۴ غیر مسلم عدالت کی طلاق کے فیصلہ کا حکم.................... ۱۰۷
۶۰۰۵ ہندوستانی عدالت کی طلاق کی شرعی حیثیت ۱۰۹
۶۰۰۶ بیوی کا کورٹ سے طلاق لینا ۱۱۰
۶۰۰۷ غیر مسلم جج سے طلاق لینے کے بعد شوہر کے پاس واپس آنا ۱۱۲
۶۰۰۸ ہندوستانی عدلیہ کے جج کی طلاق، تفریق اور فسخ کا حکم ۱۱۳
۶۰۰۹ کورٹ سے طلاق حاصل کر کے نکاح کرنے کا حکم................ ۱۱۴
۶۰۱۰ کورٹ کی طلاق ۱۱۶
۶۰۱۱ مروجہ عدالت کے ذریعہ طلاق ۱۱۸

۶۰۱۲ غیر مسلم عدالت کی طلاق معتبر نہیں ۱۱۹
۶۰۱۳ مسلمہ عورت کا غیر شرعی عدالت سے طلاق حاصل کرنا ۱۲۰
۶۰۱۴ شوہر کی طلاق کا اعتبار ہے یا پنچایت کی؟ ۱۲۲
۶۰۱۵ طلاق کے بارے میں کمیٹی کا فیصلہ معتبر ہے یا نہیں؟ ۱۲۳
۶۰۱۶ ٹیلیفون پر طلاق دینا ۱۲۷
۶۰۱۷ فون کی طلاق کا حکم ۱۲۸
۶۰۱۸ فون پر طلاق دینے سے طلاق کا حکم ۱۳۰
۶۰۱۹ ٹیلیفون پر دی گئی طلاق کا شرعی حکم ۱۳۱
۶۰۲۰ طلاق کے معنی جانے بغیر طلاق دینے کا حکم ۱۳۳

۲/ باب إباحة الطلاق

۶۰۲۱ شرعاً طلاق کب دے سکتے ہیں؟ ۱۳۵
۶۰۲۲ شرعاً طلاق دینا کب جائز ہے؟ ۱۳۶
۶۰۲۳ عدم نبھاؤ کی شکل میں طلاق کا طریقہ ۱۳۸
۶۰۲۴ نبھاؤ کی شکل مشکل ہو تو علیحدگی حاصل کرلیں ۱۴۰
۶۰۲۵ والدین کے ساتھ مار پیٹ کرنے والی لڑکی کو طلاق دینا کیسا ہے؟... ۱۴۲
۶۰۲۶ کیا پاگل بیوی کو طلاق دے سکتے ہیں؟ ۱۴۴
۶۰۲۷ بے نمازی بیوی کو طلاق دینا ۱۴۵
۶۰۲۸ حقوق زوجیت ادا نہ کرنے والی عورت سے نبھاؤ ۱۴۶
۶۰۲۹ بیوی پسند نہ آنے پر طلاق ۱۴۸

۶۰۳۰ بدفعلی کے شبہ پر طلاق ۱۴۹
۶۰۳۱ پھوپھی کی عادت خراب ہونے کی وجہ سے بھتیجی کو طلاق دینا ۱۵۰
۶۰۳۲ شوہر کی جان لینے کے درپے ہونے والی بیوی کو طلاق دینا ۱۵۱
۶۰۳۳ نافرمان بیوی کو طلاق ۱۵۲
۶۰۳۴ نافرمان بیوی کو طلاق دینے کا حکم ۱۵۳
۶۰۳۵ نافرمان، بدتمیز بیوی کو طلاق دینا ۱۵۵
۶۰۳۶ کیا نافرمان بیوی کو طلاق دے سکتے ہیں؟ ۱۵۷
۶۰۳۷ کیا نافرمان اور بدتمیز بیوی کو طلاق دے سکتے ہیں؟ ۱۶۰
۶۰۳۸ حقوقِ زوجیت ادا نہ کرنے والی کو طلاق ۱۶۱
۶۰۳۹ بدتمیزی اور مار پیٹ کرنے والی بیوی کو طلاق ۱۶۲
۶۰۴۰ فاحشہ اور ناشزہ کو طلاق دینا ۱۶۳
۶۰۴۱ فاجرہ کو طلاق دینا ۱۶۵
۶۰۴۲ کیا فاجرہ بیوی کو طلاق دے دینا چاہئے؟ ۱۶۶
۶۰۴۳ فاجرہ عورت کو طلاق دینا لازم نہیں ۱۶۸
۶۰۴۴ فاجرہ بیوی کو طلاق دینا ۱۶۹
۶۰۴۵ فاجرہ، زانیہ، گمراہ بیوی کو طلاق دینا ۱۷۰
۶۰۴۶ نافرمان بیوی کو طلاق دینا ۱۷۲
۶۰۴۷ فاجرہ عورت کو طلاق دینا ضروری نہیں ہے ۱۷۳
۶۰۴۸ ناشزہ عورت کو طلاق دینا ۱۷۵

۳/ باب مطالبة الطلاق

۶۰۴۹	بغیر شرعی وجہ کے طلاق کا مطالبہ کرنا	۱۷۸
۶۰۵۰	طلاق کے مطالبہ پر شوہر کا مجبوراً طلاق دینا	۱۸۰
۶۰۵۱	دوسری شادی کی بناء پر طلاق کا مطالبہ کرنا	۱۸۲
۶۰۵۲	بیوی کا بلا کسی وجہ معقول کے طلاق کا مطالبہ کرنا	۱۸۳
۶۰۵۳	بیوی کا بلا وجہ طلاق کا مطالبہ کرنا........................	۱۸۴
۶۰۵۴	شرعی وجہ کے بغیر عورت طلاق کا مطالبہ کرے تو کیا حکم ہے؟	۱۸۵
۶۰۵۵	زیادہ عمر کے لڑکے سے شادی کرنے کی بناء پر والدین کا اس کے شوہر کو پریشان کرنا ..	۱۸۶
۶۰۵۶	شوہر کی عمر زیادہ ہونے پر طلاق کا مطالبہ کرنا	۱۸۸
۶۰۵۷	شوہر پر طلاق کا دباؤ ڈالنا........................	۱۹۰
۶۰۵۸	لڑکے کی جسمانی کمزوری کی وجہ سے لڑکی کا طلاق کا مطالبہ کرنا	۱۹۱
۶۰۵۹	بیوی کا شب و روز طلاق کا مطالبہ کرنا	۱۹۳
۶۰۶۰	رخصتی سے قبل طلاق کا مطالبہ کرنا	۱۹۴
۶۰۶۱	مرض کی بناء پر طلاق یا خلع کا مطالبہ	۱۹۶
۶۰۶۲	شوہر کی بدکاریوں کی وجہ سے بیوی کو طلاق کے مطالبہ کا حق ہے یا نہیں؟ ...	۱۹۷
۶۰۶۳	لواطت کرنے والے شوہر سے طلاق کا مطالبہ کرنے کا حکم	۱۹۸
۶۰۶۴	عورت کا مکان کی تبدیلی نہ کرنے پر طلاق کا مطالبہ کرنا	۱۹۹
۶۰۶۵	پہلی بیوی کا دوسری بیوی کو طلاق دینے پر اصرار کرنا	۲۰۰
۶۰۶۶	لڑکی کا طلاق پر مجبور کرنا........................	۲۰۳

۶۰۶۷	لڑکی کی خواہش پر طلاق	۲۰۴
۶۰۶۸	طلاق کے مطالبہ پر یوں ہی طلاق کے الفاظ کہنا	۲۰۴
۶۰۶۹	بیوی کے مطالبہ پر کتنی طلاق دی جائے؟	۲۰۵
۶۰۷۰	ایک لڑکی کی طلاق سے دوسری لڑکیوں کی طلاق کا مطالبہ	۲۰۷
۶۰۷۱	بیوی شوہر کے پاس نہ جائے تو کیا کریں؟	۲۰۹
۶۰۷۲	بیٹی، داماد کا سوتیلی ساس کی برائیاں بتا کر سسر سے طلاق کا مطالبہ کرنا	۲۱۱
۶۰۷۳	طلاق کے مطالبہ پر بیوی کو مہر دینا لازم ہے یا نہیں؟	۲۱۲
۶۰۷۴	نامرد شوہر سے طلاق ومہر کا مطالبہ کرنا	۲۱۳
۶۰۷۵	بیوی کے مطالبۂ طلاق پر ’’ہاں ہاں جا دیدوں گا‘‘ کہنے کا حکم	۲۱۵
۶۰۷۶	بیوی کے مطالبہ پر دو مرتبہ طلاق دینا	۲۱۷
۶۰۷۷	زوجین میں نباہ نہ ہونے کی صورت میں بیوی کا مطالبۂ طلاق	۲۱۷

۴/ باب وقوع الطلاق

۶۰۷۸	کتاب الطلاق کے چند مقامات سے عدم اتفاق کی رائے	۲۱۹
○	مع تصدیقات علماء مدرسہ شاہی مرادآباد	۲۱۹
○	دارالافتاء مدرسہ شاہی کی جانب سے جواب	۲۲۰
۶۰۸۹	کیا طلاق واقع ہونے کے لئے تحریر ضروری ہے؟	۲۲۵
۶۰۸۰	مسئلہ معلوم نہ ہو کے کی صورت میں طلاق کا حکم	۲۲۷
۶۰۸۱	وقوع طلاق کے لئے شوہر کا اقرار کافی ہے	۲۲۸
۶۰۸۲	طلاق کا جھوٹا اقرار کرنا	۲۳۰

۶۰۸۳ شوہر کا طلاق دینے کے بعد انکار کرنا ۲۳۱
۶۰۸۴ فرضی راضی نامہ سے طلاق کا حکم ۲۳۲
۶۰۸۵ دل میں سوچی ہوئی طلاق کو زبان سے ادا کرنا ۲۳۴
۶۰۸۶ شوہر کے طلاق دینے پر بیوی کا قبول نہ کرنا ۲۳۵
۶۰۸۷ بیوی کا نام لئے بغیر طلاق دینا ۲۳۶
۶۰۸۸ ایک طلاق کے بعد دوسروں کے سوال کے جواب میں طلاق کی خبر دینا ۲۳۷
۶۰۸۹ سسر سے کہا کہ تیری لڑکی کو طلاق ۲۳۹
۶۰۹۰ بیوی کی عدم موجودگی میں طلاق کا حکم ۲۴۰
۶۰۹۱ وقوع طلاق کے لئے عورت کی موجودگی، سماع اور اس سے خطاب ضروری نہیں ۲۴۱
۶۰۹۲ وقوع طلاق کے لئے بیوی کے سماع کی شرعی حیثیت ۲۴۲
۶۰۹۳ حاملہ طلاق کے الفاظ نہ سنے تو طلاق کا حکم ۲۴۴
۶۰۹۴ کیا طلاق کے وقوع کے لئے بیوی کا سننا ضروری ہے؟ ۲۴۵
۶۰۹۵ وقوع طلاق کے لئے عورت کا سننا لازم نہیں ۲۴۶
۶۰۹۶ وقوع طلاق کے لئے بیوی کا سننا یا سامنے ہونا لازم نہیں ۲۴۷
۶۰۹۷ وقوع طلاق کے لئے عورت کا سننا اور پاک ہونا لازم نہیں ۲۴۸
۶۰۹۸ وقوع طلاق کے لئے بیوی کا طلاق کے الفاظ سننا لازم نہیں ۲۴۹
۶۰۹۹ ’’نانی اماں ایک دو تین‘‘ کہنے کا حکم ۲۵۰
۶۱۰۰ آپسی نزاع کے درمیان ’’آپ کی بہن کو چھوڑ دیا، آزاد کر دیا‘‘ کہنا . ۲۵۲
۶۱۰۱ ’’تیری بہن کو طلاق ہوگئی، اس کی خیر خبر لے لو‘‘ کہنے کا حکم ۲۵۵

۶۱۰۲ ''طلاق دیدوں گا، نبھاؤ نہیں ہوسکتا ایک دو تین'' کا حکم ۲۵۶
۶۱۰۳ کیا پاگل بیوی کو طلاق دینے سے واقع ہو جائے گی؟ ۲۵۷

۵/ باب طلاق الحامل والحائض

۶۱۰۴ حالت حمل کی طلاق ۲۵۹
۶۱۰۵ حمل کی حالت میں طلاق کا حکم ۲۶۰
۶۱۰۶ حاملہ کو طلاق دینے کا حکم ۲۶۰
۶۱۰۷ کیا حالت حمل میں بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے؟ ۲۶۱
۶۱۰۸ حالت حمل میں دو طلاق ۲۶۳
۶۱۰۹ حالت حمل میں تین طلاق کا حکم ۲۶۴
۶۱۱۰ حالت حمل میں تین طلاق، نیز وضع حمل کے بعد پھر طلاق دینے کا حکم . ۲۶۵
۶۱۱۱ حاملہ بیوی کو تین طلاق دینا ۲۶۶
۶۱۱۲ جھگڑے کے دوران حالت حمل میں پانچ مرتبہ طلاق دینا ۲۶۷
۶۱۱۳ حمل میں طلاق اور عدت کا حکم ۲۶۸
۶۱۱۴ حالت حمل کی طلاق، بچہ کی پرورش، مہر اور جہیز کا حکم ۲۶۹
۶۱۱۵ حالت حمل میں طلاق سے متعلق چند سوالات وجوابات ۲۷۱
۶۱۱۶ حالت حیض میں طلاق ۲۷۳
۶۱۱۷ حالت حیض میں طلاق دینے سے طلاق کا حکم ۲۷۴
۶۱۱۸ حیض ونفاس کی حالت میں طلاق کا حکم ۲۷۷

۶/ باب طلاق الهازل و الغاضب

۶۱۱۹ مذاق میں طلاق دینے کا حکم ۲۷۸
۶۱۲۰ مذاق اور حمل میں طلاق کا حکم ۲۷۹
۶۱۲۱ مذاق میں بیوی کو ’’طلاق دیدوں گا یا دیدی‘‘ کہنے کا حکم ۲۸۱
۶۱۲۲ مذاق میں طلاق دینا ۲۸۳
۶۱۲۳ غصے اور مذاق کی حالت میں طلاق کا حکم ۲۸۴
۶۱۲۴ شوہر کا غصہ کی حالت میں طلاق دینا ۲۸۵
۶۱۲۵ غصہ کی حالت میں دی گئی طلاق کا حکم ۲۸۶
۶۱۲۶ کیا غصہ میں طلاق واقع ہو جاتی ہے؟ ۲۹۰
۶۱۲۷ غصہ کی حالت میں بیوی کا نام لئے بغیر طلاق دینا ۲۹۱
۶۱۲۸ حالت غضب میں دو طلاق ۲۹۲
۶۱۲۹ غصہ میں طلاق دی مگر کتنی بار دی یاد نہیں ۲۹۳
۶۱۳۰ بحالت غضب تین طلاق جبکہ بیوی حاملہ بھی ہو ۲۹۳
۶۱۳۱ غصہ میں تین طلاق دینا ۲۹۴
۶۱۳۲ حالت غضب میں آٹھ، نو مرتبہ ’’میں تمہیں طلاق دیتا ہوں‘‘ کہنا ... ۲۹۵

۷/ باب طلاق السکران و الجنون

۶۱۳۳ حمل اور نشہ میں طلاق کا حکم ۲۹۷
۶۱۳۴ نشہ اور حمل کی حالت میں طلاق کا حکم ۲۹۸
۶۱۳۵ شرابی کے ’’اس کو طلاق دی‘‘ کہنے کا حکم ۲۹۹

۶۱۳۶	کیا نشہ کی طلاق معتبر ہے؟	۳۰۱
۶۱۳۷	کیا نشہ کی حالت میں طلاق واقع ہوجاتی ہے؟	۳۰۲
۶۱۳۸	نشہ کی حالت میں طلاق دی؛ لیکن گواہ ندارد اور شوہر منکر ہے	۳۰۴
۶۱۳۹	نشہ کی حالت میں طلاق دینا	۳۰۵
۶۱۴۰	نشہ کی حالت میں دی گئی طلاق کا حکم	۳۰۸
۶۱۴۱	حالت نشہ میں دی ہوئی طلاق کا حکم	۳۱۰
۶۱۴۲	ٹیلیفون سے حالت نشہ میں طلاق دینا	۳۱۱
۶۱۴۳	نشہ کی حالت میں طلاق	۳۱۳
۶۱۴۴	نشہ کی حالت میں طلاق دینے کا حکم	۳۱۴
۶۱۴۵	نشہ کی حالت میں طلاق دینے کا حکم	۳۱۶
۶۱۴۶	نشہ کی حالت میں طلاق دینے کا حکم	۳۱۸
۶۱۴۷	نشہ کی حالت میں طلاق دینے کا حکم	۳۱۹
۶۱۴۸	نشہ کی حالت میں طلاق دینے کا حکم	۳۲۰
۶۱۴۹	نشہ کی حالت میں طلاق معلق دینا	۳۲۲
۶۱۵۰	شراب کے نشہ میں طلاق دینے کا حکم	۳۲۳
۶۱۵۱	نشہ کی حالت میں دو طلاق دینا	۳۲۴
۶۱۵۲	شراب کے نشہ میں تین طلاق دینا	۳۲۵
۶۱۵۳	بحالت نشہ تین طلاق دینا	۳۲۷
۶۱۵۴	نشہ کی حالت میں بیوی کو تین طلاق دینا	۳۲۸
۶۱۵۵	نشہ کی حالت میں طلاق مغلظہ دینا	۳۲۹
۶۱۵۶	نشہ میں طلاق مغلظہ دینے کا حکم	۳۳۰

۶۱۵۷ بحالت نشہ تین طلاق دینا ۳۳۰
۶۱۵۸ نشہ کی حالت میں ایک ہی سانس میں طلاق مغلظہ دینا ۳۳۲
۶۱۵۹ نشہ کی حالت میں تین مرتبہ سے زائد طلاق دینا ۳۳۲
۶۱۶۰ نشہ کی حالت میں تین سے زائد مرتبہ طلاق دینا ۳۳۳
۶۱۶۱ نشہ کی حالت میں چار پانچ مرتبہ طلاق دینا ۳۳۴
۶۱۶۲ بیوی کو حالت نشہ میں چھ، سات بار ''میں نے تجھے طلاق دی'' کہنا .. ۳۳۵
۶۱۶۳ حالت نشہ میں کئی بار لفظ طلاق استعمال کرنا ۳۳۶
۶۱۶۴ نشہ کی حالت میں کئی مرتبہ طلاق دینا ۳۳۷
○ طلاق سکران کا تحقیقی جائزہ ۳۳۹
○ طلاق سکران ۳۴۴
○ حضرات صحابہ کی رائے ۳۴۴
○ ۲ ؍حضرات اجلہ ءتابعین کی رائے ۳۴۶
○ عدم وقوع طلاق کے قائلین ۳۴۷
○ وقوع طلاق کے قائلین ۳۴۹
○ وقوع طلاق کے قائلین کی ترجیح ۳۵۲
○ ائمہ اربعہ کی رائے ۳۵۳
○ فقہاء احناف کی رائے ۳۵۵
○ ا. حنفیہ میں سے عدم وقوع طلاق کے قائلین ۳۵۶
○ ۲. حنفیہ میں سے وقوع طلاق کے قائلین ۳۵۷
○ حنفیہ کا قول مفتی بہ ۳۵۸
○ اشیاء مخدرہ ۳۶۰

۶۱۶۵	پاگل کی طلاق	۳۶۳
۶۱۶۶	پاگل پن کا دورہ پڑنے والے کی طلاق	۳۶۴
۶۱۶۷	کبھی ہوش اور کبھی جنون طاری ہونے والے کی طلاق	۳۶۵
۶۱۶۸	مجنون کو طلاق دینا یادرہے	۳۶۷
۶۱۶۹	مجنون کو طلاق دینا یاد ہوتو کیا حکم ہے؟	۳۶۹
۶۱۷۰	دماغی مرض میں مبتلا شخص کی طلاق	۳۷۰
۶۱۷۱	حالت جنون میں تین طلاق دینا	۳۷۲
۶۱۷۲	بے ہوشی میں طلاق کا حکم	۳۷۳
۶۱۷۳	بے ہوشی کی حالت میں طلاق دینا	۳۷۴
۶۱۷۴	بے ہوشی کی حالت میں طلاق دینے کا حکم	۳۷۵
۶۱۷۵	آسیب زدہ شخص کا دوران جنون طلاق دینا	۳۷۷
۶۱۷۶	آسیب زدہ شخص کا بیوی کو طلاق دینا	۳۷۹
۶۱۷۷	ہارٹ اٹیک کے دورے کے دوران طلاق دینا	۳۸۰
۶۱۷۸	ڈرانے کے ارادے سے طلاق دینا	۳۸۱

۸/ باب طلاق المکرہ

۶۱۷۹	طلاق بالجبر کا حکم	۳۸۳
۶۱۸۰	مکرہ کی تحریری اور زبانی طلاق کا حکم	۳۸۴
۶۱۸۱	زور زبردستی زبانی طلاق دلوانے کا حکم	۳۸۵
۶۱۸۲	بحالت اکراہ دی ہوئی طلاق کا حکم	۳۸۷
۶۱۸۳	زبردستی لی ہوئی طلاق کا حکم	۳۸۸

۶۱۸۴ دباؤ میں آکر زبانی طلاق دینے کا حکم ۳۸۹
۶۱۸۵ طلاق دینے پر جبر کرنے کی صورت میں سر سے اشارہ کرنا ۳۹۱
۶۱۸۶ جان کے خوف سے بیوی کو طلاق دینا........................ ۳۹۲
۶۱۸۷ مار ڈالنے کی دھمکی دے کر زبردستی طلاق دلوانا ۳۹۳
۶۱۸۸ دباؤ میں آکر طلاق دینا ۳۹۴
۶۱۸۹ کیا جبراً طلاق کے الفاظ کہلوانے سے طلاق واقع ہو جائے گی؟ ۳۹۶
۶۱۹۰ حالت اکراہ میں دو طلاق ۳۹۷
۶۱۹۱ زبردستی لفظ تلاک سے طلاق کا حکم ۳۹۸
۶۱۹۲ مکرہ کی طلاق اور نکاح ثانی کی صحت ۴۰۲
۶۱۹۳ کسی کے مجبور کرنے پر طلاق دینا ۴۰۴
۶۱۹۴ بیوی کے بھائیوں کا جبراً بہنوئی سے طلاق دلوانا.................. ۴۰۵

۹/ باب الطلاق بالألفاظ المصحفة

۶۱۹۵ ایسی زبان میں طلاق جس کو شوہر نہیں سمجھتا........................ ۴۰۷
۶۱۹۶ لفظ تلاق سے وقوعِ طلاق کا حکم ۴۰۸
۶۱۹۷ جان بچانے کے خوف سے بلانیت طلاق ”تلاک دیتا ہوں“ کہا ۴۰۹
۶۱۹۸ لفظ طراق طراق سے طلاق کا حکم ۴۱۱
۶۱۹۹ لفظ طباق سے کوئی طلاق نہیں ۴۱۲
۶۲۰۰ لفظِ ”تڑاق“ سے طلاق کا حکم........................ ۴۱۳
۶۲۰۱ وسوسہ کو دور کرنے کے لئے تجھے کرلاق دیتا ہوں کہنے سے طلاق کا حکم ۴۱۴

۱۰/ باب عدم وقوع الطلاق

۶۲۰۲	قبل النکاح خیالی طلاق دینا	۴۱۶
۶۲۰۳	دل میں طلاق دینے کا حکم	۴۱۷
۶۲۰۴	دل ہی دل میں طلاق دینا	۴۱۸
۶۲۰۵	طلاق دینے میں شک ہوتو کیا حکم ہے؟	۴۲۰
۶۲۰۶	شوہر کا طلاق کو اپنی طرف منسوب کرنا	۴۲۱
۶۲۰۷	دفع وساوس کے لئے بھاگ، یا چل بھاگ کہنے پر بیوی کا خیال آنے سے طلاق کا حکم	۴۲۱
۶۲۰۸	عورت کا جھوٹی طلاق کا دعویٰ کرنا	۴۲۳
۶۲۰۹	کیا لڑکی کے اقرار سے طلاق واقع ہوجائے گی؟	۴۲۴
۶۲۱۰	بیوی کے جھوٹ بولنے سے کیا طلاق واقع ہوجائے گی؟	۴۲۶
۶۲۱۱	محض بیوی کے طلاق کا دعویٰ کرنے سے طلاق کا حکم	۴۲۷
۶۲۱۲	بیوی طلاق کا دعویٰ کرے اور شوہر انکار کرے تو کیا حکم ہے؟	۴۲۸
۶۲۱۳	سسرال والوں کا یہ کہنا کہ لڑکی کو طلاق ہوگئی ہے	۴۲۹
۶۲۱۴	سسرال والوں کے طلاق کے مطالبہ پر زور دینے سے طلاق کا حکم ..	۴۳۰
۶۲۱۵	کیا آئسہ پر طلاق واقع ہوجاتی ہے	۴۳۱
۶۲۱۶	حق زوجیت ادانہ کرنے کی بنا پر طلاق کا حکم	۴۳۳
۶۲۱۷	جب بھی کوئی ناراضگی کی بات ہوتی ہے تو تم یہی کہتی ہو طلاق، طلاق، طلاق ..	۴۳۴
۶۲۱۸	تجھے میں رکھیل بنا کر رکھوں گا کہنے کا حکم	۴۳۵
۶۲۱۹	’’تجھ سے صحبت کروں تو ماں سے صحبت کروں‘‘ کہنے کا حکم	۴۳۵
۶۲۲۰	مجھے تیری کوئی ضرورت نہیں سے طلاق کا حکم	۴۳۶
۶۲۲۱	کیا لعنت بھیجنے سے طلاق واقع ہوجاتی ہے؟	۴۳۸

٦۲۲۲	شوہر کا اپنے کو شیطان کہنے سے طلاق کا حکم	۴۳۹
٦۲۲۳	معاف کردو کے جواب میں دیدی، کہنے کا حکم	۴۴٠
٦۲۲۴	زبان سے سلام کی جگہ طلاق نکل جائے تو کیا حکم؟	۴۴۲
٦۲۲۵	’’تجھے تو طلاق ہو جائے گی‘‘ سے طلاق کا حکم	۴۴۳
٦۲۲٦	بس اب تم ختم سمجھو، رشتہ ختم ہو جائے گا وغیر کہنے کا حکم	۴۴۴
٦۲۲۷	’’طلاق دیدو‘‘ کے جواب میں ہاں کہنے کا حکم	۴۴٦
٦۲۲۸	امی تم چاہتی ہو، تو میں طلاق دے دیتا ہوں سے طلاق	۴۴۷
٦۲۲۹	منظوری طلاق سے عدم طلاق کا ثبوت	۴۴۸
٦۲۳٠	حکایت طلاق سے طلاق واقع نہیں ہوتی	۴۵۱
٦۲۳۱	مسئلہ بتانے کی غرض سے لفظ طلاق کہنے کا حکم	۴۵۲
٦۲۳۲	دوران درس استاد کا اعتدی، استبرئی، کے تذکرہ کے وقت دل میں طلاق کا تصور کرنا	۴۵۳
٦۲۳۳	کیا طلاق کے مسائل کے تکرار سے طلاق واقع ہو جاتی ہے؟	۴۵۴
٦۲۳۴	انشاء اللہ میں نے تجھے طلاق دی، طلاق دی کہنے کا حکم	۴۵۵
٦۲۳۵	’’طلاق، طلاق، طلاق ان شاء اللہ‘‘ کہنے کا حکم	۴۵٦
٦۲۳٦	طلاق کی نسبت بیوی کی طرف نہ ہو تو؟	۴۵۷
٦۲۳۷	بیوی کی طرف نسبت کئے بغیر لفظ طلاق کہنا	۴۵۹
٦۲۳۸	بیوی کو طلاق لکھ کر دینے سے طلاق کا حکم	۴٦٠
٦۲۳۹	بیوی کی طرف اضافت کئے بغیر طلاق دینا	۴٦٠
٦۲۴٠	بیوی کی طرف اضافت کے بغیر زبان سے طلاق، طلاق، کہنے کا حکم ..	۴٦۲
٦۲۴۱	محض جدا رہنے سے نکاح ختم نہیں ہوتا اور سوکن کا الگ مکان کا مطالبہ کرنا ..	۴٦۳
٦۲۴۲	کیا شوہر کے گھر نہ جا کر میکہ میں رہنے سے طلاق ہو جاتی ہے؟	۴٦۵

۶۲۴۳ زیادہ عرصہ تک الگ رہنے کی بناء پر طلاق کا حکم ۴۶۶
۶۲۴۴ مسلسل پانچ سال تک شوہر سے علیحدگی کی بناء پر طلاق کا حکم ۴۶۷
۶۲۴۵ کیا بیوی سے پانچ سال تک دور رہنے سے طلاق واقع ہو جاتی ہے؟ .. ۴۶۹
۶۲۴۶ گیارہ سال تک بیوی سے قطع تعلق کی بناء پر طلاق کا حکم ۴۷۰
۶۲۴۷ نامردگی کی بناء پر علیحدگی سے طلاق کا حکم ۴۷
۶۲۴۸ ''آئندہ بھانجی کے رشتہ سے ملئے گا، ہم جملوں کا استعمال کریں گے'' کہنا . ۴۷۲
۶۲۴۹ ''تیری طلاق سے راضی ہوں'' کہنے کا حکم ۴۷۳

۱۱/ باب وعد الطلاق

۶۲۵۰ صیغۂ استقبال سے طلاق دینے کا حکم ۴۷۴
۶۲۵۱ صیغۂ حال سے طلاق کا حکم ۴۷۵
۶۲۵۲ طلاق دے دوں گا سے طلاق کا حکم ۴۷۶
۶۲۵۳ تجھے طلاق دیدوں گا کے الفاظ سے طلاق کا حکم ۴۷۷
۶۲۵۴ طلاق دیدوں گا کے الفاظ سے طلاق کا حکم ۴۷۸
۶۲۵۵ بیوی سے محض تجھ کو طلاق دیدوں گا کہنا ۴۷۹
۶۲۵۶ طلاق دیدوں گا کے الفاظ سے طلاق کا حکم ۴۸۰
۶۲۵۷ انور میاں کو بلاؤ ہم طلاق دیں گے کہنے کا حکم ۴۸۱
۶۲۵۸ تیرا معاملہ صاف کر دوں گا سے عدم وقوع طلاق ۴۸۳
۶۲۵۹ ''میں تجھے طلاق دے دوں گا'' سے طلاق ۴۸۴
۶۲۶۰ ''میں تجھے طلاق دیدوں گا'' کہنا ۴۸۵

۶۲۶۱	طلاق دیدوں گا کہنے کا حکم	۴۸۶
۶۲۶۲	طلاق دیدوں گا کے الفاظ سے طلاق کا حکم	۴۸۸
۶۲۶۳	طلاق دیدوں گا کہنے سے طلاق نہیں ہوتی	۴۸۹
۶۲۶۴	بوقت نزاع ''طلاق دیدوں گا'' کہنا	۴۹۱
۶۲۶۵	''طلاق دیدوں'' کہنے کا حکم	۴۹۲
۶۲۶۶	''تجھے طلاق دوں'' کے الفاظ سے طلاق کا حکم	۴۹۳
۶۲۶۷	تو گھر چلی جاورنہ میں تجھے طلاق دے دوں گا	۴۹۴
۶۲۶۸	اگر تم جاؤ گی تو میں تمہیں نہیں رکھوں گا کہنے کا حکم	۴۹۵
۶۲۶۹	طلاق دیدینی چاہئے طلاق دیدونگا، طلاق کے علاوہ کوئی راستہ نہیں کہنا..	۴۹۶
۶۲۷۰	میکہ گئی تو طلاق دیدوں گا سے طلاق	۴۹۷
۶۲۷۱	چوبیس گھنٹہ کے اندر اندر میرے گھر سے چلی جاؤورنہ طلاق دیدوں گا..	۴۹۸
۶۲۷۲	تجھے چھوڑ دوں گا سے طلاق کا حکم	۴۹۹
۶۲۷۳	تجھے نہیں رکھوں گا سے طلاق	۵۰۰
۶۲۷۴	اگر تو پانی پت چلی گئی تو تجھے طلاق دیدوں گا	۵۰۱
۶۲۷۵	''لے تجھے دے ہی دی'' کہنا	۵۰۳
۶۲۷۶	تو خاموش ہوجا، میں تیرے مہر کے پیسے بھی دیدوں گا سے طلاق کا حکم	۵۰۴

۱۲/ باب الطلاق الصریح

۶۲۷۷	طلاق صریح اور بائن میں فرق	۵۰۷

۶۲۷۸ طلاق صریح میں نیت کا حکم ۵۰۸
۶۲۷۹ الفاظ صریح میں بلانیت وارادہ طلاق کا حکم ۵۰۹
۶۲۸۰ کیا طلاق صریح میں نیت کی ضرورت نہیں ہے؟ ۵۱۱
۶۲۸۱ بغیر نیت طلاق کے تین مرتبہ صریح طلاق دینا ۵۱۲
۶۲۸۲ بلانیت طلاق ''طلاق، طلاق، طلاق'' کہنا ۵۱۴
۶۲۸۳ بغیر نیت کے ''جا چھوٹ گئی'' کہنے سے طلاق کا حکم ۵۱۵
۶۲۸۴ بیوی طلاق صریح کی عدت کے بعد بائنہ ہو جاتی ہے ۵۱۶
۶۲۸۵ کیا لفظ سے صریح دی گئی طلاق بعد العدت بائن ہو جاتی ہے؟...... ۵۱۸
۶۲۸۶ کہا کہ ''طلاق دے رہا ہوں'' طلاق کا حکم ۵۱۹
۶۲۸۷ ''میں تم کو طلاق دے رہا ہوں،، سے طلاق ۵۲۰
۶۲۸۸ بنگلہ زبان میں طلاق کے لئے مستعمل الفاظ استعمال کرنا ۵۲۲
۶۲۸۹ لفظ ''لاد'' نہ صریح ہے اور نہ ہی کنایہ ۵۲۳
۶۲۹۰ ''میں نے اپنی بیوی کو طلاق دی'' کہنا ۵۲۴
۶۲۹۱ ''ایک مرتبہ میں نے تجھے طلاق دی'' کہنا ۵۲۵
۶۲۹۲ جا میں نے تجھے آزاد کیا سے طلاق ۵۲۷
۶۲۹۳ لفظ طلاق کے بعد متعدد بار دے دے کہنے کا حکم ۵۲۷
۶۲۹۴ ''لفظ طلاق دی، دی، دی'' سے طلاق کا حکم ۵۲۹
۶۲۹۵ دو مرتبہ میں نے تجھے طلاق دی سے طلاق کا حکم ۵۳۰
○ منجانب: دار الافتاء جامعہ نعیمیہ ۵۳۰

○ منجانب: دارالافتاء مدرسہ شاہی مرادآباد ۵۳۱
٦۲۹٦ ’’ہاں میں نے طلاق دی اسے اور نکالو اسے یہاں سے‘‘ کہنے کاحکم . ۵۳۲
٦۲۹۷ جب مجھے رکھنا نہیں تو ان باتوں سے کیا فائدہ میں نے تو طلاق دیدی ۵۳۴
٦۲۹۸ ’’طلاق تو پہلے دے چکا ہوں‘‘ کہنے سے طلاق کاحکم ۵۳٦
٦۲۹۹ طلاق دینے کے بعد دوبارہ ’’جادی‘‘ کے الفاظ کہنا ۵۳۹
٦۳۰۰ طلاق،طلاق کہہ دیا ۵۴۰
٦۳۰۱ بیوی کو دو مرتبہ طلاق دینا ۵۴۱
٦۳۰۲ طلاق ثلاثہ کے بعد اس کا انکار کرنا ۵۴۲
٦۳۰۳ والد کے سامنے ایک ہی مرتبہ میں بیوی کو تین طلاق دینا............ ۵۴۳
٦۳۰۴ لالکھ کر دیتا ہوں ’’طلاق،طلاق،طلاق‘‘ سے طلاق کاحکم ۵۴۴
٦۳۰۵ ’’تجھے طلاق دی، تجھے آزاد کیا، میرا تجھ سے کوئی واسطہ نہیں، تجھے فارغ خطی دی‘‘ کہنے کاحکم .. ۵۴۵
٦۳۰٦ ایک دو اگر خاموش نہ رہی، تو تین کردیں گے کہنا............ ۵۴۷
٦۳۰۷ ’’لے طلاق‘‘ کاحکم ۵۴۸
٦۳۰۸ ’’طلاق دی،طلاق دی،طلاق دی‘‘ کاحکم ۵۴۹
٦۳۰۹ دیور کا بھابھی کے ساتھ زنا کرنا اور شوہر کا اس کو طلاق دینا ۵۵۰
٦۳۱۰ خیالی طلاق کے بعد یہ کہنا کہ میں نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی ہے .. ۵۵۲
٦۳۱۱ ایک مرتبہ طلاق کہنے کاحکم ۵۵۳
٦۳۱۲ شوہر کا دو آدمی کی موجودگی میں یہ کہنا کہ اس کو تو طلاق ہو چکی ہے ... ۵۵۴
٦۳۱۳ وارننگ کے طور پر ایک مرتبہ طلاق دینا........................ ۵۵۵
٦۳۱۴ ’’بیوی کو طلاق دے آیا ہوں‘‘ سے طلاق ۵۵۷
٦۳۱۵ لفظ ’’میں تجھے طلاق دیتا ہوں‘‘ سے طلاق........................ ۵۵۸

۶۳۱۶ ”جب دیدی تو تو جاتی کیوں نہیں“ انشاء طلاق ہے یا تاکید ۵۵۹
۶۳۱۷ میں نے تیری طلاق دیدی کہنے کا حق ۵۶۰
۶۳۱۸ ”میں نے تجھے طلاق دی“ سے کونسی طلاق واقع ہوگی؟ ۵۶۲
۶۳۱۹ طلاق دیدی سے کونسی طلاق واقع ہوگئی؟ ۵۶۳
۶۳۲۰ ”جا میں نے تجھے طلاق دی“ سے طلاق ۵۶۴
۶۳۲۱ ”میں نے تمہاری بھانجی کو طلاق دیدی“ کہنے سے طلاق.......... ۵۶۶
۶۳۲۲ ”میں تمہیں طلاق دے چکا ہوں“ کہنے کا حکم ۵۶۷
۶۳۲۳ شرعی وقانونی طلاق دے کر اپنی زوجیت سے آزاد کر دیا ۵۶۸
۶۳۲۴ وکیل کے دریافت کرنے پر طلاق کا اقرار کرنا ۵۶۹
۶۳۲۵ کسی شخص کے کہنے سے بیوی کو ایک طلاق دینا ۵۷۱
۶۳۲۶ ”طلاق دی اور طلاق دیدوں گا“ سے وقوع طلاق کا مسئلہ ۵۷۳
۶۳۲۷ طلاق دیدوں گا،، اور ”طلاق دی،، سے طلاق کا حکم ۵۷۴
۶۳۲۸ ”دیدی“ کے لفظ سے طلاق ۵۷۵
۶۳۲۹ شوہر کا طلاق سے انکار اور لڑکی والوں کا اقرار کرنا............ ۵۷۷
۶۳۳۰ دو طلاق رجعی ۵۷۸
۶۳۳۱ دو طلاق رجعی دینا ۵۷۹
۶۳۳۲ ”جاؤ تم آزاد ہو میں نے تمہیں طلاق دی،، سے طلاق کا حکم ۵۸۱
۶۳۳۳ ”طلاق لے کر نمٹ لے“ سے طلاق........................ ۵۸۲
۶۳۳۴ میں نے اس کو چھوڑ دی ۵۸۳
۶۳۳۵ ایک مرتبہ زور سے دوسری مرتبہ آہستہ طلاق دینا ۵۸۴
۶۳۳۶ ”میں نے اس کو آزاد کیا، آزاد کرتا ہوں،، سے طلاق ۵۸۵

۶۳۳۷ ''شوہر کا میں تجھے چھوڑ دوں، تجھے چھوڑوں اور طلاق دی طلاق دی'' کہنا . ۵۸۶
۶۳۳۸ دو مرتبہ طلاق دیدوں گا اور دو مرتبہ طلاق دی کہنا ۵۸۸
۶۳۳۹ میں نے طلاق دی دو مرتبہ کہنا ۵۸۹
۶۳۴۰ دو ماہ قبل دو طلاق دے کر پھر تجھے طلاق دیدوں گا کہنا ۵۹۱
۶۳۴۱ شوہر کا بیوی کو دو طلاق دینا اور اس کے حقوق ادا نہ کرنا ۵۹۱
۶۳۴۲ ''طلاق، طلاق، طلاق اِن شاء اللہ'' سے طلاق کا حکم ۶۰۱
۶۳۴۳ فون پر دو طلاق دینا ۶۰۳
۶۳۴۴ بیوی کی عدم موجودگی میں دو مرتبہ طلاق دینا ۶۰۴
۶۳۴۵ دو مرتبہ طلاق دیتا ہوں کے الفاظ سے طلاق ۶۰۵
۶۳۴۶ مختلف الفاظ صریح سے طلاق دینا ۶۰۶
۶۳۴۷ دو مرتبہ طلاق دی، پھر باہر آ کر کہا میں نے اس کو طلاق دیدی ۶۰۷
۶۳۴۸ ''تجھے طلاق دینی ہے کے بعد ''سمجھ لو طلاق ہوئی'' کہنے سے طلاق . ۶۰۸
۶۳۴۹ بیوی کو طلاق دے کر والد کو خبر دینا ۶۰۹
۶۳۵۰ دو مرتبہ طلاق دینے کے بعد مختلف مقامات پر اس کی خبر دینا ۶۱۰
۶۳۵۱ ''میں نے تجھے طلاق دی'' دی سے طلاق کا حکم ۶۱۳
۶۳۵۲ ایک ایک کر کے دو طلاق متصلاً دینا ۶۱۴
۶۳۵۳ ساس سے لڑائی کے دوران دو بار طلاق دینا ۶۴۱
۶۳۵۴ نند بھاوج میں لڑائی دیکھ کر دو طلاق دینا ۶۱۵
۶۳۵۵ ''میں نے تجھے طلاق دی'' دو مرتبہ کہنے سے طلاق ۶۱۶
۶۳۵۶ ''طلاق دی، طلاق دی'' سے طلاق کا حکم ۶۱۷
۶۳۵۷ بیوی کو مخاطب بنا کر دو مرتبہ طلاق دینا ۶۱۸

۶۳۵۸ ''طلاق دلواؤ، طلاق دیدوں گا اور طلاق دیدی'' سے کتنی طلاق ہوئیں ۶۱۹
۶۳۵۹ دوطلاق دینے کے بعد تیسری طلاق دینے سے قبل منھ بند کردینا ۶۲۰
۶۳۶۰ فارغ خطی کا لفظ طلاق صریح رجعی کیلئے ہے ۶۲۱
۶۳۶۱ فارغ خطی کے لفظ سے طلاق ۶۲۲
۶۳۶۲ فارغ خطی کے لفظ سے طلاق کا حکم ۶۲۳
۶۳۶۳ میں نے تجھے فارغ خطی دیدی ۶۲۴
۶۳۶۴ چھوڑ دیا کا لفظ عرف میں طلاق ہی کو کہتے ہے ۶۲۶
۶۳۶۵ ''چھوڑ دیا،، کے لفظ سے طلاق صریح ۶۲۷
۶۳۶۶ چھوڑ رہا ہوں کے لفظ سے طلاق کا حکم ۶۲۸
۶۳۶۷ لفظ چھوڑ چکا ہوں سے طلاق ۶۲۹
۶۳۶۸ جا میں نے تجھے چھوڑا ۶۳
۶۳۶۹ لفظ چھوڑ دی سے طلاق دینا ۶۳۲
۶۳۷۰ لفظ'' چھوڑ دیا،، سے طلاق ہوئی یا نہیں؟ ۶۳۳
۶۳۷۱ چھوڑ دی سے کون سی طلاق واقع ہوگی؟ ۶۳۵
۶۳۷۲ ''چھوڑ دیا'' اور'' تیری ماں کا کام تمام کردیا کا حکم'' ۶۳۶
۶۳۷۳ تجھے چھوڑ دونگا، تیرا فیصلہ کردوں گا کا حکم ۶۳۸
۶۳۷۴ دوران جھگڑا بیوی کو دومرتبہ چھوڑ دیا کہنا ۶۳۹
۶۳۷۵ ''میں نے تجھ کو چھوڑ دیا'' دومرتبہ کہنے سے طلاق کا حکم ۶۴۰
۶۳۷۶ دومرتبہ ''میں تجھے چھوڑ چکا ہوں'' کہنے کا حکم ۶۴۲
۶۳۷۷ ''میں نے تم کو چھوڑا، چھوڑا، چھوڑا کہنے کا حکم'' ۶۴۵
۶۳۷۸ لفظ چھوڑ دی تین مرتبہ کہنے کا حکم ۶۴۶

۶۳۷۹ لفظ چھوڑ دیا وقفہ وقفہ سے تین مرتبہ کہنا ۶۴۷

۶۳۸۰ چھوڑ رہا ہوں کے لفظ سے طلاق ۶۴۸

۶۳۸۱ آزاد کر دیا کا لفظ عرف میں بیوی کے حق میں طلاق رجعی ہے ۶۴۹

۶۳۸۲ ''دل سے تو میری بیوی آزاد ہے'' کہنا ۶۵۰

۶۳۸۳ آزاد کرتا ہوں سے طلاق ۶۵۲

۶۳۸۴ تجھے آزاد کر دیا ۶۵۳

۶۳۸۵ میں نے آپ کو آزاد کر دیا ۶۵۴

۶۳۸۶ میں نے تجھے اپنے نکاح سے آزاد کیا ۶۵۵

۶۳۸۷ جاؤ تم کا آزاد کر دیہن ۶۵۶

۶۳۸۸ ''نکاح سے آزادی دیتا ہوں'' کے الفاظ سے طلاق ۶۵۸

۶۳۸۹ تین مرتبہ شوہر کا ''آزاد کر دیا'' کہنا ۶۶۰

۶۳۹۰ لفظ ''آزاد کرتا ہوں'' سے طلاق کا حکم ۶۶۰

۶۳۹۱ ''تم میری طرف سے آزاد ہو،، سے طلاق ۶۶۱

۶۳۹۲ ''اپنی زوجیت سے آزاد کرتا ہوں،، سے طلاق ۶۶۲

۶۳۹۳ ''میں نے آزاد کر دیا'' کے لفظ سے طلاق ۶۶۳

۶۳۹۴ لفظ آزاد اور لفظ طلاق کے ذریعہ طلاق دینے کا مسئلہ ۶۶۴

۶۳۹۵ ''میرا اس سے کوئی تعلق نہیں، میں نے آزاد کر دیا،، سے طلاق ۶۶۵

۶۳۹۶ ''تو میری طرف سے آزاد ہے،، ایک مرتبہ کہنے سے طلاق ۶۶۶

۶۳۹۷ ''تو آزاد ہے نکل،، کے الفاظ سے طلاق کا حکم ۶۶۸

۶۳۹۸ ''آزاد کر دیا'' سے طلاق ۶۶۹

۶۳۹۹ آزاد کرنے اور چھوڑنے کے لفظ سے طلاق کا حکم ۶۷۱

۶۴۰۰ شوہر کا قول ''میں نے تجھے طلاق دی، آزاد کیا'' سے طلاق ۶۷۳
۶۴۰۱ ''تم اپنے میکہ چلی جاؤ اور آزاد ہو'' سے طلاق کا حکم ۶۷۴
۶۴۰۲ ''میں نے تجھے آزاد کیا'' دو مرتبہ کہنے سے طلاق ۶۷۵
۶۴۰۳ تین مرتبہ کہنا کہ ''تو میری طرف سے آزاد ہے'' ۶۷۶
۶۴۰۴ مختلف مواقع پر چھ سات مرتبہ آزاد کر دیا کہنا ۶۷۸
۶۴۰۵ متعدد بار آزاد کرنا ۶۷۹
۶۴۰۶ بارہا ''آزادی دی'' کہنا ۶۸۰

۱۳/ باب الکنایة

۶۴۰۷ کنائی الفاظ سے بلانیت طلاق کا حکم ۶۸۲
۶۴۰۸ الفاظ کنائی سے طلاق ۶۸۴
۶۴۰۹ الفاظ کنائی سے طلاق دینا ۶۸۵
۶۴۱۰ کیا الفاظ کنائی سے طلاق ہو جاتی ہے؟ ۶۸۷
۶۴۱۱ ایک طلاق بائن کی صورت میں دوبارہ نکاح کرنا جائز ہے ۶۸۸
۶۴۱۲ طلاق بائن کے بعد ساتھ رہنے کی صورت ۶۹۰
۶۴۱۳ دو طلاق سے عدت گذرنے کے بعد تجدید نکاح کا حکم ۶۹۱
۶۴۱۴ طلاق رجعی بعد عدت بائن بن جاتی ہے ۶۹۲
۶۴۱۵ اشارہ کنایہ وغیرہ کے ذریعہ سے بھی بیوی کی طرف طلاق کی نسبت نہ ہو تو؟ ... ۶۹۳
۶۴۱۶ لفظ ٹھیک نہ صریح ہے، نہ کنایہ ۶۹۴
۶۴۱۷ تو مجھ پر حرام کے لفظ سے طلاق صریح بائن ۶۹۶

۶۴۱۸ شوہر نے کہا کہ، میں تیرا شوہر نہیں ہوں، تو طلاق ہوگی یا نہیں؟ ۶۹۶
۶۴۱۹ ''نہیں رکھوں گا'' اور ''نکل جا'' کہنے کا حکم ۶۹۷
۶۴۲۰ ''اگر میں نے تم کو روکا، تو بہن بنا کر رکھوں'' سے طلاق کا حکم ۶۹۸
۶۴۲۱ ''اگر میں تیرے پاس جاؤں تو یہ ایسا ہے جیسا کہ میں اپنی بیٹی کے پاس آیا'' ۷۰۰
۶۴۲۲ تجھے طلاق دی اور دوسری مرتبہ کہا، تو میرے نکاح سے باہر ہوگئی کا حکم .. ۷۰۱
۶۴۲۳ ''آپ کی لڑکی مجھے نہیں بھری جانے کی'' سے طلاق ۷۰۲
۶۴۲۴ آپس میں کوئی رشتہ نہیں کہنے کا حکم ۷۰۳
۶۴۲۵ لفظ البتہ طلاق کا حکم ۷۰۴
۶۴۲۶ اپنے گھر چلی جاؤ سے طلاق ۷۰۵
۶۴۲۷ تو اپنے باپ کے گھر چلی جا سے طلاق ۷۰۷
۶۴۲۸ جواب دیا کا لفظ کنائی ہے یا صریح ۷۰۸
۶۴۲۹ ''جواب دیا، جدا کر دیا، میرے گھر سے چلی جا'' کہنا ۷۱۱
۶۴۳۰ لفظ جواب سے ایک طلاق بائن ۷۱۳
۶۴۳۱ لفظ جواب دیدیا سے ایک طلاق بائن ۷۱۴
۶۴۳۲ ''اگر آپ کی لڑکی دوسری جگہ شادی کے لئے تیار ہے تو میری طرف سے اجازت ہے'' سے طلاق ... ۷۱۵
۶۴۳۳ جا طلاق ہوگئی، اب تو آزاد ہوگئی، جاؤ گھومو، سے طلاق.......... ۷۱۶
۶۴۳۴ ''اب وہ میرے لئے حرام ہے'' کہنے کا حکم ۷۱۸
۶۴۳۵ تمہارا فیصلہ کر دیا کہنے کا حکم ۷۲۱
۶۴۳۶ طلاق دے کر اپنی زوجیت سے علیحدہ کر دیا.................. ۷۲۲
۶۴۳۷ تیرا میرا کوئی رشتہ نہیں ہے ۷۲۳

۶۴۳۸ میں نے شادی ختم کردی ختم کردی ختم کردی کہنا ۷۲۴
۶۴۳۹ رات کے اندھیرے میں بھی اپنی ماں کے گھر گئی تو میرے نکاح میں نہیں رہنے کی .. ۷۲۵
۶۴۴۰ طلاق دیدی کے بعد چلی جا گی کہنے سے طلاق ۷۲۶
۶۴۴۱ تم اپنے گھر چلی جاؤ سے طلاق کا حکم ۷۲۷
۶۴۴۲ جاؤ اب چلی جاؤ سے طلاق کا حکم ۷۲۸
۶۴۴۳ مجھے ریحانہ کی ضرورت نہیں سے طلاق کا حکم ۷۲۹
۶۴۴۴ ایک مرتبہ طلاق دینے کے بعد کہنا کہ تمہارا معاملہ صاف ۷۳۱
۶۴۴۵ دو مرتبہ طلاق دینے کے بعد ’’جا یار میں نے تیرا فیصلہ کردیا‘‘ کہنا ... ۷۳۲
۶۴۴۶ آج سے ہمارا تمہارا رشتہ ختم ۷۳۳
۶۴۴۷ لفظ ’’ڈیزولو‘ اور ڈیوورس سے طلاق کا حکم ۷۳۵
۶۴۴۸ میں انگوٹھا دے آیا ہوں ۷۳۷
۶۴۴۹ تو میری زندگی میں میرے گھر نہیں آسکتی ہے، میں تمہارا کچھ نہیں ہوں ۷۳۸
۶۴۵۰ دو مرتبہ طلاق دے کر جاؤ بھاگو کہنا ۷۳۹
۶۴۵۱ اگر گھر سے باہر گئی، تو نکاح سے باہر ۷۴۱
۶۴۵۲ بیوی سے کہا میں نے تجھے خلع دیا ۷۴۲
۶۴۵۳ ’’تو میرے لئے مرگئی میں تیرے لئے مرگیا‘‘ سے طلاق ۷۴۵
۶۴۵۴ تیرا میرا کوئی واسطہ نہیں کے لفظ سے طلاق ۷۴۶
۶۴۵۵ طلاق دی دی کہنے کے بعد چلی جا کہنے سے کتنی طلاق واقع ہوں گی؟ ۷۴۷
۶۴۵۶ اگر میں تیرے پاس جاؤں تو صاف طلاق ۷۴۸
۶۴۵۷ ’’چل نکل جا میرے گھر سے‘‘ کے لفظ سے طلاق کا حکم ۷۴۹

۶۴۵۸	میں نے تجھے طلاق دی، تیرا میرا حساب صاف ہوا...............	۷۵۱
۶۴۵۹	تم چلی جاؤ، مجھے تم سے کوئی ضرورت نہیں کہنا.....................	۷۵۲
۶۴۶۰	’’اب وہیں رہ‘‘ کہنے کا حکم	۷۵۳
۶۴۶۱	لفظ’’ تجھے خلع دیا تین مرتبہ کہنے سے طلاق‘‘.....................	۷۵۴
۶۴۶۲	تو میری بہن ہے لا بہن پانی لا سے طلاق	۷۵۵

فہرست مضامین

۱۷/ بقیة كتاب الطلاق

۱۴/ باب الرجعة

مسئلہ نمبر .... صفحہ نمبر

۶۴۶۳ نباہ کے دشوار ہونے کی صورت میں ایک طلاق رجعی دینا ۳۱

۶۴۶۴ نبھاؤ کی شکل نہ بن پارہی ہو، تو ایک طلاق کے ذریعہ علیحدگی کافی ہے ۳۳

۶۴۶۵ دومرتبہ طلاق کے بعد کنائی الفاظ استعمال کرنا ۳۴

۶۴۶۶ ایک طلاق رجعی ۳۷

۶۴۶۷ ایک طلاق رجعی دینا ۳۹

۶۴۶۸ دوطلاق رجعی ۴۰

۶۴۶۹ دوطلاق رجعی ۴۱

۶۴۷۰ میں نے اپنی بیوی کوطلاق دی دومرتبہ کہنا ۴۳

۶۴۷۱ میں نے تجھے طلاق دی، میں نے تجھے طلاق دی ۴۴

۶۴۷۲ تمہاری سالی کو میں نے بدچلنی کی وجہ سے چھوڑ دیا ۴۵

۶۴۷۳ بیوی میکہ چلی جائے تو رجعت کیسے کریں؟ ۴۷

۶۴۷۴ بوس وکنار کے ذریعہ رجعت کا حکم ۴۸

۶۴۷۵ کیا عدت میں صحبت کرنے سے رجعت متحقق ہوجاتی ہے؟.................. ۴۹

۶۴۷۶ کیا ہمبستری کرنے سے رجعت متحقق ہو جاتی ہے؟ ۵۰
۶۴۷۷ رجعت کی ایک صورت ۵۲
۶۴۷۸ فون پر طلاق دینے کے ایک ہفتہ بعد رجعت کرنے کا حکم ۵۳
۶۴۷۹ مطلقہ واحدة سے بلا حلالہ نکاح درست ہے ۵۴
۶۴۸۰ طلاق رجعی کے بعد کب تک رجوع کر سکتا ہے؟ ۵۵
۶۴۸۱ ایک طلاق دینے کے بعد رجوع کرنا ۵۶
۶۴۸۲ تجھ کو طلاق دیتا ہوں کہنے کے بعد ساتھ رہنا ۵۸
۶۴۸۳ عدت کے دوران رجوع کرنے کا حق ہے ۵۹
۶۴۸۴ دوران عدت رجوع کافی ہے نکاح کی ضرورت نہیں ۶۰
۶۴۸۵ دو مرتبہ طلاق کے بعد بیوی کو بہن کہنا ۶۱
۶۴۸۶ دوران گفتگو طلاق ہو گئی کہنا ۶۲
۶۴۸۷ ایک طلاق کے بعد رجوع پھر طلاق پھر رجوع ۶۴
۶۴۸۸ بغیر نیت طلاق کے شوہر کا کہنا ”مجھے ہاتھ مت لگاؤ ورنہ گنہ گار ہوگی ۶۵
۶۴۸۹ بلا نیت کے طلاق طلاق کہنا ۶۷
۶۴۹۰ میں نے تم کو طلاق دیدی ۶۸
۶۴۹۱ دو مرتبہ طلاق دی تیسری مرتبہ کہا طلاق دیدوں گا ۶۹
۶۴۹۲ بیوی سے دو مرتبہ طلاق دی کہنا ۷۰
۶۴۹۳ دو طلاق کے بعد شوہر کے لئے بیوی کو رکھنے کا حق ہے ۷۱
۶۴۹۴ دو بار طلاق دینے کے بعد رجعت کرنا ۷۲
۶۴۹۵ دو مرتبہ طلاق کے بعد ساتھ رہنے کی شکل ۷۴
۶۴۹۶ دو طلاق رجعی کے بعد رجعت کی گنجائش ۷۴

۶۴۹۷ دوطلاق کا شرعی حکم ۷۶
۶۴۹۸ دوطلاق کے بعد بیوی کے ساتھ ہمبستر ہونے سے رجعت کا تحقق ۷۷
۶۴۹۹ دوطلاق رجعی کی صورت میں بلا حلالہ نکاح درست ہے ۷۸
۶۵۰۰ دومرتبہ طلاق کے بعد تین حیض گذر گئے کیا حکم ہے؟ ۷۹
۶۵۰۱ دوطلاق کے بعد پانچ ماہ گذر گئے کیا حکم ہے؟ ۸۱
۶۵۰۲ دومرتبہ طلاق دینے کے بعد سات آٹھ ماہ گذر گئے ۸۳
۶۵۰۳ رجعت کے بعد دوسری طلاق دینا ۸۳
۶۵۰۴ طلاق رجعی کی عدت پوری ہونے کے بعد دی گئی طلاق کا حکم ۸۴
۶۵۰۵ مطلقہ مغلظہ سے نکاح کے لئے محض نکاح ثانی کافی نہیں ۸۶

۱۵/ باب طلاق البائن

۶۵۰۶ شیما پروین میں تمہیں طلاق بائن دیتا ہوں ۸۹
۶۵۰۷ طلاق طلاق بائن دی، ایک طلاق دوطلاق بائن دی سے طلاق ۹۰
۶۵۰۸ طلاق قطعی دینا ۹۱
۶۵۰۹ غیر مدخول بہا کو مذاق میں طلاق بائن ۹۲
۶۵۱۰ ایک طلاق بائن میں بغیر حلالہ جواز نکاح ۹۴
۶۵۱۱ رخصتی سے قبل طلاق ومہر کا حکم ۹۵
۶۵۱۲ رخصتی سے قبل طلاق دی، طلاق دی کہنے کا حکم ۹۷
۶۵۱۳ طلاق دے کر زوجیت سے الگ کرتا ہوں ۹۸
۶۵۱۴ رخصتی سے قبل طلاق طلاق کہنے سے کتنی طلاق ہوئی ۱۰۰
۶۵۱۵ غیر مدخول بہا کو الگ الگ تین طلاق اور حالت حیض میں خلوت کا حکم ۱۰۱

○ جواب منجانب: جامعہ حیات العلوم مراد آباد ۱۰۲
○ تصدیق منجانب: مفتی شبیر صاحب مفتی جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد ۱۰۲
○ مستقل جواب منجانب: دارالافتاء جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد ۱۰۳
۶۵۱۶ غیر مدخولہ کو متفرق میں طلاق، پھر اس سے نکاح کی کیا صورت ہے؟ ۱۰۳
۶۵۱۷ طلاق بائنہ کی ایک صورت ۱۰۴

۱۶/ باب الطلاق بالکتابة

۶۵۱۸ تحریری طلاق کے شرائط ۱۰۷
۶۵۱۹ تحریری طلاق نامہ میں شوہر کا اقرار معتبر ہے یا تحریر؟ ۱۰۹
۶۵۲۰ شوہر سے زبانی وتحریری جبراً طلاق لینے میں فرق کی وجہ ۱۱۰
۶۵۲۱ بیوی کی غیر موجودگی میں طلاق دینے کے بعد تحریری طلاق دینا ۱۱۲
۶۵۲۲ موبائل پر بیوی کو میسج کے ذریعہ سے طلاق دینا ۱۱۲
۶۵۲۳ تحریری طلاق ۱۱۴
۶۵۲۴ تحریری طلاق کا حکم ۱۱۵
۶۵۲۵ تحریری طور پر طلاق دینا ۱۱۷
۶۵۲۶ حالت حمل میں تحریری طلاق دینا ۱۱۹
۶۵۲۷ ’’میں......کو طلاق دیتا ہوں‘‘ بیوی کو لکھ کر دینے سے طلاق ۱۱۹
۶۵۲۸ تحریری طلاق کی ایک صورت ۱۲۰
۶۵۲۹ بیوی کے سامنے تحریری طلاق دینا ۱۲۲
۶۵۳۰ بیوی کے سامنے بیٹھ کر طلاق لکھ کر دیدی، مگر زبان سے کچھ نہیں کہا...... ۱۲۳
۶۵۳۱ بیوی کے سامنے طلاق طلاق لکھنا ۱۲۴

۶۵۳۲ تحریری طلاق ۱۲۵

۶۵۳۳ ڈرانے دھمکانے کے لئے بیوی کو پرچہ میں لکھ کر طلاق دینا ۱۳۱

۶۵۳۴ ''ہم دونوں بخوشی ایک دوسرے سے الگ ہورہے ہیں'' لکھنے کا حکم ۱۳۲

۶۵۳۵ طلاق کے صریح الفاظ لکھوانے کے بعد کنائی الفاظ لکھوانا ۱۳۳

۶۵۳۶ موکل نے ایک طلاق دی اور وکیل نے تین لکھ دی تو کتنی واقع ہوئیں؟ ۱۳۴

۶۵۳۷ وکیل ایک طلاق کی جگہ تین لکھ دے تو کیا حکم ہے؟................. ۱۳۶

۶۵۳۸ وکیل کا مؤکل کی نیت کے خلاف طلاق نامہ میں تین طلاق لکھنا ۱۳۷

۶۵۳۹ بیوی کے نام طلاق نامہ ارسال کرانا ۱۳۹

۶۵۴۰ بذریعۂ خط طلاق دینا ۱۴۰

۶۵۴۱ بذریعۂ خط طلاق دینا ۱۴۲

۶۵۴۲ ''میں نے تم کو روبرو گواہان طلاق دیدی'' لکھی رجسٹری کا حکم ۱۴۴

۶۵۴۳ طلاق کا نوٹس بھیجنے سے وقوع طلاق کا حکم ۱۴۵

۶۵۴۴ طلاق کا نوٹس بھیجنے سے وقوع طلاق کا حکم ۱۴۷

۶۵۴۵ طلاق نامہ لکھوا کر بھجوانے کا حکم ۱۴۸

۶۵۴۶ مکرہ کی طلاق یا کتابت کا حکم........................ ۱۵۰

۶۵۴۷ ایک طلاق دینے کے بعد طلاق نامہ لکھنا........................ ۱۵۲

۶۵۴۸ اسٹامپ پیپر پر طلاق لکھ کر بھیجنا........................ ۱۵۳

۶۵۴۹ بخوشی یا بحالت اکراہ لکھ کر طلاق دینا........................ ۱۵۴

۶۵۵۰ نوٹسِ طلاق کی شرعی حیثیت........................ ۱۵۵

۶۵۵۱ طلاق کا نوٹس بھیجنا ۱۵۷

۶۵۵۲ ڈاک کے ذریعہ بھیجے گئے طلاق نامہ سے طلاق کا حکم ۱۵۸

۶۵۵۳ بغیر تحقیق کے دوسرے ملک سے طلاق لکھ کر بھیجنے سے طلاق ۱۶۰
۶۵۵۴ رجسٹری طلاق نامہ پر لڑکی کے دستخط کرنے سے طلاق کا حکم ۱۶۱
۶۵۵۵ کیا طلاق نامہ پڑھے بغیر دستخط کرنے سے طلاق ہو جائے گی؟ ۱۶۲
۶۵۵۶ الگ کرنے کی نیت سے طلاق نامہ پر دستخط کرنا ۱۶۴
۶۵۵۷ طلاق نامہ کو لکھوانے اور سن کر اس پر دستخط کرنے سے طلاق کا حکم ۱۶۶
۶۵۵۸ اسٹامپ پیپر پر جبراً انگوٹھا لگوانے سے طلاق کا حکم ۱۶۹
۶۵۵۹ تحریری طور پر طلاق دے کر انکار کرنا ۱۷۰
۶۵۶۰ لڑکا طلاق نامہ کا منکر ہو تو کیا حکم ہے؟ ۱۷۱
۶۵۶۱ وکیل نے طلاق نامہ لکھا اور شوہر طلاق کا منکر ہے ۱۷۲
۶۵۶۲ بیوی کے طلاق کا انکار کرنے سے طلاق کا حکم ۱۷۴
۶۵۶۳ شوہر سے لاعلمی میں طلاق نامہ پر دستخط کروانا ۱۷۵
۶۵۶۴ فرضی طلاق نامہ سے طلاق واقع نہیں ہوتی ۱۷۶
۶۵۶۵ غیر شوہر کا فرضی طلاق نامہ معتبر نہیں ۱۷۸
۶۵۶۶ شوہر کی طرف فرضی طلاق نامہ منسوب کر کے طلاق دلوانا ۱۷۹
۶۵۶۷ سادہ کاغذ پر محض انگوٹھا لگانے سے طلاق کا حکم ۱۸۱
۶۵۶۸ دھمکی دے کر خالی اسٹامپ پر دستخط کروانے سے طلاق ۱۸۲
۶۵۶۹ والد نے بغیر لڑکے کی اجازت کے طلاق نامہ لکھوایا ۱۸۳
۶۵۷۰ طلاق نامہ دینے سے طلاق کا حکم ۱۸۵
۶۵۷۱ طلاق نامہ لکھوا کر والد کو دینے سے طلاق کا حکم ۱۸۶
۶۵۷۲ دھمکی دے کر طلاق نامہ لکھوانے سے طلاق کا حکم ۱۸۷

۶۵۷۳ طلاق نامہ لکھوانے سے وقوع طلاق کا حکم ۱۸۸
۶۵۷۴ طلاق نامہ لکھنے سے طلاق کا حکم ۱۹۰
۶۵۷۵ زبردستی طلاق نامہ لکھوانا ۱۹۲
۶۵۷۶ طلاق نامہ کی تفصیل بتائے بغیر شوہر کے اس پر دستخط لینا ۱۹۴
۶۵۷۷ طلاق نامہ پر دستخط کرنے کی شرعی حیثیت ۱۹۵
۶۵۷۸ زبان سے طلاق دیئے بغیر طلاق نامہ پر دستخط لینے سے عدم وقوع طلاق ۱۹۷
۶۵۷۹ پولیس کے دباؤ سے طلاق نامہ پر دستخط ۱۹۸
۶۵۸۰ طلاق نامہ پر دباؤ ڈال کر دستخط کرانا ۲۰۰
۶۵۸۱ شوہر سے اس کی مرضی کے بغیر طلاق نامہ پر دستخط کرانا ۲۰۱
۶۵۸۲ طلاق نامہ پر زبردستی انگوٹھا لگوانا ۲۰۲
۶۵۸۳ طلاق نامہ پر جبراً دستخط کرانے کے بعد زبانی طلاق کہلوانا ۲۰۳
۶۵۸۴ طلاق نامہ پر دستخط کرنا ۲۰۵
۶۵۸۵ طلاق نامہ پر زبردستی دستخط کرانے کا حکم ۲۰۷
۶۵۸۶ طلاق نامہ پر بغیر پڑھے ہوئے شوہر کا دستخط کرنا ۲۰۸
۶۵۸۷ طلاق نامہ پر بخوشی دستخط کرنا ۲۰۹
۶۵۸۸ تحریری طلاق بائن ۲۱۰
۶۵۸۹ نوٹس کے ذریعہ سے بیوی کو تین طلاق لکھ کر دینا ۲۱۱
۶۵۹۰ طلاق ثلاثہ کی رجسٹری کرنا ۲۱۲
۶۵۹۱ بذریعۂ خط طلاق دینے کے بعد زبانی تین طلاق کا اقرار ۲۱۴
۶۵۹۲ اسٹامپ پر سہ طلاق دے کر آزاد کر دیا لکھ کر بیوی کو دینا ۲۱۶

۶۵۹۳ تحریراً تین طلاق دینا ۲۱۷
۶۵۹۴ بیوی کو تحریری تین طلاق دینا ۲۱۹
۶۵۹۵ تحریری طلاق مغلظہ ۲۲۲
۶۵۹۶ غصہ میں کاغذ پر تین طلاق لکھنے کا حکم ۲۲۳
۶۵۹۷ شوہر کا بیوی کو طلاق کا پرچہ دینا اور بیوی کا نہ لینا ۲۲۵
۶۵۹۸ شوہر سے جبراً طلاق کا املاء کرانا ۲۲۶
۶۵۹۹ طلاق دے کر اور طلاق کے کلمات ادا کر کے زوجیت سے الگ کر دیا لکھوانے کا حکم ۲۲۹

۱۷/ باب الطلاق الثلاث

۶۶۰۰ ایک مجلس کی تین طلاق تین ہی شمار ہوتی ہیں ۲۳۱
۶۶۰۱ ایک مجلس کی تین طلاق تین ہیں یا ایک؟ ۱۳۴
○ جواب من جانب حضرت مفتی صاحب مدرسہ شاہی مراد آباد ۲۳۷
۶۶۰۲ ایک مجلس کی تین طلاق کا حکم ۲۳۹
۶۶۰۳ ایک مجلس کی تین طلاق کا ثبوت حدیث شریف سے ۲۴۱
۶۶۰۴ ایک مجلس کی تین طلاق کا حکم ۲۴۳
۶۶۰۵ چاروں ائمہ کے نزدیک ایک مجلس کی تین طلاق تین ہی ہیں ۲۴۵
۶۶۰۶ ایک مجلس کی تین طلاق تین ہیں ایک نہیں ۲۴۷
۶۶۰۷ ایک مجلس میں تین طلاق دینے کے بعد غیر مقلد کے فتوی پر عمل کرنا ۲۵۱
۶۶۰۸ غیر مقلد کے فتویٰ سے مطلقہ ثلاثہ حلال نہ ہوگی ۲۵۳
۶۶۰۹ حنفی مذہب ہونے کی حالت میں تین طلاق دے کر غیر مقلدیت کو اپنانا ۲۵۵

۶۶۱۰ کیا علماء احناف نے ایک مجلس کی تین طلاق میں غیر مقلدین کے مسلک پر عمل کرنے کی اجازت دی ہے؟ ۲۵۶
۶۶۱۰ ایک مجلس کی تین طلاق کا تحقیقی جائزہ ۲۵۹
○ حضرت حسن بن علیؓ کی روایت اور واقعہ ۲۶۰
○ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف غلط نسبت ۲۶۲
○ بغیر ہمبستری کے حلالہ معتبر نہیں ۲۶۵
○ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فیصلہ ۲۶۸
○ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کا فتویٰ ۲۶۸
○ حدیث رکانہ سے متعلق روایات کا جائزہ ۲۶۹
○ حضرت رکانہؓ کے واقعہ میں حدیث شریف کا صحیح مطلب ۲۷۰
○ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا فتویٰ ۲۷۴
○ متعدد صحابہ عظام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا فتویٰ ۲۷۵
۶۶۱۱ جھوٹ بول کر فتوی لینے سے بیوی حلال نہیں ہوتی ۲۷۸
۶۶۱۲ تین طلاق دینے کا مسنون طریقہ ۲۷۹
۶۶۱۳ ایک ایک کر کے تین طلاق دینا ۲۸۰
۶۶۱۴ یکے بعد دیگرے تین طلاق دینا ۲۸۲
۶۶۱۵ ایک طلاق کے بعد دو طلاق دینا ۲۸۳
۶۶۱۶ طلاق ثلاثہ ۲۸۵
۶۶۱۷ تین طلاق ۲۸۶
۶۶۱۸ تین طلاق کا حکم ۲۸۷

۶۶۱۹ طلاق مغلظہ ۲۹۰

۶۶۲۰ طلاق ثلاثہ سے متعلق ایک سوال اوراس کا جواب ۲۹۲

○ جواب منجانب: مفتی عزیزالرحمٰن صاحب مدرسہ عربیہ امدادیہ ۲۹۳

○ جواب منجانب: درالافتاء جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد ۲۹۴

۶۶۲۱ طلاق ثلاثہ اور میرا کوئی خدا نہیں کہنے کا حکم ۲۹۶

۶۶۲۲ تین مرتبہ طلاق دیدی واقع ہوئیں یا نہیں؟ ۲۹۸

۶۶۲۳ ایک ہی سانس میں تین مرتبہ طلاق دینا ۲۹۹

۶۶۲۴ میں تجھے تین طلاق دیتا ہوں ۳۰۰

۶۶۲۵ تنہائی میں طلاق ثلاثہ دینا ۳۰۱

۶۶۲۶ ڈرانے کی نیت سے طلاق مغلظہ دینا ۳۰۲

۶۶۲۷ شوہر اقرار کرے کہ میں نے تم کو ڈرانے کے لئے تین طلاق دیں ۳۰۳

۶۶۲۸ ڈرانے کے لئے تین طلاق دینے سے وقوع طلاق ۳۰۴

۶۶۲۹ اپنے گھر والوں سے ڈر کر بیوی کو تین طلاق دینا ۳۰۵

۶۶۳۰ محض تین طلاق کا اقرار کرنے سے طلاق کا حکم ۳۰۶

۶۶۳۱ تین طلاق کے اقرار کرنے کا حکم ۳۰۹

۶۶۳۲ شوہر کا تین مرتبہ طلاق کا اقرار کرنا ۳۱۰

۶۶۳۳ تین طلاق کا اقرار کرنے کے بعد ایک کا انکار کرنا ۳۱۱

۶۶۳۴ میں اپنے ہوش وحواس میں اپنی بیوی کو طلاق دیتا ہوں تین مرتبہ کہا ۳۱۲

۶۶۳۵ میں تجھے طلاق دے رہا ہوں کہنے سے طلاق ۳۱۴

۶۶۳۶ ایک طلاق کے بعد شوہر نے کہا ’’میں نے تیسری طلاق دی‘‘ ۳۱۵

۶۶۳۷	ایک اور دو طلاق دی اور ایک دو طلاق کا حکم	۳۱۶
۶۶۳۸	۱/۲/۳/ میں نے طلاق دی........	۳۱۸
۶۶۳۹	میں نے مینا کو ۱/۲/۳/ دی	۳۱۹
۶۶۴۰	ایک دو تین میں تم کو طلاق دے رہا ہوں	۳۲۰
۶۶۴۱	ایک دو تین دیا، جواب سے طلاق کا حکم	۳۲۱
۶۶۴۲	ایک طلاق دو طلاق، دل سے طلاق کہنے سے تین طلاق کا وقوع	۳۲۲
۶۶۴۳	ایک بار دو بار تین بار طلاق دے کر آزاد کرتا ہوں	۳۲۳
۶۶۴۴	طلاق، طلاق، طلاق، کہہ کر زوجیت سے الگ کرنا	۳۲۴
۶۶۴۵	عورت کو چالیس دنوں کے لئے تین طلاق	۳۲۵
۶۶۴۶	تین مواضع میں الگ الگ تین طلاق دینا........	۳۲۶
۶۶۴۷	حالت نشہ میں تین مرتبہ تم کو چھوڑ دیا کہنا	۳۲۷
۶۶۴۸	نشہ کی حالت میں حاملہ بیوی کو تین طلاق دینے کا شرعی حکم........	۳۲۹
۶۶۴۹	جنونی حالت میں کہنا ”میں نے طلاق دی، میں نے طلاق دی، میں نے طلاق دی“	۳۳۱
۶۶۵۰	دماغی توازن کمزور ہونے کی بنا پر تین طلاق دینا........	۳۳۳
۶۶۵۱	جنونی کیفیت میں تین طلاق دینا........	۳۳۴
○	فتویٰ نمبر: الف ۳۷/۸۱۶۶ سے متعلق مفتی عزیز الرحمٰن بجنوری کا جواب	۳۳۵
○	مذکورہ طلاق سے متعلق مستفتی کا اقرار اور بیان	۳۳۵
○	جواب منجانب: دارالافتاء مدرسہ شاہی مرادآباد	۳۳۶
۶۶۵۲	غصہ میں تین طلاق دینا	۳۳۷
۶۶۵۳	غصہ کی حالت میں تین طلاق دینا	۳۳۹

۶۶۵۴ میں نے اور میرے خدا نے طلاق دی، تین مرتبہ کہنے سے طلاق کا حکم ۳۴۱
۶۶۵۵ شدید غصے میں یہ کہنا ’’خدا کو حاضر وناظر کر کے تم کو تین طلاق دیتا ہوں‘‘ ۳۴۲
۶۶۵۶ غصہ میں تیرے اوپر تین کہنے کا حکم ۳۴۳
۶۶۵۷ دھمکانے کے لئے غصہ کی حالت میں تین طلاق دینے کا حکم ۳۴۶
۶۶۵۸ حالت غصہ میں دی گئی تین طلاق کا حکم ۳۴۸
۶۶۵۹ حالت غضب میں بیک وقت تین طلاق دے کر عدول عن المذہب کرنا ۳۵۰
۶۶۶۰ حالت حمل میں تین طلاق کا وقوع ۳۵۲
۶۶۶۱ ایام حیض میں تین مرتبہ طلاق دینا ۳۵۴
۶۶۶۲ حالت حیض میں تین طلاق ۳۵۵
۶۶۶۳ ’’لے لے تو طلاق‘‘ تین مرتبہ کہنا ۳۵۶
۶۶۶۴ شوہر نے تین طلاق دیں اور بیوی نے نہیں سنا تو ۳۵۷
۶۶۶۵ کیا بیوی کے سنے بغیر شوہر کے اقرار سے طلاق واقع ہو جائے گی؟ ۳۵۸
۶۶۶۶ بیوی کی عدم موجودگی میں تین طلاق ۳۵۹
۶۶۶۷ بیوی اور گواہوں کی عدم موجودگی میں تین طلاق ۳۶۰
۶۶۶۸ بیوی کا نام لئے بغیر ’’طلاق، طلاق، طلاق‘‘ کہنا ۳۶۱
۶۶۶۹ بیوی کا نام لے کر تین مرتبہ طلاق دینا ۳۶۳
۶۶۷۰ بیوی کی طرف اشارہ کر کے تین طلاق دینا ۳۶۳
۶۶۷۱ بیوی کی طرف انگلی سے اشارہ کر کے تین طلاق دینا ۳۶۶
۶۶۷۲ شوہر کا تین مرتبہ طلاق دینا اور بیوی کا نہ لینا ۳۶۷
۶۶۷۳ میں نے تجھے طلاق دی، تین مرتبہ کہنا اور بیوی کا ہر مرتبہ انکار کرنا ۳۶۸

۶۶۷۴ بیوی صرف ایک طلاق کا اقرار کرے تو کیا حکم ہے؟ ۳۶۹

۶۶۷۵ فون پر نشہ کی حالت میں تین طلاق دینا ۳۷۰

۶۶۷۶ فون پر تین طلاق دیدیں ۳۷۲

۶۶۷۷ فون پر تین طلاق دینا ۳۷۳

۶۶۷۸ دو طلاق کے بعد پھر فون پر تیسری طلاق ۳۷۵

۶۶۷۹ فون پر تین طلاق دینے کا اقرار کرنا ۳۷۶

۶۶۸۰ شوہر کا میں نے تم کو آزاد کیا تین بار کہنا ۳۷۹

۶۶۸۱ ''آزاد کرتا ہوں'' تین مرتبہ کہنے سے طلاق مغلظہ ۳۸۱

۶۶۸۲ بیوی کے مطالبہ پر شوہر کا تین طلاق دینا ۳۸۲

۶۶۸۳ بیوی کے مطالبہ پر ''جا میں نے تجھے طلاق دی'' تین مرتبہ کہنا ۳۸۳

۶۶۸۴ بیوی کے اصرار پر شوہر کا تین طلاق دینا ۳۸۵

۶۶۸۵ مطالبہ پر طلاق ثلاثہ دینے کی صورت میں عدت، مہر اور جہیز کا حکم ۳۸۶

۶۶۸۶ طلاق کے مسلسل مطالبہ پر شوہر کا ''دی'' کہنا ۳۸۸

۶۶۸۷ ''میں نے تجھے طلاق دی'' تین مرتبہ کہنے سے طلاق ۳۸۹

۶۶۸۸ لفظ ایک دو تین سے طلاق کا حکم ۳۹۰

۶۶۸۹ بیوی کو مخاطب کر کے تین مرتبہ طلاق دینا ۳۹۲

۶۶۹۰ بیوی کو زبانی تین طلاق دینا ۳۹۳

۶۶۹۱ ''میں نے اس کو طلاق دی'' تین مرتبہ کہنا ۳۹۴

۶۶۹۲ جب آپ لوگ کہہ رہے ہیں، تو میں تینوں طلاق دے رہا ہوں کہنے کا حکم ۳۹۵

۶۶۹۳ بھابھی کی موجودگی میں تین طلاق ۳۹۷

۶۶۹۴ دو گواہوں کے روبرو تین طلاق دینا ۳۹۸
۶۶۹۵ دو گواہوں کی موجودگی میں تین طلاق دینا ۴۰۰
۶۶۹۶ شوہر کا گواہوں کے سامنے تین بار تم کو طلاق دی کہنا ۴۰۲
۶۶۹۷ چار آدمیوں کے سامنے تین طلاق دینا ۴۰۴
۶۶۹۸ ۱۰/۱۲/ آدمیوں کے سامنے تین طلاق دینا ۴۰۵
۶۶۹۹ مجمع عام میں تین طلاق دینا ۴۰۶
۶۷۰۰ تین جھگڑوں میں میں نے تمہیں طلاق دیدی کہنے سے طلاق ۴۰۷
۶۷۰۱ جھگڑے کے دوران تین مرتبہ طلاق دینا ۴۰۷
۶۷۰۲ کیا تیری ماں میری ماں ہے، طلاق، طلاق، طلاق ۴۰۸
۶۷۰۳ بلا نیت تین طلاق دینا ۴۰۹
۶۷۰۴ نیت کئے بغیر تین مرتبہ طلاق دینا ۴۱۰
۶۷۰۵ جا میں نے تجھے تین طلاق دیں ۴۱۱
۶۷۰۶ ''تمہیں تین دفعہ طلاق دیدی'' سے طلاق مغلظہ ۴۱۳
۶۷۰۷ ''طلاق دیتا ہوں'' تین مرتبہ کہنے سے طلاق کا حکم ۴۱۴
۶۷۰۸ طلاق ہے طلاق ہے طلاق ہے ۴۱۵
۶۷۰۹ میں تجھے تین بار طلاق طلاق طلاق دیدوں ۴۱۶
۶۷۱۰ طلاق دی، دی، دی، دی، دی، دی سے طلاق ۴۱۷
۶۷۱۱ طلاق دی، طلاق، طلاق، پھر طلاق دی جا طلاق دی ۴۱۸
۶۷۱۲ طلاق دی، طلاق، طلاق سے قضاء تین طلاق ۴۲۰
۶۷۱۳ ''تجھے طلاق، طلاق، طلاق'' سے طلاق مغلظہ ۴۲۱

۶۷۱۴ میں تمہیں طلاق، طلاق، طلاق دیتا ہوں ۴۲۲
۶۷۱۵ شوہر کا ’’طلاق، طلاق، طلاق‘‘ کہنا ۴۲۳
۶۷۱۶ ’’تجھے طلاق دوں گا‘‘ کے بعد ’’دی، دی، دی‘‘ کہنے سے طلاق مغلظہ ۴۲۴
۶۷۱۷ طلاق دی، دی، دی‘‘ کہنے کا حکم ۴۲۵
۶۷۱۸ ’’تجھے طلاق دی، دی، دی‘‘ سے طلاق مغلظہ ۴۲۶
۶۷۱۹ ’’طلاق دی، طلاق دی، طلاق دی‘‘ سے طلاق مغلظہ ۴۲۷
۶۷۲۰ میں نے طلاق دی، میں نے طلاق دی میں نے طلاق، تو اب کیا کہتی ہے ۴۲۸
۶۷۲۱ لو بھائی طلاق، طلاق، طلاق ۴۲۹
۶۷۲۲ ایک طلاق دو طلاق بائن ۴۳۱
۶۷۲۳ دو طلاق کے بعد کہا ’’میں نے تیرا حساب چکتا کر دیا‘‘ ۴۳۲
۶۷۲۴ طلاق، طلاق، طلاق دیتا ہوں اور اپنی زوجیت سے آزاد کرتا ہوں ۴۳۳
۶۷۲۵ دو مرتبہ آزاد اور ایک مرتبہ لفظ طلاق کہنا ۴۳۴
۶۷۲۶ دو مرتبہ ’’میں نے تجھے طلاق دی‘‘ اور تیسری مرتبہ صرف ’’طلاق دی‘‘ کہنا ۴۳۵
۶۷۲۷ ’’طلاق، طلاق، تجھے طلاق‘‘ اگر لکھوانی ہو تو لکھوا بھی لو ۴۳۶
۶۷۲۸ دو طلاق دینا یاد ہے؛ لیکن تیسری کا دھیان نہیں ۴۳۷
۶۷۲۹ تین طلاق دینے کے بعد شوہر کے والدین کا طلاق نہ ماننا ۴۳۹
۶۷۳۰ ساس کی وجہ سے بیوی کو تین طلاق دینا ۴۴۰
۶۷۳۱ طیش میں آ کر ’’اس کو طلاق دی، طلاق دی، طلاق دی‘‘ کہنا ۴۴۱
○ جواب منجانب: دار العلوم دیوبند ۴۴۲
○ جواب منجانب: دار الافتاء مدرسہ شاہی مراد آباد ۴۴۲

۶۷۳۲ تیز بخار کی غفلت میں تین طلاق دینا ۴۴۳

۶۷۳۳ بہری بیوی کو تین طلاق دینا ۴۴۴

۶۷۳۴ کالی کو تین طلاق کہنے سے دو بیویوں میں سے کس پر طلاق واقع ہوگی؟ ۴۴۶

۶۷۳۵ ایک ساتھ دو بیویوں کو طلاق دینے کا حکم ۴۴۷

۶۷۳۶ زبانی طلاق مغلظہ دینے کے بعد تحریری طلاق دینا ۴۴۹

۶۷۳۷ بدکار عورت کو تین طلاق دینا ۴۵۰

۶۷۳۸ بیوی کی بدتمیزی کی وجہ سے شوہر کا تین طلاق دینا ۴۵۱

۶۷۳۹ دباؤ میں آکر تین طلاق دینا ۴۵۳

۶۷۴۰ وکیل کے دباؤ پر تین مرتبہ طلاق دینا ۴۵۴

۶۷۴۱ بیوی طلاق کا دعویٰ کرے اور شوہر خاموش رہے تو کیا حکم ہے؟ ۴۵۵

۶۷۴۲ غیر ارادی طور پر تین طلاق منھ سے نکلنے پر وقوع طلاق ۴۵۷

۶۷۴۳ تین طلاق کے بہانے سے سالے کو گھر پر بلانا ۴۵۸

۶۷۴۴ غیر مدخول بہا کو ”تین طلاق دی یا دیتا ہوں“ کہنے کا حکم ۴۶۰

۶۷۴۵ قبل الخلوت تین طلاق دینے کے احکام ۴۶۱

۶۷۴۶ غیر مدخول بہا کو تین طلاق کے بعد بلا حلالہ نکاح کا عدم جواز ۴۶۳

۶۷۴۷ غیر کفو میں نکاح کے بعد تین طلاق دی، بلا حلالہ دوبارہ نکاح کا عدم جواز.... ۴۶۴

۶۷۴۸ بیوی تین کا دعویٰ کرتی ہے، شوہر انکار کرتا ہے ۴۷۰

۶۷۴۹ لفظ طلاق کئی مرتبہ بول کر تاکید مراد لینا ۴۷۱

۶۷۵۰ تین طلاق دے کر یہ کہنا کہ ہمیں تم سے محبت ہے ہزار مرتبہ طلاق دوں
تب بھی واقع نہ ہوگی ۴۷۲

۶۷۵۱ تین چار سال میں کئی مرتبہ طلاق دینا ۴۷۳
۶۷۵۲ فون پر کئی مرتبہ طلاق دینے کا حکم ۴۷۵
۶۷۵۳ بار بار ’’طلاق دی‘‘ کہنا ۴۷۶
۶۷۵۴ شوہر کا بیوی کو متعدد بار طلاق دینا ۴۷۷
۶۷۵۵ ہوش وحواس میں تین مرتبہ سے زائد طلاق دینا ۴۷۹
۶۷۵۶ تین سے زائد مرتبہ طلاق دینا ۴۸۰
۶۷۵۷ تین مرتبہ سے زائد چھوڑ دیا کہنا ۴۸۱
۶۷۵۸ ’’میں نے تجھے طلاق دی‘‘ چار مرتبہ کہنا ۴۸۳
۶۷۵۹ یکبارگی تین چار بار طلاق دینا ۴۸۴
۶۷۶۰ ’’میں نے تجھے چھوڑ دی‘‘ تین چار بار کہنے سے طلاق مغلظہ ۴۸۵
۶۷۶۱ طلاق، طلاق، طلاق سے طلاق کا حکم ۴۸۶
۶۷۶۲ دو طلاق دینے کے بعد پھر ۲/ ماہ بعد دو طلاق دینا ۴۸۸
۶۷۶۳ دو مرتبہ دو، دو کر کے چار طلاق دینا ۴۸۹
۶۷۶۴ چار طلاق کی شرعی حیثیت ۴۹۲
۶۷۶۵ چار بار طلاق دے کر آپس میں معافی مانگنا ۴۹۳
۶۷۶۶ بیوی کے مطالبہ پر چار مرتبہ طلاق دینا ۴۹۴
۶۷۶۷ چار مرتبہ طلاق دینا ۴۹۵
۶۷۶۸ بیوی کو مخاطب کر کے چار مرتبہ طلاق دینا ۴۹۷
۶۷۶۹ جھگڑے کی حالت میں چار مرتبہ طلاق دینا ۴۹۸
۶۷۷۰ دو طلاق دینے کے بعد بہن کے کہنے پر دو اور دینا ۴۹۹

۶۷۷۱ میں نے ان کو طلاق دیدی ۴/۵/ مرتبہ کہنے سے طلاق کا حکم ۵۰۰
۶۷۷۲ ''میں نے تجھے طلاق دی'' چار مرتبہ کہنے سے طلاق ۵۰۲
۶۷۷۳ چار پانچ بار طلاق دی؛ لیکن لڑکی نے نہیں سنا ۵۰۴
۶۷۷۴ پانچ چھ مرتبہ طلاق ۵۰۵
۶۷۷۵ ''میں نے تمہاری بیٹی کو طلاق دی'' چھ مرتبہ کہنا ۵۰۶
۶۷۷۶ دو مرتبہ تین تین دفعہ طلاق دینے کا حکم ۵۰۷
۶۷۷۷ جھگڑے کے دوران سات مرتبہ طلاق دینا ۵۰۹
۶۷۷۸ سات مرتبہ طلاق دینا ۵۱۰
۶۷۷۹ آٹھ طلاق دینا ۵۱۱
۶۷۸۰ آٹھ نو مرتبہ طلاق کے بعد کہنا طلاق نہیں ہوئی ۵۱۲
۶۷۸۱ نشہ کی حالت میں آٹھ نو بار طلاق دینا ۵۱۳
۶۷۸۲ تم کو تین طلاق ہی نہیں بلکہ نو طلاق کہنے کا حکم ۵۱۴
۶۷۸۳ جا تجھے طلاق، طلاق دس مرتبہ کہنا ۵۱۵
۶۷۸۴ تجھے طلاق دیتا ہوں، طلاق، طلاق...... دس مرتبہ کہنا ۵۱۶
۶۷۸۵ یکبارگی دسیوں بار طلاق دینا ۵۱۸
۶۷۸۶ جنون کے عالم میں دس گیارہ مرتبہ طلاق دینا ۵۱۹
۶۷۸۷ لاتعداد طلاق، طلاق، طلاق، کہنا ۵۲۰
۶۷۸۸ سینکڑوں بار لفظ طلاق کہنا ۵۲۱
۶۷۸۹ شوہر پر مطلقہ ثلاثہ کا مہر، جہیز اور بچی کا خرچہ لازم ہے ۵۲۲
۶۷۹۰ طلاق مغلظہ کی صورت میں مہر اور بچوں کا حکم ۵۲۳

۶۷۹۱ طلاق کے بعد سامان جہیز، مہر اور زیورات کے تبادلہ کا حکم ۵۲۶
۶۷۹۲ کیا مطلقہ ثلاثہ شوہر کے گھر میں رہ سکتی ہے؟ ۵۲۷
۶۷۹۳ ''جا تجھ کو تین طلاق'' ۵۲۹

مطلقہ خواتین کے مسائل کا تحقیقی جائزہ

- طلاق اپنی اصل کے اعتبار سے مباح ہے یا ممنوع؟ ۵۳۱
- طلاق دینے کا حق مرد کو کیوں؟ ۵۳۴
- کن حالات میں عورت کو طلاق دی جائے؟ ۵۳۶
- طلاق دینا کب واجب ہوتا ہے؟ ۵۳۷
- طلاق دینا کب مستحب اور مستحسن ہوتا ہے؟ ۵۳۸
- طلاق دینا کب مباح ہوتا ہے؟ ۵۳۹
- طلاق دینا کب مکروہ یا حرام ہوتا ہے؟ ۵۴۰
- شوہر پر تعزیر مالی ۵۴۱
- دین مہر کی ادائیگی میں توازن ۵۴۵
- بیوی کو کب مارا جا سکتا ہے؟ ۵۴۸
- بیوی کی طرف سے طلاق کا مطالبہ ۵۴۹
- اجرت رضاعت ۵۵۰
- زمانۂ عدت کا نان ونفقہ ۵۵۱
- متاع یا متعہ کا حکم ۵۵۲
- متعہ کی مستحق کونسی مطلقہ؟ ۵۵۴

طلاق غضبان اور طلاق بدعی کا تحقیقی جائزہ

○ مسئلہ نمبر:۱، طلاق غضبان ۵۶۰
○ طلاق مدہوش ۵۶۳
○ طلاق غضبان سے متعلق حدیث شریف ۵۶۵
○ مسئلہ ۲ طلاق بدعی ۵۶۸
○ (۱) طلاق بدعی بالعدد ۵۶۹
○ (۲) طلاق بدعی بالزمان ۵۷۰

۱۸/ باب الشهادة في الطلاق

۲۷۹۴ کیا وقوع طلاق کے لئے گواہوں کا ہونا ضروری ہے؟ ۵۷۵
۲۷۹۵ کیا طلاق میں دو عادل کی گواہی معتبر ہے؟ ۵۷۶
۲۷۹۶ شاہدین طلاق کے قائل اور زوجین منکر ۵۷۷
۲۷۹۷ گواہ غیر عادل اور زوجین طلاق کے منکر ۵۷۸
۲۷۹۸ ایک گواہ طلاق کا مدعی جبکہ شوہر اور دیگر گواہان منکر ۵۷۹
۲۷۹۹ شرعی شہادت مفقود ہونے کی صورت میں تعدادِ طلاق کا فیصلہ کیسے کریں؟ ۵۸۰
۲۸۰۰ طلاق کے باب میں ایک گواہ کی گواہی معتبر نہیں ۵۸۲
۲۸۰۱ پنچایت کا ایک آدمی کی گواہی پر طلاق مغلظہ کا فیصلہ کرنے کا حکم ۵۸۳
۲۸۰۲ جھوٹی گواہی سے طلاق کو ثابت کرنا ۵۸۴
۲۸۰۳ بیوی کو تین طلاق کا یقین ہو تو کیا حکم ہے؟ ۵۸۶
۲۸۰۴ بیوی تین طلاق کا دعوی کرے اور شوہر انکار ۵۸۸
۲۸۰۵ شوہر تین طلاق کا منکر ہو اور بیوی اور دیگر لوگ مدعی ۵۹۰
۲۸۰۶ شوہر کو طلاق یاد نہ ہو تو بیوی کا قول معتبر ہوگا یا ماں کا؟ ۵۹۱

۶۸۰۷ بلا گواہ خلوت کی طلاق کا حکم ۵۹۳
۶۸۰۸ بیوی اور گواہوں کی عدم موجودگی میں دی گئی طلاق کا حکم ۵۹۴
۶۸۰۹ یاد نہیں کہ ۲/طلاق دی یا ۳/طلاق ۵۹۵
۶۸۱۰ بیوی طلاق کی مدعیہ اور شوہر منکر ۵۹۶
۶۸۱۱ بیوی طلاق کی مدعیہ اور شوہر منکر تو کیا حکم ہے؟ ۵۹۷
۶۸۱۲ طلاق کے سلسلہ میں زوجین کا اختلاف ۵۹۸
۶۸۱۳ بیوی طلاق کی مدعیہ اور شوہر منکر ۵۹۹
۶۸۱۴ عورت طلاق کی مدعیہ ہے اور شوہر منکر تو طلاق ہوئی یا نہیں؟ ۶۰۰
۶۸۱۵ بیوی طلاق کا دعویٰ کرتی ہے اور شوہر اس کا منکر ہے ۶۰۱
۶۸۱۶ بیوی طلاق کی مدعیہ اور شوہر طلاق کا منکر ۶۰۲
۶۸۱۷ طلاق میں شوہر کی بات معتبر ہوگی یا بیوی کی؟ ۶۰۴
۶۸۱۸ فقہی ضابطہ ''المرأۃ کالقاضی'' کا مطلب ۶۰۶
۶۸۱۹ بیوی نے طلاق کو سنا اور شوہر منکر ہے ۶۰۷
۶۸۲۰ بیوی کا طلاق کو سننا اور شوہر کا انکار کرنا ۶۰۹
۶۸۲۱ بیوی نے تین طلاق کو سنا اور شوہر منکر ۶۱۰
۶۸۲۲ بیوی تین طلاق کی مدعی ہے اور شوہر منکر ۶۱۲
۶۸۲۳ شوہر طلاق ثلاثہ کا منکر اور بیوی مدعیہ ۶۱۳
۶۸۲۴ تعداد طلاق کے بارے میں مدعیہ کا بیان شرعی گواہان ہونے کی صورت میں معتبر ہے ۶۱۴
۶۸۲۵ شوہر تین طلاق کا منکر اور بیوی مدعیہ ۶۲۰
۶۸۲۶ طلاق کے بارے میں زوجین میں سے کس کے قول کا اعتبار ہے؟ ۶۲۱
۶۸۲۷ مطلق اور گواہ کے مابین صیغۂ طلاق میں اختلاف ہو تو کس کا قول معتبر ہے؟ ۶۲۳

۶۸۲۸ شوہر دوطلاق کا اقرار کرے بیوی چار کا ۶۲۴
۶۸۲۹ دومرتبہ طلاق کے بعد مزید۲؍طلاق میں شوہر وبیوی کا اختلاف ۶۲۷
۶۸۳۰ تعداد طلاق میں زوجین کا اختلاف ہوتو کس کا قول معتبر ہے؟.......... ۶۲۹
۶۸۳۱ تعداد طلاق میں کس کا قول معتبر ہے زوج یا زوجہ کا؟ ۶۳۰
○ جواب منجانب: دارالافتاء مدرسہ شاہی مرادآباد ۶۳۱
۶۸۳۲ بلا گواہ عورت تین طلاق سننے کی مدعیہ اور شوہر منکر ۶۳۲
۶۸۳۳ تین طلاق پر بیوی کے پاس کوئی گواہ نہیں ۶۳۳
۶۸۳۴ شوہر طلاق کا منکر ہو اور بیوی اقرار کرے تو کیا حکم ہے؟.............. ۶۳۴
۶۸۳۵ تعداد طلاق میں زوجین کا اختلاف ۶۳۶
۶۸۳۶ زوجین کے مابین طلاق کے سلسلہ میں اختلاف ہوجائے تو کیا حکم ہے؟ ۶۳۸
۶۸۳۷ زوجین کے قول میں اختلاف ہوتو کیا حکم ہے؟ ۶۳۹
۶۸۳۸ عدد طلاق کے بارے میں زوجین کا اختلاف ۶۴۱
۶۸۳۹ شوہر کا چار گواہوں کے سامنے طلاق کا اقرار کر کے مکر جانا ۶۴۶
۶۸۴۰ شوہر طلاق کا مقر اور گواہ منکر ہوتو کیا حکم ہے؟ ۶۴۷
۶۸۴۱ عورت کے پاس شرعی گواہ موجود ہوں تو شوہر کے قول کا اعتبار نہیں ۶۴۸
۶۸۴۲ طلاق کی تعداد یاد نہیں ۶۵۰

۱۹؍ باب الحلالة

۶۸۴۳ حلالہ کی تفصیل اوراس کی شرائط ۶۵۲
۶۸۴۴ حلالہ کے لئے اسلام شرط ہے ۶۵۴
۶۸۴۵ دوبارہ مطلقہ سے نکاح کرنے کی ایسی شکل جس میں محلل اور محلل لہ

مستحق لعنت نہ ہوں ۶۵۵
۶۸۴۶ اس نیت سے حلالہ کرنا کہ جماع کے بعد طلاق دیدے گا ۶۵۶
۶۸۴۷ شوہر ثانی سے حلالہ میں زبردستی طلاق دلوانا ۶۵۷
۶۸۴۸ حلالہ میں مہر کا لزوم اور طلاق دینے کی شرط پر حلالہ ۶۵۹
۶۸۴۹ حلالہ کی شرط پر نکاح کرنے کا حکم ۶۶۰
۶۸۵۰ حلالہ کی نیت سے کئے گئے نکاح اور حلالہ کا حکم ۶۶۳
۶۸۵۱ طلاق کی شرط کے ساتھ حلالہ کرانا ۶۶۵
۶۸۵۲ مطلقہ مغلظہ کا شوہر ثانی سے خلوۃ کے بعد شوہر اول سے نکاح کرنا ۶۶۶
۶۸۵۳ حلالۂ شرعی کی صحیح صورت ۶۶۸
۶۸۵۴ شرعی حلالہ کا طریقہ ۶۷۰
۶۸۵۵ حلالۂ شرعی کی صورت ۶۷۲
۶۸۵۶ ہمبستری کے بغیر حلالہ نامکمل ہے ۶۷۳
۶۸۵۷ حلالہ میں ہمبستری شرط ہے ۶۷۵
۶۸۵۸ حلالہ کی صحت کے لئے ہمبستری شرط ہے ۶۷۷
۶۸۵۹ حلالہ درست ہونے کے لئے دخول لازم ہے ۶۷۸
۶۸۶۰ حلالہ میں صحبت شرط ہے ۶۷۹
۶۸۶۱ حلالہ کی ایک صورت ۶۸۱
۶۸۶۲ مطلقہ مغلظہ سے دوبارہ نکاح کرنا ۶۸۳
۶۸۶۳ مطلقہ ثلاثہ سے بغیر حلالہ کے دوبارہ نکاح کرنا ۶۸۴
۶۸۶۴ طلاق ثلاثہ کے بعد بلا حلالہ نکاح جائز نہیں ۶۸۵
۶۸۶۵ بغیر حلالہ کے نکاح کرنا ۶۸۶

۶۸۶۶ مطلقہ مغلظہ سے بلا حلالہ نکاح درست نہیں ۶۸۷
۶۸۶۷ مطلقہ مغلظہ سے بلا حلالہ نکاح کرنا ۶۸۸
۶۸۶۸ مطلقہ مغلظہ سے بلا حلالہ نکاح کا حکم ۶۸۹
۶۸۶۹ تین طلاق کے بعد کفارہ دینے سے بیوی حلال نہیں ہوتی ۶۹۰
۶۸۷۰ بیوی کو تین طلاق دینے کے بعد بھی اس کے ساتھ زندگی گذارنا ۶۹۳
۶۸۷۱ بیوی کو تین طلاق دے کر اس سے رجوع کرنا ۶۹۵
۶۸۷۲ مطلقہ مغلظہ کا بلا حلالہ نکاح کرانا ۶۹۶
۶۸۷۳ مطلقہ ثلاثہ سابق شوہر کے حق میں اجنبیہ ہے ۶۹۷
۶۸۷۴ فالج کی بیمار مطلقہ کو اپنے پاس اس مقصد سے رکھنا کہ اب اس سے کون نکاح کرے گا ۶۹۸
۶۸۷۵ طلاق مغلظہ کے بعد دونوں کا ایک ساتھ رہنا ۷۰۰
۶۸۷۶ مطلقہ ثلاثہ کا شوہر کے ساتھ رہنا حرام ہے ۷۰۱
۶۸۷۷ تین طلاق کے بعد شوہر کے ساتھ رہنا ۷۰۲
۶۸۷۸ طلاق ثلاثہ کے بعد بھی شوہر کے ساتھ رہنا ۷۰۳
۶۸۷۹ مطلقہ مغلظہ سے ۹/سال تک منکوحہ جیسا تعلق رکھنا ۷۰۵
۶۸۸۰ کورٹ کے فیصلہ پر مطلقہ مغلظہ کو ساتھ رکھنا ۷۰۶
۶۸۸۱ طلاق مغلظہ کے بعد بیوی کو دوبارہ رکھنا ۷۰۸
۶۸۸۲ مطلقہ ثلاثہ کو بغیر حلالہ رکھ لیا دو بچے بھی ہو گئے کیا حکم ہے؟ ۷۰۹
۶۸۸۳ حلالہ شرعی کے بغیر مطلقہ ثلاثہ شوہر اول کے لئے حلال نہیں ۷۱۱
۶۸۸۴ مطلقہ مغلظہ بغیر حلالہ کے حلال نہ ہوگی ۷۱۲
۶۸۸۵ مطلقہ ثلاثہ کو ساتھ رکھنے کی شکل ۷۱۳

۶۸۸۶ تین طلاق کے بعد ایک ساتھ رہنے کی شکل ۷۱۵
۶۸۸۷ طلاق کے بعد دوبارہ ساتھ رہنے کی شکل ۷۱۶
۶۸۸۸ طلاق مغلظہ کے بعد ایک ساتھ رہنے کی صورت ۷۱۷
۶۸۸۹ مطلقہ ثلاثہ کو دوبارہ رکھنے کی صورت ۷۱۹
۶۸۹۰ مطلقہ مغلظہ کو دوبارہ اپنے نکاح میں لانے کا طریقہ ۷۲۰
۶۸۹۱ مطلقہ مغلظہ کو دوبارہ اپنی زوجیت میں رکھنے کی صورت ۷۲۲
۶۸۹۲ تین طلاق کے بعد بیوی شوہر کے لئے کب حلال ہوگی؟ ۷۲۳
۶۸۹۳ تین طلاق کے بعد رجوع کی خواہش کرنا ۷۲۴
۶۸۹۴ تین طلاق حلالہ اور جہیز کا حکم ۷۲۵
۶۸۹۵ بلا حلالہ مطلقہ ثلاثہ کو رکھنے کا حکم ۷۲۷
۶۸۹۶ طلاق کے بعد بیوی کو پاس رکھنے کی شکل ۷۲۹
۶۸۹۷ چھ مرتبہ طلاق دینے کے بعد ایک ساتھ رہنے کی شکل ۷۳۰
۶۸۹۸ مطلقہ مغلظہ سے حلالہ کے بعد نکاح کرنے کا حکم ۷۳۱
۶۸۹۹ شوہر اول کا مطلقہ مغلظہ سے حلالہ کے بعد نکاح کرنا ۷۳۲
۶۹۰۰ حلالہ کے بعد مطلقہ ثلاثہ سے پہلا شوہر نکاح کرسکتا ہے ۷۳۴
۶۹۰۱ حلالہ کے بعد شوہر اول سے نکاح کرے یا شوہر ثانی سے ۷۳۵
۶۹۰۲ حلالہ، مہر فاطمی اور حضانت سے متعلق سوال ۷۳۶

فہرست عناوین

صفحہ	۱۵ بقیة كتاب الطلاق	مسئلہ نمبر
۳۱	(۲۰) باب تعليق الطلاق	
۳۱	یمین فور کا حکم	۶۹۰۳
۳۲	یمین فور میں بعد میں اجازت لے کر گھر سے نکلے تو کیا حکم ہے؟ ...	۶۹۰۴
۳۳	ان شاء اللہ کہہ کر تین طلاق دینا	۶۹۰۵
۳۴	تعلیق طلاق کے فوراً بعد ان شاء اللہ کہنا	۶۹۰۶
۳۵	طلاق کی تعلیق سے رجوع کا عدم جواز	۶۹۰۷
۳۶	کیا شرط کو واپس لیا جا سکتا ہے؟	۶۹۰۸
۳۷	کیا تعلیق واپس لی جا سکتی ہے؟	۶۹۰۹
۳۸	تعلیق ختم کرنے کا حیلہ	۶۹۱۰
۴۰	تعلیق واپس لینے کا حکم	۶۹۱۱
۴۱	تعلیق بالشرط سے بچنے کی ایک صورت	۶۹۱۲
۴۲	اجازت سے تعلیق ختم نہیں ہوتی	۶۹۱۳
۴۳	معلق شدہ تین طلاق سے بچنے کا حیلہ	۶۹۱۴
۴۴	تعلیق طلاق کو ختم کرنے کا حیلہ	۶۹۱۵
۴۵	تین شرطوں پر طلاق کو معلق کرنا	۶۹۱۶
۴۸	مغلظہ کی تعلیق کو ختم کرنے کی ترکیب	۶۹۱۷
۵۰	طلاقِ ثلاثہ کی تعلیق سے بچنے کا حیلہ	۶۹۱۸
۵۱	طلاقِ ثلاثہ معلقہ سے بچنے کا حیلہ	۶۹۱۹

۶۹۲۰	تین طلاق کو کسی شرط پر معلق کر دیا تو اس سے چھٹکارے کی صورت .	۵۲
۶۹۲۱	تعلیق ثلاث سے بچنے کا حیلہ	۵۳
۶۹۲۲	عورت کو تعلیق کا علم نہ ہو تو کیا حکم ہے؟	۵۵
۶۹۲۳	الفاظ کنائی کو شرط پر معلق کرنا	۵۷
۶۹۲۴	اگر تو اس وقت میرے پاس نہیں آئی تو میری طرف سے طلاق طلاق	۶۰
۶۹۲۵	آج کے بعد میرا کہنا نہ مانا تو طلاق	۶۱
۶۹۲۶	اگر تم میری ماں کی خدمت نہیں کرو گی تو تم میری بیوی نہیں	۶۲
۶۹۲۷	اگر تم نے میری والدہ کی خدمت نہیں کی تو تم میری بیوی نہیں	۶۳
۶۹۲۸	گھر سے قدم نکالتے ہی طلاق واقع ہو جائے گی، کئی مرتبہ کہنا	۶۴
۶۹۲۹	میرے گھر سے نہیں نکلی تو طلاق پڑ جائے گی	۶۶
۶۹۳۰	میری اجازت کے بغیر اپنی ماں کے گھر پیٹھ میں گئی تو ایک دو تین ...	۶۷
۶۹۳۱	آج کے بعد مجھ سے اجازت لے کر گئی تو میرے نکاح سے خارج ہو جائے گی	۷۰
۶۹۳۲	تیرے گھر کچھ کھایا پیا تو تجھے تین طلاق	۷۱
۶۹۳۳	تیرے گھر کا کھانا کھایا تو تجھے تین طلاق........................	۷۲
۶۹۳۴	طلاق کو بیوی کے گھر جانے پر معلق کرنا........................	۷۳
۶۹۳۵	اگر تو اپنے والد کے گھر جا کر کھانا کھائے تو تجھے طلاق ہے	۷۵
۶۹۳۶	اگر تو سوتیلی ماں سے بولے گی تو تینوں طلاق	۷۵
۶۹۳۷	باپ کے گھر میں رہائش پر طلاق کو معلق کرنا	۷۷
۶۹۳۸	شوہر نے کہا: اگر تو میکے گئی تو طلاق ہو جائے گی	۷۸
۶۹۳۹	بلا اجازت میکے جانے پر طلاق کو معلق کرنا	۷۹
۶۹۴۰	اگر ماں باپ کے گھر گئی تو تین طلاق	۸۰
۶۹۴۱	باپ کے گھر نہ جا کر صرف بستی سے گذرنے کا حکم	۸۱

۶۹۴۲ میری اجازت کے بغیر میکہ گئی تو طلاق ۸۳
۶۹۴۳ اگر تو میری اجازت کے بغیر میکہ گئی تو تین طلاق ۸۴
۶۹۴۴ تم اپنے میکہ گئیں تو تمہیں طلاق ۸۵
۶۹۴۵ تو اپنے میکہ جائے گی تو تجھے صاف طلاق ۸۶
۶۹۴۶ اگر میکہ گئی تو تجھے طلاق ۸۷
۶۹۴۷ تین طلاق کو میکہ جانے پر معلق کر دیا ۸۸
۶۹۴۸ الگ الگ تین مرتبہ میکہ جانے پر طلاق کو معلق کرنا ۸۹
۶۹۴۹ تم اپنے والدین کے گھر جاؤ گی تو نکاح سے باہر ہو جاؤ گی ۹۰
۶۹۵۰ طلاق کو بہن کے گھر جانے پر معلق کرنا ۹۱
۶۹۵۱ بھائی کے گھر پر جائے گی تو تین طلاق ۹۲
۶۹۵۲ شوہر نے کہا: کہ اگر تو امروہہ گئی تو تین طلاق، پھر کہا: ماجد وذا کر کے گھر گئی تو تین طلاق ۹۳
۶۹۵۳ اس گھر کی چھت پر چڑھا تو بیوی کو طلاق ۹۴
۶۹۵۴ اب چلی جا یا صبح کو چلی جا، فار غطی اب لے جا یا صبح کو لے جا کہنے کا حکم .. ۹۶
۶۹۵۵ اگر تم کبھی بھی قاسم کے گھر جاؤ گی تو تم کو تین طلاق ۹۷
۶۹۵۶ اگر بہنوئی سے بولے گی تو طلاق، طلاق، طلاق ۹۷
۶۹۵۷ بہنوئی سے بات کی تو تجھے طلاق ۹۸
۶۹۵۸ طلاق کو بیوی کی ناجائز حرکت پر معلق کرنا ۹۹
۶۹۵۹ اگر تم نے فعل بد کیا ہے تو تم کو طلاق ۱۰۰
۶۹۶۰ اگر تو میرے بعد کسی سے صحبت کرے تو تجھے طلاق ۱۰۱
۶۹۶۱ امردوں کے ساتھ لواطت کرنے پر طلاق کو معلق کر کے بیوی کے ساتھ لواطت کرنا ۱۰۲
۶۹۶۲ اگر تو فلاں شہر گئی تو تجھے تین طلاق ۱۰۴

۶۹۶۳	تیسری طلاق کوکسی کے ساتھ بات کرنے پر معلق کرنا	۱۰۵
۶۹۶۴	تجھے میرے گھر نہیں رہنا ہے، ایک دو تین	۱۰۶
۶۹۶۵	اللہ کی قسم میں تجھ سے زندگی بھر صحبت نہیں کروں گا	۱۰۸
۶۹۶۶	طلاق کوسامان چھڑانے پر معلق کرنا	۱۰۹
۶۹۶۷	اگر ماموں کی لڑکی سے نکاح کروں تو اس پر تین طلاق	۱۱۰
۶۹۶۸	اگر کیس ہٹاؤ گی تو طلاق	۱۱۲
۶۹۶۹	مقدمات واپس لینے کی شرط پر طلاق	۱۱۴
۶۹۷۰	دومرتبہ طلاق کے بعد کہنا کہ تیسری چالیس روز کے بعد خود بخود ہوجائیگی .	۱۱۵
۶۹۷۱	طلاق کوآنگن، برآمدہ اور بیوی کے گھر میں دخول پر معلق کرنا	۱۱۷
۶۹۷۲	تیری بہن کی شادی فلاں شخص سے ہوئی تو تجھے طلاق............	۱۱۸
۶۹۷۳	بیوی کے پان کھانے پر طلاق کومعلق کرنا	۱۱۹
۶۹۷۴	سسر کے دروازے پر جانے کی تعلیق کے بعد مرنے کے بعد جانے کا حکم	۱۲۰
۶۹۷۵	زنا یا شہوت کی نظر سے دیکھنے پر طلاق کی قسم دلانا	۱۲۱
۶۹۷۶	اگر تو فلاں گاؤں میں جائے گی تو طلاق	۱۲۳
۶۹۷۷	عیب پر طلاق کومعلق کرنا	۱۲۴
۶۹۷۸	بیوی کے بھائی نے میری بہن سے شادی کی تو بیوی کوطلاق	۱۲۵
۶۹۷۹	فلم دیکھوں تو بیوی کوطلاق کہنے کا حکم	۱۲۶
۶۹۸۰	شوہر کے طے شدہ شرائط کو پورا کرنے پر عدم وقوع طلاق	۱۲۷
۶۹۸۱	شرائط مذکورہ کے خلاف کوئی کام کروں تو میری بیوی میری زوجیت سے خارج ہوجائے	۱۲۹
۶۹۸۲	تجھ سے نکاح کی صورت نکلنے کے بعد نہ کروں تو ہونے والی بیوی کوطلاق	۱۳۱
۶۹۸۳	شائستہ کے ہاتھ سے تیار کرائی ہوئی کوئی چیز میرے بچے کواستعمال کرائی تو تجھے تین طلاق	۱۳۴

۶۹۸۴	اگر میں اب تیرے گھر میں جاؤں تو میری بیوی پر تین طلاق	۱۳۵
۶۹۸۵	اگر تو اس گاؤں میں قدم رکھے گی تو طلاق	۱۳۷
۶۹۸۶	تمہاری لڑکی ایک گھنٹہ کے اندر گھر نہ آئی تو آزاد ہے	۱۳۸
۶۹۸۷	اگر گلشن عصر تک نہیں پہنچی تو اس کو تینوں طلاق	۱۳۹
۶۹۸۸	۶ر بجے سے قبل گھر نہ آئی تو طلاق	۱۴۲
۶۹۸۹	اگر شام چھ بجے تک گھر نہ آئی تو میری طرف سے طلاق	۱۴۳
۶۹۹۰	۱۰ر اپریل کی شام تک نہ پہنچنے پر تین طلاق	۱۴۴
۶۹۹۱	شوہر نے کہا: کہ نماز کے لیے اب کہے گی تو طلاق واقع ہو جائے گی ...	۱۴۶
۶۹۹۲	ترک صلاۃ پر طلاق کو معلق کرنا	۱۴۷
۶۹۹۳	تاش کھیلنے پر طلاق کو معلق کرنا	۱۴۸
۶۹۹۴	اگر میں تجھ سے کبھی بھی بولوں تو تجھ کو طلاق	۱۴۹
۶۹۹۵	اگر آج سے تم نے ان کی کوئی چیز لی تو تم کو تین طلاق	۱۵۰
۶۹۹۶	تو حاجی مختار کے یہاں جائے گی تو تجھ کو طلاق، طلاق، طلاق	۱۵۲
۶۹۹۷	اگر تو نے میری بیوی کو میری حویلی میں پہنچا دیا تو اس پر تین طلاق ..	۱۵۳
۶۹۹۸	لفظ ’’کلّما‘‘ کی مثال سمجھانے سے نکاح پر کوئی اثر نہیں	۱۵۶
۶۹۹۹	کلما کی قسم کا مسئلہ بتانے والے پر کوئی اثر نہیں پڑتا	۱۵۷
۷۰۰۰	کلما کی قسم کی تعلیم دینے سے طلاق کا حکم	۱۵۷
۷۰۰۱	کلما کی قسم کھانے کے بعد نکاح	۱۵۸
۷۰۰۲	کلما کی قسم اور اس کا حل	۱۵۹
۷۰۰۳	کلما کی قسم سے چھٹکارے کا حیلہ	۱۶۱
۷۰۰۴	کلما کی طلاق کی شکل اور اس سے بچنے کا حیلہ	۱۶۲
۷۰۰۵	کلما کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ پرانی بیوی کو نہیں لاؤں گا	۱۶۳
۷۰۰۶	گھر گئی تو کلما کی طلاق	۱۶۵

۷۰۰۷	لفظ کل اور کلما کی طلاق میں فرق	۱۶۶
۷۰۰۸	جب جب فلاں کام کرے گی تو تجھے طلاق	۱۶۸
۷۰۰۹	میں فلاں کام کروں تو جب بھی میں نکاح کروں میری بیوی کو طلاق ہو ...	۱۶۹
۷۰۱۰	اگر میں تم سے ہمیشہ دوستی نہ رکھوں تو جب جب بھی میں شادی کروں میری بیوی کو طلاق	۱۷۰
۷۰۱۱	جب جب میں نکاح کروں تو ہر بار تین طلاق	۱۷۲
۷۰۱۲	”جب میں نکاح کروں میری بیوی کو طلاق ہو“ کہنے کے بعد نکاح ...	۱۷۳
۷۰۱۳	اگر میرا روپیہ چوری نہ ہوا تو میں جب جب شادی کروں میری بیوی پر تین طلاق	۱۷۴
۷۰۱۴	جب جب میں فریدہ سے شادی کروں گا تو اسے طلاق ہے	۱۷۶
۷۰۱۵	اگر فلاں کام اس طرح ہو تو جب بھی میں نکاح کروں گا تو میری بیوی کو طلاق	۱۷۷
۷۰۱۶	نکاح پر طلاق کو معلق کرنا	۱۷۸

(۲۱) باب تفویض الطلاق ۱۸۱

۷۰۱۷	بغیر نیت کے بیوی کو طلاق کا اختیار دیا اور بیوی نے تین طلاق واقع کردی .	۱۸۱
۷۰۱۸	شوہر نے بیوی کو طلاق کا اختیار دیا تو اس نے تین واقع کردیں	۱۸۲
۷۰۱۹	شوہر کا نسبتی بھائی کو اختیارات دینا	۱۸۳
۷۰۲۰	رجسٹر نکاح میں لکھی ہوئی شرائط کا حکم	۱۸۴
۷۰۲۱	”اپنے نکاح کو کینسل کردے“ کا حکم	۱۸۵
۷۰۲۲	مجھے طلاق دو تو جاؤں گی کے جواب میں شوہر کا ”جا طلاق ہی سمجھ لے“ کہنے کا حکم	۱۸۷
۷۰۲۳	بیوی کے مطالبۂ طلاق پر ”دو مرتبہ میں نے طلاق دی“ کہنے کا حکم ..	۱۸۸
۷۰۲۴	تعلیق ختم کرنے کا فیصلہ	۱۸۹

	(۲۲) باب الفسخ و التفریق	۱۹۱

۷۰۲۵ دار القضاء میں کون سے مسئلے حل کیے جائیں؟ ۱۹۱
۷۰۲۶ محکمہ شرعیہ کا فیصلہ غلط ثابت ہونے پر کیا کریں؟ ۱۹۴
۷۰۲۷ فسخ نکاح میں کون سی طلاق دی جائے؟ ۱۹۵
۷۰۲۸ جج کے ذریعہ علیٰحدگی کرنے سے طلاق کا حکم ۱۹۸
۷۰۲۹ تمام شرائط کی خلاف ورزی سے قبل کمیٹی کی طلاق کا حکم ۱۹۹
۷۰۳۰ زوج متعنت کی زوجہ کے سلسلے میں ادارہ شرعیہ پٹنہ کے فیصلے پر نظر ثانی ... ۲۰۲
۷۰۳۱ فسخ نکاح سے متعلق چند جوابات پر تبصرہ ۲۰۵
۷۰۳۲ کیا شوہر کے بریلی ہونے کی وجہ سے عورت یا محکمہ شرعیہ کو فسخ نکاح کا حق حاصل ہے؟ ۲۰۹
۷۰۳۳ کیا شریعت میں بیوی کو معلق کر کے رکھنا جائز ہے؟ ۲۱۲
۷۰۳۴ شوہر نہ رکھتا ہے اور نہ ہی طلاق وخلع دیتا ہے تو عورت کیا کرے ... ۲۱۳
۷۰۳۵ کیا نکاح کے بعد شوہر کے نابینا ہونے کی وجہ سے عورت کو فسخ نکاح کا حق ہے؟ ۲۱۵
۷۰۳۶ طلاق وتفریق سے قبل دوسری جگہ نکاح کا حکم ۲۱۸
۷۰۳۷ کیا عرصۂ دراز تک الگ رہنے سے نکاح ختم ہو جاتا ہے؟ ۲۱۹
۷۰۳۸ بیوی کا زمانۂ طویل تک شوہر سے الگ رہنے کا حکم ۲۲۱
۷۰۳۹ نکاح کے بعد رخصتی نہ ہونے سے نکاح ختم نہیں ہوتا ۲۲۲
۷۰۴۰ شوہر کی بیماری کی وجہ سے عورت کا طلاق کا مطالبہ کرنا ۲۲۳
۷۰۴۱ فسخ وتفریق کا ایک مسئلہ ۲۲۴
۷۰۴۲ نبھاؤ کی شکل ممکن نہ ہو تو طلاق یا خلع کے ذریعہ تفریق کا حکم ۲۲۶
۷۰۴۳ شوہر کے ظلم وستم کی بناء پر بیوی کا میکہ میں رہنا اور مہر کا مطالبہ کرنا .. ۲۲۸

۷۰۴۴ شراب پینے اور بیوی کو پلانے اور غیر فطری صحبت کرنے والے سے فسخ نکاح .. ۲۳۰
۷۰۴۵ عمر قید ہونے والے شوہر کی بیوی کا حکم ۲۳۱
۷۰۴۶ شوہر کے ساتھ رہنے سے انکار اور اجنبی کے ساتھ رہنے پر اصرار سے فسخ نکاح ۲۳۳
۷۰۴۷ پاگل اور کوڑھی شوہر سے تفریق کی شکل.......................... ۲۳۵
۷۰۴۸ باطن نہ ملنے کی وجہ سے بیوی کا شوہر کے پاس جانے سے انکار ۲۳۶
۷۰۴۹ نومسلمہ سے نکاح کے احکام ۲۳۸
۷۰۵۰ بیوی کے عیسائی ہونے سے نکاح کا حکم ۲۴۱
۷۰۵۱ کیا ارتداد کی وجہ سے نکاح فسخ ہوجاتا ہے ۲۴۲
۷۰۵۲ کیا غیر مسلم کے ساتھ جانے سے نکاح ختم ہوجاتا ہے؟ ۲۴۳
۷۰۵۳ شادی کے دو سال بعد عنین ہونے کا الزام لگانا.......................... ۲۴۵
۷۰۵۴ بیوی عنین ہونے کا دعویٰ کرے اور شوہر منکر ہو تو کیا حکم ہے؟ ۲۴۶
۷۰۵۵ قلت امساک کی وجہ سے لڑکا عنین نہ ہوگا.......................... ۲۴۸
۷۰۵۶ کیا قلت امساک کی وجہ سے بیوی کو فسخ نکاح کا حق حاصل ہے؟ ... ۲۴۸
۷۰۵۷ نامرد شوہر سے طلاق حاصل کرنا ۲۵۰
۷۰۵۸ نامرد شوہر سے خلوت کے بعد مہر کا لزوم ۲۵۱
۷۰۵۹ شوہر عنین ہو تو بیوی کیا کرے؟ ۲۵۲
۷۰۶۰ شوہر کو عنین بتا کر بیوی کا فسخ نکاح کا مطالبہ کرنا.......................... ۲۵۴
۷۰۶۱ اگر شوہر عنین ہو تو تفریق کی صورت کیا ہوگی؟ ۲۵۵
۷۰۶۲ مردانہ کمزوری والے شوہر کو کتنی مہلت دی جائے گی ۲۵۶
۷۰۶۳ قاضی شرعی کا شوہر کے نامرد ہونے کی وجہ سے نکاح فسخ کرنا ۲۵۸
۷۰۶۴ زوجہ مفقود الخبر کیا کرے؟ ۲۵۹
۷۰۶۵ مفقود الخبر کی بیوی کا حکم ۲۶۰

۷۰۶۶	زوجۂ مفقود الخبر کے نکاح کا مسئلہ	۲۶۱
۷۰۶۷	زوجۂ مفقود الخبر کتنے سال نکاح ثانی سے رکے گی؟	۲۶۲
۷۰۶۸	مفقود الخبر کی زوجہ کتنے سال انتظار کرے اور اس کے نفقہ کا حکم....	۶۳
۷۰۶۹	شرعی تفریق حاصل کیے بغیر زوجۂ مفقود الخبر کا دوسرے سے نکاح کرنا ..	۲۶۵
۷۰۷۰	زوجۂ مفقود کا زبردستی نکاح کرنا	۲۶۶
۷۰۷۱	زوجۂ مفقود کے سامان جہیز ونکاح کا حکم........................	۲۶۹
۷۰۷۲	موت کی اطلاع کے بعد لوٹ کر آنے والے شوہر کی بیوی کے درمیان میں نکاح اور بچے کا حکم	۲۷۱
۷۰۷۳	طلاق کے بعد پیش آمدہ چند سوالات کے جوابات	۲۷۲
۷۰۷۴	مطلقہ کن کن چیزوں کی مستحق ہے؟	۲۷۴
۷۰۷۵	طلاق کی صورت میں شوہر پر کن کن چیزوں کی ادائیگی لازم ہے؟ ..	۲۷۵
۷۰۷۶	طلاق دینے کے بعد شوہر کے ذمہ کیا کیا واجب ہے؟	۲۷۶
۷۰۷۷	تین طلاق کے بعد مہر کا مطالبہ	۲۷۸
۷۰۷۸	زوجین طلاق دینا لینا چاہیں تو مہر کا کیا حکم ہے؟........................	۲۷۹
۷۰۷۹	طلاق کے بعد مہر وغیرہ کی واپسی کا حکم	۲۸۰
۷۰۸۰	طلاق کی صورت میں زیورات کا حکم........................	۲۸۲
۷۰۸۱	شوہر بیوی کو طلاق دے تو مہر وجہیز کا حکم........................	۲۸۳
۷۰۸۲	مطلقہ کے جہیز کی واپسی کا حکم	۲۸۴
۷۰۸۳	کیا طلاق کی صورت میں جہیز اور شادی کے کپڑوں کو واپس کرنا لازم ہے؟ ...	۲۸۵
۷۰۸۴	بیوی کے مطالبہ پر طلاق جہیز، مہر اور بچی کا حکم	۲۸۶
۷۰۸۵	کیا طلاق کے بعد شوہر پر مہر، جہیز اور قرض کی رقم واپس کرنا لازم ہے؟ ...	۲۸۹
۷۰۸۶	طلاق کے بعد مہر، عدت کا خرچہ، بچہ، اور جہیز کا حکم	۲۹۰

۷۰۸۷	کیا مطلقہ کو مہر، زیورات، اور جہیز کی واپسی کے مطالبہ کا حق ہے؟...	۲۹۲
۷۰۸۸	ایک مجلس کی تین طلاق نیز مہر، نفقہ اور بچوں کی پرورش کا حکم	۲۹۴
۷۰۸۹	مہر، طلاق، زیورات اور بچے سے متعلق سوالات کے جوابات.....	۲۹۷
۷۰۹۰	طلاق کے بعد لڑکے سے شادی کے خرچ کا مطالبہ کرنا	۳۰۱
۷۰۹۱	حمل کی حالت میں طلاق عدت اور نفقہ کا حکم	۳۰۲
۷۰۹۲	مہر کی معافی کے بدلے میں طلاق، عدت کا خرچ اور جہیز وغیرہ کا حکم ...	۳۰۴
۷۰۹۳	طلاق ثلاثہ کے بعد عدت، مہر، نان ونفقہ اور زیورات کا حکم	۳۰۵
۷۰۹۴	طلاق کے مطالبہ پر مہر، جہیز اور زیورات وغیرہ کا حکم	۳۰۸
۷۰۹۵	نافرمان بیوی کو طلاق دینے پر مہر اور بچوں کی پرورش کے متعلق چند سوالات و جوابات	۳۱۱
۷۰۹۶	عدالت میں طلاق نامہ کے دخول، حضانت اور وراثت سے متعلق سوالات کے جوابات	۳۱۳
۷۰۹۷	طلاق کی صورت میں مہر، جہیز اور زیورات کا حکم	۳۱۶
۷۰۹۸	طلاق، عدت، مہر ونفقہ اور بچے کے نسب و پرورش کا حکم	۳۱۹
۷۰۹۹	عدالت شرعی کے نکاح ثانی کی اجازت کے بعد شوہر اول کا واپس آجانا...	۳۲۲
۷۱۰۰	طلاق اور اس کے متعلقات کا بیان	۳۲۳
۷۱۰۱	طلاق کی صورت میں جہیز، مہر اور بیوی کا حکم	۳۲۵
۷۱۰۲	علیٰحدگی کی صورت میں زیورات، جہیز اور مہر کا حکم	۳۲۷
۷۱۰۳	تین طلاق کے بعد زیور، نان ونفقہ، مہر اور بچوں کا حکم	۳۲۹
	الحيلة الناجية (مختصر) الحيلة الناجزة	۳۳۲
	حرف آغاز	۳۳۲
	(۱) جماعۃ المسلمین کی شرائط	۳۳۳

(۲) مسئلہ زوجۂ مفقود ۳۳۴
(۱) بغیر حادثہ کے اچانک لا پتہ شخص ۳۳۵
(۲) فسادات یا حادثہ میں لا پتہ شخص ۳۳۷
(۳) مسئلہ زوجۂ غائب غیر مفقود ۳۳۸
ضروری ہدایت ۳۳۹
دور دراز علاقہ میں کمیشن بھیجنے کی ضرورت نہیں ۳۴۰
(۴) مسئلہ زوجۂ متعنت ۳۴۰
صورت تفریق ۳۴۱
(۵) مسئلہ زوجۂ مجنون ۳۴۲
(۱) زوجۂ مجنون کے مسئلہ کا حل فقہ حنفی میں ہے ۳۴۲
(۲) فقہ مالکی سے ہی مسئلہ کا حل ہے ۳۴۲
(۳) جنون کی قسمیں ۲۴۳
(۴) صورت تفریق ۳۴۳
(۵) تفریق کی شرائط ۳۴۴
ضروری ہدایت ۳۴۵
(۶) زوجۂ عنین کا مسئلہ ۳۴۵
(۱) فیصلہ کون کرے ۳۴۶
(۲) عنین کی حقیقت ۳۴۶
(۳) تفریق کا حق ۳۴۶
(۴) صورت تفریق ۳۴۷
(۵) شرائط تفریق ۳۴۷
ہدایت ۳۴۸
(۷) حرمت مصاہرت ۳۴۸

	(۸) خیارِ کفاءت	۳۵۰
	کفایت المفتی کی عبارت	۳۵۲
	(۹) خیارِ بلوغ	۳۵۲
	(۱) مسئلہ فرقتِ ارتداد	۳۵۳
	ارتدادِ شوہر	۳۵۴
	ارتدادِ زوجہ	۳۵۴
	فسخ نکاح کی بعض وجوہ کی تنقیح	۳۵۷
	پہلی بات	۳۵۷
	دوسری بات	۳۵۸
	تیسری بات	۳۵۸
۷۱۰۴	فالج زدہ شخص کی زوجہ	۳۵۸
۷۱۰۵	ایسی بیماری جس کی وجہ سے جماع پر قادر نہ ہو	۳۶۰
۷۱۰۶	برص وجذام وغیرہ کا مریض	۳۶۲
۷۱۰۷	ایڈز اور اس جیسے مہلک متعدی مرض کی وجہ سے فسخ نکاح	۳۶۷
۷۱۰۸	قوت تولید نہ ہونے کی وجہ سے فسخ نکاح کا مطالبہ	۳۶۸
۷۱۰۹	عمر قید کی وجہ سے فسخ نکاح	۳۶۹
۷۱۱۰	نا چاقی اور بے جا مار پیٹ کی وجہ سے فسخ نکاح کا مطالبہ	۳۷۱
۷۱۱۱	کلمہ کفریہ کی وجہ سے فسخ نکاح کا مسئلہ	۳۷۲
	وجوہ فسخ کی مزید پانچ صورتیں	۳۷۴
	تجاویز بابت ''فسخ نکاح کی بعض وجوہ کی تنقیح''	۳۷۵

(۲۳) باب الظهار والإيلاء ۳۷۷

۷۱۱۲	زوجین کا ایک دوسرے کو ابا امی کہنے کا حکم	۳۷۷

۷۱۱۳	اپنی بیوی کو امی کہنے کا حکم	۳۷۸
۷۱۱۴	بیوی کو ماں کہنا	۳۷۹
۷۱۱۵	’’خدا کی قسم میں اس کو نہیں رکھ سکتا‘‘ کہنے کا حکم	۳۸۰
۷۱۱۶	’’اب تمہارے پاس کبھی نہیں آؤں گا‘‘ کہنے کا حکم	۳۸۱
۷۱۱۷	دل میں نہ لانے کے ارادے سے ایلاء کا ثبوت نہ ہوگا	۳۸۲
	(۲۴) باب الخلع	۳۸۴
۷۱۱۸	خلع	۳۸۴
۷۱۱۹	شریعت میں خلع کی اجازت کب ہے؟	۳۸۵
۷۱۲۰	شوہر کی رضامندی کے بغیر خلع کا حکم	۳۸۶
۷۱۲۱	خلع نامہ پر دستخط کرنے سے طلاق کا حکم	۳۸۷
۷۱۲۲	خلع نامہ پر شوہر کے دستخط نہ کرنے سے خلع کا حکم	۳۸۹
۷۱۲۳	خلع نامہ پر جبراً دستخط کرانے سے طلاق ہوگی یا نہیں؟	۳۹۰
	دارالافتاء جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد کا جواب	۳۹۱
۷۱۲۴	محض عورت کے لکھ دینے سے خلع کا حکم	۳۹۲
۷۱۲۵	خلع میں طلاق اور مال کا حکم	۳۹۴
۷۱۲۶	خلع کی ایک صورت	۳۹۶
۷۱۲۷	کیا کورٹ کا خلع معتبر ہے؟	۳۹۸
۷۱۲۸	بوقت خلع شوہر کا معاشرہ کی معیاری رقم سے زیادہ مطالبہ کرنا	۳۹۹
۷۱۲۹	زوجین کی رضامندی سے طلاق ومہر کا حکم	۴۰۰
۷۱۳۰	عورت کب خلع کا مطالبہ کرسکتی ہے	۴۰۱
۷۱۳۱	شوہر طلاق نہ دے تو بیوی کیا کرے؟	۴۰۴
۷۱۳۲	خلع کے ذریعہ علیٰحدگی حاصل کرنا	۴۰۵

۱۳۳۳/۷ نبھاؤ نہ ہونے کی وجہ سے مہر معاف کر کے طلاق دینا ۴۰۶
۱۳۴/۷ جب ازدواجی زندگی گذارنا دشوار ہوجائے تو خلع کا حکم ۴۰۷
۱۳۵/۷ عورت طلاق لینے پر بضد ہو تو شوہر کیا کرے؟ ۴۰۹
۱۳۶/۷ لڑکا طلاق پر راضی نہ ہو تو خلع کی شکل اختیار کریں ۴۱۰
۱۳۷/۷ شرابی طلاق نہ دے تو خلع کے ذریعہ تفریق حاصل کرنے کا حکم ۴۱۱

(۲۵) باب الطلاق علی المال ۴۱۳

۱۳۸/۷ لڑکی والوں کے مطالبۂ طلاق پر مہر اور دیگر اخراجات نہ دینے کی شرط لگانا ۴۱۳
۱۳۹/۷ مہر اور دیگر اخراجات کی معافی کی شرط پر طلاق دینا ۴۱۴
۱۴۰/۷ مہر اور عدت کے خرچہ کی معافی کے عوض طلاق ۴۱۵
۱۴۱/۷ نافرمان بیوی کو طلاق نہ دے کر خلع کرنا ۴۱۶
۱۴۲/۷ بیوی کے طلاق کے مطالبہ پر شوہر کا مہر معاف کرانا ۴۱۷
۱۴۳/۷ بیوی کے مطالبۂ طلاق پر معافی مہر کی شرط لگانے کا حکم ۴۱۹
۱۴۴/۷ پہلی بیوی کے والد کے طلاق کے مطالبہ پر مہر معاف کرنے کی شرط لگانا .. ۴۲۰
۱۴۵/۷ منجانب سسرال مطالبۂ طلاق پر مہر نہ دینے اور مقدمہ میں خرچ شدہ رقم لینے کی شرط لگانا ۴۲۲
۱۴۶/۷ طلاق دینے کے لیے رقم کی شرط لگانا ۴۲۳
۱۴۷/۷ طلاق علی المال کی ایک صورت ۴۲۴
۱۴۸/۷ بیوی طلاق لینے پر مصر ہو تو کیا کریں؟ ۴۲۵
۱۴۹/۷ بلا دلیل نامردی کا الزام دینے والی بیوی کو طلاق دینے کے لیے مہر کی معافی کی شرط لگانا ۴۲۷
۱۵۰/۷ مہر معاف کرنے کی شرط پر طلاق ۴۲۸
۱۵۱/۷ مہر کی معافی کی شرط پر طلاق دینا ۴۲۹

۱۵۲/۷	مہر معاف کرنے پر طلاق	۴۳۰
۱۵۳/۷	شوہر کا مہر کی معافی پر طلاق دینا	۴۳۱
۱۵۴/۷	کیا مہر کی معافی کی شرط لگا کر طلاق دے سکتے ہیں؟	۴۳۲
۱۵۵/۷	طلاق دینے کے لیے مہر کی معافی کی شرط لگانے کا حکم	۴۳۳

(۲۶) باب العدة ۴۳۵

۱۵۶/۷	عدت کے لغوی واصطلاحی معنی	۴۳۵
۱۵۷/۷	عدت میں کیا حکمت ہے اور اس میں پردے کا حکم	۴۳۶
۱۵۸/۷	بحالت عدت کن کن لوگوں سے پردہ ضروری ہے؟	۴۳۷
۱۵۹/۷	مطلقہ کی عدت اور پردہ کا حکم	۴۳۹
۱۶۰/۷	حالت عدت میں غیر محرم سے ضروری گفتگو	۴۴۰
۱۶۱/۷	اگر شوہر اپنے گھر میں عدت گذارنے نہ دے تو؟	۴۴۱
۱۶۲/۷	سسرال میں پردہ کا انتظام نہ ہو اور جگہ تنگ ہو تو عورت عدت کہاں گذارے؟	۴۴۲
۱۶۳/۷	کیا عدت شوہر کے مکان میں گذارنا لازم ہے؟	۴۴۳
۱۶۴/۷	مطلقہ کا شوہر کے مکان میں عدت گذارنا	۴۴۴
۱۶۵/۷	معتدہ عدت کہاں گذارے؟	۴۴۶
۱۶۶/۷	مطلقہ عدت کہاں گذارے؟	۴۴۷
۱۶۷/۷	مطلقہ مغلظہ عدت کہاں گذارے؟	۴۴۸
۱۶۸/۷	عورت عدت کہاں گذارے؟	۴۴۹
۱۶۹/۷	شوہر ثانی کے طلاق کی عدت شوہر اول کے گھر گذارنا	۴۵۰
۱۷۰/۷	طلاق کہاں دے اور عدت کہاں گذارے	۴۵۱
۱۷۱/۷	ناجائز حمل والی عورت عدتِ طلاق کہاں گذارے؟	۴۵۲
۱۷۲/۷	عدت میں انتقال مکان کا شرعی حکم	۴۵۳

۱۷۳/ شوہر کے انتقال ہوتے ہی گھر سے نکالے جانے والی عورت کی عدت کا حکم ۴۵۴
۱۷۴/ جس حیض میں طلاق ہوئی وہ عدت میں شامل ہے یا نہیں؟ ۴۵۶
۱۷۵/ کیا طلاق کے فوراً بعد آنے والا حیض عدت میں شمار ہوگا؟ ۴۵۷
۱۷۶/ دورانِ عدت دو دن حیض کا خون آیا تیسرے دن نہیں آیا تو کیا حکم ہے؟ ۴۵۷
۱۷۷/ دواؤں کے ذریعہ ماہواری آنے سے عدت مکمل ہوگی یا نہیں؟ ۴۶۱
۱۷۸/ عدتِ طلاق کا شمار کب سے ہوگا؟ ۴۶۳
۱۷۹/ طلاق نامہ لکھنے سے تین ماہ بعد ملے تو عدت کب سے شروع ہوگی؟ ۴۶۴
۱۸۰/ عدت کی ابتداء کب سے ہے؟ ۴۶۵
۱۸۱/ عدت کب سے شمار کی جائے گی؟ ۴۶۷
۱۸۲/ سوا سال سے علیحدہ رہنے والی بیوی کو شوہر طلاق دیدے تو عدت کا حکم ۴۶۸
۱۸۳/ ڈھائی سال سے الگ رہنے والی عورت پر طلاق کی صورت میں عدت کا حکم .. ۴۶۹
۱۸۴/ دوسرے نکاح کے لیے عدت گزارنا لازم ہے یا نہیں؟ ۴۷۰
۱۸۵/ کیا طلاق سے قبل کی علیحدگی عدت میں شمار ہوگی؟ ۴۷۱
۱۸۶/ حائضہ اور حاملہ کی عدت کی میعاد ۴۷۳
۱۸۷/ حاملہ کی عدت اور خرچہ کا حکم ۴۷۴
۱۸۸/ اسقاط حمل کی صورت میں عدت کا حکم ۴۷۵
۱۸۹/ کیا حمل کے ساقط ہونے سے عدت پوری ہو جائے گی؟ ۴۷۸
۱۹۰/ مطلقہ حاملہ کا حمل ڈیڑھ ماہ پر ساقط ہو جائے تو عدت کی شکل کیا ہوگی؟ ۴۷۹
۱۹۱/ دو مہینے کے وضع حمل سے کیا عدت پوری ہو جائے گی؟ ۴۸۰
۱۹۲/ حمل کے ساقط کرانے سے عدت کی تکمیل کا حکم ۴۸۱
۱۹۳/ کیا حلالہ کے بعد بھی عدت ہے؟ ۴۸۲
۱۹۴/ تین طلاق کے بعد بیوی عدت کہاں گذارے؟ ۴۸۳

۱۹۵ ⁄ مطلقہ کی عدت ۴۸۴
۱۹۶ ⁄ مطلقہ کی عدت تین حیض ہے ۴۸۵
۱۹۷ ⁄ مطلقہ عورت کی عدت کی مقدار ۴۸۶
۱۹۸ ⁄ مطلقہ کی عدت کتنے یوم ہے اور عدت میں بیٹھنے کا طریقہ کیا ہے؟... ۴۸۷
۱۹۹ ⁄ مطلقۂ ثلاثہ کی عدت ۴۸۸
۲۰۰ ⁄ تین طلاق واقع ہونے کے ۴۵ ⁄ روز بعد دوسری جگہ نکاح کا حکم ... ۴۸۹
۲۰۱ ⁄ مطلقہ مغلظہ کس طرح عدت پوری کرے؟ ۴۹۰
۲۰۲ ⁄ مطلقہ آئسہ کی عدت ۴۹۲
۲۰۳ ⁄ جس کو حیض نہ آتا ہو اس کی عدت کا حکم ۴۹۳
۲۰۴ ⁄ وہ عورت جس کی عادت سال میں حیض آنے کی ہو تو وہ عدت کس
طرح پوری کریگی؟ ۴۹۴
۲۰۵ ⁄ جس عورت کو لمبی مدت تک حیض نہ آئے اس کی عدت کا حکم ۴۹۶
۲۰۶ ⁄ طلاق قبل الدخول کی صورت میں عدت کا حکم ۴۹۸
۲۰۷ ⁄ قبل الدخول طلاق سے عدت نہیں ۴۹۹
۲۰۸ ⁄ خلوت صحیحہ سے قبل مطلقہ ثلاثہ کی عدت ۵۰۰
۲۰۹ ⁄ عنین سے خلوۃ صحیحہ ہونے پر عدت کا حکم ۵۰۱
۲۱۰ ⁄ کیا خلوت صحیحہ کے بعد عدت ضروری ہے؟ ۵۰۲
۲۱۱ ⁄ خلوت صحیحہ کے بعد طلاق کی صورت میں عدت ۵۰۳
۲۱۲ ⁄ دورانِ عدت نکاح کا حکم ۵۰۳
۲۱۳ ⁄ دورانِ عدت زنا سے حاملہ عورت کے نکاح کا حکم ۵۰۴
۲۱۴ ⁄ تیسرے حیض کے ختم پر عدت کا پورا ہونا ۵۰۵
۲۱۵ ⁄ طلاق کے بعد بچوں کی پرورش اور عدت کا حکم ۵۰۶

۷۲۱۶ حالت عدت میں قریبی رشتہ دار کی موت پر دیکھنے کیلئے جانا ۵۰۸
۷۲۱۷ کسب معاش کے لیے مطلقہ کا گھر سے نکلنا ۵۰۹
۷۲۱۸ مطلقہ کا کسب معاش کے لیے دورانِ عدت گھر سے نکلنا ۵۰۹
۷۲۱۹ مطلقہ حالت عدت میں اسکول نہیں جاسکتی ۵۱۰
۷۲۲۰ دورانِ عدت اسکول میں پڑھانے کے لیے جانا ۵۱۱
۷۲۲۱ کیا دورانِ عدت پڑھانے جاسکتی ہے؟ ۵۱۲
۷۲۲۲ دورانِ عدت بیوی کا سروس کے لیے جانا ۵۱۳
۷۲۲۳ دورانِ عدت بی اے فائنل کے پیپر دینا ۵۱۴
۷۲۲۴ دورانِ عدت ڈاکٹر کے پاس جانا ۵۱۵
۷۲۲۵ متوفی عنہاز وجہا کی عدت کی کمیت وکیفیت ۵۱۷
۷۲۲۶ متوفی عنہاز وجہا کی عدت کیا ہے؟ ۵۱۸
۷۲۲۷ متوفی عنہاز وجہا کی عدت کتنے دن ہیں؟.......................... ۵۱۹
۷۲۲۸ عدت وفات کتنے دن ہے؟ ۵۲۰
۷۲۲۹ مطلقہ اور متوفی عنہاز وجہا کی عدت ۵۲۱
۷۲۳۰ حاملہ کی عدت ۵۲۲
۷۲۳۱ کیا حالت حمل میں شوہر کا انتقال ہوجانے کی صورت میں عدت نہیں ... ۵۲۲
۷۲۳۲ بیوی کے حج کو جانے کے دوران شوہر کا انتقال ہوجائے تو عدت کا حکم ۵۲۴
۷۲۳۳ دورانِ حج شوہر کا انتقال ہونے کی صورت میں عدت کا حکم ۵۲۵
۷۲۳۴ غیر مدخول بہا متوفی عنہا کی عدت اور پورا مہر اور وراثت ۵۲۶
۷۲۳۵ طلاق کی عدت کے دوران شوہر کا انتقال ہوجائے تو کیا حکم ہے؟ .. ۵۲۷
۷۲۳۶ خلوت صحیحہ سے قبل شوہر کا انتقال ہونے کی صورت میں عدت کا حکم ۵۲۹
۷۲۳۷ بالغ ہونے کے بعد شوہر کے انتقال پر عدت کا حکم ۵۳۰

۷۲۳۸ شوہر شادی سے ۲/ ماہ بعد انتقال کر جائے تو عدت کا حکم ۵۳۱
۷۲۳۹ بیس سال سے علیٰحدہ رہنے کی صورت میں عدت وفات کا حکم ۵۳۲
۷۲۴۰ کیا ۱۷/ سال سے الگ رہنے والی عورت پر عدت لازم ہے؟ ۵۳۳
۷۲۴۱ شوہر کے انتقال کے ۶/ ماہ بعد وفات کی خبر ملے تو عدت کا کیا حکم ہے؟... ۵۳۵
۷۲۴۲ متوفی عنہا زوجہا کے ساتھ چند پیش آمدہ مسائل.............. ۵۳۶
۷۲۴۳ معتدہ کی عدت، بچے کی پرورش، جائیداد کی تقسیم اور زیورات کا حکم ۵۳۸
۷۲۴۴ دورانِ عدت پان کھانا ۵۴۰
۷۲۴۵ دورانِ عدت سر میں تیل ڈالنا ۵۴۱
۷۲۴۶ عدت میں جوڑا بنانا اور آسمان کے نیچے سونا ۵۴۱
۷۲۴۷ عدت کب سے شروع ہوگی، نیز دن کے حساب سے پوری ہوگی یا
مہینہ کے حساب سے؟.............................. ۵۴۲
۷۲۴۸ متوفی عنہا زوجہا کی عدت کا شمار کس طرح ہو؟.............. ۵۴۴
۷۲۴۹ عدت کا شمار کس وقت سے ہوگا؟...................... ۵۴۵
۷۲۵۰ عدت کا شمار قمری مہینہ کے اعتبار سے ہوگا یا شمسی مہینہ کے؟ ۵۴۶
۷۲۵۱ عدت کب سے شروع ہوتی ہے؟........................ ۵۴۸
۷۲۵۲ دورانِ ماہ انتقال کرنے والی کی اہلیہ کی عدت کی تکمیل کا طریقہ ۵۴۹
۷۲۵۳ کیا جس روز انتقال ہو وہ دن بھی عدت میں شمار ہوگا ؟ ۵۴۹
۷۲۵۴ کیا وضع حمل سے عدت پوری ہو جاتی ہے؟.................. ۵۵۰
۷۲۵۵ رات سوا بجے انتقال ہوا عدت رات میں پوری ہوگی یا دن میں؟ ۵۵۱
۷۲۵۶ معتدۃ الوفات کا ایک مسئلہ ۵۵۲
۷۲۵۷ عدت کس وقت پوری ہوتی ہے؟ ۵۵۳
۷۲۵۸ شوہر کے صبح کو انتقال کرنے کی صورت میں عدت کس وقت پوری ہوگی؟ .. ۵۵۴

۷۲۵۹ دورانِ عدت کس کس سے پردہ لازم ہے؟ ۵۵۵
۷۲۶۰ متوفی عنہاز وجہا کا کن سے پردہ کرنا لازم ہے؟ ۵۵۶
۷۲۶۱ دورانِ عدت کن لوگوں سے پردہ ہے؟ ۵۵۷
۷۲۶۲ بحالت عدت داماد سے پردہ کرنا ۵۵۸
۷۲۶۳ دوران عدت بھتیجہ اور داماد سے پردہ نیز سرمہ تیل منجن کا استعمال ۵۵۸
۷۲۶۴ دورانِ عدت بھانجہ، بھتیجہ داماد وغیرہ سے پردہ کرنا ۵۵۹
۷۲۶۵ عدت میں کیا داماد اور دیور سے پردہ ہے؟ ۵۶۰
۷۲۶۶ عدت میں دیور سے پردہ اور میت کے یہاں کھانا کھانا........... ۵۶۲
۷۲۶۷ دورانِ عدت خالو اور پھوپھی سے پردہ کرنا ۵۶۳
۷۲۶۸ دورانِ عدت ضرورت کی بنا پر غیر محرم سے بات کرنا ۵۶۴
۷۲۶۹ متوفی عنہا عدت کہاں گذارے ۵۶۵
۷۲۷۰ معتدۂ وفات وطن اصلی میں عدت گذارے ۵۶۷
۷۲۷۱ عورت عدت میکہ میں گذارے گی یا سسرال میں ۵۶۸
۷۲۷۲ شوہر کی موت کے بعد میکہ میں عدت گذارے یا شوہر کے گھر..... ۵۶۹
۷۲۷۳ شوہر کے گھر عذر شرعی کے پیش نظر میکہ میں عدت گذارنا ۵۷۰
۷۲۷۴ بے پردگی یا دیگر شرعی عذر کی بنا پر میکہ میں عدت گذارنا ۵۷۱
۷۲۷۵ سسرال میں شوہر کا انتقال ہو جائے تو عدت کہاں گذارے....... ۵۷۲
۷۲۷۶ شوہر کے موت کے صدمہ کو برداشت نہ کرنے کی وجہ سے میکہ میں
عدت گذارنا.. ۵۷۳
۷۲۷۷ شوہر کے گھر عدت گذارنے میں وحشت ہو تو دوسری جگہ عدت گذارنا ۵۷۴
۷۲۷۸ کسی خوف کی وجہ سے عورت کا اپنے میکہ میں عدت گذارنا ۵۷۵
۷۲۷۹ عدت اسی مکان میں گذارنا جس میں ہمیشہ رہنا ہو ۵۷۶
۷۲۸۰ دوران عدت مکان کے مختلف حصوں اور صحن میں جانا ۵۷۷

۷۲۸۱	دورانِ عدت حویلی کے تمام کمروں میں جانے کی اجازت ہے	۵۷۸
۷۲۸۲	شوہر کے بہنوئی کے گھر عدت گذارنا	۵۷۹
۷۲۸۳	معتدہ کا ضرورتاً ایک شہر سے دوسرے شہر منتقل ہونے کا حکم	۵۸۰
۷۲۸۴	دورانِ عدت بضرورتِ شدیدہ کیا عورت دن میں دوسرے شہر جا کر آ سکتی ہے؟	۵۸۲
۷۲۸۵	متوفی عنہا اپنی عدت کے دوران کن کن موقع پر باہر نکل سکتی ہے؟	۵۸۳
۷۲۸۶	متوفی عنہا زوجہا عدت وفات میں کسی شدید ضرورت کی بناء پر نکل سکتی ہے؟	۵۸۵
۷۲۸۷	اگر عورت عدت میں نہ بیٹھے تو کیا حکم ہے؟	۵۸۶
۷۲۸۸	عدت میں گھر سے باہر نکلنا	۵۸۷
۷۲۸۹	عدت کی تکمیل سے قبل معتدہ کا گھر سے نکلنا	۵۸۸
۷۲۹۰	دورانِ عدت خلاف ورزی ہو جائے تو شرعی حکم کیا ہے؟	۵۸۹
۷۲۹۱	عدت سے اٹھنے کا طریقہ	۵۹۰
۷۲۹۲	عدت پوری ہونے پر گھر سے نکلنا ضروری نہیں	۵۹۱
۷۲۹۳	تکمیلِ عدت کے دن عورتوں کا گھر میں جمع ہونا	۵۹۲
۷۲۹۴	عدت کی تکمیل اور بعض رسوم کا بیان	۵۹۴
۷۲۹۵	کیا عدت مکمل ہونے کے بعد عورت با اختیار ہے؟..............	۵۹۵
۷۲۹۶	شوہر کے انتقال کے بعد فوراً دوسرا نکاح کرنا	۵۹۶
۷۲۹۷	معتدہ کا قضائے حاجت وغسل کے لیے باہر جانا	۵۹۷
۷۲۹۸	دورانِ عدت سفر کرنے کا حکم........................	۵۹۸
۷۲۹۹	معتدہ کا والدین کی تعزیت کے لیے جانا	۵۹۹
۷۳۰۰	معتدۃ الوفات والدین کے یہاں نہیں جائے گی	۶۰۰
۷۳۰۱	دورانِ عدت قریبی رشتہ دار کے انتقال پر اس کے گھر جانا	۶۰۱

۲۳۰۲ ے دورانِ عدت ہسپتال میں والدہ کو دیکھ بھال کرنا ۶۰۲
۲۳۰۳ ے معتدہ کا دن دن میں والدہ کی عیادت کے لیے جانا............... ۶۰۲
۲۳۰۴ ے دورانِ عدت شادی یا موت میں جانا ۶۰۳
۲۳۰۵ ے معتدہ کا حجاج کرام کو رخصت کرنے کے لیے اسٹیشن جانا ۶۰۴
۲۳۰۶ ے معتدہ کا ڈاکٹر کے پاس یا تعزیت کے لیے جانا ۶۰۵
۲۳۰۷ ے دورانِ عدت ڈاکٹر کے پاس جانا ۶۰۶
۲۳۰۸ ے دورانِ عدت علاج کے لیے ڈاکٹر کے پاس جانا.................. ۶۰۷
۲۳۰۹ ے عدت کی حالت میں ڈاکٹر کے یہاں جانا ۶۰۸
۲۳۱۰ ے معتدۃ الوفات شدید بیماری میں کیا کرے؟..................... ۶۰۹
۲۳۱۱ ے دورانِ عدت ووٹ ڈالنے کے لیے جانا ۶۱۰
۲۳۱۲ ے کیا دورانِ عدت ووٹ ڈالنے جاسکتی ہے؟ ۶۱۰
۲۳۱۳ ے رقم کو ضائع ہونے سے بچانے کیلئے معتدہ کا سفر کرنا ۶۱۱
۲۳۱۴ ے دورانِ عدت شوہر کی جگہ اپنا نام لکھوانے کے لیے بینک جانا ۶۱۲
۲۳۱۵ ے دورانِ عدت پیسہ نکالنے کے لیے بینک جانا ۶۱۳
۲۳۱۶ ے دورانِ عدت پنشن جاری کرانے کے لیے کچہری جانا ۶۱۴
۲۳۱۷ ے دورانِ عدت کچہری جانا ۶۱۵
۲۳۱۸ ے معتدۃ الوفات کا سرکری دفتر جاکر دستخط کرنا.................. ۶۱۶
۲۳۱۹ ے بحالت عدت نوکری پر جانا ۶۱۷
۲۳۲۰ ے دورانِ عدت بیوی کا ملازمت کرنا ۶۱۷
۲۳۲۱ ے عدتِ وفات کے دوران اسکول جانا........................ ۶۱۸
۲۳۲۲ ے معتدہ کا آدھے گھنٹے کے لیے اسکول کے پروگرام میں جانا ۶۱۹
۲۳۲۳ ے عدتِ وفات میں بیوہ کا اسکول جانا ۶۲۰

	(۲۷) باب النفقة والسكنى	۶۲۳
۷۳۲۴	کیا عدت کا خرچہ شوہر کے ذمہ واجب ہے؟	۶۲۳
۷۳۲۵	شوہر پر زمانۂ عدت کا خرچ	۶۲۵
۷۳۲۶	عدت کا نفقہ شوہر پر کب لازم ہے؟	۶۲۶
۷۳۲۷	عدت کے زمانہ کا خرچ کس پر لازم ہے؟	۶۲۷
۷۳۲۸	مہر فاطمی اور عدت کے کل خرچ کی مقدار	۶۲۸
۷۳۲۹	مطلقہ مغلظہ کے دین مہر اور عدت کے خرچہ کا حکم	۶۲۹
۷۳۳۰	دوبار طلاق دی اور عدت کے نفقہ کا واجب ہونا	۶۳۰
۷۳۳۱	عدت اور ایک سال کی بچی کا خرچہ کس پر لازم ہے؟	۶۳۱
۷۳۳۲	طلاق کے بعد مہر و نان ونفقہ کا حکم	۶۳۲
۷۳۳۳	دورانِ عدت نان ونفقہ کا حکم	۶۳۴
۷۳۳۴	شوہر پر عدت کا خرچہ اور مہر لازم ہوتا ہے	۶۳۴
۷۳۳۵	طلاق کے بعد جہیز، مہر اور عدت کے خرچہ کا حکم	۶۳۶
۷۳۳۶	بیوی کو عدت کا خرچہ کس تناسب سے دے	۶۳۸
۷۳۳۷	مطلقہ بیوی کی عدت کی رقم کتنی ہوگی؟	۶۳۸
۷۳۳۸	کیا طلاق کے بعد بیوی کو عمدہ کپڑا دینا واجب ہے؟	۶۳۹
۷۳۳۹	کیا رہائش میں عورت کی مرضی کا اعتبار کرنا لازم ہے؟	۶۴۰
۷۳۴۰	جہیز نہ دینے پر بیوی کو گھر سے نکالنے کے بعد نان ونفقہ سے محروم کرنا	۶۴۲
۷۳۴۱	دو بیویوں میں سے بے اولاد بیوی کو آئندہ سہارا کیلئے مخصوص جائیداد دینا ..	۶۴۴
۷۳۴۲	لڑکی کے علاج میں خرچ ہونے والی رقم شوہر سے وصول کرنا	۶۴۵
۷۳۴۳	کیا لڑکی والوں کا طلاق کی صورت میں تین لاکھ کا مطالبہ کرنا درست ہے؟	۶۴۶
۷۳۴۴	بیویوں کے درمیان برابری نہ کرنا	۶۴۷

۷۳۴۵ میکہ میں عدت گذارنے والی بیوی کا نفقہ ۶۴۹
۷۳۴۶ کیا میکہ میں رہتے ہوئے بھی نفقہ لازم ہے؟ ۶۴۹
۷۳۴۷ کیا شوہر بیوی کو نکال دے تو میکہ میں بیوی کو نفقہ ملے گا؟ ۶۵۱
۷۳۴۸ شوہر کی اجازت سے میکہ رہنے والی عورت کا نفقہ ۶۵۱
۷۳۴۹ شوہر کی اجازت کے بغیر میکہ میں رہنے والی عورت کے نفقہ کا حکم ۶۵۲
۷۳۵۰ ناشزہ عورت کے نفقہ اور مہر کا مسئلہ ۶۵۳
۷۳۵۱ ناشزہ بیوی اور لڑکی کے نان ونفقہ کا حکم ۶۵۶
۷۳۵۲ ناشزہ بیوی کی عدت کے خرچہ کا حکم ۶۵۸
۷۳۵۳ ناشزہ نفقہ کی حقدار ہے یا نہیں؟ ۶۶۰
۷۳۵۴ کیا ناشزہ کو عدت کا خرچہ ملے گا ۶۶۱
۷۳۵۵ کیا ناشزہ کو عدت کے خرچہ کے مطالبہ کا حق ہے؟ ۶۶۳
۷۳۵۶ ناشزہ کی عدت کا خرچہ اور زیورات کی واپسی ۶۶۴
۷۳۵۷ ناشزہ بیوی کا نان ونفقہ کا مطالبہ کرنا ۶۶۶
۷۳۵۸ بدکار بیوی کو طلاق، مہر، نان ونفقہ اور جہیز کا حکم ۶۶۷
۷۳۵۹ ناشزہ بیوی کو طلاق اور عدت ومہر کا حکم ۶۶۸
۷۳۶۰ طلاق کے بعد پیش آنے والے مختلف مراحل کا حل ۶۶۹
۷۳۶۱ کیا عدت کے بعد کے خرچ کی ذمہ داری شوہر پر ہے؟ ۶۷۳
۷۳۶۲ مطلقہ کی عدت کے بعد خرچ کا حکم ۶۷۴
۷۳۶۳ مہر وعدت کا خرچہ دینے کے بعد مزید مطالبہ کرنا ۶۷۵
۷۳۶۴ عدت کے بعد سابقہ شوہر پر کسی طرح کا نفقہ واجب نہیں ۶۷۷
۷۳۶۵ مطلقہ معتدہ کی عدت گزرنے کے بعد نان ونفقہ کا حکم ۶۷۸
۷۳۶۶ مطلقہ کی عدت پوری ہونے کے بعد نان ونفقہ کا حکم ۶۷۹
۷۳۶۷ عدت مکمل ہونے کے بعد مطلقہ کے نان ونفقہ کا حکم ۶۸۰

۷۳۶۸	عدت مکمل ہوجانے کے بعد شوہر پر کچھ بھی واجب نہیں	۶۸۲
	(۲۸) باب ثبوت النسب	۶۸۴
۷۳۶۹	شوہر کا بچہ کے نسب کا انکار کرنا	۶۸۴
۷۳۷۰	اولاد کا نسب شوہر سے ثابت ہوگا یا زانی سے؟	۶۸۵
۷۳۷۱	کیا مجنونہ بیوی سے پیدا شدہ بچہ ثابت النسب ہے؟	۶۸۷
۷۳۷۲	شادی شدہ عورت سے زنا کے نتیجے میں پیدا ہونے والے بچہ کا نسب	۶۸۸
۷۳۷۳	بدکاری کے ذریعہ پیدا شدہ بچی کا نسب	۶۸۹
۷۳۷۴	DNA ٹیسٹ کے ذریعہ ثبوت نسب کی شرعی حیثیت	۶۹۰
۷۳۷۵	نکاح فاسد و باطل میں سے کس میں نسب ثابت ہوگا ؟	۶۹۱
۷۳۷۶	لاعلمی کی وجہ سے منکوحۃ الغیر سے نکاح اور اس سے پیدا شدہ بچوں کا حکم	۶۹۸
۷۳۷۷	موطوءۃ بالشبہہ سے پیدا ہونے والی اولاد کا حکم	۶۹۹
۷۳۷۸	وطی بالشبہہ	۷۰۱
۷۳۷۹	مطلقہ مغلظہ سے ہم بستری کے بعد اولاد کا حکم	۷۰۳
۷۳۸۰	کیا طلاق کے بعد پیدا شدہ بچے ثابت النسب ہوں گے؟	۷۰۴
۷۳۸۱	طلاق مغلظہ کے بعد بیوی کو ساتھ رکھنا اور اس سے ہونے والی اولاد کا حکم	۷۰۶
۷۳۸۲	لمبے عرصہ تک شوہر کے غائب رہنے کی صورت میں پیدا شدہ بچے کا نسب	۷۰۷
۷۳۸۳	کسی نوزائدہ کے بارے میں بیوی کا یہ کہنا کہ یہ میرا بچہ ہے اور شوہر اس کی تصدیق کرنا	۷۰۸
۷۳۸۴	جو بچہ ۶ / ماہ سے کچھ یوم قبل گر جائے اس کا نسب	۷۱۰
۷۳۸۵	نکاح کے چھ ماہ بعد پیدا ہونے والے بچے کا نسب	۷۱۲
۷۳۸۶	کیا نکاح کے چھ ماہ بعد پیدا شدہ بچہ ثابت النسب ہے؟	۷۱۳
۷۳۸۷	شادی کے سات ماہ بعد پیدا شدہ بچہ کا نسب	۷۱۵

۳۸۸ ← نکاح کے ایک دن بعد پیدا ہونے والا بچہ ثابت النسب ہوگا یا نہیں؟ ..... ۷۱۶ ←
۳۸۹ ← نکاح کے ساڑھے پانچ ماہ بعد پیدا ہونے والے بچہ کا نسب ...... ۷۱۶ ←
۳۹۰ ← چھ ماہ سے قبل پیدا ہونے والے بچہ کا نسب .... ۷۱۷ ←

(۲۹) باب الحضانۃ ۷۱۹ ←

۳۹۱ ← بیوی کو طلاق دینے کے بعد بچہ کس کو ملے گا؟ .... ۷۱۹ ←
۳۹۲ ← مطلقہ اگر بچوں کی پرورش نہ کرے تو کیا حکم ہے؟ .... ۷۲۰ ←
۳۹۳ ← بچوں کی پروش کا حقدار اور نفقہ کا ذمہ دار کون ہے؟ .... ۷۲۱ ←
۳۹۴ ← بچوں کی پروش کا حق ماں کے انتقال کے بعد نانی کو ہے یا باپ کو؟ .... ۷۲۲ ←
۳۹۵ ← کیا لڑکا سات سال اور لڑکی مشتہاۃ ہونے تک ماں کے پاس رہیگی؟ .... ۷۲۳ ←
۳۹۶ ← لڑکا اور لڑکی کتنے سال تک کس کے پاس رہیں گے؟ .... ۷۲۴ ←
۳۹۷ ← لڑکی کا حق پرورش کس کو حاصل ہے؟ .... ۷۲۵ ←
۳۹۸ ← نابالغ بچوں کی کفالت کا ذمہ دار کون؟ .... ۷۲۶ ←
۳۹۹ ← بیوی کے پاس بچوں کے ہونے کی صورت میں کفالت کا ذمہ دار کون؟ .... ۷۲۶ ←
۴۰۰ ← بچوں اور مطلقہ بیوی کی رہائش کا ذمہ دار کون؟ .... ۷۲۷ ←
۴۰۱ ← طلاق کے بعد بچے کی پرورش، عدت، اور سامانِ جہیز کا حکم .... ۷۲۸ ←
۴۰۲ ← نابالغ بچوں کا باپ مر جائے تو ان کی پرورش اور ان کے مال کا ولی کون؟ .... ۷۳۰ ←

فہرست عناوین

مسئلہ نمبر	۱۸ کتاب الأیمان والنذور	صفحہ
	(۱) باب الأیمان	۲۴

۱۱۴۰۳ قسم کا دارومدار الفاظ پر ہے یا نیت پر؟ ۲۴
۱۱۴۰۴ قسم میں الفاظ کا اعتبار ہے یا نیت کا؟ ۲۶
۱۱۴۰۵ جس بستی میں نہ جانے کی قسم کھائی وہاں سے گذرنے کا حکم ۲۷
۱۱۴۰۶ مجبوری میں قرآن کی قسم کھانا ۲۸
۱۱۴۰۷ صحیح بات پر قرآن کی قسم کھانا ۲۹
۱۱۴۰۸ قرآن کریم کی جھوٹی قسم کھانا ۳۰
۱۱۴۰۹ غصہ میں قرآن لے کر شادی نہ کرنے کی قسم کھانا ۳۲
۱۱۴۱۰ اولاد کی قسم کھانا ۳۳
۱۱۴۱۱ یمین لغو کی ایک صورت ۳۴
۱۱۴۱۲ چوری ہونے پر تمام محلہ والوں سے طلاق مغلظہ کی قسم دلوانا ۳۵
۱۱۴۱۳ بچہ پیدا نہ ہونے دینے کی قسم کھانا ۳۶
۱۱۴۱۴ ’’مجھے قسم ہے‘‘ کے الفاظ سے حانث ہونا ۳۸
۱۱۴۱۵ إن قبلتني فتقبيلك إياي حرام سے قسم کا انعقاد ۳۸
۱۱۴۱۶ اگر تم نے فلاں عورت سے بات کی تو قسم ہے؟ ۴۰
۱۱۴۱۷ قسم کھا کر کہنا کہ ’’میری جیب میں کتنے روپئے ہیں، صحیح بتانے پر سب دیدوں گا.. ۴۱
۱۱۴۱۸ گھر بچانے کی خاطر جھوٹی قسم کھانا ۴۲
۱۱۴۱۹ چوری کرنے کے بعد جھوٹی قسم کھانا ۴۳
۱۱۴۲۰ کلما کی قسم کا حکم ۴۴
۱۱۴۲۱ کلما کی قسم کا شرعی حکم ۴۶
۱۱۴۲۲ کلما کی قسم کی تلقین کا حکم ۴۷
۱۱۴۲۳ ’’ہم کھا رہے ہیں کلما کی قسم‘‘ کہنا ۴۸
۱۱۴۲۴ بہن بھائیوں سے نہ ملنے کی قسم کھانا؟ ۵۰

۷۴۲۵	تمہارے یہاں کھایا تو سور کا گوشت کھایا	۵۱
۷۴۲۶	بیٹی کے گھر نہ جانے کی قسم توڑنے پر کفارہ	۵۲
۷۴۲۷	بھائی سے نہ بولنے کی قسم کھانا	۵۳
۷۴۲۸	دیورانی اور جیٹھانی کا آپس میں نہ بولنے کی قسم کھانا	۵۴
۷۴۲۹	بیوی سے صحبت نہ کرنے کی قسم کھانا	۵۶
۷۴۳۰	گھر کھانا نہ کھانے کی قسم کھانا	۵۶
۷۴۳۱	حلال جانور کے گوشت کو اپنے اوپر حرام کرنا	۵۷
۷۴۳۲	قسم کھائی کہ اگر اس لڑکی سے شادی نہ ہوئی تو کبھی شادی نہ کرونگا	۵۸
۷۴۳۳	کسی عورت سے نکاح کی قسم کھانے کے بعد عورت کا دوسرے سے نکاح ہوجانا ..	۵۹
۷۴۳۴	دوسری شادی نہ کرنے کی قسم کھانے کے بعد دوسری شادی کرنا	۶۰
۷۴۳۵	لڑکے کا شادی نہ کرنے کی قسم کھا کر شادی کرنا	۶۱
۷۴۳۶	ہندوستان میں نہ رہنے کی قسم کھانا	۶۲
۷۴۳۷	ہندو کے قتل کی قسم کھانا	۶۳
۷۴۳۸	قسم کا کفارہ	۶۵
۷۴۳۹	۱۵۰ ر مرتبہ قسم توڑنے کا کفارہ	۶۶
۷۴۴۰	کفارۂ قسم ادا کرنے کا طریقہ	۶۶
۷۴۴۱	دس مسکینوں کو کھانا کھلانے کی شکل	۶۷
۷۴۴۲	قسم کی خلاف ورزی اور کفارہ کا مستحق	۶۹
	(۲) باب النذور	**۷۰**
۷۴۴۳	کیا محض دل میں ارادہ کرلینے سے نذر منعقد ہوجاتی ہے؟	۷۰
۷۴۴۴	کیا نذر پوری کرنا واجب ہے؟	۷۱
۷۴۴۵	نذر پوری کرنے کا شرعی حکم	۷۲
۷۴۴۶	نذر مان کر اس سے رجوع کرنا	۷۳
۷۴۴۷	نذر میں ایک کام پر تین چیزوں کے معلق کرنے کا حکم	۷۴
۷۴۴۸	کام پورا ہونے سے پہلے نذر نہ ہوگی	۷۶
۷۴۴۹	نذر پوری نہ ہونے پر بکروں کی قربانی کرنا	۷۷
۷۴۵۰	نذر کی تکمیل کے لیے متعینہ مکان ضروری نہیں	۷۸
۷۴۵۱	نذر ذبح اور نذر اضحیہ کا فرق	۷۹

۴۵۲ے	مشرک کی نذر کا حکم	۸۳
۴۵۳ے	نذر میں خیرات کی رقم متعین نہیں کی تو کیا کریں؟	۸۴
۴۵۴ے	متعینہ مدرسہ میں نذر کا پیسہ دیں یا کسی بھی مدرسہ میں؟	۸۵
۴۵۵ے	ایک مسجد میں روپئے دینے کی نذر مان کر دوسری مسجد میں دینا	۸۶
۴۵۶ے	مسجد میں سو روپیہ دینے کی نذر ماننا	۸۷
۴۵۷ے	کاروبار شروع ہونے پر مسجد میں ضرورت کے سامان دینے کی نذر	۸۸
۴۵۸ے	مسجد میں مصلیٰ یا اگربتی دینے کی نذر	۸۹
۴۵۹ے	کام پورا ہونے پر نوافل اور صدقہ وخیرات کی نذر ماننا	۸۹
۴۶۰ے	جو تنخواہ ملے گی اس کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کروں گا	۹۱
۴۶۱ے	بیس ہزار رکعت پڑھنے کی نذر ماننا	۹۲
۴۶۲ے	لا الٰہ انت الخ ۱۲۴۰۰۰ مرتبہ پڑھنے کی نذر ماننا	۹۳
۴۶۳ے	کیا نذر کردہ روزہ کے درمیان ترتیب لازم ہے؟	۹۴
۴۶۴ے	اگر میرا داخلہ فلاں مدرسہ میں ہو جائے تو ایک ماہ کا روزہ رکھوں گا	۹۵
۴۶۵ے	زندگی بھر روزہ رکھنے کی منت کے بعد قدرت نہ ہو تو؟	۹۶
۴۶۶ے	ایک ہی قسم کی نذروں کے متعدد روزہ کی نیت کا طریقہ	۹۷
۴۶۷ے	شوہر کو چلہ کی جماعت میں بھیجنے کی نذر کا شرعی حکم	۹۸
۴۶۸ے	جماعت میں سال لگانے کی نذر ماننا	۱۰۰
۴۶۹ے	امام ومؤذن کو کھانا دینا بہتر ہے یا اس کی رقم	۱۰۰
۴۷۰ے	حرام کام پر مانی ہوئی منت کا پورا کرنا	۱۰۱
۴۷۱ے	کام ہونے پر صدقہ کرنے کی نذر ماننا	۱۰۲
۴۷۲ے	قبروں پر دودھ چڑھانا	۱۰۳
۴۷۳ے	نذر کے بکرے کی عمر کتنی ہو؟	۱۰۴
۴۷۴ے	نذر کے جانور کی عمر	۱۰۵
۴۷۵ے	بکرے کی نذر مانی تھی لیکن غلطی سے بکری خریدی گئی	۱۰۶
۴۷۶ے	اگر میرا فلاں کام ہو گیا تو میں ایک بکرا ذبح کروں گا	۱۰۷
۴۷۷ے	مرض سے شفایابی پر بکرے کی نذر مانی لیکن شفایاب نہ ہوا تو کیا کرے؟	۱۰۷
۴۷۸ے	اولاد کی خوشی میں بکرے اللہ کے نام قربان کرنے کی منت ماننا	۱۰۸
۴۷۹ے	کیا اللہ کے نام پر چھوڑے ہوئے بکرے کی قربانی کر سکتے ہیں؟	۱۰۹

۷۴۸۰	اولیاء کی قبروں پر مرغا بکرا ذبح کرنے سے متعلق سوالات	۱۱۰
۷۴۸۱	بیماری سے شفایابی ہونے پر بزرگ کے مزار پر بکرا ذبح کرنے کی نذر ماننا	۱۱۱
۷۴۸۲	دیوی، مزار اور بت کے نام سے منت ماننا	۱۱۲
۷۴۸۳	صدقہ بکرے کا کریں یا قیمت کا؟	۱۱۳
۷۴۸۴	نذر کے بکرے کی قیمت سے نذر پوری کرنا	۱۱۴
۷۴۸۵	کیا بکرا صدقہ کرنے کی نذر میں قیمت ادا کرنا کافی ہے؟	۱۱۴
۷۴۸۶	نذر شدہ جانور کی قیمت کھلانے کے علاوہ دوسرے کاموں میں لانا..............	۱۱۶
۷۴۸۷	نذر کے جانور کا مصرف	۱۱۷
۷۴۸۸	صدقۂ نافلہ اور نذر معین وغیر معین کے بکرے کا مصرف......................	۱۱۸
۷۴۸۹	نذر کا بکرا کون کون کھا سکتا ہے؟	۱۱۹
۷۴۹۰	کیا نذر کا کھانا مالدار رشتہ دار کھا سکتے ہیں؟	۱۲۰
۷۴۹۱	کیا نذر کے گوشت کا مصرف صرف فقراء ہیں؟	۱۲۱
۷۴۹۲	منت کی شیرینی کے مستحق کون؟ مسجد میں منت کی شیرینی لے جانا..........	۱۲۲
۷۴۹۳	غرباء میں تقسیم کی نیت کے بعد گوشت کا خود کھانا اور مالداروں کو کھلانا	۱۲۳
۷۴۹۴	ناذر کے اہل خانہ کا نذر شدہ بکرے کا گوشت کھانا	۱۲۴
۷۴۹۵	بیماری کا بکرا فقیروں کے لیے بھی ناجائز	۱۲۵

	۱۹ کتاب الحدود	
	(۱) باب القصاص والدیة	۱۲۶

۷۴۹۶	مسلمان کو قتل کرنے والے کی معافی کی کیا صورت ہے؟	۱۲۶
۷۴۹۷	ساڑھے سات ماہ کے حمل کو نکلوا کر پھینکنے والی عورت کا حکم	۱۲۷
۷۴۹۸	زانیہ بیوی کو چاقو سے مارنے والا شخص قاتل ہے	۱۲۸
۷۴۹۹	زانی وزانیہ کی سزا..	۱۲۹
۷۵۰۰	لڑکی کے زنا کا دعویٰ کرنے سے زنا کا ثبوت	۱۳۰
۷۵۰۱	غیر اسلامی ممالک میں زانی کی سزا	۱۳۲
۷۵۰۲	زنا کا کفارہ کیا ہے؟	۱۳۴
۷۵۰۳	بدکاری سے عورت حرام نہیں ہوتی	۱۳۵
۷۵۰۴	کیا شراب کو بڑھاوا دینے والے کو موت کی سزا دی جاسکتی ہے؟	۱۳۶

۷۵۰۵	چیخ وپکار سے ہونے والی موت کا ذمہ دار کون؟	۱۳۸
۷۵۰۶	کیا حکومت کا ساتھ دینے والا شخص واجب القتل ہے؟	۱۴۰
۷۵۰۷	حادثہ کے بعد ذمہ دار ڈرائیور ہے یا مالک جبکہ مالک کے ذمہ دار ہونیکا کا معاہدہ ہو ..	۱۴۱
۷۵۰۸	ایکسیڈینٹ کی صورت میں کیا ڈرائیور پر دیت واجب ہے، اور دیت کی مقدار؟	۱۴۲
۷۵۰۹	حادثہ کا شکار ہونے والے کے ورثاء کیلئے سرکاری امداد حاصل کرنا........	۱۴۳
۷۵۱۰	حادثہ میں مرنے والے کے معاوضہ کا حکم....................................	۱۴۴
۷۵۱۱	حکومت سے ملنےوالی امدادی رقم کا مستحق کون ہے؟..........................	۱۴۵
۷۵۱۲	مقتول کے ورثاء کا مال پر صلح کرنا	۱۴۶
۷۵۱۳	بطور تاوان دی گئی رقم کا حکم	۱۴۸

	(۲) باب التعزیر	**۱۴۹**

۷۵۱۴	غلط مسئلہ بتانے پر بطور تاوان دعوت کھانا	۱۴۹
۷۵۱۵	طلبہ سے غیر حاضری پر مالی تاوان لینا..	۱۵۱
۷۵۱۶	غیر حاضری کی بنا پر طلبہ سے فیس لینا..	۱۵۲
۷۵۱۷	مدارس واسکولوں میں طلبہ سے لیٹ فیس وصول کرنا	۱۵۳
۷۵۱۸	بطور سزا یا غلطی پر مالی جرمانہ وصول کرنے کا حکم	۱۵۴
۷۵۱۹	شوہر کا بیوی کی طرف سے دائر کیے گئے جھوٹے مقدمے کا خرچہ بیوی سے وصول کرنا	۱۵۵
۷۵۲۰	ڈاکٹر سے جرمانہ وصول کرنے کی ایک شکل...	۱۵۷
۷۵۲۱	پچاس ہزار کے مالی جرمانہ کا حکم	۱۵۸
۷۵۲۲	پنچایت کے عائد کردہ مالی جرمانہ کی شرعی حیثیت	۱۵۹
۷۵۲۳	کمیٹی والوں کا کسی شخص کو مالی یا جسمانی سزا دینا................................	۱۶۱
۷۵۲۴	مالی جرمانہ ودیگر مسائل..	۱۶۲

	۲۰ كتاب الجهاد	
	(۱) باب الهجرة	**۱۶۴**

۷۵۲۵	ہجرت کی شرعی حیثیت	۱۶۴
۷۵۲۶	اسلام میں جہاد مدافعانہ ہے یا جارحانہ بھی؟...	۱۶۵
۷۵۲۷	مسلمانوں پر جہاد کب فرض ہے؟	۱۶۶

۷۵۲۸	کیا ہندوستانی مسلمانوں پر جہاد فرض ہے؟	۱۶۸
۷۵۲۹	کیا ہندوستان میں ہندؤں سے جہاد کی شرائط پائی جاتی ہیں؟	۱۷۰
۷۵۳۰	کیا کفار سے جہاد کرنا اکراہ میں داخل ہے؟	۱۷۱
۷۵۳۱	کفارِ ہند ذمی ہیں یا حربی؟	۱۷۳
۷۵۳۲	کیا ہندؤں کا لوٹا ہوا مال مالِ غنیمت ہے؟	۱۷۴
۷۵۳۳	کسی لڑائی میں غیروں کا مال آجائے تو کیا حکم ہے؟	۱۷۵

	۲۱ کتاب اللقطة	
	(۱) باب اللقطة	۱۷۷

۷۵۳۴	لقطہ کا حکم	۱۷۷
۷۵۳۵	ملتقط فقیر کا لقطہ سے فائدہ اٹھانا جائز ہے	۱۷۸
۷۵۳۶	نامعلوم شخص کے کبوتر گھر آجائیں تو ان کا حکم	۱۷۹
۷۵۳۷	نامعلوم شخص کی مرغی گھر آجائے تو اس کا حکم	۱۸۰
۷۵۳۸	اسٹیشن پر ملنے والی سونے کی چین کا حکم	۱۸۱
۷۵۳۹	لقطہ کی رقم مسجد میں لگانا	۱۸۲
۷۵۴۰	گمشدہ روپئے اٹھا کر مسجد میں دینا	۱۸۳
۷۵۴۱	لقطہ کے جانور پر خرچ کی گئی رقم کہاں سے وصول کریں؟	۱۸۴
۷۵۴۲	نابالغ لڑکے نے پائی ہوئی رقم ضائع کردی	۱۸۵

	۲۲ کتاب الإمارة و السياسة	۱۸۷

۷۵۴۳	امت کی قیادت وامامت میں اسلام کا نقطۂ نظر	۱۸۷
۷۵۴۴	قرآن وحدیث سے ہٹ کر اسلامی قانون بنانا	۱۸۹
۷۵۴۵	برادری کے صدر کا دوسری شادی کے متعلق دستور شائع کرنا	۱۹۰
۷۵۴۶	ہندوستان میں بیت المال قائم کرنا کیسا ہے؟	۱۹۱
۷۵۴۷	ہندوستان دار الحرب ہے یا دار الاسلام؟	۱۹۳
۷۵۴۸	وندے ماترم اور قومی ترانہ کے الفاظ عقیدہ کے خلاف تو نہیں	۱۹۴
۷۵۴۹	حکومت کا مسلمانوں میں پسماندہ وغیر پسماندہ کی تقسیم کرنا	۱۹۶
۷۵۵۰	سفیر کا چندہ کرنے کے لیے دو پاسپورٹ بنوانا	۱۹۸

۷۵۵۱	بغیر لائسنس کے ہندوستان میں اسلحہ رکھنا	۱۹۸
۷۵۵۲	عالم دین کے الیکشن لڑنے سے متعلق چند سوالات	۲۰۰
۷۵۵۳	مسلمانوں کے لیے سیاست میں حصہ لینا کیسا ہے؟	۲۰۲
۷۵۵۴	کیا عورتیں کمیٹی کا رکن بن سکتی ہیں؟	۲۰۳
۷۵۵۵	عورتوں کا الیکشن میں کھڑے ہونا	۲۰۴
۷۵۵۶	عورت ووٹ لینے یا دینے کی حقدار ہے یا نہیں؟	۲۰۵
۷۵۵۷	ائمہ حضرات کے لیے حکومتی امداد حاصل کرنا ازروئے شرع کیسا ہے؟	۲۰۵
۷۵۵۸	سیاسی عالم کا غیر مسلم کو رادھا کرشن کی تصویر دینا	۲۰۷
۷۵۵۹	کیا آئین ہند کے حامی باطل کے حامی ہیں	۲۰۸
۷۵۶۰	چیرمین پر سڑک کی تعمیر کیلئے حکومت سے ملنے والی رقم کو وہیں صرف کرنا لازم ہے ...	۲۰۹
۷۵۶۱	چیرمین کا کسی ضرورتمند کو نگر پالیکا کی زمین بغیر معاوضہ کے دینا	۲۱۰
۷۵۶۲	سرکاری گاڑیوں کی مرمت کا خرچہ سرکار سے وصول کرنا	۲۱۱
۷۵۶۳	چک بندی کی شرعی حیثیت	۲۱۲
۷۵۶۴	عراق کے کویت پر غاصبانہ قبضہ کرنے سے متعلق چند سوالات	۲۱۴
۷۵۶۵	کفیل کا حکومت کا فنڈ خود استعمال کرنا	۲۱۹
۷۵۶۶	۶۰/سال سے اوپر عمر والی بیواؤں اور بوڑھوں کو منجانب سرکار ملنے والی امداد کا حکم	۲۲۰
۷۵۶۷	حکومت سے روپیہ ملنے کی ایک جائز صورت	۲۲۱
۷۵۶۸	فساد زدہ لوگوں کا حکومتی امداد لینا	۲۲۲
۷۵۶۹	دوکانداروں کے لیے حکومت کا تعاون لینا	۲۲۳
۷۵۷۰	مکان وغیرہ کی تعمیر کے لیے مالداروں کا حکومتی امداد لینا	۲۲۳
۷۵۷۱	سرکاری تعاون لے کر ضرورت پوری کرنا	۲۲۴
۷۵۷۲	نومسلمہ کا اپنا ہندوانی نام بتا کر ووٹ حاصل کرنا	۲۲۶

۲۳ کتاب القضاء

	(۱) باب ما یتعلق بنفس القضاء	۲۲۸
	غیر اسلامی ممالک میں اسلامی نظام قضاء کا تصور	۲۲۸
	نظام قضاء کی اہمیت	۲۲۸
۷۵۷۳	غیر اسلامی ممالک میں اسلامی نظامِ قضاء	۲۳۰
	واجب الطاعۃ کا مصداق	۲۳۲

	ایک اہم شبہ	۲۳۳
	شبہ کا ازالہ اور بلاد کی اقسام	۲۳۴
	غیر اسلامی ممالک میں امیر وقاضی بننے کیلئے ہر حلقہ کے اہل حل وعقد کی رضا شرط ہے ...	۲۳۷
۷۵۷۴	قضاء اور قاضیٔ شرعی کی حقیقت	۲۳۸
	قضاء کی حقیقت	۲۳۸
	شرعی قاضی کی حقیقت	۲۳۹
	اہلیت قضاء کی شرائط	۲۴۰
	قضاء کی تعریف میں الزام کا مصداق	۱۴۱
	قوت منفذہ قاضیٔ شرعی کا جزء لاینفک اور صفت لازمہ نہیں	۲۴۳
	قاضی اور مفتی میں فرق	۲۴۴
۷۵۷۵	قاضی کا حلقۂ عمل اور دائرۂ اختیار	۲۴۵
۷۵۷۶	غیر اسلامی حکومت کی طرف سے مسلم قاضی کا تقرر	۲۴۷
	ولایۃ الکافر علی المسلم کا مسئلہ	۲۴۹
	غیر اسلامی حکومت میں مسلم امراء کی طرف سے قاضی کا تقرر	۲۵۰
	تراضیٔ مسلمین سے جو قاضی مقرر ہوتا ہے اس سے قاضیٔ جمعہ مراد نہیں	۲۵۲
	تراضیٔ مسلمین سے تقرر قاضی پر اشکال	۲۵۳
	جوابات	۲۵۴
	قوت عسکری اور قوت قاہرہ نظام قضاء کے لیے شرط نہیں	۲۵۴
	جوابات	۲۵۵
	ہندوستان کے نظام قضاء پر اکابر کی عدم موافقت کیوں ہوئی؟	۲۵۶
	جوابات	۲۵۶
	اکابر مفتیان کا فتویٰ	۲۵۸
۷۵۷۷	الحیلۃ الناجزۃ لکھنے کی وجہ	۲۵۸
	تلفیق کی بحث	۲۶۰
۷۵۷۸	نظام قضاء کے بعد مذہب مالکی کے مطابق جماعت مسلمین کی عدم ضرورت	۲۶۲
۷۵۷۹	مقام واحد میں تعدد قضاۃ	۲۶۳
	آخر میں ایک اہم مشورہ	۲۶۵
۷۵۸۰	محکمۂ شرعیہ کی حیثیت	۲۶۵

۵۸۱ے	محکمہ شرعیہ کی حیثیت	۲۶۶
۵۸۲ے	قضاء قاضی کے لیے کن امور کو مدنظر رکھنا ضروری ہے؟	۲۶۸
۵۸۳ے	امارت شرعیہ سلطان کے قائم مقام ہے یا قاضی کے؟	۲۶۹
۵۸۴ے	قاضی یاامام کا متبع شریعت اور مسائل شرعیہ سے واقف ہونالازم ہے	۲۷۰
۵۸۵ے	دھوکہ باز کو قاضی متعین کرنا	۲۷۲
۵۸۶ے	کیا فیصلہ کی کاپی ہر فریق کو ملنی چاہیے؟	۲۷۳
۵۸۷ے	فیصلہ کے لیے فریقین کا موجود ہونالازم ہے	۲۷۴
۵۸۸ے	ناحق فیصلہ کرنے کا حکم	۲۷۵
	حکموں کا فیصلہ	۲۷۷
۵۸۹ے	شریعت کے خلاف فیصلہ صادر کرنے والی پنچایت میں شرکت کا حکم	۲۸۰
]۵۹۰ے	قضاء اور تحکیم کے بعض مسائل	۲۸۰
۵۹۱ے	جائیداد کے لیے دوفریق میں جھگڑے کا فیصلہ	۲۸۳

	(۲) باب الشهادة	۲۸۷

۵۹۲ے	دعویٰ بغیر گواہی کے قبول نہیں	۲۸۷
۵۹۳ے	فاسق کی شہادت مقبول ہے یا مردود؟	۲۸۸
۵۹۴ے	کیا فاسق اور قرآن کریم کی قسم کھانے والے کی گواہی معتبر ہے؟	۲۸۹
۵۹۵ے	بیوی کا شوہر کے خلاف طلاق کے بارے میں جھوٹی گواہی دینا	۲۹۱
۵۹۶ے	البينة على المدعي واليمين على من أنكر	۲۹۲
۵۹۷ے	مقدمہ میں گواہوں کو پیش کرنا کس کے ذمہ لازم ہے، مدعی کے یا مدعیٰ علیہ کے	۲۹۳
۵۹۸ے	گونگی باؤلی لڑکی کا اشارے سے اپنے حمل کو دو آمیوں کا بتلانا	۳۹۳
۵۹۹ے	مشرقی یوپی کا معاملہ مدعی علیہ کے اخراجات کے متحمل نہ ہونے کے باوجود مغربی یوپی میں دائر کرنا	۲۹۵
۶۰۰ے	ایک جگہ کی شرعی پنچایت کے فیصلہ کو روک کر دوسری جگہ اپیل کرنا	۲۹۶
۶۰۱ے	باپ بیٹے کی گواہی ایک دوسرے کے حق میں کہاں کہاں معتبر ہے	۲۹۷
۶۰۲ے	ووٹ کے متعلق چند ضروری مسائل	۲۹۷
۶۰۳ے	ووٹ کی شرعی حیثیت	۳۰۰

٢٤ كتاب الوقف

(۱) باب ما يتعلق بنفس الوقف ۳۰۱

۷۶۰۴	وقف کی جائیداد کا مالک کون؟	۳۰۱
۷۶۰۵	موقوفہ زمین اللہ کی ملک ہے	۳۰۲
۷۶۰۶	واقف کا مالک ہونا ضروری ہے	۳۰۳
۷۶۰۷	ارادہ ظاہر کرنے سے وقف تام نہیں ہوتا	۳۰۵
۷۶۰۸	زبانی وقف کرنے سے مسجد کا حکم	۳۰۶
۷۶۰۹	صرف بنیاد رکھنے سے شرعی مسجد کا حکم	۳۱۰
۷۶۱۰	بنیاد رکھنے سے مسجد کا حکم	۳۱۱
۷۶۱۱	میرے مکان میں مسجد بنالو اور اس کے بدلہ مجھ کو کوئی زمین دیدینا کہنے کا حکم	۳۱۲
۷۶۱۲	نہ بیچنے کی شرط لگا کر مسجد کو زمین وقف کرنا	۳۱۴
۷۶۱۳	جس جگہ کو مسجد کے نام سے خریدا گیا ہو وہ مسجد ہے یا نہیں؟	۳۱۵
۷۶۱۴	زمین وقف کرنے کے بعد اپنی ملکیت میں لینا	۳۱۸
۷۶۱۵	موقوفہ زمین میں مالکانہ حقوق کسی کو حاصل نہیں ہوتے	۳۱۹
	پانچ پانچ روپئے کے اسٹام پیپر پر لکھا ہوا اقرارنامہ	۳۲۱
۷۶۱۶	وقف تام ہونے کے بعد واقف کے رشتہ دار کا غاصبانہ طور پر فائدہ اٹھانے سے متعلق مختلف احکام	۳۲۵
۷۶۱۷	صدقۂ جاریہ کی رقم سے تعمیر عمارت کو منہدم کر کے اس میں کاشت کرنیکا حکم	۳۲۸
۷۶۱۸	والدہ مرحومہ کی وقف علی الخیر جائیداد سے اپنی ضرورت پوری کرنا	۳۲۹
۷۶۱۹	وقف علی اللہ وصیت کرتا ہوں کہنے کا حکم	۳۳۰
۷۶۲۰	کعبۃ اللہ اور مسجد نبوی کے نام وقف کی آمدنی کا حکم	۳۳۲
۷۶۲۱	متعینہ مصارف پر صرف کرنا لازم ہے	۳۳۴
۷۶۲۲	واقف کی شرط کا حکم	۳۳۵
۷۶۲۳	واقف کی شرائط کو پورا کرنے کا حکم	۳۳۶
۷۶۲۴	واقف کی غرض کے خلاف وقف کے استعمال کا حکم	۳۳۷
۷۶۲۵	غرض الواقف کی خلاف ورزی جائز نہیں ہے	۳۳۹
۷۶۲۶	شرائط واقف کی رعایت لازم لیکن استبدال کی شرط معتبر نہیں	۳۴۰

۷۶۲۷	قبرستان کے لیے زمین وقف کرکے اس سے رجوع کرنا............	۳۴۳
۷۶۲۸	سرکاری زمین پر مدرسہ قائم کرنا............	۳۴۴
۷۶۲۹	سوال و جواب............	۳۴۵
۷۶۳۰	پٹہ کی زمین پر مدرسہ کی تعمیر............	۳۴۶
۷۶۳۱	جائیداد مدرسہ کو دے یا بھائی کو؟............	۳۴۷
۷۶۳۲	اپنی ملکیت کی زمین پر مدرسہ قائم کرنا............	۳۴۸
۷۶۳۳	محکمۂ کسٹوڈین کے قبضہ میں آنے والی موقوفہ جائیداد کا حکم............	۳۴۹
	(۲) باب الوقف علی الأولاد	**۳۵۱**
۷۶۳۴	وقف علی الأولاد............	۳۵۱
۷۶۳۵	وقف علی الاولاد کی ایک صورت............	۳۵۲
۷۶۳۶	وقف علی الاولاد کا حکم............	۳۵۴
۷۶۳۷	اولاد اکبر کے انتقال کے بعد مکان موقوفہ کا مالک کون؟............	۳۵۶
۷۶۳۸	واقف کی شرط کی پابندی لازم ہے............	۳۵۹
۷۶۳۹	تولیت میں واقف کی شرائط کا حکم............	۳۶۰
۷۶۴۰	وقف علی الاولاد کی صورت میں نسل ختم ہونے پر متولی کون ہوگا؟............	۳۶۳
۷۶۴۱	وقف علی الاولاد میں واقف کی اولاد کے علاوہ کا متولی بننا............	۳۶۶
۷۶۴۲	وقف علی الاولاد کا متولی کون ہو؟ اس کو فروخت کرنے اور اس میں کس کو رہائش کا اختیار ہے؟............	۳۶۷
۷۶۴۳	وقف علی الاولاد جائیداد کو میراث کی طرح تقسیم کرنا............	۳۷۰
۷۶۴۴	وقف علی الاولاد کی جائیداد کی تقسیم............	۳۷۳
۷۶۴۵	وقف علی الاولاد جائیداد کی تقسیم کا ایک مسئلہ............	۳۷۴
۷۶۴۶	وقف علی الاولاد میں مذکر ومؤنث سب شامل ہوتے ہیں............	۳۷۵
۷۶۴۷	وقف علی الاولاد میں تولیت کا حق کس کس کو حاصل ہے؟............	۳۷۶
۷۶۴۸	اولاد ذکور کی عدم موجودگی میں اولاد اناث متولی بنے گی............	۳۷۸
۷۶۴۹	وقف علی الاولاد سے متعلق ایک جامع فتویٰ............	۳۷۹
۷۶۵۰	وقف علی الاولاد میں شرعی ورثاء کے علاوہ کسی اور کا حق نہیں ہے............	۳۸۲
۷۶۵۱	واقف کی اولاد کا موقوفہ علی الاولاد مکان پر دوسری منزل تعمیر کرنا............	۳۸۳

۷۶۵۲ وقف علی الاولاد شیٔ کی بیع ۳۸۴
۷۶۵۳ وقف علی الاولاد جائیداد کوفروخت کرنا ۳۸۵
۷۶۵۴ وقف علی الاولاد جائیداد کو ضائع ہونے کے خطرہ سے فروخت کرنا ۳۸۷

	(۳) باب ولایۃ الوقف	۳۸۸

۷۶۵۵ کیا تولیت میں حق وراثت جاری ہوتی ہے؟ ۳۸۸
۷۶۵۶ واقف کے ورثہ کی موجودگی میں غیر کا متولی بننا ۳۸۹
۷۶۵۷ واقف کی اولاد میں بیٹا متولی ہوگا یا پوتا؟ ۳۹۱
۷۶۵۸ باشرع متولی پر الزام لگا کر تولیت سے ہٹانا ۳۹۲
۷۶۵۹ فاسق مسجد کا متولی ہوسکتا ہے یا نہیں؟ ۳۹۳
۷۶۶۰ جو شخص مسجد کا حساب وکتاب نہ دے اس کو متولی بنانا ۳۹۴
۷۶۶۱ تولیت وقف کا حقدار خائن شخص نہیں ہے ۳۹۵
۷۶۶۲ متولی کا نااہل کو جانشیں بنانا ۳۹۷
۷۶۶۳ رشوت دے کر اپنے نام تولیت کرانا ۳۹۹
۷۶۶۴ واقف کی شرط کے خلاف اولادِ اناث کی مذکر اولاد کو متولی بنانا ۴۰۰
۷۶۶۵ وقف نامہ میں واقف کی شرائط پر عمل کرنا لازم ہے ۴۰۴
۷۶۶۶ وقف کے مقصد کی تکمیل میں رکاوٹ ڈالنے والے متولی کو ہٹانا ۴۰۵
۷۶۶۷ متولی کا کہنا کہ مسجد ہم نے اپنے فائدے کے لیے بنوائی ہے کیسا ہے؟ ۴۰۷
۷۶۶۸ وقف علی الخیر کو وقف علی الاولاد میں تبدیل کرنا ۴۰۸
۷۶۶۹ حسب مصالح واقف منتظمین کا جائیداد موقوفہ میں ترمیم وتعمیر کرنا ۴۱۰
۷۶۷۰ وقف علی الاولاد مکان کو متولی کا فروخت کرنا یا کرائے پر دینا ۴۱۱
۷۶۷۱ متولی کا مسجد کے سامان میں خیانت کرنا ۴۱۴
۷۶۷۲ متولی مسجد کی خیانت اگر ثابت ہوجائے تو کیا حکم ہے؟ ۴۱۵
۷۶۷۳ متولی کو مسجد پر مالکانہ قبضہ اور ناجائز تصرف کا حق حاصل نہیں ۴۱۷
۷۶۷۴ سود اور مسجد کی رقم استعمال کرنے والے متولی کا حکم ۴۱۸
۷۶۷۵ واقف کی غرض کے خلاف موقوفہ زمین میں تصرف کرنا ۴۲۰

	(۴) باب بیوع الأوقاف	۴۲۲

۷۶۷۶ وقف کی زمین فروخت کرنا ۴۲۲

۷۶۷۷	زیادتی آمدنی کی غرض سے وقف کی زمین فروخت کرنا	۴۲۳
۷۶۷۸	ناقابل انتفاع موقوفہ زمین کو بیچ کر قابل انتفاع زمین خریدنا	۴۲۴
۷۶۷۹	مسجد کی زمین کو فروخت کرنا	۴۲۵
۷۶۸۰	تکمیل وقف کے بعد ہبہ کرنا	۴۲۶
۷۶۸۱	موقوفہ زمین کو فروخت کرنا	۴۲۷
۷۶۸۲	موقوف زمین کو فروخت کر کے اس کی جگہ دوسری زمین خریدنا	۴۲۹
۷۶۸۳	مسجد کے لیے وقف شدہ زمین کو فروخت کرنا	۴۳۰
۷۶۸۴	مسجد کی موقوفہ زمین فروخت کرنا	۴۳۱
۷۶۸۵	مسجد کی زمین کب فروخت کرنا جائز ہے؟	۴۳۱
۷۶۸۶	مسجد کی زمین بضرورت فروخت کرنا	۴۳۳
۷۶۸۷	مسجد کی خستہ زمین فروخت کر کے دوسری زمین خریدنا	۴۳۴
۷۶۸۸	کیا مسجد شرعی بننے کے بعد اسے بیچا نہیں جا سکتا؟	۴۳۵
۷۶۸۹	مسجد شرعی کے تحقق کے بعد اس کی خرید وفروخت کا حکم	۴۳۷
۷۶۹۰	تعمیر مسجد کے لیے زمین کو فروخت کرنا	۴۳۸
۷۶۹۱	تعمیری ضرورت کے پیش نظر مسجد کا مکان فروخت کرنا	۴۴۱
۷۶۹۲	مسجد کے پرانے ملبے کا حکم	۴۴۳
۷۶۹۳	مسجد فروخت کر دینا اور سامانِ مسجد اپنے کاروبار میں لگانا	۴۴۵
۷۶۹۴	مسجد کی زمین فروخت کر کے دوسری جگہ خریدنا	۴۴۶
۷۶۹۵	مسجد کے نام پر دیئے گئے پلاٹ کو فروخت کر کے رقم دوسری مسجد میں لگانا	۴۴۸
۷۶۹۶	مسجد بنانے کی غرض سے خریدی گئی زمین کی قیمت ادا کرنے سے قبل مسجد کی تعمیر	۴۵۰
۷۶۹۷	مدرسہ کی زمین کس کے ہاتھ فروخت کی جائے	۴۵۱
۷۶۹۸	مدرسہ کی زمین بیچ کر اپنا قرضہ وصول کرنا	۴۵۲
۷۶۹۹	آبادی کے لیے قبرستان فروخت کر کے دوسری جگہ اس کی زمین خریدنا	۴۵۴
۷۷۰۰	قبرستان کو فروخت کرنا	۴۵۵
۷۷۰۱	وقف کردہ ذاتی قبرستان کی خالی زمین کو فروخت کرنا	۴۵۶
۷۷۰۲	پرانے قبرستان کی خرید وفروخت	۴۵۷
۷۷۰۳	جس مکان میں قبرستان کی جگہ آ گئی اس کو خریدنا	۴۵۷
۷۷۰۴	چہار دیواری کے لیے قبرستان کی کچھ زمین فروخت کرنا	۴۵۸

۷۷۰۵	قبرستان کے درخت فروخت کرکے چہار دیواری قائم کرنا	۴۵۹
۷۷۰۶	قبرستان کی چہار دیواری کیلئے زمین کوفروخت کرنا...............	۴۶۰
	(۵) باب استبدال الأوقاف	**۴۶۲**
۷۷۰۷	مسجد کو اپنی جگہ سے منتقل کرنا	۴۶۲
۷۷۰۸	مسجد کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا...............	۴۶۳
۷۷۰۹	مسجد منتقل کرنے کا حکم	۴۶۴
۷۷۱۰	کیا مسجد کی زمین کو تبدیل کرنے کی شرعا گنجائش ہے؟...............	۴۶۵
۷۷۱۱	مسجد کے موقوفہ مکان کو دوسری مسجد میں تبدیل کرنا	۴۶۶
۷۷۱۲	مسجد اور اس کی زمین کا دوسری زمین سے تبادلہ کرنا...............	۴۶۷
۷۷۱۳	مسجد کی زمین کا تبادلہ کرنا	۴۶۹
۷۷۱۴	مسجد کی زمین کا تبادلہ کب جائز ہے؟	۴۷۱
۷۷۱۵	نماز کے لیے مخصوص مسجد کی جگہ کو دوسرے مقصد میں استعمال کرنا	۴۷۲
۷۷۱۶	مسجد کی جگہ تبدیل کرنا	۴۷۳
۷۷۱۷	مسجد کی زمین کے تبادلہ کا حکم	۴۷۴
۷۷۱۸	واقف کی اجازت سے مسجد کی زمین کو دوسری زمین سے بدلنا	۴۷۶
۷۷۱۹	مسجد کے لیے دی گئی زمین کو دوسری بری زمین سے تبدیل کرنا...............	۴۷۷
۷۷۲۰	مسجد کے مکان کا دوسرے مکان سے تبادلہ کرنا...............	۴۷۹
۷۷۲۱	مسجد کی آراضئ موقوفہ کا استبدال...............	۴۸۰
۷۷۲۲	مسجد کی زمین کا دوسری جگہ سے تبادلہ کرنا	۴۸۲
۷۷۲۳	مسجد کے کونے کو عذر کی بناء پر مسجد سے خارج کرنا...............	۴۸۳
۷۷۲۴	مسجد کا بعض حصہ سڑک میں شامل کرکے دوسری جانب زمین لینا	۴۸۴
۷۷۲۵	مسجد کا حصہ قیمت یا بلا قیمت پڑوسی کو دینا	۴۸۷
۷۷۲۶	نئ دہلی ریلوے اسٹیشن کے درمیان کی مسجد کے تبادلہ کا مسئلہ	۴۸۹
۷۷۲۷	واقف کے وارث کا موقوفہ مکان کو ایک ہزار روپئے کے بدلہ لینا	۴۹۰
۷۷۲۸	مسجد کی زمین میں ذاتی رقم سے رہائشی مکان تعمیر کرنا...............	۴۹۱
۷۷۲۹	مسجد کی دیوار توڑ کر اس کو پختہ بنا کر اپنے مکان کی چھت ڈالنا	۴۹۲
۷۷۳۰	مسجد کے ماتحت مدرسہ یا دینی ہال بنانا...............	۴۹۳

۷۷۳۱	مسجد کو مدرسہ اور وضو خانہ میں تبدیل کرنا	۴۹۵
۷۷۳۲	مسجد کی زمین مدرسہ کو وقف کرنا	۴۹۷
۷۷۳۳	نامعلوم پوشیدہ قبر کو ہموار کر کے اس زمین میں مسجد مدرسہ بنانا	۴۹۷
۷۷۳۴	مسجد کے وضوخانہ پر اسکول کا حکم	۴۹۸
۷۷۳۵	مسجد کی جائیداد اور کمروں میں اسکول چلانا	۴۹۹
۷۷۳۶	خفیہ طور پر مسجد کی زمین میں ہسپتال یا اسکول بنانا	۵۰۰
۷۷۳۷	مسجد میں اسکول قائم کرنا	۵۰۲
۷۷۳۸	مسجد ومدرسہ کی زمین میں سرکاری اسکول بنانا	۵۰۵
۷۷۳۹	مسجد کی موقوفہ زمین میں اسکول بنانا	۵۰۶
۷۷۴۰	کار پارکنگ کی منزل کو مسجد بنانا	۵۰۷
۷۷۴۱	مسجد کی جگہ مندر بنانے کی حمایت کرنا	۵۰۸
۷۷۴۲	مسجد کی جگہ میں اسکول بنانا	۵۰۹
۷۷۴۳	مسجد کی زمین مندر بنانے کے لیے دینا جائز نہیں	۵۱۱
۷۷۴۴	مسجد کا کچھ حصہ دوکان بنانے میں لینا	۵۰۲
۷۷۴۵	وقف کردہ مکان کو وقف تام ہونے کے بعد بدلنا	۵۱۳
۷۷۴۶	مسجد کی زمین پر رفاہی ہسپتال قائم کرنا	۵۱۴
۷۷۴۷	غیر وقف شدہ مدرسہ کی زمین کا تبادلہ کرنا	۵۱۶
۷۷۴۸	مدرسہ کو ماڈرن اسکول میں تبدیل کرنا	۵۱۸
۷۷۴۹	مدرسہ کی زمین پر سرکاری مدرسہ یا اسکول بنانا	۵۲۰
۷۷۵۰	پرانی قبروں پر مدرسہ کا بیت الخلاء بنانا	۵۲۱
۷۷۵۱	موقوفہ قبرستان میں دوکان، کارخانہ وغیرہ کی تعمیر	۵۲۲
۷۷۵۲	مزار پر لینٹر ڈال کر مدرسہ بنانا	۵۲۴
۷۷۵۳	کیا قبرستان میں بنائی گئی مسجد میں پڑھی گئی نمازیں واجب الاعادہ ہیں؟	۵۲۵
۷۷۵۴	مدرسہ کو مسجد بنانا	۵۲۵
۷۷۵۵	مدرسہ کی زمین میں مسجد تعمیر کرنا	۵۲۶
۷۷۵۶	مدرسہ کے نام سے دی گئی زمین پر مسجد اور قبرستان بھی بنانا	۵۲۷
۷۷۵۷	وقف شدہ غیر مستعمل کنواں پر مدرسہ کی تعمیر کرنا	۵۲۹
۷۷۵۸	مدرسہ کی زمین پر مسجد تعمیر کرنے کا حکم	۵۳۱

۷۷۵۹ گرام سماج کی زمین میں مدرسہ بنانا ۵۳۲
۷۷۶۰ موقوفہ بوسیدہ قبرستان پر دینی مدرسہ بنانا ۵۳۳
۷۷۶۱ مدرسہ کی آراضی کو مزار میں شامل کرنا ۵۳۴
۷۷۶۲ مدرسہ کی جگہ پر قبرستان بنانا ۵۳۵
۷۷۶۳ مدرسہ کو منتقل کرنا ۵۳۶
۷۷۶۴ مسجد و مدرسہ کی زمین کا تبادلہ کرنا ۵۳۸
۷۷۶۵ مدرسہ کی زمین پر اسکول کھولنا ۵۳۹
۷۷۶۶ قبرستان میں پلر لگا کر اس پر مسجد بنانا ۵۴۰
۷۷۶۷ قبرستان کی آراضی میں مسجد تعمیر کرنا ۵۴۱
۷۷۶۸ بوسیدہ قبرستان میں مسجد تعمیر کرنا ۵۴۲
۷۷۶۹ بوسیدہ قبرستان میں مسجد تعمیر کرنا ۵۴۳
۷۷۷۰ قبرستان کی زمین کو مسجد میں صرف کرنا ۵۴۴
۷۷۷۱ قبرستان کی خالی جگہ میں اتفاق رائے سے مسجد بنانا ۵۴۵
۷۷۷۲ قبرستان کی افتادہ زمین میں مسجد بنانا ۵۴۶
۷۷۷۳ قبرستان کی فاضل زمین پر مسجد بنانا ۵۴۷
۷۷۷۴ قبرستان کی فاضل زمین پر مسجد بنانے کا حکم ۵۵۰
۷۷۷۵ بہت پرانی قبروں پر مسجد بنانا ۵۵۴
۷۷۷۶ مملوکہ قبرستان میں توسیع مسجد باجازت مالکان ۵۵۵
۷۷۷۷ بوسیدہ قبروں کو مسجد کی توسیع میں داخل کرنا ۵۵۶
۷۷۷۸ پرانے قبرستان میں مسجد بنا کر نماز پڑھنا ۵۵۶
۷۷۷۹ قبرستان کی خالی زمین پر عبادت گاہ بنانا ۵۵۸
۷۷۸۰ پندرہ سال پرانی قبروں کو ختم کر کے مسجد بنانا ۵۵۹
۷۷۸۱ قبرستان یا میونسپل بورڈ کی زمین میں مسجد تعمیر کرنا ۵۶۰
۷۷۸۲ قبرستان میں مسجد یا کار پارکنگ بنانا ۵۶۲
۷۷۸۳ قبر برابر کر کے مسجد کی صف میں شامل کرنا ۵۶۳
۷۷۸۴ قبرستان میں مسجد و مدرسہ کی تعمیر کی شرعی حیثیت ۵۶۴
۷۷۸۵ ۱۳۱ر سال سے خالی پڑے قبرستان میں مسجد یا مدرسہ بنانا ۵۶۶
۷۷۸۶ قبر کو مسمار کر کے اس پر مسجد یا مدرسہ بنانا ۵۶۷

۷۷۸۷ پرانے قبرستان میں مدرسہ ومسجد قائم کرنا ۵۶۸
۷۷۸۸ افتادہ قبرستان میں مسجد یا مدرسہ قائم کرنا ۵۷۰
۷۷۸۹ بوسیدہ قبرستان میں مسجد یا مدرسہ تعمیر کرنا ۵۷۱
۷۷۹۰ دوسرے کی زمین میں بلا اجازت مردے دفن کرنا یا مسجد بنانا ۵۷۳
۷۷۹۱ نجی قبرستان میں مدرسہ کی تعمیر ۵۷۴
۷۷۹۲ قبرستان کے اوپر مدرسہ بنانا ۵۷۶
۷۷۹۳ قبرستان میں پلر قائم کر کے مدرسہ بنانا ۵۷۶
۷۷۹۴ پرانا موقوفہ قبرستان کو ناجائز قبضے سے بچانے کیلئے اس پر دینی مدرسہ بنانا ۵۷۸
۷۷۹۵ افتادہ قبرستان کو غلاظت پھینکنے کی وجہ سے مدرسہ میں منتقل کرنا ۵۷۹
۷۷۹۶ قبرستان کی جگہ مدرسہ بنانا ۵۸۱
۷۷۹۷ ذاتی قبرستان میں دینی تعلیم کا سلسلہ جاری کرنے کے لیے مکتب بنانا ۵۸۲
۷۷۹۸ بوسیدہ قبرستان میں اسکول بنانا ۵۸۳
۷۷۹۹ بوسیدہ قبرستان میں لڑکیوں کا اسکول بنانا ۵۸۵
۷۸۰۰ افتادہ قبرستان میں مکتب بنانا اور عید کی نماز ادا کرنا ۵۸۷
۷۸۰۱ پرانے قبرستان میں عیدگاہ بنانے کا حکم ۵۸۸
۷۸۰۲ عیدگاہ کی توسیع کے لیے قبرستان کی جگہ لینا ۵۹۰
۷۸۰۳ قبرستان کی وقف شدہ زمین میں عیدگاہ بنانا ۵۹۱
۷۸۰۴ پرانے قبرستان کو جنازہ گاہ بنانا ۵۹۲
۷۸۰۵ ویران قبرستان میں وقتی طور پر قربان گاہ بنانا ۵۹۳
۷۸۰۶ قبرستان کی زمین میں لیٹرین کا گٹر بنانا ۵۹۵
۷۸۰۷ بوسیدہ قبرستان جو گندگی پھینکنے کا مرکز ہے اس کو کس کام میں لایا جائے؟ ۵۹۶
۷۸۰۸ قبرستان میں مسجد کا کمرہ بنا کر فیملی کے ساتھ رہائش اختیار کرنا ۵۹۷
۷۸۰۹ صدیوں پرانی قبر کو برابر کر کے اس پر مکان تعمیر کرنا ۵۹۸
۷۸۱۰ مملوکہ زمین میں ساٹھ سالہ پرانی قبر پر تعمیر کرنا ۵۹۹
۷۸۱۱ زیر ملکیت قبرستان کو اپنی ضرورت میں صرف کرنا ۶۰۰
۷۸۱۲ قبرستان کی آراضی کو اپنے ذاتی کاموں میں استعمال کرنا ۶۰۱
۷۸۱۳ قبرستان کی جگہ پر اپنا کارخانہ بنانا ۶۰۲
۷۸۱۴ قبرستان کی جگہ پر قبضہ کرنے، لکڑیاں ڈالنے، وغیرہ کا حکم ۶۰۲

۷۸۱۵ قدیم قبرستان کو طعام گاہ بنانا ۶۰۳
۷۸۱۶ پرانے قبرستان کو شادی ہال بنانا ۶۰۴
۷۸۱۷ بوسیدہ قبرستان میں شادی ہال اور ہسپتال بنانا ۶۰۶
۷۸۱۸ قبرستان کے اوپر لینٹر ڈال کر روڈ بنانا اور بدلے میں دوسری زمین لینا ۶۰۸
۷۸۱۹ قبروں کو مٹا کر پختہ راستہ بنانا ۶۰۹
۷۸۲۰ پختہ راستہ بناتے وقت قبر آجائے تو کیا کریں؟ ۶۱۰
۷۸۲۱ قبرستان عامہ کی چہار دیواری توڑ کر لب سڑک دوکان بنانا ۶۱۱

(۶) باب المساجد　　۶۱۳

۸۸۲۲ مسجد کا محافظ کون اور مسجد شرعی ۶۱۳
۷۸۲۳ مسجد کی حفاظت کا ذمہ دار کون؟ ۶۱۴
۷۸۲۴ موجودہ زمانے میں کسی مسجد کو مسجد حرام یا مسجد اقصیٰ یا مسجد نبوی سے موسوم کرنیکا حکم ۶۱۵
۷۸۲۵ حرم میں نماز پڑھنے کی فضیلت کہاں کہاں ہے؟ ۶۱۶
۷۸۲۶ کیا حرمین شریفین میں نماز کی فضیلت عورتوں کے لیے بھی ہے؟ ۶۱۷
۷۸۲۷ کعبۃ اللہ کے چاروں طرف کا مطاف اور مسقّف عمارت بھی مسجد حرام ہی ہے ۶۱۸
۷۸۲۸ کیا ایک دفعہ نماز پڑھنے سے شرعی مسجد بن جائے گی ۶۱۹
۷۸۲۹ ذاتی زمین میں مسجد بنا کر نماز کی اجازت دینے سے کیا مسجد شرعی ہوجائے گی؟ ۶۲۱
۷۸۳۰ نوتعمیر مسجد کو مسجد کا حکم کب حاصل ہوگا؟ ۶۲۲
۷۸۳۱ کیا مسجد شرعی ہونے کے لیے وقف ضروری ہے؟ ۶۲۳
۷۸۳۲ مسجد کے لیے وقف شدہ زمین پر مسجد بنانا ۶۲۴
۷۸۳۳ وقف تام ہونے سے قبل اس پر مسجد تعمیر کرنا ۶۲۵
۷۸۳۴ مسجد اور اس کے متعلق چند مسائل ۶۲۸
۷۸۳۵ مسجد شرعی بننے کے بعد نمازیوں کو اس میں نماز پڑھنے سے روکنا ۶۳۱
۷۸۳۶ دوسو سال پرانی مسجد جس کے موقوفہ ہونے کا ثبوت نہ ہو موقوفہ کہلائے گی؟ ۶۳۳
۷۸۳۷ کیا عیدگاہ مسجد کے حکم میں ہے؟ ۶۳۴
۷۸۳۸ جہاں سے سارے مسلمان دوسری جگہ چلے گئے ان کی مساجد کا حکم ۶۳۵
۷۸۳۹ مسجد شرعی بنا کر داماد کے نام رجسٹری کرنا ۶۳۶
۷۸۴۰ مسجد کی زمین اپنے نام رجسٹری کرانے کا حکم ۶۳۸

۷۸۴۱	مسجد سے دستبرداری یا منتقلی	۶۴۰
۷۸۴۲	گھر کے مقابلے میں مسجد کی جماعت میں شرکت کا حکم	۶۴۱
۷۸۴۳	مسجد میں نماز پڑھنے کا ثواب کب حاصل ہوگا	۶۴۲
۷۸۴۴	محراب سے آگے کا حصہ مسجد میں شامل نہیں	۶۴۴
۷۸۴۵	قبرستان کے بیچوں بیچ بنی ہوئی مسجد میں نماز کا حکم	۶۴۵
۷۸۴۶	بابری مسجد کی حفاظت کے لیے تحریک چلانا	۶۴۶
۷۸۴۷	کیا بابری مسجد کے لیے چلائی جانے والی تحریک اسلامی ہے؟	۶۴۷
۷۸۴۸	بابری مسجد کی اراضی تا قیامت مسجد ہے	۶۴۸
۷۸۴۹	کیا مسجد کی مسجدیت کو ختم کرنے کی کوئی صورت ہے؟	۶۵۰
۷۸۵۰	چالیس دن نماز نہ پڑھنے یا مورتیاں نصب کرنے سے مسجدیت ختم نہیں ہوتی	۶۵۱
۷۸۵۱	واقف نے اگر وقف کے وقت نیچے دوکان وغیرہ کی نیت کی اور اوپر مسجد بنانے کی تو یہ درست ہے؟	۶۵۲
۷۸۵۲	کیا مسجد میں مالکانہ تصرف کا حق ہے؟	۶۵۳
۷۸۵۳	کسی شخص کا اپنی مسجد میں آنے سے روکنا اور اس میں نماز جمعہ وعیدین کا حکم	۶۵۵
۷۸۵۴	مسجد کو اپنی جاگیر سمجھنا	۶۵۶
۷۸۵۵	واقف کے ورثاء کا یہ دعویٰ کرنا کہ مسجد ہمارے باپ دادا کی ملکیت ہے	۶۵۷
۷۸۵۶	فتنہ برپا کرنے والے کو مسجد سے روک دیا جائے تو کیا اس میں جمعہ پڑھنا صحیح ہے	۶۶۰
۷۸۵۷	بے پردگی اور دیگر منکرات سے بچنے کے لیے مسجد کا دروازہ اور کھڑکی بند کرنا	۶۶۱
۷۸۵۸	ہال کو عارضی طور پر مسجد بنانا	۶۶۳
۷۸۵۹	کسی ہال میں باجماعت نماز پڑھنے سے مسجد کا ثواب نہیں ملتا	۶۶۴
۷۸۶۰	سہ منزلہ عمارت کے مالک کا دوسری منزل کو مسجد کے لیے وقف کرنا	۶۶۶
۷۸۶۱	مدرسہ کی دیوار پر لینٹر ڈال کر نماز پڑھنا	۶۶۷
۷۸۶۲	صحن مسجد، برآمدہ اور چھت پر جماعت	۶۶۸
۷۸۶۳	ایسی جگہ پر مسجد بنانا جس کے نیچے کاروبار ہوتا ہو	۶۶۹
۷۸۶۴	فرم میں مسجد کا ثواب ملے گا یا نہیں؟	۶۷۱
۷۸۶۵	جماعت خانہ کی جگہ پر زبردستی دوکان بنانا	۶۷۱
۷۸۶۶	جس جگہ پر تین سال نماز پڑھی جائے اس پر بیت الخلاء بنانا	۶۷۲
۷۸۶۷	قدیم نماز گاہ میں بیت الخلاء بنانا	۶۷۴

۲۴/ بقية كتاب الوقف

مسئلہ نمبر:	الفصل الثالث: مسجد قدیم	صفحہ نمبر
۷۸۶۸	ویران شدہ مسجد کا حکم	۳۵
۷۸۶۹	اجڑے ہوئے علاقہ کی ویران مسجد کا حکم	۳۶
۷۸۷۰	کیا غیر آباد مسجد کی حفاظت لازم ہے؟	۳۷
۷۸۷۱	غیر آباد علاقہ میں مسجد کا حکم	۳۸
❒	الفصل الرابع: تعدد مساجد	
۷۸۷۲	دو مساجد کے درمیان کتنا فاصلہ ہو؟	۴۰
۷۸۷۳	مسجد شرعی کے قریب دوسری مسجد بنانا	۴۱
۷۸۷۴	مسجد سے متصل عناد کی بناء پر دوسری مسجد بنانا	۴۲
۷۸۷۵	جھگڑے کی وجہ سے دو مسجدوں میں سے ایک کو بند کرنا	۴۵
۷۸۷۶	غیر آباد مسجد کے قریب آپسی کشیدگی کی وجہ سے دوسری مسجد بنانا	۴۶
۷۸۷۷	گاؤں میں ایک بڑی مسجد ہونے کے باوجود دوسری مسجد بنانے کا حکم	۴۷
۷۸۷۸	چھوٹے گاؤں میں جمعہ قائم کرنے اور چند شرائط پر مسجد بنانے کا حکم	۴۸
۷۸۷۹	کمیٹی سے ناراضگی کی وجہ سے دوسری مسجد بنانا	۵۰
۷۸۸۰	ضد کی وجہ سے مسجد بنانے کے بعد تصحیح نیت	۵۱
۷۸۸۱	بڑے گاؤں میں مسجد سے دور ایک ہی محلہ میں دوسری مسجد بنانا	۵۲
۷۸۸۲	ایک ہی گاؤں میں دو مسجدیں بنانا	۵۳
۷۸۸۳	ایک گاؤں میں تیسری مسجد بنانا	۵۵

الفصل الخامس: امام ومؤذن کے احکام

۷۸۸۴ مسجد کا امام ومتولی کیسا ہو؟ ۵۷

۷۸۸۵ غیر امام کا منبر پر بیٹھ کر تقریر کرنا ۵۸

۷۸۸۶ امام کی رہائش کا انتظام کس پر لازم ہے؟ ۵۹

۷۸۸۷ امامت سے معزولی کے بعد مسجد کے مکان میں رہنے یا اس کے متبادل کے مطالبہ کا حکم ۶۱

۷۸۸۸ امام کا اپنے بیٹے کو امام بنانا اور مسجد کا مکان خالی نہ کرنا ۶۳

۷۸۸۹ مسجد سے متصل حجرہ میں امام صاحب کی فیملی کا قیام ۶۶

۷۸۹۰ مسجد کی چھت پر مدرسہ یا امام صاحب کیلئے حجرہ بنانا ۶۷

۷۸۹۱ مسجد کی زمین پر امام صاحب کے لئے مکان بنانا ۶۸

۷۸۹۲ وضوخانہ پر بنے کمرے میں امام صاحب کا مع اہل وعیال قیام کرنا ۷۰

۷۸۹۳ مسجد کے وضوخانہ کے اوپر فیملی کوارٹر تعمیر کرنا ۷۰

۷۸۹۴ امام صاحب یا ان کی اولاد کا مسجد کا پنکھا استعمال کرنا ۷۱

۷۸۹۵ امام صاحب کی فیملی کا مسجد کا پانی استعمال کرنا ۷۳

۷۸۹۶ مسجد کے حجرہ کو تعویذ خانہ بنانا ۷۴

۷۸۹۷ مسجد کے بورنگ سے امام صاحب کے کمرہ میں کنکشن دینا ۷۵

۷۸۹۸ امام صاحب کا مسجد کی بجلی استعمال کرنا اور طلبہ کا مدرسہ کی بجلی سے پریس کرنا ۷۶

۷۸۹۹ کیا ائمہ مساجد وقف بورڈ کی شرائط کے پابند ہیں؟ ۷۹

۷۹۰۰ مسجد کے ضعیف العمر امام کے لئے منجانب مسجد پینشن ۸۱

۷۹۰۱ مستقل امام کو رمضان میں رقم جمع کر کے ہدیہ دینا ۸۲

۷۹۰۲ مسجد کی موقوفہ زمین کی آمدنی سے مدرس کو تنخواہ دینا ۸۴
۷۹۰۳ مسجد کی آمدنی سے امام ومؤذن کی تنخواہ دینا ۸۶
۷۹۰۴ غریب امام کی مسجد کے فنڈ سے امداد کرنا ۸۷
۷۹۰۵ محلّہ والوں سے چندہ کر کے امام ومؤذن کی تنخواہ دینا ۸۸
۷۹۰۶ تنخواہ سے ہٹ کر الگ سے امام کی اعانت کرنا ۸۸
۷۹۰۷ ایام تعطیل کی تنخواہ کا مستحق امام یا نائب ۸۹
۷۹۰۸ امام صاحب کا رخصت کے ایام کی تنخواہ وصول کرنا ۹۰
۷۹۰۹ بلا چھٹی کے گھر پر رہنے والے امام صاحب کی تنخواہ کاٹنا ۹۲
۷۹۱۰ مسجد کی رقم سے مؤذن کے ضمانتیوں کو پیسہ دینا ۹۳
۷۹۱۱ امام کے لئے دی گئی رقم کا استعمال دوسرے مصرف میں کرنا ۹۳
۷۹۱۲ امام صاحب کا مسجد کی زمین میں کھیتی کرنا ۹۴
۷۹۱۳ مساجد کے طاقوں میں رکھے ہوئے پکوان کا امام و مؤذن کے لئے کھانا کیسا ہے؟ ۹۵

۶/الفصل: مسجد میں سونے اور ٹھہرنے کا بیان

۷۹۱۴ عبادت کی نیت سے مسجد میں داخل ہونے والے شخص کا مسجد میں سونا ۹۷
۷۹۱۵ گاؤں والوں کا ظہر کی نماز کے بعد مسجد کے پنکھے میں آرام کرنا ۹۸
۷۹۱۶ اہل محلّہ کا مسجد میں سونا اور نہانا ۹۹
۷۹۱۷ کیا مسجد میں محلّہ کے حافظ صاحب سو سکتے ہیں؟ ۱۰۰
۷۹۱۸ مسجد کے وضوخانہ میں غسل کرنا ۱۰۱

۷/الفصل: توسیع مسجد سے متعلق احکام

۷۹۱۹ پرانی مسجد شہید کر کے نئی مسجد تعمیر کرنا ۱۰۳

۷۹۲۰	پرانی مسجد شہید کر کے تعمیر جدید کرنا	۱۰۴
۷۹۲۱	پرانی مسجد کی جگہ نئی مسجد تعمیر کرنا	۱۰۵
۷۹۲۲	تعمیر جدید کی صورت میں مسجد میں ردو بدل کرنا	۱۰۶
۷۹۲۳	زیر تعمیر مسجد میں نماز کو موقوف رکھنا	۱۰۷
۷۹۲۴	کیا تعمیر جدید کے دوران نماز کا قائم رکھنا ضروری ہے؟	۱۰۸
۷۹۲۵	محراب نیچے منزل میں بنائی جائے یا اوپر والی میں؟	۱۰۹
۷۹۲۶	بالائی منزل پر جانے کے لئے حدود مسجد میں سیڑھی بنانا	۱۱۱
۷۹۲۷	مسجد کے حوض و صحن اور اس سے ملحق عمارت کے نیچے تہ خانہ بنانا	۱۱۳
۷۹۲۸	مسجد کے نیچے تہ خانہ بنانا	۱۱۶
۷۹۲۹	مسجد کی قدیم سطح میں تہ خانہ بنانا	۱۱۸
۷۹۳۰	مسجد قدیم کی تعمیر جدید میں تہ خانہ بنانا	۱۱۹
۷۹۳۱	قدیم مسجد کو منہدم کر کے نیچے مدرسہ اور اوپر مسجد بنانا	۱۲۱
۷۹۳۲	مسجد منہدم کر کے اس کے احاطہ میں مدرسہ اور مسجد بنانا	۱۲۲
۷۹۳۳	تعمیر جدید میں نچلی منزل میں وضوخانہ اور دوسری میں مسجد تعمیر کرنا	۱۲۲
۷۹۳۴	مسجد کی توسیع کے وقت دوکانوں کے اوپر مسجد کا حصہ بڑھانا	۱۲۳
۷۹۳۵	مسجد کے نیچے حصہ میں دوکان بنا کر اوپر مسجد بنانا	۱۲۴
۷۹۳۶	غسل خانہ و پیشاب خانہ کی جگہ کو مسجد کے دالان میں شامل کرنا	۱۲۶
۷۹۳۷	مملوکہ قبرستان میں مسجد کا چھجہ اور جنگلہ کھولنا	۱۲۷
۷۹۳۸	قبروں کی جگہ کو ہموار کر کے مسجد کے حصہ میں لینا	۱۲۹
۷۹۳۹	توسیع مسجد میں قبروں کو شامل کرنا	۱۳۰
۷۹۴۰	پرانی قبروں کو ہموار کر کے مسجد کے فرش میں شامل کرنا	۱۳۱
۷۹۴۱	پرانی قبروں کی جگہ کو حدود مسجد میں شامل کرنا	۱۳۲

۷۹۴۲ مسجد کی توسیع میں قبرستان کو شامل کرنا ۱۳۴
۷۹۴۳ سڑک کے کچھ حصہ کو مسجد میں شامل کرنے کا حکم ۱۳۵
۷۹۴۴ راستہ کو مسجد کی توسیع میں شامل کرنا ۱۳۶
۷۹۴۵ موقوفہ ہسپتال کو توسیع مسجد کے لئے فروخت کرنا ۱۳۷
۷۹۴۶ توسیع مسجد کے وقت غیر ضروری مکان کو کرایہ پر باقی رکھنا ۱۳۹
۷۹۴۷ مسجد کے جس حصہ میں نماز ہوتی ہے، اس میں جنریٹر روم بنانا...... ۱۴۰
۷۹۴۸ مسجد کے وضوخانہ، حوض، پیشاب خانہ وغیرہ کی جگہ دوکانیں تعمیر کرنا ۱۴۱

۸/ الفصل: مسجد میں تصرف کرنے کا بیان

۷۹۴۹ امام صاحب کے مصلے کا فرش ایک ردّہ اونچا ہونا ۱۴۳
۷۹۵۰ محراب کے نیچے ستون کا بنوانا ضروری ہے یا نہیں؟............ ۱۴۳
۷۹۵۱ غلط رخ پر بنی ہوئی اور قابل مرمت مسجد کو شہید کر کے صحیح رخ پر تعمیر کرنا ۱۴۴
۷۹۵۲ بے پردگی کی وجہ سے مسجد کے گیٹ کا رخ تبدیل کرنے کا حکم...... ۱۴۶
۷۹۵۳ حکومت کی ناجائز رکاوٹ مسجد شرعی ہونے میں مخل نہیں............ ۱۴۹
۷۹۵۴ مسجد کے صحن میں پانی کا موٹر لگانا یا وضوخانہ بنانا............ ۱۵۰
۷۹۵۵ نچلی منزل میں غسل خانہ وغیرہ بنانا اور اوپر مسجد تعمیر کرنا............ ۱۵۱
۷۹۵۶ مسجد کے جماعت خانہ میں وضوخانہ کی تعمیر ۱۵۲
۷۹۵۷ جنازہ رکھنے کے لئے جانب قبلہ کی دیوار توڑ کر دروازہ لگانا...... ۱۵۳
۷۹۵۸ بالائی منزل پر جانے کے لئے جماعت خانہ میں سیڑھی بنانا...... ۱۵۴
۷۹۵۹ داخل مسجد بالائی منزل پر جانے کے لئے زینہ بنانا............ ۱۵۸
۷۹۶۰ دوکان یا مکان کی چھت پر مسجد بنانا ۱۶۳

۷۹۶۱ مسجد کی موقوفہ زمین میں نیچے دوکان اور اوپر مسجد بنانا............... ۱۶۷
۷۹۶۲ دومنزلہ مسجد بنا کر نیچے دوکان بنانا............... ۱۶۷
۷۹۶۳ حدود مسجد سے باہر مسجد کا سامان رکھنے کے لئے حجرہ بنانا............... ۱۶۸
۷۹۶۴ مسجد کا دروازہ توڑ کر مدرسہ کا چھجا نکالنا............... ۱۷۰
۷۹۶۵ احاطہ مسجد میں تبلیغی جماعت کی کمیٹی کا اپنے مصارف سے مطبخ تعمیر کرنا............... ۱۷۰
۷۹۶۶ منبر سے متصل مغربی جانب مسجد کا بیت الخلاء وغیرہ بنانا............... ۱۷۱
۷۹۶۷ مسجد میں انگریزی بیت الخلاء بنانا............... ۱۷۲
۷۹۶۸ اپنے اور مسجد کے پیسہ کو ملا کر تعمیر کرایا گیا کمرہ کس کی ملک ہے؟ ۱۷۳
۷۹۶۹ رام لکھی ہوئی اینٹوں سے مسجد تعمیر کرنا............... ۱۷۵

۹/الفصل التاسع: مسجد کی رقم ضروریات مسجد میں صرف کرنے کا بیان

۷۹۷۰ مسجد کی رقم سے ضروریات مسجد کے لئے کمرہ بنانا............... ۱۷۷
۷۹۷۱ مدرسہ کی آمدنی کو مسجد کی ضرورتوں میں صرف کرنا............... ۱۷۸
۷۹۷۲ مسجد کے کام کے لئے مسجد کی رقم سے کرایہ دینا............... ۱۷۹
۷۹۷۳ مسجد کے روپیہ سے ٹنکی وغیرہ خریدنا؟............... ۱۸۰
۷۹۷۴ مسجد کی رقم سے اذان کے لئے لاؤڈ اسپیکر خریدنا............... ۱۸۰
۷۹۷۵ مسجد کی رقم سے مائک خریدنا............... ۱۸۱
۷۹۷۶ مسجد کی دوکان کو فروخت کر کے آمدنی تعمیر مسجد میں لگانے کا حکم ۱۸۲

۱۰/الفصل العاشر: ایک مسجد کی اشیاء کا دوسری مسجد میں استعمال ....

۷۹۷۷ مسجد کی آمدنی کے لئے موقوفہ زمین پر مسجد تعمیر کرنا ۱۸۴
۷۹۷۸ ایک مسجد کا سامان دوسری مسجد میں لگانا کب جائز ہے؟ ۱۸۵
۷۹۷۹ ایک مسجد کا پیسہ دوسری مسجد میں دینا ۱۸۶
۷۹۸۰ ایک مسجد کے بچے ہوئے تعمیری سامان کو دوسری مسجد میں لگانا ۱۸۷
۷۹۸۱ ایک مسجد کا سامان دوسری مسجد میں منتقل کرنا ۱۸۸
۷۹۸۲ ایک مسجد کی رقم دوسری مسجد میں صرف کرنا ۱۹۰
۷۹۸۳ کیا ایک مسجد کی رقم دوسری مسجد یا مدرسہ میں صرف کر سکتے ہیں؟ ۱۹۱
۷۹۸۴ ایک مسجد کی جانماز معطی کی اجازت سے دوسری مسجد میں دینا ۱۹۲
۷۹۸۵ ایک مسجد کا سامان دوسری مسجد میں استعمال کرنا ۱۹۳
۷۹۸۶ پرانی مسجد کی جائیداد ورقم نئی مسجد میں لگانا ۱۹۴

۱۱/الفصل الحادي عشر: اشیاء مسجد کا استعمال

۷۹۸۷ مسجد میں موجود تاڑی کے درخت کی آمدنی کا مصرف ۱۹۶
۷۹۸۸ کیا مسجد کی چیزوں کا استعمال عوام کے لئے جائز ہے؟ ۱۹۷
۷۹۸۹ مسجد کی دیوار میں تصرف کر کے دوکان بنانا ۱۹۹
۷۹۹۰ مسجد کی چٹائی وغیرہ کا عیدگاہ میں استعمال کا حکم ۲۰۰
۷۹۹۱ مسجد کی صفوں اور لاؤڈ اسپیکر کو عیدگاہ میں لے جانا ۲۰۱
۷۹۹۲ متولی یا عوام کا مسجد کا موٹر چلا کر ذاتی طور پر پانی استعمال کرنا ۲۰۱
۷۹۹۳ ذاتی ضرورت کے لئے مسجد کی لائٹ پنکھا وغیرہ استعمال کرنا ۲۰۲

۷۹۹۴ مسجد کی بجلی کے بل کی ادائے گی کرنے والے کا اپنے گھر میں کنکشن لینا ۲۰۳
۷۹۹۵ مسجد کا کولر بیچ کر بجلی کا بل ادا کرنا.................................... ۲۰۴
۷۹۹۶ مقروض مسجد میں پانی گرم کرنے کے لئے گیزر لگوانا.................... ۲۰۵
۷۹۹۷ مسجد کا سامان غصب کرنے کا حکم؟.................................... ۲۰۶
۷۹۹۸ غیر شرعی مسجد کا ملبہ اپنے کام میں لانا.................................... ۲۰۷
۷۹۹۹ مسجد میں آئی مٹھائی وپھل کا استعمال.................................... ۲۰۸
۸۰۰۰ شادی میں مسجد کی ٹنکی کا پانی استعمال کرنا.................................... ۲۰۹
۸۰۰۱ مسجد کے پڑوسیوں کا مسجد سے پانی بھرنا.................................... ۲۱۰
۸۰۰۲ مسجد کا لوٹا لے کر مدرسہ میں وضو کرنا.................................... ۲۱۱
۸۰۰۳ مسجد میں لگے درخت کا پھل کھانا.................................... ۲۱۲
۸۰۰۴ مسجد کی دیوار پر اپنے گھر کا بھیم یا لینٹر رکھنا.................................... ۲۱۳

❑ ۱۲/ الفصل الثانی عشر: مسجد کی رقم کا دوسری جگہ استعمال..........

۸۰۰۵ مسجد کا سامان عیدگاہ کے لئے استعمال کرنے کا حکم.................... ۲۱۵
۸۰۰۶ مسجد کی چیزیں عیدگاہ یا دیگر دینی امور میں استعمال کرنا.............. ۲۱۶
۸۰۰۷ مسجد کے نام پر چندہ کر کے مدرسہ کے اساتذہ کو تنخواہ دینا...... ۲۱۶
۸۰۰۸ مسجد کے نام سے چندہ کر کے مدرسہ میں صرف کرنا.................... ۲۱۷
۸۰۰۹ مسجد کے نام سے چندہ کر کے مدرسہ میں لگانا جائز ہے یا نہیں...... ۲۱۸
۸۰۱۰ مسجد کی مد سے مدرس کی تنخواہ دینا.................................... ۲۲۰
۸۰۱۱ مسجد کی دوکانوں کی آمدنی مدرسہ کی تعمیر میں لگانا.................... ۲۲۱
۸۰۱۲ مسجد کی آمدنی دارالافتاء ومدرسہ کے مصارف میں لگانا............ ۲۲۲

۸۰۱۳	مسجد کے فنڈ سے افطار کا انتظام کرنا	۲۲۳
۸۰۱۴	مسجد یا مدرسہ کی رقم ذاتی تجارت میں لگانا	۲۲۴
۸۰۱۵	مسجد یا مدرسہ کی رقم سے کاروبار کرنا یا قرض دینا	۲۲۵
۸۰۱۶	مسجد کی رقم سے اپنی ضرورت پوری کر کے واپس مسجد کو دینا	۲۲۷
۸۰۱۷	مسجد کا پیسہ ذاتی معاملات کے لئے بطور قرض دینا	۲۲۸
۸۰۱۸	مسجد کی رقم کسی کو بطور قرض دینا	۲۲۹
۸۰۱۹	تبلیغی جماعت والوں کے لئے مسجد کے فنڈ سے بیت الخلاء بنانا	۲۳۰
۸۰۲۰	مسجد کی رقم سے سڑکیں بنانا	۲۳۰
۸۰۲۱	مسجد کے پیسے سے عام راستے کی نالی بنوانا	۲۳۱
۸۰۲۲	مسجد کے پیسے سے جنازہ کی چارپائی وتختہ وغیرہ خریدنا	۲۳۲

۱۳/ الفصل الثالث عشر: مساجد کی چیزیں کرایہ پر دینے کا بیان ....

۸۰۲۳	کیا متولی اور کرایہ داروں پر معاہدہ کی پابندی لازم ہے؟	۲۳۴
۸۰۲۴	ذمہ داران مسجد کا کرائے دار سے ایک لاکھ روپیہ مانگنا	۲۳۸
۸۰۲۵	موقوفہ کرایہ کی دوکان میں ملکیت ثابت نہیں ہوتی	۲۴۱
۸۰۲۶	مسجد کی آراضی کو کرایہ دار سے خالی کرانا	۲۴۳
۸۰۲۷	نیچے دوکان اوپر مسجد کا حکم	۲۴۵
۸۰۲۸	نیچے دوکان اور اوپر مسجد بنانے کا حکم	۲۴۷
۸۰۲۹	مسجد کے حصہ اور وضوخانہ کی جگہ پر دوکان بنانا	۲۴۸
۸۰۳۰	صحن مسجد کے نیچے دوکانیں تعمیر کرنا	۲۵۰
۸۰۳۱	مسجد کے نیچے خالی حصہ کو دوکان بنانا	۲۵۱

۸۰۳۲	مسجد کے نچلے حصہ کو رہائش گاہ بنانا............................	۲۵۲
۸۰۳۳	پٹہ پر زمین لے کر مسجد کی آمدنی کے لئے دوکانیں بنانا............	۲۵۳
۸۰۳۴	مسجد کے فائدے کے لئے مسجد کے نیچے چوپال بنانا..................	۲۵۴
۸۰۳۵	مسجد کی سیڑھی کے نیچے کمرہ بنا کر کرایہ پر دینا..................	۲۵۵
۸۰۳۶	مسجد کے لئے کرایہ کی دوکانیں و گودام بنانے کا حکم..................	۲۵۶
۸۰۳۷	مسجد کے گودام اور وضوخانہ کی چھت پر کمرہ بنا کر کرایہ پر دینا......	۲۵۸
۸۰۳۸	شرعی مسجد کے نیچے دوکانیں بنا کر کرایہ پر دینے کا حکم............	۲۵۹
۸۰۳۹	مسجد کے نیچے بغرض آمدنی ہال بنانا..............................	۲۶۰
۸۰۴۰	مسجد کی دوکان کو کرایہ پر دینے سے متعلق چند سوالات کے جوابات	۲۶۲
۸۰۴۱	مسجد کی دوکان اور مکان کرائے پر دینا............................	۲۶۴
۸۰۴۲	وقف کی جائیداد کا کرایہ کس تناسب سے ہو..........................	۲۶۶
۸۰۴۳	مسجد کی دوکان کا کرایہ بڑھانا....................................	۲۶۹
۸۰۴۴	مسجد کی دوکان کا کرایہ بڑھانا....................................	۲۷۰
۸۰۴۵	مسجد کے کمرہ میں مدرس کا بلا کرایہ رہنا..........................	۲۷۱
۸۰۴۶	مسجد کی دوکانیں کم اجرت میں کرائے پر دینا......................	۲۷۲
۸۰۴۷	چندہ کی شرط لگا کر مسجد کا کمرہ کم کرایہ پر دینے کا حکم............	۲۷۴
۸۰۴۸	مسجد کے کرایہ دار سے مرمت وغیرہ کی شرط لگانا....................	۲۷۵
۸۰۴۹	موقوفہ جائیداد کی آمدنی بڑھنے کا حکم..............................	۲۷۷
۸۰۵۰	مسجد کی زائد از ضرورت زمین کو کرایہ پر دینا......................	۲۷۸
۸۰۵۱	مسجد کے اوپر مدرسہ بنا کر کرایہ پر دینا............................	۲۷۹
۸۰۵۲	مسجد کے فائدے کے لئے دس بیگہ زمین کو بائیس بیگہ بتانا......	۲۸۰
۸۰۵۳	مسجد کی دوکان کا کرایہ نہ ادا کرنے والے کا حج کرنا...............	۲۸۲

۸۰۵۴	میلے کے لئے کرایہ پر دی گئی مسجد کی زمین کے کرایہ کا حکم..........	۲۸۴
۸۰۵۵	مسجد کی کرایہ دار عورت اگر تنگدست ہو تو کیا کریں؟............	۸۵
۸۰۵۶	مسجد کی بالائی منزل پر ٹیلر کی دوکان کرنا..........................	۲۸۵
۸۰۵۷	مسجد کے مکان میں کرایہ دار کا جوا وغیرہ کھیلنا......................	۲۸۶
۸۰۵۸	مسجد کی دوکانوں میں ریڈیو کی دوکان کھولنا..........................	۲۸۷
۸۰۵۹	مسجد کی دوکان شراب فروخت کرنے والے کو کرایہ پر دینا......	۲۸
۸۰۶۰	مساجد کی املاک سودی کاروبار کرنے والوں کو دینا..................	۲۸۸
۸۰۶۱	مساجد کا سامان ہندو کو کرایہ پر دینا...................................	۲۹۰
۸۰۶۲	مسجد کے مائک سے اعلان کرنا..	۲۹۱
۸۰۶۳	مسجد کے مائک سے تقریر کرنا..	۲۹۲

❑ ۱۴/۱ الفصل الرابع عشر: مسجد کی اشیاء کی خرید وفروخت ....

۸۰۶۴	مسجد میں مسجد کی اشیاء کو فروخت کرنا................................	۲۹۴
۸۰۶۵	مسجد کا سامان بیچنا..	۲۹۵
۸۰۶۶	مساجد کی اشیاء کے خرید وفروخت کا حکم..............................	۲۹۶
۸۰۶۷	وقف شدہ قرآن کریم مسجد سے باہر لے جانا...........................	۲۹۷
۸۰۶۸	مسجد کے بوسیدہ قرآن کریم کم قیمت میں ہدیہ پر دینا..................	۲۹۸
۸۰۶۹	مسجد کی چیز دوسری جگہ لے جانا..	۲۹۹
۸۰۷۰	آلات مسجد و مدرسہ کے استغناء کی صورت کا حکم.....................	۳۰۱
۸۰۷۱	غرض واقف کے خلاف اشیاء مسجد کے استعمال کا حکم................	۳۰۲
۸۰۷۲	قبضہ کے اندیشہ سے مسجد کی موقوفہ زمین فروخت کرنے کا حکم......	۳۰۳

۸۰۷۳ مساجد کے قرآن ضرورت مند شخص کو یا مکتب میں دے سکتے ہیں یا نہیں؟ ۳۰۴

۱۵/ الفصل الخامس عشر: مسجد میں مدرسہ وغیرہ تعمیر کرنا

۸۰۷۴ مسجد کو مسمار کر کے مدرسہ بنانا ۳۰۶
۸۰۷۵ مسجد کی چھت پر مدرسہ تعمیر کرنا ۳۰۷
۸۰۷۶ مسجد و مدرسہ اوپر نیچے بنانا کیسا ہے؟ ۳۰۷
۸۰۷۷ مسجد کے بیت الخلاء اور غسل خانہ کے اوپر مدرسہ بنانا ۳۰۸
۸۰۷۸ نیچے مدرسہ اوپر مسجد تعمیر کرنا ۳۰۹
۸۰۷۹ اوپر مسجد اور نیچے مدرسہ بنانا ۳۱۰
۸۰۸۰ اوپر مسجد نیچے مدرسہ بنانا ۳۱۱
۸۰۸۱ مدرسہ کی چھت پر مسجد بنانا ۳۱۲
۸۰۸۲ مسجد کو مدرسہ سے تبدیل کرنا ۳۱۴
۸۰۸۳ مسجد کے لئے موقوفہ مکان میں مدرسہ بنانا ۳۱۶
۸۰۸۴ مکتب کی رقم مسجد کی تعمیر میں لگانا ۳۱۷
۸۰۸۵ مسجد کا روپیہ مدرسہ میں خرچ کرنا ۳۱۸
۸۰۸۶ مسجد سے ملحق مدرسہ کو مسجد کے تابع کرنا ۳۱۸
۸۰۸۷ مسجد کی زمین میں مسافر خانہ تعمیر کرنا ۳۲۰
۸۰۸۸ نیچے مدرسہ و دکانیں اور اوپر مسجد تعمیر کرنا ۳۲۳
۸۰۸۹ مسجد کے لئے خریدی گئی زمین میں رہائشی مکان تعمیر کرنا ۳۲۴
۸۰۹۰ دوبارہ آیا ہوا سوال اور الگ سے جواب ۳۲۷
۸۰۹۱ مسجد کی دیوار پر دوکان بنانا ۳۲۹

۱۶/۱۔ الفصل السادس عشر: سرکاری زمین میں تعمیر مسجد

۸۰۹۲ رفاہِ عام کی جگہ میں مسجد کی دوکانیں بنانا ۳۳۱
۸۰۹۳ گرام سماج کی زمین کس کی ملک ہے؟ ۳۳۲
۸۰۹۴ پردھان کی طرف سے الاٹ کردہ گرام سماج کی زمین میں تعمیر مسجد کا حکم ۳۳۳
۸۰۹۵ سرکاری زمین میں مسجد تعمیر کرنا ۳۳۴
۸۰۹۶ سرکاری زمین پر تعمیر مسجد ۳۳۵
۸۰۹۷ حکومت کی اجازت کے بغیر سرکاری زمین میں تعمیر مسجد ۳۳۶
۸۰۹۸ سرکاری افتادہ زمین پر مسجد بنانا ۳۳۷
۸۰۹۹ میونسپلٹی بورڈ کی زمین میں مسجد تعمیر کرنا ۳۳۸
۸۱۰۰ سرکاری زمین پر بلا اجازت دوکان بنا کر کرایہ مسجد میں استعمال کرنے کا حکم ۳۳۹
۸۱۰۱ سرکاری زمین یا شاہ راہ پر مسجد کے لئے بورنگ بنانا ۳۴۰
۸۱۰۲ غیر مسلم سے پٹہ کی زمین ٹھیکہ پر لے کر مسجد و مدرسہ بنانا ۳۴۲
۸۱۰۳ سماج کی آراضی پر مسجد بنانا ۳۴۴
۸۱۰۴ دوسرے کی زمین میں بلا اجازت مسجد تعمیر کرنا ۳۴۵

۱۷/۱۔ الفصل السابع عشر: مسجد میں سرکاری امداد کا حکم

۸۱۰۵ گرام سماج کی زمین مسجد کی ملک ہوگی یا قابض کی؟ ۳۴۷
۸۱۰۶ ودھا یکی کوٹہ کی رقم مسجد میں لگانا ۳۴۸
۸۱۰۷ گرام سبھا کی زمین فروخت کر کے قیمت مسجد میں لگانا ۳۴۹
۸۱۰۸ MP یا MLA کو ملنے والے حکومتی فنڈ کو مسجد یا مدرسہ میں لگانا ۳۵۰

۸۱۰۹ غیر مسلم MP یا MLA کا سرکاری رقم مسجد میں دینا ۳۵۱
۸۱۱۰ مسلم پردھان کا پنچایت کی زمین پر لگے ہوئے سوکھے درخت کی قیمت مسجد یا مدرسہ میں لگانا ۳۵۲
۸۱۱۱ مسجد میں سرکاری بجلی استعمال کرنا ۳۵۳
۸۱۱۲ حکومت کا مسجد کا بجلی بل معاف کرنا ۳۵۵
۸۱۱۳ مسجد کے بیت الخلاء میں MLA کے کوٹے کا پیسہ لگانا ۳۵۶
۸۱۱۴ مسجدوں کے لئے سرکاری سولر لائٹ لینے کا حکم ۳۵۷
۸۱۱۵ مسجد میں چوری کی بجلی کے استعمال کا حکم ۳۵۷

۱۸/ الفصل الثامن عشر: دوسرے کی زمین میں مسجد کی تعمیر ....

۸۱۱۶ غیر کی زمین میں مسجد کا دروازہ کھولنا ۳۵۹
۸۱۱۷ متنازعہ جگہ پر مسجد تعمیر کرنا ۳۵۹
۸۱۱۸ بیوہ کی اجازت کے بغیر جبراً اس کی زمین میں مسجد تعمیر کرنا ۳۶۲
۸۱۱۹ یتیم بچہ کی زمین پر مدرسہ یا مسجد بنانا ۳۶۳
۸۱۲۰ مشترکہ زمین میں مسجد بنانا ۳۶۵
۸۱۲۱ مشترکہ زمین میں کسی ایک وارث کا مسجد بنانا ۳۶۶
۸۱۲۲ مغصوبہ زمین میں نماز پڑھنے اور مسجد بنانے کا حکم ۳۶۷
۸۱۲۳ خانقاہ کی جگہ پر مسجد بنانا ۳۶۹
۸۱۲۴ موروثی زمین میں مسجد کی ملکیت کا دعویٰ کرنا ۳۷۰
۸۱۲۵ دوسرے کی زمین میں بلا اجازت تعمیر مسجد کا حکم ۳۷۱
۸۱۲۶ دوسرے کی زمین میں جبراً بلا اجازت تعمیر مسجد کا حکم ۳۷۳

۸۱۲۷ بلا اجازت دوسرے کی زمین میں تعمیر مسجد ۳۷۵
۸۱۲۸ مالک کی رضامندی کے بغیر زمین مسجد میں شامل کرنا ۳۷۶
۸۱۲۹ غیر کی زمین کو مسجد کے لئے وقف کرنا ۳۷۷
۸۱۳۰ دوسرے کی زمین میں مسجد کی دوکانیں بنانا ۳۷۸
۸۱۳۱ غیر کی زمین میں مسجد کی دوکانیں بنانا ۳۸۰
۸۱۳۲ غاصب سے مسجد کے لئے زمین خریدنا ۳۸۳

❑ ۱۹/الفصل التاسع عشر: مسجد میں چندہ کا بیان

۸۱۳۳ موعود مسجد کو چندہ نہ دیکر دوسری مسجد کو دینے کا حکم ۳۸۴
۸۱۳۴ ذمہ داران مسجد کی بدعنوانی کی وجہ سے چندہ واپس لے کر دوسری مسجد میں دینا ۳۸۴
۸۱۳۵ مسجد میں دی ہوئی رقم واپس لینا ۳۸۵
۸۱۳۶ چندہ دیتے وقت پچاس کا نوٹ دے کر چالیس روپیہ واپس لینا ۳۸۶
۸۱۳۷ مسجد کی صفائی اور تعاون کا عہد کر کے مکرنے کا حکم ۳۸۷
۸۱۳۸ ضرورت مسجد کیلئے لئے گئے قرض کا ذمہ دار کون؟ ۳۸۹
۸۱۳۹ جمعہ کی نماز کے بعد مسجد میں چندہ کرنے کا حکم ۳۹۰
۸۱۴۰ مسجد کے لئے چندہ کی گئی رقم سے بیت الخلاء وغیرہ بنانا ۳۹۱
۸۱۴۱ مصلین مسجد کا چندہ کی رقم سے نصف لینے کا حکم ۳۹۲
۸۱۴۲ مسجد کی ضرورت پوری کرنے کے لئے محلّہ والوں سے رمضان میں چندہ کرنا ۳۹۳
۸۱۴۳ مسجد میں گولک کے ذریعہ سے جمع شدہ رقم مسجد میں لگانا ۳۹۵
۸۱۴۴ مسجد بنانے کے لئے چندہ کرنا ۳۹۶

۸۱۴۵ مسجد کی ضروریات پوری ہونے کے بعد بھی چندہ کرنا ۳۹۷
۸۱۴۶ کمیشن پر مسجد کا چندہ کرنا ۳۹۹
۸۱۴۷ جوٹنکی مسجد میں لگادی گئی اس کے لئے چندہ کرنا ۴۰۰
۸۱۴۸ ایک باغ کی جگہ دوسرے باغ کی قیمت مسجد میں لگانے کا حکم ۴۰۰
۸۱۴۹ مسجد کے لئے کئے گئے چندہ سے مسجد کا موٹر، پائپ وغیرہ خریدنا ۴۰۲
۸۱۵۰ مسجد کے برآمدہ کے لئے دی گئی رقم دیگر ضروریات میں صرف کرنا ۴۰۳
۸۱۵۱ تعمیری چندہ سے مؤذن وخادم مسجد کو تنخواہ دینا ۴۰۴
۸۱۵۲ دیگر اوقاف کی دوکانوں کی آمدنی مسجد میں صرف کرنا ۴۰۵
۸۱۵۳ فصل کے موقع پر مسجد کے لئے دئے گئے غلہ کی رقم مسجد میں صرف کرنا ۴۰۶
۸۱۵۴ مسجد اور مدرسہ کے لئے الگ الگ چندہ کرنا ۴۰۷
۸۱۵۵ شادی میں مسجد و مدرسہ کے لئے چندہ کرنا ۴۰۸
۸۱۵۶ مسجد اور مدرسہ کا مشترکہ چندہ ۴۰۹
۸۱۵۷ مسجد ومدرسہ کے چندے اور اپنے پیسوں سے مکان تعمیر کرنا ۴۱۰
۸۱۵۸ قبرستان کی آمدنی مسجد میں صرف کرنا ۴۱۳
۸۱۵۹ قبرستان کے درخت یا ان کی آمدنی مسجد میں لگانا ۴۱۴
۸۱۶۰ قربانی کے کھالوں کی رقم کو تملیک کے بعد مسجد میں صرف کرنا ۴۱۶
۸۱۶۱ بلاحلالہ مطلقہ ثلاثہ کو رکھنے والے سے مسجد میں چندہ لینا ۴۱۷
۸۱۶۲ ہر فرد سے بلاامتیاز غریب وامیر جبراً تین کلو اناج وصول کرنے کا حکم ۴۱۸

❏ ۲۰/الفصل العشرون: مسجد میں صدقات کا حکم

۸۱۶۳ صدقات واجبہ کی رقم سے مسجد کا غسل خانہ وغیرہ تعمیر کرنا ۴۲۰
۸۱۶۴ روزہ کے فدیہ کی رقم مسجد یا مدرسہ میں لگانا ۴۲۱

۸۱۶۵	قربانی کی کھال کی قیمت مسجد میں لگانا............	۴۲۲
۸۱۶۶	زکوۃ، تیجہ، چالیسویں کی رقم مسجد میں لگانا............	۴۲۲
۸۱۶۷	راستہ میں نل لگانے کے لئے دیئے گئے چندہ کو مسجد میں لگانا......	۴۲۳
۸۱۶۸	جبراً چندہ وصول کرنا............	۴۲۴
۸۱۶۹	تعویذ کی اجرت مسجد لگانے کا حکم............	۴۲۵

❐ ۲۱/ الفصل الحادی والعشرون: مسجد میں تعلیم

۸۱۷۰	حدود مسجد میں بچوں کو تعلیم دینے کی شرعی حیثیت............	۴۲۷
۸۱۷۱	مسجد میں بچوں کو تعلیم دینا............	۴۲۸
۸۱۷۲	چھوٹے بچوں کو مسجد میں تعلیم دینا............	۴۲۹
۸۱۷۳	مسجد میں مکتب قائم کرنا............	۴۳۰
۸۱۷۴	بچوں کو مسجد میں تنخواہ لے کر پڑھانا............	۴۳۱
۸۱۷۵	مسجد میں اجرت لے کر بچوں کو قرآن پڑھانا............	۴۳۲
۸۱۷۶	منجانب مسجد یا مدرسہ تنخواہ یافتہ معلم کے لئے بلا فیس مسجد میں تعلیم دینا	۴۳۵
۸۱۷۷	با اجرت معلم کا مسجد میں درس دینا............	۴۳۶
۸۱۷۸	مسجد میں اجرت لے کر تعلیم دینا............	۴۳۷
۸۱۷۹	مسجد میں اجرت لے کر پڑھانا............	۴۳۹
۸۱۸۰	تنخواہ دار مدرس کا مسجد میں تعلیم دینا............	۴۴۰
۸۱۸۱	مسجد میں اجرت لے کر تعلیم دینے کا حکم............	۴۴۲
۸۱۸۲	معلم مدرسہ کا مسجد میں درس وتدریس کا حکم............	۴۴۳

❐ ۲۲/ الفصل الثانی والعشرون: مسجد کے مائک سے اعلان............

۸۱۸۳	مسجد کے مائک سے اعلانات کرنا..................................	۴۴٦
۸۱۸۴	مسجد کے لاؤڈ اسپیکر سے اعلان کرنا..................................	۴۴۷
۸۱۸۵	مسجد کے مائک سے مختلف اعلان کرنا..................................	۴۴۷
۸۱۸٦	مسجد کے لاؤڈ اسپیکر سے مختلف قسم کے اعلان کا حکم..................	۴۴۹
۸۱۸۷	مسجد کے مائک سے بالعوض اعلان کرنا..................................	۴۵۱
۸۱۸۸	مسجد کے لاؤڈ اسپیکر سے اعلان کر کے اجرت لینا..................	۴۵۲
۸۱۸۹	مسجد سے الگ مائک سے اعلان کرانے کا کرایہ لینا..................	۴۵۳
۸۱۹۰	مسجد کے مائک سے نماز جنازہ اور جلسہ کا اعلان کرنا..................	۴۵۴
۸۱۹۱	مسجد کے مائک سے موت یا کسی بچہ کے کھو جانے کا اعلان کرنا	۴۵۵
۸۱۹۲	جمعہ، عیدالفطر وغیرہ کے موقع پر مسجد میں چندہ کرنا اور نام کا اعلان کرنا	۴۵٦
۸۱۹۳	مسجد کے مائک سے سحری کا اعلان کرنا..................................	۴۵۷
۸۱۹۴	مسجد کے لئے لاؤڈ اسپیکر سے مسجد میں چندہ کرنا..................	۴۵۸
۸۱۹۵	مسجد کے مائک سے مدرسہ کے لئے چندہ کرنا..................................	۴۵۹
۸۱۹٦	مسجد کے مائک پر مسجد سے غیر متعلق اعلان کرنا..................	۴٦۰
۸۱۹۷	مسجد کے مائک سے دنیاوی چیزوں کا اعلان..................................	۴٦۱
۸۱۹۸	مسجد کے مائک سے بیع وشرا اور گمشدگی کے اعلان کا حکم..................	۴٦۲
۸۱۹۹	گم شدہ چیز کا مسجد میں اعلان کرنا..................................	۴٦۳
۸۲۰۰	مسجد کے اندر گم شدہ بچے اور چیز کا اعلان کرنا..................	۴٦۴
۸۲۰۱	مسجد کے مائک سے مختلف امور کا اعلان کرنا..................	۴٦۵
۸۲۰۲	مسجد کے مائک سے مرغی، بکری کا اعلان کرنا..................	۴٦٦
۸۲۰۳	مسجد میں سائل کا سوال کرنا اور سفیر کا چندہ کرنا..................	۴٦۸

۸۲۰۴ مسجد کا مائک ذاتی کاموں کے لئے استعمال کرنا ۴۶۹

□ ۲۳/الفصل الثالث والعشرون: غیر مسلم کا مسجد میں داخل ہونا ....

۸۲۰۵ غیر مسلم ملازم سے مسجد کے کاموں میں تعاون لینا ۴۷۱
۸۲۰۶ کافر کا مسجد میں داخل ہوکر گھومنا ۴۷۱
۸۲۰۷ غیر مسلم کا مسجد میں داخل ہونا ۴۷۳
۸۲۰۸ مسجد میں نکاح کی منعقد مجلس میں غیر مسلم کی شرکت ۴۷۵

□ ۲۴/الفصل الرابع والعشرون: مسجد میں حرام مال لگانا ....

۸۲۰۹ مسجد میں مال حرام لگانا ۴۷۷
۸۲۱۰ مدرسہ ومسجد میں حرام مال لگانا ۴۷۸
۸۲۱۱ ناجائز آمدنی مسجد میں لگانا ۴۷۹
۸۲۱۲ مال حرام مسجد اور اس کے متعلقات میں صرف کرنا ۴۸۰
۸۲۱۳ مسجد میں لگے ہوئے مال حرام کے مکافات کی شکل ۴۸۲
۸۲۱۴ مخنث کا مکان مسجد کے نام وقف کرنا ۴۸۳
۸۲۱۵ ہجڑے کا مسجد کے لئے زمین وقف کرنا ۴۸۴
۸۲۱۶ ہجڑے کی کمائی سے بنائی گئی مسجد کا حکم ۴۸۵
۸۲۱۷ زنانہ پن اختیار کرنے والے کے مکان کو مسجد میں استعمال کرنا ۴۸۶
۸۲۱۸ طوائف کی مسجد ۴۸۹
۸۲۱۹ طوائف کی کمائی سے بنائی ہوئی مسجد کب شرعی مسجد بن سکتی ہے؟ ۴۹۰

۸۲۲۰	طوائف کی زمین عمومی چندہ سے خرید کر اس پر مسجد یا مدرسہ تعمیر کرنا	۴
۸۲۲۱	مسجد میں حرام سامان یا اس کی قیمت دینا........................	۴۹۲
۸۲۲۲	ناجائز آمدنی والے شخص کی تعمیر کردہ مسجد میں نماز کا حکم............	۴۹۲
۸۲۲۳	ناچنے والی عورتوں کا روپیہ مسجد میں لگانا........................	۴۹۴
۸۲۲۴	سودی رقم مسجد میں صرف کرنے کا حکم........................	۴۹۵
۸۲۲۵	سودی قرض لے کر مساجد مدارس تعمیر کرنا........................	۴۹۶
۸۲۲۶	بینک سے قرض لے کر مسجد بنانا اور آراضی مساجد پر بینک کی تعمیر	۴۹۷
۸۲۲۷	بینک میں مسجد کی جمع شدہ رقم پر ملے سود کو بیت الخلاء میں لگانا......	۴۹۸
۸۲۲۸	بینک سے حاصل شدہ رقم مسجد کی تعمیر میں صرف کرنا................	۴۹۹
۸۲۲۹	سودی رقم عیدگاہ یا مسجد میں صرف کرنا........................	۵۰۰
۸۲۳۰	مسجد میں لگی ہوئی سودی رقم کو پاک کرنے کا طریقہ................	۵۰۱
۸۲۳۱	سودی رقم سے تجارت کرنے والے شخص کی رقم مسجد میں لگانے اور اس کی دعوت کھانے کا حکم........................	۵۰۲
۸۲۳۲	سودی رقم مسجد کے بیت الخلاء میں صرف کرنا........................	۵۰۳
۸۲۳۳	سود کے پیسہ سے مسجد کا بیت الخلاء بنانا........................	۵۰۴
۸۲۳۴	غیر مسلم کی شراب وخنزیر اور سودی رقم کو مسجد میں لگانا..............	۵۰۴
۸۲۳۵	مسجد میں چوری کی بجلی کا استعمال........................	۵۰۶
۸۲۳۶	چوری کے پیسے سے مسجد کا مائک خریدنا........................	۵۰۷
۸۲۳۷	میٹر کے بغیر مسجد ومدرسہ میں لائٹ کا استعمال........................	۵۰۸
۸۲۳۸	مسجد کی تعمیر میں شیعہ سے بغیر حق کے کے روپئے لینا..............	۵۰۹
۸۲۳۹	سٹہ کا پیسہ مسجد میں لگانا........................	۵۱۱
۸۲۴۰	تعزیر بالمال کی سزا میں لئے گئے پیسہ کو مسجد ومدرسہ میں لگانا......	۵۱۱

۸۲۴۱ مالی جرمانہ کا پیسہ مساجد ومدارس میں لگانا ۵۱۳
۸۲۴۲ جرمانہ کے پیسے سے مسجد کا بیت الخلاء بنانا ۵۱۴
۸۲۴۳ ہندوستان میں چوری وغیرہ کے جرم میں لیا ہوا روپیہ مساجد کی تعمیر وغیرہ میں لگانا کیسا ہے؟ ۵۱۵
۸۲۴۴ شراب کی کمائی مسجد میں لگانے کا حکم ۵۱۶
۸۲۴۵ خنزیر کے بالوں کے برش بنانے والوں کا چندہ مسجد میں لگانا...... ۵۱۷
۸۲۴۶ خنزیر کے بالوں کا برش بنانے والوں کی رقم مسجد یا مدرسہ میں لگانا ۵۱۸
۸۲۴۷ دوسرے کی غصب کردہ زمین کی اجرت مسجد میں دینا ۵۱۹
۸۲۴۸ مغصوبہ زمین میں مسجد بنانے کا حکم ۵۲۱
۸۲۴۹ مساجد کو ڈسکاؤنٹ دینے والی کمپنیوں سے سامان خریدنا ۵۲۲
۸۲۵۰ واپس نہ لینے کی نیت سے دیئے گئے قرض کو مسجد میں صرف کرنا ۵۲۲
۸۲۵۱ جوا اور شراب کی آمدنی سے تعمیر کیا گیا مکان مسجد کے لئے خریدنا ۵۲۳
۸۲۵۲ سنیما ہال کے جنریٹر کی بجلی مسجد میں استعمال کرنا ۵۲۵
۸۲۵۳ جہیز میں روپیہ لے کر مسجد میں لگانا ۵۲۵
۸۲۵۴ شادی کے موقع پر مسجد میں دیئے گئے کولر گھڑی وغیرہ کا حکم ۵۲۷
۸۲۵۵ عید میلاد النبی کے جلوس سے مسجد کی تعمیر کے لئے چندہ کرنا...... ۵۲۸
۸۲۵۶ مسجد کا بیت الخلاء دکھلا کر سرکار سے وصول کی گئی رقم کا حکم ۵۲۹
۸۲۵۷ منکوحۃ الغیر سے نکاح کرنے والے کا پیسہ مسجد میں لگانا............ ۵۳۰

❑ ۲۵/ الفصل الخامس والعشرون: غیر مسلم کے پیسے مسجد میں لگانے کے احکام............

۸۲۵۸ غیر مسلم کا پیسہ مسجد میں لگانا............ ۵۳۱

۸۲۵۹ تعمیر مساجد میں ہندو حکومت یا اشخاص کی رقم لگانا ۵۳۲
۸۲۶۰ غیر مسلم کا پیسہ مسجد یا مدرسہ میں لگانا ۵۳۵
۸۲۶۱ مساجد کی تعمیر میں غیر مسلموں کا روپیہ لگانا ۵۳۶
۸۲۶۲ غیر مسلم کا چندہ مسجد میں صرف کرنا ۵۳۷
۸۲۶۳ ہندوؤں کا پیسہ مسجد میں لگانا ۵۳۸
۸۲۶۴ غیر مسلم کا چندہ مسجد میں لگانے کا حکم ۵۴۰
۸۲۶۵ غیر مسلم کی رقوم مسجد میں صرف کرنا ۵۴۲
۸۲۶۶ مدارس ومساجد میں غیر مسلم کی رقم صرف کرنا ۵۴۳
۸۲۶۷ ہیجڑوں یا کافروں کا روپیہ مسجد یا عیدگاہ میں لگانا ۵۴۴
۸۲۶۸ ہندوؤں کا مساجد و مدارس میں چندہ دینا ۵۴۵
۸۲۶۹ اہل ہنود کی رقم براہ راست مسجد میں صرف کرنا ۵۴۷
۸۲۷۰ غیر مسلم کی رقم سے مسجد کا تعمیری کام کرانا ۵۴۸

□ ۲۶/ الفصل السادس والعشرون: مسجد میں وعظ وتقریر وغیرہ ....

۸۲۷۱ مسلمانوں کی عزت اور جان ومال کے لئے مسجد میں جلسہ کرنا ۵۴۹
۸۲۷۲ مسجد کے مائک سے بچوں کی اجتماعی دعا اور نعت خوانی کا حکم ۵۵۰
۸۲۷۳ مسجد کے مائک میں نعت وغیرہ پڑھنا ۵۵۱
۸۲۷۴ کیا عورتوں کا اجتماع مسجد میں کر سکتے ہیں؟ ۵۵۲
۸۲۷۵ مسجد میں نعت شریف پڑھنا ۵۵۳

□ ۲۷/ الفصل السابع والعشرون: مسجد میں مستحب اور مکروہ کاموں کا بیان ....

۸۲۷۶	مینار اور کمان بنانے کا حکم	۵۵۵
۸۲۷۷	مسجد کی تعمیر میں سنگ مرمر اور دیگر قیمتی پتھر لگانا	۵۵۶
۸۲۷۸	صفوں میں رنگوں سے مصلیٰ نما شکل بنانا	۵۵۷
۸۲۷۹	پھول والے ٹائلس کو تصویر تصور کرنے کا حکم	۵۵۸
۸۲۸۰	مسجد کی دیواروں پر منقش ٹائلس لگانا	۵۵۹
۸۲۸۱	مسجد کی مختلف جگہوں پر پھول رکھنا یا اس کے درخت لگانا	۵۶۱
۸۲۸۲	مسجد کی زمین میں پھولوں کے درخت لگانا اور گملے رکھنا کیسا ہے؟	۵۶۴
۸۲۸۳	حدود مسجد سے باہر پھولوں کے پیڑ پودے لگانا	۵۶۵
۸۲۸۴	پر چار والے کلینڈر مساجد میں آویزاں کرنا	۵۶۶
۸۲۸۵	مسجد میں غیر جاندار کی تصویر لگانا	۵۶۷
۸۲۸۶	مسجد میں میوزک والی گھڑیاں لگانا	۵۶۸
۸۲۸۷	سنگیت اور میوزک والی گھڑی مساجد میں لگانا	۵۶۹
۸۲۸۸	مسجد میں ٹوپیاں رکھنا اور ان میں مصلیوں کا نماز پڑھنا	۵۷۰
۸۲۸۹	مسجد میں صفوں کے آگے چپلوں کو ٹین کے ڈبہ میں رکھنا	۵۷۱
۸۲۹۰	مسجد وقبرستان سے کتنی دوری پر بیت الخلاء تعمیر کریں؟	۵۷۲
۸۲۹۱	مساجد میں نعرہ بازی کرنا	۵۷۳
۸۲۹۲	ٹیکس سے بچنے کے لئے مسجد کی آمدنی اصل سے کم بتانا	۵۷۴
۸۲۹۳	نمازیوں کا دوسرے کی زمین سے مسجد میں آنا جانا	۵۷۵
۸۲۹۴	مسجد کے نیچے سے نجاست کا پائپ ڈالنا	۵۷۶
۸۲۹۵	حدود مسجد میں نالی بنانا	۵۷۷
۸۲۹۶	مسجد کی اراضی میں گاڑیاں کھڑی کرنا	۵۷۸
۸۲۹۷	حکومت کے مظالم کے خلاف احتجاجاً مسجد کو مقفل کرنا	۵۷۹

۸۲۹۸ مسجد کی رقم سے خریدی گئی اینٹوں سے استنجاء کرنا ۵۸۱
۸۲۹۹ پرندوں کی بیٹ کی وجہ سے صحن مسجد کا درخت کاٹنا ۵۸۲
۸۳۰۰ مسجد میں اگلدان رکھنا اور اس میں تھوکنا ۵۸۳
۸۳۰۱ مسجد کی دیوار پر پوسٹر لگانا ۵۸۴
۸۳۰۲ مسجد کے دالان میں آئینہ نصب کرنا ۵۸۵
۸۳۰۳ مسجد کی تعمیر کے درمیان اس میں چپل پہن کر چلنا ۵۸۶
۸۳۰۴ حدود مسجد میں مستری ومزدور کا حقہ بیڑی پینا ۵۸۷
۸۳۰۵ منبر پر جاکٹ، کوٹ یا دودھ کا ڈبہ رکھنا ۵۸۸
۸۳۰۶ مسجد کے صحن میں چارپائی لگا کر بیٹھنا ۵۸۹
۸۳۰۷ بچوں کے پاجامہ کی تری سے کیا صف ناپاک ہوجاتی ہے؟...... ۵۹۰
۸۳۰۸ ناپاک کپڑا بیگ وغیرہ میں رکھ کر مسجد میں رکھنا ۵۹۲
۸۳۰۹ مسجد کا ملبہ ناپاک جگہ میں استعمال کرنا ۵۹۳

❐ ۲۸/ الفصل الثامن والعشرون: مسجد میں بدبودار چیز داخل کرنے کا بیان ....

۸۳۱۰ مسجد میں مورٹین جلانا ۵۹۴
۸۳۱۱ بدن پر مچھر مارنے والی دوائی لگا کر نماز پڑھنا ۵۹۴
۸۳۱۲ مساجد میں گیس کی لالٹین جلانے کا حکم ۵۹۵
۸۳۱۳ مسجد کے اندر گیس سلینڈر جلانا ۵۹۶
۸۳۱۴ مساجد میں گیس سلینڈر کا استعمال ۵۹۷
۸۳۱۵ مسجد میں مٹی کے تیل سے لالٹین جلانا ۵۹۹
۸۳۱۶ مسجد میں گھی کا چراغ جلانا ۶۰۰

۸۳۱۷ مسجد کے اندر اگربتی جلانے کا حکم ۶۰۱
۸۳۱۸ بدبودار پینٹ کا مسجد میں استعمال کرنا کیسا ہے؟ ۶۰۲
۸۳۱۹ مسجد میں تمبا کو استعمال کرنا ۶۰۴

۷/باب المصلی

۸۳۲۰ عیدگاہ کے تحقق کے لئے رجسٹری یا عمارت ضروری ہے یا نہیں؟ ۶۰۵
۸۳۲۱ کیا عید کی نماز درست ہونے کے لئے عیدگاہ کی رجسٹری لازم ہے؟ ۶۰۷
۸۳۲۲ گرمی، سردی سے بچاؤ کے لئے عیدگاہ کو مسقّف بنانا ۶۰۸
۸۳۲۳ آٹھ گاؤں والوں کا مل کر ایک عیدگاہ بنانا ۶۰۸
۸۳۲۴ ایک بستی میں دو عیدگاہ بنانا ۶۱۰
۸۳۲۵ پہلی عیدگاہ کو فروخت کر کے اس کی رقم دوسری عیدگاہ میں لگانا ۶۱۱
۸۳۲۶ ایک عیدگاہ سے متعلق چند سوالات ۶۱۳
۸۳۲۷ مسجد کی جگہ عیدگاہ بنانا ۶۱۷
۸۳۲۸ آباد مسجد کو توڑ کر عیدگاہ بنانے کا حکم ۶۱۸
۸۳۲۹ مسجد توڑ کر عیدگاہ بنانا ۶۱۹
۸۳۳۰ عیدگاہ منہدم کر کے مسجد بنانا ۶۲۰
۸۳۳۱ عیدگاہ کے لئے وقف کی گئی زمین پر مسجد بنانا ۶۲۲
۸۳۳۲ قدیم مسجد کو توڑ کر عیدگاہ بنانا ۶۲۴
۸۳۳۳ آبادی میں واقع عیدگاہ کو مدرسہ بنانا ۶۲۴
۸۳۳۴ عیدگاہ کو مدرسہ بنا کر دوسری عیدگاہ بنانا ۶۲۶
۸۳۳۵ عیدگاہ کو مسجد میں تبدیل کر کے شہر کے باہر عیدگاہ بنانا ۶۲۷
۸۳۳۶ گرام پنچایت کی زمین میں عیدگاہ بنانا ۶۲۸
۸۳۳۷ سرکاری اسکول کو عیدگاہ بنانا ۶۳۰

۸۳۳۸ عیدگاہ میں شادی ہال یا اسکول بنانا ۶۳۰
۸۳۳۹ مسجد اور عیدگاہ کی آمدنی مخلوط کر کے رکھنا ۶۳۲
۸۳۴۰ عیدگاہ کو شادی بیاہ کے لئے دینا ۶۳۳
۸۳۴۱ عیدگاہ کو بازار لگانے کے لئے کرایہ پر دینا ۶۳۴
۸۳۴۲ وقف کی زمین میں میلہ لگانا اور اس کے کرایہ کا حکم ۶۳۶
۸۳۴۳ شراب کی مشین بنانے والے کی اجرت کو عیدگاہ میں استعمال کرنا ۶۳۹
۸۳۴۴ عیدگاہ کو مزین کرنا ۶۴۰
۸۳۴۵ عیدگاہ میں کرکٹ کھیلنا ۶۴۱

۸/باب المقبرة

۸۳۴۶ کیا متفقہ قرارداد پر عمل کرنا ضروری ہے؟ ۶۴۳
۸۳۴۷ قبرستان کی زمین قبرستان میں اور کاشت کی زمین کاشتکار کے حوالہ کرنا ۶۴۶
۸۳۴۸ قدیم قبرستان کے بدلہ میں دوسری جگہ قبرستان بنانا ۶۴۷
۸۳۴۹ قبر کی مٹی لاکر دوسری جگہ قبر بنانا ۶۴۸
۸۳۵۰ قبرستان کی خودرو گھاس کی قیمت سے چہار دیواری بنانا ۶۵۰
۸۳۵۱ قبرستان میں ممبران کے نام کا پتھر لگوانا ۶۵۰
۸۳۵۲ خلاف شرع امور میں قبرستان کو استعمال کرنا ۶۵۲
۸۳۵۳ قبرستان کی جگہ حاصل کرنے کے لئے سڑک پر میت دفن کرنا ۶۵۴
۸۳۵۴ کھیت میں واقع قبر پر مکان تعمیر کرنا یا کاشت کرنا ۶۵۷
۸۳۵۵ پرانی قبر پر مٹی ڈالکر برابر کرنا ۶۵۹
۸۳۵۶ قبر کی چوڑائی اور گہرائی کی مقدار ۶۶۰
۸۳۵۷ مالک کی اجازت کے بغیر قبرستان میں میت دفنانا ۶۶۱

۸۳۵۸ قبر کھودنے کے دوران نکلی ہوئی لکڑی کا حکم ۶۶۲
۸۳۵۹ عیدگاہ کی قبریں برابر کرنا ۶۶۳
۸۳۶۰ قبرستان پر لینٹر ڈال کر امام صاحب کے لئے کمرہ بنانا ۶۶۳
۸۳۶۱ قبروں سے نکالی گئی اینٹوں کا حکم ۶۶۴
۸۳۶۲ قبروں کو توڑ کر پختہ راستہ یا پیشاب کی نالی بنانا ۶۶۵
۸۳۶۳ قبرستان کے خادم کو معزول کرنا ۶۶۶
۸۳۶۴ گانا بجانا اور عرس وقوالی کو ختم کرنے کی غرض سے قبر کو ڈھانا ۶۶۷
۸۳۶۵ قبرستان میں تالا لگا کر فاتحہ پڑھنے سے روکنا ۶۶۸
۸۳۶۶ شیعہ خواجہ چودھری کے عقائد رکھنے والے کو اہل سنت کے قبرستان میں دفن کرنا کیسا ہے؟ ۶۶۹
۸۳۶۷ زائرین قبور کے فائدہ کیلئے قبرستان میں اپنے مکان کا چھجہ نکالنا ۶۷۰
۸۳۶۸ قبرستان کی چہار دیواری میں سودی وحرام کمائی کی رقم لگانا ۶۷۱
۸۳۶۹ قبرستان کی جالی دار باؤنڈری کو ختم کرنا ۶۷۲

❏ ۱/الفصل الاول : فی المکروہ والمستحب

۸۳۷۰ قبرستان میں درخت لگانا ۶۷۴
۸۳۷۱ قبرستان میں رہائش گاہ بنانا ۶۷۴
۸۳۷۲ قبر کے اردگرد چہار دیواری بنوانا ۶۷۵
۸۳۷۳ قبروں کی توڑ پھوڑ کے ذریعہ بے حرمتی کرنا ۶۷۶
۸۳۷۴ قبرستان میں جوتا پہن کر چلنا ۶۷۷
۸۳۷۵ قبرستان میں جوتے چپل پہن کر چلنا ۶۷۸
۸۳۷۶ قبرستان میں جانور چرانا اور عورتوں کا جانا ۶۷۹
۸۳۷۷ قبرستان میں جانور چرانا اور کرکٹ وغیرہ کھیلنا ۶۸۱

۸۳۷۸ قبرستان کو راستہ اور کھلیان بنانا ۶۸۳
۸۳۷۹ قبرستان میں گاڑیاں چلانا، گھر بنانا، کرکٹ وغیرہ کھیلنا ۶۸۴
۸۳۸۰ قبرستان میں ٹریکٹرٹرالی کے ذریعہ سے مٹی کا بھراؤ کرنا ۶۸۶
۸۳۸۱ قبرستان کی صفائی کے لئے ٹریکٹر چلوانا ۶۸۷
۸۳۸۲ قبرستان میں کوڑا کرکٹ ڈالنا اور چارپائی لگا کر مجلس قائم کرنا ۶۸۸
۸۳۸۳ قبرستان میں کھانا کھلانا کیسا ہے؟ ۶۸۹
۸۳۸۴ قبرستان کی جھاڑیوں کو ہیروبل سے صاف کرنے کا حکم ۶۹۰

❏ ۲/الفصل الثانی: فی المصارف

۸۳۸۵ زیر ملکیت قبرستان میں دوکان بنا کر آمدنی مسجد میں لگانا ۶۹۲
۸۳۸۶ قبرستان کی آمدنی کے لئے پختہ قبروں کو توڑ کر دوکانیں بنانا ۶۹۳
۸۳۸۷ گورے غریباں کی قبر کی جگہ دینے کے روپے لینا ۶۹۴
۸۳۸۸ قبرستان کے فنڈ سے برتن خرید کر کرائے پر دینا ۶۹۵
۸۳۸۹ قبرستان کی گھاس بٹائی پر دینا ۶۹۶
۸۳۹۰ قبرستان کی آمدنی کہاں خرچ کر سکتے ہیں؟ ۶۹۷
۸۳۹۱ قبرستان کی خودرو گھاس کی آمدنی مسجد میں لگانا ۶۹۸
۸۳۹۲ قبرستان کی لکڑیوں سے مسجد کا پانی گرم کرنا ۶۹۹
۸۳۹۳ قبرستان کی رقم مسجد میں لگانا ۷۰۰
۸۳۹۴ قبرستان کی آمدنی مسجد میں صرف کرنا ۷۰۱
۸۳۹۵ قبرستان کی آمدنی مسجد کو بطور قرض دینا ۷۰۳
۸۳۹۶ قبرستان کا پیسہ مسجد و مدرسہ میں لگانا ۷۰۳
۸۳۹۷ قبرستان کے روپئے کو مسجد یا مکتب میں لگانا ۷۰۵
۸۳۹۸ قبرستان کے درختوں کی آمدنی مسجد کی تعمیر وغیرہ میں صرف کرنا ۷۰۶

۸۳۹۹	قبرستان کے درختوں کی آمدنی سے مدرسہ تعمیر کرنا...............	۷۰۷
۸۴۰۰	ضرورت مند قبرستان کی آمدنی مسجد ومدرسہ میں استعمال کرنا درست نہیں	۷۰۸
۸۴۰۱	قبرستان کی لکڑی مدرسہ میں صرف کرنا............................	۷۰۸
۸۴۰۲	قبرستان کی آمدنی کو امام یا معلم کی اجرت میں دینا..................	۷۰۹
۸۴۰۳	قبرستان کی کوئی چیز عیدگاہ میں لگانا..................................	۷۱۰
۸۴۰۴	قبرستان میں پڑی ہوئی اینٹ قبرستان میں لگانا.........................	۷۱۰
۸۴۰۵	واقف کا قبرستان کی آمدنی غریبوں پر خرچ کرنا.........................	۷۱۱
۸۴۰۶	مملوکہ قبرستان کے درخت کاٹ کر استعمال کرنا........................	۷۱۲
۸۴۰۷	اپنے وقف کردہ قبرستان کے درخت سے فائدہ اٹھانا...................	۷۱۳
۸۴۰۸	قبرستان میں کھیتی اور اس میں آمدنی کا حکم............................	۷۱۴

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست مضامین

۲۴/ بقية كتاب الوقف

□	۹/ باب المدارس	۳۲

مسئلہ نمبر | صفحہ نمبر

الفصل الأول: في المدارس

۸۴۰۹ کیا مدرسوں میں دین پڑھایا جاتا ہے سکھایا نہیں جاتا؟ ۳۱
۸۴۱۰ دینی مذہبی ادارہ کورجسٹریشن کرانے کا حکم ۳۲
۸۴۱۱ مجلسِ عاملہ ومجلسِ شوریٰ ۳۶
۸۴۱۲ مجلسِ شوریٰ کے اختیارات ۳۷
۸۴۱۳ مدارسِ اسلامیہ میں طلبہ کی دیکھ بھال کے لئے کیمرہ لگانے کا حکم ۴۱
۸۴۱۴ ایک مدرسہ سے متعلق چند سوالات وجوابات ۴۳
۸۴۱۵ مدارسِ اسلامیہ کے اصول کا ماخذ ۴۶
۸۴۱۶ مدرسہ کے قوانین کا ماخذ ۴۷
۸۴۱۷ مدارس کے اصول وضوابط کی شرعی حیثیت ۴۹
۸۴۱۸ ضوابط برائے اساتذہ، تعزیرات وتعطیلات برائے طلبہ ۵۲
۸۴۱۹ تعزیرات برائے طلبہ مدرسہ عربیہ امداد الاسلام ہرسولی ضلع مظفر نگر یوپی ۵۴
۸۴۲۰ ضوابط برائے مدرسہ عربیہ امداد الاسلام ہرسولی ضلع مظفر نگر ۵۵
۸۴۲۲ مدرسے کے من جملہ بچوں کی ضروریات مدز کوۃ سے پوری کرنے کا حکم .. ۵۸

۸۴۲۳ مدرسہ میں آمدہ غلہ میں اشیاء کی رسید دینے کا حکم ۶۰
۸۴۲۴ مدارس میں فیس لے کر تعلیم دینے کا حکم ۶۱
۸۴۲۵ طلبہ کا بلا اجازت مدرسہ کی چیزوں کو استعمال کرنے کا حکم ۶۲
۸۴۲۶ تعلیمی اوقات کے دوران طلبہ کو قرآن خوانی کے لئے بھیجنا ۶۳
۸۴۲۷ مدارس کے طلباء سے قرآن خوانی کرانا ۶۴
۸۴۲۸ لڑکیوں کا مدرسہ قائم کرنا ۶۵
۸۴۲۹ مدارسِ اسلامیہ میں غیر مسلم بچوں کو تعلیم دینے کا حکم ۶۵
۸۴۳۰ طلباء کو انعام میں ملنے والے روپیوں کا مالک کون؟ ۶۶
۸۴۳۱ کیا پرانے مکتب میں تعلیمی سلسلہ کو جاری رکھنا ضروری ہے؟ ۶۸

□	**الفصل الثاني : في التولية**	۶۹

۸۴۳۲ طلبا کی تعلیمی کوتاہی پر مسئول کون ہے؟ ۶۹
۸۴۳۳ موقوفہ جائیداد کو ذاتی ملکیت سمجھنے کا حکم ۷۰
۸۴۳۴ مہتمم صاحب کا مدرسہ کی زمین اپنے نام رجسٹری کروانے کا حکم ۷۰
۸۴۳۵ مدرسہ کے لئے خریدی گئی زمین کا شخصی بیع نامہ کرانا ۷۱
۸۴۳۶ احکام شریعت کا لحاظ نہ رکھنے والے مہتمم کا حکم ۷۳
۸۴۳۷ مہتمم سے متعلق سوال و جواب ۷۴
۸۴۳۸ مدارس اسلامیہ کے قوانین کی پابندی مہتمم وملازم سب پر لازم ہے... ۷۶
۸۴۳۹ کیا ذمہ دارانِ مدرسہ اصول کے پابند ہیں؟ ۷۹
۸۴۴۰ مدرسہ اور قبرستان کے نام چندہ لے کر اپنی ضروریات میں خرچ کرنے کا حکم ۸۰
۸۴۴۱ بچہ کے قاعدہ پورا ہونے پر مہتمم صاحب کا دعوت کا مطالبہ کرنا ۸۳
۸۴۴۲ مہتمم کے مدرسہ کی رقم اپنے کاروبار میں لگانے یا دوسرے کو قرض دینے کا حکم. ۸۵

الفصل الثالث : في المدرسين ۸۶

۸۴۴۳ ذمہ دارانِ مدرسہ ومدرسین کے تعلق سے چند سوالات کے جوابات .. ۸۶
۸۴۴۴ مدرسہ کے مفاد کے پیش نظر کسی ملازم کو برطرف کرنا ۸۸
۸۴۴۵ مدرسہ کے صدر مدرس کے خلاف عوام کے انتشار کا حکم ۸۹
۸۴۴۶ اوقات مدرسہ میں مہتمم کی اجازت سے حوائج ضروریہ کے لئے جانا .. ۹۰
۸۴۴۷ مدرس کو دو وقت پڑھانے پر مجبور کرنا ۹۰
۸۴۴۸ مدرس سے مدرسہ کی رقم گھر سے چوری ہوگئی ۹۲
۸۴۴۹ مدرسین کا چرم قربانی وصول کرنے پر معاوضہ لینے کا حکم ۹۴
۸۴۵۰ مدارس کے ملازم اجیر بالعمل ہیں یا اجیر فی الوقت ۹۵
۸۴۵۱ شخص واحد کے ذمہ درس وتدریس اور امامت وغیرہ سپرد کرنا ۹۷
۸۴۵۲ کیا گاؤں کے مدرس پر مسجد کی امامت بلا اجرت واجب ہے؟ ۹۹
۸۴۵۳ مدرس کو نابالغ طلبا کی امامت کا پابند بنانا ۱۰۰
۸۴۵۴ کیا مدرس کا بیماری میں چھٹی لے کر اپنے نجی کام سے جانا دھوکہ نہیں؟. ۱۰۱
۸۴۵۵ مکتب میں استاذ کا جمعراتی لینا ۱۰۲
۸۴۵۶ مدرس کے جمعراتی وصول کرنے کا حکم ۱۰۳
۸۴۵۷ طلبہ کی طرف سے معلم کو ملنے والے ہدیہ کا حکم ۱۰۴
۸۴۵۸ مدرسے میں بے پردہ معلّمہ کے تقرر کرنے کا حکم ۱۰۵
۸۴۵۹ اساتذہ کے لئے طلبا کو ملنے والے کنسیشن استعمال کرنے کا حکم ۱۰۶
۸۴۶۰ مدرسے کے کمروں میں مدرس کا فیملی کے ساتھ رہنا ۱۰۷
۸۴۶۱ مدرسین کے وسعت ونجی گھر ہونے کے باوجود مدرسہ کا گھر خالی نہ کرنے کا حکم ۱۰۸

۸۴۶۲ غیر صاحب نصاب مدرس کے لئے مدرسہ کا کھانا کھانا ۱۱۳
۸۴۶۳ مدرسین کے لئے ایصال ثواب کا کھانا کھانا ۱۱۴
۸۴۶۴ مدرسے کے ملازم کے علاج کی ذمہ داری کس پر ہے؟........... ۱۱۶

❑	**الفصل الرابع:**	۱۱۷

مدارس میں سرکاری اور غیر مسلم کا مال صرف کرنے کا حکم

۸۴۶۵ مدرسہ کو ایڈ کرانا ۱۱۷
۸۴۶۶ کیا ایڈ کے مدارس میں سرکاری قوانین کی پابندی لازم ہے ۱۱۸
۸۴۶۷ سرکار کی طرف سے آئے ہوئے رسد کو مدرسہ یا مسجد میں لگانے کا حکم ۱۲۰
۸۴۶۸ اسکولوں میں آمدہ سرکاری امداد کی بچی ہوئی رقم کا مصرف ۱۲۰
۸۴۶۹ اسکول کی تعمیر یا طلبہ کی خوراک سے بچی ہوئی رقم کا ہیڈ ماسٹر کا استعمال کرنا ۱۲۲
۸۴۷۰ امام باڑہ کے اوپر مدرسہ بنانے کا حکم ۱۲۳
۸۴۷۱ غیر کی زمین میں اس کی اجازت کے بغیر مدرسہ بنانے کا حکم ۱۲۵
۸۴۷۲ مالک کی اجازت کے بغیر اس کی زمین پر مدرسہ بنانا............ ۱۲۶
۸۴۷۳ مغصوبہ زمین پر مدرسہ بنانا ۱۲۸
۸۴۷۴ پریس کرنے پر پریس بیچ کر رقم مدرسہ میں لگانا ۱۳۱
۸۴۷۵ لیٹ فیس وصول کرنے کی شرعی حیثیت ۱۳۲
۸۴۷۶ مدرسہ کے لئے غیر مسلموں کا چندہ لینا ۱۳۳
۸۴۷۷ ہندو کی رقم کارِ خیر میں لگانا.............................. ۱۳۳
۸۴۷۸ مدرسہ کی تعمیر میں سودی رقم یا کافر کا پیسہ لگانا ۱۳۵
۸۴۷۹ طوائف کی زمین پر مدرسہ تعمیر کرنا.......................... ۱۳۷

الفصل الخامس: في التصرف ۱۳۸

۸۴۸۰ کیا کسی مدرسے کے دونام رکھنے سے وہ دومدرسے ہوجائیں گے؟ .. ۱۳۸
۸۴۸۱ مسجد مدرسہ بنانے سے متعلق چند سوالات کے جوابات ۱۴۲
۸۴۸۲ کیا مدرسہ کی موقوفہ چیزوں میں غرض واقف لازم ہے؟............ ۱۴۴
۸۴۸۳ مدارس میں قائم کردہ انجمن کی تقسیم کا حکم.................... ۱۴۵
۸۴۸۴ چندہ کے پیسے سے بنی ہوئی عمارت میں اراکین مدرسہ کا کتبہ لگانا ۱۵۰
۸۴۸۵ جلسہ کی بچی ہوئی رقم کا مصرف ۱۵۲
۸۴۸۶ طلبہ سے لی گئی قیمت طعام کو مدرسہ کی تعمیر میں لگانا ۱۵۳
۸۴۸۷ مدرسہ کی رقم سے امام ومؤذن کو وظیفہ دینے کا حکم.............. ۱۵۳
۸۴۸۸ انجمن کی رقم سے سرپرست انجمن کو ہدیہ دینا.................... ۱۵۴
۸۴۸۹ اسکول کے درجہ پنجم کے امتحان کا خرچ مدرسہ سے لینا............ ۱۵۵
۸۴۹۰ مدرسہ کی رقم سے متعلقین کو ہدیہ دینے کا حکم ۱۵۶
۸۴۹۱ مدرسے کے فنڈ سے مہمان نوازی کرنا ۱۵۷
۸۴۹۲ مدرسہ کی رقم سے چائے، بسکٹ اور مہمانوں کی ضیافت ۱۵۷
۸۴۹۳ مدرسہ کی رقم سے تقریب میں گیٹ وغیرہ کی سجاوٹ ۱۵۸
۸۴۹۴ مدرسے کی زمین میں اساتذہ وطلبہ کے لئے مسجد بنانا ۱۵۹
۸۴۹۵ مدارس کی جمع شدہ رقم اپنی ضروریات میں صرف کرنا.............. ۱۶۰
۸۴۹۶ خزانچی کا مدرسہ کی رقم اپنے استعمال میں لانا ۱۶۱
۸۴۹۷ مدرسہ کا روپیہ ذاتی معاملہ میں خرچ کرنا ۱۶۲
۸۴۹۸ مدرسہ کے فون سے تبلیغی خبر کرنا ۱۶۳

۸۴۹۹ مدرسے کی رقم بطور رشوت دینا ۱۶۴
۸۵۰۰ مدرسہ کی رقم سرکاری اسکیم شروع کرانے کے لئے بطور رشوت دینا ... ۱۶۶

□	الفصل السادس: اشیائے مدرسہ کی منتقلی کے احکام	۱۶۸

۸۵۰۱ مدرسہ کی منتقلی سے متعلق چند سوالات کے جوابات ۱۶۸
۸۵۰۲ مدرسہ کی آمدنی اسکول میں لگانا ۱۷۰
۸۵۰۳ مسجد و مدرسہ کی مشترکہ رقم سے جنریٹر خریدنا ۱۷۱
۸۵۰۴ مسجد و مدرسہ کی رقم کو ایک دوسرے پر صرف کرنا ۱۷۲
۸۵۰۵ مسجد و مدرسہ کا پانی ولائٹ خارج مسجد و مدرسہ کو دینا ۱۷۳
۸۵۰۶ ایک مدرسہ کا غلہ دوسرے مدرسہ میں دینے کا حکم ۱۷۴
۸۵۰۷ ایک مدرسہ کی رقم دوسرے مدرسہ میں لگانا ۱۷۵
۸۵۰۸ مدرسہ بنانے کے نام پر وصول شدہ رقم کو دوسرے مدرسہ میں دینا ۱۷۶
۸۵۰۹ ایک مدرسہ کی وقف شدہ اراضی کو دو مدرسوں پر تقسیم کرنا ۱۷۸
۸۵۱۰ مدرسہ کی رقم سے مدرسہ کی زمین میں مسجد تعمیر کرنا ۱۸۰

□	الفصل السابع: في الإجارة	۱۸۱

۸۵۱۱ مدرسے کی زمین میں ضروریاتِ مدرسہ کے لئے دوکان تعمیر کرنا...... ۱۸۱
۸۵۱۲ مدرسہ کی رقم مسجد یا مسجد کی رقم مدرسہ کو بطور قرض دینا ۱۸۳
۸۵۱۳ مدرسہ کے تہہ خانہ میں آمدنی کی خاطر ’’کار پارکنگ‘‘ بنانا ۱۸۴
۸۵۱۴ مدرسہ میں ووٹ ڈالنے کی مشین لگانا ۱۸۵
۸۵۱۵ احاطۂ مدرسہ میں قربانی کرنے سے روکنا ۱۸۶
۸۵۱۶ مدرسہ کی عمارت اسکول کے لئے کرایہ پر دینا ۱۸۷

۸۵۱۷ مدرسہ میں بارات رکانا ۱۸۸
۸۵۱۸ مدارس عربیہ کی بالائی منزل پر جونیر کی تعلیم دینا ۱۹۰
۸۵۱۹ گرام سماج کی زمین پر مدرسہ کی رقم سے دوکان بنانا ۱۹۱
۸۵۲۰ مسجد کے لئے مدرسہ سے قرض لینا ۱۹۲
۸۵۲۱ مدارس کی رقم تجارت کے لئے دینا ۱۹۳

□	الفصل الثامن: في المشاهرة	۱۹۵

۸۵۲۲ کیا مہتمم مدرسین کے مقابلہ میں دوگنی تنخواہ لے سکتے ہیں؟ ۱۹۵
۸۵۲۳ موجودہ دور میں تنخواہ میں زیادتی کا مطالبہ کرنا ۱۹۶
۸۵۲۴ شرط فاسد لگا کر تنخواہ بڑھانا ۱۹۸
۸۵۲۵ سائنس سے انٹر پاس اور ہندی کے مدرس کو گورنمنٹ سے تنخواہ دلانا . ۱۹۹
۸۵۲۶ مدرسہ کے ناظم کا مدرس کی تنخواہ نہ دینا ۲۰۰
۸۵۲۷ مقررہ تنخواہ سے کم دینے کا حکم ۲۰۲
۸۵۲۸ چندہ نہ کرنے کی صورت میں مدرس کو سابقہ تنخواہ نہ دینا ۲۰۳
۸۵۲۹ مقررہ وقت میں کام کرنے پر تنخواہ کا استحقاق اور کوتاہی پر برطرف کرنا ۲۰۵
۸۵۳۰ مدارس ومساجد کے ملازمین کا سرکاری تنخواہ لینا ۲۰۶
۸۵۳۱ پرائیویٹ فنڈ کا حکم ۲۰۷
۸۵۳۲ بلا اجازت مدرسے سے جانے والے کی تنخواہ کا حکم ۲۰۸
۸۵۳۳ مدرس کی تقرری کے بعد بلاعوض نگرانی پر مجبور کرنے کا حکم ۲۱۰
۸۵۳۴ حج کو جانے والے مدرس کے لئے رخصت بالوضع کا حکم ۲۱۲
۸۵۳۵ گورنمنٹ سے روپیہ لے کر مدرسین کو تنخواہ دینا ۲۱۳
۸۵۳۶ بمد تعمیر رقم کو تنخواہ میں استعمال کرنا ۲۱۴

۸۵۳۷ غیر حاضری کی تنخواہ کا حکم ۲۱۶
۸۵۳۸ مدرس کے ایام مرض کی تنخواہ ومجلسِ شوریٰ کی شرعی حیثیت ۲۱۷
۸۵۳۹ علالت کے زمانہ کی تنخواہ ۲۱۹
۸۵۴۰ بیماری کے ایام میں گھر پر رہتے ہوئے تنخواہ لینے کا حکم ۲۲۱
۸۵۴۱ اطلاعی نوٹس ۱۵/ یوم قبل نہ دینے کی صورت میں تنخواہ کاٹ لینے کا حکم . ۲۲۲
۸۵۴۲ نصفِ شعبان میں معزول کی وجہ سے رمضان کی تنخواہ کے استحقاق کا مسئلہ ۲۲۳
۸۵۴۳ پندرہ شعبان کو معزول مدرس رمضان کی تنخواہ کا مستحق کب؟ ۲۲۴
۸۵۴۴ اضافی رقم کے حقدار ملازم ہیں نہ کہ مستعفی؟ ۲۲۵
۸۵۴۵ مستعفی کی ایک ماہ کی تنخواہ ضبط کرنے کا حکم ۲۲۷
۸۵۴۶ جمعہ کے دن کی تعطیل کو رخصت میں شمار کرنا.................. ۲۲۹
۸۵۴۷ غیر حاضری کے ایام کو حاضری کے ایام کا بدل قرار دے کر تنخواہ وصول کرنا. ۲۳۰
۸۵۴۸ غیر عالم کا حکومت سے عالم کی تنخواہ لینا.................. ۲۳۲
۸۵۴۹ غیر حاضری کے دن کی دستخط کر کے تنخواہ وصول کرنا ۲۳۳
۸۵۵۰ مدرس و امام کے لئے ایام تعطیل کی تنخواہ لینے کا حکم.............. ۲۳۴
۸۵۵۱ سرکار سے مدرسین کا غیر حاضری کے ایام کی تنخواہ لینا.............. ۲۳۶
۸۵۵۲ ایامِ رخصت کی تنخواہ کا مسئلہ ۲۳۷
۸۵۵۳ تعطیل کلاں میں تنخواہ کا استحقاق کب؟ ۲۳۸
۸۵۵۴ مدرسہ کے ملازم کا ایام تعطیل کی تنخواہ لینا.................. ۲۴۰
۸۵۵۵ تعطیل کلاں میں تنخواہ کا استحقاق ۲۴۱
۸۵۵۶ مدارسِ اسلامیہ میں ایامِ تعطیل کی تنخواہوں کا حکم ۲۴۳
۸۵۵۷ مدرسے کی چھٹیوں میں پڑھانے کی اجرت اور تعطیل کلاں کی تنخواہ کا حکم .. ۲۴۴
۸۵۵۸ رمضان کی تنخواہ کا حکم........................ ۲۴۶

۲۵/ کتاب البیوع

☐	۱/ باب البیع الصحیح	۲۴۸

۸۵۵۹ مالِ متقوم وغیر متقوم، بیع باطل اور فاسد کی تعریف ۲۴۸
۸۵۶۰ نیلامی کا حکم ۲۵۰
۸۵۶۱ امریکہ سے ٹیلی ویژن پر خرید وفروخت کا حکم ۲۵۰
۸۵۶۲ مسلمانوں کا غیر مسلموں سے خرید وفروخت کرنا ۲۵۲
۸۵۶۳ مشتری کا مبیع کو استعمال کرنے کے بعد فروخت کرنے کا حکم ۲۵۳
۸۵۶۴ کیا حرام مال میں تعدی پائی جاتی ہے؟ ۲۵۵
۸۵۶۵ زمین فروخت کرنے کے بعد رجسٹری نہ کرانا ۲۵۷
۸۵۶۶ خریدار کا بائع کی اولاد کو رجسٹری پر دستخط کرنے کے عوض کچھ دینے کا حکم .. ۲۵۹
۸۵۶۷ خریدار کا ادائے قیمت پر کمیشن کا مطالبہ ۲۶۰
۸۵۶۸ بیع میں کس جگہ کا اعتبار ہے؟ ۲۶۱
۸۵۶۹ مشترکہ طور پر سامان خریدنے کی صورت میں کس پر کتنی قیمت واجب ہے؟ ۲۶۲
۸۵۷۰ خریدار کا زمین خالی کرانے کے لئے چھپ کر فصل کاٹ لینا ۲۶۳
۸۵۷۱ فرضی بل کے ذریعہ سرکاری گرفت سے بچنا ۲۶۵
۸۵۷۲ حکومت کے قانون کے خلاف نیپال میں جا کر غلہ بیچنا ۲۶۶
۸۵۷۳ وکیل کا فعل موکل کے فعل کے حکم میں ہوتا ہے ۲۶۷
۸۵۷۴ فروختگی کا وکیل بنانا ۲۶۸
۸۵۷۵ بائع مبیع کی قیمت وکیل سے کم لے تو کیا حکم ہے؟ ۲۷۰
۸۵۷۶ مستحق نکل آنے والی زمین کا حکم ۲۷۱

۸۵۷۷ پریس والوں کا پوری قیمت وصول کر کے کچھ اشتہار کم دینا ۲۷۲
۸۵۷۸ سپلا یر کارخانہ دار سے سامان خرید کر دوکاندار کو کم قیمت میں فروخت کرنا . ۲۷۳
۸۵۷۹ مبیع کو انعام کے ساتھ فروخت کرنا ۲۷۵
۸۵۸۰ اسکیم کے تحت پنکھے کی خرید وفروخت.......................... ۲۷۶
۸۵۸۱ عقد کے وقت ثمن میں جہالت نہ ہو تو عقد صحیح ہے؟ ۲۷۷
۸۵۸۲ پیکنگ شدہ ڈبوں کو وزن کئے بغیر خرید وفروخت کرنا ۲۷۸
۸۵۸۳ بنجر زمین کو آباد کرنا ۲۸۰
۸۵۸۴ سرکاری افتادہ زمین کی خرید وفروخت کی شرعی حیثیت ۲۸۱
۸۵۸۵ کیا جلسہ کے موقع پر بالعوض کھانا کھانا بیع ہے؟ ۲۸۸
۸۵۸۶ مکمل قیمت کی وصولیابی سے قبل بیوہ کا اپنی زمین میں نماز سے روکنا . ۲۸۹
۸۵۸۷ مشتری اول کا پوری رقم دینے سے قبل مشتری ثانی کو فروخت کرنا ۲۹۱
۸۵۸۸ جائیداد پر قبضہ کرنے سے پہلے مشتری کا بائع کو وکیل بالبیع بنانا ۲۹۲
۸۵۸۹ قبضہ سے پہلے زمین کی خرید وفروخت کا حکم ۲۹۳
۸۵۹۰ متعینہ بکنگ شدہ زمین کو منافع کے ساتھ فروخت کرنا ۲۹۴
۸۵۹۱ قبضہ سے قبل زمین کو فروخت کرنا ۲۹۶
۸۵۹۳ ادھار خریدی ہوئی زمین میں مالک کی اجازت سے کھیتی کرنے کا حکم . ۲۹۸
۸۵۹۴ خرید وفروخت کی ایک شکل کا حکم ۲۹۹
۸۵۹۵ خریدار پر دین مہر ادا کرنا لازم نہیں اور فروختگی کے بعد ورثاء کو حق اعتراض نہیں . ۳۰۱
۸۵۹۶ مکان کی فروختگی کی قیمت وصول ہونے کے بعد مالک کا کوئی حق باقی نہیں رہتا ۳۰۲
۸۵۹۷ والد کے مکان فروخت کرنے کے بعد اولاد کا دعویٰ معتبر نہیں ۳۰۳
۸۵۹۹ والدہ کا حالت صحت میں اپنی جائیداد بیچنا ۳۰۷
۸۶۰۰ بائع کا زمین پر قبضہ دینے کے بعد اس کے ورثاء کا بیچنے سے انکار کرنا . ۳۰۸

۸۶۰۱	کیا پھٹی بوریوں سے گرنے والی کھاد دوکان دار استعمال کرسکتا ہے؟	۳۰۹
۸۶۰۲	دوکان دار کا کم قیمت لینا	۳۱۰
۸۶۰۳	قصاب کا چرم قربانی بازاری بھاؤ سے کم قیمت پر خریدنا	۳۱۱
۸۶۰۴	زائد قیمت کے چاول کے ساتھ کم قیمت والے چاول بیچنا..........	۳۱۲
۸۶۰۵	کرایہ دار کے مکان خالی نہ کرنے پر اسی کے ہاتھ کم قیمت پر بیچنا	۳۱۳
۸۶۰۶	کتے کے جھوٹے آٹے کی بیع کا حکم..........................	۳۱۴
۸۶۰۷	اولاد نے والد کے ساتھ رہ کر جو کمائی کی وہ کس کی ملک ہے؟	۳۱۵
۸۶۰۸	دودھ کی بالائی مشین کے ذریعہ نکال کر فروخت کرنا	۳۱۶
۸۶۰۹	فوٹو فریم بنا کر فروخت کرنا	۳۱۷
۸۶۱۰	غیر مسلم کو قرآن شریف فروخت کرنے کا حکم	۳۱۸
۸۶۱۱	آیاتِ قرآنیہ والے کلینڈر غیر مسلم کو فروخت کرنے کا حکم............	۳۱۹
۸۶۱۲	سرکار کی طرف سے بینڈ شدہ کتاب کی فروختگی کا حکم	۳۲۰
۸۶۱۳	مسلم شخص کا غیر مذہبی فوٹو کی کتابیں فروخت کرنا..............	۳۲۱
۸۶۱۴	لہو ولعب کی چیزیں بنانے اور بیچنے کا حکم	۳۲۲
۸۶۱۵	مانجھے کی آمدنی کا حکم	۳۲۳
۸۶۱۶	پوجا پاٹ اور نذر و نیاز میں استعمال ہونے والی اشیاء کی خرید وفروخت کا حکم	۳۲۳
۸۶۱۷	پوجا میں استعمال ہونے والے پیتل کے چراغ بنانا	۳۲۵
۸۶۱۸	گھنٹی، ترشول، اوم، چراغ وغیرہ آرڈر پر بنانا	۳۲۶
۸۶۱۹	مانع حمل دواؤں کی خرید وفروخت کا حکم	۳۲۷
۸۶۲۰	زمین کی بقیہ قیمت کی ادائیگی موجودہ وقت کے اعتبار سے ہوگی یا خرید کے؟	۳۲۸
۸۶۲۱	پھل آنے سے قبل بور آنے کے بعد باغوں کی خرید وفروخت	۳۲۹
۸۶۲۲	باغات کی فروختگی میں جواز کی متبادل شکل	۳۳۰

۸۶۲۳ زمین مع باغ ٹھیکہ پر دینا ۳۳۲

۸۶۲۴ باغ مع زمین ایک سال یا کئی سال کے لئے فروخت کرنا ۳۳۲

۸۶۲۵ کیروسین کی خرید وفروخت ۳۳۳

۸۶۲۶ راشن دوکان سے غلہ خریدنا ۳۳۵

۸۶۲۷ دوسروں کے کنکشن سے گیس لے کر زیادہ قیمت میں فروخت کرنا ۳۳۶

۸۶۲۸ گیس کی کالا بازاری کی شرعی حیثیت ۳۳۷

۸۶۲۹ 132 نمبر کا پلاٹ بیچ کر 131 نمبر کا پلاٹ دینا ۳۳۸

۸۶۳۰ گلوکوز کی خرید وفروخت کا حکم ۳۴۰

۸۶۳۱ چوری کا اڈا بنانے والے کو زمین فروخت کرنے کا حکم ۳۴۱

۸۶۳۲ ویزا کی خرید وفروخت ۳۴۱

۸۶۳۳ اخبار کی خریداری کی قیمت کو فیس قرار دینے کا حکم ۳۴۲

۸۶۳۴ ہوٹل والوں کا زیادہ قیمت میں کھانا فروخت کرنے کا حکم ۳۴۳

۸۶۳۵ قانوناً پابندی شدہ جنگلات سے لکڑیاں کاٹ کرلانا ۳۴۵

۸۶۳۶ سرکاری جنگلات کی لکڑیوں کی خرید وفروخت کا حکم ۳۴۶

۸۶۳۷ دریائی جانوروں کی بیع اور ان کے کھانے کا حکم ۳۴۷

۸۶۳۸ مردار کی ہڈی، دانت، سینگ، پٹھے کی خرید وفروخت کا حکم ۳۴۸

۸۶۳۹ مردار جانور کے کچے چمڑے اور ہڈی کی خرید وفروخت کا حکم ۳۴۹

۸۶۴۰ حلال جانوروں کے کون کون سے اعضاء کی تجارت جائز ہے؟ ۳۵۱

۸۶۴۱ مرغ وغیرہ جانوروں کو زندہ فروخت کرنے کا حکم ۳۵۱

۸۶۴۲ زندہ جانور تول کر بیچنا ۳۵۲

۸۶۴۳ مذبوحہ جانوروں کے اعضائے تناسل اور خون کی بیع کا حکم ۳۵۳

۸۶۴۴ سمندری کیکڑے کی خرید وفروخت کا حکم ۳۵۴

۸۶۴۵ کتے کی بیع کی شرعی حیثیت ۳۵۶
۸۶۴۶ انسانی وحیوانی فضلات کی خرید وفروخت کا حکم ۳۵۷
۸۶۴۷ بریلوی مسلک کے لوگوں کو زمین فروخت کرنے کا حکم ۳۵۸

۳۶۰	۲/ باب الخیار	❑

۸۶۴۸ بیع کے تام ہونے کے بعد کسی ایک فریق کے بیع کو ختم کرنے کا حکم ... ۳۶۰
۸۶۴۹ عقد صحیح کے بعد واپسی پر مجبور کرنا ۳۶۲
۸۶۵۰ بیعانہ کی ادائے گی نہ کرنے پر کیا بیع کو ختم کیا جا سکتا ہے؟............ ۳۶۳
۸۶۵۱ مدت متعینہ پر ثمن کی ادائے گی نہ ہونے پر بائع کو خیار فسخ حاصل ہے . ۳۶۴
۸۶۵۲ مال میں نقص نکلنے پر کارخانہ دار پر ہرجانہ عائد کرنا ۳۶۶
۸۶۵۳ وقت پر قیمت ادا نہ کرنے کی وجہ سے معاملہ فسخ کرنا ۳۶۷
۸۶۵۴ بیع تام اور لازم ہونے کے بعد معاملہ منسوخ کرنے کا حکم ۳۶۹
۸۶۵۵ وعدہ کی خلاف ورزی پر سابقہ معاملہ ختم کردینے کا حکم ۳۷۰

۳۷۲	۳/ باب العربون	❑

۸۶۵۶ بیعِ عربون ۳۷۲
۸۶۵۷ بیعانہ دے کر خرید وفروخت کرنے کا حکم ۳۷۳
۸۶۵۸ کیا دھوکہ سے اپنے نام بیع نامہ کرانے سے ملکیت ثابت ہو جائے گی ۳۷۴
۸۶۵۹ کیا ’’امداد الفتاویٰ‘‘ میں بیعانہ ضبط کرنے کا مسئلہ ہے؟............ ۳۷۵
۸۶۶۰ زرِبیعانہ کی واپسی کا حکم ۳۷۶
۸۶۶۱ بیعانہ کی واپسی لازم ہے ۳۷۷
۸۶۶۲ بیعانہ کی رقم ضبط کرنے کا حکم ۳۷۸

۸۶۶۳ بیعانہ کی واپسی پر زائد رقم لینا ۳۷۹
۸۶۶۴ بیعانہ کے بعد معاملہ ختم کرنے کا حکم ۳۸۱
۸۶۶۵ جائیداد کا بیعانہ دوسرے کو دے کر سوتیلے بیٹے کو فروخت کرنا ۳۸۲
۸۶۶۶ بائع کا بیعانہ کی رقم جمع کرنا اور مشتری کا ڈبل رقم لینا ۳۸۳
۸۶۶۷ معاملہ ختم ہونے کی صورت میں بیعانہ کی رقم کا حکم ۳۸۵
۸۶۶۸ بیعانہ کی ڈبل رقم واپس کرنا ۳۸۶
۸۶۶۹ خریداری میں دی گئی رقم کی واپسی میں دوگنی رقم لینا ۳۸۷

❒	۴/ باب البیع الفاسد، والباطل، والمکروہ	۳۹۰

۸۶۷۰ شرطِ فاسد کے ساتھ خرید وفروخت کی شرعی حیثیت ۳۹۰
۸۶۷۱ شروط فاسدہ کے ساتھ بیع کا معاملہ ۳۹۰
۸۶۷۲ بیع میں شرطِ فاسد لگانے کا حکم ۳۹۲
۸۶۷۳ بیع واجارہ بیک وقت شئ واحد میں کرنے کا حکم ۳۹۴
۸۶۷۴ معدوم کی بیع کا حکم ۳۹۶
۸۶۷۵ ’’بیع منابذہ‘‘ ۳۹۸
۸۶۷۶ کمیٹی کا خریدار سے متعینہ رقم سے زیادہ کا مطالبہ کرنا ۳۹۹
۸۶۷۷ دوسرے کی زمین فروخت کرنے کا حکم ۴۰۲
۸۶۷۸ دوسرے کی دوکان اپنی بنا کر فروخت کرنے کا حکم ۴۰۳
۸۶۷۹ دوسرے کی چیز بلا اجازت فروخت کرنے کا حکم ۴۰۴
۸۶۸۰ لون کے رکشے فروخت کرنے کا حکم ۴۰۶
۸۶۸۱ سامان نہ ملنے پر ۴۵/سو کی جگہ چھ ہزار لینے کا حکم ۴۰۸
۸۶۸۲ ۵۰۰/روپئے کا بل ۴۰۰/روپئے میں فروخت کرنا ۴۱۰

۸۶۸۳ پینٹ کی دوسونوے کی پرچی ۲۸۰ رمیں فروخت کرنا............... ۴۱۱
۸۶۸۴ ڈیڑھ روپئے فی اشتہار معاملہ طے کرنے کے بعد ایک روپئے میں چھپوانا . ۴۱۲
۸۶۸۵ دیوالی پر مسلمان کا آتش بازی کی اشیاء فروخت کرنا ۴۱۳
۸۶۸۶ گرین وے پشو پالن میں حصہ لینا ۴۱۴
۸۶۸۷ سودی رقم سے، جھوٹ بول کر یا کم تول کر تجارت کرنا ۴۱۶
۸۶۸۸ لاٹری کے پتے، تاش، لوڈو، کنچے، آتش بازی بیچنے کا حکم ۴۱۷
۸۶۸۹ غیر شرعی لباس کو سلنا اور فروخت کرنا کیسا ہے؟ ۴۱۸
۸۶۹۰ ہیروئن کی بیع وشراء.. ۴۱۹
۸۶۹۱ نشہ آور چیزوں کی خرید وفروخت کا حکم ۴۲۱
۸۶۹۲ شراب سے بنے ہوئے سرکہ کا استعمال وتجارت ۴۲۲
۸۶۹۳ اعضائے انسانی کی خرید وفروخت کا حکم ۴۲۴
۸۶۹۴ گوبر اور اس سے نکلے ہوئے دانے کی تجارت ۴۲۵
۸۶۹۵ مردار جانور کی ہڈی، کھال اور چربی فروخت کرنے کا حکم ۴۲۷
۸۶۹۶ میتہ بکریوں کی بیع اور اس کی آمدنی کا حکم ۴۲۸
۸۶۹۷ مردار جانوروں کے گوشت کی خرید وفروخت ۴۳۰
۸۶۹۸ جھٹکے کے بکرے کی آنت کی تجارت کا حکم ۴۳۱
۸۶۹۹ خون کی مصنوعات کی تجارت.................................... ۴۳۳
۸۷۰۰ خون کی بیع کا حکم ۴۳۴
۸۷۰۱ خون سے بنے مچھلیوں کے دانہ کی خرید وفروخت کا حکم ۴۳۷
۸۷۰۲ بیع سرطان کا حکم.. ۴۳۹
۸۷۰۳ خنزیر کے بالوں کے ساتھ دوسرے جانور کے بالوں سے برش بنانا .. ۴۴۰
۸۷۰۴ فحش کتابیں اور خنزیر کی چربی سے بنے چپس فروخت کرنے کا حکم ۴۴۱

۸۷۰۵	ادھیا پر بکری دینا	۴۴۲
۸۷۰۶	چار من غلہ پر زمین کاشتکاری کے لئے دینا	۴۴۳
۸۷۰۷	زمین کی فروختگی کی ایک شکل	۴۴۴
۸۷۰۸	زمین کی فروختگی کی ایک ناجائز شکل	۴۴۶
۸۷۰۹	قسطوار زمین کی خرید وفروخت کرنے والی کمپنی کا ممبر بننا	۴۴۷
۸۷۱۰	زمین کوفروخت کرنے کی ایک ناجائز شکل	۴۵۰
۸۷۱۱	پتنگ بنانا اور فروخت کرنا کیسا ہے؟	۴۵۲
۸۷۱۲	جانوروں کی تصاویر بنانا اور ان کا کاروبار کرنا	۴۵۳
۸۷۱۳	پیتل کے ہاتھی گھوڑے وغیرہ بنانا	۴۵۴
۸۷۱۴	پیتل وغیرہ کی مورتی بنانا کیسا ہے؟	۴۵۵
۸۷۱۵	تانبا پیتل سے جانوروں کا مجسمہ بنانا	۴۵۶
۸۷۱۶	چوری کے سامان کی خرید وفروخت کا شرعی حکم	۴۵۸
۸۷۱۷	چوری کا مال خریدنا کیسا ہے؟	۴۶۰
۸۷۱۸	مال مسروق کی بیع وشراء کا حکم	۴۶۱
۸۷۱۹	چوری کی لکڑی کی خرید وفروخت اور عددوں کو تیار کرنے پر مزدوری لینا	۴۶۳
۸۷۲۰	باغات کی خرید وفروخت	۴۶۵
۸۷۲۱	بدوصلاح سے قبل پھلوں کی خرید وفروخت	۴۶۷
۸۷۲۲	بہار انبہ کی فصل کی خرید وفروخت	۴۶۹
۸۷۲۳	باغ خریدنے کی جائز اور ناجائز شکلیں	۴۷۰
۸۷۲۴	پھل آنے سے قبل باغات کی خرید وفروخت	۴۷۱
۸۷۲۵	پھل آنے سے قبل باغ کے بیع وشراء کی جائز اور ناجائز صورت	۴۷۳
۸۷۲۶	پھل آنے سے پہلے ان کی بیع کا حکم	۴۷۵

۸۷۲۷ پھل آنے سے پہلے فروخت کئے گئے باغوں کے پھلوں کا حکم ۴۷۷

۸۷۲۸ پھلوں کی فروختگی میں پہلا عقد فاسد ہونے کے بعد دیگر عقود کا صحیح ہو جانا.. ۴۷۹

۸۷۲۹ ''بیع عرایا'' کی تفسیر میں ائمہ حدیث اور فقہاء کا اختلاف ۴۸۰

۸۷۳۰ ایسے باغات کی خریداری کا حکم جن کی زمین میں کاشت نہیں ہوتی ... ۴۸۱

۸۷۳۱ کئی سال کے لئے باغات کو ٹھیکہ پر لینا ۴۸۲

۸۷۳۲ باغ کی فصل فروخت کرنے کا حکم ۴۸۳

۸۷۳۳ پانچ کوئنٹل آم کے عوض باغ فروخت کرنے کا حکم ۴۸۴

۸۷۳۴ بیس کوئنٹل آم پر باغ فروخت کرنے کا حکم ۴۸۵

۸۷۳۵ ''احتکار'' کا مطلب ۴۸۶

۸۷۳۶ احتکار کی ممانعت کا مصداق ۴۸۷

۸۷۳۷ بغرضِ تجارت ذخیرہ اندوزی کرنا ۴۸۸

۸۷۳۸ غلہ کی ذخیرہ اندوزی کر کے فروخت کرنے کا حکم ۴۸۹

۸۷۳۹ اناج اسٹاک کر کے رکھنے کا حکم ۴۹۰

۸۷۴۰ زیادتی ثمن کے لئے پہلے خریدار سے معاملہ ختم کرنے کا حکم ۴۹۱

۸۷۴۱ سرکاری باغ سے لکڑی چوری کر کے مکتب میں فروخت کرنا ۴۹۳

۸۷۴۲ جانتے ہوئے چوری کا سامان خریدنا مکروہ ۴۹۴

۸۷۴۳ پتنگ اور پٹاخوں کی تجارت کا حکم ۴۹۵

۸۷۴۴ تصویر والے کپڑوں کی تجارت ۴۹۶

۸۷۴۵ مصور زیورات کی خرید فروخت کی شرعی حیثیت ۴۹۷

۸۷۴۶ خنزیر کے برش میں لگنے والے دیگر آلات کا آرڈر لینا ۴۹۸

۸۷۴۷ نجش فی البیع کا حکم ۴۹۹

❐	۵/ باب حط الثمن وزیادته نقدا و نسیئة	۵۰۱

۸۷۴۸ ادھار خرید وفروخت ۵۰۱
۸۷۴۹ ادھار خرید وفروخت کا حکم ۵۰۲
۸۷۵۰ فائنس کا حکم ۵۰۳
۸۷۵۱ ادھار پر مونجی کی فصل کسانوں سے خریدنے کا حکم ۵۰۴
۸۷۵۲ قسطوں پر سواری یا سامان کی خریداری ۵۰۵
۸۷۵۳ گڑ کی بھیلی بازار کی قیمت سے کم یا زیادہ قیمت پر بنانا ۵۰۶
۸۷۵۴ سوسائٹی سے کھاد خریدنے کا حکم ۵۰۹
۸۷۵۵ قیمت بڑھا کر ادھار فروخت کرنا ۵۰۹
۸۷۵۶ ادھار کی صورت میں مبیع کی قیمت بڑھانا ۵۱۰
۸۷۵۷ کیش لے کر کم قیمت پر سامان بعد میں دینا ۵۱۱
۸۷۵۸ قیمت بڑھا کر قسطوار ادھار بیچنا ۵۱۲
۸۷۵۹ ادھار ونقد کی صورت میں قیمت میں تفاوت کا حکم ۵۱۳
۸۷۶۰ نقد وادھار کی وجہ سے قیمت میں کمی زیادتی کرنا ۵۱۴
۸۷۶۱ نقد وادھار معاملہ میں قیمت میں کمی بیشی کرنا ۵۱۶
۸۷۶۲ نقد ۸۰/روپئے اور ایک ماہ کی ادھاری پر ۸۵/روپئے میں فروخت کرنا ۵۱۷
۸۷۶۳ نقد اور ادھار کی صورت میں قیمتوں کے فرق کا حکم ۵۱۸
۸۷۶۴ نقد اور ادھار کی قیمت میں فرق کرنا ۵۱۹
۸۷۶۵ ادھار معاملہ میں کمی وبیشی کا حکم ۵۲۰
۸۷۶۶ نقد میں کم اور ادھار میں زائد روپئے لینا ۵۲۱

٦/ باب المرابحة ۵۲۳

۸۷٦۷ شرعاً نفع لینے کی حد کیا ہے؟ ۵۲۳

۸۷٦۸ دوگنے نفع پر فروخت کرنے کا حکم ۵۲۴

۸۷٦۹ سلنڈر بلیک کرنا ۵۲۵

۸۷۷۰ لون پر رکشہ لینے کی جائز شکل ۵۲۷

۸۷۷۱ کمیشن پر کتاب لاکر پوری قیمت میں فروخت کرنا ۵۲۸

۸۷۷۲ ایک روپئے کی چیز سو روپئے میں فروخت کرنا ۵۲۹

۸۷۷۳ بیس ہزار کا مال ۲۴/ ہزار میں فروخت کرنے کا حکم ۵۳۰

۷/ بیع التلجئة ۵۳۲

۸۷۷۴ ''بیع تلجئہ'' کا مقصد ۵۳۲

۸۷۷۵ بیع تلجئہ ۵۳۳

۸۷۷٦ کسی کے نام سے خریدنے کا حکم ۵۳۵

۸۷۷۷ نام کردینے سے ملکیت کا حکم ۵۳۹

۸۷۷۸ محض نام کرنے سے ملکیت کا حکم ۵۴۱

۸۷۷۹ جائیداد نام کرنے سے ملکیت کا حکم ۵۴۳

۸۷۸۰ اولاد کے نام جائیداد خریدنے کا حکم ۵۴۵

۸۷۸۱ لڑکوں کے نام سے جائیداد خریدی تو وہ کس کی ملک ہوگی؟ ۵۴۹

۸۷۸۲ خوف کے سبب عارضی طور پر کسی کے نام جائیداد ۵۵۰

۸۷۸۳ غلطی سے دوسرے کے نام رجسٹری ہونے سے ملکیت کا حکم ۵۵۲

۸۷۸۴ مصلحتاً بڑے لڑکے کے نام بیع نامہ کرانے سے ملکیت کا حکم ۵۵۴

۸۷۸۵ انکم ٹیکس سے بچنے کی غرض سے کاروبار بیوی بچوں کے نام کرنے کا حکم ۵۵۵
۸۷۸۶ بیوی کے نام زمین کرانے سے ملکیت کا حکم ۵۶۰
۸۷۸۷ بیوی بچوں کے نام بیع نامہ کرانے سے ملکیت ثابت نہیں ہوتی ۵۶۱
۸۷۸۸ بیوی کے نام سے زمین خریدنا ۵۶۳
۸۷۸۹ بیوی کی دل جوئی کے لئے مکان اس کے نام سے خریدنے کا حکم ۵۶۴
۸۷۹۰ انکم ٹیکس سے بچنے کے لئے بیوی کے نام جائیداد کرنے کا حکم ۵۶۶
۸۷۹۱ بیوی کے نام مکان خریدنے سے کیا وہ مالک ہو جائے گی؟ ۵۶۷
۸۷۹۲ بیوی کے نام سے جائیداد خریدنے کا حکم ۵۶۹
۸۷۹۳ قانونی مصلحت کی بناپر بہن کے نام رجسٹری کرانے سے ملکیت کا حکم . ۵۷۰
۸۷۹۴ بڑے بھائی کے نام بیع نامہ ہونے کے باوجود دوسرا بھائی حق دار ۵۷۲

۸/ باب الصرف ۵۷۵

۸۷۹۵ سونے کی ادھار بیع کا حکم ۵۷۵
۸۷۹۶ سونے اور چاندی کے زیورات کی ادھار خرید وفروخت کا حکم ۵۷۶
۸۷۹۷ سونے چاندی کی ادھار بیع وشراء کی شرعی حیثیت ۵۷۷
۸۷۹۸ قسطوں پر سونے چاندی کی خرید وفروخت کا حکم ۵۷۷
۸۷۹۹ سونے کو سونے کے عوض چاندی کو چاندی کے عوض کمی بیشی کے ساتھ فروخت کرنا ۵۷۸
۸۸۰۰ ۲۰ر ہزار کے زیورات ۲۴ر ہزار میں فروخت کرنے کا حکم ۵۸۰
۸۸۰۱ ریال کا تبادلہ اس سے کم مالیت کے سکوں سے کرنے کا حکم ۵۸۱
۸۸۰۲ دوملکوں کی کرنسیوں کے کمی بیشی کے ساتھ تبادلہ کا حکم ۵۸۲
۸۸۰۳ دوسو روپئے کے نوٹوں کے ہار کو تین سو روپئے میں بیچنا ۵۸۳
۸۸۰۴ بوسیدہ نوٹ کم قیمت میں فروخت کرنے کا حکم ۵۸۴

۸۸۰۵ ۹۵/روپئے ریز گاری کا سو روپئے سے تبادلہ کرنا ۵۸۵

۹ / باب السلم ۵۸۷

۸۸۰۶ بیع سلم کی تعریف اور شرائط ۵۸۷
۸۸۰۷ پیشگی رقم لے کر مبیع بعد میں دینا ۵۸۸
۸۸۰۸ پیشگی رقم لے کر مبیع کو فروخت کرنے کی چار شکلوں کا حکم ۵۸۹
۸۸۰۹ مال کے لئے آرڈر دے کر نہ لینے کا حکم ۵۹۱
۸۸۱۰ تاریخ اور کھیت متعین کئے بغیر فصل سے پہلے گیہوں خریدنا ۵۹۳
۸۸۱۱ فصل کاٹنے سے پہلے کاشتکار کو روپئے دینے کا حکم ۵۹۴
۸۸۱۲ فصل کی کٹائی سے پہلے سو روپئے کوئنٹل گیہوں خریدنا ۵۹۵
۸۸۱۳ بیع سلم میں مسلم فیہ کی مقدار کا متعین نہ ہونے کا حکم ۵۹۶
۸۸۱۴ بیع سلم کی ایک صورت ۵۹۶
۸۸۱۵ بیع سلم کی ایک جائز صورت ۵۹۷
۸۸۱۶ بیع سلم کا مشہور معاملہ ۵۹۸
۸۸۱۷ قیمت کی ادائے گی کے چھ ماہ بعد مال وصول کرنا ۵۹۹
۸۸۱۸ دھان پر پیسہ دینا ۶۰۱
۸۸۱۹ بیع سلم میں روپئے کے عوض دھان لینے کی شرط کا حکم ۶۰۲
۸۸۲۰ قرض کی رقم کے عوض میں دھان لینا ۶۰۳
۸۸۲۱ بیع سلم میں روپئے کے عوض دھان لینے کی شرط ۶۰۵
۸۸۲۲ ادھار معاملہ میں قیمت میں زیادتی اور بیع سلم سے متعلق ایک سوال .. ۶۰۵
۸۸۲۳ باغات کی فصل فروخت کرنے کی ایک شکل ۶۰۷

۱۰/ باب الاستصناع ۶۰۹

۸۸۲۴ بیع استصناع ۶۰۹
۸۸۲۵ عقدِ استصناع کا مدار عرف وتعاملِ ناس پر ہے یا نصوص پر؟ ۶۱۳
۸۸۲۶ عقدِ استصناع اجارہ ہے یا بیع؟ ۶۱۵
۸۸۲۷ کئی واسطوں سے معاملہ استصناع ۶۱۶
۸۸۲۸ باہر کے بایر سے آرڈر لینے والے ایکسپورٹر کو صانع کہا جائے یا مستصنع؟ ۶۱۷
۸۸۲۹ غیر منقول اشیاء میں استصناع کا معاملہ ۶۱۸
۸۸۳۰ گاڑی وغیرہ بڑی چیزوں میں استصناع کا معاملہ ۶۱۹
۸۸۳۱ عقدِ استصناع کی شکل میں مکان، فلیٹ وغیرہ کا معاملہ ۶۲۰
۸۸۳۲ (صانع) کاریگر کو اجیر کب قرار دیا جائے؟ ۶۲۱
۸۸۳۳ ایک ماہ سے زیادہ مدت ہو تو کیا معاملہ استصناع سلم میں تبدیل ہو جاتا ہے؟ ۶۲۲
۸۸۳۴ عقدِ استصناع اجارہ کب ہوگا؟ ۶۲۴
۸۸۳۵ مدت متعینہ میں مال تیار نہ کرنے سے آرڈر کینسل کرنے کا حق ۶۲۵
۸۸۳۶ استصناع میں مال صانع کا ہو تو وہ بائع ہو جائے گا ۶۲۶
۸۸۳۷ مال کے لئے انکار پر پیشگی رقم کا ضبط کرنا ۶۲۷
۸۸۳۸ داخلی لوگوں نے مال کی تیاری میں تاخیر کردی، جس سے باہر کے خریدار نے آرڈر کینسل کردیا، تو نقصان کی تلافی کون کرے؟ ۶۲۸
لوکل اور بین الاقوامی مارکیٹ میں عقدِ استصناع کے مسائل ۶۳۰
معاملۂ استصناع کے جواز کا مدار تعاملِ ناس پر ۶۳۰
عقدِ استصناع اور عقد سلم کا فرق ۶۳۲
عقدِ استصناع بیع ہے یا وعدۂ بیع؟ ۶۳۳

پہلے خریدار کا دوسرے خریدار کو دوسرے خریدار کا تیسرے خریدار کو
فروخت کرنے کا معاملہ ۶۳۵
چھوٹی منقول اشیاء کی طرح بڑی چیزوں میں استصناع کا معاملہ ۶۳۷
غیر منقول عقار میں استصناع کا معاملہ ۶۳۸
عقدِ استصناع میں بیعانہ ضبط کرنے کا حکم ۶۳۹
ضروری وضاحت ۶۴۲
معاملۂ استصناع اجارہ کب بن سکتا ہے؟ ۶۴۳
طے شدہ شرائط اور نمونہ کی خلاف ورزی پر نقصان کا بھگتان کس پر؟ .. ۶۴۵
استصناع کی شکل ۶۴۵
اجارہ کی شکل ۶۴۶
معاملۂ استصناع کو منسوخ کرنے کی شکلیں ۶۴۸
امام ابو یوسفؒ کے قول کی ترجیح ۶۵۱
عقدِ استصناع میں مدت کی تعیین کا مسئلہ ۶۵۳
عقدِ استصناع میں طے شدہ مدت سے تاخیر کے نقصان کا عوض ۶۵۵
مقالہ کا خلاصہ اور جوابات کا حاصل ۶۵۶

❏	۱۱ / باب بیع الوفاء	۶۶۱

۸۸۳۹ بیع الوفاء ۶۶۱
۸۸۴۰ بیع الوفاء کا حکم ۶۶۲
۸۸۴۱ ’’بیع الوفاء‘‘ کا جواز ۶۶۵
۸۸۴۲ کیا ہندوستان میں عقودِ فاسدہ جائز ہیں؟ ۶۶۷
۸۸۴۳ قرض کی واپسی تک زمین کو فروخت کرنے کا حکم ۶۶۹

۸۸۴۴ رہن یا کرایہ پر رکھی ہوئی زمین سے فائدہ اٹھانے کی مختلف شکلیں ... ٦٧١
بیع الوفاء کی شرعی حیثیت ٦٧٥
بیع الوفاء کے اسماء ٦٧٥
بیع الوفاء کی حقیقت ٦٧٨
بیع الوفاء کا جواز ٦٧٩
معتدل اور مناسب حکم ٦٨٢
بیع الوفاء کے بارے میں مفصل بحث اور فقہاء کی آراء ٦٨٣
بیع صحیح کے قائلین ٦٨٤
بیع فاسد کے قائلین ٦٨٦
بیع صحیح یا بیع فاسد کے قائلین ٦٨٧
رہن کے حکم کے قائلین ٦٨٩
بیع المکرہ کے حکم کے قائلین ٦٩٣
بیع اور رہن سے مرکب کے قائلین ٦٩٥
بیع صحیح اور بیع فاسد اور رہن تینوں سے مرکب کے قائلین ٦٩٦
مبیع کو کرایہ پر دینے کا حکم ٦٩٨
بیع الوفاء میں مبیع کی آمدنی کا حق دار کون؟ ٧٠١
بیع الوفاء میں مبیع کے نقصان کی تلافی ٧٠١
بیع الوفاء میں ثمن کی زکوٰۃ کون ادا کرے؟ ٧٠٣
بائع اور مشتری کا اختلاف ٧٠٤

❐ ۱۲/ باب الشفعة ٧٠٧

۸۸۴۵ اپنے پڑوس کو بتائے بغیر زمین فروخت کرنے کا حکم ٧٠٧

۸۸۴۶ مکان میں شریک شفعہ کا مستحق ہے یا قبرستان؟ ۷۰۸
۸۸۴۷ شریک فی حق المبیع کو شفعہ میں حق تقدم حاصل ہے ۷۰۹
۸۸۴۸ دس ماہ کے بعد حق شفعہ کا دعویٰ کرنا ۷۱۰
۸۸۴۹ ایک سال بعد حق شفعہ کا دعویٰ کرنا ۷۱۱

۱۳/ باب المزارعة ۷۱۳

۸۸۵۰ پندرہ کیلو تیل پر کھیتی کاشت کے لئے دینا ۷۱۳
۸۸۵۱ مزارعت میں مخصوص مقدار کی شرط لگانے کا حکم ۷۱۵
۸۸۵۲ ایک کا کھیت اور دوسرے کی محنت وبیج ہونے کی صورت کا حکم ۷۱۶
۸۸۵۳ مزارعت میں خاص مقدار میں غلہ متعین کرنا ۷۱۷
۸۸۵۴ پیسوں کے عوض میں زمین کو کرایہ پر دینا ۷۱۸
۸۸۵۵ متعین غلہ کے عوض میں زمین کرایہ پر دینا ۷۱۹
۸۸۵۶ غیر کی ملکیت میں لگایا گیا پودا کس کا ہوگا؟ ۷۲۰

فہرست مضامین

۲۶/ کتاب الشرکۃ والمضاربۃ

۱/ باب شرائط الشرکۃ

مسئلہ نمبر .... صفحہ نمبر

۸۸۵۷ تجارت میں فیصد طے کر کے شرکت کرنے کا حکم ۳۲

۸۸۵۸ شرکت میں نفع ونقصان کا تناسب ۳۴

۸۸۵۹ پانچ فیصد کے نفع پر شرکت کرنے کا حکم ۳۵

۸۸۶۰ منافع کا فیصدی لازم ہے ۳۶

۸۸۶۱ منافع کی تقسیم طے شدہ فیصد کے مطابق کرنے کا حکم ۳۸

۸۸۶۲ بغیر پیسے دیئے کاروبار میں شرکت کا حکم ۴۰

۸۸۶۳ نقصان کی صورت میں شریکوں کو کس حساب سے پیسے لوٹائے جائیں؟ ۴۱

۸۸۶۴ ساجھے داری ختم کرتے وقت کونسی قیمت کا اعتبار ہوگا؟ ۴۴

۸۸۶۵ شریک سے متعین نفع سے زیادہ رقم وصول کرنے کا حکم ۴۶

۸۸۶۶ مشترکہ کمائی کا مالک کون؟ ۴۷

۸۸۶۷ ذاتی اور مشترک رقم سے خریدی گئی زمین کا مالک کون؟ ۴۸

۸۸۶۸ مشترکہ روپئے سے بحالت شرکت خریدے ہوئے مکان کا حکم ۴۹

۹۹۶۹	گاڑی کی خرابی کا خرچہ مشترکہ رقم سے لینے کا حکم	۵۰
۸۸۷۰	شرکت کے معاملہ مین نفع کا مجہول ہونا	۵۲
۸۸۷۱	نفع زیادہ ہوتو آٹھ ہزاراور کم ہوتو سات ہزار پر شرکت کا حکم	۵۳
۸۸۷۲	مشترکہ کاروبار میں کسی شریک کے لئے الگ سے اجرت متعین کرنے کا حکم	۵۴
۸۸۷۳	شریک کے لئے نفع کے علاوہ عمل کی اجرت کا حکم	۵۶
۸۸۷۴	ایک شریک کا دوسرے کو اجارہ پر رکھنا........................	۵۷
۸۸۷۵	مسلم کا کافر ومشرک کے ساتھ مشترکہ تجارت کرنے کا حکم..............	۵۸
۸۸۷۶	مال حرام کے ساتھ شرکت کرنا	۵۹
۸۸۷۷	چندآدمیوں کا حلال وحرام مال سے تجارت میں شرکت کرنا	۶۰
۸۸۷۸	کسی ایک شریک کا دوران شرکت انتقال ہو جائے تو کیا حکم ہے؟	۶۱
۸۸۷۹	شرکت ختم کرنے کے بعد مطالبہ کئے گئے کا حکم	۶۳
۸۸۸۰	شرکت میں رقم کی چوری کا ضمان کس پر؟	۶۶
۸۸۸۱	شریک کا مال مشترک کو خریدنا	۶۷
۸۸۸۲	شریکین کے مال کی مقدار معلوم نہ ہوتو حصہ کا تناسب کیسے ہوگا؟	۶۸
۸۸۸۳	شرکت مفاوضہ میں تساوی کی شرط کی وضاحت	۷۰
۸۸۸۴	مشروط شرکت کا حکم	۷۲
۸۸۸۵	مشترکہ کاروبار میں ہر شریک اپنے حصہ کے بقدر تصرف کا مختار ہے......	۷۴
۸۸۸۶	مال مشترک میں سے کسی ایک شریک کا اپنے حصہ کو فروخت کرنے کا حکم	۷۵
۸۸۸۷	شرکت میں طے شدہ شرائط کی شرعی حیثیت	۷۶

۸۸۸۸ دوسرے کی زمین میں مکان بنانا اور کرایہ وصول کرنا ۷۸
۸۸۸۹ مشترکہ راستہ میں تعمیر کرنے کا حکم ۷۹
۸۸۹۰ مشترک راستہ میں دروازہ لگانے کا حکم ۸۰
۸۸۹۱ ایک مکان میں کم وبیش حصہ داروں کا مشترکہ مکان فروخت کرنے کا حکم ۸۱
۸۸۹۲ شرکت بالاموال کی ایک صورت ۸۲

۲/ باب شرکة العنان

۸۸۹۳ جدید تعمیر عمارت کے دو طریقوں کا حکم ۸۴
۸۸۹۴ شرکت عنان میں نقصان کو سرمایہ سے کم یا زیادہ فیصدی متعین کرنے کا حکم ۸۷
۸۸۹۵ چند لوگوں کا مل کر مشترکہ کاروبار کرنے کا حکم ۸۸
۸۸۹۶ فتوی ۳۴/۷/۱۳۲۶ سے متعلق دوسرا فتوی ۹۰
۸۸۹۷ شرکت عنان میں کسی ایک شریک کے الگ سے تجارت کرنے کا حکم ۹۴
۸۸۹۸ تجارتی کمپنیوں کے شیئرز کی خرید وفروخت کا حکم ۹۷
۸۸۹۸ باپ اور بیٹے کے مشترکہ کاروبار کا تحقیقی جائزہ ۹۹
❍ بڑے بیٹے کا باپ کے کاروبار کو آگے بڑھانے کی وجہ سے اپنی ملکیت کا دعویٰ کرنا........ ۹۹
❍ عیال اور فیملی کی حقیقت ۱۰۱
❍ بیٹے کا اپنا سرمایہ لگا کر باپ کے ساتھ کاروبار کرنا ۱۰۲
❍ باپ کی فیملی میں رہ کر باپ کی پونجی اور سرمایہ سے بیٹے کا کاروبار شروع کرنا ۱۰۵
❍ باپ کے سرمایہ میں بیٹوں کی شرکت کی شکلیں ۱۰۷
❍ بیٹے کا اپنے سرمایہ سے کمپنی قائم کر کے باپ کے نام کر دینا ۱۱۵
❍ باپ کا اپنے سرمایہ سے سب بیٹوں کا کاروبار الگ الگ کر کے سرپرستی کرنا ۱۱۹

○ مرحوم باپ کے متروکہ سرمایہ سے حاصل شدہ آمدنی کیسے تقسیم ہو؟ ... ۱۲۱
○ کسی وارث کا والد کے متروکہ سرمایہ کو لے کر اپنا کوئی کاروبار کرنا ۱۲۸
○ ابتداء معاملہ کی نوعیت واضح نہ ہونا اور بعد میں شرکت عنان ہونا ۱۳۲
○ باپ اور بیٹوں کے مابین مشترکہ کاروبار کے بنیادی اصول ۱۳۴

۳/ باب شرکة الوجوه

۸۸۹۹ باپ کی فیملی میں رہ کر مشترکہ کمائی کی تقسیم ۱۳۹
۸۹۰۰ والد صاحب کے زیر سایہ اولاد کاروبار کرے، تو مالک کون؟ ۱۴۰
۸۹۰۱ باپ بیٹے یکجا محنت سے کمائیں تو مالک کون ؟..................... ۱۴۲
۸۹۰۲ کیا والد صاحب کے ساتھ شرکت کی بناء پر لڑکا تمام جائیداد کا مالک ہوگا ؟........ ۱۴۳
۸۹۰۳ والد کی فیملی میں رہ کر کمایا ہوا مال کس کی ملکیت ہے؟ ۱۴۶
۸۹۰۴ کیا بیٹے کی رقم سے خریدی گئی جائیداد والد صاحب کی ہی ملک ہوگی؟ ۱۴۸
۸۹۰۵ باپ کی فیملی میں رہتے ہوئے حاصل شدہ جائیداد میں دیگر ورثاء کا حق ۱۴۹
۸۹۰۶ والد صاحب کے ساتھ مل کر حاصل کردہ آمدنی میں سبھی ورثاء کا حق ہے.......... ۱۵۰
۸۹۰۷ ایک ہی فیملی میں رہ کر خریدی گئی جائیداد کا حکم ۱۵۲
۸۹۰۸ باپ کی فیملی میں رہ کر کمائی گئی جائیداد کا حکم ۱۵۳
۸۹۰۹ فیملی کا رہن سہن الگ ہو، تو آپسی شرکت کا حکم ۱۵۷
۸۹۱۰ باپ کی موت کے بعد اولاد کا مشترکہ کاروبار ۱۵۸
۸۹۱۱ والد صاحب کی موت کے بعد مشترکہ کاروبار کی آمدنی کی تقسیم کا تناسب...... ۱۵۹
۸۹۱۲ والد کی دوکان میں شرکت اور منافع کی تقسیم کا حکم ۱۶۰

۸۹۱۳	فیملی کے نام خریدی گئی زمین میں تعمیر کے خرچہ کا تناسب	۱۶۲
۸۹۱۴	بھائیوں کی مشترکہ آمدنی کی شرعی تقسیم	۱۶۴
۸۹۱۵	بھائیوں کی مشترکہ کمائی سے خریدی گئی زمین کا حکم	۱۶۶
۸۹۱۶	مشترکہ زندگی میں ایک بھائی کے پیسے سے خریدی گئی زمین میں شرکت کا تناسب	۱۶۸
۸۹۱۷	مدد کی غرض سے کاروبار میں شریک کئے گئے بھائیوں کے حصہ کا تناسب	۱۶۹
۸۹۱۸	چھوٹے بھائی کا بڑے بھائی کی کل جائیداد میں شرکت کا دعویٰ کرنا	۱۷۱
۸۹۱۹	ترکہ کے منافع کی تقسیم کے تناسب کا طریقۂ کار	۱۷۶
۸۹۲۰	ایک بھائی کی جائیداد میں دوسرے بھائی شریک ہیں یا نہیں؟	۱۷۷
۸۹۲۱	مشترکہ زمین میں ورثاء اور شریک کے حصہ کی تفصیل	۱۷۹

۴/ باب الشركة الفاسدة

۸۹۲۲	کمپنیوں میں ممبری کی شرعی حیثیت	۱۸۱
۸۹۲۳	کمپنیوں کی ممبر سازی کا حکم	۱۸۲
۸۹۲۴	شیئرز میں بیمہ کی شکل	۱۸۵
۸۹۲۵	شیئرز کی بیع وشراء کا شرعی حکم	۱۸۶
۸۹۲۶	شیئرز کا شرعی حکم	۱۸۷
۸۹۲۷	شیئرز کی کون سی شکل جائز اور کون سی ناجائز؟	۱۸۸
۸۹۲۸	شیئرز کی خرید وفروخت کی شرعی حیثیت	۱۹۰
۸۹۲۹	شیئرز کی خرید وفروخت کا حکم	۱۹۱

۸۹۳۰ شیئرز کی خرید وفروخت ۱۹۳

۸۹۳۱ شیئرز کی خرید وفروخت کرنا جائز ہے یا ناجائز؟ ۱۹۴

۸۹۳۲ شیئرز بازار کی خرید وفروخت ومنافع کا حکم ۱۹۵

۸۹۳۳ یونٹ ٹرسٹ گورنمنٹ آف انڈیا کا شیئرز ۱۹۶

۸۹۳۴ ایف آئی سی کمپنی کا ایجنٹ بننا اور تجارت میں شامل ہونا ۱۹۷

۸۹۳۵ شرکت کی ایک ناجائز شکل ۲۰۱

۸۹۳۶ شریکین میں سے نقصان صرف ایک شریک پر ہو، تو کیا حکم ہے؟ ۲۰۲

۸۹۳۷ ہر ماہ دو ہزار دینے پر شرکت کرنا ۲۰۴

۸۹۳۸ ایک شریک کا دوسرے پر احسان جتانا ۲۰۵

۵/ باب المضاربة

۸۹۳۹ مضاربت جائز اور سود حرام ہے ۲۰۷

۸۹۴۰ کسی ایک شریک کے انتقال ہونے کی صورت میں مضاربت کا حکم ۲۰۸

۸۹۴۱ مضاربت میں نفع ونقصان کے تناسب کا طریقۂ کار ۲۰۹

۸۹۴۲ مضاربت میں نفع ونقصان دونوں میں شرکت اور تعین کا حکم ۲۱۱

۸۹۴۳ مضاربت میں فیصد کی تعیین لازم ہے رقم کی نہیں ۲۱۲

۸۹۴۴ مضارب کی محض نفع میں شرکت کا حکم ۲۱۴

۸۹۴۵ دوسرے کی رقم سے مکان بنا کر فروخت کرنے اور منافع میں شرکت کا تناسب ۲۱۶

۸۹۴۶ پانچ فیصدی نفع پر زمین تلاش کر کے فروخت کرنا ۲۱۷

۸۹۴۷ دس فیصد کے منافع پر سرمایہ لگانا ۲۱۸

۸۹۴۸ دو ہزار نفع کی شرط لگانا، عقد مضاربت میں داخل نہیں ۲۱۹

۸۹۴۹ رب المال کا معاملہ ختم ہونے سے قبل رأس المال لینے کا حکم ۲۲۱
۸۹۵۰ مضاربت ختم کرنے کے بعد مضارب سے نفع طلب کرنے کا حکم ۲۲۲
۸۹۵۱ مضاربت کی ایک صورت ۲۲۳
۸۹۵۲ دوسرے سے رقم لے کر کوچنگ سینٹر قائم کر کے نفع برابر تقسیم کرنا...... ۲۲۵
۸۹۵۳ ایک کا پیسہ اور دوسرے کی محنت ہو، تو کیا حکم ہے؟ ۲۲۶
۸۹۵۴ دوثلث اور ایک ثلث کے منافع پر شرکت کرنے کا حکم ۲۲۷
۸۹۵۵ عقد مضاربت کی دو شکلیں.............................. ۲۲۸
۸۹۵۶ مضاربت سے متعلق چند مسائل ۲۲۹

۲۷/ کتاب الربوا

۱/ باب ما یتعلق بنفس الربوا

۸۹۵۷ سود کی لعنت ۲۳۱
۸۹۵۸ کیا سود لینا اور دینا دونوں برابر ہیں؟........................ ۲۳۲
۸۹۵۹ سود ناجائز کیوں؟ ۲۳۲
۸۹۶۰ سود اور معاہدہ میں فرق ۲۳۴
۸۹۶۱ سودی رقم سے خریدی گئی جائیداد کو پاک کرنے کا طریقہ ۲۳۵
۸۹۶۲ کیا دارالحرب میں سودی کاروبار جائز ہے؟ ۲۳۷
۸۹۶۳ دارالحرب میں حربیوں سے سود لینے کی ایک شرط ۲۳۷
۸۹۶۴ کیا ہندوستان میں سود کے جواز کی کوئی شکل ہے؟ ۲۳۸

۸۹۶۵ ہندوستان کے دارالحرب ہونے اور اس میں سود لینے کا حکم ۲۴۸
۸۹۶۶ کیا ہندوستان میں بینک سے سود لینا جائز ہے؟ ۲۵۰
۸۹۶۷ ہندوستانی کافروں سے سود لینے کا حکم ۲۵۱
۸۹۶۸ مسلمانوں کا ہندوستان میں سودی کاروبار کرنا ۲۵۴
۸۹۶۹ یوروپ میں قیام پذیر مسلمانوں کے لئے غیر مسلم سے سود لینا ۲۵۵
۸۹۷۰ ہندوستان میں رہتے ہوئے دارالحرب کے بینک سے سود لینا....... ۲۵۶
۸۹۷۱ بینک کے سود کا حکم ۲۵۶
۸۹۷۲ پیریس کا ۲۵۸
۸۹۷۳ اسپیک ایشیاء آن لائن کی شرعی حیثیت..................... ۲۵۹
۸۹۷۴ یونٹ ٹرسٹ کا حکم ۲۶۲
۸۹۷۵ یونٹ ٹرسٹ کا حکم ۲۶۴
○ منجانب: دارالافتاء مدرسہ شاہی مرادآباد ۲۶۵
۸۹۷۶ ہنڈی ۲۶۵
۸۹۷۷ ربوا کی ایک صورت کا حکم ۲۶۷
۸۹۷۸ کیا ڈاکخانہ میں جمع شدہ رقم کے علاوہ بڑھی ہوئی رقم سود ہے؟ ۲۷۱
۸۹۷۹ کیا ورثاء پر میت کے سودی قرض کو ادا کرنا لازم ہے؟ ۲۷۲
۸۹۸۰ غیر سودی رفاہی ادارے اور سوسائٹیوں کا حکم اور طریقۂ کار کے سلسلہ میں
ادارہ مباحث فقہیہ کی جانب سے چند سوالات اور ان کے جوابات...... ۲۷۴
○ سوالات اور جوابات سودی معاملہ میں ابتلاء عام رفاہی اداروں کا قیام
اور اس کی ضرورت ۲۷۶

۸۹۸۱ پاس بک کی فروختگی کا جواز ۲۷۷
۸۹۸۲ رفاہی اداروں کے لئے عطایا اور صدقات میں حیلۂ تملیک کا حکم ۲۷۸
۸۹۸۳ اجرۃ الخدمت کا عدم جواز اور ضرورت کے درجات ۲۸۱
۸۹۸۴ سرمایہ کو تجارت میں لگانے کا حکم ۲۸۴
۸۹۸۵ (۷-۸) فارم اور معاہدہ نامہ کی فروختگی کے جواز پر پانچ دلیلیں...... ۲۸۶
۸۹۸۶ اشیاء مرہونہ کی اجرۃ الحفظ کا عدم جواز ۲۹۱
۸۹۸۷ اشیاء مرہونہ میں مضمون بالقرض سے زائد کی حفاظت کا کرایہ ۲۹۲
۸۹۸۸ مستقل امانت کی حفاظت کے کرایہ کا جواز ۲۹۳
۸۹۸۹ بیع الجا مکیہ اور میعادی چیک کی خریداری کا عدم جواز ۲۹۴
۸۹۹۰ فکس ڈپازٹ میں رکھنا اور اس سے ملنے والی رقم کا حکم ۲۹۶

۲ / باب البنوک

۸۹۹۱ بینک سے گرین کارڈ بنوانا کیسا ہے؟ ۲۹۸
۸۹۹۲ کریڈٹ کارڈ کی شرعی حیثیت ۲۹۹
۸۹۹۳ شیئرز اور بونڈر کا حکم ۳۰۱
۸۹۹۴ بونڈ کی اضافی رقم کی شرعی حیثیت ۳۰۲
۸۹۹۵ بینک کی ایک اسکیم کا حکم ۳۰۳
۸۹۹۶ بینکوں سے ملنے والی اضافی رقم کی شرعی حیثیت ۳۰۴
۸۹۹۷ بینک میں مسجد کا اکاؤنٹ کھولنے اور ملنے والے سود کی شرعی حیثیت .. ۳۰۶
۸۹۹۸ بینک سے ملنے والی اضافی رقم کا حکم ۳۰۷
۸۹۹۹ بینک سے ملنے والی اضافی رقم نکال لیں یا بینک میں ہی چھوڑ دیں.... ۳۰۸

۹۰۰۰	بینک کے سود کا حکم	۳۰۹
۹۰۰۱	سودی بینک میں سودی لین دین کے حساب کی ملازمت کا حکم	۳۱۱
۹۰۰۲	بینک کی ملازمت کی شرعی حیثیت	۳۱۲
۹۰۰۳	سودی نظام والے محکمہ کی ملازمت کرنے کا حکم	۳۱۴
۹۰۰۴	سودی فنڈ یا بینک کی ملازمت کا شرعی حکم	۳۱۵
۹۰۰۵	سودی کمپنی میں ملازمت کرنے والے کی تنخواہ حلال ہے یا حرام؟......	۳۱۶
۹۰۰۶	بینک سے حاصل شدہ زائد رقم کا حکم	۳۱۸
۹۰۰۷	بینک میں جمع شدہ رقم کے سود کا حکم	۳۱۹
۹۰۰۸	سود حاصل کرنے کے لئے بینک میں رقم جمع کرنا	۳۲۰
۹۰۰۹	ایف ڈی	۳۲۲
۹۰۱۰	بینک میں ایف ڈی کرانا	۳۲۳
۹۰۱۱	فکس ڈپازٹ کرانے کا حکم	۳۲۴
۹۰۱۲	ایف ڈی کرانے اور اس پر ملنے والے روپئے کا حکم	۳۲۵
۹۰۱۳	کسی تنظیم کا فلاح وبہبود کے لئے رقم جمع کر کے سود حاصل کرنے کا حکم	۳۲۷
۹۰۱۴	یتیم بچوں کے مستقبل کی خاطر ایف ڈی کرانے کا حکم	۳۲۹
۹۰۱۵	فقراء کو سودی رقم دینے کی غرض سے بینک میں روپئے جمع کرنے کا حکم ...	۳۳۱
۹۰۱۶	بے سہارا شخص کو گذارے کے لئے بینک میں روپئے جمع کر کے سود حاصل کرنے کا حکم	۳۳۲
۹۰۱۷	سودی رقم حاصل کرنے کی غرض سے بینک میں رقم جمع کرنے کا حکم ..	۳۳۳

۹۰۱۸ بیوہ عورت کا میراث کی رقم بینک میں رکھ کر سود حاصل کرنا ۳۳۴
۹۰۱۹ شادی کے لئے بینک میں سودی کھاتہ کھولنا ۳۳۶
۹۰۲۰ بیٹی کے نام سے بینک میں جمع شدہ رقم کے سود کو شادی میں خرچ کرنا .. ۳۳۷
۹۰۲۱ زکوۃ کی رقم کی ایف ڈی کرانا ۳۳۸
۹۰۲۲ مدرسہ کی رقم کو فکس ڈپازٹ میں رکھنا ۳۳۹
۹۰۲۳ جمع شدہ رقم پر ساڑھے تین فیصد زائد ملنے والی رقم کا حکم ۳۴۰
۹۰۲۴ این آئی اے میں جمع شدہ رقم پر اضافی رقم کا حکم ۳۴۱
۹۰۲۵ کاروبار میں لمٹ کرانے پر سود دینا ۳۴۲
۹۰۲۶ پوسٹ میں کھاتہ کھلانے پر ملنے والی زائد رقم کا حکم ۳۴۳

۳/ مسلم فنڈ

۹۰۲۷ مسلم فنڈ کی ملازمت کی شرعی حیثیت ۳۴۵
۹۰۲۸ مسلم فنڈ کے خرچہ اخراجات کے لئے ایف ڈی کرانا ۳۴۶
۹۰۲۹ سودی کاروبار کرنے والے مسلم فنڈ میں ملازمت ۳۴۷
۹۰۳۰ مسلم فنڈ کا فارم کے نام پر قرضدار سے رقم وصول کرنا ۳۴۸
۹۰۳۱ سودی رقم سے ملازم کی تنخواہ ۳۵۱
۹۰۳۲ مسلم فنڈ میں قرض کی مدت پوری ہونے کے بعد دوبارہ فیس وصول کرنا .. ۳۵۲

۴/ باب کاروبار میں سودی شکلیں

۹۰۳۳ سودی کاروباری ملعون ہیں ۳۵۴
۹۰۳۴ سودی لین دین عقد تجارت ہے یا مضاربت؟ ۳۵۵

۹۰۳۵ مسلمانوں کا ہندؤں کے ساتھ سودی کاروبار کرنا ۳۵۶
۹۰۳۶ کاروبار میں لگی ہوئی سٹہ کی رقم کو پاک کرنے کا طریقہ ۳۵۶
۹۰۳۷ سٹے میں جیتی ہوئی رقم کاروبار میں لگانا ۳۵۷
۹۰۳۸ نفع میں رقم کی مقدار کو متعین کرنا ۳۵۸
۹۰۳۹ ایک لاکھ قیمت طے ہونے کے بعد ایک لاکھ بیس ہزار لینا ۳۵۹
۹۰۴۰ تاخیر کی وجہ سے قیمت زیادہ وصول کرنا ۳۶۱
۹۰۴۱ شیئرز بازار میں پیسہ لگانا ۳۶۲
۹۰۴۲ سودی کاروبار والے بینک اور کمپنی کا شیئرز خریدنا ۳۶۲
۹۰۴۳ شیئرز کی خرید وفروخت اور شیئرز کمپنی میں حصہ داری ۳۶۶
۹۰۴۴ سودی ادارہ کے شیئرز خریدنا ۳۶۷
۹۰۴۵ سودی لین دین والی کمپنی یا بینک سے شیئرز خریدنا ۳۶۸
۹۰۴۶ سودی بانڈ کی خرید وفروخت ۳۷۰
۹۰۴۷ اندرا وکاش پتر کی بیع وشراء اور زائد رقم کا حکم ۳۷۱
۹۰۴۸ نقد اور ادھار خریداری ایک ساتھ ہو تو؟ ۳۷۲
۹۰۴۹ قسطوار اصل قیمت سے زائد قیمت میں گاڑی خریدنا ۳۷۳
۹۰۵۰ قسطوار (فائنینس) پر گاڑی کی خریداری کی متبادل شکل ۳۷۴
۹۰۵۱ قسطوں پر گاڑی خریدنا ۳۷۶
۹۰۵۲ ۱۵/سو روپیہ یا ۳/ ہزار میں گاڑی ملنے والی اسکیم کا حکم ۳۷۷
۹۰۵۳ فی سلی ہر مہینہ دو روپیہ زائد کی شرط سود ہے ۳۸۰
۹۰۵۴ زندہ بکرے کو تول کر فروخت کرنا ۳۸۱
۹۰۵۵ فنڈ میں زیور رکھ کر ماہانہ تین روپیہ بغیر عوض کے دینا ۳۸۲

۹۰۵۶ آڑھت والوں کا ایک معاملہ (فائنانس) کا شرعی حکم ۳۸۳
۹۰۵۷ کمپنی میں دس ہزار جمع کر کے بیس ہزار لینا ۳۸۵
۹۰۵۸ پرائیویٹ کمپنی کا کم روپے لے کر کچھ مدت بعد زیادہ روپے دینا ۳۸۶
۹۰۵۹ کمپنی فینوسینل ہیلتھ کیر سروس میں شرکت ۳۸۷
۹۰۶۰ کمپنیوں کی ممبر سازی کی شرعی حیثیت ۳۸۹
۹۰۶۱ کمپنی سے دوکان کی خرید وفروخت کی ایک ناجائز شکل ۳۹۱
۹۰۶۲ ممبر شپ بنانے میں انعام کا حکم ۳۹۳
۹۰۶۳ بینک سے سود لینے کے مشابہ صورت کا حکم ۳۹۴
۹۰۶۴ پگڑی میں سودی رقم دینا ۳۹۶
۹۰۶۵ سودی لین دین کرنے والے بھائی کے ساتھ رہن سہن ۳۹۷

۵/ باب پرائیویڈنٹ فنڈ

۹۰۶۶ ملازم کے لئے مالک کے واسطے سے آئی ہوئی سودی وغیر سودی رقم کا حکم ۴۰۰
۹۰۶۷ ملازم کے بونس اور فنڈ کا حکم ۴۰۱
۹۰۶۸ این ایس سی و بونس کا حکم ۴۰۲
۹۰۶۹ بینک کے ملازم کے لئے پینشن کا پیسہ حلال ہے یا نہیں؟ ۴۰۴
۹۰۷۰ حکومت کا ملازم کے بارہ سو روپئے جی آر پی فنڈ میں جمع کر لینا ۴۰۵
۹۰۷۱ یکمشت ملنے والے فنڈ میں سود نہیں ہوتا ۴۰۶
۹۰۷۲ حکومت کا اصل معاوضہ پر اضافی رقم دینا سود نہیں ۴۰۷
۹۰۷۳ پرائیویڈنٹ فنڈ ۴۰۹

۹۰۷۴ پرائیویڈنٹ فنڈ کا حکم ۴۱۰
۹۰۷۵ پرائیویڈنٹ فنڈ کی شرعی حیثیت ۴۱۲
۹۰۷۶ پرائیویڈنٹ فنڈ میں زائد رقم کی حلت ۴۱۳
۹۰۷۷ ملازم کا اختیاری پرائیویڈنٹ فنڈ کٹوانا ۴۱۵
۹۰۷۸ دستور مدرسہ کے خلاف پرائیویڈنٹ فنڈ وصول کرنا ۴۱۶
۹۰۷۹ ملازم کے جمع شدہ فنڈ پر جو زائد رقم ملے اس پر اشکال وجواب ۴۱۷
۹۰۸۰ پینشن کی اصل رقم لینا جائز اور اضافی لینا حرام ہے ۴۱۹
۹۰۸۱ گاڑی کے انشورنس اور پرائیویڈنٹ فنڈ کا حکم ۴۲۱

۶/ بیمہ کے احکام

۹۰۸۲ ایل آئی سی ایجنٹ بننا ۴۲۴
۹۰۸۳ جیون بیمہ کی کمپنی میں ملازمت کرنا ۴۲۵
۹۰۸۴ جیون بیمہ اور انشورنس کمپنی میں کام کرنے کا حکم ۴۲۷
۹۰۸۵ جیون بیمہ کمپنی کا ایجنٹ بننا ۴۲۹
۹۰۸۶ تکافل کی شرعی حیثیت ۴۳۱
۹۰۸۷ جیون بیمہ ۴۳۹
۹۰۸۷ لائف انشورنس ۴۴۳
۹۰۸۸ جیون بیمہ کا حکم ۴۴۵
۹۰۸۹ جیون بیمہ کرانے کا ۴۴۶
۹۰۹۰ جیون بیمہ کا شرعی حکم ۴۴۸
۹۰۹۱ کیا جیون بیمہ کرانا جائز ہے؟ ۴۵۰

۹۰۹۲	جیون بیمہ کے بارے میں سبیل السلام حیدرآباد کے سیمینار کی تجویز کا شرعی حکم ..	۴۵۲
۹۰۹۳	جیون بیمہ کے جواز کی تجویز کا حکم	۴۵۴
۹۰۹۴	.L.I.C اوراس جیسی پالیسیوں کا حکم........................	۴۵۸
۹۰۹۵	بیمہ کی کون سی صورت جائز ہے؟........................	۴۶۱
۹۰۹۶	غیر مسلم ملک میں رہ کر .L.I.C کرانا........................	۴۶۲
۹۰۹۷	ٹیکس سے بچنے کے لئے L.I.C کرانا........................	۴۶۴
۹۰۹۸	جیون بیمہ کرانے والے کی امامت	۴۶۵
۹۰۹۹	انکم ٹیکس سے بچنے کے لئے بیمہ کرانے کی شرعی حیثیت	۴۶۶
۹۱۰۰	ظالمانہ ٹیکس سے بچنے کے لئے .L.I.C کی گنجائش................	۴۶۸
۹۱۰۱	جبری ٹیکس سے بچنے کے لئے جیون بیمہ کرانا	۴۶۹
۹۱۰۲	جانی، مالی بیمہ کا حکم........................	۴۷۲
۹۱۰۳	دوکان کا بیمہ	۴۷۳
۹۱۰۴	چونے کی دوکان کا بیمہ کرانا........................	۴۷۴
۹۱۰۵	دوکان، مکان، کارخانہ وغیرہ کاانشورنس کرانا	۴۷۵
۹۱۰۶	انشورنس بیمہ وجیون بیمہ کا حکم	۴۷۷
۹۱۰۷	املاک یا زندگی کا بیمہ کرانا	۴۷۸
۹۱۰۸	جان و مال کا بیمہ کرانا کیسا ہے؟	۴۸۰
۹۱۰۹	ہیلتھ انشورنس	۴۸۲
۹۱۱۰	صحت کا بیمہ کرانا	۴۸۳
۹۱۱۱	طبی اعتبار سے جیون بیمہ کرانا	۴۷۵
۹۱۱۲	گاڑی کا انشورنس کروانا	۴۸۶

۹۱۱۳ انشورنس کی سودی رقم کا مصرف ۴۸۷
۹۱۱۴ ایل،آئی،سی،میں جمع شدہ رقم پر ملے سود کا مصرف ۴۸۸
۹۱۱۵ جیون بیمہ کے بدلے ملی رقم کو اپنی ضروریات میں صرف کرنا ۴۸۹
۹۱۱۶ بیمہ اور ایف،ڈی،میں ملنے والی زائد رقم کا حکم ۴۹۱
۹۱۱۷ لائف انشورنس اور ایف ڈی کی اضافی رقم رشوت میں دینا ۴۹۳
۹۱۱۸ پرائیویٹ بیمہ کمپنی کی سودی رقم حکومت کے ٹیکس میں دینا ۴۹۴
۹۱۱۹ L.I.C کی رقم جہیز میں دینا ۴۹۵
۹۱۲۰ بیمہ کی رقم شرعی وارثین استعمال کرسکتے ہیں یا نہیں؟ ۴۹۶

۷/ باب القمار

۹۱۲۱ ہارنے والی ٹیم کا جیتنے والی ٹیم کو کھلانا پلانا ۴۹۸
۹۱۲۲ قرعہ اندازی کے ساتھ حج بیسی کا حکم ۴۹۹
۹۱۲۳ لاٹری کی حقیقت ۵۰۲
۹۱۲۴ لاٹری کی ایک شکل ۵۰۳
۹۱۲۵ لاٹری کی ایک ناجائز اور حرام صورت ۵۰۵
۹۱۲۶ مٹکے کی آمدنی کا کیا حکم ہے؟ ۵۰۶
۹۱۲۷ کمپنی والوں کا متعدد لوگوں سے روپئے لے کر یک مشت دوسرے
کو قرض دینا اور اس سے زائد رقم لینا ۵۰۷
۹۱۲۸ سٹہ لگانا کیسا ہے؟ ۵۰۸
۹۱۲۹ سٹہ کی رقم سے بنائے گئے مکان کو سٹہ باز کے لئے ایصال

ثواب میں دینا ۵۱۰
۹۱۳۰ سٹہ کا پیسہ اجرت وغیرہ میں لینا ۵۱۲
۹۱۳۱ جوا اور سٹہ کی رقم غریبوں پر صرف کرنا ۵۱۳
۹۱۳۲ تجارت کی نئی اسکیم اور قمار کی مہذب شکل ۵۱۳
۹۱۳۳ کمیٹی کی ایک شکل اور اس کا ۵۱۶
۹۱۳۴ لیس کا حکم ۵۱۷
۹۱۳۵ قرعہ اندازی کا حکم ۵۱۹

۸/ باب الرشوة

۹۱۳۶ ہندوستان میں رشوت لینے دینے کا حکم ۵۲۱
۹۱۳۷ دفع ظلم اور حق کی وصولیابی کے لئے ۵۲۲
۹۱۳۸ مجبوری میں رشوت دینا ۵۲۳
۹۱۳۹ مجبوراً رشوت دینے کا حکم ۵۲۵
۹۱۴۰ ناجائز جگہ پر سودی رقم رشوت دینا ۵۲۶
۹۱۴۱ مدت قیام بڑھا کر رشوت لینا ۵۲۸
۹۱۴۲ کرایہ دار کا بیس ہزار روپیہ لے کر مکان خالی کرنا ۵۲۹
۹۱۴۳ مالک مکان کا کرایہ دار کو رقم دینا رشوت میں داخل ہے ۵۳۰
۹۱۴۴ ٹھیکہ لینے کے لئے رشوت دینا ۵۳۱
۹۱۴۵ ڈونیشن ۵۳۲
۹۱۴۶ کالجوں میں لئے جانے والے ڈونیشن کی شرعی حیثیت ۵۳۷

۹۱۴۷ طلبہ کو رعایۃً پاس کرنے کے عوض روپیہ وصول کرنا ۵۳۸
۹۱۴۸ اسکول کی داخلہ اسکیم کی کچھ شکلوں کا حکم ۵۴۰
۹۱۴۹ ملازمت کے حصول کے لئے رشوت ۵۴۲
۹۱۵۰ رشوت دے کر سرکاری مدرسہ میں ملازمت حاصل ۵۴۳
۹۱۵۱ نوکری کے لئے رشوت دینا ۵۴۵
۹۱۵۲ سودی رقم بینک کے کارندوں کو رشوت میں دینا ۵۴۶
۹۱۵۳ بیرون ملک مال فروخت کرنے پر رشوت دینا ۵۴۷
۹۱۵۴ کام کو درست کرنے کے لئے حکام کو رشوت دینا ۵۴۸
۹۱۵۵ پردھان کا تحریری اجازت ومہر پر روپیہ لینا ۵۴۹
۹۱۵۶ رشوت دیکر مشترکہ گرام سماج کی زمین حاصل کرنا ۵۵۱
۹۱۵۷ سرکاری ملازمین کا عوام سے سرکاری کام پر معاوضہ لینا ۵۵۲
۹۱۵۸ پیشکار کا فریقین سے رقم لینا ۵۵۳
۹۱۵۹ دس بیس روپیہ دے کر پولیس سے چھٹکارا پانا ۵۵۴
۹۱۶۰ کچہری یا تحصیل میں پیش ہونے والے لوگوں سے رقم وصول کرنا ۵۵۵
۹۱۶۱ مقدمہ جیتنے والے کا بخوشی بابو وچپراسی کو رقم دینا ۵۵۷
۹۱۶۲ ڈاکیہ کا مدارس کے طلبہ سے رشوت لینا ۵۵۹
۹۱۶۳ سودی رقم سرکاری افسران کو رشوت میں ۵۶۰
۹۱۶۴ مال حرام کو رشوت میں دینا ۵۶۱
۹۱۶۵ سودی رقم رشوت میں دینا ۵۶۲
۹۱۶۶ رشوت میں سودی رقم دینا ۵۶۳

۹۱۶۷ سودی رقم رشوت میں دینے کا حکم ۵۶۵
۹۱۶۸ سودی رقم رشوت میں دینے کی ممانعت ۵۶۶
۹۱۶۹ سودی رقم کو رشوت میں دینا ۵۶۷
۹۱۷۰ سودی رقم شادی، رشوت اور مقدمات میں خرچ کرنا ۵۶۹

۹/ باب سودی رقم کا مصرف

۹۱۷۱ بینک سے سودی رقم نکال کر کہاں صرف کریں؟ ۵۷۱
۹۱۷۲ بینک میں جمع شدہ رقم پر ملنے والے سود کو بینک سے نکال لیں ۵۷۲
۹۱۷۳ بینک سے ملے سود کو بلا نیت ثواب فقراء میں تقسیم کرنا ۵۸۳
۹۱۷۴ سودی رقم کا مصرف ۵۷۴
۹۱۷۵ سودی رقم کے مصارف کیا کیا ہیں؟ ۵۷۶
۹۱۷۶ بینک کی سودی رقم کا مصرف ۵۸۴
۹۱۷۷ بینک اور جیون بیمہ کے سود کا مصرف ۵۸۵
۹۱۷۸ سودی رقم کہاں خرچ کریں؟ ۵۸۷
۹۱۷۹ سودی رقم کہاں کہاں خرچ کرسکتے ہیں؟ ۵۸۹
۹۱۸۰ سودی رقم کو کہاں صرف کریں؟ ۵۹۱
۹۱۸۱ سودی رقم کو کہاں کہاں صرف کرسکتے ہیں؟ ۵۹۳
۹۱۸۲ بینک سے ملی سودی رقم کا صحیح مصرف ۵۹۴
۹۱۸۳ سودی رقم کا مصرف کیا ہے؟ ۵۹۶

۹۱۸۴	سودی رقم کا کیا کریں؟	۵۹۸
۹۱۸۵	بینک سے ملے سود کو کہاں خرچ کر سکتے ہیں؟	۶۰۰
۹۱۸۶	بینک سے ملے سود کا حکم	۶۰۲
۹۱۸۷	سودی رقم کو کہاں خرچ کر سکتے ہیں؟	۶۰۳
۹۱۸۸	سودی رقم کا مصرف، جبری مطالبہ میں سودی رقم دینا	۶۰۵
۹۱۸۹	سودی رقم مالک تک پہونچانے کی ایک شکل	۶۰۹
۹۱۹۰	سودی رقم اپنے استعمال میں لانا	۶۱۰
۹۱۹۱	سودی رقم سے اسلحہ خریدنا	۶۱۱
۹۱۹۲	سودی رقم سے نیشنل سیول سرٹیفکٹ خریدنے کا حکم	۶۱۴
۹۱۹۳	سودی رقم رجسٹری میں لگانا یا غرباء ومساکین کو دینا	۶۱۶
۹۱۹۴	سود کا بیلنس ٹیکس وغیرہ میں دینا	۶۱۸
۹۱۹۵	سودی رقم کو گھر کے غسل خانہ و بیت الخلاء میں استعمال کرنا	۶۱۹
۹۱۹۶	سودی رقم کو بیت الخلاء کی تعمیر میں صرف کرنا	۶۲۰
۹۱۹۷	سودی رقم رفاہ عام میں لگانا	۶۲۱
۹۱۹۸	سودی رقم رفاہ عام میں اسی طرح ٹی وی کی خریداری میں لگانا	۶۲۳
۹۱۹۹	سودی رقم سے رفاہی تعمیری کام کرنا	۶۲۵
۹۲۰۰	سودی پیسہ سے نالی بنانا	۶۲۶
۹۲۰۱	بینک سے حاصل شدہ سودی رقم رفاہ عام وغیرہ میں لگانا	۶۲۷

۹۲۰۲ سودی رقم سے مسافر خانہ تعمیر کرنا ۶۲۸
۹۲۰۳ سودی رقم سے مسافر خانہ تعمیر کرنے کا حکم ۶۲۹
۹۲۰۴ سودی رقم کو لون میں مجری کرنا ۶۳۰
۹۲۰۵ بینک کے قرضہ کو سودی رقم سے ادا کرنا ۶۳۱
۹۲۰۶ سرکاری بینک کی سودی رقم اسی کے لازم کردہ سود میں منہا کرانا ۶۳۲
۹۲۰۷ بینک میں دیئے ہوئے سودی قرض کو حلال رقم سے مجری کرنا ۶۳۴
۹۲۰۸ سودی رقم سے بجلی کا بل ادا کرنا ۶۳۵
۹۲۰۹ سرکاری قرض کو ادا کرنے میں سودی رقم دینا ۶۳۶
۹۲۱۰ بینک کے جرمانہ میں سودی رقم دینا ۶۳۶
۹۲۱۱ غریب غیر مسلم کو سودی روپیہ دینا ۶۳۷
۹۲۱۲ رجسٹری اسٹامپ فیس میں سودی رقم دینا ۶۳۸
۹۲۱۳ حاجی مقروض کے لئے سودی رقم سے قرض ادا کرنا ۶۳۹
۹۲۱۴ سودی رقم سے قرض ادا کرنا ۶۴۰
۹۲۱۵ سودکی رقم سے مسلمان قرضدار کا قرض ادا کرنا ۶۴۲
۹۲۱۶ سودی رقم سے متعلق چند سوالات ۶۴۳
۹۲۱۷ سودی رقم بیوہ کی شادی میں لگانے کا حکم ۶۴۵
۹۲۱۸ سودی رقم غریب لڑکی کی شادی میں صرف کرنا ۶۴۶
۹۲۱۹ سودکی رقم کو اپنی لڑکی کی شادی میں صرف کرنا ۶۴۸

۹۲۲۰	سودی رقم شادی وغیرہ میں دینا	۶۴۹
۹۲۲۱	سودی رقم جہیز میں دینا	۶۵۰
۹۲۲۲	کیا جہیز میں سودی رقم دینے کی گنجائش ہے؟	۶۵۱
۹۲۲۳	سودی رقم سے ولیمہ کرنے اور جہیز کا سامان خریدنے کا حکم	۶۵۲
۹۲۲۴	شادی کی رسومات میں سودی رقم صرف کرنا........................	۶۵۴
۹۲۲۵	مسجد کی جمع شدہ رقم پر ملے سود کو مسجد کی تعمیر میں لگانا............	۶۵۵
۹۲۲۶	بینک میں جمع شدہ اوقاف کی رقم پر ملے سود کو مسجد کے تعاون میں لینا ..	۶۵۶
۹۲۲۷	سودخور کا مسجد کی تعمیر میں روپئے دینا	۶۵۷
۹۲۲۸	سودی رقم مسجد کے گڑھے کی تعمیر میں لگانا	۶۵۸
۹۲۲۹	سودی رقم سے مسجد کے بیت الخلاء کی تعمیر........................	۶۵۹
۹۲۳۰	سودی رقم سے مسجد کا بیت الخلاء یا قبرستان کی چہاردیواری تعمیر کرانے کا حکم ..	۶۶۱
۹۲۳۱	سودی رقم سے مدرسہ کے مدرسین وملازمین کی تنخواہ دینا	۶۶۳
۹۲۳۲	سودی رقم کو مسجد ومدرسہ یا اپنے اہل وعیال پر خرچ کرنا	۶۶۴
۹۲۳۳	سودی رقم مدرسہ کی تعمیر یا مدرسین کی تنخواہوں میں دینا	۶۶۵
۹۲۳۴	سودی رقم مسجد کی نالی یا مدرسہ میں صرف کرنا	۶۶۶
۹۲۳۵	سودی رقم سے ذاتی یا مدارس اسلامیہ کے بیت الخلاء تعمیر کرنا	۶۶۷
۹۲۳۶	سودی رقم مدرسہ کی بیت الخلاء میں لگانا........................	۶۶۸
۹۲۳۷	سودی رقم غریب کو یا دینی مدارس میں دینا	۶۶۹

۹۲۳۸ حرام مال مسجد یا مدرسہ میں لگانا ۶۷۰
۹۲۳۹ سودی رقم اسکول، کالج، یا رفاہ عام میں لگانا ۶۷۲
۹۲۴۰ سودی رقم سے مساجد، مدارس، دینی اجتماعات کی اعانت ۶۷۴
۹۲۴۱ سودی رقم سے خرید شدہ جنریٹر کی آمدنی مدرسہ یا رفاہ عام میں لگانا ۶۷۵
۹۲۴۲ سودی رقم سے مدرسہ کا فرش یا مسجد کا غسل خانہ وغیرہ تعمیر کرنا ۶۷۶
۹۲۴۳ سودی رقم سے مدرسے کا بجلی یا فون بل ادا کرنا ۶۷۷
۹۲۴۴ بینک کے سود سے طلباء کی مدد کرنا ۶۷۸
۹۲۴۵ سودی رقم تملیک کے بعد طلبہ پر خرچ کرنا ۶۷۹
۹۲۴۶ سودی رقم نادار طلباء پر صرف کرنا ۶۸۱
۹۲۴۷ سودی رقم بعد تملیک بیرونی طلباء پر صرف کرنا ۶۸۱
۹۲۴۸ سودی رقم مانگ کر کمرہ بنانا ۶۸۲
۹۲۴۹ سود کی رقم ذاتی کاموں میں لانا ۶۸۴
۹۲۵۰ سودی رقم سے مزدوری ادا کرنا اور مزدور کا وصول کرنا ۶۸۶
۹۲۵۱ نکالے جانے والے مزدور کے ناجائز مطالبہ میں سودی رقم دینا ۶۸۸
۹۲۵۲ اپنی جیب سے فقیر کو پیسہ دینا اور اس کی جگہ سود کی رقم رکھنا ۶۸۹
۹۲۵۳ اپنے پاس سے رقم غریبوں کو دے کر بینک کے سود سے منہی کرنے
کی شرعی حیثیت ۶۹۱
۹۲۵۴ اپنی جیب سے فقراء کو رقم دے کر سودی رقم اپنے مصرف میں استعمال کرنا .. ۶۹۱

۹۲۵۵ بینک کے کمیشن میں کاٹی گئی رقم کوسود کی رقم سے پورا کرنا ۶۹۳
۹۲۵۶ بینک کے سودی رقم کوسرکاری سود میں دینا ؟ ۶۹۴
۹۲۵۷ بینک سے حاصل شدہ سودی رقم کے لئے الگ اکاؤنٹ کھول کراس سے
سرکاری سود ادا کرنا.......................... ۶۹۵
۹۲۵۸ جس ہسپتال میں امیر وغریب کا علاج ہوتا ہو،اس میں سودی رقم بھیجنا ... ۶۹۷
۹۲۵۹ کسی وارث کا حصہ سودی رقم سے دینا......................... ۶۹۸
۹۲۶۰ سودی رقم سے اشیاء خرید کرغرباءکو دینا ۶۹۹
۹۲۶۱ مریض کوسودی رقم دینے کا شرعی حکم ۷۰۱
۹۲۶۲ حد درجہ فقیر کوسودی روپیہ دینا.......................... ۷۰۲
۹۲۶۳ غریب نابالغ یتیم بچوں اور بیوہ کی خاطر بینک میں روپیہ جمع
کر کے سود کوان پرخرچ کرنا ۷۰۴
۹۲۶۴ بینک کا سود ریل کے کرایہ میں دینا ۷۰۶
۹۲۶۵ سودی رقم غیر مسلم فقیروں کوبھی دے سکتے ہیں یانہیں؟ ۷۰۷
۹۲۶۶ سرکاری سود براہ راست فقیر کوصدقہ دینا کیسا ہے ۷۰۸
۹۲۶۷ لون والے سود کی ادائے گی بینک کی سودی رقم سے ۷۱۰
۹۲۶۸ غریب کوسود کا روپیہ قرض کہہ کر دینا ۷۱۱
۹۲۶۹ بینک کے سود سے اپنے گھر کا خرچ چلانا کیسا ہے؟ ۷۱۳
۹۲۷۰ فقیر امام کا سودی رقم سے اپنا قرض ادا کرنا ۷۱۴

۹۲۷۱ سودی رقم سے قرض کی ادائے گی کرنا ۷۱۵
۹۲۷۲ فقیرشخص کوسودی رقم دینا........................ ۷۱۶
۹۲۷۳ پگڑی میں سودکی رقم دینے کاحکم ۷۱۷
۹۲۷۴ غریب کوبجلی کے کنکشن لگوانے کے لئے سودی رقم دینے کاحکم ۷۱۸

۱۰/ باب سرکاری ٹیکس

۹۲۷۵ سودی قرض لینے اورٹیکس چوری کرنے کی شرعی حیثیت ۷۲۰
۹۲۷۶ سیل ٹیکس وانکم ٹیکس میں خیانت کرنا........................ ۷۲۲
۹۲۷۷ انکم ٹیکس کے لئے چھوڑی گئی رقم پراضافی رقم کاحکم ۷۲۳
۹۲۷۸ انکم ٹیکس وغیرہ سے بچنے کے لئے سودی قرض لینا................ ۷۲۴
۹۲۷۹ بینک کے سود میں حلال کمائی سے اداشدہ ٹیکس کابدل وصول کرنا ۷۲۵
۹۲۸۰ اداشدہ سودی قرض یاانکم ٹیکس میں سودی رقم مجری کرنے کاحکم ۷۲۷
۹۲۸۱ انکم ٹیکس سے بچنے کے لئے جیون بیمہ کرانا ۷۲۸
۹۲۸۲ انکم ٹیکس میں سودی رقم دینا ۷۲۹
۹۲۸۳ بینک سے حاصل شدہ سود سے بینک کاٹیکس اداکرنا ۷۳۱
۹۲۸۴ سودی رقم سے ٹیکس اداکرنا........................ ۷۳۲
۹۲۸۵ انکم ٹیکس میں بینک سے ملی سودی رقم دینا ۷۳۳
۹۲۸۶ مسجد کے سودکاپیسہ ٹیکسوں میں دے کراپناخالص پیسہ مسجدمیں دینا... ۷۳۴

۹۲۸۷ حکومت کی طرف سے عائد کردہ ظالمانہ ٹیکس میں سودی رقم دینا ...... ۴۳۶ ے

۹۲۸۸ سودی رقم سے انکم ٹیکس ادا کرنا ...... ۴۳۷ ے

۹۲۸۹ بینک کی سودی رقم سے سیل ٹیکس اور انکم ٹیکس ادا کرنا ...... ۴۳۸ ے

۹۲۹۰ سیل ٹیکس میں سودی رقم دینا ...... ۴۳۹ ے

۹۲۹۱ عوام سے ملی ہوئی سودی رقم کو انکم ٹیکس وغیرہ میں دینا ...... ۴۴۰ ے

۹۲۹۲ سودی رقم انکم ٹیکس میں دینا ...... ۴۴۲ ے

۹۲۹۳ سودی رقم سیل ٹیکس میں دینا ...... ۴۴۴ ے

فہرست مضامین

۲۷/ بقیة كتاب الربوا

۱۱/ باب القرض

مسئلہ نمبر		صفحہ نمبر
۹۲۹۵	کتنی ضرورت میں سودی قرض لینے کی گنجائش ہے؟	۳۱
۹۲۹۶	سخت مجبوری کی حالت میں سودی قرض لینے کا حکم	۳۲
۹۲۹۷	مجبوری کی حالت میں سودی قرض لینا	۳۴
۹۲۹۸	لون کا معاملہ کرنا کیسا ہے؟	۳۵
۹۲۹۹	ہندوستان کو دارالحرب خیال کرکے بینک سے لون لینا	۳۶
۹۳۰۰	بلاسودی قرض لے کر اس سے انتفاع	۳۸
۹۳۰۱	حکومت سے جتنا قرض لیں اتنا ہی ادا کریں تو کیسا ہے؟	۴۰
۹۳۰۲	سبسڈی اور کم شرح سود کے ساتھ سرکاری قرض	۴۱
۹۳۰۳	اقلیتی طبقہ کو ملنے والی سبسڈی کے ساتھ قرض لینے کا حکم	۴۲
۹۳۰۴	قرض کی وجہ سے کرایہ نہ لینا	۴۴
۹۳۰۵	سودی قرض	۴۴
۹۳۰۶	سود پر قرض دینا	۴۶
۹۳۰۷	بینک سے سودی قرض لینا	۴۷

۹۳۰۸ سودی قرض کا لین دین ۴۸
۹۳۰۹ سودی قرض لینے کا حکم ۴۹
۹۳۱۰ بینک سے سود لینا ۵۱
○ بینک سے منافع (انٹریسٹ) اور مسلم معاشرہ ۵۳
۹۳۱۱ قرض پر سود لینا اور دینا کیسا ہے؟ ۵۷
۹۳۱۲ بینک سے سودی قرض لینے کی مختلف شکلیں ۵۹
۹۳۱۳ قرض سے زائد رقم وصول کرنا ۶۱
۹۳۱۴ قرض پر ہر ماہ نفع لینا سود ۶۲
۹۳۱۵ نفع لے کر ادھار روپئے دینا ۶۴
۹۳۱۶ قرض کے بدلے نفع حاصل کرنا ۶۵
۹۳۱۷ فیصد فائدہ پر قرض دینا ۶۶
۹۳۱۸ فائنس کے نام سے ۱۰ر ہزار قرض لے کر ایک ماہ بعد ۱۲ر ہزار ادا کرنا ۶۷
۹۳۱۹ تجارت کے لئے تین ہزار دے کر چار ہزار واپس لینا ۶۹
۹۳۲۰ اضافہ کی شرط کے ساتھ قرضہ ۷۰
۹۳۲۱ قرض دے کر قرض گیرندہ کی زمین سے انتفاع کرنا ۷۰
۹۳۲۲ پیشگی گندم دے کر فصل پر زیادہ لینا ۷۱
۹۳۲۳ قرض کی رقم باقی رکھ کر چاول وصول کرنا ۷۳
۹۳۲۴ قرض کے عوض میں ملنے والے گیہوں کا حکم ۷۳
۹۳۲۵ قرض پر نفع حاصل کرنا ۷۴
۹۳۲۶ پانچ من دھان لینے کی شرط پر قرض دینا ۷۶
۹۳۲۷ تعلیمی لون ۷۷

۹۳۲۸	بینک سے قرض لے کر مکان کی تعمیر	۷۸
۹۳۲۹	سودی قرض لے کر مکان بنانا	۷۹
۹۳۳۰	ہوم لون	۸۰
۹۳۳۱	ہوم لون کا شرعی حکم	۸۲
۹۳۳۲	نقصان سے بچنے کے لئے لون لینے کا حکم	۸۳
۹۳۳۳	جلب منفعت کے لئے بینک سے لون لینا	۸۳
۹۳۳۴	قرض کی ایک اسکیم کا حکم	۸۴
۹۳۳۵	ٹیکس سے بچنے کے لئے سودی قرض لے کر تجارت کرنے کا حکم .	۸۵
۹۳۳۶	سودی قرض لے کر فیکٹری چلانا	۸۶
۹۳۳۷	حکومت سے رائس مل کے لئے سودی قرض لینا	۸۸
۹۳۳۸	بینک یا بلاک سے لون پر روپیہ لینا	۸۸
۹۳۳۹	بینک سے سودی قرض لے کر تجارت کرنا	۸۹
۹۳۴۰	تجارت کو فروغ دینے کے لئے سودی قرض لینا	۹۰
۹۳۴۱	کاروبار کے لئے گورنمنٹ سے لون لینا	۹۱
۹۳۴۲	تجارت کو فروغ دینے کے لئے حکومت سے سودی قرض لینا	۹۳
۹۳۴۳	سرکار سے قرض لے کر تجارت کرنا	۹۴
۹۳۴۴	سخت مجبوری میں کیا لون لے کر تجارت کر سکتے ہیں؟	۹۶
۹۳۴۵	تجارت کو فروغ دینے کے لئے بینک سے سودی قرض لینا	۹۷
۹۳۴۶	تجارت کے لئے لئے گئے سودی قرض سے خانگی ضرورت پوری کرنے کا حکم	۹۹
۹۳۴۷	روزگار یوجنا کے نام سے لون لے کر حج کرنے اور زکاۃ دینے کا حکم	۱۰۰

۹۳۴۸ نرسنگ ہوم کھولنے کے لئے سودی قرض لینا ۱۰۲
۹۳۴۹ مستحق زکوۃ مقروض کا سودی رقم سے قرض ادا کرنا............ ۱۰۳
۹۳۵۰ سودی رقم قرض میں دینے کا شرعی حکم ۱۰۴

۲۸/ کتاب الدیون

۹۳۵۱ قرض دار کی روح معلق رہتی ہے ۱۰۶
۹۳۵۲ قرض لینے کی شرط پر قرض دینا ۱۰۷
۹۳۵۳ تاخیر کی بناپر اصل رقم سے زائد رقم لینا ۱۰۹
۹۳۵۴ دائن کا مدیون کی دعوت قبول کرنا یا ہدیہ لینا ۱۱۰
۹۳۵۵ سبسڈی کا شرعی حکم ۱۱۰
۹۳۵۶ حکومت کی گرفت سے بچنے کے لئے بینک سے قرض لینے سے متعلق چند سوالات کے جوابات ۱۱۱
۹۳۵۷ دسواں وغیرہ منانے کے لئے قرض لینے دینے کا شرعی حکم ۱۱۴
۹۳۵۸ قرض دینے والا غائب ہو جائے تو قرض کیسے ادا کریں؟ ۱۱۶
۹۳۵۹ کیا بلا وصیت بھی میت کا قرض ادا کرنے سے ادا ہو جائے گا؟ ۱۱۷
۹۳۶۰ قرض کی ادائے گی کی غرض سے تجارت میں انہماک اور نمازوں سے دوری کا شرعی حکم ۱۱۸
۹۳۶۱ قرض کی ادائے گی میں قیمت کے تفاوت کا حکم ۱۱۹
۹۳۶۲ قرض کا مطالبہ مقروض کے علاوہ سے کرنے کا حکم ۱۱۹
۹۳۶۳ قرض کی ادائے گی کا مطالبہ مقروض کے گھر والوں سے کرنا ۱۲۱
۹۳۶۴ قرض کی ادائے گی کا ذمہ لینے والے پر قرض ادا کرنا لازم ہے ۱۲۲

۹۳۶۵ مرض الوفات میں اقرار شدہ قرض کی ادائے گی کی ذمہ داری لینے والے
پر اس کا ادا کرنا لازم ہے ۱۲۶
۹۳۶۶ مدت مکمل ہونے پر دائن کے لئے قرض کی ادائیگی کا سخت مطالبہ کرنا .. ۱۲۷
۹۳۶۷ قرض کی وصولیابی تک مدیون کا جنازہ روکنے کا حکم ۱۲۹
۹۳۶۸ قرض لے کر واپس نہ کرنے پر قانونی کاروائی کرنا ۱۳۰
۹۳۶۹ قرض کی ادائے گی میں ٹال مٹول کرنا ۱۳۱
۹۳۷۰ قرض کی ادائے گی میں ٹال مٹول کرنے کا شرعی حکم ۱۳۳
۹۳۷۱ مقروض سے مقدمہ اور سفر خرچ کا مطالبہ ۱۳۴
۹۳۷۲ قرض کے بدلے فصل پر گیہوں لینا ۱۳۶
۹۳۷۳ متعینہ مدت کے لئے چاول ادھار پر دینا ۱۳۶
۹۳۷۴ کھلے کرنے کے لئے دئے گئے ۵۰۰ر میں سے ۳۰۰ر فوراً وصول کرنا بقیہ بعد میں ۱۳۷
۹۳۷۵ بیس ہزار روپے قرض میں فریقین کا جھگڑا اور فیصلہ ۱۳۸
۹۳۷۶ امریکی ڈالر قرض دے کر ہندوستانی رقم لینا ۱۳۹
۹۳۷۷ تقسیم جائیداد سے پہلے قرض کی ادائے گی کا حکم ۱۴۱
۹۳۷۸ دائن کے انتقال کی صورت میں قرض کس کو دیا جائے؟ ۱۴۲

۲۹/ كتاب الوديعة والأمانة والضمان

۹۳۷۹ امانت میں تصرف کرنے کا شرعی حکم ۱۴۳
۹۳۸۰ امانت اجازت لے کر استعمال کرنے کا حکم ۱۴۵
۹۳۸۱ امانت رکھے ہوئے زیورات بلا اجازت امانت رکھنے والے بیٹے کو دینے کا حکم ۱۴۷
۹۳۸۲ امانت میں تصرف کرنے کے بعد ہلاکت کی صورت میں ضمان کا حکم .. ۱۴۹

۹۳۸۳ امانت کی رقم اپنی رقم کے ساتھ مخلوط کرنے کے بعد ہلاک ہونے پر ضمان کا حکم ۱۵۰
۹۳۸۴ امانت کے ساتھ حاجی کا بیگ ''بیت الخلاء'' میں رہ گیا ۱۵۱
۹۳۸۵ مالک سے امانت کے چوری شدہ پیسہ کے مطالبہ کا حکم ۱۵۲
۹۳۸۶ ادارے کا تجارت کے لئے روپئے دینے پر نقصان کی صورت میں ضمان کا مسئلہ ۱۵۴
۹۳۸۷ دوران سفر امانت کی رقم چوری ہونے کا شرعی حکم ۱۵۵
۹۳۸۸ امانت کی رقم چوری ہوگئی تو کیا حکم ہے؟ ۱۵۷
۹۳۸۹ کمرے سے بیگ چوری ہونے کا حکم ۱۵۸
۹۳۹۰ کیا امانت کی رقم ضائع ہونے پر تاوان لازم ہے؟ ۱۶۰
۹۳۹۱ کوتاہی کی بنا پر امانت کے ضائع ہونے کا شرعی حکم ۱۶۲
۹۳۹۲ امانت کو ضائع کرنے کا شرعی حکم ۱۶۳
۹۳۹۳ بلا تعدی امانت کے ضائع ہونے کا شرعی حکم ۱۶۵
۹۳۹۴ بلا تعدی امانت کی رقم ضائع ہونے کا شرعی حکم ۱۶۸
۹۳۹۵ ناظم مدرسہ کے پاس رکھی ہوئی امانت چوری ہوجائے تو کون ضامن ہوگا؟ ۱۶۹
۹۳۹۶ عاریت پر لی گئی سائیکل گم ہوجائے تو ضامن کون؟ ۱۷۰
۹۳۹۷ ملازم سے سائیکل چوری ہوگئی، تو کیا حکم ہے ۱۷۲
۹۳۹۸ کھیت میں لگائی گئی آگ دوسرے کے کھیت کو جلا دے تو کیا حکم ہے؟ ۱۷۳
۹۳۹۹ موچی کے پاس سے چپل گم ہوگئی تو کیا حکم ہے؟ ۱۷۴
۹۴۰۰ دوسرے کی دیوار پر اپنی چھت کو ٹیکنے کا شرعی حکم ۱۷۵
۹۴۰۱ فروخت شدہ بکرا واپس مالک کے پاس آجائے تو کیا حکم ہے؟ ۱۷۶

۳۰/ کتاب الهبة

❑	۱/ باب شرائط الهبة	۱۷۸

۹۴۰۲ ''ہبہ'' شرعاً کب معتبر ہے؟ ۱۷۸

۹۴۰۳ ہبہ میں محض نیت کافی نہیں ۱۷۹

۹۴۰۴ کیاایجاب وقبول سے ہبہ منعقد ہوجاتا ہے؟ ۱۸۱

۹۴۰۵ زبانی ہبہ ۱۸۳

۹۴۰۶ زبانی ہبہ کا شرعی حکم ۱۸۴

۹۴۰۷ زبانی ہبہ کے لئے شرعی ثبوت لازم ۱۸۷

۹۴۰۸ زبانی ہبہ بغیر شہادت کے معتبر نہیں ۱۸۸

۹۴۰۹ زبانی ہبہ کرنے کے بعد تحریر لکھنے کا شرعی حکم ۱۸۹

۹۴۱۰ زبانی وتحریری ہبہ نامہ کے بعد قبضہ دینے کی شرعی حیثیت ۱۹۰

۹۴۱۱ ہبہ میں قبضہ کی شرعی حیثیت ۱۹۴

۹۴۱۲ ہبہ میں قبضہ کا شرعی حکم ۱۹۵

۹۴۱۳ کیا ہبہ کی تکمیل کے لئے قبضہ شرط ہے؟ ۱۹۶

۹۴۱۴ کیا قبضہ دینے سے ہبہ تام ہوجاتا ہے؟ ۲۰۰

۹۴۱۵ ہبہ کی تکمیل کے لئے قبضہ شرط ہے ۲۰۲

۹۴۱۶ کیا الگ الگ کمروں میں رہائش دینے سے ہبہ مکمل ہوجاتا ہے؟ ۲۰۵

۹۴۱۷ دستخط شدہ سادہ کاغذ پر دستخط کنندہ کی مرضی کے خلاف لکھوانا ۲۰۷

۹۴۱۸ جس کا دماغی توازن درست نہ ہواس سے ہبہ نامہ پر انگوٹھا لگوانا ۲۰۷

۹۴۱۹ شرعی ثبوت کے بغیر محض سول جج کے فیصلہ سے ملکیت ثابت نہ ہوگی .. ۲۰۸

۹۴۲۰ شرعی گواہوں کی شہادت یا ثبوت کے بغیر ہبہ کے دعویٰ کا اعتبار نہیں .. ۲۱۳

۹۴۲۱ جائیداد تقسیم ہونے سے قبل ہبہ کرنے کا شرعی حکم ۲۱۵

۹۴۲۲	والد کا اپنے کچھ لڑکوں کے نام سے زمین خریدنا	۲۱۷
۹۴۲۳	’’ایف ڈی‘‘ میں نام کرانے سے ہبہ کا ثبوت	۲۱۸
۹۴۲۴	موہوبہ مکان پر قبضہ کیا لیکن رجسٹری نہیں ہوئی	۲۲۰
۹۴۲۵	ہبہ صحیح ہونے کے لئے رجسٹری کی شرعی حیثیت	۲۲۱
۹۴۲۶	رجسٹری کے طور پر مکان ہبہ کرنا	۲۲۳
۹۴۲۷	کسی کے نام جائیداد رجسٹری کرانے سے ہبہ کا ثبوت	۲۲۵
۹۴۲۸	کسی کے نام رجسٹری کرانے سے کیا وہ مالک ہو جائے گا؟	۲۲۶
۹۴۲۹	کیا نام کرنے کے بعد رجسٹری بیع نامہ کرانے سے ہبہ تام ہو جاتا ہے؟	۲۲۷
۹۴۳۰	مکان کا رجسٹری بیع نامہ کر کے دینے سے ہبہ کا ثبوت	۲۲۹
۹۴۳۱	موہوب لہ کے لئے ہبہ کے بعد ملکیت کا ثبوت	۲۳۰
۹۴۳۲	غیر شرعی طریقہ سے ہبہ کا نفاذ	۲۳۲
□	۲/ باب ما یجوز من الهبة و ما لا یجوز	۲۳۴
۹۴۳۳	آدمی کو اپنی جائیداد میں ہر طرح کے تصرف کا اختیار ہے	۲۳۴
۹۴۳۴	کیا والد کو اپنی جائیداد ہر طرح تقسیم کرنے کا حق ہے؟	۲۳۵
۹۴۳۵	اپنا سارا سرمایہ ہبہ کر کے وارثین کو بے یار و مددگار چھوڑنا	۲۳۶
۹۴۳۶	کچہری میں پیشکار کو لوگوں کا ہدیہ دینا	۲۳۸
۹۴۳۷	بادشاہوں کی طرف سے قضاۃ کو دی گئی زمین فروخت کرنا	۲۳۹
۹۴۳۸	ہیجڑے کا ہدیہ قبول کرنا	۲۴۱
۹۴۳۹	آبائی زمین بیچ کر لڑکوں کو رہائشی مکان تیار کر دینا	۲۴۲
۹۴۴۰	اپنی جائیداد بیوی کو ہبہ کر کے دخیل بنانا	۲۴۳
۹۴۴۱	ترکہ سے ملا ہوا حصہ بیوی کو ہبہ کرنا	۲۴۵

۹۴۴۲ دو بیوی میں سے لاولد بیوی کو بطور ہبہ کوئی خاص چیز دینا ۲۴۶
۹۴۴۳ والدہ کا اپنی چھوٹی بیٹی کو زمین دینا ۲۴۷
۹۴۴۴ بحالت صحت مکان اپنی لڑکیوں کو ہبہ کرنا ۲۴۸
۹۴۴۵ بیوہ کا اپنی اکلوتی لڑکی کے نام مکمل جائیداد کرنا ۲۵۰
۹۴۴۶ والدہ کا اپنی بیٹی اور نواسی کے نام مکان ہبہ کرنا ۲۵۱
۹۴۴۷ والدہ کا دو بیٹوں سے قرض معاف کر کے بقیہ سے وصول کر کے دوسروں کو دینا . ۲۵۲
۹۴۴۸ زندگی میں بحالت صحت اپنی اولاد کو کچھ دینا ۲۵۴
۹۴۴۹ کسی ایک وارث کے نام مکان ہبہ کرنا.......................... ۲۵۵
۹۴۵۰ والد کی جانب سے بیٹے کو ہبہ کرنے کی ایک صورت کا حکم ۲۵۷
۹۴۵۱ لڑکے کو بھائی بہنوں کی رضامندی سے مکان ہبہ کرنا ۲۵۸
۹۴۵۲ بڑے لڑکے کے نام بندوق منتقل کرنا........................... ۲۶۰
۹۴۵۳ زندگی میں صرف ایک بیٹے کو جائیداد دینا ۲۶۲
۹۴۵۴ چھوٹے بھائی کا بڑے بھائی کی دوکان کو پختہ بنا کر رقم لینا ۲۶۳
۹۴۵۵ صرف ایک بھائی کی اولاد پر خرچ کرنے کا حکم ۲۶۴
۹۴۵۶ پوتی کو اپنی زندگی میں ہبہ کرنا............................ ۲۶۵
۹۴۵۷ یتیم پوتے پوتیوں کے ساتھ حسن سلوک کا طریقہ ۲۶۷
۹۴۵۸ متوفی لڑکے کا حصہ اس کی اولاد کو دینا ۲۶۸
۹۴۵۹ نانا کا تبرعاً نواسہ کو کچھ دینا............................ ۲۶۹
۹۴۶۰ ماموں کا اپنے بھانجے کو زمین ہبہ کرنا ۲۷۰
۹۴۶۱ نکاح کے موقع پر دیا جانے والا کپڑا نکاح سے پہلے پہننا............ ۲۷۱

۹۴۶۲ ہبہ کی ایک صورت کا حکم ۲۷۲
۹۴۶۳ عرصۂ دراز کے بعد مقبوضہ اراضی پر دعویٰ باطل ۲۷۴

❑	۳/ باب هبة المشاع	۲۷۸

۹۴۶۴ ہبۂ مشاع ۲۷۸
۹۴۶۵ ہبۂ مشاع اور اس میں تصرف کا حکم ۲۸۰
○ ہبۃ المشاع ۲۸۸
○ نا قابل تقسیم اشیاء کا ہبۃ المشاع ۲۸۸
○ قابل قسمت اشیاء کا ہبۂ مشاع ۲۹۰
○ ائمۂ ثلاثہ کے دلائل ۲۹۲
○ ائمۂ احناف کے یہاں ہبۂ مشاع فاسد ہے یا ناتمام؟ ۲۹۸
○ حنفیہ کے درمیان ہبۂ مشاع کے جواز اور عدم جواز کا اختلاف ۲۹۹
○ صاحبینؒ کے درمیان اختلاف ۳۰۴
○ ہبۃ المشاع کے جواز کی شکلیں ۳۰۵
○ ہبۃ المشاع میں آپس میں مل کر تقسیم کا جواز ۳۰۶
○ نزاع نہ ہو تو ہبۂ مشاع کا جواز ۳۰۷
○ مقالہ کا خلاصہ اور سوالات کے جوابات ۳۰۹
○ شئ موہوب کے مقسوم میں ائمہ کا اختلاف ۳۰۹
○ ہبہ میں قبضہ کی حیثیت ۳۱۰
○ نابالغ کو ہبہ میں قبضۂ جدید کی ضرورت نہیں ۳۱۱
○ نابالغ کی طرف سے صحتِ قبضہ کی شرائط ۳۱۲
○ نابالغ کو ہبۂ مشاع ۳۱۳

❑	۴/ باب الرجوع في الهبة	۳۱۵

۹۴۶۶ شئ موہوب کو واپس لینا ۳۱۵
۹۴۶۷ موہوبہ مکان کو واپس لے کر وقف کرنے کا حکم ۳۱۶
۹۴۶۸ لڑکے کے انتقال کے بعد جائیداد واپس لینا ۳۱۸
۹۴۶۹ اولاد کو ہبہ کر کے واپس لینے کا حکم ۳۲۰
۹۴۷۰ ہدیہ کی واپسی کا مطالبہ کرنا ۳۲۱
۹۴۷۱ باپ کا اولاد کو چھت ہبہ کرنے کے بعد رجوع کرنا ۳۲۲

❑	۵/باب: زندگی میں تقسیم جائیداد	۳۲۵

۹۴۷۲ زندگی میں تقسیم ۳۲۵
۹۴۷۳ زندگی میں تقسیم جائیداد ۳۲۶
۹۴۷۴ زندگی میں جائیداد تقسیم کرنا ۳۲۸
۹۴۷۵ زندگی میں جائیداد کی تقسیم میں لڑکیوں کو لڑکوں کے برابر دینا ۳۳۱
۹۴۷۶ حالت حیات میں جائیداد تقسیم کرنا ۳۳۲
۹۴۷۷ زندگی میں تقسیم جائیداد کا حکم ۳۳۳
۹۴۷۸ زندگی میں جائیداد تقسیم کرنے کا شرعی حکم ۳۳۵
۹۴۷۹ زندگی میں تقسیم جائیداد کی شرعی حیثیت ۳۳۶
۹۴۸۰ زندگی میں تقسیم کی دو صورتوں کا بیان ۳۳۷
۹۴۸۱ زندگی میں جائیداد کس طرح تقسیم کریں؟ ۳۴۰
۹۴۸۲ زندگی میں تقسیم جائیداد کا شرعی طریقہ ۳۴۱
۹۴۸۳ زندگی میں جائیداد تقسیم کرنے کا طریقہ ۳۴۳
۹۴۸۴ ایضاً ۳۴۴

۹۴۸۵ ایضاً ۳۴۵

۹۴۸۶ زندگی میں جائیداد کس طرح تقسیم کریں؟ ۳۴۷

۹۴۸۷ جھگڑے کے خوف سے زندگی میں میراث تقسیم کرنا ۳۴۸

۹۴۸۸ زندگی میں اولاد کے درمیان جائیداد تقسیم کرنے کا طریقہ ۳۴۹

۹۴۸۹ زندگی میں مکان تقسیم کرنا ۳۵۱

۹۴۹۰ زندگی میں ہی والدہ کا مکان تقسیم کرنا ۳۵۲

۹۴۹۱ زندگی میں جائیداد تقسیم کر کے ہبہ کرنا ۳۵۳

۹۴۹۲ زندگی میں اپنی جائیداد متعلقین میں تقسیم کرنا ۳۵۵

۹۴۹۳ زندگی میں اولاد کے درمیان تقسیم ترکہ ۳۵۶

۹۴۹۴ زندگی میں اولاد کے مابین جائیداد کی تقسیم ۳۵۸

۹۴۹۵ زندگی میں اولاد کے درمیان جائیداد کی تقسیم ۳۵۹

۹۴۹۶ زندگی میں اولاد کے مابین ترکہ کی تقسیم ۳۶۱

۹۴۹۷ اولاد کے مابین جائیداد کی تقسیم زندگی میں کرنے کا شرعی حکم ۳۶۲

۹۴۹۸ زندگی میں اولاد کے مابین جائیداد کی تقسیم کا طریقہ ۳۶۳

۹۴۹۹ زندگی میں کاروبار اور مکان تقسیم کرنا ۳۶۵

۹۵۰۰ زندگی میں جائیداد تقسیم کرنے میں والدہ کا اپنے لئے کچھ باقی رکھنا ... ۳۶۶

۹۵۰۱ والدین کا اپنی جائیداد بچوں کے درمیان تقسیم کرنا ۳۶۷

۹۵۰۲ زندگی میں ورثاء کے لئے وصیت اور ان کے درمیان تقسیم کا حکم ۳۶۸

۹۵۰۳ زندگی میں تمام اولاد کے درمیان برابر برابر تقسیم کرنا ۳۷۳

۹۵۰۴ زندگی میں تقسیم کرنے کی صورت میں اولاد کے درمیان برابری ۳۷۵

۹۵۰۵ زندگی میں تقسیم کی صورت میں برابری کا حکم ۳۷۶
۹۵۰۶ زندگی میں تقسیم کرنے میں اولاد کے درمیان مساوات کرنے کا حکم ... ۳۷۸
۹۵۰۷ زندگی میں تقسیم کی صورت میں اولاد کے درمیان مساوات کرنا ۳۸۱
۹۵۰۸ زندگی میں تقسیم کی صورت میں اولاد کے درمیان مساوات کرنے کا حکم ۳۸۲
۹۵۰۹ زندگی میں جائیداد تقسیم کرنے میں برابری کرنے کا حکم ۳۸۴
۹۵۱۰ کیا زندگی میں جائیداد تقسیم کرنے کے لئے مساوات لازم ہے؟ ۳۸۶
۹۵۱۱ زندگی میں تقسیم سے متعلق ایک سوال وجواب ۳۸۷
۹۵۱۲ زندگی میں شرعی ورثاء کے درمیان نقدی رقم تقسیم کرنا.............. ۳۹۲
۹۵۱۳ اولاد کے مابین زندگی میں فروخت شدہ مکان کی قیمت تقسیم کرنا...... ۳۹۳
۹۵۱۴ زندگی میں ہی لڑکے لڑکیوں کا حصہ متعین کرنا ۳۹۴
۹۵۱۵ زندگی میں مکان تقسیم کرنا اور لڑکیوں کا حصہ ۳۹۵
۹۵۱۶ زندگی میں جائیداد تقسیم کرنا اور لڑکیوں کو محروم کرنا ۳۹۶
۹۵۱۷ لڑکی کو مکان مع دوکان دینا اور لڑکوں کو کھیت کی زمین ۳۹۸
۹۵۱۸ زندگی میں بیوی اور لڑکیوں کے درمیان جائیداد کی تقسیم ۴۰۰
۹۵۱۹ زندگی میں بیوی اور اولاد کے درمیان جائیداد کی تقسیم ۴۰۱
۹۵۲۰ زندگی میں اولاد اور بیوی کے درمیان جائیداد کس طرح تقسیم کریں؟ .. ۴۰۳
۹۵۲۱ زندگی میں پوتے، نواسے اور نواسیوں کے درمیان مکان کی تقسیم ۴۰۴
۹۵۲۲ زندگی میں جائیداد تقسیم کرنے کی صورت میں پوتوں کو دے سکتے ہیں یا نہیں؟ ۴۰۵
۹۵۲۳ زندگی میں جائیداد تقسیم کرنے کی صورت میں پوتوں اور نواسوں کو دینا . ۴۰۶
۹۵۲۴ زندگی میں بیٹے پوتے اور بہو کو کچھ دینا ۴۰۷

۹۵۲۵	زندگی میں جائیداد بھانجی بھانجوں کو ہبہ کرنا	۴۰۹
۹۵۲۶	زندگی میں جائیداد کی تقسیم سے متعلق چند سوالات کے جوابات	۴۱۲
○	زندگی میں تقسیم میراث اور ورثاء کے حق میں وصیت کیسے ہو؟	۴۱۵
○	زندگی میں ترکہ تقسیم کرنا	۴۱۵
○	(۱) ہبہ کی شکل: زندگی میں تقسیم کر کے مالک بنا دینا	۴۱۵
○	پہلی بات: یہ حکم مستحب ہے یا واجب؟	۴۱۶
○	دوسری بات: زندگی میں اولاد کو ہبہ کرنے میں مساوات	۴۱۸
○	مذکر ومؤنث کے درمیان مساوات.....................	۴۲۰
○	(۲) وصیت کی شکل: زندگی میں تقسیم کر کے وصیت کر دینا	۴۲۳
○	مسلمان غیر مسلم کا وارث بن سکتا ہے یا نہیں؟	۴۲۶
○	وارث کے لئے دیگر ورثاء کی مرضی سے وصیت	۴۳۰
○	موت کے بعد کی اجازت پر فقہاء کی وضاحت.....................	۴۳۱
○	وارث کے حق میں وصیت کے عدم جواز کی حکمت	۴۳۳
○	بعض نے اجازت دی بعض نے نہیں دی	۴۳۵
○	بیوہ کے لئے شوہر کی وصیت	۴۳۶
○	وارث اور اجنبی کے حق میں ایک ساتھ وصیت	۴۳۸
○	ایک تہائی سے زائد کی وصیت	۴۴۰
○	ضروری وضاحت	۴۴۱
○	مقالہ کا خلاصہ	۴۴۲
□	۶/ باب: اشیائے موہوبہ میں وراثت کا بیان	۴۴۴

۹۵۲۷	موہوبہ مقبوضہ میں وراثت کا شرعی حکم	۴۴۴
۹۵۲۸	شئ موہوبہ میں وراثت کی شرعی حیثیت	۴۴۵
۹۵۲۹	شئ موہوب میں وراثت جاری ہوگی یا نہیں؟	۴۴۷
۹۵۳۰	ہبہ مکمل ہونے کے بعد وہ ترکہ میں شامل نہ ہوگا	۴۴۸
۹۵۳۱	ہبہ تام میں وراثت جاری نہیں ہوتی	۴۴۹
۹۵۳۲	شئ موہوب میں موہوب لہ کے علاوہ کسی کا حصہ نہیں	۴۵۱
۹۵۳۳	شئ موہوب پر قبضہ کے بعد اس میں وراثت جاری نہیں ہوتی	۴۵۲
۹۵۳۴	پوتے کے نام کردہ زمین میں وراثت کا حکم	۴۵۴
۹۵۳۵	بیوی کو ہبہ کئے گئے مکان میں لڑکے کا حصہ مانگنا	۴۵۶
۹۵۳۶	تکمیل ہبہ کے ثبوت سے قبل اپنے حصہ کا مطالبہ کرنا	۴۵۷
۹۵۳۷	ہبہ تام ہونے کے بعد دوسرے لوگوں کا حصہ طلب کرنا	۴۵۸
۹۵۳۸	نابالغ کے ہبہ والی رقم میں تصرف کرنا	۴۵۹
۹۵۳۹	موہوبہ شی میں حق کا دعویٰ کرنا	۴۶۰
۹۵۴۰	شئ موہوبہ کو واہب کے مقصد میں صرف کرنا	۴۶۲

۷/ باب الهبة للصغير ۴۶۳

۹۵۴۱	خدمت گذار لڑکے کو جائیداد زیادہ دینا	۴۶۳
۹۵۴۲	خدمت گذار اولاد کو ہبہ میں زیادہ دینا	۴۶۴
	دارالافتاء نعیمیہ کا جواب	۴۶۵
	دارالافتاء مدرسہ شاہی مرادآباد کا جواب	۴۶۶
۹۵۴۳	خدمت گذار اولاد کو زیادہ حصہ دینا	۴۶۶
۹۵۴۴	نافرمان بیٹے کو جائیداد نہ دے کر فرماں بردار لڑکے کو دینا	۴۶۹

۹۵۴۵ اولاد کی نافرمانی کی وجہ سے بحالت صحت جائیداد بیوی کو ہبہ کرنا ۴۷۰
۹۵۴۶ لڑکا بدکردار ہوتو اپنی جائیداد لڑکی کو ہبہ کرنے کا حکم ۴۷۲
۹۵۴۷ زندگی میں ایک اولاد کو کل جائیداد کا مالک بنا کر بقیہ کو محروم کردینا ۴۷۲
۹۵۴۸ اولاد کے درمیان ہبہ میں تفریق کا حکم ۴۷۴
۹۵۴۹ لڑکے کو الگ کرنے کی صورت میں جائیداد کی تقسیم ۴۷۶
۹۵۵۰ کیا والد کو نافرمان لڑکوں کو محروم کرنے کا حق ہے؟ ۴۷۷
۹۵۵۱ نافرمان اولاد کو محروم کرنے سے والدین گنہگار نہیں ہوں گے ۴۷۹
۹۵۵۲ نافرمان بیٹے کو جائیداد سے محروم کرنا ۴۸۰
۹۵۵۳ نافرمان بیٹے کو جائیداد سے محروم کرنے کا شرعی حکم ۴۸۲
۹۵۵۴ نافرمان لڑکے کو جائیداد سے محروم کرنا ۴۸۴
۹۵۵۵ نافرمان بچوں کو جائیداد سے محروم کرنے کی شرعی حیثیت ۴۸۵
۹۵۵۶ نافرمان اولاد کو زندگی میں تقسیم جائیداد سے محروم کرنا ۴۸۷
۹۵۵۷ نافرمان اولاد کو محروم کرنے کا شرعی حکم ۴۸۸
۹۵۵۸ نافرمان اولاد کو محروم کرنے کی شرعی حیثیت...................... ۴۹۰
۹۵۵۹ زندگی میں تقسیم کرنے پر نافرمان بیٹے کو محروم کرنا ۴۹۲
۹۵۶۰ زندگی میں نافرمان اولاد کو جائیداد سے محروم کرنا..................... ۴۹۴
۹۵۶۱ کلمات کفر بکنے والے کو جائیداد سے محروم کرنا...................... ۴۹۶
۹۵۶۲ زندگی میں تقسیم کرنے کی صورت میں لڑکیوں کو نہ دینا ۴۹۸
۹۵۶۳ باپ کا لڑکیوں کو حصہ نہ دے کر صرف لڑکوں کو دینا.................. ۵۰۰
۹۵۶۴ لڑکیوں کو محروم کرکے تمام جائیداد لڑکوں کے درمیان ہبہ کرنے کا حکم .. ۵۰۱

۹۵۶۵ لڑکیوں کو شادی میں جہیز دینے کی بنا پر جائیداد سے محروم کرنا......... ۵۰۳

❐	۸/ باب هبة المريض	۵۰۶

۹۵۶۶ مرض الموت میں ہبہ کا حکم ۵۰۶
۹۵۶۷ حالت مرض میں وارث کو ہبہ ۵۰۹
۹۵۶۸ چند اولاد کو جائیداد دے کر بقیہ کو محروم کر کے مرض الموت میں ان کے لئے وصیت کرنے کا حکم ۵۱۰

۳۱/ كتاب الإجارة

❐	۱/ باب الإجارة الصحيحة	۵۱۲

۹۵۶۹ اجیر خاص اور اجیر مشترک کا فرق ۵۱۲
۹۵۷۰ سرکاری و پرائیویٹ ملازمین اجیر خاص ہوتے ہیں یا اجیر مشترک ۵۱۳
۹۵۷۱ ٹھیکہ دار اجیر مشترک ہے یا خاص؟........................ ۵۱۴
۹۵۷۲ کیا ملازم پر اوقات کی پابندی لازم ہے؟ ۵۱۵
۹۵۷۳ مالک نماز نہ پڑھنے دے تو کیا حکم ہے؟ ۵۱۷
۹۵۷۴ کیا ملازم دوران ملازمت نوافل ادا کرسکتا ہے؟ ۵۱۸
۹۵۷۵ ملازمت کے وقت میں اپنا کاروبار کرنا ۵۱۹
۹۵۷۶ ملازم غلطی کی معافی منیجر سے مانگے یا مالک سے؟ ۵۲۰
۹۵۷۷ کیا مالک کو یہ حق ہے کہ اپنی زمین جسے چاہے کرایہ پر دیدے؟ ۵۲۲
۹۵۷۸ مالک کو اختیار ہے جس کو چاہے دوکان کرایہ پر دے ۵۲۲
۹۵۷۹ شوہر کے کرایہ کی دوکان میں کس کا حصہ ہے خسر کا یا بیوی کا؟ ۵۲۴

۹۵۸۰ حکومت کی اجازت کے بغیر دوسرے ملک میں تجارت کرنا ۵۲۶
۹۵۸۱ زمین کو بوقت ضرورت واپسی کی شرط پر کرائے پر دینا ۵۲۷
۹۵۸۲ مالک کا پانچ ہزار روپیہ پیشگی یا شٹر لگوانے کی شرط لگانا ۵۲۸
۹۵۸۳ کرایہ پر مکان دے کر ہر سال دس فیصد بڑھانے کی شرط ۵۲۹
۹۵۸۴ کرایہ دار کب بجلی اور پانی کے بل کی ادائے گی کا ذمہ دار ہوگا؟ ۵۳۱
۹۵۸۵ کرایہ دار کا مالک سے مرمت کا خرچ وصول کرنے کا حکم ۵۳۳
۹۵۸۶ مالک مکان کا کرایہ دار کا سامان فروخت کرنا ۵۳۴
۹۵۸۷ آپسی رضامندی کی بنا پر کاروبار کی دو جائز شکلیں ۵۳۶
۹۵۸۸ اجارہ مشترکہ کی صورت میں کچھ ضائع ہو جائے تو ضامن کون ہوگا؟ .. ۵۳۸
۹۵۸۹ کرایہ پر لی ہوئی زمین پر مالک کی اجازت سے عمارت تعمیر کر لی تو
اب کیا کرے؟ ۵۳۹
۹۵۹۰ جس شخص نے تنہا اپنی کمائی سے کاروبار بڑھایا اس میں دوسرے بھائی
کی حصہ داری نہ ہوگی ۵۴۰
۹۵۹۱ بونس کا استعمال کرنا کیسا ہے؟ ۵۴۲
۹۵۹۲ ملازم فسادات کے دوران کی تنخواہ کا مستحق ہے یا نہیں؟ ۵۴۲
۹۵۹۳ کرفیو کے دوران بند مدرسوں اور کارخانوں کے ملازموں کی تنخواہ ۵۴۴
۹۵۹۴ سرکاری ملازمت جائز ہے یا ناجائز؟ ۵۴۵
۹۵۹۵ سرکاری مدرس کا عذر کی بنا پر لڑکے کو نائب بنانا ۵۴۶
۹۵۹۶ ریلوے میں ملازم باپ کی جگہ متبنیٰ کی نوکری کا حکم ۵۴۷
۹۵۹۷ ڈاکخانہ سے روپئے لا کر لوگوں کو دینے کی اجرت لینا ۵۴۸
۹۵۹۸ خلاف شرع کام ہونے والے ہوٹل کی ملازمت کا حکم ۵۴۹
۹۵۹۹ کیمروں کے مرمت کی اجرت کا حکم ۵۵۱

۹۶۰۰ جعلی سرٹیفکٹ کے ذریعہ نوکری کرنا ۵۵۳
۹۶۰۱ جھوٹ اور جعلی سرٹیفکٹ کے ذریعہ نوکری حاصل کرنا ۵۵۵
۹۶۰۲ ٹھیکیدار کے پاس بچے ہوئے پیسے کے استعمال کا حکم ۵۵۶
۹۶۰۳ لڑکیوں کے لئے ہاف آستین اور چست کپڑے سل کر دینا ۵۵۸
۹۶۰۴ عورتوں کے نیم عریاں لباس تیار کرنے والی کمپنی میں کام کرنا ۵۵۹
۹۶۰۵ درزی کے پاس بچے ہوئے کپڑا کا حکم ۵۶۰
۹۶۰۶ تین ماہ بعد رفو گر کا کپڑے کو بیچ کر اپنی اجرت وصول کرنا ۵۶۱
۹۶۰۷ قالین بننے والے کا مقدار معین سے زائد بننے کی اجرت نہ لینا ۵۶۳
۹۶۰۸ مسلمانوں کا کرایہ پر دینے کے لئے ’’شادی ہال‘‘ بنانا ۵۶۴
۹۶۰۹ سودی قرض لے کر کاروبار کرنے کی آمدنی کا حکم ۵۶۵
۹۶۱۰ وکیل کی کمائی کا حکم ۵۶۶
۹۶۱۱ وکیلوں کی کمائی سے انتفاع اور صدقہ وخیرات ۵۶۷
۹۶۱۲ ڈاکٹر اور وکیل کی فیس کا حکم ۵۶۸
۹۶۱۳ بیٹری بھرنے اور کرائے پر دینے کا حکم ۵۶۹
۹۶۱۴ معصیت والے امور میں لاؤڈ اسپیکر کرائے پر دینا ۵۷۰
۹۶۱۵ فلم کی شوٹنگ ہونے والے ہال کی چوکیداری کا حکم ۵۷۲
۹۶۱۶ مورتی اور مزار پر کپڑا چڑھانے کے لئے فروخت کرنا ۵۷۳
۹۶۱۷ مسلم ٹھیکیدار کا مندر تعمیر کرنا ۵۷۵
۹۶۱۸ کمپنی کا تصویر والا لیبل شائع کرنا ۵۷۶
۹۶۱۹ تمباکو گٹکا وغیرہ کی تجارت اور اس کی آمدنی ۵۷۷

۹۶۲۰	غیر مسلم کو فوٹو گرافی کے لئے کرائے پر مکان دینا	۵۷۸
۹۶۲۱	بینک کو مکان کرایہ پر دینا	۵۷۹
۹۶۲۲	بینک کو زمین کرائے پر دینا	۵۸۰
۹۶۲۳	بینک کو دوکان کرائے پر دینا	۵۸۲
۹۶۲۴	بینک کو مکان کرائے پر دینا جائز ہے یا ناجائز؟	۵۸۳
۹۶۲۵	بینک سے کرایہ لے کر اپنی ضروریات میں استعمال کرنا	۵۸۳
۹۶۲۶	بلڈنگ بینک کو کرایہ پر دینا	۵۸۴
۹۶۲۷	پوسٹ بکس رکھوانے کے عوض دوکان ٹیپ ٹاپ کروانا	۵۸۵
۹۶۲۸	اپنی دوکان میں کریڈٹ کارڈ کی مشین رکھنے کا کرایہ وصول کرنا	۵۸۷
۹۶۲۹	ندی فروخت کرنا	۵۸۸
۹۶۳۰	ندی کو چند سالوں کے لئے کرایہ پر لینا	۵۸۹
۹۶۳۱	سمندر کا ایک مخصوص حصہ ٹھیکہ پر لینا	۵۹۲
۹۶۳۲	کافر کو شامیانہ اور کھانے کے برتن کرایہ پر دینا	۵۹۳
۹۶۳۳	زمین کو کرایہ پر دینا	۵۹۴
۹۶۳۴	خالی زمین کرایہ پر لینا	۵۹۶
۹۶۳۵	قرض لے کر زمین کرایہ پر دینا	۵۹۷
۹۶۳۶	باغ کو ٹھیکے پر دینا	۵۹۸
۹۶۳۷	ٹھیکے پر زمین دینا	۵۹۹
۹۶۳۸	درختوں کے ساتھ زمین کرایہ پر دینا	۶۰۱
۹۶۳۹	سالانہ دومن غلہ پر زمین کرایہ پر دینا	۶۰۱
۹۶۴۰	باغات کو فروخت کرنے کی جائز شکل	۶۰۲
۹۶۴۱	کھیت اور باغات کو ٹھیکہ پر دینا اور گروی رکھنا	۶۰۵

۹۶۴۲ عمارت بنانے کے لئے زمین کرایہ پر دینا ۶۰۶
۹۶۴۳ زمین کو کرایہ پر دینے کی چند شکلیں ۶۰۸
۹۶۴۴ ''کوتو'' اور ''ڈیڑھا'' کا حکم ۶۰۹
۹۶۴۵ زمین کو ''کٹ بھرنے'' پر دینا ۶۱۰

❐	۲/ باب الإجارة الفاسدة	۶۱۲

۹۶۴۶ اجارہ میں اجرت کے مجہول ہونے کی شرعی حیثیت ۶۱۲
۹۶۴۷ بلا تعیین اجرت اجیر کی مزدوری کا مسئلہ ۶۱۳
۹۶۴۸ کم کرایہ پر لے کر زیادہ کرایہ پر دینا ۶۱۶
۹۶۴۹ مزدوری متعین کئے بغیر ٹھیکہ پر کام کرنے کی اجرت کا حکم ۶۱۹
۹۶۵۰ مدت متعینہ تک کام مکمل نہ ہونے پر ہر ہفتہ پانچ سو روپے واپسی کی شرط کا حکم .. ۶۲۰
۹۶۵۱ تالاب کو کرائے پر دینا ۶۲۱
۹۶۵۲ گائے کا بچہ ادھیہ پر دینا ۶۲۳
۹۶۵۳ جانور کو ادھیا پر دینا ۶۲۴
۹۶۵۴ ادھیا پر جانور دینے کے ناجائز ہونے کی علت ۶۲۵
۹۶۵۵ ادھیا پر دیئے گئے جانور کے جواز کی شکل ۶۲۷
۹۶۵۶ گابھن کرانے کی اجرت لینا ۶۲۸
۹۶۵۷ گائے، بھینس جفتی کرانے کی اجرت لینا ۶۲۹
۹۶۵۸ کمپنی کا اپنی تجارت کو فروغ دینے کے لئے ممبر در ممبر بنانا ۶۳۰
۹۶۵۹ ''ایم وے'' کمپنی کی اسکیم کا حکم ۶۳۴
۹۶۶۰ ''ہیلو انڈیا'' کا ممبر بننا ۶۳۶

۹۶۶۱ ’’گلیز ٹریڈنگ انڈیا‘‘ کی ممبری کا شرعی حکم ۶۳۹

۳/ باب أجرة الدلال والسمسار ۶۴۲

۹۶۶۲ دلال مستحق اجرت کب ہوتا ہے؟ ۶۴۲
۹۶۶۳ کسی چیز کی دلالی پر اجرت لینے کا شرعی حکم ۶۴۵
۹۶۶۴ کمیشن لینا جائز ہے یا نہیں؟ ۶۴۶
۹۶۶۵ جانبین سے دلالی کی اجرت کا حکم ۶۴۸
۹۶۶۶ کیا دلال بائع و مشتری دونوں سے دلالی وصول کرسکتا ہے؟ ۶۴۹
۹۶۶۷ ’’بروکروی‘‘ سے متعلق چند سوالات وجوابات ۶۵۰
۹۶۶۸ زمین خریدوانے کی دلالی لینا ۶۵۴
۹۶۶۹ زمین کی خرید وفروخت کرانے میں دلالی کی اجرت لینا ۶۵۷
۹۶۷۰ انجینئر کا ٹھیکیدار سے کمیشن لینا ۶۵۹
۹۶۷۱ ٹھیکیدار یا مستری وغیرہ کا کمیشن لینا ۶۶۰
۹۶۷۲ بولی لگانے کے درمیان آڑھت والے کا مبیع میں سے کچھ نکال لینا ... ۶۶۲
۹۶۷۳ ہسپتال کا مریض بھیجنے والے ڈاکٹر کو تحفہ دینا ۶۶۳
۹۶۷۴ آنکھوں کے ڈاکٹروں کا چشموں کی دوکان والوں سے کمیشن لینا ۶۶۴
۹۶۷۵ ڈاکٹر کا خون یا پیشاب جانچ کرانے کے لئے بھیجنے کی اجرت لینے کا حکم ۶۶۵
۹۶۷۶ ڈاکٹر کا الٹرا ساؤنڈ اور ایکسرے والوں سے کمیشن لینا ۶۶۶
۹۶۷۷ ڈاکٹر کے پاس بھیجنے اور دوا فروخت کرنے پر کمیشن لینے کی شرعی حیثیت ۶۶۸
۹۶۷۸ جج کا وکیل کے پاس مقدمہ بھیجنے پر اس سے رقم لینے کا حکم ۶۷۰
۹۶۷۹ اقامہ بنانے کی اجرت لینا ۶۷۲
۹۶۸۰ ہوٹل والوں کا رکشہ یا ٹیکسی ڈرائیور کو کمیشن دینا ۶۷۳

۹۶۸۱	رقم پہنچانے کے فی سیکڑہ پانچ سو روپئے لینا	۶۷۵
۹۶۸۲	گراہک بڑھانے کی اجرت	۶۷۶
۹۶۸۳	کمپنی کا گراہک کو بڑھانے پر اجرت دینے کا حکم	۶۷۷
۹۶۸۴	ممبر سازی پر ملنے والا کمیشن جائز ہے یا ناجائز؟	۶۷۹
۹۶۸۵	کمپنی کا ممبر بنانے پر ملنے والی اجرت کا حکم	۶۸۲
۹۶۸۶	’’انڈیا روز‘‘ کمپنی کا ممبر بننا	۶۸۵
۹۶۸۷	دوسرے شخص کی ممبر سازی کا کمیشن لینا	۶۸۶
۹۶۸۸	ایجنٹ کے ذریعہ سے سرکاری دفاتر کا کام کرانا	۶۸۸
۹۶۸۹	دو فیصد پر پلاٹ بکوانے کے معاملہ کا حکم	۶۹۰
۹۶۹۰	’’تم میرے لئے کوئی زمین تلاش کرلو‘‘ کہنے کا حکم	۶۹۱

۴/ باب في فسخ الإجارة ۶۹۳

۹۶۹۱	بوقت ضرورت مالک کرایہ داری ختم کرسکتا ہے	۶۹۳
۹۶۹۲	کیا مالک کو کرایہ کی دوکان وقت سے پہلے لینے کا حق ہے؟	۶۹۴
۹۶۹۳	کرایہ داری کی مدت ختم ہونے سے قبل مالک کا دوکان خالی کرانا	۶۹۵
۹۶۹۴	اپنی ذاتی دوکان کرایہ دار سے جبراً خالی کرانا	۶۹۶
۹۶۹۵	کرایہ دار پر مدت کرایہ داری پوری ہونے پر دوکان خالی کرنا لازم ہے	۶۹۷
۹۶۹۶	مالک مکان کا بخوشی کرایہ دار کو دوسری جگہ انتظام کرنے کے لئے روپئے دینا	۶۹۹
۹۶۹۷	کرایہ دار کا مکان میں لگایا ہوا پیسہ مکان مالک سے وصول کرنا	۷۰۱
۹۶۹۸	کیا کرایہ دار کے مرنے سے کرایہ داری ختم ہوجاتی ہے؟	۷۰۱
۹۶۹۹	کرایہ دار کا انتقال ہونے کی صورت میں کرایہ داری کا حکم	۷۰۳
۹۷۰۰	کیا کرایہ دار کے مرتے ہی معاملہ اجارہ فسخ ہوجاتا ہے	۷۰۴

۵/ باب الاستئجار علی الطاعات ۷۰۶

۹۷۰۱ اجرت لےکر دینی تعلیم دینااور طلبہ کی غیری حاضری پر مالی جرمانہ وصول کرنا ۷۰۶
۹۷۰۲ امامت کی اجرت طے کرنا ۷۰۷
۹۷۰۳ ائمہ مساجد ومؤذنین کے لئے حکومت سے ملنی والی تنخواہ لینا کیسا ہے؟ . ۷۰۸
۹۷۰۴ آدمی کالڑکیوں کواور خاتون کالڑکوں کوتعلیم دینا ۷۰۹
۹۷۰۵ ٹیوشن کی اجرت کاشرعی حکم ۷۱۰
۹۷۰۶ حرام کاروباری کے بچوں کو ٹیوشن پڑھانااوراس کی اجرت لینا ۷۱۱
۹۷۰۷ قبروں پرقرآن پڑھنے کے عوض جوڑاہدیہ قبول کرنا ۷۱۲
۹۷۰۸ مقرر کاوعظ کے لئے رقم طے کرنا ۷۱۳
۹۷۰۹ مقررین حضرات کاتقریروں پراجرت لینا ۷۱۵
۹۷۱۰ نعت وتقریر،قوالی اورتراویح کی اجرت کاحکم ۷۱۶
۹۷۱۱ فاتحہ خانی،تقریر بموقع عیدمیلادالنبی اور جھاڑ پھونک کی اجرت لینا.... ۷۱۸
۹۷۱۲ قبرکھودنے،کفن کی سلائی،میت کے غسل کی اجرت کاحکم ۷۲۰

۶/ باب الاستئجار علی المعصیة ۷۲۲

۹۷۱۳ شراب،میتہ وغیرہ کوٹرک پرلادنے کی اجرت لینا ۷۲۲
۹۷۱۴ نائی کی کمائی کاحکم ۷۲۳
۹۷۱۵ مورتیوں کی تجارت کاحکم ۷۲۴
۹۷۱۶ لکڑی کے مندر بناکرفروخت کرنا ۷۲۶
۹۷۱۷ خودنہ بناکرغیرمسلم سے تصویروالے آرڈر بنوانے کی اجرت کاحکم ۷۲۷
۹۷۱۸ جاندارکی تصویرکی ڈھلائی کاآرڈرلینا ۷۲۸

۹۷۱۹	تصویریں اور مجسمے بنانا	۷۲۹
۹۷۲۰	فوٹو کھینچنے کی اجرت کا حکم	۷۳۱
۹۷۲۱	فوٹوگرافی اور اس کی اجرت	۷۳۲
۹۷۲۲	’’فوٹوگرافی‘‘ اور ’’ویڈیوسازی‘‘ کا حکم	۷۳۳
۹۷۲۳	فوٹوگرافی اور اس کے رول کا کاروبار کرنا	۷۳۵
۹۷۲۴	’’ڈش انٹینا‘‘ کا کاروبار کرنے کا حکم	۷۳۶
۹۷۲۵	حرام اور جائز پروگرام والے چینل کی آمدنی کا حکم	۷۳۸
۹۷۲۶	’’ٹی وی‘‘ مرمت کرنے کی اجرت	۷۴۰
۹۷۲۷	’’ٹی وی‘‘، ’’وی سی آر‘‘ کی فلمیں بنانا اور اس کی اجرت	۷۴۱
۹۷۲۸	’’ٹی وی‘‘، ’’سی ڈی‘‘ کی مرمت کی اجرت	۷۴۲
۹۷۲۹	ٹی وی، ٹیپ ریکارڈ اور ریڈیو کی مرمت اور اس کی اجرت	۷۴۴
۹۷۳۰	ٹی وی کی مرمت پر اجرت لینا اور اس کے استعمال کا حکم	۷۴۵
۹۷۳۱	مندر کی تعمیر میں مزدوری کرنا	۷۴۶
۹۷۳۲	انشورنس کمپنی یا بینک کی ملازمت	۷۴۷
۹۷۳۳	پتنگ بنانے کی اجرت	۷۴۹
۹۷۳۴	’’ویڈیوگیم‘‘ کرایہ پر چلانا	۷۵۰
۹۷۳۵	چاول میں ملاوٹ کرنے والے مزدوروں کی مزدوری کا حکم	۷۵۱

فہرست عناوین

مسئلہ نمبر	۳۲ کتاب الغصب	صفحہ
۹۷۳۶	کاغذ میں ناحق اندراج کرانے کی شرعی حیثیت	۳۲
۹۷۳۷	بڑے بھائی نے چھوٹے بھائی کے مکان کواپنے نام کرالیا	۳۳
۹۷۳۸	دعاتعویذ کرا کے دو بھائی کی زمین پر قبضہ کرنے کا حکم	۳۴
۹۷۳۹	بھانجے کی جائیداد پر ماموں کا ناحق قبضہ	۳۵
۹۷۴۰	دوسرے کی زمین ہڑپنے کا حکم	۳۷
۹۷۴۱	دوسروں کی زمین پر ناحق قبضہ کا حکم	۳۸
۹۷۴۲	بیوی سے زبردستی اس کا زیور لینا	۳۹
۹۷۴۳	سالے کی چیز اس کی اجازت کے بغیر لینا..............	۳۹
۹۷۴۴	بھائی کی اجازت کے بغیر اس کا حصہ فروخت کرنا.............	۴۰
۹۷۴۵	مشترکہ زمین پر کسی ایک شریک کے تنہا قبضہ کرنے کا حکم	۴۱
۹۷۴۶	کرایہ دار کا مطالبہ کے باوجود دکان خالی نہ کرنا اور نفع کا حکم	۴۳
۹۷۴۷	کرایہ دار کا مکان خالی نہ کرنا ظلم اور گناہ ہے	۴۸
۹۷۴۸	چوری کی بجلی کرایہ پر لینا..................	۴۹
۹۷۴۹	سرکاری زمین میں مکان تعمیر کرنا	۵۰
۹۷۵۰	کسی شخص کی مقبوضہ سرکاری زمین کوخفیہ طور پر اپنے نام کرانے کا حکم	۵۲
۹۷۵۱	سرکار کی طرف سے بھائی کودی گئی زمین پر بہن کا قبضہ	۵۳
۹۷۵۲	جنگلات کی لکڑیاں سرکاری اجازت کے بغیر استعمال کرنا	۵۴
۹۷۵۳	انجانے میں دوسرے کی زمین میں لگائے گئے درخت کا حکم	۵۵
۹۷۵۴	غاصب کے مال سے اپنے حصہ کی مقدار وصول کرنا	۵۶

۹۷۵۵	دوسرے کی زمین پر مکان تعمیر کرلیا تو اب کیا کرے؟	۵۷
۹۷۵۶	ایک شخص نے دوسرے کی زمین زبردستی جوت لی تو کیا کرے؟	۵۸
۹۷۵۷	دوسرے کی مملوکہ زمین پر عرس کے لیے مزار تعمیر کرنا	۶۰
۹۷۵۸	غیر کی آراضی میں اس کی اجازت کے بغیر قبریں بنانا اور مردے دفن کرنا	۶۱
۹۷۵۹	تعزیہ رکھنے کے لیے کسی کا گھر چھیننا	۶۲
۹۷۶۰	ناجائز طریقہ سے حاصل شدہ زمین سے انتفاع اور صدقہ وخیرات کرنا	۶۳

۳۳ کتاب الرھن ۶۵

۹۷۶۱	زمین کو رہن پر رکھنا	۶۵
۹۷۶۲	والد کے رہن میں رکھے ہوئے مکان کو لڑکا چھڑالے تو کیا حکم ہے؟	۶۶
۹۷۶۳	رہن بالدرک باطل کیوں؟ جبکہ کفالت بالدرک باطل نہیں؟	۶۷
۹۷۶۴	شئ مرہون کے چھڑانے میں لگی رقم سے زائد رقم وصول کرنا	۶۹
۹۷۶۵	شئ مرہونہ کے حفاظت کی اجرت	۷۰
۹۷۶۶	مرتہن کے پاس شئ مرہون ضائع ہو جائے تو کیا حکم ہے؟	۷۱
	دارالعلوم دیوبند کا جواب	۷۱
۹۷۶۷	جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد کا جواب	۷۲
۹۷۶۸	شئ مرہون کی ہلاکت کے ضمان میں کس وقت کی قیمت کا اعتبار ہوگا؟	۷۴
۹۷۶۹	مرتہن مرہونہ سونے کو فروخت کردے تو کس قیمت سے واپس کریگا	۷۷
۹۷۷۰	گروی رکھی زمین سے نفع اٹھانا	۷۹
۹۷۷۱	ارض مرہونہ سے فائدہ اٹھانے کی شرط	۸۰
۹۷۷۲	مرہون زمین میں راہن ومرتہن کا غلہ پیدا کرنا	۸۱
۹۷۷۳	مرتہن کا شئ مرہون سے فائدہ اٹھانا	۸۲
۹۷۷۴	مسلم فنڈ کا تین مہینے زیور رکھنے کے عوض رقم وصول کرنا	۸۳

۹۷۷۵	ارض مرہونہ سے استفادہ کی متبادل شکل	۸۴
۹۷۷۶	زمین سے فائدہ اٹھانے کی شرط پر قرض لینا	۸۵
۹۷۷۷	ارض مرہونہ سے فائدہ اٹھانا	۸۶
۹۷۷۸	ارض مرہونہ سے فائدہ اٹھانے کا حیلہ	۸۷
۹۷۷۹	ارض مرہونہ سے فائدہ اٹھانے کی شکل	۸۹
۹۷۸۰	شئ مرہون سے نفع اٹھانے کا عدم جواز	۹۰
۹۷۸۱]	گروی رکھے ہوئے مکان کو چھڑانے کے بعد کون مالک ہوگا؟	۹۱

	٣٤ كتاب الصيد	۹۳

۹۷۸۲	شکار کا مسنون طریقہ	۹۳
۹۷۸۳	بندوق کے شکار کا شرعی حکم	۹۴
۹۷۸۴	چھری پھینکنے سے ٹڈی کی حلت اور نیچے پھینکنے سے مچھلی کی حلت کا حکم	۹۵
۹۷۸۵	غیر مسلم کے گولی مارنے کے بعد مسلم کا شرعی طریقہ سے ذبح کرنا ..	۹۶
۹۷۸۶	دوا کے ذریعہ مچھلی پکڑنا یا کچی مچھلی کھانا کیسا ہے؟	۹۷
۹۷۸۷	چھینگر، چھوٹی مچھلی وغیرہ لگا کر بڑی مچھلی کا شکار کرنا........................	۹۸
۹۷۸۸	جالی پھندا لگا کر جانور اور گھیسا سے مچھلی کے شکار کا حکم	۹۹
۹۷۸۹	زندہ جانور کو کانٹے میں پھنسا کر مچھلی کا شکار کرنا........................	۱۰۰
۹۷۹۰	سیلاب سے آئی ہوئی مچھلیوں کو پکڑنا........................	۱۰۱
۹۷۹۱	زندہ مینڈک، چوہیہ، کانٹے میں پھنسا کر مچھلی کا شکار کرنا	۱۰۲
۹۷۹۲	نیل گائے کا شکار کرتے وقت دماغ پھاڑ ڈالنا	۱۰۳
۹۷۹۳	گھر کی حفاظت کے لیے کتا پالنا	۱۰۴
۹۷۹۴	جانی مالی حفاظت کی غرض سے کتا پالنا	۱۰۵
۹۷۹۵	شکاری کتے کا ہرن کو مار ڈالنا	۱۰۶

۹۷۹۶ مسلمان کے لیے خنزیر کے شکار کی صورت میں قیمت لینے کا حکم ۱۰۷
۹۷۹۷ ایذا پہنچانے والی چیونٹیوں کو مارنا ۱۰۹
۹۷۹۸ شوقیہ کتا پالنا کیسا ہے؟ ۱۱۰

۳۵ كتاب الذبائح

(۱) باب شرائط الذبح و سننه و آدابه ۱۱۲

۹۷۹۹ ذبح کرنے کا مسنون طریقہ ۱۱۲
۹۸۰۰ بسم اللہ پڑھ کر ذبح کرنا ۱۱۳
۹۸۰۱ کیا بوقت ذبح بسم اللہ واللہ اکبر کہنا مکروہ ہے؟ ۱۱۴
۹۸۰۲ بسم اللہ کے علاوہ اللہ کے اسماء حسنیٰ اور حمد وثنا کے ذریعہ ذبح کرنا.... ۱۱۶
۹۸۰۳ قربانی اور عقیقہ کے مشترک جانور میں دعاؤں کی ترتیب کیا ہو؟ ۱۱۶
۹۸۰۴ بڑے جانور کو بیٹھے بیٹھے ہی قربان کر دینے کا حکم ۱۱۷
۹۸۰۵ قربانی کے جانور کی تین ٹانگیں باندھ کر گرانا ۱۱۸
۹۸۰۶ اونٹ کو لٹا کر ذبح کرنے کے بجائے نحر کرنا ۱۱۹
۹۸۰۷ اونٹ کی گردن تین جگہ سے کاٹنا ممنوع ۱۲۰
۹۸۰۸ ذبح میں کتنی نسوں کا کٹ جانا لازم ہے؟ ۱۲۱
۹۸۰۹ دو آدمیوں نے ذبح کیا تین نسوں میں سے ایک یا دو بغیر بسم اللہ کے کاٹیں . ۱۲۲
۹۸۱۰ حلقوم اور مری کٹ جانا اور دونوں شہ رگوں میں سے اکثر کا کٹ جانا لازم.... ۱۲۴
۹۸۱۱ گردن کے اوپر سے مذبوحہ جانور کا شرعی حکم ۱۲۴
۹۸۱۲ بوقت ذبح غیر مسلم کا جانوروں کو پکڑنا ۱۲۵
۹۸۱۳ میتہ کس کو کہتے ہیں؟ ۱۲۶
۹۸۱۴ ٹڈی اور مچھلی بغیر ذبح کے حلال ہیں یا حرام؟ ۱۲۶
۹۸۱۴ مذبوحہ جانور کو الٹا لٹکانا ۱۲۷

۹۸۱۶ مذبوحہ جانور کو ٹھنڈا ہونے تک چھوڑے رکھنا ۱۲۸
۹۸۱۷ گابھن گائے ذبح کرنا ۱۲۹
۹۸۱۸ ذبح شدہ گائے کے پیٹ سے بچہ نکلے تو کیا کریں؟ ۱۳۰
۹۸۱۹ مسلم شرابی کا ذبیحہ حلال ہے یا نہیں؟ ۱۳۰
۹۸۲۰ شیعوں کے ہاتھ کا ذبیحہ حلال ہے یا حرام؟ ۱۳۱
۹۸۲۱ بیمار گائے کا گوشت کھانا ۱۳۲
۹۸۲۲ مرغی کو بلی کے منھ سے چھڑا کر فوراً ذبح کرنا ۱۳۳
۹۸۲۳ کنویں میں افتادہ بھینس کا ذبح ۱۳۴
۹۸۲۴ مرغ کے پر چھڑانے کے لیے گرم پانی میں ڈالنا ۱۳۵
۹۸۲۵ بجلی کرنٹ کا شاٹ لگا کر ذبح کرنا ۱۳۵
۹۸۲۶ مشینی ذبح ۱۳۷
۹۸۲۷ چار پانچ مرغیوں پر ایک ساتھ صرف ایک مرتبہ چھری پھیرنا ۱۳۸
مشینی ذبح کا شرعی حکم ۱۳۹
ذبح کی حقیقت ۱۴۰
ذبح کے اقسام وشرائط ۱۴۰
(۱) ذبح اختیاری ۱۴۰
اختیاری ذبح کے شرائط ۱۴۱
(۲) ذبح اضطراری ۱۴۳
ذبح اضطراری کے اقسام ۱۴۳
مشینی ذبیحہ ۱۴۵
مسائل ذبح اور شرعی اصول ۱۴۸
درمیان میں شئ بے اختیاری کا واسطہ ۱۴۹
قانونی مجبوری ۱۵۰

مشین سے صرف مرغ ذبح ہوتا ہے ۱۵۰
حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب دامت برکاتہم کا فتویٰ ۱۵۱
حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب کا رجوع ۱۵۲

	(۲) باب ما أهل لغير الله	۱۵۴

۹۸۲۸ سائبہ کا گوشت مسلمانوں کے لیے کب حلال ہے؟ ۱۵۴
۹۸۲۹ مندروں اور مزاروں پر چھوڑے جانے والے جانوروں کا حکم ۱۵۵
۹۸۳۰ بزرگوں کے نام پر چھوڑے ہوئے بکرے کو ذبح کرنا ۱۵۶
۹۸۳۱ مہمان نوازی کے طور پر جانور ذبح کرنا.................... ۱۵۷
۹۸۳۲ صدقہ کی بکری میں کفار کا طریقہ اختیار کرنے کا حکم ۱۵۸
۹۸۳۳ کاروبار میں برکت کے لیے بکرا ذبح کرنا....................... ۱۵۹
۹۸۳۴ بیماری کے لیے بکرا ذبح کرنا.............................. ۱۶۰
۹۸۳۵ بیماری کا بکرا ۱۶۱
۹۸۳۶ مکان کی تعمیر پر بکرا ذبح کرنا ۱۶۳
۹۸۳۷ پیر یا دیوتا کے نام پر نیاز دیئے گئے جانور کا گوشت کھانا.......... ۱۶۴
۹۸۳۸ غیر اللہ کے نام پر ذبح شدہ مذبوحہ کا کھانا ۱۶۴
۹۸۳۹ اللہ کے نام پر منت یا صدقہ کا جانور ذبح کرنا ۱۶۵

	۳۶ كتاب الاضحية	
	(۱) باب : قربانی کے مسنون اعمال	۱۶۷

۹۸۴۰ قربانی کرنے والے کا بال وناخن وغیرہ نہ کٹوانا فقیر کے لیے یہ حکم نہ ہونا ... ۱۶۷
۹۸۴۱ قربانی کے دن کس کی قربانی سے گوشت کھانا افضل؟.............. ۱۶۸
۹۸۴۲ کیا عورت کا بھی اپنے ہاتھ سے قربانی کرنا افضل ہے؟ ۱۶۹

۹۸۴۳ قربانی کرنے والے کے ہر بال یا قربانی کے جانور کے ہر بال کے برابر ثواب ملے گا؟ ۱۷۰

	(۲) باب في أيام الأضحية و وقتها و قضائها	۱۷۱

۹۸۴۴ قربانی کے ایام تین ہیں یا چار؟ ۱۷۱
۹۸۴۵ قربانی تین ہی دن کیوں کی جاتی ہے؟ ۱۷۲
۹۸۴۶ یوم النحر وایام التشریق کی وضاحت ۱۷۲
۹۸۴۷ کیا دسویں ذی الحجہ سے قبل قربانی ہوسکتی ہے؟ ۱۷۳
۹۸۴۸ دس ذی الحجہ کی مغرب کے بعد قربانی کرنا ۱۷۴
۹۸۴۹ پہلے دن کسی عذر کی بنا پر نماز عید الاضحیٰ نہ پڑھی گئی ہو تو قربانی کب کریں؟ ... ۱۷۶
۹۸۵۰ قربانی کرنے کا وقت ۱۷۷
۹۸۵۱ نماز عید سے پہلے قربانی کرنے کا حکم ۱۷۸
۹۸۵۲ نمازِ عید سے قبل قربانی کرنے سے وجوب ساقط نہیں ہوگا ۱۷۹
۹۸۵۳ نماز عید سے قبل قربانی اور اس کی قضا کا طریقہ ۱۸۰
۹۸۵۴ پندرہ سو کی آبادی والے گاؤں میں نمازِ عید سے قبل قربانی کرنے کا حکم ۱۸۱
۹۸۵۵ قصبہ کے باشندوں کا نماز عید سے پہلے گاؤں کے قریب جا کر قربانی کرنے کا حکم ۱۸۲
۹۸۵۶ قصبات میں نمازِ عید سے قبل قربانی ۱۸۳
۹۸۵۷ بڑے گاؤں میں نماز عید سے پہلے قربانی کرنے کا حکم ۱۸۴
۹۸۵۸ ہندوستان میں رہنے والے کا سعودیہ میں قربانی کرانا ۱۸۶
۹۸۵۹ سعودیہ میں رہنے والے کی قربانی ہندوستان میں ۹؍ ذی الحجہ کو کرنا ۱۸۷
۹۸۶۰ سعودیہ کی دس ذی الحجہ کو ہندوستان میں رہنے والے کی قربانی درست نہیں ۱۸۹
۹۸۶۱ سعودیہ کے رہنے والے کی قربانی ہندوستان میں ۱۲؍ ذی الحجہ کو..... ۱۹۰
۹۸۶۲ قربانی میں مقام ذبح کا اعتبار ہے یا مقام مالک کا؟ ۱۹۲

۹۸۶۳	قربانی کرنے میں مکان اضحیہ کا اعتبار ہے یا مکان مضحی کا؟	۱۹۵
۹۸۶۴	قربانی میں کس جگہ کا اعتبار ہے مقام ذبح یا مقام مالک؟	۱۹۹
۹۸۶۵	مقام مرسل اور مقام اضحیہ دونوں جگہ سبب وجوب ضروری ہے	۲۰۱
۹۸۶۶	”قربانی میں مقام ذبح کا اعتبار ہے یا مقام مالک کا“ سے متعلق چند فتاوی...	۲۰۳
	دار العلوم دیوبند کا جواب	۲۰۴
	دار الافتاء مدرسہ شاہی مراد آباد کا جواب	۲۰۵
۹۸۶۷	قربانی میں مکانِ ذبح کا اعتبار ہے یا مکان مالک کا؟ مفصل فتویٰ ..	۲۰۸
۹۸۶۸	دار العلوم کراچی پاکستان کا فتویٰ	۲۰۹
	فتویٰ منجانب دار الافتاء جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد	۲۱۳
	فتویٰ منجانب دار الافتاء جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد	۲۱۷
۹۸۶۹	قربانی میں کس جگہ کا اعتبار ہے؟	۲۱۷
	دار العلوم دیوبند کا فتویٰ	۲۱۸
	فتویٰ مدرسہ شاہی	۲۱۹
۹۸۷۰	کیا تاریخ کے اختلاف کے باوجود وکیل قربانی کرسکتا ہے؟	۲۲۱
	قربانی کا سبب نفس وجوب وقت ہے یا نصاب؟	۲۲۲
	ذبح کے قربت بننے اور قربت باقی رہنے اور درست ہونے میں کس کے مقام کا اعتبار ہے؟	۲۲۴
	ایک غلط فہمی کا ازالہ	۲۲۶
	شہری اور دیہاتی کے حق میں قربانی کا وقتِ ادا کب شروع ہوتا ہے؟ ...	۲۲۷
	اور شہر اور دیہات میں قربانی کا وقتِ ادا کب شروع ہوتا ہے؟	۲۲۷
	قربانی کے وقت ادا شروع وختم ہونے میں کس کے مقام کا اعتبار ہے؟	۲۲۸
	مضبوط دلیل کا جائزہ	۲۲۹

	لمحۂ فکریہ	۲۳۳
	ایک اور غلط فہمی یا مغالطہ	۲۳۳
	قربانی کا جواز مفاسد پر مشتمل ہے	۲۳۴
	دفع شبہات	۲۳۵
	عدم قائل بالفصل	۲۳۷
	خلاصہ بحث	۲۳۷
	تصدیق: مفتی حبیب الرحمٰن خیر آبادی مفتی دار العلوم دیو بند	۲۳۸
	دار الافتاء مدرسہ شاہی مراد آباد کا جواب	۲۴۰
۹۸۷۱	جس کی طرف سے قربانی کی جائے اس کا نام لینا ضروری نہیں	۲۴۲
۹۸۷۲	قربانی کی قضا میں بڑے جانور کا حصہ صدقہ کرنے کا حکم	۲۴۳
۹۸۷۳	کتابچہ ''مسائل قربانی'' کے ایک مغالطہ کا حل	۲۴۴
۹۸۷۴	قصاب کے گھر جانور مرنے سے قربانی ادا نہ ہوگی	۲۴۵
۹۸۸۵	وکیل قربانی کرنا بھول گیا	۲۴۶
۹۸۷۶	غفلت کی بناء پر قربانی نہیں کی تو کیا حکم ہے؟	۲۴۸
۹۸۷۷	قربانی وعقیقہ کا جانور اگر ضائع ہو جائے تو کیا حکم ہے؟	۲۴۸
۹۸۷۸	ایام اضحیہ کے بعد گم شدہ جانور مل جانے پر اسی کا تصدق لازم	۲۴۹
۹۸۷۹	جانور گم ہو جانے پر دوسرے کی قربانی کردی پھر گم شدہ مل گیا تو کیا کرے؟ ..	۲۵۰
۹۸۸۰	تیسرے دن قربانی نہ کرسکا تو قیمت کا تصدق لازم	۲۵۲
۹۸۸۱	بعد تصدق گم شدہ جانور ایام قربانی کے بعد مل گیا	۲۵۳
۹۸۸۲	بڑے جانور کے حصہ کے ذریعہ قربانی کی قضاء کرنے کا حکم	۲۵۴
۹۸۸۳	ایام قربانی گذر جانیکے بعد بڑے جانور کے ساتویں حصہ کی قیمت کا صدقہ ...	۲۵۵
۹۸۸۴	قربانی کے حصہ کی قیمت مدرسہ میں دینا	۲۵۶

	(۳) باب من يجب عليه الأضحية ومن لا يجب	۲۵۷

۹۸۸۵ قربانی کس پر واجب ہے؟ ۲۵۷
۹۸۸۶ قربانی واجب نہ ہونے کے باوجو قربانی کرنے کا حکم ۲۵۸
۹۸۸۷ قربانی کے وجوب کی شرط ۲۵۸
۹۸۸۸ صاحب نصاب پر ہر سال قربانی کا لزوم اور سات کی تحدید کا حکم ... ۲۵۹
۹۸۸۹ جائیداد کی پیداوار بقدر نصاب ہو تو قربانی واجب ہے یا نہیں؟ ۲۶۰
۹۸۹۰ کیا چھ ہزار کی مالیت رکھنے والے شخص پر قربانی واجب ہے؟ ۲۶۱
۹۸۹۱ بے نمازی کی قربانی کا حکم ۲۶۲
۹۸۹۲ داڑھی کٹانے والے کی قربانی صحیح ہے یا نہیں؟ ۲۶۳
۹۸۹۳ غریب پر کس جانور کی قربانی لازم ہے؟ ۲۶۴
۹۸۹۴ کیا آٹو رکشہ کرایہ پر لگانے والے پر قربانی واجب ہے؟ ۲۶۵
۹۸۹۵ ذمہ دارانِ مدرسہ کا مدرسہ سے قرض لے کر قربانی کرنا ۲۶۶
۹۸۹۶ جس کا عقیقہ نہ ہوا ہو اس کی طرف سے قربانی کرنا ۲۶۷
۹۸۹۷ جس نے عقیقہ نہ کیا ہو، کیا وہ قربانی میں حصہ لے سکتا ہے؟ ۲۶۸
۹۸۹۸ قربانی میں دی ہوئی رقم بچ جائے یا گھٹ جائے تو کیا کریں؟ ۲۶۸
۹۸۹۹ صاحب نصاب اپنی طرف سے قربانی کرے یا والدین کی طرف سے؟ ... ۲۷۰
۹۹۰۰ شوہر کے صاحب نصاب ہونے کی وجہ سے بیوی پر قربانی وغیرہ کا حکم ۲۷۱
۹۹۰۱ شوہر کا اپنی طرف سے قربانی نہ کر کے بیوی کی طرف سے کرنے حکم ۲۷۲
۹۹۰۲ صاحب نصاب کا اپنی طرف سے قربانی نہ کر کے میت کی طرف
سے قربانی کرنا ۲۷۳
۹۹۰۳ مرحوم والد کی طرف سے کی گئی قربانی سے واجبی قربانی ساقط ۲۷۴
۹۹۰۴ دوسرے کی طرف سے قربانی کرنے سے اپنا واجب ساقط نہ ہوگا... ۲۷۶

۹۹۰۵	کیا صاحب نصاب پر ہر سال قربانی واجب ہے؟	۲۷۶
۹۹۰۶	جس پر قربانی واجب ہے اس کا دوسرے کی طرف سے قربانی کرنا ..	۲۷۷
۹۹۰۷	غریب کے قربانی کی نیت سے خریدے ہوئے جانور کا حکم	۲۷۸
۹۹۰۸	فقیر کا پورے جانور کی قربانی کی نیت کرنا	۲۷۹
۹۹۰۹	میت کی طرف سے واجبی قربانی کرنے میں کسی اور کو شریک کرنے کا حکم ...	۲۸۰
۹۹۱۰	بالغ اولاد کی طرف سے قربانی کرنا	۲۸۱
۹۹۱۱	کیا مالدار کی غریب لڑکی پر قربانی واجب ہے؟	۲۸۲
۹۹۱۲	شوہر کے صاحب نصاب ہونے کی وجہ سے بیوی پر قربانی کے وجوب کا حکم ..	۲۸۲
۹۹۱۳	مشترکہ خاندان کے بالغ غیر مستطیع کی قربانی کس پر واجب؟	۲۸۳
۹۹۱۴	باپ بیٹے کا مال مشترک ہو تو قربانی کس پر؟...................	۲۸۴
۹۹۱۵	بیٹے باپ کے ساتھ کاروبار میں شریک ہوں تو بیٹوں پر قربانی واجب ہے یا نہیں؟.....................................	۲۸۵
۹۹۱۶	صاحب نصاب پر قربانی نہ کرنے کی وجہ سے کیا واجب ہے؟	۲۸۶
۹۹۱۷	غیر موجود شخص کی طرف سے قربانی کرنا..........................	۲۸۷
۹۹۱۸	غلطی سے زید نے بکر کا جانور قربانی میں ذبح کر دیا	۲۸۷
۹۹۱۹	ناقص مکان اور وطن کا مکان حاجت اصلیہ میں داخل ہے یا نہیں؟ ...	۲۸۹
	ایک ضروری وضاحت	۲۹۰
	پہلا مسئلہ..	۲۹۱
	دوسرا مسئلہ	۲۹۴
	ذاتی مکان کا ہونا انسان کی بنیادی ضرورت ہے	۲۹۶
	کیا کرایہ کے مکان سے سکونت کی ضرورت پوری ہو جاتی ہے؟....	۲۹۹
	ایک شبہ کا ازالہ..	۳۰۲
	خلاصہ بحث..	۳۰۴
	تنبیہ	۳۰۴

۹۹۲۰ صاحب نصاب ہونے کے لیے کیا کاشت کی زمین کا اعتبار ہے؟ .. ۳۰۷

	(۴) باب التضحية عن الغير	۳۰۹

۹۹۲۱ زندہ اور مردہ دونوں کی طرف سے قربانی کا جواز ۳۰۹

۹۹۲۲ "وقد صح أن رسول الله ﷺ ضحى بكبشين أحدهما عن نفسه" حدیث کا مطلب ۳۱۰

۹۹۲۳ حضور پاک ﷺ کی طرف سے قربانی........ ۳۱۱

۹۹۲۴ مردے کی طرف سے قربانی کرنا ۳۱۲

۹۹۲۵ میت کی طرف سے قربانی کا حکم ۳۱۲

۹۹۲۶ ایک حصہ چار مرحومین اور امت محمدیہ کی طرف سے کرنا........ ۳۱۴

۹۹۲۷ ایک حصہ قربانی متعدد اموات کی طرف سے کرنا ۳۱۵

۹۹۲۸ نفلی قربانی کر کے سب کو ثواب پہنچانا ۳۱۶

۹۹۲۹ بڑے جانور میں تین لوگوں کا مل کر ایک حصہ میت کی طرف سے قربانی کرنیکا حکم ۳۱۷

۹۹۳۰ چند آدمیوں کا ایک دنبہ حضور ﷺ کی طرف سے قربانی کرنا........ ۳۱۸

۹۹۳۱ ایک قربانی پوری امت محمدیہ کی طرف سے کرنے کا حکم........ ۳۱۸

	(۵) باب الشركة في الأضحية	۳۲۱

۹۹۳۲ اجتماعی قربانی........ ۳۲۱

۹۹۳۳ اجتماعی قربانی میں نیت کا حکم........ ۳۲۲

۹۹۳۴ بڑے جانور میں عین قربانی کے وقت شریک ہونا........ ۳۲۳

۹۹۳۵ دو، تین یا چار افراد ایک بڑے جانور میں برابر شریک ہو سکتے ہیں؟ .. ۳۲۳

۹۹۳۶ بڑے جانور میں صرف پانچ یا دو آدمیوں کا قربانی کرنا........ ۳۲۴

۹۹۳۷	ایک جانور کے چھ شرکاء کا ساتویں حصہ میں برابر کا شریک ہونا؟ ...	۳۲۵
۹۹۳۸	قربانی کے جانور میں آٹھ لوگوں کا شرکت کرنا	۳۲۷
۹۹۳۹	سات سو افراد کی طرف سے لاعلی التعیین سو بڑے جانور کی قربانی ..	۳۲۸
۹۹۴۰	پانچ بڑے جانوروں میں ۳۵ر لوگوں کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے قربانی کرنے کا حکم	۳۲۹
۹۹۴۱	سو آدمیوں کی طرف سے لاعلی التعیین سو بکرے قربان کردینا	۳۳۱
۹۹۴۲	نائی کی شرکت کے ساتھ دوسرے شرکاء کی قربانی بلاکراہت درست ...	۳۳۲
۹۹۴۳	سات شرکاء میں سے ایک کا پیسہ سود یا صدقہ کا ہے	۳۳۳
۹۹۴۴	بینک کے ملازم کو قربانی میں شریک کرنے کا حکم	۳۳۴
۹۹۴۵	مالداروں کے ساتھ فقیروں کی قربانی	۳۳٦
۹۹۴٦	سات شرکاء میں سے کسی کی نیت گوشت خوری کی ہو تو کیا حکم ہے؟ .	۳۳۷
۹۹۴۷	گوشت خوری کی نیت تھی مگر ذبح سے قبل قربانی کی نیت کرلی	۳۳۸
۹۹۴۸	مختلف جہات کی نیت ایک جانور میں کرنے کا حکم	۳۳۹
۹۹۴۹	بڑے جانور کی قربانی میں مختلف جہات کا حکم	۳۴۰
۹۹۵۰	ایک شخص نے بڑے جانور میں واجب، نفلی قربانی، عقیقہ کی نیت کی ہو تو؟ ...	۳۴۱
۹۹۵۱	شخص واحد کا بڑے جانور میں جہات متعددہ کی نیت کرنا	۳۴۲
۹۹۵۲	بڑے جانور میں شخص واحد کی طرف سے متعدد جہات قربت کی نیت	۳۴۴
۹۹۵۳	بڑے جانور میں ایک نے واجب، دو نے نذر، ایک نے مرحوم اور ایک نے نفلی قربانی کی نیت کی تو؟	۳۴۹
۹۹۵۴	واجب قربانی میں نفلی قربانی کی نیت کرنا	۳۵۰
۹۹۵۵	بڑے جانور میں قربانی کرنے والوں کے ساتھ عقیقہ کرنے والے کی شرکت کا حکم	۳۵۱

۹۹۵٦	قربانی کے جانور میں عقیقہ کا حصہ لینا...................	۳۵۲
۹۹۵۷	قربانی کے جانور میں عقیقہ کرنے کا حکم	۳۵۳
۹۹۵۸	قربانی کے جانور میں عقیقہ کا حصہ لینا...................	۳۵۴
۹۹۵۹	قربانی کے جانور میں ولیمہ کا حصہ لینا	۳۵۵
۹۹٦۰	ایک بڑے جانور میں قربانی ،صدقہ ،نذر وغیرہ کی نیت کرنا	۳۵٦
۹۹٦۱	غریب شریک کا درمیان سے نکل جانے کا حکم	۳۵۷
۹۹٦۲	فقیر نے قربانی کا بکرا خریدنے کے بعد فروخت کردیا اور بڑے جانور میں حصہ لے لیا...................	۳۵۸
۹۹٦۳	سات شرکاء میں سے دو فقیر ہیں اور جانور گم ہو کر ملا ہی نہیں تو کیا کریں؟ ...	۳۵۹
۹۹٦۴	بڑے جانور میں غیر مسلم کی شرکت	۳٦۰
۹۹٦۵	مابقیہ رقم غرباء کو دینے کا وکیل بنانا	۳٦۱

۳٦۳	(٦) باب: قربانی کے جانور اور ان کی عمروں کا بیان	

۹۹٦٦	بھینس کی قربانی جائز ہے یا نہیں؟...................	۳٦۳
۹۹٦۷	گائے کی قربانی کا شرعی حکم	۳٦۴
۹۹٦۸	خصی کی قربانی...................	۳٦۵
۹۹٦۹	خصی بکرے کی قربانی	۳٦٦
۹۹۷۰	ایک بکرا ایک فرد کی طرف سے اور گائے بھینس،اونٹ سات کی طرف سے .	۳٦۷
۹۹۷۱	ایک بڑے جانور کو ایک آدمی تنہا اپنی طرف سے قربان کردے تو؟..	۳٦۸
۹۹۷۲	بڑے جانور میں سات،اور چھوٹے میں ایک کا حکم زندہ اور مردہ دونوں کیلئے ...	۳٦۹
۹۹۷۳	۷/۸/ ماہ کے فربہ بکرے کی قربانی درست ہے یا نہیں؟..........	
۹۹۷۴	کیا تیرہویں ذی الحجہ کو پیدا ہونے والے بکرے کی آئندہ سال قربانی درست ہے؟...................	۳۷۱

۹۹۷۵ بغیر دانتے ایک سالہ بکرے کی قربانی ۳۷۲
۹۹۷۶ کیا ایک موٹھ سے بڑی سینگ کا جانور دوسال کا ہے؟ ۳۷۳
۹۹۷۷ بڑے جانور کی عمر کتنی ہو؟ ۳۷۳
۹۹۷۸ بڑے جانور کی عمر دوسال ہونا ضروری ہے یا چار دانت ۳۷۴
۹۹۷۹ اُونا جانور کی قربانی ۳۷۶
۹۹۸۰ فقیر نے بنیت قربانی ایک سال سے کم عمر کا بکرا خرید لیا ۳۷۷
۹۹۸۱ قربانی کی نیت سے پالے گئے جانور کی ہی قربانی واجب ہے یا دوسرے کی بھی؟ ۳۷۸
۹۹۸۲ قربانی کی نیت سے پالے ہوئے جانور کی قربانی کا حکم ۳۷۹
۹۹۸۳ کیا بنیت قربانی خریدنے سے جانور متعین ہو جاتا ہے؟ ۳۸۰
۹۹۸۴ متعینہ جانور دوسرے کے نام سے ذبح کرنا ۳۸۱
۹۹۸۵ دودھ دوہنے اور قربانی کی نیت سے خریدے گئے جانور کا حکم ۳۸۲
۹۹۸۶ قربانی کی نیت سے خریدے گئے بکرے کو عقیقہ کے لیے رکھنے کا حکم .. ۳۸۴
۹۹۸۷ فقیر کا ایامِ نحر سے قبل خرید کردہ جانور کو بدلنا ۳۸۴
۹۹۸۸ ایام نحر میں فقیر کا خریدے ہوئے جانور کو بدلنا ۳۸۸
۹۹۸۹ قربانی کے ارادے سے خریدے گئے جانور کی جگہ دوسرے جانور کی قربانی کرنا ۳۸۹
۹۹۹۰ عیدگاہ میں قربانی کرنا ۳۹۰
۹۹۹۱ قربانی کے جانور پر کفن رکھ کر ذبح کرنا ۳۹۱
۹۹۹۲ ناجائز اور حرام رقم سے قربانی کرنا ۳۹۲
۹۹۹۳ شیعوں سے قربانی کا جانور خریدنا ۳۹۲

۹۹۹۴ قربانی کے جانور کو ذریعۂ آمدنی بنانا ۳۹۳

	(۷) باب ما يكون عيبا فى الأضحية......	۳۹٦

۹۹۹۵ کون سا عیب مانع قربانی ہے؟ ۳۹٦

۹۹۹٦ کیا ادھیا پر دی ہوئی بکری کے بچوں کی قربانی درست ہے؟ ۳۹۷

۹۹۹۷ بٹائی پر دی ہوئی بکری کے بچہ کی قربانی ۳۹۸

۹۹۹۸ ادھیا پر پالنے والے کا مالک کے بکری کی قربانی کرنے کا حکم ۳۹۹

۹۹۹۹ ادھیا پر دیئے ہوئے جانور کے بچوں کی قربانی کا حکم ۴۰۰

۱۰۰۰۰ ادھیا پر دی ہوئی بکری سے پیدا شدہ بچہ کی قربانی ۴۰۲

۱۰۰۰۱ مخنث اور خنثیٰ بکرے کی قربانی ۴۰۳

۱۰۰۰۲ خنثیٰ جانور کی قربانی کیوں ممنوع؟ ۴۰۴

۱۰۰۰۳ باؤلے جانور کی قربانی ۴۰۵

۱۰۰۰۴ بانجھ جانور کی قربانی ۴۰٦

۱۰۰۰۵ بانڈھے جانور کی قربانی ۴۰۷

۱۰۰۰٦ دواءً شراب پلائے گئے جانور کی قربانی ۴۰۸

۱۰۰۰۷ بازاری ٹیکس کی رسید کٹائے بغیر خرید شدہ جانور کی قربانی کا حکم ۴۰۹

۱۰۰۰۸ دودھ پیتے بچہ والی گائے کی قربانی ۴۱۰

۱۰۰۰۹ گابھن جانور کی قربانی یا عقیقہ کرنا ۴۱۰

۱۰۰۱۰ چوروں سے خریدے ہوئے جانور کی قربانی ۴۱۲

۱۰۰۱۱ چوری کا چارہ کھانے والے جانور کی قربانی ۴۱۴

۱۰۰۱۲ امریکن اور جرسی گائے کی قربانی ۴۱۵

۱۰۰۱۳ دوسرے کے کھیت سے چرنے والے جانوروں کی قربانی ۴۱٦

۱۰۰۱۴ عورت کا دودھ پینے والے بکرے کی قربانی ۴۱٦

۱۰۰۱۵ قربانی کا بکرا تبدیل کرنا ۴۱۷
۱۰۰۱۶ سڑکوں پر پھرنے والے سانڈ کی قربانی ۴۱۸
۱۰۰۱۷ ناک میں ناتھ والے جانور کی قربانی ۴۱۹
۱۰۰۱۸ عنین جانور کی قربانی کا حکم ۴۲۰
۱۰۰۱۹ بیمار جانور کی قربانی کا حکم ۴۲۲
۱۰۰۲۰ بیمار جانور کی قربانی ۴۲۳
۱۰۰۲۱ ہتھیلی سے بڑے زخم والے جانور کی قربانی ۴۲۳
۱۰۰۲۲ جس بکرے کا نیچے کا ہونٹ چھوٹا ہو اس کی قربانی کا حکم ۴۲۵
۱۰۰۲۳ جو جانور ایک آنکھ سے نہیں دیکھتا اس کی قربانی ۴۲۵
۱۰۰۲۴ جس جانور کی ثلث سے زیادہ بینائی چلی گئی اس کی قربانی ۴۲۶
۱۰۰۲۵ کان کٹے جانور کی قربانی ۴۲۸
۱۰۰۲۶ جس جانور کے دانت نہیں اس کی قربانی ۴۲۹
۱۰۰۲۷ دم کٹے جانور کی قربانی ۴۳۰
۱۰۰۲۸ مذبح تک جاسکنے والے مریض بکرے کی قربانی ۴۳۱
۱۰۰۲۹ تین پیروں سے چلنے والے جانور کی قربانی ۴۳۲
۱۰۰۳۰ بدکنے والے جانور کی ٹانگ کاٹ دی کیا اس کی قربانی درست ہے؟ ۴۳۳
۱۰۰۳۱ اسکوٹر سے ٹکر کھا کر جانور کی ایک ٹانگ ٹوٹ گئی تو کیا کریں؟ ۴۳۴
۱۰۰۳۲ جانور قربانی کے لیے گراتے وقت ٹانگ ٹوٹ کر عیب دار ہو گیا ۴۳۵
۱۰۰۳۳ جس جانور کو کتے نے کاٹ لیا ہو اس کی قربانی ۴۳۷
۱۰۰۳۴ جس جانور کے کولہے گراتے وقت اتر گئے اس کی قربانی ۴۳۷
۱۰۰۳۵ ایک خصیہ والے بکرے کی قربانی کا حکم ۴۳۸
۱۰۰۳۶ جس جانور کا خصیہ پیدائشی طور پر نہ ہو اس کی قربانی ۴۳۹

۱۰۰۳۷	جس بکرے کا عضوتناسل ایک دوانچ پیچھے ہواس کی قربانی کا حکم ...	۴۴۰
۱۰۰۳۸	جس جانور کے پیدائشی طور پر سینگ نہ ہواس کی قربانی	۴۴۱
۱۰۰۳۹	سینگ ٹوٹے جانور کی قربانی........................	۴۴۲
۱۰۰۴۰	خول اترے ہوئے جانور کی قربانی کا حکم	۴۴۳
۱۰۰۴۱	جس جانور کے سینگ کیمیکل کی بناپر اندرہی رہ گئے ہوں اس کی قربانی ...	۴۴۴
۱۰۰۴۲	سینگ نیچے لٹکے ہوئے اور ہلنے والے جانور کی قربانی	۴۴۵
۱۰۰۴۳	قدرتی طور پر ایک تھن والی بکری کی قربانی	۴۴۵
۱۰۰۴۴	گائے یا بھینس کے چار تھنوں میں سے دو نہ ہوں تو اس کی قربانی ...	۴۴۶
۱۰۰۴۵	دو تھن والی گائے کی قربانی	۴۴۷
۱۰۰۴۶	دو تھن والی بھینس کی قربانی..................	۴۴۸
۱۰۰۴۷	تین تھن والے جانور کی قربانی	۴۴۹
۱۰۰۴۸	گائے یا بھینس کے دو تھنوں سے دودھ نہیں نکلتا تو اس کی قربانی....	۴۵۰
۱۰۰۴۹	ایک تھن سوکھے ہوئے بکری کی قربانی..............	۴۵۰
	(۸) باب فی مصرف جلد الأضحية	۴۵۲
۱۰۰۵۰	چرم قربانی	۴۵۲
۱۰۰۵۱	چرم قربانی کا مصرف	۴۵۴
۱۰۰۵۲	چرم قربانی کہاں دیں؟....................	۴۵۵
۱۰۰۵۳	چرم قربانی کا مصرف اور تملیک کا طریقہ	۴۵۶
۱۰۰۵۴	چرم قربانی کی رقم کہاں کہاں دی جاسکتی ہے؟	۴۵۷
۱۰۰۵۵	کھال کا معاملہ قصاب کے حوالہ کرنا	۴۵۸
۱۰۰۵۶	شریک قصاب کا شرکاء سے اجرت لینا کیسا ہے؟.........	۴۵۹
۱۰۰۵۷	قربانی کا جانور ذبح ہونے سے قبل کھال کی رسید کاٹ لینا	۴۶۱

۱۰۰۵۸	قربانی کی کھال گم ہو جائے تو کیا حکم ہے؟	۴٦۱
۱۰۰۵۹	قربانی کی کھال گم ہونے کی صورت میں کیا کریں؟	۴٦۲
۱۰۰٦۰	قربانی کی کھال کو بعینہٖ اپنے استعمال میں لانا یا مالدار کو دینا	۴٦۳
۱۰۰٦۱	چرم قربانی یا اس کی رقم کے استعمال کا حکم	۴٦۴
۱۰۰٦۲	قربانی کی کھال سے چھلنی، مشک یا ڈول بنانا........................	۴٦۵
۱۰۰٦۳	گوشت لے جانے والوں کا ہڈی کو فروخت کرنے کا حکم	۴٦٦
۱۰۰٦۴	ڈاکٹر کا فی کھال پاسنگ کے نام سے ۲۵/ روپئے لینا..................	۴٦۷
۱۰۰٦۵	میونسپلٹی والوں نے چرم قربانی جبراً لے لی تو کیا حکم ہے؟..............	۴٦۸
۱۰۰٦٦	چرم قربانی کا پیسہ قبرستان کی چہار دیواری میں لگانا........................	۴٦۹
۱۰۰٦۷	قصاب کو اجرت میں کھال دینا	۴۷۰
۱۰۰٦۸	قربانی کی کھال فروخت ہو جانے کے بعد قیمت کا تصدق لازم ...	۴۷۱
۱۰۰٦۹	مدارس والوں کا قربانی کے جانور گاؤں بھیجنا........................	۴۷۲
۱۰۰۷۰	چرم قربانی کی رقم سے مسلمانوں کی حفاظت کے لیے ہتھیار خریدنا ...	۴۷۳
۱۰۰۷۱	چرم قربانی کا پیسہ فنڈ میں جمع کر کے وقتاً فوقتاً ضرورتمندوں کو دینا ...	۴۷۴
۱۰۰۷۲	چرم قربانی کی رقم سے میت کی چارپائی خریدنا..........................	۴۷۴
۱۰۰۷۳	چرم قربانی کی رقم سے غرباء کو رضائی بنوا کر دینا	۴۷۵
۱۰۰۷۴	چرم قربانی کی رقم مسجد کی ضروریات میں صرف کرنا	۴۷٦
۱۰۰۷۵	چرم قربانی کی رقم سے مسجد و مدرسہ کا گیٹ بنانا	۴۷۸
۱۰۰۷٦	چرم قربانی کی رقم مسجد میں لگانا..........................	۴۷۹
۱۰۰۷۷	کھال کا پیسہ مدرسہ یا مسجد کی تعمیر میں لگانا..........................	۴۷۹
۱۰۰۷۸	مسجد کی ضروریات میں خرچ کرنے کیلئے متولی کو چرم قربانی ہدیہ کرنا	۴۸۰
۱۰۰۷۹	چرم قربانی کی رقم امام صاحب کو دینا	۴۸۱

۱۰۰۸۰	چرم قربانی کی قیمت سے مدرسہ تعمیر کرنا	۴۸۲
۱۰۰۸۱	چرم قربانی کی قیمت مدرسہ کی تعمیر میں استعمال کرنا	۴۸۳
۱۰۰۸۲	چرم قربانی کی رقم سے مدرسہ کے برتن اور تپائی خریدنا	۴۸۳
۱۰۰۸۳	چرم قربانی کی رقم مدرس کو تنخواہ میں دینا	۴۸۵
۱۰۰۸۴	طالب علم کو چرم قربانی کی رقم دینا	۴۸۶
۱۰۰۸۵	چرم قربانی کی رقم اپنے طالب علم بیٹے کو دینے کا حکم	۴۸۶
۱۰۰۸۶	کیا مدرسہ کو دی گئی کھال کی رقم طالب علم استعمال کرسکتا ہے؟	۴۸۷
۱۰۰۸۷	چرم قربانی کی رقم مکتب میں صرف کرنا	۴۸۸
۱۰۰۸۸	چرم قربانی کی رقم مکتب کی تعمیر میں لگانا	۴۸۹
۱۰۰۸۹	چرم قربانی غنی کو بطور ہدیہ دینے کے بعد فروخت کروا کر روپیہ مکاتب میں لگانا	۴۹۰
۱۰۰۹۰	گائے رون کا حکم	۴۹۱
۱۰۰۹۱	سماج والوں کا دوثلث قربانی کا گوشت جمع کر کے غریبوں میں تقسیم کرنے کا حکم	۴۹۲
۱۰۰۹۲	کیا چرم قربانی کے روپیہ سے جنازہ کی چوکی بنوائی جاسکتی ہے؟	۴۹۳
۱۰۰۹۳	گائے رون کا شرعی حکم	۴۹۴
۱۰۰۹۴	اضحیہ منذورہ کا گوشت کھانا جائز اور ذبیحہ منذورہ کا جائز نہیں	۴۹۵
۱۰۰۹۵	فقیر اپنی قربانی کا گوشت خود بھی اور مالدار کو بھی کھلا سکتا ہے	۴۹۶
۱۰۰۹۶	مرحوم کی طرف سے کی گئی قربانی کے گوشت کا مصرف	۴۹۷
۱۰۰۹۷	قربانی کے وکیل کو گوشت پر ہر طرح سے اختیار	۴۹۸
۱۰۰۹۸	ایام نحر میں فقیر کے خریدے ہوئے جانور کا گوشت خود اور غنی کا کھانا ...	۴۹۹
۱۰۰۹۹	قربانی کا گوشت کس حساب سے تقسیم کریں؟	۵۰۰

۱۰۱۰۰	قربانی کے گوشت کی تقسیم کا طریقہ	۵۰۱
۱۰۱۰۱	ایک حصہ دار کو اس کے حصہ سے زیادہ گوشت دینا	۵۰۲
۱۰۱۰۲	گوشت کو وزن کر کے تقسیم کرنا	۵۰۳
۱۰۱۰۳	قربانی کے گوشت کو تول کر تقسیم کرنا	۵۰۴
۱۰۱۰۴	قربانی کا گوشت تول کر تقسیم کرنے کا حکم	۵۰۵
۱۰۱۰۵	قربانی کا گوشت تول کر اور اندازے سے تقسیم کرنا	۵۰۶
۱۰۱۰۶	قربانی کی کھال اور گوشت کا حکم فروختگی میں یکساں	۵۰۸
۱۰۱۰۷	قربانی کے گوشت کو شادی میں کھلانا	۵۰۹
۱۰۱۰۸	قصاب کا جانوروں کی ہڈیاں اور پوٹری لے جانے کا حکم	۵۱۰
۱۰۱۰۹	قربانی کی ہڈیاں اور سینگ فروخت کرنا اور قیمت کا تصدق	۵۱۱
۱۰۱۱۰	جانور کی چربی سے صابن بنا کر خود استعمال کرنا	۵۱۲
۱۰۱۱۱	قربانی کی ہڈی نمک سے بدلنا	۵۱۲
۱۰۱۱۲	قربانی کے جانور کی ہڈی کتے کو ڈالنا	۵۱۳
۱۰۱۱۳	قربانی کا گوشت غیر مسلم کو دینا	۵۱۴
۱۰۱۱۴	قربانی کا گوشت مسلم یا غیر مسلم کے ہاتھ فروخت کرنا	۵۱۴
۱۰۱۱۵	قربانی کے جانوروں کے خون کی رقم مدرسہ یا مسافر خانہ میں لگانا ...	۵۱۵
	۳۷ کتاب العقیقہ	۵۱۷
۱۰۱۱۶	عقیقہ کا مقصد اور ثبوت	۵۱۷
۱۰۱۱۷	عقیقہ کا شرعی حکم	۵۱۷
۱۰۱۱۸	عقیقہ مسنون ہے یا واجب؟	۵۱۹
۱۰۱۱۹	کیا عقیقہ صرف لڑکے کے لیے مسنون ہے؟	۵۱۹
۱۰۱۲۰	بچہ پیدا ہونے کے وقت کے مسنون اعمال	۵۲۰

۱۰۱۲۱	عقیقہ کے وقت بال کے برابر چاندی صدقہ نہ کر سکا تو؟	۵۲۲
۱۰۱۲۲	دوسال میں کیے گئے عقیقہ میں بالوں کی مقدار چاندی کے تصدق کا حکم	۵۲۳
۱۰۱۲۳	عقیقہ کا مسنون طریقہ	۵۲۴
۱۰۱۲۴	عقیقہ کا وقت اور طریقہ	۵۲۵
۱۰۱۲۵	عقیقہ کب کیا جائے؟ نیز عقیقہ کے بکروں کا الگ الگ جگہ پر ذبح کرنا	۵۲۶
۱۰۱۲۶	بلوغ کے بعد عقیقہ اور سر منڈانے کا حکم	۵۲۸
۱۰۱۲۷	بچہ کا عقیقہ کب کریں؟	۵۲۸
۱۰۱۲۸	کیا پانچویں دن عقیقہ کرنے سے سنت ادا ہو جائے گی؟	۵۲۹
۱۰۱۲۹	تاریخ پیدائش یاد نہ ہو تو عقیقہ کب کریں؟	۵۳۰
۱۰۱۳۰	عقیقہ کون کرے؟	۵۳۱
۱۰۱۳۱	اپنا عقیقہ خود کرنا	۵۳۲
۱۰۱۳۲	کیا شوہر بیوی کا عقیقہ کر سکتا ہے؟	۵۳۳
۱۰۱۳۳	عقیقہ کے جانور کی شرطیں	۵۳۴
۱۰۱۳۴	عقیقہ میں کون کون سے جانور ذبح کیے جا سکتے ہیں؟	۵۳۵
۱۰۱۳۵	شراء کے وقت کی نیت معتبر ہے نہ کہ ذبح کے وقت کی	۵۳۶
۱۰۱۳۶	کیا عقیقہ کا جانور خریدنے سے متعین ہو جاتا ہے؟	۵۳۷
۱۰۱۳۷	کسی عذر کی بناء پر عقیقہ کے جانور کو بیچنا	۵۳۸
۱۰۱۳۸	ایک بھینس میں سات عقیقہ کرنا	۵۳۹
۱۰۱۳۹	قربانی کے علاوہ دنوں میں عقیقہ کا حکم	۵۳۹
۱۰۱۴۰	غیر مستطیع شخص کا کٹرہ میں یا شادی میں کئی بچیوں کا عقیقہ	۵۴۰
۱۰۱۴۱	ولیمہ کے لیے لائے گئے جانور میں عقیقہ کی نیت کرنا	۵۴۲
۱۰۱۴۲	ولیمہ کے ساتھ عقیقہ کرنا	۵۴۳
۱۰۱۴۳	ایام قربانی کے علاوہ ایک بڑے جانور میں چند بچوں کا عقیقہ	۵۴۳
۱۰۱۴۴	بڑے جانور میں ایک ساتھ دو لڑکیوں کا عقیقہ کرنا	۵۴۴

۱۰۱۴۵ عقیقہ میں لڑکے کی طرف سے دو اور لڑکی کی طرف سے ایک حصہ .. ۵۴۵
۱۰۱۴۶ عقیقہ کے گوشت کا حکم ۵۴۶
۱۰۱۴۷ کیا عقیقہ کا گوشت دادا، دادی اور ماں، باپ نہیں کھا سکتے؟ ۵۴۷
۱۰۱۴۸ عقیقہ میں گوشت پکا کر کھلانے کا حکم ۵۴۷
۱۰۱۴۹ عقیقہ کا کھانا کون لوگ کھا سکتے ہیں؟ ۵۴۸
۱۰۱۵۰ عقیقہ سے متعلق چند سوالات کے جوابات ۵۴۹
۱۰۱۵۱ نومولود کے کان میں اذان دینا مشروع ہے ۵۵۲
۱۰۱۵۲ نومولود کے کان میں اذان واقامت کا طریقہ ۵۵۳
۱۰۱۵۳ نومولود بچہ کے کان میں اذان دینے کا طریقہ ۵۵۴
۱۰۱۵۴ بچہ کے کان میں اذان واقامت کیسے کہیں؟ ۵۵۵
۱۰۱۵۵ کیا بچہ کے کان میں اذان غسل سے قبل دے سکتے ہیں؟ ۵۵۶
۱۰۱۵۶ بچوں کے کان میں اذان وتکبیر تاخیر سے دینا ۵۵۸
۱۰۱۵۷ پیدائش کے کئی سالوں کے بعد اذان دینے سے کیا سنت ادا ہو جائیگی؟ ۵۵۸
۱۰۱۵۸ آٹھ سال کے بعد بچہ کے کان میں اذان دینا ۵۵۹
۱۰۱۵۹ عورت کا نومولود بچے کے کان میں اذان دینا ۵۶۰
۱۰۱۶۰ عورت کی ختنہ کا حکم ۵۶۱
۱۰۱۶۱ مختون پیدا شدہ بچے کی ختنہ کا حکم ۵۶۲
۱۰۱۶۲ ختنہ نہ کرانے والا کیا مستحق عذاب ہے؟ ۵۶۳
۱۰۱۶۳ کیا عقیقہ میں متعین جانور ذبح کرنا لازم ہے؟ ۵۶۴

۳۸ کتاب الحقوق

(۱) باب ما یتعلق بنفس الحق ۵۶۵

۱۰۱۶۴ حق کی واپسی کا شرعی حکم ۵۶۵

۱۰۱۶۵ حقدار کو اس کا حق لوٹانا واجب ہے ۵۶۶
۱۰۱۶۶ اپنا حق دوسرے سے وصول کرنا ۵۶۷
۱۰۱۶۷ حقدار اپنا اپنا حصہ نہ لیں تو کیا حکم ہے؟ ۵۶۹
۱۰۱۶۸ مالی حقوق کے اثبات کے لیے شرعی شہادت کا لزوم ۵۷۱
۱۰۱۶۹ مال جس کے قبضہ میں ہو اس کی ملکیت مانی جائے گی ۵۷۷
۱۰۱۷۰ مظلوم کا حق ضائع نہیں ہوگا ۵۷۸
۱۰۱۷۱ حق تلفی کرنے کا حکم ۵۷۹
۱۰۱۷۲ اپنی ملکیت میں تصرف کرنے کا حکم ۵۷۹
۱۰۱۷۳ سالوں سے جاری نالی کو مالک زمین کا بند کروانا ۵۸۱
۱۰۱۷۴ مالک کا اپنی زمین میں راستہ بنانے سے روکنے کا حکم ۵۸۲
۱۰۱۷۵ جائیداد بیچنے پر لڑکوں کا اعتراض کرنا ۵۸۳
۱۰۱۷۶ مالک کا کنویں کی زمین کو اپنے استعمال میں لانا ۵۸۴
۱۰۱۷۷ قانون کے تحت جو حقوق ہیں وہ خود بخود لازم ہو جاتے ہیں ۵۸۶
۱۰۱۷۸ تنگ دست ہو جانے کی صورت میں ادائے حقوق کی شکل ۵۸۷
۱۰۱۷۹ صلوٰۃ الحاجۃ پڑھ کر اللہ سے حقوق العباد معاف کرانے کا حکم ۵۸۸
۱۰۱۸۰ کسی وجہ سے ایک ہزار روپیہ بینک میں رہ جائے تو کیا حکم ہے؟ ... ۵۸۹
۱۰۱۸۱ گرام سماج کی زمین پر مکان بنانے کا حکم ۵۹۰
۱۰۱۸۲ ایک امام صاحب سے متعلق چند سوالات کے جوابات ۵۹۲

(۲) باب حقوق الوالدین ۵۹۶

۱۰۱۸۳ ماں باپ اور اولاد کے ایک دوسرے پر کیا حقوق ہیں؟ ۵۹۶
۱۰۱۸۴ باپ کے حقوق بیٹوں پر ۵۹۸
۱۰۱۸۵ والد کے ذمہ بیٹوں کے کتنے حقوق ہیں ۵۹۹

۱۰۱۸۶	بیٹی پر والد کے حقوق کیا کیا ہیں؟	۶۰۱
۱۰۱۸۷	ماں کی خدمت کس کے سپرد ہے لڑکوں یا لڑکیوں کے؟	۶۰۳
۱۰۱۸۸	ماں کی خدمت کی وجہ سے نکاح نہ کرنے کا حکم	۶۰۴
۱۰۱۸۹	قوانین شریعت میں والدین کے حکم پر پابندی کا لزوم	۶۰۵
۱۰۱۹۰	کیا ماں کا نان ونفقہ اولاد پر ضروری ہے؟	۶۰۷
۱۰۱۹۱	کیا نادار والدین کا خرچہ اولاد کے ذمہ واجب ہے؟	۶۰۹
۱۰۱۹۲	کمزور والدین اور بھائی بہن کا خرچہ بھی واجب ہے	۶۱۰
۱۰۱۹۳	اولاد کا والد کے ساتھ بدکلامی اور مار پیٹ کرنا	۶۱۱
۱۰۱۹۴	والدین کے ساتھ ہر حال میں حسن سلوک لازم	۶۱۲
۱۰۱۹۵	والد کے فاسد العقیدہ ہونے کے باوجود ان کا احترام ضروری......	۶۱۴
۱۰۱۹۶	باپ کی شان میں گستاخی، اور نافرمان اولاد کو محروم کرنا	۶۱۵
۱۰۱۹۷	والد صاحب کی نافرمانی و بےعزتی کرنا اور ان کے مال پر قبضہ کرنا.....	۶۱۷
۱۰۱۹۸	والدین کی ناراضگی میں عبادات کی قبولیت کا حکم	۶۱۸
۱۰۱۹۹	گستاخ لڑکا اپنے والد کے انتقال کے بعد اپنی گستاخی کا ازالہ کیسے کرے؟....	۶۲۰
۱۰۲۰۰	مطلقہ کو ساتھ نہ رکھ کر دوسری شادی کرنے پر اولاد کی ناراضگی	۶۲۱
۱۰۲۰۱	والد صاحب کے کہنے پر بیوی کو طلاق دیں یا نہ دیں؟	۶۲۲
۱۰۲۰۲	ماں و بہنوں کے دباؤ سے بیوی کو طلاق دینا	۶۲۴
۱۰۲۰۳	والدین کو راضی کرنے کیلئے بیوی کو مارنے اور طلاق دینے کی شرعی حیثیت .	۶۲۵
۱۰۲۰۴	والدین کا دوسری بیوی کو طلاق دینے پر مجبور کرنا..................	۶۲۷
۱۰۲۰۵	حصول رزق کی خاطر والدین کو چھوڑنا	۶۲۷
۱۰۲۰۶	اولاد پر والد کا خرچ غرباء پر صدقہ کرنے سے مقدم اور لازم	۶۲۸
۱۰۲۰۷	تمام اولاد پر والد کی ضروریات کا خرچ دینا واجب	۶۲۹
۱۰۲۰۸	والد کے قرض کا مطالبہ اولاد سے کرنے کی شرعی حیثیت	۶۳۰

۱۰۲۰۹ کیا باپ اپنی اولاد کو دیئے ہوئے قرض کا مطالبہ کرسکتا ہے؟ ۶۳۲
۱۰۲۱۰ لڑکے کا والد کی اجازت کے بغیر ان کا مال خفیہ طریقے سے لینے کا حکم ... ۶۳۳
۱۰۲۱۱ باپ کی زندگی میں اس کی جائیداد میں اولاد کا حق نہیں ۶۳۴
۱۰۲۱۲ والد کی فیملی میں رہ کر کمائی گئی جائیداد کا مالک کون؟ ۶۳۵
۱۰۲۱۳ زندگی میں والد کے مکان میں لڑکوں کا کوئی حق نہیں ۶۳۷
۱۰۲۱۴ باپ کو قتل کی دھمکی اور مار پیٹ کرنے والے کا باپ کی جائیداد میں حصہ ۶۳۸
۱۰۲۱۵ والدہ نے اپنی کمائی سے مکان تعمیر کرایا تو اس میں لڑکا حقدار ہے یا نہیں؟ ... ۶۳۹
۱۰۲۱۶ والد کو مکان کے لیے بطور قرض دی ہوئی رقم سے کیا لڑکا مکان کا مالک ہو جائے گا؟ ۶۴۰
۱۰۲۱۷ کیا بیٹے بہو پر ساس سسر کا نفقہ لازم ہے؟ ۶۴۳
۱۰۲۱۸ اولاد کی جائیداد میں والدین کا حق ۶۴۵
۱۰۲۱۹ بھائی اور والدہ کا اولاد کا حق مارنا ۶۴۶

(۳) باب حقوق الأقارب ۶۴۸

۱۰۲۲۰ اہل خانہ کے حقوق کی ترتیب ۶۴۸
۱۰۲۲۱ یتیم بچوں کی کفالت کا حق ۶۴۹
۱۰۲۲۲ نابالغ بچوں کے مال کو ماں کا فروخت کرنا ۶۵۰
۱۰۲۲۳ بیوہ اور یتیم بچوں کے مکان پر قبضہ کرنا ۶۵۰
۱۰۲۲۳ شریعت اسلامی میں متبنیٰ کو بیٹا تسلیم کیا جاتا ہے یا نہیں؟ ۶۵۱
۱۰۲۲۴ متبنیٰ سے متعلق چند سوالات کے جوابات ۶۵۳
۱۰۲۲۵ مرحوم کے نام سے آنے والے رسالے کس کی ملکیت ہوں گے؟ .. ۶۵۵
۱۰۲۲۶ بہن کے بھائی پر کتنے حقوق ہیں؟ ۶۵۶
۱۰۲۲۷ بعض ورثاء کا اپنی جائیداد پر دوسرے وارث کو قبضہ دینا ۶۵۷

۱۰۲۲۸ ہر بھائی اپنی ملکیت میں خود مختار ہے ۶۵۹

۱۰۲۲۹ ایک بھائی کا دوسرے بھائی کی اجازت کے بغیر اس کی بجلی استعمال کرنے کا حکم ۶۶۰

۱۰۲۳۰ بھائی کا بہنوں کے حقوق دبا کر رکھنے اور ان کو محروم کرنے کا حکم ۶۶۲

۱۰۲۳۱ بڑے بھائی کا چھوٹے بھائی کی کمائی سے فائدہ اٹھانا ۶۶۴

۱۰۲۳۲ ایک بھائی کا دوسرے کو جائیداد سے محروم کرنا ۶۶۶

۱۰۲۳۳ ایک بھائی کا دوسرے بھائی کی آمدنی میں حق ۶۶۷

۱۰۲۳۴ بھائی کے مکان پر قبضہ کرنے کی کوشش کرنا ۶۶۸

۱۰۲۳۵ لڑکے کی کمائی میں کیا اس کے بھائیوں کا حق ہوگا ۶۷۰

۱۰۲۳۶ گھر کا چھجہ سڑک پر نکال سکتے ہیں یا نہیں؟ ۶۷۱

۱۰۲۳۷ کیا میکہ والوں کو اپنی لڑکی اور اس کی اولاد کے خرچہ کے مطالبہ کا حق ہے؟ ... ۶۷۲

۱۰۲۳۸ دو منزلہ مکان کی تقسیم ۶۷۳

	(۴) باب النفقة	۶۷۵

۱۰۲۳۹ کئی سالوں سے معلق بیوی کے نان ونفقہ کا حکم ۶۷۵

۱۰۲۴۰ ناشزہ، والدہ، بہن اور چھوٹے بھائی کے نفقہ کا حکم ۶۷۶

	(۵) باب الحضانة	۶۸۰

۱۰۲۴۱ کیا نافرمان بالغ لڑکیوں کے نان ونفقہ کی ذمہ داری والد پر ہے ... ۶۸۰

۱۰۲۴۲ وضع حمل کا خرچ اور بچہ کے نان ونفقہ کا حکم ۶۸۱

۱۰۲۴۳ نابالغ لڑکیوں کا خرچ اور شادی باپ پر لازم ہے نہ کہ بالغ لڑکوں کا ۶۸۳

۱۰۲۴۴ میکہ میں رہنے والی بیوی کا خرچ شوہر پر لازم نہیں ۶۸۵

۱۰۲۴۵ الگ رہنے والی بیوی کا ۱۲/۱۴/ سالہ بچوں کا خرچ شوہر سے وصول کرنا ۶۸۶

فہرست مضامین

۳۸/ بقية كتاب الحقوق

مسئلہ نمبر	٤/باب حقوق الزوجين	۳۱

۱۰۲۴۶	میاں بیوی کے حقوق...............................	۳۱
۱۰۲۴۷	کیا بیوی شوہر کی ملکیت ہوتی ہے؟...............................	۳۲
۱۰۲۴۸	زوجین ایک دوسرے کو کیا کہہ کر پکاریں؟...............................	۳۳
۱۰۲۴۹	شوہر کو تعظیماً بھائی کہنا...............................	۳۴
۱۰۲۵۰	کیا بیوی کے گناہ میں شوہر بھی شریک ہے؟...............................	۳۵
۱۰۲۵۱	شوہر کی اجازت کے بغیر بیوی کا اس کے جیب سے روپیہ نکالنا......	۳۶
۱۰۲۵۲	نکاح کے بعد بیوی سے بات چیت کرنے کا حق...............................	۳۶
۱۰۲۵۳	بیوی کی غیر شرعی شرائط پر عمل کرنا لازم نہیں...............................	۴۰
۱۰۲۵۴	بیویوں کے درمیان مساوات کا حکم...............................	۴۱
۱۰۲۵۵	کیا شوہر کیلئے اپنی بیوی کے حصے کے مطالبہ کا حق ہے؟............	۴۲
۱۰۲۵۶	شوہر بیوی کے کتنے جسم کا حقدار ہوتا ہے...............................	۴۳
۱۰۲۵۷	شب زفاف میں بیوی سے ملاقات کے وقت دو رکعت نماز......	۴۴
۱۰۲۵۸	شب زفاف میں بیوی کے دوپٹہ پر نماز پڑھنا...............................	۴۵
۱۰۲۵۹	ہمبستری کے وقت قبلہ رو ہونے کا حکم...............................	۴۶
۱۰۲۶۰	دوران حمل جمع کا حکم...............................	۴۷
۱۰۲۶۱	حالت حیض میں جماع...............................	۴۸

۱۰۲۶۲	زوجین کا آپس میں برہنہ جسم دیکھنا....................	۴۸
۱۰۲۶۳	بیوی کا پستان منہ میں لینا....................	۴۹
۱۰۲۶۴	بیوی کا دودھ پینا....................	۵۰
۱۰۲۶۵	صحبت کے دوران بیوی کا دودھ پینا....................	۵۱
۱۰۲۶۶	بیوی کی شرم گاہ کو بوسہ دینا....................	۵۲
۱۰۲۶۷	کیا عزل بالحرۃ جائز ہے؟....................	۵۳
۱۰۲۶۸	بیوی کی اجازت سے نرودھ کا استعمال....................	۵۴
۱۰۲۶۹	عذر شدید کی بنا پر نرودھ کا استعمال....................	۵۵
۱۰۲۷۰	بیوی کا شوہر کی اجازت کے بغیر میکہ جانا....................	۵۶
۱۰۲۷۱	شوہر کی اجازت کے بغیر میکہ جانے والی عورت معلقہ ہے یا ناشزہ؟	۵۷
۱۰۲۷۲	والدین کا لڑکی کو اس کے شوہر کی اجازت کے بغیر گھر بلانا....................	۵۸
۱۰۲۷۳	شوہر کا بیوی کو نوکری کرنے سے روکنا....................	۵۹
۱۰۲۷۴	شوہر کے کہنے پر کیا نوکری چھوڑنا لازم ہے؟....................	۶۰
۱۰۲۷۵	صحت مند آدمی پر بیوی کے حقوق کتنے دنوں میں ادا کرنا واجب ہے	۶۳
۱۰۲۷۶	بیوی کا شوہر سے برے الفاظ سے بات کرنا گستاخی ہے....................	۶۴
۱۰۲۷۷	شوہر کی نافرمانی کرنا....................	۶۵
۱۰۲۷۸	عورت کا بغیر شوہر کے زیادہ دنوں تک میکہ میں رہنا....................	۶۷
۱۰۲۷۹	ناراضگی کی وجہ سے علیحدہ رہنے سے نکاح ختم نہیں ہوتا....................	۶۸
۱۰۲۸۰	شوہر کے بلانے پر بیوی کا اس کے پاس نہ جانا....................	۶۹
۱۰۲۸۱	بیوی کا شوہر و بچوں کو چھوڑ کر غیر مرد کے ساتھ رہنا....................	۷۰
۱۰۲۸۲	حقیقی اولاد کے بارے میں بیوی سے شبہ کرنا....................	۷۱
۱۰۲۸۳	عورت عیسائی ہوگئی ......تو شوہر پر کوئی مواخذہ نہیں....................	۷۳
۱۰۲۸۴	نافرمان بیوی کا شوہر کے حقوق ادا نہ کرنا....................	۷۳

۱۰۲۸۵	کیا بیوی میکے میں شوہر کی مرضی کے مطابق قیام کرے گی؟......	۷۵
۱۰۲۸۶	بیوی کا شوہر کو چھوڑ کر اس کی مرضی کے بغیر خالو کے ساتھ رہنا......	۷۶
۱۰۲۸۷	نافرمان بیوی اور اولاد کے نفقہ کا حکم......	۷۸
۱۰۲۸۸	مطلقہ کے لئے شوہر سے کن کن چیزوں کے مطالبہ کا حق ہے؟......	۸۰
۱۰۲۸۹	مطلقہ معتدہ کے شوہر پر حقوق......	۸۴
۱۰۲۹۰	تکمیل عدت کے بعد بیوی کا شوہر کے گھر رہنا......	۸۶
۱۰۲۹۱	وقت گذرنے کے بعد عدت اور بچوں کا خرچہ شوہر سے ساقط ہو جاتا ہے	۸
۱۰۲۹۲	طلاق کے بعد شوہر سے اپنا قرض مانگنا......	۹۰
۱۰۲۹۳	داماد اور خسر کی ذمہ داری......	۹۱
۱۰۲۹۴	بہو کا ساس وخسر کی خدمت کرنا......	۹۲
۱۰۲۹۵	شوہر کا بیوی کو اہل خانہ کی خدمت پر مجبور کرنا......	۹۳
۱۰۲۹۶	بہو کا ساس وسسر کے ساتھ گستاخی کرنا......	۹۴
۱۰۲۹۷	خسر کا بہو پر ظلم کرنا......	۹۶
۱۰۲۹۸	بہنوئی پر جھوٹا الزام قائم کر کے بہن کے نام جائیداد کرانا......	۸۹

۵/باب الحضانة ۱۰۲

۱۰۲۹۹	دوسروں کے بچے کی پرورش کرنا......	۱۰۲
۱۰۳۰۰	ناجائز حمل خرید کر پرورش کرنا......	۱۰۳
۱۰۳۰۱	شرعی عذر کے بغیر طلاق کا مطالبہ نیز شوہر کی اجازت کے بغیر لڑکے کو گود دینا......	۱۰۵
۱۰۳۰۲	کافرہ زانیہ کا بچہ مسلمان پال سکتا ہے یا نہیں؟......	۱۰۶
۱۰۳۰۳	بچیوں کی پرورش کا حقدار اور خرچہ کا ذمہ دار کون ہے؟......	۱۰۹

الف:۱۰۳۰۴ بچہ کی پرورش کا حقدار اکون؟ ۱۱۰

ب:۱۰۳۰۴ لڑکی کی پرورش کا حق کس کو ہے؟ ۱۱۲

۱۰۳۰۵ سوا ماہ کی بچی کی پرورش کا حقدار کون ہے؟ ۱۱۳

۱۰۳۰۶ تین ماہ کی لڑکے کی پرورش کا حق ماں کو ہے یا باپ کو ۱۱۵

۱۰۳۰۷ ایک سالہ بچہ کی پرورش کا حقدار کون؟ ۱۱۶

۱۰۳۰۸ دو سال دس مہینہ کا بچہ کس کے پاس رہے گا؟ ۱۱۸

۱۰۳۰۹ ۴ رسالہ بچی کی پرورش کا حق دادی کو ہے یا نانی کو؟ ۱۱۹

۱۰۳۱۰ سات سال سے کم عمر کے بچے کی پرورش کا حق کسے ہے؟ ۱۲۱

۱۰۳۱۱ ۷ رسالہ بچہ کی تعلیم وتربیت کا ذمہ دار کون؟ ۱۲۳

۱۰۳۱۲ ۷ رسال تک لڑکے اور نو سال تک لڑکی کی پرورش کا حق ماں کو ہے ۱۲۶

۱۰۳۱۳ آٹھ سال کے بچہ کی پرورش کا حق ۱۲۷

۱۰۳۱۴ ماں کے انتقال کے بعد بچہ کی پرورش کا حق کس کو ہے؟ ۱۲۹

۱۰۳۱۵ بھائی کے انتقال کے بعد اس کی بیوی بچہ کا ذمہ دار کون؟ ۱۳۰

۱۰۳۱۶ علیحدگی کی صورت میں بچہ کی پرورش کا حق ۱۳۱

۱۰۳۱۷ طلاق کے بعد عدت اور لڑکے کی پرورش کا حکم ۱۳۲

۱۰۳۱۸ ماں کی دماغی حالت خراب ہونے کی صورت میں پرورش کا حق ۱۳۴

۱۰۳۱۹ بچوں کی پرورش کا حق دادا دادی کو ہے یا نانا نانی کو ۱۳۶

۱۰۳۲۰ والد مفلس ہو تو بچے کی پرورش کا حق کس کو ہے؟ ۱۳۸

۱۰۳۲۱ نواسی کی پرورش سے متعلق چند سوالات وجوابات ۱۴۰

۱۰۳۲۲ بالغ لڑکی کی پرورش کا حکم ۱۴۲

۱۰۳۲۳ بدچلن بیوی کو طلاق دینے کے بعد بچی کی پرورش کا حق ۱۴۳

۱۰۳۲۴ تین طلاق کے بعد نابالغ اولاد کی پرورش کا حق ۱۴۵

	۶/ باب حق الجوار	۱۴۷

۱۰۳۲۵ مسجد والوں کا پڑوسی کی چھت توڑ کر مسجد کی دیوار میں جنگلے کھولنا ... ۱۴۷
۱۰۳۲۶ درمیانی چھت گرنے کی صورت میں سفلی وعلوی دونوں تعمیری خرچ میں شریک ہوں گے ۱۴۸
۱۰۳۲۷ پہلی اور دوسری منزل والوں کے حقوق ۱۴۹
۱۰۳۲۸ درمیانی چھت کی مرمت کا خرچہ کس پر لازم ہے؟ ۱۵۱
۱۰۳۲۹ فریقین کی زمین کی پیمائش میں غلطی اور اس سے متعلق چند سوالات ... ۱۵۲
۱۰۳۳۰ قانونی چارہ جوئی کے ذریعہ دروازہ کھلا رکھنے کا حق حاصل کرنا ... ۱۵۴
۱۰۳۳۱ پڑوسی سے تکلیف کی بناء پر مقدمہ دائر کرنا ۱۵۵
۱۰۳۳۲ اپنی زمین میں آنے والی غیر کے درخت کی شاخ کاٹنے کا حق ہے ... ۱۵۷
۱۰۳۳۳ دوسرے کی زمین میں غلطی سے لگائے گئے درخت کا مالک کون؟ ۱۵۸
۱۰۳۳۴ زمین کا کچھ حصہ سڑک میں آنے کیوجہ سے دوسرے خریدار سے مطالبہ کرنا ۱۵۹

	۷/باب بیع الحقوق	۱۶۲

۱۰۳۳۵ حق تصنیف اور حق طبع کی حیثیت ۱۶۲
۱۰۳۳۶ معاملہ مکمل ہونے کے بعد دوبارہ رقم کا مطالبہ کرنا ۱۶۳
۱۰۳۳۷ رجسٹری بیع نامہ خریدار کے نام پر ہوگا نہ کہ سوسائٹی کے نام پر ۱۶۴
۱۰۳۳۸ ڈپوزٹ کا شرعی حکم ۱۶۵
۱۰۳۳۹ کرایہ دار کا حق قرار لینا ۱۶۶
۱۰۳۴۰ کرایہ دار کا مکان خالی کرنے کے لیے رقم کا مطالبہ کرنا ۱۶۷

۱۰۳۴۱ پگڑی کا حکم ۱۷۰
حقوقِ مجردہ کا عوض لینا ۱۷۲
حق کسے کہتے ہیں؟ ۱۷۲
مال اور حقوقِ مجردہ کی حقیقت ۱۷۳
مال کی تعریف ۱۷۴
حقوقِ مجردہ کی بیع ۱۷۵
حقِّ مرور کی بیع کا جواز ۱۷۵
حقِ تسییل کی بیع کا جواز ۱۷۶
تعاملِ ناس کی وجہ سے حقِّ شرب کی بیع کا جواز ۱۷۷
حقِ اسبقیت ۱۷۸
حقوقِ مجردہ کی دوقسموں میں سے کس کا مالی عوض جائز؟ ۱۷۰
سوال میں ذکر کردہ حقوقِ مجردہ سے دست برداری کا مالی عوض لینا.... ۱۸۰
حقوقِ مجردہ کا عوض لینے کا اصولی ضابطہ ۱۸۳
حقوقِ مجردہ کی بیع کا مختصر خلاصہ ۱۸۳
مروجہ پگڑی کا مسئلہ ۱۸۴
حقوقِ طبع ۱۸۵
ٹریڈ مارک اور کمپنی وتجارتی فرم کے نام کی فروختگی ۱۸۵
لائسنس کی خرید وفروخت ۱۸۶
حقِّ تعلّی کی بیع ۱۸۷
پنشن کی فروختگی ۱۸۸
سوال نامہ کا خلاصہ ۱۸۹

۱۹۲	۳۹ / کتاب الرؤیا	

۱۰۳۴۲	خواب میں سورۂ نوح کی تلاوت	۱۹۲
۱۰۳۴۳	خواب میں حج بیت اللہ کا سفر کرنا	۱۹۲
۱۰۳۴۴	خواب میں فرشتوں کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھنا	۱۹۴
۱۰۳۴۵	خواب میں علماء کی زیارت کرنا	۱۹۵
۱۰۳۴۶	خواب میں مزار وغیرہ دیکھنا	۱۹۶
۱۰۳۴۷	خواب میں غیر نبی کا کلمہ پڑھنا اور اس کی تعبیر	۱۹۷
۱۰۳۴۸	خواب میں دودھ کو دیکھنا	۲۰۱
۱۰۳۴۹	خواب میں مچھلیاں دیکھنا	۲۰۲
۱۰۳۵۰	خواب میں کبوترنی دیکھنا	۲۰۳
۱۰۳۵۱	خواب میں بندر دیکھنا	۲۰۴
۱۰۳۵۲	خواب میں شیر دیکھنا	۲۰۶
۱۰۳۵۳	خواب میں شیر اور خود کو امامت کرتے دیکھنا	۲۰۷
۱۰۳۵۴	خواب میں کتے کو سانپ کھاتے دیکھنا	۲۰۹
۱۰۳۵۵	خواب میں سانپ کو دیکھنا	۲۰۹
۱۰۳۵۶	خواب میں کالا اور سفید سانپ دیکھنا	۲۱۰
۱۰۳۵۷	خواب میں دیکھنا کہ گھر میں خنزیر ذبح کیا جانے والا ہے	۲۱۱
۱۰۳۵۸	خواب میں بیت الخلاء کی عمارت منہدم ہو جانا	۲۱۲
۱۰۳۵۹	خواب میں سیب، مور اور آم دیکھنا	۲۱۳
۱۰۳۶۰	خواب میں خود کو حاملہ دیکھنا	۲۱۴
۱۰۳۶۱	بچہ کا ماں کو ذبح کرنا	۲۱۵

۱۰۳۶۲	خواب میں بچے کی پیدائش دیکھنا	۲۱۶
۱۰۳۶۳	خواب میں اپنے گھر پر غیروں کا قبضہ دیکھنا	۲۱۶
۱۰۳۶۴	خواب میں کسی لڑکی کے سامنے پیشاب کرنا	۲۱۷

۴۰ / کتاب الطب والرقیٰ

۱/ باب ما یتعلق بالطب وغیرہ

۱۰۳۶۵	علم طب حاصل کیے بغیر علاج ومعالجہ کرنا	۲۱۹
۱۰۳۶۶	دائی کا کام کرنا کیسا ہے؟	۲۲۰
۱۰۳۶۷	دوا کھاتے وقت کیا پڑھا جائے؟	۲۲۱
۱۰۳۶۸	غیر مسلم ڈاکٹر سے ختنہ کروانا	۲۲۲
۱۰۳۶۹	سرکاری ہسپتال کی دواؤں کو بازار میں فروخت کرنا	۲۲۲
۱۰۳۷۰	پولیو کی دوائی پلانا	۲۲۳
۱۰۳۷۱	پوسٹ مارٹم	۲۲۵
۱۰۳۷۲	انتقال کے بعد سینہ چیر کر مشین نکالنا	۲۲۶
۱۰۳۷۳	کیا سانپ کے کاٹنے کی وجہ سے آدمی مرتا نہیں ہے؟	۲۲۶
۱۰۳۷۴	عذر کی بنا پر کان میں سوراخ کرانا	۲۲۷
۱۰۳۷۵	بلڈ پریشر کنٹرول کرنے کے لیے ہاتھ میں چین پہننا	۲۲۸
۱۰۳۷۶	چہرے پر دانوں کے علاج کے لیے تانبے کا چھلہ پہننا	۲۲۹
۱۰۳۷۷	ہاتھی کا دانت، گٹھلی لکڑی، دھات کے چھلے وغیرہ بطور علاج استعمال کرنا .	۲۹۹
۱۰۳۷۸	ایک ساتھ کتنے کیلے کھائیں؟	۲۳۰

	۲/باب أعضاء الإنسان وأجزائه	صفحه

۱۰۳۷۹ بلڈ دونیشن کی شرعی حیثیت ۲۳۱
۱۰۳۸۰ مسلمان مریض کو خون دینا کیسا ہے؟ ۲۳۲
۱۰۳۸۱ بلڈ بینک کا حکم ۲۳۳
۱۰۳۸۲ انسانی اعضاء کا قیمتاً یا ہدیتاً دینا ۲۳۵
۱۰۳۸۳ مرنے کے بعد اپنے اعضاء کی عوض یا بلا عوض اسپتال میں دینے کی وصیت ۲۳۶
۱۰۳۸۴ بیمار کو گردہ دینا ۲۳۸
۱۰۳۸۵ گردوں کی تبدیلی اور ہبہ کا حکم ۲۳۹
اعضاء واجزاء انسانی کا عطیہ ۲۴۱
مقالہ خلاصہ ۲۴۱
۱۰۳۸۶ اعضاء واجزاء انسانی کا عطیہ ۲۴۳
(۱) ''ماکول اللحم حیوانات'' کے اعضاء سے علاج ۲۴۴
(۲) غیر ماکول اللحم حیوانات کے اعضاء سے علاج ۲۴۵
(۳) انسانی اعضاء کا استعمال ۲۴۵
پہلی قسم ۲۴۶
دوسری قسم کے اجزاء ۲۴۶
انسانی خون کا عطیہ ۲۴۷
۱۰۳۹۰ جگر کی پیوند کاری اور اس کا عطیہ ۲۴۸
۱۰۳۹۱ ''آئی بینک'' (آنکھوں کا عطیہ) ۲۵۱
۱۰۳۹۲-۱۰۳۹۳ ''دودھ بینک'' اور اس کا عطیہ ۲۵۳
تجاویز برائے چوبیسواں فقہی سیمینار ۲۵۸
اعضاء واجزاء انسانی کے عطیہ سے متعلق تجاویز ۲۵۸

۲۶۰

۳/ باب ما يتعلق بحمل المرأة و موانعه

۱۰۳۹۴	نسبندی اور اسقاط حمل کی شرعی حیثیت	۲۶۰
۱۰۳۹۵	دائمی نسبندی	۲۶۲
۱۰۳۹۶	دائمی نسبندی کرانا	۲۶۳
۱۰۳۹۷	دائمی طور پر قوت تولید ختم کرنا	۲۶۴
۱۰۳۹۸	جان تلف ہونے کے اندیشہ سے بچہ دانی نکلوانا	۲۶۵
۱۰۳۹۹	بیوی کی جان تلف ہونے کے اندیشہ سے نسبندی کرانا	۲۶۶
۱۰۴۰۰	عورت کی جان تلف ہونے کے اندیشہ سے بچہ دانی نکلوانا........	۲۶۸
۱۰۴۰۱	کیا جان کے خطرہ کی وجہ سے نسبندی کرا سکتے ہیں؟	۲۶۹
۱۰۴۰۲	کیا توالد وتناسل کا سلسلہ ختم کرنے کا کوئی جائز طریقہ ہے؟	۲۷۱
۱۰۴۰۳	احتیاطاً مانع حمل ذرائع کا استعمال	۲۷۱
۱۰۴۰۴	کن حالتوں میں وقتی طور پر مانع حمل کی گنجائش ہے؟	۲۷۲
۱۰۴۰۵	بچہ دانی نکلوانا........	۲۷۴
۱۰۴۰۶	نسبندی کرانا جائز نہیں، چاہے ملازمت گنوانی پڑے	۲۷۵
۱۰۴۰۷	نطفہ جاندار ہے یا غیر جاندار؟ اور اس کو ضائع کرنے کا حکم	۲۷۶
۱۰۴۰۸	ضرورت شدیدہ کی وجہ سے اسقاط اور وقفہ کی گنجائش	۲۷۷
۱۰۴۰۹	اسقاط حمل کا حکم	۲۷۹
۱۰۴۱۰	حمل گرانے کا حکم	۲۸۰
۱۰۴۱۱	کن حالتوں میں اسقاط حمل جائز ہے؟	۲۸۱
۱۰۴۱۲	حج میں جانے کے لیے حمل ساقط کرانا........	۲۸۲
۱۰۴۱۳	حمل ساقط کرنے کا حکم	۲۸۳

۱۰۴۱۴	کیا چار ماہ سے قبل اسقاط حمل مباح ہے؟	۲۸۳
۱۰۴۱۵	لاغر عورت کی گود میں چار ماہ کا بچہ ہو تو اسقاط حمل جائز ہے یا نہیں؟	۲۸۴
۱۰۴۱۶	۶/۵ ماہ کا حمل ساقط کرانا	۲۸۵
۱۰۴۱۷	چھ ماہ کا حمل ساقط کرانا	۲۸۶
۱۰۴۱۸	پیدائش کے وقت موت کے اندیشہ سے وضع حمل	۲۸۷
۱۰۴۱۹	بچہ کی پرورش کی خاطر مانع حمل تدابیر اختیار کرنا	۲۸۹
۱۰۴۲۰	مانع حمل دواؤں کا استعمال	۲۸۹
۱۰۴۲۱	مانع حمل ادویہ کا استعمال	۲۹۰
۱۰۴۲۲	مانع حمل دوائیں یا آپریشن کرانے کا حکم	۲۹۲
۱۰۴۲۳	موجودہ دور میں عزل کا حکم	۲۹۳
۱۰۴۲۴	حالت حمل یا ایام رضاعت میں عزل کرنا	۲۹۴
۱۰۴۲۵	نیرودھ اور مانع حمل ادویہ کا استعمال	۲۹۵
۱۰۴۲۶	بلا عذر مانع حمل طریقہ اختیار کرنا	۲۹۶
۱۰۴۲۷	بلا عذر شدید کے نرودھ یا گولی استعمال کرنا	۲۹۷
۱۰۴۲۸	بغیر کسی عذر کے حمل گرانا نیز حمل کو کتنی مدت کے اندر گرانیکی گنجائش ہے؟	۲۹۸
۱۰۴۲۹	سخت کمزوری میں مانع حمل ادویہ کا استعمال	۲۹۹
۱۰۴۳۰	کمزوری کے خوف سے اسقاط حمل	۳۰۰
۱۰۴۳۱	عدت کی کمزوری کی وجہ سے مانع حمل تدبیر اپنانا	۳۰۱
۱۰۴۳۲	شدید ضرورت میں وقتی طور پر مانع حمل دواؤں کا استعمال	۳۰۲
۱۰۴۳۳	مانع حمل کے لیے نرودھ کا استعمال	۳۰۳
۱۰۴۳۴	بیماری کے اندیشہ سے کنڈوم استعمال کرنا	۳۰۴
۱۰۴۳۵	ٹیسٹ ٹیوب بے بی کا حکم	۳۰۶

۱۰۴۳۶	ٹیسٹ ٹیوب بے بی کا شرعی حکم	۳۰۶
۱۰۴۳۷	مشین کے ذریعہ استقرارِ حمل کا حکم	۳۰۷
۱۰۴۳۸	استقرار حمل کا پتہ لگانے کے لیے ڈاکٹری معائنہ	۳۰۹
۱۰۴۳۹	انتقال شدہ حاملہ کے بچہ کا حکم	۳۰۹

٤ /باب التداوی بالمحرم

۱۰۴۴۰	آپریشن سے بچنے کے لیے تداوی بالمحرم کا حکم	۳۱۱
۱۰۴۴۱	بطور دوا شراب کے استعمال کا حکم	۳۱۲
۱۰۴۴۲	الکحل ملائی ہوئی دوا کا حکم	۳۱۳
۱۰۴۴۳	الکحل ملی ہوئی دوا استعمال کرنے کا حکم	۳۱۴
۱۰۴۴۴	ماکول اللحم جانور کے پیشاب سے علاج	۳۱۵
۱۰۴۴۵	گائے کا پیشاب اور افیون ملی ہوئی دواؤں کا استعمال وتجارت...	۳۱۶
۱۰۴۴۶	تیل میں گائے کا پیشاب ملا کر بطور دوا استعمال کرنا	۳۱۸
۱۰۴۴۷	گائے کے پیشاب میں مخلوط دوا کے استعمال کرنے کا حکم	۳۲۰
۱۰۴۴۸	ایسی دوا کا استعمال جس میں گائے کا پیشاب ڈالا گیا ہو	۳۲۱
۱۰۴۴۹	شدت ضرورت کی بناء پر گائے کے پیشاب سے علاج کرنا	۳۲۲
۱۰۴۵۰	شراب کی عادت چھڑانے کے لیے کوّے کا خون پلانا	۳۲۳
۱۰۴۵۱	بکرے کے خصیے بطور علاج کھانا	۳۲۴
۱۰۴۵۲	گدھی کے دودھ سے علاج	۳۲۵
۱۰۴۵۳	مرغے کے خون کا سفوف دوا کے طور پر استعمال کرنا	۳۲۶
۱۰۴۵۴	جان بچانے کے لیے خنزیر کا گوشت کھانا	۳۲۷

۵/باب الرقیۃ

۱۰۴۵۵	نظر کی حقیقت	۳۲۸
۱۰۴۵۶	کیا تعویذ پہننا حرام ہے؟	۳۲۹
۱۰۴۵۷	کیا تعویذ پہننا بدعت ہے؟	۳۳۰
۱۰۴۵۸	گلے میں تعویذ لٹکانا	۳۳۱
۱۰۴۵۹	تعویذ گنڈے کا حکم	۳۳۲
۱۰۴۶۰	تعویذ گنڈا کرنا	۳۳۳
۱۰۴۶۱	تعویذ گنڈے کو کمائی کا ذریعہ بنانا	۳۳۵
۱۰۴۶۲	مؤکلوں کے ذریعہ علاج کرنا	۳۳۶
۱۰۴۶۳	مجہول العقیدہ والے سے تعویذ گنڈا کرانے کا حکم	۳۳۸
۱۰۴۶۴	مزاروں سے علاج کرانا	۳۴۰
۱۰۴۶۵	وبائی امراض کے ازالہ کے لیے تعویذ دینا	۳۴۱
۱۰۴۶۶	ناپاکی کی حالت میں تعویذ پہنے رہنا	۳۴۲
۱۰۴۶۷	پانی پر دم کرا کے در و دیوار پر چھڑکنا	۳۴۳
۱۰۴۵۳	تعویذ لکھنے میں دھوکہ دینا	۳۴۳
۱۰۴۶۹	تعویذ سے متعلق چند سوالات	۳۴۴
۱۰۴۷۰	موذی چیزوں کو بھگانے کے لیے حضرت سلیمان کی قسم دینا	۳۴۶
۱۰۴۷۱	نظر بد سے بچانے کے لیے بچوں کو کالا ٹیکہ لگانا	۳۴۷
۱۰۴۷۲	کافر عامل سے سحر کا علاج کرانا	۳۴۷
۱۰۴۷۳	جھاڑ پھونک کے معاملہ پر عورت سے بدگمان ہونا	۳۴۸

۱۰۴۷۴	تعویذ کے ذریعہ کسی کوملزم یا چور ثابت کرنے کی شرعی حیثیت	۳۴۹
۱۰۴۷۵	سامان چوری ہونے پرنام نکلوانا	۳۵۰

(۶) باب الأجرة على الرقية

۱۰۴۷۶	تعویذ پر اجرت لینا	۳۵۲
۱۰۴۷۷	تعویذ کے عوض روپیہ لینا	۳۵۲
۱۰۴۷۸	تعویذ گنڈے کی اجرت کا حکم	۳۵۳
۱۰۴۷۹	تعویذ لکھنے اوراس کی اجرت کا حکم..................	۳۵۴
۱۰۴۸۰	درس کو منقطع کر کے تعویذ لکھ کر اجرت لینا	۳۵۵
۱۰۴۸۱	قرآنی آیاتِ شفاونقوش لکھ کر مریض کو پلانا اوراس کی اجرت لینا.....	۳۵۶
۱۰۴۸۲	تعویذات کے ذریعہ علاج اوراس کی اجرت کا حکم	۳۵۷
۱۰۴۸۳	مؤکل کے ذریعہ علاج اوراس کی اجرت کا شرعی حکم	۳۵۸
۱۰۴۸۴	تعویذ پر اجرت لینے والے امام کے پیچھے نماز کا حکم	۳۶۰

۴۱ / كتاب الحظر والإباحة

(۱) باب السلام، والمصافحة والمعانقة

۱۰۴۸۵	فرد واحد کو السلام علیکم کہنے کا حکم	۳۶۲
۱۰۴۸۶	سلام میں مغفرتہ کے اضافہ کا حکم	۳۶۳
۱۰۴۸۷	محفل میں آ کر سلام علیکم کہنا	۳۶۶
۱۰۴۸۸	غیر محرم مرد وعورت کو سلام کرنا..................	۳۶۷
۱۰۴۸۹	اجنبی کے گھر میں دخول کے لیے سلام اور اجازت دونوں ضروری	۳۶۸

۱۰۴۹۰	کیا مسجد میں داخل ہوتے ہی سلام کرنا مسنون ہے؟	۳۶۹
۱۰۵۰۵	سلام، مصافحہ ومعانقہ کا مسنون طریقہ	۳۷۰
۱۰۵۰۶	مصافحہ کا صحیح طریقہ	۳۷۰
۱۰۵۰۷	مصافحہ کا سنت طریقہ	۳۷۱
۱۰۵۰۸	دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کی حدیث	۳۷۳
۱۰۵۰۹	مصافحہ کے بعد سینہ پر ہاتھ رکھنا	۳۷۳
۱۰۵۱۰	مصافحہ کر کے سینہ پر ہاتھ رکھنا	۳۷۴
۱۰۵۱۱	رخصتی مصافحہ کا ثبوت	۳۷۵
۱۰۵۱۲	عورت مرد کا آپس میں مصافحہ کرنا	۳۷۶
۱۰۵۱۳	عیدین اور دیگر نمازوں کے بعد مصافحہ یا معانقہ	۳۷۷
۱۰۵۱۴	معانقہ کرنے کا سنت طریقہ	۳۷۸
۱۰۵۱۵	معانقہ کا سنت طریقہ	۳۷۹
۱۰۵۱۶	معانقہ کب مسنون ہے؟ اور معانقہ کا سنت طریقہ؟	۳۸۱
۱۰۵۱۷	تین مرتبہ معانقہ کی شرعی حیثیت	۳۸۲
۱۰۵۱۸	خط میں سلام مسنون لکھنا	۳۸۳
۱۰۵۱۹	فون پر سلام وجواب کے سلسلے میں تفصیلی مسائل	۳۸۵
۱۰۵۲۰	ٹیلیفون پر ہیلو کے بجائے السلام علیکم کہنے سے متعلق مفصل فتویٰ ...	۳۸۶
	ایک شبہ	۳۸۷
	شبہ کا ازالہ	
	ایک دوسرا شبہ	
	شبہ کا ازالہ	

رقم المسئلة	۲ / باب الصلة و المقاطعة	صفحه

۱۰۵۲۱ قاتل کے اہل خانہ کا مقتول کے ورثہ کے ساتھ صلہ رحمی کرنے کی شکل ۴۱۷
۱۰۵۲۲ معافی طلب کرنے والے کو معاف کر دینا چاہئے ۴۱۹
۱۰۵۲۳ غلطی پر نادم ہو کر معافی مانگنے والے سے قطع تعلق کرنا ۴۲۰
۱۰۵۲۴ والد کی مرضی کے مطابق بیٹے کا رشتہ نہ کرنے کی وجہ سے والد کی اس سے ناراضگی ۴۲۲
۱۰۵۲۵ قطع تعلق کرنا ۴۲۴
۱۰۵۲۶ قطع تعلق کی شکل اختیار کرنا ۴۲۵
۱۰۵۲۷ مقاطعہ ختم کرنے کے لئے شرطیں لگانا ۴۲۷
۱۰۵۲۸ گناہ کی بنا پر والدہ سے قطع تعلق کرنا ۴۲۷
۱۰۵۲۹ اسلام کا مذاق اڑانے اور ماڈرن طریقہ کو پسند کرنے والے سے قطع تعلق کرنا ۴۲۹
۱۰۵۳۰ بیٹے کی زبان درازی پر اس سے اور بیوی سے قطع تعلق کرنا ۴۳۰
۱۰۵۳۱ بالغ نامحرم کو متبنیٰ بنا کر رکھنے والی عورت سے قطع تعلق کرنا ۴۳۲
۱۰۵۳۲ دوستی و دشمنی میں مبالغہ کرنا ۴۳۳
۱۰۵۳۳ بغض و کینہ کے بغیر قطع تعلق کا حکم ۴۳۵
۱۰۵۳۴ لڑکی کے جرم کی وجہ سے والد کا بائیکاٹ کرنا ۴۳۶
۱۰۵۳۵ ناراضگی میں فون پر بات نہ کرنا ۴۳۷
۱۰۵۳۶ محض میٹنگ میں شرکت کرنے کی وجہ سے مقاطعہ ۴۳۸
۱۰۵۳۷ آپسی رنجش کی وجہ سے ترک کلام ۴۳۹
۱۰۵۳۸ تین دن سے زائد قطع تعلق کر لینا جائز ہے؟ ۴۴۱

۱۰۵۳۹ بے نمازی سے ترک تعلق کرنا ۴۴۲
۱۰۵۴۰ مسلمانوں کی آبرو ریزی کرنے والے سے قطع تعلق کرنا ۴۴۳
۱۰۵۴۱ راستہ تنگ کرنے کی وجہ سے ترک کلام ۴۴۵
۱۰۵۴۲ سود پر قرض دینے والوں سے قطع تعلق کرنا ۴۴۶
۱۰۵۴۳ منکرات والی شادی میں عدم شرکت اور داعی کا بائیکاٹ ۴۴۷
۱۰۵۴۴ لاعلمی میں خنزیر کا گوشت کھانے والے سے قطع تعلق ۴۴۹
۱۰۵۴۶ خنزیر کے بالوں کا برش بنانیوالے سے قطع تعلق کرنا ۴۵۰
۱۰۵۴۷ بدکار بہن سے قطع تعلق اور وراثت سے محروم کرنا ۴۵۱
۱۰۵۴۸ بھانجی سے ناجائز تعلق قائم کرنے والے سے قطع تعلق ۴۵۲
۱۰۵۴۹ مطلقہ بیوی کو ساتھ رکھنے والے سے قطع تعلق کرنا ۴۵۴
۱۰۵۵۰ مطلقہ ثلثہ کو ساتھ رکھنے والے سے قطع تعلق کرنا ۴۵۵
۱۰۵۵۱ طلاق ثلاثہ کے بعد حلالہ کے بغیر ساتھ رہنے والے سے قطع تعلق کرنا ۴۵۶

۳/ باب اللباس

۱۰۵۵۲ اسلام میں ٹوپی پہننا کیسا ہے ۴۵۸
۱۰۵۵۳ ٹوپی پہننے کا ثبوت حدیث شریف سے ۴۵۹
۱۰۵۵۴ کیا حضور ﷺ کی ٹوپی گول تھی؟ ۴۶۰
۱۰۵۵۵ اسلامی ٹوپی کیسی ہو اور حضور ﷺ کی ٹوپی کیسی تھی؟ ۴۶۱
۱۰۵۵۶ اکابر دار العلوم دیوبند کی ٹوپیاں کیسی تھیں؟ ۴۶۱
۱۰۵۵۷ دیوبندی ٹوپی سے متعلق چند سوال وجواب ۴۶۳

۱۰۵۵۸ گول ٹوپی اور لمبی ٹوپی کا ثبوت ۴۶۵
۱۰۵۵۹ کن کن اوقات میں ٹوپی پہننا مسنون ہے؟ ۴۶۶
۱۰۵۶۰ عام حالات ومجالس میں ٹوپی پہننے کا حکم ۴۶۷
۱۰۵۶۱ بلاعذر عام حالات میں ننگے سر رہنا ۴۶۸
۱۰۵۶۲ گنبد خضری یا غلاف کعبہ کے رنگ کی ٹوپی پہننا ۴۶۹
۱۰۵۶۳ کسی قوم سے مشابہت کا مطلب ۴۷۰
۱۰۵۶۴ مسنون لباس ۴۷۱
۱۰۵۶۵ ٹائی باندھنا ۴۷۴
۱۰۵۶۶ ٹائی باندھنا ۴۷۵
۱۰۵۶۷ کلی دار کرتا ۴۷۶
۱۰۵۶۸ نصف ساق یا ٹخنوں تک کرتا پہننے کا حکم ۴۷۶
۱۰۵۶۹ ٹخنوں سے نیچے کپڑا پہننے کا حکم ۴۷۸
۱۰۵۷۰ ٹخنے کے نیچے لنگی یا پاجامہ پہننا ۴۷۸
۱۰۵۷۱ کیا موزے ٹخنوں کے نیچے کپڑے پہننے کی وعید میں شامل نہیں؟ ۴۷۹
۱۰۵۷۲ نیچے چاک والا کرتا پہننا کیا خلاف سنت ہے؟ ۴۸۰
۱۰۵۷۴ گریبان کے بٹن کھلے رکھنا ۴۸۳
۱۰۵۷۵ مردوں کے لئے پھول بوٹے والے کپڑے استعمال کرنے کا حکم ۴۸۵
۱۰۵۷۶ پینٹ پتلون پہننا کیسا ہے؟، اسکو چھڑانے کا طریقہ اور شرعی لباس ۴۸۶
۱۰۵۷۷ مردوں کے لئے چست لباس پہننے سے متعلق چند سوالات کے جوابات ۴۸۹
۱۰۵۷۸ مردوں کے لئے کالا لباس پہننا ۴۹۱
۱۰۵۷۹ سرخ کپڑا پہننے اور حدیث کو نہ ماننے کا حکم ۴۹۲

۱۰۵۸۰ پنجابی سوٹ پہننے کا حکم ۴۹۴
۱۰۵۸۱ عورتوں کے لئے شوہر و باپ، بھائی کا چست لباس لا کر دینا ۴۹۵
۱۰۵۸۲ عورتوں کا کالا برقعہ اور کالا کپڑا پہننا ۴۹۶
۱۰۵۸۳ مزین برقعوں کے استعمال کی شرعی حیثیت ۴۹۸
۱۰۵۸۴ ڈیزائن والے برقعے پہننے اور ان کی خرید وفروخت کرنے کا حکم ۴۹۹
۱۰۵۸۵ بحالت حیض ونفاس مہندی وسنگار کرنا، نیز شادی شدہ کے لئے سفید کپڑے پہننے کا حکم ۵۰۰
۱۰۵۸۶ قیمتی کپڑے کو بطور زینت پاپوش کے لئے استعمال کرنا ۵۰۱
۱۰۵۸۷ درزی کا مختلف نوع کے لباس سینا ۵۰۲
۱۰۵۸۸ مور کی تصویر بنے ہوئے کپڑے کو کیا کریں؟ ۵۰۳

٤/ باب الزينة

۱۰۵۸۹ عطر لگانے کا مسنون طریقہ ۵۰۵
۱۰۵۹۰ پرفیوم کا استعمال ۵۰۵
۱۰۵۹۱ سینٹ کا استعمال کیسا؟ ۵۰۶
۱۰۵۹۲ مرد کا ہاتھوں اور بالوں میں مہندی لگانا ۵۰۸
۱۰۵۹۳ سر، داڑھی، ہاتھ، پیر میں مہندی لگانے کا حکم ۵۰۹
۱۰۵۹۴ ٹیٹو کا شرعی حکم ۵۱۰
۱۰۵۹۵ کیا زندگی میں سوا کلو یا سوا سیر سرمہ لگانا سنت ہے؟ ۵۱۱
۱۰۵۹۶ عورتوں کا فیشن کرنا ۵۱۲
۱۰۵۹۷ عورتوں کی فیشن ایبل جوتیوں کا حکم ۵۱۳

۱۰۵۹۸ سینٹ اور چمکدار ہونٹ پالش کا حکم ۵۱۴
۱۰۵۹۹ عورتوں کا لبوں پر سرخی لگانا ۵۱۵
۱۰۶۰۰ عورتوں کا لپ اسٹک لگا کر باہر نکلنا ۵۱۶
۱۰۶۰۱ عورتوں کے لئے لپ اسٹک کے استعمال کا حکم ۵۱۷
۱۰۶۰۲ عورتوں کا لبوں پر سرخی لگانا جائز ہے یا ناجائز؟ ۵۱۸
۱۰۶۰۳ شوہر کو خوش کرنے کے لئے کالا خضاب لگانا ۵۱۹
۱۰۶۰۴ لڑکیوں کے لئے مردانہ جوتے پہننے کا حکم ۵۲۱
۱۰۶۰۵ بیوی کا شوہر کے لئے زینت کرنے کا حکم ۵۲۲
۱۰۶۰۷ مسلمان عورتوں کا سندور لگانا ۵۲۳
۱۰۶۰۸ عورتوں کے لئے مہندی لگانا ۵۲۴
۱۰۶۰۹ مرد وعورت کو مہندی لگانے کا حکم ۵۲۵
۱۰۶۱۰ پیشانی پر بندی لگانا، چوڑی اور لونگ پہننا کیسا ہے؟ ۵۲۵
۱۰۶۱۱ عورت کا کلائیوں اور پنڈلیوں کے بال صاف کرنا ۵۲۷
۱۰۶۱۲ ناپاکی کی حالت میں بال یا ناخن کاٹنے کا حکم ۵۲۸

۵/ باب الحجاب

۱۰۶۱۳ شرعی پردہ اور محرم شرعی کی تفصیل ۵۲۹
۱۰۶۱۴ پردہ کا شرعی حکم اور اس میں سختی برتنا ۵۳۱
۱۰۶۱۵ پردہ کے چاروں اقسام کے احکام ۵۳۳
۱۰۶۱۶ پردہ کے کتنے درجات ہیں؟ ۵۳۶
۱۰۶۱۷ عورت کے ستر کی حد اور محارم سے پردہ کا حکم ۵۳۸

۱۰۶۱۸ عورت پرکن کن سے پردہ لازم ہے؟ ۵۳۹
۱۰۶۱۹ شریعت میں کن کن لوگوں سے پردہ کا حکم ہے؟ ۵۴۱
۱۰۶۲۰ کتنے سال کی عمر سے پردہ کرنا ضروری ہے؟ ۵۴۳
۱۰۶۲۱ ستر عورت سے متعلق حدیث ۵۴۴
۱۰۶۲۲ الحمو الموت کی تشریح ۵۴۶
۱۰۶۲۳ گھر کے اندر پردے سے متعلق تفصیلی مسئلہ ۵۴۸
۱۰۶۲۴ محرم وغیر محرم رشتہ دار سے پردہ کا حکم ۵۵۰
۱۰۶۲۵ سوتیلی ماں اور اس کے رشتہ داروں سے پردہ ہے یا نہیں؟ ۵۵۲
۱۰۶۲۶ مرد کا مرد کے سامنے ستر عورت کھولنے کا حکم ۵۵۳
۱۰۶۲۷ کیا برقعہ ہی سے پردہ ہوتا ہے؟ ۵۵۶
۱۰۶۲۸ برقعہ میں ہاتھ اور آنکھوں کو کھلا رکھنا ۵۵۷
۱۰۶۲۹ سر پر دوپٹہ اوڑھنا ۵۵۷
۱۰۶۳۰ لڑکیوں کا ننگے سر رہنے اور دوپٹہ کندھے پر رکھنے کا حکم ۵۵۸
۱۰۶۳۱ دوران سفر عورتوں کا ہتھیلیوں اور قدمین کو کھلا رکھنا ۵۵۹
۱۰۶۳۲ ساس کا داماد سے پردہ نہیں ۵۶۰
۱۰۶۳۳ کیا ساس کو داماد سے پردہ کا حکم ہے؟ ۵۶۱
۱۰۶۳۴ چچی سے پردہ ہے یا نہیں؟ ۵۶۲
۱۰۶۳۵ بھابھی دیور کا پردہ ہے یا نہیں؟ ۵۶۳
۱۰۶۳۶ خسر اور بہو کا نمائشوں و بازاروں میں ایک ساتھ گھومنا ۵۶۴
۱۰۶۳۷ نامحرم لڑکیوں کے ساتھ کاروبار کرنے کا حکم ۵۶۶

۱۰۶۳۸ دفاتر میں کام کرنے والی عورتوں پر نظر پڑ جانا کیسا؟ ۵۶۷
۱۰۶۳۹ عورتوں کا بغیر محرم کے اجتماعات، قرآن خوانی ونشرح کی مجلس میں جانا........ ۵۶۹
۱۰۶۴۰ عورتوں کا بازار جانا ۵۷۰
۱۰۶۴۱ بلامحرم عورت کے لئے جہاز کا سفر ۵۷۱
۱۰۶۴۲ نامحرم کے ساتھ غیر شرعی سفر کرنا ۵۷۳
۱۰۶۴۳ بے پردہ پھرنے والی عورتوں کو دیکھنا ۵۷۴
۱۰۶۴۴ عورتوں کی ملازمت کا شرعی حکم ۵۷۵
۱۰۶۴۵ عورتوں کا گاڑی چلانا ۵۷۶
۱۰۶۴۶ ملازم سے پردہ واجب ہے یا نہیں؟ ۵۷۷
۱۰۶۴۷ غیر محرم عورتوں کو چوڑی پہنانا ۵۷۸

٦/ باب مایتعلق بالشعر (بالوں سے متعلق)

۱۰۶۴۹ بال رکھنے کا مسنون طریقہ ۴۸۰
۱۰۶۵۰ کیا بیچ سر میں مانگ نکالنا مرد وعورت دونوں کے لئے سنت ہے ۵۸۱
۱۰۶۵۱ زیب وزینت کے لئے بار بار مانگ نکالنا اور مانگ نکالنے کا سنت طریقہ ۵۸۲
۱۰۶۵۲ عورت مانگ کس طرح نکالے؟.............................. ۵۸۴
۱۰۶۵۳ لڑکیوں کے بال کس عمر تک مونڈنے کی اجازت ہے؟ ۵۸۵
۱۰۶۵۴ سفید بال مؤمن کا نور ۵۸۶
۱۰۶۵۵ سفید بال والے اور تین قسم کے لوگوں کے اعزاز واکرام کا لزوم ۵۸۷
۱۰۶۵۶ غیر مجاہدین کے لئے مونچھیں بڑھانا ۵۸۸
۱۰۶۵۷ سر پر دو چوٹیاں باندھنا ۵۸۹

۱۰۶۵۸ عورتوں کا دو چوٹیاں باندھنا ۵۹۱
۱۰۶۵۹ مسلم عورتوں کا مانگ میں افسا لگانا ۵۹۲
۱۰۶۶۰ بچیوں کے سروں پر پھول باندھنے اور دو چوٹیوں کا حکم ۵۹۲
۱۰۶۶۱ گدی یا گردن کے بال استرے سے صاف کرنا کیسا؟ ۵۹۳
۱۰۶۶۲ سینہ کا بال صاف کرنا کیسا؟ ۵۹۴
۱۰۶۶۳ عورت کا شوہر کو خوش کرنے کے لئے بدن کے بال صاف کروانا ۵۹۵
۱۰۶۶۴ بیوی کو خوش کرنے کے لئے سینہ کے بال صاف کرنا ۵۹۶
۱۰۶۶۵ بال کٹوانے کے بعد سر پر استرہ پھیرنا ۵۹۷
۱۰۶۶۶ سر منڈانا کیسا ہے؟ ۵۹۸
۱۰۶۶۷ سفید بالوں پر پیلا خضاب لگانا زیادہ بہتر ہے یا سفید حالت میں چھوڑ دینا؟ ۶۰۱
۱۰۶۶۸ سیاہ خضاب کی شرعی حیثیت ۶۰۳
۱۰۶۶۹ بیوی کو خوش کرنے کے لئے امام صاحب کا خضاب لگانا ۶۰۸
۱۰۶۷۰ داڑھی پر سیاہ خضاب لگانے کا حکم ۶۰۹
۱۰۶۷۱ بیوی کی خوشنودی کے لئے کالا خضاب لگانا ۶۱۰
۱۰۶۷۲ شوہر کو خوش کرنے کے لئے بیوی کا خضاب لگانا ۶۱۱
۱۰۶۷۳ سخت کھجلی کی بناء پر سر میں کالا خضاب لگانا ۶۱۲
۱۰۶۷۴ کیا غیر شادی شدہ نوجوان کالا خضاب لگا سکتا ہے؟ ۶۱۳
۱۰۶۷۵ رشتہ کی غرض سے داڑھی اور بالوں میں کالا خضاب لگانا ۶۱۴
۱۰۶۷۶ کن چیزوں سے موئے زیر ناف کو صاف کیا جاسکتا ہے؟ ۶۱۵
۱۰۶۷۷ مرد کے لئے بال صفا اشیاء استعمال کرنے کا حکم ۶۱۶
۱۰۶۷۸ مردوں کے لئے زیر ناف بال صاف کرنے کے لئے کیمیکل استعمال کرنے کا حکم ۶۱۷

۱۰۶۷۹ عورت موئے زیرناف کیسے صاف کرے؟ ۶۱۸
۱۰۶۸۰ زیرناف وبغل کے بال ندی نالے میں پھینکنا ۶۱۸
۱۰۶۸۱ بچہ کے سرپر جو بال ماں کے پیٹ سے آتے ہیں ان کو کیا کیا جائے؟ ۶۱۹
۱۰۶۸۲ عورتوں کے بال خرید کر چوٹی بنا کر بیچنا ۶۲۰
۱۰۶۸۳ وگ لگانے کا شرعی حکم ۶۲۱

۷/ باب ما يتعلق باللحية

۱۰۶۸۴ داڑھی کی شرعی حیثیت اور اس کی حد ۶۲۵
۱۰۶۸۵ داڑھی کی شرعًا کیا حثیت ہے؟........................ ۶۲۷
۱۰۶۸۶ ایک مشت داڑھی رکھنا واجب ہے یا سنت؟ ۵۲۹
۱۰۶۸۷ داڑھی کی واجب مقدار ۵۳۰
۱۰۶۸۸ کیا داڑھی رکھنا دلیل قطعی سے ثابت ہے؟ ۶۳۲
۱۰۶۸۹ داڑھی کے وجوب کی دلیل کیا ہے؟ ۶۳۳
۱۰۶۹۰ داڑھی کی حدبندی کا حدیث سے ثبوت ۶۳۵
۱۰۶۹۱ کیا حدیث شریف میں داڑھی کی مقدار کی کوئی حدبندی نہیں ہے؟ ۵۳۶
۱۰۶۹۲ شرعی داڑھی کی تحقیق ۶۳۷
۱۰۶۹۳ داڑھی کی شرعی مقدار اور اس میں خضاب کا مسئلہ ۶۴۰
۱۰۶۹۴ صرف ہڈی پر داڑھی رکھنے کا حکم ۶۴۲
۱۰۶۹۵ داڑھی بچہ کے کاٹنے کا حکم ۶۴۴
۱۰۶۹۶ داڑھی بھر کر آئے اس نیت سے کترنا کیسا ہے؟ ۶۴۵
۱۰۶۹۷ داڑھی کے بال اگانے کے لئے استرا پھروانا ۶۴۵

۱۰۶۹۸ عورتوں کوداڑھی یا مونچھ نکل آئے تو کاٹنا کیسا ہے؟ ۶۴۶
۱۰۶۹۹ داڑھی ایک مشت سے زائد کاٹنا اور گولائی کرنا ۶۴۷
۱۰۷۰۰ داڑھی کے بال توڑ کر پھینکنے کی حکمت ۶۴۹
۱۰۷۰۱ رخسار اور حلق کے بال منڈانا ۶۵۰
۱۰۷۰۲ داڑھی مونڈوانا کیسا ہے؟ ۶۵۰
۱۰۷۰۳ داڑھی ہوتے ہوئے کوئی غلط کام ہوجانے کے خوف سے داڑھی نہ رکھنا ۶۵۱
۱۰۷۰۴ جس کمپنی میں داڑھی کی اجازت نہ ہو، اس میں ملازمت ۶۵۳
۱۰۷۰۵ داڑھی رکھنے کی وجہ سے نوکری سے نکالنے لگے تو کیا حکم ہے؟ ۶۵۴
۱۰۷۰۵ سرحد پار کرنے کے لئے داڑھی منڈوانے کی گنجائش ۶۵۵
۱۰۷۰۵ داڑھی مونڈنے والے نائی کی اجرت کا جواز ۶۵۶

فہرست مضامین

۴۱/ بقیة كتاب الحظر والإباحة

۸/ باب: کھانے کی سنتوں اور آداب وغیرہ کا بیان

مسئلہ نمبر		صفحہ نمبر
۱۰۷۰۶	کھانا کھانے کے لئے بیٹھنے کا سنت طریقہ	۳۷
۱۰۷۰۷	کھانا کھانے کا مسنون طریقہ	۳۸
۱۰۷۰۸	کیا اکڑو بیٹھ کر کھانا حضور ﷺ سے ثابت ہے؟	۳۹
۱۰۷۰۹	حضور ﷺ کھانے میں پانی کس وقت پیتے تھے؟	۴۱
۱۰۷۱۰	میز و کرسی پر کھانا، کھانا	۴۴
۱۰۷۱۱	کھڑے ہو کر کھانا پینا	۴۵
۱۰۷۱۲	کھڑے ہو کر کھانا پینا کیسا ہے؟	۴۶
۱۰۷۱۳	تین انگلیوں سے کھانا کب مسنون؟	۵۰
۱۰۷۱۴	کیا کھانے کی ابتداء وانتہا نمک پر کرنا مسنون ہے؟	۵۱
۱۰۷۱۵	نمک سے کھانا شروع کرنا اور نمک سے ختم کرنے کا حکم	۵۲
۱۰۷۱۶	سر ڈھانک کر کھانا کھانا کیسا ہے؟	۵۳
۱۰۷۱۷	کھاتے وقت سر ڈھانکنا کیسا ہے؟	۵۴
۱۰۷۱۸	ٹوپی پہن کر کھانا کھانا	۵۵

۱۰۷۱۹ خورد ونوش کے وقت سر ڈھانکنا ۵۵
۱۰۷۲۰ کھانا کھانے اور پانی پینے کے وقت سر ڈھانکنا ۵۶
۱۰۷۲۱ پانچوں انگلیوں سے کھانا کھانے کی صورت میں چاٹنے کی ترتیب ۵۷
۱۰۷۲۲ کھانے کے بعد دانتوں کو صاف کرکے اس پانی کو نگلنا ۵۸
۱۰۷۲۳ کھانے کے بعد پلیٹ میں کھانا چھوڑنا ۵۹
۱۰۷۲۴ کھائے ہوئے برتن میں ہاتھ دھونے کا حکم ۶۰
۱۰۷۲۵ کھانے کے بعد پانی پینا کیسا ہے؟ ۶۲
۱۰۷۲۶ کھانا کھانے کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا ۶۴
۱۰۷۲۷ سب سے افضل ترین پانی کونسا ہے؟ ۶۵
۱۰۷۲۸ بوتل سے منھ لگا کر پانی پینا ۶۶
۱۰۷۲۹ دایاں ہاتھ شوربہ میں ملوث ہونے کی وجہ سے بائیں ہاتھ سے کھانا نکالنا .. ۶۷
۱۰۷۳۰ پھل وغیرہ کو چاقو سے کاٹ کر کھانا ۶۸
۱۰۷۳۱ بائیں ہاتھ سے کھانا ۶۹

۹/ باب: حلال وحرام اشیاء کا بیان

۱۰۷۳۲ کونسا سرکہ کھانا سنت ہے؟ ۷۰
۱۰۷۳۳ ڈالڈا گھی کا استعمال ۷۱
۱۰۷۳۴ کولگیٹ کا استعمال کرنا ۷۱
۱۰۷۳۵ پارلے جی بسکٹ کا کھانا ۷۲
۱۰۷۳۶ اجمیر کی مٹھائی کا حکم ۷۳

۱۰۷۳۷ دودھ پھاڑ کر گلاب جامن بنانا ۷۴

۱۰۷۳۸ اللہ لکھے ہوئے آلو کا کیا کریں؟ ۷۵

۱۰۷۳۹ گھر کا بچا ہوا کھانا خاکروب کو دینا ۷۶

۱۰۷۴۰ کھانے میں کیڑے یا مینگنی کا نکلنا ۷۷

۱۰۷۴۱ کھانے کی چیز میں جائفل اور دیگر نشہ آور چیز ڈالنا ۷۸

۱۰۷۴۲ مضطر نے اگر اکل حرام کے ذریعہ جان نہیں بچائی، تو کیا وہ گنہگار رہے؟ .. ۷۹

۱۰۷۴۳ ہوائی جہاز کی چیزوں کا کھانا کیسا ہے؟ ۸۰

۱۰۷۴۴ ہوائی جہاز کی طرف سے ملنے والے ہوٹلوں کے کھانے کا حکم ۸۱

۱۰۷۴۵ غیر مما لک کے پیکٹ کا گوشت ۸۲

۱۰۷۴۶ تمباکو استعمال کرنے والی عورت کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا حلال ہے؟ ... ۸۳

۱۰۷۴۷ مدارس اسلامیہ میں آنے والے گوشت کا کھانا ۸۴

۱۰۷۴۸ یتیم خانے کا کھانا خرید کر کھانا ۸۵

۱۰۷۴۹ غیر مسلم کے یہاں میت کا کھانا کھانا کیسا ہے؟ ۸۶

۱۰۷۵۰ غیر مسلم کا پکایا ہوا گوشت کھانا ۸۶

۱۰۷۵۱ غیر مسلم قصاب سے مسلمانوں کا گوشت خرید کر کھانا کیسا ہے؟ ۸۷

۱۰۷۵۲ ہندو کی دوکان سے مٹھائی خریدنا ۸۸

۱۰۷۵۳ غیر مسلم کے ہوٹل میں گوشت کھانا ۸۹

۱۰۷۵۴ غیر مسلم ہوٹل کے مسلم کارندے حلال گوشت کی خبر دیں تو؟ ۹۰

۱۰۷۵۵ غیر مسلم کے جس ہوٹل میں مسلم وغیر مسلم دونوں کارندے ہوں
وہاں گوشت کھانا ۹۱

۱۰۷۵۶ غیر مسلم ہوٹلوں میں گوشت کے علاوہ دیگر اشیاء سبزی وغیرہ کھانا ۹۲
۱۰۷۵۷ کھانے پینے کی اشیاء میں سور کی چربی ملی ہونے کے نوٹس کا حکم ۹۴
۱۰۷۵۸ E کوڈ کی شرعی حیثیت ۹۶
۱۰۷۵۹ E کوڈ کا شرعی حکم ۹۸
○ ای-کوڈ (E-Code) میں پوشیدہ ہیں کئی گہرے راز ۱۰۰
۱۰۷۶۰ مردار بکری یا مرغی غیر مسلم کو کھانے کے لئے دینے کا حکم ۱۰۳

۱۰/ باب: حلال وحرام جانور

۱۰۷۶۱ حلال جانوروں کو کھانے کا حکم کب نازل ہوا؟ ۱۰۴
۱۰۷۶۲ حلال جانور پر ”جلالہ“ کا حکم کب لگتا ہے؟.................. ۱۰۵
۱۰۷۶۳ جلالہ جانور کو بند رکھ کر پاک غذا کھلانے کا حکم وجوبی ہے یا استحبابی؟ .. ۱۰۷
۱۰۷۶۴ طوطا، مینا حلال ہے اور ان کا کھانا جائز ہے ۱۰۹
۱۰۷۶۵ امریکن گائے ۱۱۱
۱۰۷۶۶ سمک طافی ۱۱۲
۱۰۷۶۷ خنزیر کے اجزاء کھا کر پرورش پانے والی مچھلیوں کا حکم ۱۱۴
۱۰۷۶۸ ناپاک غذا کھانے والی مچھلی کا حکم ۱۱۵
۱۰۷۶۹ گندگی سے پرورش پانے والی مچھلیوں کا کھانا ۱۱۶
۱۰۷۷۰ کیا حرام غذا سے پرورش شدہ مچھلیوں کا کھانا حلال ہے؟ ۱۱۷
۱۰۷۷۱ لاوارث جانور کا حکم ۱۱۹
۱۰۷۷۲ کونسا کوا کھانا حلال ہے؟.. ۱۲۰

۱۰۷۷۳ مسلک شافعی میں کچھوا کھانے کا حکم ۱۲۱
۱۰۷۷۴ جھینگا اور کیکڑا حلال ہے یا نہیں؟ ۱۲۲
۱۰۷۷۵ مارماہی ۱۲۳
۱۰۷۷۶ ''جھینگا مچھلی نہیں'' ائمہ اربعہ اور اکابر دیوبند کا کیا موقف ہے؟ ۱۲۳
۱۰۷۷۷ جھینگا مچھلی کی حلت وحرمت سے متعلق علماء احناف کا راجح قول ۱۲۵
۱۰۷۷۸ جھینگا مچھلی کا حکم ۱۲۶
۱۰۷۷۹ دریائی جھینگا کا حکم ۱۲۷
۱۰۷۸۰ جھینگہ کے متعلق ایک تحقیقی فتویٰ ۱۲۹
۱۰۷۸۱ خنزیر کے دودھ سے پرورش شدہ بکری کے بچہ کا حکم ۱۳۶
۱۰۷۸۲ ناپاک اور پاک چارا دونوں کھانے والے جانور کا حکم ۱۳۸
۱۰۷۸۳ بکری اور کتا، اسی طرح سور اور بکری کے اختلاط سے پیدا شدہ بچے کا حکم . ۱۳۹
۱۰۷۸۴ دانہ سے پرورش شدہ مرغیوں کا کھانا............................ ۱۴۰
۱۰۷۸۵ انسان کے براز کھانے والے مرغ کا حکم ۱۴۱
۱۰۷۸۶ ابھی ابھی انسان کا براز جس مرغ نے کھایا اس کا حکم؟ ۱۴۲
۱۰۷۸۷ عام غذا دانہ وغیرہ ہوں اور ساتھ میں خنزیر کے اجزاء بھی کھلائے تو کیا حکم؟ ... ۱۴۳

۱۱/ باب الإنتفاع بالحیوانات

۱۰۷۸۸ گائے کا گوشت کھانا جائز ہے یا نہیں؟ ۱۴۵
۱۰۷۸۹ ولادت کے فوراً بعد گائے کے دودھ کا حکم ۱۴۶
۱۰۷۹۰ انجکشن کے ذریعہ جانوروں سے دودھ حاصل کرنا ۱۴۶

١٠٧٩١ انجکشن کے ذریعہ بھینس کا دودھ نکالنا ١٤٧

١٠٧٩٢ جرسی گائے کا دودھ اور گوشت کھانا ١٤٧

١٠٧٩٣ امریکن گائے کے دودھ کا حکم ١٤٨

١٠٧٩٤ امریکن گائے کا دودھ اور گوشت حلال ہے؟ ١٤٩

١٠٧٩٥ مری ہوئی مرغی کا انڈا ١٥٠

١٠٧٩٦ جس مرغی کا مرغے کے ساتھ اختلاط نہ ہوا ہو اس کا انڈا ١٥٠

١٠٧٩٧ کتیا کا دودھ پینے والے گائے کے بچے کے گوشت کا حکم ١٥١

١٠٧٩٨ جس گائے سے زنا کیا گیا، تو اس کو کیا جائے ١٥٢

١٠٧٩٩ بکری کا وہ بچہ جس کا سر کتے اور بقیہ دھڑ بکری کی طرح ہو اس کا کھانا . ١٥٣

١٠٨٠٠ حلال جانوروں کے خصیتین کا کھانا ١٥٥

١٠٨٠١ بکرے کے خصیوں کو دوا کے طور پر استعمال کرنا ١٥٦

١٠٨٠٢ چھوٹی مچھلی کو آلائش سمیت بھون کر کھانا ١٥٧

١٠٨٠٣ مرغ یا بطخ کی کھال کھانا ١٥٨

١٠٨٠٤ مرغ یا بطخ ذبح کرنے کے بعد بال ختم کرنے کے لئے گرم پانی میں ڈالنا . ١٥٨

١٠٨٠٥ مرغی ذبح کر کے گرم پانی میں ڈالنا ١٥٩

١٠٨٠٦ جس مرغی کو ذبح کر کے گرم پانی میں ڈالدیا جائے اس کا کھانا........ ١٦٠

١٠٨٠٧ جس کھانے میں خنزیر کے بال نکل آئیں وہ حلال ہے یا حرام؟ ١٦١

١٠٨٠٨ حرام مغز کا حکم ١٦٢

١٠٨٠٩ مأکول اللحم کی اوجھڑی کا حکم ١٦٣

۱۰۸۱۰ حلال جانور کی انتڑی حلال ۱٦۳

۱۰۸۱۱ حلال جانور کے حرام اجزاء اور حرام مغز کا حکم ۱٦۵

۱۰۸۱۲ مرغ کے اندر کیا کیا چیزیں حرام یا مکروہ ہیں ۱٦٦

۱۰۸۱۳ حرام مغز اور پیٹھ کی ہڈی حلال ہے یا حرام ۱٦۷

۱۰۸۱۴ حرام مغز اور غدود دونوں ایک ہیں یا الگ الگ؟ ۱٦۸

۱۰۸۱۵ حلال جانوروں میں کیا کیا حرام ہیں؟ ۱۷۲

۱۰۸۱٦ حلال جانوروں کے سات اعضاء کا حکم ۱۷۳

۱۰۸۱۷ کرش وامعاء کی حلت وحرمت کا حکم ہے ۱۷۴

۱۰۸۱۸ حلال جانور کی کھال گوشت کے ساتھ استعمال کرنا ۱۸۰

۱۰۸۱۹ مردار جانور کی ہڈی اور کھال فروخت کرنا ۱۸۰

۱۰۸۲۰ حرام جانوروں کے اجزاء سے مرغی کی غذا تیار کرنا ۱۸۱

۱۰۸۲۱ مذبوحہ جانوروں کے خون سے کھاد اور مچھلیوں کی غذا بنانا ۱۸۴

۱۰۸۲۲ خنزیر کے بالوں سے تیار شدہ برش کا استعمال ۱۸۷

۱۰۸۲۳ خنزیر کی رقم سے اپنی ضروریات پوری کرنا ۱۸۸

۱۲/ باب ما یحل قتله وما لا یحل

۱۰۸۲۴ کن جانوروں کو مارنے کی اجازت ہے؟ ۱۹۰

۱۰۸۲۵ ٹوکری میں بند کرنے کی وجہ سے بلی مرگئی ۱۹۱

۱۰۸۲٦ بلاقصد جھاڑو سے چیونٹیاں مرجائیں تو کیا حکم ہے؟ ۱۹۳

۱۰۸۲۷ گاندھلی کو آگ سے جلانا ۱۹۳
۱۰۸۲۸ مکڑی مارنے کا حکم ۱۹۴
۱۰۸۲۹ مچھروں کو الیکٹرونک بیٹ سے مارنا کیسا ہے؟ ۱۹۵

۱۳/ باب الخمر والدخان

۱۰۸۳۰ شراب پینا کیسا ہے؟ ۱۹۷
۱۰۸۳۱ ما اسکر کثیرہ فقلیلہ حرام کا مطلب اور بیڑی وغیرہ کا کیا حکم ہے؟ ... ۱۹۷
۱۰۸۳۲ غیر مسکر شراب کے استعمال کا حکم ۱۹۹
۱۰۸۳۳ بیئر بنانے، فروخت کرنے اور پینے کا حکم ۲۰۱
۱۰۸۳۴ فروٹ بیئر کے استعمال کا حکم ۲۰۲
۱۰۸۳۵ حلال اشیاء سے بنی ہوئی اسپرٹ کا حکم ۲۰۳
۱۰۸۳۶ تاڑی کی حرمت کا ثبوت ۲۰۴
۱۰۸۳۷ مسلمان کا اپنے ڈھابہ میں شراب پینے کی اجازت دینے کا حکم ۲۰۵
۱۰۸۳۸ الکحل اور سینٹ کا حکم ۲۰۶
۱۰۸۳۹ کیا شراب، پیشاب، سود، اور لحم خنزیر کی حرمت برابر ہے؟ ۲۰۷
۱۰۸۴۰ شراب پینا یا خنزیر کا گوشت کھانا ۲۰۸
۱۰۸۴۱ شراب کی بوتل بیچنے والے کی آمدنی کا حکم ۲۰۹
۱۰۸۴۲ تمباکو وسگریٹ نوشی کا حکم ۲۱۰
۱۰۸۴۳ گٹکا کھانا ۲۱۱

۱۰۸۴۴ گل منجن کرنا ۲۱۲
۱۰۸۴۵ پیپسی، تھمس اپ، وغیرہ کولڈرنگ کا استعمال کیسا ہے؟ ۲۱۲
۱۰۸۴۶ موجودہ دور میں پیپسی، کوکا کولا وغیرہ مشروبات کا استعمال ۲۱۳

۱۴/ باب في الهدايا والضيافات

۱۰۸۴۷ کھانے کے دوران آنے والے فقیر کی ضیافت ۲۱۵
۱۰۸۴۸ شادی کی تقریب میں شرکت ۲۱۶
۱۰۸۴۹ شرابیوں کو اپنے ہوٹل میں کھانا کھلانا ۲۱۷
۱۰۸۵۰ جھاڑو دینے والے کا جھوٹا کھانا ۲۱۸
۱۰۸۵۱ حجّام کی دعوت اور قربانی میں شرکت کا حکم ۲۱۸
۱۰۸۵۲ نائی کی کمائی سے دعوت قبول کرنا ۲۲۰
۱۰۸۵۳ خریداروں کو مدعو کر کے بطور ضیافت مٹھائی اور کلنڈر دینا............ ۲۲۱
۱۰۸۵۴ بقایا رقم کی وصولی کے لئے خریداروں کی دعوت کرنا ۲۲۳
۱۰۸۵۵ دودھ میں پانی ملا کر فروخت کرنے والے کے یہاں کھانا کھانا ۲۲۴
۱۰۸۵۶ بینک میں فکس ڈپوزٹ کرنے والوں کی دعوت قبول کرنا ۲۲۶
۱۰۸۵۷ جس کی اکثر کمائی حلال ہو اسکے یہاں کھانا کھانا ۲۲۷
۱۰۸۵۸ مخنث سے تعلق قائم کرنے، اور ان کی دعوت قبول کرنے کا حکم ۲۲۸
۱۰۸۵۹ جس کی کمائی حرام ہو اس کے یہاں دعوت کھانا ۲۲۹
۱۰۸۶۰ مردار کی کھال وہڈی فروخت کرنے والے کی دعوت وامامت کا حکم .. ۲۳۱

١٠٨٦١ متقی شخص کے لئے حرام آمدنی والے کی دعوت قبول کرنا ۲۳۲
١٠٨٦٢ حرام کمائی کرنے والے کا حلال رقم سے مہمان نوازی کرنا ۲۳۳
١٠٨٦٣ سود کھانے والے کی دعوت قبول کرنے کا حکم ۲۳۵
١٠٨٦٤ خنزیر کے بالوں کا برش بنانے والے کی دعوت قبول کرنے کا حکم ۲۳۶
١٠٨٦٥ کیا مسلمان کیلئے غیر مسلم کی دعوت قبول کرنا جائز ہے یا نہیں؟ ۲۳۷
١٠٨٦٦ کیا ہولی اور دیوالی کی مٹھائی مسلمان کھا سکتے ہیں؟ ۲۳۸
١٠٨٦٧ دیوالی میں غیر مسلم کا تحفہ مٹھائی وغیرہ قبول کرنا ۲۳۹
١٠٨٦٨ کیا بھنگی کے گھر کھانا کھانا دھوبی کے گھر کھانا کھانے سے بہتر ہے؟ .. ۲۴۰
١٠٨٦٩ بطور ہدیہ موبائل میں ریچارج کرانا ۲۴۱

۱۵/ باب الموالات مع الکفار

١٠٨٧٠ کفار کے یہاں کون سی چیز حلال یا حرام ہے اس کی تحقیق کا حکم ۲۴۳
١٠٨٧١ ہندو مسلم کا ایک دوسرے کو تہواروں پر ہدیہ دینا ۲۴۴
١٠٨٧٢ غیر مسلموں کے مذہبی تہواروں کے موقع پر ان سے مٹھائیاں لینا..... ۲۴۵
١٠٨٧٣ غیر مسلم سے انکے تہوار پر مٹھائی وغیرہ لینا.......................... ۲۴۷
١٠٨٧٤ مسلم مزدور کا ہندو مالک سے اس کے تہوار پر ہدیہ قبول کرنا ۲۴۷
١٠٨٧٥ دیوالی کے موقع پر غیر مسلم لڑکی کا مسلم لڑکے کو ٹیکہ لگانا ۲۴۹
١٠٨٧٦ ہندوؤں کے مذہبی تہواروں میں شرکت کرنا.......................... ۲۴۹

۱۰۸۷۷ غیر مسلموں کے تہوار میں شرکت اور مبارکباد کا حکم ۲۵۰
۱۰۸۷۸ انگریزوں کی طرح مکان کے افتتاح میں عالم کی شرکت ۲۵۱
۱۰۸۷۹ غیروں کی مشابہت اختیار کرنا ۲۵۲
۱۰۸۸۰ کافر کے جھوٹے کا حکم ۲۵۵
۱۰۸۸۱ قادیانی بھائی سے میل جول رکھیں یا نہیں؟ ۲۵۶
۱۰۸۸۲ شیعوں کے ساتھ کھانا کھانا کیوں ممنوع ہے؟ ۲۵۷
۱۰۸۸۳ حنفیوں کا شیعوں کے ساتھ کھانا پینا ۲۵۷
۱۰۸۸۴ غیر مسلم کو مستقل باورچی بنانے اور اپنے ساتھ کھلانے کا حکم ۲۵۸
۱۰۸۸۵ غیر مسلم کیلئے خنزیر وشراب کی خرید وفروخت کا حکم ۲۵۹
۱۰۸۸۶ ہندؤں کے رہنماؤں کی شان میں کہے گئے اشعار کا حکم ۲۶۰
۱۰۸۸۷ غیر مسلموں سے تعلق کی حد ۲۶۲
۱۰۸۸۸ کافر کے گھر پر کھانا کھانا کیسا ہے؟ ۲۶۴
۱۰۸۸۹ ادھیوگ ویاپار پریشد منڈل سے تعلق رکھنے کا حکم ۲۶۴
۱۰۸۹۰ فساق وفجار کے ساتھ رہن سہن کا حکم ۲۶۷
۱۰۸۹۱ غیر مسلم کی چھینک کا جواب کس وقت دیا جائے گا؟ ۲۶۸
۱۰۸۹۲ گرجا گھر اور مندر کی امداد کرنے کا حکم ۲۶۹
۱۰۸۹۳ ہندؤں کو چندہ دینا ۲۷۰
۱۰۸۹۴ کیا غیر مسلم مالدار غریب مسلمان کی امداد کرسکتا ہے؟ ۲۷۰
۱۰۸۹۵ مسلمان کا پرشاد کے چندہ میں شرکت کرنا ۲۷۱

١٠٨٩٦ پوجا کے لئے چندہ دینا ٢٧٢
١٠٨٩٧ غیر مسلم تنظیم کا مسلم لڑکی کی شادی بیاہ میں امداد کرنا ٢٧٣
١٠٨٩٨ مندر کے لئے چندہ دینا ٢٧٤
١٠٨٩٩ نمائش میں شرکت کا حکم ٢٧٥
١٠٩٠٠ ہندو و مسلم تہواروں کے موقعوں پر لگے میلے میں دوکان لگانا ٢٧٦
١٠٩٠١ غیر مسلم کے مذہبی سامان کی خرید وفروخت کرنا ٢٧٧
١٠٩٠٢ ہندو ملازم کا دوکان میں پوجا کرنا ٢٧٩
١٠٩٠٣ مسلم کا غیر مسلم کی رسومات میں شرکت کرنا ٢٧٩
١٠٩٠٤ غیر مسلموں کی شادی بیاہ یا ان کے جنازہ میں شریک ہونا ٢٨٠
١٠٩٠٥ غیر مسلم کی شادی وغم میں شرکت کرنا ٢٨١
١٠٩٠٦ غیر مسلم میت کو جلانے کے لئے جانا ٢٨٣
١٠٩٠٧ مسلم وغیر مسلم کا ایک دوسرے کی میت میں شریک ہونا............ ٢٨٤
١٠٩٠٨ عذر شدید کی بناء پر غیر مسلم کی لاش شمشان لے جانا اور اس
کے گھر کھانا بھیجنا ٢٨٤
١٠٩٠٩ غیر مسلم کے چڑھاوے کا حکم ٢٨٦
١٠٩١٠ میاں بیوی کا غیر مسلم دوستوں کے ساتھ مندر جانا ٢٨٨
١٠٩١١ اگر ودوارے وغیرہ پر تیار کیا ہوا حلوہ کھانا کیسا ہے؟ ٢٨٩
١٠٩١٢ غیر مسلموں کے میلوں میں مسلمان کا دوکان لگانا.................. ٢٩٠

اہل کتاب اوران سے متعلق احکام کا تحقیقی جائزہ

- اہل کتاب کسے کہتے ہیں؟ ۲۹۱
- صابئین سے کون سی قوم مراد ہے؟ ۲۹۲
- موجودہ دور کے یہود ونصاریٰ کا ذبیحہ اوران کی عورتوں سے مناکحت .. ۲۹۵
- دین محمدی کے نزول کے بعد پیدا ہونے والی قوم کا حکم ۲۹۸
- نسلی قادیانی بھی زندیق ۳۰۰
- کتابیہ عورت سے مناکحت میں دارالاسلام ودارالحرب کا فرق ۳۰۲
- دعوتی نقطۂ نظر سے کتابیہ عورت سے نکاح کرنا ۳۰۵
- کیا ہندؤں کے اوتار نبی تھے؟ اور ویدیں آسمانی کتابیں ہیں؟ ۳۰۶
- عیسائی اسکولوں میں تعلیم ۳۰۸
- کتابیہ اور مسلمہ کے درمیان برابری کا فرق ۳۱۰
- عیسائی مشنریز اداروں میں ملازمت ۳۱۲

۱۶/ باب المال الحرام ومصرفه

۱۰۹۱۳ مال حرام کا ایک لقمہ کھانے سے نماز کی قبولیت کا حکم ۳۱۵

۱۰۹۱۴ طالب علم کا اپنے ساتھی کی چیز بلا اجازت استعمال کرنا ۳۱۶

۱۰۹۱۵ مال حرام میں تعدی پائی جاتی ہے یا نہیں؟ ۳۱۷

۱۰۹۱۶ مالک معلوم نہ ہونے کی صورت میں چوری کے مال کا مصرف ۳۱۸

۱۰۹۱۷ زائد تول کے ذریعہ جمع شدہ رقم حلال نہیں ۳۱۹

۱۰۹۱۸ اسکول میں پروگرام کے حیلہ سے ڈرائیوروں سے جبراً روپیہ وصول کرنا .. ۳۲۰

۱۷/ باب الأدب

۱۰۹۱۹ کتے کو بسم اللہ پڑھ کر روٹی دینا ۳۲۲
۱۰۹۲۰ امرد سے خدمت لینا ۳۲۳
۱۰۹۲۱ اچھے کاموں میں دائیں ہاتھ کا استعمال کرنا ۳۲۳
۱۰۹۲۲ رات میں ناخن تراشنے کا حکم ۳۲۴
۱۰۹۲۳ کیا مجمع عام میں چھینکنے والے کا جواب دینا لازم ہے؟ ۳۲۵
۱۰۹۲۴ کیا داہنی کروٹ پر ہی اٹھنا سنت ہے؟ ۳۲۶
۱۰۹۲۵ قبلہ کی طرف پشت کر کے بیٹھنا ۳۲۷
۱۰۹۲۶ غصہ کا علاج ۳۲۷
۱۰۹۲۷ دوسروں سے جسمانی خدمت لینے کے احکام ۳۲۸

معذوروں اور بوڑھوں کے حقوق کا تحقیقی جائزہ

- والدین کسی قدر کسب معاش پر قادر ہوں تو ان کا نفقہ اولاد پر لازم ہے یا نہیں؟ .. ۳۳۱
- عمر رسیدہ لوگوں کا نفقہ وعلاج دوسروں پر کب واجب ہوگا؟ ۳۳۴
- صاحب ثروت والدین کا خرچہ اولاد پر نہیں ۳۳۵
- کسب معاش کے لئے بوڑھے والدین کو چھوڑ کر دوسری جگہ چلا جانا . ۳۳۷
- کیا عورت پر ساس، خسر کی خدمت لازم ہے؟ ۳۳۹
- کیا ماں باپ کی خدمت بیٹوں کی طرح بیٹیوں پر بھی واجب ہے؟ .. ۳۴۰
- نکاح ثانی کرنے پر اولاد کو رکاوٹ بننے کا حق نہیں ۳۴۳

○ کیااولادکوباپ کی زندگی میں اپنے حق کے مطالبہ کاحق ہے؟........ ۳۴۵
○ عمررسیدہ لوگوں کوہاسپٹل میں داخل کردینا ۳۴۶
○ اجتماعی کفالت کے لئے زکوۃ جمع کرنا ۳۴۸
○ عمررسیدہ لوگوں کے لئے سرکاری مراعات سے فائدہ اٹھانا ۳۴۹

۱۸/باب اللهو واللعب

۱۰۹۲۸ چھٹی کس دن منائیں اور کھیل کود کا حکم ۳۵۳
۱۰۹۲۹ کبوتر بازی کا حکم ۳۵۷
۱۰۹۳۰ پرندہ پالنا کیسا ہے؟ ۳۵۸
۱۰۹۳۱ تعلیمی تاش کھیلنا جائز ہے یا نہیں؟ ۳۵۹
۱۰۹۳۲ تفریحاً تاش کھیلنا........................ ۳۶۰
۱۰۹۳۳ بغرض تفریح لوڈو کھیلنا ۳۶۱
۱۰۹۳۴ لوڈو اور کیرم بورڈ کھیلنا........................ ۳۶۲
۱۰۹۳۵ کیرم کھیلنا ۳۶۳
۱۰۹۳۶ پتنگ بازی جائز ہے یا نہیں؟ ۳۶۴
۱۰۹۳۷ پتنگ کٹنے کے بعد اس میں لگے روپیہ کا مالک کون؟ ۳۶۵
۱۰۹۳۸ پتنگ کٹ جانے کے بعد اس کا مالک کون ہے؟ ۳۶۶
۱۰۹۳۹ مال کی ہار جیت کے بغیر شطرنج اور چوسر کھیلنا ۳۶۷
۱۰۹۴۰ کرکٹ، ہاکی، لوڈو، تاش وغیرہ کھیلنا ۳۶۸
۱۰۹۴۱ کرکٹ کھیل کا حکم ۳۶۹

۱۰۹۴۲ علماء وطلباء کا کرکٹ وغیرہ کھیلنا ۳۷۰

۱۰۹۴۳ کرکٹ سے متعلق چند سوالات کے جوابات ۳۷۱

۱۰۹۴۴ انڈیا ٹیم کی جیت کے لئے دعا کرنا ۳۷۶

۱۹/ باب استعمال الذهب والفضة وغيرها

۱۰۹۴۵ مردوں کے لئے کن چیزوں میں چاندی کا استعمال جائز؟ ۳۷۸

۱۰۹۴۶ مرد کے لئے چاندی کی انگوٹھی کے نگینہ پر سونا استعمال کرنا ۳۷۹

۱۰۹۴۷ سونے کا نگ لگی ہوئی انگوٹھی کے استعمال کا حکم ۳۸۰

۱۰۹۴۸ چاندی کے علاوہ دیگر دھاتوں کی انگوٹھی پہننا ۳۸۱

۱۰۹۴۹ مرد کے لئے مختلف دھاتوں کی انگوٹھی پہننا ۳۸۲

۱۰۹۵۰ مرد کے لئے سونے چاندی کے بٹن کا استعمال ۳۸۳

۱۰۹۵۱ ایضاح المسائل کے ایک مسئلہ پر اعتراض کا جواب ۳۸۵

۱۰۹۵۲ ایضاح المسائل کے ''سونے چاندی کے بٹن لگانے'' والے مسئلہ پر اعتراض .. ۳۸۷

۱۰۹۵۳ جس کرتے میں سونے چاندی کے تار ہوں اس کا استعمال ۳۸۸

۱۰۹۵۴ مرد کے لئے سونے کی انگوٹھی پہننا ۳۸۹

۱۰۹۵۵ مرد کے لئے سونے کی چیز استعمال کرنے کا حکم ۳۸۹

۱۰۹۵۶ عورتوں کا ناک میں زیور پہننا ثابت ہے یا نہیں؟ ۳۹۰

۱۰۹۵۷ عورت کے لئے پیر اور کان میں زیور پہننے کا جواز ۳۹۱

۱۰۹۵۸ عورتوں کے لئے کالے وسنہرے موتیوں کے ہار کے استعمال کا حکم ... ۳۹۲

۱۰۹۵۹ چٹکی اور بچھیا (زیور) پہننا ۳۹۳
۱۰۹۶۰ سونے و چاندی کے علاوہ دیگر دھات کی انگوٹھی کا حکم ۳۹۴
۱۰۹۶۱ لوہے کی انگوٹھی اور چین کا استعمال ۳۹۵
۱۰۹۶۲ سونے، چاندی کے علاوہ دیگر دھات کی انگوٹھی اور چین کا مسئلہ ۳۹۶
۱۰۹۶۳ سونے، چاندی کے علاوہ دیگر دھاتوں کی بنی انگوٹھی کے استعمال کا حکم .. ۳۹۸
۱۰۹۶۴ عورت کے لئے سونے، چاندی کے علاوہ دیگر دھات کا زیور استعمال کرنا .. ۴۰۲
۱۰۹۶۵ آرٹی فیشل زیورات کے استعمال کا حکم ۴۰۳
۱۰۹۶۶ معاشرہ میں رائج مختلف دھاتوں کے زیورات کا حکم ۴۰۴
۱۰۹۶۷ عورتوں کے لئے دیگر دھاتوں کے زیورات پہننا ۴۰۵
۱۰۹۶۸ عورت کے لئے چوڑی و مہندی کا استعمال ۴۰۷
۱۰۹۶۹ کیا بجنے والی چوڑی زیور ہے؟ ۴۰۸
۱۰۹۷۰ سونے کا پانی چڑھی ہوئی گھڑی پہننا ۴۰۹
۱۰۹۷۱ سونے، چاندی کے پالش شدہ برتن کا استعمال ۴۰۹

۲۰/باب کسب الحلال والحرام

۱۰۹۷۲ اللہ کے حکم کو توڑ کر روزی کمانا ۴۱۱
۱۰۹۷۳ وکالت کی اجرت حلال ہے یا حرام؟ ۴۱۲
۱۰۹۷۴ ملکی قانون کی خلاف ورزی کے ساتھ تجارت ۴۱۲
۱۰۹۷۵ قانون کے خلاف ٹرک میں کیروسین ڈلوانا ۴۱۳

١٠٩٧٦ گیس سلنڈر کو بلیک میں فروخت کرنا ۴١۵
١٠٩٧٧ دھوکہ کی تجارت کا حکم ۴١٧
١٠٩٧٨ سعودیہ عمرہ کی نیت سے جا کر ملازمت کرنے والے کی آمدنی کا حکم .. ۴١٨
١٠٩٧٩ عورت کی نوکری کا پیسہ شوہر کے لئے استعمال کرنا ۴١٨
١٠٩٨٠ معاشی تنگی کی وجہ سے عورتوں کا کام کرنا ۴٢٠
١٠٩٨١ جوان لڑکی کا لڑکے لڑکیوں کو اسکول میں ایک ساتھ پڑھانا ۴٢٠
١٠٩٨٢ پاندان بنانا ۴٢٢
١٠٩٨٣ داڑھی مونڈنے والے نائی کی اجرت ۴٢٣
١٠٩٨۴ نائی کی کمائی کار خیر میں خرچ کرنے کا حکم ۴٢۴
١٠٩٨۵ شرعی لباس کے ساتھ غیر شرعی لباس کی تجارت ۴٢٦
١٠٩٨٦ درزی کے لئے فساق کا لباس سینا اور اس کی اجرت ۴٢٧
١٠٩٨٧ ڈگری حاصل کئے بغیر ڈاکٹری کا پیشہ کرنا ۴٢٨
١٠٩٨٨ ٹی وی کی مرمت کی اجرت حلال ہے یا حرام ۴٢٩
١٠٩٨٩ ٹیلیویژن کی تجارت کی آمدنی حلال یا حرام؟ ۴٣٠
١٠٩٩٠ ٹی وی، ریڈیو، موبائل وغیرہ کے سامان کا کاروبار کرنا ۴٣٢
١٠٩٩١ جعلی سرٹیفکیٹ سے حاصل شدہ نوکری کا پیشہ حلال یا حرام؟ ۴٣٣
١٠٩٩٢ تصویر کشی کی اجرت حلال ہے یا نہیں؟ ۴٣۴
١٠٩٩٣ بیڑی، سگریٹ کی تجارت اور اس کا پیشہ ۴٣۵

۱۰۹۹۴ جانوروں کو ادھیا پر دینا ۴۳۶
۱۰۹۹۵ جانوروں کو حاملہ کرانے کے لئے انجکشن لگوانا اور اس کی اجرت لینا ... ۴۳۷
۱۰۹۹۶ غیر مسلم کی پوجا کی تصویریں فروخت کرنا ۴۳۸
۱۰۹۹۷ لہو ولعب کی اشیاء بنا کر کرایہ پر دینا ۴۳۹
۱۰۹۹۸ کم تنخواہ دیکر زیادہ پر دستخط کرانا ۴۴۰
۱۰۹۹۹ فسادات میں لوٹے ہوئے مال کی خرید وفروخت ۴۴۱
۱۱۰۰۰ غیر مسلم، مسلمان کو شراب وخنزیر کا پیسہ تحفہ میں دے تو کیا حکم؟ ۴۴۲
۱۱۰۰۱ نشہ آور چیز کا کاروبار و بلیک مارکٹنگ کا حکم ۴۴۳
۱۱۰۰۲ ٹیکسی سے شرابیوں کو شراب خانے لے جانا اور ان کو کمرے کرایہ پر دینا .. ۴۴۴
۱۱۰۰۳ مسلم مزدور کا سرکاری دفتر میں پھینکی ہوئی خالی شراب کی بوتل کو دھل کر استعمال کرنا ۴۴۵
۱۱۰۰۴ مقدمہ کا خرچ اپنے فریق سے وصول کرنا ۴۴۶
۱۱۰۰۵ بکرے کے خصیتین کی فروختگی اور اس سے حاصل شدہ آمدنی کا حکم .. ۴۴۷
۱۱۰۰۶ حرام کمائی سے زندگی بسر کرنے کا حکم ۴۴۹
۱۱۰۰۷ چوری کے مال سے خریدی گئی حلال چیز کا دوسروں کے لئے استعمال کرنے کا حکم ۴۵۰
۱۱۰۰۸ جوے کے پیسے سے خریدی گئی زمین کی پیداوار کا حکم ۴۵۱
۱۱۰۰۹ بینڈ باجہ فروخت کر کے اس کی رقم سے دوسرا کاروبار کرنا ۴۵۲

۱۱۰۱۰ غیر مسلم کے ہاتھوں فریم کی فروختگی کا حکم ۴۵۲
۱۱۰۱۱ پھولوں کے کاروبار کا شرعی حکم ۴۵۴
۱۱۰۱۲ کسی شخص کا ضامن بننے پر اجرت لینا ۴۵۵
۱۱۰۱۳ فرضی کارڈوں سے راشن وصول کرنا ۴۵۶

۲۱/باب المعاصي و التوبة

۱۱۰۱۴ بار بار گناہ بار بار توبہ ۴۵۸
۱۱۰۱۵ توبہ کے بعد سماج کا گناہ کی عار دلا کر نیچی نگاہ سے دیکھنا ۴۵۹
۱۱۰۱۶ اسراف اور ضرورت کی حد ۴۶۰
۱۱۰۱۷ اپنے پاس کسی کی برائی کرنے والے کو منع نہ کرنے والے کا حکم ۴۶۱
۱۱۰۱۸ شیطان کا سب سے بڑا ہتھیار ۴۶۲
۱۱۰۱۹ جان بوجھ کر نماز ترک کرنا ۴۶۴
۱۱۰۲۰ نکاح نہ کرنے کی وجہ سے معصیت میں مبتلا اولاد کے گناہ میں والدین
شریک ہیں یا نہیں؟ ۴۶۵
۱۱۰۲۱ خودکشی ۴۶۶
۱۱۰۲۲ خودکشی اکبر الکبائر میں سے ہے ۴۶۷
۱۱۰۲۳ خودکشی کرنے کا گناہ خود اسی پر ہوگا ۴۶۸
۱۱۰۲۴ ڈاڑھی منڈانے اور زنا کرنے میں کونسا بڑا گناہ ہے؟ ۴۶۹
۱۱۰۲۵ ثبوت شرعی کے بغیر محض الزام لگانے سے جرم ثابت نہیں ہوگا ۴۷۰

۱۱۰۲۶ مشترک لوگوں کے پیسوں کو اپنی ضروریات میں صرف کرنا ۴۷۲

۱۱۰۲۷ کیا دور حاضر کے مانگنے والوں کو دینا اعانت علی الحرام ہے.......... ۴۷۳

۱۱۰۲۸ خوشحال کے لئے دست سوال دراز کرنا ۴۷۴

۱۱۰۲۹ نوکرانی کو باندی کا درجہ دیکر حلال سمجھنا ۴۷۵

۱۱۰۳۰ بچوں کی سالگرہ منانا ۴۷۶

۱۱۰۳۱ مختلف احکام شرعیہ کی خلاف ورزی کرنے والی عورت کا حکم ۴۷۷

۱۱۰۳۲ مسلم شخص کا ہندو کے ساتھ مندر جانا اور جے شری رام کہنا.......... ۴۷۹

۱۱۰۳۳ ماتھے پر ٹیکہ لگانا ۴۸۱

۲۲/باب ما یتعلق بالسحر

۱۱۰۳۴ جادو پر اعتماد کرنا ۴۸۳

۱۱۰۳۵ جادوگر ہونے کا الزام لگانا ۴۸۴

۱۱۰۳۶ جادو کرنا یا کرانا ۴۸۵

۱۱۰۳۷ سفلی عمل کرنا یا کروانا ۴۸۶

۱۱۰۳۸ جادو کروا کر دوسروں کو تکلیف پہونچانا ۴۸۷

۱۱۰۳۹ سحر کو ساحر پر لوٹانا ۴۸۸

۱۱۰۴۰ سحر کرنے کرانے اور سحر سے پیدا ہوئی بیہوشی کی حالت میں
دی گئی طلاق کا حکم ۴۸۹

۲۳/ باب الشعر و الغناء

۱۱۰۴۱	شعروشاعری کاحکم	۴۹۲
۱۱۰۴۲	قوالی کا شرعی حکم	۴۹۳
۱۱۰۴۳	حضرت خواجہ اجمیریؒ کی جانب قوالی کی نسبت	۴۹۴
۱۱۰۴۴	مروجہ قوالی اور کیمیائے سعادت کی شرائط	۴۹۵
۱۱۰۴۵	سماع کا جواز اور سیرت فخر العارفین" نامی کتاب کاحکم	۴۹۶
۱۱۰۴۶	غزل ونعت کوگانے کی آواز میں پڑھنا	۴۹۷
۱۱۰۴۷	قوالی یا گانا سننا	۴۹۸
۱۱۰۴۸	قوالی کروانے کاحکم	۴۹۹
۱۱۰۴۹	مزاروں پرعورتوں کا جانا،قوالیاں اورفحش باجے گانے کروانا........................	۵۰۰
۱۱۰۵۰	ناچنا گانا،ڈھول بجانا	۵۰۱
۱۱۰۵۱	ریڈیوپر گانا سننا........................	۵۰۲

۲۴/ باب جھوٹ ،غیبت، چوری وغیرہ کا بیان

۱۱۰۵۲	جھوٹ بولنا	۵۰۴
۱۱۰۵۳	جھوٹے کی پہچان کیا ہے؟	۵۰۵
۱۱۰۵۴	دوسرے کی بیوی سے زنا کرنااوراس کے شوہر کے سامنے جھوٹی قسم کھانا ..	۵۰۵
۱۱۰۵۵	بیماری کی جھوٹی سند دکھا کر رخصت لینے اور تنخواہ کا حکم	۵۰۷
۱۱۰۵۶	غیبت کس کو کہتے ہیں؟	۵۰۸

۱۱۰۵۷ چغلخوری کرنا ۵۰۹

۱۱۰۵۸ غیبت کرنے اور سننے والا دونوں گنہگار ہیں ۵۱۰

۱۱۰۵۹ انسداد فتنہ کے لئے کافر کی غیبت کرنا.................. ۵۱۱

۱۱۰۶۰ غیبت کی وجہ سے بدظن ہونا ۵۱۱

۱۱۰۶۱ علامات نفاق کیا کیا ہیں؟............................ ۵۱۳

۱۱۰۶۲ دارالحرب میں بجلی چوری کرنا......................... ۵۱۳

۱۱۰۶۳ بہو کا خسر کے زیورات چرانا ۵۱۴

○ منجانب: دارالعلوم دیوبند ۵۱۸

○ منجانب: مدرسہ شاہی مرادآباد........................ ۵۱۸

جواب ثانی استفتاء نمبر الف ۲۵/۱۴۵۲ کا ہے ۵۱۹

۱۱۰۶۴ بلاثبوت چوری کا الزام لگانا ۵۲۰

۱۱۰۶۵ خود پسندی اور تکبر کا حکم ۵۲۳

۱۱۰۶۶ کسی کے متعلق بدگمانی رکھنا ۵۲۴

۱۱۰۶۷ کسی شخص کو اس کی بیوی کے متعلق بدگمانی میں ڈالنا............ ۵۲۵

۱۱۰۶۸ حلف لینے کے بعد بھی بدگمانی کرنا...................... ۵۲۶

۱۱۰۶۹ بدعہدی کرنا گناہ کبیرہ ہے.......................... ۵۲۷

۱۱۰۷۰ وعدہ خلافی کرنا گناہ کبیرہ ہے؟ ۵۲۹

۱۱۰۷۱ مدرسہ کے نام پر کم قیمت پر زمین خرید کر اپنے نام پر زیادہ قیمت میں بیچنا... ۵۳۰

۱۱۰۷۲ فراڈ کر کے اسکول کے نام پر حکومت سے رقم لینا ۵۳۲
۱۱۰۷۳ فرضی کاغذات رکھوا کر پیسہ لینا اور دھوکہ دینا ۵۳۴
۱۱۰۷۴ بیماری کا فرضی سرٹیفکٹ پیش کرنا ۵۳۶
۱۱۰۷۵ ماموں کا وعدہ خلافی کرنا اور بھانجہ کو اس کی دوکان نہ دینا ۵۳۷
۱۱۰۷۶ وعدہ پورا نہ کرنے والا خدا کے یہاں مؤاخذہ دار ہوگا ۵۳۹
۱۱۰۷۷ اپنا امتحان دوسرے سے دلوانا ۵۴۰
۱۱۰۷۸ جوئے کے پیسے سے خریدی ہوئی اشیاء کا حکم ۵۴۱
۱۱۰۷۹ چوری سے جوتے، چپل بیچنا ۵۴۲
۱۱۰۸۰ سرکاری لکڑی کا استعمال کرنا ۵۴۴
۱۱۰۸۱ اپنے مدرسہ کے علاوہ دوسری جگہ کا کنشیشن استعمال کرنا ۵۴۴
۱۱۰۸۲ مالک کا پتہ معلوم نہ ہونے کی صورت میں روپیہ واپس کرنے کا طریقہ .. ۵۴۵

۲۵/ باب التصاویر

۱۱۰۸۳ محض آنکھ بنانے سے تصویر کا گناہ ہوگا یا نہیں؟ ۵۴۷
۱۱۰۸۴ جانوروں کی عکاسی بھی تصویر کے حکم میں ہے ۵۴۸
۱۱۰۸۵ سرکٹی تصویر کے ذریعہ نماز کا مسنون طریقہ سکھانے کا حکم ۵۴۹
۱۱۰۸۶ اخبارات کی تصاویر کا حکم ۵۵۱
۱۱۰۸۷ فوٹو اسٹیٹ میں آنے والی تصویر کی شرعی حیثیت ۵۵۲

۱۱۰۸۸ فوٹو کھچوانا کب جائز ہے؟ ۵۵۳

۱۱۰۸۹ آئندہ ضرورت کی وجہ سے تصویر سازی کا حکم ۵۵۴

۱۱۰۹۰ جلسہ میں علماء کرام کی تصویر کھچوانے کی شرعی حیثیت ۵۵۵

۱۱۰۹۱ تقریبات اور جلسہ جلوس کی تصاویر کا حکم ۵۵۶

۱۱۰۹۲ نیک کاموں کی تصاویر اخبار میں شائع کرانا ۵۵۹

۱۱۰۹۳ داخلہ فارم کے لئے فوٹو بنوانا ۵۶۰

۱۱۰۹۴ شناختی کارڈ بنوانے کے لئے فوٹو کھچوانا ۵۶۱

۱۱۰۹۵ پاسپورٹ وداخلہ فارم وغیرہ کے لئے فوٹو کھچوانا ۵۶۲

۱۱۰۹۶ داخلۂ امتحان کیلئے لڑکے ولڑکیوں کا فوٹو کھچوانا ۵۶۴

۱۱۰۹۷ پاسپورٹ اور شناختی کارڈ کے لئے تصویر کشی ۵۶۵

۱۱۰۹۸ کارٹون بنانے کا حکم ۵۶۶

۱۱۰۹۹ عورت کے نام رجسٹری کرانے میں تصویری اسٹامپ لگوانے کا حکم ... ۵۶۸

۱۱۱۰۰ فوٹوگرافی کی اجرت کا حکم ۵۶۹

۱۱۱۰۱ گڈے گڑیا کی شرعی حیثیت ۵۷۱

۱۱۱۰۲ چہرے والے آرڈر بنانا ۵۷۳

۱۱۱۰۳ لوہا، پیتل و دیگر دھات کی مورتیاں بنانے کا حکم ۵۷۳

۱۱۱۰۴ آرڈر باقی رکھنے کے لئے ایک آئٹم مجسم بنانا ۵۷۵

۱۱۱۰۵ پیتل کے جانور مورتی وغیرہ بنانے اور ان کی تجارت کا حکم ۵۷۵

۲۶/ باب ٹیلی ویژن اور میڈیا

۱۱۱۰۶ دور حاضر میں ٹیلی ویژن کا حکم ۵۷۷
۱۱۱۰۷ ٹیلی ویژن کا پروگرام عکس ہے یا تصویر؟ ۵۷۸
۱۱۱۰۸ بچوں کو ٹیلی ویژن اور ویڈیو سے منع کرنا ۵۷۹
۱۱۱۰۹ گھر میں ریڈیو اور ٹیلی ویژن رکھنا ۵۸۰
۱۱۱۱۰ قومی وملی ضرورت کے لئے ٹیلی ویژن میں پروگرام ۵۸۱
۱۱۱۱۱ دینی پروگرام کے لئے ٹیلیویژن کا حکم ۵۸۲
۱۱۱۱۲ ٹی وی، میں اسلامی وغیر اسلامی پروگرام دیکھنا ۵۸۳
۱۱۱۱۳ ٹی وی پر حج کا پروگرام دیکھنا........................ ۵۸۴
۱۱۱۱۴ ٹیلی ویژن میں حج کی فلم دیکھنا........................ ۵۸۵
۱۱۱۱۵ کیوٹی وی پر دینی پروگرام دیکھنا........................ ۵۸۶
۱۱۱۱۶ خبریں سننے کے لئے ٹی وی رکھنا ۵۸۷
۱۱۱۱۷ ٹیلیویژن پر خبریں سننا ۵۸۸
۱۱۱۱۸ محض ڈسکوری کے لئے ٹی وی رکھنا ۵۸۹
۱۱۱۱۹ خبر یا دینی پروگرام کے لئے ٹی وی رکھنا ۵۹۰
۱۱۱۲۰ ٹیلیویژن میں کرکٹ، فٹ بال وغیرہ دیکھنا ۵۹۱
۱۱۱۲۱ کرایہ دار ٹی وی چلائیں تو کیا اس کا گناہ مالک مکان پر بھی ہوگا ۵۹۳
۱۱۱۲۲ مدارس ومساجد کے پروگرام کی سی ڈی تیار کرنا........................ ۵۹۳

۱۱۱۲۳	مستورات کو بچوں کا پروگرام اسکرین پر دکھانا	۵۹۵
۱۱۱۲۴	بیٹی کے جہیز میں ٹی وی دینا	۵۹۶
۱۱۱۲۵	تصویر سے متعلق مختلف مسائل کا حل	۵۹۷
۱۱۱۲۶	ٹی وی اور ٹیلیویژن کے گمراہ کن آثار	۵۹۹
۱۱۱۲۷	عکس اور تصویر کا ایک اور شرعی فرق	۶۰۴
۱۱۱۲۷	تصویر اور عکس کا ایک دوسرا فرق	۶۰۶
۱۱۱۲۷	ٹیلیویژن کے ڈبہ میں نظر آنے والی چیزیں تصویر ہیں یا عکس؟	۶۰۷
۱۱۱۲۸	خطیب کی تقریر کی ویڈیو کیسٹ	۶۰۹
۱۱۱۲۹	ویڈیو کیمرے کی کیسٹ	۶۱۱
۱۱۱۲۹	ویڈیو کیمرا	۶۱۲
۱۱۱۲۹	فرموں اور فیکٹریوں میں کیمرا	۶۱۳
۱۱۱۳۰	حرمین شریفین کے ویڈیو کیمرے	۶۱۴
۱۱۱۳۰	حرمین کے ویڈیو پروگرام کو ناجائز کہنے کی وجہ؟	۶۱۵
۱۱۱۳۱	ویڈیو کیمرے اور ویڈیو کیسٹ کا فرق	۶۱۷
۱۱۱۳۲	بغیر پائیلٹ کے ہوائی جہاز	۶۱۸
۱۱۱۳۳	تصویر کی حقیقت اور ٹیلیویژن میں تصویروں کا عکس	۶۱۹
۱۱۱۳۴	انٹرنیٹ اور کمپیوٹر	۶۲۴
۱۱۱۳۵	نصوص سے استدلال کیسے کریں؟	۶۲۴
۱۱۱۳۶	نصوص شرعیہ کی چار قسمیں	۶۲۵

۱۱۱۳۷ حدیث تصویر پر ایک نظر ۶۳۱

۱۱۱۳۸ ہر فی نفسہ جائز امر کو بروئے کار لانا جائز نہیں ۶۳۴

۱۱۱۳۹ نگاہوں کا زنا اور گناہ کبیرہ ۶۳۴

۱۱۱۴۰ أهون البليتين وأخف المفسدتين ۶۳۷

۱۱۱۴۱ جائز پروگرام بھی سد باب کے لئے ناجائز ہے ۶۴۰

۱۱۱۴۲ خطیب کی تقریر یا اور غیروں کے مفسدہ کا معارضہ ۶۴۶

۱۱۱۴۳ ٹیلی ویژن کے جسمانی نقصانات ۶۴۸

۱۱۱۴۴ حیا سوز حرکتوں سے آسمانی آفات ۶۴۹

۱۱۱۴۵ تجاویز: آٹھواں فقہی اجتماع ادارۃ المباحث الفقہیہ جمعیۃ علماء ہند ۶۵۰

۲۷/ باب الأسماء والكنى

۱۱۱۴۶ پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام کا نام لے کر پکارنا ۶۵۳

۱۱۱۴۷ مرحوم کے نام پر اولاد کا نام رکھنا ۶۵۵

۱۱۱۴۸ بچہ کا نام عبد اللہ، عبد الرحمٰن رکھنا ۶۵۶

۱۱۱۴۹ (الف) عبد السبحان، یا محمد سبحان نام رکھنا ۶۵۷

۱۱۱۴۹ (ب) عبد السبحان نام رکھنا ۶۵۸

۱۱۱۵۰ ''اصلاح الرحمٰن'' وزارۃ اللہ دونوں ناموں کا تحقیقی جائزہ ۶۶۱

۱۱۱۵۱ کیا راشد اللہ اور ارشد اللہ معناً صحیح ہیں؟ ۶۶۲

۱۱۱۵۲ احمد نبی اور محمد نبی اور طالب نبی نام رکھنا ۶۶۳

۱۱۱۵۳ احمد نبی، محمد نبی نام رکھنا کیسا ہے؟ ۶۶۴

۱۱۱۵۴ ثقلین اور حسنین نام رکھنا کیسا ہے؟ ۶۶۵
۱۱۱۵۵ ’’محمد بشیر الدین احمد‘‘ نام رکھنا ۶۶۶
۱۱۱۵۶ شبیر احمد کے معنی ۶۶۷
۱۱۱۵۷ نبیہ سرور نام کے تبدیل کرنے کا حکم ۶۶۸
۱۱۱۵۸ عبدالمطلب نام رکھنا ۶۷۰
۱۱۱۵۹ لفظ فوزان کی تحقیق ۶۷۰
۱۱۱۶۰ عظیم الشان نام رکھنا کیسا ہے؟ ۶۷۱
۱۱۱۶۱ صرف الدین، شرف الدین نام رکھنا ۶۷۲
۱۱۱۶۲ پرویز نام رکھنا کیسا ہے؟ ۶۷۳
۱۱۱۶۳ یزدان نام رکھنا ۶۷۴
۱۱۱۶۴ اِرم نام رکھنا کیسا ہے؟ ۶۷۵
۱۱۱۶۵ آسیہ نام رکھنا کیسا ہے؟ ۶۷۶
۱۱۱۶۶ ’’خورشیدہ‘‘ نام رکھنا ۶۷۷
۱۱۱۶۷ کیا پروین نام اچھا نہیں ہے؟ ۶۷۸
۱۱۱۶۸ حافظ صاحب کو امیر حمزہ کے لقب سے پکارنا ۶۷۹
۱۱۱۶۹ احمد رضا کے نام کے ساتھ رضی اللہ عنہ لکھنا ۶۷۹
۱۱۱۷۰ نام کے ساتھ قاسمی، مظاہری وغیرہ لکھنا ۶۸۰
۱۱۱۷۱ نام کے ساتھ عثمانی، فاروقی، علوی وغیرہ لکھنا ۶۸۱
۱۱۱۷۲ مولانا احمد رضا اور مولانا مودودی کے نام کے ساتھ رحمۃ اللہ علیہ لکھنا . ۶۸۲

۱۱۱۷۳ کسی کو پاک یا مقدس کا لقب دینا ۶۸۳
۱۱۱۷۴ بچوں کو پیار میں لالہ، منی پیارے وغیرہ کہنا ۶۸۴
۱۱۱۷۵ کمہار کا آباء واجداد کی طرف نسبت کر کے رشیدی، حمیدی لکھنا ۶۸۵
۱۱۱۷۶ گوشت کے پیشہ کی وجہ سے خود کو قریشی کہنا ۶۸۶
۱۱۱۷۷ دو مسلمان کا آپس میں ایک دوسرے کو فرعون اور ابوجہل کہنا......... ۶۸۶
۱۱۱۷۸ ازراہ تفہیم کسی کو لنگڑا کانا کہنا ۶۸۷
۱۱۱۷۹ لکڑی کا صندوق جس میں نام وغیرہ لکھے ہوں اس پر بیٹھنا ۶۸۸
۱۱۱۸۰ مدینہ منور کو یثرب کہنا ۶۸۹
۱۱۱۸۱ مزارات وشہر وغیرہ کے ساتھ شریف لگانا........................ ۶۸۹
۱۱۱۸۲ کسی قوم و برادری کو حقیر سمجھنا........................ ۶۹۰
۱۱۱۸۳ مولانا واچ سروس کا بورڈ لگانا........................ ۶۹۱
۱۱۱۸۴ دنیاوی مراعات کی وجہ سے قومیت بدلنا ۶۹۲
۱۱۱۸۵ قانونی مجبوری کی بناء پر خود کو دوسرے خاندان کی طرف منسوب کرنا .. ۶۹۳
۱۱۱۸۶ لے پالک لڑکی کی ولدیت میں اپنا نام لکھانا........................ ۶۹۴
۱۱۱۸۷ یتیم بچی کی پرورش کرنے والے کا باپ کی جگہ اپنا نام لکھنا........... ۶۹۵

۲۸/ باب الجوالة و الانترنیت

۱۱۱۸۸ ٹی وی، موبائل، کمپیوٹر وغیرہ کے احکام ۶۹۷
۱۱۱۸۹ دین کی نشر واشاعت کے لئے ٹی وی یا انٹرنیٹ استعمال کرنا کیسا ہے؟ .. ۶۹۹

١١١٩٠ انٹرنیٹ سے کتابیں لوڈ کرنے کا حکم ٧٠٠

١١١٩١ انٹرنیٹ پر کیئے گئے نکاح کا حکم ٧٠١

١١١٩٢ موبائل فون سے متعلق چند سوالات کے جوابات ٧٠٢

١١١٩٣ ویڈیو کالنگ کا شرعی حکم ٧٠٥

١١١٩٤ موبائل میں گھنٹی کی جگہ قرأت وغیرہ لگانا ٧٠٦

١١١٩٥ موبائل کی گھنٹی میں کلمۂ طیبہ سیٹ کرنا ٧٠٧

١١١٩٦ موبائل فون پر گھنٹی کے بجائے گانا بجنا ٧٠٨

١١١٩٧ اسکرین پر کلمہ لگا ہونے کی حالت میں موبائل بیت الخلاء میں لے جانا .. ٧٠٩

١١١٩٨ عورتوں کا ٹیلیفون پر سلام وکلام کا حکم ٧١٠

٢٩/باب المتفرقات

١١١٩٩ حساب ٧١٢

١١٢٠٠ چیل کو گوشت کھلانا صدقہ ہے؟........................ ٧١٣

١١٢٠١ وسیع پنجرہ میں کبوتر پالنا ٧١٤

١١٢٠٢ اللہ اور رسول کے واسطے مسجد میں مانگنے والے کو ملا ہوا مال کس کی ملک؟ ٧١٤

١١٢٠٣ کیا ناپاک پانی کی اطلاع دینا ضروری ہے؟........................ ٧١٦

١١٢٠٤ آپسی مسائل کو صلح وصفائی سے حل کرنا........................ ٧١٦

١١٢٠٥ نماز اور خارج نماز ٹخنوں سے نیچے پائجامہ وغیرہ لٹکانے کا شرعی حکم ... ٧١٩

فہرست عناوین

مسئلہ نمبر	۲٤ کتاب الوصیة	صفحہ
	(۱) باب ما یتعلق بنفس الوصیة	۲۵

۱۱۲۰۶ وصیت کرنا کب واجب ہے؟ اور کب مستحب؟ ۲۵

۱۱۲۰۷ عام حالات میں وصیت کرنے کی حیثیت ۲۶

۱۱۲۰۸ عام حالت میں وصیت کرنے کا حکم ۲۸

۱۱۲۰۹ وصیت کے ثبوت کی شرط ۲۹

۱۱۲۱۰ ضمناً وصیت سے رجوع کرنا ۳۰

۱۱۲۱۱ رضامندی کا اعتبار کس وقت ہے؟ ۳۲

۱۱۲۱۲ وصیت نامہ رجسٹری نہ ہوا ہو تو کیا حکم ہے؟ ۳۳

۱۱۲۱۳ زبانی وصیت کی ایک جائز شکل ۳۵

۱۱۲۱۴ جعلی وصیت نامہ کو گرفت کرنے کی ایک شکل ۳۶

۱۱۲۱۵ زندگی میں وصیت کا تبصرہ نہ کرنے کا حکم ۳۸

۱۱۲۱۶ تعلیق بالشرط سے وصیت کا عدم بطلان ۴۰

۱۱۲۱۷ موصی کی زندگی میں موصیٰ لہ کی موت ۴۲

۱۱۲۱۸ شئ موصیٰ بہ کو اپنی ملکیت سے خارج کرنے کا حکم ۴۳

۱۱۲۱۹ قریب المرگ وصیت کرنا ۴۴

	(۲) باب ما یجوز من الوصایا ومالایجوز	۴۶

۱۱۲۲۰ اپنا کل مال فلاحی کاموں میں لگانا ۴۶

۱۱۲۲۱ وصی کا اپنی جائیداد اللہ کی راہ میں دینا ۴۶

۱۱۲۲۲	جائیداد وقف کرنے کی صورت میں وصیت کا حکم	۴۷
۱۱۲۲۳	متوفیہ کی نماز، روزہ کے فدیہ اور حج بدل کی وصیت کا حکم	۴۹
۱۱۲۲۴	حج کے لیے بطور وصیت دیئے گئے روپیہ سے حج کرنا واجب ہے یا نہیں؟ ...	۵۰
۱۱۲۲۵	وارث مسجد کے حق میں وصیت کا منکر ہوا اور گاؤں والے مدعی ہوں .	۵۱
۱۱۲۲۶	مسجد کے لیے وصیت کردہ رقم کو مدرسہ میں لگانا	۵۲
۱۱۲۲۷	مسجد کے لیے کل مال کی وصیت کرنا	۵۲
۱۱۲۲۸	مسجد کے لیے کی گئی وصیت کا حکم	۵۵
۱۱۲۲۹	مسجد کے لیے ثلث مال سے زائد کی گئی وصیت کا حکم	۵۶
۱۱۲۳۰	مسجد کے لیے مکان کی وصیت کرنے کا حکم	۵۸
۱۱۲۳۱	عمرہ کرانے کی وصیت کا شرعی حکم	۶۰
۱۱۲۳۲	کنواں بنوانے کی وصیت	۶۱
۱۱۲۳۳	اپنے باغیچہ میں تدفین کی وصیت	۶۲
۱۱۲۳۴	قبر پر سورۂ بقرہ پڑھنے کی وصیت	۶۳
۱۱۲۳۵	قطع تعلق کی وصیت کا شرعی حکم	۶۴
۱۱۲۳۶	والد کا بیٹے کو قطع تعلق کی وصیت کرنا	۶۴

(۳) باب الوصیة بالثلث ۶۶

۱۱۲۳۷	ثلث مال میں وصیت کا نفاذ	۶۶
۱۱۲۳۸	وصیت صرف ثلث مال میں واجب العمل ہے	۶۷
۱۱۲۳۹	غیر وارث کے لیے ثلث مال میں وصیت کا نفاذ	۶۹
۱۱۲۴۰	کل جائیداد کی وصیت اپنی زوجہ کے نام	۷۰
۱۱۲۴۱	زندگی میں نواسے کے نام کل مال کی وصیت کرنا	۷۱
۱۱۲۴۲	پوتوں کے لیے وصیت ثلث مال میں نافذ ہوگی	۷۳

۱۱۲۴۳	زندگی میں کسی ایک وارث کے نام کل ترکہ کی وصیت کر کے قبضہ دے دینے کا حکم	۷۴

(۴) باب الوصية للأقرباء وغيرهم — ۷۷

۱۱۲۴۴	شرعی حصص کے مطابق جائیداد تقسیم کرنے کی وصیت	۷۷
۱۱۲۴۵	جھگڑے سے بچانے کے لیے وراثت سے متعلق وصیت	۷۸
۱۱۲۴۶	مورث کی وفات کے بعد حصص شرعیہ کے مطابق کی گئی وصیت کا حکم ...	۷۹
۱۱۲۴۷	وارث کے حق میں وصیت نافذ نہیں ہوتی........................	۸۱
۱۱۲۴۸	وارث کے حق میں وصیت معتبر نہیں	۸۲
۱۱۲۴۹	وارث کے لیے کی گئی وصیت کا حکم	۸۴
۱۱۲۵۰	وارث کے حق میں کی گئی وصیت کا شرعی حکم	۸۶
۱۱۲۵۱	اولاد کے حق میں والد کی وصیت	۸۷
۱۱۲۵۲	والدہ کا اپنا مکان کسی ایک اولاد کے نام وصیت کرنا..................	۸۹
۱۱۲۵۳	وارث بھتیجے کے حق میں وصیت کا حکم	۹۰
۱۱۲۵۴	صحرائی یا سکنائی جائیداد کو کسی ایک وارث کے لیے وصیت کرنا.....	۹۱
۱۱۲۵۵	جب دوسرے ورثاء وصیت پر راضی نہ ہوں تو......؟	۹۲
۱۱۲۵۶	وارث کے حق میں وصیت برضا دیگر وارثین	۹۳
۱۱۲۵۷	بیوی کو قرضہ اور ادائیگی دین مہر کے لیے مکان کی وصیت	۹۴
۱۱۲۵۸	بیٹیوں کو چھوڑ کر صرف بیٹوں کے لیے وصیت کرنا.................	۹۵
۱۱۲۵۹	بیٹی کے حق میں وصیت کا حکم	۹۶
۱۱۲۶۰	دیگر ورثاء کی موجودگی میں محض بیٹی کے نام کل جائیداد کی وصیت ...	۹۸
۱۱۲۶۱	ماں کی وصیت کی بناء پر لڑکے کو محروم کرنے کا حکم	۹۹
۱۱۲۶۲	ماں کا کسی وارث کو حصہ نہ دینے کی وصیت کا شرعی حکم	۱۰۰

۱۱۲۶۳ بعض ورثاء کو بے دخل کرکے بعض کے حق میں وصیت کرنے کا حکم ۱۰۱
۱۱۲۶۴ کل جائیداد ایک بیوی کی اولاد کے نام کرکے دوسرے کی اولاد کو محروم کرنے کا حکم ۱۰۳
۱۱۲۶۵ وارث کے حق میں وصیت کا مسئلہ اور بہن وراثت کی مستحق ۱۰۴
۱۱۲۶۶ تعلیق بالوصیۃ، نیز بیوی اور بھانجے کے لیے وصیت ۱۰۶
۱۱۲۶۷ بہو، لڑکے کو ہبہ اور وصیت کرنا ۱۰۸
۱۱۲۶۸ پوتوں کے حق میں کی گئی وصیت کا حکم ۱۱۰
۱۱۲۶۹ پوتوں کے حق میں دادا کی وصیت ۱۱۲
۱۱۲۷۰ نانا کی وصیت نواسے کے نام ہوئی یا نہیں؟ ۱۱۶
۱۱۲۷۱ نواسے کے نام وصیت ۱۱۸
۱۱۲۷۲ مرحوم اولاد کے لیے وصیت کرنے کا حکم ۱۲۱
۱۱۲۷۳ پوتی اور نواسی کے حق میں وصیت کا حکم ۱۲۲
۱۱۲۷۴ پوتی اور نواسی کے حق میں کی گئی وصیت کا شرعی حکم ۱۲۴
۱۱۲۷۵ مکان کے ایک تہائی حصہ کی وصیت بھائی کے نام ۱۲۵
۱۱۲۷۶ بھائی کے لیے کی گئی وصیت کا حکم ۱۲۷
۱۱۲۷۷ پرورش کرنے والی عورت کا حق دیور کے مال میں ہے یا نہیں؟ ۱۲۸
۱۱۲۷۸ وصیت کی ایک شکل کا حکم ۱۲۹
۱۱۲۷۹ مرض الموت میں وارث کے لیے وصیت کرنا ۱۳۱
۱۱۲۸۰ مرض الوفات میں کی گئی وصیت کا شرعی حکم ۱۳۲
۱۱۲۸۱ مرض الموت میں وقف کرنا وصیت کے درجے میں ہے ۱۳۳
۱۱۲۸۲ مرحوم کی وصیت صرف ثلث میں نافذ ہوگی بقیہ ترکہ شمار ہوگا ۱۳۵
۱۱۲۸۳ مرض الموت میں ہبہ کرنے کا حکم ۱۴۰
۱۱۲۸۴ وصیت سے متعلق چند سوالات کے جوابات ۱۴۲

۴۳ کتاب الفرائض

(۱) باب ما یتعلق بنفس الفرائض　۱۴۴

۱۱۲۸۵ شرعی تقسیم کا طریقۂ کار ۱۴۴
۱۱۲۸۶ تقسیم وراثت میں امیر بنانے کا حکم ۱۴۵
۱۱۲۸۷ تقسیم شرعی معتبر ہے نہ کہ والد صاحب کی ہدایتِ تقسیم ۱۴۶
۱۱۲۸۸ غیر شرعی طریقہ پر تقسیم کی گئی جائیداد کا شرعی حکم ۱۴۷
۱۱۲۸۹ خلاف شرع تقسیم کا حکم ۱۴۸
۱۱۲۹۰ غلط تقسیم غیر معتبر ہے ۱۵۰
۱۱۲۹۱ کیا والد صاحب کی زندگی میں اپنی لڑکیوں کو وراثت دے سکتے ہیں؟ ... ۱۵۱
۱۱۲۹۲ جھگڑے اور نقصان سے بچنے کے لیے زندگی میں تقسیم کرنا ۱۵۴
۱۱۲۹۳ زندگی میں وارثین کے درمیان میراث تقسیم کرنا ۱۵۶
۱۱۲۹۴ والد صاحب کے انتقال کے بعد پہلے لڑکے کی شادی کریں یا ترکہ تقسیم کریں؟ .. ۱۵۸
۱۱۲۹۵ تقسیم میں ملکیت کا اعتبار ہے نہ کہ قیمت کا ۱۵۹
۱۱۲۹۶ ترکہ کی تقسیم کس وقت کے اعتبار سے ہوگی؟ ۱۶۱
۱۱۲۹۷ میراث کی ادائیگی میں کس دن کی قیمت کا اعتبار ہے؟ ۱۶۲
۱۱۲۹۸ قرعہ اندازی کے ذریعہ مشترکہ موروثہ حصہ کی تعیین ۱۶۵
۱۱۲۹۹ میت کا قرض کون ادا کرے، نیز تقسیم جائیداد کے لیے قرعہ اندازی ... ۱۶۶
۱۱۳۰۰ موروثی مکان کو چھڑانے میں صرف شدہ رقم کا حکم ۱۶۸
۱۱۳۰۱ ایک وارث کے حصہ میں کم قیمت کی جائیداد آئے تو کیا حکم ہے؟ .. ۱۶۹
۱۱۳۰۲ دو بھائیوں کے درمیان فرنٹ کے حصہ کی زمین کی تقسیم ۱۷۰
۱۱۳۰۳ بھائیوں کی آپسی تقسیم کے بعد بھتیجے کا چچا کی ملکیت میں دعویٰ کرنا ... ۱۷۲
۱۱۳۰۴ تین سو گز میں بنے دو منزلہ مکان کی دو لڑکوں کے درمیان تقسیم ۱۷۳

۱۱۳۰۵ تقسیم کے بعد دوسرے بھائی کی ملکیت میں حصہ داری کا دعویٰ ۱۷۴
۱۱۳۰۶ الاشباہ کی مشکل عبارت کا حل اور دوعورتوں کی میراث کا معمہ ۱۷۶
صحیح شخص کی تفصیل ۱۷۸
مریض شخص کی تفصیل ۱۷۸

	(۲) باب: میت کے قرض کا بیان	۱۸۰

۱۱۳۰۷ قرض کی ادائیگی کیلئے مکان کوفروخت کرنے سے اولادکوروکنے کا حق نہیں ۱۸۰
۱۱۳۰۸ قرض کی ادائیگی تقسیم میراث پر مقدم ہے ۱۸۱
۱۱۳۰۹ اولاً قرض کی ادائیگی کی جائے اس کے بعد ترکہ تقسیم ہو ۱۸۲
۱۱۳۱۰ شوہر کے انتقال کے بعد مہر وجہیز کا حکم ۱۸۳
۱۱۳۱۱ دین مہر میں دیئے گئے مکان کی تقسیم ۱۸۴
۱۱۳۱۲ دین مہر بیوی کی ملک ہے اس میں وراثت جاری نہیں ہوگی ۱۸۵
۱۱۳۱۳ دین مہر میں ایک حصہ دینے کے بعد بقیہ حصوں میں وراثت کا مطالبہ کرنا .. ۱۸۷
۱۱۳۱۴ ادائے مہر کے بعد ہبہ کرنے کی اجازت ہے ۱۸۸
۱۱۳۱۵ مہر میں طے شدہ تین سوگز زمین میں شوہر کے بھائی بہنوں کا حصہ ۱۸۹
۱۱۳۱۶ تقسیم ترکہ سے قبل زکوٰۃ نکالنا ۱۹۰
۱۱۳۱۷ میت کے متروکہ مال سے ان کی زکوٰۃ ادا کرنا ۱۹۲
۱۱۳۱۸ حصص کی تقسیم صرف ترکہ میں ہوگی ۱۹۳
۱۱۳۱۹ ترکہ سے متعلق چندسوالات کے جوابات ۱۹۵

	(۳) باب: ترکہ اور تقسیم	۱۹۸

۱۱۳۲۰ متروکہ مال باپ کی ملکیت کہلائے گا یا بیٹے کی ۱۹۸
۱۱۳۲۱ والد اور لڑکے کی قیمت سے خریدے گئے مکان میں لڑکی کا حصہ ... ۱۹۹
۱۱۳۲۲ باپ کی ماتحتی میں رہ کر کمائے ہوئے سرمایہ کی اولاد مالک نہیں ۲۰۱

۱۱۳۲۳	مال مشترک کی تقسیم	۲۰۲
۱۱۳۲۴	مشترک کاروبار میں کسی شریک کے الگ سے کمائے ہوئے مال میں وراثت ..	۲۰۳
۱۱۳۲۵	والد اور اولاد کے مشترکہ مال کی والد کے انتقال کے بعد تقسیم	۲۰۵
۱۱۳۲۶	شرکت میں ملنے والا منافع مرحوم کے تمام شرعی ورثاء کا حصہ ہے ...	۲۰۶
۱۱۳۲۷	فروخت شدہ مکان میں وراثت جاری نہیں ہوگی	۲۰۷
۱۱۳۲۸	کیا فروخت شدہ جائیداد ترکہ ہے؟	۲۰۹
۱۱۳۲۹	مقبوضہ اور فروخت شدہ جائیداد کی قیمت ترکہ میں شامل ہوگی	۲۱۱
۱۱۳۳۰	شئ مرہون میں وراثت کا حکم	۲۱۳
۱۱۳۳۱	موہوبہ مکان میں وراثت جاری نہیں ہوتی	۲۱۵
۱۱۳۳۲	مصلحتاً دوسرے کے نام سے خریدی گئی اشیاء ترکہ میں شامل ہوں گی ...	۲۱۶
۱۱۳۳۳	پرانی اور نئی جائیداد کی تقسیم	۲۲۰
۱۱۳۳۴	گھر یا جائیداد میں درخت ہو تو اس کی تقسیم	۲۲۱
۱۱۳۳۵	کھیتی باڑی میں بہنوں کا بھی حق ہے	۲۲۲
۱۱۳۳۶	کیا بیوی کے حج کیلئے جمع کردہ رقم ترکہ میں شامل ہوگی؟	۲۲۴
۱۱۳۳۷	پہلی بیوی کے نام بیمہ پالیسی میں جمع شدہ رقم کا حکم	۲۲۶
۱۱۳۳۸	بچوں کے نام سے کی گئی پالیسی بھی مرحوم کے ترکہ میں شامل ہوگی ...	۲۲۸
۱۱۳۳۹	وارث کے لیے وصیت کردہ ایفڈ یٹ ترکہ ہے..............	۲۲۹
۱۱۳۴۰	مرحوم کے اسکول کی آمدنی جمیع وارثین کے درمیان تقسیم ہوگی	۲۳۱
۱۱۳۴۱	ایکسیڈنٹ میں ملنے والی رقم کا مستحق کون؟	۲۳۲
۱۱۳۴۲	ایکسیڈنٹ میں ملنے والی معاوضہ کی رقم ترکہ ہے	۲۳۳
۱۱۳۴۳	کمپنی کی طرف سے ملنے والی رقم ترکہ میں شامل ہوگی	۲۳۴
۱۱۳۴۴	حادثاتی موت میں سرکاری معاوضہ میراث ہے یا نہیں؟	۲۳۵

۱۱۳۴۵	سرکاری ملازم کو ملنے والی پینشن میراث ہے یا بیوی کا حق تبرع؟ ...	۲۳۷
۱۱۳۴۶	پنشن میں وراثت جاری ہوگی یا نہیں؟	۲۳۷
۱۱۳۴۷	کیا پرائیویٹ فنڈ بیوی کو ملے گا؟	۲۳۹
۱۱۳۴۸	ایک شخص کے ترکہ سے متعلق چند سوالات کے جوابات	۲۳۹
۱۱۳۴۹	میت کی متروکہ جائیداد اور زیورات کی تقسیم	۲۴۳
۱۱۳۵۰	شوہر کے انتقال پر جہیز، زیورات اور بچے کا حکم	۲۴۵
۱۱۳۵۱	جہیز، مہر، منگنی وغیرہ کی رقومات کا حکم	۲۴۸
۱۱۳۵۲	مرحومہ کے زیورات، مہر، جہیز وغیرہ کی شرعی تقسیم	۲۵۰
	(۴) باب الوصیة قبل الموت	**۲۵۲**
۱۱۳۵۳	تقسیم ترکہ قبل نفاذ وصیت کا حکم	۲۵۲
۱۱۳۵۴	مرض الوفات کی وصیت کا حکم	۲۵۴
۱۱۳۵۵	مرض الموت میں پورا مکان مہر میں دینے کا حکم	۲۵۶
۱۱۳۵۶	پورے ترکہ کو کارِ خیر میں وصیت کرنے کی شرعی حیثیت	۲۵۷
۱۱۳۵۷	وارث کے حق میں ہبہ پر شرعی ثبوت کے ساتھ وصیت کا ثبوت ہو تو؟ ...	۲۵۹
۱۱۳۵۸	وراثت کے متعلق وصیت بنانا	۲۶۱
۱۱۳۵۹	وارثین کے حق میں وصیت نافذ نہیں ہوتی	۲۶۳
۱۱۳۶۰	وارث کے حق میں وصیت	۲۶۵
۱۱۳۶۱	والدہ کی موت کے بعد وصیت کا حکم	۲۶۷
۱۱۳۶۲	مورث کا بیٹوں کو مکان کی وصیت کرنا	۲۶۹
۱۱۳۶۳	اولاد کو محروم کر کے پوری جائیداد بیوی کے نام وصیت کرنا	۲۷۱
۱۱۳۶۴	ایک بیوی اور اس کی اولاد کے لیے میراث سے متعلق وصیت کرنا	۲۷۳
۱۱۳۶۵	مرحوم کا بھتیجوں کے لیے وصیت کرنا	۲۷۶

۱۱۳۶۶	پھوپھی کا اپنا حصہ بھتیجوں کے نام وصیت کرنا	۲۷۸
۱۱۳۶۷	شوہر کا بیوی واولاد کے لیے میراث میں وصیت کرنا	۲۷۹
۱۱۳۶۸	مرحوم بیٹی کا حصہ اس کی لڑکی کے لیے وصیت کرنا	۲۹۰
۱۱۳۶۹	بھانجہ اور بہن کے حق میں وصیت اور ترکہ کی تقسیم	۲۸۱
۱۱۳۷۰	مؤنث اولاد کو محروم کر کے نرینہ اولاد کے لیے وصیت کرنا	۱۸۳
۱۱۳۷۱	ہبہ شدہ مکان کے علاوہ میں وراثت اور وصیت کا نفا	۲۸۵
	(۵) باب موانع الإرث	**۲۸۷**
۱۱۳۷۲	اہل اسلام کے حق میں اختلاف دارین موانع ارث نہیں	۲۸۷
۱۱۳۷۳	اختلاف دارین کی وجہ سے مسلمانوں کے درمیان موانع ارث کا حکم جاری نہیں ہوتا	۲۸۸
۱۱۳۷۴	پاکستان ہجرت کرنے سے حق میراث ختم نہیں ہوتا	۲۹۱
۱۱۳۷۵	ہندو مذہب اختیار کرنے والی لڑکی وراثت سے محروم ہو جائے گی	۲۹۳
۱۱۳۷۶	مرتدہ کا اپنا حصہ بھتیجے کے نام کرنا	۲۹۴
۱۱۳۷۷	عیسائی مسلمان کا وارث نہیں	۲۹۵
۱۱۳۷۸	جائیداد کی تقسیم سے متعلق چند سوالات وجوابات	۲۹۷
	(۶) باب ذوی الفروض	**۳۰۰**
۱۱۳۷۹	والدین کی میراث میں بیٹی کا حصہ	۳۰۰
۱۱۳۸۰	باپ کی میراث میں بیوی اور بیٹی کا حصہ	۳۰۰
۱۱۳۸۱	والدین کے ترکہ میں بہنوں کا حصہ	۳۰۱
۱۱۳۸۲	ایک لڑکے اور تین لڑکیوں کے درمیان ترکہ کی تقسیم	۳۰۳
۱۱۳۸۳	والدہ کے زیور کی بھائی اور پانچ بہنوں کے درمیان تقسیم	۳۰۴
۱۱۳۸۴	بھائی بہنوں کے درمیان جائیداد کی تقسیم کا ایک مسئلہ	۳۰۵

۱۱۳۸۵	والدین، تین بیٹے اور ایک بیٹی کے درمیان ترکہ کی تقسیم	۳۰۷
۱۱۳۸۶	بیوی کا شوہر کے ترکہ میں کتنا حصہ ہے؟ وغیرہ سے متعلق چند سوالات ...	۳۰۸
۱۱۳۸۷	میت کے ترکہ میں بیوی اور بھتیجوں کو کتنا ملے گا؟	۳۱۲
۱۱۳۸۸	شوہر اور والدین کے درمیان ترکہ کی تقسیم	۳۱۳
۱۱۳۸۹	شوہر کی دو حالتیں ہیں	۳۱۴
۱۱۳۹۰	بیوی کے متروکہ مال میں شرعی حق	۳۱۵
۱۱۳۹۱	شوہر کے انتقال کے بعد بیوی کس کس چیز کی مالک ہوگی؟	۳۱۷
۱۱۳۹۲	بیوی اولاد کی عدم موجودگی میں شوہر کے چوتھائی حصہ کی حقدار	۳۱۸
۱۱۳۹۳	ورثہ میں محض ایک بہن موجود ہو تو تقسیم ترکہ	۳۱۹
۱۱۳۹۴	ایک لڑکا و لڑکی کے درمیان ترکہ کی تقسیم	۳۲۰
۱۱۳۹۵	مرحومہ کے وارثین میں شوہر، لڑکا اور باپ ہو تو ترکہ کی تقسیم	۳۲۱
۱۱۳۹۶	تین بیٹے، دو بیٹیاں اور بیوی کے درمیان ترکہ کی تقسیم	۳۲۲
۱۱۳۹۷	بیوی چچیرے بھائی میں ترکہ کی تقسیم	۳۲۳
۱۱۳۹۸	بیوی، تین لڑکیوں اور دو بھائیوں کے درمیان ترکہ کی تقسیم	۳۲۴
۱۱۳۹۹	باپ کی جائیداد میں علاتی بہن کا حصہ	۳۲۶
۱۱۴۰۰	بہن اور چچازاد بھائیوں کے درمیان تقسیم ترکہ کا طریقہ	۳۲۷
۱۱۴۰۱	لاپتہ بیٹے کی عدم موجودگی میں وراثت کی تقسیم	۳۲۸
۱۱۴۰۲	گم شدہ کا مال ورثہ کے درمیان تقسیم کرنا	۳۳۰
۱۱۴۰۳	لاپتہ وارث کا حصہ محفوظ رکھا جائے گا	۳۳۱
۱۱۴۰۴	مفقود الخبر لڑکے کا حصہ کیا کیا جائے؟	۳۳۲
۱۱۴۰۵	لاپتہ شخص کا باپ کی میراث میں حصہ اور ورثا کا اس کو فروخت کرنے کا حکم	۳۳۴
۱۱۴۰۶	ایک نواسے کے علاوہ کوئی نہ ہو تو کیا حکم ہے؟	۳۳۵

۱۱۴۰۷ کیا سسر شرعی وارث ہے؟ ۳۳۶

	(۷) باب العصبات	۳۳۹

۱۱۴۰۸ ترکہ میں سب لڑکے برابر حقدار ہیں ۳۳۹

۱۱۴۰۹ دولڑکوں کے درمیان تقسیم کا طریقہ ۳۴۰

۱۱۴۱۰ ماں کے ترکہ میں سوتیلے بیٹے کا حصہ ۳۴۲

۱۱۴۱۱ شرعی گواہ یا رجسٹری کے بغیر محض دعویٰ سے ملکیت ثابت نہ ہوگی ۳۴۲

۱۱۴۱۲ اولاد کی عدم موجودگی میں بھائیوں کو حصہ ملے گا یا نہیں؟ ۳۴۳

۱۱۴۱۳ کیا چچازاد بھائی اور بہن وارث ہو سکتے ہیں؟ ۳۴۴

۱۱۴۱۴ اصحاب الفروض نہ ہونے کی صورت میں چچازاد بھائی کا حصہ ۳۴۵

۱۱۴۱۵ بھتیجا کے وارث بننے کی شکل ۳۴۶

۱۱۴۱۶ کیا ماموں زاد بھائی بہن وارث ہو سکتے ہیں؟ ۳۴۷

۱۱۴۱۷ بھانجے کے وارث ہونے کی شکل ۳۴۸

۱۱۴۱۸ کیا بھانجہ وارث ہوسکتا ہے؟ ۳۴۸

۱۱۴۱۹ ماموں، خالہ وغیرہ شرعی وارث ہیں یا نہیں؟ ۳۴۹

۱۱۴۲۰ اکلوتے علاتی بھائی کا نصف میراث کا دعویٰ کرنا ۳۵۰

۱۱۴۲۱ پاگل بھائی کی دیکھ بھال اور جائیداد کی تقسیم ۳۵۱

۱۱۴۲۲ ورثہ میں صرف ایک لڑکی ہوتو کیا حکم ہے؟ ۳۵۲

۱۱۴۲۳ پوتوں کا پھوپھیوں کو حصہ دینا ۳۵۳

	(۸) باب استحقاق الإرث و عدمه	۳۵۶

۱۱۴۲۴ اولاد کو زندگی میں تقسیم کے مطالبہ کا حق نہیں ۳۵۶

۱۱۴۲۵ موت سے پہلے کسی کے مال میں وراثت جاری نہیں ہوتی ۳۵۸

۱۱۴۲۶ باپ کی وفات کے بعد جائیداد سے اولاد کا حق متعلق ہوتا ہے ۳۶۱

۱۱۴۲۷ ترکہ میں بلا ثبوت دعویداری کالعدم ہے ۳۶۲
۱۱۴۲۸ مرحوم کی ملکیت میں اپنادعویٰ کرنا ۳۶۴
۱۱۴۲۹ تمام شرعی ورثاء کو حصۂ وراثت دینا لازم ۳۶۵
۱۱۴۳۰ جائیداد یں بیٹوں کے درمیان برابری ضروری ہے ۳۶۶
۱۱۴۳۱ باپ سے ملی ہوئی جائیداد میں بیٹوں کا برابر کا حصہ ۳۶۹
۱۱۴۳۲ جہیز اور زیورات میراث کا بدل نہیں ۳۷۰
۱۱۲۳۳ حفاظت کی غرض سے جائیداد کسی وارث کے نام کرنے سے وہ مالک نہ ہوگا ... ۳۷۱
۱۱۴۳۴ بیوہ عورت کا اپنا مکان بیچ کر زندگی گزارنا ۳۷۲
۱۱۴۳۵ والدہ نے مکان چار لڑکوں کے ہاتھ فروخت کردیا تو دیگر ورثاء کا اس میں حق نہیں .. ۳۷۳
۱۱۴۳۶ باپ بیٹے نے مل کر جس مکان کو چھڑایا ہو اس میں لڑکیاں حقدار ہیں یا نہیں؟ ۳۷۵
۱۱۴۳۷ جن لڑکوں نے باپ سے قرض لے کر مکان بنایا اس میں دیگر ورثاء کا حق نہیں ۳۷۶
۱۱۴۳۸ قرض لے کر دوکان کھولنے والے کا انتقال ہو جائے تو دوکان کس کو ملے گی؟ ۳۷۷
۱۱۴۳۹ کیا باپ کی زندگی میں ذاتی محنت سے خریدی گئی جائیداد میں دوسرے
ورثاء شریک ہیں؟ ۳۷۸
۱۱۴۴۰ موروثہ جائیداد وارث کا حق ہے، دیگر لوگوں کو اس میں دباؤ کا حق نہیں ۳۸۰
۱۱۴۴۱ داماد کے علاج میں خرچ کی ہوئی رقم کا مطالبہ ترکہ سے کرنا ۳۸۲
۱۱۴۴۲ مرحوم کے ترکہ سے شادی کا خرچہ الگ سے نہیں ملے گا ۳۸۴
۱۱۴۴۳ بھائی کا اپنی لڑکیوں کے نام بیع نامہ رجسٹری کرانا ۳۸۵
۱۱۴۴۴ باپ کی جائیداد کسی ایک بھائی کی بیوی کے مہر میں دینا ممنوع ۳۸۶
۱۱۴۴۵ ماں کے انتقال کے بعد بڑی بیٹی کی بھی موت آجائے تو اس کی اولاد
وارث ہوگی یا نہیں؟ ۳۸۸
۱۱۴۴۶ کیا دوسری شادی کرنے کے بعد لڑکیوں کا حصہ ختم ہو جائے گا؟ ... ۳۸۹

۱۱۴۴۷	لڑکیوں کوصحرائی زمین میں حصہ ملے گا یانہیں؟	۳۹۰
۱۱۴۴۸	کیاماں کے مال کی حقدار صرف لڑکیاں ہیں؟	۳۹۱
۱۱۴۴۹	والدہ کی موت سے قبل فوت شدہ لڑکیوں کا حصہ	۳۹۳
۱۱۴۵۰	کیا وراثت میں جنین کو بھی حصہ ملے گا؟	۳۹۴
۱۱۴۵۱	بیوی کے مال میں بچوں کا حصہ ہے یانہیں؟	۳۹۶
۱۱۴۵۲	دوسری بیوی کی اولاد کی جائیداد میں پہلی بیوی کی اولاد کا حق ہے یانہیں؟ ...	۳۹۶
۱۱۴۵۳	پہلی بیوی کے لڑکے کا شوہر کی جائیداد میں حصہ	۳۹۷
۱۱۴۵۴	پہلی بیوی کا لڑکا شرعی وارث ہے یانہیں؟	۳۹۸
۱۱۴۵۵	دونوں بیویوں کی اولاد وارث ہوگی	۴۰۰
۱۱۴۵۶	ٹھیکیداری میں سے دونوں بیویوں اوران کی اولاد کوحصہ ملے گا	۴۰۲
۱۱۴۵۷	کیا شوہر کے بنائے ہوئے ہوٹل میں خسر بھی وارث ہے؟	۴۰۳
۱۱۴۵۸	شوہر کے انتقال کے بعد عورت دوسری جگہ نکاح کرنے سے وراثت سے محروم نہیں ہوتی	۴۰۴
۱۱۴۵۹	شوہر سے الگ رہنے کی وجہ سے بیوی وراثت سے محروم نہیں ہوگی	۴۰۶
۱۱۴۶۰	ناشزہ نفقہ کی مستحق نہیں ہے لیکن وراثت کی حقدار ہے	۴۰۷
۱۱۴۶۱	شوہر کی جگہ بیوی کا ترکہ کا مطالبہ کرنا	۴۰۸
۱۱۴۶۲	مرحوم کی بیوی کا زندگی میں ہی حصہ مانگنا	۴۰۹
۱۱۴۶۳	بیوی کا شوہر کے والد کی جائیداد میں کوئی حصہ نہیں ہے	۴۱۰
۱۱۴۶۴	مطلقہ بیوی کی اولاد شرعی وارث ہیں لیکن مطلقہ وارث نہیں	۴۱۱
۱۱۴۶۵	مطلقہ اوراس کے بیٹے کا شوہر کی جائیداد میں حصہ	۴۱۳
۱۱۴۶۶	عدت مکمل ہونے کے بعد مطلقہ کا سابق شوہر اس کا وارث نہیں	۴۱۴
۱۱۴۶۷	بہن کے حصے میں بھائی کا حق	۴۱۶

۱۱۴۶۸ بہن کے نام ایف ڈی میں بھائی کا حصہ ۴۱۶

۱۱۴۶۹ ربیب وارث نہیں ہے ۴۱۸

۱۱۴۷۰ بھتیجے کو حصہ دینے کی شرعی حیثیت ۴۱۸

۱۱۴۷۱ پوتا شرعی وارث ہے یا نہیں؟ ۴۲۰

۱۱۴۷۲ مشترکہ حادثہ میں وفات پانے والا وارث ہے یا نہیں؟ ۴۲۱

۱۱۴۷۳ نومسلمہ اوراس کے بچوں کو حصہ ملے گا یا نہیں؟ ۴۲۴

۱۱۴۷۴ تقسیم میراث سے متعلق ایک سوال ۴۲۵

	(۹) باب الحجب والحرمان	۴۲۹

۱۱۴۷۵ وارث شرعی کو میراث سے محروم کرنے کا حکم ۴۲۹

۱۱۴۷۶ قانوناً بے دخلی کی وجہ سے حق وراثت ختم نہیں ہوتا ۴۳۲

۱۱۴۷۷ دوسرے کو مالک بنائے بغیر اپنا حق چھوڑنے سے حق باطل نہیں ہوتا ۴۳۴

۱۱۴۷۸ ”ہم لوگ وراثت نہیں لیں گے“ کہنے سے حق وراثت ساقط نہیں ہوگا ... ۴۳۵

۱۱۴۷۹ اپنا حق نہ لینے سے وراثت سے محروم نہیں ہوتا ۴۳۷

۱۱۴۸۰ ”آخرت میں اپنا حق لوں گی“ کہنے سے وراثت سے محرومی نہیں ہوتی ۴۳۹

۱۱۴۸۱ اولاد کو عاق کرنے سے وہ وراثت سے محروم نہیں ہوتی ۴۴۰

۱۱۴۸۲ اپنے بیٹے کو عاق کرنے کی صورت کیا ہوگی؟ ۴۴۲

۱۱۴۸۳ زندگی میں اپنی اولاد کو محروم الارث کرنا ۴۴۳

۱۱۴۸۴ نافرمان لڑکے کو وراثت سے محروم کرنا ۴۴۴

۱۱۴۸۵ قانونی پیچیدگی کی وجہ سے لڑکیوں کو وراثت سے محروم کرنا ۴۴۵

۱۱۴۸۶ والد کا اپنی لڑکیوں کو وراثت سے محروم کرنا ۴۴۶

۱۱۴۸۷ لڑکیوں کو میراث سے محروم کرنا ۴۵۱

۱۱۴۸۸ لڑکیوں کی شادی کرانے سے وہ وراثت سے محروم نہیں ہوتیں ۴۵۲

۱۱۴۸۹ مرضی سے نکاح کرنے کی بناپر جائیداد سے محروم کرنا ۴۵۳
۱۱۴۹۰ کیا شادی کے بعد لڑکیوں کا کوئی حصہ نہیں ہے؟ ۴۵۵
۱۱۴۹۱ شادی میں ملنے والے زیورات وغیرہ میراث کا بدل نہیں ۴۵۷
۱۱۴۹۲ لڑکیوں اور بہنوں کو وراثت سے محروم کرنا ۴۶۰
۱۱۴۹۳ تنہائی میں بہنوں سے حصہ نہ لینے کا اقرار کرانا ۴۶۱
۱۱۴۹۴ بیٹے کی موجودگی میں بہن وارث نہیں ۴۶۳
۱۱۴۹۵ بھائی کا بہن کو حصہ دینے میں ٹال مٹول کرنا ۴۶۵
۱۱۴۹۶ دو بھائیوں کا پوری جائیداد پر قبضہ کر کے باقی بھائی بہنوں کو حصہ نہ دینا.... ۴۶۶
۱۱۴۹۷ والدین کی موجودگی میں بھائی بہن محروم ۴۶۷
۱۱۴۹۸ والد کی موجودگی میں بھائی وراثت سے محروم ہو جاتا ہے........ ۴۶۸
۱۱۴۹۹ باپ کی موجودگی میں بہن بھائی کو وراثت میں سے کچھ نہ ملے گا ... ۴۷۰
۱۱۵۰۰ مرحوم کی بیوی کا مرحوم کے والد سے جائیداد مانگنا ۴۷۱
۱۱۵۰۱ حقیقیات کی موجودگی میں علاتیات محروم ہو جاتے ہیں ۴۷۲
۱۱۵۰۲ حقیقی اولاد کی موجودگی میں سوتیلی اولاد وارث نہیں ہوتی ۴۷۳
۱۱۵۰۳ حقیقی بھائی کی موجودگی میں علاتی بھائی محروم ۴۷۴
۱۱۵۰۴ بھائی کی موجودگی میں بھتیجوں کا حصہ ۴۷۵
۱۱۵۰۵ بھائی کی موجودگی میں بھتیجا، بھتیجی، چچازاد، خالہ زاد محروم ہوں گے ۴۷۶
۱۱۵۰۶ کیا بھتیجی باپ کے واسطے سے دادا کی وارث بن سکتی ہے؟........ ۴۷۷
۱۱۵۰۷ بھتیجے کی وجہ سے بھتیجیاں، بھانجے اور بھانجیاں محروم ہو جاتی ہیں ... ۴۷۸
۱۱۵۰۸ شوہر کا بھتیجہ وارث نہیں ہے ۴۷۸
۱۱۵۰۹ چچازاد بھائی، حقیقی بہن کی وجہ سے محروم ہو جائے گا............ ۴۷۹
۱۱۵۱۰ شوہر اور ماں باپ کی موجودگی میں بھائی بہن نانا اور خالائیں محروم ۴۸۰

۱۱۵۱۱ بیٹے کی موجودگی میں پھوپھی محروم ۴۸۲
۱۱۵۱۲ میت کی اولاد کی موجودگی میں اخیافی بھائی کا حصہ ۴۸۳
۱۱۵۱۳ مرحوم بیٹی کے لڑکے کا نانی کی جائیدا میں حصہ ۴۸۴
۱۱۵۱۴ بیٹی کی موجودگی میں نواسی محروم ۴۸۵
۱۱۵۱۵ سوتیلی وعلاتی بہن کا میراث میں حصہ ۴۸۶
۱۱۵۱۶ کیا بہنوں کی موجودگی میں بھانجے یا بھانجی کو حصہ ملے گا؟ ۴۸۹
۱۱۵۱۷ بیٹے کی موجودگی میں نواسے، نواسیاں محروم ۴۹۰
۱۱۵۱۸ شوہر کے انتقال کے بعد دوسری جگہ نکاح کرنے سے بیوہ وراثت
سے محروم نہیں ہوتی ۴۹۱
۱۱۵۱۹ داماد شرعی وارث نہیں اور لاپتہ وارث کا حق محفوظ رکھا جائے گا ۴۹۳
۱۱۵۲۰ والدین کا متوفیہ بچی کے علاج میں خرچ شدہ روپیوں کا مطالبہ کرنا ۴۹۴
۱۱۵۲۱ بیٹے کی موجودگی میں محروم پوتی اور بیوہ بہو کے ساتھ صلہ رحمی کا طریقہ ۴۹۶
۱۱۵۲۲ محروم پوتی اور بیوہ کو بطور صلہ رحمی کچھ دینے کا شرعی حکم ۴۹۸
۱۱۵۲۳ پوتے و بہو کے حصۂ وراثت، نان ونفقہ اور زیورات کا حکم ۴۹۹
۱۱۵۲۴ دادی کی جانب سے پوتوں کو ملی ہوئی زمین میں پوتیوں کا حصہ ہے یا نہیں؟ ... ۵۰۲
۱۱۵۲۵ پوتے کے نام جائیداد کرنے کی شرعی حیثیت ۵۰۳
۱۱۵۲۶ پوتے شرعی وارث نہیں ۵۰۷
۱۱۵۲۷ والد کی حیات میں وفات پانے والی اولاد وارث نہیں ۵۰۹
۱۱۵۲۸ مرحوم بیٹے کی بیوی اور اولاد کا حصہ ۵۰۹
۱۱۵۲۹ کیا لڑکے کی موجودگی میں پوتوں کو حصہ ملے گا؟ ۵۱۱
۱۱۵۳۰ بیٹے کی موجودگی میں یتیم پوتے محروم ۵۱۲
۱۱۵۳۱ دادا کی جائیداد میں پوتوں کا حصہ ۵۱۳

۱۱۵۳۲	شرعی وارث کوتسلیم نہ کرنے سے وہ حصۂ وراثت سے محروم نہ ہوگا ...	۵۱۴
۱۱۵۳۳	والد کی موجودگی میں اولاد محروم	۵۱۷
۱۱۵۳۴	زنا سے پیدا شدہ بچہ وراثت کا حقدار نہیں	۵۱۸
۱۱۵۳۵	لے پاک وارث نہیں	۵۲۰
۱۱۵۳۶	متبنیٰ کو وراثت میں حصہ نہیں ملے گا	۵۲۱
۱۱۵۳۷	مورث کی اولاد کی موجودگی میں لیپالک کا حکم	۵۲۳
۱۱۵۳۸	کیا باپ کے متروکہ مال میں متبنیٰ بیٹے کا حصہ ہے؟	۵۲۳
۱۱۵۳۹	متبنیٰ کا باپ کی ملکیت میں کوئی حق نہیں	۵۲۵
۱۱۵۴۰	لڑکے کا اپنا حصہ متبنیٰ کے نام ہبہ کرنا........................	۵۲۶
	(۱۰) باب: مالِ حرام میں وراثت کا بیان	**۵۲۸**
۱۱۵۴۱	کیا سرکاری مقبوضہ زمین میں وراثت جاری ہوگی؟	۵۲۸
۱۱۵۴۲	لاٹری کی رقم سے خریدی گئی جائیداد کا ورثہ کے لیے استعمال	۵۲۹
۱۱۵۴۳	کیا پگڑی میں وراثت جاری ہوگی؟	۵۳۰
۱۱۵۴۴	حق کرایہ داری میں وراثت جاری ہوگی یا نہیں؟	۵۳۱
۱۱۵۴۵	کرایہ کی دوکان میں وراثت	۵۳۲
۱۱۵۴۶	وراثت میں ملی سودی رقم، اور اس سے خریدے گئے ترکہ کا حکم	۵۳۳
۱۱۵۴۷	وراثت میں ملی سودی رقم کا حکم	۵۳۴
۱۱۵۴۸	کیا پگڑی کی رقم میں وراثت جاری ہوگی؟	۵۳۶
	(۱۱) باب التصرف فی الترکۃ	**۵۳۸**
۱۱۵۴۹	لڑکی مرحوم والد کا مکان بیچے تو کیا حکم ہے؟	۵۳۸
۱۱۵۵۰	کسی ایک وارث کو ترکہ کی جائیداد کو فروخت کردینا	۵۳۹
۱۱۵۵۱	تقسیم سے قبل کی وراثت جائیداد کے کسی حصہ کو فروخت کرنا	۵۴۲

۱۱۵۵۲	بیوی کی متروکہ جائیداد میں غیر شرعی تصرف کا حکم	۵۴۵
۱۱۵۵۳	باپ کے ترکہ سے بھائیوں کی رضامندی سے خریدی گئی زمین کس کی ملک؟	۵۴۶
۱۱۵۵۴	لڑکی کا اپنے بھائیوں سے چھپ کر کچھ جائیداد والدین کیلئے ایصال ثواب کرنا	۵۴۸
۱۱۵۵۵	میت کا کل ترکہ مسجد میں دینے کی وصیت کرنا	۵۴۹
۱۱۵۵۶	تقسیم وراثت سے پہلے ورثاء کا اپنا حصہ راہِ خدا میں خرچ کرنا	۵۵۰
۱۱۵۵۷	بیٹا باپ کی جائیداد بیچ دے اور پوتا اپنے نام کرالے تو کیا حکم ہے؟	۵۵۱
۱۱۵۵۸	ترکہ کے مکان کی کسی وارث نے ازسرنو تعمیر کی تو تقسیم ترکہ کس طرح ہو؟ ..	۵۵۲
۱۱۵۵۹	تقسیم سے پہلے ترکہ میں تصرف، نیز لڑکیوں کی تمام ترکہ میں حصہ داری ..	۵۵۳
۱۱۵۶۰	بھائی بہنوں کی شادی کا خرچہ ترکہ سے مجریٰ کرنا	۵۵۶
۱۱۵۶۱	شادی کے خرچہ کو متروکہ میراث میں مجریٰ کرنا	۵۵۸
۱۱۵۶۲	کسی وارث کے مال کو دھوکہ دے کر اپنے نام جائیداد کرانا	۵۵۹
۱۱۵۶۳	ماں کے لیے یتیم بچوں کے ترکہ کو فروخت کرنے کی اجازت نہیں ...	۵۶۱
۱۱۵۶۴	تنہا ایک وارث کو کاروبار اپنے نام رجسٹرڈ کرانا جائز نہیں	۵۶۲
۱۱۵۶۵	ایک وارث کا دوسرے وارث کے حصہ میں تصرف کا حکم	۵۶۵
۱۱۵۶۶	چچا کے کل متروکہ مال میں چچی کا تصرف	۵۶۸
۱۱۵۶۷	والد کے مکان میں اقامت پذیر لڑکی سے کرایہ مانگنا	۵۷۰
۱۱۵۶۸	تقسیم سے قبل ترکہ میں ہوئے تجارتی نفع کا حکم	۵۷۲
۱۱۵۶۹	قبل التقسیم ترکہ میں کسی وارث کے تصرف کا حکم	۵۷۴
۱۱۵۷۰	مشترکہ کمائی سے خریدی گئی جائیداد میں سب بھائی برابر کے حقدار ہیں ...	۵۷۶
۱۱۵۷۱	کاروبار میں لگائے گئے ترکۂ میت کے منافع کے حقدار کون؟	۵۷۷
۱۱۵۷۲	تقسیم سے قبل ترکہ میں ہونے والا نفع سب ورثاء کے درمیان مشترک ہے ...	۵۷۸
۱۱۵۷۳	ترکۂ مشترک سے خریدی گئی زمین میں دوسرے ورثاء کا حصہ ہے یا نہیں؟ ...	۵۷۹

۱۱۵۷۴	میت کے ترکہ میں تجارت کی صورت میں شرکت کا حکم	۵۸۱
	(۱۲) باب التخارج	**۵۸۵**
۱۱۵۷۵	بدلِ صلح میں وراثت جاری ہوگی	۵۸۵
۱۱۵۷۶	تخارج کے بعد ترکہ میں حق نہیں رہتا،اور تقسیم کے وقت کی قیمت کا اعتبار ہے ...	۵۸۶
۱۱۵۷۷	تقسیم کے بعد ایک فریق کا دوسرے سے نیک نامی کے نام پر رقم طلب کرنا	۵۸۷
۱۱۵۷۸	رقم کے ذریعہ مصالحت کرنے والوں کا جائیداد میں کوئی حصہ نہیں	۵۸۹
۱۱۵۷۹	مصالحت علی المال کے بعد بقیہ مال کی دو بھائیوں کے درمیان تقسیم	۵۹۰
۱۱۵۸۰	اندازاً بہن کو اس کا حصہ دینے کی شرعی حیثیت	۵۹۱
۱۱۵۸۱	بہنوں کو زمین کے بدلے آٹھ سال بعد اس کی قیمت دینا	۵۹۲
۱۱۵۸۲	ایک وارث کا مکان پر صلح کرنا	۵۹۴
۱۱۵۸۳	جائیداد نہ دے کر لڑکیوں کو ان کے حصہ کی قیمت دینا کیسا ہے؟....	۵۹۶
۱۱۵۸۴	شوہر کا بیوی کے بھائیوں سے ان کا حصہ خریدنا	۵۹۷
۱۱۵۸۵	دونوں بہنوں کا جائیداد کے عوض پچاس پچاس ہزار پر مصالحت کرنا	۵۹۹
	(۱۳) باب المناسخة	**۶۰۱**
۱۱۵۸۶	مناسخہ کا ایک مسئلہ	۶۰۱
	(۱۴) متفرقات	**۶۰۴**
۱۱۵۸۷	تقسیم ترکہ	۶۰۴
۱۱۵۸۸	تقسیم ترکہ کی ایک صورت	۶۰۷
۱۱۵۸۹	والد کی جائیداد کی ۲۷؍سال بعد تقسیم	۶۱۰
۱۱۵۹۰	عورت کا ملکیت کا دعویٰ بلا دلیل معتبر نہیں	۶۱۱
۱۱۵۹۱	وراثت سے متعلق چند سوالات کے جوابات	۶۱۳

۱۱۵۹۲	مرحوم کے ترکہ کی تقسیم اوراس کے زیورات وغیرہ میں زکوٰۃ کا حکم	۶۱۹
۱۱۵۹۳	تقسیم ترکہ سے متعلق چند سوالات کے جوابات..................	۶۲۰
۱۱۵۹۴	تقسیم ترکہ کے ایک مسئلہ کی وضاحت	۶۲۴
۱۱۵۹۵	مرحوم کی بیوی سے شادی کرکے مرحوم کے ترکہ سے اس کو محروم کردینا	۶۲۸
۱۱۵۹۶	ایک شخص کے ترکہ سے متعلق چند سوالات کے جوابات	۶۳۱
۱۱۵۹۷	باقر حسین کے ترکہ سے متعلق چند سوالات کا شرعی حکم	۶۳۶
۱۱۵۹۸	ترکہ کی تقسیم سے متعلق ایک سوال اور جواب	۶۴۱
۱۱۵۹۹	متوفیہ کے ترکے اور بچے کا حکم	۶۴۵
۱۱۶۰۰	جائیداد کی تقسیم میں نزاع اوراس کا حل..........................	۶۴۷